فہم القرآن

اول

میاں محمد جمیل

پرنسپل ابوہریرہ شریعہ کالج

ابوہریرہ اکیڈمی

۳۷- کمرشل کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

فہم القرآن

میاں محمد جمیل
ایم۔اے
فاضل اُردو۔علوم اسلامیہ

جلد اوّل

ابو ہریرہ اکیڈمی
۳۷۔ کمرشل کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

فہم القرآن

حقوق بحق مصنف

ازِ قلم	میاں محمد جمیل ایم اے
جلد اوّل	پارہ 1 تا پارہ 5
اشاعتِ اوّل	ستمبر: 2006ء
اشاعتِ چہارم	مئی 2014ء
قیمت	

ملنے کے پتے

نعمانی کتب خانہ۔ اسلامی اکیڈمی۔ محمدی کتب خانہ

مکتبہ دارالسلام، سلفیہ، رحمانیہ، اسلامیہ، قدوسیہ۔ اردو بازار لاہور

ناشر

ابو ہریرہؓ اکیڈمی

۳۷۔ کمرشل کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

042-35417233

جلد اوّل

فہم القرآن

پارہ: 1

الفاتحہ ❁ البقرہ آیت 1 تا 141

پارہ: 2

سورۃ البقرہ آیت 142 تا 252

پارہ: 3

سورۃ البقرہ آیت 253 تا 286 ❁ سورۃ آلِ عمران آیت 1 تا 91

پارہ: 4

سورۃ آلِ عمران آیت 92 تا 200 ❁ سورۃ النساء آیت 1 تا 23

پارہ: 5

سورۃ النساء آیت 24 تا 147

فہرست عنوانات ومضامین، مصنف اور ان کی دیگر کتب کا تعارف آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

أعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

عظمتِ قرآن

قرآنِ مجید ہدایت ورہنمائی کا روشن آفتاب، قلب و ذہن کے لیے نسخہء شاداب، مسائل اور مصائب کا تریاق، دافعِ امراض، حلِ مشکلات، اس میں تدبر وتفکر کرنے سے سماجی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل حل کرنے کا ادراک اور صلاحیت حاصل ہوتی ہے، اس کی تلاوت باعثِ اجروثواب اور اس پر عمل کرنے سے دنیا اور آخرت میں کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

((یَقُوْلُ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِكْرِیْ وَ مَسْأَلَتِیْ اَعْطَیْتُهٗ اَفْضَلَ مَآ اُعْطِی السَّآئِلِیْنَ)) (رواہ الترمذی: کتاب فضائل القرآن، باب ما جاء کیف کانت قراءۃ النبی [ضعیف])

''اللہ رب العزت فرماتے ہیں جسے قرآن پاک کی تلاوت نے میرے ذکر اور مجھ سے مانگنے سے مشغول رکھا میں اسے مانگنے والوں سے زیادہ عطا کروں گا۔''

جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات بڑائی وکبریائی اور خیر وبرکت کے لحاظ سے یکتا اور تنہا ہے یہی مقام ذکر واذکار میں قرآن مجید کو حاصل ہے۔ قرآن مجید کو زندگی کا رہنما بنانے سے دنیا وآخرت کے مسائل ومصائب کا مداوا ہونے کی ضمانت دی گئی ہے۔ اس سے انحراف اور بے اعتنائی پریشانیوں اور ناکامیوں کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

((اِنَّ اللّٰهَ یَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّ یَضَعُ بِهٖ آخَرِیْنَ)) (رواہ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا)

''یقیناً اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے قوموں کو بلند فرماتا ہے اور اسی کے سبب لوگوں کو ذلیل کرتا ہے۔''

کتابِ ہدایت کا تقاضا ہے کہ اخلاصِ نیت کے ساتھ حتی المقدور اس کے ہر حکم اور ہدایت پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔ کوئی فرد یا قوم مسلمان ہونے کے باوجود جان بوجھ کر اس کے کچھ احکامات چھوڑ دے اور صرف من پسند باتوں کو اختیار کرے تو اس سے نہ مسائل حل ہو پائیں گے اور نہ ہی مشکلات رفع ہوں گی بلکہ اس منافقت اور دوغلے پن کی وجہ سے مسلمان دنیا میں ذلیل اور آخرت میں عذابِ الٰہی میں مبتلا ہوں گے۔

''کیا تم اس کتاب کے بعض احکامات کو تسلیم کرتے اور کچھ کا انکار کرتے ہو؟ تم میں سے جو یہ رویہ اختیار کرے گا اس کے لیے دنیا کی زندگی میں ذلّت اور آخرت میں شدید عذاب ہوگا اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے''۔ (البقرۃ: ۸۵)

تلاوت کی فضیلت

دنیا میں صرف اور صرف ایک ہی کتاب مقدس ہے جس کی فقط تلاوت کرنے سے ایک مسلمان کو ایک ایک حرف کے بدلے بارگاہِ ایزدی سے اجروثواب سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ نبی محترم ﷺ کا فرمان:

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ﷛ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهٗ بِهٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا لَا أَقُوْلُ الٓمٓ حَرْفٌ وَلٰكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِیْمٌ حَرْفٌ))

(رواہ الترمذی: کتاب فضائل القرآن [صحیح])

''حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ کی کتاب کا ایک حرف پڑھا

اسے اس کے بدلے ایک نیکی ملے گی اور ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ''الم'' ایک حرف ہے بلکہ ''الف'' ایک حرف ہے اور ''لام'' ایک حرف ہے'' اور ''میم'' ایک حرف ہے۔''

((عَنْ عُثْمَانَ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ))(رواہ البخاری: کتاب فضائل القرآن)

''حضرت عثمان ؓ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں وہ آدمی بہتر ہے جو قرآن پڑھتا اور پڑھاتا ہے۔''

((عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِیْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَّهُ اَجْرَانِ))(رواہ مسلم: باب فضل الماہر فی القرآن)

''حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی معظم ﷺ نے فرمایا کہ ماہر قرآن۔ اللہ کے تابع فرمان اور لکھنے والے معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جسے پڑھنے میں مشکل پیش آتی ہے اس کے لیے دوہرا ثواب ہے۔''

آدابِ تلاوت

(۱)۔ اکثر محدثین کا نقطۂ نگاہ ہے کہ قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا ہو تو باوضو ہونا ضروری ہے۔ کچھ اہلِ علم کا خیال ہے کہ بغیر وضو کے بھی قرآن مجید کی تلاوت کی جاسکتی ہے۔ البتہ افضل یہ ہے کہ باوضو ہو کر قرآن پڑھا جائے۔ تاہم بغیر وضو کے زبانی تلاوت کرنے پر کسی کو اعتراض نہیں۔

(۲)۔ قرآن مجید کی تلاوت ٹھہر ٹھہر کر کرتے ہوئے اس پر تدبر اور تفکر کرنا چاہیے۔

۱۔ { وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ } (المزمل:۴) ''قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کیجیے۔''

۲۔ { اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝ } (محمد:۲۴)

''کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔''

(۳)۔ قرآن مجید کی تلاوت اخبار بینی کے انداز میں کرنے کی بجائے نہایت خوش الحانی کے ساتھ کرنا چاہیے۔

((عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَيِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِأَصْوَاتِكُمْ))

(رواہ ابوداؤد: کتاب الصلاۃ [صحیح])

''حضرت براء بن عازب ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآنِ مجید کو اپنی آوازوں کے ساتھ خوبصورت بناؤ۔''

(۴)۔ تلاوت کے وقت آواز اتنی بلند ہو کہ اپنے آپ کو سنائی دے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر فاروق ؓ کو تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ حضرت ابوبکر ؓ کو تھوڑی سی بلند آواز اور حضرت عمر ؓ کو نسبتاً آہستہ آواز رکھنے کا ارشاد فرمایا۔(رواہ ابو داؤد: کتاب الصلاۃ، باب فی رفع الصوت بالقراءۃ فی صلاۃ اللیل [حسن])

(۵)۔ تلاوت کا بہترین وقت نمازِ تہجد ہے۔ (مزمل:۶) اگر تہجد پڑھنا نصیب نہ ہو تو صبح کی نماز کے بعد تلاوت کرنا زیادہ افضل ہے۔

(۶)۔ تلاوت کی ابتداء ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' سے ہونی چاہیے۔

(۷)۔ تلاوت کرتے ہوئے الفاظ کے مخارج وصفات کا خیال اور ان کی ادائیگی کا حق ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

{ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ } (البقرۃ:۱۲۱)

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا کی اور وہ اس کا حق تلاوت ادا کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کے ساتھ کفر کرے گا وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔''

نزولِ قرآن کے مراحل

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں روزِ اوّل سے لوحِ محفوظ میں موجود اور محفوظ ہے۔ لوح محفوظ سے قرآن مجید کا نزول دو مرتبہ ہوا ہے۔ ایک مرتبہ یکبارگی بیت المعمور میں لیلۃ القدر کی رات اتارا گیا جو پہلے آسمان پر ایک مقام ہے اس کے بعد امت کے حسبِ حال تیئس سالوں میں نبی آخرالزماں خاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ پر اس کا نزولِ مسعود ہوا۔ قرآنِ مجید کی نہ صرف دنیا میں محفوظ و موجود رہنے کی گارنٹی دی گئی ہے۔ بلکہ دو اور مقام یعنی عرشِ معلیٰ اور آسمانِ دنیا میں بھی ہے۔

تدوینِ قرآن

عرب میں پڑھنے لکھنے کا رواج بہت ہی کم تھا۔ مذہبی، ثقافتی اور تجارتی مرکز ہونے کے باوجود مکہ میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد تقریباً بیس سے زیادہ نہ تھی اور یہ بھی معمولی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ شدید علمی بحران اور پڑھائی لکھائی کا رواج نہ ہونے کے باوجود نبی معظم ﷺ نے اس بات کا اہتمام فرمایا کہ جوں ہی قرآن مجید کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو اسے اپنی نگرانی میں مرتب کرواتے۔ کاغذ کی عدم دستیابی کی وجہ سے قرآن مجید کو ہڈی، لکڑی، پتھر یہاں تک کہ بعض درختوں کے پتے اس طریقے سے تیار کئے جاتے کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا جیسا کہ پرانے زمانے کے کتبات اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اس طرح مکمل قرآن مجید مختلف کتبات کی شکل میں محفوظ کر لیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ حفظِ قرآن اور اس کی تبلیغ کا سلسلہ ایسی ٹھوس بنیادوں پر شروع کیا گیا جو قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔ تاہم مکمل کتابی شکل میں قرآن مجید اس وقت مرتب ہوا جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں یمامہ کے مقام پر مسیلمہ کذّاب کے ساتھ صحابہ کرام کا مقابلہ ہوا۔ تحفظِ ختمِ نبوت کے اس معرکہ میں دوسرے شہداء کے ساتھ تقریباً سات سو حفاظ صحابہ شہید ہوئے (القرطبی) اس سانحہ سے متاثر ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اگر حفاظ کرام اسی طرح شہید ہوتے رہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ امّت قرآن مجید کے کچھ حصہ سے محروم ہو جائے میری درخواست ہے کہ قرآن مجید کو کتابی شکل میں یکجا کر دیا جائے۔ ابتداءً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے یہ کہہ کر معذرت کی کہ چونکہ رسولِ کریم ﷺ نے اس طرح کرنے کا حکم نہیں دیا لہٰذا ہمیں یہ کام نہیں کرنا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بار بار توجہ دلانے پر ابوبکر رضی اللہ عنہ آمادہ ہوئے تو انہوں نے کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید جمع کرنے کی ہدایت فرمائی بالآخر قرآن مجید ایک نسخہ کی شکل میں مرتب کر دیا گیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی وفات کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ رہا۔ (رواہ البخاری: کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں عراق اور دوسرے ممالک میں قرآن مجید کے لہجہ اور تلفظ میں اختلاف رونما ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قریش کی کتابت اور لغت میں قرآن مجید کی متعدد نقول تیار کروا کر مملکت اسلامیہ کے دور دراز علاقوں میں ارسال فرما دیں۔ چنانچہ جو قرآن عظیم ربِ عظیم نے اپنے رسولِ کریم ﷺ پر نازل

فرمایا تھا۔ وہ کسی تحریف اور تغیر و تبدل کے بغیر من وعن اب تک محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ و موجود رہے گا جس کی تصدیق اسلام کے بدترین دشمن ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا)

"THIS RECENSION OF UTHMAN THUS BECAME THE ONLY STANDARD "TEXT FOR THE WHOLE MUSLIM WORLD UP TO THE PRESENT DAY

ترتیبِ قرآن

جو قرآن مجید اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ بعینہٖ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی معرفت اپنے رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اسے موجودہ ترتیب کے مطابق لکھوایا، صحابہ کو یاد کرایا اور خود پڑھا۔

{ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ } (القیامۃ:۱۷)

''بے شک قرآن کا جمع کرنا اور اس کا پڑھانا ہماری ذمہ داری ہے۔''

صحیح بخاری میں ہے کہ جب آیت { لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ } (النساء:۹۵) نازل ہوئی تو رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اُدْعُ لِيْ زَيْدًا وَلْيَجِيْئِ بِاللَّوْحِ وَالدَّوَاةِ وَالْكَتِفِ)) (رواہ البخاری: باب کاتب النبی)

''زید کو میرے پاس بلاؤ کہ وہ دوات اور شانہ کی ہڈی لے کر حاضر ہو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ اور سبب تفصیل کے ساتھ سیرت کی تمام کتب میں درج ہے کہ وہ اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر گئے اور ان کو لکھا ہوا قرآن پڑھتے ہوئے پایا تو کہنے لگے:

((اَعْطُوْنِي الْكِتٰبَ الَّذِيْ عِنْدَكُمْ اَقْرَأْهُ))(دارقطنی: باب فی نہی المحدث عن مس القرآن [ضعیف])

''جو قرآن تمہارے پاس ہے اسے لاؤ تا کہ میں بھی اسے پڑھوں۔''

((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ مِمَّا تَنَزَّلُ عَلَيْهِ الْاٰيَاتُ فَيَدْعُوْ بَعْضَ مَنْ كَانَ لَهٗ يَكْتُبُ لَهٗ وَيَقُوْلُ لَهٗ ضَعْ هٰذِهِ الْاٰيَةَ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَكَذَا))(رواہ ابوداؤد: باب من جھر بھا، [صحیح])

''جب نبی ﷺ پر آیات اترتیں تو کاتب وحی کو بلا کر فرماتے اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں جگہ لکھو۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آیت { وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ } نازل ہوئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے کہا: ((ضَعْهَا عَلٰى رَأْسِ مِائَتَيْنِ وَثَمَانِيْنَ مِنْ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ))''اس آیت کو ۲۸۰ آیت کے بعد لکھوایئے گا۔'' (تفسیر خازن: جلد ۱)

ربطِ قرآن

تدوین قرآن میں یہ بات تو واضح ہے کہ موجودہ ترتیب نبی مکرم ﷺ نے وحی کی روشنی میں قائم فرمائی لیکن کسی حدیث سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ سورتوں اور آیات کی ترتیب کا آپس میں کیا ربط ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اگر قرآن کی آیات کا پس منظر اور ربط بیان کیا جاتا تو تمام آیات نہ سہی تو کم از کم محکم آیات کا ربط بیان کرنے سے ایک ضخیم کتاب تیار ہو

جاتی جو اضافی بوجھ کے مترادف ہوتی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وعظ و نصیحت کے دوران سامع کی طبیعت اور موقع کی مناسبت سے ایک نہیں کئی باتیں کرنا پڑتی ہیں۔ تیسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آج بھی سربراہِ مملکت قوم کو خطاب کرے تو اس کے سامنے پوری قوم اور ملک کے مسائل ہوتے ہیں۔ بلکہ اکثر اوقات سربراہِ مملکت کو بین الاقوامی مسائل پر بھی بات کرنا ہوتی ہے۔ اس لیے اس کے خطاب میں معنوی اور واقعاتی ربط تو ہوتا ہے لیکن اس کی گفتگو میں کلام کا ظاہری ربط نہیں پایا جاتا اور نہ ہی اس کی ضرورت سمجھی جاتی ہے۔ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس میں آدم علیہ السلام سے لے کر ہر زمانے کی بڑی بڑی اقوام کے احوال، ان کے انجام کا تفصیلی بیان اور قیامت تک تمام انسانوں کے لیے ضابطہ حیات اور انہیں مخاطب کیا گیا ہے۔ اس لیے یہ بات اہلِ علم پر چھوڑ دی گئی ہے کہ وہ اپنی فہم و فراست کے مطابق سورتوں اور آیات کا ربط تلاش کریں۔ کیونکہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ نبی ﷺ نے وحی الٰہی کے ذریعے جو ترتیب قائم فرمائی ہے وہ کسی ربط کے بغیر ہو سکتی۔ لہٰذا میں نے کوشش کی کہ سورتوں اور آیات کا باہمی ربط بیان کیا جائے تاکہ قرآن پڑھنے اور سمجھنے والے کو ایک تسلسل اور کیف محسوس ہو۔

شماریاتِ قرآن

پارے: 30، سورتیں: 114، رکوع: 540، آیات: 6666، کلمات: 86430، حروف: 221265

تفسیر کا تعارف

رسولِ محترم ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے مرکزی مقصد یہ بھی تھا کہ آپ قرآن کے مطابق لوگوں کے سامنے عملی نمونہ پیش کریں اور اپنی زبانِ اطہر سے قرآن مجید کی تشریح اور تفسیر فرمائیں۔ جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے براہِ راست سیکھا، سمجھا اور اس پر عمل کیا۔ جہاں تک تفسیر قرآن کا تعلق ہے آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو قرآن فہمی کی دعا سے سرفراز فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اولاد اور شاگردوں کو قرآن پڑھایا اور سمجھایا۔ اس طرح قرآنِ مجید کی تبلیغ تحریر، تقریر اور تدریس کے ذریعے نسل در نسل جاری رہی تاآنکہ 270 ہجری میں جامع البیان کے نام پر علامہ ابوجعفر بن جریر طبری نے چالیس سال کی جدوجہد سے کتبات، مسوّدات اور مختلف اہلِ علم سے استفادہ فرما کر تیس جلدوں پر محیط تفسیر جامع البیان لکھی جو تفسیر ابن جریر کے نام سے معروف ہے۔ ان کے بعد حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل بن کثیر المعروف امام ابن کثیر نے تفسیر ابن کثیر رقم فرمائی جو تمام مسالک کے نزدیک ممتاز اور منفرد تفسیر سمجھی جاتی ہے۔ بعدازاں ہر دور اور ہر زبان میں قرآن مجید کی تفاسیر لکھی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ برصغیر میں انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کی ابتدا میں تراجم اور تفاسیر کا بے شمار ذخیرہ اردو زبان میں پیش کیا گیا جو علمی اور اسنادی اعتبار سے عربی کے سوا تمام زبانوں میں لکھی جانے والی تفاسیر پر حاوی ہے۔ ماضی قریب میں تفہیم القرآن، تدبر قرآن، معارف القرآن، تفسیر ثنائی، تیسیر القرآن، ضیاء القرآن کے مؤلفین نے اپنے اپنے انداز اور نقطۂ نگاہ سے فرقانِ حمید کی تفسیریں لکھیں جو اردو زبان میں ممتاز تفاسیر شمار ہوتی ہیں۔

فہم القرآن اور اعترافِ حقیقت

تفسیر کا نام سورۃ الانبیاء کی آیت 79 { فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ } سے لیا گیا ہے۔ میں اس سچائی کا محض روایتی اور عاجزانہ

نہیں بلکہ حقیقت پسندانہ اعتراف کرتا ہوں کہ خدمتِ قرآن کی چودہ سو سالہ تاریخ میں مجھ سے کم علم آدمی کوئی نہیں گزرا ہوگا کہ جس نے قرآن مجید کے کسی پہلو پر قلم اٹھایا ہو۔ میں نے بزرگوں کی خوشہ چینی کے سوا کچھ نہیں کیا۔ میرے کام میں حسن و خوبی کا کوئی پہلو دکھائی دے تو وہ اللہ کے فضل و کرم کا نتیجہ اور متقدمین کی پر خلوص کوششوں کا ثمرہ ہے۔ کوتاہی اور کمزوری کو میری کم علمی اور کوتاہ فہمی تصور کرتے ہوئے آگاہ کیا جائے تاکہ اس کی تصحیح کی جائے۔ اپنے مختصر تدریسی تجربہ اور تفاسیر کا مطالعہ کرتے ہوئے چند باتوں کی ضرورت محسوس کی جس بنا پر ضروری سمجھا کہ اگر درج ذیل باتیں تفسیر میں جمع کر دی جائیں تو عوام الناس' طلبہ اور مبتدی خطباء کے لیے نہایت مفید اور بہتر ہوگا۔

(۱)۔ لفظی اور بامحاورہ ترجمہ (۲) ربطِ کلام (۳)۔ ہر آیت کے الگ الگ مسائل کا بیان

(۴)۔ تفسیر بالقرآن کے حوالے سے ہر آیت کے مرکزی مضمون سے متعلقہ چند آیات جمع کرنا۔

اللہ تعالیٰ اسے قبولیت کے شرف سے نوازے اور تعاون کرنے والوں کے لیے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین یارب العٰلمین۔

نوٹ: (قاری حضرات سے گزارش ہے کہ وہ لفظی ترجمہ کی بجائے رواں ترجمہ سے استفادہ کریں کیونکہ لفظی ترجمہ میں باہم ربط نہ ہونے کی وجہ سے الجھن پیش آسکتی ہے۔ لفظی ترجمہ تعلیم و تعلّم کے لیے زیادہ مفید ہوتا ہے۔)

مفسّر کا تعارف

میاں محمد جمیل بن میاں محمد ابراہیم گوہڑ چک 8 پتوکی (قصور) اپریل 1947ء کو آرائیں فیملی میں پیدا ہوئے۔ حفظِ قرآن اور سکول کی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ تجویدِ قرآن جامعہ محمدیہ اور درسِ نظامی کی تعلیم جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ سے پائی بعد ازاں وفاق المدارس کیا اور دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ایم۔اے اسلامیات اور فاضل اردو کی ڈگریاں حاصل کیں۔ فراغتِ تعلیم کے بعد لاہور میں کاروبار کرنے کے ساتھ ساتھ جون 1986ء میں جامع مسجد ابوہریرہ ؓ کی بنیاد کریم بلاک اقبال ٹاؤن میں رکھی اور اعزازی خطابت کی ذمہ داری سنبھالی۔ 1997ء میں ابوہریرہ ؓ شریعہ کالج کا آغاز کیا جو اب تک ملک میں واحد ادارہ ہے جس میں طلبہ کو چار سال میں درسِ نظامی اور بی۔اے (Compulsoy) کروایا جاتا ہے۔ 1987ء میں مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان کے سیکرٹری اطلاعات اور 1996ء سے لے کر 2002ء تک مرکزی جمعیت اہلحدیث کے سیکرٹری جنرل رہے سیکرٹری شپ کا دوسرا ٹینور پورا ہونے پر آئندہ ذمہ داری سنبھالنے سے معذرت کی اور اپنے آپ کو تعلیم و تصنیف کے لیے وقف کیا دیگر کتب تالیف کرنے کے بعد 2005ء عید الاضحیٰ کے بعد تفسیر فہم القرآن کا آغاز کیا اس کی تکمیل سوا سات سال میں ہوئی جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبولیت کے شرف سے سرفراز فرمائے اور اس کام میں معاون بننے والے حضرات کے لیے توشۂ آخرت بنائے۔ یارب العالمین!

۱۔ لفظی ترجمہ کے ساتھ ساتھ سلیس بامحاورہ ترجمہ جو دل میں اُتر جائے۔

۲۔ علم و ادب کا مرقع اور ہر آیت کی تفسیر حدیث رسول ﷺ کے ساتھ ہے۔

۳۔ ہر آیت کے الگ الگ مسائل کی نشاندہی جو ذہن پر منقش ہو جائیں۔

۴۔ آیت کے مرکزی مضمون کی تفسیر دیگر آیات کے ساتھ ایک مکمل تقریر جو علماء اور لیکچرار حضرات کے لیے عظیم تحفہ ہے۔

سورۃ فاتحہ کے اسمائے گرامی اور ان کی وجہ تسمیہ

مقامِ نزول: مکہ معظمہ، ایک رکوع، آیات سات، الفاظ پچیس اور حروف ایک سو تینتیس ہیں۔

رسولِ مکرم ﷺ سے سورۃ فاتحہ کے کئی نام منقول ہیں جن میں سے مشہور نام یہ ہیں:

۱۔ **فاتحۃ الکتاب:** قرآنِ حکیم کا آغاز اور دنیا و آخرت کے حقائق کے انکشاف کا سرچشمہ۔ (رواہ البخاری: باب ما جاء فی فاتحۃ الکتاب)

۲۔ **اُمّ القرآن:** قرآنِ مجید کے عناوین و مضامین کا مرقع۔ (رواہ مسلم: باب وجوب قراء الفاتحۃ فی کل رکعۃ)

۳۔ **الشفاء:** جسمانی بیماریوں کا علاج، روحانی پریشانیوں کا تریاق۔ (رواہ الدارمی: باب فضل الفاتحۃ [صحیح])

۴۔ **السبع المثانی:** نماز میں بار بار پڑھی جانے والی سات آیات مقدسات۔ (القرآن) (رواہ البخاری: باب ما جاء فی فاتحۃ الکتاب)

فاتحہ اور قرآنِ مجید کے مضامین

قرآنِ مجید کے مضامین میں پہلا مرکزی مضمون توحید ہے اور فاتحہ کی ابتدا ہی توحید سے ہوتی ہے۔ توحید میں سب سے پہلے اللہ کی ذات، اس کی صفات کا ادراک اور اقرار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہمہ جہت اور ہمہ گیر صفات میں سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ وہ کائنات کا رب ہے جس کے معانی خالق، رازق، مالک اور بادشاہ کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی مہربان نہایت ہی رحم کرنے والا ہے۔

قرآنِ حکیم کا دوسرا مضمون یہ ہے کہ اس جہاں کے علاوہ اور بھی جہاں ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اس دنیا میں تمہارا خالق، مالک، رازق اور بادشاہ ہے اور وہ تمہیں مارنے کے بعد آخرت میں زندہ کر کے اپنی عدالتِ عظمیٰ میں طلب کرے گا۔ اس دن ہر ایک کو اُس کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا دے گا۔ وہ عادل و منصف اور حاکمِ مطلق ہے اور اس کا سارا نظام عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ قرآنِ مجید میں دنیا و آخرت کے بارے میں عدل و انصاف اور جزاء و سزا کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔

تیسرا مضمون: جس کو قرآن عبادت کا نام دے کر اس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے تقاضا کرتا ہے کہ بندے کا اپنے رب کے ساتھ تعلق طالب و مطلوب، عابد و معبود اور مخلوق و خالق، محکوم و حاکم کا ہونا چاہیے۔ اس کے بغیر زندگی گزارنے کا کوئی دوسرا طریقہ ٹھیک نہیں۔ یہی انسان کی زندگی کا مقصد ہے۔ اس لیے اپنے رب کی عبادت کرنا اور اسی سے ہی مدد طلب کرنا چاہیے کیونکہ اس کے اِذن اور امر کے بغیر کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔

چوتھا مضمون صراطِ مستقیم ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ بندے کو اپنے رب کے احکام و ارشادات کے مطابق زندگی گزارنا چاہیے۔ صراطِ مستقیم کا تعیّن فرماتے ہوئے قرآنِ مجید اس کی تشریح اور تقاضے بیان کرتے ہوئے وضاحت کرتا ہے، کہ یہ انعام یافتہ انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین کا راستہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزماں ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام اسی راستے کی دعوت دیتے رہے۔ اس کے بغیر نہ کوئی صراطِ مستقیم ہے اور نہ ہی کوئی طریقۂ حیات قابلِ قبول ہوگا۔ اس سے نبوت کی ضرورت و اہمیت از خود عیاں ہو جاتی ہے۔ کیونکہ محمد مصطفی ﷺ کے اُسوہ میں ہی عبادات، معاملات کا طریقہ اور اخلاقیات

کے تمام تقاضے پورے ہوتے ہیں اور یہی صراطِ مستقیم ہے۔

پانچواں مضمون: قرآنِ مجید سورۃ فاتحہ کی زبان میں انعام یافتہ، مغضوب اور گمراہ لوگوں کے حوالے سے قوموں کے عروج وزوال بیان کرتا ہے تاکہ سمع واطاعت اور تسلیم ورضا کا رویہ اختیار کرنے والوں کو بہترین انجام اور ان کا مرتبہ ومقام بتلایا جائے، باغیوں اور نافرمانوں کو ان کے انجام سے ڈرایا جائے۔ قرآنِ مجید کے باقی ارشادات واحکامات انہی مضامین کی تفصیلات اور تقاضے ہیں اور یہی قرآن کا پیغام ہے۔ اسی بنیاد پر سورۃ الحمد کو فاتحہ اور ام الکتاب کا نام دے کر اس کو کتاب مبین کی ابتداء میں رکھا گیا ہے۔ ادبی زبان میں ہم اس طرح کہہ سکتے ہیں:

* فاتحہ ابتدا ہے	* قرآن اس کی تکمیل	* فاتحہ دعا ہے	* قرآن اس کا جواب
* فاتحہ عنوان ہے	* قرآن اس کا مضمون	* فاتحہ خلاصہ ہے	* قرآن اس کی تفصیل
* فاتحہ پھول ہے	* قرآن اس کی خوشبو ہے	* فاتحہ دروازہ ہے	* قرآن اس کا محل ہے

فاتحہ کی فضیلت

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ بَيْنَمَا جِبْرِيْلُ قَاعِدٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ سَمِعَ نَقِيْضًا مِّنْ فَوْقِهٖ فَرَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ هٰذَا بَابٌ مِّنَ السَّمَآءِ فُتِحَ الْيَوْمَ لَمْ يُفْتَحْ قَطُّ إِلَّا الْيَوْمَ فَنَزَلَ مِنْهُ مَلَكٌ فَقَالَ هٰذَا مَلَكٌ نَزَلَ إِلَى الْأَرْضِ لَمْ يَنْزِلْ قَطُّ إِلَّا الْيَوْمَ فَسَلَّمَ فَقَالَ أَبْشِرْ بِنُوْرَيْنِ أُوْتِيْتَهُمَا لَمْ يُؤْتَهُمَا نَبِيٌّ قَبْلَكَ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَخَوَاتِيْمِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ لَنْ تَقْرَأَ بِحَرْفٍ مِّنْهُمَا إِلَّا أُعْطِيْتَهٗ))

(رواہ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب فضل الفاتحۃ)

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام رسولِ اقدس ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس دوران انہوں نے اوپر سے ایک زوردار آواز سنی اور اپنا سر اٹھا کر فرمایا کہ آسمان کا جو دروازہ آج کھولا گیا ہے یہ اس سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا۔ اس دروازے سے ایک فرشتہ نازل ہوا یہ ایسا فرشتہ ہے جو آج ہی زمین پر نازل ہوا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں اترا۔ پھر اس فرشتے نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اور کہا دونوروں کی خوشخبری سنیے! یہ دونوں نور آپ ہی کو عطا کیے گئے ہیں اور آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے۔ ایک فاتحۃ الکتاب اور دوسرا سورۃ البقرۃ کی آخری آیات۔ آپ ان دونوں میں سے کوئی کلمہ تلاوت کریں گے تو آپ کی مانگی مراد پوری ہو جائے گی۔“

فاتحہ کی فرضیت

((قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَسَمْتُ الصَّلٰوةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ وَإِذَا قَالَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قَالَ اللّٰهُ أَثْنٰى عَلَيَّ

عَبْدِیْ وَإِذَا قَالَ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ قَالَ مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ وَقَالَ مَرَّةً فَوَّضَ إِلَیَّ عَبْدِیْ فَإِذَا قَالَ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ قَالَ هٰذَا بَيْنِیْ وَبَيْنَ عَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَاسَأَلَ فَإِذَا قَالَ إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قَالَ هٰذَا لِعَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ)) (رواہ مسلم: کتاب الصلوۃ،باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ)

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نماز کو میں نے اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کرلیا ہے۔میرے بندے کے لیے وہ کچھ ہے جو اس نے مانگا۔جب بندہ کہتا ہے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی۔جب بندہ کہتا ہے ''الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمدوستائش کی۔جب بندہ کہتا ہے۔''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی کا اقرار کیا۔ایک مرتبہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے میرے بندے نے اپنے کام کو میرے سپرد کردیا۔جب بندہ عرض کرتا ہے: ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' تو اللہ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کا معاملہ ہے۔میں نے اپنے بندے کو عطا کیا جو اس نے مانگا۔جب بندہ درخواست کرتا ہے۔ ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کو وہ چیز مل جائے گی جس کا اس نے سوال کیا۔''

فاتحہ کی عظمت

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ مَآ أُنْزِلَتْ فِی التَّوْرَاةِ وَلَا فِی الْإِنْجِيْلِ وَلَا فِی الزَّبُوْرِ وَلَا فِی الْفُرْقَانِ مِثْلُهَا وَإِنَّهَا سَبْعٌ مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنُ الَّذِیْ أُعْطِيْتُهٗ))

(رواہ الترمذی: فضائل القرآن،باب ماجاء فی فضل فاتحۃ الکتاب(صحیح))

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔اس سورت جیسی کوئی سورۃ تورات،انجیل،زبور اور قرآنِ مجید میں نازل نہیں ہوئی۔یقیناً یہ بار بار پڑھی جانے والی سات آیات ہیں اور قرآنِ عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔''

فاتحہ اور نماز

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ))

(رواہ البخاری: کتاب الأذان،باب وجوب القرأۃ للإمام والمأموم فی الصلوات کلھا)

''رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جس نے فاتحہ نہیں پڑھی۔''

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِذِكْرِ اللّٰهِ أَقْطَعُ))

(رواه الدارقطني: كتاب الصلاة [صحيح])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کام کی ابتدا اللہ کے ذکر سے نہ کی جائے وہ بے برکت اور نامکمل ہے۔''

رسولِ کریم ﷺ کے حکم کے مطابق ہر کام کی ابتدا بسم اللہ یعنی اللہ کے اسم مبارک سے کرنا چاہیے۔ آپ ﷺ کی سنت مبارکہ اور ارشادات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر کام کی ابتدا بسم اللہ سے کرنے سے مراد بسم اللہ کے الفاظ پڑھنا نہیں بلکہ کام اور موقع کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور اس کا نام لینا ہے تاکہ اس اسم مبارک سے ابتدا کرتے ہوئے کام اور موقع کا احساس آدمی کو رب کریم کے قریب کر دے جیسا کہ سونے اور نیند سے بیدار ہونے کے وقت دعا کے الفاظ احساس دلاتے ہیں کہ نیند اور بیداری، موت اور زندگی کی طرح آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ ہر آدمی کو ایسے ہی مرنا اور اٹھنا ہوگا۔ جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینے سے تصور ابھرتا ہے کہ بڑائی اور کبریائی اللہ کی ذات کو زیبا ہے۔ یہ اللہ کا مال ہے اس پر کسی غیر کا نام لینے کی بجائے صرف مالکِ حقیقی کا نام ہی لینا چاہیے۔ قرآنِ مجید میں یہی حکم دیا گیا ہے کہ ذبح کرتے وقت جانور پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرو۔ سواری پر براجمان ہوتے ہوئے لفظ ''سُبْحَانَ الَّذِیْ'' سے دعا کا آغاز کرتے ہوئے یہ خیال آنا چاہیے کہ جس مالک نے اس کو میرے تابع کیا ہے مجھے بھی اس ذاتِ کبریا کا تابع فرمان ہونا چاہیے۔ سواری کو حاصل اور مطیع کرنا میرے بس کا روگ نہیں تھا۔ قرآنِ مجید کی تلاوت سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

{ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ } (النحل:۹۸)

''جب قرآنِ مجید کی تلاوت شروع کرو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگو۔''

ثابت ہے کہ موقع کی مناسبت سے ہر کام کا آغاز ربِ کریم کے مبارک نام سے ہونا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد میں یہ فلسفہ پایا جاتا ہے کہ جب کوئی کام شروع کیا جائے تو اس پر اللہ کا نام لیتے ہوئے احساس پیدا ہو کہ جو کام کرنا چاہتا ہوں وہ میرے لیے جائز بھی ہے یا نہیں۔ اگر کام حرام اور ناجائز ہو تو مومن کو اللہ کے نام کی لاج رکھتے ہوئے اس کام سے باز آنا چاہیے۔ جائز کام کی ابتدا میں بسم اللہ پڑھنے سے آدمی کا عقیدہ تازہ اور پختہ ہو جائے گا کہ اس کام کی ابتدا رحمن ورحیم کی مہربانی کا نتیجہ ہے اور اس کی تکمیل بھی اس کے کرم کا صلہ ہے۔

''بسم اللہ'' ہر سورۃ کا حصہ ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں میرا رُجحان ان دلائل کی طرف ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ہر سورت کا حصہ نہیں اس سے سورت کی ابتدا ہونے کے ساتھ دو سورتوں میں فرق کا پتہ چلتا ہے البتہ سورۃ النمل کی آیت ۳۰ ہونے کے حوالے سے یہ قرآنِ مجید کا جزو ہے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَعْرِفُ فَصْلَ السُّوْرَةِ حَتّٰى تُنَزَّلَ عَلَيْهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ

الرَّحِيْمِ))(رواہ ابو داؤد: کتاب الصلاۃ، باب من جہر بہا [صحیح])

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سورت کے فرق کو نہیں سمجھ سکتے تھے یہاں تک کہ ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' نازل ہوئی۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَرَأْتُمُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاقْرَءُ وا (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) إِنَّهَا أُمُّ الْقُرْآنِ وَأُمُّ الْكِتَابِ وَالسَّبْعُ الْمَثَانِي وَ(بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) إِحْدَاهَا))

(رواہ سنن الکبریٰ للبیہقی: باب الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ (بِسمِ اللهِ الرَّحمنِ الرَّحِيمِ) آيَةٌ تَامَّةٌ مِنَ الْفَاتِحَةِ [صحیح])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم سورۃ فاتحہ کی قراءت کرو تو اُس کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کرو یہ اُم القرآن اور اُم الکتاب اور بار بار پڑھی جانے والی ہے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم اس کی آیاتِ میں سے ایک ہے۔''

اسمِ ''اللّٰہ'' کی خصوصیت

''اللّٰہ'' کا نام صرف اور صرف خالقِ کائنات کی ذات کو زیبا اور اس کے لیے مختص ہے۔ یہ اس کا ذاتی نام ہے اس اسم مبارک کے اوصاف اور خواص میں سے ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ کائنات میں انتہا درجے کے کافر، مشرک اور بدترین باغی انسان گزرے ہیں اور ہوں گے۔ جن میں اپنے آپ کو داتا، مشکل کشا، موت وحیات کا مالک کہنے والے حتی کہ ''اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی'' کہلوانے والا بھی ہوا ہے مگر اس نام کی جلالت وہیبت کی وجہ سے اپنے آپ کو ''اللّٰہ'' کہلوانے کی کوئی جرأت نہیں کر سکا اور نہ کر سکے گا۔ مکے کے مشرک اپنے بتوں کو سب کچھ مانتے اور کہتے تھے لیکن وہ بتوں کو ''اللّٰہ'' کہنے کی جرأت نہیں کر سکے تھے۔ ''اللّٰہ'' ہی انسان کا ازلی اقرار اور اس کی فطری آواز ہے جس بنا پر ہر کام ''بِسْمِ اللّٰهِ'' سے شروع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ اسم مبارک اپنے آپ میں خالقیت، مالکیت، جلالت وصمدیت، رحمن ورحیمیت کا ابدی اور سرمدی تصور لیے ہوئے ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ کا نام 2697 مرتبہ آیا ہے۔ ایمان کی تازگی کے لیے چند مقامات تلاوت کیجیے۔

① ۔اللہ ہی خالق ہے:

{ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ } (الزمر:٦٢)

② ۔اللہ ہی رازق ہے:

{ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ } (الذاریات:۵۸)

③ ۔اللہ ہی معبودِ حقیقی ہے:

{ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ } (آلِ عمران:١٨)

④ ۔اللہ ہی اقتدار، زوال اور عزت وذلّت کا مالک ہے:

{ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ

مَنْ تَشَآءُ ۖ } (آلِ عمران:۲۶)

⑤۔اللہ ہی حاکمِ مطلق اور خالقِ کل ہے:

{ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ } (الأعراف:۵۴)

⑥۔اللہ ہی مالک اور ہر چیز پر قادر ہے:

{ تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۝ } (الملک:۱)

⑦۔اللہ ہی مشکل کشا اور حاجت روا ہے:

{ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ } (النمل:۶۲)

⑧۔اللہ ہی اول وآخر اور ظاہر و باطن ہے:

{ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ } (الحدید:۳)

⑨۔اللہ ہی غیب اور ظاہر کو جانتا ہے:

{ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ } (الحشر:۲۲)

⑩۔اللہ ہی موت وحیات پر اختیار رکھنے والا ہے:

{ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ } (الملک:۲)

⑪۔اللہ ہی زمین وآسمان کا نور ہے:

{ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ } (النور:۳۵)

⑫۔اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے:

{ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ } (البقرة:۲۱۳)

⑬۔اللہ ہی مومنوں کا دوست ہے:

{ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ } (البقرة:۲۵۷)

⑭۔اللہ ہی کفار کو گھیرنے والا ہے:

{ وَاللّٰهُ مُحِیْطٌ بِالْكٰفِرِیْنَ ۝ } (البقرة:۱۹)

⑮۔اللہ ہی قیامت کے دن کا مالک ہے:

{ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ } (الفاتحة:۳)

❀❀❀

سُوۡرَةُ الۡفَاتِحَة مَكِّيَّة

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ۝

رُكُوۡعُهَا - ١
اٰيَاتُهَا - ٧

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝١

تمام تعریفیں اللہ کے لیے رب تمام جہان

’’اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔‘‘(١)

فہم القرآن

اللہ کائنات کے رب نے اپنی مخلوق کی پرورش کا بندوبست ایسے مضبوط نظام کے ساتھ فرمایا ہے کہ ہر چیز کو زندگی اور اس کی بقا کے لیے جو کچھ اور جس قدر چاہیے اُسے اسی حالت اور مقام پر پہنچایا جا رہا ہے۔ پتھر کا کیڑا چاروں طرف بند چٹان کے اندر اپنی خوراک لے رہا ہے، مرغی کا بچہ انڈے میں پل رہا ہے، مچھلیاں دریا میں، پرندے فضا میں اور درندے صحرا میں اپنی اپنی خوراک لے رہے ہیں اور اپنے ماحول میں مطمئن اور خوش و خرم دکھائی دیتے ہیں۔ ہر دانہ اپنی آغوش میں زندگی اور ہر بیج اپنے سینے میں نشوونما کا سامان لیے ہوئے ہے۔ یہاں تک کہ پھول کی کلی کو جس ہوا اور فضا کی ضرورت ہے اسے مہیا کی جارہی ہے۔ زندگی کے لیے ہوا اور پانی اس قدر لازمی جُز ہیں کہ ان کے بغیر زندگی لمحوں کی مہمان ہوتی ہے۔ یہ اتنے ارزاں اور وافر ہیں کہ اس کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے قرآن نے اللہ کی ہستی کا تعارف رب اور اس کے نظامِ ربوبیت سے بات کا آغاز کیا ہے تاکہ انسان کا وجدان پکار اٹھے کہ مجھے اس ہستی کا شکر ادا کرنا اور تابع فرمان رہنا ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ اور یہ نظام اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کسی منتظم کے بغیر جاری اور قائم نہیں رہ سکتا ایک زندہ ضمیر شخص جب اپنے چاروں طرف رب کی ربوبیت کے اثرات ونشانات دیکھتا ہے تو اس کے دل کا ایک ایک گوشہ پکار اُٹھتا ہے۔

{ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ ۝١٤ } (المؤمنون:١٤)

’’اللہ تعالیٰ برکت والا اور بہترین پیدا کرنے والا ہے۔‘‘

مانگنے کا صحیح طریقہ اور اسلامی تہذیب کا جزو لازم ہے کہ انسان ہر حال میں اپنے رب کا حمد خواں اور شکر گزار رہے۔ حمد گوئی سے یہ بات خود بخود ثابت ہوتی ہے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کی عطا اور ملکیت ہے اور انسان انتہائی ناتواں اور بے بس ہے۔ اس سے انسان کے دل میں یہ عقیدہ بھی جڑ پکڑتا ہے کہ جمال و کمال کسی کا اپنا نہیں بلکہ اللہ ہی کا عطا کردہ ہے۔ اس لیے حقیقی اور ہمہ وقتی حمد وستائش اسی مالک کو زیبا ہے۔ پھر مالک بھی ایسا جو صرف انسانوں اور جنّات کا ہی نہیں وہ تو حیوانات، جمادات، نباتات حتیٰ کہ ارض وسمٰوٰت کا رب ہے۔ جو ابتدا سے انتہا تک ہر چیز کی ضرورت کو کمالِ رحمت اور ربوبیت سے پورا

کر رہا ہے۔حمد میں دوسرے کی ذات کی بڑائی اوراس کے احسانات کا احساس واعتراف پایا جاتا ہے۔قرآنِ مجید ابتدا ہی میں انسان کو یہ باور کرواتا ہے کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اپنے رب کی تعریف وتوصیف اور حمد وشکر بیان کرنے میں لگا ہوا ہے۔

{ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ } (الحشر:١)

''زمین وآسمان میں موجود ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔''

اے انسان! اشرف المخلوقات ہونے کی حیثیت سے تجھے مانگنے سے پہلے اپنے رب کی حمد وشکر اوراس کی عنایت وعطا کا اعتراف کرتے ہوئے پہلے اپنے رب کا شکر ادا کرنا چاہیے کیونکہ شکر گزار ہی تابع فرمان ہوا کرتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا یوں بیان کیا کرتے تھے:

((أَللّٰهُمَّ أَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَآ أُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَآ أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ)) (رواہ مسلم:باب مایقال فی الرکوع والسجود)

''اے اللہ! میں تیری رضامندی کے ذریعے تیری ناراضی سے اور تیری معافی کے ذریعے تیری سزا سے پناہ مانگتا ہوں اور میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں میں اس طرح تیری تعریف نہیں کرسکتا جس طرح تیری شایانِ شان ہے۔''

((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ))

(رواہ مسلم: کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والإستغفار، باب التسبیح أول النهار وعند النوم)

''اللہ کی پاکی اس کی تعریف کے ساتھ اس کی مخلوق کی تعداد، اس کے نفس کی رضا، اس کے عرش کے وزن اوراس کے کلمات کی مقدار کے برابر۔''

مسائل

١۔ تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کی حمد وستائش کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

حمد اللہ تعالیٰ کے لیے ہے:

١۔ تمام تعریفیں جہانوں کو پالنے والے کے لیے ہیں۔(الانعام:٤٥)

٢۔ اللہ کی حمد وثنا بیان کرنا مومنوں کی صفت ہے۔(التوبۃ:١١٢) ٣۔صبح وشام اللہ کی حمد بیان کرنے کا حکم ہے۔(فاطر:٥٥)

٤۔ بجلی کی کڑک اور فرشتے بھی اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں۔(الرعد:١٣) ٥۔کائنات کی ہر چیز اللہ کی ثناخواں ہے۔(بنی اسرائیل:٤٤)

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

بہت مہربان	نہایت رحم کرنے والا

''بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔''(۲)

فہم القرآن

رحمن فعلان کے وزن پر مبالغہ یعنی سپر ڈگری (Super Degree) اور رحیم فعیل کے وزن پر اسم صفت مشبہ کے صیغے ہیں۔ اہلِ علم کے نزدیک رحمن کی صفت سب کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کا رحیم ہونا صرف مومنوں کے لیے خاص ہے۔

الرَّحْمٰنِ: لامتناہی اور رحمتِ مجسم کا ترجمان ہے اور لفظ ''**الرَّحِيْمِ**'' کائنات پر نازل ہونے والی مسلسل اور دائمی رحمت کی ترجمانی کرتا ہے۔

اس لحاظ سے معنیٰ یہ ہوا کہ وہ ''اللہ'' بے انتہا مہربان، ہمہ وقت اور ہر حال میں رحم فرمانے والا ہے فرق یہ ہے کہ رحیم کسی مشفق شخصیت کو کہا جاسکتا ہے مگر کسی کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ''الرحمن'' کہنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور رحیمیت کسی اضطرار اور مجبوری کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ اس کی رحمانیت کا عین تقاضا ہے۔ اس صفت کا تذکرہ قرآنِ مجید میں مختلف الفاظ اور انداز میں پایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان جس قدر سرکشی اور بغاوت پر اتر آئے لیکن جب اللہ کے حضور یہ کہتے ہوئے آب دیدہ ہوتا ہے کہ الٰہی! میرے جرائم اور خطاؤں کی آندھیوں نے میرے گلشنِ حیات کو برباد کردیا ہے۔ جس طرح تو ویران وادیوں، تپتے ہوئے صحراؤں اور اجڑے ہوئے باغوں کو اپنے کرم کی بارش سے سرسبز و شاداب بنا دیتا ہے اسی طرح مجھے بھی حیاتِ نو سے ہمکنار کردے۔ بندۂ مومن کی عاجزی اور سرافگندگی پر رحمن و رحیم کی رحمت کے سمندر میں ایک تلاطم برپا ہو جاتا ہے جس کی وسعتوں کا تذکرہ رسولِ کریم ﷺ یوں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی رحمت اس قدر وسیع و عریض ہے جیسے بحرِ بیکراں میں سوئی ڈبو کر نکال لی جائے تو اس سے سمندر کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایسے ہی کائنات کے تمام جن و انس کی حاجات اور تمناؤں کو پورا کردیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سمندر میں سوئی ڈبو کر باہر نکال لینے کے برابر بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔ (رواہ مسلم: کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الظلم)

اللہ تعالیٰ معافی اور درگزر سے کام لیتا ہے کیونکہ اس نے ابتدائے آفرینش سے لکھ رکھا ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔ (رواہ البخاری: کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ ویحذرکم اللہ نفسہ)

مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میری رحمت وشفقت ہر آن ان کے قریب رہتی ہے۔

{وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ} (الأعراف:۱۵۶)

''میری رحمت تمام اشیاء پر محیط ہے۔''

{كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ} (الأنعام:۵۴)

''تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ لَنْ يُدْخِلَ أَحَدًا عَمَلُهُ الْجَنَّةَ قَالُوْا وَلَآ أَنْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا وَلَآ أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللّٰهُ بِفَضْلٍ وَّرَحْمَةٍ فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوْا وَلَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ إِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَزْدَادَ خَيْرًا وَإِمَّا مُسِيئًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَسْتَعْتِبَ))

(رواه البخاری: كتاب المرضى،باب تمنى المريض الموت)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ کسی کو اس کے عمل جنت میں داخل نہیں کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے پاک نبی! آپ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں بھی نہیں سوائے اس کے کہ اللہ اپنے فضل و رحمت سے مجھے نواز دے۔ اس لیے میانہ روی اختیار کرو اور قریب قریب چلو۔ تم میں کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے کیونکہ وہ نیک ہوگا تو اس کے اعمال میں اضافہ ہو جائے گا۔ اگر وہ برا ہے تو ممکن ہے وہ توبہ کر لے۔''

رسولِ اکرم ﷺ کی دعا:

((اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُو فَلَا تَكِلْنِي إِلٰى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّأَصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلَّهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنْتَ))

(رواه ابو داؤد: كتاب النوم،باب مايقول إذا أصبح [حسن])

''اے اللہ! میں تیری رحمت کا طلب گار رہوں مجھے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی میرے نفس کے سپرد نہ کرنا اور میرے سب کاموں کی اصلاح فرما تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نہایت ہی مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ ۲۔ اللہ کی شفقت و مہربانی نے زمین و آسمان کا احاطہ کر رکھا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعتیں:

۱۔ اللہ ایک ہے بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ (البقرۃ:۱۶۳)
۲۔ سب کچھ جاننے کے باوجود نہایت ہی مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ (الحشر:۲۲)
۳۔ اس کی رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ (الاعراف:۱۵۶)
۴۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر مہربانی کرنا از خود اپنے آپ پر لازم قرار دے لیا ہے۔ (الانعام:۵۴)
۵۔ اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ (الزمر:۵۳)
۶۔ اللہ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہوا کرتی ہے۔ (الاعراف:۵۶)
۷۔ اللہ کی رحمت نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔ (المؤمن:۷)

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳﴾

مالک	دن	بدلہ

''قیامت کے دن کا مالک ہے۔'' (۳)

فہم القرآن

اس سورہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی چوتھی صفت جو بیان ہو رہی ہے وہ قرآنِ مجید کا تیسرا مرکزی مضمون ہے۔ اللہ جزاء وسزا کے دن کا مالک ہے۔ قیامت کے دن پر ایمان لانا اسلام کے بنیادی عقائد اور اس کی ابتدائی تعلیم میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت یعنی اس کی اَن گنت نعمتوں اور بے پایاں رحمتوں کے تذکرے کے بعد ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ کہیں انسان اس کی رحمت وشفقت دیکھ کر اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ مجھے میرے کیے دھرے پر پوچھا ہی نہیں جائے گا اور انسان کو دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔ اس فرمان میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اے انسان! نا صرف تجھے موت آنی ہے بلکہ موت کے بعد تُو اٹھایا اور اللہ کے حضور پیش کیا جائے گا پھر تجھے اپنی ایک ایک حرکت اور عمل کا پورا پورا حساب دینا ہے اور جزا یا سزا سے تیرا واسطہ پڑنا ہے۔ قرآن مجید کے عظیم مفسر اور نکتہ دان حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسم اعظم کے ساتھ چار صفات کا ذکر فرمایا ہے۔ جس میں یہ واضح کیا ہے کہ اے انسان! میں ہی وہ اللہ ہوں جس نے تجھے پیدا کیا اور میں ہی اپنی آغوشِ نعمت میں تیری پرورش کرتا ہوں۔ تجھ سے کوئی خطا ہو جائے تو بے پایاں رحمت کے ساتھ تیری پردہ پوشی کرتا ہوں۔ جب تو میری بارگاہ میں معذرت پیش کرتا ہے تو میں ہی تیری خطاؤں کو معاف کرنے والا ہوں۔ ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کی صفت میں یہ اشارہ دیا ہے کہ نیک اعمال کے بدلے قیامت کے دن تجھے پوری پوری جزائے خیر سے نوازا جائے گا۔

مالک کا لفظ استعمال فرما کر یہ واضح کر دیا گیا کہ اس دن کا برپا ہونا بدیہی امر ہے۔ اس دن نیک و بد کو سزا دلوانے یا معاف کروانے کا کسی کو اختیار نہیں ہوگا۔ بڑے بڑے سرکش اور نافرمان خمیدہ کمر اور سر جھکائے ربِ کبریا کی عدالت میں ذلت ورسوائی کی حالت میں پیش کئے جائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دوسرا عکس ہے کیونکہ اس کے بغیر نیکوں کو پوری پوری جزا اور نافرمانوں کو ٹھیک ٹھیک سزا نہیں مل سکتی۔ اس لیے عقیدۂ آخرت ایمان کا اہم جز قرار پایا ہے۔ اس دن انبیائے کرام علیہم السلام بھی نفسا نفسی کے عالم میں ہوں گے اور ربِ ذوالجلال دنیا کے سفاک، ظالم اور متکبر حکمرانوں اور انسانوں کو اس طرح خطاب کرے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زمینوں اور آسمانوں کو یکجا کر کے اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے فرمائیں گے کہ میں ہی بادشاہ ہوں۔ ظالم وسفّاک اور نخوت وغرور رکھنے والے آج کہاں ہیں؟

((يَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ)) (رواہ مسلم: کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار)

دین کے معانی:

اطاعت وبندگی۔(الزمر:۱۱) شریعت:(یونس:۱۰۴) قانون:(یوسف:۷۶)

حکمرانی:(المومن:۵۶) جزاءوسزا(بدلہ):(الذاریات:۶)

مسائل

۱۔ قیامت کے برپا ہونے میں کوئی شک نہیں اس دن نیکوں کو جزا اور بُروں کو سزا ملے گی۔

۲۔ قیامت کے دن پر ایمان لانا فرض ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت برپا ہو کر رہے گی:

۱۔ قیامت قریب ہے۔(الحج:۱)

۲۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سوال کرے گا کہ آج کس کی بادشاہی ہے؟۔(المومن:۱۶)

۳۔ قیامت کے دن کوئی کسی کو فائدہ نہیں دے سکے گا۔(الانفطار:۱۹)

۴۔ قیامت کے دن ''اللہ'' ہی کی بادشاہی ہوگی۔(الفرقان:۲۶)

۵۔ قیامت کے دن ''اللہ'' ہی فیصلے صادر فرمائے گا۔(الحج:۵۶)

مختلف مراحل کے حوالے سے قیامت کے اہم ترین نام:

۱۔اَلسَّاعَةُ (الاعراف:۱۸۷)	گھڑی (مقرر وقت)
۲۔یَوْمُ الْقِيَامَةِ (البقرۃ:۱۱۳)	کھڑے ہونے کا دن (مُردوں کے کھڑے ہونے کا دن)
۳۔اَلْيَوْمُ الْحَقُّ (النباء:۳۹)	سچا دن (جس کے آنے میں نہ کوئی شک ہے اور نہ اس دن کسی فیصلہ میں کوئی غلطی ہوگی)
۴۔يَوْمٌ مَّعْلُوْمٌ (الشعراء:۳۸)	جانا ہوا دن یا مقررہ دن
۵۔اَلْوَقْتُ الْمَعْلُوْمُ (الحجر:۳۸)	جانا ہوا وقت یا مقررہ وقت
۶۔اَلْيَوْمُ الْمَوْعُوْدُ (البروج:۲)	وعدے کا دن
۷۔اَلْيَوْمُ الْاٰخِرُ (النساء:۳۸)	آخری دن
۸۔يَوْمُ الْاٰزِفَةِ (المومن:۱۸)	قریب آنے والی مصیبت کا دن
۹۔يَوْمٌ عَسِيْرٌ (المدثر:۹)	سخت دن

۱۰۔یَوْمٌ عَظِیْمٌ (الانعام:۱۵)	بڑا دن
۱۱۔یَوْمٌ عَصِیْبٌ (ھود:۷۷)	سخت دن
۱۲۔یَوْمُ الْبَعْثِ (الروم:۵۶)	جی اٹھنے کا دن
۱۳۔یَوْمُ التَّلَاقِ (المومن:۱۵)	باہم ملنے کا دن
۱۴۔یَوْمُ التَّنَادِ (المومن:۳۲)	پکار کا دن
۱۵۔یَوْمُ الْجَمْعِ (الشوریٰ:۷)	اکٹھا ہونے کا دن
۱۶۔یَوْمُ الْحِسَابِ (صٓ:۱۶)	حساب کا دن
۱۷۔یَوْمُ الْحَسْرَةِ (مریم:۳۹)	حسرت کا دن
۱۸۔یَوْمُ الْخُرُوْجِ (قٓ:۴۲)	(قبروں سے) نکلنے کا دن
۱۹۔یَوْمُ الْفَصْلِ (الدخان:۴)	فیصلے کا دن
۲۰۔اَلْقَارِعَةُ (القارعة:۱)	کھٹکھٹانے والی
۲۱۔اَلْغَاشِيَةُ (الغاشية:۱)	چھا جانے والی
۲۲۔اَلطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى (النازعات:۳۴)	بڑی مصیبت
۲۳۔اَلنَّبَاُ الْعَظِیْمُ (النباء:۲)	بڑی خبر
۲۴۔اَلْحَآقَّةُ (الحاقة:۱)	ضرور آنے والی گھڑی
۲۵۔اَلْوَعْدُ (الانبیاء:۳۸)	وعدہ
۲۶۔اَلْوَاقِعَةُ (الواقعة:۱)	وقوع پذیر ہونے والی
۲۷۔اَمْرُ اللّٰهِ (الحدید:۱۴)	اللہ کا حکم
۲۸۔اَلصَّآخَّةُ (عبس:۳۴)	بہرہ کرنے والی گھڑی
۲۹۔یَوْمُ الدِّیْنِ (الفاتحة:۳)	بدلے کا دن
۳۰۔یَوْمٌ کَبِیْرٌ (ھود:۳)	بڑا دن
۳۱۔یَوْمٌ اَلِیْمٌ (ھود:۲۶)	دردناک دن
۳۲۔یَوْمٌ مُّحِیْطٌ (ھود:۸۴)	گھیرنے والا دن
۳۳۔یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ (ھود:۱۰۳)	حاضری کا دن

اِيَّاكَ	نَعْبُدُ	وَ اِيَّاكَ	نَسْتَعِيْنُ ﴿۴﴾
تیری ہی	ہم عبادت کرتے ہیں	اور تجھ ہی سے	ہم مدد چاہتے ہیں

”ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔“(۴)

فہم القرآن

”اللہ“ کے حضور نمازی غلامانہ انداز میں ہاتھ باندھ کر اور سراپا عجز و انکساری کے ساتھ اس بات کا اقرار اور اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ اے اللہ! تو ہی میرا معبود ہے اس لیے میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں۔ اس میں نہ کسی کو سہیم سمجھتا ہوں اور نہ کسی کو آپ کے ساتھ شریک کرتا ہوں۔ نمازی یہ عہد و اقرار ابتداءً قیام کی حالت میں اور آخر میں تشہد میں بیٹھ کر کرتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ ابتدا میں اس نے جامع الفاظ میں اقرار کیا تھا اور تشہد میں فقیروں کی طرح دامن پھیلا کر عرض کرتا ہے کہ میری تمام مناجات و عبادات اور نذر و نیاز اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ہیں۔

((اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبٰتُ)) (رواہ البخاری: باب التَّشَهُّدِ فِي الآخِرَةِ)

”ہمہ قسم کی لسانی، بدنی اور مالی عبادات اللہ ہی کے لیے ہیں۔“

یہی وہ مطالبہ ہے جو رسالتِ مآب ﷺ کی زبانِ اطہر سے کروایا گیا ہے۔ اس میں یہ تقاضا بھی کیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت نہایت اخلاص اور بلا شرکتِ غیرے ہونی چاہیے۔

{قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾} (الانعام: ۱۶۳، ۱۶۲)

”آپ اعلان کریں! یقیناً میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت ”اللہ“ رب العالمین کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے سرِ تسلیم خم کرنے والا ہوں۔“

اس کے بعد مومن دل کی اتھاہ گہرائیوں اور انتہائی عاجزی کے ساتھ عرض گزار ہوتا ہے کہ الٰہی! یہ حاضری اور عاجزی تیری توفیق اور عنایت کا نتیجہ ہے کیونکہ کتنے ہی انسان ہیں جو صحت، فرصت اور تونگری کے باوجود تیری بارگاہ میں حاضر ہونے کی سعادت نہیں پاتے۔ اے اللہ! تیری مدد ہمیشہ میرے شاملِ حال رہے۔ میرا ایمان ہے کہ تیرے بغیر کوئی میری مدد نہیں کرسکتا۔ لہٰذا میں ہردم تجھ سے مدد کا طلبگار اور تیری دستگیری کا خواستگار ہوں۔ میرا تیرے حضور یہ عہد ہے کہ میں تجھے مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہوئے تجھ ہی سے نصرت و حمایت کا طلبگار رہوں گا کیونکہ تو داتا ہے میں محتاج، تو غنی ہے میں تیرے در کا فقیر، تو بے نیاز ہے میں نیاز مند، تو بادشاہ ہے میں فقیر بے نوا اس لیے میری مدد فرما۔ میں تیری دستگیری اور مدد کے بغیر نہ اپنا ایمان سلامت رکھ سکتا ہوں اور نہ اپنی عزت و جان کی حفاظت کرسکتا ہوں۔

یہی عقیدہ رسولِ گرامی ﷺ نے سکھلایا اور اسی عقیدہ کو نماز کے بعد دعا کی صورت میں دہراتے اور مانگتے تھے۔

((اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ...)) (بخاری:باب الذکر بعد الصلوۃ)

''اے اللہ! جو چیز تو دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو چیز تو نہ دے اسے کوئی دینے والا نہیں۔''

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ کُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ یَوْمًا فَقَالَ یَاغُلَامُ إِنِّیْ أُعَلِّمُكَ کَلِمَاتٍ احْفَظِ اللّٰہَ یَحْفَظْكَ احْفَظِ اللّٰہَ تَجِدْہُ تُجَاھَكَ إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰہَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّۃَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰٓی أَنْ یَنْفَعُوْكَ بِشَیْئٍ لَمْ یَنْفَعُوْكَ إِلَّا بِشَیْئٍ قَدْ کَتَبَہُ اللّٰہُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰٓی أَنْ یَضُرُّوْكَ بِشَیْئٍ لَمْ یَضُرُّوْكَ إِلَّا بِشَیْئٍ قَدْ کَتَبَہُ اللّٰہُ عَلَیْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ۔))

(رواہ الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع، باب منہ [صحیح])

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک دن میں رسولِ کریم ﷺ کے پیچھے سوار تھا آپ ﷺ نے فرمایا: بچے! میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں۔ اللہ کو یاد رکھنا وہ تجھے یاد رکھے گا، تو اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے گا تو اسے اپنے سامنے پائے گا، جب تو سوال کرے تو اللہ ہی سے سوال کر، جب تو مدد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کر اور یقین رکھ کہ اگر پوری مخلوق تجھے کچھ نفع دینے کے لیے جمع ہو جائے تو وہ اتنا ہی نفع دے سکتی ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ رکھا ہے اور اگر وہ تجھے نقصان پہنچانے پر تل جائے تو تجھے اتنا ہی نقصان پہنچے گا جتنا تیرے حق میں لکھا گیا ہے، قلمیں اٹھالی گئیں ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔''

مسائل

١۔ ہر شخص کو صرف اللہ کی عبادت کرنا اور اس سے مدد کا طلب گار ہونا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

عبادت صرف اللہ کی ہونی چاہیے:

١۔ جنوں اور انسانوں کو اللہ نے صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ (الذّاریات:٥٦)

٢۔ ہر رسول، اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا تھا۔ (النحل:٣٦)

٣۔ اللہ ہی کے لیے رکوع وسجود اور ہر عبادت ہونی چاہیے۔ (الحج:٧٧)

٤۔ اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ (النساء:٣٦) ٥۔ اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ کرنی چاہیے۔ (الزمر:٢)

٦۔ اللہ کے سوا کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ (الانفال:١٠) ٧۔ اللہ ہی سے مدد مانگنا چاہیے۔ (البقرۃ:٤٥)

٨۔ اللہ تعالیٰ غنی اور کائنات کے سارے انسان اس کے در کے فقیر ہیں۔ (فاطر:١٥)

٩۔ مدد کرنے کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ (النساء:٤٥)

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ﴿۵﴾

سیدھا	راستہ	ہمیں ہدایت عطا فرما

''ہمیں سیدھے راستے کی راہنمائی فرما''

فہم القرآن

اہلِ علم نے ہدایت کے مدارج کی بہت سی قسمیں بیان فرمائی ہیں لیکن بنیادی طور پر اس کی چار اقسام ہیں: ① طبعی اور فطری ہدایت ② الہامی ہدایت ③ توفیقی ہدایت ④ ہدایت وحی۔

طبعی اور فطری ہدایت:

چاند، سورج اور سیارے طبعی رہنمائی کے مطابق اپنے مدار میں رواں دواں ہیں۔ ہوائیں اسی اصول کی روشنی میں رخ بدلتی اور چلتی ہیں۔ بادل فطری رہنمائی سے ہی راستے تبدیل کرتے اور برستے ہیں حتیٰ کہ اسی اصول کے تحت درخت روشنی کی تلاش میں ایک دوسرے سے اوپر نکلتے ہیں۔ فطری ہدایت کے مطابق ہی مرغی کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی ماں کے قدموں میں پڑ جاتا ہے، بطخ کا بچہ خود بخود پانی کی طرف چلتا اور انسان کا نومولود ماں کی چھاتی کے ساتھ چمٹتا ہے۔ اس طبعی اور فطری ہدایت کی قرآن نے اس طرح رہنمائی فرمائی ہے:

{ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿۱۰﴾ } (البلد:۱۰)

''ہم نے اسے دو واضح راستے دکھا دیئے۔''

الہامی ہدایت:

الہام وحی کی ایک قسم ہے لیکن وحی اور الہام میں فرق یہ ہے کہ وحی صرف انبیاء کے ساتھ خاص ہے جب کہ الہام انبیاء کے علاوہ نیک اور عام آدمی حتیٰ کہ قرآنِ مجید نے شہد کی مکھیوں کے لیے بھی وحی یعنی الہام کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں کوئی بات القا فرما دیتا ہے۔ اسے ہدایتِ وہبی بھی کہا جاتا ہے۔

ہدایت بمعنیٰ توفیق اور استقامت:

ہدایت کی تیسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عنایت اور توفیق سے اپنے بندے کی رہنمائی کرتے ہوئے اسے صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کی توفیق عطا فرما دے۔ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا کرتے تھے۔

((یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ))(رواہ الترمذی: کتاب الدعوات [صحیح])

''اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھنا۔''

((اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ وَأَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ))(رواہ الترمذی: باب ماء فی جامع الدعوات [حسن])

''اے اللہ! میری راہنمائی فرما اور مجھے میرے نفس کے شر سے محفوظ فرما۔''

وحی اور حقیقی ہدایت:

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اس ہدایت کی دو شکلیں ہیں اور دونوں آپس میں لازم وملزوم اور ضروری ہیں۔ ایک ہدایت ہے ہر نیکی کی ظاہری حالت اور اس کی ادائیگی کا طریقہ جو ہر حال میں سنتِ نبوی کے مطابق ہونا چاہیے، دوسری اس کی روح اور اصل۔ اسے قرآن نے اخلاص سے تعبیر فرمایا ہے۔

اخلاص کے اثرات دل پر اثر انداز ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل ہوگی جس کا بدلہ جنّت ہے۔ کردار پر مرتب ہوں گے تو نفس اور معاشرے میں پاکیزگی پیدا ہوگی جس سے آدمی کو دنیا میں نیک نامی اور کامیابی حاصل ہوگی۔ بندہ اللہ کے حضور ہاتھ باندھے، نظریں جھکائے، نہایت عاجزی اور بے بسی کے عالم میں عرض کرتا ہے۔ میرے خالق و مالک! میں تیری بارگاہ میں عرض گزار ہوں کہ میں دنیا کی رزم گاہ میں کمزور اور ناتواں ہوں۔ میرا دشمن بڑا ذلیل، طاقت ور، عیّار اور چالاک ہے جو چاروں طرف سے اپنے لشکروں کے ساتھ ہر آن مجھ پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ اور میں اسے دیکھ بھی نہیں سکتا۔ وہ ہر دم مجھے پھسلانے کے درپے ہے۔ تیری دست گیری اور رہنمائی کے بغیر نہ میں اس کا مقابلہ کرسکتا ہوں اور نہ ہی سیدھی راہ پر گامزن رہ سکتا ہوں۔ دنیا کے گھٹا ٹوپ اندھیروں، مسائل کے طوفانوں اور مشکلات کے جھکڑوں میں میری عاجزانہ درخواست ہے کہ مجھے لمحہ لمحہ اور قدم قدم پر صراطِ مستقیم کی رہنمائی اور اس پر ثابت قدمی کی توفیق نصیب فرما۔

مومن اپنے ساتھ دوسروں کے لیے بھی ہدایت اور مدد کا طالب ہوتا ہے تاکہ ایک فرد کی بجائے ہدایت یافتہ لوگوں کا ایک قافلہ اور کارواں ہوتا کہ شیطانی لشکروں کا مقابلہ کرنا اور غلبۂ دین آسان ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم ﷺ کو گفتگو کا ملکہ اور ایسا معجزانہ اسلوب عنایت فرمایا تھا جو بنی نوعِ انسان میں کسی کو نہ حاصل ہوا نہ ہوگا۔ آپ نے بڑے بڑے پیچیدہ مسائل چند الفاظ اور انتہائی سادہ انداز میں بیان فرما دیے ہیں۔ لیکن صراطِ مستقیم کی اہمیت اور افادیت کے پیشِ نظر اس مسئلہ کو ایک نقشہ کے ذریعے سمجھانے کا طریقہ اختیار فرمایا تاکہ کوئی ابہام باقی نہ رہے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَطًّا بِيَدِهٖ ثُمَّ قَالَ هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ مُسْتَقِيْمًا قَالَ ثُمَّ خَطَّ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ ثُمَّ قَالَ هٰذِهِ السُّبُلُ وَلَيْسَ مِنْهَا سَبِيْلٌ إِلَّا عَلَيْهِ شَيْطَانٌ يَدْعُوْ إِلَيْهِ ثُمَّ قَرَأَ {وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ}))(رواہ احمد: باب مسند عبداللہ بن مسعود[حسن])

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ایک لکیر کھینچی پھر فرمایا یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے پھر اس کے دائیں اور بائیں خط کھینچ کر فرمایا یہ راستے ہیں۔ ان میں ہر ایک پر شیطان کھڑا ہے اور وہ اس کی طرف بلاتا ہے پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی {بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے اسی پر چلتے رہنا اور پگڈنڈیوں پر نہ چلنا}۔''

قرآنِ مجید نے اس راستے کو نبی ﷺ کا راستہ قرار دیا اور اسے بصیرت سے تعبیر کیا ہے۔

{ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ } (یوسف:۱۰۸)

”آپ فرما دیجئے! یہ میرا راستہ ہے میں اور میرے پیروکار بصیرت کی بنیاد پر اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔“

((عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَوْعِظَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ هٰذِهِ لَمَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا قَالَ قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا لَا يَزِيْغُ عَنْهَا بَعْدِيْ إِلَّا هَالِكٌ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرٰى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِمَا عَرَفْتُمْ مِنْ سُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَعَلَيْكُمْ بِالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّمَا الْمُؤْمِنُ كَالْجَمَلِ الْأَنِفِ حَيْثُمَا قِيْدَ انْقَادَ))

(رواہ ابن ماجۃ: کتاب المقدمۃ، باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین [صحیح])

”حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایسا وعظ فرمایا جس سے آنکھیں بہہ پڑیں اور دل ڈر گئے ہم نے کہا اللہ کے رسول یقیناً یہ تو الوداعی وعظ لگتا ہے لہٰذا آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں تمہیں واضح دین پر چھوڑ کر جا رہا ہوں جس کی رات بھی دن کی مانند ہے ہلاک ہونے والے کے علاوہ کوئی اس سے نہیں ہٹے گا تم میں سے جو زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا۔ تم پر جو میرا اور میرے صحابہ کا طریقہ پر چلنا لازم ہے اسے داڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑنا اور امیر کی اطاعت کرتے رہنا اگرچہ وہ حبشی ہی کیوں نہ ہو۔ مومن نکیل والے اونٹ کی طرح ہوتا ہے اسے جہاں بھی لے جایا جائے وہ جاتا ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ سے ہر لمحہ اور ہر قدم پر صراطِ مستقیم کی درخواست کرتے رہنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

صراطِ مستقیم:

۱۔ صراطِ مستقیم کی بنیاد۔ (آل عمران:۱۰۱) ۲۔ اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا صراطِ مستقیم ہے۔ (آلِ عمران:۵۱)

۳۔ صراطِ مستقیم کے سنگ میل۔ (الانعام:۱۵۱ تا ۱۵۳) ۴۔ ہر کسی کو صراطِ مستقیم کی ہی دعوت دینا چاہیے۔ (الانعام:۱۵۳)

۵۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا صراطِ مستقیم پر ہے۔ (یٰس:۶۱) ۶۔ صراطِ مستقیم کی ہی پیروی کرو۔ (الانعام:۱۵۳)

۷۔ اللہ تعالیٰ ہی ایمان والوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔ (الحج:۵۴)

۸۔ اللہ ہی صراطِ مستقیم کی ہدایت کرتا ہے۔ (الشوریٰ:۵۲) ۹۔ اللہ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔ (البقرۃ:۲۱۳)

۱۰۔ نبی اکرم ﷺ صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ (الشوریٰ:۵۲)

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ۧ﴿۷﴾

راستہ ان لوگوں کا تونے انعام کیا اُن پر نہ غضب کیا گیا ان پر اور نہ جو گمراہ ہوئے

''ان لوگوں کا راستہ جن پر تونے انعام کیا سوائے ان کے راستے کے جن پر غضب ہوا اور نہ ان لوگوں کا جو گمراہ ہوئے۔'' (۷)

فہم القرآن

اب انعام یافتہ اور ہدایت یافتہ جماعت کا راستہ، ان کے ساتھ محبت اور ان کی معیت کی درخواست کی جاتی ہے جب کہ دوسرے گروہ سے اجتناب اور نفرت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ جس کارواں کے راستہ کی دعا کی جارہی ہے وہ محض عقیدت کی بنیاد پر ہی نہیں بلکہ ان کے کردار اور اعلیٰ مقام کی وجہ سے ہے۔ جو خدا کے فرستادہ، پسندیدہ اور انعام یافتہ انبیائے کرام علیہم السلام ہیں ان پر سب سے بڑا انعام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پیغام اور کام کے لیے منتخب فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو سیدھا راستہ بتلائیں اور اس پر چل کر دکھائیں۔ اس قافلۂ قدسیہ کے معزز افراد ایک مشن کے داعی، خاندانِ نبوت کے افراد اور رشتۂ رسالت کے حوالے سے ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

((اَنَا اَوْلَي النَّاسِ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَالْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ اُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِيْنُهُمْ وَاحِدٌ)) (رواہ البخاری: باب قول اللہ واذکر فی الکتاب مریم)

''لوگو! میں عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ قریب ہوں اور انبیاء کی جماعت علاتی بھائی ہیں ان کی مائیں جدا جدا ہیں لیکن دین ایک ہے۔''

انعام یافتہ لوگوں کا تذکرہ:

{ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ } (النساء:۶۹)

''تو وہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ۔ رفیق ہونے کے لحاظ سے یہ لوگ کتنے اچھے ہیں۔''

پہلے انبیاء کی نبوتوں اور شخصیتوں کی تائید کرنا ہمارے لیے ضروری اور ہمارے ایمان کا حصہ ہے لیکن سمع و طاعت صرف نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ کی کرنا ہوگی۔ اس سے اس نظریہ کی از خود نفی ہو جاتی ہے جو رسالت مآب ﷺ کے ارشادات کے مقابلہ میں کسی نبی یا شخصیت کے اقوال پیش کرتے ہیں۔ فاتحہ کے آخر میں جس گروہ سے نفرت کا اظہار اور جن کی عادات اور رسومات سے بچنے کی دعا کی جارہی ہے وہ صرف گروہ بندی کی بنیاد پر نہیں بلکہ ان سے اس لیے الگ رہنا ہے کہ وہ اپنی بے اعتدالیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ کے غضب کے سزاوار ٹھہرے ہیں۔

"آمین":

((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا فَإِنَّهُ مَنْ وَّافَقَ تَأْمِيْنُهُ تَامِيْنَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ))(رواه البخاری: كتاب الأذان،باب جهر الإمام بالتأمين)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے ہم آہنگ ہوگئی اس کے پہلے تمام گناہ معاف کردیے گئے۔"

آمین کی فضیلت واہمیت:

((عَنْ أَبِیْ مُصَبِّحٍ الْمَقْرَائِيِّ قَالَ كُنَّا نَجْلِسُ إِلٰى أَبِیْ زُهَيْرٍ النُّمَيْرِيِّ وَكَانَ مِنَ الصَّحَابَةِ فَيَتَحَدَّثُ أَحْسَنَ الْحَدِيْثِ فَإِذَا دَعَا الرَّجُلُ مِنَّا بِدُعَاءٍ قَالَ اخْتِمْهُ بِآمِيْنَ فَإِنَّ آمِيْنَ مِثْلُ الطَّابِعِ عَلَى الصَّحِيْفَةِ))(رواه ابو داؤد: كتاب الصلاة،باب التأمين وراء الإمام[ضعيف])

"حضرت ابو مصبح المقرائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم ابو زہیر نمیری رضی اللہ عنہ کے ہاں بیٹھے تھے جو صحابی تھے وہ اچھی اچھی باتیں بیان کرتے تھے۔ ہم میں سے ایک آدمی نے دعا شروع کی تو صحابی نے فرمایا دعا "آمین" کے ساتھ ختم کرو کیونکہ دعا کو آمین کے ساتھ ختم کرنا ایسے ہی ہے جیسے خط پر مہر لگادی جائے۔"

سورہ فاتحہ کی آیات کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے امام شافعی کے نزدیک بسم اللہ سورہ فاتحہ کا حصہ ہے اور یہی ساتویں آیت ہے اور اس کا پڑھنا واجب ہے۔ لیکن راجح قول کے مطابق بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا حصہ نہیں بلکہ "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" الگ آیت ہے اور "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" الگ آیت ہے۔ (دیکھیے ایسر التفاسیر جلد ۱ صفحہ ۱۰)

مسائل

۱۔ صراط مستقیم کے ساتھ دنیا اور آخرت میں انعام یافتہ لوگوں کی رفاقت کی دعا کرنا چاہیے۔

۲۔ مغضوب لوگوں کے طریقے سے اجتناب کرنا اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے پناہ مانگنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

انعام یافتہ اور مغضوب لوگ:

۱۔ انبیاء، صدیق، شہداء اور صالحین انعام یافتہ لوگ ہیں۔ (النساء:٦٩)

۲۔ حضرت آدم، نوح، ابراہیم اور یعقوب علیہم السلام انعام یافتہ حضرات تھے۔ (مریم:٥٨)

۳۔ مشرکوں پر اللہ کا غضب ہوتا ہے۔ (الاعراف:١٥٢) ۴۔ بنی اسرائیل مغضوب لوگ ہیں۔ (البقرۃ:٦١)

۵۔ مغضوب لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے۔ (الفتح:٦) ٦۔ گمراہ اور مغضوب کو دلی دوست نہیں بنانا چاہیے۔ (الممتحنۃ:١٣)

سورۃ البقرۃ کا تعارف

''سورۃ البقرۃ'' کے چالیس رکوع اور دوسو چھیاسی آیات، چھ ہزار اکتیس الفاظ اور بیس ہزار حروف بنتے ہیں۔

اس سورۃ مبارکہ کی چند آیات کے سوا باقی تمام آیات مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں۔ اس میں بنی اسرائیل کے ایک مقتول کو دوسرے مقتول یعنی ذبیحہ گائے کے ذریعہ زندہ کیا گیا۔ جس سے بنی اسرائیل کے اندھے قتل کا فیصلہ سنایا گیا ہے اس لیے اس سورۃ کا نام ''البقرۃ'' قرار پایا۔ اس میں شرک کی نفی اور موت کے بعد جی اٹھنے کے عملی ثبوت پیش کیے گئے ہیں۔

اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کے بارے میں دوٹوک الفاظ میں بتایا ہے کہ اس کے من جانب اللہ ہونے، رشد و ہدایت اور اس کی رہنمائی میں کسی قسم کے شبہ کی گنجائش اور نقصان کا اندیشہ نہیں لیکن اس سے وہی لوگ مستفید ہو پائیں گے جو اپنے رب کی رہنمائی کی چاہت، پیروی اور اس کی ممنوع کردہ چیزوں کو مسترد کریں گے۔ اس کے بعد ایمان اور اسلام کے بنیادی ارکان اور ان پر عمل کرنے والوں کو دنیا و آخرت کی کامیابی کا مژدہ سنایا گیا ہے۔ قرآن مجید کا انکار کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈرایا اور رسول اللہ ﷺ کو فرمایا ہے کہ خدا کے منکروں کو جس طرح چاہیں سمجھائیں یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

بعد ازاں متذبذب اور دوغلے کردار کے حامل اور مفاد پرست لوگوں کی نشاندہی اور ان کے انجام کے بارے میں واضح فرمایا ہے کہ یہ خطرناک، کذاب اور مسلمانوں کی آستینوں کے سانپ ہیں۔ ان سے بچ کر رہنا اور یہ دھوکہ باز اور ابن الوقت اللہ کی پکڑ سے نہیں بچ سکیں گے۔ اس کے بعد قرآنِ مجید اور انبیاء کی دعوت یعنی اللہ کی توحید اور اس کے ایسے آفاقی اور ٹھوس دلائل دیئے ہیں۔ جن سے شہری، دیہاتی، ان پڑھ، تعلیم یافتہ غرض کہ ہر انسان کو واسطہ پڑتا ہے اور وہ ان سے استفادہ کرتا ہے اور ہر کوئی جانتا ہے کہ زمین و آسمان اور دنیا و مافیہا کی چیزوں کو بنانے اور سجانے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے۔

ان دلائل کے بعد ہر انسان سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ اسے صرف ایک رب کی عبادت کرنا چاہیے پھر قرآنِ مجید کے بارے میں چیلنج دیا ہے کہ اگر تمہیں اس کے من جانب اللہ ہونے میں شک ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا سب مل کر کوئی ایک سورت بنا لاؤ۔

چوتھے رکوع میں آدم علیہ السلام کے مقام و مرتبہ بیان کے بعد شیطان کی شرارتوں اور سازشوں اور حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ اس کی عداوت اور کش مکش کا ذکر کرتے ہوئے آدم علیہ السلام کے پھسلنے اور ان کو زمین پر بھیجنے کا مقصد واضح فرمایا ہے کہ اگر شیطان کی شیطنت اور دنیا و آخرت کے خوف و خطر سے بچنا اور اپنا کھویا ہوا مقام جنت حاصل کرنا چاہتے ہو تو صرف اور صرف اللہ کی ہدایات کی پیروی کرتے رہنا۔ جس سے تمہیں دنیا میں امن نصیب ہوگا اور آخرت کے خوف و غم سے مامون ہو جاؤ گے۔

پھر دنیا کی اقوام میں ایک معزز اور منفرد قوم کے عروج و زوال کے اسباب کا نہایت ہی تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہوئے اس پر ناصحانہ انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کے سیاسی، جہادی اور مذہبی پیشواؤں کے کردار پر روشنی ڈالی گئی کہ وہ اس قدر دین کی حقیقت اور اخلاق کی دولت سے تہی دامن ہوئے کہ انہوں نے دین و اخلاق کو دنیا کے حصول کا ذریعہ بنا لیا۔ پھر بنی اسرائیل کی مذہبی، اخلاقی اور سیاسی پستیوں کی نشاندہی فرمائی کہ جس وقت بنی اسرائیل پستیوں کا شکار ہوئے اور جب کبھی انہیں اپنی عزتِ رفتہ کا احساس ہوا تو انہوں نے اپنے کردار کو سنوارنے اور جدوجہد کا راستہ اپنانے کے بجائے جادو ٹونے کے

ذریعے عزت وعظمت کو پانے کی کوشش کی اور پھر اس سارے دھندے کو اللہ کے عظیم پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذمہ لگا ڈالا۔ حالانکہ جادو کفر ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام ہرگز کفر نہیں کرتے تھے۔ کبھی اپنے بوسیدہ اور پراگندہ خیالات کی تائید کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سہارا لینے کی کوشش کی اور مقدس شخصیات کو اپنے ہم عقیدہ ثابت کرنے کی مذموم کوششیں کیں یہاں تک کہ ان زمینی حقائق کا بھی انکار کیا جو دنیا کے سینے پر بیت اللہ، صفا ومروہ اور زمزم کی شکل میں خاندانِ ابراہیم علیہ السلام کی خدمات کا منہ بولتا ثبوت اور ان کی قبلہ گاہ ہے۔ بنی اسرائیل کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو سمجھایا گیا کہ اگر دنیا وآخرت کی بلندیوں کے طلب گار ہو تو پھر ابتلاء اور آزمائشوں کے لیے اپنے آپ کو تیار کرو کیونکہ آزمائش ایمان کی بلندی اور دنیا کی ترقی کا پیش خیمہ ہے۔ جو لوگ حق وباطل کی رزم گاہ میں شہید ہوں انہیں مردہ مت کہو کیونکہ انہوں نے عظیم مقصد کے لیے قربانی دی ہے لہٰذا وہ زندہ ہیں لیکن ان کی زندگی کے بارے میں رائے زنی کرنے کی اجازت نہیں ہے اور تمہارے لیے بنی اسرائیل کے جرائم سے بچنا لازم ہے۔

اس کے بعد اس سورۂ مبارکہ میں انسانی زندگی کے مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔ جس میں معاشی، سماجی، جہادی، معاشرتی، اخلاقی، خاندانی اور انفرادی مسائل کے ساتھ ساتھ زندگی کے ہر شعبے کے لیے اصولوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ معاشی مسائل کے حل اور ان میں ناہمواری ختم کرنے کے لیے صدقہ وخیرات کی ترغیب مؤثر اور مدلل انداز میں دیتے ہوئے فرمایا کہ غریبوں، مسکینوں اور اعزاء واقربا کی مالی خدمت کرنا اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کے مترادف ہے جسے اللہ تعالیٰ سات سو گنا سے بھی زیادہ کر کے قیامت کے دن واپس لوٹائے گا جس دن نیکی کے علاوہ کوئی چیز کار آمد نہ ہوگی۔ صدقہ کی تحریک دینے کے بعد سود کو نہ صرف حرام قرار دیا بلکہ اسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ قرار دیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ اسلام سے بڑھ کر کوئی دین غریبوں اور مستحقین کا ہمدرد اور خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ سود کے خاتمہ کے ساتھ صدقات اور تجارت کو فروغ دینے کی ترغیب دیتے ہوئے لین دین کے معاملات کو احاطۂ تحریر میں لانے کا حکم دیا۔ اس سورۃ کی ابتدا اسلام کے ارکان اور ایمان کے مدارج سے ہوئی اس کا اختتام بھی دین وایمان کے بنیادی اصولوں پر کیا گیا ہے۔ آخر میں مومنوں کو ایک دعا سکھلائی گئی ہے کہ اپنے رب کے حضور یہ درخواست کرتے رہو کہ اے مولائے کریم! ہمارے عمل میں دانستہ وغیر دانستہ طور پر جو کوتاہی سرزد ہو تو اسے معاف اور صرفِ نظر فرماتے ہوئے کفار پر ہمیں غلبہ عطا فرما۔ یہی مسلمان کی زندگی کا مقصد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سرخرو ہو جائے اور دنیا میں اسلام کا پرچم سربلند رکھتے ہوئے کامیاب انسان کے طور پر زندگی بسر کرے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ ایسا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ)) (رواہ مسلم: باب استحباب صلوۃ النافلۃ)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ بیشک اس گھر سے شیطان بھاگ جاتا ہے جس میں سورۃ بقرۃ کی تلاوت کی جاتی ہے۔“

سُوْرَةُ الْبَقَرَة مَدَنِيَّة — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعَاتُهَا ۴۰ اٰيَاتُهَا ۲۸۷

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

الۤمّۤ ﴿۱﴾

الف لام میم

”الۤمّۤ“ (۱)

فہم القرآن

ربطِ سورۃ: فاتحہ دعا ہے اور قرآن اس کا جواب، فاتحہ خلاصہ ہے اور قرآن اس کی تفصیل۔

اپنے حجم اور مضامین کے لحاظ سے یہ فرقانِ حمید کی سب سے بڑی سورت ہے۔ ”الۤمّۤ“ حروف مقطعات ہیں جن کے مفسرین نے اپنی اپنی فہم و دانش کے مطابق کئی معانی لکھے ہیں جن کی تفصیل مختلف تفاسیر میں موجود ہے۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

عبدالرحمن بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ سورتوں کے نام ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی قسموں میں سے قسمیں ہیں۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں ”الۤمّۤ“ اللہ تعالیٰ کے اسمائے اعظم میں سے ہے۔ جب کہ کچھ لوگ کہتے ہیں یہ قرآن کے اعجاز کا نمونہ ہیں۔

لیکن اس بات پر تمام اہل علم متفق ہیں کہ ان حروف کا کوئی معنیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں البتہ جو مفہوم عقل کے قریب تر نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ اس زمانے میں اہلِ زبان حروفِ مقطعات کا استعمال کرنے کے بعد اپنی فصیح اللسانی اور شستہ کلامی کا مظاہرہ کرتے اور سامعین ان حروف کا معنیٰ پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ گویا کہ صاحبِ زبان ایسے الفاظ طرح مصرعہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حروف کا معنیٰ پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ کیونکہ ان کا شریعت کے مسائل اور معاملات سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا امت کا اتفاق ہے کہ ان حروف کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ البتہ یہ قرآن مجید کا حصہ ہیں۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهٗ بِهٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا لَآ أَقُوْلُ الم حَرْفٌ وَلٰكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ))

(رواہ الترمذی: باب ماجاء فیمن قرأ حرفا من القرآن ماله من الأجر [صحیح])

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی کتاب کا ایک حرف پڑھا اسے اس کے بدلے ایک نیکی ملے گی اور ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ ”الم“ ایک حرف ہے بلکہ ”الف“ ایک حرف ہے اور ”لام“ ایک حرف ہے“ اور ”میم“ ایک حرف ہے۔“

”الۤمّۤ“ چھ سورتوں کی ابتدا میں استعمال ہوا ہے۔ البقرۃ، آل عمران، العنکبوت، الروم، لقمان، السجدۃ۔

ذٰلِكَ	الْكِتٰبُ	لَا	رَيْبَ ۛ	فِيْهِ ۛ	هُدًى	لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۲﴾
یہ	کتاب	نہیں	شک	اس میں	ہدایت	پرہیزگاروں کے لیے

''اس کتاب میں کوئی شک نہیں یہ پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے۔''(۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: فاتحہ دعا ہے اور قرآن اس کا جواب، فاتحہ خلاصہ ہے اور قرآن اس کی تفصیل۔

یہ عظیم سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ یہاں یہود ونصاریٰ آپ کے مخاطبین تھے۔ اس لیے ''هٰذَا'' کی بجائے اسم اشارہ بعید ''ذٰلِكَ'' استعمال کیا گیا ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کا بیان اور تذکرہ تم توراۃ اور انجیل میں پاتے ہو۔

''ذٰلِكَ'' کا استعمال اس لیے بھی کیا گیا ہے کہ اس زمانے میں اہلِ عرب کسی عظیم چیز کی طرف توجہ دلاتے وقت دُور کا اشارہ قریب کے لیے استعمال کیا کرتے تھے۔ اِس دور میں اہلِ فارس بھی اپنی زبان میں قریب چیز کے لیے دُور کے اشارات استعمال کرتے تھے اور انہی سے متاثر ہو کر اردو میں بھی آں جناب کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

پہلی امتوں بالخصوص یہود ونصاریٰ نے آسمانی کتابوں میں اپنے رجحانات اور مفادات کی خاطر کئی قسم کے اضافے، التباسات اور مغالطے پیدا کر دیے تھے۔ اس وجہ سے ان کتابوں پر لوگوں کا اعتماد ختم ہو چکا تھا۔ اس لیے آغاز ہی میں قرآن مجید کے بارے میں دوٹوک الفاظ میں یہ وضاحت فرما دی گئی ہے کہ اس کے منزل من اللہ ہونے اور اس کے احکامات اور ارشادات میں کسی قسم کا شک اور تردّد کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے نفاذ اور اس پر عمل کرنے سے کسی نقصان کا اندیشہ نہیں ہے بلکہ اس پر عمل کرنے سے یقیناً تمہیں دنیا اور آخرت میں بہترین نتائج اور ثمرات حاصل ہوں گے۔

یہ کتاب ہر لحاظ سے قیامت تک قابل اعتماد اور اس پر عمل کرنا فرض ہے۔ قرآن مجید کے من جانب اللہ اور مستند ہونے کے بارے میں جرمنی کی بین الاقوامی یونیورسٹی کی رپورٹ۔

''یونانی زبان میں انجیل کے جتنے نسخے دنیا میں پائے جاتے تھے کامل ہوں یا جزئی ان سب کو جمع کر کے ان کے ایک ایک لفظ کا باہم موازنہ (Collation) کیا گیا۔ اس کی جو رپورٹ شائع ہوئی اس کے الفاظ یہ ہیں ''کوئی دو لاکھ اختلافی روایات ملتی ہیں'' اس کے بعد یہ جملہ ملتا ہے ''یہ ہے انجیل کا قصہ'' اس رپورٹ کی اشاعت کے بعد کچھ لوگوں کو قرآن کے متعلق حسد پیدا ہوا۔ اس لیے جرمنی کی میونخ یونیورسٹی میں ایک ادارہ قائم کیا گیا ''قرآن مجید کی تحقیقات کا ادارہ'' اس کا مقصد یہ تھا کہ ساری دنیا سے قرآن مجید کے قدیم ترین دستیاب نسخے خرید کر یا اس کے فوٹو لے کر جس طرح بھی ممکن ہو جمع کیے جائیں۔ جمع کرنے کا یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا جب ۱۹۳۳ء میں پیرس یونیورسٹی میں تھا تو اس کا تیسرا ڈائریکٹر پریتسل (Pretzl) پیرس آیا تھا کہ پیرس کی پبلک لائبریری میں قرآن مجید

کے جو قدیم نسخے پائے جاتے ہیں ان کے فوٹو حاصل کرے۔ اس پروفیسر نے بیان کیا کہ اس وقت ہمارے انسٹی ٹیوٹ میں قرآن مجید کے بیالیس ہزار نسخوں کے فوٹو موجود ہیں اور مقابلے (Collection) کا کام جاری ہے۔

بعد ازاں اس ادارہ نے رپورٹ شائع کی جس کے الفاظ یہ ہیں کہ ''قرآن مجید کے نسخوں میں مقابلے کا جو کام ہم نے شروع کیا تھا اس کا اب تک جو نتیجہ نکلا ہے وہ یہ ہے کہ ان نسخوں میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں تو ملتی ہیں لیکن اختلافِ روایت ایک بھی نہیں۔ گویا کہ قرآنِ مجید ہر قسم کے ردّ و بدل سے مبرّا ہے۔'' (ماخوذ: خطباتِ بہاولپور از ڈاکٹر حمید اللہ)

بلاشبہ قرآنِ مجید عظیم اور شک وشبہ سے بالا، انسانوں کی راہنمائی اور خیر خواہی کے لیے آخری آسمانی کتاب ہے لیکن اس سے ہدایت پانے کے لیے تقویٰ لازم قرار پایا ہے۔ تقویٰ کے بارے میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جناب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے استفسار فرمایا کہ تقویٰ کیا ہے؟ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اس سوال کا جواب دینے کی بجائے امیر المومنین سے عرض کی کہ جب آپ کسی ایسی پگڈنڈی پر گزرنے کا موقع پائیں جس کے چاروں طرف خاردار جھاڑیاں ہوں تو اس راستہ پر آپ کس طرح گزریں گے؟ امیر المومنین نے فرمایا اس راستے کا راہی دامن بچا کر ہی گزرے گا۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اسی کا نام تقویٰ ہے۔ اور ایسے شخص کو متقی کہا جائے گا جو گناہوں کی آلائشوں سے بچ کر صراط مستقیم پر ثابت قدمی سے چل کر اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ اگر یہ کتاب پرہیز گاروں کے لیے ہے تو پھر اس کا کیا کمال ہے؟ شاید ان کا مقصد یہ ہے کہ کتاب تو ایسی ہونی چاہیے تھی جو فاسقوں، فاجروں اور مجرموں کو کھینچ کر صراط مستقیم پر گامزن کر دے۔ دراصل یہ لوگ اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل وشعور کی صلاحیتوں سے ہمکنار فرما کر یہ اختیار دیا ہے کہ وہ نیکی اور بدی، نفع اور نقصان، دائمی اور عارضی فوائد میں جس کا چاہے انتخاب کرے۔ برائی سے اجتناب نہ کرنے والے کی مثال اس مریض کی طرح ہے جس کو ایک خیر خواہ حکیم اور مہربان والدین بار بار دوائی کھلانے کی کوشش کریں لیکن مریض دوائی کھانے کی بجائے اپنا منہ بند کر لے اور اس کے مرض میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے۔ ایسے حضرات سے پوچھنا چاہیے کہ اس میں حکیم کی حکمت، ماں کی مامتا اور والد کی شفقت کا کیا قصور ہے؟ اس لیے جاننا چاہیے کہ انسان کے لیے ہدایت کو جبری کی بجائے اختیاری بنایا گیا ہے۔ اگر ہدایت آدمی پر مسلط کر دی جاتی تو اس کو قبول کرنے میں انسان کا کیا کمال ہوتا؟ پھر حیوان اور انسان میں امتیاز چہ معنی دارد؟ لہٰذا یہ کتاب انہی کے لیے ہدایت ہے جو ہدایت کے طالب اور گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید میں کوئی عیب اور نقص نہیں اور اس کے منجانب اللہ ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔

۲۔ اللہ سے ڈرنے اور گناہوں سے بچنے والوں کے لیے قرآن مجید سرچشمۂ ہدایت ہے۔

تفسیر بالقرآن

تقویٰ اور اس کے فوائد:

۱۔ اللہ کی ذات، احکام اور اس کے شعائر کے احترام کرنے کا نام تقویٰ ہے۔(الحج:۳۲)

۲۔ تقویٰ نام ہے اللہ کے احکام پر عمل پیرا ہونے اور اس کی نافرمانیوں سے بچنے کا۔(النور:۵۲)

۳۔ تقویٰ نام ہے سمع واطاعت کے باوجود اپنے رب سے ڈرتے رہنے کا۔(التغابن:۱۶)

۴۔ (الانفال:۲۹)(البقرة:۱۰۳)(الطلاق:۲)(النبا:۳۱)

قرآن مجید کی عظمت وصداقت:

۱۔ قرآن مجید سراپا رحمت اور کتابِ ہدایت ہے۔(لقمان:۳)

۲۔ یہ بابرکت اور پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔(الانعام:۹۲)

۳۔ اس میں ہدایت کے متعلقہ ہر چیز واضح کی گئی ہے۔(النحل:۸۹)

۴۔ یہ روشن اور مبین کتاب ہے۔(المائدة:۱۵) ۵۔پہلی کتابوں کی حقیقی تعلیم کی نگہبان ہے۔(المائدة:۴۸)

قرآن مجید کے اسمائے گرامی:

۱۔اَلْقُرْآن (الاسراء:۸۸) ۲۔اَلْفُرْقَان (الفرقان:۱) ۳۔اَلذِّکْر (الانبیاء:۵۰)

۴۔اَلتَّنْزِیْل (الشعراء:۱۹۲) ۵۔اَلْحَدِیْث (الزمر:۲۳) ۶۔اَلْمُوْعِظَة (یونس:۵۷)

۷۔اَلْحِکْمَة (القمر:۵) ۸۔اَلْحُکْمُ (الرعد:۳۷) ۹۔اَلْحَکِیْم (یٰس:۲)

۱۰۔اَلْمُحْکَم (ھود:۱) ۱۱۔اَلشِّفَاء (الاسراء:۸۲) ۱۲۔اَلْھُدیٰ (البقرة:۲)

۱۳۔اَلْھَادِي (الاسراء:۹) ۱۴۔اَلصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْم (المائدة:۱۶) ۱۵۔اَلْحَبْل (آل عمران:۱۰۳)

۱۶۔اَلرَّحْمَة (الاسراء:۸۲) ۱۷۔اَلرُّوْح (الشوریٰ:۵۲) ۱۸۔اَلْقَصَص (یوسف:۳)

۱۹۔اَلْبَیَان (آل عمران:۱۳۸) ۲۰۔اَلتِّبْیَان (النحل:۸۹) ۲۱۔اَلْمُبِیْن (یوسف:۱)

۲۲۔اَلْبَصَائِر (الاعراف:۲۰۳) ۲۳۔قَوْلُ الْفَصْل (الطارق:۱۳) ۲۴۔اَلْمَثَانِي (الزمر:۲۳)

۲۵۔اَلنِّعْمَة (الضحیٰ:۱۱) ۲۶۔اَلْبُرْھَان (النساء:۱۷۴) ۲۷۔اَلْبَشِیْر (فصلت:۴)

۲۸۔اَلنَّذِیْر (فصلت:۴) ۲۹۔اَلْقَیِّم (الکھف:۲) ۳۰۔اَلْمُھَیْمِن (المائدة:۴۸)

۳۱۔اَلنُّوْر (الاعراف:۱۵۷) ۳۲۔اَلْعَزِیْز (فصلت:۴۱) ۳۳۔اَلْکَرِیْم (الواقعة:۷۷)

۳۴۔اَلْعَظِیْم (الحجر:۸۷) ۳۵۔اَلْمُبَارَك (الانبیاء:۵۰) (بحوالہ تفسیر رازی)

اَلَّذِيْنَ	يُؤْمِنُوْنَ	بِالْغَيْبِ	وَ	يُقِيْمُوْنَ	الصَّلٰوةَ	وَ	مِمَّا
جولوگ	ایمان لاتے ہیں	غیب پر	اور	قائم کرتے ہیں	نماز	اور	اس سے جو
رَزَقْنٰهُمْ	يُنْفِقُوْنَ ۙ﴿٣﴾						
ہم نے انہیں دیا	وہ خرچ کرتے ہیں						

''جولوگ غیب پر ایمان لاتے ،نماز قائم کرتے اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''(٣)

فہم القرآن

ربطِ کلام : کتابِ حق کے تعارف کے بعد اس کے پیغام کا بیان اور اس سے ہدایت پانے والوں کے چھ جامع اور مرکزی اوصاف کا تذکرہ۔

ایمان کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ انسان اَن دیکھی حقیقتوں کا اقرار کرے۔جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانا اور اس کے حکم کے مطابق ہر بات کو ماننا شرطِ اول ہے۔یہی انسانیت کا شرف اور اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کی پاسداری ہے۔ان حقیقتوں پر اَن دیکھے ایمان لانا اس لیے بھی ضروری ہے کہ آدمی میں یہ استعداد اور طاقت نہیں کہ وہ اپنی آنکھوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی زیارت کر سکے اور نہ ہی اس میں ملائکہ اور قبر کے عذاب کو دیکھنے کی ہمت ہے۔انسان تو ان آنکھوں کے ساتھ جنت کے حسن و جمال کی جھلک بھی برداشت نہیں کر سکتا۔رسولِ محترم ﷺ کے بارہ میں حدیث میں آیا ہے کہ جب آپ ﷺ نے جبرئیلِ امین کو اصلی حالت میں ملاحظہ فرمایا تو آپ کا جسم اطہر تھر تھرانے لگا اور آپ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے آپ ﷺ اپنے آپ میں شدید خطرہ محسوس کرتے ہوئے گھر آکر شدید گرمی کے موسم کے باوجود کمبل لے کر لیٹ گئے اور کچھ سکون کے بعد اپنی زوجہ مکرمہ سے اظہار فرمایا کہ میں اپنے بارے میں شدید اندیشہ محسوس کر رہا ہوں۔(رواہ البخاری:کتاب بدء الوحی)

قبر کے عذاب کے بارے میں فرمایا:

''اگر انسان اور جن قبر کا عذاب سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں۔''(رواہ البخاری:کتاب الجنائز،باب المیت)

جنت کی حور کے بارے میں ارشاد ہوا:

''اگر وہ آسمان سے نیچے جھانکے تو ہر چیز منور ہو جائے۔''(رواہ البخاری:کتاب الجہاد،باب الحور العین)

گویا کہ انسان اپنی ہمت سے بڑھ کر نہ حسن و جمال دیکھ سکتا ہے اور نہ ہیبت ناک منظر برداشت کر سکتا ہے اس بنا پر غیب پر ایمان لانا ایمان کی اولین شرط ہے۔یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا بندہ اور غلام ہے۔غلام کا کام اپنے آقا کا حکم ماننا ہے،ہر حکم کی حقیقت جاننا نہیں۔

اقامتِ صلوٰۃ

اللہ تعالیٰ نے جنّوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔عبادت کا لفظ بڑا جامع ہے عبادت کی سب

سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ صورت نماز ہے۔اسی لیے پہلے انبیاء اور امتوں کو نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور امت محمدیہ کو بھی یہی حکم ہوا ہے کہ وہ نماز قائم کرے۔(النور:۵۶) دین اجتماعیت کا سبق دیتا ہے اور نماز اس کا عملی نمونہ پیش کرتی ہے۔تا کہ مسلمانوں میں وحدت اور اجتماعیت کا شعور پیدا ہو۔اقامتِ صلوٰۃ سے مراد اس کے ظاہری آداب وشرائط بجالانے کے ساتھ ساتھ معاشرتی اور روحانی فوائد کا حصول ہے۔اس لیے یہاں ''اِقْرَءُ وْا الصَّلٰوۃَ'' یا صرف ''صَلُّوْا'' کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ ''اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ'' کا جامع لفظ استعمال فرما کر واضح کیا ہے کہ نماز پڑھنے اور ادا کرنے کے لحاظ سے جامع اور مکمل ہونی چاہیے۔اس میں طہارت، ارکان کی صحیح ادائیگی، اخلاص اور جماعت کے ساتھ پڑھنے کا حکم شامل ہے۔اس طرح یہ پانچ وقت کا اجتماعی عمل ہے۔''اَقِیْمُوا الدِّیْنَ'' (الشوریٰ: ۱۳) کا لفظ پورے دین کے لیے بھی استعمال ہوا۔جس طرح دین کا تقاضا صرف اس کے احکامات پڑھ لینے سے پورا نہیں ہوتا جب تک اسے پورے طور پر اپنایا اور نافذ نہ کیا جائے ایسے ہی نماز پوری جامعیت کے ساتھ اس وقت قائم ہوگی جب اس کے تقاضے پورے کیے جائیں گے۔نمازی کو حکم ہے کہ نماز میں نظر کو اِدھر اُدھر نہ اٹھائے۔یہی حکم نماز کے بعد ہے کہ غیر محرم عورتیں سامنے آئیں تو مرد اپنی نگاہوں کو نیچے رکھا کریں۔تشہد میں نمازی درود اور التحیات میں سب کی سلامتی کی دعائیں مانگتا ہے۔یہی جذبہ اسے نماز کے بعد بھی اختیار کرنا چاہیے۔نماز کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ اسے اس قدر انہماک کے ساتھ ادا کیا جائے جیسے بندہ اپنے رب کی زیارت کر رہا ہو۔

((أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ)) (رواہ البخاری: کتاب الایمان، باب سؤال جبریل النبی ﷺ عن الإیمان والإسلام والإحسان)

''اپنے رب کی عبادت اس تصور کے ساتھ کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔اگر یہ تصور پیدا نہیں ہوسکتا تو کم از کم یہ خیال کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

زکوٰۃ کی فرضیت

دین نے لوگوں کو نماز باجماعت کی شکل میں مسجد میں پانچ وقت اکٹھا ہونے کا حکم دیا ہے تو یہ بات کس طرح گوارا ہوسکتی تھی کہ ایک شخص خوشحال زندگی بسر کر رہا ہو اور اس کے ساتھ کھڑا ہونے والا جسم پر چیتھڑے لپیٹے ہوئے زندگی کے تھپیڑے کھاتا رہے اور صاحبِ ثروت اس کی پرواہ نہ کرے۔اسلام کا اجتماعی نظام دو بنیادوں پر قائم کیا گیا ہے ایک روحانی اور دوسری مادی معاشرے کی تطہیر، تزکیۂ نفس اور تعلق باللہ کے لیے پانچ وقت نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔باہمی ہمدردی، قرابت اور معاشی استحکام کے لیے زکوٰۃ فرض قرار دی گئی تا کہ معاشرتی اونچ نیچ اور معاشی افراط وتفریط کو توازن کے پیمانے کے قریب رکھتے ہوئے باہمی محبت واخوت کی فضاء قائم کی جائے۔

قرآنِ مجید نے بار بار صدقہ کرنے کی ترغیب دی ہے۔اس تحریک کو محض لوگوں کی مرضی پر نہیں چھوڑا کہ جس کا دل چاہے

خرچ کرے ورنہ مال پرمست ہو کر پھرتا ہے۔ زکوٰۃ کو فرض قرار دیتے ہوئے اسے ایمان کی مبادیات میں شامل فرمایا۔ قرآنِ مجید میں زکوٰۃ اور نماز کا چھبیس مرتبہ اکٹھا ذکر ہوا ہے۔ نماز حقوق اللہ کی ترجمان ہے اور زکوٰۃ حقوق العباد کی پاسبان۔ یہاں لفظ زکوٰۃ کی بجائے ''رَزَقْنٰهُمْ'' استعمال فرما کر اشارہ دیا کہ اجتماعی زندگی کامیابی کے ساتھ گزارنے کے لیے زکوٰۃ ہی نہیں بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اُسے عطا فرمایا ہے اس میں سے دوسروں پر خرچ اور صرف کرتا رہے۔ جسمانی قوت ہے تو نحیف اور ناتواں بندوں کی خدمت کرے، مالی استعداد ہے تو غریبوں اور ناداروں پر خرچ کرے، علم وبصیرت ہے تو لوگوں کی راہنمائی کرے، اقتدار اور اختیار ہے تو مجبوروں اور کمزوروں کی مدد کرتا رہے۔ البتہ ''رَزَقْنٰهُمْ'' سے پہلی مراد زکوٰۃ ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا زکوٰۃ نہ دینے والوں کے متعلق حکم:

((فَقَالَ وَاللهِ لأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللهِ لَوْ مَنَعُونِي عَنَاقًا كَانُوا يُؤَدُّونَهَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهَا)) (رواہ البخاری: باب وجوب الزکوۃ)

''حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! میں ان لوگوں سے ضرور لڑائی کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریں گے۔ یقیناً زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر لوگوں نے بکری کا بچہ دینے سے انکار کیا جو وہ اللہ کے رسول کے عہد میں دیا کرتے تھے۔ میں اس کے روکے جانے پہ لڑائی کروں گا۔''

مسائل

۱۔ غائب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ۲۔ نماز قائم کرنا فرض ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق سے خرچ کرنا چاہیے۔

۴۔ ارکانِ اسلام کے تقاضے پورے کرنے والے لوگ ہدایت یافتہ اور کامیاب ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

نماز کی اہمیت:

یہاں نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت واہمیت کے چند دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔ ان شاء اللہ تفصیلی مسائل مرحلہ وار موقعہ بموقعہ بیان ہوں گے۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ کو نماز کا حکم۔ (العنکبوت: ۴۵) ۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نماز۔ (ابراہیم: ۳۷)

۳۔ حضرت موسیٰ ﷺ کو نماز کا حکم۔ (یونس: ۸۷) ۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نماز۔ (مریم: ۳۱)

۵۔ بنی اسرائیل کو نماز کا حکم۔ (البقرۃ: ۸۳) ۶۔ تمام امتوں کو اقامتِ صلوٰۃ کا حکم۔ (البینۃ: ۵)

۷۔ نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ (الحج: ۴۱)

وَالَّذِيْنَ	يُؤْمِنُوْنَ	بِمَآ	اُنْزِلَ	اِلَيْكَ	وَمَآ	اُنْزِلَ
اور جولوگ	ایمان لاتے ہیں	اس پر جو	نازل کیا گیا	آپ کی طرف	اور جو	نازل کیا گیا
مِنْ	قَبْلِكَ ۚ	وَبِالْاٰخِرَةِ	هُمْ	يُوْقِنُوْنَ ﴿٤﴾		
سے	آپ سے پہلے	اور آخرت پر	وہ	یقین رکھتے ہیں		

''اور جولوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ پر نازل کیا گیا اور اس پر جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔''(۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

ایمان کے مرکزی ارکان کا ذکر کرنے کے بعد لفظ ''مَا'' استعمال فرما کر ایمان کی ان تمام مبادیات وشروعات کا احاطہ کیا گیا ہے جو ایمان کی تکمیل کے لیے ضروری ہیں۔ اس کی تفصیلات کے لیے رسول کریم ﷺ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں جس میں آپ نے یہی لفظ ''مَا'' استعمال فرما کر اس بات کا واضح اشارہ دیا ہے کہ ایمان کی تکمیل اس جامع تصور کے بغیر ممکن نہیں۔

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ))

(شرح السنة: کتاب الایمان، باب رد اہل البدع والاھواء [صحیح])

''تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی خواہشات کو میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ کر دے۔''

اسلام کی وسعتِ تعلیم کا اندازہ لگائیں کہ وہ صرف قرآنِ مجید پر ہی نہیں بلکہ پہلی تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانا ضروری سمجھتا ہے۔ حالانکہ نزولِ قرآن کے بعد وہ منسوخ ہو چکی ہیں۔ اس کے باوجود قرآن مجید ان کی حقیقی تعلیمات اور پہلے انبیاء کی تائید کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی تمام انبیاء کی شان اور مقام کے اعتراف واحترام کا حکم دیتا ہے کیونکہ پہلے انبیاء بھی اللہ تعالیٰ کے فرستادہ تھے، ان پر نازل ہونے والی کتابیں بھی من جانب اللہ تھیں اور دین کے بنیادی ارکان ہمیشہ سے ایک ہی رہے ہیں لیکن ہدایت کے لیے اب قرآن اور اس پر کماحقہٗ عمل کرنے کے لیے جناب محمد ﷺ کی ذاتِ گرامی واجب الاتباع قرار پائی ہے۔ جسے سنت اور حدیث کہا گیا ہے۔ ایمان کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے جبریلِ امین علیہ السلام کے سوال کے جواب میں فرمایا:

((اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ))

(رواہ مسلم: کتاب الایمان، باب بیان الإیمان والإسلام والإحسان)

''تو اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، قیامت کے دن، اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائے۔''

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ

وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيْمَانِ»

(رواہ مسلم: باب بَيَانِ عَدَدِ شُعَبِ الْإِيمَانِ وَأَفْضَلِهَا وَأَدْنَاهَا وَفَضِيلَةِ الْحَيَاءِ وَكَوْنِهِ مِنَ الْإِيمَانِ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان کے ستر سے زیادہ اجزاء ہیں۔ ان میں افضل ترین ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا اقرار ہے اور سب سے ادنیٰ تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانا ہے اور حیا بھی ایمان میں شامل ہے۔''

ایمان کا معنٰی:

ایمان کا معنٰی ہے۔ ①۔ دل سے تصدیق کرنا۔ ②۔ زبان سے اس کا اظہار کرنا۔ ③۔ اقرار اور اظہار کے مطابق عمل کرنا۔

ایقان کا معنٰی:

کسی سچائی کو دل کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ اس طرح تسلیم کرنا کہ اس میں شک اور تردد کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کو اس طرح مانتے اور عمل پیرا ہوتے ہیں وہی ایمان دار ہیں۔ جب تک آدمی آخرت پر سچا ایمان نہ لائے اس وقت تک اس کی زندگی پر قرآن وسنت کے پورے اثرات مرتب نہیں ہو سکتے۔ قرآن مجید نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے بعد سب سے زیادہ عقیدۂ آخرت پر زور دیا ہے کیونکہ اس کے بغیر نیکو کاروں کو پورا پورا اجر اور نافرمانوں کو ٹھیک ٹھیک سزا نہیں مل سکتی۔ آخرت کی جواب دہی کا تصور ہی انسان کو درست رکھ سکتا ہے۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید، پہلی آسمانی کتب اور آخرت پر ایمان لانا فرض ہے۔

تفسیر بالقرآن

آخرت پر یقین محکم ہونا چاہیے:

۱۔ آخرت برحق اور اس کے برپا ہونے میں کوئی شک نہیں۔ (الکہف: ۲۱)

۲۔ ایمانداروں کی نشانی یہ ہے کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ (البقرہ: ۳)

۳۔ اللہ تعالیٰ کی آیات اور آخرت کو جھٹلانے والوں کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ (الاعراف: ۱۴۷)

۴۔ آخرت کے منکروں کی خواہشات کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے۔ (الانعام: ۱۵۱)

۵۔ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ (العنکبوت: ۶۴) ۶۔ اللہ اور آخرت پر یقین رکھنے والے کو کوئی ڈر نہیں ہوگا۔ (المائدۃ: ۶۹)

۷۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کی کوئی حقیقت نہیں۔ (الرعد: ۲۶)

۸۔ اخروی زندگی ہی بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ (الاعلیٰ: ۱۸)

اُولٰٓئِكَ	عَلٰى	هُدًى	مِّنْ	رَّبِّهِمْ ۗ	وَاُولٰٓئِكَ	هُمُ	الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵
یہ لوگ	پر	ہدایت	سے	اپنے رب	اور یہی لوگ	وہ	فلاح پانے والے

''یہی لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔'' (۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ایمان کے سات اوصاف اپنانے اور ان کے تقاضے پورے کرنے والوں کو کامیابی کا مژدہ سنایا جاتا ہے۔
① ۔ کتابِ مبین کے الفاظ اور اس کی ہدایت پر کسی شک وتردد کے بغیر یقین کرنا۔ ② ۔ قرآنِ مجید کے بتلائے ہوئے اَن دیکھے حقائق پر ایمان لانا۔ ③ ۔ نماز کی شرائط کے مطابق اس کی ادائیگی کرنا۔ ④ ۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا انفاق۔ ⑤ ۔ قرآن وحدیث کی صورت میں جو کچھ محمد کریم ﷺ پر نازل ہوا ہے اسے اعتقاداً، قولاً اور عملاً تسلیم کرنا۔ ⑥ ۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور پہلی کتبِ آسمانی کی تصدیق کرنا۔ ⑦ ۔ آخرت کی جواب دہی پر ایمان لانا ان لوگوں کے بارہ میں فرمایا جارہا ہے کہ یہی وہ خوش نصیب ہیں جو اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی فلاح وکامیابی سے سرفراز ہونے والے ہیں۔

فلاح کسی ادھوری اور جزوی کامیابی کو نہیں کہتے بلکہ فلاح اس مکمل کامیابی کو کہا جاتا ہے جس کے دامن میں دنیا وآخرت کی سعادتیں اور برکتیں سمٹ آئی ہوں۔

''لَیْسَ فِیْ کَلَامِ الْعَرَبِ کُلِّهٖ اَجْمَعُ مِنْ لَّفْظَةِ الْفَلَاحِ لِخَیْرَیِ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ کَمَا قَالَهٗ اَئِمَّةُ اللُّغَةِ۔'' (تاج العروس)

''ائمہ لغت نے تصریح کی ہے کہ عربی زبان میں فلاح کے لفظ سے زیادہ اور کوئی جامع لفظ نہیں جو دنیا وآخرت دونوں کی خیرات وبرکات پر دلالت کرتا ہو۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ اور غائب پر ایمان لانا، نماز قائم کرنا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق سے خرچ کرنا۔
۳۔ قرآن مجید، پہلی کتابوں اور انبیاء کرام پر ایمان لانا۔ ۴۔ آخرت کو یقینی جاننا ایمان کے بنیادی ارکان ہیں۔

تفسیر بالقرآن

کامیاب کون؟

۱۔ ایمان کے تقاضے پورے کرنے والے کامیاب ہوں گے۔ (الاعراف: ۱۵۷)
۲۔ رسول ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی عزت وتکریم کرنے والے کامیاب ہوں گے۔ (الاعراف: ۱۵۷)
۳۔ اللہ کے راستے میں مال وجان کے ساتھ جہاد کرنے والے کامیاب ہوں گے۔ (التوبہ: ۸۸)
۴۔ غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرنے والے کامیاب ہوں گے۔ (الروم: ۳۸)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	سَوَآءٌ	عَلَيْهِمْ	ءَاَنْذَرْتَهُمْ	اَمْ	لَمْ
بیشک	جن لوگوں نے	کفر کیا	یکساں ہے	ان پر	آپ انہیں ڈرائیں	یا	نہ
تُنْذِرْهُمْ	لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑥	خَتَمَ	اللّٰهُ	عَلٰى	قُلُوْبِهِمْ	وَ	عَلٰى
انہیں ڈرائیں	وہ ایمان نہیں لائینگے	مُہر لگا دی	اللہ نے	پر	ان کے دل	اور	پر
سَمْعِهِمْ	وَعَلٰٓى	اَبْصَارِهِمْ	غِشَاوَةٌ	وَّلَهُمْ	عَذَابٌ	عَظِيْمٌ ⑦
ان کے کان	اور پر	ان کی آنکھیں	پردہ ہے	اور ان کے لیے	عذاب	بڑا

ع ١

”بلا شبہ کافروں کے لیے آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔(٦) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے اور ان کے لیے عذابِ عظیم ہے۔“(٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام: لوگوں کی دوسری قسم جنہوں نے حق کا انکار کیا ان کے مزاج اور انجام کا بیان۔

لغت میں کفر کا معنیٰ ہے کسی شے کو چھپانا۔ جو شخص نعمت کو چھپائے اور اس کا شکر ادا نہ کرے اس کے فعل کو کفر اور کفرانِ نعمت کہتے ہیں۔ سب سے بڑا کفر ”اللہ“ کی وحدانیت اور شریعت، نبوت کا انکار کرنا ہے۔ قرآنِ مجید میں کفر کا لفظ کفرانِ نعمت اور کفر باللہ دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔

”اَلْكُفْرُ عَدَمُ تَصْدِيْقِ الرَّسُوْلِ فِيْمَا عُلِمَ بِالضَّرُوْرَةِ مَجِيْئُهُ بِهٖ“ (تفسیر رازی: ص ۳۰۶)

”کفر کے معنیٰ یہ ہیں کہ رسول اور پیغمبر کی اس بات میں تصدیق نہ کرنا جس کا بدیہی اور قطعی طور پر دین سے ہونا معلوم ہو چکا ہے۔“

حقائق کا مسلسل انکار اور ہٹ دھرمی پر قائم رہنے والوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ان کے لیے سمجھانا اور نہ سمجھانا یکساں ہو جاتا ہے۔ ان آیات میں ایک طرف نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کا کام ”اللہ“ کا پیغام پہنچانا اور لوگوں کو سمجھانا ہے۔ اگر یہ لوگ حق کا مسلسل انکار کئے جا رہے ہیں تو آپ کو دل گرفتہ نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی ایسے ہٹ دھرم لوگوں پر مزید صلاحیتوں کو صرف کرنا چاہیے کیونکہ ان کے سچ اور حق کو قبول کرنے والے اعضاء بے کار کر دیے گئے ہیں۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر اللہ نے ہی ان کی قوتِ فہم وسماعت ختم کر دی ہے اور ان کی بصارت پر پردے ڈال دیے ہیں تو ان کا کیا قصور ہے؟ درحقیقت یہ لوگ آیات کے سیاق وسباق سے ہٹ کر یہ معنیٰ نکال کر اپنی کم فہمی یا منفی سوچ کا اظہار کرتے ہیں۔ جبکہ ان آیات کا مفہوم سمجھنے کے لیے ایک مشفق ومہربان حکیم کی مثال سامنے رکھنی چاہیے جو کسی مریض کو مرض کے نقصانات بتلا اور دوائی کے فائدے سمجھا کر بار بار دوائی کھلانے کی کوشش کرتا ہے لیکن مریض نہ صرف اپنا منہ بند کر لیتا ہے بلکہ ہر قسم کی بد پرہیزی اور حکیم کے ساتھ بدتمیزی کرنے میں آگے ہی بڑھتا جاتا ہے۔ مریض کی بدتمیزی اور ہٹ دھرمی دیکھ کر اگر حکیم یہ کہہ دے کہ یہ

مریض اپنی موت کودعوت دے رہا ہے لہٰذا اسے مرنے ہی دینا چاہیے تو اس میں حکیم کا قصور سمجھا جائے گا یا مریض کا؟
دوسرے مقام پر قرآن مجید نے واضح فرمایا ہے کہ ان کے گناہوں اور کفر کی وجہ سے ان کے کان بہرے، آنکھیں اندھی اور دلوں پر مہریں لگ چکی ہیں۔ (الاعراف:۱۷۹)
ان آیات میں کفر وشرک کے مریض کی حالت اور نبی کریم ﷺ کی بھرپور کوششوں کا نقشہ پیش فرما کر رب کریم نے آپ ﷺ کو تسلی دی ہے اور انکار کرنے والوں پر ہمیشہ کی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کو اس قدر ہولناک اور اذیّت ناک عذاب ہوگا کہ وہ دنیا کی سب نعمتوں اور سہولتوں کو بھول جائیں گے۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُؤْتٰى بِأَنْعَمِ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صَبْغَةً ثُمَّ يُقَالُ يَاابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ خَيْرًا قَطُّ هَلْ مَرَّبِكَ نَعِيْمٌ قَطُّ فَيَقُوْلُ لَا وَاللّٰهِ يَارَبِّ وَيُؤْتٰى بِأَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِي الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُصْبَغُ صَبْغَةً فِي الْجَنَّةِ فَيُقَالُ لَهٗ يَاابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ بُؤْسًا قَطُّ هَلْ مَرَّبِكَ شِدَّةٌ قَطُّ فَيَقُوْلُ لَا وَاللّٰهِ يَارَبِّ مَا مَرَّبِيْ بُؤْسٌ قَطُّ وَلَا رَأَيْتُ شِدَّةً قَطُّ)) (رواہ مسلم: کتاب صفة القیامة والجنة والنار، باب صبغ أنعم أهل الدنيا في النار......)

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: روزِ قیامت دنیا میں سب سے زیادہ ناز ونعمت میں پلنے والے جہنمی کو لا کر آگ میں غوطہ دیا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا تو نے کبھی کوئی بہتری دیکھی؟ کیا تجھے کوئی نعمت ملی؟ تو وہ کہے گا: اللہ کی قسم! اے میرے رب میں نے کوئی نعمت نہیں دیکھی۔ پھر ایک جنتی کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ تکلیفوں میں رہا اسے جنت کی سیر کروا کر پوچھا جائے گا اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی کوئی تکلیف اور سختی دیکھی؟ وہ عرض کرے گا نہیں اللہ کی قسم! مجھے کبھی کوئی تکلیف اور مصیبت نہیں آئی۔“

مسائل

۱۔ کفر پر پکے لوگوں کو سمجھانا یا نہ سمجھانا ایک جیسا ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

جن لوگوں کے دلوں پر اللہ نے مہریں لگائی ہیں:

۱۔ ہم اسی طرح حد سے نکل جانے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیا کرتے ہیں۔ (یونس:۷۴)
۲۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ (النساء:۱۵۵)
۳۔ اللہ کفار کے دلوں پر مہر ثبت کرتا ہے۔ (الاعراف:۱۰۱)
۴۔ جو لوگ ایمان لائے اور اس کے بعد کفر کیا ان کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی۔ (المنافقون:۳)
۵۔ اللہ ہر تکبر کرنے والے سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ (المومن:۳۵)
۶۔ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر ثبت فرما دی سو وہ نہیں جانتے۔ (التوبہ:۹۳)

وقف لازم

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۸

اور بعض لوگ جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور دن پر آخرت اور نہیں وہ ایمان لانے والے

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۹ؕ

وہ دھوکہ دیتے ہیں اللہ اور جو لوگ ایمان لائے اور نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں وہ سمجھتے

”اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے درحقیقت وہ ایماندار نہیں ہیں۔(۸) وہ اللہ اور ایمان والوں کو دھوکہ نہیں دیتے مگر وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور وہ سمجھ نہیں رکھتے۔“(۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ایمان کی مبادیات تسلیم کرنے اور حق سے انکار کرنے والوں کے بیان کے بعد تیرہ آیات میں منافقوں یعنی دوغلے لوگوں کے کردار کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ نبی ﷺ اور ہر داعی حق کو تین قسم کے لوگوں سے سابقہ پیش آئے گا۔ لہٰذا گھبرانے اور حوصلہ ہارنے کی بجائے داعی کو اپنا کام جاری رکھنا چاہیے۔

نفاق:

دل میں کفر اور ظاہر میں اسلام کا اظہار کرنا نفاق کہلاتا ہے۔ نفاق کی دو قسمیں ہیں، اعتقادی نفاق اور عملی نفاق دونوں احکام کے لحاظ سے مختلف ہیں۔

تین قسم کے لوگ:

نظریاتی اعتبار سے دنیا میں تین قسم کے لوگ ہوا کرتے ہیں۔(۱) حق اور سچ قبول کرنے والے۔(۲) حق کا انکار کرنے والے(۳) ذاتی مفاد یا فکری انتشار کی وجہ سے ہمیشہ تذبذب کا شکار اور دنیوی مفاد کی خاطر حق سے اعراض کرنے والے لوگ جنہیں قرآن مجید نے منافق قرار دیا ہے۔ یہ ڈبل چہرے اور دوہرے کردار کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایسا شخص نہ قول کا سچا اور نہ کردار کا پختہ ہوتا ہے۔ اسے ہر بات میں دنیا کا مفاد عزیز ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے مقدس نام اور دین کے پاکیزہ کام کو بھی اپنی ذات اور مفاد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ حتی کہ آخرت کے عقیدے کو ڈھال کے طور پر استعمال کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا۔ منافق لوگ مسلمانوں کی آستینوں میں گھسے ہوئے سانپ ہیں جو ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور شرارتوں میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ ”اللہ“ اور مومنوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

درحقیقت یہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں۔ کتنا برا اور بدبخت ہے وہ آدمی جو اپنی ذات کو دھوکے میں مبتلا رکھے۔ کیونکہ منافق اللہ کے رسول کو دھوکہ دیتے، دین اور دین داروں کو مذاق کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور مومنوں کو بھی دین کی وجہ سے استہزا کا نشانہ بنایا جاتا ہے جس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے دھوکہ کو اپنی ذات کے ساتھ دھوکہ اور مذاق قرار دیا ہے۔

رسولِ محترم ﷺ نے منافق کے کردار کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تَعِيرُ إِلَى هٰذِهٖ مَرَّةً وَإِلَى هٰذِهٖ مَرَّةً))(رواہ مسلم: کتاب صفات المنافقین وأحکامهم)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان پھرتی ہے کبھی ایک ریوڑ کی طرف جاتی ہے کبھی دوسرے کی طرف۔"

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي))

(رواہ مسلم: کتاب الإیمان باب قول النبی ﷺ من غشنا فلیس منا)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے دھوکہ دیا وہ مجھ سے نہیں۔"

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ))(رواہ البخاری: باب علامة المنافق)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو خیانت کرتا ہے۔"

مسائل

۱۔ منافق اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن حقیقتاً وہ ایماندار نہیں ہوتا۔

۲۔ منافق اللہ اور ایمانداروں کو دھوکا دینے کی کوشش کرتا ہے۔ ۳۔ منافق حقیقی فہم و شعور سے عاری ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

منافق کا جھوٹا دعویٰ:

۱۔ منافق دعویٰ ایمان کے باوجود ایماندار نہیں ہوتا۔ (البقرۃ:۸)

۲۔ اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق دعویٰ ایمانی میں جھوٹے ہیں۔ (المنافقون:۱)

۳۔ منافقین نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا ہوا ہے۔ (المنافقون:۳)

۴۔ منافق ایمان کے دعویٰ کی جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہیں۔ (التوبۃ:۵۶)

منافق کی دھوکہ بازیاں:

۱۔ منافق اللہ اور مومنوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ (البقرۃ:۹)

۲۔ منافق رسول ﷺ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ (المنافقون:۱)

۳۔ منافق نماز بھی دھوکہ دینے کی خاطر پڑھتے ہیں۔ (النساء:۱۴۲)

فِيْ	قُلُوْبِهِمْ	مَّرَضٌ ۙ	فَزَادَهُمُ	اللّٰهُ	مَرَضًا ۚ	وَلَهُمْ
میں	ان کے دلوں	بیماری	سو بڑھا دی ان کی	اللہ نے	بیماری	اور ان کے لیے

عَذَابٌ	اَلِيْمٌ ۙ	بِمَا	كَانُوْا	يَكْذِبُوْنَ ⑩
عذاب	اذیت ناک	کیونکہ	تھے وہ	جھوٹ بولتے

’’ان کے دلوں میں بیماری ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری میں زیادہ کر دیا اور انہیں دردناک عذاب ہوگا کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔‘‘(۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقت ایک روحانی بیماری ہے جس سے کئی جرائم جنم لیتے ہیں۔

منافق جھوٹ بولنے کا عادی ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی روحانی اور اخلاقی بیماریوں میں اضافہ ہی ہوا جاتا ہے بالکل اس مریض کی طرح جس کے لیے بہترین خوراک بھی بیماری میں اضافے کا سبب بنتی ہو۔ یہاں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ انسان جسمانی طور پر ہی بیمار نہیں ہوتا بلکہ اس کی روح بھی بیمار ہوتی ہے جسم مادی عناصر سے بنا ہے۔ اس کا علاج مادی عوامل سے ہوتا ہے۔ روح اللہ تعالیٰ کا حکم اور ملکوتی ہے۔ اس کا علاج روحانی یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے نبی کی تابعداری سے ہوتا ہے۔

((إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِيْ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيْهِ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهُ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ))

(رواہ مسلم: کتاب المساقاۃ، باب أخذ الحلال وترک الشبهات)

’’یقیناً حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی۔ ان کے درمیان کچھ متشابہات ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے جو شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا اور جو شبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں مبتلا ہو گیا۔ یہ اس چرواہے کی طرح ہے جو چراگاہ کے قریب جانور چراتا ہے ہوسکتا ہے وہ جانور چراگاہ میں چرنا شروع ہو جائیں۔ خبردار! ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ سنو! یقیناً جسم میں ایک ٹکڑا ہے وہ ٹھیک ہو تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور وہ خراب ہو جاتا ہے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے یاد رکھو! وہ دل ہے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ سے استفسار کیا گیا کہ کیا مومن جھوٹ بول سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔

(مؤطا امام مالک: کتاب الکلام، باب ما جاء فی الصدق والکذب [صحیح])

((إِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِيْ إِلَى الْفُجُوْرِ وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ إِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ

يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا))(رواہ مسلم: کتاب البر والصلة والآداب)
''تم جھوٹ سے کنارہ کش رہو۔ اس لیے کہ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ میں پہنچا دیتا ہے۔ جب ایک شخص ہمیشہ جھوٹ بولتا اور جھوٹ کا عادی ہو جاتا ہے تو وہ اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔''

دل کی حالت:

((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيْئَةً نُكِتَتْ فِیْ قَلْبِهٖ نُكْتَةٌ سَوْدَآءُ فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهٗ وَإِنْ عَادَ زِيْدَ فِيْهَا حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهٗ وَهُوَ الرَّانُ الَّذِیْ ذَكَرَ اللّٰهُ ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾))(رواہ الترمذی: کتاب تفسیر القرآن[حسن])
''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب بندہ کوئی غلطی کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے جب وہ گناہ چھوڑ دے اور توبہ واستغفار کرے تو اس کا دل پالش ہو جاتا ہے۔ اگر وہ دوبارہ گناہ کی طرف پلٹے تو سیاہی اس کے دل پر چڑھ جاتی ہے یہی وہ زنگ ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے کہ ﴿ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے گناہوں کی وجہ سے زنگ چڑھ چکا ہے۔﴾''

نبی ﷺ کی دعا:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْثِهٖ وَنَفْخِهٖ))(رواہ ابن ماجہ: بَابُ الإِسْتِعَاذَةِ فِی الصَّلَاةِ[صحیح])
''اے اللہ میں شیطان، اس کے کچوکے اس کے سانس اور اس کی پھونک سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

مسائل

۱۔ منافقت دل کی بیماری ہے۔ ۲۔ منافق جھوٹا ہوتا ہے۔ ۳۔ منافق کو اذیت ناک عذاب ہوگا۔
۴۔ منافقت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ منافق کی بیماری کو بڑھا دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

روحانی بیماریاں:

۱۔ ریاکاری۔(البقرۃ:۲۶۴، النساء:۱۴۲، الانفال:۴۷، الماعون:۴ تا ۶)
۲۔ قلب کی سختی روحانی بیماری ہے۔(المائدۃ:۱۳، الزمر:۲۲) ۳۔ کفر۔(البقرۃ:۱۰)
۴۔ تکبر۔(النحل:۲۲، لقمان:۱۸، النساء:۱۷۲) ۵۔ کجی۔(التوبۃ:۱۱۷، آل عمران:۷، الصف:۵)
۶۔ دل کا زنگ آلود ہونا۔(المطففین:۱۴) ۷۔ حسد۔(البقرۃ:۱۰۹، النساء:۵۴)
۸۔ سرکشی۔(البقرۃ:۹۰، ۲۱۳، یونس:۹۰) ۹۔ بغض۔(آل عمران:۱۱۸، المائدۃ:۹۱، الممتحنۃ:۴)

وَاِذَا	قِيْلَ	لَهُمْ	لَا	تُفْسِدُوْا	فِي	الْاَرْضِ	قَالُوْٓا	اِنَّمَا
اور جب	کہا جاتا ہے	انہیں	نہ	فساد کرو	میں	زمین	وہ کہتے ہیں	صرف

نَحْنُ	مُصْلِحُوْنَ ⑪	اَلَآ	اِنَّهُمْ	هُمُ	الْمُفْسِدُوْنَ	وَلٰكِنْ	لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫	
ہم	اصلاح کرنے والے	خبردار	بیشک وہ	وہی	فساد کرنے والے ہیں	اور لیکن	وہ نہیں سمجھتے	

''اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔(۱۱) خبردار یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں، لیکن وہ نہیں سمجھتے۔''(۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقت کی بیماری کی وجہ سے منافق کو اصلاح اور بگاڑ کے درمیان شعور نہیں رہتا۔

اصلاح وفساد کی ابتدا انسان کے ضمیر سے ہوتی ہے۔ضمیر بگڑتا ہے تو طبیعت میں برائی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔جو آدمی کے کردار پر منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔جس سے اکثر اوقات سوچ کے زاویے اس قدر بگڑ جاتے ہیں کہ آدمی کو اصلاح اور بگاڑ میں فرق محسوس نہیں ہوتا۔خاص کر ایسا شخص جو اپنے مفاد کے لیے اللہ تعالیٰ کے مقدس نام اور دین کو ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہوئے جھوٹ بولتا ہے۔تو اس کا ضمیر اس حد تک پستی کا شکار ہو جاتا ہے کہ اس سے ہر گناہ اور جرم کی توقع کی جاسکتی ہے۔ایسے لوگوں پر جتنے نگران مقرر کر دیے جائیں اور انہیں لاکھ سمجھائیں۔اصلاح کی بجائے ان کے بگاڑ میں اضافہ ہی ہوا کرتا ہے۔جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ رشوت کے خاتمہ کے لیے انسدادِ رشوت ستانی کے محکمہ سے رشوت کے ریٹ بڑھ جاتے ہیں۔فروغِ تعلیم کے نام پر جہالت، معلوماتِ عامہ کے نام پر گندہ لٹریچر، کلچر کے نام پر بے حیائی، عدل وانصاف کے نام پر ججز اور وکلاء کی قانونی موشگافیاں، شیطان کی آنت کی طرح پھیلا ہوا عدالتی نظام بگڑتا ہی چلا جاتا ہے۔ملک وملت کے وسیع تر مفاد کے نام پر وسیع تر فساد کا جال بچھا دیا جاتا ہے۔

امن وامان قائم کرنے کے نام پر بے گناہوں کا قتلِ عام یہ سب اصلاح اور فلاح کے نام پر ہی تو کیا جاتا ہے۔ایسی حکومتوں، افسروں اور اداروں کے ذمہ داران کو سمجھا کر دیکھ لیجیے۔جواب یہی ملے گا کہ ہم تو اصلاحِ احوال اور فلاحِ عوام کے لیے سب کچھ کر رہے ہیں۔ایسا اس لیے ہے کہ یہ لوگ فسادی ہیں مگر حقیقی شعور سے محروم ہونے کی وجہ سے اصلاح اور فساد میں فرق نہیں سمجھتے جس وجہ سے اپنے آپ کو مصلح سمجھتے ہیں۔ایسے لوگوں سے مسلمانوں کو خبردار اور ہوشیار رہنے کا حکم دیا گیا کہ ان منافقوں اور فسادیوں سے بچتے رہنا۔

مسائل

۱۔ منافق فسادی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مصلح سمجھتا ہے۔ ۲۔منافق حقیقی سمجھ سے تہی دامن ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

فسادی کون؟

۱۔ منافقین (البقرۃ:۱۱) ۲۔زمین میں فساد لوگوں کے اعمال کا نتیجہ ہے (الروم:۴۱) ۳۔یاجوج وماجوج (الکہف:۹۴)

۴۔ فرعون (یونس:۹۱) ۵۔یہودی (المائدۃ:۶۴) ۶۔بچوں کے قاتل (القصص:۴)

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ

اور جب کہا جاتا ہے انہیں تم ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے لوگ وہ کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جیسے

اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

ایمان لائے بے وقوف خبردار بلاشک وہ وہی بے وقوف اور لیکن نہیں وہ جانتے

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم ایمان لاؤ جس طرح صحابہ ایمان لائے تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جس طرح بیوقوف ایمان لائے ہیں۔خبردار یہی بے وقوف ہیں لیکن وہ بے علم ہیں۔“(۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافق دوغلا، جھوٹا اور فسادی ہی نہیں ہوتا بلکہ اپنی منافقت کے کھوٹ کی وجہ سے مخلص مسلمانوں کو بیوقوف کہتا اور سمجھتا ہے۔

منافق ابن الوقت اور مفاد پرست ہوتا ہے۔اسی لیے مخلص، ایثار پیشہ اور بااصول شخص کو پسند نہیں کرتا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایثار کے پیکر اور قربانی کے خوگر تھے۔انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور اسلام کی سربلندی کی خاطر ہر چیز قربان کرنے کی بے مثال اور لازوال مثالیں قائم کیں تھیں۔منافقین ایسے مخلص حضرات کو کس طرح پسند کر سکتے تھے؟ ربِّ کریم نے جب منافقوں کو حکم دیا کہ تم بھی نبی ﷺ کے اصحاب کی طرح مخلصانہ ایمان اور فدا کاری کا رویہ اختیار کرو۔منافقین نے تسلیم ورضا کا روّیہ اپنانے کی بجائے کہا کیا ہم ان بے وقوفوں کی طرح کاروبار تباہ کرلیں اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیں؟ یہ تو سراسر حماقت کا راستہ ہے۔اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ اپنے خالق و مالک کا فرمان تسلیم کرنا اور اس کے حکم پر سب کچھ قربان کر دینا بے وقوفی نہیں۔حماقت اور بے وقوفی تو یہ ہے کہ آدمی اپنے رب کا نافرمان اور اس کے ساتھ عدمِ اخلاص کا رویّہ اور فانی دنیا کے لیے ہمیشہ کی زندگی کو برباد کرلے۔اس فرمان میں رہتی دنیا تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو جہان والوں کے لیے معیار قرار دیتے ہوئے صحابہ کو برا کہنے والوں کو احمق، منافق اور علم وآگہی سے نابلد قرار دیا گیا ہے۔

مسائل

۱۔ منافق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیوقوف سمجھتے ہیں۔ ۲۔ حقیقتاً منافق بے وقوف ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

بیوقوف کون؟

۱۔ ملت ابراہیم سے اعراض کرنے والا بیوقوف ہے۔(البقرۃ:۱۳۰) ۲۔صحابہ کو برا کہنے والا بیوقوف ہے۔(البقرۃ:۱۲)

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ سے انحراف کرنے والا بیوقوف ہے۔(البقرۃ:۱۳)

۴۔ قبلہ پر اعتراض کرنے والے بیوقوف ہیں۔(البقرۃ:۱۴۲)

وَاِذَا	لَقُوا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	قَالُوْٓا	اٰمَنَّا ۚ	وَاِذَا	خَلَوْا
اور جب	ملتے ہیں	جولوگ	ایمان والوں کو	کہتے ہیں	ہم ایمان لائے	اور جب	علیحدہ ہوتے ہیں

اِلٰى	شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ	قَالُوْٓا	اِنَّا	مَعَكُمْ ۙ	اِنَّمَا	نَحْنُ	مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾
طرف	اپنے شیاطین کی	کہتے ہیں	بیشک یقیناً	ہم تمہارے ساتھ	محض	ہم	مذاق کرتے ہیں

”اور جب منافق ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان دار ہیں اور جب اپنے بڑوں (شیطانوں) کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بلا شک ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو مسلمانوں کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔“ (۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافق کی منافقت کے سبب اور حقیقی شعور سے تہی دامن ہونے کی وجہ سے اس کے کردار میں دوغلا پن اور کھوکھلا پن پیدا ہوجاتا جس وجہ سے منافق ایسی گفتگو کرتا ہے۔

منافق جب ایمان داروں سے ملتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور اسلام کی خوبیاں، رسول محترم ﷺ کے اوصاف اور مومنوں کے حسنِ کردار کا ذکر کرتے ہوئے ایمان کے دعویدار بنتے ہیں۔ لیکن جب اپنے لیڈروں کی طرف جاتے ہیں تو ان کو تسلی دیتے ہیں کہ ہمارے بارے میں فکر نہ کرنا ہم تمہارے ہی ہیں ہم تو مسلمانوں کے ساتھ شغل اور دکھاوے کے لیے ہم آہنگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہاں قرآنِ مجید نے ان کے بڑوں کو شیطان قرار دیا ہے کیونکہ ان کے بڑے شیطان کی طرح نہ صرف خود گمراہ ہیں بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ منافق اخلاقی لحاظ سے اس قدر سفلہ مزاجی کا شکار ہوتا ہے کہ وہ ایمان جیسے گراں قدر اور حساس معاملے کو بھی مذاق سمجھتا ہے۔ ایسے لوگوں کو ان کے گناہ کی طرف توجہ دلائی جائے تو وہ اپنی خفت مٹانے اور شرمندگی چھپانے کے لیے کہتے ہیں کہ تم تو خواہ مخواہ سنجیدہ ہو رہے ہو ہم تو خوش طبعی کے طور ایسا کر رہے تھے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ تَجِدُ مِنْ شَرِّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَاللهِ ذَاالْوَجْهَيْنِ الَّذِي يَأْتِي هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ)) (رواہ البخاری: باب ما قیل فی ذی الوجہین)

”حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں میں سے اللہ کے نزدیک بدترین شخص دو چہروں والا (منافق) ہوگا۔ جو اس طرف ایک چہرے کے ساتھ آتا ہے اور دوسری طرف دوسرے چہرے سے۔“

مسائل

۱۔ منافق دوغلی پالیسی اختیار کرتے ہیں۔ ۲۔ بڑے منافق شیطان کے قائم مقام ہوتے ہیں۔

۳۔ منافق اللہ اور اہلِ ایمان کو مذاق کرتے ہیں۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١٥﴾

اندھے ہو رہے ہیں	ان کی نافرمانی	میں	اور زیادہ کرتا ہے ان کو	ان سے	مذاق کرتا ہے	اللہ

''اللہ تعالیٰ بھی ان سے مذاق کرتا ہے اور انہیں ان کی نافرمانیوں میں مہلت دیتا ہے وہ اپنی نافرمانیوں میں بھٹک رہے ہیں۔'' (١٥)

فہم القرآن

ربط کلام: منافقت کرنا اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔

یہاں منافقین کے کردار کے بارے میں لفظِ طغیان استعمال کیا ہے جو ایک محاورہ بھی ہے کہ دریا میں طغیانی ہے۔ یعنی دریا اپنی حد سے آگے بڑھ گیا ہے۔ یہی حالت گناہ کے وقت انسان کی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنی فطرتِ سلیم سے آگے بڑھ کر گناہ کرتا ہے۔ کسی کو مذاق کرنا ''اللہ'' کی شان کے خلاف ہے لیکن مومنوں سے مذاق کرنے کی وجہ سے منافقوں کے مذاق کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب فرما رہا ہے۔ کیونکہ مومنوں کو اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے مذاق کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ مذاق کرنے کے مترادف سمجھتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس بات کو وسیع ترین تناظر میں یوں بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اعلانِ جنگ:

((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ اللّٰهَ قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ إِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ أَحَبَّ إِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِیْ يَتَقَرَّبُ إِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی أُحِبَّهٗ فَإِذَا أَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِیْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ يَمْشِیْ بِهَا وَإِنْ سَأَلَنِیْ لَأُعْطِيَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَأُعِيْذَنَّهٗ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْءٍ أَنَا فَاعِلُهٗ تَرَدُّدِیْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَ تَهٗ)) (رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب التواضع)

''حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے میرے دوست سے دشمنی کی میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ میں نے جو چیز بندے پر فرض کی اس سے زیادہ مجھے کوئی چیز محبوب نہیں جس سے وہ میرا قرب حاصل کرے۔ بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ جب میں اس کے ساتھ محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ سوال کرے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں اگر مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔ میں اپنے کسی کام میں اتنا تردُّد نہیں کرتا جتنا ایک مومن کی جان قبض کرنے میں کرتا ہوں کیونکہ بندہ موت

کو ناپسند کرتا ہے اور مجھے اس کی تکلیف اچھی نہیں لگتی۔“

کوئی مجرم اللہ تعالیٰ کی دسترس سے باہر نہیں ہو سکتا اس کے باوجود مجرم کو ڈھیل اور منافق کو دین اور دین داروں کے ساتھ مذاق کرنے کی مہلت دیتا ہے۔ اس عیاری اور چالاکی کی وجہ سے ان کی عقل پر پردہ پڑ چکا ہے۔ یہ جھوٹ، سازش اور منافقت کے پردہ چاک ہونے کے خوف سے دل ہی دل میں پریشان رہتے ہیں اور ایسی باتوں اور ساتھیوں پر خوش ہوتے ہیں اور ایسی باتوں پر خوش ہوتے ہیں۔

یاد رہے کہ گناہ کا نقصان صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ذلّت اور آخرت میں سزا ہوگی بلکہ گناہ کا پہلا نقصان یہ ہوتا ہے کہ انسان کا دل گناہ کی وجہ سے پریشان رہتا اور گناہ سے آدمی کی طبیعت پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مجرم ضمیر کا چور اور بزدل ہوتا ہے۔ نیکی میں اطمینان ہے اور گناہ میں پریشانی۔ کبھی جرائم پیشہ اور بدکار کو ٹٹول کر دیکھو بظاہر ہشاش بشاش نظر آنے کے باوجود وہ کس طرح پریشان ہوتا ہے۔ قرآن مجید اسی قلبی اضطراب کا ذکر کر رہا ہے کہ وہ اپنے نفس کی طغیانیوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے پریشان رہتے ہیں۔ نفسیات کے معلّم اعظم ﷺ نے گناہ کی تعریف یوں فرمائی:

((اَلْإِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ)) (رواہ مسلم: باب تفسیر البر والإثم)

”گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور لوگوں کو اس کا علم ہونا تیرے لیے ناگوار ہو۔“

مسائل

۱۔ منافق کو قیامت کے دن استہزا کرنے کی سزا دی جائے گی۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ منافق اور کافر کو دنیا میں ڈھیل دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

استہزا اور اس کی سزا:

۱۔ انبیاء کے ساتھ استہزا کیا گیا۔ (الزخرف: ۷) ۲۔ اللہ اور اس کی آیات سے مذاق کیا گیا۔ (التوبۃ: ۶۵)

۳۔ نماز کے ساتھ استہزا کیا گیا۔ (المائدۃ: ۵۸) ۴۔ کفار نے نبی کریم ﷺ سے استہزا کیا۔ (الانبیاء: ۳۶)

۵۔ استہزا کرنے والوں کو رسوا کن عذاب ہوگا۔ (الجاثیۃ: ۹) ۶۔ اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ۔ (البقرۃ: ۲۳۱)

۷۔ اللہ کی آیات اور انبیاء سے مذاق کی سزا جہنم ہے۔ (الکہف: ۱۰۶)

۸۔ اے نبی ﷺ ہم آپ سے مذاق کرنے والوں سے نمٹ لیں گے۔ (الحجر: ۹۵)

۹۔ جہاں اللہ کی آیات سے مذاق کیا جائے وہاں نہ بیٹھو۔ (النساء: ۱۴۰)

اُولٰٓئِكَ	الَّذِيْنَ	اشْتَرَوُا	الضَّلٰلَةَ	بِالْهُدٰى	فَمَا	رَبِحَتْ
یہی لوگ	جنہوں نے	خرید لی	گمراہی	ہدایت کے بدلے	تو نہ	فائدہ مند ہوئی

تِّجَارَتُهُمْ	وَمَا	كَانُوْا	مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾
ان کی تجارت	اور نہ	تھے وہ	ہدایت پانے والے

’’یہی لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے خرید لیا ہے۔ پس نہ ان کی تجارت نے ان کو فائدہ دیا اور نہ یہ ہدایت پانے والے ہوئے۔‘‘(۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الصف میں ایمان لانے، نیک اعمال اور جہاد کرنے کو اپنے ساتھ تجارت کرنے کے مترادف قرار دیا ہے منافق ایمان اور اعمال میں مخلص نہیں ہوتے اس لیے وہ اس تجارت میں ہدایت کے بدلے گمراہی کے خریدار بن جاتے ہیں اور دھوکہ باز کی تجارت دینی ہو یا دنیوی اس کا انجام آخر خسارہ ہوتا ہے۔

ایمان کے جھوٹے دعوے اور اس جھوٹ کے ذریعے مومنوں کو دھوکہ دینے کی بنا پر منافقوں کے دل ایمان کی روشنی اور صحیح فیصلہ کرنے کی بصیرت سے محروم ہو چکے ہیں۔ منافق کی حالت اس شخص جیسی ہوجاتی ہے جو نقصِ بصر کی وجہ سے ہر چیز کو ٹیڑھا دیکھتا ہے۔ اسی بنا پر منافق ایمان اور بصیرت سے محروم ہونے کی وجہ سے فساد کو اصلاح اور صحابہ کے ایمان کو غیر دانشمندانہ اقدام اور بے وقوفی قرار دیتے ہیں۔ مزید برآں کہ اللہ کی طرف سے ان کی رسی دراز ہو چکی ہے۔ جس بنا پر یہ عقل و دانش سے اندھے، حقیقی اور دائمی نفع و نقصان میں فرق کرنے کی صلاحیت سے تہی دامن ہو چکے ہیں۔ اس وجہ سے نفع کی بجائے نقصان پانے والے سوداگر بن چکے ہیں۔ حالانکہ کم سے کم عقل رکھنے والا انسان بھی وہ کام کرتا ہے جس میں اسے زیادہ سے زیادہ فائدہ دکھائی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو نفع و نقصان کا اس قدر شعور بخشا ہے کہ ایک گنوار اور اَن پڑھ ریڑھی لگانے والے محنت کش کو معلوم ہو جائے کہ اس کے مال کی قیمت فلاں بازار یا شہر میں زیادہ ہے تو وہ وہاں جانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ اور اس کے بندوں کو دھوکہ دینے والے منافق اس قدر کوتاہ چشمی کا شکار ہو چکے ہوتے ہیں کہ انہیں ایمان و ایقان اور کفر و نفاق، آخرت اور دنیا کی نعمتوں میں فرق دکھائی نہیں دیتا۔ جب کہ دنیا آخرت کی کھیتی اور نیک اعمال آخرت کی نعمتوں کی قیمت ہیں۔

دنیا دار العمل اور تجارت گاہ ہے اس بنا پر فطری طور پر انسان کے ہر عمل کے پیچھے نفع اور نقصان کی سوچ کار فرما ہوتی ہے۔ اچھی سوچ کے بدلے ہدایت نصیب ہوتی ہے، ہدایت اور نیک عمل کے بدلے جنت عطا ہوگی۔ قرآنِ مجید نے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور مال و جان کے ساتھ دین کی سربلندی کے لیے کوشش کرنے کو بہترین نیکی اور تجارت قرار دیا ہے۔ (الصف: ۱۱ تا ۱۳) قتال فی سبیل کے بیان میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانوں کے

بدلے جنت کا سودا کرلیا ہے۔(التوبۃ:۱۱۱) مومن اپنے رب کی تابعداری کر کے اس کی رضا کا طلب گار اور جنت کا خریدار بن جاتا ہے۔منافق اپنی منافقت اور کافر اپنے کفر کی وجہ سے اس سوداگری میں دنیا کی ذلّت اور آخرت کی سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔منافق جس عارضی عزت اور منفعت کے لیے جو کچھ کرتا ہے وہ حقیقت میں نقصان اور ہدایت سے محرومی کا نتیجہ ہے۔جب کوئی شخص جان بوجھ کر خسارے کی تجارت کرنے سے باز نہ آئے تو اسے نفع کیونکر ہوسکتا ہے؟ یہی ہدایت کا معاملہ ہے لہٰذا گمراہی کا طالب ہدایت کس طرح پاسکتا ہے؟ اسی لیے ارشاد ہوا کہ یہ لوگ ہدایت نہیں پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرتے رہنا چاہیے:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰى))

(رواہ البخاری: باب التَّعَوُّذِ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلَ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ يَعْمَلْ)

”حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے۔اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، پرہیزگاری، تندرستی اور خوشحالی کا سوال کرتا ہوں۔“

سابقہ آیات میں منافقین کی نشانیاں:

۱۔ منافق دعوی ایمان میں جھوٹا ہوتا ہے۔ ۲۔منافق شعور سے تہی دامن ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے۔

۳۔ منافقت دل کی بیماری ہے۔ ۴۔منافق اصلاح کے نام پر فساد کرتا ہے۔

۵۔ منافق احمق ہونے کے باوجود مومنوں کو بے عقل سمجھتا ہے۔ ۶۔منافق ایمان جیسی گراں قدر نعمت کو مذاق سمجھتا ہے۔

۷۔ منافق ہدایت کی بجائے گمراہی کا طلب گار ہوتا ہے۔

مسائل

۱۔ منافق ہدایت کے بدلے گمراہی کے خریدار ہوتے ہیں۔ ۲۔منافقین کی تجارت سودمند نہ ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

منافق کا کردار اور انجام:

۱۔ منافق دغاباز، ریاکار اور بے توجہگی کے ساتھ نماز پڑھتا ہے۔(النساء:۱۴۲)

۲۔ منافق کے کلمہ پر اعتبار نہیں کیونکہ وہ جھوٹا ہوتا ہے۔(المنافقون:۱)

۳۔ منافق کی قسم پر اعتبار نہیں کیونکہ وہ اسے ڈھال کے طور پر استعمال کرتا ہے۔(المنافقون:۲)

۴۔ منافق جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔(النساء:۱۴۵) ۵۔منافق کفار سے دوستی رکھتا ہے۔(البقرۃ:۱۴)

مَثَلُهُمْ	كَمَثَلِ	الَّذِى	اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ	فَلَمَّآ	اَضَآءَتْ	مَا حَوْلَهٗ
ان کی مثال	جیسے مثال	جس نے	بھڑکائی آگ	پھر جب	روشن کر دیا	جو اس کا اردگرد

ذَهَبَ	اللّٰهُ	بِنُوْرِهِمْ	وَتَرَكَهُمْ	فِىْ	ظُلُمٰتٍ	لَّا	يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾
لے گیا	اللہ	ان کی روشنی	اور انہیں چھوڑ دیا	میں	اندھیرے	وہ	نہیں دیکھتے

”ان کی مثال اس شخص کی ہے جس نے آگ جلائی جب آگ نے آس پاس کے ماحول کو روشن کر دیا تو اللہ ان کے نور کو لے گیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا اب وہ دیکھ نہیں سکتے۔“(۱۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ منافق کے کردار کی مثال۔

اس مثال کے ذریعے اسلام اور نفاق ، منافقین اور سرورِ گرامی ﷺ کے درمیان فرق بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے دن رات کی جدوجہد سے دینِ اسلام کو اس طرح پیش فرمایا کہ جس سے کفر اور اسلام ، گمراہی اور ہدایت کے درمیان اس طرح امتیاز پیدا ہوا جس طرح روشنی اور اندھیرے کے درمیان فرق ہوا کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود منافقوں کے لیے اُن کے کفر ونفاق کی تاریکیاں اسلام کی روشن تعلیمات اور آپ ﷺ کی درخشاں سیرت کے درمیان حائل ہوگئیں یہ سب کچھ اس طرح ہوا جیسے ایک آدمی نے آگ جلا کر گھٹا ٹوپ راستے کو منور کر دیا ہو تا کہ اس راستے پر چلنے والے کو نشیب وفراز کا پتہ چل جائے۔ جونہی مسافر اس راستے پر چلنے کے لیے آمادہ ہوا تو اس کے خبثِ باطن کی وجہ سے اچانک راستہ خطرناک اندھیروں میں چھپ گیا۔ ذرا سوچیے اس مسافر کی کیا حالت ہوگی؟ بالکل یہی کیفیت منافقوں کے ساتھ پیش آئی کہ نبی معظم ﷺ کی ذات اور آپ کی تعلیمات کو سچ جاننے کے باوجود ان کا کفر ونفاق اور دنیاوی مفاد اس طرح حائل ہوا کہ اسلام کا راستہ روشن ہونے کے باوجود ان کو تاریک نظر آیا۔ اس کی وجہ ان کی منافقت اور گھناؤنا کردار تھا۔ جس بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا۔ اب صراطِ مستقیم کو دیکھنا اور اس پر چلنا ان کے بس کی بات نہیں کیونکہ اندھیرے میں کوئی چیز دکھائی نہیں دیا کرتی۔ یاد رہے کہ روشنی یعنی ہدایت ایک ہی ہے لیکن کفر وضلالت کے اندھیرے کئی قسم کے ہوتے ہیں اس لیے اندھیرے کے لیے جمع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

منافق کا محشر کے دن حال:

قرآنِ مجید نے دوسرے مقام پر اس کی یوں وضاحت فرمائی ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں نورِ ہدایت سے منہ موڑ لیا۔ ان کا محشر میں یہ حشر ہوگا۔

{يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا

وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿١٣﴾ } (الحديد:١٣)

”اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے کہ ہماری طرف دیکھو ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں۔ ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے کو لوٹ جاؤ اور وہاں نور تلاش کرو۔ پھر ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا اس کی اندرونی جانب رحمت ہوگی اور بیرونی جانب عذاب ہوگا۔“

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهَا جَعَلَ الْفِرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَآبُّ الَّتِیْ تَقَعُ فِی النَّارِ یَقَعْنَ فِیْهَا وَجَعَلَ یَحْجُزُهُنَّ وَیَغْلِبْنَهٗ فَیَتَقَحَّمْنَ فِیْهَا فَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَاَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا هٰذِهٖ رِوَایَةُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُهَا وَقَالَ فِیْ اٰخِرِهَا قَالَ فَذَالِكَ مَثَلِیْ وَمَثَلُكُمْ اَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ فَتَغْلِبُوْنِیْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا)) (رواہ البخاری: کتاب الرقاق، رواہ مسلم: کتاب الفضائل)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا: میری مثال آگ روشن کرنے والے شخص کی طرح ہے۔ جب آگ سے اس کا آس پاس روشن ہوگیا تو پروانے اس میں گرنے لگے۔ آگ جلانے والے نے انہیں بچانے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن وہ اس سے بے قابو ہو کر گرتے رہے۔ بس میں تمہیں آگ سے بچانے کے لیے پیچھے سے پکڑتا ہوں لیکن تم ہو کہ اس میں گرتے جا رہے ہو۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں اور مسلم میں اس طرح ہے کہ میری اور تمہاری مثال ایسے ہے کہ میں تمہیں پیچھے سے پکڑ کر آگ سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہا ہوں کہ میری طرف آؤ اور آگ سے بچو، لوگو! آگ کی بجائے میری طرف آؤ۔ لیکن تم مجھ سے بے قابو ہو کر آگ میں گرے جا رہے ہو۔“

مسائل

١۔ اسلام ایک روشنی ہے۔ ٢۔ نفاق اور کفر اندھیرے ہیں۔ ٣۔ نورِ ایمان کے بغیر ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔

تفسیر بالقرآن

دین ایک روشنی ہے:

١۔ اسلام ایک روشنی ہے۔ (الصّف:٧) ٢۔ ایمان اور دین نور ہے۔ (التغابن:٨)

٣۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام روشنی کی دعوت دیتے تھے۔ (ابراہیم:٥) ٤۔ نبی کریم ﷺ کی دعوت روشنی اور نور ہے۔ (ابراہیم:١)

٥۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو کفر کے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ (البقرۃ:٢٥٧)

٦۔ اللہ تعالیٰ کی ذات زمین و آسمان کا نور ہے (النور:٣٥)

٧۔ جس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا گیا وہ اللہ تعالیٰ کی روشنی پر ہے۔ (الزمر:٢٢)

صُمٌّۢ	بُكْمٌ	عُمْیٌ	فَهُمْ	لَا	یَرْجِعُوْنَ ۙ﴿۱۸﴾
بہرے	گونگے	اندھے	سو وہ	نہیں	پلٹیں گے

''بہرے، گونگے، اندھے ہیں پس وہ نہیں پلٹتے۔'' (۱۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقوں کا تذکرہ جاری ہے۔ منافقت کی بیماری کے ظاہری اعضا پر منفی اثرات۔

جو لوگ رسالت مآب ﷺ کی ذاتِ اقدس کو پہچاننے اور دین اسلام کے اوصاف کو جاننے کے باوجود کفر و نفاق پر ڈٹے ہوئے ہیں وہ اس شخص کی طرح ہیں جو آنکھوں سے اندھا، کانوں سے بہرا اور زبان سے گونگا ہے۔ ایسے لوگ نہ عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں نہ نصیحت کی زبان سنتے ہیں اور نہ ہی سبق آموزی کے لیے سوچنے پر تیار ہیں۔ یہ تو چلتے پھرتے انسانی ڈھانچے اور لکڑی یا پتھر کے ستون کی طرح ہیں اس کے سوا کچھ نہیں۔ لکڑی اور پتھر تو نہیں سنا کرتے لہٰذا یہ لوگ ہدایت پائیں تو کس طرح؟ کان، آنکھ اور چھونے کی حِس ہدایت پانے اور راہنمائی حاصل کرنے کے جسمانی ذرائع ہیں یہ مفلوج ہو جائیں تو ایسے شخص کو کوئی بھی ہدایت نہیں دے سکتا۔ گونگا، بہرہ اور اندھا شخص کسی کا ہاتھ پکڑے بغیر کہیں نہیں جا سکتا۔ یہی منافق کی حالت ہوتی ہے۔

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيْئَةً نُكِتَتْ فِيْ قَلْبِهٖ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهٗ وَإِنْ عَادَ زِيْدَ فِيْهَا حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهٗ وَهُوَ الرَّانُ الَّذِيْ ذَكَرَ اللّٰهُ ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾)) (رواہ الترمذی: باب ومن سورۃ ویل للمطففین [حسن])

''حضرت ابو ہریرہ ؓ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: آدمی جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ لگا دیا جاتا ہے جب وہ بے چین ہو کر توبہ و استغفار کرتا ہے تو اس کے دل کو پالش کر دیا جاتا ہے اور اگر پھر وہ مزید گناہ کرتا ہے تو وہ نکتہ بڑھا دیا جاتا ہے حتی کہ وہ پورے دل پر غالب آ جاتا ہے اور یہی زنگ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ (ہرگز نہیں بلکہ جو وہ کماتے تھے اس کے سبب ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے) (المطففین: ۱۴)۔''

مسائل

۱۔ کافر اور منافق اندھے، بہرے، گونگے ہونے کی وجہ سے اسلام کی روشنی سے مستفید نہیں ہو سکتے۔

تفسیر بالقرآن

کان، آنکھ اور دل سے کام نہ لینے والے لوگ:

۱۔ کفار کان، آنکھ اور دل کو استعمال نہیں کرتے۔ (الاعراف: ۱۷۹)

۲۔ دل، آنکھ اور کان سے استفادہ نہ کرنے والے جانوروں سے بدتر ہیں۔ (الاعراف: ۱۷۹)

۳۔ جہنمی سماعت و بصیرت استعمال نہ کرنے پر افسوس کا اظہار کریں گے۔ (الملک: ۱۰)

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ

یا جیسے بارش کی مانند آسمان سے اس میں اندھیرے اور گرج اور بجلی وہ ڈال لیتے ہیں

اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ ۢ

اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں بوجہ کڑک ڈر موت کے اور اللہ گھیرنے والا

بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا

کافروں کو قریب ہے بجلی اُچک لے ان کی آنکھیں جب بھی وہ چمکی ان پر چل پڑتے ہیں

فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

اس میں اور جب اندھیرا ہوتا ہے ان پر وہ کھڑے ہوئے اور اگر چاہتا اللہ

ع ٢/١٢ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٠﴾ ع

چھین لیتا ان کی سماعت اور ان کی آنکھیں یقیناً اللہ پر ہر چیز قادر

”یا آسمان سے بارش کی طرح جس میں اندھیرے گرج اور بجلی ہو۔ موت سے ڈر کر کڑک کی وجہ سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں اور اللہ کافروں کو گھیرنے والا ہے۔(١٩) قریب ہے بجلی ان کی آنکھیں اچک لے جائے۔ جب ان کے لیے روشنی ہوتی ہے تو اس میں چلتے پھرتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا ہوتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اگر اللہ چاہے تو ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں کو لے جائے۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔“(٢٠)

فہم القرآن

ربطِ کلام: دین کے بارے میں دوسری مثال۔

دین اسلام ایک ابر باراں ہے مگر اس میں منافق کی حالتِ زار بیان کی گئی ہے۔ بارش کی مثال کے ساتھ اسلام کی روشنی اور نفاق کی تاریکیوں کا فرق واضح کیا جا رہا ہے۔ جس طرح بارش اوپر سے نازل ہوتی ہے اللہ کا دین بھی آسمانوں سے نازل ہوا ہے۔ اس سے نہایت لطیف انداز میں کفار کے الزام کی تردید کی جا رہی ہے کہ دین کسی شخص کے ذہن کی اختراع اور زمین کی پیداوار نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے۔ جس طرح بارش سے بیک وقت ہر چیز تروتازہ ہو جاتی ہے ایسے ہی دین اسلام سے دل شاد، کردار میں نکھار اور دنیا میں برکات نازل ہوتی ہیں۔ بارش میں بسا اوقات اندھیرا اور گرج چمک ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح ہی دین اسلام اختیار کرنے، اس کے نفاذ سے اس کے متبعین کو دنیا میں فوائد بھی ملتے ہیں اور انہیں امتحانات اور کچھ دینوی نقصانات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ لیکن سچے اور پکے مسلمان ان مشکلات کو قبول کرتے ہوئے آگے ہی بڑھا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ دنیا و آخرت میں اپنی منزلِ مراد کو پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس منافق بارش میں چلنے والے اس مسافر کی طرح ہوتا ہے جو بادل کی گرج اور بجلی کی چمک کی وجہ سے کانوں میں انگلیاں ڈال کر اپنے آپ کو بجلی کی چکا چوند روشنی سے

چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ ایسا کرنے سے نہ روشنی اس سے دور ہوسکتی ہے اور نہ وہ آسمانی بجلی کی چمک کڑک سے بچ سکتا ہے۔ جس طرح ساری دنیا مل کر بھی بارش کو نہیں روک سکتی ایسے ہی منافق اور کفار جتنی چاہیں کوشش کریں نہ یہ اسلام کی روشنی مٹا سکتے ہیں اور نہ ہی غلبۂ اسلام میں ان کی کوششیں اور سازشیں رکاوٹ بن سکتی ہیں۔

منافق کا کردار یہ ہوتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں سے فائدہ حاصل ہونے کی توقع ہو تو منافق مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ مخلص مسلمانوں سے بھی چار قدم آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن جوں ہی اس کے مفاد کو ٹھیس پہنچنے کا خدشہ ہو تو اس کے قدم جم جاتے ہیں۔ منافقوں کی حرکات اور منافقت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی سمع وبصر کی حقیقی صلاحیتیں سلب کر لی ہیں۔ اگر ربِّ ذوالجلال چاہے تو ان کے کان اور آنکھوں کی جسمانی صلاحیتوں کو بھی مسخ کردے کیونکہ قادرِ مطلق کی طاقت سے کوئی چیز بھی باہر نہیں ہے۔

((عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَثَلُ مَابَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْهُدٰى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيْرِ أَصَابَ أَرْضًا فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ قَبِلَتِ الْمَآءَ فَأَنْبَتَتِ الْكَلَأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيْرَ وَكَانَتْ مِنْهَآ أَجَادِبُ أَمْسَكَتِ الْمَآءَ فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوْا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا وَأَصَابَتْ مِنْهَا طَائِفَةٌ أُخْرٰى إِنَّمَا هِيَ قِيْعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلَأً فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ وَنَفَعَهٗ مَابَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَأْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِيْ أُرْسِلْتُ بِهٖ))

(رواہ البخاری: کتاب العلم، باب فضل من علم)

”حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس علم اور ہدایت کے ساتھ مجھے بھیجا ہے اس کی مثال زمین پر مسلسل برسنے والی بارش کی طرح ہے۔ زمین کا جو قطعہ اچھا تھا اس نے اسے قبول کیا اس نے گھاس اور سبزے کو خوب اگایا۔ دوسری زمین سخت تھی پانی جذب ہونے کی بجائے اس پر کھڑا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ لوگوں نے خود پانی پیا اور جانوروں کو پلایا اور پھر اس سے کھیتی باڑی کی جبکہ تیسرا زمین کا ٹکڑا چٹیل میدان تھا نہ اس نے پانی جذب کیا اور نہ ہی پانی اس کے اوپر ٹھہرا۔ اللہ تعالیٰ نے جو دین دے کر مجھے مبعوث فرمایا اس دین کی فہم حاصل کرنے والے اور اس سے نفع اٹھانے والے کی مثال ایسے ہے کہ اس نے علم سے فائدہ اٹھایا خود سیکھا اور لوگوں کو بھی تعلیم دی۔ دوسری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے بے پرواہی سے علم کی طرف توجہ نہ کی اور نہ ہی اس بات کو قبول کیا جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا۔“

مسائل

۱۔ دینِ اسلام بارانِ رحمت ہے۔ ۲۔ اسلام پر عمل پیرا ہونے میں آزمائشیں بھی آتی ہیں۔

۳۔ منافق صرف فائدے کی بنیاد پر اسلام پر عمل کرتا ہے۔ ۴۔ منافق کسی آزمائش میں پورا نہیں اترتا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو منافقین کے سمع وبصر ختم کردے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت وسطوت رکھنے والا ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کافروں کی گرفت کرنے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

اے لوگو عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور وہ لوگ جو سے تم سے پہلے

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ

تاکہ تم پرہیز گار ہو جاؤ جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو

بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ

چھت اور اس نے اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس کے ساتھ سے پھل (جمع)

رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

رزق تمہارے لیے سو نہ بناؤ اللہ کے لیے کوئی شریک اور تم جانتے ہو

”اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔ (۲۱) اس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی نازل فرما کر اس سے تمہارے لیے پھل پیدا کیے جو تمہارے رزق ہیں جاننے کے باوجود اللہ کے ساتھ شریک نہ بناؤ۔“ (۲۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ایمانداروں، کفار اور منافقین کے ذکر کے بعد توحید اور عبادت کا بیان ہوتا ہے۔ قرآن مجید کا مرکزی پیغام ”اللہ“ کی توحید اور اس کی ربوبیت کا اقرار ہے جس کا منطقی نتیجہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے۔

اکثر مفسرین نے عبادت کا معنی تذلّل یعنی نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پرستش کرنا بیان کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عبادت میں عاجزی اور انتہا درجے کی انکساری ضروری ہے کہ آدمی اللہ کے حضور قیام کرے تو نا صرف زبان سے اقرار کرے بلکہ اس کا پورا جسم خاموش گواہی دیتا ہو کہ میرے جسم کا ایک ایک ریشہ تیرے حضور عاجز و بے بس ہے۔ جبینِ نیاز جھکائے تو اپنے آپ کو عجز و انکساری کی انتہا تک لے جائے گویا کہ وہ پستیوں کے سمندر میں ڈوب چکا ہے۔ زبان جنبش کرے تو اس کی حمد و ثنا کے گیت گائے، دستِ سوال دراز کرے تو سراپا التجا بن جائے۔ مال خرچ کرے تو اس عاجزی کے ساتھ کہ میں تو مالک کی ملکیت ہی واپس لوٹا رہا ہوں نہ میرا مال ہے اور نہ اس میں میرا کمال ہے۔

اس عہد کو نمازی پانچ وقت تشہد کی زبان میں دہراتا ہے کیوں کہ عبادت تین ہی طریقوں سے ہو سکتی ہے۔

((اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ)) (رواہ البخاری: باب التَّشَهُّدِ فِی الاٰخِرَةِ)

”تمام قسم کی قولی، فعلی اور مالی عبادات اللہ کے لیے ہیں۔“

عبادت کا جامع تصور:

{ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ } (الانعام: ۱۶۲ تا ۱۶۳)

''کہہ دیجیے! یقیناً میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا اسلام لانے والا ہوں۔''

اس آیت میں عبادت کا وسیع تخیل پیش کیا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی منڈی اور بازار میں ہو تو امانت و دیانت کا نمونہ بن جائے، کسی کے ہاں مزدور اور خدمت گزار ہو تو وفاداری کا پیکر ہو جائے، حکمران ہو یا کوئی ذمہ داری اٹھائے تو قوم کا خادم اور مالکِ حقیقی کا غلام بن کر رہے۔ غرضیکہ زندگی کا ایک ایک لمحہ اور شعبہ رب کی غلامی اور سرافگندگی کے لیے وقف کرنے کا نام ہی عبادت ہے۔ یہی انسان کی تخلیق کا مقصد اور اسی کے لیے انسان کا ہر عمل وقف ہونا چاہیے۔ انبیائے عظام اپنی دعوت کا آغاز اسی سے کیا کرتے تھے۔

اس تصورِ عبادت سے ہٹنا مقصدِ حیات کی نفی اور غیر اللہ کی عبادت کرنے کے مترادف ہے۔ جس کا آدمی کو کسی حال میں حق نہیں پہنچتا۔ ایمان، کفر اور نفاق کی بڑی بڑی نشانیاں ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بلا امتیاز تمام طبقاتِ انسانی کو عبادت کا حکم دیتے ہوئے اپنی عبادت کے استحقاق کی یہ دلیل دی ہے کہ اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں، تمہارے آباؤ اجداد اور سب لوگوں کو پیدا فرمایا۔ اسی نے تمہارے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کو سائبان، پھر آسمان سے پانی نازل کیا جس سے تمہارے رزق کا بندوبست فرمایا۔ یہ سب کچھ ایک رب نے پیدا کیا اور وہی تمہارا خالق و مالک ہے۔ یہ حقائق تم بھی جانتے ہو کہ تمہاری اور کائنات کی تخلیق اور تمہارے رزق کے بندوبست میں اللہ کا کوئی شریک اور سہیم نہیں ہے پھر ایسے رب کے ساتھ دوسروں کو شریک بنانے کی کس طرح جرأت کرتے ہو؟ جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں لہٰذا تمہیں صرف ایک اللہ کی ہی عبادت کرنا چاہیے۔ توحیدِ ربوبیت اور خالقیت کا شعور دلا کر انسان کے ضمیر کو جھنجھوڑا ہے تا کہ انسان یہ سمجھے کہ کسی غیر کی نہیں بلکہ میں اپنے خالق، رازق اور مالک کی ہی عبادت کر رہا ہوں۔ ابتدا میں توحید کے طبعی، فطری اور آفاقی دلائل دیئے گئے ہیں تا کہ انسان کو توحید سمجھنے میں آسانی ہو۔ اسی سے قرآن مجید کا آغاز ہوا ہے کیونکہ توحید فطرت کی آواز اور انسان کے ضمیر کی ترجمان ہے۔

{ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ } (العلق: ۱)

''اپنے پیدا کرنے والے رب کے نام سے پڑھئے۔''

ایک مبلغ کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے سامع کے سامنے اولاً توحید کی ایسی دلیل پیش کرے جس کو سمجھنے اور تسلیم کرنے میں آسانی ہو۔ لہٰذا یہاں پانچ دلائل ایسے بیان ہوئے ہیں جن کا بدترین منکر بھی انکار نہیں کر سکتا۔ یہاں تخلیقِ انسانی کے مختلف دلائل دیے جاتے ہیں باقی دلائل کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر بیان ہوگی۔

’’اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔ پھر اس کو ایک محفوظ جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر نطفے کا لوتھڑا بنایا۔ پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی، پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا۔ اللہ جو سب سے بہترین بنانے والا بڑا بابرکت ہے۔‘‘ (المومنون: ۱۲ تا ۱۴)

اَنْدَادًا ’’ند‘‘ کی جمع ہے جس کا معنٰی ہے ہمسر اور شریک۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا سدِ باب کرنے کے لیے ہر ایسے قول و فعل سے منع فرمایا ہے جس میں شرک کا شائبہ پایا جاتا ہو۔ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ”مَاشَآءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ“ ’’جس طرح اللہ اور آپ چاہیں۔‘‘ اس پر آپ نے فرمایا: ”جَعَلْتَنِي لِلّٰهِ عَدْلًا“ ’’تو نے مجھے اللہ کا شریک ٹھہرا دیا ہے کہو ”مَا شَآءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ“ جو اللہ اکیلا چاہے۔‘‘ (رواہ احمد: مسند عبداللہ بن عباس [صحیح])

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی تمام انسانوں کا خالق اور پالنے والا ہے۔ سب کو اپنے رب کی ہی عبادت کرنا چاہیے۔
۲۔ اللہ ہی نے زمین کو فرش، آسمان کو چھت بنایا اور وہی آسمان سے بارش نازل کرتا اور ہمارے لیے رزق پیدا کرتا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرنا چاہیے۔ ۴۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔

تفسیر بالقرآن

عبادت اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت:

۱۔ جن اور انسان اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ (الذّاریات: ۵۶)
۲۔ تمام انبیاء اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے اور شیطان کی عبادت سے روکتے تھے۔ (الاعراف: ۵۹، ۶۵، ۷۳)
۳۔ عبادت کا مفہوم۔ (انعام: ۱۶۳) ۴۔ اللہ کی عبادت کرنے میں کامیابی ہے۔ (الحج: ۷۷)

تخلیق انسانی کے مختلف مراحل:

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے۔ (آلِ عمران: ۵۹) ۲۔ حضرت حوا، حضرت آدم علیہم السلام سے پیدا ہوئی۔ (النساء: ۱)
۳۔ انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل۔ (المؤمنون: ۱۲ تا ۱۴) ۴۔ یقیناً ہم نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ (الحجر: ۲۶)
۵۔ اللہ نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔ (الدھر: ۲)
۶۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اسے نطفہ بنایا، پھر اس سے خون کا لوتھڑا، پھر اس سے بوٹی بنا کر۔ (الحج: ۵)
۷۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ، پھر لوتھڑا بنا کر تمہیں پیدا کرتا ہے کہ تم بچے ہوتے ہو۔ (المومن: ۶۷)
۸۔ کیا تو اس ذات کا کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا فرمایا۔ (الکھف: ۳۷)

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا

اور اگر | تم ہو | میں | شک | سے جو | ہم نے اُتارا | پر | اپنا بندہ

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ

تو لے آؤ | ایک سورۃ | سے | اس جیسی | اور بلالو | اپنے مددگاروں کو | اللہ کے سوا | اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٣﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ

تم سچے ہو | پھر اگر | تم نہ کرسکو | اور ہرگز نہ کرسکو گے | تو ڈرو | آگ

الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٤﴾

وہ جو | اس کا ایندھن | انسان | اور | پتھر ہیں | تیار کی گئی | کافروں کے لیے

’’ہم نے جو اپنے بندے پر اتارا ہے اگر اس میں تمہیں شک ہو تو تم اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لاؤ اگر تم سچے ہو۔ (۲۳) پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا اور تو ہرگز نہیں کرسکو گے پس اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔‘‘ (۲۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: توحید کے بیان کے بعد قرآنِ مجید کے بارے میں چیلنج دیا گیا ہے کیونکہ قرآن نے ہی توحید کے دلائل اور دیگر مسائل بتلائے ہیں اس لیے ابتدا میں قرآن کی حقانیت کے بارے میں شک کرنے والوں کو چیلنج دیا گیا ہے کہ یہ قرآن من جانب اللہ ہے اور کسی انسان کی ذہنی اختراع نہیں ہے اگر پھر بھی تمہیں یقین نہیں آتا تو تم ایسا کلام بنا کر دکھاؤ۔

اہلِ مکہ رسالت مآب ﷺ کی نبوت کے انکار کے لیے مختلف بہانے بنایا کرتے تھے۔ کبھی کہتے کہ نبوت کے منصبِ جلیلہ کے لیے معاشی اعتبار سے خوشحال، سیاسی لحاظ سے طاقتور اور خاندانی اعتبار سے کسی بڑے قبیلے کا سردار ہونا چاہیے تھا۔ پھر مکہ میں ابوالحکم بن ہشام یعنی ابوجہل اور کبھی طائف کے مختلف سرداروں کے نام لیتے تھے حالانکہ لوگوں کی نظروں میں آپ ﷺ کے مقابلہ میں کسی دوسرے کا نام جچتا ہی نہیں تھا کیونکہ سیرت وصورت کے حوالے سے آپ کا پلہ سب پر بھاری تھا۔ جب اس میں ناکامی کا منہ دیکھتے تو پروپیگنڈہ کرتے کہ یہ کلام روم کے فلاں شخص سے خفیہ پیغام رسانی کے ذریعے پیش کیا جارہا ہے۔ قرآن مجید نے پہلے اور دوسرے اعتراض کا یہ جواب دیا کہ نبوت تو سراسر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا انتخاب ہوا کرتا ہے۔ وہی بہتر جانتا ہے کہ کون سا دل نورِ الٰہی کا اہل، کونسی زبان اس کے بیان کرنے پر قادر، اور کون سے کندھے اس بارِ گراں کو اٹھانے کے متحمل ہوسکتے ہیں۔ [الانعام: ۱۲۴] دوسرے اعتراض کا جواب فقط اتنا دیا کہ جس شخص کو تم محمد (ﷺ) کا معلم و مرشد کہتے ہو وہ تو عربی کے حروفِ ابجد سے بھی واقف نہیں جبکہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کا سرچشمہ، حقائق و ہدایت کا بے

مثل منبع اور عربی ادب کا شاہکار ہے۔[النحل: ۱۰۳] ان دلائل کے باوجود کفار کو کھلے چیلنج دیئے جن میں ایک زوردار چیلنج یہ ہے کہ ہم نے اپنے محبوب بندے پر قرآن نازل کیا ہے اگر اس کے من جانب اللہ ہونے پر تمہیں شک ہے اور تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا جہاں کے جن وانس اور جس کو چاہو اور جب چاہو اپنے ساتھ ملا کر ایک سورت ہی بنا کر لے آؤ لیکن یاد رکھنا اب تک یہ نہ ہوا اور نہ قیامت تک ایسا ہو سکے گا۔ کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے اعلیٰ وارفع، لازوال اور بے مثال ہے اسی طرح اس کا کلام اعلیٰ، ارفع، لازوال اور بے مثال ہے۔ انسانوں کی اصلاح اور فلاح کے لیے اللہ کریم کی طرف سے نبی محترم ﷺ کو قرآن مجید کی صورت میں ایسا معجزہ عطا کیا گیا ہے جس کی طاقت سے نبی معظم ﷺ نے دنیا کے سخن وروں، قانون دانوں، شاعروں اور ادیبوں کو لاجواب کر دیا ہے۔ اس کے باوجود ہر دور کے کافر قرآن مجید، فرقان حمید کی مخالفت کرتے آرہے ہیں لیکن بالآخر انہیں اپنی ناکامیوں کا اعتراف کرنا پڑا ہے۔ جس کی چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں تاکہ قرآن کے طالب علم کو معلوم ہو جائے کہ منکرینِ قرآن کس طرح اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے آئے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اس لیے ارشاد ہوا کہ قرآن کا مقابلہ کرنا تمہارے بس کا روگ نہیں لہٰذا آگ سے بچو جس میں پتھروں اور انسانوں کو جھونکا جائے گا جو کفار کے لیے تیار کی گئی ہے۔

فرانس کا مشہور مستشرق ڈاکٹر مارڈریس جس کو حکومت فرانس کی وزارتِ معارف نے قرآنِ حکیم کی باسٹھ سورتوں کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کرنے پر مامور کیا تھا اس کا اعتراف۔

”بے شک قرآن کا طرزِ بیان اللہ تعالیٰ کا طرزِ بیان ہے، بلاشبہ جن حقائق ومعارف پر یہ کلام حاوی ہے وہ کلامِ الٰہی ہی ہوسکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس میں شک وشبہ کرنے والے بھی جب اس کی عظیم تاثیر کو دیکھتے ہیں تو تسلیم واعتراف پر مجبور ہو جاتے ہیں، پچاس کروڑ مسلمان (اس تحریر کے وقت مسلمانوں کی تعداد اتنی ہی تھی 2014ء میں یہ تعداد ڈیڑھ ارب سے زائد ہے) جو سطح زمین کے ہر حصہ پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اُن میں قرآن کی خاص تاثیر کو دیکھ کر مسیح مشن میں کام کرنے والے بالاجماع اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔“ [معارف القرآن مفتی محمد شفیع]

ڈاکٹر گستاد لی بان نے اپنی کتاب ”تمدنِ عرب“ میں قرآن کی حیرت انگیزی کا اعتراف کیا، اس کے الفاظ یہ ہیں:

”پیغمبر نبی اُمّی اسلام کی ایک حیرت انگیز سرگزشت ہے، جس کی آواز نے ایک قومِ ناہنجار کو جو اس وقت تک کسی ملک کے زیرِ حکومت نہ آئی تھی رام کیا، اور اس درجہ پر پہنچا دیا کہ اس نے عالم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیروزبر کر ڈالا۔“

مسٹر وڈ ول جس نے قرآن مجید کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

”جتنا بھی ہم اس کتاب یعنی قرآن کو الٹ پلٹ کر دیکھیں اسی قدر پہلے مطالعہ میں اس کی مرغوبیت نئے نئے پہلوؤں سے اپنا رنگ جماتی ہے، فوراً ہمیں مسخر اور متحیر کر دیتی ہے اور آخر میں ہم سے تعظیم کرا کر چھوڑتی ہے، اس کا طرزِ بیان باعتبار اس کے مضامین کے، عفیف، عالی شان اور تہدید آمیز ہے اور جا بجا اس کے مضامین سخن کی غایت رفعت تک

پہنچ جاتے ہیں، غرض یہ کتاب ہر زمانہ میں اپنا پرزور اثر دکھاتی رہے گی۔'' (شہادۃ الاقوام ص ۱۳)

مصر کے مشہور مصنف احمد فتحی بک زاغلوئ نے ۱۸۹۸ء میں مسٹر کونٹ ہنروی کی کتاب الاسلام کا ترجمہ عربی میں شائع کیا تھا، اصل کتاب فرنچ زبان میں تھی۔ اس میں مسٹر کونٹ نے قرآن کے متعلق اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کئے ہیں:

''عقل حیران ہے کہ اس قسم کا کلام ایسے شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا جو بالکل ان پڑھ تھا، تمام مستشرقین نے اقرار کر لیا ہے کہ نوع انسانی لفظاً و معناً ہر لحاظ سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہ وہی کلام ہے جس کی بلند انشاء پردازی نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مطمئن کیا اور ان کو خدا کا معترف ہونا پڑا۔ یہ وہی کلام ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے متعلق اس کے جملے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حبشہ کے بادشاہ کے دربار میں پڑھے تو اس کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے، اور بشپ چلّا اٹھا کہ یہ کلام اسی سرچشمہ سے نکلا ہے جس سے عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نکلا تھا۔'' (شہادۃ الاقوام ص ۱۴)

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، جلد ۱۶ میں تحریر ہے:

''قرآن کے مختلف حصص کے مطالب ایک دوسرے سے بالکل موافق ہیں، بہت سی آیات دینی و اخلاقی خیالات پر مشتمل ہیں، مظاہرِ قدرت، تاریخ، الہامات، انبیاء کے ذریعہ اس میں خدا کی عظمت، مہربانی اور صداقت کی یاد دلائی گئی ہے، بالخصوص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے خدا کو واحد اور قادر مطلق ظاہر کیا گیا ہے، بت پرستی کو بلا لحاظ ناجائز قرار دیا گیا ہے، قرآن کی نسبت یہ بالکل بجا کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا بھر کی موجودہ کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل فرمایا۔

۲۔ ساری مخلوق مل کر بھی قرآن کی ایک سورت جیسی سورت نہیں بنا سکتی۔ ۳۔ جہنم میں پتھر اور ''اللہ'' کے نافرمان جھونکے جائیں گے۔

۴۔ رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے۔ ۵۔ قرآن کے منکر جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن کے چیلنج:

۱۔ جن اور انسان مل کر اس جیسا قرآن بنا لاؤ۔ (بنی اسرائیل: ۸۸) ۲۔ کوئی دس سورتیں بنا لاؤ۔ (ھود: ۱۳)

۳۔ کوئی اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ۔ (یونس: ۳۸) ۴۔ قیامت تک نہیں بنا سکتے۔ (البقرۃ: ۲۳)

۵۔ اس جیسی کوئی آیت لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ (الطور: ۳۴)

وَبَشِّرِ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	اَنَّ	لَهُمْ	جَنّٰتٍ
اور خوشخبری دو	جو لوگ	ایمان لائے	اور انہوں نے عمل کیے	نیک	یقیناً	ان کے لیے	باغات

تَجْرِيْ	مِنْ	تَحْتِهَا	الْاَنْهٰرُ ؕ	كُلَّمَا	رُزِقُوْا	مِنْهَا	مِنْ ثَمَرَةٍ
بہتی ہیں	سے	ان کے نیچے	نہریں	جب دیے جائیں گے ان کو		اس سے	سے کوئی پھل

رِّزْقًا ۙ	قَالُوْا	هٰذَا	الَّذِيْ	رُزِقْنَا	مِنْ	قَبْلُ ۙ	وَاُتُوْا بِهٖ
رزق	وہ کہیں گے	یہ	وہ جو کہ	ہمیں دیا گیا	سے	پہلے	اور اُنہیں دیا جائیگا اس سے

مُتَشَابِهًا ؕ	وَلَهُمْ	فِيْهَآ	اَزْوَاجٌ	مُّطَهَّرَةٌ ۙ	وَّهُمْ	فِيْهَا	خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾
ملتا جلتا	اور ان کے لیے	اس میں	بیویاں	پاکیزہ	اور وہ	اس میں	ہمیشہ رہیں گے

''اور ایمان لانے اور صالح اعمال کرنے والوں کو خوش خبری دیں کہ ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں۔ جب جنتی پھلوں سے رزق دیے جائیں گے تو وہ کہیں گے یہ وہی ہیں جو ہم اس سے پہلے دیے گئے تھے اور انہیں اس سے ملتے جلتے پھل دیے جائیں گے اور ان کے لیے پاک بیویاں ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔'' (۲۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک، قرآن مجید اور نبوت کے بارے میں شک و انکار کرنے والوں کو سخت ترین عذاب کا انتباہ کرنے کے بعد اب ان لوگوں کو کامیابی کی نوید اور پیغامِ مسرت دیا جا رہا ہے جو ایمانِ خالص کے ساتھ نیک عمل کرتے ہیں۔

یاد رہے نیک عمل میں ایمان باللہ کے بعد تین چیزیں لازم ہیں:

(۱)۔اخلاصِ نیت (۲)۔سنت کی اتباع (۳)۔فرائض پر ہمیشگی

نوافل میں پہلی دو شرائط لازمی ہیں اور تیسری شرط افضل ہے ضروری نہیں۔

جنت کے پھل شکل وصورت کے اعتبار سے دنیا کے پھلوں سے ہم رنگ اور ہم شکل ہوں گے۔ جنہیں دیکھتے ہی اہلِ جنت پکار اٹھیں گے کہ ان جیسے پھل تو دنیا میں بھی ہمیں دیے گئے تھے۔ شاید یہ اس لیے ہوگا کہ جنتیوں کو اتنی بھی زحمت اور پریشانی نہ اٹھانا پڑے کہ وہ جنت کے باغات اور پھلوں کے بارے میں ملائکہ یا ایک دوسرے سے پوچھنے کی زحمت اٹھائیں۔ یہ کیا ہے؟ اور وہ کونسا پھل ہے اور اسے کس طرح کھانا ہے؟ لہٰذا پہلے سے ہی ان کی شکلوں اور ناموں سے متعارف اور مانوس ہوں گے تاکہ انہیں ایک ناواقف شخص کی طرح شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔ تاہم جنت کے پھل رنگت، حجم، لذت اور خوشبو کے اعتبار سے دنیا کے پھلوں سے ہمارے تصورات سے کہیں بڑھ کر مختلف ہوں گے۔ اسی طرح جنت کی عورتیں جسمانی آلائشوں اور بیماریوں سے پاک، خاوندوں کی نافرمانی سے محفوظ اور سوتنوں کے حسد و رشک سے مبرا ہوں گی۔ ان کے حسن و

جمال کے بارے میں رسول اللہ ﷺ اس طرح فرمایا کرتے تھے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ اللهُ تَعَالَى اَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَآ اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ وَّاقْرَءُ وْٓا إِنْ شِئْتُمْ {فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ})) (رواہ البخاری: باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ وأنہا مخلوقۃ)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار کی ہیں، جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی ان کے متعلق کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے دل میں ان کا خیال پیدا ہوا۔ اگر چاہو تو اس آیت کی تلاوت کرو۔ {کوئی نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چیز چھپا کے رکھی گئی ہے}۔''

((وَلَوْ اَنَّ اِمْرَاَةً مِّنْ نِّسَآءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ اِلَى الْاَرْضِ لَاَضَآءَ تْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَاَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيْحًا وَلَنَصِيْفُهَا يَعْنِي الْخِمَارَ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا)) (رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ والنار)

''اگر اہل جنت کی عورتوں سے کوئی زمین کی طرف جھانک لے تو مشرق ومغرب اور جو کچھ اس میں ہے روشن اور معطر ہوجائے نیز اس کے سر کا دوپٹہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے قیمتی ہے۔''

قرآنِ مجید نے ''اَزْوَاجٌ'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کا معنٰی ہے جوڑا۔ جو اس طرح ہوگا کہ اگر نیک خاتون کا خاوند جہنم رسید ہوا تو اسے دوسرے جنتی کی زوجہ بنا دیا جائے گا اور جس کی بیوی جہنمی ہوگی اسے دنیا کی نیک خاتون عطا کی جائے گی۔ قرآن مجید نے عورتوں کی حیا کے پیشِ نظر یہ نہیں فرمایا کہ ان کے لیے خوبصورت مرد ہوں گے۔ ایسا کہنا قرآن کے اسلوبِ بیان کے خلاف تھا۔ مرد طبعی طور پر نسبتاً عورت سے کم حیا رکھتا ہے اس لیے فرمایا کہ جنت میں ان کے لیے پاک بیویاں ہوں گی۔ یہ اس لیے بھی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو دنیا میں نگران بنایا ہے اور جنت میں بھی ان کو عورتوں پر سردار بنائے گا۔ جنتیوں کو یہ خوشخبری بھی دی جارہی ہے کہ جنت اور اس کی نعمتیں ان کے لیے ہمیشہ اور جنتیوں کو حیاتِ جاوداں حاصل ہوگی۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فِيْ ظِلِّهَا مِائَةَ سَنَةٍ وَاقْرَءُ وْٓا إِنْ شِئْتُمْ {وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ})) (رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ وأنہا مخلوقۃ)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ گھوڑے پر سوار شخص اس کے سائے میں سوسال تک چل سکتا ہے۔ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: اور سائے ہیں لمبے لمبے۔''

((عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ قَيْسٍ رضی اللہ عنہ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ لِلْمُؤْمِنِ فِي الْجَنَّةِ لَخَيْمَةً مِنْ لُؤْلُؤَةٍ وَاحِدَةٍ مُجَوَّفَةٍ طُوْلُهَا سِتُّوْنَ مِيْلًا لِلْمُؤْمِنِ فِيْهَا أَهْلُوْنَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمُ الْمُؤْمِنُ فَلَا يَرٰى بَعْضُهُمْ بَعْضًا)) (رواہ مسلم: باب فی صفۃ خیام الجنۃ)

''حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جنت میں مومن کے لیے موتی کا ایک ایسا خیمہ ہوگا جس کی لمبائی ساٹھ میل ہوگی وہاں مومن کے گھر والے ہوں گے جن کے ہاں وہی جائے گا کوئی کسی کو نہ دیکھ سکے گا۔''

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَوَّلُ زُمْرَةٍ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰى صُوْرَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَالَّذِيْنَ عَلٰى آثَارِهِمْ كَأَحْسَنِ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَآءِ إِضَاءَةً قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ لَا تَبَاغُضَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَحَاسُدَ لِكُلِّ امْرِئٍ زَوْجَتَانِ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ يُرٰى مُخُّ سُوْقِهِنَّ مِنْ وَرَآءِ الْعَظْمِ وَاللَّحْمِ)) (رواه البخاری: باب ما جاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں پہلا گروہ جنت میں چودھویں رات کے چاند کی صورت میں داخل ہوگا اس کے بعد کے لوگ آسمان میں چمکدار اور حسین ستارے کی مانند ہوں گے ان کے دل ایک ہی آدمی کے دل کی طرح ہوں گے ان کے درمیان نہ کوئی بغض ہوگا اور نہ ہی حسد۔ ہر ایک جنتی کے لیے حورالعین میں سے دو بیویاں ہوں گی جن کی ہڈیوں کا گودا، گوشت اور ہڈیوں کے درمیان سے نظر آئے گا۔''

مسائل

۱۔ صاحب ایمان اور نیک اعمال کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت، ہر قسم کے پھل، پاکیزہ بیویاں اور جنت میں ہمیشہ رہنے کی خوشخبری ہے۔

تفسیر بالقرآن

جنت کی ازواج:

۱۔ حوریں نوجوان، کنواریاں اور ہم عمر ہوں گی۔ (الواقعہ: ۳۵ تا ۳۸) ۲۔ یاقوت و مرجان کی مانند ہوں گی۔ (الرحمٰن: ۵۸)

۳۔ خوبصورت اور خوب سیرت ہوں گی۔ (الرحمٰن: ۷۰) ۴۔ خیموں میں چھپی ہوئی ہوں گی۔ (الرحمٰن: ۷۲)

۵۔ شرم و حیا کی پیکر اور انہیں کسی نے چھوا نہیں ہوگا۔ (الرحمٰن: ۵۶)

۶۔ خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں والیاں ہوں گی۔ (الصافات: ۴۸، ۴۹) ۷۔ جنتیوں کی ہم عمر ہونگی۔ (صٓ: ۵۲)

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِۦٓ أَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ

یقیناً اللہ نہیں شرماتا یہ کہ وہ بیان کرے مثال جو مچھر خواہ جو اس سے اوپر

فَأَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَأَمَّا الَّذِيْنَ

سو جو لوگ ایمان لائے وہ جانتے ہیں بیشک وہ حق سے ان کے رب سے اور جن لوگوں نے

كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ

کفر کیا وہ کہتے ہیں کیا ارادہ کیا اللہ نے اس سے مثال وہ گمراہ کرتا ہے اس سے

كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ إِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾

بہت کو اور ہدایت دیتا ہے اس سے بہت کو اور نہیں گمراہ کرتا اس سے مگر نافرمانوں کو

”اللہ تعالیٰ یقیناً نہیں شرماتا کہ کوئی مثال بیان کرے مچھر کی ہو یا اس سے حقیر تر چیز کی جو لوگ ایمان لائے وہ تو اسے اپنے رب کی طرف سے حق سمجھتے ہیں اور جنہوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے اس مثال کے ساتھ کیا ارادہ کیا ہے۔ اللہ اس مثال کے ذریعہ سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور نہیں گمراہ کرتا مگر نافرمانوں کو۔“ (۲۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے مرکزی اور بنیادی باتوں کا تذکرہ ہوا ہے۔ اب قرآنِ مجید میں بیان ہونے والی امثال کی وضاحت اور ان کے ردِّعمل کا بیان ہوتا ہے۔

انسانی فطرت شروع سے اس بات کی متقاضی رہی ہے کہ جو بات مشکل یا لطیف ہو وہ مثال کے ذریعے سمجھائی جائے تو نہ صرف بات اس کی سمجھ میں آجاتی ہے بلکہ وہ بات آدمی کو مدت تک یاد رہتی ہے۔ فطرت کے اس تقاضے اور فہم کی آسانی کے لیے قرآن مجید میں کئی مسائل کو امثال کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ بالخصوص توحید کی حقانیت اور شرک کی ناپائیداری اور بے بضاعتی سمجھانے کے لیے جب یہ مثال دی گئی کہ شرک کا عقیدہ اور اس کے متعلقات مکڑی کے جالے کی طرح ناپائیدار اور کمزور ہیں جیسے مضبوط چھت کے ہوتے ہوئے مکڑی کا تانہ بانہ کمزور ہوتا ہے۔ [العنکبوت:۴۱] جو نہ ہوا کو روکتا ہے اور نہ ہی مکڑی کا سردی اور گرمی میں دفاع کرتا ہے۔ بلکہ معمولی ہوا بھی جالے سمیت مکڑی کو اٹھا کر دور پھینک دیتی ہے۔ یہی مشرک کے عقیدے کی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مضبوط سہارا چھوڑ کر کبھی مُردوں کو پکارتا ہے اور کبھی بے جان شجر و حجر کو وسیلہ بناتا ہے۔ حالانکہ معبودانِ باطلہ سے اگر مکھی کوئی چیز اٹھا کر لے جائے تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتے۔ کس قدر طالب و مطلوب کمزور ہیں۔ [الحج:۷۳] مکھی کی مثال سے یہ بھی واضح ہوا کہ جس طرح عام مکھی پھول اور گندگی پر بیٹھنے سے پرہیز نہیں کرتی۔ ایسے ہی مشرک توحید اور شرک میں فرق نہیں کرتا اور جگہ جگہ ٹکریں مارتا پھرتا ہے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ مشرک اور کافر ان مثالوں پر غور کرتے ہوئے اپنے باطل نظریہ پر نظرثانی کرتے۔ اُلٹا انہوں نے یہ کہا

کہ ربِّ جلیل کو اتنی حقیر چیزوں کی مثال نہیں دینا چاہیے تھی ایسی مثالیں دینا ذاتِ کبریا کو زیبا نہیں ہیں۔ اس کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ مخلوق ہونے کے ناطے تم سب یکساں ہو۔ اللہ تعالیٰ چھوٹی بڑی مخلوق کا واحد خالق اور مالک ہے۔ اس فرق کو سمجھنے کے لیے ذرا اپنی طرف غور کیجئے کہ ایک باپ کے بچے حسن و جمال، طاقت وصلاحیت اور اخلاق و کردار کے اعتبار سے ایک جیسے نہیں ہوتے اس کے باوجود باپ ہونے کے ناطے وہ سب سے ایک جیسا پیار کرتا ہے۔ بلکہ فطرتاً کمزور اولاد کے ساتھ زیادہ شفقت کرتا ہے۔ جب فطرت تمہیں ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے تو خالق اپنی مخلوق کو کیوں حقیر سمجھے وہ تو سب سے زیادہ رحیم وکریم ہے۔ قرآن نے مچھر کی مثال بیان نہیں کی صرف اشارہ فرما کر کفار کو چوکنا اور ذلیل کیا ہے کہ یہ ''اللہ'' کی مرضی ہے کہ جس چیز کی مثال بیان کرے یا اس کی طرف اشارہ فرمائے بہرحال ساری کی ساری مخلوق اسی کی ہے۔ خالق اپنی مخلوق کے تذکرہ میں عار نہیں سمجھتا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایمان داروں کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور انکار کرنے والوں کا کفر وتمرد اور زیادہ ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے وہ چیز مادی ہو یا روحانی انسان کو نظر آئے یا اس کی آنکھیں اسے دیکھنے سے قاصر ہوں۔ سب کی سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اس کے اختیار میں ہے اسی لیے وہ ہدایت اور گمراہی کو اپنی ملکیت قرار دے کر اسے اپنی طرف منسوب کرتا ہے کہ میں جس کو چاہوں ہدایت دوں اور جس کو چاہوں گمراہ کروں تاہم یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کا طلبگار رہے۔ اسی لیے اس نے انبیاء بھیجے اور کتابیں نازل فرمائیں تاکہ لوگ ہدایت پا جائیں لیکن لوگوں کی اکثریت ہمیشہ گمراہی کو پسند کرتی رہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کو اختیاری قرار دیا ہے وہ جبراً کسی کو ہدایت دیتا ہے اور نہ گمراہ کرتا ہے اس لحاظ سے ''یُضِلُّ'' کا مفہوم یہ ہوگا کہ جو گمراہ ہونا چاہتا ہے۔ اسے وہ گمراہی میں آگے بڑھنے دیتا ہے۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کوئی مثال دینے میں عار محسوس نہیں کرتا۔

٢۔ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ مثال پر ایمان والوں کا ایمان بڑھتا ہے اور کافر مزید گمراہ ہوجاتے ہیں۔

٣۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر اعتراض کرنے والا فاسق ہوتا ہے۔ ٤۔ فاسق لوگ ہدایت پانے کی بجائے مزید گمراہ ہوجاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

توحید وشرک کے بارے میں چند امثال:

١۔ ایک غلام کے دو مالک ہوں تو؟۔ (الزمر: ٢٩) ٢۔ ناکارے اور کارآمد غلام کی مثال۔ (النحل: ٧٦)

٣۔ مشرک کی تباہی کی مثال۔ (الحج: ٣١) ٤۔ باطل معبودوں اور مکھی کی مثال۔ (الحج: ٧٣)

٥۔ دھوپ اور سایہ کی مثال۔ (فاطر: ٢١) ٦۔ اندھیرے اور روشنی کی مثال۔ (فاطر: ٢٠)

٧۔ اندھے بہرے، دیدے اور سننے والے کی مثال۔ (ھود: ٢٤)

الَّذِيْنَ	يَنْقُضُوْنَ	عَهْدَ	اللّٰهِ	مِنْۢ	بَعْدِ	مِيْثَاقِهٖ ۠
جولوگ	توڑتے ہیں	وعدہ	اللہ کا	سے	بعد	اس کے پختہ کرنے

وَ يَقْطَعُوْنَ	مَآ	اَمَرَ اللّٰهُ	بِهٖٓ	اَنْ	يُّوْصَلَ	وَ يُفْسِدُوْنَ
اور کاٹتے ہیں	جس	حکم دیا اللہ	اس سے	یہ کہ	وہ جوڑے رکھیں	اور وہ فساد پھیلاتے ہیں

فِي	الْاَرْضِ ؕ	اُولٰٓئِكَ	هُمُ	الْخٰسِرُوْنَ ﴿٢٧﴾
میں	زمین	وہی لوگ	وہ	نقصان اٹھانے والے

''جولوگ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے پختہ عہد کوتوڑ دیتے ہیں اور جن رشتوں کو جوڑنے کا حکم دیا انہیں کاٹتے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔'' (۲۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام : پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ قرآنِ مجید کی ابتدا یعنی البقرہ کے آغاز میں بنیادی اور مرکزی باتوں کا بیان ہوا ہے یہاں اس عہد کا ذکر ہورہا ہے جس کی پاسداری کرنے کا حکم ہے جو روزِ اول ہی سے انسان سے لیا گیا تھا۔

تمام مفسرین نے اللہ کے عہد سے مراد وہی عہد لیا ہے جس کا تفصیلی ذکر سورۃ الاعراف: ۱۷۲ میں آیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت (آدم علیہ السلام) کو پیدا فرمایا تو آدم علیہ السلام اور اس کی پوری اولاد سے عہد لیا کہ کیا میں تمہارا رب ہوں؟ سب نے عہد کیا کہ تو ہی ہمارا رب ہے۔ اسی عہد کی یاد اور وفاداری کے لیے انبیاء عظام مبعوث فرمائے گئے جنہوں نے ہر انداز سے لوگوں کو تجدیدِ عہد اور اس کے تقاضے پورے کرنے کے لیے آمادہ کرنے کی کوششیں فرمائیں۔ لیکن ہر دور کی اکثریت نے اس عہد کی پاسداری کرنے کی بجائے کفر وشرک اور نافرمانی وسرکشی کو اختیار کیا۔ حالانکہ یہ عہد انسان کی جبلت میں اس حد تک رچا بسا ہے کہ انتہا درجہ کے مشرک اور کافر کو بھی شرک اور اس کے کفر کی نشاندہی کی جائے تو وہ چونک اٹھتا ہے اور اپنے کفر وشرک سے انکار کرتا ہے کیونکہ شرک وکفر فطرت کے خلاف ہے اور توحید فطرت کی آواز ہے۔ قرآن مجید نے عہد کے ساتھ میثاق کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے انتہائی پختہ عہد، لہٰذا توحید سے بڑھ کر پختہ عہد کوئی نہیں ہوسکتا۔ فطرت کے خلاف کرنا، رشتہ داریوں کو توڑنا، باہمی محبتوں کو قطع کرنا اور عہد شکنی کرنا۔ یہ امور فساد کی جڑ ہیں اور دنیا میں انہی کی وجہ سے فساد برپا ہوتا ہے ایسے لوگ دنیا اور آخرت میں ناقابلِ تلافی نقصان پائیں گے۔

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَّا قَالَ لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَّآ أَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ)) (مسند احمد: کتاب باقي مسند المكثرين، باب مسند أنس بن مالك [صحیح])

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے تو فرماتے کہ جو امانت دار

نہیں وہ ایمان دار نہیں اور جو بدعہد ہے وہ دین دار نہیں۔‘‘

((عَنْ عَائِشَۃَ ؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلرَّحِمُ مُعَلَّقَۃٌ بِالْعَرْشِ تَقُوْلُ مَنْ وَصَلَنِیْ وَصَلَہُ اللّٰہُ وَمَنْ قَطَعَنِیْ قَطَعَہُ اللّٰہُ))(رواہ مسلم:باب صلۃ الرحم وتحریم قطیعتھا)

’’حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ فرماتے ہیں رحم عرش کے ساتھ لپٹ کر کہتا ہے جو مجھے ملائے ’’اللہ‘‘ اسے ملائے اور جو مجھے کاٹے ’’اللہ‘‘ اسے کاٹ ڈالے۔‘‘

((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ عِنْدَ اِسْتِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُرْفَعُ لَہٗ بِقَدَرِ غَدْرِہٖ اَلَا وَلَا غَادِرَ اَعْظَمُ غَدْرًا مِنْ اَمِیْرِ عَامَّۃٍ))

(رواہ مسلم:باب تحریم الغدر)

’’حضرت ابوسعید ؓ بیان کرتے ہیں نبی مکرم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ہر عہد شکن انسان کی مقعد کے نزدیک جھنڈا ہوگا۔ایک روایت میں ہے ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن جھنڈا ہوگا، جو اس کی عہد شکنی کے بقدر بلند کیا جائے گا۔خبردار! سربراہِ مملکت سے بڑھ کر کسی کی عہد شکنی نہیں ہوتی۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے عہد اور رشتہ داریوں کو توڑنے والے فسادی ہیں۔ ۲۔فساد کرنے والے دنیا و آخرت میں نقصان پائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

نقصان پانے والے لوگ:

۱۔ اسلام کا انکار کرنے والے نقصان پائیں گے۔(البقرۃ:۱۲۱)

۲۔ اسلام کے بغیر دین تلاش کرنے والے نقصان پائیں گے۔(آل عمران:۸۵)

۳۔ شیطان کی تابعداری کرنے والے نقصان پائیں گے۔(المجادلۃ:۱۹)

۴۔ مشرک نقصان پائیں گے۔(الزمر:۶۵) ۵۔کافر نقصان پائیں گے۔(النحل:۱۰۹)

فسادی لوگ:

۱۔ فساد کرنے سے رُک جاؤ۔(الاعراف:۸۵) ۲۔حق کو خواہشات کے تابع کرنا فساد کرنے کے مترادف ہے۔(المومنون:۷۱)

۳۔ منافق فسادی ہوتے ہیں۔(البقرۃ:۱۱) ۴۔ خدا کے نافرمان فسادی ہیں۔(الروم:۴۱)

۵۔ یاجوج وماجوج فساد کریں گے ۔(الکھف:۹۴) ۶۔فرعون فساد کرنے والا تھا۔(یونس:۹۱)

۷۔ یہودی فساد پھیلانے والے ہیں۔(المائدۃ:۶۴) ۸۔بچوں کا قتل فساد ہے۔(القصص:۴)

۹۔ فسادیوں کی سزا۔(المائدۃ:۳۳)

كَيْفَ	تَكْفُرُوْنَ	بِاللّٰهِ	وَ كُنْتُمْ	اَمْوَاتًا	فَاَحْيَاكُمْ ۚ	ثُمَّ
کس طرح	تم کفر کرتے ہو	اللہ کا	اور تم تھے	مردہ	اس نے تمہیں پیدا کیا	پھر

يُمِيْتُكُمْ	ثُمَّ	يُحْيِيْكُمْ	ثُمَّ	اِلَيْهِ	تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾
تمہیں مارے گا	پھر	تمہیں زندہ کریگا	پھر	اس کی طرف	تم لوٹائے جاؤ گے

”تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں مار ڈالے گا پھر زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔“ (۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ سے بنی آدم کا کیا ہوا عہد توڑنا یعنی توحید کا انکار کرنے کا کوئی جواز نہیں اس پر سوالیہ انداز میں انتباہ کیا گیا ہے کہ تمہارے پاس اس سے انکار کی کوئی عقلی، نقلی اور فطری دلیل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر وشرک، رسالت مآب ﷺ کا انکار، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے ابدی اور ازلی عہد کو توڑنا، باہمی تعلقات کو قطع کرنا اور زمین پر دنگا فساد کرنا۔ یہ ایسے کام ہیں جن میں اعتقادی اور عملی طور پر ”اللہ“ کی نافرمانی اور اس کا انکار پایا جاتا ہے۔ جس کا انسان کو کسی اعتبار سے حق نہیں پہنچتا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عدم سے وجود بخشا اور اس کے بعد موت سے ہمکنار کر کے دوبارہ زندہ کرنے کے بعد ابدی زندگی کے لیے اٹھائے گا یہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے اختیار میں نہیں۔ انسان اپنے خالق کے سامنے بے بس ہے جب انسان اپنی موت وحیات اور وجود پر اختیار نہیں رکھتا تو اسے اتنی جرأت کیونکر ہو کہ وہ قادرِ مطلق کا انکار کرے۔ حالانکہ اس کا اپنے اعمال سمیت ربِ ذوالجلال کے حضور پیش ہونا یقینی امر ہے جس میں ذرہ برابر شک کی گنجائش نہیں ہے۔ بے شک انسان کا جسم راکھ کی شکل اختیار کر کے ہواؤں کی نذر ہو جائے یا پانی میں حل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ان ذرّات کو مجتمع فرما کر انسانی جسم کو روح سمیت اپنے حضور پیش ہونے کا حکم صادر فرمائے گا۔ اس حقیقت کو قرآن اور رسولِ معظم ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ ﴾ (بنی اسرائیل: ۵۰)

”آپ فرمائیں تم پتھر بن جاؤ یا لوہا۔ یا اس سے بڑی مخلوق جو تمہارے دل میں آئے۔“

﴿ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾ ﴾ (طٰہٰ: ۵۵)

”اس زمین سے ہی ہم نے تمہیں پیدا کیا اس میں لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ نکالیں گے۔“

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يُسْرِفُ عَلٰى نَفْسِهٖ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ قَالَ لِبَنِيْهِ إِذَا أَنَا مُتُّ فَأَحْرِقُوْنِيْ ثُمَّ اطْحَنُوْنِيْ ثُمَّ ذَرُّوْنِيْ فِي الرِّيْحِ فَوَاللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ عَلَيَّ رَبِّيْ لَيُعَذِّبَنِّيْ عَذَابًا مَا عَذَّبَهُ أَحَدًا فَلَمَّا مَاتَ فُعِلَ بِهٖ ذٰلِكَ فَأَمَرَ اللّٰهُ الْأَرْضَ فَقَالَ اجْمَعِيْ مَا فِيْكِ مِنْهُ فَفَعَلَتْ فَإِذَا هُوَ قَائِمٌ

فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلٰی مَا صَنَعْتَ قَالَ یَا رَبِّ خَشْیَتُكَ فَغَفَرَ لَهُ))(رواہ البخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی اپنے آپ پر بڑا ظلم وستم کرتا تھا۔ موت کے قریب اس نے اپنے بیٹوں کو کہا جب میں فوت ہو جاؤں تو میری لاش کو جلا کر راکھ ہواؤں میں اڑا دینا۔ اللہ کی قسم! اگر مجھ پر میرے رب نے قابو پالیا تو وہ مجھے ایسا عذاب دے گا کہ اس سے پہلے اس نے کسی کو عذاب نہ دیا ہو گا۔ چنانچہ اس کی موت پر اس کے ساتھ ایسے ہی کیا گیا اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ تیرے پاس جو کچھ ہے سب جمع کر دے۔ جمع کرنے کے بعد اس آدمی سے پوچھا کہ تو نے اس طرح کیوں کیا؟ جواباً اس نے عرض کی۔ اے اللہ! تیرے ڈر کی وجہ سے میں نے ایسا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرمادیا۔''

جہنمیوں کا اعتراف:

{ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَ اَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰی خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ ﴿۱۱﴾ } (المؤمن:١١)

''کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندہ کیا ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں تو کیا یہاں سے نکلنے کی کوئی راہ ہے؟''

تمام مفسرین نے دو اموات سے مراد ایک وہ موت لی ہے جب انسان عدم کی حالت میں ہوتا ہے، دوسری موت انسانی زندگی کا خاتمہ ہے اس طرح ایک دنیوی زندگی ہے اور دوسری جنت یا جہنم کی زندگی ہے۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کو ہی موت وحیات پر اختیار ہے اور اسی کی طرف سب نے جمع ہونا ہے۔
٢۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے اقتدار اور اختیار کا انکار کرنا کفر ہے۔
٣۔ انسان کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے رب کی ذات اور صفات کا انکار کرے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے کا کوئی جواز نہیں:

١۔ ''اللہ'' ہی خالق ہے اس کے ساتھ کفر کیوں؟ (البقرہ:٢٨)
٢۔ ''اللہ'' کی آیات پڑھی جانے کے باوجود کفر کرنے کا کیا معنیٰ؟ (آل عمران:١٠١)
٣۔ زمین وآسمان بنانے اور بارش اتارنے والا ''اللہ'' ہے اس کے ساتھ دوسرا الٰہ کیوں؟ (النمل:٦٠)
٤۔ بحر وبر میں رہنمائی کرنے والا ''اللہ'' ہے اس کا انکار کیوں؟ (النمل:٦٣)
٥۔ زندہ کرنے والے اور رزق عطا فرمانے والے ''اللہ'' کے ساتھ کفر کرنا چہ معنیٰ دارد؟ (النمل:٦٤)
٦۔ پریشانیوں کا مداوا کرنے والا صرف ''اللہ'' ہے اس کا انکار کیوں؟ (النمل:٦٢)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓی

وہ جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو میں زمین تمام پھر قصد کیا

اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾ ع ۳ ۹

طرف آسمان پھر انکو ٹھیک بنا دیا سات آسمان اور وہ ہر چیز جاننے والا

''اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا پھر آسمان کا ارادہ فرمایا تو ان کو ٹھیک سات آسمان بنایا اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔'' (۲۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ ہی موت وحیات کا مالک ہے۔ اس نے انسان کو بے اختیار خلیفہ نہیں بنایا بلکہ سب کو اس کے لیے پیدا کیا اور ایک حد تک زمین کا نظام انسان کے حوالے کیا تا کہ اس کی آزمائش کی جائے۔

اس رکوع کی ابتدا توحید اور انسانی تخلیق کے تذکرے سے ہوئی۔ اب اس خطاب کا اختتام اللہ کی توحید پر کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ وہی تمہاری موت وحیات اور فنا وبقا کا مالک ہے اور اسی کے سامنے تم نے پیش ہونا ہے۔ اس نے فقط تمہیں ہی پیدا نہیں فرمایا بلکہ زمین کی ہر چیز تمہارے لیے پیدا فرمائی۔ اس کے بعد عرشِ معلّٰی پر متمکن ہوا جس طرح اس کی شایانِ شان ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے احترام ومقام کے پیش نظر چیزیں پہلے اس لیے بنائیں اور سجائیں گئیں تا کہ مکیں سے پہلے مکاں، مہمان سے پہلے دستر خواں، مخدوم سے پہلے خدام، حاکم سے پہلے اس کی ریاست تشکیل پائے۔ نہ صرف ان کو آدم علیہ السلام کے لیے بنایا گیا بلکہ ان کو بنی نوع انسان کے لیے مسخر بھی کر دیا گیا ہے۔ (الجاثیۃ: ۱۳)

استواء کا معنٰی اللہ تعالیٰ کا آسمانوں پر متمکن ہونا ہے۔ جس کی یہ وضاحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پہلے پانی پر تھا۔ پھر جس طرح اس کی شایان شان ہے عرش پر مستوی ہوا۔ (ہود: ۷) آیت کے آخر میں واضح کر دیا ہے کہ اے انسان! اللہ تعالیٰ کا آسمانوں کے اوپر عرش پر استوا ہونے کا یہ معنٰی نہیں کہ اب وہ زمین اور اس کے مافیہا سے بے خبر ہے۔ کان کھول کر سن لو! کہ اللہ تعالیٰ پل پل کی خبر اور ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کی ہر چیز انسان کے لیے پیدا فرمائی ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ ۳۔ اللہ ہی نے سات آسمان بنائے وہی ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

۱۔ سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کیا۔ (ابراہیم: ۳۳) ۲۔ رات دن کو تمہارے لیے مسخر کیا۔ (النحل: ۱۲)
۳۔ نہروں اور کشتیوں کو مسخر فرمایا۔ (ابراہیم: ۳۳) ۴۔ اللہ نے زمین وآسمان کی ہر چیز کو مسخر کر دیا۔ (الحج: ۶۵)
۵۔ زمین کی ہر چیز انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ (البقرۃ: ۲۹)

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا

اور جب کہا آپکے رب نے فرشتوں سے یقیناً میں بنانے والا زمین میں ایک نائب انہوں نے کہا

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ

کیا تو بنائے گا اس میں جو فساد کریگا اس میں اور بہائے گا خون اور ہم تسبیح کرتے

بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰

تیری تعریف کیساتھ اور ہم پاکی بیان کرتے ہیں تیری فرمایا بیشک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

’’اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں۔ انہوں نے عرض کی۔ کیا آپ زمین میں ایسا نائب بنائیں گے جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔ جبکہ ہم حمد و ثناء کے ساتھ تیری تسبیح و تقدیس بیان کرتے ہیں۔ فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔‘‘ (۳۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس مکین کے لیے ہر چیز بنائی اور سجائی گئی اس کی تخلیق کا مقصد بیان کیا ہے۔

زمین و آسمان کو بنانے اور سجانے کے بعد ربِ کائنات نے کائنات کی اعلیٰ ترین مخلوق ملائکہ کے پرشکوہ اجتماع میں پورے جلال و کمال کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور خلافت کا اعلان فرمایا۔ اللہ، اللہ کیا احترام و مقام ہے جناب آدم علیہ السلام کا! اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ اس کو بہترین سانچے میں استوار فرمایا۔ اپنی روح کو اس میں القاء کیا اور پھر خلافت کے منصب پر فائز فرما کر اعلیٰ ترین مخلوق سے سجدہ کروایا اور اس کی خلافت کا اعلان فرمایا خلافت کا اعلان سنتے ہی ملائکہ نے اللہ کے حضور اس خدشہ کا اظہار کیا کہ یہ تو ایسی مخلوق ہے کہ جو زمین میں قتل و غارت اور دنگا فساد کرے گی جب کہ ہم تیری حمد و ستائش کرتے ہیں۔ خلافت سے مراد اللہ تعالیٰ کی خلافت نہیں بلکہ زمین میں حضرت آدم علیہ السلام کی حکمرانی ہے یا پھر آدم علیہ السلام جنات کے خلیفہ ہیں کیونکہ آدم علیہ السلام سے پہلے زمین کا نظام جنات کے سپرد تھا۔ ملائکہ کی تشویش کی تین وجوہات ہوسکتی ہیں:

(۱) آدم کا متضاد عناصر سے تخلیق پانا۔

(۲) قبل ازیں جنات کی قتل و غارت گری اور نافرمانیوں کا مشاہدہ کرنا۔

(۳) آدم کا اعلیٰ منصب پر فائز ہونا اور اس کو وسیع اختیارات ملنا۔

بعض مفسرین نے ملائکہ کے اس خدشہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ وہ خود خلافت کے منصب کے امیدوار تھے جس کی وجہ سے انہوں نے جناب آدم علیہ السلام کی تخلیق اور تقرری پر اعتراض کیا تھا۔

ملائکہ حرص و ہوس اور رشک و حسد سے پاک پیدا کیے گئے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا غلط ہے اور ایسا کہنے کی ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں پھر کسی کی کیا مجال ہے کہ وہ اللہ کے کسی کام پر معترضانہ گفتگو کر سکے:

{لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝ } (الانبیاء:۲۳)

’’اللہ تعالیٰ کے کسی کام پر سوال نہیں ہوتا البتہ مخلوق سے سوال کیا جاتا ہے‘‘

’’وَ كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ‘‘ کا مفہوم جاننے کے لیے ہر ذی شعور سمجھتا ہے کہ جب چھوٹا آدمی کسی بڑے کے سامنے اس کے فرمان یا کام پر اظہار خیال کرتا ہے۔ بے شک اس ہستی نے ہی اظہارِ خیال یا تبصرہ کا موقعہ فراہم کیا ہو تو پھر بھی چھوٹا آدمی نہایت ادب اور دبی زبان بلکہ اکثر دفعہ اشارے، کنائے سے بات کرتا ہے۔ یہاں بھی سلسلۂ کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملائکہ نے ذاتِ کبریا کے حضور چند الفاظ اور معمولی جذبات کا اظہار کیا تھا۔ جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ جو تم چھپاتے ہو میں اسے بھی جانتا ہوں۔

کچھ لوگوں نے ملائکہ کے سامنے تخلیقِ آدم کے تذکرے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشاورت کا رنگ دینے کی کوشش کی ہے۔ ذاتِ کبریا کے متعلق مشورہ کے لفظ استعمال کرنا کئی لحاظ سے محلِ نظر اور اس سے گستاخی کا پہلو نکلتا ہے۔ کیونکہ مشورہ کرنے میں کسی نہ کسی سطح پر حاجت اور کمزوری پائی جاتی ہے۔ اگر مشورہ لینے والے میں کسی قسم کی کمزوری نہ بھی ہو اور وہ دل جوئی کے لیے دوسرے سے مشورہ لے رہا ہو تو اس دل جوئی کے پیچھے بھی مروت قائم رکھنے کی محتاجی پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حاجتوں اور احتیاطوں سے مبرّا ہے۔ میرے نقطۂ نگاہ سے تخلیقِ آدم کے تذکرہ کو ایک اطلاع یا شاہانہ سرکاری اعلان کہنا چاہیے۔ اس بنا پر ہی ملائکہ کے اظہارِ تشویش پر فرمایا کہ تمہیں کیا معلوم میں سب کچھ اور بہتر جانتا ہوں۔

مسائل

۱۔ انسان زمین میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمران ہے اسے دنگا فساد کرنے کی بجائے خلافت کا حق ادا کرنا چاہیے۔

۲۔ ملائکہ ہر دم اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل کرتے ہیں۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

خلافت اور اس کی ذمہ داریاں:

۱۔ خلافت نیک لوگوں کا استحقاق ہے۔(النور:۵۵) ۲۔ خلافت آزمائش ہے۔(الانعام:۱۶۵)

۳۔ عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا اور تمہیں زمین کی خلافت عطا کرے گا۔(الاعراف:۱۲۹)

۴۔ اللہ ہی لوگوں کو ایک دوسرے کا خلیفہ بناتا ہے۔(فاطر:۳۹) ۵۔ نماز قائم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔(الحج:۴۱)

۶۔ حضرت داؤد کو حکم کہ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرنا۔(ص:۲۶) ۷۔ فیصلے انصاف کے ساتھ انصاف کرنا۔(المائدۃ:۴۲)

۸۔ ہم نے زمین میں ان کے بعد تمہیں خلافت دی تاکہ ہم دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو۔(یونس:۱۴)

۹۔ اگر اللہ چاہتا تو تمہیں لے جاتا اور تمہارے بعد کسی اور کو خلیفہ بنا دیتا۔(الانعام:۱۳۳)

۱۰۔ میرا رب تمہارے سوا کسی اور کو خلافت دے دے تو تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔(ہود:۵۷)

وَعَلَّمَ	اٰدَمَ	الْاَسْمَآءَ	كُلَّهَا	ثُمَّ	عَرَضَهُمْ	عَلَى	الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ
اور سکھائے	آدم کو	نام (جمع)	سب چیزیں کے	پھر	انہیں پیش کیا	پر	فرشتے
فَقَالَ	اَنْۢبِـُٔوْنِىْ	بِاَسْمَآءِ	هٰٓؤُلَاۗءِ	اِنْ	كُنْتُمْ	صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾	قَالُوْا
پھر فرمایا	مجھ کو بتلاؤ	نام	ان کے	اگر	تم ہو	سچے	انہوں نے کہا
سُبْحٰنَكَ	لَا عِلْمَ	لَنَآ	اِلَّا	مَا عَلَّمْتَنَا ۭ	اِنَّكَ	اَنْتَ	الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾
تو پاک ہے	علم نہیں	ہمیں	مگر	جو تو نے ہمیں سکھایا	بیشک تو	ہی	جاننے والا حکمت والا

”اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام بتلائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ؟ (۳۱) انہوں نے عرض کی اے اللہ تیری ذات پاک ہے ہمیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا آپ نے ہمیں سکھایا ہے۔ یقیناً تو علم وحکمت والا ہے (۳۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔ خلیفہ کی علمی برتری اور فضیلت کا بیان۔

جناب آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے ناموں سے آگاہ کر دیا گیا جن سے انہیں واسطہ پڑنا تھا۔ پھر ان اشیا کو ملائکہ کے سامنے پیش کر کے حکم دیا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتلاؤ۔ ملائکہ نے نام بتلانے سے معذوری ظاہر کی اور عرض کی کہ بارِ الٰہ! تیری ذات، احکام اور کام ہر کمزوری اور نقص سے پاک ہے ہم تو فقط اتنا ہی جانتے ہیں جو کچھ آپ نے ہمیں بتلایا ہے بلاشبہ تو ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ ملائکہ کے اقرار سے ثابت ہوا کہ ملائکہ غیب نہیں جانتے۔ اس کے بعد آدم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ ملائکہ کو ان چیزوں کے نام بتلاؤ حکم پاتے ہی حضرت آدم علیہ السلام نے بلا تامّل ان کے نام بتلا دیئے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کیا میرا پہلے سے یہ فرمان نہیں تھا کہ میں زمین وآسمان کے ظاہر اور باطن کو جانتا ہوں؟ اور وہ بھی مجھے معلوم ہے جو تم ظاہر کر رہے تھے اور جو تم چھپائے ہوئے ہو۔ اس میں واضح طور پر ملائکہ کے لیے اشارہ ہے کہ یہ چیزیں تمہارے سامنے ہونے کے باوجود تم ان کے نام نہیں بتلا سکے تو پھر تم آدم علیہ السلام کی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو کیسے جان سکتے ہو اور جس طرح آدم علیہ السلام نے میرے عطا کردہ علم کے ذریعے تم پر برتری حاصل کی ہے اسی طرح ہی میری ہدایت کی روشنی میں خیر وشر اور نیکی وبدی میں امتیاز کر کے برتری حاصل کرے گا۔ بعض مفسرین غیر مستند روایات اور دیگر ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات کی بنیاد پر لکھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو ان چیزوں کے نام ملائکہ سے الگ کر کے اور بعض کا خیال ہے کہ ملائکہ کی موجودگی میں ہی بتلائے گئے تھے۔ فرشتے اہلیت نہ رکھنے کی وجہ سے یہ نام بھول گئے جبکہ آدم علیہ السلام اپنی لیاقت کی بنیاد پر ان چیزوں کے نام یاد رکھنے اور بتلانے میں کامیاب رہے۔

قرآن مجید لا حاصل موشگافیوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا کیونکہ اس طرح انسان اصل مقصود اور عملی زندگی سے نکل کر

قَالَ	يٰۤاٰدَمُ	اَنْۢبِئْهُمْ	بِاَسْمَآئِهِمْ ج	فَلَمَّآ	اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ لا
اس نے فرمایا	اے آدم	انہیں بتا دے	ان کے نام	سو جب	اس نے انہیں بتلائے ان کے نام

قَالَ	اَلَمْ	اَقُلْ	لَّكُمْ	اِنِّيْۤ	اَعْلَمُ	غَيْبَ	السَّمٰوٰتِ
فرمایا	کیا نہیں	میں نے فرمایا	تمہیں	بیشک میں	جانتا ہوں	چھپی ہوئی باتیں	آسمان (جمع)

وَالْاَرْضِ لا	وَاَعْلَمُ	مَا	تُبْدُوْنَ	وَمَا	كُنْتُمْ	تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾
اور زمین کی	اور میں جانتا ہوں	جو	تم ظاہر کرتے ہو	اور جو	تم ہو	چھپاتے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تم ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ جب آدم نے انہیں ان چیزوں کے نام بتا دیے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں نہیں فرمایا تھا کہ زمین اور آسمانوں کے غیب میں ہی جانتا ہوں اور میرے علم میں ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپاتے ہو''(۳۳)

قیل وقال کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتلائے۔ ۲۔ ملائکہ وہی کچھ جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ انہیں بتلاتا ہے۔

۳۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ملائکہ کو تمام چیزوں کے نام بتلا دیے۔

۴۔ جس بات کا علم نہ ہو اس کے بارے میں ناواقفیت کا اعتراف کرنا ملکوتی صفت ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز جاننے والا ہے اور اس کا ہر کام اور حکم پُرحکمت ہے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ ظاہر اور پوشیدہ سب کچھ جانتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مخلوق کے علم کا ماخذ:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی بھیجی۔ (الانبیاء:۲۵)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنا سکھایا۔ (العلق:۱)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ کچھ بتلایا جو یہ نہیں جانتا تھا۔ (العلق:۵)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو لکھنا سکھایا۔ (العلق:۴) ۵۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بولنا اور بیان کرنا سکھلایا۔ (الرحمن:۴)

۶۔ انسان کو رحمان نے قرآن سکھایا۔ (الرحمن:۲) ۷۔ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا۔ (البقرۃ:۳۱)

۸۔ فرشتوں نے بھی سب کچھ اللہ تعالیٰ سے سیکھا۔ (البقرۃ:۳۲)

۹۔ سدھائے ہوئے جانوروں کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ (المائدۃ:۴)

وَ اِذْ	قُلْنَا	لِلْمَلٰٓئِكَةِ	اسْجُدُوْا	لِاٰدَمَ	فَسَجَدُوْٓا	اِلَّآ
اور جب	ہم نے فرمایا	فرشتوں کو	تم سجدہ کرو	آدم کو	تو انہوں نے سجدہ کیا	سوائے
اِبْلِيْسَ ؕ	اَبٰى	وَ اسْتَكْبَرَ ٭ۗ	وَ كَانَ	مِنَ	الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۴	
ابلیس کے	اس نے انکار کیا	اور تکبر کیا	اور وہ ہو گیا	سے	کفار	

”اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اس نے انکار اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔“ (۳۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: خلیفہ کی علمی برتری اور شان کے سامنے کائنات کی اعلیٰ اور مقدس ترین مخلوق ملائکہ کو جھکنے کا حکم۔

سجدہ کا حکم ہوتے ہی تمام ملائکہ آدم علیہ السلام کے حضور سربسجود ہوئے لیکن شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کا احترام و مقام دیکھ کر حسد اور تکبر کی وجہ سے سجدہ ریز ہونے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ وہ جرم پر جرم اور گستاخی پر گستاخی کرتا چلا گیا۔ اس جگہ اجمال ہے جبکہ دوسرے مقامات پر شیطان کے انکار کی تفصیلات یوں بیان کی گئی ہیں۔

{ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝۶۱ } (الاسراء:۶۱)

”اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو ابلیس کے علاوہ سب نے سجدہ کیا اور اس نے کہا کہ کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔“

{ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝۱۲ } (الاعراف:۱۲)

”میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔“

{ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝۳۳ } (الحجر:۳۳)

”شیطان نے کہا میں ایسا نہیں کہ انسان کو سجدہ کروں جسے تو نے کالی اور سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا ہے۔“

{ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۫ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۶۲ }

(الاسراء:۶۲)

”شیطان کہنے لگا یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں تھوڑے لوگوں کے سوا اس کی تمام اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔“

{ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۸۲ } (ص:۸۲)

”کہنے لگا تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو بہکا دوں گا۔“

حسد اور تکبر ایسی بُری چیز ہے کہ جس سے انسان کے تمام اعمال غارت اور بسا اوقات دنیا میں بھی ذلت و رسوائی سے دو

چار ہونا پڑتا ہے۔ سرورِ دو عالم ﷺ نے تکبر کا مفہوم اور اس کے نقصانات یوں ذکر فرمائے ہیں:

((اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ))(رواہ مسلم: کتاب الایمان، باب تحریم الکبر و بیانہ)

”تکبر حق بات کو چھپانا اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام ہے۔“

((عَنْ عَبْدِاللهِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ))

(رواہ مسلم: کتاب الایمان، باب تحریم الکبر و بیانہ)

”حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ))(رواہ ابوداؤد: کتاب الادب، باب فی الحسد [حسن])

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔“

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ اللهُ سُبْحَانَهٗ الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظَمَةُ إِزَارِيْ مَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِّنْهُمَا أَلْقَيْتُهٗ فِيْ جَهَنَّمَ))(رواہ ابن ماجۃ: باب البراءۃ من الکبر والتواضع [صحیح])

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تکبر میری چادر ہے اور عظمت میرا ازار ہے ان میں سے جو کوئی ایک مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا میں اس کو جہنم میں پھینک دوں گا۔“

غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں:

((عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَّهُمْ فَقُلْتُ رَسُوْلُ اللهِ أَحَقُّ أَنْ يُّسْجَدَ لَهٗ قَالَ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ إِنِّيْ أَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَّهُمْ فَأَنْتَ يَارَسُوْلَ اللهِ أَحَقُّ أَنْ نَسْجُدَ لَكَ قَالَ أَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِيْ أَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهٗ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَّسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ النِّسَآءَ أَنْ يَسْجُدْنَ لِأَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنَ الْحَقِّ))(رواہ أبو داؤد: کتاب النکاح، باب فی حق الزوج علی المرأۃ [صحیح])

”حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حیرہ گیا تو میں نے وہاں کے لوگوں کو بادشاہ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے سوچا کہ اللہ کے رسول سجدے کے زیادہ لائق ہیں۔ میں نبی ﷺ کے پاس آیا تو میں نے عرض کی: میں نے حیرہ میں دیکھا کہ وہ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول! آپ زیادہ حقدار ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بتلایئے! اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرو تو کیا اسے سجدہ کرو گے؟ میں نے کہا:

نہیں۔آپ نے فرمایا:ایسے نہ کرو اگر میں نے کسی کو کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دینا ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے مردوں کا عورتوں پر جو حق رکھا اس وجہ سے عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کے سامنے سجدہ ریز ہوں۔''

بریلوی مکتبہ فکر کے جیّد عالم پیر محمد کرم شاہ صاحب الأزہری کی نظر میں تعظیمی سجدہ حرام ہے:

''جب فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی وسعتِ علم اور اپنے عجز کا اعتراف کرلیا تو پروردگارِ عالم نے انہیں حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔سجدہ کا لغوی معنی ہے تذلّل اور خضوع۔شریعت میں اس کا معنیٰ ہے۔''وَضعُ الجبْهَةِ عَلَى الْأَرْضِ'' پیشانی کا زمین پر رکھنا۔بعض علماء کے نزدیک یہاں سجدہ کا لغوی معنیٰ مراد ہے کہ فرشتوں کو ادب واحترام کرنے کا حکم دیا گیا لیکن جمہور علماء کے نزدیک شرعی معنیٰ مراد ہے۔یعنی فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے پیشانی رکھ دیں۔اب اس سجدہ کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ پیشانی جھکانے والا یہ اعتقاد کرے کہ جس کے سامنے میں پیشانی جھکا رہا ہوں وہ خدا ہے تو یہ عبادت ہے اور یہ بھی کسی نبی کی شریعت میں جائز نہیں بلکہ انبیاء کی بعثت کا مقصد اولین تھا ہی یہی کہ وہ انسانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیں اور دوسروں کی عبادت سے منع کریں تو یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ جس چیز سے روکنے کے لیے انبیاء تشریف لائے اس فعل کا ارتکاب خود کریں یا کسی کو اجازت دیں۔دوسری صورت یہ ہے کہ جس کے سامنے سجدہ کیا جا رہا ہے اس کی عزت واحترام کے لیے ہو عبادت کے لیے نہ ہو تو اس کو سجدہ تحیہ کہتے ہیں۔یہ پہلے انبیاء کرام کی شریعتوں میں جائز تھا لیکن حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمادیا۔اب تعظیمی سجدہ بھی ہماری شریعت میں حرام ہے۔''(ضیاء القرآن: جلد اول،البقرہ:۳۴)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔۲۔اللہ تعالیٰ کے حکم سے انکار اور تکبر کرنے والا کافر ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

متکبرین:

۱۔ سب سے پہلے شیطان نے تکبر کیا۔(ص:۷۴)۲۔تکبر کرنا فرعون اور اللہ کے باغیوں کا طریقہ ہے۔(القصص:۳۹)

۳۔ تکبر کرنے والے کے دل پر اللہ مہر لگا دیتا ہے۔(المؤمن:۳۵)

۴۔ متکبر کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔(النحل:۲۳)۵۔تکبر کرنے والے جہنم میں جائیں گے۔(المومن:۷۶)

۶۔ جو کچھ اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے،اس پر اتراؤ نہیں کیونکہ اللہ فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔(الحدید:۲۳)

۷۔ یقیناً اللہ تکبر اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔(النساء:۳۶)

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا

اور ہم نے کہا اے آدم | رہو | تم | اور تمہاری بیوی | جنت | اور دونوں کھاؤ | اس سے | وافر

حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۳۵

جہاں | تم چاہو | اور نہ | قریب جانا | اس | درخت | پھر تم ہو جاؤ گے | سے | ظالموں

”اور ہم نے فرمایا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو وافر کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں شمار ہو گے۔“ (۳۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مسجودِ ملائکہ بننے کے بعد آدم علیہ السلام کے جنت میں قیام وطعام کا انتظام وانصرام اور خاص درخت سے احتیاط کا حکم۔

ارشاد ہوا کہ اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں قیام کرو اور اس درخت کے سوا تم جو چاہو کھا پی سکتے ہو۔ ہاں اگر تم اس کے قریب چلے گئے تو ظالموں کی صف میں شامل ہو جاؤ گے۔ ① جنت میں رکھنے کی یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ جنت کی سہولتوں، بہاروں اور نعمتوں کو اچھی طرح دیکھ لیں اور ان سے لطف اندوز ہو لیں۔ تاکہ دنیا کی عارضی نعمتوں کو جنت کے مقابلے میں خاطر میں نہ لائیں اور دوبارہ یہاں آنے کی کوشش کریں۔ ② شاید یہ اس لیے بھی موقع دیا گیا کہ وہ آسمانی نظام کا براہِ راست مشاہدہ کر لیں تاکہ بحیثیت خلیفہ زمین کے انتظامات کرنے میں انہیں سہولت رہے۔ ③ بطور آزمائش اس درخت سے اس لیے منع کیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے منع کردہ امور سے بچنے کی تربیت پائیں اور غلطی ہونے کی صورت میں معذرت کا رویہ اختیار کریں۔ ④ اس میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ انہیں شیطان کی عداوت اور دشمنی کا مزید مشاہدہ ہوتا کہ دنیا میں جا کر شیطانی اثرات وحرکات سے بچنے کی ہر وقت کوشش کرتے رہیں۔

مسائل

۱۔ آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی دنیا میں آنے سے پہلے جنت میں رہائش پذیر ہوئے۔

۲۔ اللہ کی نافرمانی کر کے انسان ظالم ہو جاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ظالم کون؟

۱۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والا ظالم ہے۔ (الانعام: ۲۱) ۲۔ شرک کرنے والا ظالم ہے۔ (لقمان: ۱۳)

۳۔ اللہ کی مسجدوں سے روکنے اور ان میں خرابی پیدا کرنے والا ظالم ہے۔ (البقرۃ: ۱۱۴)

۴۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والا ظالم ہے۔ (الزمر: ۳۲) ۵۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ (آل عمران: ۵۷)

۶۔ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ (الانعام: ۲۱) ۷۔ ظالم کی سزا جہنم ہوگی۔ (الانبیاء: ۲۹)

فَاَزَلَّهُمَا	الشَّيْطٰنُ	عَنْهَا	فَاَخْرَجَهُمَا	مِمَّا	كَانَا
پھر ان دونوں کو پھسلا دیا	شیطان نے	اس سے	پھر انہیں نکلوا دیا	سے جو	وہ تھے

فِيْهِ ۪	وَقُلْنَا	اهْبِطُوْا	بَعْضُكُمْ	لِبَعْضٍ	عَدُوٌّ ۚ	وَلَكُمْ
اس میں	اور ہم نے فرمایا	تم اُتر جاؤ	تمہارے بعض	بعض کے	دشمن ہیں	اور تمہارے لیے

فِي	الْاَرْضِ	مُسْتَقَرٌّ	وَّمَتَاعٌ	اِلٰى	حِيْنٍ ﴿۳۶﴾
میں	زمین	ٹھکانہ	اور فائدہ	تک	وقت

''لیکن شیطان نے ان کو پھسلا کر وہاں سے نکلوا دیا اور ہم نے فرمایا کہ اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور اب ایک وقت مقرر تک تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔'' (۳۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت آدم علیہ السلام سے شیطان کا پہلا انتقام۔

حکم تھا کہ اے آدم! تم دونوں نے اس درخت کے قریب نہیں جانا۔ اس کے باوجود انہوں نے درخت کا پھل کھالیا۔ اس طرح آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو بالآخر شیطان پھسلانے میں کامیاب ہوا۔ جس کی پاداش میں حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو جنت سے نکل جانے کا حکم صادر ہوا۔ ان کے ساتھ ہی شیطان کو بھی زمین پر دھتکار دیا گیا۔ خروج کا حکم دیتے ہوئے پھر فرمایا تم ایک دوسرے کے دشمن ہو لہٰذا ایک مدت کے لیے اب زمین ہی تمہارے لیے جائے قرار ہوگی۔

سورۃ الاعراف کی آیت ۱۸۹ میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ حضرت حوا کو آدم علیہما السلام سے ہی پیدا کیا گیا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام شیطان کے پھسلاوے میں آکر اللہ تعالیٰ کا حکم بھول گئے اور اس درخت سے نہ بچ سکے۔ یہ واقعہ بیان فرما کر شیطان کے ہتھکنڈوں اور اس کے خوشنما مغالطوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود آدم علیہ السلام کے بیٹے اور بیٹیاں شیطان کی فریب کاریوں میں مبتلا ہوتے رہیں گے۔ ان سے وہی خوش نصیب بچ سکیں گے جنہوں نے اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام اور اپنی والدہ حضرت حوا کے واقعہ کو پوری غیرت کے ساتھ ذہن میں رکھا اور شیطان کو اپنا دشمن سمجھا:

((وَنَسِيَ اٰدَمُ فَنَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهٗ وَخَطِئَ اٰدَمُ فَخَطِئَتْ ذُرِّيَّتُهٗ))

(رواہ الترمذی: تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الأعراف [صحیح])

''آدم علیہ السلام بھول گئے ان کی اولاد بھی بھولتی رہے گی آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی اس کی اولاد بھی خطا کرے گی۔''

((عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ ...... إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ...))

(رواہ البخاری: کتاب الإعتکاف، باب زیارۃ المرأۃ زوجھا في اعتکافه)

”حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یقیناً شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔“

بعض مفسرین نے علمی موشگافیوں کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے چونکہ شیطان کا جنت میں داخلہ ممنوع تھا اس لیے وہ سانپ کی شکل اختیار کر کے جنت میں داخل ہوا اور اس نے حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کو ورغلایا۔ حالانکہ سانپ بننے کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں کیونکہ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے یہ قوت دی ہے کہ وہ انسان کے جسم میں داخل ہوئے بغیر اس پر منفی اثرات مرتب کر سکتا ہے اس لیے شیطان کا سانپ بننا ضروری نہیں اور نہ ہی کسی حدیث میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَمَّا صَوَّرَ اللّٰهُ اٰدَمَ فِي الْجَنَّةِ تَرَكَهُ مَاشَآءَ اللّٰهُ أَنْ يَّتْرُكَهُ فَجَعَلَ إِبْلِيْسُ يُطِيْفُ بِهٖ يَنْظُرُ مَاهُوَ فَلَمَّا رَآهُ أَجْوَفَ عَرَفَ أَنَّهٗ خُلِقَ خَلْقًا لَا يَتَمَالَكُ))

(رواہ مسلم: کتاب البر والصلۃ والآداب، باب خلق الانسان خلقا لا یتمالک)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے جنت میں آدم علیہ السلام کی صورت گری کی تو اس کے بعد جتنی دیر اللہ تعالیٰ نے چاہا اس کو چھوڑے رکھا۔ شیطان ان کے ارد گرد چکر لگانے لگا اور دیکھنے لگا کہ یہ کیا ہے؟ جب اس نے آدم علیہ السلام کا پیٹ دیکھا تو اس نے پہچان لیا کہ یہ ایسی مخلوق ہے جو اپنے آپ پر کنٹرول نہیں رکھ سکے گی۔“

مسائل

١۔ حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کو شیطان نے پھسلا دیا تھا۔ ٢۔ درخت کا پھل چکھنے کی وجہ سے انہیں جنت سے نکال دیا گیا۔
٣۔ شیطان بنی نوع انسان کا ازلی دشمن ہے۔ ٤۔ زمین میں انسان نے ہمیشہ نہیں رہنا۔

تفسیر بالقرآن

آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالنے کے شیطانی ہتھکنڈے:

١۔ شیطان نے آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا اور انہیں پھسلا دیا۔ (الاعراف: ٢٠)
٢۔ شیطان نے آدم علیہ السلام کی غلط رہنمائی کی۔ (الاعراف: ٢٢)
٣۔ آدم علیہ السلام کو ورغلانے کے لیے شیطان نے قسمیں اٹھائیں۔ (الاعراف: ٢١)
٤۔ شیطان نے اپنے آپ کو آدم علیہ السلام کا خیر خواہ ثابت کیا۔ (الاعراف: ٢١)
٥۔ جنت میں ہمیشہ رہنے کا جھانسہ دیا۔ (طٰہٰ: ١٢٠)

فَتَلَقّٰٓى	اٰدَمُ	مِنْ	رَّبِّهٖ	كَلِمٰتٍ	فَتَابَ	عَلَيْهِ ؕ
پھر سیکھ لیے	آدم	سے	اپنا رب	چند کلمے	پھر اس نے توجہ فرمائی	اس پر

اِنَّهٗ	هُوَ	التَّوَّابُ	الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾
بیشک وہ	وہ	توبہ قبول کرنیوالا	رحم کرنے والا

''حضرت آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔'' (۳۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت آدم علیہ السلام کا سنبھلنا اور اپنے رب سے معافی کا خواستگار ہونا اور رب کریم کا انہیں معاف فرما دینا۔

جب آدم علیہ السلام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو نہ صرف وہ اپنے رب کے حضور معافی کے خوستگار ہوئے بلکہ اپنے رب سے معافی کا طریقہ، انداز اور الفاظ کی درخواست بھی کر رہے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی خطا کو اپنے بے پایاں کرم سے معاف کر دے۔ اس مقام پر تینوں بڑی مخلوقات کی فطرت کا فرق نمایاں ہوتا ہے۔ ملائکہ نے معمولی لغزش پر لفظ ''سبحان'' کے ذریعے معذرت کی اور انہیں اسی طرح تقرب حاصل رہا۔ شیطان اپنے جرم پر ڈٹا رہا تو ہمیشہ کے لیے پھٹکار کا مستحق اور راندۂ درگاہ ہوا۔ آدم علیہ السلام اپنی غلطی پر معذرت خواہ ہوئے تو اس کی معذرت نے شرفِ قبولیت پایا اور وہ خلافت کے منصب پر فائز رہے اس لیے ربِّ کریم ہمیشہ سے توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ اس کا وعدہ ہے کہ جب بھی میری بارگاہ میں کوئی معذرت کا دامن پھیلائے گا تو میں اسے معاف ہی کرتا رہوں گا۔

((مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِهَا تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ))

(رواہ مسلم: کتاب الذکر والدعاء، باب إستحباب الإستغفار والإستکثار منه، حسن)

''جس نے مغرب سے سورج طلوع ہونے سے پہلے توبہ کر لی اللہ اس کی توبہ قبول کرے گا۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَيَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَالَمْ يُغَرْغِرْ))

(رواہ ابن ماجة: کتاب الزهد، باب ذکر التوبة [حسن])

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا یقیناً اللہ عزوجل بندے کی توبہ قبول کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جان حلق تک پہنچ جائے۔''

بعض لوگوں نے اپنا من گھڑت عقیدہ ثابت کرنے کے لیے لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے قبول ہوئی تھی۔ حالانکہ قرآن وحدیث میں اس کا بالکل کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ قرآنِ مجید نے سورۃ الاعراف: ۲۲، ۲۳ میں یہاں تک بیان فرمایا ہے کہ درخت کا پھل کھانے کے بعد حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کا لباس اتر گیا، برہنہ ہو جانے کی وجہ

سے وہ اپنی شرم گاہوں کو جنت کے پتوں سے ڈھانپ رہے تھے۔اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم! کیا میں نے تمہیں اس درخت کے قریب جانے سے روکا نہیں تھا؟ اگر حضرت آدم علیہ السلام نے نبی محترم ﷺ کا وسیلہ پیش کیا ہوتا تو قرآنِ مجید اس کا ضرور تذکرہ کرتا۔کیا اللہ تعالیٰ نے اصل حقیقت کو اپنے بندوں سے چھپا لیا ہے؟ (نعوذ باللہ من ذالک) یہ ایسا الزام اور بہتان ہے جس کا ایک مومن تصور بھی نہیں کرسکتا۔جن کلمات کے ذریعے توبہ قبول ہوئی ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ آدم علیہ السلام نے وہ کلمات اپنے رب سے سیکھ لیے جو یہ تھے:

{قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾} (الأعراف:٢٣)

”اے ہمارے رب ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے اگر تو نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو ہم گھاٹا پانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔“

اللہ کا اپنے بندوں کو معاف کرنے کے لیے قسمیں اٹھانا:

«فَأَقُوْلُ يَا رَبِّ ائْذَنْ لِي فِيمَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَيَقُوْلُ وَعِزَّتِي وَجَلَالِي وَكِبْرِيَائِي وَعَظَمَتِي لَأُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»

(رواہ البخاری:باب كَلَامِ الرَّبِّ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ الْأَنْبِيَاءِ وَغَيْرِهِمْ)

”آپ ﷺ فرماتے ہیں میں عرض کروں گا اے میرے پروردگار! مجھے توحید پرست لوگوں کے متعلق سفارش کی اجازت دیجیے۔اللہ فرمائیں گے مجھے میری عزت،جلال،کبریائی اور عظمت کی قسم! میں توحید پرستوں کو خود جہنم سے نکالوں گا۔“

مسائل

١۔ انسان کو اپنے رب کے حضور توبہ کرنی چاہیے۔اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ رحم کرنے اور توبہ قبول فرنے والا ہے:

١۔ اللہ تعالیٰ غفور ہے۔(الحجر:٤٩) ٢۔اللہ تعالیٰ رحیم ہے۔(الزمر:٥٣)

٣۔ اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے۔(الفاتحہ:٢) ٤۔اللہ ہی بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔(الشوریٰ:٢٥)

٥۔ اللہ بخشنے اور رحمت کرنے والا ہے۔(الکھف:٥٨) ٦۔اللہ کی رحمت ہر چیز سے وسیع ہے۔(الاعراف:١٥٦)

٧۔ اللہ کی رحمت سے گمراہ ہی مایوس ہوتے ہیں۔(الحجر:٥٦) ٨۔توبہ قبول کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔(البقرۃ:١٦٠)

٩۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔(الزمر:٥٣) ١٠۔اللہ تعالیٰ کی مومنوں پر خاص رحمت ہوتی ہے۔(الاحزاب:٤٣)

١١۔ توبہ کرنے والے کے گناہ نیکیوں میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔(الفرقان:٧٠)

١٢۔ اللہ تعالیٰ مومن مردوں اور عورتوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔(الاحزاب:٧٣)

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ

ہم نے حکم دیا اُتر جاؤ یہاں سے سب پس جب تمہیں آئے میری طرف سے ہدایت سو جس نے

تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾

تابعداری کی میری ہدایت کی تو نہیں کوئی خوف اُن پر اور نہ وہ غم کھائیں گے

”ہم نے حکم دیا تم سب یہاں سے اتر جاؤ جب تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے، جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی تو ان پر کوئی خوف وغم نہیں ہوگا۔“ (۳۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: خلافت کے قیام کے لیے آدم علیہ السلام کو زمین پر اُترنے کا حکم اور خلافت کی ذمہ داریاں پوری کرنے پر بے خوف اور تابناک مستقبل کی ضمانت۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدم اور حوا تمہاری توبہ قبول ہوئی لیکن تم آسمان سے اُتر جاؤ لہٰذا جنت سے نکل جاؤ اور تم زمین پر جا کر شیطان کی سازشوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داریاں احسن طریقہ سے نبھانے کی کوشش کرو۔ یاد رکھنا تمہارا زمین پر جانے کا یہ معنٰی نہیں کہ تم شتر بے مہار کی طرح جدھر چاہو نکل کھڑے ہو بلکہ تمہیں ایک دستورِ حیات دیا جائے گا جس کے مطابق تم نے انفرادی، اجتماعی، سماجی، معاشرتی، معاشی، سیاسی غرض کہ تم نے اپنی زندگی کا ہر گوشہ اور زاویہ اس کے مطابق ڈھالنا ہوگا یہی خلافت کا تقاضا اور تمہاری زندگی کا مقصد ہے۔ جس نے اس ہدایت نامے کی پابندی کی اسے دنیا کی زندگانی میں امن و سکون ملے گا اور آخرت میں کوئی خوف اور کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق زندگی گزارنے والا خوف وغم سے محفوظ رہے گا۔

۲۔ انسان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دستورِ حیات کا پابند ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت ہی کامل اور حقیقی ہدایت ہے۔

تفسیر بالقرآن

بے خوف کون؟

۱۔ اللہ کی ہدایت پر عمل کرنے والا بے خوف ہوگا۔ (البقرۃ: ۳۸) ۲۔ اولیاء اللہ کو کوئی خوف نہیں ہوگا۔ (یونس: ۶۲)

۳۔ اللہ اور آخرت پر یقین رکھنے والے کو کوئی ڈر نہیں ہوگا۔ (المائدۃ: ۶۹)

۴۔ ایمان لانے کے بعد استقامت دکھلانے والوں پر کوئی خوف نہیں ہوگا۔ (الاحقاف: ۱۳)

۵۔ رب کے سامنے اپنے آپ کو مطیع کر دینے والا بے خوف ہوگا۔ (البقرۃ: ۱۱۲)

وَالَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	وَ كَذَّبُوْا	بِاٰيٰتِنَآ	اُولٰٓئِكَ	اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ
اور جن لوگوں نے	کفر کیا	اور جھٹلایا	ہماری آیات	وہی	آگ والے

هُمْ	فِيْهَا	خٰلِدُوْنَ ؏ ﴿٣٩﴾
وہ	اس میں	ہمیشہ رہیں گے

ع ۴/۱۰

”اور جنہوں نے انکار کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ جہنمی ہیں اور اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“ (۳۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی نہ کی ان کا انجام۔

قرآنِ مجید کا یہ اندازِ فکر اور اسلوبِ بیان ہے کہ جب انعام واکرام کا تذکرہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ برائی کے مضمرات وعواقب بیان کرتے ہوئے اس کے انجام کے بارے میں بھی انتباہ کرتا ہے تاکہ قرآن کا مطالعہ کرنے والا بیک وقت یہ سمجھ جائے کہ نیکی کے کیا فوائد ہیں اور برائی کے نقصانات کیا ہیں؟ یہاں اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار اور ان کی تکذیب کرنے والوں کو خبردار کیا جارہا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی ذات کے منکر اور اس کے احکامات کا انکار اور تکذیب کرتے رہے تو تمہیں جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ نَارُكُمْ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا مِّنْ نَّارِ جَهَنَّمَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنْ كَانَتْ لَكَافِيَةً قَالَ فُضِّلَتْ عَلَيْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَّتِسْعِيْنَ جُزْءًا كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا))

(رواه البخاري: كتاب بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں یقیناً اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تمہاری آگ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔ عرض کیا گیا کہ اللہ کے رسول! آگ جلانے کے لیے یہی کافی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس آگ سے وہ انہتر حصے زیادہ ہے ان میں سے ہر حصے کی گرمی اس جیسی ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے احکام کا انکار اور تکذیب کرنے والے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

تفسیر بالقرآن

جہنم میں ہمیشہ رہنے والے لوگ:

۱۔ مشرک جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ (البقرۃ: ۳۹) ۲۔ کافر اور تکذیب کرنے والے جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ (الزخرف: ۷۴)

۳۔ منافق ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ (التوبہ: ۶۸) ۴۔ اللہ کے دشمن جہنم میں ہمیشہ جلتے رہیں گے۔ (فصّلت: ۲۸)

۵۔ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی جہنم میں ہمیشگی کا سبب ہوگی۔ (الجن: ۲۳)

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	اذْكُرُوْا	نِعْمَتِيَ	الَّتِيْٓ	اَنْعَمْتُ	عَلَيْكُمْ
اے اسرائیل کی اولاد	یاد کرو	میری نعمت	وہ جو	میں نے دی	تمہیں
وَ اَوْفُوْا	بِعَهْدِيْٓ	اُوْفِ	بِعَهْدِكُمْ ج	وَ اِيَّايَ	فَارْهَبُوْنِ ۝۴۰
اور پورا کرو	میرا وعدہ	میں پورا کروں گا	تمہارا وعدہ	اور مجھ ہی سے	ڈرو

''اے بنی اسرائیل میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تمہیں عطا فرمائی اور میرے وعدہ کو پورا کرو میں تمہارے وعدہ کو پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔'' (۴۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت آدم علیہ السلام کی نسل میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد یعنی بنی اسرائیل کو امتِ محمدیہ سے پہلے دنیا میں سب سے زیادہ عزت وعظمت اور اقتدار واختیار ملا مگر انہوں نے اس کی ناقدری اور ناشکری کی جس وجہ سے وہ ذلیل وخوار ہوئے ان کی ذلت ورسوائی کے اسباب کی تفصیل سورۃ البقرۃ کی سو آیات میں بیان ہوئی ہے۔ (عہد کی تفصیل دیکھیں البقرۃ: ۸۳)

ہر دور میں اہلِ علم کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے جس کا عبرانی زبان میں معنٰی ہے۔ ''اللہ کا بندہ'' لہٰذا بنی اسرائیل کا معنٰی ہوا کہ اللہ کے بندے کی اولاد۔ تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کا اصلی وطن کنعان، فلسطین تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر میں آباد ہوئے۔ ان کی ہجرت کے بعد ان کے آبائی وطن کنعان، فلسطین اور پورے شام پر عمالقہ نامی قوم نے قبضہ کرلیا۔

جناب یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن میں چوتھے بیٹے کا نام یہودہ تھا اسی نسبت سے بنی اسرائیل کو یہودی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اپنے دور میں بڑی معزز اور محترم قوم تھی ان میں ہزاروں کی تعداد میں جلیل القدر انبیاء ہوئے۔ جن میں سب سے نمایاں حضرت موسیٰ اور آخر میں حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہوئے ہیں۔ مصر میں جب بنی اسرائیل پر فرعون نے مظالم ڈھانے شروع کیے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انتھک اور بے مثال جدوجہد کر کے ان کو فرعون کے جور وستم سے نجات دلوائی۔ فرعون دریا میں غرق ہوا تو اس کے بعد بنی اسرائیل کو عمالقہ سے جہاد کا حکم ہوا۔ بنی اسرائیل فلسطین کی طرف چلے تو قریب جا کر انہیں عمالقہ کی طاقت کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صاف کہہ دیا کہ اے موسیٰ! تم اور تمہارا خدا لڑو ہم تو یہیں ٹھہریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہت سمجھایا مگر انہوں نے جہاد کرنے سے انکار کردیا۔ جس کی پاداش میں انہیں چالیس سال تیہ کے صحرا میں سزا کے طور پر رہنا پڑا۔ اسی مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام فوت ہوئے ان کے بعد بنی اسرائیل نے یوشع بن نون کی زیر کمان جہاد کیا اور فاتحانہ انداز میں فلسطین میں داخل ہوئے۔

بنی اسرائیل میں مجموعی طور پر یہودی اور عیسائی دونوں شامل ہیں لیکن بعض مقامات پر بنی اسرائیل سے مراد صرف یہودی

ہوتے ہیں جس کا علم بات کے سیاق وسباق سے ہوتا ہے بنی اسرائیل کے سیاسی اور مذہبی راہنماؤں، حکمرانوں اور عوام کے گھناؤنے کردار کا قرآن مجید کی ابتدا میں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت دنیا میں یہ دو بڑے مذاہب تھے۔ باقی مذاہب ان کی بگڑی ہوئی شکلیں تھیں۔ جبکہ ہندوستان میں جسے قدیم تاریخ میں بلاد الہند کہا جاتا ہے یہاں کے ہندو اپنے مذہب کو تین ہزار سال پرانا مذہب ثابت کرتے ہیں اس مذہب کی اکثر رسومات اور گائے پرستی کا تصور یہودی مذہب سے ہی لیا گیا ہے۔ ہندو مذہب کی اصلاح کے لیے بدھ مت کی تحریک چلی جو اپنی عادات ورسومات کے لحاظ سے عیسائیت کے زیادہ قریب تھی اور ہے۔ گویا کہ اسلام سے قبل دو ہی بڑے مذہب تھے جس بنا پر سورۂ البقرہ کو قرآن مجید کی ابتدا میں رکھا گیا ہے۔ تاکہ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے والے شخص کے ذہن میں شروع ہی سے یہ بات منقش ہو جائے کہ پہلی اقوام بالخصوص بنی اسرائیل کے عروج وزوال کے اسباب کیا تھے؟ وہ کیوں ذلت ورسوائی کے اندھے کنویں میں الٹے ہو کر گرے؟ اس کے پیچھے ان کے علماء اور سیاسی راہنماؤں کا کیا کردار تھا؟ بنی اسرائیل کے حوالے سے امت مسلمہ کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اس عظیم قوم کا کردار سامنے رکھو کہ بزرگوں کی گدی نشینی، صاحب زادگی، مذہبی امتیازات، ابناء اللہ کے بھاری بھر کم دعوے، اقتدار اور وسیع اختیارات بھی اس قوم کو ذلت سے نہ بچا سکے۔

اس سبق کے ساتھ ہی یہ بھی بتلانا مقصود ہے کہ مدینہ اور اس کے گردو پیش کے جتنے قبائل تھے وہ یہودیوں کو بزرگوں کی اولاد اور انبیاء کے وارث تصور کرتے تھے جس وجہ سے یہ قبائل یہودیوں کے نظریات کو سچ اور حق کی کسوٹی سمجھتے تھے۔ اس لیے پہلے یہودیوں کو سمجھاتے ہوئے یہ احساس دلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اے میرے بندے یعقوب کی اولاد! میری عطا کردہ نعمتوں، فضیلتوں اور رفعتوں کا احساس کرتے ہوئے تمہارا اولین فرض بنتا ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ کی مخالفت کرنے کی بجائے اس کی نصرت وحمایت کرتے ہوئے حلقۂ اسلام میں داخل ہو کر اس عہد سے وفا کرو جو تم سے توحید اور خاتم النبیین کے بارے میں لیا گیا ہے۔ میں تمہیں ایفائے عہد کے بدلے دوبارہ نعمتوں اور عزتوں سے سرفراز کروں گا۔ یاد رکھنا اگر سابقہ مقام کی بحالی اور عزتِ رفتہ کے خواہش مند ہو تو تمہیں نبی آخر الزماں ﷺ کی قیادت میں آئے بغیر یہ شرف نہیں مل سکتا۔ اس کے لیے درج ذیل امور کو بجالانا ہوگا چنانچہ پہلے خطاب میں بنی اسرائیل کو ابتدائی سبق اور تورات وانجیل کی بنیادی تعلیمات کی یاددہانی کے طور پر سولہ باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

۱۔ میری نعمتوں کو ہر دم یاد رکھا کرو۔

۲۔ عہد وفا کرو گے تو تمہارے ساتھ بھی ایفائے عہد ہوگا۔

۳۔ ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو۔

۴۔ قرآن مجید پر ایمان لاؤ کیونکہ یہ تورات وانجیل کی تصدیق کرتا ہے۔

۵۔ سب سے پہلے کفر کرنے والے نہ ہو جاؤ۔

٦۔ دنیا کے معمولی مفاد کے بدلے ''اللہ'' کی آیات کو فروخت نہ کرو۔

٧۔ حق اور باطل کے التباس سے اجتناب کرو۔

٨۔ جانتے بوجھتے حق کو چھپانے کی کوشش نہ کرو۔

٩۔ نماز ادا کرو۔

١٠۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرتے رہو۔

١١۔ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو۔ یاد رہے کہ یہودیوں نے رکوع کو نماز سے نکال رکھا ہے جس وجہ سے رکوع کا خاص طور پر حکم دیا گیا ہے۔

١٢۔ لوگوں کو نیکی کا حکم کرو مگر اپنے آپ کو نہ بھول جانا۔

١٣۔ ''اللہ'' کی دی ہوئی عقل کا صحیح استعمال کرتے رہو۔

١٤۔ مصائب پر صبر کرو۔

١٥۔ اللہ تعالیٰ سے صبر اور نماز کے ذریعے مدد طلب کرو۔

١٦۔ اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کا عقیدہ پختہ اور اس کے تقاضے پورے کرو۔

ان فرامین میں سے ہر فرمان ایک مضمون کا حامل ہونے کے ساتھ اصلاحِ ذات اور فلاحِ جماعت کا جامع پروگرام پیش کر رہا ہے بالخصوص پہلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانے والے کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ایسی بات کا انکار کرے جو اس کے نظریہ کی تائید کر رہی ہو گویا کہ اہل علم کی یہ شان نہیں کہ وہ کفر کے امام بنیں بلکہ انہیں ہدایت کا پیشوا ہونا چاہیے۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد رکھنا چاہیے۔ ٢۔ اللہ سے کیے ہوئے وعدوں کی پاسداری کرنی چاہیے۔

٣۔ ''اللہ'' کا خوف دل و جان میں بسائے رکھنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

وعدہ پورا کرنا چاہیے:

١۔ اللہ کے بندے وعدہ ایفاء کرتے ہیں۔ (البقرۃ:١٧٧) ٢۔ اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو پورا کرو۔ (الانعام:١٥٢)

٣۔ ایماندار اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا عہد پورا کرتے ہیں۔ (الرعد:٢٠) ٤۔ اللہ کے عہد کا ایفاء ضروری ہے۔ (النحل:٩١)

٥۔ قیامت کے دن ایفائے عہد کے بارے میں سوال ہوگا۔ (الاسراء:٣٤) ٦۔ اے ایمان والو! عہد پورے کرو۔ (المائدہ:١)

٧۔ جو اللہ کا وعدہ پورا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ (البقرۃ:٤٠)

وَ	اٰمِنُوْا	بِمَآ	اَنْزَلْتُ	مُصَدِّقًا	لِّمَا	مَعَكُمْ
اور	تم ایمان لاؤ	اس پر جو	میں نے نازل کیا	تصدیق کرنے والا	اس کی جو	تمہارے پاس
وَلَا	تَكُوْنُوْٓا	اَوَّلَ	كَافِرٍۢ	بِهٖ ۠	وَلَا	تَشْتَرُوْا
اور نہ	ہو جاؤ	پہلے	کافر	اس کے	اور نہ	فروخت کرو
بِاٰيٰتِىْ	ثَمَنًا	قَلِيْلًا ۡ	وَاِيَّاىَ	فَاتَّقُوْنِ ۞		
میری آیات کو	قیمت	تھوڑی	اور مجھ ہی سے	ڈرو		

''اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کی وہ تمہاری کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور تم اس کے پہلے ہی منکر نہ بنو اور میری آیات کو تھوڑی قیمت پر نہ فروخت کرو اور صرف مجھ ہی سے ڈرو'' (۴۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل کو عظمتِ رفتہ کی یاددہانی اور اللہ کا خوف دلانے کے بعد نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بلا چون و چرا تسلیم کرو اور ان سے دنیا کے مفاد کی خاطر روگردانی نہ کرو۔

سچائی کو قبول کرنے میں سب سے پہلے جو رکاوٹ پیش آتی ہے وہ دنیاوی مفاد، گروہی تعصبات اور آدمی کا قدیم رسومات و نظریات پر قائم رہنا ہے جنہیں چھوڑنا نہایت ہی مشکل ہوتا ہے۔ اس میں انسان کو وقتی مفادات، ماضی کے نظریات، آباء واجداد کی روایات اور معاشرے کی فرسودہ رسومات کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ ان کو چھوڑنے سے کئی قسم کے الزامات برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ لیکن اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ انہی زنجیروں میں جکڑے رہتے ہیں۔ ان جکڑ بندیوں سے نجات پانا اور حقیقت کو قبول کرنا بڑی جرأت و جوانمردی کا کام ہے۔ اہلِ کتاب کو دعوت دی جارہی ہے کہ تمہیں سب لوگوں سے پہلے قرآنِ مجید پر ایمان لانا چاہیے کیونکہ قرآن کوئی نیا دین پیش نہیں کرتا یہ تو تمہاری بنیادی تعلیمات کی تائید کرتا ہے۔ لہٰذا اس کے راستے میں رکاوٹ بننے کی بجائے ہراول دستے کا کردار ادا کرتے ہوئے آگے بڑھ کر قرآن کا پیغام سینے سے لگاؤ اور پرچمِ اسلام کو تھام لو۔ تمہیں وہ سب کچھ عزت کے ساتھ مل جائے گا جس کے چھن جانے کا تم خوف محسوس کرتے ہو۔

لہٰذا دونوں آیات کے آخر میں تلقین کی گئی ہے کہ مفادات کے چھن جانے کا ڈر، لوگوں کا خوف اور مستقبل کے خدشات سے ڈرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ دنیا کے مفادات اور تحفظات اللہ تعالیٰ کی پکڑ کے مقابلے میں نہایت ہی معمولی چیز ہیں۔

''اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو تھوڑے داموں میں فروخت نہ کرو اور اگر منہ مانگے دام ملیں تو بیچ دو بلکہ مقصد یہ ہے کہ کسی قیمت پر حق کو نہ بیچو۔ کیونکہ ساری دنیا کے خزانے بھی اس کے مقابلے میں حقیر ترین معاوضہ ہیں۔'' [ضیاء القرآن]

بنی اسرائیل کو یہ کہہ کر سمجھایا جا رہا ہے کہ تمہیں میرے سوا کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں اس لیے بھی خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ قرآن تمہاری بنیادی اور صحیح باتوں کی تصدیق کرتا ہے اور اسے میں نے ہی اپنے بندے محمد عربی ﷺ پر نازل کیا ہے لہٰذا تمہارے لیے اس سے انکار کرنے کا کوئی علمی و اخلاقی جواز نہیں بنتا۔ اس کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی بجائے آگے بڑھ کر اسے قبول کر دنیا کے معمولی مفاد اور عارضی وقار کی خاطر میری آیات کے ساتھ سودے بازی نہ کرو کیونکہ میرے ارشادات کے مقابلے میں دنیا کی حیثیت ذرہ کے برابر بھی نہیں ہے۔

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ بِالسُّوْقِ دَاخِلًا مِّنْ بَعْضِ الْعَالِيَةِ وَالنَّاسُ كَنَفَتُهُ فَمَرَّ بِجَدْيٍ أَسَكَّ مَيِّتٍ فَتَنَاوَلَهُ فَأَخَذَ بِأُذُنِهِ ثُمَّ قَالَ أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنَّ هٰذَا لَهُ بِدِرْهَمٍ فَقَالُوْا مَا نُحِبُّ أَنَّهُ لَنَا بِشَيْءٍ وَمَا نَصْنَعُ بِهِ قَالَ أَتُحِبُّوْنَ أَنَّهُ لَكُمْ قَالُوْا وَاللّٰهِ لَوْ كَانَ حَيًّا كَانَ عَيْبًا فِيْهِ لِأَنَّهُ أَسَكَّ فَكَيْفَ وَهُوَ مَيِّتٌ فَقَالَ فَوَاللّٰهِ لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ))

(رواہ مسلم: کتاب الزہد والرقائق، باب)

”حضرت جابر بن عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بازار کی ایک جانب سے داخل ہوئے آپ کے ساتھ لوگ بھی تھے آپ ایک مردہ بکری کے بچے کے پاس سے گزرے آپ نے اس کے ایک کان کو پکڑ کر پوچھا کون اسے ایک درہم کے بدلے لینا پسند کرے گا؟ صحابہ کرام ؓ نے کہا: ہم تو اسے کسی چیز کے بدلے بھی لینا نہیں چاہتے اور ہم اس کا کیا کریں گے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم اسے پسند کرتے ہو کہ یہ بکری کا بچہ تمہارا ہوتا؟ صحابہ کرام ؓ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر یہ زندہ بھی ہوتا تو کان چھوٹے ہونے کی وجہ سے اسے قبول نہ کیا جاتا۔ اب یہ مرا ہوا ہے تو ہم کیسے اسے پسند کریں گے۔ آپ نے فرمایا: جیسے تمہارے نزدیک یہ بکری کا مردہ بچہ بڑا ہی حقیر ہے۔ اللہ کی قسم! دنیا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ حقیر ہے۔“

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّهُ لَيَأْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيْمُ السَّمِيْنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَزِنُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ وَقَالَ اقْرَءُوْا {فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا}))

(رواہ البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب أولئک الذین کفروا بآیات ربہم ولقائہ)

”حضرت ابو ہریرہ ؓ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: یقیناً روزِ قیامت ایک بڑا اور موٹا آدمی لایا جائے گا اللہ کے ہاں اس کا مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہ ہوگا اور فرمایا: یہ آیت پڑھو {قیامت کے دن ہم ان کافروں کے لیے ترازو قائم نہیں کریں گے}۔“

پادریوں کی دنیا پرستی:

جس تورات و انجیل کی قرآن نے تصدیق کی وہ وہی تھیں جو موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئیں۔ مگر نزولِ قرآن تک ان

کتابوں کے کچھ حصے آمیزش اور تحریف وتناقص کا شکار ہو چکے تھے جبکہ بعض حصے بالکل ناپید ہو گئے تھے۔ لہٰذا قرآن نے جہاں ان کتابوں کی مجمل تصدیق کی، وہاں یہ بھی بتایا کہ وہ تحریف اور تبدل کا شکار ہو چکی ہیں۔ گویا قرآن کے اپنے الفاظ میں اگر وہ ان کتابوں کا ''مصدق'' ہے تو وہ ان کا ''مہیمن'' بھی ہے۔ یعنی ان کی اصلی تعلیم کا محافظ ونگران اور اسے درست طور پر پیش کرنے والا {وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ} ''قرآن کی عظمت یہ ہے کہ اس نے ان حقائق کا اعلان اس وقت کیا جب یہودی اور عیسائی انہیں کسی قیمت پر ماننے کو تیار نہ تھے۔''

پاپاؤں اور کارڈینلوں کی ہوسِ زر، دنیا طلبی اور عیش پرستیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے تاریخ پاپائیت کا مستند مورخ کریٹن پوپ بونی فیس نہم کے بارے میں لکھتا ہے:

His ends were purely temporal and had no care for the higher intrests of the Church. (M.Creighton: History of the Papacy, vol. 1, p. 182,183)

''اس کے مقاصد سراسر دنیاوی تھے اور اسے کلیسا کے اعلیٰ مفادات کی کوئی پرواہ نہ تھی۔''

حتیٰ کہ جب اس کے آخری وقت (last hour) پوچھا گیا کہ وہ کیسا ہے تو اس نے جواب دیا:

If I had more money I should be well enough. (M.Creighton: History of the Papacy, vol. 1, p. 182,183)

''اگر مجھے مزید دولت مل جائے تو میں (اب بھی) ٹھیک ٹھاک ہو سکتا ہوں۔''

صلیبی جنگوں کا ایک اہم محرک بھی جلب زر اور حصول جاہ تھا۔ پوپ اربن دوم (۱۰۸۸)ء نے پہلی صلیبی جنگ پر ابھارتے ہوئے مسیحی شہزادوں اور بہادروں کو کہا تھا:

The wealth of our enemies will be yours and you will despoil them of their treasures.

''ہمارے دشمنوں کی دولت تمہاری ہو جائے گی اور تم انہیں ان کے خزانوں سے محروم کر دو گے۔''

[عیسائیت تجزیہ ومطالعہ از پروفیسر ساجد میر]

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو چھوڑ کر دنیا کمانا اس کی آیات کو معمولی قیمت پر فروخت کرنے کے مترادف ہے۔

۲۔ اللہ کی کتابوں پر پورا یقین رکھنا چاہیے۔ ۳۔ اللہ سے ہی ڈرتے رہنا چاہیے۔

وَلَا	تَلْبِسُوا	الْحَقَّ	بِالْبَاطِلِ	وَتَكْتُمُوا	الْحَقَّ
اور نہ	ملاؤ	حق کو	باطل سے	اور نہ چھپاؤ	حق
وَاَنْتُمْ	تَعْلَمُوْنَ ۝۴۲	وَاَقِيْمُوا	الصَّلٰوةَ	وَاٰتُوا	الزَّكٰوةَ
حالانکہ تم	جانتے ہو	اور قائم کرو	نماز	اور ادا کرو	زکوٰۃ
وَارْكَعُوْا	مَعَ	الرّٰكِعِيْنَ ۝۴۳			
اور رکوع کرو	ساتھ	رکوع کرنے والے			

’’اور حق و باطل کی آمیزش نہ کرو اور نہ ہی جان بوجھ کر حق کو چھپاؤ۔ (۴۲) اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔‘‘ (۴۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام : بنی اسرائیل کو خطاب جاری ہے۔ دنیا کے فائدے کی خاطر حق و باطل کا التباس نہ کرو۔ بلکہ نماز کی صورت میں حقوق اللہ اور زکوٰۃ کی شکل میں حقوق العباد کا اہتمام کرتے ہوئے نماز میں رکوع کرتے ہوئے اسے جماعت کے ساتھ پڑھا کرو۔

بنی اسرائیل کے علماء اور سیاسی رہنما نہ صرف اپنے مفادات پر شریعت کے احکام قربان کرتے بلکہ جو احکام ان کی ’’انا‘‘ گروہی مفادات اور سیاسی سوچ کے خلاف ہوتے ان کو چھپا لیتے تھے۔ بصورتِ دیگر اپنے دھڑے کی حمایت کی خاطر ان کی تاویلات کرتے ہوئے اس طرح اپنے عقیدے کے سانچے میں ڈھالتے اور اس طرح التباسِ حق و باطل کرتے کہ پڑھنے اور سننے والا شخص آسمانی کتاب اور علماء کی تاویلات اور ذاتی نظریات کے درمیان فرق نہیں کر سکتا تھا کہ ان میں تورات و انجیل کی اصل عبارت کونسی ہے۔ بلکہ وہ ان کے فروعی مسائل، فقہی تاویلات اور اصطلاحات کو بنیادی اور اصل دین تصور کرتا تھا۔ حالانکہ ان کے منصف مزاج لوگ اس بات کا کھلا اعتراف کرتے ہیں۔

((عن عَبْدِاللهِ بْنِ سَلَامٍ رضی اللہ عنہ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ مَكْتُوبٌ فِي التَّوْرَاةِ صِفَةُ مُحَمَّدٍ وَصِفَةُ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ يُدْفَنُ مَعَهُ)) (رواہ الترمذی: باب فی فضلِ النّبیِ ﷺ [ضعیف])

’’حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ تورات میں حضرت محمد ﷺ اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی صفات لکھی ہوئی ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام حضرت محمد ﷺ کے ساتھ دفن ہوں گے۔‘‘

Careful comparison of the Bibles published recently with the first and other early versions will show great differences; but by whose authority these changes have been made, no one seems to know. (J.R. Dore: op.cit., p.98)

’’شائع ہونے والے بائبل کے نسخوں کا اگر پہلے اور ابتدائی نسخوں سے مقابلہ کیا جائے، تو ان میں بہت زیادہ اختلافات ظاہر ہوں گے۔ لیکن یہ بات کوئی نہیں جانتا کہ یہ تبدیلیاں کس سند اور اختیار کی رو سے کی گئی ہیں۔‘‘

برنارڈ ایلن (Bernard M.Allen) نے درج ذیل تبصرہ اناجیل اربعہ پر کیا تھا، مگر یہی بات عہدِ عتیق اور بائبل کے دوسرے حصوں پر بھی صادق آتی ہے:

We have, therefore, no security that the narratives and sayings as given in the Gospels necessarily represent what actually happened or what was actually said. (B.M. Allen: op. cit., p.9)

’’ہمارے پاس اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ اناجیل میں دیے ہوئے واقعات واقوال لازماً وہی کچھ پیش کرتے ہیں جو حقیقت میں واقع ہوا اور جو کہا گیا تھا۔‘‘ [عیسائیت تجزیہ ومطالعہ]

یہاں نماز کی تلقین اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دے کر انہیں سبق دیا جارہا ہے۔ تمہیں اپنے مفادات کے سامنے جھکنے کی بجائے اللہ کے حضور سرنگوں ہونا چاہیے اور لوگوں سے مال بٹورنے کی بجائے زکوٰۃ کی صورت میں خرچ کرنے کی عادت اپنانی چاہیے۔ کیونکہ اللہ کی رضا کی خاطر پوری زکوٰۃ ادا کرنے والا نہ بخیل ہوتا اور نہ لوگوں کا مال بٹورتا ہے۔ تنہا نماز پڑھنے کی بجائے مسلمانوں کے ساتھ مل کر رکوع کیا کرو۔ یہودیوں نے اپنی نماز میں رکوع کو خارج کردیا ہے۔ اس لیے رکوع کی ادائیگی کا ذکر فرما کر جماعت کی اہمیت کا احساس دلایا جارہا ہے کہ دین میں صرف نماز پڑھ لینا ہی کافی نہیں بلکہ نماز باجماعت کو لازم قرار دیا گیا ہے۔

نماز باجماعت:

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً)) (رواہ البخاری: کتاب الأذان، باب فضل صلاۃ الجماعۃ)

’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا۔ اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس گنا زیادہ افضل ہے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنے والوں کے بارے میں اپنی ناراضگی کا یوں اظہار فرمایا:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْطَبَ ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ أُخَالِفَ إِلٰی رِجَالٍ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهٗ يَجِدُ عَرْقًا سَمِيْنًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَآءَ))

(رواہ البخاری: کتاب الاذان، باب وجوب صلاۃ الجماعۃ)

’’اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں لکڑیاں اکٹھی کرنے کا حکم دوں

جب اکٹھی ہو جائیں تو میں نماز کا حکم دوں نماز کے لیے اذان دی جائے پھر میں کسی آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کی امامت کروائے اور میں جماعت سے پیچھے رہ جانے والے لوگوں کے ہاں جاؤں، ان پر ان کے گھروں کو جلا کر راکھ کردوں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ان میں سے کوئی یہ جانتا کہ اسے نماز کے بدلے موٹی ہڈی یا دو پائے ملیں گے تو وہ عشاء کی نماز میں ضرور حاضر ہوتا۔“

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجتے ہوئے فرمایا انہیں دعوت دو کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یقیناً میں اللہ کا رسول ہوں اگر وہ آپ کی بات مان لیں تو انہیں بتلایئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اگر وہ آپ کی اس بات میں اطاعت کریں تو انہیں بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے اموال میں زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے امیروں سے لے کر ان کے غریبوں کو دی جائے گی۔“ (رواہ البخاری: باب وجوب الزکوٰۃ)

مسائل

۱۔ سچ اور جھوٹ کو خلط ملط کرنا بڑا گناہ ہے اور یہ یہودیوں کی عادت ہے۔

۲۔ حق جاننے کے باوجود حق بات کو چھپانا بڑا گناہ ہے۔ ۳۔ زکوٰۃ کی ادائیگی اور نماز باجماعت پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اقامتِ صلوٰۃ کے تقاضے:

۱۔ وضو کیا جائے۔ (المائدۃ:۶) ۲۔ نماز مقررہ اوقات پر ادا کی جائے۔ (النساء:۱۰۳)

۳۔ نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔ (النساء:۴۳) ۴۔ نماز میں غفلت اور ریا کاری نہیں ہونی چاہیے۔ (الماعون:۵،۶)

۵۔ نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جائے۔ (البقرۃ:۴۳) ۶۔ نماز میں عاجزی ہونی چاہیے۔ (البقرۃ:۲۳۸)

۷۔ نماز خشوع کے ساتھ پڑھنی چاہیے۔ (المؤمنون:۲) ۸۔ اقامت صلوٰۃ کا اجر۔ (العنکبوت:۴۵)

زکوٰۃ کا حکم اور اس کے فائدے:

۱۔ حضرت ابراہیم، لوط، اسحاق و یعقوب علیہم السلام کو زکوٰۃ کا حکم۔ (الانبیاء:۷۳)

۲۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا اپنے اہلِ خانہ کو زکوٰۃ کا حکم۔ (مریم:۵۵)

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زکوٰۃ کا حکم۔ (مریم:۳۱) ۴۔ بنی اسرائیل کو زکوٰۃ کا حکم۔ (البقرۃ:۸۳)

۵۔ تمام امتوں کو زکوٰۃ کا حکم۔ (البینۃ:۵) ۶۔ زکوٰۃ مال کا تزکیہ کرتی ہے۔ (التوبۃ:۱۰۳)

۷۔ ایمان، نماز اور زکوٰۃ مومن کو بے خوف اور بے غم کرتی ہے۔ (البقرۃ:۲۷۷)

وَ اَنْتُمْ	اَنْفُسَكُمْ	وَ تَنْسَوْنَ	بِالْبِرِّ	النَّاسَ	اَتَاْمُرُوْنَ
حالانکہ تم	اپنا آپ	اور تم بھول جاتے ہو	نیکی کا	لوگ کو	کیا تم حکم دیتے ہو

تَعْقِلُوْنَ ۝۴۴	اَفَلَا	الْكِتٰبَ ؕ	تَتْلُوْنَ
تم عقل کرتے	کیا پھر نہیں	کتاب	پڑھتے ہو

''کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو کیا تم پھر بھی عقل نہیں کرتے۔'' (۴۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل کے مذہبی اور سیاسی راہنماؤں کا کردار یہ تھا کہ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے مگر اپنے آپ کو بھول جاتے تھے جو دانشمندی کے خلاف ہے۔

بنی اسرائیل کے علماء نے دین اور اس کی تبلیغ کو پیشہ کے طور پر اختیار کر رکھا تھا۔ بظاہر ان کا اوڑھنا بچھونا دین ہی تھا۔ لیکن دین کو محض ڈیوٹی اور پیشہ کے طور پر اختیار کیے ہوئے تھے۔

ایسے لوگوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ دینی مشغلے سے تمہیں وقتی مفاد تو حاصل ہو جائے گا۔ لیکن حقیقی اور دائمی فائدے سے محروم رہو گے۔ کتاب اللہ کا علم جاننے اور منصبِ امامت سنبھالنے کے باوجود ایسا کرنا عقل مندی کا تقاضا نہیں۔

اہلِ کتاب کے مذہبی پیشواؤں کا کردار:

''تاریخ اخلاق یورپ'' کے فاضل مؤلف نے اس شرمناک اور وحشت ناک صورت حال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

... that inveterate prevalance of incest among the clergy, which rendered it necessary angain and again to issue the most stringent enactments that priests should not be permitted to live with their mothers and sisters. (W.Lecky: op.cit., p.231 -- H.C.Lea:op.cit., p.138)

''اہل کلیسا میں محرمات سے مباشرت کا چلن اتنا پختہ ہو چکا تھا کہ پادریوں کو اپنی ماؤں اور بہنوں کے ساتھ رہنے سے روکنے کی خاطر بار بار انتہائی سخت قوانین جاری کرنے کی ضرورت پیش آئی۔''

گریگوری دہم نے لے اونز (Lyons) کی دوسری کونسل میں شریک ہونے والے معزز ترین پادریوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

You are the ruin of the world. (Ibid., p.353)

''تم دنیا کی اخلاقی تباہی کے باعث ہو۔''

The History of Christian monasticism ...... during the 1,000 years of the

Church's complete domination of Europe, is the most sordid chapter in the history of civilized religions .... at least four-fiths of the monasteries of Europe during the 1,000 years were corrupt ..... a monastery was generally a nursery of sloth, sensuality and vice. (Rationalist Encyclopaedia pp.398-399)

''مسیحی رہبانیت کی ان ہزار سالوں کی تاریخ جب یورپ پر کلیسا کا مکمل تسلط تھا، مہذب مذاہب کی تاریخ کا تاریک ترین باب ہے...... ان ہزار سالوں کے دوران کم از کم ۴/۵ راہب خانے بدمعاشی کے اڈے تھے۔ ایک راہب خانہ عموماً کاہلی، شہوت پرستی اور اخلاقی خرابی کا گہوارہ ہوتا تھا۔'' [عیسائیت تجزیہ ومطالعہ]

بدعمل علماء کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان:

((يُجَآءُ بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْقٰى فِي النَّارِ فَتَنْدَلِقُ أَقْتَابُهُ فِي النَّارِ فَيَدُوْرُ كَمَا يَدُوْرُ الْحِمَارُ بِرَحَاهُ فَيَجْتَمِعُ أَهْلُ النَّارِ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُوْنَ أَيْ فُلَانُ مَاشَأْنُكَ أَلَيْسَ كُنْتَ تَأْمُرُنَا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَانَا عَنِ الْمُنْكَرِ قَالَ كُنْتُ آمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَآ اٰتِيْهِ وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَآتِيْهِ))

(رواه البخاري: كتاب بدء الخلق، باب صفة النار.........)

''قیامت کے دن ایک آدمی کو لا کر آگ میں ڈالا جائے گا اس کی انتڑیاں آگ میں باہر نکل آئیں گی وہ ان کے گرد ایسے چکر کاٹے گا جیسے گدھا چکی کے گرد چکر کاٹتا ہے جہنمی اس کے پاس جمع ہو کر پوچھیں گے اے فلاں! تجھے کیا ہوا کیا تو ہمیں اچھی باتوں کا حکم دیتا تھا اور برے کاموں سے منع نہیں کرتا تھا؟ وہ کہے گا میں تمہیں اچھی باتوں کا حکم دیتا تھا لیکن خود نیکی نہیں کرتا تھا اور میں تمہیں برے کاموں سے روکتا تھا لیکن خود نہیں رکتا تھا۔''

مسائل

۱۔ لوگوں کو نیکی کا حکم دینا خود اس پر عمل نہ کرنا بے عقلی کی دلیل ہے۔ ۲۔ مبلغ کو سب سے پہلے عمل کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

قول وفعل کے تضاد کی ممانعت:

۱۔ ایمان داروں کے قول وفعل میں تضاد کیوں؟۔(الصف:۲) ۲۔ عمل نہ کرنے والوں کی مثال گدھوں جیسی ہے۔(الجمعہ:۵)

۳۔ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔(البقرۃ:۴۴)

وَاسْتَعِيْنُوْا	بِالصَّبْرِ	وَالصَّلٰوةِ	وَاِنَّهَا	لَكَبِيْرَةٌ	اِلَّا
اور مدد چاہو	صبر	اور نماز کے ساتھ	اور بیشک وہ	البتہ مشکل	مگر
عَلَى	الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾	الَّذِيْنَ	يَظُنُّوْنَ	اَنَّهُمْ	مُّلٰقُوْا
پر	عاجزی کرنے والے	وہ جو	یقین رکھتے ہیں	بیشک وہ	ملاقات کرنیوالے
رَبِّهِمْ	وَاَنَّهُمْ	اِلَيْهِ	رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾		
اپنے رب سے	اور بیشک وہ	اس کی طرف	لوٹنے والے		

ع ۵ ۵

''صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔ یہ بات عاجزی کرنے والوں کے سوا دوسروں کے لیے بہت مشکل ہے۔(۴۵) جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔''(۴۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: دوغلا پن اختیار کرنے کی بجائے، عُسر و یُسر میں دین پر قائم رہو اور نماز اور صبر کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مدد کے طالب بنو۔

اے بنی اسرائیل! تمہیں اپنے آپ کو شریعت کا پابند صبر و شکر کا خوگر اور نماز قائم کرنے والا ہونا چاہیے لیکن یاد رکھو یہ کام نسبتاً مشکل ہیں۔ صبر و شکر اور نماز کی ادائیگی وہی لوگ کیا کرتے ہیں جن کے دل ''اللہ'' کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں اور انہیں یقین ہوتا ہے کہ ہم نے دنیا میں ہمیشہ نہیں بیٹھ رہنا بلکہ آخر کار ہمیں اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے خوف اور فکرِ آخرت کے نتیجہ میں آدمی سے نیک اعمال کا ظہور ہوتا ہے۔ اس فکر کے بغیر دینی کام اچھی عادت اور پیشہ تو ہو سکتے ہیں مگر توشۂ آخرت نہیں بن سکتے اور نہ ہی کردار میں اچھی تبدیلی کا باعث بن سکتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نماز کے ذریعے مدد طلب کرنا:

((إِذْ أَتَى عَلَى جَبَّارٍ مِنَ الْجَبَابِرَةِ فَقِيلَ لَهُ إِنَّ هَا هُنَا رَجُلًا مَعَهُ امْرَأَةٌ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَسَأَلَهُ عَنْهَا فَقَالَ مَنْ هٰذِهِ قَالَ أُخْتِي فَأَتَى سَارَةَ قَالَ يَا سَارَةُ لَيْسَ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ مُؤْمِنٌ غَيْرِي وَغَيْرُكِ وَإِنَّ هٰذَا سَأَلَنِي فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّكِ أُخْتِي فَلَا تُكَذِّبِينِي فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَيْهِ ذَهَبَ يَتَنَاوَلُهَا بِيَدِهِ فَأُخِذَ فَقَالَ ادْعِي اللّٰهَ لِي وَلَا أَضُرُّكِ فَدَعَتِ اللّٰهَ فَأُطْلِقَ ثُمَّ تَنَاوَلَهَا الثَّانِيَةَ فَأُخِذَ مِثْلَهَا أَوْ أَشَدَّ فَقَالَ ادْعِي اللّٰهَ لِي وَلَا أَضُرُّكِ فَدَعَتْ فَأُطْلِقَ فَدَعَا بَعْضَ حَجَبَتِهِ فَقَالَ إِنَّكُمْ لَمْ تَأْتُونِي بِإِنْسَانٍ إِنَّمَا أَتَيْتُمُونِي بِشَيْطَانٍ فَأَخْدَمَهَا هَاجَرَ فَأَتَتْهُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ مَهْيَا قَالَتْ رَدَّ اللّٰهُ كَيْدَ الْكَافِرِ أَوِ الْفَاجِرِ فِي نَحْرِهِ وَأَخْدَمَ هَاجَرَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ تِلْكَ أُمُّكُمْ يَا بَنِي مَاءِ السَّمَاءِ))

(رواہ البخاری: باب قول اللہ تعالیٰ واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا)

''جب (حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بی بی سارہ) ایک ظالم حکمران کے ملک سے گزرے تو اس کے نوکر چاکروں نے بادشاہ کو کہا کہ ہمارے شہر میں ایک مسافر آیا ہے جس کی عورت بہت ہی زیادہ خوبصورت ہے۔ظالم بادشاہ نے حکم دیا۔ابراہیم کو فوراً میرے سامنے پیش کرو۔ان سے پوچھا یہ عورت کون ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا یہ میری بہن ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام بادشاہ سے فارغ ہو کر حضرت سارہ کے پاس آئے اور کہا اے سارہ! اس سرزمین میں میرے اور تیرے سوا کوئی مومن نہیں۔اس ظالم بادشاہ نے مجھے پوچھا ہے کہ یہ تیرے ساتھ عورت کون ہے؟ تو میں نے تجھے اپنی بہن کہا ہے کیونکہ دینی رشتہ کے اعتبار سے تو میری بہن ہے، تجھے اس کے سامنے یہی کہنا چاہیے۔ایسا نہ ہو کہ میں جھوٹا ثابت ہو جاؤں۔اس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ کو جبراً منگوایا جب وہ اس کے پاس پہنچائی گئی تو ظالم نے دست اندازی کی کوشش کی لیکن دھڑام نیچے گرا اور فریاد کرنے لگا اے نیک خاتون! اپنے رب سے میری عافیت کی دعا کریں میں تجھے کچھ نہیں کہوں گا۔حضرت سارہ کی دعا سے وہ اچھا ہو گیا پھر دوسری مرتبہ زیادتی کی کوشش کی دوبارہ پہلے کی طرح یا اس سے بھی زیادہ اللہ کی گرفت میں آیا۔اب پھر التجا کی کہ اے نیک عورت! اب کے بار پھر دعا کر میں اچھا ہو جاؤں تو میں تجھے کچھ نہیں کہوں گا۔حضرت سارہ نے دعا کی تو اللہ کے فضل و کرم سے وہ پھر صحیح ہو گیا۔اس بار اس نے اپنے نوکر کو بلا کر کہا تم کیسی عورت میرے پاس لائے ہو یہ عورت ہے یا شیطان؟ (بے شرم اپنی بے شرمی کو مٹانے کے لیے ایسا کہہ رہا تھا۔حالانکہ شیطان خود تھا۔) اس نے ہاجرہ کو حضرت سارہ کی خدمت میں دے دیا۔جب حضرت سارہ جناب ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں آئیں تو آپ ''اللہ'' کے حضور نماز میں مصروف تھے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز کی حالت میں اشارہ سے پوچھتے ہیں کیا معاملہ ہوا؟ حضرت سارہ نے عرض کیا: اللہ ذوالجلال نے کافر و فاجر کی شرارت کو اس پر الٹ دیا ہے پھر سارا ماجرا ذکر کیا اور کہا بالآخر اس نے اپنی بیٹی کو خادمہ کے طور پر میرے حوالے کر دیا ہے۔جناب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث مبارکہ ذکر کرنے کے بعد کہا اے بارش پر پلنے والو۔(یعنی اے عرب قوم!) یہی تو تمہاری والدہ ہاجرہ ہیں۔''

مسائل

١۔ مشکل کے وقت حوصلہ اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ ٣۔ ہر شخص کی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری یقینی ہے۔

٢۔ مشکل کے وقت صبر کرنا اور نماز پڑھنا بھاری کام ہیں مگر اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے آسان ہیں۔

تفسیر بالقرآن

نماز کا حکم:

١۔ (البقرۃ: ٤٣، ٨٣، ١١٠) ٢۔ (النساء: ٧٧، ١٠٣) ٣۔ (الانعام: ٧٢) ٤۔ (یونس: ٨٧) ٥۔ (الحج: ٧٨)

٦۔ (النور: ٥٦) ٧۔ (الروم: ٣١) ٨۔ (المجادلہ: ١٣) ٩۔ (المزمل: ٢٠)

انعمت	التي	نعمتي	اذكروا	اسرآءيل	يبني
میں نے انعام کی	وہ جو	میری نعمت	یاد کرو	یعقوب	اے اولادِ

العلمين ﴿٤٧﴾	على	فضلتكم	واني	عليكم
دنیا والے	پر	تمہیں فضیلت دی	اور یہ کہ میں نے	تم پر

''اے اولادِ یعقوب میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تمہیں تمام دنیا پر فضیلت عطا فرمائی۔''(۴۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل کو دوسرا خطاب۔

بنی اسرائیل سے پہلے خطاب میں کچھ باتوں کا حکم دیا اور کچھ کاموں سے منع کیا تھا۔ اب دوسرے خطاب کا آغاز بھی نہایت دل کش انداز میں کرتے ہوئے نعمتوں کی یاددہانی کرواتے ہوئے بنی اسرائیل کو نیکی اور عظمت رفتہ کی یاد دہانی کرواتے ہوئے احساس دلایا گیا ہے کہ ہوش کے ناخن لو اور نبی آخر الزمان پر ایمان لاؤ اور آپ ﷺ مخالفت سے باز آؤ۔

بنی اسرائیل پر احسانات

①۔جوروا ستبداد سے نجات:

{ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿٣٠﴾ } (الدخان: ۳۰)

''ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت آمیز عذاب سے نجات دی۔''

②۔دریا میں راستہ بنانا:

{ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ } (البقرۃ: ۵۰)

''جب ہم نے تمہارے لیے دریا کو پھاڑا اور تمہیں نجات دی۔''

③۔بچھڑے کی پرستش کے بعد توبہ قبول کی:

{ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ } (البقرۃ: ۵۲) ''پھر ہم نے تمہیں معاف کر دیا۔''

④۔دوبارہ زندگی عطا کرنا:

{ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٥٦﴾ } (البقرۃ: ۵۶)

''پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد تم کو زندہ کیا تاکہ تم شکر ادا کرو۔''

⑤۔ بادلوں کا سایہ کیا:

{ وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ } (البقرۃ:۵۷) ''اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا۔''

⑥۔ من وسلویٰ اُتارا:

{ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى } (البقرۃ:۵۷) ''اور ہم نے تم پر من وسلویٰ نازل کیا۔''

⑦۔ بارہ چشمے جاری کیے:

{ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا } (البقرۃ:۶۰) ''پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔''

⑧۔ دنیا میں حکمران بنایا:

{ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا } (المائدۃ:۲۰) ''اور تمہیں بادشاہ بنایا۔''

⑨۔ اقوامِ عالم پر عزت عطا فرمائی:

{ وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ } (البقرۃ:۴۷) ''میں نے تمہیں اقوامِ عالم پر فضیلت دی۔''

⑩۔ جو کچھ بنی اسرائیل کو دیا وہ کسی اور کو نہ دیا:

{ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ } (المائدۃ:۲۰)

''اور جو کچھ تمہیں دیا سارے عالم میں سے کسی کو نہیں دیا۔''

⑪۔ تواتر کے ساتھ انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے:

{ وَ قَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ } (البقرۃ:۸۷) ''اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت سے رسول بھیجے گئے۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ انسان کو نعمت اور فضل سے نوازے تو اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد رکھنا چاہیے۔ ٣۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ (ابراہیم:٣۴)

۴۔ اگر لوگ اپنے رب کا شکر ادا کریں تو وہ مزید انعامات سے نوازے گا۔ (ابراہیم:٧)

((أَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ)) (رواہ أبو داؤد: باب فی الإستغفار [صحیح])

''الٰہی! اپنے ذکر، شکر اور بہترین طریقے سے عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔''

وَاتَّقُوْا	يَوْمًا	لَّا تَجْزِىْ	نَفْسٌ	عَنْ	نَّفْسٍ	شَيْـًٔا
اور ڈرو	اس دن	نہ نفع دے گا	کوئی شخص	سے	کوئی شخص	کچھ
وَّلَا	يُقْبَلُ	مِنْهَا	شَفَاعَةٌ	وَّلَا		يُؤْخَذُ
اور نہ	قبول کی جائے گی	اس سے	کوئی سفارش	اور نہ		لیا جائے گا
مِنْهَا	عَدْلٌ	وَّلَا	هُمْ	يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾		
اس سے	کوئی معاوضہ	اور نہ	ان	مدد کی جائے گی		

’’اور اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا اور نہ سفارش قبول ہوگی اور نہ کسی سے فدیہ لیا جائے گا اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے۔‘‘(۴۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل سے دوسرا خطاب

دنیا کی عدالتوں میں مجرم جن طریقوں سے بچ نکلتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱)۔حقیقی مجرم کی جگہ دوسرے کو پھنسا دینا۔ (۲)۔شخصی سفارش کے ذریعے مجرم کو بچالینا۔

(۳)۔رشوت کے ذریعے بچ نکلنے میں کامیاب ہونا۔ (۴)۔سیاسی دباؤ کے ذریعے مجرم کا رہائی پانا۔

یہاں بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے ہر فرد کو باور کرایا جا رہا ہے کہ یہ ہتھکنڈے دنیا کی بے انصاف عدالتوں' رشوت خور ججوں، کمزور اور غلط عدالتی نظام میں چل سکتے ہیں۔جس وجہ سے مظلوم سر چھپاتے اور ظالم دندناتے پھرتے ہیں۔لیکن اللہ کی عدالت میں ان باتوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔محشر کے میدان میں کسی مجرم کو دم مارنے اور آنکھ اٹھا کر دیکھنے اور بلا اجازت بولنے کی بھی جرأت نہ ہوگی۔اس دن کوئی نفس اور کوئی متاع کام نہ آئے گی۔قرآن مجید نے ان اصولوں کو مختلف مقامات اور انداز میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے تاکہ کسی مجرم کے دل میں قیامت کے دن چھوٹ جانے کا تصور بھی پیدا نہ ہو۔

مسائل

۱۔ قیامت کے دن رشتہ دار، غلط سفارش اور اس کا مال مجرم کو کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔

تفسیر بالقرآن

سفارش کی گنجائش نہیں:

۱۔ کون ہے جو اللہ کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔(البقرۃ:۲۵۵)

۲۔ دوستی اور سفارش کام نہیں آئے گی۔(البقرۃ:۲۵۴) ۳۔مجرموں کو سفارش کا کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی۔(المدثر:۴۸)

۴۔ ظالموں کا کوئی دوست ہوگا اور نہ سفارشی۔(المؤمن:۱۸) ۵۔کافروں کا کوئی سفارشی نہیں ہوگا۔(انعام:۵۱)(الروم:۱۳)

نوٹ! فدیہ کے بارے میں البقرۃ:۱۲۳ دیکھیے۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ

اور جب — ہم نے تمہیں نجات دی — سے — آل — فرعون کی — وہ تمہیں دیتے تھے — بدترین

الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ

عذاب — وہ ذبح کرتے تھے — تمہارے بیٹے — اور زندہ چھوڑ دیتے تھے — تمہاری عورتیں — اور میں

ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۴۹ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ

اس — آزمائش — سے — تمہارا رب — بڑی — اور جب ہم نے پھاڑ دیا — تمہارے لیے

الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝۵۰

دریا — پھر ہم نے تمہیں بچالیا — اور ہم نے ڈبو دیا — آل فرعون — اور تم — دیکھ رہے تھے

”اور جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی جو تمہیں بدترین عذاب دیتے تھے۔ وہ تمہارے لڑکوں کو مار ڈالتے اور تمہاری لڑکیوں کو چھوڑ دیتے تھے اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔ (۴۹) اور جب ہم نے تمہارے لیے دریا کو پھاڑ دیا اور تمہیں اس سے بچالیا اور فرعونیوں کو تمہاری نظروں کے سامنے دریا میں غرق کر دیا۔“ (۵۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل سے خطاب جاری ہے اس میں دو احسانات کا تذکرہ فرما کر نصیحت کی گئی ہے۔

بنی اسرائیل پر فرعون کے بدترین مظالم کی اہلِ تاریخ دو وجوہات تحریر کرتے ہیں۔ ایک جماعت کا نقطۂ نگاہ ہے کہ اس وقت کے نجومیوں نے فرعون کو اس بات کی خبر دی کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے جو بڑا ہو کر تیرے اقتدار کو چیلنج کرے گا۔ دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل کی بڑھتی ہوئی افرادی قوت کے خوف سے فرعون نے ان کے بچوں کو قتل کرنے اور عورتوں کو باقی رکھنے کا حکم جاری کیا تھا۔

یاد رہے بنی اسرائیل کے جوانوں کا قتل عام اور ان کی عورتوں کو باقی رکھنے کا اقدام دو مرتبہ اٹھایا گیا ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت اور دوسری مرتبہ موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملنے کے بعد۔ (المؤمن: ۲۳)

یہاں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمتوں کا احساس، آخرت کا خوف اور ان کے ماضی کے المناک دور کا حوالہ دے کر سمجھایا ہے کہ آج تم کمزور اور بے خانماں مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہو تمہیں وہ وقت بھی یاد رکھنا چاہیے جب فرعون تمہارے جوانوں اور نونہالوں کو سرعام ذبح کرتا تھا اور تمہاری ماؤں اور بہو، بیٹیوں کو باقی رہنے دیتا تھا۔ قرآنِ مجید نے اسے بلائے عظیم قرار دے کر ان تمام مضمرات کی طرف اشارہ کیا ہے جو مظلوم اور غلام قوم کو پیش آیا کرتے ہیں اور ظالم مظلوم کی بہو بیٹیوں کے ساتھ جو سلوک کیا کرتے ہیں اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اے بنی اسرائیل! اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان

عظیم کرتے ہوئے ان مظالم سے تمہیں نجات دلائی اور تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہارے بدترین دشمن کو ذلت کی موت دیتے ہوئے اسے ہمیشہ کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا۔ اس سے دنیا میں تمہاری عظمت وسچائی اور بزرگی کی دھوم مچ گئی کہ بنی اسرائیل کے لیے دریا رک گیا اور ان کی آنکھوں کے سامنے دنیا کا بدترین مغرور وسفاک، خدائی اور مشکل کشائی کا دعویٰ کرنے والا ڈبکیاں لیتے ہوئے دہائی دیتا رہا کہ لوگو! میں موسیٰ علیہ السلام اور اس کے رب پر ایمان لاتا ہوں لیکن آواز آئی کہ تیرا ایمان ہرگز قبول نہیں ہوگا اب تجھے آئندہ نسلوں کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا جائے گا۔

{ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾ } (یونس:۹۱)

”کیا اب؟ حالانکہ تو نافرمان تھا اور تو فساد کرنیوالوں میں سے تھا۔“

قیامت کے دن مظلوم بچیاں اس طرح سوال کریں گی:

{ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ﴿۸﴾ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ﴿۹﴾ } (التکویر:۹،۸)

”اور زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم میں ماری گئی تھی؟۔“

یہاں انتباہ کیا گیا ہے کہ جو بچوں کو قتل کرتے ہیں قیامت کے دن وہ بچہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کرے گا کہ مولائے کریم! آج اس ظالم سے پوچھا جائے کہ مجھے کس جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا تھا بے شک قاتل والدین ہی کیوں نہ ہوں۔

ظلم کے بارے میں رسولِ محترم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ یَوْمَ الْقِیَامَةِ)) (رواہ البخاری: کتاب المظالم والغصب، باب الظلم ـ ـ)

”ظلم قیامت کے دن اندھیرے ہوں گے۔“

مسائل

۱۔ فرعون بنی اسرائیل پر ظلم کرتا تھا۔ ۲۔ فرعون بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل اور لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا۔

۳۔ ظلم مظلوم پر بھاری آزمائش ہوتی ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو ڈبویا اور بنی اسرائیل کو بچا لیا۔

تفسیر بالقرآن

فرعون کے مظالم:

۱۔ فرعون نے اپنی قوم میں طبقاتی کشمکش پیدا کی۔ (القصص: ۴)

۲۔ بنی اسرائیل قتل وغارت کے عذاب میں دو مرتبہ مبتلا کئے گئے۔ (الاعراف: ۱۲۷ تا ۱۲۹)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اقتدار بخشا تا کہ فرعون کو اپنی قدرت دکھلائے۔ (القصص: ۶،۵)

۴۔ فرعون نے ظلم کرنے کے لیے میخیں تیار کی ہوئی تھیں۔ (الفجر: ۱۰)

۵۔ فرعون نے اپنی بیوی پر اس لیے ظلم کیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھی۔ (التحریم: ۱۱)

وَ اِذْ	وٰعَدْنَا	مُوْسٰی	اَرْبَعِيْنَ	لَيْلَةً	ثُمَّ	اتَّخَذْتُمُ
اور جب	ہم نے وعدہ لیا	موسیٰ (علیہ السلام)	چالیس	رات	پھر	تم نے پکڑ لیا
الْعِجْلَ	مِنْۢ	بَعْدِهٖ	وَ اَنْتُمْ	ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾	ثُمَّ	عَفَوْنَا
بچھڑا	سے	اس کے بعد	اور تم	ظالم (جمع)	پھر	ہم نے معاف کر دیا
عَنْكُمْ	مِّنْۢ	بَعْدِ	ذٰلِكَ	لَعَلَّكُمْ	تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾	وَ اِذْ
تم سے	سے	بعد	یہ	تا کہ تم	شکر ادا کرو	اور جب
اٰتَيْنَا	مُوْسَى	الْكِتٰبَ	وَ	الْفُرْقَانَ	لَعَلَّكُمْ	تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾
ہم نے دی	موسیٰ	کتاب	اور	فرق کر دینے والی	تا کہ تم	ہدایت پاؤ

’’اور جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ لیا پھر تم نے اس کے بعد بچھڑا پوجنا شروع کر دیا اور تم ظالم بن گئے۔ (۵۱) لیکن ہم نے اس کے بعد پھر تمہیں معاف کر دیا تا کہ تم شکر ادا کرو۔ (۵۲) اور جب ہم نے موسیٰ کو تمہاری ہدایت کے لیے کتاب اور معجزے عطا فرمائے۔‘‘ (۵۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل پر تیسرا اور چوتھا احسان۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدین کے علاقہ سے واپسی کے وقت سفر کے دوران نبوت سے سرفراز فرمایا اور دو معجزے عطا فرمائے لاٹھی کا اژدہا بن جانا اور ہاتھ کا روشن ہونا۔ ان معجزات کے ساتھ موقع بموقع حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہدایات ملتی رہیں۔ جن میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جا کر نہایت نرمی کے ساتھ سمجھانے کی ہدایت، توحید کے دلائل، بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ، بنی اسرائیل کو صبر اور نماز کی تلقین اور ہر قسم کی راہنمائی کا بندوبست، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مجادلہ کے نتیجہ میں جادوگروں سے مقابلہ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم کامیابی کا حصول جس کے نتیجے میں جادوگروں کا موقعہ پر ہی اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہونا اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اعلان اس کی تفصیل اپنے مقام پر بیان ہوگی۔ بالآخر فرعون اور اس کے لشکروں کا غرقاب ہونا اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فلسطین پر حملہ آور ہو جاؤ اللہ اسے تمہارے ہاتھوں فتح کرے گا لیکن بزدل قوم نے کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام تم اور تمہارا خدا لڑو ہم تو اتنے طاقتوروں کے ساتھ نہیں لڑ سکتے اس کی پاداش میں انہیں طورِ سینا کے ریگستان میں چالیس سال کے لیے مقید کر دیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ کوہِ طور پر تیس دن کے لیے حاضری دو تا کہ آپ کو تحریری طور پر تختیوں کی شکل میں آپ کو تورات دی جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام طورِ سینا پر فروکش ہوئے تو تیس دن کی مدت کو چالیس دن میں تبدیل کر دیا گیا۔

بنی اسرائیل اس قدر احسان فراموش اور متلون مزاج قوم تھی کہ جوں ہی ان کا دشمن غرقاب ہوا یہ دریا عبور کر کے ابھی

تھوڑی ہی دیر چلے تھے کہ راستہ میں انہوں نے ایسے لوگوں کو دیکھا جو بتوں کے سامنے مراقبہ، اعتکاف اور طواف کر رہے تھے۔ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے احسانات کو فراموش کرتے ہوئے بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کرنے لگے کہ ہمیں بھی ایسا ہی معبود بنا دیجیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شرک کے نقصانات بتاتے ہوئے فرمایا کہ یہ قوم تو ہلاکت اور بربادی کے کنارے پر کھڑی ہے۔ جن کی یہ پوجا کر رہے ہیں وہ باطل اور ان کا یہ عمل شرک ہے۔ کیا تم اللہ کے بغیر کسی اور کو معبود مانتے ہو؟ جبکہ اس نے تمہارے دشمن کو غرق کر کے پوری دنیا میں تمہیں ممتاز کر دیا ہے۔ اس وقت تو یہ لوگ باز آئے لیکن غلامانہ ذہن رکھنے والی قوم شرک سے کس طرح باز آسکتی تھی؟ جوں ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے لیے کوہِ طور پر تشریف لے گئے تو سامری نام کے ایک آدمی نے سونے کا ایک بچھڑا بنا کر انہیں کہا کہ یہی وہ معبود ہے جس کی تلاش میں موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر بیٹھے ہیں۔ انہوں نے سب کچھ فراموش کرتے ہوئے بچھڑے کی عبادت شروع کر دی۔ [طٰہٰ: ۸۷، ۸۸]

مسائل

١۔ غیر اللہ کی پوجا یعنی شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ آدمی کو ڈھیل دے تو اسے توبہ اور شکر کرنا چاہیے۔

٣۔ تورات موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی جو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کا سرچشمہ تھی۔

۴۔ حضرت موسیٰ کو بڑے بڑے معجزات عنایت کیے گئے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ:

١۔ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تیس راتوں کا وعدہ ہوا پھر مزید دس راتوں کا اضافہ کر دیا گیا۔ (الاعراف: ۱۴۲)

٢۔ اسی مدت میں انہیں تختیوں کی شکل میں تورات عنایت کی گئی۔ (الاعراف: ۱۴۳ تا ۱۴۵)

فرقان کیا ہے؟

١۔ اگر تم عقل مند ہو تو بتاؤ کونسا فریق امن کا زیادہ حق دار ہے۔ (الانعام: ۸۱)

٢۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور حق و باطل میں فرق کرنے والے معجزے عطا کیے۔ (البقرۃ: ۵۳)

٣۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو لوگوں کے لیے ہدایت اور حق و باطل میں فرق کر دینے والی کتاب بنا کر نازل کیا ہے۔ (البقرۃ: ۱۸۵)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن سے پہلے تورات و انجیل کو لوگوں کی ہدایت کے لیے اور حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب بنا کر نازل فرمایا۔ (آل عمران: ۳)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو حق و باطل میں فرق کرنے والی اور روشن کتاب عنایت فرمائی۔ (الانبیاء: ۴۸)

٦۔ اللہ تعالیٰ بابرکت ذات ہے جس نے اپنے بندے پر حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب نازل کی تا کہ آپ لوگوں کو ڈرائیں۔ (الفرقان: ۱) ٧۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر دو جماعتوں کے ٹکراؤ میں فرق واضح کر دیا۔ (الانفال: ۴۱)

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اے میری قوم بیشک تم تم نے ظلم کیا

اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا

اپنے اوپر تم نے بنالیا بچھڑا سوتم رجوع کرو طرف اپنے پیدا کرنے والے سوتم قتل کرو

اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ

اپنی جانیں یہ بہتر تمہارے لیے نزدیک تمہارا پیدا کرنیوالا اس نے توبہ قبول کی

عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

تمہاری بیشک وہ وہی توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم کرنے والا

’’اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم بچھڑے کو معبود بنا کر تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ اب تم اپنے رب کے حضور توبہ کرو اور اپنے آپ کو قتل کرو تمہارے رب کے نزدیک اسی میں بہتری ہے پھر اس نے تمہاری توبہ قبول کی وہ توبہ قبول کرنے والا اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔‘‘ (۵۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سنگین جرم معاف کرتے ہوئے پانچواں احسان۔

جب موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور سے اتر کر اپنی قوم کی طرف آئے تو انہوں نے بچھڑے کو جلا کر دریا میں پھینک دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جن لوگوں نے شرک کا ارتکاب کیا ہے ان کے رشتہ داروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ انہیں اپنے ہاتھوں سے قتل کردیں۔ یہی تمہاری توبہ ہے اور یہی توبہ کا طریقہ تمہارے رب کے ہاں مقبول ہے۔ جب مشرک ہزاروں کی تعداد میں قتل ہو چکے تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں قوم کے لیے معافی کی درخواست کی جس کو قبول کرتے ہوئے رب کریم نے باقی ماندہ لوگوں کی توبہ قبول فرمائی کیونکہ اللہ تائب ہونے والوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کے مشرکوں کو ختم کرنے اور ایمانداروں کے ایمان کو پرکھنے کے لیے توبہ کا یہ طریقہ اس لیے مقرر کیا گیا تاکہ لوگ شرک کے بدترین گناہ اور اس کی سنگینی سے آگاہ ہو جائیں اور آئندہ شرک کرنے سے باز رہیں۔

توبہ کے متعلق نبی اکرم ﷺ کے ارشادات:

((عَنْ أَبِي مُوْسٰى رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْسُطُ يَدَهٗ بِاللَّيْلِ لِيَتُوْبَ مُسِيْئُ النَّهَارِ وَيَبْسُطُ يَدَهٗ بِالنَّهَارِ لِيَتُوْبَ مُسِيْئُ اللَّيْلِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا))

(رواہ مسلم: باب قبول التوبة من الذنوب وإن تكررت الذنوب والتوبة)

’’حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: یقیناً اللہ عزوجل رات کو اپنا ہاتھ بڑھاتے ہیں تاکہ دن کو خطائیں کرنے والا توبہ کرلے اور دن کو ہاتھ پھیلاتے ہیں تاکہ رات کو گناہ کرنے والا توبہ کرلے یہ سلسلہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے تک جاری رہے گا۔‘‘ (یعنی قیامت تک)

((عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ))

(رواہ ابن ماجۃ: کتاب الزھد، باب ذکر التوبۃ [حسن])

’’حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہی پاک ہوجاتا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔‘‘

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَللّٰہُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِہٖ حِینَ یَتُوبُ إِلَیْہِ مِنْ أَحَدِکُمْ کَانَ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ بِأَرْضِ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْہُ وَعَلَیْہَا طَعَامُہٗ وَشَرَابُہٗ فَأَیِسَ مِنْہَا فَأَتٰی شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِی ظِلِّہَا قَدْ أَیِسَ مِنْ رَاحِلَتِہٖ فَبَیْنَا ہُوَ کَذٰلِکَ إِذَا ہُوَ بِہَا قَائِمَةً عِنْدَہٗ فَأَخَذَ بِخِطَامِہَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اَللّٰہُمَّ أَنْتَ عَبْدِیْ وَأَنَا رَبُّکَ أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ))(رواہ مسلم: کتاب التوبۃ، باب فی الحض علی التوبۃ والفرح بھا)

’’رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے توبہ کرنے پر اس بندے سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جو چٹیل میدان میں اپنی سواری پر تھا اور اس کی سواری گم ہوگئی جس پر اس کا کھانا، پینا تھا۔ وہ سواری اور زندگی سے ناامید ہوکر ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ اچانک اس کی سواری مل گئی وہ خوشی میں آکر یہ کہہ دیتا ہے کہ اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔‘‘

مسائل

۱۔ شرک کرنے والا اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنی چاہیے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

توبہ کی اہمیت:

۱۔ توبہ کرنا مومن کا شیوہ ہے۔ (التوبۃ: ۱۱۲) ۲۔ توبہ کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۲۲)
۳۔ توبہ قبول کرنا اللہ تعالیٰ کی [illegible] ہے۔ (البقرۃ: ۱۶۰) ۴۔ توبہ کرنے والے کامیاب ہوں گے۔ (القصص: ۶۷)
۵۔ توبہ کرنے والوں کے لیے فرشتے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ (المؤمن: ۷ تا ۹)
۶۔ توبہ کرنے والے کے گناہ نیکیوں میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ (الفرقان: ۷۰)

وَاِذْ	قُلْتُمْ	یٰمُوْسٰی	لَنْ نُّؤْمِنَ	لَكَ	حَتّٰی	نَرَی
اور جب	تم نے کہا	اے موسیٰ	ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے	تجھے	جب تک	ہم دیکھ لیں
اللّٰہَ	جَهْرَةً	فَاَخَذَتْكُمُ	الصّٰعِقَةُ	وَ	اَنْتُمْ	تَنْظُرُوْنَ ۝۵۵ ثُمَّ
اللہ	سامنے	پھر تمہیں آلیا	کڑک نے	اور	تم	دیکھ رہے تھے پھر
بَعَثْنٰكُمْ	مِّنْۢ	بَعْدِ	مَوْتِكُمْ	لَعَلَّكُمْ	تَشْكُرُوْنَ ۝۵۶	
ہم نے تمہیں اٹھایا	سے	بعد	تمہاری موت	تاکہ تم	شکر کرو	

”اور جب تم نے موسیٰ سے کہا کہ جب تک ہم اپنے رب کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں اس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ تمہارے دیکھتے ہی تمہیں کڑک نے آلیا۔ (۵۵) پھر تمہاری موت کے بعد ہم نے تمہیں زندہ کیا تاکہ تم شکر گزار بنو۔“ (۵۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی بدترین گستاخی معاف کرتے ہوئے ان پر چھٹا احسان فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے آسمانی دستاویزات یعنی تورات کو یہ کہہ کر تسلیم کرنے سے انکار کردیا کہ جب تک ہم اللہ کے ساتھ خود ہم کلام نہیں ہوتے اور اسے دیکھ نہیں لیتے اس وقت تک ہم اس کتاب کی تصدیق نہیں کریں گے۔ اس نازک صورتِ حال کے پیشِ نظر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کی کہ اے رب! انہیں اپنی ہم کلامی اور زیارت سے مشرف فرما۔ اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آپ اپنی قوم کے ستر نمائندوں کو کوہِ طور پر لے آئیں۔ جب یہ لوگ طور سینا پر پہنچے تو زوردار دھماکے سے مرگئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ”اللہ“ کے حضور عجز و انکساری سے فریاد کی کہ اے رب! ان لوگوں کی حماقت کی وجہ سے آپ نے انہیں تباہ کردیا ہے اگر ایسا ہی کرنا تھا تو پہلے مار دیا ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور انہیں دوبارہ زندہ کردیا گیا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کو دوبارہ زندہ فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی زیارت کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد:

((عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ قَالَ نُوْرٌ أَنّٰى أَرَاهُ))

(رواہ مسلم: کتاب الإیمان، باب فی قولہ نور أنی أراہ وفی قولہ رأیت نورا)

”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوئے ہیں؟ جواباً آپ نے فرمایا وہ تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔“

شکر کا جامع مفہوم یہ ہے کہ آدمی کو جو کچھ میسر ہو اس کی قدر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ شکر ایسی صفت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ والا صفات کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ سورۃ النساء آیت ۱۴۷ میں ارشاد ہوا کہ لوگو! تمہیں عذاب کرنے سے اللہ تعالیٰ کو کچھ حاصل نہیں ہوتا اگر تم اس پر ایمان لاؤ اور اس کا شکریہ ادا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارا قدردان ہوگا۔

یہاں شاکر کا لفظ استعمال فرما کر شکر کی اہمیت کو دو چند کر دیا ہے۔ سورۃ ابراہیم آیت ۷ میں یہ خوشخبری عطا فرمائی کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو گے تو وہ تمہیں مزید عنایات سے نوازے گا۔

سورۃ ابراہیم میں شکر کے بالمقابل کفر کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معانی ناقدری اور احسان فراموشی کے ہیں اس لیے ہر زبان میں ناشکری کو کفرانِ نعمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ابلیس لعین کو جب اس کے جرم کی پاداش میں ہمیشہ کے لیے راندہ درگاہ قرار دیا گیا تو اس نے بنی نوع انسان کے بارے میں ان الفاظ میں اپنے خبثِ باطن کا اظہار کیا:

''جس وجہ سے مجھے راندہ درگاہ قرار دیا گیا ہے میں اس کے لیے صراطِ مستقیم میں رکاوٹ بنوں گا اور میں ان کے آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں سے حملہ آور ہوں گا۔ اے اللہ! تو ان کی اکثریت کو شکر گزار نہیں پائے گا۔'' (الاعراف: ۱۶، ۱۷)

بنی آدم کو ناشکری کے گناہ سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنی نعمتوں کی قدر کرنے اور ہر دم شکر گزار رہنے کا حکم دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کا اتنا خیال رکھتے کہ آپ تہجد کی نماز میں اس قدر قیام کرتے کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آجایا کرتا تھا جنہیں دیکھ کر آپ کے اہلِ خانہ نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں تو آپ اس قدر کیوں مشقت اٹھاتے ہیں جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کیا میں ان نعمتوں پر اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ (رواہ البخاری: کتاب الجمعة، باب قیام النبی اللیل)

اسی بنا پر آپ ﷺ فرض نماز کے بعد اس دعا کا اہتمام کیا کرتے تھے:

((أَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ)) (رواہ أبوداؤد: باب فی الإستغفار [صحیح])

''الٰہی! اپنے ذکر، شکر اور بہترین طریقے سے عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ موت دے کر زندہ کرنے پر قادر ہے۔ ۲۔ ہر دم اللہ کا شکر گزار رہنا چاہیے۔

۳۔ احسان مندی کا تقاضا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

تفسیر بالقرآن

شکر کی اہمیت:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق پر اس کا شکریہ ادا کرو۔ (الانفال: ۲۶) ۲۔ اللہ تعالیٰ شکر گزار لوگوں کو زیادہ دیتا ہے۔ (ابراہیم: ۷)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو تمہارے تابع کیا جس سے تازہ مچھلی، زیبائش کا سامان نکلتا ہے اس پر اللہ کا شکر کرو۔ (النحل: ۱۴)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے رات کو باعثِ سکون اور دن کو کسبِ معاش کا ذریعہ بنایا ہے تاکہ اس کا شکر ادا کرو۔ (القصص: ۷۳)

۵۔ شکر کے بارے میں حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی دعائیں۔ (ص: ۳۵، النمل: ۱۹)

وَظَلَّلْنَا	عَلَيْكُمُ	الْغَمَامَ	وَاَنْزَلْنَا	عَلَيْكُمُ	الْمَنَّ	وَالسَّلْوٰى ۭ	
اور ہم نے سایہ کیا	تم پر	بادل	اور ہم نے اتارا	تم پر	من	اور سلوا	
كُلُوْا	مِنْ	طَيِّبٰتِ	مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ	وَمَا	ظَلَمُوْنَا	وَلٰكِنْ	
تم کھاؤ	سے	پاک	جو ہم نے تمہیں دیا	اور نہیں	انہوں نے ہمارا نقصان کیا	اور لیکن	
كَانُوْٓا	اَنْفُسَھُمْ	يَظْلِمُوْنَ ۝۵۷					
تھے	ان کی جانیں	وہ ظلم کرتے تھے					

''اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من وسلویٰ اتارا۔ کہ تم ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ انہوں نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔'' (۵۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل پر من وسلویٰ کی شکل میں ساتواں اور آٹھواں احسان۔

بنی اسرائیل کا آزادی کے بعد شکر کی بجائے شرک کرنا، جناب موسیٰ علیہ السلام پر عدم اعتماد کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کو خود دیکھنے کا گستاخانہ مطالبہ، وطن کی آزادی کے لیے جہاد فی سبیل اللہ سے انکار جیسے پے در پے سنگین جرائم کرنے کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ ان کو صحرائے سینا میں تڑپ تڑپ کر مرنے دیا جاتا۔ لیکن اس کے باوجود رحیم وکریم رب نے انہیں پہلے سے زیادہ عمدہ و لذیذ کھانا، گھنے بادلوں کا سایہ، پینے کے لیے میٹھے اور صاف وشفاف چشموں کا پانی عنایت کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے ہم پر زیادتی نہیں کی وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے۔ یعنی جو کچھ وہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ وہ اپنے جرائم کے بدلے خود ہی ذلیل وخوار ہوتے رہے۔ چنانچہ حکم دیا کہ بس میری عبادت کرو، امن سے رہو اور دشمن کے مقابلے میں اپنے آپ کو جہاد کے لیے تیار کرو۔ اس میں یہ حکمت پنہاں تھی کہ فرعون کی غلامی میں پلنے والی نسل ختم ہو اور نئی نسل کھلی فضا اور آزاد ماحول میں پروان چڑھے جو جسمانی لحاظ سے کڑیل جوان اور فکری طور پر آزادی کے متوالے، عقیدہ اور کردار کے اعتبار سے انتہائی پختہ ہوں۔ جو قابض قوم عمالقہ سے نبردآزما ہو کر اپنا آبائی وطن ملک فلسطین آزاد کروانے کی ہمت اور جرأت رکھتے ہوں۔

صحرائے سینا کا حدود اربعہ:

یہ مثلث نما جزیرہ ہے جو بحر الکاہل (بحیرہ روم کے شمال کی طرف) اور ریڈ سی (جنوب کی طرف) کے درمیان مصر میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ ساٹھ ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ اس کی زمینی سرحدیں سویز نہر مغرب کی طرف اور اسرائیل۔ مصر سرحد، شمال مشرق کی طرف ہیں۔ سینائی جزیرہ نما جنوب مغربی ایشیا میں واقعہ ہے۔ اسے مغربی ایشیا بھی کہتے ہیں یہ جغرافیائی اصطلاح

ہے جبکہ مصر کا باقی حصہ شمالی افریقہ میں واقعہ ہے جغرافیائی وسیاسی مقاصد کے لیے سینائی کو اکثر افریقہ کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔
سینائی تقریباً مکمل طور پر صحرا ہے اور تبا (Taba) میں سباہ ساحل (Sabah Coast) کے ساتھ ساتھ واقعہ ہے۔
(موجودہ اسرائیل قصبہ ایلٹ (Eilat) کے نزدیک) جہاں ایک ہوٹل اور رقص گاہ (Casino) ہے جب ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف حرکت کی جائے تو وہاں نیوویبا (Nuweiba) داھاب (Dahab) اور شرم الشیخ (Sharm el Sheikh) واقع ہیں سینائی العریش (El Arish) میں غزہ پٹی کے نزدیک شمالی ساحل پر بھی واقع ہے۔

جبلِ موسیٰ جسے جبلِ سینائی بھی کہتے ہیں۔ تورات میں اہمیت کا حامل ہے۔ اس جگہ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدائی احکام وصول کیے جنوبی سینائی جزیرہ نما میں واقع ہے جس کے لیے دعویٰ ہے کہ یہ تورات کے سینائی پہاڑ کی جگہ ہے۔

اس قصے کی تفصیلات بائبل کی کتاب، گنتی استثناء اور یشعو میں موجود ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دشتِ فاران سے بنی اسرائیل کے بارہ سرداروں کو فلسطین کا دورہ کرنے کے لیے بھیجا تاکہ وہاں کے حالات معلوم کر کے آئیں۔ یہ لوگ چالیس دن دورہ کر کے وہاں سے واپس آئے اور انہوں نے قوم کے مجمعِ عام میں بیان کیا کہ واقعی وہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں۔ لیکن جو لوگ وہاں بسے ہوئے ہیں وہ زور آور ہیں۔ ہم اس لائق نہیں ہیں کہ ان لوگوں پر حملہ کریں وہاں جتنے آدمی ہم نے دیکھے وہ سب بڑے قدآور ہیں اور ہم نے وہاں بنی عناق کو بھی دیکھا جو جبار ہیں اور جباروں کی نسل سے ہیں اور ہم تو اپنی ہی نگاہ میں ایسے تھے جیسے ٹڈے ہوتے ہیں اور ایسے ہی ان کی نگاہ میں تھے۔ یہ بیان سن کر سارا مجمع چیخ اٹھا کہ ''اے کاش ہم مصر ہی میں مرجاتے یا کاش اس بیابان میں ہی مرتے۔ خداوند کیوں ہمیں اس ملک میں لے جا کر تلوار سے قتل کرانا چاہتا ہے؟ پھر تو ہماری بیویاں اور بال بچے لوٹ کا مال ٹھہریں گے۔ کیا ہمارے لیے بہتر نہ ہوگا کہ ہم مصر واپس چلے جائیں؟ پھر وہ آپس میں کہنے لگے کہ آؤ ہم کسی کو اپنا سردار بنالیں اور مصر لوٹ چلیں۔ اس پر ان بارہ سرداروں میں سے جو فلسطین کے دورے پر بھیجے گئے تھے۔ دو سردار یوشع اور کالب اٹھے اور انہوں نے اس بزدلی پر قوم کو ملامت کی۔ کالب نے کہا ''چلو ہم یک دم جا کر اس ملک پر قبضہ کر لیں کیونکہ ہم اس قابل ہیں کہ اس پر حملہ کریں۔'' پھر دونوں نے یک زبان ہو کر کہا ''اگر خداوند ہم سے راضی رہے تو وہ ہمیں اس ملک میں پہنچائے گا فقط اتنا ہو کہ تم خداوند سے بغاوت نہ کرو اور نہ اس ملک کے لوگوں سے ڈرو اور ہمارے ساتھ خداوند ہے سو ان کا خوف نہ کرو۔'' مگر قوم نے جواب یہ دیا کہ ''انہیں سنگسار کردو۔'' آخرکار اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑکا اور اس نے فیصلہ فرمایا کہ اچھا اب یوشع اور کالب کے سوا اس قوم کے بالغ مردوں میں سے کوئی بھی اس سر زمین میں داخل نہ ہونے پائے گا۔ یہ قوم چالیس سال تک بے خانماں پھرتی رہے گی یہاں تک کہ جب ان میں سے بیس برس سے لے کر اوپر کی عمر تک کے سب مرد مرجائیں گے اور نئی نسل جوان ہو کر اٹھے گی تب انہیں فلسطین فتح کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ اس دوران وہ سب لوگ مر کھپ گئے جو جوانی کی عمر میں مصر سے نکلے تھے۔ شرق اردن فتح کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد یوشع بن نون کے عہدِ خلافت میں بنی اسرائیل اس قابل ہوئے کہ فلسطین فتح کرسکیں۔

''مَنّ'' کے بارے میں نبی ﷺ کا ارشاد:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَفِيهَا شِفَاءٌ مِنَ السُّمِّ وَالْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ))(رواہ الترمذی:باب ماجاء فی الکمأۃ والعجوۃ[صحیح])

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عجوہ (کھجور کی ایک خاص قسم) جنت سے ہے اور اس میں زہر کے لیے شفا ہے اور کھمبی ''مَنّ'' سے ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لیے شفا کا باعث ہے۔''

مسائل

۱۔ صحرائے سینا میں بنی اسرائیل پر بادل سایہ فگن رہتا تھا۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حلال اور طیب چیزیں کھانے کا حکم دیا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔ ۴۔ لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔
۵۔ من کا معنیٰ میٹھی چیز، سلویٰ نمکین تھا۔ ۶۔ اللہ ہی رزق دینے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ظالم کون؟

۱۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والا ظالم ہے۔(الانعام:۲۱) ۲۔ شرک کرنے والا ظالم ہے۔(لقمان:۱۳)
۳۔ اللہ کی مسجدوں سے روکنے اور ان میں خرابی پیدا کرنے والا ظالم ہے۔(البقرۃ:۱۱۴)
۴۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والا ظالم ہے۔(الزمر:۳۲) ۵۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔(آل عمران:۵۷)
۶۔ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔(الانعام:۲۱) ۷۔ ظالم کی سزا جہنم ہوگی۔(الانبیاء:۲۹)

ظالم کی سزا:

۱۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔(الحج:۱۰) ۲۔ اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔(آل عمران:۱۴۰)
۳۔ ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہوتی ہے۔(الاعراف:۴۴) ۴۔ ظالم کامیاب نہیں ہوں گے۔(الانعام:۲۱)
۵۔ قیامت کو ظالموں کا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔(المؤمن:۵۲) ۶۔ ظالم پر لعنت ہوتی ہے۔(ھود:۱۸)

وَاِذْ	قُلْنَا	ادْخُلُوْا	هٰذِهِ	الْقَرْيَةَ	فَكُلُوْا	مِنْهَا	حَيْثُ
اور جب	ہم نے فرمایا	تم داخل ہو جاؤ	اس	بستی	پھر کھاؤ	اس سے	جہاں
شِئْتُمْ	رَغَدًا	وَّادْخُلُوا	الْبَابَ	سُجَّدًا	وَّقُوْلُوْا	حِطَّةٌ	نَّغْفِرْ
تم چاہو	کھلا	اور تم داخل ہو	دروازہ	سجدہ کرتے ہوئے	اور کہو	بخشش	ہم بخش دیں گے
لَكُمْ	خَطٰيٰكُمْ ط	وَسَنَزِيْدُ	الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾	فَبَدَّلَ	الَّذِيْنَ		
تمہارے لیے	تمہاری خطائیں	اور عنقریب ہم زیادہ دیں گے	نیکی کرنے والے	پھر بدل ڈالا	وہ لوگ		
ظَلَمُوْا	قَوْلًا	غَيْرَ	الَّذِيْ	قِيْلَ	لَهُمْ	فَاَنْزَلْنَا	عَلَى
انہوں نے ظلم کیا	بات	دوسری	وہ جو	کہی گئی	انہیں	پھر ہم نے اتارا	پر
الَّذِيْنَ	ظَلَمُوْا	رِجْزًا	مِّنَ	السَّمَآءِ	بِمَا	كَانُوْا	يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع
وہ لوگ	انہوں نے ظلم کیا	عذاب	سے	آسمان	کیونکہ	وہ تھے	نافرمانی کرتے

ع ١٢ ٦ ٦

’’اور جب ہم نے تمہیں حکم دیا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور جو کچھ جہاں سے چاہو کھلا کھاؤ اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور بخشش مانگو ہم تمہاری خطائیں معاف فرما دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو زیادہ دیں گے۔(۵۸) پس ظالموں نے اس بات کو بدل دیا جو ان سے کہی گئی تھی پھر ہم نے ظالموں پر ان کی نافرمانی کی وجہ سے آسمان سے عذاب نازل کیا۔‘‘(۵۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نواں احسان: دشمن پر غلبہ عطا فرمایا لیکن بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے ناشکری کی اور ظلم وزیادتی کا بازار گرم کیے رکھا۔

بیت المقدس میں بنی اسرائیل کے داخل ہونے کے واقعہ کے بارے میں مفسرین کے دو نقطہ نگاہ ہیں۔ ایک مکتب فکر کا خیال ہے کہ ان کا داخلہ جنابِ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوا تھا اور دوسروں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں بیت المقدس میں داخل ہوئے تھے لیکن ٹھوس حقائق کی بنیاد پر اکثریت کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بیت المقدس میں داخل ہوئے تھے۔ ’’حِطَّةٌ‘‘ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور سر جھکائے اس سے معافی مانگتے ہوئے اور لوگوں کے ساتھ درگزر کا رویہ اختیار کرتے ہوئے داخل ہونا لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو یکسر تبدیل کر دیا اور خدا فراموشی اور تکبر کا رویہ اختیار کر کے دنیادار فاتحین کی طرح قتل وغارت اور لوٹ کھسوٹ کا مظاہرہ کیا وہ سجدہ کرنے کی بجائے الٹے پاؤں داخل ہوئے جس کے بدلے میں ان پر طاعون کی بیماری مسلط کی گئی جس سے ان کی فتح کی

خوشیاں غارت ہوئیں اور یہ ہزاروں کی تعداد میں موت کے گھاٹ اتر گئے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں اور نافرمانوں کو اس طرح سزا دیتا ہے۔ بظاہر بنی اسرائیل کا واقعہ بیان ہوا ہے لیکن اس میں ہر طاقت ور اور فاتح کے لیے ہدایت ہے کہ وہ متکبر اور ظالم بننے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے مفتوحہ قوم کے ساتھ زیادہ سے زیادہ درگزر کا مظاہرہ کرے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ قِيلَ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ {ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ} فَدَخَلُوا يَزْحَفُونَ عَلَى أَسْتَاهِهِمْ فَبَدَّلُوا وَقَالُوا حِطَّةٌ حَبَّةٌ فِي شَعَرَةٍ))

(رواہ البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب وإذ قلنا ادخلوا هذه القرية...)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو کہا گیا: {دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور بخشش مانگنا} تو وہ اپنی پیٹھوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور ”حطۃ“ کی جگہ ”حَبَّةٌ فِي شَعَرَةٍ“ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔“

((عَنْ أُسَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ هٰذَا الطَّاعُونَ رِجْزٌ سُلِّطَ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ أَوْ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ فَإِذَا كَانَ بِأَرْضٍ فَلَا تَخْرُجُوا مِنْهَا فِرَارًا مِنْهُ وَإِذَا كَانَ بِأَرْضٍ فَلَا تَدْخُلُوهَا))

(رواہ مسلم: کتاب السلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها)

”حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: طاعون کی بیماری وہ عذاب ہے جسے تم سے پہلے کسی قوم یا بنی اسرائیل پر مسلط کیا گیا تھا۔ جب طاعون کی بیماری کسی علاقے میں پھیلی ہوئی ہو تو اس بیماری کی وجہ سے وہاں سے نہ نکلو اور جب کسی علاقے میں طاعون پھیلا ہوا ہو تو وہاں مت جاؤ۔“

رسولِ کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کردار فتح مکہ کے موقع پر ملاحظہ فرمائیں کہ جب آپ نے مکہ فتح کیا تو اتنی عاجزی اور انکساری کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے کہ آپ کا سر مبارک اس حد تک جھکا جا رہا تھا کہ آپ کی مبارک داڑھی سواری کے پلان کے ساتھ لگ رہی تھی اور آپ کی زبانِ اطہر سے اللہ تعالیٰ کے شکرانے کے الفاظ جاری تھے۔ اس موقع پر مجاہدین کو حکم صادر فرمایا کہ جو مخالف بیت اللہ یا ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو یا اپنے گھر کے کواڑ بند کرلے اس پر کسی قسم کی دست درازی نہیں کرنا یہاں تک کہ مکہ سے نکل جانے والوں کا بھی پیچھا کرنے سے منع فرمایا۔ (ابن ہشام)

مسائل

۱۔ نیکی کرنے والوں کو اللہ زیادہ دیتا ہے۔ ۲۔ ظالم اللہ کے احکام تبدیل کر دیتے ہیں۔
۳۔ نافرمانوں پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔ ۴۔ فتح حاصل ہونے پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔
۵۔ فتح حاصل ہونے پر اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے۔ ۶۔ فاتح کو مفتوح قوم کے ساتھ زیادہ سے زیادہ درگزر کرنی چاہیے۔

وَاِذِ اسۡتَسۡقٰى مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ فَقُلۡنَا اضۡرِبْ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ ؕ فَانۡفَجَرَتۡ

اور جب پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پھر ہم نے کہا مار اپنا عصا پتھر تو پھوٹ پڑے

مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا ؕ قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ ؕ كُلُوۡا

اس سے بارہ چشمے تحقیق جان لیا ہر قوم نے اپنا چشمہ تم کھاؤ

وَاشۡرَبُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ اللّٰهِ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ۝۶۰ وَاِذۡ قُلۡتُمۡ

اور پیو سے رزق اللہ اور نہ پھرو میں زمین فساد مچاتے اور جب تم نے کہا

يٰمُوۡسٰى لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادۡعُ لَنَا رَبَّكَ يُخۡرِجۡ

اے موسیٰ ہرگز نہ صبر کریں گے پر کھانا ایک دعا کریں ہمارے لیے اپنا رب وہ نکالے

لَنَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ مِنۡۢ بَقۡلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوۡمِهَا وَعَدَسِهَا

ہمارے لیے اس سے جو اگاتی ہے زمین سے ترکاری اور ککڑی اور گندم اور مسور

''اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے حکم دیا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر گروہ نے اپنا اپنا چشمہ پہچان لیا۔ اللہ تعالیٰ کا رزق کھاؤ پیو اور زمین میں فساد نہ کرنا۔ (۶۰) اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر بالکل صبر نہیں کر سکتے اس لیے اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں زمین کی پیداوار ساگ، ککڑی، گیہوں، مسور

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔ دسواں احسان: قبائل کی تعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے ٹھنڈے، میٹھے پانی کے بارہ چشمے جاری فرمائے لیکن اس قوم نے صبح و شام من وسلویٰ اور ٹھنڈا پانی ملنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی۔

قرآن مجید کا اسلوبِ بیان ہے کہ وہ کسی واقعہ کو زیب داستان اور حکایت گوئی کے لیے بیان نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے سوا باقی تمام واقعات کو مختلف اجزاء کی صورت میں موقع محل کے مطابق بیان کیا گیا ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ کسی واقعہ کی کڑیوں اور اجزا کو تقدم و تاخر کے ساتھ بیان کرتے ہوئے ایک خاص نصیحت اور کیفیت پیدا کر دی جاتی ہے۔

یہاں بھی ایسا ہی کیا گیا ہے تاکہ اس واقعہ میں یہودیوں کے مظالم اور نافرمانیوں کی فہرست یکجا بیان کی جائے قرآن کی تلاوت کرنے والا شخص فاسقوں اور نافرمانوں کی سرشت سے مکمل طور پر آگاہ ہو سکے۔ صحرائے سینا میں جب موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا مطالبہ کیا گیا تو بنی اسرائیل کے قبائل کی تعداد کے مطابق بارہ چشمے جاری کیے گئے اس لیے کہ پانی پینے پلانے پر جھگڑا کرنے کی بجائے پر امن طریقے سے اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور دشمن کے خلاف بھرپور انداز میں جہاد کی تیاری کر سکیں لہٰذا حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اکل و شرب سے لطف اندوز ہوتے رہو لیکن دنگا فساد سے بچو۔ اس حکم کے باوجود نا ہنجار قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کر ڈالا کہ ایک ہی قسم کے کھانے پر اکتفا کرنا ہمارے لیے ہرگز ممکن نہیں ہمیں تو

وَبَصَلِهَا ۭ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ۭ اِهْبِطُوْا

اور پیاز | اس نے کہا کیا تم بدلنا چاہتے ہو | جو کہ | وہ | ادنیٰ | اس سے | وہ | بہتر | تم اترو

مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۤ وَبَاۗءُوْ

شہر | پس بیشک تمہارے لیے | جو | تم مانگتے ہو | اور ڈال دی گئی | ان پر | ذلت | اور محتاجی | اور وہ لوٹے

بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ

غضب کے ساتھ | سے | اللہ | یہ | اس لیے کہ وہ | وہ تھے | وہ کفر کرتے | اللہ کی آیات | اور قتل کرتے تھے

النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾ ع ۷/۲

انبیاء | ناحق | یہ | اس لیے کہ | انہوں نے نافرمانی کی | اور تھے | حد سے بڑھتے

اور پیاز دے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا بہتر چیز کے بدلے ادنیٰ چیز طلب کرتے ہو؟ شہر میں جاؤ وہاں تمہاری طلب کی سب چیزیں ملیں گی۔ ان پر ذلت اور محتاجی ڈال دی گئی اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے یہ اس لیے ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور حد سے گزر جانے کا نتیجہ تھا'' (٦١)

زمین کی پیدوار، ساگ، ترکاری، کھیرا، ککڑی، گیہوں، لہسن، پیاز اور دال چاہیے۔

جنابِ موسیٰ علیہ السلام نے بہت سمجھایا کہ تم ادنیٰ کو اعلیٰ اور بہتر کو کم تر کے ساتھ بدلنا چاہتے ہو؟ اس مطالبہ سے باز آ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری سے بچو لیکن بنی اسرائیل اپنے مطالبہ پر مصر رہے جس کے نتیجے میں انہیں حکم ہوا کہ شہر میں داخل ہو جاؤ جو کچھ تم نے چاہا ہے وہ تمہیں مل جائے گا۔ لیکن یاد رکھنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری کی وجہ سے تم پر ذلت اور غربت مسلط کر دی گئی ہے اس طرح وہ اللہ کے غضب اور مسکینی کے مستحق ٹھہرے کیونکہ یہ بار بار اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرنے والے اور انبیا کو قتل کرنے والے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی ارب پتی ہونے کے باوجود نہ سیر چشم ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی ہوس کی آگ ماند پڑتی ہے اور دنیا میں اس قوم کو کبھی قرار نہیں حاصل ہوا۔ کبھی بخت نصر نے در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کیا اور کبھی اہل روم نے انہیں اپنے ملک سے نکال دیا۔

سورۃ آلِ عمران آیت: ۱۱۲ میں وضاحت فرمائی ہے کہ انہیں دنیا میں قرار دو ہی وجہ سے حاصل ہو سکتا ہے اللہ کے ہو کر رہیں یا پھر دوسروں کے دستِ نگر ہو کر زندگی بسر کریں۔ یہی وجہ ہے کہ بڑی مدت کے بعد یہودی اسرائیل کے نام پر امریکہ اور یورپ کے سیاسی گداگر بلا کر اسرائیل کی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ خورد و نوش کی فراوانی عطا فرمائے تو دنگا فساد کرنے کی بجائے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

۲۔ اعلیٰ کی بجائے ادنیٰ چیز کی طلب کرنا مغضوب قوم کا طریقہ ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کرنے والے لوگ دنیا میں ذلیل اور آخرت کو سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ

بیشک جولوگ ایمان لائے اور جولوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور بے دین

مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ

جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن اور عمل کرے نیک توان کے لیے

أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

ان کا اجر ہاں ان کا رب اور نہ کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے

”بے شک مسلمانوں، یہودیوں، عیسائیوں اور صابیوں میں سے جو بھی اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے گا تو ان کا اجران کے رب کے پاس ہے۔ انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“ (٦٢)

فہم القرآن

ربطِ کلام: انعام اور احسان کا ادراک اور ذلت و رسوائی کا احساس دلانے کے بعد حقیقی ایمان اور عمل صالح کا صلہ بتلایا گیا ہے۔

اس فرمان میں اس بات کی دوٹوک انداز میں وضاحت کی گئی ہے کہ خالی خولی ایمان، حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نسبت جوڑنا یا اپنے آپ کو صابی کہلوانا اس سے نجات نہیں ہوگی۔ نجات اللہ اور آخرت پر ایمان لانے اور صالح اعمال سے ہوگی۔

مفسرین نے صابی کے دو معنیٰ کیے ہیں۔ آتش پرست یا بے دین یعنی سیکولر۔ بعض لوگوں نے زرتشت مراد لیے ہیں جو نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے کا فرقہ ہے اور ایران میں پایا جاتا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ زرتشت بھی اللہ کے نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خالی خولی دعووں اور حسب ونسب کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس کے حضور قابلِ قدر اور لائقِ اجر بات اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور آخرت کی جواب دہی کی تیاری کرنا ہے۔ یہاں رسالت مآب ﷺ پر ایمان لانے کا اس لیے تذکرہ نہیں کیا کہ ایک تو ایمان باللہ مکمل ہی ایمان بالرسالت اور اس کے تقاضوں سے ہوتا ہے۔ دوسرا اس سے پہلے بنی اسرائیل کو یہی دعوت دی گئی ہے کہ جو کچھ ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا اس پر ایمان لاؤ۔ جولوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آدمی یہودی ہو یا عیسائی یا کسی اور عقیدے پر ہو اس کے لیے صرف اللہ پر ایمان لانا اور نیک اعمال ہی کافی ہیں۔ ان کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے قرآنِ مجید نے کئی مقامات پر اس بات کو کھول کر بیان کیا ہے کہ جب تک نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان اور اس کی اطاعت نہیں کرو گے تمہارا ایمان قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کو نبی آخر الزماں کی اطاعت کے ساتھ مشروط فرما دیا ہے۔ سورۃ آل عمران کی آیت ۳۱ میں فرمایا کہ اگر تم میری محبت کے طلب گار ہو تو میرے رسول محمد مصطفی ﷺ کی اتباع کرو۔ اس سے نہ صرف تمہیں میری محبت حاصل ہوگی بلکہ تمہارے گناہ معاف اور تم پر رحم کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔

{ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ۝۳۳ } (محمد:٣٣)

''اے ایمان والو! اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال برباد نہ کرو۔''

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ أَتَی النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم بِكِتَابٍ أَصَابَهُ مِنْ بَعْضِ أَهْلِ الْكُتُبِ فَقَرَأَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَغَضِبَ فَقَالَ أَمُتَهَوِّكُونَ فِيهَا يَا ابْنَ الْخَطَّابِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً لَا تَسْأَلُوهُمْ عَنْ شَيْءٍ فَيُخْبِرُوكُمْ بِحَقٍّ فَتُكَذِّبُوهُ بِهِ أَوْ بِبَاطِلٍ فَتُصَدِّقُوا بِهِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلَّا أَنْ يَتَّبِعَنِي))

(مسند احمد: باب مسند جابر بن عبداللہ [حسن])

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ایک کتابچہ لے کر آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ کتابچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غضب ناک ہو کر فرمایا: ابن خطاب! کیا تم اس میں رغبت رکھتے ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً میں تمہارے پاس صاف اور واضح شریعت لے کر آیا ہوں تم اہل کتاب سے جس چیز کے بارے میں بھی سوال کرو گے وہ تمہیں سچ بتائیں تم اس اسلام کو ان کی سچی خبر کی وجہ سے جھٹلا دو یا ان کی جھوٹی خبر کی وجہ سے تصدیق کر بیٹھو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہو جائیں تو انہیں بھی میری اتباع کے بغیر چارا نہیں ہوگا۔''

مسائل

١۔ قیامت کے دن نجات کا دارومدار خالی خولی ایمان یا کسی مذہبی نسبت پر نہیں بلکہ نجات کا انحصار سچے ایمان اور صالح اعمال پر ہے، ایسے لوگ خوف وغم سے آزاد ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

ہدایت یافتہ لوگ پریشانیوں سے محفوظ ہوں گے:

١۔ ہدایت کی پیروی کرنے والے کو کوئی خوف نہیں ہوگا۔ (البقرۃ:٣٨)

٢۔ اللہ کے لیے خرچ کرنے والے کو کوئی خوف نہیں ہوگا۔ (البقرۃ:٢٦٢)

٣۔ نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے والے کو کوئی خوف نہیں ہوگا۔ (البقرۃ:٢٧٧)

٤۔ اللہ کے دوستوں کو کوئی خوف نہیں ہوگا۔ (یونس:٦٢) ٥۔ متقی اور مصلح کو کوئی خوف نہیں ہوگا۔ (الاعراف:٣٥)

٦۔ ایمان پر استقامت دکھلانے والوں کو کوئی خوف نہیں ہوگا۔ (الاحقاف:١٣)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا

اور جب | ہم نے لیا | تم سے پختہ وعدہ | اور ہم نے بلند کیا | تمہارے اوپر | کوہ طور | پکڑو

مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ

جو | ہم نے تمہیں دیا | مضبوطی کیساتھ | اور یاد رکھو | جو | اس میں | تاکہ تم

تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا

پرہیزگار ہو جاؤ | پھر | تم پھر گئے | سے | بعد | اس | پس اگر نہ

فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾

فضل | اللہ کا | تم پر | اور اس کی رحمت | تو تم ہوتے | سے | نقصان پانے والے

''اور جب ہم نے تم سے پختہ وعدہ لیا اور تمہارے اوپر طور پہاڑ کھڑا کیا کہ ہم نے جو تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ (۶۳) لیکن تم اس کے بعد پھر گئے اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم نقصان اٹھانے والے ہوتے۔'' (۶۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گیارھواں احسان۔ بار بار جرائم کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو معافی دی اور اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنے فضل وکرم سے نوازنا۔

بعض لوگوں کا نقطۂ نگاہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو جبراً ہدایت کیوں نہیں دیتا؟ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ انسان کو عقل و شعور کی دولت سے اس لیے مالا مال کیا گیا ہے کہ وہ حیوانوں اور جانوروں کے مقابلے میں اپنے نفع و نقصان کا خود فیصلہ کرے تاکہ انسان اور حیوان کا فرق نمایاں رہے۔ اس لیے انسان کو جبراً ہدایت دینے کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے پسند نہیں فرمایا۔ لیکن پھر بھی ربِ کریم نے لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے بنی اسرائیل کا واقعہ پیش فرمایا ہے۔ کیونکہ جبری ہدایت دیرپا نہیں ہوتی یہ اسی وقت تک رہتی ہے جب تک جبر کا ماحول قائم رہتا ہے۔ جونہی جبری ماحول ختم ہوگا ہدایت کو دل سے قبول نہ کرنے والا انسان پھر گمراہی کی طرف پلٹ جائے گا۔ دائمی اور دیرپا ہدایت وہی ہوتی ہے جو دل کی گہرائی اور عقل و شعور کی رسائی سے حاصل ہو۔ جبری ہدایت کا مطالبہ کرنے والوں کے لیے بنی اسرائیل کے واقعات ان کی نظر کشائی کے لیے کافی ہیں۔

یہاں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کی مسلسل نافرمانیوں اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کے سروں پر کوہِ طور منڈلا کر حکم دیا گیا کہ مانتے ہو یا پہاڑ گرا کر تمہیں زمین کے ساتھ چپکا دیا جائے۔ اس موقعہ پر حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نصیحت یاد کرو اور اللہ کا خوف اختیار کرتے ہوئے گناہوں سے بچ جاؤ۔ ان لوگوں نے اس وقت تو اقرار کرلیا لیکن جونہی ان کے سروں سے پہاڑ ٹل گیا تو یہ لوگ پہلے کی طرح سرکشی پر اتر آئے۔ اس عہد شکنی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت

سے انہیں مہلت عطا فرمائی تاکہ وہ از خود اپنی اصلاح کی طرف پلٹ آئیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم نہ ہوتا اور تمہیں مہلت نہ دی جاتی تو تمہارا انجام تو اسی وقت ہی بدترین ہوتا اور تم ہمیشہ کے لیے نقصان پانے والوں میں سے ہو جاتے۔ یہاں واقعہ تو ماضی کا بیان کیا جا رہا ہے لیکن ضمیریں مخاطب کی استعمال کی گئی ہیں۔ جس کا معنیٰ یہ ہے کہ تمہارے اور تم سے پہلے لوگوں کے اعمال ایک جیسے ہو چکے ہیں، تم اپنے آپ کو انہی کا جانشین سمجھتے اور ان کا دفاع کرتے ہو۔ اگر ان کے سروں پر پہاڑ رکھا جا سکتا ہے تو تم پر عذاب نازل کرنا اللہ تعالیٰ کی قوت وسطوت سے کس طرح باہر ہو سکتا ہے۔ اس واقعہ سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوا کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو مسلم اتھارٹی جبراً اسلام کے احکام پر عمل کروا سکتی ہے۔ اس لیے اسلامی حکومت پر حدود اللہ کا نفاذ فرض قرار دیا گیا ہے۔ جو حکمران اس کا نفاذ نہیں کرتے انہیں ظالم، فاسق اور کافر شمار کیا گیا ہے۔ (المائدۃ: ۴۴ تا ۴۷)

بچوں کو جبراً نماز پڑھانا چاہیے:

((عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ أَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِیْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَیْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ وَفَرِّقُوْا بَیْنَهُمْ فِی الْمَضَاجِعِ))

(رواہ ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃ [صحیح])

”حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہم سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو اور دس سال کی عمر میں انہیں نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے سزا دو اور ان کے بستر جدا کر دو۔“ (یعنی بالغ بچیوں اور بچوں کو اکٹھا نہ سونے دو۔)

مسائل

۱۔ ایمان کے دعوے دار کو جبراً عمل کروانا چاہیے۔ ۲۔ اللہ کے احکام پر عمل کرنے سے پرہیزگاری پیدا ہوتی ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر ہر انسان گھاٹے میں ہے۔

تفسیر بالقرآن

بنی اسرائیل کے منحرف ہونے کے واقعات:

۱۔ اللہ کے احکام پر عمل کرنے کا وعدہ کرنے کے بعد انحراف کیا۔ (البقرۃ: ۶۴)
۲۔ اللہ کی عبادت، والدین، قریبی رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے، لوگوں کو اچھی بات کہنے اور صوم وصلاۃ کی پابندی کا عہد کرنے کے بعد انحراف کیا۔ (البقرۃ: ۸۳)
۳۔ اپنوں کا خون بہانے اور قتل نہ کرنے کے عہد کے بعد منحرف ہو گئے۔ (البقرۃ: ۸۵)
۴۔ قیدیوں کو رشوت دے کر چھڑانے کی ممانعت کے باوجود باز نہ آئے۔ (البقرۃ: ۸۵)
۵۔ ہفتہ کے دن مچھلیاں پکڑنے کی ممانعت کے باوجود مچھلیاں پکڑنے کا جرم کیا۔ (البقرۃ: ۶۵)

وَ لَقَدْ	عَلِمْتُمُ	الَّذِيْنَ	اعْتَدَوْا	مِنْكُمْ	فِي السَّبْتِ
اور یقینا	تم نے جان لیا	جنہوں نے	زیادتی کی	تم سے	ہفتہ کے دن میں

فَقُلْنَا	لَهُمْ	كُوْنُوْا	قِرَدَةً	خٰسِئِيْنَ ﴿۶۵﴾	فَجَعَلْنٰهَا	نَكَالًا
پھر ہم نے کہا	ان سے	تم ہو جاؤ	بندر	ذلیل	پھر ہم نے اسے بنایا	عبرت

لِّمَا	بَيْنَ يَدَيْهَا	وَمَا	خَلْفَهَا	وَمَوْعِظَةً	لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾
اس کے لیے	موجود	اور جو	اس کے بعد	اور نصیحت	پرہیز گاروں کیلئے

''اور یقینا تمہیں ان لوگوں کا علم ہے جو تم میں سے ہفتہ کے بارے میں حد سے بڑھ گئے اور ہم نے انہیں حکم دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ۔ (۶۵) ہم نے ان کو موجود اور آنے والوں کے لیے باعث عبرت بنا دیا اور پرہیز گاروں کے لیے نصیحت ہے۔'' (۶۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل کے انحراف کا مشہور واقعہ شکر گزاری کی بجائے بدعہدی کرتے ہوئے ہفتہ کے دن کی بے حرمتی کی اور اس کی سزا۔

بنی اسرائیل میں یہ واقعہ نسل در نسل زبان زد عام اور تورات وانجیل کے کئی صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس لیے اس کی یاد دہانی کے لیے تفصیلات ذکر کرنے کے بجائے ایک اشارہ ہی کافی سمجھا گیا ہے۔

تاہم سورۃ الاعراف میں اس کی کچھ تفصیل بیان ہوئی ہے کہ تم وہ لوگ ہو کہ جب تمہاری ہی خواہش کے مطابق تمہارے لیے عبادت کا دن ''ہفتہ'' مقرر کیا گیا کہ اس دن تمہیں عبادت کرنے کے سوا کچھ نہیں کرنا چاہیے۔ تم نے اس دن میں بھی سرکشی اور تمرّد کے کئی راستے نکال لیے۔ ہوا یہ کہ مچھلیاں دوسرے دنوں کے بجائے ہفتہ کے روز کثرت کے ساتھ سمندر کی تہ پر تیرتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔ انہوں نے ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار نہ کیا لیکن سمندر کے متصل اس طرح کے بڑے بڑے گھاٹ تیار کیے کہ مچھلیاں خود بخود تالابوں میں بھر جاتیں اگلے دن انہیں پکڑ لیا جاتا۔ اس طرح انہوں نے ہفتہ کے دن کی بے حرمتی اور اللہ تعالیٰ کے قانون کی روح کو پامال کیا۔ جس کی پاداش میں ان کے چہروں کو تبدیل کر کے بندر کی شکل میں تبدیل کر دیا تاکہ ان کے جیسے ذہن ہیں شکلیں بھی ویسی ہو جائیں۔ ان کے چہروں کو مسخ کر کے بستی کے گرد و جوار اور بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا گیا۔ اتنی ذلّت و رسوائی کے باوجود ان کی اولادیں گناہوں سے بچنے کی بجائے اللہ کی نافرمانی میں آگے ہی بڑھتی چلی گئیں۔ نصیحت تو اللہ سے ڈرنے اور گناہوں سے بچنے والے ہی حاصل کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بندروں کی نسل انہی لوگوں سے ہے۔ حالانکہ حدیث میں وضاحت پائی جاتی ہے کہ وہ بندر بننے کے تین دن بعد مر گئے۔ (رواہ مسلم: کتاب الجمعۃ)

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ أَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَيْدَ أَنَّهُمْ

أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا ثُمَّ هٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِيْ فُرِضَ عَلَيْهِمْ فَاخْتَلَفُوْا فِيْهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ فَالنَّاسُ لَنَا فِيْهِ تَبَعٌ الْيَهُوْدُ غَدًا وَالنَّصَارٰى بَعْدَ غَدٍ))(رواه البخاري: كتاب الجمعة، باب فرض الجمعة)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہم آخر میں آنے والے قیامت کے دن پہلے ہوں گے بے شک یہود ونصاریٰ ہم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں پھر ہفتہ اور اتوار کے دن کی عبادت ان پر فرض کی گئی انہوں نے اس میں اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت سے نواز دیا یہودی او رعیسائی ایام کے معاملہ میں ہمارے تابع ہیں یعنی شمار کرنے میں جمعہ کا دن پہلے ہفتہ اور اتوار کے دن بعد میں آتے ہیں۔ یہود ہفتہ اور عیسائی اتوار کے روز عبادت کرتے ہیں اور ہمارے لیے جمعہ افضل قرار دیا گیا ہے۔''

جمعہ کی فضیلت واہمیت :

((عَنْ أَبِي الْجَعْدِ الضَّمْرِيِّ وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ))(رواه النسائي: باب التشديد في التخلف عن الجمعة [صحيح])

''حضرت ابوالجعد الضمری کو نبی کریم ﷺ کی رفاقت حاصل رہی وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو آدمی تین جمعے سستی کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے اللہ رب العزت اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔''

((عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَتَطَهَّرَ بِمَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ ثُمَّ ادَّهَنَ أَوْ مَسَّ مِنْ طِيْبٍ ثُمَّ رَاحَ فَلَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَ اثْنَيْنِ فَصَلّٰى مَا كُتِبَ لَهُ ثُمَّ إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ أَنْصَتَ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى))(رواه البخاري: كتاب الجمعة)

''حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور حسب توفیق صفائی کی پھر اس نے تیل یا خوشبو لگائی پھر وہ مسجد آیا اس نے دو آدمیوں کے درمیان جدائی نہ ڈالی اور اس نے جو اس کے لیے لکھی گئی نماز ادا کی پھر جب امام نکلا خاموش رہا تو اس کے ایک جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الصَّلَوٰاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ مَا لَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ))(رواه مسلم: باب الصلواة الخمس والجمعة إلى الجمعة...)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کیا جائے تو پانچ نمازیں اور جمعہ۔ ہفتہ بھر کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔''

مسائل

۱۔ یہودیوں کے لیے ہفتے کے دن مچھلیاں پکڑنا ممنوع تھا۔ ۲۔ یہودیوں نے ہفتہ کے دن کا احترام نہیں کیا۔

۳۔ شعائر اللہ کا احترام نہ کرنے سے قومیں ذلیل ہو جاتی ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً

اور جب فرمایا موسیٰ نے اپنی قوم سے بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے یہ کہ تم ذبح کرو ایک گائے

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾

وہ کہنے لگے کیا تو کرتا ہو ہم سے مذاق فرمایا میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی یہ کہ میں ہو جاؤں سے جاہلوں

''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔انہوں نے کہا ہم سے مذاق کرتے ہو؟ موسیٰ نے جواب دیا کہ میں جاہلوں میں ہونے سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔''(۶۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل کے جرائم کی فہرست کا تسلسل جاری ہے۔اللہ تعالیٰ کے احکام کو توڑنا اور تعمیل حکم سے روگردانی کرنے والوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غیر سنجیدہ ہونے کا الزام دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک اندھے قتل (Blind Murder) کا فیصلہ کرنے کے لیے قوم کے مشکوک افراد کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا تمہیں حکم ہے کہ کوئی ایک گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کا کوئی ٹکڑا مقتول کی لاش کے ساتھ لگاؤ تو مردہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کا پتہ بتلا دے گا۔لیکن موسیٰ علیہ السلام کی قوم بڑی گستاخ اور بہانہ ساز تھی۔انہوں نے قتل چھپانے اور قاتلوں کو بچانے کے لیے الٹا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ آپ تو سراسر مذاق کر رہے ہیں۔کبھی اس طرح بھی قتل کے مقدمہ کا فیصلہ ہوا ہے اور مردے زندہ ہوا کرتے ہیں ان کے انکار کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ پہلے گائے پرستی کا شرک کر چکے تھے۔جس کے اثرات باقی ہونے کی وجہ سے بہانے تراشنے لگے۔

مسائل

۱۔ شرعی اور سنجیدہ مسئلہ یا پریشان حال کو مذاق کرنا پرلے درجے کی جہالت ہے۔۲۔جہالت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

جاہل کون؟

۱۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ الٰہ بنانے والے جاہل ہیں۔(الاعراف:۱۳۸)

۲۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ مذاق کرنا جہالت ہے۔(البقرۃ:۶۷)

۳۔ اغلام بازی کرنے والے جاہل ہیں۔(النمل:۵۵) ۴۔نبی محترم کو جاہلوں سے اعراض کی ہدایت تھی۔(اعراف:۱۹۹)

۵۔ موسیٰ علیہ السلام نے جہالت سے پناہ مانگی۔(البقرۃ:۶۷) ۶۔حضرت نوح کو جہالت سے بچنے کا حکم۔(ہود:۴۶)

۷۔ جاہلوں سے بحث کی بجائے اجتناب اور اعراض کرنا چاہیے۔(الفرقان:۶۳)

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا

انہوں نے کہا دعا کریں ہمارے لیے آپکا رب بتلائے ہمیں کیسی ہو وہ اس نے کہا بیشک وہ فرماتا ہے بیشک وہ

بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۞۶۸ قَالُوا

گائے نہ بوڑھی اور نہ چھوٹی عمر جوان درمیان اس پس کرو جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے انہوں نے کہا

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ

دعا کریں ہمارے لیے آپکا رب بتلادے ہمیں کیسا اس کا رنگ اس نے کہا بیشک وہ فرماتا ہے بیشک وہ ایک گائے زرد رنگ

فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ۞۶۹ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ

گہرا اس کا رنگ خوش کرتی ہو دیکھنے والے انہوں نے کہا دعا کریں ہمارے لیے آپکا رب وہ بیان کردے ہمیں وہ کیسی

''انہوں نے کہا اے موسیٰ اپنے رب سے دعا کیجیے کہ ہمارے لیے بیان کرے کہ وہ کیسی گائے ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ نہ بالکل بڑھیا ہو اور نہ بچی بلکہ درمیانی عمر کی ہو۔ جو تمہیں حکم دیا گیا ہے کر گزرو۔ (۶۸) پھر وہ کہنے لگے کہ اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمارے لیے اس کے رنگ کی وضاحت کردے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس گائے کا رنگ گہرا زرد ہو جو دیکھنے والوں کو خوش کرتی ہو۔ (۶۹) وہ کہنے لگے اپنے رب سے دعا کیجیے کہ ہمیں اس کے بارے میں مزید بتلائے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر آپ کے ساتھ غلط بیانی اور مذاق کروں۔ کیونکہ پریشانی کے وقت مذاق کرنا اور قتل جیسے مقدمے کو غیر سنجیدہ طور پر لینا سراسر جہالت ہے۔ پیغمبر کی شان تو انتہائی اعلیٰ اور ارفع ہوتی ہے۔ ایک ادنیٰ درجے کے معقول آدمی سے بھی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ پریشانی کے موقعہ پر اس قسم کا مذاق کرے۔ لیکن حیلہ ساز اور مشرکانہ عقائد رکھنے والی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تم ہمارے ساتھ مذاق کر رہے ہو۔

مکمل حکم آنے کے باوجود اپنا جرم چھپانے کے لیے وہ سوال پر سوال کرتے چلے گئے۔ جن کے جواب میں یہ کہہ کر گائے کا تعین کیا گیا کہ وہ بوڑھی ہو نہ بچی بلکہ بھرپور جوان ہونی چاہیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم مجرموں کا سراغ لگانے میں سنجیدہ ہو تو تمہیں اس حکم پر عمل کرنا چاہیے۔

لیکن انہوں نے گائے کی رنگت کے بارے میں سوال کر ڈالا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کا رنگ گہرا زرد ہونا چاہیے تاکہ دیکھنے والوں کو بھلی اور خوبصورت لگے رنگ اور عمر پوچھ لینے کے باوجود کہنے لگے یہ اوصاف تو کئی گائیوں میں پائے جاتے ہیں اس کی مزید وضاحت ہونی چاہیے۔ بار بار کے حیلوں اور بہانوں کی وجہ سے ان کے ضمیر پر ایک بوجھ تھا۔ ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے، اپنی شرمندگی مٹانے اور گھمبیر صورت حال سے بچنے کے لیے انہوں نے کہا ان شاء اللہ اس سوال کے بعد ہم اس حکم

إِنَّ الْبَقَرَ تَشَٰبَهَ عَلَيْنَا ۖ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ

بیشک گائے مشتبہ ہوگئی ہم پر اور بیشک ہم اگر چاہا اللہ ضرور ہدایت پالینگے اس نے کہا بیشک وہ فرماتا ہے

إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ

بیشک وہ ایک گائے نہ سدھی ہوئی پھاڑے زمین اور نہ پانی دیتی کھیتی بے عیب نہیں کوئی داغ

فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾ ع ۸ ۱۰

اس میں انہوں نے کہا اب تم لائے ٹھیک بات پھر انہوں نے ذبح کیا اس کو اور وہ قریب نہ تھے کرنے والے

کس قسم کی گائے ہو۔ کیونکہ گائیں ہمارے سامنے ملی جلی ہیں۔ اگر اللہ نے چاہا تو یقیناً ہم ہدایت پانے والے ہوں گے۔ (۷۰) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ وہ گائے زمین میں ہل جوتنے والی اور کھیتوں کو پانی پلانے والی نہ ہو بلکہ وہ تندرست اور بے داغ ہو۔ انہوں نے کہا اب آپ نے حق واضح کر دیا انہوں نے اسے ذبح کیا حالانکہ وہ ایسا کرنے والے نہیں تھے۔'' (۷۱)

پر عمل کر گزریں گے۔ اب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھر وضاحت فرمائی کہ اس گائے کو آج تک ہل جوتنے اور کنواں چلانے میں استعمال نہ کیا گیا ہو۔ مزید یہ کہ اس کے پورے جسم پر کسی قسم کا کوئی داغ نہیں ہونا چاہیے۔ اس قدر بحث و تکرار اور سوالات و استفسارات کے بعد گائے ذبح کی۔ جس کے گوشت کا ایک ٹکڑا انہوں نے مقتول کی لاش کو لگایا تو اللہ تعالیٰ نے اس مردہ کو زندہ کیا۔

قتل کا گناہ:

((عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ)) (رواہ البخاری: باب خلق آدم وذریتہ)

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھی نفس ظلماً قتل کیا جاتا ہے اس کے خون کا گناہ آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے کو بھی ہوتا ہے کیونکہ اسی نے سب سے پہلا قتل کیا تھا۔''

((عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ فِي الدِّمَاءِ))

(رواہ البخاری: باب قول اللہ تعالیٰ ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جہنم)

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون کا فیصلہ کیا جائے گا۔''

''حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم پر ماں کی نافرمانی کرنے، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے، خود نہ دینے اور لوگوں سے عطیہ طلب کرنے کو حرام قرار دیا ہے، بے مقصد باتوں سے، زیادہ سوال کرنے اور مال کو ضائع کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔'' (رواہ البخاری: باب عقوق الوالدین من الکبائر)

مسائل

۱۔ شریعت کے احکام میں قیل وقال اور بہانے تلاش کرنا یہودیوں کا طریقہ ہے جس سے اجتناب کرنا لازم ہے۔

وَاِذْ	قَتَلْتُمْ	نَفْسًا	فَادّٰرَءْتُمْ	فِيْهَا	وَاللّٰهُ	مُخْرِجٌ	مَّا
اور جب	تم نے قتل کیا	ایک آدمی	پھر تم جھگڑنے لگے	اس میں	اور اللہ	ظاہر کرنیوالا	جو
كُنْتُمْ	تَكْتُمُوْنَ ﴿٧٢﴾	فَقُلْنَا	اضْرِبُوْهُ	بِبَعْضِهَا	كَذٰلِكَ	يُحْيِ	اللّٰهُ
تم تھے	چھپاتے	پھر ہم نے حکم دیا	اسے مارو	اس کا ٹکڑا	اس طرح	زندہ کریگا	اللہ
الْمَوْتٰى	وَيُرِيْكُمْ	اٰيٰتِهٖ	لَعَلَّكُمْ	تَعْقِلُوْنَ ﴿٧٣﴾			
مردے	اور تمہیں دکھاتا ہے	اپنی نشانیاں	تا کہ تم	عقل کرو			

''اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا پھر اس میں اختلاف کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا جو تم چھپاتے تھے۔(٧٢) تو ہم نے حکم دیا کہ اس گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر لگاؤ اسی طرح اللہ تعالیٰ مردے کو زندہ کرے گا اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔''(٧٣)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل کی شریعت کے بارے میں عادات اور حیلہ سازیوں کے ذکر کے بعد اصل واقعہ کا ذکر۔

چچا کی دولت پر قبضہ کرنے کے لیے رات کی تاریکیوں میں بھتیجوں نے چچا کو قتل کر کے اس کی لاش اپنے مخالفوں کے محلہ میں پھینک دی۔ جب صبح ہوئی تو خود ہی مدعی بن کر بے گناہوں کو اس قتل کا ذمہ دار ٹھہرانے لگے۔ قریب تھا کہ اس کے ردعمل میں مزید قتل وغارت شروع ہو جاتی لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قاتلوں کا سراغ لگانے کے لیے ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا حکم رکھا کہ ایک گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کی لاش کو لگایا جائے اس طرح مردہ زندہ ہو کر اپنے قاتلوں کی نشاندہی کر دے گا۔ متعدد سوالات کے جواب میں مجبوراً انہوں نے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کی لاش کو لگایا۔ مقتول نے زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتلایا جس سے یہ لوگ مزید قتل وغارت سے محفوظ ہوئے اور مجرموں کو سزا ہوئی۔

اس حکم کی تعمیل پر ان کے گائے پرستی کے تصور کو کاری ضرب لگی جس سے اس بات کا مشاہدہ کروایا گیا کہ گائے مشکل کشا اور معبود نہیں ہے جو اپنی جان نہیں بچا سکتی وہ مشکل کشا کس طرح ہو سکتی ہے اور یہ بھی واضح ہوا کہ جس طرح اس مقتول نے زندہ ہو کر قتل کی واردات اور اپنے قاتل کا نام بتلایا ہے ایسے ہی سب انسان قبروں سے زندہ ہو کر اپنے اپنے اعمال کا اقرار کریں گے اور بالآخر ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزاء وسزا ملے گی۔

مسائل

مقتول کا زندہ ہونا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے جو مرنے کے بعد زندہ ہونے پر واضح دلیل ہے۔

نوٹ! موت کے بعد زندہ ہونے کے ثبوت ''البقرۃ آیت: ٢٥٩'' کے تحت تفسیر بالقرآن میں ملاحظہ فرمائیں۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ

پھر سخت ہو گئے تمہارے دل سے بعد اس سو وہ پتھر کی طرح یا

اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ

اس سے زیادہ سخت اور بیشک پتھر سے البتہ پھوٹ نکلتی ہیں اس سے نہریں

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا

اور بیشک اس سے البتہ جو پھٹ جاتے ہیں تو نکلتا ہے اس سے پانی اور بیشک اس سے

لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٤﴾

البتہ گرتا ہے سے اللہ کے ڈر اور نہیں اللہ بے خبر سے جو تم کرتے ہو

''پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے گویا وہ پتھر ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت۔ بعض پتھروں سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے اور بعض اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں ہے۔'' (۷۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: احکامِ الٰہی کے مقابلہ میں حیلے بہانے کرنے سے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔

انسان جب اللہ کے احکام سے سرتابی، مسلسل نافرمانیوں کا ارتکاب اور مسائل کی کھال اتارنے کی عادت اختیار کر لیتا ہے تو اس کا دل سخت سے سخت ہو جاتا ہے بالآخر مستقل طور پر گمراہی کے راستے پر چل نکلتا ہے۔

دل کی سختی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی علامت ہے دل سخت ہو جائے تو ایمان کا بیج جسے آگے چل کر اعمال کی صورت میں پھل پھول لانے ہوتے ہیں وہ ابتدا ہی میں مردہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح پتھروں کی کئی اقسام ہیں اسی طرح انسانوں کے دلوں کا حال ہے پتھروں سے نہریں نکلتی، چشمے پھوٹتے اور خوفِ خدا سے ٹنوں وزنی پہاڑ سر کے بل زمین پر آگرتے ہیں۔ لیکن افسوس انسانی دل گوشت کا ایک ٹکڑا ہونے کے باوجود پتھر سے سخت، پتھر سے سخت تر خوفِ خدا سے عاری ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے اور اس کے حکم کے سامنے سرنگوں ہونے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور اس پر کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گرنے والے پتھروں اور بہنے والے چشموں کی وہ قدر و منزلت نہیں جو انسان کے دل سے نکلنے والی آہوں، اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں اور اس کے حضور جھکنے والی پیشانیوں کی ہے۔ آخر میں یہ اشارہ فرمایا کہ اے انسان! جو اللہ فلک بوس پہاڑوں کی اقسام، میلوں تک پھیلی غاروں، چٹانوں اور ان میں سے پھوٹنے والے چشموں، چلنے والی آبشاروں اور بہنے والے پانی کے قطرات کو جانتا ہے وہ تیرے دل اور اعمال سے کس طرح بے خبر ہو سکتا ہے؟

دل نرم کرنے کا طریقہ:

۱۔یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا:

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلًا شَكَا إِلٰی رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَسْوَةَ قَلْبِهٖ فَقَالَ لَهٗ إِنْ أَرَدْتَ أَنْ یَلِیْنَ قَلْبُكَ فَأَطْعِمِ الْمِسْكِیْنَ وَامْسَحْ رَأْسَ الْیَتِیْمِ))(مسند احمد: باب مسند أبی ہریرة [حسن])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دل کی سختی کے متعلق شکایت کی تو آپ نے فرمایا: اگر تو اپنے دل کو نرم کرنا چاہتا ہے تو مسکین کو کھانا کھلا اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر۔''

۲۔اللہ کا ذکر کرنا:

((عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهٗ كَانَ یَقُوْلُ إِنَّ لِكُلِّ شَیْئٍ صِقَالَةٌ وَإِنَّ صِقَالَةَ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللهِ وَمَا مِنْ شَیْئٍ أَنْجٰی مِنْ عَذَابِ اللهِ مِنْ ذِكْرِ اللهِ......))

(صحیح الترغیب للألبانی:۱۴۹۵[صحیح])

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ فرمایا کرتے تھے ہر چیز کی پالش ہوتی ہے دلوں کی پالش اللہ کا ذکر ہے اور اللہ کے ذکر سے زیادہ کوئی چیز اللہ کے عذاب سے نجات دینے والی نہیں ہے۔''

۳۔قرآن کی تلاوت کرنا:

{ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲ } (الانفال:۲)

''مومن تو وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب انہیں اللہ کی آیات سنائی جائیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔''

مسائل

۱۔ گناہوں سے دل سخت ہو جاتے ہیں۔ ۲۔اللہ کے ذکر سے دل نرم ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

دل کی سختی کے اسباب:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے دل سخت ہوتا ہے۔(البقرة:۷۴)

۲۔ عہد شکنی کی وجہ سے دل سخت ہوتا ہے۔(المائدة:۱۳)

۳۔ اللہ کی یاد سے غافل ہونے والے دلوں کے لیے جہنم ہے۔(الزمر:۲۲)

۴۔ برے اعمال کی وجہ سے دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔(المطففین:۱۴)

اَفَتَطْمَعُوْنَ	اَنْ	يُّؤْمِنُوْا	لَكُمْ	وَقَدْ	كَانَ	فَرِيْقٌ
کیا پھر تم توقع رکھتے ہو	یہ کہ	وہ ایمان لے آئیں	تمہارے لیے	اور تحقیق	تھا	ایک فریق
مِّنْهُمْ	يَسْمَعُوْنَ	كَلٰمَ اللّٰهِ	ثُمَّ	يُحَرِّفُوْنَهٗ	مِنْۢ	بَعْدِ
ان میں سے	وہ سنتے ہیں	اللہ کا کلام	پھر	وہ بدل ڈالتے ہیں اس کو	سے	بعد
مَا	عَقَلُوْهُ	وَهُمْ	يَعْلَمُوْنَ ۝۷۵			
جو	انہوں نے اسے سمجھ لیا	اور وہ	جانتے ہیں			

”مسلمانو! کیا تم توقع رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہاری خاطر ایمان لے آئیں گے حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کا کلام سن کر سمجھنے اور جاننے کے باوجود اسے بدل دیتے ہیں۔“ (۷۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جن کے دلوں پر مہرِ قساوت لگ چکی ہو ان سے ایمان لانے کی توقع کرنا عبث ہے۔

اے امت محمدیہ کے لوگو! کیا تم اب بھی بہانہ باز، پتھر دل اور کلام اللہ کی تحریف کرنے والے لوگوں سے ایمان لانے کی امید باندھے ہوئے ہو؟ حالانکہ ان کے جرائم اور عادات کا تفصیلی ریکارڈ تمہارے سامنے رکھ دیا گیا ہے۔ ایسے لوگوں سے ایمان اور خیر کی توقع رکھنا فضول ہے جو جان بوجھ کر قرآن مجید کا مفہوم ہی نہیں بدلتے بلکہ انہوں نے تورات وانجیل کے الفاظ تک بدل ڈالے ہیں۔ جس سے تورات وانجیل کے نزول کا مقصد فوت ہو گیا۔ یہودیوں نے تورات میں قطع و برید کر کے بیت اللہ کے ساتھ اس کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعلق منقطع کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ جناب اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ ثابت کرنے کے لیے تاریخ کا ریکارڈ بدل ڈالا پھر اس سے بڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہودی اور عیسائی ہونے کے جھوٹے دعوے کیے۔ حالانکہ ابراہیم علیہ السلام تورات اور انجیل کے نزول سے سینکڑوں سال پہلے رحلت فرما چکے تھے۔ ایسا وہ کسی غفلت یا لاعلمی کی بنا پر نہیں کرتے بلکہ جان بوجھ کر کرتے ہیں۔

مسائل

۱۔ کلام اللہ کی تحریف کرنے والے سے خیر کی توقع رکھنا فضول ہے۔ ۲۔ پتھر دل، بہانہ ساز انسان کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔

تفسیر بالقرآن

کلام اللہ میں اہلِ کتاب کی تحریف کے مختلف طریقے:

۱۔ آیات کو ان کے محل سے آگے پیچھے کر دینا۔ (النساء: ۴۶) ۲۔ اپنی طرف سے کچھ باتیں گھڑ کر شامل کرنا۔ (البقرۃ: ۷۹)

۳۔ زبان مروڑ کر مفہوم بدل ڈالنا۔ (آل عمران: ۷۸) ۴۔ بنیادی باتیں چھوڑ کر شبہات کے پیچھے لگنا۔ (آل عمران: ۷)

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا

اور جب وہ ملتے ہیں جو لوگ ایمان لائے وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اکیلے ہوتے ہیں

بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ

انکے بعض طرف بعض کہتے ہیں کیا بتلاتے ہوانہیں جو ظاہر کیا اللہ

عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا

تم پر تاکہ وہ جھگڑا کریں تم سے اس کے ساتھ سامنے تمہارا رب توکیا نہیں تم سمجھتے کیا نہیں

يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾

وہ جانتے بیشک اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں

''اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان دار ہیں اور جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں مسلمانوں کے سامنے وہ کچھ کیوں بیان کرتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ظاہر کردیا ہے کہ وہ اسے اللہ کے ہاں تمہارے خلاف پیش کردیں؟ تمہیں عقل نہیں۔(۷۶) کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ بیان کرتے ہیں۔''(۷۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح یہودی بہانہ ساز اور متلوّن مزاج ہیں، منافقوں کی بھی یہی عادات ہیں۔

منافقوں کی عادات کا ذکر کرتے ہوئے آیت ۱۳ میں یہ بتلایا گیا تھا کہ یہ لوگ ایمان والوں کو ملتے ہیں تو ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے ایمان کے دعویدار بنتے ہیں اور جب اپنے مذہبی پیشواؤں اور لیڈروں کے پاس جاتے ہیں تو انہیں یقین دہانیاں کرواتے ہیں کہ ہم تمہارے ہی ساتھی ہیں۔ یہاں اہلِ کتاب کے اندرونِ خانہ کا انکشاف کرتے ہوئے بتلایا جارہا ہے کہ ان کے مذہبی رہنما ان سے کہتے ہیں کہ تورات وانجیل میں بیان ہونے والے حقائق جن میں نبی آخرالزماں ﷺ اور قرآنِ مجید کی تصدیق پائی جاتی ہے۔ان کا مسلمانوں کے سامنے ذکر کرنا دانشمندی کے خلاف ہے۔ پھر یہ کہہ کر انہیں خوفزدہ کرتے ہیں کہ اس طرح دنیا میں مسلمانوں کے سامنے لاجواب اور آخرت میں تمہارے رب کے ہاں مسلمان تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔ اپنی بات کو مؤثر بنانے کے لیے ان کے خطبا اور پیشوا بڑے معصوم بن کر اپنے تقویٰ کی دھاک بٹھاتے ہوئے فکرِ آخرت کا تصور دے کر لوگوں کو حقائق کے انکشاف سے روکتے تھے۔کیا وہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ لوگ ان حقائق کا انکشاف نہ کریں تو اللہ تعالیٰ سے یہ حقیقت چھپی رہ جائے گی؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہی تورات، انجیل نازل فرمائی ہیں۔حالانکہ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید، لوگوں کی اعلانیہ اور پوشیدہ حرکات وافعال کو جانتا ہے۔ انہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جو وہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔آخرت میں ان کے ظاہر اور باطن کو طشت ازبام کردیا جائے گا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ انسان کے باطن اور ظاہر سے واقف ہے۔ یہ عقیدہ انسان کو گناہوں سے بچاتا ہے۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿٧٨﴾

اور ان میں ان پڑھ ہیں وہ نہیں جانتے کتاب سوائے آرزوئیں اور نہیں وہ مگر گمان کرتے ہیں

”اور بعض ان میں ان پڑھ ہیں جو آرزوؤں اور گمان کے علاوہ کتاب اللہ کا کچھ علم نہیں رکھتے اور وہ وہم وگمان کی بنیاد پر امید لگائے ہوئے ہیں۔“ (٧٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام : اہلِ کتاب کے علماء کی دیکھا دیکھی ان کا ان پڑھ طبقہ یعنی عوام الناس بھی بے بنیاد اُمیدیں لگائے ہوئے ہے۔ یاد رہے کہ مذہبی پیشواؤں اور سیاسی راہنماؤں کے منفی اور مثبت اثرات عوام پر ضرور اثر انداز ہوا کرتے ہیں۔

علمائے یہود نے حسب ونسب، مصنوعی تقدّس اور مذہب کا نام لے کر خود ساختہ رسومات کو عوام کے ذہن پر اس طرح مسلط کر دیا تھا جس سے عوام سمجھنے لگے کہ فقط بزرگوں کا احترام، علماء کی خدمت اور مذہبی رسومات ہی اصل دین ہے۔ حالانکہ ان تصورات کی کوئی بنیاد نہیں تھی کہ جس اساس پر وہ اپنے آپ کو جنت کا ٹکٹ ہولڈر سمجھتے اور یہ امید لگا بیٹھے تھے کہ بخشش کے لیے بزرگوں سے محبت اور ان کے دامن کے ساتھ وابستہ ہونا ہی کافی ہے یہاں ان کے بے بنیاد نظریات کی نفی کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ دین صرف جذبات اور خوش کن تصورات کا نام نہیں ہے۔ اس کے لیے تو باطل نظریات کو چھوڑنا، بے بنیاد تصورات سے نجات پانا اور جان ومال کی قربانی دینا پڑتی ہے۔

((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِیْ قِرَادٍ ؓ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ تَوَضَّأَ یَوْمًا فَجَعَلَ أَصْحَابُہٗ یَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِہٖ فَقَالَ لَھُمُ النَّبِیُّ ﷺ وَمَا حَمَلَکُمْ عَلٰی ھٰذَا قَالُوْا حُبُّ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ سَرَّہٗ أَنْ یُّحِبَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ أَوْ یُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ فَلْیَصْدُقْ حَدِیْثَہٗ إِذَا حَدَّثَ وَلْیُؤَدِّ أَمَانَتَہٗ إِذَا ائْتُمِنَ وَلْیُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَہٗ)) (بیھقی فی شعب الإیمان:١٥٣٣ [صحیح])

”حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قراد ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دن وضو کیا۔ آپ ﷺ کے اصحاب آپ کے وضو کے پانی کو اپنے جسموں پر ملنے لگے۔ نبی محترم ﷺ نے ان سے استفسار فرمایا تم اس طرح کیوں کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کی، اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی بنا پر۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کو یہ بات اچھی لگتی ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے یا اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کریں تو اسے چاہیے کہ جب بات کرے تو سچ بولے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو امانت کا حق ادا کرے اور اپنے ہمسائیوں سے اچھا برتاؤ کرے۔“

مسائل

١۔ بے بنیاد خواہشات نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتیں۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا

سو بربادی ان کیلئے جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھوں سے پھر وہ کہتے ہیں یہ

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ

اللہ کی طرف سے تاکہ وہ حاصل کریں اس سے قیمت تھوڑی خرابی ان کیلئے

مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾

اس سے جو لکھا انکے ہاتھوں نے اور خرابی ان کیلئے اس سے جو وہ کماتے ہیں

''ان لوگوں کے لیے بربادی ہے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے بدلے تھوڑی قیمت کمائیں۔تباہی ہے جو کچھ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا اور تباہ ہو جو کچھ انہوں نے کمایا۔''(۷۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب کا حال یہ ہے کہ ایک طرف اپنے نیک اور جنتی ہونے کے بلند و بالا دعوے کرتے ہیں اور دوسری طرف خود ساختہ تصورات اور ذاتی خیالات کو تورات وانجیل کی زبان میں ڈھال بنا کر لوگوں کا مال بٹورتے اور سیاسی مفادات حاصل کرتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کے علماء اور ان کے حکام نے اپنی کتابوں کی صرف تاویلات وتحریفات اور ان کے الفاظ میں تغیر وتبدل ہی نہیں کیا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اپنی تاویلات اور نظریات کو وحی الٰہی کا رنگ دے کر تورات وانجیل میں اس کا اندراج کر دیا تھا۔قرآن مجید کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے جس کی وجہ سے امتِ محمدیہ کے پیشہ ور علماء اور مفاد پرست حکمران قرآن مجید میں کمی بیشی اور تبدیلی تو نہیں کر سکے البتہ تشریح وتفسیر کے پردے میں قرآن مجید کے معانی ومفاہیم میں تبدیلی کرنے سے گریز نہیں کرتے اور اپنے اپنے گروہی نظریات اور شخصی تفردات کو قرآن وسنت بنا کر پیش کرتے ہیں۔ذاتی اور جماعتی مفادات اٹھاتے ہیں۔ایسے لوگوں کی کمائی اور ان کے اعمال جہنم میں داخلے کا باعث ہوں گے۔

تورات وانجیل میں ترمیم واضافے:

One story tells that man was created before the animals, while another tells us that the animals were created before man. (George Barcaly: The Making and Meaningof the Bible, p.48)

''ایک کہانی یہ بیان کرتی ہے کہ انسان جانوروں سے پہلے پیدا کیا گیا جبکہ دوسری ہمیں یہ بتاتی ہے کہ جانور انسانوں سے پہلے بنائے گئے۔''

کتاب پیدائش کے دوسرے باب کے پہلے باب سے اس فرق کے بارے میں کیتھولک بائبل میں نوٹ لکھا ہے:

This account ...... comes from a different source and is composed in a very differnt style. (Catholic Bible (RSV) p.995)

''یہ بیان کسی دوسرے ذریعے سے آیا ہے اور پہلے باب سے بالکل مختلف طرز تحریر میں لکھا ہوا ہے۔''
ایک اور مسیحی مصنف لکھتا ہے:

So many different minds are represented in the pages of the New testament, so many writers with differing personalities and points of view. (William Neil: The Bible Story, London, 1975, p.215 --- Also see "Interprentation" --- A Journal of Bible Thecology, Viginia vol. 37(July 1983) p.20)

''عہدِ جدید (اور بائبل کے دوسرے حصوں) کے صفحات بہت سے مختلف دماغوں اور بہت سے لکھنے والوں (کی کاوش) کا نتیجہ ہیں' جن کی شخصیات اور نقطہ ہائے نظر آپس میں مختلف ہیں۔''
ول ڈیورنٹ نے لکھا:

It is clear that there are many contradictions between one Gospel and another, many dubious statements of history............ (Will Dusrant : The story of Civilisation, New York, 1957, vol. 3)

''یہ بات واضح ہے کہ ایک انجیل کے دوسری انجیل سے بہت تضادات ہیں' اور ان کے بہت سے بیانات تاریخی طور پر مشکوک ہیں۔'' [عیسائیت تجزیہ ومطالعہ از ساجد میر]

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ بِسَخْلَةٍ جَرْبَاءَ قَدْ أَخْرَجَهَا أَهْلُهَا قَالَ تُرَوْنَ هَذِهِ هَيِّنَةً عَلَى أَهْلِهَا؟ قَالُوا نَعَمْ قَالَ وَاللّٰهِ لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هَذِهِ عَلَى أَهْلِهَا))

(سنن دارمی: باب فی هوان الدنیا علی الله [حسن])

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر بکری کے مردہ بچے کے پاس سے ہوا۔ جس کو اسکے اہل والوں نے باہر پھینک دیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تم اسے اس کے اہل والوں پر بے فائدہ تصور کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا اللہ کی قسم! دنیا اللہ کے نزدیک اس مردہ بکری کے بچے سے بھی کم تر ہے۔''

مسائل

١۔ دین کی غلط تشریح کر کے دنیا کمانے والوں کے لیے جہنم اور ہلاکت ہے۔

تفسیر بالقرآن

آخرت کے مقابلے میں دنیا کی حیثیت:

١۔ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔(الاعلیٰ:١٧) ٢۔ دنیا کھیل اور تماشا ہے۔(الانعام:٣٢)

٣۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی عارضی ہے۔(الرعد:٢٦) ٤۔ دنیا کی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے۔(الحدید:٢٠)

٥۔ دنیا عارضی اور آخرت پائیدار ہے۔(المؤمن:٣٩)

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

اورانہوں نے کہا ہرگز نہیں چھوئے گی ہمیں آگ سوائے دن (جمع) چند فرمادیں کیاتم نے لیا سے اللہ

عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾

کوئی وعدہ توہرگز نہ خلاف ورزی کریگا اللہ اپناوعدہ کیا تم کہتے ہو پر اللہ جو نہیں تم جانتے

”یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں چندروز کے علاوہ آگ ہرگز نہ چھوئے گی۔ان سے پوچھیں کہ تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لیا ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی کبھی خلاف ورزی نہیں کرے گا یا تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ کچھ کہہ رہے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔“(۸۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں اہلِ کتاب خودساختہ عقائد کی بنیاد پر یہ دعویٰ کرتے تھے اور آج ان کا دعویٰ ہے کہ ہم گنتی کے چنددن جہنم میں ڈالے جائیں گے۔اس کے بعد جنت ہماری اور ہم جنت کے وارث ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک، نبی آخرالزماں ﷺ کی نبوت کا انکار اور بھاری جرائم میں ملوث ہونے کے باوجود یہودیوں کی خوش فہمیوں کی انتہا یہ تھی اور ہے کہ وہ بڑی بے باکی کے ساتھ تورات کے حوالے سے دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہونے کے ناطے سے ہم جہنم میں نہیں جاسکتے۔سوائے ان چنددنوں کے جن دنوں میں ہمارے بزرگوں نے بچھڑا پوجنے کی غلطی کی تھی۔اس دعویٰ کی قلعی کھولنے کے لیے ان سے سوال کیا جارہا ہے کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد لے رکھا ہے کہ جس کی خلاف ورزی کی اللہ تعالیٰ سے توقع نہیں کی جاسکتی؟ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو تو تمہیں کوئی ثبوت پیش کرنا چاہیے۔درحقیقت یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بے بنیاد اور جہالت کی بات کرتے ہیں۔فرقہ پرستی کے مضمرات میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ ہمارے بعض علماء اور مشائخ نے اس سے دوقدم آگے بڑھ کر اپنے عقیدت مندوں اور مریدوں میں یہ تاثر پیدا کر رکھا ہے کہ جنت میں جانے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کسی پیر کا مرید یا کسی امام کا مقلد ہوجائے۔حالانکہ اس نظریہ کی دلیل قرآن وسنت میں نہیں پائی جاتی۔

مسائل

۱۔ یہودیوں کا عقیدہ شرعی حقائق کے منافی اور عدل وانصاف کے اصولوں کے خلاف ہے۔

۲۔ من گھڑت دینی مسائل اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن کا معاملہ:

۱۔ ہر ایک کو اس کے اپنے اعمال کام آئیں گے۔(البقرۃ:۱۳۴) ۲۔کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔(الانعام:۱۶۴)

۳۔ کوئی کسی کے اعمال کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا۔(فاطر:۴۳)

۴۔ کسی کے گناہ کے متعلق کسی دوسرے سے نہیں پوچھا جائے گا۔(الرحمن:۳۹)

بَلٰى مَنۡ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتۡ بِهٖ خَطِيۡٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓـئِكَ

کیوں نہیں جس نے کمائی کوئی برائی اور گھیر لیا اس کو اس کی خطاؤں نے پس یہی لوگ

اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا

آگ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کئے

الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۲﴾

نیک عمل یہی لوگ جنت والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

ع ۹ ۱۱ ۹

”کیوں نہیں جس نے برے کام کیے اور اس کے برے کاموں نے اسے گھیر لیا پس یہی لوگ آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۸۱) اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ جنتی ہیں اور وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔“ (۸۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: من گھڑت تصورات اور بد اعمالیاں آدمی کو جہنم میں لے جائیں گی جبکہ جنت کے وارث تو صاحبِ ایمان اور صالح اعمال کرنے والے لوگ ہی ہوں گے۔

اہلِ کتاب اور ہر فرد کو یہ باور کروایا جا رہا ہے کہ بلند بانگ دعوے، دل کش نعرے، حسب ونسب کے امتیازات اور بزرگوں کے ساتھ نسبت اس شخص کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتے جو ایمان سے عاری اور تادم مرگ شرک و بدعت میں ملوث رہا ہو اسے ہر حال میں جہنم کے دہکتے ہوئے انگاروں میں جانا ہے اور ان میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ اس کے برعکس کوئی شخص اعلیٰ حسب ونسب اور بڑے بڑے امتیازات والقابات سے محروم، مگر صاحبِ ایمان وکردار ہو۔ ایسے لوگ جہاں کہیں کے رہنے والے اور جو بھی ہوں اگر ان کا دامن ایمان کی نعمت اور کردار کی دولت سے مالا مال ہے تو وہ جنت میں ضرور جائیں گے اور وہاں انہیں حیاتِ جاوداں حاصل ہوگی۔

یاد رہے کہ یہاں زندگی بھر گناہوں میں گھرے ہوئے سے مراد کفر وشرک اور بدعات میں ملوث ہونے والا شخص ہے۔

((عَنۡ عَبۡدِ اللّٰهِ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَدۡخُلُ الۡجَنَّةَ مَنۡ كَانَ فِيۡ قَلۡبِهٖ مِثۡقَالُ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ مِّنۡ كِبۡرٍ وَّلَا يَدۡخُلُ النَّارَ مَنۡ كَانَ فِيۡ قَلۡبِهٖ مِثۡقَالُ حَبَّةٍ مِّنۡ اِيۡمَانٍ))

(رواہ الترمذی: کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الکبر [صحیح])

”حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔“

مسائل

۱۔ کفر وشرک اور کبیرہ گناہ کا مرتکب اگر توبہ کے بغیر مر جائے تو وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

۲۔ ایمان خالص اور عمل صالح اپنانے والے لوگ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ ۟ وَ بِالْوَالِدَیْنِ

اور جب | ہم نے لیا | پختہ عہد | بنی اسرائیل سے | تم عبادت نہ کرنا | اللہ کے سوا | اور ماں باپ سے

اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِیْمُوا

حسن سلوک | اور قرابت دار | اور یتیم (جمع) | اور مسکین (جمع) | اور تم کہنا | لوگوں سے | اچھی بات | اور قائم کرنا

الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

نماز | اور ادا کرنا | زکوٰۃ | پھر | تم پھر گئے | سوائے | چند کے | تم میں سے | اور تم | پھر جانے والے

’’اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے اور ماں باپ اور قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے اور لوگوں کو اچھی باتیں کہو گے نماز قائم اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے لیکن تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ تم سب پھر گئے اور تم پھر جانے والے ہو۔‘‘ (۸۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہودی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ لیا حالانکہ یہود نے اللہ تعالیٰ سے کوئی وعدہ نہیں لیا البتہ اللہ تعالیٰ نے ضرور ان سے ان باتوں کا وعدہ لیا ہوا ہے۔

ہر دَور میں دین کے بنیادی ارکان اور احکام ایک ہیں اور ان کی ترتیب بھی ایک جیسی ہی رہی ہے۔ سب سے پہلے خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا جسے حقوق اللہ کہا جاتا ہے۔ حقوق اللہ کے بعد والدین کی تابعداری اور ان کے ساتھ احسان کرنا ہے۔ اور ان کے ساتھ قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، لوگوں سے اچھی بات کہنا، نماز کا اہتمام کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ رب اور خالق ہے لیکن اس نے اپنی تخلیق اور ربوبیت کا ذریعہ والدین کو بنایا ہے اس لیے اپنی ذات کے بعد اس نے اس مقدس رشتہ کو تقدیس و تکریم دیتے ہوئے ہدایات فرمائیں کہ اولاد کو چاہیے کہ اپنے والدین کے ساتھ ہر دم اچھا سلوک کرتی رہے۔ نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید کی اسی ترتیب کا خیال رکھتے ہوئے ارشادات فرمائے:

((عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِیَّ ﷺ أَیُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَی اللّٰہِ قَالَ الصَّلَاۃُ عَلٰی وَقْتِھَا قَالَ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ قَالَ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ)) (رواہ البخاری: کتاب مواقیت الصلوۃ)

’’حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز وقت پر ادا کرنا۔ پھر پوچھا تو فرمایا والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ اس کے بعد پوچھنے پر آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔‘‘

((عَنْ بَھْزِ بْنِ حَکِیْمٍ عَنْ أَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ مَنْ أَبَرُّ قَالَ أُمَّکَ ثُمَّ أُمَّکَ ثُمَّ أُمَّکَ ثُمَّ أَبَاکَ ثُمَّ الْأَقْرَبَ فَالْأَقْرَبَ)) (رواہ ابو داؤد: باب فی بر الوالدین [صحیح])

''بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے پوچھا اللہ کے رسول ﷺ! میں کس سے اچھا سلوک کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی ماں سے پھر اپنی ماں سے پھر اپنی ماں سے پھر اپنے باپ سے اور پھر قریبی رشتہ داروں سے۔''

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ كَافِلُ الْيَتِيْمِ لَهُ أَوْلِغَيْرِهِ أَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ وَأَشَارَ مَالِكٌ بِالسَّبَابَةِ وَالْوُسْطٰى)) (رواه مسلم: باب الإحسان إلى الأرملة......)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے رشتہ دار یا کسی دوسرے یتیم کی پرورش کرنے والا اور میں جنت میں ایسے ہوں گے۔ راوی نے درمیانی اور انگشتِ شہادت سے اشارہ کیا۔''

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ الْيَهُوْدَ دَخَلُوْا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوْا أَلسَّامُ عَلَيْكَ فَلَعَنْتُهُمْ فَقَالَ مَالَكِ قُلْتُ أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا قَالَ فَلَمْ تَسْمَعِيْ مَا قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ)) (رواه البخاري: باب الدعاء على...)

اچھی بات کا حکم: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہودیوں نے نبی ﷺ کے پاس آکر کہا: السّام علیک کہ تجھ پر ہلاکت ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان پر لعنت کی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: عائشہ! تجھے کیا ہوا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آپ نے ان کی بات نہیں سنی۔ فرمایا تو نے میری بات نہیں سنی میں نے وعلیکم کہا کہ تم پر بھی ہو۔''

بیوہ اور مسکین کے ساتھ حسنِ سلوک کی فضیلت:

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ السَّاعِيْ عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ أَوِ الْقَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ)) (رواه البخاري: باب فضل النفقة على الأهل)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیوہ اور مسکین پر نگران اللہ کی راہ میں مجاہد کی طرح ہے یا رات کو قیام اور دن کو روزہ رکھنے والے کی طرح ہے۔''

مسائل

۱۔ صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا، والدین سے حسن سلوک کرنا، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں سے اچھا برتاؤ کرنا اور ہمیشہ اچھی بات کہنا، نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرنا اللہ تعالیٰ سے عہد نبھانے کے مترادف ہے۔

تفسیر بالقرآن

مقامِ والدین:

۱۔ بنی اسرائیل سے والدین کے ساتھ احسان کا عہد لیا گیا۔ (البقرۃ: ۸۳)

۲۔ والدین سے نیکی کرنے کا حکم۔ (بنی اسرائیل: ۲۳) ۳۔ والدین کو اُف کہنا اور جھڑکنا جائز نہیں۔ (بنی اسرائیل: ۲۳)

۴۔ والدین کے سامنے عاجزی سے رہنا اور ان کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ (بنی اسرائیل: ۲۴)

۵۔ غیر مسلم والدین کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا چاہیے۔ (لقمان: ۱۵) (دیگر احکام کے بارے میں اگلے مقامات پر وضاحت ہوگی)

وَاِذْ	اَخَذْنَا	مِيْثَاقَكُمْ	لَا تَسْفِكُوْنَ	دِمَآءَكُمْ	وَلَا تُخْرِجُوْنَ
اور جب	ہم نے لیا	تم سے پختہ عہد	تم نہ بہاؤ گے	اپنوں کے خون	اور تم نہ نکالو گے

اَنْفُسَكُمْ	مِّنْ	دِيَارِكُمْ	ثُمَّ	اَقْرَرْتُمْ	وَاَنْتُمْ	تَشْهَدُوْنَ ۝۸۴
اپنوں	سے	تمہارے گھر	پھر	تم نے اقرار کیا	اور تم	گواہ ہو

’’اور جب ہم نے تم سے پکا وعدہ لیا کہ آپس میں نہ خون بہاؤ گے اور نہ اپنوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو گے پھر تم نے اقرار کیا اور تم اس پر گواہ ہو۔‘‘ (۸۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام : گزشتہ عہد کا حصہ۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح بنی اسرائیل سے اپنی بندگی اور والدین کے ساتھ حسن سلوک، یتیم و مساکین کے ساتھ تعاون اور لوگوں سے خوش اخلاقی وخوش گفتاری کے ساتھ پیش آنے، نماز اور زکوٰۃ کا عہد لیا تھا۔ اسی طرح ان سے یہ عہد بھی لیا تھا کہ آپس میں دنگا فساد کرنے کے بجائے ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے صلح وآشتی کے ساتھ رہنا۔ لیکن انہوں نے نہ صرف اس عہد کی مخالفت کی بلکہ قتل وغارت اور ظلم وزیادتی کا بازار گرم کیا۔ طاقت ور کمزور کے لیے وحشی درندے کی شکل اختیار کر گیا۔ ماضی میں جو کچھ فرعون ان کے ساتھ کیا کرتا تھا انہوں نے اس سے بڑھ کر اپنے لوگوں پر ظلم ڈھائے کہ کمزور طبقات کو ان کے گھروں سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ طاقتور قبائل اپنی برتری قائم رکھنے کے لیے ایک دوسرے کو لڑایا کرتے اور پھر لوگوں کے سامنے سچا ہونے اور اپنے آپ کو مظلوموں کا خیر خواہ ثابت کرنے کے لیے حقوقِ انسانیت کے علمبردار بن جاتے اور مغلوب قبیلے کے قیدیوں کو رہائی دلانے کے لیے فدیے کا بندوبست کرتے تاکہ یہ لوگ ہمیشہ کے لیے ان کے ممنون رہیں۔ جس طرح امریکہ، برطانیہ اور دیگر اتحادیوں نے پہلے 2001ء میں افغانستان اور عراق کے لاکھوں بے گناہ لوگوں کو شہید کیا اور پھر انسانیت اور تعمیر نو کے نام پر اپنے مفاد کے لیے کروڑوں ڈالر خرچ کیے اور لوگوں کو خوراک اور ادویات مہیا کیں تاکہ دنیا کو باور کرایا جائے کہ ہم ظالم نہیں خیر خواہ اور انسان دوست لوگ ہیں۔

مسائل

۱۔ بنی اسرائیل سے کشت وخون نہ کرنے کا عہد لیا گیا۔ ۲۔ بنی اسرائیل سے اپنے لوگوں کو دربدر نہ کرنے کا عہد لیا گیا۔

❀❀❀

ثُمَّ	اَنْتُمْ	هٰۤؤُلَآءِ	تَقْتُلُوْنَ	اَنْفُسَكُمْ	وَ تُخْرِجُوْنَ	فَرِيْقًا
پھر	تم	وہ لوگ ہو	ہو قتل کرتے ہو	اپنوں کو	اور تم نکالتے ہو	ایک فریق
مِّنْكُمْ	مِّنْ	دِيَارِهِمْ	تَظٰهَرُوْنَ	عَلَيْهِمْ	بِالْاِثْمِ	وَالْعُدْوَانِ ؕ
تم سے	سے	ان کے وطن	تم چڑھائی کرتے ہو	ان پر	گناہ سے	اور سرکشی
وَ اِنْ	يَّاْتُوْكُمْ	اُسٰرٰى	تُفٰدُوْهُمْ	وَهُوَ	مُحَرَّمٌ	عَلَيْكُمْ
اور اگر	وہ آئیں تمہارے پاس	قیدی	تم فدیہ دیتے ہو ان کا	حالانکہ وہ	حرام کیا گیا	تم پر
اِخْرَاجُهُمْ ؕ	اَفَتُؤْمِنُوْنَ	بِبَعْضِ	الْكِتٰبِ	وَ تَكْفُرُوْنَ	بِبَعْضٍ ۚ	
نکالنا ان کا	کیا تم ایمان لاتے ہو	بعض حصہ	کتاب	اور انکار کرتے ہو	بعض حصہ	

’’پھر تم وہ لوگ ہو جو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے ہو اور اپنے لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال دیتے ہو، گناہ اور ظلم کے ساتھ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو اگر وہ تمہارے پاس قید ہو کر آئیں تو فدیہ دے کر انہیں چھڑاتے ہو حالانکہ ان کو ان کے گھروں سے نکالنا ہی تم پر حرام تھا۔ کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان لاتے اور کچھ کا انکار کرتے ہو۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل نے نہ صرف اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو توڑا بلکہ اس حد تک عہد شکن ثابت ہوئے کہ انہوں نے باہمی تعلقات کو توڑتے ہوئے اپنوں میں سے کمزور لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال باہر کیا۔

اس بات پر یہودیوں کو سمجھایا گیا ہے کہ مظلوموں کی حالت زار تمہاری سیاست اور مذموم منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے جبکہ تورات میں تمہیں اس بات سے منع کیا اور تم سے عہد لیا گیا تھا کہ اپنوں کو قتل کرنا اور کمزوروں کو ان کے گھروں سے نکالنا سنگین اخلاقی اور معاشرتی جرم ہے۔ یہاں بار بار مخاطب کی ضمیر لا کر انہیں شرم دلائی جا رہی ہے کہ یہ تمہارے ہی ہم نسب اور ہم وطن ہیں۔ جن میں سے کچھ کو تم قتل کر دیتے ہو اور کچھ کو ان کے گھروں سے نکال کر باہر پھینکتے ہو۔ تمہاری سازشوں کی وجہ سے وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے جاتے ہیں۔ اس کے بعد فدیہ دے کر چھڑاتے ہو۔ ایسا کرنا نہ صرف اخلاقی جرم ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے کہ کلام اللہ کے جس حصہ پر چاہا عمل کر لیا اور جس سے دنیا کے نقصان کا اندیشہ ہوا اسے چھوڑ دیا۔ اس طرح نہ صرف شریعت بازیچۂ اطفال بن جاتی ہے بلکہ آدمی کی طبیعت میں مستقل طور پر منافقت اور مفاد پرستی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی سزا دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں شدید ترین عذاب ہے۔ جو لوگ دین کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دیتے ہیں اور خیر خواہی کرنے کی بجائے ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں ان پر نہ آخرت کا عذاب ہلکا ہوگا اور نہ ہی کوئی ان کی مدد کرنے والا ہوگا۔

فَمَا	جَزَآءُ	مَنْ	یَّفْعَلُ	ذٰلِكَ	مِنْكُمْ	اِلَّا	خِزْیٌ
سوکیا	سزا	جو	کرے	یہ	تم میں سے	سوائے	رسوائی
فِی	الْحَیٰوةِ	الدُّنْیَاۚ	وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ		یُرَدُّوْنَ	اِلٰۤی	اَشَدِّ
میں	زندگی	دنیا	اور قیامت کے دن		وہ لوٹائے جائیں گے	طرف	سخت
الْعَذَابِؕ	وَ مَا	اللّٰهُ	بِغَافِلٍ	عَمَّا	تَعْمَلُوْنَ ۸۵		
عذاب	اور نہیں	اللہ	بے خبر	اس سے جو	تم کرتے ہو		

جو تم میں سے ایسا کام کرے گا ان کے لیے دنیا میں ذلت ہے اور قیامت کے دن انہیں سخت عذاب کی طرف دھکیل دیا جائے گا جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں ہے۔'' (۸۵)

''نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں انصار (جو اسلام سے قبل مشرک تھے) کے دو قبیلے تھے۔ اوس اور خزرج، ان کی آپس میں آئے دن جنگ رہتی تھی، اسی طرح یہودِ مدینہ کے تین قبیلے تھے......بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ۔ یہ بھی آپس میں لڑتے رہتے تھے، بنوقریظہ اوس کے حلیف تھے اور بنوقینقاع اور بنونضیر خزرج کے حلیف تھے، جنگ میں یہ اپنے اپنے حلیفوں کی مدد کرتے اور اپنے ہی ہم مذہب یہودیوں کو قتل کرتے، ان کے گھروں کو لوٹتے اور انہیں جلاوطن کر دیتے۔ حالانکہ تورات کے مطابق ایسا کرنا ان کے لیے حرام تھا، پھر جو لوگ مغلوب ہونے کی وجہ سے قیدی بن جاتے تو انہیں فدیہ دے کر چھڑاتے اور کہتے کہ ہمیں تورات میں یہی حکم دیا گیا ہے۔ ان آیات میں یہودیوں کے اسی کردار کو بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے شریعت کو موم کی ناک بنالیا تھا، پسندیدہ حکم پر عمل کر لیتے اور مرضی کے خلاف حکم کو کوئی اہمیت نہ دیتے۔ قتل، لوگوں کو ان کے گھروں سے نکالنا اور ایک دوسرے کی ظلم پر مدد کرنا، ان کی شریعت میں حرام تھا، ان جرائم کا انہوں نے کھلم کھلا ارتکاب کیا اور جو فدیہ دے کر چھڑا لینے کا حکم تھا اس پر عمل کیا۔ حالانکہ اگر وہ پہلے تین امور کا لحاظ رکھتے (قتل و غارت گری سے باز رہتے، دوسروں کو جلاوطن نہ کرتے، ظلم و ستم سے رک جاتے) تو فدیہ دے کر چھڑانے کی نوبت ہی نہ آتی۔'' (ماخوذ از ''تفسیر احسن البیان'')

اہلِ کتاب کے ایک دوسرے پر مظالم:

ہربرٹ ملر نے لکھا ہے:

''رومی بادشاہ تھیوڈوسیس نے دوسرے مذاہب کی عبادت گاہیں حکماً بند کر دیں اور کیتھولک عیسائیت کو ملک کا واحد قانونی مذہب قرار دیتے ہوئے ان سب ''دیوانوں'' (madmen) سے ہر قسم کے شہری حقوق چھین لیے جو کیتھولک عیسائیت سے متفق نہ تھے۔''

When Theodosius deprived heretics of civil rights, religious orthodoxy became the price of citizenship for the first time in history. *(Herbert Muller: op.cit pp.86-87; Cambridge Modern History (1907) vol.10 p.152)*

''جب تھیوڈوسیس نے ملحدین کو شہری حقوق سے محروم کیا' تو عقیدہ کی تبدیلی شہریت کی قیمت قرار پائی۔''

اور پوپ لیو دواز دہم نے تو رواداری (Toleration) کو صاف الفاظ میں سچے مذہب سے بے پروائی (Indifference) سے تعبیر کرتے ہوئے بتا دیا کہ عیسائیت میں نقطۂ نظر کے اختلاف کو برداشت کرنے کی قوت و صلاحیت کہاں تک ہے۔ عملاً بھی اس نے تنخواہ دار مخبرین (Informers) کی مدد سے مسلمہ عقائد سے ہٹے ہوئے افراد سے اپنی جیلیں بھر دیں۔

''مشرکین'' (pagans) اور ''ملحدین'' (heretics) کے بعد جو طبقہ مسیحی عدم رواداری اور تشدد کا پہلا نشانہ بنا، وہ یہودی تھے۔ یہودیوں سے مسیح کے ''خون کا بدلہ'' لینے کے لیے انجیل کی اس آیت کا حوالہ استعمال کیا گیا جس میں مسیح کے وقت کے یہودیوں نے رومی حاکم پیلاطس کی مسیح کو مصلوب کرنے پر ہچکچاہٹ دیکھتے ہوئے کہا تھا ''اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر!'' (متی ۲۷:۲۵):

With the triumph of Christianity, the children of Israel had to repay his duffering a millionfold. (Herbert Muller : op.cit., p.91)

''عیسائیت کے غلبہ کے بعد بنی اسرائیل کو مسیح کی تکالیف کا کئی لاکھ گنا بدلہ چکانا پڑا۔''

ملحدین، مشرکین اور یہود وغیرہ پر ظلم و تشدد اور ان کے قتل و غارت پر عیسائی حکمرانوں اور امراء کو اکساتے ہوئے ایک مشہور پوپ ہلڈر برینڈ (Hilderbrand) نے کہا تھا:

Cursed be he that refraineth his sword from blood. *(H.C.Lea: A history of the Inquisition in spain (New York 1906) vol. 1, pp.81, 115)*

''جو اپنی تلوار کو (ان لوگوں کا) خون کرنے سے روک رکھے وہ لعنتی ہے۔'' (عیسائیت تجزیہ و مطالعہ، پروفیسر ساجد میر)

مسائل

۱۔ بنی اسرائیل عہد توڑنے والی قوم ہے۔ ۲۔ بنی اسرائیل پر رشوت لینا حرام تھا۔

۳۔ دین کے کچھ ارکان پر عمل کرنا اور کچھ کو چھوڑ دینا دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذابِ جہنم کا سبب ہوگا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔

اُولٰٓئِكَ	الَّذِيْنَ	اشْتَرَوُا	الْحَيٰوةَ	الدُّنْيَا	بِالْاٰخِرَةِ ۚ	فَلَا يُخَفَّفُ
یہی لوگ	جنہوں نے	خرید لی	زندگی	دنیا	آخرت کے بدلے	سونہیں ہلکا نہ کیا جائے گا
عَنْهُمُ	الْعَذَابُ	وَلَا	هُمْ	يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ ع		
ان سے	عذاب	اور نہ	وہ	مدد کئے جائیں گے		

۱۰ ع ۱۰

''یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے خرید لیا ہے سو ان پر عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔'' (۸۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہود و نصاریٰ کی یہ عہد شکنیاں اس لیے تھیں کہ انہوں نے آخرت کو فراموش کر کے دنیا کو مقدم کر لیا تھا۔ دنیا کے لیے وہ تمام اخلاقی اور دینی حدیں پھاندنے کے لیے تیار رہتے تھے۔

کفار اور مشرکین کے بارے میں قرآن مجید بار بار اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ ان لوگوں پر نہ عذاب ہلکا ہوگا اور نہ ہی انہیں جہنم سے نجات ملے گی جس شخص کے بارے میں عذاب ہلکا ہونے کا امکان ہے وہ جناب ابو طالب ہیں ان کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے اس امید کا اظہار کیا ہے۔

((عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ ؓ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ وَذُكِرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ فَقَالَ لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُجْعَلُ فِي ضَحْضَاحٍ مِنَ النَّارِ يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ يَغْلِي مِنْهُ دِمَاغُهُ))

(رواه البخاری: کتاب المناقب، باب قصة ابی طالب)

''حضرت ابوسعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ ﷺ کے پاس آپ کے چچا ابو طالب کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا شاید اسے میری شفاعت قیامت کے دن فائدہ دے اسے آگ پر کھڑا کیا جائے گا۔ وہ آگ اس کے ٹخنوں تک پہنچتی ہوگی جس سے اس کا دماغ کھولے گا۔''

''جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا یقیناً ہم انہیں جہنم واصل کریں گے جب ان کے جسموں کی کھال گل جائے گی تو ہم دوسری کھال سے بدل دیں گے تاکہ عذاب کا مزا چکھتے رہیں اللہ تعالیٰ یقیناً زبردست اور حکمت والا ہے۔'' (النساء:۵۶)

مسائل

۱۔ آخرت کی زندگی پر دنیا کو ترجیح دینے والوں پر جہنم کا عذاب ہلکا نہیں ہوگا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کے بدلے مال اور منصب حاصل کرنا حرام ہے۔ ۳۔ دوزخیوں کی کوئی کچھ بھی مدد نہیں کر سکے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ؗ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى

اور تحقیق ہم نے دی موسیٰ کتاب اور ہم نے مسلسل بھیجے سے اس کے بعد رسول (جمع) اور ہم نے دیے عیسیٰ

ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ

بیٹا مریم واضح دلائل اور ہم نے اسکی مدد کی روح القدس (جبرئیل) کے ساتھ کیا پھر جب آیا تمہارے پاس کوئی رسول

بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ؗ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

اسکے ساتھ جو نہ چاہتے تھے تمہارے نفس تم نے تکبر کیا بس ایک جماعت تم نے جھٹلایا اور ایک جماعت تم قتل کرنے لگے

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور انہوں نے کہا ہمارے دل پردہ میں بلکہ ان پر لعنت اللہ انکے کفر کے سبب سو تھوڑے جو ایمان لاتے ہیں

''بلاشبہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی، اور ان کے بعد مسلسل رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو واضح دلائل دیے اور روح القدس سے اس کی تائید فرمائی۔ جب تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمہاری طبیعتوں کے خلاف تھی تو تم نے تکبر کیا پس ایک جماعت کو تم نے جھٹلا دیا اور دوسری جماعت کو تم نے قتل کر ڈالا۔ (۸۷) اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل پردے میں ہیں۔ بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کر دی ہے اب ان میں ایمان لانے والے تھوڑے ہیں۔'' (۸۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل سے عہد لینے کے بعد اس کی یاددہانی کے لیے مسلسل انبیاء مبعوث کیے گئے مگر یہ لوگ تکبر اور ظلم میں آگے ہی بڑھتے گئے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے پختہ عہد سے انحراف، قومی جرائم اور اجتماعی ذلت کا احساس دلا کر بنی اسرائیل کو یاد کروایا گیا ہے کہ اپنی تاریخ کا ریکارڈ ذہن میں لاؤ۔ جب ہم نے تمہاری رہنمائی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عنایت کی اور ان کے بعد اس عہد کی یاددہانی اور ایفا کے لیے متواتر انبیائے کرام مبعوث فرمائے۔ یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام ایسے معجزات کے ساتھ مبعوث ہوئے کہ جن کے سامنے حاذق اطبا، معروف دانشور اور بڑے بڑے اہل علم طفل مکتب دکھائی دیتے تھے۔ لیکن اے اہلِ کتاب! تم نے ہر اس بات کا انکار کیا جو تمہارے رواج اور مزاج کے خلاف تھی۔ تم نے نا صرف روشن معجزات اور ٹھوس دلائل کا متکبرانہ جواب دیا بلکہ انبیاء کی کثیر تعداد کی تکذیب کرتے ہوئے انہیں ماننے سے انکار کر دیا اور کچھ انبیاء کو شہید ہی کر ڈالا۔ اب تم گناہوں اور اپنے استکبار کو چھپانے کے لیے کہتے ہو کہ ہم قرآن اور اس نبی کی رسالت کو اس لیے تسلیم نہیں کرتے کہ ہمارے دل علم و دانش کے گہوارے ہیں اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ہمیں اس نبی کی باتوں کی سمجھ ہی نہیں آتی۔ ہمارے اور اس کے درمیان پردہ حائل ہو چکا ہے۔ یہی وہ بہانے ہیں جو ہر دور میں نام نہاد دانشور اور متعصب مذہبی لوگ کرتے آئے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ دلائل سمجھنے اور حقائق کو جاننے کے باوجود یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو اس کی وجہ یہ

نہیں کہ وہ علم و معرفت رکھتے ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان پر خدا کی پھٹکار پڑ چکی ہے۔

تکبر کا معنٰی اور انجام:

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ قَالَ رَجُلٌ إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَّنَعْلُهٗ حَسَنَةً قَالَ إِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُّحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ)) (رواه مسلم: باب تحريم الكبر وبيانه)

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک آدمی نے کہا کہ آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اور اس کے جوتے اچھے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر حق کو جھٹلانا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔“

((عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْثَالَ الذَّرِّ فِيْ صُوَرِ الرِّجَالِ يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَيُسَاقُوْنَ إِلٰى سِجْنٍ فِيْ جَهَنَّمَ يُسَمّٰى بُوْلَسَ تَعْلُوْهُمْ نَارُ الْأَنْيَارِ يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ أَهْلِ النَّارِ طِيْنَةَ الْخَبَالِ))

(رواه الترمذی: کتاب صفة القيامة والرقائق والورع، باب منه، [حسن])

”حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہم سے وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن متکبر لوگ چیونٹیوں کی صورت میں لائے جائیں گے انہیں ہر طرف سے ذلت ڈھانپے ہوئے ہوگی اور انہیں بولس نامی جہنم کی جیل میں لے جایا جائے گا۔ ان پر آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہوں گے اور انہیں جہنمیوں کی زخموں کی پیپ پلائی جائے گی۔“

مسائل

۱۔ بنی اسرائیل نے کچھ انبیاء کو شہید کیا اور اکثر کو جھٹلا دیا۔ ۲۔ منکرین حق بات ماننے کی بجائے یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل پردہ میں ہیں۔

تفسیر بالقرآن

لعنتی کون؟

۱۔ شیطان لعنتی ہے۔ (النساء: ۱۱۸) ۲۔ کافر لعنتی ہیں۔ (الاحزاب: ۶۴)

۳۔ اصحاب السبت لعنتی ہیں۔ (النساء: ۴۷) ۴۔ یہودی لعنتی ہیں۔ (المائدۃ: ۶۴)

۵۔ جھوٹے لعنتی ہیں۔ (آل عمران: ۶۱) ۶۔ ظالم پر لعنت ہوتی ہے۔ (ھود: ۱۸)

۷۔ حق چھپانے والے لعنتی ہیں۔ (البقرۃ: ۱۵۹) ۸۔ اللہ اور رسول کو تکلیف دینے والے لعنتی ہیں۔ (الاحزاب: ۵۷)

وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ

اور جب ان کے پاس آئی کتاب سے پاس اللہ تصدیق کرنے والی اسکی جو انکے پاس

وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ

اور وہ تھے سے پہلے فتح مانگتے پر جولوگ انہوں نے کفر کیا سو جب آیا انکے پاس

مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

جو وہ پہچانتے تھے انہوں نے کفر کیا اس کیساتھ سولعنت اللہ پر کافر (جمع)

''اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب آئی جو ان کی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ یہ لوگ اس سے پہلے کفار پر فتح چاہتے تھے۔ جب یہ حق ان کے پاس آیا تو اسے پہچان لینے کے باوجود انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کافروں پر۔'' (۸۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔ اہل کتاب ہمیشہ سے حق پہچاننے کے باوجود اس کے انکاری رہے ہیں اسی کا سبب ہے کہ ان پر اللہ کی پھٹکار برستی ہے۔

یہود اہل ثروت ہونے اور سماجی اثر ورسوخ رکھنے کے باوجود عرب میں سیاسی اقتدار سے محروم تھے۔ اس وجہ سے وہ عیسائیوں، مشرکوں اور دوسرے مذاہب والوں کے ساتھ بحث وتکرار کرتے ہوئے کہا کرتے کہ عنقریب نبی آخر الزماں ﷺ تشریف لانے والے ہیں ہم اس کی رہنمائی اور قیادت میں تم سب پر غلبہ پائیں گے۔ اس کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ اٹھا کر نہایت آہ و زاری سے دعائیں کیا کرتے تھے اور لوگوں کے سامنے حلف دیتے کہ ہمارے پاس آخری نبی تشریف لائے تو ہم اس کی نصرت و حمایت کریں گے۔ [البقرۃ: ۸۹] اسی اثناء میں محمد عربی ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور آپ نے انہیں کتاب الٰہی کا پیغام دیتے ہوئے اپنے آپ پر ایمان لانے کی دعوت دی تو انہوں نے آپ کو اس طرح پہچان لیا جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے۔

علامہ ابن کثیر ان آیات کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے یہودی اوس اور خزرج پر فتح کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمایا تو یہودیوں نے اپنی بات کا انکار کر دیا۔ معاذ اور بشر بن براء رضی اللہ عنہما نے کہا اے یہودیو! اللہ سے ڈرو اور مسلمان ہو جاؤ کیونکہ جب ہم مشرک تھے تو تم ہمیں نبی آخر الزماں ﷺ کا حوالہ دے کر فتح کی دعائیں کرتے تھے اور تم ہمیں مبعوث ہونے والے نبی اور اس کی صفات کے متعلق بتلاتے رہتے تھے سلام بن مشکم کہنے لگا: ہمارے پاس تو کوئی ایسی چیز نہیں آئی کہ جسے ہم پہچانتے ہوں وہ کون سی چیز ہے جس کے متعلق ہم تمہیں بتلاتے تھے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت {وَلَمَّا جَآءَهُمْ} نازل فرمادی۔''

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ ''الرحیق المختوم'' میں لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ شرف وعظمت اور فضل وکمال کی سب سے بلند چوٹی پر جلوہ فگن تھے۔ عفت وامانت، صدق وصفا

اور جملہ اُمورِ خیر میں آپ ﷺ کا وہ امتیازی مقام تھا کہ آپ ﷺ کے دشمنوں کو بھی آپ کی یکتائی وانفرادیت پر کبھی شک نہ گزرا۔ آپ کی زبان سے جو بات نکلی دشمنوں کو یقین ہو گیا کہ وہ سچی ہے اور ہو کر رہے گی۔ واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں۔ ایک بار قریش کے ایسے تین آدمی اکٹھے ہوئے جن میں سے ہر ایک نے اپنے بقیہ دو ساتھیوں سے چھپ چھپا کر تن تنہا قرآنِ مجید سنا۔ لیکن بعد میں ہر ایک کا راز دوسرے پر فاش ہو گیا۔ ان تینوں میں سے ایک ابوجہل بھی تھا۔ تینوں اکٹھے ہوئے تو ایک نے ابوجہل سے دریافت کیا کہ بتاؤ تم نے جو کچھ محمد ﷺ سے سنا ہے اس کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟ ابوجہل نے کہا: میں نے کیا سنا ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ ہم نے اور بنو عبدِ مناف نے شرف وعظمت میں ایک دوسرے کا مقابلہ کیا۔ انہوں نے غرباء ومساکین کو کھلایا تو ہم نے بھی کھانا کھلایا، انہوں نے داد ودہش میں سواریاں عطا کیں تو ہم نے بھی دیں، انہوں نے لوگوں کو عطیات سے نوازا تو ہم نے بھی ایسا کیا، یہاں تک کہ جب ہم اور وہ ایک دوسرے کے ہم پلہ ہو گئے اور ہماری اور ان کی حیثیت ریس کے دومدِ مقابل گھوڑوں کی ہو گئی تو اب بنو عبدِ مناف کہتے ہیں کہ ہم میں ایک نبی ہے جس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے۔ بھلا بتایئے ہم اسے کب پا سکتے ہیں؟ خدا کی قسم! ہم اس شخص پر کبھی ایمان نہ لائیں گے اور اس کی ہرگز تصدیق نہ کریں گے۔''

حضرت صفیہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ میرے والد حیی بن اخطب اور چچا ابو یاسر صبح کے وقت رسول محترم ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر اسلام کے بارے میں مذاکرات کیے اور انہیں یقین ہو گیا کہ حقیقتاً آپ ﷺ نبی آخر الزماں ہیں۔ جب آپ سے گفتگو کرنے کے بعد مغرب کے وقت واپس آئے تو نہایت تھکے ماندے دکھائی دے رہے تھے۔ چچا ابو یاسر میرے والد سے پوچھتے ہیں: أَهُوَ هُوَ؟ ''کیا یہی وہ نبی ہے جس کا تذکرہ تورات وانجیل میں پایا جاتا ہے؟'' والد کہتے ہیں کیوں نہیں یہ وہی رسول ہے۔ وہ پوچھتے ہیں: أَتَعْرِفُهُ وَتُثْبِتُهُ؟ ''کیا واقعی تو اسے پہچانتا ہے؟'' تو انہوں نے کہا: ہاں میں اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ چچا ابو یاسر کہتے ہیں: فَمَا فِي نَفْسِكَ مِنْهُ؟ ''پھر آپ کا کیا ارادہ ہے؟'' میرے والد نے جواب دیا: عَدَاوَةٌ وَاللّٰهِ مَا بَقِيْتُ ''کہ اللہ کی قسم! جب تک زندہ ہوں مخالفت کرتا رہوں گا''۔ [ابن ہشام: شهادة عن صفية]

مسائل

۱۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حسد وبغض کی وجہ سے بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا غضب، اور عذاب مسلّط ہوا۔

۲۔ حق کا انکار کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کا انتظار:

۱۔ بنی اسرائیل رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے منتظر تھے۔ (فاطر: ۴۲)

۲۔ یہود ونصاریٰ رسول اللہ ﷺ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔ (البقرۃ: ۱۴۶)

۳۔ رسول اللہ ﷺ کی آمد کی بنیاد پر لوگوں پر فتح یاب ہونے کی خواہش رکھتے تھے۔ (البقرۃ: ۸۹)

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

برا ہے جو بیچ ڈالا انہوں نے اسکے بدلے اپنے آپ یہ کہ انہوں نے کفر کیا اس سے جو نازل کیا اللہ

بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ

ضد یہ کہ نازل کرتا ہے اللہ سے اپنا فضل پر جو وہ چاہتا ہے سے

عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

اپنے بندے سو وہ پلٹے غضب پر غضب اور کافروں کے لیے عذاب ذلیل کرنے والا

”برا ہے وہ جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا۔ وہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے ساتھ کفر کرتے ہیں اس ضد کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہا نازل فرمایا۔ یہ لوگ غضب پر غضب کے ساتھ پلٹے اور انکار کرنے والوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔“ (۹۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہود کے گھناؤنے کردار کے پیچھے دنیا کے مفاد کے ساتھ حسد و بغض بھی شامل ہے جس کی بنا پر نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔

”بَغْيًا“ کا معنٰی ہے کسی کام یا بات پر خواہ مخواہ اڑ جانا۔ یہ لفظ حقیقت کے برعکس کام کرنے کے لیے زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ یہود نے رسولِ کریم ﷺ کی اطاعت و حمایت کرنے کی بجائے اس بنا پر تمرّد اور انکار کا راستہ اختیار کیا کہ نبی تو ہم میں سے ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ نبوت صرف بنی اسرائیل کا استحقاق ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ نبوت کسی خاندان یا قوم اور علاقے کا استحقاق نہیں یہ تو سراسر اللہ تعالیٰ کا اپنا انتخاب اور فضل ہے۔ وہ اپنے پیغام اور کام کے لیے جس کو چاہے پسند کرتا ہے۔ اہلِ کتاب دنیا کی حشمت اور آپ ﷺ سے بغض کی بنا پر کفر کا راستہ اختیار کر کے ہمیشہ کے لیے خدا کی پھٹکار اور ذلت کے مستحق قرار پائے۔ ایسے منکروں کے لیے ذلت ناک عذاب تیار ہو چکا ہے۔

تورات کے منکر، انبیاء کے قاتل اور مزید یہ کہ سرورِ گرامی ﷺ کے ساتھ عداوت اور کتاب مبین کے ساتھ حسد کر کے ”غَضَبٌ علٰی غَضَبٍ“ کے کٹہرے میں کھڑے ہوئے یہ لوگ دنیا کی ذلت اور آخرت کے ذلیل ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

مسائل

۱۔ کفر اختیار کرنا اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے۔ ۲۔ ضد انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔

۳۔ نبوت کسی کا استحقاق نہیں یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا اپنا انتخاب ہوتا ہے۔

۴۔ حق کا انکار کرنیوالوں کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ نے آخری انتخاب نبی ﷺ کا فرمایا۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ

اور جب کہا جاتا ہے انہیں تم ایمان لاؤ اس پر جو نازل کیا اللہ نے وہ کہتے ہیں ہم ایمان لاتے ہیں

بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ

اس پر جو نازل کیا گیا ہم پر اور انکار کرتے ہیں اس سے جو اسکے علاوہ حالانکہ وہ حق

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ

تصدیق کرنیوالا اسکی جو انکے پاس فرمادیں سو کیوں تم قتل کرتے رہے اللہ کے انبیاء

مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ

اس سے پہلے اگر تم ہو مومن (جمع) اور تحقیق تمہارے پاس آئے موسیٰ کھلی نشانیوں کیساتھ

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾

پھر تم نے پکڑ لیا بچھڑا سے اس کے بعد اور تم ظالم (جمع)

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں کہ جو ہم پر کتاب اتاری گئی اس پر ہمارا ایمان ہے۔ وہ اس کے سوا سب کا انکار کرتے ہیں حالانکہ یہ قرآن حق ہے اور ان کی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ ان سے یہ پوچھیں کہ اگر تمہارا ایمان پہلی کتابوں پر ہے تو پھر تم نے اس سے پہلے اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کیا؟ (۹۱) تمہارے پاس موسیٰ واضح دلائل لے کر آئے لیکن تم نے ان کی غیر حاضری میں بچھڑے کی پوجا کی اور تم زیادتی کرنے والے ہو۔“ (۹۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب اپنے گھناؤنے کردار اور بغض کو چھپانے کے لیے یہ بہانہ بناتے ہیں کہ ہم اسی بات کو مانیں گے جو ہم پر نازل ہوئی اس کا جواب یہ دیا گیا کہ پھر تم نے پہلے انبیاء کو کیوں قتل کیا تھا؟

یہودیوں کو جب بھی دعوت دی گئی کہ اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی ہے تو انہوں نے مذہبی عصبیت اور خود ساختہ علمی مقام کی بنا پر اعلان کیا کہ ہم تورات کے سوا ہر چیز کا انکار کرتے رہیں گے۔ بے شک اس میں ہماری تائید ہی کیوں نہ پائی جاتی ہو۔ اس انکار پر ان سے پوچھا جارہا ہے اگر تم تورات پر فی الحقیقت ایمان رکھتے ہو تو تمہیں ان سوالات کا جواب دینا چاہیے۔ کیونکہ یہ باتیں تو سراسر تمہارے عقیدے کے مطابق اور تورات میں پائی جاتی ہیں ن سے انحراف کا تمہارے پاس کیا جواز ہے؟

جس بات میں تمہاری تائید ہوتی ہو اس کے انکار کا کیا جواز ہے؟

تم نے انبیاء کرام کو کیوں قتل کیا جب کہ وہ تمام کے تمام بنی اسرائیل میں سے تھے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چالیس دن کی غیر حاضری میں بچھڑے کی پرستش کیوں کی اور اب تک گائے پرستی کے کیوں قائل

ہو جب کہ تورات میں واضح طور پر گائے پرستی سے منع کیا گیا ہے؟

دراصل تم حقیقی ایمان سے تہی دامن ہو چکے ہو اور تم نے باطل نظریات کو ایمان کا درجہ دے دیا ہے جس میں گائے پرستی کا گھٹیا عقیدہ بھی شامل ہے۔ حالانکہ شرک تمام گناہوں کا منبع اور سب سے بڑا ظلم ہے۔

{ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝۱۳ } (لقمان:۱۳)

''اور جب لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا کہ پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

((عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ أَوْصَانِي خَلِيلِي ﷺ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَإِنْ قُطِّعْتَ وَحُرِّقْتَ))

(رواہ ابن ماجہ: بَابُ الصَّبْرِ عَلَى الْبَلَاءِ [حسن])

''حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے خلیل ﷺ نے وصیت کی کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا اگرچہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں اور تجھے آگ میں جلا دیا جائے۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ قَتَلَهُ نَبِيٌّ أَوْ قَتَلَ نَبِيًّا وَإِمَامُ ضَلَالَةٍ وَمُمَثِّلٌ مِنَ الْمُمَثِّلِينَ)) (رواہ احمد: باب مسند عبداللہ بن مسعود [حسن])

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سخت ترین عذاب اس شخص کو ہوگا جس کو نبی نے قتل کیا یا اس نے نبی کو قتل کیا اور گمراہ امام اور تصویریں بنانے والے کو عذاب ہوگا۔''

مسائل

۱۔ یہودی تورات، قرآن اور کسی آسمانی کتاب کو نہیں مانتے وہ صرف اپنے خود ساختہ نظریات کو مانتے ہیں۔

۲۔ قرآن مجید پہلی کتب سماوی کی تصدیق کرتا ہے۔ ۳۔ گائے پرستی شرک اور ظلم ہے۔

تفسیر بالقرآن

قتل انبیاء بدترین جرم:

۱۔ یہود انبیاء کے قاتل ہیں۔ (آل عمران: ۱۱۲) ۲۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی دھمکی دی۔ (المؤمن: ۲۶)

۳۔ یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی چڑھانے کی کوشش کی۔ (النساء: ۱۵۷)

۴۔ کفار نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ (الانفال: ۳۰)

بنی اسرائیل کے بچھڑے کا انجام:

۱۔ بچھڑا کس نے بنایا؟ (طٰہٰ: ۹۵، ۹۶) ۲۔ بچھڑا کس چیز سے بنایا گیا؟ (طٰہٰ: ۹۶)

۳۔ بچھڑا آواز نکالتا تھا۔ (طٰہٰ: ۸۸) ۴۔ بچھڑے کا انجام کیا ہوا۔ (طٰہٰ: ۹۷)

۵۔ بچھڑا پوجنے والوں پر ''اللہ'' کی لعنت برستی ہے۔ (طٰہٰ: ۸۷)

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا

اور جب | ہم نے لیا | تم سے پختہ عہد | اور ہم نے بلند کیا | تمہارے اوپر | کوہِ طور | پکڑو

مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا ۗ وَ اُشْرِبُوْا

جو ہم نے دیا تمہیں | مضبوطی سے | اور سنو | وہ بولے | ہم نے سنا | اور ہم نہیں مانتے | اور سرایت کر دیا گیا

فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ

میں | ان کے دل | بچھڑا | بسبب انکے کفر | فرمادیں | برا جو | تمہیں حکم دیتا ہے | اس کا

اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

تمہارا ایمان | اگر | تم ہو | مومن (جمع)

''جب ہم نے تم پر طور پہاڑ کو اٹھا کر تم سے وعدہ لیا اور حکم دیا کہ جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس کو مضبوطی سے تھام لو اور توجہ سے سنو۔ انہوں نے کہا: ہم نے سنا اور نہیں مانتے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت سرایت کر گئی۔ ان سے فرما دیجیے کہ تمہارا ایمان تمہیں برا حکم دے رہا ہے اگر تم ایمان والے ہو۔'' (۹۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہود کہتے ہیں کہ ہم تو وہی مانیں گے جو ہم پر نازل ہوا یہ اس بات میں بھی سچے نہیں کیونکہ ان پر طور پہاڑ بلند کر کے عہد لیا گیا تھا اس کے باوجود انہوں نے انکار کر دیا تھا یہ ان کے شرک اور دنیا کی ہوس کا نتیجہ ہے۔

اس آیت کی تفسیر آیت ۶۳ کے ساتھ ملا کر پڑھیے جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جبری ہدایت کی بجائے اختیاری ہدایت کا طریقہ پسند فرمایا ہے۔ جبری ہدایت کے نظریے کی تردید کے لیے بنی اسرائیل کا عملی تجربہ پیش فرمایا ہے جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ جبری ہدایت دیر پا نہیں ہوا کرتی جب تک انسان اخلاص اور دل کی صفائی کے ساتھ حقیقت قبول نہ کرے۔ یہودیوں کے سر پر کوہِ طور اُٹھانے اور ان کے سننے اور سمجھنے کے باوجود انہوں نے ''اللہ'' کی نافرمانی کا اعلان کیا۔ جس کا بنیادی سبب شرک بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں بیان فرمایا ہے کہ میں نے ہر انسان کے سینے میں دو کی بجائے ایک دل رکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک دل میں توحید اور شرک، اللہ کی محبت اور غیر کی محبت بیک وقت نہیں رہ سکتی۔ اللہ کی محبت غالب ہو گی تو انسان توحید کا اقرار کرتے ہوئے اللہ کی غلامی میں لذت محسوس کرے گا اور تابعداری میں آگے ہی بڑھتا جائے گا اگر غیر اللہ کی محبت غالب ہو گی تو انسان اللہ تعالیٰ سے دور اور اس کی نافرمانی کا راستہ اختیار کرے گا کیونکہ شرک توحید کے متوازی نظریے کا نام ہے اسی بنا پر یہودیوں نے بار بار اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی کیونکہ ان کے دلوں میں گائے پرستی کا نظریہ گھر کر چکا تھا۔ انسان کی ہر حرکت وعمل کے پیچھے نظریہ کی قوت ہی کارفرما ہوتی ہے اور انسان ویسا ہی عمل کرتا ہے جیسے اس کی فکری قوت اس کی راہنمائی کرتی ہے۔ اس لیے فرمایا ہے کہ جس طرح تمہارے عقائد ہیں جنہیں تم نے

ایمان کا درجہ دے رکھا ہے ویسے ہی تمہارے اعمال برے ہو چکے ہیں۔ جس وجہ سے تم حقیقی ایمان سے تہی دامن ہو چکے ہو۔ کیونکہ ایمان ایک ایسی چیز ہے اگر وہ مضبوط ہو تو آدمی کے کردار میں نکھار پیدا ہوتا ہے آدمی کے اعمال اچھے ہوں تو ایمان میں تازگی اور احساس بڑھتا ہے۔ آدمی کا کردار اچھا نہ ہو تو اس سے اس کا ایمان بھی متاثر ہوتا ہے۔

”حضرت حنظلہ بن ربیع اسیدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ملے انہوں نے میرا حال پوچھا۔ میں نے بتایا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے۔ انہوں نے تعجب سے کہا سبحان اللہ! کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور ہمیں جنت اور دوزخ کے بارے میں بتایا جاتا ہے تو ہماری کیفیت ایسی ہوتی گویا کہ ہم کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ لیکن جب آپ ﷺ کی مجلس سے نکل کر بیوی بچوں اور کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں تو بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں۔ اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! ہماری بھی یہی حالت ہے چنانچہ ہم روانہ ہوئے اور رسول کریم کی خدمت میں پہنچے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حنظلہ منافق ہو گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا وہ کس طرح میں نے کہا اللہ کے رسول ﷺ جب ہم آپ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جنت اور دوزخ کے متعلق بتاتے ہیں تو ہمارا حال یہ ہوتا ہے گویا کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ لیکن جب آپ سے علیحدہ ہو کر بیوی بچوں اور کاروبار میں مصروف ہو جاتے ہیں تو اکثر باتیں بھول جاتے ہیں۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا! اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر تمہاری کیفیت ہمیشہ ایسی رہے جو وعظ و نصیحت کے وقت میرے پاس ہوتی ہے تو فرشتے تمہارے بستروں اور راستوں میں تم سے مصافحہ کریں۔ لیکن حنظلہ! ہر گھڑی مختلف ہوتی ہے یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ دہرائی۔“ (رواہ مسلم: باب فضل دوام الذکر والفکر)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لینے کے لیے ان پر طور پہاڑ کو بلند کیا۔

۲۔ کفر کی وجہ سے بنی اسرائیل کے دلوں میں بچھڑے کی محبت جاگزیں ہو چکی۔

۳۔ اسلام قبول کرنے کے بعد شرک کرنا برے عقیدہ کی نشانی ہے۔

تفسیر بالقرآن

یہودیوں کے جرائم:

۱۔ یہودی اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔ (آل عمران: ۱۱۷) ۲۔ اللہ کی کتاب میں تحریف کرنا ظلم ہے۔ (البقرۃ: ۷۵)

۳۔ یہودیوں کا مریم صدیقہ پر الزام لگانا ظلم ہے۔ (النساء: ۱۵۶) ۴۔ یہودیوں کا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا دعویٰ کرنا ظلم ہے۔ (النساء: ۱۵۷)

۵۔ آیات اللہ کا انکار کرنا ظلم ہے۔ (النساء: ۱۵۳) ۶۔ یہودیوں کا انبیاء کو بغیر حق کے قتل کرنا ظلم ہے۔ (النساء: ۱۵۵)

۷۔ یہودیوں کا ہفتہ کے دن میں زیادتی کرنا ظلم ہے۔ (النساء: ۱۵۴) ۸۔ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنا ظلم ہے۔ (النساء: ۱۶۰)

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ

فرمادیں اگر ہے تمہارے لیے آخرت کا گھر پاس اللہ خاص طور پر سے سوائے لوگ

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ

توتم تمنا کرو موت اگر تم ہو سچے اور وہ ہرگز اس کی تمنا نہیں کریں گے کبھی اس سبب جو آگے بھیجا

اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى

ان کے ہاتھ (جمع) اور اللہ جاننے والا ظالموں کو اور البتہ تم پاؤ گے انہیں زیادہ حریص لوگ پر

حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا

زندگی اور سے جو لوگ انہوں نے شرک کیا چاہتا ہے ان کا ہر ایک کاش وہ عمر پائے ہزار سال اور نہیں

هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

وہ اس سے دور کرنیوالی سے عذاب یہ کہ وہ عمر دیا جائے اور اللہ دیکھنے والا جو وہ کرتے ہیں

معانقہ ۳ ع ۱۰ ۱۱

”آپ فرمادیں کہ اگر آخرت کا گھر اللہ کے نزدیک تمہارے ہی لیے مختص ہے اور کسی کے لیے نہیں تو آؤ اپنی سچائی کے ثبوت میں موت کی تمنا کرو۔ (۹۴) لیکن وہ اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال کی وجہ سے کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ (۹۵) آپ انہیں سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حریص پائیں گے۔ یہ حرص مشرکوں سے بھی زیادہ ہے ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ کاش اسے ایک ہزار سال کی عمر دی جائے حالانکہ یہ عمر بھی انہیں عذاب سے نہیں چھڑا سکتی۔ اللہ تعالیٰ اچھی طرح دیکھ رہا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں۔“ (۹۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہودیوں کے من گھڑت عقیدہ اور خود ساختہ دعویٰ کا جواب اور دنیا کے بارے میں ان کی حرص۔

یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہم اللہ کے محبوب اور انبیاء کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کو ہمارے لیے ہی بنایا اور سجایا ہے بالفرض اگر ہمیں جہنم میں جانا بھی پڑا تو یہ چند دنوں کے لیے جانا ہوگا بالآخر ہم جنت کے لیے اور جنت ہمارے ہی لیے ہے۔ ہم ہی اس کے وارث ہوں گے۔ وہ یہ بات اتنی شدّ و مد کے ساتھ کہتے تھے اور کہتے ہیں کہ جس کی وجہ سے عوام الناس یہ سمجھ بیٹھے کہ جنت میں جانے کے لیے یہودی ہونا از حد ضروری ہے۔ اس کے بغیر کسی کو جنت کا خیال بھی دل میں نہیں لانا چاہیے۔ یہ یہودیوں کے باطل عقیدہ کے اثرات ہیں کہ جس بنا پر مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو چکا ہے جس کا خیال ہے کہ آدمی کے عمل جیسے بھی ہوں جنت میں جانے کے لیے بزرگوں سے نسبت اور محبت ہی جنت میں داخلے کی ضمانت ہے۔ لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے یہود کو مخاطب کرتے ہوئے چیلنج دیا گیا ہے کہ بزعم خود اگر تم جنت کے وارث اور اللہ کے پیارے ہو تو

پھر تمہیں موت سے ڈرنے کی بجائے اس کا آرزومند ہونا چاہیے تاکہ تم اپنے رب سے ملاقات کا شرف اور جنت کی ابدی نعمتوں سے لطف اندوز ہوسکو۔ مگر تمہاری حالت یہ ہے کہ تم موت کے تصور سے کانپتے اور دنیا کی لذّت کی خاطر ہر ذلت برداشت کرنے کے لیے آمادہ رہتے ہو۔ تم اپنے نظریے اور جنت کی خاطر کوئی قربانی دینے کے لیے تیار نہیں ہو حالانکہ جس آدمی کے سامنے ایک مقصد اور منزل ہوتی ہے وہ تو اس کے لیے سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ تم تو موت کے بارے میں مشرکوں سے بھی زیادہ ڈرتے ہو حالانکہ زندگی ہزار سال ہو یا اس سے زیادہ۔ وہ مجرم کو خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکتی اور نہ ہی زندگی کے طویل ہونے سے انسان کا کوئی گوشہ حیات خدائے علیم وبصیر سے اوجھل ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پل پل کی خبر رکھنے والا اور تمہاری جلوت وخلوت سے خوب واقف ہے۔

((عَنْ ثَوْبَانَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلٰى قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزَعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ فَقَالَ قَائِلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْوَهْنُ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ))(رواہ ابوداؤد: کتاب الملاحم[صحیح])

”حضرت ثوبان ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریب ہے کہ قومیں تمہارے خلاف ایک دوسرے کو ایسے دعوت دیں جیسے میزبان کھانے کی طرف دعوت دیتا ہے۔ پوچھنے والے نے عرض کی: کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی آپ نے فرمایا: بلکہ تم اس وقت بہت زیادہ ہو گے لیکن تمہاری حیثیت سیلاب کے تنکوں جیسی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تمہارا رعب تمہارے دشمن کے دلوں سے نکال دے گا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں وہن ڈال دے گا۔ پوچھنے والے نے پوچھا: اللہ کے رسول وہن کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔“

((عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ قَالَتْ عَائِشَةُ أَوْ بَعْضُ أَزْوَاجِهٖ إِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ قَالَ لَيْسَ ذَاكِ وَلٰكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللّٰهِ وَكَرَامَتِهٖ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهٗ فَأَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ وَأَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا حُضِرَ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللّٰهِ وَعُقُوْبَتِهٖ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَهَ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهٗ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ وَكَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ)) (رواہ البخاری: باب، من أحب لقاء اللہ أحب اللہ لقاءہ)

”حضرت عبادہ بن صامت ؓ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہ ؓ یا آپ ﷺ کی بیویوں میں سے کسی نے کہا کہ ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بات یہ نہیں حقیقت یہ ہے کہ جب مومن کی موت کا وقت ہوتا ہے تو اس کو اللہ کی رضامندی اور انعام واکرام

کی بشارت دی جاتی ہے۔ بشارت کے پیش نظر موت اسے تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اس وجہ سے وہ اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ کے عذاب اور گرفت کی وعید سنائی جاتی ہے۔ یہ وعید اسے اپنے سامنے چیزوں سے سب سے زیادہ ناپسند ہوتی ہے اسی وجہ سے وہ اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

جہاں تک بزرگوں سے نسبت اور محبت کا تعلق ہے اگر ان کے صالح اعمال و تعلیمات کو نہ اپنایا جائے تو یہ نسبتیں اور محبتیں کوئی کام نہ آئیں گی۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حِينَ أَنْزَلَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ﴾ قَالَ يَامَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا اشْتَرُوْا أَنْفُسَكُمْ لَآأُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا يَابَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ لَآأُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا يَا عَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَآأُغْنِيْ عَنْكَ مِنَ اللهِ شَيْئًا وَيَاصَفِيَّةُ عَمَّةُ رَسُوْلِ اللهِ لَآأُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا وَيَافَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَلِيْنِيْ مَاشِئْتِ مِنْ مَالِيْ لَآأُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا)) (رواہ البخاری: باب ھل یدخل النساء والولد فی الأقارب)

”حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں جب یہ آیت (اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے) نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے قریش کے لوگو! اپنے لیے کچھ کرلو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کوئی فائدہ نہیں دے سکوں گا، اے بنی عبدِ مناف! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکوں گا، اے عباس بن عبدالمطلب! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ فائدہ نہیں دے سکوں گا اور اے صفیہ رسول کی پھوپھی! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ فائدہ نہیں دے سکوں گا اور اے فاطمہ بنتِ محمد! میرے مال سے جو چاہتی ہے مانگ لے میں تجھے اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکوں گا۔“

مسائل

۱۔ شرک اور دنیا کی بے جا محبت آدمی کو بزدل بنا دیتی ہے۔
۲۔ مشرک اور یہودی دنیا کے بارے میں سب سے زیادہ حریص ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

موت یقینی ہے:

۱۔ ہر شے فنا ہو جائے گی۔ (الرحمن: ۲۶، القصص: ۸۸) ۲۔ قلعہ بند ہونے کے باوجود موت نہیں چھوڑتی۔ (النساء: ۷۸)
۳۔ موت کی جگہ اور وقت مقرر ہے۔ (الاعراف: ۳۴) ۴۔ پہلے انبیاء فوت ہوئے۔ (آل عمران: ۱۴۴)
۵۔ رسول اللہ ﷺ بھی موت سے ہمکنار ہوں گے۔ (الزمر: ۳۰)

قُلْ	مَنْ	كَانَ	عَدُوًّا	لِّجِبْرِيْلَ	فَإِنَّهٗ	نَزَّلَهٗ	عَلٰى
فرمادیں	جو	ہو	دشمن	جبرئیل کا	تو بیشک اس نے	اس کو اتارا	پر
قَلْبِكَ	بِإِذْنِ	اللّٰهِ	مُصَدِّقًا	لِّمَا	بَيْنَ يَدَيْهِ		وَهُدًى
تیرا دل	حکم کیساتھ	اللہ	تصدیق کرنے والا	اسکی جو	اس سے پہلے		اور ہدایت
وَّبُشْرٰى	لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾	مَنْ	كَانَ	عَدُوًّا	لِّلّٰهِ	وَمَلٰٓئِكَتِهٖ	وَرُسُلِهٖ
اور خوشخبری	ایمان والوں کے لیے	جو	ہو	دشمن	اللہ کا	اور اس کے فرشتے	اور اس کے رسول
وَجِبْرِيْلَ	وَمِيْكٰلَ	فَإِنَّ	اللّٰهَ	عَدُوٌّ	لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾		
اور جبرئیل	اور میکائیل	تو بیشک	اللہ	دشمن	کافروں کا		

”اے رسول آپ فرما دیجیے! جو جبرائیل کا دشمن ہو بلاشک اسی نے ہی تو آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور مومنوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے۔ (۹۷) جو شخص اللہ، اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں، جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہو بلاشبہ ایسے کافروں کا اللہ بھی دشمن ہے۔“ (۹۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب کے دیگر حیلوں کے ساتھ یہ حیلہ اور بہانہ بھی تھا کہ جبریل ہمارے ذاتی دشمن ہیں جس کی وجہ سے ہم رسول اللہ ﷺ کو تسلیم کرنے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ نہیں پاتے۔ یہاں اس بات کا جواب دیا گیا ہے۔

بیّن حقائق اور ٹھوس دلائل کا مسلسل انکار کرنے کی وجہ سے یہود اس قدر بدحواس ہو چکے تھے کہ وہ نبی ﷺ سے پوچھتے ہیں اچھا یہ بتائیں کہ آپ پر کون سا فرشتہ وحی لاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جبرائیل علیہ السلام جو ملائکہ کا امانت دار سردار اور اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ پسندیدہ اور مقرب فرشتہ ہے۔ یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات لایا اور اسی۔ نے ہی اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اتاری۔ یہودی جبریل امین علیہ السلام کا نام سنتے ہی کہنے لگے اب تو آپ پر ایمان لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ جبرائیل تو ہمارا ازلی دشمن ہے۔ اس نے ہمارے بزرگوں کے سروں پر کوہ طور رکھا تھا اور یہی ہمیں مشکلات اور عذاب میں مبتلا کرتا رہا ہے۔ ہاں اگر میکائیل ہوتے تو کچھ غور کیا جا سکتا تھا۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ جبرائیل امین ہو یا میکائیل پیغام رسانی کا سلسلہ ہو یا قہر الٰہی کا معاملہ۔ جو کچھ بھی جبرائیل امین نے کیا ہے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا ہے۔ جبرائیل امین سے دشمنی دراصل اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام ملائکہ سے دشمنی رکھنے کے مترادف ہے کیونکہ حضرت جبرائیل اور ملائکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کرتے۔ اگر تمہارے آباء واجداد پر عذاب نازل ہوا تو یہ ان کے اعمال کا نتیجہ تھا اور تم اسی روش پر چلتے رہے تو تمہارا انجام ان سے مختلف نہیں ہوگا۔ یہودی اپنے خبثِ باطن کی وجہ سے حضرت

جبرائیل علیہ السلام کی اس لیے مخالفت کرتے ہیں کہ جب جبرائیل امین کو مشکوک ثابت کر دیں گے تو محمد ﷺ کی نبوت کا معاملہ از خود ختم ہو جائے گا۔ ہمارے ہاں بھی یہودیوں کی طرح کچھ نام نہاد مسلمان اہل بیت کا نام لے کر مختلف بہانے بنا کر خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ کرام کی تحقیر کرتے ہیں تاکہ اسلام کی پوری تاریخ کو مسخ کر دیا جائے۔ کچھ لوگ حدیث کے ذخیرہ کو مشکوک بنانے کی سعی لاحاصل میں لگے ہوئے ہیں۔ بعض حضرات یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ قرآن کے ہوتے ہوئے ہمیں حدیث کی ضرورت نہیں۔ قرآن ہی کافی ہے۔ اسی سازش کا تسلسل ہے کہ اسلام دشمن لوگ چند علماء کو نشانہ بنا کر علمائے حق کو بدنام کرتے ہیں تاکہ دین کے سپوتوں کو لوگوں کی نظروں میں حقیر اور مشکوک کر دیا جائے جس بنا پر لوگ از خود اسلام سے دور ہو جائیں گے۔ اس آیت کے آخر میں فرمایا جا رہا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ قرآن آپ ﷺ کے قلبِ اطہر پر اتارا ہے۔ جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور تسلیم و رضا اختیار کرنے والوں کو ہدایت اور خوشیوں کا پیغام دیتا ہے۔ کیونکہ جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام رساں اور نمائندہ ہے کسی کے نمائندہ کے ساتھ دشمنی اصل اتھارٹی کے ساتھ دشمنی کرنے کے مترادف ہوتی ہے جس کا دفاع یا بدلہ لینا اتھارٹی کی ذمہ داری بنتی ہے اسی بنیاد پر نبی محترم ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت لی تھی اور اسی وجہ سے آپ نے اردن میں موتہ کے مقام پر تین ہزار کا لشکرِ جرار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی زیر کمان بھیجا۔ کیونکہ شرجیل بن عمرو غسانی نے آپ کے نمائندے حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا جو اس زمانے میں اعلانِ جنگ سے بڑھ کر اقدام تصور کیا جاتا تھا لہٰذا اس کا بدلہ لینا آپ ﷺ نے اپنی ذمہ داری سمجھی۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید حضرت جبریل کے ذریعے جناب محمد ﷺ کے قلبِ اطہر پر نازل کیا۔

۲۔ قرآن مجید مومنوں کو دنیا و آخرت میں خوشخبری کا پیغام دیتا ہے۔

۳۔ انبیاء، ملائکہ، میکائیل اور حضرت جبریل امین علیہم السلام سے دشمنی رکھنا اللہ تعالیٰ سے دشمنی رکھنے کے مترادف ہے۔

۴۔ جبریل امین ملائکہ کے سردار ہیں۔

تفسیر بالقرآن

جبریل امین علیہ السلام کا مرتبہ و مقام:

۱۔ جبریل علیہ السلام ملائکہ کے سردار ہیں۔ (التکویر: ۲۱) ۲۔ جبریل علیہ السلام مقرب ترین فرشتہ ہے۔ (النجم: ۸)

۳۔ جبریل علیہ السلام طاقتور فرشتہ ہے۔ (النجم: ۵) ۴۔ جبریل علیہ السلام دیانت دار ہیں۔ (الشعراء: ۱۹۳)

۵۔ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے قلبِ اطہر پر قرآن اتارا ہے۔ (البقرۃ: ۹۷)

۶۔ شب قدر کی رات فرشتے اور جبریل اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں۔ (القدر: ۴)

۷۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام ملائکہ کے سردار ہیں۔ (نبا: ۳۸)

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ

اور تحقیق ہم نے اتاری آپکی طرف نشانیاں واضح اورنہیں انکار کرتے اس کا

اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿٩٩﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ

مگر نافرمان کیا جب بھی انہوں نے عہد کیا کوئی عہد توڑ دیا اس کو ایک فریق ان سے

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ

بلکہ اکثر ان کے نہیں ایمان رکھتے اور جب آیا انکے پاس ایک رسول سے طرف

اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اللہ تصدیق کرنیوالا اسکی جو ان کے پاس پھینک دیا ایک فریق سے جولوگ دیے گئے

الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾

کتاب اللہ کی کتاب پیچھے اپنی پیٹھ گویا کہ وہ نہیں جانتے

”اور یقینا ہم نے آپ کی طرف دلائل بھیجے جن کا انکار نافرمانوں کے سوا کوئی نہیں کرتا۔(۹۹) یہ لوگ جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں تو ان میں سے ایک جماعت اسے توڑ دیتی ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثر مانتے ہی نہیں۔(۱۰۰) جب ان کے پاس اللہ کا کوئی رسول ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا آیا تو اہل کتاب کے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پیٹھ پیچھے ڈال دیا گویا وہ جانتے ہی نہیں تھے۔“(۱۰۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ مضمون کا تسلسل جس میں یہودیوں کا کردار پیش کیا جارہا ہے۔

اے پیغمبر ﷺ! ہم نے آپ کی طرف واضح ہدایت اور احکامات نازل فرمائے۔ اس کے باوجود یہ لوگ ہدایت کا راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں ہو رہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات میں کوئی الجھاؤ اور پیچیدگی پائی جاتی ہے ایسا ہرگز نہیں ہماری ہدایات تو بدرِ منیر کی طرح روشن اور اس کے دلائل ناقابل تردید ہیں۔ ایسی ہدایات اور مبیّن دلائل کا انکار تو وہی لوگ کرتے ہیں جنہوں نے دانستہ طور پر نافرمانی کا وطیرہ اپنا لیا ہو۔ ان کی تاریخ یہ ہے کہ جب بھی ان سے عہد لیا گیا تو ان کی اکثریت نے اس عہد کو توڑ دیا۔ جب بھی اس وعدے کی یاد دہانی اور تجدیدِ عہد کے لیے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول ان کے پاس آئے تو ان کے ایک طبقہ نے حقائق جاننے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے احکام سے اس طرح روگردانی اور ایسی لاپرواہی کے ساتھ اسے پسِ پشت ڈالا جیسا کہ ان کے پاس کوئی ہدایت پہنچی ہی نہیں۔ انسان کی اخلاقی پستی کی اس وقت انتہا ہو جاتی ہے جب اسے اپنے منہ سے نکلی ہوئی بات کا پاس اور کئے ہوئے وعدہ کا احترام نہ رہے۔

((عَنْ أَنَسٍ ؓ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِلَّا قَالَ لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَّا أَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا

عَهْدَ لَهُ))(رواہ احمد: باب مسند أنس بن مالک [صحیح])

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ہمیں جب بھی خطبہ ارشاد فرمایا آپ نے یہ کلمات ضرور ارشاد فرمائے جو امانت دار نہیں وہ ایماندار نہیں اور جو عہد کا پاسدار نہیں وہ دیندار نہیں۔''

عہد شکن کی سزا:

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُعْرَفُ بِهِ))

(رواه البخاري: باب إذا غصب جارية فزعم أنها ماتت فقضي بقيمة)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہر غدار کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کا انکار کرنا پرلے درجے کی نافرمانی ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے احکام بڑے واضح اور بیّن ہیں۔
۳۔ یہودی پرلے درجے کے عہد شکن اور کتاب اللہ سے پیٹھ پھیرنے والے ہیں۔
۴۔ یہود و نصاریٰ نے تورات و انجیل کو یکسر فراموش کر دیا ہے۔ ۵۔ لوگوں کی اکثریت ہمیشہ ایمان سے تہی دامن ہوا کرتی ہے۔
۶۔ یہود و نصاریٰ اپنے تصدیق کرنے والے کو بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

تفسیر بالقرآن

عہد شکن کون اور اس کی سزا؟

۱۔ کافر عہد کی پروا نہیں کرتا۔ (الانفال: ۵۶) ۲۔ بنی اسرائیل عہد شکن تھے۔ (النساء: ۱۵۵)
۳۔ فاسق عہد شکن ہوتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۷) ۴۔ عہد شکنی کے باعث آدمی ملعون اور اس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔ (المائدۃ: ۱۳)
۵۔ عہد شکن کو آخرت میں عذاب ہوگا۔ (الرعد: ۲۵)
۶۔ عہد شکن اور دغا باز لوگوں سے لڑنے کی اجازت ہے۔ (الانفال: ۵۶، ۵۷)

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا

اورانہوں نے پیروی کی جو پڑھتے تھے شیطان پر بادشاہت سلیمان اور نہ

كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ

کفرکیا سلیمان اورلیکن شیطان (جمع) انہوں نے کفرکیا وہ سکھاتے لوگ جادو

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ

اورجو نازل کیا گیا پر دوفرشتے بابل میں ہاروت اورماروت اورنہ وہ دونوں سکھاتے

مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ

سے کوئی ایک یہاں تک وہ کہہ دیتے صرف ہم آزمائش پس تو کفرنہ کر

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ

سووہ سیکھتے ان دونوں سے جو وہ جدائی ڈالتے اس سے خاوند کے درمیان اوراس کی بیوی

وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ

اورنہیں وہ نقصان پہنچانیوالے اس سے سے کوئی ایک مگر حکم سے اللہ

''اوروہ اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین حضرت سلیمان کی مملکت میں پڑھتے تھے۔سلیمان نے تو کفر نہیں کیا تھا۔یہ کفر تو شیطان کرتے تھے جو لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے جو بابل میں ہاروت وماروت دوفرشتوں پر اتارا گیا۔وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش میں ہیں تو کفر نہ کر۔پھر بھی لوگ ان سے وہ چیزیں سیکھتے جس سے میاں بیوی میں جدائی ڈال دیں اور درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے سوا کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب اپنے باطل نظریات کو ہی انبیاء کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی بد اعمالیاں بھی انبیاء کے ذمہ لگاتے ہیں جیسے کہ انہوں نے جادو کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذمہ لگا رکھا ہے۔

آیت کے پہلے حصے کے بارے میں بنی اسرائیل کی روایات کی بنا پر بعض مفسرین نے بڑی بے ہودہ باتیں درج کی ہیں جن کا عقل ونقل کے ساتھ دور کا بھی واسطہ دکھائی نہیں دیتا البتہ بنیادی اختلاف اہلِ علم کا یہ ہے کہ جو لوگ دوسرے ''ما'' کو نافیہ بناتے ہیں ان کے نزدیک معنٰی یہ بنتا ہے کہ ہاروت اور ماروت فرشتے ہونے کی بجائے شیطان تھے۔جن کے ہاں لفظ ''ما'' موصولہ ہے وہ سمجھتے ہیں کہ جادو فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا۔ہم دونوں تفاسیر پیش کررہے ہیں تاکہ قارئین کو دونوں کا نقطۂ نگاہ سمجھنے میں آسانی ہو۔اہل علم کے نزدیک قرآنِ مجید کا یہ مقام بھی متشابہات میں سے ہے۔

وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ

اور وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچائے اور انہیں نفع نہ دے اور تحقیق وہ جان چکے جس نے یہ خریدا

مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ

نہیں اس کیلئے آخرت میں سے حصہ اور البتہ برا جو انہوں نے بیچا اس سے

اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا

اپنے آپ کو کاش وہ جانتے ہوتے اور اگر بیشک وہ وہ ایمان لاتے اور پرہیز گار بن جاتے

۱۲ ع ۱۲ لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٣﴾ ع

تو جگہ پاتے سے پاس اللہ بہتر کاش وہ ہوتے جانتے

یہ لوگ وہ کچھ سیکھتے تھے جو انہیں نقصان پہنچاتا اور انہیں نفع نہیں دیتا تھا وہ جانتے تھے کہ اس کے خریدار کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور وہ بدترین چیز ہے جس کے بدلے وہ اپنے آپ کو فروخت کر رہے ہیں کاش کہ وہ اسے جانتے۔ (۱۰۲) اگر یہ لوگ صاحب ایمان اور پرہیز کرنے والے ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین ثواب پاتے کاش کہ وہ اسے جان لیتے۔'' (۱۰۳)

تفہیم القرآن:

اس آیت کی تاویل میں مختلف اقوال ہیں مگر جو کچھ میں نے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ جس زمانے میں بنی اسرائیل کی پوری قوم بابل میں قیدی اور غلام بنی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو انسانی شکل میں ان کی آزمائش کے لیے بھیجا ہوگا جس طرح قوم لوط کے پاس فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں گئے تھے، اسی طرح ان اسرائیلیوں کے پاس وہ پیروں اور فقیروں کی شکل میں گئے ہوں گے۔ وہاں ایک طرف انہوں نے بازارِ ساحری میں اپنی دکان لگائی ہوگی اور دوسری طرف وہ اتمامِ حجت کے لیے ہر ایک کو خبردار بھی کرتے ہوں گے کہ دیکھو، ہم تمہارے لیے آزمائش کی حیثیت رکھتے ہیں، تم اپنی عاقبت خراب نہ کرو مگر اس کے باوجود لوگ ان کے پیش کردہ عملیات اور نقوش و تعویذات پر ٹوٹ پڑتے ہوں گے۔ فرشتوں کے انسانی شکل میں آکر کام کرنے پر کسی کو حیرت نہ ہو وہ سلطنتِ الٰہی کے کار پرداز ہیں اپنے فرائضِ منصبی کے سلسلے میں جس وقت جو صورت اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے وہ اسے اختیار کر سکتے ہیں۔ ہمیں کیا خبر کہ اس وقت بھی ہمارے گردو پیش کتنے فرشتے انسانی شکل میں آکر کام کر جاتے ہوں گے۔ رہا فرشتوں کا ایک ایسی چیز سکھانا جو بجائے خود بری تھی، تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے پولیس کے بے وردی سپاہی کسی رشوت خوار حاکم کو نشان زدہ سکّے اور نوٹ رشوت کے طور پر دیتے ہیں تاکہ اسے عین حالتِ ارتکابِ جرم میں پکڑیں اور اس کے لیے بے گناہی کے عذر کی گنجائش باقی نہ رہنے دیں۔

تفسیر ثنائی:

جو ترجمہ میں نے اختیار کیا ہے وہی قرطبی نے پسند کیا ہے چنانچہ تفسیر ابن کثیر اور فتح البیان وغیرہ میں مذکور ہے مولانا

نواب محمد صدیق حسن خان صاحب مرحوم نے بھی نقل کیا ہے بلکہ ترجیح دی ہے کہ ہاروت و ماروت شیاطین سے بدل ہے جس کو دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ شیاطین سے دو شخص ہاروت و ماروت مراد ہیں اگر قرآن مجید کی آیات پر غور کریں تو یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ پہلی آیات میں خدا نے شیاطین کا فعل تعلیم سحر فرمایا ہے۔ ''یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ'' دوسری میں اسی تعلیم سحر کی کیفیت بتلائی ہے یعنی ''وَمَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوْلَآ'' اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دونوں تعلیمات کے معلم ایک ہی ہے یعنی شیاطین، کیونکہ یہ نہایت قبیح اور فصاحت کے خلاف ہے کہ مجمل فعل کے ذکر کے موقع پر تو ایک کو فاعل بتلایا جائے اور تفصیل کے موقع پر کسی اور کو بتلایا جائے۔ رہا یہ سوال کہ یہ مبدل منہ جمع ہے یعنی شیاطین اور بدل تثنیہ ہے یعنی ہاروت ماروت سو اس کا جواب یہ ہے کہ مبدل میں جمعیت باعتبار اتباع کے ہیں اور بدل تثنیہ باعتبار ذات کے ہے۔

ضیاء القرآن:

اس آیت میں دو احتمال ہیں پہلا یہ کہ اس میں ''ما'' نافیہ ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے۔ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہود کا یہ کہنا کہ جادو بھی آسمان سے فرشتوں پر نازل ہوا اور فرشتوں نے ہی ہمیں یہ سکھایا اس لیے یہ بھی صحائف آسمانی کی طرح آسمانی چیز ہے اور مقدس ہے۔ یہود کا یہ کہنا سراسر باطل ہے ''وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ'' فرشتوں پر ہرگز کوئی جادو نازل نہیں کیا گیا۔ ہاروت اور ماروت بدل بعض ہوگا شیاطین سے یعنی شیاطین جن کے سرکردوں کے نام ہاروت اور ماروت ہیں وہ جادو سکھایا کرتے تھے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے ''ہٰذَا أَوْلٰی مَاحملَتْ عَلَیْہِ الْاٰیَۃِ مِنَ التَّاوِیلِ وَ اَصَحَّ مَا قِیْلَ فِیْہَا وَ لَا یَلْتَفِتُ اِلٰی سِوَاہُ'' یعنی آیت کی یہی تاویل کرنا چاہیے۔ یہی سب سے زیادہ صحیح قول ہے اور اس کے علاوہ کسی قول کی طرف التفات نہ کرنا چاہیے واقعی اس تاویل سے کئی شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

لیکن جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ ''مَا اُنْزِلَ'' میں ما موصولہ ہے اور اس کا عطف اِتَّبَعُوْا کے تحت ہے یعنی یہودی فلسطین میں مروج جادو پر بھی عمل پیرا تھے اور جب بخت نصر بیت المقدس کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو جنگی قیدی بنا کر بابل لے گیا تو بجائے اس کے کہ اس کفر و الحاد کی بجائے دنیا میں وہ توحید کی تبلیغ کرتے الٹا وہاں کے لوگوں سے انہوں نے جادو سیکھا اور اس پر بھی عمل پیرا ہوئے۔ اب یہاں یہ خدشہ ہوتا ہے کہ ہاروت و ماروت جو معصوم فرشتے تھے انہیں کیونکر جادو کی تعلیم دینے کے لیے بابل میں اتارا گیا تو اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس وقت ساری دنیا میں خصوصاً بابل کی مملکت میں جادو کا بہت رواج تھا جادو کے زور سے لوگ طرح طرح کے کرشمے دکھاتے جس سے سادہ لوح لوگ دنگ رہ جاتے تھے۔ ان کے نزدیک جادو اور معجزہ میں کوئی فرق نہیں رہ گیا تھا بلکہ وہ جادو کو علم کی ایک مفید ترین شاخ تصور کرنے لگے تھے اور جادو گروں کو مقدس ماننے لگے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے نازل کیے جو لوگوں کو جادو کی اصلیت سے آگاہ کریں تاکہ وہ آسانی سے جادو کی فریب کاری اور معجزہ کی حقیقت میں تمیز کر سکیں اور اگر انہوں نے جادو سیکھ کر اس پر عمل کرنا شروع کر دیا تو یہ ان کی اپنی غلطی تھی فرشتے تو انہیں صاف طور پر بتا دیتے کہ ہمیں تو فقط تمہاری آزمائش کے لیے بھیجا گیا ہے اگر تم نے جادو پر

عمل شروع کر دیا تو خوب سن لو کہ ایمان رخصت ہو جائے گا اور کافر ہو جاؤ گے۔

فہم القرآن:

قرآن مجید یہودیوں کی تاریخ کا تذکرہ کرتے ہوئے بتلاتا ہے کہ یہودی اس قدر دولتِ انصاف سے تہی دامن ہو گئے کہ اپنی حمایت میں آنے والے پیغمبروں کی تائید بھی ان کی طبیعتوں پر گراں اور ناگوار ثابت ہوئی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اس طرح پس پشت ڈالا اور اس حد تک لاپرواہی کا مظاہرہ کیا جیسا کہ کتاب ہدایت کے ساتھ ان کی کبھی نسبت ہی نہیں تھی آسمانی ہدایت سے محروم ہونے کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ جادو اور کفریہ وظائف کرنے لگے اور پھر اس کو عظیم پیغمبر اور منصف ترین حکمران جناب سلیمان علیہ السلام کے دامن پاک پر یہ کہہ کر داغ لگانے کی کوشش کی کہ وہ بھی تو جادو کے ذریعے ہی ہواؤں اور فضاؤں پر حکومت کیا کرتے تھے جس کی وضاحت کرتے ہوئے اس کتاب عظیم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی صفائی پیش کرنے کے ساتھ جادو کی حقیقت بتلائی جا رہی ہے کہ جادو تو کفر ہے اور سلیمان علیہ السلام ہرگز ایسا نہیں کر سکتے تھے۔

بے شک مولانا مودودی رحمہ اللہ اور دیگر مفسرین نے ہاروت اور ماروت سے مراد فرشتے لیے ہیں، لیکن میرا رجحان ان مفسرین کی طرف ہے جنہوں نے ہاروت، ماروت سے مراد شیطان لیے ہیں اس لئے قرآن مجید نے جادو کو کفر قرار دیا ہے کیونکہ کسی کو آزمانے کے لیے کفریہ کلمے کہنے جائز نہیں۔

جادو کی تاریخ:

اہلِ لغت، مفسرین اور محدثین نے تحریر فرمایا ہے کہ جادو ایسا عجیب و غریب علم اور فن ہے جس سے سب سے پہلے لوگوں کی فکر و نظر کو متاثر کیا جاتا ہے اسی بناء پر انبیاء کرام علیہم السلام پر لگنے والے الزامات میں ایک سنگین الزام یہ بھی ہوا کرتا تھا کہ یہ رسول نہیں بلکہ جادوگر ہے۔ انبیاء کے مخالف اسی الزام کی بنیاد پر بہت سے لوگوں کو ان سے دور رکھنے میں کامیاب ہوا کرتے تھے کیونکہ ہر نبی کی گفتگو اس قدر مؤثر اور مدلّل ہوا کرتی تھی جس سے لوگوں کی سوچ کے زاویے تبدیل ہو جایا کرتے تھے اس لیے مخالف یہ کہہ کر لوگوں میں پروپیگنڈا کرتے کہ اس نبی کے قریب ہونے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ اس کی زبان میں جادو ہے۔

جادو کا معنیٰ:

عربی ڈکشنری کے حوالے سے اہل لغت نے سحر کے کئی معانی بیان کیے ہیں۔

سحر ایسا عمل جس کے ذریعے شیطان کی قربت یا اس کی مدد طلب کی جائے۔

الازھری کا خیال ہے کسی چیز کو اس کی اصلیت سے بدل دینے کا نام سحر ہے۔ (تہذیب اللغۃ)

صاحب المعجم الوسیط سحر کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ایسا علم جس کی بنیاد انتہائی لطیف ہو۔

محیط المحیط کے مصنف لکھتے ہیں کہ سحر ایسا فن ہے جس سے کسی چیز کو اس طرح پیش کیا جائے جس سے لوگ ششدر رہ جائیں۔

شریعت کے حوالے سے علماء نے جادو کی مختلف تشریحات کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

”اَلسِّحْرُ هُوَ عَقْدٌ وَرُقیً وَكَلَامٌ يُتَكَلَّمُ بِهٖ اَوْ يَكْتُبُهٗ اَوْ يَعْمَلُ شَيْئًا يُؤَثِّرُ فِيْ بَدَنِ الْمَسْحُوْرِ اَوْ قَلْبِهٖ اَوْ

عَقْلِہٖ"(المغنی لابن قدامہ)

"جادو! گرہ، دم اور ایسی تحریر یا حرکات پر مشتمل ہوتا ہے جس کے ذریعے دوسرے کے وجود اور دل و دماغ پر اثر انداز ہوا جاتا ہے۔"

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ جادو کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَالسِّحْرُ هُوَ مُرَكَّبٌ مِنْ تَأْثِيرَاتِ الْأَرْوَاحِ الْخَبِيثَةِ وَانْفِعَالِ الْقُوَى الطَّبِيعِيَّةِ عَنْهَا"(زادالمعاد)

"جادو خبیث جنات کے ذریعے کیا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ خبیث جنات سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ جس سے لوگوں پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔"

جادو کی اقسام:

مشہور مفسر امام رازی رحمہ اللہ نے جادو کو آٹھ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ ان کی تقسیم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جادوگروں نے اپنے فن کے لیے کون کون سے طریقے ایجاد کر رکھے تھے۔

جادو کوئی مستقل اور مستند علم نہیں کہ جس کو کرنے کے لیے کوئی خاص طریقہ متعین کیا گیا ہو کیونکہ جادو تصنّع بازی کا نام ہے اس لیے ہر دور میں اس کی کرشمہ سازی اور اثر انگیزی میں اضافہ کرنے کے لیے نئے نئے طریقے ایجاد کیے گئے۔ مندرجہ بالا بحث کا خلاصہ:

۱۔ کفریہ، شرکیہ الفاظ کے ہیر پھیر کے ذریعے جادو کرنا۔

۲۔ برے لوگوں، خبیث جنّات اور شیاطین کے ذریعے کسی پر اثر انداز ہونا۔

۳۔ علم نجوم کے ذریعے غیب کی خبریں دینا اور دوسرے کو متاثر کرنا۔

۴۔ توجہ مسمریزم کی مخصوص حرکات، (ہپناٹزم) کے ساتھ حواس خمسہ کو قابو کرنا۔

جادو کے انگلش میں نام:

کالا جادو Black Magic سفید جادو White Magic قوت ارادی Will Power

توجہ مرکوز کرنا oncentrate Pay heed, Pay attention

مسمریزم Spell pound Force to concentrate by magic

توجہ دینا، توجہ دلانا = Focus = Concentrate

جادوگر بننے کے گھٹیا طریقے:

غلط وظائف، بھرپور شعبدہ بازی اور فنی مہارت کے باوجود جادوگر اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک جادوگر اللہ تعالیٰ کی کسی حلال کردہ چیز کو اپنے لیے حرام قرار نہ دے۔ اس کے ساتھ ہی اسے خاص قسم کی غلاظت اور بدترین قسم کا گناہ کرنا پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے جادوگر مرد ہو یا عورت اس سے خاص قسم کی بو آیا کرتی ہے۔ یہ لوگ جسمانی طور پر جس قدر گندے ہوں گے اسی رفتار سے ان کے شیطانی عمل دوسروں پر اثر انداز ہوں گے یہی وجہ ہے کہ ایک جادوگر اپنے شاگرد کو اپنا پیشاب

پینے کا سبق دیتا ہے اور دوسرا پاخانہ کھانے کا حکم دیتا ہے اور کوئی غسلِ واجب سے منع کرتا ہے۔ گویا کہ کوئی نہ کوئی غلاظت اختیار کرنا جادوگر کے لیے ضروری ہے۔ البتہ آج کل لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اس قسم کی باتیں چھپاتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے بغیر جادو اثر انداز نہیں ہوتا۔ بے شک جادہ کتنا اچھا لباس پہنے ہوئے ہو۔ اس طرح ہی جادو کفریہ اور شرکیہ وظائف کے بغیر اثر انداز نہیں ہوتا۔

جادو کی فتنہ انگیزیاں

حضرت موسیٰ علیہ السلام جادو سے خوف زدہ ہو گئے:

{ وَ جَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَ اِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْیُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَ جَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۱۶﴾ } (الاعراف:۱۱۳ تا ۱۱۶)

''جادوگر فرعون کے پاس آ کر کہنے لگے اگر ہم غالب آ گئے تو کیا ہمیں صلہ بھی ملے گا؟ فرعون نے کہا ہاں میرے دربار میں منصب ملیں گے۔ پھر جادوگر کہنے لگے موسیٰ تم پھینکتے ہو یا ہم پھینکیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم ہی ڈالو۔ پھر انہوں نے اپنی رسیاں وغیرہ پھینکیں تو انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور لوگ ان سے دہشت زدہ ہو گئے کیونکہ وہ زبردست جادو کے ساتھ آئے تھے۔''

{ فَاَجْمِعُوْا كَیْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَ قَدْ اَفْلَحَ الْیَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ } (طٰهٰ:۶۴ تا ۶۸)

''اپنی سب تدبیریں جمع کر لو اور متحد ہو کر مقابلہ میں آؤ اور سمجھ لو کہ آج جو غالب رہا وہ جیت گیا۔ کہنے لگے موسیٰ تم ڈالتے ہو یا پہلے ہم ڈالیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تم ہی ڈالو' پھر ان کے جادو کے اثر سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں یک دم دوڑنے لگی ہیں۔ یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں خوف زدہ ہو گئے ہم نے موسیٰ سے کہا: ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے۔''

رسول کریم ﷺ پر جادو کے اثرات:

رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک تقریباً ۶۰ سال ہو چکی تھی یہود و نصاریٰ اور اہل مکہ ہر طرف سے ناکام و نامراد ہو گئے۔ تب اہل یہود نے آپ کی ذات پر جادو کے ذریعے اثر انداز ہونے کی کوشش کی جس کے لیے لبید بن اعصم نے اپنی بہنوں یا بیٹیوں سے مل کر کسی طریقے سے آپ ﷺ کے سر مبارک کے بال حاصل کیے اور ان میں گرہیں ڈالتے ہوئے کھجور کے گابے کا ایک پتلا بنا کر ہر گرہ میں ایک ایک سوئی داخل کر دی اور ان پر جادو کیا۔ اس جادو کے اثرات کی وجہ سے آپ ﷺ کی طبیعت ایک مہینہ تک مضمحل رہی۔ اس تکلیف کے آخری ایام میں آپ بدات کو بھی بے سکونی محسوس کرتے تھے۔ اس کیفیت کو

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس طرح بیان کرتی ہیں کہ جب آپ ﷺ صلح حدیبیہ سے واپس لوٹے تو آپ پر جادو کا شدید ترین حملہ ہوا جس کا آپ کے ذہن پر یہ اثر ہوا کہ آپ خیال کرتے کہ میں یہ کام کر چکا ہوں جبکہ آپ نے وہ کام کیا نہیں ہوتا تھا۔ اس صورتِ حال میں آپ اللہ کے حضور اٹھتے بیٹھتے دعائیں کرتے، بالآخر آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے اس کربناک صورتِ حال سے آگاہ کر دیا گیا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: عائشہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے اس تکلیف سے نکلنے کی تدبیر بتا دی ہے۔ اب میں اس سے شفایاب ہو جاؤں گا وہ اس طرح کہ میرے پاس خواب میں دو فرشتے آئے ان میں ایک میرے سر کی طرف اور دوسرا پاؤں کی طرف کھڑا ہوا۔ ایک نے دوسرے سے میری تکلیف کے بارے میں پوچھا۔ وہ جواب دیتا ہے۔ آپ ﷺ کو جادو ہو گیا ہے۔ پہلے نے پوچھا جادو کس نے کیا؟ دوسرے نے جواب دیا لبید بن اعصم یہودی نے۔ وہ پوچھتا ہے کہ کس چیز سے جادو کیا گیا ہے؟ دوسرے نے کہا آپ ﷺ کے بالوں اور نر کھجور کے خوشے میں کیا گیا ہے۔ یہ کہاں رکھا گیا ہے؟ فلاں ویران کنویں میں رکھا ہوا ہے۔

اس خواب کے بعد رسول اللہ ﷺ چند صحابہ کے ساتھ اس کنویں پر تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ اس کنویں کے درختوں سے بھی خوف محسوس ہوتا تھا۔ جب وہ پتلا وہاں سے نکالا گیا تو حضرت جبرائیل امین تشریف لائے انہوں نے بالوں کی گرہیں کھولنے اور جادو کے اثرات ختم کرنے کے لیے فرمایا آپ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی ایک ایک آیت پڑھتے جائیں یہ گیارہ آیات ہیں اس طرح گیارہ گرہیں کھولتے ہوئے سوئیاں نکال دی جائیں۔ آپ کی نگرانی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا کیا تو آپ ﷺ کی طبیعت اس طرح ہشاش بشاش ہوگئی جس طرح کسی جکڑے ہوئے انسان کو کھول دیا جائے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کا معمول تھا کہ رات سوتے وقت ان سورتوں کی تلاوت کر کے جہاں تک آپ کے ہاتھ پہنچتے اپنے آپ کو دم کیا کرتے تھے جس کی تفصیل معوذات کے باب میں بیان کی جائے گی۔ (رواہ البخاری: کتاب الطب، باب السحر)

اس واقعہ پر ہونے والے اعتراضات اور ان کے جوابات:

غیر مسلم اور منکرین حدیث اس واقعہ پر اعتراضات کرتے ہوئے درج ذیل سوالات اور شبہات پیدا کرتے ہیں:

اعتراض:

آپ ﷺ پر جادو کے اثرات تسلیم کر لیے جائیں تو کفار کے اس اعتراض کا جواب دینا مشکل ہوگا۔

{ وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۸ } (الفرقان:۸)

''اور ظالموں نے کہا کہ تم صرف ایک جادو کے مارے ہوئے آدمی کی پیروی کرتے ہو۔''

جواب:

۱۔ اہل مکہ نے آپ ﷺ پر جادو ہونے کا الزام نبوت کے ابتدائی دور میں لگایا تھا اور یہ واقعہ مدینہ طیبہ میں صلح حدیبیہ کے بعد نبوت کے بیسویں سال پیش آیا یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی شخص نے اپنی تائید کے لیے اوپر دلیل کو پیش نہیں کیا۔

۲۔ نبی پر جادو ہونا ناممکن نہیں کیونکہ آپ ﷺ زندگی میں بیمار بھی ہوئے اور غزوہ احد میں زخمی بھی ہوئے تھے بحیثیت

انسان زندگی میں آپ کو متعدد بار روحانی پریشانیاں اور جسمانی تکالیف بھی اٹھانی پڑی تھیں۔لہٰذا آپ ﷺ پر جادو کا اثر انداز ہونا عقل وفکر اور فطرت کے خلاف نہیں۔

۳۔جادو کے اثرات نبوت کے امور پر اثر انداز نہیں ہوئے تھے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کار نبوت کی ادائیگی کا ذمہ لیا ہوا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس تکلیف کے دوران کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے کوئی مسئلہ پہلے سے الٹ بیان کر دیا ہو۔

جادو، ٹونے کا شرعی علاج

جو شخص جادو یا جنات کے اثرات محسوس کرے اسے درج ذیل اقدامات کرنے چاہییں۔کیونکہ دین نے ایسا کرنے کی رہنمائی فرمائی ہے۔

طہارت کا اہتمام:

طہارت اور صفائی کا خصوصی اہتمام کیا جائے اور ہر وقت باوضو رہنا سنّت بھی ہے اور مفید بھی۔

خوشبو کا استعمال:

خوشبو سنت سمجھ کر لگائیں گے تو دنیا میں شفا اور آخرت میں جزا ملے گی۔

تلاوتِ قرآن مجید اور کثرتِ ذکر:

ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہنا چاہیے خاص کر گھر میں قرآن مجید کی تلاوت اور نوافل پڑھنا۔یاد رکھیے کہ قرآن مجید کی تلاوت کم از کم اتنی آواز میں ہونی چاہیے کہ پڑھنے والے کو قرآن مجید کے الفاظ سنائی دیں۔

دَم:

سورۃ البقرۃ، آیت الکرسی اور آخری تین سورتیں یعنی معوذات کے ساتھ صبح، شام تین تین مرتبہ پڑھ کر اپنے آپ کو دم کرنا سنت ہے۔

مسلسل دُعا:

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سُحِرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى أَنَّهُ لَيُخَيَّلُ لَهُ))

(رواہ احمد: باب مسند عائشہ رضی اللہ عنہا [صحیح])

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ پر جب جادو ہوا تو آپ بار بار اللہ تعالیٰ سے جادو کے اثرات کو ختم کرنے کی دعا کرتے تھے۔لہٰذا ایسی صورت حال میں مریض کو اٹھتے بیٹھتے ہر وقت دل اور زبان سے اللہ تعالیٰ کے حضور اس مصیبت سے نجات کی التجائیں کرنی چاہییں۔“

اذان دینا:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ))

(رواہ البخاری: باب فضل التأذین)

''اثرات زدہ گھر میں اذان کہنی چاہیے کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ اذان سن کر شیطان دُور بھاگ جاتا ہے۔''

لعنت بھیجنا:

جادو کرنے ،کروانے والے اور شیطان کو ذہن میں رکھتے ہوئے کثرت کے ساتھ درج ذیل الفاظ پڑھنا چاہئیں کیونکہ جب نماز کی حالت میں ایک جن نے آگ کا بگولہ آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کے قریب کیا تھا تو آپ نے اس پر یہ الفاظ کہے تھے۔

((عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَسَمِعْنَاهُ يَقُولُ أَعُوذُ بِاللهِ مِنْكَ ثُمَّ قَالَ أَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللهِ))(رواہ مسلم:باب جَوَازِ لَعْنِ الشَّيْطَانِ فِي أَثْنَاءِ الصَّلَاةِ وَالتَّعَوُّذِ مِنْهُ ...)

آپ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی لعنت کرنے والا لعنت کرتا ہے اگر واقعتاً مظلوم ہے تو اس کی لعنت ظالم پر ضرور اثر انداز ہو گی۔''عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَآئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ''تفصیل کے لیے دیکھیے میری کتاب جادو کی تباہ کاریاں

((عَنِ الْقَعْقَاعِ اَنَّ كَعْبَ الْاَحْبَارِ رضی اللہ عنہ قَالَ لَوْلَا كَلِمَاتٌ اَقُوْلُهُنَّ لَجَعَلَتْنِيْ يَهُوْدُ حِمَارًا فَقِيْلَ لَهُ مَاهُنَّ قَالَ اَعُوْذُ بِوَجْهِ اللهِ الْعَظِيْمِ الَّذِيْ لَيْسَ شَيْئٌ اَعْظَمَ مِنْهُ وَبِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَاتِ الَّتِيْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ وَبِاَسْمَاءِ اللهِ الْحُسْنٰى مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَالَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَءَ وَبَرَءَ)) (رواہ مالک:باب مایؤمر بالتعوذ[صحیح])

''حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں یہ دعا نہ پڑھتا ہوتا تو یہودی مجھے گدھا بنا دیتے۔حضرت کعب سے ان کلمات کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا وہ کلمات یہ ہیں : میں پناہ چاہتا ہوں تیرے عظیم چہرے کی بدولت جس سے بڑھ کر کوئی عظیم چیز نہیں اور اللہ کے ان کامل کلمات کے ساتھ جن سے کوئی نیک و فاجر سبقت نہیں لے جا سکتا اور اللہ کے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ جو میں جانتا ہوں اور جو میں نہیں جانتا ہر اس چیز کی شر سے جسے اس نے پیدا کیا اور پھیلایا یا جس کے پاس سے میرا گزر ہوتا ہے۔''

مسائل

١۔ جادو کرنا اور سیکھنا کفر ہے۔ ٢۔جادوگر شیطان سے مدد طلب کرتا ہے۔

٣۔ جادو بذاتِ خود کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ٤۔جادوگر قیامت کے دن عذاب سے دو چار ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

جادو کیا ہے؟:

١۔ جادو کفر ہے۔(البقرۃ:١٠٢) ٢۔جادو کی اصلیت نہیں ہوتی۔(الاعراف:١١٦)

٣۔ جادو شیاطین کے ذریعے ہوتا ہے۔(البقرۃ:١٠٢) ٤۔جادوگر کامیاب نہیں ہوتا۔(طٰہٰ:٦٩)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا

اے وہ لوگ جوایمان لائے نہ کہو راعنا اورکہو

انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

انظرنا اورسنو اورکافروں کیلئے عذاب دردناک

''اے ایمان والو! تم اپنے (نبی) کو ''راعنا'' نہ کہو۔ بلکہ ''انظرنا'' کہو یعنی ہماری طرف دیکھئے اور سنتے رہا کرو اور کافروں کے لیے درد ناک عذاب ہے۔'' (۱۰۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہودی جبریلِ امین، حضرت سلیمان علیہ السلام اور پہلے انبیاء کے بدترین گستاخ تھے اور ہیں اسی عادتِ خبیثہ کی وجہ سے نبی آخر الزماں ﷺ کی گستاخیاں کیا کرتے ہیں جس کی سزا جہنم قرار دی گئی ہے۔

ہر زبان میں کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو دوسری زبان سے ملتے جلتے اور ہم آواز ہوتے ہیں۔ عربی کے جو الفاظ عبرانی زبان سے مشابہت اور مماثلت رکھتے ہیں ان میں ایک لفظ ''رَاعِنَا'' ہے۔ جس کو ذرا کھینچ کر ادا کیا جائے تو اس کے معانی بنتے ہیں احمق، اجڈ اور چرواہا۔ مسلمانوں کی عزت، اسلام کی عظمت ورفعت اور نبی محترم ﷺ کے احترام واکرام میں روز افزوں اضافہ دیکھ کر یہودی اپنے دلوں میں کڑھتے اور جلتے رہتے اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے وہ کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں آپ کی مجلس میں آتے تو آپ کی گفتگو کے دوران ''رَاعِنَا'' کا لفظ استعمال کرکے یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے کہ ہم آپ کی بات کو سمجھ نہیں سکے۔ بسا اوقات فہم کلام کے لیے مسلمان بھی آپ کی خدمت میں ''رَاعِنَا'' عرض کرتے لیکن دونوں کی ادائیگی اور نیت میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔ صحابہ کا مقصد یہ تھا کہ رسول کریم ﷺ تھوڑا سا توقف فرمائیں تاکہ آپ کا ارشاد سمجھنے میں آسانی ہو۔ یہودی گستاخی کے انداز میں بولتے اور بعد ازاں اپنی مجلسوں میں مسلمانوں کا مذاق اڑاتے کہ دیکھو ان کا نبی اور یہ لوگ کس قدر نادان اور بیوقوف ہیں کہ انہیں اس لفظ کا مفہوم سمجھ نہیں آتا۔ اس موقع پر ارشادِ خداوندی نازل ہوا کہ اے مسلمانو! اب کے بعد اس ذومعنیٰ لفظ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دو۔ اس کی بجائے ''اُنْظُرْنَا'' کا لفظ استعمال کیا کرو جس کا معنیٰ ہے اے رسول کریم ﷺ ہماری طرف نظرِ التفات فرمائیں۔ پھر جو کچھ آپ کی زبان اقدس سے الفاظ جاری ہوں انہیں پوری توجہ اور اخلاص کے ساتھ سنا کرو۔

''وَاسْمَعُوْا'' کا لفظ استعمال فرما کر یہ اشارہ بھی دیا کہ دورانِ خطاب متکلم کو ٹوکنا سننے والے کی عدم توجہ کی دلیل ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا سامع کا فرض ہے کہ وہ دوسرے کے کلام کو ایسے انہماک کے ساتھ سنے کہ حتی الوسع اسے استفسار کرنے کی حاجت پیش نہ آئے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے کلام کو عدمِ توجہ اور بدنیتی کے ساتھ سننے کی بجائے ہمہ تن گوش ہوکر سننا اور ماننا چاہیے۔ یہ بھی انتباہ فرمایا کہ رسولِ خدا کی گستاخی کرنا کفر ہے۔

یہودی انبیاء کے گستاخ

نوح علیہ السلام اور شراب:

بائبل میں لکھا ہے کہ ’’اس نے مے پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہو گیا۔‘‘ اس کے بیٹے حام نے انہیں اس حالت میں دیکھا۔ (پیدائش ۹:۶، ۹:۲۰-۲۲)

لوط علیہ السلام اور ان کی بیٹیاں:

بائبل کے بیان کے مطابق، لوط علیہ السلام کی دو سگی بیٹیوں نے انہیں شراب پلائی اور پھر باری باری ان سے ہم آغوش ہوئیں۔ (نعوذ باللہ) حتی کہ لوط علیہ السلام کی یہ دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں اور ان سے ایک ایک بیٹا پیدا ہوا۔ (پیدائش ۱۹: ۳۰-۳۸)

حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹوں پر الزام:

بائبل کے بیان کے مطابق، داؤد کا بیٹا امنون بھی عشق اور زنا کاری کے مرحلہ سے گزرا اور اس نے یہ کام اپنی سوتیلی بہن تمر سے کیا۔ اس نے مقصد بر آری کے لیے فریب اور جھوٹ سے کام لیا اور دھوکہ سے بہن کو الگ کمرہ میں بلا کر اس سے زبردستی کی۔ داؤد نے یہ سب سنا تو ’’نہایت غصہ ہوا‘‘ مگر امنون کو پورے دو سال تک کوئی سزا نہ ملی۔ یہاں تک کہ داؤد کے ایک دوسرے بیٹے اور تمر کے سگے بھائی ابی سلوم نے دھوکہ سے امنون کو مروا کر اپنی بہن کا بدلہ لے لیا۔ (سموئیل۔ باب ۱۳)

حضرت سلیمان علیہ السلام پر شرک کا الزام:

’’سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے محبت کرنے لگا اور اس کے پاس سات سو شہزادیاں اور تین سو حرمیں تھیں اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیا اور اس کا دل خداوند کے ساتھ کامل نہ رہا، جیسا کہ اس کے باپ داؤد کا دل تھا سلیمان نے خداوند کے آگے بدی کی اور اس نے خداوند کی پوری پیروی نہ کی جیسی اس کے باپ داؤد نے کی تھی۔ (سلاطین ۱۱:۱-۴)

گستاخ اور شاتم رسول کی سزا

نبی کریم ﷺ کی عظمت وتکریم مسلمان کے ایمان کا بنیادی جزو ہے۔ آپ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والا آخرت میں سخت ترین عذاب میں مبتلا ہو گا اور دنیا میں واجب القتل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے اور اسلام کے بے شمار دشمنوں کو معاف فرما دیا لیکن چند بدبختوں کے بارے میں فرمایا کہ اگر وہ کعبہ کے پردوں سے چمٹ جائیں تو بھی انہیں قتل کر دیا جائے۔ یہ فرمان ذاتی انتقام پسندی کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ آپ ﷺ کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گواہی ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ شاتم رسول دوسروں کے دلوں سے عظمت واحترام رسول گھٹانے کی کوشش کرتا اور ان میں کفر ونفاق کے بیج بوتا ہے۔ اس لیے توہین رسول کو برداشت کر لینا، ایمان سے ہاتھ دھونے اور دوسروں کے ایمان چھن جانے کا

راستہ کھولنے کرنے کے مترادف ہے۔ نیز رسالت مآب ﷺ چونکہ ہر زمانے کے مسلمانوں کی محبت عقیدت کا مرکز ومحور ہے اوراس کے بغیر مسلمان کا ایمان اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہے اس لیے جو زباں رسول اللہ ﷺ پر طعن کے لیے کھلتی ہے۔ اگر اسے کاٹا نہ جائے اور جو قلم آپ کی گستاخی کے لیے اٹھتا ہے اگر اسے توڑا نہ جائے تو اسلامی معاشرہ اعتقادی وعملی فساد کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔ نبی کریم ﷺ کو نازیبا الفاظ کہنے والا امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے الفاظ میں ساری امت کو گالی دیتا ہے نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کے ایمان اور غیرت کی خاطر گستاخی کرنے والے کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی کتاب ''اَلصَّارِمُ المسلُوْلُ عَلٰی شَاتِمِ الرَّسُوْلِ'' میں فرماتے ہیں کہ آئمہ اہلحدیث امام احمد رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک شاتم رسول کی توبہ اسے قتل کی سزا سے نہیں بچاسکتی جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ سے اس سلسلہ میں توبہ کے قبول وعدم قبول کے دونوں قول منقول ہیں۔ البتہ امام ابوجعفر رحمہ اللہ کے نزدیک اگر وہ سزا سے پہلے توبہ کرے تو سزا سے بچ سکتا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اکثر محدثین اور فقہا کی طرح اس بات کے قائل ہیں کہ شاتم رسول توبہ کے باوجود قتل کی سزا کا مستحق ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں اپنی کتاب کے مختلف مقامات پر جو دلائل دیے ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱)۔ شاتمِ رسول فساد فی الارض کا مرتکب ہوتا ہے اور اس کی توبہ سے اس بگاڑ کی تلافی نہیں ہوسکتی جو اس نے لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا ہے۔

(۲)۔ اگر توبہ کی وجہ سے سزا نہ دی جائے تو اس سے دوسرے بدبختوں کو جرأت ہوگی کہ وہ جب چاہیں توہین رسول کا ارتکاب کریں اور جب چاہیں توبہ کر کے سزا سے بچ جائیں۔ اس طرح غیروں کو موقع ملے گا کہ وہ مسلمانوں کی غیرت ایمانی کو بازیچۂ طفلاں بنالیں گے۔

(۳)۔ نبی کریم ﷺ کی اہانت وتحقیر کے جرم کا تعلق حقوق اللہ سے بھی ہے اور حقوق العباد سے بھی۔ حقوق اللہ اللہ تعالیٰ چاہے معاف کردے مگر حقوق العباد میں زیادتی اس وقت تک معاف نہیں ہوتی جب تک متعلقہ مظلوم اسے معاف نہ کرے۔ نبی اکرم ﷺ اپنی حیاتِ مبارکہ میں اگر کسی کا یہ جرم معاف کرنا چاہتے تو کرسکتے تھے۔ مگر اب اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ امت مسلمہ یا مسلمان حاکم آپ ﷺ کی طرف سے نیابۃً اس جرم کو معاف کرنے کا حق نہیں رکھتے۔

(۴)۔ قتل، زنا، سرقہ جیسے جرائم کے بارے میں بھی اصول یہی ہے کہ ان کا مجرم سچی توبہ کرنے سے آخرت کی سزا سے بچ سکتا ہے، مگر دنیاوی سزا سے نہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ قاتل، زانی یا چور گرفتار ہوجائے اور کہے کہ میں نے جرم تو کیا ہے مگر اب توبہ کرتا ہوں تو اسے چھوڑ دیا جائے اسے ہر صورت سزا دی جائے گی۔ اسی طرح شاتم رسول کا مرتکب بھی جرم کے بعد توبہ کا اظہار کرے تو دنیاوی سزا سے نہیں بچ سکتا اور اس کا جرم مذکورہ جرائم سے زیادہ سنگین ہے۔

گستاخِ رسول کے بارے میں احکامات

{اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا

مُّهِيْنًا﴿۵۷﴾ } (الاحزاب:۵۷)

''بے شک جولوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو تکلیف دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا وآخرت میں ان پر لعنت ہے اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

گستاخ رسول کا قتل:

((عَنِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما اِنَّ أَعْمٰی کَانَتْ لَہٗ اُمُّ وَلَدٍ تَشْتُمُ النَّبِیَّ ﷺ وَ تَقَعُ فِیْہِ فَیَنْہَا ھَا فَلَا تَنْتَہِيْ وَیَزْجُرُھَا فَلَا تَنْزَجِرُ فَلَمَّا کَانَتْ ذَاتَ لَیْلَۃٍ جَعَلَتْ تَقَعُ فِی النَّبِیِّ ﷺ وَتَشْتُمُہٗ فَاخَذَا لْمِغْوَلَ فَوَ ضَعَہٗ فِیْ بَطْنِھَا وَاتَّکَأَ عَلَیْھَا فَقَتَلَھَا فَلَمَّا أَصْبَحَ ذُکِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ ﷺ فَجَمَعَ النَّاسَ فَقَالَ اُنْشِدُ رَجُلًا فَعَلَ مَا فَعَلَ لِيْ عَلَیْہِ حَقٌّ اِلَّا قَامَ قَالَ فَقَامَ الْاَعْمٰی یَتَخَطَّی النَّاسَ وَھُوَ یَتَدَلْدَلُ حَتّٰی قَعَدَبَیْنَ یَدَيِ النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا صَاحِبُھَا کَانَتْ تَشْتُمُكَ وَتَقَعُ فِیْكَ فَاَنْھَاھَا فَلَا تَنْتَھِيْ وَأَزْجُرُھَا فَلَا تَنْزَجِرُ وَلِيْ مِنْھَا اِبْنَانِ مِثْلُ اللُّؤْلُؤَتَیْنِ وَکَانَتْ بِیْ رَفِیْقَۃً فَلَمَّا کَانَ الْبَارِحَۃُ جَعَلَتْ تَشْتُمُكَ وَتَقَعُ فِیْكَ فَاخَذْتُ الْمِغْوَلَ فَوَضَعْتُہٗ فِیْ بَطْنِھَا وَاتَّکَأْتُ عَلَیْہِ حَتّٰی قَتَلْتُھَا فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَلَا أَشْھِدُوْا أَنَّ دَمَھَا ھَدَرٌ)) (رواہ ابو داؤد: کتاب الحدود باب الحکم فیمن سب النبی [صحیح])

''ایک اندھے شخص کی ایک ام ولد لونڈی تھی جو رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی وہ اسے منع کرتا۔ وہ گالیاں دینے سے باز نہیں آتی تھی وہ اسے جھڑکتا تھا۔ مگر وہ نہ رکتی تھی۔ ایک رات اس لونڈی نے رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دینا شروع کیں تو نابینا صحابی نے ایک چھرا لے کر اس کے پیٹ میں پیوست کرتے ہوئے اسے زور سے دبایا جس سے وہ مرگئی۔ صبح اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوا تو آپ نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا۔ میں اس آدمی کو قسم دیتا ہوں جس نے کیا، جو کچھ کیا۔ میرا اس پر حق ہے کہ وہ کھڑا ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سن کر ایک نابینا صحابی کھڑا ہوا۔ اضطراب کی کیفیت میں لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا نبی اکرم ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! میں اسے منع کرتا تھا مگر وہ اس کی پروا نہیں کرتی تھی۔ اس کے بطن سے میرے دو ہیروں جیسے بیٹے ہیں اور وہ میری رفیقۂ حیات تھی۔ گزشتہ رات جب وہ آپ کو گالیاں دینے لگی تو میں نے چھرا لے کر اس کے پیٹ میں پیوست کرتے ہوئے اسے زور سے دبایا یہاں تک کہ وہ مرگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے گفتگو سننے کے بعد فرمایا تم گواہ رہنا کہ اس عورت کا خون رائیگاں ہوا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ سَبَّ الْاَنْبِیَاءَ قُتِلَ وَمَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ جُلِدَ))

(رواہ الطبرانی فی الصغیر صفحہ ۲۳۶ جلد ۱ [ضعیف])

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے نبی ﷺ کو گالی دی اسے قتل کیا جائے اور جس نے اس کے صحابہ کو گالی دی اسے کوڑے مارے جائیں۔''

مشرک گستاخِ رسول کا قتل:

((اِنَّ رَجُلًا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ شَتَمَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ يَكْفِيْنِيْ عَدُوِّيْ فَقَامَ الزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ فَقَالَ اَنَا فَبَارَزَهٗ فَاَعْطَاهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ سَلَبَهٗ))(الصارم المسلول ۱۷۷)

''مشرکین میں سے ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو گالی دی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے اس دشمن کی کون خبر لے گا؟ تو حضرت زبیر بن عوام کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا سامان زبیر کو دے دیا۔''

ابولہب کا عبرت ناک انجام:

سورۃ لہب کے نزول پر ابھی آٹھ سال ہی گزرے تھے کہ جنگ بدر میں بڑے بڑے سرداران قریش مارے گئے۔ مکہ میں بدر کی شکست کی اطلاع پہنچی تو سب سے زیادہ دکھ اور رنج ابولہب کو ہوا۔ یہ اسی صدمے اور رنج میں بیمار پڑ گیا۔ ساتویں روز بیماری کوڑھ کی شکل اختیار کر گئی۔ جس وجہ سے اس کے گھر والوں نے اسے چھوڑ دیا اور اس کے بیٹوں نے اس کے ساتھ کھانا پینا ترک کر دیا۔ بالآخر وہ نہایت بے کسی کی موت مرا۔ مرنے کے بعد بھی اس کے بیٹے اس کے قریب نہ گئے یہاں تک کہ اس کی لاش سے بو پھیلنے لگی۔ تب لوگوں نے اس کے بیٹوں کو طعنے دیے تو انہوں نے ایک حبشی کو مزدوری دی۔ جس نے گڑھا کھودا اور لکڑی سے لاش کو دھکیل کر گڑھے میں پھینکا اور مٹی ڈال دی۔

گستاخِ رسول کو قبر نے باہر پھینک دیا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كَانَ رَجُلٌ نَصْرَانِيًّا فَاَسْلَمَ وَقَرَأَ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ فَكَانَ يَكْتُبُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَعَادَ نَصْرَانِيًّا فَكَانَ يَقُوْلُ مَا يَدْرِيْ مُحَمَّدٌ اِلَّا مَا كَتَبْتُ لَهٗ فَاَمَاتَهُ اللهُ فَدَفَنُوْهُ فَاَصْبَحَ وَقَدْ لَفَظَتْهُ الْاَرْضُ فَقَالُوْا هٰذَا فِعْلُ مُحَمَّدٍ وَاَصْحَابِهٖ لَمَّا هَرَبَ مِنْهُمْ نَبَشُوْا عَنْ صَاحِبِنَا فَاَلْقَوْهُ فَحَفَرُوْا لَهٗ فَاَعْمَقُوْا فَاَصْبَحَ وَقَدْ لَفَظَتْهُ الْاَرْضُ فَقَالُوْا هٰذَا فِعْلُ مُحَمَّدٍ وَاَصْحَابِهٖ نَبَشُوْا عَنْ صَاحِبِنَا لَمَّا هَرَبَ مِنْهُمْ فَاَلْقَوْهُ فَحَفَرُوْا لَهٗ وَاَعْمَقُوْا لَهٗ فِي الْاَرْضِ مَا اسْتَطَاعُوْا فَاَصْبَحَ وَقَدْ لَفَظَتْهُ الْاَرْضُ فَعَلِمُوْا اَنَّهٗ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ فَاَلْقَوْهُ))(رواہ البخاری: کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام)

''ایک شخص عیسائی تھا وہ مسلمان ہو گیا سورۃ بقرۃ اور آل عمران پڑھ چکا تھا وہ کاتب وحی تھا۔ پھر وہ مرتد ہو کر عیسائی

ہو گیا اور کہنے لگا کہ محمد ﷺ کے لیے جو کچھ میں نے لکھ دیا ہے اس کے سوا اسے کچھ معلوم نہیں۔ اس کی موت واقع ہو گئی تو اس کے ساتھیوں نے اسے دفن کیا۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ اس کی لاش قبر کی بجائے زمین کے اوپر پڑی ہے۔ عیسائیوں نے کہا کہ یہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کا کام ہے چونکہ ان کا دین اس نے چھوڑ دیا تھا۔ اس لیے انہوں نے قبر کھود کر لاش کو باہر پھینک دیا ہے۔ چنانچہ دوسری قبر کھودی جو بہت گہری تھی لیکن جب صبح ہوئی تو پھر لاش باہر تھی۔ اس مرتبہ بھی انہوں نے یہی کہا کہ یہ محمد اور ان کے ساتھیوں کا کام ہے چونکہ ان کا دین اس نے چھوڑ دیا تھا اس لیے اس کی قبر کھود کر انہوں نے لاش باہر پھینک دی ہے۔ پھر انہوں نے قبر کھودی جتنی گہری ان کے بس میں تھی اور اس میں ڈال دیا لیکن جب صبح ہوئی تو پھر لاش باہر پڑی تھی۔ اب انہیں یقین ہو گیا کہ یہ کسی انسان کا کام نہیں بلکہ یہ آدمی عذاب خداوندی میں گرفتار ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسے یونہی زمین پر پھینک دیا۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

''كُلُّ مَنْ شَتَمَ النَّبِيَّ ﷺ اَوْ تَنَقَّصَهٗ مُسْلِمًا كَانَ اَوْ كَافِرًا فَعَلَيْهِ الْقَتْلُ وَأَرٰى اَنْ يُقْتَلَ وَلَا يُسْتَتَابُ''

(الصارم المسلول: ۳۳)

''جو آدمی نبی ﷺ کو گالی دیتا ہے یا آپ کی شان میں گستاخی کرتا ہے وہ مسلمان ہو یا کافر اس کا قتل کرنا واجب ہے اور میری رائے یہ ہے کہ اسے توبہ کرنے کی مہلت نہ دی جائے بلکہ فوراً قتل کر دیا جائے۔''

امام مالک رحمہ اللہ:

خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالک رحمہ اللہ سے نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والے کے بارے میں پوچھا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:

''مَابَقَاءُ الْاُمَّةِ بَعْدَ شَتْمِ نَبِيِّهَا'' (الشفاء للقاضی عیاض: ۲/۲۳۳)

''اس امت کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں جس کے نبی کو گالیاں دی جائیں۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ:

''اِنَّ مَنْ سَبَّ النَّبِيَّ ﷺ مِنْ مُسْلِمٍ اَوْ كَافِرٍ فَاِنَّهٗ يَجِبُ قَتْلُهٗ هٰذَا مَذْهَبُ عَامَّةِ اَهْلِ الْعِلْمِ''

(الصارم المسلول: ۳۱)

''جو آدمی نبی ﷺ کو گالی دے خواہ مسلمان ہو یا کافر اس کو قتل کرنا واجب ہے۔''

ستمبر ۲۰۰۵ء میں ڈنمارک کے بدنامِ زمانہ صحافی نے رسولِ محترم ﷺ کے خاکے شائع کیے جس سے تو پورے عالم اسلام میں ایسا اضطراب پیدا ہوا کہ مسلمان تڑپ اٹھے اور پوری دنیا میں جلوس، ہڑتالیں اور بے مثال مظاہرے ہوئے اس

میں سعودی عرب نے ہراول دستے کا کردار ادا کیا۔

ڈنمارک کے گستاخانہ عمل کی وجہ سے سعودی عرب نے عالم اسلام کی ترجمانی کرتے ہوئے ۲۶ جنوری کو ڈنمارک سے اپنا سفیر واپس بلالیا اور سعودی عرب سے ڈنمارک کی اشیاء کے بائیکاٹ کا آغاز ہوگیا جو تمام عرب ریاستوں، مصر، لیبیا، ایران اور دوسرے مسلمان ممالک تک پھیل گیا۔

۴ فروری کو پاکستان نے ڈنمارک، ناروے، فرانس، جرمنی، اٹلی، سپین، سوئٹزرلینڈ، ہنگری، ہالینڈ اور جمہوریہ چیک ری پبلک کے سفیروں کو طلب کرکے گستاخانہ خاکوں کے خلاف شدید احتجاج کیا۔

پاکستان نے خاکوں کے شائع کرنے والے ممالک سے ادویات درآمد کرنے پر پابندی لگادی، فرانس اور ڈنمارک کی چار میڈیسن کمپنیوں کی تقریباً ایک سو گیارہ ادویات پاکستانی میڈیکل سٹورز پر فروخت کی جاتی تھیں۔ڈاکٹرز صاحبان نے ان ادویات کے بجائے متبادل ادویات تجویز کردیں۔

شام، لبنان اور لیبیا میں ڈنمارک کے سفارت خانوں کو آگ لگادی گئی۔مسلم ممالک نے ڈنمارک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کردیا۔بس جس ملک سے جو بن پڑا اور جس دینی، سیاسی اور رفاہی تنظیم سے جو ہوسکا اس نے اپنی اسلامی غیرت کا ثبوت فراہم کرکے اپنے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔جس کو دیکھ کر عالم کفر کے بعض حکمرانوں اور اخبارات کے ایڈیٹرز اور مالکان نے معذرت کا رویہ اپنایا جن میں چند ایک یہ ہیں:

ناروے کے اخبار کے ایڈیٹرانچیف ''دیجیوان سیلبک'' نے معافی مانگی جس کو ناروے کی اسلامی کونسل نے قبول کرلیا۔

فرانس کے اخبار کے مالک نے ایڈیٹر کو نوکری سے برطرف کردیا۔

۳۱ جنوری کو ڈنمارک کے اخبار نے معافی نامہ جاری کیا اور دنیا بھر کے مسلمانوں سے معافی مانگی۔

مسائل

۱۔ ذومعنی لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ ۲۔کلام اللہ اور حدیث رسول توجہ کے ساتھ سننی چاہیے۔

۳۔ رسولِ محترم ﷺ کا گستاخ کافر اور واجب القتل ہے۔

❀❀❀

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ

نہیں چاہتے وہ لوگ انہوں نے کفر کیا سے اہل کتاب اور نہ مشرک (جمع) یہ کہ نازل کی جائے تم پر سے

خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

خیر سے تمہارا رب اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کیساتھ جسے چاہتا ہے اور اللہ فضل والا بڑا

''نہ تو اہل کتاب کے کافر اور نہ ہی مشرکین چاہتے ہیں کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی بھلائی نازل ہو اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص فرمائے اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔'' (۱۰۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب کی ساری خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ وہ کسی طرح بھی مسلمانوں کو ملنے والی بھلائی کو پسند نہیں کرتے اس کے لیے وہ ہر جرم کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ نبی آخر الزمان ﷺ کی شان میں گستاخیاں بھی کرتے رہتے ہیں۔

قرآنِ مجید مسلمانوں کو بار بار باور کرواتا ہے کہ اہلِ کتاب اور مشرکوں کو اپنا خیر خواہ اور دوست نہ سمجھو کیونکہ ان کی سرتوڑ کوشش اور دلی خواہش ہے کہ مسلمانوں کو کوئی بھلائی حاصل نہ ہو سکے۔ اسی منفی سوچ کے پیشِ نظر وہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جائے۔ حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ اہلِ کتاب مذہب کے دعوے دار ہونے کے پیشِ نظر مسلمانوں کے ہمدرد اور ان کے قریب ہوتے لیکن ان کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ یہ لوگ ہر آڑے وقت میں مسلمانوں کا ساتھ دینے کی بجائے کفار اور مشرکوں کا ساتھ دیا کرتے ہیں۔ تاریخ عالم اٹھا کر دیکھیں کہ اہل کتاب نے ہمیشہ مسلمانوں کے مقابلے میں کفار اور مشرکین کا ساتھ دیا ہے۔ پاکستان کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ ہندوستان کے مقابلے میں پاکستان امریکہ کے زیادہ قریب رہا ہے۔ اور ہر آڑے وقت میں امریکہ کی حمایت کی لیکن پاکستان پر جب مشکل وقت آیا تو امریکہ نے ہمیشہ ہندوستان کا ساتھ دیا ہے۔ اس سے اربابِ سیاست کو قرآنی حقائق کا اندازہ کرنا چاہیے۔ لہٰذا امتِ مسلمہ کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ تمہیں ایسے لوگوں سے چوکس اور چوکنا رہنا چاہیے جو تمہیں ہر وقت نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں۔ اس فرمان میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص فرما لیا تھا۔ اس لیے اب اہلِ کتاب کی سازشیں، کفار اور مشرکوں کی شرارتیں مسلمانوں کو چنداں نقصان نہیں پہنچا سکتیں کیونکہ جس پر اللہ تعالیٰ فضل فرمانے کا فیصلہ فرما لیتا ہے دنیا کی کوئی طاقت اس کے فضل اور فیصلے کے درمیان رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

رحمت سے مراد بعض اہلِ علم نے نبوت لی ہے کہ اہلِ کتاب رسول اللہ ﷺ کا نبی ہونا پسند نہیں کرتے حالانکہ نبوت کا انتخاب اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اختصاص ہے وہ جسے چاہے نبوت کے لیے منتخب فرمائے۔ اب سلسلہ نبوت حضرت محمد ﷺ پر قیامت تک ختم ہو چکا ہے۔

مسائل

۱۔ یہود و نصاریٰ اور مشرک نہیں چاہتے کہ مسلمانوں پر خیر نازل ہو۔

۲۔ اللہ تعالیٰ صاحبِ فضل و کرم ہے جسے چاہتا ہے، اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ

جو ہم منسوخ کرتے ہیں کوئی آیت یا اسے فراموش کردیتے ہیں لے آتے ہیں بہتر اس سے یا اس جیسی

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٦﴾ اَلَمْ

کیا نہیں تو جانتا بیشک اللہ پر ہر چیز قادر کیا نہیں

تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا

تو جانتا بیشک اللہ اسی کے لیے بادشاہت آسمانوں اور زمین اور نہیں

لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١٠٧﴾

تمہارے لیے سے اللہ کے سوا سے حامی اور نہ مددگار

”ہم کوئی آیت منسوخ کردیں یا اسے فراموش کردیں اس سے بہتر یا اس جیسی اور لاتے ہیں کیا آپ جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (١٠٦) کیا آپ نہیں جانتے کہ بلاشک اللہ ہی کے لیے زمین وآسمان کی ملکیت ہے اللہ کے سوا تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہوسکتا۔“ (١٠٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہل کتاب اس قدر بے باک اور مسلمانوں کی دشمنی میں آگے جاچکے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں مداخلت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی اختیار نہیں کہ وہ اپنی کتاب میں ترمیم واضافہ کرے۔ اس بہانے وہ کتاب اللہ پر اعتراض اور نبی اکرم ﷺ کی نبوت پر تنقید کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے دلوں میں حسد ہے جس بنا پر ایسی باتیں کرتے ہیں۔

نسخ کا معنٰی ہے کسی بات کو مٹانا یا اس کا ازالہ کرنا ہے۔ اس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

(١) ایک حکم خاص مدت کے لیے ہو، دوسری مدت کے لیے دوسرا حکم نازل ہوجائے۔

(٢) تربیت اور خاص مصلحت کی خاطر پہلے حکم میں نرمی اور کچھ گنجائش رکھی گئی ہو بعدازاں مکمل اور دائمی حکم نازل کردیا جائے۔ جس طرح شراب کی حرمت، قبلہ کی تبدیلی اور دوسرے معاملات کے بارے میں تدریجاً احکامات نازل ہوئے۔ قرآن مجید میں اس کے برعکس بھی مثال موجود ہے کہ قتال کے سلسلہ میں پہلا حکم سخت تھا لیکن اس کے بعد اس میں نرمی کردی گئی۔

(٣) پہلا حکم لوگوں کی خاص حالت کے بارے میں ہو بعدازاں حالات کی تبدیلی کی وجہ سے اسے کلیۃً منسوخ کردیا جائے اور اس کی جگہ اس سے ملتا جلتا یا اس سے جامع اور کثیر المقاصد حکم نازل ہو۔

قرآن مجید میں تینوں اقسام کی امثال موجود ہیں۔ جن علماء نے ان تینوں اقسام کو ناسخ اور منسوخ میں شامل کیا ہے انہوں نے درجنوں آیات کو اس زمرہ میں شامل کردیا حالانکہ ناسخ، منسوخ کو حقیقی اور کلی معنوں میں لیا جائے تو ان کی تعداد چند آیات

سے زیادہ نہیں ہے۔ اس بنا پر شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے صرف پانچ آیات کو منسوخ شمار کیا ہے۔ ناسخ اور منسوخ کے حوالے سے اہلِ کتاب اور مشرک دو قسم کے اعتراض کیا کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں کو فکری الجھاؤ میں مبتلا کر کے ان کے ایمان و ایقان میں تذبذب پیدا کیا جا سکے۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ تورات اور انجیل اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہیں اور یہ قرآن ان کی تائید کرتا ہے تو پھر انہیں منسوخ کرنے اور الگ کتاب نازل کرنا چہ معنی دارد؟ دوسرا اعتراض یہ تھا اور ہے کہ قرآنِ مجید میں فلاں مقام پر یہ مسئلہ پہلے اس طرح تھا اور اب اس میں ترمیم و اضافہ کیوں کیا گیا ہے؟ ان اعتراضات کا جواب دینے سے پہلے یہاں بنیادی بات یہ ارشاد فرمائی کہ یہ حاکمِ مطلق کی مرضی اور اس کی مشیّت ہے کہ شریعت کے جس حکم کو چاہے معطل یا منسوخ کرے۔ اس میں مخلوق کا نہ تو عمل دخل ہے اور نہ ہی کسی کو اعتراض کرنے کی گنجائش ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کو منسوخ کرنا کسی شخص کا اختیار نہیں۔ یہاں تک کہ جس شخصیت گرامی پر اللہ کی کتاب نازل ہوئی ہے حضرت محمد ﷺ بھی اس میں زیر و زبر کی تبدیلی کا اختیار نہیں رکھتے۔ یہ تو اس قادرِ مطلق اور شہنشاہِ عالم کا اختیار ہے کہ وہ اپنے حکم کو جس طرح چاہے جب چاہے اور جس قدر چاہے اس میں تبدیلی کرے۔ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اختیارات پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اس لیے ان آیات کے آخر میں پر جلال اور حاکمانہ انداز میں فرمایا ہے کہ اللہ ہی قادرِ مطلق با اختیار اور زمین و آسمان کا مالک ہے وہ تمہاری خیر خواہی کے لیے اپنے ضابطوں میں تبدیلی کرتا ہے۔ اس کے بغیر کوئی تمہارا خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین و منکرین کسی خیر خواہی کی بنیاد پر نہیں بلکہ یہ بد نیتی و بد دیانتی کی بنا پر اس قسم کے اعتراضات اٹھاتے ہیں۔

متعدد مقامات پر قرآنِ مجید نے پہلے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اے اہل کتاب تم نے اپنی کتابوں میں اس قدر تحریف کی کہ ان کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا اور یہ بھی یاد رکھو کہ وہ مخصوص مدت کے لیے ہی نازل کی گئیں تھیں۔ جس طرح حکومتوں کے بدلنے سے قانون بدلتے ہیں اس طرح ایک رسول کے بعد دوسرے رسول کے آنے پر شریعت میں تبدیلی لائی جاتی رہی ہے۔ یہ تو محمد عربی ﷺ کا اعزاز و اکرام ہے کہ آپ قیامت تک کے لیے رسول ہیں اور آپ پر نازل کردہ قرآن بھی قیامت تک رہے گا۔ اس میں ترمیم و اضافہ کرنے کا کوئی مجاز نہیں اور اللہ تعالیٰ نے تا قیامِ قیامت اس کی حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ عنایت فرمایا کہ تمہارے لیے بہت سی چیزیں حرام تھیں اب انہیں حلال کر دیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ تمہاری بہتری کے لیے ہی کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض بھی تمہیں زیب نہیں دیتا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے احکام منسوخ کرنے یا ان میں ردّ و بدل کرنے کا پورا حق ہے۔

۲۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مِلک ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔

اَمْ	تُرِيْدُوْنَ	اَنْ	تَسْـَٔلُوْا	رَسُوْلَكُمْ	كَمَا	سُئِلَ
کیا	تم چاہتے ہو	یہ کہ	سوال کرو	اپنے رسول سے	جیسے	سوال کئے گئے
مُوْسٰى	مِنْ	قَبْلُ ؕ	وَمَنْ	يَّتَبَدَّلِ	الْكُفْرَ	بِالْاِيْمَانِ
موسیٰ	سے	پہلے	اور جو	بدل دے	کفر	ایمان کے بدلے
	فَقَدْ	ضَلَّ	سَوَآءَ	السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾		
	سووہ	بھٹک گیا	سیدھا	راستہ		

''کیا تم اپنے رسول سے اس طرح کے سوال کرنا چاہتے ہو جس طرح موسیٰ علیہ السلام سے کیے گئے جس نے ایمان کو کفر کے ساتھ بدلا وہ سیدھی راہ سے بھٹک چکا۔'' (۱۰۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ایک طرح نبی ﷺ اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر اعتراض یہودیوں کے لیے معمول کی بات ہے کیونکہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب پر اس سے زیادہ نامناسب اعتراضات وسوالات کیے تھے۔

حصولِ علم اور طلبِ ہدایت کے لیے سوال کرنا، نا صرف جائز ہے بلکہ شریعت نے اس کی ترغیب دیتے ہوئے فرض قرار دیا ہے۔ البتہ خواہ مخواہ اور حیلہ سازی کے لیے سوال کرنا ناجائز قرار دیا ہے۔ یہودیوں کی یہ عادت تھی کہ وہ تعمیلِ حکم سے بچنے کے لیے مختلف بہانے تراشا کرتے تھے۔ ان کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ وہ پے در پے بے مقصد سوال پر سوال کیے جاتے تھے تا کہ کسی طرح اس مسئلے سے ان کی جان چھوٹ جائے۔ ایک قتل کی تفتیش کے دوران جب انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم صادر ہوا تو انہوں نے گائے ذبح کرنے کی بجائے کئی قسم کے سوال کر ڈالے بالآخر مجبور ہو کر گائے ذبح کرنے کے لیے تیار ہوئے۔

سوال کرنے کی عادت میں یہودی اس قدر عادی مجرم تھے کہ انہوں نے جنابِ موسیٰ علیہ السلام کو یہ سوال بھی کیا کہ آپ اس قدر حیا کیوں اختیار کرتے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کو جنسی مرض لاحق ہو چکا ہو اور اس بات کو اس قدر اچھالا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کی برأت فرمائی۔

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ کَانَتْ بَنُوْ إِسْرَائِیْلَ یَغْتَسِلُوْنَ عُرَاةً یَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلٰی بَعْضٍ وَکَانَ مُوْسٰی علیہ السلام یَغْتَسِلُ وَحْدَهٗ فَقَالُوْا وَاللّٰهِ مَا یَمْنَعُ مُوْسٰی أَنْ یَّغْتَسِلَ مَعَنَا إِلَّا أَنَّهٗ آدَرُ فَذَهَبَ مَرَّةً یَغْتَسِلُ فَوَضَعَ ثَوْبَهٗ عَلٰی حَجَرٍ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهٖ فَخَرَجَ مُوْسٰی فِیْ إِثْرِهٖ یَقُوْلُ ثَوْبِیْ یَا حَجَرُ حَتّٰی نَظَرَتْ بَنُوْ إِسْرَائِیْلَ إِلٰی مُوْسٰی فَقَالُوْا وَاللّٰهِ مَا بِمُوْسٰی مِنْ بَأْسٍ وَأَخَذَ ثَوْبَهٗ فَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا))

(رواہ البخاری: باب من اغتسل عریانا وحدہ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا بنی اسرائیل کے لوگ ننگے نہایا کرتے

اور ایک دوسرے کو دیکھا کرتے تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام اکیلے ہی غسل کرتے تھے۔ یہودیوں نے کہا اللہ کی قسم ہمارے ساتھ موسیٰ علیہ السلام اس وجہ سے غسل نہیں کرتے کہ ان کے خصیتین میں بیماری ہے۔ ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام اپنے کپڑے پتھر پر رکھ کر غسل کر رہے تھے تو پتھر کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام پتھر کے پیچھے یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ اے پتھر! میرے کپڑے دے دے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل کے لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو برہنہ حالت میں دیکھ کر کہا: اللہ کی قسم! موسیٰ علیہ السلام کو کوئی تکلیف نہیں اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے پکڑ کر پتھر کو مارنا شروع کر دیا۔''

بہانہ سازی کی عادتِ خبیثہ سے مسلمانوں کو محفوظ و مامون رکھنے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کا حوالہ دے کر منع کیا جا رہا ہے کہ کیا تم رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی سوالات کرنا چاہتے ہو جس طرح بے مقصد اور بے ہودہ سوال یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کیے تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بے جا سوال کرنے سے منع فرمایا ہے:

((ذَرُوْنِیْ مَاتَرَکْتُکُمْ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْئٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْئٍ فَدَعُوْهُ))

(رواہ مسلم: کتاب الحج، باب فرض الحج مرة)

''مجھے چھوڑے رکھو جب تک میں تمہیں چھوڑے رکھوں یقیناً تم سے پہلے لوگ زیادہ سوال کرنے کی وجہ اور انبیاء سے اختلاف کرنے کی بنا پر تباہ و برباد ہو گئے۔ جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو اپنی طاقت کے مطابق اس پر عمل کرو اور جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔''

مسائل

۱۔ یہودیوں کی طرح شریعت میں قیل و قال اور اعتراض و سوال نہیں کرنے چاہئیں۔

۲۔ شریعت کو بدلنے والا پرلے درجے کا گمراہ ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

یہودیوں کے بے ہودہ سوالات:

۱۔ گائے کے متعلق موسیٰ علیہ السلام سے سوالات۔ (البقرۃ: ۶۷ تا ۷۱)

۲۔ موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کہ اللہ ہمیں سامنے دکھایا جائے۔ (النساء: ۱۵۳)

۳۔ ہمارے لیے بھی مشرکوں کی طرح معبود بنائے جائیں۔ (الاعراف: ۱۳۸)

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کے لیے پانی طلب کرنا۔ (البقرۃ: ۶۰)

۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقتول کے بارہ میں سوال کرنا۔ (البقرۃ: ۷۲)

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب کاش تمہیں لوٹادیں سے بعد

اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ

تمہارے ایمان کے کفر میں حسد سے پاس اپنے دل سے بعد

مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ

جو واضح ہوگیا ان پر حق پس تم معاف کردو اوردرگزرکرو یہاں تک لائے

اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ١٠٩

اللہ اپنا حکم بیشک اللہ پر ہر چیز قادر

الثلثة

’’اہلِ کتاب کے اکثر لوگ چاہتے ہیں کہ حق واضح ہوجانے اور تمہارے ایمان لانے کے بعد اور اپنے حسد وبغض کی بناء پر تمہیں ایمان سے ہٹا کر کافر بنا دیں۔ بس تم معاف کرو اور درگزر کرو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ فرما دے یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔‘‘ (۱۰۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: تمام اعتراضات کے پیچھے یہود ونصاریٰ کا ایک ہی مقصد ہے کہ تم سچے دین سے مرتد ہو جاؤ اور اس کے پیچھے دنیاوی مفادات کے ساتھ ان کا حسد بھی کارفرما ہے ان سے درگزر کرتے ہوئے اپنا کام جاری رکھو۔

رسولِ کریم ﷺ کی رسالت سے یہود ونصاریٰ کے انکار کا بنیادی سبب یہ تھا کہ وہ سمجھتے تھے نبوت ہماری وراثت ہے کیونکہ نبوت کا سلسلہ صدیوں سے ہماری نسل میں چلا آرہا ہے اب ہماری وراثت بنی اسماعیل کو کیوں منتقل کردی گئی ہے؟ اس صورت میں چاہیے تو یہ تھا کہ اہلِ مکہ یہود ونصاریٰ کے حسد وبغض کا ادراک کرتے ہوئے سرورِ دوعالم ﷺ کے ہم رکاب اور ہم زبان ہوجاتے لیکن وہ شرک وکفر کے مرض میں مبتلا ہو کر کہنے لگے منصبِ رسالت تو کسی سرمایہ دار، وڈیرے اور نواب کو ملنا چاہیے تھا اتنا بڑا منصب ایسے شخص کو کیونکر مل سکتا ہے؟ جو مالی لحاظ سے کنگال اور سماجی اعتبار سے یتیم ہے۔ اس سوچ کے پیشِ نظر اہل مکہ اور اہل کتاب سرتوڑ کوشش میں لگ گئے کہ کسی طرح مسلمانوں کو رسالت مآب ﷺ سے برگشتہ اور ایمان کی متاعِ گراں مایہ سے محروم کردیا جائے۔ یہاں مسلمانوں کو یہ بتلایا اور سمجھایا جارہا ہے کہ تمہارے ساتھ جو کچھ ہورہا ہے یہ کسی غلط فہمی کی بنیاد پر نہیں بلکہ حق تو بالکل نمایاں ہو چکا ہے۔ اہل کتاب محض حسد کی بنیاد پر تمہاری مخالفت کے درپے ہیں لہٰذا انہیں معاف یا ان سے صرفِ نظر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کردے۔ اس فرمان کا مقصد یہ ہے اے مسلمانو ابھی تم کمزور ہو اس لیے صبر کرو اور وقت کا انتظار کرو۔

حسد ایسی مہلک اور منفی قوت ہے اس میں جو بھی مبتلا ہوتا ہے وہ کسی کی بھی عزت وعظمت کو برداشت نہیں کر پاتا۔ مزید یہ

کہ وہ کسی بڑی سے بڑی حقیقت کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ بسا اوقات یہ بیماری اس قدر خطرناک صورت اختیار کر لیتی ہے کہ حاسد کو اپنی عزت کا خیال بھی نہیں رہتا۔ یہی حالت آپ کے مخالفوں کی تھی۔ اس لیے قرآنِ مجید کے اختتام سے پہلے سورۃ الفلق میں حاسد اور اس کے حسد سے پناہ مانگنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے امت کو حسد سے بچنے کی تلقین اور اس کے مضرات سے متنبہ فرمایا۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ إِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ یَأْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَأْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ))(رواہ ابو داؤد: کتاب الادب، باب فی الحسد[حسن])

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی معظم ﷺ نے فرمایا: حسد سے بچو کیونکہ وہ نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے سوکھی لکڑیوں کو آگ بھسم کر دیتی ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی عیادت کے وقت فرمایا: ابو ہریرہ! میں تجھے وہی دم کروں جو مجھے جبریل علیہ السلام نے کیا تھا؟ انہوں نے عرض کی کیوں نہیں میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ ﷺ نے یہ دم تین مرتبہ کیا:

((بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِیْكَ وَاللّٰهُ یَشْفِیْكَ مِنْ كُلِّ دَاءٍ فِیْكَ مِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِی الْعُقَدِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ))(رواہ ابن ماجۃ: کتاب الطب، باب ماعوذ بہ النبی ﷺ وما عوذ بہ[ضعیف])

”اللہ کے نام سے تجھے دم کرتا ہوں اللہ تجھے ہر بیماری سے شفا دے جو تجھے لاحق ہے اور گرہوں میں پھونک مارنے والیوں کے شر سے اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔“

مسائل

١۔ یہود و نصاریٰ حسد و بغض کی وجہ سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کے درپے رہتے ہیں۔

٢۔ یہود و نصاریٰ اچھی طرح دینِ اسلام اور نبی کریم ﷺ کی ذات کو پہچانتے ہیں۔

٣۔ اہلِ کتاب سے بحث و تکرار کرنے کی بجائے انہیں صرفِ نظر کر دینا چاہیے۔

٤۔ اللہ تعالیٰ کا حکم غالب ہو کر رہتا ہے۔ ٥۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

حسد و بغض اور اس کا علاج:

١۔ اہل کتاب کی مذموم سوچ اور حاسدانہ کردار۔(البقرۃ:١٢٠)

٢۔ کسی سے حسد کرنے کی بجائے اللہ سے مانگنا چاہیے۔(النساء:٣٢) ٣۔ حسد سے پناہ مانگنی چاہیے۔(الفلق:٥)

٤۔ شیطان چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے۔(المائدۃ:٩١)

٥۔ اللہ نے یہود و نصاریٰ کے درمیان بغض اور دشمنی قیامت تک کے لیے ڈال دی ہے۔(المائدۃ:١٤)

وَ اَقِیْمُوا	الصَّلٰوۃَ	وَ اٰتُوا	الزَّکٰوۃَ ؕ	وَمَا	تُقَدِّمُوْا
اور تم قائم کرو	نماز	اور دیتے رہو	زکوٰۃ	اور جو	آگے بھیجو گے

لِاَنْفُسِکُمْ	مِّنْ	خَیْرٍ	تَجِدُوْہُ	عِنْدَ	اللّٰہِ ؕ	اِنَّ	اللّٰہَ
اپنے لیے	سے	نیکی	تم پالو گے اسے	پاس	اللہ	بیشک	اللہ

بِمَا	تَعْمَلُوْنَ	بَصِیْرٌ ﴿۱۱۰﴾
جو کچھ	تم کرتے ہو	دیکھنے والا

''نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ اور جو کچھ بھلائی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے سب کچھ اللہ کے ہاں پاؤ گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔'' (۱۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب کے پیچھے پڑ کر وقت اور صلاحیتیں ضائع کرنے کی بجائے اپنے دین کی طرف توجہ دو اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑو اور زکوٰۃ ادا کر کے اپنے بھائیوں کی مدد کرو۔

پچھلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں سے الجھنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت کا انتظار کرو۔ اللہ ہر بات اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ لیکن یاد رکھنا اللہ کی مدد کی اولین شرائط میں سچے ایمان کے بعد نماز اور زکوٰۃ ادا کرنا ہے کیونکہ نماز اللہ تعالیٰ کے قرب اور باہمی اتحاد کا ذریعہ ہے۔ زکوٰۃ ایک دوسرے سے تعاون اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا زینہ ہے۔ جن لوگوں میں یہ اوصاف ہوں گے وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کے حقدار اور آخرت میں سرخرو ہوں گے۔ جو کچھ بھی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں محفوظ پاؤ گے۔ محکم یقین رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ تیسویں پارے میں فرمایا کہ جس نے ذرہ برابر نیکی کی وہ اسے پالے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی وہ بھی اسے اپنے سامنے پائے گا۔ [زلزال: ۷،۸]

نماز اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ ہے:

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ اللّٰهَ قَالَ مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهٗ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ......))

(رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب التواضع)

''حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میں اس کے ساتھ اعلانِ جنگ کرتا ہوں اور میرا بندہ کسی چیز کے ساتھ بھی میرا قرب حاصل نہیں کرسکتا جو مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوں جو میں نے اس پر فرض کی ہیں اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے......''

زکوٰۃ تعاون کا ذریعہ ہے:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا رضی اللہ عنہ إِلَي الْيَمَنِ فَقَالَ ادْعُهُمْ إِلَي شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِيْ أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ)) (رواہ البخاری: کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ)

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجتے ہوئے فرمایا انہیں دعوت دو کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یقیناً میں اللہ کا رسول ہوں اگر وہ تیری بات مان لیں تو انہیں بتلایئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اگر وہ تیری اس بات میں اطاعت کریں تو انہیں بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے اموال میں زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے امیروں سے لے کر ان کے غریبوں کو دی جائے گی۔“

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو دین، نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر کاربند رہنا چاہیے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دنیا اور آخرت میں اجر و ثواب سے نوازیں گے۔

تفسیر بالقرآن

نماز کا حکم:

۱۔ (البقرۃ: ۴۳، ۸۳، ۱۱۰) ۲۔ (النساء: ۷۷، ۱۰۳) ۳۔ (الانعام: ۷۲)

۴۔ (یونس: ۸۷) ۵۔ (الحج: ۷۸) ۶۔ (النور: ۵۶)

۷۔ (الروم: ۳۱) ۸۔ (المجادلہ: ۱۳) ۹۔ (المزمل: ۲۰)

زکوٰۃ کی اہمیت:

۱۔ حضرت ابراہیم، لوط، اسحاق و یعقوب علیہم السلام کو زکوٰۃ کا حکم۔ (الانبیاء: ۷۳)

۲۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا اپنے اہلِ خانہ کو زکوٰۃ کا حکم۔ (مریم: ۵۵)

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زکوٰۃ کا حکم۔ (مریم: ۳۱) ۴۔ بنی اسرائیل کو زکوٰۃ کا حکم۔ (البقرۃ: ۸۳)

۵۔ تمام امتوں کو زکوٰۃ کا حکم۔ (البینۃ: ۵) ۶۔ زکوٰۃ مال کا تزکیہ کرتی ہے۔ (التوبۃ: ۱۰۳)

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ

اور انہوں نے کہا ہرگز داخل نہیں ہوگا جنت میں سوائے جو ہو یہودی یا نصرانی یہ ان کی آرزوئیں

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١١١﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ

فرمادیجیے تم لاؤ اپنی دلیل اگر تم ہو سچے کیوں نہیں جس سے سپرد کردیا اپنا چہرہ اللہ کیلئے

١٣ع٩ ١٢ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١١٢﴾ ع

اور وہ نیکوکار ہے تو اسکے لیے اس کا اجر پاس اس کا رب اور نہ کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے

”یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے سوا اور کوئی نہیں داخل ہوگا یہ صرف ان کی آرزوئیں ہیں ان سے فرمائیں کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل پیش کرو۔ (١١١) سنو جو بھی اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جھکا دے اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اس کا اجر اس کے رب کے ہاں ہے۔ ان پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔“ (١١٢)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب قرآن کے منکر، مسلمانوں کے دشمن اور ایک دوسرے کو کافر کہنے کے باوجود جنت کے ٹھیکیدار بنتے تھے۔ یہاں ان کے دعوے کی قلعی کھولتے ہوئے ایک اصول بیان کیا گیا ہے کہ نیک اور جنت کا وارث وہ ہے جس نے اپنے آپ کو اللہ کے حکم کے تابع کر دیا۔

انبیاء کے نافرمان اور نبی آخر الزماں ﷺ کے گستاخ اللہ تعالیٰ کے اختیارات پر اعتراضات کرنے والے حسد و بغض کے پیکر یہود و نصاریٰ مسلمانوں کو دولتِ ایمان سے محروم کرنے کی سازشیں کرنے اور صلوٰۃ و زکوٰۃ سے عملاً انحراف کرنے کے باوجود سمجھتے ہیں کہ ہم ہی جنت کے مالک ہوں گے۔ حالانکہ ”اللہ“ کی جنت اتنی ارزاں اور کم حیثیت نہیں کہ جو چاہے اپنے من ساختہ تصورات، دعووں اور نعروں کی بنیاد پر اسے حاصل کرلے یہ تو ایمان، اخلاص کی دولت اور اعمال کی گراں قدر قیمت پیش کرنے سے ہی مل سکے گی۔ لہٰذا اگر تم جنت کے حقدار ہو تو اس کے لیے کوئی ثبوت اور سرمایۂ عمل پیش کرو۔ ہاں جنت میں وہ شخص ضرور جائے گا جس نے اپنے چہرے اور عمل کو اپنے رب کے لیے حوالے کر دیا ہے۔ چہرہ حوالے کرنے سے مراد کلی طور پر تابع فرمان ہونا ہے۔ جس میں یہ امر بھی لازم ہے کہ اس کے عمل پر خاتم النبیین ﷺ کی سنت کی مہر لگی ہوئی ہو۔

یہودی عیسائی گٹھ جوڑ:

1492ء تک سارے مغرب میں یہودیوں کا داخلہ بند تھا۔ یہودیوں کے بارے میں عیسائی یہ یقین رکھتے تھے کہ اللہ کی پیدا کردہ مخلوقات میں سب سے بدترین اور شریرترین مخلوق یہودی ہیں۔ یہودیوں پر سب سے زیادہ تشدد اور ظلم عیسائیوں ہی نے کیا ہے عیسائی انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قاتل سمجھتے تھے یہ دور یہودیوں پر عیسائیوں کے بدترین تشدد کا دور تھا۔ ان کے لیے دنیا میں کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ لیکن عجیب اتفاق ہے کہ 1948ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد عیسائیوں کی یہود دشمنی آہستہ

آہستہ ختم ہونے لگی۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ یہودیوں سے بھی زیادہ اسرائیل کی توسیع اور استحکام کے وکیل بنے ہوئے ہیں۔ ان کے بڑے بڑے مبلغین مثلاً جیری فال ویل اور جمی سواگراٹ جنہیں امریکہ کی بہت بڑی اکثریت انتہائی انہماک سے سنتی ہے امریکی اسے اپنا مذہبی راہنما قرار دیتے ہیں یہودیوں کی وکالت کر رہے ہیں سابق صدر جمی کارٹر کا کہنا ہے کہ ”اسرائیل کا قیام بائبل کی پیشین گوئی کی تکمیل ہے۔“ اسی طرح سابق صدر رونالڈ ریگن نے بھی کہا تھا کہ ”عنقریب دنیا فنا ہو جائے گی۔“ (صرف عیسائی اور یہودی زندہ رہیں گے) حالانکہ حیرت انگیز طور پر صدر کینیڈی تک امریکہ کے بیشتر صدور اسرائیل اور یہودیوں کے سخت ترین مخالف تھے۔ صدر آئزن ہاور یہودیوں کی توسیع پسندی کے سخت دشمن تھے۔ امریکہ کے ایک صدر جارج بش واشنگٹن نے اپنے عوام کو متنبہ کیا تھا کہ ”یہودی خون چوسنے والی چمگادڑیں ہیں اور اگر تم نے انہیں امریکہ بدر نہ کیا تو دس سال سے بھی کم عرصہ میں یہ تمہارے ملک پر حکمرانی کرنے لگیں گے اور تمہاری آزادی کو سلب کر لیں گے۔“ (بیان ایمسٹرڈم چیمبر 22-9-1654)

خوش قسمتی سے اسی زمانے میں کولمبس نے امریکہ دریافت کیا تھا۔ چنانچہ یہودیوں نے خود کو محفوظ رکھنے کی خاطر امریکہ کو اپنا وطن بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے دور اندیشی کی بنیاد پر نیویارک کی بندرگاہوں کو اپنے لیے منتخب کیا تاکہ سمندری و تجارتی راستے سے وہ پہلے امریکہ اور پھر ساری دنیا پر قبضہ کر سکیں۔ ان کے اسی فیصلے کے بعد آج نیو یارک کو جیو یارک بھی کہا جاتا ہے۔ دوسری طرف پروٹسٹنٹ عیسائی بھی امریکہ چلے گئے۔ اس طرح امریکہ میں آج تک یہی فرقہ اکثریت میں موجود رہا۔ یہ پروٹسٹنٹ عیسائی ہی تھے جنہوں نے یہودیوں کے لیے عیسائیوں کے دلوں میں نرم گوشہ پیدا کیا اور ان کی حمایت کی۔ ان کے اثرات ہی کی وجہ سے عیسائیوں کی بڑی آبادی اس بات کی قائل ہوئی کہ فلسطین کو یہودیوں کی سرزمین قرار دیا جائے۔ یہودیوں کے ساتھ ان کی ہمدردی کا یہ حال تھا کہ صیہونی (اسرائیلی) تحریک سے پہلے قیام اسرائیل کا مطالبہ کرنے والے یہودی نہیں بلکہ خود عیسائی تھے۔ عیسائیوں کا کہنا تھا کہ ارضِ مقدس میں یہودیوں کی واپسی نزول مسیح کا پیش خیمہ ہے۔ عیسائیوں کو یہودیوں سے اس لیے بھی ہمدردی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے بعد تمام یہودی آخر کار عیسائیت اختیار کر لیں گے۔ (یہودیت مہد سے لحد تک۔ رضی الدین سید)

مسائل

۱۔ یہود و نصاریٰ ایمان و عمل کے بغیر جنت میں جانے کے دعوے دار بنتے ہیں۔
۲۔ جنت میں جانے کے لیے نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان اور عمل صالح کی ضرورت ہے۔

تفسیر بالقرآن

جنت کے تقاضے:

۱۔ جنت دعووں اور نعروں کی بنیاد پر نہیں ملے گی۔ (البقرۃ:۱۱۱) ۲۔ جنت مشکلات برداشت کئے بغیر نہیں ملے گی۔ (البقرۃ:۲۱۴)
۳۔ ایمان اور عمل صالح کی بنیاد پر جنت الفردوس حاصل ہوگی۔ (الکہف:۱۰۷)
۴۔ جنت آزمائش میں گزرے بغیر حاصل نہیں ہوگی۔ (العنکبوت:۳)

وَقَالَتِ الْیَہُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ ص وَّقَالَتِ

اور کہا — یہود — نہیں — نصاریٰ — پر — کسی چیز — اور کہا

النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَہُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ لا وَّھُمْ یَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ ط

نصاریٰ — نہیں — یہود — پر — کسی چیز — حالانکہ وہ — پڑھتے ہیں — کتاب

کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِھِمْ ج فَاللّٰہُ یَحْکُمُ

اسی طرح — کہا — جو لوگ — بے علم ہیں — جیسی — ان کی بات — سو اللہ — فیصلہ کرے گا

بَیْنَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ان کے درمیان — قیامت کے دن — جس میں — وہ تھے — اس میں — اختلاف کرتے

’’یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ حق پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی حق پر نہیں حالانکہ یہ لوگ تورات پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ان جیسی باتیں بے علم لوگ بھی کرتے ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے درمیان ان کے اختلاف کا فیصلہ صادر فرمائے گا۔‘‘ (۱۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہل کتاب مسلمانوں کے خلاف شروع سے ہی متحد ہیں اس لیے کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ حالانکہ ان کی باہمی منافرت اور فرقہ واریت کا عالم یہ ہے کہ ایک دوسرے کو کافر گردانتے ہیں۔

مسلمانوں کے مقابلے میں یہود و نصاریٰ اکٹھے ہو کر کہا کرتے تھے کہ ہماری جماعتوں کے علاوہ کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو پائے گا۔ حالانکہ مسلمانوں کے خلاف اتحاد کے باوجود ان کی باہمی منافرت اور فرقہ وارانہ کشیدگی کا عالم یہ تھا کہ وہ آپس کے جنگ وجدال میں اس حد تک آگے بڑھ چکے تھے کہ یہودیوں نے انجیل کے بارے میں کہا یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہی نہیں ہوئی۔ پھر تعصب میں اس قدر اندھے ہوئے کہ جنابِ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ پر رقیق حملے کیے۔ عیسائیوں نے دو ہاتھ آگے بڑھتے ہوئے نہ صرف تورات کا منزل من اللہ ہونے کا انکار کیا بلکہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی ذاتِ گرامی پر بھی تہمتیں لگائیں۔ ان کی دیکھا دیکھی مشرکین بھی کہنے لگے کہ جب تک یہ لوگ ہمارے معبودوں کو مشکل کشا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں وسیلہ قرار نہیں دیں گے اس وقت تک ان کی نجات مشکل ہوگی۔ اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ یہ تو اللہ ہی فیصلہ کرے گا کہ کس کے پلے میں کیا ہے؟ اور حق و باطل کے حوالے سے کوئی کس مقام پر کھڑا تھا؟ اس فرمان میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ امتِ محمدیہ کے خلاف ابتداء ہی سے کفر کے حامی یکجا رہے ہیں۔

تفسیر ابن کثیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

’’جب نجران کے عیسائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو ان کے پاس یہودیوں کے علماء بھی آئے اور انہوں نے

رسول اللہ ﷺ کے پاس جھگڑا کیا۔ رافع بن حریملہ نے کہا: تم کسی دین پر نہیں ہو اور ساتھ ہی عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کے ساتھ کفر کر دیا اور اہلِ نجران کے عیسائیوں میں سے ایک شخص نے یہودیوں کو کہا: تم کسی دین پر نہیں اور اس کے ساتھ ہی موسیٰ علیہ السلام اور تورات کے ساتھ کفر کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہی باتوں کے متعلق فرمایا اور یہ آیت نازل فرمائی کہ {یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ حق پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی حق پر نہیں حالانکہ یہ لوگ تورات پڑھتے ہیں}۔"

عیسائیوں اور یہودیوں کی باہم ہرزہ سرائی

یہودیوں اور عیسائیوں کی دشمنی ہزاروں سال پرانی ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور سے شروع ہوئی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے تقریباً سو سال پہلے شدومد سے جاری تھی عیسائیوں کے نزدیک یہودیوں کے درج ذیل بڑے بڑے یہ جرائم تھے اور ہیں جن کی بنیاد پر یہودی قابلِ گردن زدنی سمجھے جاتے تھے۔

۱۔ یہودی حضرت مریم پر (نعوذ باللہ) بدکاری کا الزام لگاتے ہیں۔

۲۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تختۂ دار پر لٹکانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

۳۔ یہودی عیسیٰ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) (خاکم بدہن) ناجائز بچہ قرار دیتے ہیں۔

۴۔ قربِ قیامت یہودی عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کو (نعوذ باللہ) دجال کی آمد تصور کرتے ہیں۔

۵۔ یہودی عیسائیت کا انکار کرتے ہیں۔

۶۔ عیسائیوں کے خیال کے مطابق یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاتل ہیں۔

چنانچہ انہی جرائم کی بنیاد پر عیسائیوں کے نزدیک یہودی قوم انتہائی قابلِ نفرت قوم رہی ہے۔ عیسائی انہیں روئے زمین پر سب سے شریر اور خبیث مخلوق قرار دیتے تھے اور جہاں پاتے تھے قتل کر دیتے تھے۔ حال یہ تھا کہ ابتدائی دور میں جب یورپ میں طاعون (یا کالی وبا) پھیلی جس کے باعث لاتعداد ہلاکتیں ہوئیں تو عیسائیوں نے اس کا سبب یہودیوں کو ٹھہرایا حالانکہ خود عیسائی بھی اس مرض میں ہلاک ہو رہے تھے۔

یہودیوں کی جلاوطنی:

586ء میں شاہ بابل نے یروشلم پر قبضہ کیا اور عبادت خانے کو تباہ کر دیا۔

472 ق م میں یونانی بادشاہ انہولنس نے یروشلم پر حملہ کر کے سلیمانی ہیکل کا نام و نشان مٹا دیا اور اسے بت خانے میں تبدیل کر دیا۔

135 عیسوی میں رومی بادشاہ ہیڈریان نے یروشلم کو ایک بار پھر تباہ و برباد کر دیا۔

1228ء اسپین میں یہودیوں کو قانونی طور پر لباس کے اوپر نمایاں نشان آویزاں کرنے کا حکم دیا گیا۔

1266ء پولینڈ کے گرجاؤں نے فیصلے صادر کئے کہ یہودی عیسائیوں کے ساتھ اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

1321ء فرانس میں ایک گڑھے میں 160 یہودی دفن کئے گئے۔

1355ء اسپین میں ایک مشتعل ہجوم نے بارہ ہزار یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

1391ء میجورکا جزیرے میں پچاس ہزار یہودی تہ تیغ کئے گئے۔

1391ء سسلی میں بڑے پیمانے پر یہودیوں کا قتل عام کیا گیا۔

1422ء ''کیسٹائل'' میں یہودیوں کو علیحدہ علاقے میں رہنے اور امتیازی پٹی پہننے پر مجبور کیا گیا۔

1420ء لیون: فرانس سے یہودیوں کو نکال باہر کیا گیا۔

1492ء اسپین میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار یہودی ملک بدر کئے گئے۔

1492ء سسلی اور مالٹا سے یہودیوں کو نکال باہر کیا گیا۔

پولینڈ نے پہلی مرتبہ یہودی حد بندی کا آغاز کیا۔ (یہودیوں کو ایک مخصوص علاقہ میں محدود کرنے کو یورپ میں Ghetto کی اصطلاح سے پکارا جاتا ہے۔)

1498ء پرتگال میں ایک بھی یہودی باقی نہ رہنے دیا گیا۔

1935ء تا 1941ء۔ ہٹلر نے ہزاروں یہودیوں کو انسانیت سوز سلوک سے دوچار کر کے عظیم تباہی مچائی۔ (یہودی اس سانحے کو ہولوکاسٹ Holocaust کہہ کر پکارتے اور بے حد مبالغے سے کام لے کر دنیا کی ہمدردیاں سمیٹتے ہیں۔

(حوالہ کتاب: عرب اور اسرائیل، از رون ڈیوڈ صفحہ 75 اور صفحہ 108)

مسائل

۱۔ یہود و نصاریٰ اپنے آپ کو جنت کا وارث سمجھنے کے باوجود ایک دوسرے کو کافر گردانتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت ہر قسم کے اختلافات کا فیصلہ فرمائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

یہود و نصاریٰ کے باہمی اختلافات:

۱۔ مسلمان یہودیوں اور عیسائیوں کو متحد سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ باہم ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ (البقرۃ: ۱۱۳)

۲۔ یہود و نصاریٰ قیامت تک باہم اختلاف کرتے رہیں گے۔ (المائدۃ: ۱۴)

۳۔ یہودیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ پر الزام۔ (النساء: ۱۵۶)

۴۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے دعویدار ہیں۔ (النساء: ۱۵۷)

وَمَنْ	اَظْلَمُ	مِمَّنْ	مَّنَعَ	مَسٰجِدَ اللّٰهِ	اَنْ	يُّذْكَرَ
اور کون	بڑا ظالم	سے جو	روکا	اللہ کی مسجدیں	یہ کہ	یاد کیا جائے
فِيْهَا	اسْمُهٗ	وَسَعٰى	فِىْ	خَرَابِهَا	اُولٰٓئِكَ	مَا كَانَ
اس میں	اس کا نام	اور کوشش کی	میں	اس کی خرابی	یہ لوگ	نہیں تھ
لَهُمْ	اَنْ	يَّدْخُلُوْهَآ	اِلَّا	خَآئِفِيْنَ	لَهُمْ	فِى الدُّنْيَا
ان کے لیے	یہ کہ	وہ داخل ہوں اس میں	مگر	ڈرتے ہوئے	ان کے لیے	میں دنیا
خِزْىٌ	وَّلَهُمْ	فِى	الْاٰخِرَةِ	عَذَابٌ	عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾	
رسوائی	اور ان کے لیے	میں	آخرت	عذاب	بڑا	

’’اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے۔ جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا ذکر ہوتے ہوئے روکے اور مسجدوں کی بربادی کی کوشش کرے ایسے لوگوں کو خوف کے ساتھ ہی مسجدوں میں جانا چاہیے۔ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں عذاب ہوگا۔‘‘(۱۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نیا خطاب شروع ہوا ہے جس میں اہل کتاب کے ساتھ مشرکینِ مکہ کو مخاطب کیا گیا ہے۔

یہود و نصاریٰ نے نہ صرف ایک دوسرے کی آسمانی کتابوں کی نفی کی بلکہ اس سے آگے بڑھ کر انبیاء کرام علیہم السلام کی عظیم شخصیات کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا۔ یہاں تک کہ عبادت گاہوں کو فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھاتے ہوئے مذہبی منافرت کے مورچے بنا لیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک دوسرے کے معبد خانوں پر حملہ آور ہوئے اور حکمرانوں نے عبادت گاہوں کے تقدس واحترام کو پامال کیا۔ بسا اوقات ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی جیسا کہ بیت المقدس کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے۔ ایسا ہی کردار مشرکینِ مکہ کا تھا۔ بیت اللہ جس کی تعمیر کا مقصد ہی اس میں اللہ کی عبادت کرنا اور اسے زیارت گاہ قرار دیتے ہوئے مرکزِ توحید ٹھہرایا گیا ہے۔ ایک عرصہ تک نبی محترم ﷺ اور مسلمانوں کو اس کی زیارت سے محروم رکھا اور اس میں عبادت کرنے سے منع کر دیا گیا۔ یہ تو اسلام کی خصوصیت ہے کہ جس نے نظریاتی اختلافات کے باوجود ہر عبادت گاہ کو احترام کی نظر سے دیکھنے کا حکم دیا ہے۔ جس کی آپ نے اس وقت عملاً اعلیٰ مثال قائم فرمائی جب نجران کے عیسائی آپ سے اسلام کے بارے میں مذاکرات کرنے کے لیے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے گفتگو کے دوران ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو آپ ﷺ یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ ہمیں اب نماز پڑھنا ہے۔ یہ سنتے ہی وفد کہنے لگا کہ اگر اجازت ہو تو ہم بھی اپنے طریقے اور قبلہ کے مطابق آپ کی مسجد میں نماز ادا کر لیں؟ آپ نے بڑی خوشی کے ساتھ انہیں نماز پڑھنے کی اجازت دے کر عملاً یہ ثابت کیا کہ واقعتا مسجدیں اللہ کا گھر ہیں اور ان میں ہر کسی کو اللہ کی عبادت کرنے کا حق ہے اور ملنا چاہیے۔ [تفسیر ابن کثیر: آل عمران: ۶۱]

بشرطیکہ باطل نظریات کا پرچار اور اس میں بدنظمی نہ کی جائے کیونکہ کسی شخص کو دوسرے کی عبادت گاہ میں جا کر اپنے نظریات پھیلانے کا حق نہیں پہنچتا۔ مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے کسی علاقے میں بھی اپنے دورِ حکومت میں دوسروں کے معبد خانوں میں جا کر تبلیغ کی ہو بلکہ مسلم حکمرانوں نے ان کو ہر قسم کا تحفظ فراہم کیا۔ البتہ کسی کو مسجدوں میں شور وغل اور بدنظمی پیدا کرنے کا حق نہیں دیا جا سکتا۔ مسجد بالخصوص بیت اللہ کا ماحول خراب کرنے والے کو اللہ تعالیٰ دنیا میں ذلیل اور آخرت میں شدید عذاب میں مبتلا کرے گا۔ مسجدوں کا ماحول اتنا سنجیدہ اور عبادت گزاری کا ہونا چاہیے کہ کوئی بدتمیزی اور شرپسندی کی کوشش کرے تو اپنے آپ میں خفت اور ذلت محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے جو لوگ مسجدوں میں بحث وتکرار اور لڑائی جھگڑا کرتے ہیں ایسے لوگ بالآخر لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہو جاتے ہیں۔ آپ نے مسجد اور بازار کا فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مسجدوں میں اس طرح بلند آواز سے گفتگو نہیں کرنی چاہیے جس طرح منڈی اور بازار میں کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ قرآنِ مجید کی تلاوت مناسب آواز سے کرنا چاہیے تاکہ ہر آدمی یکسوئی اور پورے انہماک کے ساتھ ذکر وفکر اور اللہ کی عبادت کر سکے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِيَلِيَنِيْ مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهٰي ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثَلَاثًا وَّإِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ الْأَسْوَاقِ))(رواہ مسلم: باب تسویۃ الصفوف وإقامتها)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے قریب عقلمند لوگ کھڑے ہوا کریں۔ پھر ان سے کم۔ یہ کلمات آپ نے تین دفعہ دہرائے اور فرمایا مسجدوں میں بازاروں کی طرح شور وغوغا نہ کیا کرو۔''

مسائل

۱۔ اللہ کے گھروں سے لوگوں کو روکنے والا ظالم ہے وہ دنیا وآخرت میں ذلیل ہوگا۔ ۲۔ شرارتی لوگوں پر کڑی نظر رکھنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

مسجد کا مقام واحترام:

۱۔ مسجدیں صرف اللہ کی عبادات کے لیے ہیں۔(الجن:۱۸) ۲۔ مسجدیں شرک سے پاک ہونی چاہئیں۔(الحج:۲۶)

۳۔ مسجدوں کی صفائی کا خیال رکھنا چاہیے۔(الحج:۲۶) ۴۔ مسجدیں نماز اور اعتکاف کے لیے ہیں۔(البقرۃ:۱۲۵)

۵۔ مسجدیں آباد کرنا صرف ایمانداروں کا حق ہے۔(التوبہ:۱۸) ۶۔ مشرک کو بیت اللہ میں داخل ہونے کا حق نہیں ہے۔(التوبہ:۲۸)

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ

اور اللہ کے لیے مشرق اور مغرب سو جس طرف تم منہ کرو تو اس طرف اللہ کی توجہ

اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾

بیشک اللہ وسعت والا جاننے والا

”مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں تم جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ کی توجہ ہے اللہ تعالیٰ بڑی وسعت اور علم والا ہے۔“ (۱۱۵)

فہم القرآن

ربط کلام : سابقہ آیات میں مساجد کے احترام و اکرام اور ان کا مقصد بیان فرمایا کہ ان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہونا چاہیے۔ یہاں اس بات کی وضاحت فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی توجہ صرف مسجدوں تک محدود نہیں بلکہ پوری زمین مشرق سے لے کر مغرب تک اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ اس کی توجہ زمین کے چپے چپے اور ذرّے ذرّے پر ہے۔

اسلام حقیقت پسندی کا مذہب ہے اور اس کی تعلیم یہ ہے کہ شعائر کا احترام اور خیال رکھنے کے باوجود آدمی کی نظر ہمیشہ حقائق اور اصلیت پر رہنی چاہیے۔ کیونکہ قومیں جب ظاہر پرستی میں مبتلا ہو جائیں تو ان میں حقیقی روح اور جذبہ ختم ہو جایا کرتا ہے۔ یہی صورت حال عیسائیوں اور یہودیوں میں پیدا ہوئی جس کی وجہ سے عیسائیوں نے بیت المقدس میں اس جگہ کو زیادہ افضل قرار دیا جس مشرقی کونے میں حضرت مریم علیہا السلام نے اپنے آپ کو عبادت کے لیے وقف کیا تھا اور جہاں عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی جسے بیت اللحم کہا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں یہودیوں نے مغربی جانب کو اپنے لیے زیادہ محترم قرار دیا کہ ہیکل سلیمان یہاں واقع ہے۔ مسلمانوں پر بھی ایسا دور گزرا ہے کہ جب بیت اللہ کو فکری اور جغرافیائی طور پر تقسیم کر دیا گیا۔ ملک عبدالعزیز آلِ سعود کی حکومت سے پہلے ترکوں کی طرف سے مکہ کے گورنر جسے شریفِ مکہ کہا جاتا ہے اس کے دور میں بدقسمتی سے اتحاد کے نام پر بیت اللہ میں چار مصلے بچھا دیے گئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حطیم کی طرف کھڑے ہونے والے اس لیے دوسرے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے کہ ہم فلاں ہیں اور ہماری جائے نماز زیادہ افضل ہے۔ ان کے مقابلے میں رکنِ یمانی کی جانب کھڑے ہونے والے اپنے آپ کو زیادہ حق پر سمجھتے کہ ہماری جانب حجرِ اسود کی طرف ہے۔ علی ھٰذا القیاس افسوس! مرکزِ توحید و اتحاد میں بھی ملت تقسیم ہو کر رہ گئی۔ یہاں وضاحت فرمائی گئی ہے کہ بے شک تمہارے لیے ایک قبلہ مقرر کر دیا گیا ہے جو تمہارے لیے یکسوئی اور اتحاد کی علامت بنایا گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی توجہ اس میں محدود نہیں ہوگی۔ اس کی توجہ ہر جانب یکساں اور متواتر ہوا کرتی ہے۔ انسان کوتاہ نظر ہے ورنہ اللہ کے فضل و عطا کی وسعتیں اور عفو و درگزر کی جہتیں بے مثال و لامحدود ہیں۔

مسائل

۱۔ انسان جدھر بھی منہ کرے اللہ تعالیٰ کی اس طرف توجہ ہوتی ہے۔ ۲۔ اللہ مشرق و مغرب کا مالک اور ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

نوٹ! قبلہ کے بارے میں بحث دوسرے پارے کی ابتدا میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي

اورانہوں نے کہا بنالیا اللہ بیٹا وہ پاک ہے بلکہ اس کیلئے جو میں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

آسمانوں اورزمین سب اسی کیلئے زیرفرمان پیدا کرنے والا آسمانوں اورزمین

وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

اورجب وہ فیصلہ کرتا ہے کوئی کام تو یہی کہتا ہے اسے ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے

’’یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے اس اولاد سے پاک ہے کیونکہ زمین وآسمان کی تمام مخلوق اس کی ملکیت ہے۔اور ہر کوئی اس کا تابعدار ہے۔(۱۱۶) وہ زمین وآسمانوں کو ابتداءً پیدا کرنے والا ہے۔جو کام کرنا چاہے تو صرف حکم دیتا ہے کہ ہوجا پس وہ ہوجاتا ہے۔‘‘(۱۱۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام : جب زمین وآسمان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔تو اسے اولاد کی کیا ضرورت وہ تو کن کہتا ہے اور ہر چیز اس کی مرضی کے مطابق معرض وجود میں آجاتی اور اس کی غلامی میں لگ جاتی ہے۔اولاد کی حاجت انسان کو ہے اللہ تعالیٰ ان حاجات اور کمزوریوں سے پاک ہے۔

سلسلۂ کلام سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ یہود ونصاریٰ انبیاء کے گستاخ، دین کے لیے ننگ وعار، عبادت خانوں کی بے رونقی کا باعث اور اللہ تعالیٰ کی توہین کرنے والے ہیں۔جس کی بناپر یہودیوں نے جنابِ عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا اور عیسائیوں نے اس میں اضافہ کرتے ہوئے حضرت مریم کو خدا کی بیوی اور عیسیٰ علیہ السلام کو ان کا بیٹا ٹھہرایا۔مشرکینِ مکہ نے بتوں کو خدا کا اوتار تصور کیا اور کچھ اقوام نے ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا۔یہاں اس بات کی سختی کے ساتھ تردید کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں وہ اس کمزوری سے بالکل مبرّا اور پاک ہے کیونکہ اولاد سلسلۂ نسب کے تسلسل کے لیے ضروری، انسان کی ضرورت اور اس کی طبعی محبت کا تقاضا ہے۔آدمی کی اولاد نہ ہو تو وہ اپنے گھر ویرانی، بے رونقی اور تنہائی محسوس کرتا ہے اور اپنے آپ کو کمزور اور بے سہارا سمجھتا ہے۔اللہ تعالیٰ تو ان تمام کمزوریوں سے مبرّا ہے۔اسے کسی لحاظ سے بھی نہ سہارے کی ضرورت ہے اور نہ ہی اسے تنہائی اور کمزوری کا احساس ہوتا ہے اور نہ ہی وہ کسی کی محبت میں مبتلا ہے۔حاکم کل اور قادرِ مطلق ہے۔کیونکہ جو کچھ زمین وآسمانوں میں ہے ہر چیز اس کی غلام اور تابع فرمان ہے۔اس نے زمین و آسمان کو بغیر نقشے اور میٹریل کے پیدا کیا وہ تو صرف اتنا حکم دیتا ہے کہ ہوجا وہ چیز ٹھیک ٹھیک اس کے حکم کے مطابق معرضِ وجود میں آجاتی ہے۔اس سے ان اقوام اور سائنسدانوں کے نظریے کی تردید ہوتی ہے جن کا کہنا ہے کہ روح اور

مادہ تو پہلے ہی موجود چلا آرہا ہے۔ خدا تو صرف۔ اسے ایک شکل اور وجود دینے والا ہے۔

((قَالَ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ اللّٰهُ كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذٰلِكَ وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذٰلِكَ فَأَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ لَنْ يُعِيدَنِي كَمَا بَدَأَنِي وَلَيْسَ أَوَّلُ الْخَلْقِ بِأَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ إِعَادَتِهِ وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا وَأَنَا الْأَحَدُ الصَّمَدُ لَمْ أَلِدْ وَلَمْ أُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفُوًا أَحَدٌ))

(رواه البخاري: كتاب تفسير القرآن، باب يقال لاينون أحد أي واحد)

''نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے ابن آدم جھٹلاتا ہے یہ اس کے لیے جائز نہیں وہ مجھے برا کہتا ہے اسے یہ بھی زیب نہیں دیتا۔ اس کا یہ کہنا کہ جس طرح اللہ نے مجھے پیدا کیا ہے دوبارہ ہرگز نہیں لوٹائے گا یہ مجھے جھٹلانے کے مترادف ہے حالانکہ پہلی بار پیدا کرنا دوسری بار لوٹانا میرے لیے مشکل نہیں ہے۔ ابن آدم کا یہ کہنا کہ اللہ کی اولاد ہے مجھے برا کہنا ہے حالانکہ میں اکیلا اور بے نیاز ہوں نہ میں والد ہوں اور نہ ہی مولود اور نہ ہی کوئی میرا ہمسر ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کو اولاد کی ضرورت نہیں کیونکہ زمین وآسمان کی ہر چیز اس کی ملک اور تابعدار ہے۔

۲۔ ہر کام ''اللہ'' کے ''کُنْ'' کہنے سے ہوجاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ایک ہے:

۱۔ اللہ اولاد سے پاک ہے۔ (الانعام:۱۰۱) ۲۔ عیسیٰ اور مریم علیہما السلام الٰہ نہیں اللہ کے بندے تھے۔ (المائدۃ:۷۵)

۳۔ اللہ کی اولاد قرار دینا سنگین ترین جرم ہے۔ (مریم:۹۱،۹۲)

۴۔ اللہ تعالیٰ کو کسی نے جنم نہیں دیا نہ اس نے کسی کو جنم دیا ہے۔ (الاخلاص:۳)

زمین وآسمان کی تخلیق:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر نمونے کے زمین وآسمان بنائے۔ (البقرۃ:۱۱۷)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اور سات زمینیں بنائیں۔ (البقرۃ:۲۹) ۳۔ اس نے آسمان وزمین کو برابر کیا۔ (البقرۃ:۲۹)

۴۔ آسمان کو چھت اور زمین کو فرش بنایا۔ (البقرۃ:۲۲) ۵۔ زمین اور آسمانوں کو چھ دنوں میں بنایا۔ (الاعراف:۵۴)

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ

اور کہا | جولوگ | علم نہیں رکھتے | کیوں نہیں | ہم سے بات کرتا | اللہ | یا ہمارے پاس آتی | کوئی نشانی

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ

اسی طرح | کہا | جولوگ | سے | ان سے پہلے | جیسی | ان کی بات | ایک جیسے ہوگئے | انکے دل

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ

یقینا | ہم نے واضح کردیں | نشانیاں | لوگوں کیلئے | یقین رکھتے ہیں | بیشک ہم | ہم نے آپ کو بھیجا | حق کے ساتھ

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

خوشخبری دینے والا | اورڈرانے والا | اور نہ | آپ سے پوچھا جائیگا | سے | والے | دوزخ

’’اور بے علم لوگوں نے مطالبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا۔ یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے مطالبہ کیا تھا۔ ان کے اور ان کے دل یکساں ہوگئے ہیں بلاشبہ ہم نے یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں بیان کردی ہیں۔ (۱۱۸) ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور آپ سے جہنم والوں کے بارہ میں پوچھ گچھ نہیں کی جائے گی۔‘‘ (۱۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح اللہ تعالیٰ کی اولاد ٹھہرانا غلط ہے۔ اسی طرح ان کا براہِ راست اللہ تعالیٰ کو دیکھنے یا اس سے براہ راست بات کرنے کا مطالبہ بھی غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کی زیارت دنیا کی آنکھوں سے کرنا ناممکنات میں سے ہے۔

اہلِ کفر کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ جب بھی وہ انبیاء کے مقابلے میں لاجواب ہوتے تو یہ مطالبہ کرتے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ جس رب نے آپ کو نبی بنایا ہے وہ براہِ راست ہمیں اپنے آپ پر ایمان لانے کا حکم کیوں نہیں دیتا؟ یا پھر ہمارے پاس ایسے دلائل و معجزات کیوں نہیں آتے؟ جن کو دیکھتے ہی ہم آپ کی رسالت اور خدا کی خدائی پر ایمان لانے کے لیے مجبور ہو جائیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کے مطالبہ کو اس لیے درخورِ اعتناء نہیں سمجھا گیا کیونکہ اس سے زیادہ جہالت پر مبنی کوئی مطالبہ نہیں ہوسکتا۔ مشرکین مکہ سے پہلے بنی اسرائیل نے مطالبہ کیا تھا۔ انہوں نے کوہِ طور پر اللہ کے نور کی ایک جھلک دیکھی تو سارے کے سارے بے ہوش ہوگئے۔ قرآن مجید صاف، صاف بتلاتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں انسان کی آنکھ ربِّ کبریا کو نہیں دیکھ سکتی جب کہ اللہ تعالیٰ سب کو دیکھ رہا ہے۔ (الانعام: ۱۰۳) اگر اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو براہ راست حکم دینا اور بات کرنی ہے اور ہر کوئی انبیاء کی طرح پاکباز اور باصلاحیت ہو تو پھر پیغمبروں کی آمد کا مقصد ہی باقی نہیں رہتا۔ اس بے ہودہ سوال کا جواب دینے کی بجائے فقط اتنا فرمایا کہ ان کی زبان اور دل ان لوگوں کی طرح ہو چکے ہیں جنہوں نے ہمیشہ انکار اور تمرّد کا راستہ اختیار کرتے ہوئے ایسا مطالبہ کیا ہے۔ جہاں تک کھلے اور واضح دلائل اور معجزات کا تعلق ہے وہ اس سے زیادہ کیا ہو سکتے ہیں کہ ان کے سامنے چاند کا دو ٹکڑے ہونا، آپ کا آسمانوں کی رفعتوں سے بلند سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنا، قرآن مجید کی

ایک ایک پیش گوئی کا حرف بحرف سچ ہونا، معجزات اور آیات کا نازل ہونا۔ پھر آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کی شکل میں ایک چلتا پھرتا معجزۂ مجسم بھی ان کے سامنے تھا۔ جس کی نظیر و مثال قیامت تک کوئی پیش نہیں کر سکتا اتنے واضح و بیّن براہین و دلائل پر ایمان تو وہی لوگ لاتے ہیں جو یقین و اعتماد کی صلاحیتوں سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ بلاشبہ ہم نے آپ ﷺ کو ایسی سچائی کے ساتھ جلوہ گر کیا ہے کہ جس پر ایمان لانے والوں کے لیے دنیا و آخرت کی بشارتیں اور منکروں کے لیے دنیا میں پریشانیاں اور آخرت میں پشیمانیاں ہوں گی۔ میرے نبی! آپ اپنا کام کرتے جائیں۔ آپ برے کاموں پر انتباہ کرنے اور اچھے کاموں کی اچھی خوشخبری دینے والے ہیں۔ ہم قیامت کے دن آپ سے یہ سوال نہیں کریں گے کہ آپ کے ہوتے ہوئے یہ جہنم کے سزاوار کیوں ٹھہرے؟

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ أُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ نَبِيٌّ قَبْلِيْ وَلَا أَقُوْلُهُنَّ فَخْرًا بُعِثْتُ إِلَي النَّاسِ كَافَّةً لِلْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِيْ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا وَأُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ فَأَخَّرْتُهَا لِأُمَّتِيْ فَهِيَ لِمَنْ لَّا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا)) (مسند احمد: باب مسند عبداللہ بن العباس [حسن])

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے ایسی پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ میں ان کے بارے میں فخر سے بات نہیں کرتا میں تمام سرخ و سیاہ لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں اور ایک مہینے کی مسافت تک میری رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے۔ میرے لیے غنیمت کا مال حلال قرار دیا گیا ہے جب کہ مجھ سے پہلے کسی امت کے لیے حلال نہ تھا اور میرے لیے زمین مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنا دی گئی ہے اور مجھے شفاعت عطا کی گئی میں نے اسے اپنی امت کے لیے مؤخر کر دیا ہے اور وہ ہر اس شخص کو فائدہ ہوگا جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا۔“

مسائل

۱۔ جاہل اور کافر لوگ اللہ تعالیٰ کو براہِ راست دیکھنے کا مطالبہ کرتے رہے ہیں۔

۲۔ انبیاء کا کام لوگوں کو جہنم سے کھینچنا نہیں بلکہ ان کو اچھے، برے سے آگاہ کرنا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خوشخبری دینے اور انتباہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا:

۱۔ بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے اور اس سے ہم کلامی کا مطالبہ کیا۔ (النساء: ۱۵۳)

۲۔ اللہ تعالیٰ براہ راست کسی سے کلام نہیں فرماتا۔ (الشوریٰ: ۵۱)

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ پردے میں بات کرتا تھا۔ (الشوریٰ: ۵۱)

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ

اور ہرگز راضی نہ ہونگے آپ سے یہود اور نہ نصاریٰ یہاں تک آپ تابعداری کریں

مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ؕ وَلَئِنِ

ان کا دین فرمادیں بیشک ہدایت اللہ وہی ہدایت اور اگر

اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ

آپ نے پیروی کی ان کی خواہشات بعد وہ جو کہ تیرے پاس آ گیا علم سے نہیں تیرے لیے

مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۲۰﴾

سے اللہ سے حمایت کرنیوالا اور نہ مددگار

وقف منزل

”یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے۔ جب تک آپ ان کے مذہب کا تابع نہ ہو جائیں۔ فرمادیں کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اگر آپ نے علم آجانے کے باوجود ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے ہاں آپ کا نہ کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار۔(۱۲۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہل کفر اور یہود و نصاریٰ کے تمام کے تمام مطالبات بھی مان لیے جائیں تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے لہٰذا اے رسول! آپ ﷺ اپنا کام کرتے رہیں کیونکہ آپ کو ان کا ہر مطالبہ پورا کرنے اور ہر حال میں انہیں راضی کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ آپ حق کی شہادت اور ان کے برے کاموں کے انجام سے ڈراتے ہیں۔ ہدایت تو وہی لوگ پائیں گے جو کتاب اللہ کو اخلاصِ نیت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

صحابہ کرام ؓ کو رہ رہ کر یہ خیال آتا تھا کہ اہلِ کتاب پڑھے لکھے اور اپنے آپ کو دین دار سمجھنے کے باوجود رسالت مآب ﷺ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ صحابہ ؓ کو تسلی دینے کے لیے براہِ راست رسولِ محترم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے یہود و نصاریٰ کی فطرتِ خبیثہ کے بارے میں آگاہ کیا جارہا ہے کہ یہ لوگ اس وقت تک آپ سے خوش نہیں ہو سکتے جب تک آپ لوگ اپنا دین چھوڑ کر ان کے دین کو قبول نہ کرلیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہدایت تو وہی ہے جس پر وہ قائم ہیں۔

اے نبی! ان سے فرمادیجیے جسے تم ہدایت سمجھتے ہو وہ ہدایت نہیں۔ ہدایت تو وہ ہے جس کی رہنمائی اور توفیق اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔ یہاں ہمیشہ کے لیے یہ اصول بیان کر دیا کہ ہدایت وہ نہیں جس کو کوئی انسان، قوم یا کوئی پارلیمنٹ متعین کرے بلکہ دینی اور حقیقی ہدایت وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی صورت میں آپ پر نازل فرمایا ہے۔ اگر علم و معرفت کے باوجود آپ ان کی طرف جھک گئے تو یاد رکھیں کہ جن لوگوں کی حمایت اور خوشی کے لیے آپ ایسا کریں گے وہ تو ذاتِ کبریا کے سوا آپ کا خیر خواہ اور مددگار ثابت نہیں ہوگا۔ اس فرمان کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت

اَلَّذِيْنَ	اٰتَيْنٰهُمُ	الْكِتٰبَ	يَتْلُوْنَهٗ	حَقَّ	تِلَاوَتِهٖ ؕ	اُولٰٓئِكَ
جو لوگ	ہم نے دی انہیں	کتاب	اس کی تلاوت کرتے ہیں	حق	اس کی تلاوت	وہی لوگ
يُؤْمِنُوْنَ	بِهٖ ؕ	وَمَنْ	يَّكْفُرْ	بِهٖ	فَاُولٰٓئِكَ	هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع
ایمان رکھتے ہیں	اس پر	اور جو	انکار کریں	اس کا	وہی	وہ نقصان پانے والے

ع ۹/۱۴ ۱۴

جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا کی اور وہ اس کا حق تلاوت ادا کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کے ساتھ کفر کرے گا وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔'' (۱۲۱)

اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو پیش نگاہ رکھنا چاہیے۔ اگر مسلمان دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اپنا دین اور تہذیب چھوڑ دیں گے تو اس طرح یہود و نصاریٰ تو وقتی طور پر خوش ہوں گے لیکن مسلمان اپنے رب کی نصرت وحمایت سے محروم ہو جائیں گے۔ جو اپنے رب کی نصرت وحمایت سے محروم ہوا اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اس کے ساتھ ہی اس بات کی وضاحت فرمائی جارہی ہے کہ اہلِ کتاب میں وہی لوگ محمد عربی ﷺ کی رسالت اور قرآن کی صداقت پر ایمان لائیں گے جو ذہنی تحفظات اور گروہی تعصّبات سے بالاتر ہو کر تورات، انجیل اور قرآن مجید پر ایمان لاتے ہیں۔ حصولِ ہدایت کا یہی وہ بنیادی اصول ہے جس کے لیے قرآن بار بار اس بات کی دعوت دیتا ہے۔ کہ اے دنیا جہاں کے لوگو! کتابِ ہدایت کو تدبر و تفکر کے ساتھ پڑھو تاکہ تمہارے لیے ہدایت کا راستہ واضح اور آسان ہو جائے۔ جنہوں نے کتاب اللہ میں تدبر و تفکر سے اجتناب اور اس کے حقائق کا انکار کیا وہ بالآخر نقصان پائیں گے۔

((عَنْ أَبِي ذَرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ بَعْدِي مِنْ أُمَّتِي أَوْ سَيَكُونُ بَعْدِيْ مِنْ أُمَّتِي قَوْمٌ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَلَاقِيمَهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَخْرُجُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ ثُمَّ لَا يَعُوْدُوْنَ فِيهِ هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيقَةِ)) (رواہ مسلم: کتاب الزکوۃ، باب الخوارج شر الخلق والخلیقۃ)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد ایک قوم آئے گی وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلقوں سے تجاوز نہیں کرے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر اپنی کمان سے نکل جاتا ہے۔ پھر وہ دین کی طرف نہیں لوٹ سکیں گے۔ وہ انسانوں اور جانوروں میں سے بدترین ہوں گے۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا أَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِلنَّبِيِّ أَنْ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْآنِ))

(رواہ البخاری: کتاب، فضائل القرآن، باب من لم یتغن بالقرآن)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنا پسند نہیں کرتا جس قدر نبی ﷺ کی زبان سے قرآن کو خوبصورت پڑھنا پسند کرتا ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کی وضاحت میں سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے ''یَسْتَغْنِی بِہٖ'' کہ اس کو وعظ ونصیحت کے معاملے میں کافی سمجھا جائے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد بلند آواز کے ساتھ پڑھنا ہے۔(واللہ اعلم)

((عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَیِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِکُمْ))

(رواہ ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب استحباب الترتیل فی القراءۃ[صحیح])

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو۔''

مسائل

١۔ جب تک مسلمان یہودی یا عیسائی نہ ہوجائیں یہود ونصاریٰ راضی نہیں ہوسکتے۔

٢۔ کتاب وسنت کی اتباع کے بغیر اللہ تعالیٰ کی ہدایت نصیب نہیں ہوسکتی۔

٣۔ قرآن وسنت کی اتباع کیے بغیر خدا کی نصرت وحمایت حاصل نہیں ہوتی۔

٤۔ قرآن مجید کی تلاوت اس کے تقاضے پورے کرتے ہوئے کرنی چاہیے۔

٥۔ قرآن کی راہنمائی کا انکار کرنے والے دنیا وآخرت میں نقصان اٹھائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

خواہشات کی پیروی کرنا جرم ہے:

١۔ اللہ کی راہنمائی آجانے کے بعد اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کرنا چاہیے۔(ص:٢٦)

٢۔ فیصلہ کرتے وقت خواہشات کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے۔(المائدۃ:٤٩)

٣۔ علم کے باوجود خواہشات کی پیروی کرنے والا اللہ کی ضمانت سے نکل جاتا ہے۔(الرعد:٣٧)

٤۔ اپنی خواہش کی پیروی کرنا اپنے نفس کو رب بنانا ہے۔(الفرقان:٤٣)

٥۔ حق کو خواہشات کے تابع کرنے سے نظام کائنات درہم برہم ہوجائے گا۔(المؤمنون:٧١)

٦۔ نبی کی بات نہ ماننا اپنی خواہش کی پیروی کی علامت ہے۔(القصص:٥٠)

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	اذْكُرُوْا	نِعْمَتِيَ	الَّتِيْٓ	اَنْعَمْتُ	عَلَيْكُمْ	وَاَنِّيْ	
اے بنی اسرائیل	تم یاد کرو	میری نعمت	جو کہ	میں نے انعام کی	تم پر	اور بلاشبہ میں نے	
فَضَّلْتُكُمْ	عَلَى	الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾	وَاتَّقُوْا	يَوْمًا	لَّا	تَجْزِيْ	نَفْسٌ
تمہیں فضیلت دی	پر	تمام دنیا والے	اور ڈرو	دن	نہیں	کافی ہوگی	کوئی شخص
عَنْ	نَّفْسٍ	شَيْـًٔـا	وَّلَا	يُقْبَلُ	مِنْهَا	عَدْلٌ	
سے	کسی شخص	کچھ	اور نہ	قبول کیا جائیگا	اس سے	کوئی معاوضہ	
وَّلَا	تَنْفَعُهَا	شَفَاعَةٌ	وَّلَا	هُمْ	يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾		
اور نہ	اسے نفع دے گی	کوئی سفارش	اور نہ	ان	مدد کی جائے گی		

''اے اولادِ یعقوب علیہ السلام! میں نے جو نعمتیں تم پر انعام کی ہیں انہیں یاد کرو میں نے تمام دنیا پر تمہیں فضیلت عطا کی تھی۔ (۱۲۲) اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص کسی شخص کے کام نہ آسکے گا۔ نہ کسی شخص سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا نہ اسے کوئی سفارش فائدہ دے گی نہ ان کی مدد کی جائے گی۔'' (۱۲۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سورۃ البقرۃ میں اہلِ کتاب بنی اسرائیل کو تیسری بار خطاب کیا جارہا ہے۔ جس میں بیت اللہ کی تاریخ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا ذکر خاص کر اس دعا کا ذکر ہے جس میں انہوں نے مکہ میں مبعوث ہونے والے آخری پیغمبر کے لیے اللہ کے حضور کی تھی۔

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو تیسری مرتبہ اپنی عطا کردہ نعمتیں اور فضیلتیں یاد کروا کر احساس دلا رہا ہے کہ تم جس عزتِ رفتہ کے حصول کے خواہش مند ہو وہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے راستے پر چل کر حاصل نہیں ہوسکتی۔ آج تم مسلمانوں کے خلاف ایک دوسرے کے معاون اور مددگار بن رہے ہو اس دن کی ہولناکیاں اپنے احاطۂ خیال میں لاؤ جس دن تم رائی کے دانے کے برابر بھی ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکو گے۔ تمہارے لیے یہ بات بہتر ہے کہ تم خواہ مخواہ مخالفت اور ناشکری کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے اپنے جدِّ امجد کا راستہ اختیار کرو اور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو تاکہ تمہیں پہلے کی طرح عزت وعظمت سے نوازا جائے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ میرے بندے یعقوب علیہ السلام کے فرزندو اور میرے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے خانوادے کے ساتھ تعلق رکھنے والو! سنو، غور کرو اور میری نعمتوں کو ایک دفعہ پھر اپنے ذہن میں تازہ کرو جو میں نے دنیا کے تمام لوگوں سے بڑھ کر تمہیں عنایت فرمائی تھیں۔ اگر تم عزتِ رفتہ اور انعاماتِ گزشتہ کا اعادہ اور حصول چاہو تو پھر یومِ احتساب سے پہلے

اپنے کردار پر نظر ثانی کرو۔ چہ جائے کہ وہ دن وارد ہو جائے جب عزیز اپنے عزیز، ماں اپنے جگر گوشے اور باپ اپنے لختِ جگر کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔ نہ ہی دولت مند کی دولت اس کے کام آئے گی اور نہ کسی کی سفارش اور اثر و رسوخ دوسرے کا معاون اور مددگار ثابت ہو سکے گا۔ اسی کے پیش نظر رسولِ کریم ﷺ نے اپنے جگر گوشہ بتول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرتے ہوئے نصیحت فرمائی تھی:

((یَافَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ یَاصَفِیَّةَ بِنْتَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ یَابَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَاأَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا سَلُوْنِیْ مِنْ مَّالِیْ مَاشِئْتُمْ))(رواہ مسلم:باب فی قولہ وأنذر عشیرتک الأقربین)

''اے محمد کی بیٹی فاطمہ اور عبدالمطلب کی بیٹی صفیہ اور اے عبدالمطلب کی اولاد میں تمہارے لیے اللہ کے ہاں کسی چیز کا مالک نہیں ہوں گا البتہ میرے مال میں سے جتنا چاہو مطالبہ کر سکتے ہو۔''

{ یُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِىٕذٍۭ بِبَنِیْهِ ﴿۱۱﴾ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِیْهِ ﴿۱۲﴾ وَ فَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُـْٔوِیْهِ ﴿۱۳﴾ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۙ ثُمَّ یُنْجِیْهِ ﴿۱۴﴾ كَلَّا ؕ } (المعارج:۱۱تا۱۵)

''مجرم چاہے گا کہ اس دن بیٹوں کا فدیہ دے کر عذاب سے بچ جائے اور اپنی بیوی، اپنے بھائی اور اپنے اس کنبہ کا جو اسے پناہ دیا کرتے تھے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کچھ دے کر نجات پالے لیکن ایسا ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔''

{ اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ﴿۶۷﴾ } (الزخرف:۶۷)

''اس دن متقین کے علاوہ سب دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دنیا کی نعمتوں اور عظمتوں سے سرفراز فرمایا تھا۔

۲۔ قیامت کے دن مجرموں کی کوئی کسی لحاظ سے مدد نہیں کر سکے گا۔

۳۔ انسان کو ہر وقت اپنے دل میں قیامت کا ڈر رکھنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن فدیہ اور سفارش قبول نہ ہوگا:

۱۔ کسی جان سے قیامت کے دن فدیہ قبول نہیں ہوگا۔(البقرہ:۴۸)

۲۔ کفار سے عذاب کے بدلے زمین کے برابر سونا بھی قبول نہ ہوگا۔(آل عمران:۹۱)

۳۔ ہر جان اپنا بوجھ خود اٹھائے گی۔(النجم:۳۸) ۴۔قیامت کے دن کسی کی چالیں اسے فائدہ نہیں دیں گی۔(الطور:۴۶)

قَالَ	فَاَتَمَّهُنَّ ؕ	بِكَلِمٰتٍ	رَبُّهٗ	اِبْرٰهٖمَ	ابْتَلٰٓى	وَاِذِ
اس نے فرمایا	تو پورا کر دیا انکو	چند باتوں سے	اس کا رب	ابراہیم	آزمایا	اور جب

ذُرِّيَّتِىْ ؕ	وَمِنْ	قَالَ	اِمَامًا ؕ	لِلنَّاسِ	جَاعِلُكَ	اِنِّىْ
میری اولاد	اور سے	عرض کی	امام	لوگوں کا	تمہیں بنانیوالا ہوں	بیشک میں

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾	عَهْدِى	يَنَالُ	لَا	قَالَ
ظالموں کو	میرا عہد	پہنچتا	نہیں	اس نے فرمایا

''جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور انہوں نے ان کو پورا کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تجھے لوگوں کا امام بناؤں گا۔ ابراہیم نے عرض کی کہ میری اولاد کو بھی فرمایا میرا وعدہ ظالموں سے نہیں ہے۔'' (۱۲۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام : بنی اسرائیل کے جدِ امجد ابراہیم علیہ السلام کا کردار اور ان کا اللہ تعالیٰ کی آزمائشوں میں پورا اترنے کے بعد مقام ومرتبہ۔

اے بنی اسرائیل! آج تم اپنے فرسودہ نظریات، مذہبی تعصّبات اور معمولی مفادات کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ تمہارے جدِ امجد ابراہیم علیہ السلام کی شان تو یہ تھی کہ جب اس کے رب نے اسے امتحانات کے ذریعے آزمایا تو اس نے اولاد، مال، وطن، عزت واقبال گویا کہ ہر چیز اللہ کے راستے میں قربان کر دی۔ اس طرح وہ آزمائشوں سے گزر کر اپنے رب کے ہاں سرخرو ہوئے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھاری آزمائشوں کے لیے چند کلمات کا لفظ استعمال فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلے میں یہ بڑے مختصر اور معمولی امتحانات تھے۔

چند کلمات کے الفاظ میں یہ راز بھی مضمر ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو انسان کو ایک ایک نعمت کے بدلے آزمالے تاکہ دنیا میں ہی فیصلہ ہو جائے کہ کون سا انسان کس نعمت کا قدر دان اور کس کی ناقدری کرتا ہے۔

آزمائش کا مقصد بندے کو تکلیف دینا نہیں ہوتا بلکہ اسے اور اس کے حوالے سے دوسروں کو نعمتوں کا احساس دلانا، اس کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا اور آزمائشوں کی گزرگاہ سے گزار کر دنیا اور آخرت کی ترقیوں سے سرفراز کرنا، حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ابتلاء کی دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کر چکے تو ان کو رہتی دنیا تک لوگوں کا قائد اور امام بنا دیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پدری اور فطری جذبے کا اظہار کرتے ہوئے اپنے رب کے حضور عرض کی کہ یہ اعزاز واکرام اور منصب ومقام میری اولاد کو بھی ملنا چاہیے۔ جواباً ارشاد ہوا کہ منصبِ امامت اور حقیقی عزت ظالموں کو نہیں ملا کرتی۔ لہٰذا فاسق وفاجر لوگوں کے ساتھ ہمارا وعدہ نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جس قدر شریعتیں نازل ہوئیں اور جتنے انبیاء مبعوث ہوئے وہ سب کے سب حضرت

ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کے پابند کردیے گئے۔ یہاں تک کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی یہی حکم ہوا کہ آپ بھی ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کو اپنے اور اپنی امت کے لیے لازم ٹھہرائیں۔

{ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ } (النحل:۱۲۳)

''پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ یکسور ہنے والے ابراہیم کی ملت کی اتباع کرو اور وہ مشرک نہیں تھے۔''

{ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ } (آل عمران:۹۵)

''فرمادیں کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے لہٰذا تمہیں ابراہیم کے طریقہ کی اتباع کرنی چاہیے جو اللہ ہی کے ہو گئے تھے اور مشرک نہیں تھے۔''

مسائل

۱۔ ابراہیم علیہ السلام تمام امتحانات میں کامیاب ہوئے۔ ۲۔ ابراہیم علیہ السلام کو آزمائشوں میں سرخروئی کے بدلے دنیا کی امامت عطا ہوئی۔
۳۔ حقیقی عزت و سرفرازی ظالم لوگوں کو نصیب نہیں ہوا کرتی۔

تفسیر بالقرآن

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحانات اور ان کا مقام و منزلت:

۱۔ (ابرہیم علیہ السلام کا اسماعیل علیہ السلام کو قربانی کے لیے پیش کرنا) بہت بڑا امتحان تھا۔ (الصّٰفّٰت:۱۰۶)

۲۔ ابراہیم علیہ السلام کو توحید کی خاطر آگ میں پھینکا جانا بہت بڑی آزمائش تھا۔ (الانبیاء:۶۸)

۳۔ ابراہیم علیہ السلام کا اپنی بیوی اور نومولود بچے کو بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ کر آنا بہت بڑی آزمائش تھا۔ (ابرہیم:۳۷)

۴۔ ابراہیم علیہ السلام امتِ محمدیہ کے لیے نمونہ ہیں۔ (الممتحنۃ:۴) ۵۔ ابراہیم علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے مقتدیٰ ہیں۔ (النحل:۱۲۳)

۶۔ ابراہیم علیہ السلام امت کے مقتدیٰ ہیں۔ (آلِ عمران:۹۵) ۷۔ ابراہیم علیہ السلام اکیلے ہی ایک جماعت تھے۔ (النحل:۱۲۰)

۸۔ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنالیا۔ (النساء:۱۲۵) ۹۔ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے نہ عیسائی۔ (آلِ عمران:۶۷)

۱۰۔ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کے بانی ہیں۔ (البقرۃ:۱۲۷)

۱۱۔ ابراہیم علیہ السلام پر صحف نازل کیے گئے۔ (الاعلیٰ:۱۹) ۱۲۔ ابراہیم علیہ السلام بردبار اور نرم خو انسان تھے۔ (التوبۃ:۱۱۴)

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۭ وَاتَّخِذُوْا مِنْ

اور جب | ہم نے بنایا | خانہ کعبہ | بار بار لوٹنے کی جگہ | لوگوں کیلئے | اور باعثِ امن | اور تم بناؤ | سے

مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۭ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا

مقام ابراہیم | نماز کی جگہ | اور ہم نے حکم دیا | ابراہیم کو | اور اسماعیل کو | یہ کہ | تم دونوں پاک رکھو

بَيْتِىَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿١٢٥﴾

میرا گھر | طواف کرنے والوں کیلئے | اور اعتکاف کرنے والے | اور رکوع کرنے والے | سجدہ کرنے والے

''اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے ثواب اور امن وامان کا مقام بنایا اور ہم نے حکم دیا کہ مقامِ ابراہیم کو جائے نماز بناؤ ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں، رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو گے۔'' (۱۲۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ اس میں حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے بیت اللہ کا متولی ہونے کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔

یہودی اور عیسائی اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ بیت اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا ہے۔ان کی تردید اور بیت اللہ کی تاریخی حیثیت بتلانے کیلئے قرآن مجید نے ابتدا سے لے کر بیت اللہ کی تاریخ بتلائی ہے تاکہ یہود ونصاریٰ کی غلط فہمی دور ہوسکے۔

اس جہانِ رنگ وبو میں بے شمار خوبصورت سے خوبصورت ترین عمارات ومحلات موجود ہیں۔جن کے حسن وجمال میں اضافہ کرنے کے لیے لاکھوں، کروڑوں، اربوں روپے خرچ ہوئے اور کیے جارہے ہیں۔ان کو دیکھو تو عقل دنگ رہ جاتی ہے لیکن کوئی ایسی جگہ یا عمارت نہیں جس کے دیدار کو اہلِ جہاں کے لیے لازم قرار دیا گیا ہو اور جس کے لیے اتنی دنیا کے دل تڑپتے ہوں یہ اکرام واعزاز صرف ایک عمارت کو نصیب ہوا جس کو عام پتھروں سے اٹھایا گیا ہے۔اللہ رب العزت نے اس کو بیت اللہ قرار دیا یعنی اللہ کا گھر۔

{ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ } (آلِ عمران:۹۷)

''اور اللہ کے لیے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے جو اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتے ہوں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دینِ حنیف کی تبلیغ کے لیے اردن، شام اور حجازِ مقدس کو مرکز قرار دیا تھا اردن میں حضرت لوط، حجاز میں حضرت اسماعیل اور شام فلسطین میں بذات خود اور حضرت اسحاق علیہ السلام دین حنیف کی خدمت کررہے تھے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام گاہے گاہے ان مراکز کا دورہ کرتے اور ہدایات فرماتے رہتے تھے۔اس طرح آپ حسبِ معمول حکم خداوندی حضرت ہاجرہ اور جناب اسماعیل علیہ السلام کی خبر گیری کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے اسی اثنا میں تعمیر کعبہ کا حکم ہوا جس کی نبی رحمت ﷺ کی زبانِ اطہر سے بخاری شریف میں ان الفاظ میں تفصیل موجود ہے:

((ثُمَّ لَبِثَ عَنْهُمْ مَّاشَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِكَ وَإِسْمٰعِيْلُ يُبْرِیْ نَبْلًا لَّهٗ تَحْتَ دَوْحَةٍ قَرِيْبًا مِّنْ زَمْزَمَ فَلَمَّا رَاٰهُ قَامَ إِلَيْهِ فَصَنَعَا كَمَا يَصْنَعُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ ثُمَّ قَالَ يَا إِسْمَاعِيْلُ إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِیْ أَنْ اَبْنِیَ هٰهُنَا بَيْتًا وَأَشَارَ إِلٰی اَكَمَةٍ مُرْتَفِعَةٍ عَلٰی مَا حَوْلَهَا قَالَ فَعِنْدَ ذٰلِكَ رَفَعَا الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ فَجَعَلَ إِسْمَاعِيْلُ يَأْتِیْ بِالْحِجَارَةِ وَاِبْرَاهِيْمُ يَبْنِیْ حَتّٰی اِذَا ارْتَفَعَ الْبِنَاءُ جَآءَ بِهٰذَا الْحَجَرِ فَوَضَعَهٗ لَهٗ فَقَامَ عَلَيْهِ وَهُوَيَبْنِیْ وَإِسْمَاعِيْلُ يُنَاوِلُهُ الْحِجَارَةَ))

(رواہ البخاری: كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالٰی واتخذ الله ابراہیم خلیلا)

’’پھر جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ملک (فلسطین) میں ٹھہرے رہے اس کے بعد جب اسماعیل علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تو اسماعیل علیہ السلام زمزم کے پاس ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر تیر ٹھیک کر رہے تھے۔ جب اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد مکرم کو دیکھا تو اٹھ کر استقبال کیا۔ دونوں اس طرح ملے جس طرح باپ اپنے بیٹے سے ملتا ہے پھر فرمانے لگے: بیٹا اسماعیل! مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس اونچی جگہ پر بیت اللہ تعمیر کروں۔ اسماعیل علیہ السلام نے عرض کی میں حاضر خدمت ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اسی جگہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھائیں۔ اسماعیل علیہ السلام پتھر لائے جا رہے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر فرما رہے تھے جب دیواریں اونچی ہوگئیں اور زمین پر کھڑے ہو کر پتھر لگانا مشکل ہو گیا تو جبرائیل علیہ السلام یہ پتھر لے کر آئے جس کو مقام ابراہیم کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پتھر پر چڑھ کر کعبہ کی تکمیل فرمائی اور اسماعیل علیہ السلام معاونت کرتے رہے۔‘‘

{ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ } (البقرۃ:۱۲۷)

’’اور یاد کرو جب ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام بیت اللہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے اے ہمارے پروردگار! ہماری یہ خدمت قبول فرما تو سب کی سننے اور جاننے والا ہے۔‘‘

پاک صاف رکھنے کا معنیٰ صرف یہی نہیں کہ اس کو کوڑے کرکٹ سے پاک صاف رکھا جائے بلکہ اس کے ساتھ اس کو شرک وبدعات کی روحانی گندگی اور فتنہ فساد سے بھی محفوظ رکھا جائے جیسا کہ قرآن مجید کے دوسرے مقام میں واضح ارشاد موجود ہے کہ مشرک کو حرم میں داخل نہ ہونے دیا جائے کیونکہ مشرک روحانی طور پر گندہ اور پلید ہوتا ہے۔

{ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ } (التوبۃ:۲۸)

’’اے ایمان والو! مشرکین ناپاک ہیں اس سال کے بعد یہ مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں۔‘‘

{ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِی النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ } (التوبۃ:۱۷)

”مشرکین کوکوئی حق نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کے معمار بنیں درآں حالیکہ وہ اپنے اوپر خود کفر کی شہادت دے رہے ہیں۔ان کے تو سارے اعمال ضائع ہو گئے اور جہنم میں ان کو ہمیشہ رہنا ہوگا۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی خدایا مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھنا۔

{وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ} (ابراہیم:۳۶،۳۵)

”اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور دعا کی کہ پروردگار! اس شہر کو امن کا شہر بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ یارب! اس لیے کہ ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔“

اس لیے نبی اکرم ﷺ نے جب مکہ فتح کیا تو تمام بتوں کو مسمار کر دیا اور کعبہ میں داخل ہو کر ان تصویروں کو بھی مٹایا جو مشرکین نے دیواروں پر ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی بنائی ہوئی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر ارشاد فرمایا:

”یقینا اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرمت والا بنایا ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا فرمایا ہے یہ اللہ کی حرمت کی وجہ سے قیامت تک محترم ہے نہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے جائز ہوا نہ ہی بعد میں کسی کے لیے جائز ہوگا میرے لیے بھی تھوڑی دیر کے علاوہ کبھی حلال نہ ہوگا۔ نہ اس کا شکار بھگایا جائے نہ اس کا کانٹا اکھاڑا جائے اور نہ ہی گھاس کاٹی جائے اور وہاں کسی کی گری ہوئی چیز اعلان کرنے والے کے علاوہ کوئی نہ اٹھائے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کہنے لگے اللہ کے رسول! اذخر نامی گھاس مستثنیٰ کریں کیونکہ وہ لوہاروں اور گھروں کے لیے ضروری ہے آپ خاموش رہے پھر فرمایا ہاں اذخر گھاس کا جلانا جائز ہے۔“(رواه البخاري: كتاب الجزية، باب إثم الغادر)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو مرکز خلائق اور جائے امن بنایا ہے۔ ۲۔ مقامِ ابراہیم کو جائے نماز بنانا چاہیے۔

۳۔ بیت اللہ کو ہر آلائش سے پاک صاف رکھنا لازم ہے۔

تفسیر بالقرآن

بیت اللہ کا مقام ومرتبہ:

۱۔ بیت اللہ ہدایت کا مرکز ہے۔ (آلِ عمران:۹۶) ۲۔ بیت اللہ جائے امن ہے۔ (آل عمران:۹۷)

۳۔ اہلِ مکہ کو بیت اللہ کی وجہ سے امن، رزق اور احترام ملا ہے۔ (قریش:۳،۴)

۴۔ بیت اللہ جائے ثواب ہے۔ (البقرۃ:۱۲۵) ۵۔ بیت اللہ قبلہ ہے۔ (البقرۃ:۱۴۴)

وَاِذْ	قَالَ	اِبْرٰھٖمُ	رَبِّ	اجْعَلْ	ھٰذَا	بَلَدًا	اٰمِنًا	وَّارْزُقْ	اَھْلَہٗ	
اور جب	کہا	ابراہیم	اے میرے رب	بنا	یہ	شہر	امن والا	اور روزی دے	اسکے رہنے والے	
مِنَ	الثَّمَرٰتِ	مَنْ	اٰمَنَ	مِنْھُمْ	بِاللّٰہِ	وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ	قَالَ	وَمَنْ	کَفَرَ	
سے	پھل (جمع)	جو	ایمان لائے	ان سے	اللہ پر	اور آخرت کا دن	اس نے فرمایا	اور جو	اس نے کفر کیا	
فَاُمَتِّعُہٗ	قَلِیْلًا	ثُمَّ	اَضْطَرُّہٗٓ	اِلٰی	عَذَابِ	النَّارِ	وَبِئْسَ	الْمَصِیْرُ ﴿۱۲۶﴾		
تو میں اسے نفع دوں گا	تھوڑا	پھر	مجبور کروں گا اس کو	طرف	کا عذاب	دوزخ	اور بری	لوٹنے کی جگہ		

’’جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی اے پروردگار! تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا دے اور یہاں کے رہنے والوں کو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں۔ انہیں پھلوں سے رزق عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے کفر کیا اس کو بھی میں تھوڑا فائدہ دوں گا پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف دھکیل دوں گا۔ جو لوٹنے کی بدترین جگہ ہے۔‘‘ (۱۲۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مکہ معظمہ اہلِ مکہ کے لیے خصوصی دعائیں۔

سورۃ ابراہیم آیت ۳۷ میں بیان ہوا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اہلِ خانہ کو بیت اللہ کے پڑوس میں چھوڑ کر جا رہے تھے۔ تو انہوں نے دوسری دعاؤں کے ساتھ یہ بھی التجا اور دعا کی تھی کہ بارالٰہا! میں اپنی رفیقۂ حیات اور لختِ جگر کو ایسی سرزمین پر چھوڑ رہا ہوں جو بنجر اور غیر آباد ہے۔ اس لیے ان کی روزی کا انتظام فرما۔ ساکنینِ مکہ کے لیے رزق کی دعا کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تخصیص کے ساتھ عرض کی کہ الٰہی! رزق صرف ان لوگوں کو ملنا چاہیے جو تیری ذاتِ کبریا اور آخرت کی جزا و سزا پر یقین رکھتے ہوں۔ اس تخصیص کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔ پہلی غیرتِ ایمانی کی بنا پر جس کی وجہ سے بسا اوقات خدا کے منکروں کی عیش و عشرت دیکھ کر مومن محسوس کرتا ہے کہ دنیا کے وسائل سے نافرمان لوگ اور زیادہ نافرمان ہو جاتے ہیں۔ انہیں تو رزق ملنے کی بجائے بھوکا مرنا چاہیے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب جنابِ ابراہیم علیہ السلام کو امامت کے منصب سے نوازا گیا تھا تو انہوں نے یہ اعزاز اپنی اولاد کے لیے بھی مانگا تھا۔ جس کی وضاحت میں ارشاد ہوا تھا کہ ظالموں کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہو پائے گا۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ شاید رزق کا معاملہ بھی ایسا ہی ہو لہٰذا انہوں نے مومنوں کے لیے ہی رزق کی دعا کی۔ جس کے جواب میں فرمایا گیا کہ رزق تو سب کو دیا جائے گا لیکن ناشکروں اور نافرمانوں کو قیامت کے دن ان کے کفر و شرک کی وجہ سے جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ یہاں جہنمی کو جہنم میں داخل کرنے کے لیے اضطرار کا لفظ استعمال فرمایا ہے کیونکہ جہنم کو دیکھ کر جہنمی چیخیں چلائیں گے کہ ہمیں جہنم میں داخل نہ کیا جائے لیکن یہ چیخ و پکار انہیں جہنم سے نہیں بچا سکے گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہلِ مکہ کے لیے رزق کی دعا کرتے ہوئے ثمرات کا لفظ استعمال کیا ہے اس کا معنیٰ صرف میوہ جات و ثمرات نہیں بلکہ ہر قسم کی آمدنی ہے۔ جیسا کہ ہر زبان میں محاورہ ہے کہ یہ اجر فلاں محنت کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔ اس کی

وضاحت سورۃ قصص آیت ۵۷ میں فرمائی گئی ہے:

{ وَ قَالُوْۤا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ } (القصص:۵۷)

''اور کہتے ہیں اگر ہم تمہارے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو اپنے ملک سے اچک لیے جائیں۔ کیا ہم نے ان کو حرم میں جو امن کا مقام ہے، جگہ نہیں دی۔ جہاں ہر قسم کے میوے پہنچائیں جاتے ہیں اور رزق ہماری طرف سے ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔''

یاد رہے پھل کے لیے قرآن میں ''فَاكِهَة'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کی جمع عربی میں ''فَوَاكِهَة'' آتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی رفیقۂ حیات حضرت ہاجرہ اور لختِ جگر کو مکہ میں چھوڑتے وقت سب سے پہلے جو دعا کی وہ امن و امان کے بارے میں تھی۔ کیونکہ اس وقت حضرت ہاجرہ اور ان کے لختِ جگر اسماعیل کے سوا کوئی اور یہاں آباد نہ تھا۔ اتنے لق و دق صحرا اور سنگلاخ بیابان میں بس ماں بیٹا ہی تو تھے۔ اس لیے ان کے حفظ و امان کی فکر ایک فطری بات تھی۔ اس دعا میں یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ جس مقام پر امن و امان نہ ہو وہاں بسنے والے زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے۔ لہٰذا کسی جگہ پر ٹھہرنے کے لیے پہلی ضرورت یہی ہوا کرتی ہے کہ وہاں کے باسیوں کو ہر قسم کا سکون میسر ہو۔ اس کے بغیر کوئی علاقہ ترقی نہیں کر سکتا۔ اس لیے چادر اور چار دیواری کی حفاظت حکومت کی اوّلین ترجیح ہونا چاہیے۔

اس دعا کے جواب میں ارشاد ہوا کہ رزق اور دنیا کے فائدے تو ان لوگوں کو بھی عطا کروں گا جو سرے سے میری ذات کے انکاری ہوں گے کیونکہ میں خالق، رازق ہوں۔ دنیا کے فائدے کیلئے قلیل کا لفظ استعمال فرمایا ہے اس لیے کہ آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں دنیا کی مدت اور نعمتیں قلیل اور عارضی ہیں۔ البتہ آخرت میں کفر و الحاد اور انکار و اعراض کی وجہ سے انہیں سخت عذاب میں دھکیل دیا جائے گا۔

مسائل

١۔ اہلِ مکہ کو ہر قسم کے پھل ملنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ رزق عطا کرنے میں کافر و مسلمان کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتا کیونکہ وہ سب کا رازق ہے۔

٣۔ آخرت کے مقابلے میں پوری دنیا متاعِ قلیل ہے۔ ۴۔ قیامت کے دن کافر جہنم میں دھکیلے جائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں:

١۔ نیک اولاد کے لیے دعا۔ (الصافات:١٠٠) ٢۔ اللہ تعالیٰ سے قوت، حکم اور جنت کی دعا۔ (الشعراء:٨٢ تا ٨٥)

٣۔ باپ کے لیے بخشش کی دعا جو قبول نہیں ہوئی۔ (الشعراء:٨٦)

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا

اور جب اٹھاتے تھے ابراہیم بنیادیں سے کعبہ اور اسمٰعیل اے ہمارے رب

تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا

قبول فرمالے ہم سے بیشک تو تو سننے والا جاننے والا اے ہمارے رب اور ہمیں بنالے

مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا

فرمانبردار اپنا اور سے ہماری اولاد امت فرمانبردار اپنی اور ہمیں دکھا

مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

حج کے طریقے اور توبہ قبول فرما ہماری بیشک تو تو توبہ قبول کرنیوالا رحم کرنیوالا

”جب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کعبہ کی بنیادیں اٹھاتے ہوئے دعا مانگ رہے تھے کہ ہمارے پروردگار ہم سے قبول فرما بلاشبہ تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (۱۲۷) اے ہمارے رب ہمیں اپنا تابع فرماں بنالے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنا اطاعت گزار رکھنا اور ہمیں حج کے مسائل سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما بے شک تو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔“ (۱۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بانی کعبہ ہونے کا مزید ثبوت کیونکہ باقاعدہ بیت اللہ کا حج انہی کے زمانے سے شروع ہوا اور انہی پر مناسک حج اتارے گئے۔

تاریخ عالم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ وہ بانئ کعبہ کے نام سے مشہور ہیں اس اعزاز پر فخر کرنے کی بجائے اپنے رب کے سامنے حضورِ قلب اور عجز کے ساتھ فریاد کررہے ہیں اے رب کریم! تیرے گھر کی تولیّت اور تعمیر محض تیرے فضل وکرم کا نتیجہ ہے۔ ورنہ ہماری کیا حیثیت کہ ہم تیرے گھر کی تعمیر اور خدمت کا اعزاز پائیں۔ ہماری التجا ہے کہ اسے دنیا میں سکون کا گہوارہ، مرکز ہدایت اور لوگوں کی عقیدت واحترام کا مرجع بنادے اور ہماری طرف سے دنیا وآخرت میں یہ معمولی اور ناچیز محنت تیرے حضور شرفِ قبولیت پائے۔ نیکی کا حقیقی معیار اور مقام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور منظور ہو جائے۔ تکمیل کعبہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اس کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام نے مل کر یہ دعائیں کیں کہ بارِ الٰہا! ہمیں ہمیشہ اپنا تابع فرمان رکھنا اور ہماری اولاد بھی آپ کی تابع فرمان رہے تاکہ ہمارے بعد اس مشن کی پشتیبانی کرتے رہیں اور یہ سلسلۂ ہدایت قیامت تک قائم ودائم رہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے بیت اللہ کی حاضری کے آداب اور حج کے مناسک کی راہنمائی کے لیے درخواست پیش کرتے ہوئے یہ بھی فریاد کی کہ اے ہمارے خالق ومالک! ہم پر ہمیشہ اپنے کرم سے توجہ فرمانا کیونکہ تیری نظر کرم اور مہربانی سے ہی ہماری خطائیں معاف اور دنیا وآخرت میں سرخروئی حاصل ہوگی۔ بے شک آپ توبہ قبول کرنے والے اور نہایت مہربان ہیں۔

تاریخ کعبۃ اللہ:

{ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ } (آل عمران:۹۶)

’’بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی۔ وہ مکہ مکرمہ میں ہے اس کو خیر و برکت دی گئی ہے اور اہلِ دنیا کے لیے مرکزِ ہدایت بنایا گیا ہے۔‘‘

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری شرح جامع صحیح بخاری میں ایک روایت ذکر کی ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بیت اللہ کی سب سے پہلی اساس حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں رکھی گئی اور اللہ کے فرشتوں نے ان کو اس جگہ کی نشاندہی کی پھر طوفان نوح اور ہزاروں سال کے حوادث نے اس کو بے نشان کر دیا تھا۔ تو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اس کی تعمیر کی۔

((عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ مَرْفُوعًا: بَعَثَ اللهُ جِبْرِيلَ إِلَى آدَمَ فَأَمَرَهُ بِبِنَاءِ الْبَيْتِ فَبَنَاهُ آدَمُ، ثُمَّ أَمَرَهُ بِالطَّوَافِ بِهِ وَقِيلَ لَهُ أَنْتَ أَوَّلُ النَّاسِ وَهَذَا أَوَّلُ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ))

(شرح فتح الباری: ج ۱۰، ص ۱۴۶)

’’حضرت عبداللہ بن عمرو بیان مرفوع روایت بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کے پاس بھیجا اور انہیں بیت اللہ بنانے کا حکم دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی، پھر انہیں طواف کا حکم ہوا اور ان سے کہا گیا تو لوگوں میں سے سب سے پہلا ہے اور یہ پہلا گھر ہے جو لوگوں کے لیے تعمیر کیا گیا ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ نیکی قبول ہونے کی دعا کرنا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نیتوں کو جانتا اور ہر بات کو سننے والا ہے۔

۳۔ اپنے اور اپنی اولاد کے لیے مسلمان رہنے کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ سے حج کی توفیق مانگنا چاہیے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا، نہایت ہی شفیق و رحیم ہے۔

تفسیر بالقرآن

بیت اللہ کی فضیلت:

۱۔ بیت اللہ کی نشاندہی اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ (الحج:۲۶) ۲۔ بیت اللہ کو ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر کیا۔ (البقرۃ:۱۲۷)

۳۔ دنیا میں سب سے پہلے تعمیر ہونے والا گھر بیت اللہ ہے۔ (آل عمران:۹۶)

۴۔ بیت اللہ کی زیارت ہر صاحبِ استطاعت پر فرض ہے۔ (آل عمران:۹۷)

۵۔ اہل مکہ کو بیت اللہ کی وجہ سے امن، رزق اور احترام ملا ہے۔ (قریش:۳،۴)

۶۔ پیدل اور سوار دور سے اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ (الحج:۲۷)

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ

اے ہمارے رب | اور بھیج | ان میں | ایک رسول | ان سے | وہ پڑھے | ان پر | تیری آیتیں

وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۲۹﴾ ع

اور انہیں تعلیم دے | کتاب | اور حکمت | اور انہیں پاک کرے | بیشک تو | تو | غالب | حکمت والا

’’اے ہمارے رب! ان میں انہیں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان کے سامنے تیری آیات پڑھے انہیں کتاب وحکمت سکھائے۔ اور وہ انہیں پاک کرے یقیناً تو غالب حکمت والا ہے۔‘‘ (۱۲۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبی آخر الزماں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے لیے خصوصی دعا جس میں واضح ثبوت ہے کہ آخری نبی بنی اسماعیل میں سے مکہ میں ہوگا۔

قرآنِ مجید کے الفاظ سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی دعا اس وقت کی جب انہوں نے اپنی رفیقۂ حیات اور لختِ جگر کو بیت اللہ کے قریب ٹھہرایا تھا۔ کچھ دعائیں تعمیر کعبہ کے دوران اور باقی تکمیل کعبہ کے بعد اللہ کے حضور کی گئیں۔ آخری دعا میں ایک ایسے نبی کی ضرورت کا تذکرہ ہے جو نا صرف اسی قوم سے ہو بلکہ اس کی پیدائش بھی مکہ معظّمہ میں ہونے کی درخواست کی گئی ہے۔ اس دعا میں نبوت کی غرض وغایت اور اس کے چار بنیادی فرائض کا ذکر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسری دعاؤں کے ساتھ اس دعا کو بھی شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبی آخر الزماں کی بشارت سے نوازا۔

(قَدْ أُسْتُجِيبَ لَكَ وَهُوَ كَائِنٌ فِىْ آخِرِ الزَّمَانِ) (تفسیر ابن کثیر)

’’تیری دعا مقبول ہے اور وہ نبی آخر زمانہ میں ہوگا۔‘‘

((عَنْ أَبِىْ أُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ مَا كَانَ أَوَّلُ بَدْءِ اَمْرِكَ قَالَ دَعْوَةُ أَبِىْ إِبْرَاهِيْمَ وَبُشْرٰى عِيْسٰى وَرَأَتْ أُمِّيْ أَنَّهٗ يَخْرُجُ مِنْهَا نُوْرٌ أَضَاءَ تْ مِنْهَا قُصُوْرُ الشَّامِ)) (مسند احمد: کتاب باقی مسند الانصار، باب حدیث أبی امامۃ الباہلی الصدی بن عجلان [صحیح لغیرہ])

’’حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسولِ محترم ﷺ سے پوچھا کہ آپ کی نبوت کی ابتدا کس بات سے ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا، عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور میری ماں نے دیکھا کہ ان سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محل روشن ہوگئے۔‘‘

مسائل

۱۔ کتاب اللہ کی تبلیغ، تعلیم، لوگوں کو دانش سکھلانا اور تربیت کرنا نبوت کے بنیادی کام ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب اور اس کے ہر کام اور حکم میں حکمت ہوتی ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ

اورکون منہ موڑتا ہے سے دین ابراہیم سوائے جس نے بیوقوف بنایا اپنے آپ

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور بیشک ہم نے اسے چن لیا میں دنیا اور بیشک وہ میں آخرت البتہ سے نیکوکار (جمع)

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

جب فرمایا اس کو اس کا رب تابعدار ہوجا اس نے عرض کی میں تابعدار ہوگیا تمام جہان رب کیلئے

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى

اور وصیت کی اس کے ساتھ ابراہیم اپنے بیٹے اور یعقوب میرے بیٹو بیشک اللہ چن لیا

لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ ؕ

تمہارے لیے دین پس تم ہرگز نہ مرنا مگر اور تم مسلمان (جمع)

”دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جس نے اپنے آپ کو بے وقوف بنالیا ہے۔ بلا شک ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں چن لیا اور آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے ہوگا۔ (۱۳۰) جب اسے اس کے رب نے فرمایا فرمانبردار ہوجا تو اس نے عرض کی میں نے رب العالمین کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دیا ہے۔ (۱۳۱) ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی کہ اے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند فرمالیا ہے تمہیں موت مسلمان ہونے کی حالت میں آنی چاہیے۔“ (۱۳۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سابقہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عقیدے کی وضاحت ان کو بیت اللہ کا بانی ثابت کرنا ان کا اہلِ مکہ سے خصوصی تعلق اور نبی کریم کی نبوت کے بارے میں واضح ثبوت دیتے ہوئے یہ وضاحت کی جارہی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو بھی اسی عقیدے کی وصیت فرمائی تھی جس کی دعوت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پیش کررہے ہیں جو شخص ابراہیم علیہ السلام کے عقیدہ اور ان حقائق کو نہیں مانتا اس کی حماقت میں کیا شک ہوسکتا ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے رب کے حضور اطاعت گزاریاں، قربانیاں، دعائیں بالخصوص یہ التجا جس میں نبی آخر الزماں کی بعثت کی آرزو کی گئی ہے ان سے وہی شخص اعراض وانحراف کرسکتا ہے جس نے اپنے آپ کے لیے حماقت اور نقصان کا راستہ پسند کرلیا ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی خدمات اور امتحانات کی وجہ سے انہیں دنیا میں نیک نامی، عظمت اور رہتی دنیا تک امامت کے منصب سے سرفراز فرمایا ہے اور آخرت میں یقینا وہ اللہ کے پسندیدہ اور برگزیدہ لوگوں میں ہوں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت شعاری کا یہ حال تھا کہ جب بھی ان کے رب نے انہیں حکم فرمایا کہ تابعدار ہوجاؤ۔ وہ یہ کہتے ہوئے پورے اخلاص اور مکمل انہماک کے ساتھ اپنے رب کے فرمانبردار ہوئے کہ فرمانبرداری میرا کمال اور احسان نہیں

میں تو اس رب کی فرمانبرداری کررہا ہوں جس کی سب کو فرمانبرداری کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ تو سب کو پالنے والا اور تمام جہانوں کا مالک ہے۔ یہ فرمانبرداریاں ان کی ذات اور بیٹوں تک محدود نہیں تھیں بلکہ ان کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنی نسل کو اسی طریقے اور دین پر مرمٹنے کی ہدایت کی تھی۔ لیکن اے اہلِ کتاب! تمہاری حالت یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وراثت کے دعویدار ہونے کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے گھر کو تسلیم نہیں کرتے ہو اور نہ ہی ان کی دعا کے صلہ میں مبعوث ہونے والے محمد عربی خاتم النبیین ﷺ کو ماننے کے لیے تیار ہو۔ بتاؤ اس سے زیادہ حماقت اور کیا ہو سکتی ہے؟ آدمی کے اعمال کا دارومدار اس کے خاتمہ پر ہے لہٰذا آدمی کو اپنے انجام کی فکر کرنی چاہیے جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ یوں فرمایا کرتے تھے:

((عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ...... وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ))

(رواہ البخاری: باب العمل بالخواتیم)

''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ...... اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔''

((عَنْ بُسْرِ بْنِ أَرْطَاةَ الْقُرَشِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَدْعُو اللّٰهُمَّ أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُوْرِ كُلِّهَا وَأَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ)) (رواہ احمد: مسند بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ [صحیح])

''حضرت بسر بن ارطاۃ قرشی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ دعا کرتے سنا: ''اے اللہ تمام معاملات میں ہمارا انجام اچھا فرما اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے محفوظ فرما۔''

مسائل

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرزِ حیات سے منہ پھیرنے والا احمق ہوگا۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دنیا میں معزز ترین اور آخرت میں صالحین میں سے ہیں۔

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام زندگی بھر اپنے رب کے تابع فرمان رہے۔

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو مرتے دم تک مسلمان رہنے کی وصیت فرمائی۔

تفسیر بالقرآن

حضرت ابراہیم علیہ السلام سب کے پیشوا ہیں:

۱۔ ابراہیم علیہ السلام سب کے پیشوا ہیں۔ (البقرۃ: ۱۲۴) ۲۔ ابراہیم علیہ السلام سب کے لیے اسوہ ہیں۔ (الممتحنۃ: ۴)

۳۔ نبی آخر الزمان ﷺ کو ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا حکم ہوا ہے۔ (النحل: ۱۲۳)

۴۔ ملت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا سب کو حکم ہے۔ (آل عمران: ۹۵)

۵۔ اللہ کے نزدیک اسلام پسندیدہ دین ہے۔ (آل عمران: ۱۹) ۶۔ ایمان والوں کو اسلام پر موت آنی چاہئے۔ (آل عمران: ۱۰۲)

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ

کیا تم تھے موجود جب آئی یعقوب موت جب اس نے کہا

لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ

اپنے بیٹوں کو کس کی تم عبادت کرو گے؟ میرے بعد انہوں نے کہا ہم عبادت کرینگے تیرا معبود اور معبود

اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ

تیرے آباء ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق معبود واحد اور ہم اسی کے

مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ

فرمانبردار یہ ایک امت تحقیق گزری گئی اس کیلئے جو اس نے کمایا

وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

اور تمہارے لیے جو تم نے کمایا اور تم سے نہ پوچھا جائیگا اسکے بارے میں تھے وہ کرتے

”کیا تم یعقوب علیہ السلام کی موت کے وقت موجود تھے۔ جب انہوں نے اپنی اولاد کو فرمایا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ سب نے جواب دیا کہ تیرے معبود کی اور تیرے آباء ابراہیم، اسماعیل، اور اسحاق علیہم السلام کے معبود کی جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے۔ (۱۳۳) یہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی جو انہوں نے کیا وہ ان کے لیے ہے اور جو تم کرو گے وہ تمہارے لیے ہے۔ ان کے اعمال کے بارے میں تمہیں نہیں پوچھا جائے گا۔“ (۱۳۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلی آیات میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وصیت کا بیان تھا۔ جس کا اہلِ کتاب انکار کرتے ہیں۔ لہٰذا ان سے سوال کیا گیا ہے کہ کیا تم ان کی وفات کے وقت موجود تھے کہ انہوں نے یہ نصیحت نہیں کی تھی؟

انبیائے عظام کے ذمہ قوموں کی رہنمائی کا فریضہ ہوا کرتا ہے۔ اس جان کٹھن اور ہمہ وقت بھاری ذمہ داری کے باوجود انبیاء اپنے اہلِ خانہ کی ذمہ داریوں سے لحہ بھر کے لیے غافل نہیں ہوا کرتے تھے۔ ان کی کوشش ہوتی کہ ان کی ذات اور ان کے اہل خانہ لوگوں کے لیے بہترین نمونہ ثابت ہوں۔ اس بارے میں وہ اس قدر فکر مند ہوتے تھے کہ جب موت کا فرشتہ سرہانے کھڑا جان قبض کرنے کی اجازت لے رہا ہوتا۔ جن نازک لمحات میں انسان کی نگاہیں دنیا کی بجائے اگلی آخرت پر مرکوز ہوتی ہیں دوسری کوئی چیز سوجھائی نہیں دیتی۔ انبیاء اس وقت بھی اپنی ذمہ داری کے بارے میں فکر مند ہوتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اسی فکر مندی میں اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے ایک عہد لے رہے ہیں کہ جانِ پدر! میرے چل چلاؤ کا وقت آن پہنچا ہے۔ لیکن میں اس اطمینان اور تسلی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہونا چاہتا ہوں وعدہ کیجیے کہ میرے

بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ حضرت یعقوب علیہ السلام کی دعاؤں اور کوششوں کا نتیجہ تھا کہ ان کی اولاد بیک زبان عرض کرتی ہے ہم آپ کے معبود اور اپنے عظیم آباء حضرت ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کے معبود کی عبادت کیا کریں گے۔ ان سب کا ایک ہی معبود تھا لہٰذا ہم ایک ہی اللہ کے تابع فرمان اور اس کی عبادت کریں گے۔

اس واقعہ میں بتلایا جارہا ہے کہ والدین کو اپنی ذمہ داریوں کا کس قدر خیال رکھنا چاہیے۔ ساتھ ہی اہل کتاب کو باور کروایا گیا ہے کہ اگر تم واقعی اپنے آپ کو اس عظیم خاندان کا وارث سمجھتے ہو تو تمہیں صالح اولاد کا کردار ادا کرتے ہوئے اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت اور عہد کا خیال رکھنا چاہیے۔ ان کا عقیدہ توحید پر مبنی اور کردار اللہ تعالیٰ کے فرمان کے تابع تھا۔ اگر تم نے اپنے عقیدہ اور کردار کو ان جیسا بنانے کی کوشش نہ کی اور آخر الزمان نبی ﷺ پر ایمان نہ لائے تو قیامت کے دن محض عقیدت اور نسبت کچھ کام نہ آسکے گی اور دنیا میں بھی کوئی قوم صرف حسب ونسب کی بنیاد پر عزت ورفعت حاصل نہیں کر سکتی۔ نبی معظم ﷺ نے اس اصول کا اس طرح تذکرہ فرمایا ہے۔

((مَنْ بَطَّأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ)) (رواہ مسلم: کتاب الذکر والدعاء)

”جو اپنے کردار کی وجہ سے پیچھے رہ گیا اسے حسب ونسب کام نہیں دے گا۔“

اس کے ساتھ یہ اصول بھی بیان فرمادیا گیا کہ کوئی کسی کے اعمال کی وجہ سے نہ پکڑا جائے گا اور نہ بخشا جائے گا اور یہی اصول اسلامی حکومت کے لیے لازم قرار پایا۔

((لَا يُقَادُ وَالِدٌ مِنْ وَّلَدٍ)) (رواہ احمد: باب مسند عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ [صحیح])

”بیٹے کے بدلے باپ نہیں پکڑا جاسکتا۔“

مسائل

۱۔ ماں باپ کو اپنی اولاد سے توحید اور اللہ کی عبادت کا عہد لینا چاہیے۔ ۲۔ تمام انبیاء ایک اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔

۳۔ لوگوں کو قیامت کے دن ان کے اپنے اپنے اعمال کے بارے میں سوال ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

”اللہ“ کا پسندیدہ دین اسلام ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو پسند فرمایا ہے۔ (المائدۃ: ۳) ۲۔ اللہ تعالیٰ اسلام کی دعوت دیتا ہے۔ (یونس: ۲۵)

۳۔ اسلام فرمانبرداری کا نام ہے۔ (آل عمران: ۸۳) ۴۔ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہونا چاہیے۔ (البقرۃ: ۲۰۸)

۵۔ اسلام پر ہی مرنا چاہیے۔ (آل عمران: ۱۰۲) ۶۔ یوسف علیہ السلام بھی یہی دعا کرتے تھے۔ (یوسف: ۱۰۱)

۷۔ جس نے دین اسلام سے تمسک کرلیا اس نے مضبوط کڑے کو پکڑ لیا تمام امور کا انجام اللہ کے ہاں ہے۔ (لقمان: ۲۲)

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ

اورانہوں نے کہا ہوجاؤ یہودی یانصرانی تم ہدایت پالوگے فرمادیجیے بلکہ دین

اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا

ابراہیم یکسوہوجانیوالے اورنہ تھا سے مشرکین کہہ دو ہم ایمان لائے

بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ

اللہ پر اورجو نازل کیا گیا ہماری طرف اورجو نازل کیا گیا طرف ابراہیم

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى

اوراسمٰعیل اوراسحٰق اوریعقوب اوراولاد اورجو دیا گیا موسیٰ

وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ

اورعیسیٰ اورجو دیا گیا انبیاء سے ان کارب نہیں ہم فرق کرتے

بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

درمیان کسی ایک ان سے اورہم اسی کے فرمانبردار

''وہ کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی بن جاؤ تبھی ہدایت پاؤ گے آپ فرمادیں کہ صحیح راہ تو ملت ابراہیم ہے اور وہ شرک کرنے والے نہیں تھے۔(۱۳۵) اے مسلمانو! تم کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر جو ہماری طرف اتاری گئی اور اس پر بھی جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد پر اتاری گئی اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰ، عیسیٰ علیہما السلام اور دوسرے انبیاء دیے گئے ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔''(۱۳۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب لوگوں کو یہودی اور عیسائی ہونے کی دعوت دیتے ہیں حالانکہ لوگوں کو ملت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت دینا چاہیے۔ لہٰذا اے نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں کو وہی دعوت دیں جو ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد عالی دیا کرتی تھی۔ وہ دعوت توحید خالص اور دین اسلام کی دعوت تھی۔

فکر وعمل کے لحاظ سے کمزور جماعتیں لوگوں کو اپنی طرف راغب رکھنے اور اپنے بوسیدہ نظریات کو منوانے کے لیے ہمیشہ سے بزرگوں کا نام ناجائز استعمال کرتی آئی ہیں۔ ایسے لوگ فکری دولت سے اس قدر محروم ہوتے ہیں کہ وہ صدیوں پہلے فوت شدگان بزرگوں کو بھی اپنے بوسیدہ نظریات کا حامل ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہود ونصاریٰ بھی اسی فکری بیچارگی کا شکار تھے اور ہیں۔ لہٰذا جب بھی انہیں دینِ اسلام کی دعوت پیش کی جاتی ہے تو وہ اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لیے حضرت

ابراہیم علیہ السلام اور جنابِ یعقوب علیہ السلام کو یہودی ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ یہاں ایک بار پھر واضح کیا جارہا ہے کہ جن بزرگوں کو تم اپنے نظریات کا حامل ثابت کررہے ہو ان کا تو تمہارے نظریات کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں تھا اور نہ ہی مشرکین کے ساتھ ان کا تعلق جوڑا جاسکتا ہے لہٰذا اس بنا پر سرورِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جارہا ہے کہ آپ دوٹوک انداز میں اس بات کا اظہار فرمائیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے انبیاء کا نظریہ یہود و نصاریٰ اور اہلِ مکہ کے نظریات سے یکسر مختلف تھا۔ وہ تو ایک رب کی توحید کو ماننے والے اور زندگی بھر اسی کے تابع فرمان رہنے والے تھے۔

اسی دعوت کا اقرار اور اظہار مسلمانوں سے کروایا جارہا ہے کہ ہم اسی عقیدے کے حامل اور اُسی دعوت کے داعی ہیں جو عظیم المرتبت ہستیاں اور ان کی نیک اولاد پھر انہی کی پیروی کرنے والے جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دیا کرتے تھے۔ ہم بلا تفریق ان کی پیغمبرانہ حیثیت کو تسلیم اور ان کی شریعتوں کی تائید کرتے ہیں۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَءُونَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيُفَسِّرُونَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِاللهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا الْآيَةَ)) (رواہ البخاری: باب قولوا آمنا باللہ وما أنزل علینا)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہلِ کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے اور مسلمانوں کے لیے اس کی تفسیر عربی زبان میں کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ تم اہل کتاب کی تصدیق کرو اور نہ ان کو جھٹلاؤ بلکہ تم کہو کہ ہم اللہ پر اور جو ہماری طرف اُتارا گیا اس پر ایمان لے آئے ہیں۔“

مسائل

۱۔ ہدایت کا سرچشمہ صرف ملت ابراہیم ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ اور قرآن مجید، پہلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانا اور تمام انبیاء کو بلاتفریق تسلیم کرنا ہی اسلام کا مقصد ہے۔
۳۔ انبیاء کے درمیان فرق کرنا کفر ہے۔ ۴۔ انبیاء میں سے کسی کی گستاخی کرنا جائز نہیں۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کا مقام اور کتبِ آسمانی کا احترام:

۱۔ تمام انبیاء پر ایمان لانا فرض ہے۔ (البقرۃ:۱۳۶) ۲۔ پہلی کتب آسمانی پر ایمان لانا لازم ہے۔ (البقرۃ:۴)
۳۔ اللہ تعالیٰ اور انبیاء کے درمیان فرق کرنا کفر ہے۔ (النساء:۱۵۰)

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ

پھر اگر | وہ ایمان لائیں | جیسے | تم ایمان لائے | اس پر | تو وہ ہدایت پا گئے | اور اگر

تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ ۚ فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ

انہوں نے منہ پھیرا | تو بیشک وہی | وہ | میں | ضد | پس عنقریب آپ کو کافی ہوگا ان کے مقابلے میں | اللہ

وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ

اور وہ | سننے والا | جاننے والا | رنگ | اللہ | اور کون | اچھا

مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

سے | اللہ | رنگ | اور ہم | اسی کی | عبادت کرنے والے

”اگر وہ تمہاری طرح ایمان لائیں تو ہدایت پائیں گے اور اگر منہ موڑیں تو وہ واضح طور پر ضد کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عنقریب ان کے مقابلہ میں آپ کو کافی ہوگا اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔ (۱۳۷) اللہ کا رنگ اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ کے رنگ سے اچھا رنگ کس کا ہوسکتا ہے۔ ہم تو اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔“ (۱۳۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کی دعوت کے وارث اور اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے جس وجہ سے ان کے ایمان کو ایمان کی کسوٹی قرار دیا گیا ہے۔

اے یہود و نصاریٰ اور دنیا کے لوگو! اگر تم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ایمان اور تسلیم و رضا کا رویہ اختیار کرلو تو ہدایت پا جاؤ گے۔ اگر لوگ نبی کی دعوت اور صحابہ کے طریقہ کا انکار کریں تو پھر سمجھ جایئے کہ یہ لوگ مخالفت برائے مخالفت کی روش اختیار کیے ہوئے ہیں۔ مسلمانو! بے پرواہ ہو جاؤ کفار کا حسد و بغض اور اختلاف تم کو حقیقی اور دائمی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شرارتوں سے تمہیں محفوظ رکھنے کا ذمہ لے رکھا ہے۔ ”اللہ“ ان کی زبان درازیوں اور سازشوں کو جاننے اور سننے والا ہے۔

دنیا کے مختلف مذاہب نے اپنی پہچان کے لیے اپنے طور پر کچھ شعار اور نشان مقرر کر رکھے ہیں نبی اکرم ﷺ کے دور میں غیر یہودی یہودیت میں داخل ہوتا تو یہودی اسے خاص طریقے سے غسل دیتے اور عیسائی اپنے مذہب میں داخل ہونے والے کو رنگ دار پانی کے ساتھ نہانے کا حکم دیتے جسے اصطباغ کا نام دیا گیا تھا۔ بعد ازاں یہودیوں نے مذہبی اجارہ داری قائم کرنے کے لیے آہستہ آہستہ یہ عقیدہ بنا لیا کہ نسلی یہودی کے علاوہ غیر مذہب کا کوئی شخص یہودی مذہب قبول نہیں کر سکتا عیسائیوں نے بپتسمہ کی رسم ایجاد کی ان کی دیکھا دیکھی ہندوؤں نے تلک ایجاد کیا کہ جب کوئی ہندو مذہب قبول کرے تو باقی

رسومات کے ساتھ اس کے ماتھے پر صنوبر کا نشان لگایا جائے جسے وہ تلک کا نام دیتے ہیں۔ ہندوؤں اور دوسرے مذاہب سے منفرد ہونے کے لیے سکھوں نے اپنے لیے پانچ نشان مقرر کیے۔ کیس، کرپان، کڑا، کنگھا اور کچھا اپنا مذہبی نشان قرار دیا ہے۔ زرتشت جو ایران میں پائے جاتے ہیں چین، جاپان، ہندوستان، سری لنکا اور دیگر ممالک میں بسنے والے بدھ مت کے پیروکاروں نے اپنے لیے ایک عہد تیار کیا ہے۔ ان کے مذاہب میں داخل ہونے والا مخصوص الفاظ میں ایک عہد کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن اسلام ایسا دین ہے جس نے مسلمان ہونے کے لیے کلمہ پڑھنا لازم قرار دیا ہے۔ جس کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ مسلمان ہونے والا اقرار کرتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا معبود، خالق، مالک، رازق، حاکم، حاجت روا اور مشکل کشا نہیں سمجھتا اور میرے راہنما، مرشد اور قائد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جو میرے لیے کامل واکمل نمونہ ہیں اور میں اسی کو دنیا و آخرت کی فوز وفلاح کا ذریعہ سمجھتا ہوں اور اسی طریقہ پر زندگی بسر کروں گا جب اس عقیدے کا رنگ انسان کے کردار پر چڑھ جائے تو اسے کوئی خوف اور لالچ اپنے مقصد سے نہیں ہٹا سکتا۔ اس عقیدہ کو ''صِبْغَةَ اللهِ'' کا نام دیا گیا ہے۔ جس کے مختلف شیڈ (Shade) ہیں جن کا تذکرہ سورۃ الاحزاب کی آیت ۲۲ اور سورۃ التوبہ کی آیات ۲۰ تا ۲۲ میں کیا گیا ہے۔

زرتشت اور بدھ کا عہد:

بپتسمہ عیسائیوں کی وہ رسم ہے جو عیسائی مذہب میں شامل ہونے کے وقت ادا کی جاتی ہے اور اس رسم کی ادائیگی کے بغیر کوئی عیسائیت میں داخل نہیں ہوسکتا اور اس رسم کا تعلق ایک طرح سے عقیدہ کفارہ سے ہے۔ ان کے خیال میں اس رسم کی ادائیگی کے بعد انسان گناہوں سے بالکل پاک ہو جاتا ہے اسے مختلف انداز سے سرانجام دیا جاتا ہے۔ عام طور پر ایسے شخص کو جسے بپتسمہ دیا جائے ایک کمرے میں لٹا کر اس کے پورے جسم پر تیل کی مالش کی جاتی ہے جس کے بعد اسے غسل دیا جاتا ہے اور اس سے پوچھا جاتا ہے۔ کیا تم باپ بیٹے اور روح القدس پر مکمل ایمان رکھتے ہو؟ اس کے اقرار کرنے کے بعد اسے سفید کپڑے پہنائے جاتے ہیں اور پھر وہ تمام اشخاص جو بپتسمہ لے چکے ہیں اجتماعی طور پر کلیسا میں جاتے ہیں اور عشائے ربانی میں شرکت کرتے ہیں۔ بپتسمہ کا ذکر انجیل مارک میں ملتا ہے۔

> ''یوحنا لوگوں کو بپتسمہ دیتا اور لوگوں کو ان کے گناہوں سے پاک کرتا تھا۔ یروشلم کے بہت سے لوگ اس کے پاس آئے اور اپنے گناہوں کا اقرار کر کے بپتسمہ لیا اور یوحنا اس بات کا اقرار کرتا تھا کہ میرے بعد وہ شخص آئے گا جو مجھ سے زیادہ طاقت والا ہوگا اور تمہیں روح القدس سے بپتسمہ دے گا۔''

اس انجیل میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ حضرت مسیح نے یوحنا سے بپتسمہ لیا۔

عشائے ربانی:

عیسائی عقیدہ میں اس رسم کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ بقول عیسائی حضرات کے اس رسم کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنفسِ نفیس محفل میں تشریف لاتے ہیں۔ اس کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ اتوار کو گرجا میں سروس اور پھر دعا وغیرہ کے بعد پادری باپ

بیٹے اور روح القدس کی برکت سے دعا کرتا ہے اور روٹی شراب میں بھگو کر تقسیم کی جاتی ہے۔ تاکہ عقیدہ کفارہ کی یاد تازہ کی جائے اور یہ روٹی اور شراب عیسائی حضرات کے عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح کا گوشت اور خون بنتے ہیں۔ یہ عبادت اس یاد میں کی جاتی ہے کہ جب گرفتاری سے قبل یسوع مسیح نے حواریوں کے ساتھ کھانا کھایا تھا اور ان سے کہا کہ:

And as they were eating, Jesus took bread, and blessed it, and brake it, and gave it to the disciples, and said Take, eat; this is my body.

And he took the cup, and gave tahnks, and gave it to them, saying, Drink ye all of it:

For this is my blood of the new testament, which is shed for many for the remission of sins.

''جب وہ کھا رہے تھے تو یسوع نے روٹی لی اور برکت دے کر توڑی اور شاگردوں کو دے کر کہا لو کھاؤ یہ میرا بدن ہے پھر پیالہ لے کر شکر کیا اور ان کو دے کر کہا کہ تم سب اس میں سے پیو کیونکہ یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لیے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔'' (ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، ڈاکٹر عبدالرشید، کراچی یونیورسٹی)

مسائل

۱۔ ہدایت کا سرچشمہ صرف ملت ابراہیم ہے۔

۲۔ صحابہ کرام کا ایمان امت کے لیے کسوٹی ہے۔ صحابہ کے ساتھ حسد، بغض اور اختلاف رکھنے والا دین کا دشمن ہے۔

۳۔ صحابہ کے دشمنوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ حفاظت کرنے والا ہے۔

۴۔ ''اللہ'' کی عبادت اور توحید کا رنگ دنیا کے ہر رنگ اور نشان سے خوبصورت ہے، پورے اخلاص کے ساتھ اسے اختیار کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم:

۱۔ اللہ نے صحابہ کے ایمان کو آزمالیا۔ (الحجرات: ۳) ۲۔ صحابہ رضی اللہ عنہم ایمان کا معیار ہیں۔ (البقرۃ: ۱۳۷)

۳۔ صحابہ اللہ کی جماعت ہیں۔ (المجادلۃ: ۲۲) ۴۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہنے والے بیوقوف ہیں۔ (البقرۃ: ۱۳)

۵۔ صحابہ رضی اللہ عنہم دنیا و آخرت میں کامیاب ہوئے۔ (المجادلۃ: ۲۲)

۶۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ نے اپنی رضا کی ضمانت دی ہے۔ (البینۃ: ۸) ۷۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اللہ پر راضی ہو گئے۔ (البینۃ: ۸)

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَ هُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ

فرمادیجیے کیاتم ہم سے جھگڑا کرتے ہو؟ اللہ کے بارہ میں حالانکہ وہی ہمارارب اورتمہارارب

وَ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

اور ہمارے لیے ہمارے عمل اورتمہارے لیے تمہارے عمل اور ہم اسی کے خالص ہونے والے

”آپ فرمادیں کہ کیاتم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو جو ہمارا اور تمہارارب ہے ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، ہم تو اسی کے لیے خالص ہو چکے ہیں۔“ (۱۳۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتماعی طریقہ سے انحراف اور اسلام اس کے احکام کا انکار کرنے والا عملاً اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرتا ہے۔

اے نبی ﷺ! اب ان سے پوچھیں کہ کیاتم ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہو جس کی توحید اور اطاعت کارنگ ہم نے اختیار کرلیا ہے جو ہمارا مالک، ہمیں پالنے والا اور تمہارا مالک اور تمہیں بھی پالنے والا ہے۔ جب ہم ایک ہی خالق کی مخلوق اور ایک ہی رازق کے رزق پر پلتے ہیں تو پھر اس ذاتِ کبریا کے بارے میں ہمارے ساتھ کیوں جھگڑتے ہو؟ ایک مالک، خالق اور ایک ہی رازق ماننے والوں کو ایک ہی امت ہونا چاہیے اگرتم دنیا وآخرت کی سب سے بڑی سچائی توحید کو ماننے کے لیے آمادہ نہیں اور اللہ تعالیٰ کی غلامی میں آنے کے لیے تیار نہیں تو پھر ہم نے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے اور تم اپنے کردار کے بارے میں جواب دہ ہوگے۔ ہاں ہم تمہاری طرح اپنے فکر وعمل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کی شراکت اور عقیدۂ توحید میں ملاوٹ گوارا نہیں کرتے۔ ہمارا عمل اور عقیدہ اسی ذات کے لیے خالص اور بلا شرکت غیرے ہے جو ہمارا اور تمہارے رب ہے یہی وہ جھگڑا ہے جس بنا پر ہر زمانے میں کافر اور مشرک اللہ کے مخلص بندوں سے ٹکراتے آرہے ہیں۔ اس فرمان میں ایک مخصوص انداز میں مسلمانوں کو تسلی دی جارہی ہے کہ ان سے الجھنے کی بجائے ان کو انہی کے حال پر چھوڑ دو کیونکہ ہر شخص اپنے ہی اعمال کا جواب دہ ہے۔

مسائل

۱۔ سب کارب ایک اللہ ہے۔ ۲۔ ہر کوئی اپنے اعمال کا جواب دہ ہے۔

۳۔ سچا مسلمان وہ ہے جو اپنے رب کے لیے مخلص ہوجائے۔

تفسیر بالقرآن

اخلاص کی اہمیت:

۱۔ نبی ﷺ کو اخلاص کے ساتھ ”اللہ“ کی عبادت کرنے کا حکم۔ (الزمر:۱۱)

۲۔ تمام امتوں کو اخلاص کے ساتھ عبادت کرنے کا حکم۔ (الاعراف:۲۹)

۳۔ اخلاص والے مومن ہیں۔ (النساء:۱۴۶) ۴۔ مخلص بندوں پر شیطان قابو نہ پاسکے گا۔ (ص:۸۳)

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

کیا | تم کہتے ہو | بیشک | ابراہیم | اور اسمٰعیل | اور اسحق | اور یعقوب

وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ

اور اولاد | وہ تھے | یہودی | یا | نصرانی | فرما دیجیے | کیا تم | زیادہ جانتے ہو

اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ

یا | اللہ | اور کون | بڑا ظالم | سے جو | چھپائی | گواہی | اس کے پاس

مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ

سے | اللہ | اور نہیں | اللہ | بے خبر | اس سے جو | تم کرتے ہو | یہ

اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا

ایک امت | تحقیق | گزر گئی | اس کیلئے | جو | اس نے کمایا | اور تمہارے لیے | جو

كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ ع

تم نے کمایا | اور نہ تم سے پوچھا جائے گا | اس سے جو | تھے وہ | کرتے

ع ۱۶ ۱۲ ۱۶

”کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے۔ بتاؤ کہ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے۔ اللہ کے نزدیک شہادت چھپانے والے سے بڑا ظالم اور کون ہے؟ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں۔ (۱۴۰) یہ ایک امت تھی جو گزر چکی ہے جو انہوں نے کیا ان کے لیے اور جو تم کرو گے وہ تمہارے لیے ہے۔ تمہیں ان کے عمل کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔“ (۱۴۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: انبیائے کرام ”اللہ“ کے مخلص ترین بندے اور فرقہ واریت سے مبرّا تھے اور ان کو فرقہ واریت میں گھسیٹنا اللہ تعالیٰ کی شہادت کو ٹھکرانے اور چھپانے کے مترادف ہے۔

یہود و نصاریٰ انتہائی ہٹ دھرم لوگ ہیں جو جغرافیائی حقائق، تاریخی شواہد اور الہامی دلائل جاننے کے باوجود بھی رسولِ معظم ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک اپنی ضد پر قائم اور جھوٹا دعویٰ کیے جا رہے ہیں کہ ہدایت کا راستہ یہودی اور عیسائی ہونے میں ہے اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لیے حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب علیہم السلام اور ان کے بعد آنے والے انبیاء کو یہودی اور عیسائی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے جھوٹے دعوے کی قلعی کھولنے کے لیے لہٰذا آپ ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ ان سے استفسار فرمائیں کہ ان پیغمبروں کے متعلق اور ان

کے عقائد کے بارے میں تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ علیم وخبیر اور علّام الغیوب زیادہ جانتا ہے؟ وہ سب کے سب ''اللہ'' کے تابعدار اور اس کی توحید کے داعی تھے۔ یہ اللہ کی وہ شہادت ہے جس پر تورات انجیل اور قرآن گواہی دے رہے ہیں۔

وہ شخص انتہا درجے کا ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ کی اس عظیم شہادت کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے جو ہر اعتبار سے کامل اور اکمل ہے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے کسی قول وفعل سے غافل اور بے خبر نہیں ہے۔ جن ہستیوں کو تم اپنے کھاتہ میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہو وہ اللہ تعالیٰ کی ایک برگزیدہ جماعت تھی جو گزر چکی۔ ان کے اعمال کا صلہ انہی کے لیے ہے اور تمہارے اعمال کا نتیجہ تمہارے سامنے ہوگا۔ تمہیں ان کے اعمال کی بجائے اپنے اعمال کی فکر کرنا چاہیے۔ کیونکہ تمہیں ہرگز ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عدالت کا ایسا اصول ہے جس سے ہر انسان میں احساس ذمہ داری پیدا کرنے کے ساتھ ان تمام سہاروں کو کاٹ دیتا ہے جن سے افراد اور قوموں میں بدعملی پیدا ہوا کرتی ہے۔

{ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ }

(آل عمران:٦٧)

''ابراہیم یہودی اور عیسائی نہ تھے۔ لیکن وہ توحید پرست مسلمان تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

مسائل

۱۔ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد یہودی اور عیسائی نہیں تھے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی شہادت کو چھپانا بڑا گناہ اور ظلم ہے۔

۳۔ فوت شدگان کے بارے میں ہمیں اور ہمارے بارے میں انہیں نہیں پوچھا جائے گا۔

۴۔ ہر شخص اپنے اعمال کا جواب دہ ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

بڑا ظالم کون؟

۱۔ اللہ کی مساجد کو ویران کرنے والا بڑا ظالم ہے۔ (البقرۃ:۱۱۴) ۲۔ اللہ کی گواہی کو چھپانے والا بڑا ظالم ہے۔ (البقرۃ:۱۴۰)

۳۔ اللہ پر جھوٹ باندھنے والا بڑا ظالم ہے۔ (الانعام:۱۲) ۴۔ نبوت کا دعویٰ کرنے والا بڑا ظالم ہے۔ (الانعام:۹۳)

۵۔ اللہ کی آیات کو جھٹلانے والا بڑا ظالم ہے۔ (الاعراف:۳۷)

۶۔ اللہ کی آیات سن کر اعراض کرنے والا بڑا ظالم ہے۔ (الکہف:۵۷)

۷۔ حق بات کو جھٹلانے والا بڑا ظالم ہے۔ (العنکبوت:۶۸) ۸۔ سچ بات کو جھٹلانے والا بڑا ظالم ہے۔ (الزمر:۳۲)

۹۔ نوح علیہ السلام کی قوم ظالم تھی۔ (النجم:۵۲) ۱۰۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مانگنے والا بڑا ظالم ہے۔ (یونس:۱۰۶)

۱۱۔ قرآن کی نصیحت سے منہ موڑنے والا بڑا ظالم ہے۔ (الکہف:۵۷)

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ

عنقریب کہیں گے بیوقوف (جمع) سے لوگ کس نے انہیں پھیر دیا سے ان کا قبلہ

الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِیْ

وہ جو وہ تھے اس پر آپ فرمادیں اللہ کے لیے مشرق اور مغرب وہ ہدایت دیتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٤٢﴾

جس کو وہ چاہتا ہے طرف راستہ سیدھا

”عنقریب نادان لوگ کہیں گے کہ جس قبلہ پر یہ تھے اس سے انہیں کس چیز نے ہٹا دیا ہے آپ فرمادیں کہ مشرق ومغرب کا مالک اللہ ہی ہے وہ جسے چاہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔“ (۱۴۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلے پارہ کے اختتامی رکوعات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے خاندان کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے وضاحت فرمائی تھی کہ بیت اللہ کو ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ پھر یہود ونصاریٰ کو ملتِ ابراہیم پر متفق ہوجانے کی دعوت دی تھی۔ پارہ کی آخری آیت میں ارشاد ہوا کہ یہ ایک امت تھی جن کے عقائد ونظریات ایک ہی تھے اور وہ اس دنیا سے جہانِ آخرت کی طرف رختِ سفر باندھ چکے لہٰذا اب ان کی شریعت کے حوالہ سے کوئی ثبوت دینا، اس پر مصر ہونا اور بیت المقدس کے قبلہ ہونے پر اصرار کرنا بڑی بے وقوفی کی علامت ہے جس کا یہ لوگ عنقریب برملا اظہار کریں گے۔ لیکن اے مسلمانو! گھبرانے کی بجائے اس سچائی پر قائم رہنا۔ یہاں یہود ونصاریٰ کے پروپیگنڈہ کے مقابلہ کے لیے رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ذہنی طور پر تیار کیا گیا ہے۔

قبلہ کا لفظی معنی جانب اور سمت ہے۔ شرعی اصطلاح میں نماز کے وقت مسجدِ حرام کی جانب منہ کرنے کی سمت کو قبلہ کہا جاتا ہے۔ اس لیے بیت اللہ کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مسلمان اعتقادی طور پر ایک رب کی عبادت کرنے والے ہیں اسی طرح عبادت کے وقت بھی ان کا رخ ایک ہی طرف ہونا چاہیے تاکہ فکری اور عملی طور پر امّت میں وحدت ویگانگت پیدا ہوسکے۔ تحویلِ قبلہ کے وقت دنیا کے دو بڑے مذہب عیسائی اور یہودی عبادت کے وقت بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے۔ مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے۔ لیکن آپ کی خواہش اور تمنا یہ تھی کہ جس طرح ہمیں ملتِ ابراہیم کی اتباع کا پابند کیا گیا ہے اسی طرح ہمارا قبلہ بھی بیت اللہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مرکزِ ہدایت اور مرجعِ خلائق بنایا ہے۔ اس خواہش کی تکمیل سے پہلے آپ اور مسلمانوں کو اتنی بڑی تبدیلی کے لیے ذہنی طور پر تیار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ عنقریب نادان

لوگ کہرام مچائیں گے کہ تبدیلیٔ قبلہ کی کیا ضرورت تھی؟ پہلے قبلہ میں کونسی خرابی واقع ہوئی ہے؟ یہ تو محض مخالفت برائے مخالفت کا نتیجہ ہے۔ اس کے جواب میں اعتراض کرنے والوں کو سمجھایا کہ مشرق ومغرب اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اسی کے اختیار میں ہے وہ جس طرف چاہے رخ پھیرنے کا حکم صادر فرمائے۔ وہ بھی ایک سمت تھی اور یہ بھی ایک جانب اور سمت ہے۔ لیکن فرق اتنا بڑا ہے کہ پہلے آپ نماز پڑھتے وقت اپنی مرضی سے بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے اب اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھتے ہوئے بیت اللہ کی طرف رخ پھیرلیں۔

ہدایت رسم ورواج، پرانی اور غیر مستند روایات کو اپنانے کا نام نہیں ہدایت تو وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ نشاندہی اور رہنمائی فرماتا ہے۔ یہ انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان اور ہدایت کے طالب ہوا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر اعتراض کرنے والے بیوقوف ہوتے ہیں اور جان بوجھ کر بے وقوف بننے والوں کو ہدایت نصیب نہیں ہوا کرتی۔

«اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ» (رواہ الترمذی: باب جامع الدعوات عن النبی ﷺ [حسن])

”اے اللہ! مجھے ہدایت کی طرف راہنمائی فرما اور میرے نفس کی شرارتوں سے مجھے محفوظ فرما۔“

مسائل

۱۔ اللہ ہی کے لیے مشرق ومغرب ہے۔ ۲۔ اللہ کے حکم پر اعتراض کرنا بے وقوفی ہے۔

۳۔ اللہ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہی صراطِ مستقیم ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے:

۱۔ ہدایت وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت قرار دے۔ (البقرۃ: ۱۲۰) ۲۔ ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔ (القصص: ۵۶)

۳۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۱۳)

۴۔ اللہ تعالیٰ کی راہنمائی کے بغیر کوئی ہدایت نہیں پا سکتا۔ (الاعراف: ۴۳)

۵۔ ہدایت جبری نہیں اختیاری چیز ہے۔ (الدھر: ۳) ۶۔ نبی اکرم ﷺ بھی کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے۔ (القصص: ۵۶)

۷۔ کسی کا ہدایت پانا اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ (الحجرات: ۱۷)

۸۔ رسول اکرم ﷺ کی تابعداری انسان کی ہدایت کی ضمانت ہے۔ (النور: ۵۴)

۹۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان ہدایت کی کسوٹی ہے۔ (البقرۃ: ۱۳۷) ۱۰۔ ہدایت پر استقامت کی دعا کرنا چاہیے۔ (آل عمران: ۸)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى

اوراسی طرح | بنایا ہم نے تمہیں | امت | معتدل | تا کہ تم ہوجاؤ | گواہ | پر

النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا

لوگ | اور ہوجائے | رسول | تم پر | گواہ | اور نہیں | مقرر کیا ہم نے

الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ

قبلہ | جو | آپ تھے | اس پر | مگر | تا کہ ہم معلوم کرلیں | کون

يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ

تابعداری کرتا ہے | رسول | اس سے جو | پھر جاتا ہے | پر | اپنی ایڑیاں | اور بیشک | وہ تھی

لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ

مشکل بات | مگر | پر | جولوگ | ہدایت دی | اللہ | اور نہیں | ہے | اللہ

لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

کہ وہ ضائع کرے | تمہارا ایمان | یقیناً | اللہ | لوگوں کے ساتھ | البتہ بڑا شفیق | نہایت رحم کرنے والا

”اسی طرح ہم نے تمہیں امتِ وسط بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔ جس قبلہ پر تم پہلے تھے اسے ہم نے صرف اس لیے مقرر کیا تھا تا کہ ہم جان لیں کہ رسول کا پیروکار کون ہے اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتا ہے؟ یہ کام مشکل تھا مگر جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے ان کے لیے مشکل نہ ہوا اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔“ (۱۴۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

مستقبل قریب میں تحویلِ قبلہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے لفظ ”كَذٰلِكَ“ استعمال کیا ہے۔ اصل لفظ ”ذَالِكَ“ ہے جس میں حرفِ ”كَ“ کا اضافہ فرمایا گیا ہے۔ اسے عربی زبان میں حرفِ تشبیہ کہا جاتا ہے، جس کا معنی، مانند، جیسے ہے۔ یہاں اشارتاً یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ جس طرح جغرافیائی لحاظ سے تمہارا قبلہ زمین کے وسط میں واقع ہے اسی طرح ہی ہدایت اور فکر و عمل کے اعتبار سے تمہیں امت عدل اور وسط بنایا گیا ہے۔ محشر کے دن جب پہلی اُمتوں سے ان کے انبیاء کے بارے میں سوال ہوگا کہ انبیاء نے میرا پیغام آپ تک پہنچایا تھا یا نہیں؟ بعض اُمتیں واضح طور پر اپنے نبیوں کی جدوجہد کی نفی کر دیں گی۔ اس پر انبیاء علیہم السلام کو اپنی تائید کے لیے گواہ لانے کا حکم ہوگا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کریں گے کہ ہماری گواہی

امّتِ محمدیہ کے لوگ دیں گے۔ تب آپ ﷺ کی امت کے لوگ عرض کریں گے کہ یا الٰہی! یہ لوگ غلط بیانی کررہے ہیں ان کے انبیاء نے تو تیرا پیغام ٹھیک ٹھیک ان تک پہنچایا تھا۔

((عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُدْعٰى نُوْحٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ لَهُ هَلْ بَلَّغْتَ فَيَقُوْلُ نَعَمْ فَيُدْعٰى قَوْمُهُ فَيُقَالُ لَهُمْ هَلْ بَلَّغَكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ مَا آتَانَا مِنْ نَذِيْرٍ أَوْ مَا أَتَانَا مِنْ أَحَدٍ قَالَ فَيُقَالُ لِنُوْحٍ مَنْ يَّشْهَدُ لَكَ فَيَقُوْلُ مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهُ قَالَ فَذٰلِكَ قَوْلُهُ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا﴾)) (رواہ أحمد: باب: مسند أبی سعید الخدری [صحیح])

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن نوح علیہ السلام کو بلا کر پوچھا جائے گا کہ کیا تو نے میرا پیغام پہنچا دیا تھا؟ وہ جواب دیں گے ہاں پھر ان کی قوم کو بلا کر پوچھا جائے گا کیا نوح علیہ السلام نے تمہیں تبلیغ کی اور میرا پیغام پہنچایا تھا۔ وہ کہیں گے ہمارے پاس تو ڈرانے والا کوئی بھی نہیں آیا۔ حضرت نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا آپ کی گواہی کون دے گا؟ وہ کہیں گے، محمد ﷺ اور اس کی امت۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ {اسی طرح ہم نے تمہیں امّتِ وسط بنایا ہے}۔''

امتِ محمدیہ امت عدل اور وسط ہے:

اسی لیے اس امت کو عدل کا لقب عطا کیا گیا۔ کیونکہ عدالت میں عادل کی گواہی معتبر ہوا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہجرتِ مدینہ کے ابتدائی ایام میں تحویل قبلہ کا حکم دے سکتا تھا۔ لیکن ایسا اس لیے نہیں کیا گیا تاکہ تحویل قبلہ کے ذریعے لوگوں کو آزمایا جائے کہ کون ''اللہ'' کا حکم سمجھ کر اپنا قبلہ تبدیل کرتا ہے کیونکہ ہدایت یافتہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں حالات اور سمت نہیں دیکھا کرتے۔ تحویلِ قبلہ بہت بڑی آزمائش اور اقدام تھا۔ اللہ تعالیٰ کا کرم وفضل دیکھیے کہ بیت اللہ قبلہ مقرر فرمانے کے باوجود اسے سمت مقرر نہیں کیا گیا بلکہ مسجدِ حرام کی جانب چہرے کرنے کا حکم دیا تاکہ قبلہ کی سمت متعین کرنے میں دقّت پیش نہ آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس میں اور وسعت کرتے ہوئے فرمایا:

((بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ)) (رواہ الترمذی: کتاب الصلوۃ [صحیح])

''قبلہ مشرق ومغرب کے درمیان ہے۔''

تحویلِ قبلہ کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ بے شک یہ بڑا مشکل مسئلہ اور مرحلہ ہے لیکن ان کے لیے معمولی کام ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے سرفراز فرمایا ہے۔ جہاں تک شہادت کا حق ادا کرنے کا معاملہ ہے آپ ﷺ نے اسے اس طرح ذمہ داری اور شاندار طریقہ سے ادا کیا کہ امّت کا ایک ایک فرد پکار اٹھا کہ اے رسول ﷺ! آپ نے کمال طریقے سے یہ حق ادا فرما دیا ہے۔ لہٰذا اب امّت کا فرض ہے کہ وہ اس ذمہ داری میں کوتاہی نہ کرے۔

آپ ﷺ نے ابلاغ کا حق ادا فرما دیا ہے:

((عَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ فَإِنَّ دِمَآءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ

كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا إِلٰي يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ قَالُوْا نَعَمْ))(رواہ البخاری: کتاب الحج، باب الخطبة أيام منی)

''حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا یقیناً تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر ایسے ہی حرام ہیں جیسا کہ تمہارے لیے آج کا دن، مہینہ اور یہ شہر قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کیا میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے؟ تو لوگوں نے جواب دیا ہاں۔''

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے صفتِ رؤف کا ذکر فرما کر مخلص اور تابعدار بندوں کو تسلی دی ہے کہ مخالف جس قدر چاہیں پروپیگنڈہ کریں تمہاری پہلی نمازیں ہرگز ضائع نہیں ہوں گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ انتہائی رحم اور شفقت فرمانے والا ہے۔ ''اَلرَّءُوْفَ'' کہتے ہیں جو کسی کو نقصان سے بچا کر مزید نوازنے والا ہو۔

یہاں نماز اور ایمان کو باہم مترادف قرار دیا گیا ہے۔ نماز کی اہمیت سمجھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں:

((بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ))(رواہ مسلم: کتاب الایمان)

''مسلمان اور کفر وشرک کے درمیان ترک نماز کا فرق ہے۔''

مسائل

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت معزز اور عدل کرنے والی ہے۔ ۲۔ یہ امت فکر و عمل کے لحاظ سے معتدل قرار پائی ہے۔
۳۔ امتِ محمدیہ پہلی امتوں پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس امت پر گواہ ہوں گے۔ ۴۔ نماز اور ایمان آپس میں مترادف ہیں۔
۵۔ تحویلِ قبلہ بہت بڑی آزمائش اور اتباعِ رسول کی کسوٹی ہے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخشنے والے اور انتہائی مہربان ہیں۔

تفسیر بالقرآن

شہادتِ حق امت محمدیہ کا اعزاز ہے:

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تمام امتوں میں امتِ خیر قرار پائی ہے۔ (آلِ عمران: ۱۱۰)
۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نے امتِ وسط کا اعزاز پایا ہے۔ (البقرة: ۱۴۳)
۳۔ آپ کی امت کو داعی الی الخیر کا منصب دیا گیا ہے۔ (آلِ عمران: ۱۰۴)
۴۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ (الفتح: ۸)
۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب لوگوں پر شہادت قائم کرنا ہے۔ (المزمل: ۱۵)
۶۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امت کے بارے میں گواہی دیں گے۔ (النساء: ۴۱)
۷۔ امت محمدیہ لوگوں پر گواہی دے گی۔ (البقرة: ۱۴۳)

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠

یقیناً ہم دیکھتے ہیں پھرنا آپکا چہرہ میں آسمان توضرور ہم پھیر دینگے تجھے قبلہ تواسے پسند کرتا ہے

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ

پس تو پھیر اپنا چہرہ طرف مسجد حرام اور جہاں کہیں تم ہو سو پھیر لو چہرے تمہارے

شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ

اس کی طرف اور بیشک جولوگ دیے گئے کتاب وہ ضرور جانتے ہیں بیشک وہ حق سے ان کا رب

''ہم آپ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ سو ہم تمہیں اس قبلہ کی جانب پھیر دیتے ہیں جسے آپ پسند کرتے ہیں تو آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور آپ جہاں کہیں ہوں اپنا چہرہ اسی طرف کر لیا کریں۔ اہل کتاب جانتے ہیں کہ یہی ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

بیت اللہ میں رسولِ محترم ﷺ نماز کے لیے اس طرح کھڑے ہوتے کہ بیک وقت آپ کا رخ بیت اللہ اور بیت المقدس کی جانب ہوا کرتا تھا۔ جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو وہاں متضاد جوانب کے ساتھ واسطہ پڑا۔ اگر آپ بیت اللہ کی طرف رخ کرتے تو بیت المقدس پیٹھ کی طرف ہوتا اور اگر بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تو بیت اللہ پیچھے کی جانب ہوتا تھا۔ اس صورتِ حال میں رسول کریم ﷺ کی تمنا تھی کہ ہمارا قبلہ مرکز ابراہیمی یعنی بیت اللہ ہونا چاہیے۔ اسی انتظار میں سولہ سترہ ماہ گزر گئے۔ اس دوران آپ کے اشتیاق اور اضطراب میں اضافہ ہی ہوتا رہا جس کی وجہ سے بسا اوقات آپ کا چہرہ بے ساختہ آسمان کی طرف اٹھ جایا کرتا تھا۔ آپ دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے تبدیلی کی آرزو کرتے۔ یہ اشتیاق ربِّ رحیم کو اس قدر بھلا لگا کہ قیامت تک اس کا منظر قرآن مجید میں محفوظ فرما دیا۔

جونہی تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا کہ آپ ﷺ اور آپ کی امّت کے لوگ نماز میں اپنے چہرے بیت اللہ کی طرف کیا کریں۔ تو اہل کتاب نے پروپیگنڈہ کا طوفان برپا کر دیا جس کا ذکر پارے کی ابتدا میں کیا گیا ہے۔

اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ اہلِ کتاب یہ جانتے ہیں کہ نبی آخر الزماں ﷺ کا قبلہ بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ ہوگا یہ سب کچھ وہ تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ یہ حقیقت جاننے کے باوجود ان کا اعتراض کرنا حق چھپانے اور اظہارِ حسد کا بہانہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے کسی صورت بھی چھپا نہیں سکتے۔ اب فیصلہ ہو چکا ہے لہٰذا میرے پیغمبر! آپ جتنے بھی دلائل دیں اور جس انداز سے انہیں سمجھائیں یہ مسجد حرام کو قبلہ نہیں مانیں گے۔ بیت المقدس کو قبلہ تسلیم کرنے کے باوجود ان کی حالت یہ ہے کہ یہودی بیت المقدس میں کھڑے ہوتے وقت اپنا منہ دیوارِ گریہ کی طرف کرتے ہیں جس کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ یہ

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

اور نہیں اللہ بے خبر اس سے جو وہ کرتے ہیں اور اگر آپ لائیں جو لوگ دیے گئے کتاب

بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا

تمام نشانی وہ پیروی نہیں کریں گے تیرا قبلہ اور نہ تو پیروی کرنیوالا ان کا قبلہ اور نہیں

بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ

ان کا بعض پیروی کرنیوالا قبلہ کسی کا اور البتہ اگر آپ نے پیروی کی ان کی خواہشات سے

بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

بعد جو آیا تیرے پاس سے علم بیشک آپ اس وقت البتہ ظالموں سے

جو وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہے۔(۱۴۴) خواہ تم اہل کتاب کو تمام دلائل دیں لیکن وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلے کو ماننے والے ہیں اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلے کو ماننے والے ہیں اور اگر حق معلوم ہوجانے کے باوجود آپ ان کی خواہشات کے پیچھے چلیں تو بلاشبہ آپ ظالموں میں سے ہوجائیں گے۔“(۱۴۵)

ہیکل سلیمانی کی بنیاد ہے۔عیسائی عبادت کے دوران اپنے چہرے اس جانب کرتے ہیں جہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔گویا کہ ایک قبلہ ہونے کے باوجود یہ ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔جب یہ اپنے قبلہ پر متفق نہیں ہیں تو آپ ان سے یہ کیسے توقع کرسکتے ہیں کہ یہ آپ کے قبلہ پر اتفاق کریں گے؟ لہٰذا قیامت تک آپ بھی ان کے قبلہ کو تسلیم کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم ہوجانے کے بعد اگر آپ خوش کرنے کے لیے ان کی خواہشات کے پیچھے لگیں گے تو یاد رکھیں آپ اس وقت ظالموں میں شمار ہوں گے۔آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کا حکم جاننے کے باوجود اس کے برعکس کوئی قدم اٹھاسکتے تھے۔کیونکہ رسول براہِ راست اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں زندگی گزارتا ہے۔

یہاں مسئلہ کی اہمیت اور بنیادی اصول کی وضاحت کے پیشِ نظر آپ کو مخاطب کیا گیا ہے کہ حق کے مقابلے میں اپنی خواہشات کی پیروی کرنا، اپنے آپ پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔یہ ایسا بنیادی مسئلہ ہے جس سے رسولِ معظم ﷺ بھی مستثنیٰ نہیں تھے۔

آپ ﷺ کا فرمان:

((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ))(شرح السنہ للبغوی[حسن])

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ کردے۔“

آپ ﷺ کی دعا:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ مُنْکَرَاتِ الْأَخْلَاقِ وَالْأَعْمَالِ وَالْأَھْوَآءِ))(رواہ الترمذی:باب الدعوات[صحیح])

''الٰہی میں برے اخلاق،اعمال اور خواہشات کی پیروی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

خواہشات کے غلام:

((وَإِنَّہٗ سَیَخْرُجُ مِنْ أُمَّتِیْ أَقْوَامٌ تَتَجَارٰی بِھِمْ تِلْكَ الْأَھْوَآءِ کَمَا یَتَجَارَی الْکَلْبُ بِصَاحِبِہٖ لَا یَبْقٰی مِنْہُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصِلٌ إِلَّا دَخَلَہٗ))(رواہ أبو داؤد:باب شرح السنة[صحیح])

''عنقریب میری امت میں ایسی قومیں ظہور پذیر ہوں گی کہ خواہشات ان میں ایسے سما جائیں گی جیسے باؤلے کتے کے کاٹنے سے لاحق ہونے والی بیماری رگ رگ اور ہر جوڑ میں سرایت کر جاتی ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی پسند کے مطابق قبلہ تبدیل فرما دیا۔

۲۔ مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں،نماز میں مسجد الحرام کی طرف ہی منہ کیا کریں۔

۳۔ اہل کتاب علمی طور پر مانتے ہیں کہ خانہ کعبہ ہی قبلۂ حق ہے۔ ۴۔اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ اور کسی شخص کے کردار سے غافل نہیں ہے۔

۵۔ حق اور سچ ہونے کے باوجود یہود و نصاریٰ بیت اللہ کو قبلہ تسلیم نہیں کرتے۔

۶۔ حقیقت کا علم ہونے کے باوجود اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والا ظالم ہے۔

تفسیر بالقرآن

خواہشات کی پیروی کرنے کے نقصانات:

۱۔ علم ہونے کے باوجود دوسروں کے خیالات کی پیروی کرنیوالا اللہ کی نصرت سے محروم ہوتا ہے۔(البقرۃ:۱۲۰)

۲۔ علم ہونے کے باوجود کفار کے خیالات کو اپنانا ظالموں میں شامل ہونا ہے۔(البقرۃ:۱۴۵)

۳۔ کتاب اللہ کے مقابلے میں لوگوں کی خواہشات پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔(المائدۃ:۴۸)

۴۔ خواہشات کی اتباع کے بجائے کتاب اللہ کے مطابق فیصلے ہونے چاہییں۔(المائدۃ:۴۹)

۵۔ لوگوں کی خواہشات کے پیچھے لگنے والا گمراہ ہو جاتا ہے۔(ص:۲۶)

۶۔ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والا تباہ ہو جاتا ہے۔(طٰہٰ:۱۶)

۷۔ سب سے بڑا گمراہ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والا ہے۔(القصص:۵۰)

۸۔ خواہشات کی پیروی کرنے والا اپنی خواہشات کو الٰہ بنا لیتا ہے۔(الفرقان:۴۳)

۹۔ حق کو چھوڑ کر خواہشات کی پیروی کرنے سے زمین و آسمان میں فساد پیدا ہوتا ہے۔(المؤمنون:۷۱)

اَلَّذِیْنَ	اٰتَیْنٰھُمُ	الْکِتٰبَ	یَعْرِفُوْنَہٗ	کَمَا	یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ ط
جولوگ	ہم نے دی انہیں	کتاب	وہ اسے پہچانتے ہیں	جیسے	وہ پہچانتے ہیں انکے بیٹے
وَاِنَّ	فَرِیْقًا	مِّنْھُمْ	لَیَکْتُمُوْنَ	الْحَقَّ	وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾
اور بیشک	ایک گروہ	ان سے	البتہ وہ چھپاتے ہیں	حق	حالانکہ وہ جانتے ہیں
اَلْحَقُّ	مِنْ	رَّبِّکَ	فَلَا تَکُوْنَنَّ	مِنَ	الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع
حق	سے	آپ کا رب	پس ہرگز تو نہ ہوجانا	سے	شک کرنے والے

وقف منزل ۱۷ ع

''جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں بلاشبہ ان کی ایک جماعت حق کو جاننے کے باوجود اسے چھپالیتی ہے۔(۱۴۶) آپ کے رب کی طرف سے یہ بالکل حق ہے پس آپ کو کبھی شک کرنے والوں میں نہیں ہونا چاہیے۔''(۱۴۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہاں معنوی ربط ہے کہ اہل کتاب جس طرح رسول اللہ ﷺ کی نبوت کو پہچانتے ہیں اسی طرح بیت اللہ کو قلبی طور پر قبلہ تسلیم کرتے ہیں۔ جہاں تورات وانجیل میں آپ کی نبوت کے ثبوت ہیں وہاں بیت اللہ کے قبلہ ہونے کا ثبوت بھی موجود ہے۔

اظہارِ حق اور نبی کریم ﷺ کے اطمینان اور مسلمانوں کی تسلی کے لیے مزید فرمایا جارہا ہے کہ اہل کتاب آپ ﷺ کی ذات اور حیثیت کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے کو پہچاننے میں ذرّہ برابر شک نہیں کرتا، جب انہوں نے آپ کو اچھی طرح پہچان لیا ہے تو پھر آپ کی نبوت سے انحراف اور قبلہ کے انکار کا کیا معنیٰ؟ لیکن اس کے باوجود کتمانِ حق کا جرم ہمیشہ سے ان میں سے ایک فریق کرتا آرہا ہے۔ لہٰذا قبلہ کی تبدیلی اور سلسلۂ وحی آپ کے ربّ کی طرف سے ہے اس لیے آپ کو رائی کے دانے کے برابر بھی اس میں شک نہیں کرنا چاہیے۔

((عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ ؓ قَالَ قَالَ یَھُوْدِيٌّ لِصَاحِبِہٖ اذْھَبْ بِنَآ إِلٰی ھٰذَا النَّبِيِّ فَقَالَ صَاحِبُہٗ لَا تَقُلْ نَبِيٌّ إِنَّہٗ لَوْ سَمِعَکَ کَانَ لَہٗ أَرْبَعَۃُ أَعْیُنٍ فَأَتَیَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَسَاَلَاہُ عَنْ تِسْعِ آیَاتٍ بَیِّنَاتٍ فَقَالَ لَھُمْ لَا تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ شَیْئًا وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰہُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا تَمْشُوْا بِبَرِیْءٍ إِلٰی ذِيْ سُلْطَانٍ لِیَقْتُلَہٗ وَلَا تَسْحَرُوْا وَلَا تَأْکُلُوا الرِّبَا وَلَا تَقْذِفُوْا مُحْصَنَۃً وَلَا تُوَلُّوا الْفِرَارَ یَوْمَ الزَّحْفِ وَعَلَیْکُمْ خَاصَّۃً الْیَھُوْدُ أَنْ لَّا تَعْتَدُوْا فِي السَّبْتِ قَالَ فَقَبَّلُوْا یَدَہٗ وَرِجْلَہٗ فَقَالَا نَشْھَدُ أَنَّکَ نَبِيٌّ قَالَ فَمَا یَمْنَعُکُمْ أَنْ تَتَّبِعُوْنِيْ قَالُوْا إِنَّ دَاوٗدَ دَعَا رَبَّہٗ أَنْ لَّا یَزَالَ فِيْ ذُرِّیَّتِہٖ نَبِيٌّ وَإِنَّا نَخَافُ إِنْ تَبِعْنَاکَ أَنْ تَقْتُلَنَا الْیَھُوْدُ)) (رواہ الترمذی: کتاب الإستئذان، باب ماجاء فی قبلۃ الید والرجل [حسن])

''حضرت صفوان بن عسال ؓ کہتے ہیں ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا کہ مجھے اس نبی کے پاس لے چلو اس

نے کہا تو اسے نبی نہ کہہ اس لیے کہ اگر اس نے سن لیا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی یعنی بہت خوش ہوگا۔ ان دونوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر نو آیاتِ بیّنات کے متعلق سوال کیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ①۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، ②۔ چوری نہ کرو ③۔ زنا نہ کرو ④۔ قتلِ ناحق نہ کرو ⑤۔ کسی بے گناہ کو حاکم کے ہاں اسے قتل کرانے کے لیے نہ لے جاؤ ⑥۔ جادو نہ کرو ⑦۔ سود نہ کھاؤ ⑧۔ پاکدامن عورت پر تہمت نہ لگاؤ۔ ⑨۔ میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر نہ بھاگو'' اور ⑩۔ یہودیو! تم پر خصوصی طور پر لازم ہے کہ ہفتے کے دن زیادتی نہ کرو'' راوی کہتے ہیں دونوں نے آپ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں۔ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: پھر میری اتباع کرنے سے کونسی چیز مانع ہے؟ انہوں نے جواب دیا حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ نبوت انہی کے خاندان میں رہے اور ہمیں خطرہ ہے کہ اگر ہم نے آپ کی اتباع کر لی تو یہودی ہمیں قتل کر دیں گے۔''

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے والد حیی بن اخطب اور چچا ابو یاسر صبح کے وقت رسول محترم ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر اسلام کے بارے میں مذاکرات کیے اور انہیں یقین ہو گیا کہ حقیقتاً آپ ﷺ نبی آخر الزماں ہیں۔ جب آپ سے گفتگو کرنے کے بعد مغرب کے وقت واپس آئے تو نہایت تھکے ماندے دکھائی دے رہے تھے۔ چچا ابو یاسر میرے والد سے پوچھتے ہیں: أَهُوَ هُوَ؟ ''کیا یہی وہ نبی ہے جس کا تذکرہ تورات و انجیل میں پایا جاتا ہے؟'' والد کہتے ہیں کیوں نہیں یہ وہی رسول ہے۔ وہ پوچھتے ہیں: أَتَعْرِفُهُ وَتُثَبِّتُهُ؟ ''کیا واقعی تو اسے پہچانتا ہے؟'' تو انہوں نے کہا: ہاں میں اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ چچا ابو یاسر کہتے ہیں: فَمَا فِيْ نَفْسِكَ مِنْهُ؟ ''پھر آپ کا کیا ارادہ ہے؟'' میرے والد نے جواب دیا: عَدَاوَةٌ وَاللهِ مَا بَقِيْتُ ''کہ اللہ کی قسم! جب تک زندہ ہوں مخالفت کرتا رہوں گا۔'' (ابن هشام: شهادة عن صفية)

یہی حالت اہلِ مکہ کی تھی کہ وہ اچھی طرح پہچان چکے تھے کہ محمد ﷺ واقعی ہی اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہیں لیکن اپنی انا اور باطل عقیدہ کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ بدر کے معرکہ کے موقعہ پر ابو جہل سے کسی نے سوال کیا کہ کیا محمد نے زندگی میں ہم سے جھوٹ بولا ہے؟ اس نے کہا: ہرگز نہیں اس شخص نے کہا کہ جو شخص لوگوں کے ساتھ جھوٹ نہیں بولتا وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کس طرح غلط بیانی کر سکتا ہے؟ خصوصاً جب اس کی کنپٹیوں کے بال بھی سفید ہو چکے۔ اس پر ابو جہل نے کہا کہ دراصل ہمارے اور ان کے قبیلے کی آپس میں ہر معاملے میں مقابلہ بازی رہی ہے اس لیے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اس کی سربراہی قبول کر لیں۔

مسائل

۱۔ یہود و نصاریٰ رسولِ اکرم ﷺ کی ذات اور رسالت کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔

۲۔ اہل کتاب جان بوجھ کر حق چھپا لیتے ہیں۔ ۳۔ قرآن مجید اور بیت اللہ کے قبلہ ہونے پر شک نہیں کرنا چاہیے۔

وَقَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا

اور ہرایک کے لیے سمت وہ اس طرف رخ کرنے والا پس تم سبقت لے جاؤ نیکیاں جہاں کہیں

تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾

تم ہوگے لے آئے گا تمہیں اللہ تمام یقیناً اللہ پر ہر چیز قدرت رکھنے والا

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ

اور سے جہاں آپ نکلیں پس پھیرلیں تیرا چہرہ طرف مسجد حرام اور یہی

لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾

یقیناً حق سے آپ کا رب اور نہیں اللہ بے خبر اس سے جو تم کرتے ہو

”ہرایک شخص کی ایک جہت ہے وہ اسی کی طرف پھرتا ہے تم نیکیوں کی طرف سبقت کرو۔ جہاں کہیں بھی تم ہوگے اللہ تعالیٰ تمام کو لے آئے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔(۱۴۸) آپ جہاں سے نکلیں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف کرلیا کریں۔ آپ کے رب کی طرف سے یہی حق ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔“(۱۴۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ

ہر مذہب کے لوگوں نے عبادت کے لیے ایک جہت مقرر کر رکھی ہے۔ وہ اسی طرف ہی راغب اور رخ کیے ہوئے ہیں۔ ہندو اپنے عبادت خانوں میں مورتی (بت) کی طرف اور اگر مورتی نہ ہو تو سورج کی طرف منہ کرتے ہیں۔ سکھ اپنی کتاب گرنتھ کی جانب منہ کرتے ہیں۔ کتاب موجود نہ ہونے کی صورت میں جس طرف چاہیں چہرہ کر لیتے ہیں۔ بدھ مت بدھا کی مورتی کی طرف، یہودی بیت المقدس میں بھی دیوارِ گریہ کی طرف اور عیسائی مسجدِ اقصیٰ کی اس جانب منہ کرتے ہیں جہاں عیسیٰ علیہ السلام نے جنم لیا تھا۔

یہ تو مسلمانوں کا امتیاز ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں کسی ذات کے حوالے سے نہیں بلکہ بیت اللہ کی طرف منہ کرتے ہیں۔ اس لیے ارشاد ہو رہا ہے کہ تمہارے رب نے تمہارے چہروں کو اپنے گھر کی طرف پھیرنے کا حکم دیا ہے بس تم اسے قبول کرنے میں سبقت حاصل کرو۔ کیونکہ کارِ خیر میں سبقت اختیار کرنے سے ایک ولولۂ تازہ پیدا ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ امتِ مسلمہ کو صرف نیکی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا ارشاد ہوا ہے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی شعبہ اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتا جب تک اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا صحت مند رجحان پیدا نہ ہو۔ سبقت کے جذبہ کے بغیر قوموں کی زندگی میں مُردگی پیدا ہو جاتی ہے۔ بالآخر زندگی مردہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ زندہ اور بیدار قومیں اسی لیے مختلف شعبوں میں مقابلے کروایا کرتی ہیں۔ قرآنِ مجید نے جذبۂ مسابقت کو پروان چڑھانے کے لیے ”سَابِقُوْا اور سَارِعُوْا“ کے الفاظ

استعمال فرمائے ہیں۔نیکیوں میں سب سے بڑی نیکی نماز ہے' جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: ((أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ)) ''کونسا عمل اللہ کے ہاں زیادہ پسندیدہ ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: اَلصَّلَاةُ عَلٰى وَقْتِهَا: ''وقت پر نماز ادا کرنا اللہ کو بہت محبوب ہے۔''(رواہ البخاری: کتاب مواقیت الصلوۃ)

یہاں ہر قسم کی نیکی میں سبقت اور سورۃ الحدید آیت ۲۱ میں مغفرت اور جنت کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے گئے۔ جب کہ سورۃ آل عمران: آیت ۱۳۳ میں رب تعالیٰ کی مغفرت اور جنت کے حصول کے لیے تیز روی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔پھر سورۃ الواقعہ: آیت ۱۰ تا ۱۲ میں اس کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہی قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے۔جس طرح آج تمہیں اللہ تعالیٰ کے گھر کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، قیامت کے روز تمہیں اسی گھر کے مالک کے حضور پیش ہونے کا حکم ہوگا اور تم سب کے سب اس کی بارگاہ میں سر جھکائے حاضر ہو گے۔اب تو تبدیلی قبلہ کا حکم آنے کے باوجود لوگ مختلف سمتوں کی طرف چہرے کیے ہوئے ہیں لیکن وہاں ہر حال میں سب کو ایک ہی بار گاہ اور ایک ہی عدالت میں جمع ہونا ہوگا۔ بلاشک اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہارے اعمال کو اپنے حضور پیش کرنے پر قادر ہے کیونکہ وہ قطرے قطرے، پتّے پتّے اور ذرّے ذرّے پر قدرت رکھتا ہے۔تحویلِ قبلہ کا حکم آتے ہی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سمع واطاعت کا وہ نمونہ پیش کیا کہ جس کی دنیا کی تاریخ میں مثال ملنا مشکل ہے۔

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے کہ ان کے پاس ایک آدمی نے آکر کہا کہ نبی ﷺ پر آج رات قرآن نازل ہوا۔اس میں حکم دیا گیا ہے کہ وہ کعبہ کی طرف منہ کریں لہٰذا تمہیں بھی کعبہ کی طرف رخ کرنا چاہیے۔لوگوں کے چہرے شام کی طرف تھے۔اسی وقت انہوں نے اپنے چہروں کو کعبہ کی طرف پھیر لیا۔''(رواہ البخاری: کتاب الصلاۃ، باب قولہ وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیھا)

مسائل

۱۔ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا چاہیے۔

۲۔ لوگ جہاں کہیں بھی ہوں گے اللہ تعالیٰ انہیں اپنے ہاں جمع کرلے گا۔ ۳۔اللہ تعالیٰ ذرّے ذرّے اور چپّے چپّے پر قادر ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہر امّت کا قبلہ:

۱۔ نبی ﷺ کو بھی قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہے۔(البقرۃ:۱۴۹)

۲۔ ہر امّت نے اپنے لیے ایک جہت مقرر کرلی ہے۔(البقرۃ:۱۴۸)

۳۔ آدمی مسجدِ حرام میں ہو یا باہر اسے حالت نماز میں قبلہ کی طرف ہی منہ کرنا چاہیے۔(البقرۃ:۱۴۴)

وَمِنْ	حَیْثُ	خَرَجْتَ	فَوَلِّ	وَجْهَكَ	شَطْرَ	الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ
اور سے	جہاں	آپ نکلیں	پس تو پھیر لو	اپنا چہرہ	طرف	مسجد حرام

وَحَیْثُ مَا	كُنْتُمْ	فَوَلُّوْا	وُجُوْهَكُمْ	شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا	یَكُوْنَ	لِلنَّاسِ
اور جہاں کہیں	تم ہو	تو پھیر لو	اپنے چہرے	اس کی طرف تا کہ نہ	رہے	لوگوں کے لیے

عَلَیْكُمْ	حُجَّةٌ ۗ	اِلَّا	الَّذِیْنَ	ظَلَمُوْا	مِنْهُمْ ۗ	فَلَا تَخْشَوْهُمْ
تم پر	کوئی دلیل	مگر	وہ لوگ	انہوں نے ظلم کیا	ان میں سے	تو نہ تم ڈرو ان سے

وَاخْشَوْنِیْ ۗ	وَلِاُتِمَّ	نِعْمَتِیْ	عَلَیْكُمْ	وَلَعَلَّكُمْ	تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾
اور ڈرو مجھ سے	تا کہ میں پوری کردوں	میری نعمت	تم پر	اور تا کہ تم	ہدایت پاؤ گے

”اور جس جگہ سے تم نکلو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیا کرو اور جہاں کہیں تم ہو اپنے چہرے اسی طرف (نماز میں) کیا کرو تا کہ لوگوں کے لیے تم پر کوئی حجت نہ رہ جائے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ہے تم ان سے نہ ڈرو مجھ ہی سے ڈرو۔ تا کہ تم پر میں اپنی نعمت پوری کروں اور اس لیے بھی کہ تم ہدایت پاؤ۔“ (۱۵۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ:

پہلے بھی بیان ہوا ہے کہ تحویلِ قبلہ معمولی اقدام نہیں تھا۔ اس لیے رسولِ کریم ﷺ کو تیسری مرتبہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو دوسری بار مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ تم نماز کے وقت جہاں کہیں ہو بہر حال اپنے چہروں کو مسجدِ حرام کی طرف پھیر لو۔ قرآنِ مجید میں صرف یہی ایک مسئلہ ہے جس پر عمل کرنے کے لیے آپ کو تین بار حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں یہ بہت بڑی اور مسئلہ تھا۔ اس تاکید کے باوجود اس فرمان کے آخر میں مزید حکم دیا ہے کہ لوگوں سے ڈرنے کی بجائے صرف مجھ سے ڈرو۔ کیونکہ آدمی جب اللہ کا ڈر اپنے آپ میں پیدا کر لیتا ہے تو پھر کسی کا خوف اس پر غلبہ نہیں پا سکتا۔ قبولِ حق اور اس کے ابلاغ کے لیے یہ بات شرطِ اول کی حیثیت رکھتی ہے کہ انسان صرف اپنے رب سے ڈرتا رہے۔

مسائل

۱۔ ہر کسی کو اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرنا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وجہ سے نعمتوں کا اتمام اور ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم اور اس کا صلہ:

۱۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی بجائے لوگ دوسروں سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ (النساء: ۷۷)

۲۔ اللہ سے خلوت میں ڈرنے والے کے لیے جنت کی خوشخبری ہے۔ (یٰس: ۱۱)

۳۔ لوگوں سے ڈرنے کی بجائے اللہ سے ہی ڈرنا چاہیے۔ (آلِ عمران: ۱۷۵)

كَمَآ	اَرْسَلْنَا	فِيْكُمْ	رَسُوْلًا	مِّنْكُمْ	يَتْلُوْا	عَلَيْكُمْ
جیسا کہ	ہم نے بھیجا	تم میں	رسول	تم میں سے	وہ پڑھتا ہے	تم پر

اٰيٰتِنَا	وَيُزَكِّيْكُمْ	وَيُعَلِّمُكُمُ	الْكِتٰبَ	وَالْحِكْمَةَ	وَيُعَلِّمُكُمْ
ہماری آیات	اور پاک کرتا ہے تمہیں	اور سکھاتا ہے تم کو	کتاب	اور حکمت	اور سکھلاتا ہے تمہیں

مَّا	لَمْ تَكُوْنُوْا	تَعْلَمُوْنَ ؁۱۵۱
جو	تم نہیں تھے	تم جانتے ہو

"اسی طرح ہم نے تمہارے درمیان تمہی میں سے رسول بھیجا جو ہماری آیات تمہارے سامنے پڑھتا اور تمہیں پاک کرتا ہے، تمہیں کتاب وحکمت اور وہ کچھ سکھلاتا ہے جس سے تم بے علم تھے۔" (۱۵۱)

معانقة ۳

فہم القرآن

ربط کلام: خوفِ خدا کے بغیر آدمی نعمتِ ہدایت نہیں پاسکتا اور ہدایت کے لیے سنتِ رسول اور تعلیمِ نبوت لازم ہے۔ یہ فرد کی اصلاح اور قوموں کی فلاح کا راستہ ہے۔ اور یہی رسولِ محترم ﷺ کی بعثت کا مقصد ہے۔

نبوّت کے مرکزی فرائض

① تلاوتِ آیات:

تلاوت سے مراد اللہ تعالیٰ کے ارشادات واحکامات سے لوگوں کو آگاہ کرنا، قرآن مجید کے ظاہری و باطنی آداب بتلانا، اس پر عمل کرنے اور اس کے نفاذ کے ساتھ ساتھ اس کی تلاوت کرنا اور تحفیظ القرآن کی ترغیب دینا ہے۔

② تعلیم:

تعلیم سے مراد باقاعدہ قرآن مجید کے علوم جاننا ہے۔ آدمی کسی علم میں مہارت اور اس کے حقیقی مطالب نہیں سمجھ سکتا جب تک متعلقہ علم کے ماہر کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہ کرے۔ یہ تو صرف رسول کی شان ہوا کرتی ہے کہ وہ کسی آدمی سے علم سیکھنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے براہِ راست علم اور معرفت حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ مجید نے وضاحت فرمائی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے براہِ راست اپنے رب سے تعلیم پائی ورنہ آپ اس سے پہلے کچھ نہیں جانتے تھے۔ لہٰذا نبی کے علاوہ ہر انسان اس بات کا محتاج ہے کہ وہ جو سیکھنا چاہتا ہے اس کے لیے متعلقہ استاد سے استفادہ کرے۔ اسی کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو وہ کچھ سکھلاتا ہے جو آپ پہلے نہیں جانتے تھے۔ جن لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآنِ مجید کے بعد حدیث کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ وہ ایسی بات کہتے ہیں جس کی کسی زمانے میں بھی اہلِ عقل وفکر نے تائید نہیں فرمائی۔ کیونکہ محض کتاب کسی کے ہاتھ میں تھما دینے سے کوئی شخص ٹھیک ٹھیک اس سے استفادہ نہیں کرسکتا بے شک وہ اس کتاب کی زبان سے

کتنا ہی واقف کیوں نہ ہو؟ اس حقیقت کو جاننے کے لیے آج بھی کسی انگریزی دان کو انجینئرنگ یا طبّ کے متعلق کوئی کتاب دے کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس نے استاد کے بغیر طب اور انجینئرنگ میں کیا دسترس حاصل کی ہے؟ اس لیے نبوت کے کارِ منصبی میں یہ فرض شامل ہے کہ نبی لوگوں کو باضابطہ طور پر کتاب اللہ کی تعلیم سے ہمکنار کرے تاکہ نبوت کا کام نسل در نسل چلتا رہے۔ لہٰذا رسولِ مقبول ﷺ نے تلاوتِ قرآن اور وعظ وخطاب کے ساتھ باقاعدہ طور پر مردوں کے لیے مسجدِ نبوی میں صفہ کے مقام پر اور خواتین کے لیے الگ تعلیم کا سلسلہ جاری فرمایا۔

''ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک عورت نے نبی ﷺ سے آکر کہا کہ مرد ہم سے تعلیم کی وجہ سے آگے بڑھ گئے ہیں' آپ ہمارے لیے بھی کوئی دن مقرر کریں جس میں آپ ہمیں وہ کچھ سکھائیں جو اللہ نے آپ کو سکھایا آپ نے فرمایا فلاں فلاں دن جمع ہو جایا کرو۔ آپ تشریف لا کر انہیں اللہ تعالیٰ کا بتلایا ہوا علم سکھلاتے۔''

(رواہ البخاری: کتاب العلم، باب: هل يجعل للنساء يوم على حدة في العلم)

((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ))

(رواہ ابن ماجہ: باب فضل العلماء [صحیح])

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔''

علم کی عظمت وفضیلت:

علم وہ نعمت ہے جس سے ایک انسان ہی نہیں بلکہ حیوان بھی اپنی جنس میں ممتاز ہو جاتا ہے جیسا کہ کتے کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اگر عام کتا برتن چاٹ جائے تو اسے سات دفعہ دھونا ضروری قرار دیا گیا ہے لیکن اگر کتا سدھایا ہوا ہو تو اس کا پکڑا ہوا شکار حلال ہوتا ہے۔ (المائدۃ: ۴) بے شک انسان اشرف المخلوقات ہے لیکن تعلیم کے بغیر اندھا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا پہلا شرف علم ہی تھا جس کی وجہ سے انہوں نے ملائکہ پر برتری حاصل کی تھی۔ نبی کریم ﷺ کی نبوت کا آغاز ہی ''اِقْرَاْ'' سے ہوا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے اپنی امت کو زیورِ علم سے آراستہ کرنے کے لیے خصوصی توجہ فرمائی اور ان پڑھ قوم میں وہ علمی تحریک پیدا فرمائی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو اپنے بنیادی فرائض سے غافل اور ناواقف ہو۔ بے شک علوم میں سب سے اعلیٰ اور دنیا وآخرت میں مفید ترین علم قرآن وسنت کا علم ہے لیکن قرآن وحدیث میں ہر اس علم کی حوصلہ افزائی پائی جاتی ہے جس سے انسانیت کو فائدہ پہنچے اس لیے آپ ﷺ علم میں اضافے کے لیے دعا کیا کرتے تھے: ''رَبِّ زِدْنِيْ عِلْماً'' ''اے رب! میرے علم میں اضافہ فرما'' اور امت کو ہدایت فرمائی کہ اگر کسی کو قرآن وسنت کا ایک فرمان بھی یاد ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہ اسے آگے پہنچائے گویا کہ قیامت تک یہ تحریک جاری رہے اور اس طرح دیے سے دیا جلتا رہنا چاہیے۔

((عَنْ مُّعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِيْ)) (رواہ البخاری: کتاب العلم، باب من يرد الله به خيرا يفقه في الدين)

’’حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول مکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ خیر خواہی کرنا چاہتے ہیں اسے دین کی سمجھ عنایت فرماتے ہیں میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ مجھے عنایت فرمانے والا ہے۔‘‘

«عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا حَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَتَیْنِ رَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ مَالًا فَسَلَّطَہٗ عَلٰی ھَلَکَتِہٖ فِی الْحَقِّ وَرَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ الْحِکْمَۃَ فَھُوَ یَقْضِیْ بِھَا وَیُعَلِّمُھَا»

(رواہ البخاری: کتاب الزکوۃ، باب انفاق المال فی حقہ)

’’حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول مکرم ﷺ نے فرمایا صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا جائز ہے ایک وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے مال عنایت فرمایا اور اسے نیکی کے کاموں پر خرچ کرنے کی توفیق دی، دوسرا جس کو اللہ تعالیٰ نے دانشمندی عطا کی وہ اس کی روشنی میں فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔‘‘

سلسلہ تعلیم کو آپ ﷺ کے اصحاب نے وقت کے ساتھ ساتھ اس قدر وسعت سے ہمکنار کیا کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مدارس و مساجد قائم کرنے کے ساتھ مملکت کے سول اور فوجی عہدے داران کو حکم دیا کہ وہ عوام اور فوج میں قرآن و سنت کی تعلیم کو عام کرنے کے لیے خصوصی اقدامات کریں۔ اس کوشش اور توجہ کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب فوجی افسروں کو خط لکھا کہ حفاظ کرام کی فہرست میرے پاس بھیجو تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ صرف میری چھاؤنی میں تین سو حفاظ کرام موجود ہیں۔ (الفاروق)

③ تزکیۂ نفس:

مضمون اور علم کتنا ہی اہم اور اعلیٰ کیوں نہ ہو اس وقت تک اس کے مقاصد حاصل نہیں کیے جاسکتے جب تک اس کے مطابق تربیت کا انتظام نہ کیا جائے۔ تربیت کے لیے انفرادی اور اجتماعی ماحول کا ہونا ضروری ہے۔ فرد کی اصلاح کیے بغیر قوم کی اصلاح کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ تزکیہ نفس کے لیے نبی کریم ﷺ لوگوں کی انفرادی اصلاح بھی فرماتے اور اجتماعی بھی۔ تب جا کر ایک ایسی جمعیت معرض وجود میں آئی۔ جس کی مثال تاریخ میں پیش کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

④ حکمت:

اہلِ لغت اور مفسرین نے حکمت کے معانی، فہم و فراست، علم و حلم، عدل و انصاف، حقیقت اور سچائی تک پہنچنا اور دین کی سمجھ حاصل کرنا بیان کیے ہیں۔ جب کہ اکثر اہلِ علم نے حکمت سے مراد رسولِ کریم ﷺ کی سنت اور حدیث لی ہے۔ کیونکہ آپ کی ذاتِ اطہر پر قرآن نازل ہوا اور آپ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق اس کی تفسیر بیان کرنے والے ہیں۔ سنت سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کے اس لفظ کا کیا معنی ہے کیونکہ آپ نے اپنے ارشاد اور عمل سے قرآن کے احکامات کا حقیقی مفہوم واضح فرمایا ہے۔ پھر آپ کی سنت اور حدیث ہی سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک فرد اور معاشرے پر قرآن کا نفاذ کس طرح کرنا چاہیے؟

آپ ﷺ نے ہی دنیا کو عقل ودانش سے ہمکنار فرمایا۔

رسولِ کریم ﷺ کا صرف یہی فرض نہیں تھا کہ آپ قرآن کی تلاوت، تبلیغ، تعلیم اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی حکمت کا تعیّن فرمائیں بلکہ آپ نے قرآن مجید کی روشنی میں اپنے اسوۂ مبارکہ کے ذریعے قرآن مجید کے مقصود کو لوگوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس طرح راسخ فرمایا جس سے لوگوں کے نظریات کی تطہیر ہوئی۔ اخلاق میں نکھار اور کردار میں سنوار پیدا ہوا۔ کل کے جاہل قوموں کے معلّم اور راہبر بنے، ماضی میں لوٹ مار کرنے والے لوگوں کی عزت و مال کے محافظ ہوئے۔ لہٰذا کسی بھی حقیقی انقلاب اور طریقۂ حکومت کے یہی چار بنیادی اصول ہیں، جن کے بغیر فرد اور معاشرے میں صحت منداور جامع تبدیلی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہی اسلام کا وہ نظامِ تعلیم اور تزکیۂ نفس کا پروگرام ہے جس کو اختیار کر کے ہر شخص روحانی منازل طے کرسکتا ہے' اس میں نہ تصورِ شیخ کی گنجائش ہے اور نہ قبروں کے سامنے مراقبہ کرنے اور نہ غاروں میں چلّہ کشی کی ہی ضرورت ہے۔ جن لوگوں نے تزکیۂ نفس کے مختلف طریقے ایجاد اور اختیار کیے ہیں انہوں نے سنت کے خلاف راستہ اختیار کیا ہے۔ لہٰذا کتاب وسنت میں ایسے طریقوں اور تصوف کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔

مسائل

۱۔ رسولِ محترم ﷺ انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ ۲۔ رسول لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکامات سناتے تھے۔
۳۔ رسول لوگوں کی تربیت وتزکیۂ نفس کرتے تھے۔ ۴۔ رسول تعلیم اور دانش مندی سکھاتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

نبوت کے اغراض ومقاصد:

۱۔ نبوت کے منصبی فرائض۔ (البقرۃ:۱۵۱) ۲۔ آپ ﷺ کو کتاب وحکمت کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا گیا۔ (الجمعہ:۲)
۳۔ ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں میں نبوت کے فرائض کا تذکرہ۔ (البقرۃ:۱۲۹)
۴۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے بوجھ اتارنے اور غلامی سے چھڑانے کے لیے تشریف لائے۔ (الاعراف:۱۵۷)
۵۔ آپ ﷺ کی نبوت اللہ تعالیٰ کا مومنوں پر احسانِ عظیم ہے۔ (آلِ عمران:۱۶۴)
۶۔ آپ لوگوں کو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے (الاحزاب:۴۵)
۷۔ آپ کو ہدایت کا سورج بنایا گیا۔ (الاحزاب:۴۶)

١٨ ع٥ ٢

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ ع

پس تم یاد کرو مجھے میں یاد کروں گا تمہیں اور تم شکر کرو میرا اور نہ ناشکری کرو میری

''پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا، میرا شکرادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔'' (۱۵۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نعمتوں کے بدلے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور شکر کرنا چاہیے۔

بیت اللہ کو مرکز بنانا، امّتِ مسلمہ کو پیشوائی کے منصب پر فائز کرنا، قبلہ کی تبدیلی سے قبل کی نمازوں کا اجر عطا فرمانا، بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دینے کے بجائے صرف اس سمت رُخ کرنے کی سہولت عنایت کرنا، نبی آخر الزماں ﷺ کی صورت میں مہربان مربی اور عظیم قائد عطا فرما کر حکم دیا گیا ہے کہ ہمیشہ مجھے یاد رکھنا اور میرے شکر گزار رہتے ہوئے میرے احکام کی بجا آوری کرتے رہنا کسی کا خیال اور خوف دل میں ہرگز نہ لانا تاکہ تمہیں ہدایت کے راستے پر استقامت اور مزید رہنمائی سے نوازا جائے۔

ذکر کی اہمیت

ذکر کی جامع تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کے ساتھ اس کی ذات اور صفات پر کامل یقین رکھتے ہوئے اسے دل اور زبان کے ساتھ یاد رکھا جائے گو تمام عبادات ذکر ہی کی مختلف شکلیں ہیں لیکن ان کی ادائیگی کے بعد بھی حکم دیا گیا ہے کہ اپنے رب کو کثرت کے ساتھ یاد رکھا کرو، جب تم نماز پوری کرلو تو اٹھتے' بیٹھتے اور لیٹتے وقت اللہ کو یاد کیا کرو۔

{ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ج } (النساء:۱۰۳)

''جب تم نماز ادا کر چکو تو کھڑے بیٹھے اور پہلوؤں پر اللہ کا ذکر کرو۔''

ذکر کی مختلف صورتیں:

«اِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَرَمْيُ الْجِمَارِ لِاِقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ»

(رواہ أبوداؤد: کتاب المناسک' باب فی الرمل[حسن])

''یقیناً! بیت اللہ کا طواف، صفا و مروہ کی سعی اور شیاطین کو کنکریاں مارنا اللہ کا ذکر بلند کرنے کے لیے مقرر کیے گئے۔''

«عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰي اَنَا مَعَ عَبْدِيْ حَيْثُمَا ذَكَرَنِيْ وَتَحَرَّكَتْ بِيْ شَفَتَاهُ»

(رواہ البخاری: کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ لاتحرک بہ لسانک الخ)

''حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے ساتھ

ہوتا ہوں، وہ جہاں کہیں بھی میرا ذکر کرے اور جب اس کے ہونٹ میرے ذکر میں حرکت کریں۔‘‘

فضیلتِ شکر

یہاں شکر کے مقابلے میں کفر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے ناشکری اور ناقدری کرنا۔ گویا اللہ تعالیٰ کے احسانات اور نعمتوں کی ناقدری کرنے والا بالفعل کفر ہی کا ارتکاب کرتا ہے۔ شرفِ انسانیت کا تقاضا ہے کہ آدمی ہر حال میں اپنے رب کا شکر گزار بننے کی کوشش کرے۔

شکر رب سے مانگنے کا سلیقہ اور زوالِ نعمت سے محفوظ رہنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مزید عنایات کا دروازہ کھولتا ہے۔ انسان شکر تبھی ادا کرتا ہے جب اس کے دل میں اپنے رب کی نعمتوں اور احسانات کا شعور اور احساس پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کے کسی عمل کے بارے میں بیک وقت یہ نہیں فرمایا کہ اس کے کرنے سے تم عذاب سے محفوظ ہوگے اور مزید ملنے کے حق دار بن جاؤ گے۔ صرف شکر ہی ایک ایسا عمل ہے جس کے بارے میں واضح طور پر فرمایا ہے: کہ تمہیں عذاب سے محفوظ رکھنے کے ساتھ مزید عنایات سے نوازا جائے گا۔ اس دوہرے انعام کی وجہ سے شیطان نے سرکشی اور بغاوت کی حدود پھاندتے ہوئے کہا تھا:

{ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ } (الاعراف:۱۷)

’’اے رب تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔‘‘

رسولِ گرامی ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یہ دعا سکھلائی کہ اسے ہر نماز کے بعد پڑھا جائے۔

«أَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ» (رواہ أبو داود: باب فی الإستغفار [صحیح])

’’الٰہی! اپنے ذکر، شکر اور بہترین طریقے سے عبادت پر میری مدد فرما۔‘‘

مسائل

۱۔ ذکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ ہر حال میں یاد رکھتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کا ہر دم شکریہ ادا کرتے رہنا چاہیے۔

۳۔ ناشکری کفر کے مترادف ہے۔

تفسیر بالقرآن

شکر کی فضیلت:

۱۔ اللہ تعالیٰ شکر گزار بندوں کا قدر دان ہے۔ (النساء: ۱۴۷) ۲۔ شیطان کا مقصد انسان کو ناشکرا بنانا ہے۔ (الاعراف: ۱۷)

۳۔ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے تھوڑے ہی ہوا کرتے ہیں۔ (سبا: ۱۳)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھ، کان اور دل اس لیے دیئے ہیں کہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔ (السجدۃ: ۹)

۵۔ شکر ادا کرنے والے کو مزید عطا کیا جاتا ہے۔ (ابراہیم: ۷)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۵۳

صبر کرنے والے	ساتھ	اللہ	بیشک	اور نماز	صبر کیساتھ	تم مدد مانگو	جو لوگ ایمان لائے	اے

”اے ایمان والو صبر اور نماز کے ذریعے مدد مانگو بلاشبہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“(۱۵۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام : ذکر اور شکر کی بہترین صورت نماز ہے۔ شکر سے اعراض اور نماز کا انکار کفر ہے۔ اگلی آیات میں شہادت اور مختلف قسم کی آزمائشوں کا آنا یقینی فرمایا ہے۔ لہٰذا آزمائشوں اور کفار کے پروپیگنڈہ سے گھبرانے کی بجائے پہلے نماز اور صبر کے ذریعے مدد مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔

صبر ایک ایسی اخلاقی قوت ہے جو انسان کی منفی قوتوں پر کنٹرول اور مثبت صلاحیتوں کو جلا بخشنے کے ساتھ ان صلاحیتوں میں اضافہ بھی کرتی ہے۔ قرآنِ مجید نے صبر کا یہی معنیٰ متعین فرمایا ہے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام کی حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ گفتگو کے ضمن میں کئی بار یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ کچھ معاملات کی حکمت جاننے کے لیے ان کے ہمسفر ہوئے تو انہوں نے کئی بار فرمایا کہ جنابِ موسیٰ! آپ میرے معاملات پر حوصلہ نہیں کر پائیں گے۔ کلیم اللہ نے کہا کہ میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ میرے صبر کے بندھن ٹوٹنے نہ پائیں۔ گویا کہ صبر کا معنیٰ ہے اپنے آپ پر قابو رکھنا اور مشکل کے وقت استقامت اختیار کرنا۔ اس طرح صبر اور استقامت کا تعلق آپس میں چولی دامن کا تعلق بنتا ہے۔ غریب آدمی صبر کا دامن چھوڑ دے تو وہ خودکشی کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ جوان کے اندر صبر کی قوت کمزور ہو جائے تو اس سے بے حیائی کی ایسی حرکات ثابت ہوتی ہیں کہ ساری زندگی اسے پچھتاوا رہتا ہے۔ صاحبِ اقتدار آدمی صبر سے تہی دامن ہو تو وہ اپنے وقت کا فرعون ثابت ہوتا ہے۔ اس کے برعکس یہی لوگ صبر و حوصلہ کا مظاہرہ کریں تو زندگی ان کے لیے آسان ہو جاتی ہے۔ بہادر اور بااختیار شخص حوصلہ سے کام لے تو کمزوروں کے لیے اللہ کی رحمت ثابت ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے زندگی کے ہر موڑ پر صبر و حوصلے کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کو اپنی دستگیری کی خوشخبری دی ہے۔ آپ ﷺ کو صبر کرنے کی تلقین:

{ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝۱۰ } (المزمل:۱۰)

”لوگوں کی دل آزار باتوں پر صبر کرتے ہوئے انہیں اچھے انداز سے چھوڑ دیجیے۔“

{ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝۱۲۶ } (النحل:۱۲۶)

”صبر اختیار کرو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔“

{ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۱۰ } (الزمر:۱۰)

”صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کے پورا پورا اجر دیا جائے گا۔“

یہاں اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت کے حصول کے لیے دوسرا موثر ذریعہ نماز قرار دی گئی ہے۔اگر آدمی نماز کو صحیح انداز میں ادا کرتے ہوئے یہ تصور قائم کر لے کہ میں مشفق ومہربان آقا کے حضور درخواست گزار ہوں اور وہی میری روح کے کرب کو جانتا اور میرے دکھوں کا مداوا کر سکتا ہے تو انسان کا غم فوری طور پر ہلکا ہو جاتا ہے۔اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: مجھے نماز میں سکون ملتا ہے اور آپ ہر مشکل وقت مصلّے کی طرف لوٹا کرتے تھے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی زندگی کے نازک مراحل میں نماز کے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت طلب کیا کرتے تھے۔

① «جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ» (رواہ النسائی: کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء [صحیح])

”نماز میں میری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے۔“

② «يَا بِلَالُ! أَرِحْنَا بِالصَّلَاةِ» (رواہ ابی داود: باب فی صلاۃ العتمۃ [صحیح])

”اے بلال! نماز کے ذریعے ہمیں سکون پہنچاؤ۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نماز

③ «فَلَمَّا دَخَلَ أَرْضَهٗ رَاٰهَا بَعْضُ أَهْلِ الْجَبَّارِ أَتَاهُ فَقَالَ لَهٗ لَقَدْ قَدِمَتْ أَرْضَكَ امْرَأَةٌ لَا يَنْبَغِيْ لَهَا أَنْ تَكُوْنَ إِلَّا لَكَ فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا فَأُتِيَ بِهَا فَقَامَ إِبْرَاهِيْمُ علیہ السلام إِلَى الصَّلَاةِ فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَيْهِ لَمْ يَتَمَالَكْ أَنْ بَسَطَ يَدَهٗ إِلَيْهَا قُبِضَتْ يَدُهٗ قَبْضَةً شَدِيْدَةً فَقَالَ لَهَا ادْعِي اللّٰهَ أَنْ يُطْلِقَ يَدِيْ وَلَا أَضُرُّكِ فَفَعَلَتْ فَعَادَ فَقُبِضَتْ أَشَدَّ مِنَ الْقَبْضَةِ الْأُوْلٰى فَقَالَ لَهَا مِثْلَ ذٰلِكَ فَفَعَلَتْ فَعَادَ فَقُبِضَتْ أَشَدَّ مِنَ الْقَبْضَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ فَقَالَ ادْعِي اللّٰهَ أَنْ يُطْلِقَ يَدِيْ فَلَكِ اللّٰهُ أَنْ لَّا أَضُرَّكِ فَفَعَلَتْ وَأُطْلِقَتْ يَدُهٗ وَدَعَا الَّذِيْ جَاءَ بِهَا فَقَالَ لَهٗ إِنَّكَ إِنَّمَا أَتَيْتَنِيْ بِشَيْطَانٍ وَلَمْ تَأْتِنِيْ بِإِنْسَانٍ فَأَخْرِجْهَا مِنْ أَرْضِيْ وَأَعْطِهَا هَاجَرَ قَالَ فَأَقْبَلَتْ تَمْشِيْ فَلَمَّا رَاٰهَا إِبْرَاهِيْمُ علیہ السلام انْصَرَفَ فَقَالَ لَهَا مَهْيَمْ قَالَتْ خَيْرًا كَفَّ اللّٰهُ يَدَ الْفَاجِرِ وَأَخْدَمَ خَادِمًا» (رواہ مسلم: کتاب الفضائل، باب من فضائل إبراهيم الخليل علیہ السلام)

”جب ابراہیم اس جابر بادشاہ کی سرزمین میں داخل ہوئے تو بادشاہ کے کارندے نے انہیں دیکھ کر بادشاہ سے کہا کہ آپ کے علاقے میں ایک عورت آئی ہے جو صرف آپ کے پاس ہی ہونی چاہیے۔بادشاہ نے اپنا اہلکار بھیج کر اسے منگوایا تو ابراہیم علیہ السلام نے نماز شروع کر دی۔حضرت سارہ علیہا السلام جب اس کے پاس گئیں تو اس نے ان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا لیکن بادشاہ کا ہاتھ سختی سے پکڑ لیا گیا۔اس نے حضرت سارہ علیہا السلام سے کہا کہ: اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ میرا ہاتھ چھوڑ دیا جائے۔میں دوبارہ یہ حرکت نہیں کروں گا۔ہاتھ چھوڑ دیا گیا تو اُس نے دوبارہ دست درازی کی کوشش کی لیکن ہاتھ پہلے سے زیادہ سختی سے پکڑ لیا گیا۔پھر اس نے ہاتھ چھڑانے کے لیے اللہ سے دعا کروائی اور وعدہ کیا کہ اب ایسے نہ کروں گا تو ہاتھ چھوڑ دیا گیا۔تیسری دفعہ پھر اس نے ہاتھ بڑھایا تو ہاتھ پہلے سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ

پکڑ لیا گیا۔ اب پھر اس نے حضرت سارہ علیہا السلام سے دعا کے لیے کہا کہ اللہ کی قسم! میرا ہاتھ چھوٹ جائے تو میں تیرے ساتھ زیادتی نہیں کروں گا۔ حضرت سارہ علیہا السلام کی دعا پر ہاتھ چھوڑ دیا گیا۔ بادشاہ نے اس اہلکار کو بلا کر کہا کہ: تو میرے پاس انسان کے بجائے کوئی شیطان لے آیا ہے۔ اسے میری سرزمین سے جانے دیجیے اور اسے ہاجرہ علیہا السلام بھی ساتھ دے دیجیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب سارہ علیہا السلام کو آتے ہوئے دیکھا تو ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس فاجر کے ہاتھوں کو روک لیا اور میں سلامت رہی، اس نے ایک خادمہ خدمت کے لیے مجھے دی ہے۔''

صبر کی اہمیت اور فضیلت:

«عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولَى» (رواہ البخاری: باب الصبر عند الصدمۃ الاولیٰ)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: صدمے کی ابتداء کے وقت صبر ہوتا ہے۔''

«عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ أَعْظَمُ أَجْرًا مِّنَ الْمُؤْمِنِ الَّذِىْ لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ»

(رواہ ابن ماجۃ: کتاب الفتن، باب الصبر علی البلاء [صحیح])

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: جو مومن لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے وہ اس مومن سے زیادہ اجر والا ہے جو نہ لوگوں میں گھل مل کر رہتا ہے اور نہ ان کی دی ہوئی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے۔''

مسائل

۱۔ صبر اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا چاہیے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ مستقل مزاج اور صبر کرنے والوں کی دستگیری فرماتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

صبر کی اہمیت اور اجر:

۱۔ صبر اہم کاموں میں اہم ترین کام ہے۔ (الاحقاف: ۳۵) ۲۔ نبی ﷺ کو صبر کا حکم دیا گیا۔ (المعارج: ۵)
۳۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ: ۱۵۳) ۴۔ صبر کا انجام اچھا ہوتا ہے۔ (الحجرات: ۵)
۵۔ صبر کرنے والے کامیاب ہوں گے۔ (المومنون: ۱۱۱) ۶۔ مسلمان صابر کی آخرت اچھی ہوگی۔ (الرعد: ۲۴)
۷۔ صبر کرنے والوں کو جنت میں سلامتی کی دعائیں دی جائیں گی۔ (الفرقان: ۷۵)
۸۔ صابر بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ (الزمر: ۱۰)

وَلَا	تَقُوْلُوْا	لِمَنْ	یُّقْتَلُ	فِیْ	سَبِیْلِ	اللّٰهِ	اَمْوَاتٌ ؕ
اور نہ	تم کہو	اسے جو	قتل کر دیا جائے	میں	راستہ	اللہ	مردے

بَلْ	اَحْیَآءٌ	وَّلٰكِنْ	لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾
بلکہ	زندہ (جمع)	اور لیکن	تم سمجھ نہیں رکھتے

''اور اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم ان کی زندگی کو نہیں سمجھتے۔'' (۱۵۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: شہادت کے وقت صبر کرنا کیونکہ یہ فوت ہونے والے اور لواحقین کے لیے بہت بڑی آزمائش ہوتی ہے۔

شہداء کے مرتبہ و مقام، ان کے عظیم اور مقدس مشن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کے نام اور کام کو عزت و تکریم دیتے ہوئے حکم دیا ہے کہ جن لوگوں نے میرے راستے میں اپنے جسم کے ٹکڑے کروائے اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ان کو مردہ شمار کرنے کی بجائے زندہ و جاوید تصور کیا جائے۔ بظاہر ان کے گرامی قدر وجود دنیائے فانی سے دارِ جاودانی میں منتقل ہو چکے ہیں۔ لیکن اپنی بے مثال غیرتِ ایمانی اور قربانی کی وجہ سے وہ اپنی قوم اور معاشرے میں یاد رکھے جائیں گے کیونکہ ان کی موت سے قوم میں زندگی کا نیا جذبہ، جوش اور ولولۂ ایمان پیدا ہوتا ہے۔ جس سے یہ محاورہ زبان زدِ عام ہوا ''شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے'' یہ جوانمرد اپنی جانیں نچھاور کر کے قوم کی عزت، بہو بیٹیوں کی عفت، ملک کی حفاظت اور اسلام کی عظمت کے رکھوالے ثابت ہوئے ہیں۔ ایسے جانفروشوں، فداکاروں اور جرأت و بہادری کی داستانیں رقم کرنے والوں کے بارے میں غیرتِ خداوندی گوارا نہیں کرتی کہ انہیں مردہ کے لفظ سے پکارا جائے۔ کیونکہ ان کا نام اور کام نسلوں تک باقی رہتا ہے۔ تاریخ کے اوراق سے ان کے نام اور کام کی ہر وقت زیارت کی جا سکتی ہے۔ شہدائے بدر و اُحد سے لے کر آج تک شہید ہونے والے خوش بختوں کے جب بھی نام لیے جاتے ہیں تو دل میں احترام و مقام تازہ ہونے کے ساتھ ان کی عظیم شہادت کی وجہ سے آدمی کا خون کھول اٹھتا ہے۔ مسلمان چشمِ تصور میں تاریخ کا مطالعہ کرتا ہے تو رات کی تاریکی میں بستر پر لیٹے ہونے کے باوجود اس کا دل میدانِ کارزار میں پہنچنے کے لیے تڑپ اٹھتا ہے۔ یہی وہ سرمایۂ حیات ہے جس بنا پر انہیں مردہ کہنے کی بجائے شہید کے عظیم اور مقدس لقب سے ملقب فرمایا گیا ہے۔ جہاں تک دنیاوی زندگی کا معاملہ ہے شہید اس طرح ہی اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں جس طرح طبعی موت سے آدمی اس دنیا سے دارِ آخرت کی طرف رختِ سفر باندھتا ہے۔ اسی وجہ سے شہداء کی بیوگان کو آگے نکاح کرنے کی اجازت ہے اور ان کی وراثت اسلامی قانونِ وراثت کے تحت ہی تقسیم ہوا کرتی ہے۔ اس بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں واضح کیا ہے کہ ان کی زندگی کے بارے میں خود ساختہ تصورات اور کسی قسم کی قیل و قال سے پرہیز کرنا چاہیے۔ جہاں تک عالم برزخ میں جسدِ خاکی کی بقا کا معاملہ ہے تو انبیائے عظام کے اجسامِ مطہرہ کے بارے میں گارنٹی موجود ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ)) (رواہ أبو داؤد: کتاب الصلوۃ، باب فصل یوم الجمعۃ و لیلۃ الجمعۃ [صحیح]) ''یقیناً اللہ

عزوجل نے زمین پر انبیاء کا جسم کھانا حرام کر دیا ہے۔‘‘

شہداء کے جسدِ خاکی کے بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی مستقل ضابطہ موجود نہیں۔ البتہ جس کے لیے اللہ چاہے اس کے وجود کو سلامت رکھتا ہے۔ جس کی تاریخ میں کئی مثالیں موجود ہیں۔ اس حقیقت کے باوجود بعض لوگوں نے اپنے فرسودہ عقائد کو تقویت اور دنیاوی مفادات کے تحفظ کے لیے ان کی حیاتِ اُخروی کو دنیا کی زندگانی سے مماثل کرنے کی بے معنی کوشش کی ہے۔ جن میں عصرِ حاضر کے ایک مفسر تفسیر مظہری کے حوالے سے یوں رقمطراز ہیں: ’’قُلْتُ بَلْ مَعِيَّةٌ غَيْرُ مُتَكَيِّفَةٍ يَتَّضِحُ عَلَى الْعَارِفِيْنَ‘‘ یعنی اِس سنگت سے وہ خاص سنگت مُراد ہے جس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔ صرف عارف ہی اِس کو سمجھ سکتے ہیں۔ (ضیاء القرآن)

رسول اللہ ﷺ نے شہید کی زندگی کے بارے میں یوں فرمایا:

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِجَابِرٍ يَا جَابِرُ أَلَا أُبَشِّرُكَ قَالَ بَلٰى بَشَّرَنِيْ بَشَّرَكَ اللّٰهُ بِالْخَيْرِ قَالَ أَشَعَرْتَ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ أَحْيَا أَبَاكَ فَأَقْعَدَهٗ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ تَمَنَّ عَلَيَّ عَبْدِيْ مَا شِئْتَ أُعْطِكَهٗ فَقَالَ يَا رَبِّ مَا عَبَدْتُكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ أَتَمَنّٰى عَلَيْكَ أَنْ تَرُدَّنِيْ إِلَى الدُّنْيَا فَأُقَاتِلُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مَرَّةً أُخْرٰى فَقَالَ سَبَقَ مِنِّيْ إِنَّكَ إِلَيْهَا لَا تَرْجِعُ» (المستدرک علی الصحیحین: ۳/۲۲۳ [ضعیف])

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا جابر! کیا میں تجھے بشارت نہ دوں؟ انہوں نے عرض کی کیوں نہیں! اللہ آپ کو بہتری اور خیر کی بشارت دے آپ نے فرمایا: تجھے معلوم ہے کہ اللہ نے تمہارے والد کو زندہ کر کے اپنے سامنے بٹھا کر فرمایا کہ میرے بندے تو جو چاہتا ہے مجھ سے تمنا کر میں تجھے عطا کروں گا۔ انہوں نے عرض کی: اے میرے پروردگار! میں نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے دنیا میں بھیج دیں تاکہ میں نبی ﷺ کے ساتھ مل کر قتال کروں اور پھر تیری راہ میں شہید ہوں اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا: میرا فیصلہ ہو چکا ہے کہ تو دنیا میں دوبارہ نہیں جائے گا۔‘‘

مسائل

۱۔ شہداء کو مردہ نہیں کہنا چاہیے۔ ۲۔ شہداء کی زندگی ہمارے علم وشعور سے باہر ہے۔

تفسیر بالقرآن

شہداء کا مقام وزندگی:

۱۔ اللہ کے راستے میں شہید ہونے والے زندہ ہیں۔ (البقرۃ: ۱۵۴) ۲۔ شہداء اللہ کے ہاں رزق پاتے ہیں۔ (آلِ عمران: ۱۶۹)

۳۔ شہداء اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر راضی ہیں۔ (آلِ عمران: ۱۷۰)

۴۔ شہداء اپنے لواحقین کو خوشخبری کا پیغام دیتے ہیں۔ (آلِ عمران: ۱۷۰)

وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ

اور ضرور ہم آزمائیں گے تمہیں ساتھ چیز سے خوف اور بھوک اور نقصان سے

الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِیْنَ اِذَآ

مال (جمع) اور جانیں اور پھل (جمع) اور آپ خوشخبری دیں صبر کرنے والے وہ لوگ جب

اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ ؕ

پہنچتی ہے انہیں کوئی مصیبت وہ کہتے ہیں بلاشبہ ہم اللہ کے لیے اور یقیناً ہم اس کی طرف لوٹنے والے

”اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے دشمن کے ڈر، بھوک، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے، صبر کرنے والوں کو خوش خبری دیجئے۔ (۱۵۵) جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یقیناً ہم اللہ تعالیٰ کے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔“ (۱۵۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: غم اور آزمائش کی مختلف صورتیں۔

اسلام کے اوصافِ حمیدہ میں یہ وصف بھی شامل ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو کسی مبالغہ آمیزی اور بے جا خوش فہمی میں مبتلا نہیں کرتا کہ جونہی اپنی زبان سے کلمہ ادا کرو گے تو بہاریں لوٹنے کے ساتھ ہر قسم کی کامیابیاں تمہارے دامن میں سمٹ آئیں گی۔ اسلام اور کسی نظریے کی تاریخ بھی اس بات کی تائید نہیں کرتی کہ جونہی کسی نے اسے قبول کیا تو ان کے لیے نعمتوں اور سہولتوں کے دروازے کھل گئے ہوں۔ اس کے برعکس یہ ہوا کرتا ہے کہ تحریک کے ابتدائی معاون بیش بہا قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے صبر و استقامت کا مظاہرہ کریں تو ایک وقت آیا کرتا ہے کہ اسی یا آئندہ نسل کے لیے دنیا میں آسانیوں کے راستے ہموار ہو جاتے ہیں۔ شدید کشمکش اور قربانیوں سے پہلے ان سہولتوں کا تصور کرنا خوش فہمیوں کی جنت میں رہنے کے مترادف ہے۔ ایسی ہی صورتِ حال کے پیشِ نظر یہاں تحویلِ قبلہ کے احکامات کے دوران شہادتوں اور آزمائشوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ ترکِ وطن اور جانی قربانیوں کے ساتھ دشمن کا خوف، غربت وافلاس، مال و دولت کی کمی، اعزاء واقرباء کی جدائی، موت کی صورت میں ہو یا ہجرت کی شکل میں اور خوراک کی کمی سے تمہیں آزمایا جائے گا۔ یہاں پہلے شہادت کا ذکر فرما کر یہ تصور دیا کہ اللہ کے بندے جان کی پروا نہیں کرتے لہٰذا ان کے لیے دنیا کا مال و متاع کوئی حیثیت نہیں رکھتا گویا کہ بڑی آزمائشوں سے گزرنے والے چھوٹی چھوٹی آزمائشوں سے نہیں گھبرایا کرتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فتح مکہ تک پے در پے تمام امتحانات اور آزمائشوں سے گزارا گیا اور آپ ﷺ اور آپ کے ساتھی ہر امتحان میں سرخرو ہوئے تب جا کر ان کے لیے کامیابیوں کے دروازے کھولے گئے۔ آزمائش زندگی کا جز ولاینفک ہے، بالخصوص دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے یہ اس قدر اہم اور ضروری ہے کہ اس کے لیے دو حرف تاکید استعمال

کیے گئے ہیں۔عربی کے طلبہ جانتے ہیں کہ جب بیک وقت لام مفتوح اور تشدید کے ساتھ نون آئے تو یہ تاکیدِ مزید کا پتہ دیتے ہیں۔جس کا مفہوم یہ ہوا کہ آزمائش کے کربناک مراحل سے تمہیں ہر حال میں گزرنا ہوگا۔اسی بات کو قرآنِ مجید نے دوسرے انداز اور الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے:

{ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۞ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۞ } (العنکبوت:۳،۲)

''کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ''اٰمَنَّا'' کہہ کر انہیں چھوڑ دیا جائے گا اور آزمائش میں مبتلا نہیں کیے جائیں گے؟ ہم نے ان سے پہلوں کو بھی آزمایا تھا۔اللہ تعالیٰ سچوں اور جھوٹوں کو ضرور دیکھ لے گا۔''

یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش مومن کو ذلیل کرنے کے لیے نہیں آتی بلکہ آزمائش انسان کی خوابیدہ صلاحیتیں ابھارنے اور آخرت میں اس کے مراتب میں اضافہ کرنے کے لیے ہوتی ہے اور دنیا میں مجرموں کے لیے مثال بنتی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو کر بھی اپنے رب کے احسان منداور شکر گزار بننے کے لیے تیار نہیں ہو جب کہ اس کے بندے نعمتیں چھنوا کر بھی اس کے حضور صبر و شکر کا مظاہرہ کیے ہوئے ہیں۔ایسے لوگوں کے بارے میں رسول کریم ﷺ کو فرمایا گیا ہے کہ آپ صبر و حوصلہ کرنے والوں کو دنیا اور آخرت میں مسرت وشادمانی کا پیغام سُنادیں۔کیونکہ یہ آزمائش کے وقت سر پیٹنے اور واویلا کرنے کی بجائے یہ کہہ کر اپنے آپ کو مطمئن اور حوصلہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ چھننے والی نعمت کیا چیز ہے ہماری جانِ عزیز بھی ربِ کریم کی امانت ہے۔یہ نعمت تو آج مجھ سے رخصت ہو رہی ہے جب کہ مقررہ وقت پر میں نے بھی اسی کے حضور لوٹنا ہے۔صبر وہ نیکی ہے کہ آدمی کو جب بھی سابقہ تکلیف یاد آئے اور اس پر ''اِنَّا لِلّٰہِ'' کے الفاظ ادا کرے۔اس کو پہلے کی طرح اجرِ عظیم سے نوازا جائے گا۔ (رواہ مسلم: کتاب الجنائز، باب مایقال عند المصیبة)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو خوف، غربت، مال کی کمی، پیاروں کی موت اور رزق کی قلّت کے ساتھ آزماتا ہے۔
۲۔ مصائب پر صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ خوشخبری کا پیغام دیتا ہے۔
۳۔ مصیبت کے وقت ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

آزمائش:

۱۔ ایمان کے لیے آزمائش شرط ہے۔(العنکبوت:۲) ۲۔اللہ تعالیٰ نے پہلے لوگوں کو بھی آزمایا۔(البقرة:۲۱۴)
۳۔ آزمائش میں ثابت قدمی کے بعد اللہ کی مدد یقینی اور قریب ہوا کرتی ہے۔(البقرة:۲۱۴)
۴۔ جنت میں داخلے کے لیے آزمائش ضرور ہوتی ہے۔(آل عمران:۱۴۲)

أُولَٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۗ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾

یہی لوگ | ان پر | عنایات | سے | ان کا رب | اور رحمت | اور یہی لوگ | وہ | ہدایت یافتہ

''انہی پر ان کے رب کی عنایات اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔'' (۱۵۷)

فہم القرآن

ربط کلام: صبر وشکر اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے، مشکل وقت میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنیوالے اور مصائب میں جزع، فزع کرنے کی بجائے ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھنے والے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور ہدایت کے حق دار ٹھہرتے ہیں۔

صبر کا معنٰی ہے کہ آدمی مصیبت کے وقت اپنے آپ پر قابو پائے اور ہر حال میں اپنے آپ کو شریعت کا پابند رکھے۔ جب کوئی شخص اپنے آپ کو رب کی رضا اور اس کے احکام کے تابع رکھ کر آزمائش میں ثابت قدم رہتا ہے تو اس کے صلہ میں وہ رب کی رحمت اور عنایات کا حق دار ٹھہرتا ہے۔ اللہ کی رحمت وعنایات کے مستحق لوگ ہی ہدایت یافتہ ہوتے ہیں۔ اس فرمان سے قبل نعمتوں کا چھن جانا، جگر گوشوں کی جدائی اور آزمائشوں سے دوچار ہونا یقینی امر قرار دیا ہے۔ ان کی تلافی اور مومنوں کی تسلی کے لیے صلوات اور رحمت کے نزول کا اطمینان دلایا جا رہا ہے۔ یہاں صلوٰت سے مراد چھن جانے والی نعمتوں اور سہولتوں کی تلافی ہوگی اور رحمت سے نعمتوں میں استقرار اور ان کی وسعتوں میں اضافہ ہوگا۔ رب کریم کی رحمت سے سوکھی ہوئی کھیتیاں سرسبز وشاداب، ویران بستیاں آباد و بارونق، پریشان وپشیمان دل ایقان واطمینان کا گہوارہ اور گناہوں سے آلودہ دامن پاک وشفاف ہو جاتے ہیں۔ یہ اس کی رحمت ہی تو تھی جس نے حضرت ایوب علیہ السلام کو دوبارہ اولاد، مال اور صحت وتندرستی سے نوازا تھا۔ اس بے پایاں رحمت وعنایات کا ہی صلہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جھونپڑیاں چھوڑیں اور مکانات کے مالک بنے، معمولی مال چھوڑا تو اس کے بدلے میں دولت کے انبار نصیب ہوئے، دین کی خاطر لوگوں کی نظر میں عارضی طور پر خفت اٹھانی پڑی تو اس کے بدلے میں عزت وعظمت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔ مکہ چھوڑا تو دنیا کے حکمران قرار پائے۔ دنیا وآخرت کی نعمتیں، سہولتیں، عزتیں اور رفعتیں اللہ کی رحمت کا پرتو ہیں۔ اسی بنا پر سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّاَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ))

(رواہ أبو داؤد: کتاب الأدب، باب مایقول إذا أصبح [حسن])

''اے اللہ! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں مجھے لحہ بھر بھی میرے نفس کے سپرد نہ کرنا، میرے تمام کاموں کو سنوارنا، تیرے سوا کوئی معبودِ حق نہیں۔''

مسائل

۱۔ صاحبِ ایمان، مستقل مزاج اور صابر لوگوں پر اللہ کا فضل وکرم اور ان کو مزید ہدایت سے نوازا جاتا ہے۔

اِنَّ	الصَّفَا	وَالْمَرْوَۃَ	مِنْ	شَعَآئِرِ	اللّٰہِ ج	فَمَنْ حَجَّ
بیشک	صفا	اور مروہ	سے	نشانات	اللہ	پس جو حج کرے
اَلْبَیْتَ	اَوِ	اعْتَمَرَ	فَلَا	جُنَاحَ	عَلَیْہِ	اَنْ یَّطَّوَّفَ بِہِمَا ط
خانہ کعبہ	یا	عمرہ کرے	تو نہیں	کوئی حرج	اس پر	یہ کہ وہ طواف کرے ان دونوں کا
وَمَنْ	تَطَوَّعَ	خَیْرًا لا	فَاِنَّ	اللّٰہَ	شَاکِرٌ	عَلِیْمٌ ۱۵۸
اور جو	خوشی سے کرے	کوئی نیکی	تو بیشک	اللہ	بڑا قدردان	خوب جاننے والا

''بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں چنانچہ جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس پر صفا مروہ کا طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں اور جو شخص خوشی سے نیکی کرے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ قدردان اور سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (۱۵۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پارے کی ابتدا سے تحویلِ قبلہ کا بیان ہو رہا ہے۔ اس دوران زندگی میں پیش آنے والی مشکلات پر ثابت قدم رہنے والوں کو خوشخبری سنائی گئی۔ اب صفا و مروہ کی سعی کے حوالے سے بات کو گذشتہ مضمون سے پیوستہ کر دیا گیا ہے۔

اسلام سے قبل اہلِ مکہ کے چار بڑے بت تھے جن میں سے ہبل کو بیت اللہ میں رکھا گیا اور مناۃ بحرِ احمر کے کنارے اور لات کو شہرِ طائف میں رکھا گیا۔ جب کہ عزیٰ کو وادئ نخلہ میں نصب کیا گیا تھا۔ صفا اور مروہ کی دو مقدس پہاڑیوں پر اِساف اور نائلہ کے بت رکھے گئے تھے۔ اہلِ مکہ چونکہ اساف اور نائلہ کو خدائی اوتار تسلیم نہیں کرتے تھے، جس کی وجہ سے ان کو نہ ماننے والے صفا اور مروہ کی سعی سے گریز کرتے تھے۔ دینِ اسلام کی آمد پر مسلمانوں کے دلوں میں یہ وہم پیدا ہوا کہ کہیں صفا اور مروہ کی سعی شرک کے زمرہ میں تو نہیں آتی؟ اس تصور کی نفی کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اے مسلمانو! انشراحِ صدر کے ساتھ صفا اور مروہ کی سعی کیا کرو کیونکہ یہ دونوں شعائر اللہ میں شامل ہیں۔ ان کے درمیان کی جانے والی سعی کا شرکیہ اعمال کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو تمہاری والدۂ ماجدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے توَکُّل عَلَی اللّٰہِ اور بے بسی کے عالم میں ان کے گھومنے کا مقام اور ترجمان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے شعائر اللہ میں سے شمار فرمایا ہے۔

''شَعَآئِر'' شعار کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے کہ ایسی جگہ یا نشانی جس سے اللہ تعالیٰ کی طرف انسان کی راہنمائی ہوتی ہو۔ اس لیے شعائر اللہ کی تعظیم کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات کا احترام کرنا اور اس کا تقویٰ قرار پایا ہے۔ لہٰذا ان کی سعی میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ یاد رکھیے! جو شخص بھی دل کی گہرائی کے ساتھ نیکی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی نیکی کو جاننے اور اس کی قدر افزائی فرمانے والا ہے۔

دنیا میں بڑے بڑے پہاڑ اپنی بلندی اور فلک بوسی کے اعتبار سے مشہور ہیں، ان میں مرمر اور یاقوت وعقیق بھی پائے جاتے

ہیں، صفا اور مروہ بظاہر معمولی پہاڑیاں ہیں مگر احترام واکرام اور نیکی کے اعتبار سے اپنے دامن میں ایک تاریخی پس منظر اور شعائر اللہ کا تقدس لیے ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو یہاں چھوڑ کر جانے لگے تو انہوں نے عرض کیا کہ میرے سرتاج مجھ سے کوئی گستاخی ہوئی ہے یا اللہ کا حکم اس طرح ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: کہ اللہ کا حکم سمجھ کر اسے تسلیم کیجیے۔ تب حضرت ہاجرہ علیہا السلام عرض کرتی ہیں کہ آپ مطمئن ہو کر تشریف لے جائیں: ''اِذًا لَا یُضَیِّعَنَا اللّٰہُ'''' پھر ہمیں اللہ تعالیٰ ضائع نہیں ہونے دے گا۔'' (رواہ البخاری: باب قول اللہ تعالی واتخذ اللہ إبراھیم خلیلا)

غور فرمائیں! میلوں پھیلے ہوئے فلک بوس پہاڑ، بے آب وگیاہ سنگلاخ زمین اور دور دور تک انسانی زندگی کے لیے ضروری اسباب ووسائل کا فقدان ہونے کے باوجود۔ کائنات کی عظیم ترین خاتون نے ایک ایسا جملہ ادا فرمایا جو اپنے اندر زمین وآسمان کی وسعتیں اور پہاڑوں سے زیادہ وزن لیے ہوئے ہے۔ اسی عقیدہ کی یاد دہانی اور مشکل ترین حالات میں اللہ پر توکل کرنے اور آزمائش میں ثابت قدمی کا سبق یاد دلانے کے لیے صفا ومروہ کی سعی کا حکم دیا گیا ہے۔

قرآنِ مجید نے صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے کو طواف سے تعبیر فرمایا ہے۔ لیکن حدیثِ رسول میں اس کے لیے سعی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ تاکہ طواف سے لوگوں کو یہ غلط فہمی نہ پیدا ہو جائے کہ صفا سے صفا تک ایک چکر بنتا ہے۔ بلکہ آپ نے صفا سے مروہ تک ایک جانب کو ایک چکر شمار کیا ہے اس طرح یہ سعی مروہ پر مکمل ہوتی ہے۔ آپ صفا پر چڑھ کر یہ کلمات ادا کیا کرتے تھے۔

{ اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۵۸﴾ } (البقرۃ:۱۵۸)

''بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں چنانچہ جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس پر صفا مروہ کا طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور جو شخص خوشی سے نیکی کرے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ قدر دان اور سب کچھ جاننے والا ہے۔''

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ» (رواہ مسلم: کتاب الحج)

مسائل

۱۔ صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشانات ہیں۔ ۲۔ صفا اور مروہ کا طواف نیکی سمجھ کر کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

شعائر اللہ کی تعریف:

۱۔ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔ (البقرۃ:۱۵۸) ۲۔ قربانی کا جانور اللہ کے شعائر میں سے ہے۔ (الحج:۳۶)
۳۔ اللہ کے شعائر کا احترام کرنے کا حکم ہے۔ (المائدۃ:۲) ۴۔ شعائر اللہ کی تعظیم کرنا تقویٰ کی نشانی ہے۔ (الحج:۳۲)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	يَكْتُمُوْنَ	مَآ	اَنْزَلْنَا	مِنَ	الْبَيِّنٰتِ	وَالْهُدٰى
بیشک	جو	چھپاتے ہیں	جو	نازل کیا ہم نے	سے	واضح دلائل	اور ہدایت
مِنْۢ	بَعْدِ	مَا	بَيَّنّٰهُ	لِلنَّاسِ	فِى	الْكِتٰبِ ۙ	اُولٰٓئِكَ
سے	بعد	جو	واضح کردیا ہم نے اسکو	لوگوں کے لیے	میں	کتاب	یہی لوگ
يَلْعَنُهُمُ	اللّٰهُ	وَيَلْعَنُهُمُ	اللّٰعِنُوْنَ ﴿١٥٩﴾	اِلَّا	الَّذِيْنَ	تَابُوْا	
لعنت کرتا ہے ان پر	اللہ	اور لعنت کرتا ہے ان پر	لعنت کرنیوالے	سوائے	جولوگ	انہوں نے توبہ کی	
وَاَصْلَحُوْا	وَبَيَّنُوْا	فَاُولٰٓئِكَ	اَتُوْبُ	عَلَيْهِمْ ۚ			
اور انہوں نے اصلاح کی	اور انہوں نے واضح کیا	پس یہی لوگ	میں متوجہ ہوتا ہوں	ان پر			
وَاَنَا	التَّوَّابُ	الرَّحِيْمُ ﴿١٦٠﴾					
اور میں	بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا	نہایت رحم کرنے والا					

’’بیشک جولوگ ہمارے اتارے ہوئے واضح دلائل اور کتاب میں ہماری بیان کردہ ہدایات کو چھپاتے ہیں ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔(۱۵۹) مگر جولوگ توبہ کریں اور اصلاح کرلیں اور کھول کر بیان کریں تو میں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں معاف کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہوں۔‘‘(۱۶۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام : اہلِ کتاب نے رسولِ اکرم ﷺ کی رسالت کے اوصاف اور بیت اللہ کے قبلۂ حق ہونے کو لوگوں سے چھپا رکھا تھا، جس پر حق چھپانے والوں کی سزا بیان کی جارہی ہے۔

اہلِ کتاب نے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا ہی انکار نہیں کیا بلکہ ہر اُس نشانی کو چھپانے اور مٹانے کی کوشش کی جس سے آپ کی رسالت کی نشاندہی ہوتی تھی۔ ان میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے بے قراری کے عالم میں صفا اور مروہ کے درمیان چکر لگائے تھے لیکن یہود و نصارٰی نے تاریخ کے اس اہم ترین حصہ کو اپنی کتابوں سے نکال باہر کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان مقامات کو شعائر اللہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حقائق اور احکامات کو چھپانا اتنا سنگین جرم ہے کہ اس جرم کی وجہ سے لاتعداد بلکہ بعض دفعہ تو نسل در نسل لوگ قبولِ حق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ایسا مجرم عالم ہو یا غیر عالم اس پر اللہ تعالیٰ اور کائنات کے ایک ایک ذرّہ کی لعنت ہوتی ہے۔ یہاں قرآنِ مجید نے لعنت کرنے والے افراد کو متعین نہیں فرمایا کہ یہ لعنت کرنے والے کون ہیں اس وجہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگردِ رشید اور مشہور مفسرِ قرآن حضرت مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ فرمایا کرتے تھے کہ عدمِ تعین میں یہ واضح اشارہ ہے کہ کتمانِ حق کرنے والوں پر دنیا کی ہر چیز پھٹکار کرتی ہے۔ یہاں حق چھپانے سے مراد صرف قرآنِ مجید کے ارشادات ہی نہیں بلکہ جو

لوگ اپنے مذموم مقاصد کے لیے صحیح اسناد کے ساتھ امت تک پہنچنے والی احادیث کو جھٹلاتے یا چھپاتے ہیں ان پر بھی اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہوگی کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات چھپانے کو بھی اس جرم میں شمار کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہی بات کہہ کر ایک حدیث اس وقت بیان فرمائی جب وہ اس دنیائے فانی سے کوچ کر رہے تھے۔

«حَدَّثَنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمُعَاذٌ رَدِيْفُهٗ......قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا اُخْبِرُبِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوْا قَالَ اِذًا يَتَّكِلُوْا وَاَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ تَاَثُّمًا» (رواہ البخاری: کتاب العلم)

”معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں یہ خوشخبری لوگوں کو نہ بتلاؤں تا کہ وہ خوش ہوجائیں؟ فرمایا نہیں اس طرح وہ صرف کلمہ پڑھنے پر ہی اکتفا کرلیں گے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے گناہ کے ڈر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اپنی موت کے وقت لوگوں کے سامنے بیان کیا تھا۔“

حدیث معاذ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دینی مصلحت کی خاطر کسی بات کو کچھ عرصہ کے لیے بیان نہ کیا جائے تو اس میں کوئی جرم نہیں البتہ ایسے موقع پر حق بات چھپانا جس سے حق والوں کی ہزیمت ہو اور غلط بات حق کا درجہ اختیار کر جائے یا حق کے ہمیشہ دب جانے کا اندیشہ ہو تو حق چھپانا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس گناہ سے بچنے اور اعلان حق کے لیے صحابہ کرام ائمہ عظام اور علمائے حق نے بڑی بڑی قربانیاں پیش کیں۔

لیکن جو آدمی دنیوی مفاد کی خاطر حق چھپاتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق پھٹکار کرتی ہے۔ البتہ ان لوگوں کو معاف کر دیا جائے گا جنہوں نے اخفائے حق سے توبہ کی اور سابقہ اخفائے حق کی تلافی کے لیے حق بات کو کھول کر بیان کیا۔ یعنی جہاں جہاں اس جرم کے اثرات پہنچے ان کی تلافی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تا کہ حق واضح ہوجائے اور اس میں کوئی ابہام باقی رہنے نہ پائے۔

مسائل

۱۔ حق چھپانے والوں پر اللہ اور اس کی تمام مخلوق لعنت کرتی ہے۔
۲۔ توبہ کرنے والے کو اپنی سابقہ غلطیوں کے اثرات بھی ختم کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔
۳۔ توبہ کرنے اور حقائق بیان کرنے والوں کو معاف کر دیا جائے گا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

توبہ اور اس کی قبولیت کی شرائط:

۱۔ اعترافِ جرم کے باعث توبہ قبول ہوتی ہے۔ (البقرۃ: ۳۷)
۲۔ ظلم سے اجتناب اور اصلاحِ احوال کے بعد توبہ قبول ہوتی ہے۔ (المائدۃ: ۳۹)
۳۔ جہالت کے سبب گناہ ہوجائے تو اس کی اصلاح کرنے پر توبہ قبول ہوتی ہے۔ (الانعام: ۵۴)
۴۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ (البقرۃ: ۱۶۰) ۵۔ اللہ جس کی چاہتا ہے توبہ قبول کرتا ہے۔ (التوبۃ: ۲۷)
۵۔ اللہ تعالیٰ مومن مردوں اور عورتوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ (الاحزاب: ۷۳)
۶۔ توبہ کرنے والوں کی برائیاں نیکیوں میں تبدیل کر دی جاتی ہیں۔ (الفرقان: ۷۰)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	وَمَاتُوْا	وَهُمْ	كُفَّارٌ	اُولٰٓئِكَ	عَلَيْهِمْ
بیشک	جولوگ	کافر ہوئے	اور وہ مر گئے	اور وہ	کافر (جمع)	یہی لوگ	ان پر

لَعْنَةُ	اللّٰهِ	وَالْمَلٰٓئِكَةِ	وَالنَّاسِ	اَجْمَعِيْنَ ﴿١٦١﴾	خٰلِدِيْنَ		فِيْهَا
لعنت	اللہ	اور فرشتے	اور لوگ	تمام	وہ ہمیشہ رہنے والے		اس میں

لَا يُخَفَّفُ	عَنْهُمُ	الْعَذَابُ	وَلَا	هُمْ	يُنْظَرُوْنَ ﴿١٦٢﴾	
نہ ہلکا کیا جائیگا	ان سے	عذاب	اور نہ	وہ	مہلت دیے جائینگے	

”یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر کی حالت ہی میں مر گئے ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ (۱۶۱) وہ اس لعنت میں ہمیشہ رہیں گے، نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔“ (۱۶۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جن لوگوں نے حق قبول کرنے، اخفائے حق کے گناہ کو ترک کرنے اور حق کھول کر بیان کرنے سے انکار کیا پھر اسی حالت میں مر گئے ایسے مجرموں پر اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ اور سب کی طرف سے پھٹکار ہوگی اور یہ لوگ جہنم میں رہیں گے۔

یہود و نصاریٰ کے علماء کی اکثریت کا یہ حال تھا کہ وہ دنیاوی مفادات کے حصول، علمی برتری اور ظاہری تقدس کے تحفظ کی خاطر کتابِ الٰہی کو اپنے تک ہی محدود رکھتے تھے۔ جس طرح ہندو مذہب میں برہمن دوسری اقوام بالخصوص شودروں کو اپنی کتاب اور مندروں سے دور رکھتے ہیں۔ اہلِ کتاب کے علماء حکمرانوں اور بڑے لوگوں کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی بجائے ان کی چاپلوسی اور مدح سرائی کیا کرتے تھے تاکہ ان سے بڑے بڑے مناصب اور مفادات حاصل کر سکیں۔ نبی معظم ﷺ نے ان کی اخلاقی پستی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

«إِنَّ أَوَّلَ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلٰى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ كَانَ الرَّجُلُ يَلْقَى الرَّجُلَ فَيَقُوْلُ يَاهٰذَا اتَّقِ اللّٰهَ وَدَعْ مَا تَصْنَعُ فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ لَكَ ثُمَّ يَلْقَاهُ مِنَ الْغَدِ فَلَا يَمْنَعُهُ ذٰلِكَ أَنْ يَكُوْنَ أَكِيْلَهُ وَشَرِيْبَهُ وَقَعِيْدَهُ فَلَمَّا فَعَلُوْا ذٰلِكَ ضَرَبَ اللّٰهُ قُلُوْبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ ثُمَّ قَالَ ﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْ إِسْرَآئِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ ﴿فَاسِقُوْنَ﴾ ثُمَّ قَالَ كَلَّا وَاللّٰهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَتَأْخُذُنَّ عَلٰى يَدَيِ الظَّالِمِ وَلَتَأْطُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ أَطْرًا وَلَتَقْصُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا»

(رواہ أبو داؤد: کتاب الملاحم، باب الأمر والنهی [حسن])

”پہلی خرابی بنی اسرائیل میں یہ پیدا ہوئی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے ملتا اور اس سے کہتا اللہ سے ڈر اور اپنی حرکات سے باز آجاؤ یہ کام تیرے لیے درست نہیں ہے۔ جب دوسرے دن اس سے ملتا تو یہ کام اسے اس کے ساتھ

کھانے پینے اور بیٹھنے سے نہ روکتا۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے انکے ایک دوسرے کے ساتھ دل ملا دیے۔ مزید فرمایا: بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر داؤد اور عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے لعنت کی .... پھر فرمایا: ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! تم ضرور نیکی کا حکم دو اور برے کاموں سے منع کرو اور ظالم کے ہاتھ پکڑ کر اس کو حق کی طرف اس طرح جھکاؤ گے جیسا اسے جھکانے کا حق ہے اور اس کو حق پر ٹھہراؤ جیسا کہ حق پر ٹھہرانے کا حق ہے۔ نیکی قائم کرو جس طرح اُسے قائم کرنا چاہیے اور حق پر اس کی مدد کرو۔''

جب جنتی جنت میں جلوہ افروز ہوں گے تو ایک دن جہنم کے کنارے جا کر ایسے علماء سے پوچھیں گے کہ تم کس جرم کی پاداش میں یہاں ذلیل ہو رہے ہو؟ جہنمی علماء اپنے بیٹوں، بیٹیوں، رشتے داروں اور مقتدیوں کے سامنے زاروقطار روتے ہوئے کہیں گے کہ ہم حق چھپایا کرتے تھے۔ جنّتی ترس کھانے کی بجائے ان کو کہیں گے کہ پھر تم پر مزید پھٹکار ہونی چاہیے۔ اف! یہ کتنا ذلت آمیز اور ہیبت ناک منظر ہوگا۔ انہیں ان خوفناک اور دردناک سزاؤں میں نہ صرف ہمیشہ رہنا ہے بلکہ ان کی سزاؤں میں ذرہ برابر بھی تخفیف نہیں کی جائے گی۔ یہ مجبور ہو کر بار بار جہنم کے نگران فرشتے سے آرزو کریں گے کہ ہمیں موت ہی آجائے جوابًا کہا جائیگا کہ اب تمہیں ہمیشہ یہاں ہی رہنا پڑے گا اور کوئی کسی طرح سے بھی تمہاری مدد نہیں کر سکے گا۔

{ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝ } (الزخرف:۷۷)

''اور جہنمی پکاریں گے کہ اے فرشتے تیرا رب ہمیں موت ہی دے دے وہ جواب دے گا یقیناً تم یہیں رہنے والے ہو۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ))

(رواه ابن ماجة: المقدمة، باب من سئل عن علم فكتمه [صحيح])

''جس سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا لیکن اس نے اسے چھپا لیا ایسے عالم کو جہنم میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔''

مسائل

۱۔ کفر کی حالت پر مرنے والوں پر اللہ تعالیٰ، اس کے ملائکہ اور سب کی لعنت ہوتی ہے۔

۲۔ حق چھپانے اور کفر پر مرنے والوں پر عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔

تفسیر بالقرآن

ظالم کو مہلت میسر نہیں آئے گی:

۱۔ مطالبہ منظور ہونے کے بعد مجرم قوم کو مہلت نہیں دی جاتی۔ (الانعام:۸)

۲۔ کتمانِ حق کرنے والوں کو عذاب سے مہلت نہیں دی جائے گی۔ (البقرۃ:۱۶۲)

۳۔ مرتدین کو مہلت نہیں دی جائے گی۔ (آلِ عمران:۸۸) ۴۔ ظالموں کو مہلت نہیں دی جائے گی۔ (النحل:۸۵)

۱۹ ع۱۱ ۲

وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ ع

اور معبود تمہارا معبود ایک نہیں معبود سوائے وہ بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ

بیشک میں پیدائش آسمانوں اور زمین اور بدلتے رہنا رات اور دن

وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ

اور کشتیاں وہ جو چلتی ہے میں سمندر ساتھ جو نفع دیتا ہے لوگ اور جو

اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ

اتارا اللہ سے آسمان پانی تو اس نے زندہ کیا اسکے ساتھ زمین

بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۠ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ

بعد اسکے مردہ ہونے کے اور پھیلایا اس میں سے ہر جانور اور بدلنا ہوائیں

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

اور بادل تابع کیا ہوا درمیان آسمان اور زمین یقیناً نشانیاں لوگوں کیلئے عقل رکھتے ہیں

''تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ بڑا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔(۱۶۳) بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش، رات دن کا بدلنا، کشتیوں کا لوگوں کو فائدہ پہنچانے والی چیزوں کو لیے ہوئے سمندروں میں چلنا، آسمان سے پانی نازل کرنا اور زمین کو اس کے مردہ ہوجانے کے بعد زندہ کردینا، اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلانا، ہواؤں اور آسمان و زمین کے درمیان مسخر بادلوں کے رخ بدلنے میں یقیناً عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔'' (۱۶۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح تمہارا رسول، قرآن، قبلہ اور دینِ ابراہیم ایک ہے اسی طرح تمہارا معبودِ برحق بھی ایک ہی ہے۔ اس کی الوہیت کے دلائل سنو اور ان پر غور کرو!

وہ ایک ہی اللہ ہے، حاکم مطلق، معبود اور مسجود وہی بحر و برّ، زمین و آسمان اور فضاؤں پر کلی اختیار رکھنے والا ہے۔ وہ ہر چیز کا خالق اور واحد مالک ہونے کے باوجود اپنے اختیارات ظلم و زیادتی کی بنیاد پر نہیں بلکہ نہایت ہی رحم و کرم کی اساس پر استعمال کرتا ہے۔ کائنات کے ذرّے ذرّے پر اس کی شفقت و مہربانی کی گھٹائیں برس رہی ہیں۔ اس کی ذات اور شان کی جھلک دیکھنا چاہتے ہو تو غور کرو کہ ① ۔ اس نے زمین و آسمان کو کس طرح پیدا کیا بظاہر زمین ایک ہی دکھائی دیتی ہے لیکن یہ تہ بہ تہ سات طبقات پر بچھائی گئی ہے۔ پھر جس زمین پر تمہارا ٹھکانہ اور بسیرا ہے اس کی ہزاروں اقسام اور قطعات ہیں۔ کہیں یہ زمین

ہزاروں میلوں تک ریت کی شکل میں حدِ نظر تک سراب کا نقشہ پیش کر رہی ہے۔ کہیں سیم وتھور کی وجہ سے پانی کا منظر پیش کرتی ہے۔ پھر کسی مقام پر زمین پوٹھوہار کا روپ دھار لیتی ہے اور اس کے سینہ پر اربوں سنگلاخ ریزے دکھائی دیتے ہیں، کہیں ٹیلوں اور پہاڑوں کا سلسلہ جاری ہے اور کہیں ڈھلوان کی صورت میں درجنوں فٹ نیچے ہی نیچے چلی جاتی ہے۔ ایک طرف اس کی چھاتی پر سرسبز وشاداب باغات ہیں اور دوسری طرف صحراء وبیابان کا لامتناہی سلسلہ ہے۔ اس کا ایک حصہ ایک بیج کو اپنی گود میں لے کر اس کی نشوونما کرتا ہے، دوسرا حصہ اسی بیج کو تلف کر دیتا ہے۔ زمین کے ایک حصہ پر ایک فصل لہلہا رہی ہوتی ہے، جب کہ اس کے ساتھ ہی دوسرا رقبہ اس فصل کو اُگانے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ یہی صورت زمین کی تہوں کے اندر پائی جاتی ہے۔ ایک علاقے میں کوئلے کے ذخائر ہیں تو اس کے ساتھ والی زمین سونے اور چاندی کے خزانے لیے ہوئے ہے۔ ایک جگہ پانی اتنا کڑوا ہے کہ زبان کاٹ رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی زیر زمین میٹھے پانی کا دریا بہہ رہا ہے۔ یہ زمین اپنے اوپر پہاڑوں، دریاؤں کھربوں انسانوں، حیوانات اور دیگر اشیاء کا بوجھ اٹھانے کے باوجود نہ جھکتی ہے نہ تھکتی ہے۔ ②۔ اَب آسمان کو دیکھو کہ وہ لاکھوں کروڑوں سالوں سے بغیر ستونوں کے سائبان بنا ہوا ہے۔ کیا مجال ہے کہ ایک انچ بھی اوپر نیچے ہو پائے۔ اس میں غور کے ساتھ دیکھنے سے بھی کوئی جھول نظر نہیں آتا۔ یہاں تک کہ نہ اس کا رنگ بدلا ہے اور نہ اس میں کوئی دراڑ واقع ہوئی ہے، جب کہ اس کا بنیادی مادہ دھواں قرار دیا گیا ہے (الدخان: ۱۰) حالانکہ ایک آسمان کی موٹائی اور ایک سے دوسرے تک کا فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت بیان کیا گیا ہے۔ (مسند احمد: کتاب باقی مسند المکثرین، باب مسند السابق [حسن لغیرہٖ]) ③۔ رات اور دن کے فرق کو دیکھا جائے تو رات ٹھنڈی اور دن گرم ہے۔

رات سرِ شام ہی تاریکی کا نقاب اوڑھ لیتی ہے جب کہ دن ہر جگہ روشن دکھائی دیتا ہے۔ رات کو اکثر فصلیں نمو پاتی ہیں ④۔ جب کہ دن کی گرمی اور روشنی پھلوں کے پکنے میں مدد دیتی ہے۔ کبھی رات اپنے دامن کو طویل کر دیتی ہے اور کبھی دن اس کی چادر کو لپیٹ کر اسے مختصر کرتے ہوئے خود طوالت اختیار کر لیتا ہے۔ پھر سال میں ایسے اوقات بھی آتے ہیں کہ دونوں اپنی طوالت کے لحاظ سے یکساں ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد مسلسل ان کے درمیان گھٹنے اور بڑھنے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے کبھی دن صبح کے وقت بڑھنا شروع ہوتا اور کبھی دونوں جانب سے سکڑنا شروع ہوتا ہے۔ ⑤۔ سمندر کے سینے پر چلنے والی کشتیوں اور بڑے بڑے جہازوں کی طرف توجہ کی جائے تو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ جو پانی اپنے اوپر ایک سوئی کو برداشت نہیں کر سکتا اسی پانی کی لہریں کشتیوں اور جہازوں کو ساحل مراد تک پہنچانے میں خدام بنی ہوئی ہیں جو ٹنوں کے حساب سے بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں اور نقل وحمل کا یہ سب سے بڑا اور مفید ترین ذریعہ ہیں۔ اس طرح ابتدائے آفرینش سے ہی دنیا کی سب سے بڑی تجارت بحری راستوں کے ذریعے ہی ہو رہی ہے اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ ⑥۔ اب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اندازہ کیجیے جو آسمان سے بارش کی صورت میں خاص مقدار اور رفتار سے پانی نازل کرتا ہے جس سے پھول کی نازک ترین پتی بھی غسل کرتی اور پیاس بجھاتی ہے۔ اس طرح جو زمین موت کی ویرانی کا ہولناک منظر پیش کر رہی تھی چند لمحوں میں اس میں جل تھل کا سماں دکھائی دیتا ہے۔ جس سے انسان ہی نہیں۔ ⑦۔ بلکہ زمین پر رینگنے والے حشرات الارض بھی برابر

مستفید ہوتے ہیں۔ درند، پرند، چوپائے جن کو اللہ تعالیٰ نے پوری زمین پر بکھیر رکھا ہے۔ ⑧۔ پھر ہوا اور اس کی رفتار پر غور کیجیے اگر اللہ تعالیٰ ایک لحہ کے لیے ہوا کو رنگ دار بنا دے تو آنکھیں ہونے کے باوجود دیدہ ور اندھے کی طرح ٹھوکریں کھاتا پھرے۔ یہ ہوا ہی تو ہے جو سمندر کے کڑوے کسیلے پانی کو جراثیم اور مہلک گیسوں سے پاک کر کے بلندیوں کی مخصوص سطح تک لے جاتی ہے۔ پھر ان بادلوں کو دھکیل کر وہاں پہنچا دیتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ بادلوں کو برسنے کا حکم دیتا ہے۔ بسا اوقات بادل برسنے کے قریب ہوتے ہیں لیکن چند لمحوں میں ہوا بھاری بھرکم بادلوں کو کہیں اور ہانک کر لے جاتی ہے یہ قدرت کے وہ عظیم الشان آٹھ نشانات ہیں، جن میں کوئی بھی اس اِلہِ برحق کا شریک وسہیم نہیں ہے۔ اگر تم عقل ودانش کا معمولی استعمال بھی کرو تو ان چیزوں کے پیدا کرنے والے خالق کو ہر اعتبار سے ایک مانے بغیر نہ رہ سکو۔

{ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ } (المومنون: ۱۴) ''اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے بڑا ہی بابرکت ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ ہی معبودِ برحق ہے۔ ۲۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

۳۔ آسمانوں وزمین کی پیدائش اور ہر چیز کی تخلیق میں دانش مندوں کے لیے عبرت کے دلائل ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی الٰہ اور الرحیم، الرحمن ہے:

۱۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ برحق نہیں۔ (النساء: ۸۷) ۲۔ الٰہ حقیقی صرف اللہ ہے۔ (النساء: ۱۷۱)

۳۔ اللہ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اور پھر آسمان سے پانی اتار کر باغات اگائے کیا اس کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل: ۶۰)

۴۔ اللہ نے زمین کو جائے قرار بنایا اس میں پہاڑ اور دو سمندروں کے درمیان پردہ بنایا کیا اس کے ساتھ اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل: ۶۱)

۵۔ پہلے اور دوبارہ پیدا کرنا اور زمین وآسمان سے تمہارے لیے روزی کا بندوبست کرنے والا اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے؟ (النمل: ۶۴)

۶۔ تمھارا الٰہ ایک ہی ہے وہ الرَّحمن اور الرَّحیم ہے۔ (البقرۃ: ۱۶۳) ۷۔ اللہ تعالیٰ رحیم ہے۔ (الزمر: ۵۳)

۸۔ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن۔ اللہ کے لیے اچھے نام ہیں۔ (الاسراء: ۱۱۰) ۹۔ اللہ رحمان ورحیم ہے۔ (الفاتحۃ: ۳)

۱۰۔ اللہ کے اچھے، اچھے نام ہیں اُسے اُن ناموں کے ساتھ پکارو۔ (الاعراف: ۱۸۰)

۱۱۔ اللہ ایک ہے، بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ (البقرۃ: ۱۶۳) ۱۲۔ اس کی رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ (الاعراف: ۱۵۶)

۱۳۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ (الزمر: ۵۳) ۱۴۔ اللہ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہوا کرتی ہے۔ (الاعراف: ۵۶)

لیل ونہار کی گردشیں:

۱۔ رات دن ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ہیں۔ (الاعراف: ۵۴) ۲۔ رات دن کو اور دن رات کو ڈھانپ لیتا ہے۔ (الزمر: ۵)

۳۔ رات اور دن کا بڑھنا، گھٹنا۔ (الحدید: ۶) ۴۔ رات آرام اور دن کام کے لیے ہے۔ (الفرقان: ۴۷)

وَمِنَ	النَّاسِ	مَنْ	يَّتَّخِذُ	مِنْ	دُوْنِ	اللّٰهِ	اَنْدَادًا
اور سے	لوگ	جو	وہ بناتا ہے	سے	سوائے	اللہ	شریک (جمع)
يُّحِبُّوْنَهُمْ	كَحُبِّ	اللّٰهِ ؕ	وَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْٓا	اَشَدُّ	حُبًّا	
وہ محبت کرتے ہیں ان سے	جیسے محبت	اللہ	اور جو لوگ	وہ ایمان لائے	زیادہ سخت	محبت کرنے میں	
لِّلّٰهِ ؕ	وَلَوْ	يَرَى	الَّذِيْنَ	ظَلَمُوْٓا	اِذْ	يَرَوْنَ	الْعَذَابَ ۙ
اللہ کیلئے	اور اگر	وہ دیکھ لیں	وہ لوگ	انہوں نے ظلم کیا	جب	وہ دیکھیں گے	عذاب
اَنَّ	الْقُوَّةَ	لِلّٰهِ	جَمِيْعًا ۙ	وَّاَنَّ	اللّٰهَ	شَدِيْدُ	الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾
یقیناً	قوت	اللہ کے لیے	تمام	اور بے شک	اللہ	سخت	عذاب

”بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو دوسروں کو اللہ کا شریک بنا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے جبکہ ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔ کاش کہ مشرک لوگ اب دیکھ لیتے وہ بات جو وہ عذاب کے وقت دیکھیں گے کہ تمام قوت اللہ ہی کے پاس ہے اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔“ (۱۶۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: زمین و آسمانوں کا خالق اور انسانوں کو آفاقی اسباب کے ذریعے روزی اور فوائد پہنچانے والا اللہ ہے تو پھر محبت اسی سے ہونی چاہیے نہ کہ دوسرے سے۔

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کے آٹھ ایسے آفاقی دلائل دیئے ہیں۔ جن سے ایک دیہاتی، شہری، جاہل اور تعلیم یافتہ، عام عقل والا یا انتہائی دانشور، سیاست دان یا سائنس دان سب کے سب اپنی اپنی لیاقت اور صلاحیت کے مطابق ان سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ ایسے ہمہ گیر اور ٹھوس دلائل ہیں جن سے ہر آدمی کا واسطہ پڑتا ہے اور وہ ان سے استفادہ کرتا ہے۔ یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ آفاق کے تمام عناصر ایک ہی ہستی کے پیدا کردہ اور اسی کے تابع فرمان ہیں۔ جب ان تمام آفاقی عناصر کی پیدائش اور انہیں مسخر اور مقید رکھنے میں زندہ اور مردہ باطل خداؤں، نیک و بد، حکمرانوں اور سائنس دانوں کا عمل دخل نہیں بلکہ پورے کا پورا نظام ایک ہی ہستی کے زیرِ اقتدار ہے تو پھر اسی مالک کو الٰہ مانو اور اسی سے محبت کا رشتہ جوڑو جو پورے نظام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ لیکن مشرک حقیقی عقل سے عاری ہوتا ہے۔ چاہے وہ کتنا ہی پڑھا لکھا کیوں نہ ہو۔ وہ کائنات کے خالق و مالک سے محبت و تعلق قائم کرنے کی بجائے اپنے رب سے بڑھ کر دوسروں سے محبت اور تعلق قائم کرتا ہے، حالانکہ حقیقی اور دائمی محبت سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونی چاہیے۔ باقی تمام محبتیں اس کی محبت کے تابع ہونا ضروری ہیں۔ لیکن مشرک ایسی محبت کے لیے کبھی تیار نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی محبت کے مقابلے میں دوسروں کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کے برعکس موحّد کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے اس طرح لبریز ہوتا ہے کہ وہ اس کے مقابلے میں دنیا کی کسی چیز کی

محبت کو ترجیح نہیں دیتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی اولاد اور جان سے بڑھ کر اپنے رب کی محبت کو عزیز سمجھتا ہے اور اس کی ہر سوچ اور کام کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کا حکم ہی مقدم ہوتا ہے۔ رسولِ محترم ﷺ اسی بات کی راہنمائی اور دعا کیا کرتے تھے۔

محبت وہ فطری جذبہ ہے جو ہر انسان اور حیوان میں پایا جاتا ہے۔ محبت کرنے کے کچھ اسباب اور وجوہات ہوا کرتی ہیں جن کی وجہ سے دوسروں کے ساتھ محبت کرنے سے منع نہیں کیا گیا۔ مطالبہ صرف یہ ہے کہ تم اپنے رب سے سب سے زیادہ محبت کرنے کی کوشش کرو۔ اگر تم کسی کے احسان کی وجہ سے محبت کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ تمہارا محسن ہے۔ تم کسی سے قرابت داری کی وجہ سے محبت کرتے ہو تو وہ سب سے بڑھ کر تمہارے قریب ہے، اگر تم جمال و کمال کی وجہ سے کسی سے محبت کرتے ہو تو کائنات کا سارا جمال و کمال اسی کی وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ اجمل و اکمل ہے۔ اگر تم کسی کے اقتدار اور اختیار کی بنا پر اس سے الفت کرتے ہو تو اس سے بڑھ کر کسی کے پاس اختیار اور اقتدار نہیں ہے۔ غرضیکہ کسی سے صحیح محبت کرنے کے جو بھی محرکات اور اسباب ہو سکتے ہیں ان سب کا مالک تمہارا اللہ ہے، پھر اسی کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کیوں نہ کی جائے؟ اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ اس کے رسول محمد مصطفی، احمد مجتبیٰ ﷺ کے ساتھ بھی محبت ساری مخلوق سے بڑھ کر ہونی چاہیے تب جا کر آدمی کا ایمان مکمل ہوتا ہے۔ رسول محترم ﷺ نے فرمایا:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ»

(رواہ البخاری: کتاب الایمان، باب حب الرسول من الإیمان)

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اپنے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔“

مسائل

۱۔ مشرک باطل معبودوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ جیسی محبت کرتے ہیں۔ ۲۔ صاحبِ ایمان لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت میں متشدد ہوتے ہیں۔
۳۔ قیامت کے دن مشرک عذاب دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی قوت و سطوت کا اعتراف کریں گے۔

تفسیر بالقرآن

مشرک کا غیروں سے محبت کرنا اور ان کو معبود ماننا:

۱۔ حضرت عیسیٰ اور مریم ؑ کو عیسائیوں نے اللہ کا شریک ٹھہرایا۔ (النساء: ۱۷۱)
۲۔ یہودیوں نے حضرت عزیر ؑ کو اللہ کا بیٹا ٹھہرایا۔ (التوبہ: ۳۰)
۳۔ یہودیوں نے بچھڑے کو معبود بنایا۔ (الاعراف: ۱۵۲) ۴۔ حضرت نوح ؑ کی قوم نے بتوں کو معبود بنایا۔ (نوح: ۲۳)
۵۔ مکے کے مشرک بتوں کی تعظیم اور عبادت کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۳۶)
۶۔ مشرک غیر کو اللہ تعالیٰ کے قُرب کا ذریعہ بناتے ہیں۔ (الزمر: ۲)

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا

جب | وہ بیزار ہو جائینگے | وہ لوگ | وہ پیروی کیے گئے | سے | جو | انہوں نے پیروی کی

وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ

اور انہوں نے دیکھا | عذاب | اور کٹ گئی | ساتھ ان | وسائل | اور کہیں گے | جو لوگ

اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا

انہوں نے پیروی کی | کاش | یقیناً | ہمارے لیے | دوبارہ لوٹنا | تو ہم بیزار ہو جائینگے | ان سے | جس طرح

تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ

وہ بیزار ہو گئے | ہم سے | اسی طرح | انہیں دکھائے گا | اللہ | ان کے اعمال | حسرتیں بنا کر | ان پر

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ ع

اور نہیں | وہ | نکلنے والے | سے | آگ

”(وہ سزا دے گا تو کیفیت یہ ہوگی) جب پیشوا لوگ اپنے تابعداروں سے بے تعلق ہو جائیں گے اور عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور ان کے تمام تعلقات ختم ہو جائیں گے۔(۱۶۶) اور بڑوں کی پیروی کرنے والے لوگ کہیں گے کاش ہم دنیا کی طرف دوبارہ لوٹائے جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی لاتعلق ہو جائیں گے جیسے یہ ہم سے ہوئے، اسی طرح اللہ انہیں ان کے اعمال ان پر حسرتوں کی صورت میں دکھائے گا، اور وہ آگ سے نہیں نکل سکیں گے۔“(۱۶۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مشرک سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے اور دنیا میں غیر اللہ کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتے لیکن قیامت کے دن ایک دوسرے پر پھٹکار کرتے ہوئے ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ہی واحد معبود ہے اور وہی کائنات کا خالق و مالک اور کائنات کے نظام کو چلا رہا ہے۔ اس کے نظام میں کوئی ذرّہ برابر بھی دخل انداز ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس نے نظامِ کائنات میں کسی کو اپنا ہمسر اور شریکِ کار نہیں بنایا اور آخرت میں بھی کوئی اس کے اختیارات اور نظام میں کوئی دم مارنے کی ہمت نہیں پائے گا۔ جو لوگ دنیا میں پیروں، فقیروں، حکمرانوں اور باطل معبودوں کے ساتھ دنیاوی مفادات کی خاطر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی بات سے بڑھ کر دوسروں سے محبت کرتے اور تعلق جوڑتے ہیں قیامت کے دن ربِ ذوالجلال کی جلالت و جبروت اور عذاب کو دیکھیں گے تو ان کے تمام واسطے اور رابطے کٹ جائیں گے۔ یہاں تک کہ پیر مُرید سے، طالب مطلوب سے، حاکم محکوم سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ جو مذہبی پیشوا اور سیاسی رہنما اپنی ذات اور مفاد کی خاطر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے فرمان سے ہٹایا کرتے تھے جب وہ

پوری طرح جان جائیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ کی قوت وطاقت کے سوا کسی کی کوئی طاقت نہیں اور نہ کوئی وسیلہ کارگر ثابت ہوسکتا ہے تو وہ ایک دوسرے پر پھٹکار بھیجیں گے۔ متبوع لوگ اللہ تعالیٰ سے آرزو کریں گے کہ اِلٰہی! ہمیں دنیا میں جانے کا موقع دے تاکہ ہم ان ظالم رہنماؤں اور مشرک پیروں اور علماء سو سے اسی طرح نفرت کا اظہار کریں جس طرح آج وہ ہم سے بیزاری کا اظہار کررہے ہیں۔ حکم ہوگا کہ اب تم نے ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔ اس دن سے ان کی پریشانیوں اور حسرتوں میں اضافہ ہوتا رہے گا اور ان کو عذاب سے کوئی نکالنے والا نہیں ہوگا۔ دنیا کے تمام اعمال ضائع، رہنماؤں کے وعدے اور سہارے جھوٹے ثابت ہوئے ہوں گے۔ واپسی کے تمام راستے بند اور ہر قسم کی آہ وزاریاں بے کار ثابت ہوں گی، یہ مایوس ہوکر دوسری درخواست پیش کریں گے کہ اے ربِ ذوالجلال! تو پھر ان ظالم اور جھوٹے سیاسی اور مذہبی رہنماؤں کو دُگنے عذاب میں مبتلا کیجیے۔ (الاحزاب: ۶۷) جواب آئے گا سب کو دوگنا عذاب دیا جارہا ہے۔ (الاعراف: ۳۸)

مسائل

۱۔ عذاب دیکھ کر پیر اپنے مریدوں اور لیڈر اپنے ورکروں سے براءت کا اظہار کریں گے۔
۲۔ جہنم کا عذاب دیکھ کر جہنمیوں کی تمام امیدیں ختم ہوجائیں گی۔
۳۔ جہنمی دنیا میں واپس آنے اور اپنے پیروں، لیڈروں سے قطع تعلق کرنے کی تمنا کریں گے۔
۴۔ جہنمی اپنے اعمال پر ہمیشہ حسرت وافسوس کا اظہار کرتے رہیں گے۔ ۵۔ مشرک اور کافر جہنم سے کبھی نہیں نکل سکیں گے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن باطل عابد ومعبود میں نفرتیں اور بیزاریاں:

۱۔ عابد ومعبود ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے۔ (یونس: ۲۸ تا ۳۰)
۲۔ جب مشرک شریکوں کو دیکھیں گے کہیں گے یہی ہیں وہ جنہیں ہم تیرے سوا پکارتے تھے۔ تو وہ ان سے کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔ (النحل: ۸۶)
۳۔ اگر تم انہیں پکارو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے۔ اگر سن بھی لیں تو جواب نہیں دے سکتے۔ قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کردیں گے۔ (فاطر: ۱۴)
۴۔ جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کی دشمن ہوں گے اور اپنی پرستش سے انکار کریں گے۔ (الاحقاف: ۶)
۵۔ ان کے شریکوں میں سے کوئی ان کا سفارشی نہ ہوگا اور وہ اپنے شریکوں کے انکاری ہوجائیں گے۔ (الروم: ۱۳)
۶۔ جن کو وہ پکارا کرتے تھے۔ وہ سب ان سے غائب ہوں گے۔ (حٰمٓ السجدہ: ۴۸)

یٰۤاَیُّهَا	النَّاسُ	كُلُوْا	مِمَّا	فِی	الْاَرْضِ	حَلٰلًا	طَیِّبًا ۖؗ	وَّلَا
اے	لوگو	تم کھاؤ	سے جو	میں	زمین	حلال	پاک	اور نہ
تَتَّبِعُوْا	خُطُوٰتِ	الشَّیْطٰنِ ؕ	اِنَّهٗ	لَكُمْ	عَدُوٌّ	مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾		
تم پیچھے چلو	قدم (جمع)	شیطان	بیشک وہ	تمہارا	دشمن	واضح		

''لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ۔ لیکن شیطان کے قدم بقدم نہ چلو' یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔'' (۱۶۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہاں پہلی آیات کے ساتھ معنوی ربط پایا جارہا ہے۔ قرآنِ مجید میں اکثر مقامات پر شرک اور حرام وحلال کا مسئلہ ایک ہی جگہ بیان کیا گیا ہے۔ [الانعام: ۱۳۷ تا ۱۴۰۔ النحل: ۳۵] آیات ملاحظہ فرمائیں۔

قرآنِ مجید نے حلال وطیب کھانے کے بارے میں بنی نوع انسان کے تینوں طبقات کو مخاطب کرتے ہوئے ایک جیسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ آغاز میں عوام الناس کو مخاطب کیا جارہا ہے اور اس کے بعد ٹھیک چوتھی آیت میں مومنوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ سورۃ المومنون آیت ۵۱ میں انبیاء کی مقدس جماعت کو خطاب کرتے ہوئے حلال کھانے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ جب تک اس پر اپنے اپنے مقام پر سب لوگ عمل نہیں کرتے توحید کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے اور نہ معیشت کرپشن سے محفوظ رہ سکتی ہے۔

اس مسئلے کا تعلق بیک وقت حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ساتھ ہے۔ حقوق اللہ کے ساتھ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک جسم کی عبادت ہی قبول کرتا ہے۔ حلال، طیب کھانے والا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی میں لذت محسوس کرتا ہے، اس کے دل میں سرور، طبیعت میں استغناء، دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور ان کے حقوق کا خیال رکھنے کے ساتھ سخاوت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ حقوق العباد کے ساتھ تو اس کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ جب معاشرے میں حلال وحرام کی تمیز اٹھ جائے تو معاشی استحصال، ڈاکہ، چوری، دھوکہ دہی، فریب کاری کی وارداتیں عام ہو جاتی ہیں۔ جس سے معاشی ناہمواری کے ساتھ سماجی زندگی تباہی کے راستے پر چل پڑتی ہے۔ اس لیے تمام لوگوں کو بیک وقت حلال، طیب کھانے کی تلقین کی جارہی ہے۔ خوراک ظاہری گندگی سے پاک نہ ہو تو جسمانی بیماریاں پیدا ہوں گی۔ کھانے اور کمانے میں شریعت کا لحاظ نہ رکھا جائے تو روحانی زندگی اور اخلاقی قدریں اس قدر کمزور ہوں گی اور آدمی زندہ ہونے کے باوجود اس کے روح کی موت واقع ہوگی اور اجتماعیت بکھر کر رہ جائے گی اور یہی شیطان کا مقصد ہے۔ لہٰذا حرام کھانے والا شیطان کے قدم بقدم چلتا ہوا دنیا میں ذلیل اور حریص کہلوائے گا اور آخرت میں جہنم کا ایندھن بنے گا۔ اس لیے متنبہ کیا جارہا ہے کہ شیطان تمہارا ابدی دشمن ہے اس سے ہر صورت بچ کر رہنے کی کوشش کرتے رہنا کیونکہ کوئی غیرت مند آدمی اپنے دشمن کی چال میں نہیں آیا کرتا۔

حرام خوری کے نقصانات

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ، اَلنَّارُ أَوْلَى بِهِ»

(مسند احمد: کتاب باقی مسند المکثرین، باب مسند جابر بن عبد اللہؓ [صحیح])

''حرام سے پلنے والا جسم جنت میں داخل نہیں ہوگا بلکہ اسے آگ زیادہ لائق ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''لوگو! یقیناً اللہ پاک ہے اور پاک ہی قبول کرتا ہے اور اللہ نے مومنوں کو اسی چیز کا حکم دیا جس کا رسولوں کو حکم دیا ہے۔ فرمایا: اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو جو کچھ تم کرتے ہو یقیناً میں اسے جاننے والا ہوں۔ اور فرمایا: اے مومنو! ہم نے جو تمہیں رزق دیا اس میں سے پاک کھاؤ۔''

«ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَارَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ»

(رواہ مسلم: کتاب الزکوٰۃ، باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب وتربیتھا)

''پھر آپ ﷺ نے ایک آدمی کا تذکرہ کیا جو لمبا سفر کرتا ہے، اس کے بال پراگندہ اور پاؤں خاک آلود ہیں، وہ آسمان کی طرف اپنے ہاتھ پھیلائے یارب! یارب! کی صدائیں بلند کرتا ہے اس کی حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام اور وہ حرام سے پرورش پایا ہے ایسے آدمی کی دعا کیسے قبول کی جائے؟''

مسائل

١۔ ہر شخص کو حلال اور پاک کھانا چاہیے۔ ٢۔ حرام کھانا شیطان کی پیروی کرنا ہے۔

٣۔ شیطان انسان کا واضح دشمن ہے، اس کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اکلِ حلال کی اہمیت:

١۔ ایمان داروں کو حلال کھانے کا حکم ہے۔ (البقرۃ: ١٧٢) ٢۔ رسولوں کو اکل حلال کی تلقین۔ (المومنون: ٥١)

٣۔ تمام لوگوں کو اکل حلال کا حکم ہے۔ (البقرۃ: ١٦٨)

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

سوائے اسکہ وہ تمہیں حکم دیتا ہے برائی کیساتھ اور بے حیائی اور یہ کہ تم کہو پر اللہ جو نہیں تم جانتے

”سوائے اس کے وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی اور اللہ تعالیٰ پر ان باتوں کے کہنے کا حکم دیتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں۔“ (۱۶۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حلال کے فوائد کے بعد حرام خوری کے نقصانات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے حرام کھانے والا بالفعل شیطان کا حکم مانتا ہے۔ شیطان تو انسان کو بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں بے اعتقادی اور بدگمانی پیدا کرتا ہے۔

حرام سے اجتناب نہ کرنا اور اپنی مرضی سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرلینا درحقیقت شیطان کی پیروی کرنے کے مترادف ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ حرام کھانے پر آمادہ کرنے کے بعد شیطان کے لیے یہ کام نہایت ہی آسان ہوجاتا ہے کہ وہ حرام خور کو برائی اور بے حیائی کی طرف مائل کرسکے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسا آدمی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتے ہوئے اپنے ضمیر میں حیا محسوس نہیں کرتا۔ جب ضمیر حیا سے خالی ہوجائے تو ظلم کرنا، کاروبار میں ہیرا پھیری، اشیاء میں ملاوٹ، جھوٹ بول کر سودا بیچنا اور دوسرے کا حق مارنا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کر گاہک کو دھوکہ دینے میں بھی یہ شخص باک محسوس نہیں کرتا۔ رسولِ محترم ﷺ بے حیائی کا نقصان ذکر کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے:

((اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰى إِذَا لَمْ تَسْتَحِيْ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ))

(رواہ البخاری: کتاب الادب، باب إذا لم تستحی فاصنع ماشئت)

”پہلے انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے جو کچھ لوگوں نے پایا وہ یہ ہے کہ جب تجھ سے حیا ختم ہوجائے تو جو چاہے کر گزر۔“

حرام کی دولت جب کسی گھر میں داخل ہوتی ہے تو اس میں بے حیائی کا ماحول پیدا ہوجاتا ہے۔ پردہ نشین عورتوں کے نقاب اترنا شروع ہوجاتے ہیں، بچیوں کے سروں سے دوپٹے سرکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، نوجوان اچھی روایات کو چھوڑ کر بُری عادات کو فیشن کے طور اپنانے میں فخر اور شرافت کے ماحول میں گھٹن محسوس کرتے ہیں۔ ایسے شخص کے پاس اگر مال کی فراوانی اور جوانی ہو تو وہ بُرائی اور بدکاری میں آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اگر ان لوگوں کو سمجھایا جائے تو کچھ لوگ حد سے آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہی سب کچھ کھا پی رہے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی حرام خوری کو اللہ ربّ العزت کے ذمہ لگاتے ہیں۔ جس کو قرآن مجید نے سورۃ النحل کی آیت ۳۵ میں مشرکوں کا کردار بتاتے ہوئے یوں بیان فرمایا ہے کہ: ”مشرک کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے آباء واجداد اللہ کے علاوہ نہ کسی کی عبادت کرتے اور نہ کسی چیز کو حرام ہی قرار دیتے۔“

مسائل

۱۔ شیطان انسان کو برائی، بے حیائی اور اللہ تعالیٰ کے متعلق غلط باتیں سکھلاتا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا

اور جب | کہا گیا | انہیں | تم پیروی کرو | جو | اتارا | اللہ | انہوں نے کہا

بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ

بلکہ | ہم پیروی کریں گے | جو | ہم نے پایا | اس پر | اپنے باپ دادا | کیا اگرچہ | تھا

اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿١٧٠﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ

ان کے باپ دادا | وہ نہیں سمجھتے | کچھ | اور وہ ہدایت یافتہ نہیں ہیں | اور مثال | جو لوگ

كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا

انہوں نے کفر کیا | مثال کی طرح | وہ جو | چلاتا ہے | اس کو جو | نہیں | وہ سنتا | سوائے

دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٧١﴾

پکارنا | اور چلانا | بہرے | گونگے | اندھے | پس وہ | نہیں سمجھتے

”اور ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا، اگرچہ ان کے باپ دادا بے سمجھ اور ہدایت یافتہ نہ بھی ہوں؟ (۱۷۰) کفار کی مثال ان جانوروں کی طرح ہے جو اپنے چرواہے کی صرف پکار اور آواز ہی کو سنتے ہیں وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، انہیں عقل نہیں۔“ (۱۷۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: تقلیدِ آباء بھی شیطان کی پیروی کا نتیجہ ہے۔ جس طرح شیطان بے حیائی اور انسان کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں لا یعنی گفتگو کا حکم دیتا ہے اسی طرح وہ یہ دلیل بھی آدمی کو سمجھاتا ہے کہ آخر پہلے لوگ اور بزرگ کوئی غلط اور گمراہ تھے؟ حالانکہ یہ سوچ عقل کے خلاف ہے۔

جب انہیں حرام وحلال اور دیگر مسائل کے حوالے سے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنے کے لیے کہا جائے تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو انہی روایات پر چلیں گے جن پر ہمارے آباء واجداد چلا کرتے تھے۔ وہ یہ بھی نہیں سوچتے کہ ان کے بزرگ دین کی سمجھ نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی ہدایت یافتہ تھے۔ اس ارشاد سے یہ بات بڑی واضح ہوتی ہے کہ بزرگوں کی روایات کو اس وقت اپنایا جائے گا جب وہ کتابِ الٰہی کے مطابق ہوں گی۔ بصورتِ دیگر انہیں مسترد کرنا فرض ٹھہرے گا۔ اگر رسومات اور بزرگوں کی روایات کو من وعن قبول کر لیا جائے تو پھر شریعت کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ درحقیقت یہ وہ اندھی تقلید ہے جس کا بہانہ بنا کر لوگ گمراہی کے راستہ پر چلنا اپنے لیے فخر سمجھتے ہیں۔ دین کے راستے میں یہی وہ رکاوٹ ہے جو انبیاءِ کرام کے سامنے سب سے پہلے پیش کی جاتی تھی۔ تقلید خاندانی روایات کی صورت میں ہو یا ائمہ کرام کے حوالے سے، مقلدین

ہمیشہ سے جذباتی فضا پیدا کرتے ہوئے دو ہی جواز پیش کرتے ہیں۔ایک جواز جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خطاب کے جواب میں فرعون نے پیش کیا تھا کہ اے موسیٰ! جو ہمارے بزرگ پہلے فوت ہو چکے ہیں کیا وہ سب کے سب گمراہ اور جہنمی تھے؟ جس کا جواب پیغمبرانہ شان کے مطابق دیتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ پہلوں کے بارے میں ''اللہ'' ہی بہتر جانتا ہے۔وہ نا بھٹکا ہے اور نا بھولتا ہے۔(طٰہٰ:۵۱،۵۲)

دوسرا جواز یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کیا ائمہ کرام اور بڑے بڑے علماء کو اس مسئلہ کا علم نہیں تھا؟ اگر تقلیدِ جامد کے مؤیدین کے نزدیک قرآن وسنت ہی معیار ہو تو انہیں یہ اندازِ گفتگو کس طرح زیب دیتا ہے؟ بسا اوقات اس کا جواب اس قدر حساس صورتِ حال پیدا کر دیتا ہے کہ اعتراض کرنے والا اپنے گریبان میں جھانکے بغیر نہیں رہ سکتا۔کیونکہ اگر یہ بزرگ واقعتاً اختلافی مسئلہ میں کتاب وسنت کا علم رکھتے تھے تو وہ قرآن وسنت کے واضح دلائل کے خلاف کس طرح عمل کر سکتے تھے؟ اگر اس مسئلہ کے بارے میں قرآن وسنت کے دلائل سامنے ہونے کے باوجود انہوں نے اسے تسلیم نہیں کیا تو ان کی عظیم شخصیات کو کس نظر سے دیکھنا چاہیے؟ اس نازک صورتِ حال میں سلامتی کا یہی راستہ ہے کہ ہم قرآن وسنت کو معیار ٹھہراتے ہوئے ان کے بارے میں یہ نقطۂ نگاہ قائم کریں کہ علم کی اشاعت کم ہونے کی وجہ سے مطلوبہ دلائل ان کی نگاہ سے اوجھل رہے۔جس کی وجہ سے ان کی طرف منسوب موقف نظرِ ثانی کے لائق ہے۔لیکن مقلدانہ ذہن رکھنے والے حضرات اہمیتِ مسئلہ اور ان کی شخصیات کا لحاظ رکھے بغیر تقلید پر اصرار کرنا دین کا حصّہ تصور کرتے ہیں۔قرآنِ مجید اس طرزِ فکر کو عقل وہدایت کا راستہ تصور نہیں کرتا۔اس لیے اندھے مقلدین کے بارے میں یہ تبصرہ فرمایا کہ ان کی مثال تو جانوروں کی طرح ہے جو عقل وفکر اور کسی اصول کی پیروی کیے بغیر محض اپنے سے پہلے جانور کی اتباع میں چلے جا رہے ہیں اور مقلد بھی جانوروں کی طرح بات کا مفہوم سمجھے بغیر محض ایک پکار، دعویٰ اور ایک عادت کے طور چلتے ہیں۔اب یہ سننے، بولنے اور دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکے ہیں۔جس کی وجہ سے عقل وفہم کے دروازے ان پر بند ہیں اور یہ حقیقی عقل سے عاری ہو چکے ہیں۔جب عقل ہی اپنے ٹھکانے نہ رہی تو ہدایت کس طرح پا سکتے ہیں؟۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مقابلے میں آباء واجداد کی اتباع نہیں کرنا چاہیے۔ ۲۔کافر جانوروں سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔

۲۔ کافر لوگ جانوروں کی طرح بلانے والے کی صرف آواز سنتے ہیں غور وفکر نہیں کرتے۔

تفسیر بالقرآن

اندھی تقلید کا انجام:

۱۔ مشرک اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔(البقرۃ:۱۷۰)

۲۔ المائدۃ:۱۰۴ ۳۔الاعراف:۲۸ ۴۔یونس:۷۸ ۵۔الانبیاء:۵۳

۶۔ الشعراء:۷۴ ۷۔لقمان:۲۱ ۸۔الصافات:۶۹،۷۰ ۹۔الزخرف:۲۲ تا ۲۵

یٰٓاَیُّهَا	الَّذِیْنَ	اٰمَنُوْا	كُلُوْا	مِنْ	طَیِّبٰتِ	مَا
اے	جو وہ	ایمان لائے	تم کھاؤ	سے	پاک	جو
رَزَقْنٰكُمْ	وَاشْكُرُوْا	لِلّٰهِ	اِنْ	كُنْتُمْ	اِیَّاهُ	تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾
ہم نے تمہیں رزق دیا	اور تم شکر کرو	اللہ کیلئے	اگر	تم ہو	صرف اسی	تم عبادت کرتے ہو

”اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اگر تم واقعی اسی کی عبادت کرنے والے ہو۔“ (۱۷۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلے تمام لوگوں کو حلال کھانے کا حکم دیا تھا اب خاص کر مومنوں کو یہ کہہ کر حلال کھانے کا حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرنے کا تقاضا ہے کہ حلال کھانے کا اہتمام کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ حرام خور کی عبادت قبول نہیں کرتا۔

قبل ازیں بنی نوعِ انسان کو حلال وطیب کھانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ حلال وطیب کا اہتمام نہ کرنے والا درحقیقت شیطان کی پیروی کرتا ہے۔ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ وہ حرام خوری کے ذریعے نہ صرف تمہیں تمہارے خالق سے دور رکھ کر تمہارے ساتھ دشمنی کا مظاہرہ کرتا ہے بلکہ وہ حرام کھانے اور کمانے کے ذرائع کے ذریعے تمہارے درمیان نفرتیں اور عداوتیں پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ حرام ذرائع کے ساتھ دولت کمانے سے لامحالہ دوسرے کے مالی حقوق کو نقصان پہنچتا ہے جس سے لوگوں کے درمیان نفرتیں پروان چڑھتی ہیں۔ ان نقصانات سے محفوظ رکھنے کے لیے ایمان داروں کو خصوصی خطاب کرتے ہوئے حکم دیا ہے کہ اے ایمان وایقان رکھنے والو! تمہیں پاک چیزیں کھانی چاہییں جو ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہیں۔ اِدھر اُدھر ہاتھ مارنے کی بجائے انہی پر صابروشاکر رہنے کی کوشش کرو۔ حلال پر صبر تب ہی کر پاؤ گے جب تم اپنے آپ کو ہماری غلامی اور عبادت کے لیے خالص کر لو گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ طیبات کھانے والوں کی ہی عبادت قبول کرتا ہے۔

«عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ الْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ وَبَیْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا یَعْلَمُهُنَّ كَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَی الشُّبُهَاتِ اِسْتَبْرَأَ لِدِیْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِی الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِی الْحَرَامِ كَالرَّاعِیْ یَرْعٰی حَوْلَ الْحِمٰی یُوْشِكُ أَنْ یَّرْتَعَ فِیْهِ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًی أَلَا وَإِنَّ حِمَی اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ أَلَا وَإِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ أَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ» (رواہ مسلم: کتاب المساقاۃ، باب أخذ الحلال وترک الشبہات)

”حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے البتہ ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں۔ جن سے اکثر لوگ واقف نہیں۔ جو شخص ان مشکوک چیزوں سے بچا رہا اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ رکھا۔ جو ان میں ملوث ہو گیا اس کی مثال ایسے

چرواہے کی ہے جو اپنے جانوروں کو سرکاری چراگاہ کے قریب لے جاتا ہے۔ بہت ممکن ہے وہ جانور اس چراگاہ میں گھس جائیں۔ اچھی طرح سن لو! ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ خبردار جسم میں ایک ٹکڑا ہے وہ درست ہو تو پورا جسم درست رہتا ہے اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم ہی خراب ہو جاتا ہے۔ ہاں! وہ دل ہے۔‘‘

حلال کے بارے میں چند احادیث

«عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ الزُّبَيْدِيِّ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا كَسَبَ الرَّجُلُ كَسْبًا أَطْيَبَ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ وَمَا أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَأَهْلِهٖ وَوَلَدِهٖ وَخَادِمِهٖ فَهُوَ صَدَقَةٌ»

(رواه ابن ماجة: كتاب التجارات، باب الحث على المكاسب [صحيح])

’’حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: آدمی کے ہاتھ کی کمائی سے بڑھ کر اور کوئی کمائی پاکیزہ نہیں آدمی اپنے نفس، اہل، اولاد اور خادم پر جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ صدقہ ہے۔‘‘

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ مِنْ أَطْيَبِ مَآ أَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهٖ وَوَلَدُهٗ مِنْ كَسْبِهٖ» (رواه أبو داؤد: كتاب البيوع، باب في الرجل يأكل من مال ولده [صحيح])

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین اور پاکیزہ مال وہ ہے جو آدمی اپنی کمائی سے کھاتا ہے اس کی اولاد بھی اس کی کمائی ہے۔‘‘

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ وَدَمٌ نَبَتَا عَلٰى سُحْتٍ فَالنَّارُ أَوْلٰى بِهٖ» (رواه الترمذي: كتاب الصلاة، باب ما ذكر في فضل الصلٰوة [صحيح])

’’جنت میں وہ گوشت اور خون داخل نہیں ہوگا جو حرام سے پلا ہوگا اس کے لیے دوزخ ہی مناسب ہے۔‘‘

مسائل

١۔ صاحب ایمان لوگوں کو پاک روزی کھانا چاہیے۔ ٢۔ ہر دم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے۔ ٤۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا تقاضا ہے کہ ہمیشہ حلال کمایا اور کھایا جائے۔

تفسیر بالقرآن

اکلِ حلال کی اہمیت:

١۔ رسولوں کو اکل حلال کی تلقین۔ (المومنون: ٥١) ٢۔ ایمان داروں کو حلال کھانے کا حکم۔ (البقرة: ١٧٢)

٣۔ تمام لوگوں کو اکل حلال کا حکم۔ (البقرة: ١٦٨)

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ

صرف | اس نے حرام کیا | تم پر | مردار | اور خون | اور سور کا گوشت | اور جو

اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ

پکارا گیا | اس پر | اللہ کے غیر کے لیے | پس جو | وہ مجبور ہوا | نہ سرکشی کرنے والا | اور نہ حد سے بڑھنے والا

فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۷۳﴾

تو نہیں | گناہ | اس پر | بے شک | اللہ | بہت بخشنے والا | نہایت رحم کرنے والا

”تم پر مردار، خون، سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کا نام لیا گیا ہو حرام ہے۔ پھر جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور سرکشی کرنے والا نہ ہو اُس پر ان کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا نہایت مہربان ہے۔“ (۱۷۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح حلال کھانا لازم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھنا اور ان سے پوری طرح اجتناب کرنا بھی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے کھانے کا حکم دیا ہے وہ انسان کے لیے ہر اعتبار سے مفید ہیں اور جن سے منع فرمایا ہے وہ روحانی اور جسمانی لحاظ سے انتہائی نقصان دہ ہیں۔ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کی حرمت کی وجوہات معلوم کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ اگر کوئی غیر مسلم کو مطمئن کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے تو اس میں حرج کی بات نہیں۔ اگر یہ کاوش اس لیے کی جائے کہ حرمت کی حکمت سمجھے بغیر وہ اس سے رُکنے کے لیے تیار نہیں تو ایسے شخص کو اپنے ایمان پر غور کرنا چاہیے۔ بھلا کون سی حکومت ہے جو اپنے تمام قوانین کی توجیہ بیان کرتی ہو؟ اس طرح تو قانون کا حجم پھیلتا ہی چلا جائے گا۔ اگر حکم کی حکمت جاننے کے بعد اس پر عمل کرتا ہے اور اتھارٹی کی کیا حیثیت رہ جائے گی؟ حکمت جانے اور اطمینان کیے بغیر حکم نہ ماننے والا شخص اپنی عقل اور اطمینان کو خُدا کا درجہ دے دیتا ہے۔ جسے قرآن مجید نے اس شخص کو گمراہ قرار دیا ہے اکلِ حلال کا حکم دینے کے بعد یہاں چار بڑے محرمات کا ذکر کیا گیا ہے:

① ۔ ہر قسم کے مردار کھانے سے منع کیا گیا ہے سوائے دو چیزوں کے رسولِ کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((اُحِلَّتْ لَنَا مَیْتَتَانِ اَلْحُوْتُ وَالْجَرَادُ)) (رواہ ابن ماجہ: باب صید الحیتان والجراد [صحیح])

”ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں۔ مچھلی اور ٹڈی۔“

② ۔ نزولِ قرآن کے وقت وحشی قبائل نہ صرف مردار کھایا کرتے بلکہ وہ جانوروں کا خون بھی پی جاتے تھے۔ جس طرح آج بھی افریقہ کے کئی وحشی قبائل جانوروں کا ہی نہیں بلکہ انسانوں کا بھی خون پینے سے گریز نہیں کرتے۔ جدید تحقیق کے

مطابق خون میں کئی ایسے جراثیم ہوتے ہیں جن سے پیدا ہونے والی بیماریوں کا علاج ممکن نہیں ہوتا۔تبھی تو اللہ تعالیٰ نے مردہ یا زندہ جانور کا خون پینے سے منع فرمادیا ہے البتہ کسی کی زندگی بچانے کے لیے خون کا استعمال جائز ہے۔

③۔خنزیر کا گوشت کھانا بھی حرام ہے۔اس کے بارے میں جدید اور قدیم اطباء کا اتفاق ہے کہ اس کا گوشت کھانے سے انسان کے جسم میں نہ صرف مہلک بیماریاں پیدا ہوتی ہیں بلکہ آدمی میں بے حیائی اور بے شرمی کے جذبات ابھرتے ہیں۔ کیونکہ خنزیر جانوروں میں سب سے زیادہ بے غیرت جانور ہے۔کوئی بھی جانور اپنی جنم دینے والی مادہ کے ساتھ اختلاط نہیں کرتا جب کہ خنزیر کی طبیعت میں اس کام میں کوئی جھجک نہیں پائی جاتی۔

④۔غیر اللہ کے نام پر ذبح کی یا پکائی ہوئی چیز اس لیے حرام کی گئی کہ اس سے روح،عزت اور ایمان کی موت واقع ہوتی ہے۔ایک غیرت مند ایماندار سے یہ کس طرح توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ غیر اللہ کے نام پر چڑھائی گئی چیز کھانے یا اسے استعمال کرنے پر آمادہ ہوجائے؟ یہ نہ صرف غیرتِ ایمانی کے منافی ہے بلکہ فطرت بھی اس بات کو گوارا نہیں کرتی بشرطیکہ کسی کی فطرت مسخ نہ ہوچکی ہو۔فطرت سلیم کا ثبوت اس فرمان کے نازل ہونے سے پہلے مکہ میں پایا گیا ہے۔

«عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهٗ لَقِیَ زَیْدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ نُفَیْلٍ بِأَسْفَلَ بَلْدَحٍ وَذَاكَ قَبْلَ أَنْ یُّنْزَلَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْوَحْیُ فَقُدِّمَتْ إِلَی النَّبِیِّ ﷺ سُفْرَةٌ فَأَبٰی أَنْ یَّأْکُلَ مِنْهَا ثُمَّ قَالَ زَیْدٌ إِنِّیْ لَسْتُ آکُلُ مِمَّا تَذْبَحُوْنَ عَلٰی أَنْصَابِکُمْ وَلَا آکُلُ إِلَّا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ» (رواہ البخاری: کتاب الذبائح والصید)

”وحی نازل ہونے سے پہلے بلدح کے نشیبی علاقے میں رسولِ کریم ﷺ کی ملاقات زید بن عمرو بن نفیل سے ہوئی۔رسولِ معظم ﷺ کے سامنے ایک دسترخوان لایا گیا جس پر غیر اللہ کے نام کی کوئی چیز تھی۔آپ نے کھانے سے انکار کردیا۔اسکے ساتھ ہی جناب زید نے کہا کہ میں بھی ان ذبیحوں کا گوشت نہیں کھاتا جو تم اپنے آستانوں پر ذبح کرتے ہو اور نہ ان جیسی کوئی اور چیز کھاتا ہوں سوائے اس چیز کے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔“

شرکیہ مقام پر ذبح کرنا بھی حرام ہے:

«حَدَّثَنِیْ ثَابِتُ بْنُ الضَّحَّاكِ ﷛ قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنْ یَّنْحَرَ إِبِلًا بِبُوَانَةَ فَأَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ إِنِّیْ نَذَرْتُ أَنْ أَنْحَرَ إِبِلًا بِبُوَانَةَ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ هَلْ کَانَ فِیْهَا وَثَنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِیَّةِ یُعْبَدُ قَالُوْا لَا قَالَ هَلْ کَانَ فِیْهَا عِیْدٌ مِنْ أَعْیَادِهِمْ قَالُوْا لَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهٗ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِیْ مَعْصِیَةِ اللّٰهِ وَلَا فِیْمَا لَا یَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ»

(رواہ أبو داؤد: کتاب الأیمان والنذور باب مایؤمر بہ من وفاء النذر [صحیح])

”مجھے ثابت بن ضحاک ﷛ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک آدمی نے بوانہ نامی جگہ پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی۔اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر عرض کی میں نے نذر مانی ہے کہ میں بوانہ نامی جگہ پر اونٹ ذبح

کروں گا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے پھر پوچھا: کیا وہاں کوئی ان کا میلہ لگتا تھا؟ صحابہ نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا: اپنی نذر پوری کرو کیونکہ اللہ کی نافرمانی والی نذر پوری نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی وہ نذر پوری کرنا لازم ہے جس کی انسان طاقت نہیں رکھتا۔''

اللہ تعالیٰ کا رحم وکرم دیکھیے کہ ان چیزوں سے منع کرنے کے باوجود ایسے شخص کے لیے ان کو کھانے کی اجازت دی ہے جسے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا شدید خطرہ لاحق ہوگیا ہو۔ لیکن اس کے ساتھ یہ شرط رکھی کہ نہ وہ پہلے سے ان چیزوں کے کھانے کا عادی ہو اور نہ ہی حرام خوری کی طرف اس کا دل مائل ہو۔

عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ جس جانور پر ذبح کرتے وقت اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام لیا جائے، صرف وہی حرام ہوتا ہے۔ یہ تصور بالکل غلط ہے، کیونکہ قرآن کے الفاظ میں نہ جانور کا ذکر ہے نہ ذبح کا بلکہ ''ما'' کا لفظ ہے جس میں عمومیت پائی جاتی ہے۔ لہٰذا اس کا معنی یہ ہوگا کہ جو چیز کسی بزرگ، دیوی، دیوتا کا تقرب حاصل کرنے اور اس کے نام پر مشہور کر دی جائے جیسے امام جعفر کے کونڈے، بی بی کی صحنک، مزار کے لیے بکرا وغیرہ یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ بعض علماء لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے کہتے ہیں دودھ، چاول حلال ہیں اگر کوئی چیز کسی کے نام کی کھیر پکائی جائے تو یہ کس طرح حرام ہوگئی؟ بے شک جو چیز فی نفسہٖ حلال ہو اور اس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام ہی کیوں نہ لیا جائے وہ حرام ہی رہے گی۔ کیونکہ غیر اللہ کے نام کی نیت رکھنے سے ہی وہ چیز حرام ہو جائے گی۔ اس لیے کہ اللہ کی عطا کردہ چیزوں کی قربانی یا نذر و نیاز صرف اسی کے نام کی ہونا چاہیے اس میں کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ ہاں اگر کوئی شخص صدقہ وخیرات یا قربانی کرتا ہے اور اس سے اس کی نیت یہ ہو کہ اس کا ثواب میرے فوت شدہ والدین یا فلاں رشتہ دار یا فلاں بزرگ کو پہنچے تو اس میں کوئی حرج نہیں، یہ نیک عمل ہے اور سنت سے ثابت ہے۔

مسائل

۱۔ مردار کھانا، خون پینا، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کی چیز کھانا ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔

۲۔ بھوک کی حالت میں مرنے کے خوف سے یہ چیزیں معمولی مقدار میں کھانے پر کوئی گناہ نہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ مجبوری کے عالم میں حرام کھانے والوں کو معاف کرنے والا مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء:

۱۔ مردار، خون، خنزیر کا گوشت، غیر اللہ کے نام پر مشہور کی ہوئی چیز، گلا گھٹنے سے مرا ہوا جانور کسی چوٹ سے مرا ہوا، اونچی جگہ سے گر کر مرا ہوا، سینگ لگنے سے مرا ہوا، جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو اور جو آستانوں پر ذبح کیا جائے حرام ہیں۔ (المائدۃ: ۳)

۲۔ جس کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ بھی حرام ہے۔ (الانعام: ۱۲۱)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	يَكْتُمُوْنَ	مَآ	اَنْزَلَ	اللّٰهُ	مِنَ	الْكِتٰبِ
بیشک	جولوگ	وہ چھپاتے ہیں	جو	اتارا	اللہ	سے	کتاب

وَيَشْتَرُوْنَ	بِهٖ	ثَمَنًا	قَلِيْلًا ۙ	اُولٰٓئِكَ	مَا	يَاْكُلُوْنَ
اور وصول کرتے ہیں وہ	اس کیساتھ	قیمت	تھوڑی	یہی لوگ	نہیں	وہ کھاتے

فِيْ	بُطُوْنِهِمْ	اِلَّا	النَّارَ	وَلَا	يُكَلِّمُهُمُ	اللّٰهُ	يَوْمَ	الْقِيٰمَةِ
میں	اپنے پیٹ (جمع)	مگر	آگ	اور نہ	بات کریگا ان سے	اللہ	دن	قیامت

وَلَا	يُزَكِّيْهِمْ ۚ	وَلَهُمْ	عَذَابٌ	اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾	اُولٰٓئِكَ	الَّذِيْنَ
اور نہ وہ	پاک کرے گا انہیں	اور ان کیلئے	عذاب	دردناک	یہی لوگ	وہ لوگ

اشْتَرَوُا	الضَّلٰلَةَ	بِالْهُدٰى	وَالْعَذَابَ	بِالْمَغْفِرَةِ ۚ	فَمَآ	اَصْبَرَهُمْ
انہوں نے خریدا	گمراہی	ہدایت کے بدلے	اور عذاب	مغفرت کے بدلے	سو کس قدر	صبر کرنیوالے ہیں وہ

عَلَى	النَّارِ ﴿۱۷۵﴾	ذٰلِكَ	بِاَنَّ	اللّٰهَ	نَزَّلَ	الْكِتٰبَ	بِالْحَقِّ ۗ
پر	آگ	یہ	اسلئے کہ بیشک	اللہ	اس نے نازل کی	کتاب	حق کیساتھ

وَاِنَّ	الَّذِيْنَ	اخْتَلَفُوْا	فِي	الْكِتٰبِ	لَفِيْ	شِقَاقٍۢ	بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع
اور بیشک	جولوگ	انہوں اختلاف کیا	میں	کتاب	البتہ میں	مخالفت	دور

ع ۲۱/۹ ۵

”بے شک جولوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نازل کردہ احکام چھپاتے ہیں اور اسے تھوڑی قیمت پر بیچتے ہیں یہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہیں کرے گا، نہ ہی انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۱۷۴) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے خرید لیا ہے، ان کا کتنا حوصلہ ہے کہ جہنم کا عذاب برداشت کرنے پر تیار ہیں۔ (۱۷۵) یہ عذاب اس لیے ہوگا کہ اللہ نے سچی کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی، بلاشبہ جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا وہ پرلے درجے کی مخالفت کررہے ہیں۔“ (۱۷۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب نے پیٹ کے دھندے کی خاطر حرام وحلال کی فہرست میں تبدیلی کرنے کے ساتھ بے شمار حقائق کو چھپالیا تھا جس پر انہیں جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ اہل ایمان کو ان سے بچنے کی تلقین کی جارہی ہے۔

اہلِ کتاب کے علماء نے صرف رسولِ معظم ﷺ کے اوصافِ حمیدہ ہی نہیں چھپائے بلکہ اپنی شکم پروری اور بڑے لوگوں کی عیاشی اور مفادات کی خاطر اللہ تعالیٰ کے احکام بھی چھپانے کے جرم میں ملوّث ہوئے۔ جن میں حلال وحرام کی وضاحت کی گئی تھی۔

اس طرح بے شمار امور کو اپنے لیے جائز اور حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنے کی جسارت کے مرتکب ہوئے۔ انہوں نے شکم پروری ،سیاسی مفاد، مذہبی مقام اور آخرت کی عظیم اور لامحدود نعمتوں کے بدلے دنیا کی معمولی اور عارضی چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے فتویٰ فروشی کی۔ ایسے انواع واقسام کے نوالے کھانے والے ضمیر اور ایمان فروشوں کے ساتھ قیامت کے دن ربِ کبریا کلام نہیں کرے گا اور نہ ہی انہیں معاف کیا جائے گا، انہیں اذیت ناک اور ذلت آمیز عذاب ہوگا کیونکہ یہ لوگ جانتے بوجھتے ہدایت کے بدلے گمراہی اور اللہ کی شفقت و مغفرت کے عوض اس کے قہر وغضب اور ہمیشہ کی زندگی کے مقابلے میں قلیل اور حقیر دنیا کا انتخاب کرنے والے ہیں۔ مزید انتباہ فرمایا کہ آج تو یہ دین کے بدلے درہم و دینار کی شکل میں جہنم کے انگارے جمع کر اور نگل رہے ہیں لیکن قیامت کے دن جب یہ مال حقیقتاً آگ کے شعلے بن چکا ہوگا تب یہ اسے کس طرح برداشت اور اس پر صبر کر سکیں گے؟۔

ذرا غور کیجیے! کہ جو رحیم و کریم مالک دنیا میں ندامت کے ایک آنسو سے ریت کے ذرّات کے برابر گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، جو توبہ کی غرض سے اُٹھنے والے ہاتھوں کی لاج رکھتے ہوئے پہاڑوں سے بڑی بلاؤں کو ٹال دیتا ہے۔ جو اپنے حضور افسردہ چہروں اور کانپتے ہوئے ہونٹوں کی اس حد تک قدر کرتا ہے کہ جونہی گناہ گار بندوں سے ’’رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا‘‘ سنتا تو اس کی رحمتوں، بخششوں اور مہربانیوں کے سمندر میں تلاطم پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ لیکن حق چھپانے کے جرم کی پاداش میں رب ذوالجلال اس حد تک غضب ناک ہو چکے ہیں کہ قیامت کے دن نظر کرم سے دیکھنے، شفقت سے التفات فرمانے اور ایسے لوگوں کو گناہوں سے پاک کرنے کی بجائے سخت ترین عذاب میں مبتلا کیے جا رہا ہے۔ کیونکہ یہ علماء، حکمران اور مذہبی ورکر دنیا کے مال کی خاطر خود گمراہ ہونے کے ساتھ دوسروں کے لیے گمراہی کا سبب ثابت ہوئے۔

درحقیقت یہ لوگ اختلاف وعصبیت اور مفاد پرستی وخود غرضی میں اس قدر آگے بڑھ چکے تھے کہ انہیں سچائی نظر نہیں آتی تھی۔ یہ اختلاف اور تعصب بالآخر انہیں جہنم میں لے گیا۔ یہ ہے پڑھے لکھے بالخصوص ایسے مذہبی پیشواؤں کی سزا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حق کو چھپایا اور بات بات میں شریعت کا مفہوم بدلا اور اس میں اختلافات پیدا کیے۔

مسائل

۱۔ حق بات چھپانے کے بدلے دنیا کمانے والے اپنے پیٹوں میں آگ ڈالتے ہیں۔
۲۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو دردناک عذاب سے نجات نہیں دیں گے۔
۳۔ ہدایت کے بدلے گمراہی اور بخشش کے مقابلے میں عذاب کو ترجیح دینے والوں کے لیے جہنم کی آگ ہے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ کی آیات میں اختلاف کرنے والا پرلے درجے کا ضدی ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

دنیا کی حیثیت:

۱۔ اللہ کی آیات کے مقابلے میں پوری دنیا قلیل ہے۔ (البقرۃ:۱۷۴) ۲۔ دنیا کا فائدہ قلیل ہے۔ (النساء:۷۷)
۳۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا قلیل ہے۔ (التوبۃ:۳۸) ۴۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مدت کم اور قلیل ہے۔ (الاسراء:۵۲)
۵۔ آخرت ہی حیاتِ جاوداں ہے۔ (الروم:۶۴)

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ

نہیں نیکی یہ کہ تم کرلو اپنے چہرے طرف مشرق اور مغرب اور لیکن

الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ

نیکی جو ایمان لایا اللہ پر اور دن آخرت اور فرشتے اور کتاب اور نبی (جمع)

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ

اس نے دیا مال پر اس کی محبت رشتہ دار اور یتیم (جمع) اور مسکین (جمع) اور مسافر

وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ

اور سوال کرنے والے اور گردنوں میں اور اس نے قائم کیا نماز اور اس نے ادا کی زکوٰۃ اور پورا کرنے والے

بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ

اپنے وعدے جب انہوں نے عہد کیا اور صبر کرنے والے میں تنگدستی اور تکلیف اور وقت

الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

جنگ یہی لوگ ہیں وہ لوگ انہوں نے سچ کہا اور یہی لوگ وہ پرہیزگار

’’صرف نیکی مشرق ومغرب کی طرف منہ کرنے میں نہیں۔ حقیقتاً نیکی یہ ہے لوگ اللہ، قیامت کے دن، فرشتوں، کتاب اللہ اور نبیوں پر ایمان لائیں۔ جو لوگ ’’اللہ‘‘ کی محبت کے لیے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والوں کو دیں اور غلاموں کو آزاد کریں نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کریں، اپنے کیے ہوئے وعدے پورے کریں، تنگدستی اور لڑائی کے وقت ثابت قدم رہیں اور یہی لوگ سچے اور یہی پرہیزگار ہیں۔‘‘ (۱۷۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلی آیت میں حق چھپانے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے دنیا کمانے کی سزا بیان کرتے ہوئے اشارہ فرمایا ہے کہ بیت اللہ کو قبلہ نہ ماننا، رسالت مآب کی نبوت، ایک الٰہ کا انکار کرنا اور مسائل کو چھپانے کا بنیادی سبب باہمی اختلاف کا نتیجہ ہے۔ یہ رویہ اور سوچ سراسر نیکی کے خلاف ہے۔ حقیقی نیکی کے اعمال یہ ہیں۔

یہود ونصاریٰ وقفے وقفے کے بعد قبلہ کی بحث چھیڑتے تاکہ مسلمانوں کو رسمی اور لفظی بحث میں الجھایا جائے۔ حالانکہ تحویلِ قبلہ کے ابتدائی احکام میں واضح کردیا گیا تھا کہ اس پر اعتراض کرنا اور اس بحث میں الجھنا بیوقوفوں کا کام ہے۔ کیونکہ مشرق ومغرب اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور اسے اختیار ہے کہ وہ جس طرف چاہے تمہیں رخ کرنے کا حکم صادر فرمائے۔ اب اس بحث کو سمیٹتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ نیکی کی روح اور حقیقت صرف یہ نہیں کہ آدمی اپنا منہ مشرق یا

مغرب کی طرف کرلے۔ یہ تو نیکی کی روح تک پہنچنے کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جو طریقہ اور راستہ تمہارے لیے منتخب کیا ہے اسے اختیار کرو اور یاد رکھو کبھی راستے اور طریقے منزل نہیں ہوا کرتے۔ اصل نیکی تو یہ ہے کہ ان راستوں اور طریقوں کو اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کی جائے۔ الفاظ کے گورکھ دھندوں میں الجھنے اور ظاہری طریقوں پر اکتفا کر لینے سے مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ اسی فلسفہ کو رسولِ کریم ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا کہ ایک وقت آئے گا اسلام کے ظاہری ارکان باقی رہ جائیں گے۔

«عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُهٗ وَلَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰى عُلَمَاءُ هُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ أَدِيْمِ السَّمَآءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ»

(سنن البیہقی، شعب الایمان باب یوشک ان یاتی علی الناس زمان، قال البانی ہذا حدیث [ضعیف])

''حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر ایک دور آئے گا کہ اسلام کا صرف نام رہ جائے گا، قرآن کی تلاوت رسم کے طور پر کی جائے گی، ان کی مساجد تو آباد ہوں گی لیکن ہدایت سے خالی ہوں گی، ان کے علماء آسمان کی چھت تلے شریر ترین لوگ ہوں گے، انہی سے فتنہ ظہور پذیر ہوگا اور انہی کی طرف لوٹ جائے گا۔''

اس آیت میں وضاحت کی جارہی ہے کہ مشرق ومغرب کی طرف منہ کرنا ہی نیکی نہیں بلکہ نیکی کی روح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے فرمان پر ایمان لاکر اس کے تقاضے پورے کیے جائیں۔ اس عقیدے کے ساتھ کہ آخرت میں ان کے بارے میں جواب طلبی ہونے والی ہے اور بالآخر یہ دن برپا ہو کر رہے گا۔ ملائکہ پر اس طرح ایمان لایا جائے کہ وہ خدائی نظامِ حکومت کے تابع فرمان، اہلکار، ہمارے نگران اور صبح وشام ہماری زندگی کے ایک ایک لمحے کی رپورٹ لکھ کر اللہ کے حضور پیش کررہے ہیں۔ انبیاء کی ذات اور خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان پر ایمان لایا جائے، مال کی محبت کے باوجود اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوالیوں اور غلاموں کی آزادی پر خرچ کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی نماز کا اہتمام اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی جائے۔ چاہے تم امن اور خوشحالی میں ہو یا بدحالی اور حالتِ جنگ میں بہرحال تمہیں اللہ تعالیٰ کے احکامات پر صبر واستقامت کا مظاہرہ کرنا ہے۔ یہی لوگ درحقیقت نیکوکار اور پرہیزگار ہیں۔ اس فرمان میں کتابِ مبین کی ابتدا سے لے کر اب تک جو احکامات بیان ہوئے ہیں ان کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ ان احکامات کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر بیان ہوگی یہاں قرآن کے اتباع میں اجمال پر ہی اکتفا کرنا چاہیے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ، آخرت، ملائکہ، آسمانی کتابوں اور انبیاء پر ایمان لانا، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مقامات پر خرچ کرنا، نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی، عہد کی پاسداری، جہاد اور مخدوش حالات میں صبر کرنے والے سچے، نیک اور متقی لوگ ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ

اے وہ لوگ ایمان لائے فرض کیا گیا تم پر قصاص مقتولوں میں آزاد آزاد کے بدلے

وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ

اور غلام غلام کے بدلے اور عورت عورت کے بدلے پس جو معاف کر دیا گیا اس کو سے اس کا بھائی

شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ

کچھ تو پیروی کرنا دستور کے مطابق اور ادا کرنا اسے احسان کے ساتھ یہ آسانی

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾

سے تمہارا رب اور رحمت پس جو زیادتی کرے بعد اس کے تو اس کے لیے عذاب دردناک

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اور تمہارے لیے میں قصاص زندگی اے عقل والو تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ

”اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے آزاد، آزاد کے بدلے غلام، غلام کے بدلے، عورت، عورت کے بدے، ہاں جس کسی کو اس کے بھائی کی طرف سے معافی دے دی جائے تو اسے بھلائی کی اتباع کرنی چاہیے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہیے۔ تمہارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور رحمت ہے اس کے بعد بھی جو زیادتی کرے اسے دردناک عذاب ہوگا۔ (۱۷۸) اے عقل والو! قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے تاکہ تم (قتل وغارت سے) بچ جاؤ۔“ (۱۷۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: متقین کی صفات میں یہ بات بھی شامل ہے اور ہونی چاہیے کہ معاشرے کو جرائم سے بچانے کے لیے وہ اسلام کا حدود وقصاص کا نظام نافذ کریں یہی سمجھ داری اور تقویٰ کا تقاضا ہے اور اس طرح ہی جرائم سے بچا جا سکتا ہے۔

اسلام کے نظامِ عدل سے پہلے دنیا میں قانون کے وجود اور اس کے نفاذ میں کئی قسم کے اختلافات، تضادات اور امتیازات پائے جاتے تھے۔ یہودیوں کا نقطۂ نگاہ یہ تھا اور ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہیے۔ ان کے ہاں کمزور کے لیے معافی کی کوئی صورت نہیں۔ ان کے برعکس انجیل کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کوئی زیادتی کرے تو اس سے بدلہ لینے کی بجائے اپنے چہرے کا دوسرا رُخ پیش کر دینا چاہیے۔ اس طرح یہود میں سختی ہی سختی اور عیسائیت میں نرمی ہی نرمی کو آگے بڑھایا گیا ہے۔ اسلام نے دونوں قسم کی فلاسفی کے درمیان راستہ اختیار کیا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو عمداً قتل کرتا ہے تو مقتول کے وارثوں کو تین باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ اس کے لیے حکومتِ وقت کا فرض ہے کہ وہ مقتول کے ورثاء کو ایسا ماحول فراہم کرے۔ جس میں وہ تینوں میں سے کوئی ایک بات اختیار کرتے ہوئے اپنے آپ پر کوئی دباؤ محسوس نہ کریں۔ ① قتل کے بدلے قتل۔ ② قتل کے بدلے دیت ③ قاتل کو معاف کرنا۔ یہ بات ذہن میں راسخ ہونی چاہیے کہ یہ کام عدالت یا ذمہ دار اتھارٹی کے ذریعے ہونا ضروری ہے۔

ورنہ اچھے ثمرات کی بجائے مضرّ ات کا زیادہ خدشہ ہے۔حکومت کی یہ ذمہ داری ''کُتِبَ عَلَیْکُم '' کے الفاظ میں مضمر ہے۔جس کی روشنی میں نبی محترم ﷺ نے ورثاء کے لیے مجرم کو ازخود سزا دینے کی اجازت نہیں دی۔

«عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلًا أَتَى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ رَجُلًا رَأَى مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُوْنَهُ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ مَا ذُكِرَ فِي الْقُرْآنِ مِنَ التَّلَاعُنِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ قُضِيَ فِيْكَ وَفِي امْرَأَتِكَ قَالَ فَتَلَاعَنَا وَأَنَا شَاهِدٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَفَارَقَهَا فَكَانَتْ سُنَّةً أَنْ يُفَرَّقَ بَيْنَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ وَكَانَتْ حَامِلًا فَأَنْكَرَ حَمْلَهَا وَكَانَ ابْنُهَا يُدْعَى إِلَيْهَا ثُمَّ جَرَتِ السُّنَّةُ فِي الْمِيْرَاثِ أَنْ يَرِثَهَا وَتَرِثُ مِنْهُ مَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهَا»

(رواه البخاري: كتاب التفسير، باب والخامسة أن لعنة اللّٰه الخ)

''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر کہنے لگا۔اے اللہ کے رسول! ایسے آدمی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو پاتا ہے کیا وہ اسے قتل کر دے تو آپ اسے قتل کر دیں گے یا وہ کیا کرے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں لعان کے متعلق آیات نازل فرمائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے فرمایا: تیرے اور تیری بیوی کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پھر ان دونوں نے لعان کیا اور میں رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھا۔سنت طریقہ یہ ہے کہ لعان کرنے والوں کے درمیان جدائی ڈال دی جائے۔وہ عورت حاملہ تھی اس کے خاوند نے اس کے حمل کا انکار کیا پھر اس کا بیٹا اس عورت کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔پھر میراث میں یہ طریقہ جاری کیا گیا کہ وہ اس کا وارث بنے گا اور وہ اس کی وارث بنے گی جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کیا ہے۔''

جہاں تک پہلی اقوام کے قانون کی تنفیذ کا تعلق ہے۔انہوں نے قانون کو موم کی ناک بنا رکھا تھا کہ حسبِ ضرورت جس طرف چاہا اس کا رُخ موڑ دیا۔اگر بڑے آدمی سے جرم سرزد ہوتا تو ان کی کوشش ہوتی کہ اس پر قانون کا اطلاق نہ ہونے پائے یا اس کے بدلے اس کے غلام کو سزاوار ٹھہرایا جائے۔کوئی غیر موثر آدمی جرم کرتا تو اس پر قانون کا شکنجہ اس طرح کس دیا جاتا کہ نکلنے نہ پائے کی فضا پیدا کر دی جاتی۔آپ ﷺ نے اس عملی تضاد کے بھیانک نتائج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ پہلی اقوام اس وجہ سے تباہ ہوئیں کہ وہ عدل نہیں کرتی تھیں:

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُوْمِيَّةِ الَّتِيْ سَرَقَتْ فَقَالُوْا وَمَنْ يُكَلِّمُ فِيْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالُوْا وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ حِبُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ ثُمَّ قَالَ إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِيْنَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا إِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ أَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَأَيْمُ اللّٰهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا» (رواه البخاري: كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الغار)

’’حضرت عائشہ ؓبیان کرتی ہیں کہ قریش اس مخزومی عورت کے متعلق بڑے فکر مند ہوئے جس نے چوری کی تھی۔ انہوں نے سوچا کہ اس معاملے میں اللہ کے رسول سے کون بات کرسکتا ہے؟ انہوں نے کہا یہ کام اسامہ بن زید ؓ کے سوا اور کوئی نہیں کرسکتا وہ اللہ کے رسول کا محبوب ہے۔ چنانچہ اسامہ ؓ نے اللہ کے رسول سے عرض کی تو آپ نے فرمایا: کیا تم اللہ کی حدود میں سے حد کے متعلق سفارش کرتے ہو؟ پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا: یقیناً تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے تباہ ہوئے کہ جب ان میں کوئی بڑا چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اگر کمزور چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کرتے۔ اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔‘‘

قرآنِ مجید دوٹوک انداز میں قانون کے نفاذ میں بے انصافی کا تدارک کررہا ہے چنانچہ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت ہی قتل کی جائے گی اس کے برخلاف کرنے کی ہرگز اجازت نہ ہوگی۔ قاتل کی جو بھی حیثیت ہو بدلے میں اسے ہی قتل کیا جائے گا۔ آپ نے اس امتیاز کو ختم کرنے کے اقدامات کے ساتھ قانون کے نفاذ کو یقینی بنایا تاکہ قرآن کی منشا کے مطابق زندگی عدل وانصاف کے اصولوں پر استوار ہوجائے۔ اس سے مجرموں کے حوصلے پست اور مظلوموں میں احساسِ زندگی پیدا ہونے کے ساتھ معاشرہ جرم در جرم کے بدترین عمل سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہی معاشرے کی بقا اور زندگی کی روح ہے۔

مظلوموں کو معاف کردینے کا حق دے کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اسلام صرف سزاؤں کے ذریعے جرائم کی بیخ کنی کا تصور پیش نہیں کرتا۔ بلکہ اس نے غیر عادی مجرموں کے لیے معافی کا راستہ کھول رکھا ہے کہ سہواً یا غیر ارادی طور پر کسی سے جرم سرزد ہو تو اسے معاف کردینے کے نتائج بدلہ لینے سے بہتر ہوا کرتے ہیں۔ معافی کا اختیار حکومت کو نہیں بلکہ یہ بھی مظلوم کے ورثاء کا حق ہے۔ اگر وہ معاف کردیں تو فریقِ ثانی کو حتی المقدور مظلوموں کے ساتھ بھرپور طریقے سے مالی اور اخلاقی تعاون کرنا چاہیے تاکہ ان کا زخم جلد از جلد مندمل ہوسکے۔

یہاں رحمت اور تخفیف کے الفاظ بیان فرما کر اشارہ کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ’’کُتِبَ‘‘ کے حکم کی فرضیت کو مِنْ وَعَنْ قائم رکھتے۔ لیکن یہ اس کی طرف سے رحمت اور نرمی ہے کہ اس نے تمہیں معاف کردینے کا اختیار دے کر حالات کی سنگینی کو حسنِ سلوک کے ذریعے سدھارنے کا اختیار عطا کیا ہے۔ البتہ جو اس کے بعد بھی زیادتی کرے گا اس کے لیے ہولناک عذاب ہوگا۔

مسائل

۱۔ مقتول کے ورثاء معاف کردیں تو پھر بھی ان کے ساتھ احسان کرنا ہے۔

۲۔ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت قتل کی جائے گی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے احکام میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ ۴۔ قتل کا قصاص لینے میں زندگی کی بقاء ہے۔

۵۔ جو قصاص اور دیت لینے دینے کے بعد زیادتی کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۚۖ

فرض کیا گیا تم پر جب تم میں سے کسی ایک کو تمہارے ایک کو موت اگر اس نے چھوڑا مال

الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴿۱۸۰﴾

وصیت ماں باپ کے لیے اور رشتہ دار دستور کے مطابق لازم پر پرہیزگار (جمع)

فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ

پھر جو بدل دے اسے بعد جو اس نے سنا تو صرف اس کا گناہ پر وہ لوگ جو اس کو بدلتے ہیں

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا

بیشک اللہ سننے والا جاننے والا پس جو ڈرے سے وصیت کرنیوالا حق تلفی یا گناہ

فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴿۱۸۲﴾ ع

ع ۲۲ ۶

پھر صلح کروادے انکے درمیان تو نہیں گناہ اس پر بیشک اللہ بہت زیادہ بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا

”تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی فوت ہونے لگے اور وہ مال چھوڑ جائے تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے دستور کے مطابق وصیت کر جائے۔ پرہیزگاروں پر یہ لازم ہے۔(۱۸۰) جو شخص اسے سننے کے بعد بدل دے اس کا گناہ بدلنے والوں پر ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔(۱۸۱) جو شخص وصیت کرنے والے کی جانب داری یا غلط وصیت کرنے سے ڈرے پس وہ ان کے درمیان صلح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔“(۱۸۲)

فہم القران

ربطِ کلام: حرمتِ جان کے بعد حرمتِ مال اور پسماندگان کے حقوق کے احترام کا حکم۔

قرآنِ مجید کا مال کے بارے میں عمومی نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ مال اگر چہ حلال اور جائز طریقے سے کمایا گیا ہو تب بھی آدمی کے لیے ایک بھاری آزمائش ہے۔ البتہ آزمائش ہونے کے باوجود مال آدمی کی زندگی کے لیے استحکام اور احترام کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ اس لیے قرآنِ مجید نے اسے خیر، فضل، رحمت اور نعمت سے تعبیر فرمایا ہے۔ جمع شدہ مال کے بارے میں جو احکامات اور ہدایات جاری فرمائیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب آدمی قریب المرگ ہو تو اسے مال کے متعلق اپنے والدین اور وراثت میں حق دار رشتے داروں کے بارے میں وصیّت کرنی چاہیے۔ یہاں وصیّت اور وراثت کے بارے میں اصلاحات سے لوگوں کو آگاہ فرمایا جا رہا ہے کہ وصیّت کرتے ہوئے اپنوں کو چھوڑ کر دوسروں کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں۔ عرب کے لوگ مرتے وقت والدین اور دوسرے حق دار حضرات کو محروم کر کے وراثت صرف اپنی بیوی اور اولاد میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ بسا اوقات اپنے دوست کے حق میں وصیّت کر دیتے۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ موت کے وقت لواحقین کو اس قسم کی وصیّت پر عمل کے لیے نہ کہا جائے کہ جس سے کچھ حق داروں کو محروم کر کے چند

اقرباء میں پورے کا پورا مال تقسیم کر کیا گیا ہو۔ بعد ازاں اس حکم کی وضاحت میں رسولِ کریم ﷺ نے یہ بھی اصلاح فرمائی کہ فوت ہونے والا تیسرے حصہ سے زیادہ وصیّت نہیں کر سکتا:

((عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ النَّبِيُّ ﷺ يَعُوْدُنِيْ وَأَنَا بِمَكَّةَ وَهُوَ يَكْرَهُ أَنْ يَمُوْتَ بِالْأَرْضِ الَّتِيْ هَاجَرَ مِنْهَا قَالَ يَرْحَمُ اللّٰهُ ابْنَ عَفْرَاءَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أُوْصِيْ بِمَالِيْ كُلِّهِ قَالَ لَا قُلْتُ فَالشَّطْرُ قَالَ لَا قُلْتُ الثُّلُثُ قَالَ فَالثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ إِنَّكَ أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ فِيْ أَيْدِيْهِمْ)) (رواه البخاري: باب أن يترك ورثته أغنياء خير من أن يتكففوا)

”سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ میں تھا۔ نبی اکرم ﷺ میری تیمارداری کے لیے تشریف لائے۔ میں مکہ میں موت کو اس لیے ناپسند کرتا تھا کہ یہاں سے ہجرت کر چکا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ ابن عفراء پر رحم کرے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اپنے سارے مال کے متعلق وصیّت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: نہیں میں نے کہا: آدھے کی۔ آپ نے فرمایا: نہیں میں نے عرض کیا: تیسرے حصے کی۔ آپ نے فرمایا: تیسرا حصہ بھی زیادہ ہے۔ اگر تو اپنے ورثاء کو مال دار چھوڑ کر جائے تو یہ اس بات سے کہیں بہتر ہے کہ تو ان کو ایسی حالت میں چھوڑ کر جائے کہ وہ کنگال ہوں اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔“

وصیّت کرتے وقت وراثت میں حق داروں کی اجازت کے بغیر وراثت میں شریک کسی ایک کے لیے وصیت کرنا جائز قرار نہیں دیا گیا۔ کیونکہ اس سے دوسروں سے بے انصافی ہونے کے ساتھ فوت ہونے والے کے بارے میں ہمیشہ کے لیے نفرت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ)) ”وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں۔“ (رواه النسائي: كتاب الوصايا باب إبطال الوصية للوارث [صحيح])

وصیت میں اس بات کی مکمل گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر فوت ہونے والا کسی وجہ سے غلط وصیّت کرتا ہے تو اس کی وصیّت کو شریعت کے مطابق درست کرنا لواحقین پر ایک اہم فرض ہے۔ ایسی صورت میں اصلاح کنندگان پر کوئی گناہ نہیں البتہ شریعت کے مطابق کی گئی وصیت کو تبدیل کرنے والا سخت گناہ گار ہوگا ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ لوگوں سے تو جرم چھپا سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر بات سننے اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ اپنی دو صفات کا ذکر فرما کر اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اگر تم غلط وصیّت کی اصلاح کرو گے تو یقیناً **غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** اصلاح کے اس عمل کے باعث فوت شدہ آدمی سے سرزد ہونے والی سہواً یا عمداً غلطی کو معاف فرما دیں گے۔ اس طرح تم ناانصافی اور باہمی اختلافات سے بھی بچ جاؤ گے۔

مسائل

١۔ فوت ہونے والے کو شریعت کی حدود میں رہ کر اپنے مال کے بارے میں وصیّت کرنی چاہیے۔

٢۔ وصیّت کو بدلنا بڑا گناہ ہے۔ ٣۔ غلط وصیّت کی اصلاح کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى

اے وہ لوگ ایمان لائے لکھ دیا گیا تم پر روزہ رکھنا جیسے فرض کیے گئے پر

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٨٣﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ

لوگ تم سے پہلے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ چند دن گنے ہوئے پس جو

كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى

ہو تم میں سے بیمار یا پر سفر تو گنتی سے دن دوسرے اور پر

الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا

وہ لوگ طاقت رکھتے ہوں اسکی بدلہ کھانا مسکین پس جو خوشی سے کرے کوئی نیکی

فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٤﴾

تو وہ بہتر اس کے لیے اور اگر تم روزہ رکھو بہتر تمہارے لیے اگر تم ہو تم جانتے ہو

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ (١٨٣) گنتی کے چند دن ہیں لیکن تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔ اور اس کی طاقت رکھنے والے فدیہ ایک مسکین کو کھانا دیں، پھر جو شخص خوشی سے زیادہ نیکی کرے وہ اس کے لیے بہتر ہے۔ لیکن تمہارے حق میں بہتر کام روزے رکھنا ہی ہے اگر تم باعلم ہو۔'' (١٨٤)

فہم القرآن

ربطِ کلام: روزہ دار اللہ تعالیٰ کا حکم مانتے ہوئے حلال چیزیں چھوڑ دیتا ہے اس لئے اسے حرام چھوڑنا مشکل نہیں رہتا تزکیۂ نفس اور حقیقی تقویٰ روزے سے حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ روزے کے تقاضے پورے کیے جائیں۔

سال کے گیارہ مہینے مسلمان کو حلال کھانے کی کھلی چھٹی تھی کہ وہ جو چاہے اور جس وقت چاہے کھا پی سکتا ہے۔ لیکن جونہی رمضان کا چاند نمودار ہوا یکدم اس پر پابندی لاگو کر دی گئی کہ صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے کی کسی چیز کو خوردونوش کی نیت سے ہاتھ نہ لگائے اور نہ بیوی سے جماع کرے۔ حرام کھانے پر تو دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہی قدغن لگ چکی تھی اب تو حلال پر بھی دن بھر کے لیے پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ گیارہ مہینے کی آزاد طبیعت کو اس پابندی کا خوگر بنانے کے لیے اس کے نفسیاتی پہلو کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے فرمایا ہے کہ روزے تم پر ہی نہیں بلکہ تم سے پہلی امتوں اور ملتوں پر بھی فرض کیے گئے تھے۔ بس یہ گنتی کے چند دن ہیں حوصلہ کیجیے یہ دیکھتے ہی دیکھتے گزر جائیں گے۔ ہاں اگر کوئی تم میں سے ان دنوں میں بیمار ہو یا اسے سفر درپیش ہو تو وہ اتنے دن کے روزے بعد میں پورے کرے۔ یہاں مریض کو یہ اختیار دیا جا رہا ہے کہ رمضان کے مہینے میں تکلیف کی وجہ سے اس سے جتنے روزے چھوٹ

جائیں وہ سال کے گیارہ مہینوں میں جب چاہے رکھ سکتا ہے۔ اس میں وہ خواتین بھی شامل ہیں جو بچے کی پیدائش یا اس کے دودھ پینے کی صورت میں روزہ نہیں رکھ پاتیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

(كَانَ يَكُونُ عَلَيَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ فَمَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَقْضِيَ إِلَّا فِي شَعْبَانَ)

(رواه البخاري: كتاب الصوم، باب متى يقضى قضاء رمضان)

''میرے ذمہ رمضان کے کچھ روزے ہوتے جنہیں میں شعبان کے علاوہ کسی مہینے میں نہیں رکھ سکتی تھی۔''

البتہ دائمی مریض جسے بظاہر بیماری سے نجات پانے کی کوئی اُمید نہ ہو تو وہ کسی مستحق کو اپنے چھوڑے ہوئے روزوں کی گنتی کے مطابق فدیہ دے۔ سفر میں روزے کے حوالے سے رسولِ رحمت ﷺ نے اس قدر نرمی اور آسانی کا ماحول پیدا فرمایا کہ فتح مکہ کے سفر میں جہاد اور موسم کی شدت کے پیشِ نظر آپ نے نہ صرف لوگوں کو روزہ توڑنے کا حکم دیا بلکہ نمازِ عصر کے بعد اپنی سواری پر جلوہ افروز ہو کر لوگوں کو دکھا کر پانی نوش فرمایا۔ حالانکہ سورج غروب ہونے میں تھوڑا ہی وقت باقی تھا۔ (رواه البخاري: كتاب المغازي، باب غزوة الفتح في رمضان)

اسی سنتِ مبارکہ کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سفر میں روزہ چھوڑنے کو قابلِ اعتراض نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی سفر میں روزہ رکھنے کو غیر معمولی نیکی تصور کرتے تھے۔ جہاں تک سفر کی مسافت کا تعلق ہے آپ کے مختلف اسفار کو سامنے رکھتے ہوئے سفر کی مسافت کے تعین کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام بخاری، امام احمد بن حنبل اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم ۴۸ میل سے کم مسافت کو سفر شمار نہیں کرتے۔ جبکہ دوسرے علماء اپنے شہر کی حدود کے باہر ۱۳ میل تقریباً ۲۳ کلومیٹر کو سفر تصور کرتے ہیں۔ آیت کے آخر میں تدریجی حکمتِ عملی کا خیال رکھتے ہوئے پہلے اجازت دی گئی کہ جو روزہ نہیں رکھنا چاہتا وہ کسی مسکین کو فدیہ دے تاہم روزہ رکھنا بہتر ہے۔ بعد ازاں اگلی آیت میں اس حکم کو منسوخ فرما کر معذورین کے سوا سب پر روزہ فرض کر دیا گیا۔

روزہ فارسی کا لفظ ہے عربی میں اسے صوم کہا جاتا ہے۔ عربی ڈکشنری کے لحاظ سے روزہ کا لغوی معنیٰ ہے کسی کام سے رُک جانا' شرعی اصطلاح میں صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے، بیوی سے جماع کرنے سے رک جانے اور فسق و فجور سے بچنے کا نام روزہ ہے۔

برکاتِ رمضان

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ إِذَا كَانَتْ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَفُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَنَادَى مُنَادٍ يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ وَلِلَّهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَذَلِكَ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ»

(رواه ابن ماجة: باب ماجاء في فضل شهر رمضان [صحيح])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رمضان کی پہلی رات شیاطین اور سرکش جن گرفتار کر لیے جاتے ہیں اس کے ساتھ ہی جہنم کے تمام دروازے بند کر دیے جاتے ہیں ان میں کوئی ایک دروازہ بھی

کھلا نہیں رہنے دیا جاتا پھر جنت کے تمام دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک دروازہ بھی بند نہیں رہنے دیا جاتا اور ایک منادی کرنے والا فرشتہ اعلان کرتا ہے اے بھلائی کے چاہنے والے! آگے بڑھ اور اے شر کے خوگر! رک جا۔ اللہ تعالیٰ دوزخ سے لوگوں کو آزاد کرتے ہیں اور یہ آزادی رمضان کی ہر رات ہوتی ہے۔''

فضیلتِ صوم

«عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَالَ اللهُ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ فَإِنَّهُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهٖ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ فَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَإِنْ سَابَّهُ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَخَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَاللهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا إِذَا اَفْطَرَ فَرِحَ وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهٖ»

(رواه البخاری: کتاب الصوم، باب هل يقول إنی صائم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ابنِ آدم کا ہر عمل اس کی ذات کے لیے ہے مگر روزہ میرے لیے ہے اس لیے میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ روزہ ڈھال ہے جب تم میں کوئی روزہ دار ہو تو وہ فحش گوئی اور بدکلامی سے اجتناب کرے۔ اگر کوئی اس سے گالی گلوچ یا لڑنے کی کوشش کرے تو وہ فقط اسے اتنا کہے کہ میں روزہ دار ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے روزہ دار کے منہ کی بو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہوگی۔ روزہ دار کے لیے خوشی کے دو مواقع ہیں جن سے وہ انبساط حاصل کرتا ہے اولاً جب وہ روزہ افطار کرتا ہے۔ ثانیاً جب قیامت کے دن اپنے رب سے روزہ کے بدلے میں انعام پائے گا تو انتہائی خوش ہوگا۔''

ثواب کی حد ہی نہیں

«عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِيْ وَاَنَا أُجْزِيْ بِهٖ»

(رواه مسلم: کتاب الصيام، باب فضل الصيام)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے ہر اچھے عمل کا اجر دس سے سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ لیکن روزے کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔''

دو مقبول ترین سفارشی

«عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ الصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَیْ رَبِّ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهْوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ قَالَ فَيُشَفَّعَانِ» (رواہ أحمد: مسند عبداللہ [حسن])

”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: روزہ اور قرآن قیامت کے دن بندے کے لیے سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا اے میرے رب! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور خواہشات سے روکے رکھا لہٰذا اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ قرآن کہے گا اے میرے رب! میں نے اس بندے کو تلاوت کی وجہ سے سونے سے روکے رکھا لہٰذا اس کے بارے میں میری گذارش قبول فرما۔ اللہ تعالیٰ دونوں کی سفارش قبول فرمالیں گے۔“

«عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْد رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِنَّ فِی الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّآئِمُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَيْرُهُمْ» (رواہ البخاری: باب الریان للصائمین)

”حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا! جنت کے ایک دروازے کا نام ہی ”الریان“ رکھ دیا گیا ہے۔ جس سے قیامت کے دن روزہ دار گزر کر جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کے علاوہ اس دروازے سے کوئی دوسرا داخل نہیں ہو سکے گا۔“

مسلمان پر ارکانِ اسلام فرض ہیں اور ہر مسلمان ان کی ادائیگی کا پابند ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا کہ جنت کے دروازے کا نام یہ اور یہ رکھا گیا ہے۔ آدمی کو اس نیکی کی بناء پر خصوصی طور پر مخصوص دروازے سے بلایا جائے گا اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ باقی ارکان اور نیکیاں کرنے کے ساتھ اس نیکی میں زیادہ رغبت اور لذّت محسوس کرتا ہے اس فرمان کے ساتھ جذبہ اور ترغیب پیدا کرنا مقصود بھی ہے کہ مومن کو ہر نیکی پوری توجہ اور للّٰہیت سے ادا کرنی چاہیے۔ جو لوگ ہر نیکی رغبت سے کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایک سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر آپ انہی حضرات میں شامل ہیں جنہیں جنت کے ہر دروازے سے پکارا جائے گا۔ (رواہ البخاری: کتاب الصوم، باب الریان للصائمین) روزے کا مقصد گناہوں سے بچنا ہے۔ اگر سنّت کے مطابق کچھ بھوک رکھ کر روزہ رکھا اور افطار کیا جائے تو گناہوں کی معافی کے ساتھ روزے دار کئی قسم کی بیماریوں سے بچ جاتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں راقم کی کتاب: برکات رمضان)

مسائل

١۔ روزے ہر امّت پر فرض تھے۔ ٢۔ روزے کا مقصد تقویٰ میں اضافہ کرنا ہے۔

٣۔ بیماری اور سفر کی وجہ سے چھوڑے ہوئے روزے بعد میں پورے کرنا فرض ہے۔

٤۔ روزہ رکھنا ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ ٥۔ تقویٰ نام ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور گناہوں سے بچنے کا۔

شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ

مہینہ رمضان وہ جو نازل کیا گیا اس میں قرآن ہدایت لوگوں کے لیے

وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ ج فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ

اور واضح دلائل سے ہدایت اور فرق کردینے والا پس جو حاضر ہو تم میں سے مہینہ

فَلْیَصُمْہُ ط وَمَنْ کَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ

تو چاہیے کہ اسکے روزے رکھے اور جو ہو بیمار یا پر سفر تو گنتی سے دن

اُخَرَ ط یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ ز وَلِتُکْمِلُوا

دوسرے چاہتا ہے اللہ تمہارے ساتھ آسانی اور نہیں چاہتا تمہارے ساتھ تنگی اور تاکہ تم پوری کرو

الْعِدَّۃَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

گنتی اور تم بڑائی کرو اللہ پر اس نے تمہیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکرادا کرو

”رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآنِ مجید اتارا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور جس میں ہدایت اور حق و باطل کی تمیز کے واضح دلائل ہیں، تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پائے اسے روزے رکھنا چاہئیں، ہاں جو بیمار ہو یا مسافر اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کرتا ہے، سختی کا ارادہ نہیں رکھتا۔ وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی کبریائی بیان کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔“ (۱۸۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: روزہ اور قرآنِ مجید کا باہمی تعلق بیان کرتے ہوئے روزے داروں کو تسلی دی جارہی ہے کہ روزے تمہیں تنگ کرنے کے لیے فرض نہیں کیے گئے بلکہ ان سے تقویٰ، خدا کی کبریائی کا تصور اور شکریہ کا جذبہ پیدا کرنا مقصود ہے۔

ماہِ رمضان کی عظمت وفضیلت کی سب سے بڑی دلیل ربِ جلیل نے یہ دی ہے کہ اس مہینے میں قرآن نازل کیا گیا ہے۔ جس میں قوموں کی رشدو ہدایت اور ان کی اصلاح اور فلاح کا نہایت ہی جامع پروگرام دیا گیا ہے۔ یہ ہدایت اتنی واضح اور اس کے دلائل اس قدر روشن ہیں کہ اس سے بہتر راہنمائی کوئی اور نہیں کرسکتا اور نہ ہی کسی صحیح فلسفۂ حیات کی تائید کے لیے اس سے قوی دلائل پیش کیے جاسکتے ہیں۔ جونہی قرآنِ مجید کے دلائل فکری اور عملی میدان میں پیش کیے جاتے ہیں تو کوئی بھی ذی شعور اور سلیم الفطرت انسان قرآنی ہدایت اور اس کے دلائل کے سامنے سر جھکائے بغیر نہیں رہ سکتا اس لیے قرآن کو ”اَلْفُرْقَانَ“ بھی کہا گیا ہے یعنی ایسی کتاب جو حق و باطل اور کھرے کھوٹے میں امتیاز پیدا کردے۔ قرآنِ مجید سے مستفید ہونے کے لیے اس کی پہلی آیت میں تقویٰ کو شرطِ لازم قرار دیا گیا ہے۔ اس تقویٰ کے حصول کے لیے رمضان کے روزے مقرر کیے گئے ہیں لہٰذا روزے کا مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے

ڈرے اور گناہوں سے بچے اس لحاظ سے رمضان اور قرآن کا آپس میں چولی دامن کا تعلق ہے۔ سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ تمہیں اس غلطی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ تمہارے رب نے پہلے حکم میں مریضوں اور مسافروں کو روزہ نہ رکھنے کی جو رخصت عنایت فرمائی تھی اس فرمان میں وہ رعایت واپس لے لی گئی ہے۔ یہاں پھر مریضوں اور مسافروں کے لیے من و عن وہی الفاظ دہرا کر اس رعایت کو بحال رکھا گیا ہے تاکہ انہیں مزید اطمینان ہو کہ اگر ہم تکلیف میں مبتلا ہوئے ہیں تو ہمیں آسانی بھی دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ نرمی اور آسانی کرتا ہے۔ اسی لیے اس نے لوگوں کی مجبوریوں اور معذوریوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنے ضابطوں میں نرمی اور ترمیم فرمائی ہے۔ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان کا عملی پہلو سامنے رکھیں تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح نمایاں ہوجائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تکلیف مالا یطاق سے بچانے کے لیے اسلام کے تمام احکام اور مسائل میں نرمی اور آسانی کے پہلو کو سامنے رکھا ہے۔ نماز ہی کو لے لیجیے جو ہر بالغ مسلمان پر فرض ہے لیکن اس میں کتنی رعائتیں دی گئی ہیں تاکہ آدمی فرض ادا کرنا چاہے تو کوئی رکاوٹ بھی اس کے سامنے حائل نہ ہوسکے گی۔ کھڑا ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر نماز ادا کرلے۔ اگر بیٹھنا دشوار معلوم ہو تو لیٹ کر ادا کرسکتا ہے۔ لیٹنے کی حالت میں چہرہ قبلہ کی جانب نہیں ہوسکتا تو ارشاد ہوتا ہے کہ میرے بندے! تجھے افسردہ ہونے کی ضرورت نہیں تیرا چہرہ جس جانب بھی ہوگا۔ میری نظرِ کرم اسی طرف اس کے استقبال میں ہوگی۔ اسی طرح حج کے مناسک کو لے لیجیے ایک دو کو چھوڑ کر معذوری کی حالت میں باقی تمام مناسک کوئی دوسرا ادا کرے تو یہ ادائیگی معذور آدمی کی طرف سے ہی تصور ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر کسی پر حج فرض ہو لیکن وہ جسمانی یا اور کسی شرعی مجبوری کی وجہ سے بیت اللہ میں حاضری نہیں دے سکتا تو وہ حجِ بدل کے ذریعے یہ فریضہ سرانجام دے سکتا ہے۔ یہ آسانیاں اور مہربانیاں اس لیے ہیں تاکہ مسلمان حتی المقدور خدا کے احکام پورے کرسکیں۔ فرائض کی ادائیگی کا یہ احساس اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا تصور دل و دماغ میں جاگزیں نہ ہوجائے۔ اس لیے روزے کے مسائل کے بیان میں اللہ تعالیٰ اپنی کبریائی کا احساس یاد دلا رہے ہیں کہ جس نے خدا کی کبریائی کا تصور پختہ کرلیا اس کے لیے روزہ رکھنا اور اپنے رب کے احکامات پر عمل کرنا آسان ہوجائے گا۔ خدا کے احکامات کی بجا آوری ہی حقیقی شکریہ ہے اور شکرگزار بندے ہی ہدایت پایا کرتے ہیں۔

مسائل

۱۔ قرآنِ مجید رمضان المبارک میں نازل ہوا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ سختی کرنے کے بجائے نرمی اختیار کرتا ہے۔

۳۔ قرآنِ مجید لوگوں کے لیے ہدایت ہے، اس میں ہدایت کے بڑے بڑے دلائل ہیں۔

۴۔ یہ حق و باطل میں امتیاز کرنے والا ہے۔ ۵۔ ہدایت نصیب ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ سختی نہیں نرمی کرتا ہے:

۱۔(البقرۃ:۱۸۵) ۲۔(البقرۃ:۱۸۶) ۳۔ (اعلیٰ:۷)

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ

اور جب آپ سے پوچھیں میرے بندے میرے متعلق تو بلاشبہ میں قریب میں قبول کرتا ہوں دُعا پکارنے والا کی

اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

جب مجھ سے مانگے پس چاہیے وہ حکم مانیں میرا اور وہ ایمان لائیں مجھ پر تاکہ وہ وہ ہدایت پائیں

”جب میرے بندے میرے بارے میں تم سے پوچھیں تو انہیں بتائیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں۔ ہر پکارنے والے کی پکار کو جب وہ مجھے پکارے تو میں قبول کرتا ہوں۔ لوگوں کو بھی چاہیے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔“ (۱۸۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: روزہ کی حالت میں دعا جلد قبول اور اللہ تعالیٰ کی قربت کا باعث ہوتی ہے۔ اس لیے دعا سے متعلق سوال کا جواب دینا مناسب سمجھا گیا تاکہ مومن دل کھول کر اپنے رب سے مانگا کریں۔

دعا کا معنٰی ومفہوم:

دعا عبادات کا خلاصہ، انسانی حاجات اور جذبات کا مرقّع، بندے اور اس کے رب کے درمیان لطیف مگر مضبوط واسطہ، اللہ تعالیٰ کے مزید انعامات کا حصول اور نقصانات سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ اس سے ضمیر کا بوجھ ہلکا اور پریشانیوں سے چھٹکارا حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے دعا مکمل یکسوئی، خلوصِ نیت اور انتہائی توجہ، اصرار اور تکرار کے ساتھ کرنی چاہیے۔ ارض وسماء کے مالک کی خوشی اور اس کا حکم ہے کہ اس سے براہِ راست مانگا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے نہ مانگنا تکبر ہے۔ فوت شدگان کے واسطے، حرمت، طفیل اور وسیلے سے دعا کرنا شرک ہے۔ نبی کریم ﷺ نے دعا کے مقصد ومفہوم کو نہایت ہی مختصر مگر جامع کلمات میں بیان فرمایا ہے:

«اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ» (رواہ أبو داؤد: کتاب الصلوۃ، باب الدعاء [صحیح]) ”دعا عبادت ہے۔“

دعا بمعنٰی عبادت:

تمہارے رب کا ارشاد ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت سے بے پروائی کرتے ہیں انہیں ذلیل وخوار کر کے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ (المؤمن: ۶۰)

دعا بمعنٰی مدد طلب کرنا:

اللہ کے سوا اپنے مددگاروں سے مدد مانگو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ (البقرۃ: ۲۳)

دعا بمعنٰی پکار:

اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکارو جو تجھے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان اگر تو ایسا کرے گا تو ظالموں میں سے ہوگا۔ (یونس: ۱۰۶)

دعا کی اہمیت:

«عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ ﷛ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَنْ يَّنْفَعَ حَذَرٌ مِنْ قَدَرٍ وَلٰكِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ فَعَلَيْكُمْ بِالدُّعَاءِ عِبَادَ اللّٰهِ» (رواہ أحمد: باب مسند معاذ بن جبل ﷛ [ضعیف])

''حضرت معاذ بن جبل ﷛ آنحضرت ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا کوئی بھی احتیاط اور پرہیز تقدیر سے نہیں بچا سکتی، لیکن دعا نازل شدہ اور آئندہ نازل ہونے والے مصائب سے فائدہ پہنچاتی ہے۔ پس اے اللہ کے بندو! دعا ضرور کیا کرو۔''

دعا کے آداب

درود، توبہ، استغفار:

اخلاقیات کے حوالے سے اس بات کو کبھی بھی پسندیدہ قرار نہیں دیا گیا کہ کمزور آدمی اور حاجت مند کسی بڑے سے سوال کرے تو وہ آداب واکرام کو بالائے طاق رکھ کر سوال پر سوال ڈالتا چلا جائے۔ اس انداز سے نہ صرف مانگنے والا محروم رہ سکتا ہے بلکہ اس بات کا قوی امکان ہے کہ دینے والا اس پر ناراض ہو جائے۔ لہٰذا جب رب کی بارگاہ میں دست سوال دراز کیا جائے تو پہلے حمد وستائش اور اس کی عنایات کا اعتراف واقرار کیا جائے۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اطہر پر درود پڑھا جائے جو بذات خود بہترین دعا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمتیں نازل فرماتا ہے۔'' (رواہ مسلم: کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ علی النبی) آپ ﷺ نے ابی بن کعب ﷛ کو یہ بات سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ اگر تو اپنی دعا میں تمام وقت درود پڑھنے پر صرف کرے تو تیرے سارے دکھوں کے لیے کافی اور گناہوں کی بخشش کا باعث ہوگا۔ (رواہ الترمذی: کتاب صفة القیامة والرقائق، باب منه [حسن])

درود کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا احترام ومقام اور انسانیت کا شرف یہ ہے کہ کچھ مانگنے سے پہلے اس کے حضور اپنے گناہوں کی معافی اور بخشش طلب کی جائے۔

عاجزی، درماندگی:

{اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً} (الاعراف: ۵۵)

''اپنے رب کو عاجزی اور خوف کے ساتھ پکارو۔''

دعا کے آداب میں شکر، حمد، درود اور توبہ واستغفار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جلالت ومنزلت کا تقاضا اور فقیر کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگتے وقت غایت درجے کی انکساری اور درماندگی کے ساتھ اس کے سامنے دستِ سوال دراز کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کو انکساری اس قدر پسند ہے کہ جب انسان پریشانیوں کے ہجوم، مسائل کے گرداب اور مصائب کے بھنور میں

پھنس جائے اعزہ واقرباء اور رفقاء واحباب منہ پھیر جائیں، حالات کے تھپیڑوں نے زمین کی پستیوں پر دے مارا ہو، تمام وابستگیاں ختم اور ہر قسم کی امیدیں دم توڑ گئی ہوں، نہ اٹھنے کی ہمت ہو نہ بیٹھنے کی سکت۔ آدمی اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکا ہو تو اس وقت یہ اپنے رب کے سامنے ہاتھ پھیلا کر التجا کرے کہ اے اللہ! میں نے اپنے گلشن حیات کو اپنی خطاؤں اور گناہوں کے جھکڑوں، غلطیوں اور جرائم کی آندھیوں سے برباد کر لیا ہے۔ میری وادیٔ حیات کو تیرے بغیر کوئی سیراب نہیں کرسکتا۔ مجھے تیرے ہی در کی امید اور تیری ہی رحمتوں کا سہارا ہے۔ جس طرح تو ویران وادیوں، تپتے صحراؤں اور اجڑے ہوئے باغوں کو اپنے کرم کی بارش سے سرسبز وشاداب بنا دیتا ہے اسی طرح مجھے حیاتِ نو سے ہمکنار کر دے۔ جب یہ کہتے ہوئے اس کا دل نرم اور آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں۔ تو اسی لمحے رحمتِ خداوندی اس کی روح کو تھپکیاں اور دل کو تسلیاں دیتے ہوئے ان الفاظ میں اسے حیاتِ نو کی امید دلا رہی ہوتی ہے۔

{ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ } (الزمر: ۵۳)

''اے نبی! کہہ دو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا۔ یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کرنے والا اور غفور الرحیم ہے۔''

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"رُوْحُ الدُّعَاءِ اَنْ يَّرٰى كُلَّ حَوْلٍ وَّقُوَّةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَيَصِيْرُ كَالْمَيِّتِ فِيْ يَدِ الْغُسَّالِ" (حجۃ اللہ)

''دعا کی روح یہ ہے کہ دعا کرنے والا ہر قسم کی طاقت وقوت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو تصور کرے اور اس کی قوت وعظمت کے سامنے اپنے آپ کو اس میت کی طرح سمجھے جو نہلانے والے کے ہاتھوں میں بے بس ہوتی ہے۔''

ہاتھ آگے بڑھائیے!

انسان کی عزت وشرف اور غیرت وحمیّت کا تحفظ کرنے کے لیے دین کی تعلیم یہ ہے کہ آدمی دوسرے کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔ مگر بارگاہِ ایزدی میں ہاتھ پھیلانے کا حکم ہی نہیں یہ تو انسانیت کا شرف ہونے کے ساتھ دعا کے آداب میں سے ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے جب دعا مانگنے والا اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں ہاتھ اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بندے کے ہاتھ خالی لوٹاتے ہوئے حیا محسوس کرتا ہے۔

«عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اَنْ يَّرُدَّهُمَا صِفْرًا» (رواہ أبو داؤد: کتاب الصلاۃ، باب الدعاء [صحیح])

''حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تمہارا رب نہایت ہی مہربان اور بڑا ہی حیا والا ہے۔ جب اس کی بارگاہ میں بندہ ہاتھ اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو خالی ہاتھ لوٹاتے ہوئے شرم آتی ہے۔''

یقین کے ساتھ مانگیے

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے دعا مانگنے والے کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ اور یقین ہونا چاہیے کہ میری دعا اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمائے گا۔ کیونکہ آدمی جس طرح اللہ کے بارے میں گمان کرے گا اللہ تعالی اس کے ساتھ اسی طرح کا سلوک فرمائے گا۔لہٰذا دعا کرتے ہوئے یقین محکم ہونا چاہیے کہ میری دعا ضرور قبول ہوگی۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أُدْعُوا اللهَ وَأَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْإِجَابَةِ وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللهَ لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ» (سنن ترمذی باب جَامِعِ الدَّعَوَاتِ عَنِ النَّبِي ﷺ [حسن])

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: دعا کرتے ہوئے اللہ سے قبولیت کے یقین سے دعا مانگو اور جان لو کہ اللہ غافل اور بے پرواہ دل سے نکلی ہوئی دعا قبول نہیں کرتا۔‘‘

ہر دعا قبول ہونے کی گارنٹی

① ۔دعا کا فی الفور قبول ہو جانا۔ ② ۔زندگی کے کسی حصہ میں مستجاب ہونا۔

③ ۔مقصود حاصل ہونے کے بجائے اس کے بدلے میں کسی ناگہانی مصیبت کاٹل جانا۔

④ ۔زندگی میں دعا قبول نہیں ہوئی تو اس کا آخرت میں پورا پورا بدلہ چکا دیا جائے گا۔

رفعتیں اور قربتیں

انسان اپنے گناہوں اور بے علمی کی وجہ سے یہ بات سمجھتا رہا ہے کہ جس طرح میرا اللہ تک پہنچنا مشکل ہے اس طرح میری فریاد بھی اس تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس لیے مجھے ایسے طریقے اور وسائل بروئے کار لانے چاہییں جس سے میری آواز خالقِ حق تک پہنچ سکے۔ ابتداً ایسا ہی خیال رسولِ کریم ﷺ کے رفقائے کرام کے دل میں پیدا ہوا وہ اس فکری الجھن کی وجہ سے آپ سے سوال کرتے ہیں کہ اے نبی کریم ﷺ! ہمیں بتایا جائے کہ ہمارا رب ہم سے کتنی دوری اور مسافت پر جلوہ افروز ہے تاکہ ہم اپنی آواز کو اسی قدر بلند کرنے کی کوشش کریں۔ اس محدود سوچ اور فکری الجھن کو دور کرنے کے لیے فرمایا گیا کہ میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کرتے ہیں کہ میں ان سے کتنا دور ہوں۔

اے نبی! آپ ان کو اطمینان اور یقین دلائیں کہ میں اپنے اقتدار اور اختیار، علم و آگہی اور اپنے فضل و کرم کے لحاظ سے ہر وقت ان کے ساتھ ہی ہوتا ہوں۔ میری رفاقت اس قدر ہے اور ان کے قریب ہے کہ میں انسان کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہوں۔ یہاں تک کہ انسان کے دل میں پیدا ہونے والے جذبات اور اس کے ذہن میں ابھرنے والے خیالات سے ہر لمحہ مجھے آگاہی حاصل رہتی ہے۔

{ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ } (البقرة:۱۸۶)

’’جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو انہیں فرمائیے کہ میں ان کے بالکل قریب ہوں۔‘‘

{ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿١٦﴾ } (ق:١٦)

’’ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے دل میں پیدا ہونے والے خیالات کو ہم جانتے ہیں ہم اس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔‘‘

{ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١٣﴾ } (الملک:١٣)

’’یقیناً وہ سینے کے رازوں کو جانتا ہے۔‘‘

وسیلہ کی بحث المائدۃ آیت:٣٥ میں آئے گی۔ انشاء اللہ!

نوٹ: مزید تفصیل راقم کی کتاب ’’انبیاء کا طریقۂ دعاء‘‘ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ بندے کے قریب اور اس کی دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔

٢۔ بندوں کو بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہوئے اس کا حکم ماننا چاہیے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کا حکم ماننے سے رشد وہدایت حاصل ہوتی ہے۔

٤۔ دعا بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان قریب ترین واسطہ ہے۔ ٥۔ حلال کھانے والے مواحد کی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے اُصول:

١۔ اپنے پروردگار سے دعا کیجئے کہ وہ ہمارے لیے زمین میں سے نباتات پیدا فرمائے۔ (البقرۃ:٦١)

٢۔ مساجد اللہ کے لیے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ (الجن:١٨)

٣۔ اور ان کا آخری قول اللہ تعالیٰ کی حمد وتعریف ہوگی۔ (یونس:١٠)

٤۔ مشرک دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔ (البقرۃ:٢٢١)

٥۔ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو قبول کرو جب وہ تم کو بلائیں۔ (الانفال:٢٤)

٦۔ اگر تم کہتے ہو کہ آپ نے اس قرآن کو از خود بنا لیا ہے تو تم بھی ایسی دس سورتیں لے آؤ اور جن کو تم بلا سکتے ہو بلالو۔ (ہود:١٣)

٧۔ اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چھپ کر پکارو۔ (الاعراف:٥٥) ٨۔ اللہ کو خوف اور اُمید سے پکارو۔ (الاعراف:٥٦)

اُحِلَّ	لَكُمْ	لَيْلَةَ	الصِّيَامِ	الرَّفَثُ	اِلٰى	نِسَآئِكُمْ	هُنَّ
جائز کر دیا گیا	تمہارے لیے	رات	روزے کی	صحبت کرنا	طرف	تمہاری عورتیں	وہ
لِبَاسٌ	لَّكُمْ	وَاَنْتُمْ	لِبَاسٌ	لَّهُنَّ	عَلِمَ	اللّٰهُ	اَنَّكُمْ
لباس	تمہارے لیے	اور تم	لباس	ان کے لیے	جان لیا	اللہ نے	بے شک تم
كُنْتُمْ	تَخْتَانُوْنَ	اَنْفُسَكُمْ	فَتَابَ	عَلَيْكُمْ	وَعَفَا	عَنْكُمْ	فَالْـٰٔنَ
تم تھے	تم خیانت کرتے	تمہارے نفس	سو اس نے رجوع کیا	تم پر	اور درگزر کیا	تم سے	پس اب
بَاشِرُوْهُنَّ	وَابْتَغُوْا	مَا	كَتَبَ	اللّٰهُ	لَكُمْ	وَكُلُوْا	وَاشْرَبُوْا
تم ان سے مباشرت کرو	اور تلاش کرو	جو	اس نے لکھ دیا	اللہ	تمہارے لیے	اور تم کھاؤ	اور پیو

”روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ملنا تمہارے لیے حلال قرار دیا گیا ہے۔ وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ تمہاری پوشیدہ خیانتوں کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اس نے تمہاری توبہ قبول فرما کر تم سے درگزر فرمایا ہے۔ اب تم ان سے مباشرت کر سکتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی مقدر کی ہوئی چیز تلاش کرو۔ تم کھاتے پیتے رہو

فہم القرآن

ربطِ کلام: دعا کی ترغیب دینے کے بعد اب پھر روزے کے بارے میں کچھ مسائل بیان کیے جاتے ہیں۔ روزہ کے اوقات کا تعین، ماہِ رمضان کی راتوں میں بیویوں سے جماع اور رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنے کے مسائل۔

یہودیوں کے ہاں یہ دستور تھا کہ روزہ افطار کرنے کے وقت اگر کوئی شخص سو جائے تو اسے اگلے دن کی مغرب سے پہلے کھانے پینے کی اجازت نہ تھی۔ اسی طرح روزہ کی راتوں میں عورتوں سے مباشرت کے بارے میں ان پر پابندی تھی۔ فرضیتِ رمضان کے ابتدائی دور میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہودیوں کے روزے پر قیاس کرتے ہوئے اپنے آپ پر یہ پابندیاں عائد کر لی تھیں۔ جن کی وجہ سے انہیں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ بعض دفعہ ان پابندیوں کے برعکس عمل کر بیٹھتے تو اپنے ضمیر میں ایک خلش محسوس کرتے۔ ان خود ساختہ پابندیوں کو اٹھاتے ہوئے ”اُحِلَّ لَكُمْ“ کے الفاظ استعمال فرما کر یہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ ہماری طرف سے یہ پابندیاں نہ تھیں۔ بعض مفسرین نے ”اُحِلَّ لَكُمْ“ کے بارہ میں لکھا ہے کہ پہلے یہ پابندی تھی لیکن اس ارشاد کے بعد اٹھا لی گئی۔ لہٰذا تم رمضان کی راتوں میں اپنی بیویوں کے ساتھ مباشرت کر سکتے ہو، اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم اپنے طور پر پابندی سمجھنے کے باوجود اس کی خلاف ورزی کر رہے تھے۔ مباشرت کی اجازت دیتے ہوئے اس کے لیے نہایت ہی جامع اور خوبصورت الفاظ استعمال فرمائے کہ میاں بیوی آپس میں لباس کی طرح ہیں۔ اس سے میاں بیوی کے درمیان اپنائیت کے جذبات کی نشاندہی ہوتی ہے۔ جس طرح لباس آدمی کے لیے زینت، حفاظت اور وقار کا باعث ہوتا ہے اسی طرح میاں بیوی کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات، جذبات اور احساسات ہونے چاہئیں۔

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ

یہاں تک کہ واضح ہوجائے تمہارے لیے دھاری سفید سے دھاری سیاہ

مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ

سے فجر پھر تم پورا کرو روزے تک رات اور نہ تم مباشرت کرو ان سے

وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ

اور تم اعتکاف کرنے والے میں مسجدیں یہ حدیں اللہ پس نہ اس کے قریب جاؤ

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝١٨٧

اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ اپنی آیات لوگوں کے لیے تاکہ وہ وہ پرہیزگار بن جائیں

یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے واضح ہوجائے۔ پھر رات تک روزہ پورا کرو۔ جب تم مسجدوں میں اعتکاف کرنے والے ہوتو عورتوں سے مباشرت نہ کرو یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں تم ان کے قریب نہ جاؤ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ پرہیزگاری اختیار کریں۔"(۱۸۷)

لباس جسم کے نشیب وفراز ڈھانپتا ہے اور دنیا کی کوئی چیز لباس سے زیادہ آدمی کے قریب تر نہیں ہوتی۔ میاں بیوی کی قربت بھی اسی انداز کی ہونی چاہیے۔ پھر ازدواجی زندگی کا مقصد بیان فرمایا کہ یہ تعلقات حیوانی لذّت کی بنیاد پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے طالب کے طور پر ہونے چاہئیں۔ تاکہ نسلِ انسانی کی بقاء کے ساتھ ساتھ اولاد ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا سکون، زندگی کا سہارا اور اللہ تعالیٰ کی تابع فرمان ثابت ہو۔ اس کے بعد روزے کے اوقات متعین فرماتے ہوئے صبح کاذب اور صبح صادق کا فرق واضح کرنے کے لیے سفید وسیاہ دھاگے کی اصطلاح استعمال فرمائی کیونکہ رات کی تاریکی چھٹنے کے وقت صبح کی ابتدا افق پر باریک اور سفید دھاگے کی طرح طویل ہوتی ہے۔ لہٰذا طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک روزے کے تحفظات کا خیال رکھنا چاہیے۔ یہاں اس بات کی خصوصی طور پر وضاحت کردی گئی کہ جب تم مساجد میں اعتکاف کی حالت میں ہوتو پھر اپنی بیویوں کے ساتھ ازدواجی تعلقات سے مکمل اجتناب کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں ان کے قریب جانے سے ہر حال میں بچنا چاہیے، کیونکہ ارشادِ الٰہی کا مقصد ہی اس کا احترام کرنا ہے۔ سحری اور افطاری کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے امت کی خیر خواہی کے لیے ہدایات جاری فرمائیں:

«عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ؓ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ تَسَحَّرُوْا فَإِنَّ فِي السُّحُوْرِ بَرَكَةً»

(رواه البخاری: کتاب الصوم، باب برکة السحور من غیر إیجاب)

"سحری کرو! کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔"

«عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ ؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ»

(رواه البخاری: کتاب الصوم، باب تعجیل الإفطار)

''جب تک لوگ افطار میں جلدی کریں گے اس وقت تک لوگ بھلائی پر رہیں گے۔''

جلدی افطار سے مراد یہ نہیں کہ ابھی سورج نظر آ رہا ہو تو افطار کر لیا جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ سورج غروب ہونے کے فوراً بعد ہی روزہ افطار کر دینا چاہیے۔

غلطی سے روزے کی حالت میں کھانا:

«عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ نَّسِیَ وَهُوَ صَآئِمٌ فَاَكَلَ اَوْ شَرِبَ فَلْیُتِمَّ صَوْمَهُ فَاِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ» (رواه البخاري: باب الصَّائِمِ إِذَا أَكَلَ، أَوْ شرِبَ نَاسِيًا)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے حالت روزہ میں بھول کر کھا پی لیا۔ وہ اپنا روزہ مکمل کرے کیونکہ اسے اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے۔''

مسائل

١۔ رمضان کی راتوں میں بیوی سے مباشرت جائز ہے۔ ٢۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے لباس کا درجہ رکھتے ہیں۔
٣۔ مباشرت کا مقصد نیک اولاد کا حصول ہونا چاہیے۔ ٤۔ روزے کی ابتدا صبح صادق اور انتہا غروب آفتاب ہے۔
٥۔ اعتکاف مساجد میں ہونا چاہیے اور معتکف اپنی بیوی سے مباشرت اور بوس و کنار نہیں کر سکتا۔
٦۔ اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنا ہی تقویٰ ہے۔

تفسیر بالقرآن

روزوں کے مسائل:

١۔ روزے پہلی امتوں پر بھی فرض تھے۔ (البقرۃ: ١٨٣) ٢۔ مریض اور مسافر روزہ نہ رکھ سکے تو بعد میں قضا دے۔ (البقرۃ: ١٨٤)
٣۔ جو روزہ نہ رکھ سکتے ہوں وہ فدیتاً ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ (البقرۃ: ١٨٤)
٤۔ رمضان پانے والے کو روزے رکھنے چاہئیں۔ (البقرۃ: ١٨٥)
٥۔ رمضان کی راتوں میں عورتوں کے پاس جانا اور صبح تک کھانا پینا درست ہے۔ (البقرۃ: ١٨٧)
٦۔ روزہ صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک رکھنا چاہیے۔ (البقرۃ: ١٨٧)
٧۔ دورانِ اعتکاف عورتوں سے مباشرت نہیں کرنا۔ (البقرۃ: ١٨٧)
٨۔ روزوں کا مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ (البقرۃ: ١٨٣) ٩۔ رمضان اور قرآن کا گہرا تعلق ہے۔ (البقرۃ: ١٨٥)
١٠۔ لیلۃ القدر رمضان المبارک میں آتی ہے۔ (القدر) ١١۔ لیلۃ القدر ہزار مہینے سے بہتر ہے یہ رات طلوع فجر تک بابرکت ہے۔ (القدر)
١٢۔ روزہ اور دعا کا آپس میں گہرا تعلق ہے لہٰذا رمضان المبارک میں دعائیں زیادہ کرنی چاہئیں۔ (البقرۃ: ١٨٦)

تفصیل جاننے کے لیے راقم کی کتاب پڑھیں ''برکات رمضان''

وَلَا تَاۡكُلُوۡٓا اَمۡوَالَكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ وَتُدۡلُوۡا بِهَآ اِلَى الۡحُكَّامِ

اور نہ تم کھاؤ اپنے مال آپس میں ناحق اور (نہ) پہنچاؤ ان کو طرف حاکموں

لِتَاۡكُلُوۡا فَرِيۡقًا مِّنۡ اَمۡوَالِ النَّاسِ بِالۡاِثۡمِ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۱۸۸ ع

تاکہ تم کھاؤ کچھ حصہ سے مال (جمع) لوگ گناہ کے ساتھ اور تم تم جانتے ہو

22 ع 7

’’اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو۔ اور نہ حاکموں کے پاس لے جاؤ تاکہ دوسروں کے مال کا کوئی حصہ جانتے بوجھتے ظلم و ستم سے کھا سکو۔‘‘ (۱۸۸)

فہم القرآن

ربط کلام: جب تم اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر دن کے وقت روزہ میں کھانے، پینے، عورتوں سے مباشرت اور اعتکاف کی حالت میں رات کے وقت بھی اپنی بیویوں سے جماع نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کا حکم جانتے ہوئے ہمیشہ کے لیے حرام خوری اور ناجائز ذرائع سے بچ جاؤ۔

حرام کے بارے میں حکمِ امتناعی جاری کرنے سے پہلے آیت ۱۴۸ میں ارشاد فرمایا تھا کہ ’’لوگو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال اور طیّب پیدا کیا ہے اسے کھاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو وہ تمہارا کھلا اور واضح دشمن ہے۔‘‘ یہاں دو ٹوک انداز میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھانے اور ہتھیانے سے منع کیا جارہا ہے اور یہ امتناعی حکم روزے کے احکام، آداب اور اوقات کا تعین فرماتے ہوئے دیا جارہا ہے جس میں یہ فلاسفی پائی جاتی ہے کہ روزہ کا مقصد گناہوں سے بچنا اور پرہیزگاری ہے۔ جب تم اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر صبح سے شام تک اپنے جائز حقوق اور حلال چیزوں سے ہاتھ اٹھا لیتے ہو تو اسی مالک کا حکم جان کر تمہیں حرام مال سے ہاتھ اٹھا لینا چاہیے۔ حرام مال کے لیے باطل کا لفظ استعمال فرما کر واضح کیا جارہا ہے کہ ناجائز طریقے سے کمایا ہوا مال بے شک وہ عُرفِ عام میں حلال کی فہرست میں شامل کیوں نہ ہو لیکن غلط ذرائع سے حاصل ہونے کی وجہ سے حرام ہو جاتا ہے۔ پھر جذبۂ اخوت کو بیدار کرنے کے لیے ’’آپس کے مال کی‘‘ اصطلاح استعمال فرمائی تاکہ باہمی ہمدردی کا احساس ایک دوسرے کا مال ہڑپ اور ضبط کرنے سے لوگوں کو روک سکے۔ اس کے ساتھ ہی اس طریقے کی نفی کی گئی جس کے ذریعے مقدمہ باز اور حرام خور دوسرے کے مال کو اپنے لیے جائز سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ ایسے لوگوں کا ضمیر اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ قانونی جنگ جیتنے کے باوجود یہ مال میرے لیے جائز نہیں۔ ضمیر کی اس خلش کا یہ کہہ کر ذکر فرمایا ہے کہ تم خود بھی اس حرام کام اور حرام خوری سے واقف ہو۔ کاش! ایسا دھندہ کرنے والے مسلمان اس قسم کی مقدمہ بازی کے مضمرات اور اس سے پیدا ہونے والی نفرتوں سے آگاہ ہو جائیں۔ رسول کریم ﷺ نے اس بُرے دھندے اور اس سے حاصل شدہ مال کے بارے میں اس طرح ارشاد فرمایا ہے:

«إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ فَأَقْضِيَ لَهُ عَلَى نَحْوِ مِمَّا أَسْمَعُ مِنْهُ

فَمَنْ قَطَعْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْهُ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ بِهِ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ» (رواہ مسلم: کتاب الأقضیة)

’’تم میرے پاس فیصلے لاتے ہو شاید تم میں سے کچھ لوگ دوسروں کی نسبت اپنی دلیل پیش کرنے میں زیادہ فصیح ہوں اور میں اس کی بات سن کر اس کے حق میں فیصلہ کردوں۔ فیصلہ کرتے ہوئے میں جس شخص کو اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ دوں تو وہ اسے نہ لے بلاشبہ میں اسے آگ کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں۔‘‘

کمائی کے حرام طریقے

«عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ بِيَمِينِهِ فَقَدْ أَوْجَبَ اللهُ لَهُ النَّارَ وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ وَإِنْ كَانَ يَسِيرًا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ وَإِنْ كَانَ قَضِيبًا مِّنْ أَرَاكٍ»

(رواہ مسلم: باب: وعید من اقتطع حق امری مسلم بیمین فاجرۃ بالنار)

’’حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق مارتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے دوزخ واجب کر دیتا ہے اور اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔‘‘ کسی نے آپ ﷺ سے پوچھا اگرچہ یہ حق تلفی معمولی قسم کی ہو؟‘‘ فرمایا: اگرچہ وہ پیلو کے درخت کی ٹہنی ہی کیوں نہ ہو۔‘‘

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِأَصْحَابِ الْمِكْيَالِ وَالْمِيزَانِ إِنَّكُمْ قَدْ وُلِّيتُمْ أَمْرَيْنِ هَلَكَتْ فِيهِ الْأُمَمُ السَّالِفَةُ قَبْلَكُمْ» (رواہ الترمذی: باب فی المکیال والمیزان [صحیح موقوف])

’’حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ماپ تول کرنے والوں کو فرمایا: بلاشبہ تم دو ایسے کاموں کے ذمہ دار بنائے گئے ہو کہ تم سے پہلی قومیں اسی جرم کی پاداش میں ہلاک ہوئیں تھیں۔‘‘

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَرَّ عَلَى صُبْرَةِ طَعَامٍ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلًا فَقَالَ مَا هٰذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ قَالَ أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي» (رواہ مسلم: کتاب الایمان: باب: قول النبی من غشنا فلیس منا)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک غلہ کے ڈھیر پر گزر ہوا۔ آپ نے اپنا ہاتھ اس میں داخل کیا تو انگلیوں کو نمی محسوس ہوئی۔ آپ نے پوچھا: اے اناج والے! یہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگا: یارسول اللہ! اس پر بارش ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا: تو نے اس نمدار غلے کو ڈھیر کے اوپر کیوں نہ رکھا تاکہ لوگ اسے دیکھ سکتے؟ پھر فرمایا: جس نے دھوکا دیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔‘‘

مسائل

۱۔ ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہیں کھانا چاہیے۔ ۲۔ جھوٹی مقدمہ بازی سے اجتناب کرنا چاہیے
۳۔ ناجائز طریقہ سے کمایا ہوا مال حرام ہو جاتا ہے۔ ۴۔ کسی کا مال ناجائز طریقے سے کھانا حرام ہے۔

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَیْسَ

وہ آپ سے پوچھتے ہیں سے نیا چاند آپ فرمادیں یہ اوقات مقررہ لوگوں کے لیے اور حج اور نہیں

الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی ۚ

نیکی یہ کہ تم آؤ گھروں سے ان کے پیچھے اور لیکن نیکی جو پرہیزگاری کرے

وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

اور تم آؤ گھروں سے اس کے دروازے اور تم ڈرو اللہ تاکہ تم کامیابی حاصل کرو

''لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں فرمادیجئے کہ اس سے اوقات (عبادت) اور حج کے ایام لوگوں کو معلوم ہوتے ہیں اور (احرام کی حالت میں) تمہارا گھروں کے پیچھے سے آنا نیکی نہیں بلکہ نیکی وہ ہے جو تقوٰی اختیار کرے لہٰذا گھروں میں ان کے دروازوں کی طرف سے آیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔'' (۱۸۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: روزے کا چاند سے تعلق ہے لہٰذا ضمناً چاند کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیا گیا ہے۔

کارخانۂ کائنات میں چاند مظاہرِ قدرت میں سے ایک ہے جس کا انسانی زندگی اور ذہن پر خاص اثر پڑتا ہے۔ چاند کا جمال وکمال انسان کے لیے ہمیشہ سے دلرُبا رہا ہے۔ ماں کی مامتا بے ساختگی کے عالم میں اپنے لختِ جگر کو چاند کہہ کر پکارتی ہے' شاعروں نے اسے اپنے کلام کا موضوع بنایا اور غلط ذہن لوگ اپنے محبوب کو چاند سے تشبیہ دیتے آئے ہیں چاند کی حسنِ صورت کو دیکھ کر انسان اس کے سامنے سرنگوں ہوتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبیلہ اور قوم چاند کو اپنا معبود تصور کرنے لگی۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی تبلیغ کے دوران چاند، سورج اور ستارہ پرستوں کو خطاب کرتے ہوئے سمجھایا تھا کہ غائب اور غروب ہونے والے کبھی مشکل کشا اور الٰہ نہیں ہو سکتے'' الانعام: ۷۷ اور حٰم السجدۃ: آیت ۳۷'' میں فرمایا گیا کہ کائنات کی بڑی سے بڑی اور خوب تر سے خوب صورت ترین چیز بھی سجدہ کے لائق نہیں ہو سکتی۔ یہ تو تمہارے خدمت گار اور تابع دار کر دیے گئے ہیں۔ قرآنِ مجید نے اپنے مخصوص اسلوبِ بیان کے پیشِ نظر چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کے عوامل کا ذکر نہیں کیا بلکہ سوال کا رخ موڑتے ہوئے یہ بتلایا ہے کہ چاند کا گھٹنا اور بڑھنا' اس کا طلوع اور غروب ہونا تمہارے یے کھلے کیلنڈر کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس سے تم اپنی زندگی کے ادوار، عبادت کے اوقات اور حج کے ایام معلوم کر سکتے ہو۔ مسلمانوں کے لیے حج، روزہ، عید اور دیگر عبادات کا شمار شمسی حساب کی بجائے قمری حساب پر رکھا گیا ہے۔ قمری مہینے کی تاریخ طلوعِ چاند کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے قمری مہینہ انتیس یا تیس دن کا قرار پاتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے مقابلے میں شمسی مہینوں میں فرق زیادہ ہے۔ حتیٰ کہ کچھ سالوں کے بعد ایک سال کو لیپ کا سال قرار دینا پڑتا ہے۔ شمسی حساب کا آغاز دن کی ابتداء کے بجائے رات ۱۲ بجے شروع کیا جاتا ہے جو بذاتِ خود عجیب محسوس ہوتا ہے۔ لیکن

افسوس! ملت کو اس کا احساس بھی جاتا رہا اور آج مسلمانوں کی غالب اکثریت کو قمری مہینوں کے نام تک یاد نہیں۔ چاند کے فوائد کا ذکر کرنے کے ساتھ ہی عربوں کی خود ساختہ رسم کی نفی کی گئی ہے کہ ضرورت کے وقت حج کے دوران اپنے گھروں میں آنا پڑے تو ان کے پچھواڑے سے دیواریں پھلانگ کر آنے کی بجائے دروازوں کے راستے آیا جایا کرو۔ کیونکہ تمہارا ربّ تمہاری خود ساختہ عبادات اور رسومات پر راضی نہیں ہوتا، نہ ہی دین کی بنیاد رسومات اور توہّمات پر رکھی گئی ہے۔ اس کی بنیاد تو حقیقی خوفِ الٰہی پر رکھی گئی ہے۔ یہی کامیابی کا زینہ اور وسیلہ ہے۔ لہٰذا تم ہر حال میں اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے احکام کا خوف و احترام قائم رکھو، تاکہ تم دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جاؤ۔

چاند کے بارے میں جدید تحقیق

بُعدِ قمر: (۱) زمین سے چاند کا بُعدِ اوسط 240000 میل ہے، قطر 2160 میل، اس کا حجم زمین کے حجم کا ۴۹/۱ حصہ ہے اور وزن زمین کے وزن کا ۸۱/۱ حصہ، اس کی سطحی کشش زمین کی سطحی کشش کا تقریباً ۶/۱ حصہ ہے۔ لہٰذا جس چیز کا وزن سطحِ زمین پر ۶ پونڈ ہے سطحِ قمر پر اس کا وزن ایک پونڈ ہوگا۔

(۲) چاند زمین کے اردگرد 27 دن 7 گھنٹے 34 منٹ میں اپنا چکر پورا کرتا ہے۔

(۳) البتہ زمین کی سالانہ حرکت کے سبب ایک نئے چاند سے دوسرے نئے چاند تک ساڑھے انتیس دن لگتے ہیں۔ ٹھیک ٹھیک حساب کریں تو یہ مدت 29 دن 12 گھنٹے 14 منٹ اور 2.8 سیکنڈ میں ختم ہوتی ہے۔ اس مدت کو ایک قمری مہینہ کہتے ہیں۔

مظاہرِ قمر: (۱) چاند روشن کُرہ نہیں بلکہ اس کی روشنی سورج کی روشنی کے انعکاس کا نتیجہ ہے۔ اس کا نصف حصہ سورج کے سامنے ہونے کی وجہ سے ہمیشہ منوّر رہتا ہے لیکن ہمیں اس کے مختلف مظاہر نظر آتے ہیں۔

(۲) 29،28 تاریخ کو روشن حصہ آفتاب کی طرف اور تاریک حصہ زمین کی جانب ہوتا ہے اور وہ بالکل نظر سے غائب ہو جاتا ہے۔ اس حالت کو محاق کہتے ہیں۔ حالتِ محاق میں شمس و قمر ایک سمت میں ہوتے ہیں۔

(۳) چاند آہستہ آہستہ سورج سے مشرق کی جانب ہوتا جاتا ہے۔ یکم کو اس کے چمکتے ہوئے چہرے کا صرف ایک باریک کنارہ ہمیں نظر آتا ہے۔ یہ ہلال کہلاتا ہے۔ (ماخوذ از فلکیاتِ جدیدہ)

مسائل

۱۔ چاند کے ذریعے لوگوں کو حج اور دوسرے معاملات طے کرنے کے لیے اوقات معلوم ہوتے ہیں۔

۲۔ ہر دم اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ ۳۔ گناہوں سے بچنے اور تقویٰ اختیار کرنے والے ہی کامیاب ہوں گے۔

۴۔ رسومات سے بچنا کامیابی کی ضمانت ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ

اور تم لڑو میں راستہ اللہ جو وہ تم سے لڑتے ہیں اور نہ تم زیادتی کرو بیشک

اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ

اللہ نہیں پسند کرتا زیادتی کرنے والے اور تم انہیں مار ڈالو جہاں تم انہیں پاؤ اور انہیں نکال دو سے

حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ

جہاں انہوں نے تمہیں نکالا اور فتنہ زیادہ سنگین سے قتل اور نہ تم ان سے لڑو پاس

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ

مسجد حرام یہاں تک کہ وہ تم سے لڑیں اس میں پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم قتل کرو ان کو

’’اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ (۱۹۰) انہیں مارو جہاں پاؤ اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے اور (سنو) فتنہ قتل سے زیادہ سنگین ہے اور مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کرو جب تک کہ یہ خود تم سے نہ لڑیں۔ اگر یہ تم سے لڑیں تو تم انہیں مارو

فہم القرآن

ربطِ کلام: حرمت کے مہینوں کا تعلق بھی چاند سے ہے۔ اس لیے حرمت کے مہینوں کے بیان میں ان سے متعلقہ مسائل کا بیان ضروری سمجھا گیا۔

رسولِ محترم ﷺ اور مسلمانوں کو کفار کے ظلم وستم سہتے ہوئے اٹھارہ سال گزر چکے تھے۔ اس دوران مسلمانوں پر یکے بعد دیگرے بدر، احد اور خندق کی جنگیں بھی مسلط کی گئیں۔ لیکن آپ اور مسلمانوں نے ہمت نہیں ہاری۔ نبوت کے اٹھارہویں سال ایک غیبی اشارے کی بنیاد پر عمرہ کی نیت سے آپ عازمِ مکہ ہوئے۔ لیکن اہلِ مکہ نے قومی اخلاق اور حرم کی دینی اقدار کی پرواہ کیے بغیر رسول اللہ ﷺ کو عمرہ کرنے سے روک دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ عمرہ کی نیت سے مکہ کی طرف چلے تھے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس میں اہلِ مکہ کے لیے یہ پیغام تھا کہ مسلمان اخلاقی اور عسکری لحاظ سے اس قابل ہو چکے ہیں کہ وہ جب چاہیں مرکزِ ملت بیت اللہ کو کفار سے واگزار کروا سکتے ہیں۔ اہلِ مکہ نے اس حقیقت کو محسوس کرتے ہوئے اس شرط پر خصوصی طور پر اصرار کیا کہ اس سال تو بہر حال تمہیں واپس ہی جانا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ حرم کی تولیت ہمارا قومی اور دینی حق ہے اگر ہم نے اس حال میں مسلمانوں کو مکے میں داخلہ کی اجازت دے دی تو ہمارے قومی اور ملی وقار کو شدید دھچکا لگے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے تصادم سے بچنے کے لیے اپنا ارادہ ملتوی فرمایا اور اگلے سال آنے کی شرط قبول فرمائی۔ جب اگلے سال مسلمان مکہ جانے لگے تو ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہونا فطری امر تھا کہ اگر اس سال بھی ہم روک دیے گئے تو کیا ہوگا؟ اس کے جواب میں جہاد کا حکم دیتے ہوئے بارہ ہدایات جاری فرمائی گئی ہیں:

۱۔ لڑائی کرنے والوں سے جنگ کرو۔ ۲۔ زیادتی نہ کرو۔ ۳۔ زیادتی کرنے والوں کو حالت جہاد میں جہاں پاؤ قتل کر دو۔

كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩١﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

اسی طرح | سزا | کافر (جمع) | پھر اگر | وہ باز آ گئے | تو یقیناً | اللہ | بہت زیادہ بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿١٩٢﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ

نہایت رحم کرنیوالا | اور تم ان سے لڑو | یہاں تک کہ | نہ رہے | کوئی فتنہ | اور ہو جائے | دین | اللہ کے لیے

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩٣﴾

پھر اگر | وہ باز آ گئے | تو نہیں | زیادتی | سوائے | پر | ظالموں

کافروں کی یہی سزا ہے۔(۱۹۱) اگر یہ باز آ جائیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔(۱۹۲) جب تک فتنہ مٹ کر اللہ کا دین غالب نہ آ جائے ان سے لڑتے رہو۔ اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی جائز نہیں۔'' (۱۹۳)

۴۔ جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا وہاں سے انہیں بھی نکال دو۔ ۵۔ فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے۔

۶۔ مسجد حرام کے نزدیک جب تک وہ نہ لڑیں تم بھی نہ لڑو۔

۷۔ اگر وہ تم سے مسجد حرام میں قتال کریں تو تم بھی مسجد حرام میں قتال کرو۔ ۸۔ اگر باز آ جائیں تو اللہ معاف کرنے والا ہے۔

۹۔ فتنہ ختم ہونے تک قتال کرو۔ ۱۰۔ حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے میں ہیں۔

۱۱۔ حرمت میں قصاص ہے۔ ۱۲۔ جتنی وہ زیادتی کریں تم بھی اتنی ہی کرو۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خزاعہ قبیلے کے لوگوں نے فتح مکہ والے سال بنی لیث کا ایک آدمی قتل کر دیا۔ اس واقعہ کی اطلاع نبی کریم ﷺ کو دی گئی آپ ﷺ سواری پر سوار ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا: اللہ نے مکہ میں قتل و غارت کو ممنوع قرار دیا ہے۔ (یا آپ نے فیل کے لفظ استعمال فرمائے راوی کو شک ہے۔) اللہ تعالیٰ نے کفار پر اپنے رسول اور مومنوں کو غلبہ عطا کر دیا ہے سنو مجھ سے پہلے بھی کسی کے لیے مکہ کی حرمت کو پامال کرنا جائز تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے جائز ہوگا۔ اور میرے لیے کچھ وقت کے لیے اس میں لڑائی کو حلال قرار دیا گیا تھا۔'' (رواہ البخاری: باب كِتَابَةِ الْعِلْمِ)

مسائل

۱۔ مسلمانوں کے خلاف لڑنے والوں کے ساتھ جہاد کرنا چاہیے۔

۲۔ کسی پر زیادتی کرنا جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

۳۔ کفار حدودِ حرم میں مسلمانوں پر حملہ آور ہوں تو حرم میں ان کے ساتھ لڑنا جائز ہے۔

۴۔ مسلمانوں کے ساتھ لڑنے والے کفار کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔

۵۔ اگر کافر لڑنے سے اجتناب کریں تو مسلمانوں کو بھی اجتناب کرنا چاہیے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ ہر حال میں معاف کرنے والا، مہربان ہے۔ ۷۔ غلبہ دین ہونے تک کفار کے ساتھ لڑنا چاہیے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى

مہینہ حرمت والا | بدلے حرمت والا مہینہ | اور حرمتیں | بدلہ | پس جس | اس نے زیادتی کی

عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

تم پر | تو تم زیادتی کرو | اس پر | اس جیسی | جو اس نے زیادتی کی | تم پر | اور تم ڈرو | اللہ

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا

اور تم جان لو | بے شک | اللہ | ساتھ | پرہیزگار (جمع) | اور تم خرچ کرو | میں | راستہ | اللہ | اور نہ

تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛۚ وَاَحْسِنُوْا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

تم ڈالو | تمہارے ہاتھ | طرف | ہلاکت | اور نیکی کرو | بیشک | اللہ | محبت کرتا ہے | نیکی کرنے والے

”حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے میں ہیں اور سب حرمتیں بدلے کی چیزیں ہیں جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کر سکتے ہو جیسی تم پر کی گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ (۱۹۴) اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور احسان کرو اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“ (۱۹۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ

ان بارہ ہدایات میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کفار حرمتوں کی آڑ میں تم پر حملہ آور ہونے کی کوشش کریں تو تم بھی کسی حرمت کی پرواہ کیے بغیر ان کے خلاف برسرِ پیکار ہو جاؤ۔ کفار کے مقابلے میں حرمت کے بدلے ہی عزت وحرمت کا خیال رکھا جا سکتا ہے کیونکہ اللہ کے بندوں کو اس کی بندگی سے روکنا، کفر کو دینِ حق پر مسلط کرنا، کمزوروں پر ظلم ڈھانا اور مشرکوں کا بیت اللہ پر قبضہ جمانے سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں ہو سکتا اگر مشرک مزاحم ہونے اور لوگوں پر ظلم کرنے سے باز آجائیں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کفار نے اٹھارہ سال تمہارے اوپر ظلم کیے ہیں لیکن یاد رکھنا کسی لمحہ بھی تمہیں زیادتی کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے غفور رحیم صفت بیان فرما کر اشارہ دیا ہے کہ اگر تم معاف کر دو تو زیادہ بہتر ہوگا۔ اس حکم سے واضح ہوا کہ اسلام کسی صورت میں بھی کسی پر زیادتی کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ رسولِ کریم ﷺ غزوات میں ہدایات جاری فرماتے کہ کسی بوڑھے، بچے اور عورت یہاں تک کہ معبد خانوں میں عبادت کرنے والے اور اپنے گھروں کے کواڑ بند کرنے والوں پر زیادتی نہ کی جائے۔ آپ ﷺ نے معاہدات میں اس بات کا مکمل خیال اور غیر مسلموں کو پورا پورا تحفظ عنایت فرمایا۔ نجران کے عیسائیوں سے جو معاہدہ کیا اس سے اسلام کی امن وسلامتی اور لوگوں کے حقوق لٹانے کی پالیسی کھل کر واضح ہو جاتی ہے اس معاہدہ کی تحریر یہ ہے:

”نجران اور اس کے رہنے والوں کی جانیں، ان کا مذہب، ان کی زمینیں، ان کا مال، ان کے حاضر و غائب، ان کی

مورتیاں، ان کے قافلے اور قاصد، اللہ کی امان اور اس کے رسول ﷺ کی ضمانت میں ہوں گے، ان کی موجودہ حالت میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی ان کے حقوق میں سے کسی حق میں مداخلت نہیں کی جائے گی، کوئی اسقف اپنی اسقفیت سے، کوئی راہب اپنی رہبانیت سے، کنیسہ کا کوئی منتظم اپنے عہدہ سے نہیں ہٹایا نہ جائے گا، اور جو کچھ بھی ان کے قبضے میں ہے اسی طرح رہے گا ان کے زمانۂ جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا بدلہ نہ لیا جائے گا، نہ ان سے فوجی خدمت لی جائے گی اور نہ ان پر عُشر لگایا جائے گا اور نہ اسلامی فوج ان کے علاقے کو پامال کرے گی۔ ان میں سے جو شخص اپنے کسی حق کا مطالبہ کرے گا تو اس کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔ نہ ان کو ظلم کرنے دیا جائے گا اور نہ ان پر ظلم ہوگا۔ ان میں سے جو شخص سود کھائے گا وہ میری ضمانت سے بری ہے۔ اس صحیفہ میں جو لکھا گیا ہے اس کے ایفا کے بارے میں اللہ کی امان اور محمد ﷺ کی ذمہ داری ہے یہاں تک کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی دوسرا حکم نازل نہ ہو۔ جب تک یہ لوگ مسلمانوں کے خیر خواہ رہیں گے ان کے ساتھ کئے ہوئے معاہدہ کی پابندی کریں گے ان کو جبراً کسی بات پر مجبور نہ کیا جائیگا۔'' (تاریخ المدینة لابن شبة، باب وفد نجران)

اسلام میں جہاد کا تصور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کے باغیوں کے بجائے صرف اس کے تابع فرماں بندوں کا قبضہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ کوئی بھی حکومت ملک، قوم اور ملی نظریے سے بغاوت کرنے والوں کو گوارا نہیں کر سکتی۔ لہٰذا مسلمانوں کا جہاد ذاتی اغراض اور کشور کشائی کے لیے نہیں بلکہ صرف اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں آخری حکم میں فرمایا جا رہا ہے کہ جہاد فرض ہونے کی صورت میں اپنے آپ کو بچانا اور مال محفوظ رکھنا خودکشی کے مترادف ہوگا۔ کیونکہ جب دشمن سر پر چڑھ آئے تو نہ مال ومنال بچا کرتا ہے اور نہ عزت وجان سلامت رہتی ہے۔ نازک حالات میں ہر چیز قربان کرنے کے جذبے سے ہی قومیں اپنا وقار اور وجود قائم رکھ سکتی ہیں۔

غزوات نبوی ﷺ اور پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے درمیان نقصان کا تقابل

نبی ﷺ کے دور میں کل مسلمان شہداء 387 اور مخالف 7323 تھے۔ (رحمة للعلمين از قاضی سلیمان منصور پوری) لیکن افسوس غیر مسلموں کی تاریخ میں ان قدروں کا کبھی بھی خیال نہیں رکھا گیا۔ مہذب دنیا کے راہنماؤں نے اپنے ہم مذہب اور دوسرے ممالک کا پہلی جنگِ عظیم 1914 تا 1919 میں اور دوسری جنگِ عظیم 1939 تا 1945 میں جو قیامت برپا کی اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی جنگِ عظیم میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد کی تفصیل اس طرح ہے۔ جرمنی کے سب سے زیادہ 18 لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ اس کے بعد سوویت یونین کے 17 لاکھ، فرانس کے 13 لاکھ 85 ہزار، آسٹریلیا کے 12 لاکھ اور برطانیہ کے 9 لاکھ 47 ہزار افراد مارے گئے۔ جاپان کے 8 لاکھ، رومانیہ کے 7 لاکھ 50 ہزار، سربیان کے 7 لاکھ 8 ہزار، اٹلی کے 4 لاکھ 80 ہزار، ترکی 3 لاکھ 25 ہزار، بلجیئم کے 2 لاکھ 27 ہزار، یونان کے 2 لاکھ 30 ہزار، امریکہ کے 1 لاکھ 37 ہزار، پرتگال کے 1 لاکھ، کینیڈا کے 69 ہزار، بلغاریہ کے 88 ہزار اور مونٹے نیگرو کے 50 ہزار مارے گئے۔ دوسری جنگ عظیم میں سپر پاور بننے کے لیے سوویت یونین کو سب سے بھاری جانی ومالی قیمت چکانا پڑی۔ اس کے 3 کروڑ 55 لاکھ 68 ہزار فوجی اور سویلین ہلاک ہوئے۔ اس کے

بعد چین کا نمبر آتا ہے جس کے 1 کروڑ 13 لاکھ 24 ہزار مارے گئے، پولینڈ کے 68 لاکھ 50 ہزار، جاپان کے 18 لاکھ 6 ہزار، یوگوسلاویہ کے 17 لاکھ، رومانیہ کے 9 لاکھ 85 ہزار، فرانس 8 لاکھ 10 ہزار، یونان 5 لاکھ 20 ہزار، امریکہ 4 لاکھ 95 ہزار، آسٹریا 4 لاکھ 80 ہزار، اٹلی 4 لاکھ 10 ہزار، برطانیہ 3 لاکھ 88 ہزار، ہالینڈ 2 لاکھ 50 ہزار اور بیلجیم کے 85 ہزار مارے گئے۔ اس کے علاوہ فن لینڈ کے 79 ہزار، کینیڈا 42 ہزار، ہندوستان 36 ہزار، آسٹریلیا 29 ہزار، البانیہ 28 ہزار، سپین 22 ہزار، بلغاریہ 21 ہزار، نیوزی لینڈ 12 ہزار، ناروے 10 ہزار، جنوبی افریقہ 9 ہزار، لکسمبرگ 5 ہزار اور ڈنمارک کے 4 ہزار مارے گئے جب کہ حالیہ عراق اور افغانستان جنگ میں مرنے والوں کی تعداد 65 ہزار سے اوپر پہنچ چکی ہے۔

ان جنگوں پر جو اخراجات ہوئے۔ 1990 میں پہلی عالمی جنگ میں 196 ارب 50 کروڑ ڈالر خرچ ہوئے جبکہ دوسری عالمگیر جنگ میں 2091 ارب 30 کروڑ ڈالر خرچ ہوئے تھے۔ تیسری جاری عالمی جنگ میں اب تک 1 کھرب 79 ارب 19 کروڑ 51 لاکھ 11 ہزار ڈالر خرچ ہو چکے ہیں اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

حال ہی (2004) میں امریکہ جو دنیا میں تہذیب و تمدن کا علمبردار بنا ہوا ہے۔ اُس نے عراق کے تاریخی مقامات اور تمام شہروں بالخصوص تکریت، نجف، بغداد اور فلوجہ میں جس طرح مساجد و مدارس اور خواتین کی بے حُرمتی کی اور قبرستانوں پر بلڈوزر چلائے اِن مظالم کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ ابوغریب جیل میں قیدیوں کو پاخانہ کھانے اور اپنا پیشاب پینے پر مجبور کیا گیا جس پر امریکہ کے حلیف اور دیگر ممالک میں اس کے خلاف کہرام برپا ہوا جس کے ردِعمل میں امریکہ کے صدر بش کو دنیا کے سامنے معافی مانگنی پڑی پھر بھی ان کے رویّے میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی۔

انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت اور اس کے دلائل:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ صرف حلال چیزوں سے صدقہ قبول فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیتے ہوئے شرف قبولیت بخشتے ہیں۔ پھر اس کو اس طرح بڑھاتے ہیں جیسا کہ تم اپنے بچھڑے کی پرورش کر کے اسے بڑا کرتے ہو۔ یہاں تک کہ ایک کھجور کا ثواب پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ (رواہ البخاری: باب الصَّدَقَةِ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا صدقہ کرنے سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ بندے کو مزید عزت سے نوازتے ہیں اور جو شخص بھی اللہ کی رضا کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کو لوگوں کی نگاہوں میں معزز فرما دیتے ہیں۔ (رواہ مسلم: باب استحباب العفو والتواضع)

مسائل

۱۔ حرمت والے مہینوں اور حرمات میں قصاص ہے۔ ۲۔ زیادتی کے بدلے میں اتنی ہی زیادتی کرنا جائز ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں ڈرنا چاہیے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔
۵۔ ہر حال میں نیکی کرنا چاہیے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ لِلّٰہِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْھَدْیِ ۚ

اور تم پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے لیے پھر اگر تم روک دیئے جاؤ تو جو میسر آئے سے قربانی

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَکُمْ حَتّٰی یَبْلُغَ الْھَدْیُ مَحِلَّہٗ ؕ فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ

اور نہ تم منڈواؤ اپنے سر یہاں تک کہ پہنچ جائے قربانی اپنی جگہ پس جو ہو تم میں سے

مَّرِیْضًا اَوْ بِہٖٓ اَذًی مِّنْ رَّاْسِہٖ فَفِدْیَۃٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَۃٍ اَوْ

بیمار یا اسکے ساتھ کوئی تکلیف سے اس کا سر تو فدیہ سے روزے یا صدقہ یا

نُسُکٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ٝ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَۃِ اِلَی الْحَجِّ فَمَا اسْتَیْسَرَ

قربانی پھر جب تم امن میں ہو گئے تو جو فائدہ اٹھائے عمرہ کے ساتھ طرف حج تو جو میسر آ گیا

مِنَ الْھَدْیِ ۚ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ وَسَبْعَۃٍ

سے قربانی پھر جو نہ پائے تو روزے تین دن میں حج اور سات

اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ ؕ ذٰلِکَ لِمَنْ لَّمْ یَکُنْ اَھْلُہٗ

جب تم واپس آ گئے یہ دس پورے یہ اسکے لیے جو نہ ہوں اس کے گھر والے

حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ ع

رہنے والے مسجد حرام اور تم ڈرو اللہ اور جان لو بے شک اللہ سخت عذاب

”حج اور عمرے کو اللہ تعالیٰ کے لیے پورا کرو۔ ہاں اگر تم راستے میں روک لیے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو اسے ذبح کر دو اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک قربانی قربان گاہ تک نہ پہنچ جائے۔ البتہ تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو سر منڈوانے پر فدیہ ہے۔ روزے رکھے، خواہ صدقہ دے، خواہ قربانی کرے پس جب امن میں ہو جاؤ تو جو شخص حج کے ساتھ عمرہ کا فائدہ اُٹھائے پس اسے جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالے جسے اور طاقت نہ ہو وہ تین روزے حج کے دنوں میں اور سات واپسی میں رکھے یہ پورے دس ہو گئے۔ یہ حکم ان کے لیے ہے جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں۔ لوگو اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔“ (۱۹۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: چاند کے ساتھ روزے اور حج کا خصوصی تعلق ہے۔ لہٰذا حج کے مسائل کی تفصیل اور ان کے درمیان دورِ جہالت کی بدعات اور رسومات کا بیان ہوگا۔

حج عبادات کا مرقع ہے۔ اسلام کے پانچویں رکن کی ادائیگی مقررہ ایام میں متعین اور مقدس مقامات پر ادا ہوتی ہے۔ یہ مسلمانوں کی اجتماعی تربیت، عبادات اور ملت کے معاملات کا ہمہ گیر جائزہ لینے کا وسیع وعریض پلیٹ فارم ہے۔ شریعت نے

امتِ مسلمہ کو اپنے اور دنیا بھر کے تعلقات و معاملات کا جائزہ لینے کے لیے سالانہ بین الاقوامی سٹیج مہیا کیا ہے تاکہ مسلمان حقوق اللہ اور حقوق العباد کے معاملہ میں اپنی کمی وبیشی کا احساس کرتے ہوئے توبہ واستغفار اور حالات کی درستگی کے لیے عملی اقدامات اٹھائیں۔ جہاں اپنے کردار و گفتار کا جائزہ لینا ہے وہاں ملّتِ کفر کے حالات و واقعات اور ان کے فکر و عمل پر کڑی نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ یہ احتساب وعمل کی ایسی تربیت گاہ ہے جس سے مسلمانوں کو بھرپور فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ یہی وہ سوچ وحکمت تھی کہ جس کے لیے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ حج کے موقع پر مملکت کے گورنروں اور اعلیٰ حکام کا اجلاس منعقد کرتے اور ان علاقوں کے عمائدین سے وہاں کے حالات و واقعات اور حکام و رعایا کے طرزِ عمل کے بارے میں استفسار فرماتے ہوئے موقع پر ہدایات جاری کرتے تھے۔ (سیرتِ فاروق)

دینِ حنیف میں ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرنے کا حکم ہوا ہے۔ پھر حج اور عمرہ کے لیے یہ خصوصی حکم کیوں دیا گیا کہ حج اور عمرہ اللہ ہی کے لیے ہونے چاہئیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین نے نہ صرف حج کے تمام مناسک میں اپنے بتوں کو شریک کر لیا تھا بلکہ انہوں نے بیت اللہ، صفا و مروہ اور عرفات میں بھی بت سجا رکھے تھے۔ جن کی حرمت، وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے۔ یہاں تک کہ وہ احرام باندھتے تو ان الفاظ میں تلبیہ کہتے۔

«لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا ھُوَ لَکَ تَمْلِکُہٗ وَمَا مَلَکَ» (رواہ مسلم: باب التلبیۃ۔۔۔)

”میں حاضر ہوں! اللہ تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جس کو تو نے اپنا ساتھی بنا لیا ہے۔ تو اس کا بھی اور اس چیز کا بھی مالک ہے جس کا وہ مالک ہے۔“

یہاں مشرکین کو نہایت لطیف پیرائے میں شرک سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ حج اور عمرہ میں کسی کو اللہ کا شریک بنانے کی بجائے صرف اور صرف اللہ کے لیے حج اور عمرہ کرو۔ یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ حج محض ایک رسم اور نیکی کی شکل میں مال کی نمائش کا نام نہیں۔ یہ تو اللہ کے گھر میں اس عقیدے کے ساتھ حاضری دینا ہے کہ میں صرف تیرے ہی در کا فقیر ہوں۔ جس طرح آج میں اپنا گھر بار چھوڑ کر حاضر ہوں اسی طرح مرنے کے بعد تیری جناب میں مجھے پیش ہونا ہے۔ لہٰذا میں معافی کا خواستگار ہوں، تیرے بغیر کوئی بھی میرے گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا۔ یہاں اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ حج اور عمرہ اکٹھے کر سکتے ہو جبکہ دورِ جہالت میں لوگ حج اور عمرہ اکٹھا کرنا ٹھیک نہیں سمجھتے تھے۔

اس آیت کی ابتدا میں حکم ہے کہ حج اور عمرہ کو پورا کرنا چاہیے۔ تاہم اگر کسی وجہ سے راستے میں رکاوٹ پیدا ہو جائے یا کوئی بیماری لاحق ہو تو عمرہ اور حج کرنے والے کو کیا کرنا چاہیے؟ فرمایا کہ اگر راستے میں رکاوٹ پیش آجائے تو قربانیاں کسی دوسرے ذرائع کے ذریعے مکہ روانہ کر دی جائیں۔ اس وقت تک سر نہ منڈوایا جائے جب تک قربانی مکہ پہنچ جانے کا یقین نہ ہو۔ البتہ اگر قربانی مکہ پہنچانے کا کوئی انتظام نہ ہو تو اسی مقام پر قربانی ذبح کر کے آدمی حلال ہو جائے گا۔ جیسا کہ آپ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا۔ اگر کسی کو ایسی تکلیف لاحق ہو یا سر منڈوانا تکلیف کی وجہ سے ناگزیر ہو تو اسے تین روزے یا چھ مساکین کا کھانا یا پھر ایک جانور ذبح کرنا ہوگا۔ اگر حج اور عمرہ اکٹھا کرنے والا اگر قربانی نہیں پاتا تو اسے حج

کے دوران تین روزے رکھنے چاہییں اور جب وطن واپس پہنچے تو سات روزے رکھے۔ گویا کہ قربانی نہ کرنے کی وجہ سے دس روزے رکھنے پڑیں گے۔ اسے حدیث میں حج قران کہا گیا ہے حج تمتع ان لوگوں کو کرنے کی اجازت ہے جو حرم کی حدود میں رہنے والے نہ ہوں۔ کیونکہ انہیں حج کے لیے دور سے آنا پڑتا ہے حرم میں رہنے والوں کو اس کی اجازت نہیں۔ شاید اس کا فلسفہ یہ ہے کہ بیت اللہ کی رونق ہر حال میں روز افزوں رہے۔ تمتع سے مراد حج اور عمرہ اکٹھا کرنا ہے۔ آیت کے آخر میں یہ انتباہ کیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر حج اور عمرہ میں افراط وتفریط، خودساختہ رسومات اور شرک کی آمیزش ترک کردو ورنہ یادرکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت ترین گرفت کرنے والا ہے اوراس کی گرفت اور عذاب سے تمہیں بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

مسائل

۱۔ اللہ ہی کے لیے حج اور عمرہ کے مناسک پورے کرنے چاہئیں۔

۲۔ محصور ہوجانے کی صورت میں قربانیاں مکہ بھیج دی جائیں۔ ۳۔قربانی سے پہلے سر نہ منڈوایا جائے۔

۴۔ تکلیف کے باعث سر منڈوانا پڑے تو تین روزے یا چھ آدمیوں کو کھانا کھلانا یا جانور ذبح کرنا چاہیے۔

۵۔ حج اور عمرہ اکٹھے کیے جاسکتے ہیں۔ ۶۔ حج تمتع میں قربانی نہ کرنے والا تین روزے حج کے دوران اور سات واپسی پر رکھے گا۔

۷۔ حدودِ حرم کے اندر رہنے والوں کو حجِ تمتع کی اجازت نہیں ہے۔ ۸۔ ہر دم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے وہ سخت عذاب والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

بیت اللہ کا حج:

۱۔ لوگوں میں حج کے لیے نداء کردو کہ تمہاری طرف پیدل اور دبلے دبلے اونٹوں پر جو دور دراز رستوں سے چلے آتے ہوں (سوار ہوکر) چلے آئیں۔ (الحج: ۲۷)

۲۔ لوگوں پر خدا کا حق ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے وہ اس کا حج کرے۔ (آل عمران: ۹۷)

۳۔ حج کے مہینے معلوم ہیں تو جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کرلے تو حج میں نہ عورتوں سے اختلاط کرے، نہ کوئی بُرا کام کرے، نہ کسی سے جھگڑے اور جو نیک کام تم کروگے وہ خدا کو معلوم ہے اور زادِراہ ساتھ لے جاؤ کیونکہ بہتر زادِراہ پرہیز گاری ہے اور اے عقل والو! مجھ سے ڈرتے رہو۔ (البقرہ: ۱۹۷)

۴۔ تمہارے لیے دریا کا شکار اور ان کا کھانا حلال کردیا گیا ہے یعنی تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے اور جنگل کا شکار جب تک تم احرام کی حالت میں ہو تم پر حرام ہے اور اللہ سے جس کے پاس تم جمع کیے جاؤ گے، ڈرتے رہو۔ (المائدۃ: ۹۶)

۵۔ تاکہ اپنے فائدے کے کاموں کے لیے حاضر ہوں اور قربانی کے ایام میں چہار پایان مویشی، جو اللہ نے ان کو دیئے ہیں۔ ان پر اللہ کا نام لیں۔ اس میں تم بھی کھاؤ اور فقیر درماندہ کو بھی کھلاؤ پھر چاہیے کہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں اور نذریں پوری کریں اور بیت اللہ کا طواف کریں۔ (الحج: ۲۸، ۲۹)

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ

حج کے مہینے معلوم (مقرر) ہیں پس جس نے ارادہ کیا ان میں حج تو نہ شہوت کی باتیں

وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ

اور نہ گناہ اور نہ جھگڑا میں حج اور جو تم کرو گے سے نیکی وہ اسے جانتا ہے

اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

اللہ اور تم زادِراہ لو پس بیشک بہتر زادِراہ تقویٰ اور مجھ سے ڈرو اے عقل والو

”حج کے مہینے متعین ہیں۔ اس لیے جو شخص ان میں حج کرے وہ نہ بے ہودہ باتیں کرے، نہ گناہ کرے اور نہ لڑائی جھگڑا کرے۔ تم جو نیکی کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو سب سے بہتر زادِراہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ ہے۔ اے عقل مندو! مجھ سے ڈرتے رہو۔“ (۱۹۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے حج کے مہینے ایک ہی چلے آرہے تھے۔ جنہیں ہر دور کے ہزاروں، لاکھوں اور ان کی وساطت سے نسل در نسل کروڑوں لوگ جانتے ہیں۔ اتنی عظیم الشان اور مسلسل ہونے والی عبادت کے مہینے بتلانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ البتہ حدیث میں ان کی وضاحت موجود ہے۔ یہ ایام یکم شوال، ذی القعدہ اور ذی الحجہ کی دس تاریخ تک ہیں۔

«قَالَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَشْهُرُ الْحَجِّ شَوَّالٌ وَذُو الْقَعْدَةِ وَعَشْرٌ مِنْ ذِي الْحَجَّةِ»

(رواه البخاري: كتاب الحج، باب قول الله تعالى الحج أشهر معلومات)

”عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حج کے مہینے شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔“

اس حدیث میں 10 ذی الحجہ ایام حج قرار دیے گئے۔ اس کا معنٰی یہ ہے کہ حج 10 ذوالحجہ کے بعد نہیں ہو سکتا۔ حج کرنے والا انہی ایام میں احرام باندھے گا۔ اگر اس سے پہلے وہ حج کا سفر کرے تو احرام نہیں باندھ سکتا۔ البتہ دور دراز علاقے کے رہنے والے لوگ ذرائع آمد و رفت سست رفتار یا کم ہونے کی بنا پر حج کے لیے پہلے بھی سفر کا آغاز کر سکتے ہیں۔ جس طرح آج سے اسّی سال پہلے لوگ پیدل حج کے لیے جایا کرتے تھے۔ طوالتِ سفر کی وجہ سے وہ شوال سے پہلے ہی اپنے سفر کا آغاز کرتے اس طرح حج کے لیے چھ سے آٹھ ماہ لگ جاتے۔ ایسے حالات میں حج کے مہینوں سے پہلے سفر شروع کیا جا سکتا ہے۔ تاہم ہر شخص احرام یکم شوال سے باندھے گا اور میقات پر پہنچ کر احرام کی پابندیاں شروع ہوں گی۔ عمرہ کے لیے کوئی دن اور مہینہ مقرر نہیں۔ آدمی جب چاہے عمرہ کر سکتا ہے۔ یہاں حج کی فرضیت سے مراد اس کی ادائیگی ہے کیونکہ مفسرین کا اتفاق ہے کہ حج تین ہجری آلِ عمران کی آیت 97 کے نزول کے وقت فرض ہوا تھا۔ جب کہ یہ آیات چھ ہجری صلح حدیبیہ کے موقع پر

نازل ہوئیں۔ اس فرمان میں حج کے آداب بتائے جا رہے ہیں کہ حج میں تین کاموں سے سختی کے ساتھ پرہیز کیا جائے۔ اس موقع پر اجتناب اور احتیاط کے باوجود مرد وزن کا ایک ہی وقت اور ایک ہی مقام پر مناسکِ حج ادا کرنے سے لامحالہ کچھ نہ کچھ اختلاط پیدا ہو سکتا ہے۔ مختلف ممالک کے مختلف مزاج لوگوں کا جذبۂ شوق کے عالم میں اکٹھا ہو کر نیکی اور خیر کے کام میں ایک دوسرے سے مسابقت کرنے کی وجہ سے مزاج میں تیزی اور مستعدی پیدا ہونا فطری بات ہے جس کی وجہ سے باہم تصادم کے خطرہ کا امکان ہو سکتا ہے۔ اس لیے خصوصی طور پر حکم صادر فرمایا کہ اللہ کے حضور حج کے احکام بجالاتے ہوئے، شہوانی باتیں اور حرکات فسق و فجور اور جنگ وجدال سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ اللہ! اللہ! مسلمانوں کی اطاعت شعاری ملاحظہ فرمائیں کہ صدیوں سے یہ اجتماع منعقد ہو رہا ہے۔ جس میں بوڑھے، جوان، شاہ و گدا، کالے، گورے اور مرد وزن موجود ہوتے ہیں۔ سفر کی صعوبتوں اور دیگر مشکلات کے باوجود مسلمان ایسی سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ فریضۂ حج ادا کرتے ہیں کہ غیر مسلم دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔

یہاں یہ بھی حکم ہوا ہے کہ حج کے دوران زادِ راہ لے لیا کرو۔ کیونکہ کچھ لوگ خاص کر یمن کے رہنے والے اس غرض سے سفر کا خرچ نہیں لیتے تھے کہ ہم ''اللہ'' کے گھر میں حاضری دینے جا رہے ہیں وہی ہمارے لیے اسباب مہیا کرے گا، ہمیں وسائل لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ وسائل لینا توکل اور تقویٰ کے خلاف ہے۔ اس پر حکم ہوا کہ ادھر اُدھر سے مانگنے اور جھانکنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ وسائل بروئے کار لاؤ۔ دوسرے کی طرف جھانکنے سے بہتر ہے کہ زادِ راہ ساتھ لیا جائے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے پرہیز کرنا اور گناہوں سے بچنا ہی تقویٰ ہے۔ یہی عقل مندی کا تقاضا اور صاحبِ دانش لوگوں کا وطیرہ ہونا چاہیے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ!

«أَعْقِلُهَا وَأَتَوَكَّلُ أَوْ أُطْلِقُهَا وَأَتَوَكَّلُ قَالَ اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ» (رواہ الترمذی: کتاب صفة القیامة والرقائق [حسن])

''میں اونٹ کو باندھ کر توکل کروں یا اسے چھوڑ دوں اور توکل کروں آپ ﷺ نے فرمایا: اونٹ کو باندھو اور توکل کرو۔''

مسائل

۱۔ شوال، ذی قعدہ، اور دس ذی الحجہ تک حج کے مہینے اور ایام ہیں۔
۲۔ حج میں شہوانی باتیں، فسق و فجور اور لوگوں سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے۔
۳۔ حج کے لیے زادِ راہ لینا ضروری ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا دانشمندی ہے۔

تفسیر بالقرآن

تقویٰ اور اس کے فائدے:

۱۔ متقین کے لیے کامیابی ہے۔ (الانبیاء: ۳۱ تا ۳۳) (یونس: ۲۶۔ ۲۷)
۲۔ متقین کا بہتر انجام ہے۔ (ہود: ۴۹) ۳۔ متقین کے لیے جنّت ہے۔ (الحجر: ۴۵) (القلم: ۳۴) (الطلاق: ۴ تا ۵)
۴۔ اللہ تعالیٰ نے متقین کے ساتھ جنّت کا وعدہ فرمایا ہے اور کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔ (الرعد: ۳۵)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ

نہیں تم پر کوئی گناہ یہ کہ تم تلاش کرو فضل سے اپنا رب پھر جب

اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ

تم لوٹو سے عرفات تو یاد کرو اللہ نزدیک مشعرِ حرام اور تم اسے یاد کرو

كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

جیسے اس نے تمہیں ہدایت دی اور بیشک تھے تم سے اس سے پہلے البتہ سے گمراہ (جمع)

”تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعرِ حرام کے پاس ذکرِ الٰہی کرو اور اللہ کا ذکر اس طرح کرو جس طرح اس نے تمہاری راہنمائی فرمائی ہے اور بے شک تم اس سے پہلے بھٹکے ہوئے تھے۔“ (۱۹۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حج کے مناسک کا بیان جاری ہے۔

اسلام کے ورودِ مسعود سے پہلے لوگوں نے حج جیسے باوقار اور عبادات کے مجموعہ کو ایک میلہ اور تجارتی منڈی میں تبدیل کر دیا تھا۔ لیکن جب یہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو ان کی سوچ کے زاویے یکسر تبدیل ہو گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سب کچھ اپنے رب کی رضا کے لیے قربان کر دیا تھا۔ لہٰذا اب وہ حج کی ادائیگی کے دوران تجارت کرنے کے بارے میں کس طرح سوچ سکتے تھے؟ وہ یہاں تک محتاط ہوئے کہ ایک مزدوری کرنے والا صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور یہ سوال کیا کہ ہمارا پہلے سے یہ پیشہ ہے کہ ہم اونٹوں کے ذریعے سواری اور بار برداری کا کام کرتے ہیں کچھ لوگ ہمارے اونٹ حج کے لیے کرایہ پر لے جاتے ہیں ہم ان کے ساتھ جاتے ہیں اور حج کرتے ہیں کیا ہمارا حج ہوگا؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، اور اس نے آپ سے یہی سوال کیا تھا جو تم مجھ سے کر رہے ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس وقت کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: {لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ} اس وقت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلوایا اور فرمایا کہ ہاں تمہارا حج صحیح ہے۔ (رواہ احمد: مسند عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما [صحیح])

اسی طرح حج سے فراغت کے بعد آپس میں لین دین اور تجارت کر لی جائے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ بلکہ رزقِ حلال کا حصول اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جسے حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہو۔ جب تم عرفات سے مشعرِ حرام کی طرف پلٹو۔ تو تمہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کی توفیق اور رہنمائی سے تم اس کے گھر کے مہمان بنے اور ہدایت پائے اس رہنمائی سے پہلے تم گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹک رہے تھے۔ لہٰذا رب کی راہنمائی کے مطابق اس کا شکر یہ ادا کرتے رہو۔ یاد رہے کہ مشعرِ حرام مزدلفہ میں ایک پہاڑی ہے جسے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا گیا ہے۔

مزدلفہ میں قیام کا طریقہ

عرفات میں غروبِ آفتاب کے فوراً بعد نمازِ مغرب ادا کیے بغیر مزدلفہ روانہ ہونے کا حکم ہے۔ چنانچہ بے بس و بے خانماں قافلہ رات کے اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتا ہوا مزدلفہ کی سنگلاخ زمین پر آن پہنچا ہے۔ جسم تھکن سے چور، طبیعت نڈھال، نیند کا غلبہ اور آرام کی حاجت کے باوجود لوگ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تاکہ نمازِ مغرب وعشاء کی نماز ادا کرتے ہوئے اللہ کے حضور سرافگندگی کا اظہار کیا جائے۔ اس کے بعد آرام اور قیام کی ضرورت تھی جس بنا پر نبی محترم ﷺ نے اپنی امت پر شفقت و مہربانی کرتے ہوئے نہ خود اس رات تہجد پڑھی اور نہ ہی لوگوں کو تلقین فرمائی تاکہ سفر کی صعوبتوں اور تھکاوٹوں کی بنا پر لوگوں کو آرام کا موقع میسر آجائے۔ اور ۱۰ ذوالحجہ کے لیے تازہ دم ہو جائیں کیونکہ ۱۰ ذوالحجہ کا دن مناسک حج کے اعتبار سے بہت مشکل ترین دن ہے۔ اس دن حج کرنے والے چار کام کرتے ہوتے ہیں۔ ① قربانی ② سر منڈوانا ③ ۔طواف افاضہ کرنا اور منیٰ واپس آنا۔

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما يَقُوْلُ أَنَا مِمَّنْ قَدَّمَ النَّبِيُّ ﷺ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ فِيْ ضَعْفَةِ أَهْلِهِ»

(رواه البخاري: كتاب الحج، باب من قدم ضعفة أهله بليل الخ)

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں تھا جن کو رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ کی رات اپنے گھر والوں کے ساتھ پہلے روانہ کر دیا تھا۔“

«عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَفَاضَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَعَلَيْهِ السَّكِيْنَةُ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَرْمُوْا بِمِثْلِ حَصَي الْخَذْفِ وَأَوْضَعَ فِيْ وَادِيْ مُحَسِّرٍ» (رواه أبو داؤد: باب التعجيل من جمع [صحيح])

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ مزدلفہ سے واپس پلٹے تو آپ پر سکینت طاری تھی اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ چنے کے برابر کنکریاں ماریں اور آپ وادیٔ محسّر سے تیزی کے ساتھ گزرے۔“

کیونکہ یہاں ابرہہ کے لشکر کو ابابیل کے ذریعے تہس نہس کر دیا گیا تھا۔ جو یمن کا حکمران تھا اور اس نے بیت اللہ کے مقابلے میں ایک گھر تعمیر کیا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ بیت اللہ کی بجائے اس کے بنائے ہوئے گھر کا طواف اور زیارت کیا کریں۔ جب لوگوں نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو اس نے حسد میں آکر بیت اللہ کو شہید کرنے کے لیے لشکر کشی کی جب لشکر ہاتھیوں پر سوار مزدلفہ کے قریب وادی محسّر میں پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے ابابیل کے جھنڈ بھیج کر انہیں کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیا اور یہ پرندے اپنی چونچ اور پروں میں کنکریاں اٹھا اٹھا کر ان کے اوپر پھینکتے تھے جس کا تذکرہ سورۃ الفیل میں کیا گیا ہے۔

مسائل

۱۔ حج میں لین دین اور تجارت کی جاسکتی ہے۔ ۲۔ مشعر الحرام مزدلفہ میں ایک پہاڑی کا نام ہے۔

۳۔ مزدلفہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بغیر آدمی گمراہ ہوتا ہے۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ

پھر | تم لوٹو | سے | جہاں | لوٹیں | لوگ | اور بخشش مانگو | اللہ

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

بیشک | اللہ | بہت زیادہ بخشنے والا | نہایت رحم کرنے والا

”پھر تم اس جگہ سے لوٹو جہاں سے سب لوگ لوٹتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا، مہربان ہے۔“ (۱۹۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حج کے مناسک میں قریش کے خودساختہ امتیاز اور بدعت کے خاتمہ کا اعلان۔

یہاں لوٹنے سے مراد عرفات پہنچ کر مزدلفہ واپس آنا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق حج کرنے والے نسل در نسل نو ذوالحجہ کو منٰی سے عرفات جاتے اور عرفات سے واپس مزدلفہ ٹھہرتے۔ مگر قریش نے اپنے مذہبی تقدس اور قومی تفاخر کے باعث یہ عقیدہ بنایا اور لوگوں میں پھیلایا تھا کہ ہم بیت اللہ کے متولّی اور مجاور ہیں اس لیے ہمارا مقام لوگوں سے ممتاز ہے لہٰذا ہمیں حدودِ حرم سے باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ یاد رہے کہ عرفات حدودِ حرم سے باہر ہے۔ وہ مزدلفہ ہی میں قیام کرتے جب کہ لوگ عرفات سے ہو کر مزدلفہ آتے تھے۔ قریش کی دیکھا دیکھی ان کے حلیف قبائل نے بھی اپنے لیے یہ امتیاز قائم کر لیا۔ اس خودساختہ تقدس کی نفی اور رسم کے خاتمہ کے لیے یہ حکم نازل ہوا کہ ہر کسی کے لیے عرفات جانا لازم اور حج کا حصہ ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کو حج کا رکنِ اعظم قرار دیا ہے۔ جو شخص دسویں ذوالحجہ کی صبح تک بھی عرفات نہیں پہنچ سکا باقی مناسک ادا کرنے کے باوجود اس کا حج ادا نہیں ہوگا اس لیے اُسے دوبارہ حج کرنا پڑے گا۔

(رواه أبو داؤد: کتاب المناسک، باب من لم يدرک عرفة [صحيح])

عرفات میں سمع واطاعت کا نقطۂ عروج

عرفات میں حاضری حج کا رکنِ اعظم ہونے کے باوجود حکم یہ ہے کہ یہاں غروبِ آفتاب کے فوراً بعد نمازِ مغرب ادا کیے بغیر مزدلفہ روانہ ہوا جائے۔ مسلمان کی سمع واطاعت کا اندازہ کیجیے کہ وہ مومن جو نماز کے وقت کا انتظار کیا کرتا تھا اور نماز کا وقت ہوتے ہی ہر تعلق سے لاتعلق ہو کر اس کے قدم مسجد کی طرف اٹھ جایا کرتے تھے وہ نماز جس کی پابندیٔ وقت کا حکم ہے:

{ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ } (النساء: ۱۰۳)

”مومنوں کے لیے نماز کے اوقات مقرر کر دیے گئے ہیں۔“

لیکن مغرب کا وقت ہونے کے باوجود حکم ہوا ہے کہ یہاں نماز پڑھنے کی بجائے یونہی آگے چل دیجیے اور مزدلفہ میں دونوں نمازیں ادا کریں۔ ایک لمحہ ٹھہر کے ذرا سوچیے! کہ بندہ اپنے رب کے حکم کے سامنے کس طرح بے اختیار اور بے بس

ہے؟ کہ پہلے بیماری یا کسی مجبوری کے بغیر اس نے ظہر اور عصر جمع کی اور اب یہاں مغرب کی نماز پڑھنا تو درکنار یہاں ٹھہرنے کی بھی اجازت نہیں۔ عرفات وہی مقامِ مقدس ہے کہ جہاں رسولِ اکرم ﷺ نے انسانیت کو دونوں جہاں کی کامیابی کی گارنٹی دیتے ہوئے ایک عالمگیر چارٹر سے متعارف کروایا تھا۔ جس کے چند نکات یہ ہیں:

① ۔ جب تک قرآن وسنت کو تھامے رکھو گے دنیا کی کوئی سازش اور طاقت تمہیں گمراہ نہیں کر سکے گی۔

② ۔ میں آج کے بعد ہر قسم کی عصبیتوں کو اپنے پاؤں تلے روندتا ہوں۔

③ ۔ معاشی استحصال کو ختم کرتے ہوئے ہمیشہ کے لیے سود کو حرام قرار دیا اور فرمایا کہ سب سے پہلے میں اپنے چچا کا سود معاف کرتا ہوں۔ وہ اس کے بعد اصل رقم کے بغیر کسی سے ایک دمڑی بھی وصول نہیں کر سکتے۔

④ ۔ سابقہ تمام قتل وغارت معاف ہے اور سب سے پہلے اپنے قبیلے کا قتل معاف کرتا ہوں۔

⑤ ۔ سب انسان برابر ہیں مگر تقویٰ وکردار کے لحاظ سے فرق برقرار رہے گا۔ اللہ کی قربتیں اسی کو حاصل ہوں گی جو اس کا تقویٰ اختیار کرے گا۔

مسائل

۱۔ اہل حرم اور سب کو عرفات پہنچنا لازم ہے۔ ۲۔ مناسکِ حج اخلاص اور سنت کے مطابق ادا کرنے چاہییں۔

۳۔ مانگ کر حج کرنا جائز نہیں۔ ۴۔ حج میں تجارت کی جا سکتی ہے۔

۵۔ اللہ سے معافی مانگنی چاہیے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا نہایت رحیم ہے۔

حج کا مختصر طریقہ

میقات:

نبی اکرم ﷺ نے مکہ کے چاروں جانب سمندر میں میقات مقرر فرمائے ہیں:

۱۔ **یلملم** (سعدیہ) یہ مکہ سے ۴۵ کلومیٹر کے فاصلے پر جنوبی ایشیاء کے ممالک: پاکستان، افغانستان، بھارت، بنگلہ دیش اور چین وغیرہ کا میقات ہے۔

۲۔ **قرنِ منازل**: مکہ سے عرفات کی طرف ۹۴ کلومیٹر پر اہل نجد اور دوسرے ممالک کے لیے ہے۔

۳۔ **جحفه**: مکہ سے شمال مغرب کی طرف ۱۸۷ کلومیٹر کے فاصلے پر شام اور مصر وغیرہ کے لیے ہے۔

۴۔ **ذوالحلیفه**: مکہ معظمہ سے مدینہ کی طرف ۴۵۰ کلومیٹر پر ہے۔ یہ اہل مدینہ کے اس جانب رہنے والے لوگوں کا میقات ہے۔

۵۔ **ذاتِ عرق**: مکہ سے شمال مشرق کی طرف ۹۴ کلومیٹر دور ہے اسے ایران، عراق اور شمال مشرق کے ممالک

کے لیے مقرر فرمایا ہے۔

احرام باندھنے کا طریقہ

حج یا عمرہ کرنے والے کو میقات پر پہنچ کر احرام باندھنا چاہیے۔ لیکن پاکستان کا میقات یلملم سمندر میں ہے۔ ہوائی جہاز میں احرام باندھنے میں دقّت پیش آتی ہے۔ اس لیے اپنے گھر یا ایئرپورٹ سے احرام باندھ لیا جائے۔ اور احرام کی پابندیاں اور تلبیہ میقات پر پہنچ کر شروع کرنا ہوگا۔ احرام سے پہلے ضرورت ہو تو حجامت کروائے ورنہ غسل کے بعد خوشبو لگا کر احرام باندھنا چاہیے احرام کے دو نفل رسولِ کریم ﷺ سے ثابت نہیں کیونکہ جب آپ نے احرام باندھا تھا تو فرض نماز کا وقت تھا۔ اس لیے آپ نے مدینہ سے باہر میقات پر احرام کے بعد دو فرض ادا کیے تھے۔ تاہم احرام کے بعد اکثر علماء دو نفل جائز سمجھتے ہیں۔ آدمی دو سفید چادروں میں احرام باندھے ایک تہبند اور دوسری کو سر ننگا رکھتے ہوئے اوپر لے۔ دایاں کندھا صرف پہلے طواف کے پہلے تین چکروں میں ننگا رکھنا ہے۔ یہ پہلا طواف عمرہ کا ہو یا حج کا اس سے پہلے یا بعد میں کندھا ننگا رکھنا جائز نہیں۔ کچھ علماء نے جدہ میں پہنچ کر احرام باندھنے کی اجازت دی ہے جس کا حدیث میں کوئی ثبوت نہیں۔

عورت کا احرام اور مخصوص ایام

عورت اپنے روایتی لباس میں ہی احرام کی نیت کرے گی تاہم اس کے ہاتھ اور چہرہ ننگا ہونا چاہیے۔ مرد ہو یا عورت اسے ایسا جوتا پہننا چاہیے جو ٹخنوں سے نیچے ہو۔ عورت کو غیر محرم کے سامنے آنے پر چہرہ ڈھانپنا چاہیے۔ لیکن نقاب چہرے سے ہٹا ہونا چاہیے۔ اگر عورت کو مخصوص حالت پیش آ جائے تو احرام باندھ کر نماز پڑھے بغیر حج کے مناسک ادا کرے۔ اگر یہی حالت رہے تو بیت اللہ کا طواف بھی بعد میں کرنا ہوگا۔ بعض ملکوں میں قومی شناخت کے طور پر عورت کو خصوصی احرام کا پابند کیا گیا ہے یہ پابندی شریعت میں موجود نہیں۔

احرام میں جائز اور ناجائز کام

✷۔ احرام سے پہلے غسل اور خوشبو لگانا سنت ہے۔ ✷۔ احرام باندھ لینے کے بعد خوشبو لگانا جائز نہیں۔ ✷۔ مرد کا احرام دو سفید چادریں ہیں۔ ✷۔ عورت جس رنگ کا چاہے لباس پہن سکتی ہے مگر شوخ نہ ہو۔ ✷۔ مرد کا سر، چہرہ، ہاتھ اور پاؤں ننگے ہونے چاہئیں۔ ✷۔ عورت غیر محرم کے سامنے آنے پر چہرہ ڈھانپے گی۔ ✷۔ احرام میں چپل پہننے کا رواج پڑ گیا ہے ورنہ ایسا جوتا پہنا جا سکتا ہے جو ٹخنوں سے نیچے ہو۔ ✷۔ احرام میں نہانا، احرام بدلنا یا دھونا جسم یا سر کو کھجلانا بالکل جائز ہے۔ ✷۔ احرام کی حالت میں مرد کو نفل یا فرض نماز میں سر ڈھانپنے پر دم دینا پڑے گا۔ ✷۔ جان بوجھ کر مکھی، چیونٹی حتیٰ کہ جوئیں تک مارنا ناجائز ہے۔ ایسے ہی مباشرت اور نکاح کرنا جائز نہیں۔ ✷۔ البتہ سانپ اور بچھو مارا جا سکتا ہے۔ ✷۔ احرام میں چھتری استعمال کی جا سکتی ہے۔

اقسامِ حج

۱۔حجِ اَفراد:

صرف حج کی نیت سے احرام باندھا جائے جس میں عمرہ شامل نہ ہو۔

۲۔حجِ قِران:

جس میں یہ نیت ہو کہ حج اور عمرہ اکٹھے ادا کیے جائیں گے۔ یہ شخص عمرہ مکمل ہونے کے باوجود احرام نہیں اتار سکتا اسے عمرے والے احرام کے ساتھ ہی حج کرنا ہوگا۔ چاہے حج اور عمرے کے درمیان کتنے ہی دن کیوں نہ ہوں۔

۳۔حجِ تَمَتُّع:

تمتع کا معنٰی ہے فائدہ اٹھانا۔ اس میں حج اور عمرہ اکٹھے کیے جاتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ احرام باندھنے کے مقام (میقات) پر پہنچ کر یہ نیت کی جائے کہ میں صرف عمرہ کا احرام باندھ رہا ہوں۔ عمرہ کرنے کے بعد احرام کھول دوں گا۔ اب یہ شخص آٹھ ذوالحجہ کو دوبارہ مکہ میں جہاں رہ رہا ہے۔ وہاں سے ہی حج کے لیے احرام باندھے گا اسے میقات پر جانے کی ضرورت نہیں۔ حج تمتع اہل حرم کے لیے جائز نہیں۔

حج ایک نظر میں

۱۔ میقات پر احرام باندھنا اور تلبیہ کہنا۔

۲۔ ۸ ذوالحجہ کو منٰی پہنچنا۔

۳۔ ۹ ذوالحجہ کو عرفات میں قیام کرنا۔ اور ظہر، عصر اکٹھی پڑھنا اور قصر کرنا۔

۴۔ مغرب وعشاء مزدلفہ میں جمع کرنا اور قصر پڑھنا، رات گزارنا اور ۱۰ ذوالحجہ کی صبح طلوع آفتاب کے قریب منٰی روانہ ہونا۔

۵۔ ۱۰ ذوالحجہ کو کنکریاں مارنا قربانی کرنا، حجامت کروانا اور بیت اللہ کا طواف کر کے واپس منٰی پہنچنا۔

۶۔ ایّامِ تشریق میں کنکریاں مارنا۔ ۷۔ ایامِ تشریق کے دو یا تینوں دن منٰی میں گزارنا۔

مذکورہ ۱۰ ذوالحجہ کے مناسک کی ادائیگی میں تقدیم وتاخیر ہو جائے تو کوئی گناہ نہیں۔

❀❀❀

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ

پھر جب تم ادا کر چکو اپنے حج کے ارکان تو تم یاد کرو اللہ جیسی تمہاری یاد اپنے باپ دادا یا

اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا

اس سے بھی زیادہ یاد کرنا پس سے لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب دے ہمیں میں دنیا

وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝۲۰۰ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ

اور نہیں اس کے لیے میں آخرت سے حصہ اور ان سے جو کہتا ہے ہمارے رب

اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۲۰۱

دے ہمیں میں دنیا بھلائی اور میں آخرت بھلائی اور ہمیں بچا عذاب آگ (دوزخ)

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۲۰۲

یہی لوگ ان کے لیے حصہ اس سے جو انہوں نے کمایا اور اللہ جلدی کرنے والا حساب

"پھر جب تم ارکانِ حج ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادا کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ (۲۰۰) اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچائے رکھ۔ (۲۰۱) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔" (۲۰۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حج کو عام اجتماع اور میلہ کا رنگ دینے کی بجائے اس میں عبادت اور ذکر واذکار کا ماحول ہونا چاہیے۔

کفار اور مشرکین نے حج کے مقدس اجتماع کو دنیا کے فائدے اور خود غرضی کا ذریعہ بنا لیا تھا۔ یہاں تک کہ دعا کرتے ہوئے رب کے حضور دنیا ہی کے طلبگار ہوتے تھے۔ گویا کہ دین اور عبادت بھی ان کی نظروں میں دنیا ہی کے لیے تھی۔ جیسے آج کل بعض لوگ کسی کو کھانا کھلائیں تو فقط دعا اور نمائش کی خاطر، مسجد میں اعتکاف کریں تو صرف دنیا کے مصائب سے چھٹکارا پانے کے لیے، مساجد و مدارس کے ساتھ تعاون کرتے ہیں تو نمائش اور شہرت کے لیے، حج دنیاوی مشکلات سے نجات پانے اور دولت کی نمائش کے لیے کرتے ہیں۔ ایسے لوگ جب مصائب سے نجات پاتے ہیں تو نہ وہ زہد وتقویٰ رہتا ہے اور نہ ہی علماء کا احترام واکرام بلکہ نماز اور روزے سے بھی غافل ہو جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں سورۂ حج آیت ۱۱ میں فرمایا گیا ہے کہ کچھ لوگ تو بس کنارے پر بیٹھ کر ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اگر انہیں فائدہ پہنچے تو مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اگر آزمائش میں مبتلا ہوں تو پیٹھ پھیر جاتے ہیں۔ ان کو دنیا اور آخرت میں بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ یہاں بنیادی طور پر دو قسم کی

سوچ بیان کی جارہی ہے ایک ان لوگوں کی جن کے صبح وشام اور لیل ونہار دنیا ہی کے حصول کے لیے وقف ہیں۔ دنیا کے علاوہ ان کے احاطۂ خیال میں کوئی چیز نہیں آتی۔ انہیں دنیا تو اپنے حصہ کے مطابق مل جائے گی مگر آخرت میں وہ یکسر طور پر تہی دامن ہوں گے۔ کیونکہ انہوں نے آخرت کے لیے کچھ نہیں کیا ہوگا اور نہ ہی وہ آخرت کے طلب گار تھے۔ ان کے مقابلے میں ان لوگوں کی تعریف کی جارہی ہے جو دنیا میں رہ کر آخرت پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ مومن اور دنیا دار کی سوچ کا فرق سمجھنے کے لیے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے فرمان سے بہتر کسی امتی کا اس بات کے حوالے سے ارشاد نہیں ہوسکتا:

«إِحْرِزْ لِدُنْيَاكَ كَأَنَّكَ تَعِيْشُ أَبَدًا وَاعْمَلْ لِآخِرَتِكَ كَأَنَّكَ تَمُوْتُ غَدًا» (مسند الحارث زوائد الهيثمي: باب كيف العمل للدنيا والآخرة [صحيح])

''دنیا اس طرح کماؤ گویا تو نے دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے اور آخرت کے لیے ایسے اعمال کرو جیسے تو نے کل فوت ہوجانا ہے۔''

یہی فرق ہے ایک کافر اور دنیا دار مومن کی جدوجہد کے درمیان۔ کیونکہ بے شمار کام ایسے ہیں جو کافر اور مومن کو فطری طور پر ایک جیسے کرنے پڑتے ہیں۔ جن کو سمجھنے کے لیے معمولی درجے کی چند مثالیں ذہن میں تازہ فرمائیں۔ کافر بھی کھانا کھاتا ہے اور مومن بھی کھانے کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دنیا دار بھی کپڑے پہنتا ہے اور مسلمان کا بھی لباس کے بغیر گزارہ نہیں۔ ایمان سے تہی دامن انسان بھی سوتا ہے جب کہ ایمان دار کو بھی نیند پوری کرنا ہوتی ہے۔ لیکن ان کے کرنے کے انداز اور ان کے پیچھے کارفرما جذبات کا زمین وآسمان سے زیادہ فرق ہے۔ مومن کا سونا بھی عبادت ہے جب کہ کافر کی عبادت بھی خدا کے ہاں عبادت کا درجہ نہیں رکھتی۔ کیونکہ اس کے پیچھے نہ ایمان ہوتا ہے اور نہ کرنے کا انداز سنتِ نبوی کے مطابق ہے۔ یہاں دونوں قسم کے لوگوں کو بتلایا گیا ہے کہ جو کمائے گا وہی پائے گا۔ اللہ تعالیٰ عنقریب ایک ایک لمحہ کا حساب لے گا۔ لہٰذا دعا کی صورت میں یہ فکر دی جارہی ہے کہ کامل اور بہتر سوچ یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کو سنوارنے کے لیے نہ صرف بیک وقت بھرپور کوشش کی جائے بلکہ رب کے حضور دعا بھی ہونی چاہیے کہ ''اے ہمارے رب! ہماری دنیا بھی بہتر فرما اور آخرت بھی اور ہمیں جہنم کی ہولناکیوں سے محفوظ فرما۔'' رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا مانگتے اور طواف کے دوران رکنِ یمانی سے لے کر حجرِ اسود تک اس دعا کا التزام کرتے تھے۔ (رواہ البخاری، کتاب الحج)

مسائل

١۔ مناسکِ حج پورے کرنے کے بعد منیٰ میں اللہ کا ذکر کثرت سے کرنا چاہیے۔

٢۔ دنیا دار لوگ آخرت کی بجائے صرف دنیا ہی کے طلب گار رہتے ہیں۔

٣۔ صرف دنیا کے طلب کرنے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

٤۔ اللہ تعالیٰ سے دنیا وآخرت دونوں کی بھلائی طلب کرنا چاہیے۔

٥۔ ہمیشہ جہنم کے عذاب سے پناہ مانگنا چاہیے۔ ٦۔ اللہ سے بڑھ کر کوئی جلد حساب لینے والا نہیں۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ

اورتم یادکرو | اللہ | میں | دن (جمع) | گنتی کیے ہوئے | پھر جس نے | جلدی کی | میں

يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ

دودن | تونہیں | گناہ | اس پر | اورجو | اس نے تاخیر کی | تونہیں | گناہ | اس پر

لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اسکے لیے جو | ڈرا | اورتم ڈرو | اللہ | اورجان لو | بیشک تم | اس کی طرف | تم جمع کیے جاؤ گے

''اوراللہ تعالیٰ کوگنتی کے ایام تشریق میں یادکرو۔جوجلدی کرے دودن میں اس پرکوئی گناہ نہیں اور جو پیچھے رہ جائے اس ڈرنے والے پربھی کوئی گناہ نہیں۔اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہواور جان رکھو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔''(۲۰۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

کفار نے منیٰ کوتفریح کا میدان اوراس کے اجتماع کوایک اجتماع عام کارنگ دے کر تفاخر کاذریعہ بنالیا تھا۔شاعر اپنا اپنا کلام پیش کرتے جس میں عشق وعاشقی کی داستانیں اوراپنے آباءواجداد کے کارناموں کواس طرح بڑھا چڑھا کر بیان کرتے جس میں دوسرے قبائل کی توہین پائی جاتی۔بسااوقات لوگوں میں تصادم کی صورت پیدا ہوجاتی۔اللہ تعالیٰ نے چند دن کالفظ استعمال فرما کر یہ احساس دلایا ہے کہ ان قیمتی ایام میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے تھا۔تم نے انہیں بھی فخر وغرور کاذریعہ بنالیا ہے۔حالانکہ تمہیں اپنے رب کاشکرگزاراوراسے کثرت کے ساتھ یاد کرنا چاہیے۔جس کی توفیق سے تمہیں حج کی سعادت اوراس کے گھر کی حاضری کاشرف نصیب ہوا۔یہاں اس فکری اختلاف کوبھی ختم کردیا گیا ہے جومنیٰ میں قیام کے بارے میں پایا جاتا تھا۔کچھ لوگ دو کی بجائے تین دن ٹھہرنا ضروری سمجھتے تھے اوروہ منیٰ میں دودن قیام کرنے والوں سے مجادلہ اورتکرار کرتے کہ ہم تم سے بہتر ہیں۔اس طرح دویوم قیام کرنے والے تین دن ٹھہرنے کو بُرا سمجھتے۔یہاں یہ اختیار دیا جارہا ہے کہ تم چاہو توتین دن ٹھہرو نہیں تو دودن۔دونوں میں سے کوئی ایک مدت ٹھہرنے والوں پرکوئی گناہ نہیں۔یہ اجرتو اس شخص کے لیے ہے جوفخر وغروراوردنیاوی رسومات سے پرہیز کرتا ہے اوراس کے دل میں اللہ تعالیٰ کاخوف پایا جاتا ہے۔یادرکھو جس طرح تم یہاں اکٹھے ہوئے ہوایک دن ایسا بھی آنے والا ہے جب تمام کے تمام رب کبریا کی عدالت میں دست بستہ جمع کیے جاؤ گے۔وہاں تقویٰ اوررب کی یاد ہی کام آئے گی۔ایام تشریق کے بارہ میں دو اقوال ہیں۔① لوگ قربانیوں کاگوشت ان دنوں کی دھوپ میں خشک کیا کرتے تھے۔② قربانی کے دن کی نماز کی وجہ سے ان کوایامِ تشریق کہا جاتا ہے اوریہ قربانی کے دن کے بعد آتے ہیں۔(تہذیب اللغۃ:باب القاف والشین)

مسائل

۱۔ ایام تشریق میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے۔ ۲۔منیٰ میں دویا تین دن ٹھہرنا چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے وہ سب کواکٹھا کرنے والا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ

اور جو لوگ جو تجھے تعجب میں ڈالتی ہے اس کی بات میں زندگی دنیا اور وہ گواہ بناتا ہے اللہ

عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ

پر جو میں اس کے دل حالانکہ وہ سخت جھگڑالو اور جب وہ پیٹھ پھیر کوشش کرتا میں زمین تاکہ فساد کرے

فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ

اس میں اور تباہ کرے کھیتی اور نسل اور اللہ ناپسند کرتا ہے فساد اور جب کہا جاتا ہے

لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ

اس کو تو ڈر اللہ آمادہ کرتا ہے تکبر گناہ پر تو کافی ہے اس کو جہنم اور یقیناً برا ٹھکانا اور کچھ

النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ ۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

لوگ جو بیچ ڈالتا ہے اپنی جان حاصل کرنے کیلئے رضامندی اللہ اور اللہ بہت زیادہ مہربان اپنے بندوں پر

”بعض لوگوں کی دنیاوی باتیں آپ کو خوش کر دیتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ بناتا ہے، حالانکہ دراصل وہ پرلے درجے کا جھگڑالو ہے۔(۲۰۴) اور جب اسے اقتدار ملتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے، کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔(۲۰۵) اور جب اسے اللہ سے ڈرنے کیلئے کہا جائے تو تکبر اور تعصب اسے گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے بس جہنم ہی کافی ہے اور یقیناً وہ بدترین جگہ ہے۔(۲۰۶) اور کچھ لوگ جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنی جان کھپا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے۔“(۲۰۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلے دو قسم کی سوچ اور فکر کے درمیان فرق بیان ہوا تھا اب مخلص اور غیر مخلص، مصلح اور فساد کرنے والے کے درمیان فرق بتلایا گیا ہے۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ کیونکہ جب تک انسان اللہ کی ذات اور اس کے احکام کو یاد نہیں کرتا وہ دنگہ فساد سے پرہیز نہیں کرتا۔

منیٰ میں قیام اور ایام تشریق کا مسئلہ بیان کرنے سے پہلے لوگوں کی دو قسم پر مبنی سوچ کا ذکر ہو رہا تھا۔ اب دو کرداروں کو بیان کیا جا رہا ہے، پہلا کردار دنیا پرست کا ہے جس کے قول و فعل میں اس قدر تضاد ہوتا ہے کہ اس کی زبان میٹھی ہے اور وہ اپنے کردار کی کھوٹ اور نیت کی چوری کو چھپانے کے لیے ہر بات پر اللہ تعالیٰ کے مقدس نام کو استعمال کرتا ہے۔ حالانکہ اس کا کسی سے الجھاؤ ہو جائے تو وہ پرلے درجے کا جھگڑالو ثابت ہوتا ہے اور جب بھی اسے وسائل اور کچھ اختیار حاصل ہوتا ہے تو اس کی پالیسیاں اور کردار لوگوں کے لیے تباہ کن اور آئندہ نسلوں کے لیے مہلک ثابت ہوتا ہے۔ اس شخص کو جب اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی غلطی کا احساس دلایا جائے تو اصلاح کی بجائے اسے اپنی توہین تصور کرتا ہے۔ ایسے شخص کے فکر و عمل میں خیر کی تبدیلی آنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔

یہ گناہ چھوڑنے اور اپنی اصلاح کرنے کی بجائے دنگا فساد کرنے پر اتر آتا ہے۔ اس کے جھوٹے وقار اور تکبر کے خاتمہ کے لیے جہنم کی سزا ہی ہوسکتی ہے۔ اس کا ٹھکانہ دنیا کے بجائے جہنم ہی ہونا چاہیے۔ جس میں اس کے فکر و عمل کی ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے گی۔ رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب فاسق وفاجر شخص دنیا سے کوچ کرتا ہے تو روئے زمین پر تمام مخلوق اس کے جانے پر خوشی کا اظہار کرتی ہے یہاں تک کہ زمین اسے دبوچ کر اپنا بوجھ ہلکا کرتی ہے۔ (رواہ البخاری: باب سکرات الموت)

مفسرین نے اس آیت کی تشریح میں اَخنس بن شریک منافق کے کردار کی نشاندہی کی ہے جو آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوتا تو چکنی چپڑی باتیں کرتے ہوئے اسلام کی تائید کرتا جب اپنے ساتھیوں میں جاتا تو آپ ﷺ اور اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے ہوئے دوسروں کو سازشوں کے لیے آمادہ کرتا تھا۔ اس کے برعکس ایک مومن کا کردار یہ ہوا کرتا ہے کہ وہ گفتار کی بجائے کردار کا غازی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہ صرف اپنی انا کی قربانی دیتا ہے بلکہ وقت آنے پر سب کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا کر اس کی رضا کا طالب ہوتا ہے۔

اس آیت کے شانِ نزول میں حضرت ابویحییٰ صہیب رومی رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ جب وہ مدینہ طیبہ کے لیے نکلے ابھی مکہ معظّمہ سے تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ کفار نے انہیں آگھیرا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میں تم سے بہتر تیر انداز ہوں اور میرا نشانہ کم ہی خطا ہوا کرتا ہے۔ اگر میری طرف بڑھو گے تو میں تمہیں ایک ایک کر کے نشانہ بناؤں گا۔ جب میرے ترکش سے تیر ختم ہو جائیں گے تو تلوار سے مقابلہ ہوگا۔ لہٰذا میرے راستے میں حائل ہونے کی کوشش نہ کرو۔ اگر تم مال لے کر میرا پیچھا چھوڑنا چاہو تو میرا اتنا سرمایہ میرے مکان کے فلاں کونے میں دفن ہے۔ تم جا کر اسے حاصل کر سکتے ہو۔ کفار خزانے کے لالچ میں واپس پلٹے اور جناب صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے مدینہ پہنچنے پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی جس میں ایثار و قربانی سے بھرپور کردار کی تعریف کے ساتھ یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے کردار کے لوگوں کے ساتھ نہایت ہی شفقت فرماتا ہے۔ (مسند الحارث: باب الھجرۃ الی المدینۃ [صحیح])

مسائل

۱۔ چکنی چپڑی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ۲۔ جھوٹی بات پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنانا بڑا گناہ ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ ۴۔ گناہ کو عزت کا باعث سمجھنا جہنم کو ٹھکانہ بنانا ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مال و جان قربان کر دینا چاہئے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ نہایت ہی مشفق و مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے:

۱۔ اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سب سے زیادہ مہربان ہے۔ (یوسف: ۹۲) (الکھف: ۵۸)
۲۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (البقرۃ: ۲۱۸) (المومنون: ۱۰۹)
۳۔ اللہ نیک لوگوں کو اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا یقیناً وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (التوبۃ: ۹۹)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا

اے لوگو | جو | ایمان لائے | داخل ہوجاؤ | میں | اسلام | پورے پورے | اورنہ تم | پیروی کرو

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ

قدم (جمع) | شیطان | بیشک وہ | تمہارا | دشمن | کھلا | پھر اگر | تم پھسل گئے | سے

بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾

بعد | جو | تمہارے پاس آئے | واضح احکام | تو جان لو | بے شک | اللہ | بڑا غالب | بہت حکمت والا

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ

کیا | وہ انتظار کرتے ہیں | سوائے | یہ کہ | آئے ان کے پاس | اللہ | میں | سائے | سے

ع ۲۵ ۱۴ ۹

الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ ع

بادل (جمع) | اور فرشتے | اور فیصلہ کردیا جائے | معاملہ | اور طرف | اللہ | لوٹائے جاتے ہیں | تمام معاملات

”اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (۲۰۸) اگر تم واضح دلائل آجانے کے باوجود پھسل جاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غالب، حکمت والا ہے۔ (۲۰۹) کیا لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس خود اللہ تعالیٰ اور فرشتے بادلوں کے سائے میں آئیں اور فیصلہ کردیا جائے اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں۔“ (۲۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقین اور سب لوگوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنی سوچ اور کردار کو کلی طور پر دائرہ اسلام میں داخل کرو یہی سلامتی کا راستہ اور شیطان کی پیروی سے محفوظ رہنے کا طریقہ ہے۔ اس کے سوا گمراہی ہے۔

اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کی ہجرتِ مدینہ کے معاً بعد مسلمان ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک مجلس میں ان خیالات کا اظہار کیا کہ کیا حرج ہے اگر ہم ہفتہ کے دن کی تعظیم کریں اور اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دیں؟ اس طرح ہمارے اور یہودیوں کے درمیان مفاہمت کی فضا پیدا ہوسکتی ہے۔ اس صورتِ حال پر یہ حکم نازل ہوا کہ اے مسلمانو! لوگوں کے دباؤ یا مفاہمت کے جذبہ کی خاطر باطل نظریات کی پاسداری کرنے کی بجائے دینِ اسلام میں کامل اور مکمل طور پر داخل ہوجاؤ۔ یہ تمہاری زندگی کے تمام تقاضے پورے کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور اور تمہارے لیے مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ لہٰذا تمہاری معاشرت، معیشت، سیاست، جلوت و خلوت اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ماحول اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق ہونا چاہیے۔ اگر تم اسلام میں داخل ہو کر من مرضی اور خود غرضی کا مظاہرہ کرو اور اسلام کے ساتھ باطل نظریات کی پیوند کاری کا سوچو گے تو یہ اللہ کی تابعداری نہیں بلکہ شیطان کی اتباع تصور ہوگی۔ شیطان تمہارا ابدی، ازلی اور کھلا

دشمن ہے۔ایسے دشمن سے خیر کی توقع رکھنے والا کبھی خیر نہیں پا سکتا۔تمہاری ہر قسم کی سلامتی اور دنیا وآخرت کی بھلائی اسلام میں مضمر ہے۔کیونکہ اسلام کا نام اور پیغام ہر قسم کی سلامتی کا ضامن ہے۔اگر تم واضح ہدایات کے باوجود سلامتی کے راستے سے ہٹ گئے تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کرنے والا ہے۔اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنی قوت اور طاقت کے ذریعے منکروں کو حلقۂ اسلام میں داخل کرسکتا تھا۔لیکن اس کے ہر کام میں حکمت اور دانائی پنہاں ہے۔اس کی حکمت یہ ہے کہ ہدایت کا معاملہ جبر کی بجائے لوگوں کے فہم وشعور اور مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔جن لوگوں کو تم راضی کرنے کے درپے ہو ان کے پاس ہر قسم کے دلائل آچکے ہیں۔اب تو یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود ملائکہ کا لشکر لے کر بادلوں کے سایہ میں ان کے سامنے جلوہ گر ہو اور انہیں اسلام کی دعوت دے۔ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو کسی کام کے فیصلے کے لیے بھیجتے ہیں تو پھر نہ اس میں تاخیر ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے فیصلے کے سامنے کوئی دم مار سکتا ہے۔قومِ نوح،قومِ لوط اور قومِ عاد وثمود کی بستیاں اور علاقے زبانِ حال سے بول بول کر اس حقیقت کی گواہی دے رہے ہیں کہ اللہ کی نافرمانی کرنے والو! ہمیں نگاہِ عبرت سے دیکھو کہ ہمارا انجام کیا ہوا؟ ایسے لوگوں کو جلد بازی کے بجائے انتظار کرنا چاہیے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اقتدار اور اختیار سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔بالآخر سب کچھ اسی کے حضور پیش ہونے والا ہے۔

مسائل

۱۔ اسلام میں کامل طور پر داخل ہونا چاہیے۔ ۲۔اسلام سے باہر اٹھنے والا قدم شیطان کی اتباع تصور ہوگا۔
۳۔ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ ۴۔اللہ تعالیٰ غالب اور اس کے کاموں میں حکمت پنہاں ہوتی ہے۔
۵۔ ہدایت کے بعد گمراہ ہونے والوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ ۶۔ ملائکہ اللہ کے حکم کے مطابق کاروائی کرتے ہیں۔
۷۔ فیصلے کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور سب کچھ اسکے حضور پیش ہونے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی مختارِ کل ہے:

۱۔ ہر کام اللہ کے سپرد کرنا چاہیے۔(البقرۃ:۲۱۰) ۲۔ہر کام کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔(الحج:۴۱)
۳۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔(البروج:۱۶) ۴۔اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔(البقرہ:۲۰)
۵۔ نبی ﷺ کسی پر عذاب نازل کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔(آل عمران:۱۲۸)
۶۔ رسول اللہ ﷺ کو منافقین کے لیے دُعا اور ان کی قبروں پر جانے سے روک دیا گیا۔(التوبۃ:۸۴)
۷۔ نبی مشرک کے لیے دعائے مغفرت کرنے کا مجاز نہیں۔(التوبہ:۱۱۳)
۸۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی رضا کا پابند نہیں۔(التوبہ:۹۶)
۹۔رسول اللہ ﷺ نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔(الجن:۲۱)(القصص:۵۶)

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ

سوال کیجیے بنی اسرائیل کتنی ہم نے انہیں دیں سے نشانیاں واضح اور جو

يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ

بدل ڈالے نعمت اللہ سے بعد جو آ گئی اس کے پاس تو بے شک

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢١١﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

اللہ سخت عذاب خوبصورت بنادی گئی لوگوں کے لیے انہوں نے کفر کیا زندگی دنیا

وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

اور وہ مذاق کرتے ہیں سے وہ لوگ وہ ایمان لائے اور وہ لوگ وہ پرہیز گار ہوئے ان سے اعلیٰ قیامت کے دن

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾

اور اللہ رزق دیتا ہے جسے وہ چاہتا ہے بے شمار

”بنی اسرائیل سے پوچھو کہ ہم نے انہیں کتنی روشن نشانیاں عطا فرمائیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پانے کے بعد بدل دے تو یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔(۲۱۱) کافروں کے لیے دنیا کی زندگی خوبصورت بنا دی گئی ہے وہ ایمان والوں سے ہنسی مذاق کرتے ہیں، حالانکہ پرہیزگار لوگ قیامت کے دن ان سے اعلیٰ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔“(۲۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل کے مطالبات کے بعد ان سے سوال کیا گیا کہ تم مزید معجزات اور دلائل کا مطالبہ کرتے ہو۔ یہ بتاؤ کہ تم نے پہلے دلائل اور معجزات کا کیا جواب دیا ہے؟ دراصل تم دنیا پر فریفتہ ہونے کی وجہ سے حق سے جی چراتے ہو دنیا عارضی ہے اور آخرت ہمیشہ کے لیے ہے۔

مکہ والوں کے سامنے بے شمار حقائق اور دلائل واضح ہو چکے تھے لیکن اس کے باوجود وہ مزید براہین کا مطالبہ کرتے رہتے تھے۔ ان کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ اگر انہیں مزید دلائل کی ضرورت ہے تو بنی اسرائیل کے منصف مزاج لوگوں کو خاص کر ان میں جو مسلمان ہو چکے ہیں ان سے پوچھیں کہ جب ان کے آباء و اجداد کو لاتعداد نعمتوں سے نوازا گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یکے بعد دیگرے ایک سے بڑھ کر ایک معجزات پیش کیے تو کیا اس کے بعد انہوں نے حق قبول کرلیا تھا؟ نہیں! بلکہ انہوں نے حق قبول کرنے کی بجائے نعمتوں کی ناقدری اور دین کو تبدیل کرنے کی مذموم کوششیں کیں' انہیں فرعون کے مظالم سے نجات ملی تو برسرِ اقتدار آکر وہی ظلم روا رکھے، فرعون کے غرق ہونے کے بعد دریا عبور کر کے ابھی راستے ہی میں تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بتوں کے سامنے اعتکاف کرنے اور ان کی عبادت کرنے کا مطالبہ کرنے لگے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام طور پر گئے تو بچھڑے کو معبود بنالیا، بیت المقدس میں فتح کی ضمانت ملنے کے باوجود داخلے سے انکار کر دیا، وادئ تیہ میں

چالیس سال کی سزا بھگتنے کے بعد جب بیت المقدس میں داخل ہوئے تو عاجزی اور استغفار کرنے کی بجائے ''حِطَّۃٌ'' کو ''حِنْطَۃٌ'' میں تبدیل کر کے اللہ سے بخشش مانگنے کی بجائے گندم کا مطالبہ شروع کر دیا۔ ان نافرمانیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور دین کی شکل بگاڑنے کی کوشش کی۔ یہاں بنی اسرائیل کی تاریخ کا حوالہ دے کر منافقوں، مشرکوں اور اہلِ کتاب کو سمجھایا جا رہا ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری اور اس کو تبدیل کرے گا، دنیا میں رسوائی اور آخرت میں اس کے لیے بربادی ہو گی۔ یہاں نعمت سے مراد دینِ حق کی نعمت ہے۔ دینِ حق کی بے حرمتی اور ناقدری کے بنیادی اسباب میں سب سے بڑا سبب دنیا کی زیب و زینت پر فریفتہ ہونا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا سب کے لیے حسین اور پرکشش ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ مومن نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا ذریعہ بناتا ہے اور بے دین انسان اسی پر قانع ہو کر اپنی آخرت تباہ کر لیتا ہے۔ مومن ایمان کی دولت کے بدلے دنیا کی دولت کو ترجیح نہیں دیتا، چاہے دنیا کی نظر میں اسے کروڑوں کا نقصان برداشت کرنا پڑے اور اپنے ہم عصروں اور برادری سے کتنا ہی پیچھے رہنا پڑے۔ کافر دنیا کی زیب و زینت پر نظر جمائے ہوتا ہے۔ وہ چند دمڑیوں کی خاطر ایمان اور جاہ و حشمت کے لیے اپنی غیرت و ضمیر کا سودا کرنے سے باز نہیں آتا۔ ایسے دنیا پرست کی نظر میں مومن کا کردار کس طرح معیاری اور قابلِ رشک ہو سکتا ہے؟ اسی بنا پر وہ مومنوں کو بے وقوفی کا طعنہ دیتے اور تمسخر کا نشانہ بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم ان احمقوں اور رذیلوں کی پیروی کریں؟ کیا یہی لوگ انقلاب برپا کریں گے؟ اس فرمان میں واضح کیا جا رہا ہے کہ ایمان کے بغیر دنیا کی نعمتوں اور برتری کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہاں تو ایمان کی نعمت اور خوفِ الٰہی کی دولت ہی کام آئے گی۔ اسی کی بدولت مومن آخرت میں کفار سے ممتاز اور بلند و بالا ہوں گے۔ دنیا میں مومن پر حرام کمانے اور کھانے کی پابندی تھی۔ جس کی وجہ سے کفار اور حرام خور لوگ مومنوں سے دنیاوی ترقی میں آگے نکل گئے لیکن قیامت میں مومنوں کو بے انتہا رفعت و عظمت اور بے حساب رزق سے نوازا جائے گا اور منکرین کو ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

مسائل

۱۔ دین کو تبدیل کرنے والا سخت عذاب پائے گا۔ ۲۔ کفار کے لیے دنیا دلفریب بنا دی گئی ہے۔

۳۔ صاحبِ تقویٰ ایمان دار قیامت کے دن کافروں سے بلند ہوں گے۔

۴۔ رزق اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جتنا اور جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بدلنے کی سزا:

۱۔ نعمت تبدیل کرنے والے کو سخت ترین عذاب ہو گا۔ (البقرۃ:۲۱۱)

۲۔ نعمت تبدیل کرنے والا دنیا و آخرت میں ذلیل ہو گا۔ (البقرۃ:۶۱)

۳۔ دین اسلام کے سوا دوسرا دین تلاش کرنے والے سے دوسرا دین قبول نہ ہو گا۔ (آلِ عمران:۸۵)

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً قف فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ

تھے ‏ لوگ ‏ امت ‏ ایک ‏ پھر بھیجے ‏ اللہ ‏ نبی (جمع) ‏ خوشخبری دینے والے

وَمُنْذِرِيْنَ ص وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

اور ڈرانے والے ‏ اور اس نے نازل کی ‏ انکے ساتھ ‏ کتاب ‏ حق کیساتھ ‏ تاکہ وہ فیصلہ کریں ‏ درمیان ‏ لوگ

فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ

جس میں ‏ انہوں نے اختلاف کیا ‏ اس میں ‏ اور نہیں ‏ اختلاف کیا ‏ اس میں ‏ مگر ‏ جولوگ

اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ج

وہ دیے گئے اسے ‏ سے ‏ بعد ‏ جو ‏ آئے ان کے پاس ‏ واضح حکم ‏ ضد ‏ آپس میں

فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ

پس ہدایت دی ‏ اللہ نے ‏ جولوگ ‏ ایمان لائے ‏ اس لیے کہ ‏ انہوں نے اختلاف کیا ‏ اس میں ‏ سے ‏ حق

بِاِذْنِهٖ ط وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢١٣﴾

اپنے اذن سے ‏ اور اللہ ‏ ہدایت دیتا ہے ‏ جسے ‏ چاہتا ہے ‏ طرف ‏ راستہ ‏ سیدھا

”لوگ (شروع میں) ایک ہی امت تھے (پھر ان میں اختلافات ظاہر ہوئے)۔ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوش خبری دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں تا کہ لوگوں کے اختلافی امر کا فیصلہ کیا جائے۔ اس سے ان لوگوں نے صرف باہمی ضد کی وجہ سے اختلاف کیا جن کے پاس پہلے سے دلائل پہنچ چکے تھے۔ لیکن اللہ نے ایمان والوں کی اس اختلاف میں بھی حق کی طرف راہنمائی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔“ (۲۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: دنیاوی فوائد، سماجی، سیاسی، اور مذہبی اختلافات کی وجہ سے امت کی وحدت ختم ہوگئی۔ وحدت اور دینِ حق کے احیاء کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء مبعوث فرمائے۔ لوگوں نے ان سے بھی اختلاف کیا حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام اختلافات مٹانے کے لیے آئے تھے۔

قرآن وحدیث کے علم سے بے بہرہ دین کے دشمن مستشرقین اور نام نہاد دانش مندوں نے کئی نسلوں سے یہ پروپیگنڈہ کر رکھا ہے کہ انسان تخلیقی طور پر تاریکی اور شرک کے ماحول میں پیدا ہوا ہے۔ اسی لیے انسان نے نسل درنسل ارتقاء کے بعد آہستہ آہستہ اپنے خالق کو پہچانا ہے۔ یہ باطل نظریات انگلش لٹریچر میں منظم طریقے کے ساتھ پھیلائے گئے ہیں اسی نظریے کی بنیاد پر عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ انسان تخلیقی طور پر گناہگار پیدا ہوا ہے۔ قرآنِ مجید ایسے نظریے

اور معلومات کی نفی کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ انسان اپنی تخلیق کے وقت ہی توحید کے تصور سے اس قدر آشنا ہو چکا تھا کہ اسے اپنے خالق کا اعتراف کرتے ہوئے ذرّہ برابر بھی تامّل نہ ہوا۔ اس گرہ کشائی کے لیے سورۃ الاعراف: آیت ۱۷۲ تا ۱۷۴ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

''اور جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں! ہم سب گواہ ہیں۔ تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔ یا یوں کہو کہ پہلے شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا اور ہم ان کے بعد ان کی نسل ہوئے، سو کیا ان غلط راہ والوں کے فعل پر تو ہم کو ہلاکت میں ڈال دے گا؟ ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں تاکہ وہ باز آجائیں۔''

یہاں اسی نقطہ کی وضاحت کی جارہی ہے کہ انسان فطری اور بنیادی طور پر ایک نظریے کے حامل ہونے کی بنا پر ایک ہی جماعت تھے اور ان کی فطرت میں دینِ اسلام سمو دیا گیا ہے۔ لیکن بعد ازاں وہ توحید کے نظریے سے دور ہوئے اور ان کی وحدت بھی پارہ پارہ ہوتی چلی گئی۔ رسولِ محترم ﷺ نے اپنے مخصوص الفاظ میں انسانی فطرت کی اس طرح ترجمانی فرمائی ہے:

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ أَوْيُنَصِّرَانِهٖ أَوْيُمَجِّسَانِهٖ كَمَثَلِ الْبَهِيْمَةِ تُنْتِجُ الْبَهِيْمَةَ هَلْ تَرٰى فِيْهَا جَدْعَاءَ»

(رواہ البخاری: کتاب الجنائز' باب ما قیل فی أولاد المشرکین)

''حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، یا عیسائی، یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ چوپائے کی طرح جب جانور جنم لیتا ہے تو کیا تم اس میں کوئی کان کٹا ہوا پاتے ہو؟''

چنانچہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت ادریس علیہ السلام کی وفات تک پوری انسانیت نظریہ توحید پر قائم رہتے ہوئے ایک جماعت اور کنبے کے طور پر زندگی بسر کر رہی تھی۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام سے قبل لوگوں میں پہلی دفعہ شرک پھیلنے لگا۔ شرک کے پھیلاؤ کے ساتھ ہی لوگ ایک دوسرے سے دور اور منتشر ہوتے چلے گئے کیونکہ توحید وحدت کا سبق دیتی ہے اور شرک انتشار کا سبب ہوتا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت اور انہیں یکجا رکھنے کے لیے حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک سلسلۂ نبوت جاری فرمایا۔ ان میں سے کئی انبیاء کو ضخیم کتابیں اور کچھ نبیوں کو صحائف اور باقی کو ایک دوسرے کی تائید کے لیے مبعوث فرمایا تاکہ وہ پیش آمدہ مسائل اور اختلافات میں لوگوں کو حق اور سچ کی طرف بلائیں اور ان کے باہمی اختلافات کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ لوگ اختلاف پیدا کرنے میں پیش پیش رہے جن کے پاس پہلے سے آسمانی ہدایت اور دلائل آچکے تھے۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس کی بنیادی وجہ حسد و بغض، اور ایک دوسرے پر مذہبی، معاشی، سیاسی اور شخصی بالادستی حاصل کرنے کی کوشش تھی۔ جسے ''بَغْيًا بَيْنَهُمْ'' سے تعبیر کیا گیا۔ ایسے نام نہاد تعلیم یافتہ لوگوں نے اختلافات کو اس قدر ہوا دی کہ جس میں حقیقت کو پہچاننا عام انسان کے لیے مشکل سے مشکل تر ہوتا چلا گیا۔

تاہم وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہر دور میں ہدایت پاتے رہے جنہوں نے اخلاصِ نیّت کے ساتھ ہدایت کی جستجو کی۔ قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت سے سرفراز کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہی میں مبتلا کرتا ہے۔ ان الفاظ کا یہ معنیٰ لیا جائے جو حیلہ ساز لوگ لیتے ہیں کہ ہدایت اور گمراہی اللہ کے اختیار میں ہے تو ہدایت نہ پانے میں ہمارا کیا قصور ہے؟ ایسے لوگوں کی بات تسلیم کر لی جائے تو انبیاء کی تشریف آوری، ان کی لازوال جدوجہد اور قیامت کے دن جزاء وسزا کا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کو جاننے کے لیے عقیدہ کے اُس بنیادی اصول کو سامنے رکھیے جس میں انسان کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جس طرح کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مِلک ہے۔ اسی طرح ہدایت اور گمراہی بھی اللہ کی مِلک اور اس کے اختیار میں ہے۔ کائنات میں سب سے گراں قدر نعمت ہدایت ہے۔ یہ انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو اس کے طالب اور متلاشی ہوا کرتے ہیں۔ جو ہدایت سے انحراف کرتے ہیں ان کے لیے گمراہی کا راستہ آسان ہوتا ہے۔ اس مفہوم کو قرآنِ مجید {يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ} (النحل: ٩٣) ''کہ اللہ جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے ہدایت سے سرفراز فرمائے۔'' کے الفاظ سے بیان کرتا ہے۔

مسائل

١۔ ہر انسان فطرتِ سلیم اور عقیدۂ توحید پر پیدا ہوتا ہے۔

٢۔ حق پہنچانے اور اختلافات مٹانے کے لیے انبیاء مبعوث ہوئے۔

٣۔ اختلافات کی بنیادی وجہ توحید سے بغاوت اور ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنا ہے۔

٤۔ اللہ تعالیٰ ایمانداروں کی رہنمائی کرتا ہے۔ ٥۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نبوت کے مقاصد:

١۔ بعثتِ انبیاء کے مرکزی مقاصد۔ (البقرہ: ٢١٣، المزمل: ١٥، الجمعہ: ٢)

٢۔ انبیاء لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتے ہیں۔ (ابراہیم: ١، ٥)

٣۔ انبیاء کا مقصد لوگوں میں عدل وانصاف قائم کرنا۔ (النساء: ١٠٥)

٤۔ نبی کو حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ (صٓ: ٢٦)

٥۔ رسول (ﷺ) حق کے ساتھ فیصلہ کرنے والے ہیں۔ (المائدۃ: ٤٢)

٦۔ رسول (ﷺ) شاہد اور مبشر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ (الاحزاب: ٤٥)

٧۔ رسول (ﷺ) رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث کیے گئے۔ (الانبیاء: ١٠٧)

٨۔ رسول (ﷺ) شفیق ومہربان بنائے گئے ہیں۔ (آلِ عمران: ١٥٩)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ

کیا تم نے خیال کیا یہ کہ تم داخل ہو جاؤ گے جنت اور ابھی تک نہیں آئی تمہیں مثال

الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ

جو لوگ گزرے سے تم سے پہلے پہنچی انہیں سختی اور تکلیف

وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى

اور وہ ہلا دیئے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول اور وہ لوگ وہ ایمان لائے اس کے ساتھ کب

نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

اللہ کی مدد آگاہ رہو بیشک مدد اللہ قریب

”کیا تم یہ گمان کئے بیٹھے ہو کہ تم جنت میں ایسے ہی داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات وارد نہیں آئے جو تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔ انہیں تنگیاں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ جھنجھوڑ دیے گئے حتی کہ رسول اور اس پر ایمان لانے والے پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سنو اللہ کی مدد قریب ہے۔“ (۲۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مومن دنیا کی لذات اور باہمی اختلافات سے بچنے کے لیے اکثر اوقات نقصان اٹھاتے ہیں۔ اس سے انہیں تسلی دی جارہی ہے کہ جنت کی بیش بہا نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا پانے کے لیے یہ نقصان اٹھانا ہی پڑے گا۔ اس کے لیے اپنے سے پہلے ایمان والوں کا کردار سامنے رکھو کہ انہوں نے کیا کچھ برداشت نہیں کیا تب جا کر اللہ تعالیٰ کی مدد کے مستحق قرار پائے۔

مکہ میں مسلمانوں کا ہر طرف سے حلقۂ حیات تنگ کر دیا گیا، معاشی بائیکاٹ اور کمزوروں کو ہر قسم کے مظالم کا تختۂ مشق بنایا گیا۔ یہاں تک کہ معصوم خواتین پر جور و استبداد سرِ عام ہو رہا تھا۔ ان حالات میں مجبوروں اور مظلوموں کے دلوں کا غم سے چور چور ہونا اور ان کا رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں فریاد کرنا ایک فطری عمل تھا۔ جب آپ کے حضور یہ روداِدِ غم پیش کی جارہی تھی تو آپ بیت اللہ کے ساتھ ٹیک چھوڑ کر سیدھے بیٹھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے ساتھیو! کیا تم ابھی سے حوصلہ پست کر بیٹھے ہو؟ جب کہ ہم سے پہلے ایمان داروں پر اس قدر ظلم کیے گئے کہ انہیں آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا گیا اور لوہے کی کنگھیوں سے ان کے جسم تار تار کر دیے گئے لیکن پھر بھی وہ دینِ حق پر قائم رہے۔ (رواہ البخاری: کتاب المناقب، باب مالقی النبی ﷺ وأصحابه من المشرکین بمکة) اس پسِ منظر کے ساتھ مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ کیا تم امتحانات سے گزرے اور آزمائشوں میں مبتلا ہوئے بغیر نعمتوں اور عزتوں سے بھر پور جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جتنی منزل اہم اور مقصد عظیم ہوتا ہے اس کے لیے اتنی ہی جدو جہد اور قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ کیا تم نے پہلے لوگوں کی بے پناہ مشکلات اور لازوال جدو جہد پر غور نہیں کیا کہ جب ان کو جنگ وجدل، غربت و افلاس اور

امتحانات ومشکلات کے ساتھ اس قدر آزمایا گیا کہ ان کے عزم واستقلال سے بھرپور قدم بھی ڈگمگانے لگے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وقت کا رسول اور اس کے عظیم ساتھی شدتِ غم سے بہ تقاضائے بشریت بے ساختہ پکار اٹھے کہ اے اللہ تعالیٰ تیری مدد کب آئے گی؟ جونہی وہ کربناک حالات میں سرخرو ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دامن رحمت میں لیتے ہوئے تشفی دی کہ یقین رکھو! گھبراؤ نہیں میری رحمت تمہارے سروں پر سایہ فگن ہو چکی ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے متبعین کے لیے تسلی کا پیغام ہے کہ اے نبی! آپ عظیم ترین انسان اور رسول ہیں آپ کی امت بھی امتوں میں عظیم تر ہے۔ تمہیں اپنے قدموں میں کمزوری لانے کی بجائے مضبوط اور بھرپور طریقے کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ تمہاری بے مثال جدوجہد تمہارے رب کے سامنے ہے۔ وہ قادرِ مطلق تمہاری اس طرح مدد فرمائے گا کہ تمہارا نام اور کام ہمیشہ جگمگاتا رہے گا۔ چنانچہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ آپ ﷺ پر اللہ کی رحمت ونصرت اس طرح نازل ہوئی کہ مکہ اور جزیرہ نمائے عرب ہی نہیں بلکہ قیصر وکسریٰ بھی آپ کے سامنے سرنگوں ہوئے اور قرآنِ مجید میں بارہا یہ اعلان ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہوا اور وہ اپنے رب پہ راضی ہو گئے۔

«عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ»

(رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب حجبت النار بالشهوات)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جہنم کی آگ کو شہوات سے اور جنت کو مشکلات سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔“

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِیْ اَوْفٰی رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ»

(رواہ البخاری: کتاب الجهاد والسیر، باب الجنة تحت بارقة السیوف)

”عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جان لو! یقیناً جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔“

مسائل

۱۔ جنت آزمائشوں کے بغیر نہیں ملتی۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ حق پر قائم رہنے والے کی ضرور مدد کرتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی مدد ہمیشہ بندے کے قریب ہوا کرتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

آزمائش شرط ہے:

۱۔ جنت میں داخلہ کے لیے آزمائش شرط ہے۔ (العنکبوت: ۲) ۲۔ فاقوں سے آزمائش۔ (البقرۃ: ۱۵۵)

۳۔ پہلے لوگوں کو بھی آزمایا گیا اور تمہیں بھی آزمایا جائے گا۔ (العنکبوت: ۳)

۴۔ ڈر سے آزمائش۔ (البقرۃ: ۱۵۵) ۵۔ مال وجان کی کمی کے ساتھ آزمائش ہوگی۔ (البقرۃ: ۱۵۵)

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ

وہ آپ سے پوچھتے ہیں کیا وہ خرچ کریں آپ فرمادیں جو کچھ تم خرچ کرو سے مال سوماں باپ کے لیے

وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا

اور قرابت داروں اور یتیموں اور مساکین اور مسافر اور جو تم کرو گے

مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۲۱۵﴾

سے نیکی تو بیشک اللہ اسکو جاننے والا

”آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ فرمادیں جو مال تم خرچ کرو ماں باپ، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے اور تم جو بھی نیکی کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔“ (۲۱۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سوال کا جواب یہاں اس لیے دیا گیا ہے کہ لوگو! مشکلات اور مصائب میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو۔ کیونکہ صدقہ ردِ بلا ہوتا ہے۔ اللہ کی رضا کے طالب عسر و یسر میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ مومنوں کی صفت ہے۔

یہاں پے در پے چھ سوالات کے جواب دیئے جارہے ہیں۔ جب کہ دو سوالوں کے جواب دعا اور چاند کے متعلق دیئے جاچکے ہیں۔ قرآنِ مجید نے زیادہ سوالات کرنے کی حوصلہ شکنی کی ہے لیکن اس کا یہ معنٰی نہیں کہ ضرورت کے تحت بھی سوال نہ کیا جائے۔ بعض سوال اس قدر ناگزیر ہوتے ہیں جن کے بغیر سامعین حقیقتِ حال کو پوری طرح سمجھ نہیں سکتے۔ لہٰذا جائز سوال کرنے کی اجازت ہی نہیں بلکہ حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کا تفصیل کے ساتھ جواب دیتے ہوئے ضمنی وضاحتیں بھی کردی گئیں۔ چنانچہ آیت ۲۱۵ سے ۲۲۳ تک یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ کیا خرچ کریں؟ فرمایا: اپنے مال سے خرچ کرو۔ یہاں مال کو خیر قرار دیتے ہوئے فرمایا تم جو بھی کرو گے اللہ تعالیٰ اسے اچھی طرح جانتا ہے پھر اس کی مدات کی تفصیل پیش فرمائی کہ سب سے پہلے والدین کی خدمت، دلجوئی اور ان کے ساتھ احسان سے پیش آیا جائے۔ کیونکہ ہر والدین حسبِ استطاعت پہلے اپنی اولاد پر خرچ کرتے ہیں لہٰذا جب اولاد اس قابل ہو تو انہیں بھی والدین کو اولیّت دینی چاہیے۔ ان کے بعد مستحق رشتہ داروں کی باری آتی ہے۔ پھر معاشرہ کے نہایت ہی پسماندہ طبقہ یتیموں کا حق ہے اور ان کے بعد مساکین اور غریب الوطن لوگوں کا استحقاق بنتا ہے۔ رسولِ کریم ﷺ سے اس ضمن میں سوال ہوا تو ارشاد فرمایا: والدین میں ماں کی خدمت کیجیے! تین دفعہ یہی ارشاد فرمانے کے بعد والد کا نام لیا اور پھر فرمایا کہ ((ثم الاقرب فالأقرب)) [رواہ أبو داؤد: کتاب الأدب، باب فی بر الوالدین [صحیح]] ”پھر جو ان کے قریبی رشتہ دار ہیں۔“ یہ ترتیب ایسی ہے جس کے لیے بڑے بڑے رجسٹروں اور دفاتر کی ضرورت نہیں۔ شہری ہو یا دیہاتی ہر کوئی اپنے رشتہ داروں کو جانتا ہے۔ کون

ان میں ضرورت منداور کون سا شخص صدقات سے مستغنی ہے؟ پھر دنیا میں شاید ہی کوئی بدقسمت ہوگا جس کا کوئی بھی قریبی نہ ہو۔ خدانخواستہ اگر کوئی بالکل لاوارث ہے تو بیت المال اس کی کفالت کرے گا۔ یہ ایسا فطری اور سیدھا سادا نظم ہے کہ جس سے کوئی بھی غریب اور مسکین محروم نہیں رہ سکتا لیکن افسوس! مسلمانوں نے جس طرح شریعت کے دوسرے احکامات کا حلیہ بگاڑا ہے ایسے ہی اس فطری فہرست اور نظم کو توڑ کر گداگری میں اضافہ کیا ہے جس سے گداگر تو کئی جگہوں سے تعاون حاصل کر لیتے ہیں لیکن سفید پوش حضرات غربت کی چکّی میں اسی طرح پستے رہتے ہیں۔ اگر مسلمان الدار منہ ملاحظوں اور خوشامدوں سے پرہیز کرتے تو نظم قائم رہنے کے ساتھ باہمی محبتیں بھی برقرار رہتیں۔

یہاں صدقہ سے مراد فرضی صدقات نہیں۔ کیونکہ زکوٰۃ والدین پر خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یاد رہے کہ عام صدقات انفرادی طور پر خرچ کرنا بہتر ہیں اور زکوٰۃ اجتماعی طور پر صرف کرنا افضل ہے۔

ابن السبیل: جہاں تک مسافر کے ساتھ تعاون کا تعلق ہے۔ آپ نے مسافر کی پریشانی کو اس قدر اہمیت دی اور ارشاد فرمایا:

«لِلسَّائِلِ حَقٌّ وَإِنْ جَاءَ عَلَى فَرَسٍ» (رواه أبو داؤد: باب حق السائل [ضعيف])

”اگر سائل گھوڑے پر سوار ہو کر کسی کے ہاں آ کر سوال کرے تو اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔“

نامعلوم وہ کس حادثے کا شکار ہوا ہے جس کی وجہ سے بظاہر خوشحال دکھائی دیتے ہوئے بھی سوال کرنے پر مجبور ہے۔

مسائل

۱۔ رزق خیر ہے۔ ۲۔ تعاون کے پہلے مستحق والدین ہیں۔

۳۔ والدین کے بعد رشتہ دار، یتیم، مسکین اور ضرورت مند مسافر۔

۴۔ صدقہ کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ ہر نیکی کو جاننے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انفاق فی سبیل اللہ کا نظام:

۱۔ وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کس طرح مال خرچ کریں؟ کہہ دو جو مال خرچ کرنا چاہو وہ والدین، قریبی رشتہ داروں یتیم، مساکین اور مسافروں پر خرچ کرو۔ (البقرۃ: ۲۱۵)

۲۔ صدقات مفلسوں، محتاجوں، عاملین، تالیفِ قلب، غلاموں کی آزادی، قرض داروں، اللہ کی راہ اور مسافروں کے لیے ہیں۔ (التوبۃ: ٦٠)

۳۔ اپنے صدقات ان فقرأ پر خرچ کرو جو اللہ کی راہ میں محبوس کر دیے گئے ہیں۔ (البقرہ: ۲۷۳)

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ
فرض کر دیا گیا تم پر لڑنا اور وہ ناگوار تمہارے لیے اور ممکن ہے کہ
تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا
تم ناپسند کرو ایک چیز اور وہ بہتر تمہارے لیے اور ممکن ہے یہ کہ تم پسند کرو
شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٢١٦ ع ٢٦ ١٠
ایک چیز اور وہ بری ہو تمہارے لیے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں تم جانتے

”تم پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے اگر چہ وہ تمہیں ناگوار ہو، ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو اور حقیقت میں وہی تمہارے لیے بہتر ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھا سمجھو حالانکہ وہ تمہارے لیے نقصان دہ ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“ (۲۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا اور جان قربان کرنا دونوں مشکل ترین کام ہیں۔ اس لیے انہیں ایک دوسرے کے بعد ذکر کیا ہے جہاد میں دونوں لازم وملزوم ہوتے ہیں۔

ہر معاشرے اور قوم میں ایسے لوگ ہوا کرتے ہیں جو مشکل حالات میں جذباتی ہو کر لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو جایا کرتے ہیں۔ لیکن کفار کے ساتھ باضابطہ مقابلے کے وقت آگے بڑھنے سے ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ میدانِ کارزار میں اُترنا ہر کسی کے دل گردہ کی بات نہیں۔ لہٰذا لوگوں کو انگیخت دینا اور تیار کرنا پڑتا ہے۔ اس فرمان میں ایسی ہی صورتِ حال کی طرف اشارات پائے جا رہے ہیں۔ جس سے اس الزام کی از خود نفی ہو رہی ہے جو کفار مسلمانوں پر لگایا کرتے ہیں کہ مسلمان بنیادی طور پر جنگجو اور جارح قوم ہے۔ یہاں تو عیاں ہو رہا ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کے زمانے میں بھی کچھ مسلمان ابتداءً جنگ سے کتراتے تھے۔ حالانکہ ان پر کفار جنگ مسلط کیے ہوئے تھے مسلمانوں پر ایسے حالات وارد ہو جائیں کہ جنگ کے بغیر چارہ کار نہ ہو تو پھر لڑنے مرنے کا فیصلہ کرنا مسلمانوں کا اختیار نہیں رہتا ان حالات میں آسمانی حکم ہے یہ کہ ایسی صورتِ حال میں لڑائی سے جی چرانا اپنے آپ کو دشمن کے کے حوالے کرنا ہے۔ اللہ عالم الغیب جانتا ہے کہ بہتری اور خیر کس کام میں زیادہ ہے۔ کیا کوئی شخص یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ اس کام میں خیر زیادہ اور دوسرے میں بہتری کم ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں! خیر اور نقصان کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے تمہاری خیر اللہ کے حکم ماننے میں ہے لہٰذا مال بھی خرچ کرو اور جان بھی لڑاؤ۔ اس سے دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے ہر صورت اس پر عمل کرنا مسلمان پر فرض ہے۔

مسائل

۱۔ خیر وشر کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ ۲۔ انسان کسی چیز کو اپنے لیے بہتر سمجھتا ہو تو ضروری نہیں وہ بہتر ہو۔
۳۔ اللہ تعالیٰ ہر کام کی حکمت جانتا ہے انسان نہیں جانتا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ

وہ آپ سے سوال کرتے ہیں سے مہینہ حرمت والا لڑنا اس میں آپ فرمادیں لڑنا

فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ

اس میں بڑا اور روکنا سے اللہ کا راستہ اور کفر کرنا اسکے ساتھ اور مسجد حرام

وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ

اور نکالنا اسکے رہنے والے اس سے بہت بڑا نزدیک اللہ اور فتنہ بہت بڑا

مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ

سے قتل اور وہ ہمیشہ رہیں گے لڑیں گے تم سے یہاں تک کہ وہ تمہیں پھیر دیں سے

دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ

تمہارا دین اگر وہ استطاعت رکھیں اور جو پھر جائے تم میں سے سے اپنا دین

فَيَمُتْ وَھُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا

پھر مرجائے اور وہ کافر تو یہی لوگ ضائع ہوگئے ان کے اعمال میں دنیا

وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ٢١٧

اور آخرت اور یہی لوگ دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے

”لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں لڑنے کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ فرمائیں کہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کی راہ سے روکنا، اس کے ساتھ کفر کرنا، مسجدِ حرام سے منع کرنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ قتل سے بھی بڑا جرم فتنہ ہے۔ یہ لوگ تم سے لڑائی کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہارے دین سے تمہیں پھیر دیں اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پھر جائیں اور کفر کی حالت میں مریں ان کے دنیوی اور اخروی اعمال سب کے سب غارت ہو جائیں گے۔ یہ لوگ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔“ (۲۱۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سوال وجواب کا سلسلہ جاری ہے۔ جس میں قتال فی سبیل اللہ کے بارے میں یہ وضاحت کردی گئی ہے کہ حرمت کے مہینوں میں قتال کرنے میں ابتدا نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ مسلمانوں پر جنگ مسلط کردی جائے تو پھر حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کی مکمل طور پر اجازت ہے۔

سورۃ التوبہ کی آیت ۳۶ میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق فرمائی اسی

وقت سے سال کے بارہ مہینے مقرر کیے اوران میں چار مہینوں کو حرمت والے قرار دیا جن کے نام حدیث میں ذی قعدہ ٗ ذوالحجہ ٗ محرم اور رجب ہیں۔اسی وقت سے لے کر لوگوں میں ان کا احترام پایا جاتا ہے۔اہلِ عرب اپنی خودغرضی کی بنا پر ان مہینوں کی جگہ دوسرے مہینے شمار کر کے حرمت کے مہینوں میں لوٹ کھسوٹ اور جنگ وجدال کر لیا کرتے تھے لیکن بنیادی طور پر ان مہینوں کے احترام کے قائل تھے۔ ہوا یہ کہ رسولِ کریم ﷺ نے اہلِ مکہ کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے لیے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں آٹھ آدمیوں کا ایک دستہ نخلہ کے مقام پر بھیجا۔ جو طائف اور مکہ کے درمیان ایک علاقہ ہے۔یونٹ کے سربراہ کو ایک بند لفافہ دیا کہ دو دن کا سفر طے کرنے کے بعد اسے کھول کر ہدایات کے مطابق عمل کرے۔ چنانچہ دو دن کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تحریر دیکھی تو اس میں یہ درج تھا۔'' جب یہ تحریر پڑھو تو اس کے مطابق آگے بڑھتے جاؤ یہاں تک کہ مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں اُترو۔وہاں قریش کے ایک قافلے کی گھات میں لگ جاؤ اور ہمارے لیے ان کی خبروں کا پتہ لگاؤ۔'' انہوں نے سمع وطاعت کی اور اپنے رفقاء کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا کہ میں کسی پر جبر نہیں کرتا۔

«مَنْ كَانَ مِنكُمْ لَهُ رَغْبَةٌ فِي الشَّهَادَةَ فَلْيَنْطَلِقْ مَعِيَ فَإِنِّي مَاضٍ لِأَمْرِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَمَنْ كَرِهِ فَلْيَرْجِعْ فَإِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَدْ نَهَانِي أَنْ أَسْتَكْرِهَ مِنكُمْ أَحَدًا فَمَضٰي مَعَهُ الْقَوْمُ»

(سنن البيهقي: باب قسمة الغنيمة في دار الحرب [صحيح])

'' جسے شہادت محبوب ہو وہ اٹھ کھڑا ہو اور جسے موت ناگوار ہو وہ واپس چلا جائے۔باقی رہا میں! تو میں بہرحال آگے جاؤں گا۔اس پر سارے رفقاء اُٹھ کھڑے ہوئے اور منزلِ مقصود کے لیے چل پڑے۔''

البتہ راستے میں سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہما کا اونٹ غائب ہو گیا جس پر یہ دونوں بزرگ باری باری سفر کر رہے تھے۔اس لیے یہ دونوں پیچھے رہ گئے۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے طویل مسافت طے کر کے نخلہ میں نزول فرمایا۔وہاں سے قریش کا ایک قافلہ گزرا جو کشمش، چمڑا اور دیگر سامانِ تجارت لیے ہوئے تھا۔قافلہ میں عبداللہ بن مغیرہ کے دو بیٹے عثمان اور نوفل اور ان کے ساتھ عمرو بن حضرمی اور حکیم بن کیسان مولیٰ مغیرہ تھے۔مسلمانوں نے باہم مشورہ کیا کہ آخر کیا کریں؟ آج رجب کا آخری دن ہے اگر ہم لڑائی کرتے ہیں تو اس حرام مہینے کی بے حرمتی ہوتی ہے اگر رات رک جاتے ہیں تو یہ لوگ حدودِ حرم میں داخل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد سب کی رائے ہوئی کہ حملہ کر دینا چاہیے۔چنانچہ ایک شخص نے عمرو بن حضرمی کو تیر مارا اور اس کا کام تمام کر دیا۔باقی لوگوں نے عثمان اور حکیم کو گرفتار کر لیا البتہ نوفل بھاگ نکلا۔اس کے بعد یہ لوگ دونوں قیدیوں اور قافلہ کا سامان لے کر مدینہ پہنچے۔انہوں نے مالِ غنیمت سے خُمس بھی نکال لیا تھا اور یہ اسلامی تاریخ کا پہلا خُمس، پہلا مقتول اور پہلے قیدی تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس حرکت پر باز پُرس کی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں حرام کے مہینے میں جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔سامانِ قافلہ اور قیدیوں کے سلسلے میں کسی بھی طرح کے تصرف سے ہاتھ روک لیا۔

مکہ والوں کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے اس ہنگامی اور اتفاقی واقعہ کو مذہبی رنگ دے کر مسلمانوں کے خلاف

پروپیگنڈہ کا طوفان برپا کر دیا کہ مسلمان ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کا خیال نہیں رکھتے اور ملّتِ ابراہیم علیہ السلام کے شعار کو پامال کرتے ہیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا کوئی مذہب نہیں۔ان الزامات کا جواب دینے سے پہلے وضاحت فرمائی کہ یہ حرمت والے مہینے ہیں اور ان میں قتال کرنا واقعی گناہ ہے۔لیکن یہاں کفار کو ان کے اعمال کا آئینہ دکھاتے ہوئے ان کے مظالم کی ایک فہرست سامنے رکھ دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں رکاوٹ بننا، دین حق کا انکار کرنا ،بیت اللہ سے صحابہ کو روکنا اور مکہ سے مسلمانوں کو نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک حرمت والے مہینوں میں قتال کرنے سے کئی گنا بڑے جرائم ہیں۔پھر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا قتل سے بدتر جرم ہے۔اس وضاحت اور تنبیہ کے بعد مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کفار کے عزائم سے آگاہ رہو کہ اگر ان کا بس چلے تو ان کی اوّل و آخر کوشش ہوگی اور ہے کہ تمہیں تمہارے سچے دین سے پھیر دیں۔یاد رکھو جو کوئی دینِ حق سے مرتد ہوگیا اور کفر کی حالت میں اسے موت آگئی تو ایسے لوگوں کے تمام اعمال دنیا و آخرت میں ضائع کر دیے جائیں گے۔دنیا میں اعمال ضائع ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اپنے نظریہ اور صحیح موقف سے پھر جانے والے پر کوئی اعتماد نہیں کرتا۔دنیا میں اس کا نام ذلّت و رسوائی کا نشان بن کے رہ جاتا ہے۔آخرت میں یہ لوگ آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔جس میں ان کو ہمیشہ رہنا ہوگا۔

«مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ» (رواہ البخاری: کتاب الجهاد والسیر)

”جس نے اپنے دین کو تبدیل کر لیا اسے قتل کر دو۔“

مسائل

۱۔ حرمت کے مہینوں میں جنگ کرنا گناہ ہے۔

۲۔ اللہ کے راستے میں رکاوٹ بننا، دین کا انکار کرنا، بیت اللہ سے لوگوں کو منع کرنا، کمزوروں کو ہجرت پر مجبور کرنا۔دین اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا قتل اور لڑائی سے بڑا گناہ ہے۔

۳۔ مرتد کے دنیا اور آخرت میں تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور وہ واجب القتل ہے۔

۴۔ ارتداد اور کفر کی حالت میں مرنے والے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

تفسیر بالقرآن

مرتد کی سزا:

۱۔ مرتد ہونے والے کی توبہ قبول نہ کی جائے گی۔(آلِ عمران:۹۰)

۲۔ ارتداد میں مرنے والوں کو عذاب ہوگا۔(البقرۃ:۲۱۷)

۳۔ مرتد ہونے والا اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔(آلِ عمران:۱۴۴)

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ

بیشک وہ لوگ ایمان لائے اور وہ لوگ انہوں نے ہجرت کی اور انہوں نے جہاد کیا میں اللہ کا راستہ

اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۱۸﴾

یہی لوگ وہ امید رکھتے ہیں اللہ کی رحمت اور اللہ بہت زیادہ بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا

”یقیناً صاحبِ ایمان لوگ، ہجرت کرنے والے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہی رحمتِ الٰہی کے امیدوار ہیں، اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا اور بہت مہربانی کرنے والا ہے۔“ (۲۱۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام : کفار کی جدّ و جہد دین اور مسلمانوں کے خلاف ہے لہٰذا ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ مسلمانوں کی کوشش و کاوش اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ہمیشہ کی جنت ہے جس میں انہیں حیاتِ جاوداں نصیب ہوگی۔

بعض لوگ سچے ایمان اور صالح کردار کے بغیر جنت کے وارث بننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کا فرمان ہے کہ جب تک مسلمان مخلص ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کے حصول کے لیے مال و جان کی قربانی پیش نہیں کرو گے اس وقت تک تمہیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت نصیب نہیں ہو سکتی۔ اسی نظریہ کی دوٹوک وضاحت کی جارہی ہے کہ بلاشک جو لوگ خلوصِ دل کے ساتھ ایمان لائے، عزم و استقامت کا مظاہرہ کیا اور ایمان و ایقان کی خاطر انہیں باغ و بہار، کاروبار اور مکان و مقام بھی چھوڑنے پڑے تو وہ بے پرواہ ہو کر نکل پڑے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے میدانِ جنگ و جدال میں اترنا پڑا تو قربانیوں کی ایسی داستانیں رقم کرتے چلے گئے کہ رہتی دنیا تک ان کی جرأت و بہادری کو شہسوارِ جنگ خراجِ تحسین پیش کرتے رہیں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اپنے ربّ کی رحمتوں اور نعمتوں کا حق دار ٹھہرالیا ہے۔ ان سے بتقاضائے بشریت خطائیں سرزد ہو گئیں تو انہیں پورا یقین رکھنا چاہیے کہ ان کا ربّ ان کو ضرور معاف کرے گا۔ وہ تو ہمیشہ سے معاف فرمانے والا اور نہایت ہی شفیق و مہربان ہے۔ یاد رہے کہ علمی، مالی، جانی، لسانی اور ذاتی صلاحیتوں کو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے وقف کرنے کا نام جہاد ہے۔

تفسیر بالقرآن

”اللہ“ کی رحمت کے مستحق کون؟

۱۔ ربِ کریم کی رحمت کے امیدوار اور ان کی صفات۔ (البقرۃ: ۲۱۸، الاعراف: ۱۵۶)

۲۔ گناہ گار کو رحمتِ الٰہی سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ (الزمر: ۵۳)

۳۔ اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہوا کرتی ہے۔ (الاعراف: ۵۶)

۴۔ اللہ کی رحمت کی وسعت و کشادگی ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ (المؤمن: ۷)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ

وہ آپ سے پوچھتے ہیں سے شراب اور جوا آپ فرمادیں ان دونوں میں گناہ

كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ

بڑا اور فائدے لوگوں کے لیے اور ان دونوں کا گناہ بہت بڑا سے ان دونوں کا فائدہ

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ

اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کیا وہ خرچ کریں آپ فرمادیں زائد از ضرورت اسی طرح واضح کرتا ہے

اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۙ﴿۲۱۹﴾

اللہ تمہارے لیے احکام تاکہ تم تم غور و فکر کرو

”لوگ آپ سے شراب اور جوے کے بارے میں پوچھتے ہیں، فرما دیجئے ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو اس سے دنیاوی فائدہ بھی ہوتا ہے لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔ تم سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کیا کچھ خرچ کریں؟ تو آپ فرما دیں اپنی ضرورت سے زائد چیز خرچ کرو۔ اللہ تعالیٰ اس طرح تمہارے لیے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم سوچ سمجھ سکو۔“ (۲۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: درمیان میں مومنوں کا کردار ذکر کرنے کے بعد اب پھر ایک سوال کا جواب دیا گیا ہے۔

خمر کا معنٰی:

عربی میں ہر اس چیز کو خمر کہتے ہیں جو پردہ ڈال دے، اسی مناسبت سے عورتوں کی اوڑھنیوں کو بھی قرآنِ مجید میں خمر کہا گیا ہے۔ [النور: ۳۱] کیونکہ عورت اس سے اپنا سر، چہرہ اور جسم ڈھانپتی ہے۔ شراب کو خمر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ آدمی کی عقل وفکر پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ اسلام کے دوسرے ضابطوں اور قوانین کی طرح شراب کے حکمِ امتناعی کی تکمیل بھی تدریجاً کی گئی ہے۔ یہاں حرمتِ شراب کا پہلا حکم جاری کرتے ہوئے لوگوں کو نفع اور نقصان کی بنیاد پر سمجھایا جا رہا ہے کہ شراب اور جوئے میں عارضی اور معمولی فائدے بھی ہیں لیکن دوررس نتائج کے اعتبار سے ان کے نقصانات ان کے فوائد سے کہیں زیادہ ہیں۔ اگر شراب پینے سے عارضی طور پر جسم میں قوت وحرکت اور دلیری پیدا ہوتی ہے تو شراب کا نشہ ختم ہونے کے بعد آدمی اتنی ہی کمزوری محسوس کرتا ہے۔ شراب کا عادی شخص اپنی عمر سے کہیں پہلے بوڑھا ہو جاتا ہے۔ آدمی شراب پی کر ایسی حرکات کرتا اور خرافات بکتا ہے کہ جس کا صحیح حالت میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس لیے شراب کسی مذہب میں بھی جائز قرار نہیں دی گئی۔ شراب کے بارے میں دورِ حاضر کے ڈاکٹر بھی اس بات پر متفق ہیں کہ اس کے فائدے نہایت ہی عارضی اور معمولی ہیں لیکن

جسمانی اور اخلاقی نقصان اور مضرات لامحدود اور نا قابلِ تلافی ہیں۔

رسولِ معظم ﷺ نے شراب کو علاج کے طور پر استعمال کرنے سے منع ہی نہیں فرمایا ہے بلکہ اسے بیماری قرار دیتے ہوئے ابتداءً اس میں استعمال ہونے والے برتنوں سے بھی منع فرما دیا۔

«أَنَّ طَارِقَ بْنَ سُوَيْدِ الْجُعْفِيَّ ؓ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْخَمْرِ فَنَهَاهُ أَوْ كَرِهَ أَنْ يَصْنَعَهَا فَقَالَ إِنَّمَا أَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ فَقَالَ إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلٰكِنَّهُ دَاءٌ» (رواہ مسلم: باب تحریم التداوی بالخمر)

”طارق بن سوید جعفی ؓ نے نبی ﷺ سے شراب کے متعلق سوال کیا آپ نے اسے استعمال کرنے سے منع کیا یا ناپسند کیا تو اس نے کہا میں اسے بطورِ دوا استعمال کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی تائید میں حضرت عثمان ؓ نے تاریخ کا ایک واقعہ اس طرح بیان فرمایا ہے کہ شراب سے بچو! کیونکہ یہ ام الخبائث ہے۔ تم سے پہلے ایک آدمی بڑا اعبادت گزار گزرا ہے۔ اس سے ایک بدکار عورت کو محبت ہوگئی اس نے اپنی لونڈی کو یہ کہہ کر اس آدمی کی طرف بھیجا کہ ہمیں کسی معاملہ میں آپ کی گواہی چاہیے۔ وہ آدمی اس کی لونڈی کے ساتھ چل پڑا۔ جس دروازے سے داخل ہوتا اسے بند کر دیا جاتا یہاں تک کہ وہ ایک خوبصورت عورت تک جا پہنچا۔ جس کے پاس ایک بچہ اور شراب کا پیالہ تھا۔ اس عورت نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے تجھے شہادت دینے کی بجائے اپنے ساتھ بدکاری کرنے یا شراب کا پیالہ پینے یا بچہ قتل کرنے کے لیے بلایا ہے۔ اس نے کہا مجھے شراب پلا دو جب اس نے شراب پی لی تو نشہ کی حالت میں اس نے عورت کے ساتھ زنا بھی کیا اور بچہ بھی قتل کر دیا۔ (رواہ النسائی: کتاب الأشربة [صحیح])

«عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ ؓ قَالَ كُنَّا نُؤْتَى بِالشَّارِبِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَإِمْرَةِ أَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ فَنَقُوْمُ إِلَيْهِ بِأَيْدِيْنَا وَنِعَالِنَا وَأَرْدِيَتِنَا حَتّٰى كَانَ آخِرُ إِمْرَةِ عُمَرَ فَجَلَدَ أَرْبَعِيْنَ حَتّٰى إِذَا عَتَوْا وَفَسَقُوْا جَلَدَ ثَمَانِيْنَ» (رواہ البخاری: کتاب الحدود، باب الضرب بالجرید والنعال)

”حضرت سائب بن یزید ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں نبی کریم ﷺ کے زمانے اور ابوبکر وعمر ؓ کے ابتدائی دور میں شرابی پکڑا دیا جاتا۔ ہم اسے اپنے ہاتھوں، جوتوں اور چادروں کے ساتھ مارتے۔ جب عمر ؓ کی خلافت کا آخری دور آیا تو انہوں نے چالیس کوڑے مارے اور جب لوگ شرب نوشی میں بڑھ گئے تو پھر عمر ؓ نے اسی کوڑے مارے۔“

جوئے کو میسر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے میسر کا لفظی معنیٰ آسان ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جوا کھیلنے والا بغیر کسی جسمانی اور ذہنی محنت کے مال حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ عرب کے لوگ بسا اوقات اس لیے بھی جوا کھیلتے تھے کہ اس سے حاصل شدہ رقم غریبوں میں تقسیم کر دی جائے۔ جس طرح آج کل کئی فن کار ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اس سے حاصل ہونے والی رقم قحط زدہ یا معذور اور بیمار لوگوں پر خرچ کر دیتے ہیں۔ جوے کے بارے میں بھی اس قسم کے منافع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لیکن اس میں بھی نقصانات اس کے فوائد سے زیادہ ہوتے ہیں۔ کاروبار میں رقم لگاتے

وقت آدمی کے ذہن میں نفع اور نقصان دونوں ہوتے ہیں۔ پھر کاروبار میں تاجر سوچ و بچار کرتے ہوئے نقصان سے بچنے کے لیے محنت بھی کرتا ہے اگر اسے ایک کاروبار میں مسلسل نقصان ہو رہا ہو تو وہ اسے چھوڑنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

محنت و مشقت سے حاصل ہونے والی رقم آدمی سمجھ سوچ کر خرچ کرتا ہے۔ جب کہ جوئے میں یہ تمام صورتیں مفقود ہوتی ہیں۔ جوئے پر رقم لگانے والا جواری نقصان کے بجائے فائدے کے بارے میں بڑا جذباتی ہوتا ہے۔ جوئے سے حاصل شدہ رقم اکثر للّے تللّوں پر خرچ ہوتی ہے۔ جوا کھیلنے والا ہارنے کے باوجود مسلسل قسمت آزمائی کرتا چلا جاتا ہے۔ کاروبار میں نقصان یا مندا ہونے میں آدمی جذباتی ہونے کے بجائے سوچ و بچار کرتا ہے اور بسا اوقات فیکٹری یا کاروبار کو کچھ عرصہ کے لیے بند کر دیتا ہے۔ جوئے میں یہ صورت نہیں ہوتی جوے باز جیتنے کے لالچ سے چند لمحوں میں ہر چیز سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ کاروبار میں حاصل ہونے والا منافع مزید تجارت کے لیے استعمال ہوتا ہے جب کہ جوئے سے حاصل ہونے والی رقم سے کبھی بھی لوگ کاروبار کرتے نہیں دیکھے گئے۔

اکثر جوا باز جیت جائیں تو عیاشی کے طور پر اور اگر ہار جائیں تو غم دور کرنے کے لیے شراب پیتے ہیں۔ اس وجہ اور دیگر وجوہات کی بنا پر جوئے اور شراب کا ذکر اکٹھا کیا گیا ہے۔ پھر شراب اور جوئے کی وجہ سے باہم نفرتیں اور لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں ان اسباب کی بنا پر مسلمانوں کو شراب نوشی اور جوا بازی سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی سورت کی آیت ۲۱۵ میں سوال یہ تھا کہ کیا اور کہاں خرچ کریں؟ اب سوال کیا جا رہا ہے کہ کتنا خرچ کیا جائے؟ جواباً ارشاد ہوتا ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد۔ اس فرمان سے اشتراکی نظام جس کی تعریف یہ ہے کہ ہر چیز کی مالک حکومت ہوتی ہے۔ اشتراکی نظام حکومت میں انفرادی ملکیت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اس کے حاملین نے اسلام کے معاشی نظام کی غلط توجیہ کرتے ہوئے اشتراکی نظام کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ان کی توجیہ اسلام اور نظامِ فطرت کے خلاف تھی۔ جس کی وجہ سے چند ہی سالوں میں یہ نظام نہ صرف اپنے انجام کو پہنچا بلکہ روس جیسی عظیم مملکت اس نظام کی کمزوریوں کی وجہ سے تباہی کے گھاٹ اتر گئی۔

سوویت یونین جو دنیا میں دوسری سپر پاور سمجھی جاتی تھی آج اپنا وجود سلامت رکھنے کے لیے اپنے مخالفوں سے قرض کی بھیک مانگنے پر مجبور ہے۔ دراصل ''قُلِ الْعَفْوَ'' کا حکم ایک جنگ کے دوران نازل ہوا تھا اور اسی کی روشنی میں دورانِ سفر رسولِ محترم ﷺ نے لوگوں کو توجہ دلائی کہ جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اسباب ہوں۔ وہ دوسرے بھائی کو عنایت کر دے۔

«عَنْ أَبِي سَعِيدِنِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ فِي سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ جَآءَ رَجُلٌ عَلٰى رَاحِلَةٍ لَّهُ قَالَ فَجَعَلَ يَصْرِفُ بَصَرَهُ يَمِيْنًا وَشِمَالًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلٰى مَنْ لَّا ظَهْرَ لَهُ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلٌ مِنْ زَادٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلٰى مَنْ لَا زَادَ لَهُ قَالَ فَذَكَرَ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ مَا ذَكَرَ حَتّٰى رَأَيْنَا أَنَّهُ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ مِّنَّا فِي فَضْلٍ» (رواہ مسلم: کتاب اللقطہ، باب استحباب المواساۃ بفضول المال)

”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے کہ اچانک ایک آدمی اپنی سواری پر آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہو وہ اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں مگر اس کے پاس سفر کا زائد خرچ ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس زادِ راہ نہیں۔ راوی کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مال کی اور بھی کئی اقسام کا تذکرہ کیا یہاں تک کہ ہم نے سمجھ لیا کہ ضرورت سے زائد مال پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے۔“

ہنگامی حالات میں ذمہ دار قومیں ایسا ہی رویہ اختیار کرتی ہیں۔ کیونکہ دشمن کے مقابلے میں جب تک تن من دھن اور ہر چیز نہ جھونک دی جائے کامل اور مکمل فتح حاصل نہیں ہوا کرتی۔

”عَفْو“ کا معنیٰ جن لوگوں نے من مرضی سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ ان کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے فرد کی ضروریات کا تعین کیا جاسکے۔ کیونکہ اپنی ضروریات کو جو ہر آدمی خود سمجھتا ہے کوئی دوسرا شخص یا حکومت نہیں سمجھ سکتی۔ ایک آدمی کا آنا جانا اس قدر کم ہے کہ اسے سائیکل کی بھی ضرورت نہیں۔ اس کے مقابلے میں ایسا شخص ہے جس کے گھر کے ایک ایک فرد کو سواری کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ایک آدمی کپڑوں کے دو جوڑوں میں گزارا کرسکتا ہے جب کہ دوسرے کو ہر روز لباس تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے کسی کی ضرورت کا تعین کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ البتہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان کو سادگی اختیار کرتے ہوئے اپنے اعزاء و اقرباء اور پڑوسیوں کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیے۔

عفو سے جن لوگوں نے اجتماعی معیشت کا تصور لیا ہے وہ ہر لحاظ سے اسلام کے معاشی نظام کے متصادم ہے۔ کیونکہ اگر ضرورت سے زائد چیزیں حکومت کی ملکیت قرار دے دی جائیں تو قرآن وحدیث میں زکوٰۃ اور وراثت کے احکامات کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنے احکام کو اس لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ ان پر غور وفکر کیا جائے۔

مسائل

۱۔ شراب اور جوئے میں فائدے کی نسبت نقصانات زیادہ ہیں۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے ارشادات پر غور وفکر کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

شراب وجوا کے نقصانات:

۱۔ شراب، جوئے کے فائدے کم اور نقصانات زیادہ ہیں۔ (البقرۃ:۲۱۹)

۲۔ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہیں جانا چاہیے۔ (النساء:۴۳) ۳۔ شراب اور جوا حرام ہیں۔ (المائدہ:۹۰)

۴۔ شراب وجوا باہم دشمنی کا سبب اور اللہ کے ذکر میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ (المائدۃ:۹۱)

فِی	الدُّنْیَا	وَالْاٰخِرَۃِ	وَیَسْــَٔلُوْنَکَ	عَنِ	الْیَتٰمٰی	قُلْ
میں	دنیا	اور آخرت	اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں	سے	یتیم (جمع)	آپ فرمادیں
اِصْلَاحٌ	لَّھُمْ	خَیْرٌ	وَاِنْ	تُخَالِطُوْھُمْ	فَاِخْوَانُکُمْ	وَاللّٰہُ
اصلاح کرنا	انکے لیے	بہتر	اور اگر	تم باہم ملالو ان کو	تو وہ بھائی تمہارے	اور اللہ
یَعْلَمُ	الْمُفْسِدَ	مِنَ	الْمُصْلِحِ	وَلَوْ	شَآءَ	اللّٰہُ	لَاَعْنَتَکُمْ
جانتا ہے	خرابی کرنے والا	سے	اصلاح کرنیوالا	اور اگر	چاہتا	اللہ	ضرور مشقت میں ڈالتا تم کو
اِنَّ	اللّٰہَ	عَزِیْزٌ	حَکِیْمٌ ﴿۲۲۰﴾			
بیشک	اللہ	بہت زبردست	حکمت والا			

”دنیا و آخرت کے بارے میں غور و فکر کرو اور وہ آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ بتائیں کہ ان کی خیر خواہی کرنا بہتر ہے۔ ان کا مال اپنے مال میں ملالو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ اصلاح اور بگاڑ کرنے والے کو خوب جانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشکل میں ڈال دیتا یقیناً اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔“ (۲۲۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

کلام کا تسلسل اور سوال و جواب کا سلسلہ جاری ہے۔ لہٰذا اب یتیموں کی اصلاح اور ان کے ساتھ رہن سہن کے اصول بیان کیے جا رہے ہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے یتیموں کے بارے میں یہ احکامات نازل ہو چکے تھے کہ یتیموں کا مال کھانا پیٹ میں جہنم کے انگارے بھرنے کے مترادف ہے۔ اس انتباہ کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس قدر خوف زدہ اور محتاط ہوئے کہ انہوں نے یتیموں کا کھانا پینا اور ان کے معاملات یکسر طور پر اپنے سے الگ کر دیے لیکن اس صورت حال سے نئے مسائل پیدا ہوئے۔ اس لیے یتیموں کے بارے میں مزید وضاحت کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ وضاحت کی جا رہی ہے کہ دراصل اللہ تعالیٰ کے احکام کا منشاء یہ ہے کہ یتیموں کے مال اور ذات کی اصلاح اور خیر خواہی ہونی چاہیے لہٰذا ان کے ساتھ مل جل کر رہنا، ایک ہی جگہ مل کر کھانا، پینا اور ترقی کے نقطۂ نظر سے ان کے مال کو اپنے کاروبار میں شامل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ پسماندہ اور والدین کی سرپرستی سے محروم ہونے کی وجہ سے اور اخوتِ اسلامی کی بنا پر وہ تمہارے بھائی ہیں۔ ان کے ساتھ ایک بھائی جیسی ہی خیر خواہی ہونی چاہیے۔ یہ وضاحت اور آسانی اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم پر سخت احکامات نازل کر سکتا تھا۔ لیکن یاد رکھنا اللہ تعالیٰ تمہاری نیتوں اور طرزِ عمل کو جانتا ہے۔ اسے خوب معلوم ہے کہ کون زیادتی اور خرابی اور کون اصلاح کے ارادے سے یتیموں کے مال کو اپنے مال کے ساتھ شامل کر رہا ہے۔ بے شک تم عارضی اور وقتی طور

پر کمزوروں اور یتیموں پر بالا دست ہو۔لیکن زیادتی نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ بالا دست اور حکمت والا ہے۔

یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ کے فرمودات:

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَافِلُ الْيَتِيْمِ لَهُ أَوْلِغَيْرِهِ أَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ وَأَشَارَ مَالِكٌ بِالسَّبَابَةِ وَالْوُسْطٰى» (رواہ مسلم: کتاب الزهد، باب الإحسان إلى الأرملة والمسكين واليتيم)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسولِ گرامی ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا: قریبی یا کسی دوسرے یتیم کی کفالت کرنے والا اور میں جنت میں ان دوانگلیوں کی طرح ہوں گے۔راوی نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کا اشارہ کیا۔“

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلًا شَكَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَسْوَةَ قَلْبِهٖ فَقَالَ لَهُ إِنْ أَرَدْتَ تَلْيِيْنَ قَلْبِكَ فَأَطْعِمِ الْمِسْكِيْنَ وَامْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيْمِ» (رواہ أحمد: مسند أبي هريرة [ضعيف])

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کو دل کے سخت ہونے کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چاہتا ہے کہ تیرا دل نرم ہو جائے تو پھر مسکین کو کھانا کھلا اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر۔“

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَلسَّاعِيْ عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوِالْقَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ» (رواہ البخاري: باب فضل النفقة على الأهل)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیوگان اور مساکین کی کفالت کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے یا دن کو روزہ اور رات بھر قیام کرنے والے کی طرح ہے۔“

مسائل

۱۔ یتیموں کی اصلاح کرنا نیکی کا کام ہے۔ ۲۔ان کے ساتھ مل جل کر رہنے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والے اور اصلاح کرنے والے کو جانتا ہے۔ ۴۔اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب اور حکمت والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

یتیموں کے حقوق کا تحفظ:

۱۔ یتیم تمہارے بھائی ہیں۔(البقرة:۲۲۰) ۲۔ یتیموں کی اصلاح میں ہی بہتری ہے۔(البقرة:۲۲۰)
۳۔ یتیم کو جھڑکنے کی ممانعت ہے۔(الضحیٰ:۹)
۴۔ یتیموں کے سمجھ دار ہونے پر ان کا مال ان کے حوالے کرنا چاہیے۔(النساء:۶)
۵۔ مال حوالے کرتے وقت گواہ بنانے چاہئیں۔(النساء:۶) ۶۔ یتیم کا مال کھانا بہت بڑا گناہ ہے۔(النساء:۲)

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ

اور نہ | تم نکاح کرو | مشرک عورتیں | یہاں تک کہ | وہ عورتیں | ایمان لے آئیں | اور البتہ لونڈی مومنہ | بہتر

مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى

سے | مشرک عورت | اور اگرچہ | وہ بھلی لگے تمہیں | اور نہ | نکاح میں دو تم | مشرک مرد | یہاں تک کہ

يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ

وہ ایمان لائیں | اور البتہ غلام | مومن | بہتر | سے | مشرک | اگرچہ | وہ بھلا لگے تمہیں

اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ

یہی لوگ | وہ بلاتے ہیں | طرف | دوزخ | اور اللہ | بلاتا ہے | طرف | جنت | اور بخشش

بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

اپنے حکم سے | اور واضح کرتا ہے | اپنے احکام | لوگوں کے لیے | تاکہ وہ | نصیحت پکڑیں

”مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔ ایمان دار لونڈی مشرکہ آزاد عورت سے بہتر ہے گو تمہیں مشرکہ اچھی لگتی ہو۔ اور نہ مشرکوں سے (اپنی عورتوں کا) نکاح کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ ایماندار غلام، آزاد مشرک سے بہتر ہے گو مشرک تمہیں اچھا لگے۔ یہ لوگ جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے۔ وہ اپنی آیات لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔“ (۲۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سورۃ کے مرکزی مضمون سے وابستہ احکام۔

معاشرتی اور عائلی مسائل کے سلسلہ میں اب ایک اہم اور بنیادی مسئلے کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔ کیونکہ جوں جوں اسلام پھیل رہا تھا اس کے ساتھ ہی معاشرہ میں نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے تھے۔ ان میں سے اہم ترین مسئلہ یہ تھا کہ ایک آدمی مسلمان ہو جاتا ہے اور اس کی بیوی کفر و شرک کی حالت پر قائم رہتی ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس صورت بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ یا دوسری صورت میں ایک مسلمان کو ازدواجی زندگی اپناتے ہوئے کون سے بنیادی اصولوں کا خیال رکھنا چاہیے؟ اس کے بارے میں بنیادی اصول یہ قرار پایا کہ آج کے بعد کوئی مرد کافر اور مشرک عورت کے ساتھ اور کوئی مومن خاتون کسی کافر اور مشرک کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔ چاہے جمال و کمال کے اعتبار سے وہ مرد اور عورت کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں؟ یہاں تک کہ وہ حلقۂ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ ان کے مقابلے میں ایک غلام مسلمان عورت ہو یا مرد کہیں بہتر ہیں۔ حالانکہ معاشرتی طور پر آزاد کے مقابلے میں غلام مرد ہو یا عورت اس کی حیثیت آزاد کے برابر نہیں ہو سکتی۔ خاص کر عرب معاشرے

میں غلاموں کی حیثیت ایک زرخرید جانور سے زیادہ نہیں تھی۔لیکن شرک اور کفر ایسے جرم ہیں جن سے آدمی کی حیثیت حقیقی طور پر ایک غلام سے بھی زیادہ بدتر ہوجاتی ہے۔اس کے نقصانات دینی اور سماجی اعتبار سے اتنے زیادہ ہیں جن پر کنٹرول کرنا کسی کے بس کا روگ نہیں رہتا۔کفریہ اور شرکیہ عقیدہ رکھنے والا مرد ہو یا عورت درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار اور اس کے ساتھ شرک کرکے عملاً اس سے بغاوت کا اقرار کرتا ہے۔کوئی ایمانی غیرت رکھنے والا شخص ایسے باغی کے ساتھ زندگی کا بندھن قائم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوسکتا۔سماجی لحاظ سے وہ ایک ایسی ذہنی کش مکش میں مبتلا ہوتا ہے جس سے چھٹکارا پانا ناممکنات میں سے ہے۔کیونکہ ایماندار خاوند اپنی اولاد کو ایمان اور جنت کی ہی دعوت دے گا۔جب کہ اس کی مشرک بیوی اولاد کو اپنے عقیدے کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے گی جو سراسر ''اللہ'' سے بغاوت اور جہنم کے راستے پر چلنے، چلانے کے مترادف ہے۔یہی صورت ایک مومنہ بیوی کی مشرک اور کافر کے ساتھ پیدا ہوگی۔ایسی صورت میں اولاد، خاندان اور معاشرے پر کس قدر منفی اور باہمی کش مکش کے اثرات مرتب ہوں گے؟ اگر مسلمانوں کو کفر وشرک کے اختلاط سے منع نہ کیا جائے تو امت کا تشخص کس طرح قائم ہوسکتا ہے؟ اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ تمہیں جہنم کی آگ کی دعوت دیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے یہ قانون بنا کر تمہیں اپنی بخشش اور جنت کے راستے کی رہنمائی کی ہے تاکہ ان حقائق کو سامنے رکھ کر تم نصیحت حاصل کرو۔

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ» (رواه البخاري: باب الأكفاء في الدين)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عورت سے چار وجوہات کی بنیاد پر شادی کی جاتی ہے۔مال کی وجہ سے، حسب ونسب کی بناء پر، اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اور اس کے دین کی بنیاد پر۔پس تم دین دار کو پسند کرو تاکہ تم کامیاب اور تروتازہ رہو۔''

اہلِ کتاب کے ساتھ نکاح کرنے کا مسئلہ (المائدہ:۵) چھٹے پارے میں بیان ہوگا۔ان شاء اللہ

مسائل

۱۔ مشرک مرد اور عورت سے نکاح جائز نہیں۔ ۲۔مومن غلام اور کنیز آزاد مشرک مرد وزن سے بہتر ہیں۔

۳۔ مشرک جہنم کی طرف بلانے والے ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنی بخشش اور جنت کی دعوت دیتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے احکام نصیحت حاصل کرنے کے لیے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

کن عورتوں سے نکاح جائز نہیں؟

۱۔ مشرکہ اور کفار عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔(البقرۃ:۲۲۱۔الممتحنۃ:۱۰)

۲۔ زانیہ سے نکاح جائز نہیں۔(النور:۳) ۳۔محرمات سے نکاح جائز نہیں۔(النساء:۲۳، ۲۴)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا

اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں | سے | حالت حیض | آپ فرمادیں | وہ | گندگی | پس تم الگ رہو

النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ

عورتیں | میں | حالت حیض | اور نہ تم | ان کے قریب جاؤ | یہانتک کہ | وہ پاک ہوجائیں

فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ

پھر جب | وہ پاک ہوجائیں | توتم آؤان کے پاس | سے | جہاں | اس نے حکم دیا تمہیں | اللہ

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

بیشک | اللہ | دوست رکھتا ہے | توبہ کرنے والے | اور دوست رکھتا ہے | پاک رہنے والے

''لوگ تم سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں فرمادیں کہ وہ گندگی ہے، حالتِ حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور ان کے قریب مت جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائیں۔ جب وہ پاک ہوجائیں تو پاک ہونے پر ان کے پاس جاؤ جہاں سے تمہیں اللہ نے اجازت دی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔'' (۲۲۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام : عورتوں کے متعلقہ مسائل اور سوال وجواب کے حوالے سے سلسلۂ کلام جاری ہے۔

یہاں ازدواجی زندگی کے ایک اہم اور فطری مسئلے کے متعلق ایک سوال کا جواب دیا جارہا ہے کہ حیض کی حالت میں میاں بیوی کے تعلقات کی کیا نوعیت ہونی چاہیے؟ کیونکہ اس بارے میں لوگ افراط وتفریط کا شکار تھے۔عیسائی حیض کے ایام میں اپنی بیویوں سے مجامعت جاری رکھتے اور یہودی ان سے اس قدر دور رہتے اور نفرت کرتے کہ بیویوں کے قریب بیٹھنا اور ان کے ساتھ کھانا پینا تو درکنار ان کے برتن اور رہائش بھی الگ کردیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ بے چاری مخصوص ایام میں اپنے معصوم بچوں سے پیار بھی نہیں کرسکتی تھی۔ مسئلے کی وضاحت کرنے سے پہلے فرمایا کہ حیض عورت کے لیے ایک تکلیف دہ امر ہے اس سے عورت کے اندرونی نظام میں منفی اور مثبت تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ میڈیکل کی زبان میں عورت کے جسم کا مخصوص حصہ فلٹرائز ہورہا ہوتا ہے لہٰذا ان ایام میں عورت کے ساتھ مباشرت کرنا مرد اور بیوی کے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے اس لیے حکم ہے اس وقت تک صحبت کی غرض سے عورتوں کے قریب نہیں جانا چاہیے یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائیں۔ پاک ہونے سے مراد عورت کا غسل کرنا ہے اور عورت کے غسل کرنے سے پہلے مجامعت جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک باز اور توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

یہاں قرآنِ مجید نے ''لَا تَقْرَبُوْهُنَّ'' کے الفاظ استعمال فرمائے ''کہ ان کے قریب نہ جاؤ۔'' جس سے مراد مجامعت کرنا ہے۔ سوال کا جواب دیتے ہوئے آخر میں فرمایا کہ اپنی عورتوں کے پاس جاؤ جس طریقے اور حالت میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں اجازت عطا فرمائی ہے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچنے اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

نبی محترم ﷺ نے عورتوں کے ساتھ کی جانے والی افراط وتفریط کو ختم کرنے کے لیے اپنی خلوت کو بیان کرنے کی اجازت دی تا کہ لوگ سمجھ جائیں کہ حیض کی حالت میں خاوند کس حد تک اپنی بیوی کے قریب ہوسکتا ہے۔

①«عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ ﷺ مِنْ إِنَآءٍ وَاحِدٍ وَّكِلَانَا جُنُبٌ وَكَانَ يَأْمُرُنِيْ فَأَتَزِرُ فَيُبَاشِرُنِيْ وَأَنَا حَآئِضٌ وَكَانَ يُخْرِجُ رَأْسَهُ إِلَيَّ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَأَغْسِلُهُ وَأَنَا حَآئِضٌ»

(رواالبخاری: کتاب الحیض، باب مباشرة الحیض)

''حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ میں اور نبی ﷺ ایک ہی برتن میں بحالت جنابت غسل کرلیا کرتے۔آپ مجھے ازار باندھنے کا حکم دیتے ازار باندھنے کے بعد وہ مجھ سے مباشرت کرتے یعنی صرف میرے ساتھ لیٹتے اور میں حائضہ ہوتی۔آپ اعتکاف کی حالت میں اپنا سر باہر نکالتے اور میں حیض کی حالت میں آپ کا سر مبارک دھودیتی۔''

②«عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ كُنْتُ أَشْرَبُ وَأَنَا حَآئِضٌ ثُمَّ أُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ ﷺ فَيَضَعُ فَاهُ عَلٰى مَوْضِعِ فِيَّ فَيَشْرَبُ وَأَتَعَرَّقُ الْعَرْقَ وَأَنَا حَآئِضٌ ثُمَّ أُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ ﷺ فَيَضَعُ فَاهُ عَلٰى مَوْضِعِ فِيَّ»

(رواہ مسلم: باب جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجیله وطهارة)

''حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ میں بحالتِ حیض کوئی چیز پیتی پھر اسی برتن میں نبی کریم ﷺ کو دیتی تو آپ اسی جگہ منہ رکھ کر پیتے جہاں سے میں نے پیا ہوتا اور میں حیض کی حالت میں ہڈی سے گوشت نوچتی پھر وہ نبی ﷺ کو دیتی تو آپ بھی وہاں منہ لگا لیتے۔''

③«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الَّذِيْ يَأْتِيْ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَآئِضٌ قَالَ يَتَصَدَّقُ بِدِيْنَارٍ أَوْ نِصْفِ دِيْنَارٍ» (رواہ أبو داؤد: کتاب الطهارة، باب فی إتیان الحائض [صحیح])

''حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نبی کریم ﷺ سے اس شخص کے متعلق بیان فرماتے ہیں جو اپنی بیوی سے حیض کی حالت میں جماع کرتا ہے فرمایا وہ ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرے۔''

آج کے حساب سے ایک دینار کی قیمت ۵۷۳ روپے کے قریب ہے۔

مسائل

۱۔ حیض پلیدی اور تکلیف ہے اس میں عورتوں سے الگ رہنا چاہیے۔ ۲۔ بیویوں سے مجامعت پاک حالت میں کرنی چاہیے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ گناہ اور گندگی سے پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

صفائی اور پاکی کی فضیلت:

۱۔ اللہ تعالیٰ پاک لوگوں کو پسند کرتا ہے۔(البقرۃ:۲۲۲) ۲۔ نیک لوگ پاک صاف رہنا پسند کرتے ہیں۔(التوبہ:۱۰۸)

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا

تمہاری عورتیں | کھیتی | تمہاری | لہٰذا تم آؤ | تمہاری کھیتی | جہاں سے | تم چاہو | اور آگے بھیجو

لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

اپنے نفسوں کیلئے | اور تم ڈرو | اللہ | اور تم جان لو | بیشک تم | ملنے والے ہو اس سے | اور آپ خوشخبری دیں | ایمان والے

’’تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں، اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لیے (نیک اعمال) آگے بھیجو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم اپنے رب سے ملنے والے ہو اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔‘‘(۲۲۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

چونکہ پہلے حکم میں مخصوص ایام کے دوران عورتوں سے صحبت کرنے سے روک دیا گیا تھا۔ اس لیے یہاں طبیعتوں کی گھٹن دور کرنے اور ازدواجی زندگی کے بنیادی مقصد کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ جس طرح کھیتی باڑی کے کچھ اصول اور ہر فصل کے مخصوص ایام ہوتے ہیں اسی طرح ازدواجی زندگی کے مقاصد اور خلوت کے بھی کچھ اصول ہیں۔ تاہم جس طرح زمیندار کو اپنی زمین اور کھیتی باڑی میں کھلا اختیار ہوتا ہے ایسے ہی تمہیں اپنی بیویوں کے بارے میں اختیارات حاصل ہیں کہ جب اور جس طرح چاہو مجامعت کر سکتے ہو۔ یہاں ازدواجی زندگی کو کھیتی کے ساتھ تشبیہ دے کر واضح کیا جا رہا ہے کہ جس طرح کوئی زمیندار بے مقصد ہل نہیں چلایا کرتا بلکہ اس کے پیشِ نظر اناج کی شکل میں اپنی محنت کا صلہ ہوتا ہے اسی طرح نکاح کا مقصد محض شہوت رانی نہیں ہونا چاہیے۔ میاں بیوی کے اس عمل اور جذبات میں اپنے آپ کو گناہوں سے پاک رکھنا، اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہونا اور نیک اولاد کی تمنا شامل ہونی چاہیے تاکہ دنیاوی فوائد کے ساتھ آخرت میں اس کام کا اجر ملے۔ جس طرح زمیندار اپنے اور قوم کے لیے غلہ مہیا کرتا ہے ایسے ہی ازدواجی تعلقات کے ذریعے نسل کا تسلسل، قوم کی بقاء اور دینِ اسلام کے لیے اچھے مسلمان تیار کرنا ہے۔ جس طرح زمیندار اپنی زمین اور فصل کا خیال اور خدمت کرتا ہے۔ تمہیں اپنی بیویوں اور اولاد کا اس سے بڑھ کر خیال اور ان کی خدمت کرنا چاہیے۔ اس میں بیوی کی صحت، گھریلو مصروفیات، عبادات اور بچے کا پورے دو سال دودھ پلانے کا اشارہ بھی شامل ہے۔ اگر میاں بیوی ان امور کا خیال کریں تو انہیں تولید میں وقفہ کے لیے کسی غیر شرعی طریقہ کی حاجت نہیں رہتی۔ آج کے مصنوعی طریقے صحت کے لیے مضر ہیں۔ یہ بات ذہن میں ہر دم تازہ رکھو کہ تم اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہو اور وہ تمہاری جلوتوں اور خلوتوں کو جانتا ہے۔ تمہاری پوشیدہ اور ظاہری زندگی اس طرح ہونی چاہیے کہ اپنے رب کے ہاں تمہیں شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ جو جلوت اور خلوت میں اس بات کا خیال رکھے گا ایسے صاحبِ ایمان لوگوں کے لیے مسرّت و شادمانی کا پیغام ہے

کہ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت کی خوشیوں سے سرفراز فرمائے گا۔

((عَنْ مَعْقَلِ بْنِ يَسَارٍ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِنِّي أَصَبْتُ امْرَأَةً ذَاتَ حَسَبٍ وَّجَمَالٍ وَّإِنَّهَا لَا تَلِدُ أَفَأَتَزَوَّجُهَا قَالَ لَا ثُمَّ أَتَاهُ الثَّانِيَةَ فَنَهَاهُ ثُمَّ أَتَاهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَإِنِّيْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ)) (رواہ أبوداؤد: باب النہی عن تزویج من لم یلد [صحیح])

''حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک آدمی نے آکر پوچھا ایک عورت حسب ونسب اور حسن و جمال والی ہے لیکن ہے بانجھ کیا میں اس سے شادی کرلوں؟ آپ نے اسے روک دیا۔ دوسری اور تیسری مرتبہ آنے پر منع کرتے ہوئے فرمایا محبت کرنے اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے شادی کرو کیونکہ میں تمہاری کثرتِ تعداد کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔''

((عَنْ عُتْبَةَ بْنِ عَبْدِ السُّلَمِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ فَلْيَسْتَتِرْ وَلَا يَتَجَرَّدْ تَجَرُّدَ الْعَيْرَيْنِ)) (رواہ ابن ماجۃ: کتاب النکاح، باب التستر عند الجماع [ضعیف])

''حضرت عتبہ بن عبدالسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کرے تو وہ پردہ کرے اور گدھوں کی طرح ننگا نہ ہو۔''

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص لعنتی ہے جو اپنی بیوی سے اس کی دُبر کی جگہ جماع کرتا ہے۔'' (رواہ أبوداؤد: کتاب النکاح، باب فی جامع النکاح)

((عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلُ يُفْضِيْ إِلَى امْرَأَتِهِ وَتُفْضِيْ إِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا)) (رواہ مسلم: کتاب النکاح)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں بدترین شخص وہ ہوگا جو اپنی بیوی سے ملتا ہے اور بیوی اپنے خاوند سے ملتی ہے پھر وہ ایک دوسرے کے راز فاش کرتے ہیں۔''

مسائل

۱۔ بیویاں خاوندوں کے لیے کھیتیوں کی مانند ہیں۔ ۲۔ اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے کیونکہ بالآخر اس سے ملاقات ہونا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے والوں کے لیے دنیا اور آخرت میں خوشخبریاں ہیں۔

تفسیر بالقرآن

بیوی کی حیثیت:

۱۔ بیوی اور خاوند ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ (البقرۃ: ۱۸۷) ۲۔ بیوی نسلِ انسانی کی افزائش کا ذریعہ ہے۔ (النساء: ۱)

۳۔ بیوی سکون کا باعث ہے۔ (الروم: ۲۱) ۴۔ بیوی خاوند کی نائب ہے۔ (النساء: ۳۴)

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَیْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا

اور نہ | تم بناؤ | اللہ | نشانہ | اپنی قسموں کے لیے | یہ کہ | تم نیکی کرو

وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَیْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۲۴﴾

اور پرہیزگاری کرو | اور صلح کراؤ | درمیان | لوگ | اور اللہ | خوب سننے والا | خوب جاننے والا

لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ

نہیں مؤاخذہ کرے گا تمہارا | اللہ | لغو | میں | قسمیں تمہاری | اور لیکن وہ مؤاخذہ کرے گا تمہارا

بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِیْنَ

اسکے ساتھ جو | کمایا | تمہارے دل | اور اللہ | بہت بخشنے والا | خوب بردبار | ان لوگوں کے لیے

یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ

قسم کھاتے ہیں | سے | انکی عورتیں | انتظار | چار | مہینے | پھر اگر | وہ رجوع کرلیں

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۲۶﴾

تو بیشک | اللہ | بہت بخشنے والا | نہایت رحم کرنے والا

”اور تم اللہ تعالیٰ کے نام کو اپنی ایسی قسموں میں استعمال نہ کرو جن سے مقصود بھلائی اور پرہیزگاری اور لوگوں کے درمیان اصلاح سے باز رہنا ہو اور اللہ تعالیٰ خوب سننے، خوب جاننے والا ہے۔ (۲۲۴) اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری لغو قسموں پر نہیں پکڑتا البتہ وہ ان قسموں پر پکڑے گا جو تم نے پختہ ارادے کے ساتھ قسمیں کھائیں۔ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور خوب بردبار ہے۔ (۲۲۵) جو لوگ اپنی بیویوں سے علیحدگی کی قسمیں کھا بیٹھیں ان عورتوں کے لیے چار مہینے کی مدت ہے، پھر اگر وہ رجوع کرلیں تو اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ (۲۲۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: میاں بیوی کے درمیان کسی مسئلہ میں تکرار ہوجائے تو بسا اوقات معاملہ بحث وتکرار سے بڑھ کر قسم تک پہنچ جاتا ہے لہٰذا جذباتی قسم کے بارے میں رعایت دی گئی ہے۔

از دواجی و عائلی مسائل کے دوران قسم کے مسئلہ کی وضاحت اس لیے ضروری سمجھی گئی کہ اس زمانے میں اور آج بھی باہمی مخالفت یا طیش میں آکر لوگ قسم اٹھالیتے ہیں کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ اتنے دن کلام سے اجتناب، بائیکاٹ یا فلاں کام نہیں کروں گا۔ حالانکہ اس موقع پر قسم اٹھانا مناسب بات نہیں ہوتی۔ جہاں تک بیوی سے ایلاء یعنی بائیکاٹ کا معاملہ ہے اس فرمان میں ایلاء کی آخری مدت چار ماہ مقرر کردی گئی۔ خاوند کو اس کے بعد رجوع کرنا یا پھر طلاق دینا ہوگی۔ مسلمان

کو ایسی قسم اٹھانے سے روک دیا گیا ہے جو نیکی اور خیر کے کام میں رکاوٹ بنتی ہو۔ یہ قسم اس لحاظ سے عجیب اور غیر دانش مندی کا مظہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر آدمی کسی نیک کام سے رُک جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نیکی کا حکم دیتا اور ہر قسم کی برائی سے منع کرتا ہے۔ یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بابرکت اور عظیم نام ہی نیکی میں رکاوٹ بنا دیا جائے۔ اس لیے یہاں حکم دیا جار ہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کو نیکی اور اصلاح بین الناس کے درمیان رکاوٹ نہ بناؤ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم کس نیت اور غرض سے اس کے عظیم نام کو استعمال کر رہے ہو؟

«عَنْ زَهْدَمَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي نَفَرٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّيْنَ فَوَافَقْتُهُ وَهُوَ غَضْبَانُ فَاسْتَحْمَلْنَاهُ فَحَلَفَ أَنْ لاَّ يَحْمِلَنَا ثُمَّ قَالَ وَاللهِ إِنْ شَآءَ اللهُ لَآ أَحْلِفُ عَلٰى يَمِيْنٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَآ إِلَّآ أَتَيْتُ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَتَحَلَّلْتُهَا»

(رواہ البخاری: کتاب الأیمان والنذور، باب الیمین فیما لا یملک الخ)

”حضرت زھدم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تھے وہ فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اشعری قبیلہ کے کچھ افراد کے ہمراہ اس وقت حاضر ہوا جب آپ غصہ میں تھے۔ ہم نے سواری کا مطالبہ کیا تو آپ نے قسم اٹھادی کہ میں تمہیں کچھ نہیں دوں گا۔ پھر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر اللہ کی مشیت شامل حال ہوتو جس کام پر میں قسم کھاتا ہوں اگر اس کی بجائے دوسرے کام کو بہتر سمجھوں تو میں بہتر کام کر کے قسم کا کفارہ ادا کر دیتا ہوں۔“

یہاں اس بات کی بھی وضاحت فرمادی گئی کہ اللہ تعالیٰ تمہارا انہی قسموں پر مؤاخذہ کرے گا جو تم نے عمداً اٹھائی ہوں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ ظرف ہونے اور اپنی بخشش کی وجہ سے تمہاری لغو قسموں پر مؤاخذہ نہیں کرتا۔ حالانکہ تم اس کا پاک اور عظیم نام کو بے مقصد استعمال کرتے ہو۔ لغو کے بارے میں سورۃ المؤمنون آیت: ۳ کی تلاوت فرمائیں:

{ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ } (المومنون:۳)

”مؤمن وہ ہیں جو لغو اور بے مقصد کام اور کلام سے پرہیز کرتے ہیں۔“

رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

«مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ» (رواہ الترمذی: کتاب الزھد [صحیح])

”آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ بے مقصد کام چھوڑ دے“۔

پختہ قسم کا کفارہ:

{ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ } (المائدۃ:۸۹)

''اللہ تعالیٰ تمہاری قسموں میں لغو قسم پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرتا مؤاخذہ اس پر فرماتا ہے کہ جب تم پختہ قسمیں کھاتے ہو۔ پختہ قسم کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا کھلانا ہے اوسط درجے کا جو اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑا پہنچانا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے جو مالی استعداد نہیں رکھتا وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ اور اپنی قسموں کا خیال رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام اس لیے بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔''

«عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّهُ أَدْرَكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فِي رَكْبٍ وَهُوَ يَحْلِفُ بِأَبِيهِ، فَنَادَاهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَلاَ، إِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ، فَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ، وَإِلَّا فَلْيَصْمُتْ»

(رواہ البخاری: بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ إِكْفَارَ مَنْ قَالَ ذٰلِكَ مُتَأَوِّلًا أَوْ جَاهِلًا)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک قافلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنا کہ وہ اپنے والد کی قسم اٹھا رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آواز دی کہ سنو! اللہ نے تمہیں اپنے آباء واجداد کی قسم اٹھانے سے منع فرمایا ہے جس نے قسم اٹھانی ہو وہ صرف اللہ کی قسم اٹھائے ورنہ خاموش رہے۔''

مسائل

۱۔ نیکی اور اصلاح بین الناس سے رکنے یا روکنے کے لیے قسم اٹھانا جائز نہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ بے ارادہ قسموں پر مؤاخذہ نہیں کرتا۔

۴۔ عزم کے ساتھ اٹھائی ہوئی قسم پر مؤاخذہ ہوگا۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ نہایت ہی حوصلے اور معاف کرنے والا ہے۔

۶۔ بیوی سے ایلاء کی مدت چار ماہ ہے۔ ۷۔ ایلاء کا معنی ہے بیوی سے بائیکاٹ کرنا۔

تفسیر بالقرآن

جھوٹی قسم کا گناہ:

۱۔ قسم کو ڈھال نہ بناؤ۔ (البقرۃ: ۲۲۴) ۲۔ پختہ قسموں کو پورا کرنا چاہیے۔ (النحل: ۹۱)

۳۔ ناجائز قسموں پر عمل نہ کیا جائے۔ (التحریم: ۱، ۲) ۴۔ صدقہ نہ دینے کی قسم ممنوع ہے۔ (النور: ۲۲)

۵۔ غلط قسموں کے ذریعے مال بٹورنے والوں کا انجام۔ (آل عمران: ۷۷)

۶۔ جھوٹی قسمیں کھانے والوں کا انجام۔ (التوبۃ: ۹۵) ۷۔ بلا قصد قسموں پر مؤاخذہ نہیں۔ (المائدۃ: ۸۹)

قسم کی وجہ سے بیوی سے علیحدگی کی عدّت:

۱۔ عورتوں سے علیحدگی کی مدت چار ماہ ہے۔ (البقرۃ: ۲۲۶)

۲۔ چار ماہ کے بعد رجوع ہے یا طلاق دینا ہوگی۔ (البقرۃ: ۲۲۶، ۲۲۷)

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

اور اگر انہوں نے عزم کر لیا طلاق تو بے شک اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ

اور طلاق یافتہ عورتیں وہ انتظار کریں اپنے آپ کو تین حیض اور نہیں حلال ان کے لیے یہ کہ

يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ

وہ چھپائیں جو پیدا کیا اللہ میں ان کے رحم اگر ہیں

يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ

ایمان رکھتی اللہ کیساتھ اور یوم آخرت اور ان کے خاوند زیادہ حقدار ان کو لوٹانے کا میں

ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ

اس اگر وہ چاہیں بہتری اور ان کے لیے جیسے وہ جو ان پر

بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ ع ۲۸/۷ ۱۲

دستور کے مطابق اور مردوں کے لیے ان پر درجہ اور اللہ بڑا غالب خوب حکمت والا

”اور اگر مرد طلاق کا ہی ارادہ کر لیں تو اللہ خوب سننے، خوب جاننے والا ہے۔(۲۲۷) طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں اور اگر وہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں ان کے لیے حلال نہیں کہ اللہ نے جو ان کے رحم میں پیدا کیا اُسے چھپائیں۔ ان کے خاوند اس مدت میں ان کی واپسی کے زیادہ حق دار ہیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حق ہیں جیسے ان پر مردوں کے حق ہیں اچھے انداز کے ساتھ۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب، خوب حکمت والا ہے۔“(۲۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عورتوں کے متعلقہ مسائل کا بیان جاری ہے۔

اگر ایلاء کرنے والے نے طلاق دینے کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے تو مطلقہ عورت کو تین حیض انتظار کرنا چاہیے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے سمیع وعلیم کی صفات کا تذکرہ فرما کر ایک قسم کی تنبیہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ طلاق تک نوبت پہنچنے میں خاوند، بیوی اور خاندان کے کس کس آدمی کا کتنا ہاتھ ہے لہٰذا تمہیں خوب سمجھ سوچ کر فیصلہ کرنا ہوگا۔

رسولِ معظم ﷺ کا ارشاد ہے:

«ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ اَلنِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ»

(رواہ الترمذی: کتاب الطلاق، باب ماجاء فی الجد والہزل فی الطلاق [حسن])

’’تین کام ایسے ہیں جو حقیقتاً اور بطورِ مذاق بھی ثابت ہو جاتے ہیں۔ نکاح، طلاق اور رجوع۔‘‘

یہاں مطلقہ عورت سے مراد وہ عورت ہے جسے طلاقِ رجعی ہو۔ رجعی کا معنٰی ہے جس میں میاں بیوی کو آپس میں رجوع کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ ایسی مطلقہ کو تین حیض انتظار کرنا چاہیے۔ یہاں عورت کو بالخصوص یہ ہدایت کی جارہی ہے کہ اگر وہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے تو جو کچھ اس کے رحم میں ہے اسے ہرگز نہیں چھپانا چاہیے۔ کیونکہ عورت کے حاملہ ہونے کا صرف اسی کو علم ہوسکتا ہے۔ خاص کر ابتدائی ایام میں اس کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ خالی الرحم ہے یا صاحبِ اُمید ہے اسے اللہ اور آخرت کا نام لے کر احساس دلایا جارہا ہے کہ اسے آگے نکاح کرنے کے لیے یہ خیانت نہیں کرنا چاہیے۔ اس طرح کرنا نہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہے بلکہ رحم کی کیفیت کو چھپاتے ہوئے کسی دوسرے سے نکاح کرتی ہے تو وہ اس حرکت کے ساتھ کئی بھاری جرائم کا ارتکاب کرے گی۔ پہلا جرم تو یہ ہے کہ اس طرح اس کا دوسرے شخص سے نکاح کرنا ہی ناجائز ہے۔ دوسرا جرم یہ ہے کہ اس کے رحم میں جو بچہ ہے اس کی ولدیت کا معاملہ بھی خلط ملط ہو جائے گا۔

کیونکہ ایسے بچے کی ولدیت کا حقیقی علم ہو جائے تو وہ دونوں طرف سے وراثت سے محروم ہو جائے گا۔ بیوی کا پہلا خاوند اس لیے اس بچے کو اپنا وارث نہیں بنائے گا کہ اس کی ماں نے طلاق کے وقت اسے بتلانے سے انکار کر دیا تھا عورت کا موجودہ خاوند انکار کرنے میں اس لیے حق بجانب ہوگا کہ حقیقتاً وہ اس کا بچہ ہی نہیں۔ اسی طرح آگے چل کر یہ فیصلہ کرنا بھی مشکل ہوگا کہ یہ بچہ یا بچی کس کے لیے محرم ہے؟ اگر حاملہ ہونے کے باوجود عورت اپنا رحم خالی بتلاتی ہے تاکہ وہ کسی دوسرے سے نکاح کر سکے جب کہ اس کی عدّت وضع حمل ہے تو غلط بیانی سے کام لے کر اپنے خاوند کو رجوع کے حق سے محروم کرتی ہے اور بچے کے نسب کو خلط ملط کرتی ہے۔ جو شرعی طور پر خاوند اور اس کے خاندان کے ساتھ خیانت کے مترادف ہے۔ اس لیے اللہ اور آخرت کے نام سے اسے تاکید کی جارہی ہے کہ اسے اس معاملے کو چھپانا نہیں چاہیے۔ اگر اس کا خاوند طلاقِ رجعی کی مدت میں عدت گزرنے کے بعد نکاح کی خواہش کرے تو اس کو عقدِ ثانی کرنے کا زیادہ حق پہنچتا ہے بشرطیکہ وہ باہمی طور پر اپنی اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق ٹھہرائے ہیں تاہم مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے کیونکہ مرد خاندان کی اکائی اور کنبے کا کفیل ہوتا ہے۔

رسولِ معظم کا ارشاد ہے کہ جان بوجھ کر نسب کو خلط ملط کرنا حرام ہے:

«عَنْ رُوَیْفِعِ بْنِ ثَابِتِ الْاَنْصَارِیِّ ﷛ قَالَ کُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ حِیْنَ افْتَتَحَ حُنَیْنًا فَقَامَ فِیْنَا خَطِیْبًا فَقَالَ: لَا یَحِلُّ لِاِمْرِیءٍ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَسْقِیَ مَاءَہٗ زَرْعَ غَیْرِہِ الخ»

(رواہ احمد: باب مسند رویفع بن ثابت [صحیح])

’’حضرت رویفع بن ثابت ﷛ بیان کرتے ہیں کہ فتح حنین کے موقعہ پر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے کے لیے یہ بات حلال اور جائز نہیں کہ وہ اپنے پانی سے

کسی اور کی کھیتی سیراب کرتا پھرے۔“

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنِ ادَّعٰى إِلٰى غَيْرِ أَبِيْهِ أَوِ انْتَمٰى إِلٰى غَيْرِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ الْمُتَتَابِعَةُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ» (رواہ أبو داؤد: کتاب الأدب، باب فی الرجل ینتمی الخ [صحیح])

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے باپ کو اپنا باپ بنانے کا دعویٰ کیا یا کسی نے اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کے آقا کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا تو اس پر قیامت کے دن تک لگاتار ”اللہ“ کی لعنت برستی رہے گی۔“

مسائل

۱۔ مطلقہ عورت کی عدّت تین حیض ہے۔ ۲۔ مطلقہ عورت کو اپنے رحم کی حالت نہیں چھپانا چاہیے۔

۳۔ طلاقِ رجعی کی عدّت گزرنے کے بعد پہلا خاوند نکاح کرنے کا زیادہ حق دار ہے۔

۴۔ میاں بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔

۵۔ خاوندوں کا بیویوں پر درجہ بلند ہے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

عدّت کے مسائل:

۱۔ مطلقہ کی عدّت تین حیض ہے۔ (البقرۃ: ۲۲۸) ۲۔ حیض نہ آنے کی صورت میں عدّت تین ماہ ہے۔ (الطلاق: ۴، ۵)

۳۔ بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ (البقرۃ: ۲۳۴) ۴۔ حاملہ کی عدّت وضع حمل ہے۔ (الطلاق: ۴)

۵۔ عدّت کے دن گننے چاہئیں۔ (الطلاق: ۱) ۶۔ عورت شوہر کے گھر عدّت گزار سکتی ہے۔ (الطلاق: ۱)

۷۔ خاوند کے ہاتھ لگائے بغیر طلاق دینے کی صورت میں عدّت نہیں۔ (الاحزاب: ۴۹)

۸۔ عدّت والی حاملہ ہو تو بچہ جنم دینے تک مکان اور نفقہ کی حق دار ہے۔ (الطلاق: ۶)

۹۔ عدّت والی حمل نہ چھپائے۔ (البقرۃ: ۲۲۸) ۱۰۔ عدّت میں منگنی کا اشارہ کرنے میں گناہ نہیں۔ (البقرۃ: ۲۳۵)

۱۱۔ دورانِ عدّت نکاح جائز نہیں۔ (البقرۃ: ۲۳۵)

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ

طلاق | دو بار | پھر روک لینا | دستور کے مطابق | یا | چھوڑ دینا | حسنِ سلوک کیساتھ | اور نہیں حلال

لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْــًٔا اِلَّآ اَنْ

تمہارے لیے | یہ کہ | تم لو | اس سے جو | تم نے دیا ان کو | کچھ | سوائے | یہ کہ

يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ

وہ دونوں ڈریں کہ نہ وہ قائم رکھ سکیں گے | اللہ کی حدود | پھر اگر | تم ڈرو | کہ نہیں وہ قائم رکھ سکیں گے | اللہ کی حدود

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا

تو کوئی نہیں گناہ | ان دونوں پر | اس میں جو وہ عورت فدیہ میں دے | اس کا | یہ | اللہ کی حدود ہیں | پس نہ

تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

آگے بڑھو تم ان سے | اور جو | آگے بڑھتا ہے | اللہ کی حدود | پس یہی لوگ | وہ | ظالم (جمع)

”طلاق دو مرتبہ ہے پھر یا تو اچھے انداز سے رکھنا ہے یا احسان کر کے چھوڑ دینا ہے اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ جو کچھ تم نے ان عورتوں کو دیا ہے اس میں سے کچھ واپس لو۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ رکھنے کا اندیشہ ہو اس لیے اگر تمہیں ڈر ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت رہائی پانے کے لیے کچھ دے دے۔ اس میں دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ اللہ کی حدود ہیں خبردار ان سے آگے نہ بڑھنا اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنے والے لوگ ہی تو ظالم ہیں۔“ (۲۲۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

عربوں نے عورت کے لیے طلاق کو تنگ کرنے کا ذریعہ بنالیا تھا۔ ایک آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیتا جب اس کی عدت ختم ہونے کے قریب آتی تو وہ اس سے رجوع کر لیتا تھا۔ اس طرح بار بار طلاق دیتا اور رجوع کرتا یہاں تک کہ اس کو اسی حالت پر رہنے دیتا۔ اس حالت میں نہ وہ بیوی کے طور پر گھر میں زندگی بسر کرتی اور نہ ہی اس کی جان چھوٹتی۔ انہی خیالات کے تحت ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تمہیں ایسی سزا دوں گا جس سے چھٹکارا پانا تیرے بس کا روگ نہیں ہوگا۔ اس نے عرض کیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ انصاری نے کہا کہ میں ہر طلاق کے بعد عدّت گزرنے سے پہلے رجوع کرتا رہوں گا تاکہ تو اسی کش مکش میں مبتلا رہے۔ یہ سزا سن کر بیچاری کانپ اٹھی اور موقع پاتے ہی رسول اکرم ﷺ کے گھر پہنچی۔ آپ ﷺ گھر میں موجود نہ تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ میرے ساتھ یہ ظلم ہونے والا ہے ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ (رواہ الترمذی: ابواب الطلاق واللعان، باب ماجاء فی طلاق المعتوہ [ضعیف])

اس اثناء میں رسولِ کریم ﷺ پر وحی نازل ہوئی کہ آج کے بعد مرد کو صرف دو رجعی طلاقیں دینے کا حق ہوگا۔ اگر وہ اس

دوران رجوع کرتا ہے تو ٹھیک ورنہ تیسری طلاق کے بعد نکاح ختم ہو جائے گا اور مردوں کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ جو کچھ انہوں نے اپنی بیویوں کو بھلے وقت میں دیا ہے وہ ان سے واپسی کا مطالبہ کریں۔ اگر دونوں اس بات کا خطرہ محسوس کریں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ اخلاقی اور ازدواجی حدود کا احترام نہیں کر سکیں گے۔ ایسی صورت میں عورت حق مہر واپس کرے یا مزید کوئی چیز دے کر طلاق حاصل کر لے۔ اس لین دین میں دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں جن میں کسی صورت بھی تجاوز نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اپنی متعین کردہ حدود کو اس لیے واضح کرتا ہے کہ تم احترام کرو اور ان کو سمجھو۔

اسلام کے نظامِ معاشرت اور عائلی قوانین میں اس قدر توازن برقرار رکھا گیا ہے کہ باوجود اس کے کہ مرد مرتبے اور اختیارات کے لحاظ سے عورتوں پر ناظم اور نگران ہیں لیکن مردوں کو اس طرح کے اندھا دھند اختیارات نہیں دیے گئے کہ وہ آزاد اور محصنات عورتوں کو لونڈیاں بنا ڈالیں۔ عورتوں کو ایسے مسائل سے مامون رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اُسے بھی ایک درجہ اختیار دیا ہے کہ اگر وہ غیر جذباتی انداز اور پوری سوچ و بچار کے بعد اس فیصلے پر پہنچتی ہے کہ میرا اس خاوند کے ہاں اب رہنا مشکل ہو گیا ہے تو طلاق لینے کا حق دیا گیا ہے جسے شریعت کی زبان میں خلع کہا جاتا ہے۔ خلع کا مطلب ہے کہ عورت طلاق لینا چاہتی ہے تو خاوند کے مطالبہ پر اسے اس کی کچھ نہ کچھ قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ یہ قدغن اس لیے لگائی گئی کہ عورت جذباتی اور کمزور ہونے کی وجہ سے مرد کے مقابلے میں معاشرتی حالات کو پوری طرح نہیں جانتی تاکہ وہ خلع حاصل کرنے کے لیے اچھی طرح غور و خوض کر لے۔

ایسا ہی واقعہ رسولِ محترم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے آپ کی خدمت میں عرض کیا:

«يَا رَسُوْلَ اللهِ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا أَعْتِبُ عَلَيْهِ فِيْ خُلُقٍ وَلَا دِيْنٍ وَلٰكِنِّيْ أَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَتَرُدِّيْنَ عَلَيْهِ حَدِيْقَتَهُ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِقْبَلِ الْحَدِيْقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيْقَةً» (رواه البخاري: كتاب الطلاق، باب الخلع وكيف الطلاق فيه)

”اے اللہ کے رسول ﷺ! میں ثابت بن قیس کے دین اور اخلاق میں کوئی نقص محسوس نہیں کرتی لیکن اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں۔ آپ نے پوچھا کیا تو اس کا باغ اسے واپس لوٹا دے گی۔ اس نے اثبات میں جواب دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ثابت باغ قبول کرو اور اسے طلاق دے دو۔“

لیکن اس کے باوجود عورتوں کو یہ مسئلہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ جو عورت بغیر کسی عذر کے خلع مانگتی ہے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہوگی۔ (رواہ أبو داؤد: کتاب الطلاق، باب ماجاء فی المختلعات [صحیح])

مسائل

۱۔ طلاق رجعی دو مرتبہ ہے۔ ۲۔ بیوی کو دیئے ہوئے تحائف واپس نہیں لینے چاہییں۔

۳۔ عورت خاوند کے مطالبہ پر کچھ نہ کچھ دے کر خلع حاصل کر سکتی ہے۔

۴۔ ”اللہ“ کی حدود میں تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ کی حدود کو پامال کرنے والے ظالم ہیں۔

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ

پھر اگر اس کو طلاق دی تو نہیں حلال اس کیلئے سے بعد یہاں تک کہ وہ نکاح کرے خاوند اس کے علاوہ

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَآ اَنۡ يَّتَرَاجَعَآ اِنۡ ظَنَّآ

پھر اگر اس کو طلاق دے تو نہیں کوئی گناہ ان دونوں پر یہ کہ وہ دونوں رجوع کرلیں اگر یقین کریں

اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۰﴾

یہ کہ وہ قائم رکھیں گے اللہ کی حدود اور یہ اللہ کی حدود وہ واضح کرتا ہے جاننے والی قوم کے لیے

”پھر اگر اس کو تیسری بار طلاق دے دے تو اس کے لیے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ پھر اگر وہ بھی طلاق دے دے تو ان دونوں کو باہم رجوع کر لینے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ یہ یقین کرلیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں جنہیں وہ علم والوں کے لیے بیان کرتا ہے۔“ (۲۳۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

اگر میاں بیوی کے درمیان اکٹھا رہنے کی کوئی شکل باقی نہ رہے اور عورت کو تیسری بار طلاق بھی دے دی جائے تو پھر وہ آپس میں رجوع نہیں کر سکتے کیونکہ ایسی طلاق کو طلاقِ مغلظہ کہتے ہیں۔ اب ان کا میاں بیوی بن کر رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہا۔ سوائے اس کے کہ یہ عورت کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرے اور اس نکاح میں یہ شرط ہرگز نہیں ہونی چاہیے کہ میں اتنی مدت کے بعد تجھ سے طلاق حاصل کروں گی یا اس کا بننے والا خاوند اس ارادے کے ساتھ نکاح کرے کہ میں مجامعت کرنے کے بعد اسے طلاق دے دوں گا۔ ایسے ملاپ اور نکاح کو حدیث میں حلالہ کہا گیا ہے اور حلالہ کرنے اور کروانے والے پر رسولِ معظم ﷺ نے لعنت کی ہے۔ (رواہ ابو داؤد: کتاب النکاح، باب فی التحلیل [صحیح]) اس طرح کا نکاح زنا کے زمرے میں آتا ہے اور اس انداز سے دی ہوئی طلاق پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کرنے کا جواز پیدا نہیں کر سکتی۔ قرآنِ مجید کے نقطۂ نگاہ سے تین طلاقیں ہو جانے کے بعد پہلے خاوند سے نکاح اس صورت میں جائز ہوگا جب یہ خاوند کسی جبر اور پیشگی طے شدہ شرط یا نیت کے بغیر صرف نباہ نہ ہونے کی صورت میں طلاق دے پھر اس عورت کا پہلے خاوند کے ساتھ اس شرط کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں خلوصِ نیت کے ساتھ یہ عہد کریں کہ آئندہ وہ اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ حدود کا پوری طرح احترام کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حدود کو اس لیے واضح اور کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ لوگ ان کا احترام کریں۔

مسائل

۱۔ طلاق مغلظہ کے بعد نکاح نہیں ہو سکتا۔ ۲۔ دوسرا خاوند بلا شرط نکاح اور طلاق دے تو پہلے خاوند سے نکاح ہو سکتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنی حدود اس لیے بیان کرتا ہے تاکہ لوگ سمجھ جائیں اور ان کا احترام کریں۔

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ

اور جب | تم طلاق دو | عورتیں | پھر وہ پہنچ جائیں | اپنی عدت | تو روکو انہیں | دستور کے مطابق

اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ

یا | چھوڑ دو انہیں | دستور کے مطابق | اور نہ | تم روکو انہیں | تکلیف | تاکہ تم زیادتی کرو

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا

اور جو | کرے گا | یہ | تو تحقیق | اس نے ظلم کیا | اپنی جان | اور نہ | تم ٹھہراؤ

اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ

احکام | اللہ | مذاق | اور تم یاد کرو | نعمت | اللہ | تم پر | اور جو

اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ

اس نے اتارا | تم پر | سے | کتاب | اور حکمت | وہ نصیحت کرتا ہے تمہیں | اس کے ساتھ

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾ ع

اور تم ڈرو | اللہ | اور جان لو | بیشک | اللہ | ہر | چیز | خوب جاننے والا

”اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کرنے پر آجائیں تو اب انہیں اچھی طرح بساؤ یا بھلائی کے ساتھ الگ کر دو اور انہیں تکلیف اور ظلم و زیادتی کی غرض سے نہ روکو۔ جو شخص ایسا کرے گا اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور تم اللہ کے احکام کو ہنسی مذاق اور کھیل تماشا نہ بناؤ اور اللہ کی جو نعمت تم پر ہے اسے اور جو کتاب و حکمت اس نے نازل فرمائی ہے جس سے تمہیں نصیحت کر رہا ہے اسے بھی یاد رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔“ (۲۳۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام : گزشتہ سے پیوستہ۔

غیر معمولی حالات میں بیوی کو طلاق دینا جائز ہے مگر اس کے باوجود اسلام میں طلاق کو اس قدر مشکل بنا دیا گیا ہے کہ آدمی طلاق دینے سے پہلے بار بار سوچے اور اس کے مضرات سمجھنے کی کوشش کرے کیونکہ شریعت کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ جس حد تک ممکن ہو میاں بیوی کے درمیان بابرکت اور پاکیزہ بندھن ٹوٹنا نہیں چاہیے۔ رسولِ معظم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ» (رواہ أبو داؤد: باب فی کراھیۃ الطلاق [حسن])

”اللہ تعالیٰ کے ہاں طلاق جائز ہونے کے باوجود ناپسندیدہ عمل ہے۔“

لہٰذا اگر میاں بیوی کے درمیان ناچاقی اور نا اتفاقی کا ماحول پیدا ہو جائے تو اس خلیج کو پاٹنے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کے

لیے یکے بعد دیگرے کئی اقدامات تجویز کیے گئے ہیں۔ان پر عمل کیے بغیر کوئی طلاق دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک طرح کا مجرم تصور ہوگا۔کیونکہ عام تعلقات اور رشتہ داریوں کے بارے میں ارشاد ہے کہ جس نے رشتہ داری اور صلہ رحمی کو منقطع کیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو اپنے رشتۂ رحمت سے کاٹ دے گا۔(رواہ البخاری:باب من وصل وصلہ اللہ)

شریعت نے طلاق سے پہلے جو اقدامات تجویز فرمائے ہیں ان کے کئی مراحل ہیں جن کا اختصار پیش کیا جاتا ہے۔

① ۔بیوی کو مسلسل نصیحت کرنا۔ ② ۔بیوی کی عادت پسند نہیں تو پھر بھی گزارا کرنا۔

③ ۔بستر الگ کر دینا۔ ④ ۔ہلکی پھلکی سزا دینا۔

⑤ ۔فریقین کے خاندان میں سے دو ثالث مقرر کرنا۔ ⑥ ۔طلاق طہر کی حالت میں دینا۔

مطلقہ اپنے خاوند کے گھر میں عدّت گزارنے کی مجاز ہے۔

حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل تک اپنے خاوند کے گھر رہنے کا اسے حق دینا ہے۔اس صورت میں وضعِ حمل تک خاوند اپنی بیوی کے نان ونفقہ اور دیگر ضروریات کا ذمہ دار ہوگا۔طلاق رجعی کی صورت میں رجوع کرنے کا حق رکھتا ہے۔

تاکہ نباہ کی کوئی نہ کوئی شکل پیدا ہو جائے اور انہیں بار بار سمجھنے،سوچنے اور حالات کو نارمل کرنے کا موقع میسر آئے یہ سب کے سب اقدامات اگر بے نتیجہ ثابت ہوتے ہیں تو پھر حکم ہے کہ اچھے طریقے کے ساتھ اسے الوداع کیا جائے اور خاوند کے لیے حکم ہے کہ وہ عورت کو تکلیف دینے کے لیے عورت کے آگے نکاح کرنے میں کسی قسم کی منفی حرکت اور رکاوٹ پیدا نہ کرے ۔جس نے ایسا کیا حقیقتاً وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔ظاہر ہے کوئی عقل مند اپنے آپ پر ظلم نہیں کیا کرتا اپنے آپ پر ظلم کا معنٰی ہے دنیا میں اس کی عزت میں فرق آئے گا اور قیامت کے دن پکڑ ہوگی اس ظلم سے باز رکھنے کے لیے مختلف انداز سے چار دفعہ سمجھایا گیا ہے۔جب کہ پچھلی آیات میں میاں بیوی کے درمیان اخلاقی قدروں اور ازدواجی بندھن کو حدود اللہ قرار دیا گیا ہے۔یہاں انتباہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو مذاق کرنے کی جرأت نہ کرنا۔اس نے تمہیں باہم رہنے کے اصول اور تنازعات ختم کرنے کے ضابطے اور اکٹھا رہنے کے بار بار مواقع فراہم کیے ہیں یہ سراسر اس کی طرف سے انعامات ہیں۔اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اپنی کتاب اور پُر حکمت احکام اس لیے عطا فرماتا ہے کہ وہ ان سے استفادہ اور نصیحت حاصل کرے۔پھر انتباہ کرتے ہوئے اپنی ذات سے ڈرایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہنا سیکھو اور جانو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری گھریلو اور پبلک زندگی کی ہر ہر حرکت سے واقف ہے۔

مسائل

۱۔ عدّت کے دوران عورت کو اچھے انداز سے رکھنا یا اچھے انداز سے فارغ کرنا چاہیے۔

۲۔ عورت کو کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے سے روکنا اپنے آپ پر ظلم کرنا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو مذاق نہیں بنانا چاہیے۔ ۴۔اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یاد رکھنا چاہیے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے کتاب وحکمت اس لیے نازل فرمائے کہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

۶۔ ہر دم اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے کیونکہ وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

وَ اِذَا	طَلَّقۡتُمُ	النِّسَآءَ	فَبَلَغۡنَ	اَجَلَهُنَّ	فَلَا	تَعۡضُلُوۡهُنَّ	
اور جب	تم طلاق دے دو	عورتیں	پھر وہ پہنچ جائیں	اپنی عدت	تو نہ	تم انہیں روکو	
اَنۡ	یَّنۡکِحۡنَ	اَزۡوَاجَهُنَّ	اِذَا	تَرَاضَوۡا	بَیۡنَهُمۡ	بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ	
یہ کہ	وہ نکاح کریں	انکے خاوند	جب	وہ راضی ہوجائیں	آپس میں	دستور کے مطابق	
ذٰلِكَ	یُوۡعَظُ	بِهٖ	مَنۡ	كَانَ	مِنۡكُمۡ	یُؤۡمِنُ	بِاللّٰهِ
یہ	نصیحت کی جاتی ہے	اس کے ساتھ	جو	ہو	تم میں سے	ایمان رکھتا	اللہ پر
وَالۡیَوۡمِ	الۡاٰخِرِ ؕ	ذٰلِكُمۡ	اَزۡكٰی	لَكُمۡ	وَ اَطۡهَرُ ؕ	وَاللّٰهُ	یَعۡلَمُ
اور دن	آخرت	یہ	بہت پاکیزہ	تمہارے لیے	اور زیادہ صاف	اور اللہ	جانتا ہے
وَ اَنۡتُمۡ	لَا	تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۲﴾					
اور تم	نہیں	تم جانتے					

”اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو۔ اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضامند ہوجائیں۔ یہ نصیحت انہیں کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ اور بہترین طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“ (۲۳۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

اس سے پہلے طلاقِ رجعی کا بیان جاری ہے کہ جس عورت کو طلاقِ رجعی دی جائے اور وہ اپنی عدت گزار لے تو کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے میں سابقہ خاوند رکاوٹ نہ بنے۔ یہاں اس بات کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ طلاقِ رجعی کی صورت میں اگر مطلقہ عورت کی عدت گزر جائے اب میاں بیوی آپس میں اچھے انداز میں رہنے کا عزم کرتے ہوئے دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو ولی کو بھی اس نکاح میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے شخص کے لیے نصیحت ہے جو حقیقتاً دل کی اتھاہ گہرائی سے اللہ اور آخرت پر یقین رکھتا ہے۔ اس کے لیے یہی صورت مناسب اور بہتر ہے۔ کیونکہ انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا بھالا ہوا ہے اور وہ ایک عرصہ اکٹھے رہے ہیں اولاد موجود ہونے کی صورت میں تو نہایت ہی مستحسن فیصلہ ہوگا۔ خاص کر جب انہوں نے ماضی کی تلافی اور آئندہ اچھے انداز سے رہنے کا عہد کرلیا ہو تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ کوئی دوسرا راستہ تلاش کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جب کہ لوگوں کو مستقبل کا علم نہیں۔ لہٰذا ایسی عورتوں کو اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے [redacted] ہرگز نہیں روکنا چاہیے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک واقعہ پیش آیا:

«عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ زَوَّجَ أُخْتَهُ رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَكَانَتْ عِنْدَهُ مَا كَانَتْ ثُمَّ طَلَّقَهَا تَطْلِيْقَةً لَمْ يُرَاجِعْهَا حَتَّى انْقَضَتِ الْعِدَّةُ فَهَوِيَهَا وَهَوِيَتْهُ ثُمَّ خَطَبَهَا مَعَ الْخُطَّابِ فَقَالَ لَهُ يَا لُكَعُ أَكْرَمْتُكَ بِهَا وَزَوَّجْتُكَهَا فَطَلَّقْتَهَا وَاللّٰهِ لَا تُرَاجِعُ إِلَيْكَ أَبَدًا آخِرُ مَا عَلَيْكَ قَالَ فَعَلِمَ اللّٰهُ حَاجَتَهُ إِلَيْهَا وَحَاجَتَهَا إِلَى بَعْلِهَا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ فَلَمَّا سَمِعَهَا مَعْقِلٌ قَالَ سَمْعًا لِرَبِّي وَطَاعَةً ثُمَّ دَعَاهُ فَقَالَ أُزَوِّجُكَ وَأُكْرِمُكَ» (رواه الترمذی: کتاب التفسیر، باب ومن سورة البقرة [صحیح])

’’حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے دور میں مسلمانوں کے ایک آدمی سے اپنی بہن کی شادی کی وہ اس کے پاس کچھ عرصہ رہی۔ اس کے خاوند نے اسے ایک طلاق دی اور عدت بھی گزر گئی لیکن رجوع نہ کیا۔ پھر میاں بیوی ایک دوسرے کو چاہنے لگے اس آدمی نے نکاح کے لیے پیغام بھیجا تو معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے کہا، کمینے! میں نے تیری عزت کرتے ہوئے اس کے ساتھ شادی کی اور تو نے اسے طلاق دے دی اللہ کی قسم! اب کبھی بھی یہ تیرے پاس نہیں لوٹے گی یہ آخری باری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں میاں بیوی کی خواہش کے پیش نظر یہ آیت نازل فرمائی ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ﴾ جب معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنی تو فرمایا کہ میں نے اپنے رب کی بات کو سنا اور مان لیا۔ پھر انہوں نے اس آدمی کو بلایا اور کہا میں تیرا نکاح بھی کرتا ہوں اور عزت بھی کروں گا۔‘‘

تاہم عقد ثانی کی صورت میں اگر عورت چاہے تو وہ نیا حق مہر اور شرائط مقرر کرسکتی ہے کیونکہ پہلا نکاح ختم ہوجانے کی وجہ سے دوسرے نکاح کی ضرورت پیش آتی ہے۔

مسائل

۱۔ طلاق رجعی کی صورت میں عدّت پوری ہونے کے بعد عورتیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنا چاہیں تو انھیں روکنا نہیں چاہیے۔

۲۔ نصیحت اس شخص پر اثر انداز ہوتی ہے جو اللہ اور آخرت پر یقین رکھتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جبکہ لوگ بہت کم علم رکھتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ سب کچھ جانتا ہے:

۱۔ اللہ دلوں کے راز جانتا ہے۔ (ہود: ۵) ۲۔ جو اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ (البقرہ: ۲۱۶)

۳۔ اللہ کا علم فرشتے بھی نہیں جانتے۔ (البقرہ: ۳۰) ۴۔ ہر گرنے والا پتا اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ (الانعام: ۵۹)

۵۔ اللہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے۔ (المومن: ۱۹) ۶۔ اللہ خشکی اور تری کی پوشیدہ چیزوں سے واقف ہے۔ (الانعام: ۵۹)

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ

اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو دو سال پورے اسکے لیے جو جو چاہے یہ کہ

يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ

وہ پوری کرے دودھ پلانے کی مدت اور پر جس کا بچہ ان کا کھانا اور ان کا لباس دستور کے مطابق

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَاۗرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا

نہیں تکلیف دی جاتی کوئی جان مگر اس کی وسعت نہ تکلیف دی جائے ماں اسکے بچے کے سبب اور نہ

مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا

جس کا بچہ (باپ) اس کے بچے کے سبب اور پر وارث ایسا یہ پھر اگر وہ دونوں چاہیں دودھ چھڑانا

عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۭ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ

سے باہمی رضامندی ان دونوں سے اور باہم مشورہ تو کوئی گناہ نہیں ان دونوں پر اور اگر تم چاہو

اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ

یہ کہ تم دودھ پلواؤ اپنی اولاد کو تو نہیں گناہ تم پر جب تم سپرد کردو جو تم نے دیا

بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۲۳۳

دستور کے مطابق اور ڈرو اللہ اور جان لو بیشک اللہ اس کے ساتھ جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا

”اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت پوری کرنے کا ہو اور باپ کے ذمہ دستور کے مطابق ان کا روٹی کپڑا ہے۔ ہر شخص کو اتنی ہی تکلیف دی جاتی ہے جتنی اس کی طاقت ہو۔ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے یا باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے کوئی تکلیف نہ دی جائے۔ وارثوں پر بھی اس جیسی ذمہ داری ہے، پھر اگر ماں باپ، اپنی رضامندی اور باہمی مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلوانے کا ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تم ان کو دستور کے مطابق جو طے کیا ہو ان کے حوالے کردو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔“ (۲۳۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

طلاق ہونے کی صورت میں ماں کی گود میں نونہال اور معصوم بچہ ہو تو اس کا کون محافظ اور نگران ہونا چاہیے؟ بالخصوص جب کہ بچہ کھانا کھانے اور اپنے ہاتھ سے پانی پینے کے قابل نہ ہو۔ ربِ کریم نے اس نونہال کی پرورش اور نگرانی کا ایسا انتظام فرمایا کہ جس میں ماں کو بچے کی وجہ سے تکلیف نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی باپ کو تنگ کرنے کے لیے ماں بچے کا بہانہ بنائے بلکہ

باہمی مشاورت کے ساتھ بچے کی رضاعت اور حفاظت کا معاملہ طے ہونا چاہیے۔اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ طلاق ہونے کے باوجود سابقہ میاں بیوی اور دونوں کے خاندانوں کے درمیان دشمنی کے بجائے ممکن حد تک قربت باقی رہے۔لہٰذا باہم رضامندی کے ساتھ ماں اپنے بچے کو مکمل دو سال دودھ پلائے اور اس دوران بچے اور اس کی والدہ کے کھانے پینے کے اخراجات بچے کے والد کے ذمّہ ہوں گے۔ والد کے فوت ہو جانے پر یہ ذمّہ داری وارث نبھائیں گے۔کفالت کے سلسلے میں بھی اسی اصول کو پیشِ نظر رکھا جائے کہ جس سے ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے کے بجائے خاوند عورت کی ضروریات کا خیال رکھے اور بچے کی ماں اپنے سابقہ خاوند کی مالی حیثیت کو سامنے رکھ کر اخراجات کا تقاضا کرے۔ پھر تیسری گنجائش یہ بھی رکھ دی گئی ہے کہ اگر بچے کا والد کسی وجہ سے اس کی ماں کا دودھ نہیں پلوانا چاہتا یا عورت کسی مجبوری یا آئندہ نکاح کے پیشِ نظر اپنے لختِ جگر کو دودھ پلانے سے عاجز ہے تو ایسی صورت میں کسی دایہ کے ہاں بچے کی رضاعت کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ دودھ پلانے والی کو اچھے انداز میں اس کا حق الخدمت ادا کیا جائے۔ یہاں اس مسئلہ کی وضاحت بھی فرما دی گئی کہ ماں اپنے بچے کو دو سال دودھ پلائے گی اور رضاعت کی مدت دو سال ہوگی۔اس سے رضاعت کی اہمیت بھی اجاگر ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نے معراج کی رات دیکھا کہ کچھ عورتوں کے پستانوں سے سانپ چمٹے ہوئے ہیں۔ میرے پوچھنے پر بتلایا گیا کہ یہ وہ مائیں ہیں جو بلا وجہ اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتی تھیں۔(سلسلة الصحيحة: للالبانی:۳۹۵۱)

الحمد للہ جدید میڈیکل سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ جو مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہیں وہ سینے کے کینسر سے محفوظ رہتی ہیں۔آج کے دور میں اس کے لیے بین الاقوامی طور پر سالانہ واک کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں نے رضاعت کی مدت سورۃ الاحقاف کی آیت ۱۵ سے استدلال کرتے ہوئے اڑھائی سال بتلائی ہے اس استدلال کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ملتا۔

قرآنِ مجید کا اسلوب ہے کہ وہ ہر اہم مسئلہ کے بعد اللہ تعالیٰ کا خوف اور لوگوں کو اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر کیا کرو۔ کیونکہ وہ تمہاری ہر حرکت کو جاننے اور دیکھنے والا ہے۔ یہ تصور یہاں اس لیے دہرایا اور تازہ کیا گیا ہے کہ معصوم بچے اور اس کی مطلقہ ماں کے بارہ میں وہی اچھا سلوک کرے گا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے۔

مسئلہ رضاعت

رضاعت کی مدت دو سال ہے:

{ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ } (البقرة:۲۳۳)

''مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ یہ مدت مکمل دودھ پلانے کا ارادہ رکھنے والوں کے لیے ہے۔''

ان سالوں میں بچہ جس عورت کا دودھ پیے گا وہ اس کی رضاعی ماں کہلائے گی اور جتنے رشتے حقیقی ماں کی وجہ سے اس پر حرام تھے اتنے ہی رضاعی ماں کی وجہ سے حرام ہوں گے۔ رسولِ محترم ﷺ کا ارشاد ہے:

((يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ)) (رواه البخاری: باب الشهادة على الأنساب)

''جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہ رضاعت کے سبب بھی حرام ہو جاتے ہیں۔''

پردہ کی آیات کے نزول کے بعد حضرت عائشہ ؓ کے پاس ابوقعیس کا بھائی افلح کا بھائی آیا تو حضرت عائشہ ؓ نے قسم اٹھا کر کہا کہ جب تک میں نبی کریم ﷺ سے نہ پوچھ لوں تب تک میں تجھے اپنے ہاں آنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ حضرت عائشہ ؓ نے نبی کریم ﷺ سے یہ بھی سوال کیا کہ مجھے تو ابوقعیس کی بیوی نے دودھ پلایا ہے نہ کہ ابوقعیس کے بھائی نے آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِئْذَنِي لَهُ فَإِنَّهُ عَمُّكِ تَرِبَتْ يَمِينُكِ» (رواه البخاري: كتاب الأدب)

''تیرے ہاتھ خاک آلودہ ہوں! اسے اجازت دے کیونکہ وہ تیرا چچا ہے۔'' ہاتھ خاک آلودہ ہونا عرب کا محاورہ تھا جو تعجب دلانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

رضاعت کب تک ثابت ہو سکتی ہے؟

اس مسئلہ میں صحابہ ؓ کی غالب اکثریت کا فیصلہ ہے کہ رضاعت اتنی مدّت کے دوران ہی ثابت ہوگی جتنی دیر تک بچے کو دودھ پلانے کی اجازت ہے اور وہ قرآن مجید کے مطابق دو سال ہے: (البقرۃ: ۲۳۳)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ»

(رواه الترمذي: كتاب الرضاع، باب ماجاء ماذكر أن الرضاعة لاتحرم إلافي الصغر [صحيح])

''رضاعت اس وقت ثابت ہوگی جب دودھ سے انتڑیاں سیر ہو جائیں اور یہ رضاعت دودھ چھڑانے کی مدت کے دوران ہے۔'' (بچہ پانچ بار خوب سیر ہو کر دودھ پیئے تب رضاعت ثابت ہوگی کیونکہ حدیث میں پانچ بار کی شرط ہے۔)

مسائل

۱۔ مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ ۲۔ بچے کے بہانے میاں بیوی ایک دوسرے کو اذیت نہ پہنچائیں۔

۳۔ دودھ پلانے کے دوران ماں اور بچے کے اخراجات خاوند کے ذمہ ہوں گے۔

۴۔ باپ کے فوت ہونے کی صورت میں اس کے وارث بیوہ اور اس کے بچے کی کفالت کے ذمہ دار ہوں گے۔

۵۔ میاں بیوی یا وارث باہمی رضامندی سے بچے کو دودھ دوسری عورت سے پلوانا چاہیں تو کوئی حرج نہیں۔

۶۔ دایہ کو اس کا حق ہر صورت ادا کرنا چاہیے۔ ۷۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے کیونکہ وہ سب کے اعمال دیکھ رہا ہے۔

تفسیر بالقرآن

رضاعت کے اصول:

۱۔ مدت رضاعت دو سال ہے۔ (البقرۃ: ۲۳۳) ۲۔ دودھ پلانے میں کسی کو تکلیف نہ دی جائے۔ (البقرۃ: ۲۳۳)

۳۔ دودھ پلانے والی کا نان ونفقہ اور کپڑے بچے کے والد کے ذمّے ہیں۔ (البقرۃ: ۲۳۳)

۴۔ رضامندی سے بچے کی ماں کا دودھ چھڑانا گناہ نہیں۔ (البقرۃ: ۲۳۳)

۵۔ دودھ پلانے کے دوران مطلقہ کو اخراجات دینی چاہئیں۔ (الطلاق: ۶)

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ

اور جولوگ فوت کر دیے جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں وہ انتظار کریں اپنے آپ کو

اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا

چار مہینے اور دس پھر جب پہنچ جائیں ان کی عدت تو نہیں گناہ تم پر اسمیں جو

فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

وہ کریں میں اپنے حق دستور کے مطابق اور اللہ اسکے ساتھ جو تم کرتے ہو خوب باخبر

”تم میں سے جو لوگ بیویاں چھوڑ کر فوت ہو جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن روکے رکھیں۔ جب عدت پوری کر لیں تو وہ اپنی بہتری کے لیے کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔“ (۲۳۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

یہاں ازدواجی اور معاشرتی مسائل کے تذکرہ میں ایک اور اہم مسئلہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ جن عورتوں کے خاوند فوت ہو جائیں انہیں چار مہینے دس دن اسی گھر میں رہنا اور عدّت گزارنی چاہیے۔ جب وہ اپنی عدّت گزار لے تو اسے اپنے مستقبل کے بارے میں شریفانہ انداز میں فیصلہ کرنے کا حق دینا چاہیے۔ پھر خبردار فرمایا کہ بیوہ، اس کے لواحقین اور سب لوگوں کے اعمال سے اللہ تعالیٰ بہت اچھی طرح باخبر ہے۔ لہٰذا ہر کسی کو پوری ہوش مندی کے ساتھ اپنی ذمہ داری پوری کرنا چاہیے۔ بیوی کی چار مہینے دس دن عدت کے بارے میں اہلِ علم کے مختلف موقف ہیں۔ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ عدّت اس لیے مقرر کی گئی ہے تاکہ اچھی طرح معلوم ہو سکے کہ بیوہ صاحبِ امید ہے یا کہ خالی الرحم اور دوسروں کا خیال ہے کہ چار مہینے دس دن خاوند کی وفات پر اس کی بیوی افسوس کے طور پر گزارے گی جب کہ خاوند کے علاوہ کسی دوسرے کی وفات پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا شرعاً جائز نہیں۔ چار مہینے دس دن عدت ہر اس عورت کے لیے ہے چاہے فوت ہونے والے اس کے خاوند نے اس کے ساتھ مجامعت کی ہو یا نہ کی ہو، بوڑھی ہو یا جوان۔ البتہ حاملہ کی عدّت بچہ جنم دینے تک ہے۔ (الطلاق:۴) ایسی عورت اس کے بعد کسی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے بیوہ عدّت کے دوران زیب و زینت، بناؤ سنگھار نہیں کر سکتی اور نہ ہی بلا ضرورت گھر سے باہر جا سکتی ہے۔ البتہ مجبوری کی حالت میں گھر تبدیل کرنا اور ضرورت کے تحت کام کاج کرنے کی اجازت ہے۔

”جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میری خالہ کو طلاق دے دی گئی۔ اس نے اپنے باغ سے کھجوریں اتارنے کا ارادہ کیا تو ایک شخص نے اسے باہر نکلنے سے روک دیا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ نے فرمایا: اپنی کھجوریں اتارو ہو سکتا ہے کہ تم صدقہ کرو یا دوسرا نیکی کا کام کرو۔“ (رواہ مسلم: باب جواز خروج المعتدۃ)

مسائل

۱۔ بیوہ کی عدّت چار مہینے دس دن ہے۔ ۲۔ عدت پوری ہونے کے بعد عورت اپنے بارے میں فیصلہ کر سکتی ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ

اور نہیں | گناہ | تم پر | اسمیں جو | تم نے اشارہ کیا | اسکے ساتھ | سے | پیغام نکاح

النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ

عورتیں | یا | تم پوشیدہ رکھو | میں | تمہارے دل | جان لیا | اللہ | بیشک تم

سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا

عنقریب ذکر کرو گے ان سے | اور لیکن | نہ | وعدہ کرو ان سے | خفیہ | مگر | یہ کہ | تم کہو

قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ

کوئی بات | دستور کے مطابق | اور نہ | ارادہ کرو | عقد | نکاح | یہاں تک کہ | پہنچ جائے

الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ

عدت | اسکا وقت | اور جان لو | بے شک | اللہ | وہ جانتا ہے | جو کچھ | میں | تمہارے دل

ع ۳۰ ۱۴ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ع ﴿۲۳۵﴾

لہٰذا تم ڈرو اس سے | اور جان لو | بیشک | اللہ | بہت بخشنے والا | نہایت بردبار

’’تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اشارۃً ان عورتوں سے نکاح کی بات کرو یا اپنے دل میں پوشیدہ ارادہ کرو اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم عنقریب ان سے ذکر کرو گے لیکن تم ان سے خفیہ وعدہ نہ کرو۔ ہاں تم بھلی بات کہو اور جب تک کہ عدت ختم نہ ہو جائے عقد نکاح پختہ نہ کرو اور جان لو یقیناً اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں کی باتوں کا علم ہے۔ تم اس سے ڈرتے رہا کرو اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، حلم والا ہے۔‘‘ (۲۳۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عورتوں کے مسائل جاری ہیں۔

بیوہ عورت اپنے خاوند کی وفات کے بعد چار مہینے دس دن کی عدت گزارے گی بشرطیکہ وہ حاملہ نہ ہو۔ حاملہ ہونے کی صورت میں اس کی عدت بچہ پیدا ہونے تک ہوگی۔ اس عدت کے دوران اس کے ساتھ نکاح کرنے کا خواہش مند شخص کسی ایسے طریقے اور انداز سے اسے اپنے ارادے سے آگاہ نہیں کرسکتا جس سے نکاح کرنے کا کھلا اشارہ پایا جائے البتہ کنایہ کی زبان استعمال کرسکتا ہے۔ یہ شرط عورت کی پریشان حالی کی وجہ سے عائد کی گئی ہے کیونکہ عدّت اور صدمے کے ایّام میں اس کے ساتھ نکاح کی واضح بات کرنا ہمدردی کے بجائے اس کی افسردگی میں اضافہ اور دکھے ہوئے دل پر نمک پاشی کرنے کے مترادف ہے۔ شاید ہی کوئی بیوہ ہو جس کے لیے اس کے خاوند کا فوت ہونا معمولی بات ہو ورنہ خاوند کے اٹھ جانے کے خیال سے ہی ایک شریف عورت جدائی اور تنہائی کے تصور سے کانپ جاتی ہے۔ اگر اس کے چھوٹے چھوٹے بچے اور مالی حالات بہتر

نہ ہوں تو اس کی زندگی ویران اور مستقبل تاریک ہو جاتا ہے۔ بیوہ کی عدّت کے دوران نکاح کا واضح پیغام بھیجنا اخلاقی قدروں کے منافی ہے ایسی صورت میں دیکھنے اور سننے والا یہ سمجھے گا کہ شاید یہ اپنے خاوند کے مرنے کے انتظار میں تھی۔ ہاں اشارے، کنائے سے آگاہ کرنے کی اجازت دینا اپنے دامن میں کئی حکمتیں لیے ہوئے ہے۔ سب سے بڑی اور جامع حکمت اسی حکم میں بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اشارے کی زبان استعمال کرنے کی اس لیے اجازت دی ہے کہ وہ جانتا ہے کہ نکاح کے خواہشمند لوگ ضرور کسی انداز میں اپنے جذبات کا اظہار کریں گے۔ اس اخلاقی جرم سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے از راہِ کرم تمہیں کنایہ استعمال کرنے کی اجازت عطا فرمائی ہے تاہم یہ اشارات اس وقت تک نکاح کے عزم کے ترجمان نہیں ہونے چاہییں جب تک اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ضابطہ اپنے وقت کو نہ پہنچ جائے یعنی عدت پوری نہ ہو جائے۔ عزمِ نکاح کے اظہار سے اس لیے بھی منع کیا گیا کہ کہیں عورت غم اور پریشانی کے عالم میں اپنے مستقبل کے بارے میں غلط فیصلہ نہ کر بیٹھے۔ آخر میں ارشاد ہوتا ہے کہ لوگو! یہ بات یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے جذبات اور عزائم کو اچھی طرح جانتا ہے لہٰذا اس کی نافرمانیوں سے بچ کر رہنا اور یہ بھی یاد رکھو اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے کے باوجود معاف کرنے والا نہایت ہی بردبار ہے۔

عدّت کے مسائل

«عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رضي الله عنها قَالَتْ كُنَّا نُنْهَى أَنْ نُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا وَلَا نَكْتَحِلَ وَلَا نَطَّيَّبَ وَلَا نَلْبَسَ ثَوْبًا مَصْبُوْغًا إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَقَدْ رُخِّصَ لَنَا عِنْدَ الطُّهْرِ إِذَا اغْتَسَلَتْ إِحْدَانَا مِنْ مَحِيْضِهَا فِيْ نُبْذَةٍ مِنْ كُسْتِ أَظْفَارٍ وَكُنَّا نُنْهٰي عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ»

(رواہ البخاری: کتاب الطلاق، باب القسط للحادۃ عند الطہر)

”حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں ہمیں منع کیا جاتا تھا کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کریں سوائے شوہر کے۔ شوہر کے مرنے پر چار مہینے دس دن سوگ کریں اور عدت کے زمانے میں نہ سرمہ لگائیں نہ خوشبو لگائیں نہ رنگا ہوا کپڑا پہنیں سوائے اس کپڑے کے جو بننے سے پہلے رنگا گیا ہو۔ البتہ ہمیں اس بات کی اجازت تھی کہ جب ماہواری کے غسل کے بعد خوشبو کے پھاہے کو خون کی جگہ پر پھیر لیں۔ اور جنازے کے پیچھے جانے سے بھی روکا جاتا تھا۔“

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بیوہ عدّت کے دوران نہ زرد کپڑا پہنے نہ زیور پہنے اور نہ خضاب لگائے۔“

(رواہ ابو داؤد: کتاب الطلاق، باب فیما تجتنبہ المعتدۃ فی عدتہا [صحیح])

مسائل

۱۔ بیوہ کو عدت کے دوران نکاح کا پیغام بھیجنا منع ہے۔ ۲۔ عدت کے دوران بیوہ کو نکاح کا اشارہ دیا جا سکتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کے حال سے واقف ہے۔ ۴۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا نہایت ہی بُردبار ہے۔

لَاجُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْھُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا

نہیں کوئی گناہ تم پر اگر تم طلاق دے دو عورتیں جبکہ نہیں تم نے ہاتھ لگایا انہیں یا مقرر کیا

لَھُنَّ فَرِیْضَۃً ۚۖ وَّ مَتِّعُوْھُنَّ ۚ عَلَی الْمُوْسِعِ قَدَرُہٗ وَعَلَی الْمُقْتِرِ

ان کے لیے مہر اور فائدہ پہنچاؤ انہیں پر خوش حال اس کی حیثیت اور پر تنگدست

قَدَرُہٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ

اس کی حیثیت خرچ دستور کے مطابق لازم پر نیکوکار (جمع) اور اگر تم طلاق دو انہیں

مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْھُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَھُنَّ فَرِیْضَۃً

سے پہلے یہ کہ تم انہیں ہاتھ لگاؤ اور تحقیق تم مقرر کر چکے ہو ان کے لیے مہر

فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ یَّعْفُوْنَ اَوْ یَعْفُوَا الَّذِیْ بِیَدِہٖ

تو نصف جو تم نے مقرر کیا سوائے یہ کہ وہ معاف کر دیں یا معاف کر دے وہ جو اسکے ہاتھ میں

عُقْدَۃُ النِّکَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ۭ وَلَا تَنْسَوُا

گرہ نکاح اور یہ کہ تم معاف کر دو زیادہ قریب پرہیز گاری کے اور نہ بھلاؤ تم

الْفَضْلَ بَیْنَکُمْ ۭ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۲۳۷﴾

تعلقات باہم بیشک اللہ اسکے ساتھ جو تم عمل کرتے ہو خوب دیکھنے والا

”اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر حق مہر مقرر کیے طلاق دے دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ ہاں انہیں کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچاؤ۔ خوش حال اپنی ہمت اور تنگدست اپنی طاقت کے مطابق اچھے انداز سے فائدہ دے۔ بھلائی کرنے والوں پر یہ لازم ہے۔ (۲۳۶) اگر تم عورتوں کو انہیں چھونے سے پہلے طلاق دے دو اور تم ان کا حق مہر بھی مقرر کر چکے ہو تو مقررہ مہر کا آدھا مہر دے دو یہ اور بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی ذمہ داری ہے تمہارا معاف کر دینا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور تم آپس کے احسان کو فراموش نہ کیا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔“ (۲۳۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: میاں بیوی کے مسائل کا بیان جاری ہے۔ گزشتہ سے پیوستہ

اب ایسے ہنگامی حالات اور واقعات کے بارے میں ہدایات دی جارہی ہیں جو اس دنیا میں پیش آ ہی جاتے ہیں۔ ان حالات کے کئی اسباب ہوا کرتے ہیں۔ نکاح کے وقت حق مہر پر جھگڑا، نکاح سے پہلے ایک دوسرے کو دی گئی معلومات کا غلط ثابت ہونا اور بعض دفعہ موقع پر اچانک کسی شریر کی شرارت اس قدر شر انگیز اور زود اثر ہوتی ہے کہ خوشی کے موقع پر جمع ہونے والے خاندان کے ذمہ دار افراد آپس میں لڑ کر جدا ہو جاتے ہیں۔ عام طور پر یہ واقعات اچانک رونما ہوتے ہیں جو فریقین کے لیے نہایت ہی خفت کا

باعث اور خاص طور پر بیٹی والوں کے لیے ایسا معاملہ نہایت ہی دل خراش اور سُبکی کا باعث ہوتا ہے۔ اس سارے ہنگامے میں سب سے زیادہ متاثر دلہن ہوتی ہے جس کا چند لمحوں بعد نکاح ہونے والا ہوتا ہے۔ لہٰذا نہایت ہی ضروری تھا کہ جس لڑکی کو اس کے خاوند نے چھوئے اور حق مہر مقرر کیے بغیر چھوڑ دیا ہے اس کی دل جوئی کا سامان اور اس کے مستقبل کو کئی قسم کے خدشات اور الزامات سے بچایا جائے۔ کیونکہ اس صورتِ حال سے اس کا مستقبل خدشات اور شبہات کے حوالے ہو چکا ہے۔ لہٰذا دلخراش اور ہنگامی صورتِ حال میں حکم دیا کہ صاحبِ حیثیت اپنے وسائل کے مطابق اور مالی لحاظ سے کمزور اپنی طاقت کے مطابق عورت کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ نیک لوگوں پر اس لیے لازم ہے کہ اس سے طرفین کی پریشانی میں کمی اور عورت کا مستقبل کافی حد تک غلط افواہوں اور الزامات سے محفوظ ہوگا اور دونوں خاندان مزید اختلافات سے بھی بچ جائیں گے۔

نکاح کے بعد یہ صورت بھی پیش آسکتی ہے کہ حق مہر مقرر ہو چکا ہو لیکن میاں بیوی کے ازدواجی تعلقات قائم ہونے سے پہلے طلاق ہو جائے۔ جس کی کئی ہنگامی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ جن میں ایک بڑی وجہ میاں بیوی کا ایک دوسرے کو ناپسند کرنا ہے۔ نعوذ باللہ یہ کوئی فرضی مسئلہ بیان نہیں کیا جارہا بلکہ غیر مسلم معاشروں کی طرح مسلمان معاشرے میں بھی اس قسم کے واقعات ایک حد تک رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اسلام کی ہمہ جہت رہنمائی، شفقت اور جامعیت کا تصور ذہن میں لائیں کہ وہ زندگی کے تمام اہم شعبوں کی رہنمائی کے لیے کس قدر جامع اور تفصیلی ہدایات جاری کرتا ہے۔ مسلمان معاشرہ میں ہونے والے اس قسم کے ہنگامی واقعات کو مستقل دشمنی کا روپ دھارنے سے پہلے اس کا حل پیش کر دیا گیا ہے تاکہ رشتہ داری اور اخوت کے مضبوط قلعہ میں واقعہ ہونے والی دراڑوں کو حتی المقدور پُر کرنے کی کوشش کی جاسکے۔ حق مہر مقرر ہو جانے اور خاوند کا اپنی بیوی سے مجامعت کرنے سے پہلے طلاق دینا خاندانی نظام اور میاں بیوی کے لیے شدید دھچکا ہوا کرتا ہے۔ ایک حد تک اس کی تلافی کے لیے یہ اصول نافذ فرمایا کہ ایسی صورت میں بہتر ہوگا کہ عورت اپنا حق معاف کر دے یا اس کا خاوند پورے کا پورا حق مہر دے دے۔ مردو! اگر تم معاف کرو تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ یہاں تقویٰ سے مراد باہمی بدگمانیوں اور آئندہ مزید اختلافات اور قلبی نفرتوں سے بچنا ہے۔ یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ علیحدگی کے عمل کے دوران سابقہ تعلقات اور رشتہ داریوں کو پیشِ نظر رکھا جائے اس بات کا حکم دیتے ہوئے خبردار کیا گیا ہے کہ یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ سب کے پوشیدہ اور ظاہر کردار کو دیکھنے والا ہے۔ اس سے تمہاری کوئی زیادتی اور حرکت پوشیدہ نہیں ہے۔

مسائل

۱۔ غیر معمولی حالات میں بیوی کو چھوئے بغیر طلاق دی جاسکتی ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کے عمل کو دیکھ رہا ہے۔
۳۔ مرد کی طرف سے سارا حق مہر چھوڑ دینا تقویٰ کی علامت ہے۔ ۴۔ طلاق کا معاملہ کرتے ہوئے سابقہ محبت کو نہیں بھولنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

مطلقہ کے حقوق:

۱۔ طلاق والی عورتوں کو مالی وسعت کے مطابق خرچ دینا ہوگا۔ (البقرۃ:۲۳۶)

۲۔ طلاق یافتہ عورتوں کو خرچ دینا متقین پر لازم ہے۔ (البقرۃ:۲۴۱)

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾

تم حفاظت کرو پر نمازیں اور نماز درمیانی اور تم کھڑے رہو اللہ کیلئے فرمانبردار ہونے والے

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

پھر اگر تمہیں خوف ہو تو پیادہ یا سوار پھر جب تم پر امن جاؤ تو یاد کرو اللہ

كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾

جیسا کہ اس نے سکھلایا تمہیں جو نہیں تم تھے تم جانتے

’’نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص درمیان والی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کی حالت میں کھڑے ہوا کرو۔(۲۳۸) اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل ہو یا سوار (نماز ادا کرو) پھر امن ہو جائے تو اللہ کا ذکر کرو جس طرح کہ اس نے تمہیں اس بات کی تعلیم دی جسے تم نہیں جانتے تھے۔‘‘(۲۳۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ازدواجی مسائل کے بیان کے دوران خصوصی نصیحت۔

سلسلۂ کلام منقطع فرما کر یہاں حفاظتِ نماز اور خاص کر درمیانی نماز کی حفاظت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلام کے عملی نظام میں نماز ایسی پنجگانہ تربیت ہے کہ اگر کوئی شخص شریعت کی ہدایات کے مطابق نماز ادا کرے اور اس کے تقاضے سمجھنے کی طرف توجہ دے تو نمازی دین اور دنیا کی ذمہ داریوں کے حوالے سے ایک ذمہ دار شخصیت بن جاتا ہے۔ کیونکہ پانچ وقت اس بات کا آرزومند ہوتا ہے کہ اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں اور قدم قدم پر اس کی رہنمائی کا اہتمام ہو جائے اور روزِ محشر اپنے رب کے حضور اس حالت میں پیش ہو کہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے والا بندہ شمار ہو سکے۔ گویا کہ مومن بظاہر تو دنیا میں زندگی بسر کر رہا ہے لیکن اعتقادی اور فکری طور پر اپنے آپ کو میدانِ محشر میں اپنے رب کے حضور سمجھتا ہے۔

نماز خود احتسابی کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی حکومت کے اہل کاروں کو فرمایا کرتے تھے کہ میں تمہاری کارکردگی کو نماز کی حفاظت کے آئینہ میں دیکھتا ہوں۔ (سیرت الفاروق) کیونکہ جو شخص نماز کی پابندی اور اسے احسن انداز سے ادا نہیں کرتا وہ اپنی دوسری ذمّہ داریاں پوری کرنے میں بھی کوتاہی کا مرتکب ہوگا۔ انسان کی معاشرتی ذمہ داریوں کی ابتدا و انتہا اس کے اہلِ خانہ کے حوالے سے ہوا کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهٖ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِيْ» (رواہ الترمذی: کتاب المناقب عن رسول اللہ [صحیح])

’’وہی شخص اعلیٰ اخلاق و کردار کا مالک ہے جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ بہتر انداز میں رہتا ہے اور میں تم سے اپنے گھر والوں کے معاملہ میں سب سے بہتر ہوں۔‘‘

معلوم ہوتا ہے کہ یہاں معاشرتی اور ازدواجی مسائل کے درمیان حفاظتِ نماز کے حکم کا یہی منشا ہے۔ کہ آدمی اپنی ذمہ داریوں کو پہچانے۔

صلوٰۃِ وسطٰی سے مراد اکثر اہلِ علم کے نزدیک عصر کی نماز ہے۔ کیونکہ نبی محترم ﷺ نے غزوۂ خندق کے موقع پر کفار کو

ملعون کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اللہ ان کا ستیا ناس کرے کہ انہوں نے آج ہماری نمازِ وسطیٰ کو بھی مؤخر کرا دیا ہے۔ (رواہ البخاری: باب غزوۃ الخندق) نمازِ عصر کی اہمیت اور فضیلت اس لیے زیادہ ہے کہ گھر پلٹنے والا مسافر گھر پہنچنے کے لیے تیز گام ہو جاتا ہے۔ دفتر سے رخصت کا وقت دن کا پچھلا پہر ہی ہوا کرتا ہے۔ کاروباری لوگ ذہنی طور پر عصر کے وقت ہی معاملات سمیٹنے کی کوشش میں ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ مزدوری کا اختتام اور مالک سے معاوضہ لینے کا بھی یہی وقت ہوتا ہے۔ گویا کہ یہ وقت ہجومِ کار کا سنگم اور اس کی انتہا ہے۔ اس لیے اس نماز کے فوت یا مؤخر ہونے کے زیادہ خدشات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جس کی نمازِ عصر ضائع ہوگئی گویا اس کی تمام دن کی کمائی غارت ہوگئی۔ (رواہ البخاری: کتاب مواقیت الصلاۃ، باب إثم من فاتته العصر) جس طرح مزدور دن کے آخر میں معاوضے کا طلب گار ہوتا ہے یہی صورت نمازی کی ہے کہ اس وقت ملائکہ اللہ تعالیٰ کے حضور آدمی کے سارے دن کی رپورٹ پیش کرتے ہیں۔ گویا کہ جس کی نمازِ عصر ضائع ہوئی وہ اس دن اللہ تعالیٰ سے اجر لینے میں محروم ہوسکتا ہے۔ نماز کی ادائیگی کے بارے میں حکم دیا ہے کہ نہایت خاموشی اور عاجزی کے ساتھ اللہ کے حضور کھڑا ہوا جائے۔ نماز میں بے جا حرکت نہیں کرنا چاہیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةٍ لَا أَكُفُّ شَعْرًا وَلَا ثَوْبًا)) (رواہ البخاری: کتاب الاذان)

”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں اور بالوں اور کپڑوں کو نہ لپیٹوں۔“

یہاں نمازِ خوف کا طریقہ بھی بتلایا ہے کہ اگر انتہائی خطرناک اور ہنگامی حالات ہوں تو سواری پر نماز ادا کی جاسکتی ہے۔ البتہ امن کی حالت میں پہلے طریقے پر ہی نماز ادا کی جائے گی۔ نمازِ خوف کے ہنگامی حالات کے مطابق کئی طریقے احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں جن کی تفصیل إن شاء اللہ سورۃ المائدۃ میں آئے گی۔ حالتِ جنگ میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ سے زیادہ یاد کرنا چاہیے۔

”**فَاذْكُرُوا اللّٰهَ**“ سے مراد نماز کے بعد کے اذکار ہیں اس کا یہ بھی معنٰی ہے کہ نماز اسی طرح پڑھو اور قائم کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی تعلیم دی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

مسائل

۱۔ نمازوں کی حفاظت کرنا چاہیے بالخصوص عصر کی نماز کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔

۲۔ نماز میں عاجزی کے ساتھ کھڑا ہونا اور بلاوجہ حرکات نہیں کرنا چاہیے۔ ۳۔ نماز کے بعد اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

فرضیت نماز:

۱۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ (البقرۃ: ۴۳)

۲۔ مؤمنین پر نماز مقررہ وقت پر فرض کی گئی ہے۔ (النساء: ۱۰۳) ۳۔ نماز قائم کرو اور مشرک نہ بنو۔ (الروم: ۳۱)

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ

اور وہ لوگ فوت کر دیے جائیں تم میں سے اور وہ چھوڑ جائیں بیویاں وصیت کرنا اپنی بیویوں کیلئے

مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ

نان نفقہ تک ایک سال بغیر نکالے پھر اگر وہ نکل جائیں تو نہیں کوئی گناہ

عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ

تم پر میں جو وہ کریں میں اپنے حق سے دستور اور اللہ

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٤٠﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٤١﴾

بڑا غالب خوب حکمت والا اور واسطے مطلقہ عورتوں کے نان نفقہ دستور کے مطابق لازم پر پرہیز گار (جمع)

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٤٢﴾ ع

اسی طرح واضح کرتا ہے اللہ تمہارے لیے اپنے احکام تاکہ تم تم سمجھو

۳۱ ع ۷ ۱۵

”جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ وصیت کر جائیں کہ ان کی بیویاں سال بھر تک فائدہ اٹھائیں اور گھر سے نہ نکالی جائیں، ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے لیے بہتر سمجھیں اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور حکیم ہے۔ (۲۴۰) اور طلاق شدہ عورتوں کو اچھی طرح فائدہ دینا پرہیز گاروں پر لازم ہے۔ (۲۴۱) اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیات تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔“ (۲۴۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ مضمون۔

جس عورت کا خاوند فوت ہوتے وقت وصیت کر جائے کہ اسے ایک سال گھر سے نہ نکالا جائے تو اس صورت میں اسے شوہر کے گھر رہنے اور نان و نفقہ کی ذمہ داریاں وارثوں پر ہوں گی۔ اگر وہ اپنے طور پر اپنے میکے یا کہیں اور رہنے کا انتظام کرلے تو وارثوں پر اس کا کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اس حکم کے بارے میں تمام مفسرین کا خیال ہے کہ جب بیوہ کو باضابطہ طور پر اس کے فوت شدہ خاوند کی وراثت میں حصہ دار بنا دیا گیا تو یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے احکام کے بارے میں ترمیم و اضافہ کرنے کا حق رکھنے اور ان کی حکمت کو سمجھنے والا ہے۔ آخر میں پھر ہدایت کی جا رہی ہے کہ مطلقہ عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور تعاون کرنا صاحبِ تقویٰ لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس لیے اپنے احکام کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ لوگ دانش مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خاندانی الجھنوں اور آخرت کی سختیوں سے مامون ہو جائیں۔

مسائل

۱۔ بیوہ اپنی عدّت کے بعد اپنے قیام کا فیصلہ کرنے میں خود مختار ہے۔

۲۔ مطلقہ عورتوں کو اچھے انداز میں فائدہ پہنچانا لازم ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر غور و خوض کرنا چاہیے۔

اَلَمْ تَرَ	اِلَى	الَّذِيْنَ	خَرَجُوْا	مِنْ	دِيَارِهِمْ	وَهُمْ	اُلُوْفٌ
کیانہیں تم نے دیکھا	طرف	وہ لوگ	وہ نکلے	سے	اپنے گھروں	اور وہ	کئی ہزار
حَذَرَ	الْمَوْتِ	فَقَالَ	لَهُمُ	اللّٰهُ	مُوْتُوْا	ثُمَّ	اَحْيَاهُمْ
ڈر	موت	سوفرمایا	ان کے لیے	اللہ	تم مرجاؤ	پھر	اس نے انہیں زندہ کیا
اِنَّ	اللّٰهَ	لَذُوْ فَضْلٍ	عَلَى	النَّاسِ	وَلٰكِنَّ	اَكْثَرَ	النَّاسِ
بیشک	اللہ	البتہ فضل والا	پر	لوگ	اور لیکن	زیادہ	لوگ
لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٢٤٣﴾	وَقَاتِلُوْا	فِيْ	سَبِيْلِ	اللّٰهِ	وَاعْلَمُوْا	اَنَّ	
وہ شکر نہیں ادا کرتے	اور تم لڑو	میں	راستہ	اللہ	اور جان لو	بے شک	
اللّٰهَ	سَمِيْعٌ	عَلِيْمٌ ﴿٢٤٤﴾					
اللہ	خوب سننے والا	خوب جاننے والا					

”کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے خوف سے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ مرجاؤ پھر انہیں زندہ کیا بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ (٢٤٣) اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والا ہے۔“ (٢٤٤)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نیا خطاب بدر، اُحد سے پہلے مسلمانوں کو جہاد کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

اس سے پہلے سورۃ البقرۃ آیت ١٩١ تا ١٩٣ میں دفاعی جنگ کا حکم دیا ہے یہاں بھی ایسے تناظر میں جہاد کا ذکر ہو رہا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر جنگ مسلط کر دی جائے تو انہیں موت کی پروا کیے بغیر دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جانا چاہیے۔ کیونکہ بات کا آغاز ہی بنی اسرائیل کے اس واقعے سے کیا جا رہا ہے جو ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں سے صرف اس لیے نکلے تھے کہ کہیں یہاں رہتے ہوئے انہیں موت نہ دبوچ لے۔ چند اہلِ علم کو چھوڑ کر باقی سب نے ایک خاص واقعے اور علاقے کا ذکر کیا ہے کہ وہاں بنی اسرائیل پر طاعون کی وبا پھیلی اور وہ موت کے خوف سے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس حرکت کو ناپسند کرتے ہوئے ان پر موت وارد کی اور وہ سب کے سب موت کی آغوش میں چلے گئے۔ ایک مدت گزرنے کے بعد حضرت سموئیل علیہ السلام کی دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندگی عطا کی۔

اس واقعہ سے بیک وقت دو نتائج لوگوں کے سامنے رکھے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ اور دوسری یہ بات بتلائی کہ جو لوگ موت سے ڈر کر اپنے گھروں سے نکلے تھے موت نے انہیں آلیا۔ یاد رکھو ہر کسی کی موت کا وقت اور مقام مقرر ہے وہ اس سے بھاگ نہیں سکتا بلکہ ان لوگوں کی طرح چل کر خود ہی موت کے مقام تک

پہنچ جائے گا اس لیے بزدلوں کی طرح دشمن کے آگے بھاگنے اور بھیڑ بکریوں کی طرح اس کے ہاتھوں قتل ہونے کی بجائے دشمن کے سامنے ڈٹ جاؤ۔ موت تو اپنے وقت اور مقام پر ہی آئے گی۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اپنی قدرت کے معجزات اس لیے دکھاتا ہے تاکہ وہ ہدایت پا کر اس کا شکریہ ادا کریں لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے۔ مرنے کے بعد اٹھنا قرآنِ مجید کا بنیادی نظریہ ہے جس کے ثبوت میں یہ دوسرا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شریعتِ محمدی کی طرح بنی اسرائیل کے لیے بھی یہی قانون تھا کہ اگر کسی علاقے میں طاعون یا کوئی وبا پھیل جائے تو اسے چھوڑنا نہیں چاہیے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلطَّاعُوْنُ رِجْسٌ أُرْسِلَ عَلٰى طَائِفَةٍ مِنْ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ أَوْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَإِذَا سَمِعْتُمْ بِهٖ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوْا عَلَيْهِ وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِنْهُ»

(رواه البخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء، باب حدیث الغار)

''طاعون عذاب ہے جو بنی اسرائیل یا تم سے پہلے کسی قوم پر بھیجا گیا۔ جب تمہیں معلوم ہو کہ فلاں علاقے میں طاعون کی بیماری پھیل گئی ہے تو وہاں نہ جاؤ۔ اگر تمہارے علاقے میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑے تو وہاں سے فرار اختیار نہ کرو۔''

طاعون کی بیماری کے وقت اپنا گھر بار چھوڑ کر نکلنے کا اس لیے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ موت کا وقت مقرر ہے جو کسی بنا پر بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔

طاعون سے شاید اس لیے بھی فرار کی اجازت نہیں دی کہ اس طرح مخصوص علاقہ کے جراثیم دور تک پھیلنے کا خدشہ ہو سکتا ہے۔

مسائل

۱۔ موت سے بھاگنے والا موت کی ہی طرف جاتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہی مارنے اور زندہ کرنے والا ہے۔

۳۔ اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار نہیں ہوتے۔ ۴۔ جہاد صرف اللہ کے لیے ہونا چاہیے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھنے والا اور ہر بات کو سننے والا ہے۔

دنیا میں مر کر دوبارہ زندہ ہونے والوں کے واقعات اور دلائل البقرہ آیت ۲۵۹ کے تحت دیکھیں۔

تفسیر بالقرآن

لوگوں کی اکثریت کا حال:

۱۔ اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف: ۲۱) ۲۔ لوگوں کی اکثریت شکر نہیں کرتی۔ (یوسف: ۳۸)

۳۔ آپ کے چاہنے کے باوجود لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لائے گی۔ (یوسف: ۱۰۳)

۴۔ یہ آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ (ھود: ۱۷)

۵۔ اہلِ کتاب میں سے کچھ لوگ مومن ہیں اور ان کی اکثریت نافرمان ہے۔ (آل عمران: ۱۱۰)

مَنْ	ذَا	الَّذِیْ	یُقْرِضُ	اللّٰهَ	قَرْضًا	حَسَنًا	فَیُضٰعِفَهٗ
کون	وہ	جو	قرض دے	اللہ	قرض	اچھا	پھر وہ اسے بڑھا دے گا
لَهٗۤ	اَضْعَافًا	كَثِیْرَةً	وَاللّٰهُ	یَقْبِضُ	وَیَبْصُۜطُ		
اس کے لیے	کئی گنا	زیادہ	اور اللہ	وہ تنگی کرتا ہے	اور فراخی کرتا ہے		
وَاِلَیْهِ	تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾						
اور اس کی طرف	تم لوٹائے جاؤ گے						

’’کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے اور اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑھا چڑھا کر لوٹائے، اللہ ہی تنگی اور کشادگی پیدا کرتا ہے۔ اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔‘‘ (۲۴۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہاد میں مال کی بڑی اہمیت ہے لہٰذا دفاعی فنڈ میں حصہ لینا اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کے برابر ہے۔

جہاد کے لیے مجاہد کی جسمانی جدوجہد کے ساتھ جو اہم ترین چیز ہے وہ مال ہے۔ جہاد میں مال اور جان دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ دشمنوں کے مقابلے میں نہتا مجاہد کب تک لڑ سکتا ہے؟ اس لیے اسلحہ اس کی پہلی اور بنیادی ضرورت ہے۔ اسلحہ مال کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس کے ساتھ ہی مجاہد کے لیے فوجی لباس، طعام، سواری یہاں تک کہ اس کے بال بچوں کے اخراجات کی بھی ضرورت ہے۔ ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مال ناگزیر ہے اس لیے قرآنِ مجید میں اکثر مقامات پر جہاد بالنفس سے پہلے جہاد بالمال کا حکم ہوا ہے۔ یہ مال بظاہر تو مجاہد کی ضروریات پر خرچ ہوتا ہے لیکن حقیقتاً یہ اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کے مترادف ہے کیونکہ مجاہد کو اللہ ہی کے لیے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے جہاد فی سبیل اللہ پر خرچ کرنے کو اپنی ذاتِ عالی کو قرض دینا قرار دیا ہے۔ لیکن جس طرح جہاد محض فی سبیل اللہ ہونا چاہیے اس طرح قرض بھی کسی اور غرض کی بجائے اللہ ہی کی رضا کے لیے دینا چاہیے۔ یہی قرضِ حسنہ کا معنٰی ہے کہ جس کے دینے میں کوئی ذاتی غرض نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا ذرا تصور کیجیے کہ جو کچھ اس نے بندوں کو عطا کیا ہے وہ اسی کی مہربانی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنا عطا کیا ہوا مال اپنے بندوں سے قرض کے طور پر حاصل کرتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ تم جس ذاتِ کریم کو قرض دے رہے ہو وہ تمہیں کئی گنا اضافے کے ساتھ واپس لوٹائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مال دیتے ہوئے کمی کا خوف محسوس نہ کرو۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہارے مال کو کسی اور طریقے سے کم کرسکتا ہے۔ زمیندار ہے تو فصل تباہ ہونے کی شکل میں، دوکاندار ہے تو خسارے کی صورت میں، تنخواہ دار ہے تو بیماری اور حادثے کی شکل میں، تاجر ہے تو نقصان کی صورت میں مال میں کمی واقع ہوسکتی ہے۔ اس طرح کسی بھی حادثے کے ذریعے مال کم ہوسکتا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کے

لیے کمی کرنا کوئی مشکل نہیں وہ بڑھانے اور کم کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔

طبع انسانی میں یہ بات ہمیشہ موجود رہتی ہے کہ اسے آنے والے کل کے لیے کچھ جمع کرنا چاہیے کیونکہ آج وہ صحت منداور صاحبِ روزگار ہے۔ نہ معلوم آنے والے وقت میں اس کے ساتھ کیا حادثہ پیش آجائے۔ اس فکر کی بنا پر ہر آدمی کچھ نہ کچھ بچا کر رکھنے کا عادی ہوتا ہے تاکہ کل خود اور اس کے اہل وعیال اس مال سے مستفید ہو سکیں۔ اس طرح کی انشورنس کے لیے دنیا میں بے شمار ناجائز سکیمیں جاری ہیں۔ مسلمان کا جب یہ عقیدہ ہے کہ یہ دنیا عارضی ہے اور موت کے بعد لامحدود زندگی کا آغاز ہونے والا ہے اور اس کا انحصار اعمال کے نتائج پر ہوگا تو صحیح فہم وفراست کا تقاضا ہے کہ آدمی اُس جہان کے لیے ضرور اہتمام کرے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اسی صدقہ کی بنیاد پر اسے آخرت کی مراعات میسر ہوں گی گویا کہ صدقہ آدمی کے لیے الٰہی انشورنس کی حیثیت رکھتے ہین۔ اس انشورنس کی ضمانت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔

«عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷛ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللهُ إِلَّا الطَّيِّبَ وَإِنَّ اللهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهٖ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ» (رواہ البخاری: کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ من کسب طیب)

”حضرت ابوہریرہ ﷛ بیان کرتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے پاکیزہ کمائی سے ایک کھجور کے برابر بھی صدقہ کیا۔ اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ چیز ہی قبول فرماتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیتے ہوئے اس کو صدقہ کرنے والے کے لیے بڑھاتے رہتے ہیں جس طرح تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ آدمی کا کیا ہوا صدقہ پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کے مترادف ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ رزق کم اور زیادہ کرنے والا ہے۔ ۳۔ ہر کسی نے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔

تفسیر بالقرآن

بہترین قرضِ حسنہ:

۱۔ اللہ کو قرضِ حسنہ دینے کا حکم۔ (المزمل:۲۰) ۲۔ اللہ اسے بڑھا کر واپس کرے گا۔ (الحدید:۱۱)

۳۔ اللہ اسے سات سو گناہ سے بھی زیادہ بڑھائے گا۔ (البقرۃ:۲۶۱) ۴۔ صدقہ صرف اللہ کی رضا کے لیے دینا چاہیے۔ (البقرۃ:۲۶۵)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ

کیا نہیں تو نے دیکھا طرف جماعت سے بنی اسرائیل سے بعد موسیٰ جب

قَالُوْا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

انہوں نے کہا اپنے نبی سے مقرر کر دیں ہمارے لیے ایک بادشاہ ہم لڑیں گے میں راستہ اللہ

قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ

اس نے کہا کیا قریب ہے تم اگر فرض کر دیا گیا تم پر لڑنا یہ کہ تم نہ لڑو

قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ

انہوں نے کہا اور کیا ہے ہمیں یہ کہ نہ ہم لڑیں میں راہ اللہ اور تحقیق

اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ

ہم نکال دیے گئے سے اپنے گھر (جمع) اور اپنے بیٹے پھر جب فرض کیا گیا ان پر لڑنا

تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٤٦﴾

وہ پھر گئے سوائے تھوڑے ان میں سے اور اللہ جاننے والا ظالموں کو

”کیا تم نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا کسی کو ہمارا بادشاہ بنا دیجئے تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ نبی نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ جہاد فرض ہو جانے کے بعد تم جہاد نہ کرو انہوں نے کہا ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں حالانکہ ہم اپنے گھروں سے نکالے گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیے گئے ہیں۔ پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سوائے چند لوگوں کے سب پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو جانتا ہے۔“ (٢٤٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ مضمون سے پیوستہ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کی بنا پر ان پر قومِ عمالقہ کو مسلط کر دیا گیا۔ جنہوں نے بنی اسرائیل پر پے در پے حملے کیے اور ان کو بیت المقدس سے نکال دیا۔ بنی اسرائیل دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوئے۔ ان کا شیرازہ اس طرح بکھر کر رہ گیا کہ باپ بیٹے اور بھائی بھائی کا چہرہ دیکھنے کو ترس گیا۔ قرآنِ مجید ان حالات کا نقشہ انہی کی زبان سے بیان کر رہا ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر سے جہاد کے لیے کمانڈر کا مطالبہ کیا۔ وقت کے پیغمبر نے انہیں سمجھایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر جہاد فرض کر دیا جائے اور تم جہاد کرنے سے انکار کر دو۔ انہوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے جی چرائیں۔ جب کہ ہم پر اس قدر ظلم ہوا ہے کہ ہمیں ہمارے گھروں سے نکال دیا گیا اور ہم اپنے بچوں سے الگ کر دیئے گئے ہیں۔ یاد رہے قوموں کے عروج و زوال کا دارومدار غرباء اور ضعفاء پر نہیں ہوا کرتا۔ یہ طبقہ تو عضوِ محض اور لکیر

کا فقیر ہوتا ہے قوم کی ترقی وتنزل کا تعلق قوم کے کھاتے پیتے اور سر برآوردہ لوگوں پر ہوا کرتا ہے اگر یہ طبقہ باشعور اور بہتر فکر وعمل کا حامل ہو تو قوم ترقی کی منازل طے کرتی ہے۔ جب یہ لوگ عیاش، بدکردار اور بے عمل ہوجائیں تو قوم کی تباہی یقینی ہوجاتی ہے۔ بنی اسرائیل کے حالات جب بہتر ہونے کو آئے تو ان کے سرداروں نے اس بات کا احساس کیا کہ ہمارا ملک چھن گیا ہے اور ہم در بدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں ہمارے لیے بہتر ہے کہ ذلت کی موت مرنے کے بجائے شہادت کی باعزت موت مرجائیں چنانچہ انہوں نے اپنے پیغمبر سے مضبوط اور جوان قیادت کا مطالبہ کیا۔ وقت کا پیغمبر بوڑھا ہو چکا تھا جس بنا پر اللہ تعالیٰ نے نبی کی دعا اور قوم کے مطالبہ پر طالوت کو ان کا کمانڈر مقرر فرمادیا کیونکہ جب تک ایک اور مضبوط قیادت نہ ہو قوم ترقی نہیں کرسکتی۔

جنگ کی تمنا نہ کیا کرو

((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ فَإِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاصْبِرُوْا))

(رواہ البخاری: کتاب الجہاد والسیر، باب لاتمنوا لقاء العدو)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دشمن سے ٹکرانے کی آرزو نہ کرو اور جب تمہارا ان سے سامنا ہوجائے تو پھر جم جاؤ۔“

قوم کی تباہی کا باعث طبقہ

{ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِیْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَ مَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ } (الأنعام: ۱۲۳)

”اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو جرائم کا مرتکب بنایا تا کہ وہ لوگ وہاں فریب کریں۔ اور وہ لوگ اپنے ہی ساتھ فریب کر رہے ہیں اور ان کو ذرا خبر نہیں۔“

{ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَ كُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾ } (القصص: ۵۸)

”اور ہم نے بہت سی بستیاں تباہ کردیں جو اپنی عیش وعشرت میں اترانے لگی تھیں، یہ ہیں ان کی رہنے کی جگہیں جو ان کے بعد بہت ہی کم آباد کی گئیں اور ہم ہی ہیں آخر سب کے وارث۔“

{ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ } (حمٓ السجدۃ: ۱۵)

”اب عاد نے بے وجہ زمین میں سرکشی شروع کردی اور کہنے لگے کہ ہم سے زور آور کون ہے؟ کیا انہیں یہ نظر نہ آیا کہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے بہت ہی زیادہ زور آور ہے۔ اور وہ ہماری آیات کا انکار کرنے والے تھے۔“

مسائل

۱۔ ارباب حل وعقد ہی قوموں کے بگاڑ وسنوار کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

۲۔ مظلوم کو ظالم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔ ۳۔ جہاد کرنے والے لوگ تھوڑے ہی ہوا کرتے ہیں۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ

اور کہا انہیں ان کا نبی بیشک اللہ تحقیق اس نے مقرر کردیا تمہارے لیے طالوت

مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ

بادشاہ انہوں نے کہا کیسے ہوسکتی ہے اس کے لیے بادشاہت ہم پر اور ہم زیادہ حقدار

بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ

بادشاہت کے اس سے اور نہیں وہ دیا گیا کشادگی سے مال اس نے کہا یقیناً اللہ

اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ

اس نے چن لیا ہے اسکو تم پر اور اس نے اسے زیادہ دی وسعت میں علم اور جسم اور اللہ

”اور انہیں ان کے نبی نے فرمایا کہ اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے وہ کہنے لگے بھلا اس کی ہم پر کیسے بادشاہت ہوسکتی ہے؟ اس سے زیادہ بادشاہت کے ہم حق دار ہیں۔ اس کے پاس تو زیادہ مال نہیں۔ نبی نے فرمایا سنو اللہ نے اسی کو تم پر مقرر کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی برتری عطا فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

وہی ہوا جس کا پیغمبر نے خدشہ ظاہر کیا تھا۔ جب سرداران قوم کے مطالبہ پر جنابِ طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر کردیا گیا تو بنی اسرائیل حسبِ عادت بہانے تراشتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ طالوت ہمارا بادشاہ بن جائے؟ جب کہ اس کے پاس مال واسباب کی فراوانی نہیں۔ پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جسمانی اور علمی صلاحیتوں سے تم پر برتری عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے حکومت سے سرفراز کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

لیکن اس کے باوجود انہیں اطمینان نہ ہوا انہوں نے یہ مطالبہ کرڈالا کہ اس کے سربراہ ہونے کی کوئی نشانی ہونی چاہیے۔ حضرت شمویل علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کے بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ وہ صندوق جو تم سے چھن چکا ہے اسے فرشتے اٹھائے ہوئے تمہارے پاس لائیں گے جس میں تمہارے رب کی طرف سے اطمینان کا سامان موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے تبرکات اور وہ عصا بھی اس میں موجود ہوگا جسے موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھینکتے تو اژدہا بن جاتا۔ اس کے ذریعے چشمے جاری ہوئے اور کبھی اس سے دریا کی لہریں اس طرح تھم گئیں کہ درمیان میں خشک اور ہموار راستے بن گئے۔ اگر تم تسلیم کرنے والے ہو تو طالوت کی تائید میں یہ بہت بڑے دلائل اور براہین ہیں۔ بالآخر انہوں نے جنابِ طالوت کی سرکردگی کو قبول کرلیا۔

اس واقعہ سے دنیا پرست مال داروں کی ذہنیت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ قیادت بھی سرمایہ کی بنیاد پر ان کا حق بنتا ہے۔ حالانکہ قائد میں علم وفراست اور جسمانی قوت وصلاحیت کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ اس کی دیانت وامانت بھی مسلمہ

يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٤٧﴾ وَقَالَ لَهُمْ

دیتا ہے اس کی بادشاہت جسے وہ چاہتا وہ اور اللہ بڑا وسعت والا خوب جاننے والا اور کہا انہیں

نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ

ان کا نبی بیشک نشانی اس کی حکومت یہ کہ آئے گا تمہارے پاس صندوق اس میں سامان سکینت

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ

سے تمہارا رب اور بچا ہوا اس سے جو چھوڑا آل موسیٰ اور آل ہارون اٹھائے ہوں گے اسے

الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٤٨﴾ ع

۳۲ ع ۶ ۱۶

فرشتے بیشک میں اس یقیناً نشانی تمہارے لیے اگر ہو تم ایمان لانے والے

جسے چاہے اپنا ملک عطا کرتا اللہ کشادگی اور علم والا ہے۔ (۲۴۷) ان کے نبی نے انہیں فرمایا کہ اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے اس میں اطمینان ہے اور آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کا ترکہ ہے اسے فرشتے اٹھا کر لائیں گے۔ یقیناً یہ تمہارے لیے کھلی نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو۔'' (۲۴۸)

ہونی چاہیے۔ یہاں تک کہ اس میں منصب کی خواہش بھی نہیں ہونا چاہیے۔

«عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى رضي الله عنه قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَرَجُلَانِ مِنْ قَوْمِيْ فَقَالَ أَحَدُ الرَّجُلَيْنِ أَمِّرْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَقَالَ الْآخَرُ مِثْلَهُ فَقَالَ إِنَّا لَا نُوَلِّيْ هٰذَا مَنْ سَأَلَهُ وَلَا مَنْ حَرَصَ عَلَيْهِ»

(رواه البخاري: كتاب الأحكام، باب مايكره من الحرص على الإمارة)

''حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے قبیلے کے دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دونوں میں سے ایک نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے عہدہ دیجیے اور دوسرے نے بھی ایسا ہی مطالبہ کیا آپ نے فرمایا: یقیناً ہم ایسے شخص کو عہدہ نہیں دیتے جو عہدہ طلب کرے اور نہ ہی ایسے شخص کو عہدہ دیتے ہیں جو عہدے کا حریص ہو۔''

حکمران کے اوصاف

① ۔ مسلمان ہو:

قرآنِ کریم میں اولوالامر کا مسلمان ہونا شرط قرار دیا گیا ہے۔ (النساء:۵۹) لہٰذا امیر کا مسلمان ہونا بدرجۂ اولیٰ ضروری ہے۔ کیونکہ غیر مسلموں کو اپنے معاملات میں دخیل اور شریک کرنا جائز نہیں ہے۔ (آلِ عمران:۱۱۸، التوبۃ:۱۶)

② ۔ عورت حکمران نہیں ہوسکتی:

مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ (النساء:۳۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے عورت کو

اپنا حاکم بنالیا ہو۔(رواہ البخاری: کتاب الفتن، باب الفتنة التی تموج کموج البحر)

رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جب تمہارے معاملات عورتوں کے حوالے کردیے جائیں تو تمہارے لیے پھر موت ہی بہتر ہے۔(رواہ الترمذی: ابواب الفتن [ضعیف])

فقہائے اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورت خلیفہ اور سربراہِ حکومت نہیں بن سکتی۔

③۔عادل اور صالح ہو:

قرآنِ کریم میں فرمایا گیا ہے کہ ظالم لوگ مسلمانوں کی امامت اور قیادت کے مستحق نہیں ہیں۔(البقرة:۱۲۴)

غافل اور مسرفین ومفسدین کی اطاعت جائز نہیں ہے۔(الکہف:۲۸، الشعراء:۱۵۱، ۱۵۲)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محترم وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔(الحجرات:۱۳)

④۔صاحبِ علم ہو:

قرآنِ کریم میں اولوا الامر کے لیے استنباط اور اجتہادی بصیرت کا حامل ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔(النساء: ۸۳) قیادت کے لیے علمی اور جسمانی صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے۔[البقرة:۲۴۷] عالم اور غیر عالم برابر نہیں ہیں۔(الزمر:۹)

⑤۔آزاد ہو:

یعنی کسی کا غلام، ہمہ وقتی ملازم اور قیدی نہ ہو اور فرائض کی ادائیگی کے لیے فارغ ہو۔

⑥۔بالغ ہو:

نابالغ بچہ اس بوجھ کو جسمانی اور ذہنی کمزوری کی وجہ سے نہیں اٹھا سکتا۔ اس لیے نادان اور نابالغ بچوں کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔(النساء:۵)

⑦۔عاقل ہو:

دماغی طور پر مریض نہ ہو۔

⑧۔سلیم الاعضاء ہو:

جسمانی طور پر ناکارہ شخص یہ عظیم خدمت انجام نہیں دے سکتا۔

⑨۔دلیر اور شجاع ہو:

بزدل شخص نہ ملک کا دفاع کرسکتا ہے اور نہ امن قائم کرسکتا ہے۔

⑩۔معاملہ فہم ہو:

حالات سے باخبر اور معاملہ فہم ہو۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ

پھر جب جدا ہوا طالوت لشکر کے ساتھ (جمع) اس نے کہا بیشک اللہ

مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ

تمہاری آزمائش کرنے والا ایک نہر کیساتھ پس جس نے پی لیا اس سے تو نہیں مجھ سے ہے اور جس نے

لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ بِيَدِهٖ ۚ

نہ اسے چکھا تو بیشک وہ مجھ سے سوائے جو چلو بھر لے ایک چلو اپنے ہاتھ سے

فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ

پھر انہوں نے پی لیا اس سے سوائے تھوڑے ان سے پھر جب عبور کیا اس نے اسے وہ اور جو لوگ

''جب طالوت لشکروں کو لے کر نکلے تو کہا سنو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے جس نے اس میں سے پانی پی لیا وہ میرا ساتھی نہیں اور جو اس سے نہ چکھے وہ میرا ساتھی ہے۔ ہاں یہ کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے لیکن چند لوگوں کے سوا باقی سب نے پانی پی لیا۔ طالوت مومنوں کے ساتھ جب نہر سے گزر گئے تو وہ لوگ

فہم القرآن

ربطِ کلام: واقعہ طالوت وجالوت کی تفصیل جاری ہے۔

جنابِ طالوت قوم کے حالات اور عادات کو جانتے تھے اس لیے انہوں نے مناسب سمجھا کہ پہلے ان کی آزمائش کرنا چاہیے تاکہ دشمن کے مقابلے میں ان کی طاقت وصلاحیت کا اندازہ لگایا جاسکے۔ اسی سے ٹریننگ اور فوجی مشقوں کا اصول نکلا ہے۔ جنابِ طالوت نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے راستے میں ایک نہر آنے والی ہے اور وہ نہر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے آزمائش ہوگی۔ جس نے نہر سے سیر ہو کر پانی پی لیا وہ میرا ساتھی نہیں ہوگا چلو البتہ بھر پانی پینا تمہارے لیے جائز قرار دیا گیا ہے۔ جونہی وہ نہر کے کنارے پہنچے تو چند لوگوں کو چھوڑ کر ان کی اکثریت نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ جنہوں نے پانی نہیں پیا تھا ان کی تعداد تین سو تیرہ (۳۱۳) تھی۔

((عَنِ الْبَرَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم نَتَحَدَّثُ أَنَّ عِدَّةَ أَصْحَابِ بَدْرٍ عَلٰى عِدَّةِ أَصْحَابِ طَالُوْتَ الَّذِيْنَ جَاوَزُوا النَّهَرَ وَلَمْ يُجَاوِزْ مَعَهٗ إِلَّا مُؤْمِنٌ بِضْعَةَ عَشَرَ وَثَلَاثَ مِائَةٍ))

(رواہ البخاری: کتاب المغازی: باب عدۃ أصحاب بدر)

''حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی باہم گفتگو کیا کرتے تھے کہ اصحابِ بدر کی تعداد طالوت کے ان ساتھیوں کی تعداد کے برابر تھی جنہوں نے نہر پار کی تھی اور ان کے ساتھ صرف ۳۱۳ مومن تھے۔''

جب ان کا سامنا جالوت کی فوج کے ساتھ ہوا تو سیر ہو کر پانی پینے والوں نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ بعض مفسرین نے

اٰمَنُوْا مَعَہٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَۃَ لَنَا الْیَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِہٖ ؕ

وہ ایمان لائے | اسکے ساتھ | انہوں نے کہا | نہیں طاقت | ہمارے لیے | آج | جالوت کے ساتھ | اور لشکر (جمع)

قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوا اللّٰہِ ۙ کَمْ مِّنْ فِئَۃٍ قَلِیْلَۃٍ

کہا | وہ لوگ | یقین رکھتے تھے | بے شک وہ | ملنے والے | اللہ | کتنی | سے | جماعت | چھوٹی

غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیْرَۃًۢ بِاِذْنِ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۲۴۹﴾

غالب ہوئی | جماعت | بڑی | ساتھ حکم | اللہ | اور اللہ | ساتھ | صبر کرنے والے

کہنے لگے آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑائی کریں۔لیکن اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا بسا اوقات چھوٹی سی جماعت بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے غالب آجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔‘‘(۲۴۹)

اسرائیلی روایات کے حوالے سے لکھا ہے کہ سیر ہو کر پانی پینے والوں کے پیٹ پھول گئے۔ جب فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو انہوں نے جہاد سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم میں جالوت کے لشکر کے ساتھ لڑنے کی ہمت نہیں ہے۔اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے اور بزدلوں کو جہاد پر آمادہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ پر سچا یقین رکھنے والے مجاہدوں نے کم ہمت لوگوں کو بار بار سمجھایا کہ کم ہمتی اور بزدلی نہ دکھاؤ۔ ہمت کرو اور یقین جانو کہ تاریخ میں بارہا دفعہ ایسا ہوا کہ قلیل جماعتیں کثیر جماعتوں پر ’’اللہ‘‘ کے حکم سے غالب آتی رہی ہیں۔ یہ ایسی حقیقت ہے کہ اسلام کا تابناک ماضی اس پر گواہ ہے کہ مسلمان اسلحہ اور افرادی قوت کے اعتبار سے کبھی بھی اپنے دشمن سے زیادہ نہیں رہے لیکن جب تک یہ منظم، مستقل مزاج، پرعزم، صاحبِ کردار اور حوصلہ مند یعنی صابر رہے مسلمان ہی غالب آتے رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ مستقل مزاج لوگوں کا ساتھ دیا کرتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ مختلف طریقوں کے ساتھ لوگوں کو آزماتا ہے۔ ۲۔دشمن کے مقابلے سے پہلے ٹریننگ اور تربیت حاصل کرنا ضروری ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے قلیل کثیر پر غالب آیا کرتے ہیں۔ ۴۔’’اللہ‘‘ کے نافرمان بزدل ہوتے ہیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ حوصلہ مند لوگوں کی مدد فرماتا ہے۔ ۶۔آزمائش کے وقت ایک دوسرے کو ثابت قدم رہنے کی تلقین کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے:

۱۔ اے ایمان والو! نماز اور صبر کے ساتھ مدد طلب کرو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔(البقرۃ:۱۵۳)

۲۔ بہت سی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔(البقرۃ:۲۴۹)

۳۔ صبر کرو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔(الانفال:۴۶)

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ

اور جب وہ آمنے سامنے ہوئے واسطے جالوت کے اور لشکر اس کا انہوں نے کہا اے ہمارے رب ڈال دے

عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ

ہم پر صبر اور جما دے ہمارے قدم اور تو مدد کر ہماری پر قوم

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۛ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ

کافر (جمع) چنانچہ انہوں نے شکست دی انہیں ساتھ حکم اللہ اور قتل کیا داؤد جالوت

وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ

اور اسے دی اللہ بادشاہت اور حکمت اور اسے سکھایا اس سے جو وہ چاہتا ہے

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ

اور اگر نہ ہٹاتا اللہ لوگ ان کا بعض بعض کے ذریعہ تو ضرور خراب ہو جاتی

الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾

زمین اور لیکن اللہ بڑے فضل والا پر تمام جہان

”جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار! ہمیں صبر دے، ثابت قدمی دے اور کفار پر ہماری مدد فرما۔ (۲۵۰) چنانچہ اللہ کے حکم سے انہوں نے جالوت کے لشکر کو شکست دی اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے داؤد کو مملکت و حکمت اور جتنا چاہا علم عطا فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے نہ ہٹاتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا افضل و کرم کرنے والا ہے۔“ (۲۵۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام : گزشتہ سے پیوستہ

جب طالوت کے لشکر کا جالوت کے لشکروں کے ساتھ آمنا سامنا ہوا تو جذبۂ ایمان سے سرشار مجاہد اپنے رب کے حضور دعائیں مانگنے لگے کہ بارِ الٰہا! ہمیں حوصلہ، ثابت قدمی اور کفار پر غلبہ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں قبول فرمائیں اور جنابِ داؤد علیہ السلام نے کفار کے کمانڈر جالوت کو قتل کر دیا۔ جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بہت بڑی مملکت سونپتے ہوئے نبوت سے سرفراز فرمایا۔ یہ وہی داؤد علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمایا جو پیغمبر بھی تھے اور حکمران بھی۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے علم و فضل عطا کرتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے نہ ہٹائے تو زمین پر فسادِ عظیم برپا ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ لوگوں پر انتہائی فضل فرمانے والا ہے۔

بنی اسرائیل کے ان دو واقعات میں ایک طرف اہلِ مکہ کے مظالم کی طرف اشارہ ہے اور دوسری طرف مسلمانوں کو بتلایا

جار ہا ہے کہ تمہیں بنی اسرائیل کی طرح جنگ کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے۔ بے شک تمہارے ساتھ اہلِ مکہ وہی کچھ کر رہے ہیں جو عمالقہ نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا تھا۔ ہاں اگر تم پر جنگ مسلط کر دی جائے تو بنی اسرائیل کے ایمان دار مجاہدوں کی طرح تمہیں بھی پوری غیرت اور جرأت کے ساتھ ڈٹ جانا چاہیے۔ جیسے انہوں نے میدانِ کارزار میں اترنے سے پہلے اپنے رب سے نصرت وحمایت طلب کی تھی تمہیں بھی اپنے رب کی نصرت ودستگیری مانگنا چاہیے جس طرح بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے دشمن کے مدمقابل ہونے کے بعد اپنے کمانڈر سے غداری کی تھی۔ ایسے ہی حالات تمہیں بھی درپیش ہو سکتے ہیں جو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اُحد میں منافقین کے کردار کی وجہ سے پیش آئے۔ جب منافقین کفار کو دکھا دکھا کر ٹولیوں کی صورت میں مسلمانوں سے الگ ہوئے تھے۔ وہ طالوت کی سربراہی پر یہ کہہ کر معترض ہوئے تھے کہ اس کے پاس مال نہیں۔ منافق یہ کہہ کر الگ ہوئے تھے کہ اس موقع پر مدینہ میں رہ کر لڑنے کی ہماری تجویز تسلیم نہیں کی گئی ہے۔ حالانکہ رسولِ مکرم ﷺ بھی مدینہ میں رہ کر دفاع کرنے کے حق میں تھے لیکن مسلمانوں کی بھاری اکثریت کی رائے کا احترام کرتے ہوئے میدانِ اُحد میں تشریف لے گئے۔ طالوت کے ساتھیوں کی طرح مکہ والے بھی یہی کہتے تھے کہ یہ نبی تو غریب ہے پیغمبری تو ابوالحکم (ابوجہل) یا طائف کے سرداروں میں سے کسی کو ملنا چاہیے تھی۔

ازل سے اللہ تعالیٰ کا یہی دستور ہے کہ وہ جہاد اور دوسرے ذرائع سے ظالم اور سفّاک لوگوں کو کمزوروں اور مظلوموں کے ذریعے اقتدار سے ہٹایا کرتا ہے۔ جس کی ایک حکمت یہ ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے جو اللہ تعالیٰ کو ہرگز گوارا نہیں۔

مسائل

۱۔ قیادت کا انتخاب مال نہیں علمی اور جسمانی صلاحیت پر ہونا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کشادگی اور علم والا ہے۔

۳۔ مجاہد کی تربیت اور آزمائش ہونا چاہیے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھوڑے زیادہ پر غالب آیا کرتے ہیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ ۶۔ جنگ سے پہلے اور اس کے دوران اللہ تعالیٰ سے مدد اور حوصلہ مانگنا چاہیے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے حکومت اور حکمت عطا کرتا ہے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ زمین میں امن قائم رکھنے کے لیے ظالم کو مظلوموں کے ذریعے ہٹایا کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

طالوت وجالوت کا واقعہ اور حکمران کے اوصاف:

۱۔ بنی اسرائیل کا بادشاہ کی تقرری کے لیے درخواست کرنا۔ (البقرۃ:۲۴۶)

۲۔ حکمران کے دو بڑے اوصاف۔ (البقرۃ:۲۴۷) ۳۔ طالوت کے پاس بطورِ نشانی تابوتِ سکینہ کا آنا۔ (البقرۃ:۲۴۸)

۴۔ لشکر کا کم ہمتی دکھانا۔ (البقرۃ:۲۴۹) ۵۔ طالوت کا جالوت پر فتح حاصل کرنا۔ (البقرۃ:۲۵۰،۲۵۱)

۶۔ فتح وشکست کا معیار کثرت وقلت نہیں ہے۔ (البقرۃ:۲۴۹)

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

یہ اللہ کی آیات ہم تلاوت کرتے ہیں انہیں آپ پر حق کے ساتھ اور بے شک آپ البتہ رسولوں میں سے

''یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جنہیں ہم حق کے ساتھ آپ پر پڑھتے ہیں یقین جانیں آپ رسولوں میں سے ہیں۔'' (۲۵۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قلیل اور ضعیف جماعت کا اپنے سے طاقت ور اور زیادہ پر غالب آنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے اس فرمان میں آپ ﷺ کی کامیابی کی پیش گوئی ہے۔

جو واقعات، حقائق اور نتائج ہم آپ کے سامنے پڑھتے ہیں یہ بالکل سچ ہیں۔ جس طرح بنی اسرائیل کو ہم نے معزز اور محترم امت بنایا تھا۔ ان کی راہنمائی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو پیغمبر بنایا گیا تا آنکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔ بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور سخت ترین احکامات، حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت و حکمت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مافوق الفطرت خلقت، حلیمی اور برد باری حلقۂ ایمان میں داخل نہ کر سکی۔ اگر آپ کے مخالطب لوگ حقائق، معجزات اور آپ کا اخلاق و اخلاص دیکھ کر حلقہ اسلام میں داخل نہیں ہو رہے تو آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ یقین فرمائیں کہ آپ بھی اسی مقدس جماعتِ انبیاء کے ایک فرد اور اسی مشن کے داعی ہیں۔ لہٰذا آپ کو اپنے بارے میں شک نہیں کرنا چاہیے اعتماد کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے ضابطے کے مطابق بالآخر ظالموں کو مٹا کر آپ کو غلبہ عطا کرنے والا ہے اور یہ انقلاب آ کر رہے گا۔ ظالموں کا ظلم کبھی اس سیلِ حق کے سامنے نہ رکاوٹ بنا اور نہ بن سکے گا۔

{ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ }
(الصف:۹)

''اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے اگرچہ یہ بات مشرکوں کو ناپسند لگے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيَبْلُغَنَّ هٰذَا الْأَمْرُ مَا بَلَغَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَلَا يَتْرُكُ اللّٰهُ بَيْتَ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ هٰذَا الدِّيْنَ» (مسند أحمد: كتاب مسند الشاميين، باب حديث تميم الداري [صحيح])

''یہ دین ضرور وہاں تک پہنچے گا جہاں رات کی تاریکی اور دن کی روشنی پہنچتی ہے اور اللہ تعالیٰ ایک ایک شہر اور بستی کے ہر گھر میں اس دین کو داخل کر دے گا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے احکام حق اور سچ ہیں۔ ۲۔ نبی محترم ﷺ مرسلین میں سے ایک اور سب کے سردار ہیں۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ

یہ رسول (جمع) ہم نے فضیلت دی ان کے بعض کو پر بعض ان میں سے جو

كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

کلام کیا اللہ اور اس نے بلند کیا ان کے بعض درجے اور ہم نے دی عیسیٰ مریم کا بیٹا

الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ

واضح نشانیاں اور ہم نے اس کی تائید کی روح القدس (جبرائیل) سے اور اگر چاہتا اللہ نہ باہم لڑتے

الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ

وہ لوگ سے ان کے بعد بعد جو آئیں ان کے پاس کھلی نشانیاں اور لیکن

اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ وَلَوْ

انہوں نے اختلاف کیا پھر ان سے جو ایمان لایا اور ان سے جو اس نے کفر کیا اور اگر

شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿٢٥٣﴾ ٣٣ ع ٥ ١

چاہتا اللہ وہ باہم نہ لڑتے اور لیکن اللہ کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے

”یہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا ہے اور بعض کو درجات میں بلند کیا اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو معجزات عطا فرمائے اور روح القدس سے اس کی تائید فرمائی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کے بعد والے لوگ دلائل آ جانے کے بعد ہرگز آپس میں لڑائی، جھگڑا نہ کرتے۔ لیکن انہوں نے اختلاف کیا، ان میں سے بعض تو ایمان لائے اور بعض نے کفر کیا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ آپس میں نہ لڑتے لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔“ (٢٥٣)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جلیل القدر انبیاء کرام اور ان کے معجزات دیکھ لینے کے باوجود سب کے سب لوگوں کا ایمان نہ لانا اللہ تعالیٰ کے اختیار سے متجاوز نہیں یہ اس کی مشیّت کے عین مطابق ہے۔ جس طرح انبیاء کے مراتب اور ان کی جدوجہد کے نتائج میں فرق ہے اسی طرح حق کو قبول کرنے اور کفر سے اجتناب کرنے میں لوگوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ اے رسول ﷺ! آپ کو ان کے حالات کا موازنہ کرتے ہوئے یقین رکھنا چاہیے کہ آپ بالیقین مرسلین کے سرخیل ہیں۔

تمام انبیاء خاندانِ نبوت کے افراد اور گلدستۂ رسالت کے پھول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((اَنَـا اَوْلَـى النَّاسِ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَالْأَنْبِيَآءُ إِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِيْنُهُمْ وَاحِدٌ)) (رواه البخاري: كتاب أحاديث الأنبياء)

''لوگوں میں سے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے دنیا وآخرت میں سب سے زیادہ میں قریب ہوں اور انبیاء کی جماعت علاتی بھائی ہیں ان کی مائیں جدا جدا ہیں لیکن دین ایک ہے۔''

پھر سلسلۂ نبوت کو ایک عالی شان اور خوبصورت محل کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى بَيْتًا فَأَحْسَنَهٗ وَأَجْمَلَهٗ إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهٖ وَيَعْجَبُونَ لَهٗ وَيَقُولُونَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ قَالَ فَأَنَا اللَّبِنَةُ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ» (رواہ البخاری: کتاب المناقب، باب خاتم النبیین)

''بے شک میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے ایک گھر بنایا پھر اس کو خوبصورت اور مزین کیا لیکن صرف ایک اینٹ کی جگہ ایک کونے میں رہ گئی۔ لوگ اس گھر کو دیکھتے اور اس ایک اینٹ کی جگہ خالی پا کر تعجب کرتے ہوئے کہتے: یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔''

«أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَبِيَدِي لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ اٰدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ إِلَّا تَحْتَ لِوَائِي وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ وَلَا فَخْرَ» (رواہ الترمذی: کتاب المناقب [صحیح])

''میں قیامت کے دن آدم کی ساری اولاد کا سردار ہوں گا مگر اس اعزاز پر فخر نہیں کرتا اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اس پر میں اتراتا نہیں اور قیامت کے دن آدم علیہ السلام سمیت تمام نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں قیامت کے دن سب سے پہلے اپنی قبر سے اٹھوں گا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔''

''جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت دوں پھر تمہارے پاس کوئی دوسرا رسول اسی چیز کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے تمہارے پاس موجود ہے تو تمہارے لیے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے فرمایا کہ تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا کہ ہم اقرار کرتے ہیں' فرمایا اب گواہ رہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔'' (آلِ عمران: ۸۱)

انبیاء کے درمیان مراتب کا تفاوت سمجھنے کے لیے طلبہ کی ایک کلاس کو سامنے رکھیں۔ استاد کی نظر میں تمام طلبہ عزیز ہوتے ہیں اور ہونے چاہئیں۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ میرا ہر طالب علم ایک دوسرے پر سبقت لے جائے۔ اس کے باوجود پوری کلاس میں مجموعی طور پر ایک ہی طالب علم قابلیت اور لیاقت کے اعتبار سے سب سے آگے ہوتا ہے۔ جب کہ جزوی لیاقت اور صلاحیت کے لحاظ سے کئی طلبہ کو ایک دوسرے پر برتری حاصل ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے مجموعی طور پر سرفہرست آنے والے طالب علم سے دوسرا طالب علم سائنس کے مضمون میں اس سے زیادہ نمبر حاصل کرتا ہو اور یہی کیفیت دوسرے طالب علم کی کسی دوسرے مضمون میں ہوسکتی ہے۔ یہاں بھی انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت وعظمت دینے کا یہی مفہوم ہوسکتا ہے کہ زمانے اور اقوام کے مزاج کے پیشِ نظر ایک نبی کو ایسے معجزات دیے گئے جو اس کے بعد آنے والے نبی کے دور اور مزاج کے لیے ضروری نہیں تھے۔ مثال کے طور پر موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جادو کا علم اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا ہوئے

کہ دنیا کے قابل ترین جادوگر شکست ماننے پر مجبور ہوئے۔ ان کے بعد ہر دور کے مطابق انبیاء معجزات کے ساتھ مبعوث کیے گئے یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا ہوئے کہ ان کے سامنے ارسطو اور افلاطون کی طب ماند پڑ گئی۔ پھر یہودیوں کی چیرہ دستیوں اور سازشوں سے محفوظ رکھنے کے لیے حضرت جبریل امین علیہ السلام کے ذریعے ان کی حفاظت کا انتظام کیا گیا تا آنکہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے۔

اتنے عظیم المرتبت پیغمبروں کی تشریف آوری، ان کی گراں مایہ تعلیمات عظیم معجزات اور بے مثال جدوجہد کے باوجود بھی نہ صرف لوگ دعوتِ حق کے انکاری ہوئے بلکہ باطل نظریات کی خاطر انبیاء کرام سے لڑتے جھگڑتے رہے۔ یہ جرأت ان کو اس لیے حاصل نہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت وسطوت سے باہر تھے بلکہ یہ اس لیے ہوتا رہا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ حقائق لوگوں کے سامنے کھول کر رکھنے کے بعد دیکھا جائے کہ کون دل و دماغ اور بصارت و بصیرت سے کام لے کر ہدایت کے راستے پر گامزن ہوتا ہے اور کون ہدایت کا انکار کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں اپنی طاقت کے ذریعے روکنا چاہتا تو وہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق ہی سب کچھ کیا کرتا ہے لہٰذا ان میں ایمان لانے والے بھی تھے اور کفر والحاد قبول کرنے والے بھی ہوئے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت عطا فرمائی۔

۲۔ موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف عطا کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کی جبریل امین سے تائید فرمائی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو لوگ آسمانی ہدایت آنے کے بعد اختلاف نہ کرتے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کے مراتب میں فرق:

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے خلیفہ بنایا۔ (البقرۃ: ۳۰)

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کا موقعہ عطا فرمایا۔ (العنکبوت: ۱۴)

۳۔ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے اپنا خلیل بنایا۔ (النساء: ۱۲۵) ۴۔ سلیمان علیہ السلام کو اللہ نے سب سے بڑا حکمران بنایا۔ (ص: ۳۵)

۵۔ داؤد علیہ السلام کو اللہ نے دانائی عطا فرمائی۔ (ص: ۲۰) ۶۔ یعقوب علیہ السلام کو اللہ نے صبر جمیل عطا فرمایا۔ (یوسف: ۸۳)

۷۔ یوسف علیہ السلام کو اللہ نے حکمرانی اور پاک دامنی عطا فرمائی۔ (یوسف: ۳۱)

۸۔ ادریس علیہ السلام کو اللہ نے مقامِ علیا سے سرفراز کیا۔ (مریم: ۵۷) ۹۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے ہم کلامی کا شرف بخشا۔ (طٰہٰ: ۱۲ تا ۱۴)

۱۰۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلمہ قرار دیا۔ (النساء: ۱۷۱)

۱۱۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین وخاتم النبیین بنایا۔ (الانبیاء: ۱۰۷، الاحزاب: ۴۰)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ

اے جولوگ ایمان لائے تم خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے دیا تمہیں سے پہلے یہ کہ آجائے دن

لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

نہیں خرید وفروخت اس میں اور نہ کوئی دوستی اور نہ کوئی سفارش اورانکار کرنے والے(جمع) وہ ظالم(جمع)

''اے ایمان والو! ہم نے جو کچھ تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو۔ اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں تجارت ہے اور نہ دوستی اور نہ شفاعت۔ انکار کرنے والے ہی ظالم ہیں۔''(۲۵۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: انبیاء علیہم السلام کے مراتب، ان کے ادوار اور جدوجہد کے انداز کا فرق بیان کرنے کے بعد انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا جو دنیا میں کامیابی کا اہم عنصر اور آخرت میں نجات کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی عدالتِ عظمیٰ کے اصول بتلاتے ہیں کہ جس دن تمہیں اس کے حضور پیش ہونا ہے اس دن کوئی لین دین نہیں ہوگا۔ آج وہ تمہیں بار بار حکم دیتا ہے کہ آؤ میرے راستے میں خرچ کرو۔ یہ میرے ساتھ تمہارا لین دین ہے۔ تمہارا خرچ کرنا رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ تمہیں اس کے بدلے کئی گنا زیادہ عطا ہوگا۔ مگر یہ لین دین صرف دنیا کی زندگی میں ہے۔ اس کے بعد آخرت میں اپنی نجات کے بدلے تم سب کچھ دینے کے لیے تیار ہوگے لیکن کوئی لینے اور قبول کرنے والا نہیں ہوگا۔ تمہاری ایک دوسرے کے ساتھ دوستی اور محبت کام نہ آئے گی اور کوئی سفارش بھی فائدہ مند نہ ہوگی۔ اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرنے اور قیامت کا انکار کرنے والے ہی ظالم ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ لوگو آگ سے بچو! اگرچہ تمہیں کھجور کا ایک ٹکڑا ہی صدقہ کرنا پڑے۔ (رواہ البخاری: کتاب الزکوۃ، باب إتقوا النار ولو بشق تمرۃ)

مسائل

۱۔ مرنے سے پہلے پہلے اللہ کی راہ میں صدقہ کرنا چاہیے۔ ۲۔ قیامت کا انکار کرنے والے ظالم ہیں۔

۳۔ قیامت کے دن لین دین، دوستی اور کوئی سفارش قبول نہیں ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی عدالت کے ضابطے:

۱۔ قیامت کے دن دوستی اور سفارش کام نہ آئے گی۔ (ابراہیم: ۳۱) ۲۔ قیامت کو لین دین نہیں ہو سکے گا۔ (البقرۃ: ۲۵۴)

۳۔ قیامت کے دن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آئے گا۔ (الدخان: ۴۱، ۴۲)

۴۔ قیامت کے دن متقین کے سوا سب ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔ (الزخرف: ۶۷)

اَللّٰهُ	لَآ	اِلٰهَ	اِلَّا	هُوَ ج	اَلْحَیُّ	الْقَیُّوْمُ ۵	لَا تَاْخُذُهٗ	سِنَةٌ
اللہ	نہیں	کوئی معبود	مگر	وہ	زندہ	قائم رکھنے والا	نہیں آتی اُسے	اونگھ
وَّلَا	نَوْمٌ ط	لَهٗ	مَا	فِی	السَّمٰوٰتِ	وَمَا	فِی	الْاَرْضِ ط
اور نہ	نیند	اسی کا ہے	جو	میں	آسمانوں	اور جو	میں	زمین
مَنْ	ذَا	الَّذِیْ	یَشْفَعُ	عِنْدَهٗٓ	اِلَّا	بِاِذْنِهٖ ط	یَعْلَمُ	مَا
کون	جو	وہ جو	سفارش کرے	اس کے پاس	مگر	اس کی اجازت سے	وہ جانتا ہے	جو
بَیْنَ	اَیْدِیْهِمْ	وَمَا	خَلْفَهُمْ ج	وَلَا	یُحِیْطُوْنَ	بِشَیْءٍ	مِّنْ	عِلْمِهٖٓ
ان کے سامنے		اور جو	ان کے پیچھے	اور نہیں	وہ احاطہ کر سکتے	کسی چیز کا	سے	اس کا علم
اِلَّا	بِمَا	شَآءَ ج	وَسِعَ	كُرْسِیُّهُ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضَ ج		
مگر	ساتھ اسکے	جو وہ چاہے	وسیع ہے	اس کی کرسی	آسمان (جمع)	اور زمین		
وَلَا	یَئُوْدُهٗ	حِفْظُهُمَا ج	وَهُوَ	الْعَلِیُّ	الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾			
اور نہیں	تھکاتی اس کو	ان دونوں کی حفاظت	اور وہ	بلند مرتبے والا	نہایت عظمت والا			

''اللہ تعالیٰ ہی معبودِ برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے۔ جسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ اس کی ملکیت میں زمین و آسمان کی تمام چیزیں ہیں۔ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے؟ وہ جانتا ہے جو لوگوں کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔ اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو گھیر رکھا ہے اور وہ ان کی حفاظت سے نہ تھکتا ہے اور نہ اکتاتا ہے وہ بہت ہی بلند و بالا اور بڑی عظمت والا ہے۔'' (۲۵۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: صاحب ایمان مخیر حضرات کو ان کے نیک اعمال اور صدقات کا بدلہ عطا کرنے والا اور ظالموں کو ٹھیک سزا دینے والا ''اللہ'' ہے جس کی ذات اور صفات میں کوئی شریک نہیں۔ لہٰذا وہی دنیا و آخرت میں تمہارا مالک، خالق اور نگران ہے۔ آخرت میں کوئی اس کے سامنے دم نہیں مار سکے گا۔ البتہ دنیا میں اس نے بطور آزمائش تمہیں کچھ اختیار دے رکھے ہیں۔ جس وجہ سے وہ کسی پر ہدایت مسلط نہیں کرتا۔ اس آیتِ مبارکہ کو آیت الکرسی کہا گیا ہے۔ کچھ اہلِ علم نے کرسی کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کا اقتدار لیا ہے لیکن صحابہ اور تابعین کی اکثریت نے اس سے مراد کرسی لی ہے۔

اس آیت کی عظمت و فضیلت کے بارے میں رسولِ کریم ﷺ نے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے یوں ارشاد فرمایا:

''اے ابو منذر! تجھے علم ہے کہ کتاب اللہ کی عظیم آیت کونسی ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے پھر دریافت فرمایا ابومنذر! تو جانتا ہے کہ قرآن کی عظیم آیت کونسی ہے؟ ابی بن کعب کہتے ہیں میں نے جواباً عرض کیا کہ {أَللهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ} (یعنی آیت الکرسی) آپ نے میرے سینے پر تھپکی دیتے ہوئے فرمایا اے ابومنذر! اللہ تجھے تیرا علم مبارک کرے۔'' (رواہ مسلم: کتاب صلوۃ المسافرین وقصرھا)

اس عظیم آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے معبودِ حق ہونے کی چودہ صفات بیان فرمائی ہیں جو انسان، جنات، ملائکہ اور کائنات کی کسی چیز میں نہیں پائی جاتیں۔ گویا کہ وہ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے بے مثال، لازوال اور لاشریک ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک ''اللہ'' کے بارے میں امام رازی نقل کرتے ہیں کہ یہ ''اَلِھْتُ اِلٰی فُلَانٍ'' سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ہیں ''سَکَنْتُ اِلٰی فُلَانٍ'' یعنی وہ ہستی جس کے نام سے سکون حاصل کیا جائے اور وہ معبودِ برحق ہے۔ زمین و آسمان اور پوری کائنات میں اس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں وہی واحد اِلٰہ ہے۔

اہل علم نے لفظ اِلٰہ کے جتنے مصادر بیان کیے ہیں ہر ایک کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور الوہیت کا کامل تصور رکھتا ہے۔ جس کے معانی ہیں اونچی شان والا، کائنات کی نظروں سے پوشیدہ، سب کی ضرورتیں پوری کرنے والا اور جس کی ذات سے پناہ طلب کی جائے۔ جس سے سب سے زیادہ محبت کی جائے اس کی عبادت کرنی چاہیے۔ اکیلا ہی عبادت کے لائق، ہمیشہ زندہ رہنے والا اور ہر چیز کو حیات بخشنے والا، ہر دم اور ہر لحاظ سے قائم رہنے والا اور جب تک چاہے کائنات کی ہر چیز کو قائم رکھنے والا۔ ایسی ذات جسے نہ اونگھ آئے اور نہ ہی اس کی ذات کے بارے میں نیند کا تصور کیا جا سکے۔ زمین و آسمان میں ذرّہ ذرّہ اسی کی ملکیت ہے۔ اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر کوئی بات اور سفارش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا وہ سب کچھ جانتا ہے جو ہو چکا، جو موجود ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے۔ اس کے علم سے کوئی کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتا سوائے اس کے جسے وہ خود کچھ عطا کرنا چاہے۔ اس کا اقتدار اور اختیار زمین اور آسمانوں پر ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہیگا۔ زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے ان کی حفاظت سے اسے نہ تھکاوٹ ہوتی ہے اور نہ اکتاہٹ۔ وہ اپنے مقام و مرتبہ اور ذات و صفات کے لحاظ سے بلند و بالا اور رفعت وعظمت والا ہے۔

''حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی اسے جنت میں داخل ہونے سے صرف موت ہی مانع ہے۔'' (صحیح الجامع الصغیر للالبانی: ۶۴۶۴)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے صدقۂ فطر کی حفاظت پر مقرر کیا۔ ایک شخص آیا اور غلہ چوری کرنے لگا میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا: میں تجھے رسولِ اکرم ﷺ کے پاس لے جاؤں گا؟ وہ کہنے لگا میں محتاج، عیالدار اور سخت تکلیف میں ہوں چنانچہ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ابوہریرہ! آج رات تمہارے قیدی نے کیا کہا؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اس نے محتاجی اور عیالداری کا شکوہ کیا۔ مجھے رحم آیا تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا دھیان رکھنا وہ جھوٹا ہے وہ پھر تمہارے پاس آئے گا۔ چنانچہ اگلی رات وہ پھر آیا اور غلہ اٹھانے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا آج تو ضرور میں تمہیں نبی ﷺ کے پاس لے

جاؤں گا۔ وہ کہنے لگا مجھے چھوڑ دو میں محتاج اور عیالدار ہوں آئندہ نہیں آؤں گا۔ مجھے پھر رحم آ گیا اور اسے چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو آپ نے مجھے پوچھا ابو ہریرہ تمہارے قیدی نے کیا کیا؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! اس نے سخت محتاجی اور عیالداری کا شکوہ کیا مجھے رحم آ گیا تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا خیال رکھنا وہ جھوٹا ہے وہ پھر آئے گا۔ چنانچہ تیسری بار میں تاک میں رہا وہ آیا اور غلہ سمیٹنے لگا میں نے اسے پکڑ لیا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو میں تمہیں چند کلمے سکھاتا ہوں جو تمہیں فائدہ دیں گے۔ میں نے کہا وہ کیا ہیں؟ کہنے لگا جب تو سونے لگے تو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کر۔ اللہ کی طرف سے ایک فرشتہ تیرا نگہبان ہوگا اور صبح تک شیطان تیرے پاس نہیں آئے گا۔ چنانچہ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو نبی ﷺ نے مجھ سے پوچھا تیرے قیدی نے آج رات کیا کیا؟ میں نے آپ کو ساری بات بتلا دی تو آپ نے فرمایا اس نے سچی بات کہی حالانکہ وہ کذاب ہے۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جانتے ہو تین راتیں کون تمہارے پاس آتا رہا ہے؟ میں نے عرض کی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شیطان تھا۔''

(رواہ البخاری: کتاب الوکالۃ، باب إذا وکل رجلا فترک الوکیل شیئا الخ)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے پہلے اور بعد کے حالات جانتا ہے۔ ۲۔ اس کی مرضی کے بغیر اس کے علم سے کوئی کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہمیشہ رہنے والا ہے:

۱۔ ہر چیز تباہ ہو جائے گی صرف اللہ کی ذات کو دوام حاصل ہے۔ (الرحمن: ۲۷)

۲۔ اللہ کے علاوہ ہر شے ہلاک ہو جائے گی۔ (القصص: ۸۸) ۳۔ اللہ ہی ازلی اور ابدی ذات ہے۔ (الحدید: ۳)

قیامت کے دن سفارش کے اصول:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر سفارش نہیں ہو سکے گی۔ (البقرۃ: ۲۵۵)

۲۔ سفارش بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوگی۔ (النبا: ۳۸) ۳۔ اللہ تعالیٰ اپنی پسند کی بات ہی قبول فرمائیں گے۔ (طٰہٰ: ۱۰۹)

۴۔ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کا حقدار نہ ہوگا۔ (یونس: ۳)

۵۔ سفارش کا اختیار اسی کو ہوگا جسے رحمن اجازت دے گا۔ (مریم: ۸۷)

۶۔ اگر رحمن نقصان پہنچانا چاہے تو کسی کی سفارش کچھ کام نہ آئے گی۔ (یٰس: ۲۳)

۷۔ سفارشیوں کی سفارش ان کے کسی کام نہ آئے گی۔ (المدثر: ۴۸)

۸۔ وہی سفارش کر سکے گا جس کی سفارش پر رب راضی ہوگا۔ (الانبیاء: ۲۸)

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ

نہیں | زبردستی | میں | دین | تحقیق واضح ہوگئی | ہدایت | سے | گمراہی

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ

پس جو | انکار کرے | طاغوت کا | اور ایمان لائے | اللہ پر | پس تحقیق | اس نے تھام لیا

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

کڑا | مضبوط | نہیں ٹوٹنا | اس کے لیے | اور اللہ | خوب سننے والا | خوب جاننے والا

''دین میں کوئی زبردستی نہیں ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے اس لیے جو شخص باطل معبودوں کا انکار کرے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔'' (۲۵۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عظیم اور قدرت رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو منوانے کا جبری طریقہ اختیار نہیں فرمایا۔ اس فرمان میں واضح اشارہ ہے کہ توحید کا دوسرا نام دین ہے۔ اس کے بغیر نہ لوگوں کا دین صحیح اور پختہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی تعلق باللہ مضبوط ہو سکے گا عقیدہ توحید اپنانا مضبوط رسی تھامنے کے مترادف ہے جس طرح رسی تھامنے والا بھنور میں نہیں ڈوبتا۔ اسی طرح عقیدہ توحید پر قائم رہنے والا اختیار کرنے والا دنیا وآخرت کے مسائل اور مصائب میں نہیں ڈولتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی رہنمائی اور دستگیری کرنے والا ہے جبکہ شیطان ''اللہ'' کے منکروں کو جہالت کے اندھیروں میں دھکیلتا ہے۔

یہاں لفظ دین سے پہلی مراد اللہ تعالیٰ کی توحید ہے۔ جس کی نہایت مختصر مگر جامع تعریف آیت الکرسی میں کر دی گئی ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور ہر چیز اس کے حکم کی غلام اور تابع فرمان ہے۔ کوئی اس کے سامنے دم نہیں مار سکتا کوئی راز اور بات اس سے مخفی نہیں، نہ ہی وہ کسی بات سے غافل ہے۔ وہ ہمیشہ سے قائم دائم اور جب تک کسی چیز کو چاہے اسے زندہ اور قائم رکھنے والا ہے۔ زمین وآسمان کی حفاظت ونگرانی سے نہ تھکتا ہے اور نہ اکتاہٹ محسوس کرتا ہے۔ اس کی حکومت ہواؤں اور فضاؤں حتی کہ زمین کے ذرّے ذرّے اور آسمان کے چپّے چپّے پر قائم ہے۔ اس کے اقتدار و اختیار کی وسعتیں لامحدود ہیں۔ وہ ہر چیز پر بلند و بالا اور اپنی عظمت وسطوت قائم رکھے ہوئے ہے۔ اس کے باوجود اس نے اپنی ذات اور بات منوانے کے لیے جبر واکراہ کا انداز اختیار نہیں فرمایا۔ ذرا سوچیے کہ انسان نے دنیا میں آکر کون سے جرائم اور بغاوتیں نہیں کیں؟ اگر اللہ تعالیٰ روکنا چاہتا تو اس کی قوت وطاقت سے کچھ بھی باہر نہ تھا لیکن اس نے ہدایت کو گمراہی سے کئی گنا واضح اور آسان فرما کر انسان کو سمجھایا کہ اگر تو اپنے رب کی ذات اور اس کی بات پر ایمان لے آئے تو تیرا رب کے ساتھ ایسا تعلق اور رشتہ قائم ہو جائے گا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی ذات اور فرمان کو بلا شرکتِ غیرے تسلیم کرتے ہوئے ہر شیطانی قوّت کا انکار کرے۔ دنیا میں جتنے بھی حلف لیے جاتے ہیں ان میں حلف اٹھانے والا صرف یہی کہتا ہے کہ

میں فلاں قانون، دستور اور سلطنت یا مملکت کا وفادار رہوں گا۔ اسلام صرف اس شخص کا حلف تسلیم کرتا ہے جو پہلے غیر اللہ کا انکار کرے اور پھر اپنے خالق و مالک کی ذات و صفات کا اقرار کرے تب جا کر حلف مکمل اور آدمی حلقۂ اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ جہاں تک دین میں جبر نہ کرنے کا تعلق ہے اس کے بارے میں کچھ لوگ تو واقعتاً غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں لیکن زیادہ تر غلط فہمی پیدا کرنے والے ہیں۔ غلط فہمی پیدا کرنے والے کوئی ان پڑھ، دیہاتی اور اجڈ لوگ نہیں بلکہ نہایت تعلیم یافتہ، ترقی پسند اور اپنے آپ کو مہذب ترین سمجھنے والے ہیں۔ انہیں انفرادی طور پر دین کی دعوت دی جائے یا ملک میں نفاذِ شریعت کی بات چلے تو وہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ جبراً کسی کو مسجدوں کی طرف نہیں دھکیلا جاسکتا، مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہے اس میں حکومت کو بھی دخل اندازی کا کوئی حق نہیں اور جبری عبادت تو ویسے ہی قبول نہیں ہوتی۔ پھر یکدم اس آیت کریمہ کے الفاظ یا اس کے مفہوم کا حوالہ دیتے ہیں۔ بالخصوص حدود کے نفاذ کی بات ہو تو ان کو فوری طور پر خطرات لاحق ہو جاتے ہیں کہ اس طرح تو لوگوں کے ہاتھ کٹ جائیں گے۔ اسلام کے حوالے سے چوری کی روک تھام کی بات کی جائے تو وہ کہتے ہیں کہ پہلے لوگوں کے روزگار کا بندوبست کیا جائے۔ گویا کہ ان کے نزدیک جب تک ملک میں شہد کی نہریں نہ چل نکلیں کسی چور اور ڈاکو کو سزا نہیں ملنی چاہیے۔ کچھ جرأت مند بے دین حدود اللہ کو وحشیانہ قانون قرار دیتے ہیں۔

سختی کا حکم

جہاں تک قانون اور حدود کا تعلق ہے۔ دنیا میں کونسا ایسا ملک ہے جہاں چور، ڈاکو اور قاتل کو سزا دینے کی بجائے تمغۂ جرأت عطا کیا جاتا ہے؟ ہر ملک میں ایسے لوگوں کو کچھ نہ کچھ سزائیں ضرور دی جاتی ہیں۔ حکومت اور انتظامیہ کے وجود کا مقصد ہی ملک میں اجتماعی نظام کی حفاظت اور قانون کا نفاذ ہوا کرتا ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرسکیں۔ اگر کوئی قانون کا احترام نہیں کرتا اور اس پر قانون کا نفاذ نہ کیا جائے تو حکومت اور مملکت کے اجتماعی نظام کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ اس بات سے ہی اس حقیقت کو سمجھنا چاہیے کہ اگر اسلامی مملکت میں مجرم کو شریعت کے مطابق سزا نہ دی جائے تو پھر حدود و قصاص کی آیات اور احادیث کا کیا مقصد ہوگا؟ اگر حدود نافذ کرنا حکومت کا لوگوں کے ذاتی معاملات میں مداخلت کرنا ہے تو پھر کیا لوگوں کو ایک دوسرے پر قانون نافذ کرنے کی اجازت دے دینی چاہیے یا معاشرے کو کھلا چھوڑ دینا چاہیے؟ دین میں جبر نہ ہونے کا فقط اتنا ہی مفہوم ہے کہ غیر مسلم کو جبراً مسلمان نہیں بنایا جاسکتا۔ جہاں تک اس معاملہ میں ملت اسلامیہ کے کردار و اخلاق کا تعلق ہے مسلمان تقریباً نو سو سال تک مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک بلا شرکتِ غیرے حکمران رہے کیا انہوں نے کسی معبد خانے، کلیسا اور آتش کدہ میں جا کر تلوار کی دھار اور نیزے کی نوک سے لوگوں کو مسلمان بنایا؟ ہرگز نہیں! ایسا کرنا تو در کنار انہوں نے دوسروں کے عبادت خانوں میں جا کر دعوتِ اسلام دینا بھی اخلاقیات کے منافی اور دوسروں کے حقوق میں مداخلت سمجھا تاکہ غیر مسلم جبر کا پہلو محسوس نہ کریں۔ یہاں تک کہ حالتِ جنگ میں بھی کسی کو جبراً مسلمان بنانے کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی کیونکہ مسلمان کو پہلے دن سے حکم ہوا ہے کہ دین میں جبر نہیں۔ تاہم جو لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کر دیں ان کو جبراً نماز پڑھانا، ان سے زکوٰۃ وصول کرنا اور ان پر اسلامی قانون جاری کرنا حکومت کا فرض ہے۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو عرب کے کچھ قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ یہاں تک کہ یہ لوگ زکوٰۃ ادا کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا آپ ان لوگوں سے کیسے لڑیں گے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے لوگوں سے اس وقت تک لڑنے کا حکم ہے جب تک وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ نہ کہیں۔ جس نے یہ شہادت دے دی اس نے اپنا مال اور اپنی جان مجھ سے بچا لیے الا یہ کہ وہ کوئی ایسا کام کرے جس سے سزا کے طور پر اس کے کوئی جرمانہ، دیت وصول کی جائے یا اسکو جسمانی سزا دی جائے۔ اس کے جواب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! میں اس شخص سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا۔ اس لیے کہ زکوٰۃ اللہ کا حق ہے اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ زکوٰۃ کی مد میں مجھے بکری کا ایک بچہ نہ دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں ان سے ضرور لڑوں گا۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! اس کے بعد میں سمجھ گیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں جو جہاد کا ارادہ پیدا ہوا ہے یہ اللہ تعالیٰ ہی نے ان کے دل میں ڈالا ہے اور میں سمجھ گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے درست ہے۔'' (رواہ البخاری: کتاب الزکوۃ، باب وجوب الزکوۃ)

«عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ»

(رواہ أبوداؤد: کتاب الصلوۃ [صحیح])

''عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کی تلقین کرو جب دس سال کے ہوں تو انہیں جبراً نماز پڑھاؤ اور ان کے بستر جدا کر دو۔''

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ کلمہ گو کو جبراً شریعت پر چلایا جائے گا۔ الکرسی سے مراد کرسی ہی لینی چاہیے۔ کچھ لوگوں نے کرسی سے مراد اللہ تعالیٰ کا اقتدار لیا ہے۔ واللہ اعلم

مسائل

١۔ دین میں جبر نہیں کیونکہ ہدایت گمراہی سے نمایاں ہو چکی ہے۔

٢۔ طاغوت کا انکار اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا نہ ٹوٹنے والی رسی کو پکڑنا ہے۔ ٣۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

دین میں جبر نہیں:

١۔ دین میں جبر نہیں۔ (البقرۃ: ٢٥٦) ٢۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں پر داروغہ نہیں بنایا گیا۔ (بنی اسرائیل: ٥٤)

٣۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو ہدایت کے لیے مجبور نہیں کر سکتے۔ (القصص: ٥٦) ٤۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی پر نگران نہیں ہیں۔ (النساء: ٨٠)

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ

اللہ | دوست | جولوگ | ایمان لائے | وہ انہیں نکالتا ہے | سے | اندھیروں | طرف | روشنی

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ

اورجولوگ | کافر ہوئے | ان کے ساتھی | شیاطین | وہ انہیں نکالتے ہیں | سے | روشنی

اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ؁ع ﴿٢٥٧﴾ ع ٣٤ / ٢

طرف | اندھیرے (جمع) | یہی لوگ | آگ والے | وہ | اس میں | ہمیشہ رہیں گے

’’اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور کفار کے ساتھی شیاطین ہیں وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہی لوگ جہنمی ہیں یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔‘‘ (٢٥٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عقیدہ توحید اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق جوڑنے کا نام ہے جب آدمی اللہ تعالیٰ سے مخلصانہ تعلق قائم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ از راہِ کرم اسے اپنا دوست بنا کر اس کی روشن مستقبل کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔

جب آدمی اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان لائے اور شیطانی قوتوں کا انکار اور ان کے خلاف سینہ سپر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنی ہدایت کے راستے کھول دیتا ہے۔ یہاں ہدایت کو نور اور طاغوتی راستوں کو ظلمات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیوں کہ شاہراہِ ہدایت ایک ہی ہے اور شیطان کے راستے بے شمار ہیں جیسا کہ روشنی ایک ہے اور اندھیرے کئی قسم کے ہیں۔ یہی ایمان قیامت کے دن نور بن کر جنتیوں کے لیے مشعلِ راہ ہوگا۔ کفر و نفاق تاریکی بن کر جنت کے راستے میں حائل ہو جائے گا۔ ایسے لوگ جہنم میں دھکیلے جائیں گے جس میں انہیں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ (الحدید: ١٣)

جب آدمی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے تو اللہ تعالیٰ بندے کو اپنا دوست بنا لیتا ہے۔ اسے اپنی طرف آنے کی توفیق بخشتا اور اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ جوں جوں بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار اور اس کے حکم پر نثار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی آنکھ، کان اور جوارح پر چھا جاتا ہے اور وہ اپنے دوستوں کی رہنمائی ہی نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے بندے کے دشمن کا دشمن ہو جاتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ میرے دوستوں کو دنیا و آخرت میں کوئی خوف نہ ہوگا۔ اس کے برعکس شیطان اپنے دوستوں کو نورِ ہدایت سے نکال کر گمراہی کے اندھیروں میں دھکیل دیتا ہے۔

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ اللّٰهَ قَالَ مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهٗ فَإِذَا أَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهٗ

الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا وَإِنْ سَأَلَنِيْ لَأُعْطِيَنَّهُ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِيْ لَأُعِيْذَنَّهُ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِيْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ» (رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب التواضع)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے میرے دوست سے دشمنی کی میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ میں نے جو چیز بندے پر فرض کی اس سے زیادہ مجھے کوئی چیز محبوب نہیں جس سے وہ میرا قرب حاصل کرے بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ جب میں اس کے ساتھ محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر سوال کرے تو میں اسے عطا کرتا ہوں، اگر مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔ میں اپنے کسی کام میں اتنا تردُّد نہیں کرتا جتنا ایک مومن کی جان قبض کرنے میں کرتا ہوں کیونکہ بندہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور مجھے اس کی تکلیف اچھی نہیں لگتی۔''

«عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِيْمَا يَرْوِيْهِ عَنْ رَبِّهِ قَالَ إِذَا تَقَرَّبَ الْعَبْدُ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِذَا تَقَرَّبَ مِنِّيْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَإِذَا أَتَانِيْ يَمْشِيْ أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً»

(رواہ البخاری: کتاب التوحید)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ بات بیان کرتے ہیں جو آپ اللہ تعالیٰ سے بیان کرتے ہیں یعنی یہ حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب بندہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں۔ جب میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف دو ہاتھ بڑھتا ہوں۔ جب وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ہے اور انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لاتا ہے۔

۲۔ شیطان اپنے دوستوں کو روشنی سے اندھیروں میں دھکیلتا ہے۔ ۳۔ شیطان کے دوست ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

النور:

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی زمین وآسمان کا نور ہے۔ (النور: ۳۵) ۲۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی روشنی نہیں دے سکتا۔ (النور: ۴۰)

۳۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو روشنی کی طرف لاتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۵۷) ۴۔ رسول لوگوں کو روشنی کی دعوت دیتا ہے۔ (ابراہیم: ۱)

۵۔ تورات وانجیل نور ہیں۔ (المائدۃ: ۴۶) ۶۔ قرآن بھی نور ہے۔ (المائدۃ: ۱۵)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ
کیا نہیں دیکھا آپ نے طرف وہ جو اس نے جھگڑا کیا ابراہیم میں اس کا رب یہ کہ دی اس کو

اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ
اللہ بادشاہت جب کہا ابراہیم میرا رب وہ جو زندہ کرتا ہے

وَیُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ
اور مارتا ہے اس نے کہا میں زندہ کرتا ہوں اور میں مارتا ہوں فرمایا ابراہیم بیشک

اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ
اللہ لاتا ہے سورج سے مشرق پس تو لے آ اسے سے مغرب

فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ۝۲۵۸
تو وہ ششدر ہو گیا وہ جو اس نے کفر کیا اور اللہ نہیں ہدایت دیتا قوم ظالم (جمع)

”کیا تم نے اسے نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا تھا، حالانکہ اسے اللہ تعالیٰ نے حکومت عطا فرمائی تھی۔ جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ وہ کہنے لگا میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال۔ تو کافر ششدر رہ گیا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ (۲۵۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ روح کو نورِ ایمان سے زندہ کرتا ہے اسی طرح وہ مردہ جسم کو دوبارہ زندگی عطا کرنے پر قادر ہے اللہ تعالیٰ قیامت کو لوگوں کو زندہ فرمائے گا جس کی امثال پیش کی جارہی ہیں۔

ایک دنیا پرست اور کوتاہ نظر انسان کی عادت ہوتی ہے کہ جونہی اسے کوئی نعمت وافر مقدار میں میسر ہو تو اس کی فطرت بغاوت پر اُتر آتی ہے۔ جن نعمتوں کے ملنے کے بعد آدمی بہت جلد غرور اور تکبر کا مظاہرہ کرتا ہے ان نعمتوں میں اقتدار اور اختیار ایسی چیز ہے جب اس کا نشہ دماغ پر غالب آتا ہے تو آدمی اپنے محسنوں کو بھول ہی نہیں جاتا بلکہ بسا اوقات ان کی جان کا دشمن بن جاتا ہے۔ خیر خواہی کرنے والوں کو مخالف اور چاپلوسی کرنے والوں کو خیر خواہ سمجھتا ہے۔ ایسے شخص کے پاس زیادہ عرصہ اقتدار رہے تو وہ اس زعمِ باطل میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ سب کچھ میری ذاتی صلاحیتوں اور کارکردگی کا نتیجہ ہے بالآخر وہ عملاً اپنے آپ کو خدائی مقام پر فائز سمجھتا ہے۔ نمرود جب اس خمار میں مبتلا ہوا تو اس نے اپنے آپ کو زمین پر خدائی اوتار کے طور پر متعارف کروایا۔ اس قسم کے حکمرانوں کی بنیادی سوچ یہ ہوتی ہے کہ ہر قانون ان کے تابع ہو اور دین کا دنیاوی معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس کو آج کل کی زبان میں یوں کہا جاتا ہے کہ سیاست اور دین دو متضاد چیزیں ہیں۔ دین کا ریاست اور سیاست کے معاملات میں کوئی دخل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ان کے بقول دین ملک کی ترقی میں رکاوٹ بنتا ہے۔ حضرت

ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے واسطہ پڑا جو کہ نبوت کی تاریخ میں پہلا واقعہ تھا۔ اس سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام عوام الناس کو تبلیغ کیا کرتے تھے اور کسی حکمران کے ساتھ دین کے حوالے سے بالمشافہ گفتگو کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ جونہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے اللہ تعالیٰ کی توحید پیش فرمائی تو اس نے اپنے سیاسی تحفظات کی بنا پر ربِ کائنات کی ہستی کا انکار کیا اور پھر اپنے مؤقف کے بارے میں باطل اور فرسودہ دلائل دینے لگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھایا کہ میں اس خالقِ حقیقی کی بات کر رہا ہوں جو موت وحیات کا مالک ہے۔ اللہ کا باغی کہنے لگا یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں میں چاہوں تو جلاد کو حکم دوں کہ فلاں آدمی کو قتل کر دیا جائے جب جلاد تلوار اٹھائے تو میں اُسے ایسا کرنے سے روک دوں لہٰذا مارنا اور زندہ کرنا کونسا مشکل کام ہے۔ اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ اس نے موت کی سزا پانے والے قیدی کو رہا کر دیا اور رہا ہونے والے کو قتل کرنے کا حکم جاری کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا تکبر اور ہٹ دھرمی دیکھ کر اپنی دلیل کی لطافت سمجھانے اور اس کے ساتھ الجھنے کی بجائے یک دم فرمایا میں اس رب کی بات کر رہا ہوں جو سورج کو مشرق سے طلوع کر کے مغرب میں غروب کرتا ہے اگر تو اپنے آپ کو خدا سمجھتا ہے تو سورج کو مغرب سے طلوع کر۔ یہ ایسی اچانک، واضح اور ٹھوس دلیل تھی جس کا وہ جواب نہ دے سکا۔ یہاں بعض اہلِ علم نے لکھا ہے کہ اگر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہتا کہ تیرا رب سورج کو مغرب سے طلوع کر کے دکھائے تو اللہ تعالیٰ اس کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تائید میں ایسا کر دیتے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے دلیل کی تاب نہ لا کر نمرود اس قدر بوکھلا چکا تھا کہ اس کے حواس ٹھکانے نہ رہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بات کرنے کا سلیقہ معجزہ کے طور پر عطا ہوا تھا۔ [الشعراء: ۸۳] جب ابراہیم علیہ السلام اپنے مخالفوں سے بات کرتے تو لوگ ان کے سامنے دم بخود رہ جاتے تھے چنانچہ نمرود کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا یہی سچے دین کی خوبی ہے کہ وہ ہر دور میں علمی برتری اور ٹھوس دلائل کے حوالے سے باطل نظریات پر غالب رہا ہے اور ہمیشہ بالادست رہے گا۔ جو لوگ حقائق کے سامنے لاجواب ہو کر بھی حق قبول نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا کیونکہ ہدایت کے لیے عاجزی اور سچی طلب ضروری ہوا کرتی ہے۔

مسائل

۱۔ موت وحیات کا صرف اللہ ہی مالک ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے نظام میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔

۳۔ اللہ کے منکروں کو بالآخر پریشانی اٹھانا پڑتی ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی موت وحیات کا مالک ہے:

۱۔ اللہ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ (آلِ عمران: ۱۵۶) ۲۔ اللہ ہی موت وحیات کا خالق ہے۔ (الملک: ۲)

۳۔ اللہ تعالیٰ مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کرتا ہے۔ (آلِ عمران: ۲۷)

۴۔ اللہ تعالیٰ مارنے کے بعد لوگوں کو زندہ کرے گا۔ (البقرۃ: ۷۳)

اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ

یا اس شخص کے مانند گزرا پر ایک بستی اور وہ گری پڑی تھی پر اپنی چھتوں اس نے کہا

اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ

کیسے زندہ کریگا اسے اللہ بعد اس کی موت تو اس کو فوت کیا اللہ ایک سو سال پھر

بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ

اسے اٹھایا کہا کتنی دیر تو ٹھہرا اس نے کہا میں ٹھہرا ایک دن یا کچھ حصہ دن

قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ

اس نے کہا بلکہ تو ٹھہرا رہا ایک سو سال چنانچہ تو دیکھ طرف اپنا کھانا اور اپنا پینا

لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ

وہ خراب نہیں ہوا اور تو دیکھ طرف اپنا گدھا اور تاکہ ہم تجھے بنائیں نشانی لوگوں کیلئے اور تو دیکھ

اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ

طرف ہڈیاں کس طرح ہم انہیں جوڑتے ہیں پھر ہم اسے پہناتے ہیں گوشت پھر جب واضح ہوگیا

لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٥٩﴾

اس کیلئے کہا میں جان گیا بیشک اللہ پر ہر چیز خوب قدرت والا

”یا اس شخص کی طرح کہ جس کا گزر ایک بستی سے ہوا جو اپنی چھتوں کے بل گری پڑی تھی وہ کہنے لگا اس کے گر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اسے سو سال کے لیے موت دے دی پھر اسے اٹھا کر پوچھا تو کتنی مدت ٹھہرا رہا؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ فرمایا بلکہ تو سو سال تک اسی حالت میں رہا۔ اب اپنے کھانے پینے کو دیکھ جو بالکل خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ تاکہ ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنائیں۔ دیکھو ہم ہڈیوں کو کس طرح جوڑ کر پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں؟ جب اس کے سامنے سب کچھ واضح ہو گیا تو وہ کہنے لگا میں اچھی طرح جان گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔“ (٢٥٩)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سلسلہ مضمون جاری ہے لہٰذا یہاں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی ایک مثال پیش کی گئی ہے۔

اس شخص سے مراد اکثر مفسرین نے حضرت عزیر علیہ السلام لیے ہیں اور جس بستی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ بیت المقدس تھی جسے بخت نصر نے تہس نہس کر دیا تھا۔ اس تاریخی اور مقدس شہر کو ویران اور سنسان دیکھ کر حضرت عزیر علیہ السلام کو شدید دھچکا لگا اور خیالات کی دنیا میں سوچنے لگے کہ کبھی اس کے بازار پُر رونق، اس کے مکان اپنے مکینوں سے آباد، یہاں چہل پہل اور شہر کی

ایک شان ہوا کرتی تھی۔ اب یہاں ہُو کا عالم ہے اب تو اس میں سے گزرتے ہوئے بھی دل کانپتا ہے۔ جوں ہی یہ خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس اجڑی ہوئی بستی کو دوبارہ کس طرح رونقیں عطا کرے گا؟ اس سوچ میں غلطاں ہو کر کہنے لگے: ”اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا“ ”اللہ تعالیٰ اس کی موت کے بعد اسے کس طرح زندہ کرے گا“ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو سو سال تک موت کی آغوش میں سُلا دیا۔ جب انہیں دوبارہ اٹھایا تو فرمایا کہ اے عزیر! تم کتنی مدت تک یہاں رہے ہو؟ انہوں نے عرض کی الٰہی! میں ایک دن یا اس کا کچھ حصہ یہاں ٹھہرا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ ہرگز نہیں! تو یہاں ایک صدی ٹھہرا رہا ہے۔ اب اپنے کھانے پینے کی طرف دیکھ اس میں نہ بساند پیدا ہوئی اور نہ ہی اس کا ذائقہ تبدیل ہوا ہے۔ پھر اپنے گدھے کی طرف دیکھ تاکہ تجھے اور اس پورے واقعہ کو لوگوں کے لیے مر کر جی اٹھنے پر ایک دلیل کے طور پر پیش کیا جائے۔ اب گدھے کی ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم کس طرح انہیں اکٹھا کر کے اس پر گوشت پوست چڑھاتے ہیں۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے گدھے کی بوسیدہ ہڈیاں صحت مند ہڈیوں کی شکل اختیار کر گئیں اور باہم جڑ کر گدھے کا ڈھانچہ بن گیا اور پھر اس پر گوشت اور بالوں سمیت کھال نمودار ہوئی یہ دیکھتے ہی حضرت عزیر علیہ السلام پکار اٹھے میں اچھی طرح جان چکا کہ اللہ ہی زندہ کرنے پر قادر اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجب نظائر ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو سو سال تک موت کی آغوش میں دے کر پہلی حالت میں صحیح سالم اٹھانا، بہت جلد خراب ہونے والے کھانے اور پانی کو اسی طرح ٹھیک حالت پر برقرار رکھنا کہ اس میں معمولی تغیر بھی پیدا نہ ہو پایا۔ گدھا جو زندہ رہ سکتا اور اپنے طور پر وادی میں کھا پی سکتا تھا اسے مار کر ازسرِ نو زندہ فرما کر حضرتِ عزیر علیہ السلام کو مشاہدے کے ذریعے ثابت کرنا کہ اللہ تعالیٰ اس طرح ہی اجڑی ہوئی بستیوں کو آباد کرتا اور صحراؤں اور ریگستانوں کو گل و گلزار بناتا ہے۔ اگر کوئی پانی میں ڈوب جائے یا جل کر راکھ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ بکھرے ہوئے اجزاء کو اکٹھا کر کے اپنی بارگاہ میں پیش کرے گا اور یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب بھی ہے اور اس کے ہر کام اور حکم میں حکمت بھی ہے۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ اُجڑی بستیوں کو آباد اور مردوں کو زندہ کرتا ہے اور کرے گا۔

٢۔ حضرت عزیر علیہ السلام نبی ہونے کے باوجود اپنے مرنے کی مدّت کو نہ جان سکے۔ ٣۔ اللہ تعالیٰ بقا اور فنا کا مالک اور ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر بالقرآن

موت کے بعد زندہ ہونے کی مثالیں:

١۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے مقتول کو زندہ فرمایا۔ (البقرۃ: ٧٣) ٢۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو زندہ فرمایا۔ (البقرۃ: ٢٥٩)

٣۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ذبح ہونے والے چار پرندوں کو زندہ فرمایا۔ (البقرۃ: ٢٦٠)

٤۔ اصحابِ کہف کو تین سو نو سال کے بعد زندہ فرمایا۔ (الکہف: ٢٥)

٥۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ہزاروں لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا۔ (البقرۃ: ٢٤٣)

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَ لَمْ

اور جب کہا ابراہیم اے میرے رب مجھے دکھا کیسے تو زندہ کرتا ہے مردہ اس نے کہا کیا اور نہیں تو نے

تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَ لٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً

یقین کیا اس نے کہا کیوں نہیں اور لیکن تاکہ مطمئن ہوجائے میرا دل فرمایا پس پکڑ لے چار

مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا

سے پرندے پھر مانوس کر ان کو اپنی طرف پھر رکھ دے پر ہر پہاڑ ان سے ٹکڑے

ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝٢٦٠

پھر تو انہیں بلا وہ آئیں گے تیرے پاس دوڑتے ہوئے اور جان لے بیشک اللہ بہت غالب خوب حکمت والا

”اور جب حضرت ابراہیم نے کہا کہ اے پروردگار مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم! تم بھی نہیں مانتے؟ ابراہیم نے عرض کیا کیوں نہیں۔ یہ عرض اس لیے ہے تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا چار پرندے لے کر انہیں اپنے ساتھ مانوس کر و پھر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہر ایک پہاڑ پر ان کے ٹکڑے رکھ دو پھر انہیں بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے اور جان لو اللہ تعالیٰ بہت غالب، خوب حکمت والا ہے۔“ (٢٦٠)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔ مردہ کو زندہ کرنے کی ایک اور مثال۔

اللہ تعالیٰ نے ”سورۃ التّکاثر“ میں انسانی علم کے تین مدارج ذکر فرمائے ہیں۔ علم، علم الیقین اور عین الیقین۔ عین الیقین ایسا علم ہے جو تجربے اور مشاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کو عین الیقین کے تناظر میں سمجھنا چاہیے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حیات بعد الممات کے بارے میں کبھی بھی تشکیک کا شکار نہیں ہوئے۔ ان کے بارے میں دوٹوک انداز میں الانعام ٧٥ میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے دن سے ہی رشد و ہدایت سے نوازا تھا۔ انبیاءِ کرام نبوّت سے پہلے بھی کفر اور شرک کا ارتکاب نہیں کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر نبی کو ابتداء ہی سے اپنی نگرانی میں رکھتے اور پالتے ہیں اور ہر نبی کو اس کے حالات کے مطابق اپنی قدرت کے نشانات دکھلایا کرتے ہیں تاکہ ان کے کلام اور خطاب میں انقلابی تاثیر پیدا ہو جائے اس انقلابی تاثیر کی بنا پر لوگ انبیاء کی دعوت کا انکار کرنے کے باوجود دل میں ان کی سچائی کے قائل ہوا کرتے تھے۔ یہاں عین الیقین کے درجے کو پانے کے لیے جنابِ ابراہیم علیہ السلام اپنے رب کے حضور عرض پیش کی۔ رب حکیم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں کے الزام سے بچانے کے لیے یہ سوال فرمایا کہ کیا ابراہیم علیہ السلام تم بھی اس بات پر یقین نہیں رکھتے؟ ابراہیم علیہ السلام جواباً عرض کرتے ہیں کہ میرے رب کیوں نہیں! میں تو اطمینانِ قلب کے لیے یہ درخواست کر رہا ہوں تاکہ قیامت کو اٹھنے کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے میرے دل کا ایک ایک گوشہ اور ریشہ گواہی

دے رہا ہو کہ مرنے کے بعد جی اٹھنا اور اللہ کے حضور پیش ہونا یقینی ہے۔ حکم ہوا کہ ابراہیم چار پرندے پکڑ کر انہیں کچھ مدت کے لیے اپنے ساتھ مانوس کرو۔ اس کے بعد انہیں ذبح کر کے ان کے اعضاء مختلف پہاڑوں پر رکھ کر انہیں اپنی طرف آنے کے لیے آواز دو' آواز سنتے ہی وہ تمہاری طرف دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر کام کرنے پر قادر ہے اور اس کے ہر کام اور حکم میں بہت سی حکمتیں پنہاں ہوتی ہیں۔ پرندوں کو اپنے ساتھ مانوس کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا تاکہ پرندے زندہ ہونے کے بعد ڈر کر ادھر ادھر نہ اُڑ جائیں۔ اُڑ کر آنے کی بجائے چل کر آنے کی وضاحت اس لیے فرمائی کہ قیامت کے منکر یہ نہ کہہ پائیں کہ ذبح ہونے والے پرندے زندہ نہیں ہوئے تھے بلکہ کوئی اور پرندے اتفاقاً اُڑ کر اس موقع پر پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ پرندے اڑنے کی بجائے چل کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے جس سے ہر قسم کے شبہات کا ازالہ کر دیا گیا۔ پرندوں کے اجزاء اس لیے مختلف چٹانوں پر بکھیر دیے گئے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آدمی جس حال میں مرے گا اللہ تعالیٰ اسے ہر صورت میں اپنے سامنے پیش کرے گا۔ اس مر کر اٹھنے کے عقیدے کو قرآنِ مجید اس طرح زوردار طریقے سے بیان کرتا ہے کہ اس کے بعد اس عقیدے کے بارے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

{ قُلۡ كُوۡنُوۡا حِجَارَةً اَوۡ حَدِيۡدًا ۙ﴿۵۰﴾ اَوۡ خَلۡقًا مِّمَّا يَكۡبُرُ فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ } (بنی اسرائیل: ۵۱،۵۰)

''اے پیغمبر! قیامت کے منکروں کو فرما دو۔ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا یا ایسی مخلوق بن جاؤ جو تمہارے خیالات میں بڑی ہو۔'' (اللہ تعالیٰ پھر بھی تمہیں اٹھائے گا۔)

«عَنۡ أَبِيۡ سَعِيۡدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّ رَجُلًا كَانَ قَبۡلَكُمۡ رَغَسَهُ اللّٰهُ مَالًا فَقَالَ لِبَنِيۡهِ لَمَّا حُضِرَ أَيَّ أَبٍ كُنۡتُ لَكُمۡ قَالُوۡا خَيۡرَ أَبٍ قَالَ فَإِنِّيۡ لَمۡ أَعۡمَلۡ خَيۡرًا قَطُّ فَإِذَا مِتُّ فَأَحۡرِقُوۡنِيۡ ثُمَّ اسۡحَقُوۡنِيۡ ثُمَّ ذَرُّوۡنِيۡ فِيۡ يَوۡمٍ عَاصِفٍ فَفَعَلُوۡا فَجَمَعَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ قَالَ مَخَافَتُكَ فَتَلَقَّاهُ بِرَحۡمَتِهٖ»

(رواہ البخاری: کتاب أحادیث الانبیاء، باب حدیث الغار)

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ تم سے پہلے ایک آدمی کو اللہ نے مال سے نوازا۔ اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میں تمہارا کیسا باپ ہوں؟ انہوں نے جواب دیا آپ بہترین باپ ہیں۔ اس آدمی نے کہا میں نے کبھی اچھا کام نہیں کیا لہٰذا میرے مرنے کے بعد مجھے جلا کر میری راکھ تیز ہواؤں میں اڑا دینا انہوں نے ایسے ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی راکھ کو جمع کر کے اس سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا تھا؟ اس نے عرض کی: الٰہی! تیرے خوف کی وجہ سے ایسا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اسے معاف کر دیا۔''

مسائل

۱۔ اطمینانِ قلب کے لیے سوال کرنا جائز ہے۔ ۲۔ مشاہدہ انسان کے دل میں یقین پیدا کرتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انسان کے ایک ایک جز کو اکٹھا کریں گے۔

مَثَلُ	الَّذِيْنَ	يُنْفِقُوْنَ	اَمْوَالَهُمْ	فِيْ	سَبِيْلِ	اللّٰهِ	كَمَثَلِ
مثال	جولوگ	وہ خرچ کرتے ہیں	اپنے مال	میں	راستہ	اللہ	مانند مثال
حَبَّةٍ	اَنْۢبَتَتْ	سَبْعَ	سَنَابِلَ	فِيْ	كُلِّ	سُنْۢبُلَةٍ	مِّائَةُ حَبَّةٍ
ایک دانہ	اگیں	سات	بالیاں	میں	ہر	بالی	سو دانہ
وَاللّٰهُ	يُضٰعِفُ	لِمَنْ	يَّشَآءُ	وَاللّٰهُ	وَاسِعٌ	عَلِيْمٌ ﴿٢٦١﴾	
اور اللہ	بڑھاتا ہے	جس کے لیے	چاہتا ہے	اور اللہ	بڑا وسعت والا	خوب جاننے والا	

’’جولوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، خوب جاننے والا ہے۔‘‘ (۲۶۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہاں سے صدقات کے بارے میں خطاب شروع ہوتا ہے۔ سابقہ آیات میں صدقہ کرنے کا حکم تھا اور صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کے مترادف قرار دیا گیا۔ اب صدقہ کی فضیلت، اس کی قبولیت کے اصول اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیے گئے صدقات کے دنیا اور آخرت میں ثمرات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

قرآنِ مجید کی ابتداء میں ایمان کے مرکزی اور بنیادی اصولوں میں تیسرا اصول یہ بیان ہوا ہے کہ صاحبِ ایمان لوگوں کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں عنایت فرمایا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اب اسی بنیادی رکن کی مختلف زاویوں سے وضاحت شروع ہوتی ہے جس میں فضیلت، فرضیت اور احتیاطی ہدایات مسلسل ۲۳ آیات میں بیان کی گئی ہیں جو چار رکوع پر مشتمل ہیں۔

صدقات کی ترغیب سے پہلے موت کے بعد اٹھنے کے تین دلائل دیے گئے ہیں۔ ان کی حکمت یہ ہے کہ مرنے کے بعد جس طرح دوسرے اعمال کی جزا اور سزا ملے گی اسی طرح اللہ کے راستے میں کیے گئے صدقات کا نیت اور صدقے کے مطابق پورا پورا اجر ملے گا۔ لہٰذا ترغیب دی جارہی ہے کہ مرنے سے پہلے زیادہ سے زیادہ اپنے لیے آگے بھیجو تاکہ مشکل وقت میں تمہارے کام آسکے۔ صدقے کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ صدقہ ہر حال میں اللہ کی رضا اور اس کے حکم کے مطابق ہونا چاہیے۔ ایسے صدقے کی مثال اس بیج کی طرح ہے جس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی سو دانہ اٹھائے ہوئے ہو۔ یہ اس صورت میں ہوگا جب کاشتکار نے صحیح بیج، مناسب وقت اور زرخیز زمین پر کاشتکاری کر کے اس کی اچھی طرح آبیاری اور نگرانی کی ہو۔ ایسی برکت اللہ تعالیٰ ہر اس صدقے میں پیدا فرمائے گا جو اخلاص، للّٰہیت، رزقِ حلال اور مستحق جگہ اور سنت کے مطابق خرچ کیا جائے۔ ایسے صدقہ کے بارے میں سات سو گنا بڑھانے کی حد بندی نہیں بلکہ ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والے کے اخلاص اور جذبات کے مطابق اُسے اس سے زیادہ برکت سے نوازیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ وسعت و کشادگی دینے اور ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ دنیا میں آج تک کوئی بینک یا مالیاتی ادارہ قائم نہیں ہوا اور نہ ہی ہوسکتا ہے جو اس قدر اپنے شیئر ہولڈر کو منافع دینے کے لیے تیار ہو جس قدر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو عطا کرتا ہے اور کرے گا۔

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِّنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَّلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ فَإِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهٖ كَمَا يُرَبِّيْ أَحَدُكُمْ فُلُوَّهٗ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ» (رواه البخاری: کتاب الزکوة، باب الصدقة من کسب طیب)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو آدمی کھجور کے برابر اپنی پاک کمائی سے صدقہ کرتا ہے اور اللہ کے ہاں صرف پاک چیز ہی قبول ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے قبول کرتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر اس کو اس طرح پالتا اور بڑھاتا ہے جیسے تم میں سے کوئی بچھڑے کو پالتا ہے حتیٰ کہ صدقہ پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔“

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ بَيْنَا رَجُلٌ بِفَلَاةٍ مِّنَ الْأَرْضِ فَسَمِعَ صَوْتًا فِيْ سَحَابَةٍ إِسْقِ حَدِيْقَةَ فُلَانٍ فَتَنَحّٰى ذٰلِكَ السَّحَابُ فَأَفْرَغَ مَاءَهٗ فِيْ حَرَّةٍ فَإِذَا شَرْجَةٌ مِّنْ تِلْكَ الشِّرَاجِ قَدِ اسْتَوْعَبَتْ ذٰلِكَ الْمَاءَ كُلَّهٗ فَتَتَبَّعَ فَإِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ فِيْ حَدِيْقَتِهٖ يُحَوِّلُ الْمَاءَ بِمِسْحَاتِهٖ فَقَالَ لَهٗ يَاعَبْدَ اللّٰهِ مَا اسْمُكَ قَالَ فُلَانٌ لِلْإِسْمِ الَّذِيْ سَمِعَ فِي السَّحَابَةِ فَقَالَ لَهٗ يَاعَبْدَ اللّٰهِ لِمَ تَسْأَلُنِيْ عَنِ اسْمِيْ فَقَالَ إِنِّيْ سَمِعْتُ صَوْتًا فِي السَّحَابِ الَّذِيْ هٰذَا مَاءُهٗ يَقُوْلُ اسْقِ حَدِيْقَةَ فُلَانٍ لِإِسْمِكَ فَمَا تَصْنَعُ فِيْهَا قَالَ أَمَّا إِذْ قُلْتَ هٰذَا فَإِنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى مَا يَخْرُجُ مِنْهَا فَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهٖ وَآكُلُ أَنَا وَعِيَالِيْ ثُلُثًا وَأَرُدُّ فِيْهَا ثُلُثَهٗ» (رواه مسلم: کتاب الزهد والرقائق، باب الصدقة فی المساکین)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: صحرا میں ایک آدمی نے بادلوں میں آواز سنی کہ فلاں آدمی کے باغ کو پانی پلاؤ تو وہ بادل دوسرے بادلوں سے علیحدہ ہو گیا اور اپنا پانی ایک پتھریلی زمین پر برسایا وہاں ایک نالا پانی سے بھر گیا وہ آدمی اس کے پیچھے پیچھے چلا ایک آدمی اپنے باغ میں کھڑا اپنی کسّی کے ساتھ پانی لگا رہا تھا۔ اس آدمی نے پوچھا اللہ کے بندے تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: فلاں، وہی نام جو مسافر نے بادلوں میں سنا تھا۔ نام بتانے والے نے وجہ پوچھی تو سائل نے جواب دیا کہ میں نے اس بارش برسانے والے بادل میں یہ سنا کہ فلاں آدمی کے باغ کو پانی پلاؤ۔ آپ ایسا کونسا عمل کرتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ آپ نے پوچھ لیا ہے تو سنیں کہ میں اس باغ کی کل آمدنی سے ایک تہائی صدقہ کرتا ہوں، ایک تہائی سے گھر کے اخراجات چلاتا ہوں اور ایک تہائی اس باغ کی ترقی پر خرچ کرتا ہوں۔“

مسائل

١۔ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنے والے کو سات سو گنا سے زیادہ اجر ملے گا۔

تفسیر بالقرآن

صدقہ میں برکت:

١۔ صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کو قرض دینا ہے۔ (الحدید: ١١) ٢۔ اللہ تعالیٰ اسے دگنا تگنا کر کے واپس کرے گا۔ (التغابن: ١٧)

٣۔ اللہ سات سو گنا تک بڑھا دیتا ہے۔ (البقرة: ٢٦١) ٤۔ اللہ کے ہاں اضافے کی کوئی حد نہیں ہے۔ (البقرة: ٢٦١)

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ

جولوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال میں راہ اللہ پھر نہیں دھرتے جو

اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا

انہوں نے خرچ کیا کوئی احسان اورنہ کوئی تکلیف ان کے لیے ان کا اجر پاس ان کا رب اورنہ

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ

کوئی خوف ان پر اورنہ وہ غمگین ہوں گے بات اچھی اورمعاف کرنا بہت بہتر

مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

سے خیرات اس کے پیچھے ہو تکلیف اوراللہ بڑا بے نیاز نہایت بردبار

’’جولوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتلاتے ہیں اور نہ تکلیف دیتے ہیں ان کا اجران کے رب کے پاس ہے ان پر نہ تو خوف ہوگا اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے۔(۲۶۲) اچھی بات کرنا اور معاف کر دینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے ساتھ تکلیف دی جائے۔ اللہ تعالیٰ بڑا بے نیاز اور نہایت بردبار ہے۔‘‘(۲۶۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: انفاق فی سبیل اللہ کے ثواب میں اضافہ تب ہی ہوگا جب احسان جتلانے اور تکلیف دینے سے صدقہ پاک ہوگا۔ احسان جتلانے اور تکلیف دینے سے بہتر ہے کہ آدمی دوسرے کو دینے سے معذرت کر لے۔

صدقہ کا بھاری اور بے انتہا اجر ان لوگوں کو موصول ہوگا۔ جنہوں نے حالتِ ایمان میں انفاق فی سبیل اللہ کی شرائط پوری کرتے ہوئے صدقہ کو ایذاء اور احسان سے محفوظ رکھا ہو۔ ضروری نہیں کہ احسان اور تکلیف زبان سے ہی دی جائے۔ بسا اوقات صدقہ کرنے والا اپنے ملازم سے اس لیے زیادہ کام لیتا ہے کہ تنخواہ کے علاوہ بھی اسے کچھ دیتا ہے۔ اپنے اعزہ واقرباء پر خرچ کرنے والے اکثر لوگ ان سے خدمت اور غیر معمولی احترام کی توقع کرتے ہیں۔ اسی طرح مسجد، مدرسہ اور کسی رفاعی ادارے پر خرچ کرنے کے بعد ریا کار اور کم ظرف لوگ ایسے اداروں کے خدمت گاروں اور علماء کو ملازم اور اپنا احسان مند رکھنے کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جس سے ملازم، رشتہ دار اور دین کی خدمت کرنے والوں کی عزتِ نفس مجروح ہوتی ہے اور بسا اوقات اس قسم کے مخیر اور شہرت کے خواہش مند لوگ حکومت کے اداروں میں خرچ کرنے کے بعد سرکاری افسران سے مفادات اٹھاتے ہیں۔ جس سے صدقہ کرنے والے کے ثواب میں کمی اور صدقہ ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ جس نے اپنے صدقے کو ان کمزوریوں سے بچا لیا اس کے لیے اُس کے ربّ کے ہاں بے انتہا اجر ہے اور اُسے کوئی خوف وخطر نہیں ہوگا۔ ایسا صدقہ جو اخلاقی بیماریوں سے محفوظ ہو۔ وہ دنیا میں بھی آدمی کو بے شمار نقصانات اور آزمائشوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس سے نیک نامی، دل میں سکون اور باہمی محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

یہاں صدقہ کرنے والے کو عاجزی اختیار کرنے اور گفتگو کا طریقہ بتلایا گیا ہے بالخصوص اس وقت جب آدمی کے پاس سائل کو دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو سائل کو ڈانٹنے کی بجائے اچھے طریقے سے ٹالنا اور معذرت کرنا چاہیے۔ یہ انداز اس صدقے سے کہیں بہتر ہے جس صدقہ کے بعد مستحق کو احسان جتلا کر یا کسی اور طریقے سے اذیت پہنچائی جائے۔ صدقہ دینے والے کو ایسا اس لیے بھی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا نتیجہ ہے کہ اس نے اس کو اس قابل بنایا کہ اس کے سامنے دوسرے لوگ محتاج بن کر حاضر ہوتے ہیں۔ صاحبِ ثروت کو ہر دم یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ہمیشہ دینے والی اللہ کی ذات ہے۔ وہ آدمی کی کمزوریوں سے صرفِ نظر فرما کر اپنی عطاؤں سے نوازتا ہے۔ لہٰذا آدمی کو بھی بردباری اور سخاوت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ البتہ جو شخص صحت مند اور حقیقتاً محتاج نہ ہو اُسے دینے کی بجائے سمجھانا چاہیے۔ اگر وہ پھر بھی مانگنے سے باز نہ آئے تو اُسے ڈانٹنے کی گنجائش ہے جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے منگتے سے مانگا ہوا اس کی ضرورت سے زائد مال چھین کر آئندہ گداگری سے منع کر دیا۔ [سیرتِ فاروق]

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتّٰى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِيْ وَجْهِهٖ مُزْعَةُ لَحْمٍ)) (رواه البخاري: كتاب الزكاة، باب من سأل الناس تكثرا)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا آدمی ہمیشہ لوگوں سے مانگتا رہتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہیں ہوگی۔''

((عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ قَالَ فَقَرَأَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَ مِرَارٍ قَالَ أَبُوْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ خَابُوْا وَخَسِرُوْا مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهٗ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ))

(رواه مسلم: كتاب الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا قیامت کے دن تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ نہ کلام کرے گا نہ ان کی طرف نظرِ رحمت سے دیکھے گا اور نہ ہی ان کو گناہوں سے پاک کرے گا۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ وہ تو ناکام ونامراد ہو گئے آپ نے فرمایا: ① اپنا ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا ② احسان جتلانے والا ③ جھوٹی قسمیں اٹھا کر اپنا مال فروخت کرنے والا۔''

مسائل

۱۔ احسان جتلانے اور تکلیف دینے سے بچنے والا دنیا وآخرت میں بے خوف وخطر ہوگا۔

۲۔ معذرت کرنا تکلیف دینے اور احسان جتلانے سے بہتر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِىْ

اے جولوگ ایمان لائے نہ ضائع کرو اپنے صدقات احسان جتا کر اور تکلیف دے کر اس شخص کی طرح

يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

خرچ کرتا ہے اپنا مال دکھلانا لوگوں کو اور نہیں وہ ایمان رکھتا اللہ کے ساتھ اور دن

الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ

آخرت تو اس کی مثال جیسی مثال چکنا پتھر اس پر مٹی چنانچہ پہنچی اسے تیز بارش

فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ

تو چھوڑا اس نے اس کو صاف نہیں وہ قدرت رکھتے پر کوئی چیز اس میں سے جو انہوں نے کمایا

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾

اور اللہ نہیں راہ دکھاتا قوم کافر (جمع)

’’اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتلا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کی مثال اس صاف پتھر کی طرح ہے جس پر معمولی سی مٹی ہو پھر اس پر زوردار بارش برسے اور وہ اسے بالکل صاف کردے ایسے ریاکاروں کو اپنی کمائی سے کچھ حاصل نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔‘‘ (۲۶۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام : اس سے پہلے عمومی انداز میں سمجھایا گیا تھا کہ اللہ کے لیے خرچ کرو اور صدقہ لینے والے کو تکلیف نہ دو اور نہ ہی اس پر احسان جتلاؤ۔ یاد رکھو کہ حقیقی غنی وہ ذاتِ اقدس ہے جس نے اپنی غنا کے خزانوں سے تمہیں عطا فرمایا ہے۔ تم تو تھوڑا سا دے کر بے حوصلہ ہو جاتے ہو اس مالک کی طرف دیکھو جو تمہیں صبح وشام کھلانے پلانے اور خزانے عطا کرنے کے باوجود تمہاری گستاخیاں اور نافرمانیاں برداشت کرتا ہے۔

اب براہِ راست صاحبِ ایمان لوگوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ ایذاء رسانی اور احسان جتلا کر اپنے صدقات کو ہرگز ضائع نہ کرنا۔ کیونکہ جس حاجت مند کے ساتھ یہ رویہ اختیار کیا جائے اس کے دل میں صدقہ دینے والے کے بارے میں دعا اور ہمدردی کے بجائے نفرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ احسان جتلانے اور ایذاء پہنچانے والے آدمی کے بارے میں معاشرہ میں نفرت اور حقارت پیدا ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو تبدیل نہ کرے تو ایسا رویہ اس کی کمینگی کی علامت بن جاتا ہے۔ معاشرہ میں صدقہ کرنے سے جو مثبت اثرات پیدا ہونے تھے۔ اس کی بجائے منفی اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ گویا کہ اس طرزِ عمل سے صدقہ دینے والے کی عزت اور خدمت برباد ہو جاتی ہے۔ آخرت کے بارے میں رسولِ معظم ﷺ کا ارشاد ہے

کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نظرِ کرم کے ساتھ نہیں دیکھے گا۔ (رواہ مسلم: باب بیان غلظ تحریم إسبال الإزار والمن بالعطیة)

صدقہ کرنے کے بعد ایذا پہنچانے والے شخص کو ریا کار کے ساتھ تشبیہ دی جا رہی ہے۔ جس کا اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں ہوتا کیونکہ اگر اس کا اللہ اور آخرت پر حقیقی ایمان ہوتا تو اُسے نمود و نمائش کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس نے آخرت میں اپنے رب سے اجر لینے کی بجائے لوگوں سے تحسین اور شہرت کی صورت میں اجر لینے کی کوشش کی ہے۔ اس کے اس عمل کی مثال تو ایسی ہے جس طرح ایک چٹان کے اوپر معمولی سی مٹی ہو جو ہلکی سی بارش سے صاف ہو جائے۔ اس چٹان پر گل و گلزار کی توقع کس طرح کی جاسکتی ہے؟ یہی حالت ریا کار اور اس شخص کی ہے جو صدقہ کرنے کے بعد احسان اور ایذا رسانی کا رویہ اختیار کرتا ہے اس کا کردار تو کفار کے ساتھ ملتا جلتا ہے کیونکہ کافر نہ آخرت پر یقین رکھتا ہے نہ ہی اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہوتا ہے ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے تین آدمیوں کا فیصلہ کیا جائے گا ایک شہید ہوگا اس کو اللہ کے دربار میں پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد کروائے گا وہ ان نعمتوں کا اعتراف کرے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے ان نعمتوں سے کیا فائدہ اٹھایا؟ وہ کہے گا: میں نے تیرے راستے میں جہاد کیا یہاں تک کہ میں شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے تو نے تو اس لیے جہاد کیا تھا تاکہ کہا جائے کہ تو بڑا بہادر ہے دنیا میں تجھے بہادر کہہ دیا گیا اس کے بعد اس کو الٹے منہ گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اسی طرح ایک عالم اور ایک سخی کو بھی لایا جائے گا جنہوں نے دکھلاوے کی خاطر علم پڑھا اور پڑھایا اور صدقہ کیا پھر ان کے ریا کاری کرنے کی وجہ سے ان کو بھی الٹے منہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (رواہ مسلم: کتاب الامارۃ)

مسائل

۱۔ تکلیف دینے اور احسان جتلانے سے صدقہ ضائع ہو جاتا ہے۔

۲۔ ریا کار اللہ اور آخرت پر حقیقی ایمان نہیں رکھتا۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

تفسیر بالقرآن

ریا کاری اور احسان جتلانا:

۱۔ ریا کاری دھوکہ ہے۔ (النساء: ۱۴۲) ۲۔ ریا کار نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے۔ (الماعون: ۶)

۳۔ ریا کاری کفار کرتے ہیں۔ (الانفال: ۴۷) ۴۔ منافق ریا کار ہوتے ہیں۔ (النساء: ۱۴۲)

۵۔ کسی پر زیادہ حاصل کرنے کے لیے احسان نہیں کرنا چاہیے۔ (المدثر: ۶)

۶۔ احسان جتلانے سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۶۴)

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ

اور مثال — جولوگ — خرچ کرتے ہیں — اپنے مال — تلاش کرنا — خوشنودی — اللہ — اور ثبات ویقین — سے

اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ

اپنے دل (جمع) — جیسی مثال — ایک باغ — بلندی پر — پہنچی اسے — تیز بارش — تو اس نے دیا — اپنا پھل — دوگنا

فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

پھر اگر — نہ پہنچے اسے — تیز بارش — تو پھوار — اور اللہ — اس کے ساتھ جو — تم کرتے ہو — خوب دیکھنے والا

''اوران لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ کی خوشنودی اور دل کی تسکین ویقین کے لیے خرچ کرتے ہیں اس باغ جیسی ہے جو اونچی زمین پر ہو اس پر زوردار بارش برسے تو وہ دوگنا پھل دے اگر اس پر تیز بارش نہ بھی برسے تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے۔(۲۶۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ریاکاری، احسان جتلانے اور تکلیف دہ صدقہ کے مقابلہ میں لِوَجْهِ اللّٰهِ کیے گئے صدقہ کے ثمرات وانجام۔

یہاں دو مثالوں کے ذریعے دو قسم کا کردار واضح کیا جارہا ہے۔ پہلی مثال میں ایسے سخی کی بات تھی جو کسی کو صدقہ دینے کے بعد احسان جتلاتا اور اذیّت دے کر اپنے صدقے کو اس طرح ضائع کر بیٹھتا ہے جیسے نمود ونمائش کرنے والے کا اللہ تعالیٰ اور آخرت پر یقین نہیں ہوتا جس وجہ سے اس کا اجر ضائع ہوجاتا ہے۔ اس صدقے کی مثال ایک چٹان اور اس پر پڑی ہوئی مٹی سے دی گئی تھی جو بارش کے چند قطروں سے صاف ہوجائے۔ گویا کہ ریاکار اور اس قسم کے آدمی کے صدقے کی حیثیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ حالانکہ پتھر پر مٹی کے ذرات ہوں تو بارش کے بعد اس پر کچھ نہ کچھ ضرور اُگتا ہے۔ ایسے ہی اگر اخلاص کے ساتھ صدقہ کیا جائے تو اس کے مخیّر کے دل اور معاشرہ پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ لیکن جس طرح چٹان پر بارش کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ایسے ہی ریاکار کو صدقہ کرنے کا کوئی اجر وثواب حاصل نہیں ہوگا۔ اس کے بعد اس صاحبِ دل اور خوش قسمت انسان کی مثال دی جارہی ہے جو اپنے دل کے اطمینان، روح کی تسکین اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صدقہ کرتا ہے۔ اس کی مثال اس باغ جیسی ہے جو بلند اور ہموار زمین پر ہو جس پر بارش نہ بھی ہو تو اسے شبنم ہی کفایت کرتی ہے۔ اخلاصِ نیت کے ساتھ کیے جانے والے صدقہ میں اگر کوئی کمی وکمزوری رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی تلافی فرمادے گا۔ کیونکہ صدقہ کرنے والا اس نیت کے ساتھ کررہا ہے کہ یہ اللہ کا مال تھا جو میں نے اس کے کمزور بندوں پر خرچ کیا ہے اس میں میرا کوئی کمال نہیں ایسا شخص نمود ونمائش، احسان جتلانے اور تکلیف دینے سے اجتناب کرتا ہے۔

دوسری مثال میں مخیّر حضرات کی توجہ اس جانب دلائی جارہی ہے کہ کیا تم میں کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس کھجوروں اور انگوروں پر مشتمل ایک بہترین باغ ہو اور اس میں آب پاشی کا خودکار نظام ہو اس باغ کا مالک بوڑھا اور اس کی چھوٹی چھوٹی اولاد ہو اور اس کا باغ بھرپور طریقے سے پھل دے رہا ہو۔ اچانک اس باغ کو آگ کا بگولہ خاکستر کردے۔ بتایئے کہ ایسے سانحہ فاجعہ پر اس بوڑھے مالک کی کیا حالت ہوگی؟ جو لوگ خرچ کرنے کے بعد شہرت کے طالب اور مسکین کو اذیت پہنچاتے ہیں۔ قیامت کے دن ان کا معاملہ بوڑھے

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ

کیا پسند کرتا ہے تمہارا ایک یہ کہ ہو اس کیلئے ایک باغ سے کھجور اور انگور

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ

بہتی ہوں سے اس کے نیچے نہریں اسکے لیے اس میں سے ہر قسم کے پھل

وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاۗءُ ۚ فَاَصَابَهَاۗ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ

اور آپہنچا اس کو بڑھاپا اور اس کے بچے بہت کمزور پھر آپڑے اس پر ایک بگولا اس میں آگ

فَاحْتَرَقَتْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢٦٦﴾ ع

تو وہ جل جائے اسی طرح واضح کرتا ہے اللہ تمہارے لیے نشانیاں تا کہ تم غور وفکر کرو

کیا تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں بہتی ہوں اور اس میں ہر قسم کے پھل ہوں اور اس کے مالک کو بڑھاپا آچکا ہو، اس کے ننھے منھے بچے ہوں اور اچانک باغ کو بگولا آلے جس میں آگ ہو پھر وہ باغ جل جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آیات بیان کرتا ہے تا کہ تم غور وفکر کرو۔" (٢٦٦)

مالک کی طرح ہوگا جسے بڑھاپے میں ایک ایک پائی کی ضرورت تھی اور بچے کمزور اور کمانے کے لائق نہیں تھے اور بچے اس سانحہ کے وقت اپنے باپ کی کوئی مدد نہ کر سکے جب کہ بوڑھے باپ اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے سامنے باغ جل رہا تھا۔ بوڑھا اسے بچانے کی کوشش کے باوجود نہ بچا سکا۔ نمود ونمائش اور صدقہ کرنے کے بعد احسان جتلانے اور تکلیف دینے والے کو قیامت کے دن ایسی ہی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کے کمینے پن اور نمود، نمائش کی وجہ سے اس کا اجر ضائع ہوا جس وجہ سے آج اس کے سامنے اس کی امیدیں دم توڑ رہی ہیں۔ جب اسے جہنم کی طرف دھکیلا جا رہا ہوگا تو اولاد سمیت کوئی بھی اس کی مدد نہیں کر سکے گا۔ اس نازک ترین صورت حال کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا کوئی دنیا میں ایسا شخص ہو سکتا ہے جو اپنے اور اپنی اولاد کے لیے ایسا حادثہ پسند کرتا ہو؟ ظاہر ہے کوئی پسند نہیں کرتا، اس مثال کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام اس لیے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم اپنے فکر وعمل پر غور کرو۔

مسائل

١۔ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنے والا خسارہ نہیں اٹھاتا۔ ٢۔ ریا کاری اور احسان جتلانے سے اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

لوجہ اللہ خرچ کرنے کا ثواب:

١۔ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنے والے کو پورا پورا اجر ملے گا۔ (البقرۃ: ٢٧٢)

٢۔ اللہ کی رضا کے لیے کیے گئے کام کا بڑا اجر ہے۔ (النساء: ١١٤) ٣۔ اللہ کی رضا کے متلاشیوں کا انجام بہترین ہوگا۔ (الرعد: ٢٢)

٤۔ مخلص، مخیر حضرات لوگوں کے شکریہ اور جزا سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ (الدھر: ٩)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ

اے جولوگ ایمان لائے خرچ کروتم سے پاکیزہ جو تم کماؤ

وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا

اور سے جو ہم نے نکالا تمہارے لیے سے زمین اور نہ تم ارادہ کرو

الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ

گندی چیز اس سے تم خرچ کرو اورتم نہیں ہو اس کو لینے والے مگر یہ کہ تم چشم پوشی کرو اس میں

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿٢٦٧﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ

اورجان لو بے شک اللہ بڑا بے نیاز نہایت قابلِ تعریف شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو

الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ

غربت اوروہ تمہیں حکم دیتا ہے بے حیائی کا اوراللہ تم سے وعدہ کرتا ہے بخشش اس سے

وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦٨﴾

اورفضل اوراللہ نہایت وسعت والا خوب جاننے والا

”اے ایمان والو! اپنی پاک کمائی سے اور جو کچھ ہم نے تمہارے لیے زمین میں سے پیدا کیا ہے اس سے خرچ کرو۔ ان میں سے گندی چیزوں کے خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو جسے تم خود بھی چشم پوشی کرنے کے سوا اسے لینے کے لیے تیار نہیں ہو۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑا بے پروا اور نہایت قابلِ تعریف ہے۔ (٢٦٧) شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نہایت وسعت والا اور خوب علم والا ہے۔“ (٢٦٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مومنوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ جو تم کمائی کرتے ہو یا جو کچھ ہم تمہارے لیے زمین سے نکالتے ہیں اس میں سے پاک اور طیّب مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ کیا کرو۔

یہاں طیّب سے مراد حلال، پاک اور نفیس مال ہے کیونکہ ایسا مال خرچ کرنے سے منع کیا گیا ہے جو آدمی کسی سے خود لینے کے لیے تیار نہ ہو۔ اس حرکت سے نفرت دلانے کے لیے ایسے صدقے اور مال کو خبیث کہا گیا ہے جس میں وہ تمام نقائص شامل ہوں جو ایک شریف آدمی کے لیے نہایت ہی ناگوار ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ تم ایسے مال کو کسی مجبوری یا چشم پوشی کے سوا قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں کس طرح تصور کرتے ہو کہ وہ تمہارا مسترد اور ناپسندیدہ مال پسندیدگی کے ساتھ قبول فرمائے گا؟ ایسے صدقے سے نہ تو دل بخل سے پاک ہوتا ہے اور نہ ہی لینے والے پر مثبت اثرات

مرتب ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص اجر وثواب سے بھی محروم رہے گا۔ لہٰذا بطورِ انتباہ فرمایا جارہا ہے کہ یادرکھو! اللہ تعالیٰ کو ایسے صدقہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ ہر چیز سے بے نیاز اور ہر حال میں لائقِ تعریف ہے۔

صدقہ کرتے ہوئے ناقص مال دینا یا حرام مال اللہ کے راستے میں خرچ کر کے اجر کی توقع رکھنا یہ شیطان کی طرف سے جھوٹی امید کا نتیجہ ہے۔ شیطان تمہیں غریب ہوجانے کا خوف دلاتا ہے۔ ناقص اور حرام مال خرچ کرنے کی ترغیب دے کر حقیقتاً شیطان تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ یہ عقل مند مسلمان کے سچے جذبات کے منافی ہے کہ صدقے کے نام پر حرام مال خرچ کرے جس کے لینے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ گویا کہ انتہاء درجے کی بے حیائی اور ڈھٹائی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حرام سے منع کرے اور تم اس کے نام حرام چیز دو اور پھر اس میں ثواب کی امید بھی رکھو۔ یہ سراسر شیطانی عمل ہے جب کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے کے بدلے تمہارے گناہ معاف کرنے اور مزید عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ {يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا إِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ} وَقَالَ {يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ}» (رواہ مسلم: کتاب الزکوٰۃ)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! اللہ پاک ہے اور پاک چیز ہی قبول کرتا ہے۔ اللہ نے مومنوں کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے رسولو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو جو کچھ تم کرتے ہو میں اسے جانتا ہوں اور فرمایا: اے مومنو! ہم نے جو تمہیں دیا ہے اس میں سے حلال کھاؤ۔“

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ وَّمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا وَّمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ» (رواہ مسلم: کتاب البر والصلۃ والآداب)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا اور کسی بھائی کو معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے کو مزید عزت دیتا ہے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سربلند فرماتا ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ کی راہ میں پاک مال دینا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور حمد وستائش کے لائق ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے، جبکہ شیطان غربت اور بے حیائی کا وعدہ کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

شیطان کے وعدے تباہی کا پیش خیمہ ہیں:

۱۔ شیطان بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ (البقرۃ:۱۶۹)
۲۔ شیطان مفلسی سے ڈراتا اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ (البقرۃ:۲۶۸) ۳۔ شیطان کا وعدہ فریب ہے۔ (بنی اسرائیل:۶۴)

يُّؤْتِي	الْحِكْمَةَ	مَنْ	يَّشَآءُ ۚ	وَمَنْ	يُّؤْتَ	الْحِكْمَةَ فَقَدْ
وہ عطا کرتا ہے	دانائی	جسے	وہ چاہتا ہے	اور جسے	دی گئی	دانائی تو یقیناً
اُوْتِيَ	خَيْرًا	كَثِيْرًا ۗ	وَمَا	يَذَّكَّرُ	اِلَّآ	اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾
اسے دی گئی	بھلائی	بہت	اور نہیں	نصیحت قبول کرتا	سوائے	عقل والے

’’اللہ جسے چاہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس شخص کو حکمت عطا کی گئی اسے خیر کثیر عطا کردی گئی اور نصیحت تو صرف عقل مند ہی قبول کرتے ہیں۔‘‘ (۲۶۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کے احکامات کو سمجھنا اور اس کی راہ میں حلال وطیب مال خرچ کرنا عقل ودانش کا کام ہے۔

اہلِ علم نے حکمت کے بے شمار معانی بیان فرمائے ہیں لیکن حکمت کا سب سے جامع معنیٰ حدیثِ رسول ہے کیونکہ رسولِ محترم ﷺ نے قرآن کا وہی مفہوم بیان فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی منشا ہے۔ تفسیر بحر المحیط کے مصنف سورۃ البقرہ آیت ۲۵۱ کی تفسیر میں حضرت داؤد علیہ السلام کے حوالے سے لکھتے ہیں:

(اَلْحِكْمَةُ وَضْعُ الْاُمُوْرِ فِيْ مَحَلِّهَا عَلَى الصَّوَابِ وَ كَمَالُ ذٰلِكَ اَنَّمَا يَحْصُلُ بِالنُّبُوَّةِ)

’’حکمت کا حقیقی معنیٰ ہر چیز کو ٹھیک طور پر اس کے مقام پر رکھنا ہے۔ حکمت کی تکمیل نبوت کے ذریعے ہوا کرتی ہے لہٰذا حکمت وہ ہے جو اللہ کے رسول کا ارشاد ہے۔‘‘ (بحوالہ معارف القرآن)

امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں فرمایا کہ حکمت کا لفظ جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اس کا معنیٰ تمام چیزوں کی مکمل معرفت اور ان کی ٹھیک ٹھیک ایجاد ہے۔ جب اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف نسبت ہو تو اس سے مراد معرفت اور اس کے مطابق عمل کرنا ہے۔ حدیث کی مقدس دستاویزات میں لفظ حکمت کو کئی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے صدقات کے مسائل اور احکامات کے بیان کے بعد حکمت کو بہت بڑی خیر قرار دینے میں جو حکمت سجھائی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک دانا اور سمجھدار آدمی یہ حرکت کبھی نہیں کرسکتا کہ وہ ایسا مال اللہ کے راستے میں خرچ کرے جسے وہ خود لینے کے لیے تیار نہ ہو اور نہ ہی کسی دانشور سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ آخرت کے بدلے دنیا کے مال کو ترجیح دے کر بخل کا مظاہرہ کرے یا نمود و نمائش کے لیے خرچ کرے۔ ان باتوں کا خیال اہلِ دانش ہی کیا کرتے ہیں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ حکمت و دانش بہت بڑا خزانہ ہے۔ ۲۔ عقلمند لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء علم وحکمت کے داعی تھے:

۱۔ خاتم الانبیاء ﷺ کی تعلیمات حکمت پر مبنی ہیں ابراہیم علیہ السلام کی دعا۔ (البقرۃ: ۱۲۹) ۲۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو حکمت سے نوازا۔ (البقرۃ: ۲۵۱) ۳۔ نبی کریم ﷺ کو کتاب وحکمت سکھانے کے لیے بھیجا گیا۔ (آلِ عمران: ۱۶۴)

وَمَآ	اَنْفَقْتُمْ	مِّنْ	نَّفَقَةٍ	اَوْ	نَذَرْتُمْ	مِّنْ	نَّذْرٍ
اور جو	تم خرچ کرو	سے	کوئی خرچ	یا	نذر مانو تم	سے	نذر
فَاِنَّ	اللّٰهَ	يَعْلَمُهٗ	وَمَا	لِلظّٰلِمِيْنَ	مِنْ	اَنْصَارٍ ﴿٢٧٠﴾	
تو بیشک	اللہ	اسے جانتا ہے	اور نہیں	ظالموں کیلئے	سے	مددگار	

”اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو یا نذر مانو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔“ (۲۷۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ مضمون سے پیوستہ۔

اللہ کے لیے جو کام کسی آدمی نے خود اپنے آپ پر لازم قرار دے لیا ہو اسے منّت یا نذر کہا جاتا ہے اس کو پورا کرنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ غیر اللہ کے نام کی نذر ماننا شرک ہے جس کی ہرگز اجازت نہیں۔ نذر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ہونی چاہیے یہ جسمانی عبادت بھی ہو سکتی ہے اور صدقہ بھی۔ اگر کسی نے غلطی یا بے علمی سے کوئی غیر شرعی کام کرنے کی نذر مانی ہو تو اسے پورا نہیں کرنا چاہیے۔ اگر غلط کام پر قسم اٹھائی ہو تو قسم کا کفارہ دینا چاہیے جس کی تفصیل دیکھنے کے لیے سورۃ المائدۃ آیت ۸۹ کی تلاوت کیجیے۔ نذر ماننے کا یہ طریقہ ناپسندیدہ ہے کہ کوئی شخص یہ ارادہ کرے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرا فلاں کام کر دیا تو میں اتنا صدقہ، نفل یا حج کروں گا۔ اگر یہ کام نہ ہوا تو پھر میں نذر پوری نہیں کروں گا۔ ایسی نذر کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمان ہے:

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نذر ماننے سے منع کیا اور فرمایا کہ نذر کسی چیز کو ٹالتی نہیں۔ نذر کے ذریعے صرف بخیل کا مال نکالا جاتا ہے۔“ (رواہ البخاری: کتاب القدر)

رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کو صدقہ کرتے ہی رہنا چاہیے۔ ربِ ذوالجلال کے ساتھ شرط لگانا آدمی کو زیب نہیں دیتا کیونکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے پھر اس کے ساتھ شرط لگانے کا کیا معنٰی؟

اگر کوئی شخص نذر مان کر اس پر عمل درآمد نہیں کرتا تو وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے کیونکہ وہ بیک وقت کئی گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کی مدد نہیں کرتا۔

”حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: نافرمانی کے کام میں نذر کو پورا نہ کیا جائے اور جو چیز انسان کے قبضہ میں نہیں اس کی نذر نہ مانی جائے۔ ایک اور روایت میں ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نذر نہیں ہے۔“ (رواہ مسلم: باب لا وفاء لنذر فی معصیۃ)

مسائل

۱۔ نیکی کے کام پر مانی ہوئی نذر کو پورا کرنا لازم ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کی حمایت نہیں کرتا۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ

اگر ظاہر دو خیرات تو اچھی بات یہ اور اگر تم چھپاؤ اس کو اور دو تم اسے تنگدست (جمع) تو وہ

خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٢٧١﴾

بہتر تمہارے لیے اور دور کر دے گا تم سے سے تمہارے گناہ اور اللہ ساتھ اس کے جو تم کرتے ہو خوب باخبر

”اگر تم علانیہ صدقات دو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر تم اسے پوشیدہ طور پر مسکینوں کو دو تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ اللہ تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے خوب باخبر ہے۔“ (۲۷۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: صدقہ کے متعلق وضاحت اور اُخروی فائدہ۔

نیت خالص ہو تو دوسرے کی خودداری کو مدنظر رکھ کر حالات کے مطابق خفیہ کی بجائے علانیہ صدقہ دیا جا سکتا ہے۔ کچھ اہلِ علم کا خیال ہے کہ زکوٰۃ علانیہ طور پر دینا چاہیے تاکہ لوگوں کو ترغیب دی جا سکے۔ عام صدقات خفیہ طور پر دینا زیادہ افضل ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت کا مزاج یہی ہے کیونکہ اکثر اوقات خفیہ طور پر صدقہ کرنے سے دینے اور لینے والوں پر نہایت ہی دُور رس اور پاکیزہ اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جس سے مسکین کی خودداری اور صدقہ کرنے والے کی للّٰہیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ تاہم یہ بات انسان کی نیت اور مساکین کے حالات پر منحصر ہے کہ صدقہ کب اور کس انداز میں دینا چاہیے؟ یہاں اعلانیہ کو بہتر اور خفیہ کو خیر قرار دیا ہے اور یہ بھی ضمانت دی گئی ہے کہ اخلاصِ نیت کے ساتھ صدقہ کرنے والے کے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ آخری الفاظ اس بات کے ترجمان ہیں کہ صدقہ خفیہ ہو یا اعلانیہ تم جن جذبات کے ساتھ صدقہ کرو گے اللہ تعالیٰ اس جذبے اور صدقہ کے ایک ایک ذرّے سے باخبر ہے۔

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے لوگوں میں سے ایک آدمی نے کہا میں ضرور صدقہ کروں گا وہ اپنا صدقہ لے کر نکلا تو اس نے صدقہ ایک چور کو دے دیا۔ جب صبح ہوئی تو لوگوں نے باتیں کیں کہ رات کسی نے چور کو صدقہ دے دیا ہے۔ اس نے کہا اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں میں پھر صدقہ کروں گا۔ وہ پھر صدقہ لے کر نکلا اور اس نے ایک بدکار عورت کو صدقہ دے دیا۔ جب صبح ہوئی تو لوگ باتیں کرنے لگے کہ رات زانیہ کو صدقہ دیا گیا ہے۔ اس نے کہا: میں پھر صدقہ کروں گا۔ تیسری مرتبہ پھر صدقہ لے کر نکلا اور اس نے صدقہ ایک مالدار کو دے دیا تو صبح کے وقت لوگ باتیں کرنے لگے کہ رات کسی شخص نے مالدار کو صدقہ دیا ہے۔ تو اس نے کہا: اے اللہ! چور، بدکارہ اور مالدار کو صدقہ دینے پر تیرے لیے ہی تمام تعریفیں ہیں۔ پھر اس کو خواب میں کہا گیا کہ شاید تیرے صدقہ دینے سے چور چوری اور بدکار بدکاری سے باز آجائے اور مالدار عبرت پکڑ کر اللہ کے دیئے ہوئے مال سے صدقہ کرنے لگے۔“ (رواہ البخاری: باب إذا تصدق علی غنی وھو یعلم)

مسائل

۱۔ صدقہ علانیہ اور خفیہ دونوں طرح دیا جا سکتا ہے۔ ۲۔ صدقہ کرنے والے کے گناہ معاف اور اسے برکت نصیب ہوتی ہے۔

لَيْسَ	عَلَيْكَ	هُدٰىهُمْ	وَلٰكِنَّ	اللّٰهَ	يَهْدِيْ	مَنْ	يَّشَآءُ ؕ
نہیں	آپ پر	ان کی ہدایت	اور لیکن	اللہ	ہدایت دیتا ہے	جسے	وہ چاہتا ہے
وَمَا	تُنْفِقُوْا	مِنْ	خَيْرٍ	فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ		وَمَا	تُنْفِقُوْنَ
اور جو	تم خرچ کرو گے	سے	مال تو	تمہارے نفسوں کے ہی واسطے		اور نہیں	تم خرچ کرتے
اِلَّا	ابْتِغَآءَ	وَجْهِ	اللّٰهِ ؕ	وَمَا	تُنْفِقُوْا	مِنْ	خَيْرٍ	يُّوَفَّ
مگر	حاصل کرنا	رضا مندی	اللہ	اور جو	تم خرچ کرو گے	سے	مال	وہ پورا پورا ملے گا
اِلَيْكُمْ	وَاَنْتُمْ	لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾					
تمہیں	اور تم	زیادتی نہ کیے جاؤ گے					

”نہیں ہدایت دینا آپ کے ذمہ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور تم جو اچھی چیز اللہ کی راہ میں دو گے وہ تمہارے ہی لیے ہے تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے ہی خرچ کرنا چاہیے۔ تم جو مال خرچ کرو گے اس کا تمہیں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔“ (۲۷۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح حکمت و دانائی اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اسی طرح ہدایت پانا اور صدقہ کی توفیق دینا بھی اسی کا کرم ہے۔

اے رسول ﷺ! آپ کی ذمہ داری لوگوں کو سمجھانا ہے۔ ہدایت سے ہمکنار کرنا آپکا اختیار نہیں ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور حکمت ہے جسے چاہے ہدایت سے سرفراز فرمائے۔ صدقات کے بیان میں یہ جملہ اس لیے لایا گیا ہے کہ ابتدائی دور میں بے شمار ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جن کی کافروں اور مشرکوں کے ساتھ قریبی رشتہ داریاں تھیں۔ مال دار صحابہ ایمان لانے کے بعد بھی کفار کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔ لیکن اب انہوں نے ایمان کی بنیاد پر ایسے لوگوں کے ساتھ تعاون کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ جس پر یہ فرمان نازل ہوا جس میں وضاحت فرمائی کہ جو کچھ بھی تم اللہ کی رضا کے لیے غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کرو گے اس کا پورا پورا اجر عنایت کیا جائے گا۔ ایسا ہی واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوتیلی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے ساتھ پیش آیا ان کی والدہ اپنی بیٹی اسماء رضی اللہ عنہا سے تعاون حاصل کرنے کے لیے مکہ سے مدینہ آئی جس پر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھتی ہیں کہ میری والدہ مجھ سے تعاون کی امید رکھتی ہے۔ کیا میں مشرکہ والدہ کے ساتھ تعاون کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: تمہیں اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔ (رواہ البخاری: باب الھدیۃ للمشرکین)

بعض اہلِ علم نے یہ تفسیر فرمائی ہے کہ عام صدقہ مستحق کافر اور مشرک کو دیا جا سکتا ہے لیکن زکوٰۃ کافر کو نہیں دینا چاہیے البتہ قربانی کا گوشت مشرک، کافر کو دینے میں کوئی حرج نہیں۔

صدقہ اور خیرات کی وسعتوں کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«مَامِنْ مُّسْلِمٍ غَرَسَ غَرْسًا فَأَكَلَ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ دَآبَّةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهٖ صَدَقَةٌ»

(رواہ البخاری:کتاب الأدب)

”جس مسلمان کے کھیت سے کسی انسان یا جانور نے دانہ کھایا اسے بھی صدقہ کا ثواب ملے گا۔“

«كُلُّ سُلَامٰي عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ يُعِينُ الرَّجُلَ فِيْ دَابَّتِهٖ يُحَامِلُهٗ عَلَيْهَا أَوْ يَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ وَكُلُّ خُطْوَةٍ يَمْشِيْهَا إِلَي الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَدَلُّ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ»

(رواہ البخاری:کتاب الجہاد والسیر)

”ہر روز آدمی کے ہر جوڑ پر صدقہ ہے کسی آدمی کو سواری کے لیے سواری دے دینا یا کسی کے سامان کو سواری پر رکھ لینا صدقہ ہے اچھی بات کہنا صدقہ ہے۔نماز کے لیے جاتے ہوئے ہر قدم کا بدلہ صدقہ ہے۔کسی کو راستہ بتلانا صدقہ ہے۔“

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَمَا كَلْبٌ يُطِيفُ بِرَكِيَّةٍ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ إِذْ رَأَتْهُ بَغِيَّةٌ مِّنْ بَغَايَا بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ فَنَزَعَتْ مُوْقَهَا فَسَقَتْهُ فَغُفِرَ لَهَا بِهٖ» (رواہ البخاری:کتاب أحادیث الأنبیاء)

”حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک کتا کنوئیں کے کنارے چکر لگا رہا تھا قریب تھا وہ پیاس سے مر جائے۔اچانک بنی اسرائیل کی ایک بدکار عورت نے دیکھ کر اپنے موزے کے ذریعے اسے پانی پلایا۔اس وجہ سے اس عورت کو بخش دیا گیا۔“

مسائل

۱۔ اللہ کے نبی کا کام رہنمائی کرنا ہے کسی کو ہدایت پر گامزن کرنا آپ کا ذمہ نہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت سے نوازتا ہے۔ ۳۔صدقہ کرنے میں بہتری ہے۔

۴۔ صدقہ کرنے والے کو پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ ۵۔قیامت کے دن کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کی توفیق سے ہی ہدایت ملتی ہے:

۱۔ ہدایت پر چلانا انبیاء کی ذمہ داری نہیں۔(البقرۃ:۲۷۲) ۲۔اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔(القصص:۵۶)

۳۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر کوئی شخص ہدایت یافتہ نہیں ہوسکتا۔(الاعراف:۴۳)

۴۔ جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے۔(الکہف:۱۷)

۵۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔(البقرۃ:۱۴۲)

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا

تنگدستوں کے لیے جولوگ روک دیے گئے میں راہ اللہ نہیں وہ طاقت رکھتے چلنا پھرنا

فِي الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ

میں زمین انہیں سمجھتا ہے ناواقف مال دار سے سوال سے بچنا تو پہچان لے گا انہیں

بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ

ان کے چہروں سے نہیں وہ سوال کرتے لوگ (جمع) لپٹ کر اور جو تم خرچ کرو سے مال

فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿٢٧٣﴾

تو یقیناً اللہ اس کو خوب جاننے والا

''ان کے لیے بھی صدقہ کرنا ہے جو اللہ کی راہ میں روک دیے گئے ہیں اور وہ ملک میں چل پھر نہیں سکتے۔ نادان لوگ ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے انہیں مال دار خیال کرتے ہیں، آپ ان کے چہرے دیکھ کر انہیں پہچان لیں گے۔ وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے اور تم جو کچھ خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے۔'' (٢٧٣)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلے صدقہ کرنے کا حکم تھا اب صدقہ خوددار اور مستحق حضرات کو پہچاننے کا حکم ہے۔

جولوگ نہ کسی سے سوال کرتے ہیں اور نہ ہی مزدوری کے پیچھے بھاگتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو تعلیم و تعلّم، ترویجِ اسلام یا جہاد فی سبیل اللہ بالفاظ دیگر اپنے آپ کو خدمتِ اسلام کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ وہ مزدوری کر سکتے ہیں لیکن اس لیے نہیں کرتے کہ کہیں فریضۂ تبلیغ میں کوتاہی واقع نہ ہو جائے۔ پہلے انفاق کے احکام میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا حکم تھا اور اب خوددار مستحق لوگوں کو فی سبیل اللہ کے مقام پر فائز کرتے ہوئے اغنیاء کو خرچ کرنے کی تلقین کرتے ہوئے انہیں سرزنش کی گئی ہے کہ ایسے مال دار، لوگ جاہلوں کا سا کردار رکھتے ہیں۔ جو حاجت مند خوددار لوگوں کو ضرورت مند نہیں سمجھتے۔ اللہ کے راستے میں وقف لوگ اس قدر غیور، خوددار، شرم و حیا کے پیکر اور بے نیاز ہیں کہ کسی سے سوال کرنا ان کے ضمیر کے خلاف ہے۔ یہاں چمٹ کر سوال کرنے کا یہ معنیٰ نہیں کہ اس کے سوا کسی اور انداز میں سوال کرنا اپنے لیے روا رکھتے ہیں بلکہ اس اندازِ کلام سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ وہ کسی حال میں بھی دوسرے کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کے قائل نہیں۔ لہٰذا مخیر حضرات کا فرض ہے کہ وہ خود آگے بڑھ کر ان کی ضروریات کا خیال رکھیں۔ ان کی ضرورتوں کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں گو ان کے ہاتھ اور زبانیں بند ہیں لیکن ان کے چہرے، لباس اور بود و باش عُسرت کے ترجمان ہیں کیونکہ اگر یہ لوگ اپنے آپ کو تبلیغِ دین کے لیے وقف نہ کریں تو دینی درسگاہیں بانجھ، مساجد ائمہ کرام سے خالی اور دین کا نسل در نسل چلنے کا سلسلہ بند ہو جائے

گا۔ یہاں یہ بات بھی نمایاں ہوتی ہے کہ دین کے نام پر جائیدادیں بنانا اور تبلیغ کو پیشہ کے طور پر اختیار کرنا کسی لحاظ سے بھی مناسب نہیں۔ قرآن کا منشاء یہ ہے کہ دین کا کام کرنے والے لوگ پوری بے نیازی کے ساتھ اپنے کام کو جاری رکھیں۔ مخیر حضرات کا فرض ہے کہ وہ ازخود ان کی ضروریات کا خیال رکھیں ان کے مقام و مرتبہ کو پیشِ نظر رکھ کر ان کے ساتھ فی سبیل اللہ تعاون کرتے رہیں۔ جن پاک باز لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی وہ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کا مقدس گروہ تھا جن کو رسول کریم ﷺ حسب ضرورت تبلیغ اور دوسرے دینی کاموں کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ جونہی یہ لوگ اس فرض سے فارغ ہوتے تو مسجدِ نبوی کے متصل ایک چبوترے پر اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھتے۔

اصحابِ صُفَّہ رضی اللہ عنہم کی خودداری:

اُن میں سے ایک عظیم ہستی جن کا اسمِ گرامی حدیث کی مقدس دستاویزات میں بڑی کثرت کے ساتھ آیا ہے وہ جنابِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو اپنے بارے میں بیان کرتے ہیں:

«إِنَّكُمْ تَزْعُمُوْنَ أَنَّ أَبَاهُرَيْرَةَ يُكْثِرُ الْحَدِيْثَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاللّٰهُ الْمَوْعِدُ إِنِّيْ كُنْتُ امْرَأً مِسْكِيْنًا أَلْزَمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى مِلْإِ بَطْنِيْ وَكَانَ الْمُهَاجِرُوْنَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ وَكَانَتِ الْأَنْصَارُ يَشْغَلُهُمُ الْقِيَامُ عَلٰى أَمْوَالِهِمْ فَشَهِدْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ وَقَالَ مَنْ يَبْسُطُ رِدَاءَهُ حَتّٰى أَقْضِيَ مَقَالَتِيْ ثُمَّ يَقْبِضُهُ فَلَنْ يَنْسٰى شَيْئًا سَمِعَهُ مِنِّيْ فَبَسَطْتُ بُرْدَةً كَانَتْ عَلَيَّ فَوَالَّذِيْ بَعَثَهُ بِالْحَقِّ مَانَسِيْتُ شَيْئًا سَمِعْتُهُ مِنْهُ»

(رواہ البخاری: کتاب الإعتصام، باب الحجة علی من قال إن أحکام النبي)

”اے لوگو! تم کہتے ہو کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں زیادہ بیان کرتا ہے۔ اللہ کی قسم! میں مسکین آدمی تھا پیٹ بھرنے کی خاطر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چمٹا رہتا تھا۔ مہاجرین منڈی میں کاروبار کرنے میں مصروف رہتے اور انصار اپنے مال کو سنبھالنے میں مشغول ہوتے۔ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: کون اپنی چادر پھیلاتا ہے یہاں تک کہ میں اپنی بات پوری کرلوں؟ پھر وہ اپنی چادر کو لپیٹ لے۔ وہ جو کچھ بھی مجھ سے سنے گا کبھی نہیں بھولے گا۔ میں نے اپنی چادر بچھائی جو میں نے اپنے اوپر لے رکھی تھی۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے جو کچھ بھی آپ سے سنا کبھی نہیں بھولا۔“

مسائل

۱۔ صدقات فقراء و غرباء میں تقسیم کرنے چاہئیں۔ ۲۔ اللہ کے راستے میں وقف لوگوں کی ازخود خدمت کرنا چاہیے۔
۳۔ اللہ کے کام میں گھرے ہوئے خوددار مسکین لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔
۴۔ انسان جو کچھ بھی خرچ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ

جولوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال رات میں اوردن پوشیدہ اورظاہر توان کے لیے

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٤﴾

ان کا اجر پاس ان کا رب اور نہ کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے

وقف لازم

”جولوگ اپنے مال رات، دن، خفیہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے اور نہ انہیں خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“ (۲۷۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلے ریاکاری کی مذمت کی گئی ہے اب وضاحت فرمائی ہے کہ نیت میں اخلاص ہو تو اعلانیہ صدقہ کرنا ریاکاری میں شامل نہیں ہوتا۔

صدقہ کرنے کے انداز اور طریقہ کے بارے میں پہلے ارشاد یہ تھا کہ چھپا کر صدقہ کرو یا اعلانیہ دونوں صورتیں تمہارے لیے بہتر ہیں۔ اس کے بدلے تمہارے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔ یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ رات کی تاریکی میں صدقہ کریں یا دن کی روشنی میں سب کے سامنے کریں یا چھپ کر صدقہ دیں ایسے لوگوں کے اخلاص، جذبات اور صدقات کے مطابق ان کے رب کے ہاں نہایت ہی عمدہ اجر ہے۔ جس میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کمی نہیں کی جائے گی۔ اس اجر کے ساتھ انہیں یہ بھی انعام سنایا جاتا ہے کہ انہیں اپنے مستقبل کے بارے میں خوفزدہ اور فکر مند ہونے کا اندیشہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ غربت کے خوف اور دولت کے لالچ سے بے نیاز ہو کر مستحق غریب کو معاشی غم سے نجات دلاتے ہیں اس کے بدلے ان پر نہ خوف طاری ہوگا اور نہ ہی انہیں کسی قسم کی پریشانی اور پشیمانی ہوگی دنیا میں بھی ان کا مال کم نہیں ہوگا۔

مسائل

۱۔ صدقہ اخلاص کے ساتھ دن رات، چھپ کر یا اعلانیہ کیا جائے اس کا اجر اللہ کے ہاں محفوظ ہے۔

۲۔ صدقہ کرنے والے کو کوئی خوف وخطر نہیں ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

خوف وغم سے مبرّا حضرات:

۱۔ ہدایت پر عمل پیرا ہونے والا خوف زدہ اور غمگین نہیں ہوگا۔ (البقرۃ: ۳۸)

۲۔ ایمان اور عمل صالح کرنے والے خوف زدہ نہ ہوں گے۔ (البقرۃ: ۶۲)

۳۔ رضائے الٰہی کے لیے خرچ کرنے والے بے خوف و بے غم ہوں گے۔ (البقرۃ: ۲۶۲)

۴۔ ایمان، نماز اور زکوٰۃ مومن کو بے خوف و بے غم کرتی ہے۔ (البقرۃ: ۲۷۷)

۵۔ ایمان پر قائم رہنے والوں اور اصلاح کرنے والوں پر خوف وغم نہ ہوگا۔ (الانعام: ۴۸)

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ

جولوگ کھاتے ہیں سود نہیں وہ کھڑے ہونگے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جو

يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا

اسے حواس باختہ کردیا شیطان سے چھونا یہ اس لیے کہ وہ انہوں نے کہا درحقیقت

الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ

تجارت طرح سود حالانکہ حلال کیا اللہ تجارت اورحرام کیا سود

فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا

پھر جو آگئی اس کے پاس نصیحت سے اس کا رب پھر وہ باز آ گیا تو اس کے لیے جو

سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

ہو چکا اور اس کا معاملہ طرف اللہ اور جو پھر لوٹے تو وہی دوزخ والے

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧٥﴾

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

وقف لازم

”جولوگ سود کھاتے ہیں وہ اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جسے شیطان نے چھو کر اس کو حواس باختہ کر دیا ہو۔ اس لیے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی سود ہی کی طرح ہے، حالانکہ تجارت کو اللہ تعالیٰ نے حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی نصیحت سن کر سود کھانے سے رک گیا اس کے لیے وہ ہے جو ہو چکا اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور جو پھر بھی حرام کی طرف لوٹا وہی لوگ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“ (٢٧٥)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سودی نظام صدقہ کی تحریک میں سب سے زیادہ رکاوٹ ہے لہٰذا سود خور کا انجام بیان کرنے کے ساتھ سود خور کے غلط استدلال کی تردید کی جارہی ہے۔

سود کو قدیم زمانے سے ربا کہا جاتا ہے۔ قرآنِ مجید نے بھی اس کے لیے یہی لفظ استعمال کیا ہے۔ ربا کا معنٰی ہے اضافہ یا زیادتی۔ فارسی میں اس کو سود کہتے ہیں جس کا مطلب ہے فائدہ یا اضافہ۔ انگلش میں اس کا نام (USURY) ہے۔ ایسا معاملہ جس میں سرمایہ کار کو مہلت کی بنا پر اپنی رقم پر منافع ملے۔ یہ کاروبار انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی سطح پر ربا ہوگا۔

سود کا دھندا پہلی اقوام میں بھی پایا جاتا تھا جیسا کہ یہود کے بارے میں قرآنِ مجید نے بڑی وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ وہ سود کھانے اور کھلانے والی قوم تھی حالانکہ تورات میں انہیں سختی کے ساتھ اس دینی اور معاشی جرم سے منع کیا گیا تھا۔ (النساء:١٦١)

عیسائیوں کے متعلق انجیل میں موجود ہے کہ ان کا ایک گروہ ہیکل سلیمانی میں بیٹھ کر سود کا دھندا کیا کرتا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک دفعہ ان کے کاروبار کو یہ کہہ کر الٹ دیا کہ تم کیسے بُرے لوگ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے عظیم اور مقدس گھر میں بھی اس جرم سے باز نہیں آتے۔ ہندوؤں کی پرانی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو سودی کاروبار کے واضح ثبوت ملتے ہیں۔ یہاں تک کہ داراشکوہ نے ایک پنڈت سے گفتگو کرتے ہوئے اس سے سود کے بارہ میں سوال کیا تو اس نے کہا کہ ہمارے مذہب میں بھی اسی طرح سود حرام ہے جس طرح دوسرے مذاہب میں اس کی حرمت کا ذکر ہوا ہے۔

افلاطون نے اپنی کتاب ''جمہوریہ'' میں سودی کاروبار کو مکھیوں کے چھتے کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جس طرح شہد کی مکھیوں میں کچھ ایسی مکھیاں ہوتی ہیں جو شہد بنانے کی بجائے دوسری مکھیوں کے بنائے ہوئے شہد کو کھا جاتی ہیں۔ جب یہ چوری مکھیوں کی ملکہ کے نوٹس میں آتی ہے تو وہ اس مکھی کو موت کے گھاٹ اُتار دیتی ہے یہی صورتِ حال معاشرے کے ساتھ سود خوروں کی ہے لہٰذا افلاطون کہتا ہے کہ سود خوروں کو فوری طور پر قتل کر دینا چاہیے۔ [معارف القرآن]

عربوں کے ہاں دونوں طرح کا سود رواج پا چکا تھا ذاتی غرض اور مجبوری کے وقت یا کاروبار کو ترقی دینے کے لیے سود پر رقم حاصل کرنا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حرمت سود نازل ہونے سے پہلے اس کام میں پیش پیش تھے۔

(رواہ مسلم: کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ)

سود کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ جسے اپنے رب کی نصیحت پہنچے اور سود خوری سے باز آجائے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا سو کھا چکا اور اس کا سابقہ معاملہ اللہ کے حوالے ہوگا۔ یہاں واضح طور پر معافی کا اعلان نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا کہ جو گزر گیا سو گزر گیا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ یہ معاف کر دینے ہی کا ایک انداز ہے لیکن سود کے جرم کے پیشِ نظر واضح طور پر معافی کا اعلان نہیں کیا تاکہ سود خوروں کو اس جرم کی سنگینی کا احساس ہو اور وہ آئندہ اس جرم سے بچتے رہیں۔ جو اس کے باوجود سودی دھندہ کریں گے۔ وہ یقیناً جہنم میں پھینکے جائیں گے اور انہیں اس میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔

((عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اٰكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهٗ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ))

(رواہ مسلم: کتاب المساقاۃ، باب لعن آکل الربوا وموکلہ)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے سود کھانے، کھلانے اور گواہی دینے والوں پر لعنت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سب برابر ہیں۔''

((عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِيْ فَأَخْرَجَانِيْ إِلٰي أَرْضٍ مُقَدَّسَةٍ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى أَتَيْنَا عَلٰى نَهْرٍ مِنْ دَمٍ فِيْهِ رَجُلٌ قَائِمٌ وَعَلٰى وَسْطِ النَّهْرِ رَجُلٌ بَيْنَ يَدَيْهِ حِجَارَةٌ فَأَقْبَلَ الرَّجُلُ الَّذِيْ فِي النَّهْرِ فَإِذَا أَرَادَ الرَّجُلُ أَنْ يَخْرُجَ رَمَي الرَّجُلُ بِحَجَرٍ فِيْ فِيْهِ فَرَدَّهٗ حَيْثُ كَانَ فَجَعَلَ كُلَّمَا جَاءَ لِيَخْرُجَ رَمٰي فِيْ فِيْهِ بِحَجَرٍ فَيَرْجِعُ كَمَا كَانَ فَقُلْتُ مَا هٰذَا فَقَالَ الَّذِيْ

رَأَيْتَهُ فِي النَّهْرِ آكِلَ الرِّبَا» (رواہ البخاری: کتاب البیوع، باب آکل الربا وشاھدہ وکاتبہ)

''حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا رات میں نے دیکھا میرے پاس دو آدمی آئے اور وہ مجھے ایک مقدس زمین کی طرف لے گئے ہم چلتے رہے حتیٰ کہ ہم ایک خونی نہر پر پہنچ گئے۔ ایک آدمی اس کے اندر تھا اور دوسرا آدمی باہر کھڑا تھا جس کے سامنے پتھر پڑے ہوئے تھے۔ نہر میں کھڑا شخص جب باہر نکلنے کا ارادہ کرتا تو دوسرا آدمی اس کے منہ پر پتھر مار کر واپس کر دیتا۔ جب بھی وہ نکلنا چاہتا اسے باہر والا آدمی پتھر مار کر واپس لوٹا دیتا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ فرشتے نے جواب دیا خون کی نہر میں کھڑا شخص سود خور ہے۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اَلرِّبَا سَبْعُونَ حُوبًا أَيْسَرُهَا أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ»

(رواہ ابن ماجۃ: کتاب التجارات، باب التغلیظ فی الربا [صحیح])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سود کے گناہ کے ستر درجات ہیں۔ سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے نکاح جیسا عمل کرے۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَأَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي لَمَّا انْتَهَيْنَا إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَنَظَرْتُ فَوْقِي فَإِذَا أَنَا بِرَعْدٍ وَبَرْقٍ وَصَوَاعِقَ قَالَ فَأَتَيْتُ عَلَى قَوْمٍ بُطُونُهُمْ كَالْبُيُوتِ فِيهَا الْحَيَّاتُ تُرَى مِنْ خَارِجِ بُطُونِهِمْ، قُلْتُ مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جِبْرِيلُ قَالَ هَؤُلَاءِ أَكَلَةُ الرِّبَا»

(رواہ أحمد: مسند ابی ہریرہ [ضعیف])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شب معراج میں جب ہم ساتویں آسمان پر پہنچے تو میں نے کڑک سنی اور بجلی دیکھی اس کے بعد ہم ایسی قوم پر گزرے جن کے پیٹ بڑے بڑے مکانات کی طرح بڑھے ہوئے تھے اور ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے بھی نظر آ رہے تھے۔ میں نے جبریل امین علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ سود خور ہیں۔''

صدقات کی ترغیب، احکامات اور آداب بیان کرنے کے بعد سود کی حرمت و مذمت کے احکام جاری فرمائے گے کیونکہ سود انفرادی اور اجتماعی معیشت کی تباہی کا بڑا سبب اور جذبۂ ایثار و ہمدردی اور باہمی تعاون کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ سود کی حرمت اس نظریۂ باطل کی مذمت سے شروع کی گئی جس کا سود خور صدیوں سے پروپیگنڈہ کرتے آرہے ہیں۔ سود خور حرص و ہوس کی وجہ سے دماغی طور پر اس قدر غیر متوازن ہو چکا ہوتا ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار ہی نہیں کرتا بلکہ اپنے خبثِ باطن کی وجہ سے اس حکم کی ایسی تاویل کرتا ہے جو کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کے حکم کے برخلاف اور اس کا استہزاء کرنے کے مترادف ہے۔ سود خور کی پہلی سزا یہ ہوگی کہ قبر سے اٹھتے ہی یہ ایسی حرکات کرے گا کہ لوگ دیکھتے ہی پہچان جائیں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا وہ باغی اور قومی مجرم ہے جو دنیا میں سود کھایا کرتا تھا۔ اس کی حواس باختگی کو

شیطان کے خبط کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اندازہ کیجیے جس شخص کے اوپر شیطان مسلط ہو جائے کیا اس سے کسی بھلے کام کی توقع کی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس پر یہ سزا اس لیے مسلط ہوگی کہ یہ دنیا میں کہا کرتا تھا کہ تجارت اور سود میں کوئی فرق نہیں حالانکہ تجارت اور سود میں مماثلت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

تجارت اور سود میں فرق

۱	تجارت میں نفع ونقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔	سود میں بظاہر نقصان کا کوئی احتمال نہیں ہوتا۔
۲	تجارت میں منافع کا تعین نہیں ہوتا۔	سود میں منافع کی حد مقرر ہوتی ہے۔
۳	تجارت میں نفع ونقصان کا کوئی وقت مقرر نہیں۔	سود میں پہلے دن ہی نفع کی وصولی کے لیے وقت مقرر کرلیا جاتا ہے۔
۴	تجارت میں ایک سودے پر ایک ہی دفعہ منافع ملتا ہے۔	سود میں بار بار منافع وصول کیا جاتا ہے۔
۵	تجارت میں دونوں طرف سے کچھ نہ کچھ محنت ہوتی ہے۔	سود میں صرف سود ادا کرنے والا ہی محنت کرتا ہے۔
٦	تجارت دونوں طرف سے لوگوں کے روزگار کا ذریعہ بنتی ہے۔	سود میں ایک طرف سے ہی آدمی شریک ہوتا ہے۔
۷	تجارت کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے۔	سود اللہ اور رسول کے خلاف جنگ کرنے کے مترادف ہے۔
۸	تجارت کرنے کا حکم ہے اور اس میں برکت ہے۔	سود حرام اور اس میں برکت نہیں ہوتی۔
۹	تاجر صدقہ کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔	سود خور لوگوں کا خون نچوڑنے سے خوش ہوتا ہے۔
۱۰	تجارت ملک وقوم کی ترقی کا باعث بنتی ہے۔	سود تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔
۱۱	صدقہ کرنے والے پر اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔	سود خور مجرم ہے اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔
۱۲	نیک تاجر صدیقین اور شہداء کا ساتھی اور جنتی ہے۔	سود خور شیطان کا ساتھی اور جہنمی ہے۔

مسائل

۱۔ سود خور قیامت کے دن پاگلوں کی طرح کھڑے ہوں گے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے سود حرام اور تجارت جائز قرار دی ہے۔
۳۔ نصیحت قبول کرنے والے سے اللہ تعالیٰ درگزر فرماتا ہے۔ ۴۔ نصیحت سننے کے باوجود گناہ کرنے والا دوزخ میں جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

سود کی تباہ کاریاں:

۱۔ سود حرام ہے۔ (البقرۃ:۲۷۵، آلِ عمران:۱۳۰) ۲۔ اللہ سود کو مٹانا چاہتا ہے۔ (الروم:۳۹)
۳۔ سود خوروں کی اللہ و رسول سے جنگ ہے۔ (البقرۃ:۲۷۹)
۴۔ سود کی حرمت کے بعد سود کھانے کی سخت سزا ہے۔ (البقرۃ:۲۷۵)

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

مٹاتا ہے اللہ سود اور بڑھاتا ہے خیرات (جمع) اور اللہ نہیں پسند کرتا ہر ناشکرا گنہگار

”اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے گنہگار کو پسند نہیں کرتا۔“ (۲۷۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ اس آیت میں بھی سود خور سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے۔

سود کے بارے میں اسلام نے صرف انفرادی اور اخلاقی سطح پر مذمت نہیں کی بلکہ اسے قانونی شکل دے کر انفرادی اور اجتماعی نظام میں سرکاری سطح پر حرام قرار دیا۔ اس فرمان میں پھر کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کو ہر صورت مٹانا اور صدقات کو بڑھانا چاہتا ہے۔ جو لوگ سود کے حق میں پروپیگنڈہ اور اقدام کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ فکری، علمی اور عملی طور پر نافرمان اور مجرم ٹھہریں گے۔ رسولِ معظم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر یہ اعلان فرمایا کہ آج کے بعد سود کے واجبات کا لین دین حرام قرار دیتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے چچا عباس کے واجبات کو چھوڑتا ہوں۔ آپ کے اور فرمان کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں نے جو غیر مسلموں اور ایک دوسرے سے سودی واجبات لینے تھے انہیں یکسر چھوڑ دیا۔ اسی بنیاد پر آئمہ کرام اور فقہاء نے اسلامی حکومت میں کسی غیر مسلم کو بھی سودی کاروبار کرنے کی اجازت نہیں دی۔ نبی کریم ﷺ نے جب نجران کے عیسائیوں سے معاہدات کیے تو ان میں ایک شق یہ بھی تھی کہ اگر تم نے اسلامی مملکت میں سودی کاروبار کا دھندا کیا تو ہماری طرف سے یہ معاہدہ فی الفور ختم ہو جائے گا۔ ((وَاشْتَرَطَ عَلَيْهِمْ اَنْ لَّا يَاْكُلُوا الرِّبَا وَلَا يَتَعَامَلُوْبِهِ..... وَمَنْ اَكَلَ مِنْهُمْ رِبًا فَذِمَّتِيْ مِنْهُ بَرِيْئَةٌ)) (فتوح البلدان: کتاب الخراج امام ابو یوسف)

سود کا متبادل

عالمِ اسلام بالخصوص پاکستان میں جب کبھی سود کے خلاف آواز اٹھتی ہے تو سود خور اور اس نظام سے منسلک افراد اعتراض اٹھاتے ہیں کہ علماءِ کرام کو چاہیے کہ وہ سودی نظام کے خاتمے کا مطالبہ کرنے سے پہلے اس کا متبادل نظام پیش کریں۔ حالانکہ متبادل نظام پیش کرنا معاشیات کے ماہر سرکاری کارندوں کی ذمہ داری ہے جن میں اکثریت کو بھاری تنخواہوں پر بین الاقوامی مالیاتی اداروں سے درآمد کیا جاتا ہے۔ علماء کا کام تو دینی رہنمائی کرنا ہے اگر حکومت اس استحصالی نظام سے مخلصانہ طور پر نجات حاصل کرنا چاہتی ہے تو اس کے لیے اسلام نے دو واضح صورتیں پیش کی ہیں جنہیں صدیوں مسلمانوں نے انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنایا اور اس کے نتیجے میں مسلمان بین الاقوامی منڈیوں پر غالب آئے اور معاشیات میں قوموں کے رہنما بنے۔ مسلمان تاجروں نے تجارت میں اپنی دیانت اور امانت کے ذریعے عام لوگوں پر وہ اثرات مرتب کیے۔ جن کی وجہ سے بڑی بڑی قومیں حلقۂ اسلام میں داخل ہوئیں۔ قدیم تاریخ کے مطابق شام اور جدید دنیا میں انڈونیشیا کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ یاد رہے کہ انڈونیشیا کو مسلمانوں نے تلوار کی بجائے کاروباری اخلاق اور دینی اطوار کے ذریعے فتح کیا تھا۔ اسلام میں تجارت

کی دو بڑی قسمیں مضاربت اور مشارکت ہیں۔ مضاربت کا معنیٰ یہ ہے کہ مال ایک کا ہو اور محنت دوسرے کی اور دونوں نفع ونقصان میں شامل ہوں۔ نقصان ہونے کی صورت میں صاحبِ ثروت کا مال ضائع ہوگا اور محنت کرنے والے کی محنت رائیگاں جائے گی۔ مشارکت آج کے مالی ادارے اور کمپنیوں کے مترادف ہے۔ ماضی کی طرح یہ نظام آج بھی بابرکت اور ترقی کا ضامن بن سکتا ہے بشرطیکہ درج ذیل اصولوں کی پاسداری کی جائے اور یہی سودی نظام کا متبادل ہے۔

① ۔حکومت کی طرف سے مشارکہ کمپنیوں اور کاروباری افراد کو اندرون اور بیرون ملک نفع بخش پراجیکٹ فراہم کیے جائیں جس طرح ترقی یافتہ ملک کرتے ہیں۔ ②۔ شراکت داروں کے نمائندوں کا خفیہ انتخاب کے ذریعے بورڈ بنایا جائے جو شراکت داروں کو نفع ونقصان سے آگاہ رکھیں۔ ③۔ بددیانت افراد کو سخت ترین سزائیں دینے کے ساتھ ان سے پائی پائی وصول کی جائے۔ ④۔ کھاتہ داروں کو قانونی تحفظ اور بھرپور اعتماد فراہم کیا جائے۔

صدقہ:

اللہ تعالیٰ سود کے خاتمہ کے ساتھ ارشاد فرماتے ہیں کہ تمہارے رب کا فرمان اور منشا یہ ہے کہ سود لینے دینے کی بجائے صدقہ وخیرات عام کیا جائے اس کی روشنی میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((عَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ قَالَتْ كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ)) (رواہ البخاری: کتاب الزکاۃ، باب الزکاۃ علی الزوج)

”حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی بیوی زینب ؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو مسجد میں دیکھا آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ“ کی راہ میں صدقہ کیا کرو اگرچہ تمہیں اپنے زیورات میں سے دینا پڑے۔“

((عَنْ أَسْمَاءَ ؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْفِقِيْ وَلَا تُحْصِيْ فَيُحْصِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَلَا تُوْعِيْ فَيُوْعِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ)) (رواہ مسلم: باب الحث علی الإنفاق وکراھیۃ الإحصاء)

”حضرت اسماء ؓ بیان کرتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خرچ کر اور اسے شمار نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تجھے گن کر دے گا اور نہ ہی حساب کرو، ورنہ وہ بھی تجھ سے حساب کرے گا۔“

یعنی فراخ دلی اور کشادہ دستی سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہنا چاہیے۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹانا اور صدقات کو بڑھانا چاہتا ہے۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ ناشکرے اور گناہگار کو پسند نہیں کرتا۔

تفسیر بالقرآن

سود کی حرمت:

١۔ سود حرام ہے۔ (البقرۃ: ٢٧٥، آلِ عمران: ١٣٠) ٢۔ سود خوروں کی اللہ اور رسول سے جنگ ہے۔ (البقرۃ: ٢٧٩)
٣۔ اللہ سود کو مٹانا چاہتا ہے۔ (الروم: ٣٩) ٤۔ سود کی حرمت کے بعد سود کھانے کی سخت سزا ہے۔ (البقرۃ: ٢٧٥)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ

بیشک جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل کیے نیک اور انہوں نے قائم کی نماز اور ادا کی زکوٰۃ

لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٧﴾

ان کے لیے ان کا اجر پاس ان کا رب اور نہ کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے

”بے شک جولوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے ہیں، نماز قائم اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ غم زدہ ہوں گے۔“(۲۷۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قرآن مجید اپنے اسلوب کے مطابق احکامات جاری کرتے ہوئے نصیحت بھی کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہونے کے لیے ذہن از خود آمادہ ہو جائے۔

قرآنِ مجید کا یہ اسلوب ہے کہ جب قانون اور ضابطے بیان کرتا ہے تو اس دوران لوگوں کے اخلاق میں نکھار پیدا کرنے اور ایمان کو جلا بخشنے کے لیے نماز، آخرت، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور جزا، سزا میں سے کسی ایک کی طرف توجہ دلاتا ہے تاکہ دین کے احکام لوگوں کے ذہن میں محض ضابطے اور قانون کے طور پر نہیں بلکہ عبادت، قیامت میں پیشی کا تصور، خوفِ خدا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے طور پر سامنے رہیں۔ سماجی تعلقات ہوں یا کاروباری معاملات، امتناعی احکامات ہوں یا ترغیبی ارشادات ان کے دوران اسی فلسفہ کے تحت یہ اسلوب اختیار کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی سود کی حرمت اور قباحت واضح کرنے کے دوران فکرِ آخرت، نماز اور زکوٰۃ کا حکم دے کر یہ تصور دیا گیا ہے کہ جس طرح تم ”اللہ“ کا حکم سمجھ کر نماز میں اس کے سامنے سرفگندہ ہوتے ہو اور نماز کا اجر اللہ کے پاس تمہارے لیے موجود ہے اور تمہیں مستقبل میں کوئی خوف وخطر نہیں ہوگا۔ اسی طرح ہی سود اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر چھوڑ دو اور اس اللہ کے سامنے جھک جاؤ اس کا تمہیں اجر ملے گا۔ لہٰذا سود لینے اور لوگوں کا مال کھانے کی بجائے صدقہ اور زکوٰۃ دینے والے بن جاؤ۔

مسائل

۱۔ ایماندار، نیکوکار، نمازی، اور زکوٰۃ دینے والے کو نہ خوف ہوگا نہ غم۔

تفسیر بالقرآن

خوف سے بے نیاز حضرات:

۱۔ اولیاء اللہ خوف اور غم سے پاک ہوں گے۔ (یونس: ٦٢) ۲۔ جنتی لوگوں کو خوف وغم نہ ہوگا۔ (الاعراف: ۴۹)

۳۔ استقامت دکھلانے والے خوفزدہ وغمگین نہ ہوں گے۔ (الاحقاف: ۱۳)

يٰۤاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوا	اتَّقُوا	اللّٰهَ	وَذَرُوْا	مَا	بَقِيَ
اے	جولوگ	ایمان لائے	تم ڈرو	اللہ	اور چھوڑ دو	جو	باقی رہ گیا
مِنَ	الرِّبٰۤوا	اِنْ	كُنْتُمْ	مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾	فَاِنْ	لَّمْ تَفْعَلُوْا	
سے	سود	اگر	ہوتم	ایمان والے	پھراگر	تم نہ چھوڑ وگے	
فَاْذَنُوْا	بِحَرْبٍ	مِّنَ	اللّٰهِ	وَرَسُوْلِهٖ ۚ	وَاِنْ	تُبْتُمْ	فَلَكُمْ
توخبردار ہوجاؤ	جنگ کے لیے	سے	اللہ	اوراس کا رسول	اوراگر	تم توبہ کرلو	توتمہارے لیے
رُءُوْسُ	اَمْوَالِكُمْ ۚ	لَا تَظْلِمُوْنَ	وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾				
اصل	تمہارے مال	نہ تم ظلم کرو	اور نہ تم پرظلم کیا جائے گا				

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ (۲۷۸) اور اگر تم نے سود نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہاں اگر توبہ کرلو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے، نہ ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔“ (۲۷۹)

فہم القرآن

ربط کلام : گزشتہ سے پیوستہ۔ سود خوروں کو آخری انتباہ۔

نماز اور زکوٰۃ کا حکم دینے کے بعد ایک دفعہ پھر دلرُبا اور عزت افزا لقب کے ساتھ مخاطب کیا جا رہا ہے۔ اے مومن بندو! سود کا معمولی اور عارضی فائدہ حاصل کرنے کی بجائے دائمی سکون، اطمینان اور میرے ہاں اجر پانے کے لیے مجھ سے ڈرو اور جو کچھ سود کے بقایا جات ہیں انہیں ترک کر دو اگر تم حقیقتاً میرا حکم ماننے اور مجھ پر ایمان لانے والے ہو۔ حقیقی ایمان کا تقاضا ہے کہ تم سود سے کنارہ کش ہو جاؤ اگر تم نے اس نصیحت کے باوجود سود نہ چھوڑا تو یاد رکھو یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کھلی جنگ ہوگی۔ ہاں اگر تم تائب ہو جاؤ تو پھر اصل مال لینے کا تمہیں پورا پورا حق ہے۔ نہ ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ سود خور پر ظلم کرے گا۔ بلکہ اس کا معنیٰ ہے کہ سود معاشی ظلم ہے جس کا ردِ عمل ظلم ہوا کرتا ہے۔

سود قانونی اور معاشی جرم ہی نہیں بلکہ اس سے انسان اخلاق باختہ ہو جاتا ہے۔ سود خور فقط منافع کی نظر سے دیکھتا، بولتا اور معاملات کرتا ہے۔ اس میں دن بدن انسانی ہمدردی ختم ہو جاتی ہے۔ ہر دور اور معاشرے میں سینکڑوں واقعات ایسے ملتے ہیں کہ سود خور نے مصیبت زدہ حقیقی بھائی کو قرضِ حسنہ دینے کے بجائے سود پر رقم دی اور وہ بیچارہ کنگال سے کنگال ہوتا چلا گیا۔ حکومت کے نظام میں تو ہزاروں واقعات تاریخ کا حصہ ہیں کہ سودی قرضہ کی وجہ سے غریبوں کی جائیدادیں ضبط ہوئیں، مکانات گروی ہوئے یہاں تک کہ انہیں کئی کئی سال جیل میں رہنا پڑا حالانکہ انہوں نے ذاتی مجبوری اور حقیقی ضرورت کے لیے بینک یا حکومت کے کسی مالیاتی ادارے سے قرض لیا تھا۔ کیا پسماندہ لوگوں کی بنیادی ضرورتیں پوری کرنا، انہیں مالی سہارا

دینا، ان کو وسائل فراہم کرنا، بیماروں کا علاج کروانا اور تعلیم کا انتظام کرنا حکومت کے فرائض میں شامل نہیں؟ لیکن غریبوں، معذوروں، مجبوروں اور بیماروں کے ساتھ مالی ہمدردی کی بجائے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیے جاتے ہیں۔ اس عمل کو اللہ تعالیٰ اپنے اور اپنے رسول کے خلاف جنگ قرار دیا ہے۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا مذہب اور حکومت ہے جو غریبوں اور مجبوروں کی اس قدر خیر خواہ ہو کہ ان پر ہونے والی زیادتی کو براہِ راست اپنے آپ پر ظلم تصور کرے؟ یہ خیر خواہی تو صرف دینِ اسلام میں ہی پائی جاتی ہے کاش غریب لوگ اسلام کے سایۂ عاطفت میں آ کر اپنی دنیا اور آخرت سنوار لیں۔ اس فرمان کے آخر میں حکم دیا ہے کہ اے صاحبِ ثروت حضرات! کسی پر ظلم نہ کرو تاکہ تم پر بھی ظلم نہ کیا جائے۔ جس معاشرے اور قوم میں سود خوروں کی بہتات ہو جائے تو پھر غریب عوام کے لیے اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں رہتا کہ مظلوم کے ہاتھ ظالم کے گریبان تک پہنچیں، پھر یہ لوگ استحصالی طبقہ کے محلات اور فیکٹریوں پر حملہ آور اور ہڑتالیں کرتے ہیں۔ ماضی قریب میں روس، یوگوسلاویہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں کہ جب غریب لوگ سرمایہ داروں کے خلاف سینہ سپر اور منظم ہوئے تو پھر انہوں نے نہ صرف امیروں کی جائیدادوں پر قبضہ کیا بلکہ کیمونزم کے نام پر ایک نیا نظام دنیا کے سامنے پیش کیا۔ یہ نظام غیر فطری اور پہلے نظام سے زیادہ ظالمانہ تھا۔ اس لیے نہ صرف یہ نظام ناکام ہوا بلکہ روس جیسی عظیم مملکت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ اس طرح ان قوموں نے ایک دوسرے پر ظلم کیا۔ لہٰذا سودی نظام قوم اور معاشرے کے لیے مہلک ہے۔ انہی اخلاقی اور معاشی برائیوں کی وجہ سے سودی نظام کو اپنے آپ پر ظلم کرنے اور اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ قرار دیا گیا ہے۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ قَالُوا يَارَسُولَ اللّٰهِ وَمَاهُنَّ قَالَ اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَكْلُ الرِّبَا وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ وَالتَّوَلِّيْ يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ»

(رواہ البخاری: کتاب الوصایا، باب قول اللہ تعالی إن الذین یأکلون أموال الیتامی ظلما)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچ جاؤ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ گناہ کون کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق کسی جان کو قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور پاکدامن، مومن، بے خبر عورتوں پر تہمت لگانا۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر سود اور اس کی باقیات کو چھوڑ دیا جائے۔
۲۔ سود نہ چھوڑنے والے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔
۳۔ سود سے توبہ کے بعد اصل مال وصول کیا جائے۔ ۴۔ سود خور نہ ظلم کریں اور نہ ان پر ظلم ہو۔

وَاِنْ	كَانَ	ذُوْ عُسْرَةٍ	فَنَظِرَةٌ	اِلٰى	مَيْسَرَةٍ	وَاَنْ	تَصَدَّقُوْا
اور اگر	ہو	تنگدست	تو مہلت	تک	کشادگی	اور یہ کہ	تم بخش دو
خَيْرٌ	لَّكُمْ	اِنْ	كُنْتُمْ	تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨٠﴾	وَاتَّقُوْا	يَوْمًا	تُرْجَعُوْنَ
بہت بہتر	تمہارے لیے	اگر	ہو تم	جانتے	اور تم ڈرو	دن	تم لوٹائے جاؤ گے
فِيْهِ	اِلَى	اللّٰهِ	ثُمَّ	تُوَفّٰى	كُلُّ	نَفْسٍ	مَّا
اس میں	طرف	اللہ	پھر	پورا دیا جائے گا	ہر	شخص	جو
كَسَبَتْ	وَهُمْ	لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٨١﴾					
اس نے کمایا	اور وہ	ظلم نہ کیے جائیں گے					

''اور اگر کوئی مقروض تنگ دست ہو تو اسے کشادگی تک مہلت دینی چاہیے اور قرض معاف کر دینا تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جان جاؤ۔ (۲۸۰) اور اس دن سے ڈرو جس دن سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر کسی کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' (۲۸۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ضرورت مند پر صدقہ کیا جائے یا قرضِ حسنہ کے ساتھ اس سے تعاون کیا جائے اس لیے سود کی حرمت ومذمت کرنے کے بعد تجارت کے مسائل بیان ہو رہے ہیں۔

قرضِ حسنہ کے بارے میں حکم ہے کہ اگر مقروض کوشش کے باوجود قرض کی ادائیگی کا اہتمام نہ کر سکے تو اسے مہلت دینا ہوگی۔ اگر قرض معاف ہی کر دیا جائے تو یہ صاحبِ مال کے لیے بہت ہی بہتر ہوگا۔ یہاں فکرِ آخرت کے حوالے سے سمجھایا جا رہا ہے کہ اے مالدارو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو یہ سب کچھ یہیں کا یہیں رہ جائے گا اور بالآخر تم نے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہونا ہے اگر تم قرض معاف کر دو یا تنگ دست کو مہلت دو تو دونوں صورتوں میں تمہیں پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ یہاں ''کُلُّ نَفْسٍ'' کا لفظ استعمال فرما کر قرض دہندہ کو بھی ہدایت کی گئی ہے کہ اگر جان بوجھ کر قرض کی ادائیگی میں تاخیر کی تو یہ اللہ کے ہاں ظلم تصور ہوگا۔

''حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا کسی آدمی پر قرض تھا جب اس کے پاس قرض لینے جاتے تو وہ آگے پیچھے ہو جاتا۔ ایک دن وہ اس کے گھر گئے تو ایک بچہ نکلا حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے بچے سے اس آدمی کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے کہا وہ گھر میں کھانا کھا رہا ہے انہوں نے آواز دی کہ اے فلاں! باہر آؤ مجھے پتہ چلا ہے کہ تم گھر میں ہو۔ وہ آدمی آیا تو انہوں نے پوچھا کہ تو مجھ سے کیوں غائب ہو جاتا ہے؟ اس نے کہا میں تنگدست ہوں اور میرے پاس کچھ بھی نہیں۔

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا اللہ کی قسم! کیا تو واقعی تنگدست ہے؟ اس نے کہا ہاں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے روتے ہوئے کہا میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس شخص نے اپنے قرض دار پر نرمی کی یا اس کا قرض معاف کر دیا تو وہ قیامت کے دن عرش کے سایہ تلے ہوگا۔'' (رواہ احمد: کتاب باقی مسند الأنصار، باب حدیث أبی قتادہ [صحیح])

«عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ کَانَ تَاجِرٌ یُدَایِنُ النَّاسَ فَإِذَا رَأٰی مُعْسِرًا قَالَ لِفِتْیَانِهٖ تَجَاوَزُوْا عَنْهُ لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ یَتَجَاوَزَ عَنَّا فَتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهُ» (رواہ البخاری: کتاب البیوع، باب من أنظر معسرا)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ایک تاجر لوگوں سے لین دین کرتا تھا۔ جب وہ کسی تنگدست کو دیکھتا تو اپنے خادموں سے کہتا کہ اسے معاف کر دو شاید اللہ ہمیں معاف فرما دے تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا۔''

«عَنْ کَعْبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ تَقَاضَی ابْنَ أَبِیْ حَدْرَدٍ دَیْنًا کَانَ لَهٗ عَلَیْهِ فِی الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتّٰی سَمِعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ فِیْ بَیْتِهٖ فَخَرَجَ إِلَیْهِمَا حَتّٰی کَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهٖ فَنَادٰی یَا کَعْبُ! قَالَ لَبَّیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ضَعْ مِنْ دَیْنِكَ هٰذَا وَأَوْمَأَ إِلَیْهِ أَیِ الشَّطْرَ قَالَ لَقَدْ فَعَلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ قُمْ فَاقْضِهٖ» (رواہ البخاری: کتاب الصلوۃ، باب التقاضی والملازمۃ فی المسجد)

''حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے کچھ ادھار لینا تھا۔ میں نے مسجد میں اس کا مطالبہ کیا۔ ہماری آوازیں سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرہ کا پردہ ہٹا کر گھر سے نکلتے ہوئے فرمانے لگے اے کعب! میں نے عرض کیا: لبیک یارسول اللہ! فرمایا: اسے آدھا قرض معاف کر دو میں نے آدھا معاف کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی حدرد کو حکم دیا جاؤ باقی قرض واپس کرو۔''

«عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَطْلُ الْغَنِیِّ ظُلْمٌ فَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُکُمْ عَلٰی مَلِیٍّ فَلْیَتْبَعْ»

(رواہ البخاری: کتاب الحوالات، باب الحوالۃ وھل یرجع فی الحوالۃ)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صاحبِ استطاعت کا قرض واپس کرنے سے ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ جب مہلت کا مطالبہ کیا جائے تو قرض دار کو اسے مہلت دینی چاہیے۔''

مسائل

۱۔ مقروض کو مہلت دینا یا اسے معاف کر دینا بہتر ہے۔ ۲۔ ہر کسی نے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ ۴۔ ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزا ملے گی کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى

اے جولوگ ایمان لائے جب تم لین دین کرو آپس میں قرض کے ساتھ تک ایک مدت مقررہ

فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ

تو اسے لکھ لیا کرو اور چاہیے کہ لکھے تمہارے درمیان کاتب عدل سے اور نہ انکار کرے کاتب یہ کہ

يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ

وہ لکھے جیسے اس کو سکھایا اللہ تو چاہیے کہ وہ لکھ دے اور چاہیے کہ لکھوائے وہ جو اس پر حق اور چاہیے کہ وہ ڈرے

اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا

اللہ اسکا رب اور نہ وہ کم کرے اس سے کچھ پھر اگر ہو وہ جو اس پر حق بے عقل

اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ

یا کمزور یا نہیں قدرت رکھتا یہ کہ لکھوائے وہ تو چاہیے کہ لکھوائے اس کا سرپرست عدل کے ساتھ

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ

اور گواہ کر لو تم دو گواہ سے تمہارے مرد پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد

وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ

اور دو عورتیں ان میں سے جو تم پسند کرو سے گواہ (جمع) یہ کہ بھول جائے ان میں سے ایک تو یاد دلا دے

''اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے مقرر میعاد پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور لکھنے والے کو انصاف سے لکھنا چاہیے اور کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے سکھایا ہے، پس اسے لکھ دینا چاہیے اور جس کے ذمے حق ہو وہ لکھوائے اور اپنے اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور اصل میں سے کچھ کم نہ کرے، ہاں جس کے ذمے حق ہے اگر وہ نادان یا کمزور یا لکھوانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوا دے اور تم اپنے میں سے دو مرد گواہ کر لو اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرو تا کہ ایک کی بھول جائے تو اُسے دوسری یاد کرا دے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: سود کی لعنت تین طریقوں سے ختم ہو سکتی ہے صدقہ، قرض دینا اور تجارت بڑھانا لہٰذا قرض اور تجارت کے معاملات کو ضبطِ تحریر میں لانے کی ہدایات جاری کی جا رہی ہیں۔

اسلام کی منشا یہ ہے کہ جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد مال ہو یا وہ کسی سبب سے خود تجارت نہیں کر سکتا تو اس کے لیے دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ مالی لحاظ سے کمزور بھائی پر صدقہ کرے یا اس کو قرضِ حسنہ دے۔ یہاں قرض کا لین دین کرنے والوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ قرض کی میعاد اور اس کے متعلقہ معاملات ضبطِ تحریر میں لائیں تا کہ قرض دینے والے کو قانونی تحفظ حاصل ہونے

اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا

ان میں سے ایک دوسری اور نہ انکار کریں گواہ (جمع) جب بھی وہ بلائے جائیں اور نہ تم سستی کرو

اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ

یہ کہ تم لکھواسکو چھوٹا یا بڑا تک اسکی میعاد یہ بہت انصاف نزدیک اللہ

وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً

اور زیادہ درست گواہی کے لیے اور زیادہ قریب یہ کہ نہ تم شک میں پڑو سوائے یہ کہ ہو تجارت نقد

تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا

جسے تم لیتے دیتے ہو آپس میں تو نہیں تم پر کوئی گناہ یہ کہ نہ تم لکھواس کو اور تم گواہ کرلو جب

تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ۬ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ

تم آپس میں سودا کرو اور نہ نقصان پہنچایا جائے لکھنے والا اور نہ گواہ اور اگر تم ایسا کروگے تو بیشک یہ

فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

گناہ تم پر اور تم ڈرو اللہ اور سکھاتا ہے تمہیں اللہ اور اللہ ہر چیز خوب جاننے والا

اور گواہ جب بلائے جائیں تو وہ انکار نہ کریں اور قرض جس کی مدت مقرر ہے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ لکھنے میں سستی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بہت انصاف والی اور گواہی کو بھی درست رکھنے والی اور شک وشبہ سے بھی زیادہ بچانے والی ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ معاملہ نقد تجارت کی شکل میں ہو جو آپس میں تم لین دین کرتے ہو تو تم پر اس کے نہ لکھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ خرید وفروخت کے وقت بھی گواہ مقرر کرلیا کرو۔ اور نہ تو کاتب کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو اور اگر تم یہ کروگے تو یہ تمہاری نافرمانی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اللہ تمہیں تعلیم دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔'' (۲۸۲)

کے ساتھ یہ اطمینان ہو کہ اس کی رقم کسی حقیقی سبب کے بغیر ضائع نہیں ہوگی۔ اس سے قرض دار کو بروقت ادائیگی کا احساس دلانے کے ساتھ اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ قرض دینے والے محسن کا احسان ذہن میں رکھتے ہوئے مقررہ میعاد تک پائی پائی واپس کرنے کی کوشش کرے۔ ان دستاویزات کو مکمل قانونی شکل اور تحفظ دینے کے لیے دو ایسے گواہ ہونے چاہییں جن پر فریقین کا پورا پورا اعتماد ہو اور اگر مردوں میں دو مناسب گواہ نہ مل سکیں تو پھر دو عورتیں ایک مرد کی گواہی کے قائم مقام شہادت دیں گی تاکہ اگر ایک عورت اپنا بیان دیتے ہوئے کوئی بات بھول جائے تو دوسری عورت اسے یاد کروا دے۔ ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کی گواہی کو برابر ٹھہرایا گیا ہے کیونکہ عورتیں مالی معاملات میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتیں اور نہ ہی اسلامی معاشرے میں معیشت کی ذمہ داری عورتوں پر ڈالی گئی ہے۔ اس بنا پر ان کا مالی معاملات سے پوری طرح واقف نہ ہونا فطری اور شرعی امر ہے۔ جس کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے دو عورتوں کی گواہی مرد کی ایک گواہی کے برابر ٹھہرائی گئی ہے۔ بعض لوگ اسلام

دشمن عناصر سے متاثر ہوکر یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ عورت کی نصف گواہی کے اصول میں عورت کی تذلیل پائی جاتی ہے۔ حالانکہ اس طرح عورت کو بہت بڑی ذمہ داری سے سبک دوش اور کئی الجھنوں سے بچایا گیا ہے۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے عورت خاتونِ خانہ ہے یہ کس طرح مناسب ہوسکتا ہے کہ ایک پردہ نشین، باحیا اور کاروباری معاملات سے لاتعلق خاتونِ خانہ کو تھانوں، کچہریوں اور مردوں کے کاروباری معاملات میں پھنسایا جائے؟ یہ اصول عورت کو تکریم اور تحفظ فراہم کرتا ہے کہ ایک خاتونِ خانہ کیوں عدالت میں فریقین کے سامنے وکلاء کے اوٹ پٹانگ سوالات کا نشانہ بنے؟ عدالت کے ماحول میں تو بڑوں بڑوں کے حواس گم ہوجاتے ہیں جب آپ یکا یک بھری محفل یا عدالت میں خاتونِ خانہ کو لا کھڑا کریں گے تو اس کے ذہن پر ماحول کا دباؤ اور منفی اثرات کا مرتب ہونا ایک طبعی اور فطری اَمر ہے۔ قرآنِ مجید نے عورت کے ساتھ خیر خواہی کرتے ہوئے ایک کی بجائے دو عورتوں کو رکھا۔ اکیلی عورت عدالت میں جانے کی بجائے اپنی ہم جنس کے ساتھ پہنچے تا کہ آنے جانے، عدالت میں بیٹھنے اُٹھنے، جرح کے وقت اور عدالتی وقفے کے دورانیہ میں وہ اپنی ساتھی عورت سے مشورہ اور وقت گزارنے کے لیے بات چیت کرسکے۔ پھر یہ بات بھی میڈیکل سائنس نے ثابت کی ہے کہ عورتوں کی غالب اکثریت مردوں کے مقابلے میں دماغی لحاظ سے کمزور واقع ہوئی ہے۔ اس لیے اگر وہ گواہی دیتے بھول جائے تو دوسری عورت اس کو یاد کروائے تا کہ اس طرح ایک دوسرے کی معاون بنتے ہوئے گواہی ٹھیک طرح سے دے سکیں۔

«عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ أَضْحٰى أَوْفِطْرٍ إِلَي الْمُصَلّٰي فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ يَامَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنِّيْ أُرِيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَبِمَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ مَارَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ قُلْنَ وَمَانُقْصَانُ دِيْنِنَا وَعَقْلِنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلٰي قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰي قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا» (رواہ البخاری: کتاب الحیض، باب ترک الحائض الصوم)

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے لیے عیدگاہ کی طرف نکلے عورتوں کے پاس سے گزرے تو فرمایا اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو۔ مجھے جہنم میں تمہاری اکثریت دکھلائی گئی ہے۔ عورتوں نے کہا اللہ کے رسول! کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا: تم اکثر لعنت کرتی اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے عقل اور دین کے اعتبار سے تم سے بڑھ کر کسی کو کم عقل نہیں دیکھا جو ایک عقلمند آدمی کو حواس باختہ کر دے۔ عورتوں نے پوچھا اللہ کے رسول! ہماری عقل اور دین میں کیا کمی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیا ایک عورت کی گواہی مرد کے مقابلے میں آدھی نہیں؟ عورتوں نے کہا ایسے ہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تمہاری کم عقلی ہے۔ دوبارہ پوچھا کہ کیا ایسے نہیں کہ عورت حائضہ ہوجائے تو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزے رکھتی ہے۔ عورتوں نے کہا ہاں ایسے ہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تمہارے دین میں کمی ہے۔“

یاد رہے کہ حائضہ عورت کو ان ایام میں نماز معاف ہے لیکن روزے بعد میں پورے کرے گی۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اسلام میں ہر معاملہ میں عورت کی آدھی گواہی مقرر نہیں کی گئی بلکہ کئی ایسے معاملات ہیں جن میں عورت کی گواہی مرد کے مقابلے میں زیادہ ثقہ اور مکمل سمجھی گئی ہے۔ مثال کے طور پر رضاعت اور حمل کے معاملات۔ عورت کی آدھی گواہی کے بارے میں سورۂ نور میں بحث ہوگی۔ (ان شاءاللہ)

نظام عدالت، معاملات اور مقدمات کو صحیح خطوط پر چلانے کے لیے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ گواہوں کو گواہی دینے سے بلا عذر شرعی انکار نہیں کرنا چاہیے۔ کاروباری معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کے لکھنے کا اہتمام کرنا، حصولِ انصاف اور معاملات کو صحیح خطوط پر استوار رکھنے کا بہترین طریقہ ہے۔ کاروباری معاملہ دست بدست اور نقد ہونے کی صورت میں اگر تحریر نہ ہو سکے تو اس میں کوئی حرج نہیں تاہم بہتری اسی میں ہے کہ اسے بھی کیش میمو، رسید، یا کسی شکل میں ریکارڈ میں لایا جائے۔ جس سے نہ صرف کاروباری الجھنوں سے بچا جا سکتا ہے بلکہ مسلمانوں کو اپنی تجارت کا سالانہ اندازہ کرنے اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں آسانی پیدا ہوگی۔ یہاں یہ بھی فرمایا کہ معاہدہ ضبطِ تحریر میں لاتے ہوئے کاتب کو لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی اسے اس صلاحیت سے نوازا ہے۔ اس لیے اس کا فرض بنتا ہے کہ وہ عدل و انصاف کے اصول پیشِ نگاہ رکھے۔ معاہدہ لکھوانا مقروض کی ذمّہ داری ہے۔ اگر مقروض کم عقل، کمزور یا املاء نہ کروا سکتا ہو تو اس کا ولی یا وکیل معاہدہ تحریر کروائے تاکہ کسی کمی بیشی کا امکان اور الزام کا موقع پیدا نہ ہو سکے۔ اس طرح فریقین کو اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہوئے ہر قسم کی خیانت سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ کاتب اور گواہوں کو کسی صورت تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے اسی بنا پر دانشورانِ اسلام نے لکھا ہے کہ کاتب کے آنے جانے اور کھانے پینے کے اخراجات بھی ادا کرنے ہوں گے۔ جو کوئی ان قواعد کی خلاف ورزی کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہوگا لہٰذا ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر قرآنِ مجید کے ضابطوں کے مطابق اپنے معاملات طے کرنے چاہئیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اصول سمجھانے کا مقصد ہی یہی ہے کہ مسلمان اپنے معاملات کو صحیح سمت پر چلائیں اور یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کو ایک ایک لمحہ اور ہر چیز کا علم ہے۔

مسائل

۱۔ ادھار کا معاملہ ضبطِ تحریر میں لانا چاہیے۔ ۲۔ کاتب کو انکار کرنے کے بجائے انصاف کے ساتھ تحریر کرنا چاہیے۔

۳۔ معاہدہ لکھوانے کا حق قرض دار کو ہے۔ ۴۔ گواہوں کو گواہی سے انکار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

۵۔ نادان، کمزور، اور معذور کی طرف سے اس کا وکیل عدل کے ساتھ تحریر کروائے۔ ۶۔ تحریر میں کمی و بیشی نہیں کرنی چاہیے۔

۷۔ فریقین کی طرف سے مردوں میں سے دو گواہ ہونے چاہئیں۔ ۸۔ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوگی۔

۹۔ معاہدہ کے مطابق انصاف کے ساتھ چھوٹے بڑے معاملے کو لکھنا چاہیے۔

۱۰۔ معاملہ کو درست رکھنے کا بہترین طریقہ اسے تحریر کرنا ہے۔ ۱۱۔ نقد لین دین کو نہ لکھا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

۱۲۔ کاتب اور گواہ کو تکلیف سے بچانا چاہیے۔ ۱۳۔ معاہدہ میں گڑبڑ کرنا اور کاتب و گواہ کو تکلیف دینا اللہ کی نافرمانی کرنا ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ

اور اگر | تم ہو | پر | سفر | اور نہ | تم پاؤ | لکھنے والا | تو گروی رکھنا

مَّقْبُوْضَةٌ ط فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ

قبضہ میں دی ہوئی | پھر اگر | اعتبار کرے | تمہارا بعض | بعض کا | تو چاہیے کہ ادا کر دے | وہ جو | امین بنایا گیا

اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ط وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ط وَمَنْ يَّكْتُمْهَا

اس کی امانت | اور چاہیے کہ وہ ڈرے | اللہ | اسکا رب | اور تم نہ چھپاؤ | گواہی | اور جو | اسے چھپائے گا

ع ٣٩ / ٧ فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ع ﴿٢٨٣﴾

تو بیشک وہ | گنہگار | اس کا دل | اور اللہ | اسے جو | تم کرتے ہو | خوب جاننے والا

''اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو بطور گروی کوئی چیز قبضہ میں رکھ لیا کرو۔ ہاں اگر آپس میں ایک دوسرے پر اطمینان ہو تو جسے امانت دی گئی ہے وہ اسے ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے۔ اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص گواہی کو چھپائے گا تو بے شک اس کا دل گنہگار ہوگا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔'' (۲۸۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ ہدایات۔

اگر سفر کے دوران ادھار لینے کی نوبت پیش آئے تو کاتب کی عدم موجودگی اور باہمی اعتماد نہ ہونے کی صورت میں قرض لینے والے کی کوئی چیز گروی رکھی جا سکتی ہے۔

«عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتِ اشْتَرٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ يَهُوْدِيٍّ طَعَامًا بِنَسِيْئَةٍ وَرَهَنَهٗ دِرْعَهٗ»

(رواہ البخاری: کتاب البیوع، باب شراء الإمام الحوائج بنفسها)

''حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے کچھ مدت کے لیے غلہ حاصل کیا اور اپنی لوہے کی زرہ اس کے پاس بطور رہن رکھی۔'' یاد رکھیں کہ (آپ ﷺ کا کسی سے اپنی ذات کیلیے قرض لینا ثابت نہیں۔ بیت المال کمزور ہونے کی وجہ سے آپ غریب مسلمانوں کے لیے قرض لیتے تھے)۔''

جو چیز کسی کے ہاں گروی رکھی جائے اس کا عارضی مالک اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اگر یہ فائدہ اٹھائے گا تو وہ بھی سود کے زمرے میں سمجھا جائے گا سوائے اس کے کہ اگر کوئی جانور وغیرہ ہو تو اس کا دودھ پینا یا اس پر سواری کرنا اس کے لیے جائز ہے کیونکہ وہ اس جانور کے چارے کا انتظام کرتا ہے۔

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلرَّهْنُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهٖ إِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهٖ إِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَعَلَى الَّذِيْ يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ» (رواہ البخاری: باب الرہن مرکوب ومحلوب)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے گروی چیز پر خرچ کرنے کی وجہ سے سواری کی جاسکتی ہے جب اسے گروی رکھا جائے اور دودھ والے جانور کا دودھ جانور کو چارہ کھلانے کی وجہ سے پیا جاسکتا ہے۔ جب اس قسم کا جانور گروی رکھا جائے تو سواری کرنے یا دودھ پینے والے پر اسے چارہ کھلانا ہے۔''

سفر سے گھر پہنچنے اور معاملے کی میعاد پوری ہو جانے کے بعد یہ گروی شدہ چیز مالک کو صحیح سالم واپس لوٹانا ہوگی۔ آخر میں پھر حکم دیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو وہی تمہارا پالنہار اور مالک ہے۔

لہٰذا گواہی کو ہرگز نہ چھپایا جائے۔ جو شخص شہادت کو چھپائے گا یقیناً اس کا دل گناہ سے آلودہ ہو چکا ہے۔ گویا کہ وہ گندے دل کا مالک ہے اور ایسے دل والے سے ہر گناہ کی توقع کی جاسکتی ہے۔ گواہی چھپانے والے کے لیے اس لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے کہ اس کے شہادت چھپانے کی وجہ سے حق دار کی حق تلفی کا خطرہ اور نظامِ عدل کے ناکام ہو جانے کا انتہائی خطرہ ہے کیونکہ عدالت شرعی ہو یا غیر شرعی اس کا دارو مدار بالآخر شہادت پر ہی قائم ہے۔ شہادت چھپانے والے نے گویا کہ نظامِ عدل کی بنیاد اکھاڑ ڈالی ہے لہٰذا ایسے لوگوں کو ادراک ہونا چاہیے کہ جو بھی وہ حرکت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بخوبی واقف ہے۔

«عَنْ أَبِي بَكْرَةَ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَلاَ أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ قُلْنَا بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ فَقَالَ أَلاَ وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ أَلاَ وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ فَمَا زَالَ يَقُولُهَا حَتَّى قُلْتُ لاَ يَسْكُتُ» (رواہ البخاری: باب عقوق الوالدین من الکبائر)

''حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں بدترین کبیرہ گناہ نہ بتاؤں؟ ہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ ضرور بتائیں فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا۔ آپ لیٹے ہوئے تھے پھر اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا سنو جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی دینا، آپ یہ الفاظ بار بار دہراتے چلے گئے یہاں تک کہ میں نے سوچا شاید آپ خاموش نہیں ہوں گے۔''

مسائل

۱۔ حالتِ سفر میں کاتب نہ ملنے کی صورت میں کوئی چیز گروی رکھی جاسکتی ہے۔ ۲۔ مدّت مکمل ہونے کے بعد امانت واپس لوٹانا لازم ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے کو شہادت نہیں چھپانی چاہیے۔ ۴۔ شہادت چھپانے والے کا دل گنہگار رہتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

سچی گواہی:

۱۔ سچی گواہی دینے کا حکم ہے۔ (المائدۃ: ۸) ۲۔ سچی گواہی چھپانے کا گناہ۔ (البقرۃ: ۲۸۳)
۳۔ گواہی چھپانے والے ظالم ہیں۔ (البقرۃ: ۱۴۰) ۴۔ جھوٹی گواہی سے بچنے والوں کی تعریف۔ (الفرقان: ۷۲)
۵۔ گواہی پر قائم رہنے والوں کی جنت میں تکریم ہوگی۔ (المعارج: ۳۳)

لِلّٰهِ	مَا	فِي	السَّمٰوٰتِ	وَمَا	فِي	الْاَرْضِ ؕ	وَاِنْ
اللہ کیلئے	جو	میں	آسمانوں	اور جو	میں	زمین	اور اگر

تُبْدُوْا	مَا	فِيْٓ	اَنْفُسِكُمْ	اَوْ تُخْفُوْهُ	يُحَاسِبْكُمْ	بِهِ
تم ظاہر کرو	جو	میں	تمہارے دلوں	یا تم اسے چھپاؤ	وہ تم سے حساب لے گا	اس کا

اللّٰهُ ؕ	فَيَغْفِرُ	لِمَنْ	يَّشَآءُ	وَيُعَذِّبُ	مَنْ	يَّشَآءُ ؕ
اللہ	پھر وہ بخش دیگا	جس کو	وہ چاہے گا	اور وہ عذاب دیگا	جس کو	وہ چاہے گا

وَاللّٰهُ	عَلٰى	كُلِّ	شَيْءٍ	قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾
اور اللہ	پر	ہر	چیز	خوب قدرت رکھنے والا

”آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے۔ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے تم ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تعالیٰ اس کا تم سے حساب لے گا۔ پھر جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“ (۲۸۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: صدقہ کرنے، قرضِ حسنہ دینے اور سود سے دست کش ہونے کے لیے ضروری ہے کہ انسان یہ تسلیم کرے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اس لیے مجھے حقیقی مالک کی مرضی کے مطابق لین دین اور مالی معاملات کو چلانا چاہیے۔

عام طور پر شہادت کسی مفاد یا خوف کی وجہ سے ہی چھپائی جاتی ہے جس سے عدالتی نظام کے بگاڑ کے ساتھ حق دار اپنے حق سے محروم ہو جاتا ہے۔ شہادت چھپانے والے کو یہاں یہ باور کرایا گیا ہے کہ شہادت چھپانے سے پہلے تجھے ہزار بار سوچنا چاہیے کہ یہ وقتی مفاد یا عارضی خوف ہے۔ جبکہ نفع و نقصان اور زمین و آسمان کی ہر چیز کا اصلی مالک اللہ تعالیٰ ہے جو ہر کسی کے مفاد اور کمزور کی حفاظت کرنے والا ہے۔ لوگو! کوئی چیز تم اپنے دلوں میں چھپاؤ یا اسے ظاہر کرو اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ کرے گا اور جسے چاہے معاف کرے اور جسے چاہے عذاب دے گا۔ اللہ تعالیٰ ذرّے ذرّے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ گواہی سوچ سمجھ کر دینا کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو جانتا ہے کہ تم ہارا ظاہر کیا ہے اور تم دل میں کیا چھپائے ہوئے ہو۔ یہاں دلوں کے خیالات پر محاسبے کا ذکر ہوا ہے۔ اس کے متعلق قرآن وحدیث میں دو قسم کے اصول بیان ہوئے ہیں۔

اگر کوئی شخص کفر، شرک، نفاق، حسد، کینہ اور ریاکاری کے خیالات دل میں جمائے رکھتا ہے تو ان پر صرف محاسبہ ہوگا۔ باقی خیالات معاف کر دیئے جائیں گے۔

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِیْ مَاحَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا مَالَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ)) (رواہ البخاری: باب الطلاق فی الإغلاق والکرہ والسکران والمجنون)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان فرماتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لوگوں کے دلوں کے وسوسے اس وقت تک کے لیے معاف کردیے ہیں جب تک وہ ان پر عمل نہ کریں یا ان کے مطابق کلام نہ کی جائے۔‘‘

دل کی پاکیزگی کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی دعائیں:

«عَنْ أُمِّ مَعْبَدٍ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِيْ مِنَ الرِّيَاءِ وَلِسَانِيْ مِنَ الْكَذِبِ وَعَيْنِيْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ»

(رواہ بیہقی: باب دعوات الکبیر [صحیح])

’’حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا اے اللہ! میرے دل کو نفاق سے، میرے عمل کو دکھلاوے سے، میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھوں کو خیانت سے پاک کردے یقیناً تو آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے راز جانتا ہے۔‘‘

«عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَدْعُوْ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ وَالْقَسْوَةِ وَالْغَفْلَةِ وَالذِّلَّةِ وَالْمَسْكَنَةِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْكُفْرِ وَالشِّرْكِ وَالنِّفَاقِ وَالسُّمْعَةِ وَالرِّيَاءِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الصَّمَمِ وَالْبُكْمِ وَالْجُنُوْنِ وَالْبَرَصِ وَالْجُذَامِ وَسَيِّئِ الْأَسْقَامِ»

(صحیح ابن حبان: کتاب الرقائق، باب الأدعیة [صحیح])

’’حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ دعا کرتے ہوئے فرماتے اے اللہ! بے شک میں تجھ سے بے بسی، سستی، بخیلی، بڑھاپا، سختی، غفلت، ذلت اور مسکنت سے پناہ مانگتا ہوں اور میں تجھ سے فقر، کفر، شرک، نفاق اور ریاکاری سے مانگتا ہوں اور بہرے پن، گونگے پن، جنون، پھلبہری، کوڑھ اور بری بیماریوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔‘‘

مسائل

۱۔ زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ کے لیے ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کا احتساب کرے گا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا معاف کرے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ

ایمان لایا | رسول | اس کے ساتھ جو | اتارا گیا | اس کی طرف | سے | اس کا رب | اور مومن (جمع)

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ

سب | ایمان لائے | اللہ پر | اور اس کے فرشتے (جمع) | اور اس کی کتابیں | اور اس کے رسول | نہیں | ہم فرق کرتے

بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ

درمیان | کسی ایک | سے | اس کے رسولوں | اور انہوں نے کہا | ہم نے سنا | اور ہم نے اطاعت کی | تیری بخشش

رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

ہمارے رب | اور تیری طرف | لوٹ کر جانا

”رسول اس چیز پر ایمان لایا جو اس کی طرف اللہ کی طرف سے اتاری گئی اور مومن بھی ایمان لائے۔ سب مومن اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم تفریق نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش کے طلب گار ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔“ (۲۸۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سورۃ البقرۃ کی ابتدا ایمانیات سے ہوئی اختتام بھی انہی ہدایات سے کیا گیا ہے جب ہر چیز کا مالک اللہ ہے اور وہی گناہوں کو معاف فرمانے اور سزا دینے والا ہے تو اسی پر ایمان لاؤ جس پر کائنات کی عظیم ہستی حضرت محمد ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان لائے۔

سورۃ البقرۃ کے آغاز میں ایمان کے بنیادی ارکان کا ذکر ہوا ہے اب اس سورۂ مبارکہ کا اختتام بھی عقائد کے بیان سے ہو رہا ہے تاکہ معلوم ہو کہ ایمانِ کامل کے بغیر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہونا اور ان کی قبولیت ناممکن ہے۔ ابتدا میں اہلِ ایمان کے حوالے سے دین کے بنیادی عقائد کا ذکر تھا اور اب رسول اللہ ﷺ کی ذات پر اختتام کیا جا رہا ہے کہ یہ وہ عقائد، نظریات، اصول اور احکام ہیں جن پر میرا رسول محمد ﷺ ایمان لایا اور تمام مومن یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ، اس کے ملائکہ، اس کی نازل کردہ کتب اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ رسول کریم ﷺ اور مومن پہلے رسولوں کے درمیان کسی کی تفریق نہیں کرتے۔ رسولوں کے درمیان فرق نہ کرنے کا معنٰی یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے میں اللہ تعالیٰ کے رسول تھے۔ لیکن اب سب پر حضرت محمد مصطفی ﷺ کی اتباع فرض ہے رسول ﷺ اور مومن ان جذبات کا اظہار کرتے ہیں کہ الٰہی! ہم نے تیرے پیغامات کو سنا اور اس پر ایمان لائے۔ ہمارے رب! ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو معاف کیجیے۔ ہم تیرے حضور ہی حاضر ہونے والے ہیں۔ یہاں دعا کی صورت میں مومنوں کے ایمانی جذبات اور کردار کی ترجمانی کی جا رہی ہے۔ یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اللہ کا رسول سب سے پہلے اپنے رب کے احکام پر ایمان لانے والا اور اس پر عمل کر کے مومنوں کے

لیے نمونہ ہوا کرتا ہے۔ یہی نیک قائد اور مذہبی پیشوا کا عمل ہونا چاہیے تاکہ اپنے اور بیگانے سبھی اسلام کے اصولوں پر عمل کرنے میں رغبت محسوس کریں۔

«عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ بِأَلْفَيْ عَامٍ أَنْزَلَ مِنْهُ آيَتَيْنِ خَتَمَ بِهَا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ وَلَا يُقْرَآنِ فِيْ دَارٍ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَيَقْرَبُهَا شَيْطَانٌ»

(رواہ الترمذی: باب ماجاء فی آخر سورۃ البقرۃ [صحیح])

”نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل ایک کتاب لکھی اس کتاب کی دو آیتیں نازل کیں جن سے سورۃ البقرہ کا اختتام کیا جس گھر میں یہ تین راتیں پڑھی جائیں وہاں شیطان نہیں آتا۔“

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ بَيْنَمَا جِبْرِيْلُ قَاعِدٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ سَمِعَ نَقِيْضًا مِنْ فَوْقِهٖ فَرَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ هٰذَا بَابٌ مِنَ السَّمَاءِ فُتِحَ الْيَوْمَ لَمْ يُفْتَحْ قَطُّ إِلَّا الْيَوْمَ فَنَزَلَ مِنْهُ مَلَكٌ فَقَالَ هٰذَا مَلَكٌ نَزَلَ إِلَى الْأَرْضِ لَمْ يَنْزِلْ قَطُّ إِلَّا الْيَوْمَ فَسَلَّمَ وَقَالَ أَبْشِرْ بِنُوْرَيْنِ أُوْتِيْتَهُمَا لَمْ يُؤْتَهُمَا نَبِيٌّ قَبْلَكَ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ وَخَوَاتِيْمُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ لَنْ تَقْرَأَ بِحَرْفٍ مِنْهُمَا إِلَّا أُعْطِيْتَهٗ» (رواہ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین)

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس دوران انہوں نے ایک زوردار آواز سنی اور اپنا سر اٹھانے کے بعد فرمایا کہ آسمان کا جو دروازہ آج کھولا گیا ہے یہ اس سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا۔ اس دروازے سے ایک ایسا فرشتہ نازل ہوا ہے جو آج سے پہلے زمین پر نہیں اترا۔ اس فرشتے نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اور کہا دونوروں کی خوشخبری سنیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کیے گئے ان میں سے ایک فاتحۃ الکتاب اور دوسرا سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات ہیں۔ آپ ان دونوں میں سے کوئی کلمہ تلاوت کریں گے تو آپ کی مانگی مراد پوری ہوجائے گی۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ، ملائکہ، آسمانی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانا فرض ہے۔ ۲۔ مومن وہ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔

۳۔ مومن بندے سننے، ماننے اور اپنے رب سے معافی طلب کرنے والے ہوتے ہیں۔ ۴۔ ہر نفس نے اللہ تعالیٰ کی طرف ہی پلٹنا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء علیہم السلام کے درمیان فرق نہیں کرنا چاہیے:

۱۔ اللہ اور اس کے رسولوں میں مومن فرق نہیں کرتے۔ (النساء: ۱۵۲) ۲۔ رسولوں کے درمیان فرق کرنا کفر ہے۔ (البقرۃ: ۲۸۵)

۳۔ کافر اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرتے ہیں۔ (النساء: ۱۵۰)

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ
نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی جان کو مگر اس کی طاقت اس کے لیے جو اس نے کمایا
وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ
اور اس پر جو اس نے کمایا اے ہمارے رب نہ تو پکڑ ہمیں اگر ہم بھول جائیں
اَوْ اَخْطَاْنَا ج رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا
یا ہم خطا کریں اے ہمارے رب اور نہ ڈال ہم پر بوجھ جیسے
حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا
تو نے ڈالا پر جو لوگ سے ہم سے پہلے اے ہمارے رب اور نہ ہم سے اٹھوا جو
لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ج وَاعْفُ عَنَّا وقفة وَاغْفِرْ لَنَا وقفة وَارْحَمْنَا وقفة اَنْتَ
نہیں طاقت ہم کو اس کی اور درگزر فرما ہم سے اور بخش دے ہمیں اور ہم پر رحم فرما تو
مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ؏ ﴿٢٨٦﴾
ہمارا آقا ہے پس مدد کر ہماری پر قوم کافر (جمع)

ع ٣٨

''اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، جو نیکی کرے وہ اسی کے لیے ہے اور جو برائی کرے اس کا بوجھ اسی پر ہے۔ اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں تو ہماری گرفت نہ کرنا۔ اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈالنا جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو، ہم سے درگزر فرما اور ہمیں معاف فرما دے۔ اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہی ہمارا مالک ہے اور ہمیں کفار پر غلبہ عطا فرما۔'' (٢٨٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ایمان لانا اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا مشکل کام نہیں۔ یہ عین انسان کی فطرت اور اس کی وسعتِ ہمت کے مطابق ہے ان پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بخشش، رحمت اور مدد طلب کرنی چاہیے یہی اسلام کے غلبہ اور کفار پر فتح پانے کا منظم طریقہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس سورۃ کے اختتام میں ازراہِ کرم اپنے بندوں کے لیے یہ وضاحت فرماتا ہے کہ تمہارے رب نے جو احکام نازل فرمائے ہیں۔ وہ ایسے نہیں کہ کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا گیا ہو۔ لہٰذا جو ان کے مطابق عمل کرے گا اس کا اسی کو فائدہ پہنچے گا اور جس نے ان احکامات کی مخالفت کی وہ اس کا خمیازہ بھگتے گا۔ مومن وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے کے باوجود اس کی بارگاہ میں فریاد کرتے ہیں کہ اے ہمارے خالق و مالک! اگر ہم سے بھول یا دانستہ خطا ہو جائے

تو ہمیں اپنی گرفت سے بچائے رکھنا۔ اے ہمارے پالنہار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالنا جس طرح پہلے لوگوں پر ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ڈالا گیا تھا۔ مومن تو اپنے رب کے حضور دست بستہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم سے غلطی ہو جائے تو اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیو۔ جس کی ہم میں ہمت نہ ہو۔ الٰہی! ہم سے درگزر کر، ہماری خطاؤں کو معاف فرما اور ہم پر رحم کر۔ تو ہی تو ہمارا مولا ہے اور کافروں کے مقابلے میں ہماری نصرت وحمایت فرما۔ آمین۔

«عَنْ فَرْوَةَ بْنِ نَوْفَلٍ نِ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا عَمَّا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَدْعُوْ بِهِ اللّٰهَ قَالَتْ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَالَمْ أَعْمَلْ»

(رواہ مسلم: کتاب الذکر والدعاء، باب التعوذ من شر ما عمل ومن شر مالم یعمل)

”حضرت فروہ بن نوفل اشجعی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا آپ دعا کیا کرتے تھے اے اللہ! میں نے جو کام کیے اور جو نہیں کیے ان کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔“

«عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ عَامَّةُ دُعَاءِ نَبِيِّ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَاأَخْطَأْتُ وَمَا تَعَمَّدْتُّ وَمَاأَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا جَهِلْتُ وَمَا تَعَمَّدْتُّ»

(رواہ احمد: باب مسند عمران بن حصین [صحیح])

”حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہوا کرتی تھی کہ اے اللہ! میری خطاؤں کو جو میں نے جان بوجھ کر، پوشیدہ، ظاہری، بے علمی سے اور عمداً کی ہیں سب کو معاف فرما۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ ۲۔ ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزاء وسزا ملے گی۔
۳۔ اللہ تعالیٰ سے اپنی خطاؤں اور بھول کی معافی مانگنا اور اس کی سختی سے پناہ طلب کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

دین میں آسانیاں:

۱۔ مریض ومسافر کو روزوں میں تاخیر کرنے کی اجازت۔ (البقرۃ:۱۸۵)
۲۔ نماز میں قصر کرنے کی اجازت ہے۔ (النساء:۱۰۱) ۳۔ رمضان کی راتوں میں مباشرت کی اجازت۔ (البقرۃ:۱۸۷)
۴۔ حج صرف صاحبِ استطاعت پر فرض ہے۔ (آلِ عمران:۹۷)
۵۔ ہمت کے مطابق اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم۔ (التغابن:۱۶)

تفصیل کے لیے میری کتاب ”دین تو آسان ہے“ کا مطالعہ فرمائیں:

سورۃ آلِ عمران

اس سورۂ مبارکہ کا نام آلِ عمران ہے یہ آیت ۳۳ سے لیا گیا ہے۔ حضرت عمران حضرت مریم علیہا السلام کے والدِ گرامی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا محترم ہیں۔ یہ سورۃ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اس کے ۲۰ رکوع اور ۲۰۰ آیات ہیں۔

ربطِ سورۃ:

''الفاتحہ'' کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی توحید سے اور ''البقرۃ'' کا آغاز قرآنِ مجید کے تعارف سے ہوا تھا۔ سورۃ آلِ عمران کی ابتداء ان دونوں مضامین سے ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اسی ذاتِ لم یزل نے یہ کتاب حق اور سچ کے ساتھ نازل فرمائی۔ جس نے تورات اور انجیل کو نازل فرمایا۔ یہ قرآن ان کی تائید وتصدیق کرتا ہے۔

سورۂ آلِ عمران میں توحید کے دو ایسے پہلو نمایاں کیے گئے ہیں جن میں جلالت وجبروت اور اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ زندہ اور قائم رہنا بیان ہوا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ جب کچھ نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ کی ذات اس وقت بھی موجود اور قائم تھی اور جب ہر چیز فنا کے گھاٹ اتر جائے گی تو اس وقت بھی ذاتِ کبریا قائم ودائم ہوگی۔ اس سورۃ کے نازل ہونے کا پسِ منظر یہ ہے کہ نجران کا علاقہ جو یمن کے شمال میں واقع ہے۔ وہاں سے عیسائیوں کا ایک نمائندہ وفد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام اور عیسائیت کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے عقیدے کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیّت میں شامل ہیں۔

اس سورت کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے بارے میں اجمالی اشارے دیے گئے ہیں کہ یہ صفات عیسیٰ علیہ السلام اور کائنات کی کسی چیز میں نہیں پائی جاتیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ہی واحد اور معبودِ برحق ہے۔ وہ اپنی قدرتِ کاملہ سے ماں کے رحم کے اندر جس طرح اور جیسے چاہے بچہ پیدا کرتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کی خالقیت کا ایک نمونہ ہیں۔ اس کے بعد قرآنِ مجید کا تعارف کروایا گیا کہ یہ تورات، انجیل اور ان سے پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآنِ مجید ہدایت کا سرچشمہ ہے لیکن اس سے ہدایت پانے کے لیے چار بنیادی اصول ہیں:

۱۔ قرآن مجید کو ہدایت حاصل کرنے کے لیے پڑھا جائے۔

۲۔ قرآنِ مجید میں غور وخوض کیا جائے۔

۳۔ قرآن مجید کی تشریح وتوضیح کے لیے بنیادی اور مرکزی آیات کو رہنما اصول بنایا جائے۔

۴۔ قرآن مجید پر عمل کیا جائے۔

جو شخص ان اصولوں کو چھوڑ کر قرآنِ مجید کی تشریح وتفسیر کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس کے بھٹکنے کا اندیشہ ہے۔ جس

کے بارے میں اس سورۃ کی ابتدا میں وضاحت کردی گئی ہے کہ جن کے دلوں میں ٹیڑھ اور سوچ میں کجی ہے۔ وہ فرقہ واریت اور فتنہ پروری کے لیے بنیادی آیات کو چھوڑ کر متشابہات کو اپنے فکر کی بنیاد بناتے ہیں حالانکہ متشابہات کا مفہوم اللہ تعالیٰ اور اہلِ علم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

''سورۃ البقرۃ'' میں زیادہ تر یہودیوں کے کردار اور اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جس میں ضمناً عیسائیوں کا ذکر ہوا ہے لیکن اس سورۂ مبارکہ میں خطاب کا رخ عیسائیوں کی طرف ہے جس میں ان کے عقائد ونظریات اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کے شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔

سورۃ البقرۃ میں تحویلِ قبلہ کے مسئلہ کے بعد واضح کیا گیا کہ مسلمانو! تم محض پراپیگنڈہ سے خوفزدہ ہوئے جارہے ہو جب کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دشمن کے خوف، اعزہ واقرباء کی شہادت، مال وجان کے نقصان، بھوک و پیاس اور غربت وافلاس کے ساتھ بہرحال آزمانے والا ہے۔ چنانچہ اُحد میں مسلمانوں کو ان آزمائشوں سے حقیقتاً واسطہ پڑا پھر اُحد کے نتائج اور عارضی شکست پر تفصیلی تبصرہ کرتے ہوئے آخری اصول واضح کیا کہ دنیا میں حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہا کرتے اگر تم سربلند رہنا چاہتے ہو تو تمہیں مسلمان بن کر رہنا ہوگا۔

''سورۃ البقرۃ'' کی ابتدا اور اس کے آخر میں ایمان کے بنیادی ارکان کا ذکر ہوا تھا جس بنا پر اسلام کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ سورۃ آلِ عمران میں یہ ارشاد ہوا کہ ایمان کی مبادیات کی طرح اسلام کی عمارت کے بنیادی ستون بھی ہمیشہ سے ایک رہے ہیں اور اسلام ہی اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ یہی تمہارے لیے ضابطۂ حیات اور دستورِ زندگی ہے۔ جو فرد یا قوم اس کے علاوہ دوسرا راستہ تلاش کرے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کے نظریۂ حیات اور کردار کو ہرگز قبول نہیں کرے گا۔

اس کے بعد اہلِ کتاب کو مشترکہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا جس دین اور نظریات پر تم فخر اور ناز کررہے ہو۔ اس کا دور ختم ہو چکا ہے اب اسلام کا سکہ چلے گا اور تمہاری مخالفت کچھ کام نہیں آسکتی۔ کیونکہ عزت، ذلّت، اقتدار اور اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ جسے چاہے جب چاہے عنایت فرمائے اور جب چاہے محروم کردے۔ اس کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا۔ اگر تم عظمتِ رفتہ کے خواہاں اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے طلب گار ہو تو تمہیں نبی آخر الزماں ﷺ کی اتباع کرنا ہوگی۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی قربت ومحبت کا کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاندان کی بزرگی اور عظمت کا ذکر کرتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، معجزات اور ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کی وضاحت کرتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں یہودیوں کے دعویٰ کی تردید کی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ قتل ہوئے اور نہ ہی انہیں تختۂ دار پر لٹکایا گیا انہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں آسمانوں پر صحیح سالم اٹھالیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وضاحتی اور دعوتی خطاب ۱۳۱ آیات تقریباً ۱۳ رکوع پر مشتمل ہے۔ اس تفصیلی خطاب کے بعد ایک دفعہ پھر یہود ونصاریٰ کو اہلِ کتاب کے باعزت لقب سے مخاطب کرتے ہوئے رسولِ کریم ﷺ کی طرف سے

دعوت دی گئی ہے کہ آؤ اس کلمہ پر متفق ہو جائیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان بنیاد اور قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی دعوت حضرت ابراہیم علیہ السلام تورات و انجیل کے نزول سے پہلے دیا کرتے تھے۔ یقین جانو کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی، عیسائی اور مشرک نہیں تھے وہ تو ادھر ادھر اور دائیں بائیں کی نسبتوں کی بجائے سچے موحد اور کامل مسلمان تھے۔

اس کے بعد اہلِ کتاب کی سازشوں اور شرارتوں کا ذکر کیا اور فرمایا عیسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے جلیل القدر نبی اور رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ جس شخص کو کتاب، نبوت اور حکومت عطا کرے تو اُسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں کو اللہ کی توحید سمجھانے اور اس کا بندہ بنانے کی بجائے اپنا بندہ بنانے کی کوشش کرے۔ تم انبیاء اور عیسیٰ علیہ السلام کے ذمہ شرک لگاتے ہو۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے کے باوجود کفر و شرک کا حکم دے سکتے تھے؟ انبیاء کا حال تو یہ تھا کہ انہوں نے ابتدائے آفرینش اپنے رب کے حضور یہ عہد کیا تھا کہ ہم تیری توحید کا اقرار اور اس کا پرچار کرنے کے ساتھ نبی آخر الزماں، خاتم المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر اس کی تائید کریں گے۔ انبیاء کے عہد کے بعد بیت اللہ کا تذکرہ اور اسے مرکز امن و ہدایت قرار دینے کا یہ مقصد بیان کیا ہے کہ اگر اہلِ کتاب اور بنی نوع انسان امن و امان، رشد و ہدایت چاہتے ہیں تو توحید کا اقرار اور رسول کی اتباع کرتے ہوئے ایک ہی مرکز کو اپنانا ہوگا۔

جس طرح سورۃ البقرۃ کا اختتام قرآن کے الفاظ میں مومنوں کی دعاؤں کے ساتھ ہوا ہے اسی طرح آلِ عمران کا اختتام بھی مومنوں کی دعاؤں سے ہوتا ہے۔

رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ البقرۃ اور آلِ عمران کو دو نور اور الزہراوین قرار دیا ہے:

«اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ فَإِنَّهٗ يَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِأَصْحَابِهٖ اِقْرَءُوا الزَّهْرَاوَيْنِ الْبَقَرَةَ وَسُوْرَةَ آلِ عِمْرَانَ فَإِنَّهُمَا تَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ أَوْ كَأَنَّهُمَا غَيَابَتَانِ كَأَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَآفَّ تُحَاجَّانِ عَنْ أَصْحَابِهِمَا اِقْرَءُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَإِنَّ أَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ وَلَا يَسْتَطِيْعُهَا الْبَطَلَةُ» (رواہ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب فضل قراءۃ القرآن وسورۃ البقرۃ)

”قرآن کی تلاوت کیا کرو کیونکہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کا سفارشی ہوگا دو روشن سورتیں البقرۃ اور آلِ عمران پڑھو یہ قیامت کے دن دو بدلیاں یا پرندوں کی طرح صفیں باندھے جھرمٹ کی مانند ہوں گی جو انہیں پڑھنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے تکرار کریں گی۔ سورۃ البقرۃ کی تلاوت کیا کرو اس کا پڑھنا باعثِ برکت اور چھوڑنا حسرت کا سبب ہے اور جہاں یہ پڑھی جائے وہاں جادو اور جنات اثر انداز ہونے کی جرأت نہیں کرتے۔“

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰن مَدَنِيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعَاتُهَا ۲۰ — اٰيَاتُهَا ۲۰۰

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

الٓمّٓ ۝١ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝٢ نَزَّلَ عَلَيْكَ

الف لام میم — اللہ — نہیں — معبود — سوائے — اس کے — زندہ — سنبھالنے والا — اس نے اتار — آپ پر

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ

کتاب — حق کے ساتھ — تصدیق کرنے والی — اس کیلئے جو — اس سے پہلی — اوراس نے اتاری — تورات

وَالْاِنْجِيْلَ ۝٣ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ اِنَّ الَّذِيْنَ

اورانجیل — سے — پہلے — ہدایت — لوگوں کیلئے — اوراتارااس نے — فرقان — بیشک — جولوگ

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝٤

انہوں نے انکار کیا — اللہ کی آیتوں کا — ان کیلئے — عذاب — سخت — اوراللہ — نہایت غالب — بدلہ لینے والا

الٓمّٓ (۱) اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے۔ (۲) جس نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب کو نازل فرمایا ہے جو اپنے سے پہلوں کی تصدیق کرنے والی ہے، اسی نے تورات اور انجیل نازل فرمائی تھیں۔ (۳) جو اس سے پہلے، لوگوں کے لیے ہدایت تھیں اور یہ قرآن بھی اسی نے نازل فرمایا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ غالب، بدلہ لینے والا ہے۔'' (۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سورۃ البقرۃ کا اختتام ایمان کے بنیادی ارکان اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنے کی دعا پر ہوا ہے۔ سورۃ آل عمران کی ابتداء میں بتلایا گیا ہے کہ جس اللہ پر تم نے ایمان لانا ہے۔ وہ ہمیشہ قائم دائم اور زندہ جاوید رہنے والا ہے۔ اسی نے لوگوں کی ہدایت کے لیے پہلے تورات وانجیل نازل فرمائی اور اب اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے قرآن مجید نازل کیا ہے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ نافرمانوں سے سخت انتقام لے گا۔

حروفِ مقطعات کے بعد اس عظیم سورۃ کی ابتدا توحید باری تعالیٰ سے ہوتی ہے۔ یہاں توحید کے دو ایسے پہلو نمایاں کیے گئے ہیں۔ جن میں جلالت وجبروت کے لہجے میں اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے کا بیان ہوا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ جب کچھ نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ کی ذات موجود اور قائم تھی۔ جب ہر چیز ختم ہو جائے گی تو اس وقت بھی اس کی ذات کبریا موجود اور قائم ہوگی گویا کہ وہ ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والی ذات ہے اور کائنات کو اپنی حکمت اور مرضی کے مطابق قائم رکھے ہوئے ہے۔ جس طرح اور جس وقت تک چاہے ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے ان اوصاف میں اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔

جب کائنات میں کوئی ہستی اس جیسی نہیں تو سب کا وہی معبود و مسجود ہونا چاہیے اور ہے۔ اسی ذاتِ اعلیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس پر کتابِ حق نازل فرمائی اور اسی نے اس سے پہلے تورات اور انجیل نازل فرمائی تھیں جو اپنے اپنے دور میں لوگوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ تھیں۔ اب قرآنِ مجید نازل فرمایا جو پہلی کتابوں کے من جانب اللہ ہونے کی تصدیق اور ان میں لوگوں نے جو ترمیم و اضافے کیے ان کی نشاندہی کرتا ہے تاکہ لوگوں کے سامنے حق اور باطل واضح ہو جائے اس امتیاز اور حق کو جاننے اور پہچاننے کے باوجود جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ارشادات کا انکار کرتے ہیں ان کے لیے شدید ترین عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان سے اس جرم کا بدلہ لینے پر غالب ہے۔ قرآنِ مجید کے بنیادی اور مرکزی اوصاف میں ایک خوبی یہ ہے کہ یہ پہلی کتابوں کے حقیقی مضامین کی تصدیق کرنے کے ساتھ قیامت تک کے لیے حق و باطل کے درمیان حدِ فاصل اور نگران کی حیثیت رکھتا ہے۔

{ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ } (المائدۃ:۴۸)

''اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی جو اپنے سے ماقبل کتب کی تصدیق کرنے والی اور ان پر نگہبان ہے۔''

گویا کہ حق و باطل کا فیصلہ کرنا لوگوں کی عقل و دانش اور کسی پارلیمنٹ کے اختیار پر نہیں بلکہ قرآن لوگوں کی رہنمائی کا ضامن اور صحیح و غلط میں تمیز کرنے کا معیار ہے۔

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ» (شرح السنۃ للبغوی: باب رد البدع والاہواء [حسن])

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی جب تک اپنی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ کردے تب تک وہ ایمان والا نہیں ہوسکتا۔''

مسائل

۱۔ اللہ ہی اکیلا معبود اور وہی ہمیشہ زندہ و قائم رہنے والا ہے۔ ۲۔ اس نے تورات، انجیل اور قرآنِ مجید نازل فرمایا۔
۳۔ اب تورات اور انجیل نہیں صرف قرآن ہی ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ ۴۔ قرآن مجید پہلی کُتبِ آسمانی کی تصدیق کرتا ہے۔
۵۔ انکار کرنے والوں کے لیے سخت ترین عذاب ہوگا۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ مجرموں سے بدلہ لینے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

فرقان کا مفہوم:

۱۔ قرآن فرقان ہے۔ (الفرقان:۱) ۲۔ معجزات فرقان ہیں۔ (الانبیاء:۴۸)
۳۔ بدر کا معرکہ فرقان ہے۔ (الانفال:۴۱) ۴۔ فرقان سے مراد قوتِ فیصلہ بھی ہے۔ (الانفال:۲۹)
۵۔ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی کتاب یعنی قرآن مجید کو فرقان کہا گیا ہے۔ (البقرۃ:۱۸۵)

اِنَّ	اللّٰهَ	لَا يَخْفٰى	عَلَيْهِ	شَيْءٌ	فِي	الْاَرْضِ	وَلَا
بیشک	اللہ	نہیں چھپی ہوئی	اس پر	کوئی چیز	میں	زمین	اور نہ
فِي	السَّمَآءِ ۝٥	هُوَ	الَّذِيْ	يُصَوِّرُكُمْ	فِي	الْاَرْحَامِ	كَيْفَ	يَشَآءُ
میں	آسمان	وہی ہے	وہ جو	شکل بناتا ہے تمہاری	میں	رحم (جمع)	جیسے	وہ چاہے
لَآ	اِلٰهَ	اِلَّا	هُوَ	الْعَزِيْزُ	الْحَكِيْمُ ۝٦		
نہیں	معبود	سوائے	اس کے	نہایت غالب	خوب حکمت والا		

”بے شک اللہ تعالیٰ سے زمین وآسمان کی کوئی چیز چھپی نہیں ہے۔(۵) وہی ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے۔اس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں وہ نہایت غالب خوب حکمت والا ہے۔“(۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بدلہ اور سزا دینے والی ہستی کے لیے ضروری ہے کہ وہ حالات، واقعات سے اچھی طرح باخبر ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے۔جس سے زمین وآسمان کی کوئی چیز مخفی نہیں وہ ماں کے رحم میں ہونے والی تبدیلیوں کو جانتا ہی نہیں بلکہ جس طرح چاہتا ہے انسان کی شکل وصورت بناتا اور اسے خاص ڈھانچے میں ڈھالتا ہے۔لہٰذا اللہ تعالیٰ انسان کی ہر نقل وحرکت سے واقف ہے۔

اللہ تعالیٰ سے زمین وآسمان میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں وہ زمین کی گہرائیوں اور اس کے ذرّے ذرّے، آسمان کی بلندیوں اور اس کے چپے چپے سے واقف ہے۔وہ لوگوں کی پیدائش کے ابتدائی مراحل سے آگاہ ہی نہیں بلکہ جو ماں کے رحم کے اندر لحہ بہ لحہ تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں انہیں بھی جانتا ہے۔وہ جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتوں اور قسمتوں کا فیصلہ کرتا ہے۔وہ ایسا کرنے پر غالب بھی ہے اور اس کے ہر کام اور فیصلے کے پیچھے حکمتیں بھی کارفرما ہوتی ہیں۔اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ پیدا ہونے والے کو طاقتور بنانا ہے یا کمزور، خوبصورت پیدا کرنا ہے یا قبول صورت، اس کا غریب ہونا بہتر ہے یا امیر، یہ نیک ہوگا یا بد۔اللہ تعالیٰ تمام اور ہر قسم کے حالات جانتا ہے اور اسے ہر فیصلے پر اختیار ہے اور تم نہ دنیا میں اس کی دسترس سے باہر ہو اور نہ مرنے کے بعد۔وہ ہر حال میں تم پر غالب ہونے کے باوجود تمہیں مہلت دیے ہوئے ہے اس مہلت کے پیچھے اس کی بہت سی حکمتیں پنہاں ہیں۔

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ؓ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ قَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِيْ بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ مَلَكًا فَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ وَيُقَالُ لَهُ اُكْتُبْ عَمَلَهُ وَرِزْقَهُ وَأَجَلَهُ وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحُ فَإِنَّ الرَّجُلَ مِنْكُمْ لَيَعْمَلُ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ كِتَابُهُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ وَيَعْمَلُ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ» (رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق)

”حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں صادق ومصدوق رسولِ مکرم ﷺ نے بیان فرمایا کہ تم میں سے ہر کوئی اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن ٹھہرتا ہے تو جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر چالیس دن بعد گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتے ہیں اسے آدمی کا عمل، رزق، موت اور نیک و بد ہونا لکھنے کا حکم ہوتا ہے پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ تم میں ایک بندہ عمل کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس کی تقدیر غالب آجاتی ہے وہ جہنمیوں والا کام کر دیتا ہے۔ ایسے ہی آدمی برے عمل کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو وہ جنتیوں والا عمل کر دیتا ہے۔“

اس حدیث میں آدمی کے انجام کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو زندگی بھر ماحول کے اثر، بزرگوں کے خوف، ذاتی مفاد اور اسلامی حکومت کے جبر سے بظاہر نیک اعمال کرتے ہیں لیکن ایمان ان کے دل میں راسخ نہیں ہوتا محض ماحول کے جبر کی وجہ سے ظاہری طور پر نیک ہوتے ہیں۔ جونہی انہیں موقعہ ملتا ہے وہ برائی کی طرف لپکے چلے جاتے ہیں ایسے ہی بے شمار لوگ سوسائٹی یا گھریلو اثرات کی وجہ سے نیکی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے لیکن فطرتاً نہایت ہی سعادت مند طبیعت کے مالک ہوتے ہیں۔ جب کبھی انہیں نیکی کا ماحول میسر آئے تو بہت سے نیک لوگوں سے بڑھ کر ذوق وشوق سے نیک کام سرانجام دیتے ہیں۔ موت کے قریب اس قسم کے لوگوں کی نیک نیتی اور حقیقی کردار ان کو اصلی انجام کی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اس کے برعکس فطری اور قلبی طور پر برا شخص موت کے وقت کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے فرامین میں اسی فطری انجام کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا غالب آجاتا ہے۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: طاقتور مومن اللہ کے ہاں کمزور مومن سے بہتر اور پسندیدہ ہے تاہم بہتری اور خیر دونوں میں ہے۔ تجھے نفع بخش چیز کی طلب کرتے ہوئے اللہ سے مدد طلب کرنا چاہیے اور عاجز نہیں ہونا چاہیے۔ اگر کوئی تکلیف آئے تو یہ نہ کہنا چاہیے کہ اگر میں یہ کام کرتا تو ایسے ہو جاتا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اللہ نے جو تقدیر میں لکھا اور جو چاہا کر دیا۔ کیونکہ لفظ ”اگر“ سے شیطان اپنے کام کی ابتدا کرتا ہے۔“ (رواہ مسلم: کتاب القدر، باب فی الأمر بالقوۃ وترک العجز والإستعانۃ باللہ)

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ سے زمین و آسمان میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ ٢۔ وہی ماں کے رحم میں انسان کی شکل و صورت بناتا ہے۔

٣۔ اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں ہے۔ ٤۔ اللہ تعالیٰ غالب، حکمت والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ صورتیں بنانے اور اولاد دینے والا ہے:

١۔ لوگوں کی شکلیں اللہ تعالیٰ بناتا ہے۔ (آلِ عمران: ٦) ٢۔ اللہ ہی بیٹے، بیٹیاں دیتا ہے۔ (الشوریٰ: ٤٩)

٣۔ اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے۔ (الانعام: ١٠٢) ٤۔ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ (الزمر: ٦٢)

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ

وہی ہے | جس نے نازل کی | آپ پر | کتاب | اس سے | آیتیں | محکم

هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ

وہی | اصل کتاب | اور دوسری | متشابہ ہیں | لیکن | جو لوگ | میں

قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ

ان کے دل | کجی | تو وہ پیروی کرتے ہیں | جو | متشابہ | اس سے | تلاش کرنے کیلئے | فساد

وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؔ

اور ڈھونڈنا | اس کا مطلب | اور نہیں | جانتا | اس کا مطلب | سوائے | اللہ

وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ

اور مضبوط | میں | علم | وہ کہتے ہیں | ہم ایمان لائے | اس پر | سب

مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

سے | طرف | ہمارا رب | اور نہیں | سمجھتے | مگر | عقل والے

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲

وقف لازم / وقف منزل

’’وہی ’’اللہ‘‘ ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری جس میں محکم آیات ہیں جو اصل کتاب ہیں اور دوسری متشابہ آیات ہیں۔ پس جن کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ فتنہ تلاش کرنے اور اس کی تاویل ڈھونڈنے کے لیے اس کی متشابہ آیات کے پیچھے لگ جاتے ہیں حالانکہ ان کی تاویل اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور پختہ مضبوط علم والے تو یہی کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے یہ ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت صرف عقل مند ہی حاصل کرتے ہیں۔‘‘ (۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام : قرآن مجید کتاب مبین ہے جو پہلی کتابوں کا مصدق ہے۔ اس کے احکامات محکم ہیں جن میں کوئی ٹیڑھ اور زیغ نہیں۔ زیغ اور ٹیڑھ تو منکرین کے دلوں میں ہے انہیں معلوم ہونا چاہیے۔ جو اللہ تعالیٰ ان کی حرکات وسکنات اور اعمال وافعال سے واقف ہے بلکہ وہ دلوں کے اسرار اور زیغ بھی جانتا ہے۔

قرآنِ مجید کو سمجھنے اور اُمّت کے اختلافات کو جاننے کے لیے یہ آیت بنیادی اور کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں یہ وضاحت پائی جاتی ہے کہ قرآنِ مجید کے احکامات اور ارشادات دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ احکامات ہیں جو الفاظ ومعانی اور مفہوم کے اعتبار سے دو اور دو، چار کی طرح واضح ہیں یہی قرآن کی اساس ہیں اور یہ فہم قرآن کے لیے رہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دوسری آیات میں دونوں قسم کے مفہوم تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ جن کے دل حق سے اجتناب کرنے والے اور فتنہ جُو ہیں وہ محکم اور بیّن آیات کو چھوڑ کر دوسری آیات کو رہنما اور مقدم سمجھتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے اپنی انفرادیت، مذہبی

برتری اورالگ عقیدے کی بنیاد رکھیں یہ لوگ متشابہ آیات کا اپنی مرضی سے معنیٰ متعین کرتے ہیں۔

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هٰذِهِ الْآيَةَ {هُوَ الَّذِيْٓ أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ ......} قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَإِذَا رَأَيْتِ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولٰئِكَ الَّذِيْنَ سَمَّى اللّٰهُ فَاحْذَرُوْهُمْ»

(رواہ البخاری: کتاب التفسیر)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسولِ کریم ﷺ نے {هُوَ الَّذِيْٓ أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ ......} آیت پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا: عائشہ! جب تو متشابہات کے پیچھے لگنے والے لوگوں کو دیکھے تو سمجھ لے کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے نام لے کر بتایا ہے کہ ان سے بچنا چاہیے۔''

متشابہات کا مفہوم اور حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ یہاں اہلِ علم کے دو نظریے پائے جاتے ہیں۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ ''إِلَّا اللّٰهُ'' پر وقف کرنا چاہیے اور اس کا معنی ہے کہ اِن آیات کا مفہوم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ دوسرے علماء کا نقطۂ نظر ہے کہ ''إِلَّا اللّٰهُ'' کو ''وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ'' کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہیے۔ جس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تو جانتا ہی ہے مگر خداداد صلاحیت سے کچھ اہلِ علم بھی ان کا مفہوم جانتے ہیں جو خداداد علم وبصیرت کی بنیاد پر ان آیات کا صحیح مفہوم متعین کر سکتے ہیں۔ قرآنِ مجید لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے اور اس میں حروفِ مقطعات کے سوا کوئی ایسی آیت نہیں جس کا معنیٰ پوری امت سے مخفی رکھا گیا ہو۔ باوجود اس کے کہ اہلِ علم ان آیات کا مفہوم جانتے ہیں مگر اپنے متعین کردہ مفہوم پر اصرار کرنے کی بجائے عجز وانکساری کا مظاہرہ اور حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ یہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہی نازل ہوا ہے۔ ایسی منصفانہ بات کہنا اور محکم آیات کو مقدم سمجھنا، فتنہ جوئی اور غلط تاویل سے بچنا ہی صاحبِ دانش علماء کا کردار ہوا کرتا ہے۔ قرآن ہی پہلی کتاب ہے جس نے دنیا کے اہلِ علم کو یہ اصول دیا کہ کسی قانون اور دستور کی شق میں اختلاف ہو تو اسے دستور کے بنیادی اصولوں کو سامنے طے کرنا چاہیے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہی قرآن مجید نازل فرمایا۔ ۲۔ قرآن مجید میں واضح اور متشابہ دونوں طرح کی آیات ہیں۔

۳۔ گمراہ لوگ فتنہ پروری کے لیے متشابہات کو مقدم جانتے ہیں۔

۴۔ پختہ علم، نیک اور سمجھدار علماء فتنہ پروری اور قرآن مجید کی غلط تاویل سے بچتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

نبی ﷺ کی ذات کے متعلق محکم آیات:

۱۔ رسول انسان (بشر) ہوتے ہیں۔ (ابراہیم: ۱۱) ۲۔ رسول اللہ ﷺ بشر اور عبد ہیں۔ (الکہف: ۱۱۰)

۳۔ رسول اللہ ﷺ غیب دان نہیں ہیں۔ (الانعام: ۵۰) ۴۔ نبی مختار کل نہیں ہوتا۔ (القصص: ۵۶)

۵۔ رسولِ محترم اپنے نفع ونقصان کے مالک نہیں تھے۔ (الجن: ۲۱)

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ

اے ہمارے رب نہ پھیر ہمارے دل بعد جب تو نے ہمیں ہدایت دی اور عنایت فرما ہمیں سے

لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ⑧ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ

اپنے پاس رحمت بیشک تو تو سب سے بڑا عطا کرنے والا اے ہمارے رب بیشک تو جمع کرنیوالا

النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ⑨ ع

لوگ (جمع) اس دن نہیں شک اس میں بیشک اللہ نہیں خلاف کرتا وعدہ کی

ع ۹/۱ ۹

”اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل کو ٹیڑھا نہ کر دینا اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما، یقیناً تو ہی سب سے بڑا عطا کرنے والا ہے۔ (۸) اے ہمارے رب! یقیناً تو لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔“ (۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حقیقت جاننے کے باوجود ٹیڑھا پن اور کج روی اختیار کرنا عقل مندی نہیں۔ عقل مندی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرتے ہوئے کج روی سے دوری اختیار کی جائے۔

اس سے پہلے قرآن فہمی کے بارے میں کج بحث، فتنہ جو اور گمراہ لوگوں کا ذکر کرنے کے بعد علم میں ید طولیٰ رکھنے والے علماء کی مثبت سوچ، عاجزی اور اعترافِ حقیقت کے اظہار کا ذکر ہوا ہے۔ ایسے علماء کی یہ بھی خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنی بصیرت پر ناز، موقف پر فخر اور علم پر اترانے کے بجائے اپنے رب سے آرزوئیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت عطا کرنے کے بعد ہمارے دلوں کو کجی اور گمراہی سے بچائے رکھنا کیونکہ کتنے ہی علم والے ہیں جن کا علم ان کی گمراہی کا سبب اور ان کی تحقیق ان کے لیے حجاب بن گئی اور وہ گمراہی کے سرغنہ ثابت ہوئے۔ اللہ! ہماری تیرے حضور فریاد ہے کہ ہمیں ہمیشہ اپنی رحمت سے نوازتے رہنا یقیناً تو ہی عطا کرنے والا ہے۔ اے ہمارے رب! یہاں تو لوگ تیرے رب کے نازل کردہ حق پر اکٹھے نہیں ہوئے لیکن قیامت کے دن تو لوگوں کو اکٹھا کرنے والا ہے جس کے قائم ہونے میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔ الٰہی! اس دن بھی ہمیں اپنی رحمتوں سے ہمکنار اور اپنی عطاؤں سے سرفراز فرمانا، بے شک تو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

«عَنْ أَنَسٍ ؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُكْثِرُ أَنْ يَقُوْلَ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اٰمَنَّا بِكَ وَبِمَا جِئْتَ بِهٖ فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا قَالَ نَعَمْ إِنَّ الْقُلُوْبَ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللّٰهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَآءُ» (رواہ الترمذی: کتاب القدر [صحیح])

”حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں رسولِ کریم ﷺ اکثر دعا کرتے۔ اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھنا۔ میں نے کہا: اللہ کے رسول! ہم آپ پر اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان لائے۔ کیا آپ ہمارے بارے میں خطرہ محسوس کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جیسے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔“

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ

بیشک جولوگ انہوں نے کفر کیا ہرگز نہیں کام آئیں گے ان کے ان کے مال اور نہ انکی اولاد

مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝۱۰ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ

سے اللہ کچھ اور یہی لوگ وہ ایندھن آگ مانند عادت آلِ فرعون

وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ

اور جولوگ سے ان سے پہلے انہوں نے جھٹلایا ہماری آیات سوانہیں پکڑا اللہ ان کے گناہوں کے سبب

وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۱ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ

اور اللہ سخت عذاب آپ فرمادیں ان لوگوں کیلئے انہوں نے کفر کیا عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گے

”بے شک جولوگ کافر ہوئے ان کو ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ سے چھڑانے میں کچھ کام نہ آئیں گے۔ یہ لوگ تو جہنم کا ایندھن ہیں۔ (۱۰) جیسا آلِ فرعون کا حال ہوا اور ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے، انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ (۱۱) کافروں سے فرمادیں کہ عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس مال اور افرادی قوت کی بنیاد پر اہلِ مکہ حقائق کا انکار کرتے ہیں آلِ فرعون بھی اسی بنا پر گمراہ ہوئے اور تباہی کے گھاٹ اُترے تھے۔ اہل مکہ بھی عنقریب دنیا میں بدر کے معرکہ میں اور آخرت میں جہنم میں داخل ہونے کی بنا پر کافر ذلیل ہوں گے۔

سورۂ آلِ عمران کا آغاز بڑے جاہ وجلال سے ہوا۔ جس میں واشگاف لہجے میں واضح کیا گیا ہے کہ ہمیشہ قائم ودائم رہنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ اس نے لوگوں کی رہنمائی کے لیے اپنی آخری کتاب نازل فرمائی، منکروں کے لیے اس کا عذاب بڑا سخت ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے زبردست انتقام لینے والا ہے۔ وہ سب کو اپنے حضور اکٹھا کرے گا اور یہ وعدہ اٹل ہے۔

اے کفر کرنے والو! جب تمہیں جہنم کی آگ میں جھونکا جائے گا تو تمہارا مال ومنال، اولاد اور دنیا کی جاہ وحشمت تمہارے کچھ کام نہیں آئے گی۔ تمہارا انجام بھی دنیا اور آخرت میں آلِ فرعون کی طرح ہونے والا ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکذیب کی ان کو ان کے جرائم کی وجہ سے شدید عذاب میں مبتلا کیا گیا۔ آلِ فرعون کا غرور، اقتدار، اختیار اور مال واسباب ان کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہ بچاسکا۔ اے رسولِ معظم! دوٹوک اور بلا جھجک اعلان فرمائیں کہ عنقریب اللہ تعالیٰ منکرون کو دنیا میں سرنگوں اور آخرت میں جہنم میں اکٹھا کرے گا جو رہنے کے اعتبار سے بدترین جگہ ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اہلِ یہود کو مخاطب کرتے ہوئے سمجھایا کہ تمہیں اسلام کی

وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ⑫ قَدْ كَانَ لَكُمْ
اور اکٹھے کیے جاؤ گے طرف جہنم اور برا ٹھکانا تحقیق ہے تمہارے لیے

اٰيَةٌ فِیْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
نشانی میں دو گروہ وہ باہم مقابل ہوئے ایک گروہ لڑتا تھا میں راستہ اللہ

وَ اُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْیَ الْعَيْنِ ؕ وَ اللّٰهُ يُؤَيِّدُ
اور دوسرا کافر وہ انہیں دیکھ رہے تھے اپنے سے دوچند آنکھ کا دیکھنا اور اللہ قوت دیتا ہے

بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ⑬
ساتھ اپنی مدد جسے وہ چاہتا ہے بیشک میں اس البتہ عبرت دیکھنے والوں کے لیے

اور جہنم کی طرف جمع کئے جاؤ گے اور جہنم برا ٹھکانا ہے۔(۱۲) یقیناً تمہارے لیے عبرت تھی دو جماعتوں میں جو باہم ٹکرائیں۔ ایک جماعت اللہ کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا۔ وہ انہیں اپنی آنکھوں سے اپنے سے دگنا دیکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی مدد سے طاقت ور بنا دیتا ہے۔ یقیناً اس میں دیکھنے والوں کے لیے بڑی عبرت ہے۔''(۱۳)

مخالفت اور کفر کی حمایت چھوڑ کر ہمارے ساتھ شامل ہونا چاہیے۔ انہوں نے بڑی رعونت کے ساتھ کہا کہ بدر میں تمہارا مقابلہ اپنے ہم وطنوں اور ناتجربہ کار لوگوں سے ہوا ہے۔ جب ہمارے ساتھ تمہاری پنجہ آزمائی ہوگی تو تمہارا جہاد کا شوق پورا کر دیا جائے گا۔

چاہیے تو یہ تھا کہ یہود و نصاریٰ اور اہلِ کفر غزوۂ بدر سے عبرت حاصل کرتے کیونکہ دنیا کی تاریخ میں یہ ایسا معرکہ تھا کہ ایک طرف اللہ کے راستے میں کٹ مرنے کا جذبہ اور دوسری طرف ''اللہ'' کے نافرمان تھے۔ جن کے درمیان طاقت کے عدم توازن کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں کی اکثریت بے خانماں، افرادی قوت کے اعتبار سے تھوڑے اور اسباب کے حوالے سے نہایت ہی کمزور اپنے سے کئی گنا طاقت ور دشمن کے خلاف برسرِ پیکار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے کفار کی نظروں میں مسلمانوں کو دوگنا کر دکھایا اور ملائکہ کے ساتھ اپنے بندوں کی نصرت و حمایت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے جتنی چاہے جس کی چاہے مدد کرتا ہے۔ اس معرکۂ حق و باطل کو یوم الفرقان کے لقب سے ملقب فرمایا اور دنیا والوں کے لیے اسے اس طرح عبرت قرار دیا جس طرح فرعون اور اس سے پہلے لوگ عبرت کا نشان بنائے گئے۔

اسے فرقان اس لیے بھی کہا گیا کہ جنگِ بدر کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پلٹے تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! یہ لوگ ہمارے بھائی اور برادری کے لوگ ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے فدیہ لیں جو ہماری مالی قوت کا باعث ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے دے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابنِ خطاب! تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا واللہ میری وہ رائے نہیں جو ابوبکر کی ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ آپ فلاں کو (جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قریبی تھا) میرے حوالے کریں میں اس کو قتل کرتا ہوں۔ عقیل کو علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کریں وہ اسے قتل کریں اور فلاں کو جو حمزہ رضی اللہ عنہ کا بھائی ہے حمزہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کریں وہ اس کی گردن ماردیں، تاکہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کے لیے ذرّہ برابر بھی نرم گوشہ نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات پسند فرمائی اور میری بات پسند نہیں کی، چنانچہ قیدیوں سے فدیہ لینا طے کر لیا اس کے بعد جب اگلا دن آیا تو میں صبح ہی صبح رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ دونوں رو رہے تھے۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! بتائیں آپ اور آپ کا ساتھی کیوں رو رہے ہیں؟ اگر مجھے رونے کی وجہ ہوئی تو روؤں گا اور اگر نہ معلوم ہو سکی تو آپ حضرات کے رونے کی وجہ سے روؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فدیہ قبول کرنے کی وجہ سے تمہارے اصحاب پر جو چیز پیش کی گئی ہے اسی وجہ سے رو رہا ہوں۔ آپ نے ایک قریبی درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا مجھ پر اللہ کا عذاب اس درخت سے بھی زیادہ قریب کر دیا گیا۔ (الرحیق المختوم، بدر کے قیدیوں کا قضیہ)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کفار کو ان کے مال اور اولاد کچھ فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔

۲۔ کفار جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ نے آلِ فرعون اور ان سے پہلے مجرموں کی سخت گرفت کی۔

۴۔ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ ۵۔ عنقریب کفار مغلوب اور جہنم میں اکٹھے کیے جائیں گے۔

۶۔ جہنم بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔ ۷۔ معرکۂ بدر بصیرت والوں کے لیے قدرت کا بہت بڑا نشان ہے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے جس کی چاہے اور جب چاہے مدد فرماتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قوموں کی تباہی کے اسباب:

۱۔ قومِ نوح کی ہلاکت کا سبب بتوں کی پرستش تھی۔ (نوح: ۲۳) ۲۔ قومِ لوط کی تباہی کا سبب اغلام بازی کرنا تھی۔ (الاعراف: ۸۱)

۳۔ شعیب علیہ السلام کی قوم کی تباہی کا سبب ماپ تول میں کمی کرنا تھی۔ (ھود: ۸۴، ۸۵)

۴۔ قومِ عاد کی تباہی کا سبب رسولوں کی نافرمانی تھی۔ (ھود: ۵۹)

۵۔ صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے قوم! یہ اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی ہے، اسکو چھوڑ دو تاکہ اللہ کی زمین میں چرے اور اس کو کسی طرح تکلیف نہ دینا ورنہ تمہیں جلد عذاب آ پکڑے گا۔ مگر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں تو صالح نے کہا تین دن فائدہ اٹھا لو، یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہ ہوگا۔ (ھود: ۶۴، ۶۵)

۶۔ فرعونیوں نے اپنے پروردگار کے پیغمبر کی نافرمانی کی تو اللہ نے بھی ان کو سخت پکڑا۔ (الحاقہ: ۱۰)

زُيِّنَ	لِلنَّاسِ	حُبُّ	الشَّهَوٰتِ	مِنَ	النِّسَآءِ	وَالْبَنِيْنَ
خوشنما بنادی گئی	لوگوں کے لیے	محبت	خواہشات	سے	عورتیں	اور بیٹے
وَالْقَنَاطِيْرِ	الْمُقَنْطَرَةِ	مِنَ	الذَّهَبِ	وَالْفِضَّةِ	وَالْخَيْلِ	الْمُسَوَّمَةِ
اور خزانے	جمع کیے ہوئے	سے	سونا	اور چاندی	اور گھوڑے	نشان زدہ
وَالْاَنْعَامِ	وَالْحَرْثِ ؕ	ذٰلِكَ	مَتَاعُ	الْحَيٰوةِ	الدُّنْيَا ۚ	وَاللّٰهُ
اور مویشی	اور کھیتی	یہ	سازوسامان	زندگی	دنیا	اور اللہ
عِنْدَهٗ	حُسْنُ	الْمَاٰبِ ⑭				
اس کے پاس	اچھا	ٹھکانا				

”مرغوب اور پسندیدہ چیزوں کی محبت لوگوں کے لیے خوشنما اور مزین بنادی گئی ہے، جیسے عورتیں، بیٹے، سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے، نشان زدہ گھوڑے، چوپائے اور کھیتی یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے۔ لوٹنے کا اچھا ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے۔“ (۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حق سے انحراف اور قوموں کی تباہی میں دنیا پرستی کا عنصر ہمیشہ غالب رہا ہے اس لیے اس کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔

ہدایت کے راستے میں جو چیزیں سب سے بڑی رکاوٹ بنتی ہیں۔ ان میں سرفہرست عورت، بیٹے، سونا، چاندی، اچھی سواری، مال، مویشی اور کھیتی باڑی ہے۔ ہر انسان ان میں سے کسی نہ کسی چیز کے ساتھ ضرور حد سے زیادہ محبت کرتا ہے اور یہی چیز راہِ ہدایت میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ خواہشات کے میدان میں عام طور پر سب سے پہلی خواہش عورت کے ساتھ مرد کی وابستگی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بطورِ آزمائش آدمی کے دل میں ان چیزوں کی محبت اور رغبت پیدا فرمائی ہے تاکہ دنیا کا نظام چلتا رہے۔ اگر عورت کے ساتھ مرد کی رغبت اور محبت نہ ہو تو نسب کا سلسلہ آگے نہیں چل سکتا۔ اسی تعلق کی خاطر اور ضرورت سے آدمی بیوی کو کھلاتا پلاتا اور اس کی آسائش و آرام کا خیال رکھتا ہے۔ اگر اولاد نہ ہو تو آدمی کی دنیا سے رغبت کم ہوجاتی ہے پھر اولاد میں بیٹوں کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ بیٹا ماں باپ کا سہارا اور ان کے سلسلۂ نسب اور جائیداد کا وارث ہوتا ہے۔ بیٹی کی پیدائش پر باپ اپنی ذمہ داریوں میں اضافہ محسوس کرتا ہے۔ جب کہ بیٹے کو اپنا معاون اور مستقبل کا سہارا سمجھتا ہے۔ طبعِ انسانی کا خیال رکھتے ہوئے بیٹوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ بیوی اور بیٹوں کے بعد دنیا کا نظام چلانے اور سہولیات حاصل کرنے کے لیے سونا اور چاندی ہمیشہ سے انسان کے لیے پرکشش سرمایہ رہا ہے۔ سونے اور چاندی کی بدولت ہی دنیا میں لین دین اور تجارت ہوا کرتی ہے۔ کاروبار کے بعد اچھی سواری آدمی کے لیے آرام کے ساتھ ساتھ باعثِ عزت ہوتی ہے۔ ہر دور میں گھوڑے کی سواری آدمی کے لیے شان و شوکت کا باعث سمجھی گئی ہے اور آج بھی موٹر کاروں

اورمشینری کی پاور کا اندازہ کرنے کے لیے گھوڑے کی طاقت [HORSE POWER] کو معیار بنایا گیا ہے۔ گھڑسواری ہمیشہ لوگوں کے لیے باعثِ فخر وانبساط رہی ہے۔ یہ جانور بہترین سواریوں میں شمار ہوتا ہے۔ ان چیزوں کے بعد کھیتی باڑی اور چوپایوں کی باری آتی ہے جوانسانی بقا کے لیے غلہ، رہائش، دودھ، گھی، گوشت اور خوراک کا کام دیتے ہیں۔ دیہاتی زندگی اور زمیندار کی یہی چیزیں متاع حیات ہیں۔ اس لحاظ سے انسانی زندگی کا دارومدار عورت، اولاد، سونا، چاندی، رہائش اور خوراک پر ہے باقی تمام نعمتیں انہی کے متعلقات اور لوازمات ہیں۔

ان نعمتوں کی افادیت اپنی جگہ مسلّم اور انہیں دنیا کی زندگی کے بہترین اسباب اور زینت قرار دیا گیا ہے۔ لیکن آدمی کی دانشمندی یہ ہے کہ وہ عارضی زندگی اور اس کے اسباب پر نگاہ جمانے اور اکتفا کرنے کی بجائے حیاتِ جاوداں، لازوال نعمتوں اور ان کے خالق و مالک کی طرف توجہ رکھے اور دنیا کے ذریعے آخرت کے انعامات حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہے جو ربِ کریم کے پاس صاحبِ ایمان وکردار لوگوں کے لیے محفوظ ہیں۔

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷛ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَوْ أَنَّ لِإِبْنِ آدَمَ وَادِيًا مِنْ ذَهَبٍ أَحَبَّ أَنْ يَكُوْنَ لَهٗ وَادِيَانِ وَلَنْ يَمْلَأَ فَاهُ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ»

(رواه البخاری: کتاب الرقاق، باب مایتقی من فتنة المال)

”حضرت انس بن مالک ﷛ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر آدم کے بیٹے کے پاس سونے کی ایک وادی ہوتو وہ پسند کرے گا کہ اس کے پاس سونے کی دووادیاں ہوں۔ اس کے منہ کو مٹی کے علاوہ کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ اللہ جس پر چاہتا ہے کرم فرماتا ہے۔“

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ﷛ قَالَ خَطَّ النَّبِيُّ ﷺ مُرَبَّعًا وَخَطَّ خَطًّا فِي الْوَسْطِ خَارِجًا مِنْهُ وَخَطَّ خُطَطًا صِغَارًا إِلٰى هٰذَا الَّذِيْ فِي الْوَسْطِ مِنْ جَانِبِهِ الَّذِيْ فِي الْوَسْطِ وَقَالَ هٰذَا الْإِنْسَانُ وَهٰذَا أَجَلُهٗ مُحِيْطٌ بِهٖ أَوْ قَدْ أَحَاطَ بِهٖ وَهٰذَا الَّذِيْ هُوَ خَارِجٌ أَمَلُهٗ وَهٰذِهِ الْخُطَطُ الصِّغَارُ الْأَعْرَاضُ فَإِنْ أَخْطَأَهٗ هٰذَا نَهَشَهٗ هٰذَا وَإِنْ أَخْطَأَهٗ هٰذَا نَهَشَهٗ هٰذَا» (رواه البخاری: کتاب الرقاق، باب فی الأمل وطوله)

”حضرت عبداللہ ﷛ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے ایک مربع نما لکیر کھینچی اور اس کے درمیان سے باہر نکلی ہوئی لکیر لگائی پھر اس درمیانی لکیر کے اردگرد چھوٹی چھوٹی لکیریں کھینچیں اور فرمایا یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت اسے گھیرے ہوئے ہے۔ جو اس دائرے سے باہر لکیر ہے یہ اس کی خواہشات ہیں اور یہ چھوٹی لکیریں آفات ہیں اگر ایک سے بچتا ہے تو دوسری اسے دبوچ لیتی ہے۔ اگر اس سے بچتا ہے تو اور کوئی اسے آلیتی ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں، بیٹوں، سونا، چاندی، گھوڑوں، چوپایوں اور کھیتیوں کو لوگوں کے لیے خوش نما بنایا ہے۔

۲۔ یہ دنیا کی زندگی کے اسباب ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس سے بہتر مقام اور انعام ہے۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ

آپ فرمادیں کیا میں تمہیں بتاؤں ساتھ بہت بہتر سے اس ان لوگوں کیلئے پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں پاس

رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ

انکے رب باغات جاری ہیں سے ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے اس میں اور بیویاں

مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۱۵ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ

پاکیزہ اور خوشنودی سے اللہ اور اللہ خوب دیکھنے والا بندوں کو جو لوگ کہتے ہیں

رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۱۶

اے ہمارے رب بیشک ہم ایمان لائے لہٰذا بخش دے ہمیں ہمارے گناہ اور ہمیں بچا عذاب آگ

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۱۷

صبر کرنیوالے اور سچ بولنے والے اور حکم بجالانیوالے اور خرچ کرنیوالے اور بخشش مانگنے والے سحری کے وقت

’’آپ فرما دیجیے: کیا میں تمہیں اس سے بہت بہتر چیز نہ بتاؤں؟ کہ متقین کے لیے ان کے رب کے ہاں جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اچھی طرح دیکھنے والا ہے۔(۱۵) وہ لوگ جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لا چکے، لہٰذا ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔(۱۶) وہ صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، تابعداری کرنے والے، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور سحری کے وقت بخشش مانگنے والے ہیں۔‘‘(۱۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: دنیا پرستی کی بجائے آدمی کی نظر آخرت کی دائمی نعمتوں پر ہونی چاہیے ایسا وہی لوگ کرتے ہیں جن میں یہ اوصاف پائے جاتے ہیں اور وہ اپنے رب سے معافی مانگتے ہیں۔

میرے نبی فرمائیں کہ اے دنیا دارو! آؤ میں تمہیں اِن نعمتوں سے بڑھ کر نعمتیں بتاتا ہوں۔ جو اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے پرہیزگار بندوں کے لیے جنت میں تیار فرمائی ہیں۔ ایسی جنتیں ہیں کہ جن کے نیچے نہریں اور آبشاریں جاری ہیں۔ اس میں متقین کے لیے پارسا باوفا اور حسن و جمال کی پیکر بیویاں ہوں گی۔ اس جنت کے وارث ایسے پرہیزگار ہوں گے جو نیکی اور پارسائی کے باوجود اپنے رب سے اپنے گناہوں اور خطاؤں کی معافی طلب کرتے اور ہر دم جہنم کی ہولناکیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ ان کے یہ بھی اوصاف ہیں کہ وہ نیک کاموں پر مستقل مزاج، مصائب و مشکلات پر حوصلہ مند، سچ کے داعی، حق پر قائم رہنے والے، ہر حال میں اپنے رب کے فرماں بردار، عُسر و یُسر میں خرچ کرنے والے اور سحری کے وقت اپنے رب کے حضور معافی کے خواستگار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ہر قسم کے اعمال پر نگاہ رکھے ہوئے ہے کہ کون دنیا کی آسائشوں کو

مقدم جاننے والے اور کون اللہ تعالیٰ کی رضا کو ترجیح دینے والے ہیں۔ بلاشبہ اپنے رب کی رضا کو ترجیح دینے والے لوگ جنت کے وارث ہوں گے اور ان پر اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ اپنی رضامندی کا اظہار فرمائیں گے۔

«عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُوْنَ لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ فَيَقُوْلُ هَلْ رَضِيْتُمْ فَيَقُوْلُوْنَ وَمَالَنَا لَا نَرْضٰى وَقَدْ أُعْطِيْنَا مَالَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ فَيَقُوْلُ أَنَا أُعْطِيْكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ قَالُوْا يَارَبِّ وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ فَيَقُوْلُ أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِيْ فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهٗ أَبَدًا»

(رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کو مخاطب کرتے ہوئے استفسار فرمائیں گے اے جنت میں رہنے والو! جنتی کہیں گے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں آپ کے حضور پیش ہیں۔ ہر قسم کی بھلائی آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ استفسار فرمائے گا کیا تم خوش ہو؟ جنتی عرض کریں گے: اے ہمارے رب! بھلا ہم کیوں نہ خوش ہوں؟ آپ نے تو ہمیں ایسی نعمتیں عطا کی ہیں جو آپ نے اپنی مخلوق میں کسی کو عطا نہیں کیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں تمہیں اس سے بھی بہتر نعمت عطا نہ کروں؟ جنتی عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! اس سے بڑھ کر اور نعمت کیا ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تم پر ہمیشہ کے لیے خوش ہوں اب کبھی تم پر ناراض نہیں ہوں گا۔''

مسائل

۱۔ جنتیوں پر اللہ تعالیٰ ہمیشہ راضی رہے گا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نیکوکار اور مجرموں کو دیکھ رہا ہے۔

۳۔ نیکوکار سحری کے وقت اپنے گناہوں کی معافی اور جہنم کی آگ سے پناہ مانگتے ہیں۔

۴۔ اللہ کے بندے صابر، سچے، تابعدار، مخیر اور سحری کے وقت استغفار کرنے والے ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

مومنین کی صفات:

۱۔ زمین پر اللہ کا نظام رائج کرنے والے ہیں۔ (الحج: ۴۱) ۲۔ اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ (المومنون: ۵۷)

۳۔ زمین پر امن کے داعی ہیں۔ (القصص: ۸۳) ۴۔ رات کے وقت کروٹ بدلتے ہوئے اپنے رب کو یاد کرتے ہیں۔ (السجدة: ۱۶)

۵۔ اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے ہوتے ہیں۔ (الاحزاب: ۳۵)

۶۔ صبح و شام معافی مانگنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے ہیں۔ (آل عمران: ۱۷)

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ

گواہی دی اللہ بیشک وہ نہیں کوئی معبود مگر وہ اور فرشتے اور علم والے

قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

قائم انصاف کے ساتھ نہیں کوئی معبود مگر وہی بہت غالب خوب حکمت والا

”اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہلِ علم اس بات پر گواہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی معبود نہیں۔“ (۱۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سابقہ اوصاف کا تقاضا ہے کہ ایماندار رہنے کا تقاضے ہے کہ اللہ کی توحید اور انصاف پر قائم رہیں

سورۃ کی ابتداء اللہ کی توحید سے ہوئی تھی اور اب پھر اسی مضمون کا اعادہ شہادت کے الفاظ میں ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے ربِ ذوالجلال اپنی ذات، صفات اور وحدانیت پر خود گواہی دے رہا ہے کہ میرے بغیر کائنات کا کوئی خالق و مالک نہیں اور میں ہی اکیلا معبودِ برحق ہوں اس کے بعد ملائکہ کی شہادت ڈالی جا رہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور بادشاہت کے عینی گواہ ہیں۔ ان کے بعد اہلِ علم کی گواہی پیش کی جا رہی ہے جو انصاف کی گواہی دینے والے اور ہر حال میں اس پر قائم رہنے والے ہیں۔ یہاں ”اُولُوا الْعِلْمِ“ سے مراد سب سے پہلے انبیاء کرام ہیں اور ان کے بعد درجہ بدرجہ ان کے اصحاب، شہداء اور مومن ہیں۔ اس فرمان سے یہ بات عیاں ہو رہی ہے کہ حقیقی اہلِ علم اور علمائے حق وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید کا پرچار کرنے والے اور اس پر قائم رہتے ہیں۔ کائنات میں توحید سے بڑھ کر کوئی انصاف کی بات نہیں ہو سکتی جسے قسط کہا گیا ہے۔ قسط کا معنیٰ ہے ”ہر چیز اپنے اپنے دائرۂ کار میں ٹھیک ٹھیک کام کرتی رہے“ جسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرحمن کی ابتدا میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ شمس و قمر، نجم و شجر، زمین و آسمان اور ہوا و فضا میں جو کچھ بھی ہے وہ اصولِ قسط کے تحت رواں دواں اور قائم دائم ہے۔ یہ سب پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہی نظامِ کائنات پر غالب، مالک اور تدبیر و حکمت کے ساتھ اس کا انتظام و انصرام کرنے والا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنی وحدانیت پر خود گواہی دیتا ہے۔ ۲۔ ملائکہ اور اہلِ علم ”اللہ“ کی توحید پر گواہ ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں اور وہی غالب، حکمت والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی شہادت:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی توحید پر شہادت (آل عمران: ۱۸) ۲۔ رسول کی وحی پر شہادت۔ (النساء: ۱۶۶)

۳۔ حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر شہادت۔ (النساء: ۷۹)

اِنَّ	الدِّيْنَ	عِنْدَ اللّٰهِ	الْاِسْلَامُ ۣ	وَمَا	اخْتَلَفَ	الَّذِيْنَ
بیشک	دین	اللہ کے نزدیک	اسلام	اور نہیں	اختلاف کیا	جولوگ
اُوْتُوا	الْكِتٰبَ	اِلَّا	مِنْۢ	بَعْدِ	مَا جَآءَهُمُ	الْعِلْمُ	بَغْيًۢا
دیے گئے	کتاب	مگر	سے	بعد	جو آ گیا ان کے پاس	علم	ضد
بَيْنَهُمْ ۭ	وَمَنْ	يَّكْفُرْ	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	فَاِنَّ	اللّٰهَ	سَرِيْعُ
آپس میں	اور جو	انکار کرے	اللہ کی آیات	تو بے شک	اللہ	بہت جلد لینے والا
الْحِسَابِ ⑲	فَاِنْ	حَآجُّوْكَ	فَقُلْ	اَسْلَمْتُ	وَجْهِيَ	لِلّٰهِ	وَمَنِ
حساب	پھر اگر	وہ آپ سے جھگڑیں	تو فرمادیں	میں نے مطیع کر دیا	اپنا چہرہ	اللہ کیلئے	اور جو

’’یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے اور اہلِ کتاب نے علم آجانے کے بعد آپس میں ضد اور حسد کی بنا پر اختلاف کیا اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا بہت جلد حساب لینے والا ہے۔(۱۹) پھر بھی اگر یہ تم سے جھگڑیں تو تم کہہ دو کہ میں اور میرے تابعداروں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا سر جھکا دیا ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: توحید اور اسلام دونوں مترادف ہیں۔ توحید اور اسلام کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے۔

کائنات کا پورا نظام مالکِ واحد کی ذات اور اس کے حکم کے تابع اور عدل وقسط کے اصول پر چل رہا ہے۔ یہی توحید کی روح اور اس کا تقاضا ہے کہ بنی نوعِ انسان کے انفرادی اور اجتماعی معاملات بھی تقاضائے توحید کے مطابق چلنے چاہئیں۔ توحید ہی اسلام کی بنیاد ہے اور یہی ایسا دین ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ، معتبر اور مقبول ہے۔ جس کے بنیادی ارکان اور اصول ہمیشہ سے ایک رہے اور تمام انبیاء کرام اسی اسلام کی دعوت دیتے رہے ہیں۔ اسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو ایک جماعت قرار دیتے ہوئے فرمایا: {اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ} (الانبیاء:۹۲) ’’یقیناً تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس تم میری ہی عبادت کرو۔‘‘

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب خاتم الانبیاء تک انبیاء کی دعوت میں کبھی اختلاف نہیں رہا اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ ہر نبی اپنے اپنے وقت میں لوگوں کے پاس دینِ اسلام لایا۔ لوگوں نے حقیقت معلوم ہو جانے کے باوجود اس دین کو ماننے سے انکار کیا اور انبیاء کرام کے جانے کے بعد دین کے ماننے والوں نے دین کے حصے بخرے کر دیے۔ یہودی ۷۱ فرقوں میں تبدیل ہوئے عیسائیوں نے ۷۲ گروہ بنا لیے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ سوائے ایک کے باقی سب کے سب جہنمی ہوں گے۔ (رواہ الترمذی: باب ماجاء فی افتراق ہذہ الأمۃ [صحیح])

حضرت محمد کریم ﷺ اور دینِ اسلام کے ساتھ یہود ونصاریٰ اور کفار ومشرکین کے اختلاف کی وجہ یہ نہیں ہے کہ انہیں

اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ

میری پیروی کی | اور فرمادیں | ان لوگوں سے | دیے گئے | کتاب | اور ان پڑھ | کیا تم اسلام لاتے ہو

فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ

پس اگر | وہ اسلام لائے | تو تحقیق | انہوں نے راہ پالی | اور اگر | وہ منہ پھیریں | تو صرف | آپ پر

الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝٢٠ ع

پہنچادینا | اور اللہ | خوب دیکھنے والا | بندوں کو

ع ۲ ۱۱ ۱۰

اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا سر جھکا دیا ہے۔ اہلِ کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے سوال کیجیے کہ کیا تم بھی سرِ تسلیم خم کرتے ہو؟ اگر یہ تابعدار بن جائیں تو یقیناً ہدایت پا جائیں گے اور اگر یہ روگردانی کریں تو آپ پر صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔“ (۲۰)

دین سمجھنے میں کوئی غلط فہمی یا دقّت پیش آئی۔ قرآنِ مجید دوٹوک انداز میں اختلافات کا سبب بیان کرتا ہے کہ دینِ اسلام کا انکار کرنے والوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا۔ حالانکہ وہ آپ ﷺ کی ذات اور دین کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ مگر ذاتی برتری، معاشرتی رجحانات، مسلکی تعصّبات اور مالی مفادات کی بنیاد پر انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا کیونکہ دین اللہ تعالیٰ نے ہی نازل فرمایا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی ان سے حساب چکائیں گے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ اے رسول ﷺ! اگر حقیقت عیاں ہو جانے کے باوجود یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ ان سے فرمائیں کہ مانو یا نہ مانو میں نے تو اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان کر لیا ہے۔ اس سے مراد کلی تابعداری ہے کیونکہ چہرہ ہی انسان کے جذبات اور اس کے رجحانات کا ترجمان ہوتا ہے۔ ہر زبان میں چہرے کی سپردگی کو پورے وجود کی سپرد داری سمجھا جاتا ہے لہٰذا رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ اختلافات، حالات اور ان کے تعصّبات سے بے پروا ہو کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی غلامی اور دین کی سر بلندی کے لیے وقف کر دیں۔ آپ کے پیروکاروں کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی اہلِ کتاب، کفار، اَن پڑھ اور پڑھے لکھے لوگوں سے یہ پوچھیے کہ کیا تم بھی اپنے آپ کو زمین و آسمان کے خالق اور مالک کے تابع فرمان ہونے کے لیے تیار ہو؟ اگر تم ایسا کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے کیونکہ ہدایت کا دارومدار اور معیار صرف اسلام ہے۔ اگر یہ لوگ انکار کریں تو تمہارا کام سمجھانا ہے منوانا نہیں، پہنچانا ہے جھگڑنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں اور نافرمانوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔ اس سے ان لوگوں کی خود بخود نفی ہو جاتی ہے جو اسلامی طریقہ سے ہٹ کر دوسرے کاموں میں نیکی اور خیر سمجھتے ہیں۔

نجاشی کے سامنے اسلامی تعلیمات کے بارے میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا خطاب:

مکہ کے مہاجر مسلمانوں کے ترجمان حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا ”اے بادشاہ! ہم ایسی قوم تھے جو جاہلیت میں مبتلا تھی۔ ہم بت پوجتے۔ تھے مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، قرابتداروں سے تعلق توڑتے تھے، ہمسایوں سے بدسلوکی کرتے تھے اور ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا رہا تھا ہم اسی حالت میں، تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک رسول

بھیجا۔اس کی عالی نسبی، سچائی، امانت داری، پاکدامنی ہمیں پہلے سے معلوم تھی۔اس نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور سمجھایا کہ ہم صرف ایک اللہ کو مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور اس کے سوا جن پتھروں اور بتوں کو ہم پوجتے تھے انہیں چھوڑ دیں۔اس نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، قرابت جوڑنے، پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے اور حرام کاری وخونریزی سے باز رہنے کا حکم دیا۔اور فواحش میں ملوث ہونے' جھوٹ بولنے' یتیم کا مال کھانے اور پاکدامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع کیا۔اس نے ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔اس نے ہمیں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔''

اسی طرح حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے اعمال گنوانے کے بعد فرمایا: ''ہم نے اس پیغمبر کو سچا مانا' اس پر ایمان لائے اور اس کے لائے ہوئے دین میں اس کی پیروی کی چنانچہ ہم نے صرف اللہ کی عبادت کی، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا اور جن باتوں کو اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام بتایا انہیں حرام مانا، اور جن کو حلال بتایا انہیں حلال جانا اس پر ہماری قوم ہم سے بگڑ گئی اس نے ہم پر ظلم وستم کیا اور ہمیں ہمارے دین سے پھیرنے کے لیے فتنے اور سزاؤں سے دوچار کیا۔تاکہ ہم اللہ کی عبادت چھوڑ کر بت پرستی کی طرف پلٹ جائیں اور جن گندی چیزوں کو حرام سمجھتے تھے انہیں پھر حلال سمجھنے لگیں۔جب انہوں نے ہم پر ظلم وجبر کیا، ہمارے لیے زمین تنگ کردی۔ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے تو ہم نے آپ کے ملک کی راہ لی اور دوسروں پر آپ کو ترجیح دیتے ہوئے آپ کی پناہ میں رہنا پسند کیا اور یہ امید کی کہ اے بادشاہ! آپ کی طرف سے ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' [سیرت ابن ہشام]

«قَالَ لَهُمُ النَّجَاشِيُّ إِنَّ هَذَا وَالَّذِي جَاءَ بِهِ عِيسَى لَيَخْرُجُ مِنْ مِشْكَاةٍ وَاحِدَةٍ إِنْطَلِقَا فَلَا وَاللّٰهِ لَا أُسْلِمُهُمْ إِلَيْكُمَا وَلَا يُكَادُونَ» (سیرت ابن ہشام)

''نجاشی نے ان سے کہا کہ یہ کتاب اور عیسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی تعلیمات ایک ہی طاقچہ سے نکلی ہوئی شعائیں ہیں، تم دونوں چلے جاؤ اللہ کی قسم میں ان کو کبھی بھی تمہارے حوالے نہیں کروں گا اور یہ ممکن بھی نہیں ہوگا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی مقبول ہے۔ ۲۔اہل کتاب تعصب کی بنیاد پر اسلام کی مخالفت کرتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ ۴۔ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے والا ہدایت پائے گا۔

۵۔ رسول کا کام تبلیغ کرنا ہے۔ ۶۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

تفسیر بالقرآن

تابعداری کا حکم:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطیع ہونے کا حکم۔(الانعام:۱۴) ۲۔ابراہیم علیہ السلام کو مطیع ہونے کا حکم۔ (البقرۃ:۱۳۱)

۳۔ اولادِ ابراہیم علیہ السلام کو تابعدار ہونے کا حکم۔(البقرۃ:۱۳۲، ۱۳۳) ۴۔سب کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے کا حکم۔(الحج:۳۴)

۵۔ اسلام میں ہی پوری کی پوری ہدایت مضمر ہے۔(آلِ عمران:۲۰)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ

بیشک | جولوگ | انکار کرتے ہیں | ساتھ آیات | اللہ | اور وہ قتل کرتے ہیں | انبیاء | ناحق

وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْھُمْ

اور وہ قتل کرتے ہیں | جولوگ | حکم کرتے ہیں | انصاف کے ساتھ | سے | لوگوں | تو خوشخبری دیں انہیں

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِي الدُّنْيَا

عذاب | دردناک | یہی | جولوگ | ضائع ہوگئے | ان کے اعمال | میں | دنیا

وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

اور آخرت | اور نہیں | ان کیلئے | سے | مددگار (جمع)

”جولوگ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے اور ناحق انبیاء کو قتل کرتے ہیں اور عدل وانصاف کا حکم دینے والوں کو بھی قتل کرڈالتے ہیں۔اے نبی! انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دیجئے۔(۲۱) ان کے اعمال دنیا وآخرت میں نمارت ہیں اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔“(۲۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اسلام چھوڑ کر جس نے کفر کا راستہ اختیار کیا، انبیاء اور نیک لوگوں کو قتل کیا اس کی سزا عذابِ الیم ہے۔

اہلِ کتاب اور کفار کو بار بار اسلام کی دعوت دی گئی۔ لیکن انہوں نے اس دعوت کو تسلیم کرنے کی بجائے انکار اور مخالفت کا راستہ اپنایا بالخصوص یہودیوں کی یہ تاریخ ہے کہ جب بھی ان کے پاس کوئی نبی اور مصلح آیا تو انہوں نے سمع واطاعت کی بجائے ان کے خلاف سازشوں اور تشدد کا راستہ اختیار کیا۔ علامہ ابن جریر نے کئی حوالوں کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ یہودی اس قدر سازشی اور تخریب کار تھے کہ انہوں نے ایک ہی دن میں صبح کے وقت ۱۴۳ انبیاء کرام علیہم السلام اور دن کے پچھلے پہر ۱۷۰ مذہبی رہنماؤں کو شہید کر دیا۔ تاریخ کے اس المناک سانحہ کی نشاندہی کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے رفقاء گرامی کو چوکس کیا جا رہا ہے کہ یہودیوں کی ملمع سازی اور چکنی چپڑی باتوں سے بچتے رہیے۔ یہ ایسی قوم ہے کہ جن کی تاریخ گھناؤنے جرائم سے بھری ہوئی ہے۔ مدینے کے یہودیوں نے بھی آپ کے خلاف بارہا سازش کی کہ آپ کو شہید کر دیا جائے۔ ایک دفعہ آپ ایک مکان کے صحن میں تشریف فرما تھے یہودیوں نے پروگرام بنایا کہ کچھ لوگ آپ کو گفتگو میں مصروف رکھیں اور دوسرے آدمی چھت کے اوپر سے آپ پر بھاری پتھر پھینک کر آپ کا خاتمہ کر دیں۔ (البدایہ والنہایہ)

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ایک بوڑھا یہودی شاش بن قیس ایک بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک مجلس کے پاس سے گزرا۔ جس میں اوس وخزرج دونوں قبیلوں کے لوگ بیٹھے محبت والفت کی باتیں کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر بوڑھا یہودی سخت رنجیدہ ہو کر کہنے لگا۔ بخدا اشراف کے اتحاد کے بعد تو ہمارا جینا محال ہے۔“ چنانچہ اس نے ایک نوجوان یہودی کو حکم دیا کہ انصار اور

مہاجرین کی مجالس میں جائے اوران کے ساتھ بیٹھ کر پھر جنگِ بُعاث اوراس کے واقعات کا ذکر کرے۔ اس سلسلے میں دونوں جانب سے جو اشعار کہے گئے ہیں انہیں سنائے اس یہودی نے ایسا ہی کیا۔ اس کے نتیجے میں اوس وخزرج میں تو تو میں میں شروع ہوگئی۔ لوگ جھگڑنے لگے اور ایک دوسرے پر خنجر اٹھا لیے یہاں تک کہ دونوں قبیلوں کے آدمی ایک دوسرے کے خلاف گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔ ایک نے اپنے مدمقابل سے کہا اگر چاہو تو ہم اس جنگ کو پھر شروع کرتے ہیں۔ اس پر دونوں فریقوں کو تاؤ آ گیا اور بولے چلو ہم تیار ہیں حرہ میں مقابلہ ہوگا۔ اسلحہ کی آوازیں بلند ہوئیں! اور لوگ اسلحہ لے کر حرہ کی طرف نکل پڑے۔ قریب تھا کہ خونریز جنگ ہو جاتی لیکن رسول کریم ﷺ کو بروقت خبر ہوگئی۔ آپ مہاجر صحابہ کو ہمراہ لے کر جھٹ ان کے پاس پہنچے اور فرمایا اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ سے ڈرو کیا میرے ہوتے ہوئے اور اسلام قبول کرنے کے باوجود آپس میں لڑ رہے ہو؟ آپ کے فرمان پر معاملہ ختم ہوا۔

سازشوں کا یہ سلسلہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے آخری دور تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ ہجرت کے ساتویں سال لبید بن اعصم یہودی نے آپ پر جادو کا ایسا وار کیا کہ آپ کی طبیعت کئی دنوں تک نڈھال اور پریشان رہی۔ گویا اس زمانے میں سب سے بڑے تخریب کار اور تشدد پسند یہودی تھے اور آج بھی بین الاقوامی سازشوں اور تخریب کاریوں کے پیچھے یہودی ہی کارفرما ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار، انبیاء اور نیک لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ اس قدر ناراض ہوتا ہے کہ انہیں اذیت ناک عذاب کی تنبیہ کرنے کی بجائے خوشخبری سنائی جاتی ہے کہ ایسے لوگوں کے دنیا اور آخرت میں اعمال غارت ہوں گے اوران کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ قَتَلَهُ نَبِيٌّ أَوْ قَتَلَ نَبِيًّا»

(رواہ احمد: باب مسند عبداللہ بن مسعود [حسن])

”حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ سخت عذاب اس آدمی کو ہوگا جسے کسی نبی نے قتل کیا یا اس نے کسی نبی کو قتل کیا۔“

مسائل

۱۔ اللہ کے احکامات کے منکر اور انبیاء وعلماء کے قاتل جہنم میں جائیں گے۔

۲۔ دنیا وآخرت میں ان کے اعمال ضائع ہوں گے اوران کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

یہودیوں کا گھناؤنا کردار:

۱۔ یہودی انبیاء کے قاتل ہیں۔ (آلِ عمران: ۱۱۲) ۲۔ یہودیوں نے انبیاء کی تکذیب کی اور انہیں قتل کیا۔ (المائدۃ: ۷۰)
۳۔ یہودی مشرک ہیں۔ (التوبۃ: ۳۰) ۴۔ یہودی سازشی ہیں۔ (آل عمران: ۵۴) ۵۔ یہودی لعنتی ہیں۔ (المائدۃ: ۷۸)
۶۔ یہودی جھوٹے اور سود خور ہیں۔ (المائدۃ: ۶۳) ۷۔ یہودی اللہ تعالیٰ کے گستاخ ہیں۔ (المائدۃ: ۶۴)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ

کیا نہیں تو نے دیکھا طرف جو لوگ دیے گئے ایک حصہ سے کتاب وہ بلائے جاتے ہیں

اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ

طرف کتاب اللہ تاکہ وہ فیصلہ کرے ان کے درمیان پھر پھر جاتا ہے ایک فریق

مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ

ان سے اور وہ منہ پھیرنے والے یہ اس لیے کہ بیشک وہ کہتے ہیں ہرگز نہ چھوئے گی ہم کو آگ

اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۠ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا

مگر چند دن گنتی کے اور انہیں دھوکہ میں ڈال دیا میں ان کا دین جو وہ تھے

يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ

جھوٹ باندھتے پس کیا جب ہم انہیں جمع کرینگے ایسے دن میں نہیں شک اس میں

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور پورا دیا جائے گا ہر شخص جو اس نے کمایا اور وہ نہیں ظلم کیے جائیں گے

”کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے؟ وہ اللہ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، لیکن ان کی ایک جماعت اس سے منہ پھیر لیتی ہے اور وہ اعراض کرنے والے ہیں۔(۲۳) اس کی وجہ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ہمیں چند دن ہی آگ چھوئے گی۔ ان کے دین نے ہی انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔(۲۴) پس کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اس دن جمع کریں گے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور ہر شخص کو اپنے کیے کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“ (۲۵)

فہم القرآن

ربط کلام: اہلِ کتاب ہی پہلے کفر کرنے والے ہیں ان کے کفر کی بنیاد ان کا من ساختہ عقیدہ ہے کہ ہم چند دن جہنم میں جائیں گے حالانکہ وہاں ایک کے اعمال دوسرے کے لیے فائدہ مند نہیں ہوں گے۔

اے نبی ﷺ! کیا آپ نے اہلِ کتاب کے رویے پر غور نہیں فرمایا کہ جب بھی انہیں تنازعات کا فیصلہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تو بلاوا سنتے ہی ان میں ایک گروہ سراسر منہ پھیر لیتا ہے۔ ایسا اس لیے کرتا ہے کہ ان کا دعویٰ ہے کہ ہمیں جہنم کی آگ مس نہیں کرے گی سوائے چند دنوں کے جن میں ہمارے بزرگوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی۔ دراصل ان کا خودساختہ دین ہی ان کے لیے فریبِ نفس اور ہدایت کے لیے سدِّ راہ بن چکا ہے۔ ان کی خودفریبیوں کا عالم یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے بیٹے قرار دیتے ہیں اور لوگوں میں یہ تاثر پیدا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ چند دنوں کے علاوہ

ہمیں ہرگز سزا نہیں دے گا۔ افسوس! یہی فریب کاریاں اور خوش فہمیاں آج امّتِ محمدیہ کی غالب اکثریت میں پیدا ہو چکی ہیں۔ کوئی آلِ رسول کا نام لے کر اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے، کسی نے عشقِ رسول کا نعرہ لگا کر لوگوں کو شریعت سے آزاد کر دیا ہے اور کچھ لوگوں نے دنیا میں ہی بہشتی دروازے کھول رکھے ہیں اور ان کے مذہبی پیشوا اور پیر و مرشد برملا اپنے مریدوں کو یہ سبق دیتے ہیں کہ جنت میں جانے کے لیے نیک اعمال کی ثانوی حیثیت ہے بزرگوں کو راضی رکھنا جنت کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے مترادف ہے اسی بناء پر مرشد پکڑنا اور کسی امام کی تقلید ضروری قرار دی جاتی ہے۔ ان کے خود ساختہ دعوؤں اور وعدوں کی نفی کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ ان کے دین نے ہی انہیں گمراہ کر دیا ہے۔ یاد رہے کہ جو شخص دین کی خود ساختہ توجیح کی وجہ سے گمراہ ہو جائے اس کے لیے ہدایت پانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں کی کسمپرسی کا کیا عالم ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ محشر کے میدان میں انہیں اپنے حضور جمع کرے گا؟ وہاں نہ تو نسب کام آئے گا نہ بزرگ فائدہ پہنچا سکیں گے اور نہ ہی پُرکشش نعرے سودمند ہوں گے۔ وہاں تو مجرموں کو دیکھتے ہی ہر کوئی ان سے دور بھاگ جائے گا۔ یہاں تک کہ جنم دینے والی ماں، پرورش کرنے والا باپ، فدا ہونے والے بھائی، اور جانثار بیوی، بیٹے اور بیٹیاں بھی ساتھ چھوڑ جائیں گی۔ پیر مریدوں سے اور مرید اپنے پیروں سے رفو چکر ہو جائیں گے۔ ہر شخص کو اس کے اچھے بُرے اعمال کی پوری پوری جزا یا سزا دی جائے گی کسی پر ذرّہ برابر بھی ظلم نہیں ہونے پائے گا۔

مسائل

١۔ اہلِ کتاب کو اسلام کی دعوت دی جائے تو ان کی اکثریت اعراض کرتی ہے۔
٢۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ ہم چند دن ہی جہنم میں جائیں گے۔ ٣۔ یہودیوں کے خود ساختہ دین نے ہی انہیں گمراہ کر دیا ہے۔
٤۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب کو جمع کرے گا۔ ٥۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کو پورا پورا بدلہ دے گا اور کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

کتاب اللہ سے اعراض کا نتیجہ:

١۔ قرآن سے اعراض کرنے والے ظالم اور گمراہ ہیں۔ (الکھف: ٥٧)
٢۔ قرآن سے منہ پھیرنے والوں کی سزا جہنم ہے۔ (السجدۃ: ٢٢)
٣۔ قرآن سے اعراض کرنے والے قیامت کے دن اندھے ہوں گے۔ (طٰہٰ: ١٢٤، ١٢٥)
٤۔ اعراض کرنے والوں کو اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔ (طٰہٰ: ١٠٠، ١٠١)
٥۔ قرآن کا انکار برے لوگ ہی کرتے ہیں۔ (البقرۃ: ٩٩)
٦۔ قرآن سے اعراض کرنے والوں کو دنیا اور آخرت میں دوہرا عذاب ہوگا۔ (بنی اسرائیل: ٧٥)

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ

آپ کہیں اے اللہ مالک بادشاہی تو دیتا ہے بادشاہی جسے تو چاہے اور چھین لیتا ہے سلطنت جس سے

تَشَآءُ ؗ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ

تو چاہے اور عزت دیتا ہے جسے تو چاہے اور ذلیل کر دیتا ہے جسے تو چاہے تیرے ہاتھ میں سب خیر بیشک تو پر ہر

شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ؗ وَ تُخْرِجُ الْحَیَّ

چیز خوب قادر تو داخل کرتا ہے رات میں دن اور تو داخل کرتا ہے دن میں رات اور تو نکالتا ہے زندہ

مِنَ الْمَیِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ؗ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

سے مردہ اور تو نکالتا ہے مردہ سے زندہ اور تو رزق دیتا ہے جسے تو چاہے بے حساب

’’تم کہہ دو اے اللہ! ساری کائنات کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت عطا فرمائے اور جسے چاہے ذلت دے تیرے ہی ہاتھ میں ہر قسم کی خیر ہے یقیناً تو ہی ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔(۲۶) تو ہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو ہی بے جان سے جاندار اور جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے اور تو ہی جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا کرتا ہے۔‘‘(۲۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام : اہلِ کتاب اپنے حسد وبغض کی وجہ سے اسلام کی عظمت اور نبی محترم ﷺ کی حرمت ختم کرنے کے درپے رہتے ہیں حالانکہ عزت وذلت، اختیار واقتدار، موت وحیات اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

یہودی اپنے آپ کو سلسلۂ نبوت کا وارث سمجھتے ہیں جس بنا پر انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو تختہ دار پر لٹکانے کی سازش کی اور اسی بنا پر یہ رسولِ محترم ﷺ، اسلام اور مسلمانوں کے مخالف ہوئے اور رہتے ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا میں سب سے پاک ، معزز اور اللہ تعالیٰ کے مقرب یہودی ہیں لہٰذا جب بھی غلبۂ اسلام یا مسلمانوں کی عزت واقبال کی بات ہو تو یہ لوگ اپنے آپ سے باہر ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ان کا حسد وبغض اپنے عروج پر پہنچا ہوا تھا۔ جب کبھی مسلمانوں کو تابناک مستقبل کے بارے میں خوشخبری سنائی جاتی تو یہودی طعنہ زن ہوتے کہ جنہیں پہننے کے لیے کپڑا، کھانے کے لیے روٹی، سر چھپانے کے لیے مکان میسر نہیں اور جن کا معاشرے میں کوئی مقام نہیں کیا یہ لوگ سلطنتِ رومہ پر قابض اور ایران کے فاتح بنیں گے؟ ایسے لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے آپ ﷺ کو یہ عظیم دعا سکھلائی گئی جو دعا بھی ہے، مستقبل کی پیش گوئی بھی اور مسلمانوں کے عقیدے کی ترجمانی بھی کرتی ہے۔ اس میں مسلمان اپنے مولا کے حضور اس خواہش کا اظہار اور فریاد کرتا ہے کہ الٰہی! اس لامحدود اور بے کنار مملکت اور اختیارات کا تو ہی مالک اور بادشاہ ہے تیرے اختیار میں ہے کہ تو گداؤں کو بادشاہ بنا دے اور بادشاہوں کو در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دے۔ عزت والوں کو ان کی سرمستیوں کی وجہ

سے ذلیل کردے اور لوگوں کی نظروں میں ناچیز اور حقیروں کو معزز اور محترم ٹھہرا دے۔ پوری کی پوری خیر تیرے ہی قبضہ میں ہے بلاشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ لیکن یہودیوں کی طرح کتنے لوگ اور حکمران ہیں جو ''أَنَا وَلَا غَيْرِيْ'' کے نعرے لگاتے ہیں کہ ہمارے اقتدار اور اختیار کو چیلنج کرنے والا کوئی نہیں۔ ہماری طرف بڑھنے والے ہاتھ کاٹ دیے جائیں گے۔ لیکن جب احکم الحاکمین کا فیصلہ صادر ہوا تو جو ہاتھ بادشاہوں، افسروں اور لیڈروں کے گلے میں پھول پہنایا کرتے تھے وہی ہاتھ ان کی موت کا سبب ثابت ہوئے۔ یہاں اسی عقیدے کی ترجمانی کی گئی ہے۔

الٰہی! تو ہی رات کو دن میں اور دن کی روشنی کو رات کی تاریکیوں میں گم کرتا ہے۔ تو مردہ سے زندہ پیدا کرتا اور زندہ سے مردہ نکالتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں ہماری روزی ہے تو جسے چاہے بغیر حساب کے عطا فرماتا ہے۔ دعا کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح رات کے اندھیروں کے بعد دن کا اجالا ہوتا ہے اسی طرح مصائب اور مشکلات کے بعد آسانیاں ہوا کرتی ہیں۔ جس طرح دن کی روشنی کو رات کی تاریکیاں آلیتی ہیں ایسے ہی تندرستی کے بعد بیماری، دولت کے بعد غربت اور کامیابی کے بعد ناکامی آدمی کا مقدر بن جاتی ہے۔ گویا کہ جس طرح زندگی دن رات سے عبارت ہے اسی طرح غمی وخوشی اور بیماری وتندرستی آپس میں جُڑے ہوئے اور زندگی کا حصہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بے حساب رزق دینے کا معنیٰ یہ ہے کہ جب وہ دینے پر آتا ہے تو لینے والے کو بھی اندازہ نہیں رہتا۔ یہ اس کے بے حساب رزق دینے کا ہی نتیجہ ہے کہ مالداروں نے اپنا حساب وکتاب رکھنے کے لیے کئی کئی کیشیئر اور کلرک رکھے ہوتے ہیں۔ اب تو کیش گننے کے لیے کمپیوٹر اور مشینیں ایجاد ہو چکی ہیں۔ اس کے باوجود بھی مال داروں کو اپنی جائیداد اور سرمایہ کا اندازہ نہیں ہوتا اس میں سرمایہ دار کی محنت سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رزّاقی اور اس کی مشیت کا دخل ہوتا ہے جس کی حکمت وہی جانتا ہے۔

مسائل

۱۔ اقتدار وزوال اور عزت وذلّت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ۲۔ ہر قسم کی خیر اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ رات کو دن اور دن کو رات میں داخل کرنے والا ہے۔

۴۔ وہ زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ نکالتا اور بے حساب رزق دینے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے اختیارات:

۱۔ اللہ زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ (آلِ عمران: ۲۷) ۲۔ اللہ مردے کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ (الاحقاف: ۳۳)

۳۔ اللہ جسے چاہتا ہے معزز اور جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ (آلِ عمران: ۲۶)

۴۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کو پیدا کرے گا۔ (البقرۃ: ۲۸) ۵۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (البقرۃ: ۲۰)

۶۔ اللہ سب کو مار کر دوسری مخلوق پیدا کرسکتا ہے۔ (النساء: ۱۳۳)

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ

نہ بنائیں مومن (جمع) کافر (جمع) دوست (جمع) سے علاوہ مومن (جمع) اور جو کرے

ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ

ایسا تو نہیں سے اللہ میں کچھ سوائے یہ کہ بچاؤ کرو تم ان سے بچاؤ کرنا

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ

اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ اپنی ذات اور طرف اللہ لوٹنا فرمادیں اگر تم چھپاؤ جو میں

صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

تمہارے سینے (دل) یا تم ظاہر کرو اسکو جانتا ہے اسے اللہ اور وہ جانتا ہے جو میں آسمانوں اور جو میں

الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ

زمین اور اللہ پر ہر چیز خوب قادر دن پائے گی ہر جان جو اس نے کیا

مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۛۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۛۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا

سے نیکی موجود اور جو اس نے کیا سے برائی آرزو کریگی کاش بیشک اسکے درمیان

وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ ع

اور اسکے درمیان فاصلہ لمبا اور تمہیں ڈراتا ہے اللہ اپنی ذات اور اللہ بہت شفقت کرنے والا بندوں پر

''مومنوں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں رہے گا مگر یہ کہ کوئی مسلمان ان کے شر سے بچنے کے لیے ایسا کرے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور تم نے اللہ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے۔ (۲۸) فرما دیجیے کہ خواہ اپنے دلوں کی باتیں چھپاؤ یا انہیں ظاہر کرو اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسے معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲۹) جس دن ہر نفس اپنی کی ہوئی نیکیوں اور برائیوں کو موجود پائے گا اور آرزو کرے گا کہ کاش اس کے اور اس کی برائیوں کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی شفقت کرنے والا ہے۔'' (۳۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جب عزت وذلت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو ذاتی مفاد اور دنیوی عزت کی خاطر اسلام دشمن قوتوں کے ساتھ قلبی محبت اور تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔ دنیا میں جو لوگ جان بوجھ کر گناہوں سے نہیں بچتے قیامت کے دن خواہش کرنے کے باوجود عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔

مدینہ طیبہ میں ہجرت کے ابتدائی ایام تک کئی مسلمان کافروں کو اپنا دوست اور خیر خواہ سمجھتے تھے۔ یہاں مسلمانوں کو کفار

کے ساتھ رہنے کے بنیادی اصول سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ کفار کو اپنا دلی دوست بنائے اور اسے مومن بھائی سے مقدّم سمجھے۔ جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی کیونکہ عزّت و ذلّت، غربت و دولت اور اختیار و اقتدار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ عام طور پر یہی چیزیں ایک غریب آدمی کو امیر کے سامنے دست نگر بناتی اور مرعوب کرتی ہیں۔ جب ہر قسم کی خیر اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے تو پھر مومن کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے ہم عقیدہ بھائی کو چھوڑ کر یا مومن سے زیادہ اللہ کے باغیوں کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھائے۔ البتہ وقتی طور پر کسی خوف یا مصلحت کی خاطر دوستی رکھی جا سکتی ہے۔ تفصیل کے لیے سورۃ توبہ رکوع ۹ کی تلاوت کریں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں صرف اپنی ذات سے ڈرنے کا حکم دیتا ہے اور اسی کی طرف تم نے پلٹ کر جانا ہے۔ تم کوئی چیز چھپاؤ یا اسے ظاہر کرو، اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے کیونکہ وہ آسمانوں کے چپے چپے اور زمین کے ذرّے ذرّے سے واقف اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ وہ تمہیں اس دن جمع کرے گا جس دن ہر کسی کے سامنے اس کے اچھے یا برے کام پیش کیے جائیں گے۔ مجرم اس وقت اس خواہش کا اظہار کرے گا کہ کاش! میرے اور میرے جرائم کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل ہو جائے۔ سورۃ النباء آیت ۴۰ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: {وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا} ''کافر کہے گا کاش میں مٹی کے ساتھ مٹی بنا رہتا۔'' اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔ اس کی جلالت سے ڈرانے کا مقصد یہ ہے کہ تم کفار اور اپنے مفاد کے چھن جانے سے نہ ڈرو بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ کبریا سے ڈرتے رہو۔ جو اس سے ڈرتے ہیں وہ کسی سے نہیں ڈرا کرتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے تابع فرمان بندوں کے ساتھ نہایت ہی شفقت و مہربانی کرنے والا ہے۔

مسائل

۱۔ کافر کو دلی دوست بنانا جائز نہیں۔ ۲۔ مصلحت کی خاطر کافر سے عارضی دوستی ہو سکتی ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سے ہی ڈرنا چاہیے، سب نے اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

۴۔ انسان کوئی چیز چھپائیں یا ظاہر کریں اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ ۵۔ مجرم اپنے جرائم سے دور بھاگنے کی تمنا کرے گا۔

۶۔ قیامت کے دن ہر آدمی کے سامنے اس کے نیک اور برے اعمال پیش کئے جائیں گے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ مجرموں کو ڈرانے والا اور نیکوں کے ساتھ شفقت کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

کفار سے قلبی دوستی کی اجازت نہیں:

۱۔ کافروں سے دوستی کی ممانعت۔ (آلِ عمران: ۲۸) ۲۔ کافروں کو خوش کرنے کی ممانعت۔ (الانعام: ۱۵۰)

۳۔ کفار کی پیروی کا نقصان۔ (آلِ عمران: ۱۴۹) ۴۔ یہود و نصاریٰ کی پیروی پر انتباہ۔ (البقرہ: ۱۲۰)

۵۔ جب تک یہود و نصاریٰ کی پیروی نہ کی جائے یہ خوش نہیں ہوتے۔ (البقرہ: ۱۲۰)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

آپ فرمادیں اگر تم ہو محبت کرتے اللہ توتم میری پیروی کرو تم سے محبت کرے گا اللہ

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣١﴾ قُلْ اَطِيْعُوا

اوروہ بخش دیگا تمہارے لیے تمہارے گناہ اوراللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا آپ فرمادیں تم اطاعت کرو

اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٢﴾

اللہ اوررسول پھراگر وہ پھرجائیں توبیشک اللہ نہیں دوست رکھتا کافر(جمع)

’’فرمادیجیے! اگرتم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہوتو میری تابعداری کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔ (۳۱) فرمادیجیے! کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اگر یہ منہ پھیرلیں تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔‘‘ (۳۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اسلام کے دشمنوں سے محبت رکھنے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے محبت کرو اور یہ اطاعتِ رسول کے بغیر ممکن نہیں ہوگی۔

دنیا میں ہر مذہب کے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قربت ومحبت کے حصول کے لیے اپنے اپنے طریقے ایجاد کررکھے ہیں۔ یہودی انبیاء کی اولاد ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے بلکہ اپنے آپ کو ’’اللہ‘‘ کے بیٹے سمجھتے ہیں۔ اس بنا پر ان کا دعویٰ ہے کہ ہم اللہ کے سب سے زیادہ مقرب ہیں۔ مشرکوں نے اپنے بزرگوں، بتوں اور مزارات کو اللہ تعالیٰ کی قربت کا وسیلہ ٹھہرالیا ہے کچھ لوگوں نے دنیا سے لاتعلق ہوکر گوشہ نشینی، صحرانوردی اور چلہ کشی کو اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ بنایا ہے۔ عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام، ان کی والدہ، پوپ اور پادری کو درجہ بدرجہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کا زینہ بنایا ہے۔ مسلمانوں نے زندہ اور فوت شدہ بزرگوں کو وسیلہ بنالیا ہے۔ یہاں مثبت اور لطیف انداز میں ان طریقوں کی نفی کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے اعلان کروایا گیا ہے کہ اے لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ کی محبت کے طلب گار ہو تو اس کے لیے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ تم صرف میری فرمانبرداری کرو۔ کیونکہ میری اطاعت ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرتے ہوئے تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، نہایت ہی مہربان ہے۔ مسلمان اور کافر کے درمیان یہی بنیادی فرق ہے ورنہ عیسائی، یہودی، مجوسی، ہندو، سکھ، بدھ مت، غرضیکہ دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں جو کسی نہ کسی طریقے سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا اعتراف اور اس کی عبادت نہ کرتی ہو۔ آخر کیا وجہ ہے کہ قرآنِ مجید انہیں کافر گردانتا ہے؟ اگر مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنے اپنے انداز میں مانیں اور اس کی عبادت اپنے اپنے طریقے سے کریں تو مقامِ رسالت اور آپ کی اتباع کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ کاش کہ مسلمان اتباعِ رسول کو سمجھنے کی کوشش کریں اور آپ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا وسیلہ بنا کر دنیا و آخرت کی کامرانیوں سے سرفراز ہوجائیں۔ مقامِ نبوت اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع اختیار کرنے کے لیے عقل مند کے لیے

آپ کا ایک ہی ارشاد کافی ہے جو شخص اس کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے انحراف کرتا ہے اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انکار کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اچانک آپ کے سامنے تورات کا کچھ حصہ پڑھنا شروع کیا جس میں قرآنِ مجید کے احکامات کی تائید پائی جاتی تھی۔ جوں جوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات پڑھ رہے تھے آپ کا چہرہ متغیر ہو رہا تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کی توجہ اس طرف مبذول کروائی کہ آپ تورات پڑھے جا رہے ہیں جب کہ سرورِ دو عالم ﷺ اس پر خوش نہیں ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معذرت خواہانہ انداز میں عرض کیا کہ میں تو اللہ اور اس کے رسول پر مطمئن اور راضی ہوں تب آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا جو ہر مسلمان کے لیے مشعلِ زندگی ہونا چاہیے۔ آپ نے فرمایا:

«وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ أَنَّ مُوْسٰی ﷺ كَانَ حَيًّا مَا وَسِعَهٗ إِلَّا أَنْ یَّتَّبِعَنِیْ»

(رواہ احمد: باب باقی مسند جابر بن عبداللہ [صحیح])

”اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کیے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔“

مسائل

۱۔ رسول محترم ﷺ کی اتباع ہی اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذریعہ ہے۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے سبب اللہ تعالیٰ گناہ معاف کرتا ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کفار سے محبت نہیں کرتا۔

تفسیر بالقرآن

رسولِ معظم ﷺ کی اطاعت کے ثمرات:

۱۔ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ (النساء: ۸۰) ۲۔ اطاعت میں کامیابی ہے۔ (الاحزاب: ۷۱)

۳۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں ہے۔ (آل عمران: ۱۳۲)

۴۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ کی محبت اور بخشش کا ذریعہ ہے۔ (آل عمران: ۳۱)

۵۔ اطاعتِ رسول سے نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کی رفاقت نصیب ہوگی۔ (النساء: ۶۹)

۶۔ رسول ﷺ کی اطاعت کامیابی کی ضمانت ہے۔ (الاحزاب: ۷۱)

۷۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کو جنت میں داخلہ نصیب ہوگا۔ (الفتح: ۱۷)

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةًۢ

بیشک اللہ چن لیا آدمؑ اور نوحؑ اور ابراہیمؑ کا خاندان اور عمران کا خاندان پر سارے جہان اولاد

بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ

بعض ان کے سے بعض اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا جب کہا بی بی عمران کی

رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ

اے میرے رب بیشک میں میں نے نذر مانی تیرے لیے جو میں میرا پیٹ آزاد کیا ہوا چنانچہ تو قبول فرما مجھ سے

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ

بیشک تو تو خوب سننے والا خوب جاننے والا پھر جب اس نے اس کو جنم دیا اس نے کہا اے میرے رب یقیناً میں نے

وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَ اِنِّیْ

جنم دیا اس کو لڑکی اور اللہ خوب جاننے واا جو اس نے جنا اور نہیں مذکر مانند مونث اور بیشک میں نے

سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَ اِنِّیْۤ اُعِيْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾

اس کا نام رکھا مریم اور بیشک میں پناہ میں دیتی ہوں اسکو تیری اور اس کی اولاد کو سے شیطان مردود

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمام جہان کے لوگوں میں سے آدم، نوح، ابراہیم کے خاندان اور عمران کے خاندان کو منتخب فرمایا۔(۳۳) یہ سب ایک دوسرے کی نسل سے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔(۳۴) جب عمران کی بیوی نے عرض کیا! اے میرے رب! میرے بطن میں جو کچھ ہے اسے میں نے تیری نذر کر دیا ہے تو اسے میری طرف سے قبول فرما۔ یقیناً تو خوب سننے اور خوب جاننے والا ہے۔(۳۵) جب اس نے اسے جنم دیا تو کہنے لگی اے پروردگار! میرے ہاں تو لڑکی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جو اس نے جنم دیا اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں، میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔ میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔“(۳۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہاں سے خطاب کا رخ عیسائیوں کی طرف کیا جا رہا ہے۔ جس کی ابتدا حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے خاندانی حالات سے کی گئی ہے کہ یہ سب انسان تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس طرح خدا بن گئے؟

عیسائیوں کے نظریات کی اصلاح، حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کے بارے میں ان کی غلط فہمیوں کو دور کرنے سے پہلے دنیا کی عظیم ترین شخصیات کا اس لیے حوالہ دیا جا رہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلمہ اور محبوب پیغمبر ہیں، مگر ان شخصیات سے عظیم تر نہیں بلکہ وہ انہی کے روحانی اور نسبی فرزند ہیں۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کا خاندانی پسِ منظر اس طرح ہے کہ جب ان کے نانی حضرت عمران علیہ السلام کی بیوی نے اپنے رب کے حضور یہ نذر مانی کہ اے اللہ! میرے بطن میں جو ہے میں اسے تیرے لیے

وقف کرتی ہوں۔ تو میری طرف سے اسے قبول فرما۔ لیکن جب اس نے جنم دیا تو وہ بیٹے کی بجائے بیٹی تھی اس نے اپنے رب کے حضور عرض کی کہ الٰہی! یہ تو بیٹی پیدا ہوئی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا جو اس نے جنم دیا ہے بلا شبہ لڑکی لڑکے کی مانند نہیں ہوسکتی۔ زوجہ عمران نے اس کا نام مریم رکھنے کے بعد دعا کی کہ الٰہی! میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان لعین سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی فریاد کو خوب قبول فرمایا اور حضرت مریم علیہا السلام کی بہترین نشو ونما فرمائی اور اس کی کفالت حضرت زکریا علیہ السلام کے ذمہ ٹھہری۔ حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش کے بارے میں مشہور مفسر امام رازی لکھتے ہیں کہ مریم کی والدہ نہایت ہی بوڑھی ہو چکی تھیں۔ ایک دن ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ ایک پرندہ اپنے بچوں کے منہ میں منہ ڈال کر دانہ کھلا رہا ہے اس منظر نے ان کی طبیعت میں عجیب احساس پیدا کیا۔ فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کرنے لگیں کہ الٰہی! اگر تو مجھے بیٹا عطا فرمائے تو میں اسے تیری راہ میں وقف کروں گی جس کے نتیجے میں مریم علیہا السلام پیدا ہوئیں۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں ہر پیدا ہونے والے بچے کو شیطان مس کرتا ہے۔ بچہ شیطان کے چھونے کی وجہ سے چیختا ہے لیکن مریم اور عیسیٰ علیہما السلام اس سے مستثنیٰ ہیں۔ پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کی {وَإِنِّيٓ أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ} (رواہ البخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم)

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَهُ فَلَا يَعْصِهِ»

(رواہ البخاری: کتاب الأیمان والنذور، باب النذر فی الطاعۃ)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے بیان کرتی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے نذر مانی کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو اسے پورا کرنا چاہیے اور جو ”اللہ“ کی نافرمانی کی نذر مانے اسے اس سے باز رہنا چاہیے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام آل ابراہیم اور آل عمران کو منتخب کر لیا تھا۔

۲۔ نذر پوری کرنی چاہیے۔ ۳۔ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے شیطان کے شر سے محفوظ رکھا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے منتخب کردہ حضرات:

۱۔ آدم، نوح علیہما السلام، آل ابراہیم اور آل عمران۔ (آل عمران: ۳۳) ۲۔ حضرت مریم علیہا السلام۔ (آل عمران: ۴۲)

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ (الاعراف: ۱۴۴) ۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام منفرد اور منتخب۔ (البقرۃ: ۱۳۰)

۵۔ حضرت اسحاق و یعقوب علیہما السلام اللہ کے منتخب کردہ ہیں۔ (ص: ۴۵ تا ۴۷)

۶۔ رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین اور خاتم النبیین ہیں۔ (الانبیاء: ۱۰۷۔ الاحزاب: ۴۰)

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ

تو قبول کیا اس کو | اس کا رب | قبول کرنا | اچھا | اور پرورش کی اس کی | پرورش | اچھی

وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ ؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ

اور اس نے اس کا کفیل بنایا | زکریا | جب کبھی | داخل ہوا | اس پر | زکریا | محراب | اس نے پایا

عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ

اس کے پاس | کھانا | اس نے کہا | اے مریم | کہاں | تیرے لیے | یہ | اس نے کہا | یہ

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۳۷

سے | پاس | اللہ | بیشک | اللہ | رزق دیتا ہے | جسے | چاہے | بے حساب

’’چنانچہ اس کے پروردگار نے اسے اچھی طرح قبول فرمالیا اور بہترین پرورش فرمائی اور اس کی کفالت زکریا کو سونپی۔ جب کبھی زکریا ان کے حجرے میں جاتے تو اس کے پاس رزق پاتے، وہ پوچھتے اے مریم! یہ رزق تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ انہوں نے کہا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے حساب

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

حضرت مریم علیہا السلام جب بڑی ہوئیں تو انہیں حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں دیا گیا۔ اس زمانے کے مذہبی رواج کے مطابق اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف لوگ تارک الدنیا ہو کر مسجدِ اقصیٰ میں تعلیم وتربیت اور ذکر واذکار میں مصروف رہتے تھے۔ ان میں وہ عورتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔ جنہوں نے اپنے آپ کو دنیا کے معاملات سے الگ کرلیا ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام انہی ذاکرات میں شامل ہو کر اپنے حجرے میں محوِ عبادت رہا کرتی تھیں۔ ان کے کھانے پینے کا انتظام ان کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد تھا۔ ایک دن زکریا علیہ السلام ان کے ہاں حجرے میں تشریف لائے تو ان کے پاس غیر موسمی عمدہ پھل دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ حیران ہو کر پوچھتے ہیں کہ بیٹی مریم یہ پھل کہاں سے آئے ہیں؟ مریم علیہا السلام نے جواب دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے بلا حساب رزق سے نوازتا ہے۔ یہ سنتے اور اللہ کی قدرت دیکھتے ہی حضرت زکریا علیہ السلام کے رونگٹے کھڑے ہوئے اور وجود تھرتھرانے لگا اور بے ساختہ ہاتھ اللہ کے حضور اٹھے اور فریاد کرنے لگے کہ اے میرے رب! مجھے بھی اپنی جناب سے نیکوکار اولاد نصیب فرما یقیناً تو دعا سننے والا ہے زکریا علیہ السلام ابھی اسی حجرے میں نماز کی حالت میں کھڑے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ کا نزول ہوا اور انہوں نے آپ کو یہ نوید سنائی کہ اے زکریا! خوش ہو جایئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بیٹا عطا فرمائیں گے جس کا نام یحییٰ ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے کلمے کی تصدیق کرے گا اور وہ سردار ہوگا نہایت ہی پاک باز، اپنے آپ کی حفاظت کرنے والا اور انبیاء میں سے ہوگا۔ کلمہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب اور عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ’’حَصُوْرًا‘‘ کا معنی ہے کہ مجرّد رہیں گے

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ

وہیں | دعا کی | زکریا | اس کا رب | اس نے کہا | اے میرے رب | عطا کر | مجھے | سے

لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿٣٨﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ

اپنے پاس | اولاد | پاک | بے شک تو خوب سننے والا | دعا | تو پکارا اس کو | فرشتہ (جمع) | اور وہ

قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا

کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے | میں | محراب | بیشک | اللہ تمہیں خوشخبری دیتا ہے | یحیٰی کی | تصدیق کرنیوالا

بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٣٩﴾

ساتھ ایک کلمہ | سے | اللہ | اور سردار | اور نفس کو قابو رکھنے والا | اور نبی | سے | نیکوکار (جمع)

رزق دیتا ہے۔(۳۷) اسی جگہ زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بے شک تو دعا سننے والا ہے۔(۳۸) پس فرشتوں نے اسے آواز دی جب کہ وہ حجرے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یحیٰی کی خوشخبری دیتا ہے جو اللہ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والا، سردار، نفس پر قابو پانے والا، نبی اور نیک لوگوں میں سے ہوگا۔‘‘(۳۹)

جس کی غالباً حکمت یہ تھی کہ یہود دنیا کے بندے بن چکے تھے۔ دنیا سے بے رغبتی دلانے کے لیے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنی ذات کو نمونہ کے طور پر پیش کیا تا کہ یہودیوں میں دنیا کے بارے میں بے رغبتی پیدا ہو سکے۔

مسائل

۱۔ حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی نشوونما سے نوازا تھا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بلا حساب رزق دیتا ہے۔ ۳۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام سردار اور شرم وحیا والے اور نبی تھے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت:

۱۔ کفالت میں جھگڑا۔(آلِ عمران: ۴۴) ۲۔ جھگڑے کے حل کا طریقہ کار۔(آلِ عمران: ۴۴)

۳۔ حضرت زکریا علیہ السلام کفیل ہوئے۔(آل عمران: ۳۷)

اولاد کی بشارت:

۱۔ زکریا علیہ السلام کو یحییٰ علیہ السلام کی بشارت۔(مریم: ۷) ۲۔ مریم کو عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری دی گئی۔(مریم: ۱۷، ۱۹)

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل علیہ السلام کی خوشخبری۔(الصافات: ۱۰۱، الذاریات: ۲۸)

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام اور پوتے کی خوشخبری۔(ھود: ۷۱)

قَالَ	رَبِّ	اَنّٰى	يَكُوْنُ	لِىْ	غُلٰمٌ	وَّقَدْ
اس نے کہا	اے میرے رب	کیسے	ہوگا	میرے لیے	لڑکا	اور تحقیق
بَلَغَنِىَ	الْكِبَرُ	وَامْرَاَتِىْ	عَاقِرٌ ؕ	قَالَ	كَذٰلِكَ	اللّٰهُ
پہنچ گیا مجھے	بڑھاپا	اور میری عورت	بانجھ ہے	اس نے کہا	اسی طرح	اللہ
يَفْعَلُ	مَا يَشَآءُ ﴿٤٠﴾	قَالَ	رَبِّ	اجْعَلْ	لِّىْٓ	اٰيَةً ؕ
کرتا ہے	جو وہ چاہتا ہے	اس نے کہا	اے میرے رب	مقرر فرمادے	میرے لیے	کوئی نشانی

قَالَ	اٰيَتُكَ	اَلَّا	تُكَلِّمَ	النَّاسَ	ثَلٰثَةَ	اَيَّامٍ	اِلَّا
اس نے کہا	تیری نشانی	یہ کہ نہ	تو بات کرے گا	لوگوں سے	تین	دن	مگر

رَمْزًا ؕ	وَاذْكُرْ	رَّبَّكَ	كَثِيْرًا	وَّسَبِّحْ	بِالْعَشِيِّ	وَالْاِبْكَارِ ﴿٤١﴾ ع
اشارہ سے	اور تو یاد کر	اپنے رب کو	بہت	اور تسبیح کر	شام	اور صبح

ع ۴ ۱۱ ۱۲

’’کہنے لگے اے میرے رب! میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا؟ میں بالکل بوڑھا ہوگیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔ (۴۰) کہنے لگے پروردگار! میرے لیے اس کی کوئی نشانی مقرر کر دیجیے فرمایا نشانی یہ ہے کہ تو تین دن تک اشارے کے سوا لوگوں سے بات نہیں کر سکے گا۔ تو اپنے رب کا ذکر اور تسبیح کثرت کے ساتھ صبح و شام کرتا رہ۔‘‘ (۴۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت زکریا علیہ السلام سے ملائکہ کی گفتگو۔

قدرتِ کاملہ کی طرف سے دنیا میں کچھ واقعات ایسے رونما ہوتے ہیں کہ جن کے ظہور پذیر ہونے سے پہلے آدمی ان کی توقع نہیں کرسکتا۔ لیکن انسان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ واقعات سامنے آجاتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر آدمی حیرت کی تصویر بن جاتا ہے ایسے واقعات پر تعجب کا اظہار کرنے سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ کچھ واقعات پر انبیاءِ کرام علیہم السلام بھی تعجب میں مبتلا ہوجاتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور زندگی سے متعلقہ کئی واقعات ایسے ہیں جو زمانے میں پہلی اور ایک ہی دفعہ رونما ہوئے ہیں۔ ان واقعات میں ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم پھل دیکھے تو پوچھا اے مریم! یہ پھل کہاں سے آئے ہیں؟ حضرت مریم علیہا السلام نے عرض کیا کہ خالو! یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت کا نتیجہ ہیں وہ جسے چاہے بغیر اسباب اور بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ جنابِ زکریا علیہ السلام کے کلیجے پر چوٹ لگی کہ مریم کو بے موسم پھل اس حجرے میں مل سکتے ہیں تو مجھے اس عمر میں اولاد کیوں نہیں مل سکتی؟ چنانچہ بے ساختہ دعا نکلی اے رب! مجھے بھی اپنی قدرتِ کاملہ سے نیک اولاد عطا فرما۔ اس دعا کے صلہ میں جب ملائکہ نے انہیں بیٹے کی خوشخبری سنائی اور کہا کہ اس کا نام یحیٰی ہوگا اور اس سے پہلے اس نام کا کوئی شخص نہیں ہوا۔ تو زکریا علیہ السلام حیرت زدہ ہو کر اللہ کے حضور عرض کرتے ہیں کہ بارِ الٰہ! مجھے کس طرح

بیٹا نصیب ہوگا جب کہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی جسمانی طور پر بچہ جننے کے لائق نہیں؟ حالانکہ وہ اس سے پہلے دعا کیا کرتے تھے کہ میری بیوی بانجھ اور میرے بال بڑھاپے سے سفید ہو چکے ہیں اس کے باوجود اللہ! میں تیرے کرم سے مایوس نہیں ہوا۔ (مریم ۲ تا ۷) لیکن جب ملائکہ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری سنائی تو تعجب کا اظہار فرمانے لگے۔ تعجب کا اظہار ملائکہ سے کرنے کی بجائے براہِ راست اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں۔ کیونکہ اولاد دینے والا تو ''اللہ'' ہے اور یہ خوشخبری بھی اسی کی طرف سے تھی۔ فرشتہ تو محض پیغام رساں ہے۔ زکریا علیہ السلام کے تعجب کے جواب میں ارشاد ہوا کہ میرے بندے! اللہ اپنے کام کو خود ہی جانتا ہے اور وہ اسی طرح ہی کرتا ہے جس طرح اس کی منشا ہوتی ہے۔ پھر عرض کرنے لگے: اے رب! میرے لیے بیٹے کی کوئی واضح نشانی ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم تین دن تک لوگوں سے اشارے کے علاوہ کلام نہیں کر سکو گے ان دنوں خاص طور پر صبح وشام اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکریہ ادا کرتے رہو۔

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ شَرَائِعَ الإِسْلَامِ قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ فَأَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ أَتَشَبَّثُ بِهِ قَالَ لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ» (سنن ترمذی باب ما جاء فی فضل الذکر [صحیح])

''حضرت عبداللہ بن بسر بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! شریعت کے احکام مجھے بہت زیادہ لگتے ہیں مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جسے میں اپنا نصب العین بنالوں۔ آپ نے فرمایا: تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر میں مشغول رہنی چاہیے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے وہ جس طرح چاہے کرتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ بانجھ عورت کو بچہ دے سکتا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کو صبح وشام کثرت کے ساتھ یاد کرنا چاہیے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ بڑھاپے میں بھی اولاد دے دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ بڑھاپے میں اولاد دینے پر قادر ہے:

۱۔ زکریا علیہ السلام کو بڑھاپے میں اولاد دی۔ (مریم: ۷، ۸) ۲۔ ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں اولاد عطا فرمائی۔ (ھود: ۷۱، ۷۲)

اللہ کا ذکر:

۱۔ اللہ کا ذکر بڑی بات ہے۔ (العنکبوت: ۴۵) ۲۔ اللہ کا ذکر کرنے کا حکم۔ (البقرۃ: ۱۵۲)
۳۔ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو۔ (الانفال: ۴۵) ۴۔ اللہ کو گڑگڑا کر صبح وشام آہستہ یاد کرو۔ (الاعراف: ۲۰۵)
۵۔ ''اللہ'' کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ (الرعد: ۲۸)
۶۔ ''اللہ'' کے ذکر سے غافل لوگوں پر شیطان کا تسلط ہوتا ہے۔ (الزخرف: ۳۶)
۷۔ ''اللہ'' کے ذکر سے غافل لوگ گھاٹے میں ہیں۔ (المنافقون: ۹)
۸۔ ''اللہ'' کے ذکر سے اعراض کرنا اس کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔ (الجن: ۱۷)

وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ

اور جب کہا فرشتہ (جمع) اے مریم بیشک اللہ تجھے چن لیا اور پاک کیا تجھ کو اور برگزیدہ کیا تجھ کو پر عورتیں

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ

تمام جہان اے مریم تو فرمانبرداری کر اپنے رب کی اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والے یہ

مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ

سے خبریں غیب ہم یہ وحی کرتے ہیں تیری طرف اور نہیں آپ تھے ان کے پاس جب وہ ڈال رہے تھے

اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

اپنے قلم (جمع) کون ان میں سے پرورش کرے مریم اور نہ تو تھا ان کے پاس جب وہ باہم جھگڑ رہے تھے

”اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! اللہ نے تجھے برگزیدہ اور پاک کر دیا ہے اور سارے جہان کی عورتوں میں سے تیرا انتخاب فرمایا ہے۔ (۴۲) اے مریم! تو اپنے رب کی فرمانبرداری کر اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔ (۴۳) یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ (اے نبی!) جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ مریم کی کفالت کون کرے گا؟ آپ ان کے پاس نہیں تھے اور نہ ہی ان کے جھگڑے کے وقت آپ ان کے ہاں موجود تھے۔“ (۴۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: خطاب کا رخ حضرت مریم علیہا السلام کی طرف ہوتا ہے۔

سلسلۂ کلام یہاں تک پہنچا کہ حضرت مریم کی والدہ جو حضرت عمران علیہ السلام کی بیوی اور عیسیٰ علیہ السلام کی نانی ہیں انہوں نے نذر مانی تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے بیٹا عطا فرمائے گا تو وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی نذر کر دے گی لیکن بیٹے کی بجائے مریم پیدا ہوئی تو اس نے مریم کو ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقف کر دیا جو مسجدِ اقصیٰ کے متصل ایک حجرے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتی تھی۔ جب حضرت مریم سنِ بلوغت کو پہنچی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملائکہ نے یہ پیغام دیا کہ اے مریم! اللہ نے تجھے منتخب فرما لیا ہے گناہوں، حیض و نفاس اور لوگوں کے الزامات سے پاک کر دیا ہے اور تجھے دنیا کی عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے لہٰذا اے مریم! اپنے رب کی تابعدار بن جا، اس کے حضور سجدہ ریز ہوتی رہو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہو۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ ابْنَةُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيْجَةُ)) (رواہ البخاری: باب وإذ قالت الملائکۃ یامریم)

”حضرت عبداللہ بن جعفر کہتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ عورتوں میں مریم بنتِ عمران علیہا السلام اور خدیجہ رضی اللہ عنہا بہترین عورتیں ہیں۔“

«عَنْ أَبِي سَعِيدٍ ﷜ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ»

(رواه احمد: باب مسند أبی سعید الخدری [صحیح])

”حضرت ابوسعید ﷜ فرماتے ہیں نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے۔“

«عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ ﷜ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ»

(رواہ البخاری: باب قول اللہ تعالیٰ إذ قالت الملائکۃ یا مریم إن اللہ یبشرک)

”حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷜ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا: عورتوں میں عائشہ کی فضیلت ایسے ہے جیسے تمام کھانوں پر ثرید کی ہے، مردوں میں کامل لوگ بہت ہیں لیکن عورتوں میں مریم بنتِ عمران اور آسیہ زوجۂ فرعون کے علاوہ کوئی کامل نہیں۔“

علامہ رازی نے امام اوزاعی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام نماز میں اس قدر طویل قیام کرتی کہ ان کے پاؤں سے خون رسنا شروع ہوجاتا۔ واقعہ کے بیان میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ میرے پیغمبر! یہ غیب کی خبریں ہیں جو تمہارے سامنے بیان کی جارہی ہیں کیونکہ تم اس وقت موجود نہیں تھے جب لوگ مریم کو اپنی کفالت میں لینے کے لیے باہم جھگڑتے ہوئے قلموں کے ذریعے قرعہ اندازی کررہے تھے۔ اہلِ علم نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں مذہبی لوگوں میں رواج تھا کہ جب کسی بات کا فیصلہ نہ ہو پاتا تو وہ ان قلموں کو پانی میں پھینکتے جن کے ذریعے تورات کی کتابت کی جاتی تھی جس کا قرعہ نکلتا اس کا قلم پانی کے بہاؤ کی طرف بہنے کے بجائے وہیں ٹھہر ارہتا یا الٹا چلنا شروع ہوجاتا۔ اس طرح حضرت زکریا علیہ السلام کا نام نکلا جو رشتہ میں حضرت مریم علیہا السلام کے خالو لگتے تھے۔ حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت پر یہ لوگ اس لیے جھگڑتے تھے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں ہی اپنے ہاں ایک مقام سے نوازا تھا۔ وہ بچپن میں نہایت ہی معصوم، شرم وحیا کا مجسمہ اور حُسن وجمال کی پیکر تھی اور ان کے وجود کی برکات اور کرامات لوگ دیکھ چکے تھے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو ہر قسم کے عیب سے پاک اور عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی۔

۲۔ حضرت مریم علیہا السلام عبادت گزار اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار تھی۔ ۳۔ یہ غیب کی خبریں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر وحی فرمائی ہیں۔

تفسیر بالقرآن

رسول اللہ ﷺ حاضر وناظر نہیں ہیں:

۱۔ مریم علیہا السلام کی کفالت کے وقت رسول اللہ ﷺ حاضر نہ تھے۔ (آل عمران: ۴۴)

۲۔ اخوانِ یوسف کے مکر کے وقت رسول اللہ ﷺ موجود نہ تھے۔ (یوسف: ۱۰۲)

۳۔ یہ غیب کی خبریں ہیں نہ آپ اس کے متعلق جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔ (ہود: ۴۹)

۴۔ آپ طور کی مغربی جانب اس وقت موجود نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نبوت کے منصب پر سرفراز کیا۔ (القصص: ۴۴)

اِذْ	قَالَتِ	الْمَلٰٓئِكَةُ	يٰمَرْيَمُ	اِنَّ	اللّٰهَ	يُبَشِّرُكِ
جب	کہا	فرشتہ (جمع)	اے مریم!	بیشک	اللہ	تجھے بشارت دیتا ہے
بِكَلِمَةٍ	مِّنْهُ ۙ	اسْمُهُ	الْمَسِيْحُ	عِيْسَى	ابْنُ	مَرْيَمَ	وَجِيْهًا
ایک کلمہ کے ساتھ	اپنی طرف سے	اس کا نام	مسیح	عیسیٰ	بیٹا	مریم	وجاہت والا
فِي	الدُّنْيَا	وَالْاٰخِرَةِ	وَمِنَ	الْمُقَرَّبِيْنَ ۝٤٥	وَيُكَلِّمُ	النَّاسَ
میں	دنیا	اورآخرت	اورسے	مقرب (جمع)	اوروہ باتیں کریگا	لوگ (جمع)
فِي	الْمَهْدِ	وَكَهْلًا	وَّمِنَ	الصّٰلِحِيْنَ ۝٤٦		
میں	گہوارہ	اورپختہ عمر	اورسے	نیکوکار (جمع)		

''جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ تجھے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں عزت والا ہے اور وہ مقربین میں سے ہے۔(۴۵) وہ لوگوں سے گہوارہ اور پختہ عمر میں باتیں کرے گا اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا۔''(۴۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

اب وہ وقت آن پہنچا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو پاک، معزز اور اس زمانے کی عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس فرشتے حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بیٹے کی خوشخبری کا اشارہ دیتے ہوئے بتلاتے ہیں کہ اس کا لقب مسیح اور نام عیسیٰ بن مریم علیہما السلام جو دنیا و آخرت میں نہایت ہی وجیہ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقرب بندوں میں ہوگا۔

وَجِيْهًا کا معنٰی ہے معزز، تروتازہ وہشاش بشاش، نہایت ہی خوبصورت چہرے والا۔ یہی وجہ ہے کہ جب رسولِ محترم ﷺ معراج سے واپس آکر انبیاء کے ساتھ ہونے والی ملاقات کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تفصیل بتا رہے تھے تو آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

«رَبْعَةٌ أَحْمَرُ كَأَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيْمَاسٍ يَعْنِي الْحَمَّامَ» (رواہ البخاری: أحادیث الانبیاء)

''عیسیٰ علیہ السلام درمیانے قد اور سرخ رنگ کے تھے چہرہ اتنا تروتازہ گویا کہ وہ حمام سے غسل فرما کر ابھی نکلے ہوں۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دو وجہ سے مسیح کہا جاتا ہے ایک یہ کہ اس زمانے میں نیک اور معزز شخص کو مذہبی لوگ ایک خاص قسم کا تیل لگاتے تھے دوسری وجہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں چونکہ ان کے ہاتھ پھیرنے سے کوڑھی صحت مند اور پیدائشی نابینا بینا ہو جاتا تھا اس لیے انہیں مسیح کہا جاتا ہے۔ عبرانی میں عیسیٰ کا معنٰی سردار ہے۔ فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ وہ

گہوارہ اور بڑی عمر میں پہنچ کر لوگوں سے گفتگو کرے گا اور نیک سیرت ہوگا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت مریم علیہا اسلام پر لوگوں نے تہمت لگائی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس وقت صاف اور مؤثر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اللہ تعالیٰ نے کتاب عطا فرمائی ہے۔ ہر حال میں مجھے برکت دی گئی ہے اور میں اپنی والدہ کا خدمت گزار ہوں گا۔ (تفصیل کے لیے سورۂ مریم کی آیات ۳۰ تا ۳۴ تلاوت کیجیے۔) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تیس سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی اور پینتیس سال کی عمر میں انہیں آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ ''کَهْلًا'' یعنی وہ بڑھاپے میں بھی لوگوں سے خطاب اور گفتگو کریں گے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب دنیا میں تشریف لائیں گے اور میری اتباع میں دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے کام کریں گے گویا انہیں بڑھاپے کی عمر بھی دیکھنا نصیب ہوگی۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَنْزِلَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا وَإِمَامًا عَادِلًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَيَفِيضُ الْمَالُ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ» (رواه ابن ماجة: كتاب الفتن، باب فتنة الدجال وخروج عيسى ابن مريم [صحيح])

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب تک عیسیٰ بن مریم منصف حکمران اور عادل امام بن کر نہیں آتے۔ اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی وہ صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ ختم کریں گے اور مال کی فراوانی ہوگی یہاں تک کہ اسے کوئی قبول کرنے والا نہیں ہوگا۔''

اس سے یہودیوں کے دعویٰ کی تردید ہوتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پھانسی دیئے گئے ہیں۔ دوسری طرف عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور دیگر واقعات ذکر فرما کر عیسائیوں کے شرک کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ کی ذات ولادت، بچپن اور بڑھاپا جیسی تبدیلیوں سے مُبرّا ہے جب کہ عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بہت سے مدوجزر آئے اور قربِ قیامت ان کے متعلق مزید واقعات رونما ہوں گے لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام رب نہیں اللہ کا بندہ ہے۔

مسائل

۱۔ عیسیٰ علیہ السلام دنیا و آخرت میں عزت والے اور اللہ کے مقرب ہیں۔ ۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قربِ قیامت آسمانوں سے زمین پر اتریں گے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف:

۱۔ بغیر باپ کے پیدا ہونا۔ (آل عمران: ۴۷) ۲۔ بچپن و بڑھاپے میں کلام کرنا۔ (آل عمران: ۴۶)

۳۔ مٹی سے پرندہ بنانا۔ (المائدۃ: ۱۱۰) ۴۔ مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو درست کرنا۔ (آلِ عمران: ۴۹)

۵۔ لوگوں کی ذخیرہ شدہ اشیاء کی خبر دینا۔ (آلِ عمران: ۴۹) ۶۔ باذن اللہ مردوں کو زندہ کرنا۔ (المائدۃ: ۱۱۰)

۷۔ روح اور جسم سمیت آسمانوں پر اٹھایا جانا۔ (آل عمران: ۵۵)

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ؕ

اس نے کہا اے میرے رب کیسے ہوگا میرے لیے بیٹا اور نہیں ہاتھ لگایا مجھے کوئی انسان

قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا

اس نے کہا اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے جب وہ ارادہ کرتا ہے کوئی کام

فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٤٧﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

توصرف وہ کہتا ہے اس کیلئے ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے اور وہ سکھائے گا اس کو کتاب اور دانائی

وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿٤٨﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ

اور تورات اور انجیل اور رسول طرف بنی اسرائیل بیشک میں تحقیق

جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ

لایا ہوں تمہاری طرف ایک نشانی سے تمہارا رب بیشک میں بناتا ہوں تمہارے لیے سے مٹی

كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

مانند صورت پرندہ پھر میں پھونک مارتا ہوں اس میں تو وہ ہوجاتا ہے پرندہ حکم سے اللہ

”مریم کہنے لگی الٰہی! مجھے بیٹا کیسے ہوگا؟ حالانکہ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا۔ اسے فرشتے نے کہا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے پیدا کرتا ہے جب وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ حکم دیتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے۔ (٤٧) اللہ تعالیٰ عیسیٰ کو کتاب، حکمت، تورات اور انجیل سکھائے گا۔ (٤٨) اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا عیسیٰ نے فرمایا کہ بلاشبہ میں تمہارے پاس رب کی نشانی لایا ہوں، میں تمہارے لیے پرندے کی مانند مٹی کا جانور بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔“

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت مریم کو ولادتِ عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف، معجزات اور ان کے مشن کا بیان۔

ملائکہ کی گفتگو ابھی جاری تھی کہ حضرت مریم علیہا السلام شرمندگی اور گھبراہٹ کے عالم میں فرشتوں کی بجائے اللہ تعالیٰ سے عرض کرنے لگیں کیونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری دے رہے تھے۔ اے میرے رب! مجھے کیونکر بیٹا ہوگا؟ جب کہ کسی بشر نے آج تک مجھے چھوا ہی نہیں۔ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرلیتا ہے تو وہ صرف اس کام کے ہوجانے کا حکم دیتا ہے اور وہ کام اسی طرح ہوجاتا ہے۔ حضرت مریم یہ سوچنے لگی کہ میں کنواری ہوں میرے ماں باپ نے مجھے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ معاشرہ مجھے نیک اور باحیا سمجھتا ہے۔ قوم میں میرے خاندان کی نیک نامی کا شُہرہ ہے مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں وہ انہی خیالات میں گم تھیں کہ اچانک ان کے

وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ

اور میں اچھا کرتا ہوں مادرزاد اندھا اور کوڑھی اور میں زندہ کرتا ہوں مردے اللہ کے حکم کے ساتھ اور تمہیں بتاتا ہوں

بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ

جو تم کھاتے ہو اور جو تم ذخیرہ کرتے ہو میں تمہارے گھر بیشک میں

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۴۹ ۚ وَمُصَدِّقًا لِّمَا

اس ایک نشانی تمہارے لیے اگر تم ہو ایمان والے اور تصدیق کرنے والا اس کے لیے جو

بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ

اپنے سے پہلی سے تورات اور تاکہ میں حلال کردوں تمہارے لیے بعض وہ جو حرام کی گئی

عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۵۰

تم پر اور لایا ہوں تمہارے پاس ایک نشانی سے تمہارا رب چنانچہ تم ڈرو اللہ اور میرا کہا مانو

اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردے کو زندہ کرتا ہوں اور جو کچھ تم کھاتے اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔ اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔ (۴۹) اور میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے ہے اور میں اس لیے آیا ہوں کہ تم پر بعض وہ چیزیں حلال کردوں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں اس لیے تم اللہ سے ڈرو اور میری تابعداری کرو۔'' (۵۰)

پاس حضرت جبریلِ امین علیہ السلام انسان کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ حضرت مریم چونک اُٹھیں اور فرمانے لگی کہ میں تجھے ربِ رحمان کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ اگر تم واقعی نیک ہو تو میرے قریب نہ آنا۔ جبریلِ امین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تیرے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجھے نیک بچہ عطا کروں۔ (مریم ۱۹:) حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم کو عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف، خصوصیات، مرتبہ میں بتلاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب اور حکمت ودانائی کی تعلیم دے گا تورات اور انجیل بھی سکھلائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو لکھنے کا طریقہ سکھلایا، ان کی گفتگو اتنی حکیمانہ ہوتی کہ لوگ حیران رہ جاتے۔ اس کے ساتھ ہی انہیں انجیل سے نوازا اور تورات پر انہیں اتنا عبور تھا کہ اگر کوئی یہودی ان سے سوال کرتا تو وہ تورات کی عبارت کا زبانی حوالہ دے کر اسے قائل اور خاموش کر دیتے۔ فرشتوں نے مریم کے سامنے یہ بات بھی واضح کی کہ وہ بنی اسرائیل کا رسول ہوگا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ میں تمہارے رب کی طرف سے کھلے دلائل اور معجزات لے کر آیا ہوں، میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اڑنے لگتا ہے پیدائشی نابینے کو بینا، کوڑھی کو صحیح اور مردے کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کرتا ہوں پھر میں تمہیں یہ بھی بتلاتا ہوں کہ تم اپنے گھروں میں کیا کھاتے اور کیا جمع کرتے ہو؟ یقیناً ان معجزات اور دلائل میں تمہارے لیے ہدایت کے دلائل

ہیں۔اگر تم ایمان لانے کے لیے تیار ہو۔ میں تورات کی تائید کرتا ہوں اور ان چیزوں کو تمہارے لیے حلال کرتا ہوں جو تمہاری نافرمانیوں اور گستاخیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام قرار دیں ہیں۔ان چیزوں کو بھی تمہارے لیے جائز قرار دیتا ہوں جو تمہارے مذہبی پیشواؤں نے اپنی مرضی سے تم پر حرام کی ہیں۔ میں یہ سب دلائل و معجزات تمہارے رب کی طرف سے پیش کرتا ہوں لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری تابع داری میں لگ جاؤ۔

یہ بات پہلے بھی بیان ہو چکی ہے کہ نبی جس قوم میں مبعوث کیا جاتا ہے وہ قوم جس فن میں یدِ طولیٰ رکھتی ہو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی نبوت ثابت کرنے کے لیے اسے ایسے معجزات عطا فرماتا ہے کہ جس سے ظاہری اسباب کے حوالے سے بھی نبی کی صداقت لوگوں کے سامنے اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے اور لوگ نبی کے دلائل کے سامنے لاجواب ہو جاتے ہیں۔عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے اس زمانے کے اہلِ علم طب، جراحت اور جادوگری میں اپنے کمال کو پہنچے ہوئے تھے انہیں لاجواب کرنے کے لیے عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا فرمائے کہ لوگ یہ معجزات دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔

یاد رہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ان معجزات کی نسبت اپنی طرف کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے اور فرماتے کہ جس طرح میں اللہ کا رسول ہوں اسی طرح یہ معجزات اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں اس میں میرا کمال اور اختیار نہیں ہے۔

یہودیوں پر حرام کردہ چیزیں:

{ وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَ مِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَاۤ اَوِ الْحَوَايَاۤ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖؗ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَ لَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ } (الأنعام:۱۴۷،۱۴۶)

’’اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کردیے تھے اور گائے اور بکری میں سے ان دونوں کی چربی ان پر ہم نے حرام کردی تھی مگر وہ جو ان کی پشت پر یا انتڑیوں میں لگی ہو یا جو ہڈی سے ملی ہو۔ان کی شرارت کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا دی اور ہم یقیناً سچے ہیں۔پھر اگر یہ تمہیں جھٹلائیں تو کہہ دو کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب مجرم لوگوں سے نہ ٹلے گا۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ جو حکم دیتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ ۲۔اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو کتاب، حکمت، تورات اور انجیل سکھلائی۔

۳۔ عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے۔ ۴۔ عیسیٰ علیہ السلام تورات کی تصدیق کرتے تھے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کے لیے حرام چیزیں حلال کرنے کا اعلان فرمایا۔

۶۔ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے بیماروں کو صحت یاب کرتے اور مردے زندہ کرتے تھے۔

۷۔ عیسیٰ علیہ السلام اپنی تابعداری اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیتے تھے۔ ۸۔اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۵۱﴾

یقیناً	اللہ	میرا رب	اور تمہارا رب	سو تم عبادت کرو اسکی	یہ	راستہ	سیدھا

"یقین مانو میرا اور تمہارا رب اللہ ہی ہے تم سب اسی کی عبادت کرو یہی سیدھی راہ ہے۔" (۵۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام اور عقیدہ توحید تھا۔

پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ تمام انبیاء رشتۂ نبوت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے بھائی ہیں بالخصوص بنی اسرائیل کے انبیاء کی اکثریت نسب کے اعتبار سے بھی آپس میں رشتہ دار تھی اور سب انبیاء کی دعوت کے بنیادی اصول بھی ایک ہی ہوا کرتے تھے۔ اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاحبِ انجیل ہونے کے باوجود تورات سے اپنی تائید میں اکثر حوالہ پیش کیا کرتے تھے۔ واضح اور ٹھوس دلائل دینے اور بے مثال معجزات دکھانے کے بعد جناب عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ایک ہی دعوت دیا کرتے تھے۔ اس اللہ کی عبادت کرو جو تمہارا اور میرا رب ہے۔ یاد رہے کہ وہ میرا اور تمہارا باپ نہیں کہتے تھے جس طرح انجیل میں ان کی طرف بار بار باپ کا لفظ منسوب کیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ میرا اور تمہارے رب کے مقدس اور واضح الفاظ استعمال فرماتے تاکہ معجزے دیکھ کر لوگوں کو ان کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہ پیدا ہو سکے۔ وہ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور صرف اسی ایک کی عبادت کرنا صراطِ مستقیم ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان

پرانے عہد نامہ کی کتاب استثناء میں مرقوم، قوم اسرائیل کا مشہور کلمہ شمع (Shama = عربی: اسمع) اپنے مفہوم کے اعتبار سے اسلام کے کلمۂ شہادت اور قرآن کی سورۃ اخلاص کی پہلی آیت سے چنداں مختلف نہیں ہے۔ خصوصاً اپنے عربی و عبرانی متن میں اس کے الفاظ مبارک اس آیت کی بازگشت ہیں ملاحظہ فرمائیے:

عربی: اِسْمَعْ یَا اِسْرَائِیْلُ اِنَّ الرَّبَّ اِلٰهُنَا رَبٌّ وَّاحِدٌ۔

عبرانی: Shama Yisrael Adonoi Elohem.Adonoi Ehod

شمع یاسرائیل ادونائی الوهیم ادونائی احاد۔

[بائبل عبرانی واردو، کتاب استثناء ۶:۴۔ (الکتاب المقدس عربی ۰ ط۔ بیروت ۱۸۹۹ء) پرانے اور نئے عہد نامہ کی وضاحت کے لیے دیکھئے باب ہفتم]

"سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خدا ہے۔"

کتاب استثناء میں دوسری جگہ ہے:

''خداوند ہی خدا ہے اور اس کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں۔'' [استثناء: ۴، ۳۵]

نیز فرمایا: ''میرے آگے اور معبودوں کو نہ ماننا۔'' [استثناء: ۵، ۷]

پرانے عہد نامہ کی کتاب میں مذکور ہے حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا میں یہ الفاظ موجود ہیں:

''تو ہی واحد خدا ہے۔'' [زبور: ۸۶: ۱۰]

عہد نامہ قدیم میں ایک اور جگہ لکھا ہے:

''مجھ سے پہلے کوئی خدا نہ ہے اور میرے بعد بھی کوئی نہ ہوگا.............. خداوند فرماتا ہے میں ہی خدا ہوں۔'' [یسعیاہ: ۴۳: ۱۰، ۱۲]

''میں خداوند سب کا خالق ہوں، میں ہی اکیلا آسمان کو تاننے اور زمین کو بچھانے والا ہوں، کون میرا شریک ہے۔'' [یسعیاہ: ۴۴: ۲۴]

برناباس۔ باب ۱۱ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''تو احمق ہے۔ تو اس خدا کی عبادت کر جس نے تجھے پیدا کیا ہے اور وہی تجھے صحت عطا کرے گا کیونکہ میں ویسا ہی ایک انسان ہوں جیسا تو ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ سب کا رب ہے لہٰذا صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔ ۲۔ اللہ کی عبادت کرنا ہی صراطِ مستقیم ہے۔

تفسیر بالقرآن

تمام انبیاء کی دعوت:

۱۔ تمام انبیاء علیہم السلام اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے۔ (الانبیاء: ۲۵)

۲۔ نوح علیہ السلام کا فرمان کہ اللہ کی عبادت کرو۔ (ھود: ۲۶)

۳۔ ھود علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دی۔ (الاعراف: ۶۵)

۴۔ صالح علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دی۔ (الاعراف: ۷۳)

۵۔ شعیب علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کرنے کی طرف بلایا۔ (الاعراف: ۸۵)

۶۔ یوسف علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کرنے کی طرف بلایا۔ (یوسف: ۴۰)

۷۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا۔ (المائدۃ: ۷۲)

۸۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دی۔ (آل عمران: ۶۴)

۹۔ ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہی وصیت کی۔ (البقرۃ: ۱۳۲)

فَلَمَّآ	اَحَسَّ	عِيْسٰى	مِنْهُمُ	الْكُفْرَ	قَالَ	مَنْ
پھر جب	محسوس کیا	عیسیٰ	ان سے	کفر	اس نے کہا	کون
اَنْصَارِيْٓ	اِلَى	اللّٰهِ	قَالَ	الْحَوَارِيُّوْنَ	نَحْنُ	اَنْصَارُ	اللّٰهِ
میرا مددگار	طرف	اللہ	کہا	حواری (جمع)	ہم	مددگار	اللہ
اٰمَنَّا	بِاللّٰهِ	وَاشْهَدْ	بِاَنَّا	مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾	رَبَّنَآ	اٰمَنَّا
ہم ایمان لائے	اللہ پر	تو گواہ رہ	کہ بیشک ہم	فرماں بردار	اے ہمارے رب	ہم ایمان لائے
بِمَآ	اَنْزَلْتَ	وَاتَّبَعْنَا	الرَّسُوْلَ	فَاكْتُبْنَا	مَعَ	الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾
اس کے ساتھ جو	تو نے نازل کیا	اور ہم نے پیروی کی	رسول	سو تو ہمیں لکھ لے	ساتھ	گواہی دینے والے

”پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی طرف سے کفر محسوس کیا تو کہنے لگے اللہ تعالیٰ کی راہ میں میری مدد کرنے والا کون ہوگا؟ حواریوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور گواہ رہیے کہ ہم تابعدار ہیں۔ (۵۲) اے ہمارے رب! ہم تیری اُتاری ہوئی کتاب پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے رسول کی اتباع کی پس تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے۔“ (۵۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عیسائیوں کا اللہ تعالیٰ کی توحید سے انکار اور عیسیٰ علیہ السلام کی پکار۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے جناب موسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے لازوال اور انتھک جدوجہد فرمائی اور ایسے معجزات دکھائے جن کی ماضی میں نظیر نہیں ملتی تھی۔ مگر یہودی اس قدر متلوّن مزاج، موقع شناس، نافرمان اور مکار قوم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد انہوں نے انبیاء اور مصلحین کے ساتھ ایسا گھناؤنا کردار ادا کیا کہ دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسے معجزات پیش فرمائے جو اپنی تاثیر اور نوعیت کے اعتبار سے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے بڑھ کر تھے۔ خطاب اور گفتگو کا ملکہ عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں ہی معجزانہ طور پر عطا ہوا تھا۔ وہ ایسی مدلّل، مؤثر اور حکیمانہ گفتگو فرماتے کہ بڑے سے بڑا مخالف بھی انہیں قلبی طور پر اللہ کا بندہ اور نبی تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

زبور کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیح نے پہلی بار ہیکل میں تعلیم دی۔ اس کم سنی کے باوجود ان کی تعلیم میں حکمت و معرفت، فصاحت و بلاغت اور لب ولہجہ میں عظمت وجلالت اور رعب و دبدبہ کا عالم یہ تھا کہ فقیہ، فریسی، سردار، کاہن اور ہیکل کا تمام عملہ دم بخود رہ گیا۔ حیرانی کے عالم میں وہ ایک دوسرے سے پوچھتے پھرتے تھے کہ یہ کون ہے؟ جو اس شان سے بات کرتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے اس کو خاص ملکہ عطا ہوا ہے۔ انہوں نے اپنے زمانے کے اہل علم

اور یہودیوں کو ایسے معجزات دکھائے کہ لوگ ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے۔ اس وقت یونان کے لوگ طب میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اس دور میں بقراط، ارسطو، افلاطون اور بڑے بڑے شہرۂ آفاق اطباء اور سائنسدان ہو چکے تھے وہ پیدائشی نابینے اور کوڑھے کا علاج نہ کر سکے لیکن عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے ایسے معجزے پیش کیے کہ یہ لوگ ان کے سامنے طفلِ مکتب کے طور پر کھڑے بے بس دکھائی دیتے تھے۔ مٹی کا پرندہ بنانا، مردے کو زندہ کرنا، لوگوں کے کھائے پیے اور جمع پونجی کے بارے میں خبر دینا، بڑے بڑے حکماء اور نجومی ان باتوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور خطبات نے بنی اسرائیل میں زبردست حرکت اور انقلاب برپا کر دیا۔ وہ جہاں جاتے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے۔ ان کا پر جمال اور ہشاش بشاش چہرہ دیکھ کر لوگ پروانہ وار ان کی طرف لپکے آتے گویا کہ قوم میں ایک انقلاب برپا ہو چکا ہے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر یہودی غضب ناک ہوئے اور انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف الزامات کا طوفان اٹھایا اور لوگوں کو متنفر کرنے کے لیے ان کے خلاف سازشوں کا ایک طویل منصوبہ تیار کیا۔ (یوحنا باب ۹۴ بحوالہ تدبر قرآن)

حالات اس قدر نازک صورتِ حال اختیار کر گئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے باہر نکلنا بھی مشکل ہو گیا۔ اس صورتِ حال میں انہوں نے ہر جگہ لوگوں کو بتلایا اور سمجھایا کہ میری دعوت قبول کرو اسی میں تمہاری دنیا و آخرت کی کامیابی ہے لیکن حکومت کے خوف، یہودیوں کے الزامات اور سازشوں کے ڈر سے لوگ ان سے دور بھاگ گئے۔ بالآخر انہوں نے اپنے شاگردوں کو اللہ کے نام پر دہائی دی کہ کون ہے جو اللہ کے لیے میرا ساتھ دے؟ ہزاروں شاگردوں میں سے صرف بارہ آدمیوں نے موت کی پروا کیے بغیر کہا کہ ہم ہیں اللہ کی خاطر آپ کی نصرت وحمایت کرنے والے اور اللہ پر ایمان لانے والے ہیں۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یقین دلایا اور کہا کہ گواہ رہنا کہ ہم اسلام پر مرتے دم تک قائم رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے حضور بھی ہماری فریاد ہے کہ وہ ہمیں آپ کا تابع دار اور آپ کے ساتھ کلمہ حق کی شہادت دینے والے شمار فرمائے۔

مسائل

۱۔ داعی اپنے متبعین کی جانچ اور ان کا امتحان لے سکتا ہے۔ ۲۔ اللہ کے رسول کی اتباع کرنا حق کی شہادت دینا ہے۔

۳۔ اللہ کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان لانا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری:

۱۔ عیسیٰ علیہ السلام کے انصار۔ (الصّف: ۱۴) ۲۔ حواریوں نے کہا کہ ہم انصار اللہ ہیں۔ (الصّف: ۱۴)

۳۔ امت محمدیہ کو حکم کہ ایمان والو! اللہ کے انصار بن جاؤ۔ (الصّف: ۱۴)

۴۔ اگر تم ''اللہ'' کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ (محمد: ۷)

ع ۵ ۱۳

وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ ع اِذْ قَالَ

اورانہوں نے مکر کیا اور تدبیر کی اللہ اور اللہ بہتر تدبیر کرنیوالے جب کہا

اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَىَّ وَ مُطَهِّرُكَ

اللہ اے عیسیٰ بیشک میں قبض کرلوں گا تجھے اوراٹھاؤ ں گا تجھے اپنی طرف اور پاک کرنیوالا ہوں تجھے

مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ

سے جولوگ انہوں نے کفر کیا اور بنانیوالا ہوں جولوگ انہوں نے پیروی کی تیری اوپر وہ لوگ

كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ

انہوں نے کفر کیا تک دن قیامت پھر میری طرف تمہیں لوٹ کرآنا ہے پھر میں فیصلہ کروں گا

بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

تمہارے درمیان جس میں تم تھے اس میں اختلاف کرتے

''اورانہوں نے مکر کیااور اللہ تعالیٰ نے تدبیر فرمائی اور اللہ تعالیٰ تمام تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔(۵۴) جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ میں تجھے پورا پورا لینے والا، تجھے اپنی جانب اٹھانے والا، تجھے کافروں سے محفوظ رکھنے والا اور تیرے تابعداروں کو روزِ قیامت تک کفار پر غالب کرنے والا ہوں، تم سب کا لوٹنا میری طرف ہے، پھر میں ہی تمہارے اختلاف کا فیصلہ کروں گا۔'' (۵۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیغام کا ردِّ عمل اور ان کی حفاظت کا بندوبست کرنے کے ساتھ اہلِ ایمان کی برتری کا اعلان۔

حالات اس نہج پر پہنچے کہ یہودیوں کے مذہبی اور سیاسی رہنما حاکمِ وقت کو یہ باور کروانے میں کامیاب ہو گئے کہ یہ شخص یہودیت کے لیے زہر قاتل اور مذہب کی آڑ میں حکومت کا تختہ الٹنا چاہتا ہے۔ اس سازش کو کامیاب بنانے کے لیے یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے یہودا نامی شخص کو بھاری رشوت دے کر وعدہ معاف گواہ بنایا اس نے سرکاری اہلکاروں کو مخبری کر دی کہ عیسیٰ علیہ السلام فلاں پہاڑ میں چھپے ہوئے ہیں۔ گرفتاری سے بچنے کے لیے بارہ حواریوں کے سوا باقی سب حواری عیسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ کر رفو چکر ہو گئے۔ قیصرِ روم کے نمائندے شام کے گورنر ہیروڈیس نے آپ کو گرفتار کیا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ گرفتاری کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چہرۂ مبارک پر تھپڑ مارے گئے۔ یہ بات اس لحاظ سے غلط معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وہ جلال بخشا تھا کہ بڑے بڑے گستاخ یہودی دائیں بائیں تو ان کی ولادت باسعادت کے بارے میں تہمت لگاتے تھے لیکن ان کے سامنے ایسا کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ بہر حال عیسیٰ علیہ السلام گرفتار ہوئے مقدمہ چلا اور وقت کی حکومت نے انہیں الزامات سے بری الذمہ قرار دیا لیکن یہودیوں کے مذہبی اور سیاسی

رہنماؤں نے ایسا ماحول پیدا کر دیا کہ بالآخر شام کے گورنر نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے نائب بلاطوس کے حوالے کیا۔اس نے رائے عامہ کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہ کہتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکانے کا فیصلہ دیا کہ یہ جرم میری گردن کی بجائے تمہاری گردن پر ہوگا۔ یہودیوں نے متفق ہو کر کہا کہ ہمیں یہ منظور ہے۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کو تختہ دار پر لے جانے کے لیے آدمی آگے بڑھے تو بعض روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سوئے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی حالت میں آسمانوں پر اٹھالیا اور جو لوگ انہیں لینے کے لیے آگے بڑھے ان میں سے یہودا کو عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ کر دیا گیا سرکاری اہلکاروں نے اسے عیسیٰ سمجھ کر سولی چڑھا دیا۔اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآنِ مجید نے یہ الفاظ استعمال فرمائے: { وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ } (النساء:۱۵۷) کہ انہوں نے نہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور نہ ہی سولی پر چڑھا سکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک شخص کو مشابہ کر دیا۔اسی واقعہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف مکروفریب کیا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے پُرحکمت تدبیر کے ذریعے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی بہتر تدبیر کرنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے الزامات اور مقدمات سے محفوظ فرما کر اپنے ہاں رفعتِ مکانی سے ہمکنار کیا اور فرمایا کہ قیامت کے دن تم سب نے میرے ہاں لوٹ کر آنا ہے اور میں تمہارے اختلافات کا قطعی اور آخری فیصلہ کروں گا۔
تاہم جو لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین ہیں انہیں قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام کی ذات اور ان کی نبوت کا انکار کرنے والوں پر بلند رکھوں گا۔ان سے مراد پہلے وہ لوگ ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام پر پوری طرح ایمان لائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے ان کی شریعت پر عمل کرتے رہے وہ عیسائی علمی اور سیاسی طور پر ہمیشہ یہودیوں پر غالب رہیں گے۔ چنانچہ آج بھی اسرائیل کے علاوہ یہودیوں کی کہیں حکومت اور عزت نہیں پائی جاتی۔اسرائیلی حکومت بھی امریکہ، برطانیہ اور دوسرے عیسائی ملکوں کے سہارے قائم ہے ان کے بغیر یہودی اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتے۔بعض عیسائی قرآن مجید کے اس مقام سے مسلمانوں کو یہ مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ دیکھیں تمہارا قرآن ہماری بالا دستی کی گواہی دے رہا ہے حالانکہ یہ بات قرآن کے مفہوم اور تاریخی حقائق کے سراسر خلاف ہے کیونکہ مسلمان تقریباً ایک ہزار سال تک دنیا میں بلاشرکت غیرے حکومت کرتے رہے ہیں اور عیسائی مسلمانوں کے زیرِ دست اور ذمی بن کر رہے ہیں اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جو عیسائی مسلمان ہو جائیں وہ یہودیوں پر بالادست رہیں گے۔اگر عیسائیوں اور یہودیوں کا مقابلہ کیا جائے تو عیسائی سیاسی اور علمی طور پر یہودیوں پر غالب رہیں گے۔

یاد رہے کہ عربی میں مکر کا معنی فریب، دھوکہ دہی اور سازش ہوا کرتا ہے لیکن جب اس لفظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کی طرف ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے تدبیر کرنا۔ یہاں اسی فرق کے ساتھ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفعِ آسمانی پر یہودیوں، عیسائیوں اور مرزائیوں کے موقف کا جواب:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوری زندگی معجزات سے عبارت ہے۔ وہ بن باپ پیدا ہوئے، جھولے میں اپنی والدہ ماجدہ کی براءت اور صاحبِ کتاب نبی ہونے کا اعلان فرمایا، یہودیوں نے تختۂ دار پر چڑھانے کی کوشش کی تو جسدِ اطہر سمیت آسمانوں

پر اٹھالیے گئے۔ ان کے رفعِ آسمانی کے بارے میں یہاں قدرے اجمال کے ساتھ بیان ہوا ہے لیکن سورۃ النساء: آیت ۱۵۸،۱۵۷ میں کھل کر اس بات کی تردید کی گئی کہ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا ہے وہ سراسر اٹکل پچو اور غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا اور پھانسی دینے والوں نے کسی دوسرے آدمی کو سولی پر چڑھا دیا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اتنی واضح اور دوٹوک تردید کے بعد بھی یہودی اپنے خبثِ باطن کی تسکین اور بے بنیاد کامیابی پر اتراتے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی پر چڑھا دیا ہے۔ عیسائیوں کے ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سب نے یہودیوں کا جواب دینے کی بجائے اپنے مفادات اور لوگوں کو آوارگی کا سرٹیفکیٹ دینے کے لیے یہ عقیدہ بنالیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھ کر ہمارے گناہوں کا کفارہ بن چکے ہیں۔ گویا کہ یہودی جہنم میں چند دن جانے کے قائل ہیں عیسائیوں نے جہنم کا قصہ ہی پاک کر دیا ہے۔ ان کی دیکھا دیکھی مرزا قادیانی نے یہ کہہ کر نبوت کا دعویٰ کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام تو فوت ہوئے۔ قربِ قیامت جس مسیح موعود کی بشارت دی گئی ہے وہ میں ہی ہوں۔ اپنے موقف کو سچا ثابت کرنے کے لیے مرزائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بھی کشمیر میں ڈھونڈ نکالی تاکہ ختمِ نبوت پر ڈاکہ ڈالا جا سکے یہ تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ کسی جھوٹے نبی کی نبوت زیادہ دیر نہیں چل سکتی۔ ہر دور کے لوگوں نے جلد ہی ایسے کذاب سے اللہ کی زمین کو پاک کر دیا لیکن ہندوستان میں مرزائیوں کو انگریز کی وجہ سے سازگار ماحول میسر ہوا۔ اس لیے یہ جھوٹا نبی ہندوؤں، عیسائیوں اور اسلام دشمن لوگوں کی سرپرستی میں محفوظ رہا لیکن علمی اور اعتقادی طور پر علماء نے اسے آگے نہیں بڑھنے دیا۔ مسلمانوں نے اپنی گروہی تفریق کے باوجود مرزائیوں کا ناطقہ بند کر دیا اس سلسلہ میں تمام علماء اور مذہبی جماعتوں کی خدمات لائقِ تحسین ہیں۔

سب سے پہلے مرزا کے خلاف مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ نے کفر کا فتویٰ جاری کرنے کی ابتدا کی۔ جب کہ مرزا کا انجام شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے ہاتھوں ہوا۔ انہی کے ساتھ مرزا نے مباہلہ کیا جس کے نتیجے میں لاہور برانڈرتھ روڈ پر احمدیہ مارکیٹ میں اپنے ایک مرید کے گھر لیٹرین میں واصلِ جہنم ہوا۔ اس کے بعد ۱۹۷۳ء میں علماء کی زبردست تحریک پر وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے آئینی طور پر مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔

مسائل

۱۔ اللہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو جسدِ اطہر سمیت آسمان پر اٹھالیا۔

۳۔ سب نے اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش ہونا ہے اور وہی لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

رفعِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا اعلان کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھالے گا۔ (آل عمران: ۵۵)

۲۔ عیسیٰ علیہ السلام قتل نہیں ہوئے۔ (النساء: ۱۵۷) ۳۔ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ (النساء: ۱۵۸)

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا

پس لیکن — وہ لوگ — انہوں نے کفر کیا — سو میں عذاب دوں گا ان کو — عذاب — سخت — میں — دنیا

وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

اور آخرت — اور نہیں — ان کیلئے — سے — مددگار (جمع) — اور لیکن — جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ

ایمان لائے — اور انہوں نے کام کیے — نیک — تو وہ پورا دے گا انکو — ان کا اجر — اور اللہ — نہیں محبت رکھتا

الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٧﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿٥٨﴾

ظالم (جمع) سے — یہ — ہم پڑھتے ہیں اسے — آپ پر — سے — آیتیں — اور نصیحت — حکمت والی

''پھر کافروں کو میں دنیا اور آخرت میں سخت ترین عذاب دوں گا اور ان کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔(٥٦) لیکن صاحب ایمان اور نیک اعمال کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ان کا پورا پورا ثواب دے گا اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔(٥٧) جو آیات ہم آپ کے سامنے پڑھ رہے ہیں یہ آیت حکمت اور نصیحت آمیز ہیں۔'' (٥٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے اور قرآن کا انکار کرتے ہیں ان کی سزا اور جو ان حقائق کو مانتے ہیں اس کی جزا

جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے اور قرآن مجید کا انکار کیا۔ وہ دنیا اور آخرت میں شدید عذاب سے دوچار کیے جائیں گے اور ان کا کوئی حامی و مددگار نہیں ہوگا۔ آخرت کے عذاب کے بارے میں قرآنِ مجید کافر کی خوفناک موت سے لے کر جہنم میں اس کے دخول اور سزاؤں کا موقع بموقع تفصیل کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔ جہاں تک دنیا کے عذاب کا تعلق ہے اس کی کئی شکلیں اور صورتیں ہو سکتی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق صاحبِ کردار ایمان داروں کو ایسا غلبہ نصیب فرمائے گا کہ اللہ کے باغی اور منکر دنیا میں ان کے سامنے سرنگوں ہو کر رہیں۔ جس طرح قرونِ اولیٰ میں اللہ کے منکر ذلیل و رسوا ہوئے تھے اسی طرح قربِ قیامت امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ان کا ذلیل ہونا یقینی ہے۔

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُوْنَ الْيَهُوْدَ فَيَقْتُلُهُمُ الْمُسْلِمُوْنَ حَتّٰى يَخْتَبِئَ الْيَهُوْدِيُّ مِنْ وَّرَآءِ الْحَجَرِ وَالشَّجَرِ فَيَقُوْلُ الْحَجَرُ أَوِ الشَّجَرُ يَا مُسْلِمُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ هٰذَا يَهُوْدِيٌّ خَلْفِيْ فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ إِلَّا الْغَرْقَدَ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرِ الْيَهُوْدِ))

(رواہ مسلم: باب لا تقوم الساعۃ حتی یمر الرجل بقبر الرجل فیتمنی الخ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب

تک مسلمان یہودیوں سے جنگ نہ کریں گے۔ مسلمان ان کو قتل کریں گے یہاں تک کہ یہودی پتھر اور درخت کے پیچھے چھپے گا تو وہ پتھر اور درخت پکار اٹھے گا۔ اے مسلمان! اے اللہ کے بندے! یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ تو آگے بڑھ کر اسے قتل کر دے لیکن غرقد درخت ایسا نہیں کہے گا کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے۔''

قرآنِ مجید کا یہ اسلوب ہے کہ وہ جہنم کے ساتھ جنت اور کفار کی ذلت کے ساتھ مومنوں کی عظمت اور اللہ کا فضل بیان کرتا ہے تاکہ قرآن کی تلاوت کرنے والے کے دل پر اس بات کا اثر ہو اور اس کے لیے حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنا آسان ہو جائے۔ یہاں مزید فرمایا کہ یہ اللہ کی کتاب کی آیات ہیں جو آپ پر پڑھی جا رہی ہیں اور یہ حکمتوں سے لبریز نعمت ہے جس کا دل چاہے اسے قبول کرے۔

مسائل

۱۔ کافر دنیا اور آخرت میں ذلیل ہوں گے۔ ۲۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ پورا پورا اجر عطا فرمائیں گے۔
۳۔ آخرت میں کفار کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔
۵۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات نصیحت اور حکمت سے لبریز ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

دنیا اور آخرت میں عذاب پانے والے:

۱۔ یہودی دنیا میں ذلیل اور آخرت میں سخت عذاب کے مستحق ٹھہریں گے۔ (البقرۃ:۸۵)
۲۔ اللہ کی مسجدوں سے روکنے والے دنیا و آخرت میں ذلیل ہوں گے۔ (البقرۃ:۱۱۴)
۳۔ کفار کو دنیا و آخرت میں شدید عذاب ہوگا۔ (الرعد:۳۴، آل عمران:۵۶)
۴۔ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن اور فسادی دنیا و آخرت میں عذاب کے مستحق قرار پائیں گے۔ (المائدۃ:۳۳)
۵۔ بچھڑے کے پجاری دنیا و آخرت میں ذلیل ہوئے۔ (الاعراف:۱۵۲)
۶۔ منافقین کو دنیا و آخرت میں سزا ہوگی۔ (التوبۃ:۷۴)
۷۔ فحاشی پھیلانے والوں کو دنیا و آخرت میں ذلت اٹھانی پڑے گی۔ (النور:۱۹)
۸۔ دین حق جھٹلانے والوں کو دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذابِ عظیم ہوگا۔ (الزمر:۲۶)
۹۔ امورِ دین میں شکوک و شبہات سے باہر نہ نکلنے والے دنیا اور آخرت میں حقیقی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (الحج:۱۱)

اِنَّ	مَثَلَ	عِيْسٰى	عِنْدَ اللّٰهِ	كَمَثَلِ	اٰدَمَ ؕ	خَلَقَهٗ	مِنْ
بیشک	مثال	عیسیٰ	اللہ کے نزدیک	جیسی مثال	آدم	اس نے پیدا کیا اسکو	سے
تُرَابٍ	ثُمَّ	قَالَ	لَهٗ	كُنْ	فَيَكُوْنُ ۝٥٩	اَلْحَقُّ	مِنْ
مٹی	پھر	فرمایا	اس کو	ہوجا	سو وہ ہوگیا	حق	سے
رَّبِّكَ	فَلَا تَكُنْ	مِّنَ	الْمُمْتَرِيْنَ ۝٦٠				
آپ کا رب	پس نہ ہو	سے	شک کرنے والے				

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال بالکل آدم کی مثال جیسی ہے جسے مٹی سے بنا کر کہہ دیا کہ ہوجا پس وہ ہوگیا۔ (۵۹) تیرے رب کی طرف سے حق یہی ہے خبردار شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔'' (۶۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عیسائیوں سے خطاب کے آغاز میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاندان۔ ان کی پیدائش کے مراحل، حضرت مریم علیہا السلام کا تعجب، عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت توحید، اس کا ردعمل اور اب ان کی ذات کے بارے میں وضاحت کی جارہی ہے۔

قرآنِ مجید نے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی تفصیلات ہی نہیں بتائیں بلکہ دنیا کے سامنے ان کے خاندان کی تاریخ رکھ دی ہے۔ جس میں ان کی نانی کی نذر ماننے سے لے کر حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش، بیت المقدس میں ان کے خالو کے ہاں ان کی تربیت، عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا تذکرہ، ان کی پیدائش پر حضرت مریم علیہا السلام پر یہودیوں کا الزام اور عیسیٰ علیہ السلام کا جواب گویا کہ ان کی زندگی کے اہم مراحل اور خاندانی پسِ منظر سے لے کر آسمانوں پر اٹھائے جانے تک کی تفصیلات کھول کر بیان کردی ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک ہی سلسلہ کی کڑی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ''کُنْ'' کہہ کر مٹی سے پیدا فرمایا اور عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری دیتے ہوئے حضرت مریم علیہا السلام کو بھی ''کُنْ'' کے الفاظ صادر فرمائے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بات کا فیصلہ فرماتا ہے تو اس کے لیے لفظ کُنْ سے حکم صادر فرماتا ہے۔ (یٰس: ۸۲)

عیسائی لوگوں کو یہ کہہ کر دھوکہ دیتے ہیں کہ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہیں اور وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنی روح پھونکی لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم سے مل کر اللہ تعالیٰ کی خدائی مکمل ہوتی ہے۔ اس کو عرفِ عام میں تثلیث کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں آدم علیہ السلام کی مثال دے کر واضح فرمایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے کی وجہ سے تم کہتے ہو کہ یہ اللہ ہیں یا اللہ کا حصہ ہیں۔ بتاؤ کہ تمہارا آدم علیہ السلام کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ان کی تخلیق تو عیسیٰ علیہ السلام سے بھی بڑھ کر

تھی۔عیسیٰ علیہ السلام کی تو والدہ تھی جب کہ آدم علیہ السلام کا نہ باپ تھا اور نہ ہی ماں۔کیا پھر آدم علیہ السلام کو اللہ یا اس کا جز وقرار دینے کے لیے تیار ہو؟ حالانکہ تمہارا بھی عقیدہ ہے کہ آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور اوّل البشر ہیں۔عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خطاب کا اختتام ان الفاظ سے کیا جارہا ہے کہ جو تفصیلات تمہارے سامنے بیان کی گئی ہیں۔یہ سب تمہارے رب کی طرف سے حق اور سچ ہے۔لہٰذا تم اور کسی مسلمان کو اس میں شک نہیں کرنا چاہیے۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰى صُورَتِهٖ، طُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا»

(رواہ البخاری:باب بدء السلام)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس کی صورت کے مطابق بنایا،ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔''

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان مماثلت اور فرق

آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے۔	عیسیٰ علیہ السلام باپ کے بغیر پیدا ہوئے۔
اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے دستِ مبارک اور ''کُنْ'' کہہ کر پیدا فرمایا۔	عیسیٰ علیہ السلام کو صرف ''کُنْ'' کہہ کر پیدا فرمایا۔
اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام میں اپنی روح پھونکی۔	عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت جبریل کے ذریعے اپنی روح سے پیدا فرمایا۔
حضرت آدم علیہ السلام نبی اور اوّل البشر تھے۔	حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاحبِ کتاب نبی اور رسول تھے۔

تفسیر بالقرآن

الحق سے مراد:

١۔ اہل کتاب جان بوجھ کر حق بات چھپاتے ہیں۔(البقرۃ:١٤٦) ٢۔اکثر لوگوں پر حقیقت واضح ہو چکی ہے۔(یٰس:٧،المائدۃ:٤٨)

٣۔ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرنے والوں پر اللہ کا عذاب واجب ہے(ص:١٤)

٤۔ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں نامناسب بات کرنے والے رسوا کن عذاب میں ہوں گے۔(الانعام:٩٣)

٥۔ اٹکل پچو علم کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔(یونس:٣٦) ٦۔ہمارے معجزات کو قومِ فرعون نے جادو کہا۔(یونس:٧٦)

٧۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس اللہ کی طرف سے بات نازل ہوئی ہے۔(یونس:٩٤)

٨۔ جب ان کے پاس قرآن آیا تو انہوں نے تکذیب کی۔(الانعام:٥)

٩۔ اللہ تعالیٰ کی بات علم وحکمت پر مبنی ہوتی ہے۔(الانعام:٧٣) ١٠۔اللہ دین کو غالب اور کفر کو مٹاتا ہے۔(الانفال:٨)

١١۔ اللہ توحید کا پیغام دیتا ہے۔(الرعد:١٤) ١٢۔اسلام آگیا اور باطل مٹ گیا۔(اسراء:٨١)

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ

سو جو | آپ سے جھگڑے | اس میں | سے | بعد | جو | آیا تیرے پاس | سے | علم

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ

تو فرما دیں | تم آؤ | ہم بلائیں | اپنے بیٹے | اور تمہارے بیٹے | اور ہماری عورتیں | اور تمہاری عورتیں

وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى

اور ہم خود | اور تم خود | پھر | ہم گڑگڑا کر دعا کریں | پھر کریں | لعنت | اللہ | پر

الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ج وَمَا مِنْ

جھوٹوں | بیشک | یہ | البتہ وہی | بیان (جمع) | سچا | اور نہیں | سے

اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٢﴾

معبود | مگر | اللہ | اور بیشک | اللہ | وہی | غالب | حکمت والا

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٣﴾ ع ٦ ٩ ١٤

پھر اگر | وہ پھر جائیں | تو بیشک | اللہ | جاننے والا | فساد کرنے والوں کو

’’جو شخص آپ کے پاس علم آنے کے بعد بھی اس میں جھگڑا کرے تو آپ فرمائیں آؤ ہم تم اپنے اپنے بیٹوں اور اپنی اپنی عورتوں کو لے آئیں اور خود بھی آکر ہم دعا کریں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔(٦١) یقیناً یہ سچا بیان ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔(٦٢) اگر وہ پھر جائیں تو اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو جانتا ہے۔‘‘(٦٣)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ کا بندہ اور رسول ہونا حق ہے۔ دلائل کے باوجود جو حق تسلیم نہیں کرتا اسے سمجھانے کا آخری طریقہ مباہلہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور ان کے خاندان کی مرحلہ وار تاریخ کے واضح دلائل اور روشن حقائق کے ساتھ نجران کے وفد کو دعوت دی۔ لیکن وہ اس کے باوجود کہنے لگے کہ ہم تو عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا سمجھتے ہیں۔ اس موقع پر آیتِ مباہلہ نازل ہوئی۔ مباہلہ کا معنیٰ ہے کہ عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کرنا کہ حق والا سرخرو ہو اور جھوٹے پر اللہ کی پھٹکار نازل ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے نجران کے وفد کو فرمایا کہ کل میں اپنے اہلِ بیت کو لے کر فلاں وقت حاضر ہوں گا اور تم بھی اپنے ارکان کے ساتھ جمع ہو جانا۔ تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کریں کہ جھوٹے پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہو۔ بعض روایات کے مطابق اگلے دن آپ حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو لے کر تشریف لائے۔ نجران

کے وفد کے سربراہ اسقف اور ان کے پادری شرحبیل نے یہ کہہ کر اپنے وفد کو مباہلہ سے باز رکھا کہ محمد (ﷺ) واقعی نبی آخر الزمان ہیں اور نبی کی بددعا مسترد نہیں ہوا کرتی۔ اگر مباہلہ ہوا تو ہم نیست و نابود ہو جائیں گے اور عیسائیوں کے لیے ننگ و عار ثابت ہوں گے۔ چنانچہ انہوں نے جزیہ دینے کی ذلت قبول کر لی۔ لیکن نعمتِ ہدایت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس آیت کی تفسیر میں بریلوی مکتبِ فکر کے مفکّر پیر کرم شاہ فرماتے ہیں:

بعض لوگوں نے یہاں یہ ثابت کرنے کی بے جا کوشش کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی صرف ایک صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی اہل بیت میں شامل کی گئی ہیں۔ ورنہ دوسری صاحبزادیاں بھی اس روز مباہلہ میں شرکت کرتیں۔ تو ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ تاریخ کی تمام معتبر کتب اور ناسخ التواریخ اور کافی وغیرہ میں موجود ہے کہ حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ اُس روز خاتونِ جنت کا اکیلے تشریف لانا اس لیے تھا کہ باقی صاحبزادیاں اِنتقال فرما چکی تھیں۔ حضرت رقیہ نے ۲ ہجری میں، حضرت زینب نے ۸ ہجری میں اور حضرت اُم کلثوم نے ۹ ہجری میں انتقال فرمایا جب کہ یہ واقعہ ۱۰ ہجری میں پیش آیا۔

اس لفظ سے بعض لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر استدلال کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اَنْفُسَنَا سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ آپ نفسِ رسول ہیں۔ گویا آپ رسول جیسے ہیں۔ تو جب آپ حضور کے مساوی ہو گئے تو پھر آپ سے زیادہ خلافت کا حقدار اور کون ہوسکتا ہے؟ تو اس کے متعلق اِلتماس ہے کہ حضرت علی کا شمار ابناءنا میں ہے۔ کیونکہ آپ نبی ﷺ کے داماد تھے۔ اور داماد کو بیٹا کہا جاتا ہے اور اگر اَنْفُسَنَا میں ہی شمار کریں تو عینیت اور مساوات کہاں سے ثابت ہوئی؟ کیونکہ یہ لفظ تو ان لوگوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو قریبی رشتہ دار یا دینی اور قومی بھائی ہوں۔ ان آیات اور تفصیلات کے بعد اس آیت میں ان سب کا ماحصل بیان فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی اللہ اور معبود نہیں۔ جو کسی مخلوق کو اللہ یا اللہ کا بیٹا تسلیم کرتا ہے وہ راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے۔ حقائق جھٹلانے والوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ توحید کا انکار اور حقائق سے انحراف کرنے والے فسادی ہیں۔ [ضیاء القرآن]

مسائل

۱۔ جھگڑالو کے ساتھ مباہلہ کرنا جائز ہے۔ ۲۔ جھوٹے پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔

۳۔ فسادی اللہ کے علم اور اس کی دسترس سے باہر نہیں ہوتے۔ ۴۔ قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کہانیاں نہیں بلکہ حق اور سچ ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قصص قرآن کی حقیقت:

۱۔ قرآن کے بیانات حق ہیں۔ (آل عمران: ۶۲)

۲۔ قرآن کے قصے بہترین ہیں۔ (یوسف: ۳) ۳۔ قرآن کے قصے نصیحت آموز ہیں۔ (یوسف: ۱۱۱)

۴۔ اے نبی ﷺ ہم آپ کے دل کو مضبوط کرنے کے لئے انبیاء کے قصے بیان کرتے ہیں۔ (ہود: ۱۲۰)

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا

آپ فرمادیں اے اہلِ کتاب آؤ طرف ایک بات برابر ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان کہ نہ

نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا

ہم عبادت کریں سوائے اللہ اور نہ ہم شریک کریں اس کے ساتھ کچھ اور نہ بنائے ہم میں سے کوئی کسی کو

اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾

رب (جمع) سے سوائے اللہ پھر اگر وہ پھر جائیں تو تم کہہ دو تم گواہ رہو کہ بیشک ہم فرمانبردار

''آپ فرمادیں کہ اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو آپ فرمادیں کہ گواہ رہنا ہم تو مسلمان ہیں۔'' (٦٤)

فہم القرآن

ربطِ کلام: توحید حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تمام انبیاء کی مشترکہ دعوت اور مشن ہے۔ لہٰذا اہل کتاب کو اس کی پھر دعوت دی جارہی ہے۔

سورۃ البقرہ میں یہودیوں کو اور سورۃ آلِ عمران میں نصاریٰ کو مفصل خطاب کرنے کے بعد اب دونوں کو ایسی بات کی طرف دعوت دی جارہی ہے جو تمام انبیاء کی دعوت کی ابتدا اور انتہا ہوا کرتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں مختلف پیرائے میں اس بات کی وضاحت اور صراحت فرمائی ہے کہ ہم نے جتنے انبیاء مبعوث کیے وہ یہی دعوت دیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور ہر قسم کے طاغوت کا انکار کردو۔ (الانعام: ۸۸) میں اٹھارہ پیغمبروں کا نام بنام ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر یہ شرک کرتے تو ان کے سب اعمال ضائع کردیے جاتے۔ یہاں حکم دیا جارہا ہے کہ اے خاتم المرسلین! ان کو دعوتِ عام دو کہ آؤ اس بات پر متفق ہوجائیں۔ جو آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت تھی وہی ہماری دعوت ہے۔ اگر لوگ یہ دعوت قبول کرنے سے انکار کردیں تو آپ فرمادیں کہ گواہ رہنا ہم تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے اور اس کے تابع فرمان ہیں۔ اس دعوت کے تین بنیادی اصول ہیں۔ ① اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ ② اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ ③ اللہ کی ذات کے سوا کسی کو معبود نہ بنایا جائے اس دعوت کا منطقی نتیجہ ہے نبی معظم کو اللہ کا آخری رسول مانا جائے کیونکہ آپ ہی توحید کی دعوت دینے والے ہیں یہی دعوت آپ نے سلطنتِ رومہ کے فرماں روا ہرقل کو ایک مراسلہ کے ذریعے دی تھی۔ (رواہ البخاری: کتاب بدء الوحی)

مسائل

١۔ اہلِ کتاب اور مسلمانوں کے درمیان قدرِ مشترک توحید ہے۔ ٢۔ سب کو توحید کی دعوت دینا چاہیے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ

اے اہلِ کتاب کیوں تم جھگڑتے ہو میں ابراہیم اورنہیں نازل کی گئی تورات

وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ

اورانجیل مگر سے اس کے بعد توکیاتم عقل نہیں رکھتے ؟ ہاں تم وہی لوگ تم نے جھگڑا کیا

فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ

جس میں تمہارے لیے اس کا علم پس کیوں تم جھگڑتے ہو اس میں جو نہیں تمہیں اس کا کچھ علم اوراللہ

يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ

جانتاہے اورتم نہیں جانتے نہ تھے ابراہیم یہودی اورنہ نصرانی اورلیکن وہ تھے

حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ

ایک رخ فرمانبردار اورنہیں تھے سے مشرک (جمع) بیشک سب سے زیادہ نزدیک لوگ ابراہیم سے

لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾

البتہ وہ لوگ انہوں نے پیروی کی اسکی اور یہ نبی اوروہ لوگ ایمان لائے اوراللہ کارساز مومن (جمع)

”اے اہل کتاب! تم ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل تو اس کے بعد نازل کی گئیں کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔ (۶۵) ہاں تمہارے پاس جس کا علم تھا ان میں جھگڑ چکے۔ لیکن اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (۶۶) ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ تو یکسو مسلمان تھے اور نہ ہی وہ مشرکین میں سے تھے۔ (۶۷) سب سے زیادہ ابراہیم (علیہ السلام) کے نزدیک وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کی اطاعت کی اور یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان والے ہیں اور اللہ ہی مومنوں کا دوست ہے۔“ (۶۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہل کتاب اپنے غلط اور مشرکانہ موقف کی تائید کے لیے عیسائی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عیسائی اور یہودی ابراہیم علیہ السلام کو یہودی ثابت کرنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں۔ اس بات کی تردید اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ بتلاتے ہوئے ان کے ساتھ امت مسلمہ کے تعلق کی وضاحت کی گئی ہے۔

قومیں جب گمراہی کا شکار ہوتی اور الٹے پاؤں چلتی ہیں تو وہ صرف مذہب کا حلیہ ہی نہیں بگاڑا کرتیں بلکہ تاریخ کے مسلّمہ حقائق کو تبدیل کرتے ہوئے اپنے اختلافات میں ان بزرگوں کو گھسیٹ لاتی ہیں جن کا ان کے اختلافات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ صرف اپنے موقف کو سچا ثابت کرنے کے لیے ان شخصیات کا سہارا لیا جاتا ہے۔ یہودیوں نے عیسائیوں پر برتری ثابت کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہودی اور عیسائیوں نے یہودیوں پر اپنا سکہ جمانے کے لیے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عیسائی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ ان کی دیکھا دیکھی مشرکینِ مکہ نے بھی یہ دعویٰ کیا کہ ہم اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اور کعبہ کے متولّی ہیں۔ اگر ہم ابراہیم علیہ السلام کے وارث اور تولیت کے اہل نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے گھر کا متولّی اور نگران نہ بناتا۔ لہٰذا محمد اور اس کے ساتھیوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہودیوں، عیسائیوں اور اہل مکہ کی تردید کرنے کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رسول کریم اور آپ کی امت محمدیہ کے ساتھ رشتہ ثابت کرنے کے لیے ان کے عقیدے اور شخصیت کی وضاحت کی جارہی ہے کہ تورات وانجیل تو عرصۂ دراز کے بعد نازل ہوئیں۔ تم اپنی جہالت کی بنیاد پر ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ وہ نہ یہودی تھے نہ عیسائی اور نہ ہی مشرکین کے ساتھ ان کا کوئی تعلق تھا اور نہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تعلق محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ماننے والوں کا ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام صرف ایک ہی رب کی عبادت کرنے اور اس کی توحید کی دعوت دینے والے اور اسی کے تابع فرمان تھے۔

افسوس! اسی مرض میں امتِ محمدیہ مبتلا ہو چکی ہے کہ آج خالص قرآن وسنت کے داعی کو مقلد حضرات طعنہ دیتے ہیں کہ تمہارا کوئی امام نہیں اور بغیر امام کے کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ کچھ علماء غلو کرتے ہوئے یہاں تک کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مقلد تھے۔ (نعوذ باللہ) حالانکہ تقلید چار سو سال بعد شروع ہوئی۔ مزید تفصیل کے لیے سورۃ البقرۃ آیت: ۱۷۰ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔ اہلِ تشیع نے اخلاق کی تمام حدیں پھلانگتے ہوئے واقعۂ کربلا کو اس قدر پھیلایا ہے کہ چند اصحاب کے علاوہ تین خلفاء اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہادت حسین میں ملوث کرتے ہوئے ان پر دشنام کرتے ہیں۔ جب کہ یہ واقعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ۴۷ سال بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ۳۶ سال بعد اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ۲۶ سال بعد یہاں تک کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد تقریباً ایک سال بعد رونما ہوا۔ لہٰذا تمام حضرات کا واقعہ کربلا سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اس کے باوجود شیعہ ان حضرات کو دشنام کرنے سے باز نہیں آتے۔

مسائل

۱۔ تورات وانجیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئیں۔ ۲۔ جس مسئلہ کا علم نہ ہو اس میں بحث نہیں کرنی چاہیے۔
۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی، عیسائی اور مشرک نہیں تھے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ہے۔
۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تعلق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا ہے۔

تفسیر بالقرآن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تعلق خاص:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ (الحدید: ۲۶)
۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ نسبت ہے۔ (آل عمران: ۶۸)
۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا۔ (البقرۃ: ۱۲۹)
۴۔ ابراہیم علیہ السلام کی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ (الممتحنۃ: ۶)

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ

چاہتی ہے | ایک جماعت | سے | اہلِ کتاب | کاش | وہ گمراہ کردیں تمہیں | اور نہیں | وہ گمراہ کرتے

اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ

مگر | اپنے آپ کو | اور نہیں | وہ سمجھتے | اے اہلِ کتاب | کیوں | تم انکار کرتے ہو

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ

اللہ کی آیات | حالانکہ تم | گواہ ہو | اے اہلِ کتاب | کیوں | تم ملاتے ہو | سچ

بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ

ع ۷/۸ ۱۵

جھوٹ کے ساتھ | اور تم چھپاتے ہو | حق | حالانکہ تم | تم جانتے ہو | اور کہا | ایک جماعت

مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

سے | اہلِ کتاب | تم مان لو | وہ جو | نازل کیا گیا | پر | جو لوگ | ایمان لائے

وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ ج

اول حصہ | دن | اور منکر ہوجاؤ | اس کے آخر (شام) | شاید وہ | وہ پھر جائیں

''اہلِ کتاب کی ایک جماعت چاہتی ہے کہ تمہیں گمراہ کردیں دراصل وہ خود اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں۔(۶۹) اے اہلِ کتاب! کیوں تم کفر کرتے ہو اللہ کی آیات کا حالانکہ تم گواہ ہو۔(۷۰) اے اہلِ کتاب! تم جاننے کے باوجود حق کو باطل کے ساتھ کیوں خلط ملط کرتے ہو اور کیوں حق کو چھپاتے ہو؟(۷۱) اہلِ کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ جو کچھ ایمان والوں پر اتارا گیا ہے اس پر صبح کے وقت ایمان لاؤ اور شام کے وقت انکار کردو تاکہ مسلمان بھی مرتد ہوجائیں۔''(۷۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب یہ جاننے کے باوجود کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی اور عیسائی نہیں تھے۔ پھر بھی اپنے مذہب کو تقویت دینے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے ان کی شخصیت کا حوالہ دیتے ہیں۔ گمراہ فرقوں کی ایک یہ بھی نشانی ہوتی ہے کہ وہ دلائل کی کمزوری کو شخصیات سے نسبت اور ان کی عقیدت کے حوالے سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قرآنِ مجید مسلمانوں کو بار بار اہلِ کتاب کی سازشوں اور عادتوں سے آگاہ کرتا ہے کہ اہلِ کتاب کی کوشش ہے کہ وہ کسی طرح تمہیں صراطِ مستقیم سے گمراہ کردیں۔ ان کی بد حرکتوں اور ان کے خبثِ باطن کے باوجود قرآنِ مجید انہیں سمجھانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا۔ قرآن جب بھی انہیں خطاب کرتا ہے تو اہلِ کتاب کے معزز لقب کے ساتھ مخاطب کرتا ہے، تاکہ انہیں اپنے مرتبے کا احساس ہو اور وہ بُری عادتیں چھوڑنے کے لیے تیار ہوجائیں۔ اسی لیے ایک دفعہ پھر انہیں اہلِ کتاب کے

نام پر سمجھایا جا رہا ہے کہ حقیقت جاننے کے باوجود تم اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو؟ اے اہلِ کتاب تمہیں حق چھپانے اور حق کو باطل کے ساتھ ملانے سے بھی باز آنا چاہیے۔ کیونکہ تم اس کے گناہ اور نقصان سے واقف ہو۔ جب کسی معاشرے کے پڑھے لکھے لوگ حقائق کا انکار کریں یا حق و باطل کے التباس کے جرم میں ملوث ہو جائیں تو پھر عوام الناس کا ہدایت تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ دراصل عیسائیوں اور یہودیوں کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ عوام میں اسلام اور نبی آخر الزمان ﷺ کے بارے میں اس قسم کے شکوک و شبہات پیدا کر دیے جائیں کہ جن سے لوگ از خود اسلام سے دور رہنے کی کوشش کریں۔ اسی ذہنیت سے انہوں نے سازشوں کو نیا رنگ دے کر یہ منصوبہ بنایا کہ اپنے میں سے کچھ لوگوں کو صبح کے وقت محمد عربی ﷺ کے پاس بھیجا جائے۔ وہ ان کے سامنے اسلام کے اوصاف گنواتے ہوئے برملا ایمان لانے کا اظہار کریں لیکن ٹھیک دن کے آخر میں اسلام سے براءت کا اعلان کر دیں تاکہ ہم لوگوں اور عام مسلمانوں کو باور کرواسکیں کہ اگر اسلام میں سچائی اور آپ کے نبی میں کوئی خوبی ہوتی تو یہ پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگ مسلمان ہونے کے بعد کیوں اسے چھوڑتے؟ اس طرح مسلمان شکوک و شبہات کا شکار ہوں اور وہ بھی واپس پلٹنے کے لیے سوچیں۔ یہ صرف ایک واقعہ نہیں بلکہ اگر اہلِ کتاب بالخصوص یہودیوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اس بات کا پتہ چلتا ہے انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے بہی خواہ بن کر ملتِ اسلامیہ کو بارہا نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ جس کی ابتدا عبداللہ بن سبا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں کی تھی اور اس کے نتیجے میں جنگِ جمل اور جنگِ صفین واقع ہوئیں اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ کاش! مسلمان اور ان کے سیاسی و مذہبی راہنما اہلِ کتاب خاص کر یہودیوں کی سازشوں کو سمجھ جائیں۔

مسائل

۱۔ اہلِ کتاب مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ ۲۔ کسی کو گمراہ کرنے والا خود گمراہ ہوا کرتا ہے۔

۳۔ اہلِ کتاب حقائق جاننے کے باوجود دینِ اسلام کا انکار کرتے ہیں۔

۴۔ اہلِ کتاب جان بوجھ کر حق و باطل کی آمیزش کرتے ہیں۔

۵۔ اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ ہمیشہ سے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتا آرہا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اہلِ کتاب کے مذموم خیالات:

۱۔ اہلِ کتاب کی کوشش ہے کہ مسلمان بہک جائیں۔ (آل عمران: ۶۹)

۲۔ اہلِ کتاب حقائق جاننے کے باوجود اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔ (آل عمران: ۷۰)

۳۔ اہلِ کتاب جانتے ہوئے بھی حق کو باطل کے ساتھ ملاتے اور کتمان حق کرتے ہیں۔ (آلِ عمران: ۷۱)

۴۔ اہلِ کتاب کا مسلمانوں کو ورغلانے کا عجب انداز۔ (آل عمران: ۷۲، ۷۳)

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ

اور نہ مانو تم سوائے اس کے لیے جو پیروی کرے تمہارا دین آپ فرمادیں بیشک ہدایت اللہ کی ہدایت

اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ

یہ کہ دیا جائے کوئی ایک جیسا جو تمہیں دیا گیا یا وہ جھگڑا کریں تم سے پاس تمہارا رب

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

آپ فرمادیں بیشک فضل ہاتھ اللہ وہ یہ دیتا ہے جسے وہ چاہتا ہے اور اللہ وسعت والا

عَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾

جاننے والا وہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت سے جس کو وہ چاہتا ہے اور اللہ فضل والا بڑا

''اور اپنے دین پر چلنے والے کے سوا کسی اور کو تسلیم نہ کرو۔ کہہ دیجیے کہ بے شک ہدایت تو اللہ کی ہی ہدایت ہے۔ کہ کسی کو اس طرح کا دیا جائے جیسا تمہیں دیا گیا ہو یا یہ کہ تمہارے خلاف تمہارے رب کے حضور جھگڑا کریں۔ تم کہہ دو کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔ (۷۳) وہ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے مخصوص کر لے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔'' (۷۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کسی کے نعروں اور دعووں سے دھوکہ کھانے اور ان پر اعتماد کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل کسی شخص کی ذات یا فرقہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کی رحمت کی بدولت ہوا کرتا ہے۔

اہلِ کتاب رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے کے باوجود فکر مند رہتے تھے کہ مسلمانوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔ جو شخص بھی آپ سے ملاقات کرتا اور قرآن سنتا ہے وہ آپ ہی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اہل کتاب کے سامنے مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں اس کی طویل لسٹ تھی۔ اکثر یہ ہوا کہ اہلِ مکہ اور اہلِ کتاب کا نمائندہ بن کر جانے والا شخص آپ ﷺ کی پُر جمال شخصیت اور دِل رُبا گفتگو سن کر اپنے دین سے دستبردار ہو جاتا۔ اس سے بچاؤ کے لیے انہوں نے اپنی عوام میں پُر زور مہم چلائی اور خاص کر سازشوں میں کردار ادا کرنے والوں کو تین باتیں سمجھائیں۔ ① اپنے پیشواؤں کے بغیر کسی کی بات نہ ماننا۔ ② صرف اس بات کو تسلیم کرنا جس کا وجود اور ثبوت تورات اور انجیل میں پایا جاتا ہو۔ ③ تیسری بات یہ باور کروائی جاتی کہ دیکھنا کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنے دین کے بارے میں کوئی کمزور بات کر دو یا اسے چھوڑنے کا مسلمانوں کو عندیہ دو۔ یاد رکھنا! روزِ محشر مسلمان تمہارے خلاف اللہ تعالیٰ کے حضور جھگڑا کریں گے۔ تمہیں وہاں کوئی چھڑانے والا نہیں ہوگا۔ اس طرح کی بے محل مصنوعی فکرِ آخرت کا خوف دلا کر لوگوں کو ڈرایا کرتے تھے۔ باطل نظریات کے حامل لوگ شروع

سے حق کے خلاف یہی ہتھیار استعمال کرتے آرہے ہیں۔اس کے جواب میں دو باتیں ارشاد فرمائی گئیں۔اے اہل کتاب! تمہارا صبح کے وقت ایمان لانا اور شام کے وقت انکار کرنا اہلِ حق کو صراطِ مستقیم سے نہیں ڈگمگا سکتا کیونکہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔جب وہ کسی کو ہدایت سے سرفراز کرتا ہے تو دنیا کی کوئی سازش اس کے قدموں کو ڈگمگا نہیں سکتی۔یہ بھی یاد رکھو کہ ہدایت وہ نہیں جسے اہلِ کتاب یا دنیا کا کوئی شخص ہدایت قرار دے۔ہدایت حقیقتاً وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر نازل فرمائی ہے۔یہ سراسر اللہ کا فضل ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے نبوت اور ہدایت کے لیے منتخب فرماتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی رحمتوں، وسعتوں اور اس کے لامحدود فضل کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا۔

«عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ يُصَرِّفُهُ حَيْثُ يَشَاءُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلَى طَاعَتِكَ» (رواہ مسلم:باب تصریف اللہ القلوب حیث یشاء)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک بنی آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی طرح ہیں۔وہ ان کو پھیرتا ہے جیسے چاہتا ہے۔پھر آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی۔اے اللہ دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی فرمانبرداری کی طرف پھیرے رکھنا۔''

مسائل

١۔ اہلِ کتاب اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کی بجائے اپنے عقیدہ کو حق سمجھتے ہیں۔
٢۔ جماعتوں اور انسانوں کا من گھڑت عقیدہ ہدایت نہیں ہوا کرتا۔
٣۔ ہدایت اللہ کی طرف سے ہے اور اس کے فضل سے ملتی ہے۔ ٤۔فضل سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔
٥۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔ ٦۔اللہ تعالیٰ وسعت اور علم والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے:

١۔ ہدایت کا اختیار نبی ﷺ کو بھی حاصل نہیں تھا۔(القصص:٥٦) ٢۔ہدایت پانا اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔(الحجرات:١٧)
٣۔ نبی کسی کو ہدایت پر گامزن کرنے کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔(البقرہ:٢٧٢)
٤۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔(ابراہیم:٤) ٥۔وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔(البقرۃ:٢١٣)
٦۔ جسے اللہ گمراہ کردے کوئی اسے ہدایت نہیں دے سکتا۔(الاعراف:١٨٦)
٧۔ اللہ تعالیٰ کی راہنمائی کے بغیر کوئی ہدایت نہیں پا سکتا۔(الاعراف:٤٣)

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ

اور سے اہلِ کتاب جو اگر امانت رکھیں اسکے ہاں ڈھیر مال ادا کردیگا اسے آپکی طرف

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا

اور ان سے جو اگر آپ امانت رکھیں اس کے پاس ایک دینار وہ اسے ادا نہیں کریگا آپ کو مگر

مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا

جب تک آپ رہیں اس پر کھڑے یہ اس لیے کہ بیشک وہ وہ کہتے ہیں نہیں ہم پر

فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾

میں ان پڑھ (جمع) کوئی راہ اور وہ بولتے ہیں پر اللہ جھوٹ اور وہ جانتے ہیں

”بعض اہل کتاب ایسے ہیں کہ اگر انہیں خزانے کا امین بنادیں تو وہ تمہیں واپس کردیں گے اور ان میں سے بعض ایسے ہیں اگر ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھیں تو وہ آپ کو نہیں لوٹائیں گے الا یہ کہ آپ اس کے سر پر سوار رہیں۔ یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر جاہلوں کے بارے میں کوئی گناہ نہیں یہ جاننے کے باوجود اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔“ (٧٥)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب کی علمی خیانت کے بعد مالی بددیانتی کا تذکرہ۔

اہلِ کتاب کا کثیر طبقہ ہمیشہ سے علمی خیانت کے ساتھ مالی بددیانتی کا شکار رہا ہے۔اس کی وجہ دین سے لاعلمی، بشری کمزوری اور صرف مالی ہوس نہیں۔ بلکہ بنیادی سبب یہ ہے کہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر اس لیے ایمان نہیں لاتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی کو رسول تسلیم نہ کریں۔اسی طرح ان کا یہ بھی نظریہ ہے کہ غیر یہودی اور اَن پڑھ لوگوں کے بارے میں ہمیں پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔ان کا مال لوٹنا ہمارے لیے جائز ہے۔ان کے نزدیک اَن پڑھ سے مراد خاص طور پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہے۔

ان کی کتابوں میں یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی یہودی کے ہاں ایسا مقدمہ پیش ہو جس میں ایک فریق غیر یہودی ہو تو یہودی جج کا فرض ہے کہ وہ ہر طریقے سے اپنے یہودی بھائی کو فائدہ پہنچائے۔ یہاں تک کہ یہودیوں کے نزدیک غیر یہودی کو قتل کرکے اس کا مال ہڑپ کرنا بھی جائز ہے۔اس باطل نظریے کی وجہ سے ان میں اس قدر بے باکی پیدا ہوئی کہ اگر یہودیوں کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ اسے غصب کرنا شرعی حق اور ہر قسم کی عہد شکنی کو اپنے لیے جائز سمجھتے ہیں۔سوائے اس کے کہ امانت رکھنے والا ان کے سر پر سوار ہوجائے بصورتِ دیگر ان سے امانت کی واپسی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ پھر اس خیانت اور بددیانتی کا جواز تورات سے پیش کرتے ہیں۔اس کا دوسرے لفظوں میں مطلب یہ ہے کہ وہ دین کو ڈھال

کے طور پر استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بول رہے ہیں۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خیانت کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ قرآنِ مجید کی انصاف اور اصول پسندی پر قربان جایئے کہ اس نے یہودیوں میں جو دیانتدار لوگ ہیں ان کو یہ کہہ کر مستثنیٰ قرار دیا ہے کہ ان میں دیانت دار بھی ہیں۔ جن کے پاس ایک خزانہ بھی رکھ دیا جائے تو وہ اس کی پائی پائی لوٹانے کے لیے تیار رہتے ہیں امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی لوگ ہی آپ کی نبوت پہ ایمان لانے والے ہیں۔

یہودیوں کے بارے میں اسرائیلی اخبار و بزنس ڈیٹا کی رپورٹ:

یہ یہودی فلاسفی ہے کہ یہودی دنیا میں اعتماد، یقین، لین دین، وعدے وعید اور پیسے روپے کے معاملہ میں بدترین قوم ہیں۔ چاروں آسمانی کتابیں متفق ہیں کہ یہودی وعدے کے کمزور ہوتے ہیں۔ بات کر کے مکر جانا ان لوگوں کا شیوہ ہے ان کی پانچ ہزار سال کی تاریخ بتاتی ہے یہ لوگ جس جگہ رہتے ہیں اس جگہ کا امن و سکون اور اطمینان غارت ہو جاتا ہے وہ جگہ ''دارالحرب'' بن جاتی ہے۔ اس جگہ جنگیں اور لڑائیاں ہوتی ہیں۔ یہ ان لوگوں پر وہ سیاہ دھبے ہیں۔ جنہیں شاید اب دنیا کی کوئی طاقت نہیں دھو سکتی۔ یہ لوگ کرپٹ بھی ہوتے ہیں، اسی اخبار میں عالمی بنک کے اعداد و شمار چھپے ہیں ان اعداد و شمار میں انکشاف ہوا کہ اسرائیل کا شمار اس وقت کے کرپٹ ترین ممالک میں ہوتا ہے۔ (بحوالہ جنگ اخبار ١٠ ستمبر ٢٠٠٥ء)

مسائل

١۔ یہودیوں کی غالب اکثریت خائن لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

٢۔ یہودیوں میں کچھ لوگ امانت دار بھی ہوتے ہیں۔ ٣۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ غیر یہودی کا مال ہڑپ کرنا جائز ہے۔

تفسیر بالقرآن

اہل کتاب کی اکثریت بددیانت اور حرام خور ہے:

١۔ اہلِ کتاب رشوت خور ہیں۔ (البقرۃ: ٨٥) ٢۔ اہلِ کتاب حرام خور ہیں۔ (البقرۃ: ١٧٤)

٣۔ اہلِ کتاب بددیانت ہیں۔ (آل عمران: ٧٥) ٤۔ اہلِ کتاب سود خور ہیں۔ (النساء: ١٦١)

٥۔ اہلِ کتاب کی اکثریت گناہ اور زیادتی کے کاموں میں جلدی کرنیوالی اور سود خور ہے۔ (المائدۃ: ٦٢)

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝٧٦

کیوں نہیں جو پورا کرے اپنا اقرار اور پرہیز گار رہے تو بیشک اللہ دوست رکھتا ہے پرہیز گاروں کو

''کیوں نہیں جو شخص اپنا عہد پورا کرے اور پرہیز گاری اختیار کرے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے پرہیز گاروں سے محبت کرتا ہے۔'' (٧٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ موسیٰ کے علاوہ کسی نبی پر ایمان نہ لائیں۔ یہاں ان کے اس دعویٰ کی تردید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو تمام انبیاء سے رسول ﷺ پر ایمان لانے کا عہد لیا تھا۔ لہٰذا جو شخص انبیاء کے عہد کی پاسداری کرتے ہوئے نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لائے اور اللہ کی نافرمانی سے بچے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محبت کرتا ہے۔

انسان کا تعلق کسی مذہب سے ہو وہ فطری اور شرعی طور پر تین باتوں کا مکلّف ہوتا ہے۔ تخلیقِ آدم کے وقت اللہ تعالیٰ سے ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' کے جواب میں توحید کا اقرار کرنا، ہر نبی کے عہد اور اعلان کے مطابق نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانا اور ایک دوسرے کے ساتھ کیے گئے عہد کی پاسداری کرنا۔ جو شخص بھی وعدہ ایفاء کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ؓ قَالَ مَا خَطَبَنَا نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ إِلاَّ قَالَ لاَ إِيمَانَ لِمَنْ لاَ أَمَانَةَ لَهُ وَلاَ دِينَ لِمَنْ لاَ عَهْدَ لَهُ» (رواہ احمد: مسند انس بن مالک ؓ [صحیح])

''حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی نے جب بھی ہمیں خطبہ دیا آپ نے فرمایا اس شخص کا کوئی ایمان نہیں جس میں امانتداری نہیں اور اس شخص کا کوئی دین نہیں جس میں عہد کی پاسداری نہیں۔''

''حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ ہر بدعہد کے لیے جھنڈا ہوگا جو اس کی بدعہدی کے مطابق نمایاں ہوگا۔'' (رواہ البخاری: باب إِثْمِ الْغَادِرِ لِلْبَرِّ وَالْفَاجِرِ)

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ سے عہد اور اس کے تقاضے پورے کرنے چاہئیں۔ ٢۔ ایک دوسرے سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

ایفائے عہد کا حکم:

١۔ وعدہ پورا کرنے کا حکم۔ (المائدۃ: ١) ٢۔ قیامت کو عہد کی باز پرس۔ (بنی اسرائیل: ٣٤)

٣۔ عہد پورا کرنے والے متقی ہیں۔ (البقرۃ: ١٧٧) ٤۔ عہد پورا کرنے والے عقل مند ہیں۔ (الرعد: ١٩، ٢٠)

٥۔ عہد پورا کرنے والوں کے لئے اجرِ عظیم ہے۔ (الفتح: ١٠) ٦۔ عہد پورا کرنے والے جنتی ہیں۔ (المومنون: ١٠، ١١)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ

بیشک جولوگ وہ خریدتے ہیں اللہ کے عہد کے بدلے اور اپنی قسمیں قیمت تھوڑی یہی لوگ

لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ

نہیں حصہ ان کیلئے میں آخرت اور نہ ان سے کلام کرے گا اللہ اور نہ نظر کرے گا

اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾

ان کی طرف دن قیامت اور نہ انہیں پاک کرے گا اوران کے لیے عذاب دردناک

”بے شک جولوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ ان سے بات کرے گا اور نہ ہی ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“ (۷۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سلسلہ کلام گزشتہ سے پیوستہ۔ اہل کتاب عہد شکن اور ایمان فروش ہیں دنیوی مفاد کے لیے عہد توڑنے اور ایمان فروشی کی سزا۔

اللہ تعالیٰ کے حکم، دین اور اس کی عظمت کے مقابلے میں دنیا کی بادشاہت اور دولت کی کوئی حیثیت نہیں۔ دین میں داخل ہونا اللہ تعالیٰ سے عہد کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عہد اور حکم کو دنیا کی خاطر چھوڑنا عہد اور دین بیچنے کے مترادف ہے۔ اس جرم میں وہ لوگ بھی شامل ہوں گے جو قسموں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے نام کو ڈھال اور دنیاوی مفاد کا ذریعہ بناتے ہیں۔

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى أَنَّ رَجُلًا أَقَامَ سِلْعَةً وَهُوَ فِي السُّوقِ فَحَلَفَ بِاللّٰهِ لَقَدْ أَعْطَى بِهَا مَا لَمْ يُعْطِ لِيُوقِعَ فِيهَا رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَنَزَلَتْ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا»

(رواه البخاري: كتاب الشهادات، باب قول الله تعالى ان الذين يشترون الخ)

”حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے بازار میں اپنا سودا لگایا اور دوسرے مسلمان کو یہ کہہ کر سودا فروخت کیا کہ اللہ کی قسم! مجھے اس کا اتنا منافع ملتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔“

دین کے نام پر سیاسی، مالی اور سماجی مفادات اٹھانا دین کو بیچنے کے برابر ہے۔ اہلِ کتاب کے علماء کا یہ بھی شیوہ تھا کہ انہوں نے دین کو محض پیشہ کے طور پر اختیار کر رکھا تھا۔ وہ تعلیم و تعلّم اور تبلیغ و اشاعت کا اتنا ہی کام کرتے تھے۔ جتنا ان کو معاوضہ ملتا اور فائدہ پہنچتا تھا۔ ایسے مذہبی مجرموں کے لیے پانچ سزاؤں کا اعلان کیا گیا ہے۔ ① ان کے لیے آخرت میں کوئی اجر نہیں ہوگا۔ ② اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کرے گا۔ ③ اللہ تعالیٰ انہیں نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا۔ ④ انہیں گناہوں سے پاک نہیں کیا جائے گا۔ ⑤ ان کے لیے اذیت ناک عذاب ہوگا۔

مسائل

۱۔ آخرت کے مقابلے میں پوری دنیا حقیر اور قلیل ہے۔ ۲۔ دین کے بدلے دنیا کمانے والوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ایسے مجرموں کو اذیت ناک عذاب دیں گے۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ

اور بیشک ان سے البتہ ایک فریق مروڑتے ہیں وہ اپنی زبانیں ساتھ کتاب کے تاکہ تم اسے سمجھو سے

الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا

کتاب حالانکہ نہیں وہ سے کتاب اور وہ کہتے ہیں وہ سے پاس اللہ حالانکہ نہیں

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٨﴾

وہ سے پاس اللہ اور وہ بولتے ہیں پر اللہ جھوٹ اور وہ جانتے ہیں

”یقیناً ان میں ایسی جماعت بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان مروڑتے ہیں تاکہ تم اسے کتاب ہی خیال کرو حالانکہ وہ بات کتاب میں نہیں اور وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔“ (٧٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب کے کردار کی مزید وضاحت کہ تاریخی حقائق بدلنے اور ان کا انکار کرنے کے ساتھ لسانی کرتب کے ذریعے باطل کو حق بنا کر پیش کرتے ہیں اور اُسے اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگاتے ہیں۔

اہلِ کتاب نے اپنی طرف سے شریعت بنانا، حق و باطل کو خلط ملط کرنا، دنیا کی خاطر دین و ایمان فروخت کرنا اور حق چھپانا اپنے مذہب کا حصہ بنالیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان میں سے ایک گروہ تورات اور انجیل کو توڑ مروڑ کر پیش کر کے دعویٰ کرتا ہے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے تاکہ سننے والا اس پر ایمان لے آئے۔ انہوں نے اس میں بے شمار ترامیم و اضافے کیے اور لوگوں کو باور کروانے کی کوشش کرتے ہیں کہ تورات اور انجیل کی عبارت اور حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اس طرح جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔

افسوس! آج امتِ محمدیہ کے بیشتر علماء اور فرقوں کا بھی یہی طرزِ عمل ہے کہ وہ اپنے گروہی نظریات، ذاتی خیالات اور فقہی مسائل کو متبادل دین کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اپنے خطبات اور فتاویٰ میں قرآن وسنت کا حوالہ دینے کے بجائے فقہ کی کتب کا حوالہ دیتے ہیں۔ حتی کہ مدارس میں زیادہ وقت قرآن وحدیث پڑھانے کی بجائے کئی کئی سال اپنے فرقہ کی فقہ ہی پڑھائی جاتی ہے۔

مسائل

١۔ اہلِ کتاب گروہی خیالات کو کتاب اللہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ٢۔ اہلِ کتاب دانستہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

١۔ اہلِ کتاب زبان کے ہیر پھیر سے کتاب کو بدلتے ہیں۔ (آل عمران: ٧٨)

٢۔ زبان کے ہیر پھیر سے نبی ﷺ کی گستاخیاں کرتے ہیں۔ (البقرۃ: ١٠٤)

٣۔ اہلِ کتاب الفاظ کے ادل بدل سے کلام اللہ کا مفہوم بدلتے ہیں۔ (النساء: ٤٦)

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ

نہیں ہے کسی آدمی کیلئے یہ کہ اسے عطا کرے اللہ کتاب اور حکومت

وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ

اور نبوت پھر وہ کہے لوگوں کو تم ہو جاؤ بندے میرے لیے سے علاوہ

اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ

اللہ اور لیکن تم ہو جاؤ اللہ والے اس لیے کہ ہو تم تم سکھاتے ہو کتاب

وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۙ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ

اور اس لیے کہ ہو تم تم پڑھتے ہو اور نہ وہ حکم دے گا تمہیں یہ کہ تم ٹھہراؤ فرشتے

وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ ع

اور نبی (جمع) پروردگار کیا وہ تمہیں حکم دے گا کفر کا بعد جب تم ہو مسلمان (جمع)

”کسی انسان کو جائز نہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ کتاب وحکومت اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ اسے کہنا چاہیے کہ تم سب رب کے بندے بن جاؤ اس لیے کہ تم کتاب کی تعلیم سکھاتے ہو اور خود بھی اس میں پڑھتے ہو۔(۷۹) اور نہ تمہیں فرشتوں اور نبیوں کو رب ٹھہرا لینے کا حکم کرے گا کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد تمہیں کفر کا حکم دے گا؟۔“(۸۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو کتاب، نبوت اور حکمرانی سے نوازا۔ اس لیے ان کے بہانوں میں ایک بہانہ یہ تھا کہ ہمیشہ سے کتاب، نبوت اور حکومت ہمیں ملتے آئے ہیں۔ اب ہم کسی دوسرے شخص کو نبی کیوں تسلیم کریں۔ یہاں اس بات کی تردید کی گئی ہے کہ کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب، حکومت اور نبوت سے نوازے تو وہ لوگوں کو اللہ کا بندہ بنانے کی بجائے اپنا بندہ بنانے کی کوشش کرے۔ لہٰذا تمہیں لوگوں کو اپنا بندہ بنانے کی بجائے خود اللہ کے بندے بننا چاہیے یہی اسلام کی دعوت اور مسلمان ہونے کا تقاضا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے پاس وفدِ نجران آیا آپ نے ان کو عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق وحی کی صورت میں جب ٹھوس اور مکمل معلومات فراہم کردیں تو وہ لاجواب اور کھسیانے ہو کر کہنے لگے تو پھر ہمیں آپ کی عبادت کرنی چاہیے؟ ہمیں تو عیسیٰ علیہ السلام نے اسی طرح عبادت کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس کے جواب میں یہ وضاحت نازل ہوئی کہ کسی بشر کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب، نبوت وحکومت کے ساتھ سرفراز فرمائے تو وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حکم دینے کی بجائے اپنی بندگی پر آمادہ کرے۔ پیغمبر تو لوگوں کو رب کے بندے بنانے کے لیے مبعوث کیے جاتے ہیں اسی کی وہ تعلیم دیتے اور تبلیغ کرتے ہیں۔ وہ اس بات کا حکم بھی

نہیں دیتے کہ لوگ ملائکہ اور انبیاء کو رب یا اس کا جزو بنالیں وہ تمہیں کیونکر کفر کا حکم دے سکتے ہیں جب کہ تم مسلمان ہو۔ جہاں تک عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے تو وہ دوٹوک الفاظ میں کہا کرتے تھے کہ میرا اور تمہارا رب ایک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محشر کے میدان میں جب ان سے یہ سوال ہوگا کہ اے عیسیٰ! کیا تو نے عیسائیوں کو یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو الٰہ بنالو؟ تو عیسیٰ علیہ السلام تھر تھر کانپتے ہوئے عرض کریں گے کہ بارِالٰہ! ایسی بات میں کیونکر کہہ سکتا تھا جسے کہنے کی مجھے اجازت نہ تھی۔ اگر میں نے ایسی بات کہی ہے تو تجھے معلوم ہے۔ تو میرے دل کی حالت سے بھی واقف ہے جب کہ میں تیرے فیصلے کو نہیں جانتا۔ میں نے تو صرف یہ بات کہی تھی کہ اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے (المائدۃ:۱۱۶، ۱۱۷) یہی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ارشاد فرمائی، جب ایک صحابی نے ملکِ فارس سے واپسی پر آپ کے قدموں پر سجدہ کرنے کی کوشش کی تو آپ نے اسے پیچھے ہٹاتے ہوئے فرمایا کہ اگر میں نے سجدہ کرنے کی اجازت دینا ہوتی تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کے سامنے سجدہ ریز ہوا کرے۔ لیکن یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنے اور کسی کے سامنے جھکنے کی اجازت نہیں ہے۔

«عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَتَيْتُ الْحِيرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَقُلْتُ رَسُولُ اللّٰهِ أَحَقُّ أَنْ يُسْجَدَ لَهُ قَالَ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْتُ إِنِّي أَتَيْتُ الْحِيرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَحَقُّ أَنْ نَسْجُدَ لَكَ قَالَ أَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِي أَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهُ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَلَا تَفْعَلُوا لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ النِّسَاءَ أَنْ يَسْجُدْنَ لِأَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنَ الْحَقِّ» (رواہ ابو داؤد: کتاب النکاح، باب فی حق الزوج علی المرأۃ [صحیح])

”حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حیرہ گیا تو میں نے انہیں بادشاہ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے سوچا کہ اللہ کے رسول سجدے کے زیادہ لائق ہیں۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کی کہ میں نے حیرہ میں دیکھا کہ وہ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول! آپ زیادہ حقدار ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بتلایئے! اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرو تو کیا اسے سجدہ کرو گے؟ میں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ اگر میں نے کسی کو کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دینا ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے مردوں کا عورتوں پر جو حق رکھا ہے۔ اس وجہ سے عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کے سامنے سجدہ ریز ہوں۔“

مسائل

۱۔ کسی پیغمبر کو بھی اختیار نہیں کہ وہ لوگوں کو اپنا بندہ بنانے کی کوشش کرے۔

۲۔ اللہ کے پیغمبر لوگوں کو اللہ ہی کا بندہ بننے کی تلقین فرماتے تھے۔ ۳۔ ملائکہ اور انبیاء یا کسی دوسرے کو الٰہ کا درجہ نہیں دینا چاہیے۔

۴۔ آسمانی کتاب، حکومت اور کسی کو نبوت دینا اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے۔

۵۔ ملائکہ، انبیاء اور کسی بزرگ کو خدائی درجہ دینا کفر ہے۔ ۶۔ شرک اور کفر باہم مترادف ہیں۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ

اور جب لیا اللہ عہد انبیاء جو کچھ میں تمہیں دوں سے کتاب اور حکمت پھر آئے تمہارے پاس

رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ

رسول تصدیق کرتا ہوا اسکی جو تمہارے پاس تم ضرور ایمان لاؤ گے اس پر اور تم ضرور مدد کرو گے اس کی اس نے فرمایا

ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا

کیا تم نے اقرار کیا اور تم نے قبول کیا پر اس میرا عہد انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا اس نے فرمایا پس تم گواہ رہو

وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور میں تمہارے ساتھ سے گواہ (جمع) پھر جو پھر جائے بعد اس تو وہی وہ نافرمان (جمع)

”جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت دوں تو پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہو تمہارے لیے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا لازم ہے فرمایا کہ کیا تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا کہ ہم اقرار کرتے ہیں۔ فرمایا تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ (۸۱) پس اس کے بعد جو پھر جائیں وہ یقیناً نافرمان ہیں۔“ (۸۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عیسائیوں اور یہودیوں کے الزام، بہانے اور جھوٹ کی تردید۔

یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام لے کر اور عیسائی جنابِ عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے کہتے ہیں۔ ہمیں ہدایت کی گئی ہے کہ ہم اپنے انبیاء کے علاوہ کسی نبی پر ایمان نہ لائیں۔ ان کی کذب بیانی کی تردید کرتے ہوئے اس عہد کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ آدم کے وقت انبیائے کرام سے لیا تھا کہ میں تمہیں کتاب وحکمت سے سرفراز کروں گا۔ لیکن ایک آخر الزمان پیغمبر آنے والا ہے جو تمہاری شریعتوں کی تائید کرے گا۔ جس کے دور میں وہ پیغمبر آئے اُس نبی کا فرض ہوگا کہ وہ اس پر ایمان لائے اور اس کی نصرت وحمایت کرے۔ فرمایا کہ کیا تم اس بات کا اقرار اور میرے ساتھ وعدہ کرتے ہو؟ تمام انبیاء نے بیک زبان ہو کر اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ ہم نبی آخر الزمان پر ایمان لاتے ہوئے اس کی مدد کریں گے۔ فرمایا پھر گواہ رہنا اور میں بھی اپنی شہادت تمہارے ساتھ ثبت کرتا ہوں۔ یاد رکھنا! کہ جس نے اس عہد سے انحراف کیا وہ نافرمان سمجھا جائے گا۔ چنانچہ ہر نبی اور رسول نے اپنے دورِ نبوت میں اپنی امت کو ہدایت کی کہ جوں ہی خاتم المرسلین تشریف لائیں تو تمہارا فرض ہوگا کہ تم میری نبوت چھوڑ کر اور اس پر ایمان لا کر اس کی نصرت وحمایت کرنا۔ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے لیے حضرت ابراہیم ﷺ نے دعا مانگی اور اپنی دعا میں اس تمنا کا اظہار کیا کہ بارِ الٰہ! وہ آخری نبی مکہ معظمہ میں مبعوث فرمانا۔ اس طرح انہوں نے علاقے اور ایک شہر کی نشاندہی فرمادی (البقرۃ:۱۲۹) ان کے بعد آپ کی رسالت کا ہر نبی اعلان کرتا رہا یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام نے آپ

کے اسمِ گرامی سے بنی اسرائیل کو آگاہ فرمایا کہ اس آخری رسول کا نام نامی اسم گرامی احمد ہوگا۔ (الصف:٦) بعض اہلِ علم نے لکھا ہے کہ یہ عہد انبیاء سے لینے کی بجائے ان کی وساطت سے ان کی امتوں سے لیا گیا تھا۔ حالانکہ قرآن مجید دوٹوک انداز میں واضح کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عہد انبیاء سے براہِ راست لیا تھا۔ دراصل ان حضرات کو ''فَمَنۡ تَوَلّٰی'' (کہ تم میں سے عہد سے پھر جائے) کے الفاظ سے مغالطہ ہوا ہے اس لیے کہ نبی تو عام آدمی کے ساتھ عہد شکنی نہیں کرتا چہ جائے کہ اللہ کے ساتھ انبیاء کی وعدہ خلافی کے بارے میں کچھ کہا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء کے بارے میں یہ سوچنا گناہ ہے لیکن بات کی اہمیت کے پیشِ نظر قرآنِ مجید نے کئی مقامات پر یہ اسلوب اختیار فرمایا ہے۔ یہ انداز اس لیے اپنایا گیا کہ معاملہ رب ذوالجلال کے ساتھ ہو رہا ہے۔ لہٰذا یہ عہد انبیائے عظام سے ہوا کیونکہ خالق کو اپنی مخلوق پر حق ہے کہ جس طرح چاہے خطاب فرمائے۔ یہاں عہد کے بجائے میثاق کا لفظ استعمال فرمایا جو اہمیت کے اعتبار سے بلند درجہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسولِ محترم ﷺ اور انبیاء کرام علیہم السلام کو اس طرح بھی خطاب فرمایا ہے:

{ لَئِنۡ اَشۡرَكۡتَ لَيَحۡبَطَنَّ عَمَلُكَ } (الزمر:٦٥) ''اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے۔''

{ وَ لَوۡ اَشۡرَكُوۡا لَحَبِطَ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۸﴾ } (الانعام:٨٨)

''اور اگر یہ انبیاء بھی شرک کا ارتکاب کرتے تو ان کے اعمال ضائع ہو جاتے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وصیت

''میں دنیا میں اس لیے آیا ہوں کہ اس اللہ کے رسول کی آمد کے لیے راستہ ہموار کروں جو دنیا کو نجات دلائے گا۔ لیکن خبردار! دھوکہ نہ کھانا، کیونکہ بے شمار جھوٹے نبی آئیں گے جو میرا نام لیں گے اور میری انجیل میں ملاوٹ کریں گے۔'' [برناباس۔ باب ١٧]

''وہ تمہارے وقتوں میں نہیں آئے گا بلکہ تمہارے کچھ عرصے کے بعد آئے گا جب کہ میری انجیل مسترد کر دی جائے گی............ وہ دنیا سے بت پرستی کا خاتمہ کرے گا اور ان لوگوں سے بدلہ لے گا جو مجھے آدمی سے بڑھ کر کچھ اور تصور کریں گے۔'' [برناباس۔ باب ١٧]

مسائل

١۔ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا تمام انبیاء نے اقرار کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی شہادت ثبت فرمائی۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء ایک دوسرے کے تصدیق کرنے والے تھے:

١۔ نبی کریم ﷺ نے پہلے انبیاء کی تصدیق کی۔ (الصافات:٣٧)

٢۔ قرآن پہلی کتب کی تصدیق کرنے والا ہے۔ (آل عمران:٣) ٣۔ انبیاء ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والے تھے۔ (البقرہ:١٠١)

٤۔ عیسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تصدیق کی۔ (آل عمران:٥٠) ٥۔ حضرت یحییٰ، عیسیٰ علیہما السلام کے مصدق تھے۔ (آل عمران:٣٩)

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کیا سوائے — اللہ کا دین — وہ ڈھونڈتے ہیں — اور اس کیلئے — فرمانبردار ہوا — وہ جو — میں — آسمانوں — اور زمین

طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿٨٣﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ

خوشی خوشی — اور ناخوشی — اور اس کی طرف — وہ لوٹائے جائیں گے — کہہ دیں — ہم ایمان لائے — اللہ پر — اور جو — نازل کیا گیا

عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ

ہم پر — اور جو — نازل کیا گیا — پر — ابراہیم — اور اسمٰعیل — اور اسحٰق — اور یعقوب — اور اولاد

وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ

اور جو — دیا گیا — موسیٰ — اور عیسیٰ — اور انبیاء — سے — ان کا رب — ہم فرق نہیں کرتے — درمیان

اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ

کوئی ایک — ان سے — اور ہم — اسی کے — فرماں بردار — اور جو — تلاش کرے گا — سوا — اسلام

دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٨٥﴾

کوئی دین — تو ہرگز نہیں — قبول کیا جائیگا — اس سے — اور وہ — میں — آخرت — سے — نقصان اٹھانے والے

”کیا اللہ کے دین کے سوا وہ کوئی اور دین تلاش کرتے ہیں حالانکہ زمین اور آسمانوں کی ہر چیز خوشی اور ناخوشی سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار ہے اور سب اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ (۸۳) آپ کہہ دیں کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا ہے اور جو کچھ ابراہیم، اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اتارا گیا ہے اور جو کچھ موسیٰ وعیسیٰ اور دوسرے انبیاء اللہ کی طرف سے دیے گئے ان سب پر ایمان لائے ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ (۸۴) جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے اس کا دین قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والے ہوں گے۔“ (۸۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام : اہل کتاب اور اللہ کے نافرمانوں کو بار بار سوچنا چاہیے کہ تمہاری بدعہدی اور نافرمانی سے رب کی خدائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ زمین وآسمان کی ہر چیز اپنے خالق ومالک کی تابعدار ہے۔ جب ساری مخلوق تابعدار اور تمام انبیاء نے نبی ﷺ کی نبوت کا اقرار اور اس سے عہد کیا تو تم نبوت کا انکار اور اللہ کی بغاوت کرنے والے کون ہوتے ہو؟

اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے احکام ماننے کا نام دین ہے۔ اے اہلِ کتاب اور دنیا جہان کے لوگو! کیا اللہ تعالیٰ کی اطاعت چھوڑ کر کسی اور کی تابعداری کرنا چاہتے ہو؟ ذرا غور کرو اور سوچو کہ زمین وآسمان کی ہر چیز اس کی فرمانبرداری میں لگی ہوئی ہے۔ سورج اس کے حکم کے مطابق ڈیوٹی دے رہا ہے، چاند اس کی اطاعت میں اپنی منازل طے کرتا ہے، ستارے اسی کے فرمان کے مطابق چھپتے اور ظاہر ہوتے ہیں۔ دریا اور سمندر اس کے حکم سے رواں دواں ہیں۔ ہوائیں اس کی فرمانبرداری

میں چلتی اور رکتی ہیں، رات اور دن اس کے حکم سے ایک دوسرے کے آگے پیچھے چل رہے ہیں جونہی حکم ہوگا پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے، ہوائیں تھم جائیں گی، سمندر جامد ہوجائیں گے، سورج اپنا رخ موڑ لے گا اور لیل ونہار کی گردشیں رک جائیں گی گویا کہ پورے کا پورا نظام لفظ ''کُنْ'' سے جامد، ساکت اور الٹ پلٹ ہوجائے گا۔ جب پورا نظام اللہ تعالیٰ کی سمع و طاعت اور اس کے حکم سے انسان کی خدمت میں لگا ہوا ہے تو حیف ہے انسان پر جو اس کی ذات کا انکار اور اس کے حکم سے سرتابی کرتے ہوئے پورے نظام کے ساتھ بغاوت اور اس کے خلاف چلتا ہے۔ لہٰذا انتباہ کے انداز میں سوال کیا جارہا ہے کیا اللہ تعالیٰ کے نظامِ قدرت کے خلاف چلنا چاہتے ہو؟ حالانکہ زمین وآسمان کی ہر چیز چاروناچار اس کے حکم کی فرمانبردار ہے۔ لفظ ''کَرْهًا'' استعمال فرماکر باغی انسانوں کو متنبہ کیا جارہا ہے کہ جو اللہ ہواؤں کا رخ موڑ دیتا ہے، سمندروں کو جامد کردیتا ہے، پہاڑوں کو پھاڑ کر چشمے چلادیتا ہے، شمس وقمر اپنے عظیم وجود کے باوجود اس کے سامنے بے بس ہیں، آسمان اپنی بلندیوں کے باوجود اس کے زیرِ تسلط ہیں، زمین کی وسعت وکشادگی اس کی کرسیِ اقتدار کے سامنے ایک انگوٹھی کے مانند ہے تو اے انسان! تم اس رب کی دسترس سے کس طرح باہر ہوسکتے ہو؟ اس کی دی ہوئی مہلت کے بعد بالآخر تم نے اسی کے حضور پیش ہونا ہے۔

دین کی روح اور مدعا اللہ تعالیٰ کی سمع وطاعت کا نام ہے اور یہی انبیاء کرام کی دعوت ہے اور اسی پر وہ ایمان لائے اور اسی کی اطاعت کرتے رہے۔ لہٰذا اے رسول! تم اس بات کا اعلان کرو کہ میں ہی نہیں بلکہ ہم سب کے سب اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور جو کچھ ہم پر اور ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام پر نازل کیا گیا ہم ان میں سے کسی ایک کی نبوت کی نفی اور ان کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے ماننے والے ہیں اور یہی انبیاء کا دین اور طریقۂ حیات تھا۔ جو بھی اس طرزِ بندگی اور سمع وطاعت کے طریقہ سے ہٹ کر زندگی بسر کرے گا اس کی کوئی نیکی اور کاوش اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہوگی اور اس کا انجام بالآخر نقصان پانے والوں میں ہوگا۔

مسائل

۱۔ زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تابع فرمان ہے۔ لہٰذا جن وانس کو بھی اللہ کی اطاعت کرنا چاہیے۔

۲۔ سب نے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ ۳۔ اسلام کے سوا دوسرا دین قبول نہیں کیا جائے گا۔

۴۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ انبیاء اور ان کی کتابوں کا من جانب اللہ ہونا بلا تفریق تسلیم کیا جائے۔

۵۔ دینِ اسلام کے خلاف چلنے والا بالآخر نقصان اٹھائے گا۔

تفسیر بالقرآن

اسلام کی اہمیت:

۱۔ اسلام کے بغیر کوئی دین قبول نہیں ہوگا۔ (آل عمران: ۸۵) ۲۔ اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔ (آل عمران: ۱۹)

۳۔ یوسف علیہ السلام کی اسلام پر موت کی دعا۔ (یوسف: ۱۰۱) ۴۔ سب کو اسلام پر ہی مرنے کا حکم۔ (البقرۃ: ۱۳۲)

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ

کیونکر ہدایت دے گا اللہ قوم وہ کافر ہوگئے بعد اپنے ایمان اور انہوں نے گواہی دی بیشک

الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝٨٦

رسول سچے اور آئیں ان کے پاس نشانیاں اور اللہ ہدایت نہیں دیتا قوم ظالم (جمع)

اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝٨٧

یہی لوگ ان کی سزا بیشک ان پر اللہ کی لعنت اور فرشتے اور لوگ تمام

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝٨٨

ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی

”اللہ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے جو ایمان لانے اور رسول کی سچائی کی گواہی دینے اور اپنے ہاں واضح دلائل آجانے کے بعد کفر کریں اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (٨٦) ان کی یہی سزا ہے کہ ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ (٨٧) جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔“ (٨٨)

فہم القرآن

ربط کلام: انبیاء کے مشن اور نظام کائنات کے خلاف چلنے والے کفار کی دنیا میں سزا اور آخرت میں ان کا انجام۔

اکثر مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے والوں سے مراد اہل کتاب ہیں۔ کیونکہ تورات اور انجیل کے حوالے سے وہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے بارے میں قلبی طور پر مانتے ہیں کہ یہ حق ہے۔ اس فرمان کے مخاطب اہلِ کتاب ہوں یا مرتدین آپ کی رسالت کی حقیقت کے ٹھوس دلائل جاننے کے باوجود جو بھی تسلیم ورضا کا رویہ اختیار نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت عطا نہیں کیا کرتا۔ جو شخص اپنے آپ پر ظلم کرنے کے درپے ہو جائے اس کا ہاتھ پکڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ہر زبان میں محاورہ ہے کہ ”سوئے ہوئے کو تو جگایا جا سکتا ہے۔ لیکن جاگتے کو جگانا محال ہوتا ہے۔“ یہاں بھی ایسے ہی لوگوں کو مخاطب کیا جا رہا ہے کہ جنہوں نے آپ کی رسالت کو اس طرح پہچان لیا ہے جس طرح باپ اپنے بیٹے کو پہچان لیتا ہے لیکن پھر بھی تعصب یا کسی مفاد کے چھن جانے کے خوف سے آپ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ایسے ظالموں کو ہدایت دینا تو درکنار ان پر اللہ تعالیٰ ملائکہ اور دنیا جہان کے انسان پھٹکار بھیجتے ہیں۔ پھٹکارا ہوا شخص ہدایت پائے تو کس طرح؟ انہیں پھٹکار کی حالت میں ہمیشہ رہنا ہے اور یہ پھٹکار انہیں بالآخر جہنم میں لے جائے گی۔ جہاں ان پر نہ کبھی عذاب ہلکا ہوگا اور نہ وہ اس سے چھٹکارا پا سکیں گے۔

مسائل

١۔ جان بوجھ کر حق کا انکار کرنے والے کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔ ٢۔ کفار پر اللہ تعالیٰ اور پوری مخلوق لعنت کرتی ہے۔

اِلَّا	الَّذِيْنَ	تَابُوْا	مِنْۢ	بَعْدِ	ذٰلِكَ	وَاَصْلَحُوْا ۛ	فَاِنَّ
مگر	جولوگ	انہوں نے توبہ کی	سے	بعد	اس	اورانہوں نے اصلاح کی تو	بے شک

اللّٰهَ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ﴿٨٩﴾
اللہ	بخشنے والا	رحم کرنیوالا

''مگر جولوگ توبہ اوراصلاح کرلیں توبے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والامہربان ہے۔'' (۸۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار کے لیے توبہ کی گنجائش اور توبہ کرنے پر مہربانی کا وعدہ۔

توبہ کا معنٰی پلٹنا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ آدمی کا اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے کیونکہ یہ شخص اپنے گناہوں اور جرائم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے الگ اوراس کی رحمت سے دور ہوگیا تھا۔ اب یہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہے اوراس نے توبہ کی ایسے شخص کو تائب کہتے ہیں۔ جب لفظ توبہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتو اس کا معنٰی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر توجہ فرمائی۔

توبہ کی تکمیل کے لیے دو شرطیں ازحد ضروری ہیں۔ ① سابقہ گناہوں کی معافی طلب کرنا جسے قرآن وحدیث میں استغفار کہا گیا۔ ② آدمی اخلاصِ نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرے کہ الٰہی آئندہ میں اس گناہ سے بچنے کی کوشش کروں گا۔ ذاتی اصلاح کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی وجہ سے معاشرے مین جوگناہ پھیلا ہے اس کی تردید اوراس کے اثرات ختم کرنے کے لیے بھی کوشش کرتا رہے۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ یقیناً اس کے گناہوں کو معاف فرمائے گا کیونکہ وہ معاف فرمانے والا، نہایت مہربان ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسے پاک صاف ہوجاتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ (سنن ابن ماجہ: بَابُ ذِكْرِ التَّوْبَةِ [حسن])

مسائل

۱۔ توبہ اوراصلاح کرلینے والوں کو معاف کردیا جاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

توبہ کی شرائط:

۱۔ اعترافِ جرم کی وجہ سے توبہ قبول ہوتی ہے۔ (البقرۃ: ۳۷) ۲۔ توبہ قبول کرنا اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے۔ (التوبہ: ۲۷)

۳۔ ظلم سے اجتناب اوراصلاحِ احوال کے بعد توبہ قبول ہوتی ہے۔ (المائدۃ: ۳۹)

۴۔ جہالت کے سبب گناہ کرکے اصلاح کرنے پر اللہ توبہ قبول کرتا ہے۔ (الانعام: ۵۴)

۵۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کرسکتا۔ (آلِ عمران: ۱۳۵)

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ إِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا

بیشک جولوگ کافر ہو گئے بعد اپنے ایمان پھر بڑھتے گئے کفر میں

لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿٩٠﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ

ہرگز نہ قبول کی جائے گی ان کی توبہ اور یہی لوگ وہ گمراہ (جمع) بیشک جولوگ

كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ

انہوں نے کفر کیا اور وہ مر گئے اور وہ کفر کرنیوالے تو ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا سے ان میں سے کوئی ایک

مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ

بھرا ہوا زمین سونا اگرچہ بدلہ دے ساتھ اس کے یہی لوگ ان کے لئے

عَذَابٌ أَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٩١﴾ ع

عذاب دردناک اور نہیں ان کے لیے سے مددگار

ع ٩ ١١ ١٧

”بے شک جولوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہوئے پھر کفر میں بڑھ گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی یہی لوگ گمراہ ہیں۔(٩٠) بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ کفر کی حالت میں مر گئے ان میں سے کسی سے ہرگز فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اگرچہ وہ زمین بھر کر سونا پیش کریں ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا اور کوئی ان کی مدد نہیں کر سکے گا۔“(٩١)

فہم القرآن

ربطِ کلام: توبہ اور اصلاح کا موقعہ ملنے کے باوجود جولوگ کفروشرک پر قائم رہتے ہیں۔ان کے بارے میں حتمی سزا کا اعلان۔

بلاشبہ جن لوگوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا اور پھر اپنی اصلاح اور ایمان کی طرف پلٹنے کی بجائے کفر میں آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہیں کرے گا اور یہی لوگ گمراہی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔اگر انہیں اسی حالت میں موت آگئی تو ایسے لوگ قیامت کے دن اپنے آپ کو چھڑانے کے لیے زمین بھر سونا بھی پیش کریں تو وہ قبول نہیں ہوگا۔یاد رہے کہ مرنے کے بعد انسان کے پاس اچھے یا برے اعمال کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہوگی۔اس کے باوجود یہاں فدیہ کی بات ہو رہی ہے۔اس کا معنیٰ ہے کہ ایسے لوگوں کے پاس نہ مرنے کے بعد نہ کچھ ہوگا اور نہ ہی یہ لوگ عذاب سے نجات پائیں گے اور نہ ہی ان کا کوئی حامی و مددگار ہوگا۔

«عَنْ أَنَسٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ لَهٗ يَا ابْنَ آدَمَ كَيْفَ وَجَدْتَ مَنْزِلَكَ فَيَقُوْلُ أَيْ رَبِّ خَيْرُ مَنْزِلٍ فَيَقُوْلُ سَلْ وَتَمَنَّ فَيَقُوْلُ مَا أَسْأَلُ وَأَتَمَنّٰى إِلَّا أَنْ تَرُدَّنِيْ إِلَى الدُّنْيَا فَأُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِكَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا يَرٰى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ وَيُؤْتٰى بِالرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَيَقُوْلُ لَهٗ يَا ابْنَ آدَمَ كَيْفَ وَجَدْتَ مَنْزِلَكَ فَيَقُوْلُ أَيْ رَبِّ شَرُّ مَنْزِلٍ فَيَقُوْلُ لَهٗ أَتَفْتَدِيْ مِنْهُ بِطِلَاعِ الْأَرْضِ ذَهَبًا فَيَقُوْلُ أَيْ رَبِّ نَعَمْ فَيَقُوْلُ كَذَبْتَ فَقَدْ سَأَلْتُكَ أَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ وَأَيْسَرَ فَلَمْ تَفْعَلْ فَيُرَدُّ

إِلَى النَّارِ» (رواہ أحمد: مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ [صحیح])

”رسول محترم ﷺ نے فرمایا: ایک جنتی کو لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا اے ابن آدم! تو نے اپنا مقام کیسا پایا؟ وہ جواب دے گا اے میرے رب! بہترین رہنے کی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کسی اور تمنا کا اظہار کر۔ وہ عرض کرے گا نہ میری کوئی تمنا ہے نہ سوال سوائے اس کے کہ آپ مجھے دنیا میں دوبارہ بھیج دیں میں تیری راہ میں دس مرتبہ شہید کردیا جاؤں یہ شہادت کی فضیلت کی وجہ سے تمنا کرے گا۔ پھر ایک جہنمی آدمی لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا۔ اے ابن آدم! تو نے اپنا ٹھکانہ کیسا پایا؟ وہ جواب دے گا اے میرے رب! بدترین ٹھکانا ہے اللہ تعالیٰ اسے کہیں گے کیا تو زمین بھر سونا فدیہ کے طور پر دے گا؟ وہ کہے گا ہاں میرے رب۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے میں نے تو تجھ سے اس سے کم اور آسان کام کا مطالبہ کیا تھا جو تو نے نہ کیا۔ پھر اسے جہنم میں داخل کردیا جائے گا۔“

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰي لِأَهْوَنِ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَوْ أَنَّ لَكَ مَافِي الْأَرْضِ مِنْ شَيْئٍ أَكُنْتَ تَفْتَدِيْ بِهٖ فَيَقُوْلُ نَعَمْ فَيَقُوْلُ أَرَدْتُ مِنْكَ أَهْوَنَ مِنْ هٰذَا وَأَنْتَ فِيْ صُلْبِ آدَمَ أَنْ لَا تُشْرِكَ بِيْ شَيْئًا فَأَبَيْتَ إِلَّا أَنْ تُشْرِكَ بِيْ»

(رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار)

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: ایک جہنمی آدمی سے قیامت کے دن کہا جائے گا تیرا کیا خیال ہے کہ اگر تیرے پاس زمین میں جو کچھ ہے جہنم کے عذاب کے بدلے وہ فدیہ دے گا؟ وہ کہے گا ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے تو تجھ سے اس سے ہلکی اور کم چیز کا مطالبہ کیا تھا۔ جبکہ تو آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے گا لیکن تو نے انکار کیا اور میرا شریک ٹھہرایا۔“

مسائل

۱۔ حالتِ ارتداد پر قائم رہنے والے کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ۲۔ کفر کی حالت میں مرنے والے کی معافی نہیں۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن کفار سے کچھ بھی قبول نہیں کیا جائے گا:

۱۔ قیامت کے دن کسی سے فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ (البقرۃ: ۱۲۳)

۲۔ اسلام کے علاوہ کوئی دین قبول نہیں کیا جائے گا۔ (آل عمران: ۸۵)

۳۔ جہنمیوں سے زمین کے برابر سونا بھی قبول نہیں ہوگا۔ (آل عمران: ۹۱)

۴۔ قیامت کے دن ایمان لانا نفع بخش نہیں ہوگا۔ (الانعام: ۱۵۸)

۵۔ قیامت کے دن دوستیاں کام نہ آئیں گی۔ (البقرۃ: ۲۵۴) ۶۔ قیامت کے دن لین دین نہیں ہوگا۔ (البقرۃ: ۲۵۴)

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ وَمَا

تم ہرگز نہیں پہنچ پاؤ گے نیکی کو جب تک تم خرچ کرو اس سے جو تم محبوب رکھتے ہو اور جو

تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۹۲﴾

تم خرچ کرو گے سے کوئی چیز تو یقیناً اللہ اس کو جاننے والا

''جب تک تم اپنی محبوب چیز اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے ہرگز نیکی نہیں پاؤ گے اور تم جو خرچ کرو اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔'' (۹۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفر اللہ تعالیٰ سے دوری اور آخرت میں ذلّت کا باعث ہوگا۔ صدقہ اللہ تعالیٰ کی قربت اور آخرت میں نجات کا ذریعہ ہے۔

''بِرّ'' ایسی نیکی کو کہتے ہیں جسے اس کے پورے تقاضوں کے ساتھ ادا کیا جائے۔ لہٰذا حکم ہوا ہے کہ اے لوگو! تم اس وقت تک صدقے کا حق اور نیکی کی روح کو نہیں پہنچ سکتے جب تک اللہ کی راہ میں وہ چیز خرچ نہ کرو جس کے ساتھ تم انتہائی محبت کرتے ہو۔

''بِرّ'' کا معنیٰ جنت بھی کیا گیا ہے۔ (تفسیر کبیر رازی) دوسرے الفاظ میں تم جنت کو نہیں پا سکتے جب تک اپنی محبوب چیز اللہ کی راہ میں قربان نہ کرو۔ یہاں لطیف پیرائے میں یہودیوں کے کھوکھلے دعووں اور ان کے بخل کی نشاندہی کرنے کے ساتھ مسلمانوں کو عزیز ترین چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جونہی یہ حکم نازل ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی متاعِ عزیز کو فی سبیل اللہ صدقہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی وفادار اور سلیقہ شعار کنیز کو آزاد کیا، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنا قیمتی گھوڑا بیت المال میں دینے کا اعلان کیا جسے رسولِ اکرم ﷺ نے اس کے بیٹے اُسامہ کو عنایت فرمایا جو الگ گھر والے تھے۔ جس پر جناب زید رضی اللہ عنہ دل گرفتہ ہوئے کہ ہمارا صدقہ ہمیں ہی واپس لوٹا دیا گیا ہے ان کی تسلی کے لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا صدقہ قبول فرما لیا ہے۔ (ابن جریر و طبرانی [حسن لغیرہ])

«عَنۡ أَبِيۡ هُرَيۡرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوۡلَ اللهِ أَيُّ الصَّدَقَةِ أَعۡظَمُ أَجۡرًا قَالَ أَنۡ تَصَدَّقَ وَأَنۡتَ صَحِيۡحٌ شَحِيۡحٌ تَخۡشَى الۡفَقۡرَ وَتَأۡمَلُ الۡغِنٰى وَلَا تُمۡهِلُ حَتّٰى إِذَا بَلَغَتِ الۡحُلۡقُوۡمَ قُلۡتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدۡ كَانَ لِفُلَانٍ»

(رواہ البخاری: کتاب الزکاۃ، باب فضل صدقۃ الشحیح الصحیح)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس آکر پوچھنے لگا کہ کونسا صدقہ زیادہ باعثِ اجر ہے؟ فرمایا جب تو صحت مند، مال کی خواہش رکھنے والا، محتاجی کے خوف اور مالدار بننے کی تمنا رکھنے کے باوجود خیرات کرے۔ اتنی دیر نہ کر کہ جان حلق تک آپہنچے اس وقت تو کہے کہ اتنا فلاں کو دو اتنا فلاں کو دو حالانکہ اب تو سارا ہی فلاں فلاں کا ہو چکا۔''

«عَنۡ أَنَسِ بۡنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ يَقُوۡلُ كَانَ أَبُوۡ طَلۡحَةَ أَكۡثَرَ أَنۡصَارِيٍّ بِالۡمَدِيۡنَةِ نَخۡلًا وَكَانَ أَحَبَّ أَمۡوَالِهٖ إِلَيۡهِ

بَيْرُحَاءُ وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيْهَا طَيِّبٍ فَلَمَّا أُنْزِلَتْ {لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ} قَامَ أَبُوْ طَلْحَةَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ {لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ} وَإِنَّ أَحَبَّ أَمْوَالِيْ إِلَيَّ بَيْرُحَاءُ وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ أَرْجُوْ بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَضَعْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَيْثُ أَرَاكَ اللّٰهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَخْ ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ وَإِنِّيْ أَرٰى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِيْنَ قَالَ أَبُوْ طَلْحَةَ أَفْعَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَسَمَهَا أَبُوْ طَلْحَةَ فِيْ أَقَارِبِهٖ وَفِيْ بَنِيْ عَمِّهٖ»

(رواہ البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون)

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انصار میں سب سے زیادہ کھجوروں کے باغات کے مالک تھے ان باغات میں بیرحاء نامی باغ ان کا سب سے بہترین مال تھا۔ جو مسجد کے سامنے تھا نبی ﷺ اس میں جاتے اور وہاں سے پانی پیا کرتے تھے جب آیت {لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ} نازل ہوئی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب تک تم اپنی محبوب ترین چیز خرچ نہ کرو کبھی نیکی تک نہ پہنچ سکو گے۔ یقیناً میرے پاس ”بیرحاء“ کا باغ ہے جو میری پوری جائیداد میں میرے نزدیک قیمتی اور عزیز ہے میں اس کے بدلے اللہ کے ہاں نیکی اور آخرت کے خزانے کا خواہشمند ہوں لہٰذا آپ اسے جہاں چاہیں استعمال کریں۔ آپ ﷺ نے اس جذبہ کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا: یہ مال بڑا نفع بخش ہے یہ مال بڑا فائدہ مند ہے جو تم نے کہا میں نے سن لیا۔ تم اسے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کردو۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے باغ اپنے چچازاد بھائیوں اور عزیزوں میں تقسیم کردیا۔“

یاد رہے! یہ وہی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے مہمان کو کھانا کھلانے کے لیے اپنی بیوی کو کہا تھا کہ جونہی ہم کھانا شروع کریں تو دیا بجھا دیا جائے تاکہ مہمان کو کھانے کی کمی کا احساس نہ ہو۔ آیت کے آخر میں تمام صدقات کی یہ کہہ کر حوصلہ افزائی کی گئی ہے کہ جو کچھ بھی تم اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اسے اور تمہاری نیت کو خوب جانتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ کی راہ میں محبوب چیز خرچ کرنا چاہیے۔ ۲۔ آدمی جو کچھ خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نیکی کیا ہے؟

۱۔ نیکی کے کام۔ (البقرۃ: ۱۷۷) ۲۔ نیکی میں ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے۔ (المائدۃ: ۲)

۳۔ نیکی کے بدلے برائیاں معاف ہوتی ہیں۔ (ھود: ۱۱۴) ۴۔ محبوب چیز خرچ کیے بغیر نیکی کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ (آلِ عمران: ۹۲)

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ

تمام کھانے تھے حلال بنی اسرائیل کیلئے مگر جو حرام کرلیا

اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۭ

اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) پر اپنے آپ سے پہلے یہ کہ نازل کی جائے تورات

قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٩٣﴾

آپ فرمادیں پس تم لاؤ تورات پھراس کو پڑھو اگر تم ہو سچے

”بنی اسرائیل کے لیے تمام قسم کے کھانے حلال تھے سوائے اس کے جو یعقوب نے تورات نازل ہونے سے پہلے خود اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔ آپ فرمادیں کہ اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ اور پڑھ کر سناؤ۔“ (٩٣)

فہم القرآن

ربطِ کلام: تیسرے پارے کی آخری آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے خاندان کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ان کا دین اسلام تھا۔ جو کوئی اسلام سے انحراف کرے گا اس کا دوسرا دین قبول نہیں کیا جائے گا جس پر یہودیوں نے یہ اعتراض کیا کہ یہ نبی اور اس کے پیروکار اونٹ کا گوشت کھاتے ہیں حالانکہ یعقوب علیہ السلام پر اونٹ کا گوشت حرام تھا لہٰذا ملّتِ ابراہیم پر ہم ہیں تم نہیں۔ یہاں اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ تم جھوٹ بولتے ہو جبکہ اللہ کا فرمان سچا ہے۔

یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام پر اونٹ کا گوشت حرام تھا جس کی وجہ سے یہودی اونٹ کا گوشت نہیں کھاتے۔ حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی تکلیف تھی جس سے پوری ٹانگ میں ایک درد اٹھتا ہے بسا اوقات یہ تکلیف اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ مریض کے لیے ٹانگ گھسیٹ کر چلنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس تکلیف میں پرہیز کے طور پر اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ انہوں نے نذر مانی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرمائی تو میں کھانے کی محبوب چیز ترک کردوں گا جس وجہ سے انہوں نے اونٹ کا گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا۔ ان کی شریعت میں ایسی نذر جائز تھی اسلام میں ایسا کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا حضرت یعقوب علیہ السلام پر اونٹ کا گوشت حلال تھا یہودیوں نے اسے اپنے طور پر حرام قرار دے لیا ہے۔ یہ حقیقت جاننے کے باوجود یہودی پروپیگنڈہ کیا کرتے تھے کہ یہ عجیب رسول ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو اپنے لیے حلال قرار دے دیا ہے۔ کیونکہ یہ نبی ابراہیم علیہ السلام کے خاندان اور ان کی ملّت کے خلاف ہے۔ اس الزام کی وضاحت اس طرح کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر پاک اور حلال کھانا اس میں اونٹ کا گوشت بھی شامل ہے حضرت یعقوب علیہ السلام پر حلال اور جائز قرار دیا تھا سوائے اس کے جو کھانا حضرت یعقوب علیہ السلام نے تورات نازل ہونے سے پہلے علاج کے طور پر اپنے لیے حرام قرار دے لیا تھا۔

انہیں فرمائیں اگر تورات میں اونٹ کا گوشت حرام کیا گیا ہے تو میرے سامنے تورات لاکر پڑھو۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے

ہو۔اتنے کھلے چیلنج کے باوجود آج تک کوئی یہودی اصلی توراۃ میں یہ بات نہیں دکھا سکا۔لیکن پھر بھی یہودی دعویٰ کیے جارہے ہیں کہ اونٹ کا گوشت حضرت یعقوب علیہ السلام پر حرام تھا حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نزولِ تورات سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔پھر حلال و حرام کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے کوئی بھی نبی اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرسکتا۔(التحریم:۱)

البتہ بطورِ علاج یا کسی چیز کو کھانے پر طبیعت آمادہ نہ ہو تو اسے چھوڑنے میں کوئی گناہ نہیں جس طرح رسول اللہ ﷺ کے سامنے ضب (گوہ) کا سالن رکھا گیا آپ نے اس طرف ہاتھ نہیں بڑھایا جب کہ بعض صحابہ آپ کے سامنے کھا رہے تھے۔انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ آپ کیوں نہیں تناول فرماتے؟ آپ نے فرمایا میری قوم میں یہ نہیں ہوتی اس لیے میری طبیعت اسے کھانے پر آمادہ نہیں ہے۔(رواہ البخاری: کتاب الاطعمۃ)

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ حَضَرَتْ عِصَابَةٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوْا يَاأَبَاالْقَاسِمِ حَدِّثْنَا عَنْ خِلَالٍ نَسْأَلُكَ عَنْهُنَّ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا نَبِيٌّ فَكَانَ فِيْمَا سَأَلُوْهُ أَيُّ الطَّعَامِ حَرَّمَ إِسْرَائِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ قَبْلَ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ قَالَ فَأَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ الَّذِيْ أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلٰى مُوْسٰى هَلْ تَعْلَمُوْنَ أَنَّ إِسْرَائِيْلَ يَعْقُوْبَ علیہ السلام مَرِضَ مَرَضًا شَدِيْدًا فَطَالَ سَقَمُهٗ فَنَذَرَ لِلّٰهِ نَذْرًا لَئِنْ شَفَاهُ اللّٰهُ مِنْ سَقَمِهٖ لَيُحَرِّمَنَّ أَحَبَّ الشَّرَابِ إِلَيْهِ وَأَحَبَّ الطَّعَامِ إِلَيْهِ فَكَانَ أَحَبَّ الطَّعَامِ إِلَيْهِ لُحْمَانُ الْإِبِلِ وَأَحَبُّ الشَّرَابِ إِلَيْهِ أَلْبَانُهَا فَقَالُوْا اللّٰهُمَّ نَعَمْ» (رواہ احمد: باب بدایۃ مسند عبداللہ بن عباس [حسن لغیرہ])

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس یہودیوں کے ایک گروہ نے آپ سے کہا اے ابوالقاسم! ہم آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتے ہیں جسے نبی کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ان سوالوں میں ایک سوال یہ تھا کہ وہ کون سا کھانا ہے جو یعقوب علیہ السلام نے تورات نازل ہونے سے پہلے اپنے آپ پر حرام کرلیا تھا آپ نے فرمایا: میں تمہیں اس اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی کہ تمہیں معلوم ہے کہ یعقوب علیہ السلام بہت زیادہ بیمار ہو گئے اور بیماری نے طوالت اختیار کی تو انہوں نے اللہ کے لیے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں شفایاب کرے گا۔تو وہ اپنے آپ پر سب سے محبوب کھانا، پینا (چھوڑ) حرام کرلیں گے اور ان کا پسندیدہ کھانا اونٹ کا گوشت اور پینا اونٹوں کا دودھ تھا انہوں نے کہا ہاں اللہ کی قسم ایسے ہی ہے۔“

مسائل

۱۔ حضرت یعقوب علیہ السلام پر ہر حلال چیز کھانا جائز تھی۔ ۲۔ بیماری کی وجہ سے حلال چیز کھانا چھوڑی جاسکتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

۱۔ پیغمبر اللہ تعالیٰ کی حلال چیز کو حرام نہیں کرسکتا۔(التحریم:۱)

۲۔ یہودیوں کی نافرمانی کی وجہ سے کچھ حلال چیزیں ان پر حرام کردی گئیں تھی۔(النساء:۱۶۰)

۳۔ یہودیوں پر جانوروں کی چربی حرام کردی گئی تھی۔(الانعام:۱۴۶) ۴۔ یہودیوں پر سود کھانا حرام تھا۔(النساء:۱۶۱)

وقف جبریل علیہ السلام

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾

پھر جو باندھے پر اللہ جھوٹ سے بعد اس تو یہی لوگ وہ ظالم (جمع)

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۗ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾

آپ فرما دیں سچ فرمایا اللہ نے بس پیروی کرو دین ابراہیم یکسو اور نہ تھا سے مشرکوں

”جولوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولیں وہی ظالم ہیں۔(۹۴) فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا بس تم سب یکسو ہو کر ملت ابراہیم کی پیروی کرو، وہ مشرک نہیں تھے۔“(۹۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت یعقوب علیہ السلام کا کسی وجہ سے اونٹ کا گوشت نہ کھانا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا سراسر جھوٹ ہے جس کی تردید کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تورات میں اونٹ کا گوشت یا دودھ حرام نہیں کیا۔ تورات کے حوالے سے اسے حرام قرار دینا تمہارا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ظالم لوگ ہی جھوٹ باندھا کرتے ہیں۔ اے رسول ﷺ! آپ فرما دیں کہ یہودیو! تمہاری بات غلط ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد سچا ہے۔ لہٰذا ملتِ ابراہیم کی اتباع کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر طرف سے کٹ کر اللہ ہی کے ہو چکے تھے اور ان کا مشرکوں کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں تھا اور نہ ہے۔ یہی ملتِ ابراہیم ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے لیے حلال اور اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کو اپنے لیے حرام سمجھے اور بلا شرکت غیرے اور کسی کی پروا کیے بغیر اللہ تعالیٰ کا حکم مانتا رہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والا ظالم ہے۔ ۲۔ سب کو ملّتِ ابراہیم کی اتّباع کرنے کا حکم ہے۔

تفسیر بالقرآن

ملّتِ ابراہیم کی اتباع:

۱۔ نبی کریم ﷺ کو ملّت ابراہیم کی اتّباع کا حکم۔ (النحل: ۱۲۳)

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی امت محمدیہ کے لیے نمونہ ہے۔ (الممتحنۃ: ۶)

۳۔ ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے۔ (آلِ عمران: ۹۵) ۴۔ ابراہیم علیہ السلام یکسو اور پکّے مسلمان تھے۔ (آلِ عمران: ۶۷)

۵۔ نبی کریم ﷺ اور حقیقی مسلمانوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خاص تعلق ہے۔ (آلِ عمران: ۶۸)

۶۔ یہود و نصاریٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں۔ (آلِ عمران: ۶۷)

۷۔ تورات اور انجیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی۔ (آلِ عمران: ۶۵)

اِنَّ	اَوَّلَ	بَيْتٍ	وُّضِعَ	لِلنَّاسِ	لَلَّذِيْ	بِبَكَّةَ	مُبٰرَكًا
بیشک	پہلا	گھر	بنایا گیا	لوگوں کیلئے	البتہ جو	مکہ میں	برکت والا
وَّهُدًى	لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾	فِيْهِ	اٰيٰتٌۢ	بَيِّنٰتٌ	مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ	وَمَنْ	
اور ہدایت	تمام جہانوں کیلئے	اس میں	نشانیاں	کھلی	مقام ابراہیم	اور جو	
دَخَلَهٗ	كَانَ	اٰمِنًا	وَلِلّٰهِ	عَلَى	النَّاسِ	حِجُّ الْبَيْتِ	
داخل ہوا اس میں	ہو گیا	امن والا	اور اللہ کیلئے	پر	لوگ (جمع)	خانہ کعبہ کا حج کرنا	
مَنِ	اسْتَطَاعَ	اِلَيْهِ	سَبِيْلًا	وَمَنْ	كَفَرَ	فَاِنَّ	اللّٰهَ
جو	طاقت رکھتا ہو	اس کی طرف	راہ	اور جو	اس نے کفر کیا	تو بیشک	اللہ
غَنِيٌّ	عَنِ	الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾					
بے نیاز	سے	دنیا والے					

”جو پہلا گھر لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے جو تمام دنیا کے لیے برکت وہدایت والا ہے۔(۹۶) اس میں کھلی نشانیاں اور مقامِ ابراہیم ہے اور جو کوئی اس میں داخل ہوا وہ امن والا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس تک پہنچ سکتے ہیں اس کا حج فرض کر دیا ہے اور جو انکار کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔“(۹۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہود کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ تعمیر نہیں کیا تھا جس کی یہاں بھرپور طریقہ سے تردید کی گئی ہے۔

یہودی یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی بجائے پہلے بیت المقدس تعمیر کیا اور یہی ان کا قبلہ تھا۔ اے نبی! آپ یہ اعلان فرمائیں کہ دنیا میں سب سے پہلے لوگوں کے لیے جو گھر تعمیر ہوا وہ مکہ میں بیت اللہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے ہدایت کا مرکز قرار دیا اور اس میں بے پناہ برکات رکھی ہیں۔

«عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِي الْأَرْضِ أَوَّلَ قَالَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ الْمَسْجِدُ الْأَقْصَى قُلْتُ كَمْ كَانَ بَيْنَهُمَا قَالَ أَرْبَعُونَ سَنَةً ثُمَّ أَيْنَمَا أَدْرَكَتْكَ الصَّلَاةُ بَعْدُ فَصَلِّهِ فَإِنَّ الْفَضْلَ فِيهِ» (رواه البخاري: كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ واتخذ الله إبراهيم خليلا)

”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! روئے زمین پر کون سی مسجد سب سے پہلے بنائی گئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجدِ حرام۔ میں نے دوبارہ سوال کیا کہ پھر کونسی؟ آپ نے جواب دیا مسجدِ اقصیٰ۔ میں نے ان دونوں کے درمیان مدت کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں کے درمیان چالیس

سال کی مدت ہے۔ پھر فرمایا جہاں بھی تو نماز کا وقت پائے وہاں نماز پڑھ لے کیونکہ یہی افضل ہے۔''

مفسرین نے بیت اللہ اور بیت المقدس کی تاریخ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سب سے پہلے بیت اللہ کو آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ طوفانِ نوح کے بعد اس کے نشانات معدوم ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت جبریل امین علیہ السلام کی نشاندہی پر بیت اللہ تعمیر فرمایا۔ جہاں تک بیت المقدس کی تاریخ ہے اس کی پہلی تعمیر حضرت اسحاق علیہ السلام نے فرمائی بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی بنیاد رکھی اور بعد ازاں انہیں بنیادوں پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے تعمیر کیا۔ نبی محترم کے ارشاد کے مطابق حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق علیہما السلام کی تعمیر کے درمیان چالیس سال کا فرق ہے۔ اس لحاظ سے یہودیوں کا بیت المقدس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ قرار دینا سراسر خلافِ حقیقت ہے۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے جس شہر میں اللہ کا گھر تعمیر کیا تھا اس کا نام ''بکہ'' ہے بکہ مکہ کا قدیمی نام ہے۔ تاریخ میں اسے مکہ اور بکہ دونوں طرح ہی یاد کیا جاتا ہے۔ اسی بنیاد پر قرآن میں ''بکہ'' اور حدیث میں اس کا نام ''مکہ'' آیا ہے۔ اس جہانِ رنگ و بو میں بے شمار عمارات و محلات خوبصورت سے خوبصورت ترین موجود ہیں جن کے حسن و جمال میں اضافہ کرنے کے لیے لاکھوں کروڑوں روپے لگائے گئے اور مزید خرچ کیے جا رہے ہیں۔ ان کو دیکھیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ لیکن کوئی ایسی جگہ یا عمارت نہیں جس کے دیدار کو اہلِ جہاں کے لیے لازم قرار دیا گیا ہو اور جس کے لیے اتنی دنیا کے دل تڑپتے ہوں یہ اکرام و مقام صرف ایک عمارت کو نصیب ہوا جس کو عام پتھروں سے اٹھایا گیا ہے۔ اللہ رب العزّت نے جس کو بیت اللہ قرار دیا۔ یہی لوگوں کی ہدایت کا مرکز اور بابرکت گھر ہے۔ اسی کی تعمیر کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں کھڑے ہو کر دعائیں مانگی تھیں اور یہاں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی پر قرآنِ مجید کے نزول کا آغاز فرمایا تھا۔ یہی گھر بھٹکی ہوئی انسانیت کے لیے ہدایت کا مرکز ہے۔ آج بھی اس گھر کی عظمت و فضیلت دیکھ کر ہزارہا لوگ ہر سال ہدایت کی دولت سے مالا مال ہو رہے ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اس میں مقامِ ابراہیم ہے اور لوگوں کو ہر دور میں اس میں امن ملتا رہا اور قیامت تک اسی طرح ہی ملتا رہے گا۔ کائنات میں صرف یہی گھر ہے جس کی زیارت کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ اس کی زیارت کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ جو شخص استطاعت کے باوجود اس گھر کی زیارت نہیں کرتا اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا اور ایسے شخص کو کافر قرار دیا ہے۔

((عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ مَلَكَ زَادًا وَّرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا وَذٰلِكَ أَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ فِيْ كِتَابِهٖ {وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا})) (رواہ الترمذی: باب ماجاء في التغليظ فی ترک الحج [حسن لغیرہ)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان کرتے ہیں کہ جس کے پاس بیت اللہ پہنچنے کے لیے زادِ راہ اور سواری ہو۔ پھر بھی وہ حج نہیں کرتا تو اللہ کو کوئی پروا نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمایا ہے کہ صاحبِ استطاعت لوگوں پر حج کرنا لازم ہے۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوا فَقَالَ رَجُلٌ أَكُلَّ عَامٍ يَارَسُولَ اللّٰهِ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلَاثًا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُونِي مَاتَرَكْتُكُمْ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوهُ» (رواہ مسلم: کتاب الحج)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا لوگو! یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے لہٰذا حج کرو۔ ایک آدمی نے اٹھ کر سوال کیا اللہ کے رسول! کیا ہر سال حج کرنا ہوگا؟ نبی ﷺ خاموش رہے حتی کہ اس نے اپنا سوال تین مرتبہ دہرایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا پھر تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔ پھر آپ نے فرمایا: مجھے چھوڑے رکھو جب تک میں تمہیں کچھ نہ کہوں۔ تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں سے اختلاف اور کثرتِ سوال کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو حسبِ ہمت وہ کام کرو اور جس چیز سے تمہیں روکوں اسے چھوڑ دو۔“

مسائل

۱۔ سب سے پہلے مکہ میں بیت اللہ تعمیر ہوا۔ ۲۔ بیت اللہ بابرکت اور لوگوں کے لیے ہدایت کا مرکز ہے۔

۳۔ مکہ معظّمہ کا پرانا نام بکہ ہے۔ ۴۔ بیت اللہ میں مقامِ ابراہیم ہے۔

۵۔ بیت اللہ میں داخل ہونے والے کو امن نصیب ہوتا ہے۔ ۶۔ صاحبِ استطاعت پر بیت اللہ کا حج فرض ہے۔

۷۔ جو حج سے بے پروائی کرے اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے۔

تفسیر بالقرآن

بیت اللہ کی عظمت:

۱۔ بیت اللہ دنیا میں پہلا گھر ہے جو بابرکت اور ہدایت کا مرکز ہے۔ (آلِ عمران: ۹۶)

۲۔ بیت اللہ امن کا گہوارہ ہے۔ (البقرۃ: ۱۲۵) ۳۔ بیت اللہ کے باسیوں سے محبت کی جاتی ہے (القریش: ۱)

۴۔ بیت اللہ کے طواف کا حکم ہوا ہے۔ (الحج: ۲۹) ۵۔ پیدل اور سوار دور سے اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ (الحج: ۲۷)

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا

فرمادیں اے اہلِ کتاب کیوں تم انکار کرتے ہو آیات اللہ اوراللہ گواہ پر جو

تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ

تم کرتے ہو فرمادیں اے اہلِ کتاب کیوں تم روکتے ہو سے اللہ کا راستہ جو ایمان لایا

تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

چاہتے ہو اس سے ٹیڑھ اورتم خود گواہ اورنہیں اللہ بے خبر اس سے جو تم کرتے ہو

”آپ کہہ دیجیے کہ اے اہلِ کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیات کا کیوں انکار کرتے ہو؟ جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے۔(۹۸) اہل کتاب سے فرمائیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ سے مومنوں کو کیوں روکتے ہو اور اس شخص کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو؟ حالانکہ تم خود شاہد ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔“(۹۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت یعقوب علیہ السلام کے حوالے سے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بانیٔ کعبہ تسلیم نہ کرنا اور ملت ابراہیم سے انحراف کرنا کفر ہے۔

اہلِ کتاب ایسے حقائق کا انکار کرتے ہیں جو قیامت تک زندہ شہادت کے طور پر دنیا میں موجود ہیں اور رہیں گے۔یعنی بیت اللہ کا وجود یا اس کا مرکزِ ہدایت ہونا، اللہ کی رحمت و برکت کا مرجع ہونا، زم زم کی برکات اور اس کا ہر وقت رواں دواں رہنا، مقامِ ابراہیم کی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ثبت ہونا، صفا اور مروہ کا حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی سعی کی خاموش گواہی دینا۔زمین کی چھاتی پر نسل درنسل کروڑہا انسانوں کا خاندانِ ابراہیم کی خدمات کی شہادت دینا۔اتنی عظیم اور زندہ و جاوید شہادتوں کو مسترد کردینے والی قوم کو قرآنِ مجید اہلِ کتاب کے معزز لفظ سے پکارتے ہوئے بار بار متوجہ کرتا ہے کہ اے اہلِ کتاب! اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا انکار کیوں کرتے ہو اور ہدایت یافتہ لوگوں کو منحرف کرنے کی کوشش کے کیوں درپے ہو؟ جبکہ تمہارا ضمیر قرآنِ مجید کی تصدیق، نبی آخر الزماں کا اعتراف اور شعائر اللہ کی شہادت دیتے ہوئے تمہارے کفر پر تمہیں ملامت کرتا ہے۔

مسائل

۱۔ اہلِ کتاب جان بوجھ کر حقائق کا انکار کرتے ہیں۔ ۲۔اللہ تعالیٰ انسان کی ہر حرکت کو جانتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ گواہ ہے:

۱۔ اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔(الحج:۱۷) ۲۔اللہ تعالیٰ ہر کسی کے عمل پر گواہ ہے۔(یونس:۶۱)

۳۔ اللہ تعالیٰ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے۔(الاعلیٰ:۷) ۴۔اللہ سینوں کے راز جانتا ہے۔(الملک:۱۳)

يٰۤاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْۤا	اِنْ	تُطِيْعُوْا	فَرِيْقًا	مِّنَ	الَّذِيْنَ
اے	جولوگ	ایمان لائے	اگر تم	کہا مانو گے	ایک گروہ	سے	وہ لوگ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ	يَرُدُّوْكُمْ	بَعْدَ	اِيْمَانِكُمْ	كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾	وَ كَيْفَ	تَكْفُرُوْنَ	
دیے گئے کتاب	وہ پھیر دینگے تمہیں	بعد	تمہارا ایمان	کفر کرنے والے	اور کیسے	تم کفر کرتے ہو	
وَ اَنْتُمْ	تُتْلٰى	عَلَيْكُمْ	اٰيٰتُ	اللّٰهِ	وَ فِيْكُمْ	رَسُوْلُهٗ	وَمَنْ
جبکہ تم	پڑھی جاتی ہیں	تم پر	آیات	اللہ	اور تمہارے درمیان	اس کا رسول	اور جو
يَّعْتَصِمْ	بِاللّٰهِ	فَقَدْ	هُدِيَ	اِلٰى	صِرَاطٍ	مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع	
مضبوط پکڑے گا	اللہ کو	تو تحقیق	وہ ہدایت دیا گیا	طرف	راستہ	سیدھا	

۱۰ ع ۱۰ ۱

”اے ایمان والو! اگر تم اہلِ کتاب کے کسی گروہ کی اتباع کرو گے تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں مرتد بنادیں گے۔(۱۰۰) اور تم کیسے کفر کرتے ہو؟ باوجودیکہ تم پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں اللہ کا رسول موجود ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسلک ہو گیا یقیناً وہ سیدھی راہ پا گیا۔“(۱۰۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلی آیت میں اہلِ کتاب کو اسلام کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے سے روکا گیا ہے۔اب مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ اہلِ کتاب کی پیروی نہ کرنا یہ تمہیں گمراہ کرنے کے درپے رہتے ہیں۔

قرآنِ مجید متعدد مقامات پر مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ اگر تم اہلِ کتاب کو راضی کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ہرگز راضی نہیں ہوں گے۔ان کی خواہش اور کوشش ہے کہ تمہیں ایمان سے منحرف کر کے کافر بنادیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا میرے پیغمبر! جب تک آپ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں گے تب تک یہ آپ پر بھی راضی نہ ہوں گے۔[البقرۃ:۱۲۰] اس لیے مسلمانوں کو ارشاد ہوا کہ تم کس طرح اپنے لیے کفر کا جواز پیدا کرو گے؟ جبکہ رسولِ مکرم ﷺ جیسا عظیم رہنما اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر عمل کر کے تمہارے سامنے بہترین نمونہ پیش کرتا ہے جس سے تم براہِ راست تربیت پا رہے ہو۔لہٰذا تمہیں اہلِ کتاب کو راضی کرنے کے بجائے اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنا چاہیے۔جس نے اللہ تعالیٰ سے ایمان کا رشتہ مضبوط کر لیا یقیناً وہی صراطِ مستقیم پائے گا۔

مسائل

۱۔ ایمان داروں کو یہود و نصاریٰ کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے۔ ۲۔ یہود و نصاریٰ لوگوں کو مرتد کرنا چاہتے ہیں۔

۳۔ قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے مسلمان کو کافر ہونے کا کوئی جواز نہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانا صراطِ مستقیم پر چلنا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا

اے جولوگ ایمان لائے تم ڈرو اللہ حق اس سے ڈرنا اور ہرگز تم نہ مرنا مگر

وَ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ۪ وَاذۡکُرُوۡا

اور ہوتم مسلمان (جمع) اور مضبوطی سے پکڑلو رسی کو اللہ سب اور نہ آپس میں تفریق ڈالو اور یاد کرو

نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ

نعمت اللہ تم پر جب تم تھے دشمن (جمع) تو اُلفت ڈال دی اس نے تمہارے دلوں میں توتم ہو گئے

بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَکُنۡتُمۡ عَلٰی شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَکُمۡ

اسکے فضل سے بھائی بھائی اور تم تھے پر کنارہ گڑھا سے آگ پھر تمہیں بچالیا

مِّنۡهَا ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمۡ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّکُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾

اس سے اسی طرح واضح کرتا ہے اللہ تمہارے لیے اپنی آیات تاکہ تم ہدایت پاؤ

’’اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت مسلمانی کی حالت میں آنی چاہیے۔(۱۰۲) اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ پیدا نہ کرو۔ اور تم اپنے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔ تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے حالانکہ تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے اس نے تمہیں اس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔‘‘(۱۰۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب کی اتباع سے بچنے اور ان سے ڈرنے کی بجائے مسلمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اسی کے حکم پر مرمٹنا چاہیے۔ اب براہِ راست مسلمانوں سے مسلسل خطاب ہوتا ہے۔

تقویٰ کا عمومی معنٰی پرہیزگاری ہے لیکن جب ’’اِتَّقِ اللّٰهَ‘‘ کے الفاظ استعمال ہوں تو اس کا معنٰی ہوا کرتا ہے کہ اپنے رب کی نافرمانیوں سے ڈرو، اس کی ذات اور احکام کا احترام کرو۔ نفسِ مضمون کے اعتبار سے یہاں یہ بات بھی تقویٰ میں شامل ہے کہ اہلِ کتاب کے الزامات اور سازشوں سے ڈرنے کے بجائے صرف اللہ سے ڈرو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق ہے۔ خلوت ہو یا جلوت، نفع ہو یا نقصان، حاکم ہو یا محکوم، امیر ہو یا غریب، پڑھے لکھے ہو یا ان پڑھ۔ سب کے سب اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ خوفِ الٰہی کا اجتماعی ماحول اور ایک سماں پیدا ہوجائے۔ جس میں تمہارے لیے نیکی کرنا آسان اور برائی سے بچنا سہل ہو جائے گا۔

تقویٰ وقتی اور عارضی کام نہیں بلکہ اس میں ہمیشگی ہونی چاہیے یہاں تک کہ تمہیں موت آجائے۔ دوسرے لفظوں میں مرنا گوارا کرلینا لیکن غیر اللہ سے ڈرنا قبول نہ کرنا۔ گویا کہ تقویٰ اور اسلام لازم وملزوم ہیں۔ تقویٰ اور اسلام کا تقاضا ہے کہ تم اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو۔ اتحاد کے لیے پہلی شرط اللہ کا خوف ہے اگر آدمی کا دامن خوفِ الٰہی سے خالی ہو تو وہ اپنے مفادات کی خاطر چھوٹی سی بات کو پہاڑ بنا کر پیش کرتا ہے۔ اتحادِ امّت کے لیے سب سے بڑی بنیاد خدا خوفی کے ساتھ

اللہ تعالیٰ کی رسی کو تھامنا ہے۔ گویا کہ مسلمانوں کا اتحاد اللہ کا ڈر اختیار کیے اور کتاب وسنت تھامے بغیر نہیں ہوسکتا۔ یہی اتحاد دیرپا اور بابرکت ہوتا ہے۔ اس کے بغیر اتحاد ناپائیدار اور عارضی ہوگا۔ رسی کی وضاحت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

«كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ» (جامع الصغیر للالبانی) ''اللہ کی کتاب ہی اللہ کی رسی ہے۔''

یہاں رسی کا لفظ استعمال فرما کر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس طرح رسی سے لکڑیوں کا گٹھا یا جانور باندھا جاتا ہے اس طرح تم بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رسی کے ساتھ باندھ لو۔

آیت میں رسی کو مضبوط پکڑنے کے ساتھ مزید حکم دیا کہ باہمی تفرقے سے بچتے رہو۔ اختلافات سے نہ صرف ذات اور جماعت کی ساکھ اکھڑتی ہے بلکہ اس سے بے سکونی اور بے برکتی پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ آدمی ایک دوسرے کے خلاف حسد وبغض کی آگ میں جلتا رہتا ہے۔ اکثر اوقات اس کا انجام قتل وغارت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہاں اختلاف کو بھڑکتی ہوئی آگ اور اتحاد کو اللہ تعالیٰ کی نعمت قرار دیا گیا ہے۔

اس مقام پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اپنے ماضی کو سامنے رکھو۔ تم اسلام سے قبل کس قدر باہمی اختلاف کی آگ میں بھسم ہوئے جا رہے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمہارے دلوں سے رنجش وکدورت کو نکال کر تمہیں محبت والفت سے ہمکنار کر دیا ہے۔ اس اختلاف سے مراد اوس اور خزرج کی وہ طویل ترین جنگ ہے جو تقریباً سو سال تک جاری رہی۔ جس میں سینکڑوں عورتیں بیوہ، ہزاروں بچے یتیم اور قیمتی جانیں ضائع ہونے کے ساتھ شاداب کھیتیاں اور لہلہاتے ہوئے باغ اور پررونق آبادیاں ویران ہوئیں۔ نقصانات سے بچنے اور مسلمانوں کے اتحاد کو قائم رکھنے کے لیے۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا» (رواہ البخاری: باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی بہت بڑا جھوٹ ہے۔ تم کسی کی عیب جوئی، جاسوسی اور حسد نہ کرو، نہ پیٹھ پیچھے باتیں کرو، نہ ہی دشمنی کرو۔ اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ رہنے والا ہمیشہ صراطِ مستقیم پاتا ہے۔ ۲۔ صاحبِ ایمان لوگوں کو صحیح طور پر اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

۳۔ ایمان داروں کو اللہ کی غلامی میں موت آنی چاہیے۔ ۴۔ فرقہ بندی کے بجائے قرآن وسنّت کے ساتھ وابستہ رہنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اتحاد نعمت اور اختلاف آگ ہے:

۱۔ اتحاد واتفاق اللہ کی توفیق کا نتیجہ ہے۔ (الانفال: ۶۳) ۲۔ اتحاد واتفاق اللہ کی عظیم نعمت ہے۔ (آلِ عمران: ۱۰۳)

۳۔ کتاب اللہ کا رشتہ نہ ٹوٹنے والا ہے۔ (البقرۃ: ۲۵۶) ۴۔ باہمی اختلاف اللہ کا عذاب ہوتا ہے۔ (الانعام: ۶۵)

۵۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ تمسک کا نتیجہ صراطِ مستقیم ہے۔ (آلِ عمران: ۱۰۱)

وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ

اور چاہیے رہے | تم میں سے | ایک جماعت | وہ دعوت دیں | طرف | بھلائی | اور وہ حکم کریں

بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾

اچھے کاموں کا | اور وہ روکیں | برائی سے | اور یہی لوگ | وہ | کامیاب ہونے والے

’’تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے، نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔‘‘ (۱۰۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لیے اپنے احکام بیان کرتا ہے لہٰذا مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ کرتے رہیں۔ خاص کر ایک جماعت کو یہ فریضہ مسلسل سرانجام دینا چاہیے۔

تھوڑا سا آگے چل کر آیت ۱۱۰ میں اس امّت کے وجود کی غرض و غایت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے وجود کا مقصد ہی یہ ہے کہ تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرو اور برائی سے روکتے رہو۔ چونکہ امّت میں ہر آدمی اتنا وقت نہیں دے سکتا جس سے فریضۂ تبلیغ کا حق ادا ہو سکے اور نہ ہی ہر کسی میں اتنی صلاحیت ہوا کرتی ہے کہ وہ دلائل کی بنیاد پر دوسرے کو مطمئن کر سکے۔ اس لیے یہاں امت میں ایسی جماعت ہونے کا تقاضا کیا گیا ہے۔ جو لوگوں کو ہمہ وقت تعلیم و تربیت کے ساتھ خیر کی دعوت اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکتی رہے۔ ایسے لوگ اپنے مقاصد میں کامیاب اور آخرت میں سرخرو ہوں گے۔ جو لوگ فریضۂ تبلیغ ادا نہیں کرتے ان پر ’’اللہ‘‘ کی لعنت ہوا کرتی ہے۔ جس طرح بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل پر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے پھٹکار کی کیوں کہ یہ لوگ اللہ کے نافرمان اور اس کی حدّوں کو توڑنے والے تھے۔ ان پر اس لیے بھی لعنت کی گئی کہ وہ لوگوں کو برائی سے روکنے کے بجائے خود بھی گناہوں میں ملوّث ہو گئے اور یہ بُرے کردار کے حامل لوگ تھے۔ (المائدۃ: ۷۸، ۷۹)

«عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ أَوَّلَ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلٰی بَنِیْ إِسْرَائِیْلَ کَانَ الرَّجُلُ یَلْقَی الرَّجُلَ فَیَقُوْلُ: یَا ھٰذَا إِتَّقِ اللّٰہَ وَدَعْ مَا تَصْنَعُ فَإِنَّہٗ لَا یَحِلُّ لَکَ ثُمَّ یَلْقَاہُ مِنَ الْغَدِ فَلَا یَمْنَعُہٗ ذٰلِکَ أَنْ یَّکُوْنَ أَکِیْلَہٗ وَشَرِیْبَہٗ وَقَعِیْدَہٗ فَلَمَّا فَعَلُوْا ذٰلِکَ ضَرَبَ اللّٰہُ قُلُوْبَ بَعْضِھِمْ بِبَعْضٍ ثُمَّ قَالَ: {لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ إِسْرَائِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ} إِلٰی قَوْلِہٖ {فَاسِقُوْنَ} ثُمَّ قَالَ کَلَّا وَاللّٰہِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْھَوُنَّ عَنِ الْمُنْکَرِ وَلَتَأْخُذُنَّ عَلٰی یَدَيِ الظَّالِمِ»

(رواہ أبو داؤد: کتاب الملاحم، باب الأمر والنھی [حسن لغیرہ])

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل میں پہلا نقص یہ پیدا ہوا کہ کوئی آدمی کسی کو برا کام کرتے دیکھتا تو اسے اللہ کا خوف دلاتے ہوئے اس کام سے منع کرتا کہ ایسا کام نہیں کرنا چاہیے۔ اگلے دن اسے منع نہ کرتا بلکہ اس کے ساتھ مل کر کھاتا، پیتا، اٹھتا، بیٹھتا ان کی یہ حالت ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل بھی ایک جیسے کر دیے۔ پھر فرمایا بنی اسرائیل پر بزبانِ داؤد اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام لعنت کی گئی۔ اس کے بعد فرمایا سنو! اللہ کی قسم! تمہیں ضرور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرتے ہوئے ظالم کا ہاتھ روکنا ہوگا۔''

ایک اور موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عمل کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کشتی میں سوار لوگوں کی مثال بیان فرمائی:

((مَثَلُ الْقَائِمِ عَلٰى حُدُوْدِ اللّٰهِ وَالْوَاقِعِ فِيْهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوْا عَلٰى سَفِيْنَةٍ فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا وَبَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا فَكَانَ الَّذِيْنَ فِيْ أَسْفَلِهَا إِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوْا عَلٰى مَنْ فَوْقَهُمْ فَقَالُوْا لَوْ أَنَّا خَرَقْنَا فِيْ نَصِيْبِنَا خَرْقًا وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا فَإِنْ يَتْرُكُوْهُمْ وَمَا أَرَادُوْا هَلَكُوْا جَمِيْعًا وَإِنْ أَخَذُوْا عَلٰى أَيْدِيْهِمْ نَجَوْا وَنَجَوْا جَمِيْعًا)) (رواہ البخاری: کتاب الشرکۃ)

''اللہ تعالیٰ کی حدود پر قائم رہنے والے اور اس میں ملوث ہونے والوں کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جنہوں نے ایک بحری جہاز کے بارے میں قرعہ اندازی کی۔ بعض کو اوپر والے حصے میں اور کچھ کو نیچے والے حصے میں جگہ ملی۔ نیچے والوں کو پانی کی ضرورت پڑتی تو اوپر والوں کے پاس جاتے۔ نیچے والوں نے کہا کہ ہم اپنے حصے میں سوراخ کر لیتے ہیں اور اوپر والوں کو تکلیف نہیں دیتے۔ اگر اوپر والے انہیں اسی حالت پر چھوڑ دیں تو تمام ہلاک ہو جائیں گے۔ اگر ان کے ہاتھوں کو روک لیں تو وہ سب بچ جائیں گے۔''

مسائل

۱۔ امتِ محمدیہ کا مقصد نیکی کی دعوت دینا اور برائی سے روکنا ہے۔
۲۔ نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہی کامیاب ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

امتِ محمدیہ کے اجتماعی فرائض:

۱۔ اپنے آپ اور اعزاء واقرباء کو جہنم کی آگ سے بچنے کا حکم۔ (التحریم: ۶)
۲۔ تبلیغ کے لیے ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے۔ (آلِ عمران: ۱۰۴)
۳۔ اجتماعی زندگی میں شریعت نافذ کرنا فرض ہے۔ (الحج: ۴۱)
۴۔ باہمی معاملات مشورہ سے طے کرنے چاہئیں۔ (آلِ عمران: ۱۵۹) ۵۔ عہدہ اہل شخص کو دینا چاہیے۔ (النساء: ۵۸)

وَلَا	تَكُوْنُوْا	كَالَّذِيْنَ	تَفَرَّقُوْا	وَاخْتَلَفُوْا	مِنْۢ	بَعْدِ
اور نہ	ہوجاؤ	ان کی طرح جو	متفرق ہوگئے	اور باہم اختلاف کرنے لگے	سے	بعد
مَا	جَآءَهُمُ	الْبَيِّنٰتُ ؕ	وَاُولٰٓئِكَ	لَهُمْ	عَذَابٌ	عَظِيْمٌ ۝١٠٥
جو	ان کے پاس آگئے	واضح حکم	اور یہی لوگ	ان کیلئے	عذاب	بڑا
يَّوْمَ	تَبْيَضُّ	وُجُوْهٌ	وَّتَسْوَدُّ	وُجُوْهٌ ۚ	فَاَمَّا	الَّذِيْنَ
دن	سفید ہوں گے	کچھ چہرے	اور سیاہ ہوں گے	کچھ چہرے	پس جو	وہ لوگ
اسْوَدَّتْ	وُجُوْهُهُمْ ۟	اَكَفَرْتُمْ	بَعْدَ	اِيْمَانِكُمْ	فَذُوْقُوا	الْعَذَابَ
سیاہ ہوئے	ان کے چہرے	کیا تم نے کفر کیا	بعد	اپنے ایمان کے	سو تم چکھو	عذاب
بِمَا	كُنْتُمْ	تَكْفُرُوْنَ ۝١٠٦	وَاَمَّا	الَّذِيْنَ	ابْيَضَّتْ	وُجُوْهُهُمْ
اس لیے کہ	تم تھے	کفر کرتے	اور جو	وہ لوگ	سفید ہوں گے	ان کے چہرے
فَفِيْ	رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ	هُمْ	فِيْهَا	خٰلِدُوْنَ ۝١٠٧		
سو میں	اللہ کی رحمت	وہ	اس میں	ہمیشہ رہنے والے		

''اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنہوں نے اپنے پاس دلائل آجانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور باہم اختلاف کیا ان لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔(۱۰۵) جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ، کالے چہروں والوں سے کہا جائے گا کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ اب عذاب چکھو کیونکہ تم کفر کرتے تھے۔(۱۰۶) اور جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' (۱۰۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کے احکام کو مضبوطی سے تھامنا اور متحد ہوکر لوگوں تک پہنچانا مسلمانوں پر فرض ہے۔ اختلاف کی صورت میں تبلیغ غیر مؤثر ہوجاتی ہے اس لیے باہمی اختلاف سے منع فرمایا ہے۔

اتحاد و اتفاق اور فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی کے ساتھ ایک دفعہ پھر امّت کو تاکید کی جارہی ہے کہ ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو آپس میں گروہ بندی کا شکار ہوئے۔ ٹھوس اور واضح دلائل آجانے کے باوجود انہوں نے اپنے دین میں تفرقہ بازی اور اختلافات پیدا کیے۔ اس فرمان میں عام لوگوں کے ساتھ بالخصوص مبلّغین کو مخاطب کیا گیا ہے کیونکہ عام مسلمان امّت میں محدود انتشار کا باعث ہوتے ہیں لیکن راہنما اور علماء انتشار کا زیادہ سبب ثابت ہوتے ہیں۔ ایسے رہنما، علماء اور عوام کو وارننگ دی جارہی ہے کہ وہ وقت ذہن میں لاؤ کہ جب تمہارے چہروں کی تروتازگی اور حسن و جمال کو جہنم کی

سیاہی اوررسوائی سے بدلتے ہوئے نرم ونازک اجسام کو آگ کے انگاروں میں جھونک دیا جائے گا اور حکم ہوگا کہ اب ہمیشہ کے لیے جہنم کا عذاب چکھتے رہو حکم ہوگا کہ اے دنیا کی جاہ وحشمت ،شہرت اور دولت کی خاطر دین اور امّت میں انتشار پیدا کر کے گل چھرے اڑانے والو! اب تمہیں جہنم میں ہمیشہ رہنا اور عذاب عظیم برداشت کرنا ہوگا۔اس اختلاف سے پہلی مراد توحید وسنت کے بارے میں اختلاف کرنا ہے۔

«عَنْ صُهَيْبٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ يَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰي تُرِيْدُوْنَ شَيْئًا اَزِيْدُكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ اَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا اَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَ تُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ قَالَ فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ فَمَا اُعْطُوْا شَيْئًا اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ اِلٰي رَبِّهِمْ عَزَّوَجَلَّ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾» (رواہ مسلم: کتاب الإیمان، باب إثبات رؤیۃ المؤمنین فی الآخرۃ ربھم سبحانہ)

”حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی گرامی ﷺ نے فرمایا: جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تم مزید کسی نعمت کو چاہتے ہو کہ میں تمہیں عطا کروں؟ وہ عرض کریں گے اے اللہ! کیا آپ نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں فرمایا؟ آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا؟ اور آپ نے ہمیں دوزخ سے نہیں بچایا؟ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا تب اللہ تعالیٰ اپنے چہرہ سے نور کے پردے اٹھائیں گے۔انہیں ایسی کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی ہوگی جو پروردگار کے دیدار سے انہیں زیادہ محبوب ہو۔اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ”جن لوگوں نے اچھے عمل کیے ان کے لیے جنت ہے اور مزید بھی۔“

مسائل

۱۔ آپس میں اختلاف کرنا عذاب الیم کو دعوت دینا ہے۔
۲۔ قیامت کے دن ایمانداروں کے چہرے روشن اور کفار کے منہ کالے ہوں گے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا۔
۴۔ زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے۔ ۵۔ اللہ ہی کے پاس ہر کام کا انجام اور اختیار ہے۔

تفسیر بالقرآن

جنتیوں اور جہنمیوں کے چہروں میں فرق:

۱۔ کفار کے چہرے بگڑے ہوئے ہوں گے۔(الحج: ۷۲) ۲۔مومنوں کے چہرے تروتازہ ہوں گے۔(القیامۃ: ۲۲)
۳۔ کفار کے چہرے مرجھائے اور اُڑے ہوئے ہوں گے۔(القیامہ: ۲۴)
۴۔ مومنوں کے چہرے خوش وخرم ہوں گے۔(العبس: ۳۸) ۵۔کفار کے چہروں پر گردوغبار ہوگا۔(العبس: ۴۰)
۶۔ مجرموں کے چہرے ڈرے اور اُوندھے ہوں گے۔(الغاشیہ: ۲) ۷۔مومنوں کے چہرے تروتازہ ہوں گے۔(الغاشیہ: ۸)

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

یہ اللہ کی آیات ہم پڑھتے ہیں انہیں آپ پر ٹھیک ٹھیک اور نہیں اللہ چاہتا کوئی ظلم جہان والوں کیلئے

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ ع

اوراللہ کیلئے جو میں آسمانوں اور جو میں زمین اوراللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے تمام کام

''اے نبی ہم آپ پر سچی آیات تلاوت کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔(۱۰۸) اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جائیں گے۔''(۱۰۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلے مجرموں کو سزا سنائی گئی تھی یہاں وضاحت فرمائی ہے کہ مجرموں کے چہرے کالے ہونا اور ان کا جہنم میں داخل ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زیادتی نہیں بلکہ ان کے اعمال کا نتیجہ اور بدلہ ہوگا۔

یہ اللہ تعالیٰ کے ضابطے اور فیصلے ہیں جو ذات کبریا خود آپ ﷺ کے سامنے پڑھ رہی ہے۔ اس کے منزل من اللہ ہونے میں ذرّہ برابر بھی شک نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق اور سچ ہیں۔ جو فرد اور قوم ان پر عمل پیرا ہوگی وہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہوتے ہوئے نہ صرف دنیا میں ساحلِ مراد تک پہنچیں گی بلکہ آخرت میں روشن مستقبل ان کا منتظر ہوگا اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کریں گے ان کے لیے دنیا میں بربادی ہے اور آخرت میں روسیاہی ہوگی۔ برے انجام کے ساتھ دوچار ہونا ان کا یقینی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ صرف لوگوں کو ظلم سے روکتے ہیں بلکہ اس نے اپنی ذاتِ اقدس پر ظلم وزیادتی حرام قرار دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی پر زیادتی کرنے کی اس لیے بھی ضرورت نہیں کیونکہ زمین وآسمان کا ذرّہ ذرّہ اس کا تابع فرمان اور زیرِ اقتدار ہے زیادتی تو وہ کرے جس کے اختیارات سے بڑھ کر کوئی نافرمانی کرنے والا ہو۔ اگر انسان نافرمانی کرتا ہے تو اس دی ہوئی ڈھیل کے مطابق کرتا ہے۔ آخر کار ہر کوئی اس کے حضور پیش ہونے والا ہے۔ وہاں ہر ایک کو اس کے کردار کا بدلہ چکا دیا جائے گا۔

((يَا عِبَادِيْ إِنِّيْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِيْ وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا))

(رواہ مسلم: کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الظلم)

''اے میرے بندو! یقیناً میں نے اپنے آپ پر ظلم کرنا حرام کر دیا ہے اور میں ظلم کو تمہارے درمیان بھی حرام قرار دیتا ہوں پس تم آپس میں ظلم نہ کیا کرو۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ۲۔ زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ ہی کے لیے ہے۔

۳۔ تمام معاملات اللہ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں۔ ۴۔ ہر کام کا انجام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ

تم ہو | بہترین | امت | نکالے گئے ہو | لوگوں کیلئے | تم حکم کرتے ہو | بھلائی کا | اور منع کرتے ہو

عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ

سے | برائی | اور ایمان لاتے ہو | اللہ پر | اور اگر | ایمان لے آتے | اہلِ کتاب | ضرور تھا

خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ

بہتر | ان کے لیے | ان میں سے | ایمان والے | اور انکے اکثر | نافرمان (جمع) | ہرگز نہ | بگاڑ سکیں گے تمہارا

اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

سوائے | ستانا | اور اگر | وہ تم سے لڑیں وہ | پھیر دیں گے تم سے | پیٹھ (جمع) | پھر | وہ مدد نہ کیے جائیں گے

”تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے تو ان کے لیے بہتر تھا۔ ان میں ایمان والے بھی ہیں لیکن ان کے اکثر فاسق ہیں۔ (۱۱۰) یہ تمہیں معمولی تکلیف کے سوا اور کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ تم سے لڑیں تو تمہیں پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے پھر وہ مدد نہیں کیے جائیں گے۔“ (۱۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ جس میں امتِ محمدیہ کا مقام اور کام بتلایا گیا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے ایک نظریہ پر اکٹھا ہونے والے لوگوں کو امت قرار دیا ہے یہاں مسلمانوں کو صرف ایک امت نہیں بلکہ امتِ خیر کے معزز ترین لقب سے ملقب فرمایا گیا ہے اور یہ اعزاز صرف اس امت کو حاصل ہوا ہے۔ اس اعتبار سے امتِ محمدیہ پہلی تمام امتوں پر برتر اور فضیلت کی حامل قرار پائی ہے۔ جس کی تین بنیادی وجوہات ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ پر کامل اور بلا شرکت غیرے ایمان لانا۔ (۲) نیکی پر عمل پیرا ہو کر دوسروں کو اس کی دعوت دینا (۳) برائی سے بچنا اور لوگوں کو اس سے منع کرنا، یہی امت کا اجتماعی فریضہ ہے۔ یہ فرض اتنا مشکل، عالمگیر اور ہمہ وقت کرنے کا ہے جو ایک جماعت کے کرنے سے بھی کما حقہ پورا نہیں ہوتا جب تک کہ امت کا ایک ایک فرد اپنے مقام پر اس کے لیے کوشاں نہ ہو جائے۔ رسولِ محترم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«مَنْ رَّأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ» (رواہ مسلم: کتاب الإیمان، باب بیان کون النھی عن المنکر من الإیمان)

”تم میں جو آدمی برائی دیکھے اسے اپنے ہاتھ سے روکے، طاقت نہ ہو تو زبان کے ساتھ منع کرے اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں ہی اسے برا محسوس کرے لیکن یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“

یہ فرض امت کے ہر فرد پر اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس حکم میں امر اور نہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور امر و نہی کے الفاظ قوت و اقتدار کا مطالبہ کرتے ہیں۔ کیونکہ قوت و اقتدار کے بغیر کسی حکم کا نافذ ہونا ممکن نہیں۔ لہٰذا اس کے لیے اجتماعی قوت کی

ضرورت ہے۔ یہ کام محض عوامی تحریک یا اجتماعی قوت کے طور پر ہی نہیں بلکہ اس کے پیچھے للٰہیت اور ایمان کی قوت ہونی چاہیے تب جا کر اقامتِ دین کا تقاضا پورا ہو سکتا ہے۔

{ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ } (الحج: ۴۱)

''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''

جہاں تک اہل کتاب کا تعلق ہے اگر وہ اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ اور اس کے آخری رسول پر ایمان لاتے ہوئے ابلاغِ دین کے کام میں لگ جائیں اگر وہ ایسا کریں تو نہ صرف وہ امتِ خیر میں شامل ہوں گے۔ بلکہ دنیا اور آخرت کی بھلائی کے حق دار ٹھہریں گے۔ ان میں کچھ لوگ تو ایمان لاتے ہیں جبکہ اکثریت نے نافرمانی کا روّیہ اختیار کیا ہوا ہے۔ ایسے لوگ اپنی ہرزہ سرائی اور شرارتوں کے ذریعے مسلمانوں کو عارضی اور معمولی نقصان تو پہنچا سکتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کو کامرانی کے راستے سے ہٹانا ان کے لیے ناممکن ہو چکا ہے کیونکہ مسلمان اتحاد و تقویٰ اور ایمان باللہ کی بنیاد پر غزوۂ خندق کے بعد اس لائق ہو چکے تھے کہ اب انہیں قابلِ ذکر نقصان پہنچانا کسی کے بس کا روگ نہیں رہا تھا۔ اسلام کے دشمن رزم گاہِ حق و باطل میں اترنے کی کوشش کریں گے تو مقابلے کی تاب نہ لا کر پیٹھ پھیر کر بھاگنے پر مجبور ہوں گے ان کی مدد کے لیے کوئی تیار نہیں ہوگا۔ بعض مفسرین نے اس آیت مبارکہ کو قرآن کی پیش گوئیوں میں شمار کیا ہے جس کی کامل ابتدا غزوۂ تبوک سے ہوئی اور پھر صدیوں تک یہود و نصاریٰ مسلمانوں کی تاب نہ لا سکے۔

مسائل

۱۔ امتِ محمدیہ تمام امتوں سے بہتر ہے۔ ۲۔ اہلِ کتاب ایمان لائیں تو ان کے لیے بہتر ہوگا۔

۳۔ امتِ محمدیہ نیکی پر گامزن ہونے کے ساتھ نیکی کا حکم دینے، برائی سے رکنے اور روکنے والی ہے۔

۴۔ اہلِ کتاب میں ایمان لانے والے تھوڑے، کفر اور فسق و فجور اختیار کرنے والے زیادہ ہوتے ہیں۔

۵۔ سچے مسلمان متحد ہو کر اہلِ کتاب کے خلاف لڑیں تو اہل کتاب پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

مشرکین اور اہلِ کتاب کی پسپائیاں:

۱۔ بدر میں مشرکین پسپا ہوئے۔ (آلِ عمران: ۱۲۳ تا ۱۲۷) ۲۔ ۸ ہجری کو اہلِ مکہ مغلوب ہوئے۔ (الفتح: ۱)

۳۔ غزوۂ حنین میں مشرک شکست خوردہ ہوئے۔ (التوبہ: ۲۶)

۳۔ جنگِ خندق میں مشرکین اور اہلِ کتاب کو شکست ہوئی۔ (الاحزاب: ۲۵ تا ۲۷)

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ

مسلط کردی گئی ان پر ذلت جہاں کہیں وہ پائے جائیں سوائے پناہ سے اللہ

وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ

اور پناہ سے لوگ (جمع) وہ لوٹے غضب کے ساتھ سے اللہ اور مسلط کردی گئی ان پر

الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ

محتاجی یہ اس لیے کہ بیشک وہ تھے وہ کفر کرتے آیات اللہ اور قتل کرتے تھے

الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ق

انبیاء ناحق یہ اس لیے انہوں نے نافرمانی کی اور وہ تھے حد سے بڑھ جاتے

’’ان پر ہر جگہ ذلت مسلط کردی گئی ہے سوائے اس کے کہ اللہ کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں۔ یہ غضب الٰہی کے ساتھ پھریں گے اور ان پر ذلت و مسکنت ڈال دی گئی یہ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرنے اور بلا جواز انبیاء کو قتل کرنے والے ہیں۔ سبب یہ ہے کہ یہ نافرمان ہیں اور حد سے بڑھ جاتے ہیں۔‘‘ (۱۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مسلمانوں کی راہ میں رکاوٹ بننے والے اہلِ کتاب خاص کر یہودیوں کے بارے میں دوٹوک فیصلہ۔

خندق اور فتح مکہ کے بعد مسلمان اس قابل ہوگئے کہ سرزمین حجاز میں مشرک ان کے سامنے سرنگوں ہوئے، یہودیوں کو ہمیشہ کے لیے جزیرہ نمائے عرب سے نکال دیا گیا۔ نصاریٰ کی طاقت تبوک کے میدان میں ہزیمت کا شکار ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد یہود و نصاریٰ ذمّی بن کر رہنے اور جزیہ دے کر اسلام کی قوت کے مقابلہ میں رُسوا ہوئے۔ یہودیوں کے مستقبل کے بارے میں پیش گوئی کردی گئی کہ ان پر ہمیشہ ذّلت اور مسکنت مسلط کردی گئی ہے۔ یہ جہاں کہیں بھی ہوں گے دو صورتوں میں سے ایک کو اختیار کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یا تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر اس کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام کر اس امّت کا حصہ بن کر معزز ہو جائیں یا پھر دوسروں کے سیاسی گداگر بن کر زندگی بسر کریں۔ ایسی صورت میں ان پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا غضب رہے گا اور مال و متاع ہونے کے باوجود ان کے دلوں سے حرص و ہوس اور غربت نہیں نکل پائے گی۔

ان کا جرم یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنے کے ساتھ انبیائے کرام کو ناحق قتل کرنے والے ہیں۔ ان جرائم میں اس لیے ملوث ہوئے کہ یہ لوگ پرلے درجے کے نافرمان اور حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور رسولِ معظم ﷺ کو یہ لوگ قتل نہیں کر سکے اور آپ کے بعد تو سلسلۂ نبوت ختم ہوا پھر ان یہودیوں اور ان کے بعد آنے والوں پر یہ سزا کیوں مقرر کی گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام اور رسولِ اکرم ﷺ کو

قتل نہیں کر سکے اور نہ ہی اب کسی نبی نے آنا ہے اس کے باوجود ان پر یہ سزا اس لیے مسلط کی گئی ہے کہ اپنے بڑوں کی صفائی ہی پیش نہیں کرتے بلکہ ان کے گھناؤنے جرائم کی تائید کرتے ہیں اور آج بھی مسلمانوں اور مصلحین کو قتل کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان پر اللہ کی پھٹکار ہوگی اور سیاسی طور پر ذلیل رہیں گے اور معاشی اعتبار سے ارب پتی ہونے کے باوجود یہودی کی نگاہ نہ سیر ہوتی ہے نہ پیٹ بھرتا ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہودی دنیا کی مالدار ترین قوم ہونے کے باوجود کنجوس اور دل کے بھوکے ہوتے ہیں اور ہمیشہ دنیا میں در بدر پھرتے رہے ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں تین عیسائی حکومتوں برطانیہ، فرانس اور امریکہ کی مدد سے یہودیوں نے مختصر سے خطہ پر اپنی ایک الگ حکومت قائم کی جسے کئی ممالک نے تا حال تسلیم ہی نہیں کیا اور عیسائیوں نے مسلمانوں سے انتقام کے طور پر ان کے ممالک کے درمیان یہ اسرائیلی حکومت قائم کر کے مسلمانوں کے جگر میں خنجر گھونپا ہے اور آج بھی اسرائیل کو امریکہ کی مکمل حمایت حاصل ہے اور اسی کے دم قدم سے یہ اپنا وجود قائم رکھے ہوئے ہے۔ اگر امریکہ، برطانیہ کا سایہ اس کے سر سے اٹھ جائے تو اس کا وجود فوراً ختم ہو جائے۔

اسرائیل غیر قانونی ریاست:

اسرائیل فلسطین میں اپنی ریاست کے قیام کی بنیاد جن تین بڑے ماخذوں پر تعمیر کرتا ہے:

(۱) انجیل میں عہد نامہ قدیم کی میراث۔ (۲) ۱۹۱۷ء میں حکومت برطانیہ کا اعلان بالفور (۳) ۱۹۴۷ء میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کی سفارش جس میں فلسطین کو عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔

حالانکہ تاریخی لحاظ سے یہودی فلسطین کے قدیم ترین باشندے نہیں ہیں اور نہ ہی انہوں نے وہاں اتنا عرصہ حکومت کی جتنی دوسری اقوام نے کی ہے۔

جدید ماہرین آثارِ قدیمہ اب اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ یہاں کے قدیم ترین باشندے یعنی ۳۰۰۰ سال قبل مسیح سے لے کر تقریباً ۱۷۰۰ قبل مسیح تک کنعانی اور مصری تھے۔ جن کا ذکر قدیم کتب میں ملتا ہے۔ ان کے یکے بعد دیگرے دوسری اقوام مثلاً ہکسو، حطی اور فلسطینی آئے۔ یہودی حکومت کا عہد ۸۷۵ قبل مسیح سے شروع ہو کر ۱۰۲۰ قبل مسیح تک رہا اس کے بعد اسرائیلیوں کو اسیرین، اہلِ بابل، مصریوں اور شامیوں نے روند ڈالا۔ پھر ۸۳ قبل مسیح میں سلطنت رومانے یروشلم فتح کر کے یہودی معبد گھروں کو مسمار کر ڈالا اور یہودیوں کو دوسرے علاقوں کی طرف بھگا دیا۔

مجموعی طور پر فلسطین کی پانچ ہزار سالہ دستاویزی تاریخ میں قدیم یہودیوں نے اسے یا اس کے ایک بڑے حصہ کو محض چھ سو سال تک کنٹرول کیا یعنی کنعانیوں، مصریوں، مسلمانوں اور رومیوں سے بہت کم امریکی ''کنگ کرین کمیشن'' کے مطابق اسرائیل کا ۱۹۱۹ء کے دو ہزار سال پیشتر قبضہ کو بنیاد بنا کر دعویٰ ملکیت کرنا سنجیدگی سے نہیں لیا جا سکتا۔

۱۴ مئی ۱۹۴۷ء کو تل ابیب میں جو میٹنگ ہوئی جس میں جو ''قدرتی اور تاریخی حق'' کے طور پر اعلانِ آزادی

کیا گیا تھا اس میں صرف یہودیوں کے ۱۳۷ افراد شریک ہوئے تھے۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ ان کے اس اقدام کی بین الاقوامی عالمی قانون میں کوئی مستند حیثیت نہیں بنتی کیونکہ وہ اس وقت کی آبادی کی اکثریت کی نمائندگی نہیں کرتے تھے۔ درحقیقت ان میں سے صرف ایک فلسطین کا پیدائشی شہری تھا بقیہ ۳۵ یورپی ممالک سے تھے اور ایک یمن کا باشندہ تھا۔ بقول ایک فلسطینی دانشور عیسیٰ نخلح کے ''یہودی اقلیت کو ایک ایسے علاقے میں اپنی آزاد ریاست کے قیام کا اعلان کرنے کا کوئی حق نہیں تھا جہاں فلسطینی عرب قوم آباد تھی۔''

امریکہ کی مالی امداد کا سہارا:

ہر سال اسرائیل کو دی جانے والی امریکن امداد کسی بھی دوسرے ملک کو دی جانے والی امداد سے زیادہ ہوتی ہے۔ صرف ۱۹۸۷ء سے لے کر ۲۰۰۳ء تک براہِ راست دی جانے والی معاشی اور فوجی امداد تین ارب ڈالر سے زیادہ تھی۔ علاوہ ازیں جو دوسرے مالی معاملات صرف اور صرف اسرائیل کے لیے خصوصی طور پر طے پاتے ہیں ان کو شامل کر کے یہ امداد تقریباً پانچ ارب ڈالر سالانہ تک جا پہنچتی ہے۔ اس میں اسرائیل کو دیے جانے والے قرضہ جات شامل نہیں ہیں۔ امریکی قانون کے مطابق کسی بھی ملک کو امداد چاہے وہ اقتصادی ہو یا فوجی! یکسر ختم کر دینی چاہیے اگر وہ ملک جوہری ہتھیار بنا لے یا پھر وہ ''عالمی طور پر تسلیم شدہ انسانی حقوق کی پامالی کا مرتکب ہو رہا ہو'' امریکی حکومت کو سالہا سال سے اسرائیل کے جوہری اسلحہ خانے کے انبار کا اور اس کے حقوقِ انسانی کی لگاتار پامالی کا علم ہے لیکن کسی بھی صدر یا کانگرس نے قانون کے مطابق امداد کو ختم کرنے کے اقدامات تو کجا اس کو کم کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ [بحوالہ اسرائیل کی دیدہ و دانستہ فریب کاریاں/ پال فنڈ]

مسائل

۱۔ یہودی اللہ تعالیٰ کی پناہ اور لوگوں کے سہارے کے بغیر ہر جگہ ذلیل وخوار رہیں گے۔

۲۔ یہودی انبیاء کے قاتل، اللہ کی آیات کے منکر اور حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

۳۔ یہودیوں پر ہمیشہ کے لیے ذلت اور مسکنت مسلط کر دی ہے۔

تفسیر بالقرآن

یہود و نصاریٰ کی ذلّت کے اسباب:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے گستاخ ہیں۔ (آلِ عمران: ۱۸۱) ۲۔ انبیاء کے گستاخ ہیں۔ (آلِ عمران: ۲۱)

۳۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کے انکاری ہیں۔ (البقرۃ: ۶۱) ۴۔ شرک کی وجہ سے ذلیل و رسوا ہوئے۔ (المائدۃ: ۱۸)

۵۔ اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی وجہ سے رُسوا ہوئے۔ (البقرۃ: ۸۳ تا ۸۵)

۶۔ کتاب اللہ میں تحریف کرنے کی وجہ سے خوار ہوئے۔ (النساء: ۴۶)

۷۔ سود اور لوگوں کا مال ناحق کھانے کی بنا پر تباہ ہوئے۔ (النساء: ۱۶۱)

لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ

نہیں برابر سے اہل کتاب ایک جماعت قائم وہ پڑھتے ہیں اللہ کی آیات رات کے وقت

وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

اور وہ سجدہ کرتے ہیں ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور دن آخرت اور حکم کرتے ہیں اچھی بات کا

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

اور منع کرتے ہیں سے برے کام اور وہ جلدی کرتے ہیں میں نیک کام اور یہی لوگ سے نیکوکار (جمع)

وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

اور جو وہ کریں سے نیکی تو ہرگز ناقدری نہ کی جائے گی اس کی اور اللہ جاننے والا پرہیزگاروں کو

”اہلِ کتاب سب برابر نہیں ہیں ان میں ایک جماعت حق پر قائم رہنے والی ہے جو رات کے وقت کلام اللہ کی تلاوت اور سجدے کرتے ہیں۔ (۱۱۳) یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ بھلائیوں کا حکم کرتے، برائیوں سے روکتے، بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور یہ نیک لوگوں میں سے ہیں۔ (۱۱۴) یہ جو کچھ بھی نیکی کریں گے ان کی ناقدری نہیں کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو جانتا ہے۔“ (۱۱۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب سارے ایک جیسے نہیں اور نہ ہی تمام پر ذلت اور پھٹکار ہوگی۔ ان میں وہ مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور نیکی کا حکم دینے والے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ ان سے مراد وہ بھی اہل کتاب ہو سکتے ہیں جو نبی اکرم سے پہلے تورات، انجیل پر عمل کرتے تھے اور آپ کی بعثت سے پہلے فوت ہو گئے۔

ان لوگوں کو اللہ کی پھٹکار اور ذلت و رسوائی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے جو اہلِ کتاب میں سے رسولِ معظم ﷺ پر ایمان لائے اور امّتِ خیر کے وصف سے متصف ہوئے۔ انہیں مسلمانوں میں شامل کرتے ہوئے امّت کے لفظ سے یاد فرمایا ہے کہ یہ لوگ رات کی تاریکیوں میں اٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی آیات کی تلاوت کرتے اور اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان رکھنے کے ساتھ ان کے دل فکرِ آخرت سے لرزاں رہتے ہیں، نیکی کا حکم دینے، برائی سے منع کرنے، ہر کارِ خیر میں آگے بڑھنے والے اور صالحین میں شامل ہیں اور جو کوئی بھی نیکی کا طلب گار اور ان اوصاف کا حامل ہوگا وہ امیر ہو یا غریب، چھوٹا ہو یا بڑا، اس کے صالح اعمال کی ہرگز ناقدری نہیں ہونے پائے گی۔

نجاشی شاہِ حبشہ جس کا نام اصحمہ جو اہل کتاب میں سے تھا اس نے مسلمانوں کی اس وقت بھرپور حمایت کی جب مسلمان ہجرت کر کے حبشہ پہنچے اور قریش مکہ کا ایک وفد انہیں واپس لانے کے لیے شاہِ حبشہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ نے نہ صرف

مسلمانوں کو واپس نہیں کیا بلکہ انہیں پناہ دی اور برملا اعتراف کیا کہ حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کے معاملہ میں مسلمانوں کے عقائد بالکل درست اور عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے عین مطابق ہیں۔ پھر مسلمانوں کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کیا اور مسلمان ہو گیا جب وہ فوت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس کی وفات پر مطلع کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے بھائی کی نمازِ جنازہ پڑھو۔ چنانچہ اس کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔ (رواه البخاري: باب الصفوف على الجنازة...)

عبداللہ بن سلام یہود کے ممتاز علماء میں سے تھے حق قبول کرنے والے اور انتہائی مخلص تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور عبداللہ بن سلام نے آپ میں وہ نشانیاں دیکھیں جو تورات میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی گئی تھیں تو چند سوالات پوچھنے کے بعد اسلام لے آئے۔ انہوں نے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کی سرشت سے آگاہ کیا، جس بنا پر یہودی ان کے دشمن بن گئے۔ بعد ازاں زنا کے ایک مقدمہ میں یہود نے تورات سے رجم کی آیت کو چھپانا چاہا تو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ہی اس آیت کی نشاندہی کر کے یہود کو نادم اور رسوا کیا تھا۔ (رواه ابو داؤد: باب في رجم اليهوديين [صحيح])

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو ایک خواب آیا تھا جس کی تعبیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلائی کہ عبداللہ بن سلام آخری دم تک اسلام پر ثابت قدم رہیں گے۔ (رواه البخاري: كتاب المناقب، باب مناقب عبد الله بن سلام)

اہل کتاب کے دوگنا اجر:

«عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثَلٰثَةٌ لَّهُمْ اَجْرَانِ (١) رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اٰمَنَ بِنَبِيِّهٖ وَاٰمَنَ بِمُحَمَّدٍ (٢) وَّالْعَبْدُ الْمَمْلُوْكُ اِذَا اَدّٰى حَقَّ اللهِ وَحَقَّ مَوَالِيْهِ (٣) وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهٗ اَمَةٌ يَطَأُهَا فَاَدَّبَهَا فَاَحْسَنَ تَأْدِيْبَهَا وَعَلَّمَهَا فَاَحْسَنَ تَعْلِيْمَهَا ثُمَّ اَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَهٗ اَجْرَانِ.» (رواه مسلم: بَابُ وُجُوبِ الْإِيمَانِ بِرِسَالَةِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَى جَمِيعِ النَّاسِ وَنَسْخِ الْمِلَلِ بِمِلَّتِهِ)

”حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں کے لیے دوگنا اجر ہوگا۔ (۱) اہل کتاب میں وہ شخص جو پہلے اپنے نبی پر ایمان رکھتا تھا اب مجھ پر ایمان لے آیا۔ (۲) وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ اپنے مالک کے حقوق ادا کرتا ہے۔ (۳) جس شخص کے پاس لونڈی ہو اور وہ اس سے صحبت کرتا ہو۔ تو اس نے اس کی تعلیم و تربیت کا بہترین خیال رکھا اس کے بعد اسے آزاد کر کے اسے اپنے نکاح میں لے لیا۔ اس کے لئے بھی دوگنا ثواب ہے۔“

مسائل

۱۔ اہل کتاب میں سے اللہ اور اس کے آخری رسول پر ایمان لاتے ہوئے اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں۔
۲۔ اللہ اور آخرت پر ایمان، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور نیکیوں میں جلدی کرنے والے صالح ہیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی کی ناقدری نہیں کرتا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ متقی کون ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ

بیشک وہ لوگ انہوں نے کفر کیا ہرگز کام نہ آئیگا ان سے ان کے مال اور نہ ان کی اولاد

مِّنَ اللّٰهِ شَیۡـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾

سے اللہ کچھ اور یہی لوگ آگ والے وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے

مَثَلُ مَا یُنۡفِقُوۡنَ فِیۡ هٰذِهِ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا كَمَثَلِ

مثال جو وہ خرچ کرتے ہیں میں اس زندگی دنیا جیسے

رِیۡحٍ فِیۡهَا صِرٌّ اَصَابَتۡ حَرۡثَ قَوۡمٍ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ

ہوا اس میں سردی وہ جا پہنچے کھیتی قوم انہوں نے ظلم کیا اپنی جانیں

فَاَهۡلَكَتۡهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنۡ اَنۡفُسَهُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾

پھر اسکو ہلاک کردے اور نہیں ظلم کیا ان پر اللہ اور لیکن اپنی جانیں وہ ظلم کرتے ہیں

”یقیناً کافروں کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے ہاں ان سے ہرگز کچھ کام نہیں آئیں گی اور یہ آگ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۱۱۶) اس دنیا میں کفار جو خرچ کریں اس کی مثال ایک تند ہوا کی طرح ہے جس میں پالا تھا جو ظالموں کی کھیتی پر پڑا اور اسے تباہ کر دیا اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔“ (۱۱۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہل ایمان کے بعد اہل کفر کا انجام ذکر ہوتا ہے۔ اسلام کے مخالف اپنی انا کی خاطر مسلمانوں کے خلاف مال بھی خرچ کرتے ہیں۔ انہیں اس خرچ کرنے کی حقیقت سے آگاہ کیا گیا ہے کہ بالآخر اس کا انجام کیا ہوگا۔

صاحبِ ایمان اور صالح کردار لوگوں کی ہرگز ناقدری نہیں ہوگی۔ اس کے برعکس جن لوگوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا ان کے مال اور اولاد ربِ ذوالجلال کے ہاں انہیں کچھ فائدہ نہیں دے سکیں گے۔ کفار اور اہل کتاب رسولِ معظم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غریبی کے طعنے دیتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ اگر آپ لوگ سچے ہوتے تو اللہ تعالیٰ ضرور تمہیں دنیا کے اسباب سے مالا مال کرتا۔ اگر ہم اس کی بارگاہ میں غلط ہوتے تو وہ ہمیں مال اور اولاد سے کیوں نوازتا؟ اس خیال کی تردید اور اہل کفر کے کان کھولنے کے لیے بتلایا جا رہا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معیار دنیا کی بجائے آدمی کا عقیدہ اور صالح کردار ہے۔ جو لوگ اس سے تہی دامن ہوئے انہیں جہنم میں جھونکا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ دوسرے مقام پر کفار کی ترقی کے بارے میں یوں فرمایا ہے:

{ لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا فِی الۡبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِیۡلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ } (آل عمران ۱۹۷،۱۹۶)

''کفار کا شہروں اور بستیوں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے یہ تھوڑا سا فائدہ ہے پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جو بدترین ٹھکانہ ہے۔''

اس عقیدہ کے حامل لوگ دنیا میں خلاح و بہبود اور نیکی کے کاموں پر لاکھوں روپے خرچ کریں تو بھی انہیں کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ جس طرح لہلہاتے ہوئے باغ، کھلے ہوئے پھول اور سرسبز و شاداب کھیتیاں بادِ صرصر سے خاکستر ہو جایا کرتی ہیں۔ عقیدۂ کفر و شرک کی وجہ سے ان کے اعمال بھی اسی طرح ضائع ہو جائیں گے۔ ان کے صدقات اور عبادات کا غارت ہونا ظلم کی بنا پر نہیں بلکہ ان کے اپنے عقیدے اور کردار کی وجہ سے ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ کفار کے اعمال کے بارے میں حدیث مبارکہ میں آیا ہے:

((عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ابْنُ جُدْعَانَ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَصِلُ الرَّحِمَ وَيُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ فَهَلْ ذَاكَ نَافِعُهُ قَالَ لَا يَنْفَعُهُ إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا رَبِّ اغْفِرْلِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ))

(رواہ مسلم: باب الدلیل علی من مات علی الکفر لا ینفعہ عمل)

''حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ ابن جدعان جاہلیت میں صلہ رحمی اور مساکین کو کھانا کھلایا کرتا تھا کیا اسے یہ چیزیں نفع دیں گی؟ آپ نے فرمایا نہیں کیونکہ اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا کہ اے میرے رب! قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف فرما دینا۔ (یعنی اس کا اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں تھا)۔''

مسائل

۱۔ کفار کے مال اور اولاد اللہ کے ہاں کچھ فائدہ نہیں دیں گے۔ ۲۔ کفار جہنمی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

۳۔ کفار کا سب کچھ ضائع ہو جائے گا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن کفار کو کوئی چیز فائدہ نہ دے گی:

۱۔ کافر زمین کے برابر سونا دے کر بھی جہنم سے نجات نہیں پا سکتے۔ (آلِ عمران: ۹۱)

۲۔ قیامت کے دن ان کا کوئی سفارشی نہیں ہوگا۔ (الانعام: ۵۱)

۳۔ کافر بغیر حساب کے جہنم میں دھکیل دیے جائیں گے۔ (الکھف: ۱۰۵)

۴۔ کافروں کو ان کی جمعیت اور تکبر کام نہ آسکے گا۔ (الاعراف: ۴۸)

۵۔ کفار کے مال و اولاد ہرگز ان کے کام نہ آسکیں گے۔ (آلِ عمران: ۱۰)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِكُمۡ لَا يَاۡلُوۡنَكُمۡ خَبَالًا ؕ

اے | جولوگ ایمان لائے ہو | نہ بناؤ | دلی دوست | سے سوائے اپنوں کو | وہ کمی نہیں کرتے | خرابی

وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ۚ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ۖۚ وَمَا تُخۡفِيۡ

وہ پسند کرتے ہیں | جوتم تکلیف میں رہو | تحقیق | ظاہر ہو چکی | دشمنی | سے | ان کے منہ | اور جو چھپاتے ہیں

صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ ؕ قَدۡ بَيَّنَّا لَكُمُ الۡاٰيٰتِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾

ان کے سینے | بڑا | تحقیق | ہم نے کھول کر بیان کر دیں | تمہارے لیے | آیات | اگر | تم ہو | عقل رکھتے

''اے ایمان والو! تم اپنا دلی دوست ایمان والوں کے سوا اور کسی کو نہ بناؤ وہ تمہاری خرابی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑے رہو۔ ان کی عداوت ان کی زبان سے ظاہر ہو چکی ہے اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ہم نے تمہارے لیے آیات بیان کر دیں تا کہ تم سمجھ جاؤ۔'' (۱۱۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو لوگ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مال خرچ کریں اور ہر قسم کی دشمنی روا رکھیں ان کے ساتھ قلبی دوستی سے منع کیا گیا ہے۔

مسلمانوں کو کفار اور اہلِ کتاب کے بارے میں مسلسل بتلایا جا رہا ہے کہ ان کی خواہش اور کوشش ہے کہ وہ تمہیں دینِ حق سے پھیر دیں۔ اب دوٹوک انداز میں حکم دیا گیا ہے کہ انہیں اپنا راز دان بنانے کی کوشش نہ کرنا یہ دینِ اسلام سے منحرف ہونے کے ساتھ چاہتے ہیں کہ تمہیں ہر قسم کا نقصان پہنچے یہ تمہاری ذات اور دین کے دشمن ہیں، کئی بار اپنی زبان سے حسد و بغض کا اظہار کر چکے ہیں۔ ان کے سینوں میں حسد اور دشمنی کی جو آگ بھڑک رہی ہے اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہم نے تمہارے سامنے حقیقتِ حال بیان کر دی ہے تا کہ تم عقل و فکر سے کام لو۔

عربی زبان میں ''بِطَانَةً'' استر کو کہتے ہیں جو لباس کے اندر پہنا جاتا ہے جسے بنیان کہا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اہلِ کتاب کے ساتھ اس طرح خلط ملط ہونے کی کوشش نہ کرو کہ وہ تمہاری پالیسیوں اور کمزوریوں سے واقف ہو کر تمہیں نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں۔

اہلِ کتاب کی دشمنی کی تصویر کا ایک رخ:

خیبر کی فتح کے بعد سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھنی ہوئی بکری کا ہدیہ بھیجا۔ اس نے پوچھ رکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کون سا گوشت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اسے بتایا گیا کہ دستی کا گوشت پسند فرماتے ہیں۔ اس لیے اس نے دستی میں زہر ملایا اور بعد ازاں بقیہ حصہ بھی زہر آلود کر دیا پھر اسے رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھا۔ آپ نے دستی اٹھا کر اس کا ایک ٹکڑا چبایا لیکن نگلنے کے بجائے تھوک دیا۔ فرمایا کہ یہ دستی مجھے بتلا رہی ہے کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے زینب کو بلایا اس نے اقرار کر لیا۔ آپ نے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ اس نے کہا میں

نے سوچا کہ اگر یہ بادشاہ ہے تو ہمیں اس سے نجات مل جائے گی۔ اگر نبی ہے تو اسے خبر دے دی جائے گی۔ اس پر آپ نے اسے معاف کر دیا۔

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت بشر بن براء بھی تھے۔ انہوں نے ایک لقمہ نگل لیا تھا جس کی وجہ سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ روایت میں اختلاف ہے کہ آپ ﷺ نے اس عورت کو معاف کر دیا تھا یا قتل کر دیا تھا تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ پہلے تو آپ نے معاف کر دیا تھا۔ لیکن جب حضرت بشر رضی اللہ عنہ کی موت واقع ہوگئی تو پھر قصاص کے طور پر قتل کر دیا گیا۔ (فتح الباری: ۷/ ۴۹۷)

ایک دفعہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کسی صحابی نے ایک اہلِ کتاب کی سفارش کی کہ یہ فنِ کتابت اور حساب کا ماہر ہے آپ اسے اپنا منشی اور کاتب رکھ لیں۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اسے مسلمانوں کا رازدان نہیں بنا سکتا۔ پھر اس آیت کا حوالہ دیا کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات سے منع کیا ہے کہ اہل کتاب کو اتنا قریب نہ کرو۔ [ابن کثیر] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ غیر مسلموں کو اس قسم کے اہم عہدے نہیں دینے چاہییں۔ اسی وجہ سے وہ فوج کے کمانڈروں کو حکم دیتے کہ کفار کے ساتھ جب تمہارے مذاکرات ہوں یا کہیں مشترکہ اجلاس ہوں تو ان کے ساتھ اس طرح خلط ملط نہ ہونا کہ وہ تمہاری فوجی اور اخلاقی کمزوریوں سے واقف ہو جائیں۔ (سیرت الفاروق)

ملتِ اسلامیہ کو جو سب سے پہلے بھاری نقصان اٹھانا پڑا اس کا بنیادی سبب مسلمانوں کی یہی کمزوری تھی۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابولؤلؤ ایرانی مجوسی نے صبح کی نماز کے وقت پے در پے خنجر مار کر زخمی کر دیا۔ جب اس تکلیف میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور کچھ صحابہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس اظہارِ افسوس کے لیے آئے تو انہوں نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں توجہ نہیں دلایا کرتا تھا کہ غیر مسلم غلام اپنے قریب نہ آنے دیا کرو۔ لیکن آپ لوگوں نے اسے درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ اب اس کا نتیجہ دیکھ رہے ہو۔ (البدایۃ والنہایۃ)

مسائل

۱۔ کفار سے دلی دوستی کرنا منع ہے۔ ۲۔ کفار مسلمانوں کو تکلیف دینے میں ذرہ بھر کسر اٹھا نہیں رکھتے۔

۳۔ کفار مسلمانوں کو ہر وقت تکلیف میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

کفار اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی منع ہے:

۱۔ اللہ کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کی ممانعت۔ (الممتحنۃ: ۱) ۲۔ کفار کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ (الانعام: ۱۵۰)

۳۔ کفار کی اطاعت کا نقصان۔ (آلِ عمران: ۱۴۹) ۴۔ کافر مسلمانوں کے ہمدرد نہیں ہو سکتے۔ (آلِ عمران: ۱۱۹، ۱۲۰)

۵۔ اہلِ کتاب مسلمانوں کو اپنے پیچھے لگائے بغیر خوش نہیں ہو سکتے۔ (البقرۃ: ۱۲۰)

۶۔ اہلِ کتاب چاہتے ہیں کہ مسلمان مشکلات میں پھنسے رہیں۔ (آلِ عمران: ۱۱۸)

هٰاَنۡتُمۡ اُولَآءِ تُحِبُّوۡنَهُمۡ وَلَا يُحِبُّوۡنَكُمۡ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ

خبردار تم | وہ لوگ | تم محبت رکھتے ہو ان سے | اور نہیں | وہ محبت رکھتے تم سے | اور تم ایمان رکھتے ہو | کتاب

كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا

مکمل | اور جب | وہ تم سے ملتے ہیں | کہتے ہیں | ہم ایمان لائے | اور جب | الگ ہوتے ہیں | وہ کاٹتے ہیں

عَلَيۡكُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَيۡظِ ؕ قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَيۡظِكُمۡ ؕ اِنَّ

تم پر | انگلیاں | سے | غصہ | فرما دیجیے | تم مرجاؤ | اپنے غصہ میں | بیشک

اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ ۫ وَاِنۡ

اللہ | جاننے والا | دل کی باتیں | اگر | پہنچے تمہیں | کوئی بھلائی | انہیں بری لگتی ہے | اور اگر

تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا بِهَا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا

تمہیں پہنچے | کوئی برائی | وہ خوش ہوتے ہیں | اس سے | اور اگر | تم حوصلہ رکھو | اور پرہیزگاری اختیار کرو

لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـًٔـا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع ۱۲/۱۱/۳

نہ | بگاڑ سکے گا تمہارا | ان کا فریب | کچھ | بیشک | اللہ | جو کچھ | وہ کرتے ہیں | گھیرے ہوئے ہے

”ہاں تم ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم پوری کتاب کو مانتے ہو اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو اپنے ایمان دار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن تنہائی میں غصے سے تمہارے خلاف انگلیاں چباتے ہیں۔ فرمادو کہ تم اپنے غصہ میں ہی مر جاؤ اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ (۱۱۹) تمہیں بھلائی ملے تو یہ ناخوش ہوتے ہیں اور اگر تمہیں مصیبت پہنچے تو اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو اور اجتناب کرو تو ان کا مکر تمہیں کچھ نقصان نہیں دیگا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے۔“ (۱۲۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اسلام کے دشمنوں سے دوستی نہ رکھنے کی مزید وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

مسلمانوں کا ضمیر جھنجھوڑنے اور غیرت دلانے کے لیے نیا انداز اختیار کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ تم کیسے لوگ ہو کہ تم ان سے محبت کی پینگیں بڑھاتے ہو اور وہ تمہارے ساتھ کوئی الفت نہیں رکھتے۔ حالانکہ تم خلوصِ نیت کے ساتھ قرآنِ مجید پر ایمان لائے ہو ان کی حالت یہ ہے کہ تمہارے ساتھ ملتے ہیں تو زبانی جمع خرچ کے طور پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور جب تم سے الگ ہوتے ہیں تو غیظ و غضب کی وجہ سے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔ ان سے کہو کہ تم اپنے غصے کی آگ میں جل مرو۔ اللہ تعالیٰ سب کے دلوں کے حال کو جاننے والا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ علیم کے ذریعے مسلمانوں کو یہ باور کروایا ہے کہ کفار کے غیظ و غضب اور ان کے سینے کی حالت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس قدر تمہارے ساتھ عداوت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ تو

تمہارے اعمال اور دلوں کی کیفیات کو بھی جانتا ہے کہ تم کس حد تک کفار کی دوستی سے اجتناب کرنے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننے والے ہو۔ اگر تمہیں کوئی فائدہ اور اچھائی پہنچتی ہے تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر تمہیں نقصان اور مصیبت پہنچے تو اس پر شاداں وفرحاں ہوتے ہیں۔ ہاں اگر تم صبر کرو، اللہ تعالیٰ کا خوف اختیار کرو اور کفار سے بچتے رہو تو ان کی سازشیں اور شرارتیں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی دسترس سے کسی کا عمل اور سازش بڑھ نہیں سکتی۔

یہاں مسلمانوں کو اہلِ کتاب کے چار اخلاقی جرائم بتلا کر ان کے ساتھ قلبی محبت سے روکا گیا ہے۔

تم ان سے محبت کرتے ہو جبکہ وہ تم سے محبت نہیں کرتے۔

تم اللہ تعالیٰ کی کتاب پر مکمل ایمان رکھتے ہو جبکہ وہ صرف تمہارے سامنے ایمان کے دعوے دار ہیں۔

تمہارا فائدہ انہیں برا لگتا ہے اور تمہارے نقصان پر وہ خوش ہوتے ہیں۔

وہ تمہارے ساتھ حسد وبغض رکھتے اور ہر وقت تمہارے نقصان کے درپے رہتے ہیں۔

یہود کا غیظ وغضب:

بنوکلاب کے دو آدمیوں کو عمرو بن امیہ ضمری نے غلطی سے قتل کر دیا تھا۔ ان کی دیت میں اعانت پر بات چیت کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت علی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ یہود کے ہاں تشریف لے گئے انہوں نے کہا: ابوالقاسم! آپ تشریف رکھیں ہم آپ کا مطالبہ پورا کیے دیتے ہیں۔ آپ صحابہ کے ہمراہ ان کے وعدے کی تکمیل کے انتظار میں ان کے گھروں میں سے ایک گھر کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ یہودیوں نے تنہائی میں یہ مشورہ کیا کیوں نا ہم نبی کو ختم کر دیں۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ کون اس چکی کے پاٹ کو لے کر اوپر جائے وہاں سے اسے آپ کے سر پر گرا کر آپ کو کچل دے؟ عمرو بن جحاش بدبخت یہودی نے اس کام کو اپنے ذمے لیا۔ ان میں سے سلام بن مشکم نے یہ کہہ کر روکا کہ ایسا نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے اس بات کی خبر دے دے گا اور ہمارے آپس کے عہد وپیمان ختم ہو جائیں گے لیکن وہ نہ مانے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جبریل علیہ السلام کے ذریعے یہودیوں کے ارادے سے آگاہ کر دیا۔ آپ فوراً اٹھے اور تیزی کے ساتھ مدینے کی طرف چل پڑے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ کے پیچھے پیچھے اٹھ آئے۔ پھر آپ نے صحابہ کرام کو سارا واقعہ بیان کیا۔ (الرحیق المختوم، غزوہ بنی نضیر)

مسائل

۱۔ یہود ونصاریٰ اور منافق علیحدگی میں مسلمانوں کے خلاف اپنے غیظ وغضب کے باعث اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں۔

۲۔ اہل کتاب مسلمانوں کی ترقی پر ناخوش اور نقصان پر خوش ہوتے ہیں۔

۳۔ یہود ونصاریٰ اور کفار کے ساتھ قلبی تعلق منقطع کرنے سے مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں ہو سکتا۔

۴۔ مسلمانوں کو لوگوں سے ڈرنے کی بجائے صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔

۵۔ کفار کو راضی کرنے کے بجائے قرآن وسنت پر ثابت رہنا چاہیے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ط

اور جب آپ نے صبح کی | سے | اپنے گھر | بٹھانے لگے | مومن (جمع) | ٹھکانے | جنگ کے لیے

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٢١﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ

اوراللہ | سننے والا | جاننے والا | جب | ارادہ کیا | دوگروہ | تم میں سے | یہ کہ

تَفْشَلَا لا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٢﴾

ہمت ہار دے | اوراللہ | ان کا مددگار | اور پر | اللہ | چاہیے بھروسہ کریں | مومن (جمع)

’’جب آپ صبح کے وقت اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کی مورچہ بندی کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ سننے' جاننے والا ہے۔(۱۲۱) جب تم میں سے دو جماعتیں پست ہمتی کا ارادہ کر چکی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دست گیری فرمائی اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔‘‘(۱۲۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام : کفار اور منافقین کا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور اس پر خوش ہونے کی پہلی مثال غزوۂ اُحد ہے۔جس کا نقشہ پیش کیا جارہا ہے۔

شکست سے بچنے کے لیے نظم وضبط،حوصلہ اور تقویٰ نہایت ضروری ہے۔مسلمانوں نے ۲ ہجری ۱۷ رمضان المبارک کے دن بدر کے میدان میں اہلِ مکہ کو شکست فاش دی تھی۔جس کا بدلہ لینے کے لیے مکہ والوں نے شوال ۳ ہجری میں مدینہ پر یلغار کردی۔رسول اللہ ﷺ نے دفاعی منصوبہ بندی کے لیے مشاورت کا اہتمام فرمایا جس میں آپ کا خیال یہ تھا کہ مدینہ سے باہر جانے کی بجائے شہر میں رہ کر دفاع کیا جائے۔عبداللہ بن ابی اور منافقین نے اس بات کی بھرپور تائید کی۔لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت کی رائے یہ تھی کہ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنا چاہیے۔چنانچہ جمعہ ادا کرنے کے بعد آپ نے مدینہ سے باہر نکلنے کا فیصلہ فرمایا۔آپ اپنے گھر تشریف لائے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کی دو زرہیں پہننے میں معاونت کی۔ جب آپ جرنیلی شان کے ساتھ گھر سے باہر نکلے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی رائے پر نظر ثانی کرتے ہوئے عرض کی کہ ہمیں آپ کی رائے کے مطابق مدینے میں ہی دفاع کرنا چاہیے لیکن ارشاد ہوا کہ نبی کی شان اور غیرت کے منافی ہے کہ وہ پختہ عزم کرنے کے بعد فیصلہ کن جنگ کیے بغیر جنگی لباس اتار دے۔اس کے بعد آپ اُحد کے قریب پہنچے اور ہفتہ کی صبح کو مورچہ بندی کا آغاز فرمایا۔جونہی مورچہ زن ہونے کا آغاز ہوا تو عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر اس احتجاج کے ساتھ واپس ہوئے کہ ہماری رائے کا احترام نہیں کیا گیا۔منافقین کے اس اقدام نے کفار کے حوصلے بڑھائے جبکہ مسلمانوں میں سراسیمگی پھیلی۔یہاں تک کہ بنوسلمہ اور بنوحارثہ کے لوگوں نے بھی واپس جانے کے لیے چہ میگوئیاں کیں۔ان آیات میں اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مسلمانو! وہ وقت یاد کرو۔جب اللہ کا رسول تمہاری صف بندی کر رہا تھا اور عین اس وقت

تم میں سے دو گروہوں نے کم ہمتی کا مظاہرہ کرنا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ثابت قدم رکھا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ محبت رکھتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکے۔ مومنوں کو چاہیے کہ حالات اچھے ہوں یا برے ہر حال میں اللہ پر بھروسہ کرتے رہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت میں ہماری کمزوری کی نشان دہی کی گئی ہے جس میں ہماری پستی کا پہلو نکلتا ہے لیکن باوجود اس کمزوری کے ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان اعزاز کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے ''وَلِيُّهُمَا'' کا ارشاد فرما کر ہمیں اپنی محبت اور دوستی کا اعزاز بخشا ہے۔

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ يَقُولُ فِينَا نَزَلَتْ {إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا} قَالَ نَحْنُ الطَّائِفَتَانِ بَنُو حَارِثَةَ وَبَنُو سَلِمَةَ وَمَا نُحِبُّ أَنَّهَا لَمْ تُنْزَلْ لِقَوْلِ اللّٰهِ {وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا}))

(رواہ البخاری: کتاب التفسیر، باب إذ همت طائفتان منكم ان تفشلا)

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ جب تم میں سے دو جماعتیں ہمت ہارنے کا سوچ چکی تھیں۔ کہتے ہیں ہم دو جماعتیں بنو حارثہ اور بنو سلمہ تھے ہمارے جذبات کے برعکس یہ آیت نازل ہوئی۔''

''تم کبھی یہ نہیں پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے۔ چاہے وہ ان کے باپ ہوں، یا ان کے بیٹے ہوں، یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان والے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان پختہ کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا فرما کر انہیں ایک طاقت عطا کر دی ہے۔ وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، یہ اللہ کی جماعت ہے، آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہونے والی ہے۔'' (المجادلہ: ۲۲)

مسائل

۱۔ مومنوں کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ ۲۔ جہاد میں بزدلی دکھانا اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں۔

۳۔ اللہ کی رحمت شامل حال ہو تو آدمی کی بگڑی حالت درست ہو جاتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کن کا دوست؟

۱۔ اللہ مومنوں کا دوست ہے۔ (آل عمران: ۶۸) ۲۔ اللہ متقین کا دوست ہے۔ (الجاثیۃ: ۱۹)

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو روشنی کی طرف لاتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۵۷) ۴۔ اللہ کے دوستوں کو کوئی خوف و غم نہیں ہوگا۔ (یونس: ۶۲)

۵۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے اللہ کا لشکر ہیں اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں۔ (المائدۃ: ۵۶)

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

اور البتہ تحقیق مدد کر چکا تمہاری اللہ بدر میں اور تم کمزور تو ڈرو اللہ تاکہ تم

تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ

شکر گزار ہو جب فرما رہے تھے آپ مومنوں کو کیا کافی نہیں تمہارے لیے یہ کہ وہ مدد کرے تمہاری تمہارا رب

بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا

تین ہزار سے فرشتے اتارے ہوئے کیوں نہیں اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو

وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ

اور تمہارے پاس آئیں سے فوراً وہ یہ مدد کرے گا تمہاری تمہارا رب پانچ ہزار (جمع) سے

الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ

فرشتے نشان زدہ اور نہیں بنایا اس کو اللہ مگر خوشخبری تمہارے لیے اور تاکہ مطمئن ہوں

قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ ۙ

تمہارے دل اس سے اور نہیں مدد سوائے سے اللہ کے پاس غالب حکمت والا

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

تاکہ کاٹ ڈالے ایک حصہ سے وہ لوگ انہوں نے کفر کیا یا انہیں ذلیل کرے تو وہ لوٹ جائیں نامراد

''یقیناً جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی حالانکہ تم نہایت کمزور تھے۔ پس اللہ ہی سے ڈرو تاکہ تم شکر یہ ادا کر سکو۔ (۱۲۳) جب تم مومنوں کو تسلی دے رہے تھے کہ کیا تمہارے لیے کافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد فرمائے؟ (۱۲۴) کیوں نہیں اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو۔ تو وہ تمہارے پاس فوراً پہنچ جائیں گے یہ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری مدد پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں کے ساتھ ہوگی۔ (۱۲۵) یہ تو محض تمہاری خوشی اور اطمینانِ قلب کے لیے ہے ورنہ مدد تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے جو غالب، حکمت والا ہے۔ (۱۲۶) تاکہ کافروں کی ایک جماعت کو کاٹ دے یا انہیں ذلیل کر ڈالے اور وہ نامراد ہو کر واپس چلے جائیں۔'' (۱۲۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُحد اور بدر کے حالات کا موازنہ کیا جا رہا ہے۔

اُحد کی شکست کے عوامل اور محرّکات پر تبصرہ کرنے سے پہلے بدر کی کامیابی، اس وقت کے حالات اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ کی شکل میں نصرت و حمایت کا تذکرہ اس لیے کیا جا رہا ہے تاکہ مسلمانوں کا غم ہلکا اور مورال بلند ہو سکے۔ اے مسلمانو! میدانِ بدر کی طرف دیکھو جب تم کمزور اور تعداد میں تھوڑے ہونے کی وجہ سے کفار کی نگاہوں میں حقیر اور کمزور سمجھے

جا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی تا کہ تم اللہ سے ڈر کر اپنی کمزوریوں کو دور کر کے اس کا شکریہ ادا کرتے رہو۔ واقعہ اس طرح ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ کفار ایک ہزار کا لشکر لے کر بدر کے میدان میں اترنے والے ہیں تو آپ مدینہ سے ۳۱۳ صحابہ کو لے کر تقریباً ۱۵۰ کلو میٹر کا سفر طے کرتے ہوئے بدر میں کفار کے مدمقابل ہوئے اور صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے ایک ہزار فرشتوں کی مدد کی خوشخبری سنائی جس کا ذکر سورۃ الانفال آیت: ۹ میں کیا گیا ہے۔ لیکن جنگ کا میدان گرم ہونے سے پہلے کفار نے افواہ پھیلائی کہ کرز بن جابر بھاری کمک کے ساتھ ہماری مدد کے لیے پہنچنے والا ہے۔ اس صورت حال میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ اے مومنو! کیا تم کافی نہیں سمجھتے کہ اللہ تمہاری مدد کے لیے تین ہزار مخصوص نشان والے فرشتے نازل کرے؟ اگر تم جرأت و حوصلہ اور تقویٰ میں آگے بڑھو گے تو فوری طور پر ملائکہ کی کمک کو پانچ ہزار کر دیا جائے گا۔ ملائکہ کی بھاری نفری اس لیے اتاری جا رہی ہے تا کہ تمہارے دل مطمئن اور تم خوش ہو جاؤ۔ جب کہ حقیقی مدد تو اللہ غالب حکمت والے کی ہی ہوا کرتی ہے۔ کفار کی تباہی کے لیے ایک فرشتہ ہی کافی تھا لیکن جنگ میں افرادی قوت مجاہدین کے لیے خوشی، تقویت اور حوصلے کا باعث ہوا کرتی ہے اس لیے فرشتوں کی تعداد کو بشارت کے طور پر بڑھا دیا گیا۔ اتنی بڑی حمایت کے باوجود اس بات کی وضاحت کی گئی کہ پانچ ہزار فرشتوں کی بجائے کائنات کے جن و بشر اور ملائکہ بھی تمہاری حمایت کے لیے آ جاتے تو وہ تمہیں فتح نہیں دلوا سکتے تھے کیونکہ نصرت و حمایت، فتح و شکست کی حقیقی طاقت کسی کے پاس نہیں ہر قسم کی قوت صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہی غالب حکمت والا ہے۔ بدر میں کفار کے ستر سرخیل زمین بوس ہوئے اور ستر کو گرفتار کیا گیا۔ یہ اس لیے ہوا تا کہ کفار کی کمر ٹوٹ جائے اور وہ دنیا کے سامنے ذلیل و خوار ہو جائیں اور نامراد ہو کر اپنے گھروں کو واپس جائیں۔

مسائل

۱۔ تقویٰ شکر گزاری کا سبب ہے۔ ۲۔ بدر میں اللہ تعالیٰ نے تین ہزار مخصوص ملائکہ کے ساتھ مسلمانوں کی مدد فرمائی۔
۳۔ اللہ تعالیٰ صابر اور متقی مجاہدین کی مدد میں اضافہ فرماتا ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کامیابی کی ضمانت اور دلوں کا سکون ہوتی ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی مدد نہیں کر سکتا وہ غالب اور حکمت والا ہے۔
۶۔ مسلمانوں کو اللہ کی مدد پہنچنے کے بعد کافر ہمیشہ ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ اپنے کمزور بندوں کی مدد کرتا ہے:

۱۔ بدر میں اللہ تعالیٰ نے کمزوروں کی مدد فرمائی۔ (آل عمران: ۱۲۳)
۲۔ غارِ ثور میں نبی ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مدد فرمائی۔ (التوبۃ: ۴۰)
۳۔ ابرہہ کے مقابلے میں بیت اللہ کا تحفظ فرمایا۔ (الفیل: مکمل) ۴۔ بنی اسرائیل کے کمزوروں کی مدد فرمائی۔ (القصص: ۵)

لَيْسَ	لَكَ	مِنَ	الْاَمْرِ	شَيْءٌ	اَوْ يَتُوْبَ	عَلَيْهِمْ
نہیں	آپ کیلئے	سے	اختیار	کچھ	یا توبہ قبول کرے	ان کی
اَوْ	يُعَذِّبَهُمْ	فَاِنَّهُمْ	ظٰلِمُوْنَ ﴿١٢٨﴾	وَلِلّٰهِ	مَا	فِي	السَّمٰوٰتِ
یا	انہیں عذاب دے	تو یقیناً وہ	ظالم (جمع)	اور اللہ کیلئے	جو	میں	آسمانوں
وَمَا	فِي	الْاَرْضِ	يَغْفِرُ	لِمَنْ	يَّشَآءُ	وَيُعَذِّبُ
اور جو	میں	زمین	وہ معاف کرتا ہے	جس کے لیے	وہ چاہے	اور عذاب دیتا ہے
مَنْ	يَّشَآءُ	وَاللّٰهُ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ﴿١٢٩﴾		
جسے	چاہتا ہے	اور اللہ	بخشنے والا	مہربان		

''اے پیغمبر! آپ کے اختیار میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے یا انہیں عذاب دے بلاشبہ وہ ظالم ہیں۔ (۱۲۸) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ وہ جسے چاہے بخش دے یا جسے چاہے عذاب دے اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔'' (۱۲۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح اللہ تعالیٰ کی نصرت کے بغیر کوئی کسی کی مدد نہیں کرسکتا۔ اسی طرح معاف کرنا یا کسی کو عذاب دینا بھی اللہ ہی کے اختیار میں ہے کیونکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کے سرکردہ جنگجو یہاں تک کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بڑی بیدردی کے ساتھ شہید کردیے گئے اور رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو بھی زخم آئے، دو دانت شہید ہوئے اور آپ بے ہوش ہو کر ایک گھاٹی میں گر گئے جونہی ہوش سنبھالا تو آپ کی زبانِ اطہر سے بے ساختہ الفاظ نکلے:

«كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوا نَبِيَّهُمْ وَكَسَرُوْا رُبَاعِيَتَهٗ وَهُوَ يَدْعُوْهُمْ إِلَى اللهِ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ {لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ}» (رواہ مسلم: کتاب الجهاد والسير، باب غزوة أحد)

''وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا سر پھوڑ ڈالا اور اس کا دانت شہید کردیا؟ حالانکہ وہ انہیں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی کہ میرے محبوب! آپ کو کسی چیز کا اختیار نہیں ہے۔''

«عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ مِنَ الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ مِنَ الْفَجْرِ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا وَفُلَانًا بَعْدَ مَايَقُوْلُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ فَأَنْزَلَ اللهُ {لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ} إِلٰى قَوْلِهٖ {فَإِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ} وَعَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ أَبِيْ سُفْيَانَ سَمِعْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَدْعُوْ عَلٰى صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ وَسُهَيْلِ بْنِ

عَمْرٍو وَالْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ فَنَزَلَتْ {لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ} إِلَى قَوْلِهِ {فَإِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ}»

(رواہ البخاری: کتاب المغازی، باب لیس لك من الأمر شیء)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جب آپ فجر کی دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے اور سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد دعا کر رہے تھے۔ اے اللہ! فلاں اور فلاں پر لعنت فرما۔ تب اللہ تعالیٰ نے {لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ...فَإِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ} آیت نازل فرمائی۔ حنظلہ بن ابی سفیان نے سالم بن عبداللہ کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام کے لیے بددعا کرتے تو {لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ...فَإِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ} آیت نازل ہوئی۔“

اس فرمان میں آپ کی اس بات کی طرف توجہ مبذول کروائی گئی ہے آپ کو دل شکستہ اور حوصلہ نہیں ہارنا چاہیے کیونکہ کسی کو معاف کرنا یا اسے عذاب دینا آپ کے اختیار میں نہیں یہ تو رب کبریا کے فیصلے ہیں جو اس کی حکمت کے مطابق صادر ہوتے ہیں۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اسی کی ملکیت ہے۔ وہ لامحدود اختیارات اور ہر چیز کی ملکیت رکھنے کے باوجود معاف کرنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے۔ آپ کو بددعا سے منع کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑے ہی عرصے بعد اُحد میں کفار کے لشکر کی کمان کرنے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والے خالد بن ولید، عمرو بن عاص، ابوسفیان بن حرب اور بڑے بڑے لوگ مسلمان ہوئے یہاں تک کہ پورے عرب میں لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

مسائل

۱۔ حقیقتاً کسی کو معاف کرنا یا عذاب دینا صرف اللہ کا اختیار ہے۔

۲۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی مختارِ کل ہے:

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی پر عذاب نازل کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔ (آلِ عمران: ۱۲۸)

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے لیے دُعا اور ان کی قبروں پر جانے سے روک دیا گیا۔ (التوبۃ: ۸۴)

۳۔ نبی مشرک کے لیے دعائے مغفرت کرنے کا مجاز نہیں۔ (التوبۃ: ۱۱۳)

۴۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا پابند نہیں۔ (التوبۃ: ۹۶) ۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔ (الجن: ۲۱)

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے۔ (القصص: ۵۶)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ

اے جولوگ وہ ایمان لائے نہ کھاؤتم سود دوگنا چوگنا اورڈروتم اللہ

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا

تا کہ تم فلاح پاؤ اورڈرو آگ وہ جو تیار کی گئی کافروں کے لیے اورحکم مانوتم

اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ

اللہ اوررسول تا کہ تم تم رحم کیے جاؤ اوردوڑو طرف بخشش سے

رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

تمہارارب اورجنت اس کی چوڑائی آسمان (جمع) اورزمین تیار کی گئی پرہیزگاروں کیلئے

”اے ایمان والو! دوگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تمہیں نجات ملے۔ (۱۳۰) اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (۱۳۱) اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (۱۳۲) اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔“ (۱۳۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سودخوری آدمی میں لالچ پیدا کرتی ہے۔ اُحد میں درّہ چھوڑنے کے پیچھے لالچ ہی کارفرما تھا۔

حرمتِ سود سے پہلے بعض صحابہ بھی اس کام میں ملوث تھے۔ جس کے منفی اثرات کا نتیجہ تھا کہ جونہی درّے پر مامور اصحاب نے مجاہدین کو مالِ غنیمت لوٹتے ہوئے دیکھا تو اپنے کمانڈر سے بے قابو ہو کر غنائم اکٹھا کرنے پر ٹوٹ پڑے۔ اس اخلاقی کمزوری کو دور کرنے کے لیے حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے سود کو چھوڑ دو تا کہ تم اپنے مقاصد میں کامیاب ہوسکو اور اس آگ سے ڈرو جو اللہ کے حکم کا انکار کرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ بغاوت اور انکار کی روش اختیار کرنے کی بجائے ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں لگے رہو تا کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی شفقت و مہربانی نازل کرتا رہے۔ دنیا کے مال کے پیچھے بھاگنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور جنت کے حصول کے لیے جلدی کرو۔ دنیا کا مال عارضی، اس کی سہولتیں ناپائیدار، یہاں کے بنگلے اور محلات مسمار اور دنیا کے باغ و بہار ویرانوں میں تبدیل ہونے والے ہیں جبکہ جنت کے باغات سدا بہار اور اس کی نعمتیں لامحدود اور ہمیشہ رہنے والی ہیں جو اللہ سے ڈرنے اور گناہوں سے بچنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہیں۔

قرآنِ مجید نے مسلمانوں کو صرف نیکی کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ نیکیوں میں آگے بڑھنے اور جنت کی طرف سبقت کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس معاشرے میں نیکی اور اہم مقصد کے لیے آگے بڑھنے کا جذبہ ختم ہو جائے وہ معاشرہ اور قوم بالآخر مُردگی کا شکار ہو جاتی ہے۔ زندہ اور بیدار قومیں اپنی منزل کے حصول کے لیے نئے جذبوں اور تازہ ولولوں کے ساتھ آگے بڑھنے کے

لیے مسلسل منصوبہ بندی کرتی ہیں۔ مسلمانوں کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کا حصول ہے اس لیے قرآن مجید نے مختلف مقامات پر ترغیب دی ہے کہ اس مقصد کے لیے آگے بڑھو اور بڑھتے ہی چلے جاؤ۔

«عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ إِنَّ فِی الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً یَسِیْرُ الرَّاكِبُ فِیْ ظِلِّهَا مِائَةَ سَنَةٍ وَاقْرَأُوْا إِنْ شِئْتُمْ {وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ}» (رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ گھوڑے پر سوار شخص اس کے سائے میں سو سال تک چل سکتا ہے۔ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو (اور سائے ہیں لمبے لمبے)۔“

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَیْسٍ رضی اللہ عنہ عَنْ أَبِیْهِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ إِنَّ لِلْمُؤْمِنِ فِی الْجَنَّةِ لَخَیْمَةً مِنْ لُؤْلُؤَةٍ وَاحِدَةٍ مُجَوَّفَةٍ طُوْلُهَا سِتُّوْنَ مِیْلًا لِلْمُؤْمِنِ فِیْهَا أَهْلُوْنَ یَطُوْفُ عَلَیْهِمُ الْمُؤْمِنُ فَلَا یَرٰی بَعْضُهُمْ بَعْضًا» (رواہ مسلم: باب فی صفۃ خیام الجنۃ...)

”حضرت عبداللہ بن قیس اپنے باپ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جنت میں مومن کے لیے موتی کا ایک ایسا خیمہ ہوگا جس کی لمبائی ساٹھ میل ہوگی وہاں مومن کے گھر والے ہوں گے جن کے پاس وہی جائے گا دوسرا کسی کو نہ دیکھ سکے گا۔“

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے سود خوری چھوڑ دینا چاہیے۔ ۲۔ اسی میں دنیا وآخرت کی کامیابی ہے۔

۳۔ اللہ کے نافرمان اور سود خوروں کے لیے جہنم کی آگ تیار کی گئی ہے۔

۴۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی شفقت ومہربانی ہوتی ہے۔

۵۔ اللہ کی بخشش اور اس کی جنت کے لیے جلدی کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اطاعتِ رسول ﷺ کے فائدے:

۱۔ اللہ کی شفقت حاصل ہوتی ہے۔ (آلِ عمران: ۱۳۲) ۲۔ اللہ کی محبت اور بخشش حاصل ہوتی ہے۔ (آلِ عمران: ۳۱)

۳۔ اطاعتِ رسول ﷺ سے اعمال ضائع ہونے سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ (محمد: ۳۳)

۴۔ دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ (الاحزاب: ۷۱)

۵۔ قیامت کے دن انبیاء، صدیقوں، شہداء اور صلحاء کا ساتھ نصیب ہوگا۔ (النساء: ۶۹)

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ

جولوگ خرچ کرتے ہیں میں خوشی اور تنگی اور پی جانے والے غصہ اور معاف کرنے والے

عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً

سے لوگ اور اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والے اور وہ لوگ جب وہ کریں کوئی بے حیائی

اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ

یا ظلم کریں اپنے آپ پر وہ یاد کریں اللہ پھر بخشش مانگیں اپنے گناہوں کیلئے اور کون

يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڟ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَهُمْ

بخشتا ہے گناہ (جمع) سوائے اللہ اور نہ وہ اصرار کریں پر جو انہوں نے کیا اور وہ

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ

جانتے ہیں یہی لوگ ان کی جزا بخشش سے ان کا رب اور باغات بہتی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

سے انکے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے اس میں اور کیسا اچھا بدلہ عمل کرنے والے

”جو لوگ کشادگی اور تنگی میں اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں سے محبت کرتا ہے۔ (۱۳۴) اور جب وہ کوئی بے حیائی کا کام یا اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور کون ہے اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کو بخشنے والا؟ اور وہ لوگ اپنے کیے ہوئے پر جان بوجھ کر نہیں اڑتے۔ (۱۳۵) ان کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ نیک کام کرنے والوں کا بہترین اجر ہے۔“ (۱۳۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سود اور جہنم سے بچنے کا حکم، جنت اور صدقہ کی ترغیب دینے کے بعد جنتیوں کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔

یہاں جنتیوں کے چھ اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے۔ ① یہ لوگ عسر ویسر میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ ② طیش اور غضب کی حالت میں اپنے آپ پر ضبط رکھتے ہیں۔ ③ ساتھیوں اور بھائیوں کے ساتھ معافی کا وطیرہ اختیار کرتے ہیں۔ ④ جب ان سے بُری حرکت یا گناہ کی صورت میں اپنے آپ پر زیادتی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے احسانات کا احساس، اس کے عذاب کا خوف اور اس کی ذاتِ کبریا کا تصور کرتے ہوئے اس کے حضور اپنے گناہوں اور خطاؤں کی معافی مانگتے ہیں۔ ⑤ اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں ⑥ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے

گناہوں پر اترانے اور اصرار کرنے پر تیار نہیں ہوتے کیونکہ گناہوں کے نتائج اور نقصانات کو وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں۔
نیک لوگ منصوبہ بندی کے ساتھ گناہ کا ارتکاب نہیں کرتے اور نہ ہی وہ شیطان کی طرح اپنی غلطی پر اصرار کرتے ہیں۔ وہ تو اپنی غلطی کا اعتراف اور اس پر استغفار کرتے ہیں۔ ان کا صلہ ان کے رب کے ہاں بخشش اور جنت ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ لوگ بہترین اجر پائیں گے۔

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَةِ إِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ)) (رواہ البخاری: کتاب الأدب، باب الحذر من الغضب)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی کو پچھاڑنے والا طاقتور نہیں ہے طاقتور تو وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔“

”نبی کریم ﷺ کے صحابی سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس دو آدمیوں کا جھگڑا ہوا۔ ان میں ایک آدمی اتنا غضبناک ہوا کہ اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا میں ایک کلمہ جانتا ہوں اگر وہ پڑھ لے تو اس کا سارا غصہ ختم ہو جائے۔ ایک آدمی نے اسے جا کر رسول اللہ ﷺ کی بات بتائی اور کہا کہ شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ اس نے جواباً کہا کیا مجھ میں کوئی بیماری نظر آ رہی ہے یا میں مجنون ہوں؟“ (اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ کا فرمان سن کر میں اپنے غصہ پر ضبط کرتا ہوں) (رواہ البخاری: کتاب الأدب)

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو اپنے رب کی بخشش اور جنت کے حصول کی کوشش کرنا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نیکو کار لوگوں سے محبت کرتا ہے۔
۳۔ جنت کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے جو گناہوں سے بچنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔
۴۔ ایمان دار لوگ آسانی اور تنگی میں خرچ کرنے والے، غصہ پر ضبط کرنے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہوتے ہیں۔
۵۔ ایمان والے اپنے آپ پر ظلم یا بے حیائی کا ارتکاب کر بیٹھیں تو اللہ کو یاد کرتے اور اس سے معافی مانگتے ہیں۔
۶۔ صاحب ایمان لوگ اپنی غلطی پر اصرار نہیں کرتے۔ ۷۔ اللہ کے بغیر کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں۔
۸۔ معافی مانگنے والوں کے لیے ان کے رب کی طرف سے بخشش اور جنت ہے۔

تفسیر بالقرآن

جنت کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے:

۱۔ اللہ کی مغفرت اور جنت کی کوشش کرو۔ (الحدید: ۲۱) ۲۔ نیکی کے حصول میں جلدی کرو۔ (البقرۃ: ۱۴۸)
۳۔ نیکیوں میں سبقت کرنے والے سب سے اعلیٰ ہوں گے۔ (فاطر: ۳۲)
۴۔ سبقت کرنے والے اللہ کے مقرب ہوں گے۔ (الواقعہ: ۱۰، ۱۱)

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ

تحقیق گزر چکے سے تم سے پہلے واقعات پس چلو میں زمین پھر دیکھو کیسا ہوا

عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

انجام جھٹلانے والے یہ بیان لوگوں کیلئے اور ہدایت اور نصیحت پرہیز گاروں کے لیے

”تم سے پہلے بھی ایسے واقعات گزر چکے ہیں سو زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ (۱۳۷) یہ بیان سب لوگوں کے لیے ہے مگر پرہیز گاروں کے لیے ہدایت و نصیحت ہے۔“ (۱۳۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اگر لوگ گناہوں سے بچنے، جنت میں داخل ہونے، اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس سے معافی مانگنے کے لیے تیار نہیں تو ظالم کو اپنی عارضی کامیابی پر اترانا نہیں چاہیے کیونکہ اس کا انجام بُرا ہی ہوا کرتا ہے۔ جس کے لیے انہیں پہلے لوگوں کے واقعات اور آثار کو دیکھنا چاہیے۔

اُحد کی عارضی فتح پر کفار نے بڑے گھمنڈ اور غرور کا مظاہرہ کیا۔ ابوسفیان نے نعرہ لگاتے ہوئے کہا ”ہبل زندہ باد“ پھر اس نے اُحد کے معرکہ کو بدر کا بدلہ قرار دیا جس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے قریبی ساتھیوں کو حکم دیا کہ اس کا فوری جواب دیا جائے۔ چنانچہ صحابہ نے جواباً نعرہ لگایا: (اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ) ”اللہ بلند و بالا اور عظمت والا ہے۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ احد بدر کا بدلہ نہیں ہوسکتا کیونکہ تمہارے مرنے والے جہنم کا ایندھن بنے اور ہمارے شہید جنت کے مہمان قرار پائے ہیں۔ (رواہ البخاری: کتاب المغازی، باب غزوۃ أحد) کیونکہ اہل مکہ کی یہ جزوی فتح تھی مکمل فتح نہیں تھی۔

اس پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن مجید ظالموں کو حکم دیتا ہے کہ اگر تم تاریخ کے اوراق سے بے بہرہ ہو تو ذرا ان جگہوں اور مقامات کو نگاہِ عبرت سے دیکھو جہاں ظالموں کو تباہ و برباد کیا ہے کہ پیغمبروں کو جھٹلانے، شریعت کو ٹھکرانے اور اللہ سے ٹکرانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ اے اہلِ مکہ! تمہارا انجام بھی ایسا ہی ہونے والا ہے۔ چنانچہ ٹھیک اگلے سال غزوۂ احزاب میں کافر ذلیل ہوئے۔ ۸ ہجری میں اہلِ مکہ اس طرح سرنگوں ہوئے کہ بیت اللہ میں سب کے سامنے رسولِ معظم ﷺ سے معافی کے خواستگار ہونا پڑا۔ اس کے بعد قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کے تخت الٹ گئے یہاں تک کہ ہندوستان کی سرزمین پر راجہ داہر جیسا ظالم محمد بن قاسم رحمہ اللہ کے ہاتھوں جہنم واصل ہوا۔ اس طرح کفار اور کذاب لوگوں کا عبرت انگیز انجام ہر جگہ دیکھا جاسکتا ہے۔ رہنمائی حاصل کرنے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے تاریخ کے اوراق ہمیشہ کے لیے رقم ہو چکے ہیں۔

مسائل

۱۔ جھوٹے لوگوں کا انجام دیکھنے کے لیے ان کی اجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھنا چاہیے۔

۲۔ یہ تاریخی واقعات گناہوں سے بچنے والوں کے لیے عبرت اور نصیحت ہیں۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

اور سست نہ پڑو | اور غم نہ کھاؤ | اور تم | غالب | اگر | تم ہو | ایمان والے

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ

اگر | تمہیں پہنچا | زخم | تو البتہ | پہنچا | قوم | زخم | اس جیسا

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

اور یہ | دن (جمع) | ہم بدلتے ہیں انکو | درمیان | لوگ (جمع) | اور تاکہ معلوم کرلے | اللہ | وہ لوگ

اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ ۙ

جو ایمان لائے | اور بنائے | تم سے | شہید (جمع) | اور اللہ | پسند نہیں کرتا | ظالم (جمع)

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

اور تاکہ الگ کردے | اللہ | وہ لوگ | جو ایمان لائے | اور مٹا دے | کافر (جمع)

”سستی نہ کرو اور نہ غم کھاؤ اگر تم ایماندار ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔ (۱۳۹) اگر تم زخمی ہوئے تو دوسرے لوگ بھی تو اسی طرح زخم کھا چکے ہیں ہم لوگوں کے درمیان دنوں کو بدلتے رہتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو نمایاں کردے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ (۱۴۰) اور اس طرح اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ممتاز کرلے اور کافروں کو مٹا دے۔“ (۱۴۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُحد کی ہزیمت کے بعد تسلی دینے کے ساتھ کامیابی کی مشروط ضمانت دی گئی ہے۔

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کے ستر (۷۰) زعماء شہید ہوئے۔ جن میں شیر دل اور بہادر جوان حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے جنہوں نے معرکۂ بدر میں سب سے زیادہ کفار کو نقصان پہنچایا تھا۔ انہیں احد میں خاص طور پر نشانہ بنایا گیا۔ ان کی شہادت کے بعد انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کفار نے ان کے جسدِ اطہر کا مثلہ کیا اور سینہ مبارک چیر کر کلیجہ چبانے کی کوشش کی گئی۔ اس بھاری جانی نقصان کے ساتھ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو شدید زخم آئے۔ یہ درّہ والوں کی کوتاہی کی وجہ سے آناً فاناً ہوا۔ اس شدید نقصان کے بارے میں مسلمان سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ خاص کر ایسے مجاہد جنہوں نے ایک سال پہلے بدر میں کفار کی کمر توڑ دی تھی۔ اس صورتِ حال پر انتہائی مغموم اور دل گرفتہ ہوئے۔ ان کی ڈھارس بندھانے اور ان کا حوصلہ بلند رکھنے کے لیے تسلی دی گئی ہے کہ غمزدہ ہونے اور کمزوری دکھانے کی ضرورت نہیں ہم لوگوں کے درمیان گردشِ ایام کرتے ہیں۔ مجاہد کا ہارنا، شہسوار کا گرنا، اقتدار کا چھننا، جوان کا بوڑھا ہونا، تندرست کا بیمار پڑنا، امیر کا غریب ہونا، غریبوں کو تونگر بنانا، کمزوروں کو طاقت بخشنا، اوقات کا تبدیل ہونا، ایام کا بدلنا اور قوموں کا عروج و زوال ہماری مشیّت و حکم کا مظہر ہے

تا کہ لوگوں کو اللہ کی قدرت وسطوت کا اعتراف ہوتا رہے۔ ہاں ہمیشہ تم ہی سر بلند رہو گے بشرطیکہ تم ایمان کے تقاضے پورے کرتے رہو۔ رہی بات تمہیں زخم پہنچنے کی تو اس سے بڑھ کر تم انہیں بدر کے میدان میں زخمی کر چکے ہو۔ وہ شدید زخمی ہونے، جانی و مالی نقصان اٹھانے کے باوجود ہمت نہیں ہارے بلکہ اس سے کئی گنا پُر جوش ہو کر تم پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ تمہارے پاس حوصلہ ہارنے اور غیر معمولی افسردہ ہونے کا کیا جواز ہے؟ یہ تو گردشِ ایام ہے جس کو لوگوں کے اعمال اور کردار کی وجہ سے ہم پھیرتے رہتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو ممتاز کر کے ان سے منافقوں کو الگ کر دے۔ تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کے درجے پر فائز فرمادے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کٹ مرنے والا اپنے خونِ جگر سے عملاً اللہ کے کلمہ کو بلند رکھنے کی گواہی دیتا ہے کون ہے۔ اس لیے اسے شہید کہا جاتا ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے مطابق مرنے کے بعد مومنوں کی ارواح مقامِ علّیین میں ہوتی ہیں لیکن شہداء کی ارواح اللہ تعالیٰ کے عرش معلّٰی کے نیچے ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے وہ قیامت سے پہلے ہی اپنے رب کے حضور حاضر ہوتے ہیں جس کی وجہ سے انہیں شہید کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر رہنے والے۔ مفسّرین نے اللہ تعالیٰ کا منافقوں کو جاننے کا معنیٰ ان کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا لیا ہے۔ عربی میں اس طرح کلام کرنے کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو کسی حال میں غمگین اور سُست نہیں ہونا چاہیے۔

۲۔ مسلمان اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں تو ہمیشہ سر بلند رہیں گے۔

۳۔ اُحد میں مسلمانوں کو زخم آئے ان کے مقابلہ میں کفار بدر میں زیادہ زخمی ہوئے تھے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان دن پھیرتے رہتے ہیں۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو مٹانا اور مومنوں کو ممتاز کرنا چاہتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کا حکم اور مومن سر بلند رہیں گے:

۱۔ اللہ کا حکم بلند رہے گا۔ (التوبۃ: ۴۰) ۲۔ مومن ہی ہر حال میں بلند رہیں گے۔ (آلِ عمران: ۱۳۹)

۳۔ مومن اللہ کا لشکر ہیں اور غالب رہیں گے۔ (المجادلہ: ۲۲) ۴۔ سستی نہ دکھاؤ، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے۔ (محمد: ۳۵)

گردشِ ایام:

۱۔ بدر میں مومنوں کو فتح ہوئی۔ (آلِ عمران: ۱۲۳) ۲۔ اُحد میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ (آلِ عمران: ۱۴۰)

۳۔ احزاب میں مسلمان فاتح ہوئے۔ (الاحزاب: ۲۵ تا ۲۷)

۴۔ مکہ میں فتح یاب ہوئے۔ (الفتح: ۱) ۵۔ حنین میں تکلیف دیکھنا پڑی۔ (التوبۃ: ۲۵)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

کیا | تم سمجھتے ہو | یہ کہ | تم داخل ہو جاؤ گے | جنت میں | اور ابھی نہیں | اللہ نے معلوم کیا | جو لوگ

جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٤٢﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ

انہوں نے جہاد کیا | تم سے | اور معلوم کیا | صبر کرنے والے | اور البتہ تحقیق | تم تھے | تمنا کرتے | موت

مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿١٤٣﴾ ع

سے | پہلے | یہ کہ | تم اس سے ملو | پس تحقیق | تم نے اسے دیکھ لیا | اور تم | دیکھتے ہو

''کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم جنت میں یوں ہی داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ اب تک اللہ نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں؟ (١٤٢) جنگ سے پہلے تم جس شہادت کی آرزو کرتے تھے اب تم نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔'' (١٤٣)

فہم القرآن

ربطِ کلام: آزمائش سے قوموں کے کردار میں پختگی پیدا ہوتی ہے اُحد کی عارضی شکست اسی سلسلہ کی کڑی سمجھنا چاہیے۔

دنیا کی یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ آدمی کا مقصد جتنا بلند اور اہم ہوتا ہے اتنی ہی وہ محنت اور اس کے لیے تکلیف اٹھاتا ہے۔ مومن کی زندگی کا مقصد دین کو سربلند کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنا ہے جس کا ماحصل جنت ہے۔ یہ مقصدِ عظیم خالی دعوؤں اور کھوکھلے نعروں سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے مال لٹانا، پیٹ پر پتھر باندھنا، گھر بار چھوڑنا، اولاد قربان کرنا اور جسم کٹوا کر صابر و شاکر رہنا پڑتا ہے تب جا کر اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کا حصول ممکن ہوا کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((حُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ)) ''کہ جنت مصائب اور مشکلات میں گھری ہوئی ہے۔'' (رواہ البخاری: کتاب الرقاق)

اب یہاں ایک لطیف سرزنش کے ساتھ مسلمانوں کو باور کروایا جا رہا ہے کہ تم خود ہی تو موت کی تمنا کر رہے تھے۔ یعنی جو لوگ کسی وجہ سے بدر کے معرکہ میں شامل نہ ہو سکے وہ تمنا کرتے تھے کہ کفار کے ساتھ پھر کب لڑائی ہو جس میں ہم اللہ کے راستے میں کٹ مریں۔ جب احد میں موت سے تمہارا آمنا سامنا ہوا اور کچھ لوگ موت کا لقمہ بنے تو تم اس پر حیرانگی کا اظہار کر رہے ہو کہ ہمیں یہ جانی نقصان کیوں اٹھانا پڑا؟ یہاں موت کی تمنا سے مراد شہادت ہے۔ جو مومن کی منزلِ مقصود اور جنت کے حصول کا مؤثر زینہ ہے کیونکہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ (رواہ البخاری: کتاب الجہاد)

مسائل

١۔ صبر اور جہاد کے بغیر کوئی ایماندار جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔

٢۔ قتال فی سبیل اللہ میں مجاہد موت کو اپنے قریب دیکھتا ہے۔

٣۔ صبر کی فضیلت کے بارے میں البقرۃ آیت ١٥٣ کی تفسیر بالقرآن دیکھیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ

اور نہیں | محمد (ﷺ) | مگر | ایک رسول | تحقیق | گزرے | ان سے پہلے | رسول (جمع)

اَفَا۠ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ

کیا پھر اگر | وہ وفات پا جائیں | یا | قتل کیے جائیں | تم پھر جاؤ گے | پر | تمہاری ایڑیاں | اور جو | پھر جائے

عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

پر | اپنی ایڑیوں | تو ہرگز نہ | بگاڑے گا | اللہ کا | کچھ بھی | اور جلد جزا دے گا | اللہ | شکر کرنے والے

”(حضرت) محمد ﷺ رسول ہیں ان سے پہلے رسول گزر چکے ہیں۔ کیا ان کو موت آجائے یا یہ شہید کر دیئے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ جو کوئی اپنی ایڑیوں پر پھر جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ عنقریب شکر گزاروں کو بدلہ دے گا۔“ (۱۴۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام : اُحد میں نبی محترم ﷺ کی شہادت کی خبر کی وجہ سے بعض صحابہ بددل ہوئے جس کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ شخصیات تو آنی جانی ہیں مشن تو ان کی دعوت ہے جسے جاری رہنا اور رکھنا چاہیے۔

جنگی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ میدانِ جنگ میں جونہی فوج کا سپہ سالار زخمی ہو کر گرا تو اس کے گرنے کے ساتھ ہی بڑے بڑے بہادروں اور جنگجوؤں کے قدم اُکھڑ گئے۔ سپہ سالار کا گرنا اور مرنا تو بڑی بات ہے فوج کا پرچم سرنگوں ہو جائے تو لڑنے والوں کے حوصلے پست ہو جایا کرتے ہیں۔ غزوۂ اُحد میں اسلامی فوج کا پرچم ہی سرنگوں نہیں ہوا بلکہ جلیل القدر صحابہ شہید ہوئے اور رسولِ کریم ﷺ کے بارے میں یہ آواز اٹھی کہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ ایسے موقع پر صحابۂ کرام ﷡ کے قدم اکھڑنا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ آپ ﷺ جرنیل ہی نہیں بلکہ جرنیلِ اعظم تھے۔ فاطمہ ﵂ کے باپ اور حسن و حسین ﵄ کے نانا ہی نہیں پوری امت کے روحانی باپ تھے۔ بیواؤں کے سرپرست، یتیموں کے ملجا اور مسکینوں کے ماویٰ تھے۔ آپ صحابہ کی عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز' ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور تھے۔ اگر صحابہ اس خبر پر دل برداشتہ اور غمزدہ نہ ہوتے تو اس سے بڑھ کر دنیا میں کس کے لیے پریشان ہوا جاتا؟ اللہ کے راستے میں جہاد آپ کی زندگی کا مقصود تھا اگر آپ کے بعد اسلام کا پرچم سرنگوں ہو جائے تو نہ صرف دنیا میں آپ کی محنت ضائع ہو جاتی بلکہ اتنی بڑی جماعت بنانے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ اس طرح ایک نہیں دو نا قابلِ تلافی نقصان ہوتے۔ اس نقصان سے بچانے اور دین کی اہمیت بتلانے کے اس خطاب کا آغاز ہی یہاں سے کیا گیا ہے کہ محمد ﷺ اللہ نہیں ہیں بلکہ اس کے رسول ہیں۔ اللہ تو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ محمد ﷺ انسان ہیں اور ہر ذی روح نے اس دنیا سے کوچ کرنا ہے۔ رسول کا معنیٰ ہی قاصد اور پیغام دینے والا ہے۔ جس ہستی نے آپ کو اپنے کام اور پیغام کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ وہ جب چاہے جس حال میں چاہے آپ کو واپس بلا سکتی ہے۔ آپ سے پہلے رسول گزر چکے جن میں کچھ طبعی موت فوت ہوئے اور کچھ شہادت کے منصب پر فائز ہوئے۔ کیا آپ کو طبعی موت یا

شہادت نصیب ہو جائے تو تم اسلام اور جہاد سے منہ موڑ جاؤ گے؟ یاد رکھو! جو بھی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس خطاب کا مقصد یہ ہے کہ شخصیات کتنی ہی گراں قدر اور اہم کیوں نہ ہوں اصل تو ان کا مشن ہوتا ہے۔ ذمہ دار اور زندہ قومیں اپنے قائد کے صحیح نظریات' اس کا مشن اور ان کے صحت مند کارناموں کو ہمیشہ آگے بڑھاتی ہیں۔ تم میں جو دنیا کے لیے کوشش کرے گا اسے دنیا مل جائے گی اور جو آخرت کے لیے کوشاں ہوگا اسے آخرت میں جزا ملے گی۔ اسی فلسفہ کی ترجمانی کرتے ہوئے ٹھیک ساڑھے سات سال بعد آپ کی وفات کے وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

(مَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ يَعۡبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدۡ مَاتَ وَمَنۡ كَانَ يَعۡبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَّا يَمُوۡتُ)

(رواه البخاري: كتاب الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت إذا أدرج في أكفانه)

''جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا حضرت محمد ﷺ اپنی طبعی موت فوت ہو چکے ہیں اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے وہ کبھی فوت نہیں ہوگا۔''

امام رازی رحمہ اللہ اپنی تفسیر کبیر میں ان الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''أَفَإِنۡ مَاتَ'' سے واضح ہو رہا ہے کہ آپ کو طبعی موت آئے گی اور اس کے ساتھ ہی حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ کسی رسول کو آج تک میدان کارزار میں قتل نہیں کیا گیا۔

آیت کے آخر میں ''شَاكِرِيۡنَ'' کا لفظ اس لیے بھی لایا گیا ہے تاکہ واضح ہو کہ اللہ کے حقیقی شکر گزار بندے وہی ہوتے ہیں جو غم اور خوشی اور نفع ونقصان میں اللہ کے دین پر کاربند رہتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اس فرمان سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ وہ سب سے زیادہ شاکر رہنے والے تھے۔ (معارف القرآن)

مسائل

۱۔ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔

۲۔ آپ ﷺ سے پہلے آنے والے رسول دنیا سے جا چکے اور آپ بھی فوت ہوں گے۔

۳۔ جو شخص اسلام سے پھر جائے وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ شکر گزار بندوں کو جزا دینے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نبی ﷺ اور ہر کسی نے فوت ہونا ہے:

۱۔ رسول اللہ ﷺ فوت ہوں گے اور آپ کے مخالف بھی۔ (الزمر: ۳۰)

۲۔ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ (آلِ عمران: ۱۸۵)

۳۔ کسی بشر کو دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا۔ (الانبیاء: ۳۴) ۴۔ رب ذوالجلال کے سوا سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ (الرحمن: ۲۶)

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا

اور نہیں ہے کسی نفس کیلئے یہ کہ وہ مرے مگر حکم سے اللہ لکھا ہوا

مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ

مقررہ وقت اور جو چاہے گا بدلہ دنیا ہم دیں گے اسکو اس سے اور جو چاہے گا

ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِی الشّٰكِرِيْنَ ۝١٤٥

بدلہ آخرت ہم دیں گے اسکو اس سے اور ہم بہت جلد جزا دیں گے شکر کرنے والے

''اللہ کے حکم کے سوا کوئی جاندار نہیں مر سکتا ہر کسی کا وقت لکھا ہوا ہے۔ دنیا چاہنے والے کو ہم دنیا دیتے ہیں اور آخرت کا ثواب چاہنے والے کو ہم آخرت کا ثواب دیں گے اور شکر گزاروں کو ہم بہت جلد بدلہ دیں گے۔'' (۱۴۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: رسول اللہ ﷺ کی موت کا اشارہ دے کر ہر کسی کو بتلایا ہے کہ موت سے ڈرنا اور موت کی وجہ سے جہاد سے پیچھے ہٹنا گناہ ہے۔

موت ایسی حقیقت ہے کہ اس سے کوئی شخص محفوظ نہیں۔ موت کا وقت اور اس کی جگہ کا تعین کر دیا گیا ہے۔ کوئی ذی روح اس ضابطے سے بچ نہیں سکتا۔ جب موت یقینی' اس کا وقت مقرر اور اس کی جگہ متعین کر دی گئی ہے تو اس سے ڈرنے کا کیا مطلب؟ اسلام نے موت کا تصور اس انداز میں پیش کیا ہے کہ جس سے انسان میں بیک وقت شجاعت اور احساسِ ذمہ داری پیدا ہوتا ہے لہٰذا ہر انسان جان لے کہ اس نے مر کر ملیا میٹ نہیں ہونا بلکہ اپنے ایک ایک عمل کا اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دینا ہے۔ موت پر یقین محکم ہو تو آدمی گھمسان کے رن میں اتر کر بھی خوف زدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کی موت کا دن اور جگہ متعین ہے۔ اسی جذبہ کے پیشِ نظر مجاہد تلوار کی دھار، نیزے کی نوک کے سامنے اور توپ کے برستے ہوئے گولوں میں مسکرایا کرتا ہے۔ موت کو سامنے آتے ہوئے دیکھ کر کترانے کی بجائے اس سے نبرد آزما ہونے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اسے یقین کامل ہے کہ موت ہر وقت اور ہر جگہ نہیں آسکتی۔

«عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ ؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهٗ قَالَ مِنْ خَيْرِ مَعَاشِ النَّاسِ لَهُمْ رَجُلٌ مُمْسِكٌ عِنَانَ فَرَسِهٖ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَطِيْرُ عَلٰى مَتْنِهٖ كُلَّمَا سَمِعَ هَيْعَةً أَوْ فَزْعَةً طَارَ عَلَيْهِ يَبْتَغِی الْمَوْتَ وَالْقَتْلَ مَظَانَّهٗ أَوْ رَجُلٌ فِیْ غُنَيْمَةٍ فِیْ رَأْسِ شَعَفَةٍ مِنْ هٰذِهِ الشَّعَفِ أَوْ بَطْنِ وَادٍ مِنْ هٰذِهِ الْأَوْدِيَةِ يُقِيْمُ الصَّلَاةَ وَيُؤْتِی الزَّكٰوةَ وَيَعْبُدُ رَبَّهٗ حَتّٰى يَأْتِيَهُ الْيَقِيْنُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ إِلَّا فِیْ خَيْرٍ»

(رواہ مسلم: کتاب الأمارۃ، باب فضل الجھاد والرباط)

''حضرت ابوہریرہ ؓ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا سب لوگوں سے بہتر زندگی اس آدمی کی ہے جو جہاد میں اپنے گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے اس کی پیٹھ پر دوڑتا پھرتا ہے جب بھی کوئی شور یا ہنگامہ سنتا ہے تو

وہ اس پر اڑتا ہوا پہنچتا ہے موت اور قتل کی جگہوں کو تلاش کرتا ہے یا وہ آدمی سب سے بہتر زندگی والا ہے جو پہاڑ کی چوٹیوں میں کسی چوٹی یا وادیوں میں سے کسی وادی میں اپنی بکریوں کے ساتھ رہتا ہے۔ وہاں نماز پڑھتا، زکوٰۃ ادا کرتا اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت کرتا رہتا ہے وہ لوگوں میں بہترین آدمی ہے۔''

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے چچا غزوہ بدر میں حاضر نہیں ہو سکے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی جنگ میں غیر حاضر تھا اگر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جنگ میں شرکت کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ میں کیسی بہادری کے ساتھ لڑتا ہوں۔ غزوۂ احد کے موقع پر جب مسلمانوں کی جماعت میں افراتفری پھیلی تو انہوں نے کہا: اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں اس معاملہ میں معذرت کرتا ہوں جو مسلمانوں نے کیا اور میں مشرکین کے مسلمانوں پر غلبہ پانے سے تیرے حضور برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ پھر اپنی تلوار لے کر آگے بڑھے تو سعد بن معاذ کو ملے۔ کہنے لگے اے سعد! کہاں جا رہے ہو؟ میں تو اُحد کی دوسری طرف جنت کی خوشبو پا رہا ہوں۔ پھر وہ آگے بڑھے اور شہید ہو گئے۔ پہچانے نہ گئے یہاں تک کہ میں نے ان کی انگلیوں کے پوروں سے ان کی لاش کو پہچانا۔ ان کے جسم پر نیزہ، تیر اور تلوار کے ۸۰ سے اوپر زخم آئے تھے۔'' (رواہ البخاری: کتاب المغازی، باب غزوۃ أحد)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت مدینے کے نوجوانوں کو خطاب کرتے ہوئے یہی بیان کیا تھا کہ آج تم موت سے ڈرتے اور کتراتے ہو میری طرف دیکھو کہ میرے جسم پر درجنوں نشانات ہیں اور میں ہمیشہ میدانِ جنگ میں ہراول دستہ کے طور پر لڑتا رہا ہوں لیکن افسوس! مجھے شہادت نصیب نہیں ہوئی۔ یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھیں نمناک ہو گئیں اور ہونٹ کانپنے لگے۔ تب ایک بزرگ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ کو رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے "سَيْفٌ مِنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ" کا خطاب دیا تھا اگر یہ تلوار کفار کے ہاتھوں ٹوٹ جاتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر آنچ اور اسلام کے لیے آپ کی موت طعنہ بن جاتی۔ کفار کہتے کہ ہم نے اللہ کی تلوار توڑ دی ہے۔ (سیرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ)

مسائل

۱۔ کوئی ذی روح اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر نہیں مرتا۔ ۲۔ ہر کسی کے لیے موت کا دن اور جگہ مقرر ہے۔

۳۔ دنیا چاہنے والے کو دنیا اور آخرت چاہنے والے کو اللہ تعالیٰ آخرت کا اجر دیں گے۔

تفسیر بالقرآن

دنیا اور آخرت کے طلب گار میں فرق:

۱۔ دنیا دار صرف دنیا طلب کرتے ہیں۔ (البقرۃ: ۲۰۰) ۲۔ نیکوکار دنیا و آخرت کی اچھائی چاہتے ہیں۔ (البقرۃ: ۲۰۱)

۳۔ دنیا چاہنے والوں کو دنیا اور آخرت چاہنے والوں کو آخرت ملتی ہے۔ (آلِ عمران: ۱۴۵)

۴۔ دنیا کی زیب و زینت عارضی اور آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے۔ (الکھف: ۴۶)

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا
اور کتنے ہی | سے | نبی | لڑے | اس کے ساتھ | اللہ والے | بہت | پس نہ سست پڑے وہ

لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ
بسبب جو | انہیں پہنچا | میں | اللہ کی راہ | اور نہ انہوں نے کمزوری دکھائی | اور نہ دبے | اور اللہ

يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا
محبت کرتا | صبر کرنیوالے | اور نہ | تھا | ان کا کہنا | مگر | یہ کہ | انہوں نے کہا

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ
اے ہمارے رب | بخش دے ہم کو | ہمارے گناہ | اور ہماری زیادتی | میں | ہمارے کام | اور ثابت رکھ

اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ
ہمارے قدم | اور ہماری مدد فرما | پر | قوم | کافر (جمع) | تو انہیں دیا | اللہ | انعام

الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع
دنیا | اور اچھا | انعام | آخرت | اور اللہ | محبت کرتا ہے | احسان کرنے والے

”بہت سے نبیوں کے ساتھ بہت سے اللہ والے جہاد کر چکے ہیں۔ انہیں اللہ کی راہ میں تکلیفیں پہنچیں لیکن نہ انہوں نے ہمت ہاری اور نہ کمزوری دکھائی اور نہ ہی دبے اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (۱۴۶) ان کی یہ آرزو تھی کہ پروردگار! ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم سے ہمارے کام میں جو زیادتی ہوئی ہے اسے معاف فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافر قوم پر ہماری مدد فرما۔ (۱۴۷) اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں اجر دیا اور آخرت کا صلہ اس سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“ (۱۴۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مسلمانوں کو اُحد میں پہنچنے والی تکلیف پر تبصرہ جاری ہے جس میں تلقین کی جارہی ہے کہ حوصلہ ہارنے کی بجائے اپنے سے پہلے اللہ والوں کی تابناک تاریخ پر نظر رکھو۔ مصائب ومشکلات کے باوجود وہ اللہ کی راہ میں کس طرح ڈٹے رہے۔

اے اسلام کے مجاہدو، بدر کے غازیو اور محمد عربی ﷺ کے ساتھیو! کیا تم ایک ہی معرکہ میں عارضی شکست کھانے کے بعد کم ہمتی اور دل چھوٹے کر بیٹھے ہو۔ ذرا تاریخ کے دریچوں میں جھانک کر دیکھو کہ کتنے ہی نبی اور ان کے ساتھ رب والے ”اللہ“ کے راستے میں جان توڑ کر لڑے۔ ان کے بچے یتیم ہوئے، عورتیں بیوہ ہوئیں، گھر بار لٹ گئے، انہیں زخم پر زخم اور صدمہ پر صدمے برداشت کرنے پڑے۔ وہ آگ کے انگاروں میں جھونکے گئے، ان کی چمڑیاں ادھیڑ دی گئیں، ان پر مصیبتوں اور پریشانیوں کی آندھیاں چلیں، مصائب کے پہاڑ ٹوٹے، صدموں اور زخموں سے چور چور ہوئے لیکن اس کے باوجود وہ پوری

استقامت کے ساتھ بہادروں اور جوانمردوں کی طرح میدانِ کارزار میں سینہ سپر رہے۔ وہ دشمن کے مقابلے میں نہ بزدل ہوئے اور نہ ہی کم ہمت ثابت ہو۔

{ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ﴿۲۱۴﴾ } (البقرۃ:۲۱۴)

''تم سمجھتے ہو کہ جنت میں یوں ہی داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تم پر ان لوگوں جیسی حالت نہیں آئی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ وہ سختیوں اور بدحالیوں سے دوچار ہوئے اور انہیں جھنجھوڑ دیا گیا یہاں تک کہ رسول اور جو لوگ ان پر ایمان لائے تھے پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سنو! اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔''

یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ دین پر مستقل مزاج رہنے اور پریشانیوں میں صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ کے بندے اپنی محنتوں اور قربانیوں پر اترانے کی بجائے نہایت ہی عاجزی اور سرافگندگی کے ساتھ اپنے رب کے حضور اپنی کوتاہیوں، لغزشوں اور اطاعت و جہاد میں کمی وبیشی کی معافی طلب کرتے ہوئے کفار کے مقابلہ میں استقامت اور اللہ تعالیٰ سے نصرت وحمایت طلب کیا کرتے تھے۔ جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں عزت وعظمت عطا فرمائی اور دین کی خدمت کی توفیق بخشی۔ یہی لوگ آخرت میں بے پناہ اجر وثواب کے مستحق ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

یہاں ''فِیْۤ اَمْرِنَا'' (ہمارا کام) کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ والے دین کی خدمت اور جہاد فی سبیل اللہ کو کسی پر احسان کے طور پر نہیں بلکہ اپنا فرض سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔

مسائل

۱۔ بہت سے انبیاء کے ساتھ کثیر تعداد میں نیک لوگ جہاد کرتے رہے۔
۲۔ انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ میں نہ ہمت ہاری اور نہ دب کر رہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ حوصلہ مند لوگوں کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ ۴۔ اللہ کے بندے اللہ تعالیٰ سے ثابت قدمی کے لیے دعا کرتے ہیں۔
۵۔ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اجر عطا فرماتا ہے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء علیہم السلام اور ان کے مجاہد ساتھی:

۱۔ عیسیٰ علیہ السلام اور حواریوں کی جانثاری۔ (الصّف:۱۴) ۲۔ جالوت وطالوت کا معرکہ۔ (البقرۃ:۲۴۹)
۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا جہاد۔ (الفتح:۲۹) ۴۔ مجاہدین ہی بلند وبالا ہوں گے۔ (النساء:۹۵)

يَاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْٓا	اِنْ	تُطِيْعُوا	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	يَرُدُّوْكُمْ
اے	جولوگ	وہ ایمان لائے	اگر	تم کہا مانو گے	وہ لوگ	انہوں نے کفر کیا	وہ تمہیں پھیر دیں گے
عَلٰٓى	اَعْقَابِكُمْ	فَتَنْقَلِبُوْا	خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾	بَلِ	اللّٰهُ	مَوْلٰىكُمْ ج	
پر	تمہاری ایڑیاں	پھر تم پلٹ جاؤ گے	گھاٹا پانے والے	بلکہ	اللہ	تمہارا مددگار	
وَهُوَ	خَيْرُ	النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾	سَنُلْقِىْ	فِىْ	قُلُوْبِ	الَّذِيْنَ	
اور وہ	بہتر	مددگار (جمع)	عنقریب ہم ڈال دینگے	میں	دل (جمع)	وہ لوگ	
كَفَرُوا	الرُّعْبَ	بِمَآ	اَشْرَكُوْا	بِاللّٰهِ	مَا	لَمْ يُنَزِّلْ	
انہوں نے کفر کیا	رعب	اس لیے کہ	انہوں نے شریک کیا	اللہ کے ساتھ	جو	نہیں اتاری	
بِهٖ	سُلْطٰنًا ج	وَمَاْوٰىهُمُ	النَّارُ ط	وَبِئْسَ	مَثْوَى	الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾	
اس کی	کوئی دلیل	اور ان کا ٹھکانہ	آگ	اور برا	ٹھکانہ	ظالم (جمع)	

''اے صاحبِ ایمان لوگو! اگر تم کافروں کی بات مانو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل پھیر دیں گے پھر تم نقصان پانے والے ہو جاؤ گے۔ (۱۴۹) صرف اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہی بہترین مددگار ہے۔ (۱۵۰) ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے اس وجہ سے کہ وہ اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک کرتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو ظالموں کے لیے بری جگہ ہے۔'' (۱۵۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جب تمہارے دشمن مکہ اور اُحد میں تمہیں عظیم نقصان پہنچا چکے اور وہ تمہیں کافر بنانے کے درپے ہیں تو ان سے خیر کی توقع کا کیا معنیٰ؟ مسلمانو! تمہارا مولیٰ اور خیر خواہ صرف اللہ تعالیٰ ہے بس اس پر بھروسہ رکھو۔

سورۃ آل عمران کی آیت ۱۰۰ میں مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ اگر تم کفار اور منافقین کے پیچھے چلو گے تو وہ تمہیں کافر بنا کر چھوڑیں گے۔ اب دوبارہ تاکید کی جا رہی ہے کہ اے مومنو! تم کافروں کے پیچھے لگو گے تو وہ تمہیں یکسر الٹے پاؤں پھیر دیں گے جس سے تمہیں دنیا اور آخرت میں نقصان اٹھانا پڑے گا۔ یاد رکھو! صرف اللہ ہی تمہاری مدد کرنے والا ہے عنقریب وہ کفار کے دلوں میں تمہارا رعب اور دبدبہ ڈال دے گا کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ جس کی اللہ تعالیٰ نے کسی صورت بھی اجازت نہیں دی۔ ان کا ٹھکانہ دہکتی ہوئی آگ ہے جو ظالموں کے لیے بدترین ٹھکانہ ہوگا۔

غزوۂ اُحد کی ہزیمت کے بعد منافقوں کی سرگرمیاں اس قدر تیز ہوئیں کہ وہ مسلمانوں کے گھروں میں جا جا کر پروپیگنڈہ کرتے کہ اگر یہ رسول سچا ہوتا تو اللہ اس کی نصرت وحمایت ضرور کرتا اور تمہیں اس طرح اپنی قیمتی جانوں سے محروم نہ ہونا پڑتا۔

تم اپنی خیر اور تحفظ چاہتے ہو تو ہمارے ساتھ مل جاؤ تا کہ ہم اپنے رئیس عبداللہ بن اُبی کے ذریعے اہلِ مکہ سے تمہیں حفظ وامان کی گارنٹی لے دیں۔ یہاں کمزور مسلمانوں کو ارتداد اور منافقت سے بچانے کے لیے ایک دفعہ پھر حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم منافقوں کے پیچھے چلو گے تو یقیناً وہ تمہیں مرتد کر دیں گے۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی تمہارا خیر خواہ اور مددگار نہیں ہو سکتا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ کفار پر تمہارا رعب اور دبدبہ ڈال دے گا۔ چنانچہ اُحد کے دورانیہ میں دو دفعہ کفار پر ایسا رعب پڑا کہ وہ خود بخود پسپا ہوئے اور اس پسپائی پر ہمیشہ شرمندہ رہے۔ ایک اس وقت جب درّے کے راستہ مسلمانوں پر ان کے عقب سے انہوں نے حملہ کیا اور جونہی مسلمان اکٹھے ہوئے تو انہوں نے بھاگنے میں اپنی عافیت سمجھی۔ دوسری دفعہ جب مدینے سے کچھ میل دور جا کر مسلمانوں پر حملے کی منصوبہ بندی کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ ہمارے ساتھ کفار کا مقابلہ کرنے کے لیے وہی لوگ نکلیں جو اُحد کے غزوہ میں شریک تھے۔ کچھ تازہ دم لوگوں نے بھی نکلنا چاہا لیکن آپ نے ایک آدمی کے سوا کسی کو اجازت نہیں دی (الرحیق المختوم) جب آپ تھکے ماندے اور انتہائی زخمی مجاہدوں کے ساتھ نکلے تو کافروں نے صورتِ حال جان کر مکے کی راہ لی۔ اس طرح دوسری مرتبہ کفار پر مسلمانوں کا دبدبہ طاری ہوا۔

«نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ» (رواہ البخاری: کتاب التیمم)

”اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا رعب عطا کر دیا ہے کہ میرا دشمن ایک مہینے کی مسافت پر بیٹھا ہوا بھی کانپتا رہے گا۔“

اسی رعب کا نتیجہ تھا کہ جب آپ نے مکہ پر یلغار کی تو مکہ والوں نے مقابلہ کرنے کی بجائی آپ سے معافی مانگ کر جان بچائی۔ اس کے بعد حنین والے پسپا ہوئے اور آخر میں سلطنتِ روم کے حکمران جو اس وقت دنیا کی واحد سپر پاور تھی تبوک کے مقام پر آپ کا سامنا کرنے کی تاب نہ لا سکے۔

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو کفار کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے۔ ۲۔ کافر مسلمانوں کو مرتد بنا کر دنیا و آخرت کے نقصان میں ڈالنا چاہتے ہیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا مالک اور بہترین مدد کرنے والا ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کفار کے دل میں مسلمانوں کا رعب ڈالتا ہے۔
۵۔ کافروں کے پاس اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ ۶۔ کفار کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر بالقرآن

شرک بے بنیاد نظریہ ہے:

۱۔ شرکیہ عقیدے کی کوئی دلیل نہیں۔ (المومنون: ۱۱۷) ۲۔ شرک سے آدمی ذلیل ہو جاتا ہے۔ (الحج: ۳۱)
۳۔ بتوں کے الٰہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ (النجم: ۲۳) ۴۔ مشرک پر جنت حرام ہے۔ (المائدۃ: ۷۲)
۵۔ مشرک کو اللہ تعالیٰ کسی صورت معاف نہیں کرے گا۔ (النساء: ۴۸) ۶۔ شرک کرنے والا دردر کی ٹھوکریں کھاتا ہے۔ (الحج: ۳۱)
۷۔ شرک کرنے والے کے تمام اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے۔ (الانعام: ۸۸)

وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى

اور البتہ تحقیق | سچا کر دیا تم سے | اللہ | اپنا وعدہ | جب تم قتل کرنے لگے انہیں | اسکے حکم سے | یہاں تک کہ

اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَ عَصَيْتُمْ مِّنْۢ

جب | تم نے بزدلی کی | اور جھگڑا کیا تم نے | میں | کام | اور تم نے نافرمانی کی | سے

بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ

بعد | جو | اس نے تمہیں دکھایا | جو | تم چاہتے تھے | تم سے | جو | چاہتا تھا

الدُّنْيَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ

دنیا | اور | تم سے | جو | چاہتا تھا | آخرت | پھر | اس نے پھیر دیا تمہیں

عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ

ان سے | تاکہ تمہیں آزمائے | اور | البتہ تحقیق | معاف کیا | تم سے | اور | اللہ

ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۵۲

فضل کرنے والا | پر | مومن (جمع)

”اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جب تم اس کے حکم سے کافروں کو قتل کر رہے تھے یہاں تک جب تم نے پست ہمتی اختیار کی اور کام میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کی اس کے بعد اس نے تمہاری پسند کی چیز تمہیں دکھا دی تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض آخرت۔ پھر اس نے تمہیں ان سے پھیر دیا تاکہ تم کو آزمائے اور یقیناً اس نے تمہاری لغزش سے درگزر فرمایا اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔“ (۱۵۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُحد کے واقعات پر تبصرہ جاری ہے اور جنگ کے دوران ہونے والے افتراق کی نشاندہی کی گئی ہے تاکہ آئندہ اس سے بچا جا سکے۔ مجاہدین کی صفوں میں اختلافات ہوں تو وہ دشمن کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

غزوۂ اُحد کے دن رسول اللہ ﷺ نے خواب بیان فرمایا کہ میں نے رات کو اپنے گرد و پیش بہت سی گائیں ذبح ہوتی دیکھی ہیں۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ میری تلوار کو دندانے پڑ گئے ہیں۔ میں پھر دیکھتا ہوں کہ میں نے اپنے ہاتھ میں ایک مضبوط کڑا پکڑا ہوا ہے جس کی آپ نے یہ تعبیر فرمائی کہ پہلے ہمیں فتح ہو گی اس کے بعد نقصان اٹھانا پڑے گا اور بعد ازاں ہم محفوظ ہو جائیں گے۔ (رواہ البخاری: کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الإسلام)

اُحد کی عارضی شکست پر منافقین نے ہرزہ سرائی کی چونکہ یہ رسول اپنے دعوائے رسالت میں سچا نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ

نے ان کی مدد کا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت وحمایت کا وعدہ کیا ہوتا تو وہ ضرور پورا کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی تردید کرتے ہوئے مسلمانوں سے فرمایا کہ میرا وعدہ اس وقت پورا ہو گیا تھا۔ جب تم میرے حکم سے کفار کو قتل کر رہے تھے پھر تم نے آپس میں اختلاف کیا اور مالِ غنیمت کو دیکھ کر اپنے رسول کی نافرمانی کی۔ کچھ تم میں دنیا اکٹھی کر رہے تھے جبکہ دوسرے آخرت کے طلبگار تھے۔ یہ درّہ پر مقرر کردہ کی طرف اشارہ ہے کہ جن پچاس آدمیوں میں سے دس نے اپنے یونٹ کے سردار کے ساتھ جان دے دی لیکن درّہ نہیں چھوڑا۔ جب کہ دوسرے مالِ غنیمت سمیٹنے میں لگ گئے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو تعینات کرتے ہوئے فرمایا تھا:

«إِنْ رَأَيْتُمُونَا تَخْطَفُنَا الطَّيْرُ فَلَا تَبْرَحُوا مَكَانَكُمْ» (رواہ البخاری: کتاب الجهاد)

”اگر پرندوں کو ہماری بوٹیاں نوچتے ہوئے دیکھو تو پھر بھی تم نے درّہ کو نہیں چھوڑنا۔“

پہلے مرحلہ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور وہ مالِ غنیمت اکٹھا کرنے لگے تو درّہ پر مامور لوگ ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ ہمیں بھی شریک ہونا چاہیے ورنہ ہم مالِ غنیمت سے محروم رہ جائیں گے۔ دستے کے سالار حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ رسولِ معظم ﷺ نے ہمیں یہیں جمے رہنے کا حکم دیا ہے لیکن دس آدمیوں کے سوا باقی سب درّہ چھوڑ کر مالِ غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے۔ درّہ خالی دیکھ کر خالد بن ولید کی سربراہی میں کفار نے حملہ کیا اور درّے والوں کو شہید کرتے ہوئے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے جس سے حواس باختہ ہو کر مسلمان ادھر ادھر پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کفار سے بچا لیا تا کہ تمہیں آزمائے اور پھر تمہیں معاف کر دیا اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑا ہی فضل کرنے والا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کا خواب سچا کر دیا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ صاحبِ فضل وکرم ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ جہان والوں پر فضل کرنے والا ہے۔ (البقرۃ: ۲۴۳)

۲۔ اللہ تعالیٰ مومنوں پر اپنا فضل فرماتا ہے۔ (آلِ عمران: ۱۵۲)

۳۔ اللہ کا فضل نہ ہو تو آدمی شیطان کے تابع ہو جاتا ہے۔ (النساء: ۸۳)

۴۔ اللہ کا فضل نہ ہو تو انسان خسارہ پاتا ہے۔ (البقرۃ: ۶۴)

۵۔ اللہ کے فضل وکرم کے بغیر تکلیف سے نہیں بچا جا سکتا۔ (النور: ۱۴)

۶۔ فضل سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ (آلِ عمران: ۷۳)

اِذْ	تُصْعِدُوْنَ	وَلَا تَلْوٗنَ	عَلٰٓی	اَحَدٍ	وَّالرَّسُوْلُ	یَدْعُوْكُمْ
جب	تم چڑھ رہے تھے	اور مڑ کر نہ دیکھتے تھے	پر	ایک	اور رسول	تمہیں پکارتا تھا
فِیْٓ	اُخْرٰىكُمْ	فَاَثَابَكُمْ	غَمًّۢا بِغَمٍّ	لِّكَیْلَا	تَحْزَنُوْا	عَلٰی مَا
میں	تمہارے پیچھے	پھر تمہیں پہنچایا	غم کے بعد غم	تا کہ نہ	تم غم کرو	پر جو
فَاتَكُمْ	وَلَا	مَآ	اَصَابَكُمْ	وَاللّٰهُ	خَبِیْرٌۢ	بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾
نکل گیا تم سے	اور نہ	جو	تمہیں پیش آیا	اور اللہ	باخبر	اس سے جو تم کرتے ہو

''جب تم چڑھتے جارہے تھے اور کسی کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے اور اللہ کا رسول تمہیں پیچھے سے آوازیں دے رہا تھا۔ پھر تمہیں غم پر غم پہنچایا تاکہ تم سے جو چھن گیا اور جو تمہیں رنج پہنچا اس پر غم نہ کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔'' (۱۵۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُحد میں سرزد ہونے والی کمزوریوں میں ایک اور کمزوری کی نشاندہی کی ہے کہ جب اکثر صحابہ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور رسولِ معظم انہیں واپس بلا رہے تھے۔

معرکۂ اُحد کی ابتدا میں میدان صحابہ کرام ؓ کے ہاتھ رہا کفار نے بھاگنے میں اپنی عافیت سمجھی۔ صحابہ کرام اسلحہ ایک طرف چھوڑ کر مالِ غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے۔ درّہ خالی دیکھ کر خالد بن ولید نے اتنی مستعدی اور منصوبہ بندی کے ساتھ حملہ کیا کہ درّہ پر مامور دس اصحاب کو ان کے سالار سمیت شہید کرتے ہوئے غنیمت لوٹنے والوں پر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑا۔ افراتفری کے عالم میں صحابہ کرام کا جس طرف منہ ہوا بھاگنا شروع کر دیا لیکن رسولِ معظم ﷺ زخمی ہونے کے باوجود صبر واستقلال کا پہاڑ اور استقامت کا پیکر بن کر اپنی جگہ پر ڈٹے ہوئے تھے۔ چہرے پر پریشانی اور نہ لہجہ میں گھبراہٹ اپنے حواس پر مکمل کنٹرول، پورے تدبر وتفکر کے ساتھ حالات کا جائزہ لیتے ہوئے بھاگنے والوں کو آواز پر آواز دے رہے تھے:

((یَا عِبَادَ اللّٰهِ اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ)) (تفسیر البغوی تفسیر آیت وما محمد الا رسول)

''اے اللہ کے بندو! کہاں بھاگے جارہے ہو پلٹ کر میری طرف آؤ۔''

لیکن حالات نے اس قدر اچانک پلٹا کھایا کہ کسی کو کچھ بھی سوجھائی نہیں دے رہا تھا کہ وہ کیا کرے سوائے، چودہ صحابہ کے، جن میں سات مہاجر اور سات انصار تھے۔ ان میں سرِ فہرست حضرت ابو بکر صدیق، حضرت طلحہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ تھے۔ جناب سعد بن ابی وقاص ؓ اس طرح جانثاری کے ساتھ آپ کا دفاع کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:

((یَا سَعْدُ ارْمِ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ)) (رواہ البخاری: کتاب المغازی)

''اے سعد! تیر پھینکیے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔''

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ڈھال ٹوٹ جانے کی وجہ سے آپ کی طرف آنے والے تیروں کو دبوچنے کی کوشش کرتے رہے جس وجہ سے ان کا ایک بازو ہمیشہ کے لیے مفلوج ہو گیا: قیس بن حازم بیان کرتے ہیں:

(رَأَیۡتُ یَدَ طَلۡحَةَ الَّتِیۡ وَقٰی بِهَا النَّبِیَّ ﷺ قَدۡ شَلَّتۡ) (رواہ البخاری: کتاب المناقب)

”میں نے طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو دیکھا جس کے ساتھ انہوں نے نبی ﷺ کا دفاع کیا تھا وہ مفلوج ہو چکا تھا۔“

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کبھی کبھار بڑے ناز کے ساتھ مدینہ کے نوجوانوں کو اپنا معذور بازو دکھلا کر فرماتے کہ اُحد کے دن میں نے اسے ڈھال کے طور پر استعمال کیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک موقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا اُحد طلحہ کا دن تھا۔ (سیر الصحابہ)

اس ہنگامی صورتِ حال میں کفار کی طرف سے یہ افواہ پھیلائی گئی کہ مسلمانوں کے نبی کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اسی بات کے بارے میں فرمایا ہے کہ مسلمانو! وہ وقت یاد کرو جب تمہارے اوپر غم پر غم ٹوٹ پڑے تھے۔ مال غنیمت کا ہاتھ سے نکل جانا، ستر صحابہ کا شہید ہونا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا جانا، رسولِ کریم ﷺ کا زخمی ہو کر نیچے گرنا، آپ کے دانت ٹوٹنا، پیشانی پر زخم آنا، فتح کا شکست میں تبدیل ہونا اور کفار کا خوش ہونا ایک سے ایک بڑھ کر صدمہ تھا۔ انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے یہ لچک اور وسعت رکھی ہے کہ اکثر اوقات یہ ہلکا غم برداشت نہیں کرتا لیکن بڑے غم کو حوصلے کے ساتھ برداشت کر لیتا ہے۔ گردشِ ایام کے ساتھ اُحد کی ہزیمت کا فلسفہ یہ تھا کہ مسلمان اپنے آپ کو آئندہ حالات کے لیے تیار کر لیں کیونکہ افراد اور قومیں وہی آگے بڑھا کرتی ہیں جو مصائب پر نڈھال اور دل برداشتہ ہونے کی بجائے مضبوط اعصاب کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے والی ہوتی ہیں۔

مسائل

۱۔ متواتر غم سہنے سے آدمی میں حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کے اعمال کی خبر رکھنے والا ہے۔
۳۔ جماعت کے قائد کو مشکل حالات میں بہادری اور استقامت دکھانا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

غم کا بہتر ردِّ عمل:

۱۔ غم سے مومن کی تربیت اور اس میں حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ (الحدید: ۲۲، ۲۳)
۲۔ غم میں صبر و استقامت کی دعا کرنا چاہیے۔ (البقرۃ: ۲۵۰)
۳۔ جو چھن جائے اس پر پچھتانا نہیں چاہیے جو ملے اس پر اترانا نہیں چاہیے۔ (الحدید: ۲۳)
۴۔ پریشانی انسان کے اپنے عمل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ (الشوریٰ: ۳۰)
۵۔ ایسے حالات میں صبر اور نماز کے ذریعے مدد طلب کرنی چاہیے۔ (البقرۃ: ۱۵۳)

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ

پھر اس نے اتارا تم پر سے بعد غم امن اونگھ ڈھانپ لیا ایک جماعت تم میں سے

وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ

اور ایک جماعت تحقیق فکر میں ڈال دیا انہیں انکی جانیں وہ گمان کرتے تھے اللہ کے بارہ میں بے حقیقت گمان

الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ

جاہلیت وہ کہتے تھے کیا ہمارے لیے سے کام سے کچھ آپ فرمادیں بیشک کام

كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ

تمام اللہ کیلئے وہ چھپاتے ہیں میں اپنے دل جو وہ ظاہر نہیں کرتے آپ کیلئے وہ کہتے ہیں اگر ہوتا

لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ

ہمارے لیے سے کام کچھ ہم نہ مارے جاتے یہاں آپ فرمادیں اگر تم ہوتے میں تمہارے گھر

’’پھر اس غم کے بعد اس نے تم پر امن نازل فرمایا اور تم میں سے ایک جماعت کو پرسکون نیند آنے لگی۔ کچھ لوگ جنہیں اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی وہ اللہ کے ساتھ ناحق جہالت پر مبنی بدگمانیاں کر رہے تھے اور کہتے تھے کیا ہمیں کسی چیز کا اختیار نہیں؟ آپ فرمادیجیے کہ ہر کام پورے کا پورا اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ جو اپنے دلوں میں چھپا رہے تھے جس کو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کاش! ہمارے لیے کوئی اختیار ہوتا تو ہم اس جگہ قتل نہ کیے جاتے۔ آپ فرمادیں کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو جن پر قتل ہونا لکھا ہوا تھا۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُحد کے بارے میں تبصرہ جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُحد کے میدان میں صحابہ پر سکینت کا نزول۔

اُحد میں سراسیمگی اور پے در پے صدمات کے عالم میں اچانک اللہ کی رحمت کا نزول ہوا جہاں جہاں کوئی تھا۔ لمحہ بھر کے لیے اسے اونگھ آئی جس سے کئی دنوں کی تھکاوٹ اور دماغ کا بوجھ ہلکا ہوا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اس طرح تازہ دم ہوئے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنی کیفیت ذکر کرتے ہیں:

«كُنْتُ فِيمَنْ تَغَشَّاهُ النُّعَاسُ يَوْمَ أُحُدٍ حَتّٰى سَقَطَ سَيْفِيْ مِنْ يَدِيْ مِرَارًا يَسْقُطُ وَآخُذُهٗ وَيَسْقُطُ فَآخُذُهٗ» (رواه البخاري: كتاب المغازي، باب ثم أنزل عليكم من بعد الغم الخ)

’’میں ان لوگوں میں تھا جنہیں اونگھ نے آلیا حتیٰ کہ میرے ہاتھ سے کئی مرتبہ تلوار گری اور میں اسے اٹھاتا رہا۔‘‘

کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہیں نہ اونگھ آئی اور نہ ہی انہیں کچھ سکون حاصل ہوا۔ وہ اللہ تعالیٰ پر بدظنی کا اظہار کرتے ہوئے ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے کہ کاش! ہمارے پاس فیصلہ کرنے کا کچھ اختیار ہوتا۔ یہ لوگ اپنے دلوں میں بہت کچھ چھپائے ہوئے تھے۔ یہ بھی کہے جارہے تھے کہ اگر ہماری بات چلتی تو ہم یہاں مرنے اور کٹنے کی بجائے اپنے گھروں میں ٹھہرے رہتے انہیں یہ

لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ

ضرور نکل کھڑے ہوتے | وہ لوگ | لکھا گیا | ان پر | مارا جانا | طرف | اپنی قتل گاہوں | اور تاکہ آزمائے

اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ

اللہ | جو | میں | تمہارے دلوں | اور تاکہ صاف کردے | جو | میں | تمہارے دل

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١٥٤﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ

اور اللہ | جاننے والا | دلوں کے راز | بیشک | وہ لوگ | وہ پھر گئے | تم میں سے | دن

الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ

آمنے سامنے ہوئیں دو جماعتیں | درحقیقت | ان کو پھسلا دیا | شیطان | بعض کی وجہ سے | جو | انہوں نے کمایا

وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٥٥﴾ ع ١٦ ٧

اور البتہ تحقیق | معاف کردیا | اللہ | ان سے | بیشک | اللہ | بخشنے والا | حلم والا

وہ اپنے مقتل کی طرف چلے آتے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو آزمانا اور پاک کرنا چاہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔ (١٥٤) جن لوگوں نے اس دن پیٹھ دکھائی جس دن دو جماعتوں کا ٹکراؤ ہوا یہ لوگ اپنے بعض اعمال کی وجہ سے شیطان کے پھسلانے میں آگئے لیکن یقین جانو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کردیا اللہ تعالیٰ بخشنے والا، حوصلے والا ہے۔'' (١٥٥)

عقیدہ بتلایا گیا ہے کہ کلی اختیارات صرف اللہ کے پاس ہیں۔ اگر تم اپنے گھروں میں بستروں پر لیٹے ہوتے تو پھر بھی موت کے وقت اپنے مقتل پر پہنچ جاتے۔ گو شکست تمہاری اپنی کمزوریوں کا نتیجتاً ہے لیکن حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں آزمائش ہے تاکہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے وہ ظاہر ہوجائے اور تمہیں معلوم ہو کہ تم ایمان کے کس مقام پر کھڑے ہو؟ اللہ تعالیٰ دلوں کے حالات سے خوب واقف ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ منافقوں کے ساتھ بعض کمزور مسلمانوں نے بھی ایسے خیالات کا اظہار کیا تھا جن کے متعلق یہ تبصرہ کیا گیا ہے کہ جن لوگوں نے اُحد کے دن پیٹھ دکھائی درحقیقت ان کی کمزوریوں کی وجہ سے شیطان نے انہیں ایسا کرنے پر اکسایا تھا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کردیا ہے اور اللہ تعالیٰ نہایت ہی معاف فرمانے والا، بُردبار ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس فرمان کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انسان کے اعمال لشکر کی طرح ہیں جو آدمی کو اپنے مطابق گھسیٹ لیتے ہیں اگر نیک اعمال ہوں گے تو وہ نیکی کی طرف کھینچ لیں گے اور اگر بُرے اعمال ہوں گے تو وہ برائی کی طرف لے جائیں گے۔ یہاں معافی کا اعلان ان مسلمانوں کے لیے ہے جو درّہ اور میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے کسی شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا کہ وہ تین اہم موقعوں پر غیر حاضر تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ صلح حدیبیہ کے وقت حضرت عثمان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اور مسلمانوں کی طرف سے مکہ میں نمائندہ بنا کر بھیجا تھا کہ وہ کفار کے ساتھ مذاکرات کریں۔ جب آپ نے صحابہ سے بیعت لی تو اپنے ہاتھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا تھا۔ اس سے بڑھ

کر کونسا اعزاز ہوسکتا ہے؟ غزوۂ بدر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی غیر حاضری اس لیے تھی کہ ان کی بیوی جو نبی کریم کی بیٹی تھی ان دنوں شدید بیمار تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تیمارداری کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گھر میں رہنے کی اجازت دی تھی۔

جہاں تک اُحد میں میدان چھوڑ کر بھاگنے کا تعلق ہے۔ اس میں چودہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ باقی سب شامل تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تنہا نہیں تھے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان سب کو معاف کر دینے کا اعلان کر دیا ہے۔ اس کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھتے ہوئے فرمایا کہ تجھے معلوم نہیں کہ اللہ نے انہیں معاف کر دیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں رہتا۔ ''ظَنَّ الجاھِلِیَّۃ'' سے مراد ایسا خیال ہے جو عقیدہ توحید اور شریعت کے اصولوں کے خلاف ہو۔ کچھ لوگوں نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مدد کا وعدہ نہیں کیا تھا۔

{ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا ۥ وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ } (لقمان:۳۳)

''بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے چنانچہ تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ شیطان اللہ کے بارے میں دھوکے میں رکھے۔''

موت کی جگہ متعین ہے:

''قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہی بارش برساتا ہے وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹوں میں کیا پرورش پا رہا ہے۔ کوئی نفس نہیں جانتا کہ کل کیا کرنے والا ہے۔ اور نہ کسی شخص کو یہ خبر ہے کہ اس کو موت کس سرزمین میں آئے گی۔ اللہ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔'' (لقمان:۳۴)

مسائل

۱۔ تمام اختیارات اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں۔ ۲۔ مرنے کے وقت آدمی خود بخود موت کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔
۳۔ مرنے کے وقت آزمائش میں انسان کا امتحان ہوتا ہے۔ ۴۔ اللہ کا کرم نہ ہو تو شیطان آدمی کو پھسلا دیتا ہے۔
۵۔ اللہ سینوں کے رازوں کو جانتا ہے۔ ۶۔ اللہ بخشنے والا، حوصلے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ظَنّ کے معانی:

۱۔ ظن کا معنیٰ یقین کرنا۔ (الحاقہ:۲۰)
۲۔ ظن کا معنیٰ گمان کرنا۔ (یوسف:۴۲) (موقعہ کی مناسبت سے معنیٰ کا تعین کیا جاتا ہے۔)

موت ہر کسی کا مقدر ہے:

۱۔ موت کا وقت مقرر ہے۔ (آل عمران:۱۴۵) ۲۔ موت کی جگہ متعین ہے۔ (آلِ عمران:۱۵۴)
۳۔ موت کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ (آلِ عمران:۱۶۸) ۴۔ موت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ (النساء:۷۸)
۵۔ سب کو موت آنی ہے۔ (الانبیاء:۳۵) ۶۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر کسی نے مرنا ہے۔ (الرحمن:۲۶، القصص:۸۸)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ

اے — وہ لوگ — ایمان لائے — نہ ہو جاؤ — ان لوگوں کی طرح — وہ کافر ہوئے — وہ کہتے ہیں — اپنے بھائیوں کو

اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا

جب — وہ سفر کریں — میں — زمین — یا — ہوں — غازی (جمع) — اگر — وہ ہوتے — ہمارے پاس

مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ

نہ — وہ مرتے — اور نہ — مارے جاتے — تاکہ بنا دے — اللہ — یہ — حسرت — میں

قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾

ان کے دل — اور اللہ — زندہ کرتا ہے — اور مارتا ہے — اور اللہ — جو کچھ — تم کرتے ہو — دیکھنے والا

”اے ایمان والو! تم کفار کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا۔ جب وہ سفر میں ہوں یا جہاد میں اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے تاکہ اس بات کو اللہ ان کے دلوں کی حسرت بنا دے۔ اللہ تعالیٰ زندہ کرتا اور مارتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے عمل دیکھ رہا ہے۔“ (۱۵۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقین نے اپنے عزیزوں کی موت پر حسرت وافسوس کا اظہار کیا جس پر مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ تمہیں منافقوں اور بزدلوں کی طرح اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ موت وحیات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

اے صاحبِ ایمان لوگو! تمہاری سوچ، زبان اور کردار کفار جیسا نہیں ہونا چاہیے جنہوں نے اپنے رشتے داروں کو کہا کہ اگر تم قتال کے لیے نہ نکلتے اور ہمارے ہاں ٹھہرے رہتے تو قتل ہونے سے بچ جاتے دراصل یہ لوگ اپنی حد سے بڑھ کر بات کرتے ہیں۔ کیونکہ موت وحیات کے فیصلے صرف اللہ کے اختیار میں ہیں۔ کسی نیک کی نیکی، برے کی برائی، دانش مند کی دانش مندی اور محتاط کی احتیاط موت کو ٹال سکتی ہے اور نہ ہی کسی کو اس کی موت کی جگہ سے ہٹا سکتی ہے۔ یہ تو کفار کی سوچ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو یوں ہو جاتا اور یوں ہوتا تو اس طرح ہو جاتا۔ ایسے لوگ زندگی بھر انہی حسرتوں کا شکار رہتے ہیں کہ کاش وسائل ہوتے تو یہ اور وہ ہو جاتا حالانکہ ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایسی گفتگو اور سوچ سے منع فرمایا ہے:

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ وَفِيْ كُلٍّ خَيْرٌ إِحْرِصْ عَلٰى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجَزْ وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْئٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّيْ فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا وَلٰكِنْ قُلْ قَدَّرَ اللّٰهُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ»

(رواہ مسلم: باب فی الأمر بالقوۃ وترک العجز والإستعانۃ باللہ)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے طاقتور مومن اللہ کے ہاں کمزور مومن سے بہتر اور پسندیدہ ہے تاہم بہتری اور خیر دونوں میں ہے۔ تجھے نفع بخش چیز کی طلب کرتے ہوئے اللہ سے مدد طلب کرنا چاہیے اور عاجز نہیں ہونا چاہیے۔ اگر کوئی تکلیف آئے تو یہ نہ کہنا چاہیے کہ اگر میں یہ کام کرتا تو ایسے ہو جاتا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اللہ نے جو تقدیر میں لکھا اور جو چاہا کر دیا۔ کیونکہ لفظ ”اگر“ سے شیطان اپنے کام کی ابتدا کرتا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ پریشانی کے موقعہ پر آدمی کے اگر، مگر کہنے سے شیطان آدمی کا عقیدہ کمزور کرنے اور اسے گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔“

رسولِ اکرم ﷺ کی تعلیم:

آپ نے بچوں کے ذہنوں میں بھی یہ بات پختہ کر دی کہ جو فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کر رکھا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہوتا ہے۔ نہ وہ ٹل سکتا ہے اور نہ اسے کوئی روک سکتا ہے آپ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ عقیدہ سکھایا:

«وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَنْفَعُوْكَ بِشَيْئٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ إِلَّا بِشَيْئٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى أَنْ يَضُرُّوْكَ بِشَيْئٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ إِلَّا بِشَيْئٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ» (رواہ الترمذی: کتاب صفة القیامة والرقائق والورع [صحیح])

”یقین رکھ کہ اگر پوری دنیا تجھے کچھ نفع دینے کے لیے جمع ہو جائے تو وہ اتنا ہی نفع دے سکتی ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ رکھا ہے اور اگر وہ تجھے کچھ نقصان دینے پہ تل جائے تو تجھے اتنا ہی نقصان پہنچے گا جتنا تیری قسمت میں لکھا گیا ہے، قلمیں اٹھالی گئیں ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔“

مسائل

۱۔ مسلمانوں کی سوچ اور گفتگو کفار جیسی نہیں ہونی چاہیے۔ ۲۔ مسلمانوں کو جہاد سے پھسلانا یا ہٹانا کفریہ سوچ ہے۔
۳۔ موت اور زندگی اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

تفسیر بالقرآن

حسرت زدہ لوگ:

۱۔ اسلام کا انکار کرنا حسرت کا سبب ہوگا۔ (الحاقة: ۵۰) ۲۔ مشرکین قیامت کے دن حسرت کا اظہار کریں گے۔ (البقرة: ۱۶۷)
۳۔ قیامت کے منکرین حسرت و افسوس کریں گے۔ (الانعام: ۳۱)
۴۔ قیامت کے دن مجرم دنیا کی بُری دوستی پر اظہار افسوس کریں گے۔ (الفرقان: ۲۷ تا ۲۹)

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ

اور البتہ اگر | تم مارے جاؤ | میں | اللہ کی راہ | یا | تم مرجاؤ | یقیناً بخشش | سے | اللہ | اور رحمت

خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

بہتر | اس سے جو | وہ جمع کرتے ہیں | اور البتہ اگر تم مرگئے | یا | تم مار دیے گئے | یقیناً اللہ کی طرف | تم اکٹھے کیے جاؤ گے

’’اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے جاؤ یا اپنی موت مر جاؤ تو بے شک اللہ کی بخشش و رحمت اس سے بہتر ہے جسے وہ جمع کر رہے ہیں۔ (۱۵۷) اگر تم مر جاؤ یا قتل کر دیے جاؤ تو تم نے ضرور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی جمع ہونا ہے۔‘‘ (۱۵۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام : منافق قتل ہوں یا طبعی موت مریں ان کے لیے حسرتیں ہیں۔ مسلمان شہید ہوں یا فطری موت مریں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دنیا کی کوئی دولت مقابلہ نہیں کر سکتی۔

یہاں تجزیاتی انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص جو اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے میدانِ کارزار میں اترتا ہے اور شہید ہو جاتا ہے یا اُسے اللہ تعالیٰ کی سمع واطاعت میں طبعی موت آجاتی ہے اس کا صلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی زندگی کی فرو گزاشتوں کو اپنے کرم سے معاف فرمائیں گے اور اس کے اعمال سے کہیں بڑھ کر اپنی رحمت سے نوازیں گے۔ یہ اجر وثواب دنیا کی دولت وثروت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جس کو لوگ زندگی بھر جمع کرتے رہتے ہیں۔ ایسے مومن کو جب موت آتی ہے تو ملائکہ اس کا استقبال کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی مہمان نوازی کا اہتمام ہوتا ہے۔ ان کے مقابلہ میں جو لوگ بدکردار اور اللہ کے نافرمان ہوتے ہیں۔ وہ بُری موت مرتے ہیں اور ان کا انجام جہنم ہوگا۔ یہاں کفار کی حسرتوں کا جواب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ تم دنیا میں کتنی مدت ٹھہرے رہو گے؟ اگر تم قتل ہو جاؤ یا تمہیں طبعی موت آئے بالآخر تم نے اللہ کے حضور ہی جمع ہونا ہے۔ پھر موت سے فرار اور ان حرکتوں کا کیا فائدہ؟ ذرا سوچیے کہ کتنا فرق ہے ایک اللہ کے حضور عزت وتکریم کے ساتھ مہمان کی حیثیت سے حاضر ہوگا اور اسے دائمی آرام وانعام سے نوازا جائے گا۔ دوسرا روسیاہ، ذلیل وخوار اور مجرم بن کر پیش کیا جائے گا اور اسے ہمیشہ کے لیے جہنم کے دہکتے ہوئے انگاروں میں پھینک دیا جائے گا لہٰذا سوچو دنیا بہتر ہے یا آخرت۔

مسائل

۱۔ اللہ کا فرمانبردار اور اس کی راہ میں جہاد کرنے والا بخشا جائے گا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا کے مال ومتاع سے بے انتہا گنا بہتر ہے۔ ۳۔ کوئی طبعی موت مرے یا قتل ہو جائے سب کو اللہ کے ہاں جمع ہونا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کی رحمت وبخشش دنیا کے خزانوں سے بہتر:

۱۔ اللہ کا فضل ورحمت دنیا کے مال ومتاع سے بہتر ہے۔ (یونس: ۵۸)

۲۔ اللہ کی رحمت دنیا کے خزانوں سے بہتر ہے۔ (الزخرف: ۳۲) ۳۔ حکمت وبصیرت خیر کثیر ہے۔ (البقرۃ: ۲۶۹)

فَبِمَا	رَحْمَةٍ	مِّنَ	اللّٰهِ	لِنْتَ	لَهُمْ ج	وَلَوْ	كُنْتَ
پس بوجہ	رحمت	سے	اللہ	آپ نرم دل ہو گئے	ان کیلئے	اور اگر	آپ ہوتے
فَظًّا	غَلِيْظَ	الْقَلْبِ	لَانْفَضُّوْا	مِنْ	حَوْلِكَ ص	فَاعْفُ	
تندخو	سخت	دل	تو منتشر ہو جاتے	سے	آپکے پاس	پس آپ معاف کر دیں	
عَنْهُمْ	وَاسْتَغْفِرْ	لَهُمْ	وَشَاوِرْهُمْ	فِي	الْاَمْرِ ج	فَاِذَا	عَزَمْتَ
ان کو	اور بخشش مانگیں	ان کیلئے	اور مشورہ کریں ان سے	میں	کام	پھر جب	آپ ارادہ کرلیں
فَتَوَكَّلْ	عَلَى	اللّٰهِ ط	اِنَّ	اللّٰهَ	يُحِبُّ	الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾	
تو بھروسہ کریں	پر	اللہ	بیشک	اللہ	دوست رکھتا ہے	بھروسہ کرنے والے	

”آپ اللہ کی رحمت سے ان کے لیے نرم مزاج ہیں اگر آپ ترش رو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ سو آپ ان سے درگزر فرمائیں اور ان کے لیے استغفار کریں اور کام میں ان کے ساتھ مشورہ کیا کریں۔ جب آپ کا ارادہ پختہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کریں۔ یقیناً اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“ (۱۵۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُحد میں درّہ والوں کی کوتاہی اور صحابہ کے منتشر ہونے کی وجہ سے نقصان ہوا۔ جس پر نبی کریم ﷺ نے صبر و حوصلہ کا مظاہرہ فرمایا۔ اس پر آپ ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کی تعریف کی گئی اور خطا کرنے والوں کو معاف کر دینے اور اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی بخشش کی دعا کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

اُحد میں تین سو منافقوں کا واپس لوٹنا، درّے والوں کا درّہ خالی کرنا، گھمسان کے رن میں صحابہ کی اکثریت کا آپ کو تنہا چھوڑ جانا، اس قدر ذاتی اور جماعتی نقصان ہونا۔ ان میں کوئی ایک معاملہ بھی نبی کریم ﷺ کو مشتعل کرنے کے لیے کافی تھا۔ ایسے موقعہ پر بڑے سے بڑا بہادر اور حوصلہ مند انسان کا پیتہ پانی ہو جایا کرتا ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے کسی اشتعال، خفگی اور ترش کلامی کا مظاہرہ نہیں فرمایا۔ بلکہ نہایت حوصلہ اور اعلیٰ اخلاق کے ساتھ حالات پر کنٹرول کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خراجِ تحسین سے نوازتے ہوئے فرمایا کہ میرے محبوب! یہ صرف تیرے رب کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے کہ آپ بردبار، رحمدل، نرم خو اور اعلیٰ اخلاق کے پیکر ہیں اگر آپ سخت خو، جذباتی اور ترش کلام ہوتے تو یہ لوگ نفرت کھا کر آپ سے دور بھاگ جاتے۔ لہٰذا انہیں دل سے معاف کیجیے اور اپنے رب کے حضور ان کی معافی کی درخواست کیجیے۔ یہ نہیں کہ پہلے مشورہ کرنے سے نقصان ہوا ہے لہٰذا آئندہ مشورہ کرنے سے آپ احتراز کریں بلکہ مشاورت جاری رہنی چاہیے۔

مشاورت کے بعد آپ کو فرمایا گیا ہے کہ مکمل تیاری اور باہمی مشورہ کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے وہی عزت وذلت

اور فتح وشکست کا مالک ہے۔ کام کرنے کے لیے جو وسائل اور مشاورت درکار ہوں اس کے لیے بھرپور کوشش کریں اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے عزم بالجزم کے ساتھ کام کا آغاز کر دینا چاہیے۔

مشاورت کی اہمیت اور غرض وغایت

قرآن پاک نے مسلمانوں کو مشاورت کا حکم دیا ہے تاکہ مسلمان اجتماعی مسائل کو اجتماعی انداز میں حل کرنے کی کوشش کریں۔ اس طرزِ عمل کے بیک وقت کئی فوائد ہیں ایک طرف اراکین جماعت کی دلجوئی ہے اور دوسری جانب ان کی صلاحیتوں سے اجتماعی فائدہ اٹھانا اور ان کی انفرادی فکر کو اجتماعی نظم میں لانا ہے۔ یہ خیر وبرکت سے بھرپور عمل ہے جس سے نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ والاصفات کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا۔ حالانکہ آپ مسلسل اللہ تعالیٰ کی نگرانی اور ہدایات میں زندگی گزارتے ہوئے لوگوں کی راہنمائی فرما رہے تھے۔ نبی اکرم ﷺ ان احکام کے نزول سے قبل بھی صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتے تھے لیکن نزولِ حکم کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ آپ ہر کام میں صحابہ سے مشورہ فرماتے تھے:

{ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾ } (آل عمران:۱۵۹)

''اور معاملات میں ان کو شریک مشورہ رکھا کرو، پھر جب آپ کا عزم کسی رائے پر پختہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔''

اس کارِ خیر کی اہمیت وافادیت کو اجاگر اور ممتاز رکھنے کے لیے پانچ رکوع پر مشتمل ایک سورۃ کا نام ہی الشوریٰ رکھ دیا گیا تاکہ رہتی دنیا تک مسلمان مشاورت کے اصولوں کو اپناتے ہوئے اجتماعی زندگی بسر کرتے رہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مشورہ کن امور میں کرنا چاہیے؟ مشاورت کا حدودِ اربعہ کیا ہے؟ جہاد کے سلسلے میں بدر، اُحد، خندق غرضیکہ ہر اہم معاملہ میں آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرماتے۔ جنگ سے پہلے شوریٰ کے اجلاس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ جہاد کرنا چاہیے یا نہیں۔ واضح احکامات کے بعد ان پر عمل کرنے کے بارے میں مشورہ کرنا تو درکنار ان کے بارے میں سوچنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ مشاورت تو اس بات پر کرنا ہے کہ دشمن پر حملہ کرنے کا وقت اور طریقہ کار اور میدان جنگ کا انتخاب وغیرہ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان امور کو امت کے ذمہ داران پر چھوڑ دیا ہے۔

بعض لوگوں نے لفظی موشگافیوں میں پڑ کر مشاورت کے حکم کو بازیچۂ اطفال بنانے کی کوشش کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جماعت کا امیر اربابِ حل وعقد سے ان کی دلجوئی کی خاطر مشورہ کرے گا لیکن اس پر عمل کرنے کا پابند نہیں۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ امیر جس سے چاہے مشورہ کرے وہ باضابطہ شوریٰ کو تشکیل دینے اور اس کا پابند نہیں ہونا چاہیے۔

رسولِ کریم ﷺ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت

بدر کے قیدیوں کے بارے میں مشورہ:

رسول اللہ ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تجویز پیش کی کہ انہیں فدیہ

لے کر چھوڑ دینا چاہیے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ انہیں قتل کر دینا چاہیے۔ نبی محترم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترجیح دی اور بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کر دیا۔

حنین کے قیدیوں کے بارے میں رائے طلب کرنا:

غزوۂ حنین کے موقعہ پر بے شمار قیدی اور مال غنیمت ہاتھ آیا۔ حنین کے نمائندہ لوگوں نے جب آپ سے قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا تو آپ نے اس بارے میں صحابہ سے رائے طلب کی۔ آراء میں اختلاف دیکھا تو حکم دیا کہ اپنے خیموں میں جا کر باہمی مشاورت کے بعد اپنے نمائندوں کو میرے ہاں بھیجو تا کہ مجھے فیصلہ کرنے میں آسانی ہو جائے۔ (رواہ البخاری: کتاب الایمان)

اُحد میں دفاع کے متعلق مشاورت:

احد سے پہلے مشاورت کی کہ شہر میں رہ کر دفاع کرنا چاہیے یا مدینہ سے باہر نکل کر؟ لوگوں کی اکثریت نے باہر نکل کر لڑنے کا مشورہ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی رائے کا احترام کرتے ہوئے احد کے دامن کا انتخاب فرمایا حالانکہ آپ کی رائے مدینہ میں رہ کر دفاع کرنے کے بارے میں تھی۔ (ابن کثیر)

گورنر کی تقرری کے لیے مشاورت

حضرتِ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بناتے وقت شوریٰ بلائی گئی۔ ارکانِ شوریٰ نے اپنی اپنی رائے پیش کی اور کافی غور و خوض کے بعد معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی تقرری کا اعلان ہوا۔ (کنز العمال)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مشاورت اور فیصلوں کی بنیاد

جمہوریت کی مخالفت میں بعض لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کو بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے صحابہ سے مشورہ کیا لیکن اکثریت کی رائے کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔ لہٰذا خلیفہ اکثریت کی رائے کا پابند نہیں۔ حالانکہ ان واقعات سے اس استدلال کی گنجائش نہیں نکلتی کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی رائے کے مقابلے میں رسول محترم ﷺ کی سنت اور فرمان پیش کیے تھے جو آپ کی وفات کے صدمہ اور پے در پے مشکلات کی وجہ سے صحابہ کے ذہن سے اوجھل ہو چکے تھے۔ جوں ہی خلیفۃ المسلمین نے ان کا حوالہ دیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے موقف سے پیچھے ہٹ گئے۔

خلیفۂ اول کا پہلا اقدام:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد عرب قبائل مرتد ہونے لگے اور کچھ قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ ادھر لشکرِ اُسامہ کی روانگی کا مسئلہ بھی تھا جسے خود نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں روانہ کیا تھا۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے جیشِ اسامہ کی روانگی کے متعلق مشورہ کیا تو نازک حالات میں شوریٰ فوری طور پر لشکر کی روانگی کے خلاف تھی لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(وَالَّذِیْ نَفْسُ اَبِیْ بَکْرٍ بِیَدِہٖ لَوْ ظَنَنْتُ اَنَّ السِّبَاعَ تَخْطَفُنِیْ لَاَنْفَذْتُ بَعْثَ اُسَامَةَ کَمَا اَمَرَ بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَلَوْ لَا یَبْقَ فِی الْقُرٰی غَیْرُہٗ لَاَنْفَذْتُہٗ) (طبری: ج ۲، ص ۵۲۲)

''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں ابوبکر کی جان ہے اگر مجھے یہ یقین ہو کہ وحشی جانور مجھے نوچ لیں گے اور ان آبادیوں میں میرے سوا کوئی بھی شخص باقی نہ رہے۔ تو بھی لشکرِ اسامہ روانہ کروں گا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس کو روانگی کا حکم دیا ہے۔''

مانعینِ زکوٰۃ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

مانعینِ زکوٰۃ کے متعلق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار کو جمع کر کے فرمایا آپ کو معلوم ہے کہ بعض عربوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے مشورہ دیں کہ اس صورت حال میں کیا کرنا چاہیے؟ کیونکہ میں بھی تم میں سے ایک انسان ہوں البتہ تمہاری نسبت مجھ پر بوجھ زیادہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے خلیفۂ رسول! میری رائے تو یہ ہے کہ آپ اس وقت لوگوں کی نماز ادائیگی کو ہی غنیمت سمجھیں اور زکوٰۃ چھوڑنے پر گرفت نہ فرمائیں۔ یہ لوگ ابھی ابھی اسلام میں داخل ہوئے ہیں آہستہ آہستہ یہ تمام اسلامی فرائض واحکام کو تسلیم کرنے کے بعد سچے مسلمان بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اسلام کو مزید قوت دے گا تو ہم منکرین زکوٰۃ کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوں گے لیکن اس وقت ہم میں عرب وعجم کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سننے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے انہوں نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید کی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی تائید کی۔ ان کے بعد تمام انصار ومہاجرین اسی رائے کی تائید میں یک زبان ہو گئے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور فرمایا:

اسی موقع پر انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم کفر میں بڑے بہادر تھے، کیا اسلام میں آ کر بزدل ہو گئے ہو؟ میں ضرور ان لوگوں کے خلاف جہاد کروں گا جو نماز ادا کرتے ہیں مگر زکوٰۃ دینے سے انکاری ہیں۔

(وَاللّٰہِ لَا اَبْرَحُ اَقُوْمُ بِاَمْرِ اللّٰہِ وَاُجَاھِدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَنْجِزَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَیَفِیَ لَنَا عَھْدَہٗ)

(حیاۃ الصحابہ: باب الھجرۃ قول ابی بکر عند وفاقہ لعمر رضی اللہ عنہما)

''اللہ کی قسم! میں اس بات پر ڈٹ جاؤں گا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا رہوں گا۔ جب تک اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا نہ فرما دے۔''

دورِ فاروقی میں کمانڈر، مفتوحہ علاقوں اور طاعون کے بارے میں مشاورت

عراق میں پیش قدمی کے سلسلہ میں اسلامی فوج کی کمان کا مسئلہ پیش آیا۔ یاد رہے اس وقت عراق، فارس (ایران) کے ماتحت تھا خلیفہ ثانی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ اس فوج کی کمان مجھے خود کرنا چاہیے لیکن حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے یہ تھی کہ آپ مدینہ طیبہ میں رہ کر ہدایات جاری فرماتے رہیں۔ خدانخواستہ اگر فوج کو

ہزیمت اٹھانی پڑی یا آپ کو کچھ ہو گیا تو اس نقصان کی تلافی مشکل ہو جائے گی۔ اس صورتحال کی وضاحت کرتے ہوئے امیر المؤمنین نے فرمایا کہ میں تو عراق جانے کے لیے ہی مدینہ سے نکلا تھا مگر اصحاب رسول کی رائے اس کے برعکس ہے۔ اب بتائیں کہ اس فوج کی کمان کس کے سپرد کی جائے؟ لوگوں کی اکثریت نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا کیونکہ ابوعبیدہ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہما شام کے محاذ پر برسر پیکار تھے۔ (سیرت الفاروق)

مفتوحہ علاقے

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ اول اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کی اتباع کرتے ہوئے ہر معاملہ میں اہل الرائے سے مشورہ لیتے یہاں تک کہ مفتوحہ علاقوں کی زمین کے لیے بھی انہوں نے کئی دن تک مجلس مشاورت کے اجلاس منعقد کئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور کئی صحابہ کی رائے یہ تھی کہ یہ زمینیں مجاہدین میں تقسیم ہونا چاہییں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم خیال حضرات کی رائے یہ تھی کہ زمینیں حکومت کی ملکیت ہونا چاہئیں تا کہ آنے والے حضرات بھی اس سے مستفید ہوتے رہیں۔ اس ضمن میں دونوں طرف سے کوئی واضح شرعی دلیل نہ تھی۔ بالآخر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قرآنِ پاک کی آیت تلاوت کی:

{وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْم بَعْدِهِمْ ......} پڑھ کر فرمایا:

(فَكَانَتْ هٰذِهٖ عَامَّةٌ مَنْ جَاءَ مِنْ بَعْدِهِمْ فَقَدْ صَادَ هٰذَا الْفَيُّ بَيْنَ هٰؤُلَاءِ جَمِيْعاً فَكَيْفَ تَقْسِمُهٗ لِهٰؤُلَاءِ وَنَدَعُ مَنْ تَخَلَّفَ بَعْدَهُمْ) (الفاروق)

”یہ آئندہ آنے والے تمام لوگوں کے لیے ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں موجودہ لوگوں کو تقسیم کر دوں۔ ان لوگوں کو محروم کر دوں جو ان کے بعد آنے والے ہیں۔“

طاعون اور مجلسِ شوریٰ

”عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کے دورے کے لیے نکلے جب آپ سرغ کے مقام پر پہنچے تو وہاں شام کے کمانڈر ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور دوسرے اعلیٰ حکام نے ان کا استقبال کیا اور وہاں کے حالات بیان کرتے ہوئے عرض کرنے لگے کہ شام میں طاعون کا مرض پھیلا ہوا ہے۔ اس لیے مسئلہ پیدا ہوا کہ آگے جانا چاہیے یا واپس پلٹ جائیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مجھے امیر المؤمنین نے حکم دیا کہ مہاجرین کو بلاؤ۔ جب وہ آئے تو ان سے اس صورتِ حال پر مشورہ طلب کیا گیا۔ ان کی آراء میں اختلاف تھا۔ کچھ نے کہا کہ آپ دینی کام کے لیے نکلے ہیں آپ کو واپس نہیں جانا چاہیے جبکہ دوسرے اصحاب کہتے تھے آپ کے ساتھ بہت سے اصحابِ رسول ہیں خواہ مخواہ موت کو دعوت نہیں دینا چاہیے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا انصار کو بلایا جائے انہوں

نے بھی مہاجرین کی طرح مختلف تجاویز پیش کیں۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔ پھر حکم دیا قریش کے ان سرداروں کو بلایا جائے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی تھی۔ یہ سب بالاتفاق کہنے لگے کہ آپ کو آگے جانے کی بجائے واپس پلٹ جانا چاہیے۔ تب امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا کہ ہم صبح مدینہ واپس جارہے ہیں، یہ سنتے ہی ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر کہنے لگے کہ آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کاش یہ بات ابوعبیدہ کے سوا کوئی اور کہتا! کیونکہ یہ بات ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی دانشمندی کے خلاف تھی۔ آپ نے جواب دیا کہ ہاں میں اللہ کی تقدیر سے اللہ ہی کی تقدیر کی طرف جارہا ہوں۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جو کسی مصروفیت کی وجہ سے غیر حاضر تھے تشریف لائے اور کہنے لگے ایسی صورتِ حال کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا فیصلہ کن ارشاد موجود ہے۔

((سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوْا عَلَيْهِ وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِّنْهُ قَالَ فَحَمِدَ اللهَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ثُمَّ انْصَرَفَ))

(رواہ مسلم: کتاب السلام، باب الطاعون والطیرۃ والکہانۃ ونحوھا)

''میں نے نبی محترم ﷺ سے سنا ہے کہ جب کسی علاقے میں طاعون پھیلا ہوا ہو تو وہاں داخل نہیں ہونا چاہیے اور جس زمین میں طاعون واقع ہو جائے وہاں سے بھاگنا نہیں چاہیے۔ یہ سن کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور مدینہ واپس تشریف لے گئے۔''

فیصلہ کا طریقہ کار اور ''فَاِذَا عَزَمْتَ'' کا مفہوم

آدمی جب اپنے ذہن میں ایک بات بٹھا اور جما لیتا ہے تو پھر ہر بات کو اسی زاویہ نگاہ سے دیکھتا اور پرکھتا ہے۔ یہی حالت ان دوستوں کی ہے جو علمی دنیا میں تنہا پرواز کے قائل اور انتہا پسندی کی روش کو اختیار کرتے ہیں۔ ان کی سرتوڑ کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح ثابت کیا جائے کہ اکثریت کی کوئی حیثیت نہیں۔ انہیں لفظِ اکثریت سے اس حد تک چڑ ہوتی ہے کہ وہ اہلِ حق کی اکثریت کو بدنام زمانہ جمہوریت سے مماثل قرار دے کر حقائق کو رد کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتے ہیں اور جذباتی لوگوں کو یہ کہہ کر مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کیا ہم کسی کے مقلد ہیں؟ حالانکہ قرآن وسنت کے بعد خاص کر تنظیمی اور اجتماعی معاملات میں اجتماعیت کو قابلِ قدر حیثیت دینا ضروری ہے۔ کیونکہ اجتماعی زندگی کا نظام چلانے کے لیے یہ آخری اصول ہے۔ اس کے بغیر امت کو متحد رکھنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ اس کے باوجود کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ امیر صرف لوگوں کی دلجوئی کی خاطر پیش آمدہ مسئلہ میں شوریٰ کی تجاویز سے فائدہ اٹھانا چاہے تو اس کی ذرہ نوازی ہے ورنہ کوئی اصول امیر کو پابند نہیں کرسکتا۔ پھر ان کا یہ بھی فرمان ہے کہ اس طرح تو امیر مامور اور ربڑ کی مہر بن جاتا ہے۔ بقول ان کے قرآن پاک

نے ''فَاِذَا عَزَمْتَ'' کے الفاظ استعمال کر کے امیر کو اجتماعی معاملات میں مختارِ کل بنا دیا ہے۔ کاش یہ حضرات طبیعت کے بے لگام گھوڑے کو قابو رکھتے ہوئے اس بات پر غور کرتے کہ ارکانِ شوریٰ مشورہ دینے کے لیے تشریف لائے ہیں نہ کہ مشورہ لینے کے لیے۔ صاحبِ امر کو تو مشورہ لینے کا حکم ہو رہا ہے لہٰذا یہاں صیغہ بھی واحد حاضر کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ اگر ارکینِ شوریٰ کو ایک دوسرے سے مشورہ لینے کے لیے اکٹھا کیا جاتا تو پھر ''شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ'' کے بجائے یہ ہونا چاہیے تھا: ''تَشَاوَرُوْا فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتُمْ فَتَوَكَّلُوْا عَلَى اللّٰهِ يَتَشَاوَرُوْنَ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمُوْا'' اس لیے صحیح نقطہ نگاہ یہ ہے کہ عزم کا معنیٰ وہ نہیں جو کچھ علماء نے سمجھا ہے۔ ایسے ہی آزاد استدلال کی وجہ سے مسلمانوں کے حکمران آمر، ڈکٹیٹر، ظالم اور سفاک ثابت ہوئے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اللہ کے علاوہ ہم سے پوچھنے کا کسی کو اختیار نہیں اور نہ ہی ہم کسی کے پابند ہیں۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں قابلِ عمل نقطۂ نگاہ یہی ہے کہ امیر قرآن وسنت، واضح شواہد وقرائن اور شوریٰ کی اکثریت کا پابند ہونا چاہیے۔ اس طرزِ عمل میں نہ صرف ملک وملت کی بہتری ہے بلکہ امیر کے لیے بھی عافیت کا راستہ ہے کیونکہ وہ اکیلا ذمہ دار نہیں ہوگا بلکہ پوری جماعت ذمہ دار ہوگی اور قرآن وسنت اور صحابہ کا عمل بھی اس بات کی مکمل رہنمائی کر رہا ہے۔

اب ''فَاِذَا عَزَمْتَ'' کا معنیٰ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ حیات سے سمجھنے کی کوشش فرمائیں۔

«عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْعَزْمِ فَقَالَ مُشَاوَرَةُ اَهْلِ الرَّاْيِ ثُمَّ اتِّبَاعُهُمْ» (ابن کثیر)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے عزم کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے عزم کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ عزم کے معنیٰ ہیں اہل رائے سے مشورہ لینا اور پھر اس کا اتباع کرنا۔''

اس آیت کی روشنی میں امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

«وَغَيْرُ جَائِزٍ اَنْ يَّكُوْنَ الْاَمْرُ بِالْمُشَاوَرَةِ عَلٰى جِهَةِ تَطْيِيْبِ نُفُوْسِهِمْ وَرَفْعِ اَقْدَارِهِمْ وَلِتَقْتَدِيَ الْاُمَّةُ بِهٖ فِيْ مِثْلِهٖ لِاَنَّهٗ لَوْ كَانَ مَعْلُوْمًا عِنْدَهُمْ اِنَّهُمْ اِذَا اسْتَفْرَغُوْا مَجْهُوْدَهُمْ فِي اسْتِنْبَاطِ مَا شُوْوِرُوْا فِيْهِ وَصَوَابُ الَّذِيْ فِيْيِهٖ وَلَا مُلْتَقًى مِنْهُ بِالْقَبُوْلِ بِوَجْهٍ لَمْ يَكُنْ فِيْ ذٰلِكَ تَطْيِيْبُ نُفُوْسِهِمْ وَلَا رَفْعٌ لِاَقْدَارِهِمْ بَلْ فِيْهِ اِيْحَاشُهُمْ وَاَعْلَامُهُمْ بِاَنَّ آرَاءَ هُمْ غَيْرَ مَقْبُوْلَةٍ وَلَا مَعْمُوْلَ عَلَيْهَا فَهٰذَا تَاوِيْلٌ سَاقِطٌ مَعْنًى لَهٗ» (احکام القرآن)

''نبی اکرم ﷺ کو مشورہ لینے کا جو حکم دیا گیا وہ صرف صحابہ کی دلجوئی اور عزت افزائی کے لیے نہیں تھا۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ معلوم ہوتا کہ کسی خاص معاملے میں مشورہ طلب کیا جا رہا ہے اور وہ مکمل غور وخوض کے ساتھ پیش آمدہ مسئلے میں ٹھیک ٹھیک مشورہ اور رائے کا اظہار کریں گے تو بھی اسے قبول نہیں کیا جائے گا اس طرح تو ان کی دلجوئی اور عزت افزائی کی صورت نہیں نکلتی بلکہ اس میں ان کی حوصلہ شکنی کا پہلو نکلتا ہے۔''

اگر تعصب کی عینک اتار کر اور جذبات کے پردے ہٹا کر نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مبارک دور میں ہونے والی مجالس شوریٰ کے فیصلوں پر غور کیا جائے تو روزِ روشن کی طرح یہ حقیقت چمکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لشکرِ اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کا فیصلہ کرتے ہوئے اگر اکثریت کی رائے کو مسترد کیا تو اس کے پیچھے نص قطعی یعنی نبی اکرم ﷺ کا حکم موجود تھا۔ مانعین زکوٰۃ کے بارے میں بھی قرآن پاک کی نص قطعی موجود تھی جو حالات کی بحرانی کیفیت کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذہن سے اوجھل ہو چکی تھی۔ جب خلیفۂ وقت نے توجہ دلائی تو صحابہ کے دل و دماغ روشن ہو گئے۔

قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح فیصلہ:

۱۔ قرآن وسنت کی موجودگی میں کثرت وقلت اور عقل وفکر کی کوئی حیثیت نہیں۔

۲۔ ٹھوس فکری، نظری، دلائل اور واضح قرائن کے بعد جمہوریت کوئی معنی نہیں رکھتی۔

۳۔ دونوں طرف دلائل برابر ہوں تو اجتماعی زندگی میں اہل حق کی اکثریت کی اتباع امیر اور سب کے لیے لازم ہے۔

مزید تفصیل کے لئے راقم کی کتاب ''اتحاد وامت اور نظمِ جماعت کی طرف رجوع'' کیا جائے۔

مسائل

۱۔ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بڑے نرم خو اور خلیق تھے۔ ۲۔ سربراہ بد اخلاق ہو تو لوگ اس سے دور بھاگتے ہیں۔

۳۔ سربراہ کو قومی کاموں میں لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ ۴۔ مشورہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا لازم ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

داعی اور قائد کے اوصاف:

۱۔ داعی اور قائد کو ہمدرد ہونا چاہیے۔ (التوبہ:۱۲۸) ۲۔ قائد کو لوگوں سے مشورہ کا خواہش مند ہونا چاہیے۔ (یوسف:۱۰۳)

۳۔ قائد میں لوگوں کی خیر خواہی کے لیے جان قربان کرنے کا جذبہ ہونا چاہیے۔ (الکہف:۶)

۴۔ قائد کو مشورہ لینا چاہیے۔ (آلِ عمران:۱۵۹) ۵۔ قائد میں عفو ودرگزر کا جذبہ ہونا چاہیے۔ (المائدۃ:۱۳)

۶۔ قائد اور مومنین کو اللہ پر توکل کرنا چاہیے۔ (الزمر:۳۸، التوبہ:۵۱)

نوٹ: مزید ''البقرہ ۲۴۷'' کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ

اگر مدد کرے تمہاری اللہ تونہیں غالب آنے والا تم پر اوراگر وہ تمہیں چھوڑ دے توکون

ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٦٠﴾

وہ جوکہ تمہاری مدد کرے سے اس کے بعد اور پر اللہ چاہیے کہ بھروسہ کریں ایمان والے

”اگر اللہ تمہاری مدد فرمائے توتم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تواس کے بعد کون ہے جوتمہاری مدد کرے گا؟ ایمان والوں کواللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیے۔“ (١٦٠)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ، اس میں منافقوں کے پروپیگنڈہ کا جواب دیتے ہوئے مسلمانوں کو بنیادی عقیدہ سمجھایا گیا ہے کہ عزت وذلت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور مومنوں کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

رسولِ محترم ﷺ ہر کام کرنے سے پہلے اس پر غور وخوض اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اس کو عملی جامہ پہناتے تھے۔ اُحد میں بھی ایسا ہی کیا گیا لیکن چند ساتھیوں کی کمزوری کی وجہ سے آپ ﷺ اور مسلمانوں کو مالی، جانی نقصان اٹھانا پڑا جس پر کمزور مسلمانوں نے غیر محتاط انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا اور منافقوں نے اسے دوسرے انداز میں اچھالا۔ اس موقعہ پر یہ بنیادی اصول بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرنے کا فیصلہ صادر فرمائے تو ساری دنیا کے لوگ بھی تم پر غالب نہیں آسکتے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں رسوا کرنا چاہے توتمہیں کوئی بھی عزت نہیں دے سکتا لہٰذا مسلمانوں کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ اللہ پر توکل کا یہ معنیٰ نہیں کہ آدمی حاصل شدہ وسائل کو استعمال کرنا چھوڑ دے بلکہ توکل کا معنی ہے ہر قسم کی استعداد حاصل کرنے کی کوشش کرے اور پھر وسائل پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور یقین رکھے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک آدمی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول!

«أَعْقِلُهَا وَأَتَوَكَّلُ أَوْ أُطْلِقُهَا وَأَتَوَكَّلُ قَالَ اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ» (رواہ الترمذی: کتاب صفة القيامة والرقائق [حسن])

”میں اونٹ کو باندھ کر توکل کروں یا اسے کھلا چھوڑ کر توکل کروں آپ ﷺ نے فرمایا: اونٹ کو باندھو اور توکل کرو۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہو تو آدمی کو کوئی مغلوب نہیں کرسکتا۔

٢۔ جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرے اس کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ ٣۔ اللہ ہی پر مومنوں کو ہمیشہ بھروسہ کرنا چاہیے۔ (التوبہ: ١٢٩)

وَمَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ ؕ وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ

اور نہیں ہے نبی کیلئے یہ کہ خیانت کرے اور جو خیانت کرے گا لائے گا وہ جو اس نے خیانت کی

یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰی كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

قیامت کے دن پھر پورا پائے گا ہر شخص جو اس نے کمایا اور وہ ظلم نہ کیے جائیں گے

”نبی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ خیانت کا ارتکاب کرے۔ ہر خیانت کرنے والا خیانت کو لیے قیامت کے دن حاضر ہوگا۔ پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔“ (۱۶۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جیسا کہ پہلے بھی بیان ہوا ہے کہ منافقین رسولِ محترم ﷺ کو پریشان اور مسلمانوں کو رسوا کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ بدر کے موقع پر ایک قیمتی چادر سامان میں آگے پیچھے ہوگئی تو منافقوں نے یہ کہہ کر بدگمانی پیدا کرنے کی کوشش کی کہ آپ نے اس کو اپنے لیے رکھ لیا ہوگا۔

بظاہر یہ چھوٹی سی بات ہے لیکن یہ بدگمانی آپ کی ذاتِ اطہر کے بارے میں تھی اس لیے سخت اور دوٹوک الفاظ میں اس کی وضاحت کی گئی۔ اس موقعہ پر یاوہ گوئی کرنے والوں کی زبانیں بند نہ کی جاتیں تو آئندہ چل کر کسی بڑی خیانت کا الزام بھی آپ کی ذات پر چسپاں کیا جا سکتا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ مستقبل میں مسلمانوں کو کتنے قیمتی غنائم حاصل ہونے والے تھے اس لیے فرمایا کہ کسی نبی کے لیے یہ لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے بلکہ نبی کے بارے میں ایسا سوچنا بھی عظیم گناہ ہے۔ جو بھی خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اس خیانت کے ساتھ پیش کیا جائے گا پھر وہاں ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزا یا سزا ملے گی اور کسی پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَامَ فِیْنَا النَّبِیُّ ﷺ فَذَكَرَ الْغُلُوْلَ فَعَظَّمَهٗ وَعَظَّمَ أَمْرَهٗ قَالَ لَا أُلْفِیَنَّ أَحَدَكُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ عَلٰی رَقَبَتِهٖ فَرَسٌ لَهٗ حَمْحَمَةٌ یَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَغِثْنِیْ فَأَقُوْلُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَیْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ ...)) (رواہ البخاری: باب الغلول وقول اللہ تعالیٰ ومن یغلل)

”حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر خیانت کا تذکرہ کرتے ہوئے اسے بہت سنگین گردانتے ہوئے فرمایا: میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کے کندھے پر بکری ممیا رہی ہو اور کسی کے کندھے پر گھوڑا ہنہنا رہا ہو اور وہ کہے کہ اے اللہ کے رسول! میری مدد کیجیے تو میں کہوں کہ میں تو کچھ نہیں کر سکتا میں نے تجھے پہلے ہی باخبر کر دیا تھا۔“

مفسرین نے ”غَلّ“ کے دو معنیٰ کیے ہیں کہ ”کسی کے بارے میں اپنے دل میں غصہ رکھنا۔“

اُحد میں درّے والوں نے درّہ خالی کر کے غلطی کی اور بعض صحابہ ؓ نے میدان سے بھاگ کر غلطی کی تھی اس پر فرمایا

گیا ہے کہ اے پیغمبر! آپ کو معاف کر دینے کے بعد دل میں غصہ نہیں رکھنا چاہیے۔

''غَلّ'' کا دوسرا معنی ہے کہ ''مسلمانوں کے اجتماعی مال میں خیانت کرنا'' جس کا گناہ عام چوری سے زیادہ ہے۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب خیبر فتح ہوا تو مالِ غنیمت میں ہمیں سونا اور چاندی نہیں ملا تھا بلکہ گائے، اونٹ، سامان اور باغات ملے تھے پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وادی القریٰ کی طرف لوٹے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک مدعم نامی غلام تھا جو بنی ضباب کے ایک صحابی نے آپ کو ہدیہ دیا تھا وہ رسول اللہ ﷺ کی سواری سے کجاوہ اتار رہا تھا کہ کسی نامعلوم سمت سے ایک تیر آکر اس کو لگا لوگوں نے کہا اسے شہادت مبارک ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو چادر اس نے خیبر میں تقسیم سے پہلے مالِ غنیمت میں سے چوری کی تھی وہ اس پر آگ کا شعلہ بن کر بھڑک رہی ہے۔ یہ سن کر ایک صحابی ایک یا دو تسمے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ میں نے اٹھا لیے تھے آپ نے فرمایا کہ یہ جہنم کے تسمے ہیں۔'' (رواہ البخاری: کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر)

«عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ أَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ» (رواہ البخاری: باب علامۃ المنافق)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس میں چار خصلتیں ہوں وہ پکا منافق ہوگا اور ان میں سے جس میں ایک علامت ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی جب تک کہ اسے چھوڑتا نہیں۔ (۱) جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے (۲) بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) جب عہد کرے تو غداری کرے (۴) معمولی تکرار پر گالی گلوچ پر اتر آئے۔''

مسائل

۱۔ کوئی نبی بھی خائن نہیں ہوا۔ ۲۔ قیامت کے دن خائن اپنی خیانت کے ساتھ پیش ہوگا۔
۳۔ ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزا و سزا ملے گی کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

نبی خائن نہیں ہوتا:

۱۔ نبی اللہ کی وحی میں خیانت نہیں کرتا۔ (التکویر: ۲۴) ۲۔ نبی وحی کو نہیں چھپاتا۔ (المائدۃ: ۶۷)
۳۔ نبی مال میں خیانت نہیں کرتا۔ (آلِ عمران: ۱۶۱) ۴۔ نبی خائن کی حمایت نہیں کرتا۔ (النساء: ۱۰۵)

اَفَمَنِ	اتَّبَعَ	رِضۡوَانَ اللّٰهِ	كَمَنۡۢ	بَآءَ	بِسَخَطٍ	مِّنَ
کیا پس جو	اس نے پیروی کی	اللہ کی رضا	مانند جو	لوٹا	غصے کے ساتھ	سے

اللّٰهِ	وَمَاۡوٰىهُ	جَهَنَّمُ ؕ	وَبِئۡسَ	الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۶۲﴾	هُمۡ	دَرَجٰتٌ	عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ
اللہ	اور اس کا ٹھکانہ	جہنم	اور برا	ٹھکانہ	انکے	درجات	اللہ کے پاس

وَاللّٰهُ	بَصِيۡرٌ ۢ	بِمَا	يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶۳﴾
اور اللہ	دیکھنے والا	اس کو جو	وہ کرتے ہیں

”کیا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا متلاشی ہے اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اللہ کی ناراضگی لے کر لوٹتا ہے اور جس کی جگہ جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے؟ (۱۶۲) اللہ کے پاس ان کے الگ الگ درجے ہیں اور ان کے تمام اعمال کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔“ (۱۶۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: امانت و دیانت میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے، خیانت و بددیانتی پر اللہ کی ناراضگی اور غضب ہوتا ہے ایک اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب اور دوسرا اس کے غضب کا سزاوار ہے کیا دونوں قسم کے انسان برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

اب دو قسم کے کرداروں کا موازنہ کیا جا رہا ہے کہ کیا ایسے کردار کے حامل انسان اعمال اور انجام کے لحاظ سے برابر ہو سکتے ہیں؟ ان میں ایک وہ ہے جو سراپا سمع و اطاعت ہے اور اس کے ہر کام کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی رضا کارفرما ہوتی ہے۔ دوسرا وہ ہے جو کفر اور نافرمانی میں آگے ہی بڑھتا چلا جا رہا ہے یہاں تک کہ آخر دم تک اللہ تعالیٰ کی بغاوت میں ہی سرگرم عمل رہا۔ اس کا ٹھکانا جہنم ہے جو لوٹنے کی بدترین جگہ ہے۔ پہلے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین درجات، اعلیٰ مقامات اور ہمیشہ کے لیے خوشنودی ہے۔ دوسرے کے لیے جہنم ہے۔ یاد رکھو کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے اور وہ انسان کے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والا اور اللہ کی ناراضگی مول لینے والا برابر نہیں ہو سکتے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والوں کے لیے بڑے درجات ہیں۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا جہنم میں جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

مومن اور نافرمان برابر نہیں ہیں:

۱۔ مومن اور فاسق برابر نہیں ہیں۔ (السجدۃ: ۱۸) ۲۔ جنتی اور جہنمی برابر نہیں ہو سکتے۔ (الحشر: ۲۰)

۳۔ سیدھا اور الٹا چلنے والا برابر نہیں ہو سکتا۔ (الملک: ۲۲)

۴۔ اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتا۔ (الانعام: ۵۰) ۵۔ روشنی اور اندھیرا برابر نہیں ہو سکتے۔ (فاطر: ۲۰)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

البتہ تحقیق | احسان کیا | اللہ | پر | ایمان والے | جب | بھیجا اس نے | ان میں | ایک رسول

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

سے | ان کی جانیں | وہ پڑھتا ہے | ان پر | اس کی آیات اور انہیں پاک کرتا ہے | اور انہیں سکھاتا ہے | کتاب

وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

اور دانائی | اور بیشک | وہ تھے | سے | پہلے | البتہ میں | گمراہی | کھلی

’’بے شک مسلمانوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ انہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔‘‘(۱۶۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام : اکثریت کی رائے کا احترام کرنا، ساتھیوں کی غلطیوں کو معاف کر دینا۔ انسان کو شرف انسانیت سے سرفراز فرمانا‘ توحید کی دولت سے مالا مال کرنا اور بھٹکتے ہوئے انسان کو کامیابی کے راستے پر گامزن کرنا۔ رسولِ معظم ﷺ ہی کی ذات اور قیادت کا کمال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بطورِ احسان ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان پر اس قدر احسانات فرمائے ہیں کہ وہ ان کا شمار کرنا چاہے تو جدید مشینری کے ذریعے بھی انہیں شمار نہیں کر سکتا۔ تمام احسانات وانعامات میں سب سے بڑا احسان اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رہنمائی ہے۔ دنیا میں ہدایت کا مؤثر، مدلل، قابل اعتماد اور ’’اللہ‘‘ سے براہِ راست ذریعہ انبیاء کی شخصیات ہوا کرتی تھیں۔ ان شخصیات میں سب سے ممتاز شخصیت رسولِ محترم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے جنہوں نے انسانیت کی اصلاح اور فلاح کے لیے سب سے بڑھ کر کوششیں اور تکلیفیں اٹھائیں ہیں۔ اس لیے مومنوں کو یہ احسان جتلایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص احسان ہے کہ اس نے تم ہی سے یعنی انسانوں میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرمایا ہے جو تمہارے اپنے آپ سے بھی تم پر زیادہ مہربان اور درگزر کرنے والا ہے۔ (التوبہ:۱۲۸) اس کی شب وروز کی محنتیں، صبح وشام کی دعائیں اور ہر وقت یہ تمنا اور خواہش ہوتی ہے کہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنائے، گناہوں اور جرائم سے پاک کرے اور تمہیں کتاب وحکمت کے ذریعے دنیا وآخرت کی ترقیوں سے سرفراز کر دے۔ نبی آخر الزماں ﷺ کی تشریف آوری اور آپ کی تعلیمات سے پہلے تمام لوگ سراسر گمراہی اور جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے۔ آپ کی کوششوں اور محبت واخلاص کا نتیجہ ہے کہ آج انسانیت نے اپنا مقام پایا، غلاموں کو آزادی نصیب ہوئی، عورتوں کو حقوق ملے اور انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا طریقہ اور دنیا میں رہنے سہنے کا سلیقہ آیا۔

یہ دنیا کی مسلمہ حقیقت ہے کہ رسولِ معظم ﷺ کی بعثت سے پہلے انسانیت ہر قسم کی جہالت اور تاریکی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹک رہی تھی۔ خصوصاً عرب اور مکہ کی حالت یہ تھی کہ یہاں کے دانشور اس سوچ میں غلطاں تھے کہ ہم تاریکیوں

سے کس طرح نجات پائیں۔ اسی کے نتیجے میں حلف الفضول کا معاہدہ طے پایا جس میں اہل دانش نے بیٹھ کر یہ فیصلہ کیا کہ معاشرے میں پیدا ہونے والی بیماریوں کا تدارک اس انداز میں کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ (ابن ہشام) اسی سلسلہ کی دوسری کڑی یہ تھی کہ ایک موقع پر ورقہ بن نوفل، زید بن عمرو اور چند دوسرے لوگ حرم میں بیٹھ کر یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ تمام مروجہ مذاہب کا جائزہ لے کر طے کیا جائے کہ کونسا مذہب سچا ہے؟ اس کے لیے یہ بزرگ اٹھ کھڑے ہوئے جس کے نتیجے میں ورقہ بن نوفل عیسائیت کے قریب ہوئے اور کچھ نے یہودیت کو مناسب سمجھا۔ لیکن حضرت زید بن عمرو نے سب سے براءت کا اعلان کیا۔ اس حالت میں وہ بیت اللہ میں سجدہ ریز ہو کر زار و قطار روتے ہوئے دعا کیا کرتے تھے کہ اے کعبہ کے رب! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تیری عبادت اس طرح کرنی ہے تو میں اس طرح کرنے کو تیار ہوں لیکن آسمانی ہدایت مفقود ہو جانے کی وجہ سے وہ دین کی روشنی سے محروم رہے تاہم ایک سوال کے جواب میں رسولِ معظم ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا تھا (نَعَمْ إِنَّهُ يُبْعَثُ أُمَّةً وَّاحِدَةً) کیوں نہیں! وہ ایک امت کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔ (ابن ہشام)

آپ ﷺ کی آمد سے قبل کی جہالت اور تاریکی کی نشاندہی کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برادرِ مکرم حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے حبشہ کے حکمران نجاشی کے سامنے اس کا یوں اعتراف کیا تھا کہ ہم گمراہ تھے، ہمارے اندر ہر قسم کے گناہ اور جرائم پائے جاتے تھے ہم ایک دوسرے پر ظلم کرنے والے تھے پس اللہ نے ہم میں ایک شخص کو نبی بنایا جس کو ہم ہر لحاظ سے جانتے ہیں اس نے ہماری اصلاح اور تربیت کی جس کے نتیجے میں ہم مسلمان ہوئے۔ اسی کے بارے میں قرآن حکیم نے {وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ} کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے آپ کی بعثت کو احسانِ عظیم قرار دیا ہے۔ (ابن ہشام)

مسائل

۱۔ رسولِ محترم ﷺ کو مبعوث فرما کر اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا ہے۔
۲۔ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا مقصد لوگوں کو قرآن سنانا، ان کی تربیت کرنا اور ان کو کتاب و دانشمندی سکھانا ہے۔
۳۔ رسولِ کریم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے لوگ واضح گمراہی میں تھے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے احسانات:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور احسان ان گنت ہیں۔ (ابراہیم: ۳۴)
۲۔ ایمان نصیب ہونا اللہ کے احسان کا نتیجہ ہے۔ (الحجرات: ۱۶)
۳۔ رسالت مآب ﷺ کی بعثت اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے۔ (آلِ عمران: ۱۶۴)
۴۔ کمزوروں کو خلافت دینا اللہ کا احسان ہے۔ (القصص: ۵) ۵۔ اللہ جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے۔ (ابراہیم: ۱۱)

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ

کیا اور جب تمہیں پہنچی مصیبت البتہ تم نے پہنچائی اس سے دوچند تم نے کہا کہاں سے یہ

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾

آپ فرمادیں وہ سے پاس تمہارے نفس بیشک اللہ پر ہر چیز قادر

’’کیا جب تمہیں پہنچی ایک ایسی تکلیف جو تم ان کو اس سے دوگنی پہنچا چکے ہو تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آ گئی؟ آپ کہہ دیجیے یہ خود تمہاری طرف سے ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘ (۱۶۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُحد کی شکست اور اس کے عوامل پر تبصرہ جاری ہے اس میں مسلمانوں کی تنظیمی اور اخلاقی کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کی اصلاح کی جارہی ہے۔

اُحد کی شکست کے اسباب میں دو سبب بڑے یہ تھے۔ منافقوں کا کردار اور مسلمانوں کا نبی ﷺ کے حکم پر پوری طرح عمل کرنے کی بجائے درہ چھوڑنا۔ لہٰذا مختلف انداز اور الفاظ میں منافقوں کے کردار کی نشاندہی کرتے ہوئے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ ناقابل اعتماد اور آستین کے سانپ ہیں۔ ان سے ہر وقت بچنے کی ضرورت ہے۔ دوسرے سبب پر تبصرہ کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم مسلمان ہو اور اللہ کا رسول تم میں موجود ہے لیکن تم نے رسول کے حکم کی نافرمانی کی۔ پہلے درّہ خالی کیا اور بعد میں میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے اور اب تم یہ کہتے ہو کہ یہ شکست کیونکر ہوئی؟ اگر تم اپنے کیے پر توجہ کرو تو اس کا جواب تمہیں اپنے آپ سے مل جائے گا کہ یہ شکست تمہاری اپنی کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔ یہاں ایک اور اصول بیان کیا ہے کہ انسان کو جو بھی مصائب اور پریشانیاں آتی ہیں حقیقتاً وہ اس کے اپنے ہی کیے دھرے کا نتیجہ ہوا کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ تمہارے اعمال کی سزا تمہیں دنیا میں دے یا اسے آخرت کے لیے مؤخر کر دے۔

ذرا ماضی کے آئینہ میں جھانک کر دیکھو کہ تم اس سے دوگنا نقصان انہیں پہنچا چکے ہو؟ بدر میں ان کے ستر سرکردہ آدمی واصلِ جہنم ہوئے جن کی وہ لاشیں بھی نہ اٹھا سکے۔ ستر قیدی ہوئے جو فدیہ دے کر چھوٹے اور ان کا کافی سامان تمہارے ہاتھ آیا۔ ان کے مقابلے میں تمہارا نقصان اُحد میں کئی گنا کم ہوا اور وہ بھی تمہاری کوتاہی کی وجہ سے۔

مسائل

۱۔ انسان کو پہنچنے والے مصائب اس کی اپنی وجہ سے ہوتے ہیں۔

۲۔ جنگ میں اپنے اور کفار کے نقصان کا تجزیہ کرنا ضروری ہے۔ ۳۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٦٦

اور جو تمہیں پہنچا مقابلے کے دن دو جماعتیں تو اللہ کے حکم سے اور تا کہ وہ معلوم کرے ایمان والے

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ

اور تا کہ جان لے وہ لوگ منافق ہوئے اور کہا گیا انہیں تم آؤ لڑو میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّااتَّبَعْنٰكُمْ ۭ

اللہ کی راہ یا دفاع کرو انہوں نے کہا اگر ہم جانتے جنگ ضرور تمہارا ساتھ دیتے

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ

وہ کفر کے لیے اس دن زیادہ قریب ان سے بہ نسبت ایمان وہ کہتے ہیں اپنے منہ سے

مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۝١٦٧ۚ

جو نہیں میں ان کے دل اور اللہ خوب جاننے والا اس کو جو وہ چھپاتے ہیں

”جس دن دو جماعتیں باہم ٹکرائیں اور جو کچھ تمہیں تکلیف پہنچی وہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا تا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے۔(۱۶۶) اور منافقوں کو بھی معلوم کر لے جن سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو یا کافروں کو روکو، تو وہ کہنے لگے اگر ہم لڑائی کرنا جانتے ہوتے تو ضرور ساتھ دیتے۔ اس دن وہ ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنے منہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں۔“ (۱۶۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام : اُحد کے واقعات پر تبصرہ رواں ہے تا کہ امت آئندہ ایسے واقعات سے بچنے کی کوشش کرے۔ ساتھ ہی منافقین کا ردّ عمل اور کردار بتلایا گیا ہے۔

اُحد کے دن کفار کے ساتھ ٹکراؤ میں مسلمانوں کو جو کچھ پیش آیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تھا۔ اس ارشاد کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں اسی طرح لکھا تھا اور دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر کفار کے خلاف برسرِ پیکار ہوئے جس کے نتیجے میں تمہیں زخم اور پریشانی اٹھانا پڑی۔ اس کے پیچھے یہ فلسفہ کار فرما تھا کہ مومنوں اور منافقوں کے درمیان حدِ فاصل قائم ہو جائے۔ جب مخلص مسلمان منافقوں کو سمجھا رہے تھے کہ آؤ اللہ کے راستے میں قتال کرو اگر تم لڑنے پر آمادہ نہیں ہو تو کم از کم ہمارے ساتھ شامل ہو کر دفاع کو مضبوط بناؤ۔ لیکن منافق تو یہی کہے جا رہے تھے کہ اگر ہم اسے قتال فی سبیل اللہ سمجھتے تو ضرور تمہارے ساتھ شامل ہوتے کیونکہ اتنے بڑے لشکر کے ساتھ لڑنا سراسر خودکشی کرنے کے مترادف ہے۔ ایسی صورت میں ہم تمہارے ساتھ کس طرح کھڑے رہ سکتے ہیں؟

بہر حال منافقین نے واپسی کا فیصلہ کیا تو اس نازک ترین موقعہ پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کا فرض یاد دلانا چاہا کہ واپس آؤ۔ اللہ کی راہ میں لڑو یا دفاع کرو مگر انہوں نے جواب میں کہا کہ اگر ہم جانتے کہ واقعی جہاد ہے تو ہم ضرور تمہارے ساتھ شامل ہوتے یہ جواب سن کر حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے واپس آئے کہ اللہ کے دشمنو! تم پر اللہ کی مار ہو۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تم سے بے نیاز کر دے گا۔

(الرحیق المختوم: عبد اللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کی سرکشی)

درحقیقت منافق یہ بہانہ بنا کر مسلمانوں کو کمزور اور کفار پر اپنی ہمدردیاں ظاہر کرنا چاہتے تھے کیونکہ حقیقت میں منافق مسلمانوں کے بجائے کفار کے قریب ہوا کرتے ہیں اور اس دن بھی ایسا ہی تھا۔ منافق مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لیے وہ کچھ اپنی زبان سے ظاہر کرتے ہیں جو ان کے دل کی آواز نہیں تھی۔ وہ مسلمانوں سے اپنا خبثِ باطن چھپا سکتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت میں وہ کچھ نہیں چھپا سکتے۔

مسائل

۱۔ اُحد کے دن پہنچنے والی مصیبت میں مومنوں کا امتحان تھا۔ ۲۔ منافق ایمان کی بجائے کفر کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

۳۔ منافق کا دعویٰ فریب پر مبنی ہوتا ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ آزمائش کے ذریعے مومن اور منافق کے درمیان امتیاز پیدا کرتا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جو لوگ چھپاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

منافق کی نشانیاں:

۱۔ منافق کو مسلمان کی بھلائی اچھی نہیں لگتی۔ (آلِ عمران: ۱۲۰)

۲۔ منافق صرف زبان سے حق کی شہادت دیتا ہے۔ (المنافقون: ۱) ۳۔ منافق کفار سے دوستی رکھتا ہے۔ (البقرۃ: ۱۴)

۴۔ منافق دنیا کے فائدے کے لیے اسلام قبول کرتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۰)

۵۔ منافق اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ سنجیدہ نہیں ہوتا۔ (البقرہ: ۱۴)

۶۔ منافق مسلمانوں کو حقیر سمجھتا ہے۔ (المنافقون: ۸) ۷۔ منافق کفر کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ (آلِ عمران: ۱۶۷)

۸۔ منافق ریاکار ہوتا ہے۔ (النساء: ۱۴۲) ۹۔ منافق جھوٹا ہوتا ہے۔ (البقرہ: ۱۰)

۱۰۔ منافق بھلائی سے روکنے والا اور برائی کی دعوت دینے والا ہوتا ہے۔ (التوبہ: ۶۷)

۱۱۔ منافق اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے حوالے سے بہت تنگ دل ہوتا ہے۔ (التوبہ: ۶۹)

۱۲۔ منافق ہمیشہ توہین آمیز گفتگو کرنے والا ہوتا ہے۔ (التوبہ: ۶۱)

اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ وَقَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا

وہ لوگ انہوں نے کہا اپنے بھائیوں کے بارے میں اور وہ بیٹھے رہے اگر وہ ہماری مانتے وہ نہ مارے جاتے

قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِكُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۶۸﴾

فرما دیجئے تم ہٹا دو سے اپنے آپ موت اگر تم ہو سچے

''یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کئے جاتے۔ آپ فرما دیجئے: اگر تم سچے ہو تو اپنے آپ سے موت ہٹا کر دکھاؤ۔'' (۱۶۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

بدر میں مسلمانوں کے ساتھ منافق شامل نہیں تھے اس لیے مسلمان پوری یکسوئی کے ساتھ جان توڑ کر لڑے۔ اُحد کا معاملہ نہایت ہی مختلف تھا کہ پہلے دن کی مشاورت سے لے کر دونوں جماعتوں کے مدِ مقابل آنے تک منافقوں کی بھاری تعداد مسلمانوں کے ساتھ شامل رہی۔ منافق ایک سوچی سمجھی گہری سازش کے تحت اس وقت مسلمانوں کو چھوڑ کر الگ ہوئے جب اہلِ مکہ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ منافقین نے جان بوجھ کر مسلمانوں میں ہر قسم کی غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ مسلمان بددل ہو کر کفار کے سامنے ہتھیار ڈال دیں۔ اس طرح ایک تیر سے دو شکار ہو جائیں۔ ایک طرف مسلمان ذلیل ہوں اور دوسری طرف منافقت کا پردہ چاک نہ ہونے پائے۔ اسی سازش کا تسلسل تھا کہ وہ آخر تک مسلمانوں کو بزدل بنانے کی کوشش کرتے رہے۔ میدانِ جنگ میں منافق جب ٹولیوں کی صورت میں کفار کو دکھا دکھا کر نکل رہے تھے تو بعض صحابہ کرام جن میں سرفہرست جابر کے والد جناب عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ تھے انہوں نے سرتوڑ کوشش کی کہ کسی طریقے سے منافق مسلمانوں سے الگ ہونے سے باز آجائیں لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

اُحد میں مسلمان شہید ہوئے تو منافقین نے ان کے لواحقین کو بداعتقادی کا شکار کرنے اور ان کی پریشانی میں اضافہ کرنے کے لیے کہا کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو اس طرح قتل نہ کیے جاتے، خواہ مخواہ اور بے مقصد ان لوگوں نے اپنی جانوں کو ضائع کیا ہے۔ خاص طور پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بارے میں انہوں نے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ یہ تو جانور کی موت مرا کیونکہ افراتفری کے عالم میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ہی کسی ساتھی کی تلوار کا وار لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ اس گفتگو اور حرکات پر منافقین کا تعاقب کرتے ہوئے انہیں چیلنج دیا گیا کہ جب تمہیں موت آئے گی تو اسے اپنے سے دھکیل کر اپنے آپ کو بچا کر دکھانا اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو؟

مسائل

۱۔ موت سے کوئی بھی چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ ۲۔ منافق مسلمانوں کے ساتھ مخلص نہیں ہوتا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ
اور ہرگز خیال نہ کروتم جولوگ مارے گئے میں راہ اللہ مردہ (جمع) بلکہ زندہ (جمع)

عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ
پاس اپنے رب وہ رزق دیے جاتے ہیں خوش ہونیوالے ساتھ اسکے جو انہیں دیا اللہ

مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ
اپنے فضل سے وہ خوشی کا پیغام دیتے ہیں ان لوگوں کو نہیں ملے ان سے سے انکے پیچھے

اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ
یہ کہ نہیں خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے وہ خوشیاں منا رہے ہیں نعمت کے ساتھ

مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾
سے اللہ اور فضل اور بیشک اللہ نہیں ضائع کرتا اجر ایمان والے

وقف لازم — ع ۱۷ / ۸

''جولوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو۔ وہ تو زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق دیے جاتے ہیں۔ (۱۶۹) اللہ تعالیٰ نے جو اپنا فضل انہیں دے رکھا ہے اس سے خوش ہیں اور خوش خبری دیتے ہیں ان لوگوں کو جو ان سے نہیں ملے اور ابھی ان کے پیچھے ہیں انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (۱۷۰) وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ خوش ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔'' (۱۷۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: شہداء کا مرتبہ اور منافقوں کی ہرزہ سرائی کا جواب۔

منافقوں نے اُحد کے شہداء کے بارے میں بھی ہرزہ سرائی کی کہ یہ بے وجہ اور فضول موت مرے ہیں۔ اس لیے شہداء کے بارے میں فرمایا ہے کہ انہیں مردہ نہ کہو۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے خون کا آخری قطرہ بہا کر آنے والی نسلوں کے لیے یہ ثابت کر دیا کہ اللہ کے دین کا پرچم سر بلند رکھنے کے لیے ہر چیز قربان کر دینا چاہیے کیونکہ شہید اللہ تعالیٰ کا دین اور کام سر بلند رکھتا ہے اس لیے اس کا صلہ یہ ہے کہ اس کا نام بھی رہتی دنیا تک سر بلند رکھا جائے۔ اس بنا پر حکم دیا کہ انہیں مردہ سمجھنا اور کہنا جائز نہیں۔ یہ گراں مایہ لوگ اللہ کے ہاں زندہ اور انہیں ہر قسم کی نعمتوں سے نوازا جا رہا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عنایات پر اتنے خوش ہیں کہ اپنے سے پیچھے رہ جانے والوں کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ شہادت کے میدان میں آگے بڑھو اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں کٹ مرو۔ کیونکہ اس کے بعد نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی حزن وملال۔ شہداء اپنے سے پیچھے رہنے والے مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے فضل وکرم کا پیغام دیتے ہوئے یقین دہانی کرواتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے

اجر میں ذرّہ برابر کمی نہیں کرے گا کیونکہ وہ کسی کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

رسولِ محترم ﷺ نے شہداء کا مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے خاص کر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والدِ گرامی کا ذکر فرمایا۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا جابر رضی اللہ عنہ اور سات یا نو بیٹیاں تھیں۔ حضرت جابر نو عمر تھے ان کے والد نے خاصہ قرض چھوڑا۔ باپ کی شہادت، قرض اور جوان بہنوں کی وجہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ مغموم رہا کرتے تھے ایک دن آپ نے جابر کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کو اپنے حضور بلا کر پوچھا کہ تم مزید کیا چاہتے ہو؟ اس نے عرض کی کہ الٰہی! مجھے دنیا میں واپس بھیجا جائے تاکہ تیرے راستے میں دوبارہ شہادت کا مرتبہ پاؤں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے کہا تو پھر میرا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا جائے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

(رواہ ابنِ ماجۃ: کتاب المقدمۃ، باب فیما انکرت الجھمیۃ [حسن])

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قرض اور اس کی ادائیگی کا انتظام:

«عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ تُوُفِّیَ عَبْدُاللهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ حَرَامٍ رضی اللہ عنہ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَاسْتَعَنْتُ النَّبِیَّ ﷺ عَلٰی غُرَمَائِهٖ أَنْ يَّضَعُوْا مِنْ دَيْنِهٖ فَطَلَبَ النَّبِیُّ ﷺ إِلَيْهِمْ فَلَمْ يَفْعَلُوْا فَقَالَ لِیَ النَّبِیُّ ﷺ اذْهَبْ فَصَنِّفْ تَمْرَكَ أَصْنَافًا الْعَجْوَةَ عَلٰی حِدَةٍ وَعَذْقَ زَيْدٍ عَلٰی حِدَةٍ ثُمَّ أَرْسِلْ إِلَیَّ فَفَعَلْتُ ثُمَّ أَرْسَلْتُ إِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَجَاءَ فَجَلَسَ عَلٰی أَعْلَاهُ أَوْ فِیْ وَسَطِهٖ ثُمَّ قَالَ كِلْ لِلْقَوْمِ فَكِلْتُهُمْ حَتّٰی أَوْفَيْتُهُمُ الَّذِیْ لَهُمْ وَبَقِیَ تَمْرِیْ كَأَنَّهٗ لَمْ يَنْقُصْ مِنْهُ شَیْءٌ» (رواہ البخاری: کتاب البیوع، باب الکیل علی البائع والمعطی)

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب (میرے باپ) عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو ان کے ذمہ لوگوں کا قرض باقی تھا۔ میں نے نبی کریم ﷺ کے ذریعے کوشش کی کہ قرض خواہ اپنے قرض میں کچھ معاف کر دیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا لیکن وہ نہ مانے۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ جاؤ اپنی تمام کھجور کی قسموں کو الگ الگ کرلو۔ عجوہ ایک خاص قسم کی کھجور کو الگ رکھو اور عذق زید کھجور کی قسم کو الگ کر کے مجھے بلا لینا۔ میں نے ایسا ہی کیا اور نبی کریم ﷺ کو کہلا بھیجا۔ آپ تشریف لائے اور کھجوروں کے ڈھیر کے درمیان بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اب ان قرض خواہوں کو ناپ کر دیتے رہو۔ میں نے ناپنا شروع کیا جتنا قرض لوگوں کا تھا میں نے سب ادا کر دیا پھر بھی کھجوریں جوں کی توں تھی۔ ان میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی۔“

مسائل

۱۔ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے مردہ نہیں ہوتے۔ ۲۔ شہید اللہ کے ہاں زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں۔

۳۔ شہید اللہ کے فضل کے ساتھ خوش اور اپنے سے پیچھے لوگوں کو خوشخبری کا پیغام دیتے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ۵۔ شہداء کا مرتبہ و مقام البقرۃ آیت ۱۵۴ کے تحت دیکھیں۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ

جولوگ انہوں نے قبول کیا اللہ کیلئے اور رسول سے بعد جو پہنچا انہیں زخم

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٢﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ

ان لوگوں کیلئے انہوں نے نیکی کی ان میں سے اور پرہیز گاری کی اجر بڑا وہ لوگ اس نے کہا ان کیلئے

النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ

لوگ (جمع) بیشک لوگ تحقیق جمع ہوئے ہیں تمہارے لیے پس ان سے ڈرو تو زیادہ کیا ان کو ایمان

وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿١٧٣﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ

اور انہوں نے کہا ہمارے لیے کافی اللہ اور اچھا ہے کارساز پھر وہ لوٹے نعمت کیساتھ سے اللہ اور فضل

لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿١٧٤﴾

نہیں انہیں پہنچا کوئی نقصان اور انہوں نے پیروی کی رضامندی اللہ اور اللہ فضل والا بڑا

''جن لوگوں نے زخمی ہونے کے باوجود اللہ اور رسول کے حکم کو قبول کیا ان میں سے جس نے نیکی کی اور پرہیز گاری اختیار کی ان کے لیے بڑا اجر ہے۔ (۱۷۲) جب ان کو لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلے میں لشکر جمع کر لیے ہیں۔ تم ان سے ڈر جاؤ تو اس خبر نے انہیں ایمان میں بڑھا دیا اور وہ پکار اٹھے کہ ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ (۱۷۳) پھر وہ اللہ کی نعمت وفضل کے ساتھ لوٹے انہیں کوئی نقصان نہ ہوا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی طلب کرنے والے ہوئے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔'' (۱۷۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُحد کی ہزیمت کے بعد کفار کی دھمکی کا مسلمانوں کی طرف سے ردّ عمل جس میں ان کے ایمان کی تعریف کی گئی ہے۔

منافقوں کے کردار اور ان کی ہرزہ سرائی کے ذکر کے بعد اللہ کے راستے میں کٹ مرنے والوں کی حیاتِ جاوداں اور دنیا وآخرت میں ان کے مقام وانعام کا ذکر کرتے ہوئے ان کے احترام کا لحاظ رکھنے کی تلقین کرنے کے بعد غازیوں اور مجاہدوں کا ایک دفعہ پھر تذکرہ ضروری سمجھا گیا جنہیں اُحد کی شکست کے فوراً بعد کفار کے کمانڈر ابوسفیان نے یہ چیلنج دیا تھا کہ میں تم پر دوبارہ حملہ آور ہورہا ہوں۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اُحد کے میدان میں مسلمانوں کو بھاری نقصان پہنچانے کے باوجود کفار کو مزید ٹھہرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ کچھ دور جا کر انہوں نے سوچ وبچار کے بعد اس طرح بے مراد لوٹنے پر افسوس کا اظہار کیا۔ بالآخر یہ طے کیا کہ ہمیں مدینے پر حملہ کر کے مسلمانوں کی رہی سہی طاقت کو تہس نہس کر دینا چاہیے۔ اس کے لیے اعصابی حربہ استعمال کرتے ہوئے انہوں نے نعیم بن مسعود اشجعی کو انعام کا لالچ دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مدینہ جا کر مسلمانوں کو اس طرح مرعوب کرے کہ وہ ہمارے مدِ مقابل آنے کی تاب نہ لا کر ہمارے سامنے ہتھیار پھینک دیں۔ اس نے ایسا ہی کیا لیکن

مسلمانوں کا ردّعمل اس قدر شدید اور ایمان افروز تھا کہ انہوں نے بیک زبان ہو کر کہا ہمیں کسی کی مدد کی ضرورت نہیں، ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے جو بہترین کارساز ہے۔ البتہ ابوسفیان کے اعصابی حملے کا جواب دیتے ہوئے رسول کریم ﷺ نے معبد بن ابی معبد الخزاعی کو بھیجا یہ شخص کافر ہونے کے باوجود مسلمانوں سے ہمدردی رکھتا تھا جس وجہ سے یہ اُحد کی شکست کے بعد مدینہ آیا اور اس نے آپ سے عرض کی کہ ان حالات میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ تب آپ ﷺ نے اسے ذمہ داری سونپی کہ وہ ابوسفیان کے پاس جا کر اس طرح کی گفتگو کرے کہ کفار کے چھکے چھوٹ جائیں۔ چنانچہ اس نے یہ فریضہ انجام دیتے ہوئے ابوسفیان کے سامنے مسلمانوں کی طرف سے حالات کا ایسا نقشہ پیش کیا کہ اس کے اعصاب ٹوٹ گئے اور اس نے مکہ کی راہ اختیار کرنے میں اپنے لیے عافیت سمجھی۔ اس نازک موقعہ پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے غیر معمولی کردار کو خراجِ تحسین سے نوازتے ہوئے فرمایا کہ جن لوگوں کو گہرے زخم آئے تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اللہ اور رسول کی آواز پر لبیک کہا اور کفار سے ڈرنے کی بجائے ان کے ایمان میں اضافہ ہوا۔ وہ کفار کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے یہ قدم اٹھایا تھا جس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن کو مرعوب اور پسپا کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے وہاں دس دن قیام فرمایا یہ مقام تجارتی قافلوں کی گزرگاہ کے قریب تھا۔ بعض صحابہ نے خوب تجارت کی اس طرح مسلمان کاروباری فوائد کے ساتھ بڑی شان و شوکت کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔ (الرحیق المختوم) یاد رہے کہ نبی معظم ﷺ نے دوبارہ کفار کے لشکر کے مقابلے میں صرف ان مجاہدوں کو اپنے ساتھ نکلنے کا حکم دیا جو اُحد میں آپ کے ساتھ شامل تھے۔

اس آیت میں صحابہ کی تجارت، ایمان سے لبریز ولولہ اور کفار کے مقابلہ میں کامیابی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

مسائل

۱۔ تقویٰ اختیار کرنے، اللہ اور اس کے رسول کی بات ماننے والوں کے لیے اجرِ عظیم ہے۔
۲۔ مسلمان کفار سے ڈرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کو اپنا کارساز سمجھیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنے اور اس کی رضا چاہنے والوں پر اللہ کا فضلِ عظیم ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے:

۱۔ رسولِ کریم ﷺ کو اللہ پر توکل کرنے کی ہدایت۔ (النمل: ۷۹)
۲۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا حکم۔ (المجادلہ: ۱۰) ۳۔ انبیاء اور نیک لوگ اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ (یوسف: ۶۷)
۴۔ جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے کافی ہو جاتا ہے۔ (الطلاق: ۳)
۵۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔ (التوبہ: ۱۲۹)

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ

صرف | یہ تمہیں | شیطان | ڈراتا ہے | اپنے دوستوں سے | سو نہ | ان سے ڈرو | اور ڈرو مجھ سے

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

اگر | تم ہو | ایمان والے

''یہ صرف شیطان ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ہی ڈرو اگر تم مومن ہو۔'' (۱۷۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُحد میں مقابلہ یا اس کے بعد کفار کی دھمکیاں دراصل شیطانی ہتھکنڈے ہیں جن سے ڈرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔

اُحد کی لڑائی اور کفار کی دھمکیوں کے بعد مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے سمجھا دیا گیا کہ کبھی اور کسی حال میں بھی شیطان اور اس کے چیلوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کے مکروفریب بظاہر بڑے مضبوط اور خوفناک نظر آتے ہیں لیکن اگر کامل ایمان کے ساتھ تم اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرو گے تو کفار کی سازشیں اور شرارتیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ شیطان اور غیروں کے خوف کی بجائے اللہ تعالیٰ کا خوف اپنے سینوں میں جاگزیں کرو۔ جس کا خاصہ یہ ہے کہ آدمی بڑی سے بڑی طاقت اور سازش سے خوفزدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایک وقت میں دل میں ایک ہی کا خوف سما سکتا ہے۔ کامیابی کے لیے یہی بنیادی اصول ہے کہ مسلمان غیر سے ڈرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس پر بھروسہ رکھنے اور اپنی زندگی ایمان کے سانچے میں ڈھال لینے والے کبھی ناکام اور نامراد نہیں ہوا کرتے۔

مسائل

۱۔ شیطان اپنے دوستوں سے مسلمانوں کو ڈراتا ہے۔ ۲۔ ان سے ڈرنے کے بجائے اللہ سے ڈرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کا خوف:

۱۔ مومنوں کو اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرنا چاہیے۔ (البقرۃ: ۱۵۰)

۲۔ اللہ کے بندے صرف اللہ سے ہی ڈرتے ہیں۔ (المائدۃ: ۲۸)

۳۔ نبی صرف اللہ سے ڈرتا ہے۔ (یونس: ۱۵، الزمر: ۳) ۴۔ اللہ سے ڈرنے والے ہی کامیاب ہوا کرتے ہیں۔ (النور: ۵۲)

۵۔ مومنوں کی استقامت دیکھ کر شیطان خود ڈر جاتا ہے۔ (الانفال: ۴۸)

۶۔ کفار اور منافق اللہ تعالیٰ کی بجائے لوگوں سے ڈرتے ہیں۔ (النساء: ۷۷)

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ

اور نہ آپ کو غمگین کریں جو لوگ جلدی کرتے ہیں کفر میں یقیناً وہ ہرگز نہ بگاڑ سکیں گے اللہ کچھ

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

چاہتا ہے اللہ کہ نہ ہو ان کے لیے کوئی حصہ میں آخرت اور ان کیلئے عذاب بڑا بیشک وہ لوگ

اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾

انہوں نے خرید لیا کفر ایمان کے بدلے ہرگز نہیں بگاڑ سکیں گے اللہ کچھ اور ان کیلئے عذاب دردناک

”کفر میں آگے بڑھنے والے لوگ آپ کو پریشان نہ کریں یہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ رہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔(۱۷۶) کفر کو ایمان کے بدلے خریدنے والے اللہ تعالیٰ کو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“(۱۷۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار کی سازشوں اور شیطان کے ساتھیوں کی شرارتوں سے دل گیر نہیں ہونا چاہیے انہیں تو دنیا اور آخرت میں اذیت ناک سزا ملنے والی ہے۔

رسولِ محترم ﷺ نے ہمیشہ منافقوں کے ساتھ درگزر کا رویہ اختیار کیا اور ہر موقع پر انہیں سمجھاتے رہے تاکہ ان کی دنیا اور آخرت سدھر جائے۔ لیکن وہ سدھرنے کے بجائے شرارتوں اور منافقت میں آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔ آپ کی درگزر اور اعلیٰ ظرفی سے انہوں نے ہمیشہ غلط فائدہ اٹھایا اور ہر نازک موقعہ پر خبثِ باطن کا اظہار اور اسلام کے دشمنوں کے ساتھ ساز باز کرتے رہے۔ اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کا پلڑا ہلکا رہا جس سے انہیں امید ہوگئی کہ اب مسلمان ختم ہو جائیں گے اس لیے سرِ عام مسلمانوں سے الگ ہو گئے۔ ان کے منافقت میں آگے بڑھنے اور مسلمانوں سے الگ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو دلی رنج پہنچا کہ یہ کیسے ناعاقبت اندیش اور بدنصیب لوگ ہیں؟ جو سدھرنے کی بجائے نافرمانیوں میں آگے ہی بڑھتے جا رہے ہیں اس پر آپ کو تسلی دی گئی کہ میرے نبی! اطمینانِ خاطر رکھو کیونکہ آپ کا کام تو فقط سمجھانا ہے جس میں آپ نے کسی غفلت کا ارتکاب نہیں کیا۔ کفار اور منافق جو چاہیں کرلیں اللہ اور اس کے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ رہے۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان کے مقابلے میں کفر کو ترجیح دیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے ان کو عظیم اور اذیت ناک عذاب ہوگا۔

مسائل

۱۔ کفار کی سرگرمیاں رسولِ محترم ﷺ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں۔

۲۔ ایمان کے بجائے کفر کو ترجیح دینے والے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا

اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ انہوں نے کفر کیا صرف ہم ڈھیل دیتے ہیں انہیں بہتر ان کے نفسوں کیلئے درحقیقت

نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ

ہم ڈھیل دیتے ہیں انہیں تاکہ وہ بڑھ جائیں گناہ اور ان کے لیے عذاب ذلیل کرنیوالا نہیں ہے اللہ کہ چھوڑ دے

الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ

ایمان والے پر جو تم اس پر یہاں تک کہ جدا کر دے ناپاک سے پاک اور نہیں ہے

اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠

اللہ کہ تمہیں مطلع کر دے پر غیب اور لیکن اللہ چن لیتا ہے سے اپنے رسولوں جس کو وہ چاہے

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

تو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو تمہارے لیے اجر بڑا

”کافر ہماری دی ہوئی مہلت کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں یہ مہلت تو ہم نے اس لیے دی ہے کہ وہ گناہوں میں اور بڑھ جائیں اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ (۱۷۸) اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اسی حال پر نہیں چھوڑے گا جب تک کہ وہ پاک اور ناپاک کو الگ الگ نہ کر دے اور نہ اللہ ایسا کرے گا کہ تمہیں غیب کی باتوں سے آگاہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کا چاہے انتخاب کر لیتا ہے اس لیے تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو۔ اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لیے بڑا اجر ہے۔“ (۱۷۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار کا کفر کے کاموں میں جلدی کرنے کے باوجود انہیں مہلت دینے کا مقصد یہ ہے کہ یہ دل بھر کر گناہ کر لیں تاکہ قیامت کو انہیں ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے۔

اُحد میں کفار مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار تھے اور منافق ہمدرد اور خیر خواہ بن کر ان کے حق میں خفیہ کردار ادا کر رہے تھے۔ جس کی وجہ سے کبھی کافروں کے کردار پر تنقید کی جاتی ہے اور کبھی منافقوں کے رویے کو ہدف بنایا جاتا ہے۔ بسا اوقات منافقوں کے کردار اور اعتقاد کی بنا پر ان کے لیے بھی کفر کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس فرمان میں منافق اور کافر دونوں ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ تاہم کفار کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اگر اُحد میں تھوڑی سی کامیابی اور دنیا میں تمہیں کچھ مہلت میسر ہے تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہم جو مہلت دیے جا رہے ہیں اس میں تمہارے لیے کوئی خیر ہو سکتی ہے۔ اگر اللہ کی گرفت سے بچے ہوئے ہو تو اس لیے نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان حرکتوں سے بے خبر ہے یا اس کی دسترس سے تم باہر ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری رسی ڈھیلی اور دراز کر رکھی ہے تاکہ گناہ کرنے میں تمہیں کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ جب اللہ تعالیٰ گرفت کی رسی کھینچے گا تو وہ تمہاری گردن میں اس

طرح پھندا بن جائے گی جس سے چھٹکارا پانا ممکن نہ ہوگا اور کافر ہمیشہ کے لیے ذلیل کر دینے والے عذاب میں سزائیں بھگتتے رہیں گے۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہمیشہ کسمپرسی کی حالت میں اور منافقوں کو ان کے ساتھ خلط ملط رہنے دے۔ اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کر رہا ہے جس سے منافق الگ ہوتے جا رہے ہیں جیسا کہ اُحد میں ہوا۔ یہاں مومنوں کے وجود اور کردار کو طیب اور منافقوں کے کردار کو خبیث کہا گیا ہے۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں مومن کتنے عمدہ، پاک اور منافق کس قدر گندے ہیں۔ اللہ کے ہاں یہ بھی درست نہیں کہ وہ ہر کسی کو اپنی تقدیر یعنی امورِ غائب سے مطلع کرتا رہے۔ ایک تو اس لیے کہ ہر شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے بھید پانے اور برداشت کرنے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے غیب کی اطلاع کے لیے پیغمبروں کو منتخب کر رکھا ہے۔ ان میں بھی جس پیغمبر کو جتنا چاہا امورِ غیب سے آگاہ فرمایا۔ لوگوں کا فرض ہے کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائیں اگر کافر اور منافق بھی ایمان لائیں تو ایمانداروں کی طرح یہ بھی اجرِ عظیم پائیں گے۔ بعض لوگ پیروں، فقیروں اور علماء کے حوالے سے ایسے واقعات لکھتے اور بیان کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ بھی غیب کے واقعات جانتے تھے۔ یہاں دوٹوک الفاظ میں اس عقیدے کی نفی کی گئی ہے۔ جہاں تک انبیاء کا معاملہ ہے ان کے بھی درجنوں واقعات ہیں کہ وہ غیب کا علم ہرگز نہیں جانتے تھے۔ اس کے باوجود بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کرنے کی کوشش کی ہے کہ انبیاءِ کرام خود تو غیب کا علم نہیں جانتے تھے لیکن انہیں عطائی علم غیب ضرور تھا۔ عطائی کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بتلایا ہوا اور عطا کردہ علم۔ علم غیب کی یہ تعریف بذاتِ خود مضحکہ خیز ہے۔ جب اللہ تعالیٰ انبیاء یا کسی کو کوئی بات بتلا دے تو وہ غیب کس طرح رہا۔ یہ بات علم غیب کی تعریف میں نہیں آتی اس لیے رسولِ کریم ﷺ کی زبانِ اطہر سے کئی بار یہ اعلان کروایا گیا کہ آپ ازخود یہ اعلان فرمائیں کہ میں غیب کا علم نہیں جانتا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ڈھیل کفار کے لیے بہتر نہیں ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کے بغیر کسی کو غیب کی خبریں نہیں دیتا۔

۳۔ ایمان اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے اجرِ عظیم ہے۔

تفسیر بالقرآن

کفار کے لیے مہلت مفید نہیں:

۱۔ ڈھیل کفار کے لیے گناہوں کا باعث بنتی ہے۔ (آلِ عمران: ۱۷۸)

۲۔ کفار اور بخیل کے لیے مہلت نقصان دہ ہے۔ (آلِ عمران: ۱۸۰) ۳۔ کفار کے لیے دنیا کی فراوانی نقصان دہ ہے۔ (الانعام: ۴۴)

نبی غیب نہیں جانتے:

۱۔ اللہ ہی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (الانعام: ۵۹)

۲۔ آپ فرما دیں کہ غیب اللہ ہی کے لیے ہے۔ (یونس: ۲۰) (النمل: ۶۵) (ھود: ۳۱)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ

اور ہرگز خیال نہ کریں جو لوگ بخل کرتے ہیں اس کے ساتھ جو انہیں دیا اللہ سے

فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ

اپنا فضل وہ بہتر ان کے لیے بلکہ وہ بُرا ان کیلئے عنقریب طوق پہنائے جائینگے

مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

جو انہوں نے بخل کیا اس کے ساتھ قیامت کے دن اور اللہ کے لیے میراث آسمانوں اور زمین

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١٨٠﴾ ع ۱۸ ۹

اور اللہ اس کو جو تم کرتے ہو باخبر

’’جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ بخل کو اپنے لیے بہتر نہ سمجھیں بلکہ بخل کرنا ان کے لیے برا ہے عنقریب قیامت کے دن وہ بخل والی چیز ان کے گلے میں ڈالی جائے گی۔ اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی ملکیت ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔‘‘ (۱۸۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مال اور جان اللہ کے راستے میں قربان کرنے چاہئیں۔ منافق مخلص مسلمانوں کو جہاد پر خرچ کرنے سے روکتے تھے اس لیے اُحد کے غزوہ پر تبصرہ کرتے ہوئے بخل کی مذمت کی گئی ہے۔

منافق مسلمانوں کو صرف جہاد فی سبیل اللہ سے دلبرداشتہ اور منع ہی نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کو مایوس کرنے کی کوشش بھی کرتے۔ ان کا اپنا حال یہ تھا کہ جہاد فی سبیل اللہ سے دور بھاگتے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے بچنے کی کوشش کرتے اور ’’اللہ‘‘ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی بجائے اسے جمع رکھنے کے روّیے پر گامزن تھے۔ ایک موقع پر انہوں نے یہاں تک مہم چلائی اور زبان درازی کرتے ہوئے ایک دوسرے کو کہا کہ مسلمانوں کے ساتھ قطعاً تعاون نہیں کرنا چاہیے تاکہ یہ تنگ آکر مدینہ خالی کر دیں اس طرح مدینہ گھٹیا لوگوں سے پاک ہو جائے گا۔ [المنافقون:۸] یہاں منافقوں کے حوالے سے ہر کسی کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ غریبوں، مسکینوں اور جہاد فی سبیل اللہ پر خرچ کرنے کی بجائے بخل کرتے ہیں وہ یہ گمان نہ کریں کہ جو مال اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا ہے وہ جمع کرنے کی صورت میں ان کے لیے بہتر ہوگا بلکہ جس مال کو اپنے مستقبل کی بہتری کے لیے جمع کر رہے ہیں وہ ان کے لیے انتہائی نقصان دہ ثابت ہوگا۔ عنقریب درہم و دینار اور سونا چاندی جہنم میں تپا کر قیامت کے دن ان کے گلے کا ہار بنا دیے جائیں گے۔ ان بخیلوں اور کنجوسوں کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حقیقتاً اللہ ہی زمین و آسمان کی میراث کا وارث ہے۔ اگر یہ پلٹ کر دیکھیں تو انہیں معلوم ہو

جائے گا کہ زمین کی ملکیت کا دعوی کرنے اور دنیا کا مال ومتاع جمع کرنے والے ان سے پہلے لوگ کہاں ہیں؟ ان پر بھی وقت آئے گا جب ان کی جائیداد کا وارث دوسرا بنے گا تو پھر کیوں نہ یہ اللہ کے دین کی سربلندی اور اس کے مجبور بندوں پر خرچ کیا کریں۔ جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے۔

{ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۝ } (التوبۃ:۳۵)

”قیامت کے دن مال کو جہنم کی آگ میں گرم کر کے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں پر داغا جائے گا۔ کہا جائے گا یہ ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تم چکھو جو کچھ جمع کرتے تھے۔“

«عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ لَا يُؤَدِّيْ زَكَاةَ مَالِهِ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ عُنُقِهِ شُجَاعًا ثُمَّ قَرَأَ عَلَيْنَا مِصْدَاقَهُ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ {وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ} الآيَةَ»

(رواہ الترمذی: کتاب: تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ آلِ عمران [صحیح])

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس بات کو نبی کریم ﷺ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت یہ مال اس کی گردن میں گنجا سانپ بنا کر ڈالے گا۔ پھر آپ نے کتاب اللہ سے اس آیت کی تلاوت کی {وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ}۔“

مسائل

۱۔ بخیل کے لیے اس کا بخل کرنا کبھی بہتر نہیں ہوگا۔ ۲۔ رزقِ حلال اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرتے رہنا چاہیے۔
۴۔ قیامت کے دن بخیل کا مال سانپ بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔
۵۔ زمین وآسمان کی حقیقی اور دائمی ملکیت اللہ ہی کی ہے۔ ۶۔ اللہ ہر کسی کے اعمال سے باخبر ہے۔

تفسیر بالقرآن

بخل اور بخیل کا انجام:

۱۔ خزانے جمع کرنے والوں کو عذاب کی خوشخبری۔ (التوبہ: ۳۴) ۲۔ بخیل اپنا مال ہمیشہ باقی نہیں رکھ سکتا۔ (ھمزہ: ۳)
۳۔ بخیل کے مال کے ذریعے ہی اسے سزا دی جائے گی۔ (التوبہ: ۳۵)
۴۔ مالدار بخل کو اپنے لیے اچھا تصور کرتے ہیں حالانکہ وہ ان کے لیے برا ہے۔ (آل عمران: ۱۸۰)

وقف لازم

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ

البتہ تحقیق سن لیا اللہ بات وہ لوگ انہوں نے کہا بیشک اللہ فقیر اور ہم مالدار

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ

اب ہم لکھ رکھیں گے جو انہوں نے کہا اور ان کا قتل کرنا انبیاء ناحق اور ہم کہیں گے تم چکھو عذاب

الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ ۚ

جلانے والا یہ اس کا بدلہ جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھ اور بیشک اللہ نہیں ظلم کرنے والا بندوں پر

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا کہا سن لیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ ان کا بلا وجہ انبیاء کو قتل کرنا اور ان کی بات کو ہم لکھ لیں گے اور ہم ان سے کہیں گے کہ جلا دینے والا عذاب چکھو۔ (۱۸۱) یہ تمہارے پیش کردہ اعمال کا نتیجہ ہے اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔'' (۱۸۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مسلمانوں میں بخل کا ماحول پیدا کرنے کے لیے یہودیوں نے منافقوں کو یہ کہہ کر مالی تعاون سے منع کیا کہ مسلمانوں کا رب کنگال ہو گیا ہے اور ہم مال والے ہیں یہاں ان کے بخل کی مذمت اور ان کی گستاخی کی سزا سنائی گئی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہودیوں کے مدرسہ بیت المدراس میں فنحاص یہودی عالم کے پاس گئے۔ اسے فرمایا کہ اللہ سے ڈرتے ہوئے مسلمان ہو جاؤ۔ کیونکہ تو جانتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول ہیں اور یہ بات تورات وانجیل میں بھی لکھی ہوئی ہے۔ فنحاص نے جواب دیا کہ ہم اللہ کے محتاج نہیں۔ البتہ وہ ضرور ہمارا محتاج ہے اگر وہ ہمارا محتاج نہ ہوتا تو ہم سے قرضے کا مطالبہ نہ کرتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غصے میں آئے اور اس کے منہ پر تھپڑ رسید کیا اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر ہمارا آپس کا معاہدہ نہ ہوتا تو اے اللہ کے دشمن! میں تیری گردن اڑا دیتا۔ فنحاص یہ معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے وجہ دریافت کی تو انہوں نے سارا واقعہ بیان کیا۔ فنحاص نے جب اپنی بات کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق میں یہ آیات نازل فرمائیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

انفاق فی سبیل اللہ کی تحریک کے خلاف منافقوں نے اپنے طریقہ کے مطابق کوشش اور زبان درازی کی۔ لیکن یہودیوں نے ہرزہ سرائی کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ اب یہ نبی اور اس کا خدا لوگوں سے قرض کے نام پر چندہ مانگ رہے ہیں۔ در حقیقت مسلمانوں کا خدا فقیر اور کنگال ہو گیا ہے ہم ان کے مقابلے میں غنی اور دولت مند ہیں۔ جو خود لوگوں سے مانگتا ہے وہ ہمیں کہاں سے دوگنا تگنا کر کے واپس کرے گا؟ [الرحیق المختوم]

اس ہرزہ سرائی اور یاوہ گوئی کے بارے میں فرمایا کہ جو کچھ یہ اپنی زبانوں سے نکال رہے ہیں۔ ہم نے اس کا ایک ایک حرف لکھ لیا ہے جس طرح ان کا انبیاء کو ناحق قتل کرنا ریکارڈ ہو چکا ہے۔ گویا کہ جس طرح انہوں نے انبیاء کو قتل کیا اس طرح ہی

انہوں نے اللہ تعالیٰ کے تقدس کو پامال کرنے کی کوشش کی ہے۔ان کی سزا یہ ہے کہ ہم قیامت کے دن انہیں کہیں گے کہ جس مال کو تم بچا بچا کر رکھتے تھے اب اسی مال کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کا عذاب چکھتے رہو۔جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا اس کی سزا پائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے زیادتی نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ذرہ برابر بھی زیادتی نہیں کرتا۔بے شک انسان اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا باغی، کافر اور متکبر کیوں نہ ہو اسے اتنی ہی سزا ملے گی جتنا اس نے جرم کیا ہوگا۔

«عَنْ أَبِی ذَرٍّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِیمَا رَوٰی عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی أَنَّهٗ قَالَ یَا عِبَادِيْ إِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ وَجَعَلْتُهٗ بَیْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا...» (رواہ مسلم: کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم)

”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی حدیث بیان کرتے ہیں۔آپ نے اللہ تعالیٰ سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندو! یقیناً میں نے اپنے آپ پر ظلم کرنا حرام کرلیا ہے اور میں اسے تمہارے درمیان بھی حرام قرار دیتا ہوں۔پس تم آپس میں ظلم نہ کیا کرو۔“

مسائل

۱۔ یہودی اللہ تعالیٰ کو فقیر اور اپنے آپ کو مالدار کہتے ہیں۔

۲۔ یہودیوں کی ہرزہ سرائی اور ان کے انبیاء کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے انہیں جلا دینے والا عذاب ہوگا۔

۳۔ لوگوں کو قیامت کے دن وہی کچھ ملے گا جو آگے بھیجیں گے۔ ۴۔اللہ تعالیٰ بندوں پر کبھی ظلم نہیں کرتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ غنی ہے فقیر نہیں:

۱۔ اللہ کے ہاتھ فراخ ہیں جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔(المائدۃ:۶۴)

۲۔ زمین و آسمان کے خزانوں کا مالک ”اللہ“ ہی ہے۔(المنافقون:۷)

۳۔ زمین و آسمان کی کنجیوں کا مالک ”اللہ“ ہے۔(الزمر:۶۳) ۴۔اللہ تعالیٰ لوگوں کا رزق بڑھاتا اور کم کرتا ہے۔(العنکبوت:۶۲)

اللہ تعالیٰ ظلم پسند نہیں کرتا:

۱۔ اللہ تعالیٰ بلاوجہ عذاب دینا پسند نہیں کرتا۔(النساء:۱۴۷) ۲۔اللہ تعالیٰ ذرّہ برابر ظلم نہیں کرتا۔(النساء:۴۰)

۳۔ اللہ تعالیٰ نبی بھیجنے سے پہلے عذاب نہیں دیتا۔(بنی اسرائیل:۱۵)

۴۔ اللہ تعالیٰ قیامت کو بھی کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔(قٓ:۲۹)

۵۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔(الحج:۱۰) ۶۔اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔(آل عمران:۱۴۰)

۷۔ اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔(آل عمران:۱۱۷)

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا

وہ لوگ انہوں نے کہا بیشک اللہ اس نے عہد کیا ہماری طرف یہ کہ نہ ہم ایمان لائیں کسی رسول پر یہاں تک وہ لائے ہمارے

بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ بِالْبَيِّنٰتِ

قربانی جسے کھالے آگ آپ فرمادیں بے شک تمہارے پاس آئے بہت سے رسول مجھ سے پہلے نشانیوں کے ساتھ

وَبِالَّذِىْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ

اوراس کے ساتھ جو تم کہتے ہو پھر کیوں تم نے انہیں قتل کیا اگر تم ہو سچے پھر اگر وہ جھٹلائیں آپ کو

فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

توتحقیق جھٹلائے گئے بہت سے رسول آپ سے پہلے وہ آئے کھلی نشانیوں کے ساتھ اور صحیفے اور کتاب روشن

”یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھا جائے۔ فرمادیجئے کہ اگر تم سچے ہوتو مجھ سے پہلے تمہارے پاس جو رسول اُن معجزات کے ساتھ آئے جن کا تم مطالبہ کررہے ہوتو پھر تم نے انہیں کیوں قتل کیا؟ (۱۸۳) اگر پھر بھی یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو تم سے پہلے بہت سے وہ رسول جھٹلائے گئے ہیں جو واضح دلائل، صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔“ (۱۸۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح اللہ تعالیٰ پر فقر کا الزام لگا کر یہودی مسلمانوں میں بخل کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اسی طرح آپ کی ذات اور دین سے روکنے کے لیے قربانی کے جل کر خاکستر ہونے کی جھوٹی شرط پیش کرتے جس کی یہ کہہ کر تردید کی گئی ہے کہ پہلے انبیاء میں سے کچھ نے یہ معجزہ بھی دکھایا تھا پھر تم نے انہیں کیوں قتل کیا؟

یہودی کسی صورت بھی رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں تھے اور ایسا ہی ان کا رویہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ بات بات پر اعتراضات، ہر مسئلے کو سوالات کے ذریعے الجھانے اور بال کی کھال اتارنے کی کوشش کرتے۔ جب نبی محترم ﷺ کے سامنے ہر طرح لاجواب ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ بات لگاتے کہ دراصل اے محمد (ﷺ)! ہم آپ پر اس لیے ایمان نہیں لاتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی رسول پر ایمان نہیں لانا جب تک وہ رسول قربانی ذبح نہ کرے جسے تمہارے دیکھتے ہی دیکھتے آسمان سے آئی ہوئی آگ نگل جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ لوگوں کے بار بار مطالبہ کی وجہ سے بعض انبیاء کے دور میں یہ واقعات رونما ہوئے کہ جونہی قربانی پیش کی گئی آسمان سے آگ آئی اس نے اسے جلا کر خاکستر کر دیا۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ قربانی اللہ کی بارگاہ میں مستجاب ہو چکی ہے اور یہ نبی سچا ہے۔

اس بات کو یہود نے اس طرح توڑ مروڑ کر پیش کیا جیسے یہ نبوت کے لیے لازمی نشانی ہو۔ حالانکہ تورات اور انجیل میں نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانے کے لیے ایسی کسی شرط کا ذکر موجود نہیں ہے۔ اے نبی! ان سے پوچھئے کہ مجھ سے

پہلے بے شمار رسول ٹھوس اور واضح دلائل کے ساتھ آئے اور وہ چیز بھی انہوں نے کر دکھائی جس کا تم مطالبہ کرتے ہو اگر تم اپنی اس حجت میں سچے ہو تو بتاؤ کہ قربانی کے جل کر راکھ ہونے اور واضح دلائل آنے کے باوجود تم نے پہلے انبیاء کو قتل کیوں کیا؟ اس کے بعد آپ کو اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو بلاشبہ پہلے انبیاء کو بھی جھٹلایا گیا ہے۔ جبکہ انبیاء واضح دلائل لے کر آئے تھے۔ حضرت داؤد اور عیسیٰ علیہما السلام بھی روشن کتابوں اور کھلے معجزات کے ساتھ آئے تھے۔ جھٹلانے والوں نے ان کی بھی تکذیب کی۔

سورۂ یٰس میں یہاں تک بیان ہوا کہ ایک بستی میں پہلے ایک رسول آیا پھر دوسرے رسول بھیجے گئے اور ان کے بعد تیسرے نبی مبعوث کیے گئے جنہوں نے ایک دوسرے کی تائید اور تصدیق فرمائی لیکن اس کے باوجود لوگوں نے تینوں نبیوں کو جھٹلایا اور ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

{ وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا اَصۡحٰبَ الۡقَرۡيَةِ‌ۘ اِذۡ جَآءَهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ‌ۚ ﴿۱۳﴾ اِذۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهِمُ اثۡنَيۡنِ فَكَذَّبُوۡهُمَا فَعَزَّزۡنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلَيۡكُمۡ مُّرۡسَلُوۡنَ ﴿۱۴﴾ } (یٰس: ۱۳، ۱۴)

”ان کے سامنے اس بستی کے رہنے والوں کی مثال بیان کرو۔ جن کے پاس پیغمبر تشریف لائے جب ہم نے ان کی طرف دو رسول مبعوث کیے تو انہوں نے دونوں کو جھٹلایا۔ ہم نے تیسرے کو بھیجا تینوں پیغمبروں نے لوگوں کو بتلایا کہ ہم رسول اور پیغمبر ہیں۔“

لہٰذا اے محبوب پیغمبر! تمہیں دل چھوٹا کرنے اور حوصلہ ہارنے کی ضرورت نہیں ایسا ہوا کرتا ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

{ فَاِنَّهُمۡ لَا يُكَذِّبُوۡنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۳۳﴾ } (الانعام: ۳۳)

”یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم ”اللہ“ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔“

مسائل

۱۔ یہودی اپنی صداقت کے لیے من گھڑت دعوے اور جھوٹی نشانیاں پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ سے پہلے انبیائے عظام کو معجزات اور آسمانی کتابیں پیش کرنے کے باوجود جھٹلایا گیا۔

تفسیر بالقرآن

حقائق کو جھٹلانا اہلِ کفر کا وطیرہ ہے:

۱۔ اہلِ کفر انبیاء کو جھٹلایا کرتے تھے۔ (صٓ: ۱۴) ۲۔ باطل پرست اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔ (المائدۃ: ۸۶)

۳۔ کفار قیامت کو جھٹلاتے ہیں۔ (الروم: ۱۶) ۴۔ کفار اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ (المائدۃ: ۱۰۳)

۵۔ اہلِ کتاب حقائق جاننے کے باوجود اللہ کی آیات کے منکر ہیں۔ (آل عمران: ۷۰)

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

ہر جان چکھنے والی موت اور بیشک پورے پورے ملیں گے تمہیں اجر قیامت کے دن

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ

پھر جو بچالیا گیا سے آگ اور داخل کیا گیا جنت تو تحقیق وہ کامیاب ہوا

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿١٨٥﴾

اور نہیں دنیا کی زندگی سوائے سامان دھوکا

”ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور قیامت کے دن تم پورے پورے اجر دیے جاؤ گے۔ پھر جو شخص آگ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا یقیناً وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔“ (١٨٥)

فہم القرآن

ربطِ کلام: موت اور فکرِ آخرت کے ذریعے نصیحت کی گئی ہے کہ دنیا کے جس جاہ و جلال اور مال پر اترا کر نبی ﷺ کی نبوت کا انکار اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں خرافات بکتے ہو یہ تو ختم ہونے والی ہے۔

منکرین توحید و رسالت کا کردار بتلانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے موت کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ اے رسول ﷺ آپ کے مخالفوں نے دنیا میں ہمیشہ نہیں بیٹھ رہنا بالآخر ہر کسی نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ قیامت کے دن تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں مکمل جزا اور ان کے کردار کی انہیں پوری پوری سزا دی جائے گی۔ جسے جہنم کی ہولناکیوں سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا گیا یقیناً وہ کامیاب ہوا۔ یہ دنیا کی زندگانی محض نظر کا فریب اور دماغ کا غرور ہے۔ اسی وجہ سے یہ آپ کی ذات اور اللہ تعالیٰ کی آیات جھٹلا رہے ہیں حالانکہ یہ کرّ وفرّ اور ساز و سامان عارضی ہے۔ اس کے مقابلے میں آخرت کی جزا و سزا مستقل اور دائمی ہے۔ جب دنیا عارضی اور موت یقینی ہے تو عقل و دانش کا تقاضا ہے کہ ہمیشہ رہنے والی زندگی کی فکر کرنی چاہیے۔

مسائل

١۔ ہر کسی کو موت آ کر رہے گی۔ ٢۔ یہ دنیا مکر و فریب کا سامان ہے۔

٣۔ قیامت کے دن ہر کسی کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

٤۔ جہنم کی آگ سے بچ کر جنت میں داخل ہونے والا ہی کامیاب ہے۔

تفسیر بالقرآن

نیکی کا پورا پورا اجر ملے گا:

١۔ اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرے گا۔ (آلِ عمران: ١٧١) ٢۔ اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (ھود: ١١٥)

٣۔ سب کو پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ (النساء: ١٧٣) ٤۔ تمہیں روزِ قیامت پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ (آل عمران: ١٨٥)

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۟ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ

تم ضرور آزمائے جاؤ گے | میں | تمہارے مال | اور تمہاری جانیں | اور ضرور سنو گے تم | سے | وہ لوگ

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا

دیے گئے | کتاب | سے | تم سے پہلے | اور سے | وہ لوگ | انہوں نے شرک کیا | دکھ | بہت

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

اور اگر | تم صبر کرو | اور پرہیزگاری اختیار کرو | تو بیشک | یہ | سے | ہمت | کام (جمع)

”تم ضرور اپنے مالوں اور جانوں کے بارے میں آزمائے جاؤ گے اور تمہیں اپنے سے پہلے اہل کتاب اور مشرکوں سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سننی پڑیں گی۔ اگر تم صبر کرلو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو بلاشک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔“ (۱۸۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُحد میں مالی، جانی نقصان اور یہودیوں کی اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہرزہ سرائی اور نبی ﷺ کی نبوت کی تصدیق کے لیے غلط ثبوت کا مطالبہ مسلمانوں کے لیے پریشانی کا باعث تھا۔ اس پر انہیں تسلی دیتے ہوئے صبر کی تلقین کی گئی ہے۔

یہ دنیا ہر کسی کے لیے آزمائش ہے خاص کر انبیاء اور مومنوں کے لیے اسے امتحان گاہ اور کڑی آزمائش کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ مومن کا مال اور اس کی جان آزمائش کی بھٹی میں اس لیے جھونکے جاتے ہیں تاکہ مال کا حق ادا کرنے کے بعد مومن کا مال خالص ہو جائے۔ مومنوں کو اس لیے آزمایا جاتا ہے کہ وہ دوسروں کے لیے نمونہ بن کر زندگی بسر کریں۔ آزمائش اور امتحان کا یہ بھی مقصد ہے کہ مومن دین کی سربلندی اور لوگوں کی خیر خواہی کے لیے جتنی بھی قربانیاں پیش کریں۔ اس کے باوجود بھی غیر مسلم حسد و بغض کا مظاہرہ کرتے ہیں مسلمانوں کو حوصلے سے کام لینے چاہیے جس پر تسلی دینے کے لیے ارشاد ہوتا ہے اے مسلمانو! تم اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کرنے کے باوجود یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے باتیں سنو اور تکلیفیں اٹھاؤ گے۔ اگر صبر اور پرہیزگاری اختیار کرتے رہو تو یہ بڑے ہی عظمت والے کام ہیں۔ صاحبِ عزیمت لوگ ہی اللہ تعالیٰ کے دین کو سربلند کرنے والے اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہوں گے۔ چنانچہ وہ کونسی اذیت اور طعن ہے جو رسولِ محترم ﷺ کو نہیں دیا گیا۔ اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے آپ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہ دکھ اٹھائے کہ جن کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو مال اور ان کی جانوں کے ساتھ ضرور آزمایا جائے گا۔

۲۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکوں سے مسلمان بڑی تکلیفیں اٹھائیں گے۔

۳۔ تکالیف پر صبر کرنا اور گناہوں سے بچنا بڑے عظیم کام ہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ

اور جب | لیا | اللہ | عہد پختہ | وہ لوگ | جو دیے گئے کتاب | تم اسے ضرور بیان کرو گے

لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا

لوگوں کے لیے | اور نہ | تم اسے چھپاؤ گے | تو انہوں نے اسے پھینک دیا | پیچھے | اپنی پیٹھوں | اور انہوں نے خریدی

بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

ساتھ اس کے | قیمت | تھوڑی | تو برا ہے | جو | وہ خریدتے ہیں

”اور جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں۔ لیکن انہوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اسے بہت کم قیمت پر بیچ ڈالا۔ بہت برا سودا ہے جو انہوں نے کیا ہے۔“ (۱۸۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہودیوں کے من گھڑت بہانے کی تردید کرنے کے بعد انہیں اظہارِ حق کے عہد کی یاد دہانی کروائی گئی ہے۔

یہود و نصاریٰ نہ صرف نبی آخر الزماں ﷺ کے اوصاف اور آپ کی نبوّت کے ٹھوس دلائل چھپاتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے ہر اُس بات کو تورات اور انجیل سے نکال دیا ہے جو ان کے مفادات کے خلاف ہے حالانکہ ان سے اللہ تعالیٰ نے پختہ عہد لیا ہے کہ تم اللہ کے احکامات کو چھپانے کی بجائے انہیں کھول کھول کر لوگوں کے سامنے بیان کرو گے۔ لیکن انہوں نے اس عہد کو اس طرح فراموش کر دیا اور دور پھینکا جس طرح کوئی شخص کسی چیز کو اپنے پیچھے پھینک کر الٹے منہ دیکھ نہیں سکتا۔ دنیا کے وقتی وقار، عارضی اقتدار، معمولی فائدے اور چند دمڑیوں کی خاطر انہوں نے اللہ کے احکام کو بیچ ڈالا۔ پھر اپنے کیے پر افسوس کرنے کی بجائے اس پر اتراتے ہیں۔ بڑا ہی بُرا کردار اور سودا ہے جو انہوں نے اختیار کیا۔

حضرت حسن بصری کی والدہ حضرت ام المومنین امّ سلمہ ؓ کی کنیز تھیں۔ اس بنا پر حسن بصری نے حضرت ام المومنین امّ سلمہ ؓ کے ہاں پرورش پائی وہ اس آیت کی تصریح میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ عہد اللہ تعالیٰ نے بالواسطہ امت محمدیہ کے علماء سے بھی لیا ہے کہ وہ حق کو چھپانے کی بجائے ہر حال میں اسے بیان کرتے رہیں گے۔ حضرت حسن بصری ؒ کا اپنا کردار یہ تھا کہ وہ حجاج بن یوسف پر سرِ عام تنقید کرتے۔ ایک دن حجاج نے انہیں بلا کر تلوار لہراتے ہوئے پوچھا کہ آپ میرے بارے میں یہ یہ باتیں کرتے ہیں؟ حضرت حسن بصری ؒ نے وہی باتیں حجاج کے روبرو کہتے ہوئے فرمایا کہ ہاں جب تک تم ان جرائم سے باز نہیں آؤ گے میں تمہیں ٹوکتا رہوں گا۔ اس کے بعد انہوں نے مذکورہ آیات کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے سچ بولنے کا وعدہ لیا ہے جس کی پاسداری کرنا ہمارا فرض ہے۔ (تفسیر رازی)

مسائل

۱۔ اہلِ کتاب نے دنیا کے تھوڑے سے مفاد کی خاطر اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈالا اور تھوڑی قیمت کے بدلے بیچ دیا۔

لَا تَحۡسَبَنَّ	الَّذِیۡنَ	یَفۡرَحُوۡنَ	بِمَاۤ	اَتَوۡا	وَّیُحِبُّوۡنَ	اَنۡ
آپ ہرگز نہ سمجھیں	جولوگ	خوش ہوتے ہیں	اس کے ساتھ جو	وہ لائے	اور وہ چاہتے ہیں	یہ کہ
یُّحۡمَدُوۡا	بِمَا	لَمۡ یَفۡعَلُوۡا	فَلَا تَحۡسَبَنَّهُمۡ	بِمَفَازَةٍ	مِّنَ	الۡعَذَابِ ۚ
ان کی تعریف کی جائے	اس پر جو	انہوں نے نہیں کیا	پس ہرگز آپ انہیں نہ سمجھیں	کامیاب	سے	عذاب
وَلَهُمۡ	عَذَابٌ	اَلِیۡمٌ ﴿۱۸۸﴾				
اور ان کے لیے	عذاب	دردناک				

”وہ لوگ جو اپنے کیے پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو انہوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریف کی جائے آپ انہیں ہرگز عذاب سے نجات پانے والے نہ سمجھیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“ (۱۸۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قرآنِ مجید تحریری شکل میں نازل نہیں ہوا یہ پُرمغز خطابی انداز میں نازل ہوا ہے اس لیے مخاطب کو سمجھانے کے لیے جس پیرائے اور الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے وہی استعمال ہوتے ہیں جو موقعہ کے مطابق ہوں جس بنا پر بات کا تعلق بہت پیچھے کی بات سے جوڑ کر اسے کسی دوسرے انداز میں سمجھایا جاتا ہے یہاں یہ سمجھایا گیا ہے کہ جس دین کی مخالفت اور دنیا کی خاطر تم بخل اور خوشامد کرتے ہو اس وجہ سے جو تمہارا انجام ہونے والا ہے اس کی طرف توجہ دو۔

انسان کی اخلاقی گراوٹ کی انتہا دیکھنا ہو تو اس شخص کے کردار کی طرف دیکھیے جو گناہ پر معذرت کرنے کی بجائے اس پر اصرار کرتے ہوئے خوش ہوتا اور فخر محسوس کرتا ہے۔ ایسے آدمی کی عادت ہو جاتی ہے کہ وہ صرف صحت مند تنقید سننا گوارا ہی نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے عمل اور ناپسندیدہ کردار کی بھی تعریف چاہتا ہے۔ جس شخص کی یہ حالت ہو جائے اس کے سنورنے کی تمام صورتیں ختم ہو جایا کرتی ہیں۔ اگر ایسا شخص کسی ملک یا قوم کا سربراہ ہو تو ہلاکت اس قوم کا مقدر ہوا کرتی ہے۔ اہل کتاب کے علماء اور زعماء کی یہی حالت تھی کہ وہ ہر حال میں اپنی تعریف سننا پسند کرتے تھے یہاں تک کہ جس کام کے ساتھ ان کا دور کا تعلق نہ ہوتا اس کی بھی تعریف چاہتے تھے۔ حتیٰ کہ مفاد پرست اور جاہل لوگ ان کی ذات اور خاندان میں وہ وہ خوبیاں ظاہر کرنے کی کوشش کرتے جن کا ان کے ہاں تصور بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ اپنی کردہ اور ناکردہ خدمات کی تعریف چاہنے والا شخص مغرور، ریاکار اور خود پسند ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے کردار کے حامل لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ آخرت میں بھی ان کی تعریف اور خوشامد ہوگی اور وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ ہرگز نہیں ان کے لیے تو ربِ ذوالجلال نے نہایت ہی تکلیف دہ عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اس طرح کی اخلاقی بیماریوں سے بچنے اور بچانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے کسی کے روبرو تعریف کرنے والے کے بارے میں فرمایا ایسا شخص دوسرے کو کند چھری کے ساتھ ہلاک کرتا ہے۔

((عَنۡ مُعَاوِیَةَ قَالَ سَمِعۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰہِ یَقُوۡلُ إِیَّاکُمۡ وَالتَّمَادُحَ فَإِنَّهُ الذَّبۡحُ)) (سنن ابن ماجہ: باب المدح [حسن])

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! منہ پر تعریف کرنے سے بچو کیونکہ یہ ذبح کرنے کے مترادف ہے۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ نَحْثُوَ فِي أَفْوَاهِ الْمَدَّاحِينَ التُّرَابَ»

(رواہ الترمذی: کتاب الزھد، باب ماجاء فی کراھیۃ المدحۃ والمداحین [صحیح])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا کہ ہم کسی کے منہ پر تعریف کرنے والے کے منہ میں مٹی ڈالیں۔''

«عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ اسْتَأْذَنَ ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَبْلَ مَوْتِهَا عَلٰى عَائِشَةَ وَهِيَ مَغْلُوبَةٌ قَالَتْ أَخْشٰى يُثْنِي عَلَيَّ فَقِيلَ ابْنُ عَمِّ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَمِنْ وُجُوهِ الْمُسْلِمِينَ قَالَتْ إِئْذَنُوا لَهُ فَقَالَ كَيْفَ تَجِدِينَكِ قَالَتْ بِخَيْرٍ إِنِ اتَّقَيْتُ قَالَ فَأَنْتِ بِخَيْرٍ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ زَوْجَةُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَلَمْ يَنْكِحْ بِكْرًا غَيْرَكِ وَنَزَلَ عُذْرُكِ مِنَ السَّمَاءِ وَدَخَلَ ابْنُ الزُّبَيْرِ خِلَافَهُ فَقَالَتْ دَخَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما فَأَثْنٰى عَلَيَّ وَوَدِدْتُ أَنِّي كُنْتُ نَسْيًا مَنْسِيًّا» (رواہ البخاری: باب ولو لا إذ سمعتموہ قلتم مایکون لنا أن نتکلم بھذا)

''ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب موت کے قریب تھیں تو اس وقت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے پاس آنے کی اجازت چاہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ وہ میری تعریف نہ کرنے لگیں۔ کسی نے عرض کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور عزت دار ہیں اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ انہیں اندر بلالو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے پوچھا کہ آپ کس حال میں ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں اللہ سے ڈرنے والی ہوں تو اچھا ہی اچھا ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ان شاء اللہ آپ اچھی ہی رہیں گی آپ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں اور آپ کی براءت آسمان سے نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے تشریف لے جانے کے بعد آپ کی خدمت میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا کہ ابھی ابن عباس رضی اللہ عنہما آئے تھے اور میری تعریف کی کاش! میں بھولی بسری گمنام ہو چکی ہوتی۔''

مسائل

۱۔ جو لوگ ہر کام پر اپنی تعریف چاہتے ہیں وہ آخرت کے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے۔

تفسیر بالقرآن

اپنی تعریف کروانا بہتر نہیں:

۱۔ خواہ مخواہ تعریف کروانے والا جہنم میں جائے گا۔ (آلِ عمران: ۱۸۸) ۲۔ اپنی پاک دامنی کا دعویٰ کرنا بہتر نہیں۔ (النجم: ۳۲)

۳۔ اللہ کے نیک بندے شکریہ سے مبرّا ہوتے ہیں۔ (الدھر: ۹) ۴۔ پاک وہی ہے جسے اللہ پاک فرمائے۔ (النساء: ۴۹)

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِیْ

اور اللہ کے لیے بادشاہت آسمانوں اور زمین اور اللہ پر ہر چیز قادر بیشک میں

خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾

پیدائش آسمانوں اور زمین اور آنا جانا رات اور دن البتہ نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے

”آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔(۱۸۹) آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔“(۱۹۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ریاکاروں، کنجوسوں، خوشامدیوں اور اللہ کے منکروں کو سوچنا چاہیے کہ زمین وآسمان کی بادشاہی اور ملکیت کس کے پاس ہے؟ صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس لیے حقیقی اور دائمی تعریف اسی کے لیے ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر اختیار رکھتا ہے۔

اگر سمجھنا چاہو تو اس نے زمین وآسمان کے درمیان اور لیل ونہار کے آنے جانے میں بہت سی نشانیاں رکھ دی ہیں دوسری طرف مسلمانوں کو سمجھایا کہ جس طرح رات اور دن کا آنا جانا ہے اسی طرح زندگی میں دُکھ، سُکھ، خوشی، غم، کامیابی اور ناکامی ایک دوسرے کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ اس میں مومن کے لیے خوش خبری اور اطمینان کا سبق ہے۔

”لُبّ“ کا معنی ہے عقل اور الباب اس کی جمع ہے۔ زمین وآسمان کی ملکیت تو ایک اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی خدائی کا ثبوت چاہتے ہو تو زمین وآسمان کی پیدائش اور لیل ونہار کی گردشوں پر غور کرو۔ لہٰذا ہر قسم کی تعریف ذاتِ کبریا کو لائق ہے اور وہی زمین وآسمان کا مالک اور ان کے چپے چپے پر اختیار اور اقتدار رکھنے والا ہے۔ لیکن اس کی نشانات قدرت پر عقل مند ہی غور وخوض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں پر خوش ہونے اور اپنی تعریف کروانے والے لوگ اس کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ ہر چیز پر اسی کا کنٹرول ہے۔

مسائل

۱۔ آسمانوں اور زمین کی ملکیت اللہ کے لیے ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

۲۔ زمین وآسمان کی تخلیق، رات اور دن کی تبدیلی میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشانات ہیں۔

تفسیر بالقرآن

سب کچھ اللہ ہی کی ملکیت ہے:

۱۔ مشرق ومغرب اللہ کے لیے ہیں۔(البقرۃ:۱۴۲) ۲۔ زمین وآسمان اللہ کی میراث ہیں۔(آل عمران:۱۸۰)

۳۔ زمین وآسمان پر اللہ کی بادشاہی ہے۔(آل عمران:۱۸۹) ۴۔ قیامت کو بھی اللہ تعالیٰ ہی کی حکومت ہوگی۔(الفرقان:۲۶)

الَّذِيْنَ	يَذْكُرُوْنَ	اللّٰهَ	قِيٰمًا	وَّقُعُوْدًا	وَّعَلٰى	جُنُوْبِهِمْ
جولوگ	یاد کرتے ہیں	اللہ	کھڑے	اور بیٹھے	اور پر	اپنی کروٹیں
وَيَتَفَكَّرُوْنَ	فِيْ	خَلْقِ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ ج	رَبَّنَا	مَا
اور وہ غور کرتے ہیں	میں	پیدائش	آسمانوں	اور زمین	اے ہمارے رب	نہیں
خَلَقْتَ	هٰذَا	بَاطِلًا ج	سُبْحٰنَكَ	فَقِنَا	عَذَابَ	النَّارِ ﴿١٩١﴾
تو نے پیدا کیا	یہ	بے فائدہ	تو پاک ہے	تو ہمیں بچا	عذاب	آگ (دوزخ)

''جولوگ اللہ کا ذکر کھڑے، بیٹھے اور اپنی پہلوؤں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے اور کہتے ہیں اے پروردگار تو نے یہ سب کچھ بے فائدہ نہیں بنایا۔ تو پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔'' (١٩١)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ کے بندے ہر حال میں اس کے شکر گزار، اس کی عبادت میں محو اور اس کے ذکر وفکر میں مشغول رہتے ہیں، یہی دانشمندی ہے۔

اللہ تعالیٰ خالقِ کل اور حاکمِ مطلق ہے۔ اگر وہ چاہتا تو صرف حکم دیتا کہ میری ذات اور بات مانو لیکن اس نے اپنی ذات کو حاکم کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ خالق و مالک اور رحمن ورحیم کے طور پر تسلیم کرنے کی دعوت دی ہے اس لیے وہ انسان کو اس کی تخلیق، اپنی قدرتوں اور کائنات کی بناوٹ اور سجاوٹ پر غور وفکر کی دعوت دیتا ہے تاکہ عقل وفکر اور دل کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ اس پر ایمان لایا جائے۔ ایسا ایمان ہی آدمی کی فکر میں تبدیلی اور اس کے کردار میں نکھار پیدا کرتا ہے۔ اسی بنا پر قرآنِ مجید بار بار آدمی کی توجہ کائنات کی تخلیق اور اللہ کی قدرت وسطوت کی طرف دلاتا ہے۔ یہاں تک کہ قرآن انسان کو اپنے اندر جھانکنے کی دعوت دیتا ہے کیونکہ یہی لوگ غور وفکر اور دلائل کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی بات اور ذات کو مانتے اور یاد رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے کے تین طریقے ہیں کیونکہ آدمی تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں ہی ہوتا ہے۔ کھڑا، بیٹھا اور لیٹا ہوا۔ چلنے پھرنے کی حالت کھڑے ہونے میں شمار ہوتی ہے۔ ذکر کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کا ادراک واعتراف کرتے ہوئے اس کے حکم کے مطابق اس کی عبادت کی جائے اور زندگی بسر کی جائے۔

جب اللہ تعالیٰ کی ذات کا شعور نصیب ہو جائے تو پھر انسان ان تینوں حالتوں میں جس حالت میں بھی ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتا ہے۔ نماز افضل ترین ذکر ہونے کی بنا پر فرض ہے۔ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ ؓ قَالَ کَانَتْ بِیْ بَوَاسِیْرُ فَسَأَلْتُ النَّبِیَّ ﷺ عَنِ الصَّلَاةِ فَقَالَ: صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰی جَنْبٍ» (رواہ البخاری: باب إذا لم يطق قاعدا صلى على جنب)

''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے بواسیر کی تکلیف تھی تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز پڑھنے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: کھڑے ہوکر نماز پڑھو کھڑے ہو کر پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا تو پھر بیٹھ کر پڑھ اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو لیٹ کر پڑھو۔''

شعور کی دولت اور اللہ تعالیٰ کی محبت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب انسان اس کی تخلیقات اور زمین وآسمان کی بناوٹ وسجاوٹ پر فکر وتدبر اختیار کرے۔ پھر انسان کے جسم کا ایک ایک رونگٹا اور دل کا ایک ایک گوشہ پکار اٹھتا ہے کہ اے ہمارے رب! تو نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے۔ وہ بے مقصد پیدا نہیں فرمایا۔ اس لیے ہر چیز تیری حکمت اور حکم کے مطابق اپنی تخلیق کے مقصد پر لگی ہوئی ہے۔ اے ہمارے رب! تو ہر عیب سے پاک ہے۔ ہم نے نافرمانیاں کر کے اپنے آپ کو ناپاک بنایا اور اپنی زندگی کے مقصد کو کھویا اور اپنے آپ کو ضائع کر لیا ہے۔ ہماری تیرے حضور التجا ہے کہ ہمیں معاف فرما کر آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔ (آمین)

غور وفکر کے نتائج اور سائنسدانوں کے مشاہدات

ماہر طبقات الارض جے، ڈبلیوڈاسن:

''حق تو یہ ہے کہ عبادت کا فلسفیانہ تصور پیدا کرنے کے لیے اصول وقوانین پر ایمان لانا لابدی ہے۔ اگر کائنات بے ترتیب اتفاقات کا نتیجہ ہوتی یا محض کسی ضرورت یا حاجت کی پیداوار ہوتی تو سوچ سمجھ کر عبادت کرنے کی ضرورت کبھی پیش نہ آتی۔ جب ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ کائنات ایک حکیم ودانا کی تدبیر کا مظہر ہے وہی ذاتِ بے ہمتا اسے کمال حکمت ودانائی سے چلا رہی ہے اسی حالت میں ہمارے دل میں یہ احساس اُبھرتا ہے کہ ہم اس بے مثل ذات کو ہر چیز کا آقا ومولیٰ تصور کر کے، اس کی بے پناہ دانائی اور محبت پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے حضور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں۔''

جہاں تک میرے شعبے کا تعلق ہے، ہم لوگ ہر چیز کو وسیع پیمانے پر دیکھنے کے عادی ہیں۔ وقت کا شمار تاریخ ارضی کے پچاس کھرب سال اکائیوں میں کرتے ہیں اور فضا کا اندازہ زمین کے محیط سے اور عملِ کائنات کا اندازہ عالمی گردش سے کرتے ہیں۔ ان تمام اندازوں کی وسعت سے ناگزیر طور پر عقیدہ میں اضافہ ہوتا ہے۔ جو انسان مذہب کا دلدادہ نہ ہو وہ بھی ان حیرت پرور اشیاء کو دیکھ کر اپنے دل میں خوف وہیبت محسوس کرتا ہے اور اسے بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ:

''آسمان خدا کی عظمت کے شاہد ہیں اور یہ کائنات اس کے کرشمۂ تخلیق کا ثبوت ہے۔''

مرلن گرانٹ سمتھ (ماہر ریاضیات وفلکیات):

خدا کے بارے میں انسان کے دل میں جو سوال پیدا ہوتا ہے اس کا خالق اور مخلوق دونوں کے سامنے جواب دہی سے بڑا قریبی تعلق ہے اس لیے جواب کا فیصلہ کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے اگر خدا ہے تو وہ صرف ہمارا پیدا کرنے والا

ہی نہیں ہے بلکہ ہمارا مالک و آقا بھی ہے اس لیے ہمیں اس کے دونوں قسم کے پسندیدہ افعال و اعمال کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہئیں، یعنی ان افعال کے بارے میں بھی جن کا تعلق براہِ راست خدا سے ہے اور ان کے بارے میں بھی جن کا تعلق ہمارے ہم جنس انسانوں سے ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بہت چوٹی کے اہلِ علم نے حال ہی میں اس بات کا بالواسطہ یا بلاواسطہ اعتراف کیا ہے کہ خدا ہے۔ میں ان میں چند اقوال یہاں پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

مثلاً سر جیمز جینز کہتے ہیں:

''ہماری کائنات ایک بڑی مشین کے مقابلے میں ایک عظیم خیال سے زیادہ مشابہ ہے یہ بات ایک سائنسی حقیقت کی طرح نہیں بلکہ گمان کے طور پر کہتا ہوں کہ یہ کائنات کسی بڑے آفاقی ذہن کی پیداوار ہے جو ہمارے تمام ذہنوں سے مطابقت رکھتا ہے اور سائنس کے تصوّرات بھی اب اسی طرف اقدام کرتے نظر آتے ہیں۔''

جارج رومینس جو ایک بڑا فاضل حیاتیات ہے لکھتا ہے:

''علمِ نجوم کی نئی معلومات سے جن کا حصول نئی میکانیات اور ذراتی علم کی بنا پر ممکن ہوا ہے کائنات کی طبیعیاتی بلندیوں خصوصاً اس مسلسل عمل اور ردِّعمل کو دیکھ کر ہمارے دماغ چکرا گئے ہیں جو وہاں نظر آ رہا ہے۔

یہ تمام بلکہ ان سے اور بھی زیادہ معلومات کا حصول اس مسلسل تلاش و جستجو کا مرہونِ منّت ہے جو اسباب اور ان کے پس پردہ نتائج معلوم کرنے کے لیے جاری ہے۔ اسباب و نتائج کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ دونوں معنوی طور پر ایک وحدت ہیں۔ ہم انسان اور ہمارے گرد و پیش کی دنیا سب مل کر نتائج کا ایک مجموعہ ہیں اور اس مجموعہ کی تہہ میں اس کے پسِ پشت ایک غیر مرئی سبب اور ازلی علت موجود ہے جس کو میں خدا کہتا ہوں۔''

(ماخوذ از: خدا موجود ہے، چالیس سائنسدانوں کی شہادت)

مسائل

۱۔ اللہ کے بندے اٹھتے بیٹھتے اور اپنے بستروں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی قدرتوں پر غور و خوض کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

دعوتِ فکر:

۱۔ حق پہچاننے کے لیے آفاق پر غور کرنے کی دعوت۔ (حٰم السجدۃ: ۵۳)

۲۔ اپنی ذات پر غور و فکر کی دعوت۔ (الذاریات: ۲۱) ۳۔ رات کے سکون پر غور کرنے کی دعوت۔ (القصص: ۷۲)

۴۔ دن رات کے بدلنے میں غور و خوض کی دعوت۔ (المومنون: ۸۰) ۵۔ شہد کی بناوٹ پر غور کرنے کی دعوت۔ (النحل: ۶۹)

۶۔ ہم نے بابرکت کتاب نازل کی تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور نصیحت حاصل کریں۔ (ص: ۲۹)

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا

اے ہمارے رب بیشک تو جو تو داخل کردے آگ (دوزخ) تو یقیناً تو نے اس کو رسوا کیا اور نہیں

لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ

ظالموں کے لئے سے مددگار اے ہمارے رب بیشک ہم ہم نے سنا پکارنے والا پکارتا ہے

لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا

ایمان کے لیے یہ کہ ایمان لے آؤ اپنے رب پر سو ہم ایمان لائے اے ہمارے رب تو بخش دے ہمیں ہمارے گناہ

وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا

اور دور کردے ہم سے ہماری برائیاں اور ہمیں موت دے نیکوں کے ساتھ اے ہمارے رب اور ہمیں دے جو

وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

تو نے ہم سے وعدہ کیا تیرے رسول پر اور ہمیں رسوا نہ کرنا قیامت کے دن بیشک تو نہیں خلاف کرتا وعدہ

”اے ہمارے پالنے والے! جسے تو نے جہنم میں ڈال دیا یقیناً تو نے اسے ذلیل کیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ (۱۹۲) اے ہمارے رب! ہم نے ایمان کی دعوت دینے والے کی پکار کو سنا کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ پس ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری کوتاہیاں ہم سے دور کردے اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت نصیب فرما۔ (۱۹۳) اے ہمارے پالنے والے! ہمیں وہ کچھ عطا فرما جس کا وعدہ آپ نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعہ فرمایا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا۔ یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (۱۹۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی یاد کا تقاضا ہے کہ انسان کی فکر کا نتیجہ مثبت ہو اور وہ اپنے رب کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اس کے عذاب سے پناہ اور اس کی عطاؤں کا طلب گار رہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایسے فکر و عمل کا حامل مرد ہو یا عورت کسی ایک کے اجر کو ضائع نہیں کیا جائے گا۔

حقیقی دانشمند لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشانات اور عجائبات دیکھنے کے بعد نہ صرف ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے احکامات کو یاد رکھتے ہیں بلکہ وہ برملا اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے خالق و مالک نے زمین و آسمان کی کسی چیز کو بھی بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کر رہی ہے۔ اس حقیقت کے اعتراف کے بعد انہیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ انسان بھی ایک عظیم مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ مقصد اللہ تعالیٰ کی غلامی میں رہتے ہوئے دنیا میں اس کی خلافت کا حق ادا کرنا ہے۔ اس مقصد کے حصول میں صادر ہونے والی کمزوریوں کا

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ

پس قبول کی | ان کی | ان کا رب | بیشک میں | نہیں ضائع کرتا | محنت | کوئی محنت کرنے والا | تم میں سے

مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا

سے | مرد | یا | عورت | بعض تمہارا | سے | بعض | سو جو لوگ | انہوں نے ہجرت کی

وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا

اور نکالے گئے | سے | اپنے شہروں | اور ستائے گئے | میری راہ میں | اور لڑے | اور مارے گئے

لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

میں ضرور دور کروں گا | ان سے | ان کی برائیاں | اور ضرور انہیں داخل کروں گا | باغات | بہتی ہیں | سے | ان کے نیچے

الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

نہریں | ثواب | سے | اللہ کے پاس | اور اللہ | اس کے پاس | اچھا | ثواب

پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمالی۔ میں کسی بھی عمل کرنے والے کے عمل ہرگز ضائع نہیں کرتا وہ عورت کے ہوں یا مرد کے کیونکہ تم ایک دوسرے سے ہو۔ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکال دیے گئے اور جنہیں میری راہ میں ستایا گیا اور جنہوں نے جہاد کیا اور شہید کیے گئے میں ہر صورت ان کے گناہ ان سے ختم کردوں گا اور یقیناً انہیں ان جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہ ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔'' (۱۹۵)

احساس کرتے ہوئے ایماندار پکار اٹھتا ہے۔ الٰہی! ہم نے اس مقصد کو پانے میں کوتاہی کی۔ ہماری تیرے حضور عاجزانہ التجا ہے کہ تو اپنی ناراضگی اور جہنم کی آگ سے بچائے رکھنا۔ کیونکہ جو جہنم کی آگ میں داخل ہوا اس کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا اور وہ ذلیل وخوار ہوجائے گا۔ اس کے بعد مومنوں کی چھ دعاؤں کا ذکر اور ان کی قبولیت کا بیان ہوتا ہے۔ ہمیں ان دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اے ہمارے رب! ہم نے تیری قدرتوں کے نشانات دیکھے! ہم نے تیرے رسول کی دعوت کو قبول کیا۔ ہم تیری ذات پر ایمان لائے کہ تو ہی ہمارا خالق، رازق اور مالک ہے۔ ہماری عاجزانہ درخواست ہے کہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما، ہمیں گناہوں اور غلطیوں سے بچنے کی توفیق نصیب فرما اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ فرما اور جو تو نے اپنے انبیاء کے ذریعے اپنے بندوں کے ساتھ وعدے فرمائے وہ سب کچھ ہمیں عطا فرما اور قیامت کے دن ذلت و رسوائی سے محفوظ فرمانا۔ بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

مومنوں کا کردار اور اخلاص دیکھ کر اللہ تعالیٰ اپنی شفقت ومہربانی سے جواب عنایت فرماتا ہے کہ ان کے رب نے ان

کے اخلاص، کردار اور دعاؤں کو قبول کر لیا ہے۔ اُس کا اعلان ہے کہ مرد ہو یا عورت کسی نیک عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرے گا۔ جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی یا انہیں ان کے گھروں سے جبراً نکال دیا گیا میرے راستے میں انہوں نے دکھ اٹھائے، لڑے اور شہید ہوئے ان کے گناہوں کو ضرور معاف کیا جائے گا اور ان کے لیے باغات ہوں گے۔ جن میں نہریں جاری ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے اجر و ثواب ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہترین عطا اور جزا ہے۔

«عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰي يَقُوْلُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُوْنَ لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ فَيَقُوْلُ هَلْ رَضِيْتُمْ فَيَقُوْلُوْنَ وَمَالَنَا لَا نَرْضٰي وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ فَيَقُوْلُ أَنَا أُعْطِيْكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ قَالُوْا يَارَبِّ وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ فَيَقُوْلُ أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِيْ فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهٗ أَبَدًا»

(رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار)

”حضرت ابوسعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ جنتیوں کو فرمائے گا کہ اے جنتیو! جنتی عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم راضی ہو؟ جنتی کہیں گے ہم کیوں راضی نہ ہوں۔ کیونکہ آپ نے ہمیں وہ کچھ عطا کیا ہے جو آپ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی عطا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تمہیں اس سے بھی افضل چیز دینا چاہتا ہوں۔ جنتی کہیں گے اے ہمارے رب! اس سے افضل چیز کون سی ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تم پر راضی ہو گیا ہوں اور اس کے بعد تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔“

مسائل

۱۔ جسے اللہ تعالیٰ نے آگ میں داخل کر دیا وہ ذلیل ہوا اور اس کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

۲۔ نیک اعمال کرنے والی عورت ہو یا مرد اللہ تعالیٰ کسی کا عمل ضائع نہیں کرے گا۔

۳۔ اللہ کے راستے میں لڑنے، مرنے، تکلیف اٹھانے اور ہجرت کرنے والے کے گناہ معاف فرما کر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرے گا:

۱۔ اللہ تعالیٰ کسی کی نماز ضائع نہیں کرے گا۔ (البقرۃ: ۱۴۳) ۲۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (آلِ عمران: ۱۷۱)

۳۔ نیکوکار کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ (التوبہ: ۱۲۰) ۴۔ مصلح کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ (الاعراف: ۱۷۰)

۵۔ نیک عمل کرنے والے کا عمل برباد نہیں ہوگا۔ (الکہف: ۳۰) ۶۔ کسی مرد و زن کی نیکی ضائع نہیں ہوگی۔ (آلِ عمران: ۱۹۵)

۷۔ اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (ھود: ۱۱۵) ۸۔ سب کو پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ (النساء: ۱۷۳)

لَا يَغُرَّنَّكَ	تَقَلُّبُ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	فِي	الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾	مَتَاعٌ
ہرگز نہ دھوکہ دے آپ کو	چلنا پھرنا	وہ لوگ	انہوں نے کفر کیا	میں	شہروں	فائدہ

قَلِيْلٌ ۚ قف	ثُمَّ	مَاْوٰىهُمْ	جَهَنَّمُ ۭ	وَبِئْسَ	الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾
تھوڑا	پھر	ان کا ٹھکانا	دوزخ	اور برا	بچھونا

”آپ کو کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا دھوکا نہ دے۔ (۱۹۶) یہ تو بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے اس کے بعد ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔“ (۱۹۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اپنی بادشاہی اور زمین و آسمانوں میں قدرت کی نشاندہی، ان پر مومنوں کی سوچ اور دعاؤں کے بعد ان کو ان کا بہتر انجام بتانے کے بعد نصیحت کی جا رہی ہے کہ کفار کے کرّ و فر پر فریفتہ نہیں ہونا، یہ تو دنیا کی زندگی کا عارضی سامان ہے تمہیں جنت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتیں نظر میں رکھنی چاہیے جو تمہیں عطا کی جائیں گی۔

قرآنِ مجید انسان کو بار بار یہ حقیقت بتلاتا اور سمجھاتا ہے کہ دنیا اور اس کی ہر چیز عارضی، ناپائیدار اور بہت جلد ختم ہونے والی ہے۔ نادان ہے وہ انسان جو اس کی زیب و زینت پر فریفتہ ہو کر اپنی زندگی کے اصل مقصد کو کھو بیٹھتا ہے۔ اس دنیا کی شادابی اور حسن و زیبائی نظر کا فریب اور دماغ کا دھوکا ہے جس کے پیچھے لگ کر آدمی اپنی دائمی زندگی اور ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کو فراموش کرتا اور لامتناہی مستقبل کو تاریک کر کے جہنم کا خریدار بن جاتا ہے۔

یہ طرزِ حیات ایک مومن کا نہیں بلکہ اللہ کے منکر اور باغی کا ہوا کرتا ہے۔ مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر بظاہر نبی محترم ﷺ کو مخاطب کیا ہے لیکن حقیقتاً ایمانداروں کو تاریک مستقبل اور جہنم کی ہولناکیوں سے بچنے کا احساس دلایا گیا ہے کہ دنیا کا سروسامان اور عیش و عشرت نہایت مختصر ہے۔ لہٰذا کفار کے کرّ و فر، شان و شوکت اور ان کی زندگی کی چھل پہل مومنوں کو عظیم مقصد سے غافل اور اس غلط فہمی کا شکار نہ کر دے کہ شاید ”اللہ“ ان پر راضی ہے جس کی وجہ سے انہیں دنیا کی ترقی سے نوازا گیا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کیونکہ دنیا کی حقیقت یہ ہے:

((لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شُرْبَةَ مَاءٍ)) (رواہ الترمذی: کتاب الزھد [صحیح])

”اگر دنیا کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو دنیا میں کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نصیب نہ ہوتا۔“

”حضرت عبداللہ ؓ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ ایک چٹائی پر سوئے تو آپ کے پہلو پر نشان پڑ گئے۔ ہم نے عرض کی اللہ کے رسول! اگر ہم آپ کے لیے اچھا سا بستر تیار کر دیں؟ آپ نے فرمایا میرا دنیا کے ساتھ ایک مسافر جیسا تعلق ہے جو کسی درخت کے نیچے تھوڑا سا آرام کرتا ہے پھر اسے چھوڑ کر آگے چل دیتا ہے۔“ (رواہ الترمذی: کتاب الزھد [صحیح])

مسائل

۱۔ کفار کی ترقی اور عیش و عشرت سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ ۲۔ کافروں کے لیے بالآخر جہنم ہوگی۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

لیکن جولوگ ڈرتے رہے ان کارب ان کے لیے باغات بہتی ہیں سے ان کے نیچے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝١٩٨

ہمیشہ رہنے والے اس میں مہمانی سے اللہ کے پاس اور جو اللہ کے پاس بہتر نیک لوگوں کے لیے

''جولوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ مہمان نوازی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لیے بہت بہتر ہے۔'' (۱۹۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار کی شان وشوکت پر فریفتہ ہونے کی بجائے جنت کی نعمتوں پر نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کو اسلام کی سربلندی، ذاتی کردار اور اپنی ترقی پر محنت کرنا چاہیے۔

قرآنِ مجید اپنے اسلوب کو برقرار رکھتے ہوئے یہاں بھی کفار کی سزا کا ذکر کرنے کے فوراً بعد مومنوں کے صلہ اور انعام کا ذکر کرتا ہے۔ تاکہ کتابِ الٰہی کی تلاوت کرنے والا فوری طور پر دو کرداروں اور ان کے انجام کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنی اصلاح پر غور کرے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جولوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے اجتناب اور دنیا پر فریفتہ ہونے سے بچے رہے۔ ان کے لیے ان کے رب کے ہاں باغات ہیں جن میں ہر دم نہریں اور آبشاریں جاری ہیں وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کو وہاں نہ مشقت ہوگی اور نہ کسی قسم کی پریشانی، بلکہ وہ تو ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے۔ ایسے نیکوکار لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا ہی انعام واکرام ہوگا۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی گرامی ﷺ سے بیان کرتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا جنت میں اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ تم تندرست ہی رہو گے کبھی بیمار نہ ہوگے، تم ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی فوت نہ ہوگے، تم ہمیشہ جوان رہو گے کبھی تمہیں بڑھاپا نہیں آئے گا اور تم ہمیشہ نعمتوں میں رہو گے ان سے تمہیں محروم نہیں کیا جائے گا۔ یہ اللہ کا فرمان ہے کہ جنتیوں کو آواز دے کر بتایا جائے گا کہ یہ جنت ہے جس کا تمہیں وارث بنایا گیا ہے کیونکہ تم نیک اعمال کرتے تھے۔'' (رواہ مسلم: کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا وأہلہا)

مسائل

۱۔ رب سے ڈرنے والوں کے لیے ہمیشہ کی جنت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی مہمان نوازی:

۱۔ مومن جنت الفردوس میں مہمان ہوں گے۔ (الکھف: ۱۰۷) ۲۔ مومنوں کی جنت میں مہمان نوازی ہوگی۔ (السجدۃ: ۱۹)

۳۔ مہمان نوازی ربِ رحیم کی طرف سے ہوگی۔ (حٰم السجدۃ: ۳۲)

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ

اور بیشک سے اہلِ کتاب البتہ جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور جو نازل کیا گیا تمہاری طرف اور جو

اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ

اُتارا گیا ان کی طرف عاجزی کرنے والے اللہ کیلئے نہیں خریدتے اللہ کی آیات کے ساتھ قیمت تھوڑی

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

یہی لوگ ان کے لیے ان کا اجر پاس ان کا رب بیشک اللہ جلد کرنیوالا حساب

’’یقیناً اہل کتاب میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور جو تمہاری طرف اتارا گیا ہے اور جو ان کی جانب نازل کیا گیا اس پر ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو معمولی قیمت پر نہیں بیچتے۔ ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔‘‘ (۱۹۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مسلمانوں کے بعد اہلِ کتاب میں سے ایمان والوں کا ذکر اور اجر بیان کیا جاتا ہے۔

اس سورت میں یہودیوں کے کردار کا ضمناً اور عیسائیوں کے کردار اور عقائد کا تفصیلی تجزیہ کیا گیا ہے۔ جس میں ان کے فکر وعمل کی کمزوریوں کی نشان دہی کی گئی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وضاحت فرمائی ہے کہ اہل کتاب تمام کے تمام ایک جیسے نہیں ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے، شب زندہ دار، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے والے بھی ہیں۔ اس فرمان سے پہلے مومنوں کی دعاؤں کی قبولیت اور بلا امتیاز ان کو اجر وثواب کی خوشخبری دی گئی ہے۔ اب اختتام پر ضروری سمجھا گیا ہے کہ اہل کتاب کے ان لوگوں کو اطمینان دلایا جائے جو، تورات اور انجیل کے بعد قرآنِ مجید پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو دنیا کی حقیر اور قلیل قیمت کے بدلے فروخت کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔ انہوں نے دنیا میں معمولی صلہ پانے کی بجائے آخرت کے اجر وثواب کی خاطر ایسا کیا ہے۔ جس بنا پر انہیں یہ تسلی دی گئی ہے کہ ان کا اجر ان کے رب کے ہاں محفوظ ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ بہت جلد عطا کرنے والا ہے۔

’’حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمی ہیں جنہیں دوہرا اجر ملے گا۔
① اہل کتاب میں سے جو اپنے نبی اور محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا۔ ② غلام جو اللہ کا حق ادا کرنے کے ساتھ اپنے مالک کا حق بھی ادا کرتا ہے۔ ③ ایسا آدمی جس کے پاس لونڈی ہو اس نے اس کی اچھی تعلیم وتربیت کی پھر اسے آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کرلیا۔‘‘ (رواہ البخاری: کتاب العلم، باب تعلیم الرجل أمتہ وأھلہ)

مسائل

۱۔ اہلِ کتاب میں سے ایمان لانے والوں کے لیے اللہ کے ہاں بڑا اجر ہوگا۔ ۲۔ اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

٢٠ ع ١١

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا ۟ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ٢٠٠

اے جو لوگ وہ ایمان لائے تم صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور جنگ کی تیاری کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

”اے ایمان والو! ثابت قدم رہو اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور جہاد کی تیاری کرتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“ (٢٠٠)

فہم القرآن

ربطِ کلام : جنت کی نعمتوں کے حصول اور اسلام کی سربلندی کے لیے مومنوں کو امن ہو یا جنگ ہر حال میں اللہ سے ڈرنا اور ثابت قدم رہنا ہوگا۔

سورۃ کی اختتامی آیات میں کفار کی دنیاوی شان و شوکت کا بیان ہوا اور اس پر مسلمانوں کو ہدایت فرمائی گئی کہ ہر مسلمان کو زندگی کے نشیب و فراز اور اسلام دشمنوں کے مقابلہ میں صبر و استقلال اختیار کرنا چاہیے اور اپنے مسلمان بھائی کو اس کی تلقین کرتے ہوئے ایک دوسرے سے رابطہ رکھتے ہوئے جہاد کی تیاری کرنا چاہیے۔

مشکلات پر قابو پانے کا یہی مؤثر ذریعہ ہے کہ آدمی ایک دوسرے کی ڈھارس بندھاتے ہوئے آگے بڑھے۔

”رَابِطُوْا“ کا دوسرا معنی کفار کے خلاف منصوبہ بندی اور جنگی تیاری کرنا ہے اور رات کے وقت مجاہدین کی نگرانی اور حفاظت کرنے کو بھی رباط کہا گیا ہے۔

((عَنْ سَلْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ رِبَاطُ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ خَيْرٌ مِّنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهٖ وَإِنْ مَاتَ جَرٰى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِيْ كَانَ يَعْمَلُهٗ وَأُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ وَأَمِنَ الْفُتَّانَ)) (رواہ مسلم: کتاب الإمارۃ)

”حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک دن اور رات کا پہرہ مہینہ بھر نفلی روزے رکھنے اور ان کی راتوں کا قیام کرنے سے بہتر ہے۔ اگر پہرے دار اسی حالت میں فوت ہو جائے تو جو عمل کرتا تھا اس کا اجر اُسے برابر ملتا رہے گا اور اسے رزق دیے جانے کے ساتھ آخرت کے فتنوں سے محفوظ رکھا جائے گا۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلٰى)) (رواہ البخاری: کتاب الجنائز)

”اجر ابتداً مصیبت پر صبر کرنے پر ملتا ہے۔“

مسائل

۱۔ ایمان داروں کو خود صبر کرتے ہوئے ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنے کے ساتھ جہاد کے لیے مستعد رہنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

صبر کی تلقین:

۱۔ ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنے کا حکم۔ (آل عمران: ٢٠٠) ۲۔ صابر بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ (الزمر: ١٠)
۳۔ کامیاب لوگ ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ (العصر: ۴)

سورۃ النساء

مقام نزول مدینہ۔آیات ۱۷۶۔الفاظ ۳۷۴۵ اور اس کے ۲۴ رکوع ہیں۔

ربطِ سورۃ: البقرہ میں مرکزی مضمون بنی اسرائیل کا کردار تھا اور اکثر مقامات میں بنی اسرائیل سے مراد یہودی ہیں۔ سورۃ آل عمران میں سرفہرست عیسائیوں کے عقیدہ و کردار پر بحث کی گئی ہے۔سورۃ النساء میں مسلمانوں کے باہمی حقوق کے بیان کے ساتھ درج ذیل مضامین ذکر کیے گئے ہیں۔

(۱) سورۃ النساء کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے ڈرنے کا حکم دینے کے بعد لوگوں کو یہ بتلایا ہے کہ تم ایک ہی جان سے پیدا کیے گئے ہو۔اس لیے اللہ سے ڈرتے ہوئے ایک دوسرے کے حقوق پورے کرو۔ بالخصوص یتیموں اور عورتوں کے حقوق کا خیال رکھو پھر مالی، معاشرتی اور اخلاقی حدود و قیود کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے۔

ان حقوق کے تحفظ کا حکم دیتے ہوئے یہ یقین دہانی کروائی ہے کہ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچو گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔

(۲) کردار کی پاکیزگی کے بعد جسمانی طہارت کے لیے غسل، وضو اور تیمم کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

(۳) عقیدہ کی پختگی اور اس کے نکھار کے لیے شرک سے اجتناب کرنے کا حکم دیا اور شرک کو بدترین گناہ قرار دیا ہے۔

(۴) اہلِ کتاب کو بار بار انتباہ کرنے کے بعد وارننگ دی گئی اگر تم باز نہ آئے تو تم پر ایسا عذاب مسلط ہوگا جس سے تمہارے چہرے مسخ ہو جائیں گے۔

(۵) اہل کتاب نے ہر قسم کی امانت میں خیانت کی تھی لہٰذا اس سے بچنے کے لیے اُمت کو امانتوں کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے۔

(۶) مسلمانوں کو ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ اور خلیفہ وقت کی اطاعت کرنی چاہیے خلیفہ سے اختلاف اور باہمی تنازعات کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانے کا حکم دیا گیا ہے اور جو شخص اللہ کے رسول کو فیصل تسلیم نہیں کرتا اس کے ایمان کی یکسر نفی کی گئی ہے۔

(۷) مسلمانوں کو ہر حال میں اپنا بچاؤ کرنے کا حکم دیتے ہوئے جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت، معذورین کو رخصت دی اور مسلمانوں کو موت سے بے خوف ہونے کا تصور دیا ہے۔

(۸) حالتِ جہاد میں کوئی کافر حلقہ اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کرے تو اس کے اسلام قبول کرنے کا حکم دیا اور مومن کی حرمت کا حکم دیتے ہوئے اس کے قتل کی سزا بیان کی گئی ہے۔

(۹) کتاب اللہ کے نازل کرنے کی غرض و غایت یہ بیان فرمائی کہ مسلمانوں کے تمام فیصلے اسی کے مطابق ہونے چاہئیں۔

(۱۰) منافقوں کی عادات اور کردار بیان کرتے ہوئے ان کا انجام ذکر کیا گیا ہے کہ وہ جہنم کے نچلے طبقے میں ہوں گے۔

(۱۱) اہل کتاب کو شرک اور دین میں غلو کرنے سے روکا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فقط حضرت مریم کا بیٹا اور اللہ کا رسول اور کلمہ ثابت کیا گیا ہے۔

(۱۲) سورت کی ابتدا اخلاقی حدود کے بیان سے ہوئی اور اس کے آخر میں مالی حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔

سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رُكُوْعَاتُهَا - ٢٤ اٰيَاتُهَا - ١٧٦

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

يٰۤاَيُّهَا	النَّاسُ	اتَّقُوْا	رَبَّكُمُ	الَّذِيْ	خَلَقَكُمْ	مِّنْ	نَّفْسٍ
اے	لوگ (جمع)	ڈرو	تمہارا رب	وہ جو	اس نے تمہیں پیدا کیا	سے	جان
وَّاحِدَةٍ	وَّخَلَقَ	مِنْهَا	زَوْجَهَا	وَبَثَّ	مِنْهُمَا	رِجَالًا	كَثِيْرًا
ایک	اور پیدا کیا	اس سے	اس کی بیوی	اور پھیلائے	ان دونوں سے	مرد (جمع)	بہت
وَّنِسَآءً ۚ	وَاتَّقُوا	اللّٰهَ	الَّذِيْ	تَسَآءَلُوْنَ	بِهٖ	وَالْاَرْحَامَ ؕ	
اور عورتیں	اور ڈرو	اللہ	وہ جو	آپس میں مانگتے ہو	اس کے ساتھ	اور رشتے	
اِنَّ	اللّٰهَ	كَانَ	عَلَيْكُمْ	رَقِيْبًا ①			
بیشک	اللہ	ہے	تم پر	نگہبان			

’’اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا فرما کر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیے۔ اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بچو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔‘‘ (۱)

فہم القرآن

ربطِ سورۃ: سورۃ آل عمران کے اختتام میں ’’اِتَّقُوا اللّٰهَ‘‘ فرما کر تقویٰ کو مسلمانوں کی کامیابی کی ضمانت قرار دیا ہے۔ اِتَّقُوا اللّٰهَ میں جلالت اور تمکنت پائی جاتی ہے۔

سورۃ النساء کا آغاز ’’اِتَّقُوْا رَبَّكُمُ‘‘ سے ہوتا ہے۔ اسمِ رب میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اظہار ہوتا ہے جس میں شفقت، الفت اور قربت کا تصور پایا جاتا ہے۔

اس سورۃ میں انسانی معاشرے کے ابتدائی یونٹ کو مضبوط بنانے کے لیے اس کے بنیادی حقوق وفرائض کا بیان ہوا ہے۔ سورۃ النساء کے ابتدائی الفاظ اور کلمات میں توحید اور وحدت انسانی کا سبق دیا گیا ہے کہ جس طرح تم سب ایک ہی خالق کی مخلوق اور اسی کی ربوبیت کے مرہون منت ہو۔ اسی طرح تم ایک ہی ماں باپ کی اولاد اور ارکان ہو جس کی ابتدا دو کی بجائے ایک سے ہوئی۔ پھر اس ایک سے دوسرے کو یعنی آدم علیہ السلام سے اس کی بیوی حوا کو پیدا کیا گیا پھر بے شمار مرد اور عورتیں پیدا کرنے کا سلسلہ جاری فرمایا جو قیامت تک جاری رہے گا۔ اس رب سے ڈرو جو تمہارا اللہ ہے جس کی عظمت وتقدیس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے سوال اور ہمدردی کے طلبگار ہوتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے ساتھ رشتے داریوں کو توڑنے سے بھی ڈرو اور اجتناب کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اُوپر نگران کی حیثیت سے قائم دائم ہے۔

بِهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾» (سنن ابی داؤد باب فی خطبة النکاح) [صحیح]

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہ خطبہ نکاح سکھایا الحمدللہ سے آخر تک لفظِ ارحام کا واحد رحم ہے۔ رسولِ کریم ﷺ نے رحم کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّ الرَّحِمَ شَجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ اللّٰهُ مَنْ وَصَلَكَ وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَكَ قَطَعْتُهُ»

(رواه البخاری: کتاب الأدب، باب من وصل وصله الله)

”رحم رحمان سے نکلا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رحم سے فرمایا جو تجھے ملائے گا میں اسے ملاؤں گا۔ جس نے تجھے کاٹ دیا میں اسے کاٹ دوں گا۔“

رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ» (رواه البخاری: کتاب الأدب، باب إثم القاطع)

”رشتے داریوں کو توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“

صلہ رحمی کی برکات کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرمایا کرتے تھے۔

«لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلُ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا»

(رواه البخاری: کتاب الأدب، باب لیس الواصل بالمکافي)

”ادلے کا بدلہ صلہ رحمی نہیں بلکہ صلہ رحمی یہ ہے کہ دوسرا آدمی صلہ رحمی نہ کرے تجھے اس کا خیال رکھنا چاہیے۔“

مسائل

۱۔ انسان کو ہر حال میں اپنے رب سے ڈرنا چاہیے۔

۲۔ لوگوں کو اپنے رب سے ڈر کر رشتے داریوں کا احترام کرنا چاہیے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کی نگرانی فرما رہا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نسلِ انسانی کی افزائش کے مراحل:

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے۔ (آل عمران: ۵۹)

۲۔ حضرت حوا نے آدم علیہ السلام سے تخلیق پائی۔ (الروم: ۲۱) ۳۔ اللہ تعالیٰ نے آدم اور حوا علیہما السلام سے بے شمار مرد و زن پیدا فرمائے۔ (النساء: ۱)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو قبائل میں تقسیم فرمایا۔ (الحجرات: ۱۳)

تخلیقِ انسان کے مختلف مراحل پارہ ۱۴: رکوع: ۸ اور پارہ ۱۸ رکوع ۱ کی تفسیر میں دیکھیں۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا

اور تم نہ کھاؤ	پاک سے	ناپاک	اور تم نہ بدلو	ان کے مال	یتیموں کو	اور تم دو

اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ②

بڑا	گناہ	ہے	بیشک وہ	تمہارے مال	طرف	ان کے مال

''اور یتیموں کے مال ان کے حوالے کرو اور پاک چیز کو ناپاک کے ساتھ نہ بدلو اور اپنے مالوں کے ساتھ یتیموں کے مال ملا کر نہ کھاؤ۔ بیشک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔''(۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سورت کی پہلی آیت میں بنی نوع انسان کو ایک کنبہ قرار دے کر ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنے کا حکم دیا اب معاشرے کے پسماندہ لوگوں کے حقوق کا چھ آیات میں ذکر کیا گیا ہے۔ پسماندہ لوگوں میں سرِفہرست یتیم ہیں جو بلوغت سے پہلے باپ کے سہارے سے محروم ہو چکے ہوں۔

یتیم کا مال ہڑپ کرنے کے لیے اپنے مال کے ساتھ ملانے کو کبیرہ گناہ قرار دیا گیا ہے۔ ایسا کرنے والا حرام کو حلال کے ساتھ ملاتا ہے جس سے نفرت دلانے کے لیے خبیث کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ خبیث ناپاک اور گندی چیز کو کہتے ہیں۔ لفظِ خبیث استعمال کرنے کا مقصد یہ ہے تاکہ پاک ذہن اور باضمیر شخص یتیم کا مال کھانے کا تصور بھی نہ کر سکے کیونکہ اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔ جب یہ حکم نازل ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر اتنی سختی اور جلدی کے ساتھ عمل کیا کہ آپ کی محفل سے اٹھے اور گھر جانے کے بعد جن کے ہاں یتیم پرورش پا رہے تھے۔ ان کا کھانا پینا اور برتن الگ کر دیے۔ جسے یتیموں نے شدّت کے ساتھ محسوس کیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ ماجرا عرض کیا۔ تب قرآن مجید میں اس کی وضاحت نازل ہوئی:

{ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ } (البقرۃ: ۲۲۰)

''اور وہ آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرما دیں کہ ان کی اصلاح کرنا بہتر ہے اور اگر تم انہیں اپنے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اللہ تعالیٰ مصلح اور مفسد کو جانتا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا یقیناً اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔''

«عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِنِّي أَرَاكَ ضَعِيفًا وَإِنِّي أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي لَا تَأَمَّرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ وَلَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيمٍ» (رواہ مسلم: کتاب الإمارۃ، باب کراھۃ الإمارۃ بغیر ضرورۃ)

’’حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر! میں تجھے کمزور پاتا ہوں اور میں تمہارے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں، تم دو آدمیوں کے امیر نہ بننا اور نہ ہی یتیم کے مال کا والی بننا۔‘‘

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ يُحْسَنُ إِلَيْهِ وَشَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ يُسَاءُ إِلَيْهِ» (رواه ابن ماجة: كتاب الأدب، باب حق اليتيم [ضعيف])

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا مسلمانوں میں بہترین گھرانہ وہ ہے جس میں یتیموں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو۔ مسلمانوں میں بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ بدسلوکی کے ساتھ پیش آیا جاتا ہو۔‘‘

«عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لَا أَجِدُ شَيْئًا وَلَيْسَ لِيْ مَالٌ وَلِيْ يَتِيْمٌ لَهُ مَالٌ قَالَ كُلْ مِنْ مَالِ يَتِيْمِكَ غَيْرَ مُسْرِفٍ وَلَا مُتَأَثِّلٍ مَالًا قَالَ وَأَحْسِبُهُ قَالَ وَلَا تَقِيْ مَالَكَ بِمَالِهِ» (ابن ماجة: كتاب الوصايا، باب قوله ومن كان فقيرا فليأكل بالمعروف [صحيح])

’’حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس آکر ایک آدمی نے کہا میرے پاس کوئی مال نہیں البتہ میرے پاس ایک یتیم ہے جس کا مال بھی ہے۔ آپ نے فرمایا اپنے یتیم کے مال سے فضول خرچی اور اپنے مال کے ساتھ نہ ملاتے ہوئے اس کے مال میں سے کھالیا کر۔ راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا اپنا مال اس کے مال کے ذریعے نہ بچانا۔‘‘

مسائل

۱۔ یتیموں کا مال واپس کرنا چاہیے۔ ۲۔ یتیموں کا مال کھانا بڑا گناہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

یتیموں کے حقوق:

۱۔ یتیم تمہارے بھائی ہیں۔ (البقرۃ: ۲۲۰) ۲۔ یتیموں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم۔ (البقرۃ: ۸۳)

۳۔ یتیموں کا مال واپس کیا جائے۔ (النساء: ۲) ۴۔ یتیموں کا مال بلوغت کی عمر کو پہنچنے پر واپس کرو۔ (النساء: ۶)

۵۔ یتیموں کو مال لوٹاتے وقت اس پر گواہ کرلو۔ (النساء: ۶)

۶۔ یتیم کو جھڑکنے کی ممانعت۔ (الضحیٰ: ۹) ۷۔ یتیموں کا مال کھانا بڑا گناہ ہے۔ (النساء: ۲)

وَاِنْ	خِفْتُمْ	اَلَّا	تُقْسِطُوْا	فِي	الْيَتٰمٰى	فَانْكِحُوْا	مَا
اور اگر	تم ڈرو	یہ کہ نہ	انصاف کرسکو گے	میں	یتیموں	تو نکاح کرلو	جو
طَابَ	لَكُمْ	مِّنَ	النِّسَآءِ	مَثْنٰى	وَثُلٰثَ	وَرُبٰعَ ۚ	فَاِنْ
پسند ہو	تمہارے لیے	سے	عورتیں	دو، دو	اور تین، تین	اور چار، چار	اگر
خِفْتُمْ	اَلَّا	تَعْدِلُوْا	فَوَاحِدَةً	اَوْ مَا	مَلَكَتْ	اَيْمَانُكُمْ ؕ	ذٰلِكَ
تمہیں اندیشہ ہو	کہ نہ	انصاف کرسکو گے	تو ایک	یا جو	مالک ہوئے	تمہارے دائیں ہاتھ	یہ
		اَدْنٰٓى	اَلَّا	تَعُوْلُوْا ۳			
		قریب تر	کہ نہ	جھک پڑو			

''اور اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے تم انصاف نہیں کرسکو گے تو دوسری عورتوں میں سے جو بھی تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کرلو۔ دو دو، تین تین، چار چار سے لیکن اگر تم ڈرو کہ عدل نہ کرسکو گے تو ایک ہی کافی ہے یا تمہاری ملکیت کی لونڈی۔ یہ زیادہ قریب ہے کہ ایک طرف جھکنے سے بچ جاؤ۔'' (۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یتامیٰ میں بھی یتیم بچیوں کا خیال رکھنے کا حکم ہے کیونکہ یتیم لڑکا تو کسی نہ کسی طریقے سے گزارہ کرلیتا ہے لیکن یتیم بچی جائے تو کدھر جائے۔ اگر بالغ ہوجائے تو اسے تحفظ فراہم کرنے کے لیے اس سے نکاح کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں اس حکم کے نازل ہونے سے پہلے یتیموں کے بعض سرپرست محض ان کے مال پر قبضہ کرنے کے لیے یتیم لڑکی کے بالغ ہونے پر اس کا نکاح اپنے یا اپنے بیٹے کے ساتھ کردیتے۔ ایسا ہی واقعہ آپ کی بعثت کے بعد پیش آیا۔

«عَنْ عَائِشَةَ ؓ أَنَّ رَجُلًا كَانَتْ لَهُ يَتِيمَةٌ فَنَكَحَهَا وَكَانَ لَهَا عَذْقٌ وَكَانَ يُمْسِكُهَا عَلَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهَا مِنْ نَّفْسِهِ شَيْءٌ فَنَزَلَتْ {وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامٰى......}»

(رواہ البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب وإن خفتم ألا تقسطوا)

''حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں ایک آدمی کی پرورش میں ایک یتیم لڑکی تھی جس کی ملکیت میں کھجور کا ایک باغ تھا اسی باغ کی وجہ سے وہ اس کی پرورش کرتا رہا۔ حالانکہ اس کو اس سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا۔ اس سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی۔''

یعنی اگر تم یتیم بچیوں کے بارے میں انصاف نہیں کرسکتے تو پھر دوسری عورتوں کے ساتھ اپنی پسند کے مطابق دو دو، تین تین، چار چار نکاح کرسکتے ہو۔ اس میں بھی اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم ان کے درمیان عدل نہیں کر پاؤ گے تو پھر ایک سے ہی

نکاح کرو۔ البتہ تم لونڈیاں رکھ سکتے ہو۔ عدل وانصاف کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ کہیں تم ایک ہی طرف نہ جھک جاؤ۔

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقْسِمُ فَيَعْدِلُ وَيَقُوْلُ اللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا أَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِيْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ» (رواہ أبو داؤد: باب فی القسم بین النساء [صحیح])

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ باری تقسیم کرنے میں عدل کرتے اور دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جس کا مجھے اختیار ہے اور مجھے ملامت نہ کر اس میں جس (دل) کا تو مالک ہے اور کیونکہ اس پر مجھے اختیار نہیں۔“

چار بیویوں کا مسئلہ

غیر مسلموں نے قرآن مجید کے اس فرمان پر بڑے اعتراضات اور سوالات اٹھائے ہیں وہ اس آیت کی خود ساختہ تشریح کرتے ہوئے کہتے اور لکھتے ہیں کہ قرآن نے مسلمانوں کو چار بیویاں کرنے کا حکم دیا ہے حالانکہ قرآنِ مجید نے چار بیویاں کرنے کا حکم نہیں دیا۔ چار بیویاں کرنے کی صرف رخصت عنایت فرمائی ہے۔ اس میں بھی ہر قسم کا عدل وانصاف قائم رکھنا ضروری قرار دیا ہے ورنہ اسلامی حکومت ایسے شخص کا نوٹس لے سکتی ہے۔

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا كَانَ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَأَتَانِ فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ سَاقِطٌ» (رواہ الترمذی: کتاب النکاح، باب ماجاء فی التسویۃ بین الضرائر [صحیح])

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جس آدمی کے پاس دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان عدل نہ کرے۔ قیامت کے دن فالج زدہ جسم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا جائے گا۔“

قرآنِ مجید نے جن وجوہات کی بنیاد پر تعدّدِ ازواج کی اجازت دی ہے۔ یہ وجوہات اور ضرورت ہر دور میں رہی ہیں اور قیامت تک باقی رہیں گی۔ مردوں کو یہ اجازت عورتوں کی کفالت اور تحفظ کے لیے دی گئی ہے کیونکہ اس کے بغیر اس مسئلہ کا حل تلاش کرنا ناممکن ہے۔ جن قوموں نے صرف ایک بیوی رکھنے کا قانون بنا کر داشتائیں رکھنے کی اجازت دی ہے۔ ان میں بے حیائی، معصوم بچوں کا قتل، اسقاطِ حمل، جسمانی اور روحانی بیماریوں کی بہتات کی وجہ سے ان کا معاشرہ پرلے درجے کی آوارگی کا شکار ہو چکا ہے۔ اسلام کے اصولوں کے مطابق اگر بیویوں کے درمیان ہر قسم کا عدل وانصاف کیا جائے تو عورتوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کا حل بڑی عمدگی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے اس کے بغیر اس کا کوئی حل نہیں ہو سکتا۔

ا۔ افغانستان پر دس سال تک روس کا جنگ مسلط کرنا بعد ازاں افغانستان اور عراق پر امریکیوں کا حملہ آور ہونا جس میں دونوں مسلمان ملکوں کے کم از کم پندرہ سے بیس لاکھ مرد شہید ہوئے جس کی وجہ سے ان ملکوں میں مردوں کے مقابلے میں عورتیں چار گنا زیادہ ہو چکی ہیں۔ جنگی اور ہنگامی حالات کی بناء پر مرد کو چار بیویاں رکھنے کی رخصت دی گئی۔

۲۔ شرح پیدائش کے اعتبار سے عورتوں کی کثرت خاص کر قربِ قیامت عورتوں کا زیادہ ہونا۔

۳۔ٹریفک حادثات میں عورتوں کے مقابلے میں مردوں کا زیادہ ہلاک ہونا کیونکہ عورتوں کی نسبت مرد زیادہ سفر کرتے ہیں۔
۴۔جنسی طاقت کی بنیاد پر مرد کو اجازت دینا تا کہ بے شرمی رواج پانے کی بجائے شرم وحیا کا تحفظ ہو سکے۔
۵۔پہلی بیوی کے بانجھ ہونے کی صورت میں یا نرینہ اولاد کی خواہش میں دوسری شادی کی ضرورت ہونا۔
۶۔ یاد رکھیے نکاح کا مقصد شہوت زنی نہیں۔تفصیل کے لیے النساء آیت ۹۴ کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

رسولِ محترم ﷺ اور اُمّہات المؤمنین

رسولِ معظم ﷺ کی ذاتِ اطہر پر وہی شخص اعتراض کرنے کی جسارت کرسکتا ہے جو منکر نبوت اور جاہل ہو کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھاتے تھے۔اللہ کا حکم آنے سے پہلے جہاں کہیں آپ نے کسی مسئلہ میں استدلال فرمایا اور وہ شریعت کے مطابق مطابقت نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تردید یا تصحیح کر دی گئی۔

ایک منصف مزاج شخص کا فرض بنتا ہے کہ وہ دیانتداری کے ساتھ مذکورہ بالا اصول پر غور کرے اور آپ کی حیاتِ مبارکہ کا وہ دور دیکھے۔جب آپ پچیس سال کے جوانِ رعنا تھے،صحت اور حسن و جمال کے حوالے سے پوری دنیا میں آپ کا ثانی نہیں تھا۔اس کے ساتھ یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ آپ کو روکنے اور سمجھانے والے والدین بھی سر پر موجود نہیں تھے۔آپ کی شرم وحیا، دیانت و امانت عرب میں ضرب المثل تھی۔شادی کا وقت آیا تو آپ نے اپنے سے پندرہ سال بڑی ایسی عورت کے ساتھ نکاح کیا جس کے دو خاوند پہلے فوت ہو چکے تھے۔پھر اسی ایک بیوی کے ساتھ پچیس سال کا عرصہ گزارا تا آنکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ان کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جو معمر عورت تھی۔جب وہ آپ کے گھر آئیں تو اس وقت آپ کی عمر مبارک ۵۴ سال ہو چکی تھی۔حضرتِ سودہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت عائشہ سے ۲ سنہ ہجری میں نکاح کیا۔آپ نے پچپن سال میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اور اسی سال کے آخر میں حضرتِ زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ ۴ سنہ ہجری میں حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں آئیں ۵ سنہ ہجری حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ ۶ سنہ ہجری میں، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ۷ سنہ ہجری میں، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور ۷ سنہ ہجری کے آخر میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ کا نکاح ہوا۔مزید وضاحت کے لیے سیرت رحمۃ اللعالمین کا مطالعہ فرمائیں۔

مسائل

۱۔ بیک وقت چار شادیاں کرنے کی اجازت ہے۔۲۔انصاف نہ کرسکے تو صرف ایک بیوی رکھنی چاہیے۔

وَاٰتُوا	النِّسَآءَ	صَدُقٰتِهِنَّ	نِحْلَةً	فَاِنْ	طِبْنَ	لَكُمْ
اور دے دو	عورتیں	ان کے مہر	خوشی سے	پھر اگر	وہ خوشی سے دیں	تمہارے لیے
عَنْ	شَيْءٍ	مِّنْهُ	نَفْسًا	فَكُلُوْهُ	هَنِيْٓـًٔا	مَّرِيْٓـًٔا ④
سے	کچھ	اس سے	دل	تو اسے کھاؤ	مزیدار	خوشگوار

''اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو پھر اگر وہ اس میں اپنی دل کی خوشی سے تمہارے لیے کچھ چھوڑ دیں تو اسے خوش ہو کر مزے سے کھاؤ۔'' (۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عورتوں کے اخلاقی، ازدواجی حقوق بیان کرنے کے بعد ان کا حق مہر اور مالی حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ ان کے معاشی تحفظ کے ساتھ شخصی وقار میں اضافہ ہو جائے۔

اسلام سے پہلے عورتوں پر یہ ظلم بھی ہوتا تھا کہ انہیں حق مہر سے محروم کر دیا جاتا اس ظلم کی چار شکلیں تھیں۔

۱۔ یتیم اور کمزور گھرانوں کی بچیوں کا سرے سے حق مہر مقرر ہی نہیں کیا جاتا تھا۔

۲۔ بعض دفعہ عورت کا ولی حق مہر خود ہی کھا جاتا تھا۔

۳۔ حق مہر مقرر کرنے کے باوجود عورت کو حق مہر نہ دیا جاتا یا ادا کرنے میں کئی کئی سال اجتناب کیا جاتا تا آنکہ عورت کے مطالبہ پر میاں بیوی کے درمیان تلخیاں پیدا ہو جاتیں۔

۴۔ خاوند ایسا رویہ اختیار کرتا جس سے مجبور ہو کر عورت اپنا حق مہر چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتی تھی۔

قرآنِ مجید نے ''نِحْلَةً'' کا لفظ استعمال فرما کر اس بات کی طرف واضح اشارہ کیا ہے کہ حق مہر دل کی خوشی اور رغبت کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ حق مہر خاوند کی طرف سے بیوی کے لیے شبِ زفاف کا تحفہ اور محبت کا اظہار ہے۔ اس سے آدمی کو پہلے دن ہی ازدواجی زندگی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اگر کوئی عورت اپنی خوشی سے حق مہر خاوند کو معاف کر دے تو خاوند کو چاہیے کہ وہ اس انداز سے اسے استعمال کرے۔ جس سے اس کی استغناء ظاہر ہوتی ہو۔ ایسا کرنے سے آدمی ہلکے پن اور لالچی ہونے کے الزام سے بچ جائے گا۔ بصورتِ دیگر عورت کی نظر میں خاوند کا ہلکا پن اور اس کے لالچی ہونے کا شبہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ جس کے لیے یہ ہدایت فرمائی کہ اسے کھاؤ مگر خوشگوار طریقے کے ساتھ۔

حق مہر کا تعیّن

لڑکے اور لڑکی کے نکاح کی صورت اس وقت ہی پیش آتی ہے جب دونوں خاندانوں کے درمیان قربت اور مودّت پیدا ہو جائے۔ اس قربت اور مودّت کو آگے بڑھانے اور دونوں خاندانوں اور افراد کو مالی بوجھ سے بچانے کے لیے شریعت نے اپنی طرف سے حق مہر کا تعین کرنے کی بجائے لڑکے، لڑکی اور اس کے ولی پر معاملہ چھوڑ دیا ہے۔ اب ان کا فرض ہے کہ وہ ایک دوسرے کی مالی استعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے خوشگوار ماحول اور باہمی رضامندی سے حق مہر کا تعین

کریں۔ اس لیے حدیث کے مقدس ریکارڈ میں بیوی کو چند آیات حفظ کروانے سے لے کر حق مہر میں بھاری رقم دینے کا ثبوت ملتا ہے۔قرآن مجید نے حق مہر کے لیے ''قِنۡطَارًا'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنی خزانہ ہے۔اس سے مراد کثیر رقم ہے۔لہٰذا جو علماء شرعی حق مہر ۳۲ روپے یا اپنی طرف سے کسی قسم کی رقم کا تعین کرتے ہیں۔دین میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا بلکہ یہ عورت پر زیادتی کرنے کے مترادف ہے۔

رسول اللہ ﷺ چند صحابہ رضی اللہ عنہم میں تشریف فرما تھے ایک عورت نے اپنے حالات سے مجبور ہو کر اپنے آپ کو نکاح کے لیے آپ کی خدمت میں پیش کیا آپ ﷺ خاموش رہے۔اتنے میں ایک شخص عرض کرنے لگا اگر آپ آمادہ نہیں تو میں اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے کے لیے تیار ہوں۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تیرے پاس حق مہر کے لیے کچھ ہے؟ اس نے عرض کیا یہ چادر جو میں نے لپیٹ رکھی ہے اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں۔فرمایا کہ چادر اپنے پاس رکھو اور حق مہر کے لیے لوہے کی انگوٹھی ہی لے آؤ۔کوشش کے باوجود اسے انگوٹھی بھی میسر نہ ہو سکی۔وہ خالی ہاتھ واپس آیا۔آپ پوچھتے ہیں کہ تجھے قرآنِ مجید یاد ہے؟ اس نے عرض کی کہ مجھے فلاں فلاں سورتیں یاد ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ یہ سورتیں حق مہر کے طور پر اپنی بیوی کو یاد کروا دینا۔(بخاری: کتاب النکاح، باب تزویج المعسر)

ایک دفعہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

«أَلَا لَا تُغَالُوا صَدُقَةَ النِّسَاءِ فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا أَوْ تَقْوٰى عِنْدَ اللهِ لَكَانَ أَوْلَاكُمْ بِهَا نَبِيُّ اللهِ ﷺ مَا عَلِمْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ نَكَحَ شَيْئًا مِنْ نِسَائِهِ وَلَا أَنْكَحَ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِهِ عَلٰى أَكْثَرَ مِنْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوْقِيَّةً» (رواہ الترمذی: کتاب النکاح، باب منه [صحیح])

''خبردار! عورتوں کے حق مہر بڑھا چڑھا کر مقرر نہ کیا کرو۔اگر یہ بات عظمت اور تقویٰ کا باعث ہوتی تو رسولِ کریم ﷺ اس کے سب سے زیادہ حق دار تھے۔میں جانتا ہوں کہ آپ کی کسی بیوی یا بیٹی کا حق مہر بارہ تولے چاندی سے زیادہ نہیں تھا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مقصد حق مہر میں اعتدال قائم رکھنے کی طرف توجہ دلانا تھا۔اس کے باوجود کسی شخص کو عورتوں کے حق مہر کی رقم متعین کرنے کا اختیار نہیں ہے۔اسی لیے حضرت عمر کے خطبہ کے دوران ایک عورت نے کہا تھا کہ امیر المومنین آپ حق مہر کی رقم مقرر نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قنطار کا لفظ استعمال فرما کر حق مہر کے مسئلہ کو کھلا چھوڑ دیا ہے۔اگر کوئی آدمی حق مہر میں خزانہ بھی دینا چاہے تو کوئی حرج نہیں امیر المومنین نے اس عورت کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا کہ عورت کو مسئلہ یاد رہا اور مجھ سے خطا ہوئی۔(عون المعبود)

مسائل

۱۔ عورتوں کے حق مہر ادا کرنا چاہیے عورت خود معاف کر دے تو اسے اچھے طریقے سے کھانا چاہیے تھا۔

۲۔ حق مہر مقرر کرتے وقت اعتدال قائم رکھنا چاہیے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا

اور نہ دو | بے عقل (جمع) | تمہارے مال | وہ جو | بنایا | اللہ | تمہارے لیے | سہارا

وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝٥

اور انہیں کھلاتے رہو | اس میں | اور انہیں پہناتے رہو | اور کہو | ان کے لیے | بات | اچھی

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ

اور آزماؤ | یتیم (جمع) | یہاں تک کہ | جب | وہ پہنچیں | نکاح | پھر اگر | تم پاؤ

مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا

ان میں | سمجھ داری | تو حوالے کردو | ان کی طرف | ان کے مال | اور نہ | تم کھاؤ اسے | ضرورت سے زیادہ

وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ

اور جلدی جلدی | یہ کہ | وہ بڑے ہو جائیں | اور جو | ہو | غنی | تو وہ بچے

وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ

اور جو | ہو | حاجت مند | تو وہ کھائے | اچھے طریقے کے مطابق | پھر جب | تم حوالے کرو

اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝٦

ان کی طرف | ان کے مال تو | گواہ کرلو | ان پر | اور کافی | اللہ | حساب لینے والا

”اور ناوانوں کو اپنا مال نہ دو جس مال کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری گزربسر کا ذریعہ بنایا ہے۔ انہیں اس مال سے کھلاؤ، پہناؤ اور انہیں اچھی بات کہتے رہو۔(۵) اور یتیموں کو بالغ ہونے تک آزماؤ پھر اگر تم ان میں سمجھ داری پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کرو اور ان کے بڑے ہو جانے کے خوف سے ان کے مال کو جلدی جلدی اسراف کے ساتھ نہ کھاؤ۔ مالدار کو چاہیے کہ وہ یتیم کے مال سے بچا رہے۔ جو کوئی محتاج ہو وہ مناسب طریقے سے کھائے۔ جب مال ان کے سپرد کرو تو اس پر گواہ بنالو اور اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لیے کافی ہے۔“(۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سابقہ فرامین میں یتامیٰ اور عورتوں کے مالی حقوق کی ادائیگی کا حکم تھا۔ اب فرمایا کہ یتیموں کو ان کا مال واپس لوٹاتے ہوئے اچھی طرح اندازہ کرلو کہ کہیں وہ ناتجربہ کاری یا صغرِ سنی کی وجہ سے اپنا مال ضائع نہ کر بیٹھیں۔

قرآنِ مجید نے دوسری آزمائشوں کے ساتھ مال کو بھی آدمی کے لیے ایک بڑی آزمائش اور فتنہ قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی رزقِ حلال کو اللہ تعالیٰ کا فضل، نعمت، زندگی کا لازمہ اور اسے تقویت کا باعث ٹھہرایا ہے۔

یتیموں کے لیے بالخصوص مال سہارا اور تقویت کا باعث ہوتا ہے کیونکہ عام طور پر ان کا کمانے والا کوئی نہیں ہوتا بلکہ ان

کی جائیداد کا بھی کوئی دوسرا نگران ہوتا ہے۔ یہاں یتیموں کے سر پرست کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ ان کے مال کو اپنا مال تصور کرتے ہوئے اس کی حفاظت اور نگرانی کرے اور جب تک یتیم میں فہم وشعور اور اپنا مال سنبھالنے کی صلاحیت پیدا نہ ہو۔ اس وقت تک ان کا سر پرست ان کے مال سے ان کے کھانے پینے اور پہننے کا انتظام کرتا رہے۔ ان کی طرف سے اگر کوئی مطالبہ یا غلط فہمی پیدا ہو تو نہایت محبت اور پیار کے ساتھ ان کو بہلاتا اور سمجھاتا رہے۔ یہاں تک کہ یتیم اپنا مال سنبھالنے کے قابل ہو جائے۔ یتیموں کے لیے ناسمجھ کا لفظ دو وجہ سے استعمال ہوا ہے۔ ایک تو یہ مال کی حفاظت اور اس کو استعمال کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نوعمر اور یتیم ہونے کی وجہ سے یہ لوگوں کے پروپیگنڈہ کا شکار ہو کر اپنے سر پرست اور خیر خواہ سے اکثر بدظن ہو کر مال واپس لے کر ضائع کر بیٹھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«أَلَا مَنْ وَلِيَ يَتِيمًا لَهُ مَالٌ فَلْيَتَّجِرْ فِيهِ وَلَا يَتْرُكْهُ حَتّٰى تَأْكُلَهُ الصَّدَقَةُ»

(رواہ الترمذی: کتاب الزکاۃ، باب ماجاء فی الزکاۃ من مال الیتیم [ضعیف])

”خبردار! جو کسی یتیم کا سر پرست بنے اور یتیم کے پاس مال ہو تو وہ اس کے مال کو کاروبار میں لگائے۔ کہیں آہستہ آہستہ زکوٰۃ سے اس کا مال ختم نہ ہو جائے۔“

یتیموں کے مال کی حفاظت کے پیشِ نظر یہ اصول بھی قائم فرمایا کہ جب تک وہ بالغ نہ ہو جائیں اور ان میں مالی معاملات سمجھنے کی کچھ نہ کچھ صلاحیت پیدا نہ ہو جائے۔ ان کا مال اس وقت تک ان کو نہیں لوٹانا چاہیے جب وہ شعور کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کا مال لوٹاتے ہوئے اس پر گواہ بنا لینے چاہئیں تاکہ جس آدمی نے سرپرستی کی صورت میں ان کی خدمت کی ہے وہ ہر قسم کے الزامات سے بچ سکے۔

سر پرست کو یہ حکم بھی دیا کہ اگر وہ امیر ہے تو یتیموں کے مال کی نگرانی اور سرپرستی کے عوض ان کے مال سے کچھ نہ لے اور اگر اس کی اپنی گزران تنگ ہے تو مناسب طریقے سے اس میں سے کھا سکتا ہے۔ یتیم اور ان کے سر پرست کو ہر دَم خیال رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کے معاملات اور ہر قسم کے حساب وکتاب کو خوب جانتا ہے اور اس کے ہاں تمام معاملات لکھے اور پیش کیے جاتے ہیں اور قیامت کے دن وہ پائی پائی کا حساب لے گا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مال کو لوگوں کے لیے استحکام کا ذریعہ بنایا ہے۔ ۲۔ یتیموں سے نرم لہجے میں پیش آنا چاہیے۔

۳۔ یتیموں کا مال کھانا منع ہے۔ ۴۔ یتیموں کو آزمانے اور ان میں سمجھداری دیکھنے کے بعد ان کا مال ان کے سپرد کرنا چاہیے۔

۵۔ یتیموں کا کفیل مالدار ہو تو اسے ان کے مال سے کچھ نہیں لینا چاہیے۔

۶۔ یتیموں کا کفیل تنگ دست ہو تو مناسب انداز میں ان کے مال میں سے کھا سکتا ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کا حساب لینے کے لیے کافی ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ ۖ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيۡبٌ

مردوں کے لیے حصہ اس سے جو چھوڑا ماں باپ اور رشتہ دار (جمع) اور عورتوں کے لیے حصہ

مِّمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ مِمَّا قَلَّ مِنۡهُ اَوۡ كَثُرَ ؕ

اس سے جو چھوڑا ماں باپ اور قرابت دار اس میں سے تھوڑا اس سے یا زیادہ

نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ۞ وَاِذَا حَضَرَ الۡقِسۡمَةَ اُولُوا الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنُ

حصہ مقرر کیا ہوا اور جب حاضر ہو تقسیم کیلئے رشتہ دار اور یتیم (جمع) اور مسکین (جمع)

فَارۡزُقُوۡهُمۡ مِّنۡهُ وَقُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ۞ وَلۡيَخۡشَ الَّذِيۡنَ

تو انہیں کھلاؤ اس سے اور کہو انکے لیے بات اچھی اور چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ

''ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں مردوں کا حصہ ہے اور عورتوں کا بھی ان کے ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں حصہ ہے۔ مال کم ہو یا زیادہ حصہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ (۷) اور جب تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم اور مسکین آ جائیں تو انہیں اس میں سے کھلاؤ اور ان سے نرم گفتگو کرو۔ (۸) اور چاہیے کہ وہ اس بات سے ڈریں کہ

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلے عورتوں اور یتیموں کے مالی اور سماجی حقوق کے تحفظ کا حکم دیا۔ اب قانونِ وراثت کے ذریعے سب کے مالی حقوق کا تحفظ کیا گیا ہے۔

قبل از اسلام اور آج بھی دنیا میں تقسیمِ وراثت کے چار قانون نافذ العمل ہیں۔

۱۔ عورتوں کو مالی حقوق سے یکسر محروم رکھا جاتا ہے۔

۲۔ خاوند فوت ہونے کے بعد بیوہ اور بیٹیوں کو متروکہ جائیداد سے خارج کر دینا۔

۳۔ باپ کے فوت ہونے کے بعد صرف بڑے بیٹے کو وراثت کا حقدار ٹھہرانا۔

۴۔ باپ کی وراثت میں صرف بیٹوں کا ہی حق دار قرار پانا۔

اسلام نے اس استحصال کو یکسر ختم کر کے حکم دیا کہ مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا جو اس کے والدین اور اقرباء چھوڑ جائیں اس میں شریعت کے مقرر کردہ قریبی رشتہ داروں کا حصہ ہے۔ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ حصہ ہر کسی کو ملنا چاہیے۔ اخلاقی قدروں کا خیال رکھتے ہوئے یہ بھی حکم دیا کہ تقسیم کے وقت غریب رشتہ دار، یتیم اور مسکین اگر موجود ہوں وہ جائیداد میں حصہ دار تو نہیں ہوں گے لیکن انہیں کھانے پینے کے لیے کچھ ضرور دینا چاہیے۔

ان کی حاضری کو گراں سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ منفی رویہ اختیار کرنے کی بجائے ان کے ساتھ مروّت اور اچھے انداز میں گفتگو کی جائے۔ اس کے بعد فوت ہونے والوں کو تلقین فرمائی کہ وہ مرنے کے قریب اس طرح شاہ خرچ نہ بنیں جس سے ان

لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ

اگر چھوڑ جائیں سے اپنے پیچھے اولاد کمزور وہ ڈریں ان پر پس چاہیے کہ وہ ڈریں اللہ

وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى

اور چاہیے کہ کہیں بات سیدھی بیشک جولوگ کھاتے ہیں مال (جمع) یتیم (جمع)

ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝۱۰ ع

ظلم صرف وہ کھاتے ہیں میں اپنے پیٹوں آگ اور عنقریب داخل ہونگے دوزخ

اگر وہ خود اپنے پیچھے ناتواں بچے چھوڑ جاتے وہ ان کے ضائع ہوجانے سے ڈرتے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اور سیدھی بات کہا کریں۔(۹) جولوگ زیادتی سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور وہ عنقریب جہنم میں جائیں گے۔"(۱۰)

کے چھوٹے چھوٹے بچے مالی طور پر کنگال ہوجانے کی وجہ سے دوسروں کے دستِ نگر ہوجائیں۔

کچھ مفسّرین نے یہ حکم میّت کے لواحقین پر لاگو کیا ہے کہ انہیں یتیموں کے ساتھ تلخ روّیہ اور ان کے مال میں زیادتی کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے بچوں کو اس حالت میں چھوڑ جائیں تو ان کے کیا احساسات ہوں گے؟ لہٰذا یتیموں کے ساتھ گفتگو نہایت نرم اور محبت آمیز لہجہ میں کرنا چاہیے۔ وراثت کا مسئلہ شروع کرنے سے پہلے ایک مرتبہ پھر یتیموں کے بارے میں حکم دیا ہے کہ ان کا مال ظلم کے ساتھ نہ کھاؤ۔ یہ کھلم کھلا پیٹ میں آگ کے انگارے ڈالنے کے مترادف ہے۔ یتیم کا مال کھانے والے عنقریب جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ وہاں ان کے آگے پیچھے اور اوپر نیچے آگ ہی آگ ہوگی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر سخت بیمار ہوئے۔ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میرے پاس بہت سا مال ہے ایک بیٹی کے علاوہ کوئی وارث نہیں۔ میں اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے انہیں اجازت عنایت نہ فرمائی۔ پھر انہوں نے نصف کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اس کی بھی اجازت نہ دی۔ اس کے بعد انہوں نے ایک تہائی کی اجازت مانگی تو آپ نے یہ فرما کر اجازت دی کہ یہ بھی زیادہ ہے۔ اپنی اولاد کو مال دار چھوڑنا ان کو محتاج چھوڑنے سے کہیں بہتر ہے۔ (رواہ البخاری: کتاب الفرائض، میراث البنات)

مسائل

۱۔ مردوں کے لیے ان کے والدین اور اقرباء کے ترکہ میں حصہ ہے۔

۲۔ عورتیں بھی اپنے والدین اور اقرباء کی وراثت میں حصے دار ہیں۔

۳۔ وراثت تقسیم کرتے وقت یتیموں اور مسکینوں کو کچھ نہ کچھ کھلانا پلانا چاہیے۔

۴۔ وراثت کے بارے میں واضح ہدایت دینا چاہیے۔ ۵۔ یتیموں کا مال کھانے والے جہنم میں داخل ہوں گے۔

۶۔ یتیموں کا مال زیادتی کے ساتھ کھانے والے آگ کے انگارے نگلتے ہیں۔

يُوْصِيْكُمُ	اللّٰهُ	فِيْٓ	اَوْلَادِكُمْ ۚ	لِلذَّكَرِ	مِثْلُ	حَظِّ
تمہیں وصیت کرتا ہے	اللہ	میں	تمہاری اولاد	مرد کے لیے	مانند	حصہ
الْاُنْثَيَيْنِ ۚ	فَاِنْ	كُنَّ	نِسَآءً	فَوْقَ	اثْنَتَيْنِ	فَلَهُنَّ ثُلُثَا
دو عورتیں	پھر اگر	ہوں	عورتیں	زیادہ	دو	تو ان کے لیے دو تہائی
مَا تَرَكَ ۚ	وَاِنْ	كَانَتْ	وَاحِدَةً	فَلَهَا	النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ	لِكُلِّ وَاحِدٍ
جو اس نے چھوڑا	اور اگر	ہو	ایک	تو اس کے لیے	نصف اور ماں باپ کے لیے	ہر ایک کے لیے
مِّنْهُمَا	السُّدُسُ	مِمَّا	تَرَكَ	اِنْ	كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ	فَاِنْ
ان دونوں میں سے	چھٹا حصہ	اس سے جو	چھوڑا (ترکہ)	اگر	ہو اسکے لیے اولاد	پھر اگر
لَّمْ	يَكُنْ	لَّهٗ	وَلَدٌ	وَّوَرِثَهٗٓ	اَبَوٰهُ	فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ
نہ	ہو	اس کے لیے	اولاد	اور اس کے وارث ہوں	اسکے ماں باپ	تو اس کی ماں کیلئے تہائی

''اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لیے متر کہ مال سے دو تہائی ہوگا اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے اگر اس کی اولاد ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ مضمون سے پیوستہ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی محترم ﷺ کے ساتھ ہمارا گزر ایک بازار سے ہوا۔ایک عورت اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی کہ اے اللہ کے رسول! یہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بچیاں ہیں جو غزوۂ اُحد میں شہید ہو چکے ہیں۔ان کا چچا ان کی میراث پر قبضہ کر چکا ہے اب ان کے لیے کچھ باقی نہیں بچا۔اس معاملہ میں آپ کیا حکم صادر فرماتے ہیں؟ اللہ کی قسم! اگر وراثت واپس نہ ہوئی تو ان لڑکیوں کے ساتھ کوئی شخص نکاح کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ نازل فرمائے گا۔اس کے بعد یہ فرمانِ الٰہی نازل ہوا۔(رواہ ابو داؤد کتاب الفرائض [حسن]) اس میں نہایت مختصر مگر کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ مرنے والے کے بعد اس کی جائیداد کا وارث کون کون اور کس حساب سے ہوگا؟ اس میں بیک وقت موروثی معاملات کو نمٹانے کے ساتھ محروم طبقات کا تحفظ، جاگیر داری نظام کا خاتمہ اور دولت کو چند ہاتھوں میں مرکوز ہونے

فَإِنْ كَانَ لَهٗٓ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

پھراگر ہوں اس کیلئے کئی بہن بھائی تو اس کی ماں کیلئے چھٹا سے بعد وصیت

يُّوْصِىْ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ أَيُّهُمْ

وصیت کی ہے اسکے ساتھ یا قرض تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم معلوم نہیں ان میں سے کون

أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ

نزدیک تر تمہارے لیے فائدہ حصہ مقرر کیا ہوا سے اللہ بیشک اللہ ہے

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١١﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ

جاننے والا حکمت والا اور تمہارے لیے آدھا جو چھوڑیں تمہاری بیویاں اگر نہ

يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ

ہو انکے لیے اولاد پھر اگر ہو انکے لیے اولاد تو تمہارے لیے چوتھائی

ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے۔ یہ حصے اس وصیت یا قرض کی ادائیگی کے بعد کے ہیں جو مرنے والے نے وصیت کی ہو۔ تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہنچانے میں زیادہ مفید ہے یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (۱۱) جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اور ان کی اولاد نہ ہو تو ترکہ میں تمہارا نصف حصہ ہے اور اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے چھوڑے ہوئے مال میں سے تمہارے لیے چوتھائی حصہ ہے۔

کی بجائے اس کی اس طرح تقسیم کردی گئی ہے کہ ''حقدار راحق رسید'' کا قانون منہ بولتا دکھائی دیتا ہے۔ جائیداد کی تقسیم کا فارمولہ مرد کی بجائے عورت کو سامنے رکھ کر بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ حکم ہے: ''لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ'' جس میں عورت کے مالی حقوق کو فوقیت دی گئی ہے۔ یہی حکمت اس سورۂ مبارکہ کے نام ''النساء'' سے معلوم ہوتی ہے تاکہ عورتوں کے اخلاقی، معاشی اور معاشرتی حقوق نمایاں کیے جائیں۔ وراثت کی تقسیم سے قبل تین بنیادی باتوں کو پیشِ نگاہ رکھنا چاہیے ان سے پہلے وراثت تقسیم کرنا جائز نہیں۔ ① ۔ فوت ہونے والے کے کفن دفن کا انتظام کرنا۔ ② ۔ اس کے ذمہ قرض ہو تو وراثت سے اس کی ادائیگی کا اہتمام کرنا۔ ③ ۔ مرنے والے نے اگر شریعت کی حدود میں رہ کر اپنے مال کے بارے میں صدقہ کرنے کی وصیت کی ہو تو اس پر عمل درآمد کرانا ورثاء پر ضروری ہے کیونکہ اس فرمان سے پہلے عورتوں کے حقوق اور ان کے بارے میں عدل وانصاف کی تاکید کی گئی ہے۔ اس سے ان لوگوں کا پروپیگنڈہ بے وجہ ثابت ہوتا ہے جس میں یہ تأثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ (خاکم بدہن) اسلام نے عورت کے مالی حقوق کا چنداں خیال نہیں کیا۔ حالانکہ تعمق نگاہی سے دیکھا جائے تو اسلام ہی فقط ایک دین ہے جس میں عورتوں کو اخلاقی، سماجی اور خاندانی اعتبار سے تحفظ فراہم کرتے ہوئے ان کے مالی حقوق کا پورا اور مکمل خیال رکھا گیا ہے۔ اسلام کے قانونِ وراثت کے تحت بسا اوقات ایک عورت مختلف انداز میں تین رشتوں سے اپنا حصہ وصول کرتی ہے اس

مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ

اس میں سے جو وہ چھوڑیں سے بعد وصیت وہ وصیت کر جائیں اسکے ساتھ یا قرض

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ

اوران کے لیے چوتھائی اس میں سے جو تم چھوڑ جاؤ اگر نہ ہو تمہارے لئے اولاد

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ

پھر اگر ہو تمہارے لیے اولاد توان کے لیے آٹھواں اس سے جو تم چھوڑ جاؤ سے

بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ

بعد وصیت تم وصیت کرو اسکے ساتھ یا قرض اور اگر ہو مرد

یہ قرض کی ادائیگی اوراس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو وہ وصیت کرگئی ہوں۔اور جوتم چھوڑ جاؤاس میں ان کے لیے چوتھائی ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر انہیں تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا۔قرض کی ادائیگی اور اس وصیت کے بعد جو تم کرو اور اگر مرد یا عورت

کے باوجود عورتوں کو ان کے حق سے محروم رکھنے کے لیے مختلف ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں۔جہیز کے بہانے اس کو اصل وراثت سے محروم کرنا بالخصوص یتیم بچیوں کو اپنی سرپرستی میں اس لیے لینا کہ شادی کے بعد ان کی جائیداد پر قبضہ کرنا آسان ہو۔بعض لوگ ایسا ماحول پیدا کرتے ہیں کہ جس سے وراثت میں حصہ دار بہنیں تلخی سے بچنے اور بھائیوں سے تعلقات استوار رکھنے کی خواہش میں اپنا حصہ معاف کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ایسی معافی سے قانون کے نفاذ سے تو بچا جاسکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخروئی حاصل کرنا مشکل ہوگی۔

قرض اور وصیت کی ادائیگی کے بعد ورثاء میں تقسیم

(۱)اولاد (۲)والدین (۳)خاوند (۴)زوجہ (۵)بہن بھائی۔

اولاد:

۱۔ لڑکیاں لڑکے ملے جلے ہوں تو لڑکے کو لڑکی کے حصے سے دوگنا ملے گا (لِلذَّكَرِ مِثْلُ...)

۲۔ صرف لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں توان کو کل مال کا دوتہائی ملے گا۔(فَإِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ...)

۳۔ اگر اولاد میں صرف ایک لڑکی ہی ہو تو کل مال کا نصف اسے ملے گا۔(وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً...)

والدین:

۱۔ میت کے والدین بھی ہوں اور اولاد بھی تو ماں باپ دونوں کو چھٹا حصہ ملے گا۔(وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ...)

۲۔ میت کے والدین ہوں اور اولاد نہ ہو تو ماں باپ کو کل مال کا تیسرا حصہ ملے گا۔(فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ وَلَدٌ وَّوَرِثَهُ)

يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ

وارث بنایا گیا جس کا باپ بیٹا نہ ہو یا عورت اور اس کیلئے بھائی یا بہن تو تمام کے لیے ایک

مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ

ان دونوں میں سے چھٹا پھر اگر ہوں زیادہ سے اس تو وہ

شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ

شریک میں تہائی سے بعد وصیت وصیت کی گئی اسکے ساتھ یا قرض

غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝۱۲ۭ

نقصان نہ پہنچانا وصیت سے اللہ اور اللہ جاننے والا حلم والا

کلالہ ہو یعنی اس کا باپ بیٹا نہ ہو اور اس کا ایک بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر بہن، بھائی اس سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک ہیں۔ یہ قرض کی ادائیگی اور وصیت کے بعد ہے جو کی گئی ہو جس میں دوسروں کا نقصان نہ کیا گیا ہو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جاننے والا اور بردبار ہے۔" (۱۲)

۳۔ وارثوں میں میت کے والدین ہوں لیکن اولاد تو نہ ہو لیکن دو سے زیادہ بہن بھائی ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ (باقی باپ کو)۔ (فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ...) (یا اس کو درج ذیل طریقہ کے مطابق سمجھیں)

صرف ماں کے حصے:

۱۔ میت کی اولاد ہو (صرف مذکر کی شرط ہے) تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ (وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ...)

۲۔ میت کی اولاد نہ ہو تو ماں کو تیسرا حصہ ملے گا۔ (فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ...)

صرف باپ کے حصے:

۱۔ میت کی اولاد ہو تو باپ کو کل مال کا چھٹا حصہ ملے گا۔ (وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ...)

۲۔ میت کی اولاد نہ ہو تو باپ عصبہ کی صورت میں باقی ماندہ مال لے گا۔ (فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ...)

۳۔ جب میت کی بیٹی، پوتی وغیرہ نیچے تک کوئی موجود ہو تو باپ صاحبِ فرض اور عصبہ ہونے کے لحاظ سے وارث بنے گا۔

خاوند:

۱۔ بیوی کی اگر کوئی اولاد اس خاوند سے یا پہلے کسی خاوند سے نہ ہو تو خاوند کو کل ترکے کا نصف ملے گا۔ (وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ...)

۲۔ اگر بیوی کی اس سے یا پہلے خاوند سے کوئی اولاد ہو تو خاوند کو اس کے کل ترکے سے چوتھا حصہ ملے گا۔ (فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ...)

بیوی:

۱۔ خاوند کی اگر کوئی اولاد نہ ہوتو بیوی کو کل مال کا چوتھا حصے ملے گا۔(وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا ...)

۲۔ خاوند کی اگر کوئی اولاد ہوتو بیوی کو کل مال کا آٹھواں حصہ ملے گا۔(فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ ...)

بہن، بھائی:

۱۔ میت کی اولاد دراولاد اور باپ دادا وغیرہ نہ ہوں اور ماں کی طرف سے ایک بہن یا ایک بھائی وارث بن رہا ہوتو اسے کل مال کا چھٹا حصہ ملے گا مذکر و مونث کی تمیز نہ ہوگی۔(وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّورَثُ كَلَالَةً ...)

۲۔ میت کی اولاد دراولاد اور باپ دادا وغیرہ نہ ہوں اور ماں کی طرف سے بہن بھائی یا ایک سے زیادہ ہوں تو ان تمام کو کل مال کا تیسرا حصہ دیا جائے گا، مذکر و مونث اس میں برابر کے حصہ دار ہوں گے۔(فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ...)

نوٹ!

۱۔ اولاد ہونے کی صورت میں پوتے پوتی کو کچھ نہ ملے گا۔

۲۔ باپ کی موجودگی میں دادا کو کچھ نہ ملے گا اگر باپ نہیں تو دادا باپ والا حصہ لے گا۔

۳۔ صرف اولاد یا صرف باپ یا اولاد اور باپ کی موجودگی میں میت کے بہن بھائی کو کچھ نہیں ملے گا۔

۴۔ صرف باپ یا ماں باپ کی طرف سے بہن بھائیوں کی وراثت کا بیان سورۃ کی آخری آیت میں آئے گا۔

مسائل

۱۔ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ ۲۔ صرف لڑکیاں ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں دو تہائی دیا جائے گا۔

۳۔ صرف ایک لڑکی وارث ہونے کی صورت میں اسے آدھا مال ملے گا۔

۴۔ میت کے متروکہ مال میں ماں باپ میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہوگا۔

۵۔ میت کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں اس کی ماں تیسرے حصے کی وارث ہوگی۔

۶۔ مرنے والے کے بہن بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہوگا۔ ۷۔ فوت ہونے والی بیوی کی اولاد نہ ہوتو خاوند کو نصف حصہ ملے گا۔

۸۔ مرنے والی کی اولاد ہوتو خاوند کا چوتھا حصہ ہوگا۔ ۹۔ آدمی کی اولاد نہ ہوتو اس کی بیوی کو چوتھا حصہ ملے گا۔

۱۰۔ فوت ہونے والے کی اولاد ہوتو اس کی بیوی کا آٹھواں حصہ ہوگا۔

۱۱۔ فوت ہونے والے مرد یا عورت کی اولاد، ماں باپ اور دادی دادا نہ ہوں تو بھائی اور بہن (ماں جائے) ہونے کی صورت میں ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

۱۲۔ کلالہ کے بہن بھائی (ماں جائے) زیادہ ہوں تو وہ تیسرے حصے کے حق دار ہوں گے۔

۱۳۔ یہ تقسیم، کفن دفن اور قرض کی ادائیگی اور میت وصیت پر عمل کرنے کے بعد ہوگی۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ

یہ حدیں اللہ اور جو اللہ کی اطاعت کرے اور اس کا رسول وہ اسے داخل کرے گا

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ

باغات بہتی ہیں سے ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے اس میں اور یہ

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٣﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ

کامیابی بڑی اور جو نافرمانی کرے اللہ اور اس کا رسول اور بڑھ جائے اس کی حدیں

يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٤﴾ ع

وہ اسے داخل کرے گا آگ ہمیشہ رہے گا اس میں اور اس کے لیے عذاب ذلیل کرنے والا

''یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں۔ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے گا اسے اللہ تعالیٰ باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔(١٣) اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے آگے نکلے اسے اللہ تعالیٰ جہنم میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔''(١٤)

فہم القرآن

ربطِ کلام : وراثت کے قانون درحقیقت اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ حدود ہیں ان ماننے والوں کو جزا اور نہ ماننے والوں کو سزا سنائی ہے۔

اس سے پہلے کی آیات میں ماں باپ، اولاد اور ان کے قریبی رشتہ داروں کے درمیان میّت کی چھوڑی ہوئی متروکہ جائیداد کی وراثت کے بارے میں اصول متعین کر کے انہیں میت کا وارث بنایا گیا۔ لیکن حدیث میں کچھ جرائم کے مرتکب افراد کو بعض حالتوں میں وراثت سے محروم کر دیا گیا ہے۔ جن میں سرفہرست مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا یعنی ایک آدمی پہلے کافر تھا اب مسلمان ہوا لہٰذا نئے دین میں شامل ہونے کی وجہ سے دوسرے دین کے حامل کا وارث نہیں ہوسکتا۔ اس کے برعکس اگر ایک شخص پہلے مسلمان تھا بدقسمتی سے عیسائی، یہودی یا کسی اور مذہب میں داخل ہوگیا تو وہ بھی وراثت کا حقدار نہیں ہوسکتا۔ (رواہ البخاری: کتاب الفرائض)

٢۔ باپ کا قاتل بیٹا ہو یا بیٹی وہ وراثت سے محروم ہو جائے گا۔

٣۔ قاتل اگر مقتول کی وراثت میں حصہ دار ہے تو قتل عمد کی صورت میں وہ بھی اپنے حصہ سے محروم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی حدود کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِيْ يَرْعٰى حَوْلَ

الْحِمٰى يُوْشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيْهِ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللهِ مَحَارِمُهُ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ»

(رواہ مسلم: باب أخذ الحلال وترک الشبھات)

”یقیناً حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی ان کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے جو شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا اور جو شبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں داخل ہو گیا۔ یہ اس چرواہے کی طرح ہے جو چراگاہ کے قریب جانور چراتا ہے ہوسکتا ہے وہ جانور چراگاہ میں چرنا شروع ہو جائیں۔ خبردار! ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ سنو! یقیناً جسم میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ ٹھیک ہو تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور جب وہ فاسد ہو تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے یاد رکھنا! وہ دل ہے۔“

اللہ تعالیٰ کی حدود کا خیال رکھنے والے کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے۔ دنیا میں جس نے اللہ کی رضا کے لیے اپنی لذت اور مفاد کو چھوڑا آخرت میں اس کا بدلہ جنت ہے جس میں نہریں جاری ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی جس نے حدود اللہ کا لحاظ اور احترام نہ کیا وہ حقیقت میں باغی ہے جس کو جہنم کے دہکتے ہوئے انگاروں میں جھونکا جائے گا۔ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اس کو اذیت ناک اور ذلیل کر دینے والا عذاب ہوگا۔

تاہم رسول اللہ ﷺ نے حدود اللہ اور کبیرہ گناہ کے بارے میں یہ صراحت فرمائی ہے کہ موحد ہونے کی صورت میں تزکیہ ہونے یعنی سزا بھگتنے کے بعد اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا:

«عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَدْخُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ يَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰى أَخْرِجُوْا مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَيُخْرِجُوْنَ مِنْهَا قَدِ اسْوَدُّوْا فَيُلْقَوْنَ فِيْ نَهْرِ الْحَيَاةِ فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِيْ جَانِبِ السَّيْلِ أَلَمْ تَرَ أَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً» (رواہ البخاری: باب تفاضل أھل الإیمان فی الأعمال)

”حضرت ابو سعید خدری ؓ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ جنت والے جنت اور جہنم والے جہنم میں داخل ہو جائیں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائیں گے آگ سے ہر اُس آدمی کو نکال لیا جائے جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے۔ فرشتے آگ سے لوگوں کو نکالیں گے جو جل کر سیاہ ہو چکے ہوں گے انہیں نہر حیات میں غسل دیا جائے گا وہ ایسے نمو پائیں گے جس طرح سیلاب کے کنارے دانہ بہترین حالت میں اُگتا ہے۔“

مسائل

۱۔ وراثت کے مسائل اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں۔

۲۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والے کو جنت نصیب ہوگی۔

۳۔ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور حدود سے تجاوز کرنے والے کو ذلیل ترین عذاب ہوگا۔

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ

اور جوعورتیں مرتکب ہوں بدکاری سے تمہاری عورتیں تو گواہ لاؤ ان پر

اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى

چار تم میں سے پھر اگر وہ گواہی دیں تو انہیں بند رکھو میں گھروں یہاں تک کہ

يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ⑮ وَالَّذٰنِ

انہیں اٹھا لے موت یا بنا دے اللہ ان کے لیے کوئی راستہ اور جو دو مرد

يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا

مرتکب ہوں اس کے تم میں سے تو انہیں ایذا دو پھر اگر وہ توبہ کریں اور اصلاح کر لیں تو پیچھا چھوڑ دو

عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ⑯

ان کا بیشک اللہ ہے توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان

''تمہاری عورتوں میں جو بے حیائی کا کام کریں ان پر اپنے میں سے چار گواہ لاؤ۔ اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں قید رکھو یہاں تک کہ ان کی موت واقع ہو یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی راہ نکال دے (۱۵) تم میں سے جو دو مرد ایسا کام کریں انہیں سزا دو اگر وہ توبہ اور اصلاح کر لیں تو انہیں چھوڑ دو بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔'' (۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: معاشرتی اور معاشی استحصال ظلم کرنے کے احکام کے بعد اخلاقی بے راہ روی کے خاتمہ کا حکم۔

نزولِ اسلام سے پہلے روم، ایران اور دیگر ممالک کے ساتھ عرب معاشرہ میں ایک طبقہ پرلے درجے کی بے حیائی، فحاشی اور بدکاری میں مبتلا تھا۔ بعض شہروں میں جن میں مدینہ بھی شامل تھا باقاعدہ فحاشی کے اڈے قائم ہو چکے تھے۔ بے حیائی کا ارتکاب کرنے والی عورتیں اپنے گھروں پر جھنڈا نما کپڑا لٹکایا کرتی تھیں تاکہ بے حیا لوگ آسانی کے ساتھ راغب ہو سکیں۔ یہ دھندہ کنواری عورتیں ہی نہیں بلکہ شادی شدہ عورتیں بھی کیا کرتی تھیں۔ اسلام نے اس بے حیائی کو روکنے اور ایسے مقدمات کی تحقیق کے لیے ایک نظام اور طریق کار وضع فرمایا کہ جُرم ثابت ہونے پر پہلے نسبتاً ہلکی سزا تجویز کی گئی کہ اگر تمہاری عورتوں میں سے کوئی عورت بدکاری کا ارتکاب کرے تو اس پر چار عادل گواہ پیش کیے جائیں جو صرف عادل مردوں سے ہونے چاہئیں اگر وہ اسلامی تقاضوں کے مطابق ٹھیک ٹھیک گواہی دیتے ہیں تو پھر ایسی عورتوں کو ان کے گھروں میں اس وقت تک محصور رکھا جائے جب تک اللہ تعالیٰ کوئی اور حکم نازل نہیں فرماتے یا پھر انہیں اس حالت میں موت آجائے۔

اس سے اگلی آیت میں ہم جنسی کرنے والے دو مردوں کی سزا بیان کی ہے کہ انہیں اس جرم کے بدلے اذیّت دی

جائے۔ اگر وہ تائب ہو جائیں اور اپنی اصلاح کا وعدہ کریں تو پھر انہیں چھوڑ دیا جائے یقیناً اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان ہے۔ بعد میں اس سزا میں اضافہ کیا گیا کہ شادی شدہ زانی مرد ہو یا عورت اسے سنگسار کیا جائے اور غیر شادی شدہ مرد ہو یا عورت اسے سو کوڑے مارے جائیں۔

اس کی تفسیر سورۃ نور میں ملاحظہ فرمائیں۔

قرآنِ مجید نے یہاں ''وَالَّذَانِ'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے اہلِ علم نے دو معانی کیے ہیں۔

① وَالَّذَانِ اسم موصول مذکر کے لیے استعمال ہوتا ہے مؤنث کا مذکر کے تابع ہونے کی وجہ سے یہاں مذکر اشارۃً لایا گیا ہے اس لیے بعض اہل علم نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ''وَالَّذَانِ'' کا معنی ہے مرد اور عورت یعنی غیر شادی شدہ۔

② ''دو مردوں کا آپس میں ہم جنسی کرنے کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ قومِ لوط کا فعل ہے جن کو اس جرم کی پاداش میں زمین سے اٹھا کر آسمان کے قریب لے جا کر الٹا پھینکا گیا پھر ان لوگوں پر آسمان سے سنگ باری کی گئی۔'' قرآن میں ان کے جرم اور اس کی سزا الاعراف آیت ۸۰ تا ۸۴ کی تلاوت کریں۔

''اور لوط کو بھیجا جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا کیا تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کی۔ بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت کی خاطر آتے ہو بلکہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو۔ اور اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہنے لگے انہیں اپنی بستی سے نکال دو۔ بے شک یہ ایسے لوگ ہیں جو بہت پاک باز بنتے ہیں۔ ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو بچا لیا مگر اس کی بیوی، وہ پیچھے رہنے والوں میں سے تھی۔ اور ہم نے ان پر پتھروں کی زبردست بارش برسائی، پس دیکھ لو مجرموں کا انجام کیا ہوا؟'' (الاعراف:۸۰ تا ۸۴)

مسائل

۱۔ بدکاری کے ثبوت کے لیے چار گواہ ہونے چاہئیں۔

۲۔ ہم جنسی کرنا جرم ہے۔ ۳۔ اللہ توبہ قبول فرمانے اور رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہم جنسی کرنے والوں کی سزا:

۱۔ ہم جنسی کی ابتدا قومِ لوط نے کی۔ (الاعراف:۸۰) ۲۔ ہم جنسی کی سزا۔ (الاعراف:۸۴)

بدکاری کی سزا:

۱۔ شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کا حکم۔ (مسلم: کتاب الحدود)

۲۔ کنوارے زانی مرد و زن کو سو کوڑے مارنے کا حکم۔ (النور:۲) ۳۔ تہمت لگانے والے کی سزا۔ (النور:۴)

اِنَّمَا	التَّوْبَةُ	عَلَى	اللّٰهِ	لِلَّذِيْنَ	يَعْمَلُوْنَ	السُّوْٓءَ
صرف	توبہ	پر	اللہ	ان لوگوں کیلیے	وہ کرتے ہیں	برائی
بِجَهَالَةٍ	ثُمَّ	يَتُوْبُوْنَ	مِنْ	قَرِيْبٍ	فَاُولٰٓئِكَ	يَتُوْبُ	اللّٰهُ
جہالت سے	پھر	توبہ کرتے ہیں	سے	جلدی	پس یہی لوگ	توبہ قبول کرتا ہے	اللہ
عَلَيْهِمْ	وَكَانَ	اللّٰهُ	عَلِيْمًا	حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾	وَلَيْسَتِ	التَّوْبَةُ
ان پر	اور ہے	اللہ	جاننے والا	حکمت والا	اور نہیں	توبہ
لِلَّذِيْنَ	يَعْمَلُوْنَ	السَّيِّاٰتِ	حَتّٰٓى	اِذَا	حَضَرَ	اَحَدَهُمُ
ان لوگوں کیلیے	وہ کرتے ہیں	برائیاں	یہاں تک کہ	جب	سامنے آجائے	ان میں سے کسی کو
الْمَوْتُ	قَالَ	اِنِّيْ	تُبْتُ	الْـٰٔنَ	وَلَا	الَّذِيْنَ	يَمُوْتُوْنَ
موت	وہ کہے	بیشک میں	توبہ کرتا ہوں	اب	اور نہ	وہ لوگ	وہ مرجاتے ہیں
وَهُمْ	كُفَّارٌ	اُولٰٓئِكَ	اَعْتَدْنَا	لَهُمْ	عَذَابًا	اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾
اور وہ	کافر	یہی لوگ	ہم نے تیار کیا	انکے لیے	عذاب	دردناک

”اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو جہالت کی وجہ سے برائی کریں اور پھر جلد ہی اس سے توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا ہے۔ (۱۷) ان کی کوئی توبہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی کو موت آئے تو کہے کہ میں نے توبہ کی اور جو کفر پر ہی مرجائیں ان کی توبہ بھی قبول نہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔“ (۱۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اخلاقی بے راہروی کی سزا اور اس کی توبہ کے بیان کے بعد اب ان لوگوں کا ذکر ہوتا ہے جن کی توبہ قبول ہوگی اور جن کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

قرآنِ مجید کے اسلوبِ بیان میں بیشمار لطافتیں اور حکمتیں ہیں ان میں یہ بھی حکمت ہے کہ یہ محض قانون اور ضابطوں کی کتاب نہیں کہ جس میں پھیکا پن، جرم کی تفصیل اور صرف سزاؤں کا تذکرہ ہو قرآنِ مجید کی لطافت و بلاغت یہ ہے کہ وہ کسی قانون اور سزا کو محض ضابطے کے طور پر نہیں بلکہ اسے نصیحت اور خیر خواہی کے طور پر بیان اور نافذ کرتا ہے۔ بدکار لوگوں کی سزا کا ذکر کرنے کے فوراً بعد توبہ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ جو لوگ جہالت کی وجہ ہونے والے گناہ کے بعد توبہ کریں گے اللہ تعالیٰ ان کی توبہ ضرور قبول فرمائے گا۔ البتہ ان لوگوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی جو پے در پے گناہ کرتے رہے یہاں تک کہ موت نے انہیں آلیا یا وہ کفر کی حالت میں مرے ان کے لیے نہایت ہی تکلیف دہ عذاب تیار کیا گیا ہے۔

جہالت کی تعریف کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جو کام بھی اللہ تعالیٰ کی تابعداری سے خارج ہو وہ جہالت تصور کیا جائے گا۔ لہٰذا جس شخص سے گناہ سرزد ہوا سے فوراً توبہ کرنی چاہیے۔

توبہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا تَابَ اللهُ عَلَيْهِ» (صحیح مسلم: باب استحباب الاستغفار)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سورج کے مغرب کی طرف سے نکلنے سے پہلے توبہ کرلے گا اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیں گے۔''

۱۔ توبہ کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے اور ہر شخص کی توبہ نزع کے وقت سے پہلے قبول ہوسکتی ہے۔ نزع سے مراد موت کی وہ گھڑی ہے جب مرنے والے کو دنیا کی بجائے آخرت نظر آنے لگتی ہے۔

۲۔ «مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ يُغَرْغِرَ نَفْسُهُ قَبِلَ اللهُ مِنْهُ» (رواہ احمد: کتاب باقی مسند المکثرین، باب أحادیث رجال من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم [حسن لغیرہ])

''جس نے موت کے آثار ظاہر ہونے سے پہلے توبہ کرلی اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔''

۳۔ «كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ» (رواہ ابن ماجة: باب ذکر التوبة [حسن])

''آدم کی ساری اولاد خطا کار ہے اور بہترین خطا کار توبہ کرنے والے ہیں۔''

۴۔ «اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ» (رواہ ابن ماجة: کتاب الزهد [حسن])

''گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ نہ کرنے کے برابر ہو جاتا ہے۔''

توبہ کی شرائط:

توبہ کرنے والا اپنے گناہ پر نادم، آئندہ رک جانے کا عہد اور گناہ کے اثرات کو مٹانے کی کوشش کرے۔

مسائل

۱۔ جہالت کی وجہ سے گناہ کرنے والا توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ جاننے والا' حکمت والا ہے۔
۳۔ نزاع کے وقت توبہ کرنے کا فائدہ نہیں ہوگا۔ ۴۔ کفار کے لیے دردناک عذاب ہے۔

تفسیر بالقرآن

کس کی توبہ قبول نہیں ہوتی:

۱۔ نزاع کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی۔ (النساء: ۱۸) ۲۔ فرعون کی غرق ہونے کے وقت توبہ قبول نہیں ہوئی۔ (یونس: ۹۱، ۹۰)
۳۔ عذاب کے وقت ایمان قبول نہیں ہوتا۔ (المومن: ۸۵) ۴۔ مرتد کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ (البقرة: ۲۱۷)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ
اے جولوگ ایمان لائے نہیں حلال تمہارے لیے یہ کہ وارث بن جاؤ عورتیں

كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ
زبردستی اور نہ انہیں روکے رکھو تاکہ تم لے لو کچھ جو تم نے ان کو دیا ہو

اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ
مگر یہ کہ وہ مرتکب ہوں بے حیائی کھلی ہوئی اوران سے رہن سہن رکھو دستور کے مطابق

فَاِنْ كَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَـيْـــًٔـا وَّيَجْعَلَ
پھر اگر ناپسند کرو تم انہیں تو ممکن ہے یہ کہ تم ناپسند کرو ایک چیز اور رکھ دے

اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝۱۹
اللہ اس میں بھلائی بہت

”اے ایمان والو! تمہارے لیے جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے ورثے قابو کرلو اور جو تم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے کچھ واپس لینے کے لیے انہیں مت روکو۔ سوائے اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہا کرو۔ اگر تم انہیں ناپسند کرو تو ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو اور اللہ تعالیٰ اس میں بھلائی پیدا کر دے۔“ (۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بدکاری کی سزا اور اس کی توبہ کے بیان سے پہلے عورتوں کے حقوق کا ذکر ہو رہا تھا اب اس کا تسلسل بحال ہوتا ہے۔

عورتوں کے بارے میں عربوں کی جہالت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ وہ عورت کو منڈی کا مال سمجھتے تھے۔ اگر کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تو نہ صرف وہ اپنی وراثت سے محروم ہو جاتی بلکہ مرنے والے کے وارث اس عورت کو اپنی مِلک سمجھتے ہوئے اس سے من مرضی کا سلوک کرتے جس کی چار صورتیں تھیں۔

۱۔ بیوہ کو جبراً نکاح میں لینا یہاں تک کہ بعض قبائل میں لوگ اپنی سوتیلی والدہ کو بیوی بنالیا کرتے تھے۔

۲۔ عورت کو طلاق دینے کے باوجود خاوند کا اُسے آگے نکاح کرنے سے کسی نہ کسی بہانے سے روکنا۔

۳۔ عورت کی جائیداد اور حق مہر پر قبضہ کرنا۔

۴۔ ذاتی اور قومی عصبیت کی بنیاد پر بیوہ یا مطلقہ کو نکاح سے روکنا۔

یہاں صرف ایک صورت میں عورت کا حق مہر لینے کی اجازت دی ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی انتہاء درجے کی گستاخ ہو یا اس نے بدکاری کا ارتکاب کیا ہو تو ایسی صورت میں خاوند کو حق ہے کہ وہ سزا کے طور پر اس کا حق مہر ضبط کر لے۔

اس آیت میں دوسرا حکم یہ ہے کہ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے ان میں اگر کوئی عادت تمہیں پسند نہیں تو بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بیوی کی وجہ سے تمہیں خیرِ کثیر عطا فرمائے۔ خیرِ کثیر سے مراد نیک اولاد، بیوی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا رزق میں برکت اور عزت میں اضافہ کرنا اور بیوی اپنی اولاد کی تربیت کا خصوصی خیال رکھنے والی ہو۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهُ كَسَرْتَهُ وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ)) (رواه البخاری: كتاب أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم وذريته)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ کیونکہ یہ ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ سب سے ٹیڑھی پسلی اوپر والی ہوتی ہے اگر تو اسے سیدھا کرنا چاہے تو اسے توڑ دے گا۔ اگر اسے چھوڑ دے گا تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔''

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي)) (رواه الترمذی: كتاب المناقب عن رسول الله [صحيح])

''وہی شخص اعلیٰ اخلاق و کردار کا مالک ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ بہتر طریقے سے رہتا ہے اور میں تم سے اپنے گھر والوں کے معاملہ میں بہتر ہوں۔''

((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَحَفِظَتْ فَرْجَهَا وَأَطَاعَتْ زَوْجَهَا قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الْجَنَّةَ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شِئْتِ))

(مسند احمد: باب حديث عبد الرحمن بن عوف [صحيح])

''حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب عورت پانچ نمازیں ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی عفت کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے تو اسے کہا جائے گا کہ تو جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جا۔''

مسائل

۱۔ عورتوں کی وراثت پر قبضہ کرنا حرام ہے۔ ۲۔ عورتوں سے حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا:

۱۔ بیویوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم۔ (النساء: ۱۹) ۲۔ بیویوں کو تکلیف نہ دی جائے۔ (الطلاق: ٦)

۳۔ حقِ زوجیت ادا کیا جائے۔ (النساء: ۳) ۴۔ حقِ مہر خوشی سے ادا کرنا چاہیے۔ (النساء: ۴)

۵۔ حقِ مہر واپس نہیں لینا چاہیے۔ (النساء: ۲۰) ٦۔ بچے کی وجہ سے ماں، باپ کو تکلیف نہ دی جائے۔ (البقرۃ: ۲۳۳)

وَ اِنۡ اَرَدۡتُّمُ اسۡتِبۡدَالَ زَوۡجٍ مَّكَانَ زَوۡجٍ ۙ وَّ اٰتَيۡتُمۡ اِحۡدٰهُنَّ قِنۡطَارًا

اور اگر تم چاہو بدل لینا ایک بی بی جگہ (بدلے) دوسری بی بی اور تم نے دیا ہے ان میں سے ایک کو خزانہ

فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَيۡـئًا ؕ اَتَاۡخُذُوۡنَهٗ بُهۡتَانًا وَّ اِثۡمًا مُّبِيۡنًا ۝۲۰ وَ كَيۡفَ تَاۡخُذُوۡنَهٗ

تو نہ لو اس سے کچھ کیا تم لیتے ہو اس سے الزام اور گناہ صریح اور کیسے تم اسے لو گے

وَقَدۡ اَفۡضٰى بَعۡضُكُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ وَّ اَخَذۡنَ مِنۡكُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ۝۲۱

اور یقیناً پہنچ چکا تم میں ایک دوسرے تک اور انہوں نے لیا تم سے عہد پختہ

”اور اگر تم پہلی بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانا چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے خزانہ بھی دے رکھا ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ کیا تم الزام لگا کر اور کھلا گناہ کر کے لو گے۔ (۲۰) تم اس کو کس طرح لو گے؟ حالانکہ تم ایک دوسرے سے ملاپ کر چکے ہو اور پھر ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے۔“ (۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عورتوں کے حقوق و فرائض کا تذکرہ جاری ہے۔

بیوی کی کوئی بات ناگوار ہو تو پھر بھی اس کے ساتھ گزارا کرنا چاہیے، بصورتِ دیگر طلاق دیتے ہوئے اس سے حق مہر واپس لینے کی اجازت نہیں۔ پہلے حکم تھا اگر بیوی کی کوئی عادت ناگوار ہو تب بھی اس کے ساتھ اچھے طریقے سے رہنا چاہیے اور جبراً کسی عورت کو نکاح میں لینا یا بیوی کی کسی چیز پر قبضہ کرنا جائز نہیں۔ اب اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ اگر بیوی کے ساتھ نباہ کی کوئی صورت باقی نہ رہے اور خاوند نے بیوی بدلنے کا فیصلہ کر لیا ہو تو ایسی صورت میں اس کو دیا ہوا حق مہر یا کوئی تحفہ بے شک وہ کتنا ہی گرانقدر اور قیمتی کیوں نہ ہو اس میں کچھ بھی واپس لینے کی اجازت نہیں۔ پہلی آیت میں اس بات کی اجازت تھی کہ اگر عورت بدکاری کا ارتکاب کرے یا حد سے زیادہ گستاخی کرے تو اس کا حق مہر ضبط کیا جا سکتا ہے۔ اب اس اجازت کو غلط استعمال کرنے سے منع کرنے کے لیے حکم دیا ہے کہ بلاوجہ عورت پر الزام لگا کر اسے دی ہوئی چیز واپس لینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک تہمت لگانے کے مترادف اور بہت بڑا گناہ ہے۔ بیوی کو ہبہ کی ہوئی چیز اس لیے واپس نہیں لی جا سکتی جبکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ خلوت اور پختہ عہد کر چکے ہیں۔

”اَفۡضٰى“ کا معنی ہے ”بلا تکلّف ایک دوسرے کے قریب ہونا“ جس سے مراد میاں بیوی کی قربت ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر میاں بیوی نے مجامعت نہ بھی کی ہو تو پھر بھی بیوی سے حق مہر لینا جائز نہیں۔ پختہ عہد کا مفہوم نکاح ہے کیونکہ عورت نکاح کے وقت اپنے آپ کو برضاء و رغبت خاوند کے حوالے کرتی ہے۔ قرآنِ مجید نے دوسرے مقام پر یہ ارشاد فرمایا کہ {وَلَا تَنۡسَوُا الۡفَضۡلَ بَيۡنَكُمۡ} [البقرۃ:۲۳۷] ”باہمی محبت کو فراموش نہ کرو۔“ جس کا مقصد یہ ہے کہ طلاق ہونے کے باوجود میاں بیوی میں دشمنی کا رویّہ پیدا نہیں ہونا چاہیے۔

مسائل

۱۔ بیوی کو چھوڑتے وقت اس کو دیئے ہوئے تحائف واپس لینا بڑا گناہ ہے۔

وَلَا تَنۡكِحُوۡا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا
اور نہ نکاح کرو جو نکاح کیا تمہارے باپ سے عورتیں مگر

مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقۡتًا ؕ وَسَآءَ
جو تحقیق گزر چکا بیشک وہ تھا بے حیائی اور ناراضگی کی بات اور برا

سَبِيۡلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ اُمَّهٰتُكُمۡ وَبَنٰتُكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ وَعَمّٰتُكُمۡ
راستہ حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں

وَخٰلٰتُكُمۡ وَبَنٰتُ الۡاَخِ وَبَنٰتُ الۡاُخۡتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىۡۤ اَرۡضَعۡنَكُمۡ
اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری مائیں وہ جو انہوں نے تمہیں دودھ پلایا

وَاَخَوٰتُكُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمۡ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِىۡ فِىۡ
اور تمہاری بہنیں سے دودھ شریک اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور تمہاری بیٹیاں وہ جو میں

''اور ان عورتوں سے نہ نکاح کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے مگر جو گزر چکا ہے۔ یہ بے حیائی اور غضب کا کام ہے اور بڑی بری راہ ہے۔ (۲۲) حرام کر دی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری رضاعی مائیں اور تمہاری رضاعی بہنیں اور تمہاری ساسیں اور تمہاری وہ پرورده لڑکیاں جو تمہاری

فہم القرآن

ربطِ کلام : عورت کی عفت و تکریم کے تحفظ' گھر کے ماحول میں آزادی دینے اور باہمی شرم وحیا اور حد درجہ احترام کے لیے کچھ رشتے مستقل طور پر اور چند رشتوں کو حسد و بغض سے بچانے اور تقدس کے تحفظ کی خاطر مخصوص مدّت کے لیے حرام قرار دیا۔ مستقل طور پر حرام کردہ رشتے درج ذیل ہیں:

۱۔ ماں، دادی، نانی، اوپر تک۔ ۲۔ بیٹیاں، پوتیاں نیچے تک اور نواسیاں۔

۳۔ بیک وقت سگی بہنوں سے نکاح حرام ہے۔

۴۔ باپ یا ماں کی طرف سے یعنی سوتیلی بہنیں جنہیں علاتی اور اخیافی بہنیں کہا جاتا ہے۔

۵۔ پھوپھیاں۔

۶۔ خالائیں، خواہ یہ سگی ہوں یا اخیافی یا علاتی۔

۷۔ بھتیجیاں اور ان کی بیٹیاں۔

۸۔ بھانجیاں اور ان کی بیٹیاں۔

۹۔ رضاعی مائیں۔

حُجُوْرِكُمْ	مِّنْ	نِّسَآئِكُمُ	الّٰتِيْ	دَخَلْتُمْ	بِهِنَّ ۫	فَاِنْ
تمہاری پرورش	سے	تمہاری بیبیاں	وہ جو	تم نے صحبت کی	ان سے	پس اگر
لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ	بِهِنَّ	فَلَا جُنَاحَ	عَلَيْكُمْ ۫	وَحَلَآئِلُ	اَبْنَآئِكُمُ	
تم نے صحبت نہیں کی	ان سے	تو نہیں گناہ	تم پر	اور بیویاں	تمہارے بیٹے	
الَّذِيْنَ	مِنْ	اَصْلَابِكُمْ ۙ	وَاَنْ	تَجْمَعُوْا	بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ	اِلَّا مَا
وہ جو	سے	تمہاری پشت	اور یہ کہ	تم جمع کرو	دو بہنیں	مگر جو
قَدْ	سَلَفَ ؕ	اِنَّ	اللّٰهَ	كَانَ	غَفُوْرًا	رَّحِيْمًا ۙ﴿۲۳﴾
تحقیق	گزر چکا	بیشک	اللہ	ہے	بخشنے والا	مہربان

گود میں ہیں تمہاری ان عورتوں سے جن سے مجامعت کر چکے ہو۔ہاں اگر تم نے ان سے جماع نہ کیا ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمہارے صلبی سگے بیٹوں کی بیویاں اور تمہارا دو بہنوں کا جمع کرنا سوائے اس کے جو گزر چکا ہو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا، مہربان ہے۔'' (۲۳)

۱۰۔رضاعی بہنیں اور رضاعت کی بنیاد پر وہ سب رشتے حرام ہیں جو رشتۂ نسب کی بنیاد پر حرام ہیں۔

۱۱۔ساس اور سالیاں جب تک ان کی بہن نکاح میں ہو۔

۱۲۔سوتیلی بیٹیاں، جن کی ماں کے ساتھ خلوت ہو چکی ہو۔اگر اس کے ساتھ جماع نہ کیا ہو تو پھر اس کی پہلی بیٹیوں کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے۔

۱۳۔حقیقی بیٹے کی بیوہ یا مطلقہ یعنی بہو سے نکاح حرام ہے۔

۱۴۔تمام شوہر والی عورتیں بھی حرام ہیں۔جب تک انہیں طلاق نہ ہو جائے۔

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّ عَمَّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ يُسَمّٰى أَفْلَحَ اسْتَأْذَنَ عَلَيْهَا فَحَجَبَتْهُ فَأَخْبَرَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لَهَا لَا تَحْتَجِبِيْ مِنْهُ فَإِنَّهُ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»

(رواہ مسلم: کتاب الرضاع، باب تحریم الرضاعة من ماء الفحل)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کا رضاعی چچا جس کا نام افلح تھا اس نے ان کے ہاں آنے کی اجازت چاہی تو انہوں نے اس سے پردہ کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ بتلایا آپ نے فرمایا اس سے پردہ نہ کرو کیونکہ جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں رضاعت کے سبب بھی حرام ہیں۔''

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ

اور خاوند والی عورتیں سے عورتیں مگر جو مالک ہو جائیں تمہارے داہنے ہاتھ اللہ کا حکم

عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ

تم پر اور حلال کی گئیں تمہارے لیے جو سوا ان کے یہ کہ تم تلاش کرو اپنے مالوں سے

مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ

پاکدامنی اختیار کرنیوالے نہ شہوت رانی کرنے والے پس جو تم فائدہ حاصل کرو اسکے ساتھ ان میں سے تو ان کو دو

اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ

ان کے مہر مقرر کئے ہوئے اور نہیں گناہ تم پر اس میں جو تم باہم رضامند ہو جاؤ اسکے ساتھ

مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

سے بعد مقرر کیا ہوا بیشک اللہ ہے جاننے والا حکمت والا

''اور شوہر والی عورتیں (بھی تم پر حرام ہیں) مگر وہ جو تمہاری ملکیت میں آجائیں اللہ تعالیٰ نے یہ احکام تم پر فرض کر دیے ہیں اور ان عورتوں کے سوا باقی عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئیں ہیں کہ اپنے مال سے تم ان سے نکاح کرنا چاہو برے کام سے بچنے کے لیے نہ کہ شہوت رانی کرنے کے لیے۔ اس لیے جن سے تم فائدہ اٹھاؤ انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر ادا کرو۔ اور مقرر ہو جانے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے جو طے کرلو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں یقیناً اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے۔'' (۲۴)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

جن عورتوں کے خاوند موجود ہوں وہ بھی حرام ہیں۔ البتہ جو عورتیں جنگی قیدی یعنی لونڈیاں بن کر تمہاری مِلک (capture) میں آجائیں اور ان کے خاوند دار الحرب میں رہ جائیں تو وہ عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔ کیونکہ قیدی ہونے کی وجہ سے ان کا سابقہ نکاح ختم تصور ہوگا۔

مذکورہ عورتوں کے علاوہ دوسری عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ یہاں نکاح کا مقصد بیان فرمایا کہ یہ کام عیاشی کے لیے نہیں بلکہ بدکاری سے بچنے کے لیے ہونا چاہیے بشرطیکہ آزاد عورتوں کے حق مہر ادا کیے جائیں۔ حق مہر کی ادائیگی میں باہمی رضامندی سے کچھ طے کرلیا جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں۔ یاد رکھو! اللہ خوب جانتا ہے کہ تم کس حد تک اس کے احکام کی پابندی کرنے والے ہو۔

قیدیوں کے بارے میں حالات کے مطابق چار صورتوں میں سے کوئی صورت اسلامی حکومت اختیار کر سکتی ہے:

① ۔ بلا معاوضہ آزاد کر دیا جائے۔ ② ۔ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ ③ ۔ قیدیوں کا باہمی تبادلہ کرلیا جائے۔

④۔قومی مصلحت کے تحت ان کے شرعی واخلاقی حقوق ادا کرتے ہوئے غلام بنا کر رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا خالق، رازق اور مالک ہے اس کا حق اور انسان کا فرض ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے اور اس کی غلامی میں زندگی گزارے۔ جو شخص یا قوم اللہ کی غلامی سے انکار اور اس کے حکم سے سرتابی کرتی ہے۔ وہ دنیا میں دنگا وفساد کا موجب بنتی ہے۔ اسے اخلاقی حدود میں رکھنے اور امن قائم کرنے کے لیے پہلے تبلیغ اور آخر میں قتال فی سبیل اللہ فرض قرار دیا گیا ہے۔

معرکۂ حق و باطل میں ضروری نہیں ہر بار مسلمان ہی غالب آئیں۔ بسا اوقات مسلمان اپنی کمزوریوں کی وجہ سے ہزیمت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں جانی، مالی نقصان کے ساتھ ایک دوسرے کے مرد وزن قیدی بنا لئے جاتے ہیں۔ اس صورت میں کوئی چارہ کار نہ تھا کہ بامر مجبوری غلامی کی کوئی ایک صورت ایک حد تک باقی رکھی جائے۔

چنانچہ گھمبیر حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے قیدیوں کے متعلق چار باتوں میں سے کوئی ایک بات اختیار کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

①۔فدیہ لے کر چھوڑنا۔ ②۔قیدیوں کا باہمی تبادلہ۔ ③۔شخصی غلامی یا ④۔ملک کے جیل خانہ میں رکھنا۔

البتہ عادی اور بھاری مجرموں کو قتل کرنے کی اجازت ہے۔ جس طرح فتح مکہ کے موقعہ پر چار مجرموں کو قتل کیا گیا تھا۔

(رواہ النسائی: باب الحکم فی المرتد [صحیح])

مندرجہ بالا تین صورتوں میں سے کوئی صورت نہ پائے تو پھر مسئلہ کا حل غلامی کے بغیر نہیں رہتا۔ اس صورت میں بھی قومی مصلحت کے تحت فیصلہ ہوگا کہ عام جیل خانہ میں رکھنا چاہیے یا قومی بوجھ سے بچنے اور قیدیوں کی دینی' اخلاقی تربیت کے لیے شخصی غلامی میں دینا چاہیے۔ شخصی غلامی کی صورت میں درج ذیل پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔

جو لوگ ناگزیر صورت میں بھی غلامی کے قانون پر اعتراض کرتے ہیں انہیں غور کرنا چاہیے کیا کوئی غیور مسلمان یہ گوارا کر سکتا ہے کہ ہمارے قیدی تو دشمن کے قبضہ میں رہیں اور دشمن کے قیدی چھوڑ دیے جائیں۔ مسلمان تو درکنار کوئی قوم بھی اس طرح کرنے کا تصور نہیں کر سکتی۔ اس ناگزیر صورت حال میں اسلام نے قیدیوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھنے کے احکامات جاری فرمائے اور جن پر ہر دور کے مسلمانوں نے عمل کیا ہے۔ تاریخ میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ غلامی کے بارے میں جو غلط فہمی پیدا کی ہے وہ یہ ہے کہ جو قیدی جس کے ہاتھ میں آئے وہ اس کی ملکیت ہے۔ اس کے ساتھ جو چاہے سلوک کرے حالانکہ اس پکڑ دھکڑ کا اسلام میں کوئی تصور نہیں۔ رسولِ کریم ﷺ کا خادم آپ کی سواری کا پلان سیدھا کر رہا تھا کہ دشمن کا تیر لگنے سے موقعہ پر فوت ہو گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے تبصرہ کیا کہ کتنا خوش قسمت ہے کہ ابھی چند دن ہوئے مسلمان ہوا اور شہادت کا رتبہ پالیا۔ نبی محترم ﷺ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں میں اسے آگ میں لپٹا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ کیونکہ اس نے مال غنیمت سے بلا اجازت ایک کمبل ہتھیا لیا تھا۔ (رواہ البخاری: کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر)

اندازہ فرمائیں جو دین بلا اجازت ایک کمبل بھی کسی مجاہد کے ہاتھ میں گوارا نہیں کرتا وہ قیدیوں بالخصوص خواتین قیدیوں کے بارے میں برداشت کر سکتا ہے کہ بھیڑ بکریوں کی طرح جس کا دل چاہے ہانک کر لے جائے اور ان کو عیاشی کا سامان سمجھ بیٹھے اب ہم غلامی کے بارے میں رسولِ معظم ﷺ کے جاری کردہ چند اصول بیان کرتے ہیں تاکہ آپ سمجھ لیں کہ اسلام کے

دشمنوں یا نادان لوگوں نے اس مسئلہ میں کس قدر غلط فہمیاں پیدا کر رکھی ہیں۔

بلا اجازت مالِ غنیمت سے کوئی چیز لینا حرام ہے:

① ۔ رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے ایک دن خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا سنو! میں تم کو وہ بات بتانا چاہ رہا ہوں جو میں نے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی۔ آپ نے حنین کے دن فرمایا جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنا پانی کسی دوسرے کے کھیت کو پلائے یعنی غیر کی حاملہ عورت سے صحبت کرے اور جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ قیدی عورت کے استبراء سے پہلے اس سے صحبت کرے اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والے کے لیے یہ جائز نہیں کہ غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس چیز کا لین دین کرے۔ (رواہ ابو داؤد: کتاب النکاح، باب فی وطیء السبایا [حسن]) (استبرا کا معنی ہے عورت کا بچے کی ولادت سے فارغ ہونا۔)

② ۔ ماہواری سے پہلے لونڈی سے مجامعت کرنا حرام ہے:

«عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ أَتٰی بِامْرَاَةٍ مُجِحٍّ عَلٰی بَابِ فُسْطَاطٍ فَقَالَ لَعَلَّهُ يُرِيْدُ أَنْ يُلِمَّ بِهَا فَقَالُوْا نَعَم فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَلْعَنَهُ لَعْنًا يَدْخُلُ مَعَهُ قَبْرَهٗ كَيْفَ يُوَرِّثُهٗ وَهُوَ لَا يَحِلُّ لَهٗ كَيْفَ يَسْتَخْدِمُهٗ وَهُوَ لَا يَحِلُّ لَهٗ» (رواہ مسلم: کتاب النکاح، باب تحریم وطء الحامل المسبیة)

”حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حاملہ عورت کے قریب سے گزرے۔ آپ نے اس کے متعلق پوچھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا وہ فلاں شخص کی لونڈی ہے۔ آپ نے پوچھا کیا وہ اس سے مجامعت کرتا ہے؟ صحابہ نے کہا: جی۔ آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ اس پر ایسی لعنت کروں جو قبر تک اس کے ساتھ جائے۔ وہ اس بچہ سے کیسے خدمت کروائے گا؟ یا اس کو کیسے وارث بنائے گا، جبکہ اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں تھا۔“

③ ۔ غلام کو وہی کچھ کھلانا اور پہنانا چاہیے جو مالک خود کھاتا اور پہنتا ہے:

«عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ...اِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَيْدِيْكُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللّٰهُ اَخَاهُ تَحْتَ يَدِهٖ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَاْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا يُكَلِّفْهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا يَغْلِبُهٗ فَاِنْ كَلَّفَهٗ مَا يَغْلِبُهٗ فَلْيُعِنْهُ عَلَيْهِ» (رواہ البخاری: باب ماینھی من السب واللعن)

”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا............ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے زیر دست کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کے بھائی کو اس کے ماتحت کر رکھا ہو، تو وہ اسے وہی کچھ کھلائے جو خود کھاتا ہے اور اسی طرح کا پہنائے جیسا خود پہنتا ہے اور اس سے اتنا کام نہ لے جو اس کے لیے مشکل ہو اگر اس سے مشکل کام لے تو اس کام میں اس کی مدد کرے۔“

غور فرمائیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کے لیے بھائی کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

④ ۔ غلام کو سزا دینے کی بجائے آزاد کر دینا چاہیے:

«عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا لَهٗ حَدًّا لَمْ يَاْتِهٖ اَوْ لَطَمَهٗ فَاِنَّ

كَفَّارَتَهُ اَنْ يُعْتِقَهُ» (رواه مسلم: باب صحبة المماليك وكفارة من لطم عبده)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرمارہے تھے جس شخص نے اپنے غلام کو حد لگائی جب کہ اس نے وہ غلطی نہ کی ہو یا اس کو طمانچہ مارا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اسے آزاد کردے۔“

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ قَالَ اللّٰهُ ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِ أَجْرَهُ»

(رواه البخاري: كتاب البيوع)

”حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا میں تین آدمیوں کے متعلق جھگڑا کروں گا ① ایسا آدمی جس نے میری بیعت کرنے کے بعد غداری کی ② جس نے کسی آزاد آدمی کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھائی ③ جس نے کسی آدمی کو مزدور رکھا اور اس سے کام پورا لیا اور اجرت نہ دی۔“

۱۔ آزاد آدمی کو غلام بنانا یا فروخت کرنا حرام ہے۔ اس بنا پر کسی باپ کو بھی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے بیٹے یا بیٹی کو فروخت کرے۔

جس لونڈی کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے اسے اور اس کی اولاد کو فروخت نہیں کیا جا سکتا:

«عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى عُمَرُ عَنْ بَيْعِ أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ فَقَالَ لَا تُبَاعُ وَلَا تُوهَبُ وَلَا تُورَثُ يَسْتَمْتِعُ بِهَا سَيِّدُهَا مَا بَدَا لَهُ فَإِذَا مَاتَ فَهِيَ حُرَّةٌ» (سنن کبری بیہقی باب الرجل يطأ أمته بالملك فتلد له)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے چھوٹے بچوں والی لونڈیاں بیچنے سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ انہیں نہ بیچا جائے، نہ ہبہ کیا جائے اور نہ وراثت میں کسی کو دیا جائے، جب تک اس کا مالک زندہ ہے وہ اس سے فائدہ اٹھائے گا اور جب فوت ہو جائے گا تو وہ آزاد ہو جائے گی۔“

مذکورہ بالا اختصار کے ساتھ پیش کئے گئے چند فرامین پر غور ضرور فرمائیں کہ ان پر عمل کرنے کے بعد جنگ میں قید ہونے والے قیدی کے لیے حالت مجبوری میں مسلمان کی غلامی نعمت ہے یا سزا؟

مسائل

۱۔ شوہر والی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ ۲۔ نکاح کا مقصد برائی سے بچنا ہے شہوت رانی نہیں۔

۳۔ عورتوں کا حق مہر ادا کرنا چاہیے۔ ۴۔ عورت کی رضامندی سے اس کا حق مہر کھانا جائز ہے۔

تفسیر بالقرآن

محصنات کا مفہوم:

۱۔ شادی شدہ۔ (النساء: ۲۴) ۲۔ آزاد کنواری عورت۔ (النساء: ۲۵) ۳۔ پاکدامن۔ (النساء: ۲۵)

وَمَنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ مِنۡكُمۡ طَوۡلًا اَنۡ يَّنۡكِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ

اور جو نہ طاقت رکھے تم میں سے مقدور کہ نکاح کرے وہ بیبیاں آزاد مومن عورتیں

فَمِنۡ مَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ مِّنۡ فَتَيٰتِكُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ‌ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ

تو سے جو مالک ہو جائیں تمہارے دائیں ہاتھ سے تمہاری کنیزیں مومن عورتیں اور اللہ خوب جانتا ہے

بِاِيۡمَانِكُمۡ‌ؕ بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ‌ۚ فَانۡكِحُوۡهُنَّ بِاِذۡنِ اَهۡلِهِنَّ

تمہارے ایمان کو تمہارے بعض سے بعض سو ان سے نکاح کرو تم اجازت سے ان کے مالک

وَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ مُحۡصَنٰتٍ غَيۡرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا

اور ان کو دو ان کے مہر دستور کے مطابق (نکاح) میں آنے والیاں نہ کہ مستی نکالنے والیاں اور نہ

''اور تم میں سے جس کسی کو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو تو وہ مسلمان لونڈیوں سے جن کے تم مالک ہو نکاح کر لے۔ اللہ تمہارے ایمان کو جاننے والا ہے تم سب آپس میں ایک ہی ہو اس لیے ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرو اور دستور کے مطابق ان کے مہر ان کو دو وہ پاک دامن ہوں نہ کہ اعلانیہ بدکاری کرنے والیاں۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کے اخراجات کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ کسی کی مسلمان لونڈیوں سے نکاح کر سکتا ہے کیونکہ مسلمان رشتۂ اسلام کے اعتبار سے ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ یہ لوگوں کے اپنے پیدا کردہ حالات کا نتیجہ ہے کہ ان میں سے کچھ غلام بنا لیے گئے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سب کو آزاد پیدا فرمایا ہے۔ لونڈی سے نکاح کے لیے اس کے مالک سے اجازت لینے کے ساتھ اس کو حق مہر بھی ادا کرنا ہوگا۔ اس لونڈی کا بھی فرض ہے کہ وہ محض شہوت رانی کی بجائے مستقل نکاح کی نیت رکھتے ہوئے پاک دامنی کے ارادے سے ازدواجی بندھن میں آئے اور کسی سے پوشیدہ دوستی رکھنے سے بھی مکمل اجتناب کرے۔ اگر منکوحہ لونڈی بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھے تو آزاد عورت کے مقابلے میں اسے آدھی سزا ہوگی۔

تخفیفِ سزا کی بنیادی وجوہات یہ ہیں:

۱۔ آزاد عورت کو اپنے خاوند، خاندان اور والدین کی حفاظت و نگرانی حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ لونڈی پر اتنی نگرانی نہیں ہوتی۔

۲۔ لونڈی کسی کی ملکیت میں ہونے کی وجہ سے مجبور ہوتی ہے کہ مالک اسے جہاں اور جن لوگوں کے پاس چاہے کام کے لیے بھیج سکتا ہے جب کہ آزاد عورت اس طرح مجبور نہیں ہوتی۔

۳۔ کسی کی لونڈی ہونے کی وجہ سے نفسیاتی طور پر خاوند کا رعب اور وقار اتنا نہیں سمجھتی جتنا آزاد عورت سمجھتی ہے کیونکہ یہ

مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ

آشنائی کرنے والیاں | چوری چھپے | پس جب | نکاح میں آجائیں | پھر اگر | وہ کریں | بے حیائی | تو ان پر

نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ

آدھا | جو | پر | آزاد عورتیں | سے | سزا | یہ | اس کے لیے جو | ڈرا

الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع

زنا | تم میں سے | اور اگر | تم صبر کرو | بہتر | تمہارے لیے | اور اللہ | بخشنے والا | رحم کرنے والا

اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں۔ جب یہ لونڈیاں نکاح میں آجائیں۔ پھر اگر وہ بے حیائی کا ارتکاب کریں تو انہیں آدھی سزا ہے اس سزا سے جو آزاد عورتوں کی ہے۔ لونڈیوں سے نکاح کا حکم تم میں سے ان لوگوں کے لیے ہے جنہیں گناہ اور تکلیف کا اندیشہ ہو اور تمہارا صبر کرنا بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔'' (۲۵)

لونڈی اپنے مالک کے ماتحت ہوتی ہے۔ ان وجوہات کی وجہ سے لونڈی سے بدکاری ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے جس وجہ سے سزا میں بھی تخفیف کر دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آزاد عورتوں کو چھوڑ کر لونڈیوں سے شادی کرنے کی دو وجوہ بیان کی ہیں انہیں ذہن نشین رکھنا چاہیے۔

۱۔ آزاد عورت سے شادی کے اخراجات برداشت نہ کر سکتا ہو۔

۲۔ آدمی اپنے آپ میں کسی گناہ میں ملوث ہونے کا خوف محسوس کرتا ہو۔

ان دو وجوہات کے علاوہ اسے لونڈی سے شادی کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ کیونکہ لونڈی کی اولاد اس کے آقا کی غلام ہوتی ہے۔

لونڈی سے نکاح کرنے کی قباحتیں:

۱۔ غیور آدمی کو یہ بات مسلسل کھٹکتی رہے گی کہ میری بیوی دوسرے کی لونڈی ہے۔

۲۔ لونڈی کی اولاد اس کے خاوند کی بجائے شرعی طور پر آقا کی ملکیت ہوتی ہے۔

۳۔ لونڈی اپنے خاوند کے حقِ زوجیت ادا کرنے کے علاوہ باقی معاملات میں اپنے آقا کی پابند ہوتی ہے۔

مسائل

۱۔ آزاد عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی استعداد نہ ہو تو مومنہ لونڈی رکھنا جائز ہے۔ ۲۔ بدکار لونڈی کی سزا نصف ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ

ارادہ رکھتا ہے اللہ تاکہ بیان کردے تمہارے لیے اور تمہیں ہدایت دے طریقے جولوگ سے

قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝٢٦ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ

تم سے پہلے اور رجوع کرے تم پر اور اللہ جاننے والا حکمت والا اور اللہ ارادہ رکھتا ہے

اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ

یہ کہ رجوع کرے تم پر اور ارادہ رکھتے ہیں وہ لوگ پیروی کرتے ہیں خواہشات یہ کہ

تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝٢٧ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ

تم پھر جاؤ پھر جانا بہت بڑا چاہتا ہے اللہ یہ کہ ہلکا کردے تم سے

وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝٢٨

اور پیدا کیا گیا انسان کمزور

''اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے کھول کر بیان کرے اور تمہیں پہلے لوگوں کی راہ دکھلائے اور تمہاری توبہ قبول کرے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا ہے۔(٢٦) اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے اور جولوگ خواہشات کے پیچھے لگتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم اس سے بہت دور ہٹ جاؤ۔(٢٧) اللہ چاہتا ہے کہ تم پر آسانی کرے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''(٢٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

عورتوں کے حقوق اور دیگر مسائل کے بارے میں دنیا کے دو بڑے مذاہب یہود ونصاریٰ نے بہت سے حقائق چھپا رکھے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مسائل کو کھول کھول کر بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے کھول کر بیان کیے ہیں تاکہ تمہیں پہلے انبیاء اور صلحاء کا راستہ دکھلایا جائے اور تمہیں معلوم ہو کہ اللہ کے برگزیدہ لوگوں کی زندگی کا کیا اسلوب ہوا کرتا ہے تاکہ تم صالح زندگی اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے حقدار بن جاؤ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنے کرم وفضل کے ساتھ توجہ کرنا چاہتا ہے۔ جولوگ اپنے نفس کے پجاری، خواہشات کے بندے اور رسومات کے غلام بن چکے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم صراط مستقیم اور اللہ کے کرم سے محروم ہو جاؤ۔ یہ تم پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دین میں کوئی ایسی بات نہیں رکھی جو تمہاری قوتِ عمل سے باہر ہو۔ دینی احکام کو اس لیے آسان رکھا گیا کیونکہ انسان نہایت کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

((عَنْ أَبِيْهُرَيْرَةَ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ وَلَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَأَبْشِرُوْا وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغُدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِّنَ الدُّلْجَةِ))

(رواہ البخاری: کتاب الإیمان، باب الدین یسر)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین آسان ہے کوئی شخص اسلام پر غالب نہیں آسکتا بلکہ دین ہی غالب ہوگا۔ اجر وثواب کا راستہ اور میانہ روی اختیار کرو، لوگوں کو خوشخبریاں دو، صبح وشام اور رات کے کچھ حصے میں اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتے رہو۔“

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کچھ نام نہاد علماء اور جاہل صوفیوں نے مصنوعی تقویٰ، گروہی تعصّبات اور دنیوی مفادات کی خاطر دینِ اسلام میں بے پناہ اضافے کیے۔ مذہبی پیشواؤں کی مجرمانہ حرکت، لوگوں کی بے علمی اور دین سے عدم دلچسپی کی وجہ سے آسان ترین دین آج لوگوں کو مشکل دکھائی دے رہا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ دین نہایت ہی آسان اور فطرتِ انسانی کے مطابق بنایا ہے۔ عادی مجرموں، پیشہ ور ظالموں اور اس پر جان بوجھ کر عمل نہ کرنے والوں کے سوا سب کے لیے دین آسان ہے۔ جو شخص خلوصِ نیت کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے گا اسے نہ صرف دین آسان دکھائی دے گا بلکہ اس کی دنیا وآخرت کی مشکلات آسان ہو جائیں گی۔ بشرطیکہ اجتماعی ضابطوں پر اجتماعی طور پر اور انفرادی قوانین پر انفرادی سطح پر عمل کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگنا:

یقیناً اسلام فطرت کے موافق اور آسان بنایا گیا ہے۔ کیونکہ انسانی طبائع ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہتیں۔ دنیاوی ترغیبات، معاشرتی اور کاروباری مشکلات انسان پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہیں جن کی وجہ سے آدمی سستی، کم ہمتی اور بے توجہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے سستی سے بچنے کی دعا مانگنی چاہیے۔ گرامی قدر رسول صلی اللہ علیہ وسلم بڑے اہتمام کے ساتھ اللہ کے حضور یہ دعائیں کیا کرتے تھے:

«اَللّٰھُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَشُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ» (رواہ ابوداؤد: کتاب الصلاۃ [صحیح])

”الٰہی! اپنے ذکر، شکر اور اچھی طرح عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔“

«اَللّٰھُمَّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْکَسَلِ وَالْھَرَمِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ» (رواہ الترمذی: کتاب الدعوات [صحیح])

”اے اللہ! میں سستی، بڑھاپے، بزدلی اور بخیلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ہدایت دینا اور ان کی توبہ قبول کرنا چاہتا ہے۔ ۲۔ بدکار لوگ نیک لوگوں کو بے حیا بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔
۳۔ انسان کی کمزوری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام میں آسانی پیدا فرمائی ہے۔

تفسیر بالقرآن

دین تو آسان ہے:

۱۔ بیماری یا سفر میں روزہ چھوڑ کر بعد میں گنتی پوری کرنا چاہیے۔ (البقرۃ: ۱۸۴)
۲۔ حالت سفر میں نماز قصر کی اجازت ہے۔ (النساء: ۱۰۱) ۳۔ غسل یا وضو کے لیے پانی نہ ملے تو تیمم کا حکم۔ (المائدۃ: ۶)
(تفصیل کے لیے دیکھیں راقم کی کتاب ”دین تو آسان ہے“)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ

اے جولوگ ایمان لائے نہ کھاؤ تمہارے مال آپس میں ناحق مگر

اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ

یہ کہ ہو کوئی تجارت سے باہمی ضامندی تم سے اور نہ قتل کرو تمہارے نفس بیشک

اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝٢٩ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا

اللہ ہے تمہارے ساتھ بہت مہربان اور جو کرے گا یہ سرکشی اور ظلم

فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝٣٠

پس عنقریب ہم اس کو ڈالیں گے آگ اور ہے یہ پر اللہ آسان

”اے ایمان والو! آپس کے مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ باہمی رضامندی سے خرید وفروخت ہو اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے۔(٢٩) اور جو شخص یہ سرکشی اور ظلم کرے گا عنقریب ہم اسے آگ میں داخل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا کرنا آسان ہے۔“(٣٠)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حرمت رشتہ اور حرمتِ اموال کا باہم معنوی تعلق ہے کیونکہ دونوں کا خیال نہ رکھنے سے رنجشیں پیدا ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حرمت پامال ہوتی ہے۔

اب تک سورۃ النساء کی ابتدا میں خاندان، یتامیٰ اور لونڈیوں کے معاشرتی و مالی حقوق کا ذکر اور ان کے ساتھ مقدس رشتوں کی حرمت وتکریم کا بیان ہوا ہے۔ اب مالی حقوق بیان کرنے سے فرمایا کہ تم اپنے ہی مال آپس میں باطل طریقے سے ساتھ نہ کھایا کرو۔ البتہ باہمی رضامندی کے ساتھ ایک دوسرے سے لین دین کے ذریعے مال لینا اور کھانا جائز ہے۔ جس طرح تم اپنے مال ناجائز طریقے سے نہیں کھا سکتے اسی طرح تمہیں اپنے آپ کو قتل بھی نہیں کرنا چاہیے۔ الفاظ کے سیاق وسباق سے یہاں معاشی قتل بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ مہربانی کرنا چاہتا ہے۔ اس کی مہربانی کا یہ تقاضا ہے کہ تم بھی مالی، اخلاقی اور جسمانی ظلم کرنے کی بجائے ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور مہربانی کا سلوک کرو۔ جذبۂ اخوت کو بڑھانے کے لیے ایک دوسرے کے مال کے الفاظ استعمال کرنے کی بجائے ایسی ضمیریں استعمال فرمائی ہیں۔ جن سے باہمی قربت وشفقت کا احساس بیدار ہو سکے۔ جو شخص اس حکم اور نصیحت کے باوجود کسی پر مالی اور جانی ظلم کرے گا دنیا میں شاید وہ اس کی سزا سے بچ جائے لیکن آخرت کی سزا سے ہرگز نہیں بچ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ظالموں کو سزا دینا ذرہ برابر بھی مشکل نہیں۔ دنیا تو نہایت مختصر اور جلد ہی ختم ہو جانے والی ہے اور اس کے بعد اسے جہنم کے دہکتے ہوئے انگاروں میں جھونک دیا

جائے گا۔ وہاں نہ ان جرائم کی معافی ہوگی اور نہ ہی سزا کے بغیر تلافی ہو سکے گی۔ آپ ﷺ نے دھوکا دہی، ملاوٹ، ناپ تول میں کمی وبیشی، حرام چیزوں کی خرید وفروخت اور رشوت سے منع فرمایا۔ اب ہم احادیث کے حوالہ جات سے قدرے تفصیل کے ساتھ جائز اور ناجائز طریقوں کا ذکر کریں گے۔ قتل کے بارے میں سورۃ المائدۃ کی آیت کی تفسیر بیان ہوگی۔

سود اور اس کی تمام قسمیں حرام ہیں

سورۃ البقرۃ کی آیت 275 میں سود کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے اس کی تفصیل مذکورہ آیت کے ضمن میں دیکھیں اور ہر وہ کاروبار ناجائز ہوگا جس میں سود یا اس کی کوئی شکل پائی جاتی ہو۔

۱۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص جھوٹی قسم اٹھا کر کسی مسلمان کا حق کھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جہنم لازم اور جنت حرام کر دیتے ہیں۔ ایک شخص نے آپ سے عرض کی اگرچہ یہ حق تلفی تھوڑی ہو؟ فرمایا اگرچہ وہ پیلو کے درخت کی ایک ٹہنی ہی کیوں نہ ہو۔ (رواہ مسلم: کتاب الایمان، باب وعید من اقتطع الخ)

۲۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے ہم کلام نہیں ہوگا اور نہ ہی انہیں نظر کرم سے دیکھے گا اور نہ انہیں گناہوں سے پاک کرے گا بلکہ انہیں دردناک عذاب دیا جائے گا۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! وہ کون ہیں؟ ایسے لوگ تو نامراد اور خسارے میں پڑ گئے۔ آپ نے فرمایا ٹخنوں سے نیچے تہ بند لٹکانے والا، احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسم کھا کر مال بیچنے والا۔ (رواہ مسلم: کتاب الایمان)

ماپ تول میں کمی کرنا

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اس جرم کی وجہ سے دنیا سے نیست ونابود کردی گئی۔ (الأعراف: ۸۵)

رسول اللہ ﷺ نے ماپ تول کرنے والوں کو فرمایا یقیناً تم دو ایسے کاموں کے ذمہ دار بنائے گئے ہو۔ جن میں کوتاہی کی وجہ سے پہلی قومیں تباہ ہوگئیں۔ (رواہ الترمذی: کتاب البیوع، باب فی المکیال والمیزان [موقوف صحیح])

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بازار تشریف لے گئے ایک تولنے والے کو دیکھا کہ وہ کوئی جنس تول رہا ہے۔ اسے فرمایا تو لیے مگر جھکتا ہوا۔ (رواہ النسائی: کتاب البیوع، باب الرجحان فی الوزن [صحیح])

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی تجارت حرام قرار دی ہے۔ (رواہ البخاری: کتاب البیوع، باب بیع المیتۃ والأصنام)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ذکر کرتے ہیں کہ آپ نے کتے کی قیمت، فاحشہ کی کمائی اور نجومی کی اجرت سے منع فرمایا۔ (رواہ البخاری: کتاب البیوع، باب ثمن الکلب)

تجارت میں دھوکا دینا حرام ہے

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کوئی عیب دار چیز اس کا عیب بتلائے بغیر فروخت کی وہ

ہمیشہ اللہ کے غضب میں مبتلا رہے گا اور فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔ (رواہ ابن ماجۃ: کتاب التجارات [ضعیف])

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے سودا کرنے والے جب تک آپس میں جدا نہ ہوں انہیں سودا منسوخ کرنے کا اختیار ہے۔ اگر انہوں نے سچ بولا اور صاف گوئی سے کام لیا تو ان کی تجارت میں برکت ہوگی اگر اس کا عیب چھپایا اور جھوٹ بولا تو سودے سے برکت اٹھالی جائے گی۔ (رواہ البخاری: کتاب البیوع، باب إذا بین البیعان.........)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک دن منڈی تشریف لے گئے اور ایک غلے کے ڈھیر میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو انگلیوں پر نمی محسوس فرمائی۔ غلہ کے مالک سے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کی کہ اللہ کے رسول رات بارش ہوئی تو میں نے گیلا اناج نیچے کر دیا آپ نے فرمایا تجھے اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا۔ جس نے دھوکا دیا وہ ہم سے نہیں ہے۔

(رواہ مسلم: کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ من غشنا فلیس منا)

کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا غلط ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجبور آدمی کی تجارت سے فائدہ اٹھانے، دھوکے کی تجارت اور پھلوں کے پکنے سے پہلے سودا کرنے سے منع فرمایا۔ (رواہ ابو داؤد: کتاب البیوع، باب فی بیع المضطر [حسن لغیرہ])

ابو حرہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار کسی پر ظلم نہ کرو۔ کسی کا مال اس کی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہوتا ہے۔ (مسند أحمد: کتاب: اول مسند البصریین، باب حدیث عم ابی حرہ [صحیح])

چوری کا مال خریدنا

آپ ﷺ کا ارشاد ہے جس شخص نے اپنا مال کسی کے پاس پایا وہ اس سے واپس لینے کا زیادہ حقدار ہے جس نے مسروقہ مال خریدا ہے وہ اس کے چور کو تلاش کرے۔ (رواہ النسائی: کتاب البیوع، باب الرجل یبیع السلعۃ فیستحقھا مستحق [صحیح])

مسائل

۱۔ مسلمانوں کا ایک دوسرے کا مال کھانا اور قتل وغارت کرنا حرام ہے۔ ۲۔ ظالم اور زیادتی کرنے والا جہنم میں داخل ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

مال کمانے کے باطل طریقے:

۱۔ سود لینا حرام ہے۔ (البقرۃ:۲۷۵) ۲۔ رشوت لینا حرام ہے۔ (البقرۃ:۸۵)

۳۔ کم تولنا حرام ہے۔ (المطففین:۱) ۴۔ لوٹ مار کرنا حرام ہے۔ (المائدۃ:۳۳)

۵۔ غلط مقدمات کے ذریعے مال حاصل کرنا حرام ہے۔ (البقرۃ:۱۸۸)

اِنْ	تَجْتَنِبُوْا	كَبَآئِرَ	مَا تُنْهَوْنَ	عَنْهُ	نُكَفِّرْ	عَنْكُمْ
اگر	تم بچتے رہو	بڑے گناہ	جوتم منع کیے گئے	اس سے	ہم دور کردیں گے	تم سے

سَيِّاٰتِكُمْ	وَنُدْخِلْكُمْ	مُّدْخَلًا	كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾
تمہارے چھوٹے گناہ	اور ہم تمہیں داخل کریں گے	مقام	عزت

''اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ معاف کردیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔'' (۳۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: رشتوں کی حرمت کو پامال کرنا اور حرام کھانا کبیرہ گناہوں میں شامل ہے۔ جو کبیرہ گناہوں سے بچے گا اس کے لیے چھوٹے گناہوں سے بچاؤ آسان ہوجاتا ہے۔ اگر چھوٹے گناہ بتقاضائے بشریت سرزد ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ یقیناً معاف فرمادیں گے۔

رب کریم نے اس فرمان میں مومنوں کو ایک تسلی اور اطمینان دلایا ہے کہ اگر تم بڑے اور سنگین نوعیت کے گناہوں سے اجتناب کرو تو تمہارے چھوٹے چھوٹے گناہ ہم اپنے کرم سے ازخود ہی معاف فرمادیں گے۔ بڑے گناہوں سے بچنے کا اس لیے حکم دیا ہے کہ بڑے گناہ اکثر چھوٹے گناہوں سے جنم لیتے ہیں۔ مثلاً زنا سے پہلے اشارے کنائے، آنکھ مچولی، قتل سے پہلے حسد و بغض، گالی گلوچ اور معمولی جھگڑا وغیرہ۔ اس فرمان کی تفسیر رسولِ معظم ﷺ نے یوں فرمائی مسلمان جب وضو کرتا ہے تو اس کے ہاتھوں کے گناہ دھل جاتے ہیں۔ جب کلی کرتا ہے تو زبان کے، منہ دھوتا ہے تو آنکھوں، کان اور چہرے کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں جب پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں گناہوں سے پاک ہوجاتے ہیں۔ جب نماز ادا کرتا ہے تو وہ اس طرح گناہوں سے پاک اور صاف ہوجاتا ہے جس طرح موسم خزاں میں درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

«عَنْ أَبِيْ ذَرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ فِيْ زَمَنِ الشِّتَآءِ وَالْوَرَقُ يَتَهَافَتُ فَأَخَذَ بِغُصْنَيْنِ مِنْ شَجَرَةٍ قَالَ فَجَعَلَ ذٰلِكَ الْوَرَقُ يَتَهَافَتُ قَالَ فَقَالَ يَا أَبَاذَرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَيُصَلِّي الصَّلَاةَ يُرِيْدُ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ فَتَهَافَتُ عَنْهُ ذُنُوْبُهُ كَمَا يَتَهَافَتُ هٰذَا الْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ»

(مسند احمد: کتاب مسند الأنصار، باب حدیث أبی ذر رضی اللہ عنہ [حسن لغیرہ])

''حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ سردیوں کے موسم میں باہر تشریف لائے اور پتے جھڑ رہے تھے آپ نے درخت کی دو ٹہنیوں کو پکڑا جس سے ٹہنی کے پتے زمین پر گر پڑے پھر فرمایا ابوذر! میں نے عرض کی کہ حاضر ہوں اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا مسلمان آدمی جب اخلاص کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ایسے ہی گرجاتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے گر گئے ہیں۔''

اس طرح بعض اذکار کے فوائد بیان فرمائے کہ ان سے گناہ معاف اور پڑھنے والے کے مرتبے بلند ہوتے ہیں۔ البتہ کبیرہ گناہ سچی توبہ اور اس کے تقاضے پورے کرنے سے ہی معاف ہوتے ہیں۔ آپ نے امّت کو ایسے گناہوں سے بچنے کے

لیے کبیرہ گناہوں کی ایک فہرست بیان فرمائی ہے۔ ان گناہوں کے ساتھ علماء نے قرآن وسنت کو سامنے رکھتے ہوئے ہر اس گناہ کو کبیرہ گناہ قرار دیا ہے۔ جنہیں کرنے والا اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہوکر اور تکبر سے کرتا ہے بظاہر وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ کچھ علماء نے ان گناہوں کو بھی کبیرہ گناہ شمار کیا ہے جن کے کرنے پر لعنت کی گئی ہے۔ تاہم یہاں ان گناہوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جن کا نام لے کر رسول اللہ ﷺ نے انہیں کبیرہ گناہ قرار دیا ہے۔

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الْكَبَآئِرَ فَقَالَ الشِّرْكُ بِاللهِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ فَقَالَ أَلَآ أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ قَالَ شَهَادَةُ الزُّوْرِ»

(رواه البخاری: کتاب الأدب، باب عقوق الوالدین من الکبائر)

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبیرہ گناہوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”بڑے گناہ یہ ہیں اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ناحق خون کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا۔“ پھر فرمایا کیا میں تمہیں بڑے گناہ سے آگاہ نہ کروں؟ وہ جھوٹی گواہی دینا ہے۔“

«عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ وَمَاهُنَّ قَالَ الشِّرْكُ بِاللهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَكْلُ الرِّبَا وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ وَالتَّوَلِّيْ يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ»

(رواه البخاری: کتاب الحدود، باب رمي المحصنات)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سات تباہ کردینے والے گناہوں سے بچ جاؤ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا اے اللہ کے رسول! وہ کون کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ① اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ② جادو کرنا، ③ ناحق کسی کو قتل کرنا، ④ سود کھانا، ⑤ یتیم کا مال کھانا، ⑥ میدانِ جنگ سے پیٹھ موڑ کر بھاگنا اور ⑦ بے خبر پاکدامن مومنہ عورتوں پر تہمت لگانا۔“

مسائل

۱۔ اگر لوگ بڑے گناہوں سے بچ جائیں تو اللہ تعالیٰ چھوٹے گناہوں کو معاف فرما کر ان کو جنت میں داخل کرے گا۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں مذکور کبیرہ گناہ:

۱۔ شرک بڑا گناہ ہے۔ (النساء: ۴۸) ۲۔ والدین کی نافرمانی بڑا گناہ ہے۔ (بنی اسرائیل: ۲۳)

۳۔ زنا بڑا گناہ ہے۔ (الفرقان: ۶۸، ۶۹) ۴۔ یتیموں کا مال کھانا بڑا گناہ ہے۔ (النساء: ۱۰)

۵۔ قتل ناحق بڑا گناہ ہے۔ (النساء: ۹۳) ۶۔ دختر کشی کرنا بڑا گناہ ہے۔ (التکویر: ۸، ۹) ۷۔ سود کھانا بڑا گناہ ہے۔ (البقرۃ: ۲۷۵)

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ

اور نہ آرزو کرو جو فضیلت دی اللہ اس سے تم میں سے بعض پر بعض

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا

مردوں کے لیے حصہ اس سے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے حصہ اس سے جو

اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

انہوں نے کمایا اور سوال کرو اللہ سے اس کا فضل بیشک اللہ ہے

بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿٣٢﴾

ہر چیز جاننے والا

''اور اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ مردوں کا اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے رہو یقیناً اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔'' (٣٢)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح بڑے گناہ آدمی کو ہلاک کر دیتے ہیں اسی طرح حسد بھی آدمی کے اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے اظہار اور دنیا کے نظام کو مربوط رکھنے کے لیے لوگوں کے درمیان تفاوت اور اُونچ نیچ رکھی ہے تاکہ انسان ایک دوسرے کی ضرورت محسوس کریں باہمی تعاون اور احترام کریں۔ جس کو نعمت میسر آئی ہے وہ شکر ادا کرے اور جسے محروم رکھا گیا ہے وہ صبر کرے۔ چھوٹے بڑے کا فرق عام انسانوں کے علاوہ میاں بیوی اور ایک باپ کی اولاد میں بھی پایا جاتا ہے۔ ایک خوبصورت دوسرا عام صورت ہے، ایک تنومند اور طویل قدوقامت لیے ہوئے، جبکہ دوسرا پست قد اور ناتواں جسم کا مالک ہے، ایک معمولی محنت کے بعد دولت میں کھیل رہا ہے دوسرا سخت مشقت اٹھانے کے باوجود غربت کے تھپیڑے کھا رہا ہے' ایک دانا دوسرا نادان ہے۔ اس فطری تفاوت کے بارے میں حکم دیا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ جلنے اور حسد کرنے کے بجائے اسے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت سمجھ کر قبول کرو۔ یاد رکھو کہ تمہارے رب کے نزدیک طاقت ور اور کمزور، گورے اور کالے، غریب اور امیر، شاہ اور گدا، عربی اور عجمی میں کوئی فرق نہیں۔ اس کی بارگاہ میں چہرے نہیں دل دیکھے جاتے ہیں۔ نعرے نہیں آدمی کا کردار دیکھا جاتا ہے۔ اسی کو رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یوں بیان فرمایا:

((يَآ أَيُّهَا النَّاسُ! أَلَآ إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى أَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلٰى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلٰى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى))

(مسند أحمد: کتاب مسند الأنصار، باب حدیث رجل من أصحاب النبی ﷺ [صحیح])

''اے لوگو! خبردار یقیناً تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے خبردار! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی

عربی پر، کسی سرخ کو کالے پر اور کسی کالے کو سرخ پر سوائے تقویٰ کے کوئی فضیلت حاصل نہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے غریبوں کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا:

((يَدْخُلُ فُقَرَاءُ الْمُسْلِمِيْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَائِهِمْ بِنِصْفِ يَوْمٍ وَّهُوَ خَمْسُ مِائَةِ عَامٍ))

(رواہ الترمذی: کتاب الزھد، باب ماجاء أن فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل أغنيائهم [صحیح])

''غریب مسلمان امیر لوگوں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔''

لہٰذا قدرت کے فرق کو مٹانے یا حسد کے ساتھ آگے بڑھنے میں اپنی صلاحیتیں ضائع نہ کرو۔ بلکہ اپنے آپ کو سنوارنے اور آخرت بنانے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل کے طلب گار اور اس کا قرب تلاش کرنے والے ہو جاؤ۔ اس کے خزانے لامحدود، اس کی رحمت بے کراں اور اس کا فضل بے حد و حساب ہے۔ وہاں مرد و زن میں فرق کیے بغیر ہر کسی کے اعمال اور اس کی نیت و کردار کے مطابق اجر دیا جائے گا۔

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا)) (رواہ البخاری: کتاب الأدب)

''حضرت ابو ہریرہ ؓ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ بدگمانیوں سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے اور نہ ٹوہ لگاؤ، نہ جاسوسی کرو، نہ پیٹھ پیچھے باتیں کرو اور نہ ہی آپس میں بغض رکھو اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ)) (رواہ ابوداؤد: کتاب الادب، باب فی الحسد [حسن])

''حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مرد و زن کے حصے مقرر فرما دیے ہیں۔

۲۔ ایک دوسرے کے ساتھ حسد کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

فضل کا معنٰی و مفہوم:

۱۔ فضل سے مراد مال ہے۔ (البقرۃ: ۱۹۸) ۲۔ فضل سے مراد احسان کرنا۔ (البقرۃ: ۶۴)

۳۔ فضل سے مراد فضیلت۔ (النساء: ۷۰) ۴۔ فضل سے مراد مالِ غنیمت۔ (النساء: ۷۳)

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ

اور ہر ایک کے لیے | ہم نے مقرر کیے | وارث | اس سے جو | چھوڑ جائیں | والدین | اور قرابت دار

وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

اور وہ جو کہ | بندھ چکا | تمہارا عہد | تو ان کو دے دو | ان کا حصہ | بیشک | اللہ | ہے

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ؏ ﴿۳۳﴾

پر | ہر | چیز | گواہ (مطلع)

''ماں باپ یا قرابت دار جو ترکہ چھوڑ جائیں ہم نے ہر شخص کے وارث مقرر کر دیئے ہیں اور جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے انہیں ان کا حصہ دو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔'' (۳۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مردوں اور عورتوں کے معاشرتی اور اخلاقی حقوق بیان کرنے کے بعد مالیاتی حقوق کا تحفظ کیا گیا ہے۔

اوپر کی آیت میں مرد اور عورت کی کمائی کو الگ الگ تسلیم کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ یہاں عربوں کے اس رواج کی اصلاح کی گئی ہے جس میں مرنے والا اپنے حقیقی وارثوں کو محروم کر کے کسی دوست یا رشتہ دار کے نام اپنی جائیداد وقف کر دیتا تھا۔ فرمایا کہ مرد ہو یا عورت ہر ایک کا حصہ اور اس کے وارثوں کا تعین کر دیا گیا ہے۔ اب ان کے حصہ میں کمی وبیشی کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ سوائے اس کے جو اس فرمان کے نازل ہونے سے پہلے تم نے کسی کے ساتھ عہد کیا ہو۔ اسے عہد کے مطابق اتنا حصہ دے سکتے ہو۔ لیکن اس کے بعد ایسا کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس فرمان کے نازل ہونے سے پہلے انصار اپنے مہاجر بھائیوں کو وراثت میں حصہ دار ٹھہرایا کرتے تھے۔ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا اور فرمایا کہ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو اچھی طرح جانتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر سخت بیمار ہوئے۔ انہوں نے رسول محترم ﷺ سے عرض کی کہ میرے پاس بہت سا مال ہے ایک بیٹی کے علاوہ کوئی وارث نہیں۔ میں اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے انہیں اجازت نہ دی انہوں نے نصف کی اجازت چاہی۔ آپ نے اس کی بھی اجازت نہیں دی اس کے بعد انہوں نے ایک تہائی کی اجازت مانگی تو آپ نے یہ فرما کر اجازت دی کہ یہ بھی زیادہ ہے۔ اپنی اولاد کو مال دار چھوڑنا ان کو محتاج چھوڑنے سے زیادہ بہتر ہے۔ (رواہ البخاری: کتاب الفرائض، باب میراث البنات)

مسائل

۱۔ وراثت کی تقسیم شریعت کے مطابق ہونی چاہیے۔

نوٹ: وراثت کا بیان سورۃ النساء: ۱۱ کے تحت دیکھئے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ

مرد(جمع) حاکم پر عورتیں اس لیے کہ فضیلت دی اللہ ان میں سے بعض

عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ

پر بعض اور اس لیے کہ انہوں نے خرچ کیا سے اپنے مال پس نیکو کار عورتیں تابع فرمان

حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ

حفاظت کرنے والیاں غیر حاضری اس سے جو حفاظت کی اللہ اور وہ جو تم ڈرتے ہو

نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ

ان کی نافرمانی پس ان کو سمجھاؤ اور ان کو تنہا چھوڑ دو میں بستر(جمع) اور ان کو سزا دو پھر اگر

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ پس نیک تابع فرماں عورتیں خاوند کی غیر حاضری میں اللہ کی حفاظت ونگرانی میں (عزت و مال کی) حفاظت کرنے والی ہیں اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں خوف ہو انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستر پر چھوڑ دو اور انہیں سزا دو پھر اگر

فہم القرآن

ربطِ کلام: معاشرتی، مالی حقوق اپنی جگہ مسلّم لیکن خاندانی یونٹ کو متوازن اور مستحکم رکھنے کے لیے مرد کو گھر کا ناظم مقرر کیا گیا ہے اگر ان کے درمیان تنازعہ ہو جائے تو اس کا طریقہ کار بھی طے کر دیا گیا ہے۔

قرآنِ مجید نے گھریلو زندگی کو ایک یونٹ قرار دے کر مرد کو اس کا سربراہ مقرر کیا ہے۔ جس کے لیے ''**قَوَّامٌ**'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کا معنی ہے ہر قسم کی نگرانی اور انتظام کرنے والا۔ گھر کا منتظم اس لیے مقرر کیا تاکہ گھر کا نظام مضبوط اور صحت مند خطوط پر چلتا رہے۔ مرد کو منتظم بنانے کی دو وجوہات بیان فرمائیں تاکہ عورت کے ذہن میں پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔ پہلی یہ کہ مرد ذہنی اور جسمانی لحاظ سے عورت کے مقابلے میں مضبوط اور برتر پیدا کیا گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مرد پر بیوی بچوں کی حفاظت اور ان کے اخراجات کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ تاکہ عورت باہر کی الجھنوں سے بچ کر سکون کے ساتھ خاوند کی خدمت، بچوں کی تربیت اور صنفِ نازک ہونے کی وجہ سے آرام کی زندگی گزار سکے۔ اگر غور سے سوچا جائے تو عورت کی گھریلو مصروفیات اس قدر زیادہ ہیں کہ وہ باہر کے کاموں کی طرف دیکھ بھی نہیں سکتی۔ چہ جائیکہ اس پر ملازمت یا کاروبار کی ذمہ داری ڈال دی جائے۔ معاشرہ اس بات کا گواہ ہے کہ جو عورتیں کسی مجبوری یا محض گھریلو بجٹ میں اضافہ کرنے کے لیے ملازمت کرتی ہیں۔ انہیں گھر اور بچوں کو سنبھالنے کے لیے کوئی ملازمہ رکھنا پڑتی ہے۔ بصورت دیگر ان کے گھر کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ان کے پاس کھانا پکانے کا وقت بھی نہیں ہوتا۔ ایسے جوڑے اپنی ڈیوٹی سے گھر آتے وقت کھانا بھی ہوٹل سے لاتے ہیں۔ ان مسائل کی بنا پر عورت کو گھر کی ملکہ اور خاوند کو مشکل معاملات کا ذمہ دار

اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا

وہ تمہارا کہا مانیں | تو نہ تلاش کرو | ان پر | کوئی راہ | بیشک | اللہ | ہے | سب سے اعلیٰ

كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ

سب سے بڑا | اور اگر | تمہیں خوف ہو | اختلاف | ان کے درمیان | تو مقرر کردو | ایک منصف | سے

اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا

مرد کا خاندان | اور ایک منصف | سے | عورت کا خاندان | اگر | دونوں چاہیں گے | صلح کرانا

يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

موافقت کردے گا | اللہ | ان دونوں میں | بیشک | اللہ | ہے | جاننے والا | باخبر

اطاعت کریں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔ یقیناً اللہ بلند اور بڑا ہے۔(۳۴) اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان تعلقات بگڑنے کا خوف ہو تو ایک منصف مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو اگر یہ دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں میں موافقت کی توفیق دے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ علم والا خبر رکھنے والا ہے۔'' (۳۵)

بنایا گیا ہے۔ جب سے مسلمان خواتین نے بلا مجبوری مرد کی ذمہ داریوں میں حصہ لینا شروع کیا ہے اس وقت سے عورت میں خودسری اور نخوت پیدا ہونے کے ساتھ مسلمان معاشرہ توڑ پھوڑ کا شکار، گھروں کا سکون برباد اور اولاد ماں باپ کی نافرمان ہو چکی ہے۔ کتنا ہی بہتر ہوتا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی تقسیم کے مطابق اپنی اپنی ذمہ داریاں سنبھالتے تو اولاد کی نافرمانیوں، گھروں کی بربادی اور معاشرتی بے حیائی سے محفوظ رہتے۔

نیک بیوی کے کردار میں دو خوبیاں نمایاں ہونی چاہئیں۔ خاوند کی مطیع اور اس کی عزت و ناموس، مال اور اولاد کی حفاظت کرنے والی ہو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی حیا اور گھر کی نگرانی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر عورت مرد کے مقابلے میں آئے اور اس کی بغاوت کرے تو اسے بہتر الفاظ اور اچھے انداز میں نصیحت کرنی چاہیے۔ ٹکراؤ کی صورت میں گھریلو زندگی بے چینی اور عدمِ توازن کا شکار ہوگی بلکہ اولاد پر بھی بُرے اثرات مرتب ہوں گے۔ خاص کر بیٹیوں کے مستقبل پر اس کے نہایت ہی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

نفع و نقصان سمجھانے کے باوجود بیوی اگر اپنی روش ترک کرنے کے لیے تیار نہ ہو تو خاوند کو اس کے ساتھ اپنی قربت ختم کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ جس کے لیے قرآنِ مجید نے بستر الگ کردینے کا حکم دیا ہے جو حیادار اور خاندانی عورت کے لیے بہت بڑی سزا ہے۔ عورت میں اگر معمولی عقل اور حیا ہوگی تو وہ ضرور سوچنے پر مجبور ہوگی کہ ایک گھر میں رہتے ہوئے بیگانگی اور ایک دوسرے سے بیزاری اچھی نہیں۔ بصورت مجبوری تیسرا اور آخری اقدام یہ ہے اسے ہلکی پھلکی جسمانی سزا دی جائے تا کہ اس کی آنکھیں کھل جائیں کہ اب گھر کی ملکہ کی بجائے میں لونڈی کے مقام پر آکھڑی ہوں اور میرا گھر عقوبت خانہ

اوراس کا ماحول میرے لیے اچھوت بن چکا ہے۔کوئی عورت اگر اس قدر جاہل اور ہٹ دھرم ہو کہ وہ سدھرنے کا نام نہ لے تو پھر دونوں خاندانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ قریبی رشتہ داروں سے دو آدمی ثالث مقرر کریں۔ثالثوں کا دونوں طرف سے رشتہ دار ہونا اس لیے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف کھل کر بات چیت اور معاملات سلجھا سکتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ میاں بیوی اور خاندان کی عزت بھی سلامت رہ سکے گی۔ بالفاظِ دیگر گھر کا معاملہ گھر ہی میں نمٹ جائے گا۔ اگر ثالث اور میاں بیوی اخلاص کے ساتھ معاملہ سدھارنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں ہمت اور توفیق نصیب فرمائے گا۔اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ان میں کون زیادہ قصوروار اور کون اخلاص کے ساتھ صلح کا خواہش مند ہے؟

«عَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ ،مَاحَقُّ زَوْجَةِ أَحَدِنَا عَلَيْهِ قَالَ أَنْ تُطْعِمَهَاإِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ» (رواه أبو داؤد: كتاب النكاح، باب في حق المرأة على زوجها[صحيح])

”حضرت حکیم بن معاویہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! ہم پر ہماری بیویوں کے کیا حقوق ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تو کھانا کھائے تو اسے بھی کھلائے جب تو کپڑے پہنے اسے بھی پہنائے منہ پر نہ مارے، نہ گالی دے اور اسے نہ چھوڑ مگر اپنے گھر میں۔“

”حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حیرہ گیا تو میں نے وہاں کے لوگوں کو بادشاہ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔میں نے کہا: اللہ کے رسول سجدے کے زیادہ لائق ہیں۔میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کی: میں نے حیرہ میں دیکھا کہ لوگ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں۔اللہ کے رسول! آپ زیادہ حقدار ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔آپ ﷺ نے فرمایا: بتلایئے! اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرو تو کیا اسے سجدہ کرو گے؟ میں نے کہا: نہیں۔آپ نے فرمایا: ایسے نہ کرو اگر میں نے کسی کو کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دینا ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے مردوں کا عورتوں پر جو حق رکھا اس وجہ سے عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کے سامنے سجدہ کیا کریں۔“(رواه أبو داؤد: كتاب النكاح، باب في حق الزوج على المرأة[صحيح])

عورت کی سربراہی

بعض نام نہاد دانشور غیر مسلموں سے متاثر ہو کر نا صرف اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ عورت کو مرد کے کندھے سے کندھا ملا کر چلنا چاہیے بلکہ وہ مغربی جمہوریت کی پیروی میں عورت کو ملک کا سربراہ بنانے میں حرج نہیں سمجھتے۔اس کے لیے ”سورۃ النمل“ سے ملکہ سبا کی حکومت کا حوالہ دیتے ہیں۔ایسے دانشور یہ حقیقت بھول جاتے ہیں کہ مملکت سبا کی ملکہ بلقیس اس وقت تک ہی اپنے ملک کی حکمران رہی تھی جب تک وہ کافرہ تھی۔ جونہی وہ اپنے وقت کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایمان لائی تو اس نے اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیا۔اس کے بعد اس کی حکمرانی کا تاریخ میں ثبوت نہیں ملتا۔ کچھ لوگ جنگِ جمل

میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سربراہی کا حوالہ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات بھی انصاف کے ترازو پر پوری نہیں اُترتی۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زندگی بھر کبھی مسلمانوں کی خلیفہ بننے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔ وہ تو شدید ہنگامی حالات میں مسلمانوں کے درمیان صلح کی غرض سے نکلی تھیں۔ لیکن حالات کی پیچیدگی میں پھنس کر رہ گئیں۔ اس لیے وہ زندگی بھر اپنے اس اقدام پر پریشان اور پشیمان رہیں۔ جب بھی قرآنِ مجید کی اس آیت {وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ} (الاحزاب:۳۳) کی تلاوت کرتیں تو زاروقطار رویا کرتی تھیں۔ [طبقات ابن سعد]

عورت کی حکمرانی اور اسلام:

ہم یہاں مولانا سید جلال الدین انصر کی کتاب ''عورت اسلامی معاشرے میں'' سے کچھ اقتباس درج کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

''قدیم تاریخ کے متعلق کسی قدر مفصل اور مستند معلومات ہمیں یونانیوں اور رومیوں کے عہد سے ملتی ہیں۔ انہوں نے تہذیب وتمدن اور علوم وفنون میں اس قدر ترقی کی کہ اس کی بنیاد پر بہت سی تہذیبیں اور بہت سے علوم وجود میں آئے لیکن بایں ہمہ ترقی، ان کے ہاں عورت کا مقام بہت ہی پست تھا۔ وہ اس کو انسانیت پر بار سمجھتے تھے اس کا مقصد ان کے نزدیک سوائے اس کے کچھ نہیں تھا کہ خادمہ کی طرح گھر والوں کی خدمت کرتی رہے۔

اہلِ یونان اپنی معقولیت پسندی کے باوجود عورت کے بارے میں ایسے ایسے تصورات رکھتے تھے جن کو سن کر ہنسی آتی ہے لیکن ان سے اس بات کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ ان کی نگاہ میں عورت کی کیا قدروقیمت تھی اور وہ اپنے درمیان اسے کیا حیثیت دیتے تھے۔ ان کا قول تھا آگ سے جل جانے اور سانپ کے ڈسنے کا علاج ممکن ہے لیکن عورت کے شر کا مداوا محال ہے۔ پنڈورا نامی ایک عورت کی بابت ان کا عام اعتقاد تھا کہ وہی تمام دنیاوی آفات ومصائب کی جڑ ہے۔ ایک یونانی ادیب کہتا ہے: دو مواقع پر عورت مرد کے لیے باعثِ مسرت ہوتی ہے ایک تو شادی کے دن دوسرا اس کے انتقال کے دن۔''

لیکی نے اپنی کتاب ''تاریخ اخلاقِ یورپ'' میں لکھا ہے:

''بہ حیثیت مجموعی باعصمت یونانی بیوی کا مرتبہ نہایت پست تھا اس کی زندگی مدة العمر غلامی میں بسر ہوتی تھی لڑکپن میں اپنے والدین کی، جوانی میں اپنے شوہر کی، بیوگی میں اپنے فرزندوں کی وراثت میں اس کے مقابلہ میں اس کے مرد اعزہ کا حق ہمیشہ رائج سمجھا جاتا تھا۔ طلاق کا حق اسے قانوناً ضرور حاصل تھا تاہم عملاً وہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ کیونکہ عدالت میں اس کا اظہار یونانی ناموس وحیا کے منافی تھا...... افلاطون نے بلاشبہ مرد اور عورت کی مساوات کا دعویٰ کیا تھا لیکن یہ تعلیم محض زبانی تھی۔ عملی زندگی اس سے بالکل غیر متاثر رہی۔ ازدواج کا مقصد خالص سیاسی رکھا گیا۔ یعنی یہ کہ اس سے طاقتور اولاد پیدا ہو جو حفاظت ملک کے کام آئے۔'' (عورت اسلامی معاشرہ میں صفحہ:۱۹، ۲۰، ۲۱)

یہ تو تھا یونانی تہذیب میں عورت کا مقام ومرتبہ جس کی معقولیت پسندی کا تاریخ کے اوراق میں آج بھی شہرہ ہے۔ اب ذرا مذکورہ مصنف لیکی ہی کی زبان سے رومی تہذیب میں عورت کے احوال کا تذکرہ کیا سماعت فرمالیں وہ لکھتا ہے:

''عورت کا مرتبہ رومی قانون نے عرصہ دراز تک نہایت پست رکھا، افسر خاندان جو باپ ہوتا تھا یا شوہر، اسے اپنے بیوی بچوں پر پورا اختیار حاصل تھا۔ وہ عورت کو جب چاہے گھر سے نکال سکتا تھا۔ جہیز یا دلہن کے والد کو نذرانہ دینے کی رسم کچھ بھی نہ تھی اور باپ کو اس قدر اختیار حاصل تھا کہ جہاں چاہے اپنی لڑکی کو بیاہ دے بلکہ بعض دفعہ تو وہ کی کرائی شادی کو توڑ دیتا تھا۔ زمانہ مابعد یعنی دور تاریخی میں یہ حق باپ کی طرف سے شوہر کی طرف منتقل ہو گیا اور اب اس کے اختیارات یہاں تک وسیع ہو گئے ہیں کہ وہ چاہے تو بیوی کو قتل کر سکتا تھا۔ ۵۲۰ء تک طلاق کا کسی نے نام نہ سنا تھا۔''

غلاموں کی طرح عورت کا مقصد بھی خدمت اور چاکری سمجھا جاتا تھا۔ مرد اسی غرض سے شادی کرتا تھا کہ وہ بیوی سے فائدہ اٹھا سکے گا۔ وہ کسی عہدے کی اہل نہیں سمجھی جاتی تھی۔ حتی کہ کسی معاملہ میں اس کی گواہی تک کا اعتبار نہیں تھا۔ البتہ اس کی طبعی کمزوریوں کی بناء پر اس کو بعض سہولتیں دی گئی تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعد کے ادوار میں رومیوں نے اس کو حقوق بھی دیے لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کو مرد کے مساوی درجہ کبھی نہیں دیا۔'' (عورت اسلامی معاشرہ میں صفحہ: ۲۱، ۲۲) [بحوالہ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا، عورت کی سماجی ومعاشرتی حالت]

[ماخوذ از ''عورت کی حکمرانی اور اسلام'' مصنف فخر الدین صدیقی]

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر برتری عطا فرمائی ہے۔ ۲۔ مرد اپنی کمائی سے عورتوں کی کفالت کرتے ہیں۔
۳۔ عورتوں کو خاوندوں کی تابعداری اور اپنی عزت وعفت کی حفاظت کرنا چاہیے۔ ۴۔ نافرمان بیویوں کو نصیحت کرنا۔
۵۔ دوسرا قدم خواب گاہوں میں ان سے علیحدگی اختیار کرنا۔ ۶۔ تیسرا قدم ہلکی پھلکی سزا دینا ہے۔
۷۔ اطاعت شعار بیوی پر زیادتی کرنا جائز نہیں۔
۸۔ میاں بیوی کے درمیان اختلافات پہلی تینوں صورتوں سے حل نہ ہوں تو دونوں کی طرف سے رشتہ دار ثالثان مقرر کرنے چاہئیں۔

تفسیر بالقرآن

نیک عورتوں کے اوصاف:

۱۔ پاک دامن، حیادار اور باپردہ۔ (المائدۃ: ۵، القصص: ۲۵)
۲۔ مطیع، توبہ کرنے والی، عبادت گزار اور روزے دار۔ (التحریم: ۵)
۳۔ صدقہ کرنے والی، صابرہ، ڈرنے والی، سچی، پاکدامنہ اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والی۔ (الاحزاب: ۳۵)

وَاعْبُدُوا	اللّٰهَ	وَلَا تُشْرِكُوْا	بِهٖ	شَيْـًٔا	وَّبِالْوَالِدَيْنِ	اِحْسَانًا
اور تم عبادت کرو	اللہ	اور نہ شریک کرو	اس کے ساتھ	کچھ	اور ماں باپ سے	اچھا سلوک
وَّبِذِي الْقُرْبٰى	وَالْيَتٰمٰى	وَالْمَسٰكِيْنِ	وَالْجَارِ	ذِي الْقُرْبٰى	وَالْجَارِ	
اور قرابت داروں سے	اور یتیموں	اور محتاجوں	اور ہمسایہ	قرابت والا	اور ہمسایہ	
الْجُنُبِ	وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ	وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ	وَمَا	مَلَكَتْ	اَيْمَانُكُمْ ؕ	
اجنبی	اور پاس بیٹھنے والے (ہم مجلس)	اور مسافر	اور جو	مالک ہوئے	تمہارے دائیں ہاتھ	
اِنَّ	اللّٰهَ	لَا يُحِبُّ	مَنْ	كَانَ	مُخْتَالًا	فَخُوْرَا ۙ﴿۳۶﴾
بیشک	اللہ	دوست نہیں رکھتا	جو	ہو	اترانے والا	شیخی بگھارنے والا

”اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، قرابت دار ہمسایہ، اجنبی ہمسایہ، عارضی ساتھی، مسافر اور ان سے جن کی ملکیت تمہارے ہاتھ میں ہے ان کے ساتھ احسان کرو۔ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے اور فخر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔“ (۳۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: میاں بیوی کے حقوق کے بعد اللہ تعالیٰ کی عبادت بلاشرکت غیرے کرنے کا حکم نیز والدین، قریبی رشتہ داروں اور مستحق لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی تلقین۔ گویا کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا بیک مقام تذکرہ کیا گیا ہے۔

انسان اس وقت تک کسی کے حقوق اخلاص کے ساتھ پوری طرح ادا نہیں کر سکتا جب تک صحیح معنوں میں اپنے آپ کو بلا شرکت غیرے اللہ تعالیٰ کی غلامی اور تابعداری میں نہ لے آئے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کبھی احکامات جاری کرنے کے بعد اور کبھی ان کی ابتدا میں اپنی توحید اور تقویٰ یاد دلاتے ہیں تاکہ انسان اپنے آپ کو اس کے حضور مکمل طور پر سرنگوں کر دے۔

ذاتِ کبریا کے بعد والدین ہی انسان کے سب سے زیادہ ہمدرد، محسن، مربی اور قریب ہوتے ہیں۔ انسان ماں کی آغوش میں باپ کی کمائی سے نشوونما پاتا ہے۔ اس لیے اللہ اور اس کے رسول کے بعد آدمی کی اطاعت کے سب سے زیادہ حقدار اس کے والدین ہیں۔ والدین، یتامیٰ اور مساکین کے تفصیلی مسائل وفضائل کے لیے [سورۃ البقرۃ آیت ۸۳] کی تفسیر ملاحظہ کیجیے۔ یہاں والدین کے حقوق کے ذکر کے بعد معاشرے میں ہمسایہ اور بے سہارا ہونے والے طبقات یعنی، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور غلاموں کا ذکر ہوا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جبریلِ امین علیہ السلام اس قدر ہمسایوں کے بارے میں مجھے تلقین کرتے رہے کہ میں نے سمجھا شاید پڑوسی کو وراثت میں شریک بنا دیں گے۔“ (رواہ مسلم: کتاب البر والصلۃ، باب الوصیۃ بالجار والإحسان إلیه)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے استفسار کیا کہ میرے دو پڑوسی ہیں۔ میں پہلے کس کو تحفہ

بھیجوں؟ آپ نے فرمایا جس کا دروازہ تیرے زیادہ قریب ہے۔ (رواہ البخاری: باب حق الجوار فی قرب الأبواب)

رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر تین مرتبہ قسم اٹھاتے ہوئے فرمایا کہ وہ شخص مومن نہیں۔ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کون مومن نہیں؟ فرمایا جس کی تکلیف سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہ ہو۔ (رواہ البخاری: باب إثم من لا یأمن جارہ بوائقہ)

مسافر کے حقوق

رسولِ معظم ﷺ کے زمانے میں بالخصوص عرب میں شہر اور بستیاں ایک دوسرے سے بہت ہی دور ہوا کرتی تھیں اور آج کی طرح ہوٹلوں کا انتظام نہیں تھا۔ مسافر لوگ اونٹوں، گھوڑوں اور گدھوں پر سفر کرتے اور اپنا زادِ راہ ساتھ رکھا کرتے تھے۔ بسا اوقات راستہ بھول جانے یا مسافت کا اندازہ کرنے میں غلطی ہو جانے کی وجہ سے زادِ راہ ختم ہو جاتا۔ بعض اوقات پینے کا پانی بھی میسر نہیں ہوتا تھا۔ ایسے سفر کے بارے میں ہمارے لیے کیا حکم ہے:

«عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ ؓ أَنَّهُ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّكَ تَبْعَثُنَا فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ فَلَا يَقْرُونَنَا فَمَا تَرَى فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَأَمَرُوا لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِي لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلُوا فَخُذُوا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ الَّذِي يَنْبَغِي لَهُمْ» (رواہ البخاری: باب إکرام الضیف وخدمتہ إیاہ بنفسہ)

”حضرت عقبہ بن عامر ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ہمیں کسی مہم پر روانہ کرتے ہیں اگر ہم ایسے لوگوں کے پاس سے گزریں یا ٹھہریں جو ہماری مہمان نوازی کرنے کے لیے تیار نہ ہوں، اس صورت حال میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اگر لوگ تمہارا خیال رکھیں تو اچھی بات ہے بصورتِ دیگر تمہیں ان سے اپنی مہمانی کا حق وصول کرنا چاہیے۔“

مراد یہ ہے کہ بھوکا مرنے کی بجائے ان سے کھانے پینے کا سوال کیا جا سکتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی بلا شرکت غیرے عبادت کرنا، والدین اور دیگر رشتہ دار، تعلق داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا لازم ہے۔

۲۔ اللہ متکبر کو پسند نہیں کرتا۔

تفسیر بالقرآن

حقوق اللہ اور حقوق العباد:

۱۔ ایک اللہ کی ہی عبادت کی جائے۔ (البقرۃ: ۲۱) ۲۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ (لقمان: ۱۳)

۳۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔ (الاحقاف: ۱۵) ۴۔ ہمسایوں کا خیال رکھا جائے۔ (النساء: ۳۶)

۵۔ یتامیٰ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم۔ (البقرۃ: ۸۳) ۶۔ اقرباء کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم۔ (النحل: ۹۰)

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ

جولوگ | بخل کرتے ہیں | اور حکم کرتے ہیں | لوگوں کو | بخل کے ساتھ | اور چھپاتے ہیں | جو

اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿ۚ۳۷﴾

انہیں دیا | اللہ | سے | اپنے فضل | اور ہم نے تیار کر رکھا ہے | کافروں کے لیے | عذاب | ذلت والا

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ

اور جولوگ | خرچ کرتے ہیں | اپنے مال | دکھانے کو | لوگ | اور نہیں | ایمان لاتے

بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ

اللہ پر | اور نہ | آخرت کے دن پر | اور جو | ہو | شیطان | اس کا

قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾

ساتھی | تو برا | ساتھی

''جولوگ بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل کرنے کے لیے کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو اپنا فضل انہیں عطا فرمایا ہے اسے چھپالیتے ہیں ہم نے ان کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔(۳۷) اور جولوگ اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور جس کا ساتھی شیطان ہو وہ بدترین ساتھی ہے۔''(۳۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلے والدین،عزیز واقارب، یتامیٰ ، مساکین، پڑوسیوں اور مسافروں کے ساتھ مالی تعاون کرنے کا حکم ہے۔جس میں مالی تعاون سرفہرست ہونا چاہیے۔اس لیے یہاں بخل کی مذمت کی گئی ہے۔

اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے مال واسباب کو اپنا فضل قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے سرفراز فرمائے ان کا فرض ہے کہ وہ بخل کرنے کی بجائے سخاوت کا مظاہرہ کریں۔بخل کا ماحول پیدا کرنے یا مستحق حضرات پر خرچ نہ کرنے کا حکم دینے اور مال کو چھپا کر رکھنے کی بجائے لوگوں کو صدقہ وخیرات کرنے کی تلقین کرنی چاہیے۔مال چھپا چھپا کر رکھنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر خرچ کرنا چاہیے۔جولوگ بخل کرنے کے ساتھ دوسروں کو بخل کے لیے کہتے ہیں ایسے ناشکروں اور نافرمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی رسوا کن عذاب تیار کیا ہے۔

یہاں صرف خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔جولوگ نمود ونمائش اور دوسروں پر اپنی دھاک بٹھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں درحقیقت وہ لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔کیونکہ انکا اللہ اور آخرت پر یقین ہوتا تو یہ بطورِ احسان،نمود ونمائش اور لوگوں سے خوشامد کی صورت میں اپنے صدقہ کا معاوضہ نہ لیتے۔اگر

ان کا آخرت پر یقین ہوتا تو یہ دنیا میں عارضی شہرت کی خاطر آخرت کا دائمی اجر ضائع نہ کرتے۔اس ہلکے پن اور جلد بازی کا حقیقی سبب شیطان کا پھسلانا اور اُکسانا ہے۔شیطان تو آدمی کا بدترین ساتھی ہے۔

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ ضَرَبَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَثَلَ الْبَخِيْلِ وَالْمُتَصَدِّقِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُبَّتَانِ مِنْ حَدِيْدٍ قَدِ اضْطُرَّتْ أَيْدِيْهِمَا إِلٰي ثَدِيِّهِمَا وَتَرَاقِيْهِمَا فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ كُلَّمَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ انْبَسَطَتْ عَنْهُ حَتّٰى تَغْشٰى أَنَامِلَهُ وَتَعْفُوَ أَثَرَهُ وَجَعَلَ الْبَخِيْلُ كُلَّمَا هَمَّ بِصَدَقَةٍ قَلَصَتْ وَأَخَذَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ بِمَكَانِهَا قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ فَأَنَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ بِإِصْبَعِهِ هٰكَذَا فِيْ جَيْبِهِ فَلَوْ رَأَيْتَهُ يُوَسِّعُهَا وَلَا تَتَوَسَّعُ» (رواہ البخاری: باب جیب القمیص من عند الصدر وغیرہ)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے بخیل اور صدقہ دینے والے کی مثال دی کہ اس کی مثال دو آدمیوں کی طرح ہے جو ہاتھ، سینے اور حلق تک فولادی قمیص پہنے ہوئے ہوں۔صدقہ دینے والا جب بھی صدقہ کرتا ہے تو اس کا جبہ کشادہ ہوجاتا ہے اور وہ اس کی انگلیوں تک بڑھ جاتا ہے اور قدموں کو ڈھانپ لیتا ہے اور جب بخیل صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا جبہ اس سے چمٹ جاتا ہے یہاں تک ہر حلقہ اپنی جگہ پر جم جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا آپ اپنی انگلیوں سے اپنے گریبان کی طرف اشارہ کرکے بتارہے تھے کہ تم دیکھو گے کہ وہ اس کو کھولنا چاہے گا لیکن وہ نہیں کھلے گا۔“

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُوْلُ أَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَيَقُوْلُ الْآخَرُ اللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا»

(رواہ البخاری: کتاب الزکاۃ، باب قول اللہ تعالیٰ فأما من أعطی واتقی وصدق بالحسنیٰ)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں ان میں سے ایک یہ آواز لگاتا ہے اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اور عطا فرما۔دوسرا یہ آواز لگاتا ہے اے اللہ! نہ خرچ کرنے والے کا مال ختم کردے۔“

مسائل

۱۔ بخل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ ذلت آمیز عذاب دیں گے۔ ۲۔ نمود و نمائش کے لیے خرچ کرنے والے شیطان کے ساتھی ہیں۔

تفسیر بالقرآن

شیطان بدترین ساتھی ہے:

۱۔ شیطان انسان کا دشمن ہے۔(البقرۃ:۱۶۸) ۲۔ شیطان کی رفاقت کا بدترین انجام۔(الفرقان:۲۷،۲۹)

۳۔ شیطان بے وفائی سکھلاتا ہے۔(الحشر:۱۶) ۴۔ شیطان بدترین ساتھی ہے۔(النساء:۳۸)

۵۔ شیطان نے ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ دشمنی کی۔(الاعراف:۲۰ تا ۲۲)

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا

اور کیا ان پر اگر وہ ایمان لاتے اللہ پر اور یوم آخرت اور وہ خرچ کرتے اس سے جو

رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۝۳۹ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ

انہیں دیا اللہ اور ہے اللہ ان کو خوب جاننے والا بیشک اللہ نہیں ظلم کرتا برابر

ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۴۰

ذرہ اور اگر ہو کوئی نیکی اس کو کئی گنا کرتا ہے اور دیتا ہے اپنے پاس سے اجر بڑا

''انہیں کیا ہوتا اگر یہ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے اللہ ان کو جاننے والا ہے۔ (۳۹) بے شک اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہو تو اسے بڑھا دیتا ہے اور مزید اپنی طرف سے اجر عطا فرماتا ہے۔'' (۴۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام : ریاکاری اور بخل سے اجتناب اور انفاق فی سبیل اللہ تبھی قبول ہوسکتا ہے جب اللہ تعالیٰ اور آخرت پر یقینِ کامل ہو کہ جو کچھ صدقہ یا کوئی عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا اجر ضائع نہیں کرتا قیامت کو اس کو پورا پورا اجر ملے گا۔

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِّنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَّلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ فَإِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهِ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهِ كَمَا يُرَبِّيْ أَحَدُكُمْ فُلُوَّهُ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ» (رواہ البخاری: کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ من کسب طیب)

''حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو آدمی کھجور کے برابر اپنی پاک کمائی سے صدقہ کرتا ہے اور اللہ کے ہاں صرف پاک چیز ہی قبول ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے قبول کرتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر اس کو اس طرح پالتا اور بڑھاتا ہے جیسے تم میں سے کوئی بچھڑے کو پالتا ہے حتیٰ کہ صدقہ پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔''

مسائل

۱۔ لوگوں کو اخلاص کے ساتھ اللہ اور آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ انفاق فی سبیل اللہ کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا:

۱۔ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ (آل عمران: ۱۸۲) ۲۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ (النساء: ۴۰)

۳۔ اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ (آل عمران: ۱۱۷)

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ

پھر کیسا جب ہم لائیں گے سے ہر امت ایک گواہ اور ہم لائیں گے آپ کو

عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا

پر ان کے گواہ اس دن چاہیں گے وہ لوگ انہوں نے کفر کیا اور نافرمانی کی

الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ ع

رسول کاش برابر کر دی جائے ان پر زمین اور نہ چھپائیں گے اللہ کوئی بات

’’پس کیا حال ہوگا جس وقت ہم ہر امت میں سے گواہ لائیں گے اور تمہیں ان لوگوں پر گواہ بنائیں گے۔(۴۱) جس دن کافر اور رسول کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش انہیں زمین کے ساتھ برابر کر دیا جاتا اور وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہیں چھپا سکیں گے۔‘‘(۴۲)

فہم القرآن

ربط کلام: جس دن نیک لوگوں نے اپنی نیکیوں کا اجر پانا ہے اس دن ظالم اپنا انجام دیکھ کر اپنے اعمال کا انکار کرتے ہوئے یہاں تک کہیں گے کہ دنیا میں ہمیں کسی نبی اور مبلغ نے کچھ سمجھایا ہی نہیں تھا۔ اے رب! ورنہ ہم تیری نافرمانی نہ کرتے۔ اس دن ’’اللہ‘‘ کے باغی یہ آرزو کریں گے کاش! ہم زمین میں دھنس جائیں اور ہم پر زمین برابر کر دی جائے۔ خواہش کے باوجود نہ چھپ سکیں گے اور نہ ہی وہ کوئی بات چھپا سکیں گے۔

محشر کا دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ اس میں کئی مراحل ہوں گے ہر مرحلہ دنیا کے سینکڑوں سالوں کے برابر ہوگا۔ ان مراحل میں ایک مرحلہ ایسا بھی آئے گا کہ جب مجرم قسمیں اٹھا اٹھا کر اس بات کا انکار کریں گے کہ الٰہی ہم نے نہ تیری ذات کا انکار کیا اور نہ ہی کسی کو تیرا شریک ٹھہرایا۔ ہمارے ذمہ جو اعمال لگائے گئے ہیں ہم نے یہ ہرگز نہیں کیے۔ انبیاء کے بارے میں کہیں گے کہ انہوں نے ہمیں ایک بار بھی نہ سمجھایا۔ اس دروغ گوئی کی وجہ سے ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی۔ اب ان کے اعضاء گواہی دیں گے۔ اس کے بعد اور شہادتیں پیش کی جائیں گی جن میں سب سے بڑی اور معتبر شہادت انبیاء کی ہوگی۔ وہ عرض کریں گے اے رب ذوالجلال! ہم نے تیرا پیغام مِن وعَن پہنچا دیا تھا لیکن مجرم پھر بھی نہیں مانیں گے۔ اس پر سرورِ دو عالم ﷺ گواہی دیں گے کہ اے ربِ کریم! انبیاء کرام نے تیرا پیغام ٹھیک طریقے سے پہنچایا تھا۔

’’حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھے قرآن مجید کی تلاوت کرنے کے لیے فرمایا میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! کیا میں آپ کو قرآن پڑھ کر سناؤں؟ حالانکہ آپ پر قرآن نازل ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں! میں نے سورۃ النساء کی تلاوت شروع کی جب اس آیت کریمہ پر پہنچا {پس کیا حالت ہوگی جب ہر امت سے گواہ لائیں گے اور ان سب پر تمہیں گواہ بنا کر لائیں گے۔} آپ نے فرمایا رُک جایئے! میں نے دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔‘‘ (رواہ البخاری: کتاب فضائل القرآن)

اس شہادت کے بارے میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے لوگوں سے پوچھا: "أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ" کیا میں نے پہنچا دیا؟ تو لوگوں نے کہا کیوں نہیں آپ ﷺ نے ہمیں اللہ کے احکام پہنچا دیئے۔ اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا: "أَللّٰهُمَّ اشْهَدْ أَللّٰهُمَّ اشْهَدْ" اے اللہ! گواہ رہنا' اے اللہ! گواہ رہنا۔" (رواہ البخاری: کتاب الحج، باب الخطبة أيام منى)

اُمت محمدیہ کی گواہی:

«عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ ؓ الْخُدْرِيِّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُدْعٰى نُوْحٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ لَهٗ هَلْ بَلَّغْتَ فَيَقُوْلُ نَعَمْ فَيُدْعٰى قَوْمُهٗ فَيُقَالُ لَهُمْ هَلْ بَلَّغَكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ مَآأَتَانَا مِنْ نَّذِيْرٍ أَوْ مَآأَتَانَا مِنْ أَحَدٍ قَالَ فَيُقَالُ لِنُوْحٍ مَنْ يَّشْهَدُ لَكَ فَيَقُوْلُ مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهٗ قَالَ فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ {وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا}»

(رواہ أحمد: باب مسند أبی سعید الخدری [صحیح])

"حضرت ابوسعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن نوح علیہ السلام کو پوچھا جائے گا کہ کیا تو نے میرا پیغام پہنچایا تھا؟ وہ جواب دیں گے ہاں پھر ان کی قوم کو بلا کر پوچھا جائے گا کیا نوح نے تمہیں تبلیغ کی اور میرا پیغام پہنچایا۔ وہ کہیں گے ہمارے پاس تو ڈرانے والا کوئی نہیں آیا۔ حضرت نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا آپ کی گواہی کون دے گا؟ وہ کہیں گے محمد (ﷺ) اور اس کی امت۔ آپ نے فرمایا: یہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ {اسی طرح ہم نے تمہیں امّتِ وسط بنایا ہے}۔"

مسائل

۱۔ قیامت کے دن ہر امّت کا رسول اس پر گواہ ہوگا اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ امت محمدیہ اور پہلے انبیاء کے بارے میں گواہی دیں گے۔

۲۔ قیامت کے دن کافر اور رسول کا نافرمان مٹی کے ساتھ مٹی ہو جانے کی آرزو کرے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن ظالم کی آرزوئیں:

۱۔ مٹی کے ساتھ مٹی ہو جانے کی خواہش کرے گا۔ (النساء: ۴۲، النباء: ۴۰)

۲۔ دنیا میں واپس آنے کی آرزو کریگا۔ (البقرۃ: ۱۶۷) ۳۔ دنیا میں لوٹ کر نیک عمل کرنے کی تمنا کریگا۔ (السجدۃ: ۱۲)

۴۔ ظالم اپنے ہاتھ کاٹتے ہوئے کہے گا' کاش میں رسول کی اتباع کرتا۔ (الفرقان: ۲۷)

۵۔ کاش میں فلاں کو دوست نہ بناتا۔ (الفرقان: ۲۸) ۶۔ جہنم کے داروغہ سے درخواست کریگا۔ (الزخرف: ۷۷)

۷۔ اپنے مرشدوں اور لیڈروں کو دوگنی سزا دینے کا مطالبہ کریگا۔ (الاحزاب: ۶۸)

۸۔ اللہ تعالیٰ سے مریدوں کا مرشدوں کو اپنے پاؤں تلے روندنے کا تقاضا کریں گے۔ (السجدۃ: ۲۹)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا

اے وہ لوگ ایمان لائے نہ قریب جاؤ نماز اور ہوتم حالت نشہ یہاں تک کہ جان لوتم

مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ

جو تم کہتے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں سوائے گزرنے والا راستہ کا یہاں تک کہ تم غسل کرلو

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ

اور اگر ہوتم مریض یا پر سفر یا آئے کوئی ایک تم میں سے رفع حاجت سے

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا

یا تم نے چھوا عورتیں پھر نہ پاؤتم پانی تو تیمم کرو مٹی پاک

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٤٣﴾

تو مسح کرلو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ بیشک اللہ ہے معاف کرنے والا بخشنے والا

''اے ایمان والو! جب تم نشے میں مست ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔ جب تک تمہیں معلوم نہ ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور جنابت کی حالت میں بھی جب تک غسل نہ کرلو! اگر راستہ سے گزر جانے والے ہو تو اور بات ہے اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرو اور اپنے منہ اور اپنے ہاتھوں پر مل لو۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا' بخشنے والا ہے۔'' (۴۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: آخرت کی تیاری کے لیے سچا ایمان اور پاکیزگی کی حالت میں نماز پڑھنا فرض ہے۔ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے کہ قرآنِ مجید محض قانون کی کتاب نہیں۔ بلکہ قرآن مجید قانون اور ضابطے بیان کرنے کے بعد نصیحت کرتا ہے تاکہ ان پر عمل کرنا آسان ہو۔ سورۃ البقرۃ آیت ۲۱۹ میں فقط اتنا احساس دلایا تھا کہ شراب میں فائدے کم اور نقصانات زیادہ ہیں۔ اب حکم ہوتا ہے کہ شراب پی کر نماز کے قریب نہ جاؤ۔ یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ تم کیا کہہ اور مانگ رہے ہو۔ ساتھ ہی طہارت اور وضو کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔

''سُکٰرٰی'' کا لفظ استعمال فرما کر بتلایا گیا ہے کہ بے ہوشی نشہ کی ہو یا نیند کی ایسی حالت میں نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ جس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمائی:

«عَنْ عَائِشَةَ ؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلْيَرْقُدْ حَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلّٰى وَهُوَ نَاعِسٌ لَا يَدْرِيْ لَعَلَّهٗ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهٗ»

(رواہ البخاری: باب الوضوء من النوم ومن لم یر من النعسة والنعستین أو الخفقة وضوءًا)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز کے دوران اونگھ آئے تو وہ نیند پوری ہونے تک آرام کرے کیونکہ جب تم میں سے کوئی نیند کی حالت میں نماز پڑھتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ خیر مانگنے کی بجائے اپنے لیے برائی مانگ رہا ہو۔''

''سُکٰرٰی '' سے مراد ہر قسم کا نشہ ہے چاہے شراب سے ہو یا کسی اور چیز سے۔ دوسرے حکم میں جنبی اور محتلم کو جب تک غسل نہیں کر لیتا۔ اسے نماز کے قریب جانے سے منع کیا ہے۔ نماز ہی نہیں بلکہ مسجد میں داخل ہونے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ یہاں ''عَابِرِیْ سَبِیْل '' کا اشارہ دے کر کوئی اور راستہ نہ ہونے کی صورت میں مسجد سے گزرنے کی اجازت عنایت فرمائی ہے۔ اس کے ساتھ مریض، مسافر اور قضائے حاجت سے فارغ ہونے والا وضو کے لیے پانی نہ پائے تو اس کے لیے پاک مٹی سے تیمم کرنا ہی کافی ہوگا۔ ہاں جنبی یا محتلم غسل کے لیے پانی نہ پائے یا اس کے لیے پانی کا استعمال مضر ہو تو اُسے تیمم کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ رعایت عطا فرمائی ہے کیونکہ وہ درگزر اور معاف کرنے والا ہے۔ اس آیت میں عورتوں کو چھونے کے بعد غسل یا تیمم کرنے کا حکم دیا ہے چھونے سے مراد تمام مفسرین نے جماع لیا ہے۔ بعض اہلِ علم بیوی کو چھونے پر وضو ٹوٹ جانے کے قائل ہیں حالانکہ رسولِ محترم ﷺ نے اپنے عمل سے اس طرح تشریح فرمائی تاکہ امت کو کسی قسم کا وسوسہ باقی نہ رہے۔

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُقَبِّلُ بَعْضَ أَزْوَاجِهِ ثُمَّ يُصَلِّيْ وَلَا يَتَوَضَّأُ»

(رواہ النسائی: کتاب الطھارۃ، باب ترک الوضوء من القبلۃ [صحیح])

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی بیویوں میں سے کسی کا بوسہ لیتے پھر وضو کیے بغیر نماز ادا کرتے۔'' (بشرطیکہ آدمی کی کیفیت نارمل رہے۔)

غسل کا طریقہ

رسولِ معظم ﷺ جنبی ہونے کی حالت میں پہلے جسم کا مخصوص حصہ یعنی شرمگاہ دھوتے اور اس کے بعد نماز جیسا وضو کرتے اور بعد ازاں اپنے سر پر تین چلو پانی ڈالتے اس کے بعد جسم کے دائیں حصہ سے غسل کا آغاز کرتے اور اس کی تکمیل کرتے۔''

(رواہ البخاری: کتاب الغسل)

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں غسلِ واجب کرتے ہوئے اپنے سر کے بال کھول دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ (رواہ مسلم: کتاب الحیض) (بالوں کا خلال ہی کافی ہے)

تیمم کا طریقہ

حضرت سعید بن عبدالرحمٰن اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا کہ اگر میں جنبی ہو جاؤں اور مجھے پانی نہ ملے تو کیا کروں؟ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ یاد فرمائیں جب ہم دونوں ایک سفر میں اس حالت سے دوچار ہوئے تو آپ نے اس حالت میں نماز ادا نہ کی جبکہ میں نے مٹی میں

لوٹ پوٹ ہونے کے بعد نماز ادا کرلی۔ بعدازاں میں نے رسول کریم ﷺ سے یہ واقعہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا تجھے اتنا ہی کافی تھا کہ اپنی دونوں ہتھیلیاں زمین پر مار کر اوران میں پھونک مارتے ہوئے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرلیتا۔

(رواہ البخاری: کتاب التیمم، باب المتیمم ھل ینفخ فیھما)

بعض لوگ تیمم کے لیے دومرتبہ مٹی پر ہاتھ مارنے اور کہنیوں تک مسح کرنے کے قائل ہیں لیکن مستند روایت سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

تکلیف کی حالت میں غسل کی بجائے تیمم کافی ہے

«عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ خَرَجْنَا فِیْ سَفَرٍ فَأَصَابَ رَجُلًا مِّنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهُ فِیْ رَأْسِهٖ ثُمَّ احْتَلَمَ فَسَأَلَ أَصْحَابَهٗ فَقَالَ هَلْ تَجِدُوْنَ لِیْ رُخْصَةً فِی التَّيَمُّمِ فَقَالُوْا مَانَجِدُ لَكَ رُخْصَةً وَأَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى الْمَاءِ فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِیِّ ﷺ أُخْبِرَ بِذٰلِكَ فَقَالَ قَتَلُوْهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ أَلَا سَأَلُوْا إِذْلَمْ يَعْلَمُوْا فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْهِ أَنْ يَتَيَمَّمَ وَيَعْصِرَ أَوْ يَعْصِبَ عَلٰى جُرْحِهٖ خِرْقَةً ثُمَّ يَمْسَحَ عَلَيْهَا وَيَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِهٖ» (رواہ أبو داؤد: کتاب الطھارۃ، باب فی المجروح یتیمم [صحیح])

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم ایک سفر میں تھے ہمارے ایک ساتھی کو سر پر پتھر لگا جس سے وہ زخمی ہو گیا رات کو اسے احتلام ہوا صبح اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کیا میں تکلیف کی وجہ سے تیمم کرسکتا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ ہرگز نہیں کیونکہ تو پانی استعمال کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اس نے غسل کیا جس سے اس کی تکلیف بڑھ گئی بالآخر وہ اسی وجہ سے فوت ہوگیا۔ جب ہم رسولِ محترم ﷺ کے پاس آئے۔ آپ کے سامنے یہ واقعہ عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا: مسئلہ بتانے والوں نے اس بیچارے کو مار ڈالا۔ اللہ ان کو مار ڈالے جب انہیں مسئلہ کا علم نہیں تھا تو وہ کسی سے پوچھ لیتے۔ کیونکہ بے علمی کا حل کسی سے پوچھ لینا ہے۔ اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ تیمم کرتا اور اپنے زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کرتا اور باقی جسم کا غسل کرلیتا۔“

مسائل

۱۔ نشہ اور پلیدی کی حالت میں نماز کے قریب نہیں جانا چاہیے۔

۲۔ پانی نہ ملنے یا تکلیف کے باعث پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھنی چاہئے۔

۳۔ چہرے اور ہاتھوں کا تیمم ایک ہی مرتبہ مٹی لے کر کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

وضو اور تیمم کے مسائل اور طریقہ:

۱۔ وضو۔ (المائدۃ:٦) ۲۔ تیمم۔ (النساء:٤٣)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ

کیاتم نے نہیں دیکھا طرف جولوگ دیے گئے ایک حصہ سے کتاب وہ خریدتے ہیں

الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

گمراہی اوروہ چاہتے ہیں یہ کہ تم گمراہ ہوجاؤ راستہ اوراللہ خوب جانتا ہے

بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

تمہارے دشمنوں کو اورکافی اللہ حمایتی اورکافی اللہ مددگار

”کیاتم نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے وہ گمراہی کا کاروبار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بھٹک جاؤ۔(۴۴) اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کوخوب جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ حمایتی ہونے اور مددگار ہونے کے اعتبار سے کافی ہے۔“(۴۵)

فہم القرآن

ربط کلام: سورت کی ابتدا میں تمام انسانوں کواس کے بعد مسلمانوں کواور اب اہل کتاب کومخاطب کیاجارہا ہے۔

اس سورۃ کا آغاز ”یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ“ کہہ کرکیااور باور کروایا کہ تم ایک ہی ماں، باپ کی اولاد اور ایک ہی ”اللہ“ کی مخلوق ہو لہٰذا تمہیں اپنے خالق سے ڈرتے ہوئے ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیے۔ اس کے بعد مسلمانوں کومیاں بیوی کے حوالے سے اور پھر ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنے کے احکام جاری فرمائے۔ اب اہل کتاب کوخطاب کرتے ہوئے ان کی غلطیوں کی نشاندھی کرنے کے بعد نہایت ہی خیر خواہی کے انداز میں سمجھانے کے ساتھ مسلمانوں کوان کے کردار پر کڑی نظر رکھنے اور اپنے آپ کوگمراہی سے بچانے کی تلقین کی گئی ہے اور تسلی دی ہے کہ ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کے لیے کافی ہے۔ خصوصی توجہ کے لیے فرمایا کہ کیاتم نے ان لوگوں کے کردار پر غور نہیں کیا؟ جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا۔ قرآنِ مجید نے اہلِ کتاب کوخطاب کرتے ہوئے یہ الفاظ کئی مرتبہ استعمال فرمائے ہیں کہ جن لوگوں کوکتاب کا کچھ حصہ دیا گیا۔ ان الفاظ کے اہل علم نے تین مفہوم بیان کیے ہیں۔ ① کچھ حصہ سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے تورات اور انجیل کے کافی حصہ کواپنے ذاتی اور گروہی مفادات کی خاطر ضائع کردیا تھا۔ جوان کے ہاں کتابی شکل میں تورات اور انجیل پائی جاتی ہے اس میں بھی بے شمار ترامیم واضافے کیے۔ اس لحاظ سے تورات اور انجیل کے حقیقی اجزاء تھوڑے ہی باقی تھے۔ ② یہ کہ تمہیں تورات اور انجیل کی شکل میں جواحکام دیئے گئے ہیں وہ اپنے وقت کے مطابق کافی تھے لیکن ان سے دین مکمل نہیں ہوجاتا کہ تم انہیں پر جم کر بیٹھے رہو۔ وہ نامکمل دین تھا لہٰذا اب جامع دین نازل ہورہا ہے جوعنقریب مکمل ہوجائے گا۔ اس لیے تمہیں جامع اور اکمل دین کی پیروی کرنی چاہیے۔ لیکن تمہاری حالت یہ ہے کہ تم اپنے مفاد اور عناد کی خاطر نہ صرف اس دین سے انحراف کررہے ہو بلکہ گمراہی کے خریدار بن کر مسلمانوں کی گمراہی کے درپے ہوچکے ہو۔ اس صورت حال سے آگاہ

کر کے مسلمانوں کو تسلی دی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں اور ان کے عزائم کو اچھی طرح جانتا ہے۔ یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے بشرطیکہ تم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت پر ثابت قدم رہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا سرپرست خیرخواہ اور مددگار ہے۔

{ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ } (لقمان:٦)

''اور لوگوں میں سے ایسا بھی ہے جو بے ہودہ کلام خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکے اور جہالت کے ساتھ گمراہ کرے اور اس دعوتِ حق کو مذاق بنائے۔ ایسے لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔''

گمراہی کے خریدار:

دنیا میں گمراہی خریدنے کی کئی شکلیں ہیں:

اللہ تعالیٰ کے احکامات کو مقدم اور بہتر سمجھنے کی بجائے دنیا کے مفاد کو مقدم اور اپنے لیے بہتر جاننا۔

بے حیائی اور برائی کے کاموں کو فروغ دے کر شہرت اور دولت حاصل کرنا۔

دین کو سیاسی اور معاشی مفاد کے لیے استعمال کرنا۔

شریعت کے حرام کردہ کاروبار کو اختیار کرنا۔

مسائل

۱۔ اہلِ کتاب گمراہی کے خریدار ہیں اور مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ ۲۔ اللہ ہی مسلمانوں کا حمایتی اور مددگار ہے۔

تفسیر بالقرآن

اہلِ کتاب کی بدترین تجارت:

۱۔ رشوت لینے والے۔ (البقرۃ:۸۵، ۸۶) ۲۔ کفر کا سودا کرنے والے۔ (البقرۃ:۸۹، ۹۰)

۳۔ دین کے بدلے مال بٹورنے والے۔ (البقرۃ:۱۷۴) ۴۔ گمراہی کے خریدار۔ (البقرۃ:۱۷۵)

۵۔ ایمان کے بدلے کفر کو پسند کرنے والے۔ (آلِ عمران:۱۷۷)

۶۔ دنیا کے بدلے بدعہدی کا ارتکاب کرنے والے۔ (النحل:۹۵) ۷۔ اللہ کی آیات کو فروخت کرنے والے۔ (التوبہ:۹)

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا

سے جولوگ وہ یہودی ہوئے بدل دیتے ہیں کلمات سے اس کی جگہ اور کہتے ہیں ہم نے سنا

وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ط

اورہم نے نافرمانی کی اورسنو نہ سنوایا جائے اور ہمارا خیال کرموڑ کر اپنی زبانوں کوطعنہ کرتے ہوئے دین میں

وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

اوراگر بیشک وہ وہ کہتے ہم نے سنا اورہم نے اطاعت کی اور سنیے اورہم پرنظر کیجئے تو ہوتا بہتر ان کیلئے

وَاَقْوَمَ لا وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

اورزیادہ درست اورلیکن ان پرلعنت کی اللہ ان کے کفر کے سبب پس وہ ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے

''بعض یہودی کلمات کوان کی جگہ سے پھیر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنااور نافرمانی کی اورسن اس کے بغیر کہ تو سنا جائے اور رَاعِنَا کہتے ہوئے اپنی زبان کو مروڑتے ہیں اور دین میں طعنہ زنی کرتے ہیں اور اگر یہ لوگ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے مان لیا اور آپ سنیں اور ہماری طرف دیکھیں تو یہ ان کے لیے بہت بہتر اور نہایت ہی مناسب ہوتا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پرلعنت کی ہے پس بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں۔(۴۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہودیوں کی بڑی عادات اور کردار کا ذکر جاری ہے۔ان آیات میں یہودیوں پر فردِ جرم عائد کرتے ہوئے انہیں خبردار کیا گیا کہ اگر تمہاری عادات رہیں تو یہ سزا دی جائے گی۔

جس شخص یا گروہ میں یہ عادتیں پائی جائیں وہ معاشرے کے لیے ناسور، مذہب کا بدترین دشمن اور لوگوں کی ہدایت میں سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوتا ہے۔ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بجائے اس کی لعنت کے سزاوار ہوتے ہیں۔ان سے چھٹکارا پائے بغیر معاشرہ جرائم سے پاک نہیں ہوسکتا۔اس لیے رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو ہمیشہ کے لیے مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا تھا اور اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری لمحات میں ان پر لعنت اور پھٹکار کی۔

جن عادتوں کی وجہ سے یہودیوں پر لعنت کی گئی وہ یہ ہیں:

①۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو اس کے سیاق وسباق سے ہٹ کر بیان کرنا۔

②۔ سچ سننے اور سمجھنے کے باوجود اس کا انکار کرنا۔

③۔ ''اللہ'' کے رسول کو بہرہ ہونے کی بددعا دینا اور آپ کو چرواہا کہہ کر گستاخی کا ارتکاب کرنا۔

④۔ دینِ اسلام میں عیب نکالنا۔

ان بھاری جرائم کے باوجود انہیں نہایت ہی دلربا انداز میں سمجھایا گیا ہے کہ کاش یہ لوگ سننے کے بعد سمع واطاعت کا

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا

اے وہ لوگ جو دیے گئے کتاب ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا تصدیق کرنے والا اس کے لیے جو

مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ

تمہارے ساتھ سے پہلے یہ کہ ہم مٹا دیں چہرے پھر ہم الٹ دیں اس کو پر ان کی پیٹھوں یا

نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾

ہم ان پر لعنت کریں جیسے ہم نے لعنت کی ہفتہ والوں پر اور ہے حکم اللہ ہو کر رہنے والا

اے اہل کتاب! ایمان لاؤ اس پر جو کچھ ہم نے نازل فرمایا یہ اس کی بھی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے۔اس پر ایمان لے آؤ اس سے پہلے کہ ہم چہرے بگاڑ دیں اور انہیں الٹ کر پیٹھ کی طرف کر دیں یا ان پر لعنت بھیجیں۔ جیسے ہم نے ہفتے کے دن والوں پر لعنت کی۔اور ہے اللہ تعالیٰ کا کام کیا گیا۔'' (۴۷)

مظاہرہ کرتے اور رسول کریم ﷺ کے مزید ارشادات سننے کے لیے ''رَاعِنَا'' کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے نہایت ادب کے ساتھ عرض کرتے کہ اے رسول! ہماری طرف توجہ فرمائیں۔اس لفظ کی تشریح سورۃ البقرۃ آیت ۱۰۴ میں گزر چکی ہے۔ ایسا کرنا اور کہنا ان کے لیے نہایت ہی بہتر اور درست ثابت ہوتا لیکن ان کی بُری نیت اور بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر پھٹکار کی۔اب ان میں نہایت ہی تھوڑے ہوں گے جو ہدایت پائیں گے۔اس کے باوجود ایک دفعہ پھر قرآنِ مجید نے یہ بات کہہ کر انہیں ایمان لانے کی دعوت دی ہے کہ یہ کتاب تمہارے انبیاء کی تصدیق اور تورات و انجیل کی تائید کرتی ہے لہٰذا تمہیں اس پر ایمان لانا چاہیے۔اس بُرے وقت سے پہلے جب تمہارے چہروں کو مسخ کر کے گدیوں کے بل الٹا کر دیا جائے یا تم پر ہفتہ والوں کی طرح لعنت کی جائے۔ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں۔

''اَصْحٰبَ السَّبْتِ'' سے مراد یہودیوں کے وہ آباء و اجداد ہیں جنہیں ہفتہ کے دن مچھلیوں کے شکار سے منع کیا گیا تھا لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کی بجائے حیلہ سازی سے کام لیتے ہوئے دریا کے کنارے تالاب تیار کیے اس میں مچھلیاں خود بخود آجاتیں۔ ہفتہ کی بجائے انہیں اتوار کے دن پکڑ لیا کرتے تھے۔اس وجہ سے اُن پر اللہ کی پھٹکار ہوئی اور ان کو ذلیل بندر بنا دیا گیا۔نویں پارے میں دیکھیے۔(الاعراف:۱۶۳)

مسائل

۱۔ یہودی اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں۔ ۲۔ یہودی نبی کریم ﷺ کا نام بگاڑ کر لیتے ہیں۔

۳۔ یہودی دینِ اسلام میں عیب جوئی کرتے ہیں۔ ۴۔ اہلِ کتاب کو عذابِ الٰہی سے پہلے قرآن مجید پر ایمان لانا چاہیے۔

۵۔ یہودیوں پر ان کے کفر اور کلام اللہ میں تحریف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی پھٹکار برستی ہے۔

۶۔ ہفتہ کے دن زیادتی کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ

بیشک | اللہ | نہیں | معاف کریگا | یہ کہ | شریک ٹھہرایا جائے | اس کا | اور بخشے گا وہ | جو | اس کے سوا

لِمَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدِ افۡتَرٰٓى اِثۡمًا عَظِيۡمًا ﴿۴۸﴾

جس کو | وہ چاہے گا | اور جو | شریک ٹھہراتا ہے | اللہ کا | پس تحقیق | اس نے کیا | گناہ | بڑا

”یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کرنے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مقرر کرے اس نے بہتان باندھا اور بہت بڑا گناہ کیا۔“ (۴۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہودی اخلاقی جرائم کے ساتھ شرک جیسے بدترین گناہ میں ملوث تھے اور ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے چہیتے ہیں اور اس نے ہمارے تمام گناہ معاف کر دیے ہیں۔

اخلاقی جرائم کی سزا کا ذکر کرنے کے بعد شرک کے بارے میں واضح کیا ہے کہ جو شخص شرک کی حالت میں فوت ہوگا اسے ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔ تمام انبیاء کرام کے کلمے کے پہلے جز میں شرک کی نفی اور دوسرے جز میں توحید کا اثبات ہے۔ اس لیے ان کی دعوت کا آغاز یہاں سے ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور عبادات میں کسی قسم کا شرک نہ کیا جائے۔ شرک نام ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کسی کو ملانا یا اس کی صفات وعبادات میں دوسرے کو برابر یا حصہ دار تصور کرنا۔ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اس لیے اللہ کا بیٹا قرار دیا کہ وہ سو سال فوت ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کیے گئے، عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی غیر معمولی ولادت، بے مثال معجزات اور ان کی والدہ کی کرامات دیکھ کر انہیں اللہ کا جزء قرار دیا۔ اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے محبت وعقیدت میں مبالغہ کرنے سے منع کیا ہے۔

«عَنِ ابْنِ عَبَّاس رضی اللہ عنہما سَمِعَ عُمَرَ رضی اللہ عنہ يَقُولُ عَلَى الْمِنبَرِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ»

(رواہ البخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالی واذکر فی الکتاب مریم)

”عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ منبر پر فرمارہے تھے۔ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا کہ جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی شان میں غلو کیا تم میری شان میں اس طرح غلو نہ کرنا۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔“

یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنی ذات کے بارے میں فرمایا کہ مجھے حضرت یونس (علیہ السلام) سے نہ بڑھایا جائے۔

(رواہ البخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالی وھل اتاک حدیث موسی)

شرک تمام گناہوں اور جرائم کا منبع ہے جس وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آپ کی ذات اطہر تک تمام انبیاء اور صلحاء نے اس کی مذمت کی ہے خاص کر عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے یہ الفاظ ادا کروائے گئے۔

{ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ } (المائدۃ:۷۲)

''جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے یقیناً اللہ نے اس پر جنت حرام کردی ہے۔''

''رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ محشر میں میری سفارش مشرک کے سوا ہر کلمہ پڑھنے والے کو فائدہ دے گی۔ شرک کرنے والا نہ صرف اپنے خالق و مالک کے ساتھ غدّاری کا ارتکاب کرتا ہے بلکہ وہ اپنے عقیدے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھتا ہے۔ وہ شرک کرتے ہوئے سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں سے خوش ہوکر انہیں کچھ اختیارات دے رکھے ہیں یا اللہ تعالیٰ ان پر اتنا مہربان ہے کہ وہ انہیں کسی صورت ناراض نہیں کرسکتا۔ اس عقیدے کی وجہ سے مشرک کو کذاب کہا گیا ہے۔'' (الزمر:۳)

((عَنْ أَبِی مُوسَی ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أُعْطِيتُ خَمْساً بُعِثْتُ إِلَي الأَحْمَرِ وَالأَسْوَدِ وَجُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ طَهُوراً وَمَسْجِداً وَأُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِمَنْ كَانَ قَبْلِي وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ شَهْراً وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ وَلَيْسَ مِنْ نَبِيٍّ إِلاَّ وَقَدْ سَأَلَ شَفَاعَةً وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ شَفَاعَتِي ثُمَّ جَعَلْتُهَا لِمَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَمْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئاً)) (رواہ احمد: مسند ابی موسیٰ ؓ [صحیح])

''حضرت ابی موسیٰ ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ خصوصیات عطا کی گئی ہیں مجھے ساری دنیا کے لیے نبی بنایا گیا ہے اور ساری زمین میرے لیے پاک ہے اور مسجد بنادی گئی ہے اور میرے لیے مال غنیمت کو حلال قرار دیا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں اور میری مدد کی گئی ہے ایک مہینے کی مسافت سے اور مجھے شفاعت کا حق دار قرار دیا گیا ہے اور کوئی بھی نبی ایسا نہیں مگر اُس نے سفارش کا سوال کیا اور بے شک مجھے شفاعت کے لیے چن لیا گیا اور میں اپنی امت میں سے ہر اُس شخص کی سفارش کروں گا جس نے شرک نہیں کیا ہوگا۔''

مسائل

۱۔ شرک کے علاوہ اللہ تعالیٰ جو اور جس کے چاہے گناہ معاف کردے گا۔ ۲۔ شرک بہت بڑا گناہ اور بہتان ہے۔

تفسیر بالقرآن

شرک بدترین گناہ ہے:

۱۔ شرک کی ممانعت۔ (البقرۃ:۲۲) ۲۔ شرک بڑا ظلم ہے۔ (لقمان:۱۳) ۳۔ مشرک ناپاک ہے۔ (التوبۃ:۲۸)

۴۔ مشرکوں کے اعمال برباد ہوجاتے ہیں۔ (الانعام:۸۸) ۵۔ مشرکوں پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ (الفتح:۶)

۶۔ مشرکوں پر جنت حرام ہے۔ (المائدۃ:۷۲) ۷۔ شرک معاف نہیں ہوگا۔ (النساء:۴۸)

۸۔ اٹھارہ جلیل القدر انبیاء ؑ کا تذکرہ کرکے فرمایا اگر یہ شرک کرتے تو ان کے اعمال برباد ہوجاتے۔ (الانعام:۸۳تا۸۶)

۹۔ نبی آخری الزماں ﷺ کو فرمایا کہ شرک کرنے سے آپ کے اعمال بھی برباد ہوجائیں گے۔ (الزمر:۶۵)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ

کیا تم نے نہیں دیکھا طرف جولوگ وہ پاک کہتے ہیں اپنے آپ کو بلکہ اللہ پاک کرتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ

جسے وہ چاہتا ہے اور وہ ظلم نہیں کیے جائینگے دھاگے برابر دیکھو کیسا باندھتے ہیں

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ ع

پر اللہ جھوٹ اور کافی ہے یہی گناہ صریح

''کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہے پاک کرتا ہے اور کسی پر دھاگے کے برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔(۴۹) دیکھو تو سہی یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر کس طرح جھوٹ باندھتے ہیں اور یہ کھلا ہوا گناہ ان کے لیے کافی ہے۔''(۵۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہودیوں کا زعم ہے کہ ہم انبیاء علیہم السلام کی اولاد ہونے کی بنا پر پوری دنیا سے ممتاز اور پاک لوگ ہیں اور عیسائی سمجھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام سولی پر لٹک کر ہمارے گناہوں کا کفارہ بن چکے ہیں۔

یہاں یہود و نصاریٰ کے حوالے سے ہر آدمی کو سمجھایا گیا ہے کہ کوئی بزرگوں سے نسبت کی بنیاد یا کسی کو اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھ کر اپنی پاک دامنی کا دعویٰ نہ کرے کیونکہ ہر آدمی اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ انبیاء کی اولاد ہونے یا کسی کے ساتھ عقیدت و محبت کی بنیاد پر آدمی پاک دامن نہیں ہوجاتا۔ جب تک وہ عقیدے کے اعتبار سے موحد اور عمل کے لحاظ سے نبی آخر الزمان ﷺ کی پیروی کرنے والا نہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی آدمی کا یہ عقیدہ بھی ہونا چاہیے کہ صرف ظاہری نیکی کی بنیاد پر انسان کا دل پاک نہیں ہوسکتا جب تک وہ نیکی کی روح کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ جس کا نام اخلاص اور تقویٰ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی عنایت اور توفیق کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پاک وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے پاک کرکے جہنم سے محفوظ فرما دیا ہے۔ اس کے باوجود لوگ یہ ذہن رکھتے ہیں کہ ہم بزرگوں سے نسبت اور ان کی طفیل جہنم سے بچ جائیں گے۔ یہودی تورات سے، عیسائی انجیل سے، بدعقیدہ مسلمان قرآن و سنت سے غلط استدلال کرتے ہیں۔ گویا کہ یہ بالواسطہ طور پر اللہ تعالیٰ پر کذب بیانی کرتے ہیں۔ یہ گناہ انہیں جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ رسولِ محترم ﷺ نے مصنوعی تقویٰ اور ایسے نام رکھنے سے منع فرمایا ہے جس سے خواہ مخواہ پاکدامنی کا اظہار ہوتا ہو۔

«عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ سَمَّيْتُ ابْنَتِيْ بَرَّةَ فَقَالَتْ لِيْ زَيْنَبُ بِنْتُ أَبِيْ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ هٰذَا الْإِسْمِ وَسُمِّيْتُ بَرَّةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُزَكُّوْا أَنْفُسَكُمُ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِأَهْلِ الْبِرِّ مِنْكُمْ فَقَالُوْا بِمَ نُسَمِّيْهَا قَالَ سَمُّوْهَا زَيْنَبَ» (رواہ مسلم: کتاب الآداب)

”محمد بن عمرو بن عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے اپنی بیٹی کا نام برہ رکھا۔ مجھے زینب بنت ابو سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام رکھنے سے منع کیا ہے۔ میرا نام بھی برہ رکھا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آپ کو پاک نہ گردانو۔ اللہ جانتا ہے تم میں سے کون پاک ہے۔ انہوں نے پوچھا ہم اس کا کیا نام رکھیں؟ آپ نے فرمایا: اس کا نام زینب رکھو۔“

((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ قَالَ أَثْنَى رَجُلٌ عَلَى رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ وَيْلَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ مِرَارًا ثُمَّ قَالَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَادِحًا أَخَاهُ لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ أَحْسِبُ فُلَانًا وَاللّٰهُ حَسِيبُهُ وَلَا أُزَكِّي عَلَى اللّٰهِ أَحَدًا، أَحْسِبُهُ كَذَا وَكَذَا إِنْ كَانَ يَعْلَمُ ذٰلِكَ مِنْهُ)) (رواہ البخاری: کتاب الشھادات، باب إذا زکی رجل کفاہ)

”حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی نے آکر کسی کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ کر رکھ دی۔ آپ نے یہ کلمات تین دفعہ دہرا کر فرمایا اگر کوئی ضرور کسی کی تعریف کرنا چاہتا ہے تو یہ کہے کہ فلاں آدمی کے بارے میں میرا یہ خیال ہے اللہ تعالیٰ اس کی حقیقت خوب جانتا ہے۔ وہ یہ الفاظ تبھی کہہ سکتا ہے جب حقیقتاً اس شخص کو ایسا پائے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تم کسی کی گارنٹی نہیں دے سکتے۔“

مسائل

۱۔ آدمی کو اپنی پاکدامنی کا دعویٰ نہیں کرنا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر آدمی پاک اور نیک نہیں ہوسکتا۔
۳۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والے کو بس یہی گناہ کافی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اہلِ کتاب کی کذب بیانی:

۱۔ آگ میں تھوڑی دیر رہنے کا دعویٰ۔ (البقرۃ: ۸۰) ۲۔ جنت کے ٹھیکیدار ہونے کا دعویٰ۔ (البقرۃ: ۱۱۱)
۳۔ ”اللہ کے محبوب“ ہونے کا دعویٰ۔ (المائدۃ: ۱۸)
۴۔ من گھڑت باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا۔ (آل عمران: ۷۸)
۵۔ اپنے لیے جنت مخصوص سمجھنا۔ (البقرۃ: ۱۱۱) ۶۔ ہدایت کو اپنے تک محدود کرنا۔ (البقرۃ: ۱۳۵)
۷۔ نبوت کو تسلیم کرنے کے لیے قربانی کی شرط لگانا۔ (آلِ عمران: ۱۸۴)
۸۔ اللہ تعالیٰ کی گستاخی کرنا۔ (المائدۃ: ۶۴) ۹۔ بشر کی نبوت کا انکار کرنا۔ (الانعام: ۹۱)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ

کیا تم نے نہیں دیکھا طرف جو لوگ دیے گئے ایک حصہ کتاب سے ایمان لاتے ہیں

بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى

بتوں کیساتھ اور شیطان اور کہتے ہیں ان لوگوں کیلئے انہوں نے کفر کیا یہی لوگ سب سے ہدایت یافتہ ہیں

مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ

سے وہ لوگ ایمان لائے راہ یہی لوگ وہ لوگ ان پر لعنت کی اللہ نے

وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾

اور جس پر لعنت کرے اللہ نے تو ہرگز نہیں تو پائے گا اس کا کوئی مددگار

”کیا تم نے انہیں دیکھا؟ جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے جو بتوں اور طاغوت پر اعتقاد رکھتے ہیں اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔(۵۱) یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کر دے آپ اس کا کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔“(۵۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام : گذشتہ سے پیوستہ۔ یہودیوں کے عیوب کا تذکرہ جاری ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی بھی عبادت اور اطاعت کی جائے وہ طاغوت کی عبادت اور اطاعت ہوگی۔ غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو وقتی طور پر ہزیمت اٹھانی پڑی لیکن اس کے باوجود یہودی سمجھتے تھے کہ مسلمان دن بدن آگے بڑھ رہے ہیں۔ اس کی روک تھام کے لیے مدینے کا ایک وفد کعب بن اشرف کی سرکردگی میں مکہ معظّمہ پہنچا تاکہ کفار کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکا جاسکے۔ لیکن ابوسفیان اور اہل مکہ یہودیوں پر اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ جس وجہ سے انہوں نے یہ شرط پیش کی کہ جب تک تم ہمارے بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہو کر اکٹھے رہنے کا یقین نہیں دلاتے ہم آپ پر اعتماد نہیں کر سکتے۔ یہودی مشرک ہونے کے باوجود بتوں کی پوجا سے نفرت کرتے تھے بالخصوص کعب بن اشرف بتوں کو سجدہ کرنے کا سخت مخالف تھا لیکن اہلِ مکہ کو اعتماد دلانے کے لیے اس نے بتوں کے سامنے سجدہ کیا۔ اس موقعہ پر ابو سفیان نے کعب سے پوچھا کہ ہم تو اتنا علم نہیں رکھتے آپ بتائیں کہ ہم راہِ راست پر ہیں یا محمد؟ کعب بن اشرف اور اس کے وفد نے کہا کہ تم زیادہ ہدایت یافتہ ہو جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم نے ان لوگوں کے کردار پر غور نہیں کیا جو اہل کتاب ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود بتوں اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں۔(تفسیر طبری) حسد و بغض میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ مسلمانوں کے مقابلے میں اہل کفر کو یقین دہانی کرواتے ہیں کہ تم مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو۔ باطل عقائد رکھنے

والوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے۔جس کی مثال آج بھی دیکھی جا سکتی ہے کہ یہودی اور عیسائی اہل کتاب ہونے کے باوجود باطل مذاہب کے اس قدر دشمن نہیں ہیں جس طرح مسلمانوں کے دشمن ہیں یہی حالت مسلمانوں کے اندر باطل عقائد رکھنے والوں کی ہے۔وہ اہلِ توحید اور سنت پر عمل کرنے والوں کی زیادہ مخالفت کرتے ہیں۔طاغوت کی پوجا کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے۔

مشرک اور کافر جس طرح چاہیں آپس میں گٹھ جوڑ کر لیں اللہ تعالیٰ کے بغیر ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔یہی کچھ ہوا کہ ٹھیک دو سال کے بعد غزوۂ خندق سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو ہمیشہ کے لیے جزیرۂ عرب سے نکال دیا۔

(۱) «عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ مَكَّةَ وَحَوْلَ الْكَعْبَةِ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَّسِتُّوْنَ نُصُبًا فَجَعَلَ يَطْعَنُهَا بِعُوْدٍ فِيْ يَدِهٖ وَجَعَلَ يَقُوْلُ {جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ} الآية»

(رواه البخاري: كتاب المظالم والغصب، باب هل تكسر الدنان التي فيها الخمر)

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ مکہ میں داخل ہوئے اور کعبے کے اردگرد تین سو ساٹھ بت تھے آپ انہیں اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھڑی سے گراتے اور کہتے: {حق آچکا اور باطل بھاگ گیا}۔“

(۲) «عَنْ أَبِي الْهَيَّاجِ الأَسَدِيِّ قَالَ قَالَ لِي عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ أَلاَّ أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ لاَ تَدَعَ تِمْثَالاً إِلاَّ طَمَسْتَهُ وَلاَ قَبْرًا مُشْرِفًا إِلاَّ سَوَّيْتَهُ» (رواه مسلم: كتاب الجنائز)

”ابوالھیاج اسدی کہتے ہیں مجھے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میں تجھے اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا کہ ہر تصویر کو مٹا دے اور جو اونچی قبر دیکھے اسے برابر کر دے۔“

مسائل

۱۔ اہلِ کتاب بتوں اور شیاطین پر ایمان رکھتے ہیں۔ ۲۔اہلِ کتاب مسلمانوں کے مقابلے میں کفار کو ہدایت یافتہ سمجھتے ہیں۔
۳۔ اہلِ کتاب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور لعنتی اپنے لیے کوئی مددگار نہیں پا سکتا۔

تفسیر بالقرآن

طاغوت:

۱۔ طاغوت کے انکار کا حکم۔(النساء:۶۰) ۲۔کفار طاغوت کے ساتھ ہیں۔(البقرۃ:۲۵۷)
۳۔ کفار طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔(النساء:۷۶)
۴۔ اہل کتاب میں سے بھی طاغوت کی عبادت کرنے والے ہیں۔(المائدۃ:۶۰)
۵۔ طاغوت کا انکار کرنے والا مضبوط کڑے کو تھامتا ہے۔(البقرۃ:۲۵۶)
۶۔ طاغوت کی عبادت سے بچنے والے کے لیے خوشخبری ہے۔(الزمر:۱۷)

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ

کیا | ان کا | کوئی حصہ | سے | سلطنت | پھر اس وقت | نہ دیں گے | لوگ

نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ

تل برابر | یا | وہ حسد کرتے ہیں | لوگ | پر | جو | انہیں دیا | اللہ | سے

فَضْلِهٖ ج فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ

اپنا فضل | سو تحقیق | ہم نے دیا | آل ابراہیم | کتاب | اور حکمت | اور ہم نے انہیں دیا

مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ

ملک | بڑا | پھر ان میں سے | جو | ایمان لایا | اسکے ساتھ | اور ان میں سے | جو

صَدَّ عَنْهُ ط وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾

رکا رہا | اس سے | اور کافی | جہنم | بھڑکتی ہوئی آگ

”کیا ان کا سلطنت میں کوئی حصہ ہے اگر ایسا ہوتو پھر یہ کسی کو ایک کھجور کی گٹھلی کے شگاف کے برابر بھی کچھ نہ دیں گے۔(۵۳) یا یہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے پس ہم نے تو آل ابراہیم کو کتاب حکمت اور بڑی سلطنت بھی عطا فرمائی۔(۵۴) پھر ان میں سے کوئی تو اس کتاب پر ایمان لایا اور کوئی اس سے رہا اور جہنم کا جلانا کافی ہے۔“(۵۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

ابھی تو یہودیوں کے پاس کوئی اقتدار اور اختیار نہیں۔ اگر ان کے پاس اقتدار اور اختیار ہو تو یہ کسی کو دمڑی بھی نہ دیں اور نہ ہی کسی کو دم مارنے دیں۔ اہل کتاب رسولِ کریم ﷺ کے ساتھ اس لیے حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کے یتیم کو نبوت کا تاج اور قوموں کی قیادت کیوں عطا فرمائی اور جو روز بروز غلبہ پا رہی ہے۔ یہ جس قدر چاہیں حسد کا مظاہرہ کریں۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ کو عزت وعظمت، امامت وقیادت اور دین کو غلبہ دے گا۔ جس طرح ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو امامت وحکومت اور نبوت عطا کی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکنے اور وطن سے نکالنے والے بالآخر ناکام ہوئے تھے اسی طرح انجام کے لحاظ سے یہ بھی ناکام ہوں گے۔ چنانچہ رسولِ معظم ﷺ نے یہ بات لوگوں کو اس وقت بتلائی جب خندق کھودنے کے دوران کچھ صحابہ کو ایسی چٹان سے واسطہ پڑا جس کو توڑنا ان کے لیے مشکل ہوا۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں اس پریشانی کا اظہار کیا۔ آپ نے وہاں پہنچ کر اتنے زور سے کدال ماری کہ پہلی اور دوسری ضرب پر پتھر سے چنگاریاں نکلیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ خوش ہوجاؤ! اللہ تعالیٰ نے قیصر وکسریٰ کے خزانوں کی چابیاں مجھے عطا فرمادیں

ہیں۔(مسند احمد: کتاب اول مسند الکوفیین، باب حدیث البراء بن عازب [صحیح])

رہی بات اُن لوگوں کی جو آپ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی آل میں بھی ایسے لوگ رہے ہیں جنہوں نے حسد وبغض اور باہمی مخالفت کی بنیاد پر اپنے باپ دادا کے دین سے انحراف کیا تھا۔ یہ لوگ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی اولاد کے ساتھ نسبت کا دعویٰ رکھنے کے باوجود آپ کی ذات اور دعوت سے انکاری ہیں۔ ایسے بغیض اور حاسدوں کے لیے جہنم ہی کافی ہے۔

«عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ:إِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ یَأْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَأْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ» (رواہ أبو داؤد: کتاب الأدب، باب فی الحسد [حسن])

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔“

{وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ۝} (الفلق:۵)

”اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔“

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ یُؤْتٰی بِأَنْعَمِ أَهْلِ الدُّنْیَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَیُصْبَغُ فِی النَّارِ صَبْغَةً ثُمَّ یُقَالُ یَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَیْتَ خَیْرًا قَطُّ هَلْ مَرَّ بِكَ نَعِیْمٌ قَطُّ فَیَقُوْلُ لَا وَاللهِ یَا رَبِّ وَیُؤْتٰی بِأَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِی الدُّنْیَا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَیُصْبَغُ صَبْغَةً فِی الْجَنَّةِ فَیُقَالُ لَهٗ یَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَیْتَ بُؤْسًا قَطُّ هَلْ مَرَّ بِكَ شِدَّةٌ قَطُّ فَیَقُوْلُ لَا وَاللهِ یَا رَبِّ مَا مَرَّ بِیْ بُؤْسٌ قَطُّ وَلَا رَأَیْتُ شِدَّةً قَطُّ» (رواہ مسلم: باب صبغ أنعم أهل الدنیا فی النار وصبغ أشدهم بؤسا فی الجنة)

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا روز قیامت دنیا میں سب سے زیادہ ناز و نعمت میں پلنے والے جہنمی کو لا کر آگ میں غوطہ دیا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا تو نے کبھی کوئی خیر دیکھی؟ کیا کبھی تجھے کوئی نعمت میسر ہوئی؟ تو وہ کہے گا نہیں اللہ کی قسم! میرے رب میں نے کوئی نعمت نہیں دیکھی۔ پھر ایک جنتی کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ تکلیفوں میں رہا اسے جنت میں داخل کر کے پوچھا جائے گا اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی کوئی تکلیف اور سختی دیکھی۔ وہ جواباً کہے گا نہیں اللہ کی قسم! مجھے کبھی کوئی تکلیف اور مصیبت نہیں آئی۔“

مسائل

۱۔ آدمی کو حسد سے بچنا چاہیے۔ ۲۔ یہودی بدترین قسم کے بخیل ہوتے ہیں۔

۳۔ یہودی بنی اسماعیل پر حسد کرتے ہیں۔ ۴۔ اہل کتاب لوگوں کو ہدایت سے روکتے ہیں۔

۵۔ لوگوں کو ہدایت سے روکنے والے جہنم میں جائیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا

بیشک | وہ لوگ | جنہوں نے کفر کیا | ہماری آیات کا | عنقریب | ہم انہیں ڈالیں گے | آگ | جب

نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ

جل جائیں گی | ان کی کھالیں | ہم بدل دیں گے | کھالیں | اس کے علاوہ | تا کہ وہ چکھیں | عذاب

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾

بیشک | اللہ | ہے | غالب | حکمت والا

’’جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا انہیں ہم یقیناً آگ میں ڈال دیں گے۔ جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کی جگہ دوسری کھالیں بدل دیں گے تا کہ وہ عذاب چکھتے رہیں یقیناً اللہ تعالیٰ غالب، حکمت والا ہے۔‘‘ (۵۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب بالخصوص یہودی حسد کی بنا پر اسلام اور مسلمانوں سے عداوت رکھتے ہیں لہٰذا حاسدوں اور منکروں کا انجام بیان کیا جاتا ہے۔

پہلے بھی عرض کیا ہے کہ قرآن مجید کا یہ مستقل اسلوب ہے کہ برے لوگوں کے مقابلے میں نیک لوگوں کا اور جہنم کی سزاؤں کے مقابلے میں جنت کی نعمتوں کا ذکر کرتا ہے۔ تا کہ قرآن کی تلاوت کرنے والا اپنے انجام کا موقع پر ہی فیصلہ کر سکے۔ چنانچہ جو لوگ کفر کی حالت میں کوچ کریں گے وہ مرنے کے بعد جہنم کے گھاٹ اتریں گے۔ جہاں ان کو آگ میں جلایا جاتا رہے گا۔ جب ان کی چمڑیاں جل جائیں گی تو سزا کے لیے ان کے جسموں کو بار بار تبدیل کیا جائے گا تا کہ ان کو پوری پوری سزا مل سکے۔ وہ جہنم سے بھاگ سکیں گے اور نہ ہی جل کر راکھ ہوں گے۔

((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ضِرْسُ الْكَافِرِ مِثْلُ أُحُدٍ وَغِلَظُ جِلْدِهٖ مَسِيْرَةُ ثَلَاثٍ))

(رواہ مسلم: باب النار یدخلھا الجبارون والجنة یدخلھا الضعفاء)

’’حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کافر کی ڈاڑھ اُحد پہاڑ کے برابر اور اس کی جلد تین دن کی مسافت کے مساوی موٹی ہوگی۔‘‘

((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَا بَيْنَ مَنْكِبَیِ الْكَافِرِ مَسِيْرَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ لِلرَّاكِبِ الْمُسْرِعِ))

(رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار)

’’حضرت ابوہریرہ ؓ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا کافر کے دونوں کندھوں کا درمیانی فاصلہ تیز ترین گھوڑے کے تین دن دوڑنے کے برابر ہوگا۔‘‘

«عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ نَارُكُمْ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِیْنَ جُزْءً مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ كَانَتْ لَكَافِیَةً قَالَ فُضِّلَتْ عَلَیْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَّ سِتِّیْنَ جُزْءً كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا» (متفق علیه: وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِیِّ] وَفِیْ رِوَایَةِ مُسْلِمٍ نَارُكُمُ الَّتِیْ یُوْقِدُ ابْنُ اٰدَمَ وَفِیْهَا عَلَیْهَا وَكُلُّهَا بَدَلَ عَلَیْهِنَّ وَكُلُّهُنَّ۔)

(رواہ البخاری: باب صفة النار واھلھا)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا تمہاری آگ، دوزخ کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک ہے آپ سے عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! جلانے کو تو دنیا کی آگ ہی کافی تھی۔ آپ نے فرمایا دوزخ کی آگ کو دنیا کی آگ سے اُنہتر ڈگری بڑھادیا گیا ہے۔ ہر ڈگری دنیا کی آگ کے برابر ہوگی۔ (بخاری و مسلم) یہ بخاری کے الفاظ ہیں اور مسلم کی روایت میں ہے کہ تمہاری آگ جسے ابن آدم جلاتا ہے۔ نیز اس میں عَلَیْهِنَّ وَكُلُّهُنَّ کی بجائے عَلَیْهَا وَ كُلُّهَا کے الفاظ ہیں۔“

«عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا مَّنْ لَّهُ نَعْلَانِ وَشِرَاكَانِ مِنْ نَّارٍ یَغْلِیْ مِنْهُمَا دِمَاغُهُ كَمَا یَغْلِی الْمِرْجَلُ مَا یَرٰی أَنَّ أَحَدًا أَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا وَّإِنَّهُ لَأَهْوَنُهُمْ عَذَابًا» (رواہ مسلم: کتاب الإیمان، باب أهون أهل النار عذابا)

”حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ یقیناً دوزخیوں میں سب سے معمولی عذاب پانے والے کے پاؤں میں آگ کے جوتے اور تسمے ہوں گے۔ جس کی وجہ سے اس کا دماغ ہنڈیا کی طرح کھول رہا ہوگا وہ یہ خیال کرے گا کہ کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ عذاب نہیں ہو رہا، حالانکہ وہ سب سے ہلکے عذاب میں مبتلا ہوگا۔“

مسائل

۱۔ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرنے والوں کو جہنم میں جلایا جائے گا۔

۲۔ جہنمیوں کی کھالوں کو بار بار بدلا جائے گا تاکہ ان کو پوری پوری سزا مل سکے۔

تفسیر بالقرآن

عذاب کی مختلف شکلیں:

۱۔ آنتوں اور کھالوں کا بار بار گلنا۔ (النساء:۵۶) ۲۔ دوزخیوں کی کھال کا بار بار بدلنا۔ (الحج:۲۰)

۳۔ کانٹے دار جھاڑیوں کا کھانا۔ (الغاشیہ:۶) ۴۔ لوہے کے ہتھوڑوں سے سزا پانا۔ (الحج:۲۱،۲۲)

۵۔ کھانا گلے میں اٹک جانا۔ (المزمل:۱۳) ۶۔ دوزخیوں کو کھولتا ہوا پانی دیا جانا۔ (الانعام:۷۰)

۷۔ دوزخیوں کو پیپ پلایا جانا۔ (النبا:۲۵) ۸۔ آگ کا لباس پہنایا جانا۔ (الحج:۱۹)

وَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	سَنُدْخِلُهُمْ	جَنّٰتٍ	تَجْرِيْ
اور جولوگ	وہ ایمان لائے اور انہوں نے عمل کیے		نیک	عنقریب ہم انہیں داخل کریں گے	باغات میں	بہتی ہیں
مِنْ	تَحْتِهَا	الْاَنْهٰرُ	خٰلِدِيْنَ	فِيْهَآ	اَبَدًا ؕ	لَهُمْ	فِيْهَآ
سے	ان کے نیچے	نہریں	ہمیشہ رہنے والے	اس میں	ہمیشہ	ان کے لیے	اس میں
اَزْوَاجٌ	مُّطَهَّرَةٌ ؗ	وَّنُدْخِلُهُمْ	ظِلًّا	ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾		
بیویاں	پاک	اور ہم انہیں داخل کریں گے	سائے	گھنے		

''اور جولوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ہم عنقریب انہیں ان جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے لیے وہاں پاک صاف بیویاں ہوں گی اور ہم انہیں گھنے سایوں میں رکھیں گے۔'' (۵۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفر اور حسد کرنے والوں کے مقابلہ میں صاحب ایمان اور صالح کردار لوگوں کا صلہ اور مقام۔

جولوگ ایمان لائے اور صالح کردار کے حامل ہوئے جونہی وہ دنیا کے امتحانات سے نکل کر عالمِ عقبیٰ میں پہنچیں گے ان کے لیے ایسے باغات ہوں گے جن میں نہریں اور آبشاریں چلتی ہوں گی۔ صاحبِ ایمان اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اس میں نہایت پاک وصاف، وفادار اور جانثار بیویاں ہوں گی۔ انہیں سرسبز وشاداب اور لہلہاتے ہوئے باغوں کے گھنے سایوں میں داخل کیا جائے گا۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ اللهُ أَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ فَاقْرَءُوْا إِنْ شِئْتُمْ {فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ}» (رواه البخاري: كتاب بدء الخلق، باب ماجاء فى صفة الجنة وأنها مخلوقة)

''حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے جو کچھ تیار کیا ہے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں خیال پیدا ہوا چاہو تو اللہ کا فرمان پڑھ لو'' کوئی بھی نہیں جانتا کہ جنتیوں کے لیے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چھپا رکھا گیا ہے۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ سَنَةٍ وَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ {وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ}» (رواه البخاري: كتاب بدء الخلق، باب ماجاء فى صفة الجنة ...)

''حضرت ابوہریرہ ؓ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں ایک سوار سو برس تک چلتا رہے تب بھی ختم نہ ہوگا اگر چاہو تو اللہ کا فرمان {وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ} پڑھو۔''

«عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ غَدْوَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَافِیْهَا وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً مِّنْ نِّسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ إِلَى الْأَرْضِ لَأَضَاءَ تْ مَابَیْنَهُمَا وَلَمَلَأَتْ مَا بَیْنَهُمَا رِیْحًا وَلَنَصِیْفُهَا عَلٰی رَأْسِهَا خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا» (رواہ البخاری: کتاب الرقاق‘باب صفة الجنة والنار)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ معظم ﷺ نے ارشادفرمایا: اللہ کی راہ میں نکلنا دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ اگر اہلِ جنت کی عورتوں سے کوئی ان کی طرف جھانک لے‘ تومشرق ومغرب اور جوزمین وآسمان کے درمیان ہے روشن اور معطر ہوجائے۔ نیز اس کے سر کا دوپٹہ دنیا اور جوکچھ دنیا میں ہے اس سے قیمتی ہے۔“

«عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لِلرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ زَوْجَتَانِ مِنْ حُوْرِ الْعَیْنِ عَلٰی كُلِّ وَاحِدَةٍ سَبْعُوْنَ حُلَّةً یُرٰی مُخُّ سَاقِهَا مِنْ وَّرَآءِ الثِّیَابِ» (رواہ احمد: مسند ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: ”جنتی شخص کی بیویاں دوحوریں ہوں گی ہر ایک کے اوپر ستر (۷۰) کپڑے ہوں گے لیکن اسکی پنڈلی کا گودا کپڑوں میں بھی نظر آئے گا۔

مسائل

۱۔ صاحب ایمان وکردار جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ ۲۔ جنتیوں کے لیے پاک بیویاں اور گھنے سائے ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

ازواجِ جنت کا حسن وجمال:

۱۔ پاک بیویاں ہوں گی۔ (البقرۃ:۲۵) ۲۔ خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں والیاں ہوں گی۔ (الصافات:۴۸،۴۹)
۳۔ جنتیوں کی ہم عمر۔ (صٓ:۵۲) ۴۔ یاقوت ومونگے کی طرح خوبصورت ہوں گی۔ (الرحمٰن:۵۸)
۵۔ چھپائے ہوئے موتی کی طرح ہوں گی۔ (الواقعہ:۲۳) ۶۔ کنواری اور ہم عمر ہوں گی۔ (الواقعہ:۳۶،۳۷)
۷۔ ان کو کبھی کسی جن وانس نے چھوا نہیں ہوگا۔ (الرحمٰن:۷۴) ۸۔ خیموں میں محفوظ ہوں گی۔ (الرحمٰن:۷۲)

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ

بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے یہ کہ تم ادا کر دو امانتیں طرف اس کے اہل

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور جب تم فیصلہ کرنے لگو درمیان لوگ یہ کہ تم فیصلہ کرو انصاف سے بیشک اللہ

نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾

بہت اچھی نصیحت کرتا ہے تمہیں اسکے ساتھ بیشک اللہ ہے سننے والا دیکھنے والا

''اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے حوالے کرو اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو یقیناً وہ بہتر ہے جس کی نصیحت تمہیں اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے والا ہے۔'' (۵۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ کتاب سے تورات و انجیل میں نبی ﷺ پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا تھا۔ جس کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا امانت داری کا تقاضا تھا لیکن انہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد اور اس امانت میں خیانت کی اس کا نتیجہ نکلا کہ وہ ہر شعبہ میں پرلے درجہ کے خائن ثابت ہوئے۔ امت کو مالی، اخلاقی، سیاسی اور عدالتی خیانت سے بچانے کے لیے ہر قسم کی ذمہ داری اس کے اہل لوگوں کے سپرد کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

اکثر مفسرین نے اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ آیت فتح مکہ کے موقعہ پر نازل ہوئی۔ جس کا پس منظر یہ ہے کہ رسولِ معظم ﷺ نے ہجرت سے پہلے بیت اللہ میں داخل ہونے کے لیے عثمان بن طلحہ سے چابی طلب فرمائی لیکن اس نے چابی دینے سے انکار کر دیا۔ اس موقعہ پر آپ نے فرمایا عثمان وہ وقت ذہن میں لاؤ جب یہ چابی میرے پاس ہوگی اور جس کو چاہوں گا عطا کروں گا۔ عثمان نے غصہ میں آکر کہا کہ کیا ہم اس وقت مر چکے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں تم زندہ ہو گے لیکن اس کے باوجود چابی میرے پاس ہوگی۔ چنانچہ جب آپ نے مکہ فتح کیا تو بیت اللہ میں داخل ہونے کے لیے عثمان بن طلحہ سے چابی طلب فرمائی جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ عثمان نے بڑی بے چارگی کے عالم میں آپ کو چابی پیش کرتے ہوئے عرض کی اللہ کے رسول! اسے امانت سمجھئے۔ آپ نے بیت اللہ میں داخل ہو کر دو نفل ادا کیے اور آپ کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب نیچے تشریف لائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ یہ چابی ہمیں ملنی چاہیے کیونکہ حجاج کو زم زم پلانے کی ذمہ داری ہمارے پاس ہے۔ آپ نے فرمایا یہ ایفائے عہد کا دن ہے لہٰذا یہ چابی عثمان بن طلحہ کو دی جائے گی۔ پھر عثمان بن طلحہ کو بلا کر یہ فرماتے ہوئے چابی عطا کی کہ یہ چابی ہمیشہ تمہارے پاس رہے گی۔ جس شخص نے تم سے چابی چھیننے کی کوشش کی وہ ظالم ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ اس وقت اس آیت کی

تلاوت کر رہے تھے۔'' (تفسیر ابن کثیر: النساء ۵۸)

بے شک یہ آیت مبارکہ خاص موقعہ پر نازل ہوئی لیکن اس میں ہر قسم کی امانتوں کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے جس میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ اے مسلمانو! قیادت و امامت اہلِ کتاب سے چھین کر تمہارے سپرد کی جا رہی ہے انہوں نے اس کا حق ادا نہیں کیا لیکن تم اس کا حق ادا کرنا۔

اس امانت کا انہوں نے حق ادا نہیں کیا جس منصب شہادت پر ان کو مامور کیا گیا اس کو انہوں نے چھپایا، جو کتاب ان کی تحویل میں دی گئی اس میں انہوں نے تحریف کی، جس شریعت کا ان کو حامل بنایا گیا اس میں انہوں نے اختلاف پیدا کیا، جن حقوق کے وہ امین بنائے گئے ان میں انہوں نے خیانت کی، جو فرائض اُن کے سپرد ہوئے ان میں وہ چور ثابت ہوئے، جو عہد انہوں نے باندھے وہ سب توڑ ڈالے۔ اے امت محمدیہ کے لوگو! اب تمہاری اولین ذمہ داری یہ ہے کہ تم اس عظیم امانت کو ٹھیک ٹھیک ادا کرو یہاں لفظ امانت کے بجائے امانات استعمال ہوا ہے جس میں اخلاقی، سیاسی امانتیں لوٹانے کے ساتھ رقم کی امانت بھی شامل ہے۔ (تدبرِ قرآن)

اس لیے مفسرین نے سیاسی، مالی، اخلاقی اور دینی امانتوں کے ساتھ حقوق اللہ کو شامل کیا ہے۔ امانت میں سب سے بڑی امانت جس سے دنیا کا نظام بگڑتا اور سنورتا ہے وہ اختیارات کا استعمال ہے۔ اختیارات تبھی صحیح استعمال ہو سکتے ہیں جب یہ اہل اور صحیح لوگوں کو دیے جائیں۔ اگر نااہل، بددیانت اور اوباش لوگوں کو اختیارات سونپ دیے جائیں تو بہتر سے بہترین قانون اور منصب بھی نہ صرف اپنی افادیت کھو بیٹھتا ہے بلکہ یہ دنیا کی نظروں میں ذلیل اور بے مقصد ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ جب تمہارے حکمران نااہل' حق سننے اور کہنے میں گونگے' بہرے ہوں گے تو پھر تمہیں قیامت کا انتظار کرنا چاہیے۔ اس کے برعکس عادل اور ذمہ دار حکمرانوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دائیں جانب چمکتے ہوئے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے۔ (رواہ مسلم: کتاب الامارۃ)

نااہل آدمی کو ذمہ داری دینے والا ملعون ہوتا ہے:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری دی جائے اور وہ صرف تعلق اور قرابت کی بنیاد پر کسی نااہل آدمی کو منصب سونپ دے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے اور اس کی نفلی اور فرضی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ اسے جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ (رواہ احمد: مسند ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ [ضعیف])

صحیح مشورہ دینا امانت ہے:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ ایک طرح سے امین ہوتا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی سمجھ اور معلومات کے مطابق بلا رعایت صحیح مشورہ دے۔ اگر اس نے جان بوجھ کر غلط مشورہ دیا تو اس کے نتائج کا ذمہ دار ہوگا آپ نے اس کو جامع الفاظ میں یوں بیان فرمایا:

«اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ» (رواہ الترمذی: کتاب الأدب، باب إن المستشار مؤتمن [صحیح])

''جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہے۔''

مجالس بھی امانت ہوتی ہیں:

عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ وہی شخص امانت دار ہوتا ہے جس کے پاس روپیہ پیسہ یا کوئی سامان رکھا جائے حالانکہ قرآن وسنت میں دیانت وامانت کا وسیع تصور پایا جاتا ہے۔ جس کی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ باضابطہ مجالس بھی امانت ہوتی ہیں کیونکہ بسا اوقات مال واسباب کا نقصان آدمی برداشت کر لیتا ہے یا اس کی تلافی ہوسکتی ہے۔ لیکن اگر کسی اجلاس اور مجالس کا راز افشا کر دیا جائے تو فرد اور خاندان ہی نہیں قوموں اور ملکوں کو ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمَجَالِسُ بِالْأَمَانَةِ» (رواہ أبو داؤد: کتاب الأدب، باب فی نقل الحدیث [حسن لغیرہ])

''مجالس امانت ہوا کرتی ہیں۔''

مسائل

۱۔ مسلمان اہل لوگوں کو اپنے معاملات کا ذمہ دار بنائیں۔ ۲۔ ذمہ دار لوگوں کا فرض ہے کہ وہ عدل وانصاف قائم کریں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بہت ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

عدل وانصاف کا حکم:

۱۔ عدل وانصاف کا حکم۔ (الاعراف: ۲۹) ۲۔ فیصلہ کرتے وقت عدل وانصاف کا خیال رکھنا چاہیے۔ (ص: ۲۶)

۳۔ فیصلہ اللہ کے حکم کے مطابق ہونا چاہیے۔ (المائدۃ: ۴۸) ۴۔ انصاف کرنے والوں کو اللہ پسند کرتا ہے۔ (المائدۃ: ۴۲)

۵۔ انصاف کی بات کہنے کا حکم۔ (الانعام: ۱۵۲) ۶۔ صلح بھی عدل وانصاف سے کروانا چاہیے۔ (الحجرات: ۹)

۷۔ رسولوں کی بعثت کا مقصد انصاف قائم کرنا تھا۔ (الحدید: ۲۵)

۸۔ کسی کی دشمنی عدل وانصاف میں رکاوٹ نہیں بننی چاہیے۔ (المائدۃ: ۸)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

اے وہ لوگ ایمان لائے اطاعت کرو اللہ کی اوراطاعت کرو رسول کی

وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ

اورصاحب امر تم میں سے پھراگر تم جھگڑ پڑو میں کسی بات اسے لوٹاؤ

اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

طرف اللہ اوررسول اگر تم ہو تم ایمان لاتے ہو اللہ پر

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ؑ ﴿٥٩﴾ ع ٨ ٩ ٥

اورروزِ آخرت یہ بہتر اور بہت اچھا انجام

’’اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کی اطاعت کرو اورتم میں جو صاحبِ امر ہوں ان کی بھی۔ اگر کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اوراس کے رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تمہارا اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان ہے یہ انجام کے لحاظ سے نہایت بہتر اور بہت اچھا ہے۔‘‘(۵۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اپنے میں سے کسی کو حاکم بنانے کا یہ مقصد نہیں کہ حکمران حاکم مطلق بن جائے بلکہ وہ بھی اللہ اوراس کے رسول کے حکم کے تابع ہیں۔

امانتوں کی ادائیگی اور اختیارات کا صحیح استعمال کرنے کا حکم دینے کے بعد اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کا اس لیے فوری ذکر کیا ہے تاکہ کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ کوئی اپنے اختیارات میں آزاد ہے۔ اس بات کو مزید واضح کرنے کی خاطر ’’**اُولِی الْاَمْرِ**‘‘ کے لیے لفظِ ’’اطاعت‘‘ استعمال کرنے کی بجائے فقط واؤ کے عطف سے اس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے تاکہ راعی اور رعیت، امیر اور مامور اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کر اپنے آپ کو صرف اللہ اوراس کے رسول کے تابع فرمان سمجھیں۔ اسی سورۃ کی آیت ۶۴ اور ۸۰ میں واضح کیا کہ رسول کی اطاعت فی ذاتہٖ نہیں بلکہ درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا حقیقی منشاء سمجھنا اوراس کے مطابق سو فیصد عمل کر کے دکھلانا رسول کا کام ہوتا ہے۔ اگر رسول سے بتقاضائے بشریت کوئی چُوک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فوراً اس کی درستگی فرما دیتا ہے۔ اس لیے رسول امت کے ہر شخص کے لیے اسوۂ حسنہ اور واجب الاتباع ہوتا ہے۔ رسول کے علاوہ کوئی شخص غیر مشروط اطاعت کے لائق نہیں۔ اگر امیر المومنین یا بڑے سے بڑا عالم اور امام غلطی کرے یا اس کے ساتھ کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو اس معاملے کو اللہ اوراس کے رسول کے سامنے پیش کرنا ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں وہ معاملہ قرآن وسنت کے سامنے رکھا جائے۔ پھر اللہ اوراس کے رسول کے فیصلے کے سامنے ہر کسی کو سرِ تسلیم خم کرنا لازم ہے۔ یہی اللہ اور آخرت پر

ایمان لانے کا تقاضا ہے۔اس طرزِعمل میں دنیا کی بہتری اور آخرت کی خیر مضمر ہے اور اسی طریقے سے امت متحد رہ سکتی ہے۔ اگر کسی مسئلہ میں دلائل برابر ہوں تو اہلِ علم کی اکثریت کی پیروی کرنا ہوگی۔

«عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ» (رواه فی شرح السنة وقال النووی فی أربعينه: ہذا حديث صحيح)

”عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اُس چیز کے تابع نہ ہوجائیں جو میں لایا ہوں۔“

امیر کا انتخاب اور اس کی اطاعت

اس فرمان میں امیر کے لیے ”مِنْكُمْ“ آیا ہے اور ”كُمْ“ ضمیر استعمال کی ہے کہ وہ تم میں سے ہو۔جس سے دوٹوک انداز میں واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا امیر مسلمان اور انہی کی مرضی سے ہونا چاہیے۔کیونکہ امارت اور خلافت کی بنیاد اُوپر سے نہیں نیچے سے قائم کی گئی ہے۔تاکہ فکری اور عملی طور پر اس کی جڑیں گھر اور عوام میں ہوں اور ہر فرد اس ذمہ داری میں اپنے آپ کو برابر کا شریک سمجھے۔جہاں تک امت میں سیاسی، گروہی اور مذہبی جماعتوں کا تعلق ہے۔اس کا شریعت میں صرف جواز کے سوا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ملتا۔لہٰذا ان جماعتوں کے امراء اور سربراہوں کی حیثیت سفری امیر سے زیادہ نہیں۔جس طرح اس کے وقتی اور محدود اختیارات ہوتے ہیں اسی طرح جماعتوں کے امراء کو اپنے حقوق و فرائض کا تعین کرنا چاہیے۔

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو اللہ، اس کے رسول اور نیک حکمرانوں کی اطاعت کرنی چاہیے۔

۲۔ تنازعات کو اللہ اور اس کے رسول کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔

۳۔ قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ کرنا ایمان داروں کے لیے فرض ہے اسی میں دنیا اور آخرت کی بہتری ہے۔

تفسیر بالقرآن

اختلافات کا حل:

۱۔ معاملہ اللہ کی طرف لوٹایا جائے۔(الشوریٰ:۱۰) ۲۔کتابُ اللہ میں مسائل کا حل ڈھونڈا جائے۔(المائدۃ:۴۷)

۳۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو فیصل تسلیم کیا جائے۔(النساء:۵۹)

۴۔ جو اللہ کے رسول کو فیصل تسلیم نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں۔(النساء:۶۵)

۵۔ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد کسی مومن کو اپنی مرضی کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔(الاحزاب:۳۶)

۶۔ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والا ظالم، کافر اور فاسق ہے۔(المائدہ:۴۴،۴۵،۴۷)

نوٹ! مزید تفصیل کے لیے دیکھیں راقم کی کتاب ”اتحادِ امت اور نظم جماعت“

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ

کیانہیں آپ نے دیکھا طرف وہ لوگ جو دعویٰ کرتے ہیں بیشک وہ ایمان لائے اس پر جو نازل کیا گیا

اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى

آپ کی طرف اور جو نازل کیا گیا سے آپ سے پہلے وہ چاہتے ہیں یہ کہ فیصلے کروائیں طرف

الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ

طاغوت اور تحقیق انہیں حکم ہو چکا کہ وہ کفر کریں اس کا اور چاہتا ہے شیطان یہ کہ انہیں بہکا دے

ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝٦٠ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

گمراہی دور اور جب کہا جاتا ہے انہیں آؤ طرف جو نازل کیا اللہ

وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝٦١ ج

اور طرف رسول آپ دیکھیں گے منافقین رک جاتے ہیں تم سے رُک جانا

’’کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ جو کچھ آپ پر اور آپ سے پہلے اتارا گیا اس پر ان کا ایمان ہے۔لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کا انکار کریں۔شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں دور کی گمراہی میں پھینک دے۔(۶۰) ان سے جب کبھی کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ حکم اور رسول کی طرف آؤ آپ دیکھیں گے کہ منافق آپ سے کنی کترا جاتے ہیں۔‘‘(۶۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دے کر من گھڑت ایمان، نمائشی اطاعت کی تردید اور شیطان کی اتباع سے منع کیا گیا ہے۔اہل کتاب کے بعد خطاب کا رخ منافقین کی طرف کر دیا گیا۔

منافقین کا دعویٰ اور خیال تھا کہ وہ قرآن مجید اور پہلی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ ان کا حال یہ ہے کہ منع کرنے کے باوجود چاہتے ہیں کہ ان کے فیصلے طاغوت کے ذریعے ہوں۔ایسا اس لیے ہے کہ شیطان چاہتا ہے کہ انہیں دور کی گمراہی میں دھکیل دے تاکہ یہ ہدایت کی طرف نہ پلٹ سکیں۔

حافظ ابن جریر رحمہ اللہ نے اس آیت کے تحت ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے منافقوں کی ذہنیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔واقعہ یوں ہے کہ ایک منافق اور یہودی کے درمیان کسی معاملہ میں جھگڑا ہوا۔یہودی نے مسلمان سے کہا کہ اس کا فیصلہ آپ کے نبی سے کروانا چاہیے لیکن منافق نے کہا کہ نبی کی بجائے یہودیوں کے سردار کعب بن اشرف سے فیصلہ لینا زیادہ بہتر ہے۔منافق یہودی کے اصرار پر آپ ﷺ کے سامنے جانے کے لیے اس لیے مجبور ہوا کہ کہیں میری منافقت کا پتہ نہ چل جائے۔

جب ان دونوں نے رسول محترم ﷺ کے پاس مقدمہ پیش کیا تو آپ نے یہودی کا موقف صحیح سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ صادر فرمادیا۔ لیکن منافق نے یہ فیصلہ قبول کرنے سے انکار کردیا اور یہودی کو کہا کہ چلو عمر رضی اللہ عنہ سے فیصلہ لیتے ہیں۔ کیونکہ منافق سمجھتا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہودیوں کے سخت خلاف ہیں۔ اس لیے وہ تعصب کی بنیاد پر یہودی کے خلاف فیصلہ کریں گے۔ معاملہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا تو یہودی نے کہا کہ اس جھگڑے کا آپ کے نبی پہلے فیصلہ دے چکے ہیں۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار لاکر منافق کا سر قلم کرتے ہوئے فرمایا:

«هٰذَا قَضَآئِیْ لِمَنْ لَّمْ یَرْضَ بِقَضَآءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ» (فتح الباری: کتاب المساقاۃ)

”جو رسول معظم ﷺ کے فیصلہ کو نہیں مانتا اس کے بارے میں میرا یہی فیصلہ ہے۔“

{ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ۳۶ } (الاحزاب:۳۶)

”کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کردے تو پھر اسے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔“

مسائل

۱۔ قرآن وسنت کے خلاف فیصلہ کرنا اور کروانا شیطان کی پیروی کرنے کے مترادف ہے۔

۲۔ شیطان آدمی کو دور کی گمراہی میں ڈال دیتا ہے۔ ۳۔ منافق اللہ اور اس کے رسول کی ہدایات سے انحراف کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

شیطانی ہتھکنڈے:

۱۔ انسان کو گمراہ کرنے کے لیے شیطان کی اللہ تعالیٰ کے سامنے قسمیں۔ (ص:۸۲)

۲۔ شیطان کی خفیہ چالیں۔ (الاعراف:۲۷) ۳۔ شیطان گناہوں کو مزین وخوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے۔ (الانعام:۴۳)

۴۔ شیطان خیالات کے ذریعے گمراہ کرتا ہے۔ (الناس:۵) ۵۔ شیطان انسان سے کفر کروا کر خود پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ (الحشر:۱۶)

۶۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو نورِ ہدایت کی طرف بلاتا ہے۔ (البقرۃ:۲۵۷)

۷۔ کفار کے دوست طاغوت ہوتے ہیں جو انہیں ظلمات کی طرف لے جاتے ہیں۔ (البقرۃ:۲۵)

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ

پھر کیسی جب انہیں پہنچے کوئی مصیبت سبب اسکے جو آگے بھیجا ان کے ہاتھ (جمع)

ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا

پھر وہ آئیں آپ کے پاس قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی نہیں ہم نے چاہا سوائے بھلائی

وَّ تَوْفِيْقًا ﴿٦٢﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ق

اور موافقت یہی وہ لوگ اللہ جانتا ہے جو میں ان کے دل

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ﴿٦٣﴾

تو آپ اعراض کریں ان سے اور ان کو نصیحت کریں اور کہیں ان کیلئے ان کے لیے مؤثر بات

’’پھر کیا بات ہے کہ جب ان پر ان کے کردار کی وجہ سے کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ آپ کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی اور میل ملاپ کا تھا۔ (۶۲) یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے دلوں کے راز اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ ان سے چشم پوشی کیجیے انہیں نصیحت کرتے رہیں اور انہیں وہ بات کہیں جو ان کے دلوں پر اثر کرنے والی ہو۔‘‘ (۶۳)

فہم القرآن

ربط کلام : گذشتہ سے پیوستہ ہونے کے ساتھ منافقین کی دوغلی پالیسی سے نبی ﷺ کو آگاہ کرنے کے باوجود حکم ہوا کہ آپ ان کو وعظ ونصیحت جاری رکھیں۔

اس فرمان میں آپ کو خبر دی جارہی ہے کہ آج تو منافقین اپنی سازشوں اور شرارتوں پر اتراتے اور دندناتے پھرتے ہیں۔ لیکن عنقریب وقت آنے والا ہے کہ جب ان کے کرتوت سامنے آئیں گے تو یہ اپنے کیے پر پچھتاتے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلف اُٹھاتے ہوئے یہ کہہ کر اپنی صفائی پیش کریں گے کہ اس کام میں ہماری یہ مصلحت تھی اور یہ کام ہم نے فلاں وجہ سے کیا ہے۔ ہمارا مقصد صرف اور صرف باہمی یگانگت اور موافقت کے ذریعہ اچھا ماحول پیدا کرنا تھا چنانچہ اس پیش گوئی اور خوشخبری کا ایک ایک حرف غزوۂ تبوک کے موقعہ پر پورا ہوا۔ جب آپ اس غزوہ سے واپس لوٹے تو پیچھے رہ جانے والے منافقین نے آپ کی خدمت میں آ کر معذرتیں پیش کیں۔ لیکن آپ ان کے جواب میں خاموشی اور درگزر سے کام لیتے رہے۔ مزید گیارھویں پارے کی ابتدائی آیات کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

منافقین کی غلط بیانی اور ملمع سازی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ جو کچھ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں اور زبان سے اس کے خلاف دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ اپنی باتیں دنیا والوں سے چھپا سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے وہ تو ان کے دلوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ لہٰذا میرے محبوب ﷺ! ان سے الجھنے کی بجائے اعراض فرمائیں، انہیں مسلسل نصیحت کرتے رہیں اور ان کو سمجھانے

کے لیے اچھا انداز اور مؤثر الفاظ استعمال فرمائیں۔ اس میں آپ کی ذات گرامی کے حوالے سے ہر مبلغ کے لیے اصول ہے کہ وہ مخالفوں اور منافقوں کے ساتھ الجھنے کی بجائے بہتر رویہ اختیار کرے جس کا نتیجہ دنیا اور آخرت میں یقیناً بہتر ہوگا۔

«قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ؓ دَعْنِي يَارَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَضْرِبُ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ دَعْهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ» (رواہ البخاری: تفسیر القرآن، قولہ یقولون لئن رجعنا إلی المدینة)

”حضرت عمر ؓ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ میں نے رسولِ کریم ﷺ سے عرض کی کہ آپ اجازت دیں تو میں عبداللہ بن ابی منافق کا سر قلم کر دوں لیکن آپ نے منع فرمایا اور کہا لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کراتا ہے۔“

تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ابن ابی اپنے اصل کردار کی وجہ سے اس قدر لوگوں کی نظروں میں حقیر ہوا کہ کوئی اس کے پروپیگنڈہ کی طرف توجہ نہیں کرتا تھا۔ اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ درست ثابت ہوا۔

«عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْكَبَائِرُ الإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَالْيَمِينُ الْغَمُوسُ» (رواہ البخاری: باب الْیَمِینِ الغموسِ)

”حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی قسم اُٹھانا کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔“

مسائل

۱۔ مصیبت کے وقت منافق قسم اٹھا کر مسلمانوں کی رفاقت کا دعویٰ کرتا ہے۔

۲۔ منافقوں سے چشم پوشی کر کے انہیں اچھی نصیحت کرتے رہنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

منافقین کی چالیں:

۱۔ دوغلی زبان اور دوغلا کردار۔ (البقرۃ: ۱۳، ۱۴) ۲۔ اسلام کا دعویٰ مگر طاغوت کے فیصلہ پر خوش ہونا۔ (النساء: ۶۰)

۳۔ مسلمانوں کو تکلیف پہنچا کر صفائی کی قسمیں اٹھانا۔ (النساء: ۶۲) ۴۔ بغیر تحقیق کے افواہیں اڑانا۔ (النساء: ۸۳)

۵۔ صرف دنیا کی کامیابی کی چاہت رکھنا۔ (النساء: ۱۴۱) ۶۔ زبان اور دل میں تضاد ہونا۔ (آلِ عمران: ۱۶۷)

وعظ و نصیحت کا انداز کیا ہونا چاہیے؟

۱۔ نرم انداز میں گفتگو کرنی چاہیے۔ (طٰہٰ: ۴۴) ۲۔ وعظ میں مؤثر انداز اختیار کرنے کا حکم (النساء: ۶۳)

۳۔ جھگڑے کی بجائے احسن انداز اختیار کرنا۔ (النحل: ۱۲۵) ۴۔ حکمت کے ساتھ موثر دعوت دینا چاہیے۔ (النحل: ۱۲۵)

۵۔ بصیرت کے ساتھ دعوت دینا چاہیے۔ (یوسف: ۱۰۸)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

اور نہیں ہم نے بھیجا سے رسول مگر تاکہ اسکی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ

اوراگر بیشک وہ لوگ جب انہوں نے ظلم کیا اپنی جانوں پر وہ آتے آپ کے پاس پھر بخشش چاہتے اللہ

وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾

اور مغفرت مانگتا انکے لیے رسول تو وہ ضرور پاتے اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان

''ہم نے ہر رسول کو اسی لیے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول کی فرمانبرداری کی جائے اور جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور آپ بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔'' (۶۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: خطاب کا تسلسل جاری ہے۔ اس میں منافقوں کو توبہ کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے رسول کا مرتبہ اور مقام بیان کرنے کے ساتھ اپنی شفقت و مہربانی کا ذکر فرمایا ہے۔ رسولِ معظم ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ آپ کی شان اور مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کی اطاعت کی جائے۔ اس میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ ملمع سازی یا محض دعووں کی بنیاد پر رسول کی ذات کو خوش کرلیا جائے تو اس سے کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔ جب تک حقیقتاً قرآنِ مجید کی ہدایت کے مطابق آپ کی اطاعت نہ کی جائے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی بے کناں رحمت کا معاملہ ہے وہ اس قدر بے کنار ہیں کہ جب بھی کوئی شخص خواہ اس کا ماضی کتنا ہی گھناؤنا اور منافقانہ کیوں نہ ہو۔ اخلاصِ نیت کے ساتھ اپنے آپ کو اللہ کے رسول کے تابع کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے گا تو وہ اپنے رب کو شفیق و مہربان پائے گا۔ یہی بات منافقوں کو کہی گئی کہ کتنا ہی بہتر ہوتا کہ وہ اپنے آپ پر ظلم کر لینے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے اپنی بخشش کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی درخواست کرتے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا اور انتہائی مہربان پاتے۔

اس آیت کی تفسیر میں ضیاء القرآن کے مؤلف نے اپنے عقائد کی حمایت میں قرطبی کے حوالے سے ایک واقعہ ذکر کیا ہے جو نہ صرف قرآن وسنت کے خلاف ہے بلکہ تاریخی حقائق بھی اس کی تائید نہیں کرتے لکھتے ہیں:

''سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے وصال کے تین روز بعد ایک اعرابی ہمارے پاس آیا اور فرطِ رنج و غم سے مزارِ پُرانوار پر گر پڑا اور خاکِ پاک کو اپنے سر پر ڈالا اور عرض کرنے لگا۔ اے اللہ کے رسول! جو آپ نے فرمایا ہم نے سنا جو آپ نے اپنے رب سے سیکھا وہ ہم نے آپ سے سیکھا۔ اسی میں یہ آیت بھی ہے: ''**وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْا ...**'' میں نے اپنی جان پر بڑے بڑے ستم کیے ہیں اب آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ اے سراپائے شفقت و رحمت! میری

مغفرت کے لیے دعا فرمایئے۔ فَنُوْدِیَ مِنَ الْقَبْرِ أَنَّهٗ قَدْ غُفِرَ لَكَ۔ ''تو مرقدِ منور سے آواز آئی تجھے بخش دیا گیا۔''

نوٹ! اس واقعہ کی سند سخت ضعیف ہے مزید تفصیل کے لئے البانی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''وسیلہ اور اس کے احکام کا مطالعہ فرمائیں۔

قرآن مجید نے دوٹوک انداز میں فرمایا ہے:

{ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَآءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ } (فاطر:۲۲)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی قبر والوں کو سنا نہیں سکتے چہ جائیکہ ایک اعرابی آپ کو آکر کوئی فریاد سنائے اور آپ جواب دیں۔ اگر یہ عقیدہ کسی لحاظ سے بھی ثابت ہوتا یا اس کی ذرّہ برابر گنجائش ہوتی تو آپ کی وفات کے وقت جب آپ کا جسدِ مُبارک موجود تھا تو صحابہ میں تین بڑے اختلافات اُبھر کر سامنے آئے۔ آپ کو کہاں دفن کیا جائے؟ خلافت کے لیے کون سی شخصیت زیادہ موزوں ہے؟ یہاں تک کہ آپ کے فوت ہونے پر بھی دو نقطۂ نظر تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ابھی مدینہ میں منافق موجود ہیں اور اسلام کا غلبہ بھی پوری طرح نہیں ہوا لہٰذا آپ کو موت نہیں آئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے موقف کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں انہوں نے اپنی تقریر میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے: (مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ) ''تم میں سے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کرتا تھا یقیناً محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وفات پا گئے اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا یقیناً اللہ تعالیٰ زندہ ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔'' پھر اس آیت کی تلاوت کی: {وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ... الخ} (رواہ البخاری: کتاب الجنائز، باب الدخول علی میت الخ) ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک رسول ہیں ان سے پہلے بھی رسول گزر گئے۔''

یاد رہے کسی صحابی نے یہ بات نہیں فرمائی کہ بھائیو کیوں جھگڑتے ہو چلو آپ کے جسدِ اطہر سے عرض کرتے ہیں۔ حالانکہ اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر ابھی قبر سے باہر جلوہ نما تھا۔

مسائل

۱۔ رسول کی بعثت کا مقصد اس کی اطاعت کرنا ہے۔ ۲۔ لوگوں کو ہر دم اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتے رہنا چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نہایت ہی مہربان اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش کی دعوت:

۱۔ اللہ تعالیٰ گناہ ہی بخشتا ہے۔ (آلِ عمران: ۱۳۵) ۲۔ انبیاء کی دعوت اللہ سے بخشش مانگنا ہے۔ (نوح: ۱۰)

۳۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ (الزمر: ۵۳) ۴۔ اللہ تعالیٰ کا اعلان کہ میں بخشنے والا ہوں۔ (الحجر: ۴۹)

۵۔ منافق اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنے سے انحراف کرتے ہیں۔ (المنافقون: ۵)

فَلَا وَرَبِّكَ	لَا يُؤْمِنُوْنَ	حَتّٰى	يُحَكِّمُوْكَ	فِيْمَا	شَجَرَ
پس قسم ہے آپ کے رب کی	وہ مومن نہیں	یہاں تک	وہ آپ کو حکم بنائیں	اس میں جو	جھگڑا اٹھے
بَيْنَهُمْ	ثُمَّ	لَا يَجِدُوْا	فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ	حَرَجًا	مِّمَّا
انکے درمیان	پھر	وہ نہ پائیں	اپنے دلوں میں	کوئی تنگی	اس سے جو
قَضَيْتَ	وَيُسَلِّمُوْا	تَسْلِيْمًا ۝۶۵			
آپ نے فیصلہ کیا	اور وہ تسلیم کریں	تسلیم کرنا			

’’آپ کے رب کی قسم! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس کے تمام اختلاف میں آپ کو حکم نہ مان لیں۔ پھر آپ کے فیصلہ کے بارے میں اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی نہ پائیں اور اسے دل و جان سے تسلیم کر لیں۔‘‘ (۶۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلی آیات میں منافقین کو رسول کو مطاع تسلیم کرنے اور اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ اب قطعی انداز میں رسولِ معظم ﷺ کو فیصل ماننے کا حکم دیا ہے۔

لہٰذا فیصلہ کُن انداز میں منافقوں، کافروں اور سب لوگوں کی غلط فہمی دور کی جا رہی ہے کہ کسی کا ایمان اس وقت تک قابل قبول نہیں ہو سکتا جب تک حضرت محمد ﷺ کو زندگی کے تمام معاملات میں حکم تسلیم نہ کر لیا جائے۔ جونہی آپ کا فیصلہ سامنے آئے تو اُسے دل کی رغبت اور طبیعت کی چاہت کے ساتھ من و عن تسلیم کرنا ہوگا اور اس کے تسلیم کرنے میں کسی قسم کا تردد اور تأمل نہیں ہونا چاہیے۔ یہاں قرآنِ مجید نے ’’شجر‘‘ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنیٰ ایسا درخت جس کی شاخیں ایک دوسرے کے ساتھ پھنسی اور اُلجھی ہوئی ہوں۔ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ تمہارے معاملات خواہ کتنے ہی الجھے اور بگڑے ہوئے کیوں نہ ہوں تمہیں ہر حال میں اللہ کے رسول کو حکم تسلیم کرنا پڑے گا۔ معاملات سیاسی ہوں یا معاشی، اخلاقی ہوں یا معاشرتی، انفرادی ہوں یا اجتماعی غرض کہ زندگی کا کوئی معاملہ اور شعبہ ہو۔ اس میں اللہ کے رسول کو حکم تسلیم کرنا لازم ہے۔ اس آیت کا شانِ نزول حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ شِرَاجِ الْحَرَّةِ الَّتِيْ يَسْقُوْنَ بِهَا النَّخْلَ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ سَرِّحِ الْمَآءَ يَمُرُّ فَأَبٰى عَلَيْهِ فَاخْتَصَمَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِلزُّبَيْرِ أَسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَآءَ إِلٰى جَارِكَ فَغَضِبَ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ احْبِسِ الْمَآءَ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ فَقَالَ الزُّبَيْرُ وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأَحْسِبُ هٰذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ فِيْ ذٰلِكَ {فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا

شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾»(رواه البخاری:باب سکر الأنهار)

’’انصار کے ایک آدمی کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے پانی کے نالے کے بارے میں اختلاف ہو گیا جس سے وہ کھجوروں کو پانی دیتے تھے۔ انصاری نے کہا پانی چھوڑو اسے آگے آنے دو۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا دونوں اپنا جھگڑا رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تو آپ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا زبیر! پانی لگا کر ہمسائے کے لیے چھوڑ دیا کرو۔ انصاری نے غضبناک ہو کر کہا وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زبیر! پانی لگا جب تک وہ منڈیروں تک نہ پہنچ جائے پانی کو روکے رکھنا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیت ’’فَلَا وَرَبِّكَ‘‘ اس موقعہ پر نازل ہوئی ہے۔‘‘

’’حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مسلمانوں کے ایک آدمی سے اپنی بہن کی شادی کی وہ اس کے پاس کچھ عرصہ رہی پھر اس نے اسے ایک طلاق دی اور عدت گزر گئی لیکن رجوع نہ کیا۔ اب پھر دونوں ایک دوسرے کو چاہنے لگے پھر اس آدمی نے منگنی کے لیے آدمی بھیجا تو معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے کہا: کمینے! میں نے تیری عزت کرتے ہوئے اس کے ساتھ شادی کی اور تو نے اسے طلاق دے دی۔ اللہ کی قسم اب کبھی یہ تیرے پاس نہیں لوٹے گی یہ آخری باری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں میاں بیوی کے جذبات کو قبول کیا تو یہ آیت نازل فرمائی ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ﴾ جب معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنی تو کہا کہ سَمْعًا لِرَبِّيْ وَطَاعَةً میں نے اپنے رب کی بات کو سنا اور مان لیا۔ پھر انہوں نے اس آدمی کو بلایا اور کہا میں تیرا اپنی بہن کے ساتھ نکاح بھی کرتا ہوں اور عزت بھی کروں گا۔‘‘(رواہ الترمذی: کتاب التفسیر، باب و من سورة البقرة[صحیح])

مسائل

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصل تسلیم کیے بغیر لوگ ہرگز ایمان دار نہیں ہو سکتے۔

۲۔ رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ دل و جان سے ماننا ایمان ہے۔

تفسیر بالقرآن

مقام نبوت:

۱۔ رسولِ محترم بہترین اسوہ ہیں۔(الاحزاب:۲۱) ۲۔ ہر معاملہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانا چاہیے۔(النساء:۵۹)

۳۔ اللہ اور رسول سے آگے نہ بڑھو۔(الحجرات:۱)

۴۔ رسول جو تمہیں دے اسے پکڑ لو اور جس سے منع کرے رُک جاؤ۔(الحشر:۷)

۵۔ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔(النساء:۸۰) ۶۔ اللہ کی محبت رسول کی اطاعت میں ہے۔(آل عمران:۳۱)

۷۔ ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو ان کی مخالفت سے اپنے اعمال برباد نہ کرو۔(محمد:۳۳)

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ

اور اگر بیشک | ہم | ہم لکھ دیتے | ان پر | یہ کہ | تم قتل کرو | اپنے آپ کو | یا

اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ

تم نکل جاؤ | سے | اپنے گھروں | نہ کرتے وہ اسکو | سوائے | تھوڑے | ان سے

وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا

اور اگر | بیشک وہ | کرتے | جو | نصیحت کی جاتی ہے | اس کی | البتہ ہوتا | بہتر

لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۙ﴿٦٦﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا

ان کیلئے | اور زیادہ | ثابت رکھنے والا | اور تب | ہم انہیں دیتے | اپنے پاس سے | اجر

عَظِيْمًا ۙ﴿٦٧﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾

بڑا | اور البتہ ہم انہیں ہدایت دیتے | راستہ | سیدھا

”اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانیں کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو ان میں سے بہت ہی کم لوگ اسے بجالاتے اور اگر وہی کرتے جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یقیناً ان کے لیے یہ بہتر اور بہت زیادہ ثابت رکھنے والا ہوتا۔ (٦٦) تب انہیں ہم اپنے پاس سے بڑا اجر عطا فرماتے۔ (٦٧) اور یقیناً انہیں سیدھے راستے کی راہنمائی کرتے۔“ (٦٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقین مشکل حکم ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے لوگوں پر ایسے احکام نازل کیے جو نرمی اور آسانی پر مبنی ہیں۔ اگر یہ احکام سخت اور مشکل ہوتے تو لوگوں کو ان پر عمل کرنا دشوار اور ناممکن ہوتا۔ اس صورت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ اگر ہم لوگوں کو اپنے آپ کو قتل کرنے یا اپنے جگر گوشوں کو گھروں سے نکال دینے کا حکم دیتے یعنی جو نافرمان اور سرکش ہیں انہیں قتل کرنے یا گھروں سے نکال باہر کرنے کا حکم دیتے تو چند لوگوں کے سوا کوئی بھی ان پر عمل نہ کرتا۔ یا جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر شرک کی یہ سزا مقرر کی گئی تھی کہ وہ اپنے آپ کو قتل کریں تو انہیں قتل کرنا پڑا تھا۔ یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنے معاملات میں فیصل تسلیم کرو۔ اس میں تمہارے لیے نرمی بھی ہے اور بھلائی بھی۔

اگر منافق اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے تو ان کے لیے یہ بہتر اور ایمان کی پختگی کا باعث ہوتا۔ اس کے بدلے انہیں عظیم اجر اور مزید صراط مستقیم کی رہنمائی سے بھی نوازا جاتا۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام بظاہر عمل کرنے میں مشکل کیوں نہ ہوں پھر بھی ان پر عمل کرنا آدمی کے لیے بہتر ہوا کرتا ہے۔

ابن جریر طبری بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ایک آدمی نے کہا کہ اگر ہمیں ایسا کرنے کا حکم ہوتا تو ہم ضرور کر گزرتے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم سے درگزر فرمائی ہے یہ بات آپ ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جن میں پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ایمان ہے۔ (تفسیر طبری: سورۃ النساء، آیت ۶۶ [صحیح])

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے {وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا} تلاوت فرمائی تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ((لَوْ أَنَّ اللّٰهَ كَتَبَ ذٰلِكَ لَكَانَ هٰذَا مِنْ أُولٰئِكَ الْقَلِيْلِ)) ''اگر اللہ تعالیٰ یہ کام لازم کر دیتے تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی انہی تھوڑے لوگوں میں سے ہوتے جو اللہ کا حکم مان کر اپنے آپ کو قتل کرتے۔'' (ابن کثیر)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اظہار تشکر کے طور پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا بے پناہ فضل و کرم ہوا ہے کہ اس نے ہمیں اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اگر یہ حکم نازل ہو جاتا تو ہم اس پر عمل کرنے سے ہرگز گریز نہ کرتے۔ اس بات کا عملی ثبوت انہوں نے غزوۂ بدر کے موقعہ پر دیا تھا کہ جب قیدیوں کے بارے میں مشاورت ہوئی کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟ تو دو تجاویز سامنے آئیں جن میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہیے۔ اس میں مسلمانوں کی مالی امداد کے ساتھ کفار کے لیے ہدایت کا آخری موقعہ فراہم کرنا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز یہ تھی کہ یہ لوگ نا قابل معافی اور نا قابل اصلاح ہیں۔ ان کو قتل کرنے سے ہمیشہ کے لیے کفر کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ ان کی تجویز تھی کہ ہر کوئی اپنے قریبی رشتہ دار قیدی کو قتل کرے سب سے پہلے میں اپنے رشتہ دار قیدیوں کو قتل کروں گا۔ (الرحیق المختوم، ابن ہشام غزوۂ بدر کے قیدیوں کا قضیہ)

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّهَا قَالَتْ مَا خُيِّرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا فَإِنْ كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِنَفْسِهٖ إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ بِهَا)) (رواہ البخاری: کتاب المناقب، باب صفۃ النبی ﷺ)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو دو کاموں میں اختیار دیا جاتا تو آپ دونوں میں سے آسان کام کو اختیار کرتے بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہوتا۔ اگر وہ کام گناہ کا ہوتا تو لوگوں میں سب سے زیادہ اس سے دور رہتے اور آپ نے اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہ لیا البتہ جب اللہ کی حرمتوں کو پامال کیا جاتا تو اللہ کے لیے انتقام لیتے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرنا ہر حال میں انسان کے لیے بہتر ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو عظیم اجر اور مزید ہدایت سے سرفراز فرماتے ہیں۔
۳۔ صراطِ مستقیم کی ہدایت اطاعت رسول میں پنہاں ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ

اور جو اطاعت کرے اللہ اور رسول کی تو یہی لوگ ان لوگوں کے ساتھ انعام کیا اللہ

عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ

ان پر سے انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور اچھے

اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾

یہ لوگ ساتھی یہ فضل سے اللہ اور کافی اللہ جاننے والا

''اور جو بھی اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیک لوگ یہ بہترین ساتھی ہیں۔ (۶۹) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقیقی فضل ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے۔'' (۷۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اطاعت رسول کے دنیا میں فوائد اور قیامت کے دن اس کے ثمرات۔

رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ اور فرمان کو زندگی کے ہر شعبہ میں قطعی طور پر لائقِ اتباع اور باعثِ نجات سمجھنے والے کو دنیا اور آخرت کے آٹھ انعامات کی خوشخبری دی گئی ہے۔

دنیا میں ہر اعتبار سے بھلائی کا حصول، ایمان پر ثابت قدمی کی توفیق، اجر عظیم، صراطِ مستقیم کی رہنمائی کے ساتھ اور قیامت کو اللہ تعالیٰ کے عظیم المرتبت انبیاء، صدیق، شہداء اور صالح لوگوں کی رفاقت اور معیّت نصیب ہوگی۔ یہاں چار شخصیات کے حوالے سے درحقیقت چار قسم کے مراتب اور مقام کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جنت میں لوگوں کی انہی چار مراتب کے لحاظ سے درجہ بندی کی جائے۔ آدمی کوشش کرے تو تین مراتب کو کسی نہ کسی حد تک حاصل کرسکتا ہے۔ جن میں صدیق بننا، شہادت کے مرتبہ پر فائز ہونا اور صالح کردار کا حامل بننا ہے۔ جہاں تک نبوت کا مرتبہ اور مقام ہے وہ تو اعمال کے ذریعے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا اپنا انتخاب ہے۔ جس کو چاہے اپنے پیغام کے لیے منتخب فرمالے اور یہ سلسلہ بھی حضرت محمد کریم ﷺ کی ذات اقدس پر اختتام کو پہنچ چکا ہے۔ لہٰذا اب کوئی شخص یا گروہ یہ دعویٰ کرے کہ حسنِ اعمال کی بنیاد پر آدمی منصبِ نبوت پر فائز یا نبوت میں حصہ دار ہوسکتا ہے یہ سراسر گمراہی ہے۔ اس لیے یہاں رفاقت کا لفظ استعمال فرمایا ہے یعنی اسے نبی کی رفاقت نصیب ہوگی جس سے واضح طور پر اس باطل عقیدہ کی نفی ہوتی ہے کہ کوئی شخص قیامت تک ظلّی یا بروزی نبی نہیں بن سکتا یہ بحث سورۃ الاحزاب آیت: ۴۰ میں ختم نبوت کے سلسلہ میں موجود ہے۔

صدیق:

صدیق سے مراد ایسا شخص جو ہر حال میں سچ بولنے والا، سچ پر قائم رہنے والا اور سچ کے لیے ہر چیز قربان کردینے والا ہو،

امت میں اس مقام پر سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فائز ہوئے۔جن کے بارے میں رسولِ محترم ﷺ نے اپنی زبانِ اطہر سے ان کے اعزاز کا اعلان فرمایا۔ باقی لوگ درجہ بدرجہ اس مقام کے حامل ہو سکتے ہیں۔

شہید:

ایسی شخصیت کو کہتے ہیں جو دل کی سچائی کے ساتھ اسلام میں داخل ہو اور دین کی سربلندی کے لیے سب کچھ قربان کرنے کے لیے آمادہ اور تیار رہے اور میدانِ کارزار میں کٹ مرنے والے کو شہید کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے خونِ جگر سے حق کی گواہی دیتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے شہادت کے کئی مراتب ذکر فرماتے ہوئے مختلف قسم کے لوگوں کو شہداء میں شامل فرمایا ہے۔ امام رازی نے سورۃ آلِ عمران آیت ۱۸ سے استدلال کیا ہے کہ عدل وانصاف کی گواہی دینے والے بھی شہداء میں شمار ہوں گے۔

صالحین:

صالح سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم اور خلوصِ نیت کے ساتھ نبی آخر الزماں ﷺ کی اتباع کرنے والا ہو۔ اس طرح امت کے تمام موحد اور نیک لوگ درجہ بدرجہ صالحیت کے مقام پر فائز ہوتے ہیں اور اپنے عمل کے لحاظ سے جنت میں مقام پائیں گے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول محترم ﷺ مسجد سے باہر نکل رہے تھے دروازے پر آپ کو ایک آدمی ملا اور عرض کرنے لگا اللہ کے نبی! قیامت کب برپا ہو گی؟ آپ نے اس سے فرمایا کہ تو نے قیامت کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے؟ عرض کرتا ہے کہ میں نے نفلی کام تو زیادہ نہیں کیے تاہم اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

«فَأَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ» (رواہ مسلم: کتاب البر والصلة والآداب، باب المرء مع من أحب)

”تو اسی کے ساتھ ہو گا جس کے ساتھ تو محبت کرتا ہے۔“

یہ مقام اور مراتب محض اعمال کی بنیاد پر نہیں بلکہ سراسر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا صلہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کے افکار اور اعمال کو جانتا ہے۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ کے فضل کا ذکر کرتے ہوئے:

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَنْ يُنْجِيَ أَحَداً مِنْكُمْ عَمَلُهُ قَالُوا وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللهُ بِرَحْمَتِهِ» (رواہ البخاری: کتاب المرضی، باب تمنی المریض الموت)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے اعمال کی بنیاد پر جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ایک شخص نے عرض کیا آپ کا معاملہ بھی ایسا ہی ہو گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! ہاں میں بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔

مسائل

۱۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والا قیامت کے دن انبیاء، صدیقین، شہداء اور صلحاء کے ساتھ ہو گا۔

۲۔ جنت میں نیک لوگوں کی رفاقت نصیب ہونا اللہ کا بڑا فضل ہو گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ

اے وہ لوگ ایمان لائے لے لو اپنا بچاؤ پھر نکلو جدا جدا یا نکلو سب اور بیشک

مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ

تم میں سے البتہ جو جان بوجھ کر دیر کرتا ہے پھر اگر تمہیں پہنچے کوئی مصیبت کہتا ہے تحقیق انعام کیا اللہ مجھ پر جب

لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ

میں نہ تھا ان کے ساتھ حاضر اور البتہ اگر تمہیں پہنچے کوئی فضل سے اللہ تو ضرور کہے گا گویا

لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾

نہ تھی تمہارے درمیان اور اس کے درمیان کوئی دوستی اے کاش میں میں ہوتا ان کے ساتھ تو مراد پاتا مراد بڑی

''اے مسلمانو اپنے بچاؤ کا سامان لے لو پھر حسب موقعہ الگ الگ نکلو یا اکٹھے ہو کر نکلو۔(۷۱) اور یقیناً تم میں ایسے بھی ہیں جو لڑائی سے پس وپیش کرتے ہیں اگر تم میں سے کسی کو کوئی مصیبت پہنچے تو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان کے ساتھ شریک نہ تھا۔(۷۲) اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی فضل مل جائے تو ضرور کہے گا کہ تم میں اور ان میں دوستی تھی ہی نہیں۔ کہتا ہے کاش کہ میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا تو بڑی کامیابی پاتا۔''(۷۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام : اطاعت رسول کا حکم اور اس کے ثمرات بیان کرنے کے بعد جہاد کا حکم دیا ہے تاکہ اطاعتِ رسول کرنے والے جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں۔

اسلام اور کفر کی پندرہ سالہ کشمکش اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ معرکۂ بدر میں مسلمانوں کو بے مثال کامیابی حاصل ہوئی اور اُحد میں کفار کا پلڑا بھاری رہا۔ جس سے کفار اور یہود ونصاریٰ کے حوصلے اس قدر بلند ہوئے کہ وہ سوچنے لگے کہ مسلمانوں کو ختم کرنا ناممکن کام نہیں لہٰذا اب فیصلہ کن مرحلہ آن پہنچا ہے کہ ایک فریق ہمیشہ کے لیے سرنگوں ہو جائے۔ اس سوچ کے پیش نظر اہل مکہ اور یہود نے مدینہ کی چاروں جانب سازشوں کے جال بُننا شروع کر دیئے جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کو گشت کے لیے بھیجا کرتے تھے تاکہ کفار کی نقل وحرکت کا بروقت علم ہو سکے۔ انہی حالات میں یہ حکم نازل ہوا کہ مسلمانو! ہر وقت چاک وچوبند رہو اور اپنا اسلحہ پکڑے رکھو۔ مراد یہ ہے کہ اسلحہ اس قدر قریب اور تیار ہونا چاہیے کہ ہنگامی حالت میں وقت ضائع کیے بغیر دشمن کا مقابلہ کیا جا سکے۔ پھر جنگ کے بارے میں ہدایات دیں کہ حالات کے مطابق تم گوریلا جنگ کرو یا منظم طریقہ کے ساتھ جماعت کی صورت میں حملہ آور ہو تمہیں ہر طرح میدانِ کارزار میں اُترنے کے لیے آمادہ وتیار رہنا چاہیے۔ اسی سے جنگ کے متعلق قوموں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مضبوط دفاع ہی قوموں کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے لہٰذا دشمن کی جارحیت

سے بچنے کے لیے ہر وقت چوکس رہنا چاہیے۔ اس کے بعد منافقوں کے عزائم سے آگاہ کیا گیا کہ یہ تمہاری آستینوں کے سانپ اور گھر کے بھیدی ہیں ان کی سازشوں سے آگاہ رہنا نہایت ضروری ہے۔ ان کا حال یہ ہے کہ اگر تمہیں کوئی مشکل اور افتاد آپڑتی ہے تو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ نے ہم پر انعام کیا کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ نہیں تھے۔ اگر تمہیں کامیابی نصیب ہو تو حسرت وافسوس سے کہتے ہیں کہ کاش! ہم بھی اس عظیم کامیابی میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتے۔

«عَنْ یَزِیدَ بْنِ أَبِي عُبَیْدٍ قَالَ سَمِعْتُ سَلَمَةَ بْنَ الْأَکْوَعِ رضی اللہ عنہ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلَی نَفَرٍ مِنْ أَسْلَمَ یَنْتَضِلُونَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ ارْمُوا بَنِي إِسْمَاعِیلَ فَإِنَّ أَبَاکُمْ کَانَ رَامِیًا ارْمُوا وَأَنَا مَعَ بَنِي فُلَانٍ قَالَ فَأَمْسَکَ أَحَدُ الْفَرِیقَیْنِ بِأَیْدِیهِمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا لَکُمْ لَا تَرْمُونَ قَالُوا کَیْفَ نَرْمِي وَأَنْتَ مَعَهُمْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ ارْمُوا فَأَنَا مَعَکُمْ کُلِّکُمْ» (رواہ البخاری: باب التَّحْرِیضِ عَلَی الرَّمْیِ)

”حضرت یزید بن ابی عبید کہتے ہیں میں نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے سنا کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ کا اسلم قبیلہ کے چند لوگوں پر گذر ہوا جو تیر اندازی میں مقابلہ کر رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا اے اسماعیل کی اولاد تیر اندازی کرو یقیناً تمھارے آباء بھی تیر انداز تھے تیر اندازی کرو میں فلاں قبیلہ کے ساتھ ہوں تو دوسرے فریق نے مقابلہ کرنا چھوڑ دیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم تیر اندازی کیوں نہیں کرتے انہوں نے عرض کی کہ ہم تیر اندازی کیونکر کریں جبکہ آپ ان کے ساتھ ہیں آپ ﷺ نے فرمایا تم تیر اندازی کرو میں سبھی کے ساتھ ہوں“

مسائل

۱۔ امت کو انفرادی اور اجتماعی طور پر جہاد کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ۲۔ مسلمانوں کو ہر وقت اپنا دفاع مضبوط رکھنا چاہیے۔
۳۔ حالات کے مطابق جہاد انفرادی اور اجتماعی طور پر کرنا چاہیے۔ ۴۔ منافق کو دنیا اور آخرت میں پچھتاوا ہوگا۔
۵۔ منافق مسلمانوں کی آزمائش میں شامل ہونے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

تفسیر بالقرآن

ہر حال میں مضبوط دفاع:

۱۔ تھوڑے ہو یا زیادہ دفاع مضبوط رکھو۔ (النساء: ۷۱) ۲۔ کفار کے مقابلے میں ہر دم تیار رہو۔ (الانفال: ۶۰)
۳۔ دفاعی قوت کے ذریعے اسلام دشمنوں کو مرعوب رکھو۔ (الانفال: ۶۰) ۴۔ اسلحہ سے غافل نہ رہو۔ (النساء: ۱۰۲)
۵۔ نماز میں اسلحہ اپنے پاس رکھو۔ (النساء: ۱۰۲)

منافق کی حسرتیں:

۱۔ جنگ میں نہ جاتے تو زندہ رہتے۔ (آل عمران: ۱۵۶) ۲۔ با اختیار ہوتے تو قتل نہ ہوتے۔ (آل عمران: ۱۵۴)
۳۔ ہماری بات مان لیتے تو نہ مرتے۔ (آل عمران: ۱۶۸) ۴۔ کاش ہم فتح کے وقت مسلمانوں کے ساتھ ہوتے۔ (النساء: ۷۳)

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ

سو چاہیے کہ لڑیں میں اللہ کا راستہ وہ لوگ وہ بیچتے ہیں زندگی دنیا آخرت کے بدلے اور جو

يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾

لڑے میں اللہ کا راستہ پھر مارا جائے یا غالب آئے عنقریب ہم اسے دیں گے اجر بڑا

”پس جو لوگ دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچ چکے ہیں انہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہیے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہادت پا جائے یا غالب آ جائے یقیناً ہم اسے بڑا اجر عنایت فرمائیں گے۔“ (۷۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

اب پھر مسلمانوں کو جہاد پر یہ کہہ کر تیار کیا جا رہا ہے کہ ان لوگوں کو جنہوں نے دنیا پر آخرت کو مقدم سمجھ رکھا ہے اللہ کے راستے میں ضرور لڑنا چاہیے۔ انہیں کسی نقصان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو پہلے ہی دنیا کو خیر باد کہہ چکے ہیں لہٰذا یہ اللہ کی راہ میں کٹ مریں یا غالب آئیں انہیں ہر دو صورتوں میں اجرِ عظیم سے نوازا جائے گا۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ تَكَفَّلَ اللّٰهُ لِمَنْ جَاهَدَ فِي سَبِيلِهِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِهِ وَتَصْدِيقُ كَلِمَاتِهِ بِأَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يَرْجِعَهُ إِلَى مَسْكَنِهِ الَّذِي خَرَجَ مِنْهُ مَعَ مَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ» (رواه البخاري: باب قوله تعالى ولقد سبقت كلمتنا)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کا ذمہ لے لیا جسے اس کے راستے میں صرف جہاد اور اس کے کلمے کی تصدیق نے نکالا ہو کہ اسے جنت میں داخل کرے گا یا اسے اس کے اس گھر میں اجر یا مالِ غنیمت کے ساتھ لوٹائے گا۔“

مسائل

۱۔ کفار کے خلاف جہاد کرنے میں کامیابی یا شہادت دونوں ہی اجرِ عظیم کا باعث ہیں۔

تفسیر بالقرآن

مجاہد کا اجر و ثواب:

۱۔ مجاہد اور غیر مجاہد برابر نہیں ہو سکتے۔ (النساء: ۹۵) ۲۔ مجاہدین عذابِ الیم سے نجات پائیں گے۔ (الصف: ۱۰، ۱۱)

۳۔ مجاہد کے لیے جنت ہے۔ (محمد: ۶) ۴۔ شہید کے لیے مغفرت ہے۔ (آل عمران: ۱۵۷)

۵۔ مجاہدین سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔ (الصف: ۴)

۶۔ شہید زندہ ہیں وہ اللہ کے ہاں رزق پاتے اور بے خوف و غم رہتے ہیں۔ (آل عمران: ۱۷۰، ۱۷۱)

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ

اور کیا تمہارے لیے نہیں تم لڑتے ہو میں اللہ کا راستہ اور کمزور (جمع) سے

الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

مرد (جمع) اور عورتیں اور بچے جو لوگ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں نکال

مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا

سے اس بستی ظالم اس کے رہنے والے اور بنا دے ہمارے لیے

مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝۷۵ؕ

سے اپنے پاس دوست اور بنا دے ہمارے لیے سے اپنے پاس مددگار

”تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان ناتواں مردوں، عورتوں اور بچوں کی نجات کے لیے جہاد نہیں کرتے جو دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لیے اپنی طرف سے ہمارا حمایتی کھڑا کر دے اور ہمارے لیے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا۔“ (۷۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہاد کے متعلق خطاب جاری ہے اور جہاد میں مظلوم کی مدد کرنا لازم قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے وطن اور گھر کی محبت انسان ہی نہیں درندوں اور پرندوں کے دل میں بھی پیدا فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ درندے اپنی غار کی اور پرندے اپنے گھونسلے کے ایک ایک تنکے کی حفاظت کرتے ہیں اور ہر جاندار شام کو اپنے ٹھکانے کی طرف پلٹتا ہے۔ کوئی جاندار اپنے گھر اور وطن کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ لیکن جب کسی کو اس قدر ستایا جائے کہ اسے اپنی جان کے لالے پڑ جائیں تو وہ ہر چیز چھوڑنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ یہی صورت انسان کی ہے جب مکہ معظمہ میں مسلمانوں پر اس قدر مظالم توڑے گئے کہ ظالم اور سفاک لوگوں نے مسلمان خواتین اور معصوم بچوں کو بھی معاف نہ کیا۔ جس کی وجہ سے مرد، عورتیں اور بچے بلبلا اُٹھے کہ اے بارِ الٰہا! ظالموں کی بستی سے نکلنے کے لیے اپنی طرف سے ہمارا سرپرست اور مددگار پیدا فرما تاکہ ہم اپنے ایمان اور جان و مال کو بچا سکیں۔ اس دعا میں کمزور مسلمانوں کی مظلومیت کا نقشہ پیش کرنے کے ساتھ ان کی ہمدردی اور مدد کے لیے مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت واضح کی گئی ہے۔ یاد رہے کہ اسلامی جہاد کی بنیادی طور پر تین اقسام ہیں۔ ۱۔ دفاعی۔ ۲۔ مظلوم مسلمان اور انسانیت کی مدد کرنا۔ ۳۔ اللہ کے باغیوں کو سرنگوں کر کے پرچمِ اسلام کو سربلند رکھنا۔ کیونکہ زمین و مافیہا اللہ کی ملکیت ہے۔ لہٰذا باغی انسانوں کو سرنگوں کرنا اور رکھنا اللہ والوں کی ذمہ داری ہے۔

جہاں تک مظلوم انسانیت کی مدد کرنے کا معاملہ ہے دُنیا میں دوسری قوموں کے مقابلے میں مسلمان لازوال تاریخ رکھتے

ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنی اغراض کی بجائے محض اللہ کی رضا اور انسانیت کی حمایت کے لیے بیش بہا قربانیاں دی ہیں۔ ہسپانیہ کی تاریخ گواہ ہے کہ جب عیسائی حکمران راڈرک نے اپنے ہی گورنر کی معصوم بچی کے ساتھ زیادتی کی تو گورنر نے مجبور ہو کر اپنے ہم منصب مسلمان ملک کے سرحدی گورنر موسیٰ بن نصیر کو خط لکھا۔ جس کے جواب میں طارق بن زیاد نے اسپین پر حملہ کیا جس کے نتیجے میں تقریباً ۸ سو سال تک اسپین امن وامان کا گہوارہ بنا۔ ہسپانوی مورخ اسے ہسپانیہ کی تاریخ کا سنہری دور تصور کرتے ہیں۔ ایسی ہی صورت حال سندھ میں پیدا ہوئی کہ جب مسلمان مسافروں پر راجہ داہر کے غنڈوں نے حملہ کیا تو ایک مسلمان بیٹی نے عراق کے گورنر حجاج بن یوسف کو دہائی دی۔ حجاج نے اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو مظلوموں کی مدد کے لیے بھیجا۔ جس سے تقریباً ایک ہزار سال تک ہندوستان میں اسلام کا پھریرا بلند رہا اور اس ملک میں وحدت پیدا ہوئی۔ لوگوں کو سیاسی، علمی شعور ملنے کے ساتھ امن وسکون نصیب ہوا اور پاکستان وجود میں آیا۔ اسی جہاد کی ترجمانی قادسیہ میں جو اس وقت ایرانی حکومت کا دار الحکومت تھا حضرت ربیع رضی اللہ عنہ نے رستم کے سامنے ان الفاظ میں کی تھی:

«إِنَّا قَدْ أُرْسِلْنَا لِنُخْرِجَ النَّاسَ مِنْ ظُلُمَاتِ الْجَهَالَةِ إِلَى نُوْرِ الْإِيْمَانِ وَمِنْ جَوْرِ الْمُلُوْكِ إِلَى عَدْلِ الْإِسْلَامِ» (البدایہ والنہایہ)

”(ہم خود نہیں آئے) ہمیں بھیجا گیا ہے تاکہ لوگوں کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر نور ایمان میں لا کھڑا کریں۔ عوام الناس کو بڑے لوگوں کے جور وستم سے نکال کر اسلام کے عادلانہ نظام میں زندگی گزارنے کا موقعہ فراہم کریں۔“

مسائل

۱۔ کفار کے مظالم سے مسلمانوں کو نجات دلانی چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ سے مظلوم کو مدد طلب کرنی چاہیے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

تفسیر بالقرآن

مظلوم کی مدد کرنا چاہیے:

۱۔ مظلوم مسلمانوں کو جہاد کرنے کی اجازت ہے۔ (الحج: ۳۹)
۲۔ مظلوموں کی مدد کے لیے جہاد کرنا لازم ہے۔ (النساء: ۷۵)
۳۔ مسلمانوں کو نظر انداز کرنا ظلم ہے۔ (الانعام: ۵۲) ۴۔ ظالموں سے سختی سے نمٹو۔ (البقرۃ: ۱۹۳)

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ

جولوگ ایمان لائے وہ لڑتے ہیں میں اللہ کا راستہ اور وہ لوگ انہوں نے کفر کیا وہ لڑتے ہیں میں راستہ

الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۝٧٦

طاغوت سوتم لڑو دوست شیطان (جمع) بیشک فریب شیطان ہے کمزور

''جولوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔ پس تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو۔ بلاشبہ شیطان کا حربہ نہایت کمزور ہے۔'' (۷۶)

فہم القرآن

ربط کلام: جہاد فی سبیل اللہ اور عام لڑائی کا فرق بیان کیا گیا ہے۔

یہاں دو جماعتوں اور لشکروں کی محاذ آرائی اور باہمی جنگ وجدل کے محرکات اور ان کے مشن کا فرق نمایاں کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ صاحبِ ایمان لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے جنگ وجدل کرتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں کفار طاغوت کے مشن کی بالادستی کے لیے برسر پیکار ہوتے ہیں۔ تیسرے پارے میں یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ طاغوت سے مراد ہر وہ قوت جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف ہو یہ حکمرانوں یا سیاستدانوں کی شکل میں ہوں یا عام انسانوں کے روپ میں، کفار ہوں یا اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے منافق گویا اللہ اور اس کے رسول کے مخالف کہ جس شکل وصورت میں ہوں۔ وہ طاغوت کے ساتھی تصور ہوں گے۔ پہلی آیت میں مظلوموں کی مدد کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ کفار کی اصل طاقت کا پول کھول دیا جائے تاکہ مجاہد کسی کمزوری اور گھبراہٹ کے بغیر آگے بڑھیں۔ یہ بھی واضح کیا گیا کہ کفار کا کروفر محض دکھاوا ہے اندر سے یہ کمزور اور کھوکھلے ہیں۔ پھر ان کی کمزوری کی وجہ بیان فرمائی کہ اپنے خالق کے باغی اور سچا مشن نہ ہونے کی وجہ سے ان کے دلوں میں جرأت اور ان کے قدموں میں استقامت پیدا نہیں ہوتی۔ مسلمان ایمان کی دولت اور وسائل کے مطابق مکمل تیاری، باہمی اتحاد، اور کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لیے سینہ سپر ہوں تو دنیا کی کوئی قوت مسلمانوں کو سرنگوں نہیں کر سکتی کیونکہ یہی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

مجاہدو! تم ہی غالب آؤ گے بشرطیکہ ایمانِ کامل کے اسلحہ سے لیس ہو جاؤ۔ مسلمانوں کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ مسلمان جب بھی ایمان، اتحاد اور جہاد کے جذبہ سے سرشار ہو کر میدان کارزار میں اترے فتح وکامرانی نے ان کے قدم چومے اور اللہ کی مدد کالی گھٹا اور موسلا دھار بارش کی طرح مسلمانوں پر سایہ فگن ہوئی۔ کفار اور اشرار بالآخر ہر میدان میں منہ کی کھا کر واپس ہوئے۔ کیونکہ قوت وجبروت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ مکروفریب اور ضعف وکمزوری شیطان کے حصہ میں آئی ہے۔

مسائل

۱۔ ایمان دار اللہ کے لیے لڑتے ہیں اور کافر شیطان کے لیے برسرِ پیکار ہیں۔

۲۔ شیطان کے ساتھی اور ان کے حربے نہایت کمزور ہوا کرتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

کیاتم نے نہیں دیکھا طرف وہ لوگ کہا گیا ان کو روک لو اپنے ہاتھ اور قائم کرو نماز

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ

اور ادا کرو زکوٰۃ پھر جب فرض ہوا ان پر لڑنا اچانک ایک فریق ان میں سے ڈرتے ہیں

النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ

لوگ مانند ڈرنا اللہ یا زیادہ ڈرنا اور وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب تونے کیوں فرض کیا

عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ

ہم پر لڑنا کیوں نہ ہمیں مہلت دی تک مدت تھوڑی فرمادیں فائدہ

الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾

دنیا تھوڑا اور آخرت بہتر اس کے لئے جو ڈر گیا اور نہ تم پر ظلم ہوگا دھاگے کے برابر

”کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں حکم دیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو پھر جب انہیں جہاد کا حکم دیا گیا تو ان کی ایک جماعت لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگی جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا۔ کیوں نہ ہمیں تھوڑی سی اور مہلت دی جاتی تم کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ بہت ہی کم ہے اور پرہیزگاروں کے لیے آخرت ہی بہتر ہے اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی زیادتی نہیں کی جائے گی۔“ (۷۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کمزور مسلمانوں کو جنگ میں پہل کرنے کی بجائے اپنے آپ کو منظم اور اخلاق و ایمان کے لحاظ سے مضبوط کرنا چاہیے۔

مفسرین نے اس آیت کے متضاد مفہوم اخذ کیے ہیں۔ ایک طبقے کا خیال ہے کہ یہ آیت مظلوم مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے مظالم سے تنگ آ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مطالبہ کیا کہ ہمیں لڑنے کی اجازت عنایت فرمائی جائے۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے کتاب الجہاد میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ اللہ کے رسول! ہم مشرک ہونے کے باوجود معزز اور باوقار لوگ تھے اب ایمان لانے کے بعد ہم ذلیل ہو رہے ہیں۔ اس لیے ہمیں لڑنے کی اجازت دیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا ابھی تک اللہ تعالیٰ نے مجھے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ پہنچے تو ہمیں قتال کا حکم ہوا لیکن بعض لوگوں نے لڑنے سے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا، جس پر یہ فرمان نازل ہوا۔ (رواہ النسائی: باب وجوب الجہاد [صحیح]) جبکہ دوسرے مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کی بجائے منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی

ہے۔ جہاد کا حکم آنے سے پہلے وہ ڈینگیں مارتے تھے کہ ہمیں مشرکوں کے مقابلے میں کٹ مرنا چاہیے۔ جس سے ان کا مطلب مصنوعی اخلاص کا اظہار تھا۔ یا پھر منافق چاہتے تھے کہ مسلمان طاقتور اور منظم ہونے سے پہلے کفار کے ساتھ ٹکرا جائیں تاکہ مسلمانوں کی طاقت ابتداء ہی میں پاش پاش ہو جائے۔ لہٰذا مسلمانوں کو سمجھایا اور روکا جا رہا ہے کہ ابھی میدانِ جہاد میں اُترنے کا وقت نہیں آیا۔ کیونکہ تم تعداد میں تھوڑے اور تربیت کے لحاظ سے ناپختہ اور غیر منظم ہو۔ اس لیے پہلے زکوٰۃ کی ادائیگی کی صورت میں مالی قربانی کا جذبہ پیدا کرو۔ اخلاقی، روحانی اور تنظیمی تربیت کے لیے نماز پڑھتے رہو۔ جب تم ایک امام کی اتباع میں قیام اور رکوع و سجود کرو گے تو تمہیں ہر حال میں نظم و ضبط قائم رکھنے کا سلیقہ آئے گا۔ جہاد میں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور نظم بھی ضروری ہوتا ہے جو زکوٰۃ اور نماز کے نتائج اخذ کیے بغیر ممکن نہیں۔ لیکن جب جہاد فرض ہوا تو کچھ لوگ اس طرح ڈر رہے تھے جیسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ خوف زدہ ہو کر کہتے تھے کہ ہمارے رب نے ہم پر قتال کیوں فرض کیا ہے؟ کاش کہ ہمیں مزید مہلت دی جاتی۔ ان کے جواب میں فرمایا گیا کہ اے رسول! انہیں سمجھاؤ تم تھوڑی سی مہلت مانگتے ہو یہ دنیا تو بذاتِ خود قلیل اور اس میں رہنے کی مدت انتہائی تھوڑی ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں آخرت کی نعمتیں بیش بہا، دائمی اور آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے۔ وہاں کسی پر کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی زیادتی نہ ہوگی۔ بلکہ ہر کسی کو پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ کھجور کی گٹھلی کی لکیر میں جو دھاگہ نما پردہ ہوتا ہے۔ اسے عربی میں ''فتیل'' کہا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا تَمَنَّوْا لِقَآءَ الْعَدُوِّ وَسَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فَإِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاصْبِرُوْا))

(رواہ البخاری: کتاب الجهاد والسیر، باب لاتمنو القاء العدو)

''دشمن سے ملنے کی آرزو نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو، جب تمہارا ٹکراؤ دشمن سے ہو جائے تو پھر ڈٹ جاؤ۔''

مسائل

۱۔ جنگ کی خواہش کرنے کی بجائے نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے اپنا کردار مضبوط بنانا چاہیے۔

۲۔ جہاد فرض ہو جائے تو ڈرنے کی بجائے ڈٹ جانا چاہیے۔

۳۔ دنیا کا مال و متاع آخرت کے مقابلے میں نہایت ہی تھوڑا ہے۔ ۴۔ صاحبِ تقویٰ لوگوں کے لیے آخرت بہتر ہے۔

تفسیر بالقرآن

لوگوں سے ڈرنے کی بجائے اللہ سے ڈرنا چاہیے:

۱۔ لوگ اللہ سے ڈرنے کے بجائے لوگوں سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ (النساء: ۷۷)

۲۔ اللہ سے خلوت میں ڈرنے والے کے لیے جنت کی خوشخبری ہے۔ (یٰسین: ۱۱)

۳۔ لوگوں سے ڈرنے کے بجائے اللہ سے ہی ڈرنا چاہیے۔ (آلِ عمران: ۱۷۵)

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ

جہاں کہیں | تم ہو گے | تمہیں پالے گی | موت | اگرچہ | تم ہو | میں | قلعے

مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ

مضبوط | اور اگر | انہیں پہنچے | کوئی بھلائی | وہ کہتے ہیں | یہ | سے | اللہ کے پاس

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ

اور اگر | انہیں پہنچے | کچھ برائی | وہ کہتے ہیں | یہ | سے | آپ کی طرف | فرمادیں | سب

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿٧٨﴾

سے | اللہ کے پاس | تو کیا ہے | اس (جمع) | قوم | نہیں قریب | وہ سمجھیں | بات

”تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں پالے گی چاہے تم مضبوط قلعوں میں ہو اور اگر انہیں کوئی بھلائی ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے۔ انہیں فرمادو کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ انہیں کیا ہو گیا کہ کوئی بات سمجھنے کے قریب نہیں آتے۔“ (۷۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہاد وہی کرسکتا ہے جو موت سے ڈرنے والا نہ ہو۔ مجاہد کو موت سے بے خوف کرنے کے لیے بتلایا ہے کہ موت کا تعلق قتال کے ساتھ نہیں۔ اس کا تو وقت، مقام اور سبب مقرر ہے۔ موت اپنے وقت اور مقام پر آئے گی چاہے کوئی قلعہ بند ہو جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر کسی کو زندگی عزیز، اولاد محبوب اور مال وجان پیارے ہوتے ہیں۔ لیکن مومن اور دوسروں کا فرق یہ ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ کی محبت اور ڈر کی وجہ سے اس کے حکم کو دنیا جہاں کی ہر چیز سے عزیز تر سمجھ کر بے خوف وخطر میدان جنگ میں کود پڑتا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ تصور ہوتا ہے کہ گھر ہو یا باہر، امن ہو یا جنگ میرے لیے موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے۔ پھر منافقوں کی طرح چُھپنا اور بزدلوں کی طرح پیچھے ہٹنے کا کیا مقصد؟ یہ جذبہ اس کے دل سے موت کا خوف نکال دیتا ہے تبھی تو وہ چمکتی ہوئی تلواروں اور برستے ہوئے گولوں میں آگے بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ موت اپنی مقررہ جگہ اور وقت کے بغیر ہرگز نہیں آسکتی۔ دنیا میں کتنے ہی سپہ سالار اور حکمران گزرے ہیں جن کی حفاظت کے لیے ہزاروں کمانڈوز حصار بنائے رکھتے تھے۔ لیکن جب موت کا وقت آیا تو کوئی بھی ان کی حفاظت نہ کرسکا۔ ماضی قریب میں امریکہ کا صدر کینیڈی گولی لگنے سے اس وقت ہلاک ہوا جب پولیس کے ہزاروں جوان، درجنوں انٹیلی جنس ایجنسیاں اور انتہائی چاک وچوبند مسلح گارڈز اس کی حفاظت کررہے تھے۔ اس کے مقابلہ میں فلسطین کے صدر یاسر عرفات پر اسرائیل نے بارہا دفعہ سینکڑوں گولے برسائے یہاں تک کہ اس کے صدر مقام رملہ کا اسرائیل نے کئی مہینے محاصرہ کیے رکھا، مسلسل بمباری

کی وجہ سے اس کے دفتر اور رہائش کا بیشتر حصہ تباہ ہوگیا لیکن موت یا سر عرفات کے قریب نہ پہنچ سکی، جب وقت آیا تو فرانس کے ایک ہسپتال سے اس کا جسدِ خاکی اٹھا۔

امریکہ جسے اپنے سیٹلائٹ سسٹم پر بڑا ناز ہے اس کی انٹیلی جنس سے مرعوب ہوکر جنگی جغادری بھی کہتے ہیں کہ زمین پر پڑی ہوئی سوئی بھی امریکہ سے چھپ نہیں سکتی لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ 2002ء سے لے کر 2012ء تک اسامہ زندہ رہا ہے۔ افغانستان کا چپہ چپہ چھان مارنے' بستیوں کی بستیاں تباہ کرنے کے باوجود امریکہ اسامہ بن لادن تلاش کرسکا اور نہ کروڑوں ڈالر کی پیش کش کا اعلان ہونے کے باوجود کوئی اسامہ کو قتل کرسکا۔

یہاں منافقوں کی ایک اور عادتِ بد کا ذکر کیا گیا ہے کہ اگر ان کو کوئی فائدہ اور اچھائی پہنچے تو کہتے ہیں یہ ہماری حسنِ تدبیر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا ہے۔ جب کوئی نقصان پہنچتا ہے تو رسول اللہ ﷺ کو اذیت اور صدمہ پہنچانے کے لیے ہرزہ سرائی کرتے ہیں کہ یہ تمہاری بے تدبیری کا نتیجہ ہے۔ اے نبی! انہیں فرمائیں کہ نفع ونقصان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا کرتا ہے۔ کوئی کسی کو نقصان پہنچانا چاہے تو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر ایسا نہیں کرسکتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو ہمیں جدوجہد کرنے کی کیا مصیبت پڑی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جو ہمارے لیے لکھ چھوڑا ہے وہ ہوکر رہے گا دراصل یہ شیطان کا حربہ ہے جس کو استعمال کرکے یہ لوگ نیکی کے کاموں سے چھٹکارا پانا چاہتے ہیں۔ کیا ایسے لوگ دنیا کے معاملات کے بارہ میں بھی یہ عقیدہ اختیار کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں؟ جہاں تک رسول گرامی ﷺ کا تعلق ہے آپ دنیا کے لیے رحمت اور محسن اعظم بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ آپ تو کسی کو نقصان پہنچانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے بلکہ آپ تو انسانیت کی خاطر بڑی بڑی تکالیف اور نقصانات اٹھاتے رہے ہیں۔ منافق کیسے بدفطرت اور غیر دانشمند لوگ ہیں کہ اس حقیقت کو بھی سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔

مسائل

۱۔ انسان قلعہ بند ہو یا جہاں بھی چھپ جائے موت اسے دبوچ لے گی۔

۲۔ منافقوں کو کوئی تکلیف پہنچے تو وہ دوسروں کے ذمہ لگاتے ہیں۔

۳۔ ہر تکلیف بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔ ۴۔ منافق اور کافر حقیقت کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

تفسیر بالقرآن

موت کا ایک دن مقرر ہے:

۱۔ موت کا وقت مقرر ہے۔ (آلِ عمران: ۱۴۵) ۲۔ موت کی جگہ متعین ہے۔ (آلِ عمران: ۱۵۴)

۳۔ موت کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ (آلِ عمران: ۱۶۸) ۴۔ موت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ (النساء: ۷۸)

۵۔ سب کو موت آنی ہے۔ (الانبیاء: ۳۵) ۶۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر کسی نے مرنا ہے۔ (الرحمٰن: ۲۶، القصص: ۸۸)

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ

جو تجھے پہنچے سے بھلائی سو سے اللہ اور جو تجھے پہنچے سے کوئی برائی تو سے

نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝٧٩ مَنْ يُّطِعِ

تیرا نفس اور ہم نے بھیجا آپ کو لوگوں کے لیے رسول اور کافی ہے اللہ گواہ جو اطاعت کرے

الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝٨٠

رسول پس تحقیق اطاعت کی اللہ اور جو روگردانی کی تو نہیں ہم نے آپ کو بھیجا ان پر نگہبان

”تجھے جو بھلائی ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے نفس کی بدولت ہے۔ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔(۷۹) جو رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جو منہ پھیر لے ہم نے تمہیں ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔“(۸۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام : نقصان پہنچنے پر منافق رسولِ کریم ﷺ کی ذات کو ذمہ دار ٹھہراتے تھے اس ہرزہ سرائی کا جواب دیتے ہوئے اصل حقیقت سمجھائی ہے کہ نفع ونقصان حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔لیکن انسان کو پہنچنے والے نقصان کا بنیادی سبب اس کا ذاتی کسب وعمل ہوتا ہے۔

پہلی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ نفع ہو یا نقصان ہر ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔کیونکہ وہی مختارِ کل اور نفع ونقصان کا مالک ہے۔اس آیت میں اس کی یوں تشریح فرمائی ہے کہ انسان کو پہنچنے والی اچھائی اور فائدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم ہے۔جہاں تک برائی اور نقصان کا معاملہ ہے یہ انسان کی اپنی کوتاہی اور بے تدبیری کا نتیجہ ہے۔اللہ تعالیٰ چاہے تو دنیا میں کسی کی غلطی سے درگزر فرمائے نہ چاہے تو کوتاہی کے بدلے سرزنش یا سزا کے طور پر آدمی کی گرفت فرمائے۔یہی بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید سمجھاتے ہوئے بیان فرمائی تھی کہ شفاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور بیماری اپنی طرف سے ہوتی ہے۔(الشعراء:۸۰)

یہاں یہ اُصول سمجھانے کے بعد فرمایا اے رسولِ مکرم ﷺ! آپ کو دل چھوٹا کرنے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں آپ خود لوگوں کے سامنے کھڑے نہیں ہوئے یہ تو ہم نے آپ کو پوری انسانیت کی طرف پیغام دینے والا بنا کر بھیجا اور کھڑا کیا ہے۔لوگ تمہاری رسالت کی گواہی دیں تو یہ ان کی خوش نصیبی ہے اگر یہ انکار کردیں تو تمہیں بھیجنے والا ”اللہ“ شہادت دیتا ہے کہ آپ اس کے سچے رسول ہیں۔اللہ تعالیٰ کی شہادت تمام شہادتوں سے بڑھ کر ہے کوئی گواہی اُس کی گواہی سے بہتر اور معتبر نہیں ہوسکتی۔نہ ہی اس کی گواہی کے بعد کسی کی گواہی کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔دراصل لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ آپ کی اطاعت

اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ جس نے آپ کی اطاعت کی حقیقتاً اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اے نبی ﷺ! تمہیں ہم نے لوگوں پر نگہبان اور دربان بنا کر نہیں بھیجا اور نہ ہی آپ سے سوال ہوگا کہ آپ کے ہوتے ہوئے یہ لوگ کافر و مشرک کیوں رہے؟ آپ کا کام تو بات سمجھانا اور پہنچانا ہے یہ فرض آپ کماحقہٗ پورا کر رہے ہیں۔

نفع و نقصان کے بارے میں نبی ﷺ کا عقیدہ اور فرمان:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا فَقَالَ يَا غُلَامُ إِنِّيْ أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ احْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰٓى أَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰٓى أَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَضُرُّوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ))

(رواہ الترمذی: کتاب صفة القیامة والرقائق والورع [صحیح])

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک دن میں رسولِ کریم ﷺ کے پیچھے سوار تھا آپ نے فرمایا: بچے! میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں تو اللہ کے احکامات کی حفاظت کر اللہ تیری حفاظت کرے گا۔ اللہ کو یاد کر تو اسے اپنے سامنے پائے گا، جب سوال کرے تو اللہ ہی سے سوال کر، جب مدد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرنا اور یقین رکھ کہ اگر تمام لوگ تجھے نفع دینے کے لیے جمع ہو جائیں۔ وہ اتنا ہی نفع دے سکتے ہیں جتنا اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ رکھا ہے اور اگر وہ تجھے نقصان دینے پہ تل جائیں۔ تجھے اتنا ہی نقصان پہنچے گا جتنا تیرے حق میں لکھا گیا ہے، قلمیں اٹھا لی گئیں ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔“

مسائل

۱۔ اچھائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور نقصان انسان کی کوتاہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی پر گواہ ہے۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت حقیقت میں اللہ کی اطاعت ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو لوگوں پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔

تفسیر بالقرآن

آپ ﷺ کی عالمگیر نبوت:

۱۔ رسول اللہ ﷺ پوری دنیا کے رسول ہیں۔ (الاعراف: ۱۵۸)

۲۔ رسول اللہ ﷺ سب کے رسول ہیں۔ (سباء: ۲۸) ۳۔ رسول اللہ ﷺ مبشر اور نذیر ہیں۔ (الاحزاب: ۴۵)

۴۔ رسول اللہ ﷺ رحمت عالم ہیں۔ (الانبیاء: ۱۰۷) ۵۔ رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ (الاحزاب: ۴۰)

وَ يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآىِٕفَةٌ

اور وہ کہتے ہیں | حکم ماننا | پھر جب | باہر جاتے ہیں | سے | آپ کے پاس | رات کو مشورہ کرتا ہے | ایک گروہ

مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ

ان سے | علاوہ | وہ جو | تو کہتا ہے | اور اللہ | لکھ لیتا ہے | جو | وہ رات کو مشورے کرتے ہیں

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

پس آپ منہ پھیر لیں | ان سے | اور بھروسہ کریں آپ | پر | اللہ | اور کافی ہے | اللہ | کارساز

”(منہ پر) یہ کہتے تو ہیں کہ اطاعت اختیار کر لی۔ جب تمہارے پاس سے اٹھ کر باہر نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک جماعت، تمہاری کہی ہوئی بات کے خلاف رات کے وقت جمع ہو کر مشورے کرتی ہے۔ ان کی راتوں کی سرگوشیاں اللہ لکھ رہا ہے۔ آپ ان سے اعراض فرمائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کافی ہے کارساز۔“(۸۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقوں کے کردار کا تذکرہ جاری ہے۔ منافق کی یہ بھی عادت ہوتی ہے کہ اکثر دوغلی بات کرتا ہے۔

منافق کی عادت ہوتی ہے کہ وہ سامنے جی حضوری اور بعد میں اس کے الٹ بات کرتا ہے۔ یہی عادت آپ ﷺ کے دور کے منافقوں کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے رُعب اور مسلمانوں کے ماحول سے مرعوب ہو کر ظاہری رکھ رکھاؤ کے لیے آپ ﷺ کے سامنے آتے تو ایسے الفاظ اور انداز اختیار کرتے کہ جن سے آپ کو یقین ہو جائے کہ یہ واقعتاً اچھے لوگ ہیں۔ لیکن جونہی آپ کی محفل سے باہر جاتے بالخصوص رات کے وقت خفیہ میٹنگوں میں مشورے کرتے کہ اسلام سے کس طرح چھٹکارا پائیں اور آپ کو کس طرح نقصان پہنچایا جائے؟ ان کی خفیہ مجالس کو طشت ازبام کرتے بتلایا جا رہا ہے کہ جو کچھ یہ کہتے اور کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے لکھ رہا ہے یعنی اس کے حکم سے کراماً کاتبین ان کا ایک ایک لفظ اور تمام حرکات کو ضبطِ تحریر میں لا رہے ہیں۔ قیامت کے دن مکمل ریکارڈ ان کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ یہاں نہایت بلیغ انداز میں منافقوں کو ایسی حرکات سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کے بعد رسول کریم ﷺ کو سمجھایا گیا کہ آپ ایسی باتوں کے پیچھے پڑنے کے بجائے درگزر فرمایا کریں۔ کیونکہ صاحب عزیمت لوگ سِفلہ مزاج لوگوں کی عادات سے صرفِ نظر ہی کیا کرتے ہیں آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں اور اپنا کام کرتے جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی پوری طرح حفاظت کرنے والا، کارساز اور ان کی سازشیں ناکام کرنے والا ہے۔

مسائل

۱۔ منافق لوگ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں اطاعت کا اعلان کرتے لیکن بعد میں انکار کرتے تھے۔

۲۔ لوگوں کے اعراض اور بے ہودہ اعتراضات پر افسردہ ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

اَفَلَا	يَتَدَبَّرُوْنَ	الْقُرْاٰنَ	وَلَوْ	كَانَ	مِنْ	عِنْدِ
کیا پس نہیں	وہ غور وفکر کرتے	قرآن	اوراگر	ہوتا	سے	پاس
غَيْرِ اللّٰهِ	لَوَجَدُوْا	فِيْهِ	اخْتِلَافًا	كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾		
اللہ کے علاوہ	ضرور پاتے	اس میں	اختلاف	بہت		

''کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت سے اختلاف پاتے۔'' (۸۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام : اگر آدمی قرآن مجید کے نصائح اور فرمودات پر غور کرے تو اس کے قول وفعل میں تضاد نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ قرآن تضادات سے پاک ہے اور سیدھی، صاف بات کہتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید پر آدمی مخلصانہ طریقہ پر غور اور عمل کرے تو وہ منافقت اور قول وفعل کے تضاد سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

قرآنِ مجید کا اسلوب ہے کہ وہ کسی حقیقت کو منوانے کے لیے تحکم کی بجائے سوچ و بچار اور غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ توحید کی دعوت دی تو زمین و آسمان کی تخلیق، رات اور دن کی گردش، سمندر کی لہروں اور تہوں گویا کہ بحر و بر کی تمام نشانیوں کو پیش فرمایا یہاں تک کہ انسان کو اپنے آپ پر غور کرنے کا حکم دیا اور یہی دعوت قرآنِ مجید کے بارے میں دی ہے۔

یہاں منافقوں اور قرآن کے منکروں کے اس الزام اور شبہ کی تردید کے لیے خود قرآن ہی کو ان کے سامنے پیش فرمایا ہے کہ آؤ قرآن کا ایک ایک لفظ پرکھو اور اس پر غور کرو۔ اگر تمہارے زعم کے مطابق یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی بجائے کسی اور کا کلام ہو سکتا ہے تو اس میں کسی قسم کا اختلاف، انحطاط اور تضاد پیش کرو لیکن تم کبھی ایسا نہیں پاؤ گے۔ ہاں یہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں ضرور سینکڑوں اختلافات اور تضادات ہوتے۔ کیونکہ دُنیا میں کوئی تحریک اور شخصیت ایسی نہیں جس کے مختلف ادوار اور خطابات، بیانات کو سامنے رکھا جائے تو وہ اونچ نیچ اور تضادِ فکری سے خالی ہو۔ کسی لائق سے لائق انسان کی پوری زندگی کا کلام اخلاقی قدروں، علمی بنیادوں اور فکری ارتقاء کے لحاظ سے یکساں نہیں ہوا کرتا۔ جبکہ قرآنِ مجید کا ایک ایک لفظ انگوٹھی کے نگینے کی طرح موزونیت لیے ہوئے ہے اس میں شہد جیسی مٹھاس، گلاب کے پھول سے بڑھ کر دلربائی، چنبیلی کی خوشبو سے زیادہ کشش، دریا کے طوفان سے زیادہ جوش وخروش اور بجلی کے کڑکے سے زیادہ رعب پایا جاتا ہے۔ قرآن کے بیان کردہ واقعات تاریخ کی روشنی میں دیکھیں تو اس کا ہر لفظ صداقت کا آئینہ دار اور حق کی گواہی دے رہا ہے۔ اس کی پیشگوئیوں کا ایک ایک حرف ٹھیک ثابت ہوا اور ہوتا رہے گا۔ اس کے بتلائے ہوئے معاشی، سیاسی، سائنسی اصول اور حقائق اپنی جگہ پر ہر دور میں مسلمہ رہے ہیں اور رہیں گے۔

''یہ کتاب تیئس سال کے عرصۂ دراز میں وقفہ وقفہ سے نازل ہوئی۔ اس میں تضاد اور اختلاف کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ یہ دَور ہنگامہ خیز اور پرآشوب عرصہ ہے جس میں داعی اسلام، اس کے ماننے والوں اور خود اس دعوت کو شدید قسم

کے مختلف مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ظلم وستم کے پہاڑ بھی توڑے گئے اور عقیدت ومحبت کے پھول بھی برسائے گے۔ایسے حالات بھی رُونما ہوئے کہ ظاہر بیں نگاہوں کو یقین ہونے لگا کہ چراغِ حق ابھی بُجھا چاہتا ہے۔ایسا دور بھی آیا کہ اس چراغ کو پھونکیں مار مار کر بجھانے والے وحشیوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑے۔صلح بھی اور جنگ بھی، فتح بھی اور پسپائی بھی، خوف بھی اور امن بھی ہر قسم کے حالات رُوپذیر ہوئے۔گونا گوں اور بُوقلموں ادوار میں یہ کتاب نازل ہوتی رہی اور اس میں ایک بھی ایسی آیت کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی جس سے اسلام کے اصولوں میں تضاد کا شائبہ تک ہو۔علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے ایک جملہ میں سب کچھ بیان کر کے رکھ دیا۔(مِنْ تَنَاقُضِ الْمَعْنٰی وَ تَفَاوُتِ النَّظْمِ) یعنی اس کی کوئی آیت نہ معنوی لحاظ سے دوسری آیت کے خلاف ہے نہ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے کوئی حصہ دوسرے حصہ سے فروتر ہے۔یہ معانی وحقائق کا سمندر ہے جس کی لہروں میں آویزش نہیں اور جس کی ہر موج اور ہر قطرہ گُل کا رنگ و بُو لیے ہوئے ہے۔اس سے بڑھ کر اس کے کلامِ الٰہی ہونے کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے؟[ضیاء القرآن]

تدبرِ قرآن کی اہمیت

قرآن مجید کی تلاوت کے جو آداب اور تقاضے مقرر کیے گئے ہیں ان میں ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ تلاوت کے دوران قرآن مجید کے الفاظ، انداز اور اس کے فرمان پر غور وخوض کیا جائے۔رسول اللہ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ تہجد میں تلاوت کے دوران قرآن مجید کے احکامات پر غور کرتے اور عذاب کی آیات پر اللہ تعالیٰ سے پناہ اور معافی طلب کرتے اور زار وقطار روتے۔جب بشارت کی آیات پڑھتے تو اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے حصول کے طلب گار ہوتے۔(رواہ ابن ماجہ: باب ما یقول فی القرأۃ فی صلاۃ اللیل [صحیح]) قرآن مجید میں تدبّر وتفکّر کرنا حسبِ لیاقت ہر آدمی پر فرض ہے۔

تدبّر کے اُصول

قرآن مجید کے تدبر کے بارے میں بنیادی اُصول یہ ہے کہ اس کا معنی اور مفہوم وہی متعین کرنا چاہیے جو قرآن مجید کے الفاظ کے سیاق وسباق اور دعوتِ قرآن کے مطابق ہو۔جہاں مفہوم سمجھنے میں مشکل پیش آئے تو حدیثِ رسول کے ذریعے اس کا مفہوم متعین کرنا چاہیے۔اگر قرآن وحدیث کے حوالے سے بھی بات سمجھنے میں دقّت محسوس ہو۔جس کی گنجائش بہت کم ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کے مطابق قرآن کا مفہوم لینا ہوگا۔کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم براہِ راست قرآن کے مخاطب تھے اور انہوں نے بلا واسطہ رسول اللہ ﷺ سے قرآن پڑھا، سنا اور سمجھا تھا۔محض عربی لغت اور ادبی محاورات کی بنیاد پر قرآن مجید کا معنی و مفہوم متعین کرنا قطعاً جائز نہیں۔اس لیے علماء نے قرآنِ مجید سے مسائل اخذ کرنے اور اس کی تفسیر کے لیے کچھ اصول مقرر کیے ہیں۔جب تک ان اصولوں کا خیال نہ رکھا جائے۔آدمی نہ صرف خود بھٹک سکتا ہے بلکہ دوسروں کی گمراہی کا سبب ثابت ہوگا۔بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ دین اور قرآن پر علماء کی اجارہ داری چہ معنٰی دارد؟ ہر کسی کو قرآن وسنت سے

مسائل کے استنباط کا حق ہونا چاہیے۔اس مغالطہ کی عام طور پر دو وجوہات ہوتی ہیں۔اکثر لوگ اپنی سادگی اور اخلاص کی بنیاد پر جبکہ دوسرے اس زعم میں مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم علماء سے زیادہ سمجھدار اور پڑھے لکھے ہیں۔ ذرا غور سے سوچا جائے تو دونوں قسم کے حضرات کا مطالبہ اور موقف دنیا کے مسلّمہ اُصولوں پر پورا نہیں اُترتا۔دنیا میں کونسا ایسا فن ہے جسے مستقل اختیار کرنے کے لیے استاد اور تجربہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔کیا حکمت اور ڈاکٹری نہ جاننے والا مریض کا باقاعدہ علاج کرسکتا ہے؟ اسے مریض کی جان کے ساتھ کھیلنے کی اجازت ہونی چاہیے؟ کوئی معمولی عقل والا جان بوجھ کر اناڑی ڈرائیور کے ساتھ سفر کرنے کے لیے آمادہ ہوگا؟ دور نہ جائیں ایک اَن پڑھ اور دیہاتی نے اپنا مکان بنانا ہو تو وہ کسی ناتجربہ کار کاریگر سے کچا مکان بنانے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتا۔آپ دنیا میں کوئی ایسا تعلیمی ادارہ دکھاسکیں گے جس میں ریاضی کے ٹیچر کو اردو پڑھانے کے لیے اور انگلش جاننے والے کو عربی کا سبجیکٹ دیا جاتا ہو؟ کیا ایسی اجازت دینے والے ادارہ کا سربراہ دانشور تسلیم کیا جائے گا؟ تو کیا پھر دین کا معاملہ اتنا عارضی اور ہلکا ہے کہ اس کی باقاعدہ تبلیغ وتدریس اور مسائل کے استدلال کے لیے ہر کسی کو اجازت دے دی جائے۔اس کا یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ غیر عالم قرآن سمجھنے یا کسی کو مسئلہ بتلانے کی کوشش نہ کرے۔مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی باقاعدہ تدریس وتبلیغ اور قرآن وسنت سے مسائل مستنبط کرنا چاہتا ہے تو اسے باضابطہ طور پر عربی جاننا اور قرآن وحدیث کا علم سیکھنا چاہیے ورنہ وہ گمراہی کا سبب بنے گا جس سے رسول اللہ ﷺ نے دوٹوک الفاظ میں منع فرمایا ہے۔

«عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُ وْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا۔» (رواہ البخاری: کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم)

”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ لوگوں کے سینوں سے علم ختم نہیں کرے گا لیکن علماء کے فوت ہونے سے علم ختم ہوگا یہاں تک کہ جب حقیقی عالم نہیں رہیں گے تو جو لوگ جاہلوں کو بڑے عالم سمجھ کر مسائل پوچھیں گے وہ علم کے بغیر فتویٰ دیں گے جس طرح خود گمراہ ہوں گے اسی طرح لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔“

دیہاتی کی غلط فہمی اور مفکرِ اسلام حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا جواب

بسا اوقات اپنی کم فہمی اور علمی کم مائیگی کی بنیاد پر آدمی قرآن مجید میں تضادات محسوس کرتا ہے۔ایسا ہی تأثر اس اعرابی کا تھا جس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے یہ اعتراضات کئے کہ فلاں ،فلاں مقام پر قرآن مجید میں تضادات پائے جاتے ہیں۔جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک ایک کر کے تسلی بخش جواب دیے تو اعرابی پکار اُٹھا کہ واقعی قرآنِ مجید میں کسی قسم کے تضاد اور اختلاف کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔آپ کے انشراحِ صدر اور دلچسپی کے لیے من وعن اس مکالمے کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک آدمی نے کہا کہ قرآن میں

کئی آیات ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں۔ پھر اس نے قرآنی آیات کا اختلاف پیش کیا کہ ایک آیت میں ہے کہ قیامت کے دن لوگ ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے دوسری آیت میں ہے کہ وہ آمنے سامنے آکر ایک دوسرے سے پوچھیں گے۔ ایسے ہی ایک آیت میں ہے کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے کچھ چھپا نہیں سکے گا۔ دوسرے مقام میں ہے کہ مشرک کہیں گے کہ ہمارے رب ہم نے شرک نہیں کیا۔ پھر ایک آیت میں آسمان کی پیدائش زمین سے پہلے ذکر کی گئی ہے اور دوسری آیت میں زمین کی پیدائش کا آسمان سے پہلے ذکر ہوا ہے۔ ایک اور مقام میں ہے اللہ تعالیٰ بخشنے اور رحم کرنے والا غالب، حکمت والا، سننے والا اور جاننے والا تھا گویا کہ اب نہیں۔

ان اعتراضات کا جواب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس طرح دیا کہ جس آیت میں ہے کہ لوگ آپس میں سوال نہیں کریں گے۔ وہ پہلے نفخہ کا ذکر ہے اور جس آیت میں ایک دوسرے سے سوال کرنے کا تذکرہ ہے وہ دوسرے نفخہ کے بعد ہوگا۔ وہ جو کہیں گے کہ ہمارے مالک ہم مشرک نہیں تھے۔ تو یہ اس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ مومنوں کو بخش دیں گے تو مشرک آپس میں کہیں گے کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کو کہتے ہیں کہ ہم نے شرک نہیں کیا تھا۔ اس وقت ان کے مونہوں پر مہریں لگا دی جائیں گی پھر ان کے ہاتھ اور پاؤں بولیں گے۔ جب مجرم جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کو چھپایا نہیں جاسکتا تب کافر کہیں گے کاش ہم بھی مسلمان ہوتے!!! زمین و آسمان کی پیدائش میں اختلاف کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے زمین کو دو دنوں میں پیدا فرما کر پھر آسمان کو پیدا کیا آسمان کو دو دنوں میں برابر کر کے زمین کو پھیلایا اس میں سے پانی، پہاڑ، ٹیلے اور جو کچھ آسمان و زمین کے درمیان ہے دو دنوں میں بنایا لہٰذا زمین اور اس کی تمام اشیاء چار دن اور آسمان دو دنوں میں پیدا کیا گیا۔

آخری اعتراض تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ماضی میں تھیں اب نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ازل سے ہی یہ اللہ کی صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کر دکھاتا ہے۔ یہ سارا قرآن اللہ کی طرف سے ہے تجھے اس میں اختلاف محسوس نہیں کرنا چاہیے۔

(رواہ البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب قولہ ونفخ فی الصور......)

مسائل

۱۔ قرآن مجید میں تدبّر و تفکّر کرنا چاہیے۔ ۲۔ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اس میں تعارض نہیں پایا جاتا۔

۳۔ قرآن مجید اگر اللہ تعالیٰ کا کلام نہ ہوتا تو اس میں بے شمار اختلافات پائے جاتے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے:

۱۔ قرآن کے بارے میں کفار کا الزام۔ (الفرقان: ۴) ۲۔ قرآن رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ (الشعراء: ۱۹۲)

۳۔ قرآن کسی کاہن و شاعر کا کلام نہیں۔ (الحاقہ: ۴۱، ۴۲) ۴۔ قرآن مجید شیطان کی شیطنت سے پاک ہے۔ (التکویر: ۲۵)

۵۔ قرآن کو روح الامین لے کر آتے تھے۔ (الشعراء: ۱۹۳) ۶۔ سمجھنے کی خاطر قرآن کو عربی میں نازل کیا گیا۔ (الشوریٰ: ۳)

وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ

اور جب ان کے پاس آتی ہے کوئی خبر سے امن یا خوف مشہور کر دیتے ہیں اسے

وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ

اور اگر اسے لوٹا دیتے طرف رسول کی اور طرف حاکم ان میں سے تو اسے جان لیتے

الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ

جو لوگ اسکی تحقیق کرتے ہیں ان سے اور اگر نہ فضل اللہ تم پر

وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۳﴾

اور اس کی رحمت تم پیچھے لگ جاتے شیطان کے سوائے چند ایک

’’جب انہیں کوئی امن یا خوف کی خبر ملتی ہے تو اسے مشہور کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ لوگ اسے رسول اللہ ﷺ اور اپنی جماعت کے ذمہ دار لوگوں کے سامنے پیش کرتے تا کہ وہ اس کی اصلیت معلوم کر لیتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو چند ایک کے علاوہ تم سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔‘‘ (۸۳)

فہم القرآن

ربط کلام: منافق اپنی دوغلی پالیسی اور فکر کی وجہ سے مسلمانوں کو بھی دوغلے پن سے دوچار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ افواہوں اور جھوٹی خبروں کے ذریعے مسلمانوں میں دھڑے بندی کر دی جائے۔

مدینہ کے یہودیوں اور منافقوں نے دشمنانِ اسلام کے ساتھ مل کر نبی کریم ﷺ کو پریشان کرنے اور مسلمانوں کے اعصاب توڑنے کے لیے افواہ سازی اور جھوٹی خبروں کا ایک سلسلہ قائم کر رکھا تھا۔ یہ لوگ اہلِ مکہ کی معمولی سرگرمیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے تا کہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں۔ کبھی کفار کی طاقت کا معمولی تاثر دیتے کہ مسلمان جوابی کاروائی کرنے میں غفلت کا مظاہرہ کریں۔ بسا اوقات معمولی معاشرتی واقعہ کو ایسے رنگ میں پیش کرتے کہ مسلمانوں کے اخلاقی نظام کی بنیادیں کھوکھلی ہو جائیں۔ انہی افواہوں کا شاخسانہ تھا کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک سفر کے دوران رات کے وقت قضائے حاجت کے لیے اپنے خیمے سے نکل کر باہر تشریف لے گئیں وہاں ان کا ہار گم ہو گیا۔ اس کی تلاش میں واپس لوٹنے میں تاخیر ہوئی جب اپنی جائے قیام پر واپس تشریف لائیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ آپ دوسرے صحابی کی سواری پر سوار ہو کر قافلے کے ساتھ شامل ہوئیں۔ اس دوران وہ صحابی اونٹ کی مہار تھامے پیدل چلتا رہا اور آپ دوپہر کے وقت قافلے سے آملیں۔ (رواہ البخاری: کتاب تفسیر القرآن، لولا إذسمعتموہ ظن المومنون والمومنات بأنفسھم خیرا) اتنے سے واقعہ کو منافقین نے ایسا رنگ دیا کہ جس نے کچھ دنوں کے بعد ایک تہمت اور مہم کی شکل

اختیار کر لی جس کی تفصیل اور برأت سورۃ نور میں بیان ہوئی ہے۔اس قسم کے واقعات کی تحقیق اور افواہوں کے منفی اثرات ختم کرنے اوران کی روک تھام کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ اصول اور طریقۂ کار عطا فرمایا ہے کہ افواہ اچھی ہو یا خوفزدہ کرنے والی بالخصوص جنگ کے دوران اس کی چھان بین اور تجزیہ کرنا انتہائی ضروری ہے۔ورنہ ملک وملت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ایسی خبروں کو رسولِ معظم ﷺ یا ذمہ دار لوگوں کے سامنے پیش کرنا لازم ہے تاکہ وہ اُس کی تحقیق اور اس کے نفع ونقصان اور حسن وقبح پر غور کر سکیں۔لہٰذا عوام الناس کا فرض ہے کہ ایسی باتوں کو آگے پھیلانے کی بجائے متعلقہ اور ذمہ دار لوگوں کے سامنے پیش کریں۔جس معاشرے اور قوم میں اس قسم کا نظام قائم نہ ہوا سے کسی وقت بھی معاشرتی، سیاسی اور حربی نقصان ہو سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے نقصان سے بچانے کے لیے سورۂ نور میں مسلمانوں کو تین مرتبہ فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو دنیا وآخرت میں تم عذابِ عظیم میں مبتلا کیے جاتے اور چند لوگوں کے سوا باقی شیطان کے پیچھے چل پڑتے' دوسرے لفظوں میں افواہ سازی اور اس پر یقین کرنا شیطانی کام ہے۔آج یہ شیطانی دھندہ سائنسی شکل اختیار کر چکا ہے۔کروڑوں ڈالر ایجنسیوں، اداروں، الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر لگائے جارہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو اسلام کے بارے میں متزلزل اور ان کے اخلاق کو بگاڑا جاسکے۔افسوس! کہ مسلمانوں کے پاس کوئی ایسا نظام نہیں جو ایسے اداروں کا مؤثر جواب دے سکے۔جب کہ قرآن مطالبہ کر رہا ہے کہ اس قسم کی خبروں، افواہوں اور پروپیگنڈہ کے توڑ کے لیے افراد ہونے چاہئیں جو منفی اثرات سے مسلمانوں کو بچا سکیں۔یہاں اسلامی صحافت کے لیے بھی رہنمائی ملتی ہے کہ وہ ہر خبر کی بلاتحقیق اشاعت کرنے سے پرہیز کرے۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا أَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ» (رواہ مسلم: المقدمۃ، باب النھی عن الحدیث...)

''آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کردے۔''

مسائل

۱۔ منافق اور غیر ذمہ دار لوگ مسلمانوں میں افواہیں پھیلاتے ہیں۔

۲۔ افواہیں پھیلانے کی بجائے معاملہ کتاب وسنت اور صاحب علم لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر آدمی ہر وقت گمراہ ہو سکتا ہے۔ ۴۔شیطان آدمی کو ہر وقت گمراہ کرنے کے درپے رہتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

افواہیں اڑانا جرم ہے:

۱۔ بلاتحقیق بات کرنا ندامت کا باعث بنتا ہے۔(الحجرات: ۶) ۲۔منافق افواہیں پھیلاتے ہیں۔(النساء: ۸۳)

۳۔ بے بنیاد افواہوں اور جھوٹے الزامات لگانے کی سزا۔(النور: ۴)

فَقَاتِلْ	فِيْ	سَبِيْلِ	اللّٰهِ ۚ	لَا تُكَلَّفُ	اِلَّا	نَفْسَكَ
پس لڑیں	میں	راستہ	اللہ	نہیں مکلف آپ	مگر	اپنی ذات
وَحَرِّضِ	الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ	عَسَى	اللّٰهُ	اَنْ	يَّكُفَّ	بَاْسَ
اور آمادہ کریں	مومنوں کو	قریب ہے	اللہ	یہ کہ	روک دے	جنگ
الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا ۭ	وَاللّٰهُ	اَشَدُّ	بَاْسًا	وَّاَشَدُّ	تَنْكِيْلًا ۝۸۴
وہ لوگ	انہوں کفر کیا	اور اللہ	سخت ترین ہے	جنگ میں	اور سب سے سخت	سزا دینے میں

”آپ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے رہو۔ آپ صرف اپنی جان کے مکلف ہو۔ ہاں ایمان والوں کو بھی تیار کرو۔ عنقریب اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو روک دے گا۔ اللہ تعالیٰ سخت قوت والا اور سخت سزا دینے والا ہے۔“ (۸۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بیٹھ رہنے والوں سے مجاہد افضل ہے۔ لہٰذا افضل کام کو اپنانے اور جہاد کو مضبوط رکھنے کے لیے رسولِ معظم ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو چوکس و مستعد رکھ کر مسلمانوں کو ہر دم قتال کے لیے آمادہ و تیار رکھیں۔

مومنوں کو مخاطب کرتے ہوئے جہادی خطاب کا آغاز یوں کیا تھا کہ اپنے بچاؤ کے لیے ہر وقت اسلحہ پکڑے رکھو اور جنگی حالات کے مطابق گوریلا جنگ کرو یا پورے کے پورے دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ (النساء: ۱۰۲) پھر منافقوں کی عادات کا ذکر کیا کہ وہ ابن الوقت اور اپنے مفاد کے بندے اور تمہارے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا اللہ کی راہ میں تمہیں لڑنا چاہیے۔ چاہے کمزور ہو یا طاقت ور اور جو بھی رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا حقیقتاً وہ اللہ تعالیٰ کا تابع فرماں اور مطیع ہوگا۔ اب رسولِ محترم ﷺ کو براہِ راست اللہ کے راستے میں لڑنے کا یہ کہہ کر حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ مومنوں کو قتال کے لیے ترغیب دیں اور اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر تنہا نکلنا پڑے تو نکلیں۔ گویا کہ پہلے مجاہدین کو خطاب تھا اور اب ان کے کمانڈر کو حکم دیا ہے پھر تسلی اور خوشخبری دی ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ کفار کو بے بس کر دے گا۔ وقت آنے والا ہے کہ جب منافقوں کی سازشیں اور کفار کی شرارتیں دم توڑ جائیں گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی طاقت والا لڑنے میں جری نہیں ہو سکتا۔ دشمن کی جارحیت سے بچنے کے لیے یہ بنیادی اصول ہے کہ قوم کو ہر دم چوکس، مستعد اور چاک و چوبند رکھنے کے لیے قوم کے ذمہ دار اور فوج کے عہدہ دار نمونے کے طور پر اپنے آپ کو مرنے مارنے کے لیے تیار رکھیں۔ تب جا کر فوج اور قوم کے ایک ایک فرد میں دشمن کے خلاف صف آراء ہونے کا جذبہ اور ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے ولولہ انگیز جذبات کا یوں اظہار فرمایا:

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْلَآ أَنَّ رِجَالًا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا تَطِيْبُ أَنْفُسُهُمْ أَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنِّيْ وَلَآ أَجِدُ مَآ أَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَّةٍ تَغْزُوْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُ أَنِّيْ أُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ

أُقْتَلُ))(رواہ البخاری: کتاب الجہاد، باب تمنی الشہادۃ)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ایمانداروں کو یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ وہ مجھ سے پیچھے رہیں اور میرے پاس اتنی سواریاں نہیں کہ میں ان کو سوار کروں تو میں کسی غزوہ سے بھی پیچھے نہ رہتا۔ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ کے راستے میں شہید کردیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کردیا جاؤں پھر زندہ کردیا جاؤں پھر شہید ہوجاؤں۔''

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَا یُکْلَمُ أَحَدٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ أَعْلَمُ بِمَنْ یُّکْلَمُ فِیْ سَبِیْلِہٖ إِلَّا جَآءَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَجُرْحُہٗ یَثْعَبُ اللَّوْنُ لَوْنُ دَمٍ وَالرِّیْحُ رِیْحُ مِسْکٍ))

(رواہ مسلم: کتاب الإمارۃ، باب فضل الجہاد والخروج فی سبیل اللہ)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کے راستے میں زخمی ہوجاتا ہے اور یہ اللہ جانتا ہے کہ حقیقتاً کون اس کے راستے میں زخمی ہوا تو وہ زخمی قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہوگا' اس کا رنگ خون جیسا ہوگا مگر اس کی خوشبو کستوری کی طرح ہوگی۔''

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ مَّاتَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِہٖ نَفْسَہٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَۃٍ مِّنْ نِّفَاقٍ))(رواہ مسلم: باب ذم من مات ولم یغز ولم یحدث نفسہ بالغزو)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا جس نے نہ جہاد کیا اور نہ ہی دل میں جہاد کا خیال لایا تو وہ منافقت کی ایک قسم پر فوت ہوا۔''

مسائل

۱۔ مسلمانوں کے سربراہ کو لوگوں کو جہاد پر آمادہ کرنا چاہیے۔

۲۔ مسلمان مرمٹنے کے لیے تیار ہوجائیں تو اللہ کافروں کا زور توڑ دے گا۔

تفسیر بالقرآن

جہاد کی ترغیب:

۱۔ مومنوں کو جہاد کی ترغیب دلائیے۔ (الانفال:۶۵) ۲۔ مظلوم مسلمانوں کے لیے جہاد کیجیے۔ (النساء:۷۵)

۳۔ کفار کو ایسی مار مارو کہ ان کے پچھلے بھی بھاگ کھڑے ہوں۔ (الانفال:۵۷) ۴۔ اللہ کی راہ میں کما حقہ جہاد کرو۔ (الحج:۷۸)

۵۔ جب تک فتنہ ختم نہ ہوجائے اور دین کا غلبہ نہ ہوجائے مشرکین سے جہاد کرتے رہو۔ (البقرۃ:۱۹۳)

مَنْ	يَّشْفَعْ	شَفَاعَةً	حَسَنَةً	يَّكُنْ	لَّهٗ	نَصِيْبٌ
جو	سفارش کرے	سفارش کرنا	اچھی	ہوگا	اس کے لیے	حصہ
مِّنْهَا ۚ	وَمَنْ	يَّشْفَعْ	شَفَاعَةً	سَيِّئَةً	يَّكُنْ	لَّهٗ
اس میں سے ہے	اور جو	سفارش کرے	سفارش	بری	ہوگا	اس کے لیے
كِفْلٌ	مِّنْهَا ؕ	وَكَانَ	اللّٰهُ	عَلٰى	كُلِّ	شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾
بوجھ	اس سے	اور ہے	اللہ	پر	ہر	چیز قدرت رکھنے والا

’’جو شخص اچھے کام کی سفارش کرے گا اسے اس سے حصہ ملے گا۔ اور جو برائی کی سفارش کرے اس پر اس کا بوجھ ہوگا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔‘‘ (۸۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہاد کے لیے مسلمانوں کو ابھارنا اور دین کی نشرو اشاعت کی تبلیغ کرنا بھی جہاد ہے۔

جہاد کے دوران پیدا ہونے والے ضمنی مسائل میں مسلمانوں کی رہنمائی کرتے ہوئے جہاد کی ترغیب اور دین کی تبلیغ کو اچھی سفارش اور اس کوشش کو جہاد کا حصہ شمار کیا ہے۔ کیونکہ ترغیب دلائے بغیر کوئی آدمی لڑنے مرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ ترغیب اور تبلیغ کو قرآنِ مجید نے سورۃ الفرقان آیت ۵۲ میں جہادِ کبیر قرار دیا ہے۔ اسی کی وضاحت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ افضل ترین جہاد ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔ (رواہ ابو داؤد: کتاب الملاحم، باب الأمر والنھی [صحیح]) اسے یہاں سفارش کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اس میں رسول اللہ ﷺ اور نیکی کی سفارش کرنے والے ہر شخص کو تسلی اور مسلسل ملنے والی اجر کی خوش خبری دی گئی ہے بشرطیکہ وہ خود بھی حتی المقدور اس پر عمل کرنے والا ہو۔ سفارش کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں۔ نیکی اور خیر کے کام کے لیے کسی کو آمادہ اور تیار کرنا' اس کے مقابلے میں برائی کی سفارش اور اس کی ترغیب دینا۔ نیکی کی سفارش اور تبلیغ پر مسلسل اور برابر ثواب ملتا رہتا ہے اس کے مقابلے میں برائی پر آمادہ کرنے یا اس کی سفارش اور ترغیب دینے والے کو اس گناہ میں حصہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ اور تنبیہ کے طور پر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر کسی پر نگران ہے۔ سفارش کے مطابق ہر شخص جزاء وسزا پائے گا لہٰذا سفارش سمجھ سوچ کر کرنی چاہیے۔ غلط سفارش مجرم کی رہائی کے لیے ہو یا کسی نااہل کو منصب دلانے کی خاطر ہو جائز نہیں کیونکہ مجرم کی سفارش کرنے سے جرائم کی حوصلہ افزائی اور مظلوم پر مزید ظلم کرنے کے مترادف ہے۔ جس قوم میں یہ سلسلہ عام ہو جائے اس کا تباہی کے گھاٹ اُترنا یقینی ہو جاتا ہے۔ جہاں تک کسی نااہل آدمی کو نوکری اور منصب دلانے کا معاملہ ہے اس سے حقدار کا حق تلف ہونے کے ساتھ آہستہ آہستہ پورا نظام ہی بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے۔ نااہل اور کرپٹ شخص جتنے بڑے منصب

پر ہوگا اتنا ہی ملک وملت کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی سفارش قبول کرنے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ ایسی سفارش کرنے سے منع کیا ہے۔

«عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ أَلَا تَسْتَعْمِلُنِیْ قَالَ فَضَرَبَ بِیَدِہٖ عَلٰی مَنْکِبِیْ ثُمَّ قَالَ یَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّکَ ضَعِیْفٌ وَإِنَّھَا أَمَانَةٌ وَإِنَّھَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ خِزْیٌ وَّنَدَامَةٌ إِلَّا مَنْ أَخَذَھَا بِحَقِّھَا وَأَدَّی الَّذِیْ عَلَیْہِ فِیْھَا» (رواہ مسلم: باب کراھة الإمارة بغیر ضرورة)

”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے عامل یا عہدیدار نہیں بنائیں گے؟ آپ نے میرے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے فرمایا ابوذر! آپ کمزور ہیں اور یہ عہدہ امانت ہے جو روزِ قیامت باعثِ ذلّت اور ندامت ہوگا۔ بچے گا وہی جس نے اس کا حق ادا کیا اور اس کو فرض سمجھا۔“

«عَنْ أَبِیْ مُوْسٰی رضی اللہ عنہ قَالَ دَخَلْتُ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ أَنَا وَرَجُلَانِ مِنْ بَنِیْ عَمِّیْ فَقَالَ أَحَدُ الرَّجُلَیْنِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ أَمِّرْنَا عَلٰی بَعْضِ مَا وَلَّاکَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ وَقَالَ الْآخَرُ مِثْلَ ذٰلِکَ فَقَالَ إِنَّا لَا نُوَلِّیْ عَلٰی ھٰذَا الْعَمَلِ أَحَدًا سَأَلَہٗ وَلَا أَحَدًا حَرَصَ عَلَیْہِ»

(رواہ مسلم: کتاب الإمارة، باب النھی عن طلب الإمارة والحرص علیھا)

”حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور بنوعمیق کے دو آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے ان میں سے ایک نے کہا اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ نے جو علاقے آپ کے سپرد کیے ہیں ان پر ہمیں بھی والی بنائیں دوسرے نے بھی عہدے کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہم عہدے کسی مطالبہ کرنے اور اس کا لالچ رکھنے والے کو نہیں سونپتے۔“

«مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَہٗ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِہٖ» (رواہ مسلم: کتاب الإمارة، باب فضل إعانة الغازی...)

”جس نے کسی نیکی کے کام کی رہنمائی کی اس کو نیکی کرنے والے کے برابر اجر وثواب ملے گا۔“

مسائل

۱۔ نیکی کی سفارش اور تبلیغ کرنے والے کو مسلسل اور برابر حصہ ملتا رہتا ہے۔

۲۔ برائی کی سفارش اور اشاعت کرنے والا برائی میں برابر کا ذمہ دار ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

نیکی اور برائی کی سفارش کا صلہ:

۱۔ نیکی کی سفارش پر اجر۔ (النساء: ۸۵) ۲۔ برائی کی سفارش پر سزا۔ (النساء: ۸۵)

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ

اور جب — تمہیں دعا دی جائے — دعا دینا — توتم دعا دو — بہتر — اس سے — یا وہی لوٹا دو

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ

بیشک — اللہ — ہے — پر — ہر — چیز — حساب کرنے والا — اللہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

نہیں — معبود — مگر — وہ — وہ تمہیں ضرور اکٹھا کرے گا — طرف — روزِ قیامت

لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ ع

نہیں شک — اس میں — اور کون — زیادہ سچا — سے — اللہ — بات

''اور جب تمہیں سلام کیا جائے توتم اس سے اچھا جواب دو یا انہی الفاظ کو لوٹا دو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔(۸۶)اللہ وہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یقیناً تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں۔اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات والا اور کون ہوسکتا ہے؟۔''(۸۷)

النصف — ع ۱۱ / ۸

فہم القرآن

ربط کلام : قتال فی سبیل اللہ کا معنٰی ہر وقت اور ہر کسی سے لڑنا نہیں بلکہ جو اسلام اور مسلمانوں کی طرف مائل ہو اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا لازم ہے۔

فرمایا جو تمہیں تحفہ دے توتم بھی اسے اس سے بہتر یا اس جیسا تحفہ دو۔اللہ تعالیٰ ہر کسی پر محاسب و نگہبان اور وہی معبود برحق ہے۔جو تمہیں دنیا میں پیار،محبت اور توحید کی بنیاد پر اکٹھا رہنے کا حکم دیتا ہے۔وہی قیامت کے دن تمہیں اکٹھا کرے گا۔لوگوں کو جمع کرنے اور قیامت کے آنے میں ذرہ برابر شک نہیں۔اللہ تعالیٰ کا ہر فرمان سچا اور اس سے بڑھ کر کسی کی بات سچی نہیں ہوسکتی۔لہٰذا سچ سنو،اسے قبول کرو اور اس پر قائم ہو جاؤ۔

یہاں تحفہ سے مراد مفسرین نے دو قسم کے تحائف لیے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے عام تحائف کے بارے میں فرمایا کہ مسلمانو!ایک دوسرے کو تحفہ دیا کرو کیونکہ اس سے باہمی محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔(مؤطا امام مالک:کتاب الجامع،باب ماجاء فی المھاجرۃ[صحیح])لیکن تحائف کے تبادلہ میں ایک بات نہایت ضروری ہے کہ اس میں تکلف نہیں ہونا چاہیے۔تکلف ایک دوسرے کے لیے بوجھ کا باعث بنتا ہے جس کی وجہ سے یہ سلسلہ دیر پا نہیں ہوتا۔پرتکلّف تحائف میں نمائش کا عنصر غالب اور بسا اوقات فخر وغرور پایا جاتا ہے۔جس سے محبت کی بجائے نفرت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔مسلمان کو اعتدال کے ساتھ خرچ کرنے کا حکم اور تکلف سے منع کیا گیا ہے۔یہاں مفسرین نے تحفہ سے مراد ایک دوسرے کو السلام علیکم کہنا بھی لیا ہے۔ایک دوسرے کو سلام کہنے کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی ہے۔

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔ جونہی آدم علیہ السلام نے آنکھیں کھولیں اور اپنے وجود میں جنبش محسوس کی تو اللہ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اے آدم وہ ملائکہ کا ایک گروہ بیٹھا ہوا ہے، تم جاؤ اور انہیں سلام کرو۔ جواب میں ملائکہ جو الفاظ استعمال کریں گے وہی تیری اولاد کے لیے ملاقات کا طریقہ اور اسلوب مقرر کیا جائے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے جواب میں فرشتوں نے ’’وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ‘‘ کے الفاظ کہے‘‘ (رواہ البخاری: أحادیث الأنبیاء، باب خلق آدم وذریتہ)

اس گھڑی سے لے کر ملاقات کا یہی طریقہ پسند کیا گیا۔ اس لیے ہمیں اِدھر اُدھر کے الفاظ کہنے کی بجائے فطری اور طبعی طریقے کو اختیار کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس میں اس قدر جامعیت ہے کہ ایک دوسرے کے لیے ہر لحاظ سے خیر سگالی کے جذبات، خیالات اور دعائیہ کلمات کا اظہار ہوتا ہے۔ دنیا کے کسی مذہب اور سوسائٹی میں ملاقات کے وقت اس قدر دعا کے جامع الفاظ اور جذبات نہیں پائے جاتے۔

دنیا میں ہر قوم کے ایک دوسرے سے ملنے کے کچھ آداب ہیں۔ جن سے باہم خیر سگالی اور محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسلامی تہذیب کے مقابلے میں ہر قوم کے آداب میں وقتی اور جزوی جذبات کا اظہار ہے۔ ہندو ملنے کے وقت پرنام یعنی ہاتھ جوڑتے ہیں، انگریز گڈ مارننگ اور گڈ نائٹ کے الفاظ کہتے ہیں، مجوسی صرف جھکتے ہیں، یہودی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہیں، عیسائی منہ پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ نبوت سے پہلے عرب صباح الخیر وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ اسلام کی تہذیب یہ ہے کہ ملاقات کے وقت ’’السلام علیکم ورحمۃ اللہ‘‘ کہا جائے۔ یہ کلمات پورے دین کے ترجمان اور ہر لحہ سلامتی کی دعا ہیں اور جنتی جنت میں ایک دوسرے سے انہی کلمات کے ساتھ ملاقات کریں گے اور جنت میں ہر جانب سے سلامتی کی صدائیں بلند ہوں گی۔ [یونس:۱۰]

اس حقیقت کی ترجمانی نبی اکرم ﷺ کے الفاظ سے اور زیادہ نمایاں ہوتی ہے کہ جب ایک مسلمان دوسرے سے ملاقات کرے تو اس کے چہرے پر تبسم اور مسکراہٹ ہونی چاہیے اور اس کو انسانی جسم کی سخاوت قرار دیا:

«أَنْ تَلْقَ أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ» (رواہ مسلم: باب استحباب طلاقۃ الوجہ عند اللقاء)

’’کسی کو خوش روئی سے ملنا بھی نیکی ہے۔‘‘

مسلمانوں میں باہمی الفت وعقیدت، احترام واکرام کو فروغ دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ ملانے یعنی مصافحہ کرنے کی فضیلت کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا:

«إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَا وَحَمِدَا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَاسْتَغْفَرَاهُ غُفِرَ لَهُمَا»

(رواہ ابوداؤد: کتاب الأدب [ضعیف])

’’جب دو مسلمانوں کی باہم ملاقات ہو اور وہ مصافحہ کریں اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اپنے لیے مغفرت طلب کریں تو ان دونوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔‘‘

کچھ مدّت کے بعد ملنے پر بغل گیر ہونا اسلامی معاشرت کا حصہ قرار دیا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی ﷺ نے مجھے اپنے ہاں آنے کا پیغام بھیجا میں گھر میں موجود نہیں تھا۔ بعد ازاں میں آپ کی

خدمت میں حاضر ہوا (وَهُوَ عَلٰی سَرِیْرِہٖ فَالْتَزَمَنِیْ فَکَانَتْ تِلْکَ أَجْوَدَ وَأَجْوَدَ) آپ ﷺ اپنی چارپائی پر بیٹھے میرے ساتھ بغلگیر ہوئے۔ آپ کا ملنا بہت ہی اچھا تھا۔ (رواہ ابو داؤد: کتاب الأدب، باب فی المعانقة [ضعیف])

پھر ملاقات کے آداب میں مسلم معاشرے کو رعونت وغرور اور اخلاقی بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ اصول لاگو فرمایا کہ سوار پیدل کو اور چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے۔ اگر یہی اصول ٹھہرایا جاتا کہ ہر حال میں چھوٹا بڑے کو، کمزور طاقتور کو اور محکوم حاکم کو سلام کرے تو مسلم سوسائٹی واضح طور پر طبقاتی کشمکش کا شکار ہو جاتی۔ آپ کا ارشاد ہے۔

«یُسَلِّمُ الرَّاکِبُ عَلَی الْمَاشِیْ وَالْمَاشِیْ عَلَی الْقَاعِدِ وَالْقَلِیْلُ عَلَی الْکَثِیْرِ»

(رواہ الترمذی: کتاب الإستئذان، باب ماجاء فی تسلیم الراکب علی الماشی [صحیح])

”سوار پیدل کو اور چلنے والا بیٹھنے والے کو، تھوڑے زیادہ کو دوسری حدیث میں ہے کہ چھوٹا بڑے کو اسی طرح آنے والا پہلے سے موجود کو السلام علیکم کہے۔“

ہاں اگر ملنے والے ایک جیسی حالت میں ہوں تو احترام کی طبعی اور بین الاقوامی قدروں کا بھی خیال رکھا گیا کہ چھوٹا بڑے کو سلام کرے تاکہ مسلم معاشرہ ادب واحترام کے ثمرات سے لطف اندوز ہو سکے۔ اونچ نیچ کے مرض کے تدارک کے لیے یہ اصول بھی وضع فرمایا کہ کوئی سر جھکا کر نہ ملے اس سے بندگی کا انداز ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

«لَوْ کُنْتُ اٰمِرًا أَحَدًا أَنْ یَّسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ النِّسَآءَ أَنْ یَسْجُدْنَ لِأَزْوَاجِهِنَّ»

(رواہ ابو داؤد: کتاب النکاح، باب فی حق الزوج علی المرأة [صحیح])

”اگر میں نے کسی کو یہ حکم دینا ہوتا کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے سامنے سر جھکائے تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کے سامنے سجدہ کیا کریں۔“

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور السلام علیکم کہا آپ نے جواب دیا وہ آدمی بیٹھ گیا، آپ نے فرمایا دس نیکیاں ہیں، پھر ایک اور آیا اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا آپ نے جواب دیا جب وہ آدمی بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا بیس نیکیاں ہیں پھر ایک اور آیا اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا آپ نے جواب دیا جب وہ آدمی بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا تیس نیکیاں ہیں۔ (سنن ابی داؤد: باب کیف السلام [صحیح])

مسائل

۱۔ تحفہ کے بدلے میں بہتر تحفہ دینا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ قیامت کے دن سب کو اکٹھا کرے گا۔
۳۔ قیامت برپا ہو کر رہے گی۔ ۴۔ اللہ کے فرمان سے کسی کی بات سچی نہیں ہو سکتی۔

تفسیر بالقرآن

تحائف کا تبادلہ کرتے رہیں:

۱۔ احسان کا بدلہ احسان۔ (الرحمان: ۶۰) ۲۔ احسان کا بہتر بدلہ دینا چاہیے۔ (النساء: ۸۶)

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ اَتُرِيْدُوْنَ

سو کیا ہوا تمہیں منافقین کے بارے میں دو فریق اور اللہ انہیں الٹ دیا اس کے سبب جو انہوں نے کمایا کیا تم چاہتے ہو

اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۸۸

یہ کہ راہ پر لاؤ جسے گمراہ کیا اللہ نے اور جسے گمراہ کر دے اللہ پس تم ہرگز نہ پاؤ گے اس کے لیے کوئی راہ

”تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو انہیں تو ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے الٹا کر دیا ہے کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے گمراہ کردہ لوگوں کو راہ راست پر لا کھڑا کرو؟ جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تم اس کے لیے کوئی راہ ہرگز نہیں پا سکتے۔“ (۸۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافق بالخصوص جہاد کے موقعہ پر مسلمانوں میں بزدلی اور انتشار پیدا کرتے ہیں اس لیے مسلمانوں کو منافقوں سے چوکنا اور بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

مکہ معظّمہ اور اس کے گرد و نواح میں ایسے لوگ اور قبائل موجود تھے جو دنیاوی اغراض اور تعلق داری کی بنا پر کفار کے ساتھ مسلمانوں سے بھی ہمدردی کا اظہار کرتے تھے۔ جب ہجرت کا فیصلہ کن حکم آیا کہ دار الکفر کو چھوڑ کر سب مسلمان دار الاسلام مدینہ میں جمع ہو جائیں تا کہ طاقت مجتمع، مرکز مضبوط، اور دین پر عمل کرنے کیلئے بہتر ماحول پا سکیں تو انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو ترجیح دینے کی بجائے کفار کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ مدینہ میں رہنے والے منافقین کی حالت بھی یہی تھی کہ جب کبھی فیصلہ کن وقت آتا تو ان کی ہمدردیاں کفار اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہوا کرتی تھیں۔ جس کا مظاہرہ وہ غزوۂ اُحد کے وقت کر چکے تھے۔ جونہی مسلمانوں سے مشکل وقت گزر جاتا تو یہ لوگ قسمیں کھا کر اپنی صفائی پیش کرتے جس سے کئی سادہ لوح مسلمان متاثر ہو کر ان کے موقف کو تسلیم کرتے ہوئے اُن کے حق میں اپنے ساتھیوں سے بحث کرتے تھے۔ اس صورت حال سے مسلمانوں کے درمیان فکری انتشار ہی نہیں بلکہ دو جماعتیں بننے کا خطرہ پیدا ہو گیا جس پر یہ کہہ کر توجہ دلائی گئی ہے کہ مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم منافقین کے بارے میں آپس میں ایک رہنے کی بجائے دو ہوتے جا رہے ہو۔ کیا منافقین کی خاطر باہمی محبت کمزور اور اتحاد کو پارہ پارہ کر لو گے؟ حالانکہ انہوں نے تمہارے مقابلے میں کفار کو ترجیح دی ہے۔ تم انہیں مخلص سمجھتے ہو جبکہ ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اندرونِ خانہ تمہیں گمراہ کرنے اور نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں۔ کیا تم ایسے لوگوں کو ہدایت دینا چاہتے ہو جو ہدایت حاصل کرنے کی بجائے تمہیں بھی اپنے جیسا بنانا چاہتے ہیں؟ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں گمراہی میں زیادہ کر دیا اور انہیں اُسی طرف پھیر دیا ہے جدھر وہ رہنا اور جانا پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کسی کو گمراہ کرنے کا یہی مطلب ہے اس لیے جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اُسے کوئی بھی ہدایت پر نہیں لا سکتا۔

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو منافقوں کی حمایت کرنا جائز نہیں۔ ۲۔ منافق کو اس کے کردار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ الٹا کر دیتا ہے۔

۳۔ جسے اس کی بد اعمالیوں کی وجہ سے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

وَدُّوْا	لَوْ تَكْفُرُوْنَ	كَمَا	كَفَرُوْا	فَتَكُوْنُوْنَ	سَوَآءً	فَلَا تَتَّخِذُوْا
وہ چاہتے ہیں	کاش تم کفر کرو	جیسے	وہ کافر ہوئے	تو تم ہو جاؤ	برابر	پس تم نہ بناؤ

مِنْهُمْ	اَوْلِيَآءَ	حَتّٰى	يُهَاجِرُوْا	فِيْ	سَبِيْلِ اللّٰهِ	فَاِنْ	تَوَلَّوْا
ان سے	دوست (جمع)	یہاں تک کہ	وہ ہجرت کریں	میں	اللہ کی راہ	پھر اگر	وہ منہ موڑیں

فَخُذُوْهُمْ	وَاقْتُلُوْهُمْ	حَيْثُ	وَجَدْتُّمُوْهُمْ	وَلَا	تَتَّخِذُوْا
تو ان کو پکڑو	اور انہیں قتل کرو	جہاں کہیں	تم انہیں پاؤ	اور نہ	بناؤ

مِنْهُمْ	وَلِيًّا	وَّلَا	نَصِيْرًا ﴿٨٩﴾
ان سے	دوست	اور نہ	مددگار

''وہ تو چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ کافر ہوئے ہیں تم بھی ان کی طرح ہو جاؤ۔ تا کہ سب برابر ہو جائیں پس جب تک یہ اللہ کے راستہ میں ہجرت نہ کریں ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ۔ پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو جہاں بھی یہ ہاتھ لگ جائیں انہیں پکڑو اور قتل کرو اور ان میں سے کسی کو دوست اور مددگار نہ سمجھو۔'' (۸۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافق حقیقتاً کافر ہوتا ہے اور مسلمانوں کو اسے اس طرح ہی دیکھنا چاہیے۔ اس لیے اس سے قلبی دوستی سے منع کیا گیا ہے۔

منافقوں کو ہرگز دوست نہ بناؤ جب تک اللہ کی رضا کے لیے ہجرت نہ کریں۔ اگر وہ ہجرت کرنے سے انکار کریں تو انہیں حالت جنگ میں جہاں پاؤ، پکڑو اور قتل کر دو۔ ایسے لوگوں کو اپنا دوست اور مددگار نہیں سمجھنا چاہیے۔

ہجرت کا لغوی معنٰی:

ہجرت کا لغوی معنٰی ہے کسی چیز کو ترک کرنا، چھوڑ دینا۔ عرفِ عام میں دین کی خاطر کسی مقام کو چھوڑنے کا نام ہجرت ہے۔ شریعت کے وسیع تر مفہوم میں ہر اس چیز کو چھوڑ دینا۔ جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے یہی حقیقی ہجرت ہے

((وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَانَهَي اللّٰهُ عَنْهُ)) (رواه البخاري: باب المسلم من سلم المسلمون)

''مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کردہ چیزوں کو چھوڑ دے۔''

کن حالات میں ہجرت کا حکم ہے؟

مقصد حیات یعنی ایمان کے لیے ہر چیز قربان کر دینا ہی کامل ایمان کی نشانی ہے۔ ایسے ہی جذبات کا مندرجہ ذیل آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

{يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾} (العنکبوت:٥٦)

”اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو! میری زمین بہت وسیع ہے بس تم میری بندگی کیے جاؤ۔“

اس آیت مبارکہ میں واضح اشارہ موجود ہے اگر مکے میں اللہ کی بندگی کرنا مشکل ہو رہی ہے تو ملک چھوڑ کر نکل جاؤ۔ ملک خدا تنگ نیست۔ اللہ کی زمین تنگ نہیں ہے جہاں بھی تم اللہ کے بندے بن کر رہ سکتے ہو وہاں چلے جاؤ۔

«عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَ إِنَّمَا لِإِمْرِءٍ مَانَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ إِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ إِلٰى مَاهَاجَرَ إِلَيْهِ»

(رواه البخاري: كتاب الأيمان والنذور، باب النية في الأيمان)

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ تمام اعمال کا انحصار نیت پر ہے۔ آدمی جس چیز کی نیت کرے گا وہ اس کے مطابق اجر پائے گا۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہجرت کی بس اس کی ہجرت تو واقعی اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے لیکن جس نے دنیا کی خاطر ہجرت کی کہ اس کو دنیا مل جائے یا کسی عورت کے لیے ہجرت کی تا کہ اس سے نکاح کرے اس کی ہجرت اسی کے لیے ہوگی جس کی خاطر اس نے ہجرت کی۔“

ہجرت ایمان کی کسوٹی ہے:

اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کرنا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ یہ ایسی پل صراط ہے جس کی دھار تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے ہجرت کی تکالیف اور مشکلات ایمان سے خالی دل کو ننگا کر دیتی ہیں یہ ایسا ترازو ہے جس میں ہر آدمی نہیں بیٹھ سکتا۔ اس پیمانے سے کھرے کھوٹے کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے قرآنِ مجید نے اسے ایمان کا معیار قرار دیا ہے۔ (مزید دلائل دیکھنا چاہیں تو میری کتاب سیرت ابراہیم علیہ السلام کا مطالعہ فرمائیں۔)

مسائل

۱۔ کفار کو کبھی اپنا خیر خواہ اور دوست نہیں سمجھنا چاہیے۔ ۲۔ منافق اور کافر حالتِ جنگ میں جہاں کہیں ملیں انھیں قتل کر دینا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

منافق اور کفار کو دوست نہ بناؤ:

۱۔ منافق اور کفار کو دوست نہ بناؤ۔ (المائدۃ:۵۷) ۲۔ منافق و کفار آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (المائدۃ:۵۱)

۳۔ مومن کفار کو اپنا دوست نہ بنائیں۔ (آل عمران:۲۸)

۴۔ محض دنیا کی عزت کی خاطر کفار سے دوستی نہیں رکھنی چاہیے۔ (النساء:۱۳۹)

۵۔ اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ (الممتحنۃ:۱ تا ۲)

۶۔ اے ایمان والو! جن پر اللہ کا غضب ہوا انھیں اپنا دوست مت بناؤ۔ (الممتحنۃ:۱۳)

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ

مگر جولوگ مل گئے ہیں طرف قوم تمہارے درمیان اوران کے درمیان عہد یاوہ تمہارے پاس آئیں

حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ

تنگ ہوگئے ان کے سینے یہ کہ وہ تم سے لڑیں یاوہ لڑیں اپنی قوم سے اوراگر چاہتا

اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ

اللہ ضرور انہیں مسلط کر دیتا تم پر تو وہ تم سے ضرور لڑتے پھر اگر وہ تم سے کنارہ کش ہوں پھر وہ تم سے نہ لڑیں

وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾

اور وہ ڈالیں تمہاری طرف صلح تو نہیں بنایا اللہ تمہارے لیے ان پر کوئی راستہ

''سوائے ان کے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے یا جو تمہارے پاس آئیں کہ تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے اور اپنی قوم سے جنگ کرنے سے بھی دل میں تنگی سمجھتے ہوں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے یقیناً جنگ کرتے۔ پس یہ لوگ اگر تم سے کنارہ کشی اختیار کر لیں اور تم سے لڑائی نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام بھیجیں تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان پر لڑائی کی کوئی سبیل نہیں رکھی۔''(۹۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ایسے منافقوں اور کافروں سے لڑنا اور انہیں قتل کرنا ضروری ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہوں۔ یہاں ان کفار اور منافقوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جن کے ساتھ مسلمانوں کا بقائے باہمی کا معاہدہ ہو یا وہ اسلام اور مسلمانوں کے راستے میں حائل نہ ہوں۔

یہ بات پہلے بھی بیان ہو چکی ہے کہ اسلام جنگ جو مذہب نہیں اسلام امن وسلامتی کا دین ہے۔ وہ ایسے لوگوں سے لڑنے کی اجازت نہیں دیتا جو صلح جو ہوں اور اسلام کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتے۔ یہاں اس بات کا اعادہ فرمایا گیا ہے کہ ان لوگوں سے لڑنے کی تمہیں اجازت نہیں جو تمہاری حلیف قوم کے ساتھی ہیں یا وہ تمہارے ساتھ مل کر لڑنا یا تمہارے مخالفوں کے ساتھ مل کر تم سے لڑنا پسند نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ تمہیں ہرگز نہیں لڑنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو اُن کو تم پر مسلط کر دیتا۔ اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ لڑنے سے گریز کریں اور تم سے صلح کرنا چاہیں اُن کے ساتھ لڑنے کا تمہارے پاس کوئی جواز نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایسے صلح جو لوگوں کے ساتھ تمہیں لڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔

مسائل

۱۔ عہد و پیمان والے کفار کے ساتھ لڑنا جائز نہیں۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ

اب تم پاؤ گے — دوسرے کو — وہ چاہتے ہیں — یہ کہ تم سے امن میں رہیں — اور امن میں رہیں — اپنی قوم سے

كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ

جب بھی — لوٹائے جاتے ہیں — فتنہ کی طرف — پلٹ دیے جاتے ہیں — اس میں — پس اگر — تم سے کنارہ کشی نہ کریں

وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

اور (نہ) ڈالیں وہ — تمہاری طرف — صلح — اور (نہ) روکیں — اپنے ہاتھ — تو انہیں پکڑو — اور انہیں قتل کرو — جہاں کہیں

ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿٩١﴾ ع

تم انہیں پاؤ — اور یہی لوگ — ہم نے بنائی تمہارے لیے — ان پر — دلیل — واضح

”تم لوگوں کو پاؤ گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں۔ جب کبھی فتنہ انگیزی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اس میں کود پڑتے ہیں اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور تم سے صلح پر آمادہ نہ ہوں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو انہیں پکڑو اور مار ڈالو جہاں کہیں بھی پاؤ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے قتل پر ہم نے تمہیں واضح دلیل دی ہے۔“ (۹۱)

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔ پہلے امن پسند کفار سے لڑنے کی ممانعت فرمائی تھی اب شر پسندوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔

البتہ تم ایسے منافق اور دغا باز لوگ ضرور پاؤ گے جو تم سے اور تمہارے دشمنوں سے امن میں رہنے کے نام نہاد دعوے دار ہیں۔ لیکن جونہی کوئی فتنہ اٹھتا ہے تو اس میں کود پڑتے ہیں اگر یہ لوگ تمہاری طرف صلح کا ہاتھ نہ بڑھائیں اور تم سے جنگ کرنے سے اجتناب نہ کریں تو جنگ کے دوران جہاں پکڑو انہیں قتل کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی منافقت اور غداری کی وجہ سے تمہارے لیے ان کو قتل کرنے کی واضح حجت بنادی ہے۔

مسائل

۱۔ عہد شکنی کرنے والے کے ساتھ لڑنا جائز ہے۔ ۲۔ نہ لڑنے والوں سے لڑنا درست نہیں۔

تفسیر بالقرآن

جہاد کی حدود:

۱۔ کفار مسلمانوں کو اذیت دیں تو انکے خلاف جہاد کرو۔ (النساء: ۷۵) ۲۔ خوف دور کرنے کے لیے جہاد کرنا چاہیے۔ (النساء: ۸۴)

۳۔ عہد شکن اور دغا باز لوگوں سے لڑنے کی اجازت ہے۔ (الانفال: ۵۶، ۵۷)

۴۔ حرمت کے مہینوں میں صرف بدلے کے لیے لڑنا جائز ہے۔ (البقرۃ: ۲۱۷)

۵۔ خیانت کا اندیشہ ہو تو انہیں آگاہ کر کے عہد توڑ دینا چاہیے۔ (الانفال: ۵۸) ۶۔ نہ لڑنے والوں سے لڑنا درست نہیں۔ (النساء: ۹۱)

۷۔ اللہ اور رسول کے منکرین اور حرام کو حلال کرنے والوں سے جہاد کرو۔ (التوبۃ: ۲۹)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا

اور نہیں ہے کسی مومن کے لیے یہ کہ وہ قتل کرے مومن کو مگر غلطی سے اور جو قتل کرے مومن کو

خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ

غلطی سے تو آزاد کرنا ایک گردن مومن اور خون بہا حوالہ کرنا طرف اسکے وارثوں کے مگر یہ کہ

يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ

وہ معاف کردیں پھر اگر ہو سے قوم دشمن تمہاری اور وہ مومن تو آزاد کرنا

رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ

ایک گردن (غلام) مومن اور اگر ہو سے قوم تمہارے درمیان اور ان کے درمیان عہد تو خون بہا

مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

حوالے کرنا طرف اسکے وارث اور آزاد کرنا ایک گردن مومن سو جو نہ پائے تو روزے رکھنا

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾

دو ماہ لگاتار توبہ سے اللہ اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا

”کسی مومن کے لیے کسی مومن کو قتل کرنا جائز نہیں مگر غلطی سے ہو جائے تو جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر بیٹھے اس پر ایک مسلمان غلام آزاد کرنا اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا ادا کرنا ہے سوائے اس کے کہ وہ لوگ معاف کر دیں اور اگر مقتول تمہاری دشمن قوم کا ہو اور وہ مسلمان ہو تو صرف ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے۔ اگر مقتول اس قوم سے ہو جس سے تمہارا عہد و پیمان ہے تو خون بہا لازم ہے جو اس کے کنبے والوں کو دینا ہے اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہے۔ پس جو نہ پائے اس کے ذمے دو مہینے کے متواتر روزے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کا طریقہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا ہے۔“ (۹۲)

فہم القرآن

ربط کلام: کافروں اور منافقوں کو قتل کرنے کا حکم ہے لیکن مومن کو قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے اگر جنگ یا کسی ہنگامی کیفیت میں مومن، مومن کے ہاتھوں قتل ہو جائے تو اس کی سزا کا ذکر۔ جس میں منافق اور مومن کی شخصیت کا بھی موازنہ پایا جاتا ہے۔

اسلام میں انسانی شرف اور اس کی جان کی حرمت کا اس قدر خیال رکھا گیا ہے کہ جس نے ایک انسان کو قتل کیا گویا کہ وہ پوری انسانیت کا قاتل ٹھہرا۔ اس کی تفصیل ”المائدہ آیت ۳۲“ میں بیان کی گئی ہے۔ یہاں پہلی آیات میں منافقوں اور کفار کو حالت جنگ میں قتل کرنے کا حکم تھا۔ لیکن مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ اگر غلط فہمی کی بنیاد پر مومن کو قتل کر دیا جائے جسے قتل خطا کہا گیا ہے جس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں جن میں ٹریفک حادثات، باہمی لڑائی جھگڑا جس

میں دونوں طرف سے ارادۂ قتل شامل نہ ہو۔ جنگ کے دوران مسلمان کا اپنوں کے ہاتھوں قتل ہونا شامل ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دو واقعات پیش آئے۔

ان میں سے ایک واقعہ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں قبیلہ جہینہ کی سرکوبی کے لیے بھیجا ہم نے صبح کے وقت ان پر حملہ کیا اور وہ شکست سے دوچار ہوئے میں نے ایک انصاری کے ساتھ مل کر ایک شخص پر قابو پایا تو اس نے ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ'' پڑھ دیا۔ میرے ساتھی نے اُسے چھوڑ دیا لیکن میں نے آگے بڑھ کر اُسے نیزہ مارا جس سے وہ مرگیا۔ جب ہم رسول ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ کو اس واقعہ کی اطلاع پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ آپ نے مجھے فرمایا:

«أَقَالَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَقَتَلْتَهٗ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّمَا قَالَهَا خَوْفًا مِّنَ السِّلَاحِ قَالَ أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ حَتّٰى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ لَا فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ أَنِّيْ أَسْلَمْتُ يَوْمَئِذٍ»

(رواہ مسلم: کتاب الإیمان، باب تحریم قتل الکافر بعد أن قال لا إلٰہ إلا اللہ)

''کیا تو نے اس کے کلمہ پڑھنے کے باوجود اُسے قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا کہ اُس نے اسلحہ سے ڈر کر کلمہ پڑھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ تجھے معلوم ہوجاتا کہ اس نے کلمہ دل سے پڑھا ہے یا اسلحہ کے خوف سے۔ آپ نے یہ سوال کئی مرتبہ دہرایا یہاں تک کہ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کاش میں آج اسلام قبول کرتا۔''

ایسا ہی واقعہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں رونما ہوا۔

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ إِلٰى بَنِيْ جَذِيْمَةَ فَدَعَاهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَلَمْ يُحْسِنُوْآ أَنْ يَّقُوْلُوْآ أَسْلَمْنَا فَجَعَلُوْا يَقُوْلُوْنَ صَبَأْنَا صَبَأْنَا فَجَعَلَ خَالِدٌ يَقْتُلُ مِنْهُمْ وَيَأْسِرُ وَدَفَعَ إِلٰى كُلِّ رَجُلٍ مِّنَّا أَسِيْرَهٗ حَتّٰى إِذَا كَانَ يَوْمٌ أَمَرَ خَالِدٌ أَنْ يَّقْتُلَ كُلُّ رَجُلٍ مِّنَّا أَسِيْرَهٗ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَآ أَقْتُلُ أَسِيْرِيْ وَلَا يَقْتُلُ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِيْ أَسِيْرَهٗ حَتّٰى قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَذَكَرْنَاهُ فَرَفَعَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَهٗ فَقَالَ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ مَرَّتَيْنِ»

(رواہ البخاری: کتاب المغازی، باب بعث النبی ﷺ خالد بن ولید إلی بنی خزیمة)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بنی جزیمہ کی طرف خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو انہیں (أَسْلَمْنَا) ''ہم مسلمان ہوئے'' کہنا نہ آیا وہ (صَبَأْنَا صَبَأْنَا) ''ہم بے دین ہوگئے، ہم بے دین ہوگئے'' کہنا شروع کر دیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کچھ کو قتل کر دیا اور کچھ کو قیدی بنا لیا اور ہم میں سے ہر ایک کو اس کا قیدی دیا۔ ایک دن آیا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ہر کوئی اپنے قیدی کو قتل کر

دے تو میں نے کہا اللہ کی قسم! نہ میں اپنے قیدی کو قتل کروں گا اور نہ ہی دوسرا کوئی اپنے قیدی کو قتل کرے گا۔ہم نے نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچ کر معاملہ ذکر کیا تو آپ نے اپنے ہاتھ اٹھاتے ہوئے دو مرتبہ فرمایا اے اللہ! میں خالد بن ولید کے کیے پر تیری بارگاہ میں برأت کا اظہار کرتا ہوں۔“

جس پر یہ حکم نازل ہوا کہ اگر کسی مومن کو غیر ارادی طور پر قتل کر دیا جائے تو اس کی سزا ایک غلام آزاد کرنا اور اُس کی دیّت اُس کے وارثوں کو دینا ہے اِلّا یہ کہ وہ معاف کر دیں۔ اگر مقتول مومن دشمن قوم کا ہو تو پھر صرف ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ اگر مقتول مومن ایسی قوم کے ساتھ تعلق رکھتا ہو جس کے ساتھ مسلمانوں کا بقائے باہمی کا معاہدہ ہے تو اُس کے وارثوں کو دیت دینے کے ساتھ ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔ غلام نہ ملنے یا اُس کے آزاد کرنے کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں قاتل کو متواتر دو مہینے روزے رکھنا ہوں گے۔ توبہ کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے احکام کی حکمت جاننے والا ہے۔ یاد رہے روزے رکھنے کے دوران شرعی عذر کے بغیر ناغہ کرنے والے کو از سرِ نو روزوں کی گنتی کا آغاز کرنا اور ان کی تعداد پوری کرنا ہوگی۔ گویا کہ روزے متواتر رکھنے کا حکم ہے۔

مسائل

۱۔ مومن کا مومن کو قتل کرنا جائز نہیں۔

۲۔ مومن کو غلطی سے قتل کرنے کی سزا مقتول کے ورثاء کو دیّت دینا اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہے۔

۳۔ مقتول مومن کافر قوم کے ساتھ تعلق رکھتا ہو تو صرف ایک مومن غلام آزاد کرنا ہوگا۔

۴۔ معاہد قوم کا مسلمان قتل کرنے کی صورت میں اس کی دیّت دینے کے ساتھ ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے۔

۵۔ مومن غلام آزاد کرنے کی استعداد نہ ہو تو متواتر دو مہینے روزے رکھنے ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

قتل کی سزا:

۱۔ قصاص لینا فرض ہے اور اس میں تمہاری زندگی ہے۔ (البقرۃ:۱۷۸)

۲۔ جس جان کو اللہ نے تحفظ دیا ہے اسے ناحق قتل نہیں کرنا چاہیے۔ (بنی اسرائیل:۳۳)

۳۔ جس نے کسی کو بغیر حق کے قتل کر دیا گویا کہ اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔ (المائدۃ:۳۲)

۴۔ قابیل کو اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر ابھارا۔ اس نے قتل کر دیا پس خسارہ پانے والا ہوا۔ (المائدۃ:۳۰)

۵۔ جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (النساء:۹۳) ۶۔ کسی کو ناحق قتل نہ کرو۔ (الانعام:۱۵۱)

۷۔ بے گناہ مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے پر لعنت اور اللہ کا عذاب ہوگا۔ (النساء:۹۳)

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا

اور جو | قتل کردے | کوئی مومن | دانستہ | تو اس کی سزا | جہنم | ہمیشہ رہے گا | اس میں

وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

غضب کیا | اللہ | اس پر | اور لعنت کی اس پر | اور تیار کیا ہے | اس کے لیے | عذاب | بڑا

”اور جو کوئی مومن کو ارادتاً قتل کردے، اس کی سزا جہنم ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور اس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“ (۹۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔ جان بوجھ کر مومن کو قتل کرنے کی سزا۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر بیت اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اے اللہ کے گھر! تیرا احترام واکرام اور جلالت ومنزلت اپنی جگہ مسلّم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں مومن کی عزت تجھ سے بڑھ کر ہے۔ (رواہ ابن ماجۃ: باب حرمۃ دم المؤمن ومالہ [حسن لغیرہ])

ایک مرتبہ آپ ﷺ ایک سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے راستے میں ایک جگہ پڑاؤ فرمایا۔ کچھ صحابہ کرام ’’وَنْ‘‘ کے درختوں پر چڑھ کر پیلو توڑ رہے تھے جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود بھی شامل تھے۔ آپ کے ساتھ کھڑا ایک صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پتلی پنڈلیاں دیکھ کر مسکرانے لگا۔ یہ صورت حال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے مومن کی شان کو ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ یہ پنڈلیاں اُحد پہاڑ سے زیادہ وزنی ہیں۔ (رواہ احمد: باب مسند علی رضی اللہ عنہ [صحیح])

اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے نزدیک ایمان اور کلمے کی اتنی قدر ہے کہ آپ سے حضرت مقداد بن اسود نے استفسار کیا اگر میری کسی کافر کے ساتھ مڈھ بھیڑ ہو اور وہ تلوار سے میرا ہاتھ کاٹ دے۔ جب میں اس پر وار کروں تو وہ درخت کی اوٹ میں جان بچانے کے لیے کلمۂ شہادت پکار اُٹھے تو ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا تجھے اپنا ہاتھ روکنا ہوگا۔ بے شک اس نے تجھے زخمی کیا ہے اگر تو نے اس پر حملہ کیا۔ تو تو اُس کے مقام پر کھڑا ہوگا یعنی وہ مظلوم اور تو ظالم ہوگا۔ (رواہ البخاری: کتاب المغازی، باب شھود الملائکۃ بدرا)

قرآنِ مجید کے اس فرمان میں مومن کو عمداً قتل کرنے والے کی پانچ سزاؤں کا بیان ہوا ہے: (۱) جہنم میں داخلہ (۲) اس میں ہمیشگی (۳) اللہ کا غضب (۴) اللہ کی لعنت (۵) عذابِ عظیم۔

اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ كُفْرٌ)) مومن کو گالی دینا اللہ کی نافرمانی اور اُسے قتل کرنا کفر ہے۔ (رواہ البخاری: کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن من أن یحبط عملہ)

مسائل

۱۔ بلاوجہ مومن کو قتل کرنے والے پر اللہ کا غضب، اس کی لعنت اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا

اے | جولوگ | ایمان لائے ہو | جب | تم سفر کرو | میں | اللہ کی راہ | تو تحقیق کرلو | اور نہ

تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ

تم کہو | اسے جو | ڈالے | تمہاری طرف | سلام | تو نہیں ہے | ایمان والا | تم چاہتے ہو | سامان

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ

دنیا کی زندگی | پاس | اللہ کے | غنیمتیں | بہت | اسی طرح | تم تھے | سے | پہلے

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

تو احسان کیا | اللہ | تم پر | سو تحقیق کرلو | بیشک | اللہ | ہے | اسکے ساتھ جو | تم کرتے ہو | خوب باخبر

”اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو تو تحقیق کرلیا کرو اور جو تمہیں سلام کرے تم اسے یہ نہ کہو کہ تو ایماندار نہیں۔ تم دنیاوی زندگی کا سامان چاہتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں۔ تم بھی پہلے ایسے ہی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا۔ لہٰذا تم ضرور تحقیق کرلیا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔“ (۹۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام : قتال فی سبیل اللہ میں احتیاط کو ملحوظ رکھنا چاہیے تاکہ کسی پر ظلم نہ ہو یا غلطی سے مسلمان نشانہ نہ بن جائیں۔

اسلام میں جہاد وقتال کا یہ معنیٰ نہیں کہ کفار کی دشمنی میں مجاہد اس حد تک آگے بڑھ جائے کہ اس کی تلوار کے سامنے جو آئے اسے تہ تیغ کرتا چلا جائے۔ اسلامی جہاد اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جس علاقہ پر حملہ کرنا مقصود ہو۔ وہاں کے بارے میں پہلے اچھی طرح معلومات حاصل کی جائیں۔ اگر وہاں مسلمان موجود ہوں تو اندھا دھند حملہ کرنے کی بجائے ایسی حکمتِ عملی اختیار کرنی چاہیے جس سے مسلمان محفوظ رہ سکیں۔ کیونکہ مسلمانوں کا نقصان ملت کا نقصان اور مجاہدین کے لیے بدنامی کا باعث ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ پر حملہ کیا تو ایسی منصوبہ بندی فرمائی کہ جس سے مکہ کی حرمت قائم رہے اور مسلمانوں کا نقصان بھی نہ ہونے پائے۔ اعلان فرمایا کہ جو شخص بھی بیت اللہ میں داخل ہو جائے یا اپنے گھر کے کواڑ بند کرلے یا ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے۔ اسے حفظ وامان دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانوروں کو ان کی قربان گاہ پر نہ پہنچنے دیا۔ اگر مومن مرد اور مومن عورتیں موجود نہ ہوتے جنہیں تم نہیں جانتے اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ بے خبری میں تم انہیں پامال کردو گے اور اس سے تم پر حرف آئے گا۔ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرلے۔ اگر مومن الگ ہو گئے ہوتے تو کفار کو ہم ضرور سخت سزا دیتے۔“ (الفتح: ۲۵)

حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں:

«عَنِ النَّبِيِّ ﷺ كَانَ إِذَا غَزَا بِنَا قَوْمًا لَمْ يَكُنْ يُغِيرُ بِنَا حَتّٰى يُصْبِحَ وَيَنْظُرَ فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا كَفَّ عَنْهُمْ

وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغَارَ عَلَيْهِمْ ......)) (رواہ البخاری: کتاب الأذان، باب مایحقن بالأذان من الدماء)

''نبی کریم ﷺ کسی قوم پر صبح ہونے سے پہلے حملہ نہ کرتے، صبح کے وقت آپ دیکھتے اگر اذان سنتے تو ان پر حملہ نہ کرتے اور اگر اذان نہ سنتے تو ان پر حملہ کر دیتے۔............''

مقصد یہ تھا کہ کہیں مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچ پائے۔ اس آیت میں اسی احتیاط کا حکم دیا گیا ہے کہ اے مسلمانو! جب تم اللہ کے راستے میں نکلو اور کوئی تمہارے سامنے اپنا اسلام پیش کرے تو غنائم کے لالچ میں اسے ٹھکرانے کی بجائے اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔ پھر تنبیہ فرمائی کہ آخر تم بھی تو ان حالات سے گزرے ہو کہ جب تم میں کئی لوگ دشمنوں کے خوف کی وجہ سے اپنا ایمان چھپاتے تھے اور تم بھی پہلے کافر تھے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنا کرم فرمایا کہ تمہیں آزاد مملکت نصیب فرمائی اور دشمن پر غلبہ عطا کیا اور مسلمان ہونے کی توفیق دی۔ یہاں اس سانحہ کی طرف اشارہ ہے جو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں رونما ہوا کہ جب ایک چھوٹی سی جھڑپ کے دوران کچھ لوگوں نے ان کے سامنے اپنے اسلام لانے کا اظہار کیا تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان پر یقین کرنے کی بجائے انہیں شہید کر ڈالا۔ جس پر رسول کریم ﷺ نے براءت کا اظہار کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی رحمت ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انہیں اسلام کی دعوت دی' لیکن انہوں نے اَسْلَمْنَا نہ کہا بلکہ کہا ہم صابی ہو گئے ہیں اپنے دین سے دوسرے دین میں داخل ہو گئے۔ یہ سن کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کرنا اور قید کرنا شروع کر دیا۔ اور پھر ہم میں سے ہر شخص کو اس کا قیدی سونپ دیا۔ اس کے بعد ایک دن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حکم دیا' کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کر دے۔ میں نے کہا: میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا اور اسی طرح میرے ساتھیوں میں سے بھی کوئی اپنے قیدی کو قتل نہیں کرے گا' یہاں تک کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دو مرتبہ فرمایا ﷺ اے اللہ! خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جو کام کیا ہے میں تیری بارگاہ میں اس سے اپنی براءت کا اظہار کرتا ہوں۔ (رواہ البخاری: کتاب المغازی)

آیت کے آخر میں تنبیہ کے طور پر فرمایا کہ جو کچھ اور جس نیت سے تم کوئی عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کی اچھی طرح خبر رکھنے والا ہے۔

مسائل

۱۔ جہاد کے دوران کافر اور مسلمان کی تمیز اور تحقیق کرنا مجاہد پر لازم ہے۔

۲۔ دنیا کے مال کی خاطر کلمہ پڑھنے والے کو قتل کرنا جائز نہیں۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے تمام اعمال سے باخبر ہے۔

تفسیر بالقرآن

دورانِ جہاد تحقیق کرنا:

۱۔ فاسق کی خبر کی تحقیق کرنا چاہیے۔ (الحجرات: ۶) ۲۔ کسی کے دعوی اسلام کی تحقیق کرنا لازم ہے۔ (النساء: ۹۴)

۳۔ مشرک اور کافر کے اسلام لانے کی تحقیق کی اجازت۔ (الممتحنۃ: ۱۰)

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ

نہیں برابر بیٹھنے والے سے مؤمن (جمع) بغیر عذر والے اور مجاہد (جمع)

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ

میں اللہ کی راہ ساتھ اپنے مالوں اور اپنی جانوں فضیلت دی اللہ جہاد کرنے والے

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ

ساتھ اپنے مالوں اور اپنی جانوں پر بیٹھنے والے درجہ اور ہر ایک وعدہ دیا اللہ اچھا

وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجٰتٍ

اور فضیلت دی اللہ مجاہدین پر بیٹھنے والوں اجر عظیم درجے

مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٩٦﴾

اس کی طرف سے اور بخشش اور رحمت اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

''اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مومن برابر نہیں ہو سکتے۔ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے درجات میں فضیلت دے رکھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک سے اچھائی کا وعدہ فرمایا ہے۔ لیکن مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں پر بہت بڑی فضیلت اور عظیم اجر کا مستحق ٹھہرایا ہے۔ (٩٥) اپنی طرف سے رتبے، بخشش اور رحمت کی بھی نوید دی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔'' (٩٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہادی خطاب میں پہلے مسلمانوں کو حالات کے مطابق انفرادی اور اجتماعی طور پر قتال فی سبیل اللہ کا حکم دیا اس کے بعد جہاد کے احکامات اور اس کے متعلق ضمنی ہدایات دیتے ہوئے قتال فی سبیل اللہ کی عظمت اور برکت بیان فرمائی پھر قتال میں ہونے والی کوتاہیوں اور غفلتوں کے بارے میں احتیاط کا حکم دیا۔ اب مجاہدین کا مرتبہ و مقام بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر مومن کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ لیکن ایسے مومن جو بغیر کسی مجبوری اور شرعی عذر کے قتال فی سبیل اللہ میں براہ راست حصہ لینے کی بجائے دنیاوی کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مال نچھاور اور جانیں نثار کرتے ہیں ان کا مرتبہ و مقام دوسرے مومنوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ گو اللہ تعالیٰ نے ہر ایمان دار کے ساتھ اس کے اعمال اور اخلاص کے مطابق درجات کی بلندی اور جنت کے وعدے کیے ہیں جو ہر صورت پورے ہو کر رہیں گے۔ لیکن اس کے باوجود مومن مجاہدین کا مرتبہ جہاد سے پیچھے رہنے والوں کے مقابلے میں بہت ہی زیادہ ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ عام مومنوں کی روحیں عالم برزخ میں مقام علّیین میں ہوتی ہیں جبکہ مجاہدین کی ارواح اللہ تعالیٰ کے عرش تلے جلوہ افروز اور براہِ راست جنت کے نظارے کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بخشتے ہوئے انہیں اپنی خصوصی

رحمت سے نوازتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے۔

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ جَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوْجَلَسَ فِيْ أَرْضِهِ الَّتِيْ وُلِدَ فِيْهَا فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَفَلَا نُبَشِّرُ النَّاسَ قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَابَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْأَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهٗ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ أُرَاهُ قَالَ وَفَوْقَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ»

(رواہ البخاری: کتاب الجہاد والسیر)

”حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ ورسول پر ایمان لایا اس نے نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے۔ اسے جنت میں داخل کرنا اللہ پر حق ہے اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو یا اپنی پیدائش کے علاقہ میں بیٹھا رہا۔ صحابہ نے کہا اللہ کے رسول! تو کیا ہم لوگوں کو خوشخبری نہ دے دیں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لیے جنت میں سو درجات بنائے ہیں ہر دو درجے کا درمیانی فاصلہ زمین و آسمان کے درمیانی فاصلہ جتنا ہے جب تم اللہ سے جنت کا سوال کرو تو جنت الفردوس مانگا کرو کیونکہ یہ جنت کا وسط اور اعلیٰ جگہ ہے راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے اور وہاں سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔“

«عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِنِ السَّاعِدِيِّ ؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ رِبَاطُ يَوْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا» (رواہ البخاری: باب فضل رباط یوم فی سبیل اللہ)

”حضرت سہل بن سعد ساعدی ؓ بیان کرتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اللہ کے راستے میں ایک دن کا پہرہ دینا دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے۔“

مسائل

۱۔ گھروں میں بیٹھنے والے مومنوں سے مجاہدین بہتر ہیں۔ ۲۔ مجاہدین کو اللہ تعالیٰ نے بلند مرتبہ و مقام عطا فرمایا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مومن کے ساتھ اس کے اعمال کے مطابق جزا کا وعدہ فرمایا ہے۔

۴۔ مجاہدین اور دوسروں کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور رحمت ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

مجاہدین کا مرتبہ:

۱۔ مجاہد اور غیر مجاہد برابر نہیں (النساء: ۹۵) ۲۔ مجاہدین عذاب الیم سے نجات پائیں گے۔ (الصّف: ۱۰، ۱۱)

۳۔ شہید کے لیے مغفرت۔ (آل عمران: ۱۵۷) ۴۔ مجاہدین سے اللہ تعالیٰ کی محبت۔ (الصّف: ۴)

۵۔ مجاہد کے لیے جنت۔ (محمد: ۶) ۶۔ شہید زندہ ہیں وہ اللہ کے ہاں رزق پاتے اور بے خوف و غم ہوتے ہیں۔ (آل عمران: ۱۷۰، ۱۷۱)

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ

بیشک وہ لوگ ان کی جان نکالتے ہیں فرشتے ظلم کرنیوالے اپنی جانیں وہ کہتے ہیں کس (حال) میں

كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ

تم تھے وہ کہتے ہیں ہم تھے بے بس میں زمین وہ کہتے ہیں کیا نہ تھی

اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ

اللہ کی زمین وسیع پس تم ہجرت کر جاتے اس میں سو یہ لوگ ان کا ٹھکانہ جہنم

وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿٩٧﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ

اور بری ہے لوٹنے کی جگہ مگر بے بس سے مرد (جمع) اور عورتیں اور بچے

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى

نہیں طاقت رکھتے کوئی وسیلہ اور نہ رہنمائی پاتے ہیں راستہ سو ایسے لوگ امید ہے

اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾

اللہ یہ کہ معاف فرمائے ان سے اور ہے اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا

’’جولوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہیں تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ لوٹنے کی نہایت ہی بری جگہ ہے۔ (۹۷) مگر جو مرد، عورتیں اور بچے کمزور ہیں جو نہ تو کوئی وسیلہ رکھتے ہیں اور نہ راستے کی رہنمائی پاتے ہیں۔ (۹۸) ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے درگزر فرمائے۔ اللہ تعالیٰ درگزر کرنے، اور معاف فرمانے والا ہے۔‘‘ (۹۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: دار الکفر میں رہنے کی بجائے باہمت لوگوں کو دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا چاہیے۔

یہ دنیا جب سے معرض وجود میں آئی ہے اسی وقت سے لے کر حق و باطل کے معرکے پیش آتے رہے ہیں۔ حق و باطل کی اس آویزش میں ہمیں بے شمار ہجرتیں دکھائی دیتی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عراق سے ہجرت کر کے شام، مصر اور ارضِ مقدس کی طرف جانا اور پھر حجاز میں تشریف لا کر اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ذریعے حجاز کو مرکز دعوت مقرر کرنا، حضرت یعقوب اور جناب یوسف علیہما السلام کی ہجرت مصر کی طرف، سیدنا لوط علیہ السلام کی ہجرت علاقہ سدوم کی جانب حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی پہلی ہجرت مدین کی طرف اور اس کے بعد ہزاروں ساتھیوں سمیت فلسطین کی طرف ہجرت کرنے کا ثبوت قرآن میں موجود ہے۔

شرعی اصطلاح میں دین کی خاطر وطن چھوڑنے والے کو مہاجر اور ترکِ وطن کے عمل کو ہجرت کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے

نزدیک نظریہ اسلام جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا واحد ذریعہ ہے اس کی خاطر ہر چیز قربان کرنا لازم ہے۔ جو شخص ایمان کے لیے قربانی نہیں دیتا اور اس پر دوسری باتوں کو مقدم جانتا ہے۔ ایسا شخص ایماندار ہونے کا حق دار نہیں۔ ہجرت میں بھی یہی فلسفہ ہے کہ ناگزیر حالات میں ہمیشہ دب کر اور کمزور رہنے کے بجائے مسلمانوں کو ایسے علاقے سے ہجرت کر کے اپنی افرادی قوت کو مجتمع کر کے کفار کے مقابلے میں کھڑا ہونے کے اقدامات کرنے چاہئیں۔

ہجرت ایمان کی کسوٹی ہے:

اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کرنا نہایت ہی مشکل کام ہے یہ ایسا مشکل اقدام ہے کہ کمزور ایمان شخص اس کے لیے اپنے آپ میں حوصلہ نہیں پاتا یہ ایمان کی ایسی کسوٹی ہے جس سے ایمان کی طاقت اور اس کے معیار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو لوگ ہجرت کے اسباب اور طاقت رکھنے کے باوجود ہجرت نہیں کرتے قرآن مجید نے انہیں جہنم کی وعید سنائی ہے کیونکہ انہوں نے ایمان کی نعمت، مسلمانوں کی اجتماعیت، اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر اپنے کاروبار، مکانات اور دنیاوی مفاد کو ترجیح دی ہے البتہ وہ لوگ جو ہجرت کے لیے کوئی سبیل اور وسیلہ نہیں پاتے انہیں معاف کر دینے کی امید دلائی گئی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ درگزر کرنے اور معاف فرمانے والا ہے۔

«عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: كُنْتُ أَنَا وَأُمِّي مِنَ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ» (رواہ البخاری: باب قَوْلُهُ {وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ} إِلَى {الظَّالِمِ أَهْلُهَا})

''عبیداللہ بیان کرتے ہیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میرا اور میری والدہ کا شمار کمزور مرد اور عورتوں میں تھا۔''

مسائل

۱۔ شرعی عذر کے بغیر اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کرنے والے ظالم ہیں۔

۲۔ جان بوجھ کر ہجرت نہ کرنے والے کو موت کے وقت فرشتے ہجرت نہ کرنے کا طعنہ دیں گے۔

۳۔ ظالموں کے لیے جہنم بدترین ٹھکانا ہے۔ ۴۔ مجبور اور معذور لوگ ہجرت سے مستثنیٰ ہیں۔

۵۔ معذور اور مجبور لوگوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے اور بخش دینے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے:

۱۔ اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سب سے زیادہ مہربان ہے۔ (یوسف: ۹۲)

۲۔ تیرا پروردگار بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (الکہف: ۵۸)

۳۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (البقرۃ: ۲۱۸)

۴۔ اے رب ہمیں معاف کر دے اور ہم پر رحم فرما تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (المومنون: ۱۰۹)

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ

اور جو ہجرت کرے میں راستہ اللہ وہ پائے گا میں زمین

مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا

جگہ بہت اور کشادگی اور جو نکلے سے اپنا گھر ہجرت کرنے والا

اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ

طرف اللہ اور اس کا رسول پھر پالے اسکو موت تو تحقیق ثابت ہوگیا

اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۱۰۰ ع

اس کا اجر پر اللہ اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

”جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت سی جگہ اور گزران کی کشادگی پائے گا اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف نکل کھڑا ہوا پھر اسے موت نے آلیا تو یقیناً اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا، مہربان ہے۔“ (۱۰۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مہاجر کو تسلی دی گئی ہے کہ گھبرانے اور دل چھوٹا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رزق کو ایک جگہ مقید نہیں رکھا ہوا رزق تو انسان کے ساتھ، ساتھ رہتا ہے۔ لہٰذا اللہ کے راستے میں بے دھڑک نکلو اللہ تمہارا رزق کشادہ کر دے گا۔

ہجرت کا حکم دینے اور معذور لوگوں کو معاف کرنے کے اعلان کے بعد مہاجرین کو تسلی دی جا رہی ہے۔ میرے نام اور کام پر بے خانماں ہونے اور دربدر کی ٹھوکریں کھانے والو! دل چھوٹا کرنا نہ حوصلہ ہارنا۔ تم ایسے خالق و مالک کے حکم سے وطن چھوڑ رہے ہو جو پتھر کے کیڑے کو چٹان میں، گوشت خور درندوں کو جنگل میں، پانی کے جانوروں کو سمندر کی لہروں اور تہوں میں، پرندوں کو صحراؤں میں رزق پہنچاتا ہے۔ تم تو اشرف المخلوقات اور اس کے راستے کے راہی ہو۔ وہ تمہیں کس طرح کسمپرسی کی حالت میں رہنے دے گا۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا' اپنے رب پر اعتماد کرو۔

ذرا یقین کی آنکھ سے تاریخ کے دریچوں میں جھانک کر دیکھو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق چھوڑا تو ملک شام اور سرزمین مقدس کے مالک بنے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کا خاندان اپنے وطن سے نکلا تو سینکڑوں سال مصر کا فرمانروا ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے تو ان کے پیروکار بیت المقدس کے حکمران ہوئے۔ غرض یہ کہ ہر دور میں اور ہر قافلۂ مہاجرین کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا۔ انہیں دنیا میں بے پناہ وسعت اور لامحدود فضل سے نوازا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا کہ جب مہاجرین مکہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو بے خانماں اور کنگال تھے لیکن ہجرت کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنی روئیداد بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے۔ ایک وقت تھا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ اب

یہ حال ہے کہ مٹی اٹھاتا ہوں تو وہ سونا بن جاتی ہے۔ زکوٰۃ کے علاوہ لاکھوں روپے صدقہ کیے۔ اس کے باوجود وفات کے وقت اڑھائی کروڑ کے مالک تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بے حساب صدقہ کرنے کے بعد بھی پانچ کروڑ کی جائیداد چھوڑ کر دنیا سے گئے۔ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ پر ایک وقت وہ تھا جب مہمان کا کھانا کم ہونے کی وجہ سے بیوی کو حکم دیا کہ جب ہم کھانا شروع کریں تو دیا بجھا دینا۔ میں یوں ہی منہ سے آواز نکالتا رہوں گا تاکہ مہمان سیر ہو کر کھالے۔ پھر ایسا دور آیا کہ لاکھوں درہم کا باغ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرتے ہیں۔ غرضیکہ جن صحابہ نے کاروبار کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں بے حساب نعمتوں سے نوازا۔ [التجارات فی الاسلام] دنیا کی نعمتوں اور وسعتوں کے ساتھ ان لوگوں کو آخرت کے اجر کی گارنٹی بھی دی گئی ہے۔ جو اپنے گھروں سے نکلے لیکن دارالہجرت نہ پہنچ پائے راستے ہی میں موت نے آلیا۔ ان میں حضرت خالد بن حزام رضی اللہ عنہ بھی ہیں جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی دورانِ سفر سانپ کے ڈسنے کی وجہ سے دنیا سے کوچ کر گئے۔

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ خَرَجَ ضَمْرَةُ بن جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا فَقَالَ لأَهْلِهِ احْمِلُونِى فَأَخْرِجُونِى مِنْ أَرْضِ الْمُشْرِكِينَ إِلَي رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ فَمَاتَ فِي الطَّرِيقِ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَي النَّبِيِّ ﷺ قَالَ فَنَزَلَ الْوَحْيُ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَي اللهِ وَرَسُولِهِ (النساء آیة ..) حَتَّى بَلَغَ وَكَانَ اللهُ غَفُورًا رَحِيمًا» (مسند ابی یعلی الموصلی: باب وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا [ضعیف])

”حضرت ضمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ مدینہ کی طرف نکلے تو راستے میں وفات پا گئے جناب ابوحمزہ بن العیض زرقی نابینا تھے معذور ہونے کے باوجود مدینہ طیبہ کی طرف رواں دواں ہوئے۔ ابھی مکہ سے کچھ دور تنعیم کے مقام پر پہنچے تھے تو موت نے آلیا۔ (ابن کثیر، ابن ابی حاتم)

کفار اور منافقین نے پروپیگنڈہ کیا کہ یہ لوگ نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔ اس پر رحمتِ الٰہی جوش میں آئی اور خوشخبری سنائی کہ ہجرت کے لیے اپنے گھروں سے نکلنے والے خوش نصیبوں کے اجر اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیے ہیں جو ہرگز ضائع نہیں ہوں گے۔

مسائل

۱۔ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والا وسعت اور کشادگی پائے گا۔
۲۔ ہجرت کے دوران فوت ہونے والے کو پورا پورا اجر ملے گا۔

تفسیر بالقرآن

ہجرت کی اہمیت:

۱۔ ہجرت کا اجر و ثواب اور فضیلت۔ (آل عمران: ۱۹۵) ۲۔ ہجرت کے دوران مرنے والے کو پورا ثواب ملے گا۔ (النساء: ۱۰۰)
۳۔ ہجرت کا دنیا میں اجر۔ (النحل: ۴۱، ۴۲) ۴۔ ہجرت نہ کرنے والوں کی سزا۔ (النساء: ۹۷، ۹۹)

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ

اور جب تم سفر کرو میں زمین پس نہیں تم پر کوئی گناہ یہ کہ قصر کرو سے نماز

اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ

اگر تم کو ڈر ہو یہ کہ تمہیں ستائیں گے وہ لوگ انہوں نے کفر کیا بیشک کافر (جمع) ہیں تمہارے

عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ

دشمن کھلے اور جب آپ ہوں ان میں پھر قائم کریں ان کیلئے نماز تو چاہیے کہ کھڑی ہو

طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا

ایک جماعت ان میں سے آپ کیساتھ اور چاہیے کہ وہ پکڑلیں اپنے ہتھیار پھر جب وہ سجدہ کرلیں تو چاہئے کہ وہ ہوجائیں

مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ

سے تمہارے پیچھے اور چاہیے کہ آئے جماعت دوسری نہیں نماز پڑھی انہوں نے پس وہ نماز پڑھیں آپ کے ساتھ

”اور جب تم سفر کے لیے نکلو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ اگر تمہیں ڈر ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔ یقیناً کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ (۱۰۱) جب آپ ﷺ ان میں ہوں اور (حالت جنگ میں) انہیں نماز پڑھاؤ تو چاہیے کہ ایک جماعت تمہارے ساتھ اپنے ہتھیار لیے کھڑی رہے۔ پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو یہ ہٹ کر تمہارے پیچھے آجائیں اور وہ دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ آجائے اور تمہارے ساتھ نماز ادا کرے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: سابقہ آیات میں جہاد اور اس کے مسائل کا ذکر ہو رہا ہے۔ حالتِ جنگ میں اور سفر کے دوران آدمی مشقت میں ہوتا ہے۔ لہٰذا جہاد اور سفر کی حالت میں نماز جیسی عظیم عبادت میں تخفیف کر دی ہے۔

ایمان لانے کے بعد مسلمان پر سب سے زیادہ زور نماز کی ادائیگی اور اس کے قیام پر دیا گیا ہے۔ قیامِ صلوٰۃ سے مراد اس کے ارکان کی سنت کے مطابق ادائیگی اور اس کے روحانی اور معاشرتی تقاضے پورے کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ اس فرض کی ادائیگی کے لیے ہر قسم کی رعایت بخشی گئی۔ حالتِ مجبوری میں نماز کے لیے تیمم ہی کافی سمجھا گیا۔ کسی وجہ سے قبلہ کی طرف منہ کرنا مشکل ہو تو یہ شرط بھی ختم کر دی گئی۔ نماز میں قیام اور رکوع وسجود کرنے فرض ہیں۔ (رواہ البخاری: باب اذا لم یطق قاعداً صلی علی جنب) لیکن کوئی شخص کھڑا نہیں ہو سکتا تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھ لے، بیٹھ کر نماز ادا نہیں ہوتی تو لیٹ کر ادا کرے۔ اگر یہ بھی ممکن نہیں تو اشارے کے ساتھ نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ لیکن نماز چھوڑنا کفر کے مترادف قرار پایا۔ لہٰذا نماز بقائمی ہوش وحواس ہر حال میں فرض ہے اور اسے جماعت کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

وَ لْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ

اور چاہیے کہ پکڑیں | اپنا بچاؤ | اور اپنا اسلحہ | چاہتے ہیں | وہ لوگ | انہوں نے کفر کیا | کاش

تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً

تم غافل ہو جاؤ | سے | تمہارے ہتھیار | اور تمہارے سامان | تو وہ جھک پڑیں | تم پر | جھکنا

وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ

یکبارگی | اور نہیں | گناہ | تم پر | اگر | ہو | تمہیں | تکلیف | سے

مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ

بارش | یا تم ہو | بیمار | یہ کہ | اتار رکھو | تمہارا اسلحہ | اور لے لو | اپنا بچاؤ

اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾

بیشک | اللہ | اس نے تیار کیا | کافروں کے لیے | عذاب | ذلت والا

''اور پھر کنارہ کرے اپنے ہتھیار لیے رہے۔ کافر اس تاک میں ہیں کہ کسی طرح تم اپنے اسلحہ اور اپنے سامان سے بے خبر ہو جاؤ تو وہ تم پر اچانک دھاوا بول دیں۔ ہاں اپنے ہتھیار اتار رکھنے میں اس وقت تم پر کوئی حرج نہیں جب کہ تم بارش کی وجہ سے یا بیمار ہونے کی بنا پر تکلیف میں ہو مگر پھر بھی اپنے بچاؤ کی چیز ساتھ لیے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (۱۰۲)

حالت جنگ میں خوف، اضطراب اور عجلت ہوتی ہے۔ اور حالت سفر میں تھکاوٹ کے ساتھ آدمی کو منزلِ مقصود تک پہنچنے کی جلدی اور گھر سے دور ہونے کی وجہ سے اضطراب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نہایت مہربانی فرماتے ہوئے سفر میں قصر کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ حالتِ جنگ میں نا صرف نماز فرض ہے بلکہ جماعت کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہوا ہے چاہے اسلحہ اٹھا کر ہی پڑھنی پڑے۔ تاہم اس کی رکعات میں تخفیف کر دی گئی کہ حالتِ جنگ میں سنن اور نوافل کی ادائیگی معاف کرنے کے ساتھ فرض کی چار رکعات کو دو میں تبدیل کر دیا گیا جنگ میں نماز با جماعت کی ادائیگی کی کئی صورتیں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔

شدید خوف، گھمسان کا رن یا موجودہ طرز جنگ کے مطابق فوجی اپنے اپنے مورچوں میں جس حالت میں مناسب سمجھیں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ بے شک تیمم کے ساتھ جوتوں سمیت پڑھنی پڑھے۔ مجبوری کی حالت میں قبلہ کی پابندی بھی اٹھا دی گئی۔ فرمان عالی ہے:

{ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ } (البقرة:۱۱۵)

''تم جس طرف اپنے چہرے کرو گے اسی طرف ہی اللہ تعالیٰ کی توجہ کارفرما ہو گی۔''

نماز:

رعایتیں اس لیے عنایت فرمائیں کہ کفار کی یہ خواہش ہے کہ مسلمانوں کو کسی وقت بھی غافل پا کر یکبارگی حملہ کر کے ختم کر دیں۔لیکن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی بقا اور ہر لحاظ سے ترقی اور ان کا تحفظ چاہتا ہے۔جس وجہ سے عبادت کے دوران بھی دفاع سے غفلت کی اجازت نہیں دی گئی۔کاش مسلمان اس نکتہ کو سمجھتے ہوئے دفاعی اور حربی طاقت کو بڑھاتے اور آج غیروں کے سامنے سرنگوں اور ذلیل نہ ہوتے۔یہاں ایک اور بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اے محبوب ﷺ! آپ ان میں موجود ہوں تو بنفس نفیس امامت کروائیں کیونکہ آپ کے ہوتے ہوئے کسی کا مقام نہیں کہ وہ امامت و قیادت کرے۔اسی سے استدلال کرتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کے جسدِ اطہر کے ہوتے ہوئے صرف درود پڑھا تھا۔نمازِ جنازہ نہیں پڑھی تھی۔یہاں یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ سرکاری افسران اور قوم کے رہنماؤں کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ میں اتنی صلاحیت پیدا کریں کہ وہ امامت کروائیں۔جب سے دینی اور دنیوی قیادت الگ الگ ہوئی۔اسی وقت سے مذہب اور سیاست میں تفریق پیدا ہوئی۔ سیاست بے دین لوگوں کی وجہ سے کرپشن اور فساد کا منبع بنی اور امامت غریب لوگوں کی بنا پر غیر اہم ہوگئی۔

سفری نماز:

نبی اکرم ﷺ کے اسفار کو سامنے رکھتے ہوئے مسافت کے تعین میں علماء کرام کی مختلف آراء ہیں امام بخاری، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ ۴۸ میل جبکہ دوسرے علماء شہر کی حدود سے باہر عرب کے ۹ میل، ہمارے پرانے ساڑھے تیرہ میل اور موجودہ پیمائش کے مطابق (تقریباً ۲۲ کلومیٹر) کے قائل ہیں۔بعض علماء علمی موشگافیوں میں پڑ کر کہتے ہیں کہ اس وقت سفر کی سہولتوں کا فقدان تھا۔آج سڑکیں ہموار اور سواریاں تیز رفتار ہیں اس وجہ سے ۹ میل کی مسافت پر قصر نہیں کرنا چاہیے بعض لوگ تو اتنی مسافت پر نماز پڑھنے کا مذاق اڑاتے ہیں۔حالانکہ معلوم ہونا چاہیے کہ شریعت کے پیش نظر کوئی مخصوص علاقہ یا زمانہ نہیں ہوتا۔آج بھی پہاڑی علاقوں میں پگڈنڈیوں کے ذریعے ۹ میل بالخصوص میدانی علاقے کے رہنے والوں کے لیے دل ہلا دینے والا سفر ہے۔شریعت کا مطمعِ نظر لوگوں کو سہولتیں فراہم کرنا ہے۔لہٰذا شریعت کے مقصد کو فوت کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔کیونکہ خالق کائنات کو معلوم تھا اور ہے کہ دنیا میں کون کون سی ایجادات ہوں گی۔اس لیے شریعت کو مکمل سمجھنا چاہیے اور اپنی طرف سے قیل وقال کر کے مشکلات پیدا نہیں کرنا چاہئیں۔

قصر کتنے دن؟

جس طرح مسافت کی تعیین میں علماء کے مختلف خیالات ہیں اسی طرح قصر کے ایام کے بارے میں اختلافات ہیں کیونکہ بعض وجوہات کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ سے قصر کے ایام میں کمی بیشی ثابت ہے جو لوگ تین سے زیادہ دن قصر کرنے کے قائل ہیں وہ اپنے موقف کی تائید میں انہی روایات کا حوالہ دیتے ہیں جو علماء تین دن کے قائل ہیں وہ ان روایات کے بارے

میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تردد کی کیفیت میں تھے جیسا کہ فتح مکہ کے موقعہ پر پندرہ سے انیس دن قصر کرنے کی روایات ہیں ان کا موقف یہ ہے کہ انتظامی امور نمٹانے کی وجہ سے آپ ﷺ تردد میں تھے کہ آج رخصت ہوتے ہیں یا کل۔ایسی صورت میں پندرہ یوم کجا کئی مہینے بھی نماز قصر کی جا سکتی ہے لہٰذا تین دن کے قائل علماء کے دلائل یہ ہیں کہ آپ نے مہمان نوازی تین دن قرار دی ہے۔ (رواہ البخاری: کتاب الرقاق) اس کے بعد مہمان کے ساتھ مقیم جیسا سلوک کیا جاسکتا ہے۔اسی طرح حج کے موقع پر آپ ﷺ کا ارشاد تھا کہ مکہ سے باہر رہنے والے لوگ تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہ کریں۔ (رواہ النسائی: کتاب تقصیر الصلاۃ فی السفر [صحیح]) کیونکہ صحابہ مکہ سے ہجرت کر چکے تھے اس لیے تین دن سے زیادہ ٹھہرنا مقیم ہونے کے مترادف ہوگا۔

سفر میں نفلی نماز:

«عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما يَقُوْلُ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَكَانَ لَا يَزِيْدُ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَذٰلِكَ رضی اللہ عنہم» (رواہ البخاری: کتاب الجمعة، باب من لم يتطوع في السفر دبر الصلاة وقبلها)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، عمر عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ رہا ہوں وہ سفر میں صرف دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔“ (یعنی نفل نہیں پڑھتے تھے۔)

دو نمازوں کو اکٹھا کرنا:

«عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَسِيْرَ يَوْمَهُ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَسِيْرَ لَيْلَهُ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ»

(مؤطا امام مالک: باب الجمع بین الصلاتین [صحیح])

”حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ جب دن کے وقت سفر کا ارادہ کرتے تو ظہر اور عصر کی نماز کو جمع فرماتے اور جب رات کو سفر کرنا چاہتے تو مغرب اور عشاء کی نماز کو اکٹھا کرتے تھے۔“

مسائل

۱۔ سفر کے دوران نماز قصر کرنے کی اجازت ہے۔ ۲۔ کفار مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقعہ نہیں چھوڑتے۔

۳۔ کافر مسلمانوں کے کھلے دشمن ہیں۔ ۴۔ جنگ کے دوران حالت نماز میں اسلحہ پہنے رکھنے کی اجازت ہے۔

۵۔ مسلمانوں کو سستی اور غفلت کی بنا اپنے آپ پر کفار کو حملہ کرنے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔

۶۔ حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں کو امامت کے فرائض خود سرانجام دینے چاہئیں۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

فَاِذَا	قَضَيْتُمُ	الصَّلٰوةَ	فَاذْكُرُوا	اللّٰهَ	قِيٰمًا	وَّقُعُوْدًا
پھر جب	تم ادا کر چکو	نماز	تو یاد کرو	اللہ	کھڑے	اور بیٹھے
وَّ	عَلٰى	جُنُوْبِكُمْ ج	فَاِذَا	اطْمَاْنَنْتُمْ	فَاَقِيْمُوا	الصَّلٰوةَ ج
اور	پر	اپنی کروٹیں	پھر جب	تم مطمئن ہو جاؤ	تو قائم کرو	نماز
اِنَّ	الصَّلٰوةَ	كَانَتْ	عَلَى	الْمُؤْمِنِيْنَ	كِتٰبًا	مَّوْقُوْتًا ﴿١٠٣﴾
بیشک	نماز	ہے	پر	مومن (جمع)	فرض	وقت مقررہ

''پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو اور جب اطمینان پاؤ تو نماز قائم کرو۔ یقیناً مومنوں پر نماز مقررہ وقتوں میں فرض کی گئی ہے۔'' (١٠٣)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حالت جنگ اور سفر میں نماز مختصر پڑھنے کی اجازت تھی اب مقیم کو بروقت اور پوری نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ نماز کے بعد اٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو۔

ذکر ایسی عبادت ہے کہ جسے کثرت کے ساتھ کرنے کا حکم ہوا ہے۔ نماز بذاتِ خود بہت بڑا ذکر ہے۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں دو مقامات پر نماز کی ادائیگی کے بعد مزید کثرت کے ساتھ یادِ الٰہی میں مصروف رہنے کا حکم فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان ہے کہ آپ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے تھے۔

(رواه البخاری: کتاب الأذان، باب هل يتتبع المؤذن فاه ههنا وههنا)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظہر کا وقت سورج ڈھلنے کے بعد ہے جب آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جائے۔ جب تک عصر کا وقت شروع نہ ہو پھر یہاں سے عصر کا وقت شروع ہو کر سورج کے زرد ہونے تک رہتا ہے اور نمازِ مغرب کا وقت غروبِ آفتاب سے لے کر اس کی سرخی ختم ہونے تک ہے عشاء کا وقت آدھی رات تک ہے۔ جبکہ صبح کی نماز کا وقت طلوع فجر سے لے کر سورج نکلنے تک لیکن جب سورج نکلنا شروع ہو جائے تو نماز پڑھنے سے رُک جانا چاہیے کیونکہ یہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔''

(مسلم: باب أوقات الصلوات الخمس)

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب تیار کیا ہے۔
٢۔ نماز کی ادائیگی کے بعد چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اور لیٹنے کی حالت میں اللہ کا ذکر کرتے رہنا چاہیے۔
٣۔ اللہ تعالیٰ نے نماز کے اوقات مقرر کیے ہیں جن کا خیال رکھنا فرض ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا

اور ہمت نہ ہارو میں پیچھا کرنا قوم (کفار) اگر تم ہو دکھ پہنچتا ہے تو بیشک انہیں دکھ پہنچتا ہے جیسے

تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٠٤﴾ ع

تمہیں دکھ پہنچتا ہے اور تم امید رکھتے ہو سے اللہ جو نہیں وہ امید رکھتے اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا

”ان لوگوں کا پیچھا کرنے میں کمزوری نہ دکھاؤ۔ اگر تمہیں دکھ پہنچا ہے تو انہیں بھی تمہاری طرح دکھ پہنچا ہے اور تم اللہ تعالیٰ سے وہ امید رکھتے ہو جو امید وہ نہیں رکھتے۔ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکیم ہے۔“ (١٠٤)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گذشتہ جہاد کے مضمون سے پیوستہ۔

اس موقعہ پر جہاد کے مسائل اور احکام کا اختتام کرنے سے پہلے مجاہدین کو خصوصی نصیحت کے طور پر فرمایا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہیں جہاد کے راستے میں مشکلات پہنچیں ہیں لیکن سوچو کہ اگر تم زخمی ہوئے ہو تو وہ بھی زخمی ہوئے ہیں۔ لیکن یاد رکھو تمہارے دشمن اس سے دگنی مشکلات میں مبتلا ہیں۔ اگر بدر واُحد کو ملا کر دیکھا جائے تو وہ تم سے زیادہ قتل اور زخمی ہوئے ہیں۔ اگر وہ تمہارا تعاقب کرنے میں سست اور بزدل نہیں ہوئے تو تمہیں بھی سستی اور بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ دنیا اور آخرت کی کامیابی کا وعدہ کیا ہے لہٰذا جس رحمت کی تم امید رکھتے ہو وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہی وہ جذبہ ہے جو مجاہد کو کثرت وقلت اور بے سروسامانی کی پرواہ کیے بغیر کفار کے مقابلہ میں لا کھڑا کرتا ہے۔ اسی کی بدولت مسلمان کفار پر غالب آتے رہے ہیں۔ جس کی تاریخ میں سینکڑوں مثالیں پائی جاتی ہیں۔ آج بھی مسلمان اسی جذبہ کے ساتھ کفار کے مقابلہ میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

«عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ؓ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فَأَيْنَ أَنَا قَالَ فِي الْجَنَّةِ فَأَلْقٰى تَمَرَاتٍ فِيْ يَدِهٖ ثُمَّ قَاتَلَ حَتّٰى قُتِلَ» (رواہ البخاری: کتاب المغازی، باب غزوۃ أحد)

”حضرت جابر بن عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے غزوۂ اُحد کے دن نبی کریم ﷺ سے پوچھا اگر میں شہید ہو جاؤں تو میں کہاں ہوں گا؟ آپ نے فرمایا: جنت میں۔ اس کے ہاتھ میں کھجوریں تھیں اس نے انہیں پھینک دیا پھر لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔“

مسائل

١۔ زخمی ہونے کے باوجود مجاہدین کو حالتِ جنگ میں ہمت نہیں ہارنا چاہیے۔

٢۔ مجاہد اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہے جبکہ کافر کو کوئی امید نہیں ہوتی۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

بیشک ہم ہم نے نازل کی آپکی طرف کتاب حق کیساتھ تاکہ آپ فیصلہ کریں درمیان لوگ

بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝۱۰۵ۙ وَّاسْتَغْفِرِ

اسکے ساتھ جو دکھائے آپ کو اللہ اور نہ ہوں آپ خیانت کرنیوالوں کیلئے جھگڑنے والا اور بخشش مانگیں

اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۰۶ۚ

اللہ بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان

''یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ اللہ نے جو سیدھا راستہ آپ کو دکھایا ہے اس کے مطابق فیصلہ کرو اور خیانت کرنے والوں کی حمایت کرنے والا نہ ہو جانا۔ (۱۰۵) اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' (۱۰۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: امت کو خارجی خطرات سے بچانے کے لیے اسلحہ کی تیاری اور مسلسل جہاد کی ضرورت ہے۔ داخلی انتشار سے محفوظ رکھنے کے لیے سب کے لیے قانون شریعت یکساں طور پر نافذ کرنا اور کرپٹ لوگوں کی طرفداری سے بچنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید صرف اس لیے نازل نہیں فرمایا کہ اسے گلدانوں میں سجا کر رکھ دیا جائے۔ نزولِ قرآن کا مقصد یہ ہے کہ عوام کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرتے ہوئے اسے اللہ کا قانون سمجھ کر اللہ کے بندوں پر نافذ کرنا ہے۔ تاکہ انفرادی اور اجتماعی معاملات عدل وانصاف کے ساتھ چلتے رہیں۔ باہمی اختلاف کی صورت میں قرآن مجید ہی ان کے درمیان فیصل ہو۔ اسی لیے تورات وانجیل نازل کی گئی تھیں۔ جس معاشرے میں قرآنِ مجید کا حکم جاری نہیں ہوتا ایسے لوگوں کو ظالم، فاسق اور کافر قرار دیا گیا ہے۔ جس کی تفصیل سورۃ المائدہ آیت ۴۵ تا ۵۰ میں بیان ہوئی ہے۔

«عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِقَامَةُ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ مَطَرِ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً فِيْ بِلَادِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ» (رواہ ابن ماجہ: کتاب الحدود، باب إقامة الحدود [حسن])

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی حدود میں سے کسی حد کو ملک میں نافذ کرنا چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے۔''

یہاں ایک پیش آمدہ واقعہ اور مقدمہ کے سلسلہ میں آپ ﷺ کو ہدایات دی گئی ہیں جو عدل وانصاف کے اصولوں کے لیے سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جج کا غیر جانب دار ہونا، کتاب وسنت کے مطابق فیصلے کرنا، وکیل ہو یا رشتہ دار اس کا مجرم کی حمایت سے اجتناب کرنا، شہادتوں کا درست ہونا۔ یہ وہ چار بنیادی تقاضے ہیں جن کے بغیر کسی معاشرے میں عدل و

انصاف کا بول بالا نہیں ہوسکتا۔

جج کو اپنی معلومات کے مطابق صحیح فیصلہ کرنا چاہیے اگر وہ بے علمی میں غلط فیصلہ کرتا ہے تو اس کا سارا گناہ غلط معلومات دینے والوں پر ہوگا۔ جانتے بوجھتے غلط فیصلہ کی بنیاد پر لیا ہوا مال حلال نہیں آگ کا ٹکڑا ہوگا۔ آپ ﷺ فیصلہ کرنے سے پہلے بعض اوقات یہ بات بیان بھی کیا کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے:

((عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُوْنَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ وَأَقْضِيَ لَهُ عَلٰى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيْهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ)) (رواہ البخاری: کتاب الحیل، باب إذا غصب جاریۃ فزعم أنھا ماتت)

”حضرت ام سلمہ ؓ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا تم میرے پاس اپنے فیصلے لے کر آتے ہو میں ایک بشر ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ تم میں کوئی دوسرے سے دلائل پیش کرنے میں زیادہ مہارت رکھتا ہو۔ میں تو اسی بنیاد پر فیصلہ کرتا ہوں جو بات سنتا ہوں میں جس کے لیے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کردوں۔ تو وہ اسے نہ لے کیونکہ میں اسے آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوتا ہوں۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے نازل فرمایا ہے۔ ۲۔ کسی شخص کو مجرم کا ساتھ نہیں دینا چاہیے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنی چاہیے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ نہایت ہی رحیم اور بخشنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامِ عدل:

۱۔ فیصلہ انصاف سے کرنا چاہیے۔ (النساء: ۵۸) ۲۔ فیصلہ اللہ کے حکم کے مطابق ہونا چاہیے۔ (المائدۃ: ۴۹)
۳۔ اللہ کا حکم نافذ نہ کرنے والے کافر ہیں۔ (المائدۃ: ۴۴) ۴۔ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والا ظالم ہوتا ہے۔ (المائدۃ: ۴۵)
۵۔ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے فاسق ہیں۔ (المائدۃ: ۴۷)

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

اور نہ جھگڑیں آپ سے جو لوگ خیانت کرتے ہیں اپنے نفسوں سے بیشک اللہ نہیں

يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۱۰۷ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ

دوست رکھتا جو ہو خائن گنہگار وہ چھپاتے ہیں سے لوگ

وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا

اور نہیں چھپا سکتے سے اللہ اور وہ ان کیساتھ جب وہ راتوں کو مشورہ کرتے ہیں جو

لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۱۰۸

نہیں پسند کرتا سے بات اور ہے اللہ اسکے ساتھ جو وہ کرتے ہیں گھیرے ہوئے

”اور ان لوگوں کی طرف سے جھگڑا نہ کرو جو اپنے آپ میں خائن ہیں۔ یقیناً دغاباز، گنہگار کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔(۱۰۷) وہ لوگوں سے چھپاتے ہیں، مگر وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے۔ جب وہ رات کے وقت ناپسندیدہ باتوں کے بارے میں خفیہ مشورے کرتے ہیں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کا احاطہ کرنے والا ہے۔“(۱۰۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہونے والے مقدمہ کی روئیداد اس طرح ہے کہ انصار قبیلہ کے بنی ظفر خاندان میں سے ایک شخص نے انصاری کے گھر سے آٹے کی بوری اور ایک زرہ چوری کر لی۔ جب اس کا کھوج شروع ہوا تو اس نے اپنے آپ کو الزام سے بچانے کے لیے چوری کا سامان ایک یہودی کے گھر میں امانت کے طور رکھ دیا۔ اہلِ محلہ نے سامان یہودی کے گھر پا کر اسے چور ٹھہرایا لیکن یہودی نے انصاری کا نام لیا۔ جس پر انصاری کے رشتے داروں نے مل بیٹھ کر مشورہ کیا کہ رسول معظم ﷺ کے سامنے یہودی کو چور ثابت کیا جائے۔ جب مقدمہ آپ کی خدمت میں پیش ہوا تو انہوں نے یہودی کو چور ثابت کر دیا۔ قریب تھا کہ آپ یہودی پر حد جاری کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو پوری صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے نبی! یہ آپ کی شان نہیں کہ آپ خائن اور بددیانت لوگوں کی حمایت کریں۔ اب تک جو کچھ ہوا اس پر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے آئندہ آپ کی طرف سے خائن لوگوں کی حمایت نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خائن اور مجرموں کو پسند نہیں کرتا۔ ایسے لوگ دوسروں سے تو اپنے گناہ اور جرائم چھپا سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز نہیں چھپا سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے اقتدار اور علم کے لحاظ سے ہر وقت لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جہاں تک یہ لوگ رات کے وقت ایسی باتیں کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہوتی ہیں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ ان کی ہر بات اور عمل کا احاطہ کیے ہوتا ہے۔

«عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَامَ فِیْنَا النَّبِیُّ ﷺ فَذَکَرَ الْغُلُوْلَ فَعَظَّمَهٗ وَعَظَّمَ أَمْرَهٗ قَالَ لَا أُلْفِیَنَّ أَحَدَکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ عَلٰی رَقَبَتِهٖ فَرَسٌ لَهٗ حَمْحَمَةٌ یَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَغِثْنِیْ فَأَقُوْلُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَیْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ وَعَلٰی رَقَبَتِهٖ بَعِیْرٌ لَهٗ رُغَاءٌ یَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَغِثْنِیْ فَأَقُوْلُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَیْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ» (رواہ البخاری: کتاب الجہاد والسیر، باب الغلو وقول اللہ تعالی ومن یغلل یأت بما غل)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہمارے درمیان کھڑے ہوکر خیانت کا تذکرہ کرتے ہوئے خیانت اور ایسے معاملہ کو خطرناک قرار دیتے ہوئے فرمایا میں قیامت کے دن تم میں سے کسی کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر بکری ممیارہی ہو اور کسی کی گردن پر گھوڑا ہنہنا رہا ہو وہ مجھ سے کہے اللہ کے رسول! میری مدد کیجیے۔ میں کہوں کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔ میں نے تجھے پہنچا دیا اور کسی کی گردن پر اونٹ آواز نکال رہا ہو اور اس کا چور کہے اللہ کے رسول میری مدد کیجئے۔ تو میں کہوں کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا میں نے تجھے آگاہ کر دیا تھا۔“

مسائل

۱۔ خائن لوگوں کی حمایت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

۲۔ آدمی لوگوں سے چھپ سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے نہ چھپ سکتا ہے اور نہ کچھ چھپا سکتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے اقتدار، اختیار اور علم کی بنا پر ہر آدمی کے ساتھ ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر وقت انسان کے ساتھ ہوتا ہے:

۱۔ انسان جہاں کہیں بھی ہو اس کی ہر حرکت اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتی ہے۔ (الحدید: ۴۔ التوبہ: ۴۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ انسان کی شاہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ (ق: ۱۶، الواقعہ: ۸۵)

۳۔ انسان جدھر بھی رخ کرے اللہ تعالیٰ کی توجہ اس کی طرف ہوتی ہے۔ (البقرۃ: ۱۱۵)

۴۔ آدمی جہاں کہیں ہو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ (الحدید: ۴)

۵۔ آدمی تین ہوں تو چوتھا اللہ ہوتا ہے پانچ ہوں تو چھٹا اللہ ہوتا ہے اس سے زیادہ ہوں یا کم اللہ تعالیٰ ہر وقت آدمی کے پاس ہوتا ہے۔ (المجادلہ: ۷)

خائن کا انجام:

۱۔ خائن قیامت کے دن اپنی خیانت کے ساتھ پیش ہوگا۔ (آل عمران: ۱۶۱)

۲۔ خائن کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ (الانفال: ۵۸)

هٰاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۟ فَمَنْ يُّجَادِلُ

خبردار تم وہی تم نے جھگڑا کیا ان سے میں دنیوی زندگی سوکون جھگڑے گا

اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ

اللہ انکے بارے دن قیامت یا کون ہوگا ان پر وکیل اور جو

يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ

کام کرے برا یا ظلم کرے اپنی جان پر پھر بخشش چاہے اللہ وہ پائے گا

اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ

اللہ بخشنے والا مہربان اور جو کمائے گناہ توفقط وہ کماتا ہے اپنی جان پر

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا

اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا اور جو کمائے غلطی یا گناہ

ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾

پھر تہمت لگادے اسکے ساتھ بے گناہ توتحقیق اس نے اٹھایا بہتان اور گناہ صریح

''ہاں تم وہ لوگ ہو کہ دنیا میں ان کی حمایت کرتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن ان کی حمایت کون کرے گا یا کون ہوگا ان کا ذمہ دار۔(۱۰۹) جو شخص برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار طلب کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا، مہربان پائے گا۔(۱۱۰) اور جو گناہ کرے اس کا بوجھ کرنے والے پر ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا ہے۔(۱۱۱) اور جو گناہ یا خطا کر کے کسی بے گناہ کے ذمہ لگائے اس نے بڑا بہتان اٹھایا اور واضح گناہ کیا۔'' (۱۱۲)

فہم القرآن

ربط کلام : گذشتہ سے پیوستہ۔

جن لوگوں نے عزیز داری کی بنیاد پر چور کی حمایت اور تعصب کی بنا پر یہودی پر الزام لگایا تھا۔ اب انہیں مخاطب کیا جارہا ہے کہ تم ایسے لوگ ہو جو طرف داری اور تعصب کی بنیاد پر مجرم کے حق میں جھگڑتے ہو۔ بتاؤ قیامت کے دن رب ذوالجلال کے سامنے مجرموں کی طرف سے کون جھگڑا اور ان کی وکالت کرسکے گا؟

اس فرمان کا صاف مطلب ہے کہ کسی شخص کو مجرم کی پاسداری اور اس کے جرم کی وکالت نہیں کرنی چاہیے۔ یہ فرمان ہر وکیل کے لیے تازیانہ عبرت رکھتا ہے۔ اس کے بعد چار مرتبہ لفظ ''مَنْ'' استعمال کیا کہ دنیا میں کوئی بھی جان بوجھ کر یا بھول کر گناہ کرے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہو۔ اللہ تعالیٰ یقیناً اسے معاف فرمادے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف

کرنے اور بڑی شفقت فرمانے والا ہے۔اس کے بعد پھر فرمایا کہ جو بھی گناہ کرے گا اس کا بوجھ دنیا اور آخرت میں اسے ہی اٹھانا پڑے گا۔اس سے ان لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہم فلاں کے واسطے اور وسیلے سے نجات حاصل کرلیں گے اور بزرگوں کے طفیل ضرور جنت میں داخل ہوں گے۔قرآن مجید مختلف پیرائے میں یہ بات سمجھاتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا لہٰذا پیر ہو یا مرید، علماء ہو یا مقتدی ہر کسی کو اپنے اپنے اعمال کی جزا یا سزا پانا ہوگی۔ ہر شخص کو خوب جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نیت وعمل کو اچھی طرح جانتا ہے۔اور جس شخص نے کوئی غلطی یا گناہ کیا اور پھر اس کا الزام ایسے آدمی پر لگایا جو اس سے بری الذمہ ہے۔ایسے شخص نے بیک وقت تہمت لگانے اور گناہ میں ملوث ہونے کا ارتکاب کیا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کھلا گناہ ہے۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیت {وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ} ”اے نبی ﷺ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔“ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے قریش کے لوگو! اپنے لیے کچھ خریدلو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ بچا نہیں سکوں گا، اے بنی عبدِ مناف میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ فائدہ پہنچا نہیں سکوں گا، اے عباس بن عبدالمطلب میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ کفایت نہیں کرسکوں گا، اور اے صفیہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ کفایت نہیں کرسکوں گا، اور اے فاطمہ (محمد ﷺ کی بیٹی)! مجھ سے میرے مال سے جو چاہتی ہے مانگ لے میں تمہیں اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکوں گا۔“

(رواہ البخاری: کتاب الوصایا، باب ھل یدخل النساء والولد فی الأقارب)

مسائل

۱۔ قیامت کے دن کوئی کسی کی غلط حمایت نہیں کرسکے گا۔ ۲۔ گناہ سرزد ہونے کے بعد انسان کو فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر کسی کو معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔
۴۔ توبہ نہ کرنے کی صورت میں ہر کسی کو اپنے گناہوں کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔
۵۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھنے والا اور اس کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔
۶۔ اپنے گناہ کو دوسرے کے ذمہ لگانے والا بہتان اور گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

گناہوں کا بوجھ خود اٹھانا ہوگا:

۱۔ کوئی نفس کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔(الانعام: ۱۶۴) ۲۔ ہر ایک اپنے معاملے کا خود ذمہ دار ہے۔(البقرۃ: ۱۴۱)
۳۔ عزیز واقارب اور ہر کوئی ایک دوسرے سے بھاگ جائے گا۔(عبس: ۳۴، ۳۶)
۴۔ روزِ محشر دوست کام نہ آئیں گے۔(البقرۃ: ۲۵۴)

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ
اور اگر نہ اللہ کا فضل آپ پر اور اس کی رحمت تو قصد کیا تھا ایک جماعت ان میں سے

اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ
یہ کہ آپ کو گمراہ کر دیں اور نہیں وہ گمراہ کرتے مگر اپنے آپ اور نہیں بگاڑ سکتے آپ کا

مِنْ شَیْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ
سے کچھ اور نازل کی اللہ آپ پر کتاب اور حکمت اور آپ کو سکھایا

مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿١١٣﴾
جو نہیں تھے آپ جانتے اور ہے اللہ کا فضل آپ پر بڑا

”اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت آپ کے شامل حال نہ ہوتی تو ان کی ایک جماعت نے تمہیں بہکانے کا ارادہ کر ہی لیا تھا۔ اور وہ نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے آپ ہی کو اور یہ آپ کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب وحکمت اتاری اور آپ کو وہ کچھ سکھایا ہے جسے آپ نہیں جانتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔“ (۱۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: خطاب جاری ہے۔

پہلے بیان ہونے والے واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے پیغمبر ﷺ! اگر اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل وکرم نہ ہوتا تو ان میں سے ایک گروہ نے آپ کو عدل وانصاف کے راستے سے ہٹا دینے کا پکا منصوبہ بنا لیا تھا۔ اگر آپ ان کی مرضی کے مطابق فیصلہ صادر فرما دیتے تو اس سے آپ کی سیرت پر حرف گیری ہوتی اور عدل وانصاف کا ترازو جھک جاتا۔ تاہم آپ کی ذات اقدس کا حقیقتاً نقصان نہ ہوتا کیونکہ آپ نے ظاہری شواہد کے مطابق فیصلہ کرنا تھا۔

معلوم ہوا کہ اگر جج سے غلط معلومات اور جھوٹی شہادتوں کے ذریعے ناحق فیصلہ کروا لیا جائے تو وہ عنداللہ گناہ گار نہیں ہوگا۔ البتہ آدمی کو شعوری اور لاشعوری طور پر ہونے والے گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہنا چاہیے۔ جیسا کہ اوپر کی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے۔ لیکن سچ کو جھوٹ بنانے اور دوسروں پر الزام لگانے والے مجرم دنیا اور آخرت میں ضرور نقصان اٹھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بروقت اس واقعہ کی حقیقت بتائی اور کتاب وحکمت عطا فرما کر وہ کچھ سکھلا دیا جو آپ اس سے پہلے نہیں جانتے تھے۔ کسی شخص کو اللہ کی طرف سے کسی غلطی پر بروقت رہنمائی ہونا اس پر ”اللہ“ کا بڑا ہی فضل ہوا کرتا ہے۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کا اتنا فضل ہوا کہ دُنیا اور آخرت میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ہوگا ”مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ“ کے الفاظ سے ان لوگوں کے باطل عقیدہ کی نفی ہوتی ہے جو آپ کی ذات کے بارے میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ جو ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے سب کچھ جانتے تھے جیسا کہ ضیاء القرآن کے مفسر نے ابن

جریر کے ضعیف قول سے اپنے عقیدے کو تقویت دینے کی ناکام کوشش کی ہے لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو ''مَا کَانَ'' اور ''مَا هُوَ کَائِنٌ'' کا علم عطا فرمایا گیا تھا پھر انہوں نے مسلم شریف کی حدیث سے غلط مفہوم اخذ کرنے کی کوشش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب کچھ جانتے تھے حالانکہ خود ہی لکھتے ہیں:

''قرآنِ مجید نے کئی موقعوں پر آپ ﷺ کے عالم الغیب ہونے کی نفی کی ہے یہاں تک آپ کے بارے میں سورۃ الشوریٰ میں فرمایا کہ اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا آپ کی طرف ایک جانفزا کلام اپنے حکم سے نازل کیا اس سے پہلے نہ آپ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ لیکن ہم نے بنا دیا اس کتاب کو (سراپا) نور ہم ہدایت دیتے ہیں اس کے ذریعہ جس کو چاہتے ہیں اپنے بندوں سے۔ اور بلاشبہ آپ رہنمائی فرماتے ہیں صراط مستقیم کی طرف۔''

{ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚۛ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚۛ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ } (الأعراف:۱۸۸)

''آپ فرمادیں کہ ''مجھے خود اپنے نفع یا نقصان کا اختیار نہیں مگر اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو محض ایک ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں، ان کے لیے جو ایمان لے آئیں۔''

{ وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ } (الانعام:۵۹)

''اور غیب کی چابیاں اسی کے پاس ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا بحر و بر میں جو کچھ ہے اسے وہ جانتا ہے اور کوئی پتہ تک نہیں گرتا جسے وہ نہ جانتا ہو نہ ہی زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے جس سے وہ باخبر نہ ہو اور تر اور خشک جو کچھ بھی ہو سب کتاب مبین میں موجود ہے۔''

مسائل

۱۔ دوسرے کو گمراہ کرنے والا خود گمراہ اور نقصان میں رہتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتاب و حکمت عطا فرمائی اور وہ کچھ سکھلایا جو آپ پہلے نہیں جانتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

نبی محترم ﷺ کے خلاف سازشیں:

۱۔ نبی ﷺ کو قتل اور ملک بدر کرنے کی سازش۔ (الانفال:۳۰)

۲۔ نبی ﷺ کو اللہ کی ہدایت سے پھیر دینے کی سازش۔ (البقرۃ:۱۰۹)

۳۔ منافقین کی سازش مسجد ضرار۔ (التوبہ:۱۰۷) (مزید دیکھیے البقرہ ۱۰۵)

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ
نہیں کوئی بھلائی میں اکثر سے ان کی سرگوشیاں مگر جو حکم دے

بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ
خیرات کا یا اچھی بات کا یا اصلاح کرانا لوگوں کے درمیان اور جو کرے

ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾
یہ تلاش کرنا اللہ کی رضا سوعنقریب ہم اسے دیں گے ثواب بڑا

”ان کی اکثر سرگوشیاں خیر سے خالی ہیں۔ سوائے اس کے جو صدقہ کا یا نیک بات کا، یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے یہ کرے اسے ہم یقیناً اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔“ (۱۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام : منافقین کے کردار کے مختلف پہلو بیان کرنے کے ساتھ ان کی مجالس میں ہونی والی سازشوں کو طشت از بام کیا ہے۔

بُرے لوگوں کی مجالس بھی اکثر طور پر بُری ہی ہوا کرتی ہیں۔ خاص کر ان کی خفیہ مجالس کبھی شر سے خالی نہیں ہوا کرتیں۔ ایسے لوگ برائی، بے حیائی، چوری چکاری، سازش اور شرارت کے لیے ہی سوچ و بچار کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے لوگوں کی مجلس کو لوہار کی بھٹی کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

((عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ وَالسُّوْءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيْرِ فَحَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّآ أَنْ يُّحْذِيَكَ وَإِمَّآ أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَإِمَّآ أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيْحًا طَيِّبَةً وَنَافِخُ الْكِيْرِ إِمَّآ أَنْ يُّحْرِقَ ثِيَابَكَ وَإِمَّآ أَنْ تَجِدَ رِيْحًا خَبِيْثَةً))

(رواہ البخاری: کتاب الذبائح والصید، باب المسک)

”حضرت ابوموسیٰ ؓ نبی کریم ﷺ سے بیان فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اچھے اور برے ساتھی کی مثال کستوری بیچنے والے اور بھٹی میں پھونکنے والے کی طرح ہے۔ کستوری بیچنے والا یا تو تمہیں تحفہ دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا تم اس سے اچھی خوشبو پاؤ گے اور بھٹی میں پھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑوں کو جلا دے گا یا اس سے بُری بو محسوس کرے گا۔“

قرآنِ مجید نے ایسی مجالس کو خیر سے خالی قرار دیا ہے۔ سوائے اس کے جن میں صدقہ و خیرات، اچھے کام اور لوگوں کی فلاح اور اصلاح کے بارے میں کوئی پروگرام ترتیب دیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں اس آیت میں باہم مل بیٹھنے اور مجالس کی غرض و غایت کا اشارہ دیا ہے کہ بُرے لوگوں کو مل کر سازش اور شرارت کے منصوبے بنانے کی بجائے نیکی اور خیر کے پروگرام ترتیب دینے چاہئیں یہ پروگرام محض نمود و نمائش کے لیے نہیں بلکہ ان کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی نیت ہونی

چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقعہ پر چوراہوں میں بیٹھنے سے منع فرمایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سماجی اور معاشرتی مجبوریوں کا ذکر کیا آپ نے ہدایت فرمائی کہ اگر تمہارے لیے چوراہوں میں بیٹھنا ناگزیر ہو تو تمہیں ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

«عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ إِیَّاکُمْ وَالْجُلُوْسَ بِالطُّرُقَاتِ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! مَالَنَا بُدٌّ مِنْ مَّجَالِسِنَا نَتَحَدَّثُ فِیْھَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ إِذَآ أَبَیْتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِیْقَ حَقَّہٗ قَالُوْا وَمَا حَقُّہٗ؟ قَالَ: غَضُّ الْبَصَرِ وَکَفُّ الْأَذٰی وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیُ عَنِ الْمُنْکَرِ» (رواہ مسلم: کتاب السلام، باب من حق الجلوس علی الطریق رد السلام)

”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا رستوں اور چوراہوں میں بیٹھنے سے بچا کرو۔ صحابہ نے عرض کی کہ اللہ کے رسول! بیٹھنا ہماری مجبوری ہے ہم وہاں تبادلہ خیال کرتے ہیں آپ نے فرمایا اگر تمہارا بیٹھنا ضروری ہے تو راستے کا حق ادا کیا کرو۔ صحابہ نے اس کا حق پوچھا تو آپ نے فرمایا نظر نیچی رکھنا، کسی کو تکلیف نہ دینا، سلام کا جواب دینا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا۔“

مسائل

۱۔ بے دین لوگوں کی اکثر مجالس خیر سے خالی ہوتی ہیں۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے کام کرنے والا بڑا اجر پائے گا۔

۳۔ مجالس میں لوگوں کی فلاح و بہبود اور اچھے کاموں کی مشاورت اور منصوبہ بندی ہونی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

یہود و نصاریٰ اور کفار کی مجالس:

۱۔ مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے دوغلی پالیسی اختیار کرنا۔ (البقرۃ: ۱۴)

۲۔ نئے مسلمانوں کو مرتد بنانے کے لیے سازشیں کرنا۔ (آل عمران: ۷۲)

۳۔ مسلمانوں کو ارتداد کی طرف لانے کے لیے کوششیں اور منصوبے بنانا۔ (البقرۃ: ۲۱۷)

۴۔ زمین میں فساد کرنے کی کوشش کرنا۔ (البقرۃ: ۲۰۵) ۵۔ یہود و نصاریٰ کی سرگرمیاں۔ (المجادلہ: ۸)

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
اور جو مخالفت کرے رسول سے بعد جو ظاہر ہو چکی

لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ
اس کیلئے ہدایت اور چلے خلاف راستہ مومن (جمع) ہم پھیر دینگے

مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ ع
جو اس نے اختیار کیا اور ہم اسے داخل کرینگے جہنم اور بری پہنچنے کی جگہ

''جو شخص راہِ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے سے الگ راستہ اختیار کرے ہم اسے ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھرنا چاہتا ہے اور دوزخ میں ڈال دیں گے۔ وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔'' (۱۱۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام : اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو لوگوں کے لیے رہنما اور مقتدا بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کی پیروی اور اتباع کو اپنی اتباع قرار دیا، اپنی محبت اور بخشش کو رسول کی اطاعت کے ساتھ مشروط فرمایا ہے۔ اس لیے جلوت اور خلوت میں رسول کی اتباع ہر مسلمان پر فرض ہے۔

جو شخص یا جماعت رسول کی ہدایت اور سنت سامنے ہونے کے باوجود رسول معظم ﷺ کی پیروی سے انحراف اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کو چھوڑتے ہیں وہ لوگ جدھر چاہیں اور جس طرح چاہیں منہ اٹھا کر چل نکلیں وہ جہنم میں ہی گرنے والے ہیں جو بدترین جائے قرار ہے۔ اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے اتباعِ رسول کے ساتھ صحابہ کی اتباع کا بھی حکم دیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے رسالت مآب ﷺ سے براہِ راست رہنمائی اور فیض حاصل کیا۔ البقرۃ آیت ۱۳ اور آیت ۱۳۷ میں ان کے ایمان کو ہمیشہ کے لیے مثال اور نمونہ قرار دیتے ہوئے فرمایا: {فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا} (البقرۃ:۱۳۷) ''اگر وہ تمہارے یعنی صحابہ جیسا ایمان لے آئیں تو یقیناً وہ ہدایت سے سرفراز ہو جائیں گے۔''

اس لیے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس کام پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو۔ وہ امت کے لیے دلیل اور واجبِ اتباع ہوگا۔ بعض لوگ حدیث رسول ﷺ اور اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر کسی ایک صحابی کے انفرادی عمل کو اپنے لیے قابلِ حجت سمجھتے ہیں۔ جو سراسر قرآن کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ جہاں تک کسی صحابی کے انفرادی عمل کا تعلق ہے اگر وہ صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو جائے تو اس کی تاویل کرنا ہوگی کہ اس صحابی کو رسول معظم ﷺ کا فرمان نہیں پہنچا، یا اُسے سمجھنے میں سہو ہوئی ہے۔ جس کی مثال حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا تین دن سے زیادہ کسی چیز کو گھر میں رکھنا خلافِ شرع سمجھنا ہے۔ بعض لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے ایک آدھ انفرادی عمل کو اپنے لیے حجت قرار دیتے ہیں۔ تائید کے طور پر حدیث رسول پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ، فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ» (جامع الاصول من احادیث الرسول [موضوع])

''میرے صحابہ ہدایت کے چمکتے ہوئے ستارے ہیں جس نے کسی صحابی کی پیروی کی وہ ہدایت پا جائے گا''

حالانکہ یہ روایت سند کے اعتبار سے کمزور ہے۔

«عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتَهُ»

(رواه البخاری: باب لَا يَشْهَدُ عَلَى شَهَادَةِ جَوْرٍ إِذَا أُشْهِدَ)

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا میرے زمانہ کے لوگ سب سے بہتر ہیں۔ پھر وہ لوگ جوان کے بعد ہوں گے۔ پھر وہ لوگ جوان کے بعد ہوں گے۔ اس کے بعد کچھ لوگ آئیں گے، جن کی گواہی کی قسم سے، اوران کی قسم ان کی گواہی سے سبقت لے جائے گی۔''

جہاں تک کسی دور کے علماء کے اجماع کا تعلق ہے وہ قرآن وسنت کے تابع ہو تو قابل حجت ہوگا۔ بصورتِ دیگر اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ شریعت میں دلیل معیار ہے اقلیت اور اکثریت معیار نہیں۔ لہٰذا صحابہ کا اجتماعی طرزِ فکر اور عمل امت کے لیے حجت ہے۔ سورہ فاتحہ کے آخری کلمات اسی راستے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ جو اس راستے سے جتنا ہٹے گا اتنا ہی گمراہی کی طرف جائے گا۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

{ فَلَمَّا زَاغُوٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ } (الصف:٥)

''جب وہ سیدھی راہ سے ہٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دلوں میں کجی پیدا کر دی۔''

{ وَّ نَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١٠﴾ } (الانعام:١١٠)

''انہیں ان کی سرکشی میں رہنے دیتے ہیں اور وہ حیران پھرتے ہیں۔''

مسائل

١۔ رسول اللہ ﷺ کے راستے کو چھوڑنا جہنم کا راستہ اپنانے کے مترادف ہے۔ ٢۔ جہنم بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

اتباعِ صحابہ رضی اللہ عنہم:

١۔ انعام یافتہ لوگوں کے راستے پر چلنے کی دعا۔ (الفاتحہ:٦) ٢۔ صحابہ کا ایمان ہدایت کی کسوٹی۔ (البقرۃ:١٣٧)

٣۔ مومن کو مومنوں کا دوست ہونا چاہیے۔ (التوبۃ:٧١) ٣۔ الٰہی ہمیں شاہدین کے ساتھ لکھنا۔ (آلِ عمران:٥٣)

٥۔ موت کے بعد نیک لوگوں کی رفاقت۔ (آلِ عمران:١٩٣) ٦۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا۔ (یوسف:١٠١)

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ

بیشک اللہ نہیں بخشتا یہ کہ شریک ٹھہرایا جائے اس کا اور بخشے گا جو سوا اس

لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۱۶﴾

جسکے لیے وہ چاہے گا اور جو شریک ٹھہرائے اللہ کا تو تحقیق وہ گمراہ ہوا گمراہی دور

’’ہرگز نہیں بخشے گا اللہ تعالیٰ کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے البتہ شرک کے علاوہ جس کے چاہے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔‘‘ (۱۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام : نئے خطاب کا آغاز۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا انکار کرنا کفر ہے اور اس کی ذات وصفات اور عبادت میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک ہے جو سب سے بڑا گناہ، ظلمِ عظیم اور پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ شرک کرنے والے ہمیشہ ہمیش جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔

کفر و شرک کے سوا اللہ تعالیٰ جسے چاہے اور جو چاہے معاف فرما دے گا اس میں حقوق العباد بھی شامل ہیں۔ خاص کر ایسا شخص جو دوسروں کے حق کی ادائیگی اور اپنی زیادتی کی تلافی کرنا چاہتا تھا لیکن غفلت یا عدمِ وسائل کی وجہ سے تلافی نہیں کر سکا۔ اللہ تعالیٰ یقیناً اسے معاف فرما کر حق دار کی دادرسی فرمادے گا۔ جیسا کہ بخاری شریف میں کئی مقامات میں رسولِ معظم ﷺ کا فرمان درج ہے جس میں آپ نے توحید کی برکات کا یوں ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ محشر کے میدان میں اعلان فرمائیں گے جو دنیا میں کسی کی عبادت کرتا تھا وہ اس کے پاس چلا جائے۔ مشرک اپنے اپنے پیروں اور معبودوں کے پاس چلے جائیں گے لیکن کچھ لوگ کھڑے رہیں گے۔ جن میں فاجر لوگ بھی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے سوال فرمائیں گے کہ تم کیوں نہیں جاتے؟ وہ عرض کریں گے کہ ہم دنیا میں تیرے ساتھ کسی کو مشکل کشا، حاجت روا، دستگیر اور آپ کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک نہیں گردانتے تھے اب بھی تیری ذاتِ کبریا کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ چنانچہ شرک سے اجتناب کرنے اور توحید کے صلہ میں انہیں معاف کر دیا جائے گا۔ (رواہ مسلم: باب معرفۃ طریق الرؤیۃ)

مسائل

۱۔ اللہ کی ذات اور اس کی صفات میں دوسروں کو شریک کرنا شرک ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والا انتہا درجے کا گمراہ ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

شرک کے نقصانات :

۱۔ شرک بدترین گناہ ہے۔ (النساء: ۴۸) ۲۔ شرک ظلمِ عظیم ہے۔ (لقمان: ۱۳)
۳۔ شرک سے اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ (الزمر: ۶۵) ۴۔ شرک کے بارے میں انبیاء کو انتباہ۔ (الانعام: ۸۸)
۵۔ شرک کرنے سے آدمی ذلیل ہو جاتا ہے۔ (الحج: ۳۱) ۶۔ مشرک پر جنت حرام ہے۔ (المائدۃ: ۷۲)

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۙ﴿١١٧﴾

نہیں وہ پکارتے سے اسکےعلاوہ مگر مؤنث (جمع) اور نہیں وہ پکارتے مگر شیطان سرکش

”یہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف دیویوں کی پرستش کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ صرف باغی شیطان کو پوجتے ہیں۔“ (١١٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ مشرک صرف ایک ”اللہ“ کو پکارنے کی بجائے اس کے ساتھ دوسروں کو بھی پکارتا ہے حقیقت میں جو شیطان کو پکارنا ہے۔

یہاں شرک کی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ دیویوں کی عبادت کرتے ہیں جو حقیقتاً شیطان کی عبادت کرنے کے مترادف ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔ دنیا میں سب سے پہلے شرک نوح علیہ السلام کی قوم میں پیدا ہوا۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اپنے بزرگوں کے مجسمے تراشے ان میں سب سے بڑے بت کا نام سواع تھا سواع عورت کی شکل پر بنایا گیا اس کا معنی ہے ”انتظام وانصرام کرنے والی دیوی“۔ مشرکینِ مکہ لات، منات اور عزیٰ کو اللہ تعالیٰ کے تقرب کا وسیلہ بناتے تھے۔ یہ سب کے سب عورتوں کے نام ہیں۔ ہندوؤں اور بدھ مت کے مندروں میں جا کر ملاحظہ فرمائیں جن مورتیوں کو وہ اللہ کا اوتار سمجھتے ہیں ان کی شکلیں نہایت ہی پرکشش، جاذب نظر اور خوبصورت عورتوں کے مشابہ بنائی گئی ہیں۔ یونان میں بھی دیویوں کی پوجا ہوتی تھی اور بعض قومیں فرشتوں کی اس لیے عبادت کرتی ہیں کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کی پاک اور خوبصورت بیٹیاں گردانتے ہیں۔ گویا کہ دنیا میں ہر دور کے مشرکوں کی اکثریت عورتوں کی پرستار رہی ہے۔ یہاں تک کہ عیسائی بھی حضرت مریم کو اللہ تعالیٰ کی بیوی یا ذات کبریا کا حصہ سمجھ کر اس کی عبادت کرتے ہیں۔ جس کی اللہ تعالیٰ نے یوں تردید فرمائی: اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان کو کسی نمونے اور اسباب کے بغیر پیدا کرنے والا ہے لہٰذا اس کی اولاد اور بیوی کس طرح ہو سکتی ہے؟ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔ [الانعام: ١٠٢] سورۂ اخلاص میں بڑے سادہ اور مختصر الفاظ میں ہر قسم کے شرک کی تردید کی گئی ہے۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو پکارنے والے عورتوں اور شیطان کو پکارتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

مشرک شیطان کی عبادت کرتا ہے:

١۔ اے بنی آدم! شیطان کی عبادت نہ کرو۔ (یٰس: ٦٠) ٢۔ ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو شیطان کی عبادت نہ کرنے کی تلقین۔ (مریم: ٤٤)

بتوں کے نام عورتوں کے نام پر:

١۔ مشرک ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں سمجھ کر عبادت کرتے ہیں۔ (النجم: ٢٨)

٢۔ حضرت نوح علیہ السلام کے دور کے بتوں کے نام۔ (نوح: ٢٣) ٣۔ مشرکین مکہ کے بتوں کے نام۔ (النجم: ١٩، ٢٠)

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾

اللہ نے اس پر لعنت کی | اوراس نے کہا | میں ضرور لوں گا | سے | تیرے بندے | حصہ | مقررہ

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ

اور انہیں ضرور بہکاؤں گا | اور انہیں ضرور امیدیں دلاؤں گا | اور انہیں ضرور حکم دوں گا | وہ ضرور چیریں گے | کان

الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ

جانور (جمع) | اور انہیں ضرور حکم دونگا | تو وہ ضرور بدلیں گے | اللہ کی تخلیق | اور جو | پکڑے | شیطان

وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ؕ

دوست | سے | اللہ کے سوا | تو تحقیق | وہ نقصان میں پڑا | نقصان | صریح

”(وہ اس شیطان کی عبادت کرتے ہیں) جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس نے کہا تھا کہ میں تیرے بندوں میں سے مقرر حصہ لے کر رہوں گا۔ (۱۱۸) اور انہیں راہ سے بہکا تا رہوں گا اور امیدیں دلاتا رہوں گا اور انہیں کہوں گا کہ جانوروں کے کان چیر دیں اور ان سے کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑ دیں۔ سنو جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا وہ کھلم کھلا نقصان میں پڑ جائے گا۔“ (۱۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: شرک دراصل شیطان کا حکم ماننا اور اس کی عبادت کرنا ہے۔ شیطان پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اس بنا پر مشرک پر بھی اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔

شیطان نے صرف آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار نہیں کیا بلکہ وہ جرم پر جرم کرتا چلا گیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر معذرت کرنے کی بجائے اپنے جرم کے دلائل دیتے ہوئے قسمیں اٹھائیں کہ میں ہر حال میں بنی نوع انسان کو گمراہ کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ ان میں سے کثیر تعداد کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ میں انہیں پرکشش اور دلفریب اُمیدیں دلاؤں گا اور انہیں جانوروں کے کان چیرنے اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے کا حکم دوں گا۔ چنانچہ ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک مشرک یہی کچھ کرتے آئے ہیں کہ جن جانوروں کو غیر اللہ کے نام پر وقف کرتے ہیں ان کے کان چیر کر مخصوص نشان لگاتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ جس نے شیطان کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا خیر خواہ اور دوست بنایا وہ بھاری اور صریح نقصان میں پڑ گیا۔

{ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ } (الأعراف:۱۶،۱۷)

''شیطان نے کہا تو نے مجھے اس کی وجہ گمراہی میں مبتلا کیا ہے لہٰذا اب میں بھی تیرے صراط مستقیم پر ان (کو گمراہ کرنے) کے لیے بیٹھوں گا۔ پھر انسانوں کو آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے غرض ہر طرف سے گھیر لوں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔''

{ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۞ } (الأعراف:۱۸)

''کہ جس نے لوگوں میں سے تیری پیروی کی میں تم سب سے جہنم کو ضرور بھروں گا۔''

لعنت کا معنیٰ: اللہ کا کسی کو خیر سے دور اور محروم کرنا۔ لعنت کرنا۔

((عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الشَّيْطَانَ قَالَ وَعِزَّتِكَ يَا رَبِّ لَا أَبْرَحُ أُغْوِیْ عِبَادَكَ مَا دَامَتْ أَرْوَاحُهُمْ فِیْ أَجْسَادِهِمْ، فَقَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ لَا أَزَالُ أَغْفِرُ لَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِیْ)) (رواہ الحاکم فی المستدرک: کتاب التوبۃ والانابۃ [صحیح])

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شیطان نے کہا اے میرے رب! تیری عزت کی قسم میں ہمیشہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے جسموں میں روحیں موجود ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا مجھے میری عزت اور جلال کی قسم! میں ہمیشہ انہیں معاف کرتا رہوں گا جب تک یہ مجھ سے بخشش طلب کرتے رہیں گے۔''

مسائل

۱۔ شیطان لعنتی ہے اور گمراہ ہے، دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔

۲۔ شیطان نے انسان کو ہر طرح سے گمراہ کرنے کا عزم کر رکھا ہے۔ ۳۔ شیطان کے ساتھ تعلق رکھنے والا ہمیشہ نقصان پائے گا۔

تفسیر بالقرآن

شیطان کے ہتھکنڈے:

۱۔ شیطان آدمی کو ہر طرف سے گمراہ کرتا ہے۔ (الاعراف:۱۷) ۲۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو پھسلایا۔ (البقرۃ:۳۶)

۳۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو پھسلانے کے لیے قسمیں اٹھائیں۔ (الأعراف:۲۱)

۴۔ شیطان جھوٹی قسموں سے ورغلاتا ہے۔ (الاعراف:۲۱) ۵۔ شیطان اپنی فریب کاری سے پھسلاتا ہے۔ (الاعراف:۲۲)

۶۔ شیطان بے حیائی اور برائی کا حکم دیتا ہے۔ (البقرۃ:۱۶۹) ۷۔ شیطان برے اعمال کو فیشن کے طور پر پیش کرتا ہے۔ (النمل:۲۴)

۸۔ شیطان نے انسان کو گمراہ کرنے کے لیے قسمیں اٹھائیں۔ (الاعراف:۲)

۹۔ شیطان کی پیروی کرنے سے بچنے کا حکم ہے۔ (البقرۃ:۲۰۸) ۱۰۔ شیطان کی پیروی اس کی عبادت کرنا ہے۔ (یٰس:۶۰)

۱۱۔ قیامت کے دن شیطان جہنمیوں سے برأت کا اعلان کرے گا۔ (ابراہیم:۲۲)

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿١٢٠﴾

وہ ان کو وعدہ دیتا ہے | اور انہیں امید دلاتا ہے | اور نہیں | وعدے دیتا انہیں | شیطان | مگر | فریب

اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىھُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿١٢١﴾

یہی لوگ | ان کا ٹھکانہ | جہنم | اور وہ نہ پائیں گے | اس سے | بھاگنے کی جگہ

”اور ان سے وعدے کرتا ہے اور انہیں امیدیں دلاتا ہے۔ اور ان سے شیطان کے وعدے مکروفریب کے سوا کچھ نہیں۔ (۱۲۰) یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے جہاں سے وہ نجات نہیں پائیں گے۔“ (۱۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام : شیطان گمراہی پر آدمی کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ عمر بھر اس کے پھندے میں پھنسا رہے اور گناہوں میں آگے ہی بڑھتا چلا جائے۔ اسی وجہ سے شیطان انسان کو ہر قسم کی امیدیں دلاتا ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن ابن جوزی رحمۃ اللہ نے شیطان کے پھندوں اور دلفریب وعدوں پر ”تلبیس ابلیس“ کے نام پر ایک مفصل کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے سینکڑوں ایسے واقعات درج کیے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ شیطان آدمی کی طبیعت اور اس کا رجحان دیکھ کر اسے گمراہ کرتا ہے۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ وہ کسی سخی انسان کو کنجوسی کی طرف رغبت کرے بلکہ وہ سخی کو فضول خرچی و اسراف پر آمادہ کرتا ہے۔ بخیل کو فقر کا خوف دلا کر مزید کنجوس بناتا ہے۔ یہاں تک کہ ایسا آدمی اپنے آپ پر خرچ کرنے سے بھی گریز کرتا ہے۔ اسی طرح شیطان توحید کے نام پر یہ کہہ کر گناہوں پر دلیری دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ سب کچھ معاف کر دے گا۔ وہ بزرگوں کو محبت کے نام پر بے حیائی کا سبق دیتا اور بزرگوں کی عقیدت کے ذریعے شرک کے راستے پر ڈالتا ہے۔ یہ سراسر دین کے نام پر جھوٹی امیدیں دلانا اور دھوکہ دینا ہے۔ دین کے نام پر دھوکے کو قرآنِ مجید نے سورۃ آل عمران میں یوں بیان فرمایا ہے۔

{ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ... } (آل عمران:۲۴)

”انہوں نے کہا ہمیں چند گنتی کے دنوں کے علاوہ ہرگز آگ نہ چھوئے گی۔“

یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہم صرف چند دنوں کے لیے جہنم میں جائیں گے۔ اس کے بعد ہمارے لیے دائمی عیش و عشرت ہوگی۔ اسی فریب کے ذریعے عیسائیوں کو شیطان نے عقیدہ سمجھایا کہ عیسیٰ علیہ السلام سولی پر لٹک کر تمہارے گناہوں کا کفارہ بن چکے ہیں۔ شیطان کی پیروی اور یہود و نصاریٰ کی دیکھا دیکھی مسلمانوں کی غالب اکثریت ابلیس کی فریب کاریوں میں آ کر یہ کہتے سنائی دیتی ہے کہ جنت میں جانے کے لیے بزرگوں کی عقیدت اور کسی پیر کا مرید ہونا کافی ہے۔ ایسے لوگ شیطان کی پیروی میں اس عقیدے پر بڑا ناز اور فخر کرتے ہیں، ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ جس طرح زندگی بھر شیطان کے فریب

میں مبتلا رہے اور جھوٹی امیدوں میں گھرے رہے اسی طرح جہنم میں ہمیشہ کے لیے گھرے رہیں گے اور ان کے لیے اس سے نجات کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

شیطان کے دھوکہ اور فریب کا انجام:

{ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝ } (الحشر:۱۷،۱۶)

”شیطان کی طرح جب اس نے انسان کو کہا کہ کفر کر پھر اس نے کفر کر لیا تو کہنے لگا میں تجھ سے بری ہوں یقیناً میں تو رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ ان دونوں کا انجام یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔“

{ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ } (فاطر:۶)

حقیقت یہ ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اسے تم اپنا دشمن ہی سمجھو، وہ اپنے چاہنے والوں کو اس لیے بلاتا ہے کہ اس کے پیچھے لگنے والے جہنمیوں میں شامل ہو جائیں۔“

مسائل

۱۔ شیطان کے وعدے مکروفریب کے سوا کچھ نہیں ہوتے۔
۲۔ شیطان اور اس کے ساتھیوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اس سے کبھی نجات نہیں پائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

جہنم سے چھٹکارا ممکن نہیں:

۱۔ جہنم سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ (البقرۃ:۱۶۷) ۲۔ جہنم سے چھٹکارا پانا مشکل ہے۔ (الزخرف:۷۷)
۳۔ جہنم میں موت وحیات نہیں ہوگی۔ (طٰہٰ:۷۴) ۴۔ جہنمی کی دنیا میں لوٹ آنے کی خواہش پوری نہیں ہوگی۔ (الانعام:۲۷)
۵۔ جہنم کی سزا میں وقفہ نہیں ہوگا۔ (فاطر:۳۶) ۶۔ جہنم کا عذاب چمٹ جانے والا ہے۔ (الفرقان:۶۵)
۷۔ جہنم بدترین ٹھکانا ہے۔ (آل عمران:۱۹۷) ۸۔ جہنم کے عذاب سے پناہ مانگنی چاہیے۔ (الفرقان:۶۵)
۹۔ جہنمیوں کو آگ کے ستونوں سے باندھ دیا جائے گا۔ (الھمزہ:۹۰)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
اور جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل کیے اچھے ہم عنقریب انہیں داخل کرینگے باغات جاری ہیں
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ
سے ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہنے والے ان میں ہمیشہ اللہ کا وعدہ سچا
وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾
اور کون زیادہ سچا سے اللہ بات

”اور جو ایمان لائیں اور صالح کام کریں ہم انہیں ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ جہاں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے اور کون ہے جو اللہ تعالیٰ سے بات کرنے کے اعتبار سے سچا ہو؟“(۱۲۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مشرک جہنم میں جائیں گے شرک سے پاک ایمان اور نیک عمل کے حاملین جنت میں داخل ہوں گے۔

جو لوگ ایمان لائے اور شریعت کے مطابق نیک عمل کرتے رہے ان کے بارے میں ربِ کریم فرماتے ہیں کہ ہم انہیں ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری وساری ہوں گی۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق اور سچا ہے کہ مشرک جہنم میں اور مومن جنت میں جائیں گے۔ مومنوں کو انتہا درجے کی تسلی دینے کے لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے سے بڑھ کر کسی اور کا وعدہ اور فرمان سچا نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اصحابِ ایمان لوگوں کو جنت کے حصول کے لیے پوری کوشش کرنی اور اس کے لیے دن رات ایک کر دینا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا میرے بندوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر وہ جنت دیکھ لیں؟ تو فرشتے جواباً کہتے ہیں پھر تو وہ مزید اس کی جستجو کریں گے۔ (روہ البخاری: کتاب الدعوات، باب فضل ذکر اللہ عزوجل)

مسائل

۱۔ ایمان دار، صاحب کردار لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل فرمائے گا۔

۲۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے اس کے وعدے اور بات سے سچی بات کسی کی نہیں ہوسکتی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا ارشاد سچا اور اس کا وعدہ پکا ہے:

۱۔ اللہ کا وعدہ پکا ہے۔ (النساء: ۱۲۲) ۲۔ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (آل عمران: ۹)

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا

نہ | تمہاری آرزؤوں پر | اور نہ | آرزوئیں | اہل کتاب | جو | کرے گا | برائی

يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٢٣﴾

اسے اسکا بدلہ دیا جائے گا | اور نہ پائے گا | اسکے لیے | سے | اللہ کے سوا | کوئی دوست | اور نہ مددگار

”(انجام کار) نہ تمہاری آرزؤں پر موقوف ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر۔ جو برا کرے گا اس کی سزا پائے گا اور وہ نہیں پائے گا اپنے لیے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی حمایتی اور مددگار۔“ (۱۲۳)

فہم القرآن

ربط کلام: جنت محض دعووں، نعروں اور کسی فرقہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ جو برائی اور شرک سے بچے گا وہی جنت کا مستحق ہوگا۔ بصورت دیگر برا شخص جنت اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم رہے گا۔

قرآن مجید ایک بار پھر اپنے اسلوب بیان کا اعادہ فرماتے ہوئے دو قسم کے اعمال اور ان کے انجام کا بیک مقام موازنہ کرتا ہے تاکہ قرآن کا قاری تجزیہ کرے کہ اسے کس کردار کا انتخاب اور آخرت کی کونسی منزل کے لیے کوشش کرنی چاہیے؟ یہ حقیقت بار بار واضح کی گئی ہے کہ کسی شخص کی نجات نعروں اور دعووں کی بنیاد پر نہیں ہوگی بلکہ نجات سچے ایمان اور صالح عمل پر ہوگی۔ یہاں ایک مرتبہ پھر اہل کتاب کے دعوے کی تردید کی جارہی ہے کہ نجات کا دارومدار کسی خاندانی نسبت یا محض دعویٰ محبت پر نہیں بلکہ اس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور شرک سے بچنا لازم ہے۔ جس شخص نے شرک کا ارتکاب کیا اور بُرے اعمال میں مبتلا رہا وہ قیامت کے دن اللہ کے سوا اپنے لیے کوئی خیر خواہ اور مددگار نہیں پائے گا۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہونے کے باوجود اپنے باپ کو جہنم سے نہیں بچا سکیں گے۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَلْقٰى إِبْرَاهِيْمُ أَبَاهُ آزَرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلٰى وَجْهِ آزَرَ قَتَرَةٌ وَغَبَرَةٌ فَيَقُوْلُ لَهٗ إِبْرَاهِيْمُ أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ لَا تَعْصِنِيْ فَيَقُوْلُ أَبُوْهُ فَالْيَوْمَ لَا أَعْصِيْكَ فَيَقُوْلُ إِبْرَاهِيْمُ يَا رَبِّ إِنَّكَ وَعَدْتَنِيْ أَنْ لَّا تُخْزِيَنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ فَأَيُّ خِزْيٍ أَخْزٰى مِنْ أَبِي الْأَبْعَدِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى إِنِّيْ حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِيْنَ ثُمَّ يُقَالُ يَا إِبْرَاهِيْمُ مَا تَحْتَ رِجْلَيْكَ فَيَنْظُرُ فَإِذَا هُوَ بِذِيْخٍ مُتَلَطِّخٍ فَيُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهٖ فَيُلْقٰى فِي النَّارِ» (رواه البخاري: كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ واتخذ الله ابراهيم خليلا)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی گرامی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام روز قیامت اپنے باپ آزر سے ملیں گے اس کے چہرے پر سیاہی اور غبار ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام اسے کہیں گے میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ میری نافرمانی نہ کرو تو وہ جواباً کہے گا آج میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے اے میرے رب آپ

نے مجھ سے قیامت کے دن رسوا نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا میرے باپ سے زیادہ بڑھ کر اور کونسی رسوائی ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے۔ پھر کہا جائے گا ابراہیم اپنے پاؤں کی طرف دیکھو۔ وہ دیکھیں گے کہ ان کا باپ کیچڑ میں لتھڑا ہوا بجو بن چکا ہوگا۔ جسے اس کی ٹانگوں سے پکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔‘‘

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ان کو توحید کی دعوت سے روکا کرتے تھے لیکن آپ ﷺ کے چچا ابو طالب آپ کے بہت زیادہ حمایتی اور ہمدرد تھے ان کی ہمدردی کا اندازہ یہاں سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب قریش وفد لے کر ان کی خدمت میں پہنچے کہ اپنے بھتیجے کو روک لو ورنہ کوئی فتنہ کھڑا ہوگا۔ جناب ابو طالب نے نبی اکرم ﷺ کو کہا کچھ نرمی اختیار کیجئے آپ نے جواب دیا چچا سورج میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند بائیں ہاتھ پر رکھ دیا جائے میں تب بھی دعوتِ توحید سے باز نہیں آؤں گا تب ابو طالب نے کہا بیٹا جاؤ جو جی چاہے کرو۔ جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا لیکن انہوں نے اسلام قبول نہ کیا۔

«عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَذُكِرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ أَبُوْطَالِبٍ فَقَالَ لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُجْعَلُ فِيْ ضَحْضَاحٍ مِّنَ النَّارِ يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ يَغْلِيْ مِنْهُ أُمُّ دِمَاغِهِ»

(رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ والنار)

’’حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ کے پاس آپ کے چچا ابو طالب کا تذکرہ کیا گیا آپ نے فرمایا شاید قیامت کے دن میری سفارش اسے فائدہ دے اور اسے جہنم کی اوپر والی سطح میں رکھا جائے جو اس کے ٹخنوں تک پہنچتی ہو اس سے اس کا دماغ کھول اٹھے گا۔‘‘

{ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝ } (التحریم:۱۰)

’’اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویوں کو بطورِ مثال بیان کرتا ہے وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو صالح بندوں کے نکاح میں تھیں مگر انہوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی تو وہ اللہ کے مقابلے میں ان دونوں کے کچھ کام نہ آسکے اور دونوں سے کہہ دیا گیا کہ جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔‘‘

مسائل

۱۔ جنت صرف دعووں اور آرزوؤں سے نہیں مل سکتی۔

تفسیر بالقرآن

آرزوؤں اور تمناؤں کی حیثیت:

۱۔ بلند و بانگ دعوے کام نہ آئیں گے۔ (البقرۃ:۶۲) ۲۔ اللہ تعالیٰ سچوں اور جھوٹوں کو پرکھتے ہیں۔ (العنکبوت:۳)

۳۔ یہود و نصاریٰ کے جنتی ہونے کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ (البقرۃ:۱۱۱)

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ

اور جو | کرے گا | سے | اچھے کام | مرد | یا عورت | اور وہ ہو

مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿١٢٤﴾

مومن | تو ایسے لوگ | داخل ہوں گے | جنت | اور نہ | ان پر ظلم ہوگا | تل برابر

”ایمان کی حالت میں جو مرد یا عورت نیک اعمال کرے گا تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر تل برابر بھی زیادتی نہیں کی جائے گی۔“ (١٢٤)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مومنوں کو دوبارہ تسلی دی گئی ہے کہ نیک عمل کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت اسے بہترین جزا ملے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ذات پات اور مذکر و مؤنث کا کوئی امتیاز نہیں۔

اعمال کا انجام ذکر کرنے کے بعد حسبِ معمول صالح کردار لوگوں کا صلہ بیان کرتے ہوئے مرد و زن کو تسلی دی گئی ہے کہ نیک عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت بشرطیکہ اس نے نیک عمل حالتِ ایمان میں کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشے گا اور اس کو جنت میں ضرور داخل فرمائے گا اور ان کے اجر و ثواب میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اسی بات کو تفصیل کیساتھ یوں بیان فرمایا ہے۔

”بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صبر کرنیوالے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزے دار مرد اور روزے دار عورتیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔“ (الاحزاب: ٣٥)

مسائل

١۔ نیک عمل کرنے والا صاحبِ ایمان مرد ہو یا عورت جنت میں داخل ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

نیکی میں ہرگز کمی نہ ہوگی:

١۔ کسی کا عمل ضائع نہ کیا جائے گا۔ (آل عمران: ١٩٥) ٢۔ اجر میں مرد و زن برابر ہیں۔ (الاحزاب: ٣٥)

٣۔ ذرہ برابر نیکی اور بدی کا بدلہ ملے گا۔ (الزلزال: ٧، ٨) ٤۔ آدمی کے سامنے اسکا ہر عمل پیش کیا جائے گا۔ (الکہف: ٤٩)

٥۔ کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ (بنی اسرائیل: ٧١)

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ

اور کون | زیادہ بہتر | دین | اس سے جو | جھکا دیا | اپنا چہرہ | اللہ کیلئے | اور وہ | نیکوکار | اور اس نے پیروی کی

مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي

دین | ابراہیم | یکسو ہونا | اور بنایا | اللہ | ابراہیم | دوست | اور اللہ کیلئے | جو | میں

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾

آسمانوں | اور جو | میں | زمین | اور ہے | اللہ | ہر | چیز | احاطہ کئے ہوئے

ع ۱۸ / ۱۱ / ۱۵

”دین کے اعتبار سے اس سے اچھا کون ہوگا جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع کر دے اور وہ یکسوئی کے ساتھ نیکی کرنے والا ہو۔ ابراہیم کے دین کی پیروی کرتا ہو اس ابراہیم کی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنالیا تھا۔ (۱۲۵) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔“ (۱۲۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اچھی تمناؤں کے لیے اچھے اعمال کرنا ضروری ہیں جن کی بنیاد ملّتِ ابراہیم ہے۔

اس سے پہلے اہلِ کتاب کی بے بنیاد تمناؤں کی نفی کر کے وضاحت فرمائی کہ جہنم سے نجات اور جنت میں داخلہ محض نیک تمناؤں، خوش کن جذبات اور بلند بانگ دعووں کی بنیاد پر حاصل نہیں ہوسکتا۔ کامیابی کا انحصار ایمان اور نیک اعمال پر ہے جس کی دینِ اسلام رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام نام ہے اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے کا۔ جس سے مراد کلی طور پر اپنے جذبات اور اعمال کو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان کرنا ہے۔ ایسا شخص ہی محسن یعنی نیکوکار کہلانے کا حقدار ہے۔ اس کے لیے یہودیت، عیسائیت اور دائیں بائیں کے راستے نہیں بلکہ ایک اور صرف ایک ہی راستہ ہے جسے ملت ابراہیم کے نام سے بیان کیا گیا ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے ہر تعلق سے لاتعلق ہو کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان کر دیا تھا۔ جس کا یہ صلہ عطا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت میں صرف ایک ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل قرار دیا ہے۔ اسی وجہ سے ہر امّت کو اور خاص کر آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کو حکم ہوا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی محبت کے خواہاں اور دنیا و آخرت کی کامیابی چاہتے ہو تو پھر تمہیں ملت ابراہیم پر چلنا ہوگا۔ یہاں یہ بھی وضاحت فرمائی کہ ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے حضور سرِ تسلیم خم کرنا تھا۔ یہ عمل اور نظریہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ انسان اور زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور مملوک کا فرض ہے کہ وہ اپنے مالک کے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے اس کے سامنے مکمل طور پر سرنگوں رہے۔ جس طرح زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنی ڈیوٹی نبھا رہی ہے۔ ایسے ہی انسان کو بھی اپنے خالق و مالک کا تابع فرمان ہونا چاہیے اور یاد رکھو! کوئی اللہ کا تابعدار ہو یا نافرمان وہ اللہ کے اقتدار اور اختیار سے باہر نہیں اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ اور دعا:

{ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾ } (الانعام:۷۹)

''بلا شبہ میں نے ہو کر اپنا چہرہ اس کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکین سے نہیں ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ بھی ان کی اتباع کرتے ہوئے ابتداء نماز میں یہ دعا پڑھتے :

{ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا . . . } (الانعام:۷۹) ''میں نے تو اپنا چہرہ یکسو ہو کر اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔'' (رواہ ابو داؤد: باب مایستفتح بہ الصلاۃ من الدعاء)

خلیل کا معنٰی:

خلیل کا لفظ خلت سے ہے جس کا معنی ہے ایسا دوست کہ جس سے بڑھ کر کوئی محبوب نہ ہو دلی دوست۔ خیر خواہ۔ کمزور بدن والا۔

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَلاَ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَي كُلِّ خِلٍّ مِنْ خِلِّهِ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلاً لاَتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلاً إِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيلُ اللّٰهِ» (رواہ مسلم: باب مِنْ فَضَائِلِ أَبِی بَکْرِ الصِّدِّیق رضی اللہ عنہ)

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ہر ایک کی دوستی سے برأت کا اظہار کرتا ہوں اگر میں کسی کو اپنا جگری دوست بناتا تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوتا تمھارا ساتھی اللہ تعالیٰ کا خلیل ہے۔ یعنی اللہ کی دوستی سب سے مقدم ہے۔''

مسائل

۱۔ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے والا بہترین مسلمان ہے۔ ۲۔ ہر حال میں ملتِ ابراہیم کی پیروی کرنا چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے ابرہیم علیہ السلام کو اپنا دوست بنایا ہے۔ ۴۔ زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور تابع ہے۔

تفسیر بالقرآن

کس کا دین بہتر؟

۱۔ اللہ کے سامنے مطیع ہونے والے کا دین سب سے بہتر ہے۔ (النساء:۱۲۵)

۲۔ اللہ کے سامنے جھک جانے والا محسن ہے۔ (لقمان:۲۲)

۳۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے مطیع و تابع فرمان تھے۔ (البقرۃ:۱۳۱، الانعام:۷۹)

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کلی طور پر اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار تھے۔ (البقرۃ:۶۸)

۵۔ نبی محترم ﷺ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرنے کا حکم۔ (النحل:۱۲۳)

۶۔ امت محمدیہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا حکم۔ (آل عمران:۹۵)

۷۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرکوں سے بیزاری کا اعلان کیا۔ (الانعام:۱۴)

۹۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی اسوۂ حسنہ قرار پائی ہے۔ (الممتحنۃ:۴)

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى

اور وہ تجھ سے فتوی مانگتے ہیں میں عورتیں آپ فرمادیں اللہ تمہیں فتوی دیتا ہے انکے بارہ میں اور جو پڑھا جاتا ہے

عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ

تم پر میں کتاب میں یتیم (جمع) عورتیں وہ جو نہیں تم انہیں دیتے جو لکھا گیا ان کیلئے

وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا

اور تم چاہتے ہو یہ کہ ان کو نکاح میں لے لو اور بے بس سے بچے اور یہ کہ تم قائم رہو

لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

یتیموں کیلئے انصاف کے ساتھ اور جو تم کرو گے سے بھلائی تو بیشک اللہ ہے اس کو جاننے والا

”آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے۔ کتاب میں سے جو تم پر یتیم لڑکیوں کے بارے میں پڑھا جاتا ہے۔ جن کا حق مہر تم نہیں دیتے اور انہیں اپنے نکاح میں لانے کے خواہش مند ہو۔ اور کمزور بچوں اور یتیموں کے بارے میں انصاف کرو اور جو تم نیکی کرو گے بلاشبہ اللہ اسے جاننے والا ہے۔“ (۱۲۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گھریلو معاملات میں بھی اپنے رب کی فرماں برداری کرو۔

قرآنِ مجید میں یتیموں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی ترغیب وفضیلت کے بارے میں تیئس مقامات پر ذکر ہوا ہے۔ جن میں یتیم بچیوں کے متعلق اس سورت کی آیت ۴ میں حکم دیا تھا کہ یتیم بچیاں نکاح کے قابل ہو جائیں تو ان سے نکاح کر لو بشرطیکہ ان کا حق مہر خوشی کے ساتھ ادا کیا جائے۔ یہ لوگ پھر آپ سے یتیم لڑکیوں کے بارے میں فتویٰ چاہتے ہیں انہیں فرمائیں فتویٰ تو اللہ تعالیٰ پہلے ہی دے چکے ہیں لہٰذا اس پر عمل کرو۔ جن کے دلوں میں چور ہے وہ چاہتے ہیں کہ یتیموں کے حقوق سے جان چھوٹ جائے حالانکہ ان کا حال یہ ہے کہ یتیم بچیوں کے مال اور جمال کی وجہ سے ان کے ساتھ نکاح کرنا اور ان کے مال اور نام سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں لیکن حقوق دینے سے ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کا فتویٰ اور حکم وہی ہے جو یتیموں کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے اس میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہے نہ ہوگی۔ لہٰذا یتیموں کے بارے میں انصاف کرنے پر قائم ہو جاؤ اور اچھی طرح جان لو جو بھی نیکی کرو گے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری نیت اور عمل کو پوری طرح جانتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

«كَافِلُ الْيَتِيْمِ لَهٗ أَوْلِغَيْرِهٖ أَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ وَأَشَارَ مَالِكٌ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى»

(رواہ مسلم: کتاب الزھد، باب الإحسان إلی الأرملۃ والمسکین والیتیم)

”اپنے یا عزیز رشتہ دار کسی یتیم کی کفالت کرنے والا اور میں جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے۔ راوی نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کا اشارہ کیا۔“

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ

اور اگر کوئی عورت ڈرے سے اسکا خاوند زیادتی یا بے رغبتی تو نہیں گناہ

عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ

ان دونوں پر یہ کہ وہ دونوں صلح کرلیں آپس میں صلح کرنا اور صلح بہتر اور حاضر کیے گئے نفس

الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾

بخل اور اگر تم نیکی کرو اور پرہیزگاری کرو تو بیشک اللہ ہے اسکے ساتھ جو تم کرتے ہو خبر رکھنے والا

''اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بدسلوکی اور بے پرواہی کا خوف ہو تو دونوں آپس میں کچھ حقوق کی کمی دبیشی پر صلح کرلیں اس میں کسی پر کوئی گناہ نہیں۔ صلح بہت بہتر ہے اور لالچ ہر نفس میں پایا جاتا ہے۔ اگر تم اچھا سلوک کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو تم جو کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ پوری طرح خبردار ہے۔'' (۱۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: خطاب کا تسلسل جاری ہے جس میں یتامیٰ اور عورتوں کے حقوق کا تعین کیا گیا ہے۔

قرآنِ مجید نے بار بار مردوں کو حکم دیا ہے کہ عورتوں کے حق مہر خندہ پیشانی اور دل کی خوشی کے ساتھ ادا کرو۔ اگر وہ اپنی خوشی سے حق مہر معاف کریں تو بھی اس انداز سے کھاؤ اور استعمال کرو کہ انہیں تمہارے بارے میں ہلکے پن اور حریص ہونے کا گمان پیدا نہ ہو۔ یہاں عورتوں کو تلقین فرمائی جارہی ہے کہ اگر کسی عورت کو ایسے خاوند کے ساتھ واسطہ پڑا ہے جو حریص اور لالچی ہے یا کسی وجہ سے مجبور ہو کر چاہتا ہے کہ اسے حق مہر معاف کر دیا جائے، بصورت دیگر خاوند کی طرف سے اعراض اور اختلاف کا خطرہ ہے تو تنازعہ کھڑا کرنے کی بجائے بہتر ہے کہ عورت اختلاف اور اپنے خاوند کے اعراض سے بچنے کے لیے اپنے حقوق سے دست بردار ہونے کے بارے میں غور کرے۔ ایسا کرنے کا اسے اختیار ہے اس پر اسے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ گھر اجاڑنے سے بہتر ہے کہ عورت اپنے حقوق میں نرمی اختیار کرلے۔ اس سے عورت کا بھرم قائم رہنے کے ساتھ گھریلو ماحول میں خوشگوار تبدیلی آئے گی۔ یہ ہدایت اس لیے دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں خوش حال اور تمہارے گھروں کو آباد دیکھنا چاہتا ہے۔ یہاں دونوں کو ہر حال میں صلح کا رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے گو انسان حریص واقع ہوا ہے لیکن اس کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کرکے اختلافات سے بچنا چاہیے۔ اگر عورت بوڑھی ہو چکی ہو یا خاوند کو اس کی کوئی عادت پسند نہیں تو بھی نباہ کرنا چاہیے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ اچھی طرح خبر گیر ہے کہ کون تم میں صلح جو، ایثار پسند اور گھر آباد رکھنا چاہتا ہے اور کون ایسا نہیں کرنا چاہتا۔

مسائل

۱۔ میاں بیوی کے درمیان صلح جوئی اور اصلاح کا ماحول ہونا چاہیے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نیکی اور تقویٰ اختیار کرنے والے کو جانتا ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ

اور ہرگز نہیں تم طاقت رکھتے یہ کہ عدل کرو درمیان عورتوں کے اگرچہ تم حریص ہو پس نہ جھک جاؤ بالکل جھک جانا

فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٢٩﴾

کہ ایک کو چھوڑ دو جیسے لٹکتی ہوئی اور اگر اصلاح کرتے رہو اور پرہیزگاری کرو تو یقیناً اللہ ہے بخشنے والا مہربان

”تم سے یہ نہیں ہو سکے گا کہ اپنی بیویوں میں پوری طرح عدل کرو گو تم اس کی کتنی ہی خواہش کرو۔ اس لیے بالکل ایک طرف مائل ہو کر دوسری کو لٹکتی ہوئی نہ چھوڑ دو اور اگر تم اصلاح کر لو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے اور مہربانی کرنے والا ہے۔“ (١٢٩)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سورت کی تیسری آیت میں عدل وانصاف کی شرط کے ساتھ بیک وقت چار تک عورتیں نکاح میں رکھنے کی اجازت دی تھی۔ اب ایک سوال کے جواب میں اس کے متعلقات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ پہلے حکم میں عدل کا مفہوم مالی اور اخلاقی معاملات کے ساتھ ہے۔ اب اخلاقی معاملے میں حکم ہے۔

جہاں تک قلبی میلان کا تعلق ہے اس میں تم بیویوں کے درمیان مساوات اور انصاف کرنا چاہو بھی تو پوری طرح انصاف نہیں کر سکتے کیونکہ دل کے رجحانات اور جذبات پر قابو پانا انسان کے بس کا روگ نہیں۔ اگر کسی بیوی کا حسن و جمال اور اس کے اخلاق کی وجہ سے تمہارا دل اس کی طرف زیادہ مائل ہے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ لیکن کوشش کرو کہ تم ایک ہی کے ہو کر نہ رہ جاؤ۔ بلکہ ظاہری محبت میں سب کی دلجوئی کرنی چاہیے تاکہ ایک بیچاری تمہارا منہ تکتے ہوئے معلق ہو کر نہ رہ جائے۔ لہٰذا جذباتِ محبت پر کنٹرول کرتے ہوئے بے انصافی سے بچو۔ اگر تم منصفانہ برتاؤ اور سب کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کرو گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ تمہاری کمزوریوں کو معاف کرنے والا مہربان ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی دعا ہے:

((اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا أَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِيْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَآ أَمْلِكُ)) (رواہ أبو داؤد: کتاب النکاح [صحیح])

”اے اللہ! میرا عدل اور مساوات اسی حد تک ہے جو میرے اختیار میں ہے جو تیرے اختیار میں ہے وہ میرے اختیار میں نہیں اس پر مجھے ملامت نہ کیجئے گا۔“

((مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ فَمَالَ إِلَى إِحْدَاهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ مَائِلٌ))

(رواہ ابو داود: باب القسمة بین النساء [صحیح])

”بیویوں کے درمیان عدل نہ کرنے والا روز قیامت فالج زدہ انسان کی طرح اٹھایا جائے گا۔“

مسائل

١۔ بیویوں کے درمیان عدل وانصاف کرنا فرض ہے۔ ٢۔ اصلاح کرتے ہوئے اللہ سے ڈرو گے تو اللہ کو بخشنے والا پاؤ گے۔

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

اور اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں اللہ بے نیاز کر دیگا ہر ایک کو سے اپنی کشائش اور ہے اللہ کشائش والا حکمت والا

''اور اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی کشادگی سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کشادگی والا، حکمت والا ہے۔'' (۱۳۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بیویوں کے درمیان عدل کرنا ہے اگر اکٹھا رہنے کی کوئی شکل باقی نہ رہے تو جدائی کی صورت میں دونوں کو تسلی دی گئی ہے۔

گھر کی چار دیواری اور میاں بیوی کے تعلقات معاشرے کی اکائی اور بنیادی یونٹ کی حیثیت رکھتے ہیں یہ یونٹ جس قدر خوشحال اور اس کا ماحول جتنا خوشگوار ہوگا۔ اتنا ہی معاشرہ مضبوط اور اچھے خطوط پر استوار ہوگا۔ اس یونٹ کو توڑ پھوڑ سے بچانے کے لیے قرآنِ مجید نے متعدد ہدایات جاری فرمائی ہیں۔ لیکن بسا اوقات معاملات اس حد تک آگے بڑھ جاتے ہیں کہ ان پر قابو پانا کسی کے اختیار میں نہیں رہتا۔ ایسی صورت میں مرد کو طلاق دینے اور عورت کو خلع لینے کا اختیار دیا ہے۔ یہ انقطاع طلاق کی صورت میں ہو یا خلع کی شکل میں بہتر سے بہتر صورت میں وقوع پذیر ہونا چاہیے۔ یہاں تک فرمایا کہ میاں بیوی کو آپس میں علیحدگی اختیار کرتے وقت سابقہ تعلقات اور محبت کو نہیں بھولنا چاہیے۔ [البقرۃ: ۲۳۷] علیحدگی کی صورت میں فریقین کو یہ تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر تم نے آپس میں علیحدگی کا فیصلہ کر لیا ہے تو گھبرانے اور حوصلہ ہارنے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنے اپنے مقام پر اپنی رحمت سے نوازے گا اور ایک دوسرے سے بے نیاز کر دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ وسعت و کشادگی کا مالک ہے۔ اگر اس نے تمہیں ناگزیر حالت میں ایک دوسرے سے الگ ہونے کی اجازت عنایت فرمائی ہے تو اس کے حکمت یہ ہے کہ مزید لڑائی جھگڑے سے بچو تاکہ معاشرے میں تمہاری عزت، خاندان میں بھرم اور اولاد کے مستقبل پر بہت زیادہ منفی اثرات مرتب نہ ہونے پائیں۔

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے کہا اے اللہ کے رسول! میں ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے اخلاق اور دین پر کوئی عیب نہیں لگاتی لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو حق مہر میں دیا ہوا اس کا باغ اسے واپس کرے گی؟ اس نے کہا ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس کو فرمایا باغ کو قبول کرو اور اسے ایک طلاق دے دو۔''

(رواہ البخاری: کتاب الطلاق، باب الخلع و کیف الطلاق فیہ)

مسائل

۱۔ ناگزیر صورتِ حال میں میاں، بیوی الگ ہو سکتے ہیں۔

۲۔ میاں بیوی کے درمیان تفریق ہونے کی صورت میں ہر کسی کا ''اللہ'' کفیل ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا

اور اللہ کیلئے جو میں آسمانوں اور جو میں زمین اور البتہ تحقیق ہم نے وصیت کی

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا

وہ لوگ دیے گئے کتاب سے تم سے پہلے اور تمہیں بھی یہ کہ ڈرتے رہو

اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا

اللہ اور اگر تم کفر کرو گے تو بیشک اللہ کے لئے جو میں آسمانوں اور جو

فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

میں زمین اور ہے اللہ غنی تعریف والا اور اللہ کے لیے جو میں آسمانوں

وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾

اور جو میں زمین اور کافی اللہ کارساز

''اور زمین و آسمانوں کی ہر ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے اور ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے تھے اور تمہیں بھی یہی حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر تم کفر کرو گے تو یاد رکھو اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ غنی اور تعریف کیا گیا ہے۔ (۱۳۱) اور اللہ ہی کے اختیار میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ کافی اور کارساز ہے۔'' (۱۳۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پچھلی آیت میں علیحدگی کی صورت میں دونوں کو تسلی دی گئی ہے۔ یہاں فرمایا زمین و آسمان اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور وہ سب کا رازق اور وارث ہے۔ اس کا تمہیں اور سب لوگوں کو یہی حکم تھا اور ہے کہ ظلم و زیادتی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچو۔

یہاں مزید تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ایک گھر آباد نہیں رہا تو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان کا مالک ہے وہ تمہارے لیے کسی اور گھر کا انتظام کر دے گا۔ یہی ہدایات ان لوگوں کو دی گئیں جنہیں تم سے پہلے تورات، انجیل، زبور اور آسمانی کتابیں دی گئیں تھیں۔ تمہیں بھی یہی نصیحت کی جاتی ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اگر تم کفر، نافرمانی اور آپس میں ظلم و زیادتی کا رویہ اختیار کرو گے تو اللہ کی بادشاہی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا۔ آسمانوں کا چپہ چپہ اور زمین کا ذرہ ذرہ اسی کے زیرِ اقتدار ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور حمد و ستائش کے لائق ہے کیونکہ کسی گھر کا اُجڑنا اور خاندان کا بکھرنا معمولی بات نہیں لہٰذا بار بار اللہ تعالیٰ اپنی بادشاہی اور اختیارات کا ذکر فرما کر دونوں کو ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے باز رہنے

اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کی تلقین فرما رہا ہے تاکہ میاں بیوی اپنے معاملات درست رکھنے کی کوشش کریں۔

((عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ هُ فَقَالَ أَوْصِنِيْ فَقَالَ سَأَلْتَ عَمَّا سَأَلْتُ عَنْهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مِنْ قَبْلِكَ أُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ فَإِنَّهُ رَأْسُ كُلِّ شَيْءٍ....))

(مسند احمد: کتاب باقي مسند المکثرین، باب مسند أبی سعید الخدری [حسن لغیرہ])

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک آدمی نے آکر کہا مجھے نصیحت کیجئے انہوں نے کہا تو نے مجھ سے اس چیز کا سوال کیا ہے جس کے متعلق میں نے تجھ سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا۔ میں تجھے اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ تقویٰ ہر خیر کا سرچشمہ ہے۔''

((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ قَالَ تَقْوَى اللّٰهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ)) (رواہ الترمذی: کتاب البر والصلة، باب ماجاء في حسن الخلق [حسن])

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ سوال جنت میں داخل کرنے والے عمل کے بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا اللہ کا ڈر اور اچھا اخلاق۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب اور مسلمانوں کو تقویٰ کی وصیّت فرمائی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والا اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کا مالک اور ہر چیز کا کارساز ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن کے چند وصایا کا ذکر:

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وصیّت۔ (الشوریٰ: ۱۳)

۲۔ شرک نہ کرنے اور والدین کے ساتھ احسان کرنے کی وصیّت۔ (الانعام: ۱۵۱)

۳۔ یتیموں کے مال اور ماپ تول پورا کرنے کی وصیّت۔ (الانعام: ۱۵۲) ۴۔ صراطِ مستقیم پر چلنے کی وصیّت۔ (الانعام: ۱۵۳)

۵۔ والدین سے احسان کرنے کی وصیّت۔ (العنکبوت: ۸، لقمان: ۱۴، الاحقاف: ۱۵)

۶۔ اہل کتاب اور مسلمانوں کو اللہ سے ڈرنے کی وصیّت۔ (النساء: ۱۳۱) ۷۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلوٰۃ وزکوٰۃ کی وصیّت۔ (مریم: ۳۱)

۸۔ وراثت کی تقسیم کے بارے میں وصیّت۔ (النساء: ۱۱) ۹۔ وارثوں کو تکلیف نہ دینے کی وصیّت۔ (النساء: ۱۲)

۱۰۔ جانوروں کی حلّت وحرمت کے بارے میں وصیّت۔ (الانعام: ۱۴۴)

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ

اگر وہ چاہے تمہیں لے جائے اے لوگو اور لے آئے دوسروں کو اور ہے

اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا

اللہ پر یہ قدرت رکھنے والا جو ہے چاہتا دنیا کا ثواب

۱۹ ع ۸ ۱۶ فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ؑ

تو اللہ کے پاس ثواب دنیا کا اور آخرت اور ہے اللہ سننے والا دیکھنے والا

''اے لوگو! اگر اللہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ تعالیٰ اس پر قدرت رکھنے والا ہے۔(۱۳۳) جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس دنیا اور آخرت کا ثواب موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔''(۱۳۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اگر تم اللہ کی بغاوت اور نافرمانی کرو گے تو یاد رکھو تم اس کی قدرت سے باہر نہیں ہو وہ جب چاہے گا تمہاری صف لپیٹ کر کسی اور قوم کو زمین کا وارث بنا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا کرنا قطعاً دشوار نہیں ہے کیونکہ وہ کلی طور پر ایسا کرنے پر قادر ہے۔

دنیا کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ جب بھی کسی قوم نے حد سے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر معاشرے کے کمزور طبقہ کو غالب کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی کشمکش اس بات پر زندہ ثبوت ہے۔ یہودی اپنی حد سے باہر ہوئے تو ان پر عیسائیوں کو مسلط فرمایا۔ عیسائی حدود پھلانگنے لگے تو کسی دوسری قوم کو غلبہ عطا ہوا۔ مسلمانوں کی تاریخ بھی اسی صورت حال کی ترجمانی کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک گروہ کو دوسرے پر کس طرح مسلط فرمایا۔ مکہ مکرمہ مرکز ہونے کے باوجود مدینہ والوں کے زیر نگین ہوا۔ حجاز پر شامیوں نے حکومت کی۔ امویوں کو اقتدار سے ہٹایا تو پانچ سو سال تک عباسیوں کا پھریرا بلند ہوا۔ پھر عباسیوں پر ترکوں کا غلبہ ہوا۔ علیٰ ھذا القیاس ہر دور اور قوم پر اللہ تعالیٰ کا فرمان غالب رہا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر اور فیصلہ صادر کرنے والا ہے۔ لہٰذا جو دنیا کے صلہ کے لیے کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی کوشش اور اپنی حکمت و مشیّت کے مطابق اسے دنیا نصیب فرمائے گا۔ جو دنیا کے ساتھ آخرت کا خواہاں ہوگا اللہ تعالیٰ اسے بھی اس کی کوشش اور اپنی حکمت اور تقسیم کے مطابق اجر عطا فرمائے گا۔ یہاں دنیا کے طالب کو دنیا کے اجر کا اشارہ فرما کر آخرت کے ثواب کا ذکر اس لیے کیا تاکہ لوگ صرف دنیا کے لیے نہیں بلکہ دنیا و آخرت کے اجر اور بہتری کے لیے کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہر بات کو سننے والا اور ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو موجودہ انسانوں کو ختم کر کے دوسروں کو لا سکتا ہے۔

۲۔ دنیا اور آخرت میں اجر سے نوازنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ

اے جولوگ ایمان لائے ہوجاؤ قائم رہنے والے انصاف کیساتھ گواہی دینے والے اللہ کیلئے

وَلَوْ عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ۚ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا

اگرچہ پر تمہارے نفس یاماں باپ اورقرابت دار اگر ہو کوئی مالدار

اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ

یا محتاج پس اللہ خیرخواہ ان دونوں کا سونہ تم پیروی کرو خواہش یہ کہ انصاف کرو

وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۳۵﴾

اوراگر تم زبان مروڑو یاپہلوتہی کروگے توبیشک اللہ ہے اسکے ساتھ جو تم کرتے ہو باخبر

”اے ایمان والو! اللہ ہی کے لیے عدل وانصاف پر مضبوطی کے ساتھ گواہی دینے والے ہوجاؤ۔ چاہے وہ تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یارشتہ داروں، عزیزوں کے وہ امیر ہو یا غریب اللہ ان دونوں کا زیادہ خیرخواہ ہے۔ تم خواہشات کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑو اور اگر تم نے غلط بیانی یا پہلوتہی کی تو جان لو جو کچھ تم کروگے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔“ (۱۳۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بیویوں کے درمیان اور گھر سے لے کر عدالت تک انصاف کا بول بالا ہونا چاہیے۔ اس کے لیے گواہی مرکزی حیثیت رکھتی ہے اس بنا پر شہادت اور حق کے بارے میں تاکید کی گئی ہے۔

بنیادی طور پر امتِ مسلمہ فریضۂ شہادت کی ادائیگی کے لیے منتخب کی گئی ہے تاکہ دنیا میں اپنے قول اور فعل کے ساتھ حق کے ترجمان اور توحید کی گواہی دیتے رہیں۔ آخرت میں پہلی امتوں کے بارے میں انبیاء کی تائید اور ان کی نبوت کی شہادت دیں گے۔ جسے قرآنِ مجید اور رسولِ محترم ﷺ نے یوں بیان فرمایا ہے:

{ لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ } (البقرۃ:۱۴۳)

”تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہوجاؤ۔“

«أَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ» (رواہ البخاری: کتاب الجنائز، باب ثناء الناس علی المیت)

”مسلمانو! تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔“

لیکن اس آیت میں لفظ ”قسط“ استعمال فرما کر عدل وانصاف قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہی انبیاء کی بعثت اور آسمانی کتابوں کے نزول کا مقصد ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے رسولوں کو واضح دلائل اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا تاکہ وہ لوگوں کے درمیان عدل قائم کریں اور لوہا نازل کیا جس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کے لیے بڑے فوائد ہیں۔ (الحدید:۲۵)

یہاں شہادت سے مراد وہ گواہی ہے جو کسی واقعہ یا مقدمہ کے ثبوت کے لیے پیش کی جاتی ہے۔ اس پر قائم ہونے کا حکم

دیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اس پر پوری قوت اور صلاحیت کے ساتھ قائم رہا جائے۔ اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے حکم کی تعمیل اور احترام کا جذبہ کارفرما ہونا چاہیے تاکہ معاشرے میں حق و انصاف کا بول بالا اور عدالتوں میں عدل کا ترازو قائم رہے۔ اس کے لیے گواہی کا عدل و انصاف کے اصول پر پورا اترنا اور قائم ہونا بے حد ضروری ہے۔ مقدمے کا ریکارڈ بھی تحریری شہادت کا درجہ رکھتا ہے۔ جج اس کا پابند ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ اچھی طرح گواہی کی چھان بین کرے کیونکہ گواہی کا مقدمے میں بنیادی کردار ہوتا ہے۔ کتنے مقدمات کے فیصلے اس بات پر شاہد ہیں کہ جھوٹی شہادتوں کی وجہ سے بے گناہ شخص پھانسی کے پھندے پر لٹک گیا اور اصل مجرم نہ صرف دندناتے پھرتے ہیں بلکہ مزید جرائم کا ارتکاب کرتے دکھائی دیتے ہے۔ لہٰذا گواہی اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر بلا رعایت اور لحاظ حقائق کے مطابق دینی چاہیے۔ بے شک یہ گواہی انسان کے اپنے نفس، والدین، اعزہ و اقرباء، مالدار یا کنگال کے خلاف ہو خواہ ان کا مفاد اور جان کتنی ہی عزیز کیوں نہ ہو۔ والدین کا رشتہ مقدس اور قابل صد احترام، اعزہ و اقرباء بڑے پیارے، دولت مند مؤثر اور غریب قابل رحم اور خیر خواہی کے لائق ہے لیکن یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سب کا تم سے زیادہ خیر خواہ اور ہمدرد ہے۔ تم کسی کو نہ نفع دے سکتے ہو اور نہ نقصان سے بچا سکتے ہو لہٰذا تم اچھے برے جذبات کے پیچھے لگنے کی بجائے شہادتِ عدل پر قائم ہو جاؤ۔ اس میں بے انصافی، لچک اور کسی قسم کا اغراض نہیں ہونا چاہیے۔ یقین جانو اللہ تعالیٰ تمہاری نیت اور عمل سے پوری طرح باخبر ہے۔

«عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْكَبَآئِرِ قَالَ الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ» (رواہ البخاری: کتاب الشھادات، باب ماقیل فی شھادۃ الزور)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبیرہ گناہوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی جان کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا کبیرہ گناہ ہیں۔“

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو صرف اللہ کے لیے عدل و انصاف پر قائم ہونا چاہیے۔

۲۔ عدل و انصاف کے راستے میں کسی رشتہ دار اور خواہش کو رکاوٹ نہیں بننے دینا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

عدل وقسط کی اہمیت:

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عدل و انصاف کا حکم۔ (الاعراف: ۲۹) ۲۔ انصاف کی بات کہنے کا حکم۔ (الانعام: ۱۵۲)

۳۔ صلح بھی عدل و انصاف سے کروانا چاہیے۔ (الحجرات: ۹) ۴۔ رسولوں کی بعثت کا مقصد انصاف قائم کرنا تھا۔ (الحدید: ۲۵)

۵۔ کسی کی دشمنی عدل و انصاف میں رکاوٹ نہیں بنی چاہیے۔ (المائدۃ: ۸)

۶۔ اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ (المائدۃ: ۴۲)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ

اے جولوگ ایمان لائے ایمان لاؤ اللہ پر اوراس کارسول اور کتاب

الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ

وہ جو اس نے نازل کی پر اپنے رسول اور کتاب وہ جو اس نے نازل کی سے

قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ

پہلے اور جو انکار کرے اللہ کا اوراس کے فرشتوں اوراس کی کتابوں اس کے رسولوں

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۱۳۶

اور دن آخرت تو تحقیق وہ بھٹک گیا گمراہی دور

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل کی گئی ہیں ان پر ایمان لاؤ۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن کا انکار کرے وہ دور کی گمراہی میں جا پڑے گا۔“ (۱۳۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: شہادتِ حق وعدل پر وہی قائم رہ سکتا ہے جو حقیقی معنوں میں ایمان کے تقاضے پورے کرتا ہو جس نے ایمان کے تقاضے پورے نہ کیے وہ پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہوگا۔

قرآنِ مجید میں یہی ایک آیت ہے جس میں مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے دوبارہ ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ اس کے بارے میں مفسرین نے تین آراء قائم کی ہیں۔ ایک طبقہ کا خیال ہے کہ یہاں ایمان داروں سے مراد صرف دعویٰ ایمان رکھنے والے منافقین کو خطاب کیا گیا ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ اور ان کے ہمنوا اہل علم کا خیال ہے۔ ”اٰمِنُوْا“ سے مراد یہودی ہیں کیونکہ یہودی علماء کا ایک وفد رسولِ مکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام اور تورات پر ایمان رکھتے ہوئے۔ آپ اور قرآنِ مجید پر ایمان لاتے ہیں لیکن ان کے علاوہ عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء اور آسمانی کتابوں کو نہیں مانتے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مراد یہ ہے کہ اے لوگو! جو موسیٰ اور عزیر علیہما السلام اور محمد کریم ﷺ پر ایمان لانے کا اظہار کرتے ہو تمہیں اللہ، اس کے رسول اور قرآنِ مجید کے ساتھ تمام انبیاء پر ایمان لانا چاہیے۔ تیسرے طبقہ کا خیال ہے کہ اس میں مسلمانوں کو ہی خطاب کیا گیا ہے جس کا معنیٰ ہے اے ایمان کے دعویدارو! اسلام کو مکمل طور پر اپناتے ہوئے اس پر پوری استقامت کے ساتھ کاربند ہو جاؤ۔ یہاں اللہ، اس کے رسول اور قرآن مجید پر ایمان لانے کے ساتھ پہلے رسولوں اور کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔ پھر ایمان کے پانچ اجزاء کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا جو ان کا انکار کرتا ہے وہ صرف گمراہ ہی نہیں بلکہ دور کی گمراہی میں بھٹکتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا تقاضا ہے کہ اُسے اس کی ذات اور صفات کے

لحاظ سے تنہا اور یکتا تسلیم کرتے ہوئے اس کے احکام کی پورے اخلاص کے ساتھ تسلیم کی جائے۔ ملائکہ کو ''اللہ'' کی بیٹیاں یا اس کے اختیارات میں شریک سمجھنے کی بجائے اس کی مخلوق تصور کیا جائے۔ پہلی کتابوں اور انبیاء پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے اپنے وقت میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے داعی اور اس کے فرستادہ تھے۔ آخرت پر ایمان کا مفہوم یہ ہے کہ اس کا قائم ہونا یقینی ہے اور ہر کسی نے دوبارہ زندہ ہو کر اپنے اچھے اور بُرے اعمال کا اچھا یا برا صلہ پانا ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جس سے آدمی کے نظریات اور کردار میں سنوار اور نکھار پیدا ہوتا ہے۔ آدمی اپنے آپ کو دنیا اور آخرت کے حوالہ سے ذمہ دار سمجھتا ہے۔

((عَنْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعَرِ لاَ يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلاَ يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتّٰى جَلَسَ إِلَي النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَي رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الإِيْمَانِ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلاَئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ))

(رواہ مسلم: باب مَعْرِفَةِ الإِيمَانِ وَالإِسْلاَمِ)

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آدمی سفید کپڑوں میں ملبوس سیاہ بالوں والا جس پر سفر کے کوئی آثار نہیں تھے اور ہم سے کوئی اُسے پہچانتا نہیں تھا وہ آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوزانوں ہو کر بیٹھ گیا اور اپنی ہتھیلیوں کو اپنی رانوں پر رکھتے ہوئے عرض کی مجھے ایمان کے متعلق بتائیے آپ نے فرمایا کہ تو اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لائے۔''

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو اللہ، اس کے رسول، قرآن مجید اور آسمانی کتابوں پر ایمان رکھنا چاہیے۔ ۲۔ کامل ایمان ہی نجات کا ذریعہ ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ، ملائکہ، کتب آسمانی، رسولوں اور قیامت کا انکار کرنے والا پرلے درجے کا گمراہ ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ایمان کے بنیادی ارکان:

۱۔ غیب پر ایمان لانا۔ (البقرۃ:۱) ۲۔ قرآنِ مجید اور پہلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانا۔ (البقرۃ:۴)
۳۔ اللہ اور کتب سماوی پر ایمان لانا۔ (البقرۃ:۱۳۶) ۴۔ آخرت پر یقین رکھنا۔ (البقرۃ:۴)
۵۔ انبیاء پر ایمان لانا اور ان میں فرق نہ کرنا۔ (آل عمران:۸۴)
۶۔ رسولوں اور مومنوں کے ایمان کی تفصیل۔ (البقرۃ:۲۸۵)
۷۔ فرشتوں اور رسولوں سے دشمنی اللہ سے دشمنی کرنا ہے۔ (البقرۃ:۹۸)
۸۔ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے درمیان فرق نہ کرنا۔ (النساء:۱۵۱)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	ثُمَّ	كَفَرُوْا	ثُمَّ	اٰمَنُوْا	ثُمَّ
بیشک	جولوگ	ایمان لائے	پھر	کافر ہوئے	پھر	وہ ایمان لائے	پھر

كَفَرُوْا	ثُمَّ	ازْدَادُوْا	كُفْرًا	لَّمْ	يَكُنِ	اللّٰهُ	لِيَغْفِرَ	لَهُمْ
وہ کافر ہوئے	پھر	وہ بڑھتے رہے	کفر میں	نہیں	ہے	اللہ	کہ بخش دے	انہیں

وَلَا	لِيَهْدِيَهُمْ	سَبِيْلًا ۝۱۳۷
اور نہ	دکھائے گا انہیں	راستہ

”جن لوگوں نے ایمان لا کر کفر کیا پھر ایمان لائے پھر کفر کیا پھر اپنے کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے اللہ تعالیٰ انہیں نہ معاف کرے گا اور نہ انہیں ہدایت کی توفیق دے گا۔“ (۱۳۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ لوگ پکا اور سچا ایمان لائیں اور اس کے تقاضے پورے کریں لیکن جو لوگ ایمان کے بعد کفر اور پھر کفر پر ڈٹے ہیں ایسے لوگ ہدایت اور بخشش کے مستحق نہیں رہتے۔

اس آیت کا مفہوم مفسرین نے دو طرح اخذ کیا ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ اس آیت کے مخاطب یہود ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد کافر ہوئے اور انہوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے اعتکاف کے بعد طور پہاڑ سے نیچے اترے تو ان کے سمجھانے پر یہودی دوبارہ ایمان لائے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے ان پر ایمان لانے سے انکار کر دیا اور پھر کفر میں یہ آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی منکر ہوئے۔ دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ ایمان کے بعد کفر اختیار کرنا پھر ایمان لانا اور اس کے بعد ایسا کفر اختیار کرنا کہ اس میں سخت سے سخت ہوتے گئے۔ ان سے مراد منافق ہیں جو ہمیشہ کفر و نفاق کی کشمکش میں رہتے ہیں۔

اس آیت کا یہی مفہوم لینا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اگلی آٹھ آیات میں منافقوں کے کردار کو نمایاں کیا گیا ہے کہ وہ دنیا کے مفاد کی خاطر کبھی اسلام کی طرف آتے ہیں اور کبھی کفر میں آگے بڑھ جاتے ہیں۔ جن لوگوں کا یہ حال ہو انہیں اللہ تعالیٰ نہ معاف کرتا ہے اور نہ ہی صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے کیونکہ ہدایت کے لیے اخلاص اور استقامت نہایت ضروری ہے۔ منافقین دنیا کے مفاد کی خاطر دونوں کو اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ مرتد کو دنیا میں ہی قتل کر دینے کا حکم ہے۔

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ»

(رواہ البخاری: کتاب الجہاد والسیر، باب لا یعذب بعذاب اللہ)

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنا دین تبدیل کر لیا اسے قتل کر دو۔“

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ مِنَّا رَجُلٌ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ قَدْ قَرَأَ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ وَكَانَ يَكْتُبُ لِرَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَانْطَلَقَ هَارِبًا حَتّٰى لَحِقَ بِأَهْلِ الْكِتَابِ قَالَ فَرَفَعُوهُ قَالُوا هٰذَا قَدْ كَانَ يَكْتُبُ لِمُحَمَّدٍ فَأُعْجِبُوا بِهِ فَمَا لَبِثَ أَنْ قَصَمَ اللّٰهُ عُنُقَهُ فِيهِمْ فَحَفَرُوا لَهُ فَوَارَوْهُ فَأَصْبَحَتِ الْأَرْضُ قَدْ نَبَذَتْهُ عَلٰى وَجْهِهَا ثُمَّ عَادُوا فَحَفَرُوا لَهُ فَوَارَوْهُ فَأَصْبَحَتِ الْأَرْضُ قَدْ نَبَذَتْهُ عَلٰى وَجْهِهَا ثُمَّ عَادُوا فَحَفَرُوا لَهُ فَوَارَوْهُ فَأَصْبَحَتِ الْأَرْضُ قَدْ نَبَذَتْهُ عَلٰى وَجْهِهَا فَتَرَكُوهُ مَنْبُوذًا»

(رواه مسلم: كتاب صفات المنافقين وأحكامهم، باب)

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم میں سے بنی نجار قبیلے کا ایک آدمی تھا جو سورۃ البقرۃ اور سورۃ آلِ عمران پڑھ چکا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کتابت کیا کرتا تھا۔ بھاگ کر اہلِ کتاب کے ساتھ جا ملا۔ راوی کہتے ہیں انہوں نے یہ کہتے ہوئے اسے مقام دیا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا تو وہ اس وجہ سے متعجب ہوئے کچھ ہی عرصے بعد اللہ تعالیٰ نے ان میں ہی اس کی گردن توڑ دی۔ انہوں نے گڑھا کھود کر اسے دفن کیا صبح زمین نے اسے باہر پھینکا ہوا تھا۔ انہوں نے پھر گڑھا کھود کر اسے دفن کیا زمین نے اسے پھر باہر پھینک دیا پھر انہوں نے گڑھا کھود کر دفنایا زمین نے پھر اسے باہر پھینک دیا پھر انہوں نے اسے باہر ہی رہنے دیا۔“

مسائل

۱۔ بار بار کفر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نہ معاف کرتا ہے اور نہ ہی انہیں ہدایت دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہدایت اور بخشش سے محروم لوگ:

۱۔ ظالموں کو ہدایت نہیں ملتی۔ (البقرۃ: ۲۵۸) ۲۔ مرتدین ہدایت اور بخشش سے محروم ہوں گے۔ (النساء: ۱۳۷)

۳۔ کافروں کو معافی اور ہدایت نہیں دی جاتی۔ (النساء: ۱۶۸) ۴۔ فاسقوں کو ہدایت سے نہیں نوازا جاتا۔ (المائدۃ: ۱۰۸)

۵۔ جھوٹوں کو ہدایت نہیں ملتی۔ (الزمر: ۳) ۶۔ مشرک اللہ کی ہدایت سے محروم ہوتا ہے۔ (النساء: ۴۸)

اَلِيْمَا ﴿۱۳۸﴾	عَذَابًا	لَهُمْ	بِاَنَّ	الْمُنٰفِقِيْنَ	بَشِّرِ
دردناک	عذاب	ان کے لیے	کہ یقیناً	منافقوں کو	خوشخبری دیں

''منافقوں کوخوشخبری دیں کہ یقیناً ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' (۱۳۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافق کفراور ایمان کے درمیان رہتا ہے لیکن آخر میں اس کا انجام کفر پر ہوتا ہے۔

پہلے پارے کے دوسرے رکوع کی تفسیر میں واضح کیا جاچکا ہے کہ منافق کا لفظ نفق سے نکلا ہے۔ جس کا معنی ہے چوہے کی ایسی بل جس کے دو منہ ہوں۔ جب تک دونوں طرف سے بل بند نہ کی جائے چوہا قابو نہیں آسکتا۔ یہی حالت منافق کی ہوتی ہے اسے مسلمانوں کی طرف سے فائدہ ہوتو اسلام، اسلام کرتا ہے اگر کفار کی طرف سے فائدہ پہنچنے کی اُمید ہوتو ان کا طرف دار ہوجاتا ہے۔ گویا کہ منافق عقیدے کے اعتبار سے کذّاب، کردار کے لحاظ سے دغا باز اور اخلاق کے حوالے سے مکّار اور مفاد پرست ہوتا ہے۔ اگلی آٹھ آیات میں منافق کی آٹھ بدترین عادتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس بنا پر اسے خوفناک عذاب کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔

① ۔ بار بار کفر اختیار کرنا۔ ② ۔ مسلمانوں کی کامیابی کا مخالف ہونا اور کفار سے دلی ہمدردی رکھنا۔

③ ۔ ایمان میں ہمیشہ متذبذب رہنا۔ ④ ۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرنا اور ان کا مذاق اُڑانا۔

⑤ ۔ اللہ اور اس کے رسول کو دھوکہ دینے کی کوشش کرنا۔ ⑥ ۔ جان بوجھ کر نماز میں غفلت اور سستی اختیار کرنا۔

⑦ ۔ اللہ تعالیٰ کی بجائے کفار سے عزت طلب کرنا۔ ⑧ ۔ نماز اور نیکی کے کام نمائش کے لیے کرنا۔

مسائل

۱۔ منافقوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دینی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

عذاب کی خوشخبری کے مستحق:

۱۔ منافقوں کے لئے اللہ کی طرف سے دردناک عذاب کی خوشخبری ہے۔ (النساء: ۱۳۸)

۲۔ کافروں کے لئے دردناک عذاب کی خوشخبری ہے۔ (التوبہ: ۳)

۳۔ گانے بجانے والا اور متکبر۔ (لقمان: ۷) ۴۔ متکبر گنہگار و بہتان باز۔ (الجاثیۃ: ۸)

۵۔ انبیاء اور منصف لوگوں کے قاتل۔ (آل عمران: ۲۱) ۶۔ زکوٰۃ نہ دینے والے۔ (التوبہ: ۳۴)

اِلَّذِيْنَ	يَتَّخِذُوْنَ	الْكٰفِرِيْنَ	اَوْلِيَآءَ	مِنْ	دُوْنِ	الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ
جولوگ	پکڑتے ہیں	کافر (جمع)	دوست (جمع)	سے	سوائے	مومن (جمع)

اَيَبْتَغُوْنَ	عِنْدَهُمُ	الْعِزَّةَ	فَاِنَّ	الْعِزَّةَ	لِلّٰهِ	جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾
کیا تلاش کرتے ہیں	ان کے پاس	عزت	تو یقیناً	عزت	اللہ کیلئے	ساری

”جولوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار کو دوست بناتے ہیں کیا یہ کفار سے عزت چاہتے ہیں۔ عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔“ (۱۳۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ان آیات میں منافقین کے کردار اور ان کے انجام کے متعلق بیان ہو رہا ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق و مالک ہے اسی طرح وہ عزت و ذلّت کا بھی مالک ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اس کے حسنِ کردار کی وجہ سے عزت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا اس کے گناہوں کی وجہ سے ذلت سے دوچار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر نہ کوئی عزت دے سکتا ہے اور نہ ہی آدمی کو کوئی ذلیل کر سکتا ہے۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس عقیدہ کی ترجمانی اور عزت کی طلب، ذلت سے محفوظ رہنے کے لیے آلِ عمران آیت ۲۶ میں دُعا سکھلائی گئی ہے۔

دعا کیجیے کہ اے کائنات کے مالک تو جسے چاہتا ہے حکومت سے سرفراز کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے حکومت چھین لیتا ہے اور جسے تو چاہے عزت سے سرفراز فرماتا اور جس کو چاہے ذلیل کر دیتا ہے۔ ہر قسم کی خیر تیرے ہاتھ میں ہے۔ بلاشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

لیکن منافق کا حال یہ ہے کہ وہ دنیا کی عزت کی خاطر کافر اور بے ایمان شخص سے بھی عزت کا طالب ہوتا ہے۔ اس کی کاسہ لیسی اور چاپلوسی کرتا ہے چاہے اسے اپنی غیرت اور ایمان کا سودا کرنا پڑے حالانکہ ہر قسم کی عزت و رفعت اللہ ذوالجلال کے ہاتھ میں ہے۔

مسائل

۱۔ ہر قسم کی عزت ”اللہ“ کے اختیار میں ہے۔ ۲۔ کفار کو دلی دوست نہیں بنانا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

عزت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے:

۱۔ عزت اللہ کے پاس ہے۔ (فاطر: ۱۰) ۲۔ عزت اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے۔ (المنافقون: ۸)

۳۔ اللہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ (آل عمران: ۲۶)

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا

اورتحقیق اس نے نازل کیا تم پر میں کتاب یہ کہ جب تم سنو اللہ کی آیتیں انکار کیا جاتا ہے ان کا

وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ

اور مذاق اڑایا جاتا ہے ان کا تو نہ بیٹھو ان کیساتھ یہاں تک کہ وہ مشغول ہوں میں بات اسکے سوا

اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۝۱۴۰

یقیناً تم اس وقت ان جیسے بیشک اللہ جمع کرنیوالا منافق (جمع) اور کافر (جمع) میں جہنم اکٹھے

''اور اللہ تعالیٰ تمہاری طرف یہ حکم اتار چکا ہے کہ جب تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو۔ جب تک وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں ورنہ تم بھی ان جیسے ہو گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں اور منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔'' (۱۴۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ منافقین کا کردار بیان ہو رہا ہے۔

منافق اور برے لوگوں کی مجالس کے بارے میں اسی سورت کی آیت ۱۱۴ میں نشان دہی کی گئی ہے کہ اِن کی اکثر مجلسیں خیر اور نیکی کے کام سے خالی ہوتی ہیں۔ وہاں ایسی مجالس سے اجتناب کا اشارہ دیا گیا ہے اور یہاں واضح حکم دیا ہے کہ جب تم کسی مجلس میں اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار اور مذاق ہوتا ہوا سنو۔ تو ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کی بجائے وہاں سے اٹھ جایا کرو۔ (الانعام: ۶۸) سوائے اس کے کہ تمہارے سمجھانے یا تمہاری حاضری کا احساس کر کے وہ لوگ اس قسم کی گفتگو ترک کر دیں جس کا مطلب ہے کہ سماجی، معاشرتی ضرورت کے تحت ایسے لوگوں کی مجلس میں بیٹھنا گناہ نہیں لیکن اگر تم اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر اور مذاق ہوتا ہوا دیکھو اور بیٹھے رہو۔ تو تم بھی ان میں شمار ہو گے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے منافقین اور کفار کو ڈھیل دے رکھی ہے لیکن جہنم میں ان سب کو اکٹھا کر دیا جائے گا۔ کیونکہ دنیا میں کافر اور منافق حقیقتاً ایک جیسا کردار اور عقیدہ رکھتے تھے لہٰذا قیامت میں ان کا انجام اور مقام جہنم ہوگا۔ البتہ منافق جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔ (النساء: ۱۴۵)

مسائل

۱۔ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار اور مذاق کیا جا رہا ہو اس میں بیٹھنا کفر و استہزاء کا ساتھ دینا ہے۔

تفسیر بالقرآن

بری مجالس کا بائیکاٹ کرو:

۱۔ جہاں اللہ کی آیات سے مذاق ہو وہاں نہ جاؤ۔ (الانعام: ۶۸)

۲۔ دین کو کھیل تماشا بنانے والوں کو چھوڑ دو۔ (الانعام: ۷۰) ۳۔ سازشیوں کی مجلسیں اچھی نہیں ہوتیں۔ (النساء: ۱۱۴)

اِلَّذِيْنَ	يَتَرَبَّصُوْنَ	بِكُمْ ج	فَاِنْ	كَانَ	لَكُمْ	فَتْحٌ	
جولوگ	انتظار کرتے ہیں	تمہارے ساتھ	پھر	اگر ہو	تم کو	فتح	
مِّنَ	اللّٰهِ	قَالُوْٓا	اَلَمْ	نَكُنْ	مَّعَكُمْ ۖ	وَاِنْ	كَانَ
سے	اللہ	کہتے ہیں	کیا نہیں	ہم تھے	تمہارے ساتھ	اور اگر	ہو
لِلْكٰفِرِيْنَ	نَصِيْبٌ	قَالُوْٓا	اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ	عَلَيْكُمْ	وَنَمْنَعْكُمْ	مِّنَ	
کافروں کے لیے	حصہ	کہتے ہیں کیا ہم غالب نہیں آئے تھے		تم پر	اور ہم نے منع کیا تھا تمہیں	سے	
الْمُؤْمِنِيْنَ	فَاللّٰهُ	يَحْكُمُ	بَيْنَكُمْ	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	وَلَنْ		
مسلمان (جمع)	سو اللہ	فیصلہ کریگا	تمہارے درمیان	قیامت کے دن	اور ہرگز نہیں		
يَّجْعَلَ	اللّٰهُ	لِلْكٰفِرِيْنَ	عَلَى	الْمُؤْمِنِيْنَ	سَبِيْلًا ﴿١٤١﴾		
بنائے گا	اللہ	کافروں کیلئے	پر	مومن (جمع)	راہ		

”یہ (منافق) لوگ تمہارے انجام کا انتظار کرتے ہیں پھر اگر تمہیں اللہ فتح دے تو یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے اور اگر کافروں کو کامیابی ملے تو کہتے ہیں کہ ہم تم پر غالب آنے ہی لگے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچایا نہ تھا۔ پس قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا۔“ (۱۴۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافق ابن الوقت اور مفاد کا بندہ ہوتا ہے اس لیے کافر اور مسلمان کا ساتھ دینے میں مخلص نہیں ہوتا۔ اپنے مفاد کا غلام ہونے کی وجہ سے وہ اس انتظار میں ہوتا ہے کہ جدھر سے اسے فائدہ پہنچے وہ اس فریق کے ساتھ اپنی رفاقت اور ہمدردی کا اظہار کردے۔

رسولِ محترم ﷺ کے زمانہ کے منافقوں کی یہی حالت تھی۔ غزوۂ اُحد کے موقع پر مسلمانوں سے الگ ہو کر کفار کی تقویت کا باعث بنے اور فتح مکہ کے وقت مسلمانوں کی قوت دیکھ کر ان سے وفا کا دم بھرتے رہے۔ جب بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کامیابی حاصل ہوتی تو وہ اپنی نمازوں اور ظاہری مسلمانی کا واسطہ دے کر یقین دہانی کرواتے کہ ہم ذاتی مجبوریوں اور جماعتی مصلحت کی خاطر کفار کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ جبکہ ہمارا اٹھنا بیٹھنا تمہارے ساتھ ہے لیکن جوں ہی کفار کا پلڑا بھاری دیکھتے ہیں تو انہیں اعتماد دلاتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھی ہیں۔ حقیقت میں ہم ہی نے تمہیں مسلمانوں سے بچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو انتباہ کر رہا ہے کہ دنیا میں تمہیں مہلت دی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے تم مسلمانوں اور کافروں کے ساتھ خلط ملط ہوئے رہتے ہو۔ قیامت کے دن کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کر کے ان کے درمیان فیصلہ کر دیا

جائے گا۔ اللہ تعالیٰ منافقوں کو مومنوں پر ہرگز فوقیت نہیں دے گا۔ آیت کے آخر میں منافق کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے کافر کا لفظ استعمال فرما کر واضح کیا ہے کہ یہ منافق حقیقتاً کافر ہیں۔ اس آیت کے آخری الفاظ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اے مومنو! پورے اخلاص اور استقامت کے ساتھ ڈٹے رہو۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ایسے حالات پیدا کرے گا کہ منافق مسلمانوں کے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے۔ چنانچہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر منافقوں کو آپ سے سرِ عام معافی مانگنا پڑی۔ جیسا کہ قرآنِ مجید میں بیان ہوا ہے:

{ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَ سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۹۴ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ؗ وَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۹۵ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝۹۶ } (التوبۃ: ۹۴تا۹۶)

”جب تم ان کے پاس آؤ گے وہ تمہارے سامنے معذرت کریں گے۔ ان سے فرما دیں کہ بہانے نہ بناؤ ہم تمہاری باتوں پر یقین نہیں کریں گے کیونکہ اللہ نے ہمیں تمہارے حالات بتلا دیے ہیں اور آئندہ بھی اللہ اور اس کا رسول تمہارے کام دیکھ لیں گے پھر تم ایسی ذات کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو کھلے اور چھپے سب حالات جانتا ہے وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی کہ میں عبداللہ بن اُبی کو قتل کروں لیکن آپ نے مجھے یہ فرما کر منع کیا کہ اس طرح لوگ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) نے اپنے ساتھیوں کو قتل کروانا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ آپ کی حکمت عملی کا یہ نتیجہ نکلا کہ منافقین ہمارے سامنے بے بس ہو گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا وعدہ دنیا میں ہی پورا ہوا۔ (البدایۃ والنہایۃ)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کفار کو مومنوں پر ہرگز فوقیت نہیں دے گا۔ ۲۔ مسلمان فتح حاصل کریں تو منافق ان کے ساتھ مل جاتے ہیں۔

۳۔ کفار فاتح بنیں تو منافق ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ ۴۔ قیامت کو اللہ تعالیٰ سب کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

مسلمانوں کی کفار پر بالادستی:

۱۔ مومن اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے۔ (السجدۃ: ۱۸) ۲۔ مومن اور کافر برابر نہیں ہیں۔ (الانعام: ۱۲۲)

۳۔ مومن کافروں سے سربلند ہیں۔ (آل عمران: ۵۵) ۴۔ متقین قیامت کو سربلند ہوں گے۔ (البقرۃ: ۲۱۲)

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا

بیشک منافق (جمع) دھوکہ دیتے ہیں اللہ اوروہ انکے دھوکے کوناکام کرنیوالا اور جب کھڑے ہوتے ہیں

اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ

طرف نماز کھڑے ہوتے ہیں سست وہ دکھاتے ہیں لوگ اورنہیں وہ یادکرتے

اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ

اللہ کو مگر بہت کم شک کرنے والے درمیان اس نہ طرف ان کی

وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

اورنہ طرف ان کی اورجو گمراہ کرے اللہ توہرگزنہ پاؤگے اس کے لیے کوئی راہ

”بے شک منافق اللہ تعالیٰ کودھوکہ دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ انہیں فریب میں مبتلا کرتا ہے اور جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی غفلت کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں محض لوگوں کودکھلانے کے لیے اوراللہ تعالیٰ کوبہت کم یادکرتے ہیں۔(۱۴۲) وہ کفاراور مسلمانوں کے درمیان لٹکے ہوتے ہیں نہ پورے ان کی طرف اورنہ صحیح طور پران کی طرف۔ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے توآپ اس کے لیے کوئی راہ نہیں پاسکتے۔“(۱۴۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں منافقین کاکردار۔

آدمی جب مسلسل دھوکہ اورفراڈ کرنے کارویّہ اختیار کرلے اوراس پراس کی گرفت نہ ہوتوشیطان اس کے دل میں یہ خیال اوردلیری پیدا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوایسا ہی منظور ہے اگراللہ کویہ بات اس قدرناپسند ہوتی تومجھے ایسا کرنے کی اجازت اورطاقت نہ دیتا۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی مہلت دینے کے اصول کوبھول جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے گھناؤنے کردار میں آگے ہی بڑھتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مہلت اس کے لیے خودفریبی اوردھوکے کاباعث بن جاتی ہے اس مہلت کووہ شخص اللہ تعالیٰ کودھوکہ دینے کے مترادف سمجھتا ہے حالانکہ مکڑی کے جالے کی طرح خودہی اس میں پھنسا رہتا ہے۔ مسلمان کا ایمان اورحقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہراورباطن ماضی، حال اورمستقبل جانتا ہے۔ اس کاعلم لامحدود ہے اس لیے اُسے کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا ہے۔ نماز میں سستی اورغفلت جسمانی کمزوری اورذہنی پریشانی کی وجہ سے ہوتواسے دورکرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں جمائیاں لینے کوشیطانی عمل قراردے کراسے روکنے کاحکم دیا ہے۔

«عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ التَّثَاؤُبُ فِی الصَّلَاةِ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا تَثَاءَ بَ أَحَدُكُمْ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ» (رواہ الترمذی: کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی کراھیۃ التثاؤب فی الصلاۃ [صحیح])

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز میں جمائی شیطان کی طرف سے آتی ہے جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو وہ پوری کوشش سے اسے روکے۔''

نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا سستی سے پناہ مانگنا:

«عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَدْعُوْ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَفِتْنَةِ الْمَسِيْحِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ» (رواہ الترمذی: باب ماجاء فی جامع الدعوات [صحیح])

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سستی، بڑھاپے، بزدلی، بخیلی، مسیح الدجال کے فتنے اور عذابِ قبر سے پناہ چاہتا ہوں۔''

فطری سستی اور غفلت منافقت کے زمرہ میں نہیں آتی۔ منافق تو جان بوجھ کر نماز میں لاپرواہی اور غفلت اختیار کرتا ہے کیونکہ اس کے دل میں اخلاص کے بجائے کھوٹ ہوتا ہے۔ اسی سبب وہ اپنے اعتقاد اور عمل کے حوالہ سے اسلام کے بارے میں متذبذب رہتا ہے۔ نہ مسلمانوں سے مخلص ہوتا ہے اور نہ پوری طرح کفار کے ساتھ ہوتا ہے۔ کافر اور گنہگار کے لیے توبہ کی چار شرطیں ہیں (۱) آئندہ گناہ کرنے سے رکنے کا عہد (۲) سابقہ گناہوں کی معافی طلب کرنا (۳) گناہ پر شرمندگی اور ندامت (۴) اگر کسی کا حق ضبط کیا ہو تو ادا کرے۔ جبکہ منافق کی توبہ کے لیے مزید دو شرائط رکھی گئی ہیں کہ توبہ اور اصلاح کے تقاضے پورے کرتے ہوئے ایمان باللہ پر اخلاص کے ساتھ استقامت اور اپنے دین میں مخلص ہوجائے۔

«عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ شِبْلٍ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهٰي فِي الصَّلٰوةِ عَنْ ثَلَاثٍ نَقْرِ الْغُرَابِ وَافْتِرَاشِ السَّبُعِ وَأَنْ يُوَطِّنَ الرَّجُلُ الْمَقَامَ الْوَاحِدَ كَإِيْطَانِ الْبَعِيْرِ»

(رواہ احمد: کتاب مسند المکیین، باب زیادۃ فی حدیث عبدالرحمن بن شبل [حسن لغیرہ])

''حضرت عبدالرحمٰن بن شبل انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں تین کاموں سے منع کیا۔ (۱) کوے کی طرح ٹھونگیں مارنا (۲) درندے کی طرح بازو بچھانا۔ (۳) اور اونٹ کی طرح ایک جگہ کو پکڑے رکھنا۔''

مسائل

۱۔ منافق دھوکہ باز اور اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر سے جی کترانے والا ہوتا ہے۔ ۲۔ منافق کا کوئی نظریہ نہیں ہوتا۔
۳۔ منافق نماز میں جان بوجھ کر سستی کرتا ہے۔ ۴۔ منافق دکھلاوے کے لیے نیک عمل کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

منافقین کی نماز:

۱۔ نماز میں سستی۔ (الماعون: ۵) ۲۔ نماز میں ریاکاری۔ (الماعون: ۶)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ

اے — جولوگ — ایمان لائے — نہ پکڑو — کافر (جمع) — دوست (جمع) — سے — سوائے

الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝۱۴۴ اِنَّ

مومن (جمع) — کیاتم چاہتے ہو — یہ کہ — تم کرو اللہ کے لیے — تم پر — حجت/دلیل — واضح — بیشک

الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝۱۴۵

منافق (جمع) — میں — سب سے نیچے کا درجہ — سے — آگ — اور آپ ہرگز نہ پائیں گے — ان کیلئے — کوئی مددگار

’’اے صاحب ایمان لوگو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کی صاف حجت قائم کرلو؟۔ (۱۴۴) یقیناً منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔ تم ان کا کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔‘‘ (۱۴۵)

فہم القرآن

ربط کلام : کفار کے کفر اور منافقین کے گھناؤنے کردار کی وجہ سے قرآنِ مجید مسلمانوں کو بار بار حکم دیتا ہے کہ ان کے ساتھ دوستی سے اجتناب کرو کیونکہ یہ غیرتِ ایمانی اور ملّی مفاد کے خلاف ہے۔

کفار اور منافقین کے ساتھ معاشرتی، سیاسی اور کاروباری تعلقات رکھے جاسکتے ہیں لیکن انہیں اپنا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھنا مسلمانوں کا اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے کیونکہ یہ ملتِ اسلامیہ کے نقصان کے خواہاں، اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں جس کا مشاہدہ میدانِ اُحد سے لے کر ہر دور میں کیا گیا ہے۔ 2003ء میں جب امریکہ نے عراق پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تو ابتداء میں روس سمیت کئی ملکوں نے مخالفت کی لیکن جونہی امریکہ نے انہیں مفادات کا لالچ دیا تو روس عراق کا پرانا حلیف ہونے کے باوجود امریکہ کے ساتھ کھڑا ہوا۔ اس طرح پوری دنیا کا کفر مسلمانوں کے خلاف متحد ہوگیا۔ جب مسلمان کسی نکتہ پر اکٹھا ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو کفار مسلمانوں کو تنگ نظری کا طعنہ دیتے ہیں حالانکہ ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ دوسری جنگِ عظیم 1939 میں برطانیہ نے اپنے کئی شہریوں کو اس لیے حراست میں رکھا تھا کہ ان کے تعلقات جرمن قوم کے ساتھ پائے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ متحدہ ہندوستان کے وائسرائے لارڈ مونٹ بیٹن کا والد جو برطانوی بحری فوج کا اعلیٰ افسر تھا اسے بھی زیرِ حراست رکھا گیا کیونکہ وہ جاپانی نژاد تھا اور جاپان جرمن کا حلیف تھا حتی کہ جرمنوں کے ساتھ اس جنگ میں امریکہ نے اپنے ملک میں بعض لوگوں کے ساتھ بھی یہی رویہ اختیار کیا جب کہ اسلام کفار کے ساتھ دلی دوستی اور کفار کو مسلمانوں سے مقدم سمجھنے کے سوا ان کے ساتھ سیاسی معاشرتی اور کاروباری تعلقات رکھنے کی اجازت دیتا ہے۔ منافق اپنے دوغلے پن کی وجہ سے جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔ کفار اور منافقوں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

مسائل

۱۔ کفار کو دوست بنا کر ایمانداروں کو اپنے خلاف حجت قائم نہیں کرنی چاہیے۔

۲۔ منافق جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور کوئی ان کی مدد نہیں کر سکے گا۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا

مگر وہ لوگ انہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور انہوں نے مضبوطی سے پکڑا اللہ کو اور خالص کر لیا

دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ

اپنا دین اللہ کیلئے تو یہی لوگ ساتھ مومن (جمع) اور عنقریب دے گا اللہ

الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ

مومن (جمع) اجر بڑا کیا کرے گا اللہ تمہیں عذاب کے ساتھ اگر تم شکر کرو گے

وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِیْمًا ﴿۱۴۷﴾

اور ایمان لے آؤ اور ہے اللہ قدردان خوب جاننے والا

”سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور اصلاح کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جوڑیں اور خالص اللہ ہی کے لیے دین اختیار کریں تو یہ مومنوں کے ساتھی ہیں اللہ تعالیٰ مومنوں کو بہت اجر عطا فرمائے گا۔ (۱۴۶) تمہیں سزا دینے سے اللہ تعالیٰ کو کیا فائدہ؟ اگر تم شکر گزار ہو جاؤ اور ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ بہت قدر کرنے والا اور علم رکھنے والا ہے۔“ (۱۴۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفر اور منافقت سے سچی توبہ اور اپنے کیے کی اصلاح کرنے والوں کے لیے اجرِ عظیم کا وعدہ اور اس بات کی وضاحت کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے کفر پر نہیں وہ تو شکر پر راضی ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مومنوں اور شکر گزاروں کا قدردان ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی انتہا ہے کہ منافقوں کا کردار اور ان کا انجام ذکر کرنے کے باوجود ان کے لیے نہ صرف توبہ اور بخشش کا دروازہ کھلا رکھا بلکہ انہیں توبہ کرنے کی صورت میں انعام واکرام اور مومنوں کی رفاقت کی خوشخبری سنائی ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مومنوں کے ساتھ اجرِ عظیم سے سرفراز کرے گا اور تمہارے اعمال وخدمات کی قدر افزائی کی جائے گی بشرطیکہ گناہوں پر اصرار کرنے کے بجائے توبہ کرو، فساد اور بگاڑ کی جگہ اپنی اصلاح کرتے ہوئے مومنوں کا ساتھ دو، متذبذب رہنے اور ابن الوقت بننے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان کا مضبوط رشتہ قائم کر کے اس کی رضا کے لیے اپنے دین میں مخلص ہو جاؤ۔ تمہارے عمل اور اخلاص کو نہایت ہی نظرِ استحسان سے دیکھا اور تمہیں بے پناہ اجر دیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سزا دینے کی بجائے جزا دینا زیادہ پسند کرتا ہے بشرطیکہ وہ تسلیم ورضا کا رویہ اختیار کریں۔ بندے کا شکریہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور نعمتوں پر دل سے مطمئن ہو، زبان سے شکر واعتراف کرے اور اپنے عمل سے محسنِ حقیقی کا اطاعت گزار بن کر رہے۔ اللہ تعالیٰ کے شاکر ہونے سے مراد بندے کی حقیر اور ناچیز اطاعت کی قدر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہایت ہی قدردان اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بندے کی قدر افزائی کرنا:

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ فَإِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهِ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهِ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فُلُوَّهُ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ» (رواہ البخاری: کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ من کسب طیب)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی کھجور کے برابر اپنی حلال کمائی سے صدقہ کرتا ہے اور اللہ کے ہاں صرف پاک چیز ہی قبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے قبول کر کے اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر اس کو اس طرح پالتا اور بڑھاتا ہے جیسے تم میں سے کوئی بچھڑے کو پالتا ہے حتیٰ کہ صدقہ پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔''

توبہ کا فائدہ:

«اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ» (رواہ ابن ماجۃ: کتاب الزھد، باب ذکر التوبۃ [حسن])

''گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ نہ کرنے والے کی طرح ہے۔''

مسائل

۱۔ توبہ اور اپنی اصلاح کرنے اور اللہ سے تعلق مضبوط رکھنے والے مومن کو اجرِ عظیم دیا جائے گا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو عذاب دے کر خوش نہیں ہوتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ایمان لانے اور شرک سے بچنے والے کی قدر افزائی کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اخلاص فی الدّین:

۱۔ پہلے لوگوں کو اخلاص کا حکم۔ (البینۃ:۵) ۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خالص اللہ کی عبادت کرنے کا حکم۔ (الزمر:۱۱)

۳۔ سب کو خالص اللہ کی خالص عبادت کرنے کا حکم۔ (المومن:۶۵)

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلص لوگوں کے ساتھ رہنے کی ہدایت۔ (الکہف:۲۸)

پارہ ۔ ۲

پارہ ۔ ۳

سورۃ آلِ عمران

پارہ۔۵

پارہ۔ ۲

پارہ ۔ ۴

پارہ۔۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحریک دعوتِ توحید کے مقاصد، نظم اور طریقہ کار

قُوْلُوْا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ: تُفْلِحُوْا

لوگو! لا الہ الا اللہ پڑھو (اور اس کے تقاضے پورے کرو) کامیاب ہوجاؤ گے

خلافت کی تحریک ہو یا جہاد فی سبیل اللہ، شانِ صحابہ ہو یا وطن عزیز کی سالمیت، حقوق انسانیت کی بات ہو یا دیگر نیکی کے کام کی افادیت درجہ بدرجہ لیکن کوئی عمل تحریک ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی عظمت و برکات کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تحریک دعوتِ توحید کا مقصد الگ جماعت کی بنیاد، سیاسی قوت کا اظہار، دنیوی مفاد اور شخصیت کا ابھار نہیں بلکہ اللہ کی رضا کا حصول رسالت مآب ﷺ کی اطاعت اور بندوں کو اللہ کی خالص بندگی پر آمادہ کرنا ہے، یہی انسان کی تخلیق کا مقصد اور اسی پر آدمی کی نجات ہے۔ ① ۔لہٰذا توحید سمجھیں۔ ② ۔اس پر پکے ہوجائیں۔ ③ ۔اسے آگے پھیلائیں۔ ④ ۔اس کے تقاضے پورے کریں تاکہ ہمارے اخلاق، اعمال، وطن عزیز کے حالات سنور جائیں اور ہم جنت کے وارث قرار پائیں۔

مرحلہ وار اقدامات

① ۔بسوں اور ویگنوں پر اسٹیکرز چسپاں کرنا۔ ② ۔ملک بھر میں اہم مقامات پر دیواریں لکھوانا۔ ③ ۔خاص و عام میں توحید و سنت پر مبنی لٹریچر تقسیم کرنے کے ساتھ ان سے رابطہ رکھنا۔ ④ ۔تبلیغی اجتماعات منعقد کرنا۔ ⑤ ۔میلہ جات کے موقعہ پر اجتماعی خطبات جمعہ کا انتظام کرنا۔ ⑥ ۔بلدیہ ہالز میں توحید خالص سیمینار رکھنا اور چوراہوں میں توحید و سنت کا ابلاغ کرنا اور لوگوں کو شرک و بدعت کے نقصانات سے آگاہ کرنا۔ یاد رہے کہ تحریک کے پروگرامز کا کسی پر کوئی بوجھ نہیں ہوگا۔

اپنی مدد آپ کے تحت رمضان تا رمضان ہونے والے سالانہ پروگرام

2007ء سندھ، سرحد، پنجاب کے دورہ جات تعداد: 119۔ 2008ء سندھ، بلتستان، پنجاب، آزاد کشمیر کے دورہ جات: 155۔ 2009ء سندھ، سرحد، پنجاب، آزاد کشمیر کے دورہ جات: 168۔ 2010ء سندھ، سرحد، پنجاب، آزاد کشمیر کے دورہ جات: 160۔ 2011 تا 2012ء 135 2012 تا 2013ء 145

تحریک کا نظم آپ بھی رکنیت اختیار فرمائیں

یاد رہے کہ یہ ایک تحریک ہے معروف معنوں میں جماعت نہیں لہٰذا آپ اپنی اپنی جماعت اور منصب پر رہتے ہوئے اپنے علاقہ میں تحریک کی ذمہ داری قبول فرمائیں! اگر آپ کو یہ بات پسند ہے کہ مساجد سے باہر بھی توحید و سنت کا پرچار ہو اور شرک و بدعت کے خلاف آواز اٹھائی جائے تو آئیں تحریک دعوتِ توحید کی رکنیت اختیار کریں درج ذیل کوائف ہیڈ آفس میں ارسال کریں اور رابطہ رکھیں۔

نام بمع لقب .... ولدیت: .... تعلیم .... فون: ....

کاروبار/ملازمت .... عارضی اور مستقل ڈاک ایڈریس: ....

ہیڈ آفس: ابوہریرۃ شریعہ کالج 37 کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور: 0423-5417233/0333-4566379

فہم القرآن

دوم

میاں محمد جمیل

پرنسپل ابوہریرہ شریعہ کالج

ابوہریرہ اکیڈمی

۳۷- کمرشل کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہم القرآن

میاں محمد جمیل
ایم۔اے
فاضل اُردو۔علوم اسلامیہ

جلد دوم

ابوہریرہ اکیڈمی
۳۷۔ کمرشل کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

فہم القرآن

حقوق بحق مصنف

از قلم ______ میاں محمد جمیل

جلد دوم ______ پارہ 6 تا پارہ 10

اشاعتِ اوّل ______ دسمبر 2007ء

اشاعتِ سوم ______ مئی 2014ء

قیمت ______ 800/-

ملنے کے پتے

نعمانی کتب خانہ۔ اسلامی اکیڈمی۔ محمدی کتب خانہ

مکتبہ دارالسلام، سلفیہ، رحمانیہ، اسلامیہ، قدوسیہ۔ اردو بازار لاہور

ناشر

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اکیڈمی

۳۷۔ کمرشل کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

042-35417233

أعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

جلد دوم

فہم القرآن

پارہ:6

سورۃ النساء آیت 148 تا آخر ❁ سورۃ المائدہ ابتدا تا آیت 82

پارہ:7

سورۃ المائدہ آیت 83 تا آخر ❁ سورۃ الانعام ابتدا تا آیت 110

پارہ:8

سورۃ الانعام آیت 111 تا آخر ❁ سورۃ الاعراف ابتدا تا آیت 87

پارہ:9

سورۃ الاعراف آیت 88 تا آخر ❁ سورۃ الانفال ابتدا تا آیت 40

پارہ:10

سورۃ الانفال آیت 41 تا آخر ❁ سورۃ التوبہ ابتدا تا آیت 93

تفسیر کا تعارف

رسولِ محترم ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے مرکزی مقصد یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ لوگوں کے سامنے عملی نمونہ پیش کریں اوراپنی زبانِ اطہر سے قرآن مجید کی تشریح اور تفسیر فرمائیں۔ جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے براہِ راست سیکھا، سمجھا اوراس پر عمل کیا۔ جہاں تک تفسیر قرآن کا تعلق ہے آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو قرآن فہمی کی دعا سے سرفراز فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور صحابہ کرامؓ نے اپنی اولاد اور شاگردوں کو قرآن پڑھایا اور سمجھایا۔ اس طرح قرآنِ مجید کی تعلیم تحریر، تقریر اور تدریس کے ذریعے نسل درنسل جاری رہی تا آنکہ 270 ہجری میں علامہ ابو جعفر ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے چالیس سال کی جدوجہد سے کتب' مسوّدات اور مختلف اہلِ علم سے استفادہ فرما کر تیس جلدوں پر محیط تفسیر جامع البیان لکھی جو تفسیر ابن جریر کے نام سے معروف ہے۔ ان کے بعد حافظ عمادالدین ابوالفداء اسمعیل بن کثیر رحمہ اللہ المعروف امام ابن کثیر نے تفسیر ابن کثیر رقم فرمائی جو تمام مسالک کے نزدیک ممتاز اور منفرد تفسیر سمجھی جاتی ہے۔ بعدازاں ہر دور اور ہر زبان میں قرآن مجید کی تفاسیر لکھی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ برصغیر میں انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کی ابتدا میں تراجم اور تفاسیر کا بے شمار ذخیرہ اردو زبان میں پیش کیا گیا جو علمی اور اسنادی اعتبار سے عربی کے سوا تمام زبانوں میں لکھی جانے والی تفاسیر پر حاوی ہے۔ ماضی قریب میں تفہیم القرآن' تدبرِ قرآن' معارف القرآن' تفسیر ثنائی' تیسیر القرآن' ضیاء القرآن کے مؤلفین نے اپنے اپنے انداز اور نقطۂ نگاہ سے فرقانِ حمید کی تفسیریں لکھیں جو اردو زبان میں ممتاز تفاسیر شمار ہوتی ہیں۔

فہم القرآن اور اعترافِ حقیقت

تفسیر کا نام سورۃ الانبیاء کی آیت 79 ﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ﴾ سے لیا گیا ہے۔ میں اس سچائی کا محض روایتی اور عاجزانہ نہیں بلکہ حقیقت پسندانہ اعتراف کرتا ہوں کہ خدمتِ قرآن کی چودہ سو سالہ تاریخ میں مجھ سے کم علم آدمی کوئی نہیں گزرا ہوگا کہ جس نے قرآن مجید کے کسی پہلو پر قلم اٹھایا ہو۔ میں نے بزرگوں کی خوشہ چینی کے سوا کچھ نہیں کیا۔ میرے کام میں حسن و خوبی کا کوئی پہلو دکھائی دے تو وہ اللہ کے فضل و کرم کا نتیجہ اور متقدّمین کی پرخلوص کوششوں کا ثمرہ ہے۔ کوتاہی اور کمزوری کو میری کم علمی اور کوتاہ فہمی تصور کرتے ہوئے آگاہ کیا جائے تاکہ اس کی تصحیح کی جائے۔ اپنے مختصر تدریسی تجربہ اور تفاسیر کا مطالعہ کرتے ہوئے چند باتوں کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ضروری سمجھا کہ اگر درج ذیل باتیں تفسیر میں جمع کردی جائیں تو عوام الناس' طلبہ اور مبتدی خطباء کے لیے نہایت مفید اور بہتر ہوگا۔

(۱) بامحاورہ ترجمہ کے ساتھ لفظی ترجمہ (۲) ہر آیت کے الگ الگ مسائل کی نشاندہی

(۳) تفسیر بالقرآن کے حوالے سے ہر آیت کے مرکزی مضمون سے متعلقہ کچھ آیات کا حوالہ۔

آپ کی خدمت میں

قاری حضرات سے گزارش ہے کہ لفظی ترجمہ کے بجائے رواں ترجمہ سے استفادہ کریں کیونکہ لفظی ترجمہ میں باہم ربط نہ ہونے کی وجہ سے الجھن پیش آسکتی ہے۔ لفظی ترجمہ ان حضرات کے لیے زیادہ مفید ہے جو تعلیم وتعلم سے وابستہ ہیں۔

مفسّر کا تعارف

میاں محمد جمیل بن میاں محمد ابراہیم گوہڑ چک 8 پتوکی (قصور) اپریل 1947ء آرائیں فیملی میں پیدا ہوئے۔ حفظِ قرآن اور سکول کی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ اس کے بعد تجوید قرآن جامعہ محمدیہ اور درسِ نظامی کی تعلیم جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ سے پائی بعدازاں وفاق المدارس کیا اور دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ایم۔ اے اسلامیات اور فاضل اردو کی ڈگریاں حاصل کیں۔ فراغتِ تعلیم کے بعد لاہور میں کاروبار کرنے کے ساتھ ساتھ جون 1986ء میں جامع مسجد ابوہریرہؓ کریم بلاک اقبال ٹاؤن کی بنیاد رکھی اور اعزازی خطابت کی ذمہ داری سنبھالی۔

ابوہریرہ شریعہ کالج

1997ء میں ابوہریرہؓ شریعہ کالج کا آغاز کیا اب تک ملک میں یہ واحد ادارہ ہے جس میں میٹرک پاس طلبہ کو چار سال میں درسِ نظامی اور بی۔ اے (Compulsoy) کروایا جاتا ہے۔

تنظیمی دور

1987ء میں مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان کے سیکرٹری اطلاعات اور 1996ء سے لے کر 2002 تک مرکزی جمعیت اہلحدیث کے سیکرٹری جنرل رہے۔ سیکرٹری شپ کا دوسرا دور پورا ہونے پر آئندہ ذمہ داری سنبھالنے سے معذرت کی اور اپنے آپ کو تعلیم و تصنیف کے ساتھ 2006ء کو تحریک دعوتِ توحید کے لیے وقف کیا۔ دیگر کتب تالیف کرنے کے بعد 2005ء میں تفسیر فہم القرآن لکھنے کا آغاز کیا۔ جس کی پہلی جلد پہلے پانچ پاروں پر مشتمل ستمبر 2006ء میں منظرِ عام پر آئی اب دوسری جلد پارہ 6 تا پارہ 10 پیشِ خدمت ہے۔

اللہ تعالیٰ اسے قبولیت کے شرف سے سرفراز اور اس کو تکمیل کے مرحلہ سے ہمکنار فرمائے اس کام میں معاون بننے والے حضرات کے لیے اسے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین یارب العٰلمین۔

تحریکِ دعوت توحید پاکستان

خلافت کی تحریک ہو یا جہاد فی سبیل اللہ، شانِ صحابہ ہو یا وطن عزیز کی سالمیت اور حقوقِ انسانیت کا تحفظ سب کی افادیت درجہ بہ درجہ لیکن دعوتِ ''لا الٰہ الا اللہ'' کی عظمت و برکات کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ تحریک کا مقصد اللہ کی رضا، رسالتِ مآب ﷺ سے وفا اور بندوں کو اللہ تعالیٰ کی خالص بندگی پر آمادہ کرنا ہے۔ اسی کے لیے انبیاء دنیا میں تشریف لائے اسی پر آدمی کی نجات کا دارومدار ہے لہٰذا توحید سمجھیں، اسے آگے پھیلائیں اور اس کے تقاضے پورے کریں تاکہ ہمارے اخلاق، اعمال سنور جائیں اور ہم جنت کے وارث قرار پائیں۔ یہ کوئی الگ اور مستقل جماعت نہیں اس لیے آپ اپنی اپنی جماعتوں اور منصب پر رہتے ہوئے اس کے ساتھ اخلاقی اور تبلیغی تعاون فرمائیں تاکہ لوگ شرک اور اس کے نقصانات سے بچیں اور توحید کی برکات سے دنیا اور آخرت میں سرفراز ہوسکیں۔

میاں محمد جمیل: کنوینر تحریک دعوتِ توحید پاکستان

عنواناتِ جلد دوم

پارہ......(۱۰)

مضامینِ جلد دوم

پارہ……(۶)

لَا	يُحِبُّ	اللّٰهُ	الْجَهْرَ	بِالسُّوْٓءِ	مِنَ	الْقَوْلِ
نہیں	پسند کرتا	اللہ	ظاہر کو	برائی	سے	بات کو

اِلَّا	مَنْ	ظُلِمَ ؕ	وَكَانَ	اللّٰهُ	سَمِيْعًا	عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾
مگر	جو	ظلم کیا گیا ہو	اور ہے	اللہ	خوب سننے والا	خوب جاننے والا

اِنْ	تُبْدُوْا	خَيْرًا	اَوْ تُخْفُوْهُ	اَوْ تَعْفُوْا	عَنْ	سُوْٓءٍ
اگر	تم علانیہ کرو	کوئی بھلائی	یا اسے خفیہ کرو	یا تم معاف کردو	سے	برائی

فَاِنَّ	اللّٰهَ	كَانَ	عَفُوًّا	قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾
تو یقیناً	اللہ	ہے	معاف کرنے والا	بڑی قدرت والا

”اللہ تعالیٰ بری بات کے اظہار کو پسند نہیں کرتا مگر جو مظلوم ہو اور اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔(۱۴۸) اگر تم کوئی نیکی ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ یا برائی سے درگزر کرو تو یقیناً اللہ بہت معاف کرنے والا، ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔“(۱۴۹)

فہم القرآن

ربط کلام: سابقہ آیات میں منافقوں کی دین اور مسلمانوں کے بارے میں ہرزہ سرائی اور نماز میں جان بوجھ کر غفلت اختیار کرنے کی سزا بیان کرنے کے بعد تائب ہونے والوں کو قدر افزائی کا مژدہ سنایا۔ ہرزہ سرائی سے باز نہ آنے والوں کی ایذا رسانی کے مقابلے میں مومنوں کو ایک حد تک ان کے خلاف لب کشائی کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ بداخلاقی کے مقابلے میں بھی بدخلقی کو پسند نہیں کرتا لیکن انسان کمزور اور کم حوصلہ واقع ہوا ہے اس لیے دشمن کی ایذا رسائی کے مقابلہ میں مظلوم اور دکھیارے مسلمانوں کو اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ ظالم کے ظلم کو آشکار کر سکیں تاکہ مظلوم کے ردّ عمل اور معاشرے کے اخلاقی دباؤ کی وجہ سے ظالم اپنے آپ میں شرمندگی محسوس کرتے ہوئے ظلم سے باز آجائے۔ دکھی انسان کو اس لیے بھی یہ حق دیا گیا ہے کہ غم میں اس کا دم گھٹنے نہ پائے اور اظہار غم سے اس کا دکھ ہلکا اور جذبات ٹھنڈے ہو جائیں۔ مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے شاگرد رشید حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس فرمان میں مظلوم کو ظالم کے خلاف بددعا کرنے کا مکمل حق دیا گیا ہے اور یہ بھی اجازت دی گئی ہے کہ وہ اپنی بپتا دوسروں کو سنائے اور ظلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر سکے۔ البتہ احتجاج کرتے ہوئے کسی مظلوم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اخلاقی حدوں سے تجاوز کرتے ہوئے ظلم کی حدود میں داخل ہو جائے کیونکہ قرآن کا طے شدہ اصول ہے۔ تاہم مظلوم کو بدزبانی کے مقابلہ میں لب کشائی کا حق دینے کے باوجود بردباری اور حوصلہ مندی کا سبق دیا ہے کہ تم اعلانیہ معاف کرو یا دل ہی دل میں اس تکلیف کی ٹیس کو برداشت کرو۔ اگر یہ نہیں ہو سکتا تو درگزر سے کام لینا چاہیے۔ اس سے برائی بڑھنے کی بجائے دب جائے گی اور یہ اس لیے بھی بہتر ہے کہ جو لوگ منافقوں اور ان کی سازشوں کو نہیں جانتے وہ یہ پروپیگنڈہ بھی نہ کر سکیں گے کہ مسلمان آپس میں دست و گریبان ہیں جس

سے مسلمانوں کی ساکھ اور وقار کو دھچکا لگنے کا اندیشہ ہوسکتا ہے۔ ایسی صورت حال میں ایک موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابی کی شرارتوں اور سازشوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے رسول کریم ﷺ سے اجازت طلب کی تھی کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں عبداللہ بن ابی کا سر قلم کردوں لیکن آپ ﷺ نے یہ کہہ کر منع فرمایا کہ لوگ کہیں گے ((انَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ اَصْحَابَهُ)) [رواہ مسلم: کتاب البر و الصلة، باب نصر الأخ ظالما ...] ''کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔''

معافی اور درگزر کا سبق دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی چار صفات کا ذکر فرمایا ہے کہ تمہارا رب سب کچھ سننے اور جاننے کے باوجود لوگوں کو معاف کرنے والا ہے۔ اس لیے اللہ والوں کی یہ شان ہونی چاہیے کہ وہ ظلم کا بدلہ لینے کی طاقت رکھنے کے باوجود لوگوں کو معاف کرنے کی عادت اپنائیں۔ سننے اور جاننے کی صفت بیان فرما کر ظالم اور مظلوم کو آگاہ کیا ہے کہ ظالم کا ظلم اور مظلوم کی مظلومیت اللہ سے پوشیدہ نہیں اس میں ظالم کو انتباہ اور مظلوم کو ایک گونا تسلی دی گئی ہے۔

((قِيلَ نزلَتِ الآيَةُ فِي أَبِي بَكرٍ رضی اللہ عنہ ، فَإِنَّ رَجُلاً شَتَمَهُ فَسَكَتَ مِرَاراً ، ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ ، فَقَالَ أَبُو بَكرٍ شَتَمَنِي وأَنْتَ جَالِسٌ ، فَلَمَّا رَدَدتُ عَلَيهِ قُمتَ ، قَالَ إِنَّ مَلِكًا كَانَ يُجِيبُ عَنكَ ، فَلَمَّا رَدَدتَ عَلَيْهِ ذَهَبَ ذٰلِكَ الْمَلَكُ وَجَاءَ الشَّيْطَانُ ، فَلَمْ أَجلِسْ عِندَ مَجِيءِ الشَّيطَانِ)) (تفسیر الرازی)

''ایک موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک شخص بدزبانی کر رہا تھا تنگ آکر جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس جیسی زبان استعمال کی تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم صبر اور درگزر کر رہے تھے تو تمہاری طرف سے ایک فرشتہ جواب دے رہا تھا جب تم نے اس کا جواب دیا تو اس کی جگہ اب شیطان آ گیا ہے۔'' (رازی) آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((لَيسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِندَ الْغَضَبِ)) [رواہ البخاری: کتاب الادب، باب الحذر]

''قوی اور طاقتور وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ بری بات کو پسند نہیں کرتا۔
۲۔ مظلوم کی زبان سے نکلی ہوئی بری بات پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ ہر بات کو سننے والا اور جاننے والا ہے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ گناہ معاف کرنے پر قادر ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کس بات کو پسند نہیں کرتا:

۱۔ اللہ تعالیٰ بے حیائی کو پسند نہیں کرتا۔ (النساء:۲۲)
۲۔ اللہ تعالیٰ فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (النساء:۳۶)
۳۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (النساء:۱۰۷)
۴۔ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (المائدۃ:۶۴)
۵۔ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (الانعام:۱۴۲)
۶۔ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (النحل:۲۳)
۷۔ اللہ تعالیٰ اترانے والے کو پسند نہیں کرتا۔ القصص:۷۶)
۸۔ اللہ تعالیٰ کفر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (الروم:۴۵)
۹۔ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (الشوریٰ:۴۰)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ
بیشک لوگ کفر کرتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے رسولوں اور وہ چاہتے ہیں

اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ
یہ کہ تفریق کریں درمیان اللہ اور اس کے رسولوں اور وہ کہتے ہیں ہم ایمان لاتے ہیں

بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ
بعض کے ساتھ اور ہم انکار کرتے ہیں بعض کا اور وہ چاہتے ہیں یہ کہ اختیار کریں درمیان

ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝١٥٠ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَ اَعْتَدْنَا
اس کے کوئی راہ یہ لوگ وہی ہیں کافر حقیقتاً اور ہم نے تیار کیا ہے

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝١٥١
کافروں کے لیے عذاب ذلیل کرنے والا

”بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کوئی راستہ اختیار کریں۔ (۱۵۰) یہی لوگ پکے کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“ (۱۵۱)

فہم القرآن

ربط کلام: منافقوں کے بعد کفار کی ایک اور قسم اور ان کے کفر کا بیان۔

یہاں کفار کے ایسے کفر کی نشاندہی کی گئی ہے جس سے کچھ لوگ مخلص مسلمانوں کو مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نبی آخر الزمان ﷺ یا کسی ایک نبی کا انکار کرتا ہے تو اُسے اسلام سے خارج نہیں سمجھنا چاہیے ایسے لوگ بھول جاتے ہیں کہ ایمان کا پہلا اور آخری تقاضا یہ ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا حکم تسلیم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جس ایمان کا انسان سے مطالبہ کیا ہے اس کے کئی اجزاء ہیں جسے شرعی اصطلاح میں ایمان مفصل کہا جاتا ہے جب تک ایمان کے تمام اجزاء کو تسلیم نہیں کیا جاتا کسی آدمی کو ایمان دار کہلوانے کا حق نہیں پہنچتا۔ ایمان کے تین بنیادی اجزاء ہیں ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرت۔ یہ مجمل ایمان ہے باقی اجزاء اس کی تفصیل ہیں یہاں ایمان کے دوسرے بنیادی جزء یعنی ایمان بالرسالت کی تفصیل بیان ہوئی ہے کہ جو شخص کچھ انبیاء کو مانتا ہے اور کچھ یا کسی ایک کا انکار کرتا ہے اس کا ایمان نہ صرف قابل قبول نہیں بلکہ وہ حقیقت میں پکا کافر ہے۔

اس لیے کہ تمام کے تمام انبیاء ؊ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ اور ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کرنے والے تھے کسی ایک نبی کے منکر کو اس لیے بھی ایماندار تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ ہر نبی اور اس کی تعلیمات رسالت مآب ﷺ کی تصدیق کرتی

ہیں لیکن انکار کرنے والا محض ہٹ دھرمی اور تعصب کی بنیاد پر نبی آخر الزماں ﷺ یا کسی نبی کا انکار کرتا ہے یہ احمقانہ بات ہے اور اسلام ایسی حماقت کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔

اسی بنیاد پر یہودی اور عیسائی کافر قرار پاتے ہیں کیونکہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کو نبی نہیں مانتے اور عیسائی رسالت مآب ﷺ کے منکر ہیں۔ کفر کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص قرآن کو مانتا ہے لیکن مستند حدیث کو یہ کہہ کر رد کرتا ہے کہ بس ہمیں قران ہی کافی ہے۔ ایسا شخص اللہ اور اُسکے رسول کے فرامین کے درمیان تفریق پیدا کرتا ہے۔ جو اللہ اور اُسکے رسول کے درمیان تفریق ڈالنے کے مترادف ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص بھی دائرہ اسلام سے خارج تصور ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو صحیح طور پر سمجھنے اور ان پر کما حقہ عمل کرنے کے لیے نبی آخر الزمان ﷺ کو مبعوث کیا گیا ہے جس کی عملی تفسیر نمونہ حدیث ہے۔ جو رسول ﷺ کی تفسیر اور آپ کی سنت نہیں مانتا اسے کیونکر مسلمان تسلیم کیا جائے؟ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے فرمان میں تفریق کرتے ہیں وہ کافر ہیں۔ ان کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب تیار کیا گیا ہے۔

((عَنْ أَبِي رَافِعٍ رضی اللہ عنہ وَغَيْرِهِ رَفَعَهُ قَالَ لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلَى أَرِيكَتِهِ يَأْتِيهِ أَمْرٌ مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللَّهِ اتَّبَعْنَاهُ)) [رواہ الترمذی: کتاب العلم]

”حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ ان کے علاوہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس حدیث کو نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا میں تم سے کسی کو اس طرح نہ پاؤں کہ اس کے پاس میرا کوئی فرمان آئے جس میں کسی چیز کا حکم یا کسی کام سے منع کیا گیا ہو تو وہ کہے میں اسے نہیں جانتا ہم تو فقط اس کی پیروی کریں گے جو اللہ کی کتاب میں موجود ہے۔“

مسائل

۱۔ کسی ایک نبی کا انکار کرنا دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے مترادف ہے۔

۲۔ اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات میں تفریق کرنا کفر ہے۔ ۳۔ کافروں کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

تفریق سے بچنا چاہیے:

۱۔ اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے درمیان تفریق جائز نہیں۔ (النساء: ۸۰۔۱۵۰)

۲۔ مومن انبیاء کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔ (البقرۃ: ۲۸۵)

۳۔ دین کو قائم کرو اور تفریق میں نہ پڑو۔ (الشوریٰ: ۱۳) ۴۔ مومن پہلی کتب آسمانی پر ایمان لاتے ہیں۔ (البقرۃ: ۴)

۵۔ بہت سے راستوں کی اتباع نہ کرو ورنہ تفریق میں پڑ جاؤ گے۔ (الانعام: ۱۵۴)

۶۔ سب مل کر اللہ کی رسی کو پکڑ لو اور تفریق سے بچو۔ (آل عمران: ۱۰۳)

۷۔ تفریق اور اختلاف کرنے والوں کی طرح نہ ہو جاؤ۔ (آل عمران: ۱۰۵) ۸۔ مومن سب انبیاء پر ایمان لاتے ہیں۔ (البقرۃ: ۲۸۵)

وَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	بِاللّٰهِ	وَرُسُلِهٖ	وَلَمْ	يُفَرِّقُوْا	بَيْنَ
اور وہ لوگ جو	ایمان لائے	اللہ کے ساتھ	اور اس کے رسولوں	اور نہیں	انہوں نے تفریق کی	درمیان
اَحَدٍ	مِّنْهُمْ	اُولٰٓئِكَ	سَوْفَ	يُؤْتِيْهِمْ	اُجُوْرَهُمْ ؕ	وَكَانَ
کسی ایک کے	ان میں سے	یہ لوگ	جلد	وہ دے گا ان کو	ان کے اجر	اور ہے
اللّٰهُ	غَفُوْرًا	رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾ ع				
اللہ	بخشنے والا	نہایت رحم کرنے والا				

''اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہ کی یہی وہ لوگ ہیں کہ عنقریب اللہ انہیں ان کے اجر دے گا اور اللہ بہت ہی بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' (۱۵۲)

فہم القرآن

ربط کلام: منافقین اور کفار کا ذکر کرنے کے بعد سچے اور پکے مسلمان کی نشاندہی کی جا رہی ہے۔

ایمانِ کامل کا یہ تقاضا ہے کہ اللہ کے تمام رسولوں پر ایمان لایا جائے کہ وہ اپنے اپنے زمانے میں اللہ کے برگزیدہ رسول تھے اور اُنہوں نے ٹھیک ٹھیک طریقہ سے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچایا۔ جس بنا پر مقام رسالت کے حوالے سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کیا جا سکتا۔ پہلے انبیاء پر صحیح ایمان لانے کا تقاضا تبھی پورا ہو سکتا ہے کہ جب جناب رسالت مآب محمد ﷺ کو آخری نبی تسلیم کیا جائے کیونکہ تمام انبیاء اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کی نبوت کا اقرار کر چکے ہیں۔ (آل عمران: ۸۱) انہوں نے اپنی اپنی امت کو یہی پیغام دیا تھا بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کے لیے دعا کی اور آپ کی جائے نبوت کی نشان دہی فرمائی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو کہ آپ سے پہلے نبی ہیں انہوں نے بنی اسرائیل کو آپ کی تشریف آوری کی خوشخبری دی اور آپ کے اسم گرامی سے آگاہ فرمایا۔ لہٰذا جو لوگ اس طرح ایمان لائیں گے وہ اللہ کے ہاں بے حد وحساب اجر پائیں گے۔ بتقاضائے بشریت سرزد ہونے والی ان کی خطاؤں اور گناہوں کو معاف کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ [البقرہ: ۱۲۹]

''اے ہمارے رب اِن میں ایک رسول بھیج جو انہی میں سے ہو وہ ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاکیزہ بنائے بلاشبہ تو غالب اور حکمت والا ہے''

﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ م بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾ [الصّف:٦]

''اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں یقیناً تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں اور پہلے سے نازل شدہ تورات کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا۔اس کا نام احمد ہوگا۔''

﴿وَاِذْاَخَذَاللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ [آل عمران:٨١]

''اور جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے یہ عہد لیا کہ اگر میں تمہیں کتاب وحکمت عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس کتاب کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے تمہیں لازماً ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنا ہوگی اللہ تعالیٰ نے پوچھا کیا تم اقرار کرتے ہو اور میرے اس عہد کی ذمہ داری قبول کرتے ہو؟ انبیاء نے کہا ہم اقرار کرتے ہیں فرمایا گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں''

((عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ السُّلَمِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ وَإِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ وَسَأُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِ ذٰلِكَ دَعْوَةِ أَبِي إِبْرَاهِيمَ علیہ السلام وَبِشَارَةِ عِيسٰى علیہ السلام قَوْمَهُ وَرُؤْيَا أُمِّي الَّتِي رَأَتْ أَنَّهُ خَرَجَ مِنْهَا نُورٌ أَضَاءَتْ لَهُ قُصُورُ الشَّامِ وَكَذٰلِكَ تَرَى أُمَّهَاتُ النَّبِيِّينَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ))[رواه احمد]

''حضرت عرباض بن ساریہ سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں قرآن مجید میں مجھے خاتم النبیین قرار دیا گیا ہے اس وقت سے جب حضرت آدم علیہ السلام ابھی مٹی اور روح کے درمیان تھے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ ماجدہ کا خواب ہوں میری والدہ نے دیکھا کہ ان کے وجود سے ایک روشنی نکلی جس سے ملک شام کے محلات روشن ہوگئے۔اور اسی طرح ہی انبیائے کرام علیہم السلام کی مائیں دیکھا کرتی تھیں۔''

مسائل

١۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ بلاتفریق تمام انبیاء پر ایمان لایا جائے۔

٢۔ کامل ایمان والوں کے لیے بے حد وحساب اجر ہوگا۔

٣۔ اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کرنے اور رحم کرنے والا ہے۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ
وہ آپ سے سوال کرتے ہیں اہل کتاب یہ کہ آپ اتار لائیں ان پر کتاب سے

السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا
آسمان بے شک انہوں نے سوال کیا موسیٰ سے بڑی بات کا اس سے بھی اور انہوں نے کہا

اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ
تو دکھا ہم کو اللہ بالکل سامنے تو پکڑ لیا انہیں بجلی نے ان کے ظلم کے سبب پھر

اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ
انہوں نے پکڑ لیا بچھڑے کو (معبود) سے بعد اس کے جو آ چکے ان کے پاس واضح دلائل

فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾
تو ہم نے معاف کر دیا سے یہ اور ہم نے دیا موسیٰ کو غلبہ واضح

"اہل کتاب آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کتاب اتار لائیں۔ یقیناً یہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑی بات کا مطالبہ کر چکے ہیں۔ انہوں نے کہا ہمیں اللہ کو بالکل سامنے دکھلاؤ تو ان کے ظلم کی وجہ سے انہیں بجلی نے پکڑ لیا، پھر انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا، حالانکہ ان کے پاس واضح نشانیاں آچکی تھیں تو ہم نے ان سے درگزر کیا اور ہم نے موسیٰ کو واضح غلبہ عطا فرمایا۔" (۱۵۳)

فہم القرآن

ربط کلام: اہل کتاب موقعہ بموقعہ مختلف الفاظ اور انداز میں نبی کریم ﷺ کی نبوت پر اعتراض اُٹھاتے رہتے تھے اسی سبب سے وہ آپ کی نبوت کا انکار اور انبیاء کے درمیان تفریق کرتے تھے جس کا سورۃ الانعام، آیت: ۱۲۴ میں یہ جواب دیا گیا۔

کسی کو نبوت عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہوا کرتا ہے جس کے بارے وہی جانتا ہے کہ کون سے کندھے بار نبوت اُٹھا سکتے ہیں اور کس کا سینہ انوار نبوت کو سما سکتا ہے اور کون سی زبان اس کا حق ادا کر سکتی ہے اہل کتاب کے اعتراض کا مقصد یہ تھا کہ نبوت ہماری بجائے اسماعیل علیہ السلام کے خاندان کو نہیں ملنی چاہیے تھی اب اہل کتاب اس بات کو دوسرے انداز میں پیش کرتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ اے محمد کتاب تجھ پر نازل ہوئی ہے اور ہم پر نہیں اُتری۔ ہم تب ایمان لائیں گے کہ جب ہم پر کتاب نازل کی جائے اور اس میں ہمیں براہ راست ایمان لانے کی دعوت دی جائے۔ یہاں اس بیہودہ سوال کا جواب فقط اتنا ہی دیا گیا ہے کہ یہ لوگ اس سے بڑھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لا یعنی سوال کر چکے ہیں۔ جب کوہ طور سے موسیٰ علیہ السلام لکھی ہوئی کتاب ان کے پاس لائے تو یہ کہنے لگے کہ ہم اس کتاب کی تصدیق تب ہی کر سکتے ہیں کہ جب ہم براہ راست اللہ تعالیٰ کو خود دیکھ لیں ہمیں یقین ہو کہ واقعی ہی اللہ تعالیٰ کوہِ طور پر آکر آپ سے ہم کلامی کرتا ہے تب اُن کے گستاخانہ مطالبے کی پاداش میں

کڑک نے انہیں آلیا اور وہ اُس وقت مر گئے لیکن موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے صلہ میں انہیں دوبارہ زندہ کیا گیا۔(الاعراف:۱۵۵)
اس جواب کے ساتھ ان کے جرائم پر مشتمل درج ذیل فردِ جرم عائد کر دی گئی جس میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ ایسی باتیں کرنا ان کا پرانا وطیرہ ہے اس کے ساتھ بھی مسلمانوں کو بے مقصد سوال کرنے سے احتراز کرنے کی نصیحت کی گئی ہے اور یہود کو انتباہ کیا گیا ہے کہ باز آجاؤ تمہاری بھلائی اسی میں ہے ورنہ تمہارے آباؤ اجداد کی طرح تمہیں بھی نیست و نابود کر دیا جائے گا۔

ہاں تم وہی لوگ ہو جنہیں موسیٰ علیہ السلام نے بڑے بڑے معجزات دکھائے جن میں موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کا چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکنا، لاٹھی کا اژدہا بن کر جادوگروں کی رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل جانا، ملک کے جادوگر جو مصر کے چنے ہوئے دانشور تھے ان کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا، بنی اسرائیل یعنی تمہارا بحفاظت دریا عبور کرنا، فرعون اور اُس کے لشکروں کا غرقاب ہونا۔ ان عظیم معجزات کے باوجود جب حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر گئے تو تمہارا بچھڑے کو مشکل کشا اور معبود بنانا ان بڑے جرائم کے باوجود ہمارا تم کو معاف کر دینا۔

یہودیوں کی گستاخیاں اور بے ہودہ اعتراض:

۱۔ سرورِ دو عالم ﷺ پر اعتماد اور یقین کرنے کے بجائے اپنے آپ پر کتاب نازل کیے جانے کا مطالبہ کرنا۔
۲۔ اللہ تعالیٰ کو براہ راست دیکھنے کا مطالبہ کرنا۔ ۳۔ بچھڑے کو معبود بنانا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے پختہ عہد کو توڑنا۔
۵۔ سجدہ کرنے کی بجائے کلام اللہ کو بدلنا اور تمرد اختیار کرنا۔ ۶۔ ہفتہ کے دن مچھلیاں پکڑنا۔ ۷۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنا۔
۸۔ انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنا۔ ۹۔ تعصب اور حسد کی وجہ سے اپنے دلوں کو ملفوف قرار دینا۔
۱۰۔ حضرت مریم علیہا السلام پر بدکاری کا الزام لگانا۔ ۱۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا دعویٰ کرنا۔

مسائل

۱۔ بے مقصد سوال کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کرنا پرلے درجے کی گستاخی ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو واضح دلائل عطا فرمائے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو بار بار معاف کیا۔

تفسیر بالقرآن

یہودیوں کے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبات:

۱۔ ہم اللہ کو اپنے سامنے دیکھنا چاہتے ہیں۔(البقرۃ:۵۵) ۲۔ ہم ایک کھانے پر اکتفا نہیں کر سکتے۔(البقرۃ:۶۱)
۳۔ گائے کے بارے میں بار بار سوال کرنا۔(البقرۃ:۶۸)
۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کے لیے پانی طلب کرنا۔(البقرۃ:۶۰)
۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقتول کے بارہ میں سوال کرنا۔(البقرۃ:۷۲)
۶۔ قوم کا مختلف عذابوں سے نجات کے لیے درخواست کرنا۔(الاعراف:۱۳۴)

وَرَفَعْنَا	فَوْقَهُمُ	الطُّوْرَ	بِمِيْثَاقِهِمْ	وَقُلْنَا	لَهُمُ	ادْخُلُوا	
اور ہم نے بلند کیا	ان پر	طور	ان سے پختہ عہد لینے کے لیے	اور ہم نے کہا	ان کے لیے	تم داخل ہو جاؤ	
الْبَابَ	سُجَّدًا	وَّقُلْنَا	لَهُمْ	لَا	تَعْدُوْا	فِي	
دروازے (میں)	سجدہ کرتے ہوئے	اور ہم نے کہا	ان کے لیے	نہ	تم زیادتی کرو	میں	
السَّبْتِ	وَاَخَذْنَا	مِنْهُمْ	مِّيْثَاقًا	غَلِيْظًا ﴿١٥٤﴾	فَبِمَا		
ہفتہ کے دن	اور ہم نے لیا	ان سے	عہد	پکا	تو بوجہ		
نَقْضِهِمْ	مِّيْثَاقَهُمْ	وَكُفْرِهِمْ	بِاٰيٰتِ	اللّٰهِ	وَقَتْلِهِمُ		
ان کے توڑنے کے	اپنے عہد کو	اور ان کا کفر کرنا	آیات کے ساتھ	اللہ کی	اور ان کا قتل کرنا		
الْاَنْبِيَآءَ	بِغَيْرِ	حَقٍّ	وَّقَوْلِهِمْ	قُلُوْبُنَا	غُلْفٌ	بَلْ	
انبیاء کو	بغیر	حق	اور ان کا کہنا	ہمارے دل	پردوں (میں ہیں)	بلکہ	
طَبَعَ	اللّٰهُ	عَلَيْهَا	بِكُفْرِهِمْ	فَلَا	يُؤْمِنُوْنَ	اِلَّا	
مہر لگا دی	اللہ نے	ان پر	بوجہ ان کے کفر کے	سو نہیں	وہ ایمان لائیں گے	مگر	
قَلِيْلًا ﴿١٥٥﴾							
تھوڑے							

”اور ہم نے ان سے پختہ عہد لینے کے لیے ان پر پہاڑ کو اٹھایا اور ہم نے ان کو کہا سجدہ کرتے ہوئے دروازے میں داخل ہو جاؤ اور ہم نے ان سے کہا کہ ہفتے کے دن میں زیادتی نہ کرنا اور ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا (۱۵۴) پھر انکے اپنا عہد توڑنے کی وجہ سے اور ان کا اللہ کی آیات کا انکار کرنے اور ان کا انبیاء کو کسی حق کے بغیر قتل کرنے اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں اللہ نے ان پر ان کے کفر کی وجہ سے مہر لگا دی تو وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر بہت کم۔“ (۱۵۵)

فہم القرآن

ربط کلام: یہودی نبی ﷺ کی نبوت پر ہی اعتراض اور سوال نہیں کرتے بلکہ انھوں نے ہر نبی کی ذات پر الزامات لگائے اور اس کی نبوت پر اعتراض کیے۔ ایسا کرنا ان کی پرانی عادت ہے۔

اللہ تعالیٰ کو براہ راست دیکھنے کا مطالبہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چند دنوں کی غیر حاضری پر بچھڑے کو معبود بنانا اور بعد از اں اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر کوہِ طور منڈلا کر اس بات کا عہد لیا کہ آئندہ تورات کے احکامات پر سختی کیساتھ عمل کرتے رہو گے۔

یہاں اہل کتاب سے مراد صرف یہودی ہیں جو کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ سے پختہ اقرار کرنے کے باوجود اپنے عہد سے منحرف ہو گئے فتح ایلیاء یعنی بیت المقدس کی کامیابی کے وقت انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ تم اللہ کے حضور سجدہ کرتے اور معافی مانگتے ہوئے شہر کے دروازے میں داخل ہونا۔ لیکن انھوں نے نہ صرف استکبار اور جور و استبداد کا مظاہرہ کیا بلکہ سرے سے ہی فرمان الٰہی حِطَّةٌ کو حِنْطَةٌ میں تبدیل کر دیا، جب انہیں ہفتہ کے دن میں عبادت کرنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے مچھلیاں پکڑنے کے لیے حیلہ بازی سے کام لیا۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی آیات کا مسلسل انکار کرنے اور انبیائے کرام علیہم السلام کو ناحق قتل کرنے کے سنگین جرم میں ملوث ہوئے، جب انہیں ان جرائم سے باز رہنے کی تلقین کی جاتی تو دنیاوی مفادات کے حصول اور طبعی رعونت کی بنا پر انبیاء اور صالحین کو جواب دیتے کہ ہمیں تمہاری باتیں سمجھ میں نہیں آتیں جسکا دوسرا معنی یہ تھا کہ تم جس قدر چاہو ہمیں سمجھاؤ۔ ہم اپنی ضد سے باز آنے والے نہیں ہیں۔ اس طرح حق کے مقابلہ میں تعصب کی انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ جس تعصب اور رعونت پر وہ فخر کرتے تھے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے غضب کا نتیجہ تھا۔ جس وجہ سے ان کے دلوں پر کفر کی مہریں ثبت کر دی گئیں اسی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام جیسی پاکدامنہ خاتون پر بدکاری کا سنگین الزام عائد کیا اور اب تک یہودی ایسی یاوہ گوئی کرتے ہیں۔ اسی لیے یہودیوں میں بہت کم لوگ اسلام قبول کرتے ہیں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو عاجزی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

۲۔ بنی اسرائیل عہد شکن قوم ہے۔

۳۔ یہودی انبیاء کے قاتل ہیں۔

۴۔ آدمی کی بار بار سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی رفعت عطا کرنے والا ہے:

۱۔ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا۔ (الرعد: ۲)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی۔ (الانعام: ۱۶۶)

۳۔ ہم نے حضرت ادریس کو اعلیٰ مقام پر اٹھایا۔ (مریم: ۵۷)

۴۔ اللہ ہی درجات بلند کرنے والا ہے۔ (الانعام: ۸۳)

۵۔ اللہ نے اہل علم کے درجات کو بلند فرمایا ہے۔ (المجادلۃ: ۱۱)

۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا ہے۔ (النساء: ۱۵۸)

۷۔ نیک عمل اللہ تعالیٰ کی طرف بلند ہوتے ہیں۔ (الفاطر: ۱۰)

وَّبِكُفۡرِهِمۡ وَقَوۡلِهِمۡ عَلٰى مَرۡيَمَ بُهۡتَانًا عَظِيۡمًا ﴿۱۵۶﴾

بہت بڑا	بہتان	مریم	پر	اور ان کا کہنا کے	اور بوجہ ان کے کفر کے

''اور ان کے کفر اور ان کے مریم پر بہت بڑا بہتان باندھنے کی وجہ سے۔'' (۱۵۶)

فہم القرآن

ربط کلام: یہودیوں کے جرائم کی فہرست جاری ہے۔

یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس قدر تعصب کا شکار ہوئے کہ اُنھوں نے نہ صرف عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش کی بلکہ انکی عابدہ اور عفیفہ ماں حضرت مریم علیہا السلام پر بدکاری کا الزام عائد کیا حالانکہ حضرت مریم علیہا السلام کی حیات طیبہ اور ان کے خاندان کا تقدس ضرب المثل اور شہرہ آفاق تھا۔ اس کیساتھ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ ماجدہ کی برأت کی شہادت اور اپنی نبوت کی اس وقت گواہی دی جب آپ چند دنوں کے نومولود تھے۔ اس معجزانہ اور معصومانہ گواہی کے چرچے سارے عالم میں اس طرح مشہور اور گہرے اثرات کے حامل ہوئے جس سے لوگ حضرت مریم علیہا السلام کی تقدیس و تکریم کے اس قدر معترف ہوئے کہ کوئی بدکار سے بدکار شخص بھی حضرت مریم کے بارے میں بُرے خیالات کا اظہار تو درکنار منفی سوچ کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن جونہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تیس سال کے بعد توحید خالص کا پرچار اور پیغمبرانہ دعوت کا آغاز کرتے ہوئے یہود کے سیاسی رہنماؤں اور مذہبی پیشواؤں کو ان کی کوتاہیوں پر ٹوکا تو یہ لوگ نہ صرف عیسیٰ علیہ السلام کے مخالف ہوئے بلکہ کمینگی میں اتنا آگے بڑھے کہ حضرت مریم علیہا السلام پر بدکاری اور بے حیائی کا الزام لگایا تاکہ عیسیٰ علیہ السلام کو ولد الزنا ثابت کر کے لوگوں کو ان سے متنفر کیا جائے۔ یہود کی بدزبانی اور الزام تراشی کا جواب دیتے ہوئے قرآن مجید نے نہ صرف عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ معظّمہ کی برات کا اظہار فرمایا بلکہ ان کے خاندانی پس منظر، عظیم تقدس اور ان کے نانا حضرت عمران کی کرامات اور ان کی نانی محترمہ کی عظیم قربانی جو انہوں نے حضرت مریم کو اللہ کی عبادت کے لیے وقف کرنے کی صورت میں دی اُس کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے یہ عیسائیوں پر قرآن مجید کا اتنا بڑا احسان ہے کہ جس کا وہ قیامت تک بدلہ نہیں چکا سکتے۔

مسائل

۱۔ یہودیوں کے کفر اور حضرت مریم علیہا السلام پر الزام لگانے کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہوئی۔

۲۔ حضرت مریم علیہا السلام پاکباز اور پاکدامن خاتون تھیں۔

وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

اور ان کا کہنا | یقیناً ہم نے | قتل کیا | مسیح | عیسیٰ | بن | مریم کو

رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ

رسول | اللہ کا | اور نہیں | انہوں نے ان کو قتل کیا | اور نہ | انہوں نے ان کو سولی پر دیا | اور بلکہ

شُبِّهَ لَهُمْ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ

شک میں ڈال دیا گیا | ان کے لیے | اور بیشک | وہ لوگ | انہوں نے اختلاف کیا | اس کے بارے میں | البتہ نہیں ہیں

شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ

شک | اس کے متعلق | نہیں | ان کے لیے | ان کے متعلق | سے | کوئی علم

اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝١٥٧

سوائے | پیچھے لگنے | ظن کے | اور نہیں | انہوں نے اس کو قتل کیا | یقیناً

''اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ بلاشبہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کیا، جو اللہ کا رسول تھا، حالانکہ نہ انہوں نے اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی پر چڑھایا اور بلکہ ان کے لیے اس کا شبیہ بنا دیا گیا اور یقیناً وہ لوگ جنہوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے عیسیٰ کے متعلق بڑے شک میں ہیں انہیں اس کے متعلق وہم کے پیچھے لگنے کے سوا کچھ پتہ نہیں اور انہوں نے اسے یقیناً قتل نہیں کیا۔'' (۱۵۷)

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح نبی آخر الزماں ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ میرے رسول بے دھڑک اپنا کام کرتے جائیے ہم آپ کو لوگوں کی سازشوں اور شرارتوں سے محفوظ رکھیں گے۔ اسی طرح ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ تیرے دشمن جتنی چاہیں سازشیں اور شرارتیں کر لیں وہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ میں تجھے تیرے دشمنوں سے بچاؤں گا چنانچہ یہودیوں نے جب عیسیٰ علیہ السلام کو تختہ دار پر لٹکانے کی کوشش کی تو جہاں عیسیٰ علیہ السلام محصور کیے گئے تھے انہیں لینے کے لیے یہودا نامی شخص اندر گیا جس کے بارے میں قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے کہ یہ غدار جب باہر آیا تو اسے عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شکل کر دیا گیا۔ قرآن مجید کی اس وضاحت کے باوجود بائبل میں لکھا ہے کہ سولی کے وقت عیسیٰ علیہ السلام کے چہرہ پر تھوکا گیا اور انہیں

بَلْ	رَّفَعَهُ	اللّٰهُ	اِلَيْهِ	وَكَانَ	اللّٰهُ	عَزِيْزًا حَكِيْمًا (۱۵۸)
بلکہ	اٹھالیاان کو	اللہ نے	اپنی طرف	اور ہے	اللہ	نہایت غالب · خوب حکمت والا

وَاِنْ	مِّنْ	اَهْلِ	الْكِتٰبِ	اِلَّا	لَيُؤْمِنَنَّ	بِهٖ
اورنہیں	سے	اہل	کتاب	مگر	وہ ضرور ایمان لائے گا	اس پر

قَبْلَ	مَوْتِهٖ ج	وَيَوْمَ	الْقِيٰمَةِ	يَكُوْنُ	عَلَيْهِمْ	شَهِيْدًا (۱۵۹)
پہلے	ان کی موت (سے)	اوردن	قیامت کے	وہ ہوں گے	ان پر	گواہ

''بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ ہر چیز پر نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے (۱۵۸) اور کوئی نہیں اہل کتاب میں مگر ان کی موت سے پہلے ان پر ضرور ایمان لائے گا اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوں گے۔'' (۱۵۹)

کانٹوں کا ہار پہنا کر بڑی ذلت کے ساتھ تختۂ دار پر لٹکایا گیا اگر ان روایات کو صحیح مان لیا جائے تو اس سے مراد وہ شخص ہے جو آخری وقت تک واویلا کرتا رہا کہ میں عیسیٰ نہیں یہودا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود اسے سولی پر لٹکا دیا گیا جہاں تک عیسیٰ علیہ السلام کی ذات اقدس کا معاملہ ہے اللہ تعالیٰ نے انھیں اس قدر جمال اور جلال بخشا تھا کہ کوئی شخص انکے سامنے ایسی حرکت کرنے کی جرات نہیں کرسکتا تھا اور ہر آڑے وقت میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل امین علیہ السلام انکی مدد کیا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق انہیں آسمانوں پر اُٹھا لیا اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اہل کتاب کے شرک اور بغاوت کے خلاف شہادت دیں گے۔

لوگوں کے تعجب کو دور کرنے اور نام نہاد دانشوروں کی دانش کو لگام دینے کے لیے عَزِيْزًا حَكِيْمًا کے الفاظ کے ذریعے وضاحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ انہیں آسمان کی طرف اُٹھانے اور ان کے دشمنوں سے بچانے پر قادر ہے اللہ تعالیٰ انھیں آسمان پر اٹھانے اور قیامت کے قریب زمین پر بھیجنے کا راز جانتا ہے لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بارے میں اختلاف کرنے والے صرف اٹکل پچو سے کام لے رہے ہیں۔ یہاں یہودیوں کے دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے وضاحت فرمائی کہ یقیناً عیسیٰ علیہ السلام سولی نہیں چڑھائے گئے۔ مزید ارشاد فرمایا کہ اہل کتاب اپنی موت سے پہلے اس بات پر ایمان لائیں گے یہاں اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زمین پر آمد اور انکی وفات کے وقت موجود ہوں گے۔ بعض لوگوں نے کچھ اقوال کی بنیاد پر لکھا ہے کہ '' قَبْلَ مَوْتِهٖ'' سے مراد ہر مرنے والا عیسائی اور یہودی ہے۔ جب یہودی اور عیسائی کو موت آتی ہے تو اُس کے سامنے ایسے قرائن لائے جاتے ہیں جس سے اُسے یقین آجاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ابھی زندہ ہیں لیکن اس بات کو کسی ٹھوس دلیل کے ساتھ ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ قَبْلَ مَوْتِهٖ الفاظ کا حقیقی معنی احادیث کی روشنی میں متعین ہو چکا ہے۔ یہودی عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکانے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کی تائید میں عیسائیوں کی اکثریت

نے اپنے مفاد کی خاطر یہ عقیدہ گھڑ لیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام واقعی ہی فوت ہو چکے ہیں۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے۔ یہودیوں کے دلائل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مرزائی کہتے ہیں کہ واقعی عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہو چکے ہیں جس عیسیٰ مسیح کے دوبارہ آنے کا حدیث میں ذکر ملتا ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ مرزا ہے جو مسیح بن کر آ چکا ہے لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ نہیں آئیں گے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَنْزِلَ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيرَ وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ وَيَفِيضَ الْمَالُ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ))[رواه البخاری: كتاب المظالم، بَاب كَسْرِ الصَّلِيبِ وَقَتْلِ الْخِنْزِيرِ]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام عادل حکمران کی حیثیت سے نہیں آئیں گے وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کردیں گے۔ جزیہ ختم کردیں گے۔ مال و دولت کی اس قدر بہتات ہوگی کہ صدقہ وخیرات لینے والا نہیں ہوگا۔‘‘

((عن عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ رضی اللہ عنہ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ مَكْتُوبٌ فِي التَّوْرَاةِ صِفَةُ مُحَمَّدٍ وَصِفَةُ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ علیہما السلام يُدْفَنُ مَعَهُ)) [رواه الترمذی: كتاب المناقب، بَاب فِي فَضْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم]

’’حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ تورات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی صفات لکھی ہوئی ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن ہوں گے۔‘‘

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قال قَالَ رَسُولُ اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَالْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتَّى، وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ))

[رواه البخاری: باب وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا]

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دنیا وآخرت میں عیسیٰ بن مریم کے زیادہ قریب ہوں اور تمام انبیاء علیہم السلام علاتی بھائی ہیں ان کی مائیں مختلف ہیں اور دین ایک ہی ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ یہودیوں نے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو نہ قتل کیا اور نہ ہی اُنہیں سولی پر لٹکایا۔

۲۔ عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے بارے میں لوگ اپنی طرف سے اٹکل پچو لگاتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اُٹھالیا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ ہر کام کرنے پر غالب اور اس کے ہر کام میں حکمت پنہاں ہوتی ہے۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ

تو وجہ ظلم کرنے سے وہ لوگ جو یہودی ہوئے ہم نے حرام کردیں ان پر کچھ پاک چیزیں

اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾

حلال کی گئی تھیں ان کے لیے اور وجہ ان کے روکنے کے سے راہ اللہ بہت زیادہ کو

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ

اور بوجہ ان کے لینے سود حالانکہ یقیناً وہ روکے گئے تھے اس سے اور ان کے کھانے کی وجہ مال (جمع)

النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾

لوگوں کے ناجائز اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے ان میں سے عذاب اذیت ناک

’’تو جو لوگ یہودی ہوئے ان کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر کچھ پاک چیزیں حرام کر دیں، جو ان کے لیے حلال کی گئی تھیں، اور ان کے اللہ کے راستے سے بہت زیادہ لوگوں کو روکنے کی وجہ سے (۱۶۰) اور ان کے سود لینے کی وجہ سے، حالانکہ انہیں اس سے منع کیا گیا تھا اور ان کا لوگوں کا ناجائز طریقے کے ساتھ مال کھانے کی وجہ سے اور ہم نے ان میں سے کفر کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔‘‘ (۱۶۱)

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ: یہودیوں کے جرائم کی فہرست جاری ہے۔

یہودیوں کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر زیادتیوں اور پے در پے حیلہ سازیوں، گستاخیوں اور تہمتوں کی وجہ سے جن میں انبیاء کو قتل کرنا، شرک کا ارتکاب کرنا، سود کو جائز قرار دینا حالانکہ ان پر حرام کیا گیا تھا، دوسروں کا ناجائز طریقے سے مال کھانے اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکشی اور تمرد میں کمی لانے اور انکی ہوس زر کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے چند حلال چیزوں کو ان پر حرام قرار دے دیا۔ جس طرح مریض کو بیماری سے بچانے کے لیے حکیم حاذق اس پر کچھ پابندیاں اور احتیاطیں لازم قرار دیتا ہے اگر مریض صحت یاب ہو جائے تو پابندیاں اٹھالی جاتی ہیں ورنہ انہی پابندیوں کے ساتھ مریض موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے یا مراعات یافتہ آدمی کو اس کی غلطی پر سرزنش کرنے کے لیے اس سے کچھ مراعات اور اختیارات واپس لے لیے جاتے ہیں۔ یہودیوں کیساتھ بھی ایسا ہی کیا گیا تاکہ وہ اپنی سرکشی و بغاوت سے باز آجائیں لیکن اُنہوں نے اپنی روایتی بغاوت کو برقرار رکھا اور پابندیوں اُٹھائے ہوئے انکی نسلیں ختم ہوگئیں جنہیں قیامت کے دن ہولناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تقریباً پانچ سو سال کے بعد عیسیٰ علیہ السلام نے آکر کچھ پابندیاں ختم

فرمائیں جن کا تذکرہ قرآن مجید کی آیت میں کیا گیا ہے۔ یہودیوں پر جو پابندیاں عائد کی گئی تھیں سورۃ الانعام ۱۴۶ میں بیان ہوئی ہیں۔

﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ﴾

[الأنعام:١٤٦]

''اوران لوگوں پر جو یہودی ہوئے ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کیا تھا نیز ان پر گائے اور بکری کی چربی بھی حرام کی الا یہ کہ وہ پشتوں، آنتوں سے لگی ہو یا ہڈیوں سے چمٹی ہوئی ہو۔ ہم نے ان کی سرکشی کی سزا کے طور پر ایسا کیا اور ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں۔''

مسائل

۱۔ آدمی کی ناشکری کی وجہ سے اللہ کی نعمتیں چھن جاتی ہیں۔
۲۔ یہودیوں کی سرکشی کم کرنے کے لیے چند حلال چیزیں ان پر حرام کی گئیں۔
۳۔ اللہ کے راستے سے روکنا بہت بڑا گناہ ہے۔
۴۔ سود اور ناجائز مال کھانے والوں کو دردناک عذاب ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

یہود ونصاریٰ کے ظلم:

۱۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دینے کی کوشش کی۔ (النساء:۱۵۷)
۲۔ اللہ تعالیٰ کی آیات میں تحریف کرنا۔ (النساء:۴۶)
۳۔ زبان مروڑ کر کلام اللہ کا مفہوم بدلنا۔ (آل عمران:۷۸)
۴۔ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دینا، اللہ کے راستہ سے روکنا، سود کھانا اور لوگوں کا مال غلط طریقہ سے کھانا۔ (النساء:۱۶۰، ۱۶۱)
۵۔ بار بار وعدہ کی خلاف ورزی کرنا، اللہ کی آیات کا انکار اور انبیاء کو قتل کرنا، حضرت مریم علیہا السلام پر الزام لگانا۔ (النساء:۱۵۵)

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ

لیکن | پختگی حاصل کرنے والے | میں | علم | ان میں سے | اور مومن (جمع) | وہ ایمان لاتے ہیں

بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ

اس پر جو | نازل کیا گیا | آپ کی طرف | اور جو | نازل کیا گیا | سے | پہلے آپ

وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

اور قائم کرنے والے ہیں | نماز | اور ادا کرنے والے ہیں | زکوۃ | اور ایمان رکھنے والے | ساتھ اللہ کے

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ ع

اور یوم | آخرت | یہ لوگ | عنقریب ہم ان کو دیں گے | اجر | بہت بڑا

ع ۲۲ / ۲

''لیکن ان میں سے وہ لوگ جو علم میں پختہ اور ایمان والے ہیں، وہ اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور جو نماز ادا کرنے والے اور زکوۃ دینے والے ہیں۔ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے والے ہیں۔ ان لوگوں کو ہم عنقریب بہت زیادہ اجر عطا کریں گے۔'' (۱۶۲)

فہم القرآن

ربط کلام: یہودیوں سے اچھے لوگوں کا استثنیٰ اور ان کی خوبیوں کا ذکر۔

قرآن مجید کے اسلوب بیان اور انصاف پسندی پر قربان جائیں جونہی یہود و نصاریٰ کے جرائم کی فہرست اور انکے مذہبی اور سیاسی راہنماؤں کے گھناؤنے کردار کا ذکر کرتا ہے۔ معاً ان کے نیک علماء اور زعما کے اچھے کردار کی تحسین کرتا ہے کہ بے شک انکی اکثریت برے لوگوں پر مشتمل ہے لیکن یہ تمام کے تمام ایسے نہیں ان میں ایسے لوگ بھی ہیں اور ہوں گے کہ جب بھی ان کے سامنے حقائق منکشف ہوتے ہیں تو وہ مذہبی تعصب اور گروہ بندی کی دیواریں توڑ کر حلقہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں اور تمام اعمال بجالاتے ہیں جن کا اسلام انہیں کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے دامن عمل میں ہر خیر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں جن سے ان کا رب راضی ہوتا ہے۔ ایسے خوش نصیب اور عظیم لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ عنقریب ان کو دنیا میں عزت و رفعت ملے گی اور آخرت میں اجر عظیم سے نوازا جائے گا۔ راسخ العلم کی سورہ آل عمران آیت ۷ میں تعریف کی گئی ہے کہ وہ متشابہات کے پیچھے لگنے کی بجائے مرکزی اور بنیادی احکام کو سامنے رکھتے ہوئے متشابہ آیات کا مفہوم متعین کرتے ہیں اور ان کے اوصاف یہ ہیں کہ یہ لوگ ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس سے استقامت اور رحمت کے طلبگار رہتے ہیں یہاں دین کے چار بنیادی عناصر کا ذکر کیا گیا ہے۔ کتب آسمانی اور قرآن مجید پر مکمل ایمان لانا نماز

کواس کے تقاضوں کے ساتھ ادا کرنا، زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرنا اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانا شامل ہے ایسے لوگوں کے اجر عظیم کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

((عن أَبِی بُرْدَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ ثَلَاثَةٌ یُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَیْنِ الرَّجُلُ تَكُونُ لَهُ الْأَمَةُ فَیُعَلِّمُهَا فَیُحْسِنُ تَعْلِیمَهَا وَیُؤَدِّبُهَا فَیُحْسِنُ أَدَبَهَا ثُمَّ یُعْتِقُهَا فَیَتَزَوَّجُهَا فَلَهُ أَجْرَانِ وَمُؤْمِنُ أَهْلِ الْكِتَابِ الَّذِی كَانَ مُؤْمِنًا ثُمَّ آمَنَ بِالنَّبِیِّ ﷺ فَلَهُ أَجْرَانِ وَالْعَبْدُ الَّذِی یُؤَدِّی حَقَّ اللّٰهِ وَیَنْصَحُ لِسَیِّدِهِ))

[رواه البخاری: کتاب الجهاد و السیر، باب فضل مَنْ أَسْلَمَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابَیْنِ]

''حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد گرامی کو نبی مکرم ﷺ کا فرمان بیان کرتے ہوئے سنا سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا تین طرح کے افراد کو دوہرا اجر عنایت فرمایا جائے گا ان میں سے ایک وہ ہوگا جس کے پاس لونڈی ہو اس نے اسے اچھی طرح تعلیم دی اور اس کو ادب سکھایا اچھے انداز سے اس کی تربیت کی پھر وہ اس کو آزاد کرتے ہوئے اس سے نکاح کرلے۔ دوسرا یہود و نصاریٰ کا وہ شخص جو اپنے دین میں پکا تھا اور بعد ازاں نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آیا اس کے لیے بھی دوہرا اجر ہے تیسرا وہ شخص جو غلام ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتے ہوئے اپنے مالک کے کام اور خدمت میں اس کی خیر خواہی کرتا ہے۔''

مسائل

۱۔ ارکان اسلام پر عمل کرنے والوں کے لیے اجر عظیم ہے۔

۲۔ آخرت پر یقین ایمان کا حصہ ہے۔

۳۔ قرآن مجید کے ساتھ پہلی کتب سماوی پر بھی ایمان لانا فرض ہے۔

تفسیر بالقرآن

ایمان کی مبادیات اور راسخ العلم کی صفت:

۱۔ غیب پر ایمان لانا، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا۔ (البقرۃ:۳)

۲۔ پہلی کتابوں پر مجموعی طور پر اور قرآن مجید پر کلی طور پر ایمان لانا۔ (البقرۃ:۴)

۳۔ اللہ، ملائکہ، اللہ کی کتابوں، اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا۔ (البقرۃ ۲۸۵)

۴۔ راسخ العلم کی صفت۔ (النساء:۱۶۲)

۵۔ صحابہ کرام جیسا ایمان لانا فرض ہے۔ (البقرۃ:۱۳۷)

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ

یقیناً ہم ہم نے وحی کی آپ کی طرف جیسے ہم نے وحی کی طرف نوح

وَّالنَّبِيِّنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ

اور انبیاء سے اس کے بعد اور ہم نے وحی کی طرف ابراہیم اور اسماعیل

وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ

اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد (جمع) اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس

وَهَٰرُونَ وَسُلَيْمَٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ۚ ﴿١٦٣﴾

اور ھارون اور سلیمان اور ہم نے دی داؤد کو زبور

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَٰهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا

اور کئی رسول بلاشک ہم نے بیان کیا ان کا حال آپ پر سے پہلے اور کئی رسول

لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾

نہیں بیان کیا ہم نے ان کا حال آپ پر اور کلام کیا اللہ نے موسیٰ سے کلام کرنا

''یقیناً ہم نے آپ کی طرف وحی کی ، جیسے ہم نے نوح اور اس کے بعد دوسرے انبیاء کی طرف وحی کی اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی کی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی۔ (۱۶۳) اور بہت سے رسولوں کی طرف جنہیں ہم اس سے پہلے آپ سے بیان کر چکے ہیں اور بہت سے ایسے رسولوں کی طرف بھی جنہیں ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا، از خود کلام کرنا۔'' (۱۶۴)

فہم القرآن

ربط کلام : دین کے جن بنیادی ارکان کا پہلے ذکر ہوا ہے۔ اسی کی تبلیغ یہ عظیم المرتبت شخصیات کرتی رہی ہیں۔

یہودیوں کے سوال کا جواب دیتے ہوئے بتلایا گیا ہے کہ دین کے بنیادی احکامات ہمیشہ سے ایک تھے اور ہیں۔ وہ لوگوں پر براہِ راست نازل ہونے کی بجائے وحی کے ذریعے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتے رہے۔ جو مختلف انداز اور الفاظ میں اتارے گئے۔ قرآن مجید تحریری مسودہ کے بجائے لوگوں کی سہولت اور اصلاح احوال کی خاطر خطاب در خطاب کی صورت میں نازل ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر خطاب میں نصیحت کے جامع پہلو کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اسی اسلوب کے پیش نظر یہودیوں کے اس مطالبہ پر کہ ان پر براہ راست کتاب کیوں نہیں نازل کی جاتی اس کے جواب میں نصیحت کے کئی پہلو اختیار کیے گئے ہیں۔

١۔ پہلے سرزنش کی گئی کہ تم موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بڑھ کر سوالات کر چکے ہو جن میں تمھارے اکثر سوال پورے ہو چکے ہیں لیکن اس کے باوجود تم بڑے بڑے جرائم میں ملوث رہے اور اب بھی ان گناہوں کا اعتراف کرتے ہو۔ ان سے تائب ہونے کی بجائے ان پر فخر کرتے اور ان کا ارتکاب کیے جا رہے ہو۔

٢۔ کسی امت پر بھی براہ راست کتاب نازل نہیں کی گئی اللہ تعالیٰ کے احکام وحی کے ذریعے ہی انبیاء پر نازل ہوتے رہے ہیں جن اولوالعزم شخصیات پر وحی نازل ہوئی ان میں چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے جو شان و مرتبہ اور جدوجہد کے اعتبار سے سب سے نمایاں تھے جن کی اکثریت کا تعلق تمھارے آباؤ اجداد سے ہے۔

٣۔ ان انبیاء کرام علیہم السلام کا دین ہمیشہ ایک ہی رہا ہے جس کے بنیادی اصول یہ ہیں کہ توحید خالص پر ایمان لانا، تمام آسمانی کتب کو تسلیم کرنا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا اور آخرت پر کامل یقین رکھنا ہے۔

٤۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مقصد لوگوں کے اچھے اعمال کے بدلے دنیا اور آخرت کی کامیابی کی خوشخبری دینا اور بُرے اعمال کے برے انجام سے لوگوں کو ڈرانا تھا۔

٥۔ انبیاء کی بعثت کا مقصد لوگوں کو سینہ زوری سے منوانا نہیں ان کا کام بتلانا اور سمجھانا تھا تاکہ محشر میں لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کوئی حجت باقی نہ رہے۔

٦۔ بڑے بڑے انبیاء کرام علیہم السلام کے تذکرے کا مقصد نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے۔ اس لیے آدم علیہ السلام سے انبیاء کا ذکر کرنے کی بجائے حضرت نوح علیہ السلام سے شروع کیا ہے کیونکہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام کی تشریف آوری سے کچھ عرصہ پہلے تک لوگ توحید اور فطرتِ سلیم پر قائم رہے بعد ازاں لوگ شرک میں مبتلا اور دین سے منحرف ہو گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال بڑی جانفشانی سے جدوجہد فرمائی لیکن چند لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب گمراہی پر قائم رہے جنھیں طوفان نے آلیا اور وہ نیست و نابود کر دیے گئے۔ ان کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں نسل در نسل انبیاء علیہم السلام کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ جن میں ایسے انبیاء بھی تھے جو نبوت کے منصب کے ساتھ حکمران بھی تھے ان میں موسیٰ علیہ السلام ایسے پیغمبر ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف پایا۔ ان کی شخصیت، جدوجہد اور حالات و واقعات کو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مماثل قرار دیا گیا ہے (المزمل: ١٥) ان انبیاء کے آخر اور نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام عظیم الشان معجزات کے ساتھ تشریف لائے۔ یہ تمام کے تمام انبیاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری دینے والے اور اس کی نافرمانیوں سے ڈرانے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چیدہ چیدہ انبیاء کا ذکر فرمایا ہے باقی کا ذکر نہیں کیا۔ جن کے ذکر نہ کرنے کی وہی حکمت جانتا ہے اللہ تعالیٰ ہر بات اور ہر کام پر غالب ہے اور اس کے ہر فرمان اور کام میں حکمت ہوتی ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ،

والْأَنبياءُ إِخوَةٌ لِعَلَّاتٍ ، أُمَّهَاتُهُم شتّى ، وَدِينُهُم وَاحِدٌ))

[رواه البخاری:باب وَاذْكُرُ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دنیا وآخرت میں عیسیٰ ابن مریم کے زیادہ قریب ہوں اور تمام انبیاء علیہم السلام علاتی بھائی ہیں ان کی مائیں مختلف ہیں اور دین ایک ہی ہے۔''

مسائل

۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے انبیاء کرام علیہم السلام ہی کی طرح وحی نازل ہوئی۔

۲۔ قرآن کی طرح پہلے انبیاء علیہم السلام پر بھی کتابیں نازل کی گئیں۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے از خود کلام فرمایا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان فرمائے اور کچھ کا ذکر نہیں فرمایا۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء علیہم السلام کا اجتماعی ذکر:

۱۔ اٹھارہ انبیاء کرام کا ذکر۔(الانعام:۸۳تا۹۰)

۲۔ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد موسیٰ، عیسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام۔(البقرۃ:۱۳۶)

۳۔ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر گرامی (آل عمران:اور احزاب:۱۴۴، محمد:۲، الفتح:۲۹۔)

موسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ ومقام:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے براہِ راست کلام کیا۔(النساء:۱۶۴)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دو عظیم معجزے عطا فرمائے۔(طٰہٰ:۱۷تا۲۲)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو برتری عطا فرمائی۔(الاعراف:۱۴۴)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہود کے الزام سے پاک کیا۔(الاحزاب:۶۹)

۵۔ موسیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مماثلت قرار دی گئی۔(المزمل:۱۵)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نو نشانیاں عطا فرمائیں۔(بنی اسرائیل:۱۰۱)

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ

رسول (جمع) خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تا کہ نہ ہو جائے لوگوں کے لیے پر اللہ

حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾

کوئی حجت بعد رسولوں اور ہے اللہ غالب حکمت والا

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ

لیکن اللہ گواہی دیتا ہے اس کی جو اس نے نازل کیا آپ کی طرف نازل کیا ہے اس نے اس کو

بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿١٦٦﴾

اپنے علم کے ساتھ اور فرشتے گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ گواہ

”رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے تا کہ لوگوں کے پاس رسولوں کے آنے کے بعد اللہ پر کوئی حجت اور الزام نہ رہ جائے اور اللہ نہایت غالب، کمال حکمت والا ہے۔(١٦٥) لیکن اللہ گواہی دیتا ہے اس کے بارے میں جو اس نے آپ کی طرف نازل کیا ہے کہ اس نے اسے اپنے علم سے نازل کیا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور اللہ گواہ کافی ہے۔“(١٦٦)

فہم القرآن

ربط کلام: نبی اکرم ﷺ کسی انوکھی نبوت کے ساتھ نہیں آئے ان سے پہلے بے شمار انبیاء آئے لہٰذا بڑے بڑے انبیاء کا نام بنام ذکر کرنے کے بعد ان کی بعثت کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر زمین میں اپنا خلیفہ نامزد فرمایا اور اُسے عقل وفکر کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو کم از کم اتنی عقل وفکر ضرور عطا فرمائی ہے کہ وہ اچھے و برے اور نفع ونقصان میں تمیز کر سکے۔ اس کے ساتھ ہی اپنی پہچان کے لیے دنیا میں بے شمار شواہد وقرائن پیدا فرمائے پھر جزوی تشریحات کو چھوڑ کر دین کے بنیادی ارکان کو ہمیشہ سے ایک رکھا۔ تا کہ جس دین کے بغیر گزارہ نہیں اُسے سمجھنا اور اپنانا انسان کے لیے آسان رہے۔ اس فطری، ماحولیاتی، اور آفاقی رہنمائی کے باوجود انسان پر یہ کرم کیا کہ پے در پے انبیاء کا سلسلہ جاری فرمایا۔ انبیائے کرام علیہم السلام ایسی بے مثال شخصیات تھیں جو پیدائشی طور پر گفتار کے سچے، کردار کے پکے اور اس قدر خیر خواہ اور مخلص ہوا کرتے تھے کہ جن کو دیکھ کر پتھر بھی پکار اُٹھے کہ یہ واقعی اللہ کا بھیجا ہوا نبی ہے۔ پھر ہر نبی کو اس کے حالات کے مطابق ایسے ایسے معجزات عطا کیے گئے کہ ان کے جانی دشمن بھی تنہائی میں ان کے سچے ہونے کا اعتراف کیا کرتے تھے۔ انبیاء

اس قدر مخلصانہ اور بے پناہ جدوجہد کرتے اور اس کے بدلے ایک پائی بھی وصول کرنے کے روادار نہیں ہوتے تھے۔ انھوں نے اپنے مشن کے لیے جان کی بازی لگا دی اس کے باوجود لوگوں کی اکثریت نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو مسترد کر دیا۔ ایسا اس لیے نہیں ہوا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر تھے یہ اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کو لوگوں کے لیے اختیاری رکھا ہے اور انبیاء علیہم السلام کو صرف بتلانے اور سمجھانے والا بنا کر بھیجا تھا۔ جن کی تبلیغ و تعلیم کا مقصد لوگوں کو اچھے برے اعمال اور ان کے انجام سے آگاہ کرنا ہے۔ تاکہ محشر کے دن خدا کے حضور مجرم پیش ہوں تو ان کے پاس یہ حجت نہ ہو کہ ہمیں یاد دلانے اور سمجھانے والا نہیں آیا تھا۔ اس لیے فرمایا ہے کہ اے رسول! یہود و نصاریٰ کی سازشوں اور لوگوں کے انکار سے دلبرداشتہ اور ہمت ہارنے کی ضرورت نہیں اگر یہ لوگ ہٹ دھرمی اور دنیا پرستی کی وجہ سے آپ کی رسالت کا انکار اور اللہ تعالیٰ کے احکامات سے انحراف کرتے ہیں تو اس سے خدا کی خدائی اور آپ کی پیغمبرانہ شان اور کام میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ دنیا کا منصب اور عہدہ نہیں کہ جس کو لوگ مسترد کر دیں گے تو اسے نامزد کرنے والا بالآخر واپس بلانے پر مجبور یا صاحب منصب خود بھاگ جائے گا۔ یہ تو نبوت کا مقامِ عالی ہے کہ ساری مخلوق بھی ٹھکرا دے تو نبی کی نبوت اور اس کے اجر و ثواب میں رائی کے دانے کے برابر بھی کمی نہیں آتی۔ اس لیے آپ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچاتے جائیں اُسے معلوم ہے کہ کون اس کے پیغام کا حق ادا کرتا ہے اور کس کس نے اس کا انکار کرنا ہے زمین و آسمان کا مالک گواہی دیتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں اور اسی نے اپنے علم کے مطابق آپ پر قرآن مجید نازل فرمایا ہے لہٰذا اپنا کام جانفشانی اور پورے اخلاص کے ساتھ جاری رکھیں لوگ تائید نہیں کرتے تو نہ کریں اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ کی نبوت، اخلاص اور کار نبوت کی ادائیگی پر گواہ ہیں یاد رکھیں کہ اللہ کی گواہی سے بڑھ کر کسی کی گواہی معتبر نہیں ہو سکتی ہے۔

مسائل

۱۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد لوگوں تک اللہ کے پیغامات پہنچانا ہے۔
۲۔ رسول لوگوں کو جنت کی خوش خبری اور عذاب سے ڈرانے والے تھے۔
۳۔ رسول اتمام حجت کے لیے مبعوث کیے جاتے تھے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے گواہی دیتے ہیں کہ جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وہ حق ہے۔

اِنَّ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	وَصَدُّوْا	عَنْ	سَبِيْلِ اللّٰهِ
بے شک	وہ لوگ	انہوں نے کفر کیا	اور انہوں نے روکا	سے	راستہ اللہ
قَدْ	ضَلُّوْا	ضَلٰلًا	بَعِيْدًا ﴿١٦٧﴾	اِنَّ	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
یقیناً	وہ گمراہ ہو گئے	گمراہ ہونا	بہت دور	بے شک	وہ لوگ انہوں نے کفر کیا
وَظَلَمُوْا	لَمْ يَكُنِ	اللّٰهُ	لِيَغْفِرَ	لَهُمْ	وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ
اور انہوں نے ظلم کیا نہیں وہ ہے		اللہ	کہ وہ بخش دے	ان کو	اور نہ تاکہ وہ دکھلائے ان کو
طَرِيْقًا ﴿١٦٨﴾	اِلَّا	طَرِيْقَ	جَهَنَّمَ	خٰلِدِيْنَ	فِيْهَآ اَبَدًا ؕ
راہ	مگر	راہ	جہنم کی	وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں	اس میں ہمیشہ
وَكَانَ	ذٰلِكَ	عَلَى	اللّٰهِ	يَسِيْرًا ﴿١٦٩﴾	
اور ہے	یہ	پر	اللہ	آسان	

”بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا، یقیناً وہ گمراہ ہوگئے بہت دور کا گمراہ ہونا۔ (١٦٧) بے شک جن لوگوں نے کفر اور ظلم کیا اللہ انہیں نہیں بخشے گا اور نہ ہی انہیں سیدھے راستے کی ہدایت دے گا۔ (١٦٨) سوائے جہنم کی راہ کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور ایسا کرنا اللہ پر بہت آسان ہے۔“ (١٦٩)

فہم القرآن

ربط کلام: انبیاء علیہم السلام کے مشن کی مخالفت کرنے والوں کی سزا۔

کفر کا معنی ہے حقیقت پر پردہ ڈالنا، شرعی اصطلاح میں اللہ اور اس کے رسول اور قیامت کا انکار کرنے والا کافر ہوتا ہے۔ جو لوگ کفر کا ارتکاب کرتے ہیں وہی لوگ اللہ کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی راہ سے مراد صراط مستقیم اور دین کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار اور اس کی راہ میں رکاوٹ بننے کی درج ذیل صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہو سکتی ہے۔

١۔ خود کفر اختیار کرنا، اپنے کردار اور طریقہ کار سے لوگوں کو دین سے روکنا۔

٢۔ اسلام کا اقرار کرنے کے باوجود جان بوجھ کر کفار جیسا عقیدہ اور کردار رکھنا جس سے لوگوں کی نظروں میں اسلام اور مسلمانوں کا وقار ختم ہو جائے ایسے لوگ بیک وقت کفر اور ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں کفر کو پسند کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نہ انھیں معاف کرتا ہے اور نہ ہی صراط مستقیم کی توفیق دیتا ہے۔ ان کے پسندیدہ راستے پر چلنے کے لیے انھیں کھلا چھوڑ

دیتا ہے جو راستہ جہنم کا راستہ ہے۔ اس جہنم میں انھیں ابدالاباد تک رہنا نافرمان بڑا ہو یا چھوٹا اُسے جہنم میں پھینکنا اللہ تعالیٰ کے لیے ذرّہ برابر مشکل نہیں۔ یہاں ان کی نہ فریاد سنی جائے گی اور نہ کوئی ان کی مدد کرنے والا ہوگا۔

کفار اور مشرکین ہمیشہ جہنم میں رہیں گے:

﴿وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ [البقرۃ:٣٩]

''وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اور ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں وہ آگ والے ہیں اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔''

﴿اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰهُ النَّارُ وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾

[المائدۃ:٧٢]

''جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اُس کے لیے جنت حرام ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے اور لوگوں کو حق سے روکنے والے گمراہ ہیں۔
٢۔ ظلم اور کفر کرنے والوں کو اللہ معاف نہیں فرمائے گا۔
٣۔ کافروں کے لیے جہنم کا دائمی عذاب ہے۔
٤۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کفار کو عذاب دینا مشکل نہیں۔

تفسیر بالقرآن

کفار کے لیے معافی نہیں:

١۔ موت کی تمنا پوری نہ ہوگی۔ (البقرۃ:٩٤)
٢۔ عذر قبول نہ ہوگا۔ (البقرۃ:١٢٣)
٣۔ سفارش قبول نہ ہوگی۔ (البقرۃ:١٢٣)
٤۔ جہنم میں رخصت نہ ہوگی۔ (طٰہٰ:٧٤)
٥۔ جہنم سے نہیں نکل سکیں گے۔ (البقرۃ:١٦٧)
٦۔ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ (آل عمران:٩١)
٧۔ دنیا میں واپس نہیں آسکیں گے۔ (السجدۃ:١٢)

یٰٓاَیُّھَا	النَّاسُ	قَدْ	جَآءَكُمُ	الرَّسُوْلُ	بِالْحَقِّ	مِنْ
اے	لوگو!	یقیناً	آ گیا تمہارے پاس	یہ رسول	حق کے ساتھ	سے
رَّبِّكُمْ	فَاٰمِنُوْا	خَیْرًا	لَّكُمْ ؕ	وَاِنْ	تَكْفُرُوْا	فَاِنَّ
تمہارا رب	تو تم ایمان لاؤ	بہتر ہوگا	تمہارے لیے	اور اگر	تم کفر کروگے	تو یقیناً
لِلّٰهِ	مَا	فِی	السَّمٰوٰتِ	وَ	الْاَرْضِ ؕ	وَكَانَ
اللہ ہی کا ہے	جو کچھ	میں	آسمانوں	اور	زمین	اور ہے
اللّٰهُ	عَلِیْمًا	حَكِیْمًا ⑰				
اللہ	جاننے والا	حکمت والا ہے				

''اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس یہ رسول تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر آیا ہے پس ایمان لے آؤ تمہارے لیے بہتر ہوگا اور اگر کفر کروگے تو بے شک جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے اور اللہ خوب جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے۔'' (۱۷۰)

فہم القرآن

ربط کلام: منکرین نبوت کو ایک مرتبہ پھر نبی آخر الزماں ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے انکار کرنے والوں کو انتباہ کیا ہے کہ تمہارے کفر سے خدا کی خدائی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

یہود کے بعد دعوتِ عام دی جا رہی ہے کہ اے لوگو! یہودیوں کی طرح بہانہ تراشی اور حیلہ سازی کرنے کی بجائے سرورِ دو عالم ﷺ پر ایمان لاؤ۔ جو تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ مبعوث کیے گئے ہیں۔ یہی تمھارے لیے بہتر راستہ ہے اگر تم ایمان لانے اور حق کا ساتھ دینے سے گریزاں ہو تو یاد رکھو۔ اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں کوئی فرق نہیں پڑتا زمین و آسمان کا ذرّہ ذرّہ اور چپہ چپہ اس کے تابع فرمان ہے۔ صرف باغی انسان ہی پوری کائنات کے طرزِ عمل کے خلاف طریقہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ یہ ڈھیل انسان کو اس لیے نہیں دی گئی کہ انسان کے اعمال و خیالات اللہ کے علم سے باہر ہیں اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے کے باوجود اپنی حکمت و مشیّت کے تحت انسان کو ایک وقت مقرر تک چھوڑے ہوئے ہے جب اس کی گرفت اور عتاب کا وقت آئے گا تو باغی اور ظالم کو چھڑانے اور بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

حق (اَلْحَقُّ) اللہ کے ۹۹ صفاتی ناموں میں سے ایک نام ہے۔ (مشکوٰۃ: باب اسماء اللہ) ''حق'' سے مراد قرآن اور اللہ کا پیغام ہے آپ کی نبوت کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہ صرف دعا کی بلکہ مکہ شہر کی نشاندہی بھی فرمائی کہ اس شہر اور اس قوم میں آخری نبی ہونا چاہیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے آگے بڑھ کر آپ کا اسمِ گرامی لے کر بنی اسرائیل کو آپ کی نبوت کی بشارت سے نوازا۔

((عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ السُّلَمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ وَإِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ وَسَأُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِ ذٰلِكَ دَعْوَةِ أَبِي إِبْرَاهِيمَ وَبِشَارَةِ عِيسَى قَوْمَهُ وَرُؤْيَا أُمِّي الَّتِي رَأَتْ أَنَّهُ خَرَجَ مِنْهَا نُورٌ أَضَاءَتْ لَهُ قُصُورُ الشَّامِ وَكَذٰلِكَ تَرَى أُمَّهَاتُ النَّبِيِّينَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ)) [رواہ احمد]

”حضرت عرباض بن ساریہ سلمی بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں قرآن مجید میں مجھے خاتم النبیین قرار دیا گیا ہے جب حضرت آدم علیہ السلام ابھی مٹی اور روح کے درمیان تھے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ ماجدہ کا خواب ہوں انھوں نے دیکھا کہ ان کے وجود سے ایک روشنی نکلی جس سے ملک شام کے محلات روشن ہوگئے۔ اور اسی طرح ہی انبیاء کرام علیہم السلام کی مائیں دیکھا کرتی تھیں۔“

((يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا))[رواہ مسلم : باب تَحْرِيمِ الظُّلْمِ]

”اے میرے بندو اگر تمھارے پہلے، پچھلے جن وانس سارے کے سارے فاجر انسان کی طرح ہو جائیں میری بادشاہت میں کسی چیز کی کمی واقع نہیں ہوسکتی۔“

مسائل

١۔ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لے کر مبعوث ہوئے ہیں۔

٢۔ کفر و شرک کرنے والے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

رسول محترم ﷺ کا مرتبہ و مقام:

١۔ آپ ﷺ کو پوری دنیا کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا۔ (الاعراف:١٥٨)

٢۔ آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا۔ (الانبیاء:١٠٧)

٣۔ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ (الاحزاب:٤٠)

٤۔ آپ کو پوری دنیا کے لیے داعی، بشیر اور نذیر بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ (الاحزاب:٤٥-٤٦)

٥۔ نبی کریم ﷺ کو تمام انسانوں کے لیے رؤف، رحیم بنایا گیا ہے۔ (التوبۃ:١٢٨)

٦۔ آپ ﷺ کی بعثت مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے۔ (آل عمران:١٦٤)

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا

اے اہل | کتاب | نہ تم غلو (حد سے بڑھو) کرو | میں | اپنے دین | اور نہ | تم کہو

عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

پر اللہ | مگر حق بات | یقیناً | مسیح | عیسیٰ | بن | مریم

رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫

رسول | اللہ کا | اور اس کا کلمہ ہے | جس کو اس نے ڈالا | طرف مریم کی | اور روح | اس کی طرف سے

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ قف وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا

پس تم ایمان لاؤ | اللہ کے ساتھ | اور اس کے رسولوں | اور نہ | تم کہو | (الٰہ) تین | باز آجاؤ

خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗٓ

بہتر ہوگا | تمہارے لیے | یقیناً | اللہ ہی ہے | معبود | واحد (ایک) | وہ پاک ہے

اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي

اس سے کہ | ہو | اس کے لیے | کوئی اولاد | اسی کا ہے | جو کچھ | میں

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٧١﴾ ع

آسمانوں | اور جو کچھ | میں | زمین | اور کافی ہے | اللہ | کارساز

وقف لازم

٢٣ ع ٩

''اے اہل کتاب ! اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو اور اللہ کے ذمہ سچی بات کے سوا کچھ نہ کہو مسیح عیسیٰ بن مریم اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہے، جو اس نے مریم کی طرف بھیجا اور اللہ کی طرف سے ایک روح ہیں پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو کہ تین (الٰہ) ہیں، باز آجاؤ تمہارے لیے بہتر ہوگا اللہ تو صرف ایک ہی معبود برحق ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کا ہے اور اللہ ہی کارساز ہے۔'' (۱۷۱)

فہم القرآن

ربط کلام : اگر اہل کتاب اپنے دین میں غلو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتے تو یقیناً نبی اکرم ﷺ کی نبوت کو مانتے ہوئے ہدایت کا راستہ اختیار کرتے لیکن وہ مذہبی عصبیت اور دین میں غلو کی وجہ سے گمراہ ہوئے۔

خطاب کا آغاز یہود سے ہوا تھا جس میں انھیں مختلف طریقوں سے سمجھایا گیا۔ ان کے بعد تمام لوگوں کو دعوت حق قبول کرنے کی تلقین کی گئی۔ اب عیسائیوں کی دین کے بارے میں بنیادی خرابی یعنی ''غلو'' کرنے سے روکا جا رہا ہے جو ان کی گمراہی کا

اصل سبب ہے غلو کا معنی ہے محبت یا تعصب میں آ کر افراط وتفریط کرنا۔ یہودیوں نے تعصب کی بنا پر عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو کیا اور وہ اس میں اتنا آگے نکل گئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی پاکباز والدہ پر الزامات لگائے جناب عیسیٰ علیہ السلام اور ان پر نازل ہونے والی کتاب انجیل کا انکار کیا حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام نے بارہا دفعہ فرمایا تھا کہ میں کوئی الگ شریعت لے کر نہیں آیا بلکہ تورات کی تعلیمات کی تکمیل کے لیے آیا ہوں لیکن ستیاناس ہو اس غلو کا جس کے نتیجہ میں یہودیوں نے ہر سچائی کو ٹھکرا دیا۔ ان کے برعکس عیسائیوں نے دوسری انتہا کو اختیار کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور مریم علیہا السلام کو خدا کی بیوی قرار دیا یہودی عداوت کی بنیاد پر گمراہ ہوئے اور عیسائی محبت میں غلو کرنے کی وجہ سے گمراہ ٹھہرے۔ عیسائیوں کو اس لیے روکا اور ٹوکا جا رہا ہے کہ تمھیں عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو نہیں کرنا چاہیے ان کی حیثیت تو یہ تھی کہ وہ مریم کے بیٹے اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں خدا کی خدائی میں ان کا کوئی دخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں اور یہودیوں کے عقیدہ کے حوالے سے ہر شخص کے باطل نظریہ کی نفی فرمائی ہے کہ کوئی ذات ادنیٰ ہو یا اعلیٰ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا حصہ اور اس کی صفات کی حامل نہیں ہو سکتی اس عقیدہ کو سورۂ اخلاص میں کھول کر بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ رسول کا مقام:

دنیا میں انسان تو کروڑوں اور اربوں گزرے ہیں اور ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے پیغام کے لیے ایسے انسانوں کو منتخب فرماتا ہے جو ظاہری و باطنی کمال، کردار کی پاکیزگی اور قلبی طہارت کے لحاظ سے اپنے دور کے سب سے بلند اور ممتاز انسان ہوا کرتے تھے۔ انسان اور ضرورتوں کے ناتے سے وہ لوگوں کے ہم شکل اور ہم مثل ہوتے تھے لیکن خوبیوں اور صلاحیتوں کے لحاظ سے انسانوں کے ساتھ ان کی کوئی نسبت نہیں ہوا کرتی تھی۔ اس لیے آپ نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا "أَيُّكُمْ مِثْلِي" "تم میں سے کون میری مثل ہے؟ گویا کہ رسول شرف انسانیت کی انتہا اور خدا کی مخلوقات میں سب سے اعلیٰ اور ارفع ہوتا ہے۔ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام رسول اللہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس اعزاز سے بڑا کوئی اعزاز نہیں ہو سکتا۔

۲. هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ :

عیسیٰ علیہ السلام کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ رسول کا معنی ہے پیغام پہنچانے والا، ظاہر ہے کہ جس کی طرف سے کوئی پیغام دینے والا ہو اس کا بھیجنے والا اس سے اعلیٰ اور بہتر ہوا کرتا ہے۔ بھیجنے والا جب چاہے اپنے رسول کو واپس بلا سکتا ہے اس لیے ہر پیغمبر اپنی زندگی گزار کر موت کی آغوش میں چلا گیا اور یہی بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد ہوئی ہے۔ "ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کو ہمیشگی نہیں دی۔ اگر آپ فوت ہو جائیں تو کیا وہ ہمیشہ رہیں گے؟" [الانبیاء: ۳٤]

۳۔ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں:

قرآن مجید میں کلمہ کا لفظ تین معنوں میں استعمال ہوا ہے:

۱۔ کلمہ کا معنی ہے خوشخبری اور بشارت سورۃ آل عمران کی آیت ۴۵ میں اس طرح استعمال ہوا ہے۔

''اور جب فرشتوں نے مریم سے کہا: بلاشبہ اے مریم! اللہ تجھے اپنے کلمہ کی بشارت دیتا ہے اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا وہ دنیا اور آخرت میں معزز ہوگا اور اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہوگا۔''[آل عمران:٤٥]

۲۔ کلمہ کا معنی آیت اور نشانی ہے۔

''اور مریم بنت عمران جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی پھر ہم نے اس کے اندر اپنی روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزار تھی۔''[التحريم:١٢]

۳۔ کلمہ کا معنی کلام۔

''امید ہے اب میں نیک عمل کروں گا جسے میں چھوڑ آیا ہوں ہرگز نہیں۔ یہ بس ایک بات ہوگی جسے اس نے کہہ دیا اور ان کے درمیان دوبارہ اٹھنے تک کے دن تک ایک آڑ ہوگی۔''[المومنون:١٠٠]

عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ اور کلمۃ اللہ ہونے کے ساتھ ان کا تیسرا اعزاز یہ ہے کہ وہ اللہ کی روح ہیں یہی وہ لفظ ہے جس سے عیسائی مغالطہ کا شکار ہوئے یا وہ جان بوجھ کر مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اپنی روح قرار دے کر مریم میں اس کا القاء فرمایا لہٰذا مریم اور اللہ تعالیٰ کو ملا کر ایک مثلث بنتی ہے جسے وہ عرف عام میں تثلیث قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ ان کی من ساختہ اختراع ہے کیونکہ قرآن مجید میں لفظ روح کا استعمال مختلف انداز میں ہوا ہے۔

'تو جب میں اُسے درست کر چکوں اور اُس میں اپنی روح سے پھونک دوں تو تم اُس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا۔''[الحجر:٢٩]

اگر عیسائیوں کی باطل دلیل کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر ہر فرد اور ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی روح کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ جس سے حلول جیسے بدترین شرک کا تصور سامنے آتا ہے جس کی تائید معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی نہیں کر سکتا اس بنیاد پر اہل کتاب کو مخاطب کرتے ہوئے سمجھایا گیا ہے کہ بس اللہ اور اس کے رسولوں پر اسی طرح ایمان لاؤ جس طرح تمھیں ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے اور تثلیث کے باطل عقیدہ کو یک لخت چھوڑ دو۔ اسے چھوڑ دینے میں ہی تمھاری بہتری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کے لحاظ سے یکتا اور تنہا ہے اس کی ذات اور صفات میں اس کا کوئی ہمسر اور شریک نہیں ہے۔ اس کی ذات ان سہاروں اور رشتوں سے ممتاز اور پاک ہے۔ تم عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہو اللہ تعالیٰ کو اولاد کی ضرورت نہیں ہے اولاد تو انسان کی ضرورت اور کمزوری ہے۔

۱۔ اولاد کی ضرورت اس لیے ہے کہ اس کا سلسلہ نسب جاری رہے تاکہ اس کا نام اور کام باقی رہے۔

۲۔ اولاد نہ ہو تو انسان اپنے آپ میں تنہائی اور اداسی محسوس کرتا ہے۔ ۳۔ اولاد آدمی کا سہارا اور اس کی ضروریات میں معاون ہوتی ہے۔ ۴۔ ماں، باپ اولاد کے ساتھ محبت کرنے میں طبعاً مجبور ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نہ محبت کے ہاتھوں مجبور ہے اور نہ ہی تنہائی محسوس کرتا ہے نہ اس کو خدمت اور سہارے اور معاون کی ضرورت ہے۔ وہ تو محبت عطا کرنے والا اور کائنات کی ہر چیز کو سہارا دینے والا ہے وہ ان کمزوریوں سے یکسر بے نیاز ہے اُسے کسی کی حاجت نہیں کیونکہ زمین وآسمان کا چپہ چپہ اور ذرہ ذرہ اس کی غلامی اور فرمانبرداری میں لگا ہوا ہے۔ اس کا تعلق مخلوق کے ساتھ باپ اور بیٹے یا کسی کا حصہ ہونے کی بنا پر نہیں اس کا تعلق مخلوق کے ساتھ خالق اور مالک اور مملوک کا ہے جسے دنیا کے کسی رشتے کے ساتھ نسبت نہیں دی جاسکتی۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أُرَاهُ يَقُولُ اللَّهُ شَتَمَنِي ابْنُ آدَمَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَشْتِمَنِي ، وَتَكَذَّبَنِي وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ، أَمَّا شَتْمُهُ فَقَوْلُهُ إِنَّ لِي وَلَدًا وَأَمَّا تَكْذِيبُهُ فَقَوْلُهُ لَيْسَ يُعِيدُنِي كَمَا بَدَأَنِي))

[رواه البخاری: باب مَا جَاءَ فِي قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ)]

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا آدم کا بیٹا مجھے گالیاں دیتا ہے اور یہ اس کے لیے لائق نہیں اور وہ میری تکذیب کرتا ہے اور وہ بھی اس کے لیے لائق نہیں اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ میں نے اولاد پکڑی ہے اور مجھے جھٹلانا اس کا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ مجھے دوبارہ نہیں لوٹایا جائے گا جس طرح مجھے پہلی بار پیدا کیا گیا۔“

مسائل

۱۔ دین کے معاملہ میں افراط وتفریط سے بچنا چاہیے۔ ۲۔ اللہ کی نسبت سے صرف حق بات ہی کہنی چاہیے۔
۴۔ الٰہ صرف ایک ہے۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ اولاد اور بیوی سے پاک ہے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت اور حضرت مریم علیہا السلام کا مقام:

۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور صاحب کتاب نبی تھے۔ (مریم:۳۰)
۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کی حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ مدد کی گئی۔ (البقرۃ:۲۵۳)
۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کی والدہ کھانا کھاتے تھے۔ (المائدۃ:۷۵)
۵۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم نے بنی اسرائیل کو اللہ کی عبادت کا حکم دیا۔ (المائدۃ:۷۲)
٦۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دی گئی۔ (آل عمران:۴۵)
۷۔ حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے معجزات عطا فرمائے۔ (آل عمران:۴٦تا۴۹)
۸۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا وآخرت میں عزت والے ہیں۔ (آل عمران:۴۵)
۹۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کی کفالت کی گئی۔ (آل عمران:۴۴)

لَنۡ يَّسۡتَنۡكِفَ الۡمَسِيۡحُ اَنۡ يَّكُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰهِ وَلَا
ہرگز نہیں وہ عار محسوس کرے گا مسیح کہ وہ ہے بندہ اللہ کا اور نہ

الۡمَلٰٓـئِكَةُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ؕ وَمَنۡ يَّسۡتَنۡكِفۡ عَنۡ عِبَادَتِهٖ
فرشتے مقرب اور جو کوئی عار محسوس کرتا ہے سے اس کی عبادت

وَيَسۡتَكۡبِرۡ فَسَيَحۡشُرُهُمۡ اِلَيۡهِ جَمِيۡعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا
اور وہ تکبر کرتا ہے تو عنقریب وہ ان کو جمع کریگا اپنی طرف سب کو لیکن

الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيۡهِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ
وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل کیے نیک (جمع) وہ پورا دے گا ان کو ان کے اجر

وَيَزِيۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ اسۡتَنۡكَفُوۡا وَاسۡتَكۡبَرُوۡا
اور وہ زیادہ دیگا انکو سے اپنے فضل اور مگر وہ لوگ انہوں نے عار محسوس کی اور انہوں نے تکبر کیا

فَيُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوۡنَ لَهُمۡ مِّنۡ
تو وہ ان کو عذاب دے گا عذاب اذیت ناک اور نہیں وہ پائیں گے اپنے لیے سے

دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ﴿۱۷۳﴾
سوائے اللہ کے کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار

''عیسیٰ کو ہرگز اس سے عار نہیں کہ وہ اللہ کا بندہ ہو کر رہے اور نہ ہی مقرب فرشتوں کو عار ہے اور جو بھی اس کی بندگی سے ننگ و عار رکھے اور تکبر کرے تو عنقریب وہ ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔'' (۱۷۲) ''پھر جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک اعمال کیے انہیں ان کے اجر پورے دے گا اور اپنے فضل سے انہیں مزید بھی عنایت کرے گا اور جنہوں نے عار سمجھی اور تکبر کیا تو وہ انہیں دردناک عذاب دے گا اور وہ اللہ کے سوا نہ کوئی دوست اور نہ کوئی اپنا مددگار پائیں گے۔'' (۱۷۳)

فہم القرآن

ربط کلام : عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی کا مرتبہ دیا حالانکہ وہ اللہ کے بندے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ یعنی اس کا غلام اور فرمانبردار ہونے سے قطعاً کوئی انکار نہ تھا جو اپنے آپ کو اللہ کا بندہ ہونے سے انکار کرے گا اس کی سزا دردناک عذاب ہے۔

عبد کا معنی ہے... انسان اور غلام (المنجد) قرآن مجید نے دوٹوک الفاظ اور انداز میں واضح کیا ہے کہ جتنے پیغمبر دنیا

میں مبعوث کیے گئے وہ سارے کے سارے عبد اور بشر تھے خاص طور پر جن انبیاء علیہم السلام کی عبدیت کو مشکوک بنانے کی کوشش کی گئی ان کی سوانح حیات کو قرآن مجید نے اتنا واضح انداز میں بیان کیا ہے کہ جس سے ان کے عبد ہونے میں ذرہ برابر بھی شبہ باقی نہیں رہتا۔ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں جب یہ نظریہ گھڑا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں تو اس باطل نظریہ کی تردید کے لیے حضرت عزیر علیہ السلام کی زندگی کا اہم ترین واقعہ یوں بیان کیا کہ اس شخص کی مثال سامنے رکھیے کہ جو ایک بستی کے قریب سے گزرا اور اس نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کو کس طرح زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اُسے سو سال تک فوت کیے رکھا پھر اسے اٹھا کر پوچھا کہ اے میرے پیغمبر تم کتنی دیر یہاں ٹھہرے ہو؟ حضرت عزیر علیہ السلام کو یہ خبر نہ تھی کہ وہ کتنی مدت تک مردہ پڑے رہے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے جواب دیا کہ بارالٰہا! میں ایک دن یا اس کا کچھ وقت یہاں ٹھہرا ہوں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں تم سو سال تک مردہ پڑے رہے ہو۔ اب اپنے کھانے پینے کو دیکھو کہ وہ جوں کا توں تر و تازہ ہے اور اس میں کوئی سڑاندھ پیدا نہیں ہوئی۔ پھر اپنے گدھے کی طرف دیکھو کہ ہم تجھے کس طرح لوگوں کے لیے دلیل بناتے ہیں اپنے گدھے کی ہڈیوں کی طرف دیکھیے پھر ان کے سامنے گدھے کی ہڈیاں جڑیں اور اس کے اوپر گوشت چڑھا اس پر کھال اور بال اُگے جب یہ سب کچھ واضح اور ثابت ہوا تو حضرت عزیر علیہ السلام پکار اُٹھے کہ میں جان چکا ہوں کہ اللہ ذرے ذرے پر اقتدار اور اختیار رکھنے والا ہے۔ (البقرہ: ۲۵۹) معجزات کی بنا پر ہی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں نے من گھڑت عقیدہ قائم کیا کہ وہ تین میں سے ایک ہیں یعنی عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں تو اس باطل نظریہ کی تردید کے لیے قرآن مجید میں آل عمران کے نام سے ایک مفصل سورت نازل کی گئی جس میں عیسیٰ علیہ السلام کے خاندانی پس منظر، ان کی نانی محترمہ کا اللہ تعالیٰ کے حضور نذر ماننا، بیٹے کی بجائے حضرت مریم کا پیدا ہونا، حضرت زکریا علیہ السلام کا مریم کی کفالت کرنا، مریم کی والدہ کا مریم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقف کرنا۔ اس طرح عیسیٰ علیہ السلام کے خاندانی پس منظر کیسا تھا ان کی سوانح حیات کو پوری طرح کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح یحییٰ علیہ السلام کا خدا کا بیٹا ہونے کی نفی کرتے ہوئے ان ہی کی زبان سے وضاحت کروائی گئی کہ میں اللہ کا بندہ اور رسول ہونے کے سوا کچھ نہیں ہوں۔ (مریم: ۳۰)

اسی بنیاد پر یہاں وضاحت کی گئی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے یہاں یہ بات بھی واضح ہو جانی چاہیے اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا اور ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بھی باطل عقائد کے لوگ ہوں گے جس کی بنا پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی متعدد آیات میں روزِ روشن کی طرح یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ آپ اللہ کے رسول اس کے بندے اور بشر ہیں اس عقیدہ کا یہاں تک التزام کر دیا گیا کہ آدمی اس وقت تک دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ کلمۂ شہادت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت کا اقرار نہیں کر لیتا اور اس کی پنجگانہ نماز مکمل نہیں ہو سکتی جب تک تشہد میں آپ کی عبدیت کی شہادت نہیں دیتا۔ یاد رہے کہ انبیاء علیہم السلام کی عبدیت انسانیت کا شرف ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام شرفِ انسانیت کی شان اور ترجمان ہوا کرتے تھے۔ اس لیے ان کو عبد اور بشر ہونے میں ذرہ برابر بھی تأمل نہیں تھا۔ اس ضمن میں سند

کی طرف توجہ کیے بغیر ہم تفسیر ضیاء القرآن سے ایک حوالہ نقل کرتے ہیں۔

”حضور رحمۃ للعالمین ﷺ معراج کی رات مقام قرب کی انتہا تک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے پوچھا ”بماأشرفك يامحمد“۔اے سراپا ستائش وخوبی! میں آج تجھے کس اعزاز سے مشرف کروں تو حضور ﷺ نے عرض کی ”بنسبتي اليك بالعبودية“ ”مجھے اپنا بندہ ہونے کا شرف عطا فرما“ شاید یہی حکمت ہے کہ جس سورۃ میں معراج کا ذکر ہے، وہاں حضور کے متعلق عبدہ کا لفظ مذکور ہے۔“ اسی لیے اس فرمان کے آخر میں فرمایا کہ جو لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی اس حیثیت پر ایمان لائیں گے اور صالح کردار اپنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ انھیں ان کے اعمال کا پورا پورا صلہ دینے کے ساتھ اپنی طرف سے مزید اجر سے نوازیں گے۔ اور جنھوں نے عقیدہ توحید اور اللہ کی الوہیت سے انکار کیا۔ ان کے لیے اذیت ناک عذاب ہوگا۔ کوئی ان کی خیر خواہی اور مدد نہیں کر سکے گا۔

مسائل

١۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے تھے اور بندہ ہونا اپنے لیے عار نہیں سمجھتے تھے۔

٢۔ اللہ کی بندگی کو عار نہیں سمجھنا چاہیے۔ ٣۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بندگی کو عار نہیں سمجھتے۔

٤۔ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کو عار سمجھے گا اسے اذیت ناک سزا دی جائے گی۔

٥۔ ایمان لانے اور عمل صالح کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے نوازتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ ومقام اور ان کا اقرار کہ میں اللہ کا بندہ ہوں:

١۔ حضرت عیسیٰ کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم جیسی ہے۔ (آل عمران۔٥٩)

٢۔ حضرت عیسیٰ کو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا۔ (النساء:١٥٨)

٣۔ عیسیٰ بن باپ کے پیدا ہوئے۔ (آل عمران:٥٩)

٤۔ عیسیٰ نے اپنی والدہ کی گود میں اپنی نبوت اور بندہ ہونے کا اعلان فرمایا۔ (مریم:٢٩،٣٠)

٥۔ عیسیٰ مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست کرتے تھے (آل عمران:٤٩)

٦۔ عیسیٰ مٹی سے اڑنے والا پرندہ بناتے تھے۔ (آل عمران:٤٩)

٧۔ عیسیٰ لوگوں کے اندوختے کی خبر دیتے تھے۔ (آل عمران:٤٩)

٨۔ حضرت عیسیٰ کی حضرت جبریل امین خصوصی معاونت فرماتے تھے۔ (البقرۃ:٢٥٣)

يَاَيُّهَا	النَّاسُ	قَدْ	جَآءَكُمْ	بُرْهَانٌ	مِّنْ	رَّبِّكُمْ
اے	لوگوں	یقیناً	آ گئی تمہارے پاس	دلیل	سے	تمہارا رب
وَ اَنْزَلْنَآ	اِلَيْكُمْ	نُوْرًا	مُّبِيْنًا ﴿١٧٤﴾	فَاَمَّا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا
اور ہم نے نازل کی	تمہاری طرف	روشنی	واضح	لیکن	لوگ	وہ ایمان لائے
بِاللّٰهِ	وَاعْتَصَمُوْا	بِهٖ	فَسَيُدْخِلُهُمْ	فِيْ	رَحْمَةٍ	مِّنْهُ
ساتھ اللہ	اور انہوں نے مضبوط پکڑا	اسکو	تو وہ ضرور داخل کریگا انکو	میں	رحمت	اس سے
وَفَضْلٍ	وَّيَهْدِيْهِمْ	اِلَيْهِ	صِرَاطًا	مُّسْتَقِيْمًا ﴿١٧٥﴾		
اور فضل	اور وہ انکو ہدایت دے گا	اسکی طرف	راستہ	سیدھا		

''اے لوگو! بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل آ چکی ہے۔ اور ہم نے تمہاری طرف ایک واضح روشنی نازل کی ہے۔'' (١٧٤) ''پس جو لوگ اللہ پر ایمان لے آئے اور اسے مضبوطی سے تھام لیا عنقریب اللہ انہیں اپنی خاص رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور انہیں اپنی طرف سیدھا راستہ دکھائے گا۔'' (١٧٥)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سورت کی ابتداء بھی ''یَا اَیُّهَا النَّاسُ'' کے الفاظ سے ہوئی تھی۔ اور اختتام بھی انہی الفاظ اور مسائل سے کیا جا رہا ہے۔

اس سورۃ مبارکہ میں یہود و نصاریٰ اور مومنوں کے ساتھ تیسری مرتبہ تمام لوگوں کو دعوتِ عام دی گئی ہے کہ اے لوگو! ادھر اُدھر کے اعمال اور عقائد کی اتباع چھوڑ کر صرف اس برہان کی پیروی اور واضح روشنی کے پیچھے چلو جو تمھارے لیے دو جہاں کے راستوں کو منور کر دے گی۔

برہان سے مراد مفسرین نے رسول مکرم ﷺ کی ذات اور نور سے مراد قرآن مجید کی تعلیمات لی ہیں۔ رسول کی آمد کے بعد لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی عدالت عظمیٰ میں حجت ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ کا رسول آ چکا اور اس نے زندگی کے تمام شعبوں میں قرآن مجید پر عمل کر کے دکھلا دیا۔ لہٰذا لوگوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں یعنی اس کی توحید کو سمجھیں اور اس کے تقاضے پورے کریں اور قرآن و سنت کے ساتھ اعتصام کرتے ہوئے اپنی زندگی سنواریں۔ جس کے بدلے اللہ تعالیٰ انھیں اپنے فضل و کرم سے نوازتے ہوئے صراط مستقیم پر گامزن رہنے کی توفیق دے گا۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ رضی اللہ عنہ خَطَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَطًّا بِيَدِهٖ ثُمَّ قَالَ هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ مُسْتَقِيْمًا قَالَ ثُمَّ خَطَّ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ ثُمَّ قَالَ هٰذِهِ السُّبُلُ وَلَيْسَ مِنْهَا سَبِيْلٌ إِلَّا عَلَيْهِ شَيْطَانٌ يَدْعُوْ إِلَيْهِ ثُمَّ قَرَأَ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ﴾)) [رواہ احمد]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ایک لکیر کھینچی پھر فرمایا یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے پھر اس کے دائیں اور بائیں خط کھینچ کر فرمایا یہ راستے ہیں ان سب میں سے ہر ایک پر شیطان کھڑا ہے اور وہ اس کی طرف بلاتا ہے پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی (بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے اسی پر چلتے رہنا اور پگڈنڈیوں پر نہ چلنا۔)''(الانعام:۱۵۳)

مسائل

۱۔ قرآن مجید ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

۲۔ قرآن کو مضبوطی سے تھامنے والے اللہ کے فضل وکرم سے ہمکنار ہوں گے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے ذریعے لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

۴۔ قرآن مجید چمکتا ہوا نور ہے۔

تفسیر بالقرآن

نور کیا ہے؟

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ذات زمین وآسمان کا نور ہے۔(النور:۳۵)

۲۔ قرآن نور ہے۔(النساء:۱۷۴)

۳۔ توحید نور ہے۔(البقرۃ:۲۵۷)

۴۔ حضرت محمد ﷺ نور کی طرف بلاتے تھے۔(الطلاق:۱۱، ابراہیم:۱)

۵۔ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے کتاب مبین کی صورت میں نور آگیا۔(المائدۃ:۱۵)

۶۔ توراۃ وانجیل نور ہیں۔(المائدۃ:۴۴۔۴۶)

۷۔ وہ ذات جس نے سورج کو ضیاء اور چاند کو نور بنایا۔(یونس:۵)

يَسْتَفْتُوْنَكَ ط قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ط اِنِ
وہ آپ سے فتویٰ مانگتے ہیں — کہہ دیجیے — اللہ — وہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے — میں — کلالہ — اگر

امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ
کوئی مرد — مرجائے — نہیں — اس کی — اولاد — اور اس کی — بہن

فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ج وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ
اسکے لیے — آدھا — جو — اس نے چھوڑا — اور وہ — وارث ہوگا اس کا — اگر

لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ط فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا
نہ — ہو — اس کی اولاد — پھر اگر — وہ ہوں — دونوں — ان دونوں کے لیے

الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ط وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً
دو تہائی — اس سے جو چھوڑا اس نے — اور اگر — ہوں — کئی بھائی — مرد — اور عورتیں

فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ط يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ
تو مرد کے لیے ہے — برابر — حصہ — دو عورتوں کے — وہ بیان کرتا ہے — اللہ — تمہارے لیے

۲۴ ع ۵ ۲ اَنْ تَضِلُّوْا ط وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ع
تاکہ — تم گمراہ ہو — اور اللہ — ساتھ ہر — چیز — خوب جاننے والا ہے

”آپ سے فتویٰ مانگتے ہیں، فرما دیں اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے، اگر کوئی آدمی مر جائے جس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لیے اس کا نصف ہے جو اس نے چھوڑا اور وہ خود اس (بہن) کا وارث ہوگا اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو۔ اگر وہ دو بہنیں ہوں تو ان کے لیے اس میں سے دو تہائی ہوگا۔ جو اس نے چھوڑا اور اگر وہ کئی بھائی، بہن مرد اور عورتیں ہوں تو مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا اللہ تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم بھٹک نہ جاؤ اور اللہ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔“ (۱۷۶)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سورہ کی ابتدا معاشرہ کے پسماندہ طبقہ یعنی یتیموں کے مالی حقوق سے ہوئی تھی اور اس کا اختتام بھی معاشرتی اعتبار سے کمزور افراد کے مالی تحفظ سے کیا گیا ہے۔

سورۃ النساء کی ابتدا میں بنی نوع انسان کو ایک کنبہ قرار دیتے ہوئے یتیموں اور عورتوں کے حقوق کا خیال رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب اس سورۃ کا اختتام خاندانی لحاظ سے کمزور ترین انسان کے متعلقہ مسائل سے کیا جارہا ہے۔ جسے قرآن نے

کلالہ کے نام سے متعارف کروایا ہے۔

کلالہ کی تعریف:

کلالہ وہ شخص ہے جس کے نہ والدین ہوں نہ دادا، دادی اور نہ اولاد اور نہ پوتے پوتیاں، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ بے شک اس کے بہن بھائی ہوں کلالہ ہی تصور ہوگا۔

اخیافی بہن بھائیوں کا حصہ 1/3 ہے۔ اور اگر ایک بہن اور ایک بھائی ہو تو ہر ایک کا 1/6 ہے۔ اور اگر بہن بھائی زیادہ ہوں تو بھی اُنھیں 1/3 سے زیادہ نہیں ملے گا اور یہ 1/3 ان میں برابر تقسیم ہوگا۔ مرد کو عورت سے دوگنا نہیں ملے گا۔ اور اگر صرف ایک ہی بھائی یا صرف ایک ہی بہن ہو تو اسے 1/6 ملے گا۔ باقی پہلی صورت میں 2/3 اور دوسری صورت میں 5/6 بچ جائے گا۔ کلالہ باقی حصہ کے متعلق وصیت کر سکتا ہے یا پھر یہ حصہ ذوی الارحام میں تقسیم ہوگا بشرطیکہ کوئی عصبہ نہ مل رہا ہو۔

اولاد کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ عینی: وہ بہن بھائی جو سگے ہوں۔

۲۔ علاتی: جن کا باپ ایک ہو اور مائیں الگ الگ ہوں۔

۳۔ اخیافی۔ جن کی ماں ایک اور باپ الگ الگ ہو۔

اخیافی بہن بھائیوں کے متعلق احکامات اسی سورت کی آیت نمبر۱۲ میں بیان ہو چکے ہیں۔ جو اس آیت ۱۷۶ میں بیان ہو رہے ہیں یہ حقیقی یا سوتیلے بہن بھائیوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ کلالہ کی میراث کی تقسیم میں دو باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ اگر کلالہ کے حقیقی اور سوتیلے دونوں قسم کے بہن بھائی موجود ہوں تو سوتیلے کو محروم رکھا جائے گا۔ اور اگر حقیقی نہ ہوں تو پھر سوتیلے بہن بھائیوں میں جائیداد تقسیم ہوگی۔ دوسرا یہ کہ کلالہ کے بہن بھائیوں میں تقسیم میراث کی بالکل وہی صورت ہوگی جو اولاد کی صورت میں ہوتی ہے۔ یعنی اگر صرف ایک بہن ہو تو اس کو آدھا حصہ ملے گا۔ دو یا دو سے زیادہ بہنیں ہوں تو ان کو دو تہائی ملے گا۔ اگر صرف بھائی ہی ہو تو تمام ترکہ کا واحد وارث ہوگا۔ اگر بہن بھائی ملے جلے ہوں تو ان میں سے ہر مرد کو دو حصے اور ہر عورت کو ایک حصہ ملے گا۔

یہاں یعنی آیت ۱۷۶ میں بہن سے مراد سگی اور باپ کی طرف سے جو بہن ہو اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ ایسی بہن کو نصف ترکہ ملے گا اور بقیہ نصف اگر کوئی عصبہ ہو یعنی چچا، چچازاد بھائی تو ان کو یہ نصف ملے گا ورنہ یہ نصف بھی بہن کی طرف لوٹ آئے گا۔ پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان کو دو تہائی ملے گا اور بقیہ ثلث عصبہ کو ملے گا اور اگر عصبہ کوئی نہ ہو تو یہ بھی ثلث ان کو ملے گا۔ دو یا دو سے زیادہ بہنوں کا یہی حکم ہے۔ اگر کلالہ کے وارثوں میں بھائی اور بہن دونوں ہوں تو بھائی کو دو حصے اور بہن کو ایک حصہ ملے گا۔

مسائل

۱۔ کلالہ کی صرف بہن ہو تو وہ نصف ترکہ کی مالک ہوگی ۔۲۔ اگر کلالہ کی دو بہنیں ہیں تو ان کے لیے دو تہائی ہے۔

۳۔ اگر کلالہ کے بہن بھائی ہوں تو " للذکر مثل حظ الانثیین" کے تحت وراثت تقسیم ہوگی۔

سورۃ المائدۃ کا تعارف

سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ۵ کے سوا باقی تمام آیات مدینہ طیبہ اور اس کے گردونواح میں نازل ہوئی ہیں۔ جس بنا پر اس سورت مبارکہ کو مدنی کہا جاتا ہے۔ اس کی آیات ایک سو بیس (۱۲۰) رکوع سولہ (۱۶) اور اس کے حروف بارہ ہزار چار سو چونسٹھ ہیں۔ اس کا نام آیت ۱۱۴ کی بنا پر رکھا گیا ہے جس کا معنی ہے دستر خوان کیونکہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آسمان سے دستر خوان نازل ہونے کا مطالبہ کیا تھا۔

سورت کے نزول کا آغاز صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ہوا اور اس کی تکمیل حجۃ الوداع کے موقعہ پر میدان عرفات میں ہوئی۔ اس میں دوٹوک انداز میں اعلان ہوا ہے کہ اے مسلمانو! آج کے بعد کفار تمہارے دین سے قطعی طور پر مایوس ہو چکے ہیں کیونکہ انہیں پوری طرح باور ہو چکا ہے کہ اس دین (جن کفار کو پوری طرح باور ہو گیا کہ "اسلام" دین حق ہے وہ اسے قبول کر کے مسلمان ہو گئے) کو مٹانا کسی کے بس کا روگ نہیں دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب فرمایا کہ اب تمہارے دشمن کا زور ٹوٹ چکا ہے ان کی ہر سازش اور شرارت ناکام ہوئی اور انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی لہٰذا اب دین اسلام کے غلبہ اور تمہارے عروج کا دور ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اقتدار اور اختیار کے نشہ میں آ کر دین اسلام کی اخلاقی اقدار کو پامال کرو۔ تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ ہر قسم کے عہد کی پاسداری کرنا چاہے وہ ایمان کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ہو یا ایک فرد یا قوم کا دوسرے فرد اور قوم کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کی پاسداری کا تقاضا ہے کہ اس کے حلال کو حلال سمجھو اور اس کی حرام کردہ چیزوں کو حرام جانو۔ کسی قوم کی دشمنی تمہیں شریعت کی حدود اور اخلاقی قدروں کو پامال کرنے پر آمادہ نہ کر پائے۔

اس کے بعد تیسرے رکوع میں بنی اسرائیل سے لیے گئے عہد کا تذکرہ کیا تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو کہ دین کے بنیادی تقاضے ہمیشہ ایک رہے ہیں جو بندے کا اللہ تعالیٰ سے عہد کرنے کے مترادف ہے۔ اس کے بعد یہود و نصاریٰ کے اس دعوے کی تردید کی گئی ہے کہ جو وہ لوگوں پر اپنا تقدس قائم کرنے کے لیے کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے چہیتے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔

اس میں یہ واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں اور اس کا محبّ وہی ہو سکتا ہے جو قرآن مجید کی تعلیمات کو تسلیم کرنے اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والا ہو۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کا جہاد سے انحراف بیان کیا اور آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا اپنے بھائی کے ہاتھوں قتل ہونے کا واقعہ بیان کرنے کے ساتھ دین کے فوجداری قوانین ذکر فرمائے، پھر مسلمانوں کو براہ راست مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شخصیات کو وسیلہ بنانے کی بجائے جہاد فی سبیل اللہ اور تقویٰ کے

ذریعے اپنے رب کے قریب ہونے کی کوشش کرو۔

آیت نمبر ۵۶ سے لیکر نمبر ۶۶ میں یہ بیان کیا کہ یہود ونصاریٰ مسلمانوں کے دلی دوست اور کبھی خیرخواہ نہیں ہوسکتے لہٰذا اے رسول مکرم ﷺ آپ کورائے عامہ کے خوف اور یہود ونصاریٰ سے ڈرے بغیر رسالت کے پیغام کومن وعن لوگوں تک پہنچانا چاہیے یہ تو وہ لوگ ہیں جن کے باطل عقیدہ اور گھناؤنے کردار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اور حضرت داؤد علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء نے ان پر لعنت کی ہے حضرت داؤد اور جناب عیسیٰ کا اس لیے ذکر کیا کہ یہودی موسیٰ کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں تاہم یہ وضاحت فرمائی کہ عیسائیوں میں ایک فرقہ ایسا ہے کہ جو مسلمانوں کے بارے میں نرم گوشہ رکھتا ہے اور اسی نرمی کی بناء پر ان میں کئی لوگ قرآن مجید سن کر نبی آخرالزمان ﷺ پر ایمان لے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے فضل وکرم کے ساتھ جنت میں داخل کرے گا۔

آیت نمبر ۸۷ تا ۱۰۸ تک قسم کے کفارے کا بیان ہے شراب، جوا، بتوں اور مختلف طریقوں سے اپنی قسمت معلوم کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے احرام کی حالت میں خشکی کا شکار کرنا حرام اور بحری سفر میں دریائی شکار کو جائز قرار دیا ہے۔ ان مسائل کے بعد مسلمانوں کو یہ تلقین فرمائی کہ نزول قرآن کے زمانہ میں سوالات کرنے سے اجتناب کرو اور اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کرنے کی بجائے رسول کی اتباع کو مقدم جانو اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے دشمن تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

سورۃ المائدۃ کے اختتام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عظیم الشان معجزات بیان کرتے ہوئے واضح فرمایا کہ اتنے عظیم معجزات ملنے کے باوجود عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک دسترخوان نازل ہونا چاہیے تاکہ ہم اس سے کھا کر مطمئن اور لطف اندوز ہوں۔ اس سورت کا اختتام اس بات پر کیا گیا کہ محشر کے میدان میں عیسائیوں کے مشرکانہ عقیدہ کی وجہ سے حضرت عیسیٰ سے وضاحت طلب کی جائے گی کہ اے عیسیٰ کیا آپ نے عیسائیوں کو یہ عقیدہ پڑھایا اور سمجھایا تھا کہ وہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کا شریک بنالیں جس کے جواب میں حضرت عیسیٰ نہایت ہی عاجزانہ انداز میں اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے عرض کریں گے کہ اے مولائے کریم! اگر میں نے یہ بات کہی تو آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کیونکہ آپ دلوں کے بھید اور سینوں کے راز جاننے والے ہیں۔ اس التجا کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ بھی عرض کریں گے کہ اے رب ذوالجلال! اگر آپ ان کو عذاب کریں تو یہ تیرے ہی بندے ہیں اگر آپ معاف فرمادیں تو آپ کو کوئی روکنے والا نہیں کیونکہ آپ فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور آپ کے حکم میں بڑی حکمتیں پنہاں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کی درخواست کو یہ کہہ کر مسترد فرمادیں گے کہ آج سچے لوگوں کو ان کی سچائی کا ہی فائدہ پہنچے گا۔ اہل علم نے لکھا ہے کہ یہاں سچائی سے مراد اللہ کی توحید کا عقیدہ ہے جس کے بغیر کوئی نیک سے نیک عمل بھی اللہ کے حضور قبول نہیں ہوگا۔

سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ مَدَنِیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رُکُوْعُھَا: ١٦
اٰیَاتُھَا: ١٢٠

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

یٰٓاَیُّھَا	الَّذِیْنَ	اٰمَنُوْٓا	اَوْفُوْا	بِالْعُقُوْدِ ۥ	اُحِلَّتْ	لَکُمْ	
اے	لوگو	جو ایمان لائے	پورا کرو تم	وعدوں کو	حلال کیے گئے	تمہارے لیے	
بَھِیْمَۃُ	الْاَنْعَامِ	اِلَّا مَا	یُتْلٰی	عَلَیْکُمْ	غَیْرَ	مُحِلِّی	
چوپائے	مویشی	سوائے جو	پڑھے جائیں	تم پر	علاوہ	حلال جاننے والے	
الصَّیْدِ	وَاَنْتُمْ	حُرُمٌ	اِنَّ	اللّٰہَ	یَحْکُمُ	مَا یُرِیْدُ ①	
شکار	اور تم ہو	حالت احرام	یقیناً	اللہ	فیصلہ کرتا ہے	جو چاہتا ہے	

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! عہد پورے کرو تمہارے لیے چوپائے حلال کیے گئے ہیں سوائے ان کے جو تمہیں بتلائے جائیں شکار کو حلال نہ جانو جب تم حالت احرام میں ہو، یقیناً اللہ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔“(١)

فہم القرآن

ربط کلام: سورۃ النساء کا آغاز عام لوگوں کے خطاب سے ہوا۔ سورۃ المائدۃ کا آغاز مومنوں سے خطاب کرتے ہوئے کیا گیا ہے۔

ایمان کا معنی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی ذات اور ان کے احکام کو تسلیم کرنا۔ جس کا مفہوم یہ ہوا کہ ”اے صاحب ایمان لوگو! تمہارا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا ایک عہد ہے۔ لہٰذا اس عہد کی پاسداری کرو۔ عقود عقد کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے ”کسی سے پختہ عہد کرنا۔“ اس کی تین اقسام ہیں۔

١۔ بندے کا اللہ تعالیٰ سے عہد۔ جو ایمان لانے کی صورت میں کرتا ہے۔

٢۔ انسان کا اپنے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد کرنا۔

٣۔ آدمی کا دوسرے کے ساتھ عہد کرنا۔

حاکم اور رعیت کا ایک دوسرے کے ساتھ، کسی خاندان کا دوسرے خاندان اور ایک قوم کا دوسری قوم کے ساتھ عہد کرنا عقود میں شامل ہے میاں بیوی کے نکاح کے لیے بھی قرآن مجید نے عقد کا لفظ استعمال کیا ہے۔ کیونکہ نکاح میاں، بیوی کے درمیان ایک پختہ عہد ہے۔ یہ بات بھی عہد کی پاسداری میں شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو جانور حلال کیے ہیں۔ انھیں ہی کھایا جائے۔ سوائے ان کے جن کا شکار کرنا احرام کی حالت میں منع کیا گیا ہے۔ البتہ حدیث میں اس بات کی رخصت دی گئی کہ اگر محرم نے شکار کرنے میں کسی قسم کی معاونت نہ کی ہو تو وہ غیر محرم کا کیا ہوا شکار کھا سکتا ہے۔ احرام وہ لباس ہے جو عمرہ اور حج کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر میں حاضری دینے والوں کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ احرام اور بیت اللہ کی حاضری کا تقاضا

یہ ہے کہ آدمی شریعت کی عائد کردہ دوسری پابندیوں کے ساتھ شکار کرنے سے بھی اجتناب کرے۔ بہیمہ سے مراد وہ جانور ہیں جو گوشت کھانے کی بجائے زمین کی پیداوار سے خوراک حاصل کرتے ہیں۔ گوشت خور جنھیں عرف عام میں درندہ کہا جاتا ہے۔ان کو حرام کرنے کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ جانور وحشی طبیعت کے ہوتے ہیں۔جن کے کھانے سے انسان میں وحشت اور درندگی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔عہد کی پاسداری کا حکم دینے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے حکم جاری کرتا ہے۔انسان کی طبیعت کھانے پینے میں کسی قسم کی پابندی کو اپنے لیے بوجھ تصور کرتی ہے۔جس کی وجہ سے وہ ہر چیز کے حرام، حلال کا فلسفہ جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ جب اسے اس چیز کا فلسفہ سمجھ نہیں آتا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر لب کشائی کرنے کی جسارت کرتا ہے۔جس سے یہ کہہ کر منع کیا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ وہ جس چیز کو چاہے حلال کرے اور جس کو چاہے حرام قرار دے۔حرمت وحلت کا اختیار اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھی عطا نہیں فرمایا۔(التحریم:۱) اس لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا ہی عہد کی پاسداری اور ایمان کا تقاضا ہے

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَا خَطَبَنَا نَبِيُّ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَّا قَالَ لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ)) [مسند احمد ، ۳۱:مسند انس بن مالك]

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جب کبھی بھی خطبہ ارشاد فرمایا تو الفاظ ضرور ادا فرمائے کہ اُس بندے کا ایمان نہیں جو امانت دار نہیں اور اُس بندے کا دین نہیں جو وعدے کی پاسداری نہیں کرتا۔“

مسائل

۱۔ عہد کی پاسداری کرنی چاہیے۔ ۲۔ حالت احرام میں شکار کرنا جائز نہیں۔

۳۔اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے فیصلے کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ایفاء عہد کا حکم:

۱۔ اللہ کے بندے وعدہ ایفاء کرتے ہیں۔(البقرۃ:۱۷۷)

۲۔ اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو پورا کرو۔(الانعام:۱۵۲)

۳۔ ایماندار اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا عہد پورا کرتے ہیں۔(الرعد:۲۰)

۴۔ اللہ کے عہد کا ایفاء ضروری ہے۔(النحل:۹۱)

۵۔ قیامت کے دن ایفائے عہد کے بارے میں سوال ہوگا۔(الاسراء:۳۴)

٦۔ جو اللہ کا وعدہ پورا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔(البقرۃ:۴۰)

يَاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	لَا	تُحِلُّوْا	شَعَآئِرَ	اللّٰهِ
اے	لوگ	جو ایمان لائے	نہ	تم بے حرمتی کرو	نشانیاں	اللہ کی
وَلَا	الشَّهْرَ	الْحَرَامَ	وَلَا	الْهَدْيَ	وَلَا	الْقَلَآئِدَ
اور نہ	مہینہ	حرمت والا	اور نہ	قربانی	اور نہ	پٹے کی
وَلَآ	آٰمِّيْنَ	الْبَيْتَ	الْحَرَامَ	يَبْتَغُوْنَ	فَضْلًا	مِّنْ
اور نہ	قصد کرنے والے	گھر	حرمت والا	وہ تلاش کرتے ہیں	فضل	سے
رَّبِّهِمْ	وَرِضْوَانًا ؕ	وَاِذَا	حَلَلْتُمْ	فَاصْطَادُوْا ؕ	وَلَا	يَجْرِمَنَّكُمْ
اپنے رب	اور رضا	اور جب	تم احرام کھول لو	تو تم شکار کرو	اور نہ	وہ آمادہ کرے تمہیں

”اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینے کی اور نہ حرم کی قربانی کی اور نہ پٹوں والے جانوروں کی اور نہ حرمت والے گھر کا قصد کرنے والوں کی، جو اپنے رب کا فضل اور خوشنودی تلاش کرتے ہیں اور جب احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو اور کسی قوم کی

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ:

پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ حرمت وحلت کے سلسلہ میں انسان حد سے زیادہ حساس واقع ہوا ہے۔ اس لیے پھر ”یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا “ کے خطاب سے حرمت وحلت کے مسائل کی تفسیر بیان کی جارہی ہے۔

جس کا مفہوم یہ بھی لیا جا سکتا ہے کہ اے ایمان کا دعوی کرنے والو۔ اپنے ایمان کو تازہ اور پختہ کرو اور حرمتوں کا احترام کرو حرمتوں کے لیے ”شعائر اللّٰہ“ کا لفظ استعمال کیا تاکہ ان کی اہمیت کا مزید احساس پیدا ہو شعائر ”شعیرۃ“ کی جمع ہے۔ جس کا معنی ہے کہ دین کی ایسی علامت جس سے دین یا اس کے کسی رکن کی شناخت اور تکریم واضح ہوتی ہو۔ شعائر اللہ میں سے چار کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ بعض اہل علم نے شعائر میں کسی قوم یا ملک کی اس نشانی کو بھی شامل کیا ہے جس سے کسی قوم کی قومی اور مذہبی شناخت ہوتی ہے۔ جیسا کہ قومی پرچم اور مخصوص قومی لباس ہے۔ انھیں قومی شعائر تو کہا جا سکتا ہے لیکن یہ چیزیں شعائر اللہ کا مقام حاصل نہیں کر سکتیں۔

۱۔ حرمت والے مہینے۔ ذیقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب، یہ مہینے اس وقت سے محترم قرار پائے ہیں۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا فرمایا ہے۔ (التوبۃ: ٣٦) مفسرین نے ان کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ ان مہینوں میں لوگ حج کرنے کے لیے بیت اللہ آیا کرتے تھے۔ اس لیے ابتدائے آفرینش سے انھیں محترم قرار دیا گیا تاکہ دور دراز سے آنے جانے

وقف لازم

الربع

شَنَاٰنُ	قَوْمٍ	اَنْ	صَدُّوْكُمْ	عَنِ	الْمَسْجِدِ	الْحَرَامِ
دشمنی	قوم	یہ کہ	انہوں نے تم کو روک دیا تھا	سے	مسجد	حرام
اَنْ	تَعْتَدُوْا ۘ	وَتَعَاوَنُوْا	عَلَى	الْبِرِّ	وَالتَّقْوٰى ۖ	وَلَا
یہ کہ	تم ایک دوسرے پر زیادتی کرو	اور تم آپس میں تعاون کرو	پر	نیکی	تقوی	اور نہ
تَعَاوَنُوْا	عَلَى	الْاِثْمِ	وَالْعُدْوَانِ ۖ	وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ	اِنَّ	اللّٰهَ
تم تعاون کرو	پر	گناہ	اور زیادتی	اور اللہ سے ڈرو	یقیناً	اللہ

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝٢

سخت عذاب

دشمنی تمہیں اس بات پر مجبور نہ کرے کہ حد سے بڑھ جاؤ، اس لیے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا ہے نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔''(٢)

والے زائرین کو تحفظ فراہم کیا جا سکے۔ ان میں تین مہینے تو متواتر ہیں جبکہ چوتھا مہینہ رجب ہے جو رمضان المبارک سے دو مہینے پہلے آتا ہے اس کو اس لیے محترم ٹھہرایا گیا کہ قدیم زمانے سے لوگ اس میں بیت اللہ کی زیارت اور عمرہ کے لیے آیا کرتے تھے۔ (٢) (الھدی) اس سے مراد وہ جانور ہے جس کو بیت اللہ میں قربانی کے لیے نامزد کیا گیا ہو (٣) (القلآئد) اس سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو بیت اللہ بھیجے جانیوالے جانوروں کے گلے میں ڈالی جاتی تھیں۔ یہ پرانی جوتی، دھاگہ یا اس کے جسم پر ہلکی سی خراش دے کر اس کے بالوں پر خون لگا دیا جاتا تھا تاکہ معلوم ہو کہ یہ جانور اللہ کے لیے قربانی کرنے کے لیے رکھا گیا ہے۔ (٤) زائرین حرم۔ یہ لوگ اللہ کی راہ کے مسافر، اس کے گھر کے مہمان اور اس کے فضل و کرم کے طلبگار ہوتے ہیں اس لیے ان کا احترام و اکرام کرنا بھی واجب قرار دیا گیا ہے۔

احرام کی حالت میں شکار کھیلنے پر پابندی تھی اب اس کی اجازت عنایت فرمائی کہ جب تم احرام کھول دو تو شکار کرنے کی اجازت ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کفار نے مکہ داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ جو عربوں کی دینی اور ملی روایات کے خلاف تھا۔ خطرہ تھا کہ صحابہ کرام اس حالت میں مدینہ واپس لوٹیں گے تو مدینہ کے راستے سے بیت اللہ کی زیارت کرنے والے کفار کو اس طرح روکنے کی کوشش کریں۔ جس طرح صحابہ کو روکا گیا تھا لہٰذا سختی کے ساتھ منع کر دیا گیا کہ کسی قوم کا رد عمل بیت اللہ کی طرف آنے والے مسافروں کے لیے رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔ دوسرے لفظوں میں یہ مسلمانوں کی شان کے منافی ہے کہ وہ کفار جیسا وطیرہ اختیار کریں۔ مسلمان کی شان اور کردار یہ ہونا چاہیے کہ وہ ہر نیکی اور تقوی کے کام میں تعاون کرے۔ چاہے نیکی کرنے والا مسلمان کا مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ مسلمانوں کو ظلم اور گناہ کی معاونت ہرگز نہیں

کرنا چاہیے۔ بے شک ظلم اور گناہ کرنے والے ان کے عزیز واقرباء کیوں نہ ہوں۔ مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتے ہوئے نیکی اور تقوی کے کام میں تعاون کرے بصورت دیگر۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت پکڑنے والا ہے۔ الا یہ کہ نیکی اور تقوی کا نام لے کر کوئی شخص اس کے پس منظر میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کسی سازش کا ارتکاب کرے تو بظاہر نیکی ہونے کے باوجود ایسے آدمی سے تعاون نہیں کرنا چاہیے۔

اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خارجیوں سے یہ کہہ کر عدم تعاون کا اعلان کیا تھا کہ یہ لوگ نیکی کے پردے میں باطل کی تائید کر رہے ہیں۔ ((کَلِمَةَ حَقٍ اُرِیْدَ بِهِ الْبَاطِلَ)) [البدایه و النهایه]

مسائل

۱۔ اللہ کی نشانیوں (مناسک حج وغیرہ) کی بے حرمتی کرنا جائز نہیں۔

۲۔ عازمین حج کا احترام کرنا لازم ہے۔

۳۔ باہمی رنجش کی وجہ سے کسی کو بیت الحرام سے روکنا جائز نہیں۔

۴۔ نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے۔

۵۔ گناہ کرنے والوں کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہیے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کا فضل:

۱۔ انسان کا خسارے سے بچنا اللہ کے فضل کا نتیجہ ہے۔ (البقرۃ:۶۴)

۲۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے۔ (البقرۃ:۲۴۳)

۳۔ اللہ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے۔ (آل عمران:۷۴)

۴۔ اللہ مومنوں پر اپنا فضل کرتا ہے۔ (آل عمران:۱۵۲)

۵۔ اللہ کے فضل کے بغیر آدمی شیطان کا غلام بن جاتا ہے۔ (النساء:۸۳)

۶۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل پر خوش ہونا چاہیے۔ (یونس:۵۸)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ

حرام کیا گیا تم پر مردار اور خون اور گوشت خنزیر اور جو

اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ

مشہور کیا جائے غیر کیلئے اللہ ساتھ اس کے اور گلا گھٹنے سے مرنے والا اور چوٹ لگنے سے مرنے والا اور گر کر مرنے والا

وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ قف وَمَا

اور سینگ سے مرنے والا اور جو اس نے کھایا درندے مگر جو تم ذبح کرلو اور جو

ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ط ذٰلِكُمْ

ذبح کیا جائے پر تھانوں اور یہ کہ تم قسمت معلوم کرو فال کے تیروں کے ساتھ یہ سب

فِسْقٌ ط اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ

گناہ ہے آج کے دن ناامید ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا سے تمہارے دین

”تم پر مردار حرام کیا گیا ہے اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جو غیر اللہ کے نام پر مشہور کیا جائے اور گلا گھٹنے سے مرنے والا اور چوٹ کھا کر اور گر کر اور سینگ سے مرنے والا اور جسے درندے نے کھایا ہو، مگر جو تم ذبح کر لو اور جو تھانوں پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ کہ تم تیروں کے ذریعے قسمت معلوم کرو یہ سراسر نافرمانی ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا آج تمہارے دین سے مایوس ہو گئے

فہم القرآن

ربط کلام: حرام وحلال کی مزید تفصیل۔

دین کے معانی:

دین اسلام اپنے کام اور نظام کے اعتبار سے کامل اور اکمل ہی نہیں بلکہ یہ تو اپنے نام کے دامن میں بھی پوری جامعیت اور دنیا و آخرت کے معاملات کا احاطہ کیے ہوئے ہے چنانچہ دین کا معنی ہے(۱) تابع دار رہنا (۲) دوسرے کو اپنا تابع فرمان بنانا (۳) مکمل اخلاص اور یکسوئی کا اظہار کرنا۔ (۴) قانون (۵) مکمل ضابطۂ حیات (٦) جزاء وسزا اور قیامت کے دن کے لیے بھی لفظ دین بولا جاتا ہے۔ ذیل میں چند حوالے ملاحظہ فرمائیں۔

اطاعت:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ o اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾ [الزمر:۲،۳]

”(اے نبی) یہ کتاب ہم نے تمہاری طرف برحق نازل کی ہے۔ لہٰذا تم اللہ ہی کی بندگی کرو (اطاعت) کو اُسی

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

تو نہ تم ان سے ڈرو اور مجھ سے ڈرو آج میں نے مکمل کر دیا تمہارے لیے تمہارا دین

وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ

اور میں نے پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور میں نے پسند کر لیا تمہارے لیے اسلام دین

فَمَنِ اضْطُرَّ فِىْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ

تو جو مجبور ہو جائے میں بھوک علاوہ مائل ہونے والا گناہ پر

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

تو یقیناً اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے

تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو، آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا ہے اور میں نے پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا، جو بھوک کی صورت میں مجبور ہو جائے اس حالت میں کہ وہ گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو تو بے شک اللہ بے حد بخشنے والا نہایت مہربان ہے''(۳)

کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ خبردار، اطاعت خالص اللہ کا حق ہے۔''

تابع بنانا:

﴿هُوَ الَّذِى أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾[التوبة:۳۳]

''وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اس دین کو سب ادیان پر غالب کر دے چاہے مشرک ناپسند ہی کریں۔''

قانون اور ضابطہ:

﴿فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَاءِ اَخِيْهِ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِى دِيْنِ الْمَلِكِ﴾[یوسف:۷۶]

''تب یوسف نے اپنے بھائی سے پہلے ان دوسروں کی خرجیوں کی تلاشی لینی شروع کی' پھر اپنے بھائی کی خرجی سے گم شدہ چیز برآمد کر لی۔ اس طرح ہم نے یوسف کی تائید اپنی تدبیر سے کی۔ اسے یہ اختیار نہ تھا کہ بادشاہ کے دین یعنی مصر کے شاہی قانون میں اپنے بھائی کو پکڑتا۔''

نظام حکومت:

﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِىْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِى الْاَرْضِ الْفَسَادَ﴾[مومن:۲۶]

''ایک روز فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا' چھوڑ و مجھے میں اس موسیٰ کو قتل کیے دیتا ہوں اور پکار دیکھے یہ اپنے رب کو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تمہارا دین بدل ڈالے گا یا ملک میں فساد برپا کرے گا۔''

دین بمعنی دین:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ﴾ [التوبہ:٢٩]

''جنگ کرو اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روزِ آخر پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔''

روز قیامت:

﴿يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِo وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَo وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِo ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ﴾ [الانفطار:١٥تا١٨]

''جزا کے دن وہ اس میں داخل ہوں گے اور اس سے ہرگز غائب نہ ہوسکیں گے۔ اور تم کیا جانتے ہو کہ وہ جزا کا دن کیا ہے؟ ہاں تمہیں کیا خبر کہ وہ جزا کا دن کیا ہے۔''

جزاءوسزا:

﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ [فاتحۃ: ٣] ''روز جزا کا مالک ہے۔''

مذہب اور دین میں بنیادی فرق:

عربی لغت میں مذہب نام ہے رسومات' چند عبادات اور طریقے کا۔ جبکہ دین عبادات' احکامات' معاملات' اخلاقیات گویا کہ دنیا وآخرت کے تمام امور دین میں شامل ہیں لفظ مذہب عربی زبان کا لفظ ہونے کے باوجود قرآن واحادیث کے وسیع ترین علمی ذخیرہ میں دین کے لیے استعمال نہیں ہوا۔ جبکہ دین قرآن مجید اور عربی ادب میں ان تمام معنوں میں استعمال ہوا اور تمام معانی اور مفاہیم کا لفظ ''دین اسلام'' نے احاطہ کرلیا ہے۔ اسلام کا مرکزی اور جامع معنی سلامتی اور سپردگی کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی میں ایک اسم مبارک ''سلام'' ہے۔ اسم پاک ہونے کی وجہ سے اس کا معنی سلامتی والا اور سلامتی عطا فرمانے والا ہے۔ اسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لیے امن وسلامتی کا پیغام اور اپنے ماننے والوں کو سلامتی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ قائم ودائم اور ہمیشہ سے سلامتی والا ہے اور رہے گا۔ اس طرح دین اسلام ہمیشہ قائم اور تسلیم ورضا اختیار کرنے والوں کو دنیا وآخرت کی سلامتی فراہم کرنے کی ضمانت دیتا ہے اور دیتا رہے گا۔ دین اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ آدمی دل کی گہرائیوں اور عمل کی تمام اکائیوں کے ساتھ اس کے حلقۂ اثر میں شامل ہو جائے۔

اسلام کا مفہوم:

''ابراہیم کا حال یہ تھا کہ جب اس کے رب نے اس سے کہا ''مسلم ہوجا'' تو اس نے فوراً کہا میں مالکِ کائنات کا تابع ہوگیا۔ اس طریقے پر چلنے کی ہدایت اس نے اپنی اولاد کو بھی کی تھی اور اسی کی وصیت یعقوب اپنی اولاد کو کر گئے۔ انہوں نے کہا میرے بچو! اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند کیا ہے لہٰذا مرتے دم تک مسلمان ہی

رہنا۔"[البقرۃ:۱۳۱'۱۳۲]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔"[آل عمران:۱۰۲'۱۰۳]

اسلام مکمل تابع داری کا تقاضا کرتا ہے:

"اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آ جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"[البقرۃ:۲۰۸]

"کہیے! میری نماز' میرے تمام مراسمِ عبودیت' میرا جینا اور مرنا سب کچھ اللہ رب العٰلمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سرِ اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔ کہیے کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے۔"[الانعام:۱۶۲تا۱۶۴]

دینِ فطرت:

قرآنِ مجید نے اسلام کو دینِ فطرت قرار دیا ہے کہ اس کا ہر حکم اور ارشاد انسان کی فطرت اور طبیعت کے عین مطابق ہے فطرت کو سمجھنے کے لیے کسی بھی نومولود بچے کی عادات و حرکات پر غور فرمائیں۔ تجربہ اور مشاہدہ اس بات پر گواہ ہے کہ بطخ کا بچہ پیدا ہوتے ہی پانی کی طرف بھاگتا ہے، مرغی کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی مرغی کے پاؤں اور پروں میں سکون پاتا ہے، انسان کا نومولود اپنی ماں تا کی چھاتی کی طرف لپکتا ہے۔ ایسا اس لیے ہے کہ اس کی فطرت اسے ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اسی فطرت کی ترجمانی کرتے ہوئے آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ہر گھر کے آنگن میں پیدا ہونے والا بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

((مَامِنْ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ)) [مشکوۃ: باب 'الایمان بالقدر]

"ہر جنم لینے والا بچہ فطرتِ سلیم پر پیدا ہوتا ہے یہ تو والدین کی تربیت کے اثرات ہونگے کہ اسے یہودی، عیسائی یا آتش پرست بنا دیں۔"

بھینس کا بچہ اگر کچھ لمحوں کے لیے بھول کر بھینس کے تھنوں کی بجائے اگلی ٹانگوں میں منہ ڈالتا ہے تو مالک کے ایک اشارے کے بعد دوبارہ دودھ پینے والی جگہ کو نہیں بھولتا۔ انسانی فطرت کا خود اپنا تقاضا ہے کہ وہ اپنے رب سے مانگے اور اس کے سامنے جھکتا رہے۔ اس کے باوجود پیدا ہوتے ہی اس کے کانوں میں اذان اور اقامت کہہ کر اسے بتلایا ہے گیا کہ اب تمہیں یہ سبق نہیں بھولنا کہ تیرا اللہ ایک ہے اس نے ہی تجھے پیدا کیا اور تجھے ہر حال میں اس کے سامنے جھکنا ہوگا۔ جو شخص بڑا ہو کر توحید کے اس فطری راستے اور تقاضے کو چھوڑ کر شرک کی پگڈنڈیوں پر چلتا ہے وہ اپنے رب کا نافرمان ہی نہیں بلکہ اپنی فطرت سے بھی بغاوت کر رہا ہوتا ہے۔ ان آیات میں انسان کو بغاوت و سرکشی سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے اسی فطرت کا حوالہ دیا جا رہا ہے:

"پس اے نبی اور نبی کے ماننے والو! یک سو ہو کر اپنا رُخ اس دین کی طرف قائم کرو۔ جس فطرت پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت بدلنے کی اجازت نہیں ہے' یہی بالکل راست اور درست دین ہے مگر

اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔قائم ہو جاؤ اس بات پر اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور ڈرو اس سے اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں شامل نہ ہو جاؤ۔‘‘[الروم:۳۰ ،۳۱]

مومن اور مشرک کے درمیان یہی بنیادی فرق ہے کہ موحّد کی فطرت اپنی اصلیت پر قائم رہتی ہے جس کی وجہ سے وہ ہر حال میں اپنے خالق و مالک کی طرف رجوع کرتا ہے۔مشرک نے اپنی فطرت سے انحراف کیا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ خوش حالی اور امن وسکون کی حالت میں اپنے سچے اور حقیقی خالق کو براہِ راست پکارنے کی بجائے دوسروں کے توسّط سے سوال کرتا ہے لیکن ایسا شخص جب مسائل اور مصائب کے گرداب میں پھنس کر اسباب ووسائل سے مایوس ہو جاتا ہے تو وہ بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ الٰہی تیرے سوا کوئی میری مدد کرنے والا نہیں۔گویا کہ فطرت اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اسباب کے حجاب اور وسائل کے پردے اٹھ گئے ہیں۔جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کو براہِ راست پکار رہا ہے۔یہی وہ فطرتِ صحیحہ اور اس کی حقیقی آواز ہے جس سے انسان وسائل کی وجہ سے بغاوت کرتا ہے۔

’’اور جب سمندر میں ان لوگوں پر ایک موج سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہے تو یہ صرف ایک اللہ کو پکارتے ہیں اپنے دین کو بالکل اسی کے لیے خالص کر کے‘ پھر جب وہ بچا کر انہیں خشکی تک پہنچا دیتا ہے تو ان میں سے کوئی اغماض برتتا ہے اور ہماری نشانیوں کا انکار نہیں کرتا مگر ہر وہ شخص جو غدار اور ناشکرا ہے۔‘‘[لقمٰن:۳۲]

مسائل

۱۔ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے۔ ۲۔ شرک کی جگہ پر ذبح کیا ہوا جانور بھی حرام ہے۔

۳۔ کفار سے مرعوب ہونے کی بجائے اللہ پر ایمان پختہ رکھنا چاہیے۔ ۴۔ دین اسلام مکمل ہو چکا ہے۔

۵۔ انتہائی مجبوری کی حالت میں بعض حرمت والی چیزیں جائز ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اسلام کا معنی اور مفہوم:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم فرمانبردار بن جا تو ابراہیم اسی وقت رب کے مطیع ہو گئے۔(البقرۃ:۱۳۱)

۲۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے مطیع ہونے کا نام اسلام ہے۔(الصافات:۱۰۳تا۱۰۵)

۳۔ اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔(سورۃ آل عمران:۱۹)

۴۔ جو اسلام کے علاوہ دوسرا دین تلاش کرے گا وہ خسارہ اٹھائے گا۔(آل عمران:۸۵)

۵۔ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔(الانعام:۱۲۵)

۶۔ جس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا گیا وہ اللہ تعالیٰ کی روشنی پر ہے۔(الزمر:۲۲)

۷۔ جس نے اپنے چہرے کو اللہ کے سامنے جھکا دیا اور وہ نیکی کرنے والا ہے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا۔(لقمان:۲۲)

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ

وہ آپ سے پوچھتے ہیں کیا چیز حلال کی گئی ان کے لیے فرمادیجیے حلال کی گئیں تمہارے لیے

الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ

پاکیزہ چیزیں اور جو تم نے سدھائے سے شکاری جانور شکار کرنے والے تم ان کو سکھاتے ہو

مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ؗ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ

اس سے جو سکھلایا تمہیں اللہ تو تم کھاؤ اس سے جو وہ روکیں تم پر

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور ذکر کرو نام اللہ کا اس پر اور اللہ سے ڈرو یقیناً اللہ

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

جلد حساب لینے والا ہے

’’آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا ہے؟ فرمادیجئے تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں اور شکاری جانوروں میں سے جو تم نے سکھلائے ہیں جنہیں تم سکھلاتے ہو، جیسے اللہ نے تمہیں سکھایا ہے تو اس میں سے کھاؤ، جو وہ تمہارے لیے روک رکھیں۔ اور اس پر اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرو یقیناً اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔‘‘ (۴)

فہم القرآن

ربط کلام: حرام کے بعد حلال کی وضاحت۔

سابقہ آیات میں حرام کی ایک فہرست پڑھی گئی ہے اس لیے سوال پیدا ہوا کہ یہ چیزیں تو حرام ہیں لیکن حلال کونسی ہیں؟ اس کے بارے میں وضاحت نازل ہوئی کہ تمہارے لیے ہر طیب چیز حلال کر دی گئی ہے۔ سابقہ مذاہب میں یہ تھا کہ جو چیزیں ان کے مذہب میں حلال تھیں ان کے سوا باقی سب حرام تھا۔ دین اسلام نے اس کے خلاف فارمولا پیش فرمایا کہ حرام کے علاوہ تمام چیزیں اس شرط پر حلال ہیں کہ وہ پاک ہوں۔ پاک کے بارے میں اہل علم نے وضاحت کی ہے کہ جو شریعت کے کسی اصول کے تحت حرام نہ ہوں اور اسے فطرت سلیم کھانا پسند کرے۔ وہ جانور بھی حلال ہوگا جو شکاری کتے کے ذریعے شکار کیا گیا ہو۔ جسے تم نے سدھایا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سدھانے سے یہاں مراد شکار کرنے کے اصول وضوابط ہیں۔ جس کی تین بنیادی شرائط ہیں۔

۱۔ کتا یا باز سدھایا ہوا ہو۔ جس کی فقہاء نے یہ صفت بیان کی ہے کہ جب اسے شکار پر چھوڑا جائے تو وہ شکار کرے اور جب اسے روکا جائے تو رک جائے۔ یہاں تک کہ اگر وہ شکار پکڑنے کے لیے دوڑے یا اُڑے۔ مالک اسے رک

جانے کا اشارہ دے تو وہ واپس آ جائے۔

٢۔ شکار خود کھانے کی بجائے مالک کے لیے شکار کرے اگر اس نے اس میں خود کھالیا تو وہ سدھایا ہوا تصور نہیں ہوگا اور نہ اس کا کیا ہوا شکار حلال ہوگا۔

٣۔ اُسے چھوڑتے وقت ''بسم اللّٰه و اللّٰه اکبر'' پڑھا گیا ہو۔ اس صورت میں شکار مر جائے تو پھر بھی حلال تصور ہوگا۔ یہی حکم بندوق سے شکار کرنے کا ہے۔

اس بات سے علم کی فضیلت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جس کتے کے ایک دفعہ برتن چاٹنے سے اُسے ایک دفعہ مٹی کے ساتھ اور چھ مرتبہ پانی کے ساتھ دھونا پڑتا ہے۔ صرف علم کی بنیاد پر وہ اپنی نسل سے اس قدر ممتاز ہوا کہ اس کے ہاتھوں مرا ہوا جانور بھی حلال قرار پایا ہے۔ آیت کے آخر میں ''**و اتقو اللّٰه** اور **سریع الحساب**'' کے الفاظ استعمال فرما کر شکار کرنے والوں کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شکار ان شرائط پر پورا نہ اترے اور تم گوشت خوری کے شوق میں یونہی نوش کر جاؤ۔ ایسا کرنا حرام اور اللہ تعالیٰ کی سخت نافرمانی ہوگی۔ لہٰذا یاد رکھو اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب چکانے والا ہے۔ اس سے ڈرتے رہو **و اتقو اللّٰه** کا یہ مفہوم بھی اخذ کیا گیا ہے کہ شکار کے جنون میں آ کر فرض نمازوں سے غافل نہ ہونا جیسا کہ عام شکاری سارا دن شکار کے پیچھے دوڑتے ہوئے نماز کا خیال نہیں کرتے۔

((عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ وَسَمَّيْتَ فَأَمْسَكَ وَقَتَلَ فَكُلْ وَإِنْ أَكَلَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ وَإِذَا خَالَطَ كِلَابًا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهَا فَأَمْسَكْنَ وَقَتَلْنَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَيُّهَا قَتَلَ وَإِنْ رَمَيْتَ الصَّيْدَ فَوَجَدْتَهُ بَعْدَ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ لَيْسَ بِهِ إِلَّا أَثَرُ سَهْمِكَ فَكُلْ وَإِنْ وَقَعَ فِي الْمَاءِ فَلَا تَأْكُلْ))

''حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذکر کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو اللہ کا نام لے کر کتا شکار کے لیے چھوڑے تو وہ شکار کر کے تیرے لیے پکڑے رکھے تو اس کو کھالو۔ اگر وہ کتا اس کو تھوڑا بہت کھالے تو پھر نہ کھانا۔ کیونکہ اس نے اپنے لیے شکار کیا ہے۔ اگر اس کے ساتھ کوئی اور کتا شامل ہو جائے جس کو اللہ کا نام لے کر نہیں چھوڑا گیا اور وہ دونوں شکار کریں تو اس سے نہ کھانا کیونکہ تم نہیں جانتے کہ کس نے شکار کیا ہے۔ اگر تم تیر کے ساتھ شکار کرو اور تم اپنے شکار کو ایک یا دو دن بعد پاؤ (بشرطیکہ وہ کھانے کے قابل ہو) تو اگر اس پر صرف تیرے ہی تیر کا نشان ہے تو اس کو کھالو اور اگر وہ پانی میں گر گیا ہو تو پھر نہ کھانا۔'' [رواہ البخاری: کتاب الذبائح،]

مسائل

١۔ تمام پاک وصاف چیزیں حلال ہیں۔ ٢۔ سدھائے ہوئے جانور کا شکار حلال ہے۔

٣۔ شکار کرتے ہوئے بھی بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنا ضروری ہے۔ ٤۔ اللہ تعالیٰ کے احتساب سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

آج حلال کردی گئیں تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں اور کھانا وہ لوگ دیے گئے

الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ

کتاب حلال ہے تمہارے لیے اور تمہارا کھانا حلال ہے ان کے لیے اور پاکباز

مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

سے مومنات اور پاکباز سے وہ لوگ دیے گئے کتاب

مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ

سے پہلے تم جب تم ان کو دو ان کے مہر نکاح میں لانے والے علاوہ

مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ

بدکاری کرنے والے اور نہ بنانے والے خفیہ آشنائی اور جو انکار کرے گا ایمان کا تو یقیناً

حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵ ع

ضائع ہوگیا اس کا عمل اور وہ میں آخرت سے نقصان پانے والے

”آج تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کردی گئیں اور ان لوگوں کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے جنہیں کتاب دی گئی اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور ایمان والیوں میں سے پاک دامن عورتیں اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ، جب تم انہیں ان کے مہر دے دو۔ عقدِ نکاح میں لانے والے ، نہ مستی نکالنے والے اور نہ چھپی آشنائیاں بنانے والے اور جو ایمان کا انکار کرے تو یقیناً اس کا عمل ضائع ہوگیا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں سے ہے۔“ (۵)

فہم القرآن

ربط کلام: حرام اور حلال کی مزید وضاحت۔

آج کے دن سے مراد نو ذوالحجہ ہے جس کے بارے میں پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ یہ دن تکمیل دین ، اتمامِ نعمت اور مسلمانوں کے لیے شوکت اسلام کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں یہ بھی اعلان ہوا کہ باقی حلال چیزوں کے ساتھ تمہیں یہ بھی اجازت دی جاتی ہے کہ اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ اہل کتاب کا کھانا جس طرح کا بھی ہو وہ مسلمانوں کے لیے جائز ہوگا۔ بلکہ اس میں اسلام کی حلال وطیب کی شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ جس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ چیز نہ تو غیر اللہ کے نام پر پکائی گئی ہو اور نہ ہی ذبح کرتے وقت کسی غیر کا نام لیا گیا ہو۔ اہل کتاب سے مراد یہودی اور

عیسائی ہیں جو آسمانی کتابوں پر یقین رکھتے ہوں بے شک وہ عمل اور عقیدے کے اعتبار سے کمزور ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ جن اہل کتاب کے متعلق اجازت دی گئی ہے ان کے جرائم کی قرآن مجید طویل فہرست پیش کرتا ہے۔عقیدہ میں شرک کی آمیزش، کتاب اللہ میں تحریف کرنے والے اور سود خور بھی تھے۔تیسری اجازت اس بات کی دی گئی کہ اہل کتاب کی باکردار اور باحیا عورتوں سے مسلمان کے لیے نکاح کرنا جائز ہے بشرطیکہ ان کا حق مہر ادا کیا جائے۔جس نے اللہ تعالیٰ کے جاری کیے ہوئے قواعد وضوابط کی خلاف ورزی کی وہ کفر کا مرتکب ہوا۔اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آخرت میں وہ نقصان پانے والوں میں سے ہوگا۔اعمال ضائع ہونے سے یہ بھی مراد ہے کہ بدکردار عورت سے نکاح کرنے میں آدمی کا وقار، عزت اور غیرت ختم ہو جاتی ہے۔ایسی عورت سے جو اولاد ہوگی اسے بھی تشکیک کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔جہاں تک اہل کتاب کی عورت سے نکاح کرنے کا تعلق ہے وہ اتنا کھلا اجازت نامہ نہیں جس طرح کہ لوگوں نے اپنی عیاشی کے لیے سمجھ رکھا ہے۔اس کو سمجھنے کے لیے ایک مثال ہی کافی ہونی چاہیے۔

ابو بکر جصاص نے احکام القرآن میں شقیق بن سلمہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جب مدائن پہنچے تو وہاں ایک یہودی عورت سے نکاح کر لیا۔حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو ان کو خط لکھا کہ اس کو طلاق دیدو۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ کیا وہ میرے لیے حرام ہے، تو پھر امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں حرام نہیں کہتا لیکن ان لوگوں کی عورتوں میں عام طور پر عفت و پاکدامنی نہیں ہے۔اس لیے مجھے خطرہ ہے کہ آپ لوگوں کے گھرانہ میں اس راہ سے فحاشی و بدکاری داخل نہ ہو جائے۔امام محمد بن حسن رحمہ اللہ نے کتاب الآثار میں اس واقعہ کو بروایت امام ابوحنیفہ اس طرح نقل کیا ہے کہ دوسری مرتبہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تو اس کے یہ الفاظ تھے:

((اعزم عليك ان لا تضع كتابى حتّٰى تخلى سبيلها فانى اخاف ان يقتديك المسلمون فيختارو النساء اهل الذمة لجمالهن و كفى بذلك فتنة لنساء المسلمين ـ)) (كتاب الآثار، ص: ١٥٦)

”یعنی آپ کو قسم دیتا ہوں کہ میرا یہ خط اپنے ہاتھ سے رکھنے سے پہلے ہی اس کو طلاق دے کر آزاد کر دو۔کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ دوسرے مسلمان بھی آپ کی اقتدا کریں گے اور اہل ذمہ اہل کتاب کی عورتوں کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے مسلمان عورتوں پر ترجیح دینے لگیں گے۔مسلمان عورتوں کے لیے اس سے بڑی مصیبت کیا ہوگی۔“

مؤرخ اس کے جواب میں لکھتا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کا خط پڑھتے ہی اپنی پسندیدہ بیوی کو طلاق دے دی۔

مسائل

۱۔ اہل کتاب کا کھانا حلال ہے۔۲۔ اہل کتاب کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔

۳۔ اہل کتاب کی عورتوں سے مشروط نکاح جائز ہے۔

۴۔ ایمان لانے سے انکار کرنے والے آخرت میں نقصان اٹھائیں گے۔

یٰۤاَیُّھَا	الَّذِیْنَ	اٰمَنُوْۤا	اِذَا	قُمْتُمْ	اِلَی	الصَّلٰوۃِ
اے	لوگو	جوایمان لائے	جب	اٹھوتم	طرف	نماز کی
فَاغْسِلُوْا	وُجُوْھَکُمْ	وَاَیْدِیَکُمْ	اِلَی	الْمَرَافِقِ	وَامْسَحُوْا	بِرُءُوْسِکُمْ
تو دھوؤ تم	اپنے چہرے	اوراپنے ہاتھ	تک	کہنیوں	اورمسح کرو	اپنے سروں کا
وَاَرْجُلَکُمْ	اِلَی	الْکَعْبَیْنِ ط	وَاِنْ	کُنْتُمْ	جُنُبًا	فَاطَّھَّرُوْا ط
اوراپنے پاؤں دھوؤ	تک	دونوں ٹخنہ	اوراگر	ہوتم	جنبی	توپاکیزگی حاصل کرو
وَاِنْ	کُنْتُمْ	مَّرْضٰۤی	اَوْ	عَلٰی	سَفَرٍ	اَوْجَآءَ
اوراگر	ہوتم	مریض (جمع)	یا	پر	سفر	یا آئے
اَحَدٌ	مِّنْکُمْ	مِّنَ	الْغَآئِطِ	اَوْ	لٰمَسْتُمُ	النِّسَآءَ
کوئی	تم سے	سے	قضائے حاجت	یا	تم نے چھواہو	عورتوں کو

''اے لوگو جوایمان لائے ہو جب تم نماز کے لیے اٹھوتو اپنے منہ اوراپنے ہاتھ کہنیوں تک دھولواوراپنے سروں کا مسح کرواوراپنے پاؤں ٹخنوں تک دھولو۔اوراگر جنبی ہوتوغسل کرلواوراگر بیمار ہویا کسی سفر پر یاتم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یاتم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو

فہم القرآن

ربط کلام: غذائی پاکیزگی کے بعدجسمانی طہارت کاحکم۔

سورۃ النساء کی آیت ۴۳ میں غسل اورتیمّم کا مسئلہ بیان کیا گیا تھا۔اب حکم ہوا ہے کہ اے صاحب ایمان لوگو! جب تم نماز پڑھنے کاارادہ کروتو اپنے چہروں اور ہاتھوں کوکہنیوں تک دھولیا کرو۔اپنے سروں کا مسح کیا کرواور پاؤں کوٹخنوں تک دھویا کرو۔اگر حالت جنابت میں ہوتوغسل کرکے پاک ہو جاؤ۔کوئی شخص بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا کوئی قضائے حاجت سے فارغ ہواہو یااس نے اپنی بیوی سے مجامعت کی ہواوراسے پانی نہ ملے توپاک مٹی پر ہاتھ مارکرمنہ اورچہرے کا مسح کرو۔اللہ تعالیٰ مسلمانوں پرسختی کاارادہ نہیں رکھتا وہ تمہیں پاک کرنے اورتم پراپنی نعمت کوپورا کرنا چاہتا ہے تاکہ مسلمان شکرگزار بن جائیں۔

وضوکی حالت میں بیوی کے ساتھ کس حدتک لمس جائز ہے؟: آپ ﷺ نے وضو کے بعداپنی بیوی سے بوس وکنار کیا تاکہ قرآن کامفہوم متعین ہواورامت کے لیے سہولت نکل آئے۔

فَلَمْ	تَجِدُوْا	مَآءً	فَتَيَمَّمُوْا	صَعِيْدًا	طَيِّبًا	فَامْسَحُوْا
تو نہ	پاؤ تم	پانی	تو تیمّم کرلو	مٹی	پاک	پس تم مسح کرو
بِوُجُوْهِكُمْ	وَاَيْدِيْكُمْ	مِّنْهُ	مَا	يُرِيْدُ	اللّٰهُ	لِيَجْعَلَ
اپنے چہروں کا	اور اپنے ہاتھوں کا	اس سے	نہیں	ارادہ کرتا	اللہ	کہ کرے
عَلَيْكُمْ	مِّنْ	حَرَجٍ	وَّلٰكِنْ	يُّرِيْدُ	لِيُطَهِّرَكُمْ	وَلِيُتِمَّ
تم پر	سے	تنگی	اور لیکن	وہ ارادہ کرتا ہے	کہ تم کو پاک کرے	اور تا کہ پوری کرے
نِعْمَتَهٗ	عَلَيْكُمْ	لَعَلَّكُمْ	تَشْكُرُوْنَ ۞			
اپنی نعمت	تم پر	تا کہ تم	شکر کرو			

پھر اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کرو، پس اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرو، اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے۔ لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے تا کہ وہ اپنی نعمت تم پر پوری کرے تا کہ تم شکر گزار بنو۔" (٦)

((عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ بَعْضَ نِسَائِهِ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ)) [رواہ البخاری: کتاب الطھارۃ]

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بلاشبہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی کسی زوجہ محترمہ سے بوس وکنار کیا۔ پھر دوبارہ وضو کیے بغیر ہی نماز ادا کی۔"

وضو کا طریقہ:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَا وُضُوءَ لَهُ وَلَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالَى عَلَيْهِ)) [رواہ ابو داؤد: باب التَّسْمِيَةِ عَلَى الْوُضُوءِ]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی اور بسم اللہ کے بغیر وضو نہیں ہوتا۔"

((عن عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ دَعَا بِإِنَاءٍ فَأَفْرَغَ عَلَى كَفَّيْهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ أَدْخَلَ يَمِينَهُ فِي الْإِنَاءِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلَاثَ مِرَارٍ ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هٰذَا ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ))

[رواہ البخاری: کتاب الوضوء، بَاب الْوُضُوءِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا]

"حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے پانی والا برتن منگوایا۔ اپنے ہاتھوں پر پانی ڈالتے ہوئے

انھیں تین مرتبہ دھویا۔ پھر اپنے دائیں ہاتھ سے برتن سے پانی لے کر کلی کی اور ناک صاف کیا۔ پھر تین مرتبہ اپنے چہرے کو دھونے کے ساتھ بازوؤں کو کہنی تک دھویا۔ پھر سر کا مسح کرتے ہوئے اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک تین مرتبہ دھویا۔ پھر کہا رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس نے میرے وضو جیسا وضو کیا پھر دو رکعت نماز ادا کی۔ اس دوران اس نے دل میں کسی سے گفتگو نہ کی تو اس کے پہلے سارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔‘‘

((عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ فُتِحَتْ لَهُ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ))[رواه الترمذی:باب فیما یقال بعد الوضوء]

’’حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر کہتا ہے میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ اکیلا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اُس کے بندے اور رسول ہیں۔ اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں میں اور پاک صاف رہنے والوں میں شامل فرما اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں جہاں سے چاہے داخل ہو جائے۔‘‘

تیمّم کا طریقہ:

((عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى رضی اللہ عنہ عَنْ أَبِيهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ فَقَالَ إِنِّي أَجْنَبْتُ فَلَمْ أُصِبِ الْمَاءَ فَقَالَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَمَا تَذْكُرُ إِنَّا كُنَّا فِي سَفَرٍ أَنَا وَأَنْتَ فَأَمَّا أَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ وَأَمَّا أَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَصَلَّيْتُ فَذَكَرْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هٰكَذَا فَضَرَبَ النَّبِيُّ ﷺ بِكَفَّيْهِ الْأَرْضَ وَنَفَخَ فِيهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ))[رواه البخاری:کتاب التیمم ، باب الْمُتَيَمِّمُ هَلْ يَنْفُخُ فِيهِمَا]

’’سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو اس نے کہا میں جنبی ہو گیا ہوں۔ میرے پاس پانی نہیں ہے، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کیا آپ کو یاد ہے کہ ہم دونوں ایک سفر میں تھے آپ نے نماز نہیں پڑھی تھی اور میں نے مٹی پر لوٹ پوٹ ہو کر نماز پڑھ لی تھی میں نے یہ بات نبی اکرم ﷺ سے کی تو نبی معظم ﷺ نے فرمایا آپ کو صرف اتنا ہی کافی تھا نبی اکرم ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارا۔ ان میں پھونکا اور پھر ان دونوں کو اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مل لیا۔‘‘

مسائل

١۔ نماز کے لیے وضو کرنا لازم ہے۔

٢۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کرنا چاہیے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو پاک صاف دیکھنا چاہتا ہے۔

٤۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

٥۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مشقت میں نہیں ڈالتا۔

وَاذْكُرُوْا	نِعْمَةَ	اللّٰهِ	عَلَيْكُمْ	وَمِيْثَاقَهُ	الَّذِيْ	وَاثَقَكُمْ
اورتم یاد کرو	نعمت	اللہ کی	تم پر	اوراس کا پختہ عہد	وہ جو	اس نے تم سے وعدہ لیا

بِهٖٓ ۙ	اِذْ	قُلْتُمْ	سَمِعْنَا	وَاَطَعْنَا ز	وَاتَّقُوا	اللّٰهَ ط
اس کا	جب	تم نے کہا	ہم نے سنا	اور ہم نے مانا	اورڈرو	اللہ سے

اِنَّ	اللّٰهَ	عَلِيْمٌ	بِذَاتِ	الصُّدُوْرِ ۝
یقیناً	اللہ	جاننے والا ہے	راز	سینوں کے

''اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو اور اس کا عہد جو اس نے تم سے مضبوط باندھا، جب تم نے کہا ہم نے سنا اور مان لیا اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سینوں کے راز جاننے والا ہے۔'' (۷)

فہم القرآن

ربط کلام: دین اسلام کی تکمیل، حلال چیزوں کی فہرست میں وسعت وکشادگی، پاکیزگی کے احکامات، نعمتوں کی یاددہانی کے بعد وہ عہد یاد کروایا ہے جو انسانیت نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں اپنی تخلیق کے وقت کیا تھا، کلمۂ طیبہ اس عہد کی تائید ہے کیونکہ انسان اس میں یہ اقرار کرتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اس کی عبادت اور اس کے حکم میں شریک نہیں کروں گا۔ وہی عبادت کے لائق اور احکم الحاکمین ہے بندہ اس میں یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ میرے قائد اور پیشوا حضرت محمد ﷺ ہیں۔ میں انہی کے فرمان اور طریقہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت اور زندگی کے تمام معاملات طے کرتا رہوں گا۔ مفسرین نے اس عہد سے مراد صحابہ کا صلح حدیبیہ کا عہد بھی لیا ہے۔

انسان جو بھی اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہے اسے ہر حال میں پورا کرنا اور اس پر سختی کے ساتھ کاربند رہنا چاہیے۔ عہد کی پاسداری کے لیے یہاں دو چیزیں بیان کی گئی ہیں ایک اللہ تعالیٰ کا خوف اس کے بغیر صحیح معنوں میں نہ آدمی صالح کردار ہوسکتا ہے اور نہ ہی کسی عہد کی پاسداری کرسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ فرمایا یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات سے پوری طرح واقف ہے جس کا معنی یہ ہے کہ تمہارا ظاہر اور باطن ایسا ہونا چاہیے کہ جس پر خدا خوفی کے اثرات نمایاں طور پر دکھائی دیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد رکھنے والا اور اس کا تقویٰ اختیار کرنے والا ہی اپنے عہد کی پاسداری کیا کرتا ہے۔

((عَنْ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ يَقُولُ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ فِي مَجْلِسٍ تُبَايِعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوا فِي مَعْرُوفٍ فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَسَتَرَهُ اللّٰهُ فَأَمْرُهُ إِلَى اللّٰهِ إِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ فَبَايَعْنَاهُ عَلَى ذٰلِكَ)) [رواہ البخاری: باب بَيْعَةِ النِّسَاءِ]

”حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے ہمیں ایک مجلس کے دوران فرمایا کہ تم ان باتوں پر میری بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور نہ تم چوری اور نہ ہی زنا کرو۔ اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو اور تم کسی پر من گھڑت بہتان نہ باندھو۔ اور نہ ہی نیکی کے کاموں میں نافرمانی کرو۔ جس نے اس بیعت کی پاسداری کی اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ جس کسی نے ان باتوں کا ارتکاب کیا اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں سزا دے گا جو اس کے لیے کفارہ ہوگا۔ جس نے ان گناہوں کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہوں پر پردہ ڈال دیا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے چاہے سزا دے اور چاہے تو اس سے درگزر فرمائے۔ ہم سب نے اس پر بیعت کی۔“

جب رسول محترم گفتگو فرماتے تو وہ خاموشی کے ساتھ سنتے۔ اور تعظیم کی بنا پر آپ کی طرف نظر اٹھا کر نہ بات کرتے۔ مکے والوں کا نمائندہ عروہ بن مسعود اپنے ساتھیوں کی طرف پلٹا تو کہا اے میری قوم میں وفود کے ساتھ بادشاہوں کے پاس گیا۔ مجھے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار میں بھی جانے کا موقع ملا مگر اللہ کی قسم جتنی عزت و تعظیم محمد (ﷺ) کے ساتھی اس کی کرتے ہیں کسی بادشاہ کی رعایا اتنی تعظیم اس کی نہیں کرتی۔ اللہ کی قسم وہ تھوک نہیں پھینکتے مگر وہ اُس کے ساتھیوں کے ہتھیلیوں میں گرتی ہے اور وہ اُسے اپنے چہروں اور جسم کے ساتھ مل لیتے اور جب وہ کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو وہ اُس کی تعمیل میں جلدی کرتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو قریب ہے کہ اُس کے ساتھی اُس کے وضو کے پانی پر لڑ پڑیں اور جب وہ کلام کرتا ہے تو وہ اپنی آوازوں کو پست کر لیتے ہیں اور آپ کی طرف آپ کی عظمت کی وجہ سے نگاہ نہیں اُٹھاتے اور تحقیق اُس نے تمھارے سامنے ایک عظیم چیز پیش کی ہے اُسے قبول کرلو۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہر وقت یاد رکھنی چاہییں ۔ ۲۔ وعدوں کی پاسداری کرنی چاہیے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید جانتا ہے

تفسیر بالقرآن

تقویٰ کیا ہے؟

۱۔ جنگ اور مصیبتوں میں صبر اختیار کرنا سچ بولنا تقویٰ ہے ۔ (البقرۃ: ۱۷۷)

۲۔ حلال روزی کھانا، اللہ پر ایمان لانا اور اس سے ڈرنا تقویٰ ہے۔ (المائدۃ: ۸۸)

۳۔ اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم دینا اور اس پر قائم رہنا تقویٰ ہے۔ (طٰہٰ: ۱۳۲)

۴۔ شعائر اللہ کا احترام کرنا تقویٰ ہے۔ (الحج: ۳۲) ۵۔ حج کے سفر میں زادِ راہ لینا تقویٰ ہے۔ (البقرۃ: ۱۹۷)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جاؤ قائم رہنے والے اللہ کے لیے گواہ (جمع)

بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا
انصاف کیساتھ اور نہ آمادہ کرے تم کو دشمنی قوم پر یہ کہ نہ

تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط
تم عدل کرو تم عدل کرو وہ زیادہ قریب ہے پرہیز گاری کے اور اللہ سے ڈرو

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨﴾
یقیناً اللہ خبر رکھنے والا ہے ساتھ جو تم کرتے ہو

”اے لوگو! اللہ کی خاطر پوری طرح قائم رہنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر امادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔“ (٨)

فہم القرآن

ربط کلام: تکمیل دین کی خوش خبری درحقیقت اسلامی انقلاب کے غلبہ کی نوید ہے اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم اور مسلمانوں کو عدل و انصاف پر قائم رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

اہل مکہ اور دیگر قبائل نے جس جس انداز سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء پر جور و استبداد کیا تھا اس کا تقاضا یہ تھا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جب اہل کفر پر غالب آتے تو ان سے گن گن کر بدلے لیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت یہ ہدایت فرمائی کہ ”اے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والو! تمہیں ہر حال میں اپنے رب کی رضا کے لیے عدل و انصاف پر قائم رہنا چاہیے۔“ (النساء: ١٣٥) میں اس سے ملتا جلتا حکم پہلے گزر چکا ہے وہاں گواہی کے بارے میں اپنی ذات اور اعزاء و اقرباء کی طرف داری سے روکا گیا تھا۔ دوسری بات جو عدل کے معاملہ میں رکاوٹ بنتی ہے وہ کسی فرد یا قوم کی دشمنی اور عداوت ہوا کرتی ہے لہٰذا یہاں اس بات سے روکا گیا ہے کہ بے شک کسی فرد یا قوم کے ساتھ تمہاری دشمنی ہی کیوں نہ ہو یہ عدل و انصاف کی راہ میں آڑے نہیں آنی چاہیے دونوں آیات میں یہ تلقین فرمائی ہے کہ یہ کام عقیدت و عداوت سے بالاتر ہو کر محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ یہی انصاف کا تقاضا اور خدا خوفی کا خاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ہر دم یہ عقیدہ تازہ رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حرکات و سکنات اور اعمال و کردار کی خبر رکھنے والا ہے۔ شہادت کی تفسیر کرتے ہوئے معارف القرآن کے مصنف مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”ڈاکٹر کا میڈیکل سرٹیفکیٹ جاری کرنا، مہتمم کا طالب علموں کے پیپروں پر نمبر لگانا،

انتخاب کے وقت کسی کو ووٹ دینا بھی شہادت کے زمرے میں آتا ہے۔"

فرماتے ہیں کہ ووٹ کی دو حیثیتیں ہیں۔

۱۔ ووٹ دینا شہادت ہے جو آدمی تحریراً یا ہاتھ اٹھا کر کسی آدمی کے اہل ہونے کے بارے میں دیتا ہے۔

۲۔ ووٹ دینا کسی کو اپنے ذاتی اور قومی معاملات میں وکیل بنانے کے مترادف ہے۔لہٰذا یہاں بھی عدل وانصاف کو پیش نگاہ رکھ کر دینا چاہیے کیونکہ اس کے مضمرات ایک فرد نہیں بلکہ ملک وملت کو برداشت کرنے پڑتے ہیں۔"

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْکَبَائِرِ قَالَ الْإِشْرَاكُ بِاللّٰہِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَیْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ)) [رواہ البخاری: کتاب الشھادات ، باب ماقیل فی شھادۃ الزور]

"حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبیرہ گناہوں کے بارے میں پوچھا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی جان کو قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔"

مسائل

۱۔ ہمیشہ سچی اور انصاف پر مبنی گواہی دینی چاہیے۔ ۲۔ باہم چپقلش کی وجہ سے انصاف کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

۳۔ عدل کرنا تقوٰی کے زیادہ قریب ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے۔

تفسیر بالقرآن

عدل کی اہمیت:

۱۔ عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو اللہ سینوں کے بھیدوں سے واقف ہے۔(المآئدۃ:۸)

۲۔ اور جب فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کا فیصلہ کرو۔(النساء:۵۸)

۳۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان عدل وانصاف کا فیصلہ کروں۔(الشوریٰ:۱۵)

۴۔ اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو انصاف کا فیصلہ کریں اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔(المآئدۃ:۴۲)

۵۔ کہہ دیجیے مجھے میرے رب نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔(الاعراف:۲۹)

۶۔ جب مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کریں۔اللہ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔(الحجرات:۹)

۷۔ جب بات کرو تو عدل وانصاف کی کرو۔(الانعام:۱۵۲)

۸۔ اللہ تعالیٰ تمہیں عدل وانصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔(النحل:۹۰)

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ

وعدہ کیا اللہ نے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل کیے صالح (جمع) ان کے لیے بخشش

وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ

اور اجر بہت بڑا اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور انہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو یہ لوگ

اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

والے جہنم

''اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔(٩) اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہ جہنم والے ہیں۔''(١٠)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ کی نعمتوں کی شکر گزاری اور عہد کی پاسداری کا صلہ، اس کے مقابلے میں ناقدری وعہد شکنی اور تکفیر وتکذیب کی سزا بیان کی گئی ہے۔

یہ بات پہلے بھی عرض کی جا چکی ہے کہ قرآن مجید کا اسلوب بیان ہے کہ جب وہ اچھے اور برے اعمال کا ذکر کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اچھے کام کا اجر اور برے کام کے انجام کا ذکر بھی ضروری سمجھتا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ تصویر کے دونوں رخ آدمی کے سامنے ہوں تاکہ اس کے لیے اچھے اور برے کی تمیز اور ان کے درمیان فیصلہ کرنا آسان ہو جائے۔ مراد یہ ہے جس ایمان پر قائم رہنے اور صالح کردار کو اختیار کرنے کا تم سے عہد لیا گیا ہے اگر اس پر پورا اترو گے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم اور اس کی مغفرت ورحمت کے حق دار ہو گے۔ اس کے مقابلے میں کفر اختیار کرو گے اور برے اعمال کے مرتکب ہو گے تو تمہیں دہکتی ہوئی جہنم میں رہنا ہوگا۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے بخشش کا وعدہ فرمایا ہے۔

٢۔ نیک اعمال کرنے والوں کے لیے بہت زیادہ اجر ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرنے والے جہنم میں ہوں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ

اے لوگو ایمان لائے ہو یاد کرو تم نعمت اللہ کی تم پر جب

هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ

ارادہ کیا ایک قوم یہ کہ وہ بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ اس نے روک دیا ان کے ہاتھ

عَنْكُمْ ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ ع

تم سے اور ڈرو اللہ اور اللہ پر پس چاہیے کہ توکل کریں ایمان والے

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ پر اللہ کا انعام یاد کرو جب کچھ لوگوں نے ارادہ کیا کہ تمہاری طرف اپنے ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیے اور اللہ سے ڈرو۔ چاہیے کہ مومن اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔“ (۱۱)

فہم القرآن

ربط کلام: نعمتوں کی یاد دہانی اور ان کی قدر شناسی کے بعد دو قسم کے انجام کا ذکر ہوا۔ اب دشمن کے مقابلہ میں تحفظ فراہم کرنے کا انعام یاد کرایا جا رہا ہے۔

علامہ ابن کثیر نے اس آیت کا شان نزول ذکر کرتے ہوئے ایک واقعہ تحریر کیا ہے کہ رسول محترم ﷺ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر کے ہاں پہنچے آپ کسی معاملہ کے بارے میں گفتگو فرما رہے تھے۔ یہودیوں نے عمرہ بن جحش کو کہا کہ تم مکان کی چھت سے ایک بھاری پتھر نبی کے اوپر گراؤ تاکہ اس کا خاتمہ ہو جائے۔ کچھ اہل علم نے تنعیم کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کی ایک جماعت نے صحابہ پر شب خون مارنے کی سازش کی۔ لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذبہ اطاعت شعاری سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ انھوں نے آگے بڑھنے کی بجائے پسپائی میں خیر جانی۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے بطور نعمت ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل و کرم کو یاد کرو جب لوگوں نے تم پر جارحیت کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اعصاب توڑ دیے۔ واقعہ یاد کروانے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کو اپنانے اور اسے نافذ کرنے میں کسی قسم کا خوف خاطر میں نہیں لانا چاہیے اور غیروں پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ اور اعتماد کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والے کبھی نقصان نہیں اٹھاتے کیونکہ اللہ تعالیٰ انھیں کافی ہوتا ہے۔ (الطلاق: ۳)

اللہ تعالیٰ کا خوف اختیار کرنے سے مسلمان کے کردار میں پرہیز گاری اور نکھار پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے سے غیروں کے مقابلہ میں حوصلہ، جرأت اور خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔

((عَنْ أَبِي مُوسٰى رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ رَبَّهُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ))[رواه البخاری: کتاب الدعوات ، باب فضل ذکر الله عزوجل]

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بیان کرتے ہیں کہ اپنے پروردگار کا ذکر کرنے والے کی مثال زندہ اور نہ کرنے والے کی مثال مردہ شخص کی سی ہے۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالَى أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ))[رواه البخاری: کتاب التوحید، باب یحذرکم الله نفسه]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے میں اپنے بندے کے ساتھ اپنے بارے میں اس کے ظن کے مطابق معاملہ کرتا ہوں۔ وہ جب میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اگر وہ میرا ذکر اپنے دل میں کرتا ہے تو میں اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ میرا ذکر کسی گروہ میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر اس سے بہتر گروہ میں کرتا ہوں۔''

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ)) [رواه مسلم: باب ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالَى فِي حَالِ الْجَنَابَةِ وَغَيْرِهَا]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ کا ذکر فرماتے تھے۔''

مسائل

١۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے احسان یاد رکھنے چاہییں۔ ٢۔ اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔
٣۔ اللہ تعالیٰ ہی حفاظت کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے:

١۔ مومنوں کو اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ (آل عمران:١٢٢)
٢۔ جب کسی کام کا عزم کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ (آل عمران:١٥٩)
٣۔ احد کے غازیوں نے کہا ہمارا بھروسہ اللہ پر ہے اور وہی ہمیں کافی ہے۔ (آل عمران:١٧٣)
٤۔ مومن اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں۔ (الانفال:٢)
٥۔ جو شخص اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے اللہ ہی اس کو کافی ہے۔ (الطلاق:٣)

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا

اور یقیناً | اس نے لیا | اللہ | پختہ عہد | بنی | اسرائیل | اور ہم نے مقرر کیے

مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ

ان سے | بارہ | سردار | اور اس نے فرمایا | اللہ | یقیناً میں | تمہارے ساتھ ہوں

لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ

اگر | تم قائم رکھو | نماز | اور ادا کرو | زکوٰۃ | اور ایمان لاؤ | میرے رسولوں کے ساتھ

وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ

اور ان کو تقویت پہنچاؤ | اور تم قرض دو | اللہ | قرض | اچھا | تو میں ضرور مٹاؤں گا | تم سے

سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

تمہاری برائیاں | اور میں ضرور داخل کروں گا تم کو | باغات | چلتی ہیں | سے | نیچے اس کے

الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ

نہریں | تو جو | اس نے انکار کیا | بعد | اس کے | تم سے | تو یقیناً

ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝۱۲

وہ بھٹک گیا | سیدھا | راستہ

”اور بلاشبہ اللہ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کیے اور اللہ نے فرمایا میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نے نماز قائم کی زکوٰۃ ادا کی اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور انہیں تقویت پہنچائی اور اللہ کو اچھا قرض دیا میں تم سے تمہارے گناہ ضرور دور کروں گا اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، پھر جس نے اس کے بعد کفر کیا تو یقیناً وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔“(١٢)

فہم القرآن

ربط کلام: دین کے بنیادی اصول ہمیشہ سے ایک رہے ہیں۔ انہی کا بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا تھا۔ جس کے بڑے بڑے اصول یہ ہیں، جن کی پاسداری کا اسلام نے حکم دیا ہے۔ لہٰذا یہود و نصاریٰ کو انہی پر ایمان لانا چاہیے۔ قرآن مجید نے مختلف مقامات پر بنی اسرائیل سے لیے گئے عہد کی اٹھارہ باتوں کا ذکر کیا ہے۔ ان پر عمل درآمد کروانے کے لیے کوہ طور کو ان کے

سروں پر منڈلایا گیا اور ان کے قبائل کو مدنظر رکھتے ہوئے ان میں بارہ ۱۲ نقیب مقرر کیے۔ نقیب کا معنیٰ ہے کڑی نگرانی اور دوسرے کے معاملات کو کنٹرول کرنے والا۔ ان نقباء کی تعیناتی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کو تعینات فرمایا تھا۔ جن باتوں کا بنی اسرائیل سے بار بار عہد لیا گیا ان کا خلاصہ اس آیت میں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے بنی اسرائیل اگر ان باتوں پر سختی سے عمل پیرا ہو جاؤ تو نہ صرف اللہ کی دستگیری اور معیت تمہیں حاصل ہوگی۔ بلکہ گناہوں کی معافی اور تمہارا جنت میں داخلہ یقینی ہوگا۔ جس نے اس عہد کی خلاف ورزی کی وہ ہماری دستگیری سے محروم اور صراطِ مستقیم سے گمراہ تصور ہوگا۔ ''سواء السبیل'' سے مراد شریعت کا متوازن اور معتدل راستہ ہے جو ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہے۔

عہد کی بنیادی شرائط اور اہمیت:

۱۔ نماز قائم کرنا: ہر دین میں نماز اللہ تعالیٰ کی نہایت ہی پسندیدہ عبادت رہی ہے۔ جو فکر و عمل کی پاکیزگی کا ذریعہ اور اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اس کے حقوق کی ترجمان ہے۔

۲۔ زکوٰۃ: یہ غرباء سے عملی ہمدردی کا مظہر، بخل کا علاج اور تزکیۂ مال کے ساتھ غریبوں کے حقوق کی محافظ ہے۔

۳۔ انبیاء پر ایمان لانا اور ان کی تکریم و معاونت کرنا کیونکہ انبیاء ہی اللہ تعالیٰ کے ترجمان اور اس کی مرضی کے مطابق عمل کرکے دکھلانے والے ہیں۔ لہٰذا ان کی تکریم اور تابعداری فرض ہے۔ ایمان لانے اور تکریم کرنے میں بدرجۂ اولیٰ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہیں۔ کیونکہ ہر نبی اور رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا اعلان کرتا رہا۔ اور سب انبیاء سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کرنے کا عہد لیا گیا ہے۔

صدقہ سے مراد عام صدقہ بھی ہے اور زکوٰۃ بھی:

صدقہ کرنے کی یہ کہہ کر تلقین فرمائی کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کے مترادف ہے قرض کا لفظ اس لیے استعمال فرمایا تاکہ دینے والے کے دل میں حوصلہ اور امید پیدا ہو کہ مجھے اس سے زیادہ ملنے والا ہے۔

عہد کی پاسداری کا صلہ:

اے بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ سے عہد کی پاسداری کرتے رہو اس سے تمہیں اللہ تعالیٰ کی دستگیری اور تائید حاصل ہوگی تمہاری بشری کوتاہیوں کو معاف کرکے تمہیں جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

بنی اسرائیل سے لیے گئے عہد کی شرائط:

۱۔ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ . اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔

٢۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً . والدین کے ساتھ احسان کرنا۔
٣۔ وَذِي الْقُرْبٰى . قریبی رشتہ داروں کے ساتھ
٤۔ وَالْيَتَامٰى . یتیموں کے ساتھ
٥۔ وَالْمَسَاكِيْنِ . اورغریبوں کے ساتھ احسان کرنا۔
٦۔ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا . لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔
٧۔ وَأَقِيْمُوا الصَّلاَةَ . نماز قائم کرنا۔
٨۔ وَآتُوا الزَّكٰوةَ . زکوٰۃ ادا کرنا۔(البقرۃ: ٨٣)
٩۔ لاَ تَسْفِكُوْنَ دِمَاءَ كُمْ. آپس میں خون نہ بہانا۔
١٠۔ وَلاَ تُخْرِجُوْنَ أَنْفُسَكُم مِنْ دِيَارِكُم. کمزوروں کوان کے گھروں سے نہ نکالنا۔ (البقرۃ: ٨٤)
١١۔ خُذُوْا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ . اللہ کے احکام کو پوری قوت کے ساتھ پکڑے رکھنا۔
١٢۔ وَاسْمَعُوْا. اللہ کے احکام سننا۔ (البقرۃ: ٩٣)
١٣۔ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ . انھیں لوگوں کے سامنے بیان کرنا۔
١٤۔ وَلاَ تَكْتُمُوْنَهُ. انھیں ہرگز نہ چھپانا۔(آل عمران:١٨٧)
١٥۔ آمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ . اللہ کے انبیاء پر ایمان لانا۔
١٦۔ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ . ان کی تعظیم کرنا۔
١٧۔ وَأَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا . اللہ کو قرض دینا یعنی صدقہ کرنا۔ (المائدۃ: ١٢)

مسائل

١۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبائل اور بارہ سردار تھے۔
٢۔ نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے والوں کا اللہ مددگار ہوتا ہے۔
٣۔ نیکی کے کام کرنے سے برائیاں مٹ جاتی ہیں۔
٤۔ اللہ کے عہد کی پاسداری نہ کرنے والے گمراہ ہو جاتے ہیں۔
٥۔ نیکی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائیں گے۔

فَبِمَا	نَقْضِهِمْ	مِّيْثَاقَهُمْ	لَعَنّٰهُمْ	وَجَعَلْنَا	قُلُوْبَهُمْ
سو بسبب	ان کے توڑنا	عہد اپنا	ہم نے ان پر لعنت کی	اور ہم نے کیا	ان کے دلوں کو
قٰسِيَةً ج	يُحَرِّفُوْنَ	الْكَلِمَ	عَنْ	مَّوَاضِعِهٖ لا	وَنَسُوْا حَظًّا
سخت	وہ بدلتے ہیں	کلمات	سے	ان کے محل	اور وہ بھول گئے حصہ
مِّمَّا	ذُكِّرُوْا	بِهٖ ج	وَلَا تَزَالُ	تَطَّلِعُ	عَلٰى
اس سے جو	وہ نصیحت کیے گئے	اس کی	اور ہمیشہ	مطلع ہوتے رہیں گے	پر
خَآئِنَةٍ	مِّنْهُمْ	اِلَّا	قَلِيْلًا	مِّنْهُمْ	فَاعْفُ عَنْهُمْ
خیانت	سے ان	مگر	تھوڑے	ان سے	تو آپ معاف کردیں ان سے
وَاصْفَحْ ط	اِنَّ	اللّٰهَ	يُحِبُّ	الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣﴾	
آپ درگزر کریں	یقیناً	اللہ	محبت کرتا ہے	نیکی کرنے والے	

”ان کے اپنا عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا کہ وہ کلام کو اس کے محل سے بدل دیتے ہیں اور انہوں نے اس میں سے ایک حصہ بھلا دیا جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی اور آپ ہمیشہ ان میں تھوڑے لوگوں کے سوا باقی لوگوں کی کسی نہ کسی خیانت سے مطلع ہوتے رہیں گے۔ انہیں معاف کر دیں اور ان سے درگزر فرمائیں۔ بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“ (١٣)

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

بار بار عہد لینے، اور بارہ نگران مقرر کرنے کے باوجود بنی اسرائیل کو جونہی کچھ ڈھیل حاصل ہوتی تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کی ایک ایک شق کو نہ صرف ٹھکراتے بلکہ اس کے مفہوم کو بدل دیتے یہاں تک کہ الفاظ بھی تبدیل کر کے ہر نصیحت اور سرزنش کو فراموش کر دیتے۔ جس کا بنیادی سبب ان کی مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر پڑنے والی لعنت اور پھٹکار تھی۔ لعنت کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور اور محروم ہونا ہے۔ جو شخص یا قوم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو جائے ان کے دل سخت ہو جاتے ہیں۔ جس کے سبب اپنے آپ کو بدلنے کی بجائے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بدلنے کے درپے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی یہ عادتِ خبیثہ اور فطرت ثانیہ بن جاتی ہے، جس وجہ سے ان کی اکثریت ہر قسم کی خیانت کو جائز سمجھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل یہود کی تاریخ عہد شکنی، مالی اور اخلاقی خیانت سے بھرپور ہے۔ یہاں پھر اس بات کی وضاحت کر دی گئی کہ ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو خیانت کے حوالے سے مستثنیٰ قرار دیے جا سکتے ہیں۔ آیت کے آخر میں نبی ﷺ کو یہ تعلیم دی گئی ہے

اے نبی ﷺ آپ ان سے الجھنے کی بجائے معاف کریں یا درگزر فرمائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيئَةً نُكِتَتْ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهُ وَإِنْ عَادَ زِيدَ فِيهَا حَتَّى تَعْلُوَ قَلْبَهُ وَهُوَ الرَّانُ الَّذِي ذَكَرَ اللّٰهُ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ قَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ))[رواه الترمذی : کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة ویل للمطففین]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول معظم ﷺ کا فرمان بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا بلاشبہ جب بندہ ایک غلطی کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ لگا دیا جاتا ہے جب وہ توبہ استغفار کرتا ہے تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ اس غلطی کا اعادہ کرتے ہوئے مزید گناہ کرے تو اس سیاہ نکتے میں اضافہ کر دیا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ پورے دل کو لپیٹ میں لے لیتا ہے اور وہ زنگ ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کی وجہ سے زنگ لگا دیا گیا ہے۔''

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يُنْصَبُ لِغَدْرَتِهِ))

[رواه البخاری: باب إِثْمِ الْغَادِرِ لِلْبَرِّ وَالْفَاجِرِ]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ ہر بدعہد کے لیے جھنڈا ہوگا جو اس کی بدعہدی کے مطابق نمایاں ہوگا۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ وعدہ پورا نہ کرنے والوں پر لعنت کرتا ہے۔ ٢۔ وعدہ پورا نہ کرنے کی وجہ سے دل سخت ہو جاتے ہیں۔

٣۔ نیکی کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

یہودیوں پر لعنت کے اسباب:

١۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدلنے کی وجہ سے یہودیوں پر لعنت کی گئی۔(النساء:٤٦)

٢۔ بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے کفر کی وجہ سے حضرت داؤد اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے لعنت کی۔(المائدۃ:٧٨)

٣۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے میثاق کو توڑنے پر لعنت ہوئی۔(الرعد:٢٥)

٤۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو چھپانے کی وجہ سے لعنت کی گئی۔(البقرۃ:١٥٩)

٥۔ اللہ تعالیٰ پر الزام لگانے کی وجہ سے ان پر لعنت ہوئی۔(ھود:١٨)

وَمِنَ	الَّذِيْنَ	قَالُوْٓا	اِنَّا	نَصٰرٰٓى	اَخَذْنَا	مِيْثَاقَهُمْ
اور سے	وہ لوگ	انہوں نے کہا	یقیناً	ہم نصاریٰ ہیں	ہم نے لیا	ان سے وعدہ پختہ

فَنَسُوْا	حَظًّا	مِّمَّا	ذُكِّرُوْا	بِهٖ ص	فَاَغْرَيْنَا	بَيْنَهُمُ
تو وہ بھول گئے	حصہ	اس سے جو	نصیحت کیے گئے وہ	اس کے ساتھ	تو ہم نے ڈال دی	ان کے درمیان

الْعَدَاوَةَ	وَالْبَغْضَآءَ	اِلٰى	يَوْمِ	الْقِيٰمَةِ ط	وَسَوْفَ	يُنَبِّئُهُمُ
دشمنی	اور بغض	تک	دن	قیامت	اور عنقریب	وہ خبر دے گا ان کو

اللّٰهُ	بِمَا	كَانُوْا	يَصْنَعُوْنَ ⑭
اللہ	ساتھ اس کے جو	وہ تھے	وہ کرتے

''اور جن لوگوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ان سے بھی ہم نے پختہ عہد لیا تو وہ اس کا ایک حصہ بھول گئے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان کے درمیان قیامت کے دن تک دشمنی اور بغض ڈال دیا اور عنقریب اللہ انہیں بتائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔'' (۱۴)

فہم القرآن

ربط کلام: یہودیوں کے بعد عیسائیوں کے کردار کا بیان۔

اہل کتاب اور بنی اسرائیل سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں لیکن کبھی کبھی اہل کتاب اور بنی اسرائیل سے مراد صرف یہودی ہوتے ہیں۔ یہ فرق متعلقہ آیات کے سیاق وسباق دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، یہاں پہلی آیات میں یہودیوں کو مخاطب کیا گیا تھا اور اب عیسائیوں سے خطاب ہو رہا ہے جس میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جو عہد یہودیوں سے لیا گیا تھا وہی عہد عیسائیوں سے بھی لیا گیا۔ انجیل سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ میں تورات کی تکمیل اور موسیٰ علیہ السلام کی تائید کے لیے آیا ہوں۔ اس بنا پر یہاں فرمایا گیا ہے کہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں انھوں نے بھی اللہ تعالیٰ کا عہد توڑتے ہوئے انجیل میں تحریف اور اس میں نازل شدہ نصیحتوں کو یکسر فراموش کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوئی اسی طرح عیسائی بھی مستوجب عذاب قرار پائے۔

جو اللہ کی کتاب لوگوں کو متحد رکھنے کے لیے نازل ہوئی تھی جب اس میں تغیر و تبدل کر دیا گیا تو وہ نا قابل اعتماد بن گئی اب اس کا منطقی نتیجہ تھا کہ عیسائی بھی یہودیوں کی طرح کئی فرقوں میں بٹ گئے۔ جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اب ان کی باہمی مخاصمت اور عداوت قیامت تک باقی رہے گی جس کا انجام اللہ تعالیٰ ان کے سامنے لائے گا۔ باہمی عداوت سے مراد یہودیوں اور عیسائیوں کی عداوت بھی ہو سکتی ہے۔

((عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم افْتَرَقَتِ الْيَهُودُ عَلَى إِحْدَى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً فَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ وَافْتَرَقَتِ النَّصَارَى عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً فَإِحْدَى وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَتَفْتَرِقَنَّ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً فَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَثِنْتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ هُمْ قَالَ الْجَمَاعَةُ))

[رواه ابن ماجة: باب افْتِرَاقِ الْأُمَمِ]

''حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہودی اکہتر فرقوں میں بٹے تھے ان کے ستر فرقے جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں اور عیسائی بہتر فرقوں میں بٹے تھے ان میں سے اکہتر جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں اور قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی ان میں سے بہتر جہنمی ہوں گے اور ایک جنتی، صحابہ نے عرض کی جنت میں جانے والے کون ہیں آپ نے فرمایا وہ جماعت (جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر چلنے والے) ہے۔''

مسائل

١۔ یہودیوں کی طرح عیسائیوں سے بھی پختہ عہد لیا گیا۔
٢۔ یہودی اور عیسائی ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔
٣۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو آشکار فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کن لوگوں سے محبت کرتا ہے:

١۔ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں سے محبت کرتا ہے۔ (آل عمران: ٧٦)
٢۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (الممتحنة: ٨)
٣۔ غصہ پینے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔ (آل عمران: ١٣٤)
٤۔ اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (آل عمران: ١٤٦)
٥۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے سے محبت کرتا ہے۔ (آل عمران: ١٤٨)
٦۔ اللہ تعالیٰ پاک صاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (التوبة: ١٠٨)
٧۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اللہ کی راہ میں منظم ہو کر لڑتے ہیں۔ (الصّف: ٤)

یہ ہے کہ آدمی شریعت کی عائد کردہ دوسری پابندیوں کے ساتھ شکار کرنے سے بھی اجتناب کرے۔ بہیمہ سے مراد وہ جانور ہیں جو گوشت کھانے کی بجائے زمین کی پیداوار سے خوراک حاصل کرتے ہیں۔ گوشت خور جنھیں عرف عام میں درندہ کہا جاتا ہے۔ان کو حرام کرنے کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ جانور وحشی طبیعت کے ہوتے ہیں۔جن کے کھانے سے انسان میں وحشت اور درندگی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔عہد کی پاسداری کا حکم دینے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے حکم جاری کرتا ہے۔انسان کی طبیعت کھانے پینے میں کسی قسم کی پابندی کو اپنے لیے بوجھ تصور کرتی ہے۔جس کی وجہ سے وہ ہر چیز کے حرام، حلال کا فلسفہ جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ جب اسے اس چیز کا فلسفہ سمجھ نہیں آتا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر لب کشائی کرنے کی جسارت کرتا ہے۔جس سے یہ کہہ کر منع کیا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ وہ جس چیز کو چاہے حلال کرے اور جس کو چاہے حرام قرار دے۔حرمت وحلت کا اختیار اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھی عطا نہیں فرمایا۔(التحریم:١) اس لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا ہی عہد کی پاسداری اور ایمان کا تقاضا ہے

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَا خَطَبَنَا نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ إِلَّا قَالَ لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ)) [مسند احمد ، ٣١:مسند انس بن مالك]

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہمیں جب کبھی بھی خطبہ ارشاد فرمایا تو الفاظ ضرور ادا فرمائے کہ اُس بندے کا ایمان نہیں جو امانت دار نہیں اور اُس بندے کا دین نہیں جو وعدے کی پاسداری نہیں کرتا۔“

مسائل

١۔ عہد کی پاسداری کرنی چاہیے۔ ٢۔ حالت احرام میں شکار کرنا جائز نہیں۔

٣۔اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے فیصلے کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ایفاء عہد کا حکم:

١۔ اللہ کے بندے وعدہ ایفاء کرتے ہیں۔(البقرۃ:١٧٧)

٢۔ اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو پورا کرو۔(الانعام:١٥٢)

٣۔ ایماندار اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا عہد پورا کرتے ہیں۔(الرعد:٢٠)

٤۔ اللہ کے عہد کا ایفاء ضروری ہے۔(النحل:٩١)

٥۔ قیامت کے دن ایفائے عہد کے بارے میں سوال ہوگا۔(الاسراء:٣٤)

٦۔ جو اللہ کا وعدہ پورا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔(البقرۃ:٤٠)

وضاحت کرتے ہوئے لکھا جا چکا ہے کہ دنیا میں شرک و بدعت ، رسومات وخرافات اور دیگر گمراہیوں کی شکل میں بہت سے اندھیرے ہیں لیکن روشنی ایک ہی ہے جو ہدایت کی صورت میں ہمیشہ سے ایک ہی چلی آرہی ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کا متلاشی اور ہدایت کے راستے کا راہی بنتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ یقیناً ہدایت سے سرفراز فرماتا ہے۔

یہاں ایک مفسر نے اپنے باطل عقیدہ کو ثابت کرنے کے لیے تفسیر ابن جریر سے ایک غیر مستند قول نقل کیا ہے کہ نور سے مراد رسول محترم ﷺ کی ذات ہے جبکہ ایک معمولی گرائمر جاننے والا شخص بھی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے کہ ''نور و کتاب مبین'' سے مراد ایک ہی چیز ہے۔ **یھدی به** میں ضمیر تثنیہ کی بجائے واحد کی استعمال کی گئی ہے۔اس لیے اہل علم نے اس کی تفسیر **کتاب مبین** کی ہے اس آیت میں قرآن کو واضح طور پر نور قرار دیا ہے۔ جہاں تک نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کا معاملہ ہے۔آپ بشر اور انسان تھے۔

مسائل

۱۔ نبی معظم ﷺ نے دین کو کھول کر بیان فرمادیا ہے۔۲۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو قرآن مجید کے ذریعے ہدایت دیتا ہے۔

۳۔ قرآن مجید ہدایت کے لیے نور ہے۔۴۔ اہل کتاب اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات چھپاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

نور سے مراد:

۱۔اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور (ہدایت دینے والا) ہے۔(النور:۳۵) ۲۔ اللہ ہی اندھیرے اور روشنی پیدا کرنے والا ہے۔(الانعام:۱)

۳۔کفار اور مشرک اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں۔(التوبۃ:۳۲) ۴۔ اندھیرا اور نور برابر نہیں ہو سکتے۔(الرعد:۱۶)

۵۔اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے انھیں اندھیروں سے نور کی طرف لاتا ہے۔(البقرۃ:۲۵۷)

٦۔نبی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتے ہیں۔(ابراہیم:۵)

۷۔اللہ جس کی چاہتا ہے اپنے نور (قرآن) کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔(النور:۳۵)

تمام انبیاء علیہم السلام بشر اور بندے تھے:

۱۔ انبیاء علیہم السلام کا اقرار کہ ہم بشر ہیں۔(ابراہیم:۱۱)۲۔ہم نے آپ سے پہلے جتنے نبی بھیجے وہ بشر ہی تھے۔(النحل:۴۳)

۳۔ نبی آخر الزمان ﷺ کا اعتراف کہ میں تمھاری طرح بشر ہوں۔(الکھف:۱۱۰)

۴۔ ہم نے آدمیوں کی طرف وحی کی۔(یوسف:۱۰۹)۵۔کسی بشر کو ہمیشگی نہیں ہے۔(الانبیاء:۳۴)

لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡمَسِيۡحُ

یقیناً کفر کیا وہ لوگ انہوں نے کہا تحقیق اللہ وہ مسیح

ابۡنُ مَرۡيَمَ‌ؕ قُلۡ فَمَنۡ يَّمۡلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيۡـئًـا اِنۡ اَرَادَ اَنۡ يُّهۡلِكَ

بن مریم فرما دیجیے پھر کون مالک ہے اللہ سے کچھ بھی اگر وہ ارادہ کرے یہ کہ ہلاک کرے

الۡمَسِيۡحَ ابۡنَ مَرۡيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا‌ؕ

مسیح ابن مریم اور اس کی ماں اور جو زمین میں سب

وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا‌ؕ يَخۡلُقُ

اور اللہ کے لیے حکومت آسمانوں اور زمین اور جو ان کے درمیان وہ پیدا کرتا ہے

مَا يَشَآءُ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ‏ ﴿۱۷﴾

جو وہ چاہتا ہے اور اللہ پر ہر چیز قادر

’’یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ بے شک مسیح بن مریم اللہ کا بیٹا ہے فرمادیجئے تو کون ہے جو اللہ کے مقابلہ میں کچھ اختیار رکھتا ہو اگر وہ ارادہ کرے کہ مسیح بن مریم کو اور اس کی ماں کو اور زمین میں جتنے لوگ ہیں سب کو ہلاک کر دے، آسمانوں اور زمین کی اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے اس کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔‘‘ (۱۷)

فہم القرآن

ربط کلام: یکے بعد دیگرے یہود و نصاریٰ کو مخاطب کیا جا رہا ہے۔ درمیان میں رسول کریم ﷺ کی تشریف آوری اور کتاب مبین کا مقصد بیان کرنے کے بعد اب پھر عیسائیوں کے عقیدہ کی کمزوری کی نشاندہی کی گئی ہے۔

قرآن مجید یہ حقیقت منکشف کرتا ہے کہ جب کوئی فرد یا قوم شرک میں مبتلا ہو جاتی ہے تو وہ اس قدر رشد و نگاہی اور کج فکری کا شکار ہوتی ہے کہ اسے خبر نہیں ہوتی کہ اس کے نظریات میں کس قدر تضاد اور الجھاؤ پایا جاتا ہے۔ ایسی ہی صورت حال میں عیسائی مبتلا ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت مریم، حضرت عیسیٰ اور اللہ تعالیٰ کو ملا کر خدا مکمل ہوتا ہے غور فرمائیں کہ عیسائی ایک طرف اللہ تعالیٰ کی وحدت کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسی زبان سے تثلیث پر بھی اصرار کیے جا رہے ہیں۔ جس چیز کو بنیاد بنا کر عیسائی تثلیث کا مغالطہ دیتے ہیں وہ عیسیٰ علیہ السلام کا بن باپ پیدا ہونا ہے جن کے بارے میں ایک چھوٹے سے گروہ کو چھوڑ کر عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ وہ ہمارے گناہ معاف کروانے کی خاطر سولی پر لٹک چکے ہیں۔ یہ تو

قرآن مجید کا عیسائیت پر احسان ہے کہ اس نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ سولی چڑھائے گئے اور نہ ہی انھیں قتل کیا گیا ہے۔ تاہم قرآن مجید انھیں یہ باور کرا رہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عیسیٰ اور اس کی والدہ کو ہلاک اور زمین و آسمان کو نیست و نابود کرنا چاہے تو دنیا کی کون سی طاقت ہے جو انھیں بچا اور تحفظ دے سکے گی؟

کیونکہ زمینوں، آسمانوں اور جو کچھ ان میں ہے سب کا سب اللہ کی ملکیت اور اس کے اختیار میں ہے۔ اسی کے اختیار کا یہ مظہر ہے کہ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے جس طرح چاہے اس کو پیدا فرماتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قدرت وسطوت رکھنے والا ہے۔ عیسائیوں پر تعجب ہے کہ ایک طرف عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف انھیں مصلوب بھی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ جو اپنی موت وحیات پر اختیار نہیں رکھتا وہ اللہ یا اس کا شریک کس طرح ہو سکتا ہے، کیا فنا ہونے والا اور باقی رہنے والا یا با اختیار اور بے اختیار دونوں برابر یا ایک دوسرے کے شریک ہو سکتے ہیں۔

مسائل

۱۔ کسی کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دینا کفر ہے۔ ۲۔ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام اللہ کا بیٹا نہیں۔
۳۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔
۵۔ جس کو اللہ تعالیٰ نقصان پہنچانا چاہے اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی خالق ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور زمین و آسمانوں کو پیدا فرمایا۔ (البقرۃ:۲۲)
۲۔ اللہ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ (الروم:۲۰)
۳۔ اللہ ہی نے انسان کو بڑی اچھی شکل وصورت میں پیدا فرمایا۔ (التین:۴)
۴۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک نطفے سے پیدا کیا۔ (الدھر:۲)
۵۔ اللہ نے ایک ہی جان سے سب انسانوں کو پیدا کیا۔ (الاعراف:۱۸۹)
۶۔ اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے اور اس کا ہی حکم چلنا چاہیے۔ (الاعراف:۵۴)
۷۔ لوگو اس رب سے ڈر جاؤ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ (النساء:۱)

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ

اور کہا یہودیوں اور نصاریٰ ہم بیٹے اللہ اور اس کے پیارے

قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ

فرمادیں پھر کیوں وہ تمہیں عذاب کرتا ہے تمہارے گناہ کی وجہ بلکہ تم انسان

مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ

سے جو اس نے پیدا کیا وہ معاف کرے گا اس کو وہ جسے چاہے گا اور عذاب دے گا جس کو

يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

وہ چاہے گا اور اللہ کے لیے بادشاہی آسمانوں اور زمین اور جو

بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۱۸

ان دونوں کے درمیان اور اس کی طرف لوٹنا ہے

”اور یہود ونصاریٰ نے کہا ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں فرما دیں، پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی وجہ سے سزا کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم تو انسان ہو جو اس نے پیدا کیے ہیں وہ جسے چاہتا ہے بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور آسمانوں، زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اس کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔“ (١٨)

فہم القرآن

ربط کلام: اب عیسائیوں اور یہودیوں کو مشترکہ خطاب ہوتا ہے۔

قرآن مجید کا فرمان ہے کہ جب کوئی فرد یا قوم شرک میں مبتلا ہوتی ہے تو اس کی گمراہی کی کوئی حد نہیں رہتی۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا وہ دور کی گمراہی میں مبتلا ہوا۔ (النساء:١١٦)

جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا گویا وہ آسمان سے گرا اور پرندوں نے اُسے نوچ ڈالا یا وہ تیز ہواؤں نے اسے کسی گہری کھڈ میں دے مارا۔ (الحج:٣١)

یہ شرک کی نحوست کا نتیجہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا ٹھہرایا۔ اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا جزء قرار دیا پھر آگے چل کر مذہبی تقدس کی دھاک بٹھانے اور سیاسی اجارہ داری قائم کرنے کے لیے بزعم خود اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہونے کا اعلان کیا۔ اور یہ بھی باور کروایا کہ ہم اس کے ایسے بیٹے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ بڑی محبت کرتا ہے۔ اس کے جواب میں ان پر اعتراض اٹھایا گیا ہے کہ اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پسندیدہ لوگ ہو تو

پھر اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب اور ذلت میں کیوں مبتلا کرتا رہا اور کرتا ہے۔ کوہِ طور کے دامن میں موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی کے باوجود تمہارے ستر زعما کا ہلاک ہونا۔ جنھیں موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے بدلے میں حیات نو سے نوازا گیا۔ اصحاب سبت پر پھٹکار کا نازل ہونا جس کے بدلے میں انھیں ذلیل بندر بنا دیا گیا۔ تمہارے سروں پر کوہِ طور کا منڈلایا جانا۔ اس طرح دیگر عذابوں کا نازل ہونا اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پسندیدہ لوگ ہو تو یہ عذاب تم پر کیوں نازل ہوئے؟ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ کوئی مشفق اور مہربان باپ اپنی محبوب اور تابع فرمان اولاد کو اپنے ہاتھوں سے پریشانیوں اور عذاب میں مبتلا کرے؟ تم تو انسانوں کی طرح ہی انسان ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو پیدا کیا ہے۔ ایسے ہی اس نے تمہیں پیدا فرمایا۔ وہ جس کی چاہے خطاؤں کو معاف فرما دے اور جسے چاہے اس کی بداعمالیوں کی سزا دے۔ زمین و آسمانوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اللہ کی ملک ہے اور ہر کسی نے اس کے ہاں پلٹ کر جانا ہے

مسائل

۱۔ یہود و نصاریٰ اللہ کے محبوب اور اس کے بیٹے نہیں ہیں۔

۲۔ سزا و جزا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ۳۔ زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے۔

۴۔ سب کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے وہ جسے چاہے معاف فرمائے گا اور جسے چاہے عذاب کرے گا۔

تفسیر بالقرآن

زمین اور آسمان اللہ ہی کی ملکیت ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے زمین و آسمان کی ملکیت ہے۔ (البقرۃ:۱۰۷)

۲۔ مالک الملک اللہ تعالیٰ ہے۔ (آل عمران:۲۶)

۳۔ اللہ جسے چاہتا ہے اُسے حکومت دیتا ہے۔ (آل عمران:۲۶)

۴۔ اللہ جس سے چاہتا ہے حکومت چھین لیتا ہے۔ (آل عمران:۲۶)

۵۔ اللہ ہی کے لیے زمین و آسمان کی بادشاہی ہے۔ (الشوریٰ:۴۹)

۶۔ بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ (الملک:۱)

۷۔ اللہ ہی کے لیے زمین و آسمان کی ملکیت ہے وہ جسے چاہے معاف کرے گا۔ (الفتح:۱۴)

يٰٓاَهْلَ	الْكِتٰبِ	قَدْ	جَآءَكُمْ	رَسُوْلُنَا	يُبَيِّنُ
اے اہل	کتاب	یقیناً	وہ آیا تمھارے	ہمارا رسول	وہ بیان کرتا ہے
لَكُمْ	عَلٰى	فَتْرَةٍ	مِّنَ	الرُّسُلِ	اَنْ تَقُوْلُوْا	مَا
تمہارے لیے	پر	موقوف	سے	رسول (جمع)	یہ کہ تم کہو	نہیں
جَآءَنَا	مِنْۢ	بَشِيْرٍ	وَّلَا	نَذِيْرٍ	فَقَدْ	جَآءَكُمْ
آیا ہمارے پاس	سے	خوشخبری دینے والا	اور نہ	ڈرانے والا	یقیناً	آیا تمہارے پاس
بَشِيْرٌ	وَّنَذِيْرٌ	وَاللّٰهُ عَلٰى	كُلِّ	شَيْءٍ	قَدِيْرٌ ﴿١٩﴾ ع
خوشخبری دینے والا	اور ڈرانے والا	اور اللہ پر	ہر	چیز	قادر ہے

''اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس بیان کرنے والا ہمارا رسول آچکا جو رسولوں کے ایک وقفے کے بعد آیا ہے تا کہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی خوش خبری دینے والا آیا اور نہ ڈرانے والا، یقیناً تمہارے پاس خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا آچکا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''(١٩)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ:

یہاں اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ دونوں ہیں جنھیں بطور نعمت اور احسان کے اس بات کی یاد دہانی کروائی جا رہی ہے کہ اے اہل کتاب اپنے ماضی کو ذرا جھانک کر دیکھو۔ جب تم مایوس ہو کر کہا کرتے تھے اب ہماری رہنمائی کے لیے قیامت تک کوئی پیغمبر مبعوث نہیں کیا جائے گا۔

اہل کتاب بالخصوص یہودیوں نے انبیاء علیہم السلام پر جو مظالم ڈھائے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایک عرصہ تک ان میں انبیائے کرام کی بعثت کا سلسلہ منقطع کر دیا ''فترۃ'' کا معنی ہوتا ہے تسلسل کو روکنا یا ایک خاص مدت کے لیے کسی کام میں وقفہ پیدا کرنا۔ اس سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کی مدت اور وقفہ ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تقریباً سترہ سو سال میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں مسلسل انبیاء مبعوث فرمائے جن میں نہ صرف انبیاء تھے بلکہ ایسے انبیاء بھی مبعوث کیے گئے جو اپنے وقت کے حکمران بھی تھے لیکن عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تقریباً چھ سو سال تک کوئی نبی مبعوث نہیں کیا گیا تا آنکہ نبی آخر الزمان جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا۔ آپ کی آمد سے پہلے بنی اسرائیل مایوس ہو کر کہتے تھے کہ اب ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا نہیں آئے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کرم فرماتے ہوئے ایسا رسول بھیجا جو

تمام انبیاء کے اوصاف کا مرقع اوران کی شریعتوں کا ترجمان ہے۔ لہٰذا اے بنی اسرائیل اور دنیا کے لوگو! تمہیں بنی اسماعیل کے محمد عربی ﷺ کو آخری رسول مان لینا چاہیے۔ اس کی اتباع میں تمہاری بہتری اور نجات ہے۔ اگر تم انکار کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ کو تمھارے کفر و شرک سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے۔

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيِّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .... وَبُعِثْتُ إِلٰى كُلِّ أَحْمَرَ وَأَسْوَدَ))[رواه مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلاة]

”حضرت جابر بن عبداللہ انصاری ؓ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا میں ہر سرخ وسیاہ کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔“

مسائل

۱۔ نبی معظم ﷺ جنت کی خوشخبری سنایا کرتے تھے۔
۲۔ رسول اکرم ﷺ دوزخ کے عذاب سے ڈرایا کرتے تھے۔
۳۔ نبی اکرم ﷺ اتمام حجت کے لیے مبعوث کیے گئے۔
۴۔ نبی اکرم ﷺ نے کھول کھول کر حقائق بیان فرمادیے۔

تفسیر بالقرآن

نبی بشیر اور نذیر ہوتا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (البقرۃ:۱۱۹)
۲۔ اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے اور ڈرانے والا نہیں آیا۔ (المائدۃ:۱۹)
۳۔ نبی آخر الزمان ﷺ ڈرانے اور بشارت دینے والے ہیں۔ (الاعراف:۱۸۸)
۴۔ آپ کا اعلان بے شک میں اللہ کی طرف سے تمہیں ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں۔ (ھود:۲)
۵۔ اے نبی ہم نے تجھے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (بنی اسرائیل:۱۰۵)
۶۔ اے نبی ہم نے آپ کو سب لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (سبا:۲۸)

وَاِذْ	قَالَ	مُوْسٰى	لِقَوْمِهٖ	يٰقَوْمِ	اذْكُرُوْا	نِعْمَةَ
اور جب	اس نے کہا	موسیٰ	اپنی قوم کے لیے	اے میری قوم	یاد کرو تم	نعمت
اللّٰهِ	عَلَيْكُمْ	اِذْ	جَعَلَ	فِيْكُمْ	اَنْۢبِيَآءَ	وَجَعَلَكُمْ
اللہ	تم پر	جب	اس نے بنائے	تم میں	انبیاء	اور تمہیں بنایا
مُّلُوْكًا ۖۗ	وَّاٰتٰىكُمْ	مَّا لَمْ	يُؤْتِ	اَحَدًا	مِّنَ	الْعٰلَمِيْنَ ۝٢٠
بادشاہ	اور تمہیں دیا	جو نہیں	اس نے دیا	کوئی ایک	سے	اقوام عالم
يٰقَوْمِ	ادْخُلُوا	الْاَرْضَ	الْمُقَدَّسَةَ	الَّتِيْ	كَتَبَ	اللّٰهُ
اے میری قوم	تم داخل ہو جاؤ	زمین	مقدس	جو	اس نے لکھ دی	اللہ
لَكُمْ	وَلَا	تَرْتَدُّوْا	عَلٰٓى	اَدْبَارِكُمْ	فَتَنْقَلِبُوْا	خٰسِرِيْنَ ۝٢١
تمہارے لیے	اور نہ	تم پھرنا	پر	اپنی پیٹھوں	تو تم پلٹو گے	نقصان اٹھانے والے

''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! تم پر اللہ تعالیٰ نے جو نعمت کی اسے یاد کرو، جب اس نے تم میں انبیاء بنائے اور تم سے بادشاہ بنائے اور تمہیں وہ کچھ عطا کیا جو جہانوں میں کسی کو نہیں دیا۔ (٢٠) اے میری قوم! اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور اپنی پیٹھوں پر نہ پھر جاؤ، ورنہ نقصان پانے والے ہو کر لوٹو گے۔'' (٢١)

فہم القرآن

ربط کلام: اب پھر یہودیوں کو خطاب ہوتا ہے۔

اپنی قوم کا مزاج دیکھتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم دینے سے پہلے انھیں اللہ تعالیٰ کے انعامات اور ماضی کی عزت رفتہ اور اقتدار یاد دلا کر حکم دیا کہ میری قوم ارضِ مقدس کی طرف پیش قدمی کرو۔ اس کے ساتھ ہی خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے فتح کو یقینی بنا دیا ہے یہاں دوسرے انعامات کے ساتھ بالخصوص دو انعام کا نام لے کر یہ احساس دلایا کہ یہ مقدس زمین انبیاء کی سرزمین ہے اور یہاں تمہارے آباؤ اجداد نے سینکڑوں سال تک حکومت کی ہے اور تمہیں وہ کچھ عنایت فرمایا تھا جو دنیا میں تم سے پہلے کسی کو نہیں دیا گیا۔ اس یاد دہانی کرانے کا مقصد یہ تھا کہ اس سرزمین میں داخل ہونا تمہارا مذہبی اور سیاسی حق بنتا ہے لہٰذا پیچھے نہ ہٹنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ دشمن کے مقابلہ میں پیچھے ہٹنا کبیرہ گناہ ہونے کے ساتھ دنیا میں ذلت اٹھانا پڑتی ہے بسا اوقات ایسی قوم اپنا سب کچھ کھو بیٹھتی ہے۔ اس سے مؤرخین کی اس غلط فہمی کا ازالہ ہوتا ہے کہ جن کا خیال ہے کہ فلسطین میں بنی اسرائیل کے عروج کی تاریخ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے جبکہ موسیٰ علیہ السلام اپنے خطاب میں اپنے سے پہلے بنی اسرائیل کے شاندار ماضی کا حوالہ دے رہے ہیں۔ جس کے بارے میں قرآن مجید نے واضح فرمایا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو عظیم مملکت سے نوازا

تھا۔ ظاہر بات ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جناب موسیٰ علیہ السلام سے سینکڑوں سال پہلے گزر چکے تھے۔ یہاں اہل علم نے نکتہ وردی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے ”فیکم“ کے الفاظ استعمال کیے جس کا معنیٰ ہے تم میں سے کچھ شخصیات کو نبی بنایا جس سے ثابت ہوا کہ نبوت لوگوں کا انتخاب نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ جس کو چاہے نبوت کے لیے منتخب فرمائے ”وجعلکم“ کا مفہوم یہ ہے کہ تمہیں حکمران بنایا کسی قوم اور ملک کا حکمران تو ایک ہی ہوتا ہے۔ لیکن خبر جمع لائی گئی ہے جس میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ صحیح حکمران وہ ہوتا ہے جو لوگوں کو ساتھ لے کر چلے یعنی اپنے اقتدار میں عوام کو شرکت کا حق دے۔

((عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ فَقَالَ لَا مَا أَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلَاةَ وَإِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ وُلَاتِكُمْ شَيْئًا تَكْرَهُونَهُ فَاكْرَهُوا عَمَلَهُ وَلَا تَنْزِعُوا يَدًا مِنْ طَاعَةٍ)) [رواہ مسلم: کتاب الامارۃ، باب خیار الائمۃ وشرارھم]

”حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن کو تم پسند کرو اور وہ تم سے مروت رکھیں تم ان کے لیے رحمت مانگو اور وہ تمہارے لیے رحمت کی دعائیں مانگیں اور تمہارے برے حکمران وہ ہوں گے جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے نفرت کریں تم ان پر لعن طعن کرو اور وہ تمہیں ملعون قرار دیں۔ صحابی رسول فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا کہ کیا ہم ان سے لڑائی نہ کریں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں جب تک وہ نماز قائم کریں جب تم اپنے حکمرانوں میں کوئی ایسی چیز دیکھو جس کو تم ناپسند کرتے ہو تو ان کے فقط اس عمل کو ناپسند کرو اور ان کی فرمانبرداری سے ہاتھ نہ کھینچو۔“

مسائل

١۔ انبیاء کو مبعوث فرمانا اور بادشاہت کا عطا فرمانا اللہ کا انعام ہے۔
٢۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو وہ کچھ عطا فرمایا جو پہلے اور ان کی ہم عصر اقوام کو نہیں دیا گیا تھا۔
٣۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات نہ ماننے والے نقصان اٹھائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعامات:

١۔ اے بنی اسرائیل میری نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمائیں۔ (البقرۃ:٤٧)
٢۔ بنی اسرائیل کو ساری دنیا پر فضیلت دی گئی۔ (البقرۃ:٤٧)
٣۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو آل فرعون سے نجات دی۔ (البقرۃ:٤٩) ٤۔ بنی اسرائیل کے لیے سمندر کو پھاڑا گیا۔ (البقرۃ:٥٠)
٥۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے بارہ چشمے جاری فرمائے۔ (الاعراف:١٦٠)
٦۔ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے بادلوں کا سایہ کیا اور من وسلویٰ نازل فرمایا۔ (البقرۃ:٥٧)

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ
انہوں نے کہا اے موسیٰ یقیناً اس میں ایک قوم زورآور اور یقیناً ہم ہرگز نہیں

نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا
ہم داخل ہوں گے یہاں تک وہ نکل جائیں اس سے تو اگر وہ نکل جائیں اس سے تو ہم یقیناً

دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ
داخل ہونے والے اس نے کہا دوآدمی سے وہ لوگ وہ ڈرتے ہیں انعام کیا اللہ

عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ
ان پر تم داخل ہو جاؤ ان پر دروازہ تو جب تم داخل ہو گے اس میں یقیناً تم

غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾
غالب آنے والے ہو اور پر اللہ تم بھروسا کرو اگر تم ہو مومن (جمع)

"انہوں نے کہا اے موسیٰ! بے شک اس میں ایک بہت زبردست قوم ہے اور ہم تو کسی صورت اس میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس سے نکل جائیں، پس اگر وہ اس سے نکل جائیں تو ہم ضرور داخل ہوں گے۔ (۲۲) دو آدمی جو انہیں میں سے تھے جن پر اللہ نے انعام کیا تھا وہ اللہ سے ڈرتے تھے کہنے لگے تم ان پر دروازے میں داخل ہو جاؤ جب تم اس میں داخل ہو گئے تو یقیناً تم غالب ہو گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم ایمان دار ہو۔" (۲۳)

فہم القرآن

ربط کلام: قوم کا موسیٰ علیہ السلام کو جواب۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکمت عملی کے تحت قوم کے سرداروں کو فلسطین کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے یہ کہہ کر روانہ کیا کہ ان کی فوجی طاقت کا جائزہ لے کر مجھے رپورٹ دینا لیکن یاد رکھنا یہ خبر بنی اسرائیل یعنی عوام کو نہیں پہنچنا چاہیے۔ اس کے باوجود بارہ میں سے دس لیڈروں نے موسیٰ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے اپنے اپنے قبائل کے چیدہ چیدہ افراد کو صورت حال بتلائی کہ جس سرزمین کی طرف ہمیں پیش قدمی کا حکم دیا جا رہا ہے۔ وہاں بڑے بڑے کڑیل جوان، جنگ جو اور بہادر لوگ ہیں۔ ان کا مقابلہ کرنا ہمارے بس کا روگ نہیں چنانچہ جوں ہی موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا اور فرمایا آگے بڑھنا پیچھے نہ ہٹنا۔ ورنہ شکست ہو گی دنیا میں ذلیل اور آخرت میں تمہیں اس فرار اور انکار کی سزا ملے گی۔ دو لیڈروں کے سوا باقی سب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہاں ہمارے مقابلے میں انتہائی طاقت ور لوگ رہتے ہیں۔ ہم ان کا ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتے ہم

تبھی ارض مقدس میں داخل ہوں گے جب وہ لوگ خود بخود وہاں سے نکل جائیں لیکن ان میں سے دو رہنما ایسے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے ثابت قدم رہنے کا انعام فرمایا تھا کیونکہ وہ خوف خدا رکھنے والے تھے نہ انھوں نے راز افشا کیا اور نہ ہی جہاد سے فرار اختیار کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مؤقف کی پرزور تائید کرتے ہوئے اپنی قوم کو سمجھایا کہ حوصلہ نہ ہارو اور دل چھوٹا نہ کرو۔ اگر تم ایماندار ہو تو جنابِ موسیٰ علیہ السلام کے فرمان پر یقین رکھو۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو جوں ہی تم اس سرزمین پر قدم رکھو گے فتح تمہاری ہوگی۔ لیکن سمجھانے اور کوشش کے باوجود انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ ہمارے وہاں داخل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اگر آپ کو فتح کا اتنا ہی شوق اور یقین ہے تو تم اور تمہارا رب جہاد کرے ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے۔

مسائل

١۔ اللہ سے ڈرنے والوں پر اللہ کا انعام ہوتا ہے۔
٢۔ اللہ اور اس کے رسول کی بات ماننے والے غالب آتے ہیں۔
٣۔ مومن ہر حال میں اللہ تعالیٰ پہ توکل کرتے ہیں۔
٤۔ نیک لوگوں کو دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے:

١۔ رسول کریم کو اللہ پر توکل کرنے کی ہدایت۔ (النمل: ٧٩)
٢۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا حکم۔ (المجادلۃ: ١٠)
٣۔ انبیاء اور نیک لوگ اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ (یوسف: ٦٧)
٤۔ جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اسے کافی ہو جاتا ہے۔ (الطلاق: ٣)
٥۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے کیونکہ وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ (التوبۃ: ١٢٩)
٦۔ اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (آل عمران: ١٥٩)
٧۔ اللہ صبر کرنے والوں اور توکل کرنے والوں کو بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ (العنکبوت: ٥٩)
٨۔ اللہ پر ایمان لانے والوں اور توکل کرنے والوں کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ (الشوریٰ: ٣٦)

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا

انہوں نے کہا | اے موسیٰ | یقیناً ہم | بالکل نہ | ہم داخل ہوں گے اس میں | کبھی بھی | جب تک وہ موجود ہیں

فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾

اس میں | پس جا تو | تو | اور تیرا رب | تم دونوں لڑو | بے شک ہم یہیں | بیٹھے ہیں

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ

کہا اس نے | اے رب! | یقیناً میں | نہیں | مالک میں | مگر | اپنی جان کا | اور میرا بھائی

فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ فَاِنَّهَا

تو تفریق کر | ہمارے درمیان | اور درمیان | قوم | نافرمان (جمع) | کہا اس نے | یقیناً وہ

مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ

حرام کی گئی ہے | ان پر | چالیس | برس | پریشان پھریں گے | میں | زمین

فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ ع

لہٰذا نہ | تم غم کرو | پر | قوم | نافرمان (جمع)

''انہوں نے کہا اے موسیٰ! ہم تو اس میں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک وہ اس میں موجود ہیں پس تو اور تیرا رب جاؤ اور لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ (٢٤) موسیٰ نے کہا! اے میرے رب! میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر اختیار نہیں رکھتا، پس تو ہمارے اور ان نافرمانوں کے درمیان علیحدگی کر دے (٢٥) فرمایا: بے شک ان پر چالیس سال وہ زمین حرام کر دی ہے زمین میں سر مارتے پھریں گے، پس ان نافرمان لوگوں پر غم نہ کرنا۔'' (٢٦)

فہم القرآن

ربط کلام: موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کے حضور التجاء:

جب نا ہنجار اور نافرمان قوم نے نہ صرف موسیٰ علیہ السلام کے حکم کا انکار کیا بلکہ پرلے درجے کی گستاخی کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ تو اور تیرا رب جا کر قتال کریں۔ غور فرمائیں، جس قوم کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بے شمار مصائب و آلام برداشت کیے اور جس کے لیے اتنی جدو جہد کی کہ اس کا جواب کتنا گستاخانہ اور بزدلانہ ہے۔ یہ سن کر جناب موسیٰ علیہ السلام کے دل پر کیا گزری ہوگی؟ لیکن اس کے باوجود موسیٰ علیہ السلام نے انتہائی صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھیں کچھ کہنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کی کہ الٰہی! میں اپنی اور اپنے بھائی کی ذمہ داری لیتا ہوں جس کا یہ معنی ہے کہ ہم تو تیری راہ میں لڑنے مرنے کے لیے تیار ہیں اگر یہ نافرمان اپنے فائدے کی خاطر بھی تیرے راستے میں لڑنے کے لیے تیار نہیں۔ بس تو ہمارے

اوران کے درمیان علیحدگی فرما دیجیے۔اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان پر ارض مقدس کو حرام کیا اور انھیں چالیس سال تک تیہ کے صحرا میں ٹھوکریں کھانے کے لیے چھوڑ دیا اور ساتھ ہی موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ آپ کو نافرمان قوم پر افسردہ ہونے کی ضرورت نہیں۔چنانچہ کچھ مدت کے بعد حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہوئے۔ان کے بعد یوشع بن نون کی قیادت میں بنی اسرائیل ارض مقدس میں داخل ہوئے لیکن اس وقت بھی انھوں نے بغاوت کا مظاہرہ کیا جس کا ذکر گزر چکا ہے۔جغرافیہ دانوں نے اس صحرا کا رقبہ ۲۷ فرسخ طول اور ۹ فرسخ عرض بیان کیا جس کا مطلب ہے کہ یہ صحرا ۹۰ میل لمبا اور ۲۷ میل چوڑا ہے جس میں تقریباً ۷۰ لاکھ کے قریب بنی اسرائیل مقید کیے گئے جس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ صبح سے شام تک اس کوشش میں سرگرداں رہتے کہ کسی طرح وہ واپس پلٹ جائیں لیکن مغرب کے وقت اسی مقام پر ہوتے جہاں سے انھوں نے سفر شروع کیا ہوتا تھا گویا کہ وہ بغیر کسی دیوار اور بیڑیوں کے اللہ تعالیٰ کی جیل میں جکڑ دیے گئے تھے تاہم اس دوران انھیں صبح وشام کھانے کے لیے من اور سلویٰ دیا جاتا اور پینے کے بارہ چشموں کا انتظام اور دھوپ سے بچاؤ کے لیے بادلوں کا سایہ کیا گیا۔

یہ مثلث نما جزیرہ ہے جو بحرالکاہل (بحیرہ روم) (شمال کی طرف) اور ریڈسی بحراحمر (جنوب کی طرف) کے درمیان مصر میں واقع ہے اور اس کا رقبہ ساٹھ ہزار مربع کلومیٹر ہے اس کی زمینی سرحدیں سویز نہر مغرب کی طرف اور اسرائیل۔مصر سرحد، شمال مشرق کی طرف ہیں۔سینائی جزیرہ نما جنوب مغربی ایشیا میں واقعہ ہے اسے مغربی ایشیا بھی کہتے ہیں یہ زیادہ درست جغرافیائی اصطلاح ہے جبکہ مصر کا باقی حصہ شمالی افریقہ میں واقعہ ہے جغرافیائی وسیاسی مقاصد کے لیے زیادہ سینائی کو اکثر افریقہ کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔سینائی تقریباً مکمل طور پر صحرا ہے مگر تبا (Taba) میں سبا ساحل (Sabah Coast) کے ساتھ ساتھ واقع ہے (موجودہ اسرائیل قصبہ ایلٹ (Eilat) کے نزدیک) جہاں ایک ہوٹل اور رقص گاہ (Casino) ہے جب ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف حرکت کی جائے تو وہاں نیوویبا (Nuweiba) داھاب (Dahab) اور شرم الشیخ (Sharm el sheikh) واقع ہیں سینائی العریش (El Arish) میں غزہ پٹی کے نزدیک شمالی ساحل پر واقع ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ کے رسول کے حکم کو نہ ماننے والے فاسق ہیں۔

۲۔ اللہ کا حکم نہ ماننے والے رسوا ہوتے ہیں۔

۳۔ مغضوب قوم کے لیے زمین تنگ کر دی جاتی ہے۔

۴۔ نافرمان لوگوں پر عذاب نازل ہو تو افسوس نہیں کرنا چاہیے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا

اور آپ بیان کریں ان پر خبر آدم کے دو بیٹے حق کے ساتھ جب دونوں نے پیش کی قربانی

فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ

تو قبول ہوئی سے دونوں کے ایک کی اور نہ قبول ہوئی سے دوسرا کہا اس نے

لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٧﴾

میں تجھے ضرور قتل کردوں گا کہا اس نے بے شک وہ قبول کرتا ہے اللہ سے پرہیزگار (جمع)

”اور ان کو آدم کے دو بیٹوں کی خبر سچائی کے ساتھ سنائیں، جب دونوں نے کوئی قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قبول کر لی گئی اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی۔ اس نے کہا میں تجھے ضرور قتل کردوں گا۔ دوسرے نے کہا اللہ پرہیزگاروں کی قربانی قبول کرتا ہے۔“ (٢٧)

فہم القرآن

ربط کلام: قابیل اور ہابیل کا واقعہ پڑھنے کا مقصد یہودیوں کو بتانا ہے کہ تمہارے اور قابیل کے کردار میں کوئی فرق نہیں جس طرح وہ اپنے بھائی پر ظلم کرنے کے بعد پچھتایا تھا۔ عنقریب تمہیں بھی اپنے کیے پر پچھتاوا ہوگا۔ کیونکہ تم بھی اپنے بعد والی امت پر ظلم کر رہے ہو۔

قربانی کا لفظ ”قربان“ بروزن ”سلطان“ سے نکلا ہے عربی محاورات میں قربان ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے اللہ کا قرب حاصل کیا جائے جیسا کہ امام ابو بکر جصاص مرحوم نے احکام القرآن میں نقل کیا۔ ”و القربان مایقصد به القرب من رحمة الله تعالٰى من اعمال البرّ“ ”قربان ہر اس نیک کام کو کہا جاتا ہے جس کا مقصد اللہ کی قربت حاصل کرنا ہو۔“ لیکن عرف عام میں دسویں ذوالحجہ کو بکرے، دنبے، گائے اونٹ ذبح کرنے کا نام قربانی ہے۔ واقعہ بیان کرنے سے پہلے اس کے متعلق گارنٹی دی گئی کہ واقعہ اور اس کے حقائق اتنے برحق ہیں کہ ان کے بارے میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں یہ ہر لحاظ سے حق پر مبنی ہے۔ اس میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے جس طرح قابیل قتل کرنے کے بعد نادم اور پریشان ہوا تھا نبی آخر الزمان ﷺ اور آپ کے ساتھیوں پر ظلم کرنے والے بھی یقینی طور پر ندامت اور پریشانی کا سامنا کریں گے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تاریخی واقعات کو من وعن اور بلا کم وکاست بیان کرنا چاہیے۔ جس میں نہ مبالغہ ہو اور نہ ہی کمی کی جائے۔

عَلَيْهِمْ ضمیر کا اشارہ یہود کی طرف ہے جس کا ذکر ان آیات کے سیاق وسباق سے واضح ہے مگر واقعہ میں جو نصیحت ہے وہ سب کے لیے ہے۔ یہود کو اس لیے مخاطب کیا کہ جس طرح آج تم اپنے سے بعد میں آنے والی امت محمدیہ جو کہ رشتۂ انسانی

کی ترتیب کے لحاظ سے تمہارے چھوٹے بھائی ہیں تم حسد و بغض کی وجہ سے ان کو ختم کرنے کے درپے ہو چکے ہو بالکل اسی طرح آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں صورت حال پیدا ہوئی کہ ایک نے دوسرے کی عزت اور شرف کو تسلیم نہیں کیا بلکہ حسد و دشمنی میں بہت آگے نکل گیا نتیجتاً اللہ کی زمین پر قتل جیسا عظیم سانحہ پیش آیا اور سفا کانہ کردار رکھنے والے کو پچھتانا پڑا۔

تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ نسل انسانی کی ابتدائی حالت کے پیش نظر اور انسان کی افزائش کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ایک حمل میں بچی اور بچہ ہوا کرتے تھے۔ جب یہ جوان ہو جاتے تو بحکم خداوندی پہلے لڑکے کی شادی دوسری لڑکی، دوسرے کی پہلی کے ساتھ یعنی الٹ کر کے ازدواجی تعلق قائم کر دیا جاتا تھا۔ جب قابیل کی شادی کا وقت آیا تو اس نے دوسری لڑکی کے ساتھ نکاح سے اس لیے انکار کر دیا کہ وہ لڑکی اسے پسند نہ تھی۔ کہنے لگا میں تو اپنی ہم جائی کے ساتھ نکاح کروں گا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے بہت سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھا بالآخر حضرت آدم علیہ السلام نے حکم دیا کہ تم دونوں اللہ کے راستے میں قربانی دو۔ جس کی قربانی قبول ہو جائے اس کی خواہش کے مطابق نکاح کر دیا جائے گا۔ قابیل نے ناقص اور پھر خدائے ذوالجلال کی رضا کی بجائے صرف مفاد کی خاطر قربانی دی جبکہ ہابیل نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے قربانی پیش کی چھوٹے یعنی ہابیل کی قربانی قبول اور بڑے کی مسترد کر دی گئی تو اس نے حسد اور بغض سے اپنے چھوٹے بھائی کو قتل کر دیا۔ دنیا میں چونکہ یہ پہلا قتل تھا اس لیے قاتل کو یہ پتہ نہ تھا کہ بھائی کی لاش کس طرح دفنائے۔ بالآخر اللہ نے کوّے کو حکم دیا تو کوّے نے دوسرے کوّے کو مار کر اس کے سامنے مٹی میں دفن کیا اس کو دیکھ کر قابیل نے اپنے مقتول بھائی کو دفن کیا اور پھر حسرت کے ساتھ کہنے لگا ہائے افسوس! میں تو کوّے سے بھی بدتر نکلا۔ لہٰذا روز اول سے بتا دیا گیا کہ قربانی اور تمام اعمال کی قبولیت کا انحصار تقویٰ پر ہوگا۔

مسائل

۱۔ ہر نیک کام اخلاص سے کرنا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ متقین کے اعمال قبول کرتا ہے۔
۳۔ آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی مسترد کر دی گئی۔
۴۔ نیکی قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں قربانی کا بیان:

۱۔ آدم کے دو بیٹوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور قربانی پیش کی۔ (المائدۃ:۲۷)
۲۔ ہر امت کے لیے ایک طریقہ مقرر کیا گیا ہے۔ (الحج:۳۴) ۳۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی قربانی پیش کی۔ (الصافات:۱۰۲)
۴۔ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے۔ (الکوثر:۲)
۵۔ قربانی کے اونٹوں کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے شعائر بنایا ہے۔ (الحج:۳۶)

لَئِنْ	بَسَطْتَّ	اِلَیَّ	یَدَكَ	لِتَقْتُلَنِیْ	مَآ اَنَا	بِبَاسِطٍ
البتہ اگر	تو بڑھائے گا	میری طرف	اپنا ہاتھ	تا کہ تو مجھے قتل کرے	نہیں میں	بڑھانے والا

یَّدِیَ	اِلَیْكَ	لِاَقْتُلَكَ ج	اِنِّیْۤ	اَخَافُ	اللّٰهَ	رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ (٢٨)
اپنا ہاتھ	تیری طرف	کہ میں تجھے قتل کروں	یقیناً میں	ڈرتا ہوں	اللہ	پالنے والا جہانوں کا

اِنِّیْۤ	اُرِیْدُ	اَنْ	تَبُوْٓاَ	بِاِثْمِیْ	وَ اِثْمِكَ	فَتَكُوْنَ
یقیناً میں	چاہتا ہوں	یہ کہ	تو لوٹے	میرے گناہ کے ساتھ	اور اپنے گناہ	تو تو ہو جائے

مِنْ	اَصْحٰبِ	النَّارِ ج	وَ ذٰلِكَ	جَزٰٓؤُا	الظّٰلِمِیْنَ (٢٩) ج
سے	والا	آگ	اور یہ	بدلہ ہے	ظلم کرنے والے

”اگر تو نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا کہ مجھے قتل کرے تو میں اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں کہ تجھے قتل کروں بلاشبہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔(٢٨) میں یہ چاہتا ہوں کہ تو میرا گناہ اور اپنا گناہ لے کر لوٹے، پھر تو آگ والوں میں سے ہو جائے اور ظالموں کی یہی جزا ہے۔“(٢٩)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

قابیل کے چھوٹے بھائی ہابیل نے جب یقین کر لیا کہ قابیل مجھے قتل کرنے کا مصمم ارادہ کر چکا ہے تو اس نے بڑے ادب سے کہا کہ اگر آپ مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں گے تو میں آپ کو قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ آگے نہیں بڑھاؤں گا۔ جس میں یہ احساس دلانا مقصود تھا کہ میں تجھ سے لڑنا نہیں چاہتا۔ لہٰذا تجھے بھی مجھ پر زیادتی نہیں کرنا چاہیے۔ پھر بھی تمہیں اس بات کا احساس نہیں تو یاد رکھنا تیرے گناہ کے ساتھ میرا گناہ بھی تیرے ذمہ ہوگا اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ انھوں نے اپنا دفاع نہیں کیا ہوگا بلکہ اپنی جان بچانا، عزت و مال کی حفاظت کرنا، ہر کسی کا فطری حق اور شرعی طور پر ایسا کرنا لازم ہے، ہابیل نے قابیل کو ظلم سے روکنے کے لیے پانچ باتیں کہی تھیں۔

١۔ اللہ تعالیٰ متقین کی قربانی قبول کرتا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ تجھے مفاد کے بجائے اخلاص کے ساتھ قربانی پیش کرنا چاہیے تھی۔

٢۔ تیرے ہاتھ بڑھانے کے باوجود میں تیری طرف ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔

٣۔ میں ظالم بننے کی بجائے مظلوم بننا پسند کروں گا۔

۴۔ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔جس کا معنیٰ یہ ہے کہ تجھے بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔
۵۔ اگر تو ظلم سے باز نہ آئے گا تو تیرا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

((عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دِينِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دَمِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ أَهْلِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ))

[رواه الترمذی: کتاب الدیات، بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ]

''حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے، جو کوئی اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے، جو کوئی اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے اور جو کوئی اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ بِالدِّمَاءِ))

[رواه البخاری: کتاب الرقاق، بَاب الْقِصَاصِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ]

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے لوگوں کے درمیان خون کا فیصلہ کیا جائے گا''

مسائل

۱۔ کسی پر زیادتی نہیں کرنا چاہیے۔
۲۔ ہر وقت اللہ رب العالمین سے ڈرنا چاہیے۔۳۔ ظالم کا ٹھکانہ جہنم ہے۔
۴۔ کسی پر زیادتی کرنے کی وجہ سے اس کے گناہوں کا بھی بوجھ اٹھانا پڑے گا۔

تفسیر بالقرآن

گناہوں کا انجام:

۱۔ قیامت کے دن برے کاموں کی سزا ملے گی۔(النجم:۳۱)
۲۔ جو گناہوں میں گھرا رہا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔(البقرۃ:۸۱)
۳۔ جہنمی اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے۔(الملک:۱۱)

فَاَصۡبَحَ	فَقَتَلَهٗ	اَخِيۡهِ	قَتۡلَ	نَفۡسُهٗ	لَهٗ	فَطَوَّعَتۡ
پھر ہو گیا	تو اس نے اسے قتل کر دیا	اپنے بھائی کو	قتل کرنا	اس کا نفس	اس کے لیے	پھر آمادہ کیا اسے

الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۳۰﴾	مِنَ
نقصان پانے والے	سے

''پھر اس کے نفس نے اس کے لیے اس کے بھائی کا قتل پسندیدہ بنا دیا۔ اس نے اسے قتل کر دیا پس وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو گیا۔''(۳۰)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نفس انسانی کی تین حالتیں بیان کی ہیں۔

۱۔ نفس مطمئنہ۔ ہر حال میں مطمئن یعنی نیکی پر قائم رہنے والا نفس۔ (الفجر:۲۷)

۲۔ نفس لوّامہ۔ گناہ پر ملامت کرنے والا نفس (القیامۃ:۲)

۳۔ نفس امارہ۔ گناہ پر ابھارنے والا نفس (یوسف:۵۳)

یہ انسان کے دل کی تین حالتیں ہیں نفس مطمئنہ صرف انبیاء کو نصیب ہوتا ہے باقی انسانوں کے نفس کی دو کیفیتیں ہوتی ہیں۔ (۱) نفس امارہ اور نفس لوامہ۔ ان کے درمیان مقابلہ رہتا ہے اگر نفس لوامہ جیت جائے تو انسان کو نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے۔ جب نفس امارہ غالب آجائے تو آدمی برائی کا مرتکب ہوتا ہے۔ ''**فطوعت له نفسه**'' سے یہی کشمکش مراد ہے۔ چنانچہ قابیل نے وہی کیا جس کا وہ اعلان کر چکا تھا۔ قتل کرنے کے بعد اس کے دل کا سکون جاتا رہا۔ رہتی دنیا تک بدنامی اس کے مقدر میں آئی، ظلم وزیادتی کی بری روایت قائم کی۔ آخرت میں جہنم کا ایندھن اور ظالموں کا ساتھی بنا۔ اس سے زیادہ اور نقصان کیا ہو سکتا ہے اور جب بھی کوئی شخص ظلم کرتا ہے اُسے ایسی ہی کیفیات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ نیکی میں اطمینان اور برائی میں پریشانی و پشیمانی ہوا کرتی ہے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ﷛ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَیْسَ مِنْ نَفْسٍ تُقْتَلُ ظُلْمًا إِلَّا کَانَ عَلَی ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ کِفْلٌ مِنْهَا وَرُبَّمَا قَالَ سُفْیَانُ مِنْ دَمِهَا لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ أَوَّلًا))[رواہ البخاری: کتاب الاعتصام بالکتاب و السنه، بَاب إِثْمِ مَنْ دَعَا إِلَی ضَلَالَةٍ أَوْ سَنَّ سُنَّةً سَیِّئَةً]

''حضرت عبداللہ ﷛ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر ہر ظلم کے ساتھ قتل کیے جانے والے کے گناہ کا حصہ ہے اور شاید سفیان نے خون کا لفظ بولا ہے کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے قتل کرنے کی بنیاد رکھی۔''

فَبَعَثَ	اللّٰهُ	غُرَابًا	يَّبْحَثُ	فِي	الْاَرْضِ	لِيُرِيَهٗ
تو بھیجا	اللہ نے	ایک کوا	وہ کریدتا تھا	میں	زمین	تا کہ وہ اسے دکھائے
كَيْفَ	يُوَارِيْ	سَوْءَةَ	اَخِيْهِ ؕ	قَالَ	يٰوَيْلَتٰٓى	اَعَجَزْتُ
کس طرح	وہ چھپائے	لاش	اپنے بھائی کی	کہا اس نے	ہائے افسوس!	میں عاجز ہوں
اَنْ	اَكُوْنَ	مِثْلَ	هٰذَا	الْغُرَابِ	فَاُوَارِيَ	سَوْءَةَ
کہ	میں ہوں	جیسا	یہ	کوا	کہ میں چھپا دیتا	لاش
اَخِيْ ۚ	فَاَصْبَحَ	مِنَ	النّٰدِمِيْنَ ۚۛ ﴿۳۱﴾			
میرا بھائی	تو وہ ہو گیا	سے	نادم ہونے والے			

''پھر اللہ نے کوا بھیجا جو زمین کریدتا تھا تا کہ اسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کس طرح چھپائے ، کہنے لگا ہائے افسوس! کیا میں اس سے بھی گیا گزرا ہوں افسوس اس کوے جیسا ہوتا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ سو وہ نادم ہونے والوں میں سے ہو گیا۔'' (۳۱)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے قتل اور فوت ہونے والا شخص ہابیل تھا اس لیے قابیل کو معلوم نہ تھا کہ میت کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ اس بات کے ساتھ اس کا دوسرا مفہوم بھی ذہن میں رکھنا چاہیے جو واقعہ کے ساتھ گہری نسبت رکھتا ہے جب قاتل کسی شخص کو قتل کرتا ہے تو وہ اپنا جرم چھپانے کے لیے لاش کو آگے پیچھے کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ممکن ہے قابیل اسی کشمکش میں مبتلا ہو گھبراہٹ اور بے قراری کے عالم میں اس کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہو۔ کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کہاں ٹھکانے لگائے جس کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک کوّے کے ذریعے یہ کام کروایا۔ ایک کوّے نے دوسرے کوّے کو مار کر اس کی لاش زمین میں دفن کی جب قابیل نے یہ نقشہ دیکھا تو سخت پریشانی کے عالم میں پکار اٹھا ہائے افسوس میں تو کوّے سے بھی کم تر ثابت ہوا۔ بعد ازاں اس نے اپنے بھائی کو زمین میں دفن کیا اسی وقت سے لے کر فطری اور شرعی طریقہ یہی ہے۔ جلانے کی بجائے میّت کو عزت واحترام کے ساتھ دفنانا چاہیے۔ اسلام کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ نہ صرف میت کو دفنانے کا حکم دیتا ہے بلکہ اس کی تعلیم یہ ہے کہ اچھی طرح غسل دینے کے بعد صاف اور اجلا سفید رنگ کا کفن پہنا کر خوشبو لگائی جائے اور نہایت اخلاص کے ساتھ نماز جنازہ پڑھ کر، دفنانے کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر دعا کی جائے اور میت کے لیے ایصال ثواب کا اہتمام بھی کیا جانا چاہیے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ إِلَّا مِنْ

صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ))

[رواہ مسلم: کتاب الوصیہ، بَاب مَا يَلْحَقُ الْإِنْسَانَ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَ وَفَاتِهِ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع کردیے جاتے ہیں مگر صرف تین ذرائع سے اسے اجر ملتا رہتا ہے۔(١) صدقہ جاریہ۔(٢) ایسا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔(٣) نیک اولاد جو اس کے لیے دعائیں کرے۔''

((عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ أُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ الْمَاءُ قَالَ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هَذِهِ لِأُمِّ سَعْدٍ))[رواہ ابوداؤد: کتاب الزکاہ، بَاب فِي فَضْلِ سَقْيِ الْمَاءِ]

''حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا اے اللہ کے رسول! ام سعد وفات پاگئی ہیں کون سا صدقہ سب سے افضل ہے آپ نے فرمایا پانی پلانا۔حضرت سعد نے کنواں کھدوایا اور کہا یہ ام سعد کے لیے ہے۔''

((عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ رضی اللہ عنہ قَالَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي هَلَكَ فِيهِ الْحَدُوا لِي لَحْدًا وَانْصِبُوا عَلَيَّ اللَّبِنَ نَصْبًا كَمَا صُنِعَ بِرَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم))

[رواہ مسلم: کتاب الجنائز، باب فی اللحد ونصب اللبن علی المیت]

''عامر بن سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے مرض الموت کے وقت حکم دیا کہ میرے لیے لحد بنانا اور لحد کے اوپر کچی اینٹیں رکھنا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیا گیا تھا۔''

مسائل

١۔ میت کو دفنانا چاہیے۔ ٢۔ قاتل کفِ افسوس ملتا رہ جاتا ہے اور ندامت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

نادم ہونے والے لوگ:

١۔ آدم کا بیٹا کہنے لگا کاش میں اس کوے کی طرح ہوتا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا تو وہ نادم ہونے والوں میں سے ہوگیا۔(المائدۃ:٣١)

٢۔ قریب ہے اللہ فتح عطا کردے یا اپنی طرف سے کوئی حکم نازل فرمادے پس یہ اپنے آپ پر نادم ہوں۔(المائدۃ:٥٢)

٣۔ اپنی غلطیوں پر نادم ہونے والے بہت ہی کم ہوتے ہیں۔(المومنون:٤٠)

٤۔ انھوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور وہ نادم ہونے والوں میں سے ہوگئے۔(الشعراء:١٥٧)

٥۔ اے ایمان والو! فاسق کی خبر کی تحقیق کرلیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھیں اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے۔(الحجرات:٦)

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ
سے وجہ وہ ہم نے لکھا پر بیٹے اسرائیل یقیناً وہ

مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ
جو اس نے قتل کیا کوئی جان علاوہ جان یا فساد پھیلائے میں زمین

فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَآ
تو گویا اس نے قتل کیا لوگ سب اور جو بچائے اس کو تو گویا

اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ؗ
اس نے بچالیا لوگ سب اور تحقیق آئے ان کے پاس ہمارے رسول کھلے دلائل کے ساتھ

ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی
پھر یقیناً بہت زیادہ ان سے بعد وہ میں

الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝۳۲
زمین حد سے بڑھنے والے

”اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس نے ایک جان کو کسی جان کے بدلے کے بغیر قتل کیا یا زمین میں فساد پھیلایا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا اور جس نے اسے بچایا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو بچایا اور بلا شبہ ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلائل لے کر آئے ، پھر بے شک ان میں سے بہت سے لوگ اس کے بعد بھی زمین میں البتہ ضرور حد سے بڑھنے والے ہیں۔“ (۳۲)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

عربی گرائمر میں ”مِنْ“ کا لفظ سبب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اس کے دو مفہوم ہیں یہ قانون روزِ آفرینش سے ہی لاگو کیا گیا تھا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اسی وجہ سے یعنی قتل وغارت کو روکنے کے لیے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ قانون نافذ کیا کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کو ناحق قتل کیا تو قاتل کو اس کے بدلے میں قتل کر دیا جائے۔ اور یہی سزا قتل وغارت کرنے والوں کی ہوگی۔ کیونکہ جس نے ایک جان کو قتل کیا گویا کہ وہ پوری انسانیت کا قاتل ٹھہرا۔ جس نے کسی ایک کی جان بچائی اس نے پوری انسانیت کا تحفظ کیا۔ دین اسلام سے بڑھ کر دنیا میں کوئی مذہب اور قانون انسان کو تحفظ نہیں دے سکتا۔ قانون سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے پے در پے انبیاء مبعوث فرمائے۔ تاکہ لوگوں کی اخلاقی تربیت فرمائیں کہ لوگ قتل وغارت اور دنگا فساد کرنے

سے اجتناب کریں لیکن اس کے باوجود لوگوں کی اکثریت آپس میں زیادتی کرنے والی ہے۔

((عن عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ))[رواہ البخاری: کتاب الایمان ، باب خوف المومن من ان یحبط عملہ وھو لا یشعر]

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ))

[رواہ النسائی: باب تَعْظِیمِ الدَّمِ]

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا دنیا کا ختم ہو جانا اللہ کے ہاں ایک مسلمان کے قتل سے کم تر ہے۔''

مسائل

۱۔ ایک انسان کا قاتل ساری انسانیت کا قاتل ہے۔

۲۔ ایک انسان کی زندگی بچانے والا ساری انسانیت کی زندگی بچانے والا ہوتا ہے۔

۳۔ دلائل و براہین کے آجانے کے بعد ظلم و زیادتی نہیں کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اسراف کرنے والے لوگ:

۱۔ جو اسراف کرے اور اللہ کی آیات پر ایمان نہ لائے اسے سزا دی جائے گی۔(طٰہٰ:۱۲۷)

۲۔ فصل کاٹتے وقت اس کا حق ادا کرو اور اسراف نہ کرو۔(الانعام:۱۴۲)

۳۔ کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو کیونکہ اسراف کرنے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔(الاعراف:۳۱)

۴۔ رحمٰن کے بندے خرچ کرتے وقت اسراف نہیں کرتے۔(الفرقان:۶۷)

۵۔ اسراف نہ کرو اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والے سے محبت نہیں کرتا۔(الانعام:۱۴۱)

۶۔ اسراف کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔(بنی اسرائیل:۲۷)

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ

یقیناً سزا وہ لوگ وہ لڑتے ہیں اللہ اور اس کا رسول اور کوشش کرتے ہیں

فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ

زمین میں فساد کرنا یہ کہ وہ قتل کر دیے جائیں یا وہ سولی چڑھائے جائیں یا کاٹ دیے جائیں ان کے ہاتھ

وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ

اور ان کے پاؤں سے خلاف یا وہ نکال دیے جائیں سے زمین وہ

لَهُمْ خِزْيٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝٣٣

ان کے لیے رسوائی میں دنیا اور ان کے لیے میں آخرت عذاب بڑا

’’ان لوگوں کی جزا جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے اور زمین میں فساد کی کوشش کرتے ہیں یہی ہے کہ انہیں قتل کیا جائے یا انہیں سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مختلف سمتوں سے کاٹے جائیں یا انہیں ملک سے نکال دیا جائے، یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔‘‘(۳۳)

فہم القرآن

ربط کلام: ظلم واستبداد کو روکنے کے لیے ابتدا ہی سے فوج داری ضابطے نازل فرمائے گئے تاکہ ظالم دنیا ہی میں سزا پائیں اور آئندہ ایسے مظالم سے باز آجائیں۔

اسلام نے قتل انسان کو بڑا سنگین جرم قرار دیا ہے۔ اس کے باوجود لوگ انسانی اقدار کو پامال کرتے ہوئے درندگی کا مظاہرہ کرتے ہیں ایسے درندوں کے لیے اسلام سخت ترین سزا تجویز کرتا ہے تاکہ امن وامان قائم اور چادر اور چار دیواری کا تحفظ یقینی ہو سکے۔ اگر کسی ملک میں شاہراہیں غیر محفوظ اور لوگوں کی آمد و رفت پُر خطر بنا دی جائے تو اسلام ایسی صورت حال کو لمحہ بھر کے لیے بھی برداشت نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں سے نمٹنے کے لیے اسلام سخت ترین کارروائی کا حکم دیتا ہے۔ اور اس صورت حال کو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کے مترادف تصور کرتا ہے ان خطرناک اور پیشہ ور ظالموں کے قلع قمع کے لیے حکم صادر فرمایا کہ ایسے لوگوں کو چار سزاؤں میں سے حسب جرم کوئی ایک سزا سر عام دینا چاہیے۔ تاکہ یہ لوگ دنیا میں عبرت کا نشان ثابت ہوں۔ اور آخرت میں انھیں عذاب عظیم سے دوچار ہونا پڑے گا۔ (۱) قتل کر دیا جائے۔ (۲) تختۂ دار پر لٹکا دیا جائے۔ (۳) مخالف سمت میں ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں۔ (۴) ملک بدر کر دیا جائے۔

مفسرین نے ان سزاؤں کی تنفیذ کا ذکر کرتے ہوئے تشریح کی کہ یہ اسلامی عدالت کے اختیار میں ہوگا کہ وہ موقعۂ واردات اور جرم کی نوعیت کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی ایک سزا تجویز کرے۔ جہاں تک ملک بدر کر دینے کی سزا کا تعلق ہے حضرت عمر

ﷺ ایسے مجرموں کو جیل میں بند کیا کرتے تھے۔ کیونکہ اس طرح ان لوگوں سے عوام الناس مامون ہو جاتے تھے۔

”حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ ”عکل اور عرینہ (قبیلوں) کے کچھ لوگ نبی اکرم ﷺ کے پاس مدینہ میں آئے اور کلمہ پڑھنے لگے۔ انھوں نے کہا۔ یا رسول اللہ! ہم بھیڑ بکریاں چرانے والے لوگ ہیں کسان نہیں۔ انھیں مدینہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی۔ آپ ﷺ نے چند اونٹ اور ایک چرواہا ان کے ساتھ کیا اور کہا کہ تم لوگ (جنگل میں) چلے جاؤ۔ ان اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پیتے رہو۔ وہ حرہ کے پاس اقامت پذیر ہوئے اور اس علاج سے وہ خوب موٹے تازے ہو گئے۔ پھر ان کی نیت میں فتور آ گیا اور اسلام سے مرتد ہو گئے۔ آپ ﷺ کے چرواہے (یسار) کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر اسے کئی طرح کی تکلیفیں پہنچا کر مار ڈالا اور اونٹ بھگا کر چلتے بنے۔ آپ ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے انھیں گرفتار کرنے کے لیے آدمی روانہ کیے۔ جب وہ گرفتار ہو کر آئے تو آپ ﷺ کے حکم سے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں۔ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور حرہ کے ایک کونے میں پھینک دیے گئے۔ وہ اسی حال میں مر گئے۔“ [رواہ البخاری: کتاب المغازی، باب قصۃ عکل وعرینۃ]

مسائل

۱۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کرنے اور زمین میں فساد پھیلانے والوں کو قتل کر دینا چاہیے۔

۲۔ تخریب کار کو سولی پر لٹکا دینا چاہیے۔ ۳۔ ڈاکو کے ہاتھ پاؤں الٹے کاٹ دینے چاہییں۔

۴۔ تخریب کار کو ملک بدر کر دینا چاہیے۔

۵۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ لڑائی کرنے والے دنیا و آخرت میں ذلیل ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

فساد کرنے والوں کی سزا:

۱۔ زمین میں فساد نہیں کرنا چاہیے۔ (الاعراف: ۵۶)

۲۔ اللہ فساد کرنے والوں کے کام کو نہیں سنوارتا۔ (یونس: ۸۱)

۳۔ فساد کی کوشش نہ کرو کیونکہ اللہ فساد کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (القصص: ۷۷)

۴۔ خشکی و تری میں لوگوں کے اعمال کی وجہ سے فساد پھیلتا ہے۔ (الروم: ۴۱)

۵۔ فساد کرنے والوں کا انجام۔ (النمل: ۱۴) ۶۔ زمین میں فساد کی غرض سے نہ چلو۔ (البقرۃ: ۶۰)

۷۔ اللہ فساد کرنے والوں کو جانتا ہے۔ (آل عمران: ۶۳)

۸۔ فساد کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ (الرعد: ۲۵)

اِلَّا	الَّذِیْنَ	تَابُوْا	مِنْ قَبْلِ	اَنْ	تَقْدِرُوْا	عَلَیْهِمْ ۚ
مگر	وہ لوگ	جنھوں نے توبہ کی	سے پہلے	یہ کہ	تم قابو پالو	ان پر
فَاعْلَمُوْٓا	اَنَّ	اللّٰهَ	غَفُوْرٌ	رَّحِیْمٌ ۝٣٤		
پس تم جان لو	یقیناً	اللہ	بخشنے والا	مہربان ہے		

''مگر جو لوگ تمہارا ان پر قابو پانے سے پہلے توبہ کرلیں کہ تم ان پر قابو پاؤ تو جان لو کہ بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔'' (۳۴)

فہم القرآن

ربط کلام : گذشتہ سے پیوستہ۔

اسلامی سزاؤں کا فلسفہ یہ ہے کہ جرائم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ مگر صرف سزا کا نفاذ ہی اصلاح کا ذریعہ نہیں ہوا کرتا اگر مجرموں کو سزا پر سزا دی جاتی رہے تو بسا اوقات وہ قومی مجرم اور پیشہ ور لٹیرے ثابت ہوتے ہیں۔ اس لیے اسلام نے دوسرے جرائم کی طرح سنگین جرائم کے مرتکب افراد کے لیے بھی توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ لیکن اس کی ایک بڑی شرط یہ ہے کہ وہ انتظامیہ کی پکڑ میں آنے اور عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہونے سے پہلے تائب ہو جائیں۔ اس میں بھی کچھ صورتوں کو نا قابل معافی قرار دیا گیا ہے۔ اگر ایسے شخص نے کوئی قتل کیا ہے تو اُسے قتل کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ اس نے کسی کا مال لوٹا ہو تو اس سے واپس لے کر اس کے مالک کو دلوانا حکومت کی ذمہ داری ہوگی۔ یہ طریقہ کار فوجداری اور دیوانی مقدمات میں ہوگا۔ اخلاقی مقدمات مثلاً زنا کاری کے مقدمہ میں نہ بدلہ ہے اور نہ ہی شہادتیں قائم ہونے کے بعد عدالت معافی دے سکتی ہے۔ توبہ کا دروازہ کھولتے ہوئے اعلان فرمایا ہے کہ اگر یہ لوگ آئندہ کے لیے سچے دل سے توبہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور نہایت ہی مہربانی کرنے والا ہے۔ اگر یہ لوگ اسلامی سزا کے بعد یا عدالت میں پہنچنے سے پہلے اخلاص کے ساتھ توبہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرما دے گا۔

((عَنْ أَبِی عُبَیْدَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِیهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ))

[رواہ ابن ماجۃ: کتاب الزھد، باب ذکر التوبۃ]

''حضرت ابو عبیدہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا گناہوں سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو''

((عَنْ أَبِی مُوسَی رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ یَبْسُطُ یَدَهُ بِاللَّیْلِ لِیَتُوبَ مُسِیءُ النَّهَارِ وَیَبْسُطُ یَدَهُ بِالنَّهَارِ لِیَتُوبَ مُسِیءُ اللَّیْلِ حَتَّی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا))[رواہ مسلم: کتاب التوبہ،

باب قبول التوبة من الذنوب]

”حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ رات کو اپنا دست رحمت پھیلاتا ہے تاکہ دن بھر کا گنہگار توبہ کر لے اور دن کو دست شفقت بڑھاتا ہے تاکہ رات بھر کا گنہگار توبہ کر لے، سورج کے مغرب سے نکلنے یعنی قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔“

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَيَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ))

[رواه ابن ماجة: باب ذِكْرِ التَّوْبَةِ]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ بندے کی توبہ کو قبول فرماتا ہے جب تک اُس کا سانس حلق میں نہیں اٹک جاتا۔“

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ))

[رواه ابن ماجة: باب ذِكْرِ التَّوْبَةِ]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدم کا ہر بیٹا خطا کار ہے اور ان میں سے بہتر وہ ہے جو خطا کرنے کے بعد توبہ کرنے والا ہے۔“

مسائل

١۔ گرفتاری سے پہلے توبہ کرنے والوں کو اللہ معاف فرما دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کن لوگوں پر رحم کرتا ہے:

١۔ اللہ کی مہربانی کے بغیر گناہ سے بچنا مشکل ہے۔(یوسف:۵۳)
٢۔ اللہ توبہ کرنے والوں کو اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے بے شک اللہ معاف اور رحم کرتا ہے۔(التوبۃ:۹۹)
٣۔ اللہ توبہ کرنے والوں کو معاف کرنے اور رحم کرنے والا ہے۔(التوبۃ:۲۷)
٤۔ اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔(المائدۃ:۷۴)
٥۔ جو سچے دل سے تائب ہو جائے ایمان کے ساتھ اعمال صالح کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دے گا کیونکہ اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔(الفرقان:۷۰)
٦۔ گناہ گار کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔(الزمر:۵۳)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

اے | وہ لوگ جو | ایمان لائے | تم ڈرو اللہ سے | اور تلاش کرو | اس کی طرف | قرب ذریعہ

وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۵

اور جہاد کرو | میں | اس کی راہ | تاکہ تم | فلاح پاؤ

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف قرب کا ذریعہ تلاش کرو اور اس کے راستے میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔'' (۳۵)

فہم القرآن

ربط کلام: یہود ونصاریٰ کی طرح خدا کی نافرمانی اور اس سے دور ہونے کی بجائے اس کی قربت تلاش کرو۔ زمین میں دنگا فساد کرنے کی بجائے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے اپنی قوت وطاقت استعمال کرو اس طرح تم کامیاب ہو گے۔

وسیلہ کی حقیقت:

اردو میں وسیلہ کا معنیٰ ہے ذریعہ اور واسطہ جس سے بے شمار مسلمانوں کو قرآن کے لفظ وسیلہ کے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے جبکہ قرآن مجید میں اس کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنا ہے۔ ادھر ادھر کے واسطوں کے ذریعے نہیں بلکہ تقویٰ اور نیکی کے کاموں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کی کوشش کرو۔ حدیث میں وسیلہ کا معنیٰ مقام علیا ہے جس پر فائز ہو کر نبی کریم ﷺ قیامت کے دن رب کریم کے حضور سجدہ ریز ہو کر امت کی سفارش کریں گے اس کا تذکرہ اذان کے بعد کی دعا میں موجود ہے۔ آپ نے اسی مقام کے لیے دعا کرنے کی تلقین کی ہے۔

یہ دنیا عالم اسباب ہے اس کا پورا نظام اسباب اور وسائل پر چل رہا ہے جب تک وسائل کو بروئے کار نہیں لایا جائے گا اس وقت تک دنیا کے معاملات صحیح سمت پر چلنے تو درکنار زندگی کا باقی رہنا ناممکن ہے۔ ایک شخص کتنا ہی متوکل علی اللہ کیوں نہ ہو اگر پیاس کے وقت پانی نہیں پیتا اور بھوک کے وقت کھانا نہیں کھاتا تو موت کا لقمہ بن جائے گا۔ بیمار کے لیے پرہیز اور دوائی لازم ہے۔ بغیر اسباب کے کسی چیز کو باقی رکھنا یہ صرف خالق کائنات کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

لہٰذا شریعت نے کمزور کے ساتھ تعاون اور بے سہارا کو سہارا دینا اور بے وسیلہ کا وسیلہ بننے کا حکم دیا ہے۔ اس وسیلہ اور اسباب کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اختیارات کے بارے میں دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کسی وسیلہ اور واسطہ کی ضرورت نہیں وہ مسبب الاسباب اور انسان کی شہ رگ سے زیادہ قریب اور دلوں کی دھڑکنوں کو جاننے والا ہے۔

توہین آمیز اور مضحکہ خیز مثال:

لیکن آج کا خطیب وسیلے کے جواز کے لیے یہ کہتا سنائی دیتا ہے کہ پھر ایک دوسرے کی مدد کرنا، گاڑی استعمال کرنا اور عینک لگانا بھی شرک ہے۔ وہ جانتے ہوئے اس بات کو فراموش کر دیتا ہے کہ دنیا کے معاملات میں اسباب اختیار کرنے کا شریعت میں حکم ہے۔

واعظ کا یہ بھی فرمان ہے کہ چھت پر چڑھنے کے لیے سیڑھی کی ضرورت ہے۔ اور افسر کو ملنے کے لیے کسی سفارش کا ہونا ضروری ہے۔ ذرا سوچیے چھت تو جامد اور ساکت ہے وہ اوپر سے نیچے نہیں آ سکتی اور نہ ہی آدمی چھلانگ لگا کر چھت پر چڑھ سکتا ہے اس لیے سیڑھی کی ضرورت ہے۔ ایسے ہی افسر تو انسان ہے جب تک اسے معاملہ بتلایا نہ جائے۔ وہ نہیں جان سکتا یہاں تک کہ اس کے لیے سفارش ڈھونڈنے کا تعلق ہے وہ بھی ایک طرح کی کمزوری ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ہر قسم کی کمزوریوں سے پاک ہے۔ اس کی قدرت وسطوت تو ہر جگہ موجود ہے وہ دلوں کی دھڑکنوں کو جانتا ہے یہاں تو وسیلے وسفارش اور سیڑھی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

لہٰذا آدمی کو کسی اعتبار سے بھی اس ذات کبریا کو اپنے آپ پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کو چھت اور انسان کے ساتھ مشابہ قرار دینا نا قابل معافی گناہ ہی نہیں بلکہ ذات کبریا کی شان میں پرلے درجے کی گستاخی ہے۔

وسیلہ کی گنجائش ہی نہیں:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ اَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾[ق:١٦]

''اور بلا شبہ ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہیں اس کا نفس جو وسوسے ڈالتا ہے اور ہم اس سے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔''

﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾[الملك: ١٣] ''بے شک وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے۔''

ذاتِ کبریا کا احترام کرو:

﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ﴾[النحل: ٧٤] ''اللہ کے لیے ایسی مثالیں بیان نہ کیا کرو۔''

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾[الزمر: ٦٧]

''اور نہ قدر پہچانی انھوں نے اللہ تعالیٰ کی جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا۔''

اس عقیدہ کے اخلاقی اور دینی نقصانات:

☆ انسان خود نیکی کرنے کی بجائے دوسرے کی نیکی پر بھروسہ کرتا ہے۔

☆ انسان توبہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کے بجائے پہلے کی طرح دور رہتا ہے۔

☆ وسیلہ کی آڑ میں جعلی پیر لوگوں کی عزت اور مال لوٹتے ہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں وسیلہ اور واسطے کو پسند نہیں کرتا۔

☆ وسیلہ کے عقیدہ سے اللہ تعالیٰ کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ ☆ یہ طریقہ ہندوؤں اور غیر مسلموں کے مشابہ ہے۔

اخلاص اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کیجیے:

۱۔ فوت ہونے والے بزرگ بیمار ہوئے، ہزار دعاؤں اور دواؤں کے باوجود صحت یاب نہ ہو سکے۔

۲۔ فوت ہوئے تو گھر میں میت ہونے کے باوجود روتی ہوئی بیٹیوں، تڑپتی ہوئی والدہ، بلکتی ہوئی بیوی، سسکتے ہوئے بیٹے اور آہ و بکا کرنے والے مریدوں کو تسلی نہ دے سکے۔

۳۔ شرم وحیا کے پیکر ہونے کے باوجود اپنے آپ استنجا کر سکے نہ غسل۔
۴۔ زندگی میں خود اپنی قبر بنوانے والے بھی اپنے پاؤں پر چل کر قبر تک نہ پہنچ سکے۔
۵۔ جو زندگی میں صرف پنجابی یا کوئی ایک زبان جانتے تھے فوت ہونے کے بعد قبر پر آنے والوں اور دوسری زبانوں میں فریاد کرنے والوں کی زبان سے کس طرح واقف ہو گئے؟
۶۔ جو خود اولاد سے محروم تھے دوسرے کو کس طرح اولاد عطا کر سکتے ہیں؟
۷۔ جو خراٹے لینے والی نیند یا کسی وجہ سے بے ہوشی کے عالم میں دیکھ اور سن نہیں سکتے اب موت کے بعد کس طرح سننے اور دیکھنے کے قابل ہوئے؟
۸۔ جو زندگی میں دیوار کی دوسری طرف نہیں دیکھ سکتے تھے اب قبر کی منوں مٹی اور مضبوط پتھروں کے درمیان کس طرح دیکھ سکتے ہیں؟
۹۔ جو اپنی حالت سے کسی کو آگاہ نہیں کر سکتے۔ دوسرے کی حالت رب کے حضور کس طرح پیش کر سکتے ہیں؟
۱۰۔ جو زندگی میں بیک وقت ایک یا دو تین آدمیوں سے زیادہ کی بات سن اور سمجھ نہیں سکتے تھے اب بیک وقت سینکڑوں، ہزاروں آدمیوں کی فریاد کس طرح سن سکتے ہیں؟

وسیلے تو خود اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ﴾ [الحج: ۷۳]

''اے لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے پس غور سے سنو اسے! بے شک جن معبودوں کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ تو مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سب جمع ہو جائیں اس (معمولی سے) کام کے لیے اور اگر چھین لے ان سے مکھی بھی کوئی چیز تو وہ نہیں چھڑا سکتے اسے اس مکھی سے (آہ!) کتنا بے بس ہے ایسا طالب اور کتنا بے بس ہے ایسا مطلوب۔'' (تفسیر ضیاء القرآن)

اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کو وسیلہ بنائیں:

سمع اطاعت کا تقاضا یہ ہے کہ بندۂ مسلم اللہ تعالیٰ کے حضور وہی واسطہ اور وسیلہ پیش کرے جس کی ذات کبریا نے اجازت دے رکھی ہے۔ ایک احمق ترین شخص بھی جان بوجھ کر یہ حرکت نہیں کر سکتا کہ جس سے وہ کچھ مانگنا چاہتا ہے وہ اپنے محسن کے سامنے ایسا طریقہ اختیار کرے کہ جس سے وہ عطا کرنا تو درکنار الٹا ناراض ہو جائے۔ لہٰذا دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اس کے اسمائے مبارکہ اور صفات مقدسہ کو وسیلہ بنایا جائے۔ سرور دو عالم ﷺ کسی شخصیت کے واسطے، حرمت، صدقے اور طفیل کی بجائے اللہ کی صفات کے واسطے سے دعا کیا کرتے تھے۔

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ [الأعراف: ۱۸۰]

''اللہ تعالیٰ کے نہایت ہی خوبصورت نام ہیں انہی ناموں سے دعا کیا کرو۔''

((اَللّٰهُمَّ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِيْ لَا تُرَامُ اَسْاَلُكَ يَا اَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ

بِجَلَالِكَ وَنُورِ وَجْهِكَ)) [رواه الترمذی:باب فی دعاء الحفظ]
”اے زمین وآسمان کوابتداء سے پیدا کرنے والے‘اے ذوالجلال والاکرام تیری عزت کو پانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اے اللہ‘اے رحمان تیرے جلال اور تیرے چہرے کے جمال کے واسطے سے ہم تجھ سے مانگتے ہیں۔“
((يَا رَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَلِعَظِيمِ سُلْطَانِكَ))

[رواه ابن ماجة: کتاب الاداب، باب فضل الحامدين]
”اے اللہ! تیرے لیے تمام تعریفات ہیں جس طرح تیرے چہرے کی جلالت اور عظیم بادشاہی کے لائق ہے۔“
((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ))[رواه مسلم :کتاب الصلوة، باب اسْتِحْبَابِ الْقَوْلِ مِثْلَ قَوْلِ الْمُؤَذِّنِ]
”حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ انہوں نے نبی مکرم ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا جب تم موذن کی اذان سنو تو اس کے ساتھ وہی کلمات دہراتے چلے جاؤ پھر مجھ پر درود پڑھو۔اذان کے بعد جس نے مجھ پر درود پڑھا۔اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔اس کے بعد میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کرو بلاشبہ وہ جنت کا بلندترین مقام ہے۔جو اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کو نصیب ہوگا مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہی وہ عطا کرے گا۔جس مسلمان نے میرے لیے اس مقام کی دعا کی میری سفارش اس پر واجب ہوگی۔“

مسائل

١۔ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔٢۔اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرنا چاہیے۔
٣۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنا چاہیے۔
٤۔ کافر زمین وآسمان کے خزانے خرچ کر کے بھی اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے
٥۔ کفار کے لیے المناک عذاب ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

وسیلہ کی حیثیت:

١۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔(المائدۃ:٣٥)
٢۔ جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ خود اللہ کا قرب تلاش کرتے ہیں۔(الاسراء:٥٧)
٣۔ وسیلہ کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کے قریب تر ہے۔(البقرۃ:١٨٦)
٤۔ وسیلہ کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ انسان کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔(ق:١٦)

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَھُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا

بے شک وہ لوگ جو انہوں نے کفر کیا اگر بے شک ان کے لیے جو میں زمین سب

وَّمِثْلَہٗ مَعَہٗ لِیَفْتَدُوْا بِہٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ

اور اس جیسا اس کے ساتھ کہ وہ معاوضہ دیں اس کو سے عذاب دن

الْقِیٰمَۃِ مَا تُقُبِّلَ مِنْھُمْ ج وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۳۶﴾

قیامت نہیں قبول کیا جائے گا ان سے اور ان کے لیے عذاب اذیت ناک

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا ھُمْ

وہ ارادہ کریں گے یہ کہ نکل جائیں سے آگ اور نہیں وہ

بِخٰرِجِیْنَ مِنْھَا ز وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۳۷﴾

نکلنے والے اس سے اور ان کے لیے عذاب ہمیشہ رہنے والا

”بے شک جن لوگوں نے کفر کیا زمین میں جو کچھ ہے اگر وہ سب اور اس کے ساتھ اتنا اور بھی ان کے پاس ہوتا کہ وہ اس کو قیامت کے دن کے عذاب کے بدلے فدیہ دیں تو ان سے قبول نہ کیا جائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔(۳۶) وہ چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں جب کہ وہ اس سے کسی طرح نکلنے والے نہیں اور ان کے لیے ہمیشہ رہنے والا عذاب ہے۔“(۳۷)

فہم القرآن

ربط کلام: اے لوگو! فساد فی الارض میں صلاحیتیں ضائع کرنے اور اللہ سے دوری اختیار کرنے کی بجائے جہاد فی سبیل اللہ میں اپنی قوتیں صرف کرو تاکہ تمہیں اللہ کا قرب اور کامیابی حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ کے منکر نہ صرف اس کے قرب سے محروم ہوں گے بلکہ انھیں جہنم میں پھینکا جائے گا جس سے ان کے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

جو لوگ نیک اعمال کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنے اور پانے کی بجائے یہود و نصاریٰ کا رویہ اختیار کرتے اور فساد فی الارض کے مرتکب ہوتے ہیں فلاح اور کامیابی کے راستے پر چلنے کی بجائے بغاوت اور سرکشی کا راستہ اختیار کرتے ہیں انھیں قیامت کے دن جہنم میں جھونکا جائے گا۔ جس سے نکلنے کے لیے آہ وزاریاں کریں گے لیکن ان کی فریاد اور کوئی وسیلہ کام نہیں آئے گا۔ جو دنیا میں یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ہم فلاں فلاں کی وجہ سے دنیا کی عدالتوں سے چھوٹ جاتے ہیں اور قیامت کے دن بھی بزرگ اور بڑے ہمیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچا لیں گے وہ اپنی نجات کے لیے سب کچھ پیش کرنے کی درخواست کریں گے باوجود اس کے کہ ان کے پاس نیکی اور برائی کے سوا کوئی چیز نہیں ہوگی لیکن پھر بھی ایسی

پیشکشیں کریں گے۔ان سے کچھ قبول نہیں کیا جائے گا۔ وہ جہنم کی آگ سے نکلنے کی کوشش کریں گے لیکن نکل نہیں پائیں گے۔انھیں ہمیشہ وہاں رہنا ہوگا۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ ﷛ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ضِرْسُ الْکَافِرِ أَوْ نَابُ الْکَافِرِ مِثْلُ أُحُدٍ وَغِلَظُ جِلْدِهٖ مَسِیرَةُ ثَلَاثٍ))[رواہ مسلم : کتاب الجنة وصفة ونعیمها، باب النَّارُ یَدْخُلُهَا الْجَبَّارُونَ وَالْجَنَّةُ یدْخُلُهَا الضُّعَفَاءُ]

''حضرت ابوہریرہ ﷛ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم میں کافر کا دانت احد پہاڑ جتنا ہوگا اور اس کی جلد کی موٹائی تین دن کی مسافت جتنی ہوگی۔''

﴿وَهُمْ یَصْطَرِخُونَ فِیهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِی كُنَّا نَعْمَلُ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِیرُ فَذُوقُوْا فَمَا لِلظَّالِمِیْنَ مِنْ نَّصِیرٍ﴾[فاطر:۳۷]

''اور وہ چیخ چیخ کر کہیں گے: ہمارے رب! ہمیں (اس سے) نکال کہ ہم نیک عمل کریں ویسے نہیں جیسے پہلے کیا کرتے تھے (اللہ فرمائے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں کوئی نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا؟ تمہارے پاس ڈرانے والا آیا تھا اب عذاب کو چکھو یہاں ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

مسائل

۱۔ مجرموں سے زمین اور اس کے برابر فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔
۲۔ مجرم جہنم سے نہیں نکل سکیں گے۔
۳۔ مجرموں کے لیے ہمیشہ قائم رہنے والا اور ذلیل کر دینے والا عذاب ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن کوئی معاوضہ نہیں قبول ہوگا:

۱۔ قیامت کے دن سے ڈر جاؤ جس دن کوئی معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔(البقرۃ:۴۸)
۲۔ قیامت کو مجرم زمین بھر سونا کر دے تب بھی قبول نہیں ہوگا۔(آل عمران:۹۱)
۳۔ مجرم خواہش کرے گا کہ میں جو کچھ زمین میں ہے سب کچھ معاوضہ دے کر بچ جاؤں۔(المعارج:۱۱تا۱۴)
۴۔ کوئی معاوضہ اس دن قبول نہیں کیا جائے گا۔(المائدۃ:۳۶)

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا

اور چور مرد | اور چور عورت | سوتم کاٹ دو | ان دونوں کے ہاتھ | بدلہ | ساتھ جو

كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾

ان دونوں نے کیا | عبرتناک سزا | سے | اللہ | اور اللہ | غالب | حکمت والا

''اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت ہو تو دونوں کے ہاتھ کاٹ دو اللہ کی طرف سے سزا ہے عبرت کے لیے جو انہوں نے کیا۔ اللہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے۔'' (۳۸)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ آیات میں ڈاکہ اور رہزنی کی سزا بیان کی گئی تھی درمیان میں حسبِ دستور نصیحت اور تنبیہ کی گئی۔ اب چور کی سزا بیان ہوتی ہے۔

ہر قوم اور معاشرے میں طاقت اور قوت کے زور پر مال لوٹنے والے کو ڈاکو اور چھپ کر کوئی چیز اٹھانے والے کو چور کہا جاتا ہے۔ اس لیے اہل لغت اور شارحین نے چوری کی یہ تعریف کی ہے ''ایسا مال جس کو حفاظت میں رکھا گیا ہو اسے ہتھیانے والے کو چور کہیں گے ایسے شخص پر چوری کی سزا نافذ کی جائے گی'' پہلی دفعہ چوری کرنے والے سے مال وصول کرتے ہوئے اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگر دوسری دفعہ چوری کرتا ہے۔ تو اس کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے گا۔ بعض لوگ غیر مسلموں کے پروپیگنڈہ میں آکر اسلام کی مقرر کردہ سزاؤں کو غیر مہذب سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے آپ کو مہذب سمجھنے کے باوجود مظلوم کی خیر خواہی کرنے کی بجائے ڈاکو، چور اور بدکار لوگوں کی حمایت کرتے ہیں۔ جو اخلاق، دین اور معاشرتی آداب کے کسی اصول کے مطابق نہیں ہے۔ قرآن مجید جرائم کی بیخ کنی کے لیے سنگین جرائم کی نہ صرف سخت ترین سزا تجویز کرتا ہے۔ بلکہ اس کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ ایسے لوگوں کو سرعام سزا دی جائے گی۔ اس آیت میں لفظ ''نکالاً'' کا یہی مفہوم ہے۔

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ السَّارِقَ یَسْرِقُ الْبَیْضَةَ فَتُقْطَعُ یَدُهٗ وَیَسْرِقُ الْحَبْلَ فَتُقْطَعُ یَدُهٗ)) [رواہ البخاری: کتاب الحدود، باب لعن السارق اذا لم یسم]

''حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ چور پر لعنت کرے ایک انڈے کی چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور ایک رسی کی چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔''

مسائل

۱۔ چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹے جائیں۔ ۲۔ عبرت کے لیے یہ ان کی دنیا میں سزا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سزا کی حکمتوں کو خوب جانتا ہے۔

فَمَنْ	تَابَ	مِنْ	بَعْدِ	ظُلْمِهٖ	وَاَصْلَحَ	فَاِنَّ
پھر جو	توبہ کی اس نے	سے	بعد	اس کا ظلم	اوراصلاح کی	تو بے شک
اللّٰهَ	يَتُوْبُ	عَلَيْهِ	اِنَّ	اللّٰهَ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ٣٩
اللہ	توبہ قبول کرتا ہے	اس پر	یقیناً	اللہ	بخشنے والا	مہربان

''پھر جو اپنے ظلم کے بعد توبہ کرلے اور اصلاح کرلے تو یقیناً اللہ اس کی توبہ قبول کرے گا۔ بے شک اللہ بے حد بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔''(۳۹)

فہم القرآن

ربط کلام: مجرموں کے لیے توبہ اور اصلاح کا دروازہ کھلا رکھ کر انہیں توبہ اور اصلاح کی ترغیب دی گئی ہے۔

دنیا کے دساتیر اور قوانین میں اس بات کا اہتمام نہیں کیا جاتا کہ ایک مجرم کو سزا دینے کے بعد اس کی اصلاح کا اہتمام کیا جائے۔ یہ اعزاز بھی صرف دین اسلام کو حاصل ہے کہ وہ مجرم کو سزا دینے کے بعد نہ صرف اسے اپنی اصلاح کا موقع دیتا ہے بلکہ وہ اسے اس بات کی یقین دہانی کرواتا ہے کہ جو شخص بھی سچے دل اور اصلاح کے ارادے کے ساتھ توبہ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کو رحیم و کریم پائے گا۔ اللہ کے نبی ﷺ مجرم کو توبہ کی تلقین کیا کرتے تھے۔

((عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كَانَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ إِنْسَانًا ثُمَّ خَرَجَ يَسْأَلُ فَأَتَى رَاهِبًا فَسَأَلَهُ فَقَالَ لَهُ هَلْ مِنْ تَوْبَةٍ قَالَ لَا فَقَتَلَهُ فَجَعَلَ يَسْأَلُ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ ائْتِ قَرْيَةَ كَذَا وَكَذَا فَأَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَنَاءَ بِصَدْرِهِ نَحْوَهَا فَاخْتَصَمَتْ فِيهِ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ وَمَلَائِكَةُ الْعَذَابِ فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَى هَذِهِ أَنْ تَقَرَّبِي وَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَى هَذِهِ أَنْ تَبَاعَدِي وَقَالَ قِيسُوا مَا بَيْنَهُمَا فَوُجِدَ إِلَى هٰذِهِ أَقْرَبَ بِشِبْرٍ فَغُفِرَ لَهُ)) [رواہ البخاری: کتاب احادیث الانبیاء، باب حدیث الغار]

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ننانوے قتل کیے تھے۔ پھر وہ توبہ کے لیے استغفار کررہا تھا وہ ایک راہب کے پاس پہنچا اور اس سے پوچھا کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ راہب نے جواب دیا نہیں۔ اس نے اسے بھی قتل کردیا۔ پھر وہ مسئلہ پوچھنے گیا، اسے اس شخص نے ایک بستی کی طرف رہنمائی کی۔ راستے میں اس کو موت نے آلیا تو وہ اپنے سینے کے بل اس بستی کی طرف گرا۔ اس شخص کے بارے میں رحمت اور عذاب کے فرشتے جھگڑنے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو حکم دیا کہ مرنے والے کے قریب ہو جائے اور چھوڑی ہوئی بستی کو اس سے دوری کا حکم دیا۔ پھر دونوں کے درمیان فاصلہ ناپنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ منزل مقصود کے بالشت بھر قریب پایا گیا اس لیے اس کو معاف کردیا گیا۔''

((عَنْ أَبِی مُوسَی ﷺ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَبْسُطُ یَدَہُ بِاللَّیْلِ لِیَتُوبَ مُسِیءُ النَّھَارِ وَیَبْسُطُ یَدَہُ بِالنَّھَارِ لِیَتُوبَ مُسِیءُ اللَّیْلِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِھَا))

[رواہ مسلم: کتاب التوبہ، باب قبول التوبة من الذنوب]

''حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ رات کو اپنا دست رحمت پھیلاتا ہے تاکہ دن بھر کا گنہگار توبہ کرلے اور دن کو دست شفقت بڑھاتا ہے تاکہ رات بھر کا گنہگار توبہ کرلے، سورج کے مغرب سے نکلنے یعنی قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔''

((کُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَیْرُ الْخَطَّائِینَ التَّوَّابُونَ)) [رواہ ابن ماجة: کتاب الزھد ،باب ذکر التوبة]

''آدم کی ساری اولاد خطا کار ہے اور بہترین خطا کار توبہ کرنے والے ہیں۔''

((مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ یُغَرْغِرَ نَفْسُہُ قَبِلَ اللّٰہُ مِنْہُ))[احمد : کتاب باقی مسند المکثرین، باب أحادیث رجال من أصحاب النبی ﷺ]

''جس نے موت کے آثار ظاہر ہونے سے پہلے توبہ کرلی اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔''

((اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ)) [رواہ ابن ماجة: کتاب الزھد]

''گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ نہ کرنے کے برابر ہو جاتا ہے۔''

تفسیر بالقرآن

توبہ کی شرائط:

١۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور صاف پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔(البقرۃ:٢٢٢)

٢۔ توبہ اور اپنی اصلاح کرنے والے کی اللہ توبہ قبول کرتا ہے۔(البقرۃ:١٥٩تا١٦٠)

٣۔ جو گناہ کے بعد توبہ کرے اور نیک ہو جائے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے۔(المائدۃ:٣٩)

٤۔ برائی کرنے کے بعد توبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔(الاعراف:١٥٣)

٥۔ ایمان والو سچے دل سے توبہ کرلو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہاری برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔(التحریم:٨)

٦۔ سچی اور صحیح توبہ اُس کی ہے جو توبہ کے بعد نیک اعمال کرتا رہے اور گناہ سے بچے۔(الفرقان:٧١)

٧۔ توبہ کے بعد گناہوں سے باز آنے والے کی توبہ قبول ہوتی ہے جو اپنی موت تک گناہوں سے باز نہ آئے اور توبہ بھی کرتا رہے اس کی توبہ قبول نہیں۔(النساء:١٧۔١٨)

٨۔ اگر کبیرہ گناہوں سے بچا جائے تو پھر چھوٹے گناہ معاف ہوتے ہیں۔(النساء:٣١)

اَلَمْ	تَعْلَمْ	اَنَّ اللّٰهَ	لَهٗ	مُلْكُ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ ؕ
کیا نہیں	تمہیں علم ہوا	بے شک اللہ	اس کے لیے	حکمرانی	آسمانوں	اور زمین کی
يُعَذِّبُ	مَنْ	يَّشَآءُ	وَيَغْفِرُ	لِمَنْ	يَّشَآءُ ؕ	وَاللّٰهُ
وہ عذاب دیتا ہے	جسے	وہ چاہتا ہے	اور وہ بخش دیتا ہے	جس کے لیے	وہ چاہتا ہے	اور اللہ

عَلٰى	كُلِّ	شَيْءٍ	قَدِيْرٌ ۝٤٠
پر	ہر	چیز	قدرت والا

’’کیا تم نہیں جانتے اللہ ہی ہے جس کے پاس آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے وہ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔‘‘ (٤٠)

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ، سزاء وجزا کا کلی اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

چوری کی سزا بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے جس کا معنی ہے کہ وہ اپنے فیصلے نافذ کرنے کی پوری قوت اور اختیار رکھتا ہے۔ اور اس کے ہر قانون اور فیصلے میں بڑی حکمتیں پائی جاتی ہیں۔ یہاں ہر انسان کو مخاطب کرتے ہوئے یہ باور کروایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون پر معترض، توبہ اور اپنی اصلاح سے اعراض کرنے والے کو یہ جاننا چاہیے کہ زمین وآسمان کی بادشاہت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ کوئی انسان اللہ کی بادشاہی سے نہ باہر نکل سکتا ہے اور نہ ہی اسے چیلنج کر سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہے کہ اس نے انسان کو ایک مدت کے لیے اختیار اور مہلت دے رکھی ہے۔ اس کا اختیار ہے وہ جسے چاہے سزا دے اور جسے چاہے معاف کردے وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کا مالک ومختار ہے۔ ٢۔ عذاب دینا اور معاف کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہر چیز پر قادر ہے:

١۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (البقرۃ: ٢٠)

٢۔ اللہ آسمانوں وزمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (آل عمران: ٢٩)

٣۔ تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تمہیں قیامت کے دن جمع فرمائیگا وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (البقرۃ: ١٤٨)

٤۔ اللہ جسے چاہے عذاب دے جسے چاہے معاف کردے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (البقرۃ: ٢٨٤)

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ

اے رسول نہ پریشان کریں آپ کو وہ لوگ وہ جلدی کرتے ہیں میں کفر

مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ

سے وہ لوگ انہوں نے کہا ہم ایمان لائے ساتھ اپنے مونہوں اور نہیں ایمان لائے

قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ

ان کے دل اور سے وہ لوگ جو یہودی ہوئے سننے والے ہیں جھوٹ کو سننے والے

لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ

قوم اس کے دوسری نہیں وہ آئیں گے آپ کے پاس وہ بدلتے ہیں باتوں کو سے

بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ

بعد ان کی جگہ وہ کہتے ہیں اگر تم دیے جاؤ یہ تو اسے لے لو

وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ

اور اگر نہ دیے جاؤ تم وہ تو بچو اور جو ارادہ کرے اللہ

''اے رسول! آپ کو کفر میں جلدی کرنے والے لوگ غمگین نہ کریں اور وہ لوگ جو محض اپنی زبان سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے، حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے اور ان لوگوں میں سے جو یہودی ہوئے جو بہت جھوٹ سننے والے ہیں ان لوگوں کے لیے جو آپ کے پاس نہیں آئے کلام کو اس مقام سے پھیر دیتے اور کہتے ہیں اگر تمہیں یہ دیا جائے تو لے لو اور اگر تمہیں یہ نہ دیا جائے تو بچ جاؤ اللہ جسے

فہم القرآن

ربط کلام: نیا خطاب شروع ہوتا ہے۔

رسول کریم ﷺ کی شب و روز کی پر خلوص محنت کے باوجود منافق آپ کو تکلیف دینے، مسلمانوں کا مذاق اڑانے اور اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے میں آگے ہی بڑھتے جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ یہودیوں کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے جھوٹ سننے اور اسے آگے پھیلانے کا مستقل مشغلہ اختیار کر رکھا تھا۔

۱۔ یہودی اپنے علماء سے جھوٹے مسائل سنتے اور ان کو آگے پھیلاتے تھے۔

۲۔ یہودی جھوٹ سننا پسند کرتے اور جھوٹی باتیں لوگوں تک پہنچاتے تھے تاکہ لوگ نبی اکرم ﷺ اور اسلام سے دور رہیں۔

یہودیوں کی دوسری بدترین عادت یہ تھی اور ہے کہ یہ نبی ﷺ کے ارشادات کو توڑ مروڑ کر اور قرآن کو اس کے سیاق و سباق سے

فِتۡنَتَہٗ	فَلَنۡ	تَمۡلِکَ	لَہٗ	مِنَ	اللّٰہِ	شَیۡـًٔا ؕ
اس کا فتنہ	تو ہرگز نہیں	آپ اختیار رکھتے	اس کے لیے	سے	اللہ	کچھ بھی
اُولٰٓئِکَ	الَّذِیۡنَ	لَمۡ	یُرِدِ	اللّٰہُ	اَنۡ	یُّطَہِّرَ
وہی	لوگ	نہیں	ارادہ کرتا	اللہ	یہ کہ	پاک کرے
قُلُوۡبَہُمۡ ؕ	لَہُمۡ	فِی	الدُّنۡیَا	خِزۡیٌ ۚۖ	وَّ لَہُمۡ	فِی
ان کے دل	ان کے لیے	میں	دنیا	رسوائی	اور ان کے لیے	میں
الۡاٰخِرَۃِ	عَذَابٌ	عَظِیۡمٌ ﴿۴۱﴾				
آخرت	عذاب	بہت بڑا				

’’فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کرلے اس کے لیے آپ اللہ سے ہرگز اختیار نہیں رکھتے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے نہیں چاہا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔‘‘(۴۱)

ہٹ کر بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ اسلام کے بارے میں تشکیک کا شکار رہیں۔ اور لوگوں کو یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اگر محمد ﷺ ہمارے عقائد کے مطابق مسائل بیان کریں تو انھیں قبول کرلو اگر ایسا نہ کریں تو ہرگز قبول نہ کرو۔ اس کا صاف مطلب تھا اور ہے کہ دین ان کی مرضی کے مطابق نازل ہونا چاہیے اس صورت حال پر نبی محترم ﷺ بتقاضائے بشریت رنجیدہ خاطر ہوتے جس پر آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ اے پیارے رسول آپ کو لوگوں کی ہرزہ سرائی اور بداعمالیوں پر دل گرفتہ نہیں ہونا چاہیے۔ یاد رکھیں جسے اللہ اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے گمراہی میں مبتلا کردے اسے آپ کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ ان کے دلوں کو نفاق اور گندگی سے کبھی پاک نہیں کرے گا، ان کے لیے دنیا میں ذلت اور آخرت میں بڑا عذاب ہوگا۔

جن لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں زمینی کشمکش میں مبتلا کر دیا ہے۔ اے رسول! ایسے لوگوں کی آپ رہنمائی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے قلوب واذہان کو اس گندگی سے پاک نہیں کرنا چاہتے۔ جس وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی انھیں طہارت قلبی کی توفیق نہیں دیتا۔ ایسے لوگوں کے لیے بالآخر دنیا میں ذلت ورسوائی ہے۔ اور آخرت میں انھیں عذاب الیم میں مبتلا کیا جائے گا۔

’’حضرت حفص بن عاصم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بیان کرے۔‘‘ [رواہ مسلم: فی المقدمۃ]

((عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ إِنَّ الصِّدْقَ یَھْدِی إِلَی الْبِرِّ ، وَإِنَّ الْبِرَّ یَھْدِی إِلَی الْجَنَّۃِ ، وَإِنَّ

الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتَّى يَكُونَ صِدِّيقًا ، وَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِى إِلَى الْفُجُورِ ، وَإِنَّ الْفُجُور يَهْدِى إِلَى النَّارِ ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ ، حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا))

[رواه مسلم: باب قُبحِ الْكَذِبِ وَحُسْنِ الصِّدْقِ وَفَضْلِهِ]

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا بے شک سچ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں سچا لکھ دیا جاتا ہے اور بے شک جھوٹ برائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور برائی آگ کی طرف لے جاتی ہے اور بے شک آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے حتی کہ اللہ کے ہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔''

مسائل

۱۔ کفر کی طرف راغب ہونے والے اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔
۲۔ یہودی جھوٹ گھڑتے اور بولتے ہیں۔
۳۔ یہودی اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحریف کرتے ہیں۔
۴۔ اللہ تعالیٰ جس کو آزمائش میں مبتلا کرے اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔
۵۔ جھوٹ گھڑنے والے اور کلام اللہ میں تحریف کرنے والوں کے دل پاک نہیں ہوتے۔
۶۔ ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں ذلّت اور آخرت میں عظیم عذاب ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

دنیا اور آخرت میں ذلیل لوگ:

۱۔ دنیا و آخرت میں ذلیل ہونے والے مجرم۔ (المائدۃ:۴۱)
۲۔ کفار کے لیے دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب کے سوا کچھ نہیں۔ (البقرۃ:۸۵)
۳۔ کفار کے لیے دنیا میں ذلت اور آخرت میں برا عذاب ہے۔ (البقرۃ:۱۱۴)
۴۔ کافروں کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ (المائدۃ:۴۱)
۵۔ کفار کے لیے دنیا میں ذلت و رسوائی ہے اللہ قیامت کو سخت عذاب چکھائے گا۔ (الحج:۹)
۶۔ اللہ کفار کو دنیا میں ذلت و رسوائی چکھائے گا اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے۔ (الزمر:۲۶)
۷۔ جو مسلمان ظاہرہ اور باطنی گناہ کرنا ترک نہ کرے اُسے آخرت میں سزا ملے گی۔ (التحریم:۸۔ الانعام:۱۲۰)

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ

سننے والے ہیں | جھوٹ کو | کھانے والے | حرام کو | پھر اگر آئیں آپکے پاس | آپ فیصلہ کریں

بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ

ان کے درمیان | یا | اعراض کر لیں | ان سے | اور اگر | آپ منہ پھیر لیں | ان سے

فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ

تو ہرگز نہیں | وہ بگاڑ سکیں گے آپ کا | کچھ بھی | اور اگر | آپ فیصلہ کریں | تو فیصلہ کریں | انکے درمیان

بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ

انصاف کے ساتھ | بے شک | اللہ | پسند کرتا ہے | انصاف کرنے والے | اور کس طرح | وہ آپ کو منصف بنائیں

وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ

اور انکے پاس | تورات | اس میں | حکم | اللہ | پھر | وہ پھر جاتے ہیں

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اس کے بعد | وہ | اور نہیں | وہی | مومن

’’بہت سننے والے ہیں جھوٹ کے بہت کھانے والے حرام کے اگر وہ آپ کے پاس آئیں آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں یا ان سے منہ پھیر لیں اور اگر آپ ان سے منہ پھیر لیں تو وہ ہرگز آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور اگر فیصلہ کریں آپ ان کے درمیان تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (۴۲) اور وہ آپ کو کس طرح منصف بنائیں گے، حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے۔ پھر وہ اس کے بعد پھر جاتے ہیں اور یہ لوگ ہرگز ایمان والے نہیں۔‘‘ (۴۳)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

جب جھوٹ سننا اور حرام کھانا کسی فرد یا قوم کی عادت ہو جائے تو پھر اس کی اصلاح کے تمام راستے مسدود ہو جایا کرتے ہیں کیونکہ صالح کردار کے لیے اکل حلال اور صدق مقال شرط ہے۔ جھوٹ بولنے اور حرام کھانے میں کوئی قوم یہودیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی بعض مفسرین نے ’’سُحت‘‘ کا معنٰی رشوت خوری بھی کیا ہے۔

رشوت کا لین دین ہو یا حرام خوری کا معاملہ یہودی اس سلسلہ میں ہمیشہ سرفہرست دکھائی دیں گے۔ یہاں

مفسرین نے اس آیت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے خیبر میں ہونے والی بدکاری کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جو خیبر کے کھاتے پیتے گھرانے کے ایک مرد اور عورت سے سرزد ہوئی یہودیوں کے ہاں زنا کی سزا وہی تھی جو قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے۔ لیکن انھوں نے اپنی بدنامی سے بچنے اور تورات کی حد سے اجتناب اختیار کرنے کے لیے یہ مقدمہ نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا آپ نے یہودیوں سے سوال کیا کہ تورات میں اس کی کیا سزا بیان ہوئی ہے؟ انھوں نے کہا ہمارے ہاں ایسے مجرم کی سزا یہ ہے کہ اس کا منہ کالا کر کے الٹے منہ گدھے پر بٹھایا جائے آپ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں تورات میں بھی اس جرم کی وہی سزا ہے۔ جو قرآن مجید میں ہے اس وضاحت کے باوجود یہودیوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ تب آپ نے یہودیوں کے ایک جید عالم کو بلا کر اسے فرمایا کہ تجھے اس اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے مظالم سے نجات دلائی تھی یہ سنتے ہی یہودی عالم نے اقرار کیا کہ واقعی اس معاملہ میں تورات اور قرآن میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ تب عورت اور مرد کو سنگسار کر دیا گیا۔

اس فرمان میں آپ کو یہ اختیار دیا گیا ہے اگر یہودی آپ کے پاس کوئی مقدمہ پیش کریں تو آپ کو حق حاصل ہے کہ اس کی سماعت سے انکار کریں یا فیصلہ صادر فرمائیں۔ انکار کی صورت میں یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے البتہ فیصلہ کرنے کی صورت میں آپ تعصب اور جانب داری کا مظاہرہ کرنے کی بجائے عدل وقسط کے ساتھ فیصلہ کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اہل علم نے یہاں اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ اگر کسی غیر مسلم قوم کے ساتھ مسلمانوں کا عہد ہو تو اس صورت میں قاضی کو مقدمہ سننے یا انکار کرنے کا مکمل اختیار ہے اگر مقدمہ پیش کرنے والے اسلامی مملکت کی رعایا ہوں تو پھر عائلی قوانین کے علاوہ دیگر مقدمات کو سننا اور اس کا فیصلہ دینا اسلامی عدالت کا فرض ہے۔ یاد رکھیے کہ یہودی کس طرح آپ کو فیصل تسلیم کریں گے کیونکہ جو حکم آپ نے دینا ہے وہ تو تورات میں بھی موجود ہے۔ جس سے یہ انحراف کرتے ہیں۔

یہ خلوص نیت کے ساتھ آپ کے پاس نہیں آتے۔ اگر کسی سماجی مجبوری کی وجہ سے آپ کے پاس آ بھی جائیں تو وہ آپ کے فیصلے کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں گے کیونکہ یہ کسی آسمانی کتاب کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

مسائل

۱۔ یہودی جھوٹ پسند کرنے والے اور سود خور ہیں۔

۲۔ فیصلہ عدل و انصاف پر مبنی ہونا چاہیے۔

۳۔ نبی اکرم ﷺ کو یہودیوں کا فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دے دیا گیا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

۵۔ یہودی نبی اکرم ﷺ کو فیصل نہیں مانتے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ

بے شک ہم | ہم نے نازل کی | تورات | اس میں | ہدایت | اور روشنی | وہ فیصلہ کرتے ہیں

بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ

اس کے ساتھ | انبیاء | وہ لوگ | مطیع ہوئے | ان لوگوں کے لیے | وہ یہودی ہوئے | اور اللہ والے

وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا

اور علماء | ساتھ جو | نگران بنائے گئے | سے | کتاب | اللہ | اور وہ تھے

عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا

اس پر | گواہ | پھر نہ | تم ڈرو | لوگ | اور مجھ سے ڈرو | اور نہ

تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ

تم بیچو | میری آیات | قیمت | تھوڑی | اور جو | نہیں | وہ فیصلہ کرتا ہے

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

ساتھ جو | نازل کیا | اللہ | پھر وہی | وہ | انکار کرنے والے

”بے شک ہم نے تورات اتاری، جس میں ہدایت اور روشنی تھی اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے انبیاء جو فرماں بردار تھے ان لوگوں کے لیے جو یہودی اور ربانی اور عالم بنے، یہ اللہ کی کتاب کے محافظ بنائے گئے تھے اور وہ اس پر گواہ تھے۔ تم ان لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہ لو اور جو اللہ کی نازل شدہ کتاب کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی کافر ہیں۔“ (۴۴)

فہم القرآن

ربط کلام: تورات کی تعلیمات کی مزید وضاحت۔ قانون کی بالا دستی اور حدود اللہ کا نفاذ۔

حدود الٰہی کو دل و جان سے تسلیم کرنا مجرمانہ ذہنیت کے لیے ہمیشہ سے مشکل رہا ہے۔ انسانوں کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ جب کسی معاشرے میں جرم سرزد ہوتا ہے تو وہ سخت نفرت کا اظہار اور مجرم کو کیفر کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ لیکن جونہی کچھ عرصہ گزر جائے تو اکثریت کی ہمدردیاں مظلوم کے ساتھ نہ صرف ختم ہو جاتی ہیں بلکہ مجرم کو سزا دینے کے وقت ان کو مجرم پر ترس آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے سورۂ نور آیت ۲ میں حکم دیا کہ جب مجرموں کو سزا دی جائے تو مومنوں کو اس پر ترس نہیں آنا چاہیے۔ حدود کے نفاذ اور اس کی اہمیت کے پیش نظر یہاں تورات کی روشن تعلیمات کا ذکر کرنے سے پہلے ”انا انزلنا“ کے الفاظ لائے گئے ہیں کہ اس کے نفاذ اور تعلیم میں ذرّہ برابر شک اور رعایت کی گنجائش نہیں کیونکہ تورات اور

اس میں نازل ہونے والے احکامات اللہ تعالیٰ نے ہی نازل فرمائے ہیں۔ جو لوگوں کی رہنمائی کے لیے اتنے واضح اور روشن ہیں کہ ان میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہیں پایا جاتا۔ انھی ہدایات پر انبیاء علیہم السلام بنی اسرائیل اور ان کے صالح کردار حکمران عمل پیرا تھے اور آج بھی منصفانہ مزاج رکھنے والے لوگ تورات کی سچی تعلیمات اور اس میں درج شدہ حدود کی شہادت دیتے ہیں۔ جب یہ ہدایت روشن اور فی الواقع اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔ تو پھر اس پر عمل کرنے میں لوگوں سے ڈرنے کی بجائے، صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرنا چاہیے۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی بجائے لوگوں سے ڈرتے اور دنیا کے فائدے کو اللہ تعالیٰ کی آیات پر مقدم جانتے ہوئے ان کا نفاذ نہیں کرتے وہ لوگ کافر ہیں۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُومِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ فَقَالَ وَمَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالُوا وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ حِبُّ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللّٰهِ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ ثُمَّ قَالَ إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللّٰهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا))[رواه البخاري: كتاب الحدود، باب حَدِيثُ الْغَارِ]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ قریش کے قبیلہ بنو مخزومیہ کی عورت جس نے چوری کی تھی اس کی وجہ سے خفت محسوس کرنے لگے۔ انھوں نے کہا کہ اس کے بارے میں اللہ کے رسول کے ہاں کون سفارش کرے گا؟ تو انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے صحابی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اس کی ہمت والا پایا۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اس عورت کی سفارش کی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اللہ کے مقرر کردہ حد کے متعلق سفارش کرتے ہو۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے تو فرمایا تم سے پہلے لوگوں کی ہلاکت کی وجہ یہ بھی تھی جب ان میں معزز قبیلے کا فرد چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا اور جب کوئی کمزور کسی جرم کا مرتکب ہوتا تو اس پر قانون کا نفاذ کرتے۔ اللہ کی قسم! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔“

مسائل

۱۔ یہودی تورات نہیں مانتے۔

۲۔ کتاب اللہ کے مطابق فیصلے نہ کرنے والے کافر ہیں۔

۳۔ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو نہ ماننے والا مومن نہیں ہوسکتا۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ

اور ہم نے لکھا ان پر اس میں بے شک جان جان کے بدلے اور آنکھ

بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ

آنکھ کے بدلے اور ناک ناک کے بدلے اور کان کان کے بدلے اور دانت دانت کے بدلے

وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ

اور زخم بدلہ پھر جو اس نے صدقہ کر دیا اس کو پھر وہ کفارہ ہوگا

لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اس کے لیے اور جو نہیں وہ فیصلہ کرتا ہے ساتھ جو نازل کیا اللہ نے

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٥﴾

پھر وہی وہ ظلم کرنے والے

”اور ہم نے اس تورات میں ان پر فرض کر دیا کہ جان کے بدلے جان ہے اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت۔ اور زخموں میں برابر کا بدلہ ہے۔ پھر جو اس (قصاص) کا صدقہ کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی ظالم ہیں۔“ (٤٥)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ، یہاں تورات میں جو حدود و قصاص کے احکامات کی تفصیل بیان فرمائی ہے انجیل کا اس لیے ذکر نہیں کہ انجیل تورات ہی کا تتمہ ہے۔

پوری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جن احکامات کا تورات میں ذکر ہے اگر وہ قرآن مجید میں من وعن یا ان کا جو حصہ قرآن مجید میں بطور نفاذ ذکر کیا گیا ہو تو اس پر عمل کرنا لازم ہے۔ یہاں تورات اور قرآن مجید کی متفق علیہ حدود کا ذکر کرنے سے پہلے نصیحت کی گئی کہ لوگوں سے ڈرنے کی بجائے صرف اللہ سے ڈرا کرو اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو دنیاوی مفادات کے لالچ میں آکر ہرگز نہ چھوڑو کیونکہ ان کا نفاذ اللہ تعالیٰ نے سب پر فرض قرار دیا ہے۔

”ھم“ کی ضمیر بظاہر تو یہود و نصاریٰ کی طرف ہے لیکن نبی ﷺ نے ان پر عمل پیرا ہونا امت کے لیے لازم قرار دیا ہے آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں ان حدود کو عملاً نافذ فرمایا کیونکہ جو حاکم جان بوجھ کر ان پر عمل نہیں کرتا۔ وہ کافر، ظالم اور فاسق یعنی کسی ایک زمرے میں ضرور شامل ہوگا۔ البتہ اس بات کی پوری گنجائش رکھی گئی ہے کہ فوجداری مقدمات عدالت میں آنے سے پہلے مجروح یا مقتول کے وارث معاف کر دیں تو یہ معافی ظالم کے لیے اس کے گناہ کا کفارہ بن جائے گی۔ اگر

معافی کی صورت نہ نکلے تو حاکم کا فرض ہے کہ قصاص دلوائے اگر ایسا نہ کیا جائے تو حاکم ظالموں میں شمار ہوں گے۔ کیونکہ ان کی وجہ سے مظلوم اپنے حق سے محروم ہوا اور معاشرہ عدم استحکام کا شکار ہوگا۔

((عَنْ أَنَسٍ ؓ قَالَ كَسَرَتِ الرُّبَيِّعُ وَهِيَ عَمَّةُ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَطَلَبَ الْقَوْمُ الْقِصَاصَ فَأَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ فَأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْقِصَاصِ فَقَالَ أَنَسُ بْنُ النَّضْرِ عَمُّ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ لَا وَاللّٰهِ لَاتُكْسَرُ سِنُّهَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَا أَنَسُ كِتَابُ اللّٰهِ الْقِصَاصُ فَرَضِيَ الْقَوْمُ وَقَبِلُوا الْأَرْشَ فَقَالَ رَسُولُ ﷺ إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ))[رواه البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب قوله والجروح قصاص]

''حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں حضرت انس بن مالک کی چچی نے انصار کی ایک بچی کا دانت توڑ دیا تو انھوں نے قصاص کا مطالبہ کیا اور نبی کریم ﷺ کے پاس آئے نبی ﷺ نے قصاص کا حکم دیا۔ انس بن نضر ؓ جو کہ انس بن مالک کے چچا ہیں۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم! اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ رسول معظم ﷺ نے فرمایا اے انس قصاص اللہ کا حکم ہے اچانک قوم دیت لینے پر راضی ہوگئی تو رسول معظم ﷺ نے فرمایا اللہ کے بندوں میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں اگر قسم اٹھالیں تو اللہ اس کو بری کر دیتے ہیں۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَدٌّ يُعْمَلُ فِي الْأَرْضِ خَيْرٌ لِأَهْلِ الْأَرْضِ مِنْ أَنْ يُمْطَرُوا ثَلَاثِينَ صَبَاحًا))[رواه النسائی: باب التَّرْغِيبِ فِي إِقَامَةِ الْحَدِّ]

''حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زمین میں اللہ کی ایک حد پر عمل کرنا زمین والوں کے لیے تیس دن کی بارش سے بہتر ہے۔''

مسائل

١۔ تورات کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ ٢۔ تورات میں ہدایت اور روشنی ہے۔

٣۔ انبیاء علیہم السلام کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ ٤۔ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرنا چاہیے۔

٥۔ کتاب اللہ کا حکم نہ ماننے والے کافر، ظالم، فاسق ہیں۔ ٦۔ یہودیوں پر بھی قصاص فرض تھا۔

تفسیر بالقرآن

نفاذ دین کی فرضیت:

١۔ جو شخص اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ کافر ہے۔ (المائدۃ:٤٤)

٢۔ جو شخص اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ فاسق ہیں۔ (المائدۃ:٤٧)

وَقَفَّيۡنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمۡ بِعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ مُصَدِّقًا

اور ہم نے پیچھے بھیجا پر ان کے قدم عیسیٰ ابن مریم تصدیق کرنے والا

لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ التَّوۡرٰٮةِ وَاٰتَيۡنٰهُ الۡاِنۡجِيۡلَ فِيۡهِ

اسکی جو درمیان انکے ہاتھ سے تورات اور ہم نے ان کو دی انجیل اس میں

هُدًى وَّنُوۡرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ

ہدایت اور روشنی اور تصدیق کرنے والی اس کے لیے درمیان انکے ہاتھ سے

التَّوۡرٰٮةِ وَهُدًى وَّمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ؕ‏ ٤٦ وَلۡيَحۡكُمۡ اَهۡلُ الۡاِنۡجِيۡلِ

تورات اور ہدایت اور نصیحت پرہیز گاروں کے لیے اور وہ فیصلہ کریں اہل انجیل

بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فِيۡهِ ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ

ساتھ جو اس نے نازل کیا اللہ اس میں اور جو نہیں فیصلہ کرتا

بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ‏ ٤٧

ساتھ جو نازل کیا اللہ پھر وہی وہ نافرمان (جمع)

’’اور ہم نے ان انبیاء کے قدموں کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جو اس سے پہلے تورات کی تصدیق کرنے والا تھا اور ہم نے اسے انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی تھی اور اس سے پہلے تورات کی تصدیق کرنے والی اور متقی لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت تھی۔(۴۶) اور لازم ہے کہ انجیل والے اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی نافرمان ہیں۔‘‘(۴۷)

فہم القرآن

ربط کلام: تورات کے بعد انجیل کی ہدایات اور اس کے احکامات کی اہمیت کا بیان۔

اس سے متصل پہلی آیات میں تورات کے منزل من اللہ ہونے اور اس کے احکامات کے نفاذ کا ذکر ہوا تھا اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا ثبوت اور انجیل کا تورات کی تائید کرنا ثابت کیا گیا ہے۔ اس لیے انجیل کی ہدایات اور احکامات کو انہی الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جن الفاظ میں تورات کی اہمیت اور ہدایات کا تعارف کروایا گیا ہے۔ یہ کتب اپنے اپنے وقت میں لوگوں کے لیے روشنی کا مینار اور ہدایت کا سرچشمہ تھیں یاد رہے جو الفاظ تورات اور انجیل کے بارے میں آئے ہیں

ایسے ہی الفاظ قرآن مجید کے بارے میں ارشاد ہوئے ہیں۔

یہ قرآن مجید کی حقانیت اوراس کی کشادہ ظرفی کا منہ بولتا ثبوت ہونے کے ساتھ اس بات کا اعلان ہے کہ جس طرح تورات اور انجیل اپنے اپنے دور میں لوگوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ اور روشنی کا مینار تھیں اسی طرح ہی آج قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت کا منبع، روشن قندیل ہے اور اس کے احکامات رہتی دنیا تک قابل عمل اور نافذ العمل رہیں گے۔تورات وانجیل اپنے دور کے لیے لوگوں کے نصیحت وموعظت کا مرقع تھیں اور اب قرآن ان کے بنیادی احکامات اور ہدایات کا ترجمان اور لوگوں کے لیے راہ عمل ہے۔جس طرح تورات وانجیل کے احکامات نافذ نہ کرنے والے درجہ بدرجہ کافر، ظالم اور فاسق تھے اگر آج مسلمان اپنی انفرادی زندگی اور اجتماعی نظام میں قرآن نافذ نہیں کرتے تو وہ بھی اسی زمرے میں سمجھے جائیں گے جس طرح تورات وانجیل پر عمل نہ کرنے والے کافر، ظالم اور فاسق ٹھہرے تھے۔

مسائل

۱۔ ہر نبی پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا تھا۔
۲۔ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے انجیل عطا کی تھی۔
۳۔ انجیل میں ہدایت اور روشنی ہے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ کی نازل شدہ کتاب کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے فاسق ہیں۔

تفسیر بالقرآن

کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ ہونا چاہیے:

۱۔ ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں۔(النساء:۱۰۵)
۲۔ ہم نے انبیاء پر کتابیں نازل کیں تاکہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں۔(البقرۃ:۲۱۳)
۳۔ اور انجیل والے اس کے مطابق فیصلہ کریں۔(المائدۃ:۴۷)
۴۔ آپ ان کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں۔(المائدۃ:۴۸)
۵۔ اللہ تعالیٰ نے جو احکام آپ پر اتارے ہیں ان کے مطابق فیصلہ کیجیے۔(المائدۃ:۴۹)

وَ اَنۡزَلۡنَآ	اِلَیۡكَ	الۡكِتٰبَ	بِالۡحَقِّ	مُصَدِّقًا	لِّمَا	بَیۡنَ
اور ہم نے نازل کی	آپ کی طرف	کتاب	ساتھ حق کے	تصدیق کرنے والی	واسطے جو	درمیان
یَدَیۡهِ	مِنَ	الۡكِتٰبِ	وَمُهَیۡمِنًا	عَلَیۡهِ	فَاحۡكُمۡ	بَیۡنَهُمۡ
ان کے پاس	سے	کتاب	اور نگہبان	اس پر	پس آپ فیصلہ کریں	انکے درمیان
بِمَآ	اَنۡزَلَ	اللّٰهُ	وَلَا	تَتَّبِعۡ	اَهۡوَآءَهُمۡ	عَمَّا
ساتھ جو	نازل کیا	اللہ	اور نہ	آپ اتباع کریں	ان کی خواہشات	اس سے جو
جَآءَكَ	مِنَ	الۡحَقِّ ؕ	لِكُلٍّ	جَعَلۡنَا	مِنۡكُمۡ	شِرۡعَةً
جو آیا تیرے	سے	حق	سب کے لیے	ہم نے کیا	تم سے	ایک دستور

''اور ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ بھیجی، اس حال میں کہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور اس پر محافظ ہے، پس ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے نازل کیا اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے اس سے ہٹ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک راستہ

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

اس آیت مبارکہ میں پہلی مرتبہ استعمال ہونے والے لفظ ''الکتاب'' سے مراد قرآن مجید ہے۔ جو پہلی کتب آسمانی کی تائید اور تصدیق کرتا ہے اور جو کچھ ان کتابوں میں احکام بیان کیے گئے۔ وہ قرآن مجید میں محفوظ کر لیے گئے ہیں۔

''مھیمن'' کا معنیٰ ہے کسی چیز کو ڈھانپ لینا یا اس کی حفاظت اور نگرانی کرنا کیونکہ دین کے مرکزی اور بنیادی اصول شروع سے ایک ہی رہے ہیں اس لیے وہ تمام احکام اور اصول جو پہلی کتابوں میں نازل کیے گئے اور جن کے نفاذ کا ان لوگوں کو حکم دیا گیا تھا۔ قرآن مجید ان کا امین اور ترجمان ہے۔

پہلی آیات میں تورات اور انجیل کے نفاذ کا حکم ان کے حاملین کو دیا گیا تھا۔ اب قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد وہ کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ البتہ ان کے منزل من اللہ ہونے کی تصدیق کرنی چاہیے۔ تورات اور انجیل کے بنیادی احکام جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں۔ نبی ﷺ کو براہ راست ان کے بارے میں حکم دیا گیا ہے ان کا نفاذ کریں تاکہ اس شبہ کا ازالہ ہو سکے کہ ان احکام کا نفاذ پہلی امتوں کے لیے ہی نہیں تھا بلکہ یہ امت ان کے نفاذ میں اتنی ہی پابند ہے جتنا پہلی امتوں کو پابند کیا گیا تھا۔ لہٰذا قرآن مجید کے نفاذ میں کسی کے منفی خیالات اور رجحانات کی پرواہ نہیں کرنا چاہیے۔

وَّمِنۡهَاجًا ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنۡ

اور ایک طریقہ | اور اگر | وہ چاہے | اللہ | تو تم کو کر دیتا | امت | ایک | اور لیکن

لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِىۡ مَاۤ اٰتٰٮكُمۡ فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ

تاکہ وہ تمہیں آزمائے | میں | جو | تم کو دی | پس ایک دوسرے سے بڑھو | نیکیاں | طرف | اللہ

مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ۙ‏ ﴿۴۸﴾

تم نے لوٹنا ہے | سب | پس وہ تمہیں بتائے گا | ساتھ جو | تھے تم | اس میں | اختلاف کرتے

اور ایک طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک امت بنا دیتا لیکن وہ تمہیں اس میں آزماتا ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے، پس نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو، اللہ ہی کی طرف تم سب کا لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا جن باتوں میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔" (۴۸)

کیونکہ حق پہنچ چکا اور نفاذ دین کے بغیر مسلمانوں کا اجتماعی نظام مستحکم نہیں ہو سکتا اور ان کی ترقی نہیں ہو سکتی۔ جس کی اہمیت کے پیش نظر براہ راست نبی ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ ان کا من وعن نفاذ کریں اور کسی کی خواہش اور مخالفت کو خاطر میں نہ لائیں۔ فرمان کے آخر میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ ہر امت کے لیے اس کی الگ، الگ شریعت اور علیحدہ طریقہ تھا۔ یہ اس لیے نہیں تھا کہ لوگوں کو ایک جگہ پر اکٹھا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل تھا بلکہ مصلحت اور حکمت یہ تھی کہ لوگوں کو اس بات میں آزمایا جائے کہ وہ نئے نبی اور اس کی شریعت پر ایمان لاتے ہیں یا اپنے اپنے مذہب اور ملتوں کے ساتھ منسلک رہتے ہیں۔ اس میں یہ حکمت بھی پنہاں تھی کہ پہلی امتوں کے مزاج اور ان کے حالات کے مطابق انھیں شریعت اور اس پر عملدرآمد کا طریقہ وہی دیا جائے جس کو اپنانا ان کے لیے آسان تھا۔ جس کی اہل علم نے یہ توجیہ فرمائی ہے کہ دین ایک ہونے کے باوجود شریعتوں کا مختلف ہونا انسانی ذہن کی ارتقاء کی بنا پر کیا گیا ہے۔ لہٰذا دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ان اختلافات میں الجھنے اور اپنی صلاحیتیں ضائع کرنے کی بجائے نیکی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا چاہیے۔ کارِ خیر میں مسابقت ہی زندہ اور بیدار قوموں کا شعار ہوا کرتا ہے۔ قرآن مجید مسلمانوں کو صرف نیکی کرنے کا حکم نہیں دیتا بلکہ اس کا فرمان ہے کہ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔ کیونکہ جس شعبہ میں مسابقت ختم ہو جائے وہ شعبہ زندگی کی روح کھو بیٹھتا ہے اس لیے سورۃ التکاثر میں ان لوگوں کو سخت انتباہ کیا ہے جو دنیا کے لیے اس قدر ہلکان کا شکار ہو گئے کہ قبر کی دیواروں تک دنیا ہی کے پیچھے بھاگتے رہے اور اپنی آخرت کو تباہ کر بیٹھے۔ اس لیے حکم فرمایا کہ مسلمانو نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ نیکی میں سبقت کرنے والے ہی اللہ کے مقرب ہوں گے۔ حقیقت آشکارا ہونے کے باوجود خواہ مخواہ اختلافات میں الجھنے والوں کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کے درمیان ان کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرمائیں گے۔

مسائل

١۔ قرآن مجید منزل من اللہ ہے۔

٢۔ قرآن مجید پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔

٣۔ قرآن مجید پہلی کتابوں کا نگران ہے۔

٤۔ قرآن مجید کے احکامات کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے۔

۵۔ حق آجانے کے بعد کسی اور کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے۔

٦۔ اللہ تعالیٰ اپنے احکامات کے ذریعے لوگوں کو آزماتا ہے۔

٧۔ نیکی کے کاموں میں سبقت اختیار کرنی چاہیے۔

٨۔ سب نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے۔اور اللہ تعالیٰ یوم قیامت لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

قانون الٰہی کے بغیر فیصلے کرنے والے مجرم ہیں:

١۔ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب آپ پر نازل کی ہے لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں۔(المائدۃ:٤٨)

٢۔ جو کتاب اللہ کے بغیر اپنی مرضی سے فیصلہ کرے گا اللہ کے راستے سے بھٹک جائے گا۔(ص:٢٦)

٣۔ قانون الٰہی کے خلاف فیصلہ دینے والے فاسق ہیں۔(المائدۃ:٤٧)

٤۔ جو قانون الٰہی کے خلاف فیصلہ کرتا ہے وہ کافر ہے۔(المائدۃ:٤٤)

۵۔ جو قانون الٰہی کے خلاف فیصلہ کرے وہ ظالم ہے۔(المائدۃ:٤۵)

٦۔ امت کو قرآن کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے قرآن وسنت کو چھوڑ کر دوسرے کی اتباع نہیں کرنی چاہیے(الاعراف:٣)

وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا
اور یہ کہ آپ فیصلہ کریں انکے درمیان ساتھ جو نازل کیا اللہ اور نہ

تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ
آپ اتباع کریں خواہشات ان کی ہوشیار رہیں ان سے یہ کہ وہ آپکو بہکا دیں سے

بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا
بعض جو نازل کیا اللہ آپ کی طرف پھر اگر وہ پھر جائیں

فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ
تو جان لو یقیناً وہ ارادہ کرتا ہے اللہ یہ کہ پہنچائے ان کو سبب بعض

ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾
ان کے گناہ اور بے شک بہت زیادہ سے لوگ ضرور نافرمان ہیں

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا
کیا فیصلہ جاہلیت وہ تلاش کرتے ہیں اور کون زیادہ اچھا سے اللہ فیصلہ کرنا

لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع
قوم کے لیے وہ یقین رکھتے ہیں

”اور یہ کہ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کیجیے جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو اور ان سے بچ کر رہیے کہ وہ آپ کو کسی ایسے حکم سے بہکا دیں جو اللہ نے آپکی طرف نازل کیا ہے، پھر اگر وہ پھر جائیں تو جان لیں کہ اللہ یہی چاہتا ہے کہ انہیں ان کے کچھ گناہوں کی سزا پہنچائے اور بے شک بہت سے لوگ نافرمان ہی ہیں۔(۴۹) کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ اور اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں۔“(۵۰) ع

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ:

یہود و نصاریٰ نبی اکرم ﷺ کو پریشان اور پھسلانے کے لیے آئے دن کوئی نہ کوئی شرارت اور سازش کیا کرتے تھے ان کی خواہش اور کوشش تھی کہ اللہ کے پیغمبر سے کوئی ایسا کام کروائیں جس سے اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہوں اور آپ کے دامن پاک پر کوئی ایسا دھبہ لگ جائے کہ لوگ آپ سے بدظن ہو جائیں۔ اسی کے پیش نظر یہودیوں کے

مذہبی رہنما آپ کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اگر آپ اس کا فیصلہ ہماری مرضی کے مطابق کردیں تو نہ صرف ہم مسلمان ہونے کے لیے تیار ہیں بلکہ ہمارے ہزاروں متبعین مشرف بہ اسلام ہو جائیں گے۔ اس موقعہ پر یہ حکم نازل ہوا کہ اے نبی! آپ ان کی خواہشات کا خیال رکھنے اور ان کی سازشوں سے خوفزدہ ہونے کی بجائے انھیں ان کی حالت پر چھوڑ دیں۔ آپ صرف اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کو نافذ فرمائیں اگر یہ لوگ اللہ کے حکم سے انحراف کریں گے تو یہ انحراف ان کے گناہوں کا سبب اور سزا ہوگی۔ جو اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق سمجھنی چاہیے۔

یقین جانیں کہ لوگوں کی اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہوا کرتی ہے۔ نبی اور اس کے سچے متبعین کو ایسی اکثریت کی تابعداری نہیں کرنی چاہیے کیا جو لوگ جاہلیت کا قانون پسند کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور قانون دنیا اور آخرت کے نتائج کے اعتبار سے ہر قانون سے بہتر ہے لیکن اسے وہی لوگ تسلیم کرتے ہیں جنھیں یقین و ایمان کی دولت نصیب ہوتی ہے جہالت سے مراد ہر وہ کام اور مسئلہ ہوتا ہے جو وحی الٰہی کے خلاف ہو اور اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پائی جائے۔

مسائل

١۔ ہر فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق ہونا چاہیے اور کسی کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔
٢۔ بعض لوگ کتاب اللہ سے منحرف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔
٣۔ لوگوں کی اکثریت نافرمان ہوتی ہے۔
٤۔ گمراہ لوگ جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں۔
٥۔ اللہ تعالیٰ کے قانون سے بہتر کوئی قانون نہیں ہے۔

تفسیر بالقرآن

اکثریت کا حال:

١۔ اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے لیکن لوگوں کی اکثریت شکر گزار نہیں ہوتی۔ (البقرۃ:٢٤٣)
٢۔ اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے اکثریت اس حقیقت کو نہیں جانتی۔ (الاعراف:١٨٧)
٣۔ قرآن آپ کے رب کی طرف سے حق ہے۔ لیکن لوگوں کی اکثریت نہیں جانتی۔ (ھود:١٧)
٤۔ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ نافذ کرنے پر قادر ہے لیکن لوگوں کی اکثریت نہیں جانتی۔ (یوسف:٢١)
٥۔ لوگوں کی اکثریت شکر گزار نہیں ہوتی۔ (یوسف:٣٨)
٦۔ لوگوں کی اکثریت بے عقل ہوتی ہے۔ (المائدۃ:١٠٣)
٧۔ لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لاتی۔ (الرعد:١)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ؔ

اے لوگو جو وہ ایمان لائے نہ تم بناؤ یہودی اورنصرانی دوست

بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ

ان کا بعض دوست بعض اور جو وہ ان سے دوستی رکھتا ہے تم سے پھر یقیناً وہ

مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾

ان سے بے شک اللہ نہیں وہ ہدایت کرتا قوم ظلم کرنے والے

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو انہیں دوست بنائے گا تو یقیناً وہ انہی میں سے ہوگا۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ (۵۱)

فہم القرآن

ربط کلام: یہود و نصاریٰ کا کردار بتلانے کے بعد ان سے حقیقی اور قلبی تعلقات رکھنے سے منع کیا ہے۔

اسلام اور کفر کی کشمکش روز افزوں تھی جس کی بنا پر نو وارد مسلمان بالخصوص منافقین اس کوشش میں تھے کہ ہمارے تعلقات یہود و نصاریٰ کے ساتھ پہلے کی طرح استوار رہیں تاکہ یہود و نصاریٰ کی کامیابی کی صورت میں ہم نقصان سے محفوظ رہ سکیں۔ اسی بنا پر مسلمانوں کے راز یہود و نصاریٰ تک پہنچاتے تاکہ ان کی دلی ہمدردیاں حاصل کرسکیں۔ حق و باطل کے اس معرکہ میں اسلام یہ بات کس طرح گوارا کرسکتا تھا کہ ان لوگوں کو آستینوں کا سانپ سمجھنے کے باوجود اس حالت میں رہنے دیا جائے کہ یہ مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے رہیں۔ اسلام تو دوربینی کا دین ہے۔ ایسی صورت حال تو کوئی باطل نظریہ کی حامل اور کمزور جماعت بھی گوارا نہیں کرسکتی۔ لہٰذا سازشوں کا قلع قمع اور مذموم سرگرمیوں کی روک تھام کے لیے قرآن مجید مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ غیر مسلم بالخصوص یہود و نصاریٰ کے ساتھ رازدارانہ تعلقات سے کامل اجتناب کریں۔ جو اس حکم کے باوجود غیر مسلموں کے ساتھ دوستی سے باز نہیں آتا وہ انہی میں شمار ہوگا اور ایسے ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہدایت سے سرفراز نہیں کرتا۔ واضح رہے کہ اسلام سماجی تعلقات اور کاروباری معاملات میں اپنوں کو ترجیح دینے کی ترغیب دیتا ہے۔ لیکن غیر مسلموں سے سماجی تعلقات اور کاروبار کرنے سے منع نہیں کرتا۔ البتہ ان سے قلبی تعلق اور ان کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ))

[رواہ ابوداؤد: کتاب اللباس باب فی لبس الشھرۃ]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں جو کوئی کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہی میں شمار ہوگا۔“

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ فَجَاءَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ اِنَّهُ بَلَغَنِيْ اَنَّكَ لَعَنْتَ كَيْتَ وَكَيْتَ فَقَالَ مَالِيْ لَا اَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَمَنْ هُوَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَقَالَتْ لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ فَمَا وَجَدْتُّ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ قَالَ لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيْهِ لَقَدْ وَجَدْتِّيْهِ اَمَا قَرَأْتِ مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا قَالَتْ بَلٰى قَالَ فَاِنَّهٗ قَدْ نَهٰى عَنْهُ۔))[متفق علیه]

’’حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرمہ بھرنے والیوں اور بھروانے والیوں بھنوؤں (اور رخسار کے بال) اکھیڑنے والیوں اور خوب صورتی کے لیے دانتوں کو باریک بنانے والیوں اور اللہ کی تخلیق کو بدلنے والیوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ ایک عورت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فلاں فلاں عورت کو ملعون قرار دیا ہے؟ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں کیوں اس پر لعنت نہ کروں جس پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔ اور جس پر اللہ کی کتاب میں لعنت کی گئی ہے۔ اس عورت نے کہا' میں نے دونوں تختیوں کے درمیان (یعنی پورے) قرآن مجید کی تلاوت کی ہے' مجھے اس میں وہ بات نہیں ملی جو آپ کہہ رہے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے وضاحت فرمائی کہ اگر تو نے قرآن مجید کی تلاوت کی ہوتی تو اس میں اس حکم کو پالیتی کیا تو نے قرآن مجید میں نہیں پڑھا ’’تمہیں جو چیز رسول دیں اس پر عمل کرو اور جس بات سے منع کریں اس سے رک جاؤ‘‘ (الحشر) اس عورت نے جواب دیا کہ بالکل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں سے منع فرمایا ہے۔‘‘

مسائل

١۔ مومن یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بنائیں۔
٢۔ یہودی اور عیسائی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔
٣۔ یہود ونصاریٰ سے دوستی کرنے والا انہی میں سمجھا جائے گا۔
٤۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

تفسیر بالقرآن

یہود ونصاریٰ کو دوست نہیں بنانا چاہیے:

١۔ اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ (الممتحنة :١تا٢)
٢۔ اے ایمان والو! جن پر اللہ کا غضب ہوا انھیں اپنا دوست مت بناؤ۔ (الممتحنة:١٣)
٣۔ اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنھوں نے تمہارے دین کو کھیل بنالیا ہے۔ (المائدۃ:٥٦تا٥٧)
٤۔ اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ (المائدۃ:٥١)
٥۔ اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ (النساء:١٤٤)

فَتَرَى	الَّذِيْنَ	فِيْ	قُلُوْبِهِمْ	مَّرَضٌ	يُّسَارِعُوْنَ	فِيْهِمْ
آپ دیکھیں گے	وہ لوگ	میں	ان کے دلوں	بیماری	وہ جلدی کرتے ہیں	ان میں
يَقُوْلُوْنَ	نَخْشٰٓى	اَنْ	تُصِيْبَنَا	دَآئِرَةٌ	فَعَسَى	اللّٰهُ
وہ کہتے ہیں	ہم ڈرتے ہیں	یہ کہ	ہمیں پہنچے	کوئی مصیبت	سوقریب ہے	اللہ
اَنْ	يَّاْتِيَ	بِالْفَتْحِ	اَوْ اَمْرٍ	مِّنْ	عِنْدِهٖ	فَيُصْبِحُوْا
یہ کہ	لے آئے	فتح	یا کوئی حکم	سے	اس کے پاس	پھر وہ ہو جائیں
عَلٰى	مَآ اَسَرُّوْا	فِيْٓ	اَنْفُسِهِمْ	نٰدِمِيْنَ ۝٥٢		
پر	جو وہ چھپاتے ہیں	میں	ان کے نفس	پچھتانے والے		

”تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے انہیں آپ دیکھیں گے کہ دوڑ کر ان میں ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ ہمیں کوئی مصیبت نہ آ پہنچے، قریب ہے کہ اللہ فتح لے آئے یا اپنے پاس سے کوئی اور معاملہ تو وہ اس پر جو انہوں نے اپنے دلوں میں چھپایا، پشیمان ہو جائیں۔“ (۵۲)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ: منافقین کی دلی کیفیت اور ان کے قلبی خوف کو طشت ازبام کیا گیا ہے۔

منافقانہ عقیدہ اور کردار کو قرآن مجید ایک مرض قرار دیتا ہے جس میں آدمی کفر و اسلام کے درمیان تذبذب کا شکار رہتے ہوئے ہمیشہ دنیاوی مفاد کو پیش نظر رکھتا ہے۔ یہی حالت رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں منافقین کی تھی۔ جب انھیں اس روش سے باز رہنے کی تلقین کی جاتی تو وہ اپنے جذبات کو ان الفاظ میں بیان کرتے کہ ہم فریقین کے ساتھ اس لیے تعلقات رکھے ہوئے ہیں کہ کسی ایک فریق کو شکست ہونے کی صورت میں ہمیں نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ اس صورتحال کا تجزیہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تسلی دینے کے ساتھ منافقین کو انتباہ کر رہا ہے کہ جس بات سے تم ڈرتے ہو۔ وہ عنقریب ہو کر رہے گی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح سے نوازے گا یا اپنی طرف سے کامیابی کا دوسرا راستہ کھول دے گا۔ جس میں منافقین کے لیے ندامت کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ چنانچہ غزوۂ بدر سے لے کر غزوۂ تبوک تک منافقوں کو معمولی فائدہ پہنچنے کے سوا ہر قدم پر ندامت اور خفت اٹھانا پڑی آخرت میں ان کے لیے ذلت اور نقصان کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع میں منافقین کی عادات کا ذکر ہوا۔ جس میں ہم نے لکھا ہے کہ منافق کا لفظ نفق سے نکلا ہے جس کا معنٰی ہے کہ چوہے کی ایسی بل جسکے دو منہ ہوں، اگر ایک منہ بند کیا جائے تو چوہا دوسری طرف سے نکل جاتا ہے

جب تک دونوں بل کے منہ بند نہ کیے جائیں چوہا قابو میں نہیں آسکتا۔ منافق کی یہی حالت ہوتی ہے۔ کہ جب تک بیک وقت کفار اور مسلمانوں کی طرف سے دھتکارانہ جائے اسے نقصان نہیں ہوتا۔ منافق اس نقصان سے بچنے کے لیے دونوں فریقوں سے رابطہ رکھتا ہے۔ اس آیت میں ان کی اسی کمزوری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن دنیا کا یہ مفاد منافقین کو آخرت کے نقصان سے نہیں بچا سکتا اگر مسلمان منافقین کو سمجھ جائیں اور ان کے ساتھ وہ سلوک کریں جس کے کرنے کا حکم قرآن دیتا ہے تو منافق دنیا میں بھی ذلیل ہو جائیں گے جس طرح نبی اکرم ﷺ کے زمانے کے منافق بالآخر رسوا ہوئے تھے۔

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اٰیَۃُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ زَادَ مُسْلِمٌ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰی وَزَعَمَ اَنَّہٗ مُسْلِمٌ ثُمَّ اتَّفَقَا اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ))(رواہ مسلم: باب خصائل المنافق)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ذکر کرتے ہیں منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ ① جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے ② جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے ③ جب اسے امانت دی جائے تو خیانت کرے۔ (متفق علیہ) مسلم شریف میں ان الفاظ کا اضافہ ہے ''چاہے روزے رکھتا اور نماز پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔''

مسائل

١۔ منافق یہود و نصاریٰ سے دوستی کرتے ہیں۔

٢۔ مومنوں کی کامیابی کو منافق برا محسوس کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

نادم ہونے والے لوگ:

١۔ آدم کا بیٹا کہنے لگا کاش میں اس کوے کی طرح ہوتا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا تو وہ نادم ہونے والوں میں سے ہو گیا۔ (المائدۃ:٣١)

٢۔ قریب ہے اللہ فتح عطا کر دے یا اپنی طرف سے کوئی حکم نازل فرمادے پس یہ اپنے آپ پر نادم ہوں۔ (المائدۃ:٥٢)

٣۔ اپنی غلطیوں پر نادم ہونے والے بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ (المومنون:٤٠)

٤۔ انھوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور وہ نادم ہونے والوں میں سے ہو گئے۔ (الشعراء:١٥٧)

٥۔ اے ایمان والو! فاسق کی خبر کی تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھیں اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے۔ (الحجرات:٦)

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ
وہ کہتا ہے وہ لوگ جو ایمان لائے کیا یہی وہ لوگ انہوں نے قسمیں کھائیں اللہ کی

جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا
پختہ ان کی قسمیں بے شک وہ البتہ تمہارے ساتھ ضائع ہو گئے ان کے اعمال تو وہ ہو گئے

خٰسِرِيْنَ ﴿٥٣﴾
نقصان پانے والے

''اور جو لوگ ایمان لائے کہیں گے کیا یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی پختہ قسمیں کھاتے ہوئے اللہ کی قسم کھائی تھی کہ بلاشبہ وہ ضرور تمہارے ساتھ ہیں۔ان کے اعمال ضائع ہو گئے ، پس وہ نقصان پانے والے ہو گئے۔''(۵۳)

فہم القرآن

ربط کلام: مومنوں کا منافقین پر تعجب کا اظہار اور منافقین کے اعمال کا غارت ہونا۔

اس سے پہلی آیت میں مسلمانوں کو کامیاب ہونے کی خوشخبری سنانے کے ساتھ اس بات سے آگاہ کیا گیا ہے کہ عنقریب وہ وقت آئے گا کہ مسلمان کامیاب اور منافق اپنی سازشوں اور شرارتوں پر نادم ہوں گے اور اس وقت مسلمان انھیں مخاطب کرتے ہوئے کہیں گے کیا یہی وہ لوگ تھے جو قسمیں اٹھا اٹھا کر ہمیں یقین دہانی کرایا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی منافقوں کو شرمندہ کیا اور آخرت میں جب منافق جہنم میں داخل کیے جائیں گے تو مومن ان سے یہ پوچھیں گے کیا تم وہی لوگ ہو جو دنیا میں حلف اٹھا اٹھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم بھی ایماندار اور تمہارے ساتھی ہیں۔دنیا میں منافقوں کو شرمندگی اٹھانا پڑے گی اور آخرت میں ذلت سے دوچار ہوں گے۔ان کے تمام اعمال بے فائدہ اور غارت ہو جائیں گے اعمال کی قبولیت کا دارومدار اخلاص پر ہے۔منافق اخلاص سے تہی دامن ہوتا ہے جس وجہ سے نہ صرف آخرت میں یہ لوگ نقصان اٹھائیں گے بلکہ دنیا میں بھی ان کی منافقت کا پردہ چاک ہو جائے گا۔ان کی حالت اس جانور کی ہوگی جس کے بارے میں محاورہ زبان زد عام ہے کہ نہ گھر کا اور نہ گھاٹ کا،منافق ایسی صورت حال سے دوچار ہوا کرتا ہے۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تَعِيرُ إِلٰى هٰذِهِ مَرَّةً وَإِلٰى هٰذِهِ مَرَّةً)) [رواه مسلم: كتاب صفات المنافقين واحكامهم]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا منافق کی مثال دو ریوڑوں کے درمیان بکرے کی تلاش میں پھرنے والی بکری کی طرح ہے۔ایک مرتبہ اس جانب جاتی اور دوسری مرتبہ دوسری جانب جاتی ہے۔''

یٰٓاَیُّھَا	الَّذِیْنَ	اٰمَنُوْا	مَنْ	یَّرْتَدَّ	مِنْکُمْ	عَنْ
اے	وہ لوگ جو	ایمان لائے وہ	جو	پھر جائے	تم سے	سے

دِیْنِہٖ	فَسَوْفَ	یَاْتِی	اللّٰہُ	بِقَوْمٍ	یُّحِبُّھُمْ	وَیُحِبُّوْنَہٗٓ ۙ
اپنے دین	سوعنقریب	لے آئے گا	اللہ	ایسے لوگ	وہ ان سے محبت کرتا ہے	اور وہ اس سے محبت کریں گے

اَذِلَّۃٍ	عَلَی	الْمُؤْمِنِیْنَ	اَعِزَّۃٍ	عَلَی	الْکٰفِرِیْنَ ز یُجَاھِدُوْنَ
نرم	پر	مومنوں	سخت	پر	کفار وہ جہاد کرتے ہیں

فِیْ	سَبِیْلِ	اللّٰہِ	وَلَا	یَخَافُوْنَ	لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ط	ذٰلِکَ
میں	راستہ	اللہ	اورنہیں	وہ ڈرتے	ملامت، ملامت کرنے والا	وہ

فَضْلُ اللّٰہِ	یُؤْتِیْہِ	مَنْ	یَّشَآءُ ط	وَاللّٰہُ	وَاسِعٌ	عَلِیْمٌ ﴿۵۴﴾
اللہ کا فضل ہے	وہ دیتا ہے اسے	جسے	وہ چاہتا ہے	اور اللہ	کشائش والا	جاننے والا ہے

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ عنقریب ایسے لوگ لائے گا جن سے وہ محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے، ایمان والوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہوں گے، اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔“ (۵۴)

فہم القرآن

ربط کلام: منافقوں کی خصلتوں کے مقابلے میں مومنوں کی خوبیوں کا تذکرہ۔

اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو ایک طرح کا چیلنج دیتا ہے کہ اگر تم اپنے دین سے مرتد ہو جاؤ تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اللہ عنقریب ایسے لوگوں کو دین کے میدان میں لا کھڑا کرے گا۔ جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرے گا اور وہ لوگ اللہ سے محبت کریں گے وہ دین اور اللہ کی محبت میں اس قدر رفنا ہوں گے کہ اپنوں کے ساتھ نرم اور کفار پر سخت ہوں گے۔ یہی جذبہ انھیں جہاد فی سبیل اللہ پر آمادہ کرے گا اور انھیں جہاد کرتے ہوئے ملامت کرنے والوں کی ملامت اور کسی کے پراپیگنڈہ کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔

اس آیت مبارکہ میں یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ کفار کا مسلمانوں کے خلاف یہ بھی ایک حربہ ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو جہاد سے روکنے کے لیے پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ مسلمان وحشی اور جنگجو لوگ ہیں۔ اسلام دنیا کے امن کو تباہ کر دینے والا مذہب ہے۔ ذرا غور فرمائیں کہ قرآن نے صدیوں پہلے کفار کی جس ملامت کی طرف اشارہ کر دیا تھا وہ کس طرح

حرف بحرف پوری ہو رہی ہے۔ آج پوری دنیا کے کافر جب خود عراق، افغانستان، بوسنیا اور کشمیر پر بم باری کرتے ہیں تو انھیں کوئی شرم نہیں آتی جب مجاہدین دفاع کرتے ہیں تو انھیں تخریب کار اور کیا کیا لقب دیتے ہیں کاش مسلمان سربراہ قرآن کی آواز سنیں اور دشمن کے ایجنٹ کا کردار ادا نہ کریں۔

اکثر محدثین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس میں مسلمانوں کو آئندہ ہونے والے کچھ لوگوں کے ارتداد کے بارے میں خبر دی گئی ہے۔ اور ان لوگوں کو خوشخبری سنائی گئی ہے جو ارتداد کے دور میں دین پر پکے اور مرتدین کے خلاف جہاد کریں گے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے فوراً بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مرتدین کا سامنا کرنا پڑا۔ مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ جس کی سرکوبی کے لیے خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کمان میں فوج روانہ کی اس جنگ میں کئی صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ ان میں بہت سے حفاظ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ اس کے بعد کچھ قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے جہاد کا اعلان کیا۔ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ کہہ کر اس کی مخالفت کی کہ ان کے خلاف جہاد کیونکر ہو سکتا ہے؟ جبکہ یہ لوگ دین کے باقی ارکان پر عمل پیرا ہیں۔ لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو زکوٰۃ اور نماز میں فرق کرے گا میں اس کے خلاف جہاد ضرور کروں گا۔ بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس مسئلہ میں انشراح صدر رہا اور انھوں نے خلیفۃ المسلمین کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔ جس کے نتیجے میں مانعین زکوٰۃ نے زکوٰۃ دینے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ ان بحرانوں کے ساتھ ہی یہ مسئلہ بھی پیدا ہوا۔ لشکر اسامہ کو روانہ کیا جائے یا کہ بحرانی کیفیت کی بنا پر کچھ عرصہ کے لیے روک لیا جائے۔ اس پر خلیفہ اول نے بڑا مضبوط موقف اختیار فرمایا۔ جس سے امت اعتقادی، مالی، اور سیاسی بحران سے بچ گئی۔

ان حالات میں بہت سے لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ وقت کی نزاکت کے پیش نظر جیش اسامہ کو نہ بھیجیں، کیونکہ اسے امن و سلامتی کی حالت میں تیار کیا گیا تھا۔ مشورہ دینے والوں میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس بات کو قبول نہ کیا اور جیش اسامہ کو روکنے سے سختی سے انکار کیا اور فرمایا خدا کی قسم! میں اس جھنڈے کو نہیں کھولوں گا جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے باندھا ہے۔ خواہ پرندے اور درندے ہمیں مدینے کے اردگرد سے اچک لیں۔ اگر امہات المومنین کے پاؤں کو کتے گھسیٹ لیں تو بھی میں ضرور جیش اسامہ کو بھیجوں گا۔ اور مدینہ کے اردگرد کے محافظوں کو حکم دوں گا کہ وہ اس کی حفاظت کریں اور جیش اسامہ کا اس حالت میں جانا بڑے مفاد میں رہا اور وہ عرب کے جس قبیلے کے پاس سے بھی گزرے وہ ان سے خوف زدہ ہو جاتا اور وہ لوگ کہتے کہ یہ لوگ اس لیے نکلے ہیں کہ ان کو بڑی قوت حاصل ہے۔ (البدایہ والنہایہ)

اس آیت میں مومنین کی پانچ صفات بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ مومن اللہ سے محبت کرنے والے ہوتے ہیں۔

۲۔ مومن آپس میں نرم خو اور خیر خواہ ہوتے ہیں۔

۳۔ کفار کے بارے میں نرم گوشہ رکھنے کی بجائے ان کے کفر سے شدید نفرت کرتے ہیں

۴۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے کوشش پیہم میں مصروف رہتے ہیں۔

۵۔ دین کی محبت اور جہاد کے راستے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔

جہاں تک کفار کے ساتھ سخت گیر ہونے کا تعلق ہے۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ مسلمان سماجی اور معاشرتی لحاظ سے بداخلاق ہوتے ہیں بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان وہ ہے جو اپنے دین پر غیر متزلزل ایمان رکھتا ہو اور جہاد کے وقت کسی رشتہ اور مروّت کی پروا کیے بغیر کفار کے خلاف ڈٹ جائے۔ اس راستے میں بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ جب غزوۂ بدر کے بعد ان کا بیٹا عبدالرحمٰن مسلمان ہوا تو اس نے بدر کا معرکہ بیان کرتے ہوئے اپنے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا جنگ کے دوران ایک موقع ایسا بھی آیا تھا جب آپ میرے نشانے پر تھے، لیکن میں نے اس لیے آپ پر وار نہ کیا کہ آپ میرے والد گرامی ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم میرے نشانے میں ہوتے تو میں تم پر وار کرنے سے ہرگز نہ چوکتا۔ (البدایہ والنہایہ)

اللہ تعالیٰ سے اس کی اور نیک لوگوں کی محبت مانگنی چاہیے:

((عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ احْتُبِسَ عَنَّا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم.......... أَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُ إِلَى حُبِّكَ))[رواہ الترمذی: کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ ، باب ومن سورۃ ص]

”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آنے سے رک گئے.......... اے اللہ میں تم سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور اس کی محبت جو تم سے محبت رکھتا ہے اور ایسے عمل کی محبت جو مجھے تمھاری محبت کے قریب کردے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کی کوئی پروا نہیں ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ایسے مسلمانوں کو پسند فرماتا ہے جو آپس میں نرم اور کافروں پر سخت ہوں۔

۳۔ مومن اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں۔ ۴۔ مومن کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔

اِنَّمَا	وَلِيُّكُمُ	اللّٰهُ	وَرَسُوْلُهٗ	وَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوا	الَّذِيْنَ
یقیناً	تمہارادوست	اللہ	اوراس کارسول	اوروہ لوگ	وہ ایمان لائے	وہ لوگ
يُقِيْمُوْنَ	الصَّلٰوةَ	وَيُؤْتُوْنَ	الزَّكٰوةَ	وَهُمْ	رٰكِعُوْنَ ﴿٥٥﴾	
وہ قائم کرتے ہیں	نماز	اوروہ ادا کرتے ہیں	زکوۃ	اوروہ	رکوع کرنے والے ہیں	
وَمَنْ	يَّتَوَلَّ	اللّٰهَ	وَرَسُوْلَهٗ	وَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	فَاِنَّ
اورجو	دوستی رکھے	اللہ	اوراس کےرسول سے	اوروہ لوگ	جوایمان لائے	تویقیناً
حِزْبَ	اللّٰهِ	هُمُ	الْغٰلِبُوْنَ ﴿٥٦﴾			
جماعت	اللہ	وہ	غالب آنے والے			

’’تمہارا دوست تو صرف اللہ اوراس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے جو نماز قائم کرتے اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔(۵۵) اور جو کوئی اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ان لوگوں کو دوست بنائے جو ایمان لائے ہیں تو یقیناً اللہ کی جماعت ہی غالب آنے والی ہے۔‘‘(۵٦)

فہم القرآن

ربط کلام: مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کی باہمی محبت کے ذریعے تسلی دی جارہی ہے۔

خطاب کے آغاز اور رکوع کی ابتدا میں مسلمانوں کو یہود ونصاریٰ کے ساتھ قلبی دوستی سے منع کیا گیا ہے۔جس میں یہ اندیشہ ہوسکتا ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو تنہا محسوس کریں۔اس لیے فرمایا جارہا ہے کہ تمہیں غیروں سے دوستی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔جب اللہ اور اس کا رسول تمہارے ساتھ محبت کرتے ہیں کیونکہ تم اللہ ہی کے لیے دین کے دشمنوں کے ساتھ برسرپیکار ہو۔تم اللہ تعالیٰ کے حضور نماز کی حالت میں جھکنے والے اور اس کی رضا کی خاطر زکوٰۃ کی شکل میں غرباء سے تعاون کرنے والے رکوع کرتے ہوئے عاجزی اختیار کرنے والے ہو۔گویا کہ جب تک مسلمانوں میں یہ اوصاف ہوں گے کہ وہ اللہ کے حضور نماز کی صورت میں جھکنے والے، زکوٰۃ کی شکل میں کمزور ساتھیوں سے تعاون کرنے والے، اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اور آپس میں محبت کرنے والے ہوں گے۔تو انہیں کسی کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے یہ اللہ کی فوج ہیں اور اللہ کی فوج ہی دنیا میں غالب رہے گی۔چنانچہ دنیا نے کھلی آنکھوں کے ساتھ دیکھا جب تک مسلمانوں میں یہ اوصاف رہے مسلمان سربلند رہے۔یہاں رکوع سے مراد اکثر مفسرین نے عاجزی اور انکساری لی ہے تاہم یہ سورۃ البقرۃ میں ذکر ہو چکا ہے کہ نماز کے ساتھ رکوع کا خصوصی ذکر اس لیے کیا جاتا ہے کہ یہودیوں نے رکوع فرض ہونے کے باوجود اپنی نماز سے خارج کردیا ہے

یہاں کفار اور منافقوں کو متنبہ کرنے کے ساتھ مومنوں کو خوشخبری سنائی گئی ہے کہ تمہیں غیروں سے دوستی اس لیے بھی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ کامیابی تمہارا مقدر ہے۔

((الاسلام یعلوو لا یعلیٰ)) [ارواء الغلیل حدیث نمبر: ١٢٦٨]

''اسلام غالب آئے گا اور اس پر کوئی غالب نہیں آئے گا۔''

﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ [المجادلة: ٢١]

''اللہ تعالیٰ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔''

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ ، فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ))

[رواه البخاری: باب (فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ)]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے لوگوں کے ساتھ لڑائی کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ اس بات کا اقرار کریں گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے جب انھوں نے یہ کام کر لیا تو انھوں نے اپنے خون اور اپنے مال کو محفوظ کر لیا مگر اسلام کے حقوق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔''

مسائل

١۔ مومن اللہ اور اس کے رسول کے دوست ہوتے ہیں۔

٢۔ مومن نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے اور اللہ کے سامنے رکوع کرتے ہیں۔

٣۔ اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی کرنے والے غالب رہیں گے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کن کا دوست ہے:

١۔ اللہ ایمان والوں کا دوست ہے۔ (البقرۃ: ٢٥٧) ٢۔ اللہ مومنین کا دوست ہے۔ (آل عمران: ٦٨)

٣۔ اللہ متقین کا دوست ہے۔ (الجاثیہ: ١٩) ٤۔ اللہ مومنوں کا دوست ہے۔ (المائدۃ: ٥٥)

٥۔ مشرک اور اللہ تعالیٰ کی آیات جھٹلانے والوں کا کوئی دوست نہیں۔ (العنکبوت: ٢٣)

٦۔ مسلمانوں کے لیے جنت اور اللہ تعالیٰ کی دوستی ہوگی۔ (الانعام: ١٢٦)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے نہ تم بناؤ ان لوگوں انہوں نے بنالیا تمہارا دین

هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ

مذاق اور کھیل سے وہ لوگ جو دیے گئے کتاب پہلے تمہارے

وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٥٧

اور کفار دوست (جمع) اور ڈرو تم اللہ اگر ہو تم ایمان والے

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ

اور جب تم پکارتے ہو طرف نماز اسے مذاق اور کھیل وہ

بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝٥٨

اس وجہ سے وہ قوم نہیں وہ عقل رکھتے

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنالیا ان لوگوں میں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور نہ ہی دوسرے کافروں کو اور اللہ سے ڈرو، اگر تم ایمان والے ہو۔(۵۷) اور جب تم نماز کی طرف بلاتے ہو تو وہ اسے مذاق اور کھیل بنالیتے ہیں یہ اس لیے ہے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے۔'' (۵۸)

فہم القرآن

ربط کلام: یہود ونصاریٰ اور کفار سے قلبی تعلقات نہ رکھنے کے مزید تین اسباب:

یہود ونصاریٰ اہل کتاب اور اہل مکہ کعبہ کے متولی اور ملت ابراہیم کے دعوے دار ہونے کے باوجود اسلام جیسے سچے دین، نماز جیسی افضل ترین عبادت اور اس کی پکار یعنی اذان کو کھیل تماشا اور استہزاء کا نشانہ بنایا کرتے تھے۔(الانفال: ۳۵) میں ذکر ہوا ہے کہ جب مسلمان نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ لوگ سیٹیاں اور تالیاں بجایا کرتے تھے۔ ان کا خبث باطن اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ جب آپ بیت اللہ میں اپنے رب کے حضور سجدہ ریز تھے تو انھوں نے اونٹ کی بھاری بھرکم گندگی سے بھری ہوئی اوجڑی آپ کے کمر مبارک پر رکھ دی تھی۔ ان کی یہ باقیات سیئات فتح مکہ کے موقعہ پر بھی موجود تھیں۔ جب آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کعبہ میں اذان کہنے کا حکم دیا تو مکہ کے گلی کوچوں میں ابو محذورہ اور ان کے شریر ساتھی جو کہ اس وقت نوعمر تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نقلیں اتارا کرتے تھے۔ ایک موقع پر نبی کریم ﷺ کو دیکھتے ہوئے انھوں نے اذان کی نقل اتاری تو آپ نے کریمانہ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابو محذورہ کو بلایا اور سمجھایا۔ آپ کے مشفقانہ رویہ سے متاثر ہو کر ابو محذورہ نے کلمہ پڑھ لیا۔ تو آپ نے اسے بیت اللہ یعنی مسجد حرام کا مؤذن مقرر فرمایا۔

''حضرت عبداللہ بن محیریز سے روایت ہے وہ یتیم تھے اور انھوں نے ابو محذورہ کے گھر پرورش پائی ابو محذورہ نے ان کو شام

کی طرف بھیجا وہ کہتے ہیں میں نے ابومحذورہ سے کہا میں ملک شام کی طرف جا رہا ہوں اور مجھے خیال ہے کہ وہ لوگ مجھ سے آپ کی آذان کے متعلق پوچھیں گے تو میری رہنمائی کریں۔ابومحذورہ نے کہا میں چند لوگوں کے ساتھ حنین کی طرف جا رہا تھا جبکہ رسول معظم ﷺ حنین سے واپس پلٹ رہے تھے میری کسی راستے میں ان سے ملاقات ہوئی رسول ﷺ کے مؤذن نے نماز کے لیے اذان کہی ہم نے مؤذن کی آواز سنی تو اس وقت ہم ان سے کچھ دور تھے ہم نے اذان کی نقل اتارتے ہوئے اس کا مذاق اڑایا۔رسول اکرم ﷺ نے آواز سنی تو ہمیں بلایا ہم آپ کے سامنے حاضر ہوئے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا میں نے تم میں سے کس کی اس قدر بلند آواز سنی ہے میرے ساتھیوں نے سچ بولتے ہوئے میری طرف اشارہ کیا نبی اکرم نے ان سب کو چھوڑ دیا اور مجھے وہیں روک کے رکھا۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا کھڑے ہو کر اذان کہیے۔رسول اکرم ﷺ نے مجھے اذان سکھائی فرمایا کہیے اللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰہِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰہِ پھر فرمایا اپنی آواز کو لمبا کرتے ہوئے دوبارہ کہو أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰہِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰہِ حَیَّ عَلَی الصَّلَاةِ حَیَّ عَلَی الصَّلَاةِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ اللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہُ پھر آپ نے میرے لیے دعا کی جب میں نے اذان ختم کی تو آپ نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں کچھ چاندی تھی۔میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے مکہ میں اذان کہنے کی اجازت فرمائیں۔رسول معظم ﷺ نے فرمایا میں تجھے اس پر مامور کرتا ہوں۔میں عتاب بن اسید جو کہ مکہ میں رسول اکرم ﷺ کے مقرر کردہ عامل تھے ان کے پاس گیا، پھر میں نے ان کے پاس مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق اذان کہتا۔'' [رواہ النسائی: کتاب الاذان، باب کیف الاذان]

مسائل

١۔ ایمان والے دین کے ساتھ مذاق کرنے والوں سے دوستی نہیں کرتے۔ ٢۔ایمان والے صرف اللہ سے ڈرتے ہیں ۔٣۔کافر لوگ دین کا مذاق اُڑاتے ہیں۔٤۔کفار حقیقتاً بے عقل ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

بے عقل لوگ کون ہیں:

١۔ جنہوں نے دین کو ہنسی اور کھیل بنالیا وہ عقل والے نہیں۔(المائدۃ:٥٨) ٢۔اگر ہم سنتے اور عقل کرتے تو اہل جہنم سے نہ ہوتے۔(الملک:١٠)

٣۔ آپ ان کو اکٹھا گمان کرتے ہیں حالانکہ ان کے دل جدا، جدا ہیں یہ قوم بے عقل ہے۔(الحشر:١٤)

٤۔ وہ لوگ جو آپ کو حجرات کے پیچھے سے بلاتے ہیں وہ بے عقل ہیں۔(الحجرات:٤)

٥۔ آپ فرمادیں سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اکثر لوگ عقل نہیں رکھتے۔(العنکبوت:٦٣)

٦۔ ہم نے جو کتاب نازل کی ہے اس میں تمہارے لیے نصیحت ہے تم عقل کیوں نہیں کرتے۔(الانبیاء:١٠)

٧۔ جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے تم عقل کیوں نہیں کرتے۔(القصص:٦٠)

قُلْ	يٰۤاَهْلَ	الْكِتٰبِ	هَلْ	تَنْقِمُوْنَ	مِنَّاۤ	اِلَّاۤ	
فرما دیجیے	اے اہل	کتاب	کیا	تم ناراض ہوتے ہو	ہم سے	مگر	
اَنْ	اٰمَنَّا	بِاللّٰهِ	وَمَاۤ	اُنْزِلَ	اِلَيْنَا	وَمَاۤ	
یہ کہ	ہم ایمان لائے	ساتھ اللہ کے	اور جو	نازل کی گئی	ہماری طرف	اور جو	
اُنْزِلَ	مِنْ قَبْلُ	وَاَنَّ	اَكْثَرَكُمْ	فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾			
نازل کی گئی	سے پہلے	اور بے شک	تمہارے اکثر	فاسق ہیں			

”فرمادیں اے اہل کتاب! تم ہم سے اس کے سوا کس چیز کا انتقام لیتے ہو؟ کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو اس سے پہلے نازل کیا گیا اور بلاشبہ تم میں سے اکثر نافرمان ہیں۔“(۵۹)

فہم القرآن

ربط کلام: اہل کتاب کا گھناؤنا کردار ذکر کرنے کے بعد ان کو مزید احساس دلانے کے لیے براہ راست سوال۔

اہل کتاب سے سوال کرنے کے دو مقصد ہیں کہ انہیں اس بات کا احساس دلایا جائے کہ اسلام کو مذاق سمجھنے اور نماز اور اذان کو استہزاء کا نشانہ بنانے کا تمہارے پاس کیا جواز ہے؟ کیا اس پر تمہارے ضمیر تمہیں کوئی ملامت نہیں کرتے؟ ہاں یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ ہمیں عطا کیا گیا ہے اور جو ہم سے پہلے نازل کیا گیا ہم اس کو بھی مانتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ تم دوسروں سے دو قدم آگے بڑھ کر قرآن مجید پر ایمان لاتے کیونکہ قرآن مجید تمہاری کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور ہم تورات اور انجیل کو ان کے دور کی منزل من اللہ کتابیں سمجھتے ہیں۔ دنیا میں وہ شخص کتنا عاقبت نااندیش ہے جس کے نظریہ کی تائید کی جائے وہ اس پر خوش ہونے کی بجائے الٹا اپنے مؤید کی مخالفت پر کمربستہ ہو جائے اہل کتاب تمہارا یہی حال ہے دراصل تمہاری مخالفت کا بنیادی سبب یہ ہے کہ تمہاری اکثریت نافرمان لوگوں پر مشتمل ہے۔ اللہ کے نافرمان اس حد تک حقیقی شعور سے تہی دامن ہوتے ہیں کہ وہ نیکی کی بجائے فسق و فجور کے مددگار بن جاتے ہیں جن کی یہ حالت ہو وہ اللہ کی رحمت کی بجائے اس کے غضب کے سزاوار ہونے کی وجہ سے انسانیت کے شرف سے محروم ہو کر بدترین مخلوق قرار پائے۔

مسائل

۱۔ اہل کتاب مسلمانوں سے دین اسلام کی وجہ سے دشمنی رکھتے ہیں۔

۲۔ اہل کتاب میں سے اکثر نافرمان ہیں۔

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوبَةً
فرمادیجیے کیا میں تمہیں بتاؤں زیادہ برا سے وہ جزا
عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ
پاس اللہ جو اس پر لعنت کی اللہ اور غضب ہوا اس پر
وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ؕ
اور بنایا اس نے بعض ان سے بندر (جمع) اور خنزیر (جمع) اور پوجا کی انہوں نے شیطان
أُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيلِ ﴿٦٠﴾
وہی برا ٹھکانا اور زیادہ گمراہ سے سیدھا راستہ

”فرمادیجیے کہ کیا میں تمہیں جزا کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک اس سے برے لوگ بتاؤں! جن پر اللہ نے لعنت کی اور جن پر غضب ہوا اور ان میں سے بعض کو اس نے بندر اور خنزیر بنادیا اور جنہوں نے طاغوت کی عبادت کی۔ یہ لوگ انجام کے اعتبار سے زیادہ برے اور سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔“(٦٠)

فہم القرآن

ربط کلام : اہل کتاب کی دنیا میں سزا اور آخرت میں بدترین انجام۔

اہل کتاب کی اکثریت ماضی کے جرائم اور اپنے آباؤ اجداد کے کردار سے عبرت حاصل کرنے کی بجائے ان کے گھناؤنے کردار پر فخر کرتی ہے۔ جس وجہ سے قرآن مجید ہر دور کے اہل کتاب کو انہی میں شمار کرتا ہے چنانچہ رسول محترم ﷺ کو ارشاد ہوا کہ آپ ان سے استفسار فرمائیں کہ کیا تمہیں ان لوگوں کے انجام سے آگاہ نہ کیا جائے جو اپنے کردار کی وجہ سے اللہ کے ہاں اس حد تک بدترین ٹھہرے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور پھٹکار ہوئی۔ جس کے نتیجہ میں انہیں بندر، خنزیر اور شیطان کے بندے بنادیا گیا۔ یہ لوگ دنیا میں صراط مستقیم سے بھٹک چکے اور آخرت میں ان کا بدترین اور عبرت ناک انجام ہوگا۔ امام رازی رحمہ اللہ نے مختلف ذرائع سے لکھا ہے کہ یہودیوں میں ہفتہ کے روز زیادتی کرنے والوں کو ذلیل بندر بنادیا گیا اور عیسائیوں میں جن لوگوں نے آسمانی دسترخوان کا مطالبہ کیا پھر نافرمانیوں میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ انہیں خنزیر بنادیا گیا تھا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ امت محمدیہ کے لوگ خنزیر اور بندر تو نہیں بنائے جائیں گے لیکن ان کا ذہن بندروں کی طرح شریر اور ان کا کردار خنزیروں کی طرح بے حمیت ہوجائے گا۔ یہ بات سورۃ البقرۃ آیت نمبر ٦٥، ٦٦ میں بیان

ہو چکی ہے کہ جس قوم کی اللہ تعالیٰ شکلیں مسخ کرتا ہے وہ تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہا کرتے۔ اس لیے جن لوگوں نے بندر اور خنزیر کی نسل کو یہود و نصاریٰ کے ساتھ وابستہ کرنے کی کوشش کی ہے ان کا نقطۂ نگاہ کسی اعتبار سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔

مسائل

۱۔ طاغوت کی عبادت کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکار پڑتی ہے۔

۲۔ طاغوت کی عبادت کرنے والوں میں سے اللہ تعالیٰ نے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر بنا دیا۔

۳۔ طاغوت کی عبادت کرنے والے سب سے بدتر اور سیدھی راہ سے بھٹکے ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کے راستے سے گمراہ لوگ:

۱۔ جو ایمان کو کفر کے ساتھ بدل دے وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا۔ (البقرۃ:۱۰۸)

۲۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ دور کی گمراہی میں مبتلا ہوا۔ (النساء:۱۱۶)

۳۔ جو اللہ کے ساتھ کفر کرے وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ (النساء:۱۳۶)

۴۔ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والا گمراہ ہو گیا۔ (الاحزاب:۳۶)

۵۔ جس کو اللہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ (الرعد:۳۳)

۶۔ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ مثال کے ساتھ فاسق ہی گمراہ ہوتے ہیں۔ (البقرۃ:۲۶)

۷۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو پامال کرنے والا سیدھے راستہ سے بھٹک جاتا ہے۔ (المائدۃ:۱۲)

۸۔ کفار سے دوستی کرنے والا سیدھی راہ سے دور چلا جاتا ہے۔ (الممتحنۃ:۱)

۹۔ دین کے معاملات میں غلو کرنے والا سیدھی راہ سے گمراہ ہو جاتا ہے۔ (المائدۃ:۷۷)

۱۰۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرانے والا سیدھے راستہ سے بھٹک گیا۔ (ابراہیم:۳۰)

وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ قَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ

اور جب آئے تمہارے پاس کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور یقیناً داخل ہوئے وہ کفر کے ساتھ

وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا

اور وہ یقیناً نکلے وہ اس کیساتھ اور اللہ زیادہ جانتا ہے اسکو جو

كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي

وہ تھے چھپاتے اور آپ دیکھیں گے اکثر کو ان سے وہ جلدی کرتے ہیں میں

الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا

گناہ اور زیادتی اور وہ کھانا ان کا حرام البتہ بہت برا ہے جو وہ تھے

يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾

وہ عمل کرتے

”اور جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے، حالانکہ یقیناً وہ کفر کے ساتھ داخل ہوئے اور یقیناً کفر کے ساتھ ہی نکل گئے اور اللہ اچھی طرح جاننے والا ہے جو وہ چھپاتے رہے ہیں۔(٦١) اور آپ ان میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھیں گے کہ گناہ اور زیادتی اور حرام خوری میں دوڑ کر جاتے ہیں۔ یقیناً برا ہے جو وہ کرتے ہیں۔“(٦٢)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری اور اپنی طبیعتوں کی مکاری کی وجہ سے اہل کتاب گناہ، ظلم اور حرام خوری میں آگے ہی بڑھتے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کے غضب میں مغضوب لوگوں کی شکلیں تبدیل نہ بھی ہوں تو بھی برے اعمال کی وجہ سے شیطان کے بندے اور غلام بن جاتے ہیں۔ جس وجہ سے وہ کفر اور ایمان کے درمیان تمیز نہیں کر سکتے ان کی اکثریت کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ گناہ، زیادتی اور اکلِ حرام میں بڑے مستعد اور تیز رفتار ہوتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ کفر اور اسلام میں امتیاز نہیں کرتے اور اس غلط فہمی کا شکار رہتے ہیں کہ ان کا کردار لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ جس کے متعلق انہیں انتباہ کیا گیا ہے ہوسکتا ہے تمہارا برا کردار مومنوں کی نظروں سے اوجھل رہ جائے۔ لیکن یاد رکھنا تمہاری کوئی حرکت اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے اللہ تمہارے جھوٹے دعوے کو خوب جانتا ہے۔ جس کا تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے اظہار کرتے ہو۔ حالانکہ

تمہاری حالت یہ ہے کہ جب تم ایمان کا اظہار کر رہے ہوتے ہو تو اس وقت بھی تم کفر کی حالت میں ہوتے ہو۔ جب نبی ﷺ کی مجلس سے اٹھ کر جاتے ہو تب بھی تم کفر ہی میں مبتلا ہوتے ہو۔ امام رازی رحمہ اللہ نے ''اثم'' سے مراد عام گناہ لیا ہے اور ''عدوان'' کا معنیٰ یہ کرتے ہیں کہ ایسا گناہ جس کے اثرات لوگوں پر مرتب ہوتے ہوں اور اس میں زیادتی کا عنصر بھی پایا جائے۔ ''سحت'' کا معنی رشوت اور حرام خوری کیا گیا ہے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ))[رواہ الترمذی: کتاب الاحکام عن رسول اللہ، باب ماجاء فی الراشی والمرتشی]

''حضرت عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے رشوت لینے اور دینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔''

مسائل

١۔ محض زبانی دعویٰ کرنے سے کوئی شخص مومن نہیں بنتا۔

٢۔ اللہ تعالیٰ چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے۔

٣۔ اہل کتاب کی اکثریت گناہ اور زیادتی کے کاموں اور حرام خوری میں تیز ہے۔

٤۔ گناہ و زیادتی اور حرام خوری برے عمل ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر پوشیدہ چیز کو جانتا ہے:

١۔ اللہ ہی غیب کا جاننے والا ہے۔ (الجن: ٢٦)

٢۔ کیا لوگوں کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے۔ (التوبۃ: ٧٨)

٣۔ غیب کی چابیاں اللہ ہی کے پاس ہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (الانعام: ٥٩)

٤۔ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت ساری بھلائیاں اکٹھی کر لیتا۔ نبی اکرم ﷺ کا اعلان۔ (الاعراف: ١٨٨)

٥۔ یہ غیب کی باتیں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ (ھود: ٤٩)

٦۔ نبی اکرم ﷺ غیب نہیں جانتے۔ (ھود: ٣١)

٧۔ آپ ﷺ فرما دیں کہ ہر قسم کا غیب اللہ ہی جانتا ہے۔ (یونس: ٢٠)

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ

کیوں نہیں | انہیں روکتے | مربی | اور علماء | سے | بات ان کی | گناہ

وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿٦٣﴾

اور وہ کھاتے ہیں | حرام | البتہ بہت برا ہے | جو | وہ تھے | وہ کرتے تھے

''انہیں علماء مربی جھوٹ کہنے اور ان کے حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ یقیناً برا ہے جو وہ کرتے رہے ہیں۔'' (٦٣)

فہم القرآن

ربط کلام: اہل کتاب کے عوام کا کردار بیان کرنے کے بعد ان کے علماء اور نام نہاد صلحاء کے گھناؤنے کردار کا تذکرہ۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ ''لولا'' کے الفاظ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر یہ الفاظ ماضی پر داخل ہوں تو اس کا معنی انتباہ (Warning) ہوتا ہے اگر یہ الفاظ مضارع پر وارد ہوں تو اس کا معنی کسی کو آمادہ اور کام پر اکسانا ہوتا ہے۔ ربی کی جمع ربیون ہے یہودی اپنے عالم کو ربی کہہ کر بلاتے ہیں اور حِبرٌ کی جمع احبار ہے جس کا معنی ہے تارک الدنیا اور درویش۔ یہ اصطلاح عام طور پر عیسائیوں میں استعمال ہوتی ہے۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ ربی اور احبار یہودیوں کی اصطلاحات ہیں بہر حال یہاں یہود و نصاریٰ کے علماء اور نام نہاد صلحاء کو مخاطب کرتے ہوئے ترغیب دی جارہی ہے کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم لوگوں کو برائی اور حرام خوری سے منع نہیں کرتے۔ تمہیں اپنے برے کردار پر نظر ثانی کرنی چاہیے کیونکہ ایسا کردار کسی شریف آدمی کو زیب نہیں دیتا بالخصوص علماء اور صلحاء کی شان کے بالکل منافی ہے۔ علماء کا کام تو لوگوں کی اصلاح اور فلاح کی کوشش کرنا ہے۔

((عَنْ أَبِی سَعِیدٍ الْخُدْرِیِّ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْجِهَادِ كَلِمَةَ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ))

[رواه الترمذی: کتاب الفتن عن رسول الله، باب ماجاء فی افضل الجهاد کلمة عدل عند سلطان جائر]

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جابر سلطان کے سامنے عدل کی بات کہنا بڑا جہاد ہے۔''

((عَنْ عُمَارَةَ بْنِ رُؤَيْبَةَ قَالَ رَأَى بِشْرَ بْنَ مَرْوَانَ رضی اللہ عنہ عَلَى الْمِنْبَرِ رَافِعًا يَدَيْهِ فَقَالَ قَبَّحَ اللَّهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَا يَزِيدُ عَلَى أَنْ يَقُولَ بِيَدِهِ هَكَذَا وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ))[رواه مسلم: كتاب الجمعة، باب تَخْفِيفِ الصَّلَاةِ وَالْخُطْبَةِ]

''حضرت عمارہ بن رویبہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں انہوں نے بشر بن مروان رضی اللہ عنہ کو دونوں ہاتھ منبر پر اٹھاتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے کہا اللہ ان دونوں ہاتھوں کو تباہ کردے میں نے رسول معظم ﷺ کو دیکھا وہ صرف اپنے ہاتھ کی شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ کیا کرتے تھے۔''

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَمَّا وَقَعَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ فِي الْمَعَاصِي نَهَتْهُمْ

عُلَمَاؤُهُمْ فَلَمْ يَنْتَهُوا فَجَالَسُوهُمْ فِي مَجَالِسِهِمْ وَوَاكَلُوهُمْ وَشَارَبُوهُمْ فَضَرَبَ اللّٰهُ قُلُوبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ وَلَعَنَهُمْ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ قَالَ فَجَلَسَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ حَتّٰى تَأْطُرُوهُمْ عَلَى الْحَقِّ أَطْرًا))

[رواہ الترمذی: کتاب التفسیر، باب و من سورۃ المائدۃ]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا جب بنی اسرائیل کے لوگ گناہوں میں مبتلا ہوئے تو ان کے علماء نے ان کو روکا جب وہ نہ رکے۔ ان کے علماء نے بھی ان کی مجالس میں بیٹھنا شروع کر دیا حتیٰ کہ ان کے ساتھ ہی کھانا پینا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں باہم نفرت ڈال دی۔ حضرت داؤد اور عیسیٰ علیہما السلام کے ذریعے ان پر لعنت فرمائی یہ اس وجہ سے کہ یہ گناہ اور زیادتی کرنے والے تھے۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے سیدھے بیٹھ کر آپ نے فرمایا نہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! یہاں تک کہ تم ان کے خلاف حق کی خاطر پوری طرح ڈٹ جاؤ۔''

((عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ أَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ يَرْضَ اللّٰهُ عَنْهُ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً فَإِنْ مَاتَ مَاتَ كَافِرًا وَإِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ))

[مسند احمد: کتاب من مسند القبائل، باب من حدیث اسماء بنت یزید]

''حضرت اسماء بنت یزید فرماتی ہیں میں نے نبی مکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا آپ نے فرمایا جو بھی شراب پیے اللہ تعالیٰ اس سے چالیس دن تک راضی نہیں ہوگا۔ اگر وہ مرگیا تو وہ کفر کی حالت میں مرے گا۔ اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمائے گا۔''

((عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ رَأَى مُنْكَرًا فَغَيَّرَهُ بِيَدِهٖ فَقَدْ بَرِئَ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُغَيِّرَهُ بِيَدِهٖ فَغَيَّرَهُ بِلِسَانِهٖ فَقَدْ بَرِئَ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُغَيِّرَهُ بِلِسَانِهٖ فَغَيَّرَهُ بِقَلْبِهٖ فَقَدْ بَرِئَ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ)) [رواہ النسائی: باب تفاضل أَهْلِ الإيمَانِ]

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا جس شخص نے برائی کو دیکھا تو اس نے اُسے اپنے ہاتھ سے ختم کیا تو وہ بری ہوگیا اور اگر اُس نے اس برائی کو ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہیں پائی تو اُس نے اُسے اپنی زبان سے روکا تو وہ بھی بری ہوگیا اگر اس نے زبان سے روکنے کی طاقت نہ پائی تو اس نے اُسے اپنے دل سے برا جانا تو وہ بھی بری ہوگیا اور یہ سب سے کمتر ایمان ہے۔''

مسائل

۱۔ درویشوں اور علماء لوگوں کو حرام خوری اور برے کاموں سے منع کرنا چاہیے۔

۲۔ برائی سے نہ روکنا بھی برائی ہے۔

وَقَالَتِ	الْيَهُوْدُ	يَدُ	اللّٰهِ	مَغْلُوْلَةٌ ؕ	غُلَّتْ	اَيْدِيْهِمْ
اور کہا	یہودیوں	ہاتھ	اللہ	بندھا ہوا	بندھے ہوئے ہیں	ان کے ہاتھ

وَلُعِنُوْا	بِمَا	قَالُوْا ۘ	بَلْ	يَدٰهُ	مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ	يُنْفِقُ
اور لعنت کی گئی	بسبب جو	انہوں نے کہا	بلکہ	اس کے دونوں ہاتھ	کھلے ہیں	وہ خرچ کرتا ہے

كَيْفَ	يَشَآءُ ؕ	وَلَيَزِيْدَنَّ	كَثِيْرًا	مِّنْهُمْ	مَّآ	اُنْزِلَ
جیسے	وہ چاہتا ہے	اور یقیناً وہ زیادہ کرے گا	اکثر کو	ان سے	جو	نازل کی گئی

وقف لازم

''اور یہود نے کہا اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے، حالانکہ انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان پر لعنت کی گئی ہے اس وجہ سے جو انہوں نے کہا۔ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں خرچ کرتا ہے، جیسے چاہتا ہے اور جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔''

فہم القرآن

ربط کلام: یہودیوں کے علماء کا کردار اور عوام کی اصلاح سے عدمِ التفات کی وجہ سے ان کے عوام پرلے درجے کے گستاخ ہو چکے ہیں۔

یہودی زبان درازی اور شقاوتِ قلبی کے اعتبار سے اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ مطلب براری کے لیے انتہائی لجاجت اور میٹھی زبان کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن جونہی مطلب نکل جائے تو اپنا خبث باطن ظاہر کرنے اور دوسرے کو زیر کرنے میں ذرا تامل نہیں کرتے۔ ان کی گستاخیوں کا سورۃ البقرۃ کی تفسیر میں قدرے ذکر ہوا ہے۔ یہ نہ صرف انبیاء کے گستاخ اور قاتل ہیں بلکہ مشکل وقت آنے پر اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہرزہ سرائی کرتے ہوئے ذرہ برابر جھجک محسوس نہیں کرتے۔ چنانچہ جونہی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو رزق کی کشادگی سے نوازا اور یہودیوں کی تجارت اور کاروبار محدود ہوا تو انہوں نے اپنی اصلاح کرنے کی بجائے برملا اس گستاخی کا اظہار کیا کہ ہمارے رزق میں کمی اور تجارت میں اس لیے خسارہ ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ بند کر لیے ہیں خاکم بدہن بقول ان کے اللہ تعالیٰ کنجوس اور بخیل ہو گیا، ان کے جواب میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کشادہ ہیں اور وہ ہر وقت مخلوق کو اپنی عطاؤں سے نواز رہا ہے اگر وہ اپنے جود و کرم کا ہاتھ ایک لمحہ کے لیے بند کر لے تو دنیا کی کوئی چیز باقی نہ رہے۔ جہاں تک رزق کی کمی و بیشی کا تعلق ہے اس میں اس کی حکمت کارفرما ہے اور اکثر اوقات انسان کی اپنی کمزوری کا دخل ہوتا ہے۔

جہاں تک یہودیوں کی فطرت کا معاملہ ہے یہودی بظاہر کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو وہ پرلے درجے کا کنجوس اور اس کی سیاست اور کاروباری معاملات پر لوگ لعنت ہی کیا کرتے ہیں۔ اسی کا سبب ہے کہ یہ قرآن مجید سے خاص عداوت رکھتے ہیں اس کے ساتھ ہی یہود و نصاریٰ آپس میں خاص کر یہودیوں کے درمیان بے انتہا اختلافات ہیں۔ ایک مذہب پر ہونے کے

اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ

آپ کی طرف سے آپ کا رب سرکشی اور کفر اور ہم نے ڈالا ان کے درمیان

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا

دشمنی اور بغض تک دن قیامت جب بھی انہوں نے جلائی

نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ

آگ جنگ کے لیے بجھا دیا اسکو اللہ اور وہ دوڑتے ہیں میں زمین فساد کرنا

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾

اور اللہ نہیں پسند کرتا فساد کرنے والے

اللہ تعالیٰ ان میں سے بہت سے لوگوں کو سرکشی اور کفر میں ضرور بڑھا دے گا اور ہم نے قیامت کے دن تک ان کے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا۔ جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور وہ زمین میں فساد کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔" (٦٤)

باوجود اللہ تعالیٰ کی لعنت کے سبب ایک دوسرے کے ساتھ انتہائی حسد اور بغض رکھتے ہیں اور دنیا میں جس قدر جنگ وجدال ہوتا ہے اس میں کسی نہ کسی صورت میں یہودیوں کا ہاتھ کارفرما ہوتا ہے۔ یہاں نبی کریم ﷺ کو یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ ان کی خباثتوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں یہ جب آپ کو کسی سازش اور لڑائی میں جھونکنے کی کوشش کریں گے اللہ تعالیٰ آپ کو اس آگ سے بچالے گا لیکن اس کے باوجود یہ دنیا میں لڑائی اور فساد کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

یہودیوں کی سازشوں اور شرارتوں سے محفوظ رکھنے کا وعدہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ آج بھی مسلمان رسول اکرم ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقہ کو اختیار کرلیں تو اللہ تعالیٰ انہیں بھی یہودیوں کی سازشوں سے محفوظ کرے گا۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں غلط نظریہ رکھنے کی وجہ سے یہود پر لعنت و پھٹکار ہوئی۔

٢۔ اللہ تعالیٰ جیسے چاہتا ہیں رزق عطا کرتا ہے۔

٣۔ قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد اہل کتاب کی کفر و سرکشی میں اضافہ ہوگیا۔

٤۔ اہل کتاب میں سے اکثر فساد کرانے میں لگے رہتے ہیں۔

٥۔ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَلَوْ	اَنَّ	اَهْلَ	الْكِتٰبِ	اٰمَنُوْا	وَاتَّقَوْا	لَكَفَّرْنَا
اور اگر	بے شک	اہل	کتاب	وہ ایمان لائے	اور ڈریں وہ	یقیناً ہم مٹا دیں گے
عَنْهُمْ	سَيِّاٰتِهِمْ	وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ	جَنّٰتِ	النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾	وَلَوْ	اَنَّهُمْ
ان سے	ان کی برائیاں	اور ضرور ہم داخل کریں گے ان کو	باغات	نعمتوں والے	اور اگر	یقیناً وہ
اَقَامُوا	التَّوْرٰىةَ	وَالْاِنْجِيْلَ	وَمَآ	اُنْزِلَ	اِلَيْهِمْ	مِّنْ
قائم کریں	تورات	اور انجیل	اور جو	نازل کی گئی	ان کی طرف	سے
رَّبِّهِمْ	لَاَكَلُوْا	مِنْ	فَوْقِهِمْ	وَمِنْ	تَحْتِ	اَرْجُلِهِمْ
ان کے رب	یقیناً وہ کھاتے	سے	اپنے اوپر	اور سے	نیچے	اپنے پاؤں
مِنْهُمْ	اُمَّةٌ	مُّقْتَصِدَةٌ	وَكَثِيْرٌ	مِّنْهُمْ	سَآءَ	مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾
ان سے	امت	درمیانی	اور اکثر	ان سے	برا	جو وہ عمل کرتے ہیں

”اور اگر واقعی اہل کتاب ایمان لے آتے اور ڈرتے تو ہم ان کے گناہ ضرور مٹا دیتے اور انہیں نعمتوں والے باغات میں ضرور داخل کرتے۔ (٦٥) اور اگر ایسا ہوتا کہ وہ واقعی تورات اور انجیل کی اور اس کی پابندی کرتے جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے تو ضرور اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتے۔ ان میں سے ایک جماعت سیدھے راستے والی ہے اور بہت سے لوگ برا کر رہے ہیں ہے۔“ (٦٦)

فہم القرآن

ربط کلام: اہل کتاب گستاخیاں اور نافرمانیاں کرنے کی بجائے ایمان اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے تو آخرت میں ہی نہیں دنیا میں بھی جنت کی جھلک پاتے۔

اگر اہل کتاب اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرنے کی بجائے اس کی نازل کردہ ہدایات پر ایمان لاتے اور اجتماعی زندگی میں تورات وانجیل کا نفاذ کرتے تو دنیا وآخرت کے ثمرات سے سرفراز کیے جاتے۔ اہل کتاب کے جرائم کی وجہ سے ان میں سے کچھ لوگوں کو دنیا میں بندر اور خنزیر بنا دیا گیا اور باقی کے درمیان ہمیشہ کے لیے حسد وبغض اور عداوت ودشمنی پیدا کر دی گئی۔ اب اس کا نتیجہ ہے کہ یہ لوگ دنیا میں دنگا فساد برپا کرنے کے درپے رہتے ہیں حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ہدایات پر ایمان لاتے اور اپنے دور میں تورات وانجیل کو اپنے لیے ضابطۂ حیات مقرر کرتے تو نہ صرف ان کے گناہ معاف کر دیے جاتے۔ بلکہ دنیا میں بھی بابرکت رزق سے مستفید ہوتے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ انہیں جنت کی نعمتوں سے سرفراز فرماتے۔ یہاں دنیا کی فراوانی کے لیے فرمایا ہے کہ یہ لوگ اپنے اوپر، نیچے سے رزق پاتے یعنی زمین ان کے لیے اپنے خزانے اگلتی اور

آسمان سے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوتا جس کی ظاہری شکل بارش کا بروقت ہونا اور لوگوں کا آفاقی آفتوں سے محفوظ رہنا ہے۔اس کے لیے شرط یہ تھی کہ سچے ایمان کے ساتھ وہ تورات اور انجیل کو اجتماعی زندگی میں بالفعل نافذ کرتے۔یہی اقامت دین کا مفہوم ہے لیکن انہوں نے انفرادی زندگی میں بداعمالیوں کو اپنایا اور اجتماعی زندگی میں دین کو کلیتًا خارج کر دیا دوسرے لفظوں میں نظام حکومت سے تورات اور انجیل کو نکال کر اپنی مرضی کے قوانین نافذ کیے۔یوں ان کی پوری زندگی تورات اور انجیل کے احکامات سے خالی ہوگی۔جس کے نتیجے میں ان کے کردار سے دیانت وامانت، شرم وحیا اور شرافت ونجابت کا خاتمہ ہوا۔دنیا کی فراوانی کے باوجود ان سے برکت اٹھالی گئی تاہم ان میں ایسے خوش قسمت بھی ہیں جنہوں نے اعتدال کا رویہ اختیار کرتے ہوئے نہ صرف تورات وانجیل پر عمل کیا بلکہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان لاکر دونوں جہانوں میں سرخرو ہوئے۔

((عن ابی هُرَيْرَةَ ؓ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَدٌّ يُعْمَلُ فِي الْأَرْضِ خَيْرٌ لِأَهْلِ الْأَرْضِ مِنْ أَنْ يُمْطَرُوا ثَلَاثِينَ صَبَاحًا))[رواه النسائی: کتاب قطع السارق، باب الترغیب فی اقامۃ الحد]

''حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کیا کرتے تھے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا زمین پر ایک حد کا نفاذ اہل دنیا کے لیے تیس دن کی بارش سے بھی بہتر ہے۔'' (یہاں تیس دن کی بارش سے مراد مناسب وقت پر بارشوں کا ہونا ہے۔)

((حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ ؓ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ.........))[رواه البخاری: باب تَعْلِيمِ الرَّجُلِ أَمَتَهُ وَأَهْلَهُ]

''حضرت ابو بردہ ؓ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں انھوں نے کہا رسول کریم ﷺ نے فرمایا تین آدمیوں کے لیے دوہرا اجر ہے ایک وہ آدمی جس کا تعلق اہل کتاب سے وہ اپنے نبی پر بھی ایمان لایا اور محمد ﷺ پر بھی ایمان لایا۔ ......''

مسائل

١۔ایمان وتقویٰ اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ گناہ مٹا دیتا ہے۔ ٢۔ایمان وتقویٰ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جنت کا داخلہ عطا فرمائے گا۔
٣۔اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرنے کی وجہ سے رزق میں فراوانی ہوتی ہے۔ ٤۔اہل کتاب کی اکثریت بدعمل ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے قانون قصاص میں دنیوی فائدے:

١۔ قصاص لینا فرض ہے اور اس میں تمہاری زندگی ہے۔(البقرۃ:١٧٨)
٢۔ قصاص میں برابری ضروری ہے۔(البقرۃ:١٧٨)
٣۔ اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تم بھی واپسی اس پر زیادتی کر سکتے ہو۔(البقرۃ:١٩٤)
٤۔ بدلہ لینا ضروری ہے جو معاف کر دے یہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔(المائدۃ:٤٥)
٥۔ دیت قبول کرنے کے بعد زیادتی کرنے والے کو دردناک عذاب ہوگا۔(البقرۃ:١٧٨)

يَآيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ

اے رسول پہنچا دیجیے جو نازل کی گئی آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے اور اگر

لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ

نہ آپ کریں تو نہیں آپ نے پہنچایا اس کا پیغام اور اللہ وہ آپ کی حفاظت کرے گا

مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾

سے لوگ بے شک اللہ نہیں وہ ہدایت دیتا قوم انکار کرنے والے ۔

”اے رسول! جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔ بے شک اللہ انکار کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ (٦٧)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سے پہلے آیت ٥٨ میں مسلمانوں کی طرف یہود و نصاریٰ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم ہماری اس لیے مخالفت کرتے ہو کہ ہم اپنے رب پر کامل ایمان رکھتے ہیں۔ پھر یہود و نصاریٰ کی باہمی دشمنی کا ذکر کیا ہے اور سمجھایا ہے کہ اگر یہ لوگ اپنے زمانے میں تورات اور انجیل پر عمل کرتے تو دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے ہم کنار ہوتے۔ اب نبی ﷺ کو فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ان کی پرواہ کیے بغیر اپنا کام جاری رکھیں اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے گا۔

الرّسول سے مراد سرور دو عالم ﷺ کی ذات اقدس ہے یہاں لفظ الرّسول استعمال فرما کر آپ کو باور کروایا گیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول یعنی اس کی طرف سے پیغام رساں ہیں، لہٰذا حالات جیسے بھی ہوں اور دشمن کتنا ہی طاقتور اور مخالف کیوں نہ ہو آپ کو ہر حال میں لوگوں تک اپنے رب کا پیغام من وعن پہنچانا ہے۔ اگر آپ نے اس میں ذرہ برابر کوتاہی کی تو اس کا یہ معنی ہوگا کہ آپ نے رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔ یہ آیت مبارکہ اعلان نبوت کے پندرہ سال بعد غزوۂ احد کے معرکہ کے بعد نازل ہوئی۔ اس سے پہلے آپ قدم بقدم رسالت کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے بڑے بڑے مصائب کا مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے یہاں کے حالات کے پیش نظر آپ کے ساتھ مسلح پہرے دار موجود ہوتے تھے جب تک اللہ تعالیٰ نے واضح اعلان نہیں فرمایا اس وقت تک یہ سلسلہ جاری رہا جب آپ کی حفاظت کا فرمان نازل ہوا تو آپ نے اپنا پہرہ ہٹاتے ہوئے فرمایا کہ اب مجھے پہرہ کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔

حدیث کی مقدس دستاویزات اور سیرت طیبہ سے پتہ چلتا ہے کہ کیسے کٹھن حالات میں آپ نے لوگوں کی اصلاح اور فلاح کے لیے کام کیا اور جتنے آپ پر شب خون مارے گئے اور حملے کیے گئے شاید ہی دنیا کے کسی مصلح پر اتنے

حملے کیے گئے ہوں۔

مفسر قرآن مولانا عبدالرحمٰن کیلانی نے اپنی تفسیر میں اسی آیت کے ضمن میں جن المناک واقعات کا تفصیلی احاطہ کیا ہے ان کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

۱۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس پر پہلا حملہ اس وقت ہوا جب آپ نے حرم کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان کیا جس سے مکہ میں ہلچل پیدا ہوئی اور لوگ آپ پر حملہ آور ہوئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند سے بیٹے حارث بن ابی حالہ آپ کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہو گئے یہ اسلام کے پہلے شہید تھے۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ)

۲۔ ابوجہل نے پتھر سے آپ ﷺ کا سر مبارک کچلنے کی کوشش کی حالانکہ آپ بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز تھے جونہی وہ آگے بڑھا تو ایک خونخوار اونٹ اس کو دبوچنے کے لیے دوڑا آ رہا تھا ابوجہل گھبرا کر پیچھے کی طرف بھاگا۔ اپنے ساتھیوں کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اگر میں ایک قدم اور آگے بڑھتا تو اونٹ مجھے کھا جاتا۔ میں نے اتنا خوفناک اونٹ آج تک نہیں دیکھا (ابن ہشام۔ الرحیق المختوم)

۳۔ آپ ﷺ بیت اللہ میں کھڑے ہو کر توحید کا پیغام سنا رہے تھے کہ مشرکین آپ پر ٹوٹ پڑے جن میں عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے گلے میں کپڑا ڈال کر اتنے بل دیے کہ آپ کا چہرہ مبارک خون سے سرخ ہو گیا اور بے ساختہ آواز نکل گئی اس موقع پر اچانک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آن پہنچے۔ انہوں نے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی جس پہ ان کو اس قدر پیٹا گیا کہ وہ کئی دن تک اٹھنے کے قابل نہ رہے۔ (رواہ البخاری: کتاب المناقب فضائل ابو بکر)

۴۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ کہ آپ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے باہر نکلے۔ راستے میں انہیں بتایا گیا کہ تمہاری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں جسے سنتے ہی عمر اپنی بہن کے گھر گئے اور بہن اور بہنوئی کو پیٹنا شروع کر دیا۔

۵۔ آپ کی عظیم جدوجہد سے مجبور ہو کر مکے کے زعماء ابوطالب کے پاس جا کر پیشکش کرتے ہیں کہ آپ مکہ کے نامور سردار ولید بن مغیرہ کے بیٹے عمارہ کو قبول فرمائیں اور اس کے بدلے محمد ﷺ کو ہمارے حوالے کر دیں۔ ان کا مقصد رسول کریم ﷺ کو قتل کرنا تھا۔ (ابن ہشام، الرحیق المختوم)

۶۔ ہجرت سے پہلے رات کے وقت آپ ﷺ کے گھر کا گھیراؤ کرنا تا کہ آپ صبح کے وقت نکلیں تو یکبارگی حملہ کر کے آپ کا کام تمام کر دیا جائے (الانفال آیت ۳۰ کی تفسیر دیکھئے)

۷۔ ہجرت کے دوران ۱۰۰ اونٹ کے لالچ میں سراقہ بن مالک کا پیچھا کرنا تا کہ زندہ یا قتل کرنے کی صورت میں انعام حاصل کیا جائے (بخاری کتاب الانبیاء باب ہجرت النبی ﷺ)

٨۔ غزوۂ بدر کے بعد صفوان بن امیہ کا عمیر بن وہب کو قتل کے ارادے سے مدینہ بھیجنا عمیر جب آپ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے بذریعہ وحی اسے پوری بات بتلائی کہ صفوان بن امیہ نے تیرا قرض چکانے اور اہل وعیال کی ذمہ داری اٹھائی ہے تاکہ تو مجھے قتل کردے یہ سن کر عمیر بن وہب ششدر رہ گیا۔ اس نے اس بات کا اقرار کیا اور ساتھ ہی مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ تفصیل جاننے کے لیے ابن ہشام اور الرحیق المختوم کی طرف رجوع کریں۔

٩۔ ثمامہ بن اثال کی گرفتاری کا مشہور واقعہ ہے جس کی تفصیل میں الرحیق کے مصنف لکھتے ہیں کہ یہ بھی آپ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلا تھا لیکن گرفتار ہو گیا اور آپ کا حسن اخلاق دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

١٠۔ مدینہ میں آپ ﷺ ایک قضیہ کے تصفیہ کے لیے یہودیوں کے محلے میں تشریف لے گئے آپ کی گفتگو کے دوران یہودیوں نے ایک آدمی کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ چپکے سے مکان پر چڑھ کر بھاری پتھر لڑھکائے جس سے آپ جانبر نہ ہو سکیں لیکن بذریعہ وحی آپ کو خبر ہوئی آپ اس سے پہلے ہی اٹھ کر چلے آئے۔ (الرحیق المختوم)

١١۔ خیبر کے موقع پر آپ ﷺ کو ختم کرنے کے لیے یہودی عورت کا آپ کی دعوت کرنا جس میں زہر ملا دیا گیا تھا لیکن لقمہ منہ میں ڈالتے ہی آپ کو احساس ہوا جس سے آپ نے کھانا چھوڑ دیا تاہم یہ زہر اس قدر ہلاکت انگیز تھا کہ وفات کے وقت بھی آپ نے اس کے زہریلے اثرات بڑی شدت کے ساتھ محسوس فرمائے۔ (بخاری کتاب الطب)

١٢۔ صلح حدیبیہ کے بعد اشاعتِ دین کے لیے رسول محترم ﷺ نے مختلف حکمرانوں کو مراسلات لکھے جن میں ایران کے فرمانروا خسرو پرویز کو بھی خط لکھا اس نے نہ صرف آپ کا نامہ مبارک پھاڑ دیا بلکہ یمن کے گورنر کو حکم دیا کہ نبوت کے دعویدار کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیجا جائے تب یمن کے اہلکاروں نے آپ کے پاس آکر خسرو پرویز کا حکم نامہ سناتے ہوئے کہا کہ اگر آپ نے گرفتاری پیش نہ کی تو آپ کے علاقے کو تہس نہس کر دیا جائے گا۔ (ابن ہشام، بخاری)

١٣۔ یہود کی تمام سازشیں اور شرارتیں ناکام ہو گئیں تو انہوں نے ایک بہت بڑے جادوگر کے ذریعے آپ ﷺ پر جادو کا ایسا وار کیا جس سے کئی ہفتے آپ کی طبیعت انتہائی پریشان، مضمحل اور بے چین رہی، رات کی نیند اڑ گئی اور دن کا چین جاتا رہا اس حالت میں جبریل امین تشریف لائے اور انہوں نے جادو کا علاج بتلاتے ہوئے اس کنویں کی نشاندہی فرمائی جہاں آپ کا مجسمہ بنا کر آپ کے بالوں کو گرہیں دیتے ہوئے جادو کیا گیا تھا۔ تفصیل جاننے کے لیے (رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق، کتاب الادب) (میری کتاب جادو کی تباہ کاریاں اور ان کا شرعی حل)

١٤۔ غزوہ ذات الرقاع سے واپسی پر آپ ﷺ اسلحہ اتار کر ایک درخت کے نیچے آرام فرما تھے کہ ایک دشمن قبیلے کا آدمی موقعہ پا کر آپ کی تلوار لہراتے ہوئے کہتا ہے کہ اب تجھے مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے کسی مرعوبیت کے بغیر فرمایا اللہ ہی

مجھے بچانے والا ہے یہ سنتے ہی اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی وہ معافی کا خواستگار ہوا آپ نے اسے معاف کر دیا بعض روایات کے مطابق وہ شخص آپ کا حسن اخلاق دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔ (رواہ البخاری: کتاب الجھاد)

۱۵۔ عمیر بن وہب کا واقعہ نمبر ۸ گزر چکا ہے اس کا بیٹا فضالہ فتح مکہ کے موقع پر کافر تھا فتح کے بعد جب آپ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے تو اس نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا جسے آپ بھانپ گئے آپ نے اسے قریب بلا کر اس کے مذموم ارادے سے متنبہ فرمایا تو وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔ (الرحیق المختوم)

۱۶۔ اسلام کا پیغام حجاز کی سرزمین سے گزر کر روم کی سرحدات میں پہنچ چکا تھا جس وجہ سے روم کے حکمران اپنے لیے خطرہ محسوس کر رہے تھے انہوں نے حفظ ماتقدم کے طور پر اپنی افواج کو پیش قدمی کے لیے تیار کیا اس صورت حال کو دبانے کے لیے رسول اکرم ﷺ نے ۳۰۰۰۰ ہزار مجاہدین لے کر روم کے دروازے پر دستک دی آپ کا جرأتمندانہ اقدام دیکھ کر رومی سامنے آنے کی تاب نہ لا سکے۔ کچھ دن قیام کرنے کے بعد آپ مدینہ واپس آرہے تھے کہ رات کی تاریکی میں منافقوں نے آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا کہ جب آپ کسی تنگ گزرگاہ کے درمیان پہنچیں تو آپ پر یکبارگی حملہ کر دیا جائے منافقوں کے جتھے نے چہرے چھپائے ہوئے تھے تاہم وحی کے ذریعے آپ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے حذیفہ بن یمان کو حکم دیا کہ منافقوں کی سواریوں کو دور ہانک دیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے انہیں منافقوں کے نام بتائے اور کریمانہ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے نام کسی اور کو نہ بتلائے جائیں۔ (رواہ مسلم: کتاب صفة المنافقین ، ابن ھشام ،الرحیق المختوم)

۱۷۔ آپ ﷺ کے خلاف آخری سازش عامر بن طفیل نے تیار کی جس نے بئر معونہ کے مقام پر ستر قراء کو شہید کروایا یہ ایک وفد لے کر مدینہ آیا اور منصوبے کے تحت آپ سے گفتگو کر رہا تھا کہ اس کے ایک ساتھی نے آپ ﷺ کے پیچھے ہو کر تلوار کا وار کرنا چاہا جس کی بذریعہ وحی آپ کو خبر ہو گئی آپ نے ان کی سازش کو بے نقاب کرتے ہوئے درگزر سے کام لیا تاہم اس کے لیے بددعا کی جس کی وجہ سے وہ ذلیل ہو کر مرا۔ (رواہ البخاری: کتاب المغازی)

مسائل

۱۔ رسول اکرم ﷺ کو من وعن شریعت پہنچانے کا حکم دیا گیا تھا۔

۳۔ نبی کریم ﷺ کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا تھا۔

۴۔ شریعت کا انکار کرنے والوں کو ہدایت نہیں دی جاتی۔

قُلْ	يَاهْلَ	الْكِتٰبِ	لَسْتُمْ	عَلٰى	شَيْءٍ	حَتّٰى
فرمادیں	اے اہل	کتاب	نہیں ہوتم	پر	کوئی چیز	یہاں تک
تُقِيْمُوا	التَّوْرٰىةَ	وَالْاِنْجِيْلَ	وَمَآ	اُنْزِلَ	اِلَيْكُمْ	مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ
تم قائم کرو	تورات	اور انجیل	اور جو	نازل کی گئی	تمہاری طرف	سے رب تمہارے
وَلَيَزِيْدَنَّ	كَثِيْرًا	مِّنْهُمْ	مَّآ	اُنْزِلَ	اِلَيْكَ	مِنْ رَّبِّكَ
اور وہ ضرور زیادہ کرے گا	بہتوں کو	ان سے	جو	نازل کی گئی	آپ کی طرف	سے آپ کا رب
طُغْيَانًا	وَّكُفْرًا ۚ	فَلَا	تَاْسَ	عَلَى	الْقَوْمِ	الْكٰفِرِيْنَ ۝٦٨
سرکشی	اور کفر	پس نہ	آپ غم کریں	پر	قوم	انکار کرنے والے

”فرمادیں اے اہل کتاب! تم کسی چیز پر نہیں ہو یہاں تک کہ تورات اور انجیل کو اور اس دین کو قائم کرو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا اور جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے بہت سے لوگوں کو سرکشی اور کفر میں ضرور بڑھا دے گا، سو کفار پر غم نہ کیجیے۔“ (٦٨)

فہم القرآن

ربط کلام : دوبارہ اہل کتاب کو خطاب۔

نبی کریم ﷺ کو خطاب کرنے سے پہلے یہود ونصاریٰ کو مخاطب کیا جا رہا تھا۔ اس کے بعد آپ کو آپ کے عظیم منصب کے حوالے سے مخاطب کرتے ہوئے معنوی لحاظ سے تسلی دی گئی کہ یہود ونصاریٰ آپ کو الرسول تسلیم کریں یا نہ کریں آپ حقیقتاً اللہ کے رسول ہیں لہٰذا حالات جیسے بھی ہوں آپ بے خوف وخطر اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے جائیں اس تسلی اور تاکید کے بعد اب خطاب کا رخ پھر اہل کتاب کی طرف پھیر دیا گیا ہے۔ اے رسول! آپ واشگاف الفاظ میں اہل کتاب کو باور کرائیں کہ تم اس وقت تک ذرہ برابر حقیقت پر نہیں ہوسکتے جب تک تورات وانجیل کے احکامات کو مانتے ہوئے قرآن مجید کی ہدایت پر عمل نہیں کرتے۔ یہاں تورات وانجیل پر قائم رہنے کا جو منطقی تقاضا بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کو من جانب اللہ تسلیم کرتے ہوئے اس کی ہدایات اور احکامات کو مانا جائے۔ کیونکہ قرآن مجید تورات اور انجیل کے احکامات کا ضامن اور محافظ ہے۔ لہٰذا قرآن مجید پر عمل کرنا تورات اور انجیل کے احکامات کو ماننے کا تسلسل ہے۔ اسی تسلسل کو قائم رکھنے کے لیے پہلے انبیاء کی تصدیق اور تائید لازم قرار پائی۔ اہل کتاب کی اکثریت کا عالم یہ ہے وہ مخالفت

برائے مخالفت کی بنیاد پر قرآن مجید کے ساتھ کفر کرتے ہوئے آگے ہی بڑھتے جا رہے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں قرآن من جانب اللہ اور نبی اکرم ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اسی بنا پر آپ نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ))

[رواہ مسلم: باب وُجُوبِ الإِيمَانِ بِرِسَالَةِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا قسم ہے مجھے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میں محمد کی جان ہے یہودیوں اور عیسائیوں میں سے جس شخص تک میرا پیغام پہنچ جائے اور پھر وہ اُسی حالت میں مرجائے اور وہ مجھ پر ایمان نہ لائے وہ جہنم میں داخل ہوگا۔“

کیونکہ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ اہل کتاب کے ایمان اور اعمال کی کوئی حیثیت نہیں۔ جب تک وہ آپ پر جو نازل ہوا اس پر ایمان نہیں لاتے۔ یہاں واضح الفاظ میں آپ ﷺ کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ اہل کتاب کی سرکشیوں اور نافرمانیوں پر آپ کو افسردہ اور دل گرفتہ نہیں ہونا چاہیے آپ اللہ کے رسول ہیں اور رسول کا کام لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانا ہے منوانا نہیں۔

مسائل

۱۔ یہودی اور عیسائی جب تک قرآن کو نہیں مانتے وہ کسی دین پر نہیں سمجھے جا سکتے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات پس پشت ڈال کر کوئی قوم کامیاب نہیں ہو سکتی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کو نہ ماننے والے کفر و سرکشی میں آگے ہی بڑھتے جاتے ہیں۔

۴۔ کافروں کے کفر پر غمزدہ نہیں ہونا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

یہود و نصاریٰ کی اندرونی حالت:

۱۔ یہودی اور عیسائی ایک دوسرے کو مرتد کہتے ہیں۔ (البقرۃ:۱۱۳)

۲۔ آپ ﷺ ان کو اکٹھا تصور کرتے ہیں حالانکہ ان کے دل الگ الگ ہیں۔ (الحشر:۱۴)

۳۔ اللہ نے ان کے دلوں میں قیامت تک کے لیے دشمنی ڈال دی ہے۔ (المائدۃ:۱۴)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَ	الَّذِيْنَ	هَادُوْا	وَالصّٰبِئُوْنَ
بے شک	وہ لوگ	جو ایمان لائے	اور	وہ لوگ	جو یہودی ہوئے	اور جو بے دین ہوئے
وَالنَّصٰرٰى	مَنْ	اٰمَنَ	بِاللّٰهِ	وَالْيَوْمِ	الْاٰخِرِ	وَعَمِلَ
اور نصاریٰ	جو	ایمان لائے	ساتھ اللہ کے	اور دن	آخرت	اور عمل کیے
صَالِحًا	فَلَا	خَوْفٌ	عَلَيْهِمْ	وَلَا	هُمْ	يَحْزَنُوْنَ ۝۶۹
نیک	تو نہیں	خوف	ان پر	اور نہ	وہ	غمگین ہوں گے

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی اور صابی اور نصاریٰ ہوئے، جو بھی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اس نے نیک عمل کیے تو ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“ (۶۹)

فہم القرآن

ربط کلام: اہل کتاب کی روش اور کردار کو کفر قرار دینے کے بعد ایمان کے بنیادی ارکان، تقاضوں اور اس کے صلہ کا ذکر کیا گیا ہے

اس حقیقت کو سورۃ البقرۃ کی آیت ۶۲ میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اللہ کے ہاں خالی ایمان کا دعویٰ اور مذہبی فرقہ واریت کے لیبل کی کوئی حیثیت نہیں اسلام سچے عقیدے اور حسن کردار کا نام ہے۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان اور آخرت پر یقین رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اسلام کے منتخب اور پسندیدہ اعمال کو اختیار کرے۔ اس میں ایمان باللہ کے بعد نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج لازم ہیں جو ان اعمال اور ان کے متعلقات کو پورا کرے گا اسے دنیا میں سکون واطمینان اور آخرت میں کوئی خوف وغم نہیں ہوگا۔ یہاں ایمان کے باقی ارکان کا ذکر کرنے کی بجائے صرف دو ارکان کا بیان ہوا ہے۔ یعنی اللہ اور آخرت پر ایمان لانا یہ اختصار قرآن مجید کے اور مقامات میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان وہی شخص لائے گا جو نبی آخر الزماں ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرے گا۔ کیونکہ آپ اللہ کے آخری نبی ہیں اور آپ کی رسالت کا انکار کرنے والا ایمان باللہ کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا اور آخرت میں کامل ایمان اور نیک اعمال کے بغیر نجات کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے قرآن مجید ارکان ایمان کے بارے میں بسا اوقات تفصیلات چھوڑ کر ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے ذکر پر اکتفا کرتا ہے کیونکہ جو ان کو دل کی گہرائی اور سچائی کے ساتھ مانتا ہے وہ دوسرے ارکان کا انکار نہیں کر سکتا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں زبانی کلامی دعووں کی قدر نہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانے والے لوگ خوف وغم سے محفوظ رہیں گے۔

لَقَدْ	اَخَذْنَا	مِيْثَاقَ	بَنِیْٓ	اِسْرَآءِيْلَ	وَاَرْسَلْنَآ
یقیناً	ہم نے پکڑا	وعدہ پختہ	بیٹے	اسرائیل	اور بھیجے ہم نے
اِلَيْهِمْ	رُسُلًا ؕ	كُلَّمَا	جَآءَهُمْ	رَسُوْلٌۢ	بِمَا لَا تَهْوٰٓى
طرف ان	رسول (جمع)	جب بھی	آیا انکے پاس	رسول	ساتھ اس کے جو نہ چاہتے تھے
اَنْفُسُهُمْ ۙ	فَرِيْقًا	كَذَّبُوْا	وَفَرِيْقًا	يَّقْتُلُوْنَ ۟ۗ (٧٠)	
ان کے دل	جماعت	انہوں نے جھٹلایا	اور جماعت	وہ قتل کرتے ہیں	

''بے شک ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان کی طرف کئی رسول بھیجے، جب کوئی رسول ان کے پاس وہ چیز لے کر آیا جسے ان کے دل نہیں چاہتے تھے تو انہوں نے ایک جماعت کو جھٹلا دیا اور ایک جماعت کو قتل کر دیا ہے۔'' (٧٠)

فہم القرآن

ربط کلام: بنی اسرائیل سے ایمان باللہ، آخرت پر یقین اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا تھا۔ اگر وہ اس پر عمل کرتے تو مغضوب ہونے کے بجائے دنیا اور آخرت میں بے خوف ہو جاتے۔

بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے جو عہد لیا تھا اس کی تفصیل سورۃ البقرہ آیت ۸۳ المائدہ ۱۲ میں گزر چکی ہے البقرہ آیت ۸۳ میں یہ بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت تمام انبیاء کرام سے یہ عہد لیا تھا کہ جس نبی کی نبوت کے دور میں خاتم المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں اسے اپنی نبوت کا سلسلہ ختم کرتے ہوئے آخری نبی کی رسالت کا پرچم اٹھانا ہوگا اس عہد کی بنیاد پر ہر رسول اور نبی اپنی امت سے یہ عہد لیا کرتا تھا کہ جونہی نبی آخر الزماں جلوہ افروز ہوں۔ ہر کسی کا فرض ہوگا کہ وہ آخری نبی کا کلمہ پڑھے اور آپ کے لائے ہوئے دین کو اختیار کرے لیکن بنی اسرائیل کی اکثریت نہ صرف اس عہد سے منحرف ہوئی بلکہ انہوں نے اپنے میں سے مبعوث ہونے والے ہر نبی کی مخالفت کی۔ ان کا مزاج تھا اور ہے کہ یہ اپنے آپ کو شریعت کے حوالے کرنے کی بجائے شریعت کو اپنا غلام بنانے کی مذموم کوشش میں مصروف رہتے ہیں اسی بناء پر ہی انہوں نے انبیاء کی تکذیب کی اور اسی وجہ سے ہی انبیاء کو قتل کرتے رہے اس آیت مبارکہ میں بھی ایک انداز سے آپ کے لیے ڈھارس کا سامان ہے اے رسولِ اقدس! آپ کو ایسے لوگوں پر دل گرفتہ ہونے کی بجائے اپنا کام کرتے رہنا چاہیے اگر یہ قرآن مجید کی مخالفت اور آپ کو جھٹلاتے ہیں تو یہ ان کی فطرت ثانیہ اور جبلت قدیمہ ہے۔

مسائل

١۔ بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا گیا کہ انبیاء پر ایمان لائیں۔

٢۔ بنی اسرائیل نے کچھ انبیاء کی تکذیب کی، اور کچھ انبیاء کو قتل کیا۔

وَحَسِبُوْٓا	اَلَّا	تَكُوْنَ	فِتْنَةٌ	فَعَمُوْا	وَصَمُّوْا	ثُمَّ
اورانہوں نے سمجھا	یہ کہ نہ	ہوگی	آزمائش	پس وہ اندھے ہوگئے	اور بہرے ہوگے	پھر
تَابَ	اللّٰهُ	عَلَيْهِمْ	ثُمَّ	عَمُوْا	وَصَمُّوْا	كَثِيْرٌ
رجوع کیا	اللہ نے	ان پر	پھر	وہ اندھے ہوگے	اور بہرے ہوگئے	اکثر
مِّنْهُمْ ؕ	وَاللّٰهُ	بَصِيْرٌۢ	بِمَا	يَعْمَلُوْنَ ۝		
ان سے	اور اللہ	دیکھنے والا ہے	ساتھ اس کے جو	وہ عمل کرتے ہیں		

''اورانہوں نے سمجھا کہ کوئی آزمائش نہ آئے گی تو اندھے اور بہرے ہوگئے پھر اللہ نے ان پر رجوع کیا پھر ان میں بہت سے اندھے اور بہرے ہوگئے اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے جو وہ کرتے ہیں۔''(۷۱)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ سے بار بار عہد شکنی، شریعتوں کی تکذیب، انبیاء علیہم السلام پر زیادتی کرنے اور اپنی خواہش کا بندہ بننے کی وجہ سے اہل کتاب بصیرت سے تہی دامن ہوگئے۔

جب کوئی قوم ایمان کی دعوے دار ہو کر اپنی خواہشات کو مقدم سمجھے، حقائق کی تکذیب کرے، مصلحین کی گستاخ اور ان کی جان کے درپے ہو جائے تو وہ اس غلط فہمی کا شکار ہو جایا کرتی ہے کہ اب انہیں کوئی روکنے، ٹوکنے والا نہیں ہے۔ یہود ونصاریٰ اس جرم میں مبتلا ہونے کے بعد اسی خوش فہمی کا شکار ہوئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حقائق دیکھنے اور سننے سے بے بہرہ اور اندھے ہوگئے یہ تو اپنے آپ کو دیکھنے سے اندھے ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ تو ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر اور ہر دور میں ایسے حکمران مسلط کیے کہ جنہوں نے ان کو ایسی سزائیں دیں جو پہلے کسی قوم کو نہیں دی گئیں تھیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر کرم فرماتے ہوئے انہیں آزادی کی نعمت سے ہمکنار فرمایا لیکن بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے اور اپنے اعمال کو شریعت کے سانچے میں ڈھالنے کی بجائے پھر اندھے اور بہرہ پن کا مظاہرہ کیا۔

((وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ))

[الاعراف:۱۷۹]

''''اور بلاشبہ ہم نے بہت سے جن اور انسان جہنم کے لیے ہی پیدا کیے ہیں ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے

نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں یہ لوگ چوپاؤں جیسے ہیں بلکہ یہ زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں یہی ہیں جو بالکل بے خبر ہیں۔''

امام رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل پہلی مرتبہ حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مکمل طور پر اندھے اور بہرے پن کا شکار ہوئے اور دوسری مرتبہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اس مرض میں مبتلا ہوئے ،سوائے چند لوگوں کے باقی یہود ونصاریٰ نے سرورگرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غلبہ نصیب فرمایا۔ یہودیوں کی بار بار عہد شکنی اور سازشوں کی وجہ سے غزوہ خندق کے بعد نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہمیشہ کے لیے سرزمین عرب سے نکال دیا۔ چودہ سو سال سے زائد عرصہ ہو چلا ہے یہودی ہزاروں کوششوں کے باوجود مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے حالانکہ یہودی ہر دور میں اپنی قوم سے وعدہ لوگوں کے سامنے کرتے آرہے ہیں کہ ہم عنقریب مدینہ پر قبضہ کرنے والے ہیں۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا اور نہ ہی قیامت تک ہو سکے گا۔ ان شاء اللہ

مسائل

۱۔ خوش فہمی انسان کو مروا دیتی ہے۔

۲۔ آنکھیں اور کان بند کر لینے سے مصیبت سے چھٹکارا نہیں ملتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سب کے اعمال کو دیکھتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اندھے اور بہرے لوگ:

۱۔ اللہ نے یہودیوں پر رجوع فرمایا لیکن یہ پھر اندھے ہو گئے۔ (المائدۃ:۷۱)

۲۔ جن پر اللہ کی لعنت ہو وہ اندھے اور بہرے ہو جاتے ہیں۔ (محمد:۲۳)

۳۔ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں ہدایت کی طرف نہیں آیا کرتے۔ (البقرۃ:۱۷۱)

۴۔ ہدایت سے اندھے، بہرے اور گونگے لوگ چوپاؤں سے بھی بدتر ہوا کرتے ہیں۔ (الاعراف:۱۷۹)

۵۔ کافر، اہل کتاب اور مشرکین بدترین مخلوق ہیں۔ (البینۃ:٦)

لَقَدْ	كَفَرَ	الَّذِيْنَ	قَالُوْٓا	اِنَّ اللّٰهَ	هُوَ	الْمَسِيْحُ
یقیناً	اس نے کفر کیا	وہ لوگ	انہوں نے کہا	بے شک اللہ	وہی	مسیح
ابْنُ	مَرْيَمَ ط	وَقَالَ	الْمَسِيْحُ	يٰبَنِيْٓ	اِسْرَآءِيْلَ	اعْبُدُوا
بیٹا	مریم	اور کہا	مسیح نے	اے بنی	اسرائیل	تم عبادت کرو
اللّٰهَ	رَبِّيْ	وَرَبَّكُمْ ط	اِنَّهٗ	مَنْ	يُّشْرِكْ	بِاللّٰهِ
اللہ	میرا رب	اور تمہارا رب	یقیناً وہ	جو	وہ شرک کرے	ساتھ اللہ
فَقَدْ	حَرَّمَ	اللّٰهُ	عَلَيْهِ	الْجَنَّةَ	وَمَاْوٰىهُ	النَّارُ ط
سو یقیناً	حرام کیا	اللہ	اس پر	جنت	اور اس کا ٹھکانہ	آگ
وَمَا	لِلظّٰلِمِيْنَ	مِنْ	اَنْصَارٍ ۝			
اور نہیں	ظالموں کے لیے	سے	مدد گار			

”بلا شبہ وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ہی تو ہے جو مریم کا بیٹا ہے، حالانکہ مسیح نے کہا اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب اور تمہارا رب ہے۔ بے شک حقیقت یہ ہے کہ جو بھی اللہ کے ساتھ شرک کرے یقیناً اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ آگ ہے اور ظالموں کے لیے کوئی مدد کرنے والا نہیں۔“ (۷۲)

فہم القرآن

ربط کلام: یہود کے بعد عیسائیوں کے عقائد اور کردار کا بیان۔

یہ حقیقت پہلے بھی بیان ہو چکی ہے کہ یہودی انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور ان کو قتل کرنے کی وجہ سے گمراہ ہوئے جبکہ عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کی محبت اور ان کی والدہ کے احترام میں غلو کی وجہ سے صراط مستقیم سے ہٹ گئے۔

عیسائیوں کی گمراہی کے دو اسباب ہیں ان میں کچھ لوگ تو اس غلط فہمی کا شکار ہوئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا کلمہ قرار دیا ہے جس کا منطقی مفہوم یہ بنتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا جز و یعنی اس کی ذات کا حصہ ہے۔ عیسائیوں کے دوسرے گروہ نے جان بوجھ کر عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا اور اس کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو خدا کی بیوی قرار دیتے ہوئے کہا کہ تینوں کو ملا کر خدا کی ذات مکمل ہوتی ہے۔ کچھ عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی خدا ہیں۔ اس طرح یہ لوگ ایک گورکھ دھندے میں پھنسے ہوئے ہیں جو علم کی دنیا میں ایک مذاق کے سوا کچھ بھی نہیں۔ پھر عیسائیوں نے یہ عقیدہ گھڑا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو تختہ دار پر لٹکا کر اپنے بیٹے کی قربانی پیش کی تاکہ ہمارے گناہوں کا کفارہ بن سکے حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام نہ سولی پر لٹکائے گئے اور نہ انہوں نے

شرک کی تائید کی وہ تو بار بار فرماتے رہے کہ اے بنی اسرائیل صرف ایک اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ یاد رکھو جس نے اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں شرک کیا اللہ تعالیٰ نے اس پر ہمیشہ کے لیے جنت کو حرام قرار دیا ہے۔ اس کا ٹھکانہ آگ ہے۔ ایسے ظالموں کے لیے قیامت کے دن کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

یاد رہے سب سے بڑا ظلم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے افسوس پاکستانی مسلمانوں کی اکثریت یہود و نصاریٰ کو مات دیتے ہوئے کہتی ہے۔ یا عبدالقادر شیأً للّٰہ!

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر اتر پڑا مدینے میں مصطفی ہو کر

مسائل

١۔ انبیاء علیہم السلام کی شان میں گستاخی کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے

٢۔ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیتے تھے۔

٣۔ مشرک پر جنت حرام ہے۔

٤۔ مشرک کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

٥۔ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

شرک کی مذمت:

١۔ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ (لقمان:١٣)

٢۔ شرک بہت بڑی گمراہی ہے۔ (النساء:١١٦)

٣۔ شرک بہت بڑی ذلت اور گراوٹ ہے۔ (الحج:٣١)

٤۔ شرک سے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ (الزمر:٦٥)

٥۔ اللہ تعالیٰ شرک معاف نہیں کرتا کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ (النساء:٤٨)

٦۔ اللہ تعالیٰ شرک کے سوا جس کے چاہے گا گناہ معاف فرما دے گا۔ (النساء:١١٦)

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ
البتہ تحقیق کفر کیا وہ لوگ انہوں نے کہا بے شک اللہ تیسرا

ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ
تین (میں سے) اور نہیں سے معبود مگر معبود ایک

وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ
اور اگر نہ وہ باز آئے اس سے جو وہ کہتے ہیں ضرور پہنچے گا وہ لوگ

كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى
انہوں نے کفر کیا ان میں سے عذاب اذیت والا کیا نہیں وہ توبہ کرتے طرف

اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾
اللہ کی اور وہ اس سے معافی مانگتے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

وقف لازم

”بلاشبہ وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو تین میں سے تیسرا ہے، حالانکہ ایک معبود کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور اگر وہ اس سے باز نہ آئے جو کہتے ہیں تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا انہیں ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔ (۷۳) کیا وہ اللہ کے حضور توبہ نہیں کرتے اور اس سے بخشش نہیں مانگتے ؟ اور اللہ بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔“ (۷۴)

فہم القرآن

ربط کلام: عیسائیوں کے باطل عقیدہ کی تردید اور انہیں اس عقیدہ سے توبہ کی تلقین کی گئی ہے۔

آدمی جب حقائق دیکھنے سے اندھا اور دلائل سننے سے بہرہ ہو جائے تو وہ کفر کی وادیوں میں آگے ہی بڑھتا جاتا ہے عیسائی اس جرم کے مرتکب ہوئے تو حقائق جاننے کے باوجود عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں اندھے ہو کر یہ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کے مرتکب ہوئے کہ اللہ، عیسیٰ اور مریم ایک دوسرے سے ہیں اور اللہ اس مثلث میں سے ایک ہے۔

توحید کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ سمجھے شرک تمام گناہوں کا منبع، آخری درجے کا ظلم اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ غداری کرنے کے مترادف ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی توحید سے آگاہ فرماتے ہوئے انسانی رشتوں کے درجہ بدرجہ احترام کا حکم دیا ہے لیکن کوئی انسان کس قدر نیک، صالح اور دین و دنیا کے لحاظ سے کتنا ہی بلند و بالا کیوں نہ ہو وہ بالآخر انسان ہی رہتا ہے لہٰذا انسان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا بندہ ہونے کے سوا کوئی رشتہ نہیں رکھتا۔

سورۃ اخلاص میں اس عقیدہ کو نہایت سادہ لیکن مکمل انشراح کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ اللہ وہ ہے جو نہ کسی سے

پیدا ہوا ہے نہ اس سے کوئی چیز نکلی اور پیدا ہوئی ہے اور نہ اس کی کوئی برابری کرنے والا ہے۔ وہ ہر اعتبار سے ایک ہے اور بے مثال ہے لیکن افسوس مشرک اس بات کو سمجھنے اور ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ سب سے پہلے یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا۔ عیسائی دو قدم آگے بڑھتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور مریم علیہا السلام کو اللہ کی بیوی قرار دیتے ہیں اور اس عقیدہ کا نام تثلیث رکھا۔ افسوس امت مسلمہ کی اکثریت شرک کی تمام اقسام کا ارتکاب کر رہی ہے جبکہ ہر نبی اپنی امت کو اور عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو صرف اور صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی ایک معبود حقیقی ہے لہٰذا انسان کو ایک اللہ ہی کو اپنا معبود، مشکل کشا، حاجت روا اور خالق و مالک سمجھ کر اس کی عبادت کرنی چاہیے جو لوگ عقیدہ تثلیث اور شرک سے باز نہیں آئیں گے اللہ تعالیٰ انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔ البتہ جنھوں نے شرک سے توبہ کی اور اللہ کے حضور معافی کے خواستگار ہوئے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے گا کیونکہ وہ نہایت ہی معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے۔

((عن ابی وائل رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ يُجَاءُ بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْقَى فِي النَّارِ فَتَنْدَلِقُ أَقْتَابُهُ فِي النَّارِ فَيَدُورُ كَمَا يَدُورُ الْحِمَارُ بِرَحَاهُ فَيَجْتَمِعُ أَهْلُ النَّارِ عَلَيْهِ فَيَقُولُونَ أَيْ فُلَانُ مَا شَأْنُكَ أَلَيْسَ كُنْتَ تَأْمُرُنَا بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَانَا عَنِ الْمُنْكَرِ قَالَ كُنْتُ آمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا آتِيهِ وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَآتِيهِ))[رواه البخاری: کتاب بدء الخلق، باب صفة النار]

”حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ایک آدمی کو جہنم میں پھینکا جائے۔ وہ آگ میں اپنی انتڑیوں کے گرد چکر لگائے گا جس طرح گدھا کنویں کے گرد چکر لگاتا ہے جہنم کے لوگ اکٹھے ہو کر اسے کہیں گے تمہیں کیا ہو گیا ہے کیا تم ہمیں نیکی کی ترغیب اور برے کاموں سے روکتے نہیں تھے وہ کہے گا میں تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتا تھا مگر خود نہیں کیا کرتا تھا۔ تمہیں برائی سے منع کرتا تھا اور خود اس کا مرتکب ہوا کرتا تھا۔“

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَللّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ مِنْ أَحَدِكُمْ إِذَا اسْتَيْقَظَ عَلَى بَعِيرِهِ قَدْ أَضَلَّهُ بِأَرْضِ فَلَاةٍ))[رواه مسلم: كِتَابُ التَّوْبَةِ، بَابٌ فِي الْحَضِّ عَلَى التَّوْبَةِ وَالْفَرَحِ بِهَا]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اپنے بندوں کے توبہ کرنے سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کو اس کا اونٹ بے آب و گیاہ علاقے میں چھوڑ کر دوبارہ ملے۔“

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا إِلٰهٌ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾[المائدة:۷۳]

”بلاشبہ وہ لوگ کافر ہو چکے جنھوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے حالانکہ الٰہ تو صرف وہی اکیلا ہے اگر یہ لوگ

اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو اُن میں سے جو انکار کرتے رہے انھیں المناک عذاب ہوگا۔“

مسائل

۱۔ تین الٰہ کا عقیدہ رکھنے والے کافر ہیں۔

۲۔ الٰہ ایک ہی ہے۔

۳۔ شرکیہ عقائد سے باز نہ آنے والوں کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی کا طلب گار رہنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی ایک الٰہ ہے:

۱۔ اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور پھر آسمان سے پانی اتار کر باغات اگائے کیا اس کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل: ٦٠)

۲۔ اللہ نے زمین کو جائے قرار بنایا اس میں پہاڑ اور دو سمندروں کے درمیان پردہ بنایا کیا اس کے ساتھ اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل: ٦١)

۳۔ کون ہے جو لاچار کی فریاد رسی کرتا ہے اور اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل: ٦٢)

۴۔ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں اللہ کے سوا کون رہنمائی کرتا ہے کیا کوئی اور بھی اس کے ساتھ الٰہ ہے۔ (النمل: ٦٣)

۵۔ پہلے اور دوبارہ پیدا کرنا اور زمین و آسمان سے تمہارے لیے روزی کا بندوبست کرنے والا اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے؟ (النمل: ٦٤)

٦۔ آپ فرمادیں سوائے ایک الٰہ کے آسمان و زمین کے غیب کو کوئی نہیں جانتا۔ (النمل: ٦٥)

۷۔ کیا کوئی ہے اس الٰہ کے سوا ہے جو رات ختم کر کے دن لائے؟ (القصص: ۷۱)

۸۔ کیا کوئی ہے اس الٰہ کے علاوہ کوئی اور الٰہ ہے جو دن ختم کر کے رات لائے؟ (القصص: ۷۲)

۹۔ بس اس ایک الٰہ کے سوا کوئی دوسرے الٰہ کو نہ پکارو۔ (القصص: ۸۸)

۱۰۔ تمھارا الٰہ ایک ہی وہ رحمٰن، رحیم ہے۔ (البقرۃ: ١٦٣)

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ

نہیں مسیح ابن مریم مگر رسول یقیناً گزر چکے سے پہلے اس

الرُّسُلُ ۖ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ انْظُرْ

رسول (جمع) اور اسکی والدہ سچی تھیں وہ دونوں تھے کھاتے کھانا آپ دیکھیں

كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٧٥﴾

کیسے ہم بیان کرتے ہیں ان کے لیے دلائل پھر دیکھیں کیسے وہ بہکائے جاتے ہیں

''مسیح ابن مریم ایک رسول ہے ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں صدیقہ ہے دونوں کھانا کھایا کرتے تھے دیکھیں ہم ان کے لیے کس طرح کھول کر آیات بیان کرتے ہیں، پھر وہ کیسے بہکے جاتے ہیں۔'' (۷۵)

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ:

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو اللہ کا جزو قرار دیا جو صریح کفر کرنے کے مترادف ہے حالانکہ عیسائیوں اور دنیا کے مشرکوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنانے کی کوئی دلیل نہیں۔ الٰہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ کبریا ہے جو ایک ہی ہے عیسائیوں کو ان کے باطل عقیدہ پر انتباہ کرتے ہوئے متنبہ کیا گیا ہے کہ اگر یہ توبہ کے بغیر مر گئے تو انہیں اذیت ناک عذاب دیا جائے گا اب عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کے الٰہ نہ ہونے کے طبعی اور فطری دلائل دیے گئے ہیں۔

۱۔ عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں جو اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام الٰہ نہیں کیونکہ اُسے مریم علیہا السلام نے جنم دیا ہے اور ان کی پیدائش باپ کے بغیر ہوئی جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے جس کے بارے میں سورۃ آل عمران کی آیت ۳۴ تا ۶۰ یعنی ۲۶ آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نانی کی نذر ماننے سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی تک کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں اور سورۃ مریم میں عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت حضرت مریم علیہا السلام کا اضطراب اور پریشانی کا بیان اور لوگوں کا مریم علیہا السلام کو الزام دینا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مریم کی گود میں قوم کو مفصل اور کامل جواب دینا اور اپنے بارے میں اس بات کی وضاحت کرنا کہ میں غیر انسانی مخلوق ہونے کی بجائے اللہ کا بندہ' اس کا رسول ہوں اور میری ولادت سے لے کر میرے محشر کے دن اٹھنے تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر سلامتی ہوگی۔ (مریم ۱۷ تا ۳۷)

۲۔ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ان سے پہلے بھی بے شمار رسول آئے اور فریضۂ نبوت سرانجام دینے کے بعد دنیا سے رخصت ہوئے ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنا فرض ادا کرنے کے بعد دنیا سے رخصت ہو جائیں گے فرق صرف اتنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر اٹھا لیا ہے اور قیامت کے قریب ان کا نزول ہوگا اور دنیا میں چالیس سال گزارنے کے بعد فوت ہوں گے۔

۳۔ یہودی حضرت مریم علیہا السلام پر (خاکم بدہن) بدکاری کا الزام لگاتے ہیں جس کی تردید کے لیے حضرت مریم علیہا السلام کو صدیقہ کے عظیم لقب سے نوازا گیا ہے۔ جو لفظ صدیق کی مؤنث ہے۔ نبوت کے بعد صدیق کا مقام ہے۔

۴۔ حضرت مریم علیہا السلام کی پاکدامنی اور ہر اعتبار سے طاہرہ، طیبہ ہونے کی شہادت دینے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے بارے میں

طبعی اور فطری یہ دلیل دی گئی ہے کہ وہ دونوں اکل وشرب کے محتاج تھے جبکہ اللہ تعالیٰ کھانے پینے اور مخلوق کی حاجات سے بے نیاز اور مبرّا ہے۔

ان دلائل کے بعد حکم ہوا کہ غور کیجئے کہ ہم نے سچائی واضح کرنے کے لیے کتنے کھلے دلائل بیان کیے ہیں اور اس پر بھی غور کیجئے کہ کتنے ٹھوس اور واضح دلائل ہونے کے باوجود لوگ حقائق کا انکار اور شرک کا ارتکاب کر کے کس طرح گمراہی میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے امام رازی رحمۃ اللہ درج ذیل نکات اٹھاتے ہیں۔

(۱) دوسرے انبیاء معجزات دکھانے سے الٰہ نہیں ہوئے تو عیسیٰ علیہ السلام معجزات کی بناء پر کس طرح الٰہ ہو سکتے ہیں؟

(۲) حضرت آدم علیہ السلام ماں باپ کے بغیر پیدا ہوئے جبکہ عیسیٰ علیہ السلام صرف باپ کے بغیر پیدا ہوئے ہیں تو انہیں کس طرح الٰہ کا درجہ دیا جا سکتا ہے؟

(۳) جو چیز معرض وجود میں آئے یا جو کسی سے جنم پائے وہ حادث ہوتی ہے جس کا معنیٰ ہے کہ وہ پہلے موجود نہیں تھی اور یہ دلیل ہے کہ عدم سے وجود میں آنے والا الٰہ نہیں ہو سکتا۔

''وہی اول ہے اور وہی آخر ہے وہ ظاہر بھی ہے اور پوشیدہ بھی اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔'' [الحدید:۳]

اسی طرح انجیل میں خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے کہ جب ان کے شاگرد ان کو ایک روح سمجھ کر ان سے ڈرے تو انھوں نے بھنی ہوئی مچھلی کا ایک قتلہ ان کے سامنے کھا کر ان کو اطمینان دلایا کہ وہ کوئی روح نہیں بلکہ آدمی ہیں۔ لوقا میں ہے: ''وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ یسوع آپ انکے بیچ میں کھڑا ہوا اور ان سے کہا تمہاری سلامتی ہو مگر انھوں نے گھبرا کر اور خوف کھا کر یہ سمجھا کہ کسی روح کو دیکھتے ہیں۔ اس نے ان سے کہا تم کیوں گھبراتے ہو اور کس واسطے تمہارے دل میں شک پیدا ہوتے ہیں۔ میرے ہاتھ اور میرے پاؤں دیکھو کہ میں ہی ہوں۔ مجھے چھو کر دیکھو کیونکہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی، جیسا مجھ میں دیکھتے ہو اور یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے۔ جب مارے خوشی کے ان کو یقین نہ آیا اور تعجب کرتے تھے تو اس نے ان سے کہا کیا یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انھوں نے اسے بھنی ہوئی مچھلی کا قتلہ دیا۔ اس نے لے کر ان کے روبرو کھایا۔'' (لوقا: باب۲۴: ۳۶-۴۳)

مسائل

۱۔ مسیح ابن مریم اللہ کے رسول تھے۔ ۲۔ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کھانا کھاتے تھے۔

۳۔ واضح دلائل کے باوجود حقیقت کو نہ ماننے والا گمراہ ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

بھکے ہوئے لوگ:

۱۔ دانے اور گٹھلی کو پھاڑنا، زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ کرنا اللہ ہی کا کام ہے تم کہاں بہک گئے ہو؟ (الانعام: ۹۵)

۲۔ تمہارا رب ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں تم کہاں بہک گئے ہو؟ (المومن: ۶۲)

۳۔ ان کو کس نے پیدا کیا؟ جواب دیں گے اللہ نے۔ تو پھر یہ کہاں بہک گئے ہیں؟ (الزخرف: ۸۷)

۴۔ آپ فرما دیں اللہ ہی نے تخلیق کی ابتداء کی پھر دوبارہ پیدا کرے گا پھر تم کہاں بہک گئے ہو؟ (یونس: ۳۴)

۵۔ نہیں ہیں مسیح ابن مریم مگر رسول اس سے پہلے کئی رسول گزر چکے ان کی والدہ صدیقہ ہیں۔ وہ کہاں بہک گئے ہیں؟ (المائدۃ: ۷۵)

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ

فرمادیجیے کیاتم عبادت کرتے ہو سے علاوہ اللہ جونہیں مالک تمہارے لیے

ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾

نقصان اور نہ نفع اوراللہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ

فرمادیجیے اے اہل کتاب نہ تم غلوکرو میں اپنے دین علاوہ حق

وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ

اور نہ تم پیروی کرو خواہشات قوم یقیناً وہ گمراہ ہوئے سے پہلے

وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ ع

اورانہوں نے گمراہ کیا زیادہ وہ گمراہ ہوئے سے سیدھا راستہ

”فرمادیں کیاتم اللہ کے سوااس کی عبادت کرتے ہو جوتمہارے لیے نہ کسی نقصان کا مالک ہے اور نہ نفع کا اور اللہ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔(٧٦)فرمادیں اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق حد سے نہ بڑھو اوراس قوم کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلو جواس سے پہلے گمراہ ہوچکے اورانہوں نے بہتوں کوگمراہ کیااورسیدھے راستے سے بھٹک گئے۔“(٧٧)

فہم القرآن

ربط کلام: عقیدۂ تثلیث کی تردید کرنے کے بعد اہل کتاب اوران کے حوالے سے تمام لوگوں کو سمجھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے کیونکہ اس کے علاوہ کوئی نفع ونقصان کا مالک نہیں۔

عبادت کا معنٰی ہے نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بندگی اوراس کی غلامی اختیار کرنا ہے،انسان بڑا کمزوراور عاجز واقع ہوا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس پر انعام کرتے ہوئے اجازت ہی نہیں دی بلکہ حکم دیا ہے کہ اے انسان مجھے اپنی حاجات کے لیے پکارا کر۔ میں تیری دستگیری اور دادرسی بھی کروں گا اور یہ پکار میری بارگاہ میں تیری عبادت بھی سمجھی جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ میرے سوا کسی کو اپنا مشکل کشا اور حاجت روا نہ سمجھنا۔ بے شک کوئی نبی ہو یا ولی‘ حاکم ہو یا غنی‘ کوئی بھی ہو تجھے میرے اذن کے بغیر نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتا۔ پہلی بات عیسائیوں کو سمجھائی گئی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام اللہ کی مخلوق ہیں اگر وہ نفع ونقصان کے مالک ہوتے تو حضرت مریم عیسیٰ علیہ السلام کو جنم دیتے ہوئے یہ نہ کہتی کہ کاش میں اس سے پہلے بے نام ونشان ہوچکی ہوتی سورۂ مریم: آیت ۲۳ اسی طرح اگر عیسیٰ علیہ السلام حاجت روا اور مشکل کشا ہوتے تو انہیں

تختہ دار پر چڑھانے کی کوشش اور سازش نہ کی جاتی۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا))

[رواه البخاری: کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم]

”حضرت عبداللہ بن عمر بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول مکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے علم نہیں چھینے گا بلکہ علم کو علماء کے ساتھ قبض کرلے گا۔ یہاں تک کہ زمین پر کوئی عالم نہیں بچے گا۔ لوگ جاہلوں کو اپنے عالم بنالیں گے ان سے سوال ہوگا تو وہ بغیر علم کے فتویٰ جاری کریں گے وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کرنا چاہیے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نفع ونقصان کا مالک نہیں سمجھنا چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

۴۔ اہل کتاب دین میں غلو کرتے ہیں۔

۵۔ بھٹکے ہوئے لوگوں کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کے سوا کوئی نفع ونقصان کا مالک نہیں:

۱۔ اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارو جو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع دے سکتا ہے۔ (یونس:۱۰۶)

۲۔ اللہ کے سوا کوئی ذرہ بھر بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں۔ (الانبیاء:٦٦)

۳۔ اے نبی آپ اعلان فرما دیں کہ میں اپنے بارے میں بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں (الاعراف:۱۸۸)

۴۔ کیا تم انکی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتے۔ (الانبیاء:٦٦)

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى

لعنت کی گئی | وہ لوگ | انہوں نے کفر کیا | سے | بیٹے | اسرائیل | پر

لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا

زبان | داؤد | اور عیسیٰ | ابن | مریم | وہ | ساتھ جو

عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ

انہوں نے نافرمانی کی | اور وہ تھے | حد سے گزر جاتے | وہ تھے | نہیں وہ منع کرتے | سے | برائی

فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ

انہوں نے کیا اس کو | البتہ برا | جو وہ تھے | وہ کام کرتے | آپ دیکھیں | بہت زیادہ | ان سے

يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ

وہ دوستی رکھتے ہیں | وہ لوگ | جنہوں نے کفر کیا | البتہ برا | جو آگے بھیجا انہوں نے | ان کے لیے | ان کے نفس

اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝

یہ کہ | ناراض ہوا | اللہ | ان پر | اور میں | عذاب | وہ | ہمیشہ رہنے والے

’’بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور مسیح ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی، یہ اس لیے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے بڑھ گئے۔ (۷۸) وہ ایک دوسرے کو برائی سے جو وہ کرتے تھے اس سے، روکتے نہ تھے بے شک برا ہے جو وہ کیا کرتے تھے۔ (۷۹) آپ ان میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھیں گے کہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہیں جو کافر ہیں یقیناً برا ہے جو انہوں نے اپنے لیے آگے بھیجا اللہ کی ان پر ناراضگی ہوئی اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔‘‘ (۸۰)

فہم القرآن

ربط کلام: دین میں غلو کرنے، خود گمراہ اور لوگوں کو گمراہ کرنے کا سبب بننے کی وجہ سے اہل کتاب لعنت کے سزاوار ٹھہرے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل فرمایا ہے کہ اہل کتاب پر موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم السلام نے لعنت کی یہاں تک کہ قرآن مجید نے بھی انہیں مغضوب، گمراہ اور لعنت کا مستحق قرار دیا ہے اس مقام پر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خصوصی ذکر کرنے کا مفہوم یہ سمجھ میں آتا ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو سب سے محبوب سمجھتے ہیں یہاں دونوں فریقوں کی نام نہاد محبت وعقیدت کا پردہ چاک کرنے کے لیے خصوصی طور پر

حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے اہل کتاب پر پھٹکار کا ذکر کیا گیا ہے۔لعنت کا معنی ہے نیکی کرنے کی توفیق سے محروم ہونا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا سزاوار ٹھہرنا۔اس کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ اہل کتاب خود بھی بد عمل تھے اور ہیں۔لوگوں کے لیے برائی کا سبب بنے اور یہ اُسی روش پر آج تک قائم ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی اکثریت مسلمانوں سے محبت کرنے کی بجائے کفار کے ساتھ محبت کرتی ہے حالانکہ عیسائی اور یہودی اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کے دعوے دار اور انبیاء کے قائل ہیں۔اگر یہ لوگ اپنے دعویٰ میں سچے ہوتے تو اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ یہ کفار کی بجائے مسلمانوں سے محبت کرتے لیکن انھوں نے ہمیشہ مسلمانوں پر کفار کو ترجیح دی ہے۔جس کا واضح ثبوت امریکہ اور یورپ کا عربوں کی بجائے اسرائیل کے ساتھ اور پاکستان کے مقابلہ میں ہندوستان کو ترجیح دینا ہے۔اسی وجہ سے دنیا میں ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور آخرت میں ہمیشہ کے لیے جہنم میں دھکیلے جائیں گے۔

بنی اسرائیل کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات:

”اے ریا کار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس! تم بیواؤں کے گھروں کو دبا بیٹھے ہو اور دکھاوے کے لیے نماز کو طول دیتے ہو کہ ایک مرید کرنے کے لیے تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اپنے سے دونا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو۔اے اندھے راہ بتانے والو، تم پر افسوس! جو کہتے ہو کہ اگر کوئی مقدس کی قسم کھائے تو کچھ بات نہیں لیکن اگر مقدس کے سونے کی قسم کھائے تو اس کا پابند ہوگا۔اے احمقو اور اندھو، کون سا بڑا ہے، سونا یا مقدس جس نے سونے کو مقدس کیا اور پھر کہتے ہو کہ اگر کوئی قربان گاہ کی قسم کھائے تو کچھ بات نہیں لیکن جو نذر اس پر چڑھی ہو اگر اس کی قسم کھائے تو اس کا پابند ہوگا۔اے اندھو، کون سی بڑی ہے نذر یا قربان گاہ جو نذر کو مقدس کرتی ہے۔اے ریا کار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس! کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کے مانند ہو جو اوپر سے تو خوب صورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہوئی ہیں۔اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راست باز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریا کاری اور بے دینی سے بھرے ہو۔ارے ریا کار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس! کہ نبیوں کی قبریں بناتے اور راست بازوں کے مقبرے آراستہ کرتے ہو اور کہتے ہو کہ اگر ہم اپنے باپ دادا کے زمانے میں ہوتے تو نبیوں کے خون میں ان کے شریک نہ ہوتے۔اس طرح تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو۔غرض اپنے باپ دادا کا پیمانہ بھر دو۔ارے سانپوں کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیوں کر بچو گے؟ اس لیے دیکھو میں نبیوں اور داناؤں اور فقیہوں کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں، ان میں سے تم بعض کو قتل کرو گے اور صلیب پر چڑھاؤ گے اور بعض کو اپنے عبادت خانوں میں کوڑے مارو گے اور شہر بہ شہر ستاتے پھرو گے تاکہ سب راست بازوں کا خون جو زمین پر بہایا گیا تم پر آئے۔راست باز ہابیل کے خون سے لے کر برکیاہ کے بیٹے زکریا کے خون تک جسے تم

نے مقدس اور قربان گاہ کے درمیان قتل کیا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس زمانہ کے لوگوں پر آئے گا۔“
[متّی :۲۳:۱۴-۳۹] (بحوالہ: تدبرِ قرآن)

مسائل

۱۔ برائی سے منع نہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے عذاب کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔
۲۔ برائی سے منع نہ کرنا بڑا گناہ ہے۔
۳۔ بنی اسرائیل نے ایک دوسرے کو برائی سے منع کرنا چھوڑ دیا تھا۔
۴۔ بنی اسرائیل کی اکثریت کفار سے دوستی کرتی ہے۔
۵۔ برے اعمال کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

لعنت زدہ لوگ:

۱۔ شیطان لعنتی ہے۔(النساء:۱۱۸)
۲۔ کافر لعنتی ہیں۔(الاحزاب:٦۴)
۳۔ اصحاب السبت لعنتی ہیں۔(النساء:۴۷)
۴۔ یہودی لعنتی ہیں۔(المائدة:٦۴)
۵۔ جھوٹے لعنتی ہیں۔(آل عمران:٦۱)
٦۔ ظالم پر لعنت برستی ہے،(ھود:۱۸)
۷۔ حق چھپانے والے لعنتی ہیں۔(البقرة:۱۵۹)
۸۔ اللہ اور رسول کو تکلیف دینے والے لعنتی ہیں۔(الاحزاب:۵۷)

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ

اور اگر | وہ تھے | وہ ایمان لاتے ہیں ساتھ اللہ | اور نبی | اور جو | نازل کیا گیا | ان کی طرف

مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾

نہ | بناتے وہ ان کو | دوست | اور لیکن | زیادہ | ان سے | فاسق ہیں

”اور اگر وہ اللہ اور نبی اور اس دین پر ایمان لاتے اور جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے تو انہیں دوست نہ بناتے اور لیکن ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں۔“(٨١)

فہم القرآن

ربط کلام: اہل کتاب پر ناراضگی کا اظہار کرنے کے باوجود ان کو ایک موقع اور دیا گیا ہے کہ اگر ایمان لائیں تو آخرت کے عذاب اور دنیا کی ذلت سے بچ سکتے ہیں۔

اہل کتاب پھٹکار کے مستحق قرار دیے گئے ہیں تو یہ ان کے عقیدہ اور کردار کا نتیجہ ہے تاہم اگر یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول پر خالص ایمان لائیں۔ قرآن کی اتباع کریں، خدا کے باغیوں اور منکروں سے محبت کرنے کی بجائے مسلمانوں سے محبت واخوت کا رشتہ جوڑیں تو لعنت کی بجائے اللہ کی رحمت کے مستحق قرار پائیں گے یہاں اللہ، اس کے رسول اور قرآن مجید پر ایمان کے ساتھ تیسری شرط یہ بیان ہوئی ہے کہ ان کی ہمدردیاں، رشتہ داریاں کفار کی بجائے مسلمانوں کے ساتھ ہونی چاہئیں یہی ان کی عزت رفتہ کا زینہ ہے یہاں یہ بات دوٹوک انداز میں واضح کردی ہے کہ اہل کتاب دنیا اور آخرت کی ذلت مول لے لیں گے لیکن اللہ، اس کے رسول پر مخلصانہ ایمان لانے اور مسلمانوں سے رشتۂ اخلاص قائم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے کیونکہ ان کی غالب اکثریت فاسق افراد پر مشتمل ہے۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی اور کتاب اللہ پر ایمان لانے والے کفار سے دوستی نہیں کرتے۔

٢۔ بنی اسرائیل کی اکثریت نافرمان ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ

یقیناً آپ پائیں گے بہت سخت لوگ دشمنی ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے یہودیوں کو

وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ

اور وہ لوگ انہوں نے شرک کیا اور یقیناً آپ پائیں گے بہت قریب ان کو دوستی ان لوگوں کے لیے

اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ

جو ایمان لائے وہ لوگ انہوں نے کہا بے شک ہم نصاریٰ وہ اس وجہ سے بے شک ان سے

قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٨٢﴾

پڑھے ہوئے ہیں اور راہب اور بے شک وہ نہیں وہ تکبر کرتے ہیں

”یقیناً آپ ایمان داروں کے ساتھ سب لوگوں سے زیادہ عداوت رکھنے والے یہود کو اور ان لوگوں کو پائیں گے جو شرک کرتے ہیں۔ اور یقیناً آپ ایمانداروں کے ساتھ دوستی میں ان کو قریب پائیں گے جنہوں نے کہا ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان میں عالم اور راہب ہیں اور اس لیے بھی کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔“ (۸۲)

فہم القرآن

ربط کلام: اہل کتاب میں اچھے لوگوں کا کردار۔

قرآن مجید کا کمال یہ ہے کہ جب وہ اہل کتاب کی غالب اکثریت کی برائی اور کمزوری کا ذکر کرتا ہے تو ان میں سے اچھے لوگوں کی تعریف کرنا بھی ضروری سمجھتا ہے اسی اصول کے پیش نظر یہودیوں اور مشرکوں کے بارے میں وضاحت کردی گئی کہ یہ عیسائیوں کی نسبت مسلمانوں کے بارے میں زیادہ متشدد ہیں ان کے مقابلے میں عیسائی مسلمانوں کے بارے میں نرم واقع ہوئے ہیں مفسرین نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے یہاں عیسائیوں سے مراد سب عیسائی نہیں بلکہ عیسائیوں کا وہ فرقہ مراد ہے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کے نام سے منسوب کرتا ہے یہ مدینہ اور خیبر کے درمیان میں آباد تھے اور عقیدہ کے لحاظ سے دوسرے عیسائیوں سے بہتر اور مسلمانوں کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے تھے۔ آج بھی عیسائیوں میں اس فرقہ کے لوگ اپنے آپ کو یہودیوں کی نسبت مسلمانوں کے قریب سمجھتے ہیں۔ لیکن افسوس یہ لوگ تعداد اور اثر ورسوخ کے لحاظ سے ہمیشہ تھوڑے رہے ہیں۔ یہ تخصیص اس لیے حق پر مبنی معلوم ہوتی ہے کہ ابتدا سے لے کر آج تک مسلمانوں کی عیسائیوں کے ساتھ ہی معرکہ آرائی ہوتی رہی ہے یہودی پیچھے رہ کر عیسائیوں اور دوسری اقوام کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتے رہے ہیں

عیسائیوں میں جن لوگوں کو مسلمانوں کا ہمدرد قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ اس فرقہ میں ایسے علماء اور درویش موجود ہیں جو تکبر و غرور سے اجتناب کرنے والے ہیں اس آیت کی تشریح میں کچھ اہل علم کا خیال ہے ان عیسائیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو حلقۂ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔

مسائل

۱۔ یہودی اور مشرک مومنوں کے سخت ترین دشمن ہیں۔

۲۔ نصاریٰ مومنین کے ساتھ محبت کرنے میں قریب تر ہیں۔

۳۔ نصاریٰ میں عبادت گزار، عالم و زاہد اور تکبر سے اجتناب کرنے والے لوگ ہیں۔

تفسیر بالقرآن

یہود اور مشرکین مسلمانوں کے بڑے دشمن ہیں:

۱۔ اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ (الممتحنة: ۱)

۲۔ مومنوں کو کفار کے ساتھ دوستی نہیں کرنی چاہیے، (ال عمران: ۲۸)

۳۔ اے ایمان والو کفار کو دوست نہ بناؤ (النساء: ۱۴۴)

۴۔ اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ (المائدة: ۵۱)

۵۔ اے ایمان والو ان کو اپنا دوست مت بناؤ جن پر اللہ کا غضب ہوا۔ (الممتحنة: ۱۳)

۶۔ اے ایمان والو ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنھوں نے تمہارے دین کو کھیل بنالیا ہے۔ (المائدة: ۵۷تا۵۸)

۷۔ اگر وہ اللہ اور اس کے نبی پر اور اللہ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان لانے والے ہوتے تو کفار کو دوست نہ بناتے۔ (المائدة: ۸۱)

۸۔ اے ایمان والو اگر تمہارے آباؤ اجداد کفر کو پسند کریں تو انہیں اپنا دوست نہ بناؤ۔ (التوبة: ۲۳)

۹۔ ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ متقین کا دوست ہے۔ (الجاثية: ۱۹)

۱۰۔ ایمان والے شیاطین کے دوست نہیں ہوا کرتے۔ (الاعراف: ۲۷)

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ

اور جب سنا انہوں نے | جو | نازل کیا گیا | طرف | رسول | آپ دیکھیں گے | ان کی آنکھیں

تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ

بہہ پڑتی ہیں | سے | آنسو | جو | انہوں نے پہچانا | سے حق | وہ کہتے ہیں

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۸۳ وَمَا لَنَا

ہمارے رب ہم ایمان لائے | تو ہم کو لکھ لے | ساتھ | گواہی دینے والے | اور کیا | ہمارے لیے

لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ

نہ ہم ایمان لائیں | ساتھ اللہ | اور جو | آیا ہمارے پاس | سے حق | اور ہم چاہتے ہیں | یہ کہ

”اور جب سنا انھوں نے جو رسول کی طرف نازل کیا گیا ہے آپ دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ پڑتی ہیں کیونکہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے سو ہمیں شہادت دینے والوں کے ساتھ لکھ لیں۔ (۸۳) اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ اور اس پر ایمان نہ لائیں جو حق میں سے ہمارے پاس آیا ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ

فہم القرآن

ربط کلام: پہلی آیت میں یہودیوں کے مقابلہ میں عیسائیوں کی نرمی کی بات کی گئی تھی۔ اب اس کا عملی ثبوت پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ یہ مسئلہ بھی سمجھا دیا کہ تکبر سے اجتناب اور اللہ کے خوف کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی قرآن مجید کی تلاوت سنے تو حق کو پہچانتے ہوئے اپنے رب سے عاجزانہ درخواست کرے کہ اسے اس کا رب توحید اور حق کی شہادت دینے والوں میں شامل فرمائے۔

مکہ معظمہ میں جوں جوں اسلام کی ترویج ہو رہی تھی۔ اسی رفتار سے اہل مکہ کے جور واستبداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا ان کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر نبوت کے پانچویں سال مسلمانوں کے ۸۳ آدمی اور ۱۸ عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا۔ ان کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے امید ظاہر فرمائی کہ اللہ تعالیٰ یقیناً تمھیں وہاں امن وسکون سے نوازے گا۔ کیونکہ حبشہ کا حکمران منصف مزاج انسان ہے۔ چنانچہ ستم رسیدہ لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے لیکن اہل مکہ نے اس اقدام کو گوارا نہ کیا۔ انھوں نے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو جو انتہائی دانشور اور سفارتی معاملات کی اونچ نیچ کو سمجھنے والے تھے گراں قدر تحائف دے کر حبشہ کے حکمران نجاشی کے پاس بھیجا۔ انھوں نے حبشہ پہنچ کر سب سے پہلے نجاشی کے وزیروں اور مذہبی رہنماؤں سے رابطہ کیا جو اس کے سب سے زیادہ قریب سمجھے جاتے تھے۔ مکی وفد کی گفتگو اور تحائف سے متاثر ہو کر ان لوگوں نے وعدہ کیا کہ جب تم نجاشی سے اپنی آمد کا مقصد بیان کر چکو تو ہم تمھاری بھرپور تائید کریں گے۔ اگلے دن مکی وفد نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس کے حضور شاہی آداب کی بجا آوری اور اپنے علاقے کے

يُدْخِلَنَا	رَبُّنَا	مَعَ	الْقَوْمِ	الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٤﴾	فَاَثَابَهُمُ	اللّٰهُ
وہ ہمیں داخل کریگا	ہمارا رب	ساتھ	قوم	صالحین	پھر بدلہ دیا ان کو	اللہ

بِمَا	قَالُوْا	جَنّٰتٍ	تَجْرِيْ	مِنْ	تَحْتِهَا	الْاَنْهٰرُ
ساتھ جو	انہوں نے کہا	باغات	چلتی ہیں	سے	ان کے نیچے	نہریں

خٰلِدِيْنَ	فِيْهَا ۭ	وَذٰلِكَ	جَزَاۗءُ	الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٥﴾	وَالَّذِيْنَ	كَفَرُوْا
ہمیشہ رہنے والے	ان میں	اور وہ	جزا	نیکی کرنے والے	اور وہ لوگ	جنہوں نے کفر کیا

وَكَذَّبُوْا	بِاٰيٰتِنَآ	اُولٰۗىِٕكَ	اَصْحٰبُ	الْجَحِيْمِ ﴿٨٦﴾
اور انہوں نے جھٹلایا	ہماری آیات کو	یہی لوگ ہیں	والے	جہنم

ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ شامل کرلے گا۔(۸۴) اللہ نے اس کے بدلے جو انہوں نے کہا انہیں ایسے باغات دیے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور یہی نیکی کرنیوالوں کی جزا ہے۔(۸۵) اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا، یہ لوگ بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالے جائیں گے۔‘‘(۸۶)

نادر تحائف پیش کرنے کے بعد اپنا مقصد اس طرح بیان کیا۔

’’اے بادشاہ! آپ کے ملک میں ہمارے کچھ ناسمجھ نوجوان بھاگ آئے ہیں۔ انہوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے۔ لیکن آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے بلکہ ایک نیا دین ایجاد کیا ہے جسے نہ ہم جانتے ہیں نہ آپ۔ ہمیں آپ کی خدمت میں انہی کی بابت ان کے والدین، چچاؤں اور کنبے قبیلے کے عمائدین نے بھیجا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ انہیں ہمارے ساتھ واپس بھیج دیں کیونکہ وہ لوگ ان پر کڑی نگاہ رکھتے ہیں اور ان کی خامی اور ناراضگی کے اسباب کو بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔‘‘ جب یہ دونوں اپنا مدعا عرض کر چکے تو اس کے مصاحبین نے کہا: ’’بادشاہ سلامت! یہ دونوں ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آپ ان جوانوں کو ان کے حوالے کر دیں ہم انہیں ان کی قوم اور ان کے ملک میں واپس پہنچا دیں گے۔‘‘ لیکن حکمران نے یکطرفہ کارروائی کرنے کے بجائے مسلمانوں کو اپنی خدمت میں پیش کرنے کا حکم دیا۔ نجاشی مسلمانوں سے سوال کرتا ہے یہ کون سا دین ہے جس بنا پر تم نے اپنے اعزاء واقارب، کاروبار اور گھر بار چھوڑ دیا ہے؟ وفد کے ترجمان حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مفصل جواب دیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم غریبوں، مسافروں اور پڑوسیوں پر ظلم کرنے والے تھے۔ ہمارے رسول نے ہمیں اس سے منع کرتے ہوئے سمجھایا کہ لوگوں پر ظلم کرنے کے بجائے ان کے معاون اور مددگار بن جاؤ۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ ہم پتھر اور لکڑی کے بنے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے تھے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ناجائز قرار دیتے ہوئے حکم دیا تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کیا کرو۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنا نظریہ اور مؤقف اتنا دلگداز طریقے سے پیش کیا کہ نجاشی نے ان کا خطاب سنتے ہی حکم صادر فرمایا کہ میں مظلوموں کو اپنے ملک میں پناہ دیتا ہوں۔ اس ناکامی پر مکی وفد نے آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے اگلے دن نجاشی کو یہ

باور کرانے کی کوشش کی کہ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی یہ کہہ کر توہین کرتے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کا بندہ، رسول اور فقط ابن مریم ہے۔ قریب تھا عمرو بن عاص کا یہ حربہ کارگر ثابت ہوتا لیکن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۃ مریم کی آیات ایسے رقت آمیز لہجے میں تلاوت کیں کہ جس سے شاہی دربار میں ایک سماں پیدا ہوا۔ شاہِ حبشہ نے کہا کہ قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں جو کچھ فرمایا ہے یہی حق ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس میں کوئی توہین نہیں پائی جاتی۔ اس طرح مسلمانوں کو سکون ملا اور مکہ کا وفد ناکام لوٹا۔ اس واقعہ کے کئی سال بعد حبشہ سے ستر زعماء پر مشتمل رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عیسائیوں کا وفد آیا جب یہ لوگ اسلام کے بارہ میں نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر رہے تھے تو آپ نے ان کے سامنے سورۃ یٰسٓ کی تلاوت فرمائی سنتے ہی وفد کی آنکھوں سے چھم چھم آنسو بہنے لگے وہ جوں جوں قرآن مجید کی تلاوت سن رہے تھے زاروقطار رونے کے ساتھ اس بات کا اقرار کر رہے تھے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو حق سمجھ کر پہچان لیا ہے۔ ہماری اس کے حضور عاجزانہ التجا ہے کہ وہ ہمیں حق کی شہادت دینے والوں میں شامل فرمالے۔ حق پہچان لینے کے بعد ہمارے پاس اب کوئی حُجّت نہیں کہ ہم حق کا انکار کریں لہٰذا ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں اپنے نیک بندوں میں شمار فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا ایمان قبول کرتے ہوئے ان کے ساتھ ہمیشہ رہنے والی جنت کا وعدہ فرمایا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں محسنین کے لیے ایسا ہی بدلہ تیار کیا گیا ہے۔ ان کے مقابلے میں جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر و تکذیب کا رویہ اختیار کریں گے انھیں دہکتی ہوئی جہنم میں جھونکا جائے گا۔

مسائل

۱۔ حق جان لینے کے بعد اسے مان لینا چاہیے۔ ۲۔ حق کی گواہی دینا باعثِ نجات ہے۔ ۳۔ نیک لوگوں کی صحبت کی دعا کرنی چاہیے
۴۔ شریعت الٰہی پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائے گا۔ ۵۔ اللہ کی آیات کا انکار کرنے والے جہنم میں جائیں گے۔
۶۔ اللہ کے بندے قرآن مجید سن کر رو پڑتے ہیں۔ ۷۔ نیکوں کو ان کی نیکی اور بُروں کو ان کی برائی کی پوری پوری جزاء وسزا ملے گی۔

تفسیر بالقرآن

ایمان قبول کرنے والوں کی دعائیں:

۱۔ فرعون کی مومنہ بیوی کی ظلم سے نجات کی دعا۔ (التحریم:۱۱) ۲۔ جادوگروں کی ایمان کے بعد صبر اور ثابت قدمی کی دعا۔ (الاعراف:۱۲۰ تا ۱۲۶)

۳۔ ایمان لانے کے بعد طرح طرح کے ادعیہ ماثورہ کا ذکر۔ (البقرۃ:۲۸۵ تا ۲۸۶)

۴۔ ہمارے رب ہم نے ایمان کی دعوت قبول کی تو ہماری خطاؤں کو معاف فرما۔ (آل عمران:۱۹۳ تا ۱۹۴)

۵۔ اے رب ہمارے! ہمیں اور ہمارے مومن بھائیوں کو معاف فرما۔ (الحشر:۱۰)

۶۔ جب طالوت اور جالوت کے لشکر بالمقابل ہوئے تو انھوں نے کہا اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر نازل فرما اور ہمیں ثابت قدم فرما اور کافروں کی قوم پر ہماری مدد فرما۔ (البقرۃ:۲۵۰)

۷۔ وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب بے شک ہم ایمان لائے ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔ (آل عمران:۱۶)

يٰۤاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	لَا	تُحَرِّمُوْا	طَيِّبٰتِ	مَاۤ	اَحَلَّ	اللّٰهُ
اے	وہ لوگو	وہ ایمان لائے	نہ	تم حرام کرو	پاک چیزیں	اس نے جو	حلال کیں	اللہ
لَكُمْ	وَلَا	تَعْتَدُوْا	اِنَّ	اللّٰهَ	لَا	يُحِبُّ	الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾	
تمہارے لیے	اور نہ	تم زیادتی کرو	بیشک	اللہ	نہیں	وہ پسند کرتا	حد سے بڑھنے والے	
وَكُلُوْا	مِمَّا	رَزَقَكُمُ	اللّٰهُ	حَلٰلًا	طَيِّبًا	وَّاتَّقُوا		
اور کھاؤ	اس سے جو	رزق دیا تم کو	اللہ	حلال	پاکیزہ	اور تم ڈرو		
اللّٰهَ	الَّذِيْۤ	اَنْتُمْ	بِهٖ	مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾				
اللہ	وہ	تم ہو	اسکے ساتھ	ایمان لانے والے				

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اُن پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ ٹھہراؤ جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں اور نہ حد سے بڑھو بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ (۸۷) اور اللہ نے تمہیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے حلال، طیب کھاؤ اور اللہ سے ڈرو جس کے ساتھ تم ایمان لانے والے ہو۔“ (۸۸)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر و تکذیب کا رویہ اختیار کرنے کی وجہ سے لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ اے صاحب ایمان لوگو! تم اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو اپنی مرضی سے حرام کر کے زیادتی کے مرتکب نہ ہو جانا، زیادتی کرنے والے اور حد سے بڑھنے والے لوگ عملاً کفر و تکذیب کرنے والے ہوتے ہیں۔

اس آیت میں بنیادی حکم یہ دیا گیا ہے کہ مومنوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حلال اور طیّب چیزوں کو من مرضی سے حرام قرار دیں۔ حرام و حلال کی تاریخ دیکھی جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ لوگوں نے لذت نفس کی خاطر اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دیا اور کچھ لوگوں نے تقویٰ اور نیکی کے حصول کے لیے حلال کو حرام ٹھہرایا۔ جس طرح کہ بعض صوفیائے کرام، ہندو پنڈت، جوگی، بدھ مت کے پیروکار اور عیسائیوں میں بعض پادریوں نے من ساختہ نیکی کے حصول کے لیے لذات سے اجتناب اور تارک الدّنیا ہونے کا عقیدہ اختیار کیا۔ دین اسلام نے اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دی کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دیں اور حدود اللہ سے تجاوز کر جائیں۔ یاد رہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک موقع پر یوں فرمایا ہے کہ ہر حکومت کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اگر کوئی شخص اپنے مویشی سرکاری چراگاہ کی حدود کے قریب لے جائے گا تو خطرہ ہے کہ کسی وقت بھی اس کے جانور چراگاہ میں داخل ہو جائیں۔ احتیاط اور تقویٰ کی بات یہ ہے کہ کسی گلہ بان کو اپنا ریوڑ سرکاری چراگاہ کے قریب نہیں لے جانا چاہیے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ کے حرام و حلال کے ضابطوں کے اندر رہ کر زندگی بسر کرنا ہی تقویٰ ہے۔ اس سے صوفیائے کرام کے اس نظریے کی تردید ہوتی ہے جنھوں نے خدا کی معرفت حاصل کرنے کے لیے اس کی نعمتوں کو ترک کرتے

ہوئے نفس کشی کا رویہ اختیار کیا حالانکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ صحت مند مومن کمزور مومن سے بہتر ہے۔ البتہ طبعی کراہت یا پرہیز کی خاطر کسی چیز کو ترک کرنا حرام کے زمرے میں نہیں آتا ہے بشرطیکہ آدمی خدا کی حلال کردہ چیز کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھتا ہو۔ اگر کسی کو حقیقی ایمان نصیب ہو تو یہ بات سمجھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ اسی میں تقویٰ اور تزکیہ نفس ہے۔

”حضرت عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں انھوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو فرماتے سنا کہ نبی اکرم ﷺ سے سانڈھے (گوہ) کے متعلق پوچھا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اس کو کھاتا ہوں نہ اس کو حرام کرتا ہوں۔“

((عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رضی اللہ عنہ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لَا يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ)) [رواہ البخاری: كتاب الايمان، باب فضل من استبرألدينه]

”حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول معظم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے دونوں کے درمیان متشابہ چیزیں ہیں ان کو لوگوں کی اکثریت نہیں جانتی ہے جو کوئی متشابہ چیزوں سے بچے گا س نے اپنا دین اور عزت محفوظ کر لی۔“

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ....قَالَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ)) [رواہ مسلم: كتاب الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ایمان والو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں، پھر آپ ﷺ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبے سفر کی وجہ سے پراگندہ بالوں کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف پھیلاتا ہے اے میرے رب! اے میرے رب! کہتا ہے اُس کا کھانا پینا حرام، اُس کا لباس بھی حرام اور اُس کا سامان بھی حرام مال کا ہے تو اس کی دعا کیسے قبول ہوگی۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام نہیں گردانا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ پاکیزہ چیزیں ہی کھانی چاہییں۔ ۴۔ تقویٰ ہی مومنین کو اعتدال وفرمانبرداری کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا:

۱۔ زیادتی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ (البقرۃ:۱۹۰)
۲۔ اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (آل عمران:۵۷)
۳۔ اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (المائدۃ:۶۴) ۴۔ اسراف کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ (الانعام:۱۴۱)
۵۔ خیانت کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ (انفال:۵۸) ۶۔ تکبر کرنے والے کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ (النحل:۲۳)

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا

نہیں پکڑے گا تمہیں اللہ ساتھ فضول کے میں تمہاری قسموں اور لیکن وہ پکڑے گا تم کو ساتھ اسکے جو

عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا

تم نے پختہ کیں قسمیں اس کا کفارہ کھانا کھلانا دس مساکین کو سے درمیانہ درجہ جو

تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ

تم کھلاتے ہو اپنے اہل کو یا انہیں کپڑے پہنانا ہے یا آزاد کرنا گردن کو پھر جو نہ وہ پائے پھر روزے

ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَیْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا

تین دن (جمع) یہ کفارہ تمہاری قسموں کا جب تم قسمیں اٹھاؤ اور حفاظت کرو

اَیْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۸۹

اپنی قسموں کی اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے اپنی نشانیاں تاکہ تم شکر کرو

’’اللہ تمہاری لغو قسموں پر مؤاخذہ نہیں کرتا۔ لیکن تمہارا ان قسموں پر مؤاخذہ کرتا ہے جو تم نے پختہ ارادے سے کھائیں ہیں۔ اس قسم کا کفارہ درمیانے درجے کا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا انہیں کپڑے پہنانا، یا ایک گردن آزاد کرنا، جو یہ نہ کر پائے تو اسے تین دن کے روزے رکھنا ہے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا لو اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو۔‘‘ (۸۹)

فہم القرآن

ربط کلام: جس طرح اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام ٹھہرانا ناجائز ہے اس طرح اللہ کے عظیم نام کو غلط استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا انسان پر یہ بھی کرم ہے کہ وہ اپنے نام کو بے وجہ استعمال کرنے کے باوجود اس پر گرفت نہیں کرتا۔ لغو کا معنی بے ہودہ، بے وجہ اور بلا ارادہ ہے۔ البتہ لغو کام اور بات سے منع کیا گیا ہے۔ عزم اور شعوری طور پر اٹھائی ہوئی قسم پر مؤاخذہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عظیم اور مقدس نام کی لاج رکھنا مسلمان پر فرض ہے۔ انسان کی جبلت میں یہ بات شامل ہے کہ جب اپنی بات کو مؤثر اور مضبوط کرنا چاہتا ہے تو شواہد اور دلائل کے ساتھ کسی عزیز یا محترم چیز کی قسم اٹھایا کرتا ہے تاکہ سننے والا اس کی بات پر اعتماد اور یقین کرلے۔ اس لیے ہر دور کے مشرک اپنے باطل خداؤں کی قسمیں اٹھایا کرتے ہیں۔ نبی محترم ﷺ نے اس طریقۂ گفتگو کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا کہ بلاوجہ قسمیں اٹھانے سے پرہیز کرنا چاہیے اور اگر قسم اٹھانا ناگزیر ہو تو غیر اللہ کی قسم اٹھانے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھانا چاہیے۔ دوسری طرف آپ ﷺ نے اس بات کو بہت ہی برا جانا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے مقدس نام کو دنیاوی فائدے اور محض ڈھال کے طور پر استعمال کرے۔ قسم اٹھانا درحقیقت اللہ تعالیٰ کو گواہ بنانے کے مترادف ہے اس لیے آدمی کو حتی المقدور کوشش کرنی چاہیے کہ وہ منہ سے نکلی ہوئی قسم اور بات کی پاسداری کرے قسم کے لیے یمین کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا معنی دایاں ہاتھ ہے۔ پہلے

وقتوں میں لوگ حلف اٹھاتے وقت ایک دوسرے کا دایاں ہاتھ پکڑ لیا کرتے تھے جس سے قسم اُٹھانے والا اپنی بات کو قوی اور مؤکد کیا کرتا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ لغو قسموں سے مراد ایسی قسمیں ہیں جو انسان تاکید کلام کے طور پر کہتا ہے جیسے لا واللہ۔ وغیرہ (رواہ البخاری: کتاب التفسیر)

کفّارہ کا لفظ کفر سے مشتق ہے کفر کا ایک معنی ستر ڈھانپنا ہے۔ قسم توڑنے کی وجہ سے جس گناہ کا ارتکاب ہوتا ہے کفارہ اس گناہ کو ڈھانپ دیتا ہے۔ قسم کا کفارہ درج ذیل میں سے کوئی ایک ہے۔

۱۔ دس غریب لوگوں کو کھانا کھلانا۔ ۲۔ دس آدمیوں کو لباس پہنانا۔ ۳۔ غلام آزاد کرانا۔ ۴۔ تین روزے رکھنا۔

((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّ اللّٰہَ یَنْھٰکُمْ اَنْ تَحْلِفُوْا بِاٰبَآئِکُمْ مَنْ کَانَ حَالِفًا فَلْیَحْلِفْ بِاللّٰہِ اَوْلِیَصْمُتْ))[رواہ البخاری: کتاب الشھادات، باب کیف یستحلف]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی بیان کرتے ہیں: رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے منع کرتا ہے کہ تم اپنے باپ دادا کے نام کی قسمیں کھاؤ۔ جسے قسم اٹھانی ہو وہ اللہ کے نام کی قسم اٹھائے یا خاموش رہے۔''

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِیْ حَلْفِہٖ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰی فَلْیَقُلْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِہٖ تَعَالَ اُقَامِرْكَ فَلْیَتَصَدَّقْ)) [رواہ البخاری: کتاب التفسیر،باب افرایتم اللات والعزی]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جس نے لات وعزیٰ کی قسم کھائی وہ دوبارہ لا الٰہ الا اللہ پڑھے اور جس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ آؤ جوا کھیلیں، وہ صدقہ کرے۔''

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ آدمی کے بہترین اسلام کی نشانی یہ ہے کہ وہ فضول یعنی لاحاصل باتوں کو چھوڑ دے۔''[رواہ الترمذی: کتاب الزھد،]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمھاری وہی قسم قابل اعتماد ہوگی جس کی تصدیق قسم لینے والا کرے گا اور عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمھاری تصدیق تمھارا ساتھی کرے گا۔''[رواہ مسلم: باب یمین الحالف علیٰ نیة المستحلف]

مسائل

۱۔ لغو قسموں سے احتراز کرنا چاہیے۔ ۲۔ قسم پوری ذمہ داری کے ساتھ اٹھانی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

قسم کے مسائل:

۱۔ قسموں کو پورا کرنے کا حکم ہے۔(النحل:۹۱تا۹۴) ۲۔ صدقہ نہ کرنے پر قسم کھانا منع ہے۔(النور:۲۲تا۲۴)

۳۔ بلا ارادہ اٹھائی جانے والی قسموں پر مؤاخذہ نہیں ہوگا۔(البقرۃ:۲۲۵)

۴۔ ڈھال کے طور پر اللہ کی قسم نہیں کھانا چاہیے۔(البقرۃ:۲۲۴)

۵۔ اللہ کے عہد اور قسموں کے ذریعے مال کمانے والوں کو عذاب الیم ہے۔(آل عمران:۷۷)

يَاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْٓا	اِنَّمَا	الْخَمْرُ	وَالْمَيْسِرُ	وَالْاَنْصَابُ
اے	وہ لوگو	جو ایمان لائے	یقیناً	شراب	اور جوا	اور فال نکالنا
رِجْسٌ	مِّنْ عَمَلِ	الشَّيْطٰنِ	فَاجْتَنِبُوْهُ	لَعَلَّكُمْ	تُفْلِحُوْنَ ۝۹۰	
پلید	سے عمل	شیطان	تو تم بچو اس سے	تا کہ تم	تم کامیاب ہو جاؤ	
اِنَّمَا يُرِيْدُ	الشَّيْطٰنُ	اَنْ يُّوْقِعَ	بَيْنَكُمُ	الْعَدَاوَةَ	وَالْبَغْضَآءَ	
بیشک ارادہ کرتا ہے	شیطان	یہ کہ وہ ڈال دے	تمہارے درمیان	دشمنی	اور بغض	
فِي	الْخَمْرِ	وَالْمَيْسِرِ	وَيَصُدَّكُمْ	عَنْ	ذِكْرِ اللّٰهِ	وَعَنِ
میں	شراب	اور جوا	اور وہ روک دے تم کو	سے	ذکر اللہ	اور سے
الصَّلٰوةِ	فَهَلْ	اَنْتُمْ	مُّنْتَهُوْنَ ۝۹۱			
نماز	تو کیا	تم ہو	باز آنے والے			

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! یقیناً شراب اور فال نکالنا شیطان کے گندے کاموں سے ہیں اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔(۹۰) شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے کیا تم باز آنے والے ہو؟''(۹۱)

فہم القرآن

ربط کلام: جس طرح اللہ تعالیٰ کے نام کا تقدس ہے کہ اسے ناجائز استعمال نہیں کرنا اسی طرح اس کے حکم کا تقاضا ہے کہ شراب اور شیطانی کاموں کو چھوڑ دیا جائے۔

سورۃ البقرۃ کی تشریح میں بتایا گیا ہے کہ عربی میں ہر اُس چیز کو خمر کہتے ہیں جو دوسرے پر پردہ ڈال دے۔ اسی مناسبت سے عورتوں کی اوڑھنیوں کو بھی قرآن مجید میں خمر کہا گیا ہے (سورۃ النور:۳۱) کیونکہ عورت اس سے اپنا سر، چہرہ اور جسم ڈھانپتی ہے شراب کو خمر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ آدمی کی عقل و فکر پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ اسلام کے دوسرے ضابطوں اور قوانین کی طرح شراب کے حکم امتناعی کی تکمیل بھی تدریجاً ہوئی ہے۔ شراب کی جسمانی اور اخلاقی قباحتوں کی وجہ سے اسے مطلقاً حرام قرار دیا گیا ہے۔ شراب کا عادی شخص اپنی عمر سے کہیں پہلے بوڑھا ہو جاتا ہے آدمی شراب پی کر ایسی حرکات کرتا اور خرافات بکتا ہے کہ جس کا صحیح حالت میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس لیے شراب کسی بھی مذہب میں جائز قرار نہیں دی گئی۔

شراب کے بارے میں دور حاضر کے ڈاکٹر بھی اس بات پر متفق ہیں کہ اس کے فائدے نہایت عارضی اور معمولی ہیں لیکن روحانی، جسمانی، اخلاقی، معاشرتی اور معاشی نقصان لامحدود اور ناقابل تلافی ہیں۔

رسول معظم ﷺ نے شراب کو علاج کے طور پر استعمال کرنے سے منع ہی نہیں فرمایا ہے بلکہ اسے بیماری قرار دیتے

ہوئے ابتدا میں اس کے لیے استعمال ہونے والے برتنوں سے بھی منع فرما دیا۔

((أَنَّ طَارِقَ بْنَ سُوَيْدٍ الْجُعْفِيَّ رضی اللہ عنہ سَأَلَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْخَمْرِ فَنَهَاهُ أَوْ كَرِهَ أَنْ يَصْنَعَهَا فَقَالَ إِنَّمَا أَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ فَقَالَ إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلَكِنَّهُ دَاءٌ))[رواہ مسلم: کتاب الاشربہ، باب تحریم التداوی بالخمر]

''طارق بن سوید جعفی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے متعلق سوال کیا تو آپ نے اسے پینے سے منع کیا یا ناپسند کیا تو اس نے کہا کیا میں اسے بطور دوا استعمال کرسکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا یہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔''

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْخَمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْكُوبَة وقال كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ))[رواہ احمد]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے تم پر شراب، جوا اور شترنج کو حرام کردیا ہے مزید فرمایا ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔''

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ)) [رواہ الترمذی: باب الاشربہ]

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس چیز کی کثیر مقدار حرام ہو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہوتی ہے۔''

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْخَمْرِ عَشْرَةً عَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وشاربها وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُولَةُ إِلَيْهِ وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَآكِلَ ثَمَنِهَا وَالْمُشْتَرِي لَهَا وَالْمُشْتَرَاةُ لَهُ))[رواہ الترمذی: کتاب البیوع، باب النهی ان یتخذ الخمر خلا]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے متعلق دس آدمیوں پر لعنت کی ہے۔
۱۔ شراب نچوڑنے والا ۲۔ نچڑوانے والا ۳۔ لینے والا ۴۔ اٹھانے والا ۵۔ جس کے لیے لے جائی جائے۔
۶۔ پلانے والا ۷۔ بیچنے والا ۸۔ اس کی قیمت کھانے والا ۹۔ خریدنے والا ۱۰۔ جس کے لیے خریدی جائے۔''

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَجَلَدَهُ بِجَرِيدَتَيْنِ نَحْوَ أَرْبَعِينَ قَالَ وَفَعَلَهُ أَبُو بَكْرٍ فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ اسْتَشَارَ النَّاسَ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ أَخَفَّ الْحُدُودِ ثَمَانِينَ فَأَمَرَ بِهِ عُمَرُ رضی اللہ عنہ))
[رواہ مسلم: کتاب الحدود، باب حد الخمر]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے شراب پی ہوئی تھی۔ آپ نے اسے دو چھڑیوں سے چالیس ضربیں لگائیں۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں بھی ایسا ہی کیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا تو انھوں نے اس بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سب حدوں میں سے ہلکی حد اسّی کوڑے ہیں۔ (یعنی حد قذف جو قرآن میں مذکور ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شرابی کے لیے اسّی کوڑوں کی حد کا حکم دیا۔''

میسر: ہر وہ عقد جس کی رو سے ہارنے والا جیتنے والے کو ایک معین اور پہلے سے طے شدہ رقم ادا کرے اس کو میسر کہتے ہیں، یہ ''یسر'' سے ہے جس کا معنی آسانی ہے۔ اسے عرف میں جوا کہتے ہیں جوئے کے ذریعے جیتنے والے فریق کو ہارنے والے

فریق کی رقم آسانی سے مل جاتی ہے۔اس لیے اس کو میسر کہتے ہیں۔

ازلام: تیروں کی شکل میں پتلی پتلی لکڑیاں، ان سے زمانۂ جاہلیت میں قسمت کا حال اور شگون لیا کرتے اور فال نکالتے تھے۔جس کے ہر دور میں کئی طریقے اختیار کیے جاتے رہے ہیں جیسا کہ آج کے زمانے میں طوطے کو سکھلا کر اس سے کاغذ کی پرچیاں اٹھوائی جاتی ہیں۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا قَدِمَ أَبٰى أَنْ يَدْخُلَ الْبَيْتَ وَفِيهِ الْآلِهَةُ فَأَمَرَ بِهَا فَأُخْرِجَتْ فَأَخْرَجُوا صُورَةَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ فِي أَيْدِيهِمَا الْأَزْلَامُ فقال رسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمُوا أَنَّهُمَا لَمْ يَسْتَقْسِمَا بِهَا قَطُّ فَدَخَلَ الْبَيْتَ فكبَّرَ فِي نواحيه ولَمْ يُصلِّ فِيهِ))

[رواه البخاري: كتاب الحج ، باب من كبر في نواحي الكعبة]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بلا شبہ جب رسول معظم ﷺ حرم میں آئے تو کعبہ میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ وہاں بت رکھے ہوئے تھے۔آپ ﷺ نے انہیں نکالنے کا حکم دیا۔ان کو نکال دیا گیا۔ لوگوں نے حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے مجسمےجن کے ہاتھوں میں تیر تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو برباد کرے اللہ کی قسم! یہ جانتے تھے کہ یہ ان کی قسمت کا حال کبھی نہیں بتا سکتے۔تب نبی اکرم ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے آپ نے اس کے کونوں میں تکبیر کہی اور وہاں نماز نہ ادا کی۔''

انصاب: بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر جن کی عبادت کی جاتی تھی اور بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان پر جانور ذبح کیے جاتے تھے۔(المفردات ج ۲ ص: ۶۳۸)

رجس: جو چیز حسًا یا معنًا گندی اور ناپاک ہو، انسان کی طبیعت اس سے گھن کھائے یا عقل اس کو برا جانے یا شریعت نے اس کو ناپاک قرار دیا ہو وہ رجس اور حرام ہے۔

مسائل

۱۔ شراب، جوا، وغیرہ شیطانی کام ہیں۔۲۔ شیطانی کاموں سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۳۔ دنیا و آخرت کی کامیابی برے کاموں سے بچنے میں ہے۔۴۔ شیطان اپنے افعال سے مسلمانوں کو باہم لڑاتا ہے۔

۵۔ شراب اور جوا نماز اور ذکر الٰہی سے روکتے ہیں

تفسیر بالقرآن

شراب کے مسائل:

۱۔شراب کا نقصان فائدہ سے زیادہ ہے۔(البقرۃ:۲۱۹) ۲۔ شراب پینا شیطانی عمل ہے۔(المائدۃ:۹۰)

۳۔شراب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکتی ہے۔(المائدۃ:۹۱) ۴۔شراب حرام ہے اس کے پینے سے بچنا چاہیے۔(المائدۃ:۹۰)

وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاحۡذَرُوۡا ۚ فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ

اورتم اطاعت کرو اللہ اوراطاعت کرو رسول اورتم ڈرو پس اگر تم پھر گئے

فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۹۲﴾ لَيۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ

تو جان لو یقیناً پر ہمارا رسول پہنچا دینا واضح نہیں پر وہ لوگ

اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيۡمَا طَعِمُوۡۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ

جو ایمان لائے اور عمل کیے نیک کوئی گناہ اس میں جو وہ کھا چکے جب وہ پرہیز کریں اور

اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوۡا ثُمَّ

وہ ایمان لائیں اور عمل کریں نیک پھر وہ ڈر جائیں اور ایمان لائیں پھر

اتَّقَوْا وَّاَحۡسَنُوۡا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۹۳﴾ ع ۱۲/۲

وہ ڈر جائیں اور نیکی کرو اور اللہ پسند کرتا ہے نیکی کرنے والے

”اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور ڈرو اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ واضح طور پر پہنچا دینا ہے (۹۲) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو کھا چکے، جب متقی بنے اور ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، پھر متقی بنے اور ایمان لائے پھر متقی بنے اور نیکی کی اور اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“ (۹۳)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ اور اس کے رسول نے خمر، جوئے اور دیگر محرمات سے اجتناب کا حکم دیا ہے۔ اس حکم پر عمل کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی سے بچو۔

قرآن مجید نے بارہا اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ رسول کی ذمہ داری فقط یہ ہے کہ وہ اپنے رب کے پیغام من وعن لوگوں تک پہنچائے اور اس پر خود عمل کر کے اپنے آپ کو نمونہ کے طور پر پیش کرے۔ تاکہ لوگوں کے لیے کوئی حجت باقی نہ رہے۔ یہاں یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ممنوعات سے بچنا اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا ہے۔

اس بات کو اس طرح بھی بیان فرمایا جو کچھ تمہیں رسول دیتا ہے اسے قبول کرو اور جس سے روکتا ہے اس سے رک جاؤ کیونکہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ یہاں ماضی کے حوالے سے ایک استفسار کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ جب شراب حرام ہونے کا حکم نازل ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا اے اللہ کے رسول! ہمارے ان بھائیوں کا کیا حال ہوگا جو شراب پیتے تھے اور اسی دور میں فوت ہو گئے اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (مسند احمد)

اس فرمان میں تقویٰ، ایمان اور عمل صالح کو لازم ملزوم قرار دیا کیونکہ تقویٰ کے بغیر ایمان قابل قبول نہیں اور ایمان

صالح اعمال کے بغیر آدمی کو خاطر خواہ فائدہ نہیں دیتا۔ پہلی مرتبہ تقویٰ اور ایمان کے بعد صالح اعمال کا ذکر کیا ہے اور دوسری مرتبہ ایمان کو تقویٰ سے مقدم رکھتے ہوئے صالح اعمال کی جگہ ”اَحْسَنُوْا“ کا لفظ استعمال فرما کر محسنین کو اپنی محبت کا یقین دلایا ہے۔ احسان کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ ہر کام اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے۔ حقیقتاً عمل صالح ہوتا وہی ہے جس میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو۔ اور اسے اس جذبہ کے ساتھ بجالایا جائے گویا کہ انسان اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر اس کی منشا کے مطابق عمل کررہا ہے۔ جب کسی کام کی ادائیگی میں یہ جذبہ اور تخیل پیدا ہو جائے تو نہ صرف نیکی کرنے میں ذوق شوق پیدا ہوتا ہے بلکہ اس انداز سے نیکی کرنے والا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور محبت کی لذت محسوس کرتا ہے۔ اس طرح اسے دنیا میں ہی رب کریم کی محبت کا کیف محسوس ہوتا ہے۔ اور یہ نیکی کی قبولیت کا واضح ثبوت ہے۔

کچھ مفسرین نے تقویٰ اور ایمان کے تکرار کے بارے میں لکھا ہے کہ اس تکرار سے مراد تقویٰ اور ایمان میں مبالغہ مقصود ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ تقویٰ اور ایمان کی تکرار سے اس کے مختلف درجات مراد ہیں۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا نَادٰی جِبْرِیلَ إِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ فَیُحِبُّهُ جِبْرِیلُ فَیُنَادِی جِبْرِیلُ فِی أَهْلِ السَّمَاءِ إِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ فَیُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ یُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِی أَهْلِ الْأَرْضِ))[رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت رکھتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہوئے آسمان والوں کے سامنے اعلان کرتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتا ہے تو تم بھی اس سے محبت کرو اہل آسمان بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس بندے کے لیے زمین میں شرف قبولیت بخش دیا جاتا ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی اطاعت کرنی چاہیے۔ ۲۔ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اعراض نہیں کرنا چاہیے۔
۳۔ کسی بھی چیز کا حکم سامنے آجانے پر اس پر عمل کرنا چاہیے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

تقویٰ اور اس کے فائدے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے متقین کے ساتھ جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔ (الرعد:۳۵)
۲۔ صبر کرو متقین کا بہتر انجام ہے۔ (ہود:۴۹) ۳۔ متقین کے لیے جنت ہے۔ (الحجر:۴۵)
۴۔ قیامت کے دن متقین کے چہرے ہشاش بشاش ہوں گے۔ (یونس:۲۶۔۲۷)

يٰۤاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	لَيَبْلُوَنَّكُمُ	اللّٰهُ	بِشَيْءٍ مِّنَ	الصَّيْدِ
اے	وہ لوگو	وہ ایمان لائے	ضرور آزمائے گا تم کو	اللہ	کسی چیز سے	شکار
تَنَالُهٗۤ	اَيْدِيْكُمْ	وَرِمَاحُكُمْ	لِيَعْلَمَ	اللّٰهُ	مَنْ	يَّخَافُهٗ
پہنچے اس تک	تمہارے ہاتھ	اور تمہارے نیزے	تاکہ جان لے	اللہ	کون	اس سے ڈرتا ہے
بِالْغَيْبِ	فَمَنِ	اعْتَدٰى	بَعْدَ	ذٰلِكَ	فَلَهٗ	عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۹۴
غیب میں	پھر جو	وہ حد سے گزرے	بعد	وہ	اس کیلئے	عذاب دردناک
يٰۤاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	لَا تَقْتُلُوا	الصَّيْدَ	وَاَنْتُمْ	حُرُمٌ
اے	وہ لوگو	وہ ایمان لائے	نہ تم مارو	شکار	اور تم ہو	احرام میں
وَمَنْ	قَتَلَهٗ	مِنْكُمْ	مُّتَعَمِّدًا	فَجَزَآءٌ	مِّثْلُ	مَا
اور جو	جس نے اس کو مارا	تم سے	جان بوجھ کر	تو سزا	اس جیسا	جو

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تمہیں شکار میں سے کسی چیز کے ساتھ ضرور آزمائے گا جس پر تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچتے ہوں گے تاکہ اللہ جان لے کہ غیب میں اس سے کون ڈرتا ہے، تو جو اس کے بعد حد سے بڑھے اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۹۴) اے لوگو جو ایمان لائے ہو! شکار مت مارو، اس حال میں کہ تم احرام باندھے ہوئے ہو اور تم میں سے جو اسے جان بوجھ کر مارے تو بدلہ ہے اس کی مثل جو

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ: تقویٰ اور ایمان کا یہ بھی تقاضا ہے کہ احرام کی حالت میں شکار کرنے سے اجتناب کرو۔

امام ابن ابی حاتم ؒ نے تحریر کیا ہے کہ یہ آیات صلح حدیبیہ کے سال نازل ہوئیں۔ جب مسلمان عمرہ کرنے کی غرض سے مدینہ طیبہ سے نکلے تو چند لوگوں کے سوا سب نے میقات پر پہنچ کر احرام باندھا اس حالت میں مسلمانوں کو شکار کرنے سے منع کیا گیا۔ جبکہ شکار مسلمانوں کے اتنا قریب تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے جانوروں کی گردنیں دبوچ سکتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچنے کے بعد جن لوگوں نے احرام باندھا ہوا تھا انھوں نے شکار پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ کی۔ اس حکم کا تقاضا یہ بھی ہے کہ محرم شخص غیر محرم کو شکار کرنے کا اشارہ بھی نہیں کرے۔ کیونکہ اس حکم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”وہ تمہیں آزمانا چاہتا ہے کہ کون تم میں غیب کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔“ غیب سے مراد یہ نہیں کہ انسان کسی لمحہ اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ اور اس کی قدرت سے باہر ہوتا ہے۔ غائب سے مراد انسان کی ایسی خلوت ہے جب اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں دیکھتا۔ احرام کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کا

قَتَلَ	مِنَ	النَّعَمِ	يَحْكُمُ	بِهٖ	ذَوَا	عَدْلٍ
اس نے قتل کیا	سے	چوپائے	وہ فیصلہ کرے گا	اس کا	دو والے	عادل
مِّنْكُمْ	هَدْيًا	بٰلِغَ	الْكَعْبَةِ	اَوْ كَفَّارَةٌ	طَعَامُ	مَسٰكِيْنَ
تم سے	قربانی	پہنچنے والی	کعبہ	یا کفارہ	کھانا	مسکین (جمع)
اَوْ عَدْلُ	ذٰلِكَ	صِيَامًا	لِّيَذُوْقَ	وَبَالَ	اَمْرِهٖ ؕ	عَفَا
یا برابر	وہ	روزے	تاکہ وہ چکھے	سزا	اپنے کام کی	معاف کیا
اللّٰهُ	عَمَّا	سَلَفَ ؕ	وَمَنْ	عَادَ	فَيَنْتَقِمُ	اللّٰهُ
اللہ	اس سے	گزر چکا	اور جو	پھر کرے	تو انتقام لے گا	اللہ
مِنْهُ ؕ	وَ	اللّٰهُ عَزِيْزٌ	ذُو انْتِقَامٍ ﴿٩٥﴾			
اس سے	اور	اللہ غالب	انتقام لینے والا			

اس نے چوپاؤں میں سے مارا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف والے کریں بطور قربانی جو کعبہ میں پہنچنے والی ہے، یا کفارہ ہے مسکینوں کا کھانا کھلانا یا اس کے برابر روزے رکھنا تاکہ وہ اپنے کام کی سزا پائے۔ جو گزر چکا اللہ نے معاف کر دیا اور جو دوبارہ کرے تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ خوب انتقام لینے والا ہے۔'' (۹۵)

حکم سمجھ کر شکار کرنے سے بچنا اور اللہ کے منع کردہ کاموں سے رکنا ہی حقیقی ایمان اور تقویٰ ہے۔ یہاں یہ بھی انتباہ کیا کہ جو شخص خلوت میں اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہو کر اس کی نافرمانی کرتا ہے اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اسے اذیت ناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جب حدیبیہ کے سفر پر روانہ ہوئے تو میرے سوا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے احرام باندھا ہوا تھا۔ میرے ساتھیوں نے راستہ میں ایک جنگلی گدھا دیکھا اور ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔ میں اپنا جوتا سینے میں مشغول تھا لیکن انھوں نے مجھے نہیں بتلایا اگرچہ وہ چاہتے تھے کہ میں اسے دیکھ لوں۔ اچانک میں نے نظر اٹھائی تو گدھا دیکھا۔ گدھا سے مراد نیل گائے ہے۔ میں گھوڑے پر زین کس کر اس پر سوار ہوا اور جلدی میں کوڑا اور نیزہ لینا بھول گیا میں نے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے کوڑا اور نیزہ اٹھا کر پکڑا دو۔ انھوں نے کہا اللہ کی قسم! ہم اس کام میں تمھاری کچھ مدد نہیں کر سکتے۔ مجھے غصہ آیا۔ لیکن میں نے اتر کر کوڑا اور نیزہ پکڑا اور سوار ہو گیا۔ پھر میں نیل گائے پر حملہ آور ہوا اور نیزہ مار مار کر اسے روک لیا میں نے اس دوران ان سے مدد طلب کی انھوں نے میری مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر ہم سب نے اس میں سے کھایا۔ اس کے بعد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملا۔ میں نے آپ سے عرض کی کہ ہم نے ایک جنگلی گدھے کا شکار کیا ہے۔

آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کیا تم میں سے کسی نے شکار کیا یا حملہ کرنے کو کہا تھا یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا یا کسی قسم کی مدد کی تھی؟ صحابہ نے عرض کی نہیں پھر آپ نے محرم صحابہ سے فرمایا تم اسے کھا سکتے ہو۔ پوچھا کیا تمھارے پاس اس میں سے کچھ باقی ہے؟ میں نے نیل گائے کی دستی پیش کی جسے آپ نے کاٹ کر کھایا۔ (رواہ مسلم: کتاب الحج، بخاری: ابواب العمرة) مطلب یہ ہے کہ احرام کی حالت میں شکار کرنے میں کسی قسم کی مدد نہ کی ہو تو محرم اس شکار میں سے کھا سکتا ہے۔ البتہ جو شخص احرام کی حالت میں ارادۃً شکار کرے اس کا جرمانہ شکار کے برابر حلال جانور بیت اللہ کے قریب قربان کرنا ہوگا جس کا فیصلہ دو منصف مزاج مسلمان کریں گے۔ اگر اس نے نیل گائے شکار کیا ہو تو وہ اس کے برابر گائے یا بکرا قربان کرے گا۔ اگر اس سے چھوٹا جانور شکار کیا ہو تو اس کے برابر کوئی جانور ذبح کرنے کا منصف فیصلہ دیں گے اگر کوئی شخص ایسا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کا کفارہ دو مسکینوں کو کھانا کھلانا یا دو روزے رکھنا ہوں گے یہ جرمانہ اس لیے مقرر کیا گیا ہے تاکہ وہ اپنی غلطی کی سزا پائے، ہاں جو یہ حکم آنے سے پہلے ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف کرنے والا ہے جو جان بوجھ کر احرام کی حالت میں شکار کرنے کی غلطی کا اعادہ کرے گا اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بدلہ لے گا اور وہ بدلہ لینے کی ہر اعتبار سے قوت رکھتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ مومنین کے ایمان کو پرکھتا ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔
۳۔ احرام کی حالت میں شکار ممنوع ہے۔
۴۔ احرام کی حالت میں شکاری کی مدد بھی نہیں کرنا چاہیے۔
۵۔ جو مسئلہ جاننے کے باوجود احرام میں شکار کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا۔
۶۔ اللہ تعالیٰ زبردست انتقام لینے پر قادر ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ سے اس وقت بھی ڈرنا چاہیے جب کوئی نہ دیکھ رہا ہو:

۱۔ جو اللہ سے غیب میں ڈرتے ہیں ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے۔ (الملک: ۱۲)
۲۔ جو رحمان سے غیب میں ڈرتے ہیں ان کے لیے بخشش کی خوشخبری ہے۔ (یٰسٓ: ۱۱)
۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو ڈرانے والے ہیں جو اپنے رب سے غیب میں ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔ (الفاطر: ۱۸)

اُحِلَّ	لَكُمْ	صَيْدُ	الْبَحْرِ	وَطَعَامُهٗ	مَتَاعًا	لَّكُمْ وَ
حلال کیا گیا	تمہارے لیے	شکار	سمندر	اور اس کا کھانا	فائدہ	تمہارے لیے اور
لِلسَّيَّارَةِ ج	وَحُرِّمَ	عَلَيْكُمْ	صَيْدُ	الْبَرِّ	مَا	دُمْتُمْ
مسافروں کیلئے	اور حرام کیا گیا	تم پر	شکار	خشکی کا	جب تک	تم ہو
حُرُمًا ط	وَاتَّقُوا	اللّٰهَ	الَّذِيْٓ	اِلَيْهِ	تُحْشَرُوْنَ ۹۶	
احرام میں	اور ڈرو	اللہ	وہ جو	اسکی طرف	تم اکٹھے کیے جاؤ گے	

''تمہارے لیے سمندر کا شکار حلال کر دیا گیا اور اس کا کھانا بھی۔ فائدہ ہے تمہارے اور قافلے کے لیے اور تم پر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے جب تک تم احرام باندھے ہوئے ہو اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔'' (۹۶)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ:

پہلے زمانے میں بحری سفر بڑا طویل اور مشکل ہوا کرتا تھا جیسا کہ کچھ ملکوں کے لیے آج بھی یہ سفر بڑا طویل اور دشوار ہوتا ہے ان ملکوں کے لوگ کئی کئی ہفتے بحری سفر کرنے میں مجبور ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ زائر اپنے ساتھ ایک حد تک ہی زادِ راہ لے سکتا ہے۔ کبھی کبھار بحری سفر کے دوران جہاز کا اپنے راستہ سے بھٹکنے یا کسی بھنور میں مبتلا ہونے کی وجہ سے سفر کے ایام غیر معینہ مدت تک بڑھ جاتے ہیں اور پہلے زمانے میں یہ اکثر ہوا کرتا تھا کہ بادِ مخالف کی وجہ سے بحری جہاز کئی کئی دن تک ٹھہرے رہتے تھے اور بسا اوقات جہاز اپنے راستے سے کئی میل دور ہٹ جایا کرتا تھا۔ ان وجوہات کی بنا پر زادِ راہ کا ختم ہو جانا بحری سفر کا حصہ شمار کیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خاص کرم فرماتے ہوئے بحری سفر میں زائرین کعبہ کے لیے یہ رعایت بخشی کہ اگر وہ عمرہ یا حج کے لیے بحری سفر اختیار کریں تو حالت احرام میں بحری شکار کرنے، اس کے کھانے اور ذخیرہ کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔ تاہم یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اس سفر کو عبادت سمجھ کر کرنا چاہیے۔ اس اجازت کا ہرگز معنی نہیں کہ احرام کی حالت میں آدمی عبادت کا ماحول اپنانے کے بجائے شکار کی پکڑ دھکڑ میں مصروف رہے اس لیے اجازت دینے کے ساتھ ہی حکم فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے یہ سفر کرو کیونکہ بالآخر تم اس کے حضور پیش ہونے والے ہو۔

مسائل

۱۔ احرام کی حالت میں سمندری شکار حلال ہے
۲۔ خشکی کا شکار کرنا احرام کی حالت میں قطعاً جائز نہیں۔
۳۔ تمام لوگوں کو اللہ کے حضور اکٹھا ہونا ہے۔

جَعَلَ	اللّٰهُ	الْكَعْبَةَ	الْبَيْتَ	الْحَرَامَ	قِيٰمًا	لِّلنَّاسِ
اس نے بنایا	اللہ نے	کعبہ	گھر	حرمت والا	قیام کیلئے	لوگوں کیلئے
وَالشَّهْرَ	الْحَرَامَ	وَالْهَدْيَ	وَالْقَلَآئِدَ	ذٰلِكَ	لِتَعْلَمُوْٓا	اَنَّ
اور مہینے	حرمت والے	اور قربانی	اور پٹوں والے جانور	وہ	تاکہ تم جان لو	بیشک
اللّٰهَ	يَعْلَمُ	مَا	فِي السَّمٰوٰتِ	وَمَا	فِي الْاَرْضِ	وَاَنَّ
اللہ	جانتا ہے	جو	میں آسمانوں	اور جو	میں زمین	اور بیشک
اللّٰهَ	بِكُلِّ	شَيْءٍ	عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾	اِعْلَمُوْٓا	اَنَّ اللّٰهَ	شَدِيْدُ
اللہ	ہر	چیز	جاننے والا	جان لو	بیشک اللہ	سخت
الْعِقَابِ	وَاَنَّ	اللّٰهَ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾		
سزا دینے والا	اور یقیناً	اللہ	بخشنے والا	رحم والا		

”اللہ نے کعبہ کو، جو عزت والا گھر ہے لوگوں کے قیام کا باعث بنایا ہے اور حرمت والے مہینے کو اور قربانی کے جانوروں کو اور پٹے والے جانوروں کو۔ یہ اس لیے کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔(۹۷) جان لو کہ بے شک اللہ بہت سخت عذاب والا ہے اور یقیناً اللہ بے حد بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔“(۹۸)

فہم القرآن

ربط کلام: احرام کی حالت میں تمہیں شکار سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ اللہ کے گھر کا مقام اور احترام کا یہی تقاضا ہے جس کا تمھیں خیال رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ نے اسے امن وسکون کا گہوارا بنایا ہے۔

لفظ کعبہ کا معنی بیان کرتے ہوئے معارف القرآن کے مؤلف مفتی شفیع مرحوم لکھتے ہیں کہ عربی میں کعبہ ایسی عمارت کو کہتے ہیں جو چوکور ہو یعنی جو چار کونوں پر استوار اور اونچی جگہ پر ہو پھر ان کا بیان ہے کہ عرب میں کعبہ کے نام پر خثعم قبیلہ کی ایک عمارت تھی جسے کعبہ یمانیہ کہا جاتا تھا۔ قرآن مجید نے اس مغالطے سے بچانے کے لیے کعبہ کے ساتھ بیت الحرام کی تخصیص فرمائی ہے جو لوگوں کے لیے باعث قیام ٹھہرایا گیا ہے۔ بیت اللہ لوگوں کے لیے باعث قیام اس لیے ہے کہ جب تک لوگ اس کا احترام اور اس جانب منہ کر کے نماز پڑھتے رہیں گے اُسی وقت تک ہی یہ دنیا قائم رہے گی۔ جب لوگ کعبہ کی طرف منہ کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ دیں گے تو دنیا کو نیست ونابود کر دیا جائے گا۔

”اَلنَّاس“ کے مفسرین نے تین مفہوم بیان کیے ہیں:

۱۔ مکہ معظمہ اور اس کے آس پاس میں رہنے والے لوگ۔ ۲۔ حج اور عمرہ کے لیے بیت اللہ تک پہنچنے والے زائرین۔ ۳۔ پوری دنیا کے لوگ۔

اس آیت میں بیت اللہ کے ساتھ چار حرمت والے مہینے یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب اور حج وعمرہ کے موقع پر کی جانے

والی قربانیاں اوراس کے علاوہ وہ جانور بھی محترم قرار دیے گئے ہیں جنھیں عرب بیت اللہ کے لیے وقف کرتے ہوئے ان کے گلے میں کسی قسم کا ہار ڈال دیا کرتے تھے۔ بعض مفسرین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ کچھ لوگ بیت اللہ کی زیارت کا سفر باندھتے تو اپنے گلے میں کوئی ہار ڈال لیا کرتے تھے تاکہ ہر قسم کی زیادتی سے مامون ہو جائیں۔ بیت اللہ کی حرمت و برکت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ یہ محرمات اس لیے مقرر کیے گئے ہیں تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی وجہ سے تمھیں کس قدر عزت و تکریم اور اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمھاری ضروریات کا خیال رکھا ہے۔ اس کا تمھیں احساس ہونا چاہیے کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے کیونکہ وہ زمین و آسمان کے چپے چپے اور ذرّے ذرّے سے واقف ہے اور تمھیں یہ بھی اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو شدید ترین عذاب دینے والا اور تابع فرمان لوگوں کی کوتاہیوں کو معاف کرنے والا اور ان پر رحم کرنے والا ہے۔

"حضرت انس ؓ فرماتے ہیں بے شک رسول معظم ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہنے والے لوگ ہیں۔" [رواہ مسلم: کتاب الایمان]

قرآن مجید نے سورۃ آل عمران آیت ۹۶ میں بیان کیا ہے کہ سب سے پہلے جو گھر معرض وجود میں آیا وہ بیت اللہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے مبارک اور ہدایت کا مرکز قرار دیا ہے۔ نبی مکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے قریب حبشہ کا ایک آدمی جس کی پنڈلیاں عام لوگوں سے لمبی ہوں گی بیت اللہ کو شہید کرے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جب تک بیت اللہ ہے اس وقت دنیا قائم رہے گی۔

بیت اللہ کا لوگوں کے لیے باعث قیام ہونے کا یہ مفہوم بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی برکت کی وجہ سے اس کی زیارت کرنے والوں کو حفظ وامان سے نوازا ہے اور بے آب و گیاہ سرزمین میں اللہ تعالیٰ اس کے زائرین اور اس کے گرد و پیش رہنے والوں کو انواع و اقسام کے کھانوں، پھلوں اور نعمتوں سے نواز رہا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے کعبہ تمام لوگوں کے لیے قیام کا باعث بنایا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کی ہر چیز کو جانتا ہے۔
۳۔ اللہ نافرمانوں کو سخت سزا دینے والا ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ فرمانبرداروں پر بہت رحمت کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کی ہر چیز کو جانتا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ (الحجرات:۱۶)
۲۔ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے۔ (الحدید:۴)
۳۔ کیا انسان کو معلوم نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ (المجادلۃ:۷)
۴۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ (التغابن:۴)
۵۔ اللہ ہی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جنھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ بحر و برّ کی ہر چیز کو جانتا ہے۔ (الانعام:۵۹)

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾

نہیں پر رسول مگر پہنچا دینا اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ

فرما دیجیے نہیں برابر ناپاک اور پاک اور اگر آپ کو تعجب میں ڈالے کثرت ناپاک کی

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع

پھر تم ڈرو اللہ سے اے والو عقل تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

”رسول کے ذمے پہنچا دینا ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔(۹۹) بتلا دیں کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں، خواہ ناپاک کی کثرت آپ کو تعجب میں ڈالے، پس اے عقل والو! اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“(۱۰۰)

فہم القرآن

ربط کلام: رسول کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ لوگوں کو حق و باطل اور اچھے، برے سے آگاہ کرے لوگوں کا فرض یہ ہے کہ وہ برائی کے رواج اور اسکی کثرت سے مرعوب ہونے کے بجائے رسول کی اطاعت کریں اسی میں کامیابی ہے۔

اس جاری خطاب کی آیت نمبر ۹۲ میں یہ مضمون بیان ہوا تھا کہ ہمارے رسول کا منصب لوگوں تک پیغام پہنچانا ہے جبراً منوانا نہیں۔ یہاں پھر فرمایا ہے کہ رسول کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کے پیغام ٹھیک ٹھیک لوگوں تک پہنچانا ہے۔ اس کا کام لوگوں کے پیچھے پیچھے رہنا اور ان کی خلوتوں کی نگرانی کرنا نہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ جو کچھ تم چھپاتے یا ظاہر کرتے ہو وہ تمھارے ایک ایک لمحہ اور کام کو جانتا ہے۔ رسول کا کام فقط یہ ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے برے بھلے اور نیک و بد کی تمیز واضح کر دے، بے شک برائی کتنی غالب اور لوگوں کی نظر میں کتنی بھلی معلوم ہوتی ہو۔ رسول کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ لوگوں کو خوف خدا سے آگاہ کرے تاکہ صاحب دانش اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہی دانائی کی علامت اور کامیابی کا راستہ ہے۔ جہاں تک خبیث اور طیب یعنی اچھے اور برے اور نیک اور بد کا تعلق ہے یہ فرق ہر چیز اور کام میں پایا جاتا ہے۔ ہر چیز مفید بھی ہوتی ہے اور اس میں نقصان اور ضرر بھی موجود ہوتا ہے۔ انسانوں میں بھی نیک و بد پائے جاتے ہیں اس طرح کچھ کام دنیا اور آخرت کے لحاظ سے مفید ہوتے ہیں جبکہ کئی کام آدمی کے لیے دنیا میں نقصان اور آخرت میں خسارے کا باعث ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی کام دنیا کے لحاظ سے بظاہر فائدہ مند ہو لیکن آخرت کے اعتبار سے دائمی نقصان کا باعث ہو حقیقی عقل اور خدا خوفی کا تقاضا ہے کہ آدمی وہی کام کرے جو دنیا کے مقابلے میں آخرت کے لحاظ سے اس کے لیے بہتر ہو۔ لہٰذا ہر انسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا اور معاف کر دینے والا، نہایت مہربان ہے۔ اسی کو کائنات

کے عظیم دانشور نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا ہے:

((عَنْ أَبِی یَعْلٰی شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم الْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَہُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَہُ ھَوَاھَا ثُمَّ تَمَنّٰی عَلَی اللّٰہِ))[رواہ ابن ماجۃ: کتاب الزھد، باب ذکر الموت والاستعداد لہ]

''حضرت ابویعلی شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقلمند وہ ہے جو اپنے آپ کو پہچانتا ہے اور مرنے کے بعد فائدہ دینے والے اعمال سرانجام دیتا ہے اور نادان وہ ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے نفس کے پیچھے لگایا اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ سے تمنا کرے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ تمام ظاہری و پوشیدہ چیزوں کا علم رکھنے والا ہے۔
۲۔ اللہ کے فرمانبردار اور نافرمان کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔
۳۔ برائی کا چلن خواہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو وہ گناہ ہی رہتا ہے۔
۴۔ تقویٰ اختیار کرنے میں ہی کامیابی ہے۔

تفسیر بالقرآن

فلاح پانے والے حضرات:

۱۔ نمازوں میں خشوع کرنے والے مومن فلاح پا گئے۔(المومنون:۱تا۱۱)
۲۔ جس نے اپنے آپ کو پاک کرلیا وہ فلاح پا گیا۔(الاعلیٰ:۱۴)
۳۔ اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔(البقرہ:۱۸۹)
۴۔ اللہ کا قرب تلاش کرو اور اس کے راستہ میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔(المائدۃ:۳۵)
۵۔ تم اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو تا کہ تم فلاح پاؤ۔(الاعراف:۶۹)
۶۔ اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔(الجمعۃ:۱۰)
۷۔ اپنے رب کی ہدایت پر چلنے والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔(لقمان:۵،البقرۃ:۵)
۸۔ جو نفس کی بخیلی سے بچ گیا وہ فلاح پا گیا۔(التغابن:۱۶۔الحشر:۹)

يٰٓاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	لَا تَسْـَٔلُوْا	عَنْ	اَشْيَآءَ	اِنْ	تُبْدَ
اے	وہ لوگو	جو ایمان لائے	نہ تم سوال کرو	سے	چیزیں		اگر ظاہر کردی جائیں
لَكُمْ	تَسُؤْكُمْ ۚ	وَاِنْ	تَسْـَٔلُوْا	عَنْهَا	حِيْنَ	يُنَزَّلُ	
تمہارے لیے	تم کو بری لگیں	اور اگر	تم سوال کرو	اس سے	جب	اتارا جارہا ہو	
الْقُرْاٰنُ	تُبْدَ لَكُمْ ؕ	عَفَا اللّٰهُ	عَنْهَا ؕ	وَاللّٰهُ	غَفُوْرٌ	حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾	
قرآن	ظاہر کردی جائیں گی تمہارے لیے	درگزر کیا اللہ نے	ان سے	اور اللہ	بخشنے والا	بردبار ہے	
قَدْ	سَاَلَهَا	قَوْمٌ	مِّنْ قَبْلِكُمْ	ثُمَّ	اَصْبَحُوْا	بِهَا	كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾
یقیناً	پوچھا ان کی بابت	قوم	تم سے پہلے	پھر	وہ ہوگئے	اسکے ساتھ	انکار کرنے والے

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو جو تمہارے لیے ظاہر کردی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر تم ان کے بارے میں اس وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جارہا ہے تو تمہارے لیے ظاہر کردی جائیں گی۔ اللہ نے ان سے درگزر فرمایا اور اللہ خوب بخشنے والا، نہایت بردبار ہے۔(۱۰۱) تم سے پہلے ان کے بارے میں کچھ لوگ سوال کر چکے ہیں، پھر وہ ان سے منکر ہوگئے۔“(۱۰۲)

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

جب رسول ﷺ اپنی ذمہ داری کما حقہ نبھاتے ہوئے اچھائی اور برائی میں فرق واضح کر رہے ہیں تو تمہیں بے وجہ سوال نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ادب کے منافی ہونے کے ساتھ تمہارے لیے مشکل کا باعث ہوگا۔

نزول قرآن کے وقت سوال کرنے سے اس لیے منع کیا گیا تھا کہ جب رسول اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی من وعن لوگوں تک پہنچا رہے ہیں جس میں حلال وحرام، خبیث اور طیّب، جائز اور ناجائز کے درمیان پوری طرح فرق کیا جارہا ہے تو پھر خواہ مخواہ بال کی کھال اتارنا جائز نہیں۔ اس میں ایک طرف گستاخی کا پہلو نکلتا ہے اور دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح اپنے لیے مزید مشکلات پیدا کرنا ہے جو کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب میں کوئی مسئلہ بیان کروں تو اسے سنو اور اس پر حتی المقدور عمل کرو۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کوئی بات کرتے ہوئے بھولتا نہیں۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَبَنَا وَقَالَ مَرَّةً خَطَبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ أَیُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ

قَدۡفَرَضَ عَلَيۡكُمُ الۡحَجَّ فَحُجُّوا فَقَالَ رَجُلٌ أَكُلَّ عَامٍ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلَاثًا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَوۡ قُلۡتُ نَعَمۡ لَوَجَبَتۡ وَلَمَا اسۡتَطَعۡتُمۡ ثُمَّ قَالَ ذَرُونِي مَا تَرَكۡتُكُمۡ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنۡ كَانَ قَبۡلَكُمۡ بِكَثۡرَةِ سُؤَالِهِمۡ وَاخۡتِلَافِهِمۡ عَلٰى أَنۡبِيَائِهِمۡ فَإِذَا أَمَرۡتُكُمۡ بِأَمۡرٍ فَأۡتُوا مِنۡهُ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ وَإِذَا نَهَيۡتُكُمۡ عَنۡ شَيۡءٍ فَدَعُوهُ))[رواہ احمد]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ رسول معظم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا اے لوگو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے تو تم حج کرو۔ایک شخص نے کہا اے رسول مکرم! کیا ہر سال حج فرض ہے ؟ آپ ﷺ خاموش ہو گئے یہاں تک کہ اس شخص نے اس بات کو تین مرتبہ دہرایا۔رسول محترم ﷺ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر حج واجب ہو جاتا اگر چہ تم میں سے اس کی کوئی طاقت نہ رکھتا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا جن معاملات کے متعلق میں نے تم کو چھوڑ دیا ہے تم بھی اس کے بارہ میں مجھے چھوڑ دو بلاشبہ تم سے پہلے لوگ کثرتِ سوال اور انبیاء کے بارہ میں اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے ۔ جب میں تم کو کسی کام کا حکم دوں تو حسبِ استطاعت اس کو پورا کرو اور جب کسی چیز سے روکوں تو اس کو چھوڑ دو۔''

بے مقصد سوال کرنے والا مجرم ہے:

((عَنۡ عَامِرِ بۡنِ سَعۡدِ بۡنِ أَبِي وَقَّاصٍ رضی اللہ عنہ عَنۡ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِنَّ أَعۡظَمَ الۡمُسۡلِمِينَ جُرۡمًا مَنۡ سَأَلَ عَنۡ شَيۡءٍ لَمۡ يُحَرَّمۡ ، فَحُرِّمَ مِنۡ أَجۡلِ مَسۡأَلَتِهِ))[رواہ البخاری: باب مَا يُكۡرَهُ مِنۡ كَثۡرَةِ السُّؤَالِ وَتَكَلُّفِ مَا لَا يَعۡنِيهِ]

''سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جو ایسی چیز کے بارے میں سوال کرے جس کو لوگوں پر حرام قرار نہیں دیا گیا تھا لیکن اس کے سوال کی وجہ سے اس چیز کو حرام قرار دے دیا گیا۔''

مسائل

۱۔ خواہ مخواہ مسئلہ سے مسئلہ نہیں نکالنا چاہیے۔

۲۔ بے مقصد سوال نہیں کرنے چاہییں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا نہایت بردبار ہے۔

۴۔ جن لوگوں نے بے مقصد سوال کرنے کا وطیرہ اختیار کیا وہ پریشان ہوئے۔

۵۔ بے مقصد سوالات اٹھانے والوں کی اکثریت گمراہ ہو جاتی ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ

نہیں بنایا | اللہ | سے | بحیرہ | اور نہ | سائبہ | اور نہ | وصیلہ

وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

اور نہ | حام | اور لیکن | وہ لوگ | جنہوں نے انکار کیا | وہ باندھتے ہیں | پر | اللہ

الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

جھوٹ | اور اکثر ان کے | نہیں | وہ عقل کرتے

''اللہ نے نہ کوئی بحیرہ مقرر فرمائی ہے اور نہ کوئی سائبہ اور نہ وصیلہ اور حام اور لیکن وہ لوگ جو کافر ہیں اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر نہیں سمجھتے۔'' (۱۰۳)

فہم القرآن

ربط کلام: سلسلۂ کلام کے درمیان ادب سکھلانے کے بعد اب پھر مزید حرام چیزوں کی نشاندہی کی جارہی ہے۔

اس سے پہلی آیات میں کثرت سوال سے منع فرمایا تھا۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ مشرکوں نے ازخود بعض جانوروں کو حرام کرلیا تھا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام نہیں کیا بلکہ وہ بدستور حلال ہیں۔ جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام نہ کیا ہو اس کو حرام قرار دے کر شریعت سازی نہ کرو۔

بحیرہ: وہ جانور ہوتا تھا جس کا دودھ بتوں کی نذر کر دیا جاتا تھا کوئی شخص اس کو دوہ نہیں سکتا تھا۔ اس کے کان چیر کر اس کو آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ اس پر سواری کی جاتی نہ اس پر سامان لادا جاتا اور نہ ہی اس کا دودھ دوہا جاتا یہ جس چراگاہ سے مرضی چرے اور پانی پیے۔

سائبہ: وہ جانور ہے جس کو بتوں کے نام منسوب کیا جاتا اور اس پر کسی قسم کا بوجھ نہیں ڈالا جاتا تھا تو اس اونٹنی کو آزاد کر کے بتوں کے نام کر دیتے تھا ایسی اونٹنی کو سائبہ کا نام دیا جاتا۔

وصیلہ: اُس اونٹنی کو کہا جاتا ہے جو پہلی بار اور دوسری بار مادہ بچہ جنم دے ان دو بچوں کے درمیان کوئی نر بچہ نہ ہو تو اُسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے۔

حام: اُس نر اونٹ کو کہتے ہیں جو ایک خاص تعداد کے مطابق جفتی کر چکا ہو اور اسے بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جائے۔

سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بحیرہ وہ اونٹنی سمجھی جاتی جس کا دودھ دوہنا بتوں کی وجہ سے منع کر دیا جاتا تھا اور کوئی شخص اس کا دودھ نہیں دوہتا تھا۔ سائبہ وہ اونٹنی ہے جس کو وہ اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اس پر کسی چیز کو لادا نہیں جاتا تھا۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا وہ دوزخ میں اپنی آنتوں کو گھسیٹ رہا تھا کیونکہ یہی وہ شخص تھا جس نے سب سے پہلے سائبہ اونٹنیوں کو چھوڑا تھا۔'' [رواہ البخاری: باب قصۃ خزاعۃ]

مسائل

۱۔ من گھڑت رسوم و رواج کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہیے۔ ۲۔ کافر لوگ اللہ کے بارے میں جھوٹ بولتے ہیں۔

۳۔ مشرکین حق کو پہچاننے کے لیے عقل سے کام نہیں لیتے۔

وَاِذَا	قِيْلَ	لَهُمْ	تَعَالَوْا	اِلٰى	مَآ	اَنْزَلَ	اللّٰهُ
اور جب	کہا جاتا ہے	انکے لیے	تم آؤ	طرف	جو	نازل کیا	اللہ
وَاِلَى	الرَّسُوْلِ	قَالُوْا حَسْبُنَا	مَا	وَجَدْنَا	عَلَيْهِ	اٰبَآءَنَا ؕ	
اور طرف	رسول	وہ کہتے ہیں ہمیں کافی ہے	جو	ہم نے پایا	اس پر	ہمارے آباواجداد	
اَوَلَوْ كَانَ	اٰبَآؤُهُمْ	لَا يَعْلَمُوْنَ	شَيْئًا	وَّلَا	يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾		
اور اگر چہ تھے	انکے آباواجداد	نہیں وہ جانتے	کچھ بھی	اور نہ	وہ ہدایت یافتہ		

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس بات کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور رسول کی طرف تو کہتے ہیں ہمیں وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے خواہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ ہدایت پانے والے ہوں۔'' (۱۰۴)

فہم القرآن

ربط کلام: اہل مکہ نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کسی دلیل کی بنیاد پر اپنے آپ پر حرام نہیں کی تھیں بلکہ اس کا سبب آباؤ اجداد کی تقلید تھا جس وجہ سے یہاں تقلید کا رد بھی کر دیا ہے۔ ساتھ مسلمانوں کو اطمینان دلایا ہے کہ تم ہدایت پر پکے رہو گے تو دوسروں کی گمراہی کا تم پر چنداں اثر نہیں پڑے گا۔ اور نہ تم ان کے مسئول بنائے گئے ہو۔ بس تم اپنی فکر کرو۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو پیش آنے والی پانچ رکاوٹیں:

۱۔ لوگوں کا پرانے نظریات پر جمے رہنا۔ ۲۔ ادیان باطلہ کے تعصبات وتحفظات

۳۔ انبیاء کرام کی ذات سے حسد وبغض۔ ۴۔ حبّ جاہ اور دنیا پرستی ۵۔ بزرگوں اور آباؤ اجداد کی تقلید

یہ تقلید کا ہی نتیجہ تھا کہ مذکورہ جانور کسی آسمانی شریعت میں حرام نہیں کیے گئے تھے۔ لیکن اہل مکہ نے اپنے سے پہلے لوگوں کی دیکھا دیکھی انھیں نہ صرف اپنے آپ پر حرام قرار دیا بلکہ دعویٰ کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بزرگوں پر حرام قرار دیے تھے۔ جس بنا پر سے ہم بھی ان سے استفادہ کرنا اپنے آپ پر جائز نہیں سمجھتے۔ تقلید آباء کا عقیدہ ان کے ذہن میں اس قدر پختہ ہو چکا تھا کہ جب انھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دعوت دی جاتی تو وہ بلا جھجھک کہتے ہمیں وہی کچھ کافی ہے جو ہمارے بزرگ کرتے رہے ہیں۔ اس پر گرفت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کیا ان کے آباؤ اجداد ہدایت نہ پانے اور شریعت کا علم نہ رکھنے کے باوجود ان کے رہنما ٹھہرے ہیں؟ مقلدین کی گمراہی کا اندازہ لگائیں کہ وہ جانتے بوجھتے ایسی باتوں کو شریعت سمجھ کر اپناتے ہیں جن کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقابلے میں ان لوگوں کو رہنما سمجھتے ہیں جن کی گمراہی اور بے علمی کی قرآن گواہی دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کو ہدایت نصیب ہو تو کس طرح؟ جہاں تک ائمہ کرام اور بزرگان دین کی تقلید کا تعلق ہے اس کی بھی دین میں کوئی گنجائش نہیں جس کے دو بنیادی اسباب ہیں۔ (۱) امت مسلمہ کو

بزرگان دین کی اتباع کی بجائے صرف اور صرف نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی اتباع کا پابند کیا گیا ہے کیونکہ انسان اللہ اور اس کے رسول کا کلمہ پڑھ کر حلقہ اسلام میں داخل ہوتا ہے جس میں دین کے بارے میں کسی دوسرے کی اتباع کی گنجائش نہیں ہے۔ (۲) ائمہ کرام اور بزرگان دین کی تقلید سے امت اس لیے بھی آزاد ہے کہ ہر امام نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ حدیث مصطفیٰ ﷺ کے مقابلے میں میری بات اور فتویٰ کو فی الفور مسترد کر دیا جائے کیونکہ وہی سچے ایمان کی نشانی ہے۔

تقلید کے بارے میں ائمہ کے اقوال:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول: (اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَھُوَ مَذْھَبِیْ) [تفسیر مظھری]

''جب صحیح حدیث موجود ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔''

امام مالک رحمہ اللہ کا قول:

امام مالک نے روضۃ النبی ﷺ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''ہر شخص کی بات تسلیم کی جاسکتی ہے اگر درست ہو۔ اور اُسے ٹھکرایا جاسکتا ہے جب درست نہ ہو۔ مگر اس روضے والے کی بات کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔'' [حیات امام مالک۔ از امام زہری]

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول:

(اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی اَنَّ مَنِ اسْتَبَانَ لَہٗ سُنَّۃٌ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ لَایَحِلُّ لَہٗ اَنْ یَّدَعَھَا لِقَوْلِ اَحَدٍ) [اعلام المعوقین]

''اس بات پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جب رسول کریم ﷺ کی سنت سامنے آجائے، پھر اس بات کی گنجائش نہیں رہتی کہ اسے کسی کے قول کی بنا پر ترک کر دیا جائے۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول: (مَنْ رَدَّ حَدِیْثَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَھُوَ عَلٰی شَفَا ھَلَکَتِہٖ)[ابن جوزی]

''جس نے رسول کریم ﷺ کی حدیث کو رد کیا وہ تباہی کے کنارے پر پہنچ گیا۔''

مسائل

۱۔ آباء واجداد کی تقلید کے بجائے قرآن وسنت کی پیروی کرنا چاہیے۔ ۲۔ آخرت کو مقدم رکھنا چاہیے۔

۳۔ اللہ کے سامنے حاضری کی فکر کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

تقلید آباء کا نتیجہ اور بہانہ:

۱۔ جب انھیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تو کہتے ہیں جو ہمارے آباء واجداد کرتے تھے ہمیں وہی کافی ہے۔ (المائدۃ:۱۰۴)

۲۔ جب قرآن کی طرف بلایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کی اتباع کریں گے۔ (لقمان:۲۱)

يٰٓاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	عَلَيْكُمْ	اَنْفُسَكُمْ ج	لَا يَضُرُّكُمْ	مَّنْ ضَلَّ	
اے	وہ لوگو	جو ایمان لائے	تم پر	تمہاری جانیں	نہ وہ نقصان دے گا تم کو	جو گمراہ ہوا	
اِذَا	اهْتَدَيْتُمْ ط	اِلَى اللّٰهِ	مَرْجِعُكُمْ	جَمِيْعًا	فَيُنَبِّئُكُمْ	بِمَا	
جب	تم ہدایت پر ہو	طرف اللہ کی	تمہارا لوٹنا ہے	سب	پھر وہ خبر دے گا تم کو	ساتھ اسکے جو	
كُنْتُمْ	تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾						
تم تھے	تم عمل کرتے						

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر اپنے آپ کو بچانا لازم ہے تمہیں وہ شخص نقصان نہیں پہنچائے گا جو گمراہ ہے جب تم ہدایت پا چکے ہو۔ تم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔'' (١٠٥)

فہم القرآن

ربط کلام: ایک مخلص داعی دلائل کے ساتھ جب کسی شخص کو ہدایت کی دعوت دیتا ہے۔ اور سامع اس کے مقابلے میں بوسیدہ نظریات پیش کرتے ہوئے اپنی جہالت پر اصرار کرے۔ تو داعی کا اس پر دل گرفتہ ہونا فطری بات ہے اسی کیفیت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دوچار ہوا کرتے تھے جس پر انہیں تسلی دی گئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اخلاص اور جدوجہد کے مقابلے میں کفار اور اہل کتاب کی ہٹ دھرمی دیکھتے تو انھیں اس بات پر سخت رنج پہنچتا۔ دل گرفتگی کے عالم میں بار بار سوچتے کہ یہ لوگ کس قدر ناعاقبت اندیش ہیں کہ ہم ان کی دنیا و آخرت کی بھلائی کی بات کرتے ہیں اور یہ اسے قبول کرنے کے بجائے ہماری جان کے درپے ہو چکے ہیں۔ اس صورتحال پر مسلمانوں کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ تمھیں دل گرفتہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمھارا کام حق بات پہنچانا ہے ہدایت دینا نہیں۔ اگر تم ہدایت پر قائم ہو تو گمراہ لوگ تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ بالآخر تم سب نے اپنے اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہ ہر کسی کو اس کے اچھے برے عمل اور اس کے انجام سے آگاہ فرما دے گا۔

ہدایت ایسا گراں قدر سرمایہ ہے جو چاہت اور محنت کے بغیر حاصل نہیں ہوا کرتا۔ اگر یہ لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننے کے لیے تیار نہیں تو ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب سب کے سب بے چون و چرا اس رب کبریا کی بارگاہ میں حاضر کیے جائیں گے۔ وہ انہیں ایک ایک پل کی خبر اور ہر برے عمل کی سزا دے گا۔ وہاں انھیں نہ بزرگ بچا سکیں گے اور نہ ہی ان کے آباؤ اجداد چھڑا سکیں گے۔ بعض لوگ اس آیت سے غلط استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آدمی کو کسی دوسرے کی فکر کرنے کے بجائے اپنا خیال اور اپنے کام کی طرف دھیان رکھنا چاہیے۔ اس کی بلا سے کوئی جو چاہے کرتا رہے۔ ایسے نام نہاد دانشور

تمام احکامات کو جان بوجھ کر فراموش کر دیتے ہیں جن میں ہر شخص کو اپنے متعلقین کا مسئول بنایا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ اس امت کے وجود کی ہی نفی کر دیتے ہیں حالانکہ اس امت کا مقصد اپنی اور لوگوں کی اصلاح کرنا ہے۔

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ [آل عمران: ۱۱۰]

''(اے مسلمانو!) تم بہترین امت ہو جنہیں لوگوں (کی اصلاح وہدایت) کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تم لوگوں کو بھلے کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ ان میں سے کچھ لوگ مومن ہیں مگر ان کی اکثریت فاسق ہے۔''

((عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ رضی اللہ عنہ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ رَأٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ))[رواه مسلم: كتاب الايمان، باب كون النهى عن المنكر من الايمان وان الايمان......الخ]

''حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول معظم ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا جو کوئی تم میں سے برائی دیکھے اسے چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ سے روکے اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو زبان کے ساتھ روکے اگر وہ اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ دل سے برا جانے۔ یہ ضعیف ایمان کی نشانی ہے۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ)) [رواه البخاري : كتاب الجمعة ، باب جمعة فى القرى والمدن]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول معظم ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر کوئی ذمہ دار ہے اور وہ اپنی ذمہ داری کا جواب دہ ہے۔''

مسائل

۱۔ دوسروں کے بجائے اپنی فکر مقدم ہونی چاہیے۔
۲۔ حقیقی ہدایت یافتہ لوگوں کو کوئی بھی گمراہ نہیں کرسکتا۔
۳۔ تمام لوگوں کو اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے۔
۴۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر کسی کو اس کے اچھے برے اعمال کی جزا اور سزا دے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے گواہی تمہارے درمیان جب حاضر ہو ایک تم سے موت

حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ

جب وصیت دو عدل والے تم سے یا دوسرے سے تمہارے علاوہ

اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا

اگر ہو تم تم چلو میں زمین پھر پہنچے تم کو مصیبت موت تم روک لو دونوں کو

مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا

سے بعد نماز پھر وہ دونوں قسمیں اٹھائیں اللہ کی اگر تم شک کرو نہیں بیچتے ہم اسکے ساتھ قیمت

وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝۱۰۶

اور اگرچہ ہوں قریبی رشتہ دار اور نہیں ہم چھپاتے گواہی اللہ کی بیشک ہم اس وقت سے گنہگار (جمع)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے تو وصیت کے وقت تمہارے درمیان شہادت یہ ہے کہ تم میں سے کوئی دو عدل والے ہوں یا تمہارے غیر میں سے کوئی اور دو ہوں، اگر تم سفر کر رہے ہو اور تمہیں موت کی مصیبت آ پہنچے دونوں کو نماز کے بعد روک لو اگر شک کرو، پس وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اس کے بدلے کوئی قیمت نہیں لیں گے اگرچہ وہ قرابت والا ہو اور نہ اللہ کی شہادت چھپائیں گے بے شک اگر ایسا کریں ہم تو اس وقت گنہگاروں سے ہوں گے۔'' (۱۰۶)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سے پہلی آیت میں مخصوص حالات میں مسلمانوں کو اپنے آپ کی فکر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ جس میں بعض لوگوں سے فریضۂ تبلیغ سے کوتاہی کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ اسے دور کرنے کے لیے یہ حکم نازل ہوا کہ فریضۂ تبلیغ ایک شہادت ہے شہادت کی ایک قسم گواہی ہے۔ مشکل اور نازک وقت میں بھی اُسے ٹھیک طور پر ادا کرنا چاہیے۔

آیت کا پس منظر مفسرین نے اس طرح ذکر کیا ہے۔ جو بخاری کتاب الوصایا میں مختصر لیکن احادیث اور سیرت کی دوسری کتب میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنو سہم قبیلے کا ایک مسلمان جس کا نام بدیل تھا تمیم داری اور عدی کے ساتھ سفر میں تھا تمیم اور عدی اُس وقت عیسائی تھے۔ حضرت بدیل راستے میں بیمار ہوئے اور فوت ہو گئے۔ انھوں نے فوت ہونے سے پہلے اپنے سامان کی ایک فہرست تیار کر کے چپکے سے اپنے سامان میں رکھ دی۔ اس سامان میں ایک قیمتی پیالہ تھا جسے سونے کی تار سے جوڑا گیا تھا۔ فوت ہونے والے نے وصیت کی کہ یہ سامان میرے ورثاء تک پہنچا دیا جائے۔ واپسی پر عدی اور تمیم داری نے یہ سامان مرحوم کے ورثاء کے حوالے کیا۔ سامان کھولنے پر جب فہرست ملی تو اس میں سے پیالہ غائب تھا جسے عدی اور تمیم داری نے مدینے کے ایک سنار کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا مرحوم کے ورثاء نے ان دونوں سے پوچھا کہ فوت ہونے والے نے سامان سے اپنے علاج کے لیے کوئی چیز فروخت تو نہیں

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا

پھر اگر اطلاع ہو جائے پر بیشک وہ دونوں مرتکب ہوئے گناہ پھر دوسرے دو کھڑے ہوں ان دونوں کی جگہ

مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ

سے وہ لوگ مرتکب ہوئے ان پر پہلے دونوں پھر وہ دونوں قسمیں اٹھائیں اللہ کی کہ یقیناً ہماری گواہی زیادہ سچی

مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٧﴾

سے ان دونوں کی گواہی اور نہیں ہم نے زیادتی کی بیشک ہم اس وقت سے ظلم کرنے والے

پھر اگر اطلاع پائی جائے کہ وہ دونوں کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو دو اور ان کی جگہ کھڑے ہوں ان میں سے جن کے خلاف گناہ کا ارتکاب ہوا ہے جو زیادہ قریب ہوں تو دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ یقیناً ہماری گواہی ان کی گواہی سے زیادہ سچی ہے اور ہم نے زیادتی نہیں کی اگر زیادتی کریں بے شک ہم اس وقت ظالموں میں سے ہوں گے۔'' (١٠٧)

کی تھی؟ انھوں نے نفی میں جواب دیا تب مرنے والے کے ورثاء نے سامان کی فہرست پیش کرتے ہوئے ان سے اس قیمتی پیالے کا مطالبہ کیا لیکن دونوں نے اس کا انکار کیا۔ بالآخر مقدمہ نبی معظم ﷺ کے ہاں پیش ہوا گواہی نہ ہونے کی وجہ سے عدی اور اس کا ساتھی بری قرار پائے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد پیالہ سنار کے ہاں پایا گیا تب بدیل کے ورثاء نے دوبارہ اللہ کے نبی ﷺ کے سامنے یہ بات رکھی آپ نے عدی اور تمیم کو بلایا اور ورثا نے آپ کی موجودگی میں ان دونوں کے سامنے قسم اُٹھائی کہ ہم بالکل سچی قسم اُٹھا رہے ہیں اور ان کی قسمیں جھوٹی ہیں۔ یہ حلف نماز عصر کے بعد دیا گیا تھا اور آپ کو یقین ہو گیا کہ بدیل کے ورثاء کی قسم سچی ہے۔ جس بناء پر دونوں عیسائیوں سے پیالے کی قیمت ایک ہزار درہم وصول کر کے ورثاء کو دی گئی بعد ازاں عدی اور تمیم مسلمان ہوئے تو انھوں نے اس بات کا اعتراف کیا واقعی ہم نے پیالہ چوری کیا تھا۔ اس وقت سے یہ قانون جاری ہوا کہ سفر کی حالت میں ایسا واقعہ پیش آ جائے اور بیمار کو اپنی موت کا یقین ہونے لگے تو وہ اپنا سامان دوسرے کے حوالے کرتے ہوئے دو مسلمان گواہ بنائے۔ اگر مسلمان نہ ہوں تو غیر مسلموں میں بھی دو عادل گواہ مقرر کیے جا سکتے ہیں قسم اٹھانے والے نماز عصر کے بعد کھڑے ہو کر ان الفاظ کے ساتھ اللہ کی قسم اٹھائیں کہ ہم ذاتی مفاد اور کسی عزیز کی طرفداری کیے بغیر اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھتے ہوئے اور کوئی چیز چھپائے بغیر حلف دیتے ہیں کہ اگر جھوٹی قسم اٹھائیں گے تو ہم مجرم ہوں گے۔ اس موقع پر قرآن مجید کا یہ ارشاد سامنے رکھتے ہوئے نبی ﷺ حلف دینے والے کو اس کے حلف سے پہلے اللہ تعالیٰ کا خوف دلایا کرتے تھے۔ لہٰذا حلف لینے والے کی ذمہ داری ٹھہری کہ وہ قسم لینے سے پہلے اُسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ أَنَّ هِلَالَ بْنَ أُمَيَّةَ قَذَفَ امْرَأَتَهُ فَجَاءَ فَشَهِدَ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ ثُمَّ قَامَتْ فَشَهِدَتْ))[رواه البخاري: كتاب الطلاق، باب يبدء الرجل بالتلاعن]

''حضرت عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہلال بن امیہ ؓ نے اپنی بیوی پر الزام لگایا تو وہ آئے اور گواہی دی تو نبی ﷺ نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔ کیا تم میں کوئی ہے جو توبہ کرے؟

ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ

وہ زیادہ قریب یہ کہ وہ دیں گواہی پر ٹھیک طریقہ یا وہ ڈریں کہ رد کر دی جائیں گی قسمیں

بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝١٠٨

بعد ان کی قسموں کے اور ڈرو اللہ سے اور تم سنو اور اللہ نہیں وہ ہدایت دیتا قوم فسق کرنے والے

یہ زیادہ قریب ہے کہ وہ گواہی کو اس طریقے پر دیں یا اس سے ڈریں کہ ان کی قسموں کے بعد قسمیں رد کر دی جائیں گی اور اللہ سے ڈرو اور سنو اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' (۱۰۸)

پھر وہ عورت کھڑی ہوئی اور اس نے گواہی دی۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الْكَبَائِرُ الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِينُ الْغَمُوسُ)) [رواہ البخاری : کتاب الایمان والنذور، باب یمین الغموس]

''عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی جان کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم اٹھانا کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِءٍ ، هُوَ عَلَيْهَا فَاجِرٌ ، لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ الآيَة)) [رواہ البخاری: باب الخصومة]

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا جو آدمی کسی کا مال بٹورنے کے لیے قسم اُٹھاتا ہے اور وہ اُس میں جھوٹا ہے۔ وہ اللہ کو اس حال میں ملے گا کہ اللہ اُس پر ناراض ہوگا۔ اُس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿بے شک وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور قسموں کے عوض تھوڑی قیمت وصول کرتے ہیں﴾''

مسائل

۱۔ گناہ میں ملوث لوگوں کے بجائے دوسرے لوگ گواہی دیں۔ ۲۔ گواہی دینے والوں کو کسی پر زیادتی نہیں کرنی چاہیے۔
۳۔ اگر مسلمان عادل گواہ نہ ملیں تو غیر مسلم کو بھی گواہ بنایا جاسکتا ہے۔ ۴۔ ذاتی مفاد اور رشتہ داری سے بالاتر ہو کر گواہی دینا چاہیے۔
۵۔ گواہ پر شک ہو تو قسم بھی لی جاسکتی ہے اگرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ ۶۔ جھوٹی گواہی دینا ظلم اور کبیرہ گناہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا:

۱۔ اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (البقرۃ:۲۵۸) ۲۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (البقرۃ:۲۶۴)
۳۔ اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدۃ:۱۰۸) ۴۔ آخرت پر دنیا کو ترجیح دینے والوں کو ہدایت نہیں ملتی۔ (النحل:۱۰۷)
۵۔ گمراہی کا راستہ اختیار کرنے والوں کو ہدایت نہیں ملتی۔ (النحل:۳۷) ۶۔ اللہ تعالیٰ جھوٹے لوگوں کو ہدایت نصیب نہیں فرماتا۔ (الزمر:۳)

یَوۡمَ	یَجۡمَعُ	اللّٰہُ	الرُّسُلَ	فَیَقُوۡلُ	مَاذَآ	اُجِبۡتُمۡ
اس دن	وہ جمع کریگا	اللہ	رسولوں	پھر وہ کہے گا	کیا	جواب دیے گئے تم
قَالُوۡا	لَا عِلۡمَ	لَنَا	اِنَّکَ	اَنۡتَ	عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ﴿۱۰۹﴾	
انہوں نے کہا	نہیں علم	ہمارے پاس	بیشک تو	تو	خوب جاننے والا غیبوں کا	

''جس دن اللہ رسولوں کو جمع کرے گا، پھر کہے گا تمہیں کیا جواب دیا گیا؟ وہ کہیں گے ہمیں کچھ علم نہیں، بے شک تو ہی چھپی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔''(۱۰۹)

فہم القرآن

ربط کلام: حق کی شہادت دینا مسلمان کا فریضہ ہے جو انبیاء کا مشن ہے۔ جب انبیاء کرام علیہم السلام سے ان کے مشن کے بارے میں سوال ہوگا تو انکے متبعین کس طرح مسئولیت سے بچ سکتے ہیں۔

اسلام کے بنیادی عقائد میں تین باتیں مرکزی حیثیت رکھتی ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کو یکتا جانتے ہوئے اس پر کامل ایمان رکھنا، حضرت محمد ﷺ کو خاتم المرسلین مانتے ہوئے ان کی رسالت پہ ایمان لانا، تیسرا بنیادی عقیدہ یہ ہے آدمی کا قیامت پر ایمان ہو کہ وہ قائم ہوگی اور ہم سب نے رب کبریا کی عدالت میں اپنی ہر بات اور عمل کا جواب دینا ہے۔ قیامِ قیامت کے بارے میں قرآن مجید میں بڑی شرح وبسط کے ساتھ دلائل دیے گئے ہیں یہ ایسا دن ہے کہ جبرائیل امین علیہ السلام اور تمام ملائکہ علیہم السلام قطار اندر قطار ربِ کبریا کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے۔ یہ پچاس ہزار سال کا دن ہوگا۔ اس میں ہر نبی وقتِ مقررہ پر اپنی امت کو لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوگا۔ یہاں ہر فرد کو اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے بارے میں سوال ہوگا۔ قرآن مجید کی تلاوت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے ساتھ پیش ہوں گے تو اللہ تعالیٰ پہلے اس امت کے نبی سے سوال کرے گا کہ آپ نے میرا پیغام ٹھیک ٹھیک طریقے سے پہنچایا یا نہیں؟ اس کے جواب میں تمھاری امت نے کیا وطیرہ اختیار کیا؟ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کناں ہوں گے کہ الٰہی ہم تو نہیں جانتے آپ ہی غیب کو جاننے والے ہیں۔ انبیاء کا لاعلمی کا اظہار کرنے کے بارے میں مفسرین نے تین قسم کی تفسیر کی ہے:

۱۔ لَا عِلۡمَ لَنَا کہ ہمیں علم نہیں سے مراد علم کامل ہے۔ کیونکہ عَلَّامُ الغیوب کے لفظ ظاہر کر رہے ہیں کہ انبیاء صرف انہی حالات سے واقف تھے اور ہوتے ہیں جو ان کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں۔ لوگوں کی خلوت کی زندگی کو انبیاء علیہم السلام نہیں جانتے۔

۲۔ لَا عِلۡمَ لَنَا کا یہ معنیٰ ہے کہ جب تک ہم ان میں موجود رہے اس وقت تک تو ہمیں کچھ نہ کچھ ان کے حالات کا علم

ہے لیکن ان کے بارے میں کامل اور اکمل علم تیرے سوا کوئی نہیں جانتا۔

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾[النساء : ٤١]

''بھلا اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے، پھر ان پر (اے نبی ﷺ) آپ کو گواہ بنا دیں گے۔''

۳۔ انبیاء اپنی امتوں کے بارے میں شہادت دیں گے لہٰذا اس آیت کا یہ مفہوم لینے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے جلال اور دبدبہ کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام پہلے لاعلم لنا کا اظہار کریں گے۔ بہر حال قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بات مسلمہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام وہی کچھ جانتے تھے جس کا علم اللہ تعالیٰ انھیں عطا کیا تھا یا جو کام ان کی موجودگی میں ہوا کرتے تھے۔

مسائل

۱۔ قیامت کے دن تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی سوال ہوگا۔

۲۔ انبیاء و رسل علیہم السلام سے ان کی رسالت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

۳۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی عالم الغیب ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی غیب جانتا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے غیب کے بارے میں جانتا ہے۔ (البقرۃ:۳۳)

۲۔ اللہ تعالیٰ چھپی ہوئی چیزوں کے بارے میں خوب جانتا ہے۔ (البقرۃ:۳۳)

۳۔ اللہ تعالیٰ سینوں میں چھپی باتوں کو جانتا ہے۔ (فاطر:۳۸)

۴۔ اللہ تعالیٰ ہر عمل کو خوب جانتا ہے۔ (الحجرات:۱۸)

۵۔ اللہ کے پاس ہی غیب کی چابیاں ہیں۔ (الانعام:۵۹)

۶۔ نبی اکرم ﷺ غیب نہیں جانتے۔ (الانعام:۵۰)

۷۔ کہہ دیجیے غیب اللہ کے لیے ہے تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ (یونس:۲۰)

۸۔ آسمان و زمین کا غیب اللہ جانتا ہے۔ (النحل:۷۷)

اِذْ قَالَ اللّٰهُ	یٰعِیْسَی	ابْنَ مَرْیَمَ	اذْكُرْ	نِعْمَتِیْ	عَلَیْكَ
جب کہا اس نے اللہ	اے عیسیٰ	ابن مریم	یاد کرو	میری نعمتیں	تجھ پر
وَعَلٰی	وَالِدَتِكَ	اِذْ	اَیَّدْتُّكَ	بِرُوْحِ	الْقُدُسِ تُكَلِّمُ
اور پر	تیری ماں	جب	میں نے تیری مدد کی	ساتھ روح	پاک/قدس تو کلام کرتا تھا
النَّاسَ	فِی	الْمَهْدِ	وَكَهْلًا	وَاِذْ	عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ
لوگ	میں	گود	اور ادھیڑ عمر	اور جب	میں نے تجھے سکھائی کتاب
وَالْحِكْمَةَ	وَالتَّوْرٰىةَ	وَالْاِنْجِیْلَ	وَاِذْ تَخْلُقُ	مِنَ الطِّیْنِ	كَهَیْـَٔةِ
اور دانائی	اور تورات	اور انجیل	اور جب تو بناتا تھا	سے مٹی	مانند شکل
الطَّیْرِ	بِاِذْنِیْ	فَتَنْفُخُ	فِیْهَا	فَتَكُوْنُ	طَیْرًا بِاِذْنِیْ
پرندے کی	ساتھ میرے حکم	تو پھونک مارتا تھا	اس میں	تو وہ ہو جاتا تھا	پرندہ میرے حکم سے

"جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم! اپنے اوپر اور اپنی والدہ پر میری نعمت یاد کر جب میں نے روح پاک سے تیری مدد کی، تو گود میں اور ادھیڑ عمر میں لوگوں سے باتیں کرتا تھا اور جب میں نے تجھے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائی اور جب تو میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی صورت بناتا تھا۔ پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے ایک اُڑنے والا پرندہ بن جاتا تھا

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

عیسائیوں کے باطل عقیدہ اور برے اعمال کی وجہ سے یہ وقت بھی آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام سے اس انداز سے سوال فرمائے گا کہ جس کا ایک ایک لفظ جلالت وتمکنت سے لبریز ہوگا اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اور بے چارگی کا مجسمہ بنے ہوئے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو انعامات یاد کرائیں گے کہ میں نے تیری والدہ کو خصوصی کفالت وتربیت سے نوازتے ہوئے زمانے کی عورتوں میں معزز اور محترم ٹھہرایا۔ ان کے لیے بے موسم پھلوں کا انتظام کیا جب ان کی پاک دامنی پر حرف آیا تو تجھ جیسے نومولود سے ان کی برأت کا اس طرح اظہار کروایا کہ پھر ان کی زندگی میں کوئی شخص ان پر الزام لگانے کی جرأت نہ کر سکا۔ اور تجھے جبرائیل امین علیہ السلام کے ذریعے معاونت بخشی اور تو نے مہد میں نہ صرف اپنی والدہ کی پاک دامنی کی گواہی دی بلکہ اپنی نبوت کا بھی اعلان کیا۔ تجھے یہ بھی شرف بخشا کہ تو ادھیڑ عمر میں لوگوں سے باتیں کرتا رہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تقریباً ۳۵ سال کی عمر میں آسمانوں پر

وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ ۚ

اور تو تندرست کرتا تھا پیدائشی نابینا اور برص والا میرے حکم سے اور جب تو نکالتا تھا مردے میرے حکم سے

وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ

اور جب میں نے روکا بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تو انکے پاس لایا

بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ

واضح دلیلیں پھر کہا وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا ان سے نہیں ہے یہ

اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۰﴾

مگر جادو کھلا

اور تو مادرزاد اندھے اور برص والے کو میرے حکم سے تندرست کرتا تھا اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے نکال کھڑا کرتا تھا اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے دور رکھا اور جب تو ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آیا تو ان میں سے جنہوں نے کفر کیا کہنے لگے یہ تو کھلے جادو کے سوا کچھ بھی نہیں۔'' (۱۱۰)

اُٹھا لیے گئے نامعلوم لاکھوں کروڑوں سالوں کے بعد جب وہ قربِ قیامت تشریف لائیں گے تو وہ بوڑھے ہونے کے بجائے پورے حسن و جمال کے ساتھ جوان ہوں گے یہ بھی ان پر اللہ کا منفرد احسان ہوگا کہ صدیاں گزرنے کے باوجود ظاہری اور جوہری صلاحیتوں سے ہر طرح ہم کنار ہوں گے عیسیٰ علیہ السلام کو لکھنا، پڑھنا، حکمت و دانش اور نہ صرف انجیل یاد کروائی بلکہ تورات بھی انھیں پوری طرح ازبر تھی۔ حکمت میں انھیں اس قدر ید طولیٰ عطا کیا گیا کہ بڑے بڑے اطباء اور حکماء ان کے سامنے طفل مکتب کی مانند پیش ہوتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے مادرزاد اندھے کو بینائی دی اور کوڑھی کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو وہ صحت یاب ہوگیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے مردہ کو زندہ کیا یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہوا جہاں تک پرندہ بنانے اور اُسے اُڑانے کا تعلق ہے تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے کہ لوگوں نے ان سے چمگادڑ بنانے اور اس میں روح ڈالنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زمین سے مٹی اُٹھائی اور اُسے چمگادڑ کی شکل دی اس میں پھونک ماری تو چمگادڑ اُڑنے لگا۔

چمگادڑ کا مجسمہ بنانا عیسیٰ علیہ السلام کا کام تھا لیکن اس میں روح ڈالنا اور اُڑنے کی طاقت بخشنا اللہ تعالیٰ کا کمال تھا۔ صاحب بیضاوی کا کہنا ہے کہ لوگوں نے چمگادڑ بنانے کا اس لیے مطالبہ کیا تھا کہ یہ جانور دوسرے جانوروں سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اس کے جسم میں ہڈی نہیں ہوتی یہ صرف گوشت اور خون کا بنا ہوتا ہے۔ یہ پرندوں کی طرح اُڑتا ہے اور حیوانوں کی طرح بچے دیتا ہے۔ پرندے انڈے دیتے ہیں یہ دودھ دیتا ہے۔ اسے عورت کی طرح حیض آتا ہے، اور انسان کی طرح ہنستا

ہے عیسیٰ علیہ السلام کو دوسری نعمتوں کی یاددہانی کے ساتھ یہ بھی یاد کروایا جائے گا کہ اے عیسیٰ میں نے تجھے یہودیوں کی دستبرد سے بچایا اور تیرے بارے میں تیرے شاگردوں کے دل میں خصوصی محبت اور ایمان کا جذبہ بخشا۔ سورۃ آل عمران آیت ۴۹ میں ہر معجزے کے بعد باذن اللہ کے الفاظ بھی آئے ہیں جہاں نعمتوں کی یاددہانی کے بعد اللہ تعالیٰ نے ''بِاِذْنِیْ'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں کہ سب کچھ میری عطا اور میرے حکم سے ہوا تھا۔ تاکہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کا کمال تھا۔ لیکن افسوس بار بار کی صراحت کے بعد عیسائی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو اللہ تعالیٰ کا جز ٹھہراتے ہوئے کفر کرتے ہیں۔ جس کا قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام صاف صاف انکار کریں گے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خاص شرف بخشا تھا۔

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جبرائیل امین کی تائید حاصل تھی۔

۳۔ تمام کاموں کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات:

۱۔ مٹی سے پرندہ بنا کر اڑانا، مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو باذن اللہ اچھا کرنا۔ (آل عمران: ۴۹)

۲۔ آسمان سے دسترخوان کا اترنا۔ (المائدۃ: ۱۱۲تا۱۱۵)

۳۔ روح القدس کی تائید پانا۔ (البقرۃ: ۲۵۳)

۴۔ آپ کلمۃ اللہ ہیں۔ دنیا و آخرت میں عزت پانے والے ہیں۔ (آل عمران: ۴۵)

۵۔ بن باپ کے پیدا ہونا۔ (آل عمران: ۴۷)

۶۔ زندہ آسمانوں پر اٹھایا جانا۔ (النساء: ۱۵۸)

۷۔ ابتدائی دنوں میں اپنی نبوت کا اعلان کرنا۔ (مریم: ۳۰)

۸۔ اپنی والدہ کی براءت کا اعلان کرنا۔ (آل عمران: ۴۷)

۹۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لوگوں کو انکی کھانے پینے اور ذخیرہ کی ہوئی چیزوں کے بارے مطلع کرنا۔ (آل عمران: ۴۹)

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ج

اور جب وحی کی میں نے طرف حواریوں یہ کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول کے ساتھ / پر

قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ

انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور گواہ رہیں بیشک ہم مسلمان (جمع) جب کہا حواریوں نے

يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ

اے عیسیٰ بیٹا مریم کیا طاقت رکھتا ہے تیرا رب

اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ط قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ

یہ کہ وہ نازل کرے ہم پر دسترخوان سے آسمان اس نے کہا ڈرو اللہ سے اگر

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ

ہوتم ایمان والے کہا ہم ارادہ رکھتے ہیں یہ کہ ہم کھائیں اس سے اور مطمئن ہو جائیں

قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

ہمارے دل اور ہم جان لیں یہ کہ تحقیق تو نے سچ کہا ہم کو اور ہم ہو جائیں اس پر سے گواہی دینے والے

"اور جب میں نے حواریوں کی طرف وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور گواہ رہیں کہ بے شک ہم فرماں بردار ہیں۔ (۱۱۱) جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک دسترخوان اتارے؟ اس نے کہا اللہ سے ڈرو، اگر تم مومن ہو۔ (۱۱۲) انہوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم جان لیں کہ واقعی تو نے ہم سے سچ کہا ہے اور ہم اس پر گواہی دینے والوں سے ہو جائیں۔" (۱۱۳)

فہم القرآن

ربط کلام: قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دوسرے احسانات کے ساتھ یہ احسان بھی یاد کرایا جائے گا۔

اس فرمان کا پس منظر یوں معلوم ہوتا ہے کہ جب یہودیوں کی سازشوں اور پروپیگنڈہ کی بنا پر کوئی شخص بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر خاص کرم فرماتے ہوئے کچھ لوگوں کے دل ہدایت کے لیے کھول دیے۔ جس کو بیان کرتے ہوئے "اَوْحَيْتُ" کے الفاظ استعمال فرمائے کہ اے عیسیٰ! اللہ ہی نے تمہارے حواریوں کے دل میں القا کیا کہ آگے بڑھ کر عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاؤ اور اس کے دست و بازو بن جاؤ۔

قَالَ	عِيۡسَى	ابۡنُ	مَرۡيَمَ	اللّٰهُمَّ	رَبَّنَاۤ	اَنۡزِلۡ	عَلَيۡنَا	
کہا	عیسیٰ	بیٹا	مریم	اے اللہ	ہمارے رب	نازل کر	ہم پر	
مَآئِدَةً	مِّنَ السَّمَآءِ	تَكُوۡنُ	لَـنَا	عِيۡدًا	لِّاَوَّلِنَا	وَاٰخِرِنَا		
دسترخوان	سے آسمانوں (جمع)	وہ ہوجائے	ہمارے لیے	عید	ہمارے پہلوں	اور پچھلوں کیلئے		
وَاٰيَةً	مِّنۡكَ ‌ۚ	وَارۡزُقۡنَا	وَاَنۡتَ	خَيۡرُ	الرّٰزِقِيۡنَ ﴿۱۱۴﴾			
اور نشانی	تیری طرف سے	اور رزق دے ہم کو	اور تو	بہتر	رزق دینے والوں کا			
قَالَ	اللّٰهُ	اِنِّىۡ	مُنَزِّلُهَا	عَلَيۡكُمۡ‌ ۚ	فَمَنۡ	يَّكۡفُرۡ		
فرمایا	اللہ نے	بیشک میں	نازل کرنے والا ہوں اسے	تم پر	پھر جس نے	انکار کیا		
بَعۡدُ مِنۡكُمۡ	فَاِنِّىۡۤ	اُعَذِّبُهٗ	عَذَابًا	لَّاۤ	اُعَذِّبُهٗۤ	اَحَدًا		
بعد اس کے تم سے	تو بیشک	میں عذاب دوں گا ان کو	عذاب دینا	نہ	عذاب دوں گا انکو	کسی ایک		
مِّنَ	الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۱۵﴾							
سے	جہان والے							

''عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے اللہ، ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک دسترخوان اتار جو ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو اور ہمیں رزق عطا فرما اور تو بہترین رزق دینے والا ہے۔(۱۱۴) اللہ نے فرمایا: بے شک میں اسے تم پر اتارنے والا ہوں، پھر جو اس کے بعد تم میں سے ناشکری کرے گا تو میں اسے عذاب دوں گا ایسا عذاب جو دنیا میں کسی کو نہ دوں گا۔''(۱۱۵)

قرآن مجید کے دوسرے مقام پر اس کی یوں وضاحت ہے۔

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا أَنۡصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ لِلۡحَوَارِيِّيۡنَ مَنۡ أَنۡصَارِيۡۤ إِلَى اللّٰهِ قَالَ الۡحَوَارِيُّوۡنَ نَحۡنُ أَنۡصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡۢ بَنِيۡۤ إِسۡرَآئِيۡلَ وَكَفَرَتۡ طَّآئِفَةٌ فَأَيَّدۡنَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا عَلٰى عَدُوِّهِمۡ فَأَصۡبَحُوۡا ظَاهِرِيۡنَ﴾ [الصف: ۱۴]

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار بن جاؤ۔ جیسے عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے کہا تھا اللہ کی طرف (بلانے میں) میرا کون مددگار ہے؟ تو حواریوں نے کہا تھا کہ ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں پھر بنی اسرائیل کا ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور دوسرے گروہ نے انکار کر دیا ہم نے ایمان لانے والوں کی ان کے دشمنوں کے

مقابلے میں مدد کی لہٰذا وہی غالب رہے۔‘‘

حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اعلان تو کر دیا لیکن ساتھ ہی نہایت ادب کے ساتھ ملتمس ہوئے کہ جنابِ عیسیٰ علیہ السلام کیا یہ ممکن ہے آپ کا رب آسمان سے ہمارے لیے کھانوں سے بھرپور دستر خوان نازل کرے؟ ’’ھَلْ یَسْتَطِیْعُ‘‘ کے معنی یہ نہیں کہ انہیں شک تھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے دستر خوان نازل نہیں کرسکتا۔ یقیناً وہ جانتے تھے کہ جو رب من وسلویٰ اور بارش نازل کرسکتا ہے وہ پکا پکایا کھانا بھی نازل کرسکتا ہے۔ کیا آپ کا رب طاقت رکھتا ہے؟ کا مقصد یہ تھا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور اس کی حکمت کے منافی نہ ہو تو وہ ہم پر دستر خوان نازل فرمائے تاکہ ہم یہ فوائد حاصل کرسکیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ پکوان کو خوب مزے لے لے کر سیر ہو کر کھائیں۔

۲۔ جس طرح ابراہیم علیہ السلام کے سامنے پرندوں کا معجزہ ظاہر ہوا اور وہ اطمینان قلب کی دولت سے مالا مال ہوئے ہم بھی دستر خوان سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ قلبی اطمینان چاہتے ہیں۔

۳۔ اس اطمینان قلب اور انشراحِ صدر کے بعد ہم لوگوں کے سامنے شدّ ومدّ اور بھرپور طریقہ کے ساتھ آپ کی نبوت کا پرچار کریں گے۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم پر اپنی نعمتوں سے بھرپور دستر خوان نازل کروں گا لیکن یاد رکھنا اس کے بعد جس کسی نے انکار کیا تو اسے ایسے عذاب سے دوچار کیا جائے گا کہ جس کی مثال دنیا میں پہلے نہ ہوگی۔ دستر خوان کے نزول کے بارے میں مفسرین کی دو آرا پائی جاتی ہیں ایک طبقہ کا خیال ہے کہ دستر خوان نازل ہوا جب کہ دوسرے فریق کا خیال ہے کہ عذاب کی وارننگ سن کر حواریوں نے اس مطالبہ سے توبہ کرلی تھی۔ (واللہ اعلم)

مسائل

۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے خصوصی کھانے کی دعا کی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی آیات نازل ہونے پر اتمام حجت ہوجاتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

۱۔ اللہ ہی سب کو رزق دینے والا ہے:

۲۔ اے اللہ ہمیں رزق عطا فرما تو ہی بہتر رزق دینے والا ہے۔ (المائدہ:۱۱۴)

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ

اور جب | فرمایا | اللہ | اے عیسیٰ | ابن مریم | کیا تو | تو نے کہا تھا | لوگوں سے

اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ

بناؤ مجھے | اور میری ماں | دو الٰہ | سے | علاوہ | اللہ | کہا اس نے | تو پاک

مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ

نہیں ہے | میرے لیے | یہ کہ میں کہوں | جو نہیں | میرے لیے | کوئی حق | یہ کہ

كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ

میں ہوں | میں کہوں اس کو | تو تحقیق | تو جانتا ہے اسکو | تو جانتا ہے | جو میں | میرے نفس | اور نہیں

اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

میں جانتا | جو میں | تیرے نفس | بیشک تو | تو | خوب جانتا ہے | غیبوں کو

وقف النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

”اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنالو؟ وہ کہے گا تو پاک ہے، میرے لیے جائز نہیں کہ وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں اگر میں نے یہ کہا ہوتا تو یقیناً تو اسے جانتا ہوتا، تو جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے نفس میں ہے یقیناً تو ہی چھپی باتوں کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔“ (۱۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

عیسائیوں کے باطل عقیدہ کی وجہ سے یہ وقت بھی آئے گا کہ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کے سامنے بڑے جلال کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کرے گا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تو نے عیسائیوں کو یہ تبلیغ کی تھی کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنالو؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھر تھر کانپتے ہوئے ہونٹوں اور لڑکھڑاتی زبان سے اپنے رب کے حضور التجا کریں گے کہ اے رب ذوالجلال والاکرام میں وہ بات کہنے کی کس طرح جرأت کرسکتا تھا جس کے کہنے کا مجھے اختیار نہ تھا۔ الٰہی اگر میں نے یہ بات ان لوگوں کو کہی ہوتی میرے الفاظ اور میرے دل کی حالت کو آپ جانتے ہیں جس کا دوسرا مفہوم ہے کہ میں ایسی بات کہنا تو درکنار سوچ بھی نہیں سکتا۔ آپ میرے دل کی سچائی اور عاجزی سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ البتہ میں نہیں جانتا آپ میرے بارے میں کیا فیصلہ فرمانے والے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی فریاد کو جاری رکھتے ہوئے عرض کریں گے۔ کہ میں نے تو انہیں پوری زندگی یہی بات بار بار کہی اور سمجھائی کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ میں ان کے بارے میں

مَا قُلْتُ	لَهُمْ	اِلَّا مَآ	اَمَرْتَنِیْ	بِهٖٓ	اَنِ	اعْبُدُوا
نہیں میں نے کہا	ان کے لیے	مگر جو	مجھے حکم دیا تو نے	اسکا	یہ کہ	تم عبادت کرو
اللّٰهَ	رَبِّیْ	وَرَبَّكُمْ ج	وَكُنْتُ	عَلَيْهِمْ	شَهِيْدًا مَّا	دُمْتُ
اللہ کی	میرا رب	اور تمہارا رب	اور میں ہوں	ان پر	نگران جو	میں رہا
فِيْهِمْ ج	فَلَمَّا	تَوَفَّيْتَنِیْ	كُنْتَ	اَنْتَ	الرَّقِيْبَ	عَلَيْهِمْ ط
ان میں	پھر جب	تو نے مجھے فوت کیا	تو تھا	تو	نگہبان	ان پر
وَاَنْتَ	عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ	شَهِيْدٌ ۝	اِنْ	تُعَذِّبْهُمْ	فَاِنَّهُمْ	عِبَادُكَ ج
اور تو	پر ہر چیز	نگران	اگر	تو انکو عذاب دے	بیشک وہ	تیرے بندے
وَاِنْ	تَغْفِرْ لَهُمْ	فَاِنَّكَ	اَنْتَ	الْعَزِيْزُ	الْحَكِيْمُ ۝	
اور اگر	تو معاف کرے انکو	بیشک تو	تو	غالب	حکمت والا	

''میں نے انہیں اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور میں ان پر گواہ تھا جب تک ان میں رہا، پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی ان پر نگران تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔(۱۱۷) اگر تو انہیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی سب پر غالب، حکمت والا ہے۔''(۱۱۸)

اتنی ہی شہادت دے سکتا ہوں جب تک میں ان میں موجود رہا جب تو نے مجھے فوت کرلیا۔ تو ہی ان کا نگہبان تھا اور تو ہی ان کے عقیدے اور عمل کو جاننے والا ہے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ فریاد کرتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام اس قدر عاجزی وانکساری کا اظہار کریں گے کہ انکے جسم کے ایک ایک رونگٹے سے پسینا بہنا شروع ہو جائے گا۔ بالآخر سراپا التجا بن کر عرض گزار ہوں گے کہ تو انہیں عذاب کرے تیرے ہی بندے ہیں اگر معاف فرمادے تو تجھے روکنے اور ٹوکنے والا کوئی نہیں۔ تو اپنے فیصلے صادر کرنے پر غالب اور نہایت حکمت والا ہے۔ اس عاجزی اور بار بار فریاد کرنے کے باوجود رب ذوالجلال فرمائے گا کہ آج سچے لوگوں کو ان کی سچائی کا ہی فائدہ پہنچے گا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کریں گے۔ ۲۔ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مافوق الفطرت انسان ہی ہیں۔

۳۔ مرنے کے بعد انبیاء کو بھی دنیا کے حالات کا علم نہیں ہوتا۔

۴۔ اللہ جسے چاہے معاف کرے اور جسے چاہے عذاب میں مبتلا کرے۔

قَالَ	اللّٰهُ	هٰذَا	يَوْمُ	يَنْفَعُ	الصّٰدِقِيْنَ	صِدْقُهُمْ ؕ
فرمایا	اللہ	یہ	دن	وہ نفع دیگا	سچ بولنے والے	انکا سچ
لَهُمْ	جَنّٰتٌ	تَجْرِيْ	مِنْ	تَحْتِهَا	الْاَنْهٰرُ	خٰلِدِيْنَ
انکے لیے	باغات	چلتی ہیں	سے	نیچے ان کے	نہریں	رہنے والے
فِيْهَآ	اَبَدًا ؕ	رَضِيَ	اللّٰهُ	عَنْهُمْ	وَرَضُوْا	عَنْهُ ؕ
ان میں	ہمیشہ	راضی ہوا	اللہ	ان سے	اور وہ راضی ہوئے	اس سے
ذٰلِكَ	الْفَوْزُ	الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾				
وہ	کامیابی	بہت بڑی				

”اللہ فرمائے گا یہ وہ دن ہے کہ سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا۔ ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اللہ ان سے ہمیشہ راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“ (۱۱۹)

فہم القرآن

ربط کلام: عیسیٰ علیہ السلام کی معذرت اور فریاد کے باوجود اللہ تعالیٰ مشرکوں کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فریاد قبول نہ کرتے ہوئے فرمائے گا کہ آج کے دن سچے شخص کو اس کی سچائی کا فائدہ پہنچے گا۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی گئی ہے اے عیسیٰ جو کچھ تم نے کہا سچ کہا کہ واقعی تو اور تیری والدہ نے لوگوں کو شرک کی دعوت نہیں دی تھی لہٰذا تجھے مطمئن رہنا چاہیے آج ہر شخص کو فائدہ پہنچے گا جو سچ پر قائم رہا اور سچ کی دعوت دیتا رہا۔

ان آیات کے سیاق وسباق سے یہ حقیقت بالکل واضح اور نمایاں ہوتی ہے۔ یہاں صدق سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید ہے کیونکہ توحید کے بغیر دنیا کی کوئی سچائی قیامت کے دن انسان کی نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ توحید کے مقابلہ میں شرک ہے اور شرک کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا سورۃ النساء، آیت: ۱۱۶ میں فیصلہ ہے کہ اس نے شرک کو ہرگز معاف نہیں کرنا جبکہ دوسرے جس کو چاہے گا اس کے دوسرے گناہ معاف کر دے گا۔ جہاں تک توحید کے علاوہ دوسرے اعمال کا تعلق ہے نیکی کرنے والے کو اسکی نیکی کا دنیا میں فائدہ پہنچے گا لیکن شرک کی وجہ سے قیامت کے دن اس کے سب اعمال غارت ہو جائیں گے۔ اس کے مقابلے میں عقیدۂ توحید پر قائم رہنے اور اُس کے مطابق نیک اعمال کرنے والوں کے لیے ایسی جنت ہے جس کے نیچے نہریں اور چشمے جاری ہوں گے۔ اس میں صادقین کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داخلہ نصیب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہوگا اور یہ اپنے رب پر خوش وخرم ہوں گے ان کے لیے عظیم کامیابی ہے۔

((عَنْ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قال أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ ابْسُطْ يَمِينَكَ فَلْأُبَايِعْكَ فَبَسَطَ يَمِينَهُ قَالَ فَقَبَضْتُ يَدِي قَالَ مَا لَكَ يَا عَمْرُو قَالَ قُلْتُ أَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ بِمَاذَا قُلْتُ أَنْ يُغْفَرَ لِي قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ)) [رواه مسلم: كتاب الايمان، باب كون الاسلام يهدم ماقبله و كذا الهجرة و الحج]

''حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی اے اللہ کے رسول اپنادایاں ہاتھ آگے کیجیے تاکہ میں آپ کی بیعت کروں۔ جب آپ ﷺ نے اپنادایاں ہاتھ آگے کیا تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔تب آپ ﷺ نے پوچھا اے عمرو! کیا ہوا؟ میں نے عرض کی کہ ایک شرط کے ساتھ بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ارشاد ہوا کہ وہ کون سی شرط ہے؟ میں نے عرض کی کہ میرے گناہ معاف کردیے جائیں۔فرمایا عمرو تجھے معلوم نہیں اسلام پہلے گناہوں کو ختم کردیتا ہے۔''

مسائل

۱۔ عقیدۂ توحید اور صالح اعمال والے ہی سچے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی رضا بہت بڑی نعمت ہے۔

۳۔ جنت کا حصول بہت بڑی کامیابی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑی نعمت ہے:

۱۔ اللہ نے مومن مرد اور عورتوں سے جنت کا وعدہ کیا ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔اللہ کی رضامندی بڑی بات ہے۔(التوبۃ:۷۲)

۲۔ آج کے دن سچائی فائدہ دے گی۔ان کے لیے جنت ہے۔اللہ ان سے راضی ہوا۔وہ اللہ پر راضی ہو گئے یہی بڑی کامیابی ہے۔(المائدۃ:۱۱۹)

۳۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ پر راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہو گیا۔(المجادلۃ:۲۲)

۴۔ اللہ کی رضا بہت بڑی کامیابی ہے۔(التوبۃ:۱۰۰)

۵۔ ایمان دار، اعمال صالح کرنے والوں سے اللہ راضی ہوگا اور وہ اللہ پر راضی ہوں گے۔(البینۃ:۷تا۸)

وَهُوَ	فِيهِنَّ	وَمَا	الْأَرْضِ	وَ	السَّمٰوٰتِ	مُلْكُ	لِلّٰهِ
اور وہ	انکے درمیان	اور جو	زمین	اور	آسمانوں	بادشاہی	اللہ کیلئے

قَدِيْرٌ ﴿١٢٠﴾	شَيْءٍ	كُلِّ	عَلٰى
قدرت والا	چیز	ہر	پر

”اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اس کی بھی جو ان میں ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔“ (۱۲۰)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سورۃ کی ابتدا میں عہد کی پاسداری کا حکم دیا تھا عہد میں سب سے بڑا عہد بندے کا اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرنا ہے اب سورۃ کا اختتام شرک کی نفی اور توحید کے اثبات اور اقرار پر ہو رہا ہے۔

سورۃ کے اختتام میں اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہے اُسے اپنی ملکیت قرار دیتے ہوئے اس کے ذرّے ذرّے اور چپے چپے پر قادر ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ اے لوگو! اگر تم اللہ کی توحید سے منحرف ہو کر اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد توڑ دو اس کی نافرمانی اور شرک جیسے عظیم گناہ میں ملوث ہو جاؤ۔ تو اللہ تعالیٰ کی ملکیت، اس کے اقتدار اور اختیار میں ذرّہ برابر کمی واقع نہیں ہوتی۔ دوسرے لفظوں میں یہ خدا کے نافرمان اور باغیوں کو ایک چیلنج ہے جس کی رسول محترم ﷺ نے تفصیل یوں بیان فرمائی ہے:

مسائل

۱۔ زمین وآسمان کی بادشاہت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

۲۔ کائنات کی ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے:

۱۔ جو کچھ آسمان وزمین میں ہے وہ اللہ کی ملکیت ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (آل عمران: ۱۸۹)

۲۔ بے شک زمین وآسمان کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ (التوبۃ: ۱۱۶)

۳۔ کیا آپ نہیں جانتے؟ کہ زمین وآسمان کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے۔ (البقرۃ: ۱۰۷)

سورۃ الانعام کا تعارف

اس سورۃ مبارکہ کا نام آیت ۱۳۶ سے لیا گیا ہے۔ الانعام کا لفظ پورے قرآن میں ۳۰ مرتبہ اور اس سورۃ میں ۶ مرتبہ آیا ہے۔ اس کی آیات ۱۶۵ اور بیس ۲۰ رکوع ہیں۔ چند آیات کے سوا پوری کی پوری سورۃ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی۔ اس سورۃ مبارکہ کا مرکزی مضمون اللہ تعالیٰ کی توحید ہے مکہ اور اس کے گردونواح کا وسیع ترین علاقہ بلکہ پورا حجاز شرک کی غلاظت میں کلی طور پر ملوث تھا جس بناء پر اس میں اللہ کی توحید کے ایسے دلائل دیے گئے ہیں جن کا انکار کرنا کسی عقلمند اور شریف آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔ سورۃ کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش سے ہوتی ہے کیونکہ وہ ایسی ذات ہے جس نے زمین و آسمان، ظلمت اور روشنی پیدا فرمائی۔ وہی ذات ہے جس نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر انسان کی زندگی کا تعین فرمایا وہ زمین وآسمان کی ہر چیز اور انسانوں کی جلوت وخلوت کی حرکات سے ہر لمحہ مکمل آگاہی رکھنے والا ہے۔ لیکن مشرکین اس عقیدہ کو تسلیم کرنے کی بجائے دعوت توحید دینے والی شخصیات کا ہمیشہ سے مذاق اُڑاتے آرہے ہیں۔ اگر یہ لوگ دنیا کی تاریخ اور جغرافیہ پر توجہ کریں تو انھیں معلوم ہو جائے گا کہ عقیدہ توحید کی مخالفت کرنے والوں کا دنیا میں کیا انجام ہوا۔ توجہ دلاتے ہوئے یہ بھی بتا دیا گیا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اب تک انھیں نہیں پکڑا تو اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اس نے اپنی ذات پر لوگوں پر شفقت ومہربانی کرنا لازم قرار دے لیا ہے اس کے بعد درج ذیل توحید کے دلائل دیے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی زمین وآسمان پیدا کرنے والا اور لوگوں کو کھلانے، پلانے والا ہے جبکہ وہ خود کھانے پینے کا محتاج نہیں ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف پہنچانا چاہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے بچا نہیں سکتی اگر وہ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمالے تو اس خیر کو کوئی روک نہیں سکتا۔

۳۔ توحید کا اقرار سب سے بڑی گواہی اور شہادت ہے جس پر ایک داعی کو ہر حال میں قائم رہنا چاہیے۔

۴۔ توحید کا منکر حقیقتاً آخرت کا انکاری ہوتا ہے۔

۵۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کی بصیرت و بصارت اور سماعت کو کلیتاً ختم کردے تو زمین وآسمان میں کوئی ایسی طاقت نہیں جو ان صلاحیتوں کو واپس لوٹا سکے۔ (۴۶)

۶۔ اللہ کے خزانوں اور زمین وآسمان کے غائب کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (۵۰)

۷۔ اللہ ہی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اور وہ بحر و بر کی ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ یہاں تک کہ دنیا میں بیک وقت کھربوں کی تعداد میں درختوں سے گرنے والے پتے بھی اس کے علم اور شمار میں ہوتے ہیں۔ (۶۰)

۸۔ وہ ہر اعتبار سے اپنے بندوں پر غالب ہے۔ (۶۱)

۹۔ ان دلائل کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کے ساتھ مکالمہ ذکر کیا ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شمس وقمر اور

ستاروں کے حوالے سے توحید کے وہ دلائل دیے کہ نمرود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے ششدر اور خاموش ہو جاتا ہے۔اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام چیلنج کا ذکر کیا گیا ہے جس میں انہوں نے بے دھڑک ہو کر فرمایا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارے شریکوں سے ذرہ کے برابر بھی ڈرنے کے لیے تیار نہیں،اور یاد رکھو حقیقی امن مواحد کو حاصل ہوتا ہے۔

اس گفتگو کی تائید میں اٹھارہ انبیاء کا نام لے کر ذکر کیا ہے کہ وہ سب کے سب اللہ کی توحید کے داعی اور شرک کے خلاف برسرِ پیکار رہنے والے تھے وضاحت فرمائی کہ شرک اتنا سنگین جرم ہے کہ اگر یہ عظیم شخصیات شرک کا ارتکاب کرتی تو ان کے اعمال بھی ضائع کر دیے جاتے۔پھر اللہ تعالیٰ نے نباتات، صبح وشام، رات دن، شمس وقمر اور کائنات کی بڑی بڑی چیزوں کو اپنی وحدت کی تائید میں دلیل کے طور پر پیش کرتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں فرمایا ہے کہ اللہ کی ذات ہر اعتبار سے وحدہ لاشریک ہے وہ لوگوں کو براہ راست دیکھتا ہے لیکن اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا اس کے بعد آیت ۱۵۷ میں سرور دو عالم کو تسلی دی کہ آپ اپنا کام ایک مبلغ کی حیثیت سے کرتے جائیں اور یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منکرین پر چوکیدار بنا کر نہیں بھیجا۔ان لوگوں کی حالت تو یہ ہے کہ اگر ان پر فرشتے نازل کر دیے جائیں اور ان کے مدفون آباواجداد زندہ ہو کر انہیں سمجھائیں یہاں تک کہ ہر چیز ان کے سامنے اللہ کی توحید کی گواہی دے پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ یہ اپنی جہالت پر ڈٹ چکے ہیں۔(۱۱۱)

توحید کے دلائل دینے کے بعد حلال وحرام کے مسائل کا ذکر کیا گیا ہے اور حلال وحرام کے سلسلے میں مشرکین کے خود ساختہ اصولوں کی حقیقت بیان کی کہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے طے کر لیا کہ فلاں فلاں جانور کا کھانا ان کے مردوں کے لیے جائز مگر ان کی عورتوں کے لیے حرام ہے۔پھر مشرکین سے ان کے حلال وحرام کے قواعد کے بارے میں سوالات کرتے ہوئے انہیں چیلنج دیا کہ اگر تمہارے پاس ان کے حق میں کوئی علمی دلائل ہیں تو پیش کرو۔(۱۴۸)

اس کے بعد آیت ۱۵۱ تا ۱۵۴ میں توحید و شرک کا بیان، والدین سے حسن سلوک، اولاد کے حقوق، ہر قسم کی بے حیائی سے اجتناب، قتل وغارت سے روکتے ہوئے یتیموں کے ساتھ حسن سلوک، لین دین اور ہر معاملے میں عدل وانصاف کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ یہی صراط مستقیم ہے لوگوں کو اسی کی اتباع کرنا چاہیے۔سورۃ کا اختتام ان مسائل پر فرمایا کہ اے محبوب ﷺ آپ یہ اعلان فرمائیں کہ اللہ کی توحید پر قائم رہنا، اس کی دعوت دینا، غیر اللہ کا انکار کرنا اور نماز، قربانی، موت وحیات کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے کا نام ہی دین اور صراط مستقیم ہے۔آخر میں فرمایا کہ اللہ ہی تمہیں ایک دوسرے کا خلیفہ بناتا ہے تاکہ تمھیں آزمائے کہ تم اپنے اپنے مقام پر کس قسم کا کردار ادا کرتے ہو۔اور یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ بہت جلد تمہارا حساب چکا دینے والا ہے اور حساب لیتے ہوئے ظلم کی بجائے وہ معافی اور شفقت کو زیادہ پسند کرتا ہے۔

سُورَةُ الْاَنعَامِ مَكِيَّةٌ | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | رُكُوعُهَا: ٢٠ اٰيَاتُهَا: ١٦٥

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

اَلۡحَمۡدُ	لِلّٰهِ	الَّذِىۡ	خَلَقَ	السَّمٰوٰتِ	وَالۡاَرۡضَ	وَجَعَلَ
تمام تعریفیں	اللہ کے لیے	جس نے	پیدا کیا	آسمانوں	اور زمین	اور بنایا اس نے
الظُّلُمٰتِ	وَالنُّوۡرَ ؕ	ثُمَّ	الَّذِيۡنَ	كَفَرُوۡا	بِرَبِّهِمۡ	يَعۡدِلُوۡنَ ①
اندھیرے	اور روشنی	پھر	وہ لوگ	انھوں نے انکار کیا	اپنے رب کیساتھ	وہ برابری کرتے ہیں

''سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیروں اور روشنی کو بنایا، پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ برابر ٹھہراتے ہیں۔'' (۱)

فہم القرآن

قرآن مجید نے اس حقیقت کو بار بار واضح فرمایا ہے کہ زمین کا ذرہ ذرہ اور آسمانوں کا چپہ چپہ۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وستائش میں رطب اللّسان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کائنات کا خالق و مالک ہے۔ اسی بنا پر اس سورۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ اپنی حمد کا استحقاق بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے زمین و آسمانوں کو پیدا فرمایا اور اسی نے ظلمات اور نور بنایا لیکن کافر اتنے ناعاقبت اندیش ہیں کہ وہ اس عظیم الشان ہستی کا نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ وہ دوسروں کو اس کے برابر گردانتے ہیں حالانکہ وہ ایسی ہستی ہے جس نے نہ صرف سب کو پیدا فرمایا ہے بلکہ ہر کسی کی ضرورت کے مطابق اس کی پرورش کا انتظام فرمایا ہے۔ یہاں زمین و آسمانوں کے لیے تخلیق کا لفظ استعمال فرمایا۔ اندھیروں اور روشنی کے لیے ''جَعَلَ'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ شاید اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہو جو موجودہ سائنس دانوں نے ہمارے سامنے پیش کی ہے۔ سائنس دانوں کا کہنا ہے جس طرح زمین ایک کرّہ ہے اسی طرح سورج چاند اور بے شمار کرّہ جات ہیں۔ جس طرح سورج کے عکس سے چاند روشن ہوتا ہے اسی طرح بلندی پر جا کر دیکھیں تو زمین چمکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور ہر کرّہ ایک دوسرے کو روشن کیے ہوئے ہے۔ پھر اندھیرے کے لیے جمع کا لفظ استعمال کیا اور روشنی کو واحد قرار دیا۔ اس لیے اکثر مفسرین نے واضح فرمایا کہ اندھیرے کئی قسم کے ہیں اور روشنی ایک ہی ہوتی ہے۔ ظلمات سے مراد مختلف قسم کی گمراہیاں ہیں اور نور کا مفہوم ہدایت لیا گیا ہے کیونکہ ہدایت ہمیشہ سے ایک ہی رہی ہے اور گمراہی ہر دور میں اپنا روپ بدلتی رہتی ہے۔ لفظ ظلمات کو پہلے اس لیے لایا گیا یہ کائنات پہلے دھواں کی شکل میں تھی جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔ اور موجودہ سائنس بھی اس کی تائید کر رہی ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰٓی اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ

وہ جس نے تم کو پیدا کیا سے مٹی پھر مقرر کیا اس نے ایک وقت اور ایک وقت

مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝

مقرر اسکے پاس پھر ہو تم شک کرتے

”وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر ایک مدت مقرر کی اور ایک اور مدت اس کے ہاں مقرر ہے، پھر تم شک کرتے ہو۔“(۲)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ: جس میں توحید کے دلائل بیان کیے جارہے ہیں۔

جیسا کہ حدیث شریف کے حوالے سے پہلی آیت میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان میں سب سے پہلے مٹی کو پیدا فرمایا۔ اب ارشاد ہوا کہ اے انسان ہم نے اُسی مٹی سے تمھیں پیدا کیا ہے۔ تخلیق انسانیت کے پہلے مرحلہ کا ذکر کرنے کے بعد اجل کا ذکر کیا ہے۔ اجل کا معنی وہ مدت ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان اور ہر چیز کی مقرر کر رکھی ہے۔ جسے دو حصوں میں بیان کیا گیا ہے۔ پہلی اجل سے مراد انسان اور ہر چیز کی ابتدا اور موت ہے دوسری اجل کا مفہوم قیامت لیا گیا ہے دونوں قسم کی اجل کا ایک وقت مقرر ہے۔ جس میں ایک لمحہ کی تاخیر نہیں ہو سکتی اور دنیا کا کوئی سائنس دان اس اجل کی مدت کو نہیں پا سکتا۔ یہاں انسان کو اس کی تخلیق کے ساتھ اس کی اصلیت بتائی گئی ہے کہ اے انسان! تو جو کچھ بھی ہو جائے تیری اصلیت مٹی ہے۔ اور بالآخر تجھے اسی میں جانا ہے دوسرے لفظوں میں انسان کی تخلیق سے لے کر اس کی موت اور پھر قیامت کے دن اٹھنے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونے میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا لیکن صد حیف ہے ایسے انسان پر جو نہ صرف اپنی ابتدا اور انجام کو بھول چکا ہے بلکہ وہ خالق حقیقی کے بارے میں بھی شک کرتا ہے۔

((عَنْ أَبِی مُوسَی الْأَشْعَرِی رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ إِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَۃٍ قَبَضَھَا مِنْ جَمِیعِ الْأَرْضِ فَجَاءَ بَنُو آدَمَ عَلٰی قَدْرِ الْأَرْضِ جَاءَ مِنْھُمُ الْأَحْمَرُ وَالْأَبْیَضُ وَالْأَسْوَدُ وَبَیْنَ ذٰلِکَ وَالسَّھْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِیثُ وَالطَّیِّبُ))[رواہ ابو داود: کتاب السنہ، باب فی القدر]

”حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو ایک مٹھی سے پیدا کیا۔ جو اس نے ساری زمین سے لی تھی تو آدم کی اولاد زمین کے مطابق ہوئی۔ ان میں سرخ، سفید، سیاہ اور ان کی درمیانی رنگت کے لوگ ہیں ان میں کچھ سخت اور کچھ نرم طبیعت کے لوگ ہیں اسی طرح کچھ نیک اور کچھ بد ہیں۔“

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ خَطَبَ النَّاسَ یَوْمَ فَتْحِ مَكَّۃَ فَقَالَ النَّاسُ بَنُو آدَمَ وَخَلَقَ اللّٰہُ آدَمَ

مِنْ تُرَابٍ)) [رواه الترمذی: کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ الحجرات]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا۔''

﴿خَلَقَ الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾ [سورۃ الرحمن: ۱۴]

''اس نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجنے والی مٹی سے پیدا کیا''

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ﴾ [سورۃ الحجر: ۲۶]

''اور ہم نے انسان کو گلے سڑے گارے، کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا''

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ﴾ [سورۃ المؤمنون: ۱۲]

''اور ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَّ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم خَطًّا مُرَبَّعًا، وَخَطَّ خَطًّا فِی الْوَسَطِ خَارِجًا مِنْهُ، وَخَطَّ خُطُطًا صِغَارًا إِلٰی هٰذَا الَّذِی فِی الْوَسَطِ، مِنْ جَانِبِهِ الَّذِی فِی الْوَسَطِ وَقَالَ هٰذَا الْإِنْسَانُ، وَهٰذَا أَجَلُهُ مُحِيطٌ بِهِ أَوْ قَدْ أَحَاطَ بِهِ وَهٰذَا الَّذِی هُوَ خَارِجٌ أَمَلُهُ، وَهٰذِهِ الْخُطُطُ الصِّغَارُ الْأَعْرَاضُ، فَإِنْ أَخْطَأَهُ هٰذَا نَهَشَهُ هٰذَا، وَإِنْ أَخْطَأَهُ هٰذَا نَهَشَهُ هٰذَا)) [رواه البخاری: باب فی الأمل وطوله]

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چوکور خط کھینچا اور ایک خط اُس کے درمیان میں سے کھینچا جو چوکور خط سے باہر نکل رہا تھا اور اُس کے اردگرد چھوٹے چھوٹے اور خط کھینچے آپ نے فرمایا درمیان والا خط انسان ہے اور چاروں طرف سے اُس کی اجل اُسے گھیرے ہوئے ہے اور یہ جو خط باہر نکل رہا ہے یہ اُس کی حرص ہے اور چھوٹے چھوٹے جو خطوط ہیں یہ اُس کی خواہشات ہیں اگر ایک سے بچے تو دوسری خواہش دامن تھام لیتی ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو مٹی سے پیدا کیا۔ ۲۔ ہر نفس کی موت وحیات کا ایک وقت مقرر ہے۔

۳۔ قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہر چیز کا وقت مقرر ہے:

۱۔ ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ (الاعراف: ۳۴)

۲۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو وقت مقررہ تک ڈھیل دیتا ہے۔ (ھود: ۱۰۴)

۳۔ سورج اور چاند اپنے مقررہ وقت کے پابند ہیں۔ (الرعد: ۲) ۴۔ رات اور دن اپنے وقت کے پابند ہیں۔ (الزمر: ۵)

۵۔ جب کسی کی اجل آجائے تو اس میں تقدیم وتاخیر نہیں ہوتی۔ (یونس: ۴۹)

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ

اوروہ — اللہ — میں — آسمانوں — اور میں زمین — وہ جانتا ہے — تمہارا پوشیدہ — اور تمہارا ظاہر

وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ

اوروہ جانتا ہے — جو — تم کماتے ہو — اور نہیں — آتی انکے پاس — سے — نشانی

مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ④

سے — نشانیاں — انکارب — مگر — وہ تھے — اس سے — منہ پھیرنے والے

''اور آسمانوں میں اور زمین میں وہی اللہ ہے تمہارے چھپے اور تمہارے کھلے کو جانتا ہے، اور جانتا ہے جو تم کماتے ہو۔ (۳) اور ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آئی مگر وہ اس سے منہ پھیرنے والے ہی تھے۔'' (۴)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ: توحید کے دلائل کا تذکرہ جاری ہے۔

اس سے پہلی آیت میں انسان کی تخلیق اس کی موت وحیات کا ذکر تھا۔ اب اللہ تعالیٰ یہ بتلانا چاہتا ہے کہ اے انسان تجھے ہوش کے ناخن لینے اور اس حقیقت کا ادراک کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کو پیدا کرنے کے بعد الگ تھلگ ہو کر گوشہ نشین نہیں ہوا۔ بلکہ جس طرح وہ زمین وآسمان کے چپہ چپہ اور ذرہ ذرہ سے واقف اور ان کے نظام کو سنبھالے ہوئے ہے اسی طرح وہ انسان کی جلوت وخلوت اور ہر قسم کی نقل وحرکت سے واقف ہے۔ کسب کا لفظ استعمال فرما کر انسان کے کردار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اسے اپنے فکر وعمل کا محاسبہ کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے کردار سے پوری طرح واقف ہے۔ تخلیق کائنات کا پہلے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اے انسان! اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ذاتِ کبریا ہے جو لامحدود وسعتوں کی حامل زمین جو تہ در تہ سات طبقات پر مشتمل ہے اور آسمان جو اپنی وسعت وکشادگی اور رفعت وبلندی کے اعتبار سے انسانی تخیلات سے ماوراء ہے جب ان کے ایک ایک ذرّے پر اللہ تعالیٰ کنٹرول کیے ہوئے ہے تو تجھے بھی غور کرنا چاہیے کہ تیری جلوت وخلوت، اچھی اور بری حرکت۔ اللہ تعالیٰ کے اختیار سے باہر نہیں ہو سکتی یہ تو اس کی حکمت بالغہ اور ابدی فیصلے کا نتیجہ ہے کہ اس نے انسان کو ایک مدت معینہ تک ڈھیل دے رکھی ہے لیکن انسان کی کوتاہ بینی کا عالم یہ ہے کہ وہ چار سو پھیلی ہوئی اس کی قدرت کی نشانیوں سے اعراض اور انحراف کرتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جب بھی انسان کے سامنے انبیاء علیہم السلام نے حق پیش کیا تو انسانوں کی غالب اکثریت نے اس کی تکذیب کی۔ اس تکذیب کا نتیجہ عنقریب ان کے سامنے آجائے گا جو اللہ تعالیٰ کی پکڑ کی صورت میں ہوگا۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا جب اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے تجلی فرمائی اُس وقت وہ اندھیری رات میں پتھر پر چلنے والی چیونٹی کو دیکھ رہا تھا دس فرسخ کے فاصلے سے۔'' [(الشفا) بحوالہ ابن کثیر]

فَقَدْ	كَذَّبُوْا	بِالْحَقِّ	لَمَّا	جَآءَهُمْ ؕ	فَسَوْفَ	يَاْتِيْهِمْ
پس تحقیق	انہوں نے جھٹلایا	حق	جب	آیا انکے پاس	تو عنقریب	آئیں گی انکے پاس

اَنْۢبٰٓؤُا	مَا	كَانُوْا	بِهٖ	يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝	اَلَمْ	يَرَوْا كَمْ
خبریں	جو	وہ تھے	اسکے ساتھ	وہ مذاق کرتے	کیا نہیں	انہوں نے دیکھا کتنی

اَهْلَكْنَا	مِنْ	قَبْلِهِمْ	مِّنْ	قَرْنٍ	مَّكَّنّٰهُمْ
ہم نے ہلاک کیں	سے	پہلے ان	سے	امتیں	ہم نے انکو طاقت دی

’’پس بے شک انہوں نے حق کو جھٹلا دیا جب ان کے پاس آیا تو جلد ہی ان کے پاس اس کی خبریں آ جائیں گی جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے ہیں۔(۵) کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے زمانوں کے لوگ ہلاک کر دیے

فہم القرآن

ربط کلام: پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کو توحید اور اس کے دلائل اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں سے اعراض، ان کی تکذیب کرنے اور ان کا مذاق اُڑانے سے منع فرمایا تھا۔ اب افتراء اور استہزاء پر ان کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ کفار اور مکذبین کو عذاب کی وعید سنانا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ ان سے پہلے عاد، ثمود، قوم فرعون اور قوم لوط کو ہلاک کر دیا گیا۔ جنھوں نے اس گھمنڈ کے ساتھ تکذیب کی کہ ہم بہت طاقتور، اور مالدار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جرائم کی وجہ سے ان کی پکڑ کی اور ان کو ختم کر کے ان کی جگہ دوسری قوم کھڑی کر دی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے جو قوم اپنے رسول کی تکذیب اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتی ہے۔ اللہ اسے ملیا میٹ کر دیتا ہے۔

قرن: کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ مال اور طاقت ان کے کچھ کام نہ آئے، ایک نسل یا کسی قوم کا دور مدت سو سال بیان کی گئی ہے۔ (رازی)

نبی ﷺ نے حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا تم ایک قرن زندہ رہو گے۔ تو وہ سو سال زندہ رہے۔ (الجامع لاحکام القرآن)

((عن عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْرُكُمْ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ قَالَ عِمْرَانُ لَا أَدْرِي أَذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ بَعْدُ قَرْنَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً))

[رواه البخاري: كتاب الشهادات، باب لايشهد على شهادة جور]

’’حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے بہترین زمانہ میرا ہے پھر ان کے بعد

فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ

میں	زمین	جونہیں	ہم نے طاقت دی	تمہیں	اور ہم نے بھیجی	آسمان (جمع)

عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ

ان پر	موسلادھار بارش	اور ہم نے بنائی	نہریں	چلتی ہیں	سے	ان کے نیچے

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝

تو ہم نے انکو ہلاک کیا	انکے گناہوں کی وجہ	اور ہم نے پیدا کیں	سے	انکے بعد	امتیں	دوسری

جنہیں ہم نے زمین میں وہ اقتدار دیا تھا جو تمہیں نہیں دیا اور ہم نے ان پر موسلادھار بارش برسائی اور ہم نے نہریں بنائیں جو ان کے نیچے چلتی تھیں، پھر ہم نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور ان کے بعد دوسرے زمانے کے لوگ پیدا کر دیے۔'' (٦)

آنے والے لوگ پھر ان کے بعد آنے والے لوگ درجہ بدرجہ ہیں۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کہتے ہیں مجھے یہ بات یاد نہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد دو زمانوں کا تذکرہ کیا یا تین کا۔''

مسائل

١۔ کافر اللہ تعالیٰ کے کلام کی تکذیب کرتے ہیں۔

٢۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑانے والوں کو ضرور سزا دی جائے گی۔

٣۔ جو قوم بھی سرکشی کی راہ اختیار کرے گی اسے خوشحالی و مادی ترقی ہلاکت سے نہیں بچا سکتی۔

تفسیر بالقرآن

تباہ ہونے والی بڑی بڑی اقوام:

١۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی اقوام کو تباہ کیا۔ (الانعام: ٦)

٢۔ جب تم سے پہلے لوگوں نے ظلم کیا تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔ (یونس: ١٣)

٣۔ ثمود زوردار آواز کے ساتھ ہلاک کیے گئے۔ (الحاقۃ: ٥)

٤۔ عاد زبردست آندھی کے ذریعے ہلاک ہوئے۔ (الحاقۃ: ٦)

٥۔ فاسق ہلاک کر دیے گئے۔ (الاحقاف: ٣٥)

٦۔ قوم نوح طوفان کے ذریعے ہلاک ہوئی۔ (الاعراف: ١٣٦)

٧۔ قوم لوط کو زمین سے اٹھا کر آسمان کے قریب لے جا کر الٹا دیا گیا۔ (ھود: ٨٢)

وَلَوْ نَزَّلْنَا	عَلَيْكَ	كِتٰبًا	فِيْ	قِرْطَاسٍ	فَلَمَسُوْهُ	بِأَيْدِيْهِمْ
اور اگر ہم اتارتے	آپ پر	کتاب	میں	کاغذ	پھر وہ اس کو چھوتے	انکے ہاتھ
لَقَالَ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْٓا	اِنْ	هٰذَآ	اِلَّا	سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝
البتہ کہا	وہ لوگ	جنہوں نے انکار کیا	نہیں	یہ	مگر	جادو واضح

''اور اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب اتارتے، پھر وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لیتے تو جن لوگوں نے انکار کیا ہے یہی کہتے کہ یہ تو کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں۔'' (٧)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآن مجید کے انتباہ اور پہلی اقوام کے انجام بیان کرنے کے باوجود کفار کے بے جا مطالبات اور ان کا جواب۔

اہل کفر انبیاء علیہم السلام سے ایسے مطالبات کرتے تھے جن کا دعویٰ کسی نبی علیہ السلام نے نہیں کیا تھا اس کے باوجود اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہنے والے لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ ہم اس وقت تک تیری تائید نہیں کر سکتے۔ جب تک تختیوں کی شکل میں ہمارے پاس تورات نہ لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر تختیوں کی شکل میں آسمان سے تورات نازل فرمائی۔ مطالبہ پورا ہونے کے باوجود بنی اسرائیل کی اکثریت نے تورات پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ یہی حال اہل مکہ کا تھا۔ وہ آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم تب ایمان لائیں گے کہ جب ہم پر قرطاس یعنی اوراق کی شکل میں کتاب نازل کی جائے اور ہم اس کو اپنے ہاتھوں سے اچھی طرح ٹٹول کر یقین کر لیں۔ تب جا کر ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اہل کفر کا شروع سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ جب ان کا مطالبہ پورا ہو جاتا تو وہ اسے جادو قرار دیتے تھے۔ یہی اہل مکہ نے کردار پیش کیا۔ جب نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا مطالبہ کیا۔ آپ کے اشارہ کرنے پر اللہ کے حکم سے چاند دو ٹکڑے ہوا تو کہنے لگے یہ شخص تو بہت بڑا جادوگر ہے۔ ایسا ہی ان کا رد عمل آپ پر نازل کیے گئے دوسرے معجزات کے بارے میں سامنے آیا۔ اس کے بعد انھوں نے یہ مطالبہ کر ڈالا کہ اس نبی کے ساتھ ایک فرشتے کی ڈیوٹی کیوں نہیں لگائی گئی جو جگہ جگہ اس کی تائید کرتا اور اس کا انکار کرنے والوں کو موقع پر سزا دیتا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اگر ہم فرشتے کو نازل کرتے تو پھر مہلت دیے بغیر موقع پر ہی مجرموں کو سزا دے دی جاتی۔ جس طرح کہ قوم لوط کے پاس فرشتے آئے اور انھوں نے لوط علیہ السلام اور ان کے متبعین کو بستی سے نکل جانے کا موقع فراہم کرنے کے بعد منکروں کو تہس نہس کر دیا۔

﴿قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ۝ فَلَمَّا جَآءَ

أَمْرُنَا جَعَلْنَا عالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ مَّنْضُوْدٍo مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِيْنَ بِبَعِيْدٍo﴾ [ھود:۸۱تا۸۳]

”کہنے لگے: اے لوط! ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں یہ لوگ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے تم رات کا کچھ حصہ باقی ہوتو اپنے گھر والوں کو لے کر بستی سے نکل جاؤ اور تم میں سے کوئی بھی مڑ کر نہ دیکھے البتہ تمہاری بیوی پر وہی کچھ گزرنا ہے جوان پر گزرے گا۔ ان پر عذاب کے لیے صبح کا وقت مقرر ہے۔ کیا اب صبح قریب ہی نہیں؟ پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اس بستی کا اوپر کا حصہ نچلا حصہ بنا دیا پھر ان پر کھنگر قسم کے تہ بہ تہ پتھر برسائے۔ جو تیرے رب کے ہاں سے نشان زدہ تھے اور یہ خطہ ان ظالموں سے کچھ دور بھی نہیں۔“

مسائل

۱۔ اہل کفر انبیاء کرام علیہم السلام سے نت نئے مطالبے کیا کرتے تھے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے احوال سے بخوبی واقف ہے۔
۳۔ اللہ کی آیات کو جھٹلانا اہل کفر کا وطیرہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء علیہم السلام پر کفار کے جادو کا الزام:

۱۔ آل فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جادوگر کا الزام لگایا۔ (القصص:۳۶)
۲۔ کفار نے تمام انبیاء علیہم السلام کو جادوگر اور دیوانہ قرار دیا۔ (الذاریات:۵۲)
۳۔ کفار کے پاس حق بات آئی تو انھوں نے اسے جادو قرار دیا۔ (سباء:۴۳)
۴۔ جب لوگوں کے پاس حق آیا تو انھوں نے کہا یہ تو جادو ہے۔ ہم اسے نہیں مانتے۔ (الزخرف:۳۰)
۵۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ نے جادوگر کہا۔ (الصّف:۶)
۶۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جادو زدہ کہا گیا۔ (الفرقان:۸۔ بنی اسرائیل:۴۷)
۷۔ کیا قرآن جادو ہے یا تم نہیں دیکھتے۔ (الطّور:۱۵)
۸۔ حضرت صالح اور حضرت شعیب کو جادو زدہ کہا گیا۔ (الشعراء:۱۵۳۔۱۸۵)

وَ قَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ

اورانہوں نے کہا کیوں نہیں نازل کیا گیا اس پر فرشتہ اوراگر ہم نازل کرتے فرشتہ تو فیصلہ کردیا جاتا

الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ

معاملہ پھر نہ وہ مہلت دیے جاتے اوراگر ہم اسکو بناتے فرشتہ البتہ ہم اسکو بناتے

رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝

آدمی اورالبتہ ہم شبہ ڈالتے ان پر جو وہ شک کررہے ہیں

''اورانہوں نے کہا اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا؟ اور اگر ہم کوئی فرشتہ اتارتے تو ضرور کام تمام کردیا جاتا، پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی۔(٨) اوراگر ہم اسے فرشتے بناتے تو یقیناً اسے آدمی بناتے اوران پر وہی شبہ ڈالتے جو وہ شبہ اب ڈال رہے ہیں۔''(٩)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار کا دوسرا مطالبہ:

سورۂ یونس آیت ٢ میں بیان ہوا ہے کہ لوگوں نے ہمیشہ اس بات پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے انبیاء کو کیوں مبعوث کیا ہے؟ سورۃ الفرقان کی آیت ٧ میں کفار کے اس تعجب کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ یہ کیسا رسول ہے جو ہماری طرح کھاتا پیتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ایک فرشتہ نازل کرتا جو ہر مقام پر اس کی تائید کرتا۔ یہاں بھی کفار کے اُسی مطالبہ کا اعادہ کیا گیا ہے۔ جس کے دو جواب دیے گئے ہیں کہ اگر ہم اپنے رسول کی تائید میں فرشتہ نازل کرتے اور اسکے مقابلہ میں لوگ انکار کرتے تو ان کو کبھی مہلت نہ دی جاتی۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر فرشتہ کو رسول بنایا جاتا تو وہ بھی انسان کی شکل میں ہی رسول ہوتا اگر ہم ایسا کرتے تو یہ لوگ یہی یاوا گوئی کرتے کہ ہم انسان ہیں اور ہمارے لیے ہمارے جیسا انسان ہی رسول ہونا چاہیے تھا۔

انسانوں میں رسول بنانے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہ انسانوں کی طرح اپنی حاجات کو پورا کرتے ہوئے لوگوں کے سامنے بہترین نمونہ ثابت ہوں، تاکہ لوگ یہ بہانہ نہ بنا سکیں کہ تم تو فرشتے ہو جبکہ ہم حاجات میں پھنسے ہوئے انسان ہیں لہٰذا ہم شریعت پر کس طرح عمل پیرا ہو سکتے ہیں؟ اس بہانے کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے وہ سارے بنی نوع انسان میں سے تھے تاکہ لوگوں کے لیے کوئی حجت باقی نہ رہے۔

افسوس آج مسلمانوں میں کئی لوگ نبی ﷺ کو فرشتہ یعنی نوری مخلوق ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو صریح طور

پر قرآن مجید کی آیات کے اُلٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت سے نوازے۔ آمین

﴿أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ مُّبِينٌ﴾ [یونس:۲]

''کیا لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ انہیں میں سے ایک آدمی پر ہم نے وحی کی کہ وہ لوگوں کو ڈرائے اور ایمان لانے والوں کو یہ خوشخبری دے کہ ان کے رب کے ہاں ان کی حقیقی عزت اور مرتبہ ہے تو کافروں نے کہہ دیا کہ یہ صاف جادو ہے۔''

﴿وَقَالُوا مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا﴾ [الفرقان:۷]

''وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا جو اس کے ساتھ رہتا اور لوگوں کو ڈرایا کرتا؟''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے ہی رسول منتخب فرماتا رہا ہے۔

۲۔ اللہ کی آیات آجانے کے بعد لوگوں پر حجت تمام ہو جاتی ہے۔

۳۔ کھلے معجزے کا انکار کرنا عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے۔

تفسیر بالقرآن

تمام انبیاء علیہم السلام بشر اور بندے تھے۔

۱۔ انبیاء علیہم السلام کا اقرار کہ ہم بشر ہیں۔ (ابراہیم:۱۱)

۲۔ ہم نے آپ سے پہلے جتنے نبی بھیجے وہ بشر ہی تھے۔ (النحل:۴۳)

۳۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتراف کہ میں تمہاری طرح کا بشر ہوں۔ (الکھف:۱۱۰، حم السجدۃ:۶)

۴۔ ہم نے آدمیوں کی طرف وحی کی۔ (یوسف:۱۰۹)

۵۔ کسی بشر کو ہمیشگی نہیں ہے۔ (الانبیاء:۳۴)

۶۔ کفار کو ان کے رسولوں نے کہا ہم تمہاری طرح بشر ہیں۔ (ابراہیم:۱۱)

۷۔ شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا کہ تو ہماری طرح بشر ہے اور ہم تجھے جھوٹا تصور کرتے ہیں۔ (الشعراء:۱۸۶)

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا

اور البتہ تحقیق مذاق کیا گیا رسولوں سے سے پہلے آپ سو گھیر لیا ان لوگوں کو انہوں نے تمسخر کیا

مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝١٠ قُلْ سِيْرُوْا

ان سے جو وہ تھے اسکے ساتھ مذاق کرتے فرما دیجیے چلو تم

فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝١١

میں زمین پھر تم دیکھو کیسا ہوا انجام جھٹلانے والے

''اور بے شک آپ سے پہلے کئی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا تو ان میں سے جنہوں نے مذاق اڑایا تھا انہیں اسی چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔(١٠) فرمادیں زمین میں چلو، پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟''(١١)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار کا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مذاق اور اس کا انجام۔

اہل کفر انبیاء کرام علیہم السلام سے صرف اوٹ پٹانگ مطالبات ہی نہیں کیا کرتے تھے بلکہ انھیں ہر طرح زچ اور پریشان کرنے کے ہتھکنڈے بھی استعمال کرتے تھے۔ ان ہتھکنڈوں اور کٹ حجتوں میں ایک بات یہ بھی تھی کہ ان کی شخصیات کو تضحیک کا نشانہ بنانے کے ساتھ ساتھ ان کی نبوت کو مذاق اور ان کے کام کو کھیل تماشا سمجھتے تھے۔ جس طرح ابراہیم علیہ السلام کی قوم ان سے کہنے لگی کہ کیا تو ہمارے پاس کوئی حق اور سچ کی بات لایا ہے یا کہ محض کھیل تماشا کر رہا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کے دلائل دیتے ہوئے فرمایا کہ تمھارے رب کی ہی بات کہہ رہا ہوں وہ رب جس نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا اور میں تم پر شہادت قائم کر رہا ہوں۔ (الانبیاء:٥٥،٥٦)

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ساڑھے نو سو سال آپ کو ستایا چند لوگوں کے سوا باقی لوگ ان کی مخالفت اور کفر پر ڈٹے رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان الفاظ میں بددعا کی اے میرے رب اب ایسا عذاب نازل فرما کہ کفار کا ایک فرد بھی نہ بچے۔ اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا آپ ہماری نگرانی اور وحی کے مطابق ایک کشتی تیار کریں۔ جب نوح علیہ السلام کشتی تیار کر رہے تھے تو ان کی قوم کے بڑے لوگ دیکھ کر انھیں مذاق کرتے تھے۔ جس کے جواب میں جناب نوح علیہ السلام فرماتے کہ وقت آنے والا ہے۔ جس طرح ہمیں مذاق کرتے ہو ہم بھی تمھیں اسی طرح مذاق کریں گے۔ پہلی اقوام کی طرح کافر اور منافق بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مذاق کرتے تھے۔ منافقوں کے بارے میں تو یہاں تک موجود

ہے جب آپ پر کسی نئی سورت کا نزول ہوتا تو منافق آپ کو استہزاء کا نشانہ بناتے۔ جب آپ انھیں سمجھاتے تو وہ کہتے ہم تو محض شغل اور دل لگی کے لیے ایسی بات کر رہے ہیں۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ کیا تم اللہ کی ذات اور اس کے ارشادات اور اس کے معزز رسول سے مذاق کرتے ہو؟ (التوبۃ:٦٤ تا ٦٥)

یہاں ایسے لوگوں کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اے رسول! اپنا عزم اور حوصلہ بلند رکھیے آپ سے مذاق ہونا کوئی عجب کی بات نہیں آپ سے پہلے انبیاء کا تمسخر اڑایا جاتا رہا ہے۔ جس طرح پہلے لوگوں کو ان کے کردار کی سزا ملی اسی طرح آپ کو مذاق کرنے والے بھی اپنے انجام سے دوچار ہوں گے۔ لہٰذا آپ فرما دیجیے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو۔ کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے اور انبیاء کو مذاق کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔

مسائل

۱۔ پہلی اقوام کے انجام سے عبرت و نصیحت حاصل کرنی چاہیے۔

۲۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلانے والوں کو نشانۂ عبرت بنا دیا گیا۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء اور "اللہ" کی آیات کو جھٹلانے والے لوگ:

۱۔ اگر انھوں نے آپ کو جھٹلا دیا ہے تو آپ سے پہلے بھی کئی رسول جھٹلائے گئے۔ (آل عمران:۱۸۴)

۲۔ آپ کو اگر انھوں نے جھٹلا دیا ہے آپ فرما دیں میرے لیے میرے عمل اور تمھارے لیے تمھارا عمل ہے۔ (یونس:۴۱)

۳۔ اگر انھوں نے آپ کو جھٹلا دیا ہے تو آپ فرما دیں تمھارا رب وسیع رحمت والا ہے۔ (الانعام:۱۴۷)

۴۔ اگر انھوں نے آپ کو جھٹلا دیا ہے تو جھٹلائے گئے ان سے پہلے حضرت نوح وغیرہ۔ (الحج:۴۲)

۵۔ اگر انھوں نے آپ کو جھٹلایا ہے۔ تو ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا۔ (الفاطر:۲۵)

۶۔ وہ لوگ جو ہماری آیات کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور ان کی تکذیب کرتے ہیں وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ (البقرۃ:۳۹)

۷۔ انہوں نے کہا کیا بشر ہم کو ہدایت دے گا انہوں نے کفر کیا اور ایمان لانے سے اعراض کیا۔ (التغابن:۶)

۸۔ انہوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا تو انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ (العنکبوت:۳۷)

قُلْ	لِّمَنْ	مَّا	فِي	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ ؕ	قُلْ	لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ
فرماد یجیے	کس لیے ہے	جو	میں	آسمانوں	اور زمین	فرماد یجیے	اللہ کیلئے اس نے لکھا
عَلٰى	نَفْسِهِ	الرَّحْمَةَ ؕ	لَيَجْمَعَنَّكُمْ	اِلٰى	يَوْمِ	الْقِيٰمَةِ	
پر	اپنے نفس	رحمت	یقیناً وہ تمہیں جمع کریگا	طرف	دن	قیامت	
لَا رَيْبَ	فِيْهِ ؕ	اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا	اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ	لَا	يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾		
نہیں شک	اس میں	وہ لوگ انہوں خسارے میں ڈالا	ان کے نفس پھر وہ	نہیں	وہ ایمان لاتے		

’’فرماد یجیے کس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے؟ فرماد یجیے اللہ کا ہے اس نے اپنے اوپر رحم کرنا لکھ دیا ہے وہ تمہیں قیامت کے دن کی طرف لے جا کر ضرور جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا سو وہی ایمان نہیں لاتے۔‘‘ (۱۲)

فہم القرآن

ربط کلام: انبیاء علیہم السلام کے ساتھ استہزاء کرنے والوں کو عبرت آموزی کے لیے زمین میں چل پھر کر نشانات عبرت دیکھنے کا حکم دینے کے بعد بتایا گیا ہے کہ جس زمین پر تم چلتے اور آسمان کے نیچے رہتے ہو۔ وہ اللہ کی مِلک ہیں۔ لہٰذا کفار اور مشرکین سے چند سوال کیے جاتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کو ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے اعراض کرنے اور آپ سے استہزاء کرنے والوں سے پوچھیے کہ یہ زمین و آسمان کس کی ملکیت اور کس کے کنٹرول میں ہیں؟

کیونکہ اہل مکہ کا عقیدہ تھا کہ زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا اور ان پر کلی اختیار رکھنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ لہٰذا ان کے جواب کا انتظار کرنے کے بجائے آپ کو حکم ہوا کہ بے دھڑک فرمادیں کہ یہ اللہ کی مِلک ہیں اور اسی کے اقتدار اور اختیار کے تابع ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کا مذاق اڑانے والے کھلے پھر رہے ہیں تو اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت سے باہر ہیں بلکہ یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اپنے آپ پر لازم کر رکھا ہے کہ وہ لوگوں کو ایک مدت تک مہلت دے گا۔ البتہ ایک دن ضرور آئے گا، جس میں سب لوگوں کو جمع کیا جائے گا۔ اس دن اللہ کے منکر ایسے خسارے میں ہوں گے جس کی تلافی نہیں کر پائیں گے۔

بعض لوگ اس آیت کریمہ کو سامنے رکھتے ہوئے اعتراض کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر رحمت غالب اور واجب

کرلی ہے اور وہ ماں کی مامتا سے زیادہ مہربان ہے تو پھر اس کا اپنے بندوں کو عذاب دینا چہ معنی دارد۔

مفسر قرآن امام رازی رحمۃ اللہ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ماں اپنے بچے پر اس وقت تک ہی مہربان ہوتی ہے جب بچہ اپنی ماں کی مامتا کو تسلیم کرتا ہے اگر کوئی ماں کے ہونے کا کلیتاً انکار کرے اور کسی اور کو ماں کا درجہ دے دے تو کوئی غیور ماں ایسے بچے پر ترس کھانے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ مشرک اور کافر کے ساتھ اللہ تعالیٰ ایسا ہی معاملہ کرتا ہے۔

((عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ سَبْيٌ فَإِذَا امْرَأَةٌ مِنَ السَّبْيِ قَدْ تَحْلُبُ ثَدْيَهَا تَسْقِي إِذَا وَجَدَتْ صَبِيًّا فِي السَّبْيِ أَخَذَتْهُ فَأَلْصَقَتْهُ بِبَطْنِهَا وَأَرْضَعَتْهُ فَقَالَ لَنَا النَّبِيُّ ﷺ أَتُرَوْنَ هَذِهِ طَارِحَةً وَلَدَهَا فِي النَّارِ قُلْنَا لَا وَهِيَ تَقْدِرُ عَلَى أَنْ لَا تَطْرَحَهُ فَقَالَ اللَّهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هَذِهِ بِوَلَدِهَا))

[رواه البخاری: کتاب الأدب، باب رحمة الولد و تقبیله و معانقته]

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے پاس کچھ قیدی لائے گئے۔ ان قیدیوں میں ایک عورت کی چھاتی سے دودھ بہہ رہا تھا۔ جونہی اس نے اپنے بچے کو پایا اس کو پکڑتے ہوئے اس نے اپنے سینے سے لگا کر اسے دودھ پلانا شروع کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تمھارا کیا خیال ہے یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینک دے گی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس عورت کی محبت سے بھی زیادہ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے۔“

مسائل

۱۔ زمین و آسمان اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر رحمت کو واجب کرلیا ہے

۳۔ تمام لوگوں کو قیامت کے دن اکٹھا کیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی رحمت بے کنار ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔ (الاعراف: ۱۵۶)

۲۔ قیامت کے منکر اللہ کی رحمت سے مایوس ہوں گے۔ (العنکبوت: ۲۳)

۳۔ دن اور رات کو اللہ نے اپنی رحمت سے تمھارے لیے پر سکون بنایا ہے۔ (القصص: ۷۳)

۴۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کر لیتا ہے۔ (البقرۃ: ۱۰۵)

۵۔ ایماندار صالح اعمال کرنے والوں کو اللہ اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ (الجاثیۃ: ۳۰)

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬

اور اسی کا	جو	سکون کرتا	میں	رات	اور	دن	اور وہ	خوب سننے والا	جاننے والا

”اور اسی کا ہے جو کچھ رات اور دن میں ٹھہرا ہوا ہے اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔“ (۱۳)

فہم القرآن

ربط کلام: صرف زمین و آسمان اللہ کی ملکیت نہیں بلکہ ان کی گردش کے نتیجہ میں رات اور دن کا وجود اور ظہور، تاریکیوں اور روشنیوں میں رہنے والی ہر چیز اس کی ملکیت اور اس کے اختیار میں ہے۔

مشرکین مکہ کے الزامات میں نبی ﷺ کی ذات پر ایک الزام یہ بھی تھا کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ اور توحید کا پرچار اس لیے کیا ہے تاکہ آپ اس کے بدلے میں دنیا کا مال و متاع جمع کر سکیں۔ اس کے لیے ایک موقع پر انھوں نے آپ کو پرکشش مراعات پیش بھی کی تھیں۔ جن میں آپ کو حاکم تسلیم کرنا، نکاح کے لیے خوبصورت لڑکی پیش کرنے کے ساتھ انھوں نے آپ کے حسب منشاء دولت جمع کرنے کا عندیہ بھی دیا تھا۔

کچھ مفسرین کے خیال کے مطابق یہ اسی پیشکش کا جواب ہے کہ تم لوگ توحید باری تعالیٰ کے بدلے میں جو پیشکشیں کرتے ہو۔ ذرا سوچو تو سہی یہ زمین و آسمان، رات اور دن ان میں رہنے اور بسنے والی ہر چیز کس کی ملکیت ہے؟ اس میں نبی ﷺ کے لیے تسلی ہے کہ جس طرح رات کے بعد دن کا آنا یقینی ہے ایسے ہی مشکلات کے بعد آسانیوں اور کامیابیوں کا حاصل ہونا بھی یقینی ہے۔ جیسے رات کی تاریکی اور دن کی روشنی لازم و ملزوم ہیں ایسے ہی حق و باطل کی کشمکش بھی لازم و ملزوم ہے لہٰذا آپ حوصلہ پست کرنے کے بجائے اپنا کام جاری رکھیں۔ جس اللہ نے آپ کو اپنا پیغام رساں بنایا ہے۔ وہ اللہ آپ کے اخلاص اور آپ کی محنت شاقہ جاننے کے ساتھ آپ کے مخالفوں کی ہر بات کو سننے والا اور ہر حرکت کو جاننے والا ہے۔

مسائل

۱۔ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے کنٹرول میں ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کا ظاہر و باطن جانتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا علم ساری کائنات پر حاوی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر بات جانتا اور سنتا ہے:

۱۔ کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو؟ جو تمھارے نفع و نقصان کا مالک نہیں اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ (المائدۃ:۷٦)

۲۔ اللہ سے ڈر جاؤ اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔ (الحجرات:۱)

۳۔ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ (الشوریٰ:۱۱)

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

فرمادیجیے کیاعلاوہ اللہ میں بناؤں ولی (دوست) پیدا کرنے والا آسمانوں اورزمین

وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ

اوروہ کھلاتا ہے اورنہیں اس کوکھلایا جاتا فرمادیجیے بیشک میں حکم دیا گیا یہ کہ

اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾

میں ہوجاؤں پہلا جو اسلام لایا اورنہ آپ ہوجائیں سے شرک کرنے والے

قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

فرمادیجیے بیشک میں ڈرتا ہوں اگر میں نافرمانی کروں میرارب عذاب دن بہت بڑا

مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

جو بچالیا گیا اس سے اس دن پس تحقیق اس نے اس پررحم کیا اور وہ کامیابی واضح

’’فرمادیں کیا میں اللہ کے سوا جو آسمانوں اورزمین کو پیدا کرنے والا ہے کسی اور کو اپنا مددگار بناؤں؟ حالانکہ وہ کھلاتا ہے اور اسے کھلایا نہیں جاتا۔ کہہ بیشک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا شخص بنوں جو فرماں بردار بنا اور آپ شریک بنانے والوں سے ہرگز نہ ہوں۔(۱۴) فرمادیں بے شک میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔(۱۵) جس شخص سے اس دن عذاب ہٹالیا جائے گا تو یقیناً اللہ نے اس پر رحم کردیا اور یہی کھلی کامیابی ہے۔‘‘(۱۶)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرکین اور کفار سے دوسرا سوال اور اس کا جواب:

جب زمین اور آسمانوں کی تخلیق اور ملکیت اللہ ہی کے لیے ہے اور وہ ہر کسی کو اس کے ماحول اور ضرورت کے مطابق روزی پہنچانے والا ہے اور سب کو کھلاتا پلاتا ہے۔ جبکہ وہ خود کھانے پینے کا محتاج نہیں تو ایسے خالق، مالک اور رازق کو چھوڑ کر اس کے سوا کسی دوسرے کو کس طرح اپنا خیر خواہ سمجھوں؟ اگر وہ کسی کے ساتھ خیر کا ارادہ نہ کرے تو باپ کی شفقت اور ماں کا رحم بھی آدمی کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ اس لیے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع کروں اور مشرکوں کے ساتھ لاتعلقی کا اظہار کروں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو زمین و آسمان کا خالق، مالک اور کسی

دوسرے کو روزی رساں اور اس کے سوا مہربان تسلیم کرلوں تو میں اس نافرمانی کے بدلے عذاب عظیم میں مبتلا ہوں گا جس سے میں ڈرتا ہوں۔

یادرکھیے کہ جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائے اس پر اس کا بڑا کرم ہوا۔ اور یہ ایمان دار کے لیے کھلی کامیابی ہے۔

((عن أبی هُرَیرَةَ قالَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُولُ لَنْ یُدخِلَ أَحدًا عملُهُ الْجنَّةَ قالُو! وَلا أَنتَ یا رَسُولَ اللّٰهِ قالَ لَا وَلَا أنا إِلَّا أنْ یَتَغَمَّدَنِی اللّٰهُ بِفَضْلٍ وَرَحْمَةٍ))

[رواہ البخاری: کتاب المرضی، باب تمنی المریض الموت]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرمارہے تھے جنت میں کسی کو بھی اس کے اعمال داخل نہیں کریں گے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول! آپ کو بھی نہیں؟ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں مجھے بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور فضل سے ڈھانک لے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کو رزق دینے والا ہے۔

۲۔ اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہنا چاہیے۔

۳۔ جہنم کے عذاب سے بچنا اللہ کی رحمت کی نشانی ہے۔

۴۔ جس پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی انسان کو کھلاتا پلاتا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے۔(الذاریات:۵۸)

۲۔ اللہ ہی رزق فراخ کرتا اور کم کرتا ہے۔(السباء:۳۹)

۳۔ اللہ تعالیٰ لوگوں سے رزق طلب نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کو رزق دیتا ہے۔(طٰہٰ:۱۳۲)

۴۔ اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔(البقرۃ:۲۱۲)

۵۔ اللہ تعالیٰ مہاجروں کو ضرور اچھا رزق دے گا۔(الحج:۵۸)

۶۔ اللہ تعالیٰ چوپاؤں اور تمام انسانوں کو رزق دیتا ہے۔(العنکبوت:۶۰)

۷۔ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو کیونکہ اللہ تمھیں اور انھیں بھی رزق دینے والا ہے۔(الانعام:۱۵۱)

وَإِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَإِنْ يَّمْسَسْكَ

اور اگر پہنچائے آپ کو اللہ تکلیف پھر نہیں کوئی دور کرنے والا اس کو مگر وہ اور اگر وہ پہنچائے آپ کو

بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾

بھلائی پھر وہ پر ہر چیز قدرت والا

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿١٨﴾

اور وہ غالب اوپر اپنے بندوں اور وہ خوب حکمت والا جاننے والا ہے

''اور اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ آپ کو کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔(۱۷) اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہی کمال حکمت والا، ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔'' (۱۸)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ آخرت کے دن ہی جزا و سزا اور رحم و کرم کا مالک نہیں بلکہ دنیا میں بھی خیر و شر کا اختیار رکھنے والا ہے۔

خیر و شر کے اختیار کا ذکر کرتے ہوئے براہ راست نبی ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو زمین و آسمان میں کوئی ہستی نہیں جو نقصان سے آپ کو بچا سکے۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو بھلائی اور بہتری عطا کرنا چاہے تو زمین و آسمان میں کوئی طاقت نہیں جو اس میں رکاوٹ ڈال سکے آپ کو براہ راست مخاطب کرنے کا معنی یہ ہے کہ جب رسول معظم ﷺ اپنے نفع و نقصان کے مالک نہیں تو دنیا میں کون ہے جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچا سکے۔

یہ ایسا عقیدہ ہے جو مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے سوا ہر کسی سے بے نیاز کر دیتا ہے اسی عقیدہ کی بنیاد پر مجاہد میدان کارزار میں اترتا ہے کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ نے میری حفظ و امان کا ذمہ لیا ہوا ہے۔ اس وقت تک دشمن میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور یہی عقیدہ اخلاص کی دولت عطا کرتا ہے۔ جس کی بنیاد پر ہر مسلمان دوسرے مسلمان سے پر خلوص محبت کا ناتہ جوڑتا ہے۔

کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ خیر و شر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہی اللہ اپنے بندوں کو نفع و نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے۔ اس کے فیصلے کے سامنے کسی جابر کا جبر اور کسی صالح کی صالحیت رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ وہ اپنے بندوں پر پوری طرح قادر ہے۔ وہ کسی کو خیر پہنچانے اور عذاب دینے کی حکمت سے خوب واقف ہے۔

((عَنْ وَرَّادٍ مَوْلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ كَتَبَ مُعَاوِيَةُ ؓ إِلَى الْمُغِيرَةِ اُكْتُبْ إِلَيَّ مَا سَمِعْتَ النَّبِيَّ ﷺ

يَقُولُ خَلْفَ الصَّلَاةِ فَأَمْلَى عَلَيَّ الْمُغِيرَةُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ خَلْفَ الصَّلَاةِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ))

[رواه البخاری: کتاب القدر، باب لامانع لما اعطی الله]

”مغیرہ بن شعبہ کے غلام وراد کہتے ہیں معاویہ رضی اللہ عنہ نے مغیرہ کی جانب لکھا کہ مجھے لکھ کر بھیجئے۔ جو آپ نبی اکرم ﷺ سے نماز کے بعد سنا کرتے تھے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے لکھوایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو نماز کے بعد یہ الفاظ کہتے ہوئے سنا۔ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں وہ ایک ہی ہے اس کا کوئی شریک نہیں اے اللہ جسے تو دینا چاہتا ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا اور جس سے تو روک لے اسے کوئی نہیں دینے والا۔ اور تیرے ہاں کسی بڑے کیبڑائی کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مکمل اختیار رکھنے والا ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی مصیبت دور کرنے والا نہیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ بڑا صاحب حکمت ہے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے۔
۵۔ اللہ کے علاوہ کوئی بھلائی عطا نہیں کر سکتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی مشکل کشا، حاجت روا ہے:

۱۔ اللہ ہی کو پکارو وہی تکلیف دور کرتا ہے۔ (الانعام: ۴۱)
۲۔ اگر آپ کو کوئی تکلیف ہو جائے تو سوائے اللہ کے اسے کوئی نہیں ہٹا سکتا۔ (یونس: ۱۰۷)
۳۔ اللہ کے سوا کوئی تکلیف دور کرنے والا نہیں۔ (الاسراء: ۵۶)
۴۔ کون ہے جو اللہ کے سوا مجبور کی دعا سننے والا اور مصیبت دور کرنے والا ہے۔ (النمل: ۶۲)
۵۔ کہہ دیجیے اگر اللہ تعالیٰ نقصان پہنچانے پر آئے کیا کوئی نقصان دور کر سکتا ہے۔ (الفتح: ۱۱)
۶۔ کیا تم ایسے لوگوں کو معبود مانتے ہو جو نفع و نقصان کے مالک نہیں۔ (الرعد: ۱۶)

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَہَادَۃً ط قُلِ اللّٰہُ قف شَہِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ قف

فرمادیجیے کون سی چیز زیادہ بڑی گواہی فرمادیجیے اللہ گواہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ط اَئِنَّکُمْ

اور وحی کیا گیا میری طرف یہ قرآن تاکہ میں ڈراؤں تم کو اس سے اور جسے پہنچے کیا تم

لَتَشْہَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰہِ اٰلِہَۃً اُخْرٰی ط قُلْ لَّآ اَشْہَدُ ج

یقیناً شہادت دیتے ہو بیشک ساتھ ہے اللہ معبود دوسرا فرمادیجیے نہیں میں گواہی دیتا

قُلْ اِنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ۝

فرمادیجیے صرف وہ معبود ایک اور بیشک میں بری اس سے جو تم شرک کرتے ہو

”فرمادیجیے کون سی چیز گواہی میں سب سے بڑی ہے؟ فرمادیجیے اللہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان گواہ ہے اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں اس کے ساتھ ڈراؤں اور جس تک یہ پہنچے کیا واقعی تم گواہی دیتے ہو کہ بے شک اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں؟ فرمادیجیے میں یہ گواہی نہیں دیتا فرمادیجیے وہ تو صرف ایک ہی معبود ہے اور بے شک میں اس سے بری ہوں جو تم شریک ٹھہراتے ہو۔“ (۱۹)

فہم القرآن

ربط کلام: سابقہ آیات میں نبی ﷺ کی نبوت پر کفار کے اعتراضات کا جواب، اس کے دلائل اور اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور قوت وسطوت ثابت کرنے کے آفاقی اور طبعی دلائل دیے ہیں۔ جو شہادت کا درجہ رکھتے ہیں یاد رہے اللہ تعالیٰ کی شہادت سے بڑھ کر کسی کی شہادت نہیں ہوسکتی۔ توحید کی گواہی سب سے پہلی اور سب سے بڑی گواہی ہے۔

اب ان دلائل پر شہادت قائم کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شہادت سے بڑھ کر کوئی شہادت نہیں ہوسکتی۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ وہی اس کی ابتدا اور انتہا کو جانتا ہے۔ وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور اس پر اقتدار اور اختیار رکھتا ہے۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اس کی شہادت سے بڑھ کر کسی اور کی شہادت ٹھوس اور بڑی نہیں ہوسکتی۔ یاد رہے شہادت کی دو بڑی اقسام ہیں۔

عینی اور یقینی شہادت:

عینی شہادت کا معنی ہے کہ واقعہ شہادت دینے والے کے سامنے پیش ہوا ہو اور یقینی شہادت کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے اتنے ٹھوس دلائل ہوں کہ کوئی اس کی تردید نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کی شہادت ان دونوں اصولوں کی بنیاد پر کامل اور اکمل حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی شہادت کو شہادت اکبر کا درجہ حاصل ہے۔ لہٰذا نبی ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ اپنے اور ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کو شاہد کے طور پر پیش فرمائیں کہ اسی نے آپ پر یہ قرآن وحی فرمایا تاکہ آپ ہر اس شخص کو اس کے برے اعمال کے انجام سے ڈرائیں جس تک قرآن کا پیغام پہنچ جائے۔ پھر فرمایا کہ ان سے پوچھیے کیا تم ان دلائل کے باوجود شہادت دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی معبود ہو سکتا ہے؟ اس سوال کے بعد آپ کو حکم ہوا کہ میں یہ کہنے اور شہادت دینے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی معبود ہو سکتا ہے۔ بلکہ آپ یہ اعلان فرمائیں کہ وہ ایک ہی الٰہ ہے اور میں تمھارے شرک سے برأت کا اعلان کرتا ہوں۔ اس آیت میں توحید کے اثبات کے ساتھ یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ امت مسلمہ کو اللہ تعالیٰ کا پیغام یعنی قرآن مجید لوگوں تک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے تاکہ غیر مسلموں پر توحید و رسالت کی شہادت قائم ہو سکے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی گواہی ہر گواہی سے بڑی ہے۔
۲۔ قرآن مجید لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شرک سے مبرا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی شہادت سب سے بڑی اور معتبر ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔ (النساء:۳۳)
۲۔ اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔ (الفتح:۲۸)
۳۔ اللہ کی گواہی سے کسی کی گواہی بڑی نہیں ہے۔ (الانعام:۱۹)
۴۔ اللہ لوگوں پر گواہ ہے۔ (آل عمران:۹۸)
۵۔ نبی پر جو کچھ نازل ہوا اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے۔ (النساء:۱۶۶)

وقف لازم

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ م اَلَّذِیْنَ

وہ لوگ ہم نے دی انکو کتاب وہ اسکو پہچانتے ہیں جیسے وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹے وہ لوگ

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ ع

انہوں نے خسارے میں ڈالا اپنے نفسوں کو پس وہ نہیں وہ ایمان لاتے

''وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی اسے پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا سو وہ ایمان نہیں لاتے۔'' (۲۰)

فہم القرآن

ربط کلام: توحید و رسالت پر آفاقی دلائل دینے اور اللہ تعالیٰ کی شہادتِ کبریٰ کے بعد اہل کتاب کے زندہ ضمیر اور مصنف مزاج لوگوں کی شہادت کا تذکرہ۔

اہل کتاب کے اس اعتراف کے بارے میں مفسرین نے دو مفہوم لیے ہیں۔ امام رازی رحمہ اللہ اور ان کے ہمنوا مفسرین کا خیال ہے کہ ''ہٗ'' کی ضمیر نبی ﷺ کی ذات والا صفات اور آپ کی رسالت کے متعلق ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۶ میں رسالت کے بارے میں اہل کتاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ مولانا مودودی رحمہ اللہ اور کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ یہاں ''ھو'' کی ضمیر توحید کے متعلق ہے کہ جس طرح اہل کتاب نبی ﷺ کی ذات اور رسالت کو اپنے بیٹوں سے بڑھ کر جانتے تھے۔ اسی طرح وہ اپنے ضمیر میں اللہ تعالیٰ اور اس کی توحید کو اچھی طرح جانتے اور سمجھتے تھے۔ قرآن مجید کے سیاق و سباق سے دونوں مفاہیم کی تائید ہوتی ہے۔ لہٰذا جس نے توحید و رسالت میں سے کسی ایک کا اعتقاداً یا عملاً انکار کیا، وہ لوگ نقصان پائیں گے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے والد حیی بن اخطب اور چچا ابو یاسر صبح کے وقت رسول محترم ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر اسلام کے بارے میں مذاکرات کرتے ہیں۔ انہیں یقین ہو گیا کہ حقیقتاً آپ نبی آخر الزماں ﷺ ہیں۔ جب آپ سے گفتگو کے بعد مغرب کے وقت واپس آئے تو نہایت تھکے ماندے دکھائی دے رہے تھے۔

چچا ابو یاسر میرے والد سے پوچھتے ہیں: أَھُوَ ھُوَ؟ ''کیا یہی وہ نبی ہے جس کا تذکرہ تورات و انجیل میں پایا جاتا ہے؟''

والد: کیوں نہیں یہ وہی رسول ہے۔

ابو یاسر: أَتَعْرِفُہٗ وَتُثْبِتُہٗ؟ ''کیا واقعی تو اسے پہچانتا ہے؟''

والد: ہاں میں اچھی طرح پہچانتا ہوں۔

ابو یاسر: فَمَافِیْ نَفْسِكَ مِنْهُ؟ ''پھر آپ کا کیا ارادہ ہے؟''

والد: عَدَاوَةٌ وَاللّٰهِ مَابَقِيْتُ ''کہ اللہ کی قسم! جب تک زندہ ہوں عداوت کا اظہار کرتا رہوں گا''۔

[ابن ہشام: شہادۃ عن صفیۃ]

امام رازی نے اس ضمن میں عجب واقعہ ذکر کیا ہے لکھتے ہیں کہ جنگ بدر کے موقع پر اخنس بن شریق نے ابو جہل کو لوگوں سے الگ کر کے پوچھا کہ اے ابوالحکم! یہ بتائیں کہ محمد ﷺ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے یا سچا؟ ابو جہل نے کہا کہ ابن شریق تجھ پر نہایت ہی افسوس کہ اس میں کیا شک ہے کہ محمد ﷺ واقعی اللہ کا سچا رسول ہے۔ اس لیے کہ اس نے آج تک کسی فرد کے ساتھ جھوٹ نہیں بولا۔ لیکن ہماری مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ پہلے ہی بڑے بڑے مناصب اور اعزاز۔ ان کے خاندان کے پاس ہیں۔ جنگ کے موقع پر پرچم اٹھانا، کعبہ کی دربانی اور نگہبانی، لوگوں کو زم زم پلانا اور یہ سب اعزازات ان کے پاس ہیں۔ اگر ہم نے اس کی نبوت کو تسلیم کر لیا تو ہمارے پاس کیا رہ جائے گا۔

مسائل

۱۔ اہل کتاب نبی مکرم ﷺ کو پہچاننے کے باوجود ماننے سے انکار کرتے ہیں۔

۲۔ توحید ورسالت کا انکار کرنا اپنے آپ کو نقصان میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

تفسیر بالقرآن

یہود ونصاریٰ رسول اللہ ﷺ کو پہچانتے ہیں:

۱۔ اہل کتاب آپ کو پہچانتے تھے۔ (البقرۃ:۱۴۶)

۲۔ انھوں نے نبی کو پہچان لیا ہے۔ (المؤمنون:۶۹)

۳۔ اہل کتاب نبی آخر الزمان ﷺ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔ (البقرۃ:۱۴۶)

۴۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ آپ کو پہچانتے ہیں۔ (الانعام:۲۰)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ

اور کون زیادہ ظالم اس سے جھوٹ باندھے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلایا اس نے اس کی آیات

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۱

یقیناً وہ نہیں فلاح پائے گا ظالم

''اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے اللہ پر کوئی جھوٹ باندھا یا اس کی آیات کو جھٹلایا۔ حقیقت یہ ہے کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے۔'' (۲۱)

فہم القرآن

ربط کلام: منکرین حق کا نبی ﷺ کی نبوت کا انکار کرنا، اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور اپنے باطل نظریات کی تائید کے لیے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا ظلم ہے۔

شریعت کی نظر میں جھوٹ بولنا انتہائی قبیح گناہ ہے۔ اس جرم کی سنگینی میں اس وقت بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے جب کوئی شخص اپنے باطل نظریات کو اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگا کر اسے حق ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ ایسا شخص نہ صرف پرلے درجے کا کذاب شمار ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین ظالم سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ ذاتِ حق پر جھوٹ بول کر لوگوں کو گمراہی کا راستہ دکھانا انتہائی سنگین جرم ہے۔ ایسے ظالم آخرت میں ہر قسم کی مدد سے محروم ہوں گے اکثر اوقات دنیا میں بھی ناکامی کا منہ دیکھیں گے۔ منکرین حق اللہ تعالیٰ پر درج ذیل جھوٹ بولا کرتے ہیں۔

۱۔ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار کرنا اور ان پر جھوٹا ہونے کا الزام لگانا۔

۲۔ معبودان باطل کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی خدائی میں شریک کرنا۔

۳۔ زندہ اور فوت شدہ بزرگوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا اور پھیلانا کہ ان کی بزرگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے اختیارات میں شریک بنالیا ہے۔

۴۔ اپنے گناہوں کے بارے میں یہ کہنا کہ ایسا کرنے کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں اجازت دے رکھی ہے۔ (الاعراف: ۲۸)

۵۔ یہودیوں کا یہ دعویٰ کرنا کہ ہمیں چند دنوں کے سوا جہنم میں نہیں رکھا جائے گا۔ (البقرۃ: ۸۰)

۶۔ یہودیوں کا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا اور محبّ قرار دینا۔ (المائدۃ: ۱۸)

۷۔ یہودیوں کا حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا گردانا۔ (التوبۃ: ۳۰)

۸۔ عیسائیوں کا حضرت مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کو خدا کا جز قرار دینا۔(المائدۃ:۱۷،۷۲)

۹۔ نبی آخر الزمان ﷺ پر جھوٹ بولنا اور قرآن مجید کے من جانب اللہ ہونے کا انکار کرنا۔(البقرۃ:۹۱)

۱۰۔ اللہ کی آیات کو جھٹلانا اس کے احکام کی صورت میں ہو یا اس کی قدرت کے نشانات کی شکل میں۔(النساء:۱۵۰)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے بارے افترا پردازی نہیں کرنی چاہیے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر جھوٹ بولنا بڑا ظلم ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانا بہت بڑا ظلم ہے۔

۴۔ ظالم لوگ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

بڑا ظالم کون ہے:

۱۔ سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ پر جھوٹ بولتا ہے۔(الکھف:۱۵)

۲۔ اللہ کی آیات کو سن کر اعراض کرنے والا بڑا ظالم ہے۔(السجدۃ:۲۲)

۳۔ سچائی کو جھٹلانے والا اور اللہ پر جھوٹ باندھنے والا بڑا ظالم ہے۔(الزمر:۳۲)

۴۔ اللہ کے گھر میں ذکر کرنے سے منع کرنے والا بڑا ظالم ہے۔(البقرۃ:۱۱۴)

۵۔ اللہ کی آیات کو جھٹلانے اور لوگوں کو گمراہ کرنے والا بڑا ظالم ہے۔(الانعام:۱۴۴)

۶۔ اس سے بڑا ظالم کون ہے؟ جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اور اس کی آیات کو جھٹلاتا ہے۔(الانعام:۲۱)

۷۔ اللہ کی مساجد سے روکنے والے سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے؟(البقرۃ:۱۱۴)

۸۔ شہادۃ کو چھپانے والے سے بڑا ظالم کون ہے؟(البقرۃ:۱۴۰)

۹۔ اللہ کی آیات سے اعراض کرنے والے سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے؟(الکھف:۵۷)

۱۰۔ اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہو سکتا؟ جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔(ھود:۱۸)

وَيَوْمَ	نَحْشُرُهُمْ	جَمِيْعًا	ثُمَّ	نَقُوْلُ	لِلَّذِيْنَ	اَشْرَكُوْا
اور دن	ہم اکٹھا کریں گے انکو	سب	پھر	ہم کہیں گے	ان لوگوں کیلئے	شریک ٹھہرائے انہوں نے

اَيْنَ	شُرَكَآؤُكُمُ	الَّذِيْنَ	كُنْتُمْ	تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾	ثُمَّ لَمْ	تَكُنْ
کہاں	تمہارے شریک	وہ لوگ	تھے تم	تم گمان کرتے	پھر نہیں	ہوگی

فِتْنَتُهُمْ	اِلَّآ اَنْ	قَالُوْا	وَ اللّٰهِ	رَبِّنَا مَا كُنَّا	مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾
انکی معذرت	مگر یہ کہ	وہ کہیں گے	قسم اللہ کی	ہمارے رب نہیں تھے ہم	شرک کرنے والے

اُنْظُرْ كَيْفَ	كَذَبُوْا	عَلٰٓى	اَنْفُسِهِمْ	وَضَلَّ	عَنْهُمْ	مَّا كَانُوْا
آپ دیکھیں کس طرح انہوں نے جھوٹ بولا	پر	ان کی جانیں	اور گم ہوگیا	ان سے	جو وہ تھے	

يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

وہ جھوٹ بناتے

''اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے، پھر جنہوں نے شریک بنائے ان سے کہیں گے کہاں ہیں تمہارے وہ شریک جنہیں تم گمان کرتے تھے۔ (۲۲) پھر ان کا فریب اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ کہیں گے اللہ کی قسم! اے ہمارے رب! ہم شریک بنانے والے نہ تھے۔ (۲۳) دیکھیں انہوں نے کیسے اپنے آپ پر جھوٹ بولا اور ان سے گم ہو گئے وہ جو جھوٹ بنایا کرتے تھے۔'' (۲۴)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ، منکرین حق کا قیامت کے دن اپنا انجام دیکھ کر جھوٹی قسمیں اٹھانا۔ جو گواہی کی بدترین قسم ہے۔

''قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا۔'' (المعارج، آیت: ۴) اس میں مختلف مراحل ہوں گے اور ہر مرحلہ ہزاروں سال پر محیط ہوگا۔ ان مراحل میں ایک مرحلہ ایسا بھی آئے گا کہ معبودان باطل اور ان کے عابدوں کو ایک دوسرے کے سامنے کھڑا کیا جائے گا تاکہ دنیا میں ایک دوسرے سے امیدیں رکھنے والے لوگوں کے عقیدہ کی قلعی کھل جائے۔ البقرہ آیت ۱۶۵ تا ۱۶۷ میں بیان ہوا ہے کہ جب یہ لوگ جہنم کا عذاب دیکھیں گے تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ ہر قسم کی قوت وسطوت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اس یقین کے بعد طالب اپنے مطلوب، تابع اپنے متبوع، مقتدی اپنے مقتدیٰ اور پیر اپنے

مریدوں سے بیزاری، کارکن اپنے لیڈروں سے نفرت کا اظہار کریں گے، ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہوئے مطالبہ کریں گے کہ اے خدا ہمارے پیروں اور سرداروں کو دوگنا عذاب دیجیے۔ (الاحزاب: ٦٧-٦٨) جھوٹے رہنماؤں کے پیچھے لگنے والے اس خواہش کا بھی اظہار کریں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں واپس جانے کی اجازت مل جائے تو ہم ان لوگوں سے اسی طرح بیزاری اور نفرت کا اظہار کریں جیسے آج یہ ہم سے بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔ (البقرہ: ١٦٧) جب ان کی یہ حسرت پوری نہیں ہو سکے گی تو پھر وہ اپنے گناہوں اور شرک کا انکار کرتے ہوئے قسمیں اٹھائیں گے۔ اے اللہ! تیری ذات کی قسم! ہم نے کبھی شرک نہیں کیا۔ ان کے انکار کی دو وجوہات ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کی ہیبت وجلالت اور گرفت۔ دنیا میں جھوٹی قسمیں کھانے کی عادت کی وجہ سے وہ رب کی بارگاہ میں جھوٹی قسمیں اٹھائیں گے کہ شاید دنیا کی طرح آج بھی ہم بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائیں۔ یہ ضرور جھوٹ بولیں گے اس لیے نبی ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ دیکھیے! یہ ظالم کس طرح اللہ کے حضور جھوٹی قسمیں کھانے کے ساتھ اپنے آپ پر جھوٹ بولیں گے اور وہ سب کچھ بھول جائیں گے جو دنیا میں مکر وفریب اور افتراء پردازی کیا کرتے تھے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَمَّا قَوْلُهُ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ فَإِنَّهُمْ رَأَوْا أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا أَهْلُ الصَّلَاةِ، فَقَالُوا تَعَالَوْا فَلْنَجْحَدْ، فَيَجْحَدُونَ، فَيَخْتِمُ اللّٰهُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ، وَتَشْهَدُ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ وَلَا يَكْتُمُونَ اللّٰهَ حَدِيثًا)) [ابن كثير]

”مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کی یوں تفسیر کیا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ توحید والوں کے گناہ بخش دے گا اور اس کے لیے کسی کے گناہ معاف کرنا مشکل نہیں۔ مشرکین یہ صورت حال دیکھ کر کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے شرک کے علاوہ باقی گناہ بخش رہا ہے آؤ ہم بھی یہ کہیں کہ ہم گناہ گار تو ہیں لیکن مشرک نہیں۔ جب اپنے شرک کو چھپائیں گے تو ان کے منہ پر مہر لگ جائے گی اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ اس وقت مشرکین یہ جان لیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی نہیں چھپا سکتے۔“ (ابن کثیر)

اس کے بعد ان کی زبانوں پر مہریں لگا دی جائیں گی:

﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ [یٰس: ٦٥]

”آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے۔“

مسائل

١۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مشرکوں سے ان کے شرک کے بارے میں پوچھے گا۔

۲۔ مشرکین اللہ تعالیٰ کو کوئی جواب نہیں دے پائیں گے۔

۳۔ مشرکین قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ساتھ بنائے گئے شریکوں سے برأت کا اعلان کریں گے۔

۴۔ قیامت کے دن معبودان باطل کوئی فائدہ نہیں دے سکیں گے۔

تفسیر بالقرآن

مشرک اوران کے معبودوں کا اکٹھا کیا جانا:

۱۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مشرکوں کو اوران کے معبودوں کو اکٹھا کرے گا۔(الفرقان:۱۷)

۲۔ قیامت کے دن اللہ سب کو اکٹھا کرے گا اور کہے گا یہ ہیں تمھارے معبود۔(السباء:۴۰)

۳۔ اس دن اکٹھا کیا جائے گا ظالموں کو اور جن کی یہ عبادت کرتے تھے۔(الصافات:۲۲)

۴۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اکٹھا کریں گے اور مشرکوں کو کہیں گے کہاں ہیں تمھارے معبود۔(الانعام:۲۲)

۵۔ مشرک اپنے معبودوں کے دشمن بن جائیں گے۔(الاحقاف:۶)

جھوٹوں کا انجام:

۱۔ ان سے کہا جائے گا چکھو، آگ کا عذاب جس کو تم جھٹلاتے تھے۔(السجدۃ:۲۰)

۲۔ یہ آگ ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔(الطّور:۱۴)

۳۔ دوزخ کا عذاب ہے جھٹلانے والوں کے لیے ہے۔(المطففین:۱۱)

۴۔ تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا۔(آل عمران:۱۳۷)

۵۔ میری آیات کا انکار کرنے اور جھٹلانے والے دوزخی ہیں۔(التغابن:۱۰)

۶۔ کافر اور اللہ کی آیات کو جھٹلانے والے جہنمی ہیں۔(الحدید:۱۹)

۷۔ جب ان کے پاس رسول آئے تو انھوں نے ان کو جھٹلایا عذاب نے ان کو پکڑ لیا۔(النحل:۱۱۳)

۸۔ انھوں نے انبیاء علیہم السلام کو جھٹلایا اور وہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہو گئے۔(المؤمنون:۴۸)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ

اور بعض ان سے جو کان لگاتے آپ کی طرف اور ہم نے کر دیا ان کے دلوں پر پردہ یہ کہ

يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ

وہ سمجھیں اسکو اور میں ان کے کان ڈاٹ اور اگر وہ دیکھیں ہر نشانی

لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ

نہیں وہ ایمان لائیں اس کیساتھ یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں وہ جھگڑا کرتے ہیں آپ سے وہ کہتے

’’اوران میں سے کچھ وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں اس سے کہ وہ اسے سمجھیں اور ان کے کانوں میں گرانی ہے اور اگر وہ ہر نشانی دیکھ لیں اس پر ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ جب آپ کے پاس جھگڑتے ہوئے آتے ہیں

فہم القرآن

ربط کلام: کفار کا شہادت حق سے انکار، مشرکوں کے شرک اور منافقوں کی منافقت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو سمجھنے اور ہدایت کے لیے سننے کے بجائے کہتے ہیں کہ یہ ہماری سماعت پر ایک بوجھ ہیں۔ اور ہم انہیں پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں سمجھتے ہیں۔

قرآن مجید نے ہدایت پانے اور اس کی حقیقت تک پہنچنے کے لیے یہ اصول بیان کیا ہے کہ سننے والا پوری توجہ دل کی حاضری اور ہدایت پانے کے لیے بات سنے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسے ہدایت سے بہرہ مند کرتا ہے۔

﴿إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ [ق:٣٧]

’’اس میں اس شخص کے لیے عبرت ہے جو دل رکھتا ہو اور حضور قلب کے ساتھ متوجہ ہو کر بات سنے۔‘‘

لیکن منکرین حق کی شروع سے ہی یہ عادتِ خبیثہ ہے کہ وہ سچی بات قبول کرنا تو درکنار اس کا سننا ہی ان کے لیے گرانی کا باعث ہوا کرتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کفار نے یہاں تک معاندانہ رویہ اختیار کیا کہ جب حضرت نوح علیہ السلام توحید کی دعوت دیتے تو کفار اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال کر اپنے چہرے چھپاتے ہوئے ان سے دور بھاگ جاتے۔

کفار کے دلوں پر مہریں ثبت ہونا:

﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ﴾ [البقرة:١٨]

الَّذِيْنَ	كَفَرُوْٓا	اِنْ	هٰذَآ	اِلَّآ	اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۞
وہ لوگ	جنھوں نے انکار کیا	نہیں	یہ	مگر	قصے کہانیاں پہلے لوگوں کی

وَهُمْ	يَنْهَوْنَ	عَنْهُ	وَيَنْئَوْنَ	عَنْهُ ۚ	وَاِنْ	يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ
اور وہ	روکتے ہیں	اس سے	اور دور رہتے ہیں	اس سے	اور نہیں	وہ ہلاک کرتے مگر

اَنْفُسَهُمْ	وَمَا	يَشْعُرُوْنَ ۞
اپنے آپ کو	اور نہیں	وہ شعور رکھتے

تو جن لوگوں نے انکار کیا کہتے ہیں یہ پہلے لوگوں کی فرضی کہانیوں کے سوا کچھ نہیں۔(۲۵) اور وہ اس سے روکتے ہیں اور اس سے دور رہتے ہیں اور وہ اپنے سوا کسی کو ہلاک نہیں کر رہے اور وہ نہیں سمجھتے۔''(۲۶)

''ایسے لوگ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں یہ لوٹنے والے نہیں۔''

﴿قَالَ رَبِّ إِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ إِلَّا فِرَارًا۝ وَإِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا أَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا۝﴾

(نوح: ۵ تا ۷)

''نوح نے عرض کیا اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کو دن رات دعوت دی۔ مگر میری دعوت نے ان کے فرار میں اضافہ ہوا۔ میں نے جب بھی انہیں بلایا تا کہ تو انہیں معاف کر دے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں۔ اور اپنے کپڑے اپنے منہ پر ڈال لیے اور اپنی روش پر اڑ گئے اور تکبر کی انتہا کر دی۔''

یہی رویہ منکرین حق نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اختیار کیا جب انھیں غور کے ساتھ قرآن سننے کی طرف توجہ دلائی جاتی تو وہ بظاہر غور کے ساتھ سنتے لیکن حقیقت میں عدم توجہ اختیار کیے رکھتے اور آخر میں کہتے یہ باتیں ہمارے فہم و ادراک سے باہر اور ہماری قوت سماعت پر بوجھ کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس طرح جو حکم بھی ان کے پاس آتا وہ اس کا مسلسل انکار کیے رکھتے۔ جس کی بنا پر نبی ﷺ کو بتلایا گیا کہ ان کے سامنے ایک سے ایک بڑھ کر نشانی پیش کی جائے یہ لوگ ایمان لانے کی بجائے آپ کے ساتھ بحث و تکرار میں آگے ہی بڑھتے جائیں گے کیونکہ یہ غور و فکر کرنے کے بجائے کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جنھیں زیب داستاں کے لیے بیان کیا جاتا ہے۔

یہ لوگ نہ صرف ہدایت سے دور ہیں بلکہ دوسروں کی ہدایت کے لیے بھی رکاوٹ بن چکے ہیں یہی ان کی ہلاکت کا

پیش خیمہ ہے۔ حقیقتاً یہ ہدایت یافتہ لوگوں کو نقصان پہنچانے کے بجائے اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈال رہے ہیں جس حقیقت کو سمجھنے کے لیے یہ تیار نہیں ہیں۔ جہاں تک قرآن مجید پر قصہ، کہانیاں بیان کرنے کا الزام ہے اس میں ذرہ برابر بھی صداقت نہیں کیونکہ دو تین واقعات کو چھوڑ کر کوئی ایسا واقعہ نہیں جسے قرآن مجید نے ابتدا سے آخر تک ایک ہی موقعہ اور مقام پر ذکر کیا ہو۔ قرآن مجید کوئی تاریخ کی کتاب نہیں کہ جس میں رطب و یابس اور داستان گوئی کا انداز اختیار کیا گیا ہو۔ اس میں سب سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر پایا جاتا ہے۔ جسے ایک ہی جگہ بیان کرنے کے بجائے موقع اور اس کے محل کے مطابق مختلف مقامات اور الفاظ میں بیان کیا گیا ہے تاکہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا اسے قصہ کہانی سمجھنے کے بجائے نصیحت و عبرت کے طور پر پڑھے اور ہر قدم پر اس کی رہنمائی کا اہتمام ہو سکے۔

مسائل

۱۔ کافر لوگ قرآن مجید پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔
۲۔ کافر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑتے تھے۔
۳۔ کافر اپنے ساتھ دوسرے لوگوں کو بھی ملانے کی کوشش کرتے ہیں۔
۴۔ دین اسلام کے بارے میں ہرزہ سرائی کرنے والے اپنے آپ کو ہی ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

کفار کے نے قرآن مجید کو پہلے لوگوں کے قصے قرار دیا:

۱۔ کفار قرآن کو پہلے لوگوں کی کہانیاں قرار دیتے ہیں۔ (الانعام: ۲۵)
۲۔ جب ان پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ (المطففین: ۱۳)
۳۔ جب کفار سے کہا جاتا ہے کہ تمھارے رب نے کیا نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ (النحل: ۲۴)
۴۔ جب ان پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ (القلم: ۱۵)
۵۔ انہوں نے کہا یہ تو سراسر پہلے لوگوں کی قصے کہانیاں لکھی ہوئی ہیں۔ (الفرقان: ۵)

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ

اور اگر آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کیے جائیں پر آگ کہیں گے کاش ہم ہم لوٹائے جائیں

وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾

اور نہ ہم جھٹلائیں آیات اپنے رب اور ہم ہوں گے سے ایمان لانے والے

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا

بلکہ وہ ظاہر ہو جائے گا انکے لیے جو وہ تھے چھپاتے سے پہلے اور اگر وہ لوٹائے جائیں

لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ

البتہ وہ کریں جس سے وہ منع کیے گئے اس سے اور بیشک وہ البتہ جھوٹ بولنے والے اور کہا انہوں نے نہیں یہ

اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾

مگر زندگی ہماری دنیا کی اور نہیں ہم اٹھائے جانے والے

''اور کاش آپ دیکھیں جب وہ آگ پر کھڑے کیے جائیں گے تو کہیں گے اے کاش! ہم واپس بھیجے جائیں اور اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلاویں اور ایمان والوں میں سے ہو جائیں۔ (۲۷) بلکہ ان کے لیے ظاہر ہو گیا جو وہ اس سے پہلے چھپاتے تھے اور اگر انہیں واپس بھیج دیا جائے تو ضرور پھر وہی کریں گے جس سے انہیں منع کیا گیا تھا اور بلاشبہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔ (۲۸) اور انہوں نے کہا ہماری اس دنیا کی زندگی کے سوا کوئی زندگی نہیں اور ہم ہرگز اٹھائے جانے والے نہیں۔'' (۲۹)

فہم القرآن

ربط کلام: جو لوگ دنیا میں قرآن مجید کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ ہمارے کانوں کے لیے بوجھ ہے وہ جہنم کے کنارے کھڑے ہو کر آیات ربانی کی حقیقت کا اعتراف اور دنیا میں حق کی شہادت نہ دینے کے جرم کا اعتراف کریں گے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال پر محیط ہوگا اور اس میں مختلف مراحل ہوں گے۔ جو ہزاروں سال پر مشتمل ہوں گے۔ قیامت کا ہر مرحلہ مجرموں کے لیے سخت سے سخت تر ہوگا۔ پہلے مرحلہ پر مجرم شرک اور اپنے جرائم کا انکار کریں گے اس کے بعد ان کی زبانوں پر مہر ثبت کردی جائے گی تو ان کے اعضاء بول بول کر ان کے بارے میں گواہی دیں گے۔ اس کے ساتھ ہی جہنم کو ستر ہزار فرشتے بھاری بھر کم زنجیروں کے ساتھ کھینچ کر لوگوں کے سامنے لائیں گے۔ ہر زنجیر کے ساتھ ستر ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔ جب مجرموں کو جہنم کے قریب کھڑا کیا جائے گا تو وہ آہ و بکا کرتے ہوئے اس

خواہش کا اظہار کریں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں لوٹنے کا موقعہ نصیب ہو جائے اور ہم دنیا میں جا کر اپنے رب کے احکام کی تکذیب کرنے کے بجائے اس کے ایک ایک حکم پر ایمان لائیں گے۔ ان کا یہ اقرار حقیقت پر مبنی یا دائمی ہونے کے بجائے عارضی اور دفع الوقتی کے لیے ہوگا۔ کیونکہ بفرض محال انھیں واپس لوٹا بھی دیا جائے تو وہ پہلے کی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرتے ہوئے کفر و شرک میں ملوث ہوں گے۔ کیوں کہ وہ عادی مجرم تھے لہٰذا اب بھی کذب بیانی سے کام لیں گے۔ یہ اس لیے ہوگا کہ ان کا نظریہ تھا دنیا کی زندگی ہی مستقل زندگی ہے حالانکہ دنیا کی ہر چیز اپنی ناپائیداری کے بارے میں پکار پکار کر ثبوت دے رہی ہے کہ ہمیں قرار اور سکون نہیں ہے۔ انسان کے سایہ سے لے کر فلک بوس پہاڑوں کی چوٹیاں اس بات پر گواہ ہیں کہ قرار اور دوام صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے۔ ان کا یہ بھی نظریہ تھا کہ مٹی میں دفن ہونے کے بعد ہمیں ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ اگر انھیں دنیا میں دوبارہ بھیج دیا جائے تو وہ وہی کچھ کریں گے جس سے انھیں منع کیا گیا تھا یہ اس لیے کہ انھوں نے دین پر دنیا کو مقدم سمجھا اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اگر انہیں دنیا میں لوٹا دیا جائے تب بھی وہ باز نہیں آئیں گے۔

مسائل

۱۔ کافر جہنم کو دیکھ کر حسرت کا اظہار کریں گے۔

۲۔ کافر خواہش کریں گے کہ ہمیں دنیا میں دوبارہ لوٹا دیا جائے۔

۳۔ مشرکین، مومنین کی رفاقت کی خواہش کریں گے۔

۴۔ کافر اسی دنیا کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

جہنمیوں کا دنیا میں واپس لوٹنے کا مطالبہ:

۱۔ جہنمی کہیں گے اے اللہ ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو واپس لوٹا دے۔ (السجدۃ:۱۲)

۲۔ جب بھی جہنم سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو دوبارہ لوٹائے جائیں گے۔ (السجدۃ:۲۰)

۳۔ جب بھی ارادہ کریں گے کہ ہم نکلیں جہنم سے تو اس میں واپس لوٹائے جائیں گے۔ (الحج:۲۲)

۴۔ جہنمی کی خواہش ہوگی کہ دنیا میں واپس بھیج دیا جائے۔ (الانعام:۲۷ تا ۲۸)

۵۔ اے رب ہمارے! ہمیں یہاں سے نکال ہم پہلے سے نیک عمل کریں گے۔ (الفاطر:۳۷)

۶۔ اے رب ہمارے! ہم کو یہاں سے نکال اگر دوبارہ ایسا کریں تو بڑے ظالم ہوں گے۔ (المومنون:۱۰۷)

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ

اور اگر آپ دیکھیں جب کھڑے کیے جائیں گے پر اپنے رب کہا کیا نہیں یہ حق

قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝

انہوں نے کہا ہاں ہمارے رب کی قسم فرمایا پس چکھو تم عذاب سبب اس کے تم تھے کفر کرتے

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ

تحقیق خسارے میں رہے وہ لوگ انہوں نے جھٹلایا ملاقات اللہ کی یہاں تک کہ جب آئے گی ان کے پاس

السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا

قیامت اچانک انہوں نے کہا ہائے افسوس پر جو ہم نے کوتاہی کی

فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝

اس میں اور وہ اٹھائے ہوں گے اپنے بوجھ پر اپنی پشتوں خبردار برا جو وہ بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں

”اور کاش آپ دیکھیں جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے وہ فرمائے گا کیا یہ حق نہیں؟ کہیں گے کیوں نہیں ہمارے رب کی قسم! فرمائے گا تو چکھو عذاب اس کے بدلے جو تم کفر کیا کرتے تھے۔ (۳۰) یقیناً خسارے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا، یہاں تک کہ جب ان کے پاس قیامت اچانک آ پہنچے گی کہیں گے ہائے افسوس اس پر جس میں ہم نے کوتاہی کی اور وہ اپنے بوجھ اپنی پشتوں پر اٹھائے ہوں گے سن لو برا ہے وہ بوجھ جو وہ اٹھائیں گے۔“ (۳۱)

فہم القرآن

ربط کلام: مجرموں کی اللہ کے حضور پیشی اور اس کی بارگاہ میں سوال و جواب۔

قرآن مجید بار بار انسان پر یہ حقیقت عیاں کرتا ہے کہ اُسے مرنے کے بعد اپنے کیے کا جواب دینا ہے۔ جس کی ابتدا قبر کی کوٹھڑی سے ہوگی۔ جب میت کو دفنایا جاتا ہے ابھی اس کے اعزاء واقرباء قبر پر مٹی ڈال کر رخصت ہی ہوتے ہیں کہ منکر نکیر مرنے والے سے تین سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تو محمد ﷺ کے بارے میں کیا جانتا ہے؟ اور تیرا دین کونسا ہے؟

قبر سے اٹھنے کے بعد محشر کے میدان میں جب لوگ اپنے رب کی بارگاہ میں پیش ہوں گے تو ان سے سوال کیا جائے گا کہ کیا مرنے کے بعد اٹھ کر حشر کے میدان میں رب کی بارگاہ میں حاضر ہونا حق ہے یا نہیں؟ تو انسان بے ساختہ

پکار اٹھیں گے کیوں نہیں ہم نے قدم قدم پر اپنے رب کا وعدہ سچا پایا۔ جہاں تک مجرموں کا تعلق ہے وہ دہائی دیں گے اے ہمارے رب! آج ہمیں یقین ہو گیا کہ آپ کا فرمان سچا اور آپ کی ملاقات برحق تھی لیکن ان کا اعتراف اور معذرت کسی کام نہیں آئے گی۔ حکم ہوگا کہ اب عذاب کی سختیاں اور جہنم کی اذیتیں چکھتے رہو کیونکہ بار بار سمجھانے کے باوجود تم کفر ہی کرتے رہے تھے۔ تم نے اپنے رب کی ملاقات کو جھٹلائے رکھا یہاں تک کہ قیامت برپا ہوگئی۔ کافر، منافق، مشرک اور عادی مجرم حسرت و یاس کا اظہار کرتے ہوئے گناہوں کا بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوں گے۔ نہایت ہی بدترین بوجھ ہوگا جو انھیں اٹھانا پڑے گا۔ تیسرا موقع سوال و جواب کا اس وقت ہوگا جب مجرم اپنا اپنا بوجھ اٹھائے ذلت ورسوائی کی صورت میں جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے جب یہ لوگ جہنم کے کنارے پہنچیں گے تو ان کے لیے جہنم کے دروازے کھول دیے جائیں گے داخلے کے وقت جہنم کے فرشتے ان سے سوال کریں گے کیا تم میں رسول مبعوث نہیں کیے گئے جو تمھارے سامنے تمھارے رب کے احکام پڑھتے اور تمھیں آج کے دن کی ہولنا کیوں سے ڈراتے؟ جہنمی پکار پکار کر کہیں گے کیوں نہیں! انبیاء کرام ؊ نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے ہمیں آگاہ کیا اور اس دن سے ہمیں بار بار ڈرایا لیکن ہم نے کفر واستکبار کا رویہ اختیار کیا جس وجہ سے آج ہمیں یہ رسوائی کا دن دیکھنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب برحق ثابت ہوا یہ سنتے ہی ملائکہ ان پر لعنت کی بوچھاڑ کریں گے۔ (الزمر: ۷۱تا۷۲)

مسائل

۱۔ مشرکین قیامت کے دن حق کا اعتراف کریں گے۔
۲۔ آخرت کا انکار کرنے والے نقصان اٹھائیں گے۔
۳۔ منکرین حق ہر مرحلہ پر حسرت کا اظہار کریں گے۔
۴۔ ہر انسان قیامت کے دن اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے گا۔

تفسیر بالقرآن

جہنمیوں کے اعترافات:

۱۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جہنمیوں سے فرمائے گا کیا آج کا عذاب برحق نہیں وہ کہیں گے کیوں نہیں۔ (الاحقاف: ۳۴)
۲۔ جہنمی کی خواہش ہوگی کہ دنیا میں واپس بھیج دیا جائے۔ (الانعام: ۲۷تا۲۸)
۳۔ اے رب ہمارے! ہمیں یہاں سے نکال ہم پہلے سے نیک عمل کریں گے۔ (الفاطر: ۳۷)
۴۔ اے رب ہمارے! ہم کو یہاں سے نکال اگر دوبارہ ایسا کریں تو بڑے ظالم ہوں گے۔ (المؤمنون: ۱۰۷)

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ

اورنہیں زندگی دنیا کی مگر کھیل اور تماشا اور البتہ گھر آخرت کا

خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

بہتر ان لوگوں کیلئے جو ڈرتے ہیں کیا پھر نہیں تم عقل کرتے

''اور دنیا کی زندگی کھیل اور دل لگی کے سوا کچھ نہیں اور یقیناً آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو ڈرتے ہیں تو کیا تم نہیں سمجھتے۔'' (۳۲)

فہم القرآن

ربط کلام: مجرم جس دنیا کو ہمیشہ کھیل تماشا تصور کرتے ہیں اس کی حقیقت۔

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر نازل کرنے کے وقت یہ حقیقت آشکار کر دی تھی کہ اے آدم! تم زمین پر اتر جاؤ لیکن یاد رکھنا زمین تیرے اور تیری اولاد کے لیے عارضی قیام گاہ ہے۔ وہاں تمہارا ایک مقررہ مدت تک ہی ٹھہرنا ہوگا۔ یہاں دنیا کی حقیقت بتلائی گئی ہے یہ دنیا کھیل تماشا کے سوا کچھ نہیں جس طرح کھیل اور تفریح زندگی کا مستقل حصہ نہیں کھیل مصروف کار رہنے کے بعد آدمی کے لیے دل بہلاوا اور عارضی راحت کا سبب ہوتا ہے۔ کافر کے لیے دنیا فقط اسی چیز کا نام ہے کہ وہ اس کے لہو ولعب میں مصروف ہو کر رہ جائے اس کے مقابلہ میں مومن دنیا کی نعمتوں سے مستفید ہوتے ہوئے کھلاڑی کے وقفہ آرام کی طرح آخرت کی تیاری کے لیے تازہ دم ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا ایمان ہے دنیا عارضی اور آخرت دائمی ہے یہاں کی ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے، آخرت کی زندگی اور نعمتوں کو دوام حاصل ہے۔ اس سوچ کے پیش نظر وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر زندگی بسر کرتا ہے اور یہی انسان کے عقل مند ہونے کی دلیل ہے۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ اضْطَجَعَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰی حَصِيرٍ فَأَثَّرَ فِي جِلْدِهٖ فَقُلْتُ بِأَبِي وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَوْ كُنْتَ اٰذَنْتَنَا فَفَرَشْنَا لَكَ عَلَيْهِ شَيْئًا يَقِيكَ مِنْهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا أَنَا وَالدُّنْيَا إِنَّمَا أَنَا وَالدُّنْيَا كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا)) [رواه ابن ماجة: کتاب الزھد، باب مثل الدنیا]

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر لیٹے۔ اس کے نشان آپ کے جسم اطہر پر پڑ گئے میں نے آپ کو دیکھ کر عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ حکم دیتے تو ہم آپ کے لیے بستر بچھا دیتے جس سے آپ کا جسم اطہر تکلیف سے بچ جاتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور دنیا کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی سوار سایہ دار شجر کے نیچے استراحت کے لیے رکے اور پھر اس کو چھوڑ دے۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ أَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِمَنْكِبِي فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ

سَبِيلٍ)) [رواه البخاری: کتاب الرقاق]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے سے پکڑتے ہوئے فرمایا دنیا میں اس طرح رہو جیسے اجنبی یا مسافر رہتے ہیں۔''

عقل مند کون؟

((عَنْ أَبِی یَعْلٰی شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا ثُمَّ تَمَنّٰی عَلَی اللّٰهِ))[رواہ ابن ماجۃ: کتاب الزھد، باب ذکر الموت والاستعداد له]

''حضرت ابویعلی شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقلمند وہ ہے جو اپنے آپ کو پہچانتا ہے اور مرنے کے بعد فائدہ دینے والے اعمال سرانجام دیتا ہے اور نادان وہ ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے نفس کے پیچھے لگایا اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ سے تمنا کرے۔''

مسائل

۱۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا محض کھیل تماشا ہے۔ ۲۔ متقین کے لیے آخرت میں جنت ہے۔

۳۔ آخرت کی تیاری کرنا انسان کے عقل مند ہونے کی دلیل ہے۔

تفسیر بالقرآن

دنیا کی حیثیت:

۱۔ جو چیز تم دیے گئے ہو یہ تو دنیا کا سامان اور زینت ہے۔(القصص:٦٠)

۲۔ نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر کھیل تماشا۔(العنکبوت:٦٤) ۳۔دنیا آخرت کے مقابلہ میں بہت کمتر ہے۔(التوبۃ:٣٨)

۴۔ نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر دھوکے کا سامان۔(آل عمران:١٨٥)

۵۔ مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی زینت ہیں۔(الکھف:٤٦) ٦۔ مال اور اولاد تمھارے لیے فتنہ ہے۔(التغابن:١٥)

۷۔ آپ فرما دیں کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے۔(النساء:٧٧)

۸۔ وہ دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے حالانکہ اس کی آخرت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں۔(الرعد:٢٦)

۹۔ آپ ان لوگوں کو چھوڑ دیں جنہوں نے دین کو کھیل تماشہ بنا لیا اور انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں مبتلا کر دیا۔ (الانعام:٧٠)

۱۰۔ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو جبکہ آخرت اس سے بہتر ہے۔(الاعلیٰ:١٧)

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ

تحقیق ہم جانتے ہیں بیشک وہ ضرور غمگین کرتا ہے آپ کو وہ جو وہ کہتے ہیں پس بیشک وہ

لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾

نہیں وہ جھٹلاتے آپ کو اور لیکن ظالم (جمع) ساتھ آیات اللہ وہ انکار کرتے ہیں

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا

اور البتہ تحقیق جھٹلائے گئے رسول (جمع) آپ سے پہلے تو انہوں نے صبر کیا پر جو

كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ

وہ جھٹلائے گئے اور تکلیف دیے گئے یہاں تک آئی انکے پاس ہماری مدد اور نہیں تبدیل کرنے والا

لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾

کلمات کو اللہ اور تحقیق آئی آپ کے پاس سے خبریں رسولوں کی

’’بے شک ہم جانتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو وہ بات ضرور غمگین کرتی ہے جو وہ کہتے ہیں تو بے شک وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے لیکن وہ ظالم اللہ کی آیات ہی کا انکار کرتے ہیں۔ (۳۳) اور بلاشبہ آپ سے پہلے کئی رسول جھٹلائے گئے تو انہوں نے اس پر صبر کیا جو وہ جھٹلائے گئے اور ایذا دیے گئے یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آگئی اور کوئی اللہ کی باتوں کو بدلنے والا نہیں اور بلاشبہ آپ کے پاس رسولوں کی خبریں پہنچ چکی ہیں۔‘‘ (۳۴)

فہم القرآن

ربط کلام: اے نبی ﷺ! جب یہ دنیا عارضی اور اس کے مقابلے میں آخرت دائمی اور اس کی نعمتیں ہمیشہ رہنے والی ہیں یہاں متقین کو ان کی نیکیوں سے بڑھ کر اجر ملنے والا ہے لہٰذا آپ کو مکذبین کی باتوں پر دل گرفتہ اور غمزدہ نہیں ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی معظم ﷺ کو بے حساب صبر و تحمل اور عظیم حوصلہ عطا فرمایا تھا اس کے باوجود کفار کے ظلم و ستم، یہود و نصاریٰ کی سازشیں اور منافقین کی چیرہ دستیوں کی وجہ سے کبھی کبھار آپ پریشان ہو جایا کرتے تھے۔ پریشانی کا بنیادی سبب لوگوں کی ہدایت اور ان کی خیر خواہی کا جذبہ ہوا کرتا تھا۔ جس پر آپ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد ہوا کہ اے نبی! ہم آپ کی فکرمندی، لوگوں کی خیر خواہی اور شب و روز کی مشقت کو جانتے ہیں اور یہ حقیقت بھی اللہ علیم و خبیر کے علم میں ہے کہ لوگ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی وجہ سے آپ کو جھٹلاتے ہیں کیونکہ نبوت عطا ہونے سے پہلے یہ لوگ آپ کو صادق وامین کے

نام سے جانتے تھے۔ جونہی آپ نے صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر قُولُوا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا آوازہ بلند کیا تو ایک لمحہ کی تاخیر کیے بغیر یہ لوگ آپ کے مخالف ہو گئے یہاں تک کہ آپ کے چچا ابولہب نے بھرے مجمع میں آپ کو ان الفاظ سے مخاطب کیا:

کہ کفار کے جھٹلانے کا معاملہ صرف آپ سے پیش نہیں آیا بلکہ آپ سے پہلے جتنے انبیاء آئے ان سب کی تکذیب کی جاتی رہی ہے لیکن وہ کفار کی ایذا رسانی اور تکذیب پر صبر و حوصلہ سے کام لیا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ کی نصرت وحمایت آن پہنچتی۔ نصرت وحمایت سے مراد انبیاء علیہم السلام کی اخلاقی کامیابی اور ان کے مقابلے میں دشمن کی ذلت ورسوائی ہے۔ جس طرح کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم السلام کے مخالفین کو مختلف قسم کے عذاب اور ذلت ورسوائی سے دوچار ہونا پڑا۔ اے نبی! آپ کو عزم وحوصلہ سے کام لینا چاہیے اور یاد رکھیے حالات کوئی بھی صورت اختیار کر لیں اللہ تعالیٰ کے احکام و ارشادات اپنی جگہ پر اٹل اور قائم رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات یعنی ارشادات تبدیل نہ ہونے کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ جس طرح پہلے انبیائے کرام علیہم السلام سے اللہ کا وعدہ پورا ہوا اسی طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نصرت وہدایت کا وعدہ پورا ہوگا۔ جس کے نتیجے میں آپ کامیاب اور آپ کے دشمن ناکام اور نامراد ہوں گے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيقٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ رضی اللہ عنہا هَلْ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّي وَهُوَ قَاعِدٌ قَالَتْ نَعَمْ بَعْدَ مَا حَطَمَهُ النَّاسُ))[رواہ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین، باب جواز النافلۃ قائما وقاعدا]

”حضرت عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر بھی نماز پڑھا کرتے تھے؟ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہاں لوگوں کے بوڑھا کر دینے کے بعد۔“

مسائل

۱۔ داعی حق کو مخالفین سے دل آزردہ نہیں ہونا چاہیے۔ ۲۔ کفار اللہ تعالیٰ کے پیغام کو جھٹلاتے ہیں۔
۳۔ تمام انبیاء ورسل کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ۴۔ دین حق میں کوئی ردوبدل نہیں ہوسکتا۔

تفسیر بالقرآن

نبی کو جھٹلانے والے لوگ:

۱۔ اگر انھوں نے آپ کو جھٹلا دیا ہے تو آپ سے پہلے بھی کئی رسول جھٹلائے گئے۔ (آل عمران: ۱۸۴)
۲۔ آپ کو اگر انھوں نے جھٹلا دیا ہے آپ فرما دیں میرے لیے میرے عمل اور تمھارے لیے تمھارے عمل ہیں۔ (یونس: ۴۱)
۳۔ اگر انھوں نے آپ کو جھٹلا دیا ہے تو آپ فرما دیں تمھارا رب وسیع رحمت والا ہے۔ (الانعام: ۱۴۷)
۴۔ اگر انھوں نے آپ کو جھٹلا دیا ہے تو جھٹلائے گئے ان سے پہلے حضرت نوح اور دوسرے انبیاء۔ (الحج: ۴۲)
۵۔ اگر انھوں نے آپ کو جھٹلایا ہے۔ ان سے پہلے لوگوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا۔ (الفاطر: ۲۵)

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ

اور اگر ہو مشکل آپ پر ان کا اعراض کرنا پھر اگر آپ استطاعت رکھتے ہیں یہ کہ

تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ

آپ تلاش کریں کوئی سرنگ میں زمین یا سیڑھی میں آسمان آپ لائیں انکے پاس کوئی نشانی

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٣٥﴾

اور اگر چاہے اللہ البتہ جمع کرے انکو پر ہدایت پھر نہ آپ ہوں سے نادان (جمع)

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ

بیشک جو قبول کرتے ہیں وہ لوگ وہ سنتے ہیں اور مردے اٹھائے گا انکو اللہ

ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿٣٦﴾

پھر اسکی طرف وہ لوٹائے جائیں گے

"اور اگر آپ پر ان کا منہ پھیرنا بھاری گزر رہا ہے اگر تو آپ کر سکیں کہ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ نکالیں پھر ان کے پاس کوئی نشانی لے آئیں تو لے آئیں اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں ہدایت پر جمع کر دیتا پس آپ جاہلوں میں سے ہرگز نہ ہوں۔ (۳۵) قبول تو صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور جو مردے ہیں انہیں اللہ اٹھائے گا پھر اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔" (۳۶)

فہم القرآن

ربط کلام: نبی اکرم ﷺ کو تسلی دینے کے ساتھ ایک حقیقت بتلائی گی ہے کہ تمام کے تمام انسان سچائی پر اکٹھے نہیں ہوا کرتے۔

لوگوں کی ہدایت کے بارے میں رسول محترم ﷺ کے جذبات کا جواب جس میں ایک طرح کی آپ کو تسلی دینے کے ساتھ تنبیہ فرمائی گئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ صبح وشام اس تڑپ اور کوشش میں تھے کہ کسی طرح یہ لوگ ہدایت سے ہم کنار ہو جائیں۔ اس کے لیے بحیثیت ایک انسان اور داعی کے یہ خیالات پیدا ہوتے تھے کہ کاش اللہ تعالیٰ کفار کے مطالبات کو من وعن پورا فرما دے تا کہ کوئی شخص بھی ہدایت سے محروم نہ رہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اہل مکہ نے آپ سے مطالبہ کیا تھا کہ آپ زمین میں سرنگ لگا کر ہمارے لیے اس کے مدفون خزانے لائیں جیسا کہ انھوں نے نہروں اور باغات کا مطالبہ بھی کیا تھا اور یہ بھی مطالبہ کیا کہ آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھیں اور ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے کوئی ایسا معجزہ لائیں جس کا انکار کرنا ہمارے لیے ناممکن ہو۔ اس ضمن میں وہ یہاں تک مطالبہ کرتے تھے کہ ایسی کتاب لائی جائے جسے ہم اپنے ہاتھوں کے ساتھ اچھی طرح

ٹٹول کر یقین کرلیں کہ واقعی یہ آسمانوں سے لائی ہوئی کتاب ہے۔

﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوْٓا إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾[الأنعام:۷]

”اور اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب آپ پر نازل کرتے، پھر یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھوکر دیکھ بھی لیتے تو جن لوگوں نے کفر کیا ہے یہی کہتے کہ یہ صاف جادو ہے۔“

کفار کی ہٹ دھرمی بتلانے کے لیے آپ کو یوں خطاب فرمایا گیا ہے کہ اے رسول! آپ پر ان لوگوں کا اعراض وانکار اس قدر گراں گزرتا ہے اگر آپ کے پاس طاقت ہے تو آپ زمین میں اتر جائیں یا آسمان پر چڑھ جائیں اور ان کے سامنے ان کے حسب منشاء معجزات لے آئیں تو پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ اگر اس طرح لوگوں کو منوانا مقصود ہوتا تو اللہ تعالیٰ ضرور سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کے طریقہ کے خلاف ہے۔ لہٰذا سب کو ہدایت پر جمع کرنے کی خواہش رکھنا جاہلوں کا شیوہ ہے۔ جس کی آپ سے توقع نہیں ہوسکتی، لہٰذا آپ کی سوچ کا انداز ایسا نہیں ہونا چاہیے یہاں مضمر الفاظ میں آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کا کام حق بات لوگوں تک پہنچانا ہے منوانا نہیں۔ آپ جس قدر بھی کوشش کرلیں یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ یہ سنتے ضرور ہیں لیکن ان کے دل مردہ ہونے کی وجہ سے مردوں جیسے ہو چکے ہیں۔ جس طرح مردے قیامت کو اٹھائے جائیں گے اس سے پہلے مردوں کا اٹھنا اور ان کا سننا مشکل ہے۔ اسی طرح کفار کا حق بات سننا اور اس کو قبول کرنا مشکل ہے۔ البتہ جو آدمی حق بات کو دل کے کانوں سے سنتا ہے وہ ضرور اس کو قبول کرتا ہے۔

مسائل

۱۔ منکرین حق کی باتوں سے پریشان نہیں ہونا چاہیے ۲۔ صاحب بصیرت لوگ ہی دعوت حق قبول کرتے ہیں۔

۳۔ ہٹ دھرم لوگ بڑی سے بڑی نشانی دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو اُٹھائے گا:

۱۔ آپ فرمادیں کہ تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔(التغابن:۷)

۲۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اٹھائے گا تاکہ ان کے درمیان فیصلہ صادر فرمائے۔(الانعام:۶۰)

۳۔ تمام مردوں کو اللہ اٹھائے گا پھر اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔(الانعام:۳۶)

۴۔ قیامت کے دن اللہ سب کو اُٹھائے گا پھر ان کے اعمال کی انھیں خبر دے گا۔(المجادلۃ:۶ تا ۱۸)

۵۔ موت کے بعد تمھیں ضرور اٹھایا جائے گا۔(ھود:۷)

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ

اور انھوں نے کہا | کیوں نہ | نازل کی گئی | اس پر | نشانی | اسکے رب سے | فرمادیجیے | بیشک اللہ

قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

قادر | پر | یہ کہ | وہ اتارے | کوئی نشانی | اور لیکن | اکثر ان کے | نہیں وہ جانتے

’’اور انہوں نے کہا اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟ فرمادیجیے بے شک اللہ اس بات پر قادر ہے کہ کوئی نشانی اتارے اور لیکن ان کے اکثر نہیں مانتے۔‘‘ (۳۷)

فہم القرآن

ربط کلام: حق کا انکار کرنے کے باوجود کفار کا بار بار نبی ﷺ سے معجزات کا مطالبہ کرنا۔

منکرین حق گاہے، گاہے رسول معظم ﷺ سے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے لیکن جونہی ان کے پاس کوئی معجزہ آتا تو نہ صرف اس کا انکار کرتے بلکہ الٹا آپ کو جادوگر ہونے کا الزام دیتے۔ قرآن مجید کا مطالعہ کیا جائے تو درجنوں ایسی آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار نے نہ صرف آپ ﷺ سے عجیب وغریب معجزات کا مطالبہ کیا بلکہ ایک موقع پر انھوں نے بیت اللہ کا غلاف پکڑ کر یہاں تک اپنے لیے مطالبہ کیا:

﴿وَإِذْ قَالُواْ اللَّهُمَّ إِن كَانَ هَـٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِندِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾[الأنفال:٣٢]

’’جب انھوں (کافروں) نے کہا: اے اللہ! اگر یہ قرآن واقعی تیری طرف سے ہے اور یہ نبی سچا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا پھر ہمیں اذیت ناک عذاب میں مبتلا کر دے۔‘‘

جس قوم کی ہٹ دھرمی اور گمراہی کا یہ عالم ہو اسے کیونکر ہدایت نصیب ہوسکتی ہے۔ لہٰذا اس موقع پر فقط یہی جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے مطالبات سے بڑھ کر آیات ومعجزات نازل کرنے پر قادر ہے لیکن اس کے باوجود تمھاری اکثریت اس حقیقت کو ماننے اور جاننے کو تیار نہیں ہے۔

مسائل

۱۔ گمراہی پر مصر قوم ہدایت نہیں پاسکتی۔
۲۔ معجزات اتمام حجت کے لیے ہوا کرتے ہیں۔
۳۔ اکثر لوگ حقیقت کو نہیں سمجھتے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ

اورنہیں سے چلنے والا میں زمین اور نہ کوئی پرندہ جواڑتا ہے اپنے دونوں پروں کیساتھ مگر امتیں

اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝

تمہاری ہی طرح نہیں ہم نے چھوڑی کتاب میں کوئی چیز پھر طرف انکا رب وہ اکٹھے کیے جائیں گے

''اور زمین میں کوئی چلنے والا جاندار نہیں اور نہ کوئی پرندہ ہے جو اپنے دو پروں سے اڑتا ہے مگر تمہاری طرح امتیں ہیں ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی، پھر وہ اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے۔'' (۳۸)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار نشانی کا مطالبہ کرتے تھے اس کے جواب میں ان کی توجہ پرندوں کی طرف مبذول کی گئی ہے تاکہ وہ ان کی ساخت، پرورش اور پرواز کے نظام پر غور کریں۔

منکرین حق کا مطالبہ تھا کہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی مزید نشانیاں آنی چاہییں جس کے جواب میں یہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ مزید نشانیاں نازل کرنے پر قادر ہے۔ تاہم اگر انسان غور کرے تو اس کی چشم کشائی کے لیے اس کے گردو پیش اتنے نشاناتِ عبرت ہیں کہ جن کو دیکھ کر یہ مالک حقیقی کو پہچان سکتا ہے۔ اس کے لیے انسان کو دور دراز سفر کرنے کی ضرورت نہیں اگر وہ اپنے سامنے زمین پر چلنے والے جانور اور فضا میں اُڑنے والے پرندوں پر غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نظام قدرت کی حدود و قیود کے اس طرح پابند ہیں کہ کوئی اس سے سرمو انحراف نہیں کرسکتا۔ یہ درند اور پرند نہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں بلکہ اس کی حمد وثنا کے گیت گاتے ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۴۴ میں بیان کیا گیا ہے کہ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے وہ تمام کے تمام اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرتے ہیں لیکن انسان ان کی تسبیحات کو نہیں سمجھ سکتے۔ سورۃ النحل آیت ۷۹ میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ دیکھو اور غور کرو کہ اللہ کے سوا کون ہے جو پرندوں کو فضا میں تھامے ہوئے ہے اس میں لاتعداد نشانیاں ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو تسلیم کرنے کی دولت سے بہرہ مند ہیں۔ اسی بات کو سورۃ الملک آیت ۱۹ میں یوں بیان کیا کہ کیا یہ لوگ پرندوں کی طرف غور نہیں کرتے کہ وہ ان کے سروں کے اوپر فضا میں پرواز کرتے ہوئے اپنے پروں کو کھولتے اور سمیٹ لیتے ہیں۔ رحیم وکریم رب کے سوا پرندوں کو کون سنبھالے ہوئے ہے۔ یہاں پرندوں کو آدمیوں کی مثل امت قرار دیتے ہوئے یہ وضاحت کردی گئی ہے کہ سب کا ریکارڈ ہمارے پاس موجود ہے اور ہر کسی نے اپنے رب کی بارگاہ میں اکٹھا ہونا ہے۔ امام رازی ؒ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۱۔ حیوان اور پرندے کو بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے اور وہ اس کی حمد وتسبیح میں مصروف رہتے ہیں۔

۲۔ جس طرح انسانوں میں تولد وتناسل کا سلسلہ جاری ہے اسی طرح پرندے بھی آپس میں محبت اور مباشرت کا عمل اختیار کرتے ہیں۔

۳۔ جس طرح انسانوں کو ایک خاص مقصد اور تدبیر کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے اسی طرح حیوانوں اور پرندوں کو بھی خاص مقصد اور تدبیر کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔

۴۔ جس طرح اللہ تعالیٰ انسان کی حفاظت اور اس کے رزق کا ذمہ دار ہے یہی معاملہ پرندوں اور درندوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

۵۔ جس طرح قیامت کے دن انسانوں کو اکٹھا کرکے ان سے ایک دوسرے کا قصاص لیا جائے گا اسی طرح درندوں، پرندوں اور جانوروں کو جمع کرکے ان سے ایک دوسرے کا بدلہ چکایا جائے گا۔

۶۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے موت وحیات اور دیگر معاملات مقرر فرمائے ہیں اسی طرح حیوانوں اور پرندوں کے لیے ضابطے مقرر کیے ہیں۔

۷۔ جس طرح انسان اپنی روزی کا محتاج ہے اور اس کے لیے تگ ودو کرتا ہے اسی طرح دیگر جاندار اپنی خوراک کے محتاج ہیں اور اس کے لیے محنت کرتے ہیں۔

۸۔ انسانوں، حیوانوں اور پرندوں کے درمیان عادات اور خصائل کے لحاظ سے بھی کچھ قدریں مشترک ہیں شیر کی طرح بہادر، مور کی طرح خوبصورت خنزیر کی طرح بے حمیت، کوے کی طرح حریص اور لومڑی کی طرح بعض انسان چالاک اور عیار ہوتے ہیں۔

مسائل

۱۔ ہر ذی روح چیز سے حساب وکتاب ہوگا۔ ۲۔ تمام مخلوقات کو قیامت کے روز اکٹھا کیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن لوگوں کا اللہ کے حضور اکٹھا ہونا یقینی ہے:

۱۔ یقیناً قیامت کے دن اللہ تمھیں جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں۔ (الانعام:۱۲)

۲۔ آپ فرمادیں تمھارے پہلے اور آخر والے سب کو ضرور اکٹھا کیا جائے گا۔ (الواقعۃ:۴۷تا۵۰)

۳۔ پھر ہم تمھیں تمھاری موت کے بعد اٹھائیں گے۔ (البقرۃ:۵۶)

۴۔ جس دن تم سب کو جمع ہونے والے دن اللہ جمع کرے گا۔ (التغابن:۹)

۵۔ جس دن اللہ رسولوں کو جمع کرے گا۔ (المائدۃ:۱۰۹)

۶۔ یہ فیصلہ کا دن ہے ہم نے تمھیں بھی جمع کر دیا ہے اور پہلوں کو بھی۔ (المرسلات:۳۸)

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ

اور وہ لوگ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیات بہرے اور گونگے میں اندھیرے جو

يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٩﴾

چاہے اللہ اسکو گمراہ کرتا ہے اور جو چاہے وہ اسے کردے پر راستہ سیدھا

''اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا وہ بہرے اور گونگے ہیں، اندھیروں میں ہیں۔ جسے اللہ چاہے اسے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے سیدھے راستے پر لگا دیتا ہے۔'' (۳۹)

فہم القرآن

ربط کلام: حقیقت کا بار بار انکار کرنے کی وجہ سے منکرین کی حالت کا بیان۔

قیامت کو جھٹلانے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرنے والے بہرے، گونگے ہونے، اور اندھیروں میں ٹامک ٹویاں مارنے کی وجہ سے درندوں اور پرندوں سے بھی کم تر ہیں۔ حقائق کا انکار اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تکذیب کرنے کی وجہ سے انسان بالآخر چلتی پھرتی لاش کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ جس طرح مردہ سن سکتا ہے اور نہ بول سکتا ہے اور نہ ہی اُسے سردی گرمی، روشنی اور اندھیرے کا احساس ہوتا ہے بالکل یہی حالت ان لوگوں کی ہو جاتی ہے جو حق سننے اور سچ بیان کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ان لوگوں کی بری خصلت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان پر گمراہی مسلط کر دیتا ہے۔ جس طرح صحت، تندرستی اور دیگر امور پر اللہ تعالیٰ کو ہر قسم کا اختیار حاصل ہے اسی طرح ہی ہدایت کا معاملہ ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہے صراط مستقیم پر گامزن کرتا ہے اور جسے چاہے اُس کی بداعمالیوں کی وجہ سے اُسے گمراہی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ فہم القرآن کی جلد اول، صفحہ ۷۰ سورۃ البقرہ آیت ۲۶ میں وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے کسی کو گمراہ نہیں کرتا جب تک کوئی شخص اپنے لیے گمراہی پسند نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لیے اُسے عقل و شعور کی نعمت سے ہمکنار کرتے ہوئے آسمانی کتب کے ذریعے اُس کی رہنمائی کا اہتمام کیا ہے لہٰذا انسان کی گمراہی کو اپنی طرف منسوب کرنے کا مفہوم فقط اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جبراً کسی پر ہدایت مسلط نہیں کرتا جب تک انسان اُس کی چاہت اور کوشش نہ کرے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اس طرح ہدایت اور گمراہی بھی اُس کے اختیار میں ہے۔ اس لیے انسان کو ہدایت کی دعا اور گمراہی سے بچنے کی توفیق مانگنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

صراط مستقیم:

۱۔ صراط مستقیم کی بنیاد۔ (آل عمران: ۱۰۱) ۲۔ اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا صراط مستقیم ہے۔ (آل عمران: ۵۱)

قُلْ	اَرَءَيْتَكُمْ	اِنْ	اَتٰىكُمْ	عَذَابُ اللّٰهِ	اَوْ اَتَتْكُمُ	السَّاعَةُ
فرمادیجیے	بتلاؤتم	اگر	آئے تم پر	اللہ کا عذاب	یا آئے تم پر	قیامت

اَغَيْرَ اللّٰهِ	تَدْعُوْنَ ۚ	اِنْ	كُنْتُمْ	صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾	بَلْ	اِيَّاهُ	تَدْعُوْنَ
کیا علاوہ اللہ	تم پکارو گے	اگر	ہوتم	سچ بولنے والے	بلکہ	صرف اسی کو	تم پکارو گے

فَيَكْشِفُ	مَا	تَدْعُوْنَ	اِلَيْهِ	اِنْ	شَآءَ	وَ
پھر وہ دور کریگا	جو	تم پکارو گے	اسکی طرف	اگر	چاہا اس نے	اور

تَنْسَوْنَ	مَا	تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾
تم بھول جاؤ گے	جو	تم شرک کرتے تھے

”فرمادیجیے کیا تم نے دیکھا اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے یا تم پر قیامت آجائے کیا اللہ کے سوا کسی کو پکارو گے اگر تم سچے ہو۔(۴۰) بلکہ تم اسی کو پکارو تو وہ اس کو دور کردے گا جس کے لیے تم اسے پکارو گے اگر اس نے چاہا اور تم بھول جاؤ گے جو شریک بناتے ہو۔“(۴۱)

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ:

صحیح العقیدہ شخص عسر، یسر، بیماری، تندرستی، مشکل اور خوشحالی یعنی ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے مشکل کشائی کی تمنا اور آرزو کرتا ہے اس کے مقابلے میں باطل عقیدہ کا حامل انسان آسانی کے وقت اللہ کے سوا دوسروں سے رجوع کرتا ہے اور جب مسائل کے گرداب میں پھنس جائے تو ہر طرف سے مایوس ہو کر اللہ تعالیٰ کو صدائیں دیتا ہے اس کی اسی عادت کے پیش نظر نبی اکرم ﷺ کو فرمایا گیا ہے کہ آپ ان سے استفسار فرمائیں کہ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ٹوٹے یا تم پر ناگہانی کوئی مصیبت اور قیامت آن پڑے اگر تم واقعی اپنے عقیدے میں سچے ہو تو کیا پھر بھی تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ ایسا کبھی نہیں ہوگا بلکہ صرف اور صرف تم اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہو اور پکارو گے وہی تمہاری مشکل دور اور تکلیف رفع کرتا ہے مشکل کے وقت جن کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہو تم یکسر انھیں بھول جاتے اور چھوڑ دیتے ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو پکارنے والا اپنے عقیدہ میں سچا اور مخلص نہیں ہوتا کیونکہ توحید کے بغیر آدمی کو اخلاص اور کسی بات پر قرار نصیب نہیں ہوتا۔ مشرک کی عادت ہے اور تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ جب بھی باطل عقیدہ لوگوں کو کوئی آفت آئے تو وہ اللہ تعالیٰ کو ہی

پکارا کرتے ہیں۔ کیونکہ مصیبت کے وقت انسان کے دل و دماغ سے جہالت اور غفلت کے پردے اُٹھ جاتے ہیں اور اس کی سوئی ہوئی فطرت سلیم بیدار ہو جاتی ہے جس کی بنا پر وہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتا ہے۔ کیونکہ توحید فطرت کی آواز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسان کی جبلت میں سمو دیا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو ابوجہل کا بیٹا عکرمہ رضی اللہ عنہ اپنی جان بچانے کی خاطر جدہ کی بندرگاہ پہنچا۔ جب بیڑے پر سوار ہوا تو سفر کے دوران بیڑہ سمندر کے بھنور میں جا پھنسا۔ طوفان اس قدر شدید تھا کہ بادبان نے بیڑے پر سوار لوگوں کو تلقین کی کہ ایسے حالات میں کسی اور کو پکارنے کی بجائے صرف ایک اللہ کو صدا دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا اس لیے ہم سب کو ایک اللہ ہی سے اس گرداب سے نجات کی دعا کرنی چاہیے۔ جناب عکرمہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ میں نے اسی وقت اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مصیبت سے نجات دی تو میں واپس جا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا کیونکہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی نجات دینے والا نہیں ہے۔ چناچہ اس واقعہ کے بعد حضرت عکرمہ بن ابوجہل رضی اللہ عنہ مکہ واپس آکر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے اور آخر دم تک نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار رہے۔

مسائل

۱۔ مشرک مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں۔

۲۔ مشکل وقت میں مشرک معبودان باطل کو بھول جاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اگر مدد کر سکتے ہیں تو اپنے معبودوں کو آواز دو:

۱۔ بلاؤ اپنے معبودوں کو اگر تم سچے ہو۔ (البقرۃ:۲۳)

۲۔ ان کو ٹھہراؤ ان سے کچھ پوچھنا ہے۔ تمھیں کیا ہو گیا اب ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ (الصافات:۲۴ تا ۲۵)

۳۔ اللہ کے علاوہ جن معبودوں کا تمھیں زعم ہے انھیں بلاؤ وہ بھی مصیبت دور نہیں کر سکتے۔ (بنی اسرائیل:۵۶)

۴۔ بلاؤ تم ان کو وہ تمھیں جواب نہیں دیں گے۔ (الاعراف:۱۹۴)

۵۔ اس دن ان سے کہا جائے گا بلاؤ اپنے معبودان باطل کو، وہ بلائیں گے تو انھیں جواب نہیں ملے گا۔ (القصص:۶۴)

وَلَقَدْ	اَرْسَلْنَآ	اِلٰٓى	اُمَمٍ	مِّنْ	قَبْلِكَ	فَاَخَذْنٰهُمْ
اور تحقیق	ہم نے بھیجا	طرف	امتیں	سے	پہلے آپ	ہم نے پکڑا انکو
بِالْبَاْسَآءِ	وَالضَّرَّآءِ	لَعَلَّهُمْ	يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٤٢﴾	فَلَوْلَآ	اِذْ	جَآءَهُمْ
سختی کے ساتھ	اور تکلیف	تا کہ وہ	عاجزی کریں	پھر کیوں نہ	جب	آیا ان پر
بَاْسُنَا	تَضَرَّعُوْا	وَلٰكِنْ	قَسَتْ	قُلُوْبُهُمْ	وَزَيَّنَ	لَهُمُ
ہمارا عذاب	انہوں نے عاجزی کی	اور لیکن	سخت ہو گئے	ان کے دل	اور خوبصورت کیا	ان کے لیے
الشَّيْطٰنُ	مَا كَانُوْا	يَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾	فَلَمَّا	نَسُوْا مَا	ذُكِّرُوْا	بِهٖ
شیطان نے	جو وہ تھے	وہ عمل کرتے	تو جب	انہوں نے بھلایا جو	وہ نصیحت کیے گئے	اسکی

''اور بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے، پھر انہیں تنگ دستی اور تکلیف کے ساتھ پکڑ لیا تا کہ وہ عاجزی کریں۔(۴۲) پھر جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو وہ کیوں نہ گڑگڑائے بلکہ ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے لیے جو کچھ وہ کرر ہے تھے خوش نما بنا دیا۔(۴۳) پھر جب وہ اس کو بھول گئے جو انہیں نصیحت کی گئی تھی

فہم القرآن

ربط کلام: حقیقت کا انکار کرنے والوں کا دنیا میں انجام جب ان پر ہلکا اور بھاری عذاب آیا تو ان کی قلبی کیفیت اور ردعمل

جیسا کہ آیت ۳۷ میں کفار کے مطالبہ کا ذکر ہوا۔ جس میں انھوں نے نبی رحمت ﷺ سے کسی معجزہ یا نشانی کا مطالبہ کیا اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا عذاب یا جس قیامت کی آمد کا تم مطالبہ کرتے ہو وہ یکا یک تم پر نازل ہو جائے تو کیا پھر بھی تم اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے معبودان باطل سے مدد طلب کرو گے؟ ہرگز نہیں تمھاری حالت یہ ہوگی کہ تم سب کچھ بھول کر صرف ایک رب کو پکارو گے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی نشانی یا اس کے عذاب کا معاملہ ہے تو جان رکھو اس کے عذاب کی مختلف صورتیں ہوا کرتی ہیں۔ جن میں ابتدائی شکل یہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ غربت وافلاس، تنگی اور حالات کی ترشی کے ذریعے لوگوں کو جھنجھوڑتا ہے تا کہ لوگ اپنی روش پر نظر ثانی کریں۔

اس ہلکی پھلکی گرفت میں اس کی رحمت پنہاں ہوتی ہے کہ جو میرے بندے مجھ سے دور اور میری رحمت سے محروم ہو چکے ہیں انھیں معمولی جھٹکے کے ذریعے احساس دلایا جائے کہ تمھیں ادھر اُدھر کے سہارے تلاش کرنے اور دوسروں کو خوش

فَتَحْنَا	عَلَيْهِمْ	اَبْوَابَ	كُلِّ	شَيْءٍ	حَتّٰٓى	اِذَا	
ہم نے کھولے	ان پر	دروازے	ہر	چیز	یہاں تک کہ	جب	
فَرِحُوْا	بِمَآ	اُوْتُوْٓا	اَخَذْنٰهُمْ	بَغْتَةً	فَاِذَا هُمْ	مُّبْلِسُوْنَ ۝۴۴	
وہ اترا گئے	ساتھ	وہ دیے گئے	ہم نے پکڑا انکو	ناگہاں	جب وہ	ناامید ہونے والے	
فَقُطِعَ	دَابِرُ	الْقَوْمِ	الَّذِيْنَ	ظَلَمُوْا	وَالْحَمْدُ	لِلّٰهِ	
کاٹ دی گئیں	جڑیں	قوم	وہ لوگ	ظلم کیا جنہوں نے	اور تمام تعریفیں	اللہ کے لیے	

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۵

رب جہانوں کا

تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں کے ساتھ خوش ہو گئے جو انہیں دی گئی تھیں ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا تو وہ اچانک ناامید ہو گے۔(۴۴) تو ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی جنہوں نے ظلم کیا تھا اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو سب جہانوں کا رب ہے۔''(۴۵)

کرنے کی بجائے صرف اپنے رب کا سہارا اور اسی کو خوش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔لیکن مسلسل گناہوں کی وجہ سے جب لوگوں کے دل سخت ہو جائیں اور وہ ہلکے پھلکے عذاب سے سبق حاصل کرنے کی بجائے گناہوں اور جرائم کے اس قدر دلدادہ ہو جائیں کہ برائی اور بے حیائی ان کی زندگی کا معمول اور فیشن بن جائے تو ان کو شیطانی کام خوبصورت دکھائی دیتے ہیں گویا کہ شیطان پوری طرح ان پر حاوی اور غالب ہو چکا ہوتا ہے۔ جب یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور نصائح کو مسلسل نظر انداز کر دینے کا وطیرہ اختیار کرتے ہیں تو پھر ان پر دنیا کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں تاکہ گناہ کرنے میں ان کی کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ جب یہ اپنی طرزِ زندگی پر پوری طرح شاداں وفرحاں اور مطمئن ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک انھیں آلیتا ہے۔پھر ایسی قوم کو صفحۂ ہستی سے ناپید کر دیا جاتا ہے۔

جس سے نہ صرف ان کے نشانات اور اثرات ختم ہو جاتے ہیں بلکہ مدت دراز تک لوگ ان پر حسرت وافسوس کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ مجرموں سے اللہ کی زمین پاک ہوئی ،مظلوموں اور مجبوروں کو سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا۔قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اکثر قومیں جن پر عذاب نازل ہوئے وہ غریب ہونے کے بجائے دولت منداور ترقی یافتہ ہوا کرتی تھیں۔

((عَنْ أَبِي قَتَادَةَ بْنِ رِبْعِيِّ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرَّ عَلَيْهِ بِجَنَازَةٍ فَقَالَ مُسْتَرِيحٌ وَمُسْتَرَاحٌ مِنْهُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا الْمُسْتَرِيحُ وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْهُ قَالَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيحُ مِنْ نَصَبِ الدُّنْيَا وَأَذَاهَا إِلَى رَحْمَةِ اللّٰهِ وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ يَسْتَرِيحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ))[رواه البخاری: کتاب الرقاق، باب سکرات الموت]

”حضرت ابو قتادہ بن ربعی الانصاری رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتے تھے رسول معظم ﷺ کے پاس سے جنازہ گزرا نبی محترم ﷺ نے فرمایا یہ راحت پا گیا اور اس سے سکون پا گئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے استفسار کیا اے اللہ کے رسول کون سکون پا گیا اور کس نے اس سے سکون پایا فرمایا؟ آپ نے فرمایا بندہ مومن جب فوت ہوتا ہے تو دنیا کے مصائب اور اذیتوں سے اللہ کی رحمت کی طرف راحت میں چلا جاتا ہے جبکہ ایک فاجر آدمی کی موت سے لوگ، علاقہ، درخت اور جانور سکون محسوس کرتے ہیں۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ تنگدستی و تکلیف کے ذریعے لوگوں کو احساس دلاتے ہیں
۲۔ مصیبت میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے خصوصی دعائیں کرنی چاہییں۔
۳۔ دلوں کے سخت ہونے سے پناہ مانگنی چاہیے۔
۴۔ دنیا کی خوشحالی حق وصداقت کا معیار نہیں ہے۔
۵۔ ظالم لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے دوچار ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

نافرمان لوگوں کے دل سخت ہو جاتے ہیں:

۱۔ یہودیوں کے دل پتھروں کی طرح سخت ہو گئے۔ (البقرۃ:۷۴)
۲۔ ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال خوبصورت بنا دیے۔ (الانعام:۴۳)
۳۔ ان کے دل سخت اور عمر لمبی ہو گئی۔ (الحدید:۱۶)
۴۔ ان کے دلوں میں بیماری اور سختی ہے۔ (الحج:۵۳)
۵۔ سخت دل والوں کے لیے جہنم ہے۔ (الزمر:۲۲)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ

فرمادیجیے مجھے بتلاؤ اگر پکڑ لے اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور مہر لگادے

عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ

پر تمہارے دل کون معبود علاوہ اللہ جولادے تمہیں یہ دیکھیں کس طرح

نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

ہم پھیرتے ہیں آیات پھر وہ اعراض کرتے ہیں

”فرمادیں کیا تم نے دیکھا اگر اللہ تمہاری سماعت اور تمہاری نگاہوں کو چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر کردے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہیں یہ چیزیں لادے؟ دیکھ ہم کیسے آیات کو پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں، پھر وہ منہ موڑ لیتے ہیں۔“ (۴۶)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کے عذاب کی یہ بھی ایک شکل ہے کہ وہ سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں سلب کرلیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی گرفت اور عذاب کی مختلف شکلیں ہیں جلد یا بدیر دنیا میں کسی نہ کسی عذاب میں مجرم کو مبتلا کرتا ہے یا پھر اس کی سماعت یا بصیرت و بصارت اور تفہیم کی صلاحیتوں کو مسلوب کردیتا ہے جس سے مجرم کو یہ غلط فہمی ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر ناراض ہونے کے بجائے خوش ہے جس کی بنا پر مجھے دنیا کی فراوانی اور ہر قسم کی آزادی سے نواز رکھا ہے حالانکہ اس کا اصول یہ ہے کہ جسے جرائم میں مزید بڑھانا مقصود ہوتا ہے اُس کی حیاتِ مستعار کی رسی دراز کردیتا ہے تاکہ یہ گناہ اور جرائم کرتا رہے اور آخرت میں اُسے ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے۔ یہاں اعضاء اور جوارح کے بارے میں یہ احساس دلایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری صلاحیتیں سلب کرلے تو بتلاؤ کہ اُس کے سوا کون ان کی قوتِ کار کو بحال کرسکتا ہے یاد رہے کہ جب اللہ تعالیٰ جسمانی اعضاء میں سے کسی ایک کو مکمل طور پر مفلوج کردیتا ہے تو دنیا کا کوئی ڈاکٹر اور سرجن اُسے بحال نہیں کرسکتا۔ مثال کے طور پر اگر کسی شخص کی انگلی کٹ جائے تو دوبارہ انگلی کا وجود میں آنا ناممکن ہے اسی طرح اگر آنکھ اور کان اپنے مکمل نظام کے ساتھ ناکارہ ہوجائیں تو انھیں دوبارہ کارآمد بنانا کسی سرجن کے بس کا روگ نہیں۔ اس لیے لفظ ”اُنْظُرْ“ کہہ کر توجہ دلائی گئی ہے کہ دیکھو اور غور کرو کہ اللہ تعالیٰ حقائق اور اپنی آیات کو کس طرح مختلف زاویوں کے ساتھ بیان کرتا ہے لیکن اس کے باوجود لوگ بات سمجھنے اور ہدایت پانے کے لیے تیار نہیں ہوتے یہاں تیسری بار غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے کہ جس عذاب کا تم مطالبہ کرتے ہو وہ اللہ کے لیے مشکل نہیں۔

((اللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِی قَلْبِی نُورًا وَفِی بَصَرِی نُورًا وَفِی سَمْعِی نُورًا وَعَنْ یَمِینِی نُورًا وَعَنْ یَسَارِی نُورًا وَفَوْقِی نُورًا وَتَحْتِی نُورًا وَأَمَامِی نُورًا وخَلْفِی نُورًا واجْعَلْ لِیّ نُورًا)) [رواہ البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعا اذا انتبدہ باللیل]

”اے اللہ میرے دل میں نور پیدا فرمادے میری نگاہ میں بھی نور، میرے کانوں میں بھی نور، میرے دائیں بھی نور، میرے بائیں بھی نور، میرے اوپر بھی نور، میرے نیچے بھی نور، میرے آگے بھی نور، میرے پیچھے بھی نور، اور میرے لیے نور پیدا فرما۔“

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ کَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ یَقُولُ اللّٰھُمَّ عَافِنِی فِی جَسَدِی وَعَافِنِی فِی بَصَرِی وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنِّی لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِیمُ الْکَرِیمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِینَ))
[رواہ الترمذی: کتاب الدعوات عن رسول اللہ، باب ماجاء فی جامع الدعوات عن النبی]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے اے اللہ! میرے جسم کو عافیت دے اور میری بصارت کو بھی عافیت دے اور میری طرف سے اُس کو وارث بنادے۔ اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں جو کہ بردبار اور عزت والا ہے، اللہ تعالیٰ پاک ہے اور بہت بڑے عرش کا رب ہے اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو کہ تمام جہانوں کا رب ہے۔“

مسائل

۱۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی کسی نعمت سے محروم کردے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے واپس نہیں لاسکتی۔
۲۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو نوازنا چاہے تو کوئی اس کی نوازش کو روک نہیں سکتا۔

تفسیر بالقرآن

آنکھ، کان اور دل اللہ کے قبضہ میں ہیں:

۱۔ اللہ نے تمھاری سماعت اور بصارت بنائی ہے۔(المؤمنون:۷۸، الملک:۲۳)
۲۔ کیا اللہ کے سوا کان اور آنکھ کا کوئی اور مالک ہے؟(یونس:۳۱)
۳۔ اگر اللہ چاہے تو ان کے کان، آنکھیں چھین لے۔(البقرۃ:۲۰)
۴۔ اللہ نے ان پر لعنت کردی اور بینائی سے محروم کردیا۔(محمد:۲۳)
۵۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔(البقرۃ:۷)

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً
فرمادیجیے مجھے بتلاؤ تم اگر تم پر آئے عذاب اللہ کا اچانک یا علانیہ

هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ
نہیں ہلاک کیے جائیں گے مگر قوم ظلم کرنے والے اور نہیں ہم بھیجتے رسولوں کو

اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا
مگر خوش خبری دینے اور ڈرانے والے پھر جو ایمان لائے اور اصلاح کرے پھر نہیں

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
خوف ان پر اور نہ وہ وہ غمگین ہوں گے اور وہ لوگ جھٹلایا انہوں نے

بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٤٩﴾
ہماری آیات انہیں پہنچے گا عذاب بوجہ اس کے جو وہ تھے نافرمانی کرتے

”فرمادیجیے کیا تم نے دیکھا اگر تم پر اللہ کا عذاب اچانک یا کھلم کھلا آجائے کیا ظالم لوگوں کے سوا کوئی اور ہلاک کیا جائے گا؟(٤٧) اور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے، پھر جو ایمان لے آئے اور اصلاح کرلے تو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔(٤٨) اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا انہیں عذاب پہنچے گا اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔“(٤٩)

فہم القرآن

ربط کلام: سلب شدہ نعمتوں کو بحال کرنا عذاب کو ٹالنا اور کفار کے مطالبے کو پورا کرنا عام شخص تو درکنار کسی رسول کے بس میں بھی نہیں۔

قرآن مجید نے ہر نبی کے بارے میں یہ حقیقت منکشف فرمائی ہے کہ وہ فرشتہ اور کوئی دوسری جنس ہونے کے بجائے بنی نوع انسان میں سے ہی ہوا کرتے تھے لیکن اس کے باوجود اہل کفران سے ایسے مطالبات کرتے جنھیں پورا کرنا یا ان چیزوں پر اختیار رکھنے کا دعویٰ کسی نبی نے نہیں کیا تھا۔ انبیائے عظام علیہم السلام تو صرف وہی بات کرتے تھے جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ انھیں حکم دیتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود لوگ انھیں پریشان اور لاجواب کرنے کے لیے ایسے مطالبات کرتے تھے جن کا پاکباز ہستیوں نے کبھی دعویٰ نہیں کیا تھا۔

یہی وطیرہ رسول معظم ﷺ کے مخالفوں نے اختیار کر رکھا تھا چنانچہ وہ آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ اور آپ کے ساتھی غریب اور کنگال ہیں ہمارے لیے نہ سہی کم از کم تمھیں اپنے لیے تو رزق کی فراوانی کا انتظام کرنا چاہیے۔ اس طرح کبھی وہ قدرت کے پوشیدہ امور یعنی غیب کی خبروں کے بارے میں آپ سے سوال کرتے اور کبھی یہ اعتراض اٹھاتے کہ یہ کیسا رسول ہے

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ

کہہ دیجیے نہیں میں کہتا تم کو میرے پاس خزانے اللہ اور نہیں میں جانتا غیب

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ

اور نہیں میں کہتا تم کو بیشک میں فرشتہ نہیں میں پیروی کرتا مگر جو وحی کی گئی میری طرف

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

فرمادیجیے کیا برابر ہیں اندھا اور دیکھنے والا کیا نہیں تم غوروفکر کرتے

کہہ دیجیے میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اس کے پیچھے چلتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے فرمادیں کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہوتے ہیں؟ تو کیا تم غور نہیں کرتے۔" (۵۰)

جو ہماری طرح انسانی حاجات کا اہتمام کرنے پر مجبور ہے۔ اسے تو ان حاجات اور ضروریات سے مبرا ہونا چاہیے تھا۔ ان مطالبات اور اعتراضات کے جواب میں آپ کو فقط یہی بات کہنے کا حکم دیا گیا کہ آپ فرمائیں کہ میں نے کبھی ان باتوں کا دعویٰ نہیں کیا میرا دعویٰ تو صرف اتنا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں مجھ پر میرے رب کے پیغامات نازل ہوتے ہیں۔ میں ان کی اتباع اور ابلاغ کرنے کا پابند ٹھہرایا گیا ہوں اس لیے میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بجائے صرف اللہ تعالیٰ کی وحی کے مطابق بات کرتا ہوں اس کی پیروی وہ ہی شخص کرے گا جو دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ایسا شخص ہی دانا اور بینا کہلانے کا حق دار ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی آیات پر غور و فکر نہیں کرتا وہ حقیقتاً اندھا ہے۔ اندھا اور دیکھنے والا کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ بس تمھیں اس حقیقت پر غور و فکر کرنا چاہیے۔

مسائل

۱۔ اللہ کا عذاب ظالموں کے لیے خاص ہوتا ہے۔

۲۔ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے اور جنت کی خوشخبری دینے والے تھے۔

۳۔ فاسقین کو دنیا و آخرت میں رسوا کن عذاب سے دوچار کیا جائے گا۔

۴۔ تمام رسول اللہ کی وحی کے پابند تھے۔ ۵۔ کافر و مومن کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔

تفسیر بالقرآن

نبی غیب نہیں جانتے:

۱۔ اللہ ہی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (الانعام: ۵۹)

۲۔ آپ فرمادیں کہ غیب اللہ ہی کے لیے ہے۔ (یونس: ۲۰)

۳۔ آپ فرمادیں کہ زمین اور آسمانوں کے غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (النمل: ۶۵)

۴۔ نہ ہی میں غیب جانتا ہوں اور نہ ہی میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ (ھود: ۳۱)

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ

اورآپ ڈرائیں اسکے ساتھ ان لوگوں کو جو ڈرتے ہیں کہ وہ اکٹھے کیے جائیں طرف اپنے رب کی نہیں

لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾

ان کے لیے سے اسکے علاوہ دوست اور نہ سفارشی تاکہ وہ وہ پرہیزگار بن جائیں

”اور اس کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرائیں جو خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کی طرف لے جا کر اکٹھے کیے جائیں گے اس کے سوا ان کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا تاکہ وہ بچ جائیں“ (۵۱)

فہم القرآن

ربط کلام: غور وفکر کی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کے لیے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری کا تصور پیدا کرنا ضروری ہے جس کی یہاں تلقین کی گئی ہے۔ یہی عقیدہ اور تصور انسان کو صراط مستقیم کی طرف لاتا ہے۔

قرآن مجید انسان کو اللہ تعالیٰ کی آیات، اس کے گردو پیش کے ماحول، یہاں تک کہ اپنی ساخت و پرداخت پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ غور وفکر کرنا ایسی قوت ہے جس سے انسان کے بند دماغ کی گرہیں کھل جاتی ہیں اور اس کی آنکھوں پر پڑے ہوئے غفلت کے پردے ہٹ جاتے ہیں جو شخص ان صلاحیتوں سے عاری ہو جائے وہ اپنے سامنے کی بڑی سے بڑی حقیقت کو پہچاننے سے قاصر رہتا ہے۔ منکرین حق دنیاوی مسائل کی گرہیں کھولنے اور ترقی کرنے کے دعوے دار ہونے کے باوجود حقیقی اور دائمی حقائق سے غافل ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ مومن کی نسبت محشر کے میدان سے زیادہ لرزاں و ترساں رہتے ہیں اس لیے نبی ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جو اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے سے ڈرتے ہیں اور جن سہاروں پر یہ بھروسہ کیے ہوئے ہیں وہاں کوئی خیر خواہ ان کی خیر خواہی اور کوئی سفارشی ان کی سفارش نہیں کر سکے گا لہٰذا انھیں اپنے باطل عقیدہ کو چھوڑنا اور برے اعمال سے پرہیز کرنا چاہیے۔

مفسرین کے دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ اس آیت میں آپ ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے کہ آپ کفار کے مطالبات پر پریشان ہونے اور ان پر مزید صلاحیتیں صرف کرنے کے بجائے ان لوگوں کی تعلیم و تربیت فلاح اور اصلاح کے لیے کوشش کریں اور ڈرائیں جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کے تصور سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔

اور ایسے لوگوں کو اپنے آپ سے ہرگز دور نہ کریں جو اپنے پروردگار کو صبح وشام پکارتے اور ہر وقت اس کے فضل و کرم کے طالب رہتے ہیں ان کے حساب کے بارے میں آپ مسئول نہیں اور آپ کے حساب میں سے ان کے ذمہ نہیں ہوگا اگر آپ خدا ترس بندوں کو چھوڑ دیں تو آپ کا شمار زیادتی کرنے والوں میں ہوگا۔

تمام مفسرین نے اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اہل مکہ نے ایک دن آپ سے یہ مطالبہ کیا کہ ہم آپ کی

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ

اور نہ آپ دور کریں ان لوگوں کو وہ پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام

يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ

وہ چاہتے ہیں اس کی رضا نہیں آپ پر سے ان کا حساب سے

شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ

کسی چیز اور نہ سے آپ کا حساب ان پر سے کوئی چیز

فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

تو آپ دور کریں انکو پس آپ ہو جائیں گے سے ظلم کرنے والے

”اوران لوگوں کو دور نہ ہٹائیں جو اپنے رب کو صبح، شام یاد کرتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں آپ کے ذمہ ان کے حساب کی ذمہ داری نہیں اور نہ آپ کا حساب ان کے ذمے ہے تو اگر آپ دور ہٹا دیں گے تو ظالموں سے ہو جائیں گے۔“ (۵۲)

محفل میں آنے اور آپ کی بات سمجھنے کے لیے تیار ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ بلال، خبیب رضی اللہ عنہما اور اس قسم کے غریب لوگ ہماری آمد کے وقت آپ کی محفل میں نہیں ہونے چاہییں بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے کفار کی ہدایت کی طلب کے جذبے میں آکر ایسا کرنے کا عندیہ دیا تھا اور کچھ لوگوں کا یہ اعتراض بھی تھا کہ آپ کی محفل میں بیٹھنے والے بعض لوگ ایسے ہیں جو اسلام قبول کرنے سے پہلے بڑے بڑے جرائم میں ملوث تھے۔ آپ نے اپنی پاک فطرت کی بنا پر اس چیز کو محسوس کیا جس بنا پر یہ وضاحت نازل ہوئی کہ اے نبی! آپ نے اپنا حساب دینا ہے اور یہ اپنے حساب و کتاب کے بارے میں جواب دہ ہوں گے۔ ماضی کے حوالے سے ان لوگوں کو چھوڑنا ظالموں کا ساتھ دینے کے مترادف ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے پرخلوص ایمان کی وجہ سے ان کے گناہوں کو معاف کر دیا ہے۔

((عن عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْتُ ابْسُطْ يَمِينَكَ فَلْأُبَايِعْكَ فَبَسَطَ يَمِينَهُ قَالَ فَقَبَضْتُ يَدِي قَالَ مَا لَكَ يَا عَمْرُو قَالَ قُلْتُ أَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ بِمَاذَا قُلْتُ أَنْ يُغْفَرَ لِي قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَمَا كَانَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا أَجَلَّ فِي عَيْنِي مِنْهُ وَمَا كُنْتُ أُطِيقُ أَنْ أَمْلَأَ عَيْنَيَّ مِنْهُ إِجْلَالًا لَهُ وَلَوْ سُئِلْتُ أَنْ أَصِفَهُ مَا أَطَقْتُ لِأَنِّي لَمْ أَكُنْ أَمْلَأُ عَيْنَيَّ مِنْهُ وَلَوْ مُتُّ عَلَى تِلْكَ

الْحَالِ لَرَجَوْتُ أَنْ أَكُونَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ ثُمَّ وَلِينَا أَشْيَاءَ مَا أَدْرِي مَا حَالِي فِيهَا فَإِذَا أَنَا مُتُّ فَلَا تَصْحَبْنِي نَائِحَةٌ وَلَا نَارٌ))[رواه مسلم: كتاب التفسير، باب قول الله تعالى وانذر عشيرتك الاقربين]

''حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اللہ کے رسول ﷺ اپنا دایاں ہاتھ آگے کیجیے تاکہ میں آپ کی بیعت کروں جب آپ نے اپنا دایاں ہاتھ آگے فرمایا تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا تب آپ پوچھتے ہیں اے عمرو! کیا ہوا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ایک شرط کے ساتھ بیعت کرتا ہوں ارشاد ہوا کہ وہ کونسی شرط ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرے گناہ معاف کر دیے جائیں۔فرمایا عمرو تو نہیں جانتا یقیناً اسلام پہلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے؟ اسی طرح ہجرت کرنے سے ہجرت سے پہلے کے بھی گناہ ختم ہو جاتے ہیں اور یقیناً حج سے بھی سابقہ غلطیاں معاف ہو جاتی ہیں۔رسول معظم ﷺ سے زیادہ مجھے کوئی محبوب نہ تھا۔اور نہ ہی میری آنکھ میں آپ ﷺ سے زیادہ کسی کا جلال تھا۔میں انہیں اس جلال کی وجہ سے آنکھ بھر کے نہیں دیکھ سکا۔اگر مجھ سے کوئی سوال کرے کہ میں آپ ﷺ کا کوئی وصف بیان کروں تو اس کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔کیونکہ میں نے آپ کو کبھی آنکھ بھر کے دیکھا ہی نہیں۔اگر میں اس حال میں فوت ہو گیا تو میں امید کرتا ہوں کہ میں اہل جنت میں سے ہوں گا۔پھر اللہ مجھے جنت میں ولی مقرر کر دے تو میں نہیں جانتا وہاں کس حال میں ہوں گا تو جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی اور آگ نہ لے کے آنا۔''

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ذاتی احساسات:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی آدمی فوت ہونے لگتا تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ نہ معلوم لوگ نزع کے وقت کیوں نہیں بتلاتے کہ موت کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر نزع کا عالم طاری ہوا تو میں نے ان کی بات یاد کرواتے ہوئے گذارش کی کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب مجھ پر یہ وقت آئے گا تو میں بتلاؤں گا کہ موت کس طرح آتی ہے۔اس کے جواب میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ صرف اتنا بتلا سکے کہ بھتیجے بس میں اتنا ہی بیان کر سکتا ہوں کہ مجھے نزع کا عالم یوں محسوس ہونے لگا ہے جیسے کسی نے احد پہاڑ میرے سینے پر رکھ دیا ہو اور پھر زاروقطار رونے لگے۔اسی موقعہ پر ہی انہوں نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو وصیت کی تھی کہ میری قبر پر منکر نکیر کے سوالات تک کھڑے رہنا۔تاکہ میں تسکین پاؤں حالانکہ وہ جانتے تھے کہ مرنے والے کی کوئی مدد نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کا دنیا والوں کے ساتھ کوئی تعلق ہوتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو آزمانے اور ان کی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لیے بے شمار آزمائشیں بنائی ہیں۔ان میں غربت اور امارت، شہرت اور گمنامی، حاکم اور محکوم ہونا بھی آزمائش کا ایک طریقہ ہے۔اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو دولت و ثروت، شہرت و ناموری اقتدار اور اختیار دے کر آزماتا ہے کہ یہ لوگ نعمتوں سے محروم انسانوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں اگر نعمتیں پانے کے بعد اللہ

تعالیٰ کے شکر گزار بندے اوراس کی مخلوق کے ساتھ عاجزی اور خیر خواہی کا رویہ اختیار کرتے ہیں تو انھیں مزید نعمتیں دیتے ہوئے آخرت میں اجروثواب سے نوازا جائے گا۔اگر صاحب حیثیت لوگ خدا کے نافرمان اوراس کی مخلوق کے لیے ظالم ثابت ہوتے ہیں تو اُنھیں اذیت ناک سزاؤں سے دوچار ہونا پڑے گا۔اسی طرح ہی نعمتوں سے محروم لوگوں کو آزمایا جاتا ہے کہ وہ دنیاوی نعمتوں سے محروم ہوکر صبر وشکر کا رویہ اختیار کرتے ہیں تو اُنھیں قیامت کے دن عظیم اجروثواب عطا ہوگا۔اوراگر یہ لوگ سرکشی اور نافرمانی کا رویہ اختیار کرتے ہیں تو اُنھیں اُس کی سزا اور مزید محرومیوں سے واسطہ پڑے گا۔اہل مکہ غریب صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ طعن بھی کرتے تھے کیا یہ لوگ ہیں؟ جن پہ اللہ نے احسان کیا ہے کہ جن کو پیٹ پالنے کے لیے خوراک اورتن ڈھانپنے کے لیے پوشاک بھی میسر نہیں ۔ یہاں ایک طرف کفار کو بین السطور سرزنش کی جارہی ہے کہ تم خدا کی نعمتیں پانے کے باوجود سرکش اور باغی ہو لہٰذا اپنا انجام سوچ لو۔تمہارے مقابلے میں نعمتوں سے محروم لوگ اس کسمپرسی کے عالم میں بھی اپنے رب کے فرمانبردار یا تابع فرمان اورشکر گزار ہیں ۔اس طرح شکر گزار بندوں کو تسلی اوران کی قدر افزائی کی گئی ہے ۔اگلی آیات میں غریب مومنین کو یہ کہہ کر اعزاز بخشا گیا ہے کہ اے نبی! جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تو آپ ان کو سلام کرنے میں پہل کیا کریں۔

مسائل

۱۔ لوگوں کو اللہ کے حضور پیش ہونے کا خوف دلاتے رہنا چاہیے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی مددگار نہیں ہے۔
۳۔ خوشحالی اورتنگدستی اللہ کی طرف سے آزمائش ہے۔
۴۔ انسان کو ہر حال میں اپنے رب کا صابروشاکر رہنا چاہیے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا ہی شکرادا کرنا چاہیے:

۱۔ اللہ کی نعمتوں کا شکرادا کرنا چاہیے۔(البقرۃ:۱۷۲)
۲۔ اللہ تعالیٰ شکر کرنے والے لوگوں کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔(الاعراف:۵۸)
۳۔ اللہ تعالیٰ شکر کرنے والے کو زیادہ عطا کرتا ہے۔(ابراہیم:۷)
۴۔ اللہ کے تھوڑے بندے ہی شکر گزار ہوتے ہیں۔(سباء۱۳)
۵۔ شکر کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔(الزمر:۷)
۶۔ اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو بہتر جزادیتا ہے۔(القمر:۳۵)
۷۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا شکرادا کرنے کا حکم دیا ہے۔(لقمان:۱۲)

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لِّيَقُوۡلُوۡۤا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ

اوراسی طرح ہم نے فتنے میں ڈالا ان کا بعض بعض کے ساتھ تا کہ وہ کہیں کیا یہی لوگ احسان کیا اللہ نے

عَلَيۡهِمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِنَا ؕ اَلَيۡسَ اللّٰهُ بِاَعۡلَمَ بِالشّٰكِرِيۡنَ ﴿۵۳﴾

ان پر سے ہمارے درمیان کیا نہیں اللہ خوب جانتا شکر کرنے والوں کو

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلۡ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ كَتَبَ

اور جب آئیں آپ کے پاس وہ لوگ جوایمان لاتے ہیں ہماری آیات کیساتھ پس فرمادیں سلامتی ہو تم پر لکھ دی

''اوراسی طرح ہم نے ان کے بعض کو دوسرے کے ساتھ آزمائش میں ڈالا تا کہ وہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے احسان فرمایا ہے؟ کیا اللہ شکر کرنے والوں کو زیادہ جاننے والا نہیں؟ (۵۳) اور جب وہ لوگ آپ کے پاس آئیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں تو کہیں تم پر سلامتی

فہم القرآن

ربط کلام: پہلی آیت میں نبی اکرم ﷺ کو ہدایت فرمائی گئی تھی کہ غریب صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے سے دور نہ کیجیے اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے غریب صحابہ رضی اللہ عنہم کو قدرافزائی اور فضل وکرم کا پیغام سنایا گیا ہے۔

کفار کی طرف سے غریب صحابہ رضی اللہ عنہم کی حوصلہ شکنی اور طعنہ زنی کے بدلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی حوصلہ افزائی اور قدردانی، فضل وکرم کا پیغام اور گناہوں کی بخشش کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ کفار نے غریب صحابہ رضی اللہ عنہم کو حقیر سمجھ کر ان کی دنیاوی پسماندگی کا مذاق اُڑایا تھا جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ پر چار کرم فرمائے۔

۱۔ صحابہ کے ایمان اور اخلاص کی قدرافزائی فرمائی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی کا پیغام آیا۔

۳۔ رب رحیم کی رحمت کے حق دار ٹھہرائے گئے۔

۴۔ گناہوں کی بخشش کی خوشخبری دی گئی۔

یہاں جہالت کو گناہ کا سبب قرار دیا ہے۔ جہالت کا مفہوم واضح کرتے ہوئے مفسرین نے لکھا ہے جہالت سے مراد یہ نہیں کہ آدمی کو گناہوں کے بارے میں علم نہ ہو بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ آدمی جب گناہ کرتا ہے تو اس وقت وہ عملاً جاہل ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہر زبان میں یہ معروف ہے کہ جب کوئی پڑھا لکھا انسان غلطی کا ارتکاب کرے تو لوگ اسے جاہل قرار دیتے ہیں۔ گویا کہ گناہ کا دوسرا نام جہالت ہے۔ یہاں اس لیے بھی جہالت کا لفظ استعمال کیا ہے تا کہ کفار کو اس بات کا

رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا

تمہارے رب نے | اپنے آپ پر | رحمت | بیشک وہ | جس نے عمل کیا | تم سے | برائی

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾

جہالت سے | پھر توبہ کی اس نے | سے اس کے بعد | اور اصلاح کی | بیشک وہ | بخشنے والا | مہربان

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ ع

اور اسی طرح | ہم بیان کرتے ہیں | آیات | تا کہ واضح ہو جائے | راستہ | مجرموں کا

ہوتمہارے رب نے رحم کرنا اپنے آپ پر لازم کرلیا ہے بلاشبہ تم میں سے جو شخص جہالت سے کوئی برائی کر بیٹھے، پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرلے تو یقیناً وہ بے حد بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔(۵۴) اور اسی طرح ہم آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں اور تا کہ مجرموں کا راستہ اچھی طرح واضح ہو جائے۔'' (۵۵)

احساس ہو کہ دین سے بے بہرہ ہونا پرلے درجے کی جہالت ہے۔ بہرحال جہالت کی کسی شکل میں انسان سے غلطی ہو جائے پھر وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے اور اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ گناہ معاف کرنے والا نہایت ہی مہربان ہے۔ کافر کی توبہ یہ ہے کہ وہ کفر سے تائب ہو کر اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتے ہوئے اصلاح کا رویہ اختیار کرے۔ یقیناً اس کے سابقہ گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے احکام کو اس لیے کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے یہاں ہدایت کے بجائے مجرموں کا راستہ واضح کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس طرح گمراہی کے مقابلے میں ہدایت اور کفر و نفاق کے مقابلے میں دین کا راستہ خود بخود نمایاں ہو جاتا ہے۔ مجرموں کے راستے کو واضح کرنے کا یہ بھی مقصد ہے کہ جس طرزِ حیات پر وہ اتراتے ہیں انھیں احساس ہو کہ یہ اللہ کے فرماں بردار بندوں کا طریقہ اور راستہ نہیں ہے۔ اس سے یہ بھی اشارہ کرنا مقصود ہے کہ مجرموں کا راستہ جہنم ہوگا جو نہایت ہی برا راستہ ہے۔ یہاں مومنوں کو اپنی رحمت کی خوشخبری سنانے کے بعد مجرموں پر واضح فرمایا کہ اگر تم بھی بغاوت اور تکبر کا راستہ ترک کر کے نیک بندوں کے ساتھ عاجزی اور اپنے رب کے حضور سرافندگی کا طریقہ اختیار کرلو۔ تو اس کی رحمت تمہیں بھی اپنے دامن میں پناہ دینے کے لیے تیار ہے۔ اگر تم نے اس کے نیک بندوں کے ساتھ تکبر اور اپنے رب کے ساتھ نافرمانی کا رویہ اپنائے رکھا تو یاد رکھو اس کا عذاب بڑا سخت ہے۔

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَمَّا قَضَى اللّٰهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِی كِتَابِهٖ فَهُوَ عِنْدَهٗ فَوْقَ الْعَرْشِ إِنَّ رَحْمَتِی غَلَبَتْ غَضَبِی)) [رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کائنات کی تخلیق سے فارغ ہوا تو اپنی کتاب میں جو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے عرش کے اوپر لکھا میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔''

قُلْ	اِنِّیْ	نُهِیْتُ	اَنْ	اَعْبُدَ	الَّذِیْنَ	تَدْعُوْنَ
فرما دیجئے	یقیناً میں	میں روکا گیا ہوں	یہ کہ	میں عبادت کروں	ان لوگوں	تم پکارتے ہو
مِنْ	دُوْنِ اللّٰهِ ؕ	قُلْ لَّاۤ	اَتَّبِعُ	اَهْوَآءَكُمْ ۙ	قَدْ ضَلَلْتُ	
سے	علاوہ اللہ	فرما دیجیے نہیں	میں پیروی کرتا	خواہشات تمہاری	تحقیق میں گمراہ ہوا	
اِذًا	وَّمَاۤ	اَنَا	مِنَ	الْمُهْتَدِیْنَ ۝	قُلْ	اِنِّیْ
اس وقت	اورنہیں	میں	سے	ہدایت پانے والے	فرما دیجیے	بیشک میں
عَلٰی	بَیِّنَةٍ	مِّنْ	رَّبِّیْ	وَكَذَّبْتُمْ	بِهٖ ؕ مَا	عِنْدِیْ
پر	دلیل	سے	اپنے رب	اورتم نے جھٹلایا	اسے جو	میرے پاس

''فرمادیں بے شک مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو فرمادیں کہ میں تمہاری خواہشات کے پیچھے نہیں چلتا یقیناً اس وقت میں گمراہ ہو جاؤں گا اور میں ہدایت پانے والوں سے نہیں ہوں گا۔(۵٦) فرمادیں بے شک میں اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہوں اور تم نے اسے جھٹلا دیا ہے

فہم القرآن

ربط کلام : کفار اور مشرکین نہ صرف خود گمراہ ہوتے ہیں بلکہ وہ دوسروں سے بھی اپنا عقیدہ اپنانے کا مطالبہ کرتے ہیں ان کا کفر و شرک واضح کرنے کے بعد نبی اکرم ﷺ سے اعلان کرایا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

مشرکین اور منکرین کی ہمیشہ سے یہ خواہش اور کوشش رہی ہے کہ وہ توحید پرستوں کو ان کے راستے سے ہٹا کر شرک اور نافرمانی کے راستہ پر لگائیں۔ جس کے لیے قرآن مجید نے متعدد بار نبی ﷺ کی زبان اطہر سے یہ اظہار اور اعلان کروایا ہے کہ آپ دوٹوک انداز میں لوگوں کو بتلائیں کہ مجھے غیر اللہ کی عبادت اور لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرنے سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے۔ اگر میں ہدایت کے خلاف لوگوں کی خواہش کی پیروی اور غیر اللہ کی عبادت کروں تو اللہ کا رسول ہونے کے باوجود میں بھی ہدایت سے تہی دامن اور گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ آپ کی زبان اطہر سے یہ اعلان سن کر کفار انتہائی مایوس ہو کر یہ مطالبہ کرتے کہ اگر آپ واقعتاً اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہیں تو پھر ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ۔ اس حماقت کا جواب دیتے ہوئے آپ سے یہ اعلان کروایا گیا ہے کہ بلاشبہ میں اپنے رب کی دلیل پر ہوں جس کو تم مسلسل جھٹلاتے ہو۔

جہاں تک تمھارے مطالبے کا تعلق ہے جس پر تم آپے سے باہر ہوئے جا رہے ہو یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ وہ کب

مَا	تَسْتَعْجِلُوْنَ	بِهٖ	اِنِ الْحُكْمُ	اِلَّا	لِلّٰهِ	يَقُصُّ
جو	تم جلدی کرتے ہو	ساتھ اس کے	نہیں حکم	مگر	اللہ کیلئے	وہ بیان کرتا ہے
الْحَقَّ	وَهُوَ	خَيْرُ	الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾	قُلْ	لَّوْ	اَنَّ
حق	اور وہ	بہتر	فیصلہ کرنے والا ہے	فرما دیجیے	کاش	بیشک
عِنْدِىْ	مَا	تَسْتَعْجِلُوْنَ	بِهٖ	لَقُضِىَ	الْاَمْرُ	بَيْنِىْ
میرے پاس	جو	تم جلدی طلب کر رہے ہو	اسکے ساتھ	البتہ فیصلہ کر دیا جاتا	کام	میرے درمیان
وَبَيْنَكُمْ	وَاللّٰهُ	اَعْلَمُ	بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾			
اور تمہارے درمیان	اور اللہ	بہت جانتا ہے	ظالموں کو			

میرے پاس وہ چیز نہیں ہے جسے تم جلد مانگ رہے ہو فیصلہ اللہ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں وہ حق بیان کرتا ہے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔(۵۷) فرما دیں اگر واقعی میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو میرے درمیان اور تمہارے درمیان ضرور فیصلہ ہو جاتا اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔“(۵۸)

اور کس طرح تم پر عذاب نازل کرے گا میں اس پر بھی کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ کیونکہ کسی کی ہدایت یا گرفت کا فیصلہ کرنا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہی حاکم مطلق ہے۔ میرے اور تمھارے درمیان حق اور سچ کے ساتھ فیصلہ کرنے والا وہی ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو اچھی طرح جانتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ کے علاوہ کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔
۲۔ خودساختہ خداؤں کی عبادت کرنے والے گمراہ ہیں۔
۳۔ جزاء و سزا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔
۴۔ فیصلہ کرنے کا حق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔
۵۔ ظالموں کو دنیا و آخرت میں عذاب سے دوچار کیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

حکم اللہ ہی کا چلتا ہے:

۱۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔(المائدۃ:۱)
۲۔ نہیں ہے حکم مگر اللہ کا۔ اس کا حکم ہے کہ نہ عبادت کرو مگر صرف اسی کی۔(یوسف:۴۰)
۳۔ یہ اللہ کا حکم ہے اور فیصلہ کرتا ہے ان کے درمیان اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔(الممتحنۃ:۱۰)
۴۔ اللہ فیصلے کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جس بات میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔(البقرۃ:۱۱۳)
۵۔ قیامت کے دن آپ کا رب ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔(النحل:۱۲۴، النساء:۱۴۱)

وَعِنْدَهٗ	مَفَاتِحُ	الْغَيْبِ	لَا	يَعْلَمُهَآ	اِلَّا	هُوَ ؕ
اوراسکے پاس	چابیاں	غیب	نہیں	جانتاانہیں	مگر	وہی
وَيَعْلَمُ	مَا فِي	الْبَرِّ	وَ الْبَحْرِ ؕ	وَمَا	تَسْقُطُ	مِنْ
اوروہ جانتا ہے	جو میں	خشکی	اور سمندر	اور جو	گرتا	سے
وَّرَقَةٍ	اِلَّا	يَعْلَمُهَا	وَلَا حَبَّةٍ	فِيْ	ظُلُمٰتِ	الْاَرْضِ
پتا	مگر	وہ اسے جانتا ہے	اورنہ کوئی دانہ	میں	اندھیرے	زمین
وَلَا	رَطْبٍ	وَّلَا	يَابِسٍ	اِلَّا	فِيْ	كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۵۹
اورنہ	تر	اورنہ	خشک	مگر	میں	کتاب واضح

’’اوراسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں انہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتااوروہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اورسمندر میں ہےاورکوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی تر اور خشک دانہ نہیں مگر وہ ایک واضح کتاب میں لکھا ہوا ہے۔(۵۹)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار نے نبی اکرم ﷺ سے عذاب لانے کا مطالبہ کیا جس کا جواب دیا گیا ہے۔اس کے ساتھ ہی آپ کو بتلا دیا گیا ہے اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کس نے ہدایت قبول کرنا ہے اور کس نے گمراہی میں مرنا ہے۔

اسی سورۃ کی آیت نمبر ۵۰ میں کفار کے ایک مطالبہ کا یہ جواب دیا گیا تھا کہ اے نبی ﷺ آپ فرمادیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے خزانوں کا مالک، غیب جاننے اور فرشتہ ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ یہاں دوسرے زاویے سے جواب دیا گیا ہے کہ عذاب نازل کرنے یا اللہ کے خزانوں کی ملکیت کا معاملہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا انھیں کوئی نہیں جانتا۔غیب کے پردوں اور دروازوں کے پیچھے جو کچھ چھپا ہے اس کی چابیاں اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں۔ وہ زمین کے ذرّے ذرّے اور پانی کے ایک ایک قطرے سے واقف ہے وہ زمین پر پیدا ہونے والے اربوں درخت اوران پر لگنے والے کھربوں پتوں کو جانتا ہے اور کروڑوں کی تعداد میں بیک وقت زمین پر گرنے والے پتوں کا اسے علم ہوتا ہے۔اسی طرح زمین کی تہوں اوراندھیروں میں زندہ، مردہ خشک اورتر کروڑ ہا قسم کے بیجوں کو نہ صرف جانتا ہے بلکہ اس کے ہاں لوح محفوظ میں ہر چیز کا ریکارڈ ثبت ہے۔اللہ تعالیٰ انسانوں کورات کے وقت فوت کرتا ہےاوروہ سوتے اور جاگتے ہوئے جو حرکات کرتے ہیں وہ ان سے اچھی طرح باخبر

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَ يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ

اور وہ | جو | تم کو فوت کرتا ہے | رات کو | اور | وہ جانتا ہے | جو | تم کرتے ہو

بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ج

دن میں | پھر | تمہیں اٹھاتا ہے | اس میں | تاکہ پورا کیا جائے | وقت | مقررہ

ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ع (٦٠) ع٥/١٤

پھر | اسکی طرف | تمہارا لوٹ کر جانا ہے | پھر | وہ تمہیں خبر دیگا | جو | تم تھے | عمل کرتے

''اور وہی ہے جو تمہیں رات کو فوت کرتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کمایا، پھر وہ تمہیں اس میں اٹھا دیتا ہے تاکہ مقررہ مدت پوری کی جائے، پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔''(٦٠)

ہے۔اسی طرح جو دن کی روشنی میں لوگ اعمال کرتے ہیں وہ سب کے سب اس کے احاطہ علم میں ہوتے ہیں۔وہی اللہ لوگوں کو نیند سے بیدار کرتا ہے۔اسی طرح صبح و شام، رات اور دن، سونے اور جاگنے کے عمل سے ہر انسان کی زندگی کے دن پورے ہوتے ہیں۔جس طرح سونے اور جاگنے کا معاملہ ہے ایسے ہی انسان موت کے بعد اُٹھائے جائیں گے۔پھر ہر کسی کو اسی کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے پھر وہ ہر انسان کو اس کے اچھے برے اعمال اور اس کے انجام سے آگاہ فرمائے گا یہاں نیند کو موت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ جب انسان گہری نیند سو جاتا ہے تو اسے گردو پیش میں ہونے والے واقعات کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔نیند اور موت کے درمیان یہ فرق ہے کہ نیند کی حالت میں آدمی زندہ ہونے کی وجہ سے تھوڑی بہت آواز سے جاگ اٹھتا ہے، موت دنیاوی زندگی کے خاتمے کا نام ہے۔مرنے والے کو قیامت کا شدید ہنگامہ ہی بیدار کر سکے گا۔جب انسان موت کے بعد اُٹھائے جائیں گے تو پھر سب کو اللہ تعالیٰ کی عدالت عظمیٰ میں پیش ہونا ہوگا اور اللہ تعالیٰ ہی ہر کسی کو اس کے اعمال اور انجام سے باخبر فرمائے گا۔

مسائل

١۔ عالم الغیب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

٢۔ بحر و بر میں ہونے والی تمام حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتی ہیں۔

تفسیر بالقرآن

''اللہ'' کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا:

١۔ اللہ ہی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔(الانعام:٥٩)

٢۔ آپ فرما دیں کہ غیب اللہ ہی کے لیے ہے۔(یونس:٢٠)

٣۔ نہ ہی میں غیب جانتا ہوں اور نہ ہی میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔(ھود:٣١)

٤۔ آپ فرما دیں کہ زمین اور آسمانوں کے غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔(النمل:٦٥)

وَهُوَ	الْقَاهِرُ	فَوْقَ	عِبَادِهٖ	وَيُرْسِلُ	عَلَيْكُمْ	حَفَظَةً ؕ	حَتّٰٓی
اور وہ	غالب ہے	اوپر	اپنے بندوں	اور وہ بھیجتا ہے	تم پر	محافظ	یہاں تک کہ
اِذَا	جَآءَ	اَحَدَكُمُ	الْمَوْتُ	تَوَفَّتْهُ	رُسُلُنَا	وَهُمْ	
جب	آتی ہے	تمہارے ایک کو	موت	فوت کرتے ہیں اسکو	ہمارے فرشتے	اور وہ	
لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝	ثُمَّ	رُدُّوْٓا	اِلَى اللّٰهِ	مَوْلٰىهُمُ	الْحَقِّ ؕ	اَلَا لَهُ	
نہیں کوتاہی کرتے	پھر	لوٹائے جاتے ہیں	طرف اللہ	ان کا مالک	حق	خبردار اسکے لئے	
الْحُكْمُ قف	وَهُوَ	اَسْرَعُ	الْحٰسِبِيْنَ ۝				
حکم	اور وہ	بہت جلد	حساب لینے والا				

''اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ تم پر محافظ بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے اسے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے فوت کر لیتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔(٦١) پھر وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا سچا مالک ہے۔سن لو اسی کا حکم ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔''(٦٢)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ جس طرح نیند اور بیداری پر اختیار رکھتا ہے۔اسی طرح ہی انسان کی موت کے بعد اسے زندہ کر کے اپنی بارگاہ میں حاضر کرنے پر قوت و اختیار رکھتا ہے۔وہ بندوں پر مکمل اختیار رکھنے کے باوجود ہدایت کے بارے میں جبر اختیار نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات، قدرت، علم، حکمت اور ہر لحاظ سے اپنے بندوں پر قادر اور قاہر ہے۔وہی ہر چیز کو عدم سے وجود میں لاتا ہے اور ایک مدت معینہ کے بعد اس کے وجود کو ناپید کر دیتا ہے۔پھر قیامت کے دن ہر چیز کو وجود میں لائے گا۔وہ ظلمت پر روشنی کو اور روشنی پر ظلمت کو غالب کرتا ہے۔وہی ہر نعمت دینے والا ہے۔اور جب چاہتا ہے اسے واپس لے لیتا ہے۔زمین و آسمان میں کوئی طاقت ایسی نہیں جو اس کے اقتدار اور اختیار، قدرت و سطوت کے سامنے دم مار سکے۔وہ ہر وقت اور ہر لحاظ سے اپنے بندوں پر غالب اور قادر ہے۔وہی بندوں کے اجسام اور اعمال کی حفاظت کرتا ہے۔اس نے انسان کی جان اور اعمال محفوظ رکھنے کے لیے ملائکہ مقرر کر رکھے ہیں۔جو آدمی کی آخر وقت تک حفاظت کرتے ہیں۔یہاں تک کہ موت کا فرشتہ اپنے عملے کے ساتھ آدمی کی جان اچک لیتا ہے۔پھر وہ اسے پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹاتے ہیں۔جو انسان کا حقیقی مالک ہے۔یہاں مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ کا لفظ استعمال فرما کر یہ حقیقت باور کروائی ہے کہ دنیا میں کافر اور مشرک بے شمار جھوٹے

مولیٰ بنائے پھرتے ہیں جو آدمی کی موت کے ساتھ ہی اس سے الگ ہو جاتے ہیں۔

لٰہذا انسان کو یہ حقیقت جان لینی چاہیے حقیقی مولیٰ اور حاکمِ مطلق اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ اس لیے انسان کی انسانیت یہ ہے کہ وہ اللہ کو سچا مولیٰ اور حاکمِ مطلق تصور کرے جو بہت جلد حساب چکا دینے والا ہے۔

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُونَ فِی صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِی فَيَقُولُونَ تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ))

[رواه البخاری: کتاب مواقیت الصلاة، باب فضل صلاة العصر]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات اور دن کے فرشتے تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔ وہ فجر اور عصر کی نماز کے وقت اکٹھے ہوتے ہیں پھر آسمان کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے کے باوجود ان سے پوچھتا ہے تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں جب ہم ان کے پاس سے آئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ان کے ہاں گئے تو بھی وہ نماز ہی پڑھ رہے تھے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر بندے پر حفظ وضبط کے لیے فرشتے مقرر فرما رکھے ہیں۔

۲۔ وقت مقررہ سے فرشتے ایک لمحہ بھی آگے پیچھے نہیں ہونے دیتے۔

۳۔ اللہ ہی مالک حقیقی ہے۔

۴۔ فیصلہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کا چلتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

موت کے وقت مہلت نہیں دی جاتی:

۱۔ ہر امت کے لیے ایک اجل ہے جب آجائے تو ایک منٹ آگے پیچھے نہیں ہوتی۔ (یونس: ۴۹)

۲۔ جب لوگوں کی اجل آجائے تو ایک منٹ بھی آگے پیچھے نہیں ہوتی۔ (النحل: ۶۱)

۳۔ اللہ تعالیٰ ہر گز کسی جان کو مہلت نہیں دیتا جب اس کی اجل آجائے۔ (المنافقون: ۱۰ تا ۱۱)

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ

فرمادیجیے | کون | تمہیں نجات دیتا ہے | سے | اندھیرے | خشکی اور تری | تم اسے پکارتے ہو

تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَىِٕنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾

عاجزی | اور چپکے چپکے | البتہ اگر | ہمیں نجات دے | سے | اس | ہم ضرور ہو جائیں گے | سے | شکر کرنے والے

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾

فرمادیجیے | اللہ | تمھیں نجات دیتا ہے | اس سے | اور سے | ہر | غم | پھر | تم ہو | شرک کرتے

’’فرمادیں کہ کون تمہیں خشکی اور سمندر کے اندھیروں سے نجات دیتا ہے؟ تم اسے عاجزی اور چپکے چپکے پکارتے ہو کہ اگر وہ ہمیں اس سے نجات دے دے تو ہم ضرور شکر کرنے والوں سے ہو جائیں گے۔ (۶۳) فرمادیں اللہ تمہیں اس سے نجات دیتا ہے اور ہر غم سے۔ پھر تم شرک کرتے ہو۔‘‘ (۶۴)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ صرف دنیا میں ہی نہیں بلکہ انسانوں کی موت وحیات پر قادر، حاکم مطلق اور مولیٰ حق ہے گو اس نے ہدایت کا جبری نظام نہیں بنایا لیکن تم اس کی قدرتیں دیکھو اور ان پر غور کرو۔ آسانی اور خوشحالی میں اُسی کو پکارو جس کو تم مشکل اور اضطراری حالت میں پکارتے اور اس کے مشکل کشا ہونے کا اقرار کرتے ہو۔

یہ بات پہلے بھی عرض کی گئی ہے کہ مشرک اور موحد میں بنیادی فرق یہ ہے کہ مشرک اور کافر صرف مشکل کے وقت اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔ جب مشکل ٹل جاتی ہے تو پھر اس کے ساتھ دوسروں کو پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کے برعکس موحد کی یہ شان ہے کہ وہ عسر ویسر، آسانی اور پریشانی میں صرف اور صرف اپنے رب کو پکارتا ہے اور یہی فطرت سلیم کا تقاضا ہے، مشکل اور پریشانی کے وقت مشرک کے دل ودماغ پر غفلت کے پردے اُٹھ جاتے ہیں۔ اس وقت اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مشکل کشا دکھائی اور سجھائی نہیں دیتا۔ مشرک انتہائی مشکل میں مبتلا ہوتے ہیں تو وہ بڑی آہ وزاری کے ساتھ دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کو صداؤں پر صدائیں دے رہے ہوتے ہیں اور اپنے دل ہی دل میں یہ عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت سے نجات بخشی تو ہم اس کے شکر گزار بندے بنیں گے۔

لیکن جونہی وہ اس کرب ناک مصیبت سے نجات پاتے ہیں تو پھر اس مشکل کشائی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک کر لیتے ہیں۔ یہاں شکر کرنے سے مراد توحید کا اقرار کرنا ہے اور بحر وبر کی ظلمات سے مراد بادل اور رات کے اندھیروں کے ساتھ صحراؤں کے گرد وغبار اور سمندر کی موجوں اور تہوں کے اندھیرے ہیں۔

﴿ فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴾

[العنكبوت:٦٥]

’’پھر جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کی حاکمیت تسلیم کرتے ہوئے خالصتاً اسے ہی پکارتے ہیں۔اور جب وہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو اس کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی بحروبر کی مشکلات سے نجات نہیں دے سکتا۔

۲۔ مصیبت سے نکلنے کے بعد خصوصاً اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

۳۔ عقیدہ توحید پر قائم رہنے کے ساتھ شرک سے نفرت کرنا بھی لازم ہے۔

تفسیر بالقرآن

خشکی اور تری میں اللہ ہی نجات دینے والا ہے:

۱۔ جب تمھیں خشکی کی طرف نجات مل جاتی ہے تو اس سے اعراض کرتے ہو۔(الاسراء:۶۷)

۲۔ جب ہم انھیں خشکی کی طرف نجات دیتے ہیں تو وہ شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔(العنکبوت:۶۵)

۳۔ وہ اللہ کو خالص پکارتے ہیں جب انھیں خشکی کی طرف نجات ملتی ہے۔(لقمان:۳۲)

۴۔ ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو ایمان لائے اور نافرمانی سے بچتے رہے۔(حٰمٓ السجدۃ:۱۸)

۵۔ جب ان پر سائبان جیسی کوئی موج چھا جاتی ہے تو اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کرتے ہوئے خالصاً اسے پکارتے ہیں پھر جب انھیں بچا کر خشکی تک لے آتا ہے تو پھر کچھ بداعتدال ہو جاتے ہیں۔(لقمان:۳۲)

مشرک نجات پانے کے بعد شرک کرتا ہے:

۱۔ جب ہم انھیں نجات دیتے ہیں تو وہ بغیر حق کے زمین میں بغاوت کرتے ہیں۔(یونس:۲۳)

۲۔ جب ہم انھیں نجات دیتے ہیں تو بعد میں وہ شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔(العنکبوت:۶۵)

۳۔ آپ فرما دیں اللہ تمھیں اس سے اور ہر مصیبت سے نجات دیتا ہے اور تم شرک کرتے ہو۔(الانعام:۶۴)

قُلْ	هُوَ	الْقَادِرُ	عَلٰٓى	اَنْ	يَّبْعَثَ	عَلَيْكُمْ
فرما دیجیے	وہ	قادر ہے	پر	یہ کہ	وہ بھیجے	تم پر

عَذَابًا	مِّنْ	فَوْقِكُمْ	اَوْ مِنْ	تَحْتِ	اَرْجُلِكُمْ	اَوْ يَلْبِسَكُمْ
عذاب	سے	تمہارے اوپر	یا سے	نیچے	تمہارے پاؤں	اور خلط ملط کر دے تم کو

شِيَعًا	وَّيُذِيْقَ	بَعْضَكُمْ	بَاْسَ بَعْضٍ ؕ	اُنْظُرْ	كَيْفَ
گروہ	اور وہ چکھائے	تمہارے بعض کو	لڑائی بعض سے	آپ دیکھیں	کیسے

نُصَرِّفُ	الْاٰيٰتِ	لَعَلَّهُمْ	يَفْقَهُوْنَ ۝٦٥	وَكَذَّبَ	بِهٖ	قَوْمُكَ
ہم بیان کرتے ہیں	آیات	تاکہ وہ	سمجھیں	اور جھٹلایا	اس کو	آپ کی قوم نے

وَهُوَ الْحَقُّ ؕ	قُلْ	لَّسْتُ	عَلَيْكُمْ	بِوَكِيْلٍ ۝٦٦ ؕ	لِكُلِّ	نَبَاٍ	مُّسْتَقَرٌّ ز
حالانکہ وہ حق	فرما دیجیے	نہیں ہوں میں	تم پر	نگہبان	ہر ایک کے لیے	خبر	وقت مقرر

وَّسَوْفَ	تَعْلَمُوْنَ ۝٦٧
اور عنقریب	تم جان لو گے

”فرما دیجیے وہ قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیج دے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں مختلف گروہ بنا کر گتھم گتھا کردے اور تمہارے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھائے۔ دیکھیں ہم کیسے آیات کو بدل، بدل کر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں۔(٦٥) اور اسے آپ کی قوم نے جھٹلا دیا، حالانکہ یہی حق ہے فرمادیں میں ہرگز تم پر کسی طرح نگہبان نہیں۔(٦٦) ہر خبر کا ایک وقت ہے اور عنقریب تم جان لو گے۔“(٦٧)

فہم القرآن

ربط کلام: سمندر کے طوفان اور صحرا کے گرداب اور بھنور میں ہی نہیں وہ اللہ جب چاہے انسان کو دیگر آزمائشوں اور عذابوں میں مبتلا کر سکتا ہے۔ اے لوگو تم ہر حال میں اپنے رب کے سامنے مجبور محض ہو۔

پہلی آیات میں بری گرداب اور سمندری طوفانوں کا ذکر ہوا ہے۔ جن کے ساتھ عام طور پر مسافر کو واسطہ پڑتا ہے۔ یہاں اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو انتباہ کیا جا رہا ہے کہ لازم نہیں کہ صرف سفر میں ہی تمھیں مشکلات اور عذاب کے ساتھ واسطہ پڑے۔ وہ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ تمھیں تمھارے گھروں میں بیٹھے ہوئے آسمانی اور زمینی عذاب سے دوچار کر دے، یہی نہیں بلکہ تمھیں تمھاری نافرمانی، بد اخلاقی اور باہمی منافقت و رنجشوں کی بنا پر آپس میں اس طرح الجھا دے کہ تم ایک دوسرے کے لیے عذاب اور مصیبت بن جاؤ۔ آسمانی عذاب سے مراد بارشوں کا بے موقع اور غیر معمولی برسنا ہے۔ دیگر آفات

کا لوگوں کے پاؤں تلے سے نمودار ہونا ہے۔ پاؤں تلے نمودار ہونے کی مثال قوم نوح کے عذاب کی طرح پانی کا آسمان سے اترنا اور زمین سے نکلنا اور اگلنا ہے۔ لوگوں کا زمین کے اندر دھنسائے جانا اور اس طرح کے دیگر عذاب ہیں اس مقام پر ایک دوسرے کے ساتھ الجھنے کو عذاب سے تشبیہ دی گئی ہے۔ باہمی جنگ وجدال کو اللہ تعالیٰ نے اپنا عذاب قرار دیا اور فرمایا کہ غور کرو کہ ہم اپنے احکام کو مختلف زاویوں کے ساتھ کس طرح بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ سمجھ بوجھ سے کام لیں۔ انسانی اعضاء وجوارح اور وجود میں سمجھ بوجھ ہی وہ قوت ہے۔ جو انسان کو دینی اور دنیاوی نفع ونقصان سے باخبر رکھتی ہے اگر سوجھ بوجھ کی صلاحیت سلب ہو جائے تو آدمی کا صحیح راستے پر چلنا، نفع اور نقصان کو پہچاننا ناممکن ہو جاتا ہے۔ نبی معظم ﷺ کے بار بار سمجھانے کے باوجود کفار ہر بار حقائق کی تکذیب کرتے۔ جس پر رسول محترم ﷺ کو یہ تسلی دی گئی ہے کہ آپ کا کام لوگوں کو سمجھانا اور بتلانا ہے منوانا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں پر چوکیدار بنانے کے بجائے مبلغ بنایا ہے۔ جہاں تک عذاب یا قیامت لانے کا مطالبہ ہے انھیں خبر ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بات اور کام کا وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اس کا حکم اور کام اپنے وقت پر ہی ظہور پذیر ہوا کرتا ہے۔

((عَنْ جَرِيرٍ رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ إِسْتَنْصِتِ النَّاسَ فَقَالَ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ)) [رواه البخاري: كتاب العلم، باب الانصات للعلماء]

”حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ نبی اکرم ﷺ نے اسے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا لوگوں کو خاموش کراؤ۔ اس کے بعد فرمایا میرے بعد کفر میں لوٹ نہ جانا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کا عذاب نازل کر سکتا ہے۔ ۲۔ ہر نبی کا کام دعوت حق پہنچانا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ حق بات دلائل وشواہد سے واضح کرتا ہے تاکہ لوگ شرک ومصیبت سے باز آجائیں۔

۴۔ عذاب کا ایک وقت مقرر ہے۔

تفسیر بالقرآن

باہمی اختلاف اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے:

۱۔ شیطان چاہتا ہے کہ تمھارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے۔ (المائدۃ:۹۱)

۲۔ باہمی اختلاف انسان کو جہنم کے کنارے پر کھڑا کر دیتا ہے۔ (آل عمران:۱۰۳)

۳۔ اختلاف سے ساکھ اکھڑ جاتی ہے۔ (الانفال:۴۶)

۴۔ اللہ تعالیٰ کے غضب کا نتیجہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان قیامت تک کے لیے باہم اختلافات رہیں گے۔ (المائدۃ:۶۴)

۵۔ اللہ نے یہود ونصاریٰ کے درمیان بغض اور دشمنی قیامت تک کے لیے ڈال دی ہے۔ (المائدۃ:۱۴)

وَاِذَا	رَاَيۡتَ	الَّذِيۡنَ	يَخُوۡضُوۡنَ	فِىۡۤ	اٰيٰتِنَا	فَاَعۡرِضۡ
اور جب	آپ دیکھیں	وہ لوگ	مشغول ہوتے ہیں	میں	ہماری آیات	تو اعراض کیجیے
عَنۡهُمۡ	حَتّٰى	يَخُوۡضُوۡا	فِىۡ	حَدِيۡثٍ	غَيۡرِهٖ ؕ	وَاِمَّا	يُنۡسِيَنَّكَ
ان سے	یہاں تک کہ	وہ مصروف ہوں	میں	بات	اسکے علاوہ	اور اگر	آپ کو بھلا دے
الشَّيۡطٰنُ	فَلَا	تَقۡعُدۡ	بَعۡدَ	الذِّكۡرٰى	مَعَ	الۡقَوۡمِ	الظّٰلِمِيۡنَ ۝٦٨
شیطان	پھر نہ	آپ بیٹھیں	بعد	یاد آنے کے	ساتھ	قوم	ظلم کرنے والے

''اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات کے بارے میں فضول بحث کرتے ہیں تو ان سے کنارہ کش ہو جائیں یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر کبھی شیطان آپ کو بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھیں۔'' (٦٨)

فہم القرآن

ربط کلام: پیغمبر علیہ السلام کی تکذیب، آپ سے بار بار آیات کا مطالبہ کرنا اور حقائق کو ٹھکرانا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کھیلنے کے مترادف ہے۔ یہ منکرین کا شروع سے یہی وطیرہ رہا ہے۔ ایسے موقعہ پر مومنوں کو ہدایت۔

کفار بار بار پیغمبر علیہ السلام سے آیات و معجزات کا مطالبہ کرتے تھے جب ان کا مطالبہ پورا کر دیا جاتا تو وہ ایک اور مطالبہ پیش کر دیتے۔ اس طرح انھوں نے اللہ کے دین کو کھیل اور شغل بنا رکھا تھا۔

خوض کا معنی کسی حقیقت کو کھیل تماشا بنانا یا اسے مذاق سمجھنا ہے۔ کفار کھلم کھلا دین اور مسلمانوں کو مذاق کیا کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں زبان درازی کرتے ہوئے کہتے کہ یہ کیسا نبی ہے۔ جسے سفر کے لیے سواری، رہنے کے لیے عمدہ مکان، کھانے کے لیے دو وقت کی روٹی اور پہننے کے لیے اچھا لباس میسر نہیں۔ جہاں تک اس کے متبعین کا تعلق ہے ان کی اکثریت معاشرے کے کم تر لوگوں سے تعلق رکھتی ہے۔ اس استہزاء کے ساتھ جب صحابہ رضی اللہ عنہم اور نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو یہ لوگ سیٹیاں بجایا کرتے تھے۔ اسی طرح آپ کو عطا ہونے والے معجزات کا مذاق اڑاتے۔ چاند دو ٹکڑے ہوا تو انھوں نے آپ کو جادوگر کہا۔ آپ معراج پر پہنچے تو کفار نے اسے دیوانے کی بڑ قرار دیا۔ قرآن مجید نے اسلام اور مسلمانوں کے غلبے کی بات کی تو مخالفین نے اسے یوں استہزاء کا نشانہ بنایا کہ ہاں یہ کنگال اور بے خانماں لوگ ہی سلطنت روما کے وارث اور فارس کے فاتح قرار پائیں گے۔ ایسے ماحول اور مجالس کے بارے میں آپ اور آپ کے رفقاء کو حکم دیا گیا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی آیات کو استہزاء کا نشانہ بنایا جا رہا ہو تو آپ لوگوں کو وہاں ہرگز نہیں بیٹھنا چاہیے۔ اگر شیطان

کے بہلاوے سے ایسی مجلس میں بیٹھ گئے ہوں تو یاد آنے کے بعد فوراً اٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔ جو شخص یاد آنے اور مسئلہ جاننے کے باوجود ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھے گا وہ ظالموں میں شمار ہوگا۔ اللہ سے ڈرنے والوں پر ظالموں کے حساب کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔ آپ کا کام تو فقط اتنا ہے کہ ایسے لوگوں کو موقع بموقع سمجھاتے رہیں تا کہ ظالم اللہ تعالیٰ سے ڈر کر گناہوں کی زندگی سے بچ جائیں۔

((عَنْ اَبِی بُرْدَةَ بْنِ أَبِی مُوسٰی رضی اللہ عنہ عَنْ أَبِیه قَالَ قَالَ رسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَثَلُ الجلیسِ الصَّالِحِ والجلیسِ السَّوْءِ کَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ وَکِیرِ الْحَدَّادِ لا یَعْدَمُكَ مِنْ صَاحِبِ الْمِسْكِ إِمَّا تَشْتَرِیهِ أَوْ تَجِدُ رِیحَهُ وَکِیرُ الْحَدَّادِ یُحْرِقُ بَدَنَكَ أَوْ ثَوْبَكَ أَوْ تَجِدُ مِنْهُ رِیحًا خَبِیثَةً)) [رواہ البخاری: کتاب البیوع، باب فی العطار]

”حضرت ابو بردہ بن ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک اور برے آدمی کی مثال خوشبو بیچنے والے اور بھٹی والے کی ہے۔ خوشبو والے سے تم خوشبو خریدو گے یا اچھی خوشبو محسوس کرو گے۔ جو بھٹی والا ہے اس کی چنگاری تمہارے بدن یا کپڑے کو جلا دے گی یا تم اس سے دھواں کی بدبو محسوس کرو گے۔“

مسائل

۱۔ جہاں اللہ کی آیات کا مذاق اڑایا جائے وہاں جانے سے احتراز کرنا چاہیے۔

۲۔ شیطان کے بہکاوے سے خبردار رہنا چاہیے۔

۳۔ دین کے ساتھ مذاق کرنے والے لوگوں سے کنارہ کشی بہتر ہے۔

تفسیر بالقرآن

ظالم کون:

۱۔ اللہ کی مساجد کو ویران کرنے والا ظالم ہے۔ (البقرۃ:۱۱۴)

۲۔ اللہ کی گواہی کو چھپانے والا ظالم ہے۔ (البقرۃ:۱۴۰)

۳۔ اللہ پر جھوٹ باندھنے والا ظالم ہے۔ (الانعام:۲۱)

۴۔ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا ظالم ہے۔ (الانعام:۹۳)

۵۔ اللہ کی آیات کو جھٹلانے والا ظالم ہے۔ (الاعراف:۳۷)

۶۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والا بہت بڑا ظالم ہے۔ (لقمان:۱۳)

وَمَا	عَلَى	الَّذِيْنَ	يَتَّقُوْنَ	مِنْ	حِسَابِهِمْ	مِّنْ
اور نہیں	پر	وہ لوگ	وہ ڈرتے ہیں	سے	ان کا حساب	سے
شَیْءٍ	وَّلٰكِنْ	ذِكْرٰى	لَعَلَّهُمْ	يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾	وَذَرِ	الَّذِيْنَ
چیز	اور لیکن	نصیحت	تاکہ وہ	وہ ڈریں	اور چھوڑ دیں	وہ لوگ
اتَّخَذُوْا	دِيْنَهُمْ	لَعِبًا	وَّلَهْوًا	وَّغَرَّتْهُمُ	الْحَيٰوةُ	الدُّنْيَا
بنایا انہوں نے	اپنے دین کو	کھیل	اور تماشا	اور دھوکے میں ڈالا انکو	زندگی	دنیا
وَذَكِّرْ	بِهٖٓ	اَنْ تُبْسَلَ	نَفْسٌ	بِمَا	كَسَبَتْ ۖ	لَيْسَ
اور نصیحت کریں	اس کے ساتھ	یہ کہ ہلاک کی جائے	کوئی جان	ساتھ اس کے جو	اس نے کمایا	نہیں

”اور ان لوگوں کے ذمے جو ڈرتے ہیں ان کے حساب میں سے کوئی چیز نہیں اور لیکن نصیحت کرنا ہے تاکہ وہ بچ جائیں۔(٦٩) اور ان لوگوں کو چھوڑ دیں جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنالیا اور انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکا دیا۔ قرآن کے ساتھ نصیحت کریں کہ کہیں کوئی جان ان اعمال کے بدلے ہلاکت میں ڈال دی جائے۔

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ: مشرکین اور منکرین اللہ تعالیٰ کی سطوت وقدرت جاننے کے باوجود معبودان باطل پر امیدیں لگائے ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو استہزاء کا نشانہ بناتے ہیں اور دین کو کھیل تماشا سمجھتے ہیں۔ ان سے اجتناب کرنے کا حکم دینے کے ساتھ ان کا انجام بتلایا گیا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں ان لوگوں سے اجتناب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۱۔ جو دین کو کھیل اور تماشا سمجھتے ہیں۔

۲۔ جو دنیا کے اسباب و وسائل اور ترقی پر غرور کرتے ہیں۔

یہاں اجتناب سے مراد ان لوگوں کے ساتھ قلبی محبت اور ان کے لادینی اشغال میں حصہ دار بننا ہے۔ ایسے لوگوں سے ایک حد تک دور رہتے ہوئے نصیحت کرتے رہنا چاہیے۔

قرآن مجید متعدد مقامات پر یہ حقیقت عیاں کرتا ہے کہ دنیا پرست لوگوں نے دین کو کھیل اور تماشا بنالیا ہے۔ جس طرح تماشا دل بہلانے کے لیے اور کھیل جسمانی تقویت کے لیے ہوتا ہے یہی سوچ اور وطیرہ دنیا دار کا دین کے بارے میں ہوا کرتا ہے یہ دین کو دنیاوی مفاد، شہرت ومنصب اور محض ذہنی سکون کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کے مشاغل سے

لَهَا	مِنْ	دُوْنِ	اللّٰهِ	وَلِیٌّ	وَّلَا	شَفِیْعٌ ۚ	وَاِنْ
اسکے لئے	سے	علاوہ	اللہ	دوست	اور نہ	سفارشی	اور اگر
تَعْدِلْ	كُلَّ	عَدْلٍ	لَّا یُؤْخَذْ	مِنْهَا ۭ	اُولٰۗىِٕكَ	الَّذِیْنَ	
بدلے میں دے	ہر	بدلہ	نہ لیا جائے گا	اس سے	یہی ہیں	وہ لوگ	
اُبْسِلُوْا	بِمَا	كَسَبُوْا ۚ	لَهُمْ	شَرَابٌ	مِّنْ	حَمِیْمٍ	وَّعَذَابٌ
ہلاک کیے گئے	بوجہ جو	انہوں نے کمایا	انکے لیے	پینا	سے	گرم پانی	اور عذاب
اَلِیْمٌۢ بِمَا	كَانُوْا	یَكْفُرُوْنَ ۟ۧ					
دردناک بوجہ جو	وہ تھے	وہ انکار کرتے					

اللہ کے سوا نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا اور اگر وہ فدیہ دیں تو ان سے نہ لیا جائے گا یہی لوگ ہیں جو ہلاک کیے گئے اس کے بدلے جو انہوں نے کمایا ان کے لیے پینے کو گرم پانی ہے اور دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتے تھے۔" (۷۰)

دور رہتے ہوئے انھیں موقع بموقع نصیحت کرتے رہنا چاہیے اور ان کو یہ حقیقت باور کرانی چاہیے کہ جس دنیا کے جاہ و جلال اور اسباب و وسائل پر تم نازاں خود سپردگی کا انداز اختیار کیے ہوئے ہو۔ مرنے کے بعد یہ سب دھرے کا دھرا رہ جائے گا اور تمھیں ایسی عدالت میں پیش ہونا ہے جہاں کسی ولی کی ولایت، سفارشی کی سفارش اور فدیہ دینے والے کا فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح دنیا کے اسباب ہی نہیں بلکہ جن لوگوں اور معبودانِ باطل پر بھروسہ کیے ہوئے ہو وہ بھی تمھیں فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے۔

جو لوگ دنیا کے بندے اور برائی کے دھندے میں مبتلا ہو کر موت کی آغوش میں جائیں گے انھیں جہنم میں پینے کے لیے ابلتا ہوا پانی اور اذیّت ناک عذاب دیا جائے گا کیونکہ یہ دنیا کے بندے بن کر توحید و رسالت کا انکار کرنے والے تھے۔

((عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي قَوْلِهِ وَيُسْقَى مِنْ مَاءٍ صَدِيدٍ يَتَجَرَّعُهُ قَالَ يُقَرَّبُ إِلَيْهِ فَيَتَكَرَّهُهُ فَإِذَا دَنَا مِنْهُ شَوَى وَجْهَهُ وَوَقَعَتْ فَرْوَةُ رَأْسِهِ وَإِذَا شَرِبَهُ قَطَّعَ أَمْعَاءَهُ حَتَّى خَرَجَ مِنْ دُبُرِهِ))[رواہ احمد]

"حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنمیوں کے بارے فرمایا کہ ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا وہ ان کو جلا دے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ان کے قریب کیا جائے گا تو وہ اس کو ناپسند کریں گے۔ جونہی وہ اس

کے قریب ہوگا تو اس کا چہرہ جھلس جائے گا۔اس کے سر کے بال بھی گر جائیں گے اور جب وہ پیے گا تو اس کی آنتیں کٹ جائیں گی یہاں تک کہ وہ اس کی پشت سے نکل جائے گا۔‘‘

﴿إِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّومِ ۝ طَعَامُ الْأَثِيمِ ۝ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ۝ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ۝ خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ۝ ذُقْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ۝ إِنَّ هَٰذَا مَا كُنتُم بِهِ تَمْتَرُونَ﴾ [الدخان:٤٣تا٥٠]

’’بلاشبہ زقوم کا درخت گنہگار کا کھانا ہوگا۔جو پگھلے تانبے کی طرح پیٹ میں جوش مارے گا۔جیسے کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے۔پھر حکم ہوگا کہ اسے پکڑ لو پھر اسے گھسیٹتے ہوئے جہنم کے درمیان تک لے جاؤ۔پھر حکم ہوا کہ کھولتے پانی کا عذاب اس کے سر پر انڈیل دو۔پھر اسے کہا جائے گا چکھ! تو بڑا معزز اور شریف بنا پھرتا تھا۔یہ ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔‘‘

مسائل

۱۔ گمراہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے رہنا چاہیے۔
۲۔ دین کو کھیل تماشا سمجھنے والوں کو نصیحت کرنی چاہیے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی کارساز نہیں۔
۴۔ کافروں کے لیے کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خیر خواہ نہیں ہوگا:

۱۔ وہ اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی خیر خواہ اور نہ ہی کوئی مددگار پائیں گے۔(الاحزاب:۱۷)
۲۔ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے،وہ خیر خواہ اور مددگار نہیں پائیں گے۔(الاحزاب:۶۵)
۳۔ نہیں ہے کوئی ان کے لیے اللہ کے سوا خیر خواہ۔(ھود:۲۰)
۴۔ نہیں ہے تمھارے لیے کوئی اللہ کے سوا خیر خواہ اور پھر تم نہیں مدد کیے جاؤ گے۔(ھود:۱۱۳)
۵۔ نہیں ہے تمھارے لیے اللہ کے سوا کوئی خیر خواہ اور نہ مددگار۔(العنکبوت:۲۲)

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا

فرما دیجیے کیا ہم پکاریں سے علاوہ اللہ جو نہیں ہمیں نفع دیتا اور نہ

يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ

ہمیں نقصان دیتا اور ہم پھیر دیے جائیں پر ہماری ایڑیاں بعد جب ہم کو ہدایت دی اللہ

كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ص لَهٗٓ اَصْحٰبٌ

اس کی طرح بہکا دیا اس کو شیطان (جمع) میں زمین حیران اسکے لئے ساتھی

يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ط قُلْ اِنَّ هُدَى

وہ اسکو پکارتے ہیں طرف ہدایت آجا ہمارے پاس فرما دیجیے بیشک ہدایت

اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ط وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٧١

اللہ وہی ہدایت اور ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم تابعدار رہوں رب کے لیے جہانوں کے

”فرما دیجیے کیا ہم اللہ کے سوا اس کو پکاریں جو نہ ہمیں نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان اور ہم اپنی ایڑیوں پر پھیر دیے جائیں۔ اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہے اس شخص کی طرح جسے شیطانوں نے گمراہ کر دیا ہے وہ زمین میں حیران ہے اس کے ساتھی ہیں جو اسے سیدھے راستے کی طرف بلا رہے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ۔ فرما دیں اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی اصل راستہ ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم جہانوں کے رب کے فرمانبردار بن جائیں۔“ (۷۱)

فہم القرآن

ربط کلام: جس طرح معبودان باطل آخرت میں کسی کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتے اسی طرح یہ حقیقت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر دنیا میں بھی یہ کسی کو نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

مشرک کی عادات میں ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے معبودوں کے ساتھ محبت کرتا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کے بجائے اپنے باطل معبودوں کی طرف بلاتا اور کھینچتا ہے۔ حالانکہ معبودان باطل نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان۔ اسی بنا پر نبی مکرم ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ مشرکوں کو سمجھائیں کہ کیا ہم ان کی طرف دعوت دیں اور ان کی عبادت کریں جو کسی کو ذرہ برابر نفع اور رتی برابر نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ مشرکوں سے یہ بھی کہیے کہ کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نصیب ہونے کے باوجود ہم لوگوں کو شرک کی دعوت دیں۔ توحید کا عقیدہ اپنانے کے بعد شرک کی دعوت دینا الٹے پاؤں

وَ اَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

اور یہ کہ | تم قائم کرو | نماز | اور اس سے ڈرو | اور وہ | جس | اس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ

اور وہی ہے | جس نے | پیدا کیا | آسمانوں | اور زمین | حق کے ساتھ | اور جس دن

يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ

وہ فرمائے گا | ہوجا | تو ہوجائے گا | اسی کا فرمان | سچا ہے | اور اسی کی | حکومت

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ

جس دن | پھونکا جائے گا | میں | صور | جاننے والا ہے | غیب | اور ظاہر کا | اور وہی ہے

الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝

خوب حکمت والا | بہت خبردار

''اور یہ کہ نماز قائم کرو اور اس سے ڈرو اور وہی ہے جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔(۷۲) اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور جس دن فرمائے گا ''ہوجا'' تو وہ ہوجائے گا اس کا فرمان ہی سچا ہے اور اسی کی بادشاہی ہے۔ جس دن صور میں پھونکا جائے گا غیب اور حاضر کو جاننے والا ہے اور وہی کمال حکمت والا، پوری خبر رکھنے والا ہے۔''(۷۳)

چلنے کے مترادف ہے۔ ظاہر بات ہے الٹے پاؤں چلنا عقل وفکر کے خلاف اور حقیقت سے منہ موڑنا ہے یہ تو اس شخص کا وطیرہ ہے جس کو شیطان نے کسی صحرا اور بیابان میں بہکا دیا ہو۔ وہ حیرانی اور پریشانی کے سوا کوئی راستہ نہیں پاتا۔ اور ادھر اُدھر بہکا پھر رہا ہے۔ یہی مشرک کی مثال ہے کہ وہ عقیدہ وعمل کی دنیا میں صحیح فکر اختیار کرنے کے بجائے فکری اور عملی آوارگی کا شکار رہتا ہے۔ اسے توحید کی دعوت سمجھ نہیں آتی اور اس کی حالت صحرا میں بھٹکے ہوئے مسافر کی ہے۔ جسے صحیح راستے کی طرف بلایا جائے تو وہ اس قدر حواس باختہ ہوچکا ہوتا ہے اسے کوئی بات سنائی اور سمجھائی نہیں دیتی۔

ایسے شخص سے بحث مباحثہ کرنے کے بجائے اسے کہنا چاہیے کہ ہدایت تو اللہ کی طرف سے نصیب ہوا کرتی ہے اور ہمیں یہی حکم ہے کہ ہم غیر اللہ کی پیروی کرنے کی بجائے صرف اور صرف رب العالمین کی غلامی اور اس کے حکم کی پیروی کریں۔

اس کا حکم اور اس کی اتباع یہ ہے کہ نماز قائم کی جائے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرا جائے کیونکہ اسی کی طرف سب نے لوٹ کر جانا ہے۔ اس نے حق کے ساتھ زمین وآسمان کو پیدا کیا۔ جس دن وہ ''کُن'' فرمائے گا تو سب کچھ اس کے سامنے حاضر ہوجائے گا۔ اس کا حکم صادر ہونے اور ہر چیز کا اس کے حضور اکٹھا ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

اسی کی زمین وآسمان پر بادشاہی ہے اسی کے حکم سے پہلا اور دوسرا صور پھونکا جائے گا وہ ہر قسم کے غائب اور ظاہر کو

جانتا ہے۔اس کے ہر حکم اور کام میں حکمت ہے اور وہ ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہما قَالَ جَاءَ أَعْرَابِیٌّ إِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا الصُّورُ قَالَ قَرْنٌ يُنْفَخُ فِيهِ))

[رواہ الترمذی: کتاب الصفة القیامہ، باب ماجاء فی شان الصور]

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک دیہاتی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ صور کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا۔''

((عَنْ أَبِی سَعِيدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَيْفَ أَنْعَمُ وَصَاحِبُ الْقَرْنِ قَدِ الْتَقَمَ الْقَرْنَ وَاسْتَمَعَ الْإِذْنَ مَتٰی يُؤْمَرُ بِالنَّفْخِ فَيَنْفُخُ فَكَأَنَّ ذٰلِكَ ثَقُلَ عَلٰی أَصْحَابِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لَهُمْ قُولُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ عَلَی اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا)) [رواہ الترمذی: کتاب صفة القیامة، باب ما جاء فی صفة الصور]

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کیسے نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤں؟ جبکہ سینگ والے نے سینگ منہ میں ڈالا ہوا ہے اور اجازت کا منتظر ہے کب اس کو پھونکنے کا حکم ملے تو وہ پھونک مار دے۔ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ بات گراں گزری نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم کہو ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے اور ہم اپنے اللہ پر ہی توکل کرتے ہیں۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی نفع ونقصان نہیں دے سکتا۔

۲۔ گمراہی پر اصرار کرنا شیطان کی مدد کرنے کے مترادف ہے۔

۳۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے حضور ہی سب کو اکٹھا کیا جائے گا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کا ہر فرمان حق اور سچ ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ بہت حکمت والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ سے ہی ڈرنا چاہیے:

۱۔ خاص مجھ ہی سے ڈر۔(البقرۃ:۴۱)

۲۔ اللہ سے ڈر جاؤ اے عقل مندو۔ (الطلاق:۱۰)

۳۔ اللہ سے ڈر جاؤ اے عقل مندو تا کہ تم فلاح پاؤ۔(المائدۃ:۱۰۰)

۴۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صاف گوئی اختیار کرو۔(الاحزاب:۷۰)

۵۔ اے لوگو! اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا۔(النساء:۱)

۶۔ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں ان میں صلح کرواؤ اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔(الحجرات:۱۰)

وَ اِذْ	قَالَ	اِبْرٰهِيْمُ	لِاَبِيْهِ	اٰزَرَ	اَتَتَّخِذُ	اَصْنَامًا
اور جب	کہا	ابراہیم نے	اپنے باپ کے لیے	آزر	کیا تم بناتے ہو	بتوں کو

اٰلِهَةً ج	اِنِّيْٓ	اَرٰىكَ	وَ قَوْمَكَ	فِيْ	ضَلٰلٍ	مُّبِيْنٍ ﴿٧٤﴾
معبود	بلاشبہ میں	تجھے دیکھتا ہوں	اور تیری قوم کو	میں	گمراہی	واضح

وَكَذٰلِكَ	نُرِيْٓ	اِبْرٰهِيْمَ	مَلَكُوْتَ	السَّمٰوٰتِ	وَ الْاَرْضِ
اور اسی طرح	ہم دکھاتے تھے	ابراہیم کو	نظام سلطنت	آسمانوں	اور زمین

وَلِيَكُوْنَ	مِنَ	الْمُوْقِنِيْنَ ﴿٧٥﴾	فَلَمَّا	جَنَّ	عَلَيْهِ	الَّيْلُ
اور تاکہ وہ ہو جائے	سے	یقین کرنے والے	پھر جب	چھا گئی	اس پر	رات

رَاٰ كَوْكَبًا ج	قَالَ	هٰذَا	رَبِّيْ ج	فَلَمَّآ	اَفَلَ	قَالَ
اس نے دیکھا ایک تارا	کہا	یہ	میرا رب ہے	پھر جب	چھپ گیا	کہا

لَآ	اُحِبُّ	الْاٰفِلِيْنَ ﴿٧٦﴾	فَلَمَّا	رَاَ الْقَمَرَ	بَازِغًا	قَالَ
نہیں	میں محبت کرتا	چھپ جانے والے	پھر جب	اس نے دیکھا چاند	چمکتا ہوا	اس نے کہا

”اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تو بتوں کو معبود بناتا ہے؟ بے شک میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔(٧٤) اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی عظیم سلطنت دکھا رہے تھے اور تاکہ وہ کامل یقین والوں سے ہو جائے۔(٧٥) جب اس پر رات چھا گئی تو اس نے ایک ستارہ دیکھا کہنے لگا یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہنے لگا میں غروب ہونے والوں سے محبت نہیں کرتا۔(٧٦) پھر جب اس نے چمکتا ہوا چاند دیکھا تو کہا

فہم القرآن

ربط کلام: شرک کی بے ثباتی ثابت کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے ایک مشاہدہ اور ایک عملی مثال کا بیان کی تاکہ دنیا بھر کے مذاہب سے تعلق رکھنے والے وہ لوگ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اپنا رشتہ ناتہ جوڑتے ہیں انہیں معلوم ہو جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ کیا تھا۔

مؤرخین اور تورات نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ بتایا ہے اور قرآن مجید نے آزر لیا ہے۔ اس لیے مؤرخین کے خیالات میں فرق ختم کرنے کے لیے مختلف راہیں اختیار کی گئیں۔ ایک مفسر کا خیال ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آپ کی پیدائش کے بعد جلد دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ کی تربیت آپ کے چچا نے کی۔ چچا بمنزلہ باپ کے ہے۔

هٰذَا	رَبِّيْ	فَلَمَّآ	اَفَلَ	قَالَ	لَئِنْ	لَّمْ
یہ	میرا رب ہے	پھر جب	وہ غروب ہو گیا	اس نے کہا	اگر	نہ
يَهْدِنِيْ	رَبِّيْ	لَاَكُوْنَنَّ	مِنَ	الْقَوْمِ	الضَّآلِّيْنَ ۝	فَلَمَّا
مجھے ہدایت دی	میرے رب نے	تو یقیناً میں ہو جاؤں گا	سے	قوم	گمراہ ہونے والے	پھر جب
رَاَ الشَّمْسَ	بَازِغَةً	قَالَ	هٰذَا	رَبِّيْ	هٰذَآ	
اس نے دیکھا سورج کو	جگمگاتا ہوا	تو اس نے کہا	یہ	میرا رب ہے	یہ	
اَكْبَرُ	فَلَمَّآ	اَفَلَتْ	قَالَ	يٰقَوْمِ	اِنِّيْ	
سب سے بڑا ہے	پھر جب	چھپ گیا	اس نے کہا	اے میری قوم	یقیناً میں	
بَرِيْٓءٌ	مِّمَّا	تُشْرِكُوْنَ ۝	اِنِّيْ	وَجَّهْتُ	وَجْهِيَ	لِلَّذِيْ
بیزار ہوں	ان سے جو	تم شریک ٹھہراتے ہو	یقیناً	میں نے متوجہ کیا	اپنا چہرہ	اسکے لیے جس نے

یہ میرا رب ہے جب وہ غروب ہو گیا تو کہنے لگا اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی تو یقیناً میں گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں گا۔(۷۷) پھر جب اس نے سورج چمکتا ہوا دیکھا کہا یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے۔ جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگا اے میری قوم! بے شک میں اس سے بری ہوں جو تم شرک کرتے ہو۔(۷۸) میں نے تو اپنا رخ یکسو ہو کر اس کی طرف پھیر لیا ہے۔

اسی لیے قرآن حکیم نے آزر کو ابیہ کے نام سے پکارا ہے۔

دوسرے صاحب قلم کا عندیہ ہے کہ آپ کے والد کا اصلی نام تارخ تھا۔لیکن وہ محب صنم ہونے کی وجہ سے آزر کہلایا۔ کیونکہ عربی میں محب صنم کو آزر کہا جاتا ہے۔ تیسرے مؤرخ نے تطبیق کا راستہ تلاش کرتے ہوئے لکھا کہ آپ کے باپ کا اصلی نام تارخ اور وصفی (پیشہ وارانہ) نام آزر تھا۔

لیکن قرآن مجید ان تکلفات سے پاک ہے اور واضح طور پر ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر بتا رہا ہے لہٰذا ہم ابراہیم علیہ السلام کے باپ کو آزر ہی کہیں گے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد بت تراش کر بازار میں فروخت کیا کرتے تھے یہ بات غلط ہے کیونکہ جدید تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ کے والد مذہبی پیشوا اور اس زمانے کی حکومت میں مرکزی کابینہ کے رکن ہونے کی بنا پر حاکم وقت اور عوام الناس میں انتہائی احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت باسعادت:

تورات کے نسخہ سجینہ کا جو ترجمہ عبرانی سے یونانی میں تین سو سال قبل مسیح کیا گیا اور جس میں نامور دانشور یہودی

فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ

پیدا کیا اس نے آسمانوں اور زمین یکسو ہو کر اور نہیں میں سے

الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَحَاجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ

شرک کرنے والوں اور اس سے جھگڑا کیا اسکی قوم نے اس نے کہا کیا تم مجھ سے جھگڑتے ہو اللہ کے بارے میں اور تحقیق

هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ

اسی نے مجھے ہدایت دی اور نہیں میں ڈرتا جو تم شریک ٹھہراتے ہو اس کا مگر

اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْئًا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ

یہ کہ چاہے میرا رب کچھ گھیر لیا ہے میرے رب نے ہر چیز کو

عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝

اپنے علم سے کیا پھر نہیں تم نصیحت حاصل کرتے؟

جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں سے نہیں۔(۷۹) اور اس کی قوم اس سے جھگڑنے لگی۔ اس نے کہا کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو، حالانکہ اس نے مجھے ہدایت دی ہے اور میں اس سے نہیں ڈرتا جسے تم اس کے ساتھ شریک بناتے ہو مگر یہ کہ میرا رب ہی کچھ چاہے۔ میرے رب نے ہر چیز کا علم سے احاطہ کر رکھا ہے تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟''(۸۰)

شریک تحقیق ہوئے ان کے حوالے سے ماہر اثریات سر چارلس مارسٹن نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سن ولادت ۲۱۶۰ قبل مسیح تحریر کیا ہے۔ آپ کی عمر مبارک ۱۷۵ سال تھی چنانچہ مذکورہ تحقیق کے مطابق آپ کی وفات پر ملال ۱۹۸۵ قبل مسیح قرار پائی۔ تاہم یہ تحقیق حتمی حیثیت نہیں رکھتی۔ جدید تحقیق میں نہ صرف وہ شہر معلوم ہو گیا ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی بلکہ آپ کے دور کے حالات و واقعات قدرے تفصیل کے ساتھ سامنے آئے ہیں۔ آپ جنوبی عراق میں دریائے فرات کے کنارے واقع شہر اُر میں پیدا ہوئے جس کو موجودہ جغرافیہ کی زبان میں تل ابیب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیدائشی شہر کی آبادی کا ڈھائی لاکھ سے لے کر پانچ لاکھ تک اندازہ کیا گیا ہے۔ آثار قدیمہ کے کھنڈرات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی زندگی کا مقصد دولت کمانا، سود خوری اور مقدمہ بازی مشغلہ تھا۔ گویا کہ اخلاقی اور اعتقادی اعتبار سے یہ قوم تباہی کے گڑھے پر کھڑی تھی۔ اس وقت کے مذہبی حالات کا آپ اندازہ اس بات سے لگائیں کہ آپ کے شہر اُر میں پانچ ہزار خداؤں کے نام دریافت کیے گئے ہیں۔ دوسرے شہروں اور قصبات کے الگ الگ خدا مقرر تھے۔ ہر شہر کا ایک خاص خدا ہوتا تھا، جس کو رب البلد یعنی خدائے شہر کہتے تھے۔ ظاہر ہے لوگ اس کا احترام دوسرے خداؤں

سے زیادہ کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیدائشی شہر اُر کا بڑا خدا ننار تھا (چاند دیوتا) اسی وجہ سے بعض مؤرخین نے اس شہر کا نام قمرینہ بھی لکھا ہے۔ ننار کا بت شہر میں سب سے اونچی جگہ رکھا گیا تھا۔ جس کے ساتھ ہی اس کی بیوی (نن گل) کا معبد تھا۔ لوگ بتوں، مزاروں کے سامنے مراقبے کرتے، سجدہ ریز ہوتے اور طواف کرتے تھے۔

ننار کی شان شاہی محل سرا کی تھی۔ یہاں ہر وقت نئی عورتیں آ کر ٹھہرتی۔ یہاں بہت سی عورتوں نے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا۔ وہ عورت بڑی محترم سمجھی جاتی تھی جو اپنی چادر عفت کو یہاں قربان کر دیتی۔ اس مزار کے نام بہت سے رقبے وقف تھے جن کی آمدنی مجاور ہی استعمال کر سکتے تھے۔

اس شرک وخرافات کی یلغار اور بھرمار میں رب کریم کا فضل وکرم جوش میں آیا۔ اس نے شرک ورسومات کے مرکز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ اس کی قدرت کا کرشمہ اور سنت قدیمہ ہے کہ جب بھی برائی حد سے بڑھنے لگتی ہے تو رب کبریا حق وباطل کا معرکہ برپا کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چہرۂ مبارک:

واقعہ معراج کا ذکر کرتے ہوئے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبرائیل علیہ السلام ساتویں آسمان پر لے گئے۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ شخصیت بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تشریف فرما ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے تعارف کرواتے ہوئے فرمایا۔

((هٰذَا اَبُوْكَ اِبْرَاهِيْمُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ))[مشکوۃ: باب فی المعراج]

''یہ آپ کے والد گرامی ابراہیم علیہ السلام ہیں آپ آگے بڑھ کر سلام عرض کریں چنانچہ میں نے سلام کیا۔''

جواباً حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سلام کہتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

((قَالَ مَرْحَبًا لِاِبْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ))[مشکوۃ: باب فی المعراج]

''خوش آمدید (جی آیاں نوں) نیک بیٹا اور نبی صالح بھی۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذوق وشوق دیکھتے ہوئے مزید فرمایا کہ جس نے ابراہیم علیہ السلام کے رخ زیبا کا اندازہ لگانا ہو وہ مجھے دیکھ لے۔

((قَالَ أَمَّا إِبْرَاهِيمُ فَانْظُرُوا إِلَى صَاحِبِكُمْ)) [رواہ البخاری: کتاب احادیث الانبیاء]

جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا ہے حضرت خلیل علیہ السلام کی قوم کے لوگ صنم پرستی کے ساتھ ساتھ ستارہ پرستی کے بھی قائل تھے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مناسب جانا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ معبودان ارضی کے ساتھ معبودان فلکی (چاند سورج، ستاروں)

ں پر زور تردید کی جائے۔لیکن اسلوب بیان ایسا اختیار فرمایا۔کہ شرک کا مریض، یکا یک بدک نہ جائے، کیونکہ مریضِ شرک بہت جلد باز اور ہلکی طبیعت کا واقع ہوا ہے۔ جب بھی اس کو محسوس ہو جائے کہ نسخہ توحید کے ساتھ میرا علاج ہونے والا ہے تو پہلے ہی بھاگنا اور منہ بسورنا شروع کر دیتا ہے۔

﴿وَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ [الزمر:٤٥]

''جب ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت کے منکروں کے دل کڑھنے لگتے ہیں۔ جب اس کے علاوہ دوسروں کا تذکرہ ہوتا ہے تو یکا یک خوشی سے کھل جاتے ہیں۔''

حضرت خلیل علیہ السلام نے نہایت اچھے اور دلچسپ انداز میں توحید سمجھانے کی کوشش فرمائی۔ یہ انداز بیان ان کی زبردست معجزانہ فصاحت و بلاغت اور حکمت و دانائی کا مرقع ہے۔ جب شام ہوئی تو پردۂ ظلمت سے ستارے درخشاں ہوئے تو اپنی قوم کا عقیدہ نقل کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ میرا رب ہے۔لیکن تھوڑی دیر کے بعد چمکتا ہوا ستارہ ڈوب گیا۔فرمایا ڈوبنے والا رب نہیں ہوسکتا۔ پھر چاند نمودار ہوا، فرمایا یہ ہے میرا رب، لیکن چاند بھی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔صبح ہوئی اور مہر جہاں روشن ہوا، فرمایا یہ میرا رب ہے یہ ان سب سے بڑا ہے، لیکن سورج کو دوام اور روشنی کو بھی قرار نہیں۔ پہلے بڑھ رہی تھی، دوپہر کے بعد ڈھلنے لگی شام کو سورج غروب ہو گیا حضرت ابراہیم علیہ السلام پکار اُٹھے یہ سب محکوم و مجبور اور بے بس ہیں ان کو لانے اور لے جانے والا حقیقی مالک اللہ ہی عبادت کے لائق ہے۔اب ان کا مکالمہ قرآن کے الفاظ میں سنیے!

''اس طرح ابراہیم علیہ السلام کو ہم نے زمین و آسمان کا نظام حکومت دکھایا تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں ہو جائے۔ چنانچہ جب رات چھا گئی، تو اس نے ایک تارا دیکھا کہا یہ میرا رب ہے۔لیکن جب وہ تارا ڈوب گیا تو کہنے لگے میں ڈوبنے والے کو بالکل پسند نہیں کرتا۔ جب چمکتے ہوئے چاند کی طرف دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے۔ جب وہ بھی ڈوب گیا تو فرمایا۔اگر میرا رب مجھے ہدایت سے نہ نوازتا تو میں بھی گمراہ لوگوں میں شامل ہوتا۔ پھر سورج کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا یہ میرا رب ہے۔ اور یہ ان سب سے بڑا ہے۔مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو فرمایا اے برادرانِ قوم میں بری ہوں، ان سے جن کو تم شریک بناتے ہو۔ میں نے تو اپنا چہرہ اس ہستی کی طرف کر لیا ہے، جس نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا اور میں مشرکوں کا ساتھی نہیں ہوں۔ اس کی قوم اس سے جھگڑنے لگی۔ فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں میرے ساتھ جھگڑتے ہو۔ حالانکہ اس نے مجھے صراط مستقیم دکھائی، میں تمھارے بنائے ہوئے معبودان باطل سے نہیں ڈرتا، ہاں اگر میرا رب میرا نقصان چاہے تو ضرور نقصان ہو جائے گا۔ میرے رب کا علم ہر چیز پر محیط ہے کیا اب بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرو گے؟ آخر تمھارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے کیوں ڈروں؟ اللہ نے تم پر کوئی دلیل نہیں اتاری۔ ہم دونوں فریقوں میں کون امن و سلامتی کا حق دار ہے۔ بتاؤ اگر کچھ علم رکھتے ہو۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کا تدریجی عمل تھا، حالانکہ اس خطاب کے سیاق وسباق سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ نہ ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کا تدریجی عمل تھا اور نہ ہی ایک لمحہ کے لیے ان کو معبود تصور کرتے تھے۔ کیونکہ قرآن مجید واقعہ کے آخر میں واشگاف الفاظ میں اعلان کرتا ہے۔

کہ ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے خلاف دلائل دیے۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں یقیناً تیرا رب حکیم وعلیم ہے۔

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ﴾[الانبیاء: ۵۱]

''ہم نے ابراہیم کو ابتداء ہی سے ہدایت سے نوازا تھا اور ہم اس کو خوب جاننے والے تھے۔''

ارشادِ الٰہی سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو ابتدا سے ہی رشد و ہدایت حاصل ہو چکی تھی، بقول بعض مفسرین، اگر پھر بھی وہ ستارے اور چاند سورج ہی کو معبود تصور کر رہے تھے تو وہ ہدایت کیا تھی جو پہلے سے اللہ تعالیٰ نے عطا فرما رکھی تھی۔

چاند، سورج کی حیثیت:

﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّى عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ○لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾[یٰس: ۳۹۔۴۰]

''سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے۔ جو زبردست علیم ہستی کا مقرر کیا ہوا ہے۔ اور چاند کے لیے بھی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں، یہاں تک کہ ان منزلوں سے گزرتا ہوا بالآخر وہ کھجور کی سوکھی ہوئی ٹہنی کی مانند پتلا ہو جاتا ہے نہ سورج کے بس میں ہے کہ وہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن سے آگے نکل سکتی ہے ہر ایک اس فضا میں تیر رہا ہے۔ (یٰسین: ۳۸ تا ۴۰)

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِن جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُم بِضِيَاءٍ أَفَلَا تَسْمَعُونَ○ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِن جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُم بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾[القصص: ۷۱،۷۲]

''آپ فرما دیں کیا تم نے غور نہیں کیا اگر اللہ تعالیٰ قیامت تک تم پر رات کو لمبا کر دے۔ کون ہے جو اللہ کے سوا رات کو بدل کر دن کی روشنی لے آئے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ آپ اعلان کر دیں! غور کرو اگر اللہ تعالیٰ قیامت تک تم پر دن چڑھائے رکھے کون ہے جو اس کے بغیر دن کو رات میں بدل دے، جس میں تم آرام کرتے ہو؟ کیا پھر بھی تم نہیں دیکھتے؟''

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ (حٰمٓ السجدۃ: ٣٧)

''رات اور دن، سورج اور چاند اللہ کی نشانیاں ہیں۔ سورج چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اس ذاتِ کبریاء کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے اگر واقعتاً تم اسی کی عبادت کرنے والے ہو۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود بنانا کھلی گمراہی ہے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو زمین و آسمان کی بادشاہت دکھائی۔

٣۔ شرک اور مشرکوں سے برأت کا اعلان کرنا سیرت ابراہیم علیہ السلام کا روشن باب ہے۔

٤۔ اللہ تعالیٰ ہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ:

١۔ آپ ابراہیم کا قرآن سے تذکرہ فرمائیں وہ سچے نبی تھے۔ (مریم: ٤١)

٢۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنالیا۔ (النساء: ١٢٥)

٣۔ تمھارے لیے ابراہیم کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔ (الممتحنۃ: ٤)

٤۔ اے نبی ابراہیم کے دین کی پیروی کرو۔ (النساء: ١٢٥)

٥۔ ہم نے آپ کو وحی کی کہ ابراہیم کے دین کی پیروی کرو۔ (النحل: ١٢٣)

٦۔ آپ ابراہیم کے مہمانوں کے متعلق بتلائیں۔ (الحجر: ٥١)

٧۔ یقیناً ابراہیم علیہ السلام تحمل مزاج، آہ وزاریاں کرنے والے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ (ہود: ٧٥)

٨۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام آہ وزاریاں کرنے والے اور متحمل مزاج تھے۔ (التوبۃ: ١١٤)

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ

اور کیسے | میں ڈروں جو | تم نے شریک ٹھہرایا | اور نہیں | تم ڈرتے | بیشک تم

اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ

شریک ٹھہرایا تم نے | ساتھ اللہ کے | جو کہ نہیں | اس نے نازل کی | ساتھ اس کے | تم پر | کوئی دلیل

فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۸۱

تو کون سا | دونوں فریقوں میں سے | زیادہ حقدار | امن کا | اگر | ہو تم | جانتے ؟

''اور میں ان سے کیسے ڈروں جنھیں تم نے شریک بنایا ہے، حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ان کو شریک بنایا ہے جس کی کوئی دلیل اللہ نے تم پر نہیں اتاری۔ دونوں گروہوں میں سے امن کا زیادہ حق دار کون ہے اگر تم جانتے ہو؟'' (۸۱)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ: اور ابراہیم علیہ السلام کے خطاب کا ردعمل۔

چاہیے تو یہ تھا کہ واضح قرائن دیکھنے اور ٹھوس دلائل سننے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم سر تسلیم خم کرتی لیکن اُنھوں نے اسی روش کو اختیار کیا جو ہمیشہ سے منکرین حق اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ قیل وقال اور حیلہ سازی سے بڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ لڑائی، جھگڑے پر اُتر آئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان سے جھگڑنے کے بجائے فقط اتنا فرمایا کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کی ذات یعنی اس کی توحید کے بارے میں مجھ سے جنگ وجدال کرتے ہو؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت سے سرفراز فرمایا ہے۔

ابتدا ہی سے مشرکوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام اور موحدین کو نہ صرف اپنی مادی اور افرادی قوت سے ڈراتے ہیں بلکہ اپنے عقیدہ کو سچ ثابت کرنے اور موحدین کو خوفزدہ کرنے کے لیے یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ اگر تم نے اسی طرح ہمارے معبودوں کی مخالفت جاری رکھی تو وہ تمھیں تہس نہس کر دیں گے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ موحد کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق کوئی تکلیف پہنچے تو مشرک طعنہ دیتے ہیں کہ یہ ہمارے معبودوں کی گستاخی کا نتیجہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی مشرکوں نے یہ کہہ کر ڈرایا کہ عنقریب ہمارے معبود تجھے خوفناک گرفت میں لینے والے ہیں۔ جس کے جواب میں جناب ابراہیم علیہ السلام نے دوٹوک انداز میں فرمایا کہ میں تمھارے معبودان باطل سے کس طرح خوف کھا سکتا ہوں۔ حالانکہ تمھاری حالت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے سے نہیں ڈرتے جبکہ تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کا کوئی جواز اور دلیل نہیں۔ عقیدۂ توحید اپنانے اور اس کے تقاضے پورے کرنے سے انسان دنیا و مافیھا کے خوف سے بے خوف، اس کا دل مطمئن اور اپنے آپ میں امن وسکون محسوس کرتا ہے اس کے مقابلہ میں مشرک پتھر سے تراشے ہوئے بتوں اور اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے مزاروں یہاں تک کہ مزارات میں اُگنے والے درختوں کے پتوں سے بھی کانپتا ہے۔ اسی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

ان سے سوال کیا کہ بتاؤ کون سے عقیدے کا حامل امن وسکون کا حق دار ہے اگر تم اس حقیقت کو جانتے ہو؟ جہاں تک تمھاری بے بنیاد دھمکیوں کا تعلق ہے تو ان کی حقیقت میرا رب اچھی طرح جانتا ہے کیونکہ اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور دنیا میں وہی کچھ رونما ہوتا ہے جو میرا رب چاہتا ہے کیا ان دلائل کے ہوتے ہوئے بھی تم توحید کو ماننے اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے تیار نہیں ہو۔ (مزید مطالعہ کے لیے ہماری کتاب سیرت ابراہیم علیہ السلام ملاحظہ فرمائیں۔)

مسائل

۱۔ عقیدۂ توحید راسخ ہو تو بندے کو کسی کا کوئی خوف نہیں رہتا۔

۲۔ مشرک بزدل ہوتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنا شریک نہیں ٹھہرایا۔

۴۔ شرک کرنے والوں کے پاس کوئی ٹھوس دلیل نہیں ہوتی۔

۵۔ عقیدۂ توحید ہی امن وسلامتی کا ضامن ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا علم پوری کائنات پر محیط ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ وسیع علم والا ہے۔ (البقرۃ:۱۱۵)

۲۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ (البقرۃ:۲۹)

۳۔ ہمارے رب نے ہر چیز کو اپنے علم کے ذریعہ گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ (الاعراف:۸۹)

۴۔ اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم میں ہر چیز ہے۔ (الطلاق:۱۲)

شرک کے لیے کوئی دلیل نہیں:

۱۔ جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی غیر کو پکارتا ہے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ (المؤمنون:۱۱۷)

۲۔ انھوں نے اللہ کے علاوہ کئی معبود بنالیے ہیں آپ فرمائیں کوئی دلیل لاؤ۔ (الانبیاء:۲۴)

۳۔ اس کے سوا کوئی اور بھی الٰہ ہے کوئی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔ (النمل:۶۴)

۴۔ اے لوگو! تمھارے پاس رب کی طرف سے دلیل آچکی ہے۔ (النساء:۱۷۵)

۵۔ وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت کے لیے کوئی دلیل نازل نہیں کی گئی۔ (الحج:۷۱)

۶۔ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہوئے نہیں ڈرتے جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ (الانعام:۸۱)

اَلَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَلَمْ	يَلْبِسُوْٓا	اِيْمَانَهُمْ	بِظُلْمٍ	اُولٰٓئِكَ
جولوگ	ایمان لائے	اور نہیں	انہوں نے خلط ملط کیا	اپنے ایمان کو	ظلم کے ساتھ	یہی لوگ ہیں
لَهُمُ الْاَمْنُ	وَهُمْ	مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾	وَتِلْكَ	حُجَّتُنَآ	اٰتَيْنٰهَآ	اِبْرٰهِيْمَ
انہی کے لیے امن ہے	اور وہی	ہدایت یافتہ ہیں	اور یہ	ہماری دلیل	ہم نے دی انکو	ابراہیم
عَلٰى	قَوْمِهٖ ؕ	نَرْفَعُ	دَرَجٰتٍ	مَّنْ	نَّشَآءُ ؕ	اِنَّ
پر	اس کی قوم	ہم بلند کرتے ہیں	درجے	جس	ہم چاہتے ہیں	بیشک
رَبَّكَ	حَكِيْمٌ	عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾				
آپ کا رب	بڑی حکمت والا	خوب جاننے والا ہے				

”جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کوظلم کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا یہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔(۸۲)اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کواس کی قوم کے مقابلے میں دی ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں بے شک آپ کا رب بڑی حکمت والا،خوب جاننے والا ہے۔“(۸۳)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی گفتگو میں توحید کوامن کا ضامن قرار دیا۔حقیقت یہ ہے عقیدۂ توحید کے تقاضے پورے کیے بغیرامن قائم نہیں ہوسکتا۔

ایمان کی ابتدااورانتہا توحید پر ہے باقی دین کے ارکان توحید کا تقاضا ہیں۔توحید یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی ذات اوراس کی صفات میں کسی کوشریک نہ سمجھے۔اللہ تعالیٰ کی ذات کا کسی کوحصہ بنانا اس کی صفات میں کسی کوشریک سمجھنا پرلے درجے کاظلم ہے۔کیونکہ ظلم کا بنیادی معنی یہ ہے "وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ"”کسی چیز کواس کے اصلی مقام سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنا۔“

کسی ذات کواللہ تعالیٰ کا حصہ یا جزقرار دینا جس طرح یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کواورعیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو نہ صرف اللہ کا بیٹا کہا بلکہ مریم علیہا السلام،عیسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کی ذات کوملا کرتثلیث کا عقیدہ پیش کیا۔ان کی دیکھا دیکھی مسلمانوں میں بعض لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کونورمن نوراللہ کہتے ہیں۔یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ انبیاء کوشریک بنانا اورانہیں ان کے مقام سے بڑھا کرخدا بنانا ہے۔ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی صفات کوکسی زندہ یامدفون بزرگ میں سمجھنے کا نام شرک ہے۔جسے قرآن مجید پرلے درجے کاظلم قرار دیتا ہے۔

یہاں ظلم سے مرادشرک اورایمان سے مرادتوحید ہے۔جن لوگوں نے اپنے ایمان کوشرک کی ملاوٹ سے محفوظ

رکھا۔ ہی ہدایت یافتہ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے غضب اور جہنم کی ہولناکیوں سے مامون ہوں گے۔

شرک ظلم ہے اور ظلم کے خلاف حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ دلیل سجھائی تھی جس کی بنیاد پر انھوں نے ثابت کیا کہ چاند ستاروں اور سورج کو اپنی قسمت کا مالک سمجھنا اور انھیں خیر و شر میں دخیل جان کر ان کی عبادت کرنا ظلم ہے۔ جس کا ان کی قوم کوئی جواب نہ دے سکی اور وہ ابراہیم علیہ السلام کے سامنے دلیل کے اعتبار سے سرنگوں ہوئے۔ اس طرح ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم پر سربلند ہوئے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ قَالَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم أَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ فَأَنْزَلَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ)) [رواہ البخاری: کتاب الایمان، باب ظلم دون ظلم]

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا ہم میں سے کون ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

۱۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سربلند کرتا ہے کیونکہ اس کے ہر کام اور حکم میں حکمت ہوتی ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقۂ تبلیغ اور دلیل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی دلیل قرار دیا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے چاند، سورج اور ستاروں کو اپنا رب نہیں سمجھتے تھے۔

۲۔ یاد رہے کہ دنیا میں کوئی رسول اور نبی ایسا نہیں گزرا جو دلائل کے حوالے سے اپنی قوم کے سامنے لاجواب اور سرنگوں ہوا ہو۔ ابراہیم علیہ السلام کو گفتگو کا یہ طریقہ سمجھانا اور انہیں ٹھوس دلائل عطا کرنے کی اور بھی حکمتیں ہیں۔ جنھیں اللہ علیم و حکیم خوب جانتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو واضح دلائل عنایت فرمائے۔ ۲۔ عقیدۂ توحید ہی امن و سکون کی ضمانت دیتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ جس کے چاہتے ہیں درجات بلند فرماتے ہیں۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا بخوبی علم رکھتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

شرک ظلم اور گناہ ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں میں اسی بات کا حکم دیا گیا ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان۔ (الانعام:۱۶۴)

۲۔ جو اللہ کی ملاقات چاہتا ہے وہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ (الکہف:۱۱۰)

۳۔ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا اس کے علاوہ جو چاہے گا معاف فرما دے گا۔ ((النساء:۴۸ تا ۱۱۶)

۴۔ اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ (النساء:۳۶)

۵۔ جو بھی اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔ (المائدۃ:۷۲)

۶۔ اے بیٹے شرک نہ کر شرک بہت بڑا ظلم ہے حضرت لقمان کی نصیحت۔ (لقمان:۱۳)

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا

اور ہم نے عطا کیے اسکو اسحٰق اور یعقوب سب کو ہم نے ہدایت دی اور نوح ہم نے ہدایت دی

مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ

سے پہلے اور اسکی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب

وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۸۴

اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون اور اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں نیکی کرنے والے

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۸۵

اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس سب سے نیکوں

''اور ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب عطا کیے۔ ان سب کو ہدایت دی اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی اور اس کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو اور اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔ (۸۴) اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو یہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔'' (۸۵)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ صرف دلائل کے اعتبار سے برتری عنایت فرمائی تھی بلکہ رہتی دنیا تک امامت کے منصب سے سرفراز کرتے ہوئے انبیاء کی صورت میں نیک اولاد عنایت فرمائی جنھوں نے ان کے مشن کو جاری وساری رکھا تا آنکہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے دین حنیف کا پھریرا پوری دنیا میں سربلند فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام تن تنہا اپنے باپ، قوم اور حاکمِ وقت کے سامنے ڈٹے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف دلائل کے اعتبار سے انھیں اپنی قوم پر برتری عنایت فرمائی بلکہ ایک وقت وہ بھی آیا کہ پوری دنیا کی امامت سے سرفراز کیا گیا اور ان کی دعوت کو چار سو پھیلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسی اولاد اور وارث نصیب فرمائے کہ جن میں اولوالعزم انبیاء عظیم الشان خلفاء پیدا ہوئے۔ ان میں ایسی شخصیات بھی تھیں جو بیک وقت منصب خلافت ونبوت پر فائز ہوئیں اور انھوں نے توحید کی دعوت کو دنیا میں عام کیا۔ یہاں ان انبیاء کا نام بنام ذکر کیا گیا ہے جو انفرادی اوصاف کے اعتبار سے باقی انبیاء سے برتر تھے۔ جس میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے جو اوصاف ان شخصیات میں پائے جاتے تھے وہ سب کے سب نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ودیعت کردیے گئے ہیں۔ ان انبیاء علیہم السلام کو ایک دوسرے کے باپ، اولاد اور بھائی قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے ان کو اپنے کام کے لیے منتخب فرما کر صراط مستقیم کی ہدایت سے نوازا تھا۔ اس بات کی وضاحت بھی کردی گئی کہ ہدایت وہی ہوتی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت قرار دے اور وہ اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے ہدایت کی دولت سے مالا مال فرماتا ہے۔

وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَالۡيَسَعَ وَيُوۡنُسَ وَ لُوۡطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلۡنَا

اوراسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط اور سب کو ہم نے فضیلت دی

عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنۡ اٰبَآٮِٕهِمۡ وَ ذُرِّيّٰتِهِمۡ وَاِخۡوَانِهِمۡ ۚ

پر جہان والے ۔ اور سے ان کے آباؤاجداد اور انکی اولاد اور انکے بھائی

وَاجۡتَبَيۡنٰهُمۡ وَهَدَيۡنٰهُمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى

اورہم نے انہیں چن لیا اور ہم نے انکو ہدایت دی طرف راستہ سیدھا یہ ہدایت

اللّٰهِ يَهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوۡ اَشۡرَكُوۡا

اللہ کی وہ ہدایت دیتا ہے اسکی جسے وہ چاہتا ہے سے اپنے بندوں اور اگر لوگ شرک کرتے

لَحَبِطَ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۸﴾

توضرور برباد ہوتے ان سے جو تھے وہ عمل کرتے

''اوراسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو اوران سب کو جہانوں پر فضیلت دی۔(۸۶)اوران کے باپ دادا اوران کی اولاد اورانکے بھائیوں میں سے بعض کو بھی اور ہم نے انہیں چن لیا اور انہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی۔(۸۷)یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس پر چلاتا ہے اور اگر یہ لوگ شریک بناتے تو جو عمل وہ کیا کرتے تھے ان کے ضائع ہو جاتے۔''(۸۸)

یہاں ہدایت سے پہلی مراد اللہ کی توحید ہے کیونکہ اس عقیدے کے بغیر کوئی عبادت بھی قابل قبول نہیں ہوتی۔عقیدۂ توحید کی ضد شرک ہے جو ہر برائی کا منبع ،عظیم گناہ اور انتہا درجے کا ظلم ہے اس لیے یہاں اٹھارہ عظیم المرتبت علیہم السلام ہستیوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر یہ ہستیاں بھی شرک کا ارتکاب کرتیں تو ان کی زندگی بھر کی عبادت وریاضت ضائع کردی جاتی۔

((عَنۡ عَبۡدِ الرَّحۡمَنِ بۡنِ أَبِي بَكۡرَةَ رضی اللہ عنہ عَنۡ أَبِيهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَلَا أُنَبِّئُكُمۡ بِأَكۡبَرِ الۡكَبَائِرِ ثَلَاثًا قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ اَلۡإِشۡرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الۡوَالِدَيۡنِ وَجَلَسَ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ أَلَا وَقَوۡلُ الزُّورِ قَالَ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتَّى قُلۡنَا لَيۡتَهُ سَكَتَ)) [رواه البخاري: كتاب الشهادات ،باب ما قيل في شهادات الزور]

''عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو بڑے گناہ کی خبر نہ دوں آپ نے ان الفاظ کو تین مرتبہ دہرایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ،والدین کی نافرمانی کرنا اور پھر آپ ٹیک چھوڑ کر بیٹھ گئے۔فرمایا اور جھوٹی بات کہنا ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو دہراتے رہے یہاں تک ہم نے سوچا کاش! آپ خاموش ہو جائیں۔''

((عن ابن عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ يَقُولُ لَمَّا بَعَثَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مُعَاذَ بۡنَ جَبَلٍ إِلَى نَحۡوِ أَهۡلِ الۡيَمَنِ قَالَ لَهُ إِنَّكَ تَقۡدَمُ

عَلَى قَوْمٍ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَى أَنْ يُوَحِّدُوا اللّٰهَ تَعَالَى فَإِذَا عَرَفُوا ذٰلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ فَإِذَا صَلَّوْا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ غَنِيِّهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فَقِيرِهِمْ فَإِذَا أَقَرُّوا بِذٰلِكَ فَخُذْ مِنْهُمْ وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِ النَّاسِ))[رواہ البخاری: کتاب التوحید،]

''حضرت عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ نے معاذ بن جبل ؓ کو اہل یمن کی طرف بھیجا آپ ﷺ نے فرمایا تم اہل کتاب کی طرف جا رہے ہو سب سے پہلے تم جس بات کی انہیں دعوت دو وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایک جانیں جب وہ اس کی توحید کے قائل ہو جائیں تو انہیں بتانا۔اللہ نے ان پر پانچ نمازیں دن اور رات میں فرض کی ہیں۔جب وہ نماز پڑھنے لگیں تو ان کو بتانا اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں سے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔جو ان کے مالدار لوگوں سے لے کر ان کے غربا کو دی جائے۔جب وہ اس بات کا اقرار کرلیں تو ان سے زکوٰۃ وصول کرنا اور ان کے بہترین مال سے بچنا۔''

نواسے بھی آدمی کی اولاد ہوتے ہیں:

((عَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ أَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْأَسْبَاطِ))[رواہ الترمذی: کتاب المناقب، باب مناقب الحسن والحسین]

''یعلی بن مرہ ؓ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرے گا جو حسین سے محبت کرے گا حسین میری اولاد سے ہے۔''

انبیاء ؑ ایک دوسرے کے بھائی ہوتے ہیں:

((عن ابی هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِابْنِ مَرْيَمَ وَالْأَنْبِيَاءُ أَوْلَادُ عَلَّاتٍ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ))[رواہ البخاری: کتاب احادیث الانبیاء،]

''حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں میں نے رسول معظم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا لوگو! میں ابن مریم کے زیادہ قریب ہوں اور تمام انبیاء ؑ علاتی بھائی ہیں میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔''

مسائل

۱۔ تمام انبیاء کرام ؑ ایک دوسرے کے بھائی یعنی ایک ہی خاندان نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام ؑ کو تمام انسانوں سے ممتاز فرمایا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو خصوصی ہدایت سے نوازا۔

۴۔ اگر انبیاء ؑ میں سے کوئی بھی شرک کرتا تو اس کے تمام اعمال ضائع ہو جاتے۔

اُولٰٓئِكَ	الَّذِيْنَ	اٰتَيْنٰهُمُ	الْكِتٰبَ	وَالْحُكْمَ	وَ	النُّبُوَّةَ ۚ
یہی	وہ لوگ ہیں	کہ ہم نے انہیں دی	کتاب	اور حکمت	اور	نبوت
فَاِنْ	يَّكْفُرْ	بِهَا	هٰٓؤُلَآءِ	فَقَدْ	وَكَّلْنَا	بِهَا
تو اگر	وہ کفر کریں	انکے ساتھ	یہ لوگ	تو تحقیق	ہم نے مقرر کردی	ان کے لیے
قَوْمًا	لَّيْسُوْا	بِهَا	بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾	اُولٰٓئِكَ	الَّذِيْنَ	هَدَى اللّٰهُ
ایسی قوم	نہیں ہے وہ	ساتھ اس کے	انکار کرنے والے	یہی	وہ لوگ	ہدایت دی اللہ
فَبِهُدٰىهُمُ	اقْتَدِهْ ؕ	قُلْ	لَّآ اَسْئَلُكُمْ	عَلَيْهِ	اَجْرًا ؕ	اِنْ هُوَ اِلَّا
انکے طریقے کی	اقتدا کریں آپ اسکی	فرمادیجیے	نہیں میں تم سے مانگتا	اس پر	کوئی اجر	نہیں وہ مگر

ع ۱۰ ۱۲

ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾

نصیحت (تمام) جہانوں کے لیے

”یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی، پھر اگر یہ لوگ ان باتوں کا انکار کریں تو ہم نے ان کے لیے ایسے لوگ مقرر کیے ہیں جو کسی صورت ان کا انکار کرنے والے نہیں۔ (۸۹) یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی سو آپ ان کی ہدایت کی پیروی کریں، فرمادیں میں اس پر تم سے کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا یہ تو تمام جہانوں کے لیے ایک نصیحت کے سوا کچھ نہیں۔“ (۹۰)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابراہیم علیہ السلام اور انکے بعد آنے والے انبیاء کی دعوت کو پھیلانے اور اس پر قائم رہنے کا حکم۔

عظیم الشان اٹھارہ انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی پاک باز اولاد کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ وہ سب کے سب مواحد، ہدایت یافتہ اور شرک سے سخت اجتناب کرنے والے تھے اگر وہ شرک کا ارتکاب کرتے تو ان کے تمام اعمال ضائع کر دیے جاتے۔ شرک سے بچنے کی ہمت اور توحید کی سمجھ انھیں اس لیے نصیب ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں کتاب، حکمت اور نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ جس کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس قوم کو کتاب وحکمت اور نبوت کی تعلیم سے آگاہ کرے اس کا فرض بنتا ہے کہ وہ شرک سے اجتناب کرے اور اللہ کی توحید کا پرچار کرنے والی ہو۔ الحکم سے مراد وہ قوت ہے جس کے ذریعے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ تکمیل پاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس قوم کو اپنی کتاب اور نبوت کی روشنی عطا فرمائے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ حکماً شرک کا قلع قمع اور توحید کا نفاذ کرے۔ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے ساتھ خوشخبری سنائی جارہی ہے کہ اگر آپ کے مخاطبین کفر وشرک کا رویہ اپنائے رکھیں تو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے آپ کے مقدر میں ایسے

ساتھی رکھ دیے ہیں جو اللہ کی کتاب کا انکار نہیں کرتے۔ دین اور آپ کی ذات پر تن، من دھن قربان کرنے والے ہیں۔ لہٰذا آپ کو پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کی اقتدا کرنی چاہیے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ افراد تھے۔ اقتدا سے مراد انبیاء کا اسوۂ مبارکہ ہے جو وہ مخالفین کے مقابلہ میں اختیار کیا کرتے تھے۔ اقتدا میں دوسرا اشارہ یہ ہے تمام انبیا کی دعوت کے بنیادی اصول ایک ہی رہے ہیں۔ جس میں سرفہرست توحید کا اقرار، پرچار اور شرک سے نفرت کا اظہار ہے۔ جس طرح پہلے انبیاء دعوت کے بدلے کوئی اجرت نہیں لیتے تھے۔ آپ بھی ان کی اقتدا میں اعلان کرتے جائیں کہ اے لوگو! میں اس دعوت کے بدلے تم سے کسی مفاد اور اجرت کا مطالبہ نہیں کرتا۔ میرا کام تو نصیحت کرنا ہے اور یہ قرآن مجید پورے عالم کے لیے ذکر اور نصیحت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللَّهُ إِلَيَّ فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

[رواہ البخاری: کتاب فضائل القران، باب کیف نزل الوحی]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء کرام میں سے ہر نبی کو ایسی چیزیں دی گئی ہیں جس پر لوگ ایمان لے آئیں مجھے وحی عنایت کی گئی اس میں اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا میں امید کرتا ہوں قیامت کے دن میری پیروی کرنے والے سب سے زیادہ ہوں گے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو خصوصی حکمت سے نوازا۔ ۲۔ لوگوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی ہی پیروی کرنی چاہیے۔

۳۔ انبیاء کرام علیہم السلام دعوت دین کے بدلے کسی سے معاوضہ طلب نہیں کرتے تھے۔

۴۔ قرآن مجید تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء علیہم السلام کسی سے اُجرت نہیں لیتے تھے:

۱۔ (حضرت نوح علیہ السلام) نہیں میں سوال کرتا کسی سے اجر کا۔ میرا اجر اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔ (الشعراء:۱۰۹)

۲۔ (حضرت ھود علیہ السلام) نہیں میں سوال کرتا کسی سے اجر کا میرا اجر اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔ (الشعراء:۱۲۷)

۳۔ (حضرت صالح علیہ السلام) نہیں میں سوال کرتا کسی سے اجر کا میرا اجر اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔ (الشعراء:۱۴۱تا۱۴۵)

۴۔ (حضرت لوط علیہ السلام) نہیں میں سوال کرتا کسی سے اجر کا میرا اجر اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔ (الشعراء:۱۶۴)

۵۔ (حضرت شعیب علیہ السلام) نہیں میں سوال کرتا کسی سے اجر کا میرا اجر اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔ (الشعراء:۱۸۰)

۶۔ نہیں ہے میرا اجر مگر اللہ پر اور وہی ہر چیز پر گواہ ہے۔ (السباء:۴۷)

۸۔ (حضرت ھود علیہ السلام) نہیں ہے میرا اجر مگر اللہ پر جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ (ھود:۵۱)

۹۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) کہہ دیجیے میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا نہ ہی میں متکلف ہوں۔ (ص:۸۶)

وَمَا	قَدَرُوا	اللّٰهَ	حَقَّ	قَدْرِهٖٓ	اِذْ قَالُوْا	مَآ
اور نہیں	انہوں نے قدر کی	اللہ کی	حق ہے	اسکی قدر	جب انہوں نے کہا	نہیں

اَنْزَلَ	اللّٰهُ	عَلٰی	بَشَرٍ	مِّنْ	شَیْءٍ ؕ	قُلْ
نازل کی	اللہ نے	پر	کسی بشر	سے	کوئی چیز	فرما دیجیے

مَنْ	اَنْزَلَ	الْكِتٰبَ	الَّذِیْ	جَآءَ	بِهٖ	مُوْسٰی	نُوْرًا
کس نے	نازل کی	کتاب	وہ جو	لائے	اسے	موسیٰ	نور

وَّهُدًی	لِّلنَّاسِ	تَجْعَلُوْنَهٗ	قَرَاطِیْسَ	تُبْدُوْنَهَا	وَتُخْفُوْنَ
اور ہدایت	لوگوں کیلئے	تم کرتے ہو اسکو	ورق، ورق	تم ظاہر کرتے ہو اس کو	اور تم چھپاتے ہو

كَثِیْرًا ۚ	وَعُلِّمْتُمْ	مَّا لَمْ	تَعْلَمُوْٓا	اَنْتُمْ	وَلَآ	اٰبَآؤُكُمْ ؕ
بہت	اور تم سکھلائے گئے ہو	جو نہیں	جانتے تھے تم	تم	اور نہ	تمہارے باپ دادا

قُلِ اللّٰهُ ۙ	ثُمَّ	ذَرْهُمْ فِیْ	خَوْضِهِمْ	یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾
فرما دیجیے اللہ	پھر	چھوڑ دیجیے انہیں میں	اپنی فضول بحث	وہ کھیلتے ہیں

”اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جس طرح اس کی قدر کا حق تھا۔ جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نہیں نازل کی فرما دیں وہ کتاب کس نے اتاری جو موسیٰ لے کر آیا؟ جو لوگوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی تم اسے الگ الگ ورق بنا کر رکھتے ہو کچھ ظاہر کرتے ہو اور بہت سا چھپاتے ہو اور تمہیں علم دیا گیا جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ فرما دیجیے اللہ نے۔ پھر انہیں چھوڑ دیجیے کہ اپنی فضول بحث میں لگے رہیں۔“(۹۱)

فہم القرآن

ربط کلام: توحید سے انحراف، اور نبی ﷺ کی بشریت کا انکار کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی ناقدری کرنے کے مترادف ہے۔

انسان جب اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار یا اس کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک بناتا ہے تو پھر وہ بڑے بڑے حقائق ٹھکراتا چلا جاتا ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت اور آج بھی کفار اور مشرکوں کی یہی حالت ہے کہ وہ نبی ﷺ کی رسالت کا یہ کہہ کر انکار کرتے ہیں کہ آپ بشر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر اپنی کتاب نازل نہیں کی۔ مکہ کے لوگ اکثر جاہل تھے وہ اپنی جہالت کی بنا پر کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو بشر کے بجائے کسی فرشتہ کو نبی بنانا چاہیے تھا۔ ان کے مقابلہ میں یہودی عصبیت میں آکر یہ بات کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی شخص کو رسول منتخب نہیں کیا۔ بس موسیٰ علیہ السلام ہی آخری رسول اور نبی ہیں۔ اسی بنا پر انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی اور اسی وجہ سے وہ نبی رحمت ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں بشر پر نبوت

نازل نہیں کی۔ یہ سوچنا اور کہنا اللہ تعالیٰ کی ناقدری کرنے کے مترادف ہے۔ اس ناقدری، عصبیت اور ہٹ دھرمی پر سوال کیا گیا ہے کہ وہ کونسی ہستی ہے جس نے موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل کی جو لوگوں کے لیے روشنی اور ہدایت کا سرچشمہ تھی۔ جسے تم نے مختلف اوراق میں تبدیل کر دیا ہے کچھ حصہ لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہو جبکہ کثیر حصہ تم نے لوگوں سے چھپالیا ہے جسے بہت کم لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے ہو حالانکہ اس کتاب میں تمھیں اس تعلیم سے آراستہ کیا گیا جس سے تم اور تمھارے آباواجداد بے خبر تھے۔ اس سوال میں یہ استفسار بھی موجود ہے کہ بتاؤ موسیٰ بشر نہیں تھے۔ تورات کو مختلف اوراق میں تبدیل کرنے کا یہ بھی مفہوم ہے کہ انھوں نے ذاتی اور گروہی مفادات کے پیش نظر اس کے حصے، بخرے کر دیئے تھے۔ جن کو موقع محل کے مطابق لوگوں کے سامنے پیش کرتے۔ اگر مجبوراً کہیں اصل مسئلہ بیان کرنا پڑتا تو اس کی ایسی تاویل کرتے کہ جس کا تورات کے ساتھ دور کا واسطہ نہیں ہوتا تھا۔ اس طرح جب چاہتے تورات کے احکام کی من مرضی تاویل کر دیتے۔ اس صورت حال پر نبی علیہ السلام کو تلقین کی گئی ہے کہ ایسے ناعاقبت اندیش اور نابنجار لوگوں پر اپنی صلاحیتیں صرف کرنے کے بجائے انھیں ان کی حالت پر چھوڑ دینا چاہیے۔

اس کتاب کا حق چھپانا:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ الْيَهُودَ جَاءُوا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرُوا لَهُ أَنَّ رَجُلًا مِنْهُمْ وَامْرَأَةً زَنَيَا فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا تَجِدُونَ فِي التَّوْرَاةِ فِي شَأْنِ الرَّجْمِ فَقَالُوا نَفْضَحُهُمْ وَيُجْلَدُونَ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ رضی اللہ عنہ كَذَبْتُمْ إِنَّ فِيهَا الرَّجْمَ فَأَتَوْا بِالتَّوْرَاةِ فَنَشَرُوهَا فَوَضَعَ أَحَدُهُمْ يَدَهُ عَلَى آيَةِ الرَّجْمِ فَقَرَأَ مَا قَبْلَهَا وَمَا بَعْدَهَا فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ رضی اللہ عنہ ارْفَعْ يَدَكَ فَرَفَعَ يَدَهُ فَإِذَا فِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ فَقَالُوا صَدَقَ يَا مُحَمَّدُ فِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ فَأَمَرَ بِهِمَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَرُجِمَا قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يَحْنَأُ عَلَى الْمَرْأَةِ يَقِيهَا الْحِجَارَةَ---)) [رواه البخاری : کتاب المناقب، باب قول الله تعالی یعرفونه کما یعرفون ابنائهم]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں یہود کے کچھ افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا ایک مرد اور عورت نے زنا کیا ہے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رجم کے بارے میں تم تورات میں کیا پاتے ہو؟ انہوں نے کہا انہیں ذلیل ورسوا کرتے ہوئے پیٹا جائے گا۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا تم لوگ جھوٹ بولتے ہو اس میں تو رجم کا حکم ہے۔ وہ تورات لے کر آئے تو انہوں نے اسے کھولا تو ان میں سے ایک نے رجم کی آیت پر ہاتھ رکھا تو اس نے ان حروف سے پہلے اور بعد کی عبارت پڑھی۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا اس سے ہاتھ اٹھایئے۔ اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو اس جگہ رجم کی آیت تھی تو انہوں نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو سچا ہے اس میں رجم کے متعلق آیت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ مرد عورت پر جھک کر اس کو پتھروں سے بچاتا تھا۔“

مسائل

۱۔ قرآن مجید کا انکار کرنے والے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ناقدری کرتے ہیں۔

۲۔ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں کے ذریعے تعلیم دی۔

۳۔ تمام الہامی کتابوں کو نازل کرنے والا ایک اللہ ہی ہے۔

وَهٰذَا	كِتٰبٌ	اَنْزَلْنٰهُ	مُبٰرَكٌ	مُّصَدِّقُ	الَّذِيْ	بَيْنَ يَدَيْهِ
اور یہ	کتاب	ہم نے اسے نازل کیا	بابرکت	تصدیق کرنے والی	اسکی جو	اس سے پہلے
وَلِتُنْذِرَ	اُمَّ الْقُرٰى	وَمَنْ	حَوْلَهَا ؕ	وَ الَّذِيْنَ	يُؤْمِنُوْنَ	
اور تاکہ آپ ڈرائیں	مکہ والوں کو	اور جو	اسکے اردگرد	اور وہ لوگ	وہ ایمان لاتے ہیں	
بِالْاٰخِرَةِ	يُؤْمِنُوْنَ	بِهٖ	وَهُمْ	عَلٰى	صَلَاتِهِمْ	يُحَافِظُوْنَ ۝۹۲
آخرت پر	وہ ایمان لاتے ہیں	اس پر	اور وہ	پر	اپنی نمازوں	وہ حفاظت کرتے ہیں

''اور یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے نازل کی بڑی برکت والی ہے اس کی تصدیق کرنے والی جو اس سے پہلے ہے اور تاکہ آپ بستیوں کے مرکز اور اس کے اردگرد لوگوں کو ڈرائیں اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔'' (۹۲)

فہم القرآن

ربط کلام: تورات اور انجیل کے بعد قرآن مجید مبارک کتاب ہے اور لوگوں کے لیے ہدایت کا آخری سرچشمہ ہے جو پہلی کتب آسمانی کی تصدیق کرتی ہے۔

یہودی عصبیت کی بنا پر نبی ﷺ کی رسالت اور قرآن مجید کے نزول کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن تورات سمیت آسمانی کتابوں کی تصدیق اور تائید کرتا ہے اور لوگوں کے لیے باعث برکت ہے۔ قرآن مجید کتب آسمانی کی تائید وتصدیق کرنے کے ساتھ نہایت ہی مبارک کتاب ہے۔ کائنات کے انسانوں کے لیے ہدایت کا منبع، روشنی کا سرچشمہ اور حکمت ودانش کا مہر تاباں ہے اگر یہود ہٹ دھرمی کی بنا پر مسلسل انکار کر رہے ہیں تو اے رسول ان پر صلاحیتیں صرف کرنے کے بجائے آپ اہل مکہ اور اس کے چاروں طرف بسنے والے لوگوں کو ڈرائیں اور سمجھائیں اور ان مسلمانوں کو جو آخرت کے حساب وکتاب پر یقین رکھتے اور پنجگانہ نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس آیت میں مکہ معظمہ کو ام القریٰ کا درجہ دیا گیا ہے اُم القریٰ کا معنی ہے ''بستیوں کی ماں۔'' سورۃ آل عمران کی آیت ۹۶ سے اشارہ ملتا ہے کہ یہی مبارک بستی ہے جو سب سے پہلے دنیا میں معرض وجود میں آئی حدیث میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ زمین کے پیدا ہونے سے پہلے آسمان کے نیچے پانی ہی پانی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو صفحۂ ہستی پر آنے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے زمین کا جو حصہ ظہور پذیر ہوا۔ وہ مکہ معظمہ کی سرزمین تھی اس اعتبار سے بھی مکہ ام القریٰ کا درجہ رکھتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں آخری نبی کی بعثت کی دعا کی تھی اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ تبلیغ کا نیٹ ورک ایسا ہونا چاہیے جس میں ایک مبلغ اپنے نفس کے بعد اپنے اعزاء واقرباء، اڑوس پڑوس اور اپنے ہم وطنوں کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچائے۔ یہ حقوق انسانی اور فطری تقسیم کے عین مطابق ہے پھر تبلیغ کے سلسلہ میں ان لوگوں پر خاص توجہ دے جو مرنے کے بعد جی اُٹھنے پر یقین رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو منوانا دوسروں کی نسبت آسان ہوتا ہے۔ آخرت پر یقین رکھنے والے ہی نماز کی حفاظت کا التزام کرتے تھے کیونکہ نماز اللہ تعالیٰ کے قرب کا مؤثر ذریعہ ہے اور نماز اس بات کا احساس دلاتی ہے جس طرح دنیا میں اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح مرنے کے بعد اس کی بارگاہ میں عاجز اور سرافگندہ ہو کر کھڑے ہوں گے۔

قرآن مجید کے نفاذ کی برکات:

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَدٌّ یُعْمَلُ بِهِ فِی الْأَرْضِ خَیْرٌ لِأَهْلِ الْأَرْضِ مِنْ أَنْ یُمْطَرُوا أَرْبَعِینَ صَبَاحًا)) [رواہ ابن ماجة: کتاب الحدود، باب اقامة الحد]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ حد کو زمین پر نافذ کرنا اہل زمین کے لیے چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے۔“

قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب:

((عن عَبْد اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ یَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ کِتَابِ اللّٰهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا لَا أَقُولُ الم حَرْفٌ وَلَكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِیمٌ حَرْفٌ)) [رواہ الترمذی: کتاب فضائل القران]

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ایک حرف پڑھا اس کے لیے دس نیکیوں کے برابر ثواب ہے میں یہ نہیں کہتا الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے ل دوسرا حرف ہے اور میم تیسرا حرف ہے۔“

تبلیغ کی ترتیب:

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتْ وَأَنْذِرْ عَشِیرَتَكَ الْأَقْرَبِینَ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الصَّفَا فَقَالَ یَا فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ یَا صَفِیَّةَ بِنْتَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ یَا بَنِی عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا سَلُونِی مِنْ مَالِی مَا شِئْتُمْ))

[رواہ مسلم: کتاب الایمان، باب فی قوله تعالی وانذر عشیرتك الأقربین]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی ”اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے“ رسول معظم ﷺ نے صفا پر کھڑے ہو کر فرمایا اے فاطمہ میری بیٹی، اے صفیہ بنت عبدالمطلب، اے عبدالمطلب کے خاندان کے لوگو! مجھ سے مانگ لو لیکن اللہ کے ہاں میں تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔“

نماز کی فرضیت اور فضیلت:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الصَّلٰوتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ اِلَی الْجُمُعَةِ وَ رَمَضَانُ اِلٰی رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ لِّمَا بَیْنَهُنَّ اِذَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ)) [رواہ مسلم: کتاب الطهارة، باب الصلوات الخمس]

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا پانچ نمازیں اور جمعہ سے جمعہ اور رمضان سے رمضان درمیانی مدت کے گناہوں کا کفارہ ہیں۔ بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔“

مسائل

۱۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ ۲۔ قرآن مجید بابرکت کتاب ہے۔ ۳۔ قرآن مجید پہلے انبیاء ورسل کی تصدیق کرتا ہے۔ ۴۔ مکہ مکرمہ دنیا کی تہذیبوں کا سنگم تھا۔ ۵۔ قرآن مجید کے ماننے والے اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

وَمَنْ	اَظْلَمُ	مِمَّنِ	افْتَرٰى	عَلَى اللّٰهِ	كَذِبًا	اَوْ قَالَ
اور کون	زیادہ ظالم	اس سے جو	اس نے باندھا	پر اللہ	جھوٹ	یا کہا اس نے

اُوْحِيَ	اِلَيَّ	وَلَمْ	يُوْحَ	اِلَيْهِ	شَيْءٌ	وَّمَنْ	قَالَ
وحی کی گئی ہے	میری طرف	اور نہیں	وحی کی گئی	اس کی طرف	کوئی چیز	اور جس نے	کہا اس نے

سَاُنْزِلُ	مِثْلَ	مَآ	اَنْزَلَ	اللّٰهُ ؕ	وَلَوْ	تَرٰٓى
ابھی میں بھی اتاروں گا	جیسا	جو	نازل کیا	اللہ نے	اور کاش کہ	آپ دیکھیں

اِذِ الظّٰلِمُوْنَ	فِيْ	غَمَرٰتِ	الْمَوْتِ	وَالْمَلٰٓئِكَةُ	بَاسِطُوْٓا
جبکہ ظالم لوگ	میں	سختیاں	موت	اور فرشتے	پھیلاتے ہیں

اَيْدِيْهِمْ ۚ	اَخْرِجُوْٓا	اَنْفُسَكُمْ ؕ	اَلْيَوْمَ	تُجْزَوْنَ	عَذَابَ
اپنے ہاتھ	نکالو تم	اپنی جانیں	آج	تم بدلہ دیے جاؤ گے	عذاب

الْهُوْنِ	بِمَا كُنْتُمْ	تَقُوْلُوْنَ	عَلَى	اللّٰهِ	غَيْرَ الْحَقِّ	وَكُنْتُمْ
ذلت کا	اس وجہ سے کہ تھے تم	تم کہتے	پر	اللہ	ناحق باتیں	اور تم تھے

عَنْ	اٰيٰتِهٖ	تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۹۳
سے	اس کی آیات	تم تکبر کرتے

”اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا کہے میری طرف وحی کی گئی ہے؟ حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہیں کیا گیا اور جو کہے میں بھی ضرور اس جیسا نازل کروں گا جو اللہ نے نازل کیا اور کاش! آپ دیکھیں جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے کہتے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں آج تمہیں ذلت کا عذاب اس لیے دیا جائے گا کہ تم اللہ کے بارے میں ناحق باتیں کہتے تھے اور اس کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔“ (۹۳)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآن مجید کی آیات کا انکار کرنا، یا یہ نبوت کا دعویٰ کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا بھی وحی یا کتاب نازل کر سکتا ہے یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کے مترادف ہے۔

رسولِ محترم ﷺ کے مخالف آپ پر صرف یہ الزام ہی نہیں لگاتے تھے کہ آپ پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ بلکہ ان

میں ایسے بد بخت بھی تھے جو یہ دعویٰ کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتے تھے کہ ہم پر بھی اللہ تعالیٰ وحی نازل کرتا ہے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو یہ لاف زنی کرتے کہ عنقریب ہم بھی ایسی کتاب لانے والے ہیں اس ضمن میں مفسرین نے مسیلمہ کذّاب اور عبداللہ بن ابی سرحہ کا ذکر کیا ہے مسیلمہ کذّاب کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اس کے ساتھیوں سمیت قتل کر دیا گیا اور عبداللہ بن ابی سرحہ نے یاوہ گوئی پر معذرت کی اور خالص توبہ کی اور فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس کی توبہ قبول ہوئی۔ جہاں تک کسی شخص کا یہ دعویٰ کرنا کہ میں بھی قرآن مجید جیسی کتاب لاسکتا ہوں تو ایسے لوگوں کو قرآن مجید نے ایک دفعہ نہیں بلکہ تین مرتبہ یکے بعد دیگرے چیلنج دیا ہے اور یہ چیلنج کسی ایک فرد یا خاص قوم کے لیے نہیں بلکہ روئے زمین کے ہر زمانے کے لوگوں کے لیے ہے۔ کہ کوئی ایک سورۃ اس جیسی بنا کر پیش کرے۔ تفصیل کے لیے سورۃ البقرۃ آیت ۲۳اور ۲۴ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں وہاں قرآن مجید کے مقابلہ میں کوئی ایک سورۃ لانے کا چیلنج کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ تم سب مل کر بھی اس جیسی سورۃ نہیں لا سکتے۔ جب تم ایسا نہیں کر سکتے پھر تمھیں جہنم کی اس آگ سے بچنا اور ڈرنا چاہیے جس میں باغی انسان اور پتھر پھینکے جائیں گے۔ یہ سزا مرنے کے بعد ہوگی اور موت کے وقت ان کو یہ سزا دی جائے گی کہ ملائکہ ان کے چہروں پر تھپڑ اور ان کی کمروں پر ہتھوڑے مارتے ہوئے کہیں گے کہ اپنی جان نکال کر ہمارے حوالے کرو۔ بدن سے روح نکالنا اور داخل کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اس لیے جب اپنی روح نہیں نکال سکیں گے تو انھیں اذیت ناک تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا اور ملائکہ اذیت دیتے ہوئے کہیں گے کہ آج اس عذاب کا مزا چکھو۔ یہ سزا موت کے وقت ہوگی اور مرنے کے بعد یہ لوگ ہمیشہ کے لیے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ ملائکہ انھیں مزید ذلیل کرنے کے لیے کہیں گے کہ اب ذلّت ناک عذاب جھیلتے رہو کیونکہ تم تکبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرتے اور اُس کی ذات کے بارے میں حقیقت کے خلاف باتیں کرتے تھے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ پر افترا بازی کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔

۲۔ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا بہت بڑا ظالم ہوتا ہے۔

۳۔ فاسق لوگوں کو موت کے وقت ہی سزا شروع ہو جاتی ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے ذمہ خود ساختہ باتیں لگانے والوں کو ذلت آمیز عذاب ہوگا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو کم تر سمجھنے والوں کو سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔

وَلَقَدْ	جِئْتُمُوْنَا	فُرَادٰى	كَمَا	خَلَقْنٰكُمْ	اَوَّلَ مَرَّةٍ
اور یقیناً	تم آئے ہمارے پاس	اکیلے	جیسا کہ	ہم نے تمہیں پیدا کیا	پہلی مرتبہ

وَّ تَرَكْتُمْ	مَّا خَوَّلْنٰكُمْ	وَرَآءَ	ظُهُوْرِكُمْ	وَمَا	نَرٰى	مَعَكُمْ	
اور تم چھوڑ آئے	جو کچھ ہم نے تمہیں دیا	پیچھے	تمہاری پیٹھوں	اور نہیں	ہم دیکھتے	تمہارے ساتھ	

شُفَعَآءَكُمُ	الَّذِيْنَ	زَعَمْتُمْ	اَنَّهُمْ	فِيْكُمْ	شُرَكٰٓؤُا	لَقَدْ
تمہارے سفارشی	جن کے متعلق	تم نے دعویٰ کیا	بیشک وہ	تمہارے میں	شریک ہیں	البتہ تحقیق

تَّقَطَّعَ	بَيْنَكُمْ	وَضَلَّ	عَنْكُمْ	مَّا	كُنْتُمْ	تَزْعُمُوْنَ ﴿٩٤﴾
کٹ گیا	تمہارے درمیان	اور گم ہو گئے	تم سے	جو	تھے تم	جن کو گمان کرتے

ع ۱۱ / ۱۷

''اور بے شک تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے آ گئے، جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا تھا اسے اپنی پیٹھوں کے پیچھے چھوڑ آئے اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے وہ سفارش کرنے والے نہیں دیکھتے جنہیں تم نے گمان کیا تھا کہ وہ تمھارے درمیان وہ شریک ہیں۔ بلاشبہ تمہارا آپس کا رشتہ کٹ گیا اور جو کچھ تم گمان کیا کرتے تھے تم سے گم ہو گیا۔'' (۹۴)

فہم القرآن

ربط کلام : دنیا میں کفار اپنی اجتماعی قوت اور مالی وسائل کی بنا پر قرآن مجید اور نبی ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن موت کے بعد سب کو اکیلے، اکیلے رب کے حضور پیش ہونا ہوگا۔ جس کے لیے موت کے بعد اٹھنے اور محشر کے میدان میں حاضری کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام سے انحراف اور موت کے بعد اُٹھنے کا جو لوگ انکار کرتے ہیں ان کو خبردار کیا گیا ہے۔ کہ اس وقت کا تصور کرو۔ جب اللہ تعالیٰ ایک، ایک کو اپنی بارگاہ میں اس طرح کھڑا کریں گے جس طرح اس نے تمھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے۔ جس دولت پر تم اتراتے ہو، جو اقتدار اور اختیار تمھارے تکبر کا باعث بنا ہے جن پیروں فقیروں اور باطل معبودوں پر بھروسہ کرتے ہوئے موت کا انکار اور ہماری آیات سے انحراف کیا وہ سب کا سب پیچھے رہ جائے گا۔ کوئی ایک شخص بھی تمھاری سفارش کرنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔ اس وقت تمام وسائل ختم اور ہر قسم کے رشتے ناتے کٹ چکے ہوں گے اور وہ زعم بھی ختم ہو جائے گا جس کی بنا پر مشرک دنیا میں شرک کیا کرتے تھے۔ کہ فلاں، فلاں ہمیں اللہ سے چھڑوائے گا۔

ظالم کو اس کی کربناک موت کا احساس دلاتے ہوئے یہ بھی بتلایا جا رہا ہے کہ جس طرح موت وحیات کی کشمکش اور نزع کے عالم میں مرنے والے کی کوئی مدد نہیں کر سکتا اور موت کے فرشتے ظالم کو جھڑکیاں دیتے ہوئے اسے اپنی جان نکالنے کا

حکم دیتے ہیں حالانکہ جان نکالنا یعنی روح قبض کرنا مرنے والے کے اختیار میں نہیں یہ اختیار صرف اور صرف روح قبض کرنے والے فرشتہ کو دیا گیا۔ اس کے سوا کوئی کسی کی روح نہیں نکال سکتا۔ بے شک کوئی آگ میں چھلانگ لگائے یا دریا میں کود پڑے وہ وقت معین سے پہلے مر نہیں سکتا۔ جس طرح موت کی سختیاں اور نزع کی کربناکیاں انسان کو کسی کی مدد اور سہارے کے بغیر ہی برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ ایسے ہی ہر انسان تنِ تنہا ربِ کبریا کی عدالت میں پیش ہوگا۔ وہاں نہ سفارشی ہوگا اور نہ ہی کوئی مددگار اور غم خوار قریب آئے گا۔ اس تصور کو یہ کہہ کر مزید واضح کیا گیا ہے کہ تم ایسے ہی اکیلے اکیلے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونے والے ہو۔ جس طرح پیدائش کے وقت انسان اکیلا پیدا ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ تخلیق کے وقت انسان گناہوں سے پاک پیدا ہوتا ہے اور مرتے وقت انسان گناہوں کے انبار ساتھ لے کر جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو باور کرایا گیا ہے کہ جن سہاروں پہ تم تکیہ اور جن امیدوں کو سہارا بنائے ہوئے ہو۔ وہ سب کی سب دم توڑ جائیں گی اور اس وقت تمھارے اس طرح اوسان خطا ہوں گے کہ کوئی دنیا کے سہاروں کا تصور بھی نہیں کر سکے گا۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتْ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الصَّفَا فَقَالَ يَا فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ يَا صَفِيَّةَ بِنْتَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا سَلُونِي مِنْ مَالِي مَا شِئْتُمْ))[رواہ مسلم: کتاب الایمان، باب فی قولہ تعالیٰ وانذر عشیرتک الاقربین]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی ''اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے'' رسول معظم ﷺ نے صفا پر کھڑے ہو کر فرمایا اے فاطمہ میری بیٹی، اے صفیہ بنت عبدالمطلب، اے عبدالمطلب کے خاندان کے لوگو! میرے مال میں سے جو چاہو مانگ لو لیکن اللہ کے ہاں میں تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔''

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا ثُمَّ قَرَأَ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ وَأَوَّلُ مَنْ يُكْسَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ وَإِنَّ أُنَاسًا مِنْ أَصْحَابِي يُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَأَقُولُ أَصْحَابِي أَصْحَابِي فَيَقُولُ إِنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي إِلَى قَوْلِهِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ))[رواہ البخاری: کتاب احادیث الانبیاء، باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم لوگوں کو ننگے پاؤں، ننگے بدن، بغیر ختنوں کے اکٹھا کیا جائے گا پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ﴾ اور سب سے پہلے قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا میری امت کے بائیں جانب کچھ لوگوں کو علیحدہ کر دیا جائے گا میں کہوں گا میری امت میرے اصحاب کدھر گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ لوگ تو آپ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد دین سے پھر گئے تھے پھر میں اللہ کے نیک بندے عیسیٰ علیہ السلام کی طرح

کہوں گا میں تو اس حد تک گواہ ہوں جب تک میں ان میں موجود تھا۔ جب تو نے مجھے فوت کر لیا وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي إِلَى قَوْلِهِ الْعَزِيزُ الْحَكِيم“

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي وَهِيَ نَائِلَةٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا)) [رواه الترمذی: کتاب الدعوات عن رسول الله باب فضل لا حول ولا قوة الا بالله]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہوتی ہے اور میں نے وہ دعا اپنی امت کی سفارش کے لیے رکھی ہے۔ ان شاء اللہ یہ ہر اس آدمی کو فائدہ دے گی جو شرک کی حالت میں فوت نہ ہوا ہوگا۔“

مسائل

۱۔ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فرداً فرداً بلائے جائیں گے۔
۲۔ لوگوں کو ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بغیر ختنہ کے اکٹھا کیا جائے گا۔
۳۔ دنیا کا ساز و سامان دنیا میں ہی رہ جائے گا۔
۴۔ دنیا کے تمام، رشتے اور تعلقات ختم ہو جائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن کسی کی سفارش قبول نہیں ہوگی:

۱۔ کون ہے جو اس کے حکم کے بغیر سفارش کرے۔ (البقرۃ:۲۵۵)
۲۔ کافر قیامت کے دن سفارشی تلاش کریں گے۔ (الاعراف:۵۳)
۳۔ قیامت کے دن سفارشی کسی کو فائدہ یا نقصان نہیں دیں گے۔ (یونس:۱۸)
۴۔ سفارش بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوگی۔ (الانبیاء:۳۸)
۵۔ اللہ تعالیٰ اپنی پسند کی بات ہی قبول فرمائیں گے۔ (طٰہٰ:۱۰۹)
۶۔ قیامت کے دن کسی سفارشی کی سفارش کام نہیں آئے گی۔ (المدثر:۳۸)
۷۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکے گا۔ (یونس:۳)

اِنَّ اللّٰهَ	فَالِقُ	الْحَبِّ	وَالنَّوٰى ؕ	يُخْرِجُ	الْحَيَّ
بے شک اللہ	پھاڑنے والا	دانا کو	اور گٹھلی کو	وہ نکالتا ہے	زندہ
مِنَ	الْمَيِّتِ	وَمُخْرِجُ	الْمَيِّتِ	مِنَ	الْحَيِّ ؕ
سے	مردہ	اور نکالنے والا ہے	مردہ	سے	زندہ
ذٰلِكُمُ	اللّٰهُ	فَاَنّٰى	تُؤْفَكُوْنَ ۝۹۵		
یہ ہے تمہارا	اللہ	پھر کہاں	تم پھیرے جاتے ہو؟		

’’بے شک اللہ دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے یہی اللہ ہے پھر تم کہاں بہکائے جاتے ہو؟‘‘ (۹۵)

فہم القرآن

ربط کلام: جس طرح اللہ تعالیٰ زمین میں پڑے ہوئے دانے کو اُگاتا اور نکالتا ہے۔ اسی طرح وہ مردہ انسان کو قبر سے زندہ کر کے نکالے گا۔ اب مسلسل آیات میں نباتات، آفاق اور دیگر حوالوں سے توحید باری تعالیٰ کے دلائل دیے جاتے ہیں۔

زندگی کی پیدائش اور حرکت ایک معجزہ ہے جسے پیدا کرنا ایک طرف، اس کے بھید کو بھی کوئی نہیں پا سکتا۔ زمین میں ہر لحظہ دانوں سے پھوٹ پھوٹ کر تناور اور پھلنے پھولنے والے درخت نکلتے ہیں۔ خاموش، ساکن، اور سوکھی گٹھلیوں سے بلند کھجوریں پھوٹتی ہیں۔ جو زندگی دانے اور گٹھلی میں پوشیدہ ہے وہ پودے اور کھجور میں آکر ظاہر اور متحرک ہو جاتی ہے۔ اس کا بھید ایک سربستہ راز ہے جسے صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ حیات کی حقیقت اور اس کا مصدر صرف خالق کو معلوم ہے۔ انسان آج بھی پہلے انسان کی مانند ظواہر واشکال کے سامنے کھڑا ہو کر اس کے خصائص واطوار کا مشاہدہ تو کر سکتا ہے مگر اس سے پہلے انسان کی طرح اس کے غیب سے پردہ نہیں اٹھا سکتا۔ حرکت ونشو ونما کو دیکھتا ہے مگر مصدر اور جوہر سے ناواقف ہے۔ لیکن زندگی اپنی راہ پر رواں دواں ہے، اور معجزہ ہر لحظہ واقع ہو رہا ہے۔

زندہ کا مردہ سے نکلنا شروع سے چلا آیا ہے، یہ کائنات تھی، زمین تھی مگر اس میں حیات نہ تھی۔ پھر زندگی آئی جس کو موت میں سے نکالا گیا کیسے نکالا گیا؟ ہم نہیں جانتے۔ وہ دن ہے اور آج کا دن، کہ زندگی موت سے اور زندہ مردہ سے نکل رہا ہے! ہر لحظہ ذرات زندوں کے اجسام واعضا کا حصہ بن رہے ہیں اور زندہ خلیوں میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ پھر اس کے برعکس ہر لحظہ زندہ خلیے مردہ ذروں میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ حتی کہ ایک دن پورا زندہ جسم مردہ ہو جاتا ہے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قادر نہیں۔ ابتدا میں موت سے زندگی نکالنے والا وہی تھا، پھر مردہ ذرات کو انسانی اجسام کا حصہ بنا کر زندہ کرنے والا بھی وہی ہے۔ یہ ایک ایسا چکر ہے جس کی ابتداء وانتہا اور اس کی کیفیت ونتائج کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ اس میں کسی

کا ذرہ بھر دخل نہیں ہے۔سب کچھ اُسی قادر و علیم کی قدرت و علم سے ہو رہا ہے۔زندگی اللہ کی صفت خلق سے وجود میں آئی۔اس کے سوا اس کی جو تعبیر بھی کی جائے وہ غلط اور باطل ہے۔یورپ کے لوگ جب سے کلیسا سے بھاگے ہیں ''گویا کہ وہ گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے ہوں'' اُسی دن سے وہ کائنات کی موت و حیات کی پیدائش کا راز معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انھوں نے اللہ کے وجود کا اعتراف کرنا چھوڑ دیا۔جس کی وجہ سے ان کوششوں کا نتیجہ صفر ہے۔

حیات پر جدید تحقیق کے نتائج:

ڈاکٹر فرینک ایلن جو کینیڈا کی ایک یونیورسٹی کا بیالوجی کا پروفیسر ہے کہتا ہے:(مقالہ):''علم کی نشو و نما اتفاقاً ہوئی ہے یا قصداً؟'' اس کا ترجمہ ڈاکٹر ترشاش عبدالمجید سرمانی ''اگر زندگی کسی حکمت سے اور کسی سابق منصوبے سے پیدا نہیں ہوئی تو، پھر یہ اتفاقاً پیدا ہوئی ہے۔اب سوال یہ ہے کہ وہ اتفاق کونسا ہے؟ تاکہ ہم اس پر غور کریں اور زندگی کی پیدائش کا پتہ چلائیں۔اتفاق اور احتمال کے نظریات کی اب کچھ درست حسابی بنیادیں موجود ہیں۔جو انھیں ان معاملات پر منطبق کرتی ہیں۔جہاں مطلق صحیح حکم نہ لگایا جا سکے۔یہ نظریات ہمیں ایسے فیصلے پر پہنچاتے ہیں جو درستی سے قریب تر ہو، ریاضی کے طریقے سے اتفاق اور احتمال کا نظریہ تحقیق کے لحاظ سے بہت آگے بڑھ چکا ہے۔حتی کہ ہم بعض ظواہر کی پیشگوئی پر قادر ہو چکے ہیں۔جن کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ وہ اتفاق سے واقع ہوتے ہیں۔بعض ایسی چیزیں جن کے وقوع کی ہم کوئی اور تفسیر نہیں کر سکتے۔ان تحقیقات کی ترقی کے باعث ہم اس پر قادر ہیں کہ اتفاقاً واقع ہونے والی چیزوں میں اور ان میں جن کا اس طرح وقوع ناممکن ہے، تمیز کر سکیں۔ہم زمانے کی ایک معین مدت میں اس وقوع کا احتمال ظاہر کر سکتے اب ہم اس چکر کو دیکھتے ہیں جو زندگی کی پیدائش میں اتفاقات کے کھیل سے ہوتا ہے۔(معلوم رہے کہ یہ ڈاکٹر فرینکلن کا خیال ہے ورنہ اسلامی نقطۂ نظر سے کائنات میں کوئی چیز بھی اتفاقیہ طور پر نہیں ہوتی۔ہر ایک ضابطہ، قانون وقوت، جگہ وغیرہ خدا کے ہاں مقرر ہے اور سب کچھ لگے بندھے قوانین کے مطابق ہو رہا ہے۔)

تمام زندہ خلیوں میں پروٹین بنیادی مرکب ہے اور اس میں پانچ عناصر ہوتے ہیں: کاربن، ہائیڈروجن، نائٹروجن، آکسیجن اور سلفر اور ایک جزء میں ذرات کی تعداد ۴۰ لاکھ تک ہوتی ہے۔چونکہ کیمیاوی عناصر کی تعداد ۱۰۰ سے زائد ہے، ہر ایک کو اندازے کی غیر مرتب تقسیم پر بانٹا گیا ہے۔پس ان پانچ عناصر کا اجتماع تاکہ وہ پروٹین کے جزئیات میں سے ایک جزیہ بن جائے، اس مادے کی کمیت کو معلوم کرنے کے لیے اس کا حساب معلوم کیا جا سکتا ہے۔جس کو ہمیشہ کے لیے باہم ملایا جائے تاکہ وہ جزئی حاصل ہو سکے، پھر زمانے کا فاصلہ بھی معلوم ہو سکتا ہے تاکہ اس جزئی کے درجات میں اجتماع ہو سکے۔

مشہور ریاضی دان عالم شارنز یوجین نے تمام عوامل کا حساب کیا ہے اور معلوم کیا ہے کہ اتفاقیہ طور پر ایک پروٹین جزئی کا بننا ۱۰ا را کی نسبت سے ہو سکتا ہے۔یعنی ایک کو دس تک ہر ہندسے میں فی نفسہ ضرب دینا ۱۶۰ ا بار اور یہ ایک ایسی رقم ہے جس کا بولنا یا کلمات میں اس کی تعبیر کرنا ناممکن ہے۔مناسب ہے کہ اس تفاعل کے لیے جتنا مادہ ضروری ہے تاکہ ایک جزئی پیدا

ہو سکے۔ یہ اس ساری کائنات سے لاکھوں کروڑوں مرتبہ زیادہ ہوگا اور زمین پر صرف ایک جزئی کو پیدا کرنے کے لیے......یعنی اتفاقیہ طور پر پیدا کرنے کے لیے.........لاانتہا سالوں کی ضرورت ہوگی۔ جسے اس عالم ریاضی نے اندازاً یہ بتایا ہے کہ دس کو اس کے نفس میں ۲۴۳ بار ضرب دی جائے تو اتنے سال لگیں گے۔

پروٹین لمبے سلسلوں کے ساتھ اپنی کھٹائیوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ سو ان جزئیات کے ذریعے کس طرح تالیف پاتے ہیں؟ جب وہ اس طریقے کے علاوہ مرکب ہوں جس سے وہ ہوتے ہیں تو زندگی کے قابل نہیں ہوتے بلکہ بعض دفعہ زہر بن جاتے ہیں۔ جے بی سیتھر نے وہ طریقے شمار کیے ہیں جن سے کہ ذرات کا پروٹین کے ایک بسیط جزئی میں مرکب ہونا ممکن ہوتا ہے۔ اس نے کہا کہ دس کو اُسی طرح فی نفسہ ۱۸ سے ضرب دیں تو اتنے ملین اس کی تعداد ہوگی۔ اس بنا پر یہ عقلاً محال ہے کہ یہ تمام اتفاقات ایک بھی پروٹین کو پیدا کر سکیں۔

لیکن پروٹین کیمیاوی مردہ مادہ ہے اور اس میں زندگی اس وقت رینگتی ہے جب وہ عجیب بھید اس میں داخل ہوتا ہے۔ جس کی حقیقت کو ہم نہیں جانتے۔ وہ ایک غیر محدود عقل ہے (اس سے اس کی مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور یہ ایک فلسفیانہ نام ہے) اور وہ اکیلا خدا ہے جو اپنی حکمت کے ساتھ یہ پا سکتا ہے کہ یہ پروٹینی جزئی زندگی کا مسکن بن سکتی ہے، سو اس نے اس کو بنایا، اس کی تصویر کھینچی، اور اس پر زندگی کا بھید انڈیل دیا۔

مشی گن یونیورسٹی کا علوم طبیعات کا پروفیسر ڈاکٹر ایرفنگ ولیم اپنے مقالے: ''مادیت تنہا کافی نہیں'' (جو اسی نام کی کتاب میں وارد ہے!) میں لکھتا ہے: ''سائنس ہمیں یہ بتانے سے قاصر ہے کہ وہ نہایت چھوٹے چھوٹے غیر محدود دقائق کیسے پیدا ہوتے ہیں۔ اور انھی سے تمام مادے بنتے ہیں۔ اسی طرح سائنس ہم پر یہ کھولنے سے بھی قاصر ہے کہ یہ چھوٹے چھوٹے ذرے کیونکر جمع ہوتے ہیں اور ان میں زندگی کیونکر آتی ہے۔ اس کا مدار محض اتفاقات پر ہے۔ بے شک یہ نظریہ جو دعویٰ کرتا ہے کہ ترقی یافتہ حیات کی تمام صورتیں موجودہ ترقی کی حالت تک محض اندھا دھند چھلانگوں اور اجتماعات کے باعث پہنچی ہیں بلاشبہ ایک نظریہ ہے مگر اسے قبول نہیں کیا جا سکتا، صرف فرض کیا جا سکتا ہے۔ پس یہ منطق اور دلیل کی بنیاد پر قائم نہیں ہے۔

ڈاکٹر مالکوم ونسٹر پروفیسر زوالوجی بائکر یونیورسٹی اپنے مقالے: ''سائنس میرے ایمان کو مضبوط کرتی ہے'' میں لکھتا ہے کہ: میں زوالوجی کے مطالعہ میں مشغول ہوا۔ جو ان وسیع علمی میدانوں میں سے ہے جو علم الحیاۃ سے بحث کرتے ہیں۔ اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اللہ کی ساری مخلوقات میں کائنات میں بسنے والی کوئی چیز زندوں سے زیادہ حیران کن نہیں ہے۔ تم کسی راستے کے کنارے پر اُگی ہوئی کمزور سی برسیم کو دیکھو، کیا تمھیں انسان کی بنائی ہوئی تمام چیزوں اور آلات میں اتنی تابناک چیز نظر آتی ہے؟ یہ ایک زندہ آلہ ہے جو دن رات ایک دائمی صورت میں کھڑا رہتا ہے۔ اس میں ہزارہا کیمیاوی اور طبیعی عمل پائے جاتے ہیں۔ اور یہ سب پروٹو پلازم کی قوت کے تحت پورے ہوتے ہیں۔ یہ وہی مادہ ہے جو تمام زندہ کائنات کی ترکیب میں داخل ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ پیچ در پیچ زندہ آلہ کہاں سے آیا ہے؟ اللہ نے اس کو یوں اکیلا نہیں بنایا۔ بلکہ اس نے

حیات کو پیدا کیا ہے اور اپنے نفس کی حفاظت پر اسے قادر بنایا ہے۔ یہ کہ وہ ایک نسل سے دوسری نسل تک برابر چلتا ہے اور ان تمام خاصیتوں اور امتیازات کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ جو ہمیں ایک نبات اور دوسری میں تمیز کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ زندہ چیزوں میں کثرت کا مطالعہ کرنا نہایت عجیب اور چونکا دینے والا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی قدرت ظاہر ہوئی ہے۔ جدید نبات جس تناسلی خلیے سے بارآور ہوتی ہے وہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ طاقتور خوردبین کے بغیر نظر نہیں آسکتا۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ نباتات کی صفات میں سے ہر صفت، ہر رگ، وریشہ، ہر شاخ، ہر بیج یا پتہ ان انجینئروں کے زیر نگرانی بنتا ہے جو نہایت چھوٹے ہیں۔ وہ اس خلیے کے اندر رہ سکتے ہیں جس سے نبات پیدا ہوتی ہے۔ انجینئروں کا یہ فرقہ کروموسوم کہلاتا ہے۔ (یعنی وراثت کو نقل کرنے والے) حیات اور حیاتیات پر اسی قدر بات چیت کے بعد اب ہم قرآنی آیات کی طرف لوٹتے ہیں۔

﴿ذلکم اللّٰہ ربکم﴾[الانعام:۱۰۲]

''یہ ہے تمھارا اللہ تمھارا رب''

جو اس دائمی مسلسل ومتواتر معجزے کا موجد ہے۔ وہی اس کا حق دار ہے کہ تم اس کے آگے جھکو۔ اس کی عبودیت، خضوع، خشوع اور اتباع کا اقرار واعلان کرو۔ پھر فرمایا:

''پھر تم کہاں اور کیونکر پھرائے جاتے ہو؟'' (ظلال القرآن)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی بے جان سے جاندار چیزوں کو پیدا کرتا ہے۔

۲۔ زندگی وموت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھتے ہی اپنا ایمان پختہ کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

''اللہ'' نباتات اگانے والا ہے:

۱۔ اللہ پانی سے تمہارے لیے کھیتی، زیتون، کھجور اور انگور اُگاتا ہے۔ (النحل:۱۱)

۲۔ اللہ نے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ (المومنون:۱۹)

۳۔ اللہ نے زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ (یٰس:۳۴)

۴۔ اللہ نے پانی سے ہر قسم کی نباتات کو پیدا کیا۔ (الانعام:۹۹)

۵۔ اللہ نے باغات، کھجور کے درخت اور کھیتی پیدا کی جو ذائقہ کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ (الانعام:۱۴۱)

فَالِقُ	الْاِصْبَاحِ ج	وَ	جَعَلَ	الَّيْلَ	سَكَنًا	وَّالشَّمْسَ
پھاڑنے والا ہے	صبح (جمع) کا	اور	اس نے بنایا	رات	سکون کا باعث	اور سورج
وَالْقَمَرَ	حُسْبَانًا ط	ذٰلِكَ	تَقْدِيْرُ	الْعَزِيْزِ	الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾	
اور چاند	حساب کا ذریعہ	وہ سب	اندازہ ہے	نہایت غالب	خوب جاننے والا	
وَهُوَ الَّذِيْ	جَعَلَ	لَكُمُ النُّجُوْمَ	لِتَهْتَدُوْا بِهَا	فِيْ ظُلُمٰتِ	الْبَرِّ	
اور وہی ہے جس نے	اس نے بنایا	تمہارے لیے تارے	تاکہ تم راہ پاؤ ان سے	اندھیروں میں	خشکی	
وَالْبَحْرِ	قَدْ	فَصَّلْنَا	الْاٰيٰتِ	لِقَوْمٍ	يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾	
اور تری	تحقیق	ہم نے کھول کر بیان کر دی	آیتیں	ان لوگوں کے لیے	جو جانتے ہیں	

”صبحوں کو پھاڑ نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو آرام اور سورج اور چاند کو حساب کا ذریعہ بنایا یہ نہایت غالب، سب کچھ جاننے والے کا مقرر کردہ اندازہ ہے۔ (۹۶) اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ساتھ خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں راستہ معلوم کرو۔ بے شک ہم نے ان لوگوں کے لیے کھول کر آیات بیان کر دی ہیں جو جانتے ہیں۔“ (۹۷)

فہم القرآن

ربط کلام: آفاق سے توحید کے دلائل۔

اللہ تعالیٰ جس طرح ”فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی“ ہے اسی طرح ”فَالِقُ الْاِصْبَاحِ“ بھی ہے۔ اسی نے رات کو سکون کے لیے بنایا اور شمس و قمر کو حساب کے لیے۔ ماہ و سال کا حساب انہی سے ہوتا ہے۔ البتہ کہیں سورج سے اور کہیں چاند سے، اسلام نے لوگوں کی آسانی کے لیے سورج کا پیچیدہ حساب چھوڑ کر چاند کا حساب اختیار کیا۔ چاند کے طلوع و غروب سے ماہ و سال کا حساب لگانا آسان تر ہے۔ حج، رمضان، عیدین وغیرہ کا حساب چاند پر مبنی ہے۔ صبح کی تاریکی سے روشنی پھوٹنے کو دانے اور گٹھلی کے پھوٹنے کی مانند ٹھہرایا گیا ہے۔ دونوں سے حیات پھوٹتی ہے۔ نور کا پھوٹنا نباتات اور پودے کے زمین سے پھوٹنے کی مانند ہوتا ہے۔ نور کا تاریکی سے پھوٹ کر نکلنا ایسی حرکت رکھتا ہے جو اپنی شکل میں دانے اور گٹھلی کے پھٹنے سے مشابہ ہوتا ہے۔ اس حرکت کے ساتھ نور کا نکلنا یوں ہے جیسے کہ انگوری مٹی کے پردے میں سے ظاہر ہوتی ہے۔ دونوں میں حرکت، زندگی رونق اور جمال کی صفات و علامات مشترک ہیں۔ پھر دانے اور گٹھلی کے پھٹنے اور صبح کے پھٹنے میں اور رات کے سکون میں ایک تعلق یہ بھی ہے۔ کہ اس کائنات کے اندر صبح و شام کا آنا، حرکت و سکون کا پیدا ہونا، نباتات اور حیات کے ساتھ براہ راست متعلق ہوتا ہے۔

سورج کے سامنے زمین کا گھومنا، چاند کا اتنے بڑے حجم کے باوجود اور زمین کا اس قدر دوری کے باوجود، سورج کا اتنے بڑے حجم اور حرارت میں اتنا زیادہ گرم ہونے کے باوجود یہ سارے کام کوہل کر انجام دینا اور باشندگان کرۂ ارض کی خدمات ہر وقت اور ہر لمحہ انجام دینا۔ ایک صاحب غلبہ واقتدار اور علیم اللہ کا ٹھہرایا ہوا اندازہ ہے۔ اگر یہ اندازہ اور خدائی حساب نہ ہوتا تو زمین پر یوں زندگی نمودار نہ ہوتی۔ نباتات واشجار نہ پھوٹتے، نور وظلمت اور حیات وموت کا یوں ظہور نہ ہوتا۔ یہ ایک دقیق ٹھہرایا ہوا، مقرر کردہ حساب ہے۔ جس کے ساتھ یہ کائنات بندھی ہوئی ہے۔ یہ کوئی محض اتفاقی حادثہ نہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ زندگی کائنات کے اندر محض ایک عبوری لمحہ ہے، خالق کائنات کو اس کی کوئی پروا نہیں۔ ایسے اقوال کبھی فلسفہ اور علم کہلاتے تھے۔ مگر علم کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بے دین حضرات کی اہواء وخرافات ہیں جو ان کے قلوب ونفوس میں رچی ہوئی ہیں۔ انسان جب ان کے فیصلوں کو پڑھے تو محسوس کرتا ہے کہ یہ لوگ اپنی مقرر کردہ علمی حدود کی تعریفات سے خود تجاوز اور فرار کر رہے ہیں۔ وہ اللہ سے بھاگنا چاہتے ہیں جس کے دلائل وجود توحید وقدرت خود ان کے نفوس وقلوب کو گھیرے ہوئی ہیں۔ وہ بھاگ کر جہاں بھی چلے جائیں۔ اللہ کو آخر کار اپنے سامنے پائیں گے۔ پھر وہ گھبرا کر ایک اور راستہ اختیار کریں گے اور آخر کار اس کی انتہا پر بھی انہیں اللہ سامنے ملے گا! یہ بیچارے مصیبت زدہ مسکین ہیں جو ایک زمانے میں کلیسا اور اس کے اللہ سے بھاگے تھے، مگر اللہ نے ان کی گردنیں پھر اپنے سامنے جھکا لیں۔ وہ اس صدی کے اوائل تک برابر بھاگتے رہے، مگر پیچھے مڑ کر نہ دیکھا مگر اللہ تعالیٰ تو ان کے تعاقب میں تھا! اگر وہ پیچھے دیکھیں تو شک کریں گے کہ کلیسا کی دوڑ ان کے پیچھے ابھی ختم نہیں ہوئی۔ اور شاید ان کی طاقت ہی ختم ہو چکی ہے۔ ان بے چارے مساکین کے ”علمی نتائج“ آج خود ان کے مد مقابل بن کر سامنے کھڑے ہیں، بھاگ جانے کا کیا سوال ہے؟

فرینک ایلن جس کے کچھ اقتباسات ہم نے گزشتہ صفحات میں پیش کیے ہیں لکھتا ہے: ”زمین کا زندگی کے لیے مناسب ہونا ایسی صورتیں اختیار کرتا ہے کہ ہم اسے محض اتفاق یا حادثہ کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ زمین ایک گول کرّہ ہے جو فضا میں لٹکا ہوا ہے اور اپنے گرد گردش کرتا رہتا ہے۔ اسی سے رات دن کا چکر چل رہا ہے۔ اور وہ سال بھر میں ایک دفعہ سورج کے گرد گھومتا ہے۔ جس سے موسم اور فصول پیدا ہوتے ہیں۔ یہ گھومنا ہمارے اس کرّے کی سطح کو زندگی کی پیدائش اور نشوونما کا مزید صالح جز مہیا کرتا ہے۔ زمین کے ٹھہراؤ کی صورت میں اس قدر مختلف انواع واقسام کی نباتات کا پیدا ہونا اور ان کی نشوونما ممکن نہ ہوتی۔ پھر زمین گیس کے ایک غلاف سے ڈھکی ہوئی ہے۔ جس میں بہت سی ایسی گیسیں موجود ہیں جو زندگی کے لیے لازم ہیں۔ یہ گیسیں بہت بلندی تک زمین کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ جو پانچ سو میل سے زائد فاصلہ ہے۔ پھر ان گیسوں کی موٹائی اس قدر ہے جو لاکھوں کروڑوں شہاب ثاقب کو ہم تک پہنچنے سے روکتی ہے۔ ان تاروں کا ٹوٹنا تیس میل فی منٹ کی رفتار سے بھی تیز تر ہوتا ہے۔ اور یہ فضائی غلاف جو زمین کو محیط ہے وہ زمین کے درجۂ حرارت کو زندگی کے لیے مناسب حدود کے اندر قائم رکھتا ہے۔ وہ سمندروں سے پانی کے بخارات کو اٹھا کر براعظموں کے اندر تک لے جاتا ہے۔ وہاں پر وہ گاڑھا ہو کر بادل

بنتا ہےاور برستا ہے۔ جوزمین کی مردگی کوزندگی میں بدلتا رہتا ہے۔ بارش خالص پانی کا مصدر ہے اگر وہ نہ ہوتی تو زمین ایک لق ودق صحرا بن کررہ جاتی اوراس میں زندگی کی کوئی علامت باقی نہ رہ سکتی۔ یہاں سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ فضا اور سمندر جوزمین پر ہیں وہ اس کے توازن کو برقرار رکھنے کی مشینیں ہیں۔‘‘

ان لوگوں کے سامنے علمی دلائل بے شمار موجود ہیں۔ جو ان کے ’’اتفاقات‘‘ کے نظریے کورد کرتے ہیں اور زندگی کی نشوونما کے متعلق ان کے عجز کا اعلان کرتے ہیں۔ اس طبیعات کے عالم نے جن موافقات اور مناسبات کا ذکر کیا ہے۔ کائنات میں زندگی کے لیے صرف یہی نہیں اور بھی بے شمار اسباب وعلل موجود ہیں۔ اب نتیجہ اس کے سوانہیں کہ کہا جائے ’’ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ.‘‘اسی ذات نے ہر چیز کواس کی پیدائش اور رہنمائی بخشی اور ہر چیز کو پیدا فرما کراس کے خاص اندازے مقرر کیے ہیں۔

ستاروں کی پیدائش اوران کے مقاصد:

’’اور وہ وہی خدا ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے تا کہ تم ان سے خشکی وتری کی تاریکیوں میں راستہ پاؤ۔ہم نے جاننے والوں کے لیے آیات کوکھول دیا ہے۔‘‘

جدید علمی ایجادات چاہے جتنی زیادہ ہوجائیں، لیکن انسان کا اجرام فلکی سے راہ پانا ایسی حقیقت ہے جس کا ظہور ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے، اب بھی ہے اور مستقبل میں بھی ہوگا۔ اسرار کائنات چاہے انسان پر کس قدر منکشف ہو جائیں مگر یہ حقیقت قاہرہ اپنا آپ منواتی رہے گی۔ جدید علوم نے ستاروں کے متعلق بے شمار نئے انکشافات بھی کیے ہیں جو بڑے حیرت انگیز ہیں۔ جس مقام پر تمام انسانی آلات ناکام ہو جائیں، وہاں ستاروں کو دیکھ کر سمتیں متعین کرتے، وقت کا پتہ چلاتے، موسموں کا حال معلوم کرتے، بارش اور آندھی وغیرہ کی پیش گوئی کرتے اور سنتے ہیں۔ ستاروں کا علم نہایت وسیع اور حیرت انگیز ہے۔ ذرا غور کرنے والا اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کارخانہء قدرت کے پیچھے ایک علیم وبصیر ہستی کی مشیت وقدرت اور ارادہ کارفرما ہے۔ جو تمام کرّوں کی رفتار اور گردش کا انتظام کرتا ہے اور انھیں باہم تصادم سے بچاتا ہے۔ یہ سب کچھ محض اتفاق کا نتیجہ نہیں ہے، اس کے پیچھے قادر مطلق کی کارفرمائی کام کررہی ہے۔ اسی لیے اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ جاننے والوں کے لیے ہم نے آیات کی تفصیل بیان کردی ہے، ستاروں کی رفتار اور گردش کائنات توحسی رہنمائی کے لیے ہے مگر تفصیل آیات سے عقل وفکر کو رہنمائی میسر آتی ہے۔ (ماخوذ از ظلال القرآن)

نظام فلکی اور علم نجوم کی حقیقت

قرآن وحدیث میں کافی تفصیل کے ساتھ زمین وآسمان کی ساخت‘ ہیئت اوران کی وسعت وکشادگی کے بارے میں

بتلایا گیا ہے۔ آسمان کی ساخت کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ستارے آسمان کی خوبصورتی اور سجاوٹ کے ساتھ مسافروں کی رہنمائی اور نظام فلکی کی حفاظت کے لیے بنائے گئے ہیں۔ انسان کی قسمت اور تقدیر کے ساتھ ان کا کوئی واسطہ نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا نظام ہے جس میں نہ کوئی مداخلت کرسکتا ہے اور نہ ہی ان کی گردش وتغیر کے بارے میں کوئی علمِ کامل رکھتا ہے۔ نبی محترم ﷺ کے زمانے میں رات کے وقت ایک دفعہ بارش ہوئی تو آپ نے صبح کی نماز کے بعد فرمایا کہ آج کچھ لوگ ابر باراں کی وجہ سے ہدایت یافتہ ٹھہرے کچھ لوگ اسی بارش کی وجہ سے گمراہی کے گھاٹ اتر گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے استفسار پر وضاحت فرمائی کہ جن لوگوں نے یہ عقیدہ ٹھہرایا کہ بارش ستاروں کی وجہ سے ہوئی ہے وہ گمراہ ہو گئے اور جنہوں نے بارش کو فضل ربی قرار دیا وہ ہدایت پر قائم رہے۔ علم نجوم کی مرکزیت اور دارومدار ستاروں کی گردش پر ہے۔ اس علم کی بنیاد نجومیوں نے سورج کی منازل پر قائم کی ہے۔ جس کو قرآن مجید نے منازل اور بروج کا نام دیا ہے۔ بروج کی تفصیلات جاننے سے پہلے نظام فلکی کی ایک جھلک کا نظارہ فرمائیں۔

﴿ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًاo مَاتَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍo ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئاً وَّهُوَ حَسِیْرٌo وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِیْرِo﴾ [الملك:٣ تا ٥]

''اسی نے سات آسمان تہ بہ تہ پیدا کیے۔ تم رحمٰن کی پیدا کردہ چیزوں میں کوئی بے ربطی نہیں دیکھ سکتے۔ ذرا دوبارہ آسمان کی طرف دیکھو، کیا تمھیں اس میں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ پھر اسے بار بار دیکھو۔ تمہاری نگاہ تھک کر ناکام پلٹ آئے گی۔''

﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجاً وَّزَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَo وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍo اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِیْنٌo﴾ [الحجر: ١٦ تا ١٨]

''بلاشبہ ہم نے آسمان میں بروج بنائے اور دیکھنے والوں کی لیے انھیں خوبصورت بنایا اور ہر شیطان مردود سے محفوظ کر دیا ہاں اگر شیطان چوری چھپے سننا چاہے تو ایک چمکتا ہوا شعلہ اس کے پیچھے لگ جاتا ہے۔''

﴿فَالتّٰلِیٰتِ ذِكْرًاo اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌo رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَابَیْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِo اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ ۨ الْكَوَاكِبِo وَحِفْظاً مِّنْ كُلِّ شَیْطَانٍ مَّارِدٍo لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَی الْمَلَاِ الْاَعْلٰی وَ یُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍo دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌo﴾ [الصافات ٣ تا ٩]

''پھر ان کی قسم جو کہ تلاوت کرنے والے ہیں۔ بلاشبہ تمہارا الٰہ ایک ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے۔ اور ان چیزوں کا بھی جو ان دونوں کے درمیان ہیں اور مشرقوں کا بھی پروردگار ہے۔ بلاشبہ ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں

سے مزین کیا اور اسے ہر سرکش شیطان سے محفوظ بنا دیا۔ وہ عالم بالا کی باتیں سن ہی نہیں سکتے۔ ہر طرف سے ان پر شہاب پھینکے جاتے ہیں تا کہ وہ بھاگ کھڑے ہوں۔ اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔''

جنات کا اعتراف:

﴿وَاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًاo وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًاo وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًاo﴾

[الجن ۷ تا ۹]

''اور یقیناً انسان بھی ایسا ہی خیال کرتے تھے جیسے تم کرتے ہو کہ اللہ کبھی کسی کو دوبارہ نہ اٹھائے گا اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے سخت پہرے دار اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہم سننے کے لیے آسمان کے ٹھکانوں میں بیٹھا کرتے تھے مگر اب جو سننے کو کان لگائے تو وہ اپنے لیے ایک شہاب کو تاک لگائے ہوئے پاتا ہے۔''

تعلیم یافتہ حضرات کی فکری کمزوری:

علم نجوم کے بارے میں صرف جاہل ہی نہیں بلکہ اچھے بھلے تعلیم یافتہ لوگ بھی تو ہم پرستی کا شکار ہیں۔ یہ لوگ اس قدر اس بیماری کا شکار ہیں کہ پامسٹوں اور علم نجوم جاننے والوں کے پاس جا کر انگوٹھی کا نگینہ' گاڑی کی نمبر پلیٹ' شادی یا کسی تقریب کا دن مقرر کرنے کیلئے مارے مارے پھر رہے ہیں' تا کہ انہیں معلوم ہو سکے کہ کون سے دن اور کس چیز میں ان کیلئے برکت رکھی گئی ہے۔ حالانکہ رحمت اور زحمت' برکت اور نحوست صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی انکے نازل ہونے کے اوقات جانتا ہے۔ کوئی چیز اپنی ذات میں نہ منحوس ہو سکتی ہے اور نہ ہی برکت کا سرچشمہ۔ ان توہمات سے بچنے کے لیے اسلام نے علم نجوم کو کفر کے مترادف قرار دیا ہے۔ جس سے بچنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

علم نجوم کے بارے میں ترقی یافتہ اقوام کے پراگندہ تصورات:

ترقی یافتہ اقوام اپنے مقابلے میں دوسروں کو اجڈ' جاہل اور غیر مہذب تصور کرتی ہیں۔ بالخصوص مسلمانوں کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ مسلمان غیر مہذب' جاہل اور بنیاد پرست لوگ ہیں۔ حالانکہ اسلام ہی وہ دین ہے جس نے ان فرسودہ خیالات اور تصورات کی نہ صرف حوصلہ شکنی بلکہ مکمل نفی کی ہے۔ ستاروں اور چاند کو مسخر کرنے کا دعوے کرنے والی اقوام

ایسے جاہلانہ تصورات رکھتی ہیں کہ انہوں نے ہفتے کے ایام کو انہی بروج اور سیاروں کی طرف منسوب کر رکھا ہے۔

انہوں نے تو ایّام کے نام بھی ستاروں اور سیاروں پر رکھے ہوئے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ Sun-day (سورج کا دن)

۲۔ Mon-day (چاند کا دن) Moon کا مخفف ہے۔

۳۔ Tues-day (مریخ کا دن)۔ یہ (Tues) فرانسیسی زبان کے لفظ (Mars) کا ترجمہ ہے۔

۴۔ Wednes-day (عطارد کا دن) کیونکہ Wednes کا لفظ فرانسیسی لفظ Mercury کا ترجمہ ہے۔ اور فرانسیسی زبان میں Mercuary سیارہ عطارد کو کہا جاتا ہے۔

۵۔ Thurs-day (مغربی لغت میں "Thurs" سیارہ مشتری کو کہتے ہیں۔ ترجمہ ہوا ''مشتری کا دن''

۶۔ Fri-day (زہرہ کا دن)

۷۔ Satur-day (زحل کا دن) کیونکہ سیارہ زحل کو انگریزی زبان میں Saturn کہتے ہیں۔

(تفصیل کے لیے دیکھیں ہماری کتاب جادو کی تباہ کاریاں اور ان کا شرعی علاج۔)

مسائل

۱۔ دن اور رات کا نظام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

۲۔ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ہیں۔

۳۔ ستارے راستے ڈھونڈنے میں معاون ہیں۔

تفسیر بالقرآن

سورج، چاند، ستاروں کے فوائد:

۱۔ وہ ذات جس نے ستاروں کو اندھیروں میں تمہاری رہنمائی کے لیے پیدا فرمایا۔ (الانعام: ۹۷)

۲۔ یہ لوگ ستاروں کی علامات سے راہ پاتے ہیں۔ (النحل: ۱۶)

۳۔ چاند، سورج اور ستارے اس کے حکم کے پابند ہیں۔ (الاعراف: ۵۴)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے سورج کو ضیاء اور چاند کو باعث روشنی بنایا۔ (یونس: ۵)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان میں چاند کو روشنی کا باعث اور سورج کو روشن چراغ بنایا۔ (نوح: ۱۶)

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ

اور وہی جس نے تمہیں پیدا کیا سے جان ایک پس ایک قرار گاہ

وَّمُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾

اور ایک جائے امانت تحقیق ہم نے مفصل بیان کردیں آیتیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھتے ہیں

''اور وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، پھر ایک ٹھہرنے کی جگہ اور ایک جائے امانت ہے۔ بے شک ہم نے ان لوگوں کے لیے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں جو سمجھتے ہیں۔'' (۹۸)

فہم القرآن

ربط کلام: تخلیق انسان سے توحید کی دلیل۔

''اور وہی ہے جس نے تمھیں ایک نفس سے پیدا کیا، پھر اس کا ایک ٹھکانا ہے اور ایک سونپے جانے کی جگہ ہے۔ ہم نے گہری سوچ رکھنے والوں کے لیے آیات کو کھول کر بیان کیا ہے۔''

انسان ایک نطفہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جس کی بنیاد ایک خلیہ ہے جو انسان کی پیدائش کی اصل بنتا ہے مرد کی صلب کے اندر ایک ٹھکانے پر ہوتا ہے، پھر اس کا مستقر عورت کا رحم ہوتا ہے اس کے بعد زندگی نشوونما اور پھیلاؤ حاصل کرتی ہے۔ جب تک اللہ کے حکم سے روئے زمین پر انسانی حیات موجود رہے گی یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ حیات کو سمجھنے کے لیے فقہ گہرائی پر اترنا، غور و فکر کرنا ضروری ہے۔ جتنی بات انسان کے سمجھنے کی ہے اور اس کے لیے ضروری یا مفید ہے وہ اللہ تعالیٰ نے کھول کر بیان فرما دی ہے۔ جہاں سے عالم غیب کی حدود شروع ہوتی ہیں وہاں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں۔ نفس واحدہ سے حیات کا نکلنا اور پھر ایک طویل سلسلہ قائم ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور صفت تخلیق پر دلالت کرتا ہے۔ جسے سوچ کر انسان اللہ کی طرف گامزن ہو سکتا ہے۔ مذکر اور مؤنث کی ایک متناسب تعداد ہر وقت دنیا میں موجود رہتی ہے تاکہ توالد و تناسل کا سلسلہ قائم رہ سکے اور ایک مقرر وقت تک دنیا کا سلسلہ چل سکے۔ اس موضوع پر مفصل گفتگو کی گنجائش نہیں۔ صرف مذکر یا مؤنث کے نطفے کی پیدائش کی کیفیت اور اس کے متعلق بعض باتوں پر مختصراً کلام کرنا ضروری ہے تاکہ پتہ چل سکے کہ ربانی تقسیم سے کس طرح یہ تذکیر و تانیث کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔ جو حیات کے قیام و استمرار کا ذریعہ ہے۔

نر و مادہ کا تناسب و توازن:

اللہ تعالیٰ علیم و قدیر کی تقدیر سے نر و مادہ کے کروموسوم باہم ملتے اور مذکر یا مؤنث بچے کی پیدائش کا سبب بنتے ہیں۔ یہ سب کچھ ایک غیبی تدبیر ہے۔ جس میں اللہ کے سوا کسی کا ہاتھ کارفرما نہیں۔ اللہ تعالیٰ کبھی مذکر اور کبھی مونث یا صرف مذکر یا

صرف مؤنث پیدا فرماتا ہے۔ یہ اس توازن وتناسب کو برقرار رکھتا ہے جو زمین پر توالد وتناسل کے لیے ضروری ہے۔ اس سے انسانیت میں انتشار نہیں پڑتا۔ کوئی شخص یہ بھی سوچ سکتا تھا کہ صرف نسل کی بقاء وکثرت کے لیے تو چند نروں کا وجود کافی ہوسکتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ توازن وتناسب کیوں قائم فرمایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حیوانات میں تو واقعی ایسا ممکن اور درست تھا مگر نسل انسانی میں صرف پیدائش کافی نہ تھی۔ بلکہ انسانی نشوونما اور تربیت اولاد کے لیے ضروری تھا کہ بچے ایک خاندان میں والدین کے زیر سایہ پیدا ہوں اور نشوونما پائیں۔ صرف اسی صورت میں زمین پر انسانیت برقرار رہ سکتی تھی۔ پس قضاء وقدرِ خداوندی کا یہ فیصلہ ہوا کہ نر و مادہ میں عدد کا تناسب بھی قائم رکھا جائے۔ حیوانات میں یہ ضروری نہ تھا لہٰذا وہاں پر اس تعداد اور توازن کا قائم رکھنا لازم نہ ہوا۔ اگر صرف اس توازن ہی کو لیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ خالق کائنات کی حکمت وتدبیر اور رحمت وتقدیر پر دلالت کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس آیت کا اختتام جو اس جملے پر فرمایا گیا ہے کہ ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ﴾ کی گہرائی یہی ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی تمام انسانوں اور ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ہی انسانی تخلیق کے مختلف مراحل مقرر فرمائے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کے بعد اس کے رہنے سہنے کی منازل متعین فرمائی۔

۴۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنی توحید کے دلائل اس لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ لوگ ہر اعتبار سے اسے لاشریک سمجھیں۔

تفسیر بالقرآن

انسانی تخلیق کے مختلف مراحل:

۱۔ اللہ نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا۔ (النحل:۴)

۲۔ اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ (آل عمران:۵۹)

۳۔ حوا کو آدم سے پیدا کیا۔ (النساء:۱)

۴۔ ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ (المؤمنون:۱۲)

۵۔ ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔ (الدھر:۲)

۶۔ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ (النساء:۱)

وَهُوَ الَّذِیْٓ	اَنْزَلَ	مِنَ السَّمَآءِ	مَآءً ۚ	فَاَخْرَجْنَا	بِهٖ نَبَاتَ	كُلِّ شَیْءٍ
اور وہ جس نے	اس نے نازل کیا	سے آسمان (جمع)	پانی	پھر ہم نے نکالیں	اس کے ذریعے نباتات	ہر چیز
فَاَخْرَجْنَا	مِنْهُ	خَضِرًا	نُّخْرِجُ	مِنْهُ	حَبًّا	مُّتَرَاكِبًا ۚ
پھر ہم نے نکالا	اس سے	سبزہ	پھر ہم نکالتے ہیں	اس سے	دانے	باہم جڑے ہوئے
وَمِنَ	النَّخْلِ	مِنْ	طَلْعِهَا	قِنْوَانٌ	دَانِیَةٌ	وَّجَنّٰتٍ
اور سے	کھجوریں	سے	ان کے شگوفے	گچھے	جھکے ہوئے	اور باغات
مِّنْ	اَعْنَابٍ	وَّالزَّیْتُوْنَ	وَالرُّمَّانَ	مُشْتَبِهًا	وَّغَیْرَ	مُتَشَابِهٍ ؕ
سے	انگوروں	اور زیتون	اور انار	ملتے جلتے	اور بغیر	ملتے جلتے
اُنْظُرُوْٓا	اِلٰى ثَمَرِهٖٓ	اِذَآ اَثْمَرَ	وَیَنْعِهٖ ؕ	اِنَّ فِیْ		ذٰلِكُمْ
دیکھو	اس کے پھل کو	جب وہ پھل لائے	اور اس کے پکنے کو	بیشک میں		تمہارے
لَاٰیٰتٍ	لِّقَوْمٍ	یُّؤْمِنُوْنَ ۝۹۹				
نشانیاں	ان لوگوں کے لیے	جو ایمان لاتے ہیں				

’’اور وہی ہے جس نے آسمانوں سے پانی اتارا تو ہم نے اس کے ساتھ ہر چیز کی انگوری نکالی، پھر ہم نے اس سے سبز کھیتی نکالی جس میں سے ہم تہ بہ تہ چڑھے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے درختوں سے ان کے گابھے میں سے جھکے ہوئے خوشے ہیں اور انگوروں اور زیتون اور انار کے باغات ملتے جلتے اور مختلف ہیں۔ اس کے پھل کی طرف دیکھو جب وہ پھل لائے اور اس کے پکنے کی طرف۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔‘‘(۹۹)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

قرآن مجید میں انسانی زندگی، پھل، پھول، نباتات اور درخت وغیرہ کے اُگانے کے سلسلے میں پانی کا ذکر کئی مرتبہ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے سبب حیات قرار دیا ہے۔ زمین کی زینت، مردہ زمین کی زندگی، پودوں اور سبزی ترکاری کی شادابی، ان کی پیدائش اور قیام، پھر ان کا رنگ برنگے پھل پھول پیدا کرنا، غلے، میوے، چارہ، بے شمار نفع آور اشیاء کا پیدا ہونا، پکنا اور انسان کے کھانے کے قابل ہونا، ان کی خوبصورتی اور زینت ان تمام چیزوں کو وجود باری تعالیٰ پر دلیل توحید الوہیت اور ربوبیت قرار دیا گیا ہے۔ ’’اور وہ وہی خدا ہے جس نے اوپر سے پانی اتارا، پھر ہم نے

س کے ساتھ ہر چیز کی انگوری نکالی۔‘‘

ہر چیز کے اُگانے میں پانی کا جو کام ہے وہ شہری و دیہاتی اور عالم و جاہل پر واضح ہے۔مگر اس کا کام اس ظاہر سے بہت آگے، بہت گہرا اور بہت مؤثر ہے۔سائنس کی جدید ترین تحقیقات بتاتی ہیں کہ زمین کی سطح شروع شروع میں بالکل گرم تھی۔اور وہ نباتات کو اُگانے کے قابل نہ تھی۔اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ نے اسے پانی اور کئی اور فضائی عوامل سے کاشت اور بیج اُگانے کے قابل بنایا۔بارش کے ساتھ ایک قدرتی کھاد بھی نائٹروجن گیس کے ساتھ زمین پر برستی ہے۔جو زمین کو زرخیز اور سبزی ترکاری وغیرہ اُگانے کے قابل بناتی ہے۔انسان نے بھی اسی سے کھاد بنانے اور زمین کو زرخیز کرنے کا طریقہ سیکھا ہے، پھر سورج، چاند، ہوا وغیرہ بھی اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔سطح زمین کے اوپر اور اس کے اندر بے شمار ایسے کیمیاوی اور غیر کیمیاوی مادے موجود ہیں جو اس سارے کام میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔

نباتات کے مختلف ادوار و اطوار:

’’پس نکالا ہم نے اس سے سبز انگوری کو جس سے ہم تہ در تہ دانے نکالتے ہیں اور کھجور کی کونپل سے لٹکے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغ اور زیتون و انار باہم ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے۔‘‘

ہرا انگوری شروع میں سبز ہوتی ہے اور یہاں پر خضرا کا لفظ زیادہ مؤثر اور گہرا ہے بہ نسبت اخضر کے۔اس سبز انگوری سے دانے پیدا ہوتے ہیں جو اوپر نیچے بالیوں میں سجے ہوتے ہیں۔بعض غلے اور پھل شکل وصورت اور مزے میں باہم ملتے جلتے ہوتے ہیں اور بعض نہیں۔ایک ہی پھل کسی زمین میں ترش اور تلخ ہوتا ہے۔اور دوسری جگہ میٹھا۔تاثیر میں بھی بعض ایک جیسے ہیں بعض مختلف، پھر فرمایا:

’’جب وہ درخت پھل لائے تو اس کے پھل کو دیکھو، اور پھر اس کے پکنے کا مشاہدہ کرو۔‘‘

ان پھلوں کو دیکھ کر دل میں سرور اور آنکھوں میں نور پیدا ہوتا ہے۔جب کچے ہوں تو رنگ و روپ اور رونق ہوتی ہے۔پکنے پر آئیں تو آہستہ آہستہ بدلتے جاتے ہیں۔اور پک کر تیار ہوں تو ہر دیکھنے والے کا جی للچاتا ہے۔سبحان اللہ! یہ صنعت، یہ مہارت، یہ کاری گری ایک ہی عزیز و علیم کی ہے۔اس لیے فرمایا:

’’بے شک اس میں بہت سے دلائل ہیں ان کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔‘‘

انھیں کھاتو ہر ایک لیتا ہے لیکن نور بصیرت اور حسِ ایمان کے ساتھ وہی دیکھتا ہے جس میں ایمان ہو۔پھلوں اور غلوں کے مختلف ادوار پر غور کریں گے تو ان میں ایمان باللہ، وحدانیت، قدرت، علم و صنعت ملیں گے۔جو تمھیں زبان حال اور زبان قال سے احسن الخالقین کی حمد و ثنا پر آمادہ کریں گے۔اتنی آیات قدرت کو دیکھ کر جو انسان کے ماحول میں اس کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے بکھری پڑی ہیں۔جو لوگ توحید خداوندی کا اعتراف و اقرار نہ کریں، خود ساختہ معبودوں کو پکاریں،

ان میں ایسی صفات اور طاقت مانیں جس کا ان میں کہیں نام ونشان نہیں۔تو پھر یہی کہا جاسکتا ہے کہ مشرک اندھے، بہرے اور گونگے ہیں۔ بے عقل و بے شعور ہیں، ناشکرے ہیں، حیوانات سے بھی بدتر ہیں۔اس لیے اگلی آیت میں شرک اور مشرکین اوران کے بنائے ہوئے شرکاء کارد کیا گیا ہے۔

زمین کے جن پودوں کے نام قرآن مجید میں آئے ہیں ان کی تعداد اور نام درج ذیل ہیں۔

ا۔من	۲۔کھجور	۳۔زیتون	۴۔انگور	۵۔انار	۶۔انجیر	۷۔سدرہ یا بیری
۸۔جھاؤ	۹۔شجر مسواک	۱۰۔حنا یا کافور	۱۱۔ادرک	۱۲۔مسور	۱۳۔پیاز	۱۴۔لہسن
۱۵۔ککڑی	۱۶۔ببول عرب یا کیلا	۱۷۔لوکی	۱۸۔رائی	۱۹۔ریحان	۲۰۔زقوم	۲۱۔ضریع
۲۲۔طوبیٰ	۲۳۔شجر	۲۴۔ثمر	۲۵۔برگ	۲۶۔اناج	۲۷۔زراعت	۲۸۔چارہ
۲۹۔ترکاری	۳۰۔افزائش نباتات۔					

کھجور:

لیکن یہاں ہم صرف کھجور اور انگور کے بارے میں کچھ لکھیں گے۔ان کو دیگر پودوں پر ایک امتیاز اور برتری حاصل ہے۔یوں تو تمام نباتات اور پودے خالق ارض وسماء کے پیدا کیے ہوئے ہیں لیکن ان چند پودوں کا تذکرہ اس ذات الٰہی نے خود اپنے کلام میں کیا ہے،اس طرح ان پودوں کا نام ابدالآباد تک کلام الٰہی میں محفوظ ہوگیا اور کلام الٰہی میں ان کا ذکر آنے سے ان کی خصوصیتوں کا سمجھنا ایک علمی ودینی ضرورت بن گئی ہے۔

قرآنی نام:

ا۔ نَخل، نَخِیل ، نَخلَة

دیگر نام:

Date(انگریزی)،Datte(فرانسیسی)،Tamar-Tamarim(عبرانی)،کھجور(اردو، پنجابی، ہندی)، خرما(فارسی)،کھرجور(سنسکرت) کرجورو(کشمیری)۔

نباتاتی نام:

(Phoenix dactylifera Linn. (Family: Palmae/Aracaceae)

قرآن مجید میں کھجور کا تذکرہ:

ا۔ البقرہ،آیت:۲۶۶ ۲۔ الانعام،آیت:۱۰۰ ۳۔ الانعام،آیت:۱۴۲

۴۔	الرعد، آیت:۴	۵۔	النحل، آیت:۱۱،۱۰	۶۔	النحل، آیت:۶۷
۷۔	بنی اسرائیل، آیت:۹۱،۹۰	۸۔	الکہف، آیت:۳۲	۹۔	مریم، آیت:۲۳
۱۰۔	مریم، آیت:۲۵،۲۴	۱۱۔	طٰہٰ، آیت:۷۱	۱۲۔	المؤمنون:، آیت:۱۹
۱۳۔	الشعراء، آیت:۱۴۸	۱۴۔	یٰسٓ، آیت:۳۵،۳۳	۱۵۔	قٓ، آیت:۱۰
۱۶۔	القمر، آیت:۲۰،۱۸	۱۷۔	الرحمٰن، آیت:۱۱،۱۰	۱۸۔	الرحمٰن، آیت:۶۹،۶۸
۱۹۔	الحاقۃ، آیت:۷،۶	۲۰۔	عبس، آیت:۳۲،۲۴		

قرآنی ارشادات کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے متعدد باران احسانوں اور مہربانیوں کا ذکر کیا ہے جو اس نے پھلوں کی صورت میں انسان پر کیے ہیں۔ ان پھلوں میں یوں تو انگور، انجیر، انار اور زیتون کا تذکرہ کئی بار بار آیا ہے لیکن جس پھل اور درخت کا حوالہ سب سے زیادہ دیا گیا ہے وہ کھجور ہے۔ اس کا بیان نخل ۔ النخیل (جمع) اور نخلۃ (واحد) کے ناموں سے بیس مرتبہ قرآن کریم میں کیا گیا ہے۔

کھجور کی قسموں اور اس کی گٹھلیوں وغیرہ کا ذکر بھی قرآن پاک میں الگ الگ ناموں سے کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ الحشر آیت ۵ میں کھجور کی ایک نفیس قسم کو 'لینۃ'' کہا گیا ہے۔ اسی طرح سورۃ النساء کی دو آیات ۵۳ اور ۱۲۴ میں ''نقیرا'' کا لفظ تمثیل کے طور پر استعمال ہوا ہے جس کے لغوی معنی یوں تو کھجور کی گٹھلی میں چھوٹی سی نالی کے ہیں لیکن تشبیہ دی گئی ہے ایسی چیز سے جو نہ ہونے کے برابر یعنی حقیر ترین ہو۔ ایسی ہی مثال سورہ فاطر آیت ۱۳ میں لفظ ''قطمیر'' سے دی گئی ہے جس کے معنی اس باریک جھلی کے ہیں۔ جو کھجور کی گٹھلی کے اوپر ہوتی ہے۔ ''النوی'' کے معنی زیادہ تر مفسرین نے عام گٹھلی کے لیے ہیں۔ ''العرجون'' کھجور کے گچھے کی ٹہنی کو کہتے ہیں جو درخت پر خشک ہو کر ہنسلی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ چنانچہ سورہ یٰسٓ آیت ۳۹ میں اس کی مثال نئے چاند سے دی گئی ہے۔ ''حبل'' کے معنی یوں تو کسی بھی رسی کے ہو سکتے ہیں۔ لیکن پرانے زمانے میں عرب عام طور پر کھجور کی پتیوں سے بنی ہوئی رسی مراد لیتے تھے۔ اسی طرح سورۃ القمر کی آیت ۱۳ میں لفظ ''دسر'' کا استعمال ہوا ہے، اس کے معنی بھی Palm-Fibre کے لیے گئے ہیں۔ مختلف ناموں کے حوالے سے کھجور کا ذکر قرآن حکیم میں اٹھائیس بار ہوا ہے۔

سائنس دانوں کا خیال ہے کہ کھجور کی کاشت آٹھ ہزار سال قبل جنوبی عراق میں شروع ہوئی تھی۔ اس وقت دنیا میں کہیں بھی پھلدار پودوں کی کھیتی کا تصور تک نہ تھا۔

عربوں میں ایک پرانی کہاوت تھی کہ سال میں جتنے دن ہوتے ہیں اتنے ہی کھجور کے استعمال کے فوائد ہیں، اور حقیقت بھی کچھ ایسی ہی لگتی ہے۔ ایک طرف اس کی لکڑی عمارت اور فرنیچر بنانے کے کام آتی ہے تو دوسری جانب اس کی پتیوں سے جن کو شاخیں کہا جاتا ہے بے شمار مصنوعات تیار کی جاتی ہیں۔

کھجور کی گٹھلیاں جانوروں کے لیے موزوں چارہ ہیں اوراس کے پھل انسان کے لیے بہترین غذا ہیں۔ اس کی غذائیت کااندازہ اس کے کیمیاوی اجزاء سے کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس میں تقریباً ساٹھ فیصد Invert sugar اور Sucrose کے علاوہ اسٹارچ، پروٹین، Cellulose, Pectin, Tannin اور چربی مختلف مقدار میں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں وٹامن اے، وٹامن بی، وٹامن بی ٹو اور وٹامن سی بھی پائے جاتے ہیں۔ اس کے معدنیاتی اجزاء بھی اہمیت کے حامل ہیں، یعنی سوڈیم، کیلشیم، سلفر، کلورین، فاسفورس اور آئرن، سے بھرپور ہے۔ کھجور میں نر اور مادہ درخت ہوتے ہیں۔ دونوں کے پھولوں کے ذریعہ (Cross Polination) ہوتا ہے۔ تب ہی مادہ پودوں میں پھل آتے ہیں۔ ایک نر درخت کے پھول ایک سو مادہ درختوں کے (Polination) کے لیے کافی سمجھے جاتے ہیں۔ اسلام سے قبل عرب قبائل کی آپس کی دشمنی اور رقابت میں ایک دوسرے کو نقصان اور ضرر پہنچانے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ دشمن کے کھجور کے باغات تہس نہس کر دیے جائیں۔ نر پودوں کو خاص طور سے کاٹ دیا جاتا تھا۔

کھجور کے بے مثال طبی فوائد ہیں۔ بلغم اور سردی کے اثر سے پیدا ہونے والی بیماریوں میں کھجور کھانا مفید ہے۔ یہ دماغ کا ضعف مٹاتی ہے اور یادداشت کی کمزوری کا بہترین علاج ہے۔ قلب کو تقویت دیتی ہے اور بدن میں خون کی کمی کو دور کرتی ہے، گردوں کو قوت دیتی ہے، سانس کی تکالیف میں بالعموم اور دمہ میں بالخصوص سودمند ہے۔ کھانسی، بخار اور پیچش میں اس کے استعمال سے افاقہ ہوتا ہے۔ یہ دافع قبض کے ساتھ پیشاب آور بھی ہے۔ قوت باہ کو بڑھانے میں مددگار ہے۔ غرضیکہ کھجور کا استعمال ایک مکمل غذا بھی ہے اور اچھی صحت کے لیے ایک لاجواب ٹانک بھی۔ طب نبوی میں کھجور کی بڑی افادیت بیان کی گئی ہے۔ کھجور کی عالمی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ پیداواری ملکوں میں مقامی کھپت کے ماسوا پانچ سے آٹھ لاکھ ٹن کھجور دنیا کے بازاروں میں بھیجی جاتی ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق ۱۹۸۲ء میں کھجور کی عالمی پیداوار چھبیس لاکھ ٹن تھی جس کا ۵۶ فیصد حصہ عراق، سعودی عرب، مصر اور ایران میں پیدا کیا گیا۔ عراق کا شہر بصرہ کھجور کی تجارت کے لیے زمانہ قدیم سے بہت مشہور رہا ہے۔ آج بھی سب سے زیادہ کھجوریں اسی بندرگاہ سے برآمد کی جاتی ہیں۔ عراق میں ۴۴۵ اقسام کی کھجوریں پائی جاتی ہیں کھجور کے اعتبار سے عراق پوری دنیا میں سرفہرست ہے۔ کھجور کی تاریخی اور سماجی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس کی غذائی اور طبی خصوصیات کی روشنی میں اسے ''نباتاتی نعمت'' کہا جائے تو نہایت مناسب ہوگا۔ اسی نعمت کی بنا پر قرآن مجید میں اس کا کئی بار ذکر ہوا ہے ان لوگوں کے لیے جو عقل وفہم رکھتے ہیں۔

انگور

قرآنی نام:

عنب، اعناب (جمع)

دیگر نام:

Grape(انگریزی)،فرشک،انگور(فارسی)،عنب(عربی)،انگور(اردو،فارسی)

قرآن مجید میں انگور کا تذکرہ:

١۔ البقرہ،آیت:٢٦٦	٢۔ الانعام،آیت:١٠٠	٣۔ الرعد،آیت:٤
٤۔ النحل،آیت:١١	٥۔ النحل،آیت:٦٧	٦۔ بنی اسرائیل،آیت:٩١
٧۔ الکہف،آیت:٣٢	٨۔ المؤمنون،آیت:١٩	٩۔ یٰسٓ،آیت:٣٤
١٠۔ النباء،آیت:٣٢۔٣١	١١۔ عبس،آیت:٢٨-٢٧	

انگور کا شمار قدرت کی بہترین نعمتوں میں کیا جاتا ہے۔اسی لیے قرآن حکیم میں اس کا ذکر عنب اور اعناب (جمع) کے نام سے مندرجہ بالا گیارہ آیات میں کیا گیا ہے۔انگور فارسی لفظ ہے جس کا نباتاتی نام Vitis Vinifera ہے۔اس طرح کھجور کے بعد انگور کی تاریخ بھی پھلوں میں سب سے قدیم مانی جاسکتی ہے۔

انگور سے پیدا کی گئی قسموں (Varieties) کی تعداد آٹھ ہزار تک پہنچ چکی ہے۔اس کی کاشت دنیا کے بہت سے ممالک میں عام ہے جن میں سرفہرست ہیں اٹلی،فرانس،روس،اسپین،ترکی،ایران،افغانستان،جاپان،شام،الجیریا، مراکش،فلسطین اور امریکہ۔انگور کی کل عالمی پیداوار کا نصف یورپ کے ممالک پیدا کرتے ہیں۔

کیمیاوی طور سے انگور،گلوکوز اور فرکٹوز کا بہترین ذریعہ ہے جو اس میں پندرہ سے پچیس فیصد تک پائے جاتے ہیں اس کے سوا Tartaric acid اور Malic acid بھی خاصی مقدار میں ملتے ہیں۔سوڈیم پوٹاشیم،کیلشیم اور آئرن کی قابل قدر مقدار اس میں موجود ہے جبکہ پروٹین اور چربی برائے نام ہے۔اس میں ایک بہت اہم کمپاؤنڈ بھی دریافت ہوا ہے جس کو وٹامن ''پی''(P) کہا گیا ہے۔یہ کیمیاوی جز ذیابیطس سے پیدا شدہ خون کے بہنے کو روکتا ہے۔جسم کے ورم اور نسوں کی سوجن کو کم کرتا ہے اور Atherosclerosis کا مؤثر علاج ہے۔کیمیاوی اجزاء کی بنا پر انگور ایک ایسا لاجواب ثمر ہے جو نہایت ہاضم ہونے کے ساتھ انتہائی فرحت بخش اور Demulcent ہے۔خون کو صاف کرتا ہے اور جسم میں خون کی مقدار بڑھاتا ہے اور عام جسمانی کمزوری کو دفع کرتا ہے۔کچے انگور کا رس گلے کی خرابیوں میں مفید سمجھا جاتا ہے۔اس کی پتیاں اسہال کو روکتی ہیں۔اس کی بیلوں سے حاصل کیا گیا رس (Sap) جلد کی بیماریوں میں کام میں لایا جاسکتا ہے۔یورپ میں یہی رس Ophthalmia کا بہترین علاج مانا جاتا ہے۔انگوری سرکہ معدہ کی خرابیوں،ہیضہ اور قولنج کی اچھی دوا ہے۔

وَجَعَلُوْا | لِلّٰهِ | شُرَكَآءَ | الْجِنَّ | وَخَلَقَهُمْ | وَخَرَقُوْا لَهٗ

اور انہوں نے بنایا | اللہ کے لیے | شریک (جمع) | جنوں کو | حالانکہ اس نے انہیں پیدا کیا | اور انہوں نے گھڑ لیا اس کیلئے

بَنِيْنَ | وَ بَنٰتٍۢ | بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ | سُبْحٰنَهٗ | وَتَعٰلٰى | عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٠٠﴾ ع ۱۲ ع ۱۸

بیٹے | اور بیٹیاں | بغیر علم کے | وہ پاک ہے | اور بلند ہے | اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں

بَدِيْعُ | السَّمٰوٰتِ | وَالْاَرْضِ ؕ | اَنّٰى | يَكُوْنُ | لَهٗ | وَلَدٌ

موجد | آسمانوں | اور زمین | کس طرح | ہوسکتی ہے | اس کی | اولاد

وَّلَمْ | تَكُنْ | لَّهٗ | صَاحِبَةٌ ؕ | وَخَلَقَ | كُلَّ | شَیْءٍ ۚ

اور نہیں | ہے | اس کی | کوئی بیوی | اور اسی نے پیدا کیا | ہر | چیز

وَهُوَ | بِكُلِّ | شَیْءٍ | عَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ | ذٰلِكُمُ | اللّٰهُ | رَبُّكُمْ ۚ

اور وہی | ساتھ ہر | چیز | خوب جاننے والا ہے | یہ ہے تمہارا | اللہ | تمہارا رب

لَاۤ اِلٰهَ | اِلَّا هُوَ ۚ | خَالِقُ | كُلِّ | شَیْءٍ | فَاعْبُدُوْهُ ۚ | وَهُوَ

نہیں کوئی معبود | مگر وہی | خالق | ہر | چیز | تو تم اسی کی عبادت کرو | اور وہی

عَلٰى | كُلِّ | شَیْءٍ | وَّكِيْلٌ ﴿١٠٢﴾

پر | ہر | چیز | خوب نگران ہے

”اور انہوں نے جنوں کو اللہ کا شریک بنا دیا، حالانکہ اس نے انہیں پیدا کیا اور بغیر علم کے اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں بنالیں، وہ پاک ہے اور اس سے بہت بلند ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ (١٠٠) وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اس کی اولاد کیسے ہوگی جب کہ اس کی کوئی بیوی نہیں؟ اور اس نے ہر چیز پیدا کی اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (١٠١) یہی اللہ تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ، ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے سو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔“ (١٠٢)

فہم القرآن

ربط کلام: توحید کے دلائل دیتے ہوئے مشرکوں کے عقیدہ کی بے ثباتی ثابت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو ہر اعتبار سے وحدہٗ لاشریک قرار دیا ہے۔

آیت ٩٥ تا ٩٩ میں نباتات، آفاق، انسان کی پیدائش اور اس کی عارضی اور مستقل قیام گاہ کا حوالہ دے کر۔ غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بلا شرکت غیرے ایمان لانے کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن شرک ایسا مہلک مرض ہے کہ جس کی

وجہ سے انسان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ماؤف ہو جاتی ہیں جس کی بنا پر کسی شہادت اور دلیل کے بغیر لوگ جنات، ملائکہ، شمس وقمر، نباتات وجمادات یہاں تک کہ اپنے جیسے بلکہ اپنے سے بھی کم تر انسانوں، دیوانوں، مجذوبوں اور حواس باختہ لوگوں کو کائنات کے نظام میں دخیل اور اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں شریک سمجھ کر نہ صرف انھیں مشکل کشا اور حاجت روا خیال کرتے ہیں بلکہ ملائکہ، جنات کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں اور بعض شخصیات کو اللہ تعالیٰ کی اولاد تصور کرتے ہیں تاکہ خدا کی خدائی میں ان کی شراکت ثابت کی جاسکے۔ جیسا کہ یہودیوں نے جناب عزیر علیہ السلام اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو خدا کی بیوی قرار دیا ہے۔

اللہ کی ذات کسی کی شراکت سے مبرا اور اولاد کی حاجت سے بے نیاز ہے۔ کسی کو اللہ تعالیٰ کی اولاد یا شریک ٹھہرانا مشرکوں کی ذہنی پستی اور فکری دیوانگی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے باطل تصورات اور ہر قسم کی یاوا گوئی سے پاک اور مبرّا ہے کائنات کی تخلیق کے لیے بدیع کا لفظ استعمال فرما کر واضح کیا کہ جس اللہ نے بغیر کسی پہلے سے موجود نقشے اور میٹریل کے اوپر نیچے سات آسمان اور تہ بہ تہ سات زمینیں پیدا کی ہیں۔ اسے اولاد کی کیا حاجت ہے؟

اولاد انسان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور قلبی سکون کا باعث، اس کی زندگی کا سہارا، معاملات میں اس کی معاون اور اس کے سلسلۂ نسب قائم رہنے کا وسیلہ ہے۔

اولاد ہونے کا منطقی نتیجہ ہے کہ اس کی بیوی ہو کیونکہ بیوی کے بغیر اولاد کا تصور محال ہے جبکہ فرشتوں اور جنات کو خدا کی بیٹیاں، بعض انبیاء علیہم السلام کو خدا کا بیٹا قرار دینے سے اللہ تعالیٰ کی بیوی ثابت کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ اولاد کسی نہ کسی طرح باپ کے مشابہ اور اس کی ہم جنس اور ہم نسل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حاجات اور تمثیلات سے پاک ہے۔

مشرک بتائیں کہ زمین وآسمانوں میں کون سی چیز اللہ تعالیٰ کی مشابہ اور ہم جنس ہے؟ پھر کائنات کی ہر چیز کی ابتداء، انتہا اور اس کے لیے فنا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس وقت بھی تھی جب کچھ نہیں تھا اور وہ اس وقت بھی ہوگی جب ہر چیز فنا کے گھاٹ اتر جائے گی۔ کائنات کی ہر چیز پر حالات وواقعات کے منفی یا مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ ایک ہی حالت پر قائم ودائم ہے۔ وہ ضعف وکمزوری اور نقص ونقصان سے پاک ہے۔ نہ اس کی ذات سے کوئی چیز پیدا ہوئی اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے وہ ہر چیز کا خالق و مالک اور ذمہ دار ہے۔ وہ زمین کے ذرّے ذرّے اور آسمانوں کے چپہ چپہ کو جاننے اور ہر انسان کے خیالات سے واقف ہے اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ مشرک کس بنا پر شرک کرتے ہیں۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ يُؤْذِيْنِي ابْنُ آدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ بِيَدِي الْأَمْرُ أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ)) [رواہ البخاری: کتاب تفسیر القران، باب ومایھلکنا الا الدھر]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ابن آدم مجھے تکلیف دیتا

ہے اس کا مجھے تکلیف دینا یہ ہے کہ وہ زمانے کو گالیاں دیتا ہے حالانکہ زمانہ میں ہوں۔ میرے ہاتھ میں ہی معاملات ہیں میں ہی رات دن کو پھیرتا ہوں۔“

((عن أَنَس بن مَالِكٍ رضی اللہ عنہ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَنْ يَبْرَحَ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ حَتّٰى يَقُولُوا هَذَا اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ))[رواه البخاري: كتاب الإعتصام بالكتاب و السنة]

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگ باہم ایک دوسرے سے سوال کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟“

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ حَتّٰى يُقَالَ هٰذَا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ورسله))

[رواه مسلم: كتاب الايمان، باب بيان الوسوسة]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان بیان کرتے ہیں کہ لوگ ہمیشہ ایک دوسرے سے سوال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ کہا جائے گا مخلوق اللہ نے پیدا کی ہے لیکن اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ جو شخص اس قسم کے خیالات پائے اسے یہ کہنا چاہیے میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتا ہوں۔“

مسائل

۱۔ کسی کو اللہ کا بیٹا یا بیٹی قرار دینا بہت بڑا شرک ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے شرک سے پاک اور مبّرا ہے۔
۳۔ آسمانوں اور زمین کو بنانے والا صرف اللہ ہے۔
۴۔ ساری کائنات کو بنانے والا صرف اللہ ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا بخوبی علم ہے۔
۶۔ اللہ تعالیٰ بہترین کارساز ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے:

۱۔ اللہ تمھارا رب ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہی ہر چیز کا خالق ہے۔(الانعام:۱۰۲)
۲۔ آپ فرمادیں اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی واحد اور قہار ہے۔(الرعد:۱۶)
۳۔ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز کا کفیل ہے۔(الزمر:۶۲)
۴۔ کیا اللہ کے علاوہ بھی کوئی خالق ہے جو تمھیں روزی دیتا ہے۔(الفاطر:۳)

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٠٣﴾

نہیں اس کو پاسکتیں آنکھیں اور وہی وہ پالیتا ہے آنکھوں کو اور وہ بڑا باریک بین خوب خبر دار ہے

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ج فَمَنْ اَبْصَرَ

تحقیق آچکے تمہارے پاس دلائل سے تمہارا رب پھر جس نے سمجھ سے کام لیا

فَلِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ط وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿١٠٤﴾

تو اپنے ہی لیے اور جو اندھا رہا تو اسی پر ہے اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان

”اللہ کو نگاہیں نہیں پاسکتیں اور وہ سب نگاہوں کو پاتا ہے اور وہی نہایت باریک دیکھنے والا، سب خبر رکھنے والا ہے۔ (۱۰۳) بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بہت سی نشانیاں آچکیں، پھر جس نے سمجھ لیا تو اس کے اپنے لیے ہے اور جو اندھا رہا تو اسی پر وبال ہے اور میں تم پر کوئی نگران نہیں۔“ (۱۰۴)

فہم القرآن

ربط کلام: توحید کے بین اور ٹھوس دلائل دینے کے بعد وضاحت فرمائی گئی ہے کہ تم اپنے خالق کو بصیرت کی آنکھوں اور اس کی قدرت کے نشانات کے حوالے سے دیکھ سکتے ہو لیکن ظاہری آنکھ سے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔

اللہ تعالیٰ کے دیدار کی چاہت رکھنا مومن کے ایمان کی معراج ہے۔ جنت میں سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی زیارت اور خوشنودی ہوگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ سے حجاب میں ہم کلامی کرتے ہوئے فرطِ محبت میں آکر مطالبہ کیا تھا۔ اے رب کریم میرا دل تیری زیارت کے لیے تڑپ رہا ہے اس لیے میری درخواست ہے کہ مجھے اپنی زیارت کے شرف سے سرفراز فرمائیں۔ اس کے جواب میں ارشاد ہوا۔ اے موسیٰ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا جب موسیٰ محبت الٰہی میں بے قرار ہو کر اصرار کرنے لگے تو حکم ہوا کوہِ طور کے فلاں حصہ پر نگاہ اُٹھاؤ۔ اگر وہ میرے جلال و جمال کی ایک کرن برداشت کر سکا تو تُو بھی میرے جلال اور جمال کی جھلک برداشت کر سکے گا۔ جونہی اللہ تعالیٰ کے جمال کی ایک کرن کوہِ طور پر پڑی تو طور کا وہ حصہ ریزہ ریزہ ہوگیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر پیٹھ کے بل نیچے گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو اس مطالبہ پر اللہ سے معافی طلب کی۔ اس کی تفصیل سورۃ الاعراف آیت ۱۴۳ میں ملاحظہ فرمائیے۔

کفار محبت الٰہی کی بنا پر نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام پر بے یقینی اور ان کو لاجواب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا مطالبہ کرتے تھے۔ ان میں یہودی سرفہرست رہے ہیں جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے بارہا مطالبہ کیا کہ ہم تب ایمان لائیں گے جب ہم

براہ راست اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مجبور ہو کر ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر کوہِ طور پر پہنچے جب یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اُس کے دیدار کا مطالبہ کرنے لگے تو ایک کڑک نے انھیں آلیا۔ وہ سب کے سب ہلاک ہوئے لیکن موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انھیں دوبارہ زندگی عنایت فرمائی۔ (الاعراف:۱۵۵)

معراج کی رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف ہے آپ نے معراج کی رات اللہ تعالیٰ کی براہِ راست زیارت کی ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات رؤیت کا شرف پایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وجہ سے کچھ صحابہ اور بعض ائمہ کرام کا بھی یہی موقف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے۔ اس کے لیے وہ دو آیات کا حوالہ دیتے ہیں۔

﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴾[التکویر:۲۳]

''اور اس نے اس کو روشن افق پر دیکھا''

﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴾[النجم:۱۳]

''اور ایک مرتبہ اور بھی اس نے اس کو دیکھا''

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی غالب اکثریت ان آیات کو جبریل امین علیہ السلام کے ساتھ آپ کی ملاقات پر منطبق کرتی ہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے براہِ راست اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ کیا آپ نے معراج کی رات اللہ تعالیٰ کا دیدار پایا ہے؟ آپ نے اس کی نفی فرمائی۔ کیوں کہ قرآن مجید نے دو ٹوک انداز میں فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی جبکہ وہ ہر آنکھ کو دیکھنے والا ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ ہے، یہ ہر اعتبار سے فضول اور نا قابل فہم ہے۔ انسان کی نگاہ سمندر، پہاڑ اور صحرا کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ انسانی آنکھ سورج کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی یہاں تک کہ انسان اپنے ہاتھوں سے بنائے کسی پاور فل بلب کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کا کس طرح دیدار کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہایت ہی لطیف بین اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔ یہاں توحید کے دلائل کو بصائر کہا گیا ہے جو بصیرت کی جمع ہے۔ واضح رہے کہ جسمانی آنکھ کے دیکھنے کو بصارت اور قلب وفکر کے ساتھ کسی چیز کا ادراک کرنے کو بصیرت کہا جاتا ہے۔

یہاں توحید کے دلائل اور ان کی فہم کو بصیرت قرار دیا گیا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی توحید کا ادراک رکھتے ہوئے اس کے تقاضے پورے کرتا ہے وہی عقل و دانش کا حامل انسان ہے۔ اس نورِ بصیرت کا اسے دنیا و آخرت میں فائدہ پہنچے گا اور جس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کیا وہ عقل و دانش کا اندھا ہے اور اس اندھے پن کا اسے دنیا و آخرت میں بے انتہا

نقصان اٹھانا پڑے گا۔

توحید کا فائدہ اور شرک کا نقصان بیان کرنے کے بعد رحمت دو عالم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کو لوگوں کی گمراہی پر آزردہ ہونے اور انسانی حد سے بڑھ کر کوشش کرنے کے بجائے یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کے نفع ونقصان اور ہدایت وگمراہی کا ذمہ دار نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے احکام، فرامین، اور دلائل کو مختلف انداز، الفاظ اور زاویوں سے اس لیے بیان کرتا ہے تاکہ لوگ حقیقت کو جان جائیں۔ یہاں تک حقائق اور بصائر جو بصیرت کی جمع ہے جس کا معنی ہے ایسی حقیقت یا دلیل جس سے انسان کی آنکھیں کھل جائیں۔ تو نبی ﷺ پر ایسے معجزات نازل کیے گئے کہ جن کو مانے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ کفار بھی کھلے الفاظ میں اپنی مجالس میں ان کا اعتراف کرتے تھے لیکن خاندانی نخوت جھوٹے مذہب کی عصبیت اور نبی ﷺ کے ساتھ مخالفت کی وجہ سے سرعام اعتراف کرنے کی بجائے آئے دن آپ ﷺ سے نئے سے نئے معجزہ کا مطالبہ کرتے تاکہ کفر پر قائم رہنے کے لیے اپنے اور عوام کے لیے کوئی بہانہ تلاش کر سکیں۔ جن پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ جو جان بوجھ کر اندھا ہو جائے اس کے اندھے پن کا وبال اسی کے اوپر پڑے گا۔ جس کا نبی اکرم ﷺ کو مکلّف نہیں بنایا گیا۔ نبی کا کام حق پہچانا ہے منوانا نہیں۔

قیامت کے دن دیدار ہوگا:

((عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ﵁ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةً يَعْنِي الْبَدْرَ فَقَالَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ))

[رواه البخاری: کتاب مواقیت الصلوة، باب فضل صلاة العصر]

”حضرت جریر بن عبداللہ ﵁ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی مکرم ﷺ کے ساتھ تھے آپ ﷺ نے چاند کی طرف دیکھا جو کہ چودھویں کا تھا آپ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ تم عنقریب اپنے رب کو دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ تم اس کو دیکھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتے۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنا کسی آنکھ کے بس کی بات نہیں۔

٢۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھ سکتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ	نُصَرِّفُ	الْاٰيٰتِ	وَلِيَقُوْلُوْا	دَرَسْتَ	وَلِنُبَيِّنَهٗ
اوراسی طرح ہم پھیر کر بیان کرتے ہیں		آیات	اورتاکہ وہ کہیں	تونے پڑھا ہے	اورہم اسے واضح کریں
لِقَوْمٍ	يَّعْلَمُوْنَ ﴿١٠٥﴾	اِتَّبِعْ	مَآ	اُوْحِيَ	اِلَيْكَ
اس قوم کیلئے	جو جانتے ہیں	آپ پیروی کریں	جو	وحی کی جاتی ہے	آپ کی طرف
مِنْ رَّبِّكَ	لَآ اِلٰهَ	اِلَّا هُوَ	وَاَعْرِضْ	عَنِ	الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٦﴾
سے آپ کے رب	نہیں کوئی معبود	مگر وہی	آپ اعراض کیجیے	سے	مشرکوں

''اور ہم اسی طرح آیات کو پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں اورتاکہ وہ کہیں تو نے پڑھا ہے اورتاکہ ہم اسے ان لوگوں کے لیے واضح کر دیں جو جانتے ہیں۔(۱۰۵) آپ اسی کی پیروی کریں جو آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے وحی کی گئی ہے اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور مشرکوں سے اعراض کریں۔''(۱۰٦)

فہم القرآن

ربط کلام: پہلے خطاب کا تتمہ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منکرین رسالت کا ایک بہانہ بیان کیا ہے اس کی تمہید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایک آیت کر کے قرآن نازل کرتا اور ایک مضمون کو مختلف اسالیب سے بیان فرماتا ہے تاکہ اہل علم پر اللہ تعالیٰ کی مراد منکشف ہو جائے اور ان کے ذہنوں میں صحیح مفہوم مستقر ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے فرمان کا منشا ہے۔لیکن کفار کو اس سے یہ شبہ ہوا کہ نبی اکرم ﷺ یہود و نصاریٰ کے علماء سے مذاکرہ اور مباحثہ کرتے ہیں ۔ جو اس بحث و تمحیص سے حاصل ہوتا ہے۔اُسے مختلف فقروں اور جملوں میں ڈھال کر ہمارے سامنے پڑھتے ہوئے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ آپ پر وحی نازل ہوئی ہے۔حالانکہ یہ سب کچھ لوگوں سے پڑھا اور حاصل کیا ہوا ہوتا ہے ورنہ یہ اللہ کا نازل کیا ہوا کلام ہوتا تو اس کا ایک ہی انداز ہوتا اور یک بارگی پوری کتاب نازل ہو جاتی۔ان کے اس شبہ کا قرآن مجید نے متعدد بار جواب دیا ہے کہ اگر تمھارے زعم میں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے کسی انسان کا بنایا اور سکھایا ہوا ہے۔تو تم اس جیسی کوئی چھوٹی سورۃ بنا کر لے آؤ۔اس کے جواب میں وہ لوگ نہ ایسا کر سکے اور نہ قیامت تک کوئی شخص یا ادارہ کر سکتا ہے۔یہ تو اللہ تعالیٰ کی وحی کردہ کتاب ہے۔ یہ جواب دینے کے بعد رسول محترم ﷺ کو سمجھایا گیا ہے کہ آپ اپنے

رب کی نازل کی ہوئی وحی کی پیروی کرتے رہیں تاکہ ان کی طعن آمیز باتوں سے آپ کی دعوت وتبلیغ متاثر نہ ہو۔اس فرمان سے یہ بھی مقصود ہے کہ ان کے اس شک وشبہ اور طعن وتشنیع سے جو آپ کو حزن وملال ہوتا ہے وہ زائل ہو جائے اور آپ کے دل کو ڈھارس حاصل ہو۔پھر فرمایا اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔اس فرمان میں اس پر متنبہ کیا گیا ہے کہ آپ صرف اپنے رب کی اطاعت کریں۔اور جاہلوں کی جہالت کی وجہ سے اپنے مشن کو متاثر نہ ہونے دیں۔مشرکین سے بے جا تکرار اور ایک حد سے زیادہ اصرار کرنے کے بجائے اعراض کیجیے۔اس کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ ان کو تبلیغ نہ کریں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ دل آزار باتوں سے اعراض کریں اور ان پر غم اور افسوس نہ کریں تاکہ آپ کی دعوت وتبلیغ کے مشن کو نقصان نہ پہنچے۔

مسائل

۱۔ نبی کریم ﷺ وحی کے پابند تھے۔

۲۔ مشرکین سے اعراض کرنا چاہیے۔

۳۔ نبی اکرم ﷺ کسی پر نگران نہیں تھے۔

تفسیر بالقرآن

نبی اکرم ﷺ وحی کے پابند تھے:

۱۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھیں ڈراؤں۔(الانعام:۱۹)

۲۔ آپ مضبوطی سے پکڑ لیں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے یہی صراط مستقیم ہے۔(الزخرف:۴۳)

۳۔ وحی الٰہی کے بغیر نبی اپنی مرضی سے کلام نہیں کرتا۔(النجم:۴)

۴۔ اے نبی جو آپ پر وحی کی گئی ہے آپ اس کی پیروی کریں۔(الاحزاب:۲)

۵۔ میں پیروی نہیں کرتا مگر اس کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔(الاحقاف:۹)

۶۔ آپ فرما دیں میں وحی کے ذریعہ تمھیں ڈرانے والا ہوں۔(الانبیاء:۴۵)

وَلَوْ	شَآءَ اللّٰهُ مَآ	اَشْرَكُوْا	وَمَا	جَعَلْنٰكَ	عَلَيْهِمْ
اور اگر	چاہتا اللہ نہ	وہ شرک کرتے	اور نہیں	ہم نے آپکو بنایا	ان پر
حَفِيْظًا	وَمَآ	اَنْتَ	عَلَيْهِمْ	بِوَكِيْلٍ ۝	
محافظ	اور نہیں	آپ	ان پر	ذمے دار	

''اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان پر نگران نہیں بنایا اور نہ آپ ان کے وکیل ہیں۔'' (۱۰۷)

فہم القرآن

ربط کلام: پچھلی آیات کے آخر میں مختلف الفاظ اور انداز میں نبی کریم ﷺ کو ڈھارس اور تسلی دی گئی ہے کہ آپ اپنا کام جاری رکھیں، توحید کے عقیدہ پر پکے رہ کر اللہ کی عبادت کرتے رہیں اور مخالفوں کو خاطر میں نہ لائیں۔

یہاں کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ لوگ اللہ کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنا سکتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہے کہ یہ لوگ شرک کی ضلالت میں مبتلا رہیں۔ اس بات کی پہلے بھی دلائل کی روشنی میں صراحت کی جا چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی کو ہدایت پر گامزن نہ کرنے یا گمراہی میں مبتلا رکھنے کا یہ معنیٰ نہیں کہ رب ذوالجلال انھیں خود ہدایت سے محروم اور شرک میں مبتلا رکھنا چاہتا ہے بلکہ لفظ ''یشَآءُ'' کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو جبراً ہدایت کی طرف نہیں کھینچتا۔ کیونکہ اس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر عقل و خرد کی نعمت سے سرفراز کیا ہے۔ کتاب مبین کی صورت میں صراط مستقیم کی طرف جامع اور اکمل ہدایات دے کر اس کے راہی کو دنیا اور آخرت کی کامیابیوں کی ضمانت دی ہے۔ صراط مستقیم چھوڑنے والوں کو دنیا کے نقصان اور آخرت کے عذاب سے متنبہ کیا ہے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ ہدایت اور گمراہی کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ کیونکہ جس طرح ظاہری نقصان کا مالک اللہ ہے اسی طرح وہ روحانی نفع و نقصان کا اختیار رکھنے والا بھی وہی ہے۔

لٰہذا اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو اس کی حدود کار کی نشاندہی کرتے ہوئے تسلی اور تسکین دیتا ہے کہ میرے نبی آپ لوگوں کے لیے داعی ہیں ان کے معاملات کے محافظ اور ذمہ دار نہیں بنائے گئے۔ بس آپ اپنا کام کرتے جائیں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو واضح فرما دیا ہے۔

۲۔ نبی کریم ﷺ وحی کے پابند تھے۔

۳۔ سرور کائنات ﷺ پر مشرکوں کا کوئی ذمہ نہیں تھا۔

وَلَا تَسُبُّوا	الَّذِيْنَ	يَدْعُوْنَ	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ		فَيَسُبُّوا	اللّٰهَ
اور مت تم گالی دو	انکو جنہیں	وہ پکارتے ہیں	اللہ کے سوا		تو وہ گالی دیں گے	اللہ
عَدْوًاۢ	بِغَيْرِ	عِلْمٍ	كَذٰلِكَ	زَيَّنَّا	لِكُلِّ اُمَّةٍ	
حد سے گزرتے ہوئے	بغیر	علم	اسی طرح	ہم نے مزین کیا	ہرامت کے لیے	
عَمَلَهُمْ	ثُمَّ	اِلٰى	رَبِّهِمْ	مَّرْجِعُهُمْ	فَيُنَبِّئُهُمْ	بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ١٠٨
ان کا عمل	پھر	طرف	اپنے رب	ان کی واپسی ہے	پھر وہ انکو خبر دے گا	اس کی جو تھے وہ عمل کرتے

''اور انہیں گالی نہ دو جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، پس وہ زیادتی کرتے ہوئے کچھ جانے بغیر اللہ کو گالی دیں گے۔ اسی طرح ہم نے ہرامت کے لیے ان کا عمل مزین کر دیا ہے، پھر ان کے رب کی طرف ہی ان کا لوٹنا ہے وہ انہیں بتائے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔'' (۱۰۸)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرکوں کے شرک اور مخالفوں کے ردعمل میں اخلاق کا دامن نہ چھوڑنے کی ہدایت۔

رسول معظم ﷺ کا عزم وحوصلہ فلک بوس پہاڑوں سے بلند و بالا، آپ کی بردباری اور درگزر سمندر کے پانی کی گہرائی اور پھیلاؤ سے زیادہ تھی۔ آپ مشکل سے مشکل حالات میں صبر کرنے اور حوصلہ رکھنے والے تھے۔ کسی کی سنگین سے سنگین تر گستاخی اور زیادتی کے مقابلہ میں کبھی مشتعل نہ ہوتے۔ مکہ والوں نے آپ کی ذات اقدس پر ہر قسم کے الزام لگائے۔ سجدہ کی حالت میں آپ پر گندگی سے بھری ہوئی اونٹ کی اوجڑی رکھ دی۔ آپ کی ننھی منھی بچی حضرت فاطمہ ؓ کے معصوم چہرہ پر ابوجہل نے طمانچہ مارا۔ طائف کے غنڈوں نے آپ پر پتھر برسائے اور بدکلامی کی انتہا کر دی مدینہ میں منافقوں نے ہر قسم کی ہرزہ سرائی کی یہاں تک کہ آپ کی پاک دامن اور وفا شعار بیوی حضرت عائشہ ؓ پر تہمت لگائی حالانکہ اس وقت اقتدار اور اختیار کے لحاظ سے سرزمین حجاز میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ان مظالم اور زیادتیوں پر آپ کا مشتعل ہونا اور کسی سے بدلہ لینا تو درکنار پوری زندگی آپ کی زبان اطہر سے کسی نے کبھی سطحی لفظ نہیں سنا۔ پچھلی آیات میں آپ کو براہ راست مخاطب کیا گیا ہے۔ یہاں آپ کے بجائے مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے کیونکہ تبلیغ کے میدان میں کئی مراحل ایسے آتے ہیں کہ مبلغ کے لیے نازک صورت حال کو برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے بالخصوص جب مشرکین سچے خالق اور رحیم وکریم رب کے مقابلہ میں اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے لکڑی اور پتھر کے بتوں کو پیش کرتے، ان کے مشکل کشا، حاجت روا ہونے کے گھٹیا دلائل دیتے ہیں تو موحد کی غیرت ایمانی جوش میں آتی ہے جس کی بنا پر ایک مصلح اور مبلغ کی زبان پر سطحی لفظ کا آنا غیر فطری بات نہیں۔ لیکن تبلیغ کے میدان میں چھوٹی سی لغزش بھی مبلغ کے لیے عار اور اس کے مشن میں رکاوٹ بنتی ہے اس لیے اسے ضابطۂ اخلاق کا پابند بناتے ہوئے گالی سے روکا گیا ہے۔ (سورۃ حم السجدہ، آیت: ۳۴) میں یہ کہہ کر مبلغ کو اخلاق کا سبق دیا گیا کہ نیکی اور برائی برابر نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا کسی سے بحث وتکرار کے وقت بھی حسن اخلاق کا دامن نہیں

چھوڑنا چاہیے۔مشرک دلائل کے اعتبار سے نہایت ہی کمزور ہوتا ہے اس لیے وہ فطرتاً سفلہ مزاج اور کم ظرف واقع ہوا ہے۔جس بنا پر باطل معبودوں کی حمایت میں وہ سچے حقیقی معبود کی گستاخی کرنے میں بھی نہیں چونکتا اسے بے علم اور کم حوصلہ قرار دیتے ہوئے مواحد کو سمجھایا گیا ہے کہ ان کے باطل خداؤں کے بارے میں برے الفاظ مت کہو۔کہیں وہ ذات کبریا کے بارے میں برے الفاظ نہ کہہ دیں۔اس طرح تمھاری اخلاقی کمزوری کی وجہ سے وہ شرک میں آگے بڑھتے ہوئے تمھیں مشتعل کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے جس سے فائدے کے بجائے تبلیغ کے مشن کو نقصان ہوگا۔یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ قرآن مجید باطل معبودوں کے لیے ”مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ“ کے الفاظ استعمال کرتا ہے جو عربی زبان میں زندہ اور ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔لہٰذا جو لوگ ”مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ“ سے مراد بے جان چیزیں اور پتھر کے بت مراد لیتے ہیں انھیں اپنی غلط فہمی دور کرلینی چاہیے کیونکہ من دون اللہ کے دائرہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا ہر وہ چیز اور ذات آئے گی جسے کسی نہ کسی انداز میں خدا کی خدائی میں شریک کیا جاتا ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر ہر مبلغ کو تسلی دی ہے کہ مشرکوں اور خدا کے نافرمانوں کی نافرمانیوں اور شرک کی وجہ سے ان کے اعمال ان کے لیے خوبصورت بنادیے گئے ہیں۔جس کی وجہ سے وہ شرک اور توحید میں فرق نہیں سمجھتے، گناہ اور خدا کی نافرمانی کو اپنی زندگی کا معمول بنائے ہوئے ہیں۔دنیا میں جتنا چاہیں دندناتے پھریں آخر وہ وقت آکر رہے گا جب انھیں اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے ان کی ایک ایک حرکت اور عمل کے بارے میں نہ صرف ان کو بتلایا جائے گا بلکہ انھیں اس کے انجام سے دوچار ہونا ہوگا۔

((عَنْ وَائِلٍ رضی اللہ عنہ عَنِ الْمُرْجِئَةِ فَقَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ)) [رواہ البخاری: کتاب الایمان، باب خَوْفِ الْمُؤْمِنِ مِنْ أَنْ يَحْبَطَ عَمَلُهُ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ]

”حضرت وائل رضی اللہ عنہ مرجئہ سے بیان کرتے ہیں مجھے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بتایا بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔“

مسائل

١۔ باطل عقائد کا حکمت و دانائی کے ساتھ رد کیا جانا چاہیے۔ ٢۔ ہر گروہ کے لیے ان کے اعمال مزین کردیے گئے ہیں۔

٣۔ بتوں کو بھی گالی دینے کی اجازت نہیں ہے۔ ٤۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب کے درمیان فیصلہ صادر فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

برے اعمال کن لوگوں کے لیے خوبصورت ہوتے ہیں:

١۔ جن کے دل سخت ہوگئے اور ان کے اعمال کو شیطان نے مزین کردیا۔(الانعام:٤٣)

٢۔ جن لوگوں کا آخرت پر ایمان نہیں شیطان ان کے اعمال مزین کردیتا ہے۔(النمل:٤)

٣۔ کفار کے لیے دنیا کی زندگی مزین کردی گئی۔(البقرۃ:٢١٢)

٤۔ کفار کے لیے ان کے اعمال کو مزین کردیا گیا ہے۔(الانعام:١٢٢)

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ
اورانہوں نے قسمیں کھائیں اللہ کی پختہ قسمیں ان کی کہ اگر آجائے ان کے پاس نشانی
لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ
تو وہ ضرور ایمان لائیں گے اس پر فرمادیجیے یقیناً نشانیاں اللہ کے پاس ہیں اورکون تمہیں سمجھائے
اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ
بے شک یہ بات ہے کہ جب وہ آجائے گی نہیں وہ ایمان لائیں گے؟ اورہم پھیردیں گے ان کے دل اوران کی آنکھیں
١٣ ع ١٩ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾
جیسے نہیں وہ ایمان لائے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ اورہم انکو چھوڑدیں گے ان کی سرکشی میں وہ سرگرداں پھرتے ہوں گے

”اورانہوں نے پختہ قسمیں کھاتے ہوئے اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئی تو اس پر ضرور ایمان لے آئیں گے۔آپ فرمادیں کہ نشانیاں تو صرف اللہ کے پاس ہیں اور تمہیں کیا معلوم کہ بے شک جب وہ آئیں گی تو یہ ایمان نہ لائیں گے۔(۱۰۹)اور ہم ان کے دلوں اوران کی آنکھوں کو پھیر دیں گے،جیسے وہ اس پر پہلی بار ایمان نہیں لائے اورانہیں چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی میں سرگرداں پھرتے رہیں۔“(۱۱۰)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرکین اورمنکرین کے باطل نظریات اور یاوہ گوئی کے مقابلے میں مسلمانوں کو اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرنے کی تلقین کرنے کے بعد کفار کے لایعنی مطالبہ کا جواب اوراس کی حقیقت منکشف کی گئی ہے۔

یہود ونصاریٰ نبی اکرم ﷺ کو لاجواب کرنے اور مسلمانوں کو ورغلانے کے لیے یہ ہتھکنڈا بھی استعمال کیا کرتے تھے کہ جب مسلمانوں کی مجالس میں بیٹھتے تو اپنا اعتماد اور اخلاق ظاہر کرنے کے لیے قسمیں اٹھایا کرتے تھے کہ اگر یہ نشانیاں اور معجزات ہمارے سامنے پیش کیے جائیں تو ہم حلقہ بگوش اسلام ہوجائیں گے۔ان کے ساتھ اہل مکہ کا یہ مطالبہ بھی تھا کہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنادیا جائے تاکہ ہماری معاشی مشکلات حل ہوسکیں اور ہم کامل یکسوئی کے ساتھ اسلام کی خدمت کرسکیں۔آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی جس کے جواب میں جبرائیل امین علیہ السلام تشریف لائے اور آپ سے کہا کہ آپ کی دعا کے بدلے یہ پہاڑ سونے میں تبدیل ہوجائے گا اگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے تو انھیں فی الفور صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے گا اگر آپ چاہیں تو انھیں مزید مہلت دی جائے تاکہ ان میں سلیم الفطرت لوگ ایمان لے آئیں۔آپ نے اسی بات کو پسند کرتے ہوئے

ان لوگوں سے فرمایا کہ معجزہ ظاہر کرنا میرے بس کی بات نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کی عنایت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے اپنے رسول کو عطا فرماتا ہے۔اے رسول معجزات تو ان کے پاس پے در پے آچکے تھے لیکن جب کسی کی سوچ الٹی ہو جائے اور اس کی آنکھیں کسی چیز کو غلط زاویے سے دیکھنے لگیں تو اسے ہدایت کس طرح نصیب ہو سکتی ہے۔اس وجہ سے ہم نے انھیں ان کی نافرمانیوں کے حوالے کر دیا ہے جس میں وہ سرگرداں رہتے ہیں۔بعض مفسرین نے ''ونقلب افئدتھم وابصارھم'' کا مفہوم یہ لیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انھیں جہنم کی طرف پھیر دے گا۔ نبی گرامی ﷺ کا ارشاد ہے کہ دل رحمٰن کے اختیار میں ہیں۔

(عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ تُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُكْثِرُ فِي دُعَائِهِ أَنْ يَقُولَ اللّٰهُمَّ مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى دِينِكَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَوَإِنَّ الْقُلُوبَ لَتَتَقَلَّبُ قَالَ نَعَمْ مَا مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ بَشَرٍ إِلَّا أَنَّ قَلْبَهُ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللّٰهِ فَإِنْ شَاءَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَقَامَهُ وَإِنْ شَاءَ اللّٰهُ أَزَاغَهُ..........)) [رواہ احمد]

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں بلاشبہ رسول اللہ ﷺ اکثر اپنی دعاؤں میں کہا کرتے تھے اے اللہ دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھنا۔ وہ بیان کرتی ہیں میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! آیا دل بھی پھیرے جاتے ہیں؟ رسول معظم ﷺ نے فرمایا ہاں! بنی آدم کے ہر فرد کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو اس کو قائم رکھتا ہے۔ اور اگر اللہ چاہے تو اس کو پھیر دے..........''

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾

[آل عمران:۸]

''اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد پھیر نہ دینا۔ اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت عنایت کر بلاشبہ تو ہی دینے والا ہے۔''

مسائل

۱۔ کفار بے جا معجزات کے مطالبے کیا کرتے تھے۔

۲۔ مشرکین کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پھیر دیے۔

۳۔ مشرکین اپنی ہی سرکشی میں الجھے پھرتے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا

اور اگر بلاشبہ ہم نازل کرتے ان کی طرف فرشتے اور ان سے کلام کرتے مردے اور ہم اکٹھا کرتے

عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ

ان پر ہر چیز کو سامنے نہیں تھے وہ کہ ایمان لے آتے مگر

اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

یہ کہ چاہتا اللہ اور لیکن ان کے اکثر جہالت سے کام لیتے ہیں

’’اور اگر ہم واقعی ان کی طرف فرشتے اتار دیتے اور ان سے مردے گفتگو کرتے اور ہم ہر چیز ان کے پاس سامنے لا جمع کرتے تو بھی وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لے آتے مگر یہ کہ اللہ چاہے لیکن ان کے اکثر جہالت سے کام لیتے ہیں۔‘‘ (۱۱۱)

فہم القرآن

ربط کلام: منکرین حق کے لایعنی مطالبات کا دوسرا جواب اور ان کی حیثیت۔

جیسا کہ پہلی آیات کی تفسیر میں عرض کیا جا چکا ہے کہ منکرینِ حق رسول معظم ﷺ کو لاجواب اور مسلمانوں کو پھسلانے کے لیے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتے اور مطالبات کرتے رہتے تھے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ دلائل اور معجزات تو بہت آچکے لیکن یہ لوگ اپنی باغیانہ فطرت کی وجہ سے انھیں تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ اب اسی بات کو کھول کر یوں بیان کیا گیا ہے کہ اگر ہم آسمان سے ملائکہ نازل کریں اور وہ آواز پر آواز دیں کہ لوگو یہ رسول سچا ہے اور پھر مردوں کو قبروں سے اُٹھا کر ان کے سامنے لا کھڑا کیا جائے اور وہ دہائی دیتے ہوئے کہیں کہ واقعی ہمارے مرنے کے بعد ہم سے اللہ، اس کے رسول اور ہمارے اعمال کے بارے میں سوال ہوا لیکن ہم ٹھیک ٹھیک جواب نہ دے سکے جس کی وجہ سے ہمیں اذیت ناک عذاب میں مبتلا رکھا گیا ہے جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ان کا ہر مطالبہ تسلیم کیا جائے تو پھر بھی یہ بدفطرت لوگ کبھی اللہ کی توحید کا اقرار اس کے رسول پر سچا اعتقاد اور آخرت کی جوابدہی پر ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ ان کی اکثریت جہلا پر مشتمل ہے سوائے ان لوگوں کے جن کا ایمان لانا اللہ کی مشیت میں لکھا ہوا ہے۔ یاد رہے منکرین حق کے ان مطالبات سے پہلے ایسے معجزات آچکے تھے جن کی حقیقت کو یہ اچھی طرح جان چکے تھے پھر نبی محترم ﷺ کا اپنی سچائی کی تائید کے لیے یہ کہہ کر اپنے ماضی کا حوالہ پیش کرنا کہ میں نے تم میں چالیس سال کا طویل عرصہ گزارا ہے کیا تمھیں میری دیانت و امانت اور حق و صداقت پر کوئی شبہ ہے؟ جس کے جواب میں منکرین حق نے بیک زبان اقرار کیا تھا۔

((مَا جَرَّبْنَا عَلَيْکَ إِلَّا صِدْقًا)) ’’ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا پایا ہے‘‘

قرآن مجید کے بارے میں بار بار چیلنج دیا گیا کہ اگر تمھارے الزام میں کوئی حقیقت ہے کہ یہ نبی اپنی طرف سے قرآن بنا کر پیش کرتا ہے تو سب مل کر کوئی ایک سورۃ ہی بنا لاؤ۔ جس کا جواب کفار نہ دے سکے اور نہ قیام قیامت تک کوئی دے سکے گا۔ اس کے ساتھ ہی ان کے سامنے چاند دو ٹکڑے ہوا پتھروں نے رحمت دو عالم ﷺ کی رسالت کی شہادت دی اور آپ کی بیان کی ہوئی ایک ایک پیشگوئی سچ ثابت ہوئی۔ ان معجزات اور نشانیوں سے بڑھ کر کون سی نشانی اور معجزات ہو سکتے تھے جس کا وہ لوگ مطالبہ کرتے تھے۔ اس وجہ سے یہ جواب دیا گیا کہ ان کی ہر بات مان لی جائے پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ایسا اس لیے ہے کہ ان کی جہالت ان پر غالب آ چکی ہے۔ یہاں جہالت سے مراد ان پڑھ نہیں بلکہ اکھڑ مزاجی اور ہٹ دھرمی ہے۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے دلائل اور معجزات نازل کرنے پر قادر ہے۔

٢۔ کافر عناد اور قساوتِ قلبی کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے۔

٣۔ لوگوں کی اکثریت جاہل ہوتی ہے۔

٤۔ جہالت انسان کو کفر و شرک پر آمادہ رکھتی ہے۔

٥۔ جہالت سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

لوگوں کی اکثریت جاہل اور گمراہ ہوتی ہے:

١۔ اگر ہم منکرین کے سامنے ہر چیز کو اکٹھا کر دیتے تب بھی وہ ایمان نہ لاتے کیونکہ اکثر ان میں جاہل ہیں۔ (الانعام: ١١١)

٢۔ کیا زمین و آسمان کی تخلیق مشکل ہے یا انسان کی پیدائش مگر اکثر لوگ جاہل ہیں۔ (الفاطر: ٥٧)

٣۔ یہ دین صاف اور سیدھا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف: ٤٠)

٤۔ اللہ اپنے امر پر غالب ہے لیکن لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف: ٢١)

٥۔ اللہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ جاہل ہیں۔ (الروم: ٦)

٦۔ وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان کی اکثریت بے عقل ہے۔ (المائدۃ: ١٠٣)

٧۔ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے لیکن لوگوں کی اکثریت بے علم ہے۔ (الاعراف: ١٨٧)

وَكَذٰلِكَ	جَعَلْنَا	لِكُلِّ	نَبِيٍّ	عَدُوًّا	شَيٰطِيْنَ	الْاِنْسِ
اور اسی طرح	ہم نے بنائے	ہر ایک کے لیے	نبی	دشمن	شیطانوں	انسانوں
وَالْجِنِّ	يُوْحِيْ	بَعْضُهُمْ	اِلٰى	بَعْضٍ	زُخْرُفَ	الْقَوْلِ
اور جن	ڈالتا ہے	ان کا بعض	طرف	بعض کی	ملمع کی ہوئی	بات
غُرُوْرًا	وَلَوْ شَآءَ	رَبُّكَ	مَا فَعَلُوْهُ	فَذَرْهُمْ	وَمَا	يَفْتَرُوْنَ ۝
دھوکا دینے کے لیے	اور اگر چاہتا	تیرا رب	تو نہ وہ یہ کام کرتے	تو چھوڑ دے	اور جو	وہ افترا باندھتے ہیں
وَلِتَصْغٰٓى	اِلَيْهِ	اَفْـِٕدَةُ	الَّذِيْنَ	لَا يُؤْمِنُوْنَ	بِالْاٰخِرَةِ	
اور تاکہ مائل ہو جائیں	اس کی طرف	دل (جمع)	وہ لوگ جو	نہیں ایمان لاتے	آخرت پر	
وَلِيَرْضَوْهُ	وَلِيَقْتَرِفُوْا	مَا هُمْ	مُّقْتَرِفُوْنَ ۝			
اور تاکہ وہ راضی ہوں اس سے	اور کرتے رہیں برے کام	جو وہ	کررہے ہیں			

''اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں کو دشمن بنا دیا ان کا بعض بعض کی طرف ملمع کی ہوئی بات دھوکا دینے کے لیے دل میں ڈالتا ہے اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے، پس انہیں ان کے جھوٹ کے لیے چھوڑ دیجیے۔(۱۱۲) اور تاکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل اس جھوٹ کی طرف مائل ہوں اور وہ اسے پسند کریں اور تاکہ وہ، وہ برائیاں کریں جو یہ کررہے ہیں۔''(۱۱۳)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

اے نبی ﷺ جن حالات سے آپ گزر رہے ہیں۔ایسے اعتراضات اور حالات سے تمام انبیاء کو واسطہ پڑتا رہا ہے۔کیونکہ جنوں اور انسانوں میں سے ہر نبی کا ایک دشمن ضرور ہوا کرتا تھا۔

کَذٰلِکَ کا لفظ اس بات کی ترجمانی کررہا ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ سے پہلے جتنے انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے انھیں کئی قسم کے مظالم برداشت کرنے پڑے۔ان پاکباز شخصیتوں پر الزامات لگائے گئے ان کی دعوت پر ہر قسم کی تنقید کی گئی لیکن وہ جواں مرد پوری استقامت کے ساتھ اپنے مشن پر قائم رہے۔یہاں اس بات کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے ہر نبی کے جنوں اور انسانوں میں سے دشمن بنائے تھے جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایک دوسرے کو عیاری، مکاری اور ملمع سازی کی باتیں سکھلایا کرتے تھے۔یہاں شیاطین کے لیے وحی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ وحی کی اقسام میں ایک قسم یہ بھی ہے کہ جو

بات پیغمبر کو بتلائی ہوتی ہے اسے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔سورۃ النحل آیت ۶۸ میں شہد کی مکھی کے لیے بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مکھی کو شہد بنانے کی وحی کرتا ہے۔شیطان صفت انسان اور جنات غیر محسوس طریقے سے اپنے چیلوں کے ذریعے برائی اور بے حیائی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ لوگ برائی کی طرف مائل ہو جائیں۔یہ باتیں شیطان ان کے ذہن میں ڈالتا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مہلت دے رکھی ہے اور انسانوں کے لیے دنیا کی زندگی کو امتحان گاہ بنایا ہے جس بنا پر اللہ تعالیٰ کی منشاء ہے کہ انسان کو اچھائی اور برائی سے آگاہ کرنے کے بعد اختیار اور مہلت دی جائے کہ وہ ان میں سے کون سی چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ورنہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایسے لوگ اور شیطان اس کی دسترس سے باہر نہیں ہیں۔اس لیے آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دیجیے تاکہ جو لوگ آخرت کی جوابدہی پر یقین نہیں رکھتے ان کے دل اسی طرف مائل رہیں جو کچھ وہ اپنی من مرضی سے اپنے لیے پسند کر چکے ہیں۔یہاں برائی کے تین مدارج بیان کیے گئے ہیں۔

۱۔ جب شیطان کسی شخص کو پھسلاتا ہے تو سب سے پہلے اس کے دل میں باطل خیالات پیدا کرتا ہے اگر انسان اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب نہ کرے تو بالآخر اس کا دل ان کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

۲۔ انسان کے دل میں جو نظریہ جگہ پکڑ جائے وہ اسی پر اپنے آپ کو راضی اور مطمئن سمجھتا ہے۔

۳۔ آدمی جب اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو چھوڑ کر کسی بات کی طرف مائل اور اس پر راضی ہو جائے تو وہ وہی کچھ کرتا ہے جو اس کا دل چاہتا ہے اکثر اوقات اس گمراہی پر لوگوں سے جھگڑتا ہے آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے اگر وہ صحیح رہے تو انسان صحیح رہتا ہے اگر وہ خراب ہو جائے تو تمام جسم خراب ہو جاتا ہے وہ انسان کا دل ہے۔(رواہ البخاری:باب فضل من استبراء الدینہ)

﴿أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [سورة الأنعام: ۱۲۲]

’’بھلا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اُسے زندہ کیا اور اس کو روشنی عطا کی جس کی مدد سے وہ لوگوں میں زندگی بسر کرتا ہے اُس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہو اور اس کے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہو۔کافروں کے لیے ان کے اعمال اسی طرح خوشنما بنا دیے گئے۔‘‘

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهِ قَرِينُهُ مِنَ الْجِنِّ قَالُوا وَإِيَّاكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ وَإِيَّايَ إِلَّا أَنَّ اللّٰهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ فَلَا يَأْمُرُنِي إِلَّا بِخَيْرٍ))

[رواه مسلم: كتاب صفة القيامة والجنة والنار، باب تحريش الشيطان وبعثه سراياه لفتنة الناس]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک جن اور ایک فرشتہ مقرر کیا گیا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا کیوں نہیں لیکن اللہ نے اس پر میری مدد فرمائی جس سے وہ میرا تابع ہے اس لیے وہ نیکی کے سوا مجھے کوئی حکم نہیں دے سکتا۔''

((عَنْ أَبِی أُمَامَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فِی الْمَسْجِدِ جَالِسًا وَکَانُوا یَظُنُّونَ أَنَّہُ یَنْزِلُ عَلَیْہِ فَأَقْصَرُوا عَنْہُ حَتّٰی جَاءَ أَبُو ذَرٍّ فَاقْتَحَمَ فَأَتٰی فَجَلَسَ إِلَیْہِ فَأَقْبَلَ عَلَیْہِمُ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ یَا أَبَا ذَرٍّ ہَلْ صَلَّیْتَ الْیَوْمَ قَالَ لَا قَالَ قُمْ فَصَلِّ فَلَمَّا صَلّٰی أَرْبَعَ رَکَعَاتِ الضُّحٰی أَقْبَلَ عَلَیْہِ فَقَالَ یَا أَبَا ذَرٍّ تَعَوَّذْ مِنْ شَرِّ شَیَاطِینِ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ قَالَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ وَہَلْ لِلْإِنْسِ شَیَاطِینُ قَالَ نَعَمْ شَیَاطِینُ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ یُوحِی بَعْضُہُمْ إِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا)) [مسند احمد:۲۱۲۵۷]

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور صحابہ کا یہ گمان تھا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے اس لیے وہ آپ کے سامنے چپ چاپ بیٹھے تھے اتنے میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ آکر آپ کے پاس بیٹھ گئے آپ نے فرمایا اے ابوذر کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟ انھوں نے کہا نہیں آپ نے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ جب انھوں نے چار رکعات چاشت کی نماز پڑھ لی تو آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا شیطان جنوں اور انسانوں سے پناہ طلب کیا کرو انھوں نے کہا اے اللہ کے نبی کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں آپ نے فرمایا ہاں! جن اور انسان لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لیے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں القا کرتے ہیں۔''

مسائل

۱۔ ہر نبی کے شیاطین اور انسانوں میں دشمن ہوا کرتے تھے۔
۲۔ جنوں اور انسانوں میں سے کچھ افراد شیطان ہوتے ہیں۔
۳۔ شیاطین لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے خوش نما باتیں لوگوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں۔
۴۔ آخرت کا انکار کرنے والے شیاطین کے ساتھی ہیں۔
۵۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مہلت دے رکھی ہے۔
۶۔ آخرت کے منکروں کے دل برائی کی طرف مائل رہتے ہیں۔

اَفَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْتَغِیْ حَکَمًا وَّھُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ

کیا پھر علاوہ اللہ میں تلاش کروں کوئی حکم حالانکہ وہی ہے وہ جو نازل کی اس نے

اِلَیْکُمُ الْکِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ

تمہاری طرف کتاب مفصل اور وہ لوگ جو ہم نے انہیں دی کتاب

یَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَکُوْنَنَّ

وہ جانتے ہیں بلاشبہ وہ نازل شدہ ہے سے تیرے رب ساتھ حق کے لہٰذا نہ ہوتو

مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّ

سے شک کرنے والوں اور پوری ہوگئی بات تیرے رب کی سچائی اور

عَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ ۚ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۱۵﴾

عدل نہیں کوئی تبدیل کرنیوالا اس کے فرمان اور وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا

”تو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور فیصلہ کرنے والا تلاش کروں، حالانکہ اسی نے آپ کی طرف یہ مفصل کتاب نازل کی ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یقیناً یہ آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کی گئی ہے، پس آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔(۱۱۴) اور آپ کے رب کی بات سچ اور انصاف کے اعتبار سے پوری ہوگئی اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔“(۱۱۵)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ من ساختہ بات کے پیچھے چلنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرے جس کے لیے اس نے مفصل کتاب نازل فرمائی ہے۔

انسان پر شیطان کا تسلط قائم ہو جائے تو وہ اللہ کا بندہ بننے کے بجائے اپنے نفس اور شیطان کا غلام بن کر رہ جاتا ہے۔ قرآن کے الفاظ میں ایسا شخص اپنے نفس کا بندہ بن جاتا ہے اور وہ آخرت سے بے پروا ہو کر اپنے نظریات کو شریعت کا متبادل سمجھتے ہوئے اس کی پیروی کرتا ہے اس سوچ اور طرز عمل کی مذمت کرتے ہوئے رسول محترم ﷺ کی زبان سے کہلوایا گیا ہے کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا حاکم تصور کرلوں حالانکہ فیصلہ کرنے والا تو صرف وہی ہے اور اس نے انسانوں کو شیطان اور نفس کی پیروی سے منع کیا ہے اور لوگوں کی ہدایت کے لیے جامع اور مفصل کتاب نازل فرمائی ہے۔

اِلَیْکُمُ کا اشارہ اور ضمیر لا کر منکرین وحی کو فرمایا ہے کہ اگر تمہیں رسول کے برحق اور قرآن مجید کے من جانب اللہ

ہونے پر شک ہے تو اہل علم سے اس کے بارے میں پوچھ لیجیے۔ اہل علم سے مراد خاص کر وہ صحابہ ہیں جو عیسائی اور یہودی مذہب چھوڑ کر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ ہی یہود و نصاریٰ کے حق گو دانشور بھی شامل ہیں جو اپنے مذہب پر رہنے کے باوجود قرآن مجید کے من جانب اللہ ہونے کی کھلی گواہی دیتے ہیں۔ قرآن مجید کی صداقت وعظمت کے پیش نظر نبی محترم ﷺ کو فرمایا گیا ہے کہ آپ کو قرآن کے من جانب اللہ اور اس کی ہدایت پر کسی قسم کا اندیشہ اور شک نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہر بات کو سننے اور جاننے والا ہے۔ اس میں بظاہر آپ ﷺ کی ذات مخاطب ہے مگر حقیقتاً پوری بنی نوع انسان شامل ہے۔ ان دو آیات میں قرآن مجید کے سات اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ قرآن مجید اللہ کا نازل کردہ ہے۔

۲۔ احکام و مسائل میں جامع اور مفصل کتاب ہے۔

۳۔ اس کی رہنمائی اور ہدایت میں کسی قسم کا نقصان اور شک کی گنجائش نہیں۔

۴۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔

۵۔ قرآن مجید کے احکام عدل وانصاف پر مبنی ہیں۔

۶۔ قرآن مجید کے ارشادات اور اس کی پیش گوئیاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے برحق ہیں۔

۷۔ قرآن مجید ہر اعتبار سے تغیر و تبدل سے پاک ہے اور قیامت تک اس کے محفوظ رہنے کی ضمانت دی گئی ہے۔

﴿وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِىْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ﴾ [الحجر:٦]

''اللہ رب العزت فرماتے ہیں جسے قرآن پاک کی تلاوت اور میرے ذکر نے مجھ سے مانگنے سے مشغول رکھا میں اسے مانگنے والوں سے زیادہ عطا کروں گا۔''

قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب:

((يَقُوْلُ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ وَذِكْرِیْ عَنْ مَسْأَلَتِیْ اَعْطَيْتُهٗ اَفْضَلَ مَآ اُعْطِیَ السَّآئِلِيْنَ))

[رواہ الترمذی: کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء کیف کانت قراءۃ النبی]

''اللہ رب العزت فرماتے ہیں جسے قرآن پاک کی تلاوت اور میرے ذکر نے مجھ سے مانگنے سے مشغول رکھا میں اسے مانگنے والوں سے زیادہ عطا کروں گا۔''

جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات بڑائی و کبریائی اور خیر و برکت کے لحاظ سے یکتا اور تنہا ہے یہی مقام ذکر و اذکار میں تلاوتِ قرآن مجید کو حاصل ہے۔ قرآن مجید کو زندگی کا رہنما بنانے سے دنیا و آخرت کے مسائل و مصائب کا مداوا ہونے کی ضمانت دی گئی ہے۔ اس کتابِ مقدس سے انحراف اور بے اعتنائی کرنا پریشانیوں اور ناکامیوں کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّ يَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ)) [رواہ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا]

’’یقیناً اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے قوموں کو بلند فرماتا ہے اور اسی کے سبب لوگوں کو ذلیل کرتا ہے۔‘‘

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهٗ بِهٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا لَا أَقُوْلُ الم حَرْفٌ وَلٰكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ))

[ترمذی: کتاب فضائل القرآن]

’’حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی کتاب کا ایک حرف پڑھا اسے اس کے بدلے ایک نیکی ملے گی اور ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے میں یہ نہیں کہتا کہ ’’الم‘‘ ایک حرف ہے بلکہ ’’الف‘‘ ایک حرف ہے اور ’’لام‘‘ ایک حرف ہے‘‘ اور ’’میم‘‘ ایک حرف ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق فیصلے کرنے چاہییں۔
۲۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے۔
۳۔ قرآن مجید میں کسی قسم کا ردو بدل نہیں کیا جاسکتا۔
۴۔ قرآن مجید قیامت تک محفوظ رہے گا۔
۵۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کا کلام حق اور اس کے وعدے سچے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ سچ فرماتا ہے۔ (الاحزاب:۴)
۲۔ اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا۔ (الاحزاب:۵۳)
۳۔ جان لو اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے۔ (القصص:۱۳)
۴۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے تمھیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے۔ (لقمان:۳۳)
۵۔ اللہ تعالیٰ سے بات کرنے کے لحاظ سے کون زیادہ سچا ہے۔ (النساء:۸۷)
۶۔ اللہ کے قول سے بڑھ کر کس کا قول ہوسکتا ہے۔ (النساء:۱۲۲)
۷۔ کہہ دیجیے کیا تم نے اللہ سے عہد لیا ہے تو اللہ اپنے عہد کے خلاف نہیں کرے گا۔ (البقرۃ:۸۰)
۸۔ وہ عذاب کی جلدی مچاتے ہیں اللہ اپنے وعدے کے ہرگز خلاف نہیں کرے گا۔ (الحج:۴۷)
۹۔ اے ہمارے پروردگار تو قیامت کے دن لوگوں کو جمع فرمائے گا اور تو اس کے خلاف نہیں کریگا۔ (آل عمران:۹)

وَاِنۡ تُطِعۡ اَكۡثَرَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ يُضِلُّوۡكَ عَنۡ سَبِيۡلِ

اور اگر آپ اطاعت کریں | اکثر کی | جو میں | زمین | وہ تجھے بہکا دیں | سے راستہ

اللّٰهِ ؕ اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ (١١٦)

اللہ | نہیں وہ پیروی کرتے | مگر گمان | اور نہیں ہیں وہ | مگر اٹکل پچو لگاتے

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ مَنۡ يَّضِلُّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ

بے شک تیرا رب | وہ خوب جانتا ہے | کون بہکتا ہے | سے اس کی راہ | اور وہ خوب جانتا ہے

بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ (١١٧)

ہدایت یافتہ لوگ

''اور اگر آپ نے ان زمین میں رہنے والوں کی اکثریت کی اطاعت کی تو وہ آپ کو اللہ کے راستہ سے بہکا دیں گے وہ تو گمان کے سوا کسی چیز کی پیروی نہیں کرتے اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں کرتے کہ اٹکل پچو لگاتے ہیں۔(١١٦) بے شک آپ کا رب ہی زیادہ جاننے والا ہے کون اس کے راستہ سے بہکتا ہے اور وہی ہدایت پانے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے۔'' (١١٧)

فہم القرآن

ربط کلام: حق وانصاف، ہدایت اور رہنمائی کا فیصلہ لوگوں کی اکثریت پر نہیں ہوا کرتا۔ اکثریت کے پیچھے چلنے والا گمراہ ہی ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ لوگوں کی اکثریت گمراہ ہوتی ہے۔

رسول محترم ﷺ کے زمانہ میں منکرین حق اپنی گمراہی کی تائید میں یہ دلیل بھی دیا کرتے تھے کہ اگر آپ سچے ہیں تو آپ کی پیروی کرنے والے تعداد کے لحاظ سے تھوڑے اور وسائل کے اعتبار سے کمزور کیوں ہیں؟ اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ لوگوں کی اکثریت ہمیشہ گمراہی پر قائم رہی ہے لہٰذا حق وصداقت کا معیار ٹھوس دلائل ہیں لوگوں کی اکثریت نہیں۔ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کا پابند کیا گیا ہے نہ کہ جمہوریت کا؟ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ دنیا میں گمراہ لیڈر لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے جمہوریت کا بہانہ بنائیں گے اس لیے اس نے جمہوریت کے بت کو پاش پاش کرنے کے لیے اپنے نبی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر آپ بھی عدل وانصاف کے اصول اور قرآن مجید کی ہدایات کو چھوڑ کر محض اکثریت کی اتباع کریں گے تو یہ لوگ آپ کو صراطِ مستقیم سے ہٹا دیں گے۔ اکثریت تو خود ساختہ اصولوں اور اپنے تصورات کی اتباع کرنے کے سوا کسی حقیقت پر قائم نہیں ہوتی۔ قربان جائیں قرآن کے فرمان پر! دنیا میں جہاں، جہاں بھی جمہوریت کو حق وباطل کا معیار بنایا گیا ہے وہاں یہی اصول ہے کہ جمہوریت کا فیصلہ ہی حق کا معیار ہے اس لیے انتخاب جیتنے والا ہر لیڈر نعرہ لگاتا ہے کہ

جمہوریت کا فیصلہ غلط نہیں ہوسکتا لیکن جب الیکشن ہار جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میرا مد مقابل عوام کو گمراہ کر رہا ہے۔ قرآن مجید جمہوریت کو حق و باطل کا معیار قرار دینے کے اصول اور نظریہ کی نفی کرتا ہے۔ لہٰذا نبی اکرم ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ پورے اخلاص اور دلجمعی کے ساتھ اللہ کی نازل کردہ ہدایت کی طرف بلائیں اور اس پر جمے رہیں اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے گمراہ ہوا کون خوش نصیب ہدایت یافتہ ہے۔ اس فرمان میں ایک اعتبار سے نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی گئی کہ آپ کا کام سمجھانا ہے منوانا نہیں۔

مسائل

ایمان اور حق کا معیار:

۱۔ مسلمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے احکام کی پیروی کرنی چاہیے۔

۲۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

۳۔ اکثریت کی پیروی حق کا معیار نہیں ہوا کرتی۔

۴۔ لوگوں کی اکثریت محض وہم و گمان کی پیروی کرتی ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ اور گمراہ لوگوں کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

لوگوں کی اکثریت حق کے بارے میں جاہل اور گمراہ ہوتی ہے:

۱۔ اگر ہم منکرین کے سامنے ہر چیز کو اکٹھا کر دیتے تب بھی وہ ایمان نہ لاتے کیونکہ اکثر ان میں جاہل ہیں۔ (الانعام:۱۱۱)

۲۔ کیا زمین و آسمان کی تخلیق مشکل ہے یا انسان کی پیدائش مگر اکثر لوگ جاہل ہیں۔ (الفاطر:۵۷)

۳۔ یہ دین صاف اور سیدھا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف:۴۰)

۴۔ اللہ اپنے امر پر غالب ہے لیکن لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف:۲۱)

۵۔ اللہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ جاہل ہیں۔ (الروم:۶)

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَاسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾

چنانچہ تم کھاؤ اس سے جو ذکر کیا گیانام اللہ کااس پر اگر ہو تم اس کی آیات کیساتھ ایمان لانے والے

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ

اور کیا ہے تمہیں نہیں تم کھاتے اس سے جو ذکر کیا گیا نام اللہ کا اس پر اور تحقیق

فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ

اس نے واضح کیا تمہارے لیے جواس نے حرام کیا تم پر مگر جو کہ تم مجبور کر دیے جاؤ اس کی طرف

وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

اور بلاشبہ اکثر لوگ البتہ بہکاتے ہیں اپنی خواہشات سے بغیر علم کے بے شک تیرا رب

هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿١١٩﴾

وہ خوب جانتا ہے حد سے گزرنے والوں کو

”جس چیز پر اللہ کا نام لیا جائے اس میں سے کھاؤ اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھنے والے ہو۔(١١٨) اور تمہیں کیا ہے کہ تم اس میں سے نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے، حالانکہ اس نے تمہارے لیے وہ چیزیں کھول کر بیان کر دی ہیں جو اس نے تم پر حرام کی ہیں مگر جس کی طرف تم مجبور کر دیے جاؤ اور بے شک بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشات کے ساتھ گمراہ کرتے ہیں بے شک آپ کا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جاننے والا ہے۔“(١١٩)

فہم القرآن

ربط کلام: جس طرح گمراہ اکثریت کی اتباع جائز نہیں اسی طرح اس جانور کو بھی کھانا جائز نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ بے شک حرام کھانے والوں کی اکثریت ہی کیوں نہ ہوں۔

سرزمین حجاز اور مکہ میں ایسے قبائل بھی تھے جو جانور ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا مناسب نہیں سمجھتے تھے جس طرح کہ سکھ مذہب کے لوگ جانور حلال کرتے ہوئے اس کا جھٹکا کرتے ہیں پھر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو مردہ جانور کھاتے تھے جب انھیں اس سے روکا جاتا تو وہ کہتے کہ مسلمانوں کی عجب حالت ہے کہ اللہ کے مارے ہوئے کو نہیں کھاتے لیکن اپنے ہاتھ سے مارے ہوئے کو کھا لیتے ہیں۔ اس پر یہ فرمان نازل ہوا کہ مسلمانو! تمہارے ایمان کا تقاضا ہے کہ صرف وہی ذبیحہ کھاؤ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو، پھر ان لوگوں کو مخاطب کیا کہ تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کا حلال کردہ ذبیحہ نہیں کھاتے جس کو ذبح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا مبارک نام لیا گیا ہے۔ حرام کھانا تمھارے لیے اس وقت ہی جائز ہو گا جب تمھیں حلال چیز میسر نہ ہو اور تم اسے کھانے کے لیے بے حد اضطرار کی حالت میں ہو۔ اس حکم کی وضاحت کرتے ہوئے فقہاء نے لکھا ہے کہ حرام

کھانا اس وقت جائز ہوگا جب آدمی کو یقین ہو کہ واقعی مجھے اس وقت حلال میسّر نہیں ہوسکتا۔ اگر میں کچھ نہ کھاؤں گا تو میری موت واقع ہوجائے گی ایسا شخص اپنے آپ کو مضطر تصور کرتے ہوئے اتنا ہی حرام کھا سکتا ہے جس سے اس کی زندگی بچ سکے۔ اس فرمان سے پہلے گمراہ قسم کی اکثریت کی اتباع سے روکا گیا ہے اب حرام خوری سے منع کرنے کے لیے پھر گمراہ اکثریت کی اتباع سے روکا گیا ہے کیونکہ لوگوں کی اکثریت کا عالم یہ ہے کہ وہ کسی علمی بنیاد کے بغیر محض اپنے تصورات کی بناء پر حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے حلال وحرام میں تجاوز کرنے والوں کو اللہ خوب جانتا ہے۔

((عن عُمَر بن أَبِی سَلَمَةَ رضی اللہ عنہ یَقُولُ کُنْتُ غُلَامًا فِی حَجْرِ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَکَانَتْ یَدِی تَطِیشُ فِی الصَّحْفَةِ فَقَالَ لِی رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَا غُلَامُ سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِیَمِینِكَ وَكُلْ مِمَّا یَلِیكَ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ طِعْمَتِی بَعْدُ))[رواہ البخاری: کتاب الأطعمة،باب التسمیة علی الأکل والأکل بالیمین]

''عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں بچپن میں رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا اور کھانا کھاتے وقت میرا ہاتھ پیالے میں اردگرد گھوم رہا تھا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بچے کھانا اللہ کے نام سے شروع کیا کرو دائیں ہاتھ اور اپنے آگے سے کھایا کرو۔ اس کے بعد ہمیشہ کے لیے میرا کھانے کا انداز یہی رہا۔''

((عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَأْكُلُوا بِالشِّمَالِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِالشِّمَالِ))

[رواہ مسلم : کتاب الأشربة باب اداب الطعام]

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بائیں ہاتھ سے نہ کھایا کرو بلاشبہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ کا نام لے کر کھانے کی ابتدا کرنی چاہیے۔
۲۔ جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح کرنا چاہیے۔
۳۔ لوگوں کی اکثریت کے پاس شریعت کا علم نہیں ہوتا۔
۴۔ اللہ تعالیٰ نے حلال وحرام کو واضح فرمادیا ہے۔
۵۔ اپنی خواہشات کے بجائے شریعت پر عمل کرنا چاہیے۔
۶۔ لوگوں کی جمہوریت گمراہ ہوتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

کسی چیز پر غیر اللہ کا نام نہیں لینا چاہیے:

۱۔ اللہ نے جو تمھیں رزق دیا ہے اس پر اللہ کا نام لو۔ (الحج:۳۴)
۲۔ کھانے پینے پر اللہ کا نام لینا چاہیے۔ (المائدۃ:۴)
۳۔ وہ چیز کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے۔ (انعام:۱۱۸)
۴۔ کسی شخص کو حرام وحلال فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں (النحل:۱۱۶)

وَذَرُوْا	ظَاهِرَ الْاِثْمِ	وَبَاطِنَهٗ ؕ	اِنَّ الَّذِيْنَ	يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ
اور تم چھوڑ دو	کھلا گناہ	اور پوشیدہ گناہ	بیشک جو لوگ	وہ کماتے ہیں گناہ
سَيُجْزَوْنَ	بِمَا كَانُوْا	يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾	وَلَا تَاْكُلُوْا	مِمَّا لَمْ
عنقریب سزا دیے جائیں گے	ساتھ جو تھے وہ	گناہ کرتے ہیں	اور نہ کھاؤ تم	اس سے نہیں
يُذْكَرِ	اسْمُ اللّٰهِ	عَلَيْهِ	وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ	وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ
ذکر کیا گیا	نام اللہ	اس پر	اور بیشک وہ البتہ فسق ہے	اور یقیناً شیطان (جمع)
لَيُوْحُوْنَ	اِلٰٓى	اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ	لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ	وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ
ضرور شبہات ڈالتے ہیں	طرف	اپنے دوستوں	تا کہ وہ تم سے جھگڑا کریں	اور اگر تم نے انکی اطاعت کی
اِنَّكُمْ	لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع			
تو یقیناً تم	ضرور مشرک ہو			

ع ۱۴/۱۱

''اور ظاہر گناہ کو چھوڑ دو اور چھپے ہوئے کو بھی بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں عنقریب انہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جس کا ارتکاب کیا کرتے تھے۔ (۱۲۰) اور جس (جانور) پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے نہ کھاؤ اور یقیناً یہ سراسر نافرمانی ہے اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں باتیں ڈالتے ہیں تا کہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے۔'' (۱۲۱)

فہم القرآن

ربط کلام: صرف حرام کھانا ہی نہیں چھوڑنا بلکہ خفیہ اور اعلانیہ گناہ بھی چھوڑ دینے چاہییں۔

اس سے پہلے حکم میں مجبور انسان کو حرام کھانے کی اجازت دی گئی تھی جس سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھا سکتا تھا کیونکہ کسی دوسرے کو کیا معلوم کہ حرام کھانے والا کس حد تک مجبور ہے۔ یعنی حالت کا صرف متعلقہ آدمی کو ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے واضح کر دیا گیا کہ مومن وہ ہے جو پوشیدہ اور کھلے گناہوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ لہٰذا انتباہ فرمایا کہ جو لوگ خفیہ یا اعلانیہ گناہ کریں گے بہت جلد سزا سے دوچار ہوں گے۔ جلد سے مراد دنیا میں اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی شکل میں گرفت ہو سکتی ہے پھر آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی نہایت مختصر ہے۔ اس لحاظ سے آخرت کی سزا بھی بہت جلد ملنے والی ہے اللہ سے ڈرنے والا شخص ہمیشہ آخرت کو قریب ہی سمجھا کرتا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ موت انسان کی جوتی کے تسمے سے بھی قریب ہے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ؓ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَلْجَنَّةُ أَقْرَبُ إِلٰى أَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ وَالنَّارُ مِثْلُ ذٰلِكَ))

[رواہ البخاری: باب الْجَنَّةُ أَقْرَبُ إِلٰى أَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ وَالنَّارُ]

”حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت اور دوزخ تم میں سے ہر کسی کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔“

ظاہری اور باطنی گناہ چھوڑ دینے کے حکم کے ساتھ ہی یہ حکم ہوا کہ یہ بھی گناہ ہے کہ تم وہ جانور کھاؤ جس کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ ایسے جانور کا گوشت کھانا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے نام لیے بغیر کسی جانور کو ذبح کرنے کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لینے کے بجائے کسی غیر کا نام لے کر یا بظاہر تو اللہ تعالیٰ کا نام لیا جا رہا ہو لیکن ذبح کسی مزار، بت یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے نام پر کیا گیا ہو۔ اس موقع پر بعض لوگ یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ کسی فوت شدہ کے لیے ایصالِ ثواب کی نیت سے ذبح کرنا بھی تو غیر اللہ ہی کے لیے ہوگا۔ یہی وہ مغالطے ہیں جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے والے ہمیشہ سے مسلمانوں کو دینے کی کوشش کرتے آرہے ہیں۔ اسی لیے غیر اللہ کے نام پر کوئی چیز دینے اور ذبح کرنے سے روکتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ شیطان اپنے ساتھیوں اور دوستوں کے ذہن میں ایسی ایسی باتیں اور دلیلیں ڈالتا ہے جس سے وہ موحدوں کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں۔ لہٰذا موحدین کا فرض ہے کہ وہ ایسی چیزیں نہ کھائیں اور نہ استعمال کریں اور نہ ہی ایسے دلائل سے دھوکا کھائیں۔ اگر کوئی غیر اللہ کے نام پر دی ہوئی چیز کھائے یا استعمال کرے گا تو وہ مشرکوں کے زمرہ میں سمجھا جائے گا۔ اس مقام پر ان لوگوں کو غور کرنا چاہیے جو رواداری میں ایسی چیزیں ہڑپ کر جاتے ہیں یا غیر اللہ کے نام دی ہوئی چیز وصول کر لیتے ہیں حالانکہ اس کا لینا بھی حرام ہے بے شک وہ چیز باہر پھینک دی جائے یا کسی جانور کو کھلا دی جائے اس کا وصول کرنا کسی نہ کسی درجے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوگی۔

مسائل

۱۔ کھلے اور پوشیدہ گناہوں سے بچنا چاہیے۔ ۲۔ نیکی ہو اور برائی کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا۔
۳۔ غیر اللہ کے نام پر دی ہوئی چیز کھانا حرام ہے۔ ۴۔ شیاطین اپنے ساتھیوں کو مومنین کے خلاف بھڑکاتے ہیں۔
۵۔ اللہ کے طریقہ کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرنا گمراہی ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہر قسم کے گناہ چھوڑ دینے کا حکم:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں کہ میرے رب نے ظاہر و باطن کی بے حیائی اور گناہ کے کاموں سے منع کر دیا ہے۔ (الاعراف: ۳۳)
۲۔ درویش اور علماء لوگوں کو گناہ کی باتوں سے منع کیوں نہیں کرتے۔ (المائدۃ: ۶۳)
۳۔ اللہ کے بندے کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں۔ (الشوریٰ: ۳۷)
۴۔ بے شک نیک لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں۔ (النجم: ۳۲)

اَوَمَنْ	كَانَ	مَيْتًا	فَاَحْيَيْنٰهُ	وَجَعَلْنَا	لَهٗ	نُوْرًا
کیا وہ شخص جو	تھا	مردہ	پھر ہم نے اسکو زندہ کیا	اور ہم نے بنائی	اس کے لیے	روشنی
يَّمْشِيْ	بِهٖ	فِي	النَّاسِ	كَمَنْ	مَّثَلُهٗ	فِي
وہ چلتا ہے	اس کے ساتھ	میں	لوگ	اس کی طرح جو	اس کی مثال	میں
الظُّلُمٰتِ	لَيْسَ	بِخَارِجٍ	مِّنْهَا ؕ	كَذٰلِكَ	زُيِّنَ	لِلْكٰفِرِيْنَ
اندھیرے	نہیں	وہ نکلنے والا	ان سے	اسی طرح	خوبصورت کیے گئے	کافروں کیلئے
مَا	كَانُوْا	يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾				
جو	وہ تھے	وہ عمل کرتے				

”اور کیا وہ شخص جو مردہ تھا، پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لیے ایسی روشنی بنا دی جس کی مدد سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اس شخص کی طرح ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیروں میں ہے ان سے کسی صورت نکلنے والا نہیں اسی طرح کافروں کے لیے وہ عمل خوبصورت بنا دیے گئے جو وہ عمل کرتے تھے۔“ (۱۲۲)

فہم القرآن

ربط کلام: مردار اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور کھانے، سے آدمی کا ضمیر اور ایمان مردہ ہو جاتا ہے۔ یہاں ان دونوں کا تقابل کیا گیا ہے۔

بنیادی طور پر انسان کی زندگی دو عناصر پر مشتمل ہے جسم کو قائم رکھنے کے لیے بہتر فضا اور اچھی غذا کی ضرورت ہے۔ روح کو بیدار اور صحت مند رکھنے کے لیے گناہوں سے اجتناب اور کفر و شرک سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔ خوراک اور آب و ہوا مناسب نہ ہو تو جسمانی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ روح کی خوراک، اچھے اعمال اور عقیدۂ توحید ہے۔ جس قدر آدمی کے اعمال اور اُس کا عقیدہ کمزور ہو گا اتنی ہی اس کی روح کمزور ہوتی چلی جائے گی۔ یہاں تک کہ زندہ ہونے کے باوجود انسان روحانی طور پر مردہ ہو جاتا ہے۔ یہاں مردار خوری اور غیر اللہ کے نام وقف کی ہوئی چیز سے بچنے کو زندگی قرار دیا گیا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ یہ طرز زندگی عطا فرمائے گویا کہ وہ زندہ انسان ہے۔ وہ لوگوں میں تابناک، اور شاندار زندگی بسر کر رہا ہے۔

روشنی کا منبع اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب اور اُس پر چلنے کی توفیق ہے۔ جسے سورۂ ابراہیم کی دوسری آیت میں یوں بیان فرمایا ہے اس کتاب کو ہم نے اپنے رسول پر نازل کیا تاکہ اللہ کے حکم کے مطابق لوگوں کو ہر قسم کی تاریکیوں سے نکال کر واضح اور شاندار روشنی میں لا کھڑا کرے۔ (البقرۃ، آیت: ۲۵۷) میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ ایمانداروں کا مربی اور دوست ہے

وہ انھیں ہر قسم کی ظلمات سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لاتا ہے اور کفار کے دوست شیاطین ہیں جو انھیں ایمان اور توحید کی روشنی سے نکال کر شرک و بدعت اور گناہوں کی تاریکیوں میں دھکیل دیتے ہیں۔

یہاں اسی بات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اللہ کی عطا کردہ روشنی میں زندگی بسر کرنے والا ایسے شخص کی مانند نہیں ہو سکتا جو کفر و شرک کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہو۔ اُسے اندھیروں سے کوئی نکالنے والا نہیں گویا کہ جو علماء لوگوں کو شرک اور غیر اللہ کے نام پر وقف کی ہوئی چیزیں کھانے کی دعوت دیتے ہیں وہ لوگوں کو ایمان کی روشنی سے نکال کر بدعت و شرک کے اندھیروں میں گھسیٹتے ہیں۔

گمراہ علماء کے پیروکار اس لیے اندھیروں سے نکل کر ایمان کی روشنی کی طرف نہیں آتے کیونکہ باطل عقیدہ اور برے اعمال ان کے لیے خوبصورت بنا دیے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ توحید کے دلائل سننے اور ماننے میں گرانی محسوس کرتے ہیں اور شرک و بدعت کو اپنانے اور برے اعمال اختیار کرنے کو فیشن اور دین سمجھتے ہیں۔

مسائل

١۔ قرآن مجید ہدایت کی طرف بلاتا ہے۔
٢۔ عقیدۂ توحید زندگی کی علامت ہے۔
٣۔ کافر اپنی بداعمالیوں میں مگن رہتا ہے۔
٤۔ کافر دنیا کی خوش نما اور عارضی زندگی پر بھروسہ رکھتا ہے۔
٥۔ حرام کھانے سے انسان کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے۔
٦۔ ایمان روشنی ہے اور گمراہی اندھیرا ہے۔
٧۔ ایمان دار زندہ ہے اور گمراہ انسان مردہ ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نور اور اندھیرے:

١۔ ''اللہ'' ایمان والوں کا دوست ہے انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ (البقرۃ:٢٥٧)
٢۔ اندھا اور بینا اندھیرا اور روشنی برابر نہیں ہو سکتے۔ (فاطر:٢٠)
٣۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لائیں۔ (الحدید:٩)
٤۔ جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا وہ اللہ کی طرف سے روشنی پر ہے۔ (الزمر:٢٢)
٥۔ تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے روشنی اور اندھیروں کو پیدا کیا۔ (الانعام:١)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا

اور اسی طرح | ہم نے بنایا | میں | ہر | بستی | بڑے لوگ | جرائم پیشہ اسکا

لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۲۳

تاکہ وہ مکر کریں | اس میں | اور نہیں وہ مکر کرتے | مگر | اپنے آپ ہی سے | اور نہیں | وہ سمجھ رکھتے

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى

اور جب | آتی ہے انکے پاس | کوئی نشانی | تو کہتے ہیں | ہرگز نہیں | ہم ایمان لائیں گے | یہاں تک کہ ہم دیے جائیں

مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ

مثل (اسکے) | جو | دیے گئے | رسول (جمع) | اللہ | اللہ | خوب جانتا ہے | جہاں

يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ

وہ بنائے | اپنی رسالت | عنقریب پہنچے گی | وہ لوگ جو | جنہوں نے جرم کیے | ذلت | پاس | اللہ

وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ۝۱۲۴

اور عذاب | شدید | بسبب اسکے جو | تھے وہ | مکر کرتے

''اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے لیڈروں کو مجرم بنا دیا تا کہ وہ اس میں مکر وفریب کریں اور وہ مکر وفریب نہیں کرتے مگر اپنے ساتھ ہی اور وہ سمجھتے نہیں۔ (۱۲۳) اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہمیں اس جیسا دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا اللہ زیادہ جاننے والا ہے کہ اپنی رسالت کہاں رکھے۔ عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے جرم کیے اللہ کے ہاں ذلت پہنچے گی اور سخت عذاب اس وجہ سے کہ وہ مکر وفریب کرتے تھے۔'' (۱۲۴)

فہم القرآن

ربط کلام: جرائم پیشہ لوگ نورِ توحید کو مٹانے اور بجھانے کے لیے ہمیشہ سرگرم رہے ہیں۔

اس فرمان الٰہی میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دینے کے ساتھ اطلاع دی گئی ہے کہ آپ کو گھبرانے اور ڈگمگانے کی ضرورت نہیں یہ تو ہمیشہ سے ہوتا آرہا ہے کہ معاشرے کے سماجی، سیاسی، معاشی اور نام نہاد مذہبی رہنما دعوت حق کی مخالفت اور انبیاء کی مخاصمت میں پیش پیش رہے ہیں۔ جو ملک وقوم کے مفاد کے نام پر مکر وفریب کے جال بنتے ہیں۔ جب انھیں اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننے اور اس کے ارشادات کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لیے کہا جاتا تو تکبر، رعونت میں آکر کہتے ہیں کہ ہم اس وقت تک ہرگز نہیں مانیں گے جب تک ہمارے پاس براہِ راست یہ احکام نہیں آجاتے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص سے ہم کلام ہوسکتا

ہے تو ہمارے ساتھ کیوں کلام نہیں کرسکتا۔ بعض اس سے آگے بڑھ کر کہتے کہ اس شخص سے ہم نبوت کے زیادہ اہل اور حق دار ہیں۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے کردار کی نبی اکرم ﷺ کے کردار سے کوئی نسبت نہیں ہوسکتی۔ اس کے باوجود اپنے مکرو فریب سے لوگوں کو دھوکہ دیتے تھے۔

عنقریب مکار اور مجرموں کو ربِ ذوالجلال کی طرف سے ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا اور یہ شدید ترین عذاب میں مبتلا ہونگے۔

مسائل

۱۔ نبوت، مال و دولت، جاہ وحشمت یا کسی بڑے پن کی وجہ سے نہیں ملتی۔

۲۔ نبوت سراسر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا انتخاب ہوتا ہے اور جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

۳۔ نبوت کا انکار اور رسول کی مخالفت کرنے والے دنیا میں ذلیل اور آخرت میں شدید ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

شدید عذاب کے مستحق مجرم:

۱۔ اللہ تعالیٰ کفار کو شدید عذاب دے گا۔ (حم السجدۃ: ۲۷)

۲۔ اللہ سے منہ موڑنے والوں کو شدید عذاب ہوگا۔ (المجادلۃ: ۱۵)

۳۔ اے لوگو! اگر تم ناشکری کرو گے تو اللہ کا عذاب شدید ہے۔ (ابراہیم: ۷)

۴۔ جان بوجھ کر بیوی کو نان ونفقہ نہ دینے والے کو شدید عذاب ہوگا۔ (الطلاق: ۱۰)

۵۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والے شدید عذاب سے دوچار ہونگے۔ (آل عمران: ۱۱)

۶۔ مجرم لوگ ذلت اور سخت عذاب میں مبتلا ہونگے۔ (الانعام: ۱۲۴)

۷۔ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والے کے لیے شدید ترین عذاب ہے۔ (الانفال: ۱۳)

۸۔ کفار کے لیے دنیا میں تھوڑا سا فائدہ ہے پھر ان کا ہماری طرف لوٹنا ہوگا پھر ہم انہیں سخت عذاب میں مبتلا کریں گے۔ (یونس: ۷۰)

۹۔ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے شدید عذاب ہے۔ (فاطر: ۷)

۱۰۔ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکانے والوں کے لیے شدید عذاب ہے۔ (ص: ۲۶)

۱۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں کو شدید عذاب میں مبتلا کیا جائیگا۔ (ق: ۲۶)

۱۲۔ کفار کو دنیا اور آخرت میں سخت عذاب سے دوچار کیا جائیگا۔ (آل عمران: ۵۶)

فَمَنْ	يُّرِدِ	اللّٰهُ	اَنْ	يَّهْدِيَهٗ	يَشْرَحْ	صَدْرَهٗ	لِلْاِسْلَامِ ۚ
پھر جسے	چاہتا ہے	اللہ	یہ کہ	ہدایت دے اسے	کھول دیتا ہے	اس کا سینہ	اسلام کے لیے

وَمَنْ	يُّرِدْ	اَنْ	يُّضِلَّهٗ	يَجْعَلْ	صَدْرَهٗ	ضَيِّقًا
اور جسے	وہ چاہتا ہے	یہ کہ	اسے گمراہ کرے	تو کر دیتا ہے	اسکا سینہ	تنگ

حَرَجًا	كَاَنَّمَا	يَصَّعَّدُ	فِي	السَّمَآءِ ؕ	كَذٰلِكَ	يَجْعَلُ
انتہائی تنگ	گویا کہ	چڑھ رہا ہے	میں	آسمان	اسی طرح	کرتا ہے

اللّٰهُ	الرِّجْسَ	عَلَى	الَّذِيْنَ	لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾
اللہ	پلیدی	پر	وہ لوگ جو	نہیں ایمان لاتے

’’پھر جسے اللہ چاہتا ہے کہ اسے ہدایت دے تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کرے اس کا سینہ انتہائی تنگ کر دیتا ہے گویا وہ آسمان میں چڑھ رہا ہے اسی طرح اللہ ان لوگوں پر پلیدی مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔‘‘ (۱۲۵)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار کے کفر، مشرکوں کے شرک اور منافقوں کی منافقت کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ان کے سینے اسلام کے بارے میں بند ہو جاتے ہیں۔

قرآن مجید نے ہدایت پانے اور بات کی حقیقت تک پہنچنے کے لیے یہ اصول بیان کیا ہے کہ سننے والا پوری توجہ، دل کی حاضری اور ہدایت پانے کے لیے بات سنے یقیناً اللہ تعالیٰ اسے ہدایت سے بہرہ مند کر دیتا ہے۔ (ق:۳۷)

لیکن منکرین حق کی شروع سے ہی یہ بری عادت ہے کہ وہ سچی بات قبول کرنا تو درکنار اس کی سماعت بھی ان کے لیے گرانی کا باعث ہوا کرتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کفار نے یہاں تک معاندانہ رویہ اختیار کیا کہ جب حضرت نوح علیہ السلام توحید کی دعوت دیتے تو کفار اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال کر اپنے چہرے چھپاتے ہوئے ان سے دور بھاگ جاتے تھے۔

﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ○ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ○ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ○﴾ [نوح: ۵ تا ۷]

’’نوح علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات دن دعوت دی مگر میری دعوت سے ان کے فرار میں اضافہ ہوا اور میں نے جب بھی انہیں بلایا تاکہ تو انہیں معاف کر دے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لیے۔ اور اپنی روش پر اڑ گئے اور تکبر کی انتہا کر دی۔‘‘

یہی رویہ منکرین حق نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اختیار کیا۔ جب انھیں قرآن مجید غور کے ساتھ سننے کی طرف توجہ دلائی جاتی تو وہ بظاہر غور کے ساتھ سنتے لیکن حقیقت میں عدمِ توجہ اختیار کیے رکھتے اور آخر میں کہتے یہ باتیں ہمارے فہم وادراک سے باہر اور قوتِ سماعت کے لیے بوجھ کے سوا کچھ بھی نہیں اس طرح جو حکم بھی ان کے پاس آتا وہ اس کا مسلسل انکار کر دیتے اور اس پر پروپیگنڈے کے ذریعے غالب آنے کی کوشش کرتے جو شخص حق بات سننے سے احتراز کرے اسے کس طرح ہدایت نصیب ہوسکتی ہے۔ کیونکہ ہدایت اسے نصیب ہوتی جو اسے پانے کی خواہش اور کوشش کرتا ہے۔ جب انسان خلوص نیت کے ساتھ چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا سینہ کھول دیتا ہے لیکن جو اس سے مسلسل اعراض کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا سینہ بند کر دیتا ہے۔ اس کے لیے ہدایت پانا ایسے ہی مشکل ہوتا ہے جیسا کہ انسان کا آسمان پر چڑھنا ناممکنات میں سے ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ گمراہ انسان نے اپنے لیے خود گمراہی کو پسند کیا ہوا ہے۔ لہٰذا یہ کج فکری اس کے لیے گندے اعمال کا سبب ہوتی ہے اور یہ گندگی اس کے برے عقیدہ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ گندگی اس پر ہمیشہ کے لیے مسلط کر دی جاتی ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا اسلام کی طرف ہدایت دیتا ہے۔
۲۔ کافر ایمان لانے میں تنگی محسوس کرتے ہیں۔
۳۔ کافروں کے ارادۂ کفر وشرارت کی وجہ سے انھیں راہِ ہدایت کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔
۴۔ کفر وشرک گندگی ہے جو کافر اور مشرک پر مسلط ہو جاتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

کن لوگوں پر گمراہی مسلط ہوتی ہے:

۱۔ ایمان نہ لانے والوں پر گمراہی مسلط کر دی جاتی ہے۔ (الانعام:۱۲۵)
۲۔ شیطان کی دوستی اختیار کرنے والوں گمراہی مسلط کر دی جاتی ہے۔ (الاعراف:۳۰)
۳۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کو اللہ نے ہدایت عطا کی اور کچھ پر اللہ نے گمراہی مسلط کر دی۔ (النحل:۳۶)
۴۔ جن لوگوں پر گمراہی مسلط کر دی جاتی ہے وہ ایمان نہیں لاتے۔ (یونس:۹۶)

وَهٰذَا	صِرَاطُ	رَبِّكَ	مُسْتَقِيْمًا ط	قَدْ فَصَّلْنَا	الْاٰيٰتِ
اور یہ	راستہ	تیرے رب کا	سیدھا	تحقیق ہم نے مفصل بیان کیں	آیات

لِقَوْمٍ	يَّذَّكَّرُوْنَ ١٢٦	لَهُمْ	دَارُ	السَّلٰمِ	عِنْدَ	رَبِّهِمْ
قوم کے لیے	وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں	انکے لیے	گھر	سلامتی کا	پاس	ان کا رب

وَهُوَ	وَلِيُّهُمْ	بِمَا	كَانُوْا	يَعْمَلُوْنَ ١٢٧
اور وہ	ان کا دوست	بہ سبب اسکے جو	وہ تھے	عمل کرتے

''اور یہ آپ کے رب کا سیدھا راستہ ہے۔ بیشک ہم نے ان لوگوں کے لیے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔(١٢٦) انہی کے لیے ان کے رب کے ہاں سلامتی کا گھر ہے اور وہ ان کا مددگار ہے ان اعمال کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے۔'' (١٢٧)

فہم القرآن

ربط کلام: جس کا سینہ اسلام کے لیے کھل جائے اسے صراطِ مستقیم کی ہدایت ملتی ہے اور اسلام ہی صراطِ مستقیم اور دنیا و آخرت کی سلامتی کا ضامن ہے۔

پچھلی آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے یہاں ''ھٰذا'' اسم اشارہ لا کر اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے اسلام ہی صراطِ مستقیم ہے۔ آخری نبی اور ان پر نازل ہونے والا یہی ''الاسلام'' آخری دین قرار پایا ہے۔

سورۃ المائدۃ، آیت: ۳ میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ دین کامل اور مکمل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تمھارے لیے اسلام ہی کو دین کے طور پر پسند کیا ہے۔

سورۃ آل عمران، آیت: ۸۵ میں دوٹوک انداز میں صراحت کی ہے کہ جو شخص دین اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا اُسے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا وہ شخص اور قوم آخرت میں نقصان پائے گی ۔ اسی سورۃ کی آیت ۸۴ میں وضاحت کی گئی ہے کہ کیا تم اللہ کے اس دین کو چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کرو گے جبکہ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہے۔ یہاں اسلام کو اللہ تعالیٰ کی تابعداری کے مفہوم میں بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا دین اسلام ہی افراد اور اقوام کے لیے دنیا و آخرت کی سلامتی کی ضمانت دیتا ہے اس لیے جنت کو ''دارالسلام'' قرار دیتے ہوئے دین اسلام ماننے والوں کو اس کی خوشخبری دی کہ ان کے لیے ان کے رب کے ہاں دارالسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ اسلام پہ چلنے والوں کا والی اور دوست ہے۔ ولی کا

لفظ استعمال فرما کر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اپنی قربت کا احساس دلا کر یہ وضاحت کی ہے کہ اگر تم میری قربت و محبت اور جنت کے طلب گار ہو تو تمھیں صراطِ مستقیم پر چلنا ہوگا جو اسلام کے بغیر کسی دوسرے دین میں نہیں مل سکتا۔ انفرادی زندگی میں اسلام پر عمل پیرا ہونے اور اجتماعی زندگی میں نافذ کرنے سے دنیا میں بھی سلامتی نصیب ہوتی ہے اس طرح دنیا دار الفساد بننے کے بجائے دار السلام بن جاتی ہے۔

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھا خط کھینچا پھر اس کے دائیں اور بائیں مختلف خطوط کھینچے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک درمیان والے سیدھے خط پر رکھتے ہوئے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: ''اور یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس کی پیروی کرو اس کے سوا دوسری راہوں پر نہ چلو دوسری راہیں تمہیں صراطِ مستقیم سے جُدا کر دیں گی۔'' [رواہ ابن ماجۃ: باب اتباع سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم]

مسائل

۱۔ اسلام ہی صراطِ مستقیم ہے۔

۲۔ اسلام دنیا میں سلامتی کا ضامن ہے اور آخرت میں جنت کے حصول کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

۳۔ نیک اعمال سے مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی قربت اور ولایت حاصل ہوتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

صراطِ مستقیم کے نشانات:

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی ایمان والوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔ (الحج: ۵۴)

۲۔ اللہ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۱۳)

۳۔ اللہ تعالیٰ میرا اور تمھارا رب ہے۔ تم اسی کی عبادت کرو یہی صراط مستقیم ہے۔ (آل عمران: ۵۱، مریم: ۳۶)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی جماعت کو چن لیا اور ان کو صراط مستقیم کی ہدایت دی۔ (الانعام: ۸۷)

۵۔ اللہ کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ (یٰسین: ۶۱)

۶۔ صراطِ مستقیم کی ہی پیروی کرو۔ (الانعام: ۱۵۳) ۷۔ اللہ ہی صراطِ مستقیم کی ہدایت کرتا ہے۔ (الشوریٰ: ۵۲)

۸۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ (الشوریٰ: ۵۲)

وَيَوْمَ	يَحْشُرُهُمْ	جَمِيْعًا ج	يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ	قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ	مِّنَ الْاِنْسِ ج
اور جس دن	وہ انکو اکٹھا کریگا	سب کو	اے جنوں کی جماعت!	تحقیق تم نے بہتوں کو اپنا بنالیا	انسانوں سے
وَقَالَ	اَوْلِيٰٓؤُهُمْ	مِّنَ الْاِنْسِ	رَبَّنَا	اسْتَمْتَعَ	بَعْضُنَا
اور کہا	ان کے دوست	انسانوں سے	اے ہمارے رب!	فائدہ اٹھایا	ہمارے بعض نے

بِبَعْضٍ	وَّبَلَغْنَآ	اَجَلَنَا	الَّذِيْٓ	اَجَّلْتَ	لَنَا ط	قَالَ
بعض سے	اور ہم پہنچے	اپنی اس مدت کو	جو	تو نے مقرر فرمائی	ہمارے لیے	فرمائے گا
النَّارُ	مَثْوٰىكُمْ	خٰلِدِيْنَ	فِيْهَآ	اِلَّا	مَا شَآءَ	اللّٰهُ ط
آگ	تمہارا ٹھکانا	ہمیشہ رہو گے	اس میں	مگر	جو چاہے	اللہ
اِنَّ	رَبَّكَ	حَكِيْمٌ	عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾	وَكَذٰلِكَ	نُوَلِّيْ	بَعْضَ
بیشک	تیرا رب	بڑی حکمت والا	خوب جاننے والا ہے	اور اسی طرح	ہم دوست بنادیں گے	بعض

١٥ ع ٨/ ٢

الظّٰلِمِيْنَ	بَعْضًا	بِمَا	كَانُوْا	يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع
ظالموں	بعض کا	بہ سبب اس کے جو	وہ تھے	وہ کماتے

''اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا تو فرمائے گا اے جنوں کی جماعت! بلاشبہ تم نے بہت سے انسانوں کو اپنا بنالیا اور انسانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے اے ہمارے رب! ہم ایک دوسرے سے بعض نے بعض سے فائدہ اٹھایا اور ہم اپنی اس مدت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی اللہ فرمائے گا آگ ہی تمہارا ٹھکانا ہے تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو مگر جو اللہ چاہے بے شک آپ کا رب کمال حکمت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔(۱۲۸) اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کا دوست بنادیتے ہیں اس وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے۔''(۱۲۹)

فہم القرآن

ربط کلام: اسلام کو چھوڑنے والے انسانوں اور جنوں کا انجام اور ان کا اقرار۔

جن لوگوں اور جنات نے اسلام کے بغیر کوئی اور دین اپنایا وہ صراطِ مستقیم سے گمراہ ہوئے جس کا نتیجہ ہے کہ وہ ''دارالسلام'' یعنی جنت سے محروم ہوگئے۔ انسان کی گمراہی شیطان کی وجہ سے ہوتی ہے اور شیاطین کی اکثریت کا تعلق جنات سے ہے اس لیے محشر کے دن اللہ تعالیٰ جنات کو خطاب کرتے ہوئے فرمائے گا۔ اے جنو! تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کیا جس کا اقرار شیاطین کے ساتھ انسان اس طرح کریں گے اے ہمارے رب تیرا فرمان سچا ہے اور واقعی ہم نے ایک دوسرے

سے مفادات اور فائدے اُٹھائے اور ہم نے بڑے بڑے جرائم کیے ہیں یہاں تک کہ ہماری اجل آن پہنچی جو آپ نے ہمارے لیے مقرر کر رکھی تھی یعنی ہمیں موت نے آلیا۔ آج تیری بارگاہ میں مجرم کی حیثیت سے اپنے جرائم کا اقرار کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں حکم ہوگا کہ اب آگ ہی تمھارا ٹھکانہ ہے جس میں تمھیں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ ماشاء اللہ کے الفاظ کے بارے میں مفسرین نے دو تفسیریں کی ہیں۔ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ ان الفاظ میں مجرموں کے لیے بالآخر نجات کی نشاندہی کی گئی ہے جب کہ اہل علم کی اکثریت کا نظریہ ہے کافر اور مشرکوں کا جہنم سے نجات پانے کا بھی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بار باران کے بارے میں خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا کا اعلان کیا ہے۔ انھیں ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنا ہوگا اور جنت ان پر حرام کر دی گئی ہے۔ البتہ کلمہ گو گناہگار جنات اور انسانوں کو سزا کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ کچھ مفسرین نے الا ماشاء اللہ کے الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور اختیارات کا اشارہ دیا ہے کہ دنیا میں کئی لوگ جنات کو مشکل کشا سمجھتے تھے الا ماشاء اللہ میں ان کے باطل عقیدہ کی نفی کی گئی ہے کہ وہی کچھ دنیا میں ہوتا ہے اور آخرت میں ہوگا جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور چاہے گا۔

اگر دنیا میں تم شرک وکفر اور صراطِ مستقیم چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی سرکشی اور نافرمانی کا راستہ اختیار کیے ہوئے ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اللہ کے علم، طاقت اور دسترس سے باہر ہو بلکہ یہ مہلت اس کی حکمت کا نتیجہ ہے۔ اسی مہلت اور حکمت کے تحت اللہ تعالیٰ ظالموں کو ایک دوسرے کی مدد کا موقع دیتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنوں اور انسانوں سے ان کے عقیدہ وعمل کے بارے میں سوال کرے گا۔

۲۔ قیامت کے دن مجرم ایک دوسرے کو گمراہ کرنے کا اعتراف کریں گے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں ظالموں کو اس لیے ڈھیل دیتا ہے کہ وہ زیادہ گناہ کرسکیں۔

۴۔ مشرک اور کافر ہمیشہ جہنم میں جلتے رہیں گے۔

۵۔ دنیا میں برے لوگ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں لیکن قیامت کے دن ایک دوسرے کی مدد نہیں کرسکیں گے۔

۶۔ مجرم آخرت میں اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے۔

۷۔ مجرموں کا اقرار قیامت کے دن انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ	وَالْاِنْسِ	اَلَمْ يَاْتِكُمْ	رُسُلٌ	مِّنْكُمْ	يَقُصُّوْنَ
اے جماعت جنوں	اور انسانوں کی	کیا نہیں آئے تمہارے	پاس رسول (جمع)	تم میں سے	وہ بیان کرتے تھے
عَلَيْكُمْ	اٰيٰتِيْ	وَيُنْذِرُوْنَكُمْ	لِقَآءَ	يَوْمِكُمْ	هٰذَا
تم پر	میری آیات	اور تمہیں ڈراتے تھے	ملاقات	تمھارے دن کی	یہ
قَالُوْا	شَهِدْنَا	عَلٰٓى	اَنْفُسِنَا	وَغَرَّتْهُمُ	الْحَيٰوةُ
وہ کہیں گے	ہم گواہی دیتے ہیں	پر	اپنے نفسوں	اور دھوکے میں ڈالے رکھا انکو	زندگی
الدُّنْيَا	وَشَهِدُوْا عَلٰٓى	اَنْفُسِهِمْ	اَنَّهُمْ	كَانُوْا	كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾
دنیا کی	اور وہ گواہی دیں گے پر	ان کی جانیں	بیشک وہ	وہ تھے	کفر کرنے والے

”اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس تم میں سے کوئی رسول نہیں آئے جو تم پر میرے فرامین بیان کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ وہ کہیں گے ہم اپنے آپ پر گواہی دیتے ہیں کہ انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکا دیا اور وہ اپنے آپ پر گواہی دیں گے کہ واقعی وہ کافر تھے۔“ (۱۳۰)

فہم القرآن

ربط کلام: جہنم میں جانے والے جنات اور انسانوں کو مشترکہ خطاب۔

اللہ تعالیٰ اظہارِ حق اور مجرموں کو ان کے جرائم کا احساس دلانے کے لیے جنوں اور انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے پوچھیں گے کیا میں نے تمہارے پاس تم ہی سے رسول نہیں بھیجے تھے جو تمھیں میرے احکام پڑھ کر سناتے اور اس دن کے ہولناک انجام سے ڈراتے تھے۔ مجرم جواب دیں گے کیوں نہیں ہمارے رب آپ کے بھیجے ہوئے رسول تشریف لائے اور ہمیں سمجھاتے اور ڈراتے رہے لیکن ہمیں دنیا کی زندگی نے فریب میں ڈالے رکھا جس کی وجہ سے ہم تیرے حضور پیشی کو بھول گئے۔ اس طرح وہ اپنے بارے میں شہادت دیں گے کہ بلاشک ہم اپنے کفر کا اقرار کرتے ہیں۔ قیامت کے دن انسانوں کے ساتھ جنوں کو سوال کرنے کے بارے میں مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے جتنے رسول دنیا میں مبعوث کیے گئے وہ سب کے سب انسان ہی تھے مگر ان کا پیغام جنوں اور انسانوں کے لیے مشترکہ ہوا کرتا تھا اس لیے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے واپسی پر جنوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انھیں توحید و رسالت کی دعوت دی تھی۔ اس کی تفصیل جاننے کے لیے سورۃ الاحقاف اور سورۃ الجن کی تلاوت کرنی چاہیے۔ اسی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

((عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَنُصِرْتُ

بِالرُّعْبِ فَيُرْعَبُ الْعَدُوُّ وَهُوَ مِنِّی مَسِيرَةَ شَهْرٍ وَقِيلَ لِی سَلْ تُعْطَهُ وَاخْتَبَأْتُ دَعْوَتِی شَفَاعَةً لِأُمَّتِی فَهِیَ نَائِلَةٌ مِنْكُمْ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى مَنْ لَمْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ شَيْئًا قَالَ الْأَعْمَشُ فَكَانَ مُجَاهِدٌ يَرَى أَنَّ الْأَحْمَرَ الْإِنْسُ وَالْأَسْوَدَ الْجِنُّ))[مسند احمد]

''حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ ایسی چیزیں عنایت کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں۔

۱۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے ہر کالے اور گورے کے لیے رسول بنایا ہے۔

۲۔ میرے لیے ساری زمین پاک اور مسجد بنادی گئی ہے۔

۳۔ میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے جبکہ مجھ سے پہلے کسی رسول کے لیے حلال نہیں تھا۔

۴۔ میری رعب سے مدد فرمائی گئی ہے کیونکہ ایک مہینہ کی مسافت پر ہونے کے باوجود دشمن مجھ سے لرزاں رہتا ہے۔

۵۔ مجھے (قیامت کے دن) کہا جائے گا مانگ عطا کیا جائے گا اور تیری امت کے حق میں تیری شفاعت قبول کی جائے گی اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو گا اس کو میری شفاعت پہنچے گی۔''

اعمش کہتے ہیں مجاہد کا خیال ہے کہ احمر سے مراد انسان اور اسود سے مراد جن ہیں

جہاں تک قیامت کے دن مجرموں کا اپنے خلاف شہادت دینے کا تعلق ہے مجرم پہلے اپنے شرک و کفر اور برے اعمال سے انکار کریں گے۔ جب ان کے خلاف ان کے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء گواہی دیں گے تو پھر مجبور ہو کر اس کا اعتراف کریں گے۔ اس اعتراف کا قرآن مجید نے کئی مقامات پر ذکر کیا ہے۔

مسائل

۱۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت جنوں اور انسانوں کے لیے تھی۔

۲۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم جنوں اور انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

۳۔ قیامت کے دن مجرم اپنے گناہوں کا خود اعتراف کریں گے۔

تفسیر بالقرآن

جہنمیوں کے اعترافات:

۱۔ جہنمیوں سے ملائکہ کا خطاب۔ (الزمر ۷۱،۷۲)

۲۔ جہنمیوں سے جنتیوں کے سوالات اور جہنمیوں کا اپنے گناہوں کا اقرار۔ (المدثر: ۴۰ تا ۴۸)

۳۔ جہنمیوں کے ایک دوسرے سے سوالات۔ (حمٓ، السجدۃ، الاحزاب)

۴۔ جہنمیوں سے اللہ تعالیٰ کا سوال۔ (الصّٰفّٰت) ۵۔ جہنمیوں کی باہم گفتگو۔ (الصفت: ۲۷ تا ۳۳)

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ

یہ کہ نہیں ہے تیرا رب تباہ کرنے والا بستیاں زیادتی سے

وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَمَا

اور اس کے رہنے والے غافل اور ہر ایک کے لیے درجے بہ سبب اسکے جو انہوں نے عمل کیے اور نہیں

رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ

تیرا رب غافل اس سے جو وہ عمل کرتے ہیں اور تیرا رب بے نیاز رحمت والا

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ

اگر وہ چاہے تو لے جائے تمہیں اور جانشین لے آئے تمہارے بعد جو وہ چاہے جس طرح

اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ

اس نے تم کو پیدا فرمایا سے نسل قوم دوسرے بیشک جو تم وعدہ دیے جاتے ہو وہ آنے والی

وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

اور نہیں تم عاجز کرنے والے

''یہ اس لیے کہ آپ کا رب کبھی بستیوں کو کفر کے سبب ہلاک کرنے والا نہیں جب کہ اس کے رہنے والے بے خبر ہوں۔(۱۳۱) اور ہر ایک کے لیے ان اعمال کی وجہ سے درجات ہیں جو انہوں نے کیے اور آپ کا رب اس سے ہرگز بے خبر نہیں جو وہ کر رہے ہیں۔(۱۳۲) اور آپ کا رب بے نیاز، کمال رحمت والا ہے اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہارے بعد جسے چاہے جانشین بنا دے جس طرح اس نے تمہیں پہلے لوگوں کی نسل سے پیدا کیا ہے۔(۱۳۳) بے شک وہ جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے ضرور آنے والی ہے اور تم کسی صورت عاجز کرنے والے نہیں۔''(۱۳۴)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کو لوگوں کی طرف اس لیے بھیجتا رہا تاکہ لوگوں پر حجت تمام ہو جائے۔

اس سے پہلے فرمان میں ''رُسُلٌ مِنکُم'' کے الفاظ استعمال فرمائے۔ ذٰلک کا اشارہ انھی الفاظ کی ترجمانی کر رہا ہے کہ لوگوں میں انہی سے رسول بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پڑھ کر سنائیں اور ان پر من وعن عمل کر کے دکھلائیں تاکہ کسی کے لیے یہ بہانہ نہ رہے کہ ہمارے پاس کوئی بتلانے اور سمجھانے والا نہیں آیا تھا۔ جس کی وجہ سے ہم غفلت میں پڑے رہے اور آج ہمیں بدترین انجام سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ اس بات کے ازالہ کے لیے فرمایا اے پیغمبر! تیرے

رب کا یہ وطیرہ نہیں کہ وہ کسی بستی اور اہل علاقہ کو ان کے اچھے برے انجام سے آگاہ کیے بغیر اسے فنا کے گھاٹ اتار دے بلکہ پہلے وہ رسول بھیج کر لوگوں کی اصلاح اور فلاح کی کوشش کرتا ہے۔لیکن لوگ انبیاء کی مخلصانہ اور بے مثال محنت کے باوجود غفلت اور مجرمانہ زندگی کو ترجیح دیتے رہے اور جرائم میں اتنے آگے بڑھے کہ اللہ کی مخلوق ان سے پناہ مانگنے لگی اور زمین کا نظام درہم برہم ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو نیست و نابود کر دیا۔

اس گرفت میں بھی انھیں اتنی ہی سزا دی گئی جتنے ان کے اعمال برے تھے۔ان پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا گیا۔جس طرح دنیا میں ان کے کردار کے مطابق گرفت کی گئی بالکل اسی طرح قیامت کے دن نیک لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا ملے گی اور برے لوگوں کو ان کے جرائم کے مطابق سزا ہوگی۔لوگوں کے اعمال جاننے، پرکھنے اور ان کو جزا اور سزا دینے میں اللہ تعالیٰ کسی چیز سے غافل نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ لوگوں کو بار بار نصیحت اور انتباہ اس لیے نہیں کرتا ہے کہ لوگوں کے نیک اعمال سے اللہ تعالیٰ کو فائدہ اور برے کردار سے اسے نقصان پہنچتا ہے۔اللہ تعالیٰ کو کسی کی نیکی اور برائی کا کوئی فائدہ اور نقصان نہیں ہوتا۔وہ ذاتِ کبریا مفادات، خدشات اور نقصانات سے بے نیاز ہے۔

اس کی ذات بے نیاز ہونے کے باوجود سراپا رحمت ہے۔وہ نیکوں کو ان کی نیکی سے بڑھ کر عنایات و رحمت سے نوازتا ہے۔دنیا میں ظالموں کی گرفت میں اس کی یہ رحمت ہوتی ہے کہ اس کی مخلوق ان کے ظلم سے نجات پائے۔

اگر وہ چاہے تو ساری انسانیت کی صف لپیٹ کر ایک طرف رکھ دے اور ان کی جگہ اتنے ہی اور لوگوں کو لے آئے۔جس طرح کہ پہلی اقوام میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔اس سچائی کو جاننے کے لیے دنیا کے ہر علاقے کی تاریخ اس حقیقت کی ترجمان ہے۔

عرب کی سرزمین کے بارے میں قرآن مجید تفصیل کے ساتھ ایک کے بعد دوسری قوم کے آنے کے واقعات بیان کرتا ہے۔کبھی اس سرزمین پر قومِ نوح کے کفر و شرک کا غلبہ تھا جنھیں اللہ تعالیٰ نے پانی کے سیلاب میں ڈبکیاں دے دے کر مارا۔زمین کو شرک کی غلاظت سے پاک کر دیا۔ان کے بعد قومِ عاد نے سرکشی اور تمرد کا مظاہرہ کیا جس کی وجہ سے ان پر سات دن مسلسل زوردار آندھیاں چلیں جس سے ان کو زمین پر پٹخ پٹخ کر مارا اور صفحۂ ہستی سے ان کا وجود ختم کر دیا۔قومِ ثمود کو زوردار آسمانی دھماکے نے آلیا۔جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور اللہ کی مخلوق نے ان سے سکھ پایا۔ان کے بعد قومِ لوط نے بے حیائی کا وطیرہ اپنایا۔جس کی پاداش میں انھیں زمین سے اٹھا کر آسمان کے قریب لے جا کر الٹ دیا اور ان پر پتھروں کی بارش برسائی پھر اس دھرتی پر کبھی ایرانی دندنائے اور کبھی رومیوں کا غلبہ ہوا۔ان کے بعد یہودی اور عیسائی ایک دوسرے کو موت کے گھاٹ اتارتے رہے۔عربوں کے بعد ترکوں کا دور آیا۔ترکوں کے بعد تاتاری بادو باراں کی طرح زمین پر پھیل گئے گویا کہ ایک کے بعد دوسری قوم اور دوسری کے بعد تیسری قوم نے اس کی جگہ لی یہاں نہ دارا و سکندر کا اقتدار باقی رہا اور نہ ہی نمرود، فرعون اور ہامان کا تسلط قائم رہ سکا۔پھر خاندانی نظام کو دیکھیں کس طرح نسل

درنسل سلسلہ چل رہا ہے۔ آج ہمیں اپنے ہی آباؤ اجداد کی تیسری نسل سے اوپر کا کچھ علم نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی اس سنت کا نتیجہ تھا اور ہے جس کے بارے میں یہاں ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اور جسے چاہے لوگوں کو ایک دوسرے کی جگہ پر لا کھڑا کرے۔ اے اہل مکہ اور دنیا جہان کے انسانو! اللہ تعالیٰ کی اس سنت اور قوتِ اختیار پر سوچو اور غور کرو کہ تم نے پہلوں کی طرح ہمیشہ نہیں بیٹھا رہنا۔ جب اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی نشانی ظاہر کرے گا تو تم اس کی قدرت وسطوت کے سامنے دم نہیں مار سکو گے۔ یاد رکھو قیامت ضرور برپا ہونے والی ہے اور تم اس کے برپا ہونے پر اللہ تعالیٰ کو بے بس اور عاجز نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ہوش کے ناخن لو اور اپنے رب کے تابعدار بن جاؤ۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَوَّلُ زُمْرَةٍ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي عَلٰى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ عَلٰى أَشَدِّ نَجْمٍ فِي السَّمَاءِ إِضَاءَةً ثُمَّ هُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ مَنَازِلُ لَا يَتَغَوَّطُونَ وَلَا يَبُولُونَ وَلَا يَمْتَخِطُونَ وَلَا يَبْزُقُونَ أَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ وَمَجَامِرُهُمُ الْأَلُوَّةُ وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ أَخْلَاقُهُمْ عَلٰى خُلُقِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ عَلٰى طُولِ أَبِيهِمْ آدَمَ سِتُّونَ ذِرَاعًا)) [رواہ مسلم: کتاب الجنۃ و نعیمھا، باب أَوَّلُ زُمْرَةٍ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَصِفَاتُهُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ]

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا جنت میں داخل ہونے والا گروہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے چہروں کے ساتھ ہوگا پھر ان کے بعد آسمان پر روشن ستاروں کی طرح پھر درجہ بدرجہ ہوں گے جنتی نہ پیشاب کریں گے نہ قضائے حاجت کی ضرورت ہوگی وہ تھوکیں گے بھی نہیں ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی۔ ان کی انگیٹھیاں عود کی اور ان کے پسینے مشک عنبر کی طرح ہوں گے۔ ان سب کا ایک ہی طرح کا اخلاق ہوگا اور قد وقامت آدم علیہ السلام کے برابر یعنی ساٹھ ہاتھ ہوگی۔“

((عَنْ قَتَادَةَ رحمہ اللہ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْشَرُ الْكَافِرُ عَلٰى وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ أَلَيْسَ الَّذِي أَمْشَاهُ عَلٰى رِجْلَيْهِ فِي الدُّنْيَا قَادِرًا عَلٰى أَنْ يُمْشِيَهُ عَلٰى وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ قَتَادَةُ بَلٰى وَعِزَّةِ رَبِّنَا))[رواہ مسلم ، کتاب القیامۃ و الجنۃ و النار، باب یحشر الکافر علی وجھہ]

”حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ایک شخص نے استفسار کیا اے اللہ کے رسول! کافروں کو قیامت کے دن چہرے کے بل کس طرح اکٹھا کیا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ ذات جو سب کو دنیا میں پاؤں کے بل چلانے پر قادر ہے وہ قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر قادر نہیں؟ حضرت قتادہ کہتے ہیں ہمیں اپنے رب کی عزت کی قسم کیوں نہیں“

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُؤْتٰى بِأَنْعَمِ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صَبْغَةً ثُمَّ يُقَالُ يَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ خَيْرًا قَطُّ هَلْ مَرَّ بِكَ نَعِيمٌ قَطُّ فَيَقُولُ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ

ویُؤتٰی بِأشَدِّ النَّاسِ بُؤسًا فِی الدُّنیَا مِنْ أَھلِ الجَنَّةِ فَیُصبَغُ صَبغَةً فِی الجَنَّةِ فَیُقَالُ لَهٗ یَا ابنَ آدَمَ ھَل رَأَیتَ بُؤسًا قَطُّ ھَل مَرَّ بِكَ شِدَّةٌ قَطُّ فَیَقُولُ لَا وَاللّٰهِ یَا رَبِّ مَا مَرَّ بِی بُؤسٌ قَطُّ وَلَا رَأَیتُ شِدَّةً قَطُّ))

[رواہ مسلم : کتاب صفة القیامة و الجنة و النار، باب الکافر الغداء لمل ء الأرض ذھبا]

’’حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن دنیا میں سب سے زیادہ نعمتوں میں پلنے والے شخص کو لایا جائے گا تو اُسے جہنم میں صرف ایک غوطہ دیا جائے گا اور اُس سے پوچھا جائے گا اے ابن آدم! تم نے کبھی کوئی بھلائی دیکھی تو وہ کہے گا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، پھر دنیا میں مصائب میں زندگی گزارنے والے کو لایا جائے گا اُسے جنت کا ایک جھونکا دیا جائے گا تو اُس سے پوچھا جائے گا اے انسان کیا تم نے کبھی کوئی تنگدستی دیکھی؟ تو وہ کہے گا اللہ کی قسم میں نے کبھی کوئی مشکل نہیں دیکھی۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کسی بستی کو اپنا پیغام پہنچائے بغیر ہلاک نہیں کرتا۔
۲۔ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق ہی جزا،سزا ملے گی۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کسی کے عمل سے غافل نہیں ہے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اچھے اور برے اعمال سے بے نیاز ہونے کے باوجود اس دنیا میں اپنی رحمت سے نوازنے والا ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو ختم کر کے دوسری قوم کو لانے پر قادر ہے۔
٦۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا:

۱۔ تیرا رب بندوں پر ظلم نہیں فرماتا۔(الانفال:۵۱)
۲۔ جو شخص نیک اعمال کرے اس کا صلہ اسے ملے گا اور جو برائی کرے گا اس کا وبال اس پر ہوگا تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔(حٰم السجدة:۴٦)
۳۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان تبدیل نہ ہوگا اور اللہ کسی پر ظلم نہیں فرمائے گا۔(قٓ:۲۹)
۴۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں فرماتا لیکن لوگ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔(یونس:۴۴)

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ

فرما | اے میری قوم! | تم عمل کرو | پر | اپنے مقام | بے شک میں | عمل کرنے والا ہوں

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ

پھر عنقریب | تم جان لو گے | جو | ہے | اس کے لیے | انجام | گھر

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۱۳۵

یقیناً | وہ نہیں فلاح پائیں گے | ظالم

''فرما دیں اے میری قوم! تم اپنے مقام پر عمل کرو میں بھی عمل کرنے والا ہوں تم عنقریب جان لو گے کہ آخرت کا گھر کس کے لیے بہتر ہے بلاشبہ ظالم فلاح نہیں پائیں گے۔'' (۱۳۵)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کے سامنے انسان بے بس اور کمزور ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ انسان کو اپنے احکام جبراً نہیں منواتا۔

میرے پیارے رسول! کھلا اعلان کر دو کہ اے لوگو! تم میری بات نہیں مانتے ہو تو تمھاری مرضی مجھ سے اُلجھنے اور میرا راستہ روکنے کے بجائے تم اپنے اپنے طریقہ پر عمل کرو۔ میں اپنے طریقہ پر عمل پیرا رہوں گا۔ عنقریب تم جان جاؤ گے کہ آخرت کا گھر کس کے لیے بہتر ہو گا۔ یقین رکھو کہ ظالم کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔ وعظ و نصیحت کے میدان میں داعی کو ایسے افراد کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے کہ نہایت خلوص اور سوز مندی کے ساتھ سمجھانے کے باوجود لوگ آباؤ اجداد کی تقلید، زمانے کی رسومات اور بری عادات سے باز نہیں آتے۔ ایسے افراد نہ صرف حق قبول نہیں کرتے بلکہ وہ حق کا راستہ روکنے اور داعی کو پریشان کرنے کے لیے ہر قسم کی زیادتی اور شرارت کرتے ہیں۔ سرورِ دو عالم ﷺ کو بھی ایسے افراد اور حالات سے بار بار واسطہ پڑا جس کے ردِعمل میں آپ پریشان ہو کر سوچتے کہ یہ کیسے ناہنجار لوگ ہیں جو حق کو قبول کرنے کے بجائے اس کے مقابلے میں بحث و تکرار، جنگ و جدال کا راستہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اس پر آپ کو حکم ہوا کہ آپ ایسے لوگوں کو سمجھائیں کہ اگر تم حق قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تو میرے ساتھ مزید الجھنے کے بجائے تم اپنے طریقہ کے مطابق کام کرو اور میں اپنے طریقے پر گامزن رہوں گا لیکن یاد رکھو عنقریب تمھیں اپنے انجام کا علم ہو جائے گا۔ اُس وقت تم کھلی آنکھوں کے ساتھ اپنے ٹھکانے اور ہمارے مقام کو دیکھو گے۔ یاد رہے کہ دنیا میں تو بعض دفعہ ظالم کامیاب ہو جاتے ہیں لیکن آخرت کے بارے میں دوٹوک انداز میں واضح کیا گیا ہے کہ ظالم کامیاب نہیں ہوں گے۔ بلکہ انہیں ان کے گناہوں اور جرائم کی ٹھیک ٹھیک سزا ملے گی۔ قرآن مجید میں یہ اصول کئی بار بیان ہوا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ قیامت کے دن کوئی کسی کا بوجھ اٹھائے

گا اور نہ کسی کے عمل کے بدلے پکڑا جائے گا۔ ہر کسی نے اپنے اعمال اور عقیدہ کے مطابق جزا یا سزا پائے گا۔

﴿أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰىo وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰىo وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرٰىo ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفٰىo وَأَنَّ إِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى﴾[النجم:۳۸تا۴۲]

''کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور انسان کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے کوشش کی۔ اور اس کی کوشش جلد دیکھی جائے گی۔ پھر اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور بے شک سب کو آپ کے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے۔''

مسائل

۱۔ ظالم عنقریب اپنے انجام کو دیکھ لیں گے۔
۲۔ قیامت کے دن ظالم فلاح نہیں پائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

فلاح نہ پانے والے لوگ:

۱۔ ظالم فلاح نہیں پائیں گے۔ (الانعام:۲۱)
۲۔ مجرم فلاح نہیں پائیں گے۔ (یونس:۱۷)
۳۔ کافر فلاح نہیں پائیں گے۔ (المؤمنون:۱۱۷)
۴۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے فلاح نہیں پائیں گے۔ (یونس:۶۹)
۵۔ جادوگر فلاح نہیں پائیں گے۔ (یونس:۷۷)
۶۔ اے کافرو تمھارے لیے تمھارا دین، ہمارے لیے ہمارا دین۔ (الکافرون:۱)
۷۔ اے ایمان والو! اگر تم ہدایت پر رہو تو گمراہوں کی گمراہی تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ (المائدۃ:۱۰۵)
۸۔ پہلے لوگوں کے لیے ان کے عمل تمھارے لیے تمھارے عمل۔ (البقرۃ:۱۴۱)

وَجَعَلُوْا	لِلّٰهِ	مِمَّا	ذَرَاَ	مِنَ الْحَرْثِ	وَالْاَنْعَامِ
اورانہوں نے ٹھہرایا	اللہ کے لیے	اس سے جو	اس نے پیدا کی	سے کھیتی	اور چوپائے

نَصِيْبًا	فَقَالُوْا	هٰذَا	لِلّٰهِ	بِزَعْمِهِمْ	وَهٰذَا	لِشُرَكَآئِنَا ج
ایک حصہ	پھرانہوں نے کہا	یہ	اللہ کے لیے	ان کے خیال کے مطابق	اور یہ	ہمارے شریکوں کے لیے

فَمَا	كَانَ	لِشُرَكَآئِهِمْ	فَلَا يَصِلُ	اِلَى	اللّٰهِ ج	وَمَا	كَانَ لِلّٰهِ
تو جو	ہے	ان کے شریکوں کا	پس نہیں پہنچتا وہ	طرف	اللہ	اور جو	ہے اللہ کا

فَهُوَ	يَصِلُ	اِلٰى	شُرَكَآئِهِمْ ط	سَآءَ	مَا	يَحْكُمُوْنَ ﴿١٣٦﴾
تو وہ	پہنچ جاتا ہے	طرف	ان کے شریکوں کی	برا ہے	جو	وہ فیصلہ کرتے ہیں

”اورانہوں نے اللہ کے لیے ان چیزوں میں سے ایک حصہ مقرر کیا جو اس نے کھیتی اور چوپاؤں میں سے پیدا کی ہیں، پھرانہوں نے اپنے خیال کے مطابق کہا کہ یہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے ہے جو ان کے شرکاء کا حصہ ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو اللہ کا ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچ جاتا ہے برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔“ (١٣٦)

فہم القرآن

ربط کلام: دنیا میں سب سے بڑا ظلم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے شرک کے مرتکب جن اور انسان جس طرح قولی اور جسمانی عبادات میں گمراہ ہوتے ہیں اسی طرح مالی معاملات اور صدقہ کرنے میں شرک کرتے ہیں۔

اب مشرکوں کے مالی عبادات میں شرک کی نشاندہی اور اس کی مذمت کی جاتی ہے مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ذکر کرتے ہیں کہ مشرکین مکہ اپنی خود ساختہ تقسیم کے مطابق اپنے جانوروں میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کرتے تھے اور دوسرا حصہ معبودانِ باطل کے لیے۔ جن کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ یہ سب کچھ ان کی حرمت وطفیل اور صدقہ سے ملتا ہے۔ جو حصہ ان کے معبودوں کے نام کا ہوتا وہ پورے کا پورا اُن کے نام پر بتوں کی آرائش وزیبائش کے لیے نذرانہ کیا جاتا، جسے بت خانہ کے متولی اپنی مرضی سے خرچ کرتے۔ جو حصہ اللہ تعالیٰ یعنی فی سبیل اللہ مقرر کرتے اسے غربا اور مساکین پر خرچ کرتے۔ معبودوں کے مقرر کیا ہوا حصہ میں اگر نقصان ہو جاتا تو یہ نقصان فی سبیل اللہ کے حصہ سے پورا کر دیتے۔ اگر فی سبیل اللہ کے کھاتے میں کمی واقع ہو جاتی تو اس کو کم ہی رہنے دیتے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ مستغنی، بے نیاز اور بڑے حوصلے والا ہے۔ اس کا حصہ کم بھی رہ جائے تو اُسے کوئی پرواہ نہیں۔ لیکن ہمارے معبود حاجت مند ہیں اس لیے اگر ان کا حصہ پورا نہ کیا گیا تو وہ ناراض ہو جائیں گے جس کی وجہ سے ہمارا نقصان ہو سکتا ہے۔ تقسیم کا یہ اصول کسی شریعت سے

ماخوذ نہیں تھا بلکہ انھوں نے من ساختہ بنایا ہوا تھا جس کی بنا پر فرمایا ہے کہ بدترین ہے فیصلہ اوران کی تقسیم جو وہ کرتے ہیں۔غور فرمائیں کہ چودہ سوتیس سال پہلے کی رسومات اورشرک قریب قریب اسی شکل میں اب بھی جاری ہے۔آج بھی مزارات پر دیے جانے والے نذرانوں کے بارے میں لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اگر ہم نے پیر عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے نام گیارہویں پیش نہ کی،فلاں مزار پر اتنا حصہ نہ دیا تو بزرگ ناراض ہوکر ہمارا نقصان کردیں گے اور مال سے برکت اُٹھ جائے گی۔مکہ کے مشرکوں کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔لیکن ہمارے معبود حاجت مند ہیں۔اس کے باوجود انھیں اپنی مشکلات کے حل کا ذریعہ اورمشکل کشا سمجھتے تھے۔یہی عقیدہ آج بے شمار کلمہ گو حضرات کا ہے۔مزارات میں مدفون بزرگوں کو مشکلات کے حل کے لیے اللہ کے حضور واسطہ اور ذریعہ سمجھتے ہیں۔حالانکہ قرآن مجید بار بار وضاحت کرتا ہے۔یہ نہ سن سکتے ہیں اور نہ کسی کی مدد کرسکتے ہیں۔انھیں تو یہ بھی خبر نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔

((عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَنْحَرَ إِبِلًا بِبُوَانَةَ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَنْحَرَ إِبِلًا بِبُوَانَةَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالُوا لَا قَالَ هَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ قَالُوا لَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ))

[رواہ ابوداؤد:باب مایومر بہ من الوفاء بالنذر]

”حضرت ضحاک بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ معظم ﷺ کے زمانے میں ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ ’بوانہ‘ مقام پر اونٹ ذبح کرے گا۔سرورِ عالم ﷺ نے دریافت فرمایا کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی پوجا ہوتی تھی؟اس نے نفی میں جواب دیا۔سرورِ کائنات نے استفسار فرمایا بھلا وہاں جاہلیت کے میلوں میں سے کوئی میلہ لگتا تھا؟عرض کی کہ نہیں۔حبیبِ کبریا ﷺ نے فرمایا پھر تجھے نذر پوری کرنا چاہیے۔اس نذر کو پورا نہ کیا جائے جس میں اللہ کی نافرمانی ہو اور نہ اسے جس کو انسان پورا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔“

مسائل

۱۔ غیراللہ کے نام پر صدقہ یا نذرانہ کرنا شرک ہے۔

۲۔ اپنی مرضی سے حرام وحلال کا فیصلہ کرنا بدترین جرم ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ چیزوں کو غیراللہ کے نام منسوب کرنا حرام ہے۔

۴۔ مالی اور دیگر عبادات میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا ساجھی بنانا شرک ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے نام وقف کی ہوئی چیز کو غیراللہ کے نام وقف کرنا بدترین گناہ ہے۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ
اوراسی طرح اس نے مزین کردیا بہت سے مشرکوں قتل اپنی اولاد

شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
ان کے معبود تاکہ وہ ہلاک کریں اور خلط ملط کردیں ان پر ان کا دین اور اگر چاہتا اللہ

مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾
نہ وہ یہ کرتے لہٰذا انہیں چھوڑ دیجیے اور جو وہ جھوٹ بناتے ہیں

”اوراسی طرح بہت سے مشرکوں کے لیے اپنی اولاد کو مار ڈالنا ان کے شریکوں نے خوش نما بنادیا ہے تاکہ وہ انہیں ہلاک کریں اوران پر ان کا دین خلط ملط کریں اور اگر اللہ چاہتا تو ایسا نہ کرتے، پس انہیں چھوڑ دیجئے جو وہ جھوٹ بناتے ہیں۔“ (۱۳۷)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرک جس طرح مال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کو شریک بناتے ہیں اس طرح اولاد میں بھی غیر اللہ کو شریک ٹھہراتے ہیں اور ان کو غیر اللہ کے نام پر قربان کرتے تھے۔

مشرکوں کا شروع سے عقیدہ ہے کہ جب تک فلاں بزرگ کی روح کو خوش نہیں کیا جائے گا اُس وقت تک ہمارے مال اور اولاد میں برکت پیدا نہیں ہوسکتی اسی وجہ سے بے اولاد مشرک غیر اللہ کے نام پر چڑھاوے اور بزرگوں کے مزارات پر نذرانے پیش کرتے ہیں تاکہ ان کی گود ہری ہوجائے۔ اولاد کی خواہش میں اس قدر آگے بڑھ کر منتیں مانتے ہیں اگر بزرگوں نے اولاد عنایت کروادی تو ایک بچے کو فلاں بت پر قربان کریں گے۔ اسی عقیدہ کی بنا پر اپنے بچوں کو بت خانوں پر ذبح کیا کرتے تھے۔ ہندوستان میں آج بھی بعض دیوتاؤں کے نام پر بچوں کو قربان کرنے کی خبریں اخبار میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ تہذیب وتمدن کے دور میں قبروں اور بتوں پر اس کثرت کے ساتھ بیٹوں کو ذبح کرنے کا رواج تو نہیں رہا لیکن یہ رواج تو مشرکوں میں عام ہے کہ وہ اپنے بچوں کو بت خانوں اور مزارات کے لیے وقف کرتے ہیں جو آگے چل کر مجاور کا روپ دھار کر دولت اکٹھی کرنے کے ساتھ ساتھ بدکاری کو رواج دیتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی ہوس پوری کرنے کے لیے جہلا کو مزارات اور بت خانوں پر بیٹیاں وقف کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شاید کوئی بت خانہ اور مزار ہو۔ جہاں دن رات عورتیں قیام نہ کرتی ہوں۔ اسی وجہ سے مزارات اور آستانوں کے آئے دن اخلاق باختہ واقعات سننے میں آتے ہیں۔ بچوں کو غیر اللہ کے نام پر ذبح یا وقف کرنا اس لیے ہے کہ عیسائیوں کے پادریوں، ہندوؤں کے پنڈتوں اور مسلمانوں کے غلط عقیدہ پیروں کی وجہ سے اصلی اور حقیقی دین کی جگہ من گھڑت دین کا غلبہ ہوگیا ہے جو عزت، مال اور اولاد کی بربادی کے ساتھ آخرت کی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ ایسے لوگوں کو جب شرک ورسومات سے منع کیا جائے تو وہ سمجھنے کے بجائے سمجھانے والوں کو بزرگوں کا گستاخ

اور بے دین ہونے کا طعنہ دیتے ہیں اس لیے فرمایا انھیں ان کے من گھڑت دین پر چھوڑ دیجیے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انھیں شرک وخرافات سے بچالیتا کیونکہ یہ ہدایت کی چاہت نہیں رکھتے اس لیے اللہ تعالیٰ بھی ان کی چاہت کے مطابق انھیں گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔

((عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنِّي فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُونِي ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ قَالَ أَبُو حَازِمٍ فَسَمِعَنِي النُّعْمَانُ بْنُ أَبِي عَيَّاشٍ فَقَالَ هٰكَذَا سَمِعْتَ مِنْ سَهْلٍ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ أَشْهَدُ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ لَسَمِعْتُهُ وَهُوَ يَزِيدُ فِيهَا فَأَقُولُ إِنَّهُمْ مِنِّي فَيُقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ فَأَقُولُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِي)) [رواه البخاری : کتاب الرقاق باب الحوض]

”حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمھارا حوض کوثر پر انتظار کروں گا جو بھی میرے پاس آئے گا وہ اس سے پیے گا اور جو شخص بھی اس سے ایک مرتبہ پیے گا وہ کبھی پیاس محسوس نہیں کرے گا۔ میرے پاس کچھ لوگ آئیں گے وہ مجھے پہچان لیں گے اور میں انھیں اپنے امتی کے طور پر سمجھوں گا پھر میرے اور ان کے درمیان پردہ حائل ہو جائے گا ابو حازم نے کہا نعمان بن ابی عیاش نے مجھ سے سنا اور کہا کیا تم نے اسی طرح سہل سے سنا ہے میں نے کہا ہاں، پس اُس نے کہا میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا وہ اس میں مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا یہ تو میرے امتی ہیں کہا جائے گا آپ نہیں جانتے آپ کے بعد انھوں نے کیا کیا بدعتیں شروع کیں میں ان سے کہوں گا دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ جس نے میرے بعد دین کو بدل ڈالا۔“

مسائل

دنیا میں قتل اولاد کی ہر دور میں چار صورتیں رہی ہیں:

۱ غیر اللہ کے نام پر بچوں کو قربان کرنا۔
۲ رزق کی تنگی کی وجہ سے اولاد کو قتل کرنا۔
۳ کسی کے داماد بننے کی عار سے بچیوں کو قتل کرنا۔
۴ جنگ وجدال میں بچیوں کی گرفتاری کے پیش نظر انھیں قتل کرنا۔

تفسیر بالقرآن

اولاد کا قتل کرنا جرم ہے:

۱۔ مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ (الاسراء:۳۱)
۲۔ غربت کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ (الانعام:۱۵۱)

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ

اورانہوں نے کہا یہ چوپائے اور کھیتی منع ہے نہیں کھا سکتا اسے

اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ

مگر جسے ہم چاہیں ان کے خیال کے مطابق اور چوپائے حرام کردی گئی ان کی پیٹھیں اور چوپائے

لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا

نہیں وہ ذکر کرتے نام اللہ کا ان پر جھوٹ باندھتے اس پر عنقریب وہ انہیں جزا دیگا بوجہ اسکے جو وہ تھے

يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا

وہ جھوٹ گھڑتے ہیں اورانہوں نے کہا جومیں پیٹ (جمع) (یہ)ان چوپائے وہ خالص ہے ہمارے مردوں کیلئے

وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ

اورحرام ہے پر ہماری بیویاں اوراگر وہ ہو مردہ تو وہ سب

فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾

اس میں شریک ہیں عنقریب وہ انہیں سزادیگا ان کے بیان کی یقیناً وہ حکمت والا جاننے والا

''اورانہوں نے کہا یہ چوپائے اورکھیتی منع ہیں۔ان کے خیال کے مطابق جسے ہم چاہیں اس کے سوا کوئی نہیں کھائے گا اور کچھ چوپائے ہیں جن کی پیٹھیں حرام کی گئی ہیں اور کچھ چوپائے ہیں جن پر وہ اللہ کا نام نہیں لیتے وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔عنقریب اللہ انہیں اس کی سزادے گا جو وہ جھوٹ بناتے تھے۔(۱۳۸)اورانہوں نے کہا جوان چوپاؤں کے پیٹ میں ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری بیویوں پرحرام ہے اوراگر وہ مردہ ہوتو وہ سب اس میں شریک ہیں عنقریب وہ انہیں ان کے کہے کی سزادے گا بے شک وہ کمال حکمت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔''(۱۳۹)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرکوں کے شرک ورسومات کی مزید تفصیلات

زمانۂ جاہلیت میں کفاراورمشرکین نے اپنے مویشیوں اورکھیتیوں کو چاراقسام میں تقسیم کررکھا تھا۔

۱۔ غیراللہ کے نام پرمخصوص کیے ہوئے مویشی اورکھیت جنہیں مجاورین کی اجازت کے بغیرکوئی استعمال نہیں کرسکتا تھا۔

۲۔ جوجانورغیراللہ اورآستانوں کے لیے وقف کیے جاتے ان پرسواری کرنا بھی ان کے ہاں جائزنہیں تھا۔

۳۔ غیراللہ کے نام پروقف کیے ہوئے جانوروں کوذبح کرتے وقت ان پراللہ کا نام نہیں لیتے تھے

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ

تحقیق خسارے میں رہے | وہ لوگ | انہوں نے قتل کیا | اپنی اولاد کو | بیوقوفی سے | بغیر | علم کے

وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا

اور انہوں نے حرام کیا جو | انہیں رزق دیا | اللہ نے | جھوٹ باندھتے ہوئے | پر | اللہ | تحقیق وہ گمراہ ہوگئے

وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۱۴۰ۧ

اور نہیں | وہ تھے | ہدایت یافتہ

''بے شک ان لوگوں نے نقصان اٹھایا جنہوں نے اپنی اولاد کو حماقت اور بے علمی سے قتل کیا اور اللہ نے انہیں جو کچھ دیا تھا اسے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہوئے حرام ٹھہرالیا۔ یقیناً گمراہ ہوگئے اور ہدایت پانے والے نہ ہوئے۔'' (۱۴۰)

۴۔ وقف کی ہوئی اونٹنی، گائے، بکری کا دودھ پینا مردوں کے لیے جائز اور عورتوں کے لیے حرام تھا اسی طرح ان جانوروں سے جو بچہ پیدا ہوتا اس کا کھانا مردوں کے لیے حلال تھا۔ اگر بچہ مردہ ہوتا تو اس کے کھانے میں مردو زن شریک ہوجاتے تھے۔

مالی عبادات میں مشرکوں کے شرک و رسومات کی تفصیل کے ضمن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ شرک میں اس قدر آگے بڑھ چکے تھے کہ جو جانور غیر اللہ کے نام پر وقف کرتے انھیں ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا خود ساختہ شریعت کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور غیر اللہ کے نام وقف کیے ہوئے جانور اور کھیتوں کو مجاورین کا اپنے نام مخصوص کر لینا، ایسے جانوروں پر سواری نہ کرنا، زندہ پیدا ہونے والے بچے پر مردوں کی ملکیت سمجھنا اگر مردہ پیدا ہو تو اس میں مردو زن کی شرکت جائز قرار دینا، یہ ان کے من گھڑت دین کی نمایاں علامات تھیں۔ دراصل یہ دین کے نام پر مذہبی پیشواؤں کی مالی کرپشن تھی جس کے نام پر انھوں نے بڑی بڑی جائیدادیں بنائیں اور مذہب کے نام پر عوام کا استحصال کیا۔ جس کی مثالیں مسلمانوں سمیت ہر مذہب کے نام نہاد دینی رہنماؤں میں پائی جاتی ہیں۔ اسی لیے پہلی آیت کے آخر میں انھیں وارننگ دی گئی کہ عنقریب انھیں اس مکر و فریب اور گھناؤنے دھندے کی سزا دی جائے گی، آیت: ۱۳۸ کے آخر میں فرمایا یہ لوگ اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے لوگوں کے سامنے من گھڑت شریعت پیش کرتے ہیں انھیں اسی پر چھوڑ دیجیے۔ بہت جلد انھیں اس جرم کی سزا مل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کے عزائم اور کردار کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس نے اپنی حکمت کے تحت انھیں مہلت دے رکھی ہے۔ ان لوگوں کا بغیر کسی جواز کے محض حماقت کی بنا پر اپنی اولاد کو قتل کرنا اور اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو اللہ ہی کے ذمہ لگا کر حرام قرار دینا انتہا درجے کی گمراہی ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں وہ ہدایت نہیں پایا کرتے۔

((عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ سُئِلَ عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ أَخَصَّكُمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِشَيْءٍ فَقَالَ مَا خَصَّنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِشَيْءٍ لَمْ يَعُمَّ بِهِ النَّاسَ كَافَّةً إِلَّا مَا كَانَ فِي قِرَابِ سَيْفِي هٰذَا قَالَ فَأَخْرَجَ صَحِيفَةً مَكْتُوبٌ فِيهَا لَعَنَ

اللّٰہُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ وَلَعَنَ اللّٰہُ مَنْ سَرَقَ مَنَارَ الْأَرْضِ وَلَعَنَ اللّٰہُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَہٗ وَلَعَنَ اللّٰہُ مَنْ آوٰی مُحْدِثًا)) [رواہ مسلم: کتاب الأضاحی ، باب تحریم الذبح لغیر اللہ]

”حضرت ابوطفیل فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کیا رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کسی بات کے ساتھ خاص کیا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عام لوگوں سے ہٹ کر کوئی خاص بات نہیں کہی مگر یہ میری تلوار کی میان میں جو ہے پھر انھوں نے میان میں سے کاغذ نکالا جس میں لکھا ہوا تھا اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر بھی لعنت کرے جو چوری کرتا ہے اور اللہ اس پر لعنت کرے جو اپنے والد کو لعن طعن کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس شخص پر بھی لعنت کرے جو کسی بدعتی کو پناہ دیتا ہے۔“

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رضی اللہ عنہما قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا خَطَبَ ......یقول أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَخَیْرُ الْھُدٰی ھُدٰی مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَکُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ))

[رواہ مسلم : کتاب الجمعۃ ، باب تخفیف الصلاۃ]

”حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی خطبہ ارشاد فرماتے تو کہا کرتے ......اما بعد بلاشبہ سب سے بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے اور بہترین ہدایت کا راستہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے اور برے کاموں میں سے بدعات ایجاد کرنا ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

مسائل

۱۔ مشرکین جانوروں کے بارے میں من گھڑت باتیں منسوب کیا کرتے تھے۔

۲۔ حلال وحرام کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ ۳۔ اولاد کو قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنے والے کبھی ہدایت نہیں پا سکتے۔

تفسیر بالقرآن

گمراہ لوگ:

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔ (آل عمران:۱۶۴، الجمعۃ:۲)

۲۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ واضح گمراہی میں مبتلا ہوا۔ (الاحزاب:۳۶)

۳۔ بہت بڑا ظالم ہے وہ شخص جو اللہ پر جھوٹ باندھے بغیر علم کے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے۔ (الانعام:۱۴۴)

۴۔ کفار اللہ کے راستہ سے روکنے والے اور خود دور کی گمراہی میں ہیں۔ (النساء:۱۶۷)

۵۔ جس نے اللہ، رسول، ملائکہ، کتابوں اور آخرت کے دن کا انکار کیا وہ دور کی گمراہی میں مبتلا ہوا۔ (النساء:۱۳۶)

۶۔ اللہ کے سوا غیروں کو پکارنے والے گمراہ ہیں۔ (الاحقاف:۵)

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ
اور وہی ہے جس نے پیدا کیے باغات چھپروں پر چڑھائے ہوئے اور بغیر چڑھائے ہوئے

وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا
اور کھجور اور کھیتی مختلف ہیں ان کے پھل ذائقے اور زیتون اور انار ملے جلے

وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ
اور نہ ملے جلے کھاؤ تم سے اس کے پھل جب وہ پھل دیں اور تم دو اس کا حق

يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ١٤١
دن اس کی کٹائی اور نہ تم اسراف کرو بیشک وہ نہیں پسند کرتا فضول خرچ کرنے والے

''اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کیے چھپروں پر چڑھائے ہوئے اور نہ چڑھائے ہوئے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن کے پھل مختلف ہیں اور زیتون اور انار ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے ۔اس کے پھل میں سے کھاؤ جب پھل لائے اور اس کے کاٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو اور حد سے نہ گزرو یقیناً اللہ حد سے گزرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔'' (۱۴۱)

فہم القرآن

ربط کلام: جن کھیتوں میں مشرک غیر اللہ کا حصہ مقرر کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی پیدا کرنے ، اگانے اور پکانے والا ہے۔

زیتون:

Olive (انگریزی،فرانسیسی،جرمن) Oliva (روسی،لاطینی) زیتون (عربی،فارسی،ہندی،اردو،پنجابی) zayit,Zaith (عبرانی)

نباتاتی نام: Olea Europaea Linn.

قرآنی آیات بسلسلہ زیتون:

۱۔ سورۃ الانعام آیت:100 ۲۔ سورۃ الانعام آیت:142 ۳۔ سورۃ النحل آیت: 11 ۴۔ سورۃ المومنون آیت: 20
۴۔سورۃ التین آیت:2

زیتون کا ذکر قرآن پاک میں اس کے نام سے چھ بار آیا ہے اور ایک مرتبہ سورۃ المومنون، آیت:۲۰ اس کی جانب یہ کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے طور سینا کے اطراف ایک ایسا درخت پیدا کیا ہے جس میں ایسا تیل ہوتا ہے جو سالن کے کام آتا ہے۔

زیتون کا نباتاتی نام (Olea Europaea) ہے۔ یہ ایک چھوٹا درخت ہے جس کی اونچائی اوسطاً ۲۵ فٹ ہوتی ہے۔اس کی پیداوار قلم لگا کر ہوتی ہے کیونکہ بغیر قلم لگائے ہوئے پودے اچھے پھل نہیں دیتے ہیں۔اس کے کچے پھل چٹنی اور اچار کے کام میں لائے جاتے ہیں، جبکہ پکے ہوئے پھل انتہائی شیریں اور لذیذ ہوتے ہیں۔ یہ بیضاوی شکل کے ۲ سے ۳ سنٹی

میٹر لمبے ہوتے ہیں ان کے گودے میں پندرہ سے چالیس فیصد تک تیل ہوتا ہے جو اپنی خصوصیات اور صاف وشفاف ہونے میں بے مثال مانا جاتا ہے۔ دل کے امراض میں زیتون کا تیل سودمند ثابت ہوتا ہے۔

زیتون کا اصل وطن فلسطین اور شام کا وہ علاقہ ہے جو فینی شیا (Phoenicia) کہلاتا ہے۔ یہیں اس کی کاشت تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح شروع کی گئی اور اسی خطہ سے یہ پودہ مغرب اور مشرق کے ممالک میں لے جایا گیا۔ زیتون کی وطنیت (Nativity) کا حوالہ قرآن کریم کی سورۃ النور کی آیت ۳۵ میں دیا گیا ہے جس میں ارشاد ہوا ہے

''ایک مفید درخت زیتون ہے جو نہ پورب کا ہے نہ پچھم کا۔''

زیتون کے باغات جنوبی یورپ، شمالی افریقہ اور عرب کے کئی ممالک میں ملتے ہیں، لیکن اسپین اور اٹلی زیتون کے پھل اور تیل پیدا کرنے میں سرفہرست ہیں۔ روغن زیتون کی عالمی پیداوار تین ملین میٹرک ٹن سے بھی زیادہ بتائی جاتی ہے۔ روغن زیتون چراغ کی روشنی کے لیے زمانہ قدیم سے بڑا مشہور اور بڑا اہم رہا ہے۔ عمدہ قسم کا تیل نہایت شفاف ہوتا ہے۔ اسے اگر کسی صاف برتن یا گلاس یا گلاس کی قندیل میں رکھ دیا جائے تو ایسا محسوس ہوگا کہ کوئی شے ہے جو خود ہی روشن ہے اور اگر اس سے چراغ جلایا جائے تو ایسا لگے گا کہ گویا نور سے نور نکل رہا ہے۔ اسی حقیقت کی منظر کشی سورۃ النور آیت ۳۵ میں کی گئی ہے اور روغن زیتون سے روشن قندیل کی روشنی کو ''نور علی نور'' کہا گیا ہے۔

انار

قرآنی نام: رُمَّانٌ

دیگر نام:

Pomegranate (انگریزی)	Granade (فرانسیسی)	Granat (روسی)
Granatapfel (جرمن)	Punicum (لاطینی)	Melagrana (اطالوی)
Rimmon (عبرانی)	Granada (ہسپانوی)	Roa (یونانی)
(سنسکرت) تیلگو	داون (کشمیری)	رمان (عربی)

انار (فارسی، اردو، ہندی، پنجابی)

نباتاتی نام:

Punica granatum linn.(Family:punicaceae)

قرآنی آیات بسلسلہ انار:

(۱) سورۃ الانعام آیت: 100 (۲) سورۃ الانعام آیت: 142 (۳) سورۃ الرحمٰن آیت: 68,69

انار کا ذکر 'رمان' کے نام سے قرآن حکیم میں تین بار آیا ہے اور تینوں بار انسان کو اہم نصیحتیں کی گئی ہیں۔ مثلاً سورۃ الانعام کی آیت: 142 میں حکم ہوا کہ کھجور، زیتون اور انار وغیرہ کی جب فصلیں کاٹی جائیں تو فوراً اس میں سے ایک حصہ حقدار

کو دے دیا جائے اس طرح اشارہ کیا گیا قدرت کی نعمتیں عام انسانوں کے لیے بھی ہیں جو لوگ باغ کے پھلوں کو اور کھیت کی پیداوار کو اپنے لیے مخصوص رکھنا چاہتے ہیں اور دوسروں کی حق تلفی کرتے ہیں وہ اللہ کی نظر میں ناپسندیدہ انسان ہیں۔قرآن کا یہ ارشاد سماج میں اجارہ داری اور سرمایہ داری کو نامناسب قرار دیتا ہے۔

نباتاتی سائنس کی رو سے انار کا نام Punica granatum ہے۔انار کے دانوں کا رس ایک ہلکی اور فرحت انگیز غذا ہے جو دل کے امراض میں بہت سودمند ہے میٹھا انار قبض کشا ہوتا ہے جبکہ تھوڑی سی کھٹاس والے انار کے دانے معدہ کے ورم اور دل کے لیے لاجواب دوا اور ٹانک ہیں ان دانوں سے تیار کیا گیا شربت Dyspepsia جیسے معدہ کی روگوں کو فائدہ دیتا ہے۔اسہال یا پیچش میں مبتلا مریضوں کے لیے پچاس گرام انار کا رس ایک بہترین علاج بھی ہے اور کمزوری رفع کرنے کا طریقہ بھی۔قلت خون، یرقان، بلڈ پریشر، بواسیر اور ہڈیوں وجوڑوں کے درد میں انار کے طبی فوائد طب یونانی آیورویدک اور ایلوپیتھی میں بھی تسلیم کیے گئے ہیں۔شہد کے ساتھ انار رس Biliousness میں کمی لاتا ہے۔

انار کا پھل دل ودماغ کو فرحت اور تازگی بخشتا ہے۔انار کی جڑ کی چھال ایک ایسی بے مثال دوا ہے جسے پانی میں ابال کر مریض کو پلانے سے Tapeworm سمیت پیٹ کے کیڑے ختم ہوجاتے ہیں۔بعض تحقیقات سے معلوم ہوا ہے اس کا ابلا ہوا پانی ٹی بی اور پرانے بخار کو ختم کرنے میں موثر ثابت ہوا ہے۔مزید براں ملیریا کے بعد کی کمزوری کو بھی دور کرتا ہے۔بعض نسوانی امراض میں انار کی جڑ کی چھال کا استعمال ایک حتمی علاج سمجھا جاتا ہے۔

انار کے پھولوں سے ایک لال رنگ حاصل کیا جاتا ہے جو غذائی اشیاء میں استعمال ہوسکتا ہے انار کے پھول اسقاطِ حمل کو روکنے کی بھی دوا ہیں۔انار کے پھل کا چھلکا بھی طبی اہمیت کا حامل ہے۔دودھ میں چھلکا ابال کر پلانے سے پرانی پیچش کے مریض کو فوراً افاقہ ہوتا ہے۔یہ چھلکا تجارتی طور پر بھی بڑے کام کی چیز ہے کیونکہ اس میں بیس فیصد سے زیادہ Tannin ہوتا ہے اس لیے کچے چمڑے کو پکانے کے لیے ان چھلکوں کا استعمال بڑے پیمانے پر افریقہ کے کچھ ملکوں میں کیا جاتا ہے۔مراکش اور اسپین کا جو چمڑا کسی زمانے میں بہت مشہور تھا اس کی Tanning انار کے چھلکوں سے کی جاتی تھی۔اللہ تعالیٰ کی عنایت کردہ نعمتوں میں انار بھی ایک بڑی نعمت ہے جس کی بابت خدائے برتر فرماتا ہے:

﴿فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ o فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ [الرحمٰن:٦٨]

''ان دونوں میں میوے ہوں گے اور کھجور اور انار۔تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ ہی مختلف انواع واقسام کے درخت اگاتا ہے۔

٢۔ پھلوں کے علیحدہ رنگ ومختلف ذائقے ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

٣۔ فصل کاٹتے وقت اس کا حق ادا کرنا چاہیے۔

٤۔ اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَمِنَ	الْاَنْعَامِ	حَمُوْلَةً	وَّفَرْشًا ؕ	كُلُوْا	مِمَّا	رَزَقَكُمُ
اور سے	چوپاؤں	بوجھ اٹھانے والے	اور زمین سے لگے ہوئے	تم کھاؤ	اس سے جو	اس نے تم کو دیا
اللّٰهُ	وَلَا	تَتَّبِعُوْا	خُطُوٰتِ	الشَّيْطٰنِ ؕ	اِنَّهٗ	لَكُمْ
اللہ	اور نہ	تم پیچھے لگو	قدموں	شیطان کے	یقیناً وہ	تمہارے لیے

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

دشمن ہے کھلا

''اور چوپاؤں میں سے بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین سے لگے ہوئے ہیں۔ کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تمہیں رزق دیا اور شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔'' (۱۴۲)

فہم القرآن

ربط کلام: اہل مکہ جس طرح من ساختہ اصولوں کی بنیاد پر اپنی فصلوں میں اللہ کے سوا دوسروں کا حصہ مقرر کرتے تھے۔ اسی باطل اصول کی بنیاد پر انھوں نے جانوروں کے بارے میں بھی یہ اصول بنالیا تھا کہ فلاں مردوں کے لیے جائز ہے اور فلاں جانور صرف عورتوں کو کھانے کی اجازت ہوگی۔

شریعت نام ہے اللہ اور اس کے رسول کے فرمودات کا۔ رسول اکرم ﷺ بھی اسی چیز کو حلال اور حرام قرار دینے کے پابند ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام یا حلال کرنے کا حکم دیا ہو۔ بصورت دیگر کسی شخص کو یہ اختیار نہیں کہ وہ حلال وحرام کے ضابطے بنائے اور ان کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو حرام اور اس کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال قرار دے۔ سورۃ التحریم کی پہلی آیت میں نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اسی اصول کی وضاحت فرمائی کہ اے نبی ﷺ آپ کو کسی طرح بھی یہ اختیار نہیں کہ آپ اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام قرار دیں۔ یہاں '' حمولہ '' سے مراد وہ جانور ہیں جو سواری، بار برداری اور کاشتکاری کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً بیل، اونٹ، گھوڑے، گدھے اور خچر۔ ''الفرش '' کا لفظ استعمال فرما کر ان جانوروں کی نشاندہی کی گئی ہے جو کھیتی باڑی، سواری اور بار برداری کی بجائے انسان کی دوسری ضروریات پورا کرتے ہیں۔ بھیڑ، بکری اور مرغ وغیرہ جس میں گوشت، انڈے، زیبائش اور میڈیکل کی ضروریات یہاں تک کہ ان کی کھال اور ہڈیوں سے بے شمار چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یہ تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کا رزق ہے انھیں کھاؤ اور استعمال کرو لیکن شیطان کی پیروی کرنے سے بچو۔ کیونکہ شیطان تمھارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ یہ شیطان کی کارستانی اور اس کی پیروی کا نتیجہ

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ

آٹھ جوڑے سے بھیڑ دو اور سے بکری دو فرمائیں کیا

ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ

دونوں نر حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ یا کہ مشتمل ہیں اس پر

اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِىْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

رحم (جمع) دونوں مادائوں تم مجھے خبر دو علم کیساتھ اگر ہو تم سچے

”(پیدا کیے) آٹھ قسموں کے جوڑے، بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو۔ فرمائیں کیا اس نے دونوں نر حرام کیے یا دونوں مادہ؟ یا وہ بچہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہوئے ہوں؟ مجھے علم کے ساتھ بتاؤ، اگر تم سچے ہو۔“ (۱۴۳)

ہے کہ لوگ جانوروں کو ذبح کرتے ہوئے ان پر غیر اللہ کا نام لیتے اور انھیں بتوں اور مزارات کی نذر کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی پرلے درجے کی ناشکری اور اس کی بغاوت کے مترادف ہے۔ اہل مکہ نے اپنے من ساختہ اصولوں کے مطابق کسی جانور کا مادہ اور کسی کا نر حرام ٹھہرا لیا تھا۔ جیسا کہ اسی سورہ کی آیت 138، 139 میں ان کا عقیدہ بیان ہوا ہے کہ جس جانور یا کھیتی کو وہ اپنے بتوں کی نذر کرتے ان کے بارے میں یہ اصول کارفرما تھا کہ اس میں جو بچہ پیدا ہو وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے حلال اور ہماری عورتوں کے لیے اس کا کھانا ہرگز جائز نہیں اگر اونٹنی اور گائے وغیرہ سے پیدا ہونے والا بچہ مردہ ہو تو اس کو مرد اور عورتیں کھا سکتی ہیں۔ یہاں بھیڑ، بکری کے چار جوڑوں کا ذکر کرنے کے بعد مشرکین سے استفسار فرمایا کہ اگر تمھارے بے ہودہ اصول اور باطل عقیدہ کی کوئی ٹھوس دلیل ہے تو اس کی علمی دلیل پیش کرو اگر تم اپنے من ساختہ حرام وحلال کے نظریہ میں سچے ہو۔ علم سے مراد وحی کا علم ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ تمھارے من گھڑت اصولوں کی کسی بھی شریعت سے تائید نہیں ہوتی گویا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی رسول پر یہ حکم نازل نہیں کیا کہ جس میں یہ ہو کہ فلاں جانور کا مادہ حلال ہے اور اس کا نر حرام! بھیڑ اور بکری کے جوڑوں کے بعد اونٹ اور گائے کے چار جوڑوں کا ذکر فرما کر سوال کیا ہے ان کے نر یعنی مذکر حرام ہیں یا ان کے مادے؟ یا ان کے بچے جو ان کی مؤنث کے پیٹ میں ہوتے ہیں۔ اگر تم اپنے نقطہ نظر میں سچے ہو تو بتاؤ کہ کیا جب اللہ تعالیٰ نے ان کے جائز اور ناجائز کا حکم دیا تھا تو تم میں سے کوئی اس وقت موجود تھا۔ حرام وحلال کے یہ اصول دراصل اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور بہتان ہیں۔ یاد رکھو وہ شخص سب سے بڑا ظالم ہے جو اپنے جھوٹ کو اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے تاکہ اس جہالت کی بنیاد پر لوگوں کو گمراہ کرے اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دے انھیں کوئی بھی ہدایت نہیں دے سکتا۔

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ

اور سے اونٹ دو اور سے گائے دو فرما دیجیے

آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ

کیا دونوں نر اس نے حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ؟ یا وہ جو مشتمل ہے اس پر رحم (جمع)

الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ

دونوں ماداؤں یا تھے تم حاضر جب تمہیں وصیت کی اللہ نے اس کی پھر کون

اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ

زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جس نے گھڑا پر اللہ جھوٹ تا کہ وہ گمراہ کرے لوگوں کو

بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۟ ع (۱۴۴)

بغیر علم کے بے شک اللہ نہیں وہ ہدایت دیتا قوم ظالموں کی

ع ۱۷ ۲ ۲

''اور اونٹوں میں سے دو اور گائیوں میں سے دو، فرمائیں کیا اس نے دونوں نر حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ؟ یا وہ بچہ جس کو دونوں مادائیں پیٹ میں لیے ہوئے ہوں؟ کیا تم اس وقت موجود تھے جب اللہ نے تمہیں اس کی وصیت کی تھی؟ پھر اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے تا کہ لوگوں کو علم کے بغیر گمراہ کرے۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' (۱۴۴)

مسائل

۱۔ ہر طرح کے جانوروں کو پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا عنایت کیا پاکیزہ اور حلال رزق کھانا چاہیے۔

۳۔ شیطان تمام لوگوں کا واضح دشمن ہے، اس سے بچنا چاہیے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو حلال کو حرام اور حلال کو حرام کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹ لگا کر لوگ ایک دوسرے کو گمراہ کرتے ہیں۔

۶۔ اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِىْ مَآ اُوْحِىَ اِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ
فرمادیجیے نہیں میں پاتا میں جو وحی کی گئی ہے میری طرف کوئی حرام چیز پر کوئی کھانے والا
يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ
جسے وہ کھائے مگر یہ کہ وہ ہو مردار یا خون بہایا ہوا یا گوشت
خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ
خنزیر کا پس یقیناً وہ ناپاک ہے یا فسق ہے نام پکارا گیا ہے اللہ کے سوا کسی اور کا تو جو شخص
اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤٥﴾
لاچار ہو جائے نہ وہ باغی اور نہ حد سے گزرنے والا تو بیشک تیرا رب بخشنے والا رحم کرنے والا

”فرمادیں! جو وحی میری طرف کی گئی ہے اس میں کسی کھانے والے پر کوئی چیز حرام نہیں پاتا جسے وہ کھائے سوائے اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کہ بے شک وہ گندگی ہے یا نافرمانی ہو جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ جو مجبور کر دیا جائے اس حال میں کہ نہ بغاوت کرنے والا ہو اور نہ حد سے گزرنے والا تو بے شک آپ کا رب بے حد بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ (١٤٥)

فہم القرآن

ربط کلام: حرام وحلال کے عقلی، شرعی اور توحید کے دلائل دینے کے بعد نبی اکرم ﷺ کو وضاحت کے لیے مزید کہا جا رہا ہے۔

اہل مکہ نے اپنی مرضی سے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو ایک دوسرے کے لیے حرام قرار دے لیا تھا۔ جس کی سابقہ آیات میں نفی کرتے ہوئے فرمایا کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق کو خودساختہ شریعت کی وجہ سے اپنے آپ پر حرام کر لیا ہے وہ گمراہ ہوئے۔ پھر نباتات اور حیوانات کے حوالے سے توحید کے دلائل دیے جس میں یہ ثابت کیا گیا ان کے خالق کے علاوہ کسی کو حرام وحلال کے تعین کرنے کا حق نہیں۔ کفار نے من مرضی سے قانون بنا کر لوگوں کو یہ تاثر دیا تھا کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام کردہ ہیں۔ اس کے ان کے پاس شرعی دلائل نہ تھے۔ کیونکہ کسی شریعت میں حرام وحلال کی یہ فہرست نازل نہیں ہوئی کہ جس میں یہ بتلایا گیا ہو کہ کھانے پینے کی فلاں چیز مرد کے لیے جائز اور عورت کے لیے حرام ہے اور فلاں چیز عورت کے لیے حلال ہے لیکن مرد کے لیے حرام ہے۔ یہ ایسی تقسیم ہے جس کے بارے میں خواہ مخواہ یہ سوال اٹھتا ہے کہ آخر کیا سبب ہے کہ فلاں کھانے کی چیز شرعی طور پر مرد کے لیے جائز ہے اور عورت کے لیے حرام۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ لباس اور زیورات کے بارے میں مرد وزن میں شریعت نے فرق قائم کیا ہے لیکن خورد ونوش کے سلسلہ میں حرام وحلال کے اصول سب کے لیے برابر ہیں۔ اس لیے ان کے پاس اپنی بنائی ہوئی شریعت کا کوئی

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ

اور پر | وہ لوگ | یہودی ہوئے | ہم نے حرام کیا ہر ناخن والا جانور | اور سے گائے اور بکری سے

حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ

ہم نے حرام کیا ان پر | ان دونوں کی چربی | مگر جو | اٹھایا ان دونوں کی پیٹھوں نے | یا انتڑیوں نے

اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

یا جو | ملی ہوئی ہو | ہڈی کے ساتھ | یہ ہم نے | انہیں سزا دی | ان کی سرکشی کی وجہ سے | اور یقیناً | ہم | سچے ہیں

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ وَلَا

پھر اگر وہ تجھے جھٹلائیں | تو فرما تمہارا رب | والا | رحمت | وسیع | اور نہیں

يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

پھیرا جاتا | اس کا عذاب | سے | قوم | مجرموں

''اور جو لوگ یہودی بن گئے ان پر ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا اور گائیوں اور بکریوں میں سے ہم نے ان پر دونوں کی چربی حرام کر دی سوائے اس کے جو ان کی پشتیں یا انتڑیاں اٹھائے ہوں یا جو ہڈی کے ساتھ ملی ہو۔ یہ ہم نے انہیں ان کی سرکشی کی سزا دی تھی یقیناً ہم سچے ہیں۔(۱۴۶) پھر اگر وہ آپ کو جھٹلائیں آپ فرما دیں کہ تمہارا رب بڑی رحمت والا ہے اور اس کا عذاب مجرموں سے ہٹایا نہیں جاتا۔''(۱۴۷)

عقلی ثبوت نہیں تھا۔ اور نہ ہی اس تقسیم کا کوئی ثبوت پہلی شریعتوں میں پایا جاتا ہے کہ کھیتی کا اتنا حصہ غیر اللہ کے نام وقف کیا جائے اور اگر اس وقف میں کسی وجہ سے نقصان ہو تو وہ فی سبیل اللہ کے کھاتہ سے پورا کر لیا جائے۔ اس کے برعکس تمام شریعتوں میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی غیر اللہ کے نام دینا شرک ہے۔ چونکہ ان کے پاس عقلی و نقلی دلائل نہیں تھے اس لیے نبی اکرم ﷺ کو حکم ہوا کہ ان کو بتلائیں کہ وحی تمہارے پاس نہیں میرے پاس آتی ہے اور اس وحی میں کھانے والے پر کوئی چیز کھانا حرام نہیں سوائے مردار، بہنے والے خون، خنزیر کے گوشت کے کیونکہ وہ پلید اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ اسی طرح وہ چیز بھی حرام ہے جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کی گئی ہو۔ یہ چیزیں اس شخص کے لیے حلال ہوں گی جسے کھانے کے لیے کوئی چیز میسر نہ ہو اور اسے اپنی موت واقع ہونے کا خطرہ لاحق ہو جائے۔ اور یہ شخص عام حالات میں حرام و حلال کی تمیز کرنے والا ہو۔ ایسی صورت میں حرام کھانے والے کو اللہ تعالیٰ معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔ بعض لوگ اس آیت میں لفظ اِلَّا سے غلط استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا چیزوں

کے سوا باقی تمام چیزیں حلال ہیں۔ کیونکہ ان کا کہنا ہے لفظ اِلَّا حصر کے لیے آتا ہے جس کا معنی ہے کہ صرف یہی چیزیں حرام ہیں جس بنا پر وہ غلط استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان چیزوں کے علاوہ کھانے پینے کی باقی چیزوں پر پابندی عائد نہیں کی جاسکتی۔ حالانکہ قرآن مجید میں شراب حرام کی گئی جو پینے کی چیز ہے کھانے کے سلسلہ میں مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کی ہوئی چیز کے ساتھ وہ جانور جو گلا گھٹ کر، چوٹ کھا کر بلندی سے گر کر یا سینگ کی ضرب سے مر گیا ہو وہ بھی حرام ہے۔ [المائدۃ:۳]

ان کا استدلال اس لیے بھی غلط ہے کہ یہاں ان چار چیزوں کی حرمت کے فوراً بعد تورات کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ یہودیوں پر ناخن والے جانور حرام کرنے کے ساتھ، بکری اور گائے کی چربی بھی حرام کی گئی تھی سوائے اس کے جو جانور کی ہڈیوں سے الگ نہیں ہوسکتی تھی یہ چربی اس لیے ان پر حرام کی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والے تھے۔ آخر میں کفار کے بوسیدہ دلائل کا یہ کہہ کر جواب دیا گیا ہے کہ حلال و حرام کی جو فہرست اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگاتے ہیں اس میں وہ جھوٹ بولتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق جو فہرست مرحمت فرمائی ہے وہ سراسر سچ ہے۔

اگر ٹھوس دلائل کے باوجود یہ لوگ آپ ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں اور ان کی گرفت نہیں ہو رہی تو انھیں فرمائیں چونکہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ ظرف اور اس کی رحمت بے کنار ہے اس لیے وہ تمھیں مہلت دیتا ہے۔ لیکن یاد رکھو جب اس کا عذاب نازل ہوگا تو اس سے مجرم کو کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔ قارئین کی سہولت کے لیے ہم جلد اول کی پوری پوری عبارت درج کرتے ہیں۔ جو سورۃ البقرۃ ۱۷۳ میں ان چار چیزوں کے حرام ہونے کے بارے میں پیش کی گئی ہے۔

(۱) **مردار:** ہر قسم کے مردار کھانے سے منع کیا گیا ہے سوائے دو چیزوں کے رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ اَلْحُوْتُ وَالْجَرَادُ)) [رواہ ابن ماجہ: کتاب الصید، باب صید الحیتان و الجراد]

''ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں۔ مچھلی اور ٹڈی۔''

(۲) **خون:** نزولِ قرآن کے وقت وحشی قبائل نہ صرف مردار کھایا کرتے بلکہ وہ جانوروں کا خون بھی پی جایا کرتے تھے۔ جس طرح آج بھی افریقہ کے کئی وحشی قبائل جانوروں کا ہی نہیں بلکہ انسانوں کا بھی خون پینے سے گریز نہیں کرتے۔ جدید تحقیق کے مطابق خون میں کئی ایسے جراثیم ہوتے ہیں جن سے پیدا ہونے والی بیماریوں کا علاج ممکن نہیں ہوتا۔ تبھی تو اللہ تعالیٰ نے مردہ یا زندہ جانور کا خون پینے سے منع فرمادیا ہے البتہ کسی کی زندگی بچانے کے لیے خون کا طبی استعمال جائز ہے۔

(۳) **خنزیر:** خنزیر کا گوشت کھانا بھی حرام ہے۔ اس کے بارے میں جدید اور قدیم اطباء کا اتفاق ہے کہ اس کا گوشت کھانے سے انسان کے جسم میں نہ صرف مہلک بیماریاں پیدا ہوتی ہیں بلکہ آدمی میں بے حیائی اور بے شرمی کے

جذبات ابھرتے ہیں۔ کیونکہ خنزیر جانوروں میں سب سے زیادہ بے غیرت جانور ہے۔ کوئی بھی جانور اپنی جنم دینے والی مادہ کے ساتھ اختلاط کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا سوائے خنزیر کے۔ اس کی طبیعت میں اس کام میں کوئی جھجک نہیں پائی جاتی۔

(۴) **غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ:** غیر اللہ کے نام پر ذبح کی ہوئی یا پکائی ہوئی چیز اس لیے حرام کی گئی کہ اس سے روح، غیرت اور ایمان کی موت واقع ہوتی ہے۔ ایک غیرت مند ایمان دار سے یہ کس طرح توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ٹھہرائے گئے شریک کے نام پر چڑھائی گئی چیز کھانے یا استعمال کرنے پر آمادہ ہو جائے؟ یہ نہ صرف غیرتِ ایمانی کے منافی ہے بلکہ فطرت بھی اس بات کو گوارا نہیں کرتی بشرطیکہ کسی کی فطرت ہی مسخ نہ ہو چکی ہو۔ فطرت سلیم کا ثبوت اس فرمان کے نازل ہونے سے پہلے مکہ میں پایا گیا ہے۔

((عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ لَقِيَ زَيْدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ بِأَسْفَلَ بَلْدَحٍ وَذَاكَ قَبْلَ أَنْ يُنْزَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْوَحْيُ فَقُدِّمَتْ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ سُفْرَةٌ فَأَبٰى أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا ثُمَّ قَالَ زَيْدٌ إِنِّيْ لَسْتُ آكُلُ مِمَّا تَذْبَحُوْنَ عَلٰى أَنْصَابِكُمْ وَلَا آكُلُ إِلَّا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ))

[رواه البخاری: کتاب الذبائح و الصید، باب مادبح علی النصب و الأصنام]

"وحی نازل ہونے سے پہلے بلدح کے نشیبی علاقے میں رسولِ کریم ﷺ کی ملاقات زید بن عمرو بن نفیل سے ہوئی۔ رسولِ معظم ﷺ کے سامنے ایک دستر خوان لایا گیا جس پر غیر اللہ کے نام کی کوئی چیز تھی۔ آپ نے کھانے سے انکار کر دیا۔ اسکے ساتھ ہی جناب زید نے کہا کہ میں بھی ان ذبیحوں کا گوشت نہیں کھاتا جو تم اپنے آستانوں پر ذبح کرتے ہو اور نہ ان جیسی کوئی اور چیز کھاتا ہوں۔ سوائے اس چیز کے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔"

مزارات اور بت خانوں پر ذبح کرنا حرام ہے:

((عَنْ ثَابِتِ ابْنِ الضَّحَّاكِ ﷛ قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَنْحَرَ إِبِلًا بِبُوَانَةَ فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ إِنِّيْ نَذَرْتُ أَنْ أَنْحَرَ إِبِلًا بِبُوَانَةَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَلْ كَانَ فِيْهَا وَثَنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالُوْا لَا قَالَ هَلْ كَانَ فِيْهَا عِيْدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ قَالُوْا لَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا فِيْمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ))

[رواه أبو داؤد: کتاب الأیمان و النذور باب مایؤمربه من وفاء النذر]

"ثابت بن ضحاک ﷛ نے مجھے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک آدمی نے بوانہ نامی جگہ پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر عرض کی میں نے نذر مانی ہے کہ میں بوانہ نامی

جگہ پر اونٹ ذبح کروں گا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے پھر پوچھا: کیا وہاں کوئی ان کا میلہ لگتا تھا؟ صحابہ نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا: اپنی نذر پوری کرو کیونکہ اللہ کی نافرمانی والی نذر پوری نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی وہ نذر پوری کرنا لازم ہے جس کی انسان طاقت نہیں رکھتا۔''

اللہ تعالیٰ کا رحم وکرم تو دیکھیے کہ ان چار چیزوں سے سختی کے ساتھ منع کرنے کے باوجود ایسے شخص کے لیے ان کو کھانے کی اجازت دی جارہی ہے جسے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا شدید خطرہ لاحق ہو گیا ہو۔ لیکن اس کے ساتھ یہ شرط رکھی کہ نہ وہ پہلے سے ان چیزوں کے کھانے کا عادی ہو اور نہ ہی حرام خوری کی طرف اس کا دل مائل ہو۔

عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ جس جانور پر ذبح کرتے وقت اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام لیا جائے، صرف وہی حرام ہوتا ہے۔ یہ تصور بالکل غلط ہے، کیونکہ قرآن کے الفاظ میں نہ جانور کا ذکر ہے نہ ذبح کا بلکہ ''ما'' کا لفظ ہے جس میں عمومیت پائی جاتی ہے۔ لہٰذا اس کا معنی یہ ہوگا کہ جو چیز کسی فوت شدہ بزرگ، دیوی، دیوتا کا تقرب حاصل کرنے اور اس کے نام پر مشہور کر دی جائے جیسے امام جعفر کے کونڈے، بی بی پاک دامن کی صحنک، مزار کے لیے بکرا وغیرہ یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ اگر کوئی چیز جو فی نفسہ حلال ہو اور اس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام ہی کیوں نہ لیا جائے وہ حرام ہی رہے گی۔ کیونکہ غیر اللہ کے نام کی نیت رکھنے سے ہی وہ چیز حرام ہو جائے گی۔ اللہ کی عطا کردہ چیزوں کی قربانی یا نذر و نیاز صرف اللہ کے نام کی ہونا چاہیے اس میں کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ ہاں اگر کوئی شخص صدقہ وخیرات یا قربانی کرتا ہے اور اس سے اس کی نیت یہ ہو کہ اس کا ثواب میرے فوت شدہ والدین یا فلاں رشتہ دار یا فلاں بزرگ کو پہنچے تو اس میں کوئی حرج نہیں، یہ نیک عمل ہے اور سنت سے ثابت ہے۔

حرام جانور کی نشانی:

((عَنْ أَبِی ثَعْلَبَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ أَكْلِ كُلِّ ذِی نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ))

[رواه البخاری: کتاب الذبائح والصید، باب أكل كل ذی ناب من السباع]

''حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ رسول معظم ﷺ نے ہر کچلی والے جانور کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔''

مسائل

۱۔ قرآن مجید میں مردار، خون، خنزیر کا گوشت، غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کے ساتھ اور چیزیں بھی حرام ہیں۔

۲۔ حرام چیزوں کا کھانا انتہائی مجبور شخص کے لیے جائز ہے۔لیکن دوسرے کے لیے حرام ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

۴۔ یہودیوں کی بار بار نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر گائے اور بکری کی چربی بھی حرام کردی گئی۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا ہر فرمان سچا ہے۔

٦۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت بڑی بے کنار ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو ٹالنے والا کوئی نہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں:

۱۔ تم پر اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا ہے مردار، خون اور خنزیر کا گوشت۔(البقرۃ:۱۷۳)

۲۔ سودی کاروبار حرام اور لوگوں کا مال باطل طریقہ سے کھانا حرام ہے۔(النساء:۱٦۰، البقرۃ:۲۷۵)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے ظاہر اور پوشیدہ برائی حرام کردی ہے۔(الاعراف:۳۳)

۴۔ کسی جان کا بغیر حق کے قتل کرنا حرام ہے۔(الاسراء:۳۳)

۵۔ یہود پر جانوروں کی چربی حرام کردی گئی۔(الانعام:۱۴٦)

رحمت خداوندی کی وسعتیں:

۱۔ مصائب پر صبر کرنے والوں کے لیے اللہ کی رحمت و بخشش۔(البقرۃ:۱۵٦)

۲۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے آپ ﷺ لوگوں کے لیے نرم دل ہیں۔(آل عمران:۱۵۹)

۳۔ آپ ﷺ کا رب غنی صاحب رحمت ہے۔(الانعام:۱۳۳)

۴۔ قرآن مومنین کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔(الاسراء:۸۲)

۵۔ اللہ کی رحمت نے ہر چیز کو گھیر لیا ہے۔(الاعراف:۱۵٦)

٦۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے۔(الدھر:۳۱)

۷۔ لوگوں کو اللہ کی رحمت اور فضل پر خوش ہونا چاہیے۔(یونس:۵۸)

۸۔ اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کو اپنی رحمت میں داخل کرلیا ہے۔(الانبیاء:۸٦)

سَيَقُوْلُ	الَّذِيْنَ	اَشْرَكُوْا	لَوْ	شَآءَ	اللّٰهُ	مَآ
عنقریب کہیں گے	وہ لوگ	جنہوں نے شرک کیا	اگر	چاہتا	اللہ	نہ
اَشْرَكْنَا	وَلَآ	اٰبَآؤُنَا	وَلَا	حَرَّمْنَا	مِنْ شَيْءٍ ؕ	كَذٰلِكَ
ہم شرک کرتے	اور نہ	ہمارے باپ دادا	اور نہ	ہم حرام کرتے	کوئی چیز	اسی طرح
كَذَّبَ	الَّذِيْنَ	مِنْ قَبْلِهِمْ	حَتّٰى	ذَاقُوْا	بَاْسَنَا ؕ	
جھٹلایا	وہ لوگ جو	سے ان سے پہلے	یہاں تک کہ	انہوں نے چکھا	ہمارا عذاب	
قُلْ	هَلْ	عِنْدَكُمْ	مِّنْ عِلْمٍ	فَتُخْرِجُوْهُ	لَنَا ؕ	اِنْ تَتَّبِعُوْنَ
فرمادیجیے	کیا	تمہارے پاس ہے	سے علم	تو تم اسکو نکالو	ہمارے لیے	نہیں تم پیروی کرتے
اِلَّا الظَّنَّ	وَاِنْ	اَنْتُمْ	اِلَّا	تَخْرُصُوْنَ ۝	قُلْ	فَلِلّٰهِ
مگر خیال کی	اور نہیں ہو	تم	مگر	تم اٹکل سے باتیں بناتے ہو	فرمادیجیے	پس اللہ کے لیے
الْحُجَّةُ	الْبَالِغَةُ ۚ	فَلَوْ	شَآءَ	لَهَدٰىكُمْ	اَجْمَعِيْنَ ۝۱۴۹	
دلیل	محکم	پھر اگر	وہ چاہتا	تو تم کو ہدایت دیتا	سب کو	

”جن لوگوں نے شرک کیا عنقریب کہیں گے کہ اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کوئی چیز حرام ٹھہراتے۔ اسی طرح ان لوگوں نے جھٹلایا جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھ لیا۔ فرمائیں کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے اسے ہمارے سامنے پیش کرو، تم تو گمان کے سوا کسی چیز کی پیروی نہیں کررہے اور تم صرف اٹکل پچو لگاتے ہو۔(۱۴۸) فرمادیں اللہ کی دلیل کامل ہے اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔“(۱۴۹)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرک اور اللہ کے نافرمان لوگوں کے خودساختہ بہانے۔

مجرمانہ ذہنیت کے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ گناہ کو چھوڑنے کے بجائے اس کا جواز اور بہانہ تلاش کرتے ہیں۔ جس کے لیے یہ لوگ جھوٹے دلائل دینے کے ساتھ اپنے آباؤاجداد کی رسومات کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ یہ عادت ہر دور کے مشرک اور نافرمانوں کی رہی ہے۔ اسی بنا پر فرمایا گیا ہے کہ حرام و حلال کے متعلق عقلی اور نقلی دلائل نہ رکھنے والے لوگ عنقریب یہ دلیل دیں گے کہ اگر واقعی اللہ تعالیٰ شرک اور حرام خوری کو ناپسند کرتا تو پھر ہم اور ہمارے آباؤاجداد شرک کرنے اور کسی چیز کو حرام قرار

قُلْ	هَلُمَّ	شُهَدَآءَكُمُ	الَّذِيْنَ	يَشْهَدُوْنَ	اَنَّ	اللّٰهَ
فرما دیجیے	تم لے آؤ	تمہارے گواہ	وہ لوگ جو	گواہی دیں	بلاشبہ	اللہ
حَرَّمَ	هٰذَا ج	فَاِنْ	شَهِدُوْا	فَلَا	تَشْهَدْ	مَعَهُمْ ج
حرام کیا	یہ	پھر اگر	وہ گواہی دیں	تو نہ	تو گواہی دے	ان کے ساتھ
وَلَا	تَتَّبِعْ	اَهْوَآءَ	الَّذِيْنَ	كَذَّبُوْا	بِاٰيٰتِنَا	وَالَّذِيْنَ
اور نہ	تو پیچھے چلے	خواہشات	وہ لوگ	جنھوں نے جھٹلایا	ہماری آیات کو	اور وہ لوگ جو
لَا	يُؤْمِنُوْنَ	بِالْاٰخِرَةِ	وَهُمْ	بِرَبِّهِمْ	يَعْدِلُوْنَ ۝ع ۱۵۰	
نہیں	ایمان لاتے	آخرت پر	اور وہ	اپنے رب کے ساتھ	برابر ٹھہراتے ہیں	

۱۸ ع ۵

''فرمائیں اپنے گواہ لاؤ جو شہادت دیں کہ واقعی اللہ نے یہ چیزیں حرام کی ہیں، پھر اگر وہ شہادت دے دیں تو آپ ان کے ساتھ شہادت نہ دیں اور ان لوگوں کی خواہشوں کے پیچھے مت چلیں جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔'' (۱۵۰)

دینے کی کس طرح جرأت کر سکتے تھے؟ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا یہاں تک کہ انھیں اللہ کے عذاب نے آلیا۔ قرآن مجید میں یہ بات کئی مقامات پر سمجھائی گئی ہے کہ کسی کو جبراً ہدایت کے راستے پر چلانا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے منافی ہے۔ اس لیے یہاں ایسے لوگوں کو تفصیلی جواب دینے کے بجائے فقط اتنا ہی جواب دینا مناسب سمجھا گیا ہے کہ اسی طرح کے بہانے بنا کر تم سے پہلے لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب اور انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلایا کرتے تھے، یہاں تک کہ انھیں اللہ کے عذاب نے آلیا۔ اگر تمھارے پاس علم کی بنیاد پر کوئی دلیل ہے تو اسے ہمارے سامنے پیش کرو۔ لیکن تمھاری حالت تو یہ ہے کہ تم محض اپنے خیالات کی پیروی کرتے ہوئے بے بنیاد باتیں بناتے ہو۔ یہ کوئی ٹھوس دلیل پیش نہیں کر سکتے لہٰذا انھیں فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کی دلیل تمھیں پہنچ چکی ہے جو عقل وفکر اور ہر اعتبار سے کامل اور اکمل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ جبراً چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت پر اکٹھا کر سکتا تھا لیکن ہدایت واضح کرنے کے بعد اس نے انسان کو فیصلہ کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جبراً ہدایت قبول کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کرتا۔

اب پھر اتمام حجت کے لیے انہی سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ اگر تمھارے پاس علم کی کوئی سند نہیں تو تم ایسے گواہ پیش کرو۔ جو علمی اور فکری دلائل سے ثابت کریں کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے تمھاری حرام کردہ چیزوں کو حرام کیا اور شرک کا کوئی جواز پیش کیا ہے۔ یہاں گواہوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو حق اور سچ کی گواہی دینے والے ہوں۔ ظاہر ہے جس طرح ان کے پاس شرک اور حرام خوری کے لیے علمی اور شرعی دلائل نہیں اسی طرح ایسے گواہوں کا ملنا مشکل ہے جو تورات اور انجیل سے ان کی حرام خوری

اورشرک کا ثبوت پیش کرسکیں۔اسی بنا پر فرمایا کہ اگر علم وعقل سے عاری لوگ شہادت دینے کے لیے کھڑے ہو جائیں تو آپ ﷺ کو ان کے ساتھ ہرگز گواہی نہیں دینا چاہیے۔اور ایسے لوگوں کے جذبات وخیالات کا ہرگز خیال نہیں کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب، آخرت کا انکار اور اپنے خالق و مالک کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

شرک اور حرام خوری کا انجام:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ مَّاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ وَقُلْتُ أَنَا مَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ)) [رواه البخاری: کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الجنائز]

”حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا جو کوئی اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا وہ جہنم میں جائے گا اور میں بھی یہ کہتا ہوں جس شخص نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا اور وہ اسی حال میں فوت ہوا وہ جنت میں جائے گا۔“

مسائل

۱۔ مشرک اور حرام خور، شرک اور حرام خوری کے لیے بہانے بناتے ہیں۔
۲۔ آدمی کو قرآن وسنت کے علم کے مقابلہ میں اپنے خیالات کی پیروی نہیں کرنا چاہیے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کسی کو جبراً ہدایت پر گامزن نہیں کرتا۔
۴۔ جھوٹے گواہ کی تائید نہیں کرنی چاہیے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرنا، آخرت کا انکار ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا پرلے درجے کے گناہ ہیں۔

تفسیر بالقرآن

گمراہ لوگوں کی پیروی سے اجتناب:

۱۔ جو لوگ اللہ کی آیات کا انکار اور مذاق اڑاتے ہیں تم ان کے ساتھ مت بیٹھو۔(النساء:۱۴۰)
۲۔ یہودی مسلمانوں کو اپنی طرح کافر بنا دینا چاہتے ہیں ان کو اپنا دوست نہ بناؤ۔(النساء:۸۹)
۳۔ آپ ﷺ کفار کی خواہشات کے پیچھے مت چلیں ۔(البقرۃ:۱۴۵)
۴۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو کفار اور منافقین کی پیروی سے اجتناب کا حکم دیا ہے۔(الاحزاب:۱)

قُلْ	تَعَالَوْا	اَتْلُ	مَا	حَرَّمَ	رَبُّكُمْ	عَلَيْكُمْ
فرما دیجیے	آؤ تم	میں پڑھتا ہوں	جو	حرام کیا	تمہارے رب نے	تم پر
اَلَّا	تُشْرِكُوْا	بِهٖ	شَيْـًٔا	وَّبِالْوَالِدَيْنِ	اِحْسَانًا ج	وَلَا
یہ کہ نہ	شریک ٹھہراؤ تم	اس کے ساتھ	کچھ بھی	اور والدین کے ساتھ	احسان	اور نہ
تَقْتُلُوْٓا	اَوْلَادَكُمْ	مِّنْ	اِمْلَاقٍ ط	نَحْنُ	نَرْزُقُكُمْ	وَاِيَّاهُمْ ج
تم قتل کرو	اپنی اولاد کو	سے	مفلسی	ہم	ہم تمہیں رزق دیتے ہیں	اور انہیں بھی
وَلَا	تَقْرَبُوا	الْفَوَاحِشَ	مَا ظَهَرَ	مِنْهَا	وَمَا	بَطَنَ ج
اور نہ	تم قریب جاؤ	بے حیائی کے	جو ظاہر ہوں	ان میں سے	اور جو	پوشیدہ ہے
وَلَا	تَقْتُلُوا	النَّفْسَ	الَّتِىْ	حَرَّمَ	اللّٰهُ	اِلَّا
اور نہ	تم قتل کرو	اس جان کو	وہ جو	حرام کیا	اللہ نے	مگر
بِالْحَقِّ ط	ذٰلِكُمْ	وَصّٰىكُمْ	بِهٖ	لَعَلَّكُمْ	تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾	
حق کے ساتھ	یہ سب	اس نے تمہیں وصیت کی ہے	ساتھ اس کے	تاکہ تم	تم عقل کرو	

''فرما دیجیے کہ آؤ میں پڑھتا ہوں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ خوب احسان کرو اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی اور ہر قسم کی بے حیائی کے قریب نہ جاؤ جو ظاہر ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں اور ناحق کسی جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ یہ اللہ نے تمہیں وصیت کی ہے تاکہ تم عقل کرو۔'' (۱۵۱)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرکین مکہ من گھڑت حلال وحرام کی فہرست کو اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگاتے تھے جس کی تردید کرنے کے بعد اب وہ فہرست پیش کی جا رہی ہے جس کو حقیقتاً اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اس میں اعتقادی، اخلاقی، اور معاشی اصول بیان کیے گئے ہیں۔

شرک کے پیشواؤں اور یہودیوں کے رہنماؤں نے اپنی طرف سے حلال وحرام کے قواعد بنا کر لوگوں کو یہ تاثر دیا ہوا تھا۔ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام کی گئی ہیں۔ پہلی آیات میں ان کے جھوٹ کی قلعی کھول کر اس فہرست کو عقل ونقل کے خلاف

ثابت کیا ہے پھر اس پر ان سے گواہی طلب کی گئی جب وہ ان چیزوں کی حرمت وحلت کے بارے میں گواہی دینے سے انکاری اور ان کے جواز کی دلیل دینے میں ناکام ہوئے تو آپ کو حکم ہوا کہ انھیں بلائیں اور ارشاد فرمائیں کہ وہ چیزیں حرام نہیں جنھیں تم حرام کہتے ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں میرے دین اور پہلی شریعتوں میں حرام قرار دی ہیں۔

۱۔شرک: اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات میں غیروں کو شریک سمجھنا اور شرک کرنا ہے۔

شرک کے بارے میں قرآن مجید نے فرمایا ہے اس کی کوئی دلیل نہیں اتاری گئی۔ اس لیے اسے ظلم عظیم قرار دیا گیا جو شخص شرک کے حق میں دلیل دیتا ہے گویا کہ وہ خاکم بدہن، اللہ تعالیٰ کو جھوٹا قرار دے کر اس کی ذات اور صفات میں شریک ثابت کرنے کی گھٹیا ترین کوشش کرتا ہے۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے شرک کی تردید کے لیے اپنی زندگیاں صرف کر دیں۔ لیکن اس کے باوجود مشرک اس کے جواز کی دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے شدید ترین الفاظ میں اسے ظلم اور ناجائز ثابت کرکے ناقابل معافی جرم قرار دیا ہے۔

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سُئِلَ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْکَبَائِرِ قَالَ الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ)) [رواه البخاری : کتاب الشهادات ، باب ماقيل فی شهادة الزور]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا گیا کہ گناہ کبیرہ کون سے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، بے گناہ کو قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔“

۲۔والدین کی نافرمانی: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کا اثبات اور شرک کی نفی کرتے ہوئے والدین کے احترام ومقام اور ان کے ساتھ احسان کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیا ہے۔ ہر مرتبہ والدین کی اطاعت کا حکم دے کر لفظ احسان استعمال فرمایا ہے۔ حدیث میں احسان کا لفظ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بارے میں استعمال ہوا ہے کہ عبادت گزار کے ذہن میں یہ تصور پیدا ہو جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو براہِ راست دیکھ رہا ہے۔ اگر احسان کا یہ درجہ حاصل نہیں ہوتا تو کم از کم یہ تو ضرور ہونا چاہیے کہ وہ یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ (مسلم: باب بیان الایمان والاسلام والاحسان) ”احسان“ کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ کوئی نیکی نہ بھی کرے پھر بھی اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ تمام شریعتوں میں اخلاق کے اس درجہ کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں والدین کے بارے میں یہ لفظ ⑤ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ جس کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ اولاد کو والدین کی کمزوریوں پر نظر رکھنے کے بجائے ان کے مرتبہ ومقام اور احسانات کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقام ومرتبہ کے ساتھ والدین کے مقام کا اس لیے ذکر کیا ہے کہ والدین کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بعد انسان کی تخلیق اور پرورش کا واحد ذریعہ قرار دیا ہے اور اسی تصور کو تازہ کرنے اور یاد رکھنے کے لیے یہ دعا کرنے کا حکم دیا۔

((عن عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ قَالَ الصَّلَاةُ عَلٰى وَقْتِهَا قَالَ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قَالَ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي بِهِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي))

[رواه البخاري: كتاب الأدب، باب قول الله تعالى ووصينا الانسان بوالدين احسانا]

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے استفسار کیا کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔ میں نے پوچھا پھر کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا والدین کے ساتھ نیکی کرنا۔ میں نے پوچھا پھر کون سا عمل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ باتیں نبی اکرم ﷺ نے بتائیں اگر میں مزید پوچھتا تو آپ مجھے اور بھی بتاتے۔''

۳۔ قتل اولاد: سورۃ الانعام کی آیت ۱۳۷ کے تفسیر کرتے ہوئے عرض کیا گیا ہے کہ ہمیشہ سے دنیا میں قتل اولاد چار صورتوں میں سے کوئی ایک صورت رہی ہے۔

۱۔ رزق کی تنگی کی وجہ سے اولاد قتل کرنا۔

۲۔ غیر اللہ کے نام پر بچوں کو قتل کرنا۔

۳۔ رشتہ داماد کی عار سے بچنے کے لیے بیٹیوں کو قتل کرنا۔

۴۔ جنگ وجدال میں بچیوں کی گرفتاری کے خوف سے قتل کرنا۔

قتل اولاد کے جرم کے بارے میں سورۃ الانعام آیت ۱۳۷ کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

''زمانۂ جاہلیت کا یہ فعل قبیح آج کل ضبط ولادت یا خاندانی منصوبہ بندی کے نام سے پوری دنیا میں زور وشور سے جاری ہے اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔''

کھلی اور پوشیدہ بے حیائی سے اجتناب کا حکم:

دین اسلام اپنے ماننے والے کو صرف بے حیائی کرنے سے ہی نہیں روکتا بلکہ دین ایسے ذرائع اور مقامات کے قریب جانے سے بھی منع کرتا ہے جس سے اس کی آنکھوں میں بے حیائی، دماغ میں بری سوچ اور اس کا وجود برائی کی طرف مائل ہو جائے۔ اس کے لیے سورۃ بنی اسرائیل آیت ۳۲ میں فرمایا کہ زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ یہ بے حیائی کے ساتھ بدترین راستہ ہے۔ سورۃ الانعام، آیت ۱۲۰ میں حکم دیا گیا کہ گناہ کھلا ہو یا پوشیدہ اسے چھوڑ دینا چاہیے۔ سورۃ النحل، آیت: ۹۰ میں کھلی بے حیائی، برے کام اور سرکشی سے منع کیا گیا ہے۔

یہاں بھی یہی حکم ہوا کہ بے حیائی کھلی ہو یا پوشیدہ اس کے قریب بھی نہ پھٹکنا۔ کیونکہ جو شخص بے حیائی کی طرف توجہ

کرتا ہے اس کے بارے میں خطرہ ہے کہ وہ کسی وقت بھی اس میں ملوث ہو جائے گا۔اسی خطرے کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((عن أبي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ إِنَّ اللّهَ كَتَبَ عَلى ابْنِ آدمَ حَظَّهُ مِنَ الزِّنَا أَدْرَكَ ذٰلِكَ لَا مَحالَةَ فزنا الْعَيْنِ النَّظَرُ وَزِنَا اللِّسَانِ الْمَنطِقُ وَالنَّفسُ تَمَنّى وَتَشْتَهِي وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ كُلَّهُ وَيُكَذِّبُهُ))

[رواه البخاري :كتاب الاستئذان، باب زنا الجوارح دون الفرج]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی اولاد پر اس کا حصہ زنا کا مقرر کر دیا ہے وہ اس سے بچ نہیں سکتا وہ اس کو پالے گا آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور زبان کا زنا فحش باتیں کرنا ہے۔انسان کا نفس اس کی خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔''

((عَنْ عَبدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَ الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ رَدِيفَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَجاءَتْهُ امْرَأَةٌ مِّنْ خَثْعَمٍ تَسْتَفْتِيهِ فَجَعَلَ الفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْها وَتَنْظُرُ إِلَيْهِ فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْرِفُ وَجْهَ الْفَضْلِ إِلَى الشِّقِّ الْآخَرِ))

[رواه ابو داؤد :كتاب المناسك ، باب الرجل يحج عن غيره]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نبی معظم ﷺ کے پیچھے سواری پر سوار تھے نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک عورت خثعم قبیلہ کی آئی اور کوئی مسئلہ پوچھنے لگی۔فضل بن عباس اس کی طرف دیکھنے لگے اور عورت اس کی طرف دیکھنے لگی رسول معظم ﷺ نے فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کا چہرہ دوسری جانب پھیر دیا۔''

۵۔قتل نفس:

سورۃ المائدۃ،آیت ۳۱ اور ۳۲ میں دنیا میں انسانی قتل کے پہلے واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ہم نے اسی وقت سے بنی اسرائیل پر یہ بات لاگو کر دی تھی کہ جس نے کسی شخص کو ناجائز قتل کیا یا زمین میں دنگا فساد اور تخریب کاری کی تو گویا اس نے سب انسانوں کو تہہ تیغ کر دیا ہے اور جس نے ایک شخص کی جان بچالی اس نے پوری انسانیت کا تحفظ کیا اسلام میں کسی کو قتل کرنے کی بنیادی طور پر چار صورتیں ہیں۔

۱۔ جو شخص دین اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو جائے اسے قتل کر دیا جائے۔

۲۔ قتل کے بدلے قتل۔

۳۔ شادی شدہ زانی کو پتھر مار مار کر ختم کیا جائے۔

۴۔ خلیفہ برحق کے ہوتے ہوئے جو شخص اس کی خلافت میں دوسری خلافت قائم کرے یا بغاوت کرے اسے قتل کر دیا جائے۔

قیامت کے دن حقوق اللہ کے بارے میں پہلا فیصلہ نماز کے بارے میں اور حقوق العباد کے بارے میں پہلا مقدمہ انسانی قتل کے بارے ہوگا۔

((عَنْ جریر رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَهُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ اسْتَنْصِتُ النَّاسَ فَقَالَ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ))[رواہ البخاری: کتاب العلم، باب الانصات للعلماء]

''حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا لوگوں کو خاموش کراؤ پھر فرمایا اے لوگو! میرے بعد تم کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ تم باہم ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کردو۔''

اس آیت میں شرک سے منع کرنا، قتل اولاد سے روکنا، کھلی اور پوشیدہ برائی سے دور رہنا اور ناجائز قتل کرنے سے روکنے کے ساتھ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے شرک سے پوری طرح بچ کر اللہ تعالیٰ کی توحید کا عقیدہ اپنایا جائے اور اولاد کو رزق کی تنگی کی بنا پر قتل کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رزاقی پر بھروسہ کرتے ہوئے ان کی پرورش اور تربیت کی جائے۔ ہر قسم کی بے حیائی کے قریب جانے کے بجائے عفت و عصمت کی حفاظت کی جائے اور دوسرے کو ناحق قتل کرنے کے بجائے اس کے مال و جان، عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے اور والدین کی نافرمانی کی بجائے ان کے ساتھ حسن سلوک برتا جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دانشمندوں کے لیے وصیت ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والا درحقیقت حماقت کا ارتکاب کرتا ہے کیونکہ توحید کا عقیدہ انسان کو اس کے رب کے قریب کرنے، غیرت مند بنانے کے ساتھ اس کے شرف میں اضافہ کرتا ہے۔

۲۔ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں انسان کا اپنا فائدہ اور گھر میں محبت والفت کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔ والدین کی دعائیں ملتی ہے۔

۳۔ انسان اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق سے فائدہ اٹھائے اور ازدواجی زندگی سے لطف اندوز ہو مگر اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد کو قتل کردے عقلمندی کے بجائے پرلے درجے کی حماقت ہے۔

۴۔ کسی کو ناجائز قتل کرنا انسان دشمنی اور درندگی ہے جس کی عقلمند شخص سے توقع نہیں کی جاسکتی۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى

اور نہ تم قریب جاؤ مال یتیم کے مگر اس کیساتھ جو بہترین ہو یہاں تک

يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ج وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ج

کہ وہ پہنچ جائے اپنی جوانی کو اور تم پورا کرو ماپ اور تول انصاف کے ساتھ

لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ج وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ

نہیں ہم تکلیف دیتے کوئی نفس مگر اس کی طاقت اور جب تم کہو تو انصاف کرو اور اگرچہ

كَانَ ذَا قُرْبٰى ج وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ط ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ

وہ ہو قریبی اور اللہ کا عہد تم پورا کرو یہ تمھیں تمہیں اس نے وصیت کی ہے

بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

ساتھ اس کے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو

”اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقے سے جو اچھا ہو یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی کو پہنچ جائے، ماپ، تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو ہم کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق اور جب بات کرو تو انصاف سے کرو، خواہ رشتہ دار ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو یہ تاکیدی حکم اس نے تمہیں دیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔“ (۱۵۲)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ:۔

پہلی آیت میں ایک کام کو کرنے اور چار کاموں سے منع کیا گیا ہے۔ اب معاشرے کے نہایت ہی پسماندہ طبقے یتیموں کے مالی حقوق کے تحفظ کا حکم دیا ہے کہ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ سن بلوغت کو پہنچ جائے۔ شریعت کے مطابق یتیم وہ ہوتا ہے جس کا بلوغت سے پہلے باپ فوت ہو جائے۔ نابالغ بچے میں کاروبار کرنے اور مال کے تحفظ کے سلسلے میں وہ شعور اور پختگی نہیں ہوتی جو جوان اور بالغ بچے میں ہوتی ہے۔ اس لیے حکم دیا کہ یتیم کے مال کے قریب بھی نہیں جانا۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ یتیم کے مال کو ناجائز طریقے سے کھانا سخت منع ہے۔ قرآن مجید کے دوسرے مقامات میں یتیم کی پرورش اس کے مال کا تحفظ کرنا اس کے سرپرست کی ذمہ داری قرار پائی ہے۔ یہاں یتیم کے سرپرست کو دو ہدایات دی گئی ہیں اگر اس کا کوئی اور کاروبار نہ ہو تو وہ نہایت عدل وانصاف کے ساتھ یتیم کے مال سے اپنے مناسب اخراجات پورے کرسکتا ہے جب یتیم عمر اور شعور کے اعتبار سے اپنے معاملات چلانے کا اہل ہو جائے تو اس کا مال گواہوں کی موجودگی میں اس کے حوالے

کر دینا چاہیے۔یتیم کے مال کا تحفظ کرنے کے ساتھ سب لوگوں کے مال کو تحفظ دیا گیا ہے کہ ماپ تول میں کمی بیشی کرنے سے بچنا چاہیے کوئی چیز دیتے ہوئے طے شدہ اصول اور پیمانے سے کم نہیں ہونی چاہیے اور جب کسی سے کوئی چیز لی جائے تو پھر بھی عدل وانصاف کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے طے شدہ اصول اور پیمانے سے زیادہ نہیں لینی چاہیے۔اس کے ساتھ ہی یہ وضاحت فرمائی کہ کاروبار اور معاشرتی زندگی میں جو تمھیں اصول دیے جارہے ہیں یہ کوئی ایسی پابندی اور بوجھ نہیں جس پر کوئی شخص عمل نہیں کرسکتا۔شریعت کے تمام اصول اور قانون ایسے ہیں جو انسان کی طاقت و ہمت کے مطابق ہیں۔آٹھویں نصیحت یہ کی جاتی ہے کہ جب بھی بات کرو تو وہ اخلاق کے مطابق اور منصفانہ ہونی چاہیے۔بے شک حق گواہی کسی عزیز کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔یہاں تک فرمایا کہ اگرچہ یہ تمھارے اپنے خلاف ہی کیوں نہ ہو تمھیں ہر حال میں سچ اور حق کہنا چاہیے۔عدالت میں گواہی کے ساتھ اس میں مبلغ کی حق گوئی، جج کا انصاف اور ہر قسم کی گفتگو شامل ہے۔یہاں نویں اور آخری نصیحت یہ کی جارہی ہے کہ ہر حال میں اپنے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا کرو۔اللہ تعالیٰ سے عہد کرنے کی تین صورتیں مفسرین نے بیان کی ہیں۔

۱۔ عہد سے مراد وہ ازلی عہد ہے جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اس کی پشت پر اپنا دست مبارک رکھتے ہوئے ''کن'' کا حکم صادر فرمایا جس کا معنی ہے کہ ہو جا۔قیامت تک کے لیے جتنے انسان پیدا ہونے ہیں وہ سب کے سب آدم علیہ السلام کے سامنے ہوئے۔اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان سے یہ استفسار فرما کر عہد لیا کہ کیا میں تمھارا رب ہوں؟ جس کا سب نے اقرار کیا تو ہی ہمارا رب ہے۔اس کی تفصیل سورۃ آل عمران :۸۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ عہد سے مراد وہ عہد بھی ہے جو انسان کسی مشکل یا عام حالات میں اپنی زبان یا دل ہی دل میں اپنے رب کے ساتھ کرتا ہے وہ گناہوں سے توبہ کی شکل میں ہو یا اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت کے بدلہ میں اس کا شکریہ ادا کرنے کی صورت میں۔ اس عہد کی پاسداری بھی آدمی پر لازم قرار دی گئی ہے۔

۳۔ عہد کی تیسری شکل یہ ہے کہ جب فرد یا قوم کا ایک دوسرے سے عہد و پیماں ہو تو اس کی پاسداری کرنا فرض ہے۔اس عہد کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔لہٰذا یہ بھی بالواسطہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کرنے کے مترادف ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وصیتیں کی گئی ہیں جس کا تمھیں ہر صورت خیال رکھنا ہوگا۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَا خَطَبَنَا نَبِيُّ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَّا قَالَ لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ))[رواہ احمد]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی ہمیں خطبہ دیا فرمایا جو بندہ امانت دار نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں اور جو شخص وعدہ پورا نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں۔''

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يُنْصَبُ بِغَدْرَتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

[رواہ البخاری: کتاب الجزیۃ، باب اثم الغادر للبر والفاجر]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی معظم ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا ہر بدعہد کے لیے ایک جھنڈا ہوگا جو اس کی بدعہدی کی وجہ سے قیامت کے دن نصب کیا جائے گا۔''

((عَنْ سَہْلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ أَنَا وَ کَافِلُ الْیَتِیمِ فِی الْجَنَّۃِ ھٰکَذَا وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَۃِ وَالْوُسْطٰی ، وَفَرَّجَ بَیْنَہُمَا شَیْئًا))[رواہ البخاری:باب فضل من یعول یتیما]

''حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ آپ ﷺ نے سبابہ اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا اور ان کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا۔''

مسائل

۱۔ کسی کمزور کے ساتھ ظلم نہیں کرنا چاہیے۔

۲۔ کاروبار انصاف سے کرنا چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کسی پر بھی اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔

۴۔ عدل وانصاف کرنا چاہیے خواہ قرابت داری ہی کیوں نہ ہو۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے عہد کو وفا کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

یتیم کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے:

۱۔ یتیم کے مال کے قریب نہ جائیں مگر احسن طریقہ کے ساتھ۔(الانعام:۱۵۲)

۲۔ یتیم کا مال کھانے والا اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہا ہے۔(النساء:۱۰)

۳۔ کسی یتیم پر ظلم زیادتی نہیں کرنی چاہیے۔(الضحیٰ:٦)

۴۔ تیموں کو انکے مال لوٹادو۔(النساء:۲)

۵۔ والدین ،یتیموں ،اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔(النساء:۳٦)

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیۡ مُسۡتَقِیۡمًا فَاتَّبِعُوۡهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا

اور بلاشک | یہ | میراراستہ | سیدھا | لہٰذا تم اسکی پیروی کرو | اور نہ | تم پیروی کرو

السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمۡ عَنۡ سَبِیۡلِهٖ ؕ ذٰلِکُمۡ وَصّٰکُمۡ

راستوں کی | کہ وہ دور کردیں | تمہیں | سے | اس کا راستہ | یہ تمھیں | تمھیں اس نے وصیت کی ہے

بِهٖ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۵۳﴾

ساتھ اس کے | تا کہ تم | ڈرو

''اور یقیناً یہ میرا راستہ ہے جو بالکل سیدھا ہے، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو وہ تمہیں اس کے راستے سے ہٹا دیں گے یہ حکم اس نے تمہیں دیا ہے تا کہ تم بچ جاؤ۔'' (۱۵۳)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کی وصیتوں کا خلاصہ اور نتیجہ صراطِ مستقیم ہے۔ اے لوگو! بس صراطِ مستقیم پر چلو۔

نو نصیحتیں کرنے کے بعد فرمایا یہی سیدھا راستہ ہے کیونکہ نصائح کے آغاز میں لفظ ''قل'' سے حکم دیا گیا تھا کہ اے نبی ﷺ آپ ان لوگوں کو یہ نصائح پڑھ کر سنائیں اب ان کے اختتام پر فرمایا ہے کہ آپ یہ اعلان فرمائیں کہ یہی میرا صراطِ مستقیم ہے لہٰذا تم سب کے سب اسی کی اتباع کرو دوسرے راستوں اور طریقوں کی پیروی نہ کرو۔ اگر تم اس راستہ کے سوا دوسرے راستوں پر چلو گے تو سیدھے راستے سے ہٹ جاؤ گے اس لیے تمھیں وصیت کی جاتی ہے کہ تم اسی راستہ پر چلنا تا کہ تم گناہ اور گمراہی کے راستوں سے بچ جاؤ۔

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ؓ قَالَ کُنَّا عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ فَخَطَّ خَطًّا وَخَطَّ خَطَّیْنِ عَنْ یَّمِیْنِهٖ وَخَطَّ خَطَّیْنِ عَنْ یَّسَارِهٖ ثُمَّ وَضَعَ یَدَهٗ فِی الْخَطِّ الْاَوْسَطِ فَقَالَ هٰذَا سَبِیْلُ اللّٰهِ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰیَةَ ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ﴾))

[رواہ ابن ماجۃ: باب اتباع سنۃ رسول اللہ ﷺ]

''حضرت جابر بن عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس تھے آپ ﷺ نے ایک سیدھا خط کھینچا پھر اس کے دائیں اور بائیں مختلف خطوط کھینچے پھر آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک درمیان والے سیدھے خط پر رکھتے ہوئے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: ''اور یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس کی پیروی کرو اس کے سوا دوسری راہوں پر نہ چلو دوسری راہیں تمہیں صراطِ مستقیم سے جُدا کر دیں گی۔''

ثُمَّ	اٰتَيْنَا	مُوْسَى	الْكِتٰبَ	تَمَامًا	عَلَى	الَّذِيْٓ
پھر	ہم نے دی	موسیٰ	کتاب	پورا کرنے کے لیے	پر	وہ شخص جس نے
اَحْسَنَ	وَ	تَفْصِيْلًا	لِّكُلِّ	شَيْءٍ	وَّهُدًى	وَّرَحْمَةً
نیکی کی	اور	تفصیل بیان کرنے	لیے ہر	چیز کی	اور ہدایت	اور رحمت
لَّعَلَّهُمْ	بِلِقَآءِ	رَبِّهِمْ	يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٥٤﴾	وَهٰذَا	كِتٰبٌ	اَنْزَلْنٰهُ
تاکہ وہ	ساتھ ملاقات	اپنے رب کی	ایمان لے آئیں	اور یہ	ایک کتاب ہے	ہم نے اتارا اس کو
مُبٰرَكٌ	فَاتَّبِعُوْهُ	وَاتَّقُوْا	لَعَلَّكُمْ	تُرْحَمُوْنَ ﴿١٥٥﴾		
مبارک ہے	تم اسکی پیروی کرو	اور ڈرو	تاکہ تم	تم رحم کیے جاؤ		

ع ١٩

”پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تاکہ پوری کر دیں نعمت اس پر جو نیکی کرے اور ہر چیز کی تفصیل کے لیے جو ہدایت اور رحمت ہے، تاکہ وہ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لے آئیں۔ (١٥٤) اور یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے بڑی برکت والی، پس اس کی پیروی کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“ (١٥٥)

فہم القرآن

ربط کلام: صراطِ مستقیم کے نوسنگ میلوں کی نشاندہی کرنے کے بعد اشارہ دیا ہے کہ یہ نصیحتیں تورات میں بھی موجود ہیں۔

یہاں لفظ ”ثُمَّ“ لا کر یہ واضح کیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جس کتاب کی دعوت اور جس راستے کی طرف بلاتے تھے اس کے بنیادی اصول بھی یہی تھے تورات میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا احکام کی تفصیلات نازل فرمائی تھیں۔ تاکہ اس شخص کے لیے ہدایت اور رحمت کے دروازے کھل جائیں جو اپنے رب کی ملاقات پر ایمان رکھتا ہے۔ اور یہی صفات اس کتاب یعنی قرآن مجید میں ہیں جو ہدایت کا سرچشمہ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا پیش خیمہ ہے جس میں انسان کی ہدایت کے لیے مکمل اور جامع رہنمائی کی گئی ہے تاکہ وہ اپنے رب کی ملاقات پر یقین رکھتے ہوئے کتابِ مبین کی ہدایت کے مطابق زندگی گزارے جس کی سب کو دعوت دی جاتی ہے تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ کر اس کی شفقت و رحمت کے مستحق قرار پائیں۔ قرآن مجید سے ہدایت پانے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حق دار ہونے کے لیے قیامت کے دن حساب و کتاب کا خوف دلانے کی بجائے رب کی ملاقات کی یاد دلائی گئی ہے مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کی ملاقات دنیا اور آخرت کی تمام نعمتوں سے اعلیٰ اور محبوب ترین نعمت ہے۔

((عَنْ جَرِيْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ نَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ قَالَ إِنَّكُمْ

سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ فَإِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَّا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَصَلَاةٍ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ فَافْعَلُوا))

[رواه البخاری: كتاب التوحيد ، باب قول الله تعالى وجوه يومئذ ناضرة]

''حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اچانک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا عنقریب تم اپنے رب کو ایسے ہی دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو تمہیں چاند دیکھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آرہی ؟ اگر تم استطاعت رکھتے ہو کہ تم سست نہ ہو جاؤ فجر اور عصر کی نماز کا خیال رکھو۔''

مسائل

۱۔ تورات اپنے دور میں مکمل ہدایت تھی لیکن اب قرآن مجید ہدایت کامل کا ذریعہ اور سرچشمہ ہے۔

۲۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی رحمت، برکت اور ہدایت کا سبب ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا عقیدہ انسان کو اپنے رب کی ہدایت پر گامزن رکھتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے اوصاف کی ایک جھلک:

۱۔ قرآن مجید لاریب کتاب ہے۔(البقرۃ:۱)

۲۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔(آل عمران:۱۳۸)

۳۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح کتاب ہے۔(ھود:۱)

۴۔ قرآن مجید کے نزول کا مقصد لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانا ہے۔(ابراہیم:۱)

۵۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔(البقرۃ:۱۸۵)

۶۔ قرآن مجید برہان اور نور مبین ہے۔(النساء:۱۷۴)

اَنۡ	تَقُوۡلُوۡۤا	اِنَّمَاۤ	اُنۡزِلَ	الۡكِتٰبُ	عَلٰى	طَآٮِٕفَتَيۡنِ
کہ	تم کہو	بلاشبہ	نازل کی گئی	کتاب	پر	دو گروہوں
مِنۡ	قَبۡلِنَا ۖ	وَاِنۡ	كُنَّا	عَنۡ	دِرَاسَتِهِمۡ	لَغٰفِلِيۡنَ ۙ﴿۱۵۶﴾
سے	ہمارے پہلے	اور اگر	تھے ہم	سے	پڑھنے پڑھانے ان کے	البتہ غافل
اَوۡ	تَقُوۡلُوۡا	لَوۡ	اَنَّاۤ	اُنۡزِلَ	عَلَيۡنَا	الۡكِتٰبُ
یا	تم کہو	اگر	بلاشبہ	نازل کی جاتی	ہم پر	کتاب
لَكُنَّاۤ	اَهۡدٰى	مِنۡهُمۡ ۚ	فَقَدۡ	جَآءَكُمۡ	بَيِّنَةٌ	مِّنۡ رَّبِّكُمۡ
البتہ ہم ہوتے	زیادہ ہدایت یافتہ	ان سے	تو تحقیق	آ گئی تمہارے پاس	واضح دلیل	سے تمہارے رب
وَهُدًى	وَّرَحۡمَةٌ ۚ	فَمَنۡ	اَظۡلَمُ	مِمَّنۡ	كَذَّبَ	بِاٰيٰتِ
اور ہدایت	اور رحمت	چنانچہ کون	زیادہ ظالم	اس شخص سے جس نے	اس نے جھٹلایا	آیات
اللّٰهِ	وَصَدَفَ	عَنۡهَا ؕ	سَنَجۡزِى	الَّذِيۡنَ	يَصۡدِفُوۡنَ	
اللہ کی	اور اعراض کیا	ان سے	عنقریب ہم سزا دیں گے	ان لوگوں	وہ اعراض کرتے ہیں	
عَنۡ اٰيٰتِنَا	سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ	بِمَا كَانُوۡا	يَصۡدِفُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾			
سے ہماری آیات	برا عذاب	اس وجہ سے کہ وہ تھے	اعراض کرتے			

’’ایسا نہ ہو کہ تم کہو کہ کتاب تو صرف ان دو گروہوں پر اتاری گئی جو ہم سے پہلے تھے اور بے شک ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے۔(۱۵۶) یا یہ کہو کہ اگر واقعی ہم پر کتاب اتاری جاتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت والے ہوتے۔ بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل، ہدایت اور رحمت آ چکی پھر اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور ان سے اعراض کرے۔ عنقریب ہم ان لوگوں کو جو ہماری آیات سے اعراض کرتے ہیں، بُرا عذاب دیں گے اس وجہ سے جو وہ اعراض کرتے تھے۔‘‘(۱۵۷)

فہم القرآن

ربط کلام: اہل کتاب کے بعد اہل مکہ کو خطاب۔

سابقہ آیات میں اہل کتاب سے خطاب تھا اور اب اہل مکہ کے حوالے سے پوری دنیا کو مخاطب کیا گیا ہے تاکہ اہل مکہ اور باقی لوگوں کے لیے یہ بہانہ نہ رہے کہ یہود و نصاریٰ کی ہدایت کے لیے تو کتاب نازل کی گئی تھی۔ ہمیں کتاب سے کیوں محروم رکھا

گیا۔ یہاں ان دو گروہوں کے لیے تورات اور انجیل کا الگ الگ ذکر کرنے کے بجائے ''الکتاب'' فرما کر صرف ایک کتاب یعنی تورات کا ذکر کیا گیا ہے یہ اس لیے کہ انجیل تورات ہی کے احکام کا تتمہ اور تفصیل ہے۔ اس بنا پر عیسائیوں، یہودیوں کے لیے ''الکتاب'' لایا گیا ہے۔ پھر اہل مکہ اور قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کو مخاطب کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید جیسی مفصل اور مبارک کتاب اس لیے نازل فرمائی ہے کہ تمھیں یہ بات کہنے کا جواز نہ مل سکے کہ ہمارے پاس براہِ راست کوئی کتاب نہیں آئی۔ جس سے ہم ہدایت حاصل کرتے۔ قرآن مجید اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ تمھیں یہ کہنے کا موقع نہ مل پائے کہ اگر ہم پر اللہ کی کتاب نازل ہوتی تو ہم یہود و نصاریٰ کی طرح گمراہ ہونے کے بجائے ہدایت یافتہ ثابت ہوتے۔ اس بہانے کو رفع کرنے اور اتمام حجت کے لیے تمھارے پروردگار کی طرف سے واضح کتاب پہنچ چکی ہے۔ جو سراسر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا سرچشمہ اور اس کی رحمت کا ذریعہ ہے جو شخص اس کتاب کی ہدایت، دلائل اور بینات کو جھٹلاتا اور ان سے منہ پھیرتا ہے اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہو سکتا۔ ایسا شخص گمراہی میں پڑ کر اپنے آپ پر ہی ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی نسل اور لوگوں کے لیے ہدایت کے راستے میں رکاوٹ بنتا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلائیں، ان سے انحراف کریں اور ہدایت کے راستہ میں رکاوٹ بنیں انھیں بدترین عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے سے مراد زبان سے ان کی تکذیب کرنا یا جان بوجھ کر ان سے اعراض کرنا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اس لیے نازل کیا تاکہ لوگوں کو اپنی گمراہی کا بہانہ نہ رہے۔

۲۔ قرآن مجید مفصل، جامع اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت اور رحمت کا پیغام ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرنا یا اس سے انحراف کرنے والا ظالم انسان ہے۔

تفسیر بالقرآن

ظالم لوگ:

۱۔ اللہ پر جھوٹ بولنے والا بڑا ظالم ہے۔ (الانعام: ۱۴۴)

۲۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والا اور اس کی آیات کو جھٹلانے والا بڑا ظالم ہے۔ (الانعام: ۲۱)

۳۔ جو اللہ کی آیات سن کر اعراض کرتا ہے وہ ظالم ہے۔ (الکہف: ۵۷)

۴۔ اللہ پر جھوٹ بولنے والا اور سچائی کو جھٹلانے والا ظالم ہے۔ (العنکبوت: ۶۸)

۵۔ اسلام کی دعوت پہنچ جانے کے باوجود جو اللہ پر جھوٹ باندھے وہ ظالم ہے۔ (الصف: ۷)

۶۔ گواہی کو چھپانے والا بڑا ظالم ہے۔ (البقرۃ: ۱۴۰)

۷۔ مسجدوں سے روکنے والا بڑا ظالم ہے۔ (البقرۃ: ۱۱۴)

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ

کیا وہ انتظار کرتے مگر یہ کہ آئیں ان کے پاس فرشتے یا آئے تیرا رب

اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ

یا آئیں بعض نشانیاں آپ کے رب کی جس دن آجائے گی بعض

اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ

نشانیاں تیرے رب کی نہیں نفع دے گا کسی نفس کو اس کا ایمان نہیں تھا وہ

اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ

ایمان لایا سے پہلے یا کمائی اس نے میں اپنے ایمان کوئی بھلائی

قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

فرمادیجیے تم انتظار کرو یقیناً ہم انتظار کرنے والے ہیں

''وہ اس کے سوا کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپ کا رب آئے یا آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے جس دن آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے گی تو کسی شخص کو اس کا ایمان فائدہ نہ دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا تھا یا اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہوگی فرمادیں انتظار کرو بے شک ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں۔'' (۱۵۸)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب یا ان سے انحراف کرتے ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ اب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے ملائکہ آئیں جو ان کو اپنے زور سے کتاب اللہ کو ماننے پر مجبور کریں یا پھر اللہ کی طرف سے ایسی نشانی یا عذاب نازل ہو کہ یہ مجبور ہو کر پکار اُٹھیں کہ واقعی یہ رسول سچا اور اس پر نازل ہونے والی کتاب برحق ہے۔ یاد رہے اہل مکہ برملا یہ اظہار کیا کرتے تھے۔ اس نبی کی تائید کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے فرشتے نازل کیوں نہیں کرتا یا اب تک ایسا عذاب نازل کیوں نہیں ہوا کہ جس کو دیکھ کر ہم قرآن مجید کی تائید اور نبی کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اس صورتحال پر تبصرہ کیا جا رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ یا کوئی فیصلہ کن نشانی آئے گی تو جو پہلے ایمان نہیں لایا۔ اس کے ایمان لانے کا اس وقت اسے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ اور وہ شخص بھی نہیں بچ پائے گا جس نے ایمان لانے کے باوجود نیک کام نہیں کیے۔ اس کی مثالیں پہلی اقوام کے حوالے سے بے شمار ہیں کہ جب ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ کن عذاب آیا تو وہ چیخ چیخ کر اپنے ایمان کی

دہائی دے رہے تھے لیکن ان کا ایمان ان کے لیے فائدہ مند ثابت نہ ہوا۔ لہٰذا اے نبی انھیں فرمائیں اگر تم اس گھڑی کے انتظار میں ہو تو مزید انتظار کرو میں بھی تمھارے انجام کا انتظار کرتا ہوں۔

((عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ الْغِفَارِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا قُعُودًا نَتَحَدَّثُ فِي ظِلِّ غُرْفَةٍ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرْنَا السَّاعَةَ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُنَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَنْ تَكُونَ أَوْ لَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكُونَ قَبْلَهَا عَشْرُ آيَاتٍ طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَخُرُوجُ الدَّابَّةِ وَخُرُوجُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَالدَّجَّالُ وَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَالدُّخَانُ وَثَلَاثَةُ خُسُوفٍ خَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ وَخَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَآخِرُ ذٰلِكَ تَخْرُجُ نَارٌ مِنَ الْيَمَنِ مِنْ قَعْرِ عَدَنٍ تَسُوقُ النَّاسَ إِلَى الْمَحْشَرِ))

[رواہ ابو داؤد، کتاب الملاحم، باب أمارات الساعة]

''حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی معظم ﷺ کے حجرہ مبارک کے سائے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے دوران گفتگو ہم نے قیامت کا ذکر کیا اس کے ساتھ ہی ہماری آوازیں بھی بلند ہوگئیں۔ رسول معظم ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک اس سے پہلے دس نشانیاں پوری نہ ہو جائیں۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، دابہ جانور کا نکلنا، یاجوج و ماجوج کا ظاہر ہونا، دجال کا ظاہر ہونا، عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا نزول، دھواں کا ظاہر ہونا اور زمین کا تین مرتبہ دھنسنا ایک مرتبہ مغرب میں، ایک مرتبہ مشرق میں اور ایک مرتبہ جزیرۃ العرب میں اور آخری آگ یمن کے علاقہ سے عدن کی طرف رونما ہوگی جو کہ لوگوں کو محشر کے میدان میں اکٹھا کرے گی۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ)) [رواہ مسلم: کتاب الذکر والدعاء والتوبة، باب استحباب الاستغفار]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا جو بندہ بھی سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے قبل توبہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے۔''

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ)) [رواہ الترمذی: کتاب الدعوات، باب فی فضل التوبة]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی مکرم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ اس کی جان ہنسلی میں اٹکنے سے قبل تک قبول کرتا ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے شمار نشانیاں نازل ہوئی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں مگر ظالم لوگ پھر بھی ان کے نزول کا مطالبہ کرتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ	فَرَّقُوْا	دِيْنَهُمْ	وَكَانُوْا	شِيَعًا	لَّسْتَ	مِنْهُمْ
بے شک وہ لوگ	جنہوں نے تفرقہ بازی کی	اپنا دین	اور وہ تھے	گروہ	تو نہیں ہے	ان سے
فِيْ شَيْءٍ ؕ	اِنَّمَآ	اَمْرُهُمْ	اِلَى اللّٰهِ	ثُمَّ	يُنَبِّئُهُمْ	بِمَا
میں کسی چیز	بلاشبہ	ان کا معاملہ	طرف اللہ کی	پھر	وہ انہیں خبر دے گا	اس چیز کی جو
كَانُوْا	يَفْعَلُوْنَ ﴿١٥٩﴾					
وہ تھے	کرتے					

”بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ بندی کی اور کئی گروہ بن گئے آپ کسی حال میں بھی ان سے نہیں ہیں ان کا معاملہ تو اللہ ہی کے حوالے ہے پھر وہ انہیں بتائے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔“ (۱۵۹)

فہم القرآن

ربط کلام: انسان کی گمراہی کے اسباب میں ایک کا سبب دین میں اختلاف کرنا ہے۔ باہمی اختلاف کی صورت میں لوگ ٹھوس دلائل کے باوجود انکار کی روش پر قائم رہتے ہیں۔

سورۃ آل عمران میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی دینِ حق ہے۔ جس کے بنیادی اصول ہمیشہ سے ایک رہے ہیں۔ وہ توحید ورسالت کے بارے میں ہوں یا حلال وحرام اور اخلاقِ ومعاملات کے متعلق۔ لہٰذا جو دین کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں اور اس کو لوگوں کی نظروں میں مختلف فیہ بناتے ہیں۔ اے نبی ﷺ! آپ کا ایسے لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی آپ کے ماننے والوں کا ایسے لوگوں کے ساتھ تعلق ہونا چاہیے۔ ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے وہ ان کو بتائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔ دین میں تفرقہ بازی کا ذکر کرتے ہوئے رسول معظم ﷺ نے فرمایا کہ یہودی اپنے دین میں اختلاف کرنے کی وجہ سے اکہتر فرقے ہوئے، عیسائی اختلاف کی بنا پر بہتر گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور میری امت ایک قدم آگے بڑھتی ہوئی تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ (رواہ الترمذی: باب ماجاء فی افتراق ہذہ الامۃ) اختلاف اخلاق و اعمال اور باہمی محبت کے لیے نہایت ہی نقصان دہ ہوتا ہے لیکن اگر یہ اختلاف نیکی اور دین کے نام پر ہو تو اس کے نتائج بڑے ہولناک اور گمراہ کن ثابت ہوتے ہیں۔ دین انسانوں میں وحدت اور اکائی پیدا کرنے کے لیے آیا ہے اگر اسی کو ہی اختلاف کی بنیاد بنا لیا جائے تو قیامت تک لوگ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے نہ صرف یہود ونصاریٰ الگ الگ امت کی بنیاد پر آپس میں دست وگریباں رہتے ہیں بلکہ ان کے اپنے اپنے گروہ ایک دوسرے کو کافر گمراہ اور جہنمی قرار دیتے ہیں اس صورتحال سے بچنے کے لیے قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کو بلا شرکت غیرے الٰہ ماننے اور نبی آخر الزمان ﷺ کو بہترین اسوہ قرار

دیتے ہوئے آپ کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ تاکہ توحید اور نبی کو ماننے والے متحد و متفق رہیں۔ یہودی تحقیق کے نام پر دین میں غلو کر کے گمراہ ہوئے اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کی عقیدت میں حد سے بڑھے اور صراطِ مستقیم سے ہٹ گئے۔

آپ ﷺ نے غلو سے بچنے کے لیے مسائل کی کھال اتارنے اور دین میں قیل وقال سے منع فرمایا اور عقیدت و محبت میں آ کر کسی شخصیت کو اس کے مرتبہ و مقام سے بڑھانے سے روکا ہے۔ یہ وہ بنیادی اسباب ہیں جن کی وجہ سے دین دار لوگ گمراہ ہوا کرتے ہیں۔

((عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ وَعَظَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا بَعْدَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ فَقَالَ رَجُلٌ إِنَّ هٰذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ يَرٰى اخْتِلَافًا كَثِيرًا وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّهَا ضَلَالَةٌ فَمَنْ أَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ)) [رواه الترمذی : كتاب العلم، باب ماجاء فی الأخذ بالسنة]

''حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے ہمیں نماز فجر کے بعد بلیغ وعظ کیا۔ اس سے ہمارے دل کانپ اٹھے اور آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔ ایک شخص نے عرض کی یہ تو الوداعی وعظ و نصیحت لگتی ہے اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ہم سے کیا وعدہ لینا چاہیں گے؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میں تمھیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ سمع اور اطاعت کی بھی۔ اگرچہ تم پر ایک حبشی غلام ہی ذمہ دار بنا دیا جائے۔ جو کوئی تم میں سے زندہ رہا میرے بعد وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ تم دین میں نئے نئے کاموں سے بچو۔ بلاشبہ وہ گمراہی ہے جو کوئی تم میں سے ایسی صورت حال پائے تو وہ میرے اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کے طریقے کو لازم پکڑے اور اسے دانتوں سے مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھے۔''

((عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا قَرَأَ آيَةً وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ خِلَافَهَا فَجِئْتُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ فَعَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ وَقَالَ كِلَاكُمَا مُحْسِنٌ وَلَا تَخْتَلِفُوا فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ اخْتَلَفُوا فَهَلَكُوا)) [رواه البخاری: كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الغار]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے ایک آدمی کو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے سنا جب کہ میں نے نبی معظم ﷺ کو وہی آیت تلاوت کرتے سنا تھا۔ آپ اس سے مختلف انداز سے تلاوت کر رہے تھے۔ میں اس شخص کو لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو اس کی تلاوت کے بارے میں بتلایا۔ میں نے آپ کے چہرے پر کراہت کے آثار دیکھے آپ نے فرمایا دونوں طریقے ٹھیک ہیں اور تم اس طرح اختلاف نہ کیا کرو بلاشبہ جو لوگ تم سے پہلے تھے انھوں نے اختلاف کیا اور وہ ہلاک ہو گئے۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أُمَّتِى مَا أَتٰى عَلٰى بَنِى إِسْرَائِيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتٰى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِى أُمَّتِى مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ وَإِنَّ بَنِى إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِى عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِى النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا وَمَنْ هِىَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِى))[رواه الترمذی:باب ماجاء فی افتراق ھذہ الامۃ]

”حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ بیان کرتے ہیں رسول مکرم ﷺ نے فرمایا میری امت میں ایسا وقت ضرور آئے گا کہ وہ بنی اسرائیل کے ساتھ بالکل اس طرح مل جائے گی جس طرح جوتا ایک دوسرے کے ساتھ ملتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے علانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا ضرور ہوگا۔ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئی جبکہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ایک گروہ کے علاوہ سارے کے سارے جہنم میں جائیں گئے۔ صحابہ نے استفسار کیا اے رسول معظم ﷺ! وہ کون سا گروہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ کرام ؓ کے طریقے پر عملکرنے والا ہوگا۔

مسائل

۱۔ فرقہ واریت گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔

۲۔ جولوگ تفرقہ بازی کرتے ہیں ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

۳۔ فرقہ واریت کو ہوا دینے والوں کو ضرور سزا دی جائے گی۔

تفسیر بالقرآن

دین میں تفریق کی ممانعت:

۱۔ دین پر قائم رہو جدا جدا نہ ہو جاؤ۔ (الشوریٰ:۱۳)

۲۔ کئی راستوں کی اتباع نہ کرنا وہ تمھیں سیدھے راستہ سے گمراہ کردیں گے۔ (آل عمران:۱۵۳)

۳۔ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو جدا جدا ہو گئے اور انہوں نے باہم اختلاف کیا۔ (آل عمران:۱۰۵)

۴۔ اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑلو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ (آل عمران:۱۰۳)

۵۔ دین میں تفرقہ ڈالنے والوں کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ (الانعام:۱۵۹)

۶۔ مشرکین سے نہ ہو جاؤ جنھوں نے اپنے دین کو جدا جدا کردیا اور کئی فرقے بن گئے۔ (الروم:۳۲)

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ
جوشخص لائے گا ایک نیکی تواس کے لیے دس گنا مثل ہے اس کا اور جوشخص لائے گا

بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾
ایک برائی تو نہیں وہ سزا دیا جائے گا مگر اس کے مثل اور وہ نہیں ظلم کیے جائیں گے

’’جونیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے دس گنا ثواب ہوگا اور جو برائی لے کر آئے گا سوا سے اس کے برابر سزادی جائے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔‘‘ (۱۶۰)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سے پہلی آیت کے آخری الفاظ ’’بما کانو یفعلون‘‘ ہیں۔ یہاں اعمال کی تشریح اوران کی حیثیت بیان فرمائی کہ اگر لوگ نیکی کریں گے تو اس کا کم ازکم دس گنا اجر پائیں گے اگر برائی کریں گے تو صرف اس کے برابر سزادی جائے گی۔

پارہ تیس کی سورۃ الزلزال میں فرمایا کہ انسان نے ذرہ بھر بھی نیکی کی تو قیامت کے دن اسے اپنی آنکھوں کے سامنے پائے گا۔ اگر اس نے ذرہ برابر برائی کی تو اسے بھی دیکھ لے گا۔ یہاں نیکی یا بدی کے اجر کے بارے میں وضاحت فرمائی کہ ہر حسنہ کا اجر اس کے دس گنا ہوگا۔ تاہم برائی کی سزا دوگنی یا دس گناہ نہیں بلکہ اسی کے برابر ہوگی۔ لیکن قرآن مجید کی دوسری آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کو دوگنا عذاب ہوگا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کی گمراہی کا سبب بنے ان کو دوگنا عذاب ہوگا۔ کیونکہ ان کا گناہ ایک کا دوگنا ہوگا۔ لہٰذا ہر کسی کو اس کے گناہ کے بدلے سزا ہوگی۔ البتہ احادیث کی روشنی سے ثابت ہوتا ہے کہ اخلاص اور آدمی کے حالات کے مطابق کی گئی نیکی کے بدلے اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا بدلہ دس گنا ہی نہیں بلکہ سات سو گنا سے بھی زیادہ دیں گے جس کی مفسرین نے اس طرح تشریح فرمائی ہے کہ کروڑ پتی آدمی کسی کو کھانا کھلاتا ہے تو اس کے لیے یہ کوئی بھاری اور بڑا کام نہیں اور اگر فاقہ کش آدمی کسی بھوکے کو کھانا کھلاتا ہے تو اس کی یہ نیکی بڑا مقام رکھتی ہے۔ کیونکہ خود بھوکا رہ کر دوسرے کا پیٹ بھرتا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں دونوں کی نیکی کے اجر میں فرق ہوگا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اسباب نہیں اخلاص کی بنا پر فرق ہوگا۔ جتنا نیکی کرنے والے میں اخلاص اور للّٰھیت ہوگی۔ اتنا ہی اس کا اجر بڑھتا جائے گا اس کے مقابلہ میں برائی کی سزا برائی کے برابر ہوگی اور کسی پر ذرہ برابر زیادتی نہ ہوگی۔

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ وَإِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِينِهِ ثُمَّ يُرَبِّيهَا لِصَاحِبِهِ كَمَا يُرَبِّى أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ حَتّٰى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ))

[رواہ البخاری: کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ من کسب طیب]

’’حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا جو کوئی اپنی پاکیزہ کمائی سے ایک کھجور کے برابر

صدقہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ صرف پاک کمائی ہی قبول کرتا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے قبول فرماتے ہوئے پھراسے بڑھائے گا اپنے بندے کے لیے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے اللہ تعالیٰ نیکی کو پہاڑ کی مانند بنادے گا۔''

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا يَرْوِي عَنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ ثُمَّ بَيَّنَ ذٰلِكَ فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلَى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ سَيِّئَةً وَاحِدَةً))

[رواہ البخاری : کتاب الرقاق، باب من هم بحسنة او سيئة]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھ دی ہیں پھر ان کو واضح کر دیا ہے جو کوئی نیکی کرنے کا ارادہ کرے مگر عمل نہ کر سکے اللہ تعالیٰ اپنے ہاں اس کی مکمل نیکی لکھ لیتا ہے اگر وہ ارادے کے ساتھ عمل بھی کرے تو اللہ تعالیٰ اسے دس نیکیوں سے لے کر سات سو گنا سے بڑھا دیتا ہے۔ جو کوئی برائی کا ارادہ کرے مگر اس پر عمل نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے مکمل نیکی لکھ دیتے ہیں اور اگر وہ ارادے کے ساتھ عمل بھی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک ہی برائی لکھتا ہے۔''

((عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهُ))

[رواہ ابن ماجة ، کتاب الزهد ، باب ذكر التوبة]

''حضرت ابوعبیدہ بن عبداللہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا گناہوں سے توبہ کرنے والا اسی طرح ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَقُولُ اللّٰهُ إِذَا أَرَادَ عَبْدِي أَنْ يَعْمَلَ سَيِّئَةً فَلَا تَكْتُبُوهَا عَلَيْهِ حَتّٰى يَعْمَلَهَا فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا بِمِثْلِهَا وَإِنْ تَرَكَهَا مِنْ أَجْلِي فَاكْتُبُوهَا لَهُ حَسَنَةً وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَعْمَلَ حَسَنَةً فَلَمْ يَعْمَلْهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ حَسَنَةً فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ))

[رواہ البخاری: کتاب التوحید، باب قول الله تعالى يريدون أن يبدلوا كلام الله]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول معظم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے جب میرا بندہ برائی کا ارادہ کرے۔ تم اس کو نہ لکھو یہاں تک کہ وہ اس پر عمل کرے اگر وہ عمل کرتا ہے تو اسے صرف اتنا ہی لکھو اور اگر اسے میری وجہ سے چھوڑتا ہے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو۔ اور جب وہ کسی نیکی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ بھی کرے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو۔ اگر اسے عملی جامہ پہنائے تو اسے دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھا دو۔''

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ٥ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴾[الزلزال:۷.۸]
جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا۔

مسائل

۱۔ ایک نیکی کا بدلہ کم ازکم دس گنا ہوگا۔
۲۔ برائی کی سزا صرف اس کے برابر ہوگی۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

تفسیر بالقرآن

نیکی کی جزا، برائی کی سزا:

۱۔ جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔ جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اس کو دیکھ لے گا۔ (الزلزال:۷تا۸)
۲۔ برائیوں میں مرنے والے کے لیے جہنم ہے۔ (البقرۃ:۸۱)
۳۔ جو ایک نیکی کرے گا اس کو دس نیکیوں کا بدلہ ملے گا جو برائی کرے گا اس کی سزا صرف اتنی ہی ہوگی۔ (الانعام:۱۶۰)
۴۔ برائی کا بدلہ اس کی مثل ہی ہوگا۔ (القصص:۸۴)
۵۔ جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اس کا بدلہ جہنم ہے۔ (النازعات:۳۷)
۶۔ صبر کرنے والوں کے لیے جنت کی جزا ہے۔ (الدھر:۱۲)
۷۔ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔ (یوسف:۸۸)
۹۔ نافرمانوں کو ہمیشہ کے عذاب کی سزا دی جائے گی۔ (یونس:۵۲)
۱۰۔ تکبر کرنے والوں کو ذلت آمیز سزا دی جائے گی۔ (احقاف:۲۰)
۱۱۔ شیطان اور اس کے پیروکاروں کو جہنم کی سزا دی جائے گی۔ (بنی اسرائیل:۶۳)

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا
فرمابلاشبہ میں | مجھے ہدایت دی | میرا رب | طرف | راستہ | سیدھا | یعنی دین

قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝۱۶۱
مضبوط | طریقہ | ابراہیم | یکسوتھا | اورنہیں | تھا وہ | سے | مشرکوں

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ
فرمادیجیے | بیشک | میری نماز | اور میری قربانی | اور میری زندگی | اور میری موت | اللہ کے لیے ہے

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۶۲ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ
رب | جہانوں کا | نہیں شریک | اس کا | اور اسی کا | میں حکم دیا گیا ہوں

وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝۱۶۳
اور میں | پہلا | مسلمان

”فرمادیجیے بے شک مجھے میرے رب نے سیدھے راستے کی ہدایت دی ہے جو مضبوط دین ہے ابراہیم کا طریقہ، جو یکسو تھا اور مشرکوں سے نہ تھا۔(۱۶۱) فرمادیجیے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔(۱۶۲) اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں حکم ماننے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔“ (۱۶۳)

فہم القرآن

ربط کلام: دین اسلام میں کوئی اختلاف نہیں اور نہ ہی یہ دین اس قسم کے اختلافات کو پسند کرتا ہے۔ لہٰذا پیغمبر آخر الزمان ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ ملت ابراہیم کے متبع رہیں۔

سرور دو عالم ﷺ کا تفرقہ بازی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ آپ تو دین قیم اور سیدھی راہ کے راہی اور داعی تھے۔ لہٰذا آپ کی زبان اطہر سے اعلان کروایا گیا کہ اے محبوبِ برحق! آپ وضاحت فرمائیں کہ میرا اِدھر اُدھر کے راستوں اور متضاد نظریات رکھنے والوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں میں اپنے رب کی بتلائی ہوئی راہ پر اس کی توفیق سے گامزن ہوں۔ یہی دین ہمیشہ سے قائم دائم ہے۔ اور اسی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کامل یکسوئی کے ساتھ قائم رہے۔ ان کا مشرکین کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ شرک سے بیزار اور توحید خالص کے پرستار تھے۔ وہ نماز قائم کرنے اور دین حق کی خاطر ہر قسم کی قربانی دینے والے تھے۔ ان کی موت وحیات کا مقصد ہی توحید کا پرچار اور اپنے رب کی فرمانبرداری تھا۔ یہی میرا نصب العین اور میری زندگی کا مشن ہے۔ اس لیے میری نماز، قربانی اور زندگی کا ہر لمحہ یہاں تک کہ میری موت بھی رب العالمین کے حکم پر ہوگی۔ اس کا کوئی

شریک نہیں۔ مجھے یہی حکم ہے کہ میں عقیدۂ توحید پر قائم رہ کر اس کے دین کی دعوت دیتے ہوئے سب سے پہلے اپنے رب کی فرمانبرداری کا مظاہرہ کروں گویا کہ جس دعوت کا میں داعی ہوں اس پر سب سے پہلے میں ہی عمل کرنے والا ہوں، اسی بات کا نتیجہ ہے۔ میدان کارزار ہو یا صدقہ و قربانی آپ ﷺ اپنے صحابہ ؓ میں سب سے آگے دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ مسجد نبوی کی تعمیر کا معاملہ پیش آیا تو اپنے جسم اطہر پر پتھر اٹھائے ہوئے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو امت کے لیے اسوۂ حسنہ بنایا تھا اور آپ اول المسلمین ہیں۔ اور یہی دینی قیادت کا وطیرہ ہونا چاہیے کہ وہ عوام الناس کے لیے نمونہ ثابت ہوں۔ اس سے لوگوں کے دلوں میں اخلاص اور جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یکسو اور پکے مسلمان تھے۔

۳۔ انسان کی زندگی و موت کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہونی چاہیے۔

۴۔ نبی اکرم ﷺ اللہ کے حکم پر سب سے زیادہ عمل کرنے والے اور امت کے لیے نمونہ تھے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں:

۱۔ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ ہی اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے۔ (الاسراء:۱۱۱)

۲۔ اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں اور نہ ہی اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے۔ (الفرقان:۲)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دو الٰہ نہ بناؤ الٰہ ایک ہی ہے (النحل:۵۱)

۴۔ کیا اللہ کے سوا کوئی الٰہ ہے؟ اللہ تعالیٰ شراکت داری سے پاک ہے۔ (الطور:۴۳)

۵۔ کیا تم انہیں اللہ کے شریک قرار دیتے ہو جنہوں نے کچھ پیدا نہیں کیا اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ (الاعراف:۱۹۱)

۶۔ کہہ دیجیے الٰہ ایک ہی ہے اور میں تمہارے شرک سے بری ہوں۔ (الانعام:۱۹)

۷۔ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ (النساء:۳۶)

قُلْ	اَغَيْرَ	اللّٰهِ	اَبْغِيْ	رَبًّا	وَّهُوَ رَبُّ	كُلِّ
فرمادیجیے	کیاسوا	اللہ	میں تلاش کروں	کوئی رب	اور وہی ہے رب	ہر
شَيْءٍ ؕ	وَلَا	تَكْسِبُ	كُلُّ	نَفْسٍ	اِلَّا عَلَيْهَا ۚ	وَلَا تَزِرُ
چیز	اورنہیں	کماتا	ہر	نفس	مگراسی پر ہے	اور نہ اٹھائے گی
وَازِرَةٌ	وِّزْرَ	اُخْرٰى ۚ	ثُمَّ اِلٰى	رَبِّكُمْ	مَّرْجِعُكُمْ	فَيُنَبِّئُكُمْ
کوئی بوجھ اٹھانے والی	بوجھ	دوسرا	پھرطرف	تمھارے رب کی	تمہاری واپسی	پس وہ تمھیں خبر دیگا
بِمَا	كُنْتُمْ	فِيْهِ	تَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٦٤﴾			
ساتھ جو	تھے تم	اس میں	اختلاف کرتے			

”فرمادیجیے کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں، حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے اور کوئی نفس جو بھی کمائی کرتا ہے اسی پر اسکا بوجھ ہوگا اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، پھر تمہارے رب ہی کی طرف تمہارا لوٹ کر جانا ہے وہ تمہیں بتائے گا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔“ (١٦٤)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ:

کفار نبی معظم ﷺ کی جدوجہد سے تنگ آکر بالآخر یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ کچھ آپ نرم ہو جائیں اور کچھ ہم بدل جاتے ہیں۔ اس کے لیے ان کی آخری تجویز یہ تھی کہ ہم آپ کے الٰہ کی عبادت آپ کے طریقہ کے مطابق کریں گے اور آپ ہمارے بتوں کی تعظیم بھی کریں۔ اس کے جواب میں آپ سے کہلوایا گیا ہے کہ آپ صاف صاف فرمادیں کیا میں ذاتِ کبریا کو چھوڑ کر ایسا رب تلاش کروں جو تمھارے ہاتھوں کے تراشے ہوئے ہیں جبکہ جس رب کی میں عبادت کرتا، اور دعوت دیتا ہوں وہ ہر چیز کا سچا اور حقیقی رب ہے۔ جن باطل معبودوں پر تم بھروسہ کرتے ہو جن کو تم اپنا داتا و دستگیر اور مشکل کشا سمجھتے ہو وہ نہ کسی کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ کسی کا بوجھ اٹھا سکتے ہیں۔ بلکہ کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ہر نفس اپنا بوجھ خود اُٹھائے گا اور اسے اپنے کیے کا خمیازہ بھگتنا ہے اور سب نے مالک حقیقی کے حضور پیش ہونا ہے۔ وہی لوگوں کے اختلافات کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ نہ اس کے سامنے کوئی دم مار سکے گا اور نہ ہی اس کے فیصلہ سے انحراف کی کسی کو جرأت ہوگی۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو انسان کو اس کے اعمال کا ذمہ دار بناتا اور اس میں جوابدہی کا تصور پیدا کرتا ہے۔

((عن أَبی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم حِینَ أَنْزَلَ اللّٰہُ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِیرَتَکَ الْأَقْرَبِینَ﴾ قَالَ یَامَعْشَرَ قُرَیْشٍ أَوْ کَلِمَةً نَحْوَھَا اشْتَرُوا أَنْفُسَکُمْ لَا أُغْنِی عَنْکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا یَا بَنِی عَبْدِ مَنَافٍ لَا أُغْنِی عَنْکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا یَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِی عَنْكَ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا وَیَا صَفِیَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللّٰہِ لَا أُغْنِی عَنْكِ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا وَیَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِینِی مَا شِئْتِ مِنْ مَّالِی لَا أُغْنِی عَنْكِ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا))

[رواہ البخاری: کتاب التفسیر، باب و انذر عشیرتك الاقربین]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی: ''اوراپنے قریبی رشتہ داروں کوڈرائیے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے قریش کے لوگو! تم اپنی ذمہ داری خوداٹھاؤ میں اللہ کے ہاں تمھارے کچھ بھی کام نہیں آوں گا۔اے بنوعبد مناف میں اللہ کے ہاں تمھارے کچھ بھی کام نہیں آوں گا۔اوراے صفیہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی میں اللہ کے ہاں تمھارے کچھ بھی کام نہیں آوں گا۔اوراے فاطمہ بنت محمد میرے مال سے جو چاہتی ہے مجھ سے سوال کرلے میں اللہ کے ہاں تمھارے کچھ کام نہیں آسکوں گا۔''

((عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَا مِنْکُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَسَیُکَلِّمُهُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لَیْسَ بَیْنَ اللّٰہِ وَبَیْنَهُ تُرْجُمَانٌ ثُمَّ یَنْظُرُ فَلَا یَرٰی شَیْئًا قُدَّامَهُ ثُمَّ یَنْظُرُ بَیْنَ یَدَیْهِ فَتَسْتَقْبِلُهُ النَّارُ فَمَنْ اسْتَطَاعَ مِنْکُمْ أَنْ یَتَّقِیَ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ...... فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَبِکَلِمَةٍ طَیِّبَةٍ))

[رواہ البخاری: کتاب التوحید، باب کلام الرب عزوجل یوم القیامة مع الأنبیاء وغیرھم]

''حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاتم میں سے ہرکسی کے ساتھ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کلام کریں گے،اللہ اوراس شخص کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا،پھروہ دیکھے گا اُس نے کیاعمل کیے ہیں،وہ آدمی دیکھے گاتو سامنےآگ ہوگی جوبھی تم میں سے استطاعت رکھتاہےآگ سے بچنے کی کوشش کرے چاہے کھجور کےایک ٹکڑے کےساتھ......جو یہ بھی نہ پائےتووہ اچھی بات کہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کارب ہے۔

۲۔ آخرت میں ہر بندہ صرف اپنا ہی بوجھ اٹھائے گا۔

۳۔ ہرکسی کواللہ رب العالمین کی طرف لوٹ کرجاناہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓىِٕفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ
اور وہی ہے جس نے | تمہیں بنایا | جانشین | زمین | اور بلند کیا | بعض تمہارا | اوپر

بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ
بعض کے | درجات | تاکہ وہ تمہیں آزمائے | میں اس جو | اس نے تمہیں دی | بیشک | تیرا رب

سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖ٘ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۠ ﴿۱۶۵﴾
جلد سزا دینے والا ہے | اور یقیناً وہ | بخشنے والا | رحم والا

”اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین کا جانشین بنایا اور تمہیں ایک دوسرے پر درجات میں بلند کیا تاکہ ان چیزوں میں تمہاری آزمائش کرے جو اس نے تمہیں دی ہیں بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بے حد بخشنے والا، مہربان ہے۔“ (۱۶۵)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظام ایسے منضبط اور مربوط طریقہ سے بنایا ہے کہ اس میں کبھی خلل اور خلا پیدا نہیں ہوا۔ رات، دن ایک دوسرے کی جگہ لیتے ہیں روشنی اور اندھیرا ایک دوسرے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ایک نسل دوسری نسل کی خلیفہ بنتی ہے۔ ایسے ہی انسانوں کی ایک کھیپ دوسری کھیپ کی جگہ سنبھالتی ہے۔ بیٹا باپ کی اور باپ اپنے باپ کی ذمہ داریاں سنبھالتا ہے۔ آج کا بچہ کل کو باپ بنتا ہے پھر اس کے فوت ہونے کے بعد اس کی اولاد اس کی جائیداد اور معاملات کی وارث بن جاتی ہے۔ اسی طرح ملکوں کی حکمرانی کا معاملہ ہے۔ کل کا حکمران آج نہیں اور آج کے حکمران کی مسند پر ایک مدت کے بعد کوئی اور بیٹھ جائے گا۔ خلافت کے اس نظام میں ایک فرد سے لے کر کسی بڑے سے بڑے، جابر حکمران اور نیک کو مفر نہیں سب کے سب خلافت کی زنجیر میں بندھے ہوئے ایک دوسرے کے پیچھے آنے پر مجبور ہیں۔ کوئی نہیں جو وسائل اور لشکر وسپاہ کی مدد سے یا اپنی نیکی اور ولایت کے بل بوتے پر اپنی جگہ پر ہمیشہ قبضہ جمائے رکھے۔

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول ترین بندے انبیاء کرام علیہم السلام بھی اسی نظام کے تحت ایک دوسرے کے وارث بنے۔ اس نظام کو بنانے اور چلانے والا۔ اللہ اپنے بارے میں فرماتا ہے کہ وہی تو ہے جو تمھیں ایک دوسرے کے پیچھے لاتا یعنی خلیفہ بناتا ہے۔ (سورۂ یونس: آیت۔۱۴) میں فرمایا کہ تمھیں ایک دوسرے کا خلیفہ اس لیے بناتا ہے کہ تاکہ تمھیں آزمائے کہ تم اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کر اپنی اپنی باری میں اپنے رب کی کتنی تابعداری اور کیا کردار ادا کرتے ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذمہ داری کے بارے میں یوں فرمایا کرتے تھے۔

دین کے بارے میں پرکھنے، دنیا کا نظام چلانے اور ایک کو دوسرے کے ساتھ آزمانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مختلف صلاحیتیں اور وسائل دے کر درجہ بدرجہ مراتب پر فائز فرمایا ہے۔ داعی کو رعایا کے ساتھ، امیر کو غریب کے ساتھ باپ کو

اولاد اور اولاد کو والدین کے حقوق کے بارے میں، آجر کو اجیر اور چھوٹے بڑے کو ایک دوسرے کے حقوق وفرائض کے ساتھ آزمانے کا انتظام کر رکھا ہے۔ تاکہ دیکھے کہ کون کیا عمل کرتا ہے؟ جو لوگ برے عمل کرتے ہیں۔ انھیں وارننگ دی کہ یاد رکھو دنیا کی مہلت نہایت مختصر ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد تمھارا حساب لینے والا ہے۔ جو لوگ نیک اعمال کی کوشش کرتے رہے لیکن پھر بھی ان سے بتقاضائے بشریت غلطیاں ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں بیماری، تکلیف اور استغفار کے ذریعے گناہ معاف کرتا ہے بالآخر اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے اور نہایت ہی رحم فرمانے والا ہے۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ وَالْأَمِیرُ رَاعٍ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی أَھْلِ بَیْتِہٖ وَالْمَرْأَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰی بَیْتِ زَوْجِھَا وَوَلَدِہٖ فَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ))

[رواہ البخاری: کتاب النکاح، باب المرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر کسی کو اپنی ذمہ داری کے بارے میں جواب دینا ہے، امیر نگران ہے آدمی اپنے گھر کا نگران ہے اور عورت اپنے خاوند کے گھر کی اور اپنے بچوں کی نگران ہے تو تم میں سے ہر کوئی ذمہ دار ہے اور ہر کسی سے اس کی ذمہ داری کے متعلق پوچھا جائے گا۔“

مسائل

۱۔ درجات میں تفاوت آزمائش کے لیے ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کسی کو نعمتیں دے کر اور کسی کو محروم رکھ کر آزماتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

آزمائش کی مختلف صورتیں:

۱۔ اللہ نے موت وحیات کو انسان کی آزمائش کے لیے پیدا فرمایا۔ (الملک: ۲)

۲۔ اللہ نے انسانوں کی آزمائش کے لیے بعض کو بعض پر فوقیت دی۔ (الانعام: ۱۶۵)

۳۔ مال واولاد انسان کے لیے آزمائش ہے اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔ (التغابن: ۱۵)

۴۔ ہم تمہیں خوف، بھوک، مال واولاد اور پھلوں کی کمی میں مبتلا کر کے ضرور آزمائیں گے۔ (البقرۃ: ۱۵۵)

سورۃ الاعراف کا تعارف

سورۃ الاعراف ۲۰۶ آیات اور ۲۴ رکوع پر مشتمل ہے مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پانچ چھ آیات کو چھوڑ کر باقی تمام کی تمام آیات مکہ معظمہ میں نازل ہوئیں اس کے مضامین ، اسلوبِ بیان سورۃ الانعام سے زیادہ مشابہت رکھتے ہے۔ ''سورۃ البقرۃ'' میں دیگرادیان کے حاملین کے ساتھ یہودیوں کو زیادہ مخاطب کیا گیا ہے اور ''آل عمران'' میں دوسروں کی نسبت عیسائیوں کو کثرت کے ساتھ خطاب کیا ہے'' سورۃ الانعام'' اور'' سورۃ الاعراف'' میں اہل مکہ اور باقی مشرکین کی طرف زیادہ توجہ دی گئی ہے۔

اس سورۃ کے پہلے رکوع میں قرآن مجید کا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اے نبی ﷺ! قرآن کے بارے میں آپ کو اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ اس میں منکروں کے لیے انتباہ اور ماننے والوں کے لیے خیر خواہانہ نصیحت پائی جاتی ہے۔ اس لیے مومنوں کو صرف اس بات کا پابند بنایا گیا ہے کہ وہ اپنے رب کی نازل کردہ ہدایت کی اتباع کریں۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو چھوڑ کر کسی بزرگ ، ولی اور خیر خواہ کی بات کو اللہ تعالیٰ کے فرمان سے مقدم نہیں جاننا چاہیے لیکن کھلی اور واضح ہدایت کے باوجود تھوڑے لوگ ہیں جو قرآن کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہیں۔ اس کے بعد نافرمان اقوام کا انجام بیان کرتے ہوئے وضاحت فرمائی ہے کہ قیامت کے روز ہر کسی کے اعمال کو عدل کے ترازو میں رکھ کر تولا جائے گا۔ جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوا وہ کامیاب ہوگا اور جس کی نیکیوں کے مقابلے میں گناہ بھاری رہے وہ ہمیشہ کے لیے ذلت ورسوائی سے دوچار ہوں گے ، پھر واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام سے ان کی ذمہ داریوں کے حوالے سے سوال کریں گے اور ان کی دعوت کے مقابلہ میں جن لوگوں نے انکار اور انحراف کا رویہ اختیار کیا ان کا پوری طرح احتساب کیا جائے گا۔

اس کے بعد انسان اور شیطان کی جبلت کا فرق بیان کر کے ان کی آپس میں ازلی اور ابدی کشمکش کا ذکر کیا ہے جس میں واضح اشارہ ہے کہ انسان وہ ہے جو اپنے باپ آدم علیہ السلام کی اتباع میں غلطی کا اعتراف کر کے اپنے رب سے معذرت خواہ رہے اور شیطان وہ ہے جو غلطی کرنے کے بعد اس کا جواز پیش کر کے اس پر اڑ جائے بے شک وہ جنات میں سے ہو یا بنی نوع انسان سے۔

کچھ ضمنی مسائل بیان کرنے کے بعد آیت ۴۰ میں دو اور دو چار کی طرح واضح کیا گیا ہے کہ جن لوگوں نے شیطان کی طرح تکبر کیا ان کا جنت میں داخل ہونا اس طرح ہی محال ہے جس طرح اونٹ کا سوئی کے سوراخ میں سے گزرنا محال ہے۔

اس کے ساتھ جنتیوں کے جنت میں جانے کے بعد اور جہنمیوں کے جہنم میں داخل ہونے کے بعد ان کی آپس میں ہونے والی گفتگو کا ذکر ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ نیکوں اور بروں میں کیا فرق ہوگا۔ جہنمیوں کا اقرارِ جرم انھیں کچھ فائدہ نہ دے گا۔ جو انسان دنیا میں اپنے گناہوں کا اقرار کر کے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی طرح رب کی بارگاہ میں سرخرو ہو جائے۔ پھر توحید کے ٹھوس دلائل دے کر توحید کو ٹھکرانے والی قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ لوط، قومِ مدین اور قومِ فرعون کے کردار کا تفصیلی تذکرہ کر کے ان کا عبرت ناک انجام بیان کیا ہے تاکہ ان کے بعد آنے والے لوگ اس کردار اور انجام سے بچ جائیں۔ سورۃ کی ۱۷۲ آیت میں اس عہد کا ذکر کیا جو آدم اور اس کی اولاد سے روزِ آفرینش لیا گیا تھا جس میں ذکر ہے کہ اچھی طرح غور کر لو کہ میں تمھارا رب ہوں یا نہیں؟ تمام بنی نوع انسان نے ذاتِ کبریا کی توحید کا اقرار کیا کہ کیوں نہیں تیرے سوا کون ہمارا رب ہو سکتا ہے۔ اس اقرار کے بعد فرمایا گیا۔ اب تمھارا یہ بہانہ نہیں چلے گا کہ ہمارے آباؤ اجداد شرک کرتے رہے جن کی وجہ سے ہم اس سنگین جرم کے مجرم بنے۔ سورۃ کا اختتام ان آیات پر ہوا کہ اگر شیطان تمھیں پھسلانے کی کوشش کرے تو اس سے اپنے رب کی پناہ طلب کرو اور جس طرح اللہ کا حکم سمجھ کر ملائکہ نے عاجزی اختیار کی اس طرح تم بھی اپنے رب کے حضور عاجزی اختیار کرتے ہوئے اسی کی ذات اور فرمان کے سامنے جھک کر زندگی گزارو یہی اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے۔

سُورَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رُكُوْعَاتُهَا: ٢٤ اٰيَاتُهَا: ٢٠٦

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

الٓمّٓصٓ ①	كِتٰبٌ	اُنْزِلَ	اِلَيْكَ	فَلَا	يَكُنْ	فِيْ
الٓمّٓصٓ	کتاب	نازل کی گئی	تیری طرف	پس نہ	ہو	میں
صَدْرِكَ	حَرَجٌ	مِّنْهُ	لِتُنْذِرَ	بِهٖ	وَذِكْرٰى	لِلْمُؤْمِنِيْنَ ②
تیرا سینہ	کوئی تنگی	اس سے	تا کہ تو ڈرائے	اس کے ذریعے	اور نصیحت	مومنوں کے لیے

''المص (۱) ایک کتاب ہے جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے آپ کے سینہ میں اس سے کوئی تنگی نہ ہو۔ تا کہ آپ اس کے ساتھ ڈرائیں اور ایمان والوں کے لیے سراسر نصیحت ہے۔'' (۲)

فہم القرآن

المص ۔حروف مقطعات ہیں ان کے بارے میں سورۃ البقرۃ کی ابتداء میں عرض کیا جا چکا ہے کہ ان حروف کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی ان کا شریعت کے مسائل کے ساتھ تعلق ہے۔ جس کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کے معانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ تفصیل جاننے کے لیے سورۃ البقرۃ کے ابتدائی حروف الٓمٓ کی تشریح ملاحظہ فرمائیں چنانچہ مقطعات کے بعد حکم ہوا۔ اے پیغمبر! یہ کتابِ مقدس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی ذات اطہر پر نازل کی گئی ہے تا کہ آپ لوگوں کو پڑھائیں اور سمجھائیں۔ اگر لوگ اسے ماننے سے انکار اور آپ سے تکرار کرتے ہیں تو آپ کو دل میں تنگی اور لوگوں کو سمجھانے میں اکتاہٹ محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ یہ کتاب تو تنگ دلی کا علاج، الجھنوں کا حل، قلب ونظر کے لیے نور، دینی ودنیاوی مسائل کا مداوا ہے۔ اس میں اللہ کے منکروں، حق کا انکار کرنے والوں کے لیے بڑا انتباہ ہے اور ایمان وایقان والوں کے لیے خیر خواہی، رحمت اور موعظت کی بے مثال اور لازوال دولت ہے بشرطیکہ لوگ اس کی چاہت اور اس سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کرنے والے ہوں۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهٗ بِهٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا لَآ أَقُوْلُ الم حَرْفٌ وَلٰكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ))

[رواه الترمذی: كتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فيمن قرأ حرفا من القرآن ماله من الأجر]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی کتاب کا ایک حرف پڑھا اسے اس کے بدلے ایک نیکی ملے گی اور ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں یہ

نہیں کہتا کہ ''الم'' ایک حرف ہے بلکہ ''الف'' ایک حرف ہے اور ''لام'' ایک حرف ہے'' اور ''میم'' ایک حرف ہے۔''

مسائل

۱۔ قرآن مجید نبی مکرم ﷺ پر نازل کیا گیا۔ ۲۔ دعوت وتبلیغ میں مبلغ کو پرعزم اور بلند حوصلہ ہونا چاہیے۔

۳۔ وعظ ونصیحت سے مومن ہی صحیح فائدہ اٹھاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے اوصاف کی ایک جھلک:

۱۔ قرآن مجید لاریب کتاب ہے۔(البقرۃ:۲)

۲۔ قرآن مجید رحمت اور ہدایت کی کتاب ہے۔(لقمان:۳)

۳۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت ورہنمائی کی کتاب ہے۔(البقرۃ:۱۸۵)

۴۔ قرآن مجید بابرکت اور پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔(الانعام:۹۲)

۵۔ قرآن مجید میں ہدایت واضح کردی گئی ہے۔(النحل:۸۹)

۶۔ قرآن مجید روشن اور بین کتاب ہے۔(المائدۃ:۱۵)

۷۔ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔(یوسف:۳)

۸۔ قرآن مجید اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔(الشعراء:۱۹۲)

قرآن وسنت کے علاوہ کسی کی بات کو شریعت کا درجہ حاصل نہیں:

۱۔ جب ان سے کہا جاتا ہے پیروی کرو اللہ کی نازل کردہ کتاب کی تو جواب میں اپنے آباء واجداد کی پیروی کا حوالہ دیتے ہیں۔(البقرۃ:۱۷۰، لقمان:۲۱)

۲۔ اس کی پیروی کرو جو تمھارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔(الزمر:۵۵)

۳۔ آپ ﷺ پیروی کریں جو آپ کے رب کی طرف سے وحی کی گئی ہے۔(الاحزاب:۲)

۴۔ بے علم لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔(الجاثیۃ:۱۸)

۵۔ اسلام میں مکمل طور پر داخل ہوجاؤ شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔(البقرۃ:۲۰۸)

۶۔ اس کتاب بابرکت کی پیروی کرو۔(الانعام:۱۵۵)

۷۔ لوگوں کی اکثریت گمراہ ہوتی ہے لہٰذا ان کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔(المائدۃ:۷۷)

اِتَّبِعُوْا	مَآ اُنْزِلَ	اِلَيْكُمْ	مِّنْ	رَّبِّكُمْ	وَلَا	تَتَّبِعُوْا	مِنْ
تم پیروی کرو	جو اتاری گئی	تمہاری طرف	سے	تمہارا رب	اور نہ	تم پیروی کرو	سے

دُوْنِهٖٓ	اَوْلِيَآءَ ؕ	قَلِيْلًا	مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝٣
اس کے علاوہ	اولیاء	بہت ہی کم	تم نصیحت حاصل کرتے ہو

''اس پر چلو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اس کے سوا اولیاء کے پیچھے مت چلو بہت کم تم نصیحت قبول کرتے ہو۔'' (۳)

فہم القرآن

ربط کلام: ہدایت کے متلاشی لوگوں کے لیے نہایت ہی لازم بات ہے کہ وہ ادھر ادھر سے راہنمائی لینے کی بجائے صرف اور صرف قرآن مجید کی اتباع کریں۔

قرآن مجید کے انتباہ سے ڈرنے اور اس کی نصیحت سے مستفید ہونے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ آدمی اس بات کی پیروی کرے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر انسان کا نہ کوئی خیر خواہ ہو سکتا ہے اور نہ اس کے کاموں کا والی اور ذمہ دار بن سکتا ہے۔ اولیاء ولی کی جمع ہے جس کا معنٰی ہے دوست اور خیر خواہ۔ یہ لفظ لا کر انسان کی اس فطری کمزوری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس بناء پر آدمی کسی سے دھوکا کھاتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام بھی اس فطری کمزوری کی بناء پر شیطان سے دھوکا کھا گئے۔ جب شیطان نے ان کے قریب آکر بار بار قسمیں کھا کر کہا کہ جناب آدم! میں خیر خواہی کے لیے آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ اس درخت کا پھل کھالیں تاکہ ہمیشہ جنت میں رہ سکیں۔ اللہ تعالیٰ کلی علم رکھنے والا ہے اس کو معلوم تھا اور ہے کہ شیطان ان لوگوں کو اولیاء کے نام پر گمراہ کرے گا لہٰذا حکم دیا کہ اولیاء کی پیروی نہ کرنا۔ بے شک اولیاء کا اللہ کے ہاں ایک مرتبہ اور مقام ہے ہمارے لیے ان کا احترام و مقام لازم ہے لیکن دین اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے نہ کہ اولیاء پر۔ اس لیے اتباع صرف اور صرف نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوگی کیونکہ آپ پر رب کا قرآن نازل ہوا۔ یہاں انسانوں کے رویے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ بہت قلیل لوگ ہیں جو اس اصول کا خیال رکھتے ہوئے صرف وحی الٰہی کی پیروی کرتے ہیں۔ اس اصول کو چھوڑنے اور محبت میں غلو کا نتیجہ تھا اور ہے کہ امت پہلے آئمہ کرام کے نام پر چار فرقوں میں تقسیم ہوئی اور پھر ہر فرقے کے کئی کئی گروہ وجود میں آئے اور آتے جا رہے ہیں صرف ایک فرقہ کا حال دیکھیں پہلے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی نسبت سے حنفی کہلائے اور اس کے بعد سہروردی، چشتی، قادری، نقشبندی، نظامی، گیلانی اور جیلانی۔ نہ معلوم یہ سلسلہ کہاں تک پہنچا اور پہنچ جائے گا۔ ایسے بھائیوں کو قرآن وحدیث کا حوالہ پیش کیا جائے تو فوراً کہتے ہیں

کہ کیا امام صاحب کو یہ حدیث یاد نہ تھی۔ کیا تم بزرگوں سے زیادہ قرآن وحدیث سمجھنے والے ہو۔ کچھ لوگ اس سے آگے بڑھ کر بات کرتے ہیں کہ کیا پہلے بزرگ گمراہ تھے؟ **نعوذ باللہ من ذالک** ۔ حالانکہ یہ حضرات غور کریں تو ان کا رویہ خود آئمہ کرام کی توہین کے مترادف ہے۔ اگر واقعتاً امام موصوف کو زیر بحث مسئلہ کا علم تھا تو، پھر انھوں نے اس پر عمل کیوں نہ کیا۔ کیا اس میں امام صاحب کی توہین ہے یا تکریم؟ جہاں تک اولیاء اللہ کا مقام اور احترام ہے اس کا خیال رکھنا ہمارے لیے فرض ہے۔ لیکن دین اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کا نام ہے۔ مسلمان کو صرف قرآن وسنت کی پیروی کا حکم ہے۔

مسائل

۱۔ قرآن وسنت کی ہی پیروی کرنی چاہیے۔

۲۔ قرآن وحدیث کے علاوہ باقی تمام راستے گمراہی کے ہیں۔

۳۔ گمراہ لوگوں کی اکثریت سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

نبی اکرم ﷺ وحی کے پابند تھے:

۱۔ آپ ﷺ اپنے رب کی وحی کی اتباع کریں۔ (الاحزاب:۲)

۲۔ میں اتباع کرتا ہوں اس کی جو میری طرف وحی کی گئی ہے۔ (الاحقاف:۹)

۳۔ مجھے قرآن وحی کے ذریعہ دیا گیا ہے تاکہ میں تمھیں ڈراؤں۔ (الانعام:۱۹)

۴۔ نبی ﷺ اپنی مرضی سے بات نہیں کرتے مگر آپ کو جو وحی کی جاتی ہے۔ (النجم:۳ تا ۴)

۵۔ میں تو اسی بات کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی گئی ہے۔ (یونس:۱۵۔ الاعراف:۲۰۳)

۶۔ آپ ﷺ اپنے رب کی وحی کی اتباع کریں۔ (یونس:۱۰۹)

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْهُمْ قَآئِلُوْنَ ۝۴

اور کتنی سے بستیاں ہم نے انکو ہلاک کیا پھر آیا انکے پاس ہمارا عذاب رات کو یا وہ دوپہر کو آرام کر رہے تھے

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا

پھر نہ تھی ان کی پکار جب آ گیا ان کے پاس ہمارا عذاب مگر یہ کہ انہوں نے کہا

اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۵

یقیناً ہم تھے ظالم

’’اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا۔ ان پر ہمارا عذاب رات ہی رات آیا یا وہ دوپہر کو آرام کرنے والے تھے۔ (۴) جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو اس کے سوا ان کی پکار کچھ نہ تھی کہ انہوں نے کہا یقیناً ہم ہی ظالم تھے۔‘‘ (۵)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کے فرمان نہ ماننے اور اس کی نصیحت قبول نہ کرنے والوں کا انجام۔

سورہ کے تعارف میں ہم نے عرض کیا ہے کہ سورۃ کے پہلے رکوع میں ساری سورۃ کے مضامین کا خلاصہ ذکر ہوا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی اقوام اور امتوں کے پاس اپنے رسول بھیجے جو انکو اللہ تعالیٰ کے احکام بتلاتے اور بار بار نصیحت کرتے تھے کہ اے لوگو! اپنے رب کی ہدایات پر عمل کرو۔ اس میں تمہارا بھلا ہے اور ہم تمہارے خیر خواہ ہیں لیکن لوگوں نے اپنے رب کی ہدایات ماننے اور انبیاء علیہم السلام کی پیروی کرنے کے بجائے اپنے آبا کے رسم و رواج، بزرگوں کے اقوال اور ذاتی خیالات کو مقدم جانا۔ اس فکر و عمل پر انہیں بار بار تنبیہ کی گئی کہ اگر تم نے اپنی طرز حیات کو نہ بدلا تو اللہ تعالیٰ کا عذاب تمھیں آلے گا لیکن وہ اپنے فکر و عمل پر مصر اور انبیاء علیہم السلام کی توہین کرتے اور ان سے عذاب الٰہی کا مطالبہ کرتے رہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر حجت تمام ہوئی تو اس کے عذاب نے انہیں ایسے وقت میں آدبوچا جب وہ غفلت کی نیند سوئے ہوئے تھے۔ یعنی ایسی حالت میں عذاب آیا کہ وہ آہ و زاری بھی نہ کر سکے۔ بڑا ہی بدقسمت ہے وہ انسان اور قوم جسے اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے آخر وقت میں توبہ نصیب نہ ہو۔ انہوں نے غفلت میں زندگی گزاری اور غفلت کی حالت میں پکڑے گئے اگر کسی کو ہوش آیا بھی تو وہ یہی کہہ رہا تھا کہ واقعی ہم ظالم ہونے کی وجہ سے اس عذاب میں مبتلا ہوئے ہیں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ایک وقت مقرر ہے۔

۲۔ عذاب عموماً اس وقت آتا ہے جب لوگ غفلت و بے فکری میں پڑے ہوتے ہیں۔

۳۔ عذاب کے وقت سبھی اپنے جرائم کا اعتراف کرتے ہیں۔

فَلَنَسۡـَٔلَنَّ	الَّذِيۡنَ	اُرۡسِلَ	اِلَيۡهِمۡ	وَلَنَسۡـَٔلَنَّ	الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۙ۝
ہم ضرور پوچھیں گے	وہ	بھیجے گئے	ان کی طرف	اور ہم ضرور پوچھیں گے	رسول (جمع)
فَلَنَقُصَّنَّ	عَلَيۡهِمۡ	بِعِلۡمٍ	وَّمَا	كُنَّا	غَآئِبِيۡنَ ۝
ہم بیان کریں گے	ان پر	علم کے ساتھ	اور نہ	تھے ہم	غائب

''جن کی طرف رسول بھیجے گئے ہم ان سے ضرور پوچھیں گے اور رسولوں سے بھی ضرور سوال کریں گے۔'' (۶) ''پھر ان کے سامنے علم کے ساتھ بیان کریں گے اور ہم غائب نہ تھے۔'' (۷)

فہم القرآن

ربط کلام: قوم کس قدر بھی اکھڑ مزاج ہو اور تباہی کے گڑھے پر کھڑی ہو اسے آخر وقت تک سمجھانا۔ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کیونکہ ہر نبی سے اپنی امت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ جس طرح نبی سے اس کی امت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اسی طرح امت سے سوال ہوگا کہ اس نے اپنے نبی کی دعوت کا کیا جواب دیا۔ چنانچہ قیامت کے دن تمام انبیاء علیہم السلام وقت مقررہ کے مطابق اپنی اپنی امت کو لے کر عدالت کبریا میں حاضر ہوں گے سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام رب کی بارگاہ میں پیش ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر فرد کے سامنے اس کا اعمال نامہ پیش فرمائیں گے۔ جس میں ایک بات بھی حقیقت کے خلاف نہ ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر بات پر حاوی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر امت اور نبی سے سوال کرے گا:

۱۔ اللہ تعالیٰ سوال کرے گا کیا تمھارے پاس رسول نہ آئے جو میری آیات پڑھ کر سناتے تھے؟ (الزمر: ۷۱)

۲۔ اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمھارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ (الانعام: ۱۳۰)

۳۔ اے بنی آدم کیا تمھارے پاس رسول نہ آئے؟ (الاعراف: ۳۵)

۴۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز رسولوں کی جماعت کو اکٹھا کر کے امتوں کے سلوک کے بارہ میں سوال کرے گا۔ (المائدۃ: ۱۰۹)

۵۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عیسیٰ بن مریم سے سوال کرے گا۔ (المائدۃ: ۱۱۶)

وَالْوَزْنُ	يَوْمَئِذِ ۣالْحَقُّ ۚ	فَمَنْ	ثَقُلَتْ	مَوَازِيْنُهٗ	فَاُولٰٓئِكَ	
اوروزن	اس دن برحق	پھر جو شخص	بھاری ہوئی	اس کی میزان	تو وہی لوگ ہیں	
هُمُ	الْمُفْلِحُوْنَ ۞	وَمَنْ	خَفَّتْ	مَوَازِيْنُهٗ	فَاُولٰٓئِكَ	
وہ	کامیاب (جمع)	اور جو شخص	ہلکی ہوئی	اس کی میزان	پھر وہی لوگ	
الَّذِيْنَ	خَسِرُوْٓا	اَنْفُسَهُمْ	بِمَا كَانُوْا	بِاٰيٰتِنَا	يَظْلِمُوْنَ ۞	
وہ لوگ جو	خسارے میں ڈالا انھوں نے	ان کی جانیں	بوجہ اس کے جو تھے وہ	ہماری آیات کیساتھ	وہ ظلم کرتے	

''اوراس دن وزن انصاف کے ساتھ ہوگا پھر جس شخص کی میزان بھاری ہوگئی تو وہی کامیاب ہوں گے۔(۸) اور جس شخص کی میزان ہلکی ہوگئی تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا، اس لیے کہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ناانصافی کرتے تھے۔''(۹)

فہم القرآن

ربط کلام: سابقہ آیات میں ارشاد ہے کہ ہم انبیاء اور ان کی امتوں سے پوچھیں گے۔ پھر انہیں ان کے اعمال کے بارے میں بتلائیں گے یہاں ارشاد ہے کہ اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ پھر وزن کی بنیاد پر جنت یا جہنم کا فیصلہ ہوگا۔ گویا کہ یہ پوچھ نہیں بلکہ جزا سزا بھی ہوگی۔

منکرین قرآن اور آخرت کے عقیدہ کا انکار کرنے والے کہا کرتے تھے کہ اعمال کا وزن کس طرح ہوگا۔ یہ نبی جھوٹ بولتا ہے الفاظ ہوا میں تحلیل ہو جاتے ہیں زنا کرتا ہے اس کا وزن کیسے ہوگا۔ کفر وشرک کا تعلق عقیدہ کے ساتھ ہے۔ عقیدہ فکر کا نام ہے۔ فکر کی پیمائش اور وزن ہو نہیں سکتا۔ لیکن سائنس نے کافی حد تک ثابت کر دیا ہے کہ ہوا کا وزن ہو سکتا ہے بخار کا ٹمریچر معلوم کرلیا جاتا ہے۔ آواز اور تصویر منتقل کی جاسکتی ہے علیٰ ہذا القیاس کیا جس رب نے انسان کو سب کچھ سکھایا ہے وہ اعمال کا وزن نہیں کرسکتا؟ یقیناً کرسکتا ہے اور کرے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ وہ وقت آئے گا اور وزن ہوگا اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے سب کچھ ہو کر رہے گا۔ ہاں جس کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوا۔ وہ کامیاب ہوگا اور جس کا برائیوں کا پلڑا ہلکا ہوا وہ رسوا ہو جائے گا۔

مسائل

۱۔ قیامت کے دن اعمال کا وزن ہوگا۔

۲۔ جن کی نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوا وہ کامیاب ہوگا۔

۳۔ دنیا میں نیک اعمال نہ کرنے والے خائب وخاسر ہوں گے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا
اور تحقیق ہم نے تمہیں رہنے کی جگہ دی میں زمین اور ہم نے بنا دیے تمہارے لیے اس میں

مَعَایِشَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾
اسباب گزران بہت ہی کم جو تم شکر کرتے ہو

”اور بلاشبہ ہم نے تمہیں زمین میں رہنے کی جگہ دی اور تمہارے لیے اس میں زندگی کے سامان بنائے بہت کم تم شکر کرتے ہو۔“ (۱۰)

ع۸

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اس لیے بھیجا ہے کہ وہ نیک اعمال کر کے نیکیوں کے پلڑے کو بھاری بنائے لیکن اس نے برائی کے پلڑے کو بھاری بنایا اور جہنم کا ایندھن بنا۔

انسان کو زمین پر بھیجتے وقت ہدایت کی گئی تھی کہ اب تیرا رہنا، مرنا اور محشر کے دن اٹھنا زمین سے ہی ہوگا۔ لہٰذا زمین ہی تیرا ٹھکانہ اور اس میں تیرے لیے زینت کا سامان ہے۔ ہاں یاد رکھنا میری طرف سے تیری رہنمائی کے لیے احکام نازل ہوتے رہیں گے۔ جس نے اس رہنمائی کے مطابق زندگی بسر کی۔ اسے دنیا اور آخرت میں خوف وخطر نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر بسنے کے لیے وسائل اور کچھ اختیارات دیے ہیں تاکہ اسے آزمائے کہ وسائل کس طرح بروئے کار لاتا اور اپنے اختیارات کو کس طرح استعمال کرتا ہے۔ وسائل اور اختیارات کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق استعمال کرنا گویا کہ اس کا شکر ادا کرنا ہے۔ لیکن لوگوں کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے اختیارات سے تجاوز اور اللہ کے دیے ہوئے وسائل کو غلط استعمال کر کے اس کے شکر گزار بندے بننے کے بجائے باغی اور نافرمان ثابت ہوتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا انسان کے لیے کھلا پیغام ہے کہ اپنے رب کا شکر ادا کرے گا تو وہ تجھے مزید عنایت فرمائے گا۔ شکر کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں کو اللہ کی تابع داری میں لگائے۔ اس کی دی ہوئی طاقت کو اس کے بندوں کی خدمت اور دین کی سربلندی پر صرف کرے اس کے دیے ہوئے مال کو غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کرے۔

تفسیر بالقرآن

شکر گذار لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں:

۱۔ شکر گذار بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ (السباء:۱۳)

۲۔ لوگوں کی اکثریت ناشکری ہوتی ہے۔ (البقرۃ:۲۴۳)

۳۔ آپ انکی اکثریت کو شکر کرنے والے نہیں پائیں گے۔ (الاعراف:۱۷)

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا

اور تحقیق ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری صورتیں بنائیں پھر ہم نے فرمایا فرشتوں سے تم سجدہ کرو

لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ⑪

آدم کو تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس نہ ہوا وہ سے سجدہ کرنے والوں

''اور بلاشبہ ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری صورتیں بنائیں پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس، نہ ہوا سجدہ کرنے والوں سے۔'' (۱۱)

فہم القرآن

ربط کلام: پہلی آیات میں قیامت کے دن اعمال کا وزن کرنے، انبیاء اور امتوں سے ان کے کردار کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے کا ذکر کرنے کے ساتھ ہی فرمایا کہ ہم نے ہی تمہیں زمین میں ٹھہرایا اور تمہاری حیثیت کا انتظام کیا۔ اب فرمایا کہ اے انسان ہم نے تمہیں پیدا کیا اور بہترین شکل وصورت سے مزین کیا۔ پھر تمہارے باپ آدم کو مسجودِ ملائکہ کا اعزاز بخشا۔

اس آیت کے الفاظ اور انداز سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو بیک وقت پیدا فرما کر انہیں شکل وصورت سے نوازا بعدازاں ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں جبکہ قرآنِ مجید میں ہی موجود ہے کہ سب سے پہلے صرف آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا پھر اس سے اُس کی بیوی کو پیدا کیا اور ان سے بے شمار مرد و زن کی تخلیق کا سلسلہ شروع کیا۔ [النساء آیت: ۱]

یہاں ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ﴾ کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا اور ہمیں نے تمہاری شکلیں بنائیں۔ یہاں مخاطب کی ضمیر (کُم) لائی گئی ہے جس کے اہلِ علم نے تین مفہوم لیے ہیں:

① آدم علیہ السلام تمام انسانوں کے باپ اور نمائندہ ہیں ان کے لیے جمع کی ضمیر استعمال کی گئی ہے۔

② تمام ارواح آدم علیہ السلام کی پشت یعنی جبلت میں تھیں اور عالم ارواح میں ان کی شکلیں متعین کردی تھیں۔ جس بنا پر جمع مخاطب کی ضمیر لائی گئی ہے۔ سورۃ الاعراف آیت: ۱۷۲ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے اُس کی اولاد کو پیدا فرما کر استفسار کیا کہ میں تمہارا رب ہوں یا نہیں؟ تمام بنی آدم نے جواب دیا (بلٰی) کیوں نہیں تو ہی ہمارا رب ہے۔

③ آیت کے الفاظ پر معمولی غور کیا جائے تو یہ حقیقت خود بخود واضح ہوتی ہے تخلیق اور شکلوں کے بارے میں جمع مخاطب کی ضمیر لائی گئی ہے لیکن سجدے کا ذکر کرتے ہوئے واضح الفاظ استعمال فرمائے ہیں کہ ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔

گویا کہ ملائکہ نے آدم علیہ السلام کی پوری اولاد کو نہیں بلکہ صرف حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا۔

((عن أَبِیْ مُوسَی الْأَشْعَرِیِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ اللّٰه خلق آدم مِنْ قَبضَةٍ قَبَضَها مِنْ جَمیعِ الْأَرضِ فَجاءَ بَنُو آدَمَ عَلٰی قَدْرِ الْأَرْضِ جاءَ مِنْهُمْ الْأَحمرُ وَالْأَبیَضُ وَالْأَسْوَدُ وبَیْنَ ذٰلِكَ وَالسَّهلُ وَالْحَزنُ وَالْخَبِیثُ وَالطَّیِّبُ)) [رواه ابو داود: کتاب البینه ، باب فی القدر]

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔ جو ساری زمین سے لی گئی آدم کی اولاد زمین کے مطابق ہوئی۔ ان میں سرخ، سفید، سیاہ اور درمیانی رنگت کے لوگ ہیں ان میں سخت ہیں اور نرم طبیعت کے ہیں کچھ نیک اور بد ہیں۔''

((عَنْ ابِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم خَیرُ یَومٍ طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ یَوْمُ الْجُمْعَةِ فِیْهِ خُلِقَ ادمُ وَفِیْهِ اُدْخِلَ الْجنَّةَ وفِیْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِیْ یَوْمِ الْجُمْعَة))

[رواه مسلم: باب فَضْلِ یومِ الْجُمُعَةِ]

''حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بیان کرتے ہیں کہ ایام میں سب سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے اس دن آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اسی دن ان کو جنت میں داخلہ ملا اور جمعہ کو ہی ان کا جنت سے اخراج ہوا۔ اور اسی دن ہی قیامت برپا ہوگی۔''

((وَعَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ انَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَمَّاصَوَّرَ اللّٰهُ ادمَ فِی الْجنَّةِ تَرَكَهُ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ یَترُکَهٗ فَجعَلَ اِبْلِیسُ یُطِیْفُ بِهٖ یَنْظُرُ مَا هُوَفَلَمَّارَاٰهُ اَجوَفَ عَرَفَ اَنَّهٗ خُلِقَ خلْقًا لایتَمالَكُ)) [رواه مسلم]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی جنت میں شکل وصورت بنائی اس پیکر کو جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا جنت میں اسی طرح رہنے دیا ابلیس اس کے گرد گھوما اور وہ غور کرتا رہا کہ یہ کیا ہے؟ جب اس نے مجسمہ کو دیکھا کہ یہ اندر سے کھوکھلا ہے' تو سمجھ گیا کہ یہ ایسی مخلوق تخلیق کی جارہی ہے' جو مستقل مزاج نہیں ہوگی۔''

تفسیر بالقرآن

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے مختلف مراحل:

۱۔ حضرت آدم کی تخلیق کا اعلان۔ (البقرۃ:۳۰) ۲۔ حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ (نوح:۱۷)

۳۔ حضرت آدم بدبودار مٹی سے پیدا کیے گئے۔ (الحجر:۲۶)

۴۔ حضرت آدم علیہ السلام جس مٹی سے پیدا کیے گئے وہ کھڑکھڑاتی تھی۔ (الحجر:۲۶)

۵۔ انسان یعنی آدم علیہ السلام کو بجنے والی مٹی سے پیدا کیا۔ (الرحمٰن:۱۴)

۶۔ سب سے پہلے حضرت آدم پھر ان سے ان کی بیوی پھر دونوں سے تخلیق انسانی کا سلسلہ جاری فرمایا۔ (النساء:۱)

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ

کہا | کس چیز نے تجھے منع کیا | اس سے کہ | تو سجدہ کرے | جبکہ | میں نے تجھے حکم دیا تھا؟ | اس نے کہا

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ

میں | بہتر ہوں | اس سے | تو نے مجھے پیدا کیا | سے | آگ | اور تو نے اسے پیدا کیا

مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ

سے | مٹی | فرمایا | لہٰذا تو اتر | اس سے | پس نہیں | تھا | تیرے لیے

اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ

یہ کہ | تو تکبر کرے | اس میں | تو نکل جا | یقیناً تو | سے | ذلیل ہونے والے | اس نے کہا

اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾

مجھے مہلت دے | تک | دن | وہ اٹھائے جائیں گے | فرمایا | بیشک تو | سے | مہلت دیے گئے

”فرمایا تجھے کس چیز نے روکا کہ تو سجدہ نہ کرے. جب میں نے تجھے حکم دیا؟ اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور تو نے اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (۱۲) فرمایا، پھر اس سے اتر جا کیوں کہ تیرے لیے یہ نہ ہوگا کہ تو اس میں تکبر کرے۔ سو نکل جا یقیناً تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے۔ (۱۳) اس نے کہا مجھے اس دن تک مہلت دے جب وہ اٹھائے جائیں گے۔ (۱۴) فرمایا بے شک تو مہلت دیے جانے والوں سے ہے۔“ (۱۵)

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

سجدہ کا حکم ہوتے ہی تمام ملائکہ آدم علیہ السلام کے حضور سربسجود ہوئے لیکن شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کا احترام و مقام دیکھ کر حسد اور تکبر کی وجہ سے سجدہ ریز ہونے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ وہ جرم پر جرم اور گستاخی پر گستاخی کرتا چلا گیا۔ اس جگہ اجمال ہے جبکہ دوسرے مقامات پر شیطان کے انکار کی تفصیلات یوں بیان کی گئی ہیں۔

﴿ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴾ [الاسراء: ۶۱]

”اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو ابلیس کے علاوہ سب نے سجدہ کیا اور اس نے کہا کہ کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔“

﴿ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴾ [الاعراف: ۱۲]

”میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔“

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿١٦﴾

اس نے کہا | بوجہ اس کے جو تو نے مجھے گمراہ کیا | میں ضرور بیٹھوں گا | انکے لیے | تیرا راستہ | سیدھا

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ

پھر | میں ضرور آؤں گا انکے پاس | سے | ان کے سامنے | اور سے | انکے پیچھے | اور سے

اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿١٧﴾

ان کے دائیں | اور سے | ان کے بائیں | اور نہیں تو پائے گا | انکی اکثریت کو | شکرگزار (جمع)

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ

فرمایا | تو نکل جا | اس سے | ذلیل | دھتکارا ہوا | البتہ جو شخص | تیرے پیچھے چلے گا

مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٨﴾

ان میں سے | میں ضرور بھروں گا | جہنم | تم سے | سب کے سب

''اس نے کہا پھر اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور ان کے لیے تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا۔(۱۶) پھر میں ہر صورت ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی دائیں طرف سے اور ان کی بائیں طرف سے آؤں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر کرنے والے نہیں پائے گا۔(۱۷) فرمایا اس سے نکل جا، ذلیل ہو کر، دھتکارا ہوا، بے شک ان میں سے جو تیرے پیچھے چلے گا میں ضرور جہنم کو تم سب سے بھروں گا۔''(۱۸)

○ قال ارء یتک هذا الّذی کرّمت علیّ لئن اخّرتن الی یوم القیمة لاحتکنّ ذرّیّته الّا قلیلا ○

[الاسراء: ۶۲]

''شیطان نے کہا دیکھ لے اسے تو نے مجھ پر بزرگی دی ہے لیکن اگر مجھے قیامت تک تو نے ڈھیل دی تو میں اس کی اولاد پر غلبہ حاصل کرلوں گا تھوڑے لوگ ہی بچیں گے۔''

○ قال فبعزّتک لاُغوینّهم اجمعین ○ [ص: ۸۲]

''کہنے لگا تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو بہکا دوں گا۔''

○ قال لم اکن لّاسجد لبشر خلقته من صلصال مّن حما مّسنون ○ [الحجر: ۳۳]

''شیطان نے کہا میں ایسا نہیں کہ انسان کو سجدہ کروں جسے تو نے کالی اور سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا ہے۔''

حسد اور تکبر وہ بری چیز ہے کہ جس سے انسان کے تمام اعمال غارت اور بسا اوقات دنیا ہی میں ذلت و رسوائی سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ سرور دو عالم ﷺ نے تکبر کا مفہوم اور اس کے نقصانات یوں ذکر فرمائے ہیں:

((اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ)) [رواه مسلم: كتاب الايمان، باب تحريم الكبر وبيانه]

''تکبر حق بات کو چھپانا اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام ہے۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ))

[رواه مسلم: كتاب الايمان، باب تحريم الكبر وبيانه]

''حضرت عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظْمَةُ إِزَارِيْ من نازعني وَاحِدًا مِّنْهُمَا أَلْقَيْتُهُ فِيْ جَهَنَّمَ)) [رواه ابن ماجة: كتاب الزهد، باب البراءة من الكبر والتواضع]

''حضرت ابوہریرہ ؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تکبر میری چادر ہے اور عظمت میرا ازار ہے جو ان میں سے کوئی ایک مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا میں اس کو جہنم میں پھینک دوں گا۔''

غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں:

((عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ ؓ قَالَ أَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَّهُمْ فَقُلْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ أَحَقُّ أَنْ يُّسْجَدَ لَهُ قَالَ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ إِنِّيْ أَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَّهُمْ فَأَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَحَقُّ أَنْ نَّسْجُدَ لَكَ قَالَ أَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِيْ أَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهُ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَّسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ النِّسَاءَ أَنْ يَّسْجُدْنَ لِأَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنَ الْحَقِّ)) [رواه أبو داؤد: كتاب النكاح، باب في حق الزوج على المرأة]

''حضرت قیس بن سعد ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں حیرہ گیا تو میں نے وہاں کے لوگوں کو بادشاہ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے کہا: اللہ کے رسول سجدے کے زیادہ لائق ہیں۔ میں نبی ﷺ کے پاس آیا تو میں نے عرض کی: میں نے حیرہ میں دیکھا کہ وہ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ! آپ زیادہ حقدار ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بتلاؤ! اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرو تو کیا اسے سجدہ کرو گے؟ میں نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسے نہ کرو اگر میں نے کسی کو کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دینا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کا عورتوں پر جو حق رکھا اس وجہ سے عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کے سامنے سجدہ ریز ہوں۔''

مسائل

۱۔ سب سے پہلے ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ ۲۔ تکبر کرنا ابلیس کا کام ہے۔

۳۔ تکبر اللہ تعالیٰ کو قطعاً پسند نہیں۔ ۴۔ ابلیس کو قیامت تک کے لیے مہلت دی گئی ہے۔

وَ يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ

اور اے آدم رہ تو اور تیری بیوی جنت دونوں کھاؤ سے

حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ⑲

جہاں تم دونوں چاہو اور نہ دونوں قریب جانا یہ درخت دونوں ہو جاؤ گے سے ظالموں میں

''اور اے آدم! تو اور تیری بیوی اس جنت میں رہو، پس دونوں جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا کہ دونوں ظالموں سے ہو جاؤ گے۔'' (۱۹)

فہم القرآن

ربط کلام: شیطان کو دھتکارنے اور راندۂ درگاہ کرنے کے بعد آدم علیہ السلام اور اس کی بیوی کو جنت میں قیام کرنے کا حکم ہوا۔

اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں قیام کرو اور اس درخت کے سوا تم جو چاہو کھا پی سکتے ہو۔ ہاں اگر تم اس کے قریب چلے گئے تو ظالموں کی صف میں شامل ہو جاؤ گے۔ ① جنت میں رکھنے کی یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ جنت کی سہولتوں، بہاروں اور نعمتوں کو اچھی طرح دیکھ لیں اور ان سے لطف اندوز ہو لیں۔ تاکہ دنیا کی عارضی نعمتوں کو جنت کے مقابلے میں خاطر میں نہ لائیں اور دوبارہ یہاں آنے کی کوشش کریں۔ ② شاید اس کی یہ بھی حکمت ہو کہ وہ آسمانی نظام کا براہِ راست مشاہدہ کریں تاکہ بحیثیت خلیفہ زمین کے انتظامات کرنے میں انہیں سہولت رہے۔ ③ بطور آزمائش اس درخت سے اس لیے منع کیا گیا کہ وہ خدا کے منع کردہ امور سے بچنے کی تربیت پائیں اور غلطی ہونے کی صورت میں معذرت کا رویہ اختیار کریں۔ ④ اس میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ انہیں شیطان کے ساتھ عداوت اور دشمنی کا مزید مشاہدہ ہو۔ تاکہ دنیا میں جا کر شیطانی اثرات و حرکات سے بچنے کی ہر وقت کوشش کرتے رہیں۔

آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ مکرمہ کو جنت میں ٹھہراتے ہوئے کھلی اجازت عنایت فرمائی گئی کہ جنت میں جہاں سے چاہو اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہو لیکن ایک بات یاد رکھو کہ اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں شمار ہو گے۔ جنت میں وہ کون سا درخت تھا جس کے قریب نہ جانے سے منع کیا گیا اس کے بارے میں قرآن مجید اور حدیث مبارکہ میں کوئی وضاحت موجود نہیں بعض مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض اسرائیلی روایات اور اٹکل پچو ہیں۔ قرآن مجید میں کئی بار یہی الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ اس درخت کے قریب جاؤ گے تو ظالموں میں ہو جاؤ گے یہاں اہل علم نے ظلم کے مختلف معانی بیان کیے ہیں لیکن جوہری اعتبار سے سب کا ایک ہی معنیٰ بنتا ہے کہ کسی چیز کو اس کی اصلیت سے آگے پیچھے کرنا۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا

پھر وسوسہ ڈالا ان دونوں کیلئے شیطان تا کہ وہ ظاہر کرے ان دونوں کیلئے جو کہ چھپائی گئی ان دونوں سے

مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ

سے دونوں کی شرمگاہیں اور کہا نہیں روکا دونوں کو تمہارے رب نے سے یہ

الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝٢٠

درخت مگر یہ کہ نہ دونوں ہو جاؤ فرشتے (دو) یا تم ہو جاؤ سے ہمیشہ رہنے والے

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝٢١

اور اس نے قسم کھائی دونوں کے سامنے بے شک میں تم دونوں کے لیے ضرورت خیر خواہ

''پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا۔ تا کہ ان کے لیے ظاہر کردے جو ان سے چھپائی گئی تھیں یعنی ان کی شرمگاہیں اور کہا تم دونوں کے رب نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا مگر اس لیے کہ کہیں تم دونوں فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ (۲۰) اور اس نے دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تم دونوں کے لیے بلاشبہ خیر خواہوں میں سے ہوں۔'' (۲۱)

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

اسی سورہ کی آیت ۱۸۹ میں ذکر ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا کو آدم علیہ السلام سے ہی پیدا فرمایا۔ یہاں اس بات کا ذکر ہے کہ آدم اور اس کی بیوی کو جنت میں رہنے کا حکم ہوا۔ اور ساتھ یہ بات بتلا دی گئی کہ صرف اس ایک درخت کے سوا باقی ہر چیز کھا سکتے ہو۔ اس کے قریب گئے تو ظالموں میں شمار کیے جاؤ گے۔ لیکن شیطان نے انتقام لینے اور ان کو برہنہ کرنے کے لیے ان کے دل میں وسوسہ پیدا کر کے انہیں باور کرایا کہ تمہیں اس درخت سے محض اس لیے روکا گیا ہے کہیں تم فرشتے بن کر ہمیشہ کے لیے جنت کے باسی نہ بن جاؤ۔ نامعلوم شیطان لعین ان کو پھسلانے کی کتنی مدت کوشش کرتا رہا جب اس نے دیکھا کہ یہ دونوں میرے جال میں نہیں پھنس رہے تو اس نے اللہ کی قسمیں اٹھائیں کہ میں تمھیں دشمنی کی بناء پر نہیں بلکہ خیر خواہی کے جذبہ سے مشورہ دے رہا ہوں کہ تمھیں اس درخت کا ذائقہ ضرور چکھنا چاہیے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام اور ان کی رفیقۂ حیات نے شیطان کی قسموں پر اعتبار کرتے ہوئے اس درخت کا ذائقہ چکھ لیا۔ جونہی انہوں نے درخت کا ذائقہ چکھا تو ان کے لباس اتر گئے اور وہ شرم کے مارے جنت کے پتوں سے اپنی شرم گاہوں کو ڈھانپنے کی کوشش کر رہے تھے اس حالت میں

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا

پھر ان دونوں کو پھسلا دیا دھوکے سے پھر جب چکھا اس درخت کو ظاہر ہوگئیں ان دونوں کیلئے

سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ

ان کی شرمگاہیں اور وہ لگے چپکانے اپنے اوپر سے پتے جنت کے

وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ

اور آواز دی انکو ان کے رب نے کیا نہیں میں نے تمہیں روکا سے تم دونوں کو اس درخت اور میں نے فرمایا

لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٢٢﴾

تم دونوں کو یقیناً شیطان تم دونوں کا دشمن کھلا

''پس اس نے دونوں کو دھوکے سے پھسلا دیا جب دونوں نے اس درخت کو چکھا تو ان کے لیے ان کی شرمگاہیں ظاہر ہوگئیں اور دونوں جنت کے پتے اپنے آپ پر چپکانے لگے اور ان دونوں کو ان کے رب نے آواز دی کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور تم دونوں سے نہ فرمایا تھا کہ بے شک شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے۔'' (۲۲)

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو آواز دی کیا میں نے تمہیں اس سے پہلے منع نہیں کیا تھا کہ تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا اور میں نے یہ بھی تمہیں سمجھایا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے اس سے بچ کر رہنا لیکن تم نے وہ کیا جس سے تمہیں روکا گیا تھا۔

''وسوسہ'' کا معنیٰ ہے کہ کسی کے دل میں برا خیال ڈالنا یا اس کے کان میں سرگوشی کے انداز میں بری بات کہنا بعض مفسر یہاں اس الجھن کا شکار ہوئے ہیں کہ شیطان کو جنت میں جانے کی اجازت نہ تھی تو پھر اس نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کے دل میں کس طرح وسوسہ ڈالا۔ اس الجھن سے نکلنے کے لیے اسرائیلی روایات کا سہارا لیتے ہوئے کہا کہ شیطان سانپ کی شکل میں جنت میں داخل ہوا۔ کچھ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت کے دروازے کے قریب آئے تو شیطان ان کو ورغلانے میں کامیاب ہوا یہ تفسیر لکھنے والے اگر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے تو انہیں ان مضحکہ خیز تاویلات کی ضرورت پیش نہ آتی۔ شیطان کی قوت و حرکت کا تذکرہ کرتے ہوئے نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان دور کھڑا ہو کر بھی انسان پر اثر انداز ہوتا ہے اور کبھی خون کی گردش کی طرح انسان کے جسم میں سرایت کر جاتا ہے۔ جہاں تک دور کھڑے ہو کر اثر انداز ہونے کا تعلق ہے ٹی وی کے فحش پروگرام اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ بعض اہل علم نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ آدم علیہ السلام تو مسجود ملائکہ ہونے کی وجہ سے افضل المقام تھے پھر انہیں فرشتہ یا اس کا ہم پلہ ہونے کا کس طرح خیال آیا؟ اس کے ساتھ ہی وہ اس بات پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کو

جنت میں رہنے کا حکم دیا تھا تو پھر انہیں کس طرح خدشہ پیدا ہوا کہ وہ یہاں سے نکال دیے جائیں گے؟ مذکورہ بالا خیالات کی توجیہ کے لیے بھی کئی راستے نکالے گئے ہیں۔ شاید کچھ مفسرین نے قرآن کے الفاظ پر غور نہیں فرمایا ورنہ قرآن مجید نے اسی مقام پر لفظ ''غرور'' استعمال کر کے اس الجھن کو دور کر دیا ہے ''غرر'' کا معنیٰ ہے حقیقت کے خلاف کوئی چیز پیش کرنا یا حقیقت کے خلاف مغالطہ دینا۔

غرر کا مقصد ہی دوسرے کی عقل وفہم پر پردہ ڈالنا ہوتا ہے۔ اس لیے شیطان بار بار اللہ تعالیٰ کی قسمیں اٹھانے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو دھوکا دینے میں کامیاب ہوا کیونکہ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کے نام کی یہ پہلی قسم تھی جس کی وجہ سے وہ دھوکا کھا گئے آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ شیطان اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم بھی اٹھا سکتا ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ رَجُلٌ عَلٰى فَضْلِ مَاءٍ بِطَرِيقٍ يَمْنَعُ مِنْهُ ابْنَ السَّبِيلِ وَرَجُلٌ بَايَعَ رَجُلًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِلدُّنْيَا فَإِنْ أَعْطَاهُ مَا يُرِيدُ وَفٰى لَهُ وَإِلَّا لَمْ يَفِ لَهُ وَرَجُلٌ سَاوَمَ رَجُلًا بِسِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَحَلَفَ بِاللّٰهِ لَقَدْ أُعْطٰى بِهَا كَذَا وَكَذَا فَأَخَذَهَا))[رواه البخاری : كتاب الأحكام ، باب من بايع رجلا لا يبايعه إلا للدنيا]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ بات کریں گے نہ ان کو گناہوں سے پاک کریں گے ان کے لیے دردناک عذاب ہے...... ایسا آدمی جو دوسرے شخص کو سودا عصر کے بعد اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر فروخت کرے کہ وہ اسے فلاں قیمت پر ملا ہے تو لینے والا اس کی تصدیق کرتے ہوئے اس سے لے لے حالانکہ بیچنے والے نے وہ چیز اس قیمت پر نہیں خریدی۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ رَفَعَهُ إِلٰى حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا أَوْ قَالَ حَتّٰى يَتَفَرَّقَا فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا وَإِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا)) [رواه البخاری: كتاب البيوع ، باب إذا بين البيعان ولم يكتما]

''عبداللہ بن حارث حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے پاس گئے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرید وفروخت کرنے والوں کو اختیار ہے جب تک وہ علیحدہ نہ ہو جائیں یا فرمایا یہاں تک کہ وہ علیحدہ ہو جائیں تو اگر وہ دونوں سچے ہوں گے اور چیز کے نقص کی وضاحت کریں گے تو ان کے لیے اس سودے میں برکت ڈال دی جائے گی، اگر وہ چھپائیں اور جھوٹ بولیں گے تو ان کے سودے سے برکت ختم کر دی جائے گی۔''

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتۃ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا

دونوں نے کہا ہمارے رب ہم نے ظلم کیا ہمارے نفس اوراگر نہ تو نے ہمیں بخشا اورتو نے رحم نہ کیا

لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ

ہم ضرور ہوجائیں گے سے نقصان پانے والے فرمایا تم اترو بعض تمھارا بعض کیلئے

عَدُوٌّ ج وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ

دشمن اورتمہارے لیے میں زمین ٹھہرنا ہے اورفائدہ تک ایک وقت فرمایا

فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۲ ع ۱۵ ۹

اس میں تم زندہ رہو گے اور اس میں تم مرو گے اوراسی سے تم نکالے جاؤ گے

’’دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پرظلم کیا اوراگرتو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا یقیناً ہم خسارہ پانے والوں سے ہوجائیں گے۔(۲۳) فرمایا اتر جاؤ تم میں سے بعض بعض کا دشمن ہے اورتمہارے لیے زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اورفائدہ ہے۔(۲۴) فرمایا تم اسی میں زندگی گزارو گے اوراسی میں مرو گے اوراسی سے نکالے جاؤ گے۔‘‘(۲۵)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ اللہ تعالیٰ کا آدم علیہ السلام کوان کی غلطی پرتوجہ دلانا اورآدم علیہ السلام اورحضرت حوّا کا اللہ کے حضور معذرت کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے جونہی آدم علیہ السلام اوران کی بیوی سے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت کے قریب نہ جانے اور شیطان کی دشمنی سے آگاہ نہیں کیا تھا؟ یہ فرمان سنتے ہی دونوں نہایت عاجزی اورشرمساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضوران الفاظ میں معافی مانگنے لگے اے ہمارے رب! اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے اپنے آپ پرہی ظلم کیا ہے۔ اگرتو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم نقصان پانے والوں میں ہوں گے۔ آخرت کا خسارہ واضح ہے دنیا کی زندگی میں نقصان یہ ہے کہ تو نے ہمیں عزت وعظمت سے نوازا لیکن ہم اپنی غلطی کی وجہ سے یہ مقام کھو چکے ہیں۔ اس سے پہلی آیت میں ’’دلّٰی‘‘ کا لفظ آیا ہے جس کا معنیٰ ہے اوپر سے نیچے آنا یہ گراوٹ روحانی بھی ہوسکتی ہے اورمکانی بھی۔ یہاں دونوں قسم کا تنزل پایا جاتا ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۳۲ تا ۳۷ کی تفسیر میں ہم نے عرض کیا ہے کہ اس مقام پرتینوں قسم کی مخلوق کی فطرت کا فرق نمایاں ہوتا ہے۔ ملائکہ نے معمولی لغزش پرلفظ ’’سبحان‘‘ کے ساتھ معذرت کی انہیں اسی طرح ہی قرب الٰہی حاصل رہا۔ شیطان اپنے گناہ پرمصر رہا تو ہمیشہ کے لیے راندۂ درگاہ اورلعنتی قرار پایا۔ آدم علیہ السلام اپنی خطا پرمعذرت خواہ ہوئے تو ان کی معذرت قبول کرلی گئی تاہم یہ حکم ہوا تم سب کے سب زمین پراتر جاؤ کیونکہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ زمین تمہارے لیے عارضی طور پرجائے

قرار اور ایک معین مدت تک زیست کا سامان ہے ہاں یاد رکھو کہ اب تمہیں زمین میں جینا اور مرنا ہے اور اسی سے ہی محشر کے دن اٹھایا جانا ہے۔ آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارتے وقت کہا گیا تھا کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو یہاں ایک دوسرے کا دشمن ہونے سے مراد پہلا دشمن شیطان ہے جو انسان کا ابدی اور ازلی دشمن ہے جس کی دشمنی میں کوئی شک نہیں۔ جس نے دشمن پر بھروسہ کیا وہ مارا گیا اور بسا اوقات میاں بیوی بھی آپس میں دشمن اور ایک دوسرے کے مخالف ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اولاد بھی ماں باپ کی مخالف اور دشمن بن جایا کرتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی فطرت کا تذکرہ کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ))

[رواه الترمذی: کتاب صفة القیامة]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم خطا کرنے والا ہے اور خطا کاروں میں اچھے وہ ہوتے ہیں جو توبہ کرتے ہیں۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَقُولُ فِي سُجُودِهِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي كُلَّهُ دِقَّهُ وَجِلَّهُ وَأَوَّلَهُ وَآخِرَهُ وَعَلَانِيَتَهُ وَسِرَّهُ))[رواه مسلم : کتاب الصلاة]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سجدوں میں پڑھا کرتے تھے اے اللہ میرے چھوٹے اور بڑے پہلے اور بعد والے، علانیہ اور پوشیدہ کیے تمام کے تمام گناہ معاف فرمادے۔''

تفسیر بالقرآن

اللہ رحم کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ غفور ہے۔ (الحجر:۴۹)

۲۔ اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے۔ (الفاتحۃ:۲)

۳۔ اللہ ہی بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ (الشوریٰ:۲۵)

۴۔ اللہ بخشنے اور رحمت کرنے والا ہے۔ (الکہف:۵۸)

۵۔ اللہ کی رحمت ہر چیز سے وسیع ہے۔ (الاعراف:۱۵۶)

۶۔ کشتیوں کا غرق ہونے سے بچنا اللہ کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ (یٰس:۴۳)

۷۔ اللہ کی رحمت سے گمراہ ہی مایوس ہوتے ہیں۔ (الحجر:۵۶)

۸۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ (الزمر:۵۳)

۹۔ اللہ تعالیٰ کی مومنوں پر خاص رحمت ہوتی ہے۔ (الاحزاب:۴۳)

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ

اے بنی آدم | تحقیق | ہم نے اتارا | تم پر | لباس | وہ چھپاتا ہے | تمہاری شرمگاہیں

وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ

اورخوبصورتی | اورلباس پرہیزگاری کا | وہ | بہتر ہے | وہ | سے | نشانیاں

اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٢٦﴾

اللہ | تاکہ وہ | نصیحت حاصل کریں

''اے آدم کی اولاد! ہم نے تم پرلباس اتارا ہے جوتمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا ہے اور زینت بھی ہے اور تقویٰ کا لباس سب سے بہتر ہے یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔''(٢٦)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔شجرِ ممنوعہ کو چکھنے کی وجہ سے آدم علیہ السلام اوران کی رفیقۂ حیات کا لباس اتر گیا جس کی وجہ سے شرم کے مارے جنت کے پتوں سے اپنے آپ کو ڈھانپ رہے تھے۔اس لیے مناسب سمجھا کہ لباس کی افادیت کا بیان کردیا جائے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام سے خطا سرزد ہونے کی وجہ سے ان کا لباس اتر گیا جس کی بناء پر اولادِ آدم کو لباس پہننے اور گناہوں سے بچنے کا حکم دے کر فرمایا ہے کہ لباس پہننے اور گناہوں سے پرہیزگاری اختیار کرنے میں تمہاری خیر ہے یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جس سے نصیحت حاصل کرو۔خیر سے مراد ظاہری کثافت، یا موسم کی حدّت وبرودت سے بچاؤ اور بے حیائی سے بچنا ہے۔لباس کی فرضیت کے لیے انزلنا اور اسے آیت اللہ قرار دیا ہے۔جس لباس سے انسان کی حیا، عفت اور عزت ووقار پامال ہووہ نہیں پہننا چاہیے لباس کو ظاہری زینت اور شرافت نفس کا ضامن قرار دے کر اس کی اہمیت وفرضیت کو انزلنا کے ساتھ بیان فرمایا کہ ہم نے تمہارے لیے لباس اتارا۔لفظ انزلنا میں لباس کی فرضیت کے ساتھ یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی اون، روئی اور چمڑا پیدا کرنے کے ساتھ تمہیں لباس سینے اور پہننے کا سلیقہ سمجھایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لباس کی ضرورت واہمیت بیان کرتے ہوئے صرف مسلمان یا کسی خاص قبیلے اور قوم کو ہی مخاطب نہیں فرمایا بلکہ لباس کی مقصدیت اجاگر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ لباس آدمی کی زینت اور ستر پوشی کا مظہر ہے۔

﴿يَا بَنِيْٓ آدم قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِي سَوْءَاتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَى ذَٰلِكَ خَيْرٌ﴾

[الأعراف:٢٦]

''اے آدم کی اولاد! ہم نے تمھارے لیے لباس نازل کیا جو تمھارے جسموں کو ڈھانپنے کے ساتھ تمھارے وجود کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ ہے۔ بہترین لباس پرہیز گاری کا لباس ہے۔''

ریش:

ریش پرندے کے پروں کو بھی کہا جاتا ہے جو اس کا لباس ہونے کے ساتھ ساتھ حسن و زیبائی کا باعث اور پھر اس کی اڑان اور پروان کا ذریعہ بھی ہیں۔ انسان کیونکہ پوری مخلوق میں ظاہری اور معنوی اعتبار سے خوبصورت ترین پیدا کیا گیا ہے۔''

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ [التين: ٤]

''بلا شبہ ہم نے انسان کو بہترین انداز میں تخلیق کیا ہے۔''

اس لیے ضروری ہے کہ وہ ایسا لباس زیب تن کرے جو وضع قطع اور رنگ و ڈیزائن کے اعتبار سے اس کی قد و قامت نکھار و سنوار میں اضافہ کرے۔ لباس کا دوسرا مقصد تقویٰ قرار پایا۔ یہاں تقویٰ کے دونوں معنی لینے چاہییں۔ ظاہری کثافت و نجاست اور موسموں کی حدت و برودت، ہوا اور فضا کے بُرے اثرات سے اپنے آپ کو بچانا اسی کے باعث آپ ﷺ ہمیشہ موسم کے مطابق لباس زیب تن فرماتے۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ گرمیوں میں آپ کھلا کرتا پہنتے۔ آپ ﷺ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تو بسا اوقات سامنے بیٹھا ہوا آدمی آپ ﷺ کی آستینوں سے بغلوں کے قریب بازوؤں کی سفیدی دیکھ لیتا تھا۔

((وَانَّهُ يَرفَعُ حَتّٰى يُرىٰ بَيَاضُ اِبطَيهِ)) [مشكوٰة: كتاب الاستسقاء]

''آپ ﷺ نے اس قدر ہاتھ بلند کیے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔''

اور اسی طرح آپ ﷺ سردیوں میں نسبتاً چست لباس استعمال فرماتے۔ آپ ﷺ ایک دفعہ وضو کرنے لگے تو کہنیوں کو دھونے کے لیے آستینیں چڑھانا چاہیں، جب اوپر نہ ہو پائیں تو آپ ﷺ کو اچکن اتارنا پڑی۔

((اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَبِسَ جُبَّةً رُومِيَةً ضَيِّقَةَ الْكُمَّيْنِ)) [رواه البخاری ومسلم: كتاب اللباس]

''بلا شبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رومی جبہ پہنا جس کی آستینیں تنگ تھیں۔''

لباس کا دوسرا مقصد شرم و حیا کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھنا ہے۔ قرآن کریم اس کو تقویٰ سے تعبیر کرتا ہے۔ اگر لباس موسم کے مطابق نہیں تو صحت کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے اور اگر شریعت کے تقاضے پورے نہیں کرتا تو حیا کے رخصت ہونے کا خدشہ ہے۔ اسی بنا پر خاص کر عورت کو شرم و حیا کی تلقین فرماتے ہوئے پردے کا حکم دیا ہے۔

''جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جب کوئی عورت بے پردہ باہر نکلتی ہے تو شیطان صفت لوگ اس کو اپنی نظروں کا نشانہ بناتے ہیں۔'' [رواه الترمذی:]

اور یہ بھی فرمایا کہ عورتیں زیادہ باریک لباس نہ پہنیں۔ جس سے ان کا جسم نظر آئے۔ لباس پہننے کے باوجود برہنہ دکھائی دینے والی عورتوں پر پھٹکار کے الفاظ استعمال کیے۔

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں (میری بہن) اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سے چہرہ پھیر لیا اور فرمایا کہ اے اسماء! جب عورت جوان ہو جائے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اس کے ہاتھوں اور چہرے کے علاوہ جسم کا کوئی حصہ نظر آئے۔''

[مشکوۃ ، کتاب اللباس]

دوسری روایات میں یہ وضاحت موجود ہے کہ چہرے کا ڈھانپنا نہایت ضروری ہے کیونکہ اگر چہرہ ننگا ہو تو پردے کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔

غرور اور تکبر سے بچیے:

((عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار)) [مشکوۃ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ٹخنوں سے نیچے تہبند رکھے گا اس کے ٹخنوں کو آگ میں جلایا جائے گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملبوسات کے رنگ و ڈیزائن:

((عن سمرۃ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال البسوا الثیاب البیض فانھا اطھر واطیب وکفنوا فیھا موتاکم))

''حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفید کپڑے پہنا کرو کیونکہ یہ زیادہ صاف ستھرے اور نفیس ہوتے ہیں۔ اور اپنے فوت ہونے والوں کو سفید کپڑوں میں کفن دیا کرو۔'' [مشکوۃ: کتاب اللباس]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفید لباس پسند کرنے کے باوجود رنگ دار لباس بھی زیب تن کرتے تھے۔ خصوصاً وفود سے ملاقات کرتے ہوئے گیروے رنگ کا لباس پہنتے۔ بالکل کالا، سبز اور سرخ رنگ کا لباس کبھی بھی استعمال نہیں کیا۔ مخصوص لباس اور ہمیشہ ایک ہی رنگ اختیار کیے رکھنا نیکی کی نمائش اور جاہل صوفیا کا طریقہ ہے۔ احادیث کی مقدس دستاویزات میں کالے یا سرخ رنگ کے لباس کے جو اشارات ملتے ہیں اس سے مراد سرخی یا سیاہی مائل کپڑے ہیں۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بالکل سیاہ، سبز اور سرخ لباس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پہنا۔ حدیث میں ایسے رنگوں سے مراد ان رنگوں کا غالب ہونا ہے۔ البتہ دستار مبارک اور سردیوں میں اوپر لینے والی چادر خالص کالے رنگ کی استعمال فرمائی۔

((عن عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر وعلیہ عمامۃ سوداء))

''حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر تشریف فرما دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ پگڑی سجائے ہوئے تھے۔'' [مشکوۃ کتاب اللباس]

وضع قطع کے اعتبار سے چند معمولی تبدیلیوں کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی لباس استعمال فرمایا جو اس زمانے

میں لوگ پہنا کرتے تھے۔اس دور میں لوگ اکثر قمیص کے ساتھ تہبند اور سر پر دستار سجایا کرتے تھے۔یہی بڑے اور معزز لوگوں کا لباس ہوا کرتا تھا۔البتہ معاشرے میں پاجامہ اور شلوار بھی لوگوں کے زیر استعمال تھی۔یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس بات کی طرف اشارے دیے ہیں کہ نبی محترم ﷺ شلوار بھی پہنا کرتے تھے۔جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شلوار یا پاجامہ اور سروں پر ٹوپیاں پہننے کے تو کافی ثبوت موجود ہیں۔

((عَن سَھل بن مُعاذ بن أنس عن أبیہ أنَّ رسُول اللّٰہ ﷺ قال من أکل طعاما ثُمّ قال الحمد للّٰہ الّذی أطعمنی ھذا الطّعام ورزقنیہ من غیر حول منّی ولا قُوّۃ غُفر لہٗ ما تقدّم من ذنبہ وما تأخر قال ومن لبس ثوبا فقَال الحَمدُ للّٰہ الّذی کسانی ھذا الثّوب ورزقنیہ من غیر حول منّی ولا قُوّۃ غُفر لہٗ ما تقدّم من ذنبہ وما تأخّر)) [رواہ ابو داؤد: کتاب اللباس]

''حضرت سہل بن معاذ بن انس اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں بلاشبہ رسول مکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص کھانا کھائے تو کہے تمام تعریفات اس اللہ کے لیے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور مجھے بغیر مشقت کے عنایت فرمایا تو اس کے تمام اگلے اور پچھلے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔جو کوئی کپڑا پہنے تو کہے تمام تعریفات اس اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے یہ کپڑا پہنایا اور مجھے بغیر کسی مشقت کے عنایت فرمایا تو اس کے اگلے اور پچھلے تمام گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے لباس اس لیے نازل فرمایا تاکہ لوگ اس کے ساتھ جسم اور اپنی شرافت کی حفاظت کریں۔

۲۔ لباس پہننے میں ہی بہتری ہے بشرطیکہ انسان اس کی حقیقت سمجھ جائیں۔

۳۔ لباس پہننے کا مقصد زینت اور تقویٰ کا حصول ہے

تفسیر بالقرآن

نصیحت حاصل کرو:

۱۔ ہم نے قرآن مجید کو واضح کردیا تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔(بنی اسرائیل:۴۱)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آلِ فرعون کو مختلف عذابوں سے دوچار کیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔(الاعراف:۱۳۰)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نصیحت کے لیے نازل فرمایا۔(ص:۲۹)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے جوڑے (نرومادہ) بنادیے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔(الذاریات:۴۹)

۵۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔(الزمر:۲۷)

۶۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔(البقرۃ:۲۲۱)

۷۔ صاحب عقل و دانش ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔(الزمر:۹)

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ | لَا يَفْتِنَنَّكُمُ | الشَّيْطٰنُ | كَمَآ | اَخْرَجَ | اَبَوَيْكُمْ
اے بنی آدم | نہ تم کوفتنہ میں ڈالے | شیطان | جس طرح | اس نے نکلوایا | تمہارے ماں باپ

مِّنَ الْجَنَّةِ | يَنْزِعُ | عَنْهُمَا | لِبَاسَهُمَا | لِيُرِيَهُمَا | سَوْاٰتِهِمَا ؕ | اِنَّهٗ
سے جنت | اس نے اتروایا | ان دونوں سے | ان کا لباس | تا کہ ان کو دکھا دے | انکی شرمگاہیں | یقیناً وہ

يَرٰىكُمْ | هُوَ وَقَبِيْلُهٗ | مِنْ | حَيْثُ | لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ | اِنَّا | جَعَلْنَا
تمہیں دیکھتا ہے | وہ اور اس کا قبیلہ | سے | جہاں | تم انکونہیں دیکھ سکتے | یقیناً ہم | ہم نے بنا دیا

الشَّيٰطِيْنَ | اَوْلِيَآءَ | لِلَّذِيْنَ | لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ | وَاِذَا | فَعَلُوْا | فَاحِشَةً
شیطانوں کو | دوست (جمع) | ان لوگوں کیلیے | ایمان نہیں لاتے | اور جب | وہ کرتے ہیں | کوئی بے حیائی

قَالُوْا | وَجَدْنَا | عَلَيْهَآ | اٰبَآءَنَا | وَاللّٰهُ | اَمَرَنَا | بِهَا ؕ
کہتے ہیں | ہم نے پایا | اس پر | اپنے باپ دادا کو | اور اللہ | اس نے ہمیں حکم دیا ہے | اس کا

قُلْ | اِنَّ اللّٰهَ | لَا يَاْمُرُ | بِالْفَحْشَآءِ ؕ | اَتَقُوْلُوْنَ | عَلَى اللّٰهِ | مَا لَا
فرما | بیشک اللہ | نہیں حکم دیتا | بے حیائی کا | کیا تم کہتے ہو | پر اللہ | جو نہیں

تَعْلَمُوْنَ ۝
تم جانتے

"اے آدم کی اولاد! کہیں شیطان تمہیں فتنے میں نہ ڈال دے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا دونوں سے ان کے لباس اتروا دیے تا کہ دونوں کو ان کی شرمگاہیں دکھائے بے شک وہ اور اس کا قبیلہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھتے۔ بے شک ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ (۲۷) اور جب وہ کوئی بے حیائی کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادا کو اس پر پایا اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے فرما دیں بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا کیا تم اللہ کے بارے میں وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔" (۲۸)

فہم القرآن

ربط کلام: لباس کا حکم دینے کے بعد بنی آدم کو شیطان سے بچنے کا حکم تا کہ جسمانی حفاظت کے ساتھ اس کا کردار بھی سلامت رہے۔

بنی نوع انسان کو لباس پہننے کا حکم دے کر لباس کو پرہیزگاری اور ہر قسم کی خرافات [illegible] آدمی شریعت کے مطابق

لباس کا اہتمام کر کے ظاہری و باطنی گناہوں سے تبھی بچ سکتا ہے جب شیطان کو اپنا دشمن جان کر اس کی شرارت، سازش اور فتنہ انگیزیوں سے بچنے کی کوشش کرے۔ اس احساس کو بیدار کرنے اور انسان کی غیرت کو ابھارنے کے لیے یہ کہہ کر غیرت دلائی گئی ہے کہ تمہیں شیطان سے بچنے کا اس لیے بھی حکم دیا جاتا ہے کہ یہ تمہارا ایسا دشمن ہے کہ جس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے برہنہ کر کے نکلوایا تھا یہ تمہارا ایسا دشمن ہے کہ وہ اور اس کے چیلے چانٹے تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ شیطان اور اس کی اولاد جنّات میں سے ہیں اور جنّات کو اللہ تعالیٰ نے ایسی آگ سے بنایا ہے جو ہمیں نظر نہیں آتی اور پھر شیطان کو یہ قوت بھی دی کہ وہ کئی روپ بدل کر انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ اس لیے فرمایا وہ اور اس کی اولاد تمہیں دیکھتی ہے جبکہ تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ شیطان اور اس کی دشمنی انسان کے لیے انتہائی خطرناک ہے آدمی اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن کے ساتھ آمنے سامنے کچھ نہ کچھ مقابلہ کر سکتا ہے لیکن ایسا دشمن جو ان دیکھے وار کرے اس کا مقابلہ کرنا انتہائی مشکل ہوتا ہے اس آیت میں صرف شیطان کو آدمی کا دشمن قرار نہیں دیا گیا بلکہ شیطان کا ایک ایک روحانی اور جسمانی فرزند آدمیت کا دشمن ہے۔ یاد رہے قرآن مجید کی آخری سورۃ الناس میں جنات کے ساتھ بعض انسانوں کو بھی شیطان قرار دیا ہے۔ شیطان تو انسان کے دل میں صرف برائی کی طاقت اور خیال پیدا کرتا ہے جبکہ انسان کے روپ میں جو شیطان ہوتے ہیں وہ عورت کی شکل میں عورتوں کو اور مرد کی صورت میں مردوں کو الگ الگ اور مرد وزن کے اختلاط سے بے حیائی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی دعوت دیتے ہیں۔ جس کا مظاہرہ تفریح کے نام پر ٹی وی، کیبل ڈراموں، آرٹ کونسلوں اور مختلف قسم کی سماجی تقریبات میں سامنے آتا ہے۔ سب سے پہلے شیطان انسان کے اندر جسمانی اور اخلاقی بے حیائی پیدا کرتا ہے۔ جب کسی انسان اور معاشرہ میں بے حیائی پیدا ہو جائے تو اس سے ہر گناہ اور جرم کی توقع کی جاسکتی ہے ایسے لوگوں کو سمجھایا جائے تو وہ اسے اپنے بڑوں کی روایت اور معاشرے کا کلچر قرار دیتے ہیں۔ جب انہیں مزید توجہ دلائی جائے تو وہ یہاں تک کہہ گزرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ کام ناپسند ہوتا تو لوگ اس طرح اپنی خوشیوں کا اظہار نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کوئی پتہ حرکت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس کی مرضی اور منشاء کے مطابق کرتے ہیں۔ اے رسول ﷺ! انہیں بتلائیں اور سمجھائیں کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کو ہرگز پسند نہیں کرتا اور نہ بے حیائی کو اپنانے اور پھیلانے کا حکم دیتا ہے۔ شیطان کے دوستوں کا اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں ہوتا۔ جس کی بناء پر وہ ایسی باتیں کہتے اور حرکات کرتے ہیں۔ اللہ اپنے بندوں کو ہر قسم کی بے حیائی سے روکتا ہے اللہ تعالیٰ کے نام بے حیائی کی نسبت کرنا پرلے درجے کی جہالت ہے جو ایمان سے تہی دامن شخص ہی کر سکتا ہے بے حیا لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ بات کرتے ہیں جس کا علم و دانش اور شرم و حیا کے ساتھ دور کا واسطہ نہیں ہوتا۔

((عَنْ عُقْبَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ))

[رواہ البخاری: کتاب احادیث الأنبیاء، باب حدیث الغار]

''حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ لوگوں نے نبوت کے کلام سے جو چیز حاصل کی اس میں یہ ہے کہ جب تجھ میں شرم وحیاء نہ رہے تو پھر جو مرضی کرتا رہ۔''

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَتِ الْمَرْأَةُ تَطُوفُ بِالْبَيْتِ وَهِيَ عُرْيَانَةٌ فَتَقُولُ مَنْ يُعِيرُنِي تِطْوَافًا تَجْعَلُهُ عَلَى فَرْجِهَا وَتَقُولُ الْيَوْمَ يَبْدُو بَعْضُهُ أَوْ كُلُّهُ فَمَا بَدَا مِنْهُ فَلَا أُحِلُّهُ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ **خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ**))[رواہ مسلم: کتاب التفسیر، باب قول اللہ تعالیٰ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں عورت برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتی اور کہتی کوئی ہے جو مجھے عاریتاً کپڑا دے اور میں اس سے شرم گاہ ڈھانپ لوں۔ پھر کہتی آج یا تو کچھ شرم گاہ کھلی رہے گی یا پوری کھلی رہے گی بہر حال جتنی بھی کھلی رہے گی اسے کسی پر حلال نہیں کروں گی۔ آیت ﴿ **خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ** ﴾ اسی بارے میں نازل ہوئی''

مسائل

۱۔ انسان شیطان کو اس لیے بھی اپنا دشمن سمجھے کیونکہ وہ ہمارے ماں باپ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا کے ساتھ دشمنی کی تھی۔

۲۔ شیطان اور اس کی اولاد ہم کو دیکھتے ہیں جبکہ ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔

۳۔ شیطان کی کوشش ہے کہ لوگوں کو برہنہ کر دے۔

۴۔ ایمان سے تہی دامن لوگ شیطان کے دوست ہوتے ہیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے ذمہ برائی کی نسبت کرنا پرلے درجے کا گناہ اور گمراہی ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو ہر قسم کی بے حیائی سے منع کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اولیاء الشیطان کی نشانیاں:

۱۔ اولیاء الشیطان اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے۔ (الاعراف: ۲۷)

۲۔ اولیاء الشیطان گمراہی وضلالت کو نہیں چھوڑتے۔ (البقرۃ: ۲۵۷)

۳۔ اولیاء الشیطان اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور دکھلاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ (النساء: ۳۸)

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ قف وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

فرمادیجیے حکم دیا ہے میرا رب انصاف کے ساتھ اور سیدھے کرو اپنے چہرے قریب (وقت) ہر مسجد (نماز) کے

وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۵ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿٢٩﴾

اوراسی کو پکارو خالص کرنے والے اسی کیلئے اطاعت جیسے اس نے تمہیں پیدا کیا تم لوٹو گے

''فرمادیجیے کہ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے اور اپنے چہرے نماز کے وقت سیدھے رکھو اور اس کی خالص اطاعت کرتے ہوئے اس کو پکارو، جیسے اس نے تمہیں پیدا کیا اسی طرح تم دوبارہ پیدا ہو گے۔'' (۲۹)

فہم القرآن

ربط کلام: بعض مشرکین بیت اللہ میں برہنہ طواف کرتے تھے انہیں اس حرکت سے روکا جاتا تو وہ کہتے اس طرح کرنے کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے۔ یہ پرلے درجے کی بے انصافی کی بات ہے۔ اس کی نفی کرنے کے ساتھ یہ وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم دینے کی بجائے حیاداری کا حکم دیتا ہے۔

مشرکین نے برہنہ طواف کرنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رکھا تھا اس کے جواب میں انہیں یہ کہا گیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کا علم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ باطل مذاہب کی شروع سے یہ روش رہی ہے کہ وہ اپنے فرسودہ نظریات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے انہیں دین کا لبادہ پہناتے ہیں تاکہ عوام الناس ثواب سمجھ کر ان رسومات کی پیروی کریں۔ باطل مذہب کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ تضادات کا مجموعہ ہوتا ہے اس میں ہر قسم کی افراط وتفریط پائی جاتی ہے اس کے مقابلہ میں آسمانی دین اعتدال پر قائم ہوتا ہے جس میں کسی قسم کی افراط وتفریط نہیں ہوتی۔ اس لیے یہاں نبی اکرم ﷺ کو حکماً فرمایا جارہا ہے کہ آپ اعلان فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ''القسط'' پر قائم رہنے کا حکم دیا ہے۔ اہل لغت اور مفسرین نے قسط کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے اس سے مراد اللہ کی توحید پر پختگی اختیار کرنا اور ''فکر وعمل میں اعتدال قائم کرنا ہے'' یاد رہے کہ سارے کا سارا دین القسط کے اصول پر قائم ہے۔

سورۃ الرحمان، آیت: ۹ میں ماپ تول میں قسط کا حکم دیا ہے اور سورۃ الحجرات، آیت: ۹ میں ہر معاملے میں قسط یعنی ہر قسم کی افراط وتفریط سے بچ کر عدل وانصاف پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں مسجد سے مراد مفسرین نے سجدہ لیا ہے کیونکہ مسجد عبادت کے لیے ہی بنائی جاتی ہے۔ سجدہ نماز میں انتہائی عاجزی اور انکساری کی علامت ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ پوری کی پوری نماز اور ہر قسم کی عبادت اللہ ہی کے لیے خاص ہونی چاہیے۔ اس بنا پر حقیقتاً مسجد وہی ہوگی جس کی بنیاد تقویٰ اور للّٰھیت پر رکھی گئی ہو۔ سورۃ الجن، آیت: ۱۸ میں یہی ارشاد ہوا ہے کہ مساجد اللہ ہی کے لیے ہونی چاہییں اور اس میں خالص

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیے اسی کی وضاحت کرتے ہوئے مسجد کے ذکر کے بعد حکم دیا ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے دین کے تابع کرتے ہوئے خالص اپنے رب کی عبادت کرو۔ کیونکہ اس نے ہی تمہیں پیدا کیا ہے اور تمہیں اسی کی طرف لوٹایا جانا ہے۔ جس کی یہ بھی تفسیر کی گئی ہے کہ جس طرح انسان ماں کے پیٹ سے ننگا پیدا ہوتا ہے اسی طرح قیامت کے دن لوگ برہنہ اٹھائے جائیں گے۔

((عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ تُحْشَرُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ یَا رَسُولَ اللّٰہِ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ یَنْظُرُ بَعْضُھُمْ إِلٰی بَعْضٍ فَقَالَ الْأَمْرُ أَشَدُّ مِنْ أَنْ یُھِمَّھُمْ ذَاكَ))[رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب کیف الحشر]

''حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا تم ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بغیر ختنے کے جمع کیے جاؤ گے حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! کیا مرد اور عورتیں ایک دوسرے کی طرف نہیں دیکھیں گے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس دن معاملہ اس قدر شدید ہوگا کہ انھیں اس کا خیال بھی نہیں آئے گا۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے ہر معاملہ میں القسط یعنی عدل وانصاف پر قائم رہنے کا حکم دیا ہے۔
٢۔ مسلمان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے دین کے تابع ہونا چاہیے۔
٣۔ عبادت خالص اللہ کے لیے ہی ہونی چاہیے۔
٤۔ انسان ننگے بدن پیدا ہوتا ہے اور قیامت کے دن بھی لوگ ننگے اٹھائے جائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

دین میں اخلاص کی اہمیت:

١۔ نبی اکرم ﷺ کو اخلاص کا حکم۔ (الزمر: ٢، ١١)
٢۔ پوری امت کو اخلاص کا حکم۔ (غافر: ١٤)
٣۔ پہلی امتوں کو بھی اخلاص کا حکم۔ (البینۃ: ٥)
٤۔ مشرکین بھی مشکل کے وقت خالصتاً اللہ تعالیٰ کے پکارتے تھے۔ (یونس: ٢٢)
٥۔ مخلص لوگ شیطان کی چالوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ (الحجر: ٤٠)
٦۔ اللہ کے عذاب سے اخلاص والے بندے محفوظ رہتے ہیں۔ (الصّٰفّٰت: ٧٤)

فَرِيۡقًا هَدٰى وَفَرِيۡقًا حَقَّ عَلَيۡهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا

ایک فریق اس نے ہدایت دی اور ایک گروہ ثابت ہوگئی ان پر ضلالت یقیناً وہ انھوں نے بنالیا

الشَّيٰطِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ۝۳۰

شیطانوں کو دوست (جمع) کے سوا اللہ اور وہ خیال کرتے ہیں یقیناً وہ ہدایت یافتہ ہیں

''ایک گروہ کو اس نے ہدایت دی اور ایک گروہ پر گمراہی ثابت ہو چکی، بے شک انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنالیا اور سمجھتے ہیں کہ وہ یقیناً ہدایت یافتہ ہیں۔'' (۳۰)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو خالص اپنی عبادت کا حکم دیا ہے لیکن اس کے باوجود لوگ اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں جو سراسر گمراہی ہے۔

سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۶، ۲۵۷ میں واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کو گمراہی سے الگ اور ممتاز کر دیا ہے جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان لائے۔ درحقیقت اس نے ایسی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لیا ہے جس کا ٹوٹنا ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان وایقان اور علم کی روشنی کی طرف لاتا ہے۔ کافر اپنے ساتھیوں کو ایمان کی روشنی سے نکال کر کفر وشرک کی تاریکیوں میں دھکیلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایت پر صاحب ایمان لوگ رہنمائی پاتے ہیں اور دوسروں پر گمراہی مسلط ہو جاتی ہے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنے کے بجائے شیطان کو اپنا ساتھی اور خیر خواہ بنایا ہوتا ہے۔ جو انسان کا کھلم کھلا دشمن ہے۔ دشمن کو خیر خواہ سمجھنے والا کبھی خیر نہیں پا سکتا۔ ایسے لوگوں کی بدقسمتی کی انتہا یہ ہے کہ وہ سراسر گمراہ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ہدایت یافتہ تصور کرتے ہیں۔ یہی کچھ شیطان نے کہا تھا کہ میرا موقف ٹھیک ہے کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ اللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى دِينِكَ))

[رواه ابن ماجه: كتاب الدعاء، باب دعاء رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے اے اللہ میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھنا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان لانے والے ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی پاتے ہیں۔

۲۔ شیطان کی سنگت اختیار کرنے والوں پر گمراہی مسلط ہو جاتی ہے۔

۳۔ شیطان کے ساتھی گمراہ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ہدایت یافتہ تصور کرتے ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا

اے بنی | آدم | تم اختیار کرو | اپنی زینت | قریب (وقت) | ہر مسجد (نماز) کے | اور تم کھاؤ

وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۳۱ ع ٣ (ع٦) ١٠

اور پیو | اور نہ | تم اسراف کرو | یقیناً وہ | نہیں پسند کرتا | اسراف کرنے والوں کو

”اے آدم کی اولاد! ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ گزرو، بے شک وہ حد سے گزرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔“ (۳۱)

فہم القرآن

ربط کلام: مکہ کے مشرک بیت اللہ کا برہنہ طواف کرتے تھے اس سے منع کرتے ہوئے تمام انسانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بیت اللہ اور مساجد میں ننگا آنے کی بجائے لباس پہنا کریں۔

مشرک اور بے دین لوگوں کی زمانہ قدیم سے عادت رہی ہے کہ وہ ننگے ہو کر عبادت کرنے کو ترکِ دنیا اور للّٰھیت تصور کرتے ہیں۔ ان میں کچھ لوگ تو سراپا برہنہ ہوتے اور کچھ صرف لنگوٹی کا استعمال کرتے ہیں جس طرح کہ ہندوستان کے سب سے بڑے لیڈر مہاتما گاندھی اکثر لنگوٹی پہنا کرتے تھے اور آج بھی کئی پنڈت اور گوتم بدھ کے ماننے والے اپنی شرم گاہ ڈھانپنے کے سوا ننگا رہنا رہبانیت کا حصہ تصور کرتے ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی مسلمانوں میں صوفی لوگ برہنہ تو نہیں ہوتے تاہم ناقص اور گندا لباس پہننے کو نیکی تصور کرتے ہیں۔ ان کی وجہ سے مزارات پر نیم برہنہ لوگ سرعام پھرتے دکھائی دیتے ہیں اسلام نے نہ صرف تارک الدنیا ہونے کی مذمت کی ہے بلکہ دین اسلام نے بلاشرعی عذر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے فائدہ نہ اٹھانے کو گناہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح وسائل ہونے کے باوجود جو شخص مناسب لباس نہیں پہنتا شریعت نے اسے بھی پسند نہیں کیا۔ کیونکہ جہالت کی بنیاد پر لوگ بیت اللہ اور عبادت گاہوں میں برہنہ آتے تھے اس لیے بالخصوص حکم دیا ہے کہ جب بھی مسجد میں آؤ تو پاک جسم اور اچھا لباس پہنا کرو اس سے پہلے ”القسط“ کا حکم دیا گیا تھا جس کا معنیٰ افراط و تفریط سے بچنا اور ہر معاملہ میں عدل و انصاف اور توازن قائم رکھنا ہے لہٰذا عبادات، ملبوسات، اور کھانے پینے میں بھی اعتدال اور توازن ہونا چاہیے اس لیے ہر قسم کے اسراف سے منع کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ صفت بھی بیان کی ہے وہ خرچ کرتے ہوئے نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ ہی بخل کے مرتکب ہوتے ہیں بلکہ وہ ہمیشہ اعتدال کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ (فرقان: ٦٧)

((عَنْ أَبِی الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِیهِ أَنَّهُ أَتَی النَّبِیَّ ﷺ فِی ثَوْبٍ دُونٍ فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ ﷺ أَلَكَ مَالٌ قَالَ نَعَمْ مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَالَ مِنْ أَیِّ الْمَالِ قَالَ قَدْ آتَانِی اللّٰهُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ وَالْخَیْلِ وَالرَّقِیقِ قَالَ فَإِذَا آتَاكَ اللّٰهُ مَالًا

فَلْيُرَ عَلَيْكَ أَثَرُ نِعْمَةِ اللّٰهِ وَ كَرامته)) [رواه النسائي : كتاب الزينة ، باب الجلاجل]

''حضرت ابو الاحوص اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ بلاشبہ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس بالکل معمولی کپڑوں میں آئے تو انھیں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کیا تمھارے پاس مال ہے انھوں نے کہا ہاں ہر طرح کا مال ہے نبی معظم ﷺ نے پوچھا کون کون سا؟ میرے والد نے کہا اللہ نے اونٹ، بکریاں، گھوڑے، غلام اور لونڈیاں بھی دی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے تمھیں مال دیا ہے تو تم پر اس کی نعمت اور فضل کے آثار بھی دیکھے جانے چاہییں۔''

((عَنْ عُمر بْنَ أَبِي سلمة رضی اللہ عنہ يَقُولُ كُنتُ غُلاما فِي حجرِ رسُول الله ﷺ و كانت يدي تطيش في الصَّحفة فقالَ لِي رسُولُ اللّٰه ﷺ يا غُلامُ سمّ اللّٰه و كُلْ بيمينكَ و كُلْ ممّا يليك فما زالتْ تلكَ طعْمتِي بَعْدُ)) [رواه البخاري، كتاب الأطعمة ، باب التسمية على الطعام]

''حضرت عمر بن ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں رسول معظم ﷺ کے ہاں گود میں بچہ تھا اور میرا ہاتھ کھانے کے دوران برتن میں گھوم رہا تھا مجھے رسول معظم ﷺ نے فرمایا اے بچے کھانا اللہ کے نام سے شروع کرو۔ دائیں ہاتھ اور اپنے آگے سے کھاؤ اس کے بعد میں ہمیشہ کھانا اسی طرح کھاتا ہوں۔''

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رسُول اللّٰه ﷺ قال إذا أَكل أَحدُكُم فليذكُر اسم اللّٰه تعالى فإنْ نسي أنْ يذْكُرَ اسْم اللّٰهِ تَعالى في أوّلِه فَليَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ أوَّلَهُ وَآخِرَهُ))

[رواه ابو داؤد و الترمذي: كتاب الأطعمة ، باب التسمية على الطعام]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے لگے تو بسم اللہ پڑھ لے اگر اللہ کا نام لینا بھول جائے تو اسے چاہیے کہ کہے اللہ کے نام سے ہی ابتدا اور انتہا کرتا ہوں۔''

((عَنْ مِقْدامِ بْنِ مَعْدِي كرب رضی اللہ عنہ قال سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰه ﷺ يَقُولُ ما ملأ آدميٌّ وعاءً شرًّا منْ بطْن بحسْبِ ابْنِ آدمَ أُكُلاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ فإنْ كَانَ لَا مَحالَةَ فثُلُثٌ لِطَعامِهِ و ثُلُثٌ لِشَرابِهِ و ثُلُثٌ لنفسه))

[رواه احمد و الترمذي: كتاب الزهد ، باب ماجاء في كراهية كثرة الأكل]

''حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول معظم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا کسی بھی برتن کا بھرنا آدمی کے پیٹ سے بھرنے سے برا نہیں۔ ابن آدم کی کمر کو سیدھا رکھنے کے لیے چند لقمے کافی ہیں اگر اس طرح گزارہ نہ ہو تو ایک حصہ کھانے، ایک حصہ پینے اور ایک حصہ سانس لینے کے لیے ہونا چاہیے۔''

مسائل

۱۔ مساجد میں آتے ہوئے اچھا لباس پہننا چاہیے۔ ۲۔ رہنے سہنے اور کھانے پینے میں اعتدال ہونا چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اسراف کو ہرگز پسند نہیں کرتا ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ

فرما | کس نے حرام کی | زینت اللہ کی | وہ جو | اس نے پیدا کی | اپنے بندوں | اور پاکیزہ چیزوں

مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ

سے | رزق | فرمادیجیے | یہ | ان لوگوں کے لیے | جو ایمان لائے | میں | زندگی

الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

دنیا | خالص | دن | قیامت | اسی طرح | ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں | آیات

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۳۲

لوگوں کے لیے | جو علم رکھتے ہیں

”آپ فرمادیں کس نے حرام کی اللہ کی زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں؟ فرمادیں یہ چیزیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں بھی ہیں جبکہ قیامت کے دن ان کے لیے مخصوص ہوں گی اسی طرح ہم آیات کو ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتے ہیں جو جانتے ہیں۔“(۳۲)

فہم القرآن

ربط کلام: بنی نوع انسان کو لباس پہننے کا حکم دینے کے ساتھ فرمایا تھا کہ کھاؤ اور پیو مگر اعتدال کے ساتھ۔ اس حکم کے باوجود جو لوگ شریعت کی جائز کردہ زیب وزینت اور حلال چیزوں کو حرام کرتے ہیں انہیں انتباہ کے انداز میں ایک سوال کیا ہے۔

ذرا بتاؤ تو سہی کہ جن چیزوں کو تم مذہب کے نام پر حرام کہتے ہو وہ کس نے تمہارے لیے حرام کی ہیں؟ جبکہ حرام وحلال کا اختیار اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی نہیں دیا پھر کون ہے جو اللہ کی نعمتوں کو اسکے بندوں پر حرام کرے؟

سورۃ التحریم کی پہلی آیت میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے نبی آپ کو حق نہیں ہے کہ آپ اپنی ازواج کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو اپنے لیے حرام قرار دیں۔ اس فرمان سے یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے آخری نبی کو بھی کسی حلال کو حرام کرنے اور حرام کو حلال کرنے کا اختیار نہیں تو دوسرا کون ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی حلال قرار دی ہوئی چیزوں کو حرام کی فہرست میں شامل کرے۔ اس لیے بطور انتباہ ایسے لوگوں سے پوچھا جارہا ہے بتاؤ وہ کون سی ذات ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تم پر حرام قرار دیا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا فرما کر حلال قرار دیا۔ یہاں نعمتوں کے لیے زینت اور طیبات کا لفظ استعمال کیا ہے۔

مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرمایا کرتے تھے کہ زینت سے مراد مرد وزن کا لباس ہے لہٰذا انسان

کے لیے ہر چیز اور سب کے سب لباس جائز ہیں سوائے ان کے جن سے شریعت نے منع کیا ہے جہاں تک عمدہ اور قیمتی لباس کا تعلق ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔کیا عمدہ لباس پہننا تکبر میں شامل ہے؟ آپ نے فرمایا اچھا لباس پہننا تکبر میں شامل نہیں۔اسی طرح خورد ونوش کے بارے میں ہر وہ چیز مسلمان کو کھانے کی اجازت ہے جو پاک ہو اور شریعت نے اسے حلال قرار دیا ہو۔اللہ تعالیٰ اپنے احکام اس لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ لوگ ان سے آگہی حاصل کریں۔یہاں زینت اور طیبات کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ دنیا کی زندگی میں صاحبِ ایمان لوگوں کے لیے ہیں جن سے کفار بھی فائدہ اٹھاتے ہیں البقرۃ کی آیت ۱۲۶ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا ذکر ہے جب انہوں نے بیت اللہ تعمیر کرنے کے بعد اور دعاؤں کے ساتھ یہ بھی دعا کی کہ الٰہی حرم کے رہنے والوں میں ان لوگوں کو رزق عنایت فرما جو تیری ذات اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔جواباً ارشاد ہوا کہ میں ان کو بھی رزق دوں گا جو کفر کریں گے البتہ انہیں آخرت میں جہنم کی آگ میں جھونکا جائے گا۔یہاں اس بات کا کنایۃً ذکر ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ زینت اور طیبات کے حقدار حقیقتاً اس کے تابع فرمان بندے ہیں۔لیکن دنیا آزمائش گاہ بنائی گئی ہے اس سے کافر بھی فائدہ اٹھائیں گے۔اس لیے عمومی طور پر یہی نظر آتا ہے کہ مومنوں کے بجائے دنیا کے اسباب ووسائل۔اللہ کے باغیوں کے ہاں زیادہ پائے جاتے ہیں

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ کِبْرٍ قَالَ رَجُلٌ إِنَّ الرَّجُلَ یُحِبُّ أَنْ یَکُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَنَعْلُهٗ حَسَنَةً قَالَ إِنَّ اللّٰهَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ الْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ))[رواه مسلم : كتاب الايمان، باب تحريم الكبر]

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ایک آدمی نے کہا بلاشبہ بندہ یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اور جوتے اچھے ہوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے جبکہ تکبر حق کو جھٹلانا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی جائز کردہ زینت اور اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کو کھانا اور استعمال کرنا چاہیے۔

۲۔ دنیا کی نعمتوں سے کافر بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

۳۔ آخرت کی نعمتیں کفار کے بجائے سب کی سب مومنوں کے لیے ہوں گی۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام اس لیے نازل فرمائے ہیں تاکہ لوگ ان کا علم حاصل کریں اور ان پر عمل بھی کریں۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا

فرمادیجیے یقیناً حرام کیا ہے میرا رب بے حیائی (جمع) جوظاہر ہے اس سے

وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ

اور جو پوشیدہ ہے اور گناہ اور ظلم بغیر حق کے اور یہ کہ تم شریک ٹھہراؤ اللہ کیساتھ

مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ

اس چیز کو نہیں اتاری اس کے ساتھ کوئی دلیل اور یہ کہ تم کہو پر اللہ

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

جو نہیں تم جانتے

''فرمادیں میرے رب نے تو صرف بے حیائیوں کو حرام کیا ہے جو ان میں سے ظاہر ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں۔ گناہ اور ناحق زیادتی کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ اسے شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور یہ کہ تم اللہ کے ذمے وہ بات لگاؤ جو تم نہیں جانتے۔'' (۳۳)

فہم القرآن

ربط کلام: پہلے منکرین حق سے سوال کیا تھا کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے حلال قرار دیا ہے بتاؤ ان کو کس نے حرام کیا ہے؟ اب ایک خاص انداز میں جواب دیتے ہوئے یہ بتلایا گیا ہے کہ جو چیزیں تم نے از خود اپنے آپ حرام کی ہیں اللہ تعالیٰ نے وہ چیزیں حرام نہیں کیں بلکہ یہ چیزیں حرام قرار دی ہیں۔

۱۔ بے حیائی خفیہ ہو یا اعلانیہ۔

۲۔ گناہ چھوٹا ہو یا بڑا۔

۳۔ ہر قسم کی تعدّی اور سرکشی۔

۴۔ اللہ کی ذات اور اس کی صفات میں کسی کو شریک کرنا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے ذمے وہ بات لگانا جس کا قرآن وسنت میں ثبوت نہ ہو۔

فواحش، فاحشۃ کی جمع ہے جسے کلی طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حرام اور ناجائز قرار دیا ہے۔ بے حیائی سرعام کی جائے، یا چھپ کر کی جائے وہ ہر صورت اور ہر حالت میں ناجائز اور حرام ہے۔ اکثر مفسرین نے فواحش سے مراد بے حیائی اثم سے مراد شراب خوری لی ہے کیونکہ سورۃ بنی اسرائیل آیت ۳۲ میں زنا کو بے حیائی قرار دیا ہے۔ اثم کا معنیٰ بعض مفسرین نے

شراب لیا ہے اس لیے کہ سورۃ البقرۃ، آیت ۲۱۹ میں شراب اور جوا کو اثم کہا ہے تاہم اس تفسیر کے باوجود فواحش سے مراد یہاں ہر قسم کی بدکاری اور بے حیائی ہے چاہے عملاً ہو یا پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے پھیلائی جا رہی ہو جس سے مسلمانوں کے اخلاق تباہ اور ان کی دینی اور ایمانی قدریں کمزور ہوتی ہوں اس قسم کی تمام حرکات بے حیائی تصور کی جائیں گی۔ اثم کی تشریح کرتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اثم اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے جو تیز رفتار چل سکتی ہو مگر اس کے باوجود وہ جان بوجھ کر سست روی کا مظاہرہ کرے یعنی انسان نیکی کرنے کی استعداد اور طاقت رکھتا ہو مگر پھر بھی نیکی کرنے میں سستی اور غفلت کا مظاہرہ کرے اس لحاظ سے اثم یعنی گناہ کا دائرہ بڑا وسیع ہو جاتا ہے شاید اسی بنیاد پر نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کیا کرتے تھے۔

((اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ)) [رواه البخاري: باب التَّعَوُّذِ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ]

''الٰہی میں تجھ سے سستی اور غفلت سے پناہ مانگتا ہوں۔''

البغی کا معنیٰ تعدی اور سرکشی اختیار کرنا جس سے مراد اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ اخلاقی اور ایمانی حدود سے تجاوز کرنا ہے اس لیے یہاں **اَلْبَغْیُ بِغَیْرِ الْحَقِّ** کے الفاظ فرمائے ہیں۔ جس کا مفہوم یہ نہیں کہ کسی شخص کو اللہ اور اس کے رسول کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے کا حق ہے بلکہ **بِغَیْرِ الْحَقِّ** کے الفاظ سے یہ تاکید کی جا رہی ہے کہ کسی انسان کو بھی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور سرکشی کرے بعض اہل علم نے البغی سے مراد ایسا گناہ لیا ہے جس میں گناہ کرنے والا دوسرے پر زیادتی کا بھی ارتکاب کرے جیسے قتل، چوری، زنا بالجبر وغیرہ۔

شرک:

سورۂ لقمان آیت ۱۳ میں شرک کو ظلم عظیم قرار دیا گیا ہے شرک اس لیے ظلم عظیم ہے کہ مشرک جن صفات کو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کے ساتھ منسوب کرتا اور سمجھتا ہے وہ صفات اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی شخص زندہ ہو یا فوت ہو چکا ہو۔ اس میں نہیں پائی جاتیں۔ اور نہ ہی شرک کی تائید میں کوئی معقول دلیل پیش کی جا سکتی ہے بشرطیکہ کسی کی عقل ماؤف نہ ہو چکی ہو۔ ہر زمانے کے مشرک شرک کی حمایت میں جو دلیلیں دیتے ہیں وہ عقل اور علم کے معیار پر پوری نہیں اترتیں اس لیے حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ کیونکہ اس نے شرک کی تائید میں کوئی دلیل نازل نہیں کی۔

اللہ اور اس کے رسول پر کذب بیانی کرنا:

یعنی اپنے جی سے حلال و حرام ٹھہرانا، اپنی خواہشوں کی پیروی اور ثواب کی خاطر دین میں بدعتیں ایجاد کرنا من مرضی سے شریعت تصنیف کر کے اس کو اللہ کی طرف منسوب کرنا۔

اس اعتبار سے جو شخص رسول معظم ﷺ کی طرف جھوٹی اور من گھڑت حدیث منسوب کرتا ہے وہ بالواسطہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ

جھوٹ لگاتا ہے۔

((عَنْ عامر بن عبد اللّٰه بن الزُّبَيْر عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ لِلزُّبَيْرِ رضی اللہ عنہ إِنِّي لَا أَسْمَعُكَ تُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ كَمَا يُحَدِّثُ فُلَانٌ وَفُلَانٌ قَالَ أَمَا إِنِّي لَمْ أُفَارِقْهُ وَلَكِنْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)) [رواه البخاري: كتاب العلم، باب اثم من كذب على النبي ﷺ]

''حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا میں نے آپ کو نہیں سنا کہ آپ رسول معظم ﷺ سے حدیث بیان کریں جس طرح فلاں فلاں آدمی بیان کرتا ہے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے ہمیشہ آپ ﷺ سے یہ بات سنی کہ آپ نے فرمایا جو کوئی میری جانب جھوٹ کی نسبت کرے اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم سمجھے۔''

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَتَعَوَّذُ يَقُولُ "اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَرَمِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ"))

[رواه البخاري: كتاب الدعوات، باب التعوذ من أرذل العمر]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہوئے یہ دعا کیا کرتے تھے اے اللہ میں سستی، بزدلی، ناکارہ پن بڑھاپے اور بخل سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

مسائل

۱۔ چھوٹے بڑے، ظاہر اور باطن گناہوں کو چھوڑ دینا چاہیے۔
۲۔ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی و سرکشی کرے۔
۳۔ شرک کی تائید میں اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔
۴۔ شرک کی کوئی دلیل نہیں اس لیے من گھڑت باتیں کرنے سے شرک ثابت نہیں ہوسکتا۔
۵۔ من گھڑت مسائل بیان کرنا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے۔

تفسیر بالقرآن

شرک کا عقیدہ بے بنیاد ہے:

۱۔ اللہ کے سوا مشرک جس کی عبادت کرتے ہیں اس کی کوئی دلیل نہیں۔ (الحج:۷۱)
۲۔ مشرک اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہوئے نہیں ڈرتے حالانکہ اس کی کوئی دلیل نہیں۔ (الانعام:۸۱)

وَلِكُلِّ	اُمَّةٍ	اَجَلٌ ۚ	فَاِذَا	جَآءَ	اَجَلُهُمْ	لَا
اور ہرایک کیلئے	امت	وقت معین	سو جب	آ جائے گا	انکا معین وقت	نہ

يَسْتَاْخِرُوْنَ	سَاعَةً	وَّلَا	يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝
وہ پیچھے ہوں گے	لحہ بھر	اور نہ	آگے ہوں گے

’’اور ہرامت کے لیے ایک وقت معین ہے پھر جب ان کا وقت آ جاتا ہے تو وہ ایک گھڑی نہ پیچھے ہوتے ہیں اور نہ آگے نکل سکتے ہیں۔‘‘(۳۴)

فہم القرآن

ربط کلام: بے حیائی کا ارتکاب، جان بوجھ کر گناہ کرنا، اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور شریعت کے نام پر اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹ لگانے والوں کو انتباہ۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر ذی روح اور چیز کی موت اور فنا کا وقت مقرر کر رکھا ہے جب وقت آئے گا تو اس میں لمحہ بھر تقدیم وتاخیر نہیں ہوگی۔ یہی اصول قوموں اور امتوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے جب کسی قوم کے زوال اور تباہی کا وقت آتا ہے تو پھر اس کے اڑوس پڑوس کی اقوام اور خیر خواہ اسے ہرگز نہیں بچا سکتے۔ افراد اور اقوام کی اجل یعنی موت میں فرق یہ ہے کہ افراد کی عمر اور مدت کے لیے سال، مہینے، ایام اور لمحے مقرر کیے گئے ہیں اور لوگ انھی کو شمار کرتے ہیں جب یہ مدت پوری ہو جائے تو انسان لقمۂ اجل بن جاتا ہے۔ عام طور پر قوموں اور امتوں کا معاملہ اس سے قدرے مختلف ہوتا ہے ان کی موت، ایمان، اخلاق اور کردار کے حوالے سے واقع ہوتی ہے۔ بدکردار اور بے عمل قوم کی جگہ دوسری قوم لے لیتی ہے۔ بسا اوقات اللہ تعالیٰ اپنے غضب سے پوری کی پوری قوم کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ جس طرح قوم نوح، عاد، ثمود اور قوم لوط کے واقعات اس کی دلیل ہیں۔ تاہم جب کوئی قوم یا علاقے کے افراد برائی کے اس درجے کو پہنچ جائیں جس سے اس خطے کا نظام بگڑنے کے قریب پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کی جگہ دوسری قوم کو مسلط کر دیتا ہے۔ اس حقیقت کو سورۃ البقرۃ، آیت ۲۵۱ اور ۲۵۲ میں بیان کرتے ہوئے ظالم قوم کی تبدیلی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور اپنی قدرت کی نشانی قرار دیا ہے اور سورۃ محمد میں فرمایا اگر تم اللہ تعالیٰ کے احکام سے منہ پھیرو گے تو وہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا جو تم جیسے نہیں ہوں گے۔ یہاں قوموں کے زوال اور ان کی تباہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اجل اور ساعت کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اجل سے مراد موت کا فیصلہ کن مرحلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں قوم کی موت یا زوال کی گھڑی متعین ہے۔ جب وہ گھڑی اپنے وقت کو پہنچ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ صادر ہو جاتا ہے جس کے صدور میں لشکر وسپاہ، قوم کی شان وشکوہ، مادی اور عسکری وسائل رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ اسی حقیقت کو یہاں بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی امت کی مقررہ گھڑی آ جاتی ہے تو اس میں لمحہ

بھر کے لیے آگا پیچھا نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہی فرد کی موت کا معاملہ ہے جب موت کا وقت آن پہنچے تو ولی کی ولایت، صابر کا صبر موت کو ٹال نہیں سکتا۔ (یونس:۴۹)

موت کا نقشہ:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَّ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم خَطًّا مُرَبَّعًا ، وَخَطَّ خَطًّا فِی الْوَسَطِ خَارِجًا مِنْهُ ، وَخَطَّ خُطُطًا صِغَارًا إِلَى هَذَا الَّذِی فِی الْوَسَطِ ، مِنْ جَانِبِهِ الَّذِی فِی الْوَسَطِ وَقَالَ هَذَا الإِنْسَانُ ، وَهَذَا أَجَلُهُ مُحِيطٌ بِهِ أَوْ قَدْ أَحَاطَ بِهِ وَهَذَا الَّذِی هُوَ خَارِجٌ أَمَلُهُ ، وَهَذِهِ الْخُطُطُ الصِّغَارُ الأَعْرَاضُ ، فَإِنْ أَخْطَأَهُ هَذَا نَهَشَهُ هَذَا ، وَإِنْ أَخْطَأَهُ هَذَا نَهَشَهُ هَذَا))[رواه البخاری :باب فِی الأَمَلِ وَطُولِهِ]

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مربع کی صورت بنائی اور اس کے درمیان ایک خط کھینچا جو مربع سے باہر نکل رہا تھا اور کچھ چھوٹے چھوٹے خط اس کے دائیں بائیں کھینچے درمیان والی لکیر پر انگلی رکھ کر فرمایا یہ انسان ہے اور اس کو چاروں طرف سے اجل گھیرے ہوئے ہے۔ باہر نکلنے والا خط اس کی امید ہے اور چھوٹے چھوٹے خط اس کی خواہشات ہیں ایک خواہش ختم ہوتی ہے تو دوسری آگھیرتی ہے۔''

مسائل

۱۔ امتوں کے عروج وزوال فنا اور بقا کا وقت مقرر ہے۔
۲۔ قوم اور کسی فرد کی تقدیر کے فیصلے کا وقت آتا ہے تو اس میں لمحہ بھر کے لیے تقدیم وتاخیر نہیں ہوسکتی۔

تفسیر بالقرآن

ہر چیز کا وقت مقرر ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا وقت مقرر کیا ہے۔ (الاعراف:۱۸۵)
۲۔ تمام لوگوں کے لیے وقت مقرر ہے۔ (الانعام:۲)
۳۔ چاند اور سورج کا بھی وقت مقرر ہے۔ (الرعد:۲)
۴۔ گناہگاروں کو وقت مقررہ تک ڈھیل دی جاتی ہے۔ (النحل:۶۱)
۵۔ زمین وآسمان کے لیے بھی وقت مقرر ہے۔ (الروم:۸)
۶۔ وقت آنے پر اللہ تعالیٰ کسی کو لمحہ بھر بھی مہلت نہیں دے گا۔ (المنافقون:۱۱)

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ	اِمَّا	يَاْتِيَنَّكُمْ	رُسُلٌ	مِّنْكُمْ	يَقُصُّوْنَ	عَلَيْكُمْ
اے بنی آدم	اگر آئیں تمہارے پاس		رسول	تم میں سے	جو بیان کریں	تم پر
اٰيٰتِيْ ۙ	فَمَنِ	اتَّقٰى	وَاَصْلَحَ	فَلَا	خَوْفٌ	عَلَيْهِمْ
میری آیات	پھر جو	ڈرا	اور اصلاح کی	تو نہیں	کوئی خوف	ان پر
وَلَا هُمْ	يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾	وَالَّذِيْنَ	كَذَّبُوْا	بِاٰيٰتِنَا	وَاسْتَكْبَرُوْا	عَنْهَآ
اور نہ وہ	پریشان ہوں گے	اور وہ لوگ	جنہوں نے جھٹلایا	ہماری آیات کو	اور تکبر کیا	ان سے
اُولٰٓئِكَ	اَصْحٰبُ	النَّارِ ۚ	هُمْ	فِيْهَا	خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾	
یہ لوگ ہیں	والے	آگ	وہ	اس میں	ہمیشہ رہیں گے	

’’اے آدم کی اولاد! جب تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیات بیان کریں پس جو شخص ڈر گیا اور اصلاح کر لے تو ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے۔(۳۵) اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور انہیں ماننے سے تکبر کیا یہی آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔‘‘(۳۶)

فہم القرآن

ربط کلام: قوم کی اجتماعی تباہی کا اشارہ دینے کے بعد بنی آدم کو اجتماعی خطاب اور نصیحت کرتے ہوئے نیک و بد کا انجام بیان کیا ہے یہی قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ وہ انتباہ اور نصیحت کو برابر چلاتے ہوئے لوگوں کو اچھے اور برے انجام سے آگاہ کرتا ہے تاکہ سننے والا ایک لمحہ میں فیصلہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ مکرمہ کو زمین پر اترنے کا حکم صادر فرمایا تو اس وقت نصیحت فرمائی کہ تم سب کے سب زمین پر اتر جاؤ۔ بس جب تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو اس کی پیروی کرو اور جو اس ہدایت کی پیروی کریں گے انہیں کوئی خوف و خطر اور رنج و ملال نہیں ہوگا۔ جنہوں نے انکار کیا اور جھٹلانے کا رویہ اختیار کیا انہیں آگ میں جھونکا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہاں قوموں کے زوال اور ان کے فنا کا ذکر ہوا ہے لہٰذا انہیں اجتماعی طور پر مخاطب کرتے ہوئے بنی آدم کے الفاظ استعمال کر کے وہ نصیحت یاد دلائی گئی ہے جو بنی نوع انسان کے جد اعلیٰ کو زمین پر اترنے کے وقت دی گئی تھی چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے بنی آدم جب میرے رسول تمہارے سامنے میرے احکام بیان کریں تو میری نافرمانی سے بچ کر تمھیں اپنی اصلاح کرنا چاہیے۔ جس کا دوسرا مفہوم یہ ہے میں نے اول روز کے فرمان کو اس طرح پورا کر دیا ہے کہ تمہارے پاس میرے رسول میرے احکام لے کر پہنچ چکے ہیں جن

میں آخری رسول محمد ﷺ ہیں لہٰذا جولوگ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر نبی ﷺ کی پیروی کر کے اپنی اصلاح کریں گے انہیں کوئی خوف وغم نہیں ہوگا اور جنہوں نے میرے احکام کی تکذیب کی اور ان کے ساتھ تکبر کا رویہ اختیار کیا انہیں آگ میں جھونکا جائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ قَالَ رَجُلٌ إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَنَعْلُهٗ حَسَنَةً قَالَ إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ)) [رواه مسلم : كتاب الإيمان ،باب تحريم الكبر]

”حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک آدمی نے کہا بلاشبہ بندہ یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اور جوتے اچھے ہوں، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے تکبر حق کو جھٹلانا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام اس لیے نازل فرمائے ہیں کہ لوگ اس کی نافرمانی سے ڈرتے ہوئے اپنی اصلاح کریں۔

۲۔ اصلاح کرنے والوں کو قیامت کے دن کوئی خوف وخطر اور رنج وغم نہیں ہوگا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے اور ان کے ساتھ تکبر کرنے والے ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہیں گے۔

تفسیر بالقرآن

متکبرین:

۱۔ سب سے پہلے شیطان نے تکبر کیا۔ (ص:۷۴)

۲۔ تکبر کرنا فرعون اور اللہ کے باغیوں کا طریقہ ہے۔ (القصص:۳۹)

۳۔ تکبر کرنے والے کے دل پر اللہ مہر لگا دیتا ہے۔ (المؤمن:۳۵)

۴۔ متکبر کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ (النحل:۲۳)

۵۔ تکبر کرنے والے جہنم میں جائیں گے۔ (المؤمن:۷۶)

فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوۡ كَذَّبَ

پھر کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جس نے باندھا پر اللہ جھوٹ یا جھٹلایا اس نے

بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمۡ نَصِيۡبُهُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا

اس کی آیات کو یہ لوگ ہیں پہنچے گا ان کو ان کا حصہ سے کتاب یہاں تک کہ جب

جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوۡنَهُمۡ ۙ قَالُوۡۤا اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ

آئیں انکے پاس ہمارے فرشتہ وہ انکی روحیں قبض کریں وہ کہیں گے کہاں جو تھے تم

تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوۡا ضَلُّوۡا عَنَّا وَشَهِدُوۡا عَلٰٓى

پکارتے سے اللہ کے علاوہ وہ کہیں گے وہ گم ہو گئے ہم سے وہ گواہی دیں گے اوپر

اَنۡفُسِهِمۡ اَنَّهُمۡ كَانُوۡا كٰفِرِيۡنَ ۝۳۷

انکی جانیں یقیناً وہ تھے کفر کرنے والے

''پھر اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں لکھے ہوئے کے مطابق ان کا حصہ پہنچے گا، یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے ملائکہ آئیں گے جو انہیں فوت کریں گے تو کہیں گے کہاں ہیں وہ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے تھے؟ کہیں گے وہ ہم سے گم ہو گئے اور وہ اپنے آپ پر شہادت دیں گے کہ واقعی وہ کفر کرنے والے تھے۔'' (۳۷)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والوں کے ساتھ ان لوگوں کا انجام بھی بیان کر دیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ پر بالواسطہ یا بلاواسطہ جھوٹ باندھتے ہیں۔ گویا کہ یہ اللہ تعالیٰ کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔

قرآن مجید میں اِفۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ کے الفاظ مختلف موقعوں پر ۹ دفعہ استعمال ہوئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرنا۔

۳۔ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے دین کے حوالے سے جھوٹ بولنا۔

۴۔ اپنے آپ پر وحی نازل ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرنا۔

۵۔ حق بات کو جھٹلانا۔ ۶۔ نبی کی نبوت کا انکار کرنا۔

اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے سے مراد یہاں اس کی ذات اور صفات میں شرک کرنا ہے۔ مشرک کا یہ عقیدہ ہوتا ہے یہ مورتیاں اللہ تعالیٰ کا اوتار ہیں اور مزارات میں دفن بزرگ اللہ کے مقرب بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خوش ہو کر کچھ اختیار

دے رکھے ہیں۔ یہ عقیدہ من گھڑت اور بلا دلیل ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کے مترادف ہے۔ جس کی وجہ سے فرشتے ان کی موت کے وقت ان سے سوال کرکے سزا دیں گے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر افترا بازی کرتے اور اس کی آیات کو جھٹلاتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں جو سزا بیان کی گئی ہے وہ ہر صورت دنیا اور آخرت میں ان کو مل کر رہے گی۔ بعض مفسرین نے کتاب میں حصہ ملنے سے مراد لوح محفوظ میں لکھی ہوئی تقدیر لی ہے جو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ رکھی ہے۔ جس میں دوسری تفصیلات کے ساتھ یہ بھی درج ہے کہ انسان جو کرے گا وہی بھرے گا مجرموں کو عذاب صرف آخرت میں نہیں بلکہ موت کے لمحات سے شروع ہو جاتا ہے۔ روح نکالنے والے فرشتے ان سے سوال کرتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے کے ساتھ انہیں حاجت روا، مشکل کشا کیوں سمجھتے تھے دوسرے لفظوں میں ملائکہ ان سے کہیں گے کہ اگر وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں تو اپنے مشکل کشاؤں کو بلاؤ۔ جس کے جواب میں وہ موت کے وقت زبان حال اور قیامت کے دن بول، بول کر کہیں گے کہ آج تو ان میں سے ہماری مدد کرنے والا کوئی نہیں۔ اس طرح ظالم اپنی موت کے وقت اور قیامت کے دن اقرار کریں گے کہ واقعی ہم اللہ کی ذات کا انکار اور اس کی آیات کا کفر کرتے تھے لیکن یہ اقرار انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

”حضرت برا بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انصار کے کسی آدمی کے جنازہ کے لیے نکلے ہم قبرستان پہنچے تو ابھی قبر کھودی نہیں گئی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے تو ہم بھی آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے جیسے ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی آپ اس کے ساتھ زمین کرید رہے تھے آپ نے سر اٹھاتے ہوئے دو یا تین مرتبہ فرمایا قبر کے عذاب سے پناہ مانگو پھر فرمایا.... جب کافر دنیا کو چھوڑ کر آخرت کی طرف جا رہا ہوتا ہے تو اس کی طرف آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے آتے ہیں ان کے ہاتھ میں بدبودار بوری ہوتی ہے وہ حد نگاہ تک اس کے پاس بیٹھ جاتے ہیں، پھر اس کے پاس ملک الموت آتا ہے یہاں تک کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتا ہے تو وہ کہتا ہے اے خبیث نفس! اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کی طرف چل۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اس کی روح کو اس طرح نکالتے ہیں جس طرح گرم سلائی کو روئی سے نکالا جاتا ہے وہ اس کو نکال کر اس تھیلے میں ڈالتے ہیں اس سے اتنی بدبو نکلتی ہے جس طرح زمین سے لاش کی گندی بدبو نکلتی ہے وہ اس کو لے کر آسمانوں کی طرف بڑھتے ہیں وہ فرشتوں کے جس گروہ کے پاس سے گزرتے ہیں وہ کہتے ہیں یہ خبیث روح کون سی ہے وہ کہتے ہیں یہ فلاں بن فلاں ہے۔ اس کے برے نام لے کر اس کو بلاتے ہیں یہاں تک کہ وہ آسمان دنیا تک پہنچتے ہیں وہ اس کو کھلوانا چاہتے ہیں مگر اسے کھولا نہیں جاتا، پھر نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی: ”ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ سوئی کے سوراخ میں اونٹ داخل ہو جائے۔“ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے لیے سجین یعنی زمین کی تہہ میں ٹھکانا لکھو۔ پھر اس

کی روح کو نیچے پھینک دیا جاتا ہے پھر نبی معظم ﷺ نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی ''جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا گویا کہ وہ آسمان سے گرا اور اسے پرندے اچک لیں یا اس کو ہوائیں کسی دور دراز مقام پر پھینک دیں'' پھر اس روح کو اس کے بدن میں لوٹا دیا جاتا ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس کو بٹھاتے ہیں وہ اس سے کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا، پھر فرشتے کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا، پھر فرشتے کہتے ہیں یہ شخص کون ہے جو تم لوگوں میں نبی مبعوث کیا گیا؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ تو آسمانوں سے آواز دینے والا آواز دیتا ہے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے اس کا بچھونا آگ کا بنا دو اور آگ کا دروازہ اس کی طرف کھول دو۔ اس کے پاس اس آگ کی گرمی اور بدبو آتی ہے اس پر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں اور اس کے پاس بدصورت گندے کپڑے اور بدبودار جسم کے ساتھ آدمی آتا ہے تو وہ کہتا ہے آج خوش ہو جا تجھے حسب وعدہ رسوا کیا جائے وہ پوچھتا ہے تو کون ہے اس طرح کی شکل والا جو اتنی بری بات کے ساتھ آیا ہے وہ کہے گا میں تیرا برا عمل ہوں وہ کہے گا اے میرے رب کبھی قیامت نہ قائم کرنا۔'' [مسند احمد]

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے یا اس کی ذات کے بارے میں جھوٹ گھڑنے والا سب سے بڑا ظالم ہے۔
۲۔ ظالموں کو اللہ کی کتاب کے مطابق سزا دی جائے گی۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے ذمے جھوٹی بات لگانے والا اپنی موت کے وقت اپنے ظلم اور کفر کا اقرار کرتا ہے۔
۴۔ مشرک اپنی موت کے وقت اقرار کرتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مشکل کشا نہیں۔

تفسیر بالقرآن

ظالم کون؟

۱۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والا ظالم ہے۔ (الانعام:۲۱)
۲۔ شرک کرنے والا ظالم ہے۔ (لقمان:۱۳)
۳۔ اللہ کی مسجدوں سے روکنے اور ان میں خرابی پیدا کرنے والا ظالم ہے۔ (البقرۃ:۱۱۴)
۴۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والا ظالم ہے۔ (الزمر:۳۲)
۵۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ (آل عمران:۵۷)

قَالَ ادۡخُلُوۡا فِیۡۤ اُمَمٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ

کہا | داخل ہو جاؤ | میں امتوں | تحقیق گزر چکی ہیں | سے | تم سے پہلے

مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ فِی النَّارِ ؕ کُلَّمَا دَخَلَتۡ اُمَّۃٌ لَّعَنَتۡ

سے جنوں | اور انسانوں | میں آگ | جب بھی | داخل ہوگی | ایک امت | لعنت کریگی

اُخۡتَہَا ؕ حَتّٰۤی اِذَا ادَّارَکُوۡا فِیۡہَا جَمِیۡعًا ۙ قَالَتۡ اُخۡرٰىہُمۡ

اپنے جیسی کو | یہاں تک کہ جب وہ اکٹھے ہوں گے | اس میں | سب | تو کہے گی | انکی پچھلی

لِاُوۡلٰىہُمۡ رَبَّنَا ہٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوۡنَا فَاٰتِہِمۡ عَذَابًا ضِعۡفًا

ان کی پہلی سے | ہمارے رب | وہی ہیں | ہمیں گمراہ کیا تھا | لہٰذا تو انکو دے | عذاب | دوگنا

''اللہ تعالیٰ فرمائے گا ان جماعتوں کو جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں آگ میں داخل ہو جاؤ، جب بھی کوئی جماعت داخل ہوگی اپنے ساتھ والی کو لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب سب ایک دوسرے سے آملیں گے تو ان کی پچھلی جماعت اپنے سے پہلی جماعت کے متعلق کہے گی اے ہمارے رب! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا تو انہیں آگ کا دگنا عذاب دے۔

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔ جس میں مکذبین کی بری موت کے بعد ان کا برا انجام بتلایا گیا ہے۔

متکبرین اور مکذبین گروہ درگروہ جہنم میں پھینکے جائیں گے جہنم میں ڈالا جانے والا جنوں اور انسانوں کا ہر گروہ اپنے سے پہلے گروہ پر لعنت اور پھٹکار بھیجتے ہوئے کہے گا کہ ہم تمہاری وجہ سے اس انجام کو پہنچے ہیں اگر تم ہدایت کا راستہ اختیار کرتے تو ہم تمہارے بعد کبھی گمراہ نہ ہوتے۔ وہ جواب دیں گے کہ تم نے خود ہی ایمان کا راستہ اختیار نہیں کیا جبکہ ہم نے تم پر کوئی جبر نہیں کیا تھا۔ (الصافات ۲۲ تا ۳۱) سورۃ الاحزاب آیت ۶۶ تا ۶۸ میں بیان کیا گیا ہے کہ جب جہنمی جہنم کی آگ سے منہ باہر نکالیں گے تو اللہ تعالیٰ سے آہ وزاری کرتے ہوئے فریاد کریں گے اے ہمارے رب! ہمیں ہمارے بڑے سادات اور بڑوں نے گمراہ کیا اس لیے انہیں دوگنا عذاب دے اوران پر بڑی سے بڑی پھٹکار ڈال۔ یہاں یہ بیان ہوا ہے کہ جب گروہ درگروہ جہنم میں جمع ہوں گے تو بعد میں آنے والے پہلوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے کہ انہیں آگ کا دوگنا عذاب دیجیے۔ حکم ہوگا ہر ایک دوگنے عذاب میں مبتلا ہے جس کا تمہیں علم نہیں۔ پیچھے آنے والوں کی بددعاؤں کے جواب میں پہلے والے کہیں گے کہ تمہیں ہم پر برتری حاصل نہیں لہٰذا تم بھی اپنے کیے کے بدلہ میں عذاب پاتے رہو یہاں جہنمیوں کے عذاب کے بارے میں ''ضعف'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کا معنیٰ دوگنا ہے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ برے کی سزا اس کی برائی کے برابر ہوگی۔

لیکن یہاں دوگنا عذاب بیان کیا جارہا ہے اس کا مفہوم حدیث میں اس طرح بیان ہوا ہے جو گناہ پہلے لوگوں کی وجہ

مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

سے آگ | فرمایا | ہر ایک کے لیے | دوگنا ہے | اور لیکن | نہیں | تم جانتے

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا

اور کہے گی | ان کی پہلی | انکی پچھلی کو | چونکہ نہیں | ہے | تمہارے لیے | ہم پر

مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾

ع ۸ / ۱۱

سے | کوئی فضل | سوتم چکھو | عذاب | بوجہ اس کے | تم تھے | کماتے

اللہ فرمائے گا سبھی کے لیے دگنا ہے لیکن تم نہیں جانتے۔ (۳۸) اور ان کی پہلی جماعت اپنے سے بعد والی جماعت سے کہے گی تمہیں ہم پر کوئی برتری حاصل نہیں عذاب چکھو اس کے بدلے جو تم کمایا کرتے تھے۔'' (۳۹)

سے دوسری نسل میں منتقل ہوں گے اس میں گناہ ایجاد کرنے والوں کو ان کے بعد آنے والے لوگوں کے گناہوں کا حصہ بھی ملے گا اور اکثر یہی ہوتا آرہا ہے کہ نہ صرف ایک نسل کے گناہ کسی نہ کسی صورت میں دوسری نسل میں منتقل ہوتے رہتے ہیں بلکہ پہلے لوگوں کے گناہوں کے نتیجہ میں نئی نسل اپنے گناہوں میں مزید اضافہ کرتی ہے۔ اس طرح ہر نسل اپنے بعد آنے والی نسل کے لیے پہلے سے زیادہ گناہ چھوڑتی ہے۔ نتیجتاً مجرموں کی غالب اکثریت اپنے ہی نہیں بلکہ دوسروں کے گناہوں کے ذمہ دار بنتے ہیں۔ اسی بناء پر انہیں دوگنا عذاب دیا جائے گا کیونکہ ان کے گناہوں کی نوعیت بھی دوگنی ہوگی۔ جہنمیوں کا ایک دوسرے کو موردالزام ٹھہرانا ان کے لیے کوئی فائدہ مند نہیں ہوگا اس لیے جہنمیوں کے پیشوا اپنے سے پیچھے آنے والوں کو کہیں گے تمہارا ہم کو اپنے گناہوں کا ذمہ دار ٹھہرانا تمہیں کچھ فائدہ نہیں دے گا اور تم سزا کے حوالے سے ہم پر کوئی امتیاز نہیں رکھتے لہٰذا اپنے کیے کی سزا بھگتتے رہو۔ اس طرح جہنمی عذاب میں مبتلا رہ کر ایک دوسرے پر پھٹکار بھیجتے رہیں گے۔

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ كَمَثَلِ الْبَهِيمَةِ تُنْتَجُ الْبَهِيمَةَ هَلْ تَرَى فِيهَا جَدْعَاءَ)) [رواه البخاری: كتاب الجنائز، باب ماقيل فی أولاد المشركين]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نو مولود فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جس طرح جانور کسی کو جنم دیتا ہے تو کیا تم ان میں کسی کو مقطوع الاعضا پاتے ہو؟

مسائل

۱۔ جہنمی ایک دوسرے پر پھٹکار بھیجیں گے۔ ۲۔ جہنم میں پہلے داخل ہونے والے بعد میں آنے والوں کو ملامت کریں گے۔
۳۔ جہنمی اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے کہ پہلے لوگوں کو دوگنا عذاب دیا جائے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ

یقیناً وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو اور انھوں نے تکبر کیا ان سے نہیں کھولے جائیں گے

لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى

انکے لیے دروازے آسمان (جمع) اور نہ وہ داخل ہوں گے جنت یہاں تک کہ

يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝۴۰

داخل ہو جائے اونٹ میں ناکے سوئی اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں مجرموں کو

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ

ان کے لیے سے جہنم بچھونا ہوگا اور سے انکے اوپر اوڑھنا

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۱

اور اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں ظالموں کو

”بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور انہیں قبول کرنے سے تکبر کیا ان کے لیے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے کے اندر سے نہ گزر جائے اور ہم مجرموں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔(۴۰) جہنم سے ان کے لیے بچھونا اور اوڑھنا ہوگا اور اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیتے ہیں۔“(۴۱)

فہم القرآن

ربط کلام: اب مسلسل (۱۱) گیارہ آیات میں اللہ کے باغیوں اور اس کے تابعداروں کا یکے بعد دیگرے کردار اور انجام بیان کیا جاتا ہے۔

عربی زبان میں ”تکذیب“ کا معنی حقیقت کو جھٹلانا یا اس کا انکار کرنا ہے۔ تکبر کا مفہوم یہ ہے کہ حقیقت جاننے کے باوجود اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جائے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ تکذیب اور تکبر کا رویہ اختیار کریں گے ان کے بارے میں دوٹوک اور قطعی طور پر فرما دیا گیا ہے کہ ان کے لیے نہ آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور نہ ہی ان کو جنت میں داخلہ نصیب ہوگا۔ اس فرمان میں قطعیت اور مزید تاکید پیدا کرنے کے لیے فرمایا کہ ان کا جنت میں داخلہ اتنا ہی ناممکن ہے جتنا اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزرنا محال ہے۔ یہ اس لیے ہے تاکہ مجرم اپنے جرائم کی پوری طرح سزا پاتے رہیں مجرموں کے نیچے بھی جہنم کی دہکتی ہوئی آگ اور ان کے اوپر اور چاروں طرف بھی آگ ہی آگ ہوگی۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب اور ان کے ساتھ استکبار کا رویہ اختیار کرتے ہیں ایسے ظالموں کو ایسی ہی سزا دی جائے گی۔

”حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انصار کے کسی آدمی کے جنازہ کے لیے نکلے

قبرستان پہنچے تو ابھی قبر کھودی نہیں گئی تھی۔ رسول اکرم ﷺ بیٹھ گئے تو ہم بھی آپ کے اردگرد بیٹھ گئے جیسے ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی آپ اس کے ساتھ زمین کو کرید رہے تھے آپ نے سر اٹھاتے ہوئے دو یا تین مرتبہ فرمایا قبر کے عذاب سے پناہ مانگو پھر فرمایا...... جب کافر دنیا کو چھوڑ کر آخرت کی طرف جا رہا ہوتا ہے تو اس کی طرف آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے آتے ہیں ان کے ہاتھ میں بدبودار بوری ہوتی ہے وہ حد نگاہ تک اس کے پاس بیٹھ جاتے ہیں، پھر اس کے پاس ملک الموت آتا ہے یہاں تک کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتا ہے تو وہ کہتا ہے اے خبیث نفس! اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کی طرف چل۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا وہ اس کی روح کو اس طرح نکالتے ہیں جس طرح گرم سلائی کو روئی سے نکالا جاتا ہے وہ اس کو نکال کر تھیلے میں ڈالتے ہیں اس سے اتنی بدبو نکلتی ہے جس طرح زمین سے لاش کی گندی بدبو نکلتی ہے وہ اسے کو لے کر آسمانوں کی طرف بڑھتے ہیں ان کا گذر فرشتوں کے جس گروہ کے پاس سے ہوتا ہے وہ دریافت کرتے ہیں یہ خبیث روح کون سی ہے وہ کہتے ہیں یہ فلاں بن فلاں ہے۔ اس کے برے نام لے کر اس کو بلاتے ہیں یہاں تک کہ وہ آسمان دنیا تک پہنچتے ہیں وہ اس کو کھلوانا چاہتے ہیں مگر اسے کھولا نہیں جاتا، پھر نبی معظم ﷺ نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی: ”ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ سوئی کے سوراخ میں اونٹ داخل ہو جائے“ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے لیے سجین یعنی زمین کی تہہ میں ٹھکانا لکھو۔ پھر اس کی روح کو نیچے پھینک دیا جاتا ہے پھر نبی معظم ﷺ نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی ”جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا گویا کہ وہ آسمان سے گرا اور اسے پرندے اچک لیں یا اس کو ہوائیں کسی دور دراز مقام پر پھینک دیں“ [رواہ أحمد]

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب اور ان کے ساتھ تکبر کرنے والا جہنم میں داخل ہوگا۔

۲۔ مکذبین اور متکبرین کے لیے نہ آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اور نہ ہی ان کو جنت میں داخلہ نصیب ہوگا۔

۳۔ مجرموں کے اوپر اور نیچے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

ظلم کرنے والوں کا انجام:

۱۔ ظالموں کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے۔ (الحشر:۱۷) ۲۔ ظالموں کے لیے صرف تباہی ہے۔ (نوح:۲۸)

۳۔ ظالم قوم کو سمندر میں غرق کر دیا گیا ہے۔ (القصص:۴۰) ۴۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ (الشوریٰ:۴۰)

۵۔ ظلم کرنے والوں کی بستی کو الٹا کر پتھر مارے گئے۔ (العنکبوت:۳۱) ۶۔ ظالموں پر لعنت کی جائے گی۔ (غافر:۵۲)

وَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	لَا نُكَلِّفُ	نَفْسًا	اِلَّا
اور وہ لوگ	جو ایمان لائے	اور انہوں نے عمل کیے	نیک	نہیں ہم تکلیف دیتے	کسی جان کو	مگر

وُسْعَهَآ	اُولٰٓئِكَ	اَصْحٰبُ	الْجَنَّةِ	هُمْ	فِيْهَا	خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾
طاقت اس کی	یہ لوگ	والے	جنت	وہ	اس میں	ہمیشہ رہیں گے

وَ	نَزَعْنَا	مَا فِيْ	صُدُوْرِهِمْ	مِّنْ	غِلٍّ	تَجْرِيْ
اور	ہم نکال دیں گے	جو میں	ان کے سینے	سے	کینہ	چلتی ہوں گی

مِنْ	تَحْتِهِمُ	الْاَنْهٰرُ	وَقَالُوا	الْحَمْدُ	لِلّٰهِ	الَّذِيْ
سے	ان کے نیچے	نہریں	اور وہ کہیں گے	تمام تعریفیں	اللہ کے لیے	جس نے

”اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے یہ لوگ جنت والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۴۲) ان کے سینوں میں جو بھی کینہ ہوگا ہم نکال دیں گے ان کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ کہیں گے سب تعریفیں اللہ کی ہیں۔

فہم القرآن

ربط کلام: جہنمیوں کے مقابلہ میں جنتیوں کا انعام ومقام۔

جنتیوں کا مرتبہ ومقام اور ان کا اجروثواب ذکر کرنے سے پہلے یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ اس میں ایک طرف جنتیوں کو سمجھایا گیا ہے کہ جنت کا حصول اور دین پر عمل کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ دوسری طرف جہنمیوں کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ اپنے جرائم کی وجہ سے جہنم میں ہمیشہ سزا پائیں گے۔ یہ ان کے تکبر کا نتیجہ ہوگا۔ اگر یہ لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو دل وجان سے تسلیم کرکے ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تو یہ ان کی ہمت سے باہر نہیں تھا لیکن انہوں نے اپنے نفس کی خواہشات کو اپنے رب کی رضا پر مقدم جانا اور اس کے ساتھ تکبر کا رویہ اختیار کیا جس کی وجہ سے ان کا اوڑھنا بچھونا جہنم کی آگ کو بنا دیا گیا۔ مفسر قرآن امام رازی ؒ لفظ ”وسع“ کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں وسع کا معنیٰ ہے ایسا کام جو آسانی اور معمولی کوشش سے کیا جا سکے۔ اس کے مقابلہ میں ”جہد“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے جو کسی مشکل کام کی نشاندہی کرتا ہے اس سے پہلے جہنمیوں کا ایک دوسرے کے لیے بددعا کرنا اور لعنت کرنا بیان ہوا ہے۔ اب مومنوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت کی خوش خبری دے کر یہ وضاحت کر دی ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے ان کی آپس میں غلط فہمیوں کی وجہ سے جو ناچاکیاں ہوئیں اور اس کے نتیجے میں ان کے دلوں میں جو رنجشیں پیدا ہوئیں۔ ان سے

هَدٰىنَا	لِهٰذَا قف	وَمَا	كُنَّا	لِنَهْتَدِيَ	لَوْلَآ	اَنْ
ہمیں ہدایت دی	اس کی	اور نہ	تھے ہم	کہ ہدایت پاتے	اگر نہ	یہ کہ
هَدٰىنَا	اللّٰهُ ج	لَقَدْ	جَآءَتْ	رُسُلُ	رَبِّنَا	بِالْحَقِّ صلے
ہمیں ہدایت دیتا	اللہ	البتہ تحقیق	آئے تھے	رسول	ہمارے رب کے	حق کے ساتھ
وَنُوْدُوْٓا	اَنْ	تِلْكُمُ الْجَنَّةُ	اُوْرِثْتُمُوْهَا	بِمَا كُنْتُمْ	تَعْمَلُوْنَ ۝٤٣	
وہ بلائے	یہ کہ	یہ جنت	تم اسکے وارث بنائے گئے ہو	بہ سبب اسکے جو تم تھے	تم عمل کرتے	

جس نے ہمیں اس کی ہدایت دی اور ہم کبھی نہ تھے کہ ہدایت پاتے ، اگر ہمیں اللہ ہدایت نہ دیتا ، بلا شبہ ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے اور انہیں آواز دی جائے گی کہ یہی وہ جنت ہے جس کے وارث تم بنائے گئے ہو اپنے اعمال کے بدلے۔'' (۴۳)

ان کے دلوں کو پاک اور صاف کر دیا جائے گا۔ یہ آپس میں اس طرح شیر وشکر اور الفت ومحبت سے رہیں گے جیسے دنیا میں ان کے درمیان کوئی رنجش پیدا ہی نہ ہوئی تھی۔ جنتی باہمی محبت اور جنت کے انعام وکرام پا کر اپنے رب کے ممنون اور شکر گزار ہوں گے اور کہیں گے کہ سب تعریفات اس ذات باری کے لیے ہیں جس نے ہمیں اپنی ہدایت سے سرشار اور سرفراز فرمایا۔ اگر ذات کبریا ہم کو ہدایت سے سرفراز نہ کرتی تو ہم کبھی ہدایت یافتہ نہ ہوتے۔ یقیناً یہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی جدوجہد کا صلہ ہے جو انہوں نے حق بتلانے اور سمجھانے کے لیے فرمائیں۔ جنتی ان خیالات کا اظہار کر رہے ہوں گے تو انہیں ایک آواز سنائی دے گی جس میں خوشخبری ہوگی۔ کہ اب تمہیں کوئی فکر لاحق نہیں ہونی چاہیے کیونکہ تمہارے رب نے تمہیں ہمیشہ کے لیے جنت کا وارث بنا دیا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ دونوں سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک منادی کرنے والا ندا کرے گا اے اہل جنت! تم تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ ہو گے، زندہ رہو گے تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی، جوان رہو گے تم پر کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا، عیش میں زندگی گزارو گے تمہیں کبھی حزن وملال نہ ہوگا۔ یہی مطلب ہے اللہ کے اس فرمان کا۔

مسائل

۱۔ ایمان کے ساتھ صالح عمل کرنے والے ہی جنتی ہوں گے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ مومنین کے دلوں سے رنجشیں دور کر دے گا۔

۳۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دیتا ہے۔

۴۔ اللہ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو حق کے ساتھ معبوث فرمایا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنے والے جنت کے وارث ہوں گے۔

وَنَادٰٓی اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا

اور پکاریں گے | والے | جنت | والے | آگ | یہ کہ تحقیق | ہم نے پایا

مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلۡ وَجَدۡتُّمۡ مَّا وَعَدَ

جو ہم سے وعدہ کیا | ہمارا رب | سچا | تو کیا | تم نے پایا ہے | جو | وعدہ کیا تھا

رَبُّكُمۡ حَقًّا ؕ قَالُوۡا نَعَمۡ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيۡنَهُمۡ

تمہارا رب | سچ | انہوں نے کہا | ہاں | پھر اعلان کریگا | اعلان کرنے والا | انکے درمیان

اَنۡ لَّعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ۝ الَّذِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ

یہ کہ لعنت ہو | اللہ | پر | ظالموں | وہ لوگ | روکتے ہیں | سے | اللہ کی راہ سے

وَيَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ كٰفِرُوۡنَ ۝

اور وہ تلاش کرتے ہیں اس میں | کجی | اور وہ | آخرت کے ساتھ | کفر کرنے والے

”اور جنت والے جہنم والوں کو آواز دیں گے کہ ہم نے تو وہ وعدہ سچا پایا ہے جو ہم سے ہمارے رب نے کیا تھا۔ کیا تم نے بھی وہ وعدہ سچ پالیا جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں پھر ان کے درمیان ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (۴۴) جو اللہ کے راستے سے روکتے تھے اور اس میں کجی ڈھونڈتے اور وہ آخرت کے منکر تھے۔“ (۴۵)

فہم القرآن

ربط کلام: جنتی اور جہنمیوں کا اپنے اپنے مقام اور انجام کا اعتراف۔

جب جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے تو جہنمیوں کو ان کی ذلت کا احساس دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ جنتیوں کو جہنمیوں کے ساتھ سوال و جواب کرنے کا موقع عنایت فرمائے گا۔ جنتی حضرات جہنمیوں سے جنت کی آسائش و زیبائش، انعام و کرام اور جنت کی بیش بہا نعمتوں کا تذکرہ کر کے کہیں گے کہ ہم نے رب کریم کی طرف سے وہ سب کچھ پالیا جس کا ہمارے رب نے ہمارے ساتھ دنیا میں وعدہ فرمایا تھا۔ اے مجرمو! تم بتاؤ کہ کیا تم نے وہ بلائیں اور سزائیں دیکھ لیں جن کو تم دنیا کی زندگی میں جھٹلایا کرتے تھے۔ جہنمی ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے اقرار کریں گے کہ ہاں ہم اپنے جرائم اور گناہوں کی سزا پا رہے ہیں۔ جب ذلت و خواری کی حالت میں اپنے کیے کی سزا کا اعتراف کر رہے ہوں گے تو ان کی ذلت و حسرت میں اضافہ کرنے کے لیے ان پر موسلا دھار پھٹکار کا سلسلہ جاری ہوگا کہ ظالموں پر واقعتاً اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکار ہونی چاہیے۔ لعنت کرنے والے ملائکہ اور جنتی ہوں گے، یہاں ظالموں کے ظلم کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ یہ

لوگ ہر برائی اور گمراہی کے طلبگار رہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں رکاوٹ بنتے اور اپنے قول اور فعل کے ساتھ آخرت کا انکار کیا کرتے تھے۔

مسائل

۱۔ جنتی اپنے رب کی عطاؤں کا اقرار کرتے ہوئے اس کے شکر گزار رہوں گے۔

۲۔ جہنمیوں پر مسلسل لعنت اور پھٹکار پڑتی رہے گی۔

۳۔ اللہ کی راہ سے روکنے اور یوم آخرت کا انکار کرنے والے ظالم ہیں۔

تفسیر بالقرآن

لعنتی کون؟

۱۔ بے گناہ مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے پر لعنت اور اللہ کا عذاب ہوگا۔(النساء:۹۳)

۲۔ کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور جہنم کا عذاب۔(الاحزاب:۶۴)

۳۔ اللہ اور رسول کو ایذا پہنچانے والوں پر لعنت برستی ہے۔(الاحزاب:۵۷)

۴۔ ظالموں کے لیے جہنم کا عذاب اور لعنت ہے۔(حٰم السجدۃ:۵۲)

۵۔ یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔(المائدۃ:۶۴)

۶۔ جہنمی ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔(الاعراف:۳۸)

۷۔ منافقین پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور جہنم کا عذاب ہوگا۔(الفتح:۶)

آخرت میں خسارہ پانے والے لوگ:

۱۔ حقیقی خسارے پانے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن نقصان اٹھایا۔(الشوریٰ:۴۵)

۲۔ کفار کے لیے شدید عذاب ہے اور وہ آخرت میں نقصان اٹھائیں گے۔(النمل:۵)

۳۔ کیا ہم تمہیں اعمال کے لحاظ سے خسارہ پانے والے لوگوں کے متعلق نہ بتائیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیاوی کوشش رائیگاں گئی۔(الکھف:۱۰۳۔۱۰۴)

۴۔ اللہ تعالیٰ پر افترا بازی کرنے والے آخرت میں نقصان اٹھائیں گے۔(ھود:۲۲۔۲۳)

وَ بَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا ۢ بِسِيْمٰهُمْ ۚ

اوران دونوں کے درمیان پردہ اور پر اعراف کچھ لوگ وہ پہچانتے ہیں ہرایک کو انکی علامات سے

وَ نَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ قف لَمْ يَدْخُلُوْهَا

اور وہ پکاریں گے جنت والوں کو کہ سلام ہو تم پر نہ وہ داخل ہوں گے اس میں

وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ

اور وہ امید رکھتے ہوں گے اور جب پھیری جائیں گی انکی آنکھیں کی طرف والے

النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

آگ وہ کہیں گے اے ہمارے رب نہ تو کر ہم کو ساتھ قوم ظالموں

''اوران دونوں کے درمیان ایک پردہ ہوگا اوراس کی بلندیوں پر کچھ مرد ہوں گے جو سب کو ان کی نشانی سے پہچانیں گے اور وہ جنت والوں کو آواز دیں گے کہ تم پر سلامتی ہو وہ اس میں داخل نہ ہوئے ہوں گے جبکہ وہ امید رکھتے ہوں گے۔(۴۶)اور جب ان کی نگاہیں جہنم والوں کی طرف پھیری جائیں گی تو کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کرنا۔''(۴۷)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ اصحابِ اعراف کا جنتیوں کو سلام اور جہنمیوں کو شرم دلانا۔

اعراف کا معنیٰ بلندی ہے جو جنت اور جہنم کے درمیان لامتناہی طول وعرض اور بلند وبالا قسم کی دیوار ہوگی اور اس میں ایک دروازہ بھی ہوگا جس کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر سورۃ الحدید آیت ۱۳ میں کیا گیا ہے اس پر تشریف فرما لوگوں کو اصحاب الاعراف کے نام سے پکارا جائے گا یہ کون حضرات ہوں گے ان کے بارے میں قرآن وحدیث میں دو اور دو چار کے الفاظ میں وضاحت نہیں ملتی۔ البتہ مفسرین نے متقدمین کے اقوال سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ان سے مراد وہ اصحاب ہوں گے جنھوں نے والدین کی اجازت کے بغیر قتال فی سبیل اللہ میں حصہ لیا ہوگا۔ یہ بالآخر جنت میں داخل ہوں گے۔ ایسے حضرات کو الاعراف پر براجمان کیا جائے گا تاکہ انھیں ان کی کمزوریوں کا کچھ نہ کچھ احساس دلایا جائے۔ یہ اہل جنت کو ان کے نام اور اعزازات سے پہچان کر ان کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہوئے اس اُمید کا اظہار کریں گے گو ہمیں اب تک تمھاری رفاقت کا اعزاز اور جنت میں داخلہ نصیب نہیں ہوا لیکن ہمیں اپنے رب کے فضل وکرم سے پوری اُمید ہے کہ وہ ہمیں اپنی جنت میں داخلہ عطا

وَ نَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا

اور پکاریں گے والے اعراف کچھ لوگ وہ پہچانتے ہوں گے انکو انکی علامات سے وہ کہیں گے

مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ

نہیں فائدہ دیا تمہیں تمہارا جتھا اور جو تھے تم تم تکبر کرتے کیا یہی

الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ

وہ لوگ ہیں تم قسمیں کھاتے تھے نہیں پہنچائے گا انکو اللہ رحمت تم داخل ہو جاؤ جنت

لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ نَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ

نہ کوئی خوف تم پر اور نہ تم تم غمگین ہو گے اور پکاریں گے دوزخ والے

اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا

جنت والے یہ کہ تم بہاؤ ہم پر سے کچھ پانی یا اس سے جو

رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ۙ

تم کو دیا اللہ نے رزق وہ کہیں گے بیشک اللہ نے یہ دونوں حرام کر دیں انکار کرنے والوں پر

''اور اعراف والے کچھ لوگوں کو آواز دیں گے جنہیں وہ ان کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے۔ کہیں گے تمہارے کام نہ تمہاری جماعت آئی اور نہ تمہارا بڑا پن کام آیا۔ (۴۸) کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق تم نے قسمیں کھائی تھیں کہ اللہ انہیں کسی رحمت سے نہیں نوازے گا؟ جنت میں داخل ہو جاؤ نہ تم پر کوئی خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے۔ (۴۹) اور آگ والے جنت والوں کو آواز دیں گے کہ ہم پر کچھ پانی ڈال دو یا اس سے ہمیں کچھ دو جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے وہ کہیں گے بے شک اللہ نے یہ دونوں چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں۔'' (۵۰)

فرمائے کا اس گفتگو کے بعد ان کے چہروں کو جہنم کی طرف پھیر دیا جائے گا وہ جہنم کی بلاؤں اور سزاؤں اور ان میں مبتلا جہنمیوں کو دیکھ کر اپنے رب سے عاجزانہ درخواست کریں گے۔ بارالہا! ہمیں جہنم کی ہولناکیوں اور ظالموں کی معیت سے محفوظ فرما کر جنت میں داخلہ نصیب فرما۔ پھر وہ جہنمیوں کے نام اور ان کے چہروں سے پہچانتے ہوئے انھیں شرم دلائیں گے کہ افرادی قوت، اسباب و وسائل کی کثرت اور تمھارا انکار و استکبار تمھیں جہنم میں داخل ہونے سے نہ بچا سکے اور جن لوگوں کو تم دنیا میں حقیر سمجھ کر ان کے ایمان اور صالح کردار پر طعنہ زنی کرتے تھے کہ یہ لوگ کسی صورت میں ہم سے بہتر نہیں ہو سکتے۔ اگر یہ واقعی اللہ کے پسندیدہ لوگ ہیں تو انھیں ہمارے مقابلہ میں دنیا کی نعمتیں کیوں حاصل نہیں ہو سکیں۔ اے جہنم والو! یہ بھی دنیا میں کہا

کرتے تھے کہ یہ لوگ آخرت میں بھی اللہ کے فضل وکرم سے محروم رہیں گے۔

اب دیکھو کہ یہ خوش نصیب کس طرح اپنے رب کی نعمتوں سے سرفراز کیے جا رہے ہیں۔ اصحاب الاعراف کی جہنمیوں کے ساتھ اس گفتگو کے بعد انھیں جنت میں داخلہ کی اجازت دیتے ہوئے اطمینان دلایا جائے گا کہ اب تمھیں کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اعراف پر بیٹھے ہوئے جہنم کی ہولناکیوں کو دیکھتے ہوئے خوفزدہ تھے اس لیے جنت میں داخلہ عنایت کرکے انھیں حزن وملال اور خوف وخطر سے مامون رہنے کی تسلی دی گئی ہے۔ کیونکہ جنت آسائش وآرام اور سکون و اطمینان کا گہوارا ہے۔ جب یہ لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے تو جہنمی آہ وزاریاں کرکے ان سے فریاد کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ماکولات اور مشروبات تمھیں عنایت کیے ہیں ان میں سے پانی اور کھانے کے لیے کچھ نہ کچھ ہمیں بھی عنایت کیجیے۔ ان کے جواب میں جنتی فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کا اکل وشرب کافروں پہ حرام کر رکھا ہے اس لیے ہم تم کو پانی کا ایک گھونٹ اور کھانے کے لیے ایک ذرّہ بھی نہیں دے سکتے۔

۱۔ اَهٰٓؤُلَآءِ کا اشارہ لایا گیا ہے جو قریب کے لیے استعمال ہوتا ہے ممکن ہے کہ جہنمیوں کی حسرتوں اور ذلتوں میں اضافہ کرنے کے لیے جنت اور دوزخ کے درمیان واقع اس دیوار کا دروازہ ایک دفعہ کھول دیا جائے جس سے یہ جنتیوں کو قریب سے دیکھ سکیں۔

۲۔ اصحاب الاعراف اونچی دیوار پر بیٹھے جنتیوں کو بھی دیکھ رہے ہوں گے شاید ان کے لیے قریب کا اشارہ کیا گیا ہے۔

۳۔ رجال سے مراد مفسرین نے جنت اور جہنم کے سردار لیے ہیں۔

مسائل

۱۔ اصحاب اعراف جنتی اور جہنمیوں کو ان کے نام سے آواز دیں گے۔

۲۔ اصحاب اعراف بالآخر جنت میں داخل کر دیے جائیں گے۔

۳۔ جہنمیوں کو ان کا تکبر اور مال واسباب کچھ فائدہ نہیں دے گا۔

۴۔ جنت میں کسی قسم کا خوف وخطر اور حزن وملال نہیں ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

جنتی بے خوف ہوں گے:

۱۔ تم جنت میں داخل ہو جاؤ تمہارے اوپر کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا۔ (الاعراف:۴۹)

۲۔ جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لیے مطیع کر لیا اس پر کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا۔ (البقرۃ:۱۱۲)

۳۔ اے میرے بندو! تمہارے اوپر کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا۔ (الزخرف:۶۸)

الَّذِيْنَ	اتَّخَذُوْا	دِيْنَهُمْ	لَهْوًا	وَّلَعِبًا	وَّغَرَّتْهُمُ
وہ لوگ	انھوں نے بنالیا	اپنے دین کو	تماشا	اور کھیل	اور انکو دھوکے میں ڈالا
الْحَيٰوةُ	الدُّنْيَا ج	فَالْيَوْمَ	نَنْسٰهُمْ	كَمَا	نَسُوْا	لِقَآءَ
زندگی	دنیا	سو آج	ہم انہیں بھلادیں گے	جس طرح	انہوں نے بھلایا	ملاقات
يَوْمِهِمْ	هٰذَا لا	وَمَا	كَانُوْا	بِاٰيٰتِنَا	يَجْحَدُوْنَ ﴿٥١﴾
اس دن کی	یہ	اور جو	تھے وہ	ہماری آیات کا	انکار کرتے
وَلَقَدْ	جِئْنٰهُمْ	بِكِتٰبٍ	فَصَّلْنٰهُ	عَلٰى عِلْمٍ	هُدًى	وَّرَحْمَةً
اور تحقیق	ہم انکے پاس لائے	ایسی کتاب	ہم نے اسکو کھول کر بیان کیا	علم کے ساتھ	وہ ہدایت	اور رحمت

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾

ان لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں

''جنہوں نے اپنے دین کو تماشا اور کھیل بنالیا اور انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکہ دیا تو آج ہم انہیں بھلا دیں گے، جیسے وہ اس دن کی ملاقات کو بھول گئے اور جیسے وہ ہماری آیات کا انکار کیا کرتے تھے۔(۵۱) اور بلاشبہ ہم ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جسے ہم نے علم کے ساتھ خوب کھول کر بیان کیا ہے، ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت بنا کر جو ایمان رکھتے ہیں۔''(۵۲)

فہم القرآن

ربط کلام: جہنمیوں کا جہنم میں جانا اور ان پر جنت کی نعمتوں کا حرام ہونا اس لیے ہوگا کہ یہ دین کو کھیل تماشا سمجھتے ہوئے دنیا کی عیش وعشرت میں غرق ہو کر آخرت کو بھول چکے تھے۔

کھیل تماشا وقتی طور پر دل بہلانے اور ایک حد تک صحت کے لیے مفید ہوتا ہے بشرطیکہ اس میں وقت اور دولت کا ضیاع اور بے حیائی کا عنصر شامل نہ ہو۔ اگر یہ چیزیں کسی کھیل اور گیم میں شامل ہو جائیں تو فائدہ کے بجائے صحت اور وقت کا نقصان ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ کھیل کود انسان پوری زندگی اختیار نہیں کر سکتا کیونکہ کھیلنے کودنے سے آدمی کا پیٹ نہیں بھرتا اور نہ ہی زندگی بھر کوئی شخص اسے اختیار کر سکتا ہے۔ یہاں کھیل تماشا کا ذکر کر کے یہ بتلانا مقصود ہے کہ سنجیدہ انسان کے سامنے ایسی چیزوں کی کوئی حیثیت اور حقیقت نہیں ہوتی۔

جہنم میں داخل ہونے والوں کا دین کے ساتھ یہی رویہ تھا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو وقت کا ضیاع سمجھا،

دین کے احکام کو ناروا پابندی جانا، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو اپنے لیے غلامی تصور کرتے ہوئے اس سے روگردانی کی اور دنیا کی لذّات، جاہ وحشمت اور ترقی میں اس طرح غرق ہوئے کہ دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں دائمی تصور کرلیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب انھیں سمجھانے والا سمجھانے کی کوشش کرتا تو اس کے ساتھ استہزاء اور جھگڑا کیا کرتے تھے جس کے بدلہ میں آج جہنم میں ان کی آہ وزاریوں کو یکسر فراموش کردیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے بھولنے سے مراد کسی قسم کا نسیان نہیں بلکہ اس کے بھولنے سے مراد یکسر طور پر مسترد کردینا ہے۔

بظاہر "ھم" کا اشارہ اہل مکہ کی طرف ہے لیکن قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بنی نوع انسان کو رہتی دنیا تک مخاطب کیا گیا ہے کیونکہ انسان کی رہنمائی کے لیے یہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اس لیے اس میں ہدایت کے متعلق تمام تفصیلات اور ہدایات بیان کردی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو اپنے قطعی اور جامع علم کے مطابق نازل فرمایا ہے یہی وجہ ہے اس کی ہدایت کے مقابلہ میں کوئی ہدایت اور رہنمائی نہیں ہوسکتی جو کچھ اس میں دنیا اور آخرت کے حوالے سے حقائق بیان کیے گئے ہیں۔ وہ من وعن آج تک پورے ہوئے ہیں اور ہمیشہ عقل، علم اور سچائی کے اصولوں پر پورے اترتے رہیں گے۔ جو فرد اور قوم اس کی رہنمائی میں اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارے گی۔ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سزاوار ہوگی۔ ہر قسم کی کامیابی پا کر آخرت میں سرخرو ہوگی۔ لیکن رحمت اور ہدایت انھی لوگوں کو حاصل ہوگی جو قرآن مجید پر کامل ایمان لائیں گے۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید تمام بنی نوع انسان کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

۲۔ دین کو کھیل اور تماشا سمجھنے والا آخرت میں نقصان اٹھائے گا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہدایت کے متعلق ہر بات کھول کر بیان کردی ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے اوصاف کی ایک جھلک:

۱۔ قرآن مجید لاریب کتاب ہے۔ (البقرۃ:۱) ۲۔ قرآن مجید برہان اور نور مبین ہے۔ (النساء:۱۷۴)

۳۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔ (آل عمران:۱۳۸)

۴۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح کتاب ہے۔ (ھود:۱)

۵۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ (البقرۃ:۱۸۵)

۶۔ قرآن مجید کے نزول کا مقصد لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانا ہے۔ (ابراہیم:۱)

هَلْ	يَنْظُرُوْنَ	اِلَّا	تَاْوِيْلَهٗ ؕ	يَوْمَ	يَاْتِىْ	تَاْوِيْلُهٗ
نہیں	وہ انتظار کرتے	مگر	اس کا انجام	جس دن	آئے گا	اس کا انجام
يَقُوْلُ	الَّذِيْنَ	نَسُوْهُ	مِنْ	قَبْلُ	قَدْ	جَآءَتْ
کہیں گے	وہ لوگ	جو اسکو بھول گئے تھے	سے	پہلے	تحقیق	آئے تھے
رُسُلُ	رَبِّنَا	بِالْحَقِّ ۚ	فَهَلْ	لَّنَا	مِنْ شُفَعَآءَ	فَيَشْفَعُوْا
رسول	ہمارے رب کے	حق کیساتھ	پھر کیا	ہمارے لیے کوئی	سفارشی (جمع)	جو سفارش کریں
لَنَآ	اَوْ نُرَدُّ	فَنَعْمَلَ	غَيْرَ	الَّذِىْ	كُنَّا	نَعْمَلُ ؕ
ہمارے لیے	یا ہم لوٹائے جائیں	تو ہم کریں گے	علاوہ	وہ جو	تھے ہم	عمل کرتے
قَدْ	خَسِرُوْٓا	اَنْفُسَهُمْ	وَضَلَّ	عَنْهُمْ	مَّا كَانُوْا	يَفْتَرُوْنَ ۝٥٣ ع ٦ ١٣
تحقیق	انھوں نے خسارے میں ڈالا	اپنے آپ کو	اور گم ہو گیا	ان سے	جو وہ تھے	افترا باندھتے

’’وہ اس کے انجام کے سوا کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں؟ جس دن اس کا انجام آپہنچے گا تو وہ لوگ جنھوں نے اس سے پہلے اسے بھلا دیا تھا کہیں گے یقیناً ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے کیا ہمارے لیے کوئی سفارش کرنے والے ہیں کہ جو ہماری سفارش کریں یا ہمیں واپس بھیجا جائے تو ہم اس کے برخلاف عمل کریں جو ہم کیا کرتے تھے۔ بلاشبہ انہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا اور ان سے گم ہو گیا جو وہ جھوٹ بنایا کرتے تھے۔‘‘ (۵۳)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآن مجید کی ہدایت سے روگردانی کرنے اور آخرت کو بھول جانے کا انجام اور جہنمیوں کی حسرتوں کا بیان۔

قرآن مجید میں لفظ تاویل سترہ آیات میں آیا ہے ان مقامات کی تلاوت سے یہ حقیقت عیاں ہوئی ہے کہ یہ لفظ مختلف معانی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ سورۃ آل عمران آیت ۷ میں تفسیر اور تشریح کے لیے استعمال ہوا۔ سورۃ النساء، آیت ۵۹ میں نتیجہ اور انجام مراد ہے۔ الاعراف آیت ۵۳، سورۃ یونس، آیت ۳۹ میں ایسے واقعہ کا ظہور پذیر ہونا جس کی کسی رسول یا نبی نے خبر دی ہو۔ سورۃ یوسف میں تین دفعہ خواب کی تعبیر کے معنی میں آیا ہے، سورۃ الکہف، آیت ۷۸ اور ۸۲ میں کسی کام کے محرک اور سبب کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مندرجہ بالا حوالہ جات میں اس آیت کا حوالہ بھی شامل ہے یہاں دو مرتبہ تاویل کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام بیان کیا کرتے تھے۔ اس کا من وعن سچا ثابت ہونا۔

دنیا کے اسباب و وسائل اور ان کی ہوس میں مدہوش ہو کر آخرت کو بھول جانے والے قیامت کے دن جب کھلی آنکھوں سے اپنا انجام اور جہنم کی ہولناکیاں دیکھیں گے تو اس بات کا برملا اظہار کریں گے کہ واقعی ہمارے رب کے فرستادہ رسول قیامت کے بارے میں حق اور سچ فرماتے تھے۔ لیکن ہماری بدبختی کہ ہم نے انکار کر دیا۔ اس اعتراف کے باوجود مجرموں کو اس کا کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا پھر وہ بڑی حسرت اور آہ وزاری کے ساتھ اس بات کا اظہار کریں گے کہ کاش آج کوئی سفارش کرنے والا ہماری سفارش کرے تاکہ ہم جہنم سے نجات پائیں یا ہمیں ایک دفعہ دنیا میں واپس لوٹایا جائے تاکہ ہم برے اعمال کے بجائے صالح اعمال کر سکیں۔ یہ فریاد بھی مسترد کر دی جائے گی۔ سورۃ الانعام آیت ۲۷، ۲۸ میں بیان ہوا ہے کاش آپ دیکھیں جب یہ لوگ جہنم کی آگ کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے تو وہ فریاد کریں گے۔ کاش ہمیں واپس لوٹایا جائے اور ہم اپنے رب کی آیات کی تکذیب ہرگز نہ کریں گے اگر انھیں دنیا میں ایک دفعہ لوٹا بھی دیا جائے تو یہ وہی کچھ کریں گے جو پہلے کرتے رہے ہیں۔ کیونکہ یہ بڑے جھوٹے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچانے والے ہیں اور دنیا میں جو دعوے کیا کرتے اور جن کو دستگیر اور مشکل کشا سمجھتے تھے سب کو بھول جائیں گے۔

مسائل

۱۔ مجرم اپنا انجام دیکھ کر قیامت کے دن اعترافِ حق کریں گے۔
۲۔ مجرم خواہش کے باوجود کسی کو اپنا سفارشی نہیں پائیں گے۔
۳۔ مجرم دنیا میں واپس آنے کی خواہش کریں گے جو کبھی قبول نہ ہوگی۔
۴۔ کافر اور مشرک ایک دوسرے سے کیے ہوئے وعدے بھول جائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

مجرموں کا افسوس کرنا:

۱۔ عذاب کے وقت کفار کا حسرت وافسوس کرنا۔ (البقرۃ: ۱۶۷)
۲۔ موت کے وقت آہ وزاریاں کرنا۔ (المومنون: ۹۹)
۳۔ محشر کے میدان میں حسرت وافسوس کا اظہار کرنا۔ (النبا: ۴۰)
۴۔ جہنم میں ان کا آہ وبکا کرنا۔ (فاطر: ۳۷)

اِنَّ	رَبَّكُمُ	اللّٰهُ	الَّذِیْ	خَلَقَ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضَ
یقیناً	تمہارارب	اللہ	وہ جو	اس نے پیدا کیا	آسمانوں	اور زمین
فِیْ سِتَّةِ	اَیَّامٍ ثُمَّ	اسْتَوٰی	عَلَی	الْعَرْشِ قف	یُغْشِی	الَّیْلَ
میں چھ	دن (جمع) پھر	مستوی ہوگیا	پر	عرش	وہ ڈھانپتا ہے	رات
النَّهَارَ	یَطْلُبُهٗ	حَثِیْثًا ۙ	وَّالشَّمْسَ	وَالْقَمَرَ	وَالنُّجُوْمَ	مُسَخَّرٰتٍۭ
دن	طلب کرتا ہے اسے	جلدی جلدی	اور سورج	اور چاند	اور ستارے	وہ تابع ہیں
بِاَمْرِهٖ ط	اَلَا	لَهُ الْخَلْقُ	وَالْاَمْرُ ط	تَبٰرَكَ	اللّٰهُ	رَبُّ
اسکے حکم کے	آگاہ رہو	اسی کیلئے پیدا کرنا	اور حکم فرمانا	بابرکت ہے	اللہ	رب

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۴﴾

جہانوں کا

’’بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر عرش پر قائم ہوا، وہ رات کو دن پر اوڑھا دیتا ہے جو تیز چلتا ہوا اس کے پیچھے چلا آتا ہے اور سورج اور چاند اور ستارے پیدا کیے، اس حال میں کہ اس کے حکم کے تابع ہیں سن لو پیدا کرنا اور حکم دینا اللہ ہی کا کام ہے، بہت برکت والا ہے اللہ جو سارے جہانوں کا رب ہے۔‘‘(۵۴)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرک جن کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی سمجھتے ہیں۔ ان کا کائنات کی تخلیق اور اس کے چلانے میں کوئی عمل دخل نہیں پھر وہ کس بنیاد پر سفارش کریں گے؟

قرآن کریم نے مادی کائنات کے آغاز و انجام کا ایک خاص تصور دیا ہے۔ یہ تصور ڈیڑھ سو برس پہلے تک انسان کے لیے بالکل نامعلوم تھا۔ یقیناً نزول قرآن کے زمانے میں تو اس کا شاید تصور بھی کسی انسان کے لیے محال تھا۔ مگر جدید کائنات کے علم نے حیرت انگیز (کسی مسلمان کے لیے تو یہ بالکل حیرت انگیز نہیں ہے۔ ہاں غیر مسلموں کے لیے ضرور ہو سکتا ہے) طور پر اس کی تصدیق کی ہے۔

قرآن کریم میں مظاہر فطرت، تخلیق اور دیگر اہم موضوعات کا تذکرہ ایک مسلسل اور مربوط انداز کی بجائے پورے قرآن میں پھیلا ہوا۔ جس کا مقصد موقعہ محل کے مطابق اس سے اللہ کی توحید کا استدلال کرنا ہے۔ چنانچہ متعدد سورتوں میں پھیلے ہوئے

اجزا کو یکجا کر کے ہم تخلیق کائنات اور سماوات وارض کے مختلف ارتقائی مراحل کا قرآنی تصور حاصل کر کے جدید سائنسی تحقیقات سے ان کا موازنہ کر سکتے ہیں۔

ان آیات سے تخلیق کے چند نکات بالکل واضح ہیں۔

۱۔ عام تخلیق کے لیے چھ ادوار کا ہونا۔ (جن کا دورانیہ اربوں کھربوں سالوں پر محیط ہے، صحیح علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔)

۲۔ آسمان اور زمین کے وجود کا آپس میں جڑا ہونا۔

۳۔ کائنات کی تخلیق ابتدائی نوعیت کے ایسے مادے سے جو ایک بڑے تودے کی شکل میں تھا اور بالآخر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

۴۔ آسمانوں اور زمینوں کے درمیان مخلوق کی تخلیق۔

۵۔ آسمانوں اور زمینوں کا مقررہ وقت پر طے شدہ وقت کے مطابق وخاتمہ۔

تشکیل کائنات سے متعلق چند جدید سائنسی معلومات

کائنات کی ابتداء

Big Bang Theory

انیسویں صدی کے نصف اول میں چند علماء یورپ کا یہ خیال تھا کہ شاید کائنات ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔ لیکن جدید سائنسی تحقیقات نے یہ ثابت کیا ہے کہ کائنات ہمیشہ سے موجود نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی ایک ابتدا ہے اور اس کا ایک انجام بھی مقدر ہے۔

جدید طبیعات کا ایک قانون (Second law of thermodynamics) ''احرکیات حرارت کا دوسرا قانون'' ہے۔ اس کا ایک ضمنی قانون جسے ''ضابطۂ ناکارگی'' (Law of Enterophy) کہا جاتا ہے۔ ثابت کرتا ہے کہ کائنات ہمیشہ سے موجود نہیں ہو سکتی۔ یہ قانون بتاتا ہے کہ حرارت، مسلسل، باحرارت وجود سے بے حرارت وجود میں منتقل ہوتی رہتی ہے مگر اس چکر کو الٹا نہیں چلایا جا سکتا کہ خود بخود حرارت، کم حرارت والے جسم سے زیادہ حرارت والے جسم میں منتقل ہونے لگے۔ ناکارگی دستیاب توانائی (Available energy) اور غیر دستیاب توانائی (Unavailable Energy) کے درمیان تناسب کا نام ہے اور اسی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ کائنات کی ناکارگی مسلسل بڑھ رہی ہے۔ اور ایک وقت ایسا آنا مقدر ہے جب تمام موجودات کی حرارت یکساں ہو جائے گی اور کوئی کارآمد توانائی باقی نہیں رہے گی۔ اس کا نتیجہ

یہ نکلے گا کہ کیمیائی اور طبعی عمل کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور زندگی بھی اس کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گی۔ لیکن اس حقیقت کے پیش نظر کہ کیمیائی اور طبعی عمل جاری اور زندگی کے ہنگامے قائم ہیں یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ کائنات ازل سے موجود نہیں۔ ورنہ اخراج حرارت کے لازمی قانون کی وجہ سے اس کی توانائی کبھی کی ختم ہو چکی ہوتی اور یہاں زندگی کی ہلکی سی رمق بھی موجود نہ ہوتی۔ اسی جدید تحقیق کا حوالہ دیتے ہوئے ایک امریکی عالم حیوانات (Edward Futher Kessel) لکھتا ہے:

''اس طرح غیر ارادی طور پر سائنس کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ کائنات اپنا ایک آغاز (Beginning) رکھتی ہے۔ اور ایسا کرتے ہوئے اس نے خدا کی صداقت کو ثابت کر دیا ہے۔ کیونکہ جو چیز اپنا آغاز رکھتی ہو وہ اپنے آپ شروع نہیں ہو سکتی۔ یقیناً وہ ایک محرک اول، ایک خالق، ایک خدا کی محتاج ہے۔'' (The Evidence of God ,p51)

چنانچہ کائنات کے وجود میں آنے کا مسلمہ جدید ترین نظریہ یہ ہے کہ ابتداً مادہ مرکوز اور مجتمع (Concertrated and condensed) حالت میں تھا۔

﴿أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ﴾ [سورة الأنبياء: ۳۰]

''کیا کافروں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ ارض وسماوات آپس میں گڈمڈ تھے پھر ہم نے انھیں الگ الگ کیا اور ہر جاندار چیز کو پانی سے زندگی بخشی کیا پھر بھی یہ لوگ (اللہ تعالیٰ کی خلاقی) پر ایمان نہیں لاتے؟''

یہ مادہ بالکل توازن کی حالت میں تھا اس میں کسی قسم کی کوئی حرکت نہ تھی پھر اچانک یہ ایک عظیم دھماکہ (Big Bang) (یہ عظیم دھماکہ ایک اندازہ کے مطابق 15 کھرب سال پہلے ہوا) سے پھٹ پڑا اور اس نے ایک عظیم گیسی بادل یا قرآن کے لفظ میں دخان ﴿ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ﴾ کی صورت اختیار کر لی۔ سائنس کی یہ دریافت قرآنی بیان کی تفسیر معلوم ہوتی ہے۔ یہ گیسی بادل بہت عظیم الجثۃ تھا اور آہستہ آہستہ گردش کر رہا تھا۔ یہ عظیم سدیم (Primery Nebula) انجام کار متعدد ٹکڑوں میں بٹ گیا جن کی لمبائی چوڑائی اور مقدار مادہ بہت ہی زیادہ تھا۔ نجمی طبیعات (Astrophysicist) کے ماہرین اس کی مقدار کا اندازہ سورج کے موجودہ مادہ کے ایک ارب سے لگا کر ایک کھرب گنا تک لگاتے ہیں۔ ان اعداد سے ابتدائی گیسی مقدار مادہ (Hydrogen and Helium) کے ان ٹکڑوں کے عظیم جثوں کا کچھ تصور ملتا ہے جن سے بعد میں عمل انجماد (Condensation) کے ذریعے کہکشائیں وجود میں آئیں۔

وسعت کائنات

یہ کائنات جس کا ابھی تک انسان احاطہ نہیں کر سکا ہے اتنی وسیع ہے کہ اس کو تصور میں لانا ہی مشکل ہے اگر ساری دنیا کے ریگستانوں اور سمندروں کے کنارے پائی جانے والی ریت اکٹھی کر لی جائے تو ریت کے اس عظیم ڈھیر میں جتنی حیثیت، ریت کے ایک ذرّے کی ساری ریت کے مقابلے میں بنتی ہے کائنات کے مقابلے میں ہماری زمین کی شاید اتنی حیثیت بھی نہیں بنتی ۔ اگر ہم ایک خیالی جہاز تصور کریں جو روشنی کی ہیبت ناک رفتار یعنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ (1,86,000 Miles/sec) کی رفتار سے سفر کر سکتا ہو کائنات کے گرد گھومے تو اس ہوائی جہاز کو پورا چکر لگانے میں ایک ارب سال لگیں گے۔ پھر بھی ہمارا یہ فرضی جہاز کبھی کائنات کا چکر مکمل نہ کر سکے گا کیونکہ اتنی وسعت کے باوجود یہ کائنات ٹھہری ہوئی نہیں بلکہ غبارے کی طرح پھیل رہی ہے اور اس کے پھیلنے کی رفتار اتنی ہے کہ ہر 130 کروڑ سال بعد کائنات کے تمام فاصلے دُگنے ہو جاتے ہیں۔ کائنات کا یہ پھیلاؤ جدید سائنس کی سب سے مرعوب کن دریافت اور اب یہ ایک نہایت مستحکم تصور ہے اور بحث صرف اس بات پر مرکوز ہے کہ یہ امر کس طرح انجام پا رہا ہے۔ جبکہ قرآن نے 14,00 سال پہلے اس کا انکشاف کر دیا تھا۔

﴿وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ﴾ [سورة الذاريات:٤٧]

’’آسمان کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اور ہم ہی اس میں توسیع کر رہے ہیں۔‘‘

نزول قرآن کے وقت کسی بھی شخص کے لیے ناممکن تھا کہ وہ وسعت کائنات کا مطالعہ و مشاہدہ کر سکتا ہو۔ چنانچہ سائنس کی یہ دریافت اس بات کا بین ثبوت ہے کہ قرآن خالق کائنات یعنی اللہ کا کلام ہے۔

نظامِ شمسی اور کہکشائیں

نظام شمسی ایک ایسے نظام کو کہتے ہیں جس کے مرکز میں ایک سیارہ ہو اور اس کے گرد مختلف سیارے اپنے اپنے مداروں میں چکر لگا رہے ہوں۔ چنانچہ کائنات کے جس نظام شمسی میں ہم رہتے ہیں اس کے مرکز میں سورج ہے اور اس کے گرد بشمول ہماری زمین ۹ سیارے چکر لگا رہے ہیں۔ صرف اس نظام کی وسعت کا یہ حال ہے کہ سورج کی (یاد رہے کہ روشنی 1,86,000 میل فی سیکنڈ کی تیز ترین رفتار سے سفر کرتی ہے) روشنی کو اپنے بعید ترین سیارے یعنی پلوٹو (Pluto) جو کہ اعداد میں دیکھیں تو سورج سے تین ارب سرسٹھ کروڑ بیس لاکھ میل (3,66,2000000) دور ہے، کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں اور پلوٹو سورج کے گرد ساڑھے سات ارب میل کے مدار میں چکر لگا رہا ہے۔ ہماری زمین جو

سورج سے ساڑھے نو کروڑ میل دور ہے اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھومتی ہے۔ سورج کے گرد اُنیس کروڑ میل کا دائرہ ہے جو ایک سال میں پورا ہوتا ہے۔ یہ تمام سیارے اپنے سفر میں اس طرح مصروف ہیں کہ ان کے گرد اکتیس چاند بھی اپنے اپنے سیاروں کے گرد گھوم رہے ہیں۔ ان کے علاوہ تیس ہزار چھوٹے سیاروں (Asteroids) کا ایک حلقہ، ہزاروں دمدار ستارے (Comets) اور لاکھوں شہاب ثاقب ہیں جو اسی طرح گردش میں مصروف ہیں۔ ان سب کے درمیان میں سورج ہے جس کا قطر (Diameter) آٹھ لاکھ پینسٹھ ہزار میل ہے اور وہ زمین سے بارہ لاکھ گنا بڑا ہے، پھر یہ سورج خود بھی رکا ہوا نہیں۔ سورج کس طرح سفر کر رہا ہے؟ کیلیفورنیا کی ایک رصدگاہ کے ڈائریکٹر آر جی ایٹکن کا اندازہ ہے کہ سورج اپنے نظام شمسی سمیت اپنی کہکشاں کے ساتھ چوبیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے کسی نامعلوم منزل کی طرف جا رہا ہے۔ جو جدید انکشاف کے مطابق سورج مجمع النجوم شلیاق کے مرکز جس کو Solar Apex کہا گیا ہے کی طرف جا رہا ہے۔ یہ دریافت بھی قرآن کی صداقت کا ایک منہ بولتا ثبوت ہے جیسا کہ قرآن نے چودہ صدیاں قبل ہی یہ اعلان کر دیا تھا۔

﴿وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ﴾ [یس:٣٨]

''اور سورج اپنی مقررہ گزرگاہ پر چل رہا ہے یہ زبردست علیم ہستی کا مقرر کردہ اندازہ ہے۔''

علمائے فلکیات کے ایک جدید اندازے کے مطابق ہر کہکشاں (Galaxy) میں دو کھرب ستارے ہیں اور اب تک معلوم کائنات میں تقریباً دو کھرب یہ کہکشائیں ہیں۔ جو کہکشاں ہم سے قریب ترین ہے وہاں سے روشنی کو ہم تک پہنچنے میں تقریباً نو لاکھ سال لگ جاتے ہیں۔ یہ کہکشاں مراۃ السلسلہ (Andromida) نامی مجمع النجوم میں واقع ہے۔ لہٰذا روشنی کو ان ستاروں سے جو معلوم سماوی جہاں کے اس سرے پر واقع ہیں ہم تک پہنچنے میں اربوں سال لگ جاتے ہیں۔ کائنات کی پہنائیاں اس قدر وسیع ہیں کہ ان کی پیمائش کے لیے خاص اکائیاں مثلاً نوری سال اور پارسک وغیرہ وضع کی گئیں ہیں۔ نوری سال یا سال نوای اس فاصلہ کو کہتے ہیں جو روشنی ایک سال میں طے کرتی ہے اور یہ تقریباً 58 کھرب ستار ارب میل کے برابر ہوتا ہے اور پارسک 3.26 نوری سال یا ایک نیل 92 کھرب میل کے لگ بھگ ہے۔ (فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ)

کائنات کی ان وسعتوں کو دیکھ کر لگتا ہے کہ اس حدیث میں ذرا بھی مبالغہ نہیں جس میں بتایا گیا ہے وہ آخری آدمی جسے اللہ تعالیٰ دوزخ سے نکال کر جنت میں بھیجے گا اور اُسے وہ وسیع و عریض باغ دکھا کر کہا جائے گا یہ سب تمھارا ہے تو وہ حیران ہو کر کہے گا: ''یا اللہ تو اللہ ہو کر مجھ سے مذاق کرتا ہے۔'' طرّہ پھر اس پہ یہ کہ یہ کہکشائیں بھی ٹھہری ہوئی نہیں ہیں بلکہ اپنے محور پر

گردش کر رہی ہیں۔ چنانچہ وہ کہکشاں جس میں ہمارا نظام شمسی واقع ہے اس کا اپنے محور پر ایک دور 20 کروڑ سال میں پورا ہوتا ہے۔ یہ ساری حرکتیں اور گردشیں حیرت انگیز طور پر نہایت تنظیم اور باقاعدگی کے ساتھ ہو رہی ہیں۔ نہ ان میں باہم کوئی ٹکراؤ ہوتا ہے اور نہ رفتار میں کوئی فرق پڑتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق Big Bang کے وقت اگر مادے کے پھیلنے کی رفتار میں ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے کے لاکھویں حصے جتنا بھی فرق پڑ جاتا تو ساری کائنات آپس میں ٹکرا کر درہم برہم ہو جاتی! (سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ)

یہ نظام اس حد تک مربوط اور مستند (Accurate) ہے کہ ایک کہکشانی نظام جو اربوں متحرک ستاروں پر مشتمل ہوتا ہے دوسرے کہکشانی نظام میں حرکت کرتا ہوا داخل ہوتا ہے اور پھر اس سے نکل جاتا ہے مگر باہم کسی قسم کا ٹکراؤ پیدا نہیں ہوتا! اس عظیم اور حیرت انگیز نظام کو دیکھ کر انسانی عقل بے اختیار اعتراف کرتی ہے کہ کوئی تو ہے، زبردست، غیر معمولی طاقت اور علم والا جس نے اس اتھاہ نظام کو قائم کر رکھا ہے۔

یہاں پر یہ واقعہ باعث بصیرت وتقویت ایمان ہوگا جس کا تعلق مشہور ماہر فلکیات سر جیمز جینز (Sir James Jeans) England(1877-1946) سے ہے۔ موصوف مشہور کتاب (The Mysterious Universe) کے مصنف ہیں۔ اس واقعہ کو علامہ عنایت اللہ مشرقی نے بیان کیا ہے انھی کے الفاظ میں سنیے۔

''1909 کا ذکر ہے، اتوار کا دن تھا اور زور کی بارش ہو رہی تھی۔ میں کسی کام سے نکلا تو جامعہ کیمبرج کے مشہور ماہر فلکیات سر جیمز جینز پر نظر پڑی جو بغل میں انجیل دبائے چرچ کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے قریب ہو کر سلام کیا۔ انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوبارہ سلام کیا تو متوجہ ہوئے اور کہنے لگے تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا دو باتیں۔ اول یہ کہ زور سے بارش ہو رہی ہے اور آپ نے چھتری بغل میں دبا رکھی ہے۔ سر جیمز جینز اپنی بدحواسی پر مسکرائے اور چھاتہ تان لیا۔ دوم یہ کہ آپ جیسا شہرہ آفاق آدمی گرجا میں عبادت کے لیے جا رہا ہے۔ یہ کیا؟ میرے اس سوال پر پروفیسر جیمز جینز لمحہ بھر کے لیے رک گئے اور پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا'' آج شام کی چائے میرے ساتھ پیو'' چنانچہ شام کو میں ان کی رہائش گاہ پر پہنچا۔ ٹھیک 4 بجے لیڈی جیمز باہر آ کر کہنے لگیں: ''سر جیمز تمھارے منتظر ہیں'' اندر گیا تو ایک چھوٹی میز پر چائے لگی ہوئی تھی۔ پروفیسر صاحب تصورات میں کھوئے ہوئے تھے۔ کہنے لگے: ''تمھارا سوال کیا تھا؟'' میرے بولنے کا انتظار کیے بغیر ہی اجرام فلکی کی تخلیق، ان کے حیرت انگیز نظام، بے انتہا پہنائیوں اور فاصلوں، ان کی پیچیدہ راہوں اور مداروں نیز باہمی کشش اور طوفان ہائے نور پر وہ ایمان افروز تفصیلات پیش کیں کہ میرا دل اللہ کی اس داستان کبریا اور جبروت پر دہلنے لگا، اور ان کی اپنی کیفیت یہ تھی کہ سر کے بال سیدھے اُٹھے ہوئے تھے۔ آنکھوں سے حیرت وخشیت کی دوگونہ کیفیتیں عیاں تھیں

،اللہ کی ہیبت اور دانش سے ان کے ہاتھ قدرے کانپ رہے تھے اور آواز لرز رہی تھی۔ فرمانے لگے،عنایت اللہ خاں! جب میں خدا کے تخلیقی کارناموں پر نظر ڈالتا ہوں تو میری ہستی اللہ کے جلال سے لرزنے لگتی ہے اور جب میں کلیسا میں خدا کے سامنے سرنگوں ہو کر کہتا ہوں ''تو بہت بڑا ہے'' تو میری ہستی کا ذرہ ذرہ میرا ہم نوا بن جاتا ہے۔ مجھے بے حد خوشی اور سکون نصیب ہوتا ہے۔ مجھے دوسروں کی نسبت عبادت میں ہزار گنا زیادہ کیف ملتا ہے کہو عنایت اللہ خاں! تمھاری سمجھ میں آیا کہ میں گرجے کیوں جاتا ہوں؟''

علامہ مشرقی کہتے ہیں کہ پروفیسر جیمز کی اس تقریر نے میرے دماغ میں عجیب کہرام مچا دیا۔ میں نے کہا:''جناب والا آپ کی روح افروز تفصیلات سے میں بے حد متاثر ہوا ہوں۔ اس سلسلے میں قرآن پاک کی ایک آیت یاد آئی ہے اگر اجازت ہو تو پیش کروں۔'' فرمایا ضرور چنانچہ میں نے یہ آیت پڑھی۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ﴾[سورة فاطر:۲۸]

''اور اسی طرح انسانوں، جانوروں اور مویشیوں کے لیے بھی رنگ مختلف ہیں بلا شبہ اللہ کے بندوں میں سے اس سے ڈرتے وہی ہیں جو علم رکھنے والے ہیں اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز پر غالب اور بخشنے والا ہے۔''

آیت سنتے ہی پروفیسر بولے ''کیا کہا! اللہ سے صرف اہل علم ڈرتے ہیں۔ حیرت انگیز، بہت عجیب، یہ بات جو مجھے ۵۰ برس کے مسلسل مطالعہ و مشاہدہ کے بعد معلوم ہوئی، محمد ﷺ کو کس نے بتائی۔ کیا قرآن میں واقعی ہی یہ آیت موجود ہے؟ اگر ہے تو میری شہادت لکھ لو کہ قرآن ایک الہامی کتاب ہے۔ محمد ﷺ ان پڑھ تھے،انھیں یہ عظیم حقیقت خود بخود معلوم نہیں ہو سکتی۔ انھیں یقیناً اللہ نے بتائی تھی۔ بہت خوب بہت عجیب......'' (بحوالہ:''ماہنامہ نقوش'')

مسائل

۱۔ جہانوں کا رب اللہ ہے جس نے چھ دن میں زمین و آسمانوں کو پیدا کیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق عرش کے اوپر متمکن ہے۔

۳۔ رات دن کو ڈھانپ لیتی ہے۔

۴۔ سورج، چاند، ستارے اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔

۵۔ کائنات کو پیدا کرنے والا اللہ ہے۔

۶۔ کائنات پر صرف اللہ کا حکم چلتا ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۟ۚ ﴿۵۵﴾

تم پکارو | اپنے رب کو | آہ وزاری سے | اور چپکے چپکے | یقیناً وہ | نہیں پسند کرتا | حد سے گزرنے والے

وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَ ادْعُوْهُ خَوْفًا

اور نہ | تم فساد کرو | میں زمین | بعد | اسکی اصلاح | اور پکارو اسکو | خوف

وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾

اور امید کرتے ہوئے | یقیناً رحمت | اللہ کی | قریب | سے | نیکی کرنے والے

’’اپنے رب کو گڑ گڑا کر اور خفیہ طور پر پکارو، بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔(۵۵) اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ اور اسے خوف اور امید سے پکارو، بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔‘‘(۵۶)

فہم القرآن

ربط کلام: جب زمین وآسمانوں کا خالق، رات اور دن، شمس وقمر اور ہر چیز کا مالک وہی ہے اور ہر چیز پر اسی کا حکم چلتا ہے۔تو کسی دوسرے کے سامنے دست سوال دراز کرنے کا کیا معنٰی؟ لہٰذا حقیقی خالق اور با اختیار مالک سے مانگا کیجیے اس سے نہ مانگنا اور غیروں سے مانگنا اللہ تعالیٰ کی بغاوت ہے جس سے ساری زمین کا نظام بگڑ تا ہے۔

دعا کے آداب میں شکر وحمد، درود اور توبہ استغفار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جلالت ومنزلت کا تقاضا اور فقیر کی شان یہ ہے کہ مانگتے وقت غایت درجے کی انکساری اور درماندگی کا اظہار کرتے ہوئے اسکے سامنے دست سوال دراز کرنا چاہیے۔شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ دعا مانگنے والا اس بے بسی اور بے چارگی کا اظہار کرے جس طرح مردہ غسّال کے ہاتھ میں ہو۔

((رُوۡحُ الدُّعَاءِ اَنۡ یَّرٰی کُلَّ حَوۡلٍ وَقُوَّةٍ مِنَ اللّٰهِ وَیَصِیۡرُ کَا لۡمَیِّتِ فِیۡ یَدِ الۡغُسَّالِ)) [حجة اللّٰه]

’’دعا کی روح یہ ہے کہ دعا کرنے والا ہر قسم کی طاقت وقوت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو تصور کرے اور اس کی قوت وعظمت کے سامنے اپنے آپ کو اس طرح بے بس سمجھے جس طرح نہلانے والے کے ہاتھوں میت ہوتی ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کو انکساری اس قدر پسند ہے کہ جب انسان پریشانیوں کے ہجوم، مسائل کے گرداب اور مصائب کے طوفانوں میں پھنس جاتا ہے۔عزیز واقربا، دوست واحباب منہ پھیر چکے ہوتے ہیں، لوگوں کی بے وفائی کے جھٹکوں اور حالات وواردات کے تھپیڑوں نے اُسے زمین کی پستیوں پر دے مارا ہوتا ہے تمام وابستگیاں ختم اور ہر قسم کی امیدیں دم توڑ گئی ہیں۔ اب نہ اٹھنے کی ہمت ہے اور نہ بیٹھنے کی سکت ہر دم بستر کے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔جسمانی طور پر اس قدر کمزوری کا عالم! کہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکا ہے۔ہاتھ اٹھانا چاہتا ہے مگر ہمت اور طاقت ختم ہو چکی ہے۔کیونکہ بیماری اور غم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھانے کے قابل نہیں رہا۔

معذوریاں، مجبوریاں:

ان مجبوریوں اور معذوریوں میں ایک آواز اس کے کانوں کو مس کرتی ہے۔آواز میں یہ تحریک اور امید دلائی جارہی ہے کہ میرے کمزور، ناتواں اور گناہ گار بندے تجھے اپنی درماندگیوں، لاچاریوں اور کمزوریوں پر نگاہ رکھنے کی بجائے میری رحمت پر امید رکھنی چاہیے کیونکہ میرے بغیر کوئی چارہ گر اور تیرا پرسان حال اور تیری غلطیاں معاف کرنے والا نہیں۔امید کی اس پکار نے اس کے کمزور جسم میں طاقت، ناتواں ہاتھوں میں سکت اور شکستہ دل میں ایک امید پیدا کردی ہے۔وہ کانپتے وجود، لرزتے ہاتھوں کو اس کی بارگاہِ اقدس میں پھیلا دیتا ہے۔اس کی زبان سے نہایت نحیف آواز نکلتی ہے کہ اے رحیم وکریم مالک میں ہر طرف سے ٹھکرایا ہوا اور ہر جانب سے بے آسرا ہو کر تیری بارگاہِ پاک میں اپنا دامن حاجت پھیلا رہا ہوں۔تو میری فریاد قبول فرما۔میں تیرے در کا محتاج اور تیری رحمت کا طلب گار ہوں اس کے جواب میں آواز آتی ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ [الزمر:۵۳]

”(اے نبی) کہہ دو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے۔اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔وہ تو غفور الرحیم ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کو عاجزی اور انکساری کے ساتھ پکارنا چاہیے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ سے خوف اور امید کے ساتھ مانگنا چاہیے۔
۳۔ اللہ سے نہ مانگنے والے فسادی لوگ ہیں۔
۴۔ اللہ کی رحمت اس کے نیک بندوں کے قریب تر ہوتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کی رحمت:

۱۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے اللہ گناہوں کو بخشنے والا ہے۔(الزمر:۵۳)
۲۔ اللہ کی رحمت دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے۔(الزخرف:۳۲)
۳۔ اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہوتی ہے۔(الاعراف:۵۶)
۴۔ اللہ کی رحمت سے گمراہ لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔(الحجر:۵۶)

وَهُوَ	الَّذِىْ	يُرْسِلُ	الرِّيٰحَ	بُشْرًا	بَيْنَ يَدَىْ	رَحْمَتِهٖ ؕ	
اور وہ	جو	بھیجتا ہے	ہوائیں	خوش خبری دینے والی	پہلے	اپنی رحمت سے	
حَتّٰٓى	اِذَآ	اَقَلَّتْ	سَحَابًا	ثِقَالًا	سُقْنٰهُ	لِبَلَدٍ	
یہاں تک کہ	جب	وہ اٹھاتی ہیں	بادل (جمع)	بھاری	ہم ہانکتے ہیں انکو	شہر کی طرف	
مَّيِّتٍ	فَاَنْزَلْنَا	بِهِ الْمَآءَ	فَاَخْرَجْنَا	بِهٖ	مِنْ	كُلِّ	
مردہ	ہم اتارتے ہیں	اس کیساتھ پانی	پھر ہم نکالتے ہیں	اسکے ذریعے	سے	ہر	
الثَّمَرٰتِ ؕ	كَذٰلِكَ	نُخْرِجُ	الْمَوْتٰى	لَعَلَّكُمْ	تَذَكَّرُوْنَ ۞		
پھل (جمع)	اسی طرح	ہم نکالیں گے	مردے	تاکہ تم	نصیحت حاصل کرو		

''اور وہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت سے پہلے بھیجتا ہے۔ ہوائیں خوش خبری دینے والی یہاں تک کہ جب بھاری بادل اٹھالاتی ہیں تو ہم اسے کسی مردہ شہر کی طرف ہانکتے ہیں، پھر اس سے پانی اتارتے ہیں، پھر اس کے ساتھ ہر قسم کے پھل پیدا کرتے ہیں اسی طرح ہم مردوں کو نکالیں گے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔'' (۵۷)

فہم القرآن

رابط کلام: یہ اللہ کی رحمت کا کرشمہ ہے کہ وہ پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلاتا ہے تاکہ لوگوں کے دل بارش کے نزول سے پہلے ہی مسرور ہو جائیں اور اپنا ساز و سامان سنبھال لیں۔ پھر وہ بارش سے مردہ زمین، مرجھائی فصلوں اور مضمحل طبیعتوں کو شاداں اور فرحاں کر دیتا ہے۔ بارش کا ذکر فرما کر انسان کو سمجھایا گیا ہے کہ دعا کے بعد اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے لٰہذا دعا تو بہ اور عاجزی کے ساتھ مانگا کرو۔

جو شخص توحید کے منافی عقیدہ رکھتا اور اللہ کے سوا غیروں سے مانگتا ہے وہ زمین میں فساد کا موجب بنتا ہے اب پھر توحید کے آفاقی دلائل کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے کہ صرف ایک ہی ذات کبریا ہے جو کائنات کا نظام سنبھالے ہوئے ہے اسی کے حکم سے ہواؤں اور فضاؤں میں تبدیلی آتی ہے یہ اسی کی رحمت کا کرشمہ ہے کہ پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلاتا ہے تاکہ لوگوں کے دل ٹھنڈی ہوا سے مسرور ہو جائیں اور بارش آنے سے قبل اپنا ساز و سامان سنبھال لیں۔ گھٹاٹوپ ہوائیں نہ معلوم بادلوں کو کہاں سے کہاں اٹھائے ہوئے ہزاروں میل دور لے جاتی ہیں۔ جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم صادر ہوتا ہے وہیں بارش کا نزول ہوتا ہے اس طرح اُجڑی ہوئی بستیاں تروتازہ ویران کھیتیاں شاداب اور نہ صرف مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے بلکہ فضا مہلک جراثیم سے پاک اور درختوں کا پتہ پتہ گرد و غبار سے صاف ہو جاتا ہے ہر سُو سہانا موسم جس سے روحانی اور جسمانی طور پر تسکین پہنچتی

ہے اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ میوہ جات سے اپنے بندوں کو لطف اندوز ہونے کا موقعہ فراہم کرتا ہے بارش کی مثال سے استدلال پیش کرتے ہوئے مرنے کے بعد جی اٹھنے کا عقیدہ سمجھایا گیا ہے کہ لوگو! غور کرو کہ اگر مردہ زمین کو زندہ کیا جا سکتا ہے اور اس میں مدتوں پڑے ہوئے بیج باغ و بہار کا منظر پیش کر سکتے ہیں تو کیا انسان کو پیدا کرنا خالقِ کل کے لیے مشکل ہے؟ ہرگز نہیں اسی طرح ہی اللہ تعالیٰ تمہیں پیدا فرمائے گا۔

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَا بَیْنَ النَّفْخَتَیْنِ اَرْبَعُوْنَ قَالُوْ یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ اَرْبَعُوْنَ یَوْمًا قَالَ اَبَیْتُ قَالُوْا اَرْبَعُوْنَ شَھْرًا قَالَ اَبَیْتُ قَالُوْا اَرْبَعُوْنَ سَنَۃً قَالَ اَبَیْتُ ثُمَّ یُنْزِلُ اللّٰہُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَیَنْبُتُوْنَ کَمَا یَنْبُتُ الْبَقْلُ قَالَ وَلَیْسَ مِنَ الْاِنْسَانِ شَیْءٌ لَا یَبْلٰی اِلَّا عَظْمًا وَاحِدًا وَّھُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ وَمِنْہُ یُرَکَّبُ الْخَلْقُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ))[متفق علیه]وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ کُلُّ ابْنِ اٰدَمَ یَاکُلُہُ التُّرَابُ اِلَّا عَجْبَ الذَّنَبِ مِنْہُ خُلِقَ وَفِیْہِ یُرَکَّبُ [متفق علیه]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم ﷺ نے فرمایا دو صور پھونکنے کا عرصہ چالیس ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگردوں نے کہا چالیس دن؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا انہوں نے استفسار کیا چالیس ماہ ہیں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا میں یہ نہیں کہتا انہوں نے پھر پوچھا چالیس سال ہیں؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں یہ بھی نہیں کہتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا۔ لوگ یوں اُگیں گے جس طرح انگوری اگتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا، انسان کی دمچی کے علاوہ ہر چیز بوسیدہ ہو جائے گی۔ روزِ قیامت اسی سے تمام اعضاء کو جوڑا جائے گا۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا انسان کے تمام اعضاء کو مٹی کھا جائے گی۔ لیکن دمچی کو نہیں کھائے گی انسان اسی سے پیدا کیا جائے گا اور جوڑا جائے گا۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ بارش سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے۔

۲۔ ہوائیں بادلوں کو لاتی ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ بارش سے انگوریاں پیدا فرماتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ فرمائے گا۔

۵۔ انسانوں کی نصیحت کے لیے اللہ تعالیٰ نے سب کچھ پیدا فرمایا ہے۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا

اور شہر پاکیزہ نکلتی ہے اس کی پیداوار اپنے رب کے حکم سے اور وہ جو خراب ہے نہیں

يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ع۵

نکلتی مگر کم اسی طرح ہم بیان کرتے ہیں نشانیاں ان لوگوں کیلئے جوشکر کرتے ہیں

''اور جو زرخیز زمین ہے اس کی پیداوار اس کے رب کے حکم سے نکلتی ہے اور جو خراب ہے اس سے ناقص کے سوا نہیں نکلتی اس طرح ہم آیت کو ان لوگوں کے لیے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں جو شکر کرتے ہیں۔'' (۵۸)

فہم القرآن

ربط کلام: بارش کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے نباتات کا ظہور اور نمود ہوتا ہے بارش تو ہر کسی کے لیے یکساں ہوتی ہے مگر اس کے اثرات اور نتائج مختلف ہوتے ہیں زمین چٹیل اور بنجر ہوگی تو اس سے کسی چیز کا اخراج نہیں ہوگا۔ اگر زمین زرخیز اور ہموار ہوگی تو نہ صرف وہ زمین ٹھنڈی ہوگی بلکہ اس سے مختلف قسم کی فصلیں اور پودہ جات پیدا ہوں گے۔ زمین شوریلی ہوئی تو اس سے مزید کلر شورا ابھر کر سامنے آئے گا۔ اس پر کھڑے ہوئے پانی میں تعفن کے سوا کچھ پیدا نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے ارشادات کو مختلف انداز میں بیان کرتا ہے تاکہ لوگ شکر ادا کریں۔

بظاہر یہ بارش اور زمین کی مثال ہے لیکن حقیقت میں اس کا تعلق دین کے ساتھ ہے کیونکہ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۷ اور ۱۸ میں دین اور بارش کو مترادف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ جس طرح بارش سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے اسی طرح عقیدۂ توحید اپنانے اور دینِ اسلام کو اختیار کرنے سے مسلمان کی روحانی زندگی میں بہار ہوتی ہے۔ اس کے ذوق وشوق میں اضافہ اور نیکی کے عمل میں ترقی ہوتی ہے۔

((عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ رضی اللہ عنہ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا اسْتَسْقَى قَالَ اللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهَائِمَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَأَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ))

[رواہ ابو داؤد: باب رفع الیدین فی الاستسقاء]

''حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش کے لیے دعا کرتے تو فرماتے

اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَأَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ

''اے اللہ اپنے بندوں اور جانوروں کو بارش کے ذریعے پانی پلا اور اپنی رحمت کو پھیلاتے ہوئے مردہ زمین کو زندہ کردے۔''

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ

البتہ تحقیق | ہم نے بھیجا | نوح | طرف | اسکی قوم | اس نے کہا | اے میری قوم

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ

تم عبادت کرو اللہ کی | نہیں تمہارے لیے | سے | کوئی معبود اسکے علاوہ | یقیناً میں | ڈرتا ہوں

عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ

تم پر | عذاب | دن | بہت بڑا | کہا | سرداروں نے | سے اس کی قوم

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ

یقیناً ہم | البتہ تجھے دیکھتے ہیں | میں گمراہی | واضح | فرمایا | اے میری قوم! | نہیں

بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾

میرے لیے | کوئی گمراہی | اور لیکن میں | رسول | سے | رب العالمین

’’بلاشبہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں یقیناً میں تمہیں ایک بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ (۵۹) اس کی قوم کے سرداروں نے کہا بے شک ہم تجھے کھلی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں۔ (۶۰) اس نے کہا! اے میری قوم! مجھ میں کوئی گمراہی نہیں میں تو رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔‘‘ (۶۱)

فہم القرآن

حضرت نوح علیہ السلام:

آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے نوح علیہ السلام بن لامک بن متوشلخ بن خنوخ (ادریس علیہ السلام) بن یرد بن مہلائیل بن قینن بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ کیا آدم علیہ السلام نبی تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں! ان سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا۔ پھر اس نے یہ سوال کیا کہ آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان کتنی مدت ہے آپ نے فرمایا دس قرن (صحیح ابن حبان: ۶۱۵۷)

قرن سے مراد اہل علم نے ایک نسل یا ایک صدی لی ہے اگر ایک نسل مراد لی جائے تو آدم علیہ السلام کی وفات اور نوح علیہ السلام کی پیدائش کے درمیان ہزاروں سال کی مدت بنتی ہے۔ کیونکہ پہلے لوگوں کی عمر صدیوں پر محیط ہوا کرتی تھی جس بنا پر حضرت آدم

أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ

میں تمہیں پہنچاتا ہوں پیغامات اپنے رب کے اور میں خیر خواہی کرتا ہوں تمہاری اور میں جانتا ہوں

مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٢﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

سے اللہ کی طرف جو نہیں تم جانتے کیا تم تعجب کرتے ہو یہ کہ آئی تمہارے پاس نصیحت سے تمہارا رب

عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٦٣﴾

پر بندے تم میں سے تا کہ وہ ڈرائے تم کو اور تا کہ تم ڈر جاؤ اور تا کہ تم رحم کیے جاؤ

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَ اَغْرَقْنَا

تو انہوں نے جھٹلایا اسکو ہم نے نجات دی اسے اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ میں کشتی اور ہم نے غرق کر دیا

٨ / ١٢ / ٥ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿٦٤﴾

وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو بیشک وہ وہ تھے قوم اندھی

''تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ (٦٢) اور کیا تم نے عجیب سمجھا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم میں سے ایک آدمی پر نصیحت آئی، تا کہ وہ تمہیں ڈرائے اور تا کہ تم بچ جاؤ اور تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (٦٣) پھر انہوں نے اسے جھٹلا دیا تو ہم نے اسے اور ان لوگوں کو جو کشتی میں اس کے ساتھ تھے بچا لیا اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا یقیناً وہ اندھے لوگ تھے۔'' (٦٤)

اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ہزاروں سال کا وقفہ ثابت ہوتا ہے، بہر حال اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو اس وقت نبوت سے سرفراز فرمایا جب ان کی قوم کے لوگ مجسموں کے پجاری بن چکے تھے جس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی اولاد کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ جہاں تمہارے بزرگ بیٹھا کرتے تھے وہاں ان کے مجسمے تراش کر رکھ دیے جائیں تا کہ ان کا نام اور عقیدت باقی رہے۔ چنانچہ انھوں نے ایسا کیا جب یہ کام کرنے والے لوگ فوت ہو گئے تو ان کے بعد آنے والے لوگوں نے ان مجسموں کو اللہ تعالیٰ کی قربت کا وسیلہ بنانا شروع کر دیا اور پھر ان کی بالواسطہ عبادت اور ان کے حضور نذرانے پیش کیے جانے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ سورۃ نوح میں وَدّ، سواع، یغوث اور یعوق کے نام پر جن بتوں کا تذکرہ پایا جاتا ہے وہ نوح علیہ السلام کی قوم کے صالح لوگوں کے نام ہیں۔ (بخاری کتاب التفسیر ۴۹۲۰، طبری تفسیر سورۃ نوح، آیت: ۲۳، ۲۴)

سورۃ العنکبوت آیت ۱۴ میں بیان کیا گیا ہے کہ جناب نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال قوم کی اصلاح کرنے میں صرف فرمائے۔ سورۂ نوح میں یہ وضاحت فرمائی گئی کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ فریاد کی کہ میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات اور دن، انفرادی اور اجتماعی طور پر سمجھانے کی کوشش کی لیکن میری بھرپور کوشش کے باوجود یہ قوم شرک اور برائی میں بڑھتی ہی چلی گئی۔ قوم نہ صرف جرائم میں آگے بڑھتی گئی بلکہ اُلٹا انھوں نے نوح علیہ السلام کے خلاف گمراہ ہونے کا پراپیگنڈہ کرنے کے ساتھ ان سے بار بار مطالبہ کیا کہ اے نوح! اگر تو واقعی اللہ کا سچا نبی ہے تو ہمارے لیے عبرت ناک عذاب کی بد دعا کیجیے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے نہایت ہی مجبور ہو کر ان کے لیے بد دعا کی ''اے میرے رب میں ان کے مقابلے میں بالکل بے بس اور مغلوب ہو چکا ہوں بس تو میری مدد فرما۔'' (القمر: ۱۰)

حضرت نوح علیہ السلام نے بد دعا کرتے ہوئے اپنے رب کے حضور یہ بھی درخواست کی کہ میرے رب اب زمین پر کافروں کا ایک شخص بھی نہیں بچنا چاہیے کیونکہ ان میں سے جو بھی پیدا ہو گا وہ برا اور کافر ہی پیدا ہو گا۔ (نوح ۲۵ تا ۲۷)

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی بد دعا قبول کرتے ہوئے انھیں حکم دیا کہ آپ میرے سامنے ایک کشتی بنائیں جب نوح علیہ السلام کشتی بنا رہے تھے تو ان کی قوم نے ان کو بار بار تمسخر کا نشانہ بنایا۔ جس کے جواب میں نوح علیہ السلام فقط انہیں یہی فرماتے آج تم مجھے استہزاء کا نشانہ اور تماشا بنا رہے ہو لیکن کل تم ہمیشہ کے لیے مذاق اور عبرت کا نشان بن جاؤ گے۔ (ھود آیت ۳۷ تا ۳۹)

قوم نوح پر اللہ تعالیٰ نے پانی کا ایسا عذاب نازل فرمایا کہ جس کے بارے میں سورۃ القمر آیت ۱۱، ۱۲ اور سورۃ المؤمنون، آیت ۲۷ میں بیان ہوا ہے کہ آسمان کے دروازے کھل گئے زمین سے چشمے پھوٹ نکلے یہاں تک کہ تنور پھٹ پڑا۔ اس طرح نوح علیہ السلام کے نافرمان بیٹے سمیت ان کی قوم کو پانی میں ڈبکیاں دے دے کر ختم کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا اس قوم پر اس قدر غضب ہوا کہ جب نوح علیہ السلام کا بیٹا پانی میں ڈبکیاں لے رہا تھا تو حضرت نوح علیہ السلام کو بحیثیت باپ ترس آیا انھوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے حق میں دعا کرتے ہوئے کہا، میرے رب میرا بیٹا بھی ڈوب رہا ہے حالانکہ تیرا فرمان تھا کہ میں تیرے اہل کو بچا لوں گا۔ الٰہی تیرا وعدہ برحق ہے۔ جواب آیا اے نوح تیرا بیٹا صالح نہ ہونے کی وجہ سے تیرے اہل میں شمار نہیں۔ اب مجھ سے ایسا سوال نہ کرنا ورنہ تجھے جاہلوں میں شمار کروں گا۔ اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہوئے معافی طلب کی اور درخواست کی مجھ پر مہربانی کی جائے ورنہ میں بھی خسارہ پانے والوں میں ہو جاؤں گا۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ماننے والے سلامت اور محفوظ رہے اور باقی قوم کو غرقاب کر دیا گیا۔ کیونکہ ان کی قوم کفر و شرک میں اندھی ہو چکی تھی۔ (ھود: ۴۵ تا ۴۸)

قوم کا جواب اور الزامات:

اے نوح علیہ السلام تو ہمارے جیسا انسان ہے۔ تیرے ماننے والے عام اور سطحی قسم کے لوگ ہیں۔ تمھیں ہم پر کوئی

فضیلت حاصل نہیں اور ہم تمھیں جھوٹا تصور کرتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا خطاب اور قوم کا جواب:

اے میری قوم مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نوازا ہے اور میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں۔تم ہدایت کو پسند نہیں کرتے تو میں تم پر ہدایت کس طرح مسلط کر سکتا ہوں۔ میں تم سے تبلیغ کا اجر نہیں مانگتا۔نہ میں ایمان والوں کو اپنے سے دھتکارنے والا ہوں۔

ہوش کرو اگر میں انھیں دھتکار دوں تو اللہ کے ہاں میری کون مدد کرے گا؟ میں غیب دان ہونے کا دعوی نہیں کرتا۔نہ میں اپنے آپ کو فرشتہ کہتا ہوں نہ میں کہتا ہوں جنھیں تم حقیر سمجھتے ہو کہ اللہ انھیں بھلائی سے نہیں نوازے گا۔اگر ایسی باتیں کہوں تو میں ظالموں میں شمار ہوں گا۔(ھود:۱۲۳)

قوم:

تم ہماری طرح کے انسان ہو کر ہم پر برتری چاہتے ہو۔ہم نے باپ دادا سے یہ باتیں کبھی نہیں سنیں۔نوح دیوانہ ہو گیا ہے۔بس انتظار کرو ختم ہو جائے گا۔(المؤمنون:۲۴،۲۵)

ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ تجھے ماننے والے گھٹیا لوگ ہیں(الشعراء:۱۱۲)

ہم تجھے سنگسار کر دیں گے۔(الشعراء:۱۱۶)

قوم سے خطاب:

اے میری قوم میں تمھیں کھلے الفاظ میں انتباہ کر رہا ہوں صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔شرک اور اللہ کی نافرمانی سے بچو اور میری اطاعت کرو۔اللہ تعالیٰ تمھارے گناہ معاف فرما کر تمھیں مہلت دے گا۔اللہ تعالیٰ کی اجل کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔کاش تم جان جاؤ۔(نوح:۲تا۴)

قوم کا جواب:

ہم اپنے معبودوں اور ود، سواع، یعوق اور نسر کو نہیں چھوڑ سکتے۔(نوح، آیت:۲۴)

حضرت نوح علیہ السلام کی فریاد:

میرے رب میں نے اپنی قوم کو دن اور رات خفیہ اور اعلانیہ، انفرادی اور اجتماعی طور پر سمجھایا میں نے جب بھی انھیں دعوت دی تو انھوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لی۔اپنے چہرے چھپا لیے اور تکبر کرنے کی انتہا کر دی۔میرے رب انھوں نے میری ہر بات کو ٹھکرایا اور نافرمانی کی۔ان کی اولاد اور مال نے تیری نافرمانی میں انھیں بہت زیادہ بڑھا دیا

ہے انھوں نے زبردست قسم کی سازشیں اور شرارتیں کیں۔ (نوح:۵تا۹)

قوم کا عذاب الٰہی کو چیلنج کرنا:

اے نوح تم نے ہم سے بہت زیادہ بحث وتکرار اور جھگڑا کرلیا اور اب اس کی انتہا ہوگئی ہے بس ہمارے پاس اللہ کا عذاب لے آ اگر واقعی تو سچے لوگوں میں ہے۔ (ھود:۳۲)

حضرت نوح علیہ السلام کا جواب:

اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو عذاب تم پر ضرور آئے گا اور تم اسے ہرگز نہیں ٹال سکو گے۔ (ھود:۳۳)

نوح علیہ السلام کی بددعا:

حضرت نوح نے اپنے رب سے فریاد کی اے باری تعالیٰ میں ان کے مقابلے میں انتہائی کمزور اور بے بس ہو چکا ہوں بس تو میری مدد فرما۔ (القمر:۱۰)

اے میرے رب اب زمین پر کفار کا ایک گھر بھی باقی نہیں رہنا چاہیے۔ اگر تو نے انھیں چھوڑ دیا وہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتے رہیں گے۔ اب ان میں سے جو بھی پیدا ہوگا وہ نافرمان اور ناشکرگزار ہوگا۔ (نوح:۲۵،۱۰،۲۷)

اللہ تعالیٰ کا فرمان:

اے نوح ظالموں کے بارے میں اب ہم سے فریاد نہ کرنا یقین رکھ کہ اب یہ غرق ہوکر رہیں گے۔ (ھود:۳)

عذاب الٰہی سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم:

اے نوح! جو کچھ یہ کر رہے ہیں ان پر غم نہ کرو اور ایک کشتی ہمارے حکم سے ہمارے سامنے بناؤ۔ اب ان کے بارے میں ہمارے ساتھ بات نہ کرنا کیونکہ یہ غرق ہونے والے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی بنا رہے تھے۔ تو قوم اُن سے مسلسل مذاق کرتی رہی جس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام اُن سے فرماتے کہ آج تم مجھے ہنسی مذاق کرتے ہو کل ہم تمھیں اس طرح ہی مذاق کریں گے عنقریب تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر ہمیشہ کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب نازل ہوتا ہے۔ (ھود:۳۷تا۴۰)

عذاب کی کیفیت:

قوم نوح پر چالیس دن مسلسل دن رات بے انتہا بارش برستی رہی یہاں تک کہ جگہ جگہ زمین سے چشمے پھوٹ پڑے۔ حتی کہ تنور پھٹ پڑا اللہ تعالیٰ نے طوفان کے آغاز میں حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اللہ کا نام لے کر کشتی میں سوار ہو جائیں اور اپنے ساتھ ہر جاندار کا جوڑا جوڑا یعنی نر اور مادہ دو دو کشتی میں اپنے ساتھ سوار کرلیں۔ البتہ کسی کافر اور مشرک کو کشتی

میں سوار نہ کیا جائے۔(ہود:۴۰تا۴۲)

عذاب کی ہولناکیاں:

ہم نے موسلا دھار بارش کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے۔ اور ہم نے زمین سے ابلتے چشمے جاری کیے۔ (القمر:۱۱،۱۲)

جب ہمارا حکم صادر ہوا تو تنور جوش مارنے لگا۔(المؤمنون:۲۷)

جب پانی پوری طغیانی پر آیا۔(احقاف:۱۱)

مفسرین نے لکھا ہے جس کی تائید موجودہ دور کے آثار قدیمہ کے ماہرین بھی کرتے ہیں کہ طوفان نوح نے فلک بوس پہاڑوں کی چوٹیوں کو بھی ڈھانپ لیا تھا۔

بائبل میں لکھا ہے کہ سیلاب بلندترین پہاڑوں کی چوٹیوں سے ۱۵ فٹ اوپر بہہ رہا تھا۔امام طبری سورۃ الحاقۃ آیت ۱۱ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ سیلاب اس قدر بے انتہا تھا کہ مشرق سے مغرب تک کوئی جاندار چیز باقی نہ رہی۔

تفسیر بالقرآن

حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ:

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی۔(المومنون:۲۳)

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے سلامتی نازل فرمائی۔(الصّٰفّٰت:۷۹)

۳۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی کا نزول فرمایا۔(النساء:۱۶۳)

۴۔ حضرت نوح علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام فرمایا۔(مریم:۵۸)

۵۔ حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا۔(الانعام:۸۴)

۶۔ حضرت نوح علیہ السلام کا قرآن مجید میں ستائیس بار تذکرہ ہوا ہے۔

وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور طرف عاد بھائی ہود فرمایا اے میری قوم! تم عبادت کرو اللہ کی

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ

نہیں تمہارے لیے سے کوئی معبود اس کے علاوہ پس کیا نہیں تم ڈرتے کہا سرداروں نے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا

وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا تھا سے اس کی قوم یقیناً ہم تجھے دیکھتے ہیں میں حماقت اور یقیناً ہم

لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ

تجھے خیال کرتے ہیں سے جھوٹوں فرمایا اے میری قوم! نہیں ہے میرے ساتھ بیوقوفی

وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ

اور لیکن میں رسول ہوں سے رب العالمین میں تمہیں پہنچاتا ہوں پیغامات اپنے رب کے

وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ

اور میں تمہارے لیے خیر خواہ امانت دار کیا تم تعجب کرتے ہو یہ کہ آئی تمہارے پاس

ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ

نصیحت سے تمہارے رب پر آدمی تم میں سے تا کہ وہ تمہیں ڈرائے

''اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں۔(۶۵) اس کی قوم کے جن سرداروں نے انکار کیا تھا کہنے لگے بے شک ہم تجھے بے وقوفی میں مبتلا دیکھ رہے ہیں اور ہم یقیناً تجھے جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں۔(۶۶) اس نے کہا اے میری قوم! میں بے وقوف نہیں ہوں لیکن میں سارے جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں۔(۶۷) تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارے لیے امانت دار، خیر خواہ ہوں۔ (۶۸) اور کیا تم نے عجیب سمجھا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم میں سے ایک آدمی پر نصیحت آئی تا کہ وہ تمہیں ڈرائے

فہم القرآن

حضرت ھود علیہ السلام:

حضرت ھود علیہ السلام کا تعلق عرب کے عاد قبیلے سے تھا جن کی رہائش موجودہ جغرافیے کے مطابق عمان اور یمن کے

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ

اور یاد کرو تم | جب اس نے تمہیں بنایا | جانشین (جمع) | سے بعد | قوم | نوح

وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾

اور تمہیں زیادہ کر دیا | میں جسامت | پھیلاؤ | چنانچہ تم یاد کرو | نعمتیں اللہ کی | تاکہ تم | کامیاب ہو جاؤ

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ

انہوں نے کہا | کیا تو ہمارے پاس آیا ہے | تاکہ ہم عبادت کریں اللہ ایک کی | اور چھوڑ دیں ہم | جو | تھے | عبادت کرتے

اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٧٠﴾

ہمارے باپ دادا | تو لے آ ہم پر | جس کا تو ہمیں ڈراتا ہے | اگر | تو ہے | سے | سچے لوگ

ور یاد کرو جب اس نے تمہیں نوح کی قوم کے بعد جانشین بنایا اور تمہیں قد وقامت میں بڑا بنایا سو اللہ کی نعمتیں یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔(۶۹) انہوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور انہیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ جس کی تو دھمکی ہمیں دیتا ہے وہ ہم پر لے آ، اگر تو سچے لوگوں میں سے ہے''(۷۰)

علاقے حضر موت کے درمیان تھی۔ یہ علاقہ سمندر کے کنارے پر واقع تھا یہاں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے اور بلند و بالا پہاڑ تھے۔

اس کے باسی جسمانی اعتبار سے دراز قامت، کڑیل جوان اور قوی ہیکل تھے۔ دنیا میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ انھوں نے پہاڑ تراش، تراش کر خوبصورت محلات تعمیر کر رکھے تھے۔ ان کی سرزمین نہایت سرسبز تھی جس میں ہر قسم کے باغات آراستہ تھے انھیں قرآن مجید میں ''احقاف والے'' کہا گیا ہے۔ احقاف ریت کے بڑے بڑے ٹیلوں کو کہا جاتا ہے جو عرب کے جنوب مغربی حصہ میں واقع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی علاقہ میں حضرت ھود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جو خوش اندام کڑیل جوان اور بہترین صورت و سیرت کے حامل تھے۔

قومِ عاد کی خصوصیات اور جرائم:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے عاد کو قومِ نوح کے بعد زمین پر اقتدار اور اختیار بخشا۔(الاعراف:۶۹)

۲۔ قومِ عاد اس قدر کڑیل اور قوی ہیکل جوان تھے کہ ان جیسا دنیا میں کوئی اور پیدا نہیں کیا گیا۔(الفجر ۶ تا ۸)

۳۔ انھیں افرادی قوت اور مویشیوں سے نوازا گیا۔(الشعراء:۱۳۳)

۴۔ یہ قوم بڑے بڑے محلات میں رہتی تھی۔ کھیتی باڑی اور باغات میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔(الشعراء ۱۲۹ تا ۱۳۴)

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ

فرمایا تحقیق ثابت ہو گیا تم پر سے تمہارے رب عذاب اور غضب

اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا

کیا تم مجھ سے جھگڑتے ہو میں نام (جمع) جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نہیں

نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ

نازل فرمائی اللہ ساتھ اس کے سے کوئی دلیل سو تم انتظار کرو بیشک میں بھی تمہارے ساتھ سے

الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا

انتظار کرنے والے ہم نے نجات دی اسکو اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ تھے رحمت کیساتھ اپنی طرف سے

وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ ع

اور ہم نے کاٹ دیں جڑ وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو اور نہ تھے وہ ایمان لانے والے

''اس نے کہا یقیناً تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غضب آپڑا ہے کیا تم مجھ سے ان ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے خود رکھ لیے ہیں جن کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی۔ انتظار کرو بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ (۷۱) ہم نے اسے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے نجات دی اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ ایمان والے نہ تھے۔'' (۷۲)

۵۔ انھوں نے خود ساختہ معبود بنا رکھے تھے ان کے سامنے اپنی حاجات و مشکلات پیش کرتے۔ (الاعراف:۷۰)

۶۔ یہ لوگ آخرت کو جھٹلانے والے اور دنیا پر اترانے والے تھے۔ (المؤمنون:۳۳)

۷۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اس دنیا کے سوا اور کوئی جہاں برپا نہیں ہوگا۔ (المؤمنون:۳۷)

یہ اپنی قوت پر اترانے والے تھے۔ (حٰم السجدۃ:۱۵)

حضرت ھود علیہ السلام کے خطبات کے اقتباسات:

۱۔ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود اور مشکل کشا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے اور اس کی نافرمانیوں سے بچتے رہو۔ میں تمھارا خیر خواہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکام پوری امانت داری سے پہنچا رہا ہوں۔ سورۃ ھود میں ان کے خطاب کے اقتباسات یوں ذکر کیے گئے ہیں۔

۲۔ اے میری قوم اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے تمھیں اپنے رب کا پیغام پوری خیر

خواہی اور دیانت داری کے ساتھ پہنچا دیا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو وہ تمھیں مزید طاقت ور اور مال دار بنائے گا۔ ہاں یاد رکھو تمھاری اصلاح اور فلاح پر میں تم سے کسی صلہ اور اجر کا خواہش مند نہیں ہوں۔ میرا اجر میرے رب کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے۔(ھود ۵۰ تا ۵۲)

قوم کا ردِ عمل اور حضرت ھود علیہ السلام پر الزامات:

۱۔ قوم نے حضرت ھود علیہ السلام کو بے وقوف قرار دیا۔(الاعراف:۶۶)

۲۔ ھود علیہ السلام ہماری طرح ہی طرح کھانے ، پینے والا انسان ہے۔(المومنون:۳۳)

۳۔ انھوں نے کہا اے ھود تو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔(المومنون:۳۸)

۴۔ تیرے کہنے پر ہم اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ محض پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔(الشعراء:۱۳۷)

۵۔ تم ہمیں سمجھاؤ یا نہ سمجھاؤ ہم نہیں مانیں گے۔(شعراء:۱۳۶)

۶۔ ہمارے معبودوں کی تجھے بددعا لگ گئی ہے۔(ھود:۵۴)

۷۔ ہم پر کوئی عذاب آنے والا نہیں تو جھوٹ بولتا ہے۔(الشعراء:۱۳۸ تا ۱۳۹)

۸۔ اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ہم پر عذاب لے آ۔(الاحقاف:۲۲)

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم کو بار بار سمجھانا:

۱۔ جھوٹے معبودوں اور خودساختہ ناموں کے بارے میں مجھ سے کیوں جھگڑتے ہو۔(الاعراف:۷۱)

۲۔ شرک کی کوئی دلیل نہیں ہے۔(الاعراف:۷۱)

۳۔ تم اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ تعالیٰ تمھاری جگہ کوئی اور قوم لے آئے گا۔(ھود:۵۷)

۴۔ میرا اللہ پر بھروسہ ہے اس کے قبضہ میں ہر جاندار کی پیشانی ہے۔(ھود:۵۶)

۵۔ گواہ رہو میں شرک سے بیزار ہوں تم سب مل کر بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔(ھود:۵۴ تا ۵۵)

حضرت ھود علیہ السلام کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کا عذاب:

۱۔ میرے رب میری مدد فرما انھوں نے مجھے کلی طور پر جھٹلا دیا ہے۔(المومنوں:۳۹)

۲۔ سات راتیں اور آٹھ دن زبردست آندھی اور ہوا کے بگولے چلے۔(الحاقۃ:۷)(الشعراء:۲۰)

۳۔ گرج چمک اور بادوباراں کا طوفان آیا۔(الاحقاف:۲۴)

۴۔ آندھیوں نے انھیں کھجور کے تنوں کی طرح پٹخ پٹخ کردے مارا۔(الحاقۃ:۷)

۵۔ انھیں ریزہ ریزہ کردیا گیا۔(الذاریات:۴۱،۴۲)

۶۔ دنیا اور آخرت میں ان پر پھٹکار برستی رہے گی۔ دنیا میں ذلیل وخوار ہوئے اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔(السجدۃ:۱۶،ھود:۵۹)

۷۔ قوم ھود کو نیست و نابود کردیا گیا۔(الاعراف:۷۲)

۸۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ھود اور ایمانداروں کو اس عذاب سے محفوظ رکھا۔(ھود:۵۸)

مسائل

۱۔ قومِ نوح کے بعد قومِ عاد دنیا میں آئی۔

۲۔ عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔

۳۔ قومِ عاد نے اللہ کی توحید ماننے کی بجائے حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلایا۔

۴۔ حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا۔

۵۔ اتمامِ حجت کے بعد عذاب نہیں ٹلا کرتا۔

تفسیر بالقرآن

حضرت ھود علیہ السلام کا تذکرہ:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کیطرف حضرت ھود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔(الاعراف:۶۵)

۲۔ حضرت ھود علیہ السلام نے قوم کو ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلایا۔(ھود:۵۳)

۳۔ قوم نے حضرت ھود علیہ السلام کی تکذیب کی (ھود:۶۰)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ھود علیہ السلام کو عذاب سے محفوظ فرمایا۔(ھود:۵۸)

حضرت ھود علیہ السلام کا قرآن مجید میں ۸ بار تذکرہ ہوا ہے۔

وقف لازم

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اورطرف ثمود ان کا بھائی صالح فرمایا اے میری قوم! تم عبادت کرو اللہ کی نہیں تمہارے لیے

مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ

کوئی معبود اس کے علاوہ تحقیق آ گئی تمہارے پاس واضح دلیل سے تمہارا رب

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ

یہ اونٹنی اللہ کی تمہارے لیے نشانی تم اسے چھوڑ دو کھائے میں زمین اللہ کی

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾

اور نہ چھونا اسے برائی سے تمہیں آ پکڑے گا عذاب دردناک

وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ

اور تم یاد کرو جب اس نے تمہیں بنایا جانشین (جمع) سے بعد عاد اور تمہیں ٹھکانا دیا میں زمین

تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ۚ

تم بناتے ہو سے اس کی نرم مٹی مکانات اور تم تراشتے ہو پہاڑ (جمع) گھر (جمع)

فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۷۴﴾

چنانچہ تم یاد کرو نعمتیں اللہ کی اور نہ تم پھرو میں زمین فساد کرنے والے

''اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل آ چکی۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی کے طور پر ہے پس اسے چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اسے برے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا، ورنہ تمہیں ایک دردناک عذاب پکڑ لے گا۔ (۷۳) اور یاد کرو جب اس نے تمہیں عاد کے بعد جانشین بنایا اور تمہیں زمین میں جگہ دی تم اس کے میدانوں میں محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو مکانوں کی صورت میں تراشتے ہو، سو اللہ کی نعمتیں یاد کرو اور زمین میں فساد نہ مچاتے پھرو۔'' (۷۴)

فہم القرآن

حضرت صالح علیہ السلام کے خطبات کے اقتباسات

۱۔ اے میری قوم اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اس لیے صرف اسی کی عبادت کرو۔ (الاعراف: ۷۳)

قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ لِلَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا

کہا سرداروں نے وہ لوگ جنہوں نےتکبر کیا سے اس کی قوم ان لوگوں کیلئے جو کمزور سمجھے جاتے تھے

لِمَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ اَتَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرۡسَلٌ

اس کیلئےجو ایمان لے آئے تھے ان میں سے کیا تم جانتے ہو بیشک صالح بھیجا ہوا ہے

مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلَ بِهٖ مُؤۡمِنُوۡنَ ۝۷۵

اپنے رب انہوں نے کہا بیشک ہم اس چیز پر جو وہ بھیجا گیا اسکے ساتھ ایمان لاتے ہیں

''اس کی قوم میں سے وہ سردار جو متکبر بنے ہوئے تھے کمزور لوگوں سے کہنے لگے یعنی ان سے جو ان میں ایمان لے آئے تھے ،کیا تم جانتے ہو کہ صالح واقعی اپنے رب کا رسول ہے؟ انہوں نے کہا جو کچھ دے کر اسے بھیجا گیا ہے ہم اس پر یقیناً ایمان لانے والے ہیں۔'' (۷۵)

۲۔ اے میری قوم تمھیں عاد کے بعد اس دنیا میں بھیجا گیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ (الاعراف:۷۴)

۳۔ اے میری قوم اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر اس کا شکر ادا کرو۔ (الاعراف:۷۴)

قوم صالح کی خصوصیات وعادات:

۱۔ قوم صالح اللہ کے ساتھ شرک کیا کرتی تھیں۔ (ھود:۶۲۔۶۱)

۲۔ ثمود انبیاء کو جھوٹا قرار دیتے تھے۔ (الشعراء:۱۴۱)

۳۔ وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بنایا کرتے تھے۔ (الاعراف:۷۴)

۴۔ وہ نرم زمین پر بھی بڑے بڑے محلات تعمیر کیا کرتے تھے۔ (الاعراف:۷۴)

۵۔ وہ لوگ بہت زیادہ اسراف، تکبر اور زمین میں فساد کرنے والے تھے۔ (الشعراء:۱۵۲،۱۵۱)

۶۔ قوم ثمود ہدایت کے بجائے گمراہی کو پسند کرتی تھی۔ (حٰمٓ السجدۃ:۱۷)

۷۔ انہوں نے اللہ کی نشانی کو جھٹلایا۔ (ھود:۶۶)

قوم کے جواب اور الزامات:

۱۔ اے صالح ہم تو تجھے بہت اچھا سمجھتے تھے مگر تو ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ قرار دیتا ہے۔ (ھود:۶۲)

۲۔ کیا تو ہمیں ان کاموں سے روکتا ہے جو ہمارے بزرگ کرتے چلے آئے ہیں۔ (ھود:۶۲)

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ

کہا ان لوگوں جنہوں نے تکبر کیا بیشک ہم اس چیز پر جو تم ایمان لائے ہو اس سے

كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَ عَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ

انکار کرتے ہیں پھر انہوں نے کونچیں کاٹ دیں اونٹنی اور سرکشی کی انھوں نے سے حکم اپنے رب کے سے

وَ قَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ

اور انہوں نے کہا اے صالح! لے آ ہم پر وہ چیز جو تو ہمیں وعدہ دیتا ہے اگر تو ہے

مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾

سے رسولوں تو پکڑ لیا ان کو زلزلہ تو وہ ہو گئے میں اپنے گھروں گھٹنوں کے بل گرنے والے

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ

پھر وہ پھرا ان سے اور فرمایا اے میری قوم! یقیناً میں نے تمہیں پہنچا دیا پیغام اپنے رب کا

وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

اور میں نے خیر خواہی کی تمہاری اور لیکن نہیں تم پسند کرتے خیر خواہوں کو

''متکبر لوگ کہنے لگے بے شک جس پر تم ایمان لائے ہو ہم تو اس کے منکر ہیں۔(۷۶) تو انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکش ہو گئے اور کہنے لگے اے صالح! لے آ ہم پر جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے، اگر تو رسولوں سے ہے۔(۷۷) انہیں زلزلے نے آلیا انہوں نے اپنے گھروں میں صبح کی کہ گرے پڑے رہ گئے۔(۷۸) صالح ان سے منہ موڑ کر چلے اور کہنے لگے اے میری قوم! بلاشبہ میں نے تو تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا اور تمہاری خیر خواہی کی اور لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔''(۷۹)

۳۔ ہم تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔(النمل:۴۷)

۴۔ کیا ہم اپنے بزرگوں، آباؤ اجداد کے مذہب کو چھوڑ کر صرف تمھاری پیروی کریں۔(القمر:۲۴)

۵۔ صالح تو بہت بڑا جھوٹا اور بڑائی بکھیرنے والا ہے۔(القمر:۲۵)

۶۔ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔(الشعراء:۱۵۳)

پیغمبر کا جواب اور قوم کو مزید سمجھانا:

۱۔ اے میری قوم اللہ سے ڈر جاؤ اور میری باتوں پر غور کرو۔(الشعراء:۱۴۴)

۲۔ میں اللہ کے احکام سنانے کے لیے تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔(الشعراء:۱۴۵)

۳۔ اے میری قوم میں واقعی اپنے رب کی طرف سے مبعوث ہوں۔(ھود:۶۳)

۴۔ اے قوم یہ اونٹنی اللہ کی طرف سے معجزہ ہے اس کے ساتھ زیادتی نہ کرنا۔(ھود:۶۴)

۵۔ میں تمھیں وعظ و نصیحت کرتا ہوں جب کہ تم خیر خواہوں کو ناپسند کرتے ہو۔(الاعراف:۷۹)

قوم کی ہٹ دھرمی اور عذاب کا مطالبہ:

۱۔ انھوں نے قسمیں اٹھائیں کہ حضرت صالح کو اہل و عیال سمیت ختم کر دیں گے۔(النمل:۴۹)

۲۔ قوم نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔(القمر:۲۹)

۳۔ اے صالح! ہم تمھارے عقیدے کا انکار کرتے رہیں گے۔(الاعراف:۷۶)

۴۔ اے صالح! تو جس چیز سے ہمیں ڈراتا ہے وہ لے آ۔(الاعراف:۷۷)

عذاب کا وقت اور اس کی تباہ کاری:

۱۔ قوم ثمود کو صبح کے وقت ہولناک دھماکے نے آلیا اور ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔(الحجر۸۳۔۸۴)

۲۔ قوم ثمود کو تین دن کی مہلت دی گئی۔(ھود:۶۵)

۳۔ ہم نے ان پر ہولناک چیخ نازل کی وہ ایسے ہو گئے جیسے بوسیدہ اور سوکھی ہوئی باڑ ہوتی ہے۔(القمر:۳۱)

حضرت صالح علیہ السلام کا اظہار افسوس:

۱۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے ناامید ہو کر فرمایا اے میری قوم میں نے تم کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا اور میں نے تمھاری خیر خواہی کی لیکن تم خیر خواہی کو پسند کرنے والے نہیں۔(الاعراف:۷۹)

تفسیر بالقرآن

حضرت صالح علیہ السلام کا بیان:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔(ھود:۶۱)

۲۔ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلایا۔(الاعراف:۷۳)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو اونٹنی کی صورت میں معجزہ عطا فرمایا۔

۴۔ قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کو کمزور جانا(ھود:۶۲)

حضرت صالح علیہ السلام کا قرآن مجید میں ۹ بار تذکرہ ہوا ہے۔

وَ لُوطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ

اور لوط جب اس نے فرمایا اپنی قوم سے کیا تم آتے ہو بے حیائی نہیں کی تم سے پہلے

بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ

یہ سے کوئی ایک سے جہان والوں بلاشبہ تم آتے ہو مردوں

شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾

شہوت رانی سے علاوہ عورتوں کے بلکہ ہو تم قوم حد سے بڑھنے والے

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ

اور نہیں تھا جواب اس قوم کا مگر یہ کہ انہوں نے کہا نکال دو انھیں سے

قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا

اپنی بستی بیشک وہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں ہم نے اسکو نجات دی اور اس کے گھر والوں کو مگر

امْرَاَتَهٗ ڮ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ

اس کی بیوی وہ تھی پیچھے رہنے والوں سے اور ہم نے برسائی ان پر بارش (پتھروں کی) پس دیکھ لیجیے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ ع ۱۰/۱۲/۱۷

کس طرح ہوا انجام مجرموں کا

”اور لوط کو بھیجا جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا کیا تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کی۔(۸۰) بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت کی خاطر آتے ہو بلکہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو۔(۸۱) اور اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہنے لگے انہیں اپنی بستی سے نکال دو۔ بے شک یہ ایسے لوگ ہیں جو بہت پاک باز بنتے ہیں۔(۸۲) ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو بچالیا مگر اس کی بیوی، وہ پیچھے رہنے والوں میں سے تھی۔(۸۳) اور ہم نے ان پر پتھروں کی زبردست بارش برسائی، پس دیکھ لو مجرموں کا انجام کیا ہوا؟“(۸۴)

فہم القرآن

حضرت لوط علیہ السلام:

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ جنھوں نے عراق کی سرزمین سے ہجرت کر کے غور زغر کے علاقہ سدوم شہر میں رہائش اختیار کی۔ یہ شہر علاقے کا مرکزی مقام تھا۔ جہاں کے رہنے والے پرلے درجے کے فاسق و فاجر

مشرک، کافر، ڈاکو، چوراورانتہائی بدکردارلوگ تھے۔جنھوں نے دنیا میں بے حیائی کاایسا عمل اختیار کیا جواس سے پہلے کسی قوم نےنہیں کیا تھا۔

قومِ لوط کا کردار:

انھوں نے اپنی نفسانی خواہش اپنی بیویوں سے پوری کرنے کے بجائے لڑکوں سے شروع کررکھی تھی۔گویا کہ یہ ہم جنسی کے بدترین گناہ کے مرتکب ہوئے۔حضرت لوط علیہ السلام کے بار بار سمجھانے کے باوجود باز آنے پر تیار نہ ہوئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو رجم کردینے کی دھمکی دینے کے ساتھ عذاب الٰہی کا مطالبہ کرتے رہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کا سمجھانا:

قومِ لوط نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کہ تم کیوں نہیں ڈرتے؟ میں تمھارے لیے امانت دار پیغمبر ہوں، سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس کا بدلہ نہیں مانگتا، میرا بدلہ رب العالمین کے ذمے ہے۔ کیا تم لڑکوں پر مائل ہوتے ہو اور تمھارے پروردگار نے تمھارے لیے جو بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے نکل جانے والے ہو۔(الشعراء:١٦٠تا١٦٦)

قوم کا جواب: کہنے لگے کہ اے لوط اگر تم باز نہ آؤ گے تو شہر بدر کردیے جاؤ گے۔لوط علیہ السلام نے کہا میں تمھارے کام کا سخت مخالف ہوں۔(الشعراء:١٦٧تا١٦٨)

حضرت لوط علیہ السلام نے اس وقت اپنی قوم سے کہا تم یہ بے حیائی کیوں کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کی۔(الاعراف:٨٠)

ان کی قوم سے اس کے سوا کوئی جواب نہ بن پڑا کہ وہ کہنے لگے ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاک بنتے ہیں۔(الاعراف:٨٠تا٨٢)

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسی بے حیائی کاارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کی،تم لڑکوں سے بدکاری کرتے ہو مسافروں پر ڈاکہ ڈالتے ہو۔اور ہر قسم کی برائی میں ملوث ہو۔(العنکبوت:٢٩)

قوم کا جواب: اے لوط اگر تم واقعی ہی سچے ہو تو ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آؤ۔(العنکبوت:٢٩)

حضرت لوط علیہ السلام کی اللہ کے حضور فریاد:

اے میرے رب اس مفسد قوم کے مقابلے میں میری مدد فرما۔(العنکبوت:٣٠)

قوم لوط پر عذاب کے فرشتوں کی آمد:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کے حاضر ہونے کا قرآن مجید تفصیل سے ذکر کرتا ہے کہ قوم لوط پر عذاب

نازل کرنے والے فرشتے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے۔ انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے اور پوتے کی خوشخبری دی۔ جس پر ان کی بیوی نے تعجب کا اظہار کیا۔ لیکن ملائکہ نے ان کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ رحمت فرمادی ہے اس لیے اس میں کسی قسم کا تعجب نہیں کرنا چاہیے۔ خوشخبری دینے کے بعد ملائکہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کی کہ ہم قومِ لوط پر عذاب نازل کرنے والے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ملائکہ سے اصرار کرنے لگے کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نہایت ہی حوصلہ منداور نرم خو تھے۔ ملائکہ نے انھیں عرض کی اس بات کو جانے دیجیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہو چکا ہے لہٰذا اس عذاب کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ (ہود: ۶۹ تا ۷۶)

عذاب لانے والے فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی خدمت میں:

قرآن مجید نے بتلایا ہے کہ جب یہ فرشتے لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں تشریف لائے تو بدمعاش قوم ان سے بے حیائی کرنے کی نیت سے ان کے ہاں دوڑتے ہوئے آئی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے نہایت عاجزی کے ساتھ انھیں سمجھایا کہ اے میری قوم یہ میری بیٹیاں ہیں جو تمھارے لیے حلال ہیں۔ (یعنی تم ان کے ساتھ نکاح کر سکتے ہو) اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مہمانوں کے بارے میں مجھے بے آبرو نہ کرو۔ جب وہ بھاگم بھاگ ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کیا تم میں کوئی بھی شریف آدمی نہیں ہے؟ (ہود: ۷۸)

بے حیا کہنے لگے کہ ہمیں تمھاری بیٹیوں سے کیا سروکار، تو جانتا ہے کہ ہم کس ارادہ سے آئے ہیں مشکل ترین حالات میں حضرت لوط علیہ السلام کہنے لگے کہ آج کا دن میرے لیے بڑا بھاری دن ہے۔ کاش تمھارے مقابلے میں میرا کوئی حمایتی ہوتا یا کوئی پناہ گاہ جہاں میں تم سے بچ نکلتا۔ (ہود: ۷۹، ۸۰)

ملائکہ اپنے آپ کو ظاہر کر کے حضرت لوط علیہ السلام کو تسلی دیتے ہیں:

عذاب کے فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو تسلی دی کہ اے اللہ کے نبی دل چھوٹا نہ کیجیے۔ یہ بے حیا تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ بس آپ اہل ایمان کو لے کر رات کے پچھلے پہر ہجرت کر جائیں۔ ہاں یاد رہے کہ آپ اپنی بیوی کو ساتھ نہیں لے جاسکیں گے کیونکہ اُسے بھی وہی عذاب پہنچنے والا ہے۔ جس میں دوسرے لوگ مبتلا ہوں گے اور یہ عذاب ٹھیک صبح کے وقت نازل ہوگا۔ حضرت لوط علیہ السلام گھبراہٹ کے عالم میں فرمانے لگے کہ صبح کب ہوگی؟ ملائکہ نے مزید تسلی دیتے ہوئے کہا کہ اے اللہ کے رسول صبح تو ہونے ہی والی ہے چنانچہ صبح کے وقت رب ذوالجلال کا حکم صادر ہوا تو اس دھرتی کو اُٹھا کر نیچے پٹخ دیا گیا۔ پھر ان پر مسلسل نامزد پتھروں کی بارش کی گئی۔ (ھود: ۶۹ تا ۸۳)

سورۃ القمر ۳۷ تا ۳۸ میں فرمایا کہ ظالموں نے لوط علیہ السلام کے مہمانوں پر زیادتی کرنا چاہی تو ہم نے اُن کی آنکھوں کو مسخ کر دیا۔
سورۃ الصافات میں ۱۳۷ تا ۱۳۸ میں ارشاد ہوا یقیناً لوط علیہ السلام مرسلین میں سے تھے جب ہم نے انھیں اور اس کے اہل کو نجات دی۔ البتہ ایک بڑھیا کو پیچھے رہنے دیا پھر ہم نے باقی سب کو ہلاک کیا۔ اے اہل مکہ تم صبح شام ان بستیوں سے گزرتے ہو لیکن

اس کے باوجود عقل نہیں کرتے۔ (الصافات:۱۳۵تا۱۳۸)

﴿فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِنْ سِجِّيلٍ مَنْضُودٍ○مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ﴾[هود:۸۲،۸۳]

''پھر جب ہم نے حکم نافذ کیا تو ہم نے اس بستی کو اوپر نیچے (تہس نہس) کر دیا اور تابڑ توڑ پکی مٹی کے پتھر برسائے۔ تیرے رب کی طرف سے ہر پتھر پر نشان (نام) لکھا ہوا تھا اور ظالموں سے یہ سزا دور نہیں ہے۔''

بحر مردار (میت):

دنیا کے موجودہ جغرافیے میں یہ بحر مردار اردن کی سرزمین میں واقع ہے۔ پچاس میل لمبا، گیارہ میل چوڑا ہے اسکی سطح کا کل رقبہ ۳۵۱ مربع میل ہے۔ اسکی زیادہ سے زیادہ گہرائی تیرہ سو فٹ پیمائش کی گئی ہے۔ یہ اسرائیل اور اردن کی سرحد پر واقع ہے۔ اور اس کا کسی بڑے سمندر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ گویا کہ یہ ایک بہت بڑی جھیل بن چکی ہے۔ اس کی نمکیات اور کیمیائی اجزاء عام سمندروں سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کے قریب ترین سمندر، بحر روم ہے۔ جدید محققین نے اسی جگہ پر لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کی نشاندہی کی ہے۔ جو کسی زمانے میں یہاں صدوم عمود کے نام سے بڑے شہر آباد تھے۔ مصر کے محقق عبدالوہاب البخار نے بھرپور دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ عذاب لوط علیہ السلام سے پہلے اس جگہ پر کوئی سمندر نہیں تھا۔ جب اللہ کے عذاب کی وجہ سے اس علاقے کو الٹ دیا گیا تو یہ ایک چھوٹے سے سمندر کی شکل اختیار کر گیا۔''

۱۔ اس کے پانی کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں نمکیات کا تناسب پچیس فیصد قرار دیا گیا ہے۔ جب کہ دنیا کے تمام سمندروں میں نمکیات کا تناسب چار سے چھ فیصد ریکارڈ کیا گیا ہے۔

۲۔ اسکے کنارے نہ کوئی درخت ہے اور نہ ہی اس میں کوئی جانور زندہ رہ سکتا ہے حتی کہ سیلاب کے موقع پر دریائے اردن سے آنیوالی مچھلیاں اس میں داخل ہوتے ہی تڑپ تڑپ کر مر جاتی ہیں۔ اہل عرب اسکو بحیرہ لوط بھی کہتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ:

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حضرت لوط علیہ السلام ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔ (العنکبوت:۲۶)

۲۔ حضرت لوط علیہ السلام اللہ کے رسولوں میں سے تھے۔ (الصّٰفٰت:۱۳۳)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے اسماعیل، یسع، یونس اور لوط علیہم السلام کو جہان والوں پر فضیلت دی۔ (الانعام:۸۶)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو دانائی اور علم عطا فرمایا۔ (الانبیاء:۷۴)

۵۔ لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو فحاشی اور بے حیائی سے منع فرمایا۔ (النمل:۵۴)

حضرت لوط علیہ السلام کا قرآن مجید میں ۲۳بار تذکرہ ہوا ہے۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ

اور طرف مدین کی ان کا بھائی شعیب اس نے فرمایا اے میری قوم! عبادت کرو تم اللہ کی نہیں تمہارے لیے

مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ؕ قَدْ جَآءَتْکُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَوْفُوا الْکَیْلَ

کوئی معبود اس کے سوا تحقیق آئی تمہارے پاس کھلی دلیل طرف سے تمہارے رب کی تم پورا کرو ماپ

وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ

اور تول اور نہ تم کم دو لوگوں ان کی چیزیں اور نہ تم فساد کرو میں زمین

بَعْدَ اِصْلَاحِھَا ؕ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۸۵﴾

بعد اس کی اصلاح کے یہ تم بہتر ہے تمہارے لیے اگر ہو تم ایمان والے

''اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا اس نے فرمایا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آ چکی۔ پس ماپ اور تول پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔'' (۸۵)

فہم القرآن

حضرت شعیب علیہ السلام:

حضرت شعیب علیہ السلام کو مؤرخین اور سیرت نگاروں نے خطیب الانبیاء کے نام سے یاد کیا ہے۔ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ''مدیان'' کی اولاد سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس کی بنا پر ان کو قوم مدین کہا جاتا ہے۔ اس قوم کا سب سے بڑا شہر ان کے قومی نام مدین سے ہی معروف تھا۔ اس لیے قرآن مجید نے انھیں اہل مدین کے نام سے پکارا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کی قوم میں ہی رسول مبعوث کیا گیا تاکہ آپ اپنی قوم کو راہ راست پر لانے کی جدوجہد فرمائیں۔

اہل مدین کو قرآن میں اصحاب الایکہ بھی کہا گیا ہے۔ (الشعراء: ۱۷۶)

اہل مدین کا عقیدہ اور گھناؤنا کردار:

۱۔ اہل مدین بھی اپنے پیش رو اقوام کی طرح شرک جیسے غلیظ اور بدترین عقیدہ میں مبتلا تھی۔ شرک وہ بیماری ہے جسے ام الامراض کہنا چاہیے۔ قومِ مدین کے اندر وہ تمام اخلاقی اور اعتقادی بیماریوں نے جنم لیا۔ جن میں قومِ نوح سے لے کر قوم لوط کے لوگ ملوث چلے آرہے تھے۔ اس ام الامراض کی جڑ کاٹنے کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام اپنی دعوت کا آغاز دعوتِ توحید سے کرتے ہیں۔ (الاعراف، آیت: ۸۵)

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور نہ تم بیٹھو ہر راستہ تم دھمکاتے ہو اور روکتے ہو سے اللہ کے راستہ

مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا

جو ایمان لائے اس کیساتھ اور تم تلاش کرتے ہو ٹیڑھا پن اور تم یاد کرو جب تم تھے تھوڑے

فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

اس نے تمہیں زیادہ کر دیا اور تم دیکھو کیسے ہوا انجام فساد کرنے والے

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ

اور اگر ہے ایک گروہ تم سے جو ایمان لائے اس پر جو میں بھیجا گیا ہوں اسکے ساتھ

وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ

اور ایک گروہ نہیں وہ ایمان لائے تو تم صبر کرو یہاں تک کہ وہ فیصلہ کرے اللہ

بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝

ہمارے درمیان اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والے

''اور دھمکانے کے لیے راستے پر نہ بیٹھو اور اللہ کے راستے سے روکتے ہو اس کو جو اس پر ایمان لائے اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہو اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے تو اللہ نے تمہیں زیادہ کیا اور دیکھو فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا؟(۸۶) اور اگر تم میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان لے آئے ہیں جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اور کچھ لوگ ایمان نہیں لائے صبر کرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہ تمام فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔''(۸۷)

۲۔ قوم مدین نہ صرف عقیدہ کی خیانت میں مرتکب ہوئی بلکہ گاہک سے پوری قیمت وصول کرنے کے باوجود ماپ تول میں کمی بیشی کرتے تھے۔ ادائیگی کے وقت چیز مقررہ وزن اور پیمائش سے کم دیتے۔ دوسروں سے لیتے تو طے شدہ وزن سے زیادہ لینے کی مجرمانہ کوشش کرتے۔ (الاعراف، آیت:۸۵)

۳۔ یہ لوگ پیشہ ور ڈاکو تھے ان کے علاقے سے گزرنے والے مسافروں کی عزت و آبرو اور مال و جان محفوظ نہیں تھے۔ (الاعراف:۸۶، ھود:۸۵)

۴۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی زبردست مخالفت اور نافرمانی کرنے والے تھے۔ (ھود:۸۹)

حضرت شعیب علیہ السلام کی نصیحتیں:

۱۔ اے میری قوم ایک اللہ کی عبادت کرو، ماپ تول میں کمی ڈاکہ زنی اور فساد فی الارض سے توبہ کرو۔ اگر میری بات مان جاؤ تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ہر لحاظ سے تھوڑے اور کم تر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں کثرت سے نوازا۔ (الاعراف، آیت: ۸۶،۸۵)

اے میری قوم اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور میری بات مانو میں نہایت ایمانداری کے ساتھ تمھیں اللہ کا پیغام پہنچا رہا ہوں اور اس پر میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر میرے رب کے ذمہ ہے۔ (الشعراء، آیت: ۱۷۶ تا ۱۸۰)

قوم کا حضرت شعیب علیہ السلام کو جواب:

اے شعیب کیا تیری نمازیں تجھے یہی کہتی ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقۂ عبادت کو چھوڑ دیں اور اپنے کاروبار کو اپنے طریقہ کے مطابق نہ کریں؟ ھود، آیت: ۸۷۔ تم پر اے شعیب (علیہ السلام) کسی نے جادو کر دیا ہے۔ (الشعراء: ۱۸۵)

حضرت شعیب علیہ السلام کی مزید نصیحت:

اے میری قوم میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے وافر رزق عطا فرمایا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ میں وہی کچھ کروں جس سے تمھیں منع کرتا ہوں۔ میں اللہ کی توفیق سے صرف اصلاح کی غرض سے یہ بات کہتا ہوں۔ میرا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے اور میں ہر حال میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ (ھود: ۸۸)

قوم کا جواب:

اے شعیب! تیری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم تمھیں اپنے آپ میں کمزور دیکھتے ہیں، اگر تیری برادری نہ ہوتی تو ہم تجھے پتھر مار مار کر رجم کر دیتے تو ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکتا۔ (ھود، آیت: ۹۱)

حضرت شعیب علیہ السلام کا ارشاد:

میری قوم کیا تم اللہ تعالیٰ سے میری برادری کو بڑا سمجھتے ہو اور تم باز نہیں آتے۔ تم اپنا کام کرو اور مجھے اپنا کام کرنے دو اور عنقریب تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا کون ہے اور کس پر ذلیل کر دینے والا عذاب نازل ہوگا۔ (ھود: ۹۰ تا ۹۵)

قوم حضرت شعیب علیہ السلام سے عذاب کا مطالبہ کرتی ہے:

اے شعیب تو ہمارے جیسا انسان ہے اور ہم تجھے کذاب سمجھتے ہیں بس تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دے اگر تو سچا ہے۔

(الشعراء: ۱۸۵ تا ۱۸۷)

قوم شعیب پر اللہ تعالیٰ کا عذاب:

قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا تو ان پر بلاشبہ عذاب عظیم نازل ہوا۔(الشعراء:۱۸۹)
ظالموں کو ایک کڑک نے آلیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے۔ان کے گھر ایسے ویران ہوئے جیسے ان میں کوئی بسا ہی نہ ہو۔یاد رکھو اہل مدین پر ایسی ہی پھٹکار ہوئی جس طرح قوم ثمود پھٹکاری گئی۔مفسرین نے لکھا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان پر سات راتیں آٹھ دن گرمی اور حبس کا ایسا عذاب مسلط کیا کہ وہ نہ تہہ خانوں میں آرام کر سکتے تھے اور نہ ہی کسی درخت کے سائے تلے ٹھہر سکتے تھے۔وہ انتہائی کرب کے عالم میں اپنے گھروں سے باہر نکلے تو ایک بادل ان کے اوپر سایہ فگن ہوا۔جب سب کے سب بادل تلے جمع ہو گئے تو بادل سے آگ کے شعلے برسنے لگے۔زمین زلزلہ سے لرزنے لگی اور پھر ایسی دھماکہ خیز چنگھاڑ گونجی کہ ان کے کلیجے پھٹ گئے اور اوندھے منہ تڑپ تڑپ کر ذلیل ہو کر مرے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا لاشوں کو خطاب:

حضرت شعیب علیہ السلام ان سے مخاطب ہوتے ہیں۔اے میری قوم میں نے نہایت خیر خواہی کے ساتھ اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا۔لہٰذا اللہ کے نافرمانوں پر مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔(الاعراف:۹۳)

مسائل

۱۔ قوم شعیب ناپ تول کی کمی بیشی کیا کرتے تھے۔
۲۔ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو پہلی قوموں کے انجام سے ڈراتے تھے۔
۳۔ حق و باطل میں اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ناپ تول میں کمی نہیں کرنی چاہیے:

۱۔ ماپ تول کو پورا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دو۔(الاعراف:۸۵)
۲۔ ماپ تول کو انصاف سے پورا کرو۔(الانعام:۵۲)
۳۔ ماپ کو پورا کرو اور پورا پورا وزن کرو۔(الاسراء:۳۵)
۴۔ ماپ تول میں کمی نہ کرو۔(ھود:۸۴)
۵۔ ماپ کو پورا کرو اور کمی کرنے والے نہ بنو۔(الشعراء:۱۸۱)

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ

کہا سرداروں نے | وہ لوگ | جنہوں نے تکبر کیا | سے | اسکی قوم | ہم تجھے ضرور نکال دیں گے | اے شعیب!

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ

اور وہ لوگ | جو ایمان لائے | تیرے ساتھ | سے | اپنی بستی | یا | تم ضرور لوٹ آؤ گے | میں | ہمارے دین

قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَى اللّٰهِ

فرمایا | کیا اگر چہ | ہم ہوں | ناپسند کرنے والے | تحقیق | ہم نے بنایا | اللہ پر

كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ

جھوٹ | اگر | ہم لوٹ آئیں | میں | تمہارے دین | بعد | جب نجات دی ہمیں اللہ نے | اس سے

”اس کی قوم میں سے وہ سردار جو بڑے بنے ہوئے تھے، کہنے لگے کہ اے شعیب! ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے ہرصورت نکال دیں گے یا ضرور تم ہمارے دین میں واپس آؤ گے اس نے کہا اور کیا اگر چہ ہم ناپسند کرنے والے ہوں۔ (۸۸) یقیناً ہم اللہ پر جھوٹ باندھیں گے اگر تمہارے دین میں پھر آئیں بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دی

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان کشمکش کا ذکر جاری ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام اپنی موت تک قوم کو سمجھاتے رہے لیکن قوم نے نہ صرف ان کی باتوں کی طرف توجہ نہ دی بلکہ انہوں نے تشدد کا راستہ اختیار کیا اور اور کہنے لگے اے شعیب اب تیرے اور تیرے ساتھیوں کے لیے ایک ہی راستہ ہے اگر تم اپنی بات پر قائم رہنا چاہتے ہو تو اپنا کاروبار اور گھر بار ہمارے حوالے کرو اور یہاں سے نکل جاؤ۔ اگر تم اپنا کاروبار اور گھر بچانا چاہتے ہو تو پھر تمھیں ہر صورت ہمارے عقیدے کو ماننا پڑے گا۔ اس کے بغیر ہمارا اور تمہارا اکٹھا رہنا مشکل ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کیا ہم کفر و شرک اور بددیانتی سے نفرت کرتے ہیں تب بھی اسے قبول کر لیں؟ ان کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ ایک طرف ہم ان باتوں کے خلاف نفرت کرتے ہوئے مہم چلا رہے ہیں اور دوسری طرف خوف یا لالچ کی بنا پر انہیں قبول کر لیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دین چھوڑ کر دوبارہ کفر و شرک اختیار کر لیں۔ ایسا کرنا ہماری طرف سے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہوگا۔ کیونکہ ہم کہتے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کفر و شرک، خیانت اور بددیانتی کرنے سے منع کیا اور ان کے خلاف جدوجہد کرنے کا حکم دیا۔ ہاں جو اللہ چاہے وہ ہو جاتا ہے مومنوں کے فرمان کے دو مقصد ہو سکتے ہیں۔

وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ

اور نہیں ہے ہمارے لیے یہ کہ ہم پلٹیں اس میں مگر یہ کہ

يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ

چاہے اللہ ہمارا رب گھیر لیا ہے ہمارا رب ہر چیز علم اللہ پر

تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ

ہم نے بھروسا کیا ہمارے رب! تو فیصلہ فرما ہمارے درمیان اور درمیان ہماری قوم کے حق کے ساتھ اور تو

خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ

بہترین فیصلہ کرنے والا ہے اور کہا سرداروں نے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا سے اسکی قوم تحقیق اگر

اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

تم نے تابعداری کی شعیب یقیناً تم اس وقت نقصان پانے والے ہوگے پھر پکڑ لیا ان کو زلزلہ

فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝

تو وہ ہو گئے میں اپنے گھروں گھٹنوں کے بل پڑے ہوئے

اور ہمارے لیے ممکن نہیں کہ اس میں لوٹ آئیں مگر یہ کہ اللہ چاہے جو ہمارا رب ہے۔ ہمارے رب نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے ہم نے اللہ ہی پر بھروسا کیا اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔ (۸۹) اور اس کی قوم میں سے وہ سردار جنہوں نے انکار کیا تھا کہنے لگے کہ اگر تم شعیب کے پیچھے چلے تو اس وقت تم یقیناً خسارہ اٹھانے والے ہو گے۔ (۹۰) تو انہیں زلزلے نے آلیا پھر وہ اپنے گھر میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے۔'' (۹۱)

پہلا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر گز نہیں چاہتا کہ انسان کفر و شرک، خیانت اور بد دیانتی کا راستہ اختیار کرے اس کا حکم تو وہی ہے۔ جو حضرت شعیب علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام دیتے آرہے ہیں لہٰذا ہمیں سب کچھ منظور ہے لیکن صراط مستقیم سے ہٹنا گوارا نہیں۔ دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ ایمان پر قائم رہنا اللہ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں لہٰذا ہم اپنے رب سے استقامت کی توفیق مانگتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں انہوں نے عاجزی اختیار کرتے ہوئے اپنی قوم کی یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ ایمان لانا اور اس پر استقامت اختیار کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ یہ ہمارے رب کی توفیق کا نتیجہ ہے جس پر ہم تا دمِ آخر قائم ہیں۔ گویا یہ انہوں نے انشاءاللہ کے مفہوم میں یہ الفاظ ادا فرمائے تھے۔ اسی لیے انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ ہمارے انجام کا ٹھیک علم تو ہمارے

الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا شُعَيۡبًا كَاَنۡ لَّمۡ يَغۡنَوۡا فِيۡهَا ۛۚ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا

وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا شعیب کو جیسے نہیں وہ بسے تھے اس میں وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا

شُعَيۡبًا كَانُوۡا هُمُ الۡخٰسِرِيۡنَ ۝۹۲ فَتَوَلّٰى عَنۡهُمۡ وَقَالَ

شعیب کو وہ تھے وہی نقصان پانے والے پھر منہ پھیرا ان سے اور فرمایا

يٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّىۡ وَنَصَحۡتُ لَكُمۡ‌ ۚ فَكَيۡفَ

اے میری قوم بیشک میں نے تم کو پہنچا دیے پیغامات اپنے رب کے اور میں نے خیر خواہی کی تمھاری پھر کیوں

اٰسٰى عَلٰى قَوۡمٍ كٰفِرِيۡنَ ۝۹۳ ع

میں افسوس کروں نافرمان قوم پر

ع ۱۱ ۹ ۱

''جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا گویا وہ اس میں رہے ہی نہ تھے جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی خسارہ اٹھانے والے تھے۔ (۹۲) پھر وہ ان سے واپس پلٹا اور کہنے لگا اے میری قوم! یقیناً میں نے تمھیں اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے اور تمھاری خیر خواہی کی لہٰذا میں کفر کرنے والوں پر کیوں غم کروں۔'' (۹۳)

رب کے پاس ہے۔ ہمارا بھروسہ اسی پر ہے۔ ہم تو دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اے ہمارے رب ظالموں کا ظلم حد سے بڑھ چکا ہے اس سے ہمارے اور ہمارے دشمنوں کے درمیان بہتر فیصلہ صادر فرما تو ہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ قوم شعیب اور کفار کا ابتدا ہی سے وطیرہ رہا ہے کہ ایک طرف ایمان والوں پر مظالم ڈھاتے ہیں اور دوسری طرف باقی لوگوں کے لیے ہدایت کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں تا کہ مزید لوگ حلقۂ دین میں داخل نہ ہوسکیں۔ شعیب علیہ السلام کی قوم کے سرداروں نے بھی یہی گھناؤنا کردار اختیار کر رکھا تھا۔ وہ اپنی قوم کو کہتے کہ اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو یاد رکھو بھاری نقصان اٹھاؤ گے تمھارا برا حشر ہوگا۔ سرداروں کے پروپیگنڈے کا یہ معنٰی بھی تھا کہ اگر تم شعیب کا حکم مانو گے تو تم اپنی مرضی سے کاروبار نہیں کر سکو گے۔ جس سے تمھاری تجارت اور ترقی کو زبردست نقصان پہنچے گا۔ یاد رہے کہ دنیا دار لوگ شروع ہی سے ایسی باتوں سے عوام کو دین سے روکتے رہے ہیں۔ اور آج بھی نفاذ اسلام کی بات چلے تو ایسا ہی پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ قوم شعیب کے کردار اور ان کے بار بار عذاب کے مطالبہ پر رات کے وقت ایسا زلزلہ آیا کہ وہ صبح اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے۔ وسیع ترین کاروبار، بڑے بڑے حفاظتی منصوبے اور ہر قسم کے مکروفریب انھیں رب ذوالجلال کے عذاب سے نہ بچا سکے جو لیڈرز قوم کو یہ کہہ کر ڈراتے تھے کہ شعیب علیہ السلام کی پیروی کرنے میں نقصان ہوگا۔ وہی ملک وملت کی تباہی کا باعث بنے۔ اس المناک صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میری قوم میں نے سمجھانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ جو عذاب لانے کا تم مجھ سے اصرار کرتے تھے اس نے تمھیں آلیا اب تم نے اپنے کیے کا پھل پا لیا ہے۔ لہٰذا میں تم پر کیونکر افسوس کر سکتا ہوں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ

اورنہیں ہم نے بھیجا میں کسی بستی سے کوئی نبی مگر ہم نے پکڑا اسکے رہنے والوں کو تنگی کیساتھ

وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿٩٤﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ

اورتکلیف تاکہ وہ عاجزی کریں پھر ہم نے بدلا جگہ بدحالی کی خوشحالی

حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ

یہاں تک وہ زیادہ ہوگئے اورانہوں نے کہا تحقیق پہنچی تھی ہمارے آباءواجداد تکلیف

وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩٥﴾

اورآسانی توہم نے انہیں پکڑلیا اچانک اوروہ شعورنہیں رکھتے تھے

’’اورہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگراس کے رہنے والوں کوتنگی اورتکلیف کے ساتھ پکڑا۔تاکہ وہ عاجزی اختیارکریں۔(٩٤) پھرہم نے بدحالی کوخوشحالی میں بدل دیا،یہاں تک کہ وہ خوب بڑھ گئے اورکہنے لگے یہ تکلیف اورآسانی توہمارے باپ داداکوبھی پہنچی تھی،پھرہم نے انہیں اچانک پکڑلیاکہ وہ خبرنہ رکھتے تھے۔‘‘(٩٥)

فہم القرآن

ربط کلام: عرب اوراس کے گردونواح کی پانچ اقوام کے کرداراورانجام کاذکرکرنے کے بعددنیامیں جزاءوسزااورآزمائش کاعمومی اصول بیان کیاگیاہے۔

اہل علم نے ’’بِالْبَاْسَاءِ‘‘ کامعنی غربت،تنگدستی اور’’ضَرَّاءِ‘‘ کامفہوم جسمانی بیماریاں لیاہے۔اللہ تعالیٰ نے یہاں ایک بنیادی اصول ذکرفرمایاہے کہ ہم قوموں کوتباہ وبربادکرنے سے پہلے غربت وافلاس اورجسمانی امراض کے ذریعے جھنجوڑا کرتے ہیں تاکہ بڑاعذاب آنے سے پہلے اپنی اصلاح کی طرف توجہ کریں۔گویاکہ اس معمولی اورعارضی گرفت کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی دائمی شفقت اورحکمت پنہاں ہوتی ہے کہ لوگوں کواحساس ہوکہ اگرہم نے نافرمانی کی روش اختیارکیے رکھی توکوئی ہولناک عذاب ہمیں اُچک لے گا۔

لہٰذاہمیں خداکی نافرمانی کے بجائے اس کی اطاعت میں رہناچاہیےاس میں ہمارے رب کی خوشنودی اوردنیا وآخرت کی بھلائی ہے۔جب لوگ ان جھٹکوں سے سمجھنے اورسلجھنے کی کوشش نہیں کرتے توپھراللہ تعالیٰ دوسری آزمائش میں ڈال دیتاہے۔غربت وافلاس کی جگہ مال کی فراوانی اورکشادگی دیتاہے۔بیماری اورعوارض کی جگہ صحت اورفراغت آجاتی ہے یہ چیزیں اس قدرکھلے اندازمیں دے دی جاتی ہیں کہ لوگ اپنے آباؤاجدادپرآنے والے مصائب اورآلام کویہ کہہ کربھول جاتے

ہیں کہ یہ تو حالات کے مدو جزر کا نتیجہ تھا، ایسا ہوہی جایا کرتا ہے۔ بعض لوگ اسے منصوبہ بندی کا فقدان قرار دیتے ہیں اور اپنی کوششوں پر اتراتے ہوئے خود فریبی کا شکار ہو کر کہتے ہیں کہ اگر ہمارے بزرگ یہ احتیاطی تدابیر اختیار کرتے تو فلاں فلاں آفت سے مامون رہ سکتے تھے۔ اسی لیے قوم ثمود نے پہاڑوں کو تراش تراش کر محفوظ محلات اور مضبوط قلعے بنائے اور قوم عاد نے دعویٰ کیا کہ "مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً" "ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہوسکتا ہے؟" لیکن اللہ کے عذاب نے انھیں تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ دیکھنے والا سمجھتا تھا کہ یہاں کبھی کوئی بندہ، بشر رہا ہی نہیں۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اکثر اوقات اللہ تعالیٰ کا عذاب کنگال اور کمزور لوگوں کے بجائے معاشی لحاظ سے خوشحال اور سیاسی اعتبار سے صاحب اقبال لوگوں پر آتا ہے۔ یہ عذاب اس قدر اچانک آیا کرتا ہے کہ وہ اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ جب اللہ کا عذاب آجائے تو کسی قوم کی سیاسی برتری اور معاشی خوشحالی اُسے ہرگز نہیں بچا سکتی۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ آزمائش کے ذریعے لوگوں کے گناہ معاف فرماتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ اچانک اور زبردست ہوا کرتی ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ خوشحالی کے ذریعے آزماتا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ تکلیف اور تنگ دستی کے ذریعے بھی آزماتا ہے۔

۶۔ تباہ ہونے والی اکثر اقوام خوشحال ہوا کرتی تھیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی پکڑ اچانک اور زبردست ہوا کرتی ہے :

۱۔ جب وہ ہماری عطا کی ہوئی نعمتوں پر خوش ہو جاتے ہیں تو اچانک انکو عذاب کی لپیٹ میں لے لیتے ہیں (الانعام:۴۴)

۲۔ کیا وہ لوگ بے فکر ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے؟ (النحل:۴۵)

۳۔ کیا وہ لوگ بے فکر ہو گئے ہیں کہ انہیں اللہ کا عذاب اپنی لپیٹ میں لے لے یا اچانک قیامت آجائے۔ (یوسف:۱۰۷)

۴۔ کیا بستیوں والے بے فکر ہو گئے ہیں کہ اللہ کا عذاب رات کے وقت اپنی لپیٹ میں لے لے اور وہ نیند کی حالت میں ہوں۔ (الاعراف:۹۵)

۵۔ کیا وہ لوگ بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں چلتے پھرتے اپنے عذاب کی لپیٹ میں لے لے۔ (النحل:۴۶)

وَلَوْ	اَنَّ	اَهْلَ الْقُرٰٓى	اٰمَنُوْا	وَاتَّقَوْا	لَفَتَحْنَا	عَلَيْهِمْ
اور اگر	بیشک	والے بستیوں	ایمان لے آتے	اور ڈرتے	البتہ ہم کھول دیتے	ان پر
بَرَكٰتٍ	مِّنَ السَّمَآءِ	وَالْاَرْضِ	وَلٰكِنْ	كَذَّبُوْا	فَاَخَذْنٰهُمْ	بِمَا
برکات	سے آسمانوں	اور زمین	اور لیکن	انہوں نے جھٹلایا تو	ہم نے انکو پکڑ لیا	بوجہ اس کے جو
كَانُوْا	يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٦﴾					
وہ تھے	کماتے					

”اور اگر بستیوں والے واقعی ایمان لے آتے اور ڈرتے تو ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین میں سے بہت سی برکات کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے جھٹلایا ہم نے انہیں اس وجہ سے پکڑ لیا جو وہ کیا کرتے تھے۔“ (٩٦)

فہم القرآن

ربط کلام: سرکشی اور بے دینی کی بنیاد پر ملنے والی فراوانی اور دین کی بدولت عطا ہونے والی خوشحالی کا فرق۔

اللہ تعالیٰ نے فرقان مجید کی سورۂ نساء کی آیت ۱۱۵ میں ایک اصول بیان فرمایا ہے کہ ہدایت واضح ہونے کے باوجود جو شخص ہمارے رسول کی مخالفت کرے گا ہم اسے ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ جانا چاہتا ہے۔ سورۃ الشوریٰ کی آیت ۲۰ میں فرمایا کہ جو دنیا چاہتے ہیں اسے اس کے نصیب کی دنیا دے دیتے ہیں۔ جو آخرت چاہتا ہے اسے آخرت عطا کر دیتے ہیں۔ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ اگر لوگ ایمان اور تقویٰ کا راستہ اختیار کریں گے تو ہم ان کے لیے زمین و آسمان کی برکات کے دروازے کھول دیں گے۔ لیکن انسانوں کی اکثریت ہمیشہ اس طرح رہی ہے کہ وہ ایمان اور پرہیزگاری کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے من مانی اور خدا کی نافرمانی میں دنیا کی ترقی سمجھتے ہیں۔ جو اللہ کی ذات اور اس کی تعلیمات کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ جب لوگ نیکی کے بجائے برائی، حلال کی جگہ حرام، اور خدا کی اطاعت کے بجائے نافرمانی کا رویہ اختیار کرتے ہیں تو پھر اکثر اوقات دنیا میں ہی انھیں اپنے کیے کی سزا مل جاتی ہے۔ یہاں اہل ایمان اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کو زمین و آسمان کی برکات کی خوشخبری دی گئی ہے۔ برکت کی جمع برکات ہے جب اللہ تعالیٰ کسی چیز میں برکت پیدا فرماتا ہے تو وہ چیز تعداد اور مقدار میں تھوڑی ہونے کے باوجود آدمی کو کفایت کر جاتی ہے۔ اور انسان اس پر مطمئن ہوتا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کی عمر میں برکت ڈال دی جائے تو وہ تھوڑی مدت میں وہ کارہائے نمایاں سرانجام دے پاتا ہے کہ لوگ اس سے مدت تک استفادہ کرتے ہیں۔ خورد و نوش میں برکت ڈال دی جائے تو آدمی کے لیے پانی کے چند گھونٹ اور خوراک کے چند لقمے ہی کافی ہوتے ہیں۔ لیکن جب برکت اٹھا لی جائے تو پیٹ بھر کھانے کے باوجود طبیعت سیر نہیں ہوتی اور انواع واقسام کے کھانے بھی اس کی قوت و توانائی میں اضافہ نہیں کرتے۔ جب برکت اٹھ جاتی ہے تو بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ گھر میں سب کچھ ہونے کے باوجود نہ ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ اور ہر نعمت میسر ہونے کے باوجود انسان اس سے اس لیے استفادہ نہیں کر سکتا کہ وہ چیزیں استعمال کرنے سے اس کی صحت مزید بگڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے گویا کہ

کسی چیز سے برکت اٹھالی جائے توانسان اسے محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔آج دنیا کی غالب اکثریت اسی حالت سے دوچار ہے۔کھیت سرسبز وشاداب، فیکٹریاں دن رات ٹھک ٹھک چل رہی ہیں، ذرائع مواصلات پہلے سے کہیں زیادہ اور ہر چیز کی فراوانی ہے لیکن انسان روحانی اور جسمانی اعتبار سے اپنے ہی آپ میں کھویا ہوا، مضطرب اور پریشان دکھائی دیتا ہے۔اس لیے سرورِ دوعالم ﷺ کھانا کھانے کے بعد اور مختلف مواقعوں پر اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا فرمایا کرتے تھے۔

”مگر جو شخص ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر اور راہ اختیار کرے تو ہم اسے ادھر پھیر دیتے ہیں جدھر کا اس نے رخ کیا ہے، پھر ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین ٹھکانا ہے۔[النساء:۱۱۵]

”جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کی کھیتی بڑھا دیتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اسے اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔“ [الشوریٰ:۲۰]

”حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول مکرم ﷺ میرے والد کے پاس آئے تو ہم نے آپ کو کھانا پیش کیا۔آپ نے کھانا کھایا پھر آپ کو کھجوریں پیش کیں۔آپ کھجوریں کھا کر گٹھلیاں اپنی دونوں انگلیوں کے درمیان رکھتے جاتے ہیں۔شعبہ کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ اگر اللہ نے چاہا تو وہ بالکل درست ہے آپ ﷺ دونوں انگلیوں کے درمیان گٹھلیاں رکھ کر پھینکتے جاتے، پھر آپ کو پانی دیا گیا۔تو آپ نے نوش فرمایا پھر برتن دائیں جانب بیٹھے شخص کے حوالے کیا میرے والد نے آپ کی سواری کی لگام پکڑی ہوئی تھی انہوں نے کہا ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے۔نبی ﷺ نے فرمایا اے اللہ! ان کے رزق میں برکت فرما اے اللہ! ان کے گناہ معاف فرما اور ان پر رحم فرما۔“

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ رَأَى النَّبِيُّ ﷺ عَلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رضی اللہ عنہ أَثَرَ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَهْيَمْ أَوْ مَهْ قَالَ قَالَ تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ)) [رواہ البخاری:]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پر زرد رنگ کے کچھ اثرات دیکھے آپ نے استفسار فرمایا یہ کیا ہے؟ حضرت عبدالرحمٰن نے کہا میں نے سونے کی ایک ڈلی مہر کے عوض ایک عورت سے نکاح کیا ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تیرے لیے بابرکت بنائے ولیمہ کرو خواہ ایک ہی بکری سے کرو۔“

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَأَطْعِمْنَا خَيْرًا مِنْهُ وَإِذَا سُقِيَ لَبَنًا فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَزِدْنَا مِنْهُ)) [رواہ ابو داؤد: کتاب الأشربة]

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو کہے اے اللہ ہمارے لیے اس کھانے میں برکت ڈال دے اور ہمیں اس سے بہتر کھانا کھلا اور جب دودھ پیے تو کہے اے اللہ! ہمارے لیے اس میں برکت ڈال دے اور ہمیں اس سے زیادہ عنایت فرما۔“

مسائل

۱۔ تقویٰ اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ برکات کے دروازے کھول دیتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرنا اس کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

اَفَاَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰۤى اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ بَاۡسُنَا بَيَاتًا وَّهُمۡ نَآئِمُوۡنَ ؕ﴿۹۷﴾

کیابے خوف ہوگئے والے بستیوں یہ کہ آئے انکے پاس ہماراعذاب رات کو اور وہ سوئے ہوئے ہوں

اَوَاَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰۤى اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ بَاۡسُنَا ضُحًى وَّهُمۡ يَلۡعَبُوۡنَ ﴿۹۸﴾

کیابے خوف ہوگئے والے بستیوں یہ کہ آئے انکے پاس ہماراعذاب دن چڑھے اور وہ کھیل رہے ہوں

اَفَاَمِنُوۡا مَكۡرَ اللّٰهِ‌ ۚ فَلَا يَاۡمَنُ مَكۡرَ اللّٰهِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۹۹﴾

کیاوہ بے خوف ہوگئے اللہ کی تدبیر پس نہیں بے خوف ہوتے اللہ کی تدبیر مگر خسارہ پانے والے

''تو کیابستیوں والے بے خوف ہوگئے ہیں کہ ہماراعذاب ان پر راتوں رات آجائے اور وہ سوئے ہوئے ہوں۔(۹۷) اور کیا بستیوں والے بے خوف ہوگئے کہ ہماراعذاب ان پر دن چڑھے آجائے اور وہ کھیل رہے ہوں؟(۹۸) پھر کیاوہ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہوگئے؟ تو اللہ کی تدبیر سے خسارہ اٹھانے والے لوگوں کے سوا کوئی بے خوف نہیں ہوتا۔''(۹۹)

فہم القرآن

ربط کلام: سابقہ آیات میں پانچ اقوام کی تباہی اور اس کے اسباب بیان کرتے ہوئے دنیا میں جزاء وسزا کا ایک عمومی اصول بیان فرمایا اور اس کے بعد ایمان اور تقویٰ کی ترغیب دیتے ہوئے زمین وآسمان کی برکات کی خوشخبری سنائی اب پھر مجرموں کو وارننگ دی جارہی ہے۔

قریٰ کا واحد ''قَرْيَة'' ہے یہ لفظ شہر اور دیہات دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔قرآن مجید نے اسے شہر اور بستیوں کے لیے استعمال فرمایا ہے سورہ زخرف آیت:۳۱ میں ہے کہ لوگ شہروں کے رہنے والے ہوں یا دیہاتوں کے بسنے والے انھیں وارننگ اور انتباہ کیا جارہا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی بغاوت اور نافرمانیاں کرکے کس طرح پر سکون اور امن میں رہ سکتے ہو؟ یہ تو اللہ کی حکمت اور اُس کی طے شدہ پالیسی ہے کہ وہ باغی اور نافرمانوں کو ایک وقت مقرر تک مہلت دیتا ہے اگر وہ لوگوں کے جرائم اور گناہوں کی وجہ سے پکڑنے پر آجائے تو زمین پر چلنے والی کوئی چیز باقی نہ رہے۔لیکن اللہ تعالیٰ لوگوں کو مدت معینہ تک مہلت دیتا ہے۔جب مہلت ختم ہوجاتی ہے تو ایک لمحہ تقدیم یا تاخیر نہیں ہونے پاتی۔(النحل،آیت:۶۱)

اس لیے لوگوں کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہماراعذاب رات کی تاریکیوں میں ان کو نیند کی حالت میں اچک سکتا ہے اور اگر ہم چاہیں تو دن دیہاڑے لوگوں کو فنا کی گھاٹ اتار سکتے ہیں۔سورۃ القصص آیت ۷۱تا۷۲ میں فرمایا:

﴿قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمُ النَّهَارَ سَرۡمَدًا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَنۡ اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ يَاۡتِيۡكُمۡ بِلَيۡلٍ تَسۡكُنُوۡنَ فِيۡهِ‌ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ .قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمُ النَّهَارَ سَرۡمَدًا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَنۡ اِلٰهٌ

غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ط اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ. ﴾ [سورة القصص،آیت: ۷۱،۷۲]

''اے نبی لوگوں سے فرما دیجیے اگر اللہ تعالیٰ تم پر رات کو قیامت تک طویل کر دے تو کون ہے صبح کی روشنی لانے والا اور اگر وہ دن کو قیامت تک لمبا کر دے تو کون ہے رات لانے والا جس میں تم سکون پاتے ہو؟''

قوم لوط پر صبح کے وقت عذاب آیا جو قیامت تک رات کی تاریکی نہیں پا سکتے۔ قوم مدین پر رات کی تاریکیوں میں عذاب نازل ہوا جنھیں قیامت تک صبح دیکھنا نصیب نہیں ہوگی۔ ایسے ہی یہاں عذاب کا اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو دن اور رات میں کسی وقت بھی تمھیں پکڑ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہونے والے نقصان ہی پایا کرتے ہیں، یاد رہے مکر کے لفظ کی نسبت لوگوں کی طرف ہو تو اس کا مطلب مکر و فریب ہوتا ہے جب اس لفظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی تدبیر ہوا کرتا ہے۔ دنیا کی تاریخ اٹھا کے دیکھیے۔ 2005ء میں رمضان المبارک کے دوسرے دن کشمیر میں صبح 9 بجے ایسا زلزلہ آیا کہ چالیس سیکنڈ کے اندر 70000 انسان موت کا لقمہ بنے اور لاکھوں مکان زمین بوس ہو گئے۔ 1948ء میں رات کے وقت بلوچستان میں زلزلہ آیا تو بیس سیکنڈ میں کوئٹہ شہر مکمل طور پر تباہ ہو گیا۔

مسائل

۱۔ پہلی قوموں پر عذاب اس وقت آیا جب وہ اللہ اور آخرت کو بھولے غفلت اور بدامنی میں پڑے ہوئے تھے۔

۲۔ عذاب الٰہی سے بے خوف ہونا کفر ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونے والے دنیا و آخرت میں نقصان اٹھائیں گے:

۱۔ جو ایمان لانے کے بعد کفر کرے اس کے تمام عمل برباد اور وہ دنیاء و آخرت میں خسارہ پانے والوں میں ہو گا۔ (المائدۃ:۵)

۲۔ اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونے والے نقصان اٹھاتے ہیں۔ (الاعراف:۹۹)

۳۔ جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا وہی نقصان اٹھائیں گے۔ (الزمر:۶۳)

۴۔ کافروں کی پیروی کرنے والے نقصان اٹھائیں گے۔ (آل عمران:۱۴۹)

۵۔ اللہ کو چھوڑ کر شیطان سے دوستی کرنے والا نقصان اٹھائے گا۔ (النساء:۱۱۹)

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ

کیانہیں رہنمائی ملی ان لوگوں کیلئے وارث بنے ہیں زمین سے بعد اسکے رہنے والوں کے یہ کہ

لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝١٠٠

اگر ہم چاہیں ان کو پہنچائیں بوجہ انکے گناہوں کے اور ہم مہر لگادیں پر ان کے دلوں پھر وہ کچھ نہ سنیں

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ

یہ بستیاں ہیں ہم بیان کرتے ہیں آپ پر سے انکی کچھ خبریں اور البتہ تحقیق آئے انکے پاس

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ

انکے رسول واضح دلائل کیساتھ تو نہ ہوئے وہ کہ ایمان لانے والے ساتھ اسکے وہ جھٹلا چکے تھے سے

قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ۝١٠١

پہلے اسی طرح مہر لگادیتا ہے اللہ پر دلوں کفار

”اور کیا وہ لوگ جو زمین کے وارث بنے اس کے رہنے والوں کے بعد ان کی رہنمائی اس بات نے نہیں کی کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں سزا دیں اور ہم ان کے دلوں پر مہر کر دیتے ہیں وہ نہیں سنتے۔ (۱۰۰) یہ بستیاں ہیں جن کے کچھ حالات ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں اور بے شک ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تھے وہ ایسے نہ تھے کہ اس بات کو مان لیتے جسے وہ اس سے پہلے جھٹلا چکے تھے اسی طرح اللہ انکار کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ (۱۰۱)

فہم القرآن

ربط کلام: دنیا اور آخرت میں نقصان اٹھانے والے لوگوں کا رویہ اور ان کی عادات۔

ایک مرتبہ پھر غافل اور نافرمانوں کو انتباہ کیا جا رہا ہے۔ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ آج جن بستیوں اور سرزمین کے یہ وارث بنے ہوئے ہیں ان سے پہلے ان لوگوں کا کیا حال ہوا۔ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے بے خوف ہوئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب نے انھیں ملیامیٹ کر دیا۔ ان کے بعد آنے والوں کی بصیرت تو یہ ہونی چاہیے کہ وہ اپنے سے پہلے لوگوں کی غلطیوں سے بچیں اور ان کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔ جن کے واقعات اللہ تعالیٰ نے اس لیے بار بار اور کھول کھول کر بیان کیے تاکہ نئی نسل اپنے سے پہلے لوگوں کے انجام سے عبرت حاصل کرے۔ لیکن ایسا کم ہوتا ہے کہ بعد کے لوگ اپنی اصلاح اور فلاح کی طرف توجہ کریں بلکہ یہ لوگ وہی کام کرتے ہیں جو پہلے لوگوں کی تباہی کا سبب ہوتے ہیں۔ جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جب ان کے پاس انبیاء کرام علیہم السلام دلائل کے ساتھ تشریف لائے اور انھوں نے ایمان باللہ اور اپنی اطاعت کا حکم دیا تو لوگوں نے انھیں جھٹلایا اور پھر اپنی ضد پر پکے ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر ثبت کر دی اور

پھر وہ کفر کی حالت میں ہی ہلاک ہوئے۔ یہاں پہلے لوگوں کی ضد اور ان کے انجام کا ذکر کرنے کے بعد توجہ دلائی ہے کہ ان کے وارث بننے والوں کو یہ راہ اختیار نہیں کرنی چاہیے اگر یہ بھی یہی راہ اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر بھی مہر ثبت کر دے گا۔ پھر یہ ہوگا کہ یہ حق بات سننے اور نگاہِ عبرت سے محروم ہو جائیں گے۔ یہ بات پہلے بھی بیان کی جا چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا گمراہی کو اپنی طرف منسوب کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ ہدایت کسی پر مسلط نہ کی جائے گی۔

مہر کس طرح لگتی ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيئَةً نُكِتَتْ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهُ وَإِنْ عَادَ زِيدَ فِيهَا حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهُ وَهُوَ الرَّانُ الَّذِي ذَكَرَ اللّٰهُ (كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ))) [رواه الترمذي: كتاب تفسير القرآن، باب ومن سورة ويل للمطففين (حسن)]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا بلاشبہ جب بندہ گناہ کرتا ہے اس کے دل پر سیاہ نکتہ لگا دیا جاتا ہے جب وہ اس گناہ کو چھوڑتا اور توبہ و استغفار کرتا ہے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اس سیاہ نکتے میں اضافہ کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی سیاہی دل پر غالب آجاتی ہے یہی وہ زنگ ہے جس کا تذکرہ اللہ نے کیا ہے ''کیوں نہیں ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ پڑ چکا ہے۔''

مسائل

۱۔ پہلی اقوام سے نصیحت و عبرت پکڑنی چاہیے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کو واضح دلائل کے ساتھ مبعوث فرماتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

کن کے دلوں پر مہر ثبت ہوتی ہے:

۱۔ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ (البقرۃ:۷)
۲۔ مشرکوں کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ (الانعام:۴۶)
۳۔ اللہ کے علاوہ دوسرے کو معبود بنانے والوں کے دلوں پر مہر ثبت ہوتی ہے۔ (الجاثیۃ:۲۳)
۴۔ اللہ تعالیٰ پر افتراء بازی کرنے والوں کے دل پر مہر لگتی ہے۔ (الشوریٰ:۲۴)
۵۔ مرتد ہونے والے کے دل پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دیتا ہے۔ (المنافقون:۳)
۶۔ تکبر کرنے والے کے دل پر مہر لگائی جاتی ہے۔ (المومن:۳۵)
۷۔ جہاد سے پیچھے رہنے والوں کے دلوں پر مہر ثبت ہوتی ہے۔ (التوبۃ:۹۳)

وَمَا	وَجَدۡنَا	لِأَكۡثَرِهِمۡ	مِّنۡ عَهۡدٍ	وَإِن	وَّجَدۡنَآ	أَكۡثَرَهُمۡ
اور نہیں	ہم نے پایا	ان کی اکثریت کو	سے کوئی عہد	اور بلاشبہ	ہم نے پایا	ان کی اکثریت

لَفَٰسِقِينَ ﴿١٠٢﴾
نافرمان ہی

”اور ہم نے ان میں سے اکثر کے لیے کوئی عہد نہیں پایا اور بے شک ہم نے ان کے اکثر کو فاسق ہی پایا۔“ (۱۰۲)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار کے دلوں پر مہر ثبت ہونے اور ان کی ہلاکت کا سبب، اللہ کے ساتھ ان کی عہد شکنی تھی۔

کفار کی ہلاکت اور ان کی گمراہی کا سبب بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایسا اس لیے ہوا کہ ہم نے ان کی اکثریت کو نافرمان اور بدعہد پایا تھا۔ عہد سے مراد وہ ازلی عہد ہے جو روز آفرینش اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان سے لیا تھا کہ کیا میں تمھارا رب ہوں یا نہیں؟ جس کی تفسیر اسی سورۂ کی آیت ۱۷۲ میں بیان کی جائے گی ان شاء اللہ عہد سے مراد وہ اقرار اور عہد ہے جو آدمی ایمان لاتے ہوئے کلمۂ شہادت کے الفاظ میں اقرار کرتا ہے۔ جس کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ کلمہ پڑھنے والا اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا میرا کوئی خالق، مالک اور معبود نہیں، محمد رسول اللہ ﷺ میرے رہنما اور مقتدا ہیں، میں انھی کی اتباع میں زندگی بسر کروں گا۔ اس عہد کے تحت وہ عہد و اقرار بھی شامل ہیں جو ہم ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں یہ تین قسم کے عہد و اقرار ہیں جن پر پورا اترنا انسان کی ذمہ داری ہے اگر کوئی جان بوجھ کر عہد شکنی کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے باز پرس ہوگی۔ یہاں انسانوں کی اکثریت کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو عہد شکن اور نافرمان ہی پایا ہے۔ جو لوگ جمہوریت کو حق و باطل، صحیح اور غلط کا معیار قرار دیتے ہیں۔ انھیں اس اصول پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ کیونکہ حق و باطل، غلط اور صحیح کا معیار لوگوں کی اکثریت نہیں بلکہ اس کا معیار مسلمہ اقدار اور قرآن و سنت کے اصول ہیں۔ لوگوں کی اکثریت تو لکیر کی فقیر ہوا کرتی ہے۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَا خَطَبَنَا نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ إِلَّا قَالَ لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَّا أَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ))[رواه أحمد]

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی مکرم ﷺ اپنے ہر خطبے میں یہ فرماتے جو امانت دار نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں اور جو عہد کی پاسداری نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں۔“

مسائل

۱۔ لوگوں کی اکثریت گمراہ اور فاسق ہوا کرتی ہے۔

۲۔ گمراہوں کا انجام آخرت میں بدترین ہوگا۔

ثُمَّ	بَعَثْنَا	مِنْۢ بَعْدِهِمْ	مُّوْسٰى	بِاٰيٰتِنَآ	اِلٰى	فِرْعَوْنَ
پھر	ہم نے بھیجا	سے ان کے بعد	موسیٰ	ہماری آیات کیساتھ	طرف	فرعون

وَمَلَا۟ئِهٖ	فَظَلَمُوْا	بِهَا ۚ	فَانْظُرْ	كَيْفَ	كَانَ	عَاقِبَةُ
اور اسکے سردار	تو انہوں نے ظلم کیا	اس کیساتھ	پس دیکھیے	کیسے	ہوا	انجام

الْمُفْسِدِيْنَ ۝١٠٣	وَقَالَ	مُوْسٰى	يٰفِرْعَوْنُ	اِنِّيْ	رَسُوْلٌ	مِّنْ
فساد کرنے والوں کا	اور فرمایا	موسیٰ نے	اے فرعون	بلاشبہ میں	رسول ہوں	سے

رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٠٤	حَقِيْقٌ	عَلٰٓى	اَنْ لَّآ	اَقُوْلَ	عَلَى اللّٰهِ	اِلَّا الْحَقَّ ؕ
رب العالمین	یہ بات حق ہے	پر	یہ کہ نہ	میں کہوں	پر اللہ	مگر حق بات

”پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی جانب بھیجا۔ انہوں نے ان کے ساتھ ظلم کیا پھر دیکھیں فساد کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا؟ (۱۰۳) اور موسیٰ نے کہا اے فرعون! بے شک میں جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں۔“ (۱۰۴) ”اس بات پر پوری طرح قائم ہوں کہ اللہ کے ذمے حق کے سوا کچھ نہ کہوں

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑنے والی اقوام میں آل فرعون سرفہرست تھے۔ جنھوں نے نہ صرف اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کی بار بار وعدہ خلافی کی بلکہ قوم کے مزاج اور مشرکانہ عقائد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرعون نے ” **اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى** “ کا دعویٰ کیا تھا۔

فرعون مصر کے حکمران کا اصلی نام نہیں بلکہ اس کا یہ سرکاری لقب تھا۔ قدیم تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ یمن کا حکمران تبع، حبشہ کا بادشاہ نجاشی، روم کا حکمران قیصر، ایران کا فرمانروا کسریٰ کہلواتا اور ہندوستان کے حکمران اپنے آپ کو راجا کہلوانا پسند کرتے تھے۔ جس طرح آج کل صدارتی نظام میں حکمران پریذیڈنٹ اور پارلیمانی نظام رکھنے والے ممالک میں وزیر اعظم اور جرمن کا حکمران چانسلر کہلواتا ہے اسی طرح ہی مصر کا بادشاہ سرکاری منصب کے حوالے سے فرعون کہلواتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کا جس فرعون سے واسطہ پڑا اس کا نام قابوس یا رعمیس تھا۔ یہ فرعون اپنے آپ کو خدا کا اوتار سمجھتے ہوئے لوگوں کو یہ تاثر دینے میں کامیاب ہوا۔ کہ اگر میں خدا کا اوتار نہ ہوتا تو دنیا کی سب سے بڑی مملکت کا فرمانروا نہیں ہوسکتا تھا۔ پھر اس نے لوگوں کے مزاج اور مشرکانہ عقائد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے آپ کو رب اعلیٰ قرار دیا۔ قوم اور موسیٰ علیہ السلام کے سامنے دعویٰ کیا کہ زمین و آسمان میں

قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٠٥﴾

تحقیق میں لایا تمہارے پاس واضح دلیل سے تمہارے رب تو بھیج میرے ساتھ بنی اسرائیل کو

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ

اس نے کہا اگر تو ہے لایا ہے کوئی نشانی تو لے آ اسے اگر تو ہے

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٠٧﴾

سچے لوگوں میں سے تو ڈال دیا اپنا عصا پھر اچانک وہ اژدہا تھا واضح

وَّ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾

اور نکالا اس نے اپنا ہاتھ پھر دفعتہً وہ سفید چمکتا ہوا دیکھنے والوں کیلئے

بلاشبہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل لے کر آیا ہوں سو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔(۱۰۵) اس نے کہا اگر تو کوئی نشانی لے کر آیا ہے تو وہ پیش کر۔ اگر تو سچ بولنے والوں میں سے ہے۔(۱۰۶) اس نے اپنی لاٹھی پھینکی تو اچانک وہ ایک واضح اژدہا تھا۔(۱۰۷) اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو اچانک وہ دیکھنے والوں کے لیے چمکنے والا سفید تھا۔“ (۱۰۸)

مجھ سے بڑھ کر کوئی رب نہیں ہے میں ہی سب دیوتاؤں سے بڑا دیوتا اور سب سے اعلیٰ اور اولیٰ کائنات کا رب ہوں۔ اس کی جھوٹی خدائی کے پرخچے اڑانے اور اس کی کذب بیانی کا پول کھولنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسی کے گھر میں پرورش پانے والے موسیٰ علیہ السلام کو رسول منتخب فرمایا۔

جن کی پیدائش کا تفصیلی تذکرہ سورۃ القصص کی ابتدائی ۳۲ آیات میں کیا گیا ہے جس کی ابتدا اللہ تعالیٰ نے یوں فرمائی۔ ”اے نبی یہ کتاب مبین کی آیات ہیں جن میں ہم آپ کے سامنے فرعون اور موسیٰ کا واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں فرعون زمین پر بڑا بن بیٹھا اور اس نے اپنی قوم کو طبقاتی کشمکش میں مبتلا کر دیا تھا۔ ایک طبقہ کو مراعات یافتہ اور دوسرے کو غلامی اور پسپائی کی گھاٹیوں میں دھکیل رکھا تھا۔ ان حالات میں ہم نے فیصلہ کیا کہ کمزور لوگوں کو زمین میں فرمانروائی سے سرفراز کیا جائے تاکہ فرعون اور اس کے لشکر و سپاہ کو وہ کچھ دکھایا جائے جس کے دیکھنے سے ڈرتے تھے۔ فرعون اور اس کے ساتھیوں نے بنی اسرائیل کو اس لیے دبا رکھا تھا کہیں یہ لوگ قوت حاصل کر کے ہمارے خلاف برسرپیکار نہ ہو جائیں۔“ بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کی ابتدا۔ یوں ہوئی کہ فرعون کے درباریوں نے اسے یہ بتلایا کہ بنی اسرائیل کے ہاں ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے جو تیری خدائی کو چیلنج کرے گا۔ فرعون نے اس بنا پر بنی اسرائیل کے نومولود بچوں کو قتل کروانا شروع کیا لیکن یہ سوچ کر اپنے

قانون میں ترمیم کی۔اس طرح تو ہماری خدمت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا لہٰذا ایک سال بچوں کو قتل کیا جائے اور دوسرے سال کے بچوں کو باقی رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیے کہ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ کے ہاں اس سال جنم لیتے ہیں جس سال بچوں کو قتل کیا جا رہا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ انتہائی خوفزدہ ہوئیں کہ جونہی حکومت کے کارپردازوں کو میرے ہاں پیدا ہونے والے بچے کا علم ہوگا تو وہ میرے لخت جگر کو قتل کر دیں گے۔ سورۃ القصص کی آیت ۷ میں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے اسے القا کیا کہ جب بیٹے کی جان کا خطرہ محسوس کرو تو اسے دریا کی لہروں کے سپرد کر دینا لیکن ڈرنے کی ضرورت نہیں ہم نہ صرف اسے تیرے پاس لے آئیں گے بلکہ آپ کا بیٹا انبیاء علیہم السلام کی جماعت کا ایک فرد ہوگا۔'' چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اپنے بیٹے کو دریا کے سپرد کیا جسے آل فرعون نے اٹھا لیا۔ جب فرعون موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے لگا تو اس کی بیوی نے اسے سمجھایا کہ اتنے پیارے بچے کو قتل نہ کرو ممکن ہے بڑا ہو تو ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں۔ جب دودھ پلانے کا مرحلہ آیا تو موسیٰ علیہ السلام نے غیر عورتوں کا دودھ پینے سے انکار کر دیا۔ جس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے موسیٰ پر سب عورتوں کا دودھ حرام قرار دیا تھا۔ بالآخر مجبور ہو کر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ہی انجانے میں اس کی دایہ مقرر کر دیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام بھرپور جوان ہوئے تو ان کے ہاتھوں آل فرعون کا ایک فرد سہواً قتل ہو گیا۔ جس کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے ہجرت فرمائی اور وہ مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں آٹھ، دس سال داماد بن کر زیر تربیت رہے۔ پھر مصر واپس آتے ہوئے راستہ میں انھیں نبوت عطا ہوئی اور اس کے ساتھ ہی انھیں دو عظیم معجزے عطا کیے گئے۔ جس لاٹھی کے ساتھ وہ بکریاں ہانکا کرتے تھے۔ اس میں معجزانہ قدرت پیدا کی گئی کہ وہ حسبِ ضرورت بہت بڑا اژدہا بن جاتی اور دوسرا معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ عطا کیا گیا کہ جب وہ اپنا دایاں ہاتھ بائیں بغل میں دبا کر باہر نکالتے تو اس کے سامنے چاند اور سورج کی روشنی بھی مدہم دکھائی دیتی تھی۔ یہاں انھی دو معجزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورۃ القصص، آیت: ۳۴ میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا معاون بنانے کی دعا کی جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی اور معجزات کے ساتھ فرعون کے دربار میں پہنچے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا خطاب:

آل فرعون انتہائی ظالم لوگ تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا مجھے رب العالمین کی طرف سے رسول بنایا گیا ہے اور میں وہی بات کہوں گا جس کے کہنے کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے میں تمھارے پاس اپنے رب کی ربوبیت اور وحدت کے ٹھوس اور واضح دلائل لایا ہوں۔ اس لیے تمھیں اپنی خدائی چھوڑ کر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا رب

ماننا چاہیے اس کے ساتھ میرا یہ مطالبہ ہے کہ بنی اسرائیل کو آزاد کردیا جائے۔فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا جواب دیتے ہوئے کہا اگر تو واقعی اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو کوئی معجزہ پیش کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فی الفور اپنا عصا زمین پر پھینکا جو بہت بڑا اژدہا بن کر لہرانے لگا۔ جس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ اتنا بڑا اژدہا بن کر سامنے آیا کہ یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے جبڑوں میں سب کو نگل لے گا۔ یہ دیکھتے ہی فرعون اور اس کے درباری اپنی جان بچانے کے لیے دوڑتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام سے فریادیں کرنے لگے کہ ہمیں اس سے بچائیں۔تب موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا جو پہلے کی طرح عصا بن گیا۔ اپنی بغل میں ہاتھ دبا کر باہر نکالا تو اس کے سامنے تمام روشنائیاں ماند پڑ گئیں۔ ہاتھ دیکھنے والے حیران اور ششدر رہ گئے کہ یہ تو سورج اور چاند سے زیادہ روشن ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کے سامنے سورج کی روشنی ماند پڑتی دکھائی دیتی تھی۔(روح المعانی و جامع البیان)

مسائل

۱۔ فرعون اور اس کے ساتھی بدترین قسم کے ظالم تھے۔

۲۔ فرعون اور اس کے ساتھیوں کی پالیسی اور ان کے کردار سے ملک میں فساد پھیل چکا تھا۔

۳۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے رسول تھے۔

۴۔ موسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے اللہ کی توحید کے دلائل دیے اور اپنی قوم کی آزادی کا مطالبہ کیا۔

۵۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے لاٹھی اور ید بیضاء کے دو عظیم معجزے عطا فرمائے۔

تفسیر بالقرآن

نافرمان اور فساد کرنے والوں کا انجام:

۱۔ دیکھیں فساد کرنے والوں کا انجام کیا ہوا۔(الاعراف:۱۰۳)

۲۔ دیکھیں ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔(یونس:۳۹)

۳۔ دیکھیں نافرمانوں کا انجام کیسا ہوا۔(الاعراف:۸۴)

۴۔ زمین میں چل کر دیکھیں مجرموں کا انجام کیسے ہوا۔(النمل:۶۹)

۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھیں جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔(الزخرف:۲۵)

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ

کہا سرداروں نے | سے | قوم | فرعون | بیشک | یہ | البتہ جادوگر بڑا علم والا | وہ چاہتا ہے

اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ

یہ کہ تمہیں نکال دے | سے | تمہاری زمین | تو کیا | تم مشورہ دیتے ہو | انہوں نے کہا | اس کو مہلت دے

وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ

اور اس کے بھائی کو | اور بھیج | میں شہروں | اکٹھے کرنے والے | وہ تیرے پاس لائیں | ہر | جادوگر

عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا

ماہر | اور آئے | جادوگر (جمع) | فرعون | انہوں نے کہا | بیشک | ہمارے لیے

لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ

انعام ہوگا | اگر ہوئے | ہم | غالب | کہا اس نے | ہاں | اور بلاشبہ تم

لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ

البتہ سے | مقرب لوگ | انہوں نے کہا | اے موسیٰ | یا | یہ کہ | تو پھینکے گا

وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ

اور یا | یہ کہ | ہم ہوں | ہم | پھینکنے والے | فرمایا | تم ہی ڈالو

''فرعون کی قوم کے سردار کہنے لگے یقیناً یہ تو ایک ماہرِ فن جادوگر ہے۔(۱۰۹) چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال دے تو تم کیا مشورہ دیتے ہو۔(۱۱۰) کہنے لگے اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دے اور شہروں میں جمع کرنے والے بھیج دے۔(۱۱۱) کہ وہ تیرے پاس ہر ماہر فن جادوگر لے آئیں۔(۱۱۲) اور جادوگر فرعون کے پاس آئے اور کہنے لگے واقعی ہمارے لیے کچھ انعام ہوگا اگر ہم غالب آجائیں۔(۱۱۳) کہا ہاں اور یقیناً تم ضرور مقرب لوگوں سے ہوگے۔(۱۱۴) کہنے لگے اے موسیٰ! یا تو تو پھینکے گا یا ہم ہوں پھینکنے والے۔(۱۱۵) کہا تم پھینکو۔

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام سے معجزہ کا مطالبہ، معجزہ سامنے آنے پر فرعون کے ساتھیوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جادوگر ہونے کا الزام اور ان کا چیلنج۔

سورۃ الشعراء کی آیت ۱۶ تا ۳۳ میں بیان ہوا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اپنی نبوت کا ثبوت دیا اور بنی اسرائیل

فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ
پھر جب انہوں نے ڈالا جادو کر دیا انھوں نے لوگوں کی آنکھیں اور انہیں خوف زدہ کیا اور وہ لائے جادو

عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ
بہت بڑا اور ہم نے وحی کی طرف موسیٰ یہ کہ ڈال تو تیرا عصا پس جب وہ

تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ ۚ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا
نگلنے لگا جو وہ بناتے تھے تو ثابت ہو گیا حق اور باطل ہو گیا جو کچھ وہ تھے

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ۚ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ ۚ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ
عمل کرتے پس وہ مغلوب ہو گئے وہاں اور وہ لوٹے ذلیل ہونے والے اور گرائے گئے جادوگر

سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ ۖۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ ۙ رَبِّ
سجدہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہم ایمان لائے رب کیساتھ جہانوں رب

مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾
موسیٰ اور ہارون

جب انہوں نے پھینکا لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں پوری طرح خوف زدہ کر دیا وہ بہت بڑا جادو لے کر آئے۔(۱۱۶) اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنی لاٹھی پھینک تو اچانک وہ ان چیزوں کو نگلنے لگی جو وہ بنا رہے تھے۔(۱۱۷) پس حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ کرتے تھے باطل ہوا۔(۱۱۸) تو اس موقع پر وہ مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو کر واپس ہوئے۔(۱۱۹) اور جادوگر سجدے میں گرا دیے گئے۔(۱۲۰) کہنے لگے ہم جہانوں کے رب پر ایمان لے آئے۔(۱۲۱) موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔'' (۱۲۲)

کی آزادی کا مطالبہ کیا تو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام پر اخلاقی حملہ کرتے ہوئے کہا کہ کیا تو نہیں جانتا کہ ہم نے تیری پرورش کی اور تو عرصہ دراز تک ہمارے ہاں ٹھہرا اور پھر تو نے ایک ایسا کام کیا جو تجھے اچھی طرح یاد ہے یعنی تو نے ہمارے ایک شخص کو قتل کیا۔ کیا ہمارے احسانات کا تو انکار کرتا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے نہایت بردباری اور بہترین انداز میں جواب دیتے ہوئے فرمایا ہاں! نادانستہ طور پر مجھ سے آدمی مر گیا تھا۔ جس کی وجہ سے میں تمھارے خوف سے بھاگ نکلا۔ اب اللہ نے مجھے تمھارے پاس رسول بنا کر بھیجا ہے۔ جہاں تک آپ کے مجھ پر احسان کا تعلق ہے کیا اس کا بدلہ یہ ہے کہ آپ میری پوری قوم کو غلام بنا رکھیں؟ موسیٰ علیہ السلام سے فرعون نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے دلائل طلب کیے۔ جس کا جواب دیتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں اس رب کی بات کر رہا ہوں جو زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے اس کو پیدا کرنے والا اور ہر جاندار کو اس کی روزی مہیا کرنے والا

ہے وہ تمھارا اور تم سے پہلے لوگوں کا رب ہے بشرطیکہ تم توحید کو سمجھنے کے لیے اپنی عقل استعمال کرو۔اس پر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کا استہزاء اڑاتے ہوئے اپنے درباریوں کو کہا کہ جو تمھارے پاس رسول بنا کر بھیجا گیا ہے وہ تو پاگل ہے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو الٰہ مانا تو میں تجھے جیل خانہ میں ڈال دوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کیا واضح دلائل کے باوجود تم ایسا کرو گے تو اس نے مجبور ہو کر کہا اچھا پھر اپنی صداقت کی دلیل پیش کرو۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی صداقت کی تائید میں عصا اور ید بیضاء کے معجزے پیش فرمائے۔ جس پر فرعون اور اس کے درباریوں نے کہا کہ تم تو بہت بڑے جادوگر ہو اور جادو کے ذریعے تم ہمیں اقتدار اور ہمارے ملک سے بے دخل کرنا چاہتے ہو۔ ہم تمھارے مقابلہ میں اپنے جادوگر لائیں گے۔ سورۃ طٰہٰ، آیت: ۵۸ تا ۶۰ میں بیان ہوا ہے کہ مقابلہ کے لیے انھوں نے قومی تہوار کا دن اور صبح کا وقت مقرر کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اس عہد کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہیے۔ سورۃ الشعراء، آیت: ۳۶ تا ۴۴ میں تفصیل یہ ہے کہ پھر انھوں نے ملک کے تمام شہروں سے ماہر جادوگروں کو اکٹھا کیا۔ جب جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں اکٹھے ہوئے تو انھوں نے فرعون کے حق میں پرزور نعرے بازی کی کہ ''فرعون کی جے'' (فرعون زندہ باد) اور اس کے ساتھ ہی جادوگروں نے فرعون سے مطالبہ کیا کہ ہم موسیٰ پر غالب آ گئے تو ہمیں کیا انعام ملے گا۔ فرعون نے انھیں یقین دہانی کروائی کہ انعام پانے کے ساتھ میرے مقرب ہو جاؤ گے۔ (الاعراف: ۱۱۴)۔ یعنی اجر تو معمولی بات ہے۔ تم ہمیشہ کے لیے میرے اقتدار میں شریک ہو گے۔ یہی دین اور دنیادار کی سوچ میں فرق ہے۔ جس کا جادوگروں نے مظاہرہ کیا کہ ہمیں دنیا میں کیا ملے گا؟ پھر اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ ہم اپنے علم و ہنر کا مظاہرہ کریں یا آپ کرتے ہیں! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے تم کرو جو کچھ کرنا چاہتے ہو۔ انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر ڈالیں جو ایک سے ایک بڑھ کر سانپ اور اژدہا بن کر دوڑنے لگیں۔ جس سے لوگ زبردست خوف زدہ ہوئے۔ کیونکہ قرآن بیان کر رہا ہے کہ انھوں نے سحر عظیم کا مظاہرہ کیا جس سے لوگوں کی آنکھیں حیرت زدہ ہو گئیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جوابی حملہ اور جادوگروں کا ایمان لانا:

سورۃ طٰہٰ، آیت: ۶۷ تا ۶۹ میں بیان ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خوف زدہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ ڈرنے کی ضرورت نہیں اپنا عصا زمین پر پھینک یہ سب کو کھا جائے گا اور جادوگر جہاں بھی ہوں کامیاب نہیں ہوں گے۔ یہاں بیان فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ آپ اپنا عصا زمین پر پھینکیں جونہی عصا زمین پر پھینکا گیا تو اس نے ان کے کیے دھرے کو نگل لیا۔ اس طرح حق ثابت اور بلند و بالا ہوا اور باطل ناکام اور نامراد ہو کر ذلیل ہو گیا۔ جادوگر موسیٰ علیہ السلام کی حق و صداقت دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوئے کیونکہ ملک بھر کے نامی گرامی جادوگروں کو شکست دینا کسی عام آدمی کے بس کی بات نہ تھی۔ جادوگر یہ حقیقت پوری طرح سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام جس رب کے فرستادہ ہیں وہی خالقِ کل اور مالکِ حقیقی ہے۔ اسی کے

سامنے آدمی کو سجدہ ریز ہونا چاہیے۔ لہٰذا انھوں نے اسی بات کا اقرار اور اظہار کیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے مزید وضاحت بھی کر دی کہ فرعون پر نہیں جو رب ہونے کا جھوٹا دعوے دار بلکہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لائے جو پوری کائنات کا رب ہے۔ تاکہ ان کے ایمان پر کسی کو ہرگز شبہ نہ رہے۔

مسائل

۱۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے خلاف ملک بھر کے جادوگر اکٹھے کیے۔

۲۔ جادوگروں کے سامنے دین کا مشن نہیں تھا اس لیے انھوں نے دنیا کے اجر کا مطالبہ کیا۔

۳۔ جادو سب سے پہلے انسان کی نظر پر اثر انداز ہوتا ہے۔

۴۔ حق ہمیشہ دلائل کی بنیاد پر بلند و بالا رہتا ہے۔

۵۔ آدمی کو حقیقت سمجھ آجائے تو اسے کھلم کھلا اس کا اعتراف اور اظہار کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء علیہم السلام پر جادوگر ہونے کا الزام:

۱۔ جب موسیٰ علیہ السلام کھلے دلائل لے کر آئے تو قوم نے ان پر جادوگر ہونے کا الزام لگایا۔ (القصص: ۳۶)

۲۔ کفار کے سامنے جب حق آیا تو انھوں نے کہا یہ تو جادو ہے۔ (سباء: ۴۳)

۳۔ فرعون کے سرداروں نے کہا یہ تو جادو ہے۔ (الاعراف: ۱۰۹)

۴۔ جب کفار کے پاس حق بات آئی تو انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادوگر ہونے کا الزام لگایا۔ (یونس: ۷۶)

۵۔ کفار نے کہا یہ نبی نہیں، جادوگر ہے۔ (یونس: ۱)

۶۔ کفار نے کہا یہ نبی جھوٹا اور جادوگر ہے۔ (ص: ۴)

۷۔ ظالموں نے کہا کیا ہم جادوگر کی اتباع کریں؟ (الفرقان: ۸)

۸۔ آپ سے پہلے جو بھی نبی آیا اسے جادوگر کہا گیا۔ (الذاریات: ۵۲)

۹۔ مشرکین قرآن مجید کو جادو قرار دیتے تھے۔ (الاحقاف: ۷)

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ

کہااس نے فرعون تم ایمان لائے ہو ساتھ اس کے پہلے یہ کہ میں اجازت دوں تم کو

اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ

بیشک یہ مکر ہے تم نے جو مکر کیا ہے میں شہر تا کہ تم نکال دو اس سے

اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ

اسکے رہنے والوں کو تو عنقریب تم جان لوگے میں ضرور کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں سے

”فرعون نے کہا اس پر تم اس سے پہلے ایمان لے آئے کہ میں تمہیں اجازت دیتا، بے شک یہ تو ایک چال ہے جو تم نے اس شہر میں چلی ہے تا کہ اس سے اس کے رہنے والوں کو نکال دو تو تم بہت جلد جان لوگے۔ (۱۲۳) میں ضرور تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹوں گا

فہم القرآن

ربط کلام: جادوگروں کے ایمان لانے پرفرعون کا ان پر سازش کرنے کا الزام اور ان کو مار ڈالنے کی دھمکیاں۔ اس پر جادوگروں کا ردعمل اور عزم واستقلال کا مظاہرہ۔

حق و باطل کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت بالکل عیاں دکھائی دیتی ہے کہ حق ہمیشہ دلائل کی بنیاد پر باطل پر غالب رہا ہے اور غالب رہے گا۔ یہی بات قرآن مجید نے دوٹوک الفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ ” کافر اور مشرک چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ وہ اپنے نور کو ہر جانب پھیلا کر رہے گا۔ اس نے اپنے رسول کو دین حق اور ہدایت کے ساتھ اس لیے بھیجا ہے تا کہ اس کا دین تمام باطل ادیان پر غالب آجائے خواہ یہ بات کفار کے لیے کتنی ہی ناگوار ہو۔“ (سورۃ الصّف: ۸، ۹)

سورۃ المجادلۃ کی آیت ۲۱ میں یہ فرمایا کہ ”اللہ نے یہ بات لکھ چھوڑی ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آکر رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ قوت رکھنے والا غالب ہے۔“ یہی بات جادوگروں کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے کہی گئی تھی۔ اے موسیٰ خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ یقین جانیے کہ آپ ہی غالب رہیں گے۔ جادوگر جہاں سے بھی حملہ آور ہو کامیاب نہیں ہوتا۔“ (طٰہٰ ۶۸ تا ۶۹) اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا اور جو جادوگر تھوڑی دیر پہلے فرعون زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے جونہی ان کے سامنے حقیقت منکشف ہوئی تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لانے کا دوٹوک الفاظ میں نہ صرف اعلان کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوئے تا کہ دیکھنے والے یہ جان جائیں کہ جادوگر موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں شکست کھا چکے ہیں۔

خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى

مخالف سمت | پھر | میں ضرور سولی پر لٹکاؤں گا تم کو | سب کو | انہوں نے کہا | یقیناً ہم | طرف

رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا

اپنے رب | لوٹنے والے ہیں | اور نہیں | تو سزا دے رہا | ہمیں | مگر | یہ کہ | ایمان لائے ہم | پر آیات اپنے رب کی

لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ ع

جب | آئیں ہمارے پاس | ہمارے رب | ڈال | ہم پر | صبر | اور فوت کر ہمیں | مسلمان

مخالف سمت سے پھر تم سب کو ضرور بری طرح سولی دوں گا۔(۱۲۴) انہوں نے کہا یقیناً ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔(۱۲۵) اور تو ہم سے اس کے سوا کس چیز کا بدلہ لے گا کہ ہم اپنے رب کی آیات پر ایمان لے آئے ہیں، جب وہ ہمارے پاس آ چکیں۔اے ہمارے رب! ڈال ہم پر صبر اور ہمیں مسلمان ہونے کی حالت میں فوت فرما۔''(۱۲۶)

فرعون یہ ہزیمت کس طرح برداشت کرسکتا تھا اس لیے اس نے اپنی ذلت چھپانے اور لوگوں پر تسلط قائم رکھنے کے لیے ایمان لانے والوں پر سازش کا الزام لگایا کہ تم نے میری اجازت کے بغیر ایمان لانے کا اعلان کیا یہ تم جادوگروں کی ہمارے خلاف بہت بڑی سازش ہے تاکہ تم ہمیں اقتدار سے محروم کر کے ملک سے نکال دو۔لیکن یاد رکھو کہ عنقریب تمھارا انجام تمھارے سامنے ہوگا۔

سورۃ طٰہٰ آیت ۷۱ تا ۷۳ میں یہ بیان ہوا ہے کہ فرعون نے یہ بھی الزام لگایا کہ درحقیقت یہ تمھارا استاد جادوگر ہے جس کے ساتھ مل کر تم نے یہ کام کیا ہے لہٰذا میں تمھارے مخالف سمت میں ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا اور کھجوروں کے بلند تنوں پر تمھیں پھانسی دی جائے گی اور تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم سزا دینے میں کتنے سخت لوگ ہیں۔اس کا جواب دیتے ہوئے ایمانداروں نے کہا کہ ہمارے پاس سچ اور حق کے دلائل آ چکے ہیں جن پر ہم تمھیں اور تمھارے مفادات کو ہرگز ترجیح نہیں دے سکتے۔

لہٰذا جو کچھ تو کرنا چاہتا ہے کر گزر تیری سزا تو اس دنیا کی حد تک محدود ہے بلاشبہ ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے ہیں تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے اور جو ہم نے جادو کا مظاہرہ کیا ہے اسے معاف کر دے۔اللہ تعالیٰ ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔

یہ بیان ہوا ہے کہ جب فرعون نے ان کے مخالف سمت میں ہاتھ پاؤں کاٹنے اور سولی چڑھانے کی دھمکی دی تو صاحب ایمان لوگوں نے پر اعتماد انداز میں جواب دیا کہ یقیناً ہم اپنے رب کی طرف ہی لوٹنے والے ہیں۔ ہمارا صرف اتنا قصور ہے کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان لے آئے ہیں جو ہم تک پہنچ چکی ہیں۔ہم اپنے رب کے حضور یہ فریاد کرتے ہیں کہ اے ہمارے پالنہار ہمیں فرعون کی اذیتوں پر صبر و استقامت عنایت فرما اور ہماری موت تیرے تابعدار بندوں جیسی ہو۔فرعون نے صاحب عزیمت لوگوں کو مار ڈالنے کی دھمکی دی تھی اس لیے انھوں نے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے اسے جواب دیا کہ دنیا میں کسی نے بھی ہمیشہ نہیں رہنا لہٰذا ہمیں موت سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔موت تو اپنے رب تک پہنچنے کا ایک وسیلہ

ہے اس لیے ہم مرکر اپنے رب کی طرف ہی پلٹنے والے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں انھوں نے اپنے رب کے ہاں بہتر انجام کی دعا کی تھی مومن کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی کہ وہ صبر و استقامت کے ساتھ اللہ کے راستے میں جان قربان کر دے۔ سچے ایمان کی یہ نشانی ہے کہ وہ انسان کو ایک لمحہ میں صبر و استقامت اور ایمان وایقان کی ایسی بلندیوں پر پہنچا دیتا ہے جس کا دنیا دار شخص تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہی وہ جذبہ اور ایمان کا درجہ ہے جس کا اظہار حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے تختۂ دار پر چڑھتے ہوئے اہل مکہ کے سامنے کیا تھا۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس آدمیوں کو کفار کی جاسوسی کے لیے روانہ کیا اور ان کا ذمہ دار عاصم بن ثابت انصاری کو بنایا جو کہ عاصم بن عمر بن خطاب کے نانا تھے یہ لوگ جب ہداۃ مقام پر پہنچے جو کہ عسفان اور مکہ کے درمیان ہے تو کسی نے بنی لحیان کے لوگوں کو بتایا جو ہذیل قبیلے کی شاخ ہے انھوں نے دو سو تیر انداز ان کے تعاقب میں بھیجے یہ لوگ ان کے نشان ڈھونڈتے چل پڑے۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک جگہ کھجوریں کھائیں تھیں جو مدینہ سے ساتھ لی تھیں۔ بنو لحیان کے لوگوں نے وہاں کھجوریں دیکھیں تو پہچان لیں کہ یہ یثرب کی کھجوریں ہیں عاصم اور ان کے ساتھیوں کے تعاقب میں چل پڑے۔ جب عاصم نے ان کو دیکھا تو ایک ٹیکری پر پناہ لی کافروں نے ان کو گھیر لیا اور کہنے لگے تم ٹیکری سے اتر آؤ اور اپنے آپ کو ہمارے سپرد کر دو۔ اور ہم تم سے پکا وعدہ کرتے ہیں کہ تم کو نہیں ماریں گے یہ سن کر عاصم بن ثابت جو کہ ان کے سردار تھے نے کہا اللہ کی قسم! میں اپنے آپ کو کافروں کے سپرد نہیں کروں گا۔ اے اللہ! ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری خبر دے دے۔ اس پر کافروں نے تیروں کی بارش شروع کر دی اور عاصم سمیت سات کو شہید کر دیا۔ باقی جو تین بچ گئے وہ کافروں کے اقرار پر بھروسہ کر کے اتر آئے انھی میں خبیب، زید بن دثنہ اور ایک اور شخص تھے جب کافروں کے قابو میں آ گئے تو انھوں نے دھوکہ دیا اور اپنی کمانوں کی رسی کھول کر ان کے ہاتھ باندھ دیے۔ تیسرا شخص کہنے لگا یہ پہلا دھوکہ ہے میں تمھارے ساتھ نہیں جانے والا۔ میں تو اپنے شہید ساتھیوں کی پیروی چاہوں گا۔ کافروں نے ان کو زبردستی ساتھ لے جانے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانے۔ آخر کار انھوں نے اسے شہید کر ڈالا۔ اور خبیب اور زید بن دثنہ کو پکڑ کر لے گئے۔ ان دونوں کو غلام بنا کر مکہ میں مشرکین کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ خبیب کو حارث بن عامر کے بیٹوں نے خریدا۔ بدر کے دن خبیب نے ان کے باپ حارث کو قتل کیا تھا۔ خبیب چند دنوں تک ان کے پاس قید رہے۔ ابن شہاب کہتے ہیں مجھ سے عبید اللہ بن عیاض نے بیان کیا ان سے حارث کی بیٹی بیان کرتی تھی جب حارث کے گھر کے افراد متفق ہو گئے کہ انھیں قتل کر دیا جائے تو انھی دنوں خبیب نے زینب سے ایک استرا مانگا تو زینب نے ان کو دے دیا۔ اس وقت اتفاق سے میرا ایک بیٹا انجانے میں خبیب کے پاس آ گیا۔ میں نے دیکھا تو کم سن ان کے ران پر بیٹھا ہوا ہے اور استرا ان کے ہاتھ میں ہے یہ منظر دیکھ کر میں گھبرا گئی۔ خبیب نے میرا چہرہ دیکھ کر پہچان لیا میں گھبرا رہی ہوں اور پوچھا کیا تو یہ سمجھتی ہے میں اس بچے کو مار

ڈالوں گا یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ زینب کہتی ہیں میں نے خبیب کی مانند کوئی نیک آدمی نہیں دیکھا۔ اللہ کی قسم! میں نے ایک دن دیکھا کہ وہ لوہے کی زنجیر میں جکڑے ہوئے انگور کا گچھا ان کے ہاتھ میں تھا کھا رہے تھے۔ ان دنوں مکہ میں پھل بالکل نہیں ملتا تھا۔ زینب کہتی تھیں یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے جو خبیب کو اس نے عنایت فرمایا۔ جب خبیب کو قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر لے گئے تو انھوں نے درخواست کی مجھے دو رکعت پڑھنے دو۔ انھوں نے اجازت دے دی۔ خبیب نے دو رکعت ادا کیں، پھر وہ کہنے لگے اگر تم یہ خیال نہ کرتے کہ میں مارے جانے سے ڈرتا ہوں تو میں اپنی رکعات لمبی ادا کرتا۔ یا اللہ ان کافروں کو ایک ایک کر کے ہلاک کر دے۔ پھر حارث کے بیٹے نے انھیں شہید کر دیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اس چیز کی ابتدا کی جو بھی مسلمان اسیر ہو کر مارا جائے تو وہ دو رکعت نماز ادا کر لے۔ جس دن حضرت عاصم رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمالی۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دن اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خبر دی اور ان کی مصیبت بیان کی۔ ان کے شہید ہونے کے بعد قریش کے کافروں نے کسی کو عاصم کی لاش پر بھیجا کہ ان کے بدن کا کوئی ٹکڑا کاٹ کر لائے جس کو وہ کاٹ نہ سکے۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن قریش کے سردار کو قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عاصم کی لاش پر بھڑوں کا چھتہ بھیج دیا۔ انھوں نے قریش کے آدمیوں سے عاصم کو بچا لیا وہ ان کے بدن کا کوئی ٹکڑا نہ کاٹ سکے۔“ ((رواہ البخاری: کتاب الجھاد والسیر، باب یستأسر الرجل))

مسائل

۱۔ سچا ایمان نصیب ہو جائے تو آدمی دنیا کی تکالیف کی پروا نہیں کرتا۔

۲۔ مشکل اور مصیبت کے وقت انسان کو اللہ تعالیٰ سے صبر اور استقامت مانگنا چاہیے۔

۳۔ ہر انسان نے بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف ہی پلٹ کر جانا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ سے ایمان کی سلامتی اور اس پر استقامت طلب کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

مواحد لوگوں پر مشرکین کے مظالم:

۱۔ فرعون قوم موسیٰ علیہ السلام کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ (البقرۃ:۴۹)

۲۔ فرعون مومنوں کو کئی طرح کے عذابوں میں مبتلا کرتا تھا۔ (الاعراف:۱۴۱)

۳۔ فرعون نے موحدین کو ٹانگ اور بازو کاٹنے کی دھمکی دی۔ (الاعراف:۱۲۴)

۴۔ فرعون نے اللہ پر ایمان لانے والوں کو ہاتھ پاؤں کاٹنے اور کھجور کے تنوں پر پھانسی دینے کی دھمکی دی۔ (طٰہٰ:۷۱)

۵۔ فرعون نے اپنی موحدہ بیوی کو دین سے پھیرنے کے لیے طرح طرح کی تکالیف دیں۔ (التحریم:۱۱)

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا
اور کہا سرداروں نے سے قوم فرعون کی کیا تو چھوڑتا ہے موسیٰ کو اور اسکی قوم کو کہ وہ فساد کریں

فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ
میں زمین اور چھوڑ دیں تجھے اور تیرے معبودوں کو کہا پھر ہم قتل کریں گے ان کے بیٹے

وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى
اور ہم زندہ رکھیں گے ان کی عورتوں کو اور یقیناً ہم ان پر غالب ہیں فرمایا موسیٰ نے

لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا مَنْ
اپنی قوم کے لیے تم مدد طلب کرو اللہ سے اور صبر کرو بیشک زمین اللہ کی ہے اسکا وارث بناتا ہے جو

''اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے فرعون سے کہا کیا تم موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑے رکھے گا کہ وہ زمین میں فساد پھیلائیں اور وہ تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ فرعون نے کہا ہم ان کے بیٹوں کو بری طرح قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے اور یقیناً ہم ان پر غالب ہیں۔(۱۲۷) موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، بے شک زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے

فہم القرآن

ربط کلام: اہل ایمان کو دھمکیاں دینے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو قتل کرنے کی دھمکی۔

فرعون نے اہل ایمان کو اذیتیں دینے اور تختۂ دار پر لٹکانے کی دھمکی دی تھی اس کے ہم زبان ہو کر فرعون کے وزیروں، مشیروں، درباریوں اور سرکاری اہلکاروں نے اسے مزید اشتعال دلاتے ہوئے مطالبہ کیا، کیا موسیٰ اور اس کی قوم کو ملک میں بدامنی پھیلانے اور اپنی خدائی کا انکار اور بغاوت کرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا جائے گا؟ اس پر اس نے پورے جاہ و جلال سے اعلان کیا کہ ہم ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے بلکہ عنقریب ہم ان کے جوانوں کو تہہ تیغ کرتے ہوئے ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنائیں گے کیونکہ ہم ہر اعتبار سے ان پر جاہ و جلال اور اقتدار و اختیار رکھنے والے ہیں۔ ان کے خلاف پوری قوت کا مظاہرہ کیا جائے گا۔ سورۃ المومن (۲۶) میں فرعون کی اس دھمکی کا ذکر بھی موجود ہے کہ اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ میرے راستے سے ہٹ جاؤ کہ میں موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کر دینا چاہتا ہوں اور میرے مقابلہ میں یہ اپنے رب کو بلا لائے۔ اگر میں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل نہ کیا تو میں خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ یہ تمہارے دین کو بدلنے کے ساتھ ملک اجاڑ دے گا۔

اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فقط اتنا فرمایا کہ میں متکبر اور قیامت کے حساب و کتاب کو جھٹلانے والے ہر شخص کے

يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا

وہ چاہتا ہے | سے | اپنے بندے | اور | انجام | متقیوں کے لیے ہے | انہوں نے کہا | ہم تکلیف دیے گئے

مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى

سے | پہلے | یہ کہ آپ ہمارے پاس آئے | اور سے | بعد | کہ آ گیا تو ہمارے پاس | فرمایا | عنقریب

رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ

تمہارا رب | یہ کہ | ہلاک کریگا | تمہارے دشمن کو | اور تم کو جانشین بنا دیگا | میں زمین | پھر وہ دیکھے گا

١٥ ع٢ د

كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع

کیسے | تم عمل کرتے ہو؟

چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور متقی لوگوں کے لیے اچھا انجام ہے۔(۱۲۸) انہوں نے کہا تیرے ہمارے پاس آنے سے پہلے ہمیں تکلیف پہنچائی گئی اور تیرے آنے کے بعد بھی۔ اس نے کہا قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کردے اور تمہیں زمین میں جانشین بنادے، پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟''(۱۲۹)

شر سے، اس رب کی پناہ مانگتا ہوں جو میرا اور تمھارا حقیقی رب ہے۔

ساتھ ہی موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ فرعون کے جبر واستبداد کے مقابلہ میں پورے صبر و استقامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ زمین کا وارث اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے بنایا کرتا ہے حقیقی اور بہتر انجام مومنوں کے لیے ہی ہوا کرتا ہے۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام کی قوم افسوس کرنے لگی کہ ہمیں آپ کی تشریف آوری سے پہلے اور آپ کے آنے کے بعد بھی تکلیفیں ہی اٹھانا پڑی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے انھیں مزید تسلی دیتے ہوئے فرمایا ہوسکتا ہے کہ عنقریب ہی تمھارا رب تمھارے دشمن کو تباہ و برباد کردے اور پھر تمھیں ملک میں خلافت عنایت کرے اور دیکھے تمھارا کردار کیا ہے۔ سورۂ یونس آیت ۸۴ تا ۸۵ میں تفصیل بیان کی گئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ بھی فرمایا اگر تم صحیح معنوں میں مسلمان ہوئے ہو تو پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ جس کے جواب میں ایماندار لوگوں نے کہا کہ ہم اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ظالموں کے ظلم سے نجات دے۔ قرآن مجید کے انداز بیان سے واضح ہو رہا ہے کہ فرعون نے جادو سے توبہ کرنے والے ایمانداروں پر ہاتھ ڈالنے کے بجائے بنی اسرائیل ہی کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ جادوگر پورے ملک سے لائے گئے تھے اور ان کا اپنے اپنے مقام پر لوگوں میں گہرا اثر ورسوخ تھا۔ اس کے پیش نظر فرعون اور اس کے درباریوں نے ان پر ہاتھ ڈالنے کے بجائے مناسب سمجھا کہ پہلے موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کو تہس نہس کیا جائے تاکہ بنیادی مسئلہ حل ہوجائے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم یعنی بنی اسرائیل پر ظلم وستم کا یہ دوسرا

دور شروع ہوا۔ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے قبل بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنے کی کئی سال تک مہم جاری رہی تھی ۔ جسے اب دوبارہ پوری قوت کے ساتھ شروع کیا گیا۔ جس کا اندازہ قرآن کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے کہ جبر واستبداد کی یہ مہم اتنی سخت تھی کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (سورۂ یونس، آیت : ۸۷)

''اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو وحی کی کہ اپنی قوم کو حکم دو کہ اپنے گھروں کو قبلہ رخ بناتے ہوئے نماز قائم کریں اور عنقریب مومنوں کے لیے خوشخبری ہوگی۔''

مسائل

۱۔ متکبر اور بے دین حکمران ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام اور مصلحین کو فسادی قرار دیتے آئے ہیں۔

۲۔ ظالم حکمران اور متکبر لوگ حق کا مقابلہ طاقت سے کیا کرتے ہیں۔

۳۔ مشکل اور مصیبت کے وقت صبر واستقامت کے ساتھ اللہ سے مدد طلب کرنی چاہیے۔

۴۔ صبر واستقامت اختیار کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ ضرور مدد کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

توحید باری تعالیٰ پر ایمان لانے والوں کا صبر وحوصلہ:

۱۔ سخت آزمائش کے وقت رسولوں اور ایماندار لوگوں نے گھبرا کر کہا کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ (البقرۃ:۲۱۴)

۲۔ مومن پر اللہ کی طرف سے خوف، بھوک، مال وجان کے نقصان میں آزمائش ضرور آتی ہے۔ مومن صابر کے لیے خوشخبری ہے۔ (البقرۃ:۱۵۵)

۳۔ پہلے لوگوں کو بڑی بڑی آزمائشوں سے دوچار کیا گیا تاکہ پتہ چل جائے کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون۔ (العنکبوت:۳)

اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کا جانشین بناتا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو بنایا۔ (النور:۵۵)

۲۔ اللہ چاہے تو تمھیں اٹھا لے اور تمھارے بعد جس کو چاہے خلیفہ بنائے۔ (الانعام:۱۳۳)

۳۔ تمھارا رب جلد ہی تمھارے دشمن کو ہلاک کردے اور ان کے بعد تم کو خلیفہ بنائے گا۔ (الاعراف:۱۲۹)

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ

اور بلاشبہ ہم نے پکڑا ال فرعون کو قحط سالی کیساتھ اور کمی سے پھل (جمع) تا کہ وہ

يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ

نصیحت حاصل کریں پھر جب آئی انکے پاس اچھائی انہوں نے کہا ہمارے لیے یہ اور اگر

تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ

پہنچے انہیں کوئی نقصان وہ بدشگونی لیتے موسیٰ کیساتھ اور جو اسکے ساتھ خبردار

اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

یقیناً ان کی نحوست اللہ کے ہاں اور لیکن انکے اکثر نہیں جانتے

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ

اورانہوں نے کہا جو بھی لائے گا تو ہمارے پاس سے نشانی تا کہ تو ہم پر جادو کرے اسکے ساتھ

فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

تو نہیں ہم تجھ پر ایمان لانے والے

”اور بلاشبہ ہم نے فرعون کی آل کو قحط سالی اور پھلوں کی کمی میں گرفتار کیا تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔(۱۳۰) جب ان پر خوش حالی آتی تو کہتے یہ تو ہمارا ہے اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو نحوست کا باعث قرار دیتے ہیں۔سن لو! ان کی نحوست تو اللہ کی طرف سے ہے لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے۔(۱۳۱) اور انہوں نے کہا تو ہمارے پاس جو نشانی بھی لے آئے تا کہ ہم پر اس کے ساتھ جادو کرے تو ہم تیری بات ہرگز ماننے والے نہیں۔“ (۱۳۲)

فہم القرآن

ربط کلام: آل فرعون پر برے حالات اور مومنوں کے صبر واستقامت کا صلہ۔

فرعون اور آل فرعون کے بے پناہ مظالم کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو تسلی دی تھی کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو تباہ و برباد کرے گا بشرطیکہ تم صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے رب کے حضور نماز ادا کرتے رہو۔

فرعون نے جب اپنی دھمکی پر عمل کر دکھایا تو موسیٰ علیہ السلام نے مظالم سے نجات پانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی۔الٰہی تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کے اسباب ووسائل عنایت فرمائے۔لیکن انھوں نے تیرا شکریہ ادا کرنے کے

بجائے تیرے بندوں کو تیرے راستے سے گمراہ کرنے پر صرف کر دیے ہیں۔اے ہمارے رب ان کے مال واسباب تباہ و برباد فرما۔اور ان کے دلوں کو اس قدر سخت کر دے کہ تیرا عذاب دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی گئی کہ تمہاری دعا قبول کی جاتی ہے۔اب تم اور ہارون اس بات پر قائم رہنا اور گمراہوں کے بارے میں جلد بازی نہ کرنا۔(سورۂ یونس:۸۸تا۸۹)۔

﴿وَلَنُذِيقَنَّهُم مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَى دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾[سورة السجدة:۲۱]

''ہم انھیں (قیامت کے) بڑے عذاب سے پہلے ہلکے عذاب کا ذائقہ بھی ضرور چکھاتے ہیں شاید وہ باز آجائیں۔''

ہم مجرموں کو پہلے چھوٹے چھوٹے عذاب میں مبتلا کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھنے کی کوشش کریں۔جب یہ لوگ سمجھنے کی طرف توجہ نہ کریں تو ان کو بڑا عذاب آلیتا ہے۔یہی صورت آل فرعون کو پیش آئی۔یہ ہدایت پانے کے بجائے گمراہی اور عہد شکنی میں آگے ہی بڑھتے گئے۔چنانچہ آل فرعون کو کئی سال تک قحط سالی کے عذاب میں مبتلا کیا گیا تاکہ ان کے دماغ سے دولت کا نشہ اتر جائے اور یہ چھوٹے جھٹکوں کے بعد ہدایت کے راستے پر آجائیں۔لیکن جونہی انھیں کچھ مہلت اور نعمت میسر ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو کہتے یہ تو ہماری بہتر منصوبہ بندی اور حسن تدبیر کا نتیجہ ہے اور جب انھیں نقصان کے ذریعے جھٹکا دیا جاتا تو نصیحت حاصل کرنے کے بجائے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو الزام دیتے کہ یہ نحوست تمھاری وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔جس کا یہ جواب دیا گیا کہ نحوست مومنوں کی وجہ سے نہیں بلکہ تمھاری بداعمالیوں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے لیکن لوگوں کی اکثریت اس بات کو جاننے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔قدیم زمانے سے جہلا کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنی ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے مختلف چیزوں سے بدشگونی لیا کرتے ہیں جن چیزوں سے بدشگونی لی جاتی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مخصوص اوقات میں اگر کوئی پرندہ ان کے مکان کی چھت پر آبیٹھے اگر وہ دائیں جانب اڑے تو ضعیف الاعتقاد لوگ سمجھتے ہیں کہ آج کا دن بہتر گزرے گا یا ہمارا فلاں کام ہو جائے گا اگر یہی پرندہ بائیں طرف اڑ جائے تو سمجھتے ہیں کہ آج کا دن منحوس ہوگا یا فلاں کام الٹ جائے گا۔ایسے ہی بعض دوسری چیزوں اور آدمیوں کے بارے میں بدشگونی لی جاتی ہے۔آل فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو برا سمجھتے ہوئے نحوست ان کے ذمہ لگایا کرتے تھے۔اس طرح نہ صرف خود گمراہی میں مبتلا رہتے بلکہ دوسرے لوگوں کو اس بہانے سے مزید گمراہ کرنے کے درپے ہوتے۔جب موسیٰ علیہ السلام ان کے سامنے معجزہ پیش کرتے تو یہ لوگ انھیں جادوگر قرار دیتے ہوئے چیلنج دیتے کہ اے موسیٰ! تم جس قدر چاہو کرشمہ سازیاں کرو ہم تمھاری اس جادوگری کی وجہ سے کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔

''اَلْحَسَنَةُ''اس چیز کو کہا جاتا ہے جو انتہائی خوبصورت ہو اور اس کی طرف انسان کا دل مائل ہو۔یہ دنیا کی کوئی بھی

نعمت ہوسکتی ہے اور یہ لفظ نیکی اور خیر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے کیونکہ نیکی سے بڑھ کر نیک آدمی کو کوئی چیز مرغوب نہیں ہوتی۔

اس کے مقابلہ میں السیئة کا لفظ آتا ہے اس سے مراد دنیا کا ہر قسم کا نقصان ہے خواہ وہ بیماری کی شکل میں ہو یا مالی خسارے کی صورت میں اس کے لیے السیئة کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ چھوٹے بڑے گناہ کو بھی سیئة کہا جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے الحسنة سے مراد یہاں آل فرعون کی خوشحالی اور سیئة سے مراد ان کی بدحالی لی ہے۔ آل فرعون کے نحوست کے الزام کے مقابلے میں کہا گیا کہ یاد رکھو جو نحوست تم پر آئی ہے یہ کسی انسان کی طرف سے نہیں بلکہ تمھارے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ بڑے عذاب سے پہلے مجرم قوم پر چھوٹے چھوٹے عذاب بھیجتا ہے تاکہ یہ نصیحت حاصل کریں۔

۲۔ مجرم لوگ نیک لوگوں کو ہمیشہ سے منحوس قرار دیتے آئے ہیں۔

۳۔ نحوست کی بذات خود کوئی حیثیت نہیں کیونکہ خیر اور شر کا مالک اللہ ہے۔

۴۔ آل فرعون نے بار بار اللہ تعالیٰ کے عذاب کا تمسخر اڑایا۔

تفسیر بالقرآن

آل فرعون پر مختلف قسم کے عذاب:

۱۔ اللہ نے قوم فرعون پر طرح طرح کے عذاب بھیجے: طوفان، مکڑی، جوئیں، مینڈک، خون وغیرہ۔ (الاعراف:۱۳۳)

۲۔ قحط سالی۔ پھلوں میں نقصان۔ (الاعراف:۱۳۰)

۳۔ آل فرعون پر صبح و شام آگ پیش کی جاتی ہے اور قیامت کے دن انہیں سخت ترین عذاب سے دوچار کیا جائیگا۔ (المومن:۴۶)

۴۔ ہم نے آلِ فرعون سے انتقام لیا اور انہیں دریا میں غرق کردیا۔ (الاعراف:۱۳۶)

۵۔ ہم نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو غرق کردیا۔ (بنی اسرائیل:۱۰۳)

۶۔ ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کردیا اور آل فرعون کو غرق کردیا۔ (الانفال:۵۴)

۷۔ ہم نے موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو نجات دی اور دوسروں کو ہم نے غرق کردیا۔ (الشعراء:۶۶۔۶۷)

۸۔ ہم نے تمہیں نجات دی اور آل فرعون کو غرق کردیا۔ (البقرۃ:۵۰)

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَ

پھر ہم نے بھیجا ان پر طوفان اور ٹڈی دل اور جوئیں اور مینڈک اور

الدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

خون نشانیاں الگ الگ پھر انہوں نے تکبر کیا اور وہ تھی قوم مجرم

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا

ور جب واقع ہوتا ان پر عذاب وہ کہتے اے موسیٰ دعا کر ہمارے لیے اپنے رب بہ سبب جو

عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ

اس نے عہد کیا تجھ سے البتہ اگر تو دور کردے ہم سے عذاب ہم ضرور ایمان لائیں گے تیرے لیے

وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ

ور ہم ضرور بھیج دیں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو پھر جب ہم نے دور کیا ان سے

الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

عذاب تک ایک وقت وہ اسکو پہنچنے والے جب وہ توڑ دیتے

''پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون، جو الگ الگ نشانیاں تھیں، پھر بھی انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔(۱۳۳) اور جب ان پر عذاب آتا تو کہتے اے موسیٰ! اپنے رب سے اس عہد کے واسطے سے دعا کرو جو اس نے تجھے دے رکھا ہے اگر تو ہم سے یہ عذاب دور کردے تو ہم ضرور تجھ پر ایمان لے آئیں گے اور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو ضرور بھیج دیں گے۔(۱۳۴) جب ہم ان سے عذاب کو ایک وقت تک دور کر دیتے جسے وہ پہنچنے والے تھے تو اچانک وہ عہد توڑ دیتے تھے۔''(۱۳۵)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ آل فرعون کا موسیٰ علیہ السلام سے بار بار عہد شکنی کرنے کے ساتھ عذاب کا مطالبہ کرنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور قوم فرعون کو کئی مرتبہ عظیم الشان معجزات دکھائے بار بار اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے دین کی دعوت دی۔ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں ملک بھر کے نامی گرامی جادوگر نہ صرف شکست فاش کھا چکے بلکہ انھوں نے سرِ میدان پوری قوم کے سامنے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لانے کا اقرار اور اظہار کیا۔ فرعون نے اس پر شدید ردِ عمل کا اظہار کرتے ہوئے انھیں بدترین سزاؤں اور الٹا لٹکا دینے کی دھمکیاں دیں، صاحب ایمان لوگوں نے پوری جوان مردی کے ساتھ آل فرعون کے مظالم کا مقابلہ کیا۔ لیکن فرعون اور اس کی قوم سمجھنے کے بجائے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اولوالعزم ساتھیوں کو منحوس

قرار دیتے ہوئے جناب موسیٰ علیہ السلام سے بار بار عذاب کا مطالبہ کرتے رہے۔ جس پر انھیں ہلکے عذابوں کے بعد پانچ سخت اور ذلیل کر دینے والے عذابوں میں مبتلا کیا گیا۔

سیلاب:

ا۔ بارش انسانی صحت اور ہر چیز کی نشو ونما کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر زمین مردہ اور ہر چیز مرجھائی نظر آتی ہے۔ بشرطیکہ یہ بروقت اور مناسب مقدار میں ہو۔ اگر یہی بارش بے وقت اور غیر معمولی ہو تو اس سے ہر چیز تباہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آل فرعون پر بے موسم اور غیر معمولی بارشیں نازل کیں۔ جس سے ان کی فصلیں تباہ، جانور بدحال اور مکانات گر گئے۔ باد و باراں کے طوفان اس لیے نازل کیے گئے تاکہ یہ لوگ توبہ و استغفار کریں۔ لیکن یہ توبہ کرنے کے بجائے تکبّر اور نافرمانی میں آگے ہی بڑھتے گئے۔ اس کے بعد ٹڈیوں کا عذاب نازل ہوا۔

ٹڈیوں کے جھنڈ:

۲۔ ٹڈیوں کے دل کے دل امڈ آئے اور انھوں نے نہ صرف باقی ماندہ کھیتوں اور فصلوں کو تباہ کیا بلکہ درختوں کی ٹہنیاں تک کھا ڈالیں سرسبز وشاداب ملک ویرانی اور تباہی کا منظر پیش کرنے لگا۔

جوؤں کی بہتات:

۳۔ ان کے لباس اور جسم کی رگ رگ میں اس قدر کثرت کے ساتھ جوئیں پیدا ہوئیں کہ ان کا رات کا سونا اور دن کا سکون غارت ہو گیا۔ ان لوگوں نے خارش کر کر کے اپنے جسم زخمی کر لیے۔ مگر ایمان نہ لائے۔

مینڈکوں کی بہتات:

۴۔ جوؤں کے بعد مینڈکوں کا اتنا شدید سیلاب آیا کہ مینڈکوں کے ڈَل کے ڈَل ان کے کھیتوں، کھلیانوں اور گھروں میں اس طرح گھس آئے کہ ان کے لیے چارپائی کے اوپر بستروں میں سونا بھی حرام ہو گیا۔ خوفناک شکل اور بھاری بھرکم مینڈک ملک میں اس طرح پھیل گئے کہ ہر شخص خوف کے مارے چھپتا پھرتا تھا۔ لیکن جائیں تو کہاں جائیں۔

خون ہی خون:

۵۔ ہر کھانے پینے والی چیز میں خون ہی خون پیدا ہوا، یہاں تک کہ ماؤں کی چھاتیوں میں دودھ کی بجائے خون اتر آیا حتیٰ کہ آل فرعون میں سے کوئی اگر کسی اسرائیلی سے پانی طلب کرتا تو وہ جونہی اس پانی کو پینے لگتا تو وہ بھی گندے خون میں تبدیل ہو جاتا۔ بعض مفسرین نے یہاں تک لکھا ہے کہ آل فرعون کی ایک عورت نے انتہائی قلق کی حالت میں اپنی پڑوسن اسرائیلی عورت کو کہا کہ پانی کی ایک کلی میرے منہ میں ڈال دے تاکہ مجھے سکون حاصل ہو۔ جب اس کی پڑوسن نے ایسا کیا تو پانی کی کلی آل فرعون کی عورت کے منہ میں جا کر خون میں تبدیل ہو گئی۔

نہ معلوم فرعون نے پہلے پہل ان عذابوں کے بارے میں عوام میں کیا تاثر دیا ہوگا اور ان کے مقابلہ میں سرکاری سطح پر کیا کیا جتن کیے ہوں گے لیکن جب اس کی تمام کوششیں نامراد ہوئیں تو وہ ہر عذاب کے بعد مجبور ہو کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر انتہائی آہ وزاری اور عاجزی کے ساتھ پختہ وعدہ کرتے ہوئے کہتا کہ اے موسیٰ! اپنے رب کے حضور دعا کیجیے کہ یہ عذاب ہم سے ٹل جائے ہمیں اس عذاب سے نجات ملے گی تو ہم آپ پر ایمان لا کر بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے۔ لیکن جونہی موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے عذاب ٹلتا تو وہ عہد شکنی کرتے ہوئے پہلے سے زیادہ شرک وکفر اور بنی اسرائیل کو اذیتیں دیا کرتے تھے۔ قرآن وحدیث میں ان عذابوں کے دورانیہ کی وضاحت نہیں ملتی تاہم تفسیر روح المعانی اور قرطبی کے مؤلفین نے بنی اسرائیل کی روایات کو بنیاد بناتے ہوئے لکھا ہے کہ ہر عذاب کا دورانیہ ایک ہفتہ پر محیط ہوتا تھا۔ اور اس کے بعد ایک مہینہ کی مہلت دی جاتی تھی جونہی وہ لوگ آسودہ حال ہوتے تو پہلے سے زیادہ کفر و شرک اور مظالم کا ارتکاب کرتے تھے۔

ایک موقعہ پر فرعون نے یہاں تک ہرزہ سرائی کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

﴿وَقَالُوْا يٰاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ. فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ. وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ. اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ. فَلَوْلَاۤ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ.﴾ [الزخرف، آیت: ٤٩ تا ٥٣]

''اے جادوگر! اپنے رب سے عذاب ٹلنے کی دعا کیجیے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ضرور ہدایت پائیں گے۔ لیکن جب عذاب ٹل گیا تو اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہنے لگا اے میری قوم کیا تم نہیں دیکھتے کہ مصر کا اقتدار میرے ہاتھ میں ہے اور نہریں میرے محلات کے نیچے چلتی ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں اس شخص سے کہیں بہتر ہوں جو میرے مقابلہ میں ذلیل ہے اور اپنی بات واضح نہیں کر سکتا۔ اگر یہ واقعی سچا ہے تو اس کے لیے سونے کے کنگن اور اس کی اردل میں فرشتے اترنے چاہییں تھے۔''

مسائل

١۔ فرعون اور اس کی قوم بدترین مجرم اور متکبر لوگ تھے۔

٢۔ فرعون اور اس کی قوم بار بار موسیٰ علیہ السلام سے بدعہدی کرتے رہے۔

٣۔ آل فرعون پر یکے بعد دیگرے کئی عذاب آئے لیکن وہ سمجھنے کے بجائے کفر و شرک میں آگے ہی بڑھتے گئے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

تو ہم نے انتقام لیا ان سے پس ہم نے انہیں غرق کر دیا میں دریا اس وجہ سے کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو

وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿١٣٦﴾

اور وہ تھے اس سے غافل

''پھر ہم نے ان سے انتقام لیا اور انہیں دریا میں غرق کر دیا اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ ان سے غافل تھے۔''(۱۳۶)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔فرعون اور اس کی قوم جب تمام اخلاقی حدود پامال کر چکی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے جب کوئی قوم کفر و شرک تکبر اور تمرد میں آگے ہی بڑھتی جائے تو اس کا وجود انسانی معاشرے میں کینسر کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔جس سے اس علاقے کے رہنے والے ہی نہیں بلکہ زمین و آسمان کی ہر چیز اس سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے اس پر لعنت بھیجتی ہے اس صورتحال میں اللہ تعالیٰ دنیا کے نظام کو چلانے اور قائم رکھنے کے لیے مجرم قوم کا صفایا کر دیتا ہے۔اسی اصول کے تحت اب وقت آن پہنچا تھا کہ فرعون اور آل فرعون کو ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کر دیا جائے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس قوم کو دریا میں ڈبکیاں اور غوطے دے دے کر ختم کر دیا گیا۔کیونکہ یہ بار بار اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتے اور دنیا کی لذات میں مگن ہو کر اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کلیتاً غافل اور بے پروا ہو چکے تھے۔جس کے نتیجہ میں انھیں غرقاب کیا گیا۔جس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی اے میرے رب یہ قوم پرلے درجے کی مجرم ہو چکی ہے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ بس میرے بندوں کو رات کے وقت لے کر یہاں سے نکل جاؤ لیکن یاد رکھنا مجرم قوم تمھارا تعاقب ضرور کرے گی۔(الدخان ،آیت:۲۲ تا ۲۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب رات کی تاریکیوں میں اپنی قوم کو لے کر دریا عبور کرنے کے لیے نکلے تو فرعون نے تمام شہروں میں ہرکارے بھیجے کہ اکٹھے ہو جاؤ۔ایک چھوٹی سی جماعت نے ہمیں غضب ناک کر دیا ہے۔اس طرح انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کیا جب بنی اسرائیل نے انھیں اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے اے موسیٰ! ہم تو گھیرے جا چکے ہیں۔سامنے بحر قلزم ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور پیچھے سے دشمن آ پہنچا ہے۔ہم جائیں تو کدھر جائیں؟ اس وقت

موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ انھیں تسلی دیجیے کہ میرا رب دریا کو عبور کرنے کے لیے کوئی راستہ بنائے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق دریا میں اپنا عصا مارا جس سے بحر قلزم پھٹ گیا اور اس کی لہریں پہاڑوں کی طرح بلند ہو کر اپنی جگہ جم گئیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر بحیرۂ قلزم میں اترے تو فرعون بھی اپنے لشکر و سپاہ لے کر ان کے تعاقب میں بحیرۂ قلزم میں اترا۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''(اور کہلا بھیجا کہ) یہ مٹھی بھر لوگ ہیں جو ہمیں غصہ چڑھا رہے ہیں۔ اور ہم یقیناً ایک مسلح جماعت ہیں۔ ہم فرعونیوں کو نکال لائے ان کے باغات اور چشموں سے اور خزانوں اور بہترین قیام گاہوں سے اس طرح ہم نے بنی اسرائیل کو زمین کا وارث بنا دیا۔ چنانچہ ایک دن صبح کے وقت فرعونی ان کے تعاقب میں چل پڑے، جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو اصحاب موسیٰ چیخے ہم پکڑے گئے۔ موسیٰ نے کہا: ہرگز نہیں میرا رب میرے ساتھ ہے وہ جلد رہنمائی کرے گا۔ چنانچہ ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ اپنا عصا سمندر پر مارو۔ چنانچہ سمندر پھٹ گیا اور ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح کھڑا ہوا۔ ہم دوسروں کو قریب لے آئے۔ اس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور اس کے تمام ساتھیوں کو بچالیا اور دوسروں کو غرق کر دیا۔ اس میں لوگوں کے لیے عبرت اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بہت سے نشان ہیں۔ اس کے باوجود لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لاتی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب اور نہایت مہربان ہے۔'' (الشعراء، آیت: ۵۴ تا ۶۸)

قرآن مجید کے دوسرے مقام پر اس واقعہ کو یوں بیان کیا گیا ہے:

''ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر عبور کروایا اس کے پیچھے فرعون اور اس کا لشکر زیادتی اور ظلم کے ارادے سے چلا یہاں تک کہ وہ ڈوبنے لگا تو اس نے کہا کہ میں اس اللہ پر ایمان لایا جو بنی اسرائیل کا رب ہے۔ اور میں اپنے ایمان کا اعلان کرتا ہوں۔ لیکن اس کے جواب میں فرمایا گیا کیا اب تو ایمان لاتا ہے؟ جب کہ اس سے پہلے بغاوت اور فساد کرنے والا تھا۔ ہم تیری لاش کو باقی رکھیں گے تاکہ تیرے بعد آنے والے عبرت حاصل کریں۔ اگرچہ اکثر لوگ ہماری آیتوں سے غفلت ہی برتتے ہیں۔'' (یونس آیت ۹۰ تا ۹۲) مفسرین نے تاریخ کی بنیاد پر لکھا ہے کہ فرعون کے لشکر میں ایک لاکھ گھوڑ سوار اور پندرہ لاکھ پیادے تھے بنی اسرائیل کی تعداد چھوٹے بچوں کے علاوہ چھ لاکھ افراد پر مشتمل تھی اور یہ واقعہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے مصر پہنچنے کے ۴۲۶ شمسی سال بعد پیش آیا بظاہر اتنی بڑی تعداد پر یقین نہیں تاہم واللہ اعلم۔ (حوالہ قصص الانبیاء امام ابن کثیر)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آل فرعون سے بنی اسرائیل پر مظالم کرنے کا انتقام لیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی آیت کو جھٹلانے والوں کا دنیا میں بھی بدترین انجام ہوتا ہے۔

وَاَوْرَثْنَا	الْقَوْمَ	الَّذِيْنَ	كَانُوْا	يُسْتَضْعَفُوْنَ	مَشَارِقَ	الْاَرْضِ
اور ہم نے وارث بنایا	قوم	وہ لوگ جو	وہ تھے	کمزور سمجھے جاتے	مشرق (جمع)	زمین
وَمَغَارِبَهَا	الَّتِيْ	بٰرَكْنَا فِيْهَا ط	وَتَمَّتْ	كَلِمَتُ	رَبِّكَ	الْحُسْنٰى
اور اسکے مغرب (جمع)	وہ	ہم نے برکت دی اس میں	اور پورا ہوا	کلمہ	تمہارے رب کا	اچھا
عَلٰى	بَنِيْٓ	اِسْرَآءِيْلَ ۙ	بِمَا صَبَرُوْا ط	وَدَمَّرْنَا	مَا كَانَ	يَصْنَعُ
پر	بنی	اسرائیل	بوجہ اسکے جو انہوں نے صبر کیا	اور ہم نے تباہ کردیا	جو تھا	بناتا
فِرْعَوْنُ	وَ	قَوْمُهٗ	وَمَا كَانُوْا	يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾		
فرعون	اور	اسکی قوم	اور جو تھے وہ	بلند کرتے		

’’اور ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے اس سرزمین کے مشرقوں اور مغربوں کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور آپ کے رب کی بہترین بات بنی اسرائیل پر پوری ہوگئی اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا اور فرعون اور اس کی قوم کے لوگ جو کچھ بناتے تھے اور جو وہ عمارتیں بلند کرتے تھے ہم نے سب کو برباد کر دیا۔‘‘ (۱۳۷)

فہم القرآن

ربط کلام: آل فرعون کی غرقابی کے بعد بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے احسانات اور بنی اسرائیل کا کردار۔

بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں مصر میں برسر اقتدار آئے۔ اور مدت دراز تک انھیں اقتدار اور اختیار حاصل رہا لیکن اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے نہ صرف اقتدار سے محروم ہوئے بلکہ مصر میں انھیں تیسرے درجے کا شہری بنا دیا گیا۔ وہ مدت تک فرعون کے مظالم سہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جناب موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی بے مثال جدوجہد سے بنی اسرائیل کو مصر سے نکلنے میں کامیابی نصیب ہوئی اور ان کے لیے شام اور فلسطین کی فتح کا دروازہ کھول دیا گیا۔ جس سرزمین کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اس کے مشرق سے لے کر مغرب تک اللہ تعالیٰ نے برکات وثمرات کے خزانے رکھے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیے ہوئے وعدے کو پورا فرمایا کہ انھیں آزادی جیسی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ فرعون اور اس کی قوم جو کچھ کرتی تھی اسے تباہ کر دیا گیا۔ ”يَعْرِشُوْنَ“ کا معنی کرتے ہوئے اہل علم نے لکھا ہے کہ اس سے مراد بڑے بڑے محلات اور انگوروں کے باغات ہیں جن کی بیلیں ٹہنیوں پر چڑھائی جاتی ہیں۔ دشمن کا خاتمہ اور آزادی کی نعمت بنی اسرائیل کو اس لیے حاصل ہوئی کہ انھوں نے طویل عرصہ تک صبر واستقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے آزادی کے لیے جدوجہد کی۔

☆ صبر بے بسی اور بے کسی کا نام نہیں۔ صبر قوت برداشت، قوت مدافعت کو بحال رکھنے اور طبیعت کو شریعت کا پابند بنانے کا نام ہے۔

☆دشمن کے مقابلے میں جرأت، بہادری اور مستقل مزاجی کے ساتھ مسائل و مصائب کا سامنا کرنے سے مسائل حل ہوتے ہیں۔ آخرت میں بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخلہ نصیب ہوگا۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رفاقت و دستگیری حاصل ہوگی مشکلات زندگی کا حصہ ہیں ان سے نکلنے کے لیے روحانی اور الہامی طریقے اختیار کرنے کے ساتھ مادی وسائل اپنانے کا حکم ہے مگر جب تک پوری دلجمعی اور صبر و استقلال کے ساتھ اسباب کو استعمال اور ان کے اثرات و نتائج کا انتظار نہ کیا جائے اس وقت تک مشکلات سے نکلنا ناممکن ہے۔ شریعت نے صبر و استقامت کو مشکلات سے نجات پانے کا اولین درجہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ جب تک آدمی مشکلات سے چھٹکارا پانے کے لیے اسباب کو مستقل مزاجی اور حوصلے کے ساتھ اختیار نہیں کرے گا تو نہ صرف اس کی جسمانی اور روحانی تکلیف میں اضافہ ہوگا بلکہ وہ اپنی جذباتیت اور عجلت پسندی کی وجہ سے دنیا و آخرت میں بہتر نتائج سے محروم رہے گا جو صبر و استقامت کے سبب اس کو حاصل ہونے والے تھے۔

((عَنْ أَبِی مَالِكٍ الْأَشْعَرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ.........وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ))

[رواہ مسلم: کتاب الطھارۃ، باب فضل الوضوء]

''حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا......صبر روشنی ہے۔''

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ قَالَ رَبُّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ مَنْ أَذْهَبْتُ كَرِيمَتَيْهِ ثُمَّ صَبَرَ وَاحْتَسَبَ كَانَ ثَوَابُهُ الْجَنَّةَ))[رواہ احمد]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی معظم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ اعلان کرتا ہے کہ جس کی دو محبوب چیزیں (دو آنکھیں) میں لے لوں تو پھر وہ صبر کرے اور مغفرت کی امید رکھے تو اس کا بدلہ جنت ہوگا۔''

مسائل

۱۔ آزادی حاصل کرنے کے لیے صبر و استقامت کے ساتھ جد و جہد کرنی چاہیے۔

۲۔ صبر و استقامت کے مقابلہ میں ظالم کا ظلم بالآخر ناکام ہو جاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

صبر کی فضیلت:

۱۔ اللہ کی رفاقت اور دستگیری صبر کرنے والوں کے لیے ہے۔(البقرۃ:۱۵۲)

۲۔ صبر اور نماز کے ذریعے اللہ کی مدد طلب کرو۔(البقرۃ:۱۵۲)

۳۔ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔(الزمر:۱۰)

۴۔ بے شک جنھوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان کا اظہار کرتے ہوئے صبر و استقامت کا ثبوت دیا انھیں کوئی خوف اور حزن و ملال نہیں۔(الاحقاف:۱۳)

وَجٰوَزْنَا	بِبَنِیْٓ	اِسْرَآءِیْلَ	الْبَحْرَ	فَاَتَوْا	عَلٰی	قَوْمٍ
اور ہم نے پار اتار دیا	بنی	اسرائیل	سمندر	تو وہ آئے	پر	قوم

یَّعْکُفُوْنَ	عَلٰٓی	اَصْنَامٍ	لَّهُمْ	قَالُوْا	یٰمُوْسَی	اجْعَلْ	لَّنَآ
جو عبادت میں لگے تھے	پر	بت (جمع)	انکے لیے	انہوں نے کہا	اے موسیٰ	تو بنا	ہمارے لیے

اِلٰهًا	كَمَا	لَهُمْ اٰلِهَةٌ	قَالَ	اِنَّكُمْ	قَوْمٌ	تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾	اِنَّ	هٰٓؤُلَآءِ
معبود	جس طرح	ان کے معبود ہیں	فرمایا	بیشک تم	قوم	جاہل ہو	بیشک	یہ لوگ

مُتَبَّرٌ	مَّا هُمْ	فِیْهِ	وَبٰطِلٌ	مَّا كَانُوْا	یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾
تباہ ہونے والا ہے	جو وہ	اس میں	اور باطل ہیں	جو وہ تھے	وہ عمل کرتے ہیں

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اتارا۔ وہ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جو اپنے بتوں پر جمے بیٹھے تھے کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لیے بھی کوئی معبود بنا دے، جیسے ان کے معبود ہیں؟ اس نے کہا تم تو جاہل لوگ ہو۔ (۱۳۸) بے شک یہ لوگ جس کام میں لگے ہوئے ہیں وہ تباہ کیا جانے والا ہے اور جو کچھ کرتے چلے آرہے ہیں وہ باطل ہے۔'' (۱۳۹)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد بنی اسرائیل کا پہلا جرم۔

بنی اسرائیل بحر قلزم کو عبور کر کے ایسے علاقے میں پہنچے جہاں کے لوگ بت اور قبر پرست تھے۔ انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ مطالبہ کر ڈالا کہ اسے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایسا ہی معبود مقرر کیا جائے جس طرح ان لوگوں نے اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم انتہائی جاہل قوم ہو۔ یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اور جو کچھ انھوں نے بنا رکھا ہے وہ باطل اور جھوٹ ہے اور یہ سب کا سب تباہ ہو جائے گا۔ کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو تمھارا معبود ٹھہراؤں حالانکہ اس نے پوری دنیا پر تمھیں فضیلت وعظمت عطا کی ہے اور ابھی تو چند دنوں کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں آل فرعون کے مظالم سے نجات دی جو تمھارے بیٹوں کو تہہ تیغ کرتے تھے اور تمھاری بچیوں اور بیویوں کو اپنے لیے رہنے دیتے تھے یہ تم پر بڑی کربناک آزمائش تھی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے اور اس کی توحید پر جمے رہتے لیکن اس کے برعکس تم بت پرستی کا مطالبہ کر رہے ہو۔ بنی اسرائیل نسل درنسل غلام رہنے اور مشرکانہ ماحول میں پرورش پانے کی وجہ سے اس قدر ضعیف الاعتقاد اور متلون مزاج ہو چکے تھے کہ جونہی انھوں نے ایک قوم کو دیکھا کہ وہ پتھروں سے بنائی ہوئی مورتیوں کی پوجا کر رہی ہے تو انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کر ڈالا کہ ہمارے لیے بھی ایسے بت بنا دیں۔ ناہنجار قوم سب کچھ بھول گئی۔

قَالَ اَغَيۡرَ اللّٰهِ اَبۡغِيۡكُمۡ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۴۰﴾

فرمایا | کیا اللہ کے سوا تمہارے لیے تلاش کروں | معبود | اور وہ اس نے تمہیں فضیلت دی ہے | پر | جہانوں

وَاِذۡ اَنۡجَيۡنٰكُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ يَسُوۡمُوۡنَكُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ ۚ

اور جب ہم نے تم کو نجات دی | سے | آل فرعون | وہ چکھاتے تھے تم کو | برا عذاب

يُقَتِّلُوۡنَ اَبۡنَآءَكُمۡ وَيَسۡتَحۡيُوۡنَ نِسَآءَكُمۡ ؕ وَفِىۡ ذٰلِكُمۡ

وہ قتل کردیتے تھے | تمہارے بیٹوں کو | اور وہ زندہ چھوڑتے تھے | تمہاری عورتوں کو | اور میں تمہاری

بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَظِيۡمٌ ﴿۱۴۱﴾

آزمائش | سے تمہارے رب | بہت بڑی

”کہا کیا میں اللہ کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود تلاش کروں؟ حالانکہ اس نے تمہیں جہانوں پر فضیلت بخشی ہے۔(۱۴۰)اور جب ہم نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے نجات دی جو تمہیں برا عذاب دیتے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔“(۱۴۱)

کہ ہماری بے بسی اور کمزوریوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ہمیں ظالموں سے نہ صرف نجات عطا فرمائی بلکہ ہمارے سامنے ہمارا دشمن ڈبکیاں لے لے کر دہائی دیتے ہوئے ذلیل ہو کر مار دیا گیا۔ اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا میں ہماری فضیلت وعظمت اور بزرگی کی دھاک بٹھا دی ہے۔

یاد رہے شرک بذات خود ہر قسم کی جہالت اور برائی کا سرچشمہ اور منبع ہے لیکن اس قوم کی جہالت کی کوئی حد نہیں ہوتی جو اپنے نبی سے شرک کرنے کی نہ صرف اجازت طلب کرتی ہو بلکہ اس سے مطالبہ کرے کہ ہمارے لیے ایسا ہی بت خانہ بنایا جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے انھیں جاہل قرار دیتے ہوئے متنبہ فرمایا کہ شرک پرلے درجے کی جہالت ہے۔ مشرک جو کچھ کرتے اور بناتے ہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں یہ سب کا سب باطل ہے اور باطل قائم رہنے کے بجائے بہت جلد تباہی کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَ سُرُجَ))

[رواہ النسائی: کتاب الجنائز ، باب التغلیظ فی اتخاذ السرج علی القبور]

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر جانے والی خواتین اور ان پر مساجد بنانے والوں اور ان پر چراغ روشن کرنے والوں پر لعنت کی ہے“

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ

أَنْبِيَائِهِمْ مَسْجِدًا))[رواه البخاری: کتاب الجنائز ، باب ماجاء فی قبر نبی]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُس مرض میں فرمایا جس میں آپ فوت ہوئے اللہ تعالیٰ یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت فرمائے انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔''

((عَنْ اَبِی مَرْثَدِ الْغَنَوِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَجْلِسُوْا عَلَی الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَیْھَا)) [مسلم]

''حضرت ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ قبروں پر بیٹھا کرو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو۔''

مسائل

١۔ بتوں اور مزارات کے سامنے چلہ کشی کرنا شرک ہے۔

٢۔ شرک پرلے درجے کی جہالت ہے۔

٣۔ شرک کی دین میں کوئی حقیقت نہیں۔

تفسیر بالقرآن

الٰہ صرف ایک ہی ہے:

١۔ الٰہ ایک ہی ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔(البقرۃ:١٦٣)

٢۔ الٰہ تمھارا ایک ہی ہے لیکن آخرت کے منکر نہیں مانتے۔(النحل:٢٢)

٣۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں میں تمھاری طرح بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے تمھارا الٰہ ایک ہی الٰہ ہے۔(الکھف:١١٠)

٤۔ الٰہ تمھارا ایک اللہ ہی ہے۔(طٰہٰ:٩٨)

٥۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں میری طرف وحی کی جاتی ہے تمھارا الٰہ صرف ایک ہی الٰہ ہے۔(الانبیاء:١٠٨)

٦۔ تمھارا صرف ایک ہی الٰہ ہے اسی کے تابع ہوجاؤ۔(الحج:٣٤)

٧۔ ہمارا الٰہ اور تمھارا الٰہ صرف ایک ہی ہے۔ہم اسی کے لیے فرمانبردار ہیں۔(العنکبوت:٤٦)

٨۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے جو میں تلاش کروں۔(الاعراف:١٤٠)

وَوٰعَدْنَا	مُوْسٰى	ثَلٰثِيْنَ	لَيْلَةً	وَّاَتْمَمْنٰهَا	بِعَشْرٍ	فَتَمَّ
اور ہم نے وعدہ لیا	موسیٰ	تیس	رات	اور ہم نے پورا کیا انکو	دس کیساتھ	تو پوری ہوگئی
مِيْقَاتُ	رَبِّهٖٓ	اَرْبَعِيْنَ	لَيْلَةً ۚ	وَقَالَ	مُوْسٰى	لِاَخِيْهِ
مدت مقررہ	اسکے رب	چالیس	رات	اور فرمایا	موسیٰ نے	اپنے بھائی کیلئے
هٰرُوْنَ	اخْلُفْنِيْ	فِيْ	قَوْمِيْ	وَاَصْلِحْ	وَلَا	تَتَّبِعْ
ہارون	میری جانشینی کر	میں	میری قوم	اور اصلاح کرنا	اور نہ	پیروی کرنا
سَبِيْلَ	الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾					
راستے	فساد کرنے والوں					

''اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ لیا اور اسے دس راتوں کے ساتھ پورا کیا، سو اس کے رب کی مقررہ مدت چالیس راتیں پوری ہوگئیں اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا میری قوم میں تو میری جانشینی کر اور اصلاح کرنا اور مفسدوں کے راستے کی پیروی نہ کرنا۔'' (۱۴۲)

فہم القرآن

ربط کلام: بنی اسرائیل کے آزاد ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات کی شکل میں مفصل ہدایات دیں تاکہ وہ اپنی قوم کی تربیت کرسکیں۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو آزادی عنایت فرمانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر طلب فرمایا کہ انھیں مفصل کتاب دی جائے۔ تاکہ بنی اسرائیل کو شام وفلسطین کا اقتدار ملنے سے پہلے ان کی تربیت کرسکیں۔ جن پر عمل پیرا ہو کر یہ لوگ اپنے آپ کو قیادت کے اہل ثابت کریں۔

چنانچہ حکم ہوا کہ اے موسیٰ! آپ تیس دن تک کوہِ طور پر اعتکاف کریں۔ جس کو بعد میں چالیس دن کر دیا گیا۔ یہ اعتکاف آزادی کا شکریہ بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی اور کتاب کی دستیابی کے لیے روحانی بلندی کا ارتقا بھی تاکہ موسیٰ علیہ السلام میں روحانی صلاحیت پیدا ہو سکے جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور وحی الٰہی کا بار اٹھانے کے لیے ضروری تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر جاتے ہوئے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام جو عمر میں تین سال بڑے تھے مگر ان کے نائب نبی تھے کو یہ ہدایات دے کر رخصت ہوتے ہیں کہ میری غیر حاضری میں میرا قائم مقام ہوتے ہوئے قوم کی اصلاح کی کوشش کرتے رہیں۔ اور اگر قوم برائی کا راستہ اختیار کرے تو ان کی اتباع ہرگز نہ کریں۔ اس سے ثابت ہوا کہ قوم کا حقیقی مصلح وہ ہوتا ہے جو قومی رسم ورواج کے

پیچھے لگنے کے بجائے قوم کی اصلاح کر کے انھیں سیدھے راستے پر چلائے۔ایسے مصلح کا اجر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کے نیک کاموں کے ساتھ اس کی تحریک پر نیکی کرنے والوں کے اجر کا بدلہ بھی اسے دیا جائے گا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کی مدت پوری کرتے ہیں۔اس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے انھیں تورات عنایت فرمائی اور اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا۔

((عَنْ أَبِی مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ إِنِّی أُبْدِعَ بِی فَاحْمِلْنِی فَقَالَ مَا عِنْدِیْ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُولَ اللّٰہِ أَنَا أَدُلُّهُ عَلٰی مَنْ یَحْمِلُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ)) [رواہ مسلم: کتاب الامارۃ ، باب فضل اعانة الغازی]

”حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا میرے پاس سواری نہیں ہے مجھے سواری عنایت کیجیے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس بھی نہیں ہے۔ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول! میں اس کو اس شخص کی طرف رہنمائی کرتا ہوں جو اسے سواری دے سکے۔رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی کی بھلائی کی طرف رہنمائی کی تو اسے بھی وہ نیکی کرنے والے کی طرح ہی اجر دیا جائے گا۔“

مسائل

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر چالیس دن اعتکاف فرمایا۔

۲۔ حضرت ہارون جناب موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ، نبی اور ان کے بھائی تھے۔

۳۔ آدمی کو مفسدین کا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

مفسد اور گمراہ لوگوں کے طریقہ سے اجتناب کا حکم:

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ فساد کرنے والوں کی راہ سے اجتناب کرنا۔(الاعراف:۱۴۲)

۲۔ اگر تم پھر جاؤ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔(آل عمران:۶۳)

۳۔ لوگ زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔(المائدۃ:۶۴)

۴۔ اللہ فساد کرنے والوں کے کام نہیں سنوارتا۔(یونس:۸۱)

۵۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا زمین میں فساد کا باعث نہ بنو۔(الاعراف:۸۵)

۶۔ زمین کی اصلاح کے بعد اس کے بگاڑ کا سبب نہ بنو اور اللہ تعالیٰ کو خوف طمع سے پکارو۔(الاعراف:۵۶)

وَلَمَّا	جَآءَ	مُوْسٰى	لِمِيْقَاتِنَا	وَكَلَّمَهٗ	رَبُّهٗ ۙ	قَالَ
اور جب	آیا	موسیٰ	ہماری مقررہ مدت پر	اور ان سے کلام کیا	اس کے رب نے	کہا
رَبِّ	اَرِنِيْٓ	اَنْظُرْ	اِلَيْكَ ؕ	قَالَ	لَنْ	تَرٰىنِيْ
اے میرے رب	مجھے دکھا	میں دیکھوں	تیری طرف	فرمایا	ہرگز نہیں	تو مجھے دیکھ سکتا
وَلٰكِنِ	انْظُرْ اِلَى	الْجَبَلِ	فَاِنِ	اسْتَقَرَّ	مَكَانَهٗ	فَسَوْفَ
اور لیکن	تو دیکھ طرف	پہاڑ	پھر اگر	وہ ٹھہرا رہا	اپنی جگہ پر	پھر عنقریب
تَرٰىنِيْ ۚ	فَلَمَّا	تَجَلّٰى	رَبُّهٗ	لِلْجَبَلِ	جَعَلَهٗ	دَكًّا
تو مجھے دیکھ سکے گا	پھر جب	اس نے جلوہ ڈالا	اس کے رب نے	پہاڑ پر	کر دیا اسکو	ریزہ ریزہ

’’اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر آئے۔ اور اس کے رب نے اس سے کلام فرمایا اس نے کہا اے میرے رب! مجھے دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔ فرمایا تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا اور لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھ، اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تو مجھے دیکھ سکے گا۔ جب اس کے رب نے پہاڑ پر جلوہ ڈالا تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا۔

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی اور ذاتِ اقدس کے دیدار کا مطالبہ۔

حسب وعدہ موسیٰ علیہ السلام چالیس راتوں کے لیے کوہِ طور پر تشریف فرما ہوئے۔ چالیس راتوں سے مراد تمام مفسرین نے دن اور راتیں مراد لی ہیں کیونکہ شریعت میں قمری مہینوں کا حساب لگایا جاتا ہے۔ جس کی ابتداء چاند کے نمودار ہونے سے ہوتی ہے اس لیے شریعت کی تمام عبادات کا حساب طلوع چاند سے لگایا جاتا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام حسب وعدہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی غرض سے کوہِ طور پر پہنچے اور انھوں نے چالیس راتیں مکمل کر لیں تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہم کلامی کا اعزاز بخشا جس کی نوعیت اور کیفیت کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کا رب ہی جانتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہم کلامی کا کیا انداز اور کونسا طریقہ اختیار فرمایا تھا تاہم قرآن مجید صرف یہ وضاحت کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرطِ محبت میں آکر اپنے رب سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میرے رب میں تیری زیارت کا طلب گار ہوں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے شب وروز کا ایک ایک لمحہ اسی تڑپ اور طلب میں گزر رہا تھا کہ کب اللہ تعالیٰ مجھے اپنی ہم کلامی کا شرف عنایت فرماتا ہے جوں ہی ان لمحات کا آغاز ہوا جس سے کوہِ طور اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات سے بقعہ نور بنا۔ رب کریم کے کلام کی مٹھاس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بے خود ہو گئے۔ اور اسی بے خودی کے عالم میں انھوں نے اپنے رب کے حضور اس خواہش کا اظہار کیا کہ میرے رب میں تجھے دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔

وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ

اور گر پڑے | موسیٰ | بیہوش ہو کر | پھر جب | ہوش میں آئے | کہا | پاک ہے تو

تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ يٰمُوْسٰٓى

میں نے توبہ کی | تیری طرف | اور میں | سب سے پہلا | مومن (جمع) | فرمایا | اے موسیٰ

اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ

یقیناً میں نے | تجھے چن لیا ہے | پر لوگوں | اپنے پیغامات کیلیے | اور اپنی ہمکلامی لیے | پھر تو پکڑ جو

اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

میں تجھے دوں | اور ہو جا | سے | شکر کرنے والے

اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے جب اسے ہوش آیا تو کہنے لگے تو پاک ہے میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں۔'' (۱۴۳) ''فرمایا: اے موسیٰ! بے شک میں نے اپنے پیغام اور اپنے کلام کے ساتھ تجھے لوگوں میں سے چن لیا ہے، پس میں نے جو کچھ تجھے دیا ہے اسے لے اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جا۔'' (۱۴۴)

مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرما۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے فقط اتنا فرمایا کہ اے موسیٰ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ موسیٰ علیہ السلام کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ اس پہاڑ کی طرف دیکھ اگر یہ پہاڑ میرے جمال و جلال کو برداشت کر سکا تو تو بھی میرا دیدار کر سکے گا۔ جوں ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کا پرتو پہاڑ پر ڈالا تو ٹنوں وزنی پہاڑ کا یہ حصہ ایک لمحہ میں ریت کے ذرّات میں تبدیل ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر نیچے گر پڑے۔ جب انھیں ہوش آیا تو فوراً پکار اُٹھے میرے رب تیری ذاتِ کبریا لامحدود اور اتنی پر جلال اور صاحب جمال ہے کہ کسی آنکھ کے احاطۂ نظر میں نہیں آسکتی۔ اس لیے میں اس مطالبہ پر تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب لوگوں سے پہلے اس پر ایمان لاتا ہوں کہ تیرا فرمان سچا ہے۔ واقعی کوئی آنکھ تیرے دیدار کی سکت نہیں رکھتی۔ جب موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے حکم پر کوہِ طور پر گئے اور رب کبریا کی زیارت نہ کر سکے تو دوسرا کون ہوتا ہے کہ جو دعویٰ کرے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے۔ اور نہ ہی ایسا اعتقاد رکھنا چاہیے کہ فلاں بزرگ نے حالت بیداری یا خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کسی کو خواب میں اپنے جمال کی کسی جھلک سے سرفراز فرما دے تو یہ ممکن ہے۔ لیکن اسے اشتہار اور مشہوری کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اظہار اور اس کی نعمتوں کا اعتراف کرنا مشکلات سے محفوظ رہنے کا طریقہ ہے۔

☆ مزید ملنے کی گارنٹی اور زوال نعمت سے مامون رہنے کی ضمانت ہے۔ رب کی بارگاہ میں نہایت پسندیدہ عمل ہے۔

☆ اس کے مقابلہ میں ناشکری کفر کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی عبادت اور دین کے کسی عمل کے بارے میں بیک وقت یہ نہیں فرمایا کہ اس کے کرنے سے تم عذاب سے محفوظ رہو گے اور مزید عطاؤں کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اس دوہرے

انعام کی وجہ سے شیطان نے سرکشی اور بغاوت کی حدود پھلانگتے ہوئے کہا تھا۔

﴿وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ﴾ [الاعراف: ۱۷۔پ۸]

''اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔''

اکثر انسان خوف اور طمع کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرتے ہیں؟ رب کریم نے انسان کی حاجات وضروریات اور اس کی کمزوری کی وجہ سے اس انداز کو بھی نہ صرف عبادت میں شمار فرمایا بلکہ اس طرح مانگنے کا حکم دیا ہے ایسے لوگوں کو محسنین قرار دے کر اپنی رحمت ودستگیری کا یقین دلایا ہے۔ مگر جو لطف اور لذت اظہار تشکر کے جذبات میں پائی جاتی ہے وہ خوف اور طمع کی عبادت میں نہیں ہوتی۔ اسی طرح غم اور خوف کے آنسو اپنی جگہ سمندروں اور دریاؤں کے پانی سے زیادہ وزنی ہیں۔ کیونکہ سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے خوف سے گرنے والا آنسو کا ایک قطرہ زندگی بھر کے انسان کے غلیظ ترین دامن کو دھونے کے لیے کافی ہے۔ ابھی وہ قطرہ انسان کی پلکوں سے ڈھلک کر اس کے رخسار پہ نہیں گرتا کہ غفور ورحیم مالک اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے لیکن شکر کے آنسو بندۂ مومن میں عجب جذبۂ اطاعت وعبادت پیدا کرتا ہے۔

یہی تصور اور کیفیت رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان میں پائی جاتی ہے کہ جب تہجد کی نماز میں سسکیاں لیتے ہوئے آپ طویل قیام کرتے، آپ کے مبارک قدموں پر ورم پڑ جاتے تو مسلمانوں کی والدہ ماجدہ، آپ کی زوجہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا از راہ ہمدردی عرض کرتیں کہ میرے آقا! آپ اس قدر کیوں روتے اور مشقت اٹھاتے ہیں؟ جبکہ بارگاہ ایزدی سے آپ کی سب کمزوریوں کو معاف کر دیا گیا ہے آپ نے شکر سے لبریز کلمات کا اس طرح اظہار فرمایا:

((أَفَلَا أَكُوْنُ عَبْدًا شُكُوْرًا۔)) [مشكوٰة ، باب التحريض على قيام الليل]

''کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف بخشا۔ ۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے جلوہ کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو کر گر پڑے ۳۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

شکر کی فضیلت:

۱۔ اللہ کی عبادت کرتے ہوئے شکر گزار بندوں میں شامل ہو جائیے۔ (الزمر: ٦٦)

۲۔ میرا اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کرتے رہیے بالآخر تم نے میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔ (سورۂ لقمان: ۱۴)

۳۔ اگر تم شکر کا رویہ اپناؤ گے تو ہر صورت مزید عنایات پاؤ گے۔ (ابراہیم: ۷)

۴۔ اللہ کو تمھیں سزا دینے سے کیا فائدہ، اگر تم شکر اور تسلیمات کا انداز اختیار کرو۔ وہ اللہ تو نہایت ہی قدر افزائی کرنے والا ہے۔ (النساء: ۱۴۷)

۵۔ بندوں میں بہت کم شکر ادا کرنے والے ہیں۔ (سبا: ۱۳)

وَكَتَبْنَا	لَهٗ	فِي	الْاَلْوَاحِ	مِنْ	شَيْءٍ	مَّوْعِظَةً	وَّ تَفْصِيْلًا
اور ہم نے لکھا	اسکے لیے	میں	تختیاں	سے	چیز	نصیحت	اور تفصیل
لِّكُلِّ	شَيْءٍ	فَخُذْهَا	بِقُوَّةٍ	وَّاْمُرْ	قَوْمَكَ	يَاْخُذُوْا	
لیے ہر	چیز	پھر تو اسکو پکڑ	طاقت کیساتھ	اور حکم دے	اپنی قوم کو	وہ پکڑیں	
بِاَحْسَنِهَا	سَاُورِيْكُمْ	دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾					
ان کی اچھی باتیں	عنقریب میں تمھیں دکھاؤں گا	گھر نافرمانوں					

''اور ہم نے اس کے لیے تختیوں میں ہر چیز کے بارے میں نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی سو انہیں مضبوطی کے ساتھ پکڑ اور اپنی قوم کو حکم دے کہ ان کی بہترین باتوں کو پکڑے رکھیں عنقریب میں تمہیں نافرمانوں کا گھر دکھاؤں گا۔'' (۱۴۵)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو رسالت کے منصب پر تو پہلے ہی فائز کر دیا تھا اپنی ہم کلامی کا شرف بخشتے ہوئے تختیوں کی شکل میں تورات عطا فرمائی جس میں بنی اسرائیل کے لیے نصیحت اور دین کی متعلقہ تفصیلات درج تھیں۔

قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تحریری شکل میں تورات عطا کی تھی شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ بنی اسرائیل اہم اور حساس معاملات میں بھی ظاہر پرست واقع ہوئے تھے۔ جس کی بنا پر انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھنا چاہتے ہیں۔ پھر اس پر اتنا اصرار کیا کہ موسیٰ علیہ السلام ان سے مجبور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لیے اپنی قوم کے ستر نمائندے ساتھ لے گئے جنھیں اللہ تعالیٰ نے فوت کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر دوبارہ زندہ کیا۔ تفصیل کے لیے اسی سورۃ کی آیت ۱۵۵ کی تلاوت کریں۔ پھر یہ بھی ان کی ظاہر پرستی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی صرف چالیس دن کی غیر حاضری پر بچھڑے کو معبود بنالیا۔ ممکن ہے کہ اسی ظاہر پرستی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تحریری طور پر تورات نازل فرمائی تاکہ تورات کی لکھی ہوئی تختیاں دیکھ کر یہ ایمان لے آئیں۔ جس کے بارے میں ارشاد ہوا کہ ہم نے ان تختیوں میں ان کی رہنمائی کے لیے ہر مسئلہ لکھ دیا تھا۔ ظاہر ہے تورات کی تحریر کوئی عام تحریر اور اس کی تختیاں کسی انسان کی بنائی ہوئی نہ تھیں نہ معلوم ان تختیوں کے اندر کتنی جاذبیت، کشش اور نورانیت ہوگی۔ اس کی تحریر کتنی خوش نما اور خوبصورت اور دیکھنے والے کو اس تحریر اور تختیوں سے کتنا سکون ملتا ہوگا۔ پھر اس میں دین کے متعلق تمام مسائل کا اتنے مؤثر انداز سے احاطہ کیا گیا تھا جس کی نظیر اس سے پہلے دنیا میں نہیں پائی جاتی تھی۔ ''موعظۃ'' ایسی بات اور انداز کو کہتے ہیں جو انسان کے دل پر براہِ راست دستک دے۔ اتنے اوصاف حمیدہ کی حامل کتاب کے بارے میں حکم ہوا کہ اے موسیٰ! اسے مضبوطی کے ساتھ تھام لو اور

اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ بھی اخلاص کے ساتھ نہایت اچھے طریقے سے اس کو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں تھام رکھیں یعنی پوری طرح اس پر عمل کرتے رہیں۔ یہی کتاب الٰہی کا سب سے بڑا ادب اور اس کا تقاضا ہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں اس سرزمین کا وارث بنائے گا جس پر فاسق و فاجر لوگ قابض ہو چکے ہیں۔ اس سے مراد اکثر مفسرین نے شام اور فلسطین کی سرزمین لی ہے جو اس وقت ایک ہی ملک شمار ہوتا تھا لیکن کچھ مفسرین نے شام اور فلسطین کے ساتھ مصر کا علاقہ بھی شامل کیا ہے فرعون اور ان کے بڑے بڑے لوگ غرق ہو جانے کے باوجود مصر کے لوگ اس زمانے میں سب سے زیادہ عیاش اور فسق و فجور میں مبتلا تھے۔ "دَارُ الْفٰسِقِيْنَ" سے مراد جہنم کا گھر بھی ہو سکتا ہے۔ جس میں فاسقین کا جانا یقینی ہے۔ اور مومنوں کو جہنم میں جہنمیوں کا انجام بھی دکھلایا جائے گا۔ تفصیل کے لیے سورۃ المدثر کی ۴۰ تا ۴۷ آیات تلاوت کریں۔

((عن عمر رضی اللہ عنہ قال قَالَ رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِيْنَ))

[رواه مسلم: كتاب صلاة المسافرين ، باب فضل من يقوم بالقران]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ساتھ اقوام کو بلند کرے گا اور دوسروں کو پست کردے گا۔"

((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ تَرَكْتُ فِيْكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ))

[موطا امام مالك : كتاب الجامع ، باب النهى عن القول بالقدر]

"بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں جب تک تم ان کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہ ہو سکو گے ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اس کے نبی کی سنت۔"

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تورات تختیوں پر تحریر کی صورت میں نازل فرمائی۔

۲۔ تورات میں ہر چیز کی وضاحت موجود تھی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل نہ کرنے والے فاسق ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

کتاب اللہ سے تمسک کا حکم:

۱۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو اور فرقوں میں نہ بٹو۔ (آل عمران: ۱۰۳)

۲۔ آپ اسے مضبوطی سے تھام لیں جو آپ کو وحی کی گئی ہے۔ (الزخرف: ۴۳)

۳۔ وہ لوگ جو کتاب کو مضبوطی سے تھامتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں ایسے نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کیا جاتا۔ (الاعراف: ۱۷۰)

سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰيٰتِيَ الَّذِيۡنَ يَتَكَبَّرُوۡنَ فِي الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ ؕ

جلد میں پھیروں گا سے اپنی آیتوں ان لوگوں کو جو تکبر کرتے ہیں میں زمین علاوہ حق کے

وَاِنۡ يَّرَوۡا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡا بِهَا‌ ۚ وَاِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ

اور اگر وہ دیکھیں ہر نشانی نہیں وہ ایمان لائیں گے اسکے ساتھ اور اگر وہ دیکھ لیں راستہ

الرُّشۡدِ لَا يَتَّخِذُوۡهُ سَبِيۡلًا ۚ وَاِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الۡغَىِّ يَتَّخِذُوۡهُ سَبِيۡلًا‌ ؕ

ہدایت نہیں وہ اسے پکڑیں گے راہ اور اگر وہ دیکھ لیں راہ گمراہی کی پکڑ لیں اسے راہ

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوۡا عَنۡهَا غٰفِلِيۡنَ ۝١٤٦

یہ اس لیے کہ بے شک وہ انھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور وہ تھے اس سے غافل

وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الۡاٰخِرَةِ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ‌ ؕ

اور جو لوگ انھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور ملاقات آخرت کی برباد ہو گئے انکے اعمال

هَلۡ يُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝١٤٧

نہیں وہ جزا دیے جائیں گے مگر جو وہ تھے عمل کرتے

''میں جلد اپنی آیات سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو زمین میں حق کے بغیر بڑے بنتے ہیں اور اگر وہ ہر نشانی دیکھ لیں تو بھی اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اگر ہدایت کا راستہ دیکھ لیں تو اسے نہیں اپناتے اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اسے اپنا لیتے ہیں یہ اس لیے کہ بیشک انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے غافل ہیں۔(۱۴۶) اور جن لوگوں نے ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے اعمال ضائع ہو گئے انہیں بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔'' (۱۴۷)

فہم القرآن

ربط کلام: بنی اسرائیل کو حکم تھا کہ تورات کو اچھی طرح پکڑے رکھیں مگر انھوں نے اس حکم کی پرواہ نہ کی جس کا انجام بیان کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں انسان کی دنیا و آخرت کی بہتری کے لیے بڑے ہی موثر اور دل نشین انداز میں ہدایات فرمائی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود جو شخص یا قوم اللہ تعالیٰ کی نصیحت اور اس کی خیر خواہانہ رہنمائی کو اپنی رعونت اور تکبر سے ٹھکرا دیتا ہے۔ اس کی دنیا میں یہ سزا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ہدایت کو دور کر دیتا ہے ایسے شخص یا قوم کے پاس کوئی بھی نشانی اور معجزہ آئے تو وہ اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور اگر انھیں ہدایت کے راستہ کی طرف بلایا جائے تو وہ اس پر چلنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔ ان کا مزاج اس قدر بگڑ جاتا ہے کہ وہ ہر برائی اور گمراہی کے راستہ پر چلنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے

کہ وہ اپنی رعونت اور تکبر کے سبب اللہ تعالیٰ کے احکام کو جھٹلاتے ہوئے تغافل کرتے ہیں۔ جولوگ بھی اللہ تعالیٰ کے احکام جھٹلائیں اور آخرت کی جواب دہی کا انکار کریں ان کے سب کے سب اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو جھٹلاتے اور آخرت کی جواب دہی کے منکر تھے۔ یہاں متکبرین کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ہم انھیں اپنی آیات سے پھیر دیتے ہیں یہ مضمون مختلف الفاظ میں پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ اللہ ہی ہدایت دینے والا اور گمراہ کرنے والا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی پر ہدایت مسلط نہیں کرتا جب مجرم ہدایت کو اپنی رعونت کی وجہ سے قبول کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی ہدایت کیوں مسلط کرے گا۔ یہاں آیات سے پھیر دینے کا یہی مطلب لینا چاہیے۔ جہاں تک آخرت میں متکبرین اور مکذبین کو دنیا کی کسی نیکی کے صلہ سے محروم رکھنے کا تعلق ہے وہ اس لیے ہے کہ ایسا شخص اگر کوئی نیکی کا کام کرتا ہے تو محض اپنی طبیعت کے سکون اور دنیا کی ناموری اور فائدے کے لیے کرتا ہے۔ اسے اچھی شہرت اور کسی نہ کسی شکل میں دنیا میں اس کا صلہ مل جاتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور آخرت پر یقین نہیں رکھتا اس لیے اس کی نیکی کا آخرت میں بدلہ نہیں دیا جائے گا۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُولَ اللّٰہِ ابْنُ جُدْعَانَ کَانَ فِی الْجَاھِلِیَّةِ یَصِلُ الرَّحِمَ وَیُطْعِمُ الْمِسْکِینَ فَھَلْ ذَاكَ نَافِعُهُ قَالَ لَا یَنْفَعُهُ إِنَّهُ لَمْ یَقُلْ یَوْمًا رَبِّ اغْفِرْ لِی خَطِیئَتِی یَوْمَ الدِّینِ)) [رواہ مسلم: کتاب الایمان]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا اے اللہ کے رسول ابن جدعان جاہلیت کے زمانے میں صلہ رحمی اور مساکین کو کھانا کھلایا کرتا۔ تو کیا قیامت کے دن اسے یہ چیز فائدہ دے گی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں کیونکہ اس نے کبھی یہ بات نہیں کہی تھی اے میرے رب! قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف فرمانا۔“ یعنی وہ قیامت کے دن پر یقین نہیں رکھتا تھا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب متکبر لوگ کرتے ہیں۔
۲۔ کافر ہدایت کی بجائے گمراہی کے راستے پر چلتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

کن لوگوں کے اعمال ضائع ہونگے:

۱۔ آخرت کا انکار کرنے والوں کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ (الاعراف:۱۴۷)
۲۔ مشرکین کے اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے۔ (التوبۃ:۱۷)
۳۔ ایمان کے ساتھ کفر اختیار کرنے والوں کے اعمال ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔ (المائدۃ:۵)
۴۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہ کرنے والوں کے اعمال برباد کر دیئے جاتے ہیں۔ (محمد:۳۳)
۵۔ وہ لوگ جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں ان کے اعمال غارت کر دیئے جائیں گے۔ (آل عمران:۲۱۔۲۲)

وَاتَّخَذَ قَوۡمُ مُوۡسٰی مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ حُلِیِّهِمۡ عِجۡلًا جَسَدًا

اور پکڑا | قوم موسیٰ کی | سے | اس کے بعد | سے اپنے زیورات | ایک بچھڑا | جو ایک جسم تھا

لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّهٗ لَا یُکَلِّمُهُمۡ وَلَا یَهۡدِیۡهِمۡ سَبِیۡلًا ۘ

اسکے لیے گائے کی آواز | کیا نہیں انہوں نے دیکھا | بے شک وہ نہیں ان سے کلام کرتا | اور نہ | انہیں بتلاتا | کوئی راستہ

اِتَّخَذُوۡهُ وَکَانُوۡا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِیۡۤ اَیۡدِیۡهِمۡ وَرَاَوۡا

پکڑا انہوں نے اسے | اور وہ تھے | ظالم (جمع) | اور جب | گر گئیں | ان کے ہاتھوں سے | اور انہوں نے دیکھا

اَنَّهُمۡ قَدۡ ضَلُّوۡا ۙ قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ یَرۡحَمۡنَا رَبُّنَا

بیشک وہ | یقیناً گمراہ ہوئے | انہوں نے کہا | البتہ اگر | نہ | رحم کیا ہم پر | ہمارے رب

وَیَغۡفِرۡ لَنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۱۴۹﴾

اور نہ بخشا ہمیں | یقیناً ہم ہو جائیں گے | سے | خسارہ پانے والے

''اور موسیٰ کی قوم نے موسیٰ کے بعد اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنالیا، جو ایک جسم تھا جس کی گائے جیسی آواز تھی کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ نہ ان سے بات کرتا ہے اور نہ انہیں کوئی راہ دکھاتا ہے انہوں نے اسے معبود بنالیا اور وہ ظالم تھے۔ (۱۴۸) اور جب وہ پشیمان ہوئے اور دیکھا کہ بے شک وہ تو گمراہ ہو گئے ہیں کہنے لگے اگر واقعی ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو ہم یقیناً خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔'' (۱۴۹)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر جانے کے بعد بنی اسرائیل کا مشرکانہ کردار۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنا کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے چالیس دنوں کے لیے کوہ طور پر معتکف ہوئے ان کی غیر حاضری میں بنی اسرائیل میں سے ایک شخص جس کا نام سامری تھا۔ اس نے بنی اسرائیل سے سونے کے زیورات اکٹھے کیے اور ان کو ڈھال کر ایک بچھڑا بنایا۔ پھر اس میں مٹی ڈالی جس مٹی کے بارے میں سورۂ طٰہٰ آیت ۹۶ میں بیان ہوا ہے کہ یہ مٹی اس نے اس وقت اٹھائی تھی جب بحرِ قلزم میں فرعون نے ڈبکیاں لیتے ہوئے کہا کہ میں موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لاتا ہوں۔ تو جبرائیل علیہ السلام نے مٹی اٹھا کر اس کے منہ پر ماری تھی۔ سامری نے دیکھا کہ جس گھوڑے پر جبریل امین علیہ السلام انسانی شکل میں سوار ہیں اس کے سُم جہاں پڑتے ہیں۔ گھاس ہری ہو جاتی ہے۔ اس نے اس مٹی کو اُٹھالیا۔ کچھ حضرات نے لکھا ہے کہ اثر رسول سے مراد موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ قرآن مجید نے سامری کی اس بات کی تردید یا تائید نہیں کی جو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو کہی میں نے یہ مٹی فلاں موقع پر اٹھائی تھی۔ اس نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اس مٹی کو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ قرار دیا تاکہ وہ سزا سے بچ جائے۔ بہر کیف الرسول سے مراد موسیٰ علیہ السلام ہوں یا جبرائیل امین علیہ السلام سامری نے شیطانی تکنیک سے ایک ایسا بچھڑا بنایا کہ جس کے منہ سے مختلف قسم کی آوازیں نکلتی تھیں۔ بچھڑے کو سمجھنے کے لیے آج کے دور کے کھلونے اور روبوٹ دیکھنے چاہییں کہ جو ایسی حرکات کرتے ہیں کہ ان کے ذی روح ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کی ظاہر پرستی اور مشرکانہ جبلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سامری انھیں یہ باور کرانے میں کامیاب ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام جس رب کے حکم سے کوہِ طور پر گئے ہیں وہ ہمارے پاس خود آن پہنچا ہے۔

بنی اسرائیل میں سے بہت سے لوگوں نے بچھڑے کو معبود سمجھ کر اس کی تکریم اور عبادت شروع کر دی جس طرح کہ مشرک لوگ بتوں اور قبروں کی عبادت کرتے ہیں۔ ایک احترام کے طور پر اس کے سامنے کھڑا ہے اور دوسرا اس بچھڑے کے سامنے رکوع کر رہا ہے۔ کوئی اس کے سامنے ہاتھ جوڑے ہوئے اپنی حاجات پیش کرتا اور کوئی اس کے حضور سجدہ اور نیاز پیش کر رہا ہے انھوں نے یہ دیکھنے اور سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہ کی کہ یہ تو ہمارے ہی زیورات سے بنایا ہوا ایک مجسمہ ہے جو نہ خود بات کر سکتا ہے اور نہ ہی ہماری فریاد کا جواب دیتا ہے۔ اسے اپنے قدموں پہ چلنے کی طاقت نہیں اور نہ ہی اسے شعور اور اس کے وجود میں کوئی حرکت پائی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ مشکل کشا حاجت روا کس طرح ہو سکتا ہے اور ہماری رہنمائی کیونکر کر سکتا ہے مشرکانہ عقیدہ کا یہی اندھا پن ہے کہ لوگ اس عقیدہ کو سوچے سمجھے بغیر محض بھیڑ چال کے طور پر قبول کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے مشرکانہ عقیدہ اور کردار ایسا ظلم ہے جس کے مقابلے میں تاریخ انسانی میں کوئی مثال نہیں پائی جاتی۔ ظلم نام ہے کسی چیز کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنے کا یہی کچھ مشرک کرتا اور سوچتا ہے کہ جو تکریم اور عبادت کے آداب صرف اور صرف ایک اللہ کے لیے ہونے چاہییں مشرک قبروں، بتوں اور دیگر چیزوں میں تصور کرتا ہے۔

یہاں الوہیت کی صرف دو صفات کا اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو یہ فرما کر گئے تھے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کرنے اور مستقبل کے لیے ہدایات لینے کے لیے جا رہا ہوں۔ اس لیے اس قوم کو اچھی طرح معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے ہم کلام ہونے کے ساتھ ہمارے لیے مزید ہدایات لائیں گے۔ جس بچھڑے کو انھوں نے اپنا معبود بنا لیا تھا۔ اس میں باقی صفات تو چھوڑیے یہ دو بھی نہیں پائی جاتی تھیں۔ پھر اس کو معبود بنانے کا ان کے پاس کیا جواز تھا۔

﴿قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَنْ تُخْلَفَهُ وَانْظُرْ إِلَىٰ إِلَٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝ إِنَّمَا إِلَٰهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝ كَذَٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا﴾ [طٰہٰ: ۹۷ تا ۹۹]

”موسیٰ نے کہا: جاؤ تمھارے لیے زندگی بھر یہ (سزا) ہے کہ (دوسروں سے) کہتے رہو کہ مجھے نہ چھونا اور تیرے لیے عذاب کا ایک وقت ہے جو تجھ سے کبھی نہیں ٹل سکتا اور اپنے الٰہ کی طرف دیکھ جس کے آگے تو معتکف رہتا تھا کہ ہم

کیسے اسے جلا ڈالتے ہیں پھر اس کی راکھ کو کیسے دریا میں بکھیر دیتے ہیں۔ تمھارا اللہ تو صرف وہی ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ اے نبی! اسی طرح ہم گزرے ہوئے لوگوں کی خبریں تجھ سے بیان کرتے ہیں نیز ہم نے اپنے ہاں سے تجھے قرآن عطا کیا ہے۔''

قرآن مجید کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔ جو لوگ اپنی ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے بچھڑے پر ٹوٹ پڑے تھے انھیں موسیٰ علیہ السلام کے آنے سے پہلے احساس ہو گیا کہ ہم سے گناہ ہوا ہے۔ لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے لگے۔ لیکن قرآن مجید بیان کرتا ہے کہ انھیں دنیا میں ذلیل کر دینے والی سزا دی گئی۔ جو یہ تھی کہ تم اپنے ہاتھوں ایک دوسرے کو قتل کرو۔ ''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنے آپ پر ظلم کیا ہے لہٰذا اپنے خالق کے حضور توبہ کرو اور اپنی جانوں کو ہلاک کرو۔ تمھارے رب کے ہاں یہی بات تمھارے حق میں بہتر ہے۔ پھر اللہ نے تمھاری توبہ قبول کر لی وہ توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' (البقرۃ:۵۴)

مسائل

۱۔ مشرک جن کی عبادت کرتے ہیں وہ نہ ان سے کلام کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔

۲۔ شرک کرنا اپنے آپ پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔

۳۔ کفر و شرک کی حالت میں مرنے والا شخص قیامت کے دن بڑا نقصان پائے گا۔

تفسیر بالقرآن

خسارہ پانے والے لوگ:

۱۔ (حضرت آدم اور حضرت حوا نے کہا) اے اللہ اگر تو نے معاف نہ کیا اور رحم نہ کیا تو ہم خسارہ پانے والے ہوں گے۔ (الاعراف:۲۳)

۲۔ دنیا اور آخرت کا خسارہ بہت بڑا خسارہ ہے۔ (الحج:۱۱)

۳۔ جس کا نیکی والا پلڑا ہلکا ہوا خسارہ پائے گا۔ (الاعراف:۹)

۴۔ جنھوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا وہ خسارہ پائیں گے۔ (الزمر:۶۳)

۵۔ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم خسارہ پانے والے ہو جاتے۔ (البقرۃ:۶۴)

۶۔ جن کے اعمال برباد ہو گئے وہ خسارہ پائیں گے۔ (المائدۃ:۵)

۷۔ ارکان اسلام کو چھوڑنے والے آخرت میں خسارہ پائیں گے۔ (النمل:۵)

۸۔ اسلام سے روگردانی کرنے والے دنیا و آخرت میں خسارہ پائیں گے۔ (آل عمران:۸۵)

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ
اور جب لوٹے موسیٰ طرف اپنی قوم غضبناک افسوس کرتے ہوئے فرمایا

بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ
بری ہے جو تم نے میری جانشینی کی سے میرے بعد کیا تم نے جلدی کی حکم اپنے رب اور ڈال دیں تختیاں

وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ
اور پکڑا سر اپنے بھائی کھینچتے تھے اس کو اپنی طرف کہا میری ماں کے بیٹے بیشک

الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۖؗ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ
قوم مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا وہ مجھے قتل کر دیتے چنانچہ نہ خوش کر میرے ساتھ

الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ قَالَ رَبِّ
دشمنوں کو اور نہ کر تو مجھے ساتھ قوم ظالموں کہا اے میرے رب

۱۸ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ۖؗ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ع ۸
مجھے بخش دے اور میرے بھائی کو اور ہمیں داخل فرما میں اپنی رحمت اور تو سب سے زیادہ رحم کرنیوالا ہے

''اور جب موسیٰ غضب ناک اور افسردہ اپنی قوم کی طرف لوٹے تو اس نے کہا تم نے میرے بعد میری بری جانشینی کی، کیا تم نے اپنے رب کے حکم سے جلدی کی، اور اس نے تختیاں پھینک دیں اور اپنے بھائی کے سر کو پکڑ لیا اسے اپنی طرف کھینچتا تھا اس نے کہا اے میری ماں جائے یقیناً یہ بات ہے کہ ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے سو دشمنوں کو مجھ پر خوش نہ کرو اور مجھے ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کر۔ (۱۵۰) موسیٰ نے کہا اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔'' (۱۵۱)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور پر مطلع فرمایا کہ تیری قوم نے بچھڑے کی پرستش شروع کردی ہے۔ تب موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے۔

ادھر موسیٰ علیہ السلام کی مدت اعتکاف پوری ہوئی اور انھیں تورات عنایت فرما دی گئی۔ اُدھر ان کی قوم نے بچھڑے کی پرستش شروع کردی۔ جس کی موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں اطلاع دی کہ ''اے موسیٰ تمہارے یہاں آنے کے بعد ہم نے تمہاری قوم کی آزمائش کی اور انھیں سامری نے گمراہ کردیا ہے۔'' (طٰہٰ، آیت: ۸۵)

اب موسیٰ علیہ السلام غم وغصہ کی حالت میں قوم کی طرف واپس پلٹے اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو فرمایا کہ تم نے میری جانشینی کا حق ادا نہیں کیا تم برے جانشین ثابت ہوئے ہو۔ پھر بنی اسرائیل سے مخاطب ہو کر فرمایا اے لوگو! تم نے اپنے رب کا حکم آنے سے پہلے جلد بازی کا مظاہرہ کیا پھر تورات کی تختیاں ایک طرف پھینک دیں غم وغصہ کی حالت میں اپنے بھائی کے سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے جس کے جواب میں حضرت ہارون علیہ السلام نے نہایت عاجزانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے مادرزاد بھائی میری قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ وہ مجھے جان سے مار دیتی آپ ترس کھائیں اور مجھ پر دشمنوں کو خوش ہونے کا موقع نہ دیں اور نہ ہی مجھے ظالموں کا ساتھی سمجھیں۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام کے جذبات ٹھنڈے ہوئے اور انھوں نے اس حرکت پر نہ صرف اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی بلکہ اپنے بھائی کے لیے بھی مغفرت کی دعا کی کہ اے میرے رب ہمیں معاف فرما کر اپنی رحمت کے دامن میں لے لیجیے۔ تو سب سے بڑا مہربان ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے غیرت توحید میں آکر حضرت ہارون علیہ السلام پر ہاتھ اٹھایا جس پر انھوں نے اپنے رب کے حضور معافی مانگی اور حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں مظلوم تھے پھر ان کے لیے جناب موسیٰ نے کیوں ان کے لیے بخشش کی دعا مانگی۔

اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنا کر گئے تھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام قوم کے مقابلے میں کمزور واقع ہوئے اور قوم ان کے سامنے شرک میں مبتلا ہو گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی خطا پر معافی مانگنے کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام کی اس کمزوری پر بھی اللہ سے معافی طلب کی کیونکہ انسان سے گناہ دانستہ طور پر سرزد ہو یا غیر دانستہ طور پر اسے بہر حال اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہونا چاہیے۔ یہی قرآن مجید اور سنت سے ثابت ہے کہ انسان کو بھول چوک اور دانستہ کیے ہوئے گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہنا چاہیے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے معافی مانگنے کی وجہ ان کی دل جوئی بھی ہو سکتی ہے تاکہ حضرت ہارون علیہ السلام کو یقین ہو جائے کہ بھائی مجھ پر دلی طور پر راضی ہو چکے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مرتبہ کے لحاظ سے بڑے تھے۔ بزرگ دعا مانگتے ہیں اور چھوٹے آمین کہتے ہیں۔

تختیوں کے بارے میں بعض مفسرین نے بنی اسرائیل کی من گھڑت روایات کی بنیاد پر یہاں تک لکھ دیا ہے کہ سات میں سے چھ ٹوٹ گئیں جن میں دین کے متعلق مکمل تفصیلات تھیں انھیں آسمان پر اٹھا لیا گیا اور باقی جو بچی تھیں اس میں صرف عبادات کے مسائل تھے۔

اللہ تعالیٰ سے بھول چوک کی بھی معافی مانگنا چاہیے:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ

الْكَافِرِينَ ﴾ [البقرة:۲۸۶]

''اے ہمارے رب اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو اس پر گرفت نہ کرنا اے ہمارے رب ہم پر اتنا بھاری بوجھ نہ ڈال جتنا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔اے ہمارے رب جس بوجھ کو اٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے وہ ہم پر نہ ڈال ہم سے درگزر فرما،ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا مولا ہے لہٰذا کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔''

((عَنْ فَرْوَةَ بْنِ نَوْفَلٍ الْأَشْجَعِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا عَمَّا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَدْعُو بِهِ اللّٰهَ قَالَتْ كَانَ يَقُولُ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ أَعْمَلْ)) [رواه مسلم: کتاب الذکر والدعاء]

''حضرت فروہ بن نوفل اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں جو وہ اللہ تعالیٰ سے مانگا کرتے تھے ان کے متعلق پوچھا۔انہوں نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اے اللہ میں نے جو عمل کیا اور جو نہیں کیا اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

مسائل

۱۔ موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم گمراہ ہونے پر اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا۔

۲۔ موسیٰ علیہ السلام نے غیرت توحید میں آکر اپنے بھائی کے سر کے بال کھینچے۔

۳۔ اپنے اور مسلمان بھائیوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا مانگنا چاہیے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ظالموں کا ساتھی نہیں بننا چاہیے:

۱۔ اے رب ہمارے ہمیں ظالم قوم سے بچائیو۔(الاعراف:۴۷)

۲۔ اے میرے رب مجھے ظالم قوم سے بچائیو۔(المومنون:۹۴)

۳۔ اے اللہ ہمیں ظالم قوم سے بچائیو۔(یونس:۸۵)

۴۔ اے میرے رب مجھے ظالم قوم سے نجات دے۔(تحریم:۱۱)

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ

بیشک وہ لوگ — جنہوں نے پکڑا — بچھڑا — عنقریب انہیں پہنچے گا — غضب — انکے رب کی طرف سے — اور ذلت

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

میں — زندگی — دنیا — اور اسی طرح — ہم سزا دیتے ہیں — بہتان باندھنے والوں کو

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا

اور وہ لوگ — جنھوں نے عمل کیے — برے — پھر — انہوں نے توبہ کی — اس کے بعد — اور وہ ایمان لائے

اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾

یقیناً تمہارا رب — اس کے بعد — البتہ بہت بخشنے والا — رحم کرنے والا ہے

''بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا عنقریب انہیں ان کے رب کی طرف سے بڑا غضب پہنچے گا اور دنیا کی زندگی میں بڑی رسوائی ہوگی، اور ہم جھوٹ گھڑنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔(۱۵۲) اور جن لوگوں نے برے اعمال کیے، پھر ان کے بعد توبہ کرلی اور ایمان لے آئے تو یقیناً تمہارا رب اس کے بعد البتہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''(۱۵۳)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش کی ان کی سزا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب استغفار سے فارغ ہوئے تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مشرکین کی سزا کا یہ فیصلہ کیا کہ جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش کی ہے ان کی سزا یہ ہے کہ ان کے قریبی عزیز ان کی گردنیں اڑا دیں۔ اس کی تفصیل ''سورۃ البقرہ'' کی آیت ۵۴ میں بیان ہو چکی ہے۔ ان پر دنیا میں اللہ کا یہ غضب ہوا کہ اپنے ہی اعزاء واقرباء کے ہاتھوں مارے گئے۔ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں انھیں ایسی ہی سزا ہوتی ہے کیونکہ انھوں نے دین اور ثواب کا جھانسہ دے کر ایک دوسرے کو گمراہ کیا تھا۔ اس مقام پر امام رازی رحمہ اللہ نے امام مالک بن انس رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص اپنی طرف سے کوئی مسئلہ گھڑتا ہے یا شریعت سازی کرتا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ باندھتا ہے۔ یہاں اس سزا کے مستحق جو لوگ بیان کیے گئے ہیں دو قسم کے ہیں۔

۱۔ جو موسیٰ علیہ السلام کی کوہِ طور سے واپسی سے پہلے فوت ہو گئے انھیں قیامت کو سزا ملے گی۔

۲۔ جو زندہ تھے انھیں دنیا میں ہی موحدین کے ہاتھوں سزا دلوا کر معاف کر دیا گیا۔

مشرکین کی سزا بیان کرنے کے بعد توبہ کے لیے عام اصول بیان کیا جا رہا ہے کہ بے شک شرک جیسا عظیم گناہ ہی کیوں نہ ہو۔ جو سچے دل کے ساتھ توبہ کریں اور آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کرلیں ان کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے

کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے۔

((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَللّٰہُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِہٖ حِیْنَ یَتُوْبُ اِلَیْہِ مِنْ اَحَدِکُمْ کَانَتْ رَاحِلَتُہٗ بِاَرْضٍ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْہُ وَعَلَیْھَا طَعَامُہٗ وَشَرَابُہٗ فَاَیِسَ مِنْھَا فَاَتٰی شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِیْ ظِلِّھَا قَدْ اَیِسَ مِنْ رَّاحِلَتِہٖ فَبَیْنَمَا ھُوَ کَذٰلِكَ اِذْ ھُوَ بِھَا قَائِمَةٌ عِنْدَہٗ فَاَخَذَ بِخِطَامِھَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ عَبْدِیْ وَاَنَا رَبُّكَ اَخْطَاَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ۔))[مسلم]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی اللہ کا بندہ جب توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کرنے سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی سواری اس کے کھانے پینے کے سامان کے ساتھ کسی بے آب وگیاہ میدان میں گم ہوگئی ہو۔ وہ اس کی تلاش سے مایوس ہو کر ایک درخت کے سائے تلے لیٹ جائے۔ مایوسی کے بعد اچانک اس سواری کو اپنے سامنے کھڑا پائے۔ اس کی لگام تھامتے ہوئے اور انتہائی خوشی سے پکار اٹھے۔ اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا پروردگار ہوں۔ اس بے پناہ خوشی کی وجہ سے بے ساختہ اتنی بری بات کہہ دیتا ہے۔“

مسائل

۱۔ مشرک پر اللہ کا غضب ہوتا ہے اور وہ دنیا میں بھی ذلیل ہوتا ہے۔

۲۔ مشرک اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے۔

۳۔ توبہ کرنے والے کے اللہ تعالیٰ گناہ معاف کر دیتا ہے کیونکہ اللہ بڑا مہربان، رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مفتری اور اس کی سزا:

۱۔ وہ بہت بڑا ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کی آیات کو جھٹلایا۔ (الانعام:۲۱)

۲۔ جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا وہ نا کام ہوا۔ (طٰہٰ:۶۱)

۳۔ وہ بڑا ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا تا کہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے۔ (الانعام:۱۴۵)

۴۔ وہ بڑا ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا نبوت کا دعویٰ کیا۔ (الانعام:۹۳)

۵۔ وہ بہت بڑا ظالم ہے کہ جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔ (الکھف:۱۵)

۶۔ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ (ھود:۱۸)

۷۔ اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (التوبۃ:۱۰۹)

۸۔ اللہ ضرور ظالموں کو ہلاک کرے گا۔ (ابراہیم:۱۳)

وَلَمَّا	سَكَتَ	عَنْ	مُّوْسَى	الْغَضَبُ	اَخَذَ	الْاَلْوَاحَ ۚ
اور جب	ٹھنڈا ہوا	سے	موسیٰ	غصہ	اس نے اٹھائیں	تختیاں
وَفِيْ	نُسْخَتِهَا	هُدًى	وَّرَحْمَةٌ	لِّلَّذِيْنَ	هُمْ	لِرَبِّهِمْ
اور میں	انکے مضامین	ہدایت	اور رحمت	ان لوگوں کے لیے	وہ	اپنے رب سے

يَرْهَبُوْنَ ﴿١٥٤﴾

وہ ڈرتے ہیں

''اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے تختیاں اٹھالیں اور ان میں لکھا ہوا تھا کہ ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔'' (۱۵۴)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ:

جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ فرو ہوا تو انھوں نے تورات کی تختیوں کو سنبھالا جو ہدایت کا منبع اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سرچشمہ تھیں۔ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے جلوت اور خلوت میں ڈرنے والے ہیں۔ یہاں تورات کے دو اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے جو ہر آسمانی کتاب کا وصف رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جو کتاب بھی انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے نازل فرمائی وہ اپنے دور میں لوگوں کی ہدایت کے لیے کافی تھی۔آسمانی کتاب کا نزول اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہوتا ہے۔جس میں انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے لوگوں کی ہدایت کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق زندگی گزارے گا اس پر دنیا وآخرت میں اللہ کی رحمت برسے گی۔اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب اس لیے بھی مجسمۂ رحمت ہوتی ہے کیونکہ اس کی تلاوت سے اجر وثواب اور قلبی سکون رکھا ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے آدمی کو مشکلات سے نجات اور آخرت میں عظیم الشان اجر وثواب سے نوازا جائے گا۔قرآن مجید کے اوصاف حمیدہ میں بھی یہ اوصاف کامل اور اکمل انداز میں پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید لوگوں کی ہدایت کے لیے آخری کتاب ہے اس لیے جو شخص مشکلات سے نجات، آخرت کا اجر وثواب اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حق دار بننا چاہتا ہے۔اسے قرآن مجید کی تلاوت اور اس پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر قدم اور ہر لمحہ اس کی رہنمائی کرتے ہوئے اس پر اپنے فضل وکرم کا نزول فرمائے گا۔ بشرطیکہ اس کا دل اللہ تعالیٰ سے لرزاں وترساں ہو۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ....وَمَا قَعَدَ قَوْمٌ فِی مَسْجِدٍ یَتْلُونَ کِتَابَ اللّٰہِ

وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ......))[رواه الترمذی :کتاب القرأت عن رسول الله ﷺ، باب ماجاء أن القران انزل علی سبعة احرف]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا ... جولوگ مسجد میں بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کریں اور باہم درس وتدریس کریں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور رحمت انہیں لپیٹ لیتی ہے...........''

مسائل

۱۔ تورات اپنے دور میں لوگوں کے لیے ہدایت ورہنمائی کا مرقع تھی۔

۲۔ قرآن مجید آخری آسمانی کتاب ہے۔ جو شخص اس پر عمل کرے گا وہ اللہ کی ہدایت اور اس کی رحمت سے سرفراز ہوگا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ہدایت کے حق دار بننے کے لیے جلوت اور خلوت میں اس سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ سے ڈرتے ہیں:

۱۔ اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو بے شک اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔(البقرۃ:۱۹۴)

۲۔ اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔(البقرۃ:۱۹۶)

۳۔ اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو تم اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔(البقرۃ:۲۰۳)

۴۔ اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو کہ تم اس سے ملنے والے ہو۔(البقرۃ:۲۲۳)

۵۔ اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو کہ اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔(البقرۃ:۲۳۱)

۶۔ اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو کہ اللہ تمھارے اعمال کو دیکھتا ہے۔(البقرۃ:۲۳۳)

۷۔ اللہ سے ڈر جاؤ جس پر تمھارا ایمان ہے۔(المائدۃ:۸۸)

۸۔ اللہ سے ڈر جاؤ اے عقلمندو! تاکہ تم فلاح پاؤ۔(المائدۃ:۱۰۰)

۹۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔(آل عمران:۱۰۲)

۱۰۔ اللہ سے ڈر جاؤ کیونکہ وہ دلوں کے بھید جانتا ہے۔(المائدۃ:۷)

۱۱۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ اور سچی بات کہو۔(الاحزاب:۷۰)

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ

اور منتخب کیے | موسیٰ نے | اس کی قوم | ستر | آدمی | ہمارے مقررہ وقت کیلئے | جب پھر

اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ

پکڑا ان کو | زلزلے نے | کہا | میرے رب | اگر تو چاہتا | انہیں ہلاک کر دیتا | سے پہلے

وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ

اور مجھے | کیا تو ہمیں ہلاک کرتا ہے | بوجہ اس کے جو | کیا | بیوقوفوں نے | ہم میں سے | نہیں

هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ

یہ | مگر | تیری آزمائش | تو گمراہ کرتا ہے | اسکے ساتھ | جسے چاہتا ہے | اور تو ہدایت دیتا ہے

مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ

جسے چاہتا ہے | تو ہمارا کارساز ہے | لہٰذا بخش دے | ہم کو | اور ہم پر رحم فرما | اور تو | بہترین

الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

بخشنے والا ہے

''اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی ہمارے مقررہ وقت کے لیے منتخب کیے، پھر انہیں زلزلے نے آلیا تو اس نے کہا اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہلاک کر دیتا۔ کیا تو ہمیں اس وجہ سے ہلاک کرتا ہے جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا ہے؟ یہ تو تیری طرف سے آزمائش ہے اس کے ساتھ جسے چاہتا ہے تو گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت عطا کرتا ہے تو ہی ہمارا مددگار ہے پس ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔'' (۱۵۵)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی مبارک اور بابرکت تختیاں قوم کے سامنے پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے ہماری ہدایت کے لیے نازل فرمائی ہیں۔ لہٰذا ان پر خلوص دل اور پوری ہمت کے ساتھ عمل کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمھیں دنیا میں عزت وعظمت اور ہر قسم کی نعمتیں عطا کرنے کے ساتھ آخرت کے انعام واکرام سے مالا مال فرمائے گا۔ لیکن قوم نے اپنی عادت کے مطابق یہ کہہ کر تورات کو ماننے سے انکار کر دیا کہ ہم کس طرح یقین کریں کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور فریاد کی کہ بارِالٰہا! ان کی یقین دہانی کے لیے کوئی سبب پیدا فرما۔ چنانچہ

اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنی قوم کے ۷۰ سر برآوردہ اشخاص لے کر کوہِ طور پر حاضر ہو جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کے ستر نمائندوں کو ساتھ لے کر اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لیے کوہِ طور کے دامن پہنچے تو ان پر گہرا بادل سایہ فگن ہوا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا لیکن ان کی قوم کہنے لگی:

﴿وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴾

(سورة البقرة، آيت :۵۵)

''اور اے موسیٰ! ہم اس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک بالکل اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔''

تب ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا۔ اوپر سے زوردار بجلی کا کڑکا ہوا۔ ''اور ہماری طے شدہ میعاد کے لیے موسیٰ نے اپنی قوم سے ستر آدمی چن لیے، پھر جب انھیں زلزلے نے آلیا تو موسیٰ نے عرض کی: اے رب اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے انھیں اور مجھے بھی ہلاک کر سکتا تھا کیا تو ہم سب کو اس وجہ سے ہلاک کرتا ہے جو ہم میں سے کچھ احمقوں نے کیا؟ یہ تیری آزمائش تھی جس سے تو جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے تو ہمارا سرپرست ہے۔ لہٰذا ہمیں معاف فرما اور ہم پر رحم فرما اور تو بہترین معاف کرنے والا ہے۔'' (الاعراف:۱۵۵)

یہ صورت حال پہلے سے بھی نازک تھی نہ معلوم موسیٰ علیہ السلام کے دل و دماغ میں کیا کیا خدشات اور خیالات پیدا ہوئے ہوں گے کہ ان حالات میں قوم میرے ساتھ کیا سلوک کرے گی پھر وہ اپنے رب کے حضور عرض کرنے لگے کہ اے اللہ! یہ تیری طرف سے بہت بڑی آزمائش ہے تو جسے چاہے اپنی آزمائش کے ساتھ گمراہ کردے اور جسے چاہے اسی آزمائش کے ساتھ ہدایت سے سرفراز کردے تو ہی ہمارا ولی اور آقا ہے۔ بس ہمیں معاف کر اور ہم پر رحم فرما۔ تجھ سے بہتر کوئی معاف کرنے والا نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آہ و زاریاں قبول ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے مرنے والوں کو دوبارہ زندگی عنایت فرمائی۔ اس طرح ایک طرف ستر آدمیوں پر احسان فرمایا اور دوسری طرف قوم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔ اس پر ستر آدمیوں کی شخصی شہادت قائم فرمائی۔ قوم کو یہ بھی باور ہو گیا کہ جس طرح ہمارے نمائندوں پر اچانک گرفت ہوئی ہے اسی طرح ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کسی وقت پکڑ سکتا ہے۔

مسائل

۱۔ آزمائش اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے گمراہ کرتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ

اور تو لکھ دے ہمارے لیے میں اس دنیا نیکی اور میں آخرت یقیناً ہم نے رجوع کیا

اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَ رَحْمَتِيْ

تیری طرف کہا میرا عذاب میں پہنچاتا ہوں اس کے ساتھ جسے میں چاہتا ہوں اور میری رحمت

وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَ يُؤْتُوْنَ

اس نے گھیر رکھا ہے ہر چیز عنقریب میں لکھ دوں گا اسے ان لوگوں کے لیے وہ ڈرتے ہیں اور وہ دیتے ہیں

الزَّكٰوةَ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۵۶

زکوٰۃ اور وہ لوگ وہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں

”اور ہمارے لیے اس دنیا اور آخرت میں بھلائی لکھ دیجیے، بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں جس کو چاہتا ہوں اپنا عذاب دیتا ہوں اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔ میں اسے ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ان کے لیے جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔“ (۱۵۶)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

جب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی زندہ ہو گئے اور موسیٰ علیہ السلام کو اطمینان ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف فرما دیا ہے تو انھوں نے اس کرم نوازی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے رب کے حضور یہ بھی دعا کی اے اللہ! ہمارے لیے اس دنیا کی ”حَسَنَةً“ لکھ دیجیے اور آخرت کو بھی بہتر فرما دیجیے۔ یقیناً ہم تیری طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ ”حَسَنَةً“ سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت ہے جس کے ملنے سے آدمی کے دل کو سکون اور ایمان میں اضافہ ہو۔ پھر اس کا آخرت میں بھی پورا پورا اجر مل جائے۔ اس لیے مومنوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ جب بھی وہ اپنے رب سے کوئی چیز طلب کریں انھیں دنیا و آخرت کی بھلائی طلب کرنی چاہیے۔ (البقرۃ ۲۰۱)

موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا عذاب مجرم کو ضرور پہنچے گا جسے میں چاہوں گا لیکن یاد رکھو کہ میری رحمت میرے عذاب اور ہر چیز سے وسیع تر ہے۔ جو ہر اس شخص کے نصیب میں آئے گی جس میں یہ خوبیاں پائی جائیں گی۔

۱۔ تقویٰ اختیار کرنے والا۔

۲۔ زکوٰۃ ادا کرنے والا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر مکمل ایمان لانے والا۔

۴۔ نبی آخر الزمان ﷺ کی اتباع کرنے والا۔

۵۔ نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانے کے ساتھ آپ کی توقیر اور حمایت کرنے والا۔

۶۔ قرآن مجید کی اتباع کرنے والا ہوگا۔

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ لَمَّا قَضَى الْخَلْقَ كَتَبَ عِنْدَهُ فَوْقَ عَرْشِهِ إِنَّ رَحْمَتِی سَبَقَتْ غَضَبِی)) [رواه البخاری: كتاب التوحيد، باب و كان عرشه على الماء]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کائنات کی تخلیق سے فارغ ہوا تو اپنی کتاب میں جو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے عرش کے اوپر لکھا میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔''

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ إِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ قسم مِنْهَا رَحْمَةً بَيْنَ جَمِيعِ الْخَلاَئِقِ فَبِها يَتراحَمُونَ وَبِهَا يَتَعَاطَفُونَ وَبِهَا تَعْطِفُ الْوَحْشُ عَلَى أَوْلاَدِهَا وَأَخَّرَ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ رَحْمَةً يَرْحَمُ بِهَا عِبَادَهُ،يَوْمَ الْقِيَامَةِ))[رواه ابن ماجة: كتاب الزهد ، باب مايرجى من رحمة الله يوم القيامة]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ نبی معظم ﷺ نے فرمایا بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے پاس رحمت کے سو حصے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایک حصہ تمام مخلوق میں تقسیم کیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ باہم محبت وشفقت سے پیش آتے ہیں اور اسی وجہ سے ہی وحشی جانور اپنے بچوں سے محبت کرتے ہیں۔ باقی ننانوے حصے اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھے ہیں جن سے وہ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔''

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ يَقُولُ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ)) [رواه البخاری: كتاب تفسير القران ، باب ومنهم من يقول ربنا]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی ہمیں بھلائی عنایت فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ سے دنیا وآخرت کی حسنۃً مانگنا چاہیے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ مجرم کو معاف کرنے یا اس کو سزا دینے کا مکمل اختیار رکھتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر چیز پر حاوی اور محیط ہے۔

اَلَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِىَّ الۡاُمِّىَّ الَّذِىۡ يَجِدُوۡنَهٗ

وہ لوگ جو اتباع کرتے ہیں رسول نبی اُمی وہ جو پاتے ہیں اس کو

مَكۡتُوۡبًا عِنۡدَهُمۡ فِى التَّوۡرٰٮةِ وَالۡاِنۡجِيۡلِ يَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ

لکھا ہوا اپنے ہاں میں تورات اور انجیل وہ انکو حکم دیتا ہے اچھے کاموں کا

وَيَنۡهٰٮهُمۡ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ

اور انہیں روکتا ہے سے برے کاموں اور حلال کرتا ہے انکے لیے پاکیزہ چیزیں اور وہ حرام کرتا ہے ان پر

الۡخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِىۡ كَانَتۡ

ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان سے انکے بوجھ اور طوق جو تھے

عَلَيۡهِمۡ‌ؕ فَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِهٖ وَعَزَّرُوۡهُ وَنَصَرُوۡهُ وَاتَّبَعُوا

ان پر پھر وہ لوگ جو ایمان لائے اسکے ساتھ اور اسکی تعظیم کی اور اسکی مدد کی اور انہوں نے اتباع کی

النُّوۡرَ الَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ مَعَهٗٓ‌ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝١٥٧

نور وہ جو نازل کیا گیا اسکے ساتھ یہی لوگ ہیں وہ فلاح پانے والے

’’جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو امی نبی ہے جسے وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں جو انہیں نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا اور ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان سے ان کے بوجھ اور وہ طوق اتارتا ہے جو ان پر پڑے ہوئے تھے۔ جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اسے قوت دی اور اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اتارا گیا وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔‘‘ (۱۵۷)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق قرار دیے گئے لوگ (۱) صاحب تقویٰ (۲) زکوٰۃ ادا کرنے والے (۳) اللہ تعالیٰ کی آیات پر مکمل ایمان لانے والے لوگ بیان کیے گئے ہیں۔ اب رحمت کے مستحق حضرات کے لیے مزید بنیادی شرائط بیان کی جاتی ہیں۔

مندرجہ بالا صفات رکھنے والے تب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ہوں گے اگر وہ حضرت محمد ﷺ کی نبوت سے پہلے فوت ہو چکے ہوں۔ جب سے نبی آخر الزماں ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا اس کے بعد کوئی شخص مذکورہ بالا اوصاف کا مالک ہی کیوں نہ ہو اس کا ایمان، کردار اور تقویٰ اس وقت تک قبول نہیں ہوگا جب تک وہ نبی اُمی ؐ پر ایمان لا کر آپ کی ذاتِ والا

صفات کے حوالے سے درج ذیل تقاضے پورے نہ کرے۔

۱۔ حضرت محمد ﷺ کی رسالت اور ختم نبوت پر مکمل ایمان رکھنا۔

۲۔ آپ سے دل کی گہرائیوں سے حمیت آپ کی توقیر اور اطاعت کرنا۔

۳۔ مال و جان کے ساتھ آپ کی نصرت و حمایت کرنا۔

۴۔ اس نور کی روشنی میں زندگی بسر کرنا جس کے ساتھ آپ دنیا میں مبعوث فرمائے گئے ہیں۔

قرآن مجید میں حضرت محمد ﷺ کی پہلی صفت جو بیان کی گئی ہے وہ "اَلنَّبِیَّ الْاُمِّیَّ" ہے اُمی کے مفسرین نے چار معانی بیان کیے ہیں۔

۱۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شخص سے نہ سیکھا نہ پڑھا اس لیے آپ اُمی ہیں۔

۲۔ آپ شہر مکہ میں پیدا ہوئے جسے قرآن مجید نے امّ القرائ قرار دیا ہے اس نسبت سے آپ اُمی ہیں۔

۳۔ آپ بنی اسماعیل میں سے ہیں کیونکہ نبوت ہمیشہ بنی اسرائیل میں رہی ہے اس لیے اہل کتاب بنی اسماعیل کو اُمی کہتے ہیں گویا کہ امی سے مراد بنی اسماعیل کا نبی۔

۴۔ آپ قیامت کے روز سب سے بڑی امت کے نبی ہوں گے اس لیے کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ اس بنا پر آپ کو النبی الامی کے لقب سے ملقب فرمایا گیا ہے۔

اہل کتاب رسول اللہ ﷺ کے نام اور امی کے لقب سے پوری طرح واقف ہیں کیونکہ تورات اور انجیل میں آپ کے اسم گرامی اور اُمی کا ذکر بار بار پایا جاتا ہے۔ تورات اور انجیل میں یہ بھی موجود ہے کہ آپ اہل کتاب اور پوری دنیا کو معروف کا حکم دیں گے، منکر سے منع کریں گے اور اہل کتاب کے لیے بہت سی حرام چیزیں حلال قرار دیں گے جو ان کی مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے محض سزا کے طور پر ان پر حرام کی گئی تھیں اور ناپاک چیزوں کو حرام کریں گے۔ آپ اہل کتاب اور بنی نوع انسان کے کندھوں سے وہ ناروا بوجھ اتار ڈالیں گے جو ان کے پیشہ ور علماء اور مفاد پرست درویشوں اور صوفیوں نے دین کے نام پر ڈال رکھے ہیں۔

تورات اور انجیل میں آپ ﷺ کی یہ صفت بھی موجود ہے کہ آپ من ساختہ شریعت کی بنیاد پر ناروا لگائی گئی پابندیوں سے آزاد کرنے کے ساتھ لوگوں کی سیاسی، سماجی غلامی کی زنجیروں کو توڑ پھینکیں گے۔ بس وہ لوگ جو آپ پر کامل ایمان لائیں، آپ کی دل و جان سے عزت و توقیر کریں گے، اور اپنے مال و جان کے ساتھ آپ کی حمایت پر کمربستہ ہوں گے اور قرآن مجید کی صورت میں جو آپ پر نورِ ہدایت نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کریں گے۔ وہی دنیا میں کامیاب اور آخرت میں فلاح پائیں گے۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ ؓ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَا یَسْمَعُ بِی أَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ

الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ))

[رواہ مسلم: کتاب الایمان، باب وجوب الایمان]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان نقل کرتے ہیں بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے! تمام لوگوں یعنی یہودیوں اور عیسائیوں میں سے کوئی بھی شخص میرا پیغام سنے اور اس چیز پر ایمان نہ لائے جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے تو وہ جہنم میں جائے گا۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ))[رواہ البخاری: کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بلاشبہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! تم میں کوئی بھی اس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اس کے والد اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

﴿لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا﴾[سورة الفتح: ٩]

''تاکہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو اور صبح و شام اللہ کی تسبیح کرو۔''

مسائل

۱۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ کچھ پڑھا اور نہ کچھ سیکھا۔

۲۔ اہل کتاب کے وہی ایمان دار نجات پائیں گے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بنیادی تقاضے یہ ہیں کہ آپ کی دل و جان سے تعظیم اور مال و جان سے حمایت کی جائے۔

۴۔ قرآن مجید پر ایمان لانے اور اس پر حتی المقدور عمل کرنے سے ہی آدمی کو دنیا میں کامیابی اور آخرت میں نجات نصیب ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام کرو:

۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دور سے آواز نہ دی جائے۔ (الحجرات:۴)

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی آواز نہ کی جائے۔ (الحجرات:۲)

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے قدم نہ اٹھایا جائے۔ (الحجرات:۱)

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اتباع کی جائے۔ (محمد:۳۳)

قُلْ	يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ	اِنِّيْ	رَسُوْلُ اللّٰهِ	اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا	
فرما دیجیے	اے لوگو	بیشک میں	رسول ہوں اللہ کا	تمہاری طرف سب	
الَّذِيْ	لَهٗ	مُلْكُ	السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	لَآ اِلٰهَ	اِلَّا هُوَ
وہ جو	اس کے لیے	بادشاہی	آسمانوں اور زمین	نہیں کوئی معبود	مگر وہی
يُحْيٖ وَيُمِيْتُ	فَاٰمِنُوْا	بِاللّٰهِ	وَرَسُوْلِهِ	النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ	
وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے	پس تم ایمان لاؤ	اللہ کیساتھ	اور اس کے رسول	نبی اُمی ہے	
الَّذِيْ	يُؤْمِنُ	بِاللّٰهِ	وَكَلِمٰتِهٖ	وَاتَّبِعُوْهُ	لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝
وہ جو	ایمان لاتا ہے	اللہ کے ساتھ	اور اسکے کلمات کیساتھ	اسکی اتباع کرو	تا کہ تم ہدایت پاؤ

’’فرمادیں اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں وہ اللہ جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں جو زندہ کرتا اور مارتا ہے پس اللہ اور اس کے نبی امی پر ایمان لاؤ جو اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے۔ اور اس کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ۔‘‘(۱۵۸)

فہم القرآن

ربط کلام: یہود و نصاریٰ کو ایمان کی دعوت کے ساتھ بنی نوع انسان کو ایمان کی دعوت اور قرآن مجید میں رسول اکرم ﷺ کا ذکر گرامی آپ کی زبانِ اطہر سے نبوت کا اعلان۔

قرآن مجید کے مختلف مقامات میں نبی آخر الزمان ﷺ کی نبوت و رسالت کا تذکرہ موجود ہے لیکن اس مقام پر آپ کی زبان اطہر سے یہ کہلوایا گیا ہے کہ اے رسول! آپ از خود اعلان کریں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے سب کے لیے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ سب سے مراد ہر علاقے اور ہر زمانے کے لوگ ہیں۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت سے آپ کی ختم نبوت کا استدلال کیا ہے۔ کیونکہ آپ دنیا کے تمام انسانوں کے لیے رسول منتخب کیے گئے ہیں لہٰذا آپ کے بعد اب کسی نبی اور رسول کی گنجائش نہیں۔ یہاں آپ کی عالمگیر نبوت کا یہ بھی ثبوت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا بلاشرکت غیرے مالک اور معبود ہے اسی طرح کسی شراکت کے بغیر آپ بھی قیامت تک کے لیے بنی نوع انسان کے لیے رسول ہیں۔ ’’الٰہ‘‘ کا معنی ہے معبود، خالق، مالک، رازق اور حاجت روا مشکل کشا۔ دلائل کے طور پر سورۃ النمل آیت ۶۰ تا ۶۴ کی تلاوت کیجیے۔

جب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق و مالک اور معبود نہیں تو پھر اسی کی ذات کبریاء پر کامل اور مکمل ایمان لانا چاہیے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں اکیلا ہے اسی طرح حضرت محمد ﷺ اپنی نبوت و رسالت میں اکیلے ہیں۔ لہٰذا کلمہ کی تکمیل اور توحید کے تقاضے تب ہی پورے ہو سکتے ہیں کہ نبی ﷺ کو خاتم المرسلین تسلیم کر کے ان پر ایمان لایا جائے اور آپ کی رسالت کا مرکزی اور بنیادی تقاضا یہ ہے کہ جو روشنی آپ پر نازل ہوئی وہ قرآن مجید کی شکل میں ہو یا حدیث کی صورت میں اس کی اتباع کی جائے۔ اتباع کرنے والا ہی ہدایت یافتہ ہوگا۔

((عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ فَيُرْعَبُ الْعَدُوُّ وَهُوَ مِنِّي مَسِيرَةَ شَهْرٍ وَقِيلَ لِيَ سَلْ تُعْطَهُ وَاخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي فَهِيَ نَائِلَةٌ مِنْكُمْ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى مَنْ لَمْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا))[مسند احمد]

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی محترم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ ایسی چیزیں عنایت کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں۔

۱۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے ہر کالے اور گورے کے لیے رسول بنایا ہے۔
۲۔ میرے لیے ساری زمین پاک اور مسجد بنا دی گئی ہے۔
۳۔ میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے جبکہ مجھ سے پہلے کسی رسول کے لیے حلال نہیں تھا۔
۴۔ میری رعب سے مدد فرمائی گئی ہے کیونکہ ایک مہینہ کی مسافت پر ہونے کے باوجود دشمن مجھ سے لرزاں رہتا ہے۔
۵۔ مجھے قیامت کے دن کہا جائے گا مانگیں عطا کیا جائے گا اور میری امت کے حق میں میری شفاعت قبول کی جائے گی۔ جس نے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیا ہوگا اس کو میری شفاعت پہنچے گی۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ)) [رواه مسلم : كتاب المساجد ، و مواضع الصلاة]

دوسرے موقعے پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے یوں فرمایا مجھے انبیاء پر چھ فضیلتیں عنایت کی گئی ہیں۔

۱۔ مجھے جوامع الکلم کی صلاحیت عطا کی گئی۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے خصوصی رعب اور دبدبہ سے میری مدد فرمائی ہے۔
۳۔ مال غنیمت میرے لیے حلال کر دیا گیا۔ ۴۔ میرے لیے ساری زمین کو پاک اور مسجد بنا دیا گیا۔
۵۔ مجھے تمام انسانوں کے لیے رسول بنایا گیا اور مجھ پر سلسلۂ نبوت ختم کر دیا گیا۔

((عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ لَيَبْلُغَنَّ هَذَا الْأَمْرُ مَا بَلَغَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَلَا يَتْرُكُ اللّٰهُ بَيْتَ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ هَذَا الدِّينَ بِعِزِّ عَزِيزٍ أَوْ بِذُلِّ ذَلِيلٍ عِزًّا يُعِزُّ اللّٰهُ بِهِ الْإِسْلَامَ وَذُلًّا يُذِلُّ اللّٰهُ بِهِ الْكُفْرَ وَكَانَ تَمِيمٌ الدَّارِيُّ يَقُولُ قَدْ عَرَفْتُ ذَلِكَ فِي أَهْلِ بَيْتِي لَقَدْ أَصَابَ مَنْ أَسْلَمَ مِنْهُمْ

اَلْخَيْرُ وَالشَّرَفُ وَالْعِزُّ وَلَقَدْ أَصَابَ مَنْ كَانَ مِنْهُمْ كَافِراً الذُّلُّ وَالصَّغَارُ وَالْجِزْيَةُ))[مسند احمد]

”حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا آپ نے فرمایا اسلام وہاں تک پہنچے گا جہاں جہاں رات دن کا سلسلہ چلتا ہے کوئی کچا پکا مکان ایسا نہیں ہوگا جس میں یہ دین داخل نہ ہو عزت دار کی عزت کے ساتھ یا ذلیل کو ذلت کے ساتھ اللہ تعالیٰ عزت والے کو اسلام کی بنیاد پر عزت سے نوازے گا اور کافر کو اس کی وجہ سے ذلیل کرے گا۔ حضرت تمیم داری کہا کرتے تھے میرے گھر میں جو عزت و بھلائی ہے وہ اسلام کی وجہ سے ہے اور کافر کو اسلام نہ لانے کی وجہ سے ذلت، کمتری اور جزیہ سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔“

مسائل

۱۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لیے تمام انسانوں کے لیے رسول بنائے گئے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ، ہمیشہ قائم ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

۳۔ قرآن وسنت کی اتباع کرنے والا ہی ہدایت یافتہ ہو سکتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کی ایک جھلک:

۱۔ آپ کے اوصاف تورات اور انجیل میں موجود ہیں۔ (الاعراف:۱۵۷)

۲۔ قرآن پڑھ کر سنانا، کتاب وحکمت کی تعلیم دینا، لوگوں کا تزکیۂ نفس کرنا۔ (البقرۃ:۱۲۹، الجمعۃ:۲)

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلق عظیم کے مالک ہیں۔ (القلم:۴) ۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشیر اور نذیر ہیں۔ (الفتح:۸)

۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہترین نمونہ ہیں۔ (الاحزاب:۲۱) ۶۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں۔ (الانبیاء:۱۰۷)

۷۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے بوجھ اتارنے والے ہیں۔ (الاعراف:۱۵۷)

۸۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ہمدرد اور خیر خواہ بنائے گئے۔ (التوبۃ:۱۲۸)

۹۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ (الاحزاب:۴۰)

۱۰۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف بلانے والے اور آپ کو روشن چراغ بنایا گیا ہے۔ (الاحزاب:۴۶)

۱۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری دنیا کے لیے رسول مبعوث کیا گیا۔ (السبا:۲۸)

۱۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی کفار کے لیے بڑے سخت اور آپس میں بڑے رحم دل ہیں۔ (الفتح:۲۹)

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

اور سے | قوم | موسیٰ | ایک گروہ | وہ رہنمائی کرتے ہیں حق کیساتھ | اور اسکے ساتھ | وہ انصاف کرتے ہیں

''اور موسیٰ کی قوم میں سے کچھ لوگ ہیں جو حق کے ساتھ رہنمائی کرتے اور اس کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔'' (۱۵۹)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ:

قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان ہے کہ وہ کسی بات کو واقعہ برائے واقعہ اور داستان گوئی کے لیے بیان نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے سوا کسی ایک نبی کا قصہ کسی ایک مقام پر مسلسل بیان نہیں کیا گیا بلکہ قصہ کا وہی حصہ بیان کیا جاتا ہے جس سے ایک خاص نقطہ اور نصیحت بیان کرنا مقصود ہوتی ہے۔ پھر قرآن مجید کا کمال اور اس کی انصاف پسندی یہ ہے کہ اس نے کسی قوم کے جرائم بیان کرتے ہوئے اس قوم کو کلیتاً مجرم قوم قرار نہیں دیا بلکہ ان کے اچھے لوگوں کو مستثنیٰ قرار دے کر ان کے اچھے کردار کی تعریف کی ہے۔ اسی اصول اور اسلوب کے پیش نظر یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ان اچھے لوگوں کی تعریف کی جارہی ہے جو حالات کی سنگینی کے باوجود نہ صرف حق پر قائم رہے بلکہ حق کی تلقین اور ہمیشہ عدل کی بات کرتے رہے۔ جنھیں تھوڑے ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ایک امت قرار دیا ہے کیونکہ حق پر قائم رہنے والے لوگ خواہ کتنے ہی تھوڑے کیوں نہ ہوں وہ اپنے صالح کردار اور توحید پر مبنی عقیدہ کی وجہ سے ایک امت کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک امت قرار دیا ہے۔ (النحل، آیت: ۱۲۱)

قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے جن پاکباز لوگوں کو امت کے درجے پر فائز کیا گیا ہے ان کی وضاحت کرتے ہوئے مفسرین نے لکھا ہے کہ ان سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے سچے متبعین اور ان کے بعد عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے لوگ ہیں۔ جب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اعلان ہوا تو جو آپ کی رسالت پر ایمان لائے ہیں۔ یہی لوگ حق کی رہنمائی کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے والے تھے۔

((عَنْ سعِيدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ، وَعُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہما قَالَا لِرَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَتَسْتَغْفِرُ لِزَيْدِ بْنِ عَمْرٍو؟ قَالَ نَعَمْ فَإِنَّهُ يُبْعَثُ أُمَّةً وَّاحِدًا)) [سیرۃ ابن ہشام]

''حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما دونوں نے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ زید بن عمرو کے لیے استغفار کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں بلاشبہ وہ اکیلا ایک جماعت کی طرح ہے۔''

وَ قَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی

اور ہم نے انکو جدا جدا کر دیا | بارہ | قبیلوں کے لحاظ سے | جماعتیں | اور ہم نے وحی کی | طرف

مُوْسٰۤی اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ

موسیٰ | جب | پانی مانگا اس سے | اس کی قوم نے | یہ کہ | مارو | اپنی لاٹھی | پتھر پر

فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ

تو پھوٹ پڑے | اس سے | بارہ | چشمے | تحقیق جان لیا | تمام لوگ

مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَ ظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ

اپنا گھاٹ | اور ہم نے سایہ کیا | ان پر | بادلوں | اور | ہم نے نازل کیا | ان پر

الْمَنَّ وَ السَّلْوٰی ؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَ مَا ظَلَمُوْنَا

من | اور | سلوٰی | تم کھاؤ | سے | پاکیزہ | جو ہم نے تم کو رزق دیا | اور نہیں ظلم کیا انہوں نے ہم پر

وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

اور لیکن | تھے وہ | ان کی جانیں | وہ ظلم کرتے

''اور ہم نے انہیں بارہ قبیلوں میں تقسیم کر دیا جو کئی گروہ تھے اور جب اس کی قوم نے اس سے پانی مانگا ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنی لاٹھی اس پتھر پر مارو تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، سب لوگوں نے یقیناً اپنے اپنے پانی پینے کی جگہ معلوم کر لی اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کیا اور ان پر من اور سلوٰی اتارا، کھاؤ ان پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرنے والے تھے۔'' (۱۶۰)

فہم القرآن

ربط کلام: موسیٰ علیہ السلام کی قوم ہدایت کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم تھی ایک طبقہ ہمیشہ حق پر قائم رہا جبکہ دوسرا طبقہ حق و باطل کی کشمکش میں پھسلتا اور سنبھلتا رہا۔ اب بار بار پھسلنے والے طبقے کا ذکر دوبارہ شروع ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنیادی طور پر مختلف قبائل میں بٹی ہوئی تھی جن کی تقسیم مفسّر ینے یوں بیان کی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دس بیٹے تھے اس قوم کے دس قبائل انھی کی طرف منسوب تھے۔ دو قبیلوں کی نسبت حضرت یوسف علیہ السلام کے دو بیٹوں کی طرف تھی اس طرح یہ بارہ قبائل بنے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں باہمی جنگ وجدال سے بچانے کے لیے بارہ چشموں کا انتظام فرمایا تا کہ یہ لوگ اپنے اپنے پڑاؤ میں رہ کر اپنے متعین کردہ چشموں سے پانی حاصل کریں۔ یہ واقعہ سورۃ البقرۃ کی آیات ۵۷ تا ۶۱ میں تفصیلی طور پر بیان ہو چکا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل بحر قلزم عبور کر کے صحرائے سینا میں

پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ تم بیت المقدس میں داخل ہو جاؤ فتح تمھارے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔ لیکن انھوں نے یہ کہہ کر انکار کیا کہ وہاں رہنے والے لوگ بڑے جبار اور طاقتور ہیں ہم ان کے ساتھ جہاد نہیں کر سکتے ،لہٰذا اے موسیٰ تو اور تیرا خدا جا کر ان سے جنگ کرے ہم تو یہیں ٹھہرے رہیں گے۔ اس پر انھیں سزا کے طور پر چالیس سال کے لیے صحرائے سینا میں مقید کر دیا گیا۔ (المائدہ، آیت: ۲۰ تا ۲۶) تاکہ ان کی پرانی نسل ختم ہو اور نئی نسل آزاد ماحول میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی خصوصی تربیت میں جوان ہو۔ کیونکہ یہ لاکھوں کی تعداد میں تھے اور صحرائے سینا ایک لق ودق وادی تھی جس میں اکل و شرب کا کوئی انتظام نہیں تھا اور نہ ہی یہاں کسی قسم کی شادابی تھی کہ یہ لوگ درختوں کے سائے تلے گزارہ کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر عظیم احسان کرتے ہوئے ان کے لیے پانی کا انتظام یوں کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ پتھر پر اپنا عصا مارو اس سے بارہ چشمے جاری ہوں گے ان میں ہر ایک کے لیے الگ الگ چشمے مقرر کر دیے گئے اور کھانے کے لیے آسمان سے من سلویٰ اتارا جاتا رہا۔ حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق سے کھاتے پیتے رہو مگر کسی قسم کا فساد نہ کرو۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد اس قوم نے یہ مطالبہ کر ڈالا کہ اے موسیٰ! ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔

اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں سمجھایا کہ کیا تم بہتر کے مقابلہ میں کم تر چیز کو پسند کرتے ہو۔ اس کے بدلہ میں ان پر ذلت اور مسکنت مسلط کر دی گئی۔ جس کی تفصیل سورۃ البقرہ، آیت: ۶۱ میں گزر چکی ہے۔

یہاں ان کی ناشکری اور سزا کا ذکر کرنے کی بجائے صرف اتنا فرمایا ہے کہ ان کا ایسا کرنا ہم پر کچھ زیادتی نہ تھی جو کچھ انھوں نے کیا اپنے ہی خلاف کیا۔ اور اپنے آپ پر زیادتی کی۔ حقیقت یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص گناہ کرتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

مسائل

۱۔ بنی اسرائیل کی پے در پے نافرمانیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انھیں من وسلویٰ اور چشموں کا پانی عنایت فرمایا۔

۲۔ انسان کے گناہ کا اللہ تعالیٰ پر کوئی اثر نہیں ہوتا اس کا نقصان انسان کو ہی اٹھانا پڑتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

یہودیوں کے ظلم:

۱۔ یہودی اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔ (آل عمران: ۱۱۷) ۲۔ اللہ کی کتاب میں تحریف کرنا ظلم ہے۔ (البقرۃ: ۷۵)

۳۔ یہودیوں کا مریم صدیقہ پر الزام لگانا ظلم ہے۔ (النساء: ۱۵۶)

۴۔ یہودیوں کا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا دعویٰ کرنا ظلم ہے۔ (النساء: ۱۵۷)

۵۔ آیات اللہ کا انکار کرنا ظلم ہے۔ (النساء: ۱۵۳) ۶۔ یہودیوں کا انبیاء کو بغیر حق کے قتل کرنا ظلم ہے۔ (النساء: ۱۵۵)

۷۔ یہودیوں کا ہفتہ کے دن میں زیادتی کرنا ظلم ہے۔ (النساء: ۱۵۴)

۸۔ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنا ظلم ہے۔ (النساء: ۱۶۰)

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ

اور جب — کہا گیا ان سے — تم ٹھہرو — یہ — بستی — اور کھاؤ اس میں سے — جہاں

شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ

تم چاہو — اور کہو — حطۃ — اور داخل ہو جاؤ — دروازہ — سجدہ کرتے ہوئے — ہم بخش دیں گے تمہیں

خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ط سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٦١﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ

تمہاری خطائیں — عنقریب ہم زیادہ دینگے — نیکی کرنیوالوں کو — پھر بدل دیا انہوں نے — جنہوں نے — ظلم کیا — ان میں سے

قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا

بات — مخالف اسکے — جو کہی گئی تھی — ان سے — تو ہم نے بھیجا — ان پر — عذاب

٢٠ ع ٥ ١٠

مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿١٦٢﴾ ع

سے — آسمان — بوجہ اسکے — وہ تھے — وہ ظلم کرتے

''اور جب ان سے کہا گیا کہ اس بستی میں رہو اور اس میں سے جہاں سے چاہو کھاؤ اور کہو بخش دے اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو تو ہم تمہاری خطائیں معاف کردیں گے نیکی کرنے والوں کو ہم جلد ہی زیادہ دیں گے۔(١٦١) تو ان میں سے جنہوں نے ظلم کیا انہوں نے بدل کر وہ بات کہی جو اس کے علاوہ تھی جو ان سے کہی گئی تھی تو ہم نے ان پر آسمان سے ایک عذاب بھیجا اس وجہ سے کہ وہ ظلم کرتے تھے۔''(١٦٢)

فہم القرآن

ربط کلام: بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور بداعمالیوں کا بیان جاری ہے۔

سورۃ البقرۃ، آیت:٥٨ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بستی میں داخلہ کو یوں بیان فرمایا ہے کہ ہم نے حکم دیا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ۔ سورۃ المائدۃ، آیت:٢١ میں ذکر ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی فتح تمہارے مقدر میں لکھ دی ہے۔ یہاں داخل ہونے کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے سکونت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن مجید کے تینوں مقامات میں ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کہ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کو پوری طرح یقین دہانی کروائی گئی تھی کہ ہمت کرو تمہاری فتح یقینی ہے۔ جب بیت المقدس میں تمہارا داخلہ اور سکونت لکھ دی گئی ہے تو دنیادار فاتحوں کی طرح نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتے اور اس کے شکر گزار بندوں کی طرح شہر میں داخل ہونا۔ اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کی معافی مانگنا اور مفتوح قوم کے ساتھ درگزر کا رویہ اختیار کرنا۔

ہم اس کے بدلہ میں تمھاری خطاؤں کو معاف کرتے ہوئے تمھیں مزید عنایات سے نوازیں گے لیکن اس قوم نے اللہ تعالیٰ کے حضور معافی مانگنے اور مفتوح قوم سے درگزر کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے حکم کو بدل دیا تھا۔ حِطَّةٌ کا معنیٰ مانگنا، لیکن انھوں نے لفظ حِطَّةٌ کو حِنطَةٌ میں بدل دیا جس کا معنیٰ گندم ہے۔ گویا کہ بخشش کے بجائے روٹی روٹی کہنے لگے۔

انھوں نے ذرہ برابر نہ سوچا کہ جس رب نے ہمیں چالیس سال تک لق ودق صحرا میں بہترین کھانا، پینا اور رہنا نصیب فرمایا تھا۔ اب کھانے، پینے کے لیے کیوں نہ دے گا۔ جب کہ ہم ایک ایسے علاقہ اور شہر میں آچکے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے روحانی اور دنیوی طور پر برکات سے نوازا ہے۔ لیکن یہودی ایسی قوم ہے کہ جن کے نزدیک اللہ کے احکام اور دینی اقدار کی کوئی حیثیت نہیں۔ ان پر طاعون کی صورت میں عذاب مسلط کردیا گیا۔ جس سے فتح کا خمار ان کے دماغوں سے اس طرح نکلا کہ انھیں لینے کے دینے پڑ گئے۔ چند دنوں میں ہزاروں کی تعداد میں موت کے گھاٹ اتار دیے گئے کیونکہ یہ لوگ قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کے فرامین کی نافرمانی کر کے خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ سے ہر دم بخشش طلب کرنی چاہیے۔
۲۔ دنیا کی ہر نعمت کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش بہتر ہے۔
۳۔ طاعون ایک آسمانی عذاب ہے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو مزید عنایت فرماتا ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ گناہ معاف کرنے والا ہے۔
۶۔ بنی اسرائیل پر بدترین عذاب نازل کیے گئے۔

تفسیر بالقرآن

بنی اسرائیل پر عذاب نازل ہونے کی وجوہات:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے ان پر عذاب نازل ہوا: (البقرۃ:۵۹)
۲۔ ہفتہ کے دن شکار سے باز نہ آنے کی وجہ سے انہیں بندر بنا دیا گیا۔ (البقرۃ:۶۵)
۳۔ انبیاء کی تکذیب کی وجہ سے وہ اللہ کے غضب کے مستحق قرار پائے: (آل عمران:۱۱۲)
۴۔ منکرات سے نہ روکنے کی وجہ سے لعنت کے حقدار ٹھہرے: (المائدۃ:۷۸۔۷۹)

وَسۡـَٔلۡهُمۡ عَنِ الۡقَرۡيَةِ الَّتِىۡ كَانَتۡ حَاضِرَةَ الۡبَحۡرِ ۘ

اوران سے پوچھو بارہ میں بستی وہ جو تھی ساحل سمندر

اِذۡ يَعۡدُوۡنَ فِى السَّبۡتِ اِذۡ تَاۡتِيۡهِمۡ حِيۡتَانُهُمۡ يَوۡمَ سَبۡتِهِمۡ

جب وہ حد سے تجاوز کرتے میں ہفتے کے دن جب آتی تھیں انکے پاس انکی مچھلیاں دن ان ہفتہ کے دن

شُرَّعًا وَّيَوۡمَ لَا يَسۡبِتُوۡنَ ۙ لَا تَاۡتِيۡهِمۡ ۛۚ كَذٰلِكَ ۛۚ نَبۡلُوۡهُمۡ

کھلم کھلا اوردن نہ ہفتے کا نہیں آتیں انکے پاس اسی طرح ہم آزماتے تھے انہیں

بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ ﴿۱۶۳﴾ وَاِذۡ قَالَتۡ اُمَّةٌ مِّنۡهُمۡ لِمَ

اس وجہ سے جو وہ تھے نافرمانی کرتے اور جب کہا ایک گروہ نے ان میں سے کیوں

تَعِظُوۡنَ قَوۡمَا ۨ ۙ اللّٰهُ مُهۡلِكُهُمۡ اَوۡ مُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا ؕ

تم وعظ کرتے ہو ایسی قوم اللہ انہیں ہلاک کرنیوالا ہے یا انہیں عذاب دینے والا ہے سخت عذاب

''اوران سے اس بستی کے بارے پوچھو جو سمندر کے کنارے پر تھی جب وہ ہفتے کے دن میں حد سے تجاوز کرتے تھے جب ان کی مچھلیاں ان کے ہفتے کے دن سر اٹھائے ہوئے ان کے پاس آتیں اور جس دن ہفتہ نہ ہوتا تو وہ ان کے پاس نہ آتی تھیں اس طرح ہم ان کی آزمائش کرتے تھے اس کی وجہ سے جو وہ نافرمانی کرتے تھے۔ (۱۶۳) اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں سخت عذاب دینے والا ہے؟

فہم القرآن

ربط کلام: یہودیوں کی دنیا پرستی اور اللہ تعالیٰ کی پرلے درجے کی نافرمانی کا ایک اور واقعہ۔

یہودی اس قدر دنیا پرست اور ناعاقبت اندیش قوم ہے کہ دنیا کے مقابلے میں ان کے نزدیک دین اور اخلاقی قدروں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اصحاب السبت کا واقعہ یہودیوں کے ہاں ہمیشہ سے معروف رہا ہے۔ اس لیے، یہ واقعہ بیان کرنے سے پہلے نبی اکرم ﷺ کو ارشاد ہوا کہ آپ انھی سے استفسار فرمائیں کہ اس بستی کا کیا واقعہ اور معاملہ ہے؟ جو سمندر کے کنارے واقع تھی جنھیں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ ہفتہ کے دن کاروبار کرنے کی بجائے تمھیں صرف میری ہی عبادت کرنی چاہیے لیکن انھوں نے اس کی کوئی پروا نہ کی۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں اس طرح آزمائش میں ڈالا کہ ہفتہ کے دن مچھلیوں کے بڑے بڑے ریلے پانی کے اوپر تیرتے دکھائی دیتے تھے۔ شُرَّعًا کا معنی ہے 'نیزے کی انی'' جو نیزے کے سامنے دکھائی دیتی ہے گویا کہ ہفتہ کے دن مچھلیاں اس قدر بہتات کے ساتھ پانی کی

قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا

انہوں نے کہا | معذرت | طرف تمہارے رب | اور تاکہ وہ | ڈر جائیں | پھر جب

نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ

انہوں نے بھلایا جو نصیحت کیے گئے ساتھ اسکے | ہم نے نجات دی | وہ لوگ جو | منع کرتے تھے | سے | برے کام

وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا

اور ہم نے پکڑ لیا | وہ لوگ جو | ظلم کیا انہوں نے | عذاب کیساتھ | بدترین | بوجہ اسکے جو | وہ تھے

يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ

نافرمانی کرتے | پھر جب | انہوں نے سرکشی کی | سے | جس | وہ روکے گئے تھے | اس سے | ہم نے کہا انکے لیے

كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾

ہو جاؤ تم | بندر | ذلیل

انہوں نے کہا تمہارے رب کے سامنے عذر کرنے کے لیے اور اس لیے کہ شاید وہ ڈر جائیں۔(۱۶۴) پھر جب وہ اس بات کو بھول گئے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو جو برائی سے منع کرتے تھے بچالیا اور جنھوں نے ظلم کیا تھا انہیں سخت عذاب میں پکڑ لیا اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔(۱۶۵) پھر جب وہ اس بات میں حد سے بڑھ گئے جس سے انہیں منع کیا گیا تھا تو ہم نے ان سے کہہ دیا کہ ذلیل بندر بن جاؤ۔''(۱۶۶)

سطح پر تیرتی اور اچھلتی تھیں جیسا کہ دیکھنے والوں کے ساتھ آنکھ مچولی کر رہی ہوں۔ جونہی مچھلیوں کے ریلے نظر آئے تو انھوں نے اپنی مجرمانہ ذہنیت سے یہ صورت نکالی کہ بحر قلزم کے کنارے پانی کے بڑے بڑے گھاٹ اور تالاب تیار کیے جائیں تا کہ مچھلیاں ہفتہ کے دن دریا سے پکڑنے کے بجائے اتوار کے دن پکڑی جائیں۔ بظاہر اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی بھی نہ ہو اور لوگوں کی نظروں میں بدنامی سے بھی بچ سکیں۔ لیکن مچھلیاں بھی ہاتھ سے نہ جانے پائیں۔ کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں سازش اور حیلہ سازی کی تھی جس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں ذلیل ترین عذاب میں مبتلا کیا اور حکم صادر فرمایا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ کیونکہ ان کے دل و دماغ بندروں کی طرح شرارت سوچتے تھے۔ اس لیے ان کی شکلوں کو بھی بندر بنا دیا گیا۔ ان کی شکلیں اس قدر ذلیل اور حقیر بنا دی گئیں کہ دیکھنے والا ان پر لعنت کیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ اس حالت میں وہ تین دن کے اندر تڑپ تڑپ کر مر گئے۔

اس صورت حال میں بستی کے لوگ فکری اور عملی طور پر تین حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ وہ تھا جنھوں نے بار بار مجرموں کو اس حرکت سے روکا۔ دوسرے لوگ وہ تھے جو کسی کمزوری یا مصلحت کی خاطر یہ کہہ کر ان سے الگ ہو گئے کہ انھیں

سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ لہٰذا ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔ کیونکہ یہ رب ذوالجلال کے غضب کو دعوت دے رہے ہیں۔ اگر یہ اسی طرح اللہ کے حکم کے ساتھ مذاق کرتے رہے تو عنقریب شدید ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ لیکن سمجھانے والے لوگ الگ ہونے والوں کو کہتے کہ ہم انھیں اس لیے سمجھا رہے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارا یہ عذر قبول ہو اور ہم اس کے عذاب سے بچ جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد رشید عکرمہ رحمۃ اللہ بیان کرتے ہیں میں ایک دن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوا تو وہ رو رہے تھے ان کی گود میں قرآن مجید پڑا تھا میں نے عرض کی کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۃ الاعراف کی ان آیات کی تلاوت کی اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجرمین کو سزا دی اور ان کو مسخ کر کے بندر بنا دیا اور جو فریق ان کو برائی سے منع کرتا تھا۔ اس کا ذکر فرمایا کہ اس کو نجات دے دی اور تیسرا فریق جو ان کو منع نہیں کرتا تھا اس کا ذکر نہیں فرمایا کہ ان کی نجات ہوئی یا نہیں۔ ہمارا یہ حال ہے کہ ہم بھی کئی کاموں کو برا سمجھتے ہیں۔ لیکن لوگوں کو منع نہیں کرتے اللہ جانے ہماری نجات ہوگی یا نہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ میں آپ پر قربان ہوں کیا اس فریق نے ان کاموں کو برا نہیں سمجھا تھا؟

قرآن مجید سے معلوم ہو رہا ہے کہ انھوں نے مچھلیاں پکڑنے والوں سے نفرت کا اظہار کیا اور ان سے الگ ہو گئے۔ ان کے عذاب سے بچنے کی یہ واضح دلیل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما میرے اس جواب سے خوش ہوئے اور مجھے دو چادریں تحفۃً عنایت فرمائیں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں حیلے تلاش کرنا اس کے غضب کو چیلنج کرنا ہے۔

۲۔ تبلیغ کا فریضہ ہر حال میں ادا کرتے رہنا چاہیے۔

۳۔ کسی مجبوری کی وجہ سے تبلیغ کا فریضہ ادا نہ ہو سکے تو مجرموں سے الگ ہو جانا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

یہودیوں کی سزائیں:

۱۔ ہم نے یہودیوں پر ان کی سرکشی کی وجہ سے ناخن والے جانور، گائے اور بھیڑ کی چربی حرام کر دی۔ (الانعام: ۱۴۷)

۲۔ یہودیوں پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی۔ (البقرۃ: ۶۱)

۳۔ یہودیوں کو بندر بنا دیا گیا۔ (۶۵)

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اور جب اعلان کیا آپ کے رب نے وہ ضرور بھیجتا رہے گا ان پر تک دن قیامت

مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۚۖ وَ اِنَّهٗ

جو انکو چکھاتا رہے گا برا عذاب یقیناً آپ کا رب البتہ جلدی سزا دینے والا ہے اور یقیناً وہ

لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾

بہت بخشنے والا رحم والا ہے

”اور جب آپ کے رب نے صاف اعلان کر دیا کہ وہ قیامت کے دن تک ان پر ایسا شخص ضرور بھیجتا رہے گا جو انہیں برا عذاب دے، بے شک تیرا رب یقیناً بہت جلدی سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ یقیناً بے حد بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ (۱۶۷)

فہم القرآن

ربط کلام: بنی اسرائیل کی عہد شکنی اور بداعمالیوں کا تسلسل جس وجہ سے ان پر وقفہ، وقفہ سے عذاب آتے رہیں گے۔

غور وفکر کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی اصلاح اور ہدایت کے لیے ان گنت انبیاء مبعوث فرمائے۔ جنھوں نے انتھک جدوجہد کی۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مختلف عذاب اور بیش بہا انعامات کے ذریعے صدیوں تک بار بار اپنی اصلاح کا موقعہ دیا۔ لیکن یہ قوم اصلاح کے بجائے بگاڑ اور فساد کو ترجیح دیتی رہی۔ جس بنا پر ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آخری فیصلہ صادر فرماتے ہوئے اعلان کیا کہ اب قیامت تک ان پر ایسے لوگ مسلط کیے جائیں گے جو انھیں اذیت ناک سزاؤں اور عذاب میں مبتلا کرتے رہیں گے۔ تاریخ کا طالب علم قرآن کی اس سچائی کو اچھی طرح سمجھتا ہے کہ بخت نصر سے لے کر جرمنی کے ہٹلر تک جو شخص بھی ان پر مسلط ہوا۔ اس نے انھیں اس طرح اپنی گرفت میں جکڑا اور تشدد کا نشانہ بنایا کہ دنیا سمجھنے لگی کہ اب یہودیوں کا ایک فرد بھی باقی نہیں رہے گا۔ آئندہ بھی نہ معلوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے پہلے ان کی بداعمالیوں کی سزا دینے کے لیے اللہ تعالیٰ ان پر کتنے لوگ مسلط کرے گا جو انھیں وقفہ وقفہ کے بعد تہس نہس کرتے رہیں گے۔

قرب قیامت جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو وہ اس قدر ان کے خلاف جہاد کریں گے کہ کوئی یہودی ان سے بچ نہیں پائے گا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی یہودی کسی دیوار یا درخت کی اوٹ میں چھپنے کی کوشش کرے گا تو وہ درخت بھی پکار اٹھے گا۔ ایسا کیوں ہوتا رہا اور ہو گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جب ظالم اور نافرمان کو پکڑتا ہے تو بسا اوقات اس کی پکڑ اس قدر آناً فاناً ہوتی ہے کہ ظالم سنبھلنا چاہے تو سنبھل نہ پائے یہاں تک کہ اسے معافی مانگنے کا موقعہ بھی نہیں نصیب ہوتا۔ لیکن یاد رہے

کہ اللہ تعالیٰ کا عتاب ظالموں کے لیے ہے نیک اور تائب ہونے والوں کے لیے وہ بڑا معاف فرمانے اور انتہائی رحم وکرم کرنے والا ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُونَ الْيَهُودَ فَيَقْتُلُهُمُ الْمُسْلِمُونَ حَتّٰى يَخْتَبِءَ الْيَهُودِيُّ مِنْ وَرَاءِ الْحَجَرِ وَالشَّجَرِ فَيَقُولُ الْحَجَرُ أَوِ الشَّجَرُ يَا مُسْلِمُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ هٰذَا يَهُودِيٌّ خَلْفِي فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ إِلَّا الْغَرْقَدَ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرِ الْيَهُودِ))

[رواہ مسلم: کتاب الفتن و اشراط الساعۃ]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک مسلمان یہودیوں سے لڑائی نہ کریں مسلمان ان کو مسلمان قتل کریں گے یہاں تک کہ یہودی پتھروں اور درختوں کے پیچھے چھپیں گے۔ تو پتھر اور درخت پکار اٹھے گا اے مسلمان اے اللہ کے بندے یہ میرے پیچھے یہودی ہے آؤ۔ اس کو قتل کرو غرقد کا درخت ایسا نہیں کرے گا کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے۔“

مسائل

۱۔ یہودیوں پر وقفہ وقفہ کے بعد اللہ تعالیٰ سخت گیر فاتح مسلط کرتا رہے گا۔
۲۔ قیامت سے پہلے بھی انھیں مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا کیا جائے گا۔
۳۔ اللہ تعالیٰ عذاب دینے والا بھی ہے اور معاف کرنے والا بھی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا عذاب اور بخشش:

۱۔ اے نبی! میرے بندوں کو بتاؤ کہ میں بخشنے، رحم کرنے والا ہوں اور میرا عذاب بھی دردناک ہوگا۔ (الحجر:۴۹)
۲۔ جو توبہ کرے اور اصلاح کرے تیرا رب بڑا غفور الرحیم ہے۔ (النحل:۱۱۹)
۳۔ کیا تم پسند کرتے ہو کہ اللہ تمھیں معاف کر دے کیونکہ وہ غفور الرحیم ہے۔ (النور:۲۲)
۴۔ اللہ جلد پکڑنے والا اور غفور الرحیم ہے۔ (الانعام:۱۶۶)
۵۔ اللہ اپنے بندوں کو اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا کیونکہ وہ غفور الرحیم ہے۔ (التوبۃ:۹۹)
۶۔ اللہ سب گناہوں کو معاف کر دینے والا اور غفور الرحیم ہے۔ (الزمر:۵۳)

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ

اور ہم نے جدا کر دیا انکو	میں	زمین	کئی گروہ	ان سے	صالح تھے	اور ان میں سے

دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝۱۶۸

سوا	اس کے	اور ہم نے انکو آزمایا	نعمتوں کیساتھ	اور تکلیفوں کے ساتھ	تاکہ وہ	رجوع کریں

''اور ہم نے انہیں زمین میں مختلف گروہوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ان میں سے کچھ نیک تھے اور کچھ اس کے علاوہ تھے اور ہم نے اچھے حالات اور برے حالات کے ساتھ ان کی آزمائش کی کہ شاید وہ باز آجائیں۔'' (۱۶۸)

فہم القرآن

ربط کلام: یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ یہ دنیا میں منتشر رہیں گے۔

یہودیوں پر ہمیشہ کے لیے درج ذیل عذاب مسلط کیے گئے ہیں۔

۱۔ دولت مند ہونے کے باوجود ان پر مسکنت کا مسلط ہونا جس وجہ سے یہودی کبھی مستغنی اور سیر چشم نہیں ہوتا۔

۲۔ یہودی اپنے دشمنوں کی نظر میں ہی نہیں اپنے دوستوں اور حلیفوں کی نظر میں بھی ذلیل سمجھے جاتے ہیں۔

۳۔ یہودی سیاسی مانگت بنے بغیر دنیا میں کبھی آزاد حکومت قائم نہیں کر سکتے۔

۴۔ یہودی ہمیشہ دنیا میں منتشر رہیں گے۔

یہودیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ بھی اعلان اور فیصلہ ہے کہ یہ دنیا میں ہمیشہ منتشر اور دربدر کی ٹھوکریں کھاتے رہیں گے۔

یہاں قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ آج تو یہودی منظم ہونے کے ساتھ ایک مملکت کے مالک ہیں اس میں کوئی شک نہیں بظاہر یہودی منظم دکھائی دیتے ہیں اور اسرائیل کے نام پر ان کی حکومت بھی قائم ہے۔

قرآن مجید یہاں وضاحت کرتا ہے کہ یہودیوں میں صالح لوگ بھی ہیں اور برے بھی۔ صالح سے مراد اگر دنیوی طور پر شریف النفس انسان لیے جائیں تو ان کی نہایت ہی قلیل تعداد یہودیوں میں ہمیشہ رہی ہے اور رہے گی اگر دین کے حوالے سے صالح کا مفہوم لیا جائے تو حقیقت میں صالح وہی شخص ہوگا جو نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانے والا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو اپنی نعمتوں اور احسانات کے ساتھ بھی آزمایا اور مختلف قسم کے عذاب اور دنیوی نقصانات کے ساتھ بھی، لیکن یہ لوگ اپنے رب کی طرف رجوع کرنے کے بجائے الٹے پاؤں ہی چلنے والے ہیں۔

یاد رہے کہ اتفاق واتحاد اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا انعام ہے انتشار اللہ کا عذاب اور آگ ہے۔ (آل عمران: ۱۰۴)

مسائل

۱۔ یہودی دنیا میں ہمیشہ منتشر رہیں گے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ انھیں ہر طرح آزمائش میں ڈالتا ہے مگر انھوں نے اپنی اصلاح نہیں کی۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ

پھر جانشین بنے ان کے بعد ناخلف جو وارث ہوئے کتاب وہ لے لیتے مال واسباب

هٰذَا الْاَدْنٰى وَ يَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ

یہ جو ادنیٰ ہے اور وہ کہتے پس ہمیں بخش دیا جائیگا اور اگر آئے انکے پاس مال واسباب

مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا

اس جیسا وہ اسے بھی لے لیں کیا نہیں لیا گیا ان سے پختہ وعدہ کتاب یہ کہ نہ

يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ

وہ کہیں پر اللہ مگر حق اور انہوں نے پڑھ لیا جو کچھ اس میں ہے اور گھر آخرت کا

خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ

بہت بہتر ہے ان لوگوں کیلئے وہ پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں کیا پھر نہیں تم عقل رکھتے اور جو لوگ مضبوطی سے پکڑتے ہیں

بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

کتاب کو اور انہوں نے قائم کیا نماز کو یقیناً ہم نہیں ضائع کرتے اجر اصلاح کرنے والوں کا

”پھر ان کے بعد ان کی جگہ نالائق جانشین آئے جو کتاب کے وارث بنے وہ اس دنیا کا حقیر سامان لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں تو بخش دیا جائے گا اور اگر ان کے پاس اس جیسا اور سامان آجائے تو اسے بھی لے لیں گے کیا ان پر کتاب کا عہد لازم نہیں کیا گیا کہ اللہ پر حق کے سوا کچھ نہ کہیں گے اور انہوں نے جو کچھ اس میں ہے پڑھا بھی ہے اور آخری گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو ڈرتے ہیں تو کیا تم سمجھتے نہیں؟(۱۶۹) اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں اور انہوں نے نماز قائم کی یقیناً ہم اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔“(۱۷۰)

فہم القرآن

ربط کلام: یہودیوں کی نسل در نسل حالت اور ذہنیت۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو اپنے انعامات اور عذابوں کے ساتھ اس لیے آزمایا تاکہ نعمت عطا ہونے پر شکر گزار ہوں اور عذاب آنے کی صورت میں اس کی طرف رجوع کریں۔ لیکن ہوا یہ کہ ان کی ایک کے بعد دوسری نسل پہلے سے بھی بری ثابت ہوئی۔ اہل علم نے لکھا ہے کہ خلف کا لفظ لام کی جزم کے ساتھ ہو تو اس کا معنیٰ ناخلف اور برا ہوتا ہے۔ اس

لیے کسی اچھے وارث کو صرف خلف نہیں بلکہ خلف الرشید کہا جاتا ہے۔لہٰذا ناخلف اور نالائق لوگ ہی تورات کے وارث بنے یعنی ان کی رہنمائی کے لیے کسی نہ کسی حالت میں تورات موجود تھی۔لیکن جس طرح ان کے آباؤ اجداد نے آسمانی دسترخوان من وسلویٰ کے مقابلہ میں لہسن، پیاز اور دال کو ترجیح دی تھی۔ بیت المقدس میں داخلے کے وقت اللہ تعالیٰ سے بخشش اور اس کی رحمت مانگنے کی بجائے گندم کا مطالبہ کیا تھا گویا کہ جس طرح ان کے بڑے نیکی کے مقابلہ میں برائی ،اعلیٰ کے مقابلہ میں ادنیٰ چیز پسند کرتے رہے اسی طرح ان کے نسل درنسل وارث بننے والے ناخلف لوگوں کا حال تھا اور ہے۔اس گھٹیا ذہنیت اور بداعمالیوں کے باوجود یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ انھیں قیامت کے دن معاف کردیا جائے گا۔جب کہ ان کی حالت جوں کی توں ہے اگر ان کو دنیا کا مال ملے تو یہ تورات میں ردوبدل کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔ایسا کرنے کے بعد اس کو ''هٰذَا مِنْ عِنْدَ االلّٰهِ ''کہہ کر اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگا کر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح یہ حکم نازل کیا ہے حالانکہ انھیں اچھی طرح یاد ہے کہ یہ حکم تورات میں نہیں ہے۔انھیں یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ذریعے ہم سے عہد لے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حق کے سوا دوسری بات نہ کہی جائے اور انھیں اچھی طرح علم ہے کہ دنیا کے مقابلے میں آخرت کا گھر متقین کے لیے بہتر ہے۔لیکن پھر بھی عقل سے کام لینے کی کوشش نہیں کرتے حالانکہ عقل کا تقاضا اور سمجھ داری یہ ہے کہ اللہ کی کتاب کے ساتھ پختہ تعلق قائم رکھتے ہوئے پانچ وقت نماز قائم کی جائے۔یہی صالح اعمال کی بنیاد ہے۔یقیناً اللہ تعالیٰ صالح عمل کرنے والوں کے اجر کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔یہاں کتاب کے ساتھ مضبوط تعلق جوڑنے کے ساتھ اقامت صلوٰۃ کی تلقین کی ہے کیونکہ ایمان لانے کے بعد نماز ہی وہ پہلا عمل ہے جو ایک مسلمان پر فرض ہوتا ہے۔نماز کی اقامت کا معنی یہ ہے کہ اسے سنت کے مطابق اور اس کے روحانی اور معاشرتی تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر ادا کیا جائے نبی اکرم ﷺ نے نماز اور دین کو لازم ملزوم قرار دیا ہے۔

((عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَنْ تَرَکَ الصَّلَاۃَ فَلَا دِیْنَ لَہٗ)) [الترغیب و الترھیب]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جس نے نماز چھوڑی اس کا کوئی دین نہیں ہے۔''

((عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَیَبْلَی الْقُرْآنُ فِی صُدُورِ أَقْوَامٍ کَمَا یَبْلَی الثَّوْبُ فَیَتَھَافَتُ یَقْرَءُ ونَہٗ لَا یَجِدُونَ لَہٗ شَھْوَۃً وَلَا لَذَّۃً یَلْبَسُونَ جُلُودَ الضَّأْنِ عَلٰی قُلُوبِ الذِّئَابِ أَعْمَالُھُمْ طَمَعٌ لَا یُخَالِطُہٗ خَوْفٌ إِنْ قَصَّرُوا قَالُوا سَنَبْلُغُ وَإِنْ أَسَاءُ وا قَالُوا سَیُغْفَرُ لَنَا إِنَّا لَا نُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا))

[رواہ الدارمی: کتاب فضائل القرآن، باب فی تعاھد القرآن]

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عنقریب لوگوں کے سینوں میں قرآن اس طرح ہلکا ہو جائے گا جس طرح کپڑا بوسیدہ ہو کر جھڑنے لگتا ہے لوگ بغیر کسی شوق اور لذت کے قرآن کریم پڑھیں گے ان کے

کپڑے بھیڑوں کے چمڑوں کے ہوں گے، ان کے اعمال صرف دنیا کے طمع اور حرص کی بنیاد پر ہوں گے۔ وہ خوف خدا سے گناہوں سے پرہیز نہیں کریں گے وہ برے کام کرنے کے باوجود تبلیغ کریں گے اور یہ کہیں گے کہ عنقریب ہماری بخشش ہو جائے گی کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتے۔"

مسائل

۱۔ ناخلف انسان کی نشانی یہ ہے کہ وہ دین کے مقابلے میں دنیا پسند کرتا ہے۔
۲۔ انسان کو توبہ کیے بغیر اللہ تعالیٰ کی بخشش کی توقع نہیں کرنی چاہیے۔
۳۔ خود ساختہ مسائل اور بدعات کو اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ نہیں لگانا چاہیے۔
۴۔ حقیقی عقل کا تقاضا ہے کہ آدمی دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دے۔
۵۔ مسلمان کو ہر حال میں اللہ کی کتاب کے ساتھ وابستہ رہنا چاہیے۔
۶۔ ایمان کی پہلی نشانی نماز قائم کرنا ہے۔
۷۔ اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی ضائع نہیں کرتا۔

تفسیر بالقرآن

آخرت کا گھر بہتر ہے:

۱۔ آخرت کا گھر متقین کے لیے بہتر ہے تم عقل کیوں نہیں کرتے۔ (الاعراف:۱۶۹)
۲۔ آخرت کا گھر پرہیزگاروں کے لیے بہتر ہے۔ تم سوچتے کیوں نہیں۔ (یوسف:۱۰۹)
۳۔ ان کے لیے دنیا میں بھی خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی۔ (یونس:۶۴)
۴۔ اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کا ثواب تو بہت اچھا ہے۔ (آل عمران:۱۴۸)
۵۔ آخرت کا گھر ہم نے ان کے لیے بنایا ہے جو زمین میں تکبر اور فساد نہیں کرتے۔ (القصص:۸۳)
۶۔ آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے اگر لوگ جان جائیں۔ (العنکبوت:۶۴)

وَاِذْ	نَتَقْنَا	الْجَبَلَ	فَوْقَهُمْ	كَاَنَّهٗ	ظُلَّةٌ	وَّظَنُّوْٓا
اور جب	ہم نے اٹھایا	پہاڑ	انکے اوپر	گویا کہ وہ	سائبان ہے	اورانہوں نے یقین کرلیا
اَنَّهٗ	وَاقِعٌۢ	بِهِمْ ۚ	خُذُوْا	مَآ	اٰتَيْنٰكُمْ	بِقُوَّةٍ
بیشک وہ	گرنے والا ہے	ان پر	پکڑو	جو	ہم نے تمہیں دیا	قوت کیساتھ
وَّاذْكُرُوْا	مَا فِيْهِ	لَعَلَّكُمْ	تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾			
اور یاد کرو	جواس میں ہے	تاکہ تم	پرہیزگار ہو جاؤ			

’’اور جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کران کے اوپر اس طرح رکھا، جیسے وہ ایک سائبان ہو اور انہوں نے جانا کہ وہ ان پر گرنے والا ہے جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔‘‘ (۱۷۱)

ع ۲۱ ۵ ۱۱

فہم القرآن

ربط کلام: بنی اسرائیل کو تورات کے ساتھ وابستہ رکھنے کے لیے ان کے سروں پر کوہِ طور کا اٹھایا جانا۔

بنی اسرائیل پر کوہِ طور کو اٹھائے جانے کا واقعہ قرآن مجید میں چار مرتبہ بیان ہوا ہے سورۃ البقرۃ، آیت: ۶۳، ۹۳ اور سورۃ النساء ۱۵۴ میں اس کے لیے ’’ وَرَفَعْنَا ‘‘ کا لفظ استعمال ہوا۔ جس کا معنیٰ ہے ہم نے ان پر طور کو بلند کیا۔ جس کے بارے میں بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ کوہِ طور کو جڑ سے نہیں اٹھایا گیا تھا۔ بلکہ یہ شدید زلزلہ کے باعث اس طرح ڈولنے اور حرکت کرنے لگا کہ انھوں نے سمجھا کہ بس یہ پہاڑ ہمارے اوپر گرنے ہی والا ہے لیکن یہاں قرآن نے ’’نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ‘‘ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ جن کا معنیٰ ہے کہ ہم نے کوہِ طور کو بنیاد سے اٹھا کر ان کے سروں پر منڈلایا۔ مزید فرمایا کہ پہاڑ ان کے سروں پر ’’ ظُلَّةٌ ‘‘ کی مانند ہوا۔ ظُلَّه کا معنی ہے سائبان جب انسان کا ذہن اللہ تعالیٰ کی قدرت وسطوت کے بجائے پہاڑ کی جسامت اس کی گہرائی اور اونچائی کی طرف مائل ہو تو پھر اسے یہ بات سمجھنے میں دقت محسوس ہوتی ہے کہ اتنا بڑا پہاڑ کس طرح ان کے سروں کے اوپر منڈلایا جا سکتا ہے۔ لیکن جب انسان کا ذہن اللہ تعالیٰ کی قدرت وسطوت کی طرف مائل ہو تو اسے یہ سمجھنے میں کوئی مشکل اور کسی تاویل کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ جو قادر مطلق ہمارے سروں پر آسمانوں کو بلا سہارا اربوں سال سے قائم رکھے ہوئے ہے اور جس نے زمین کو پانی کے اوپر بچھا رکھا ہے اور جو کھربوں ٹن بادلوں کو ہمارے سروں پر منڈلاتا ہے اس قادر مطلق کے سامنے کوہِ طور کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے اس لیے قرآن کے الفاظ کا حقیقی مفہوم اور لفظی معنیٰ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے سروں پر پہاڑ لا کھڑا کیا تھا اور جب ان کو یقین ہو گیا کہ یہ تو ہمارے اوپر گرنے ہی والا ہے تب انھوں نے اقرار کیا تھا۔ قرآن مجید میں ’’ظن‘‘ کا لفظ اکثر مقامات پر یقین کے معنوں میں آیا ہے۔ یاد رہے کہ

بنی اسرائیل جیسی مجرم قوم محض گمان کی بنیاد پر ماننے والی نہ تھی۔ لہٰذا یہاں ظن سے مراد یقین کر لینا ہے۔ اس حالت میں انھیں حکم ہوا کہ جو کچھ ہم تمھیں دے رہے ہیں اسے مضبوطی کے ساتھ تھام لو اور اس سے رہنمائی حاصل کرو تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ سکو۔ لیکن یہ قوم اس قدر منافق اور ظالم تھی کہ انھوں نے بظاہر بلند آواز سے کہا کہ ہم نے سن لیا لیکن اپنے دلوں میں کہہ رہے تھے کہ ہم نہیں مانیں گے۔ قرآن مجید بیان کرتا ہے کہ اتنی بڑی سرکشی اور نافرمانی کا سبب ان کا شرک کرنا تھا۔ کیونکہ بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں پوری طرح سرایت کر چکی تھی۔

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾[البقرة:۹۳]

''اور جب ہم نے طور کو تمھارے اوپر اٹھا کر تم سے اقرار لیا کہ جو کتاب ہم نے نہیں دی ہے اس پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونا اور غور سے سننا۔ تو تمھارے اسلاف کہنے لگے کہ ہم نے سن لیا اور (دل میں کہا) ہم مانیں گے نہیں۔ ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑا ان کے دلوں میں رچ بس گیا۔ آپ ان سے کہیے اگر تم مومن ہو تو تمھارا یہ ایمان تمھیں بری باتوں کا حکم دیتا ہے۔''

ایسی کیفیت میں اللہ تعالیٰ کی توحید قبول کرنا اور ہدایت کے راستہ پر آنا مشکل ترین عمل بن جاتا ہے۔ اس واقعہ سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ جب تک انسان قلبی طور پر ہدایت کی طرف راغب نہ ہو۔ اسے جبراً کوئی بات منوائی نہیں جاسکتی۔ جبری ہدایت جبر کے قائم رہنے تک رہتی ہے۔ جونہی جبر ختم ہوگا وہ شخص برائی کی طرف پلٹ جائے گا۔ البتہ کلمہ گو کو جبراً نماز، روزہ اور نیک کاموں کی طرف راغب کرنا حکومت کا فرض ہے لیکن غیر مسلم کو جبراً مسلمان نہیں بنایا جاسکتا۔

مسائل

۱۔ بنی اسرائیل کے سروں پر کوہِ طور بلند کیا گیا تھا۔
۲۔ مسلمان کو جبراً اسلام پر عمل کرنے کا حکم دیا جاسکتا ہے۔
۳۔ غیر مسلم کو جبراً مسلمان نہیں کیا جاسکتا۔

تفسیر بالقرآن

تقویٰ کے فوائد:

۱۔ متقین کے لیے کامیابی ہے۔ (الانبیاء:۳۱ تا ۳۳)
۲۔ متقین کے لیے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنت ہے۔ (القلم:۳۴)
۳۔ متقی کا ہر کام آسان اور اس کی سب خطائیں معاف اور ان کے لیے بڑا اجر ہوگا۔ (الطلاق:۴ تا ۵)
۴۔ متقین اولیاء اللہ ہیں جو بے خوف ہوں گے۔ (یونس:۶۱ تا ۶۴)

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

اور جب پکڑا آپ کے رب نے سے بنی آدم پیٹھوں سے انکی اولاد

وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ

اور انہیں گواہ بنایا پر ان کی جانوں کیا نہیں ہوں میں تمہارا رب؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں

شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ١٧٢

ہم گواہی دیتے ہیں یہ کہ تم کہو قیامت کے دن یقیناً ہم تھے سے اس غافلوں

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً

یا تم کہو سوائے اس کے نہیں شرک کیا تھا ہمارے باپ دادا نے سے پہلے اور ہم تھے اولاد

مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ١٧٣

ان کے بعد کیا تو ہمیں ہلاک کرتا ہے اس وجہ سے جو کیا تھا گمراہ لوگ

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ١٧٤

اور اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتیں اور تا کہ وہ رجوع کریں

''اور جب آپ کے رب نے آدم کے بیٹوں سے ان کی پشتوں میں سے ان کی اولاد کو نکالا اور انہیں خود ان کی جانوں پر گواہ بنایا کیا میں واقعی تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں ہم شہادت دیتے ہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن کہو بے شک ہم اس سے غافل تھے۔(۱۷۲) یا یہ کہو کہ شرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا ہی نے کیا تھا۔اور ہم تو ان کے بعد ایک نسل تھے تو کیا تو ہمیں اس کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے جو گمراہ لوگوں نے کیا؟(۱۷۳) اور اسی طرح ہم آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں تا کہ وہ رجوع کریں۔''(۱۷۴)

فہم القرآن

ربط کلام: بنی اسرائیل کے عہد کی مناسبت سے وہ عہد بھی بنی نوع انسان کو یاد کروایا جارہا ہے جو روزِ آفرینش ان سے لیا گیا تھا۔

خالق کائنات نے زمین و آسمان بنانے کے بعد جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اس وقت آدم علیہ السلام کی پشت پر اپنا دست مبارک رکھا جس سے قیامت تک نسل در نسل پیدا ہونے والے بنی نوع انسان اس کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے سب سے یہ استفسار فرمایا کہ کیا میں تمھارا رب ہوں کہ نہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام اور اس کی ساری اولاد نے اپنے رب کے حضور یہ شہادت دی کیوں نہیں! آپ ہی ہمارے خالق، مالک، اور پیدا کرنے والے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ اس پر قائم

رہنا کہیں قیامت کے دن یہ بہانہ نہ بنانا کہ ہمیں تو اس عہد اور شہادت کا علم ہی نہیں تھا۔ یا تم یہ کہو کہ ہم اس لیے شرک کے مرتکب ہوئے کہ ہمارے آباء واجداد اس طرح کرتے تھے اور ہم تو ان کے بعد آنے والے ان کی اولاد تھے لہٰذا ہمارا کوئی گناہ نہیں جو کچھ کیا ہم سے پہلے لوگوں نے کیا۔ اس لیے ہمیں کسی قسم کی سزا نہیں ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت بنی نوع انسان کو یہ سمجھا دیا تھا کہ اس عہد کو بھول جانا یا اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقے کا بہانہ بنانا قیامت کے دن اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ اس کے باوجود ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے اس عہد کی یاددہانی کروائی۔ یہاں تک کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل ہوا۔ جس میں اللہ کی توحید کو ہر قسم کے دلائل کے ساتھ کھول، کھول کر بیان کرتے ہوئے شرک کو سب سے بڑا ظلم، گمراہی اور جہالت قرار دیا گیا ہے۔ تاکہ شرک سے لوگ بچیں اور اپنے رب کی توحید پر پکے ہو جائیں۔ بعض لوگ عقلی موشگافیوں میں پڑ کر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انسان سے یہ عہد لیا اور عقیدۂ توحید اس کی فطرت میں رکھا ہے تو پھر انسان اسے فراموش کر کے شرک کا ارتکاب کیوں کرتے ہیں؟ ایسا اعتراض اٹھانے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ انسان نسیان سے بنا ہے انسانی فطرت کے سب سے بڑے ترجمان نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی اس کمزوری کو یوں بیان فرمایا ہے۔ ”نَسِيَ اٰدَمُ وَنَسِيَتْ اَوْلَادُهٗ“ کہ جناب آدم بھول گئے اور ان کی اولاد بھی بھول جایا کرے گی۔ اس بنا پر کچھ لوگ بھول جاتے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو اس کی غفلت اور بھول پر چوکنا کیا جا سکے۔ جہاں تک عقیدۂ توحید کو انسانی فطرت میں ودیعت کرنے کا تعلق ہے اس کی گواہی ہر انسان اپنی زندگی میں دیے بغیر نہیں رہتا۔ مکہ کے مشرک بڑے ظالم تھے اور انھوں نے شرک کی بنیاد پر نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی جنگیں لڑیں لیکن جب کبھی ان میں سے کسی کو بھاری اور ناگہانی مصیبت آتی تو وہ اقرار کرتا کہ واقعی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق، مالک، رازق، مشکل کشا اور حاجت روا نہیں ہے۔

یہ فطرت ہی کی آواز ہے جب دنیا کے پرلے درجے کے مشرک اور کافر کو اس کے کفر اور شرک کی نشاندہی کی جائے تو وہ فوراً اس کا انکار کرتا ہے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَخَذَ اللّٰهُ الْمِيثَاقَ مِنْ ظَهْرِ آدَمَ بِنَعْمَانَ يَعْنِي عَرَفَةَ فَأَخْرَجَ مِنْ صُلْبِهِ كُلَّ ذُرِّيَّةٍ ذَرَأَهَا فَنَثَرَهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ كَالذَّرِّ ثُمَّ كَلَّمَهُمْ قِبَلًا قَالَ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلٰى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِينَ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ))[رواہ احمد]

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم کی پشت کی طرف سے وعدہ لیا نعمان یعنی عرفہ کے مقام پر۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی پشت سے تمام اولاد نکالی جس کو پیدا فرمایا

تھا۔انھیں اپنے سامنے چیونٹیوں کی طرح پھیلایا پھران سے اپنے سامنے کلام فرمایا۔اللہ نے فرمایا کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں انھوں نے کہا کیوں نہیں۔ہم اس کی گواہی دیتے ہیں۔کہیں قیامت کے دن یہ نہ کہنا بلاشبہ ہم تو اس سے غافل تھے یا تم کہو شرک تو ہمارے آباؤ اجداد نے کیا تھا اور ہم ان کی اولاد تھے۔کیا تو ہمیں باطل کام کرنے والوں کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم کے وقت ہی بنی نوع انسان سے اپنی توحید کا اقرار لیا ہے۔

۲۔ عقیدۂ توحید کو بھول جانا یا آباؤ اجداد کے شرک کا بہانہ مقبول نہیں ہوگا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں توحید کو کھول کھول کر بیان کیا ہے تاکہ لوگ شرک سے بچ جائیں۔

۴۔ توحید فطرت کی آواز اور تمام ادیان کی بنیاد ہے۔

۵۔ عقیدۂ توحید کے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہیں ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

برہان کا معنیٰ دلیل:

۱۔ جنت میں داخلہ کے لیے دلیل چاہیے اہل کتاب سے مطالبہ۔(البقرۃ:۱۱۱)

۲۔ اے لوگو!تمھارے پاس رب کی طرف سے برہان آچکا ہے۔(النساء:۱۷۴)

۳۔ اگر رب کی طرف سے برہان نہ ہوتی تو یوسف بھٹک جاتے۔(یوسف:۲۴)

۴۔ شرک کے لیے کوئی دلیل نہیں۔(المومنون:۱۱۷)

۵۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی داتا ہے تو دلیل لاؤ۔(النمل:۶۴)

۶۔ حضرت موسیٰ کے معجزے برہان تھے۔(القصص:۳۲)

۷۔ قیامت کے دن نبی کی گواہی امت پر دلیل ہوگی۔(القصص:۷۵)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ

اور پڑھیے ان پر خبر اس شخص کی جسے ہم نے اسے دی اپنی آیات پھر وہ نکل گیا

مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا

اس سے تو پیچھے لگالیا اسکو شیطان نے تو وہ ہوگیا سے گمراہوں اور اگر چاہتے ہم بلند کرتے اسکو اس وجہ سے

وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ

اور لیکن وہ جھک پڑا طرف زمین اور پیروی کی اس نے اپنی خواہش کی پھر اسکی مثال مانند مثال کتا

اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ

اگر تو بوجھ لادے اس پر وہ ہانپتا ہے یا تو چھوڑ دے اسکو وہ ہانپتا ہے یہ مثال قوم

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو تو بیان کر یہی واقعات تا کہ وہ غور وفکر کریں

”اور انہیں اس شخص کی خبر پڑھ کر سنائیں جسے ہم نے اپنی آیات عطا کیں تو وہ ان سے نکل گیا، پھر شیطان نے اسے پیچھے لگالیا تو وہ گمراہوں میں سے ہوگیا۔ (۱۷۵) اور اگر ہم چاہتے تو اسے ان کے ذریعے بلند کردیتے مگر وہ زمین کی طرف چمٹ گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا۔ اس کی مثال کتے کی طرح ہے کہ اگر آپ اس پر حملہ کریں تو زبان نکالے ہانپتا ہے یا اسے چھوڑ دے تو بھی زبان نکالے ہانپتا ہے۔ یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا آپ ان کو یہ سنائیں تا کہ وہ غور وفکر کریں۔“ (۱۷۶)

فہم القرآن

ربط کلام: نئے خطاب کا آغاز۔

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ارشاد فرمایا ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے اس شخص کا واقعہ بیان فرمائیں جس کو ہم نے علم کے زیور سے آراستہ فرمایا تھا مگر اس نے اس زیور کو اتار پھینکا اور شیطان کی اتباع کرتے ہوئے گمراہ لوگوں میں شمار ہوا یہ کس شخص کا واقعہ ہے، کہاں کا رہنے والا تھا اور اس کا نام کیا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث کی مقدس دستاویزات میں اس کا پتہ نہیں چلتا۔ اکثر مفسرین نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال نقل کیے ہیں جن کی بنیاد اسرائیلی روایات پر ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

اس شخص کا نام بلعم بن بعوریا امیہ بن صلت تھا۔ یہ یہودیوں کا بڑا عالم تھا لیکن انتہائی ضمیر فروش ہونے کی وجہ سے فتویٰ فروشی اور دین کو ایک پیشہ اور دکھلاوے کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ اس سے مراد کوئی شخص ہو اصل تو ایک کردار کی نشان دہی کی جا رہی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت سے مالا مال کیا مگر اس نے اسے منصب کے حصول، دنیا کے لالچ، ذاتی شہرت

سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ

بری ہے | مثال | قوم | وہ لوگ جو | جھٹلایا انہوں نے | ہماری آیات کو | اوران کی جانیں

كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿١٧٧﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ج

تھے وہ | ظلم کرتے | جسے | ہدایت دے | اللہ | پس وہ | ہدایت یافتہ ہے

وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٧٨﴾

اور جسے | وہ گمراہ کردے | پھر وہی | وہ خسارہ پانے والے

''ان لوگوں کی بری مثال ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اوراپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔(۱۷۷) جسے اللہ ہدایت دے سو وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے وہ گمراہ کردے وہی خسارہ اٹھانے والے ہیں۔''(۱۷۸)

اور شخصی احترام کے لیے استعمال کیا جو سراسر شیطان کی پیروی کا راستہ ہے اور شیطان انسان کو گمراہ کر کے چھوڑتا ہے۔اس نام نہاد عالم کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا اور وہ بالآخر گمراہوں میں شمار ہوا۔

ارشاد ہوتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو اسے اپنے عطا کردہ علم کے ساتھ فکر کی بلندی اور کردار کی رفعت عطا کرتے۔لیکن اس نے اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہوئے رفعت و بلندی کے بجائے زمین کے ساتھ چمٹنا پسند کرلیا ہے یہاں زمین کے ساتھ چمٹنے سے مراد فکر و کردار کی پستی اور دنیا کی طرف مائل ہونا ہے۔اللہ تعالیٰ کا اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ انسان کو ہدایت اور گمراہی کے راستے کی نشاندہی کر کے کھلا چھوڑ دیا جائے تا کہ انسان جس راستہ کو پسند کرتا ہے اسے اختیار کر سکے۔علم کا بنیادی مقصد اس کے ذریعے رہنمائی پانا ہے اگر کوئی شخص صاحب علم ہو کر بھی جہالت اور گمراہی کے راستہ کو پسند کرتا ہے تو اسے ہدایت پر کیوں کر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ایسے علم والے کی مثال تو اس کتے کی ہے جس پر حملہ کیا جائے یا نہ کیا جائے اور اس پر بوجھ ڈالا جائے یا نہ ڈالا جائے وہ ہر صورت زبان لٹکائے ہانپتا پھرتا ہے۔کتے کو دیکھنے والا اس بات کا اچھی طرح اندازہ کر سکتا ہے کہ کتا سدھایا ہوا ہو یا آوارہ، سردی ہو یا گرمی، بھوکا ہو یا اس کا پیٹ بھرا ہوا ہو۔وہ ہر وقت ہانپتا ہے اور چلتے پھرتے زمین سونگھتا اور جگہ جگہ اپنی زبان مارتا پھرتا ہے۔یہ ایسا جانور ہے جو کبھی سیر چشم نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر آپ اسے پتھر ماریں تو وہ اسے بھی چاٹنے کی کوشش کرتا ہے۔اتنا بدخصلت اور لالچی جانور ہونے کے باوجود اپنے مالک کا وفادار اور سدھایا ہوا کتا اپنے آقا کے حکم پر عمل کرتا ہے۔

لیکن ایک دنیا پرست عالم کا حال اس سے بھی بدتر ہوتا ہے۔کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتا ہے۔اقبال کے بجائے زوال اور استغنا کے بجائے بھوک اور لالچ میں آگے ہی بڑھتا جاتا ہے۔ایک وقت آتا ہے کہ ایسے علماء پکار اٹھتے ہیں کہ واقعی ہم نے اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈال لیا ہے اور ہم اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں۔یہاں بین

السطور یہ وضاحت کردی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی اگر یہ ہدایت کے طالب ہوتے تو انھیں ہدایت دی جاتی لیکن یہ ہدایت کے بجائے گمراہی کے طالب ہوئے اس لیے انھیں گمراہ ہی رہنے دیا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ کائنات کے چپے چپے اور ذرے ذرے کا مالک ہے اسی طرح ہدایت اور گمراہی بھی اپنی ملکیت قرار دے کر اسے اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ لہٰذا گمراہ لوگ نقصان ہی اٹھائیں گے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم سے رہنمائی نہ پانے والا شیطان کی پیروی کرتا ہے۔
۲۔ شیطان انسان کو گمراہ کر کے چھوڑ تا ہے۔
۳۔ دین کے بدلے دنیا پسند کرنے والا عالم کتے کی مانند ہے۔
۴۔ کتا نہایت ہی حریص جانور ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والے لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اعتصام بالکتاب کا حکم:

۱۔ اللہ کی رسی کے ساتھ اعتصام کا حکم۔ (آل عمران: ۱۰۳)
۲۔ توبہ اور اپنی اصلاح کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعتصام کرنا ہے۔ (النساء: ۱۴۶)
۳۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کے احکام ماننا اللہ سے اعتصام کرنا ہے۔ (النساء: ۱۷۶)
۴۔ جو نیکی کے کام کرے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعتصام کرے اللہ اس کی مدد فرمائے گا۔ (الحج: ۷۸)

نفسانی خواہش کی پیروی کے نقصانات:

۱۔ جس نے اپنی خواہش کو رب بنالیا ہے کیا آپ اس کے ذمہ دار ہیں؟ (الفرقان: ۴۳)
۲۔ اپنی خواہش کی پیروی کرنے والا اللہ کے ذکر سے غافل ہوتا ہے۔ (الکہف: ۲۸)
۳۔ قیامت کا منکر اپنے نفس کا بندہ ہوتا ہے اس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔ (طٰہٰ: ۱۶)
۴۔ جس نے اپنی خواہشات کی پیروی کی وہ گمراہ ہوا۔ (القصص: ۵۰)
۵۔ ظالم اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ (الروم: ۲۹)

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ

اور تحقیق | ہم نے پیدا کیے | جہنم | بہت سے | سے | جنوں | اور | انسانوں

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ

انکے لیے | دل ہیں | نہیں وہ سمجھتے | انکے ساتھ | اوران کے لیے | آنکھیں | نہیں وہ دیکھتے

بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ

اس کے ساتھ | اورانکے لیے | کان ہیں | نہیں وہ سنتے | اس کے ساتھ | یہی لوگ | چوپاؤں کی مانند

بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

بلکہ | وہ | ان سے بھی زیادہ بدتر | یہی لوگ | ہیں | بے خبر

’’اور بلاشبہ ہم نے بہت سے جن اور انسان جہنم کے لیے ہی پیدا کیے ہیں ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں یہ لوگ چوپاؤں جیسے ہیں بلکہ یہ زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں یہی ہیں جو بالکل بے خبر ہیں۔‘‘(۱۷۹)

فہم القرآن

ربط کلام: دین کے بدلے دنیا کمانے والے نقصان پانے کے ساتھ جہنم میں جائیں گے یہاں ان کے جہنم میں جانے کی بنیادی وجہ بیان کی گئی ہے۔

جہنمیوں کے جہنم میں جانے کی وجہ بیان کرنے سے پہلے فرمایا کہ ہم نے بہت سے جنات اور انسانوں کو جہنم کے لیے پیدا کیا ہے۔اس سے یہ مغالطہ پیدا ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے بہت سے انسانوں اور جنات کو جہنم کے لیے ہی پیدا کیا ہے تو اس میں انسانوں اور جنات کا کیا گناہ ہے؟

دوسرا سوال یہ کیا جاتا ہے کہ سورۃ الذریت آیت ۵۶ میں اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کی تخلیق کا مقصد یہ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔اس طرح ایک مغالطہ پیدا ہونے کے ساتھ قرآن مجید کی آیات میں بظاہر تعارض بھی دکھائی دیتا ہے۔اس مغالطہ اور سوال کا جواب دیتے ہوئے قرآن مجید کے مشہور مفسر امام الرازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ عربی زبان میں حرف لام کسی چیز کا انجام اور اس کی انتہا بیان کرنے کے لیے بھی آتا ہے۔یہاں لفظ لام جہنم کے ساتھ انجام کے لیے لایا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تو انھیں اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا تھا۔لیکن انھوں نے اپنے کردار کی وجہ سے اپنا انجام جہنم بنالیا ہے۔حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں دل عطا کیے تھے تاکہ غور وفکر کریں انھیں آنکھیں دیں

تا کہ ہر معاملہ کو غور سے دیکھیں انھیں کان بخشے گئے تا کہ ہر بات کو توجہ کے ساتھ سنیں لیکن انھوں نے سوچنا، غور سے دیکھنا اور توجہ کے ساتھ سننا گوارا نہ کیا اس طرح جانوروں کی مانند ہوئے کیوں کہ جانوروں کے پاس دل، آنکھیں اور کان موجود ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں کھانے، پینے، اٹھنے، بیٹھنے، سونے اور چلنے پھرنے کے علاوہ کوئی صلاحیت نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے باوجود اپنے مالک کے وفادار اور اس کے ساتھ محبت کرتے ہوئے اس کا کہنا مانتے اور اس کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں۔ انسان اور جنات جانوروں سے اس لیے بدتر ٹھہرے کہ ان کے پاس نہ صرف سوچنے، دیکھنے اور سننے کی صلاحیت چوپاؤں سے کئی گنا زیادہ ہے بلکہ ان کی رہنمائی کے لیے انبیاء اور آسمانی کتب کا انتظام کیا گیا ہے لیکن یہ دنیا کے معاملات میں اس قدر مشغول ہوئے کہ اپنے خالق و مالک اور اس کے احکام سے یکسر غافل ہو گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنوں اور انسانوں کی اکثریت نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ گویا کہ جہنم کے لیے ہی پیدا کیا گیا ہے۔

مسائل

۱۔ جنوں اور انسانوں کی اکثریت جہنم میں جائے گی۔

۲۔ جہنم میں جانے کا بنیادی سبب یہ ہے کہ انھوں نے اپنے دل، آنکھوں اور کانوں کو ہدایت کے لیے استعمال نہیں کیا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے احکام سے غفلت کرنے والے جانوروں سے بدتر ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اندھے، بہرے لوگ اور ان کا انجام:

۱۔ اہل ایمان اور کفر کی مثال اندھے بہرے اور دیکھنے سننے والوں کی طرح ہے۔ (ھود: ۲۴)

۲۔ اللہ کی آیات کی تکذیب کرنے والے اندھے بہرے ہیں۔ (الانعام: ۳۹)

۳۔ کانوں آنکھوں کا صحیح استعمال نہ کرنے والے لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ (الاعراف: ۱۷۹)

۴۔ اندھے بہرے لوگ عقل نہیں رکھتے۔ (البقرۃ: ۱۷۱)

۵۔ بہرے وحی کو نہیں سنتے۔ (الانبیاء: ۴۵)

۶۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اندھے بہرے لوگوں کو ہدایت نہیں دے سکتے۔ (الروم: ۵۲)

۷۔ اندھے بہرے لوگ ہدایت کی طرف نہیں لوٹتے۔ (البقرۃ: ۱۸)

وَلِلّٰهِ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى فَادۡعُوۡهُ بِهَا‌ ۖ وَذَرُوا الَّذِيۡنَ

اور اللہ کے لیے سب نام بہترین سوتم اسے پکارو ان کے ساتھ اور چھوڑ دو ان لوگوں کو

يُلۡحِدُوۡنَ فِىۡۤ اَسۡمَآئِهٖ‌ ؕ سَيُجۡزَوۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۸۰﴾

وہ کجروی اختیار کرتے ہیں میں اسکے ناموں وہ سزا دیے جائیں گے جو وہ تھے عمل کرتے

۲۲ ع ۱۲

وَمِمَّنۡ خَلَقۡنَاۤ اُمَّةٌ يَّهۡدُوۡنَ بِالۡحَـقِّ وَبِهٖ يَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱۸۱﴾

اوران میں سے پیدا کیا ہم نے ایک گروہ جو رہنمائی کرتے ہیں حق کے ساتھ اور اسکے ساتھ وہ عدل کرتے ہیں

وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸۲﴾

اور وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو ہم انہیں بتدریج پکڑیں گے سے جہاں نہیں وہ جانتے

وَاُمۡلِىۡ لَهُمۡ‌ ؕ اِنَّ كَيۡدِىۡ مَتِيۡنٌ ﴿۱۸۳﴾

اور میں مہلت دیتا ہوں انہیں بیشک میری تدبیر بہت مضبوط

”اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں سوا سے انہی کے ساتھ پکارو اوران لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں کے بارے میں صحیح راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں انہیں جلد ہی اس کی سزا دی جائے گی جو وہ کیا کرتے تھے۔(۱۸۰) اور ہم نے جو لوگ پیدا کیے ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو حق کے مطابق رہنمائی کرتے اور اسی کے مطابق انصاف کرتے ہیں۔(۱۸۱) اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہم انہیں بتدریج پکڑیں گے اس طور سے کہ وہ نہ جانتے ہوں گے۔(۱۸۲) اور میں انہیں مہلت دوں گا بے شک میری تدبیر بہت مضبوط ہے۔“(۱۸۳)

فہم القرآن

ربط کلام: جنات اور انسانوں کو جہنم کے لیے پیدا کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی یہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی آیات سے غافل ہیں جہنم سے نجات پانے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ عقل وفکر سے کام لے کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہوئے اس کے احکام پر عمل کیا جائے۔

ہر دور کے کافر اور مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تغافل کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کر کے نہ صرف اس کی صفات کو اپنے معبودوں میں تصور کرتے ہیں بلکہ ان کے نام اللہ تعالیٰ کے نام پر رکھتے ہیں جو بدترین گناہ اور سنگین جرم ہے۔ ایسے لوگ سمجھانے کے باوجود باز نہ آئیں تو انھیں ان کی حالت پر چھوڑ دینا

چاہیے یعنی ان سے قلبی نفرت ہونی چاہیے۔ یہاں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ پکارا کرو اور ان لوگوں کو بالکل چھوڑ دو جو اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد کرتے ہیں۔ انھیں بہت جلد اپنے قول اور فعل کی سزا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم اللہ ہے۔ یہ ایسا عظیم المرتبت اور عظیم الرعب اسم عالی اور گرامی ہے کہ صرف اور صرف خالق کائنات کی ذات کو زیبا اور اس کے لیے مختص ہے۔ یہ اس کا ذاتی نام ہے اس اسم مبارک کے اوصاف اور خواص میں سے ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ کائنات میں انتہا درجے کے کافر، مشرک اور بدترین باغی انسان گزرے ہیں اور ہوں گے۔ جن میں اپنے آپ کو داتا، مشکل کشا، موت وحیات کا مالک کہنے والے حتی کہ ”اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى“ کہلوانے والے بھی ہوئے ہیں۔ مگر اس نام کی جلالت وہیبت کی وجہ سے اپنے آپ کو اللہ کہلوانے کی کوئی جرأت نہیں کر سکا اور نہ کر سکے گا۔ مکے کے مشرک اپنے بتوں کو سب کچھ مانتے اور کہتے تھے لیکن وہ بتوں کو اللہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکے تھے۔ اللہ ہی انسان کا ازلی اقرار اور اس کی فطری آواز ہے جس بنا پر ہر کام بِسْمِ اللّٰهِ سے شروع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ اسم مبارک اپنے آپ میں خالقیت، مالکیت، جلالت وصمدیت، رحمٰن ورحیمیت کا ابدی اور سرمدی تصور لیے ہوئے ہے۔ قرآن مجید میں اللہ کا نام ۲۶۹۷ مرتبہ وارد ہوا ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں کا تعلق ہے ان کی دو اقسام ہیں۔ ایک وہ نام ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی خاص ہیں دوسرے وہ ہیں جن میں سے کوئی نام کسی آدمی کا بھی رکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً کریم ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ یہ بھی نام عبدالکریم ہونا چاہیے تاہم کوئی صرف کریم نام رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے کیونکہ کریم کا معنی درگزر کرنے والا اور سخی ہے جو کسی آدمی کی صفت اور نام بھی ہو سکتا ہے لیکن انسان کی کریمی اور اللہ تعالیٰ کی کریمی کا آپس میں کوئی تعلق اور نسبت نہیں ہو سکتی۔ نبی رحمت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام بتلائے ہیں جس نے ان کو یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ یاد کرنے سے مراد صرف حفظ کرنا نہیں بلکہ ان کے مطابق انسان کا عقیدہ بھی ہونا چاہیے۔ (بخاری کتاب التوحید) اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کو اس کے اسمائے حسنہ کے ساتھ پکارنے کا حکم دے کر یہ تلقین فرمائی ہے کہ ﴿وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ﴾ اس کے نام میں الحاد یہ ہے کہ جو نام اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں وہ کسی زندہ، مردہ یا کسی کمپنی کا نام رکھا جائے جس طرح آج کل بعض مسلمان جہالت کی بناء پر کسی جنرل سٹور کا نام الرحیم یا الرحمٰن رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مشکل کشا ہے اور آدمی کسی دوسرے کو بھی مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہوئے اس کو اس نام سے پکارے جیسا کہ جاہل اور مشرک لوگ پیر عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو پیر دستگیر کہتے ہیں یعنی ڈوبتے ہوئے یا گرنے والے کا ہاتھ تھامنے والا۔ اور یہ وظیفہ بھی کرتے ہیں۔

يَا عَبْدَ الْقَادِرِ شَيْئًا لِلّٰهِ ”اے عبدالقادر اللہ کے لیے کچھ دیجیے“

جاہل لوگ حضرت علی ہجویری رحمہ اللہ کو داتا گنج بخش کہتے ہیں جس کا مطلب ہے خزانے بخشنے والا۔ غوث اعظم بڑا

فریادیں سننے والا اس سے پہلے ارشاد فرمایا کہ ہم نے بہت سے جنات اور انسانوں کو جہنم کے لیے پیدا کیا ہے جس کی وضاحت آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ اب استثناء کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم نے ایک اُمت یعنی جماعت ایسی بھی پیدا فرمائی ہے جو لوگوں کو حق کی رہنمائی کرتے ہیں اور عدل کا حکم دیتے ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں ہم ان کو اس طرح کھینچ کر جہنم کی طرف لے جا رہے ہیں کہ انھیں اس کی خبر تک نہ ہے۔ ہم نے انھیں مہلت دے رکھی ہے۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ مہلت دینے کی تدبیر نہایت مضبوط ہے، کسی کو مہلت دینے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ رب ذوالجلال کی گرفت سے بچ جائے گا۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رِوَايَةً قَالَ لِلّٰهِ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ اسْمًا مِائَةٌ إِلَّا وَاحِدًا لَا يَحْفَظُهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ)) [رواہ البخاری: کتاب الدعوات ،باب للہ مائة اسم غیر واحد]

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو کوئی انہیں یاد کرلے گا جنت میں داخل ہوگا اللہ ایک ہے اور ایک کو پسند کرتا ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اس کے صفات کمال کے حامل ہیں۔
۲۔ توحید اسماء وصفات عقیدہ توحید کا حصہ ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ مخلوق کو پکارنے والوں کو عذاب ہوگا۔
۴۔ اللہ تعالیٰ کی تدابیر نہایت مضبوط ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی:

۱۔ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن۔ اللہ کے لیے اچھے نام ہیں۔ (الاسراء:۱۱۰)
۲۔ اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔ اس کے اچھے نام ہیں۔ (طٰہٰ:۸)
۳۔ وہ خالق، باری، المصور ہے اس کے اچھے اچھے نام ہیں۔ (الحشر:۲۴)
۴۔ وہ اول ہے، وہ آخر ہے، وہ ظاہر اور باطن ہے اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ (الحدید:۳)
۵۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ زندہ اور قائم ہے۔ (البقرۃ:۲۵۵۔ آل عمران:۲)

اَوَلَمۡ يَتَفَكَّرُوۡا مَا بِصَاحِبِهِمۡ مِّنۡ جِنَّةٍ اِنۡ هُوَ اِلَّا

کیا نہیں | انہوں نے غور کیا | نہیں | ان کے ساتھی کو | سے | پاگل پن | نہیں | وہ مگر

نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمۡ يَنۡظُرُوۡا فِىۡ مَلَكُوۡتِ السَّمٰوٰتِ

ڈرانے والا | کھلا | اور کیا نہیں | انہوں نے دیکھا | میں | بادشاہی | آسمانوں

وَالۡاَرۡضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَىۡءٍ وَّاَنۡ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنَ

اور زمین | اور جو | پیدا کیا | اللہ نے | سے | چیز | اور یہ کہ | عنقریب | یہ کہ وہ ہو

قَدِ اقۡتَرَبَ اَجَلُهُمۡ فَبِاَىِّ حَدِيۡثٍۢ بَعۡدَهٗ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۸۵﴾

تحقیق | قریب آچکی | انکی مقررہ مدت | پھر ساتھ کونسی | بات کے | اس کے بعد | وہ ایمان لائیں گے

مَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَيَذَرُهُمۡ

جس کو | گمراہ کردے | اللہ | پھر نہیں | کوئی ہدایت دینے والا | اس کو | اور وہ انہیں چھوڑ دیتا ہے

فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ﴿۱۸۶﴾

میں | انکی سرکشی | وہ سرگرداں پھرتے ہیں

”اور کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی میں کوئی پاگل پن نہیں ہے؟ وہ تو ایک کھلم کھلے ڈرانے والے کے سوا کچھ نہیں (۱۸۴) اور کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ آسمانوں اور زمین کی عظیم الشان سلطنت میں اور کسی بھی ایسی چیز میں جو اللہ نے پیدا کی ہے، اور اس بات میں کہ شاید ان کا مقررہ وقت بالکل قریب آچکا ہو، پھر اس (قرآن) کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔ (۱۸۵) جسے اللہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور وہ انہیں ان کی سرکشی میں چھوڑ دیتا ہے بھٹکتے پھرتے ہیں۔“ (۱۸۶)

فہم القرآن

ربط کلام: نبی معظم ﷺ جب کفار کو اللہ تعالیٰ کی توحید سمجھاتے اور بتلاتے تو وہ دیگر الزامات کے ساتھ آپ کو مجنوں اور پاگل کہتے تھے جس کا جواب دیا گیا ہے۔ کفار نبی محترم ﷺ کو درج ذیل وجوہات کی بنیاد پر مجنون کہتے تھے۔

۱۔ ایک الٰہ تمام لوگوں کی مشکلات کس طرح حل کرسکتا ہے۔

۲۔ کفار کا کہنا تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کا کب انکار کرتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ہمارے معبودوں کو کچھ اختیارات دے رکھے ہیں۔

۳۔ نبی اس لیے مجنون ہے کہ توحید کے سوا کوئی اور بات نہیں کرتا۔ ہر وقت توحید، توحید کی رٹ لگائے ہوئے ہے۔

۴۔ معاشرہ اور برادری میں اس کا بڑا مقام اور احترام تھا مگر اس نے اپنے مقام اور احترام کو برباد کرلیا ہے۔

۵۔ ہم نے اسے ہر قسم کی مراعات کی پیشکش کی ہے لیکن یہ جنونیوں کی طرح ایک ہی بات کہے جا رہا ہے۔

۶۔ کفار نبی اکرم ﷺ کو مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر عوام میں مجنون کہتے تھے۔لیکن ذاتی طور پر پوری دیانت داری سے سمجھتے تھے کہ آپ انتہائی ذہین، دانشور اور صاحب بصیرت انسان ہیں۔جس کا تجربہ انھوں نے قومی سطح پر اس وقت کیا تھا۔ جب آپ کی عمر مبارک ۳۵ سال کی تھی۔ بیت اللہ کی تعمیر کے وقت حجر اسود رکھنے پر اہل مکہ کے درمیان کشت وخون کی نوبت پیدا ہو چکی تھی۔آپ نے انتہائی پر آشوب حالات اور جذباتی فضا میں ایسا فیصلہ فرمایا کہ آپ کی ذہانت کے نہ صرف اہل مکہ قائل ہوئے بلکہ پورے حجاز میں آپ کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔آپ کی ۶۳ سالہ زندگی میں بدترین دشمن بھی کسی ایک کام یا بات کی نشاندہی نہ کر سکے۔جس وجہ سے آپ کو معمولی عقل رکھنے والا انسان کہا جا سکے۔ان حقائق کی بنیاد پر سورۂ سباء آیت ۴۶ میں کفار کو چیلنج دیا گیا ہے کہ تم اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ دو دو اور ایک ایک ہو کر سوچو! کہ کیا اس نبی کو کوئی جنون ہے۔ یہ تو صرف اس لیے رات دن ایک کیے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کے برے انجام سے ڈرانے کے لیے بھیجا ہے لہٰذا آپ کھلے الفاظ میں لوگوں کو ڈرانے والے ہیں۔جس عقیدۂ توحید کی بناء پر تم اس رسول کو پاگل کہتے ہو بتاؤ کبھی تم نے زمین وآسمان کے انتظام وانصرام اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان پیدا کیا اس پر غور کیا؟ کیا نظام قدرت میں کسی اعتبار سے بھی کسی کا عمل دخل ہے؟ اور کبھی سوچا کہ اس نظام کے خاتمہ کا وقت کتنا قریب آ گیا ہے، یہ اشارہ فرما کر توحید کے منکروں کو قیامت برپا ہونے کا احساس دلا کر فرمایا ہے کہ مزید کونسی دلیل ہوگی جس پر تم ایمان لاؤ گے۔درا صل جسے اللہ تعالیٰ اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔انھیں ان کے گناہوں میں اس لیے چھوڑا جا رہا ہے تاکہ یہ اپنے گناہوں میں سرگرداں رہیں۔

مسائل

۱۔ رسول لوگوں کو ان کے برے انجام سے ڈرانے کے لیے آتا ہے۔
۲۔ عقیدۂ توحید کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اللہ کی مخلوق پر غور و خوض کرے۔
۳۔ آدمی کو اپنی موت سے پہلے اپنا عقیدہ اور اعمال درست کر لینے چاہییں۔
۴۔ جس کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔
۵۔ گمراہ شخص ہر وقت اپنے گناہوں میں پریشان رہتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نبی ﷺ کی داعیانہ حیثیت:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حق دے کر بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔(البقرۃ:۱۱۹)
۲۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے دین کے داعی اور روشن چراغ ہیں۔(الاحزاب:۴۶)
۳۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شاہد، بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔(الاحزاب:۴۵)
۴۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔(سبا: ۲۸)
۵۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔(الانبیاء:۱۰۷)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا

وہ آپ سے سوال کرتے ہیں سے قیامت کب ہے اسکا واقع ہونا فرمادیجیے یقیناً

عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔ ثَقُلَتْ

اسکا علم پاس میرے رب نہیں ظاہر کریگا اسے اسکے وقت پر مگر وہی وہ بھاری ہے

فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ یَسْـَٔلُوْنَكَ

میں آسمانوں اور زمین نہیں آئے گی تمہارے پاس مگر اچانک وہ آپ سے سوال کرتے ہیں

كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ

گویا کہ آپ تحقیق کر چکے ہیں اس کی فرمادیجیے یقیناً اس کا علم پاس اللہ اور لیکن

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

اکثر لوگ نہیں وہ جانتے

’’آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ یہ کب واقع ہوگی؟ فرمادیں اس کا علم میرے رب کے پاس ہے اسے اس کے وقت پراس کے سوا کوئی ظاہر نہیں کرے گا وہ آسمانوں اور زمین پر بھاری واقع ہوئی ہے تم پر اچانک ہی آئے گی آپ سے یوں پوچھتے ہیں جیسے آپ اس کی خوب تحقیق کر چکے ہوں فرمادیں اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔‘‘ (۱۸۷)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار نہ صرف عقیدہ توحید کے منکر تھے بلکہ قیامت کے برپا ہونے پر بھی یقین نہیں رکھتے تھے جس وجہ سے وہ آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے پوچھتے کہ قیامت کب آئے گی۔ یہاں اس کا جواب دیا گیا ہے۔

کفار قیامت کے قائم ہونے کا استہزاء اڑانے اور نبی اکرم ﷺ کو پریشان کرنے کے لیے آپ سے مطالبہ کرتے کہ جس قیامت کے برپا ہونے سے آپ ہمیں ڈراتے اور دھمکاتے ہیں یہ کب آئے گی اگر تیرے پاس کوئی اختیار ہے تو اسے ہم پر برپا کردے ۔اس کا جواب آپ کی زبان اطہر سے یوں دلوایا جارہا ہے کہ آپ انھیں فرمائیں کہ قیامت کے برپا ہونے کا وقت میرے رب کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

میرا رب ہی اسے اس کے وقت پر برپا کرے گا لیکن یاد رکھو قیامت کا برپا ہونا زمین و آسمان اور ان کی ہر چیز پر بھاری ہوگا۔ کوئی چیز بھی اس کی ہولناکیوں کو برداشت نہ کر سکے گی۔ جس قیامت کا تم مذاق اڑاتے ہو وہ تمھارے پاس اچانک اور آناً فاناً آجائے گی۔ جسے کسی کا تکبر اور بڑائی ٹال نہیں سکے گی۔ اے رسول! یہ تو قیامت کے بارے میں آپ سے اس

طرح سوال کرتے ہیں جیسے آپ ہر وقت اس کی تلاش میں لگے ہوئے ہوں۔ انھیں بتائیں کہ قیامت کے دن کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ اچانک اور ہر حال میں برپا ہونے والی ہے لیکن اس کے باوجود لوگوں کی اکثریت اس حقیقت کو جاننے یعنی اس کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتی۔ اس آیت میں کفار کے مزاج اور انکار کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس تکرار و استکبار کے ساتھ آپ سے قیامت کے برپا ہونے کا مطالبہ کرتے تھے جس کے جواب میں دو باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

۱۔ قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

۲۔ قیامت کی ہولنا کیوں کو زمین و آسمان بھی برداشت نہیں کر سکیں گے۔ جب یہ اتنا بھاری اور ہولناک واقعہ ہوگا تو اس کا مذاق اڑانا اور اس کے لیے جلدی کرنا سوائے حماقت کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الۡغَيۡثَ وَ يَعۡلَمُ مَا فِى الۡاَرۡحَامِ وَمَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌ مَّا ذَاتَكۡسِبُ غَدًا وَمَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌۢ بِاَىِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ خَبِيۡرٌ .﴾

''اُس گھڑی کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہی بارش برساتا ہے، وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹوں میں کیا پرورش پا رہا ہے، کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرنے والا ہے اور نہ کسی شخص کو یہ خبر ہے کہ کس سرزمین میں اس کو موت آنی ہے، اللہ ہی سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔''

((عَنۡ أَبِى هُرَيۡرَةَ ﷺ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ بَارِزًا يَوۡمًا لِلنَّاسِ فَأَتَاهُ جِبۡرِيلُ.........فَقَالَ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ مَا الۡمَسۡئُولُ عَنۡهَا بِأَعۡلَمَ مِنَ السَّائِلِ))[رواه البخاری: كتاب الايمان باب سؤال جبريل]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دن نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس بیٹھے تھے۔ جبرائیل علیہ السلام آئے ....انہوں نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔''؟

((عَنۡ أَبِى هُرَيۡرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَثَوۡبُهُمَا بَيۡنَهُمَا لَا يَطۡوِيَانِهِ وَلَا يَتَبَايَعَانِهِ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدۡ حَلَبَ لِقۡحَتَهُ لَا يَطۡعَمُهُ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدۡ رَفَعَ لُقۡمَتَهُ إِلٰى فِيهِ وَلَا يَطۡعَمُهَا وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَالرَّجُلُ يَلِيطُ حَوۡضَهُ لَا يَسۡقِى مِنۡهُ))[رواه احمد]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا کپڑا بیچنے اور خریدنے والے ابھی سمیٹ نہیں سکیں گے کہ قیامت آجائے گی۔ ایک آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ دوہ رہا ہوگا اور وہ اس کو پی نہیں سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ کھانا کھانے والا لقمہ اپنے منہ کی طرف اٹھائے گا۔ اس کو کھا نہیں سکے گا تو قیامت قائم ہو جائے گی۔ ایک آدمی اپنا حوض ٹھیک کر رہا ہوگا وہ اس سے پانی پی نہیں سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ إِلَّا عَلٰی شِرَارِ النَّاسِ))

[رواہ مسلم: کتاب الفتن واشراط الساعة باب قرب الساعة]

''حضرت عبداللہ ؓ نبی معظم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ قیامت صرف برے لوگوں پر قائم ہوگی۔''

((عَنْ اَنَسٍ ؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی لَا یُقَالَ فِی الْاَرْضِ اَللّٰہُ اَللّٰہُ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ عَلٰی اَحَدٍ یَقُوْلُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ۔))[رواہ مسلم: باب ذَهَابِ الإِيمَانِ آخِرَ الزَّمَانِ]

حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں، رسولِ محترم ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک زمین پر اللہ اللہ کی آواز آنا ختم نہ ہوجائے گی ایک روایت میں ہے قیامت ایسے شخص پر قائم نہیں ہوگی، جو اللہ اللہ کہنے والا ہوگا۔

مسائل

۱۔ قیامت وقت مقررہ سے ایک لمحہ بھی آگے پیچھے نہیں ہوسکے گی۔

۲۔ قیامت اچانک واقع ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کی ہولناکیاں:

۱۔ جب زمین کو ہلا دیا جائے گا پوری طرح ہلا دینا۔(الزلزال:۱)

۲۔ جب واقعہ ہوگی واقعہ ہونے والی۔(الواقعۃ:۱)

۳۔ لوگو! اپنے رب سے ڈر جاؤ قیامت کا زلزلہ بہت سخت ہے۔(الحج:۱)

۴۔ قیامت زمین وآسمانوں پر بھاری ہوگی۔(الاعراف:۱۸۷)

۵۔ قیامت کے دن لوگ اڑتے پروانوں کی طرح ہوں گے۔(القارعۃ:۴)

۶۔ قیامت کے دن پہاڑ اون کی طرح ہوں گے۔(القارعۃ:۵)

۷۔ قیامت کا دن انتہائی دردناک ہوگا۔(ھود:۲۶)

۸۔ زمین کو ہلا کر تہہ وبالا کر دیا جائے گا۔(واقعۃ:۳،۴)

۹۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر پراگندہ غبار کی طرح ہوجائیں گے۔(الواقعۃ:۵،۶)

۱۰۔ زمین چٹیل میدان بنادی جائے گی۔(الواقعہ:۴)

قُلْ	لَّآ اَمْلِكُ	لِنَفْسِيْ	نَفْعًا	وَّلَا	ضَرًّا	اِلَّا
فرمادیجیے	نہیں میں مالک	اپنی جان کے لیے	نفع	اور نہ	نقصان	مگر

مَا شَآءَ اللّٰهُ	وَلَوْ كُنْتُ	اَعْلَمُ	الْغَيْبَ	لَاسْتَكْثَرْتُ	مِنَ الْخَيْرِ
جو چاہے اللہ	اور اگر میں ہوتا	جانتا	غیب	البتہ میں بہت زیادہ حاصل کر لیتا	خیر سے

وَمَا	مَسَّنِيَ	السُّوْٓءُ	اِنْ اَنَا	اِلَّا	نَذِيْرٌ	وَّبَشِيْرٌ
اور نہ	پہنچتا مجھے	نقصان	نہیں ہوں میں	مگر	ڈرانے والا	اور خوشخبری دینے والا

لِّقَوْمٍ	يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾
اس قوم کے لیے	وہ ایمان لاتے ہیں

”فرمادیں کہ میں تو اپنے لیے بھی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ ہاں! جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی خیر حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی، میں صرف ایک ڈرانے والا ہوں اور خوشخبری دینے والا ہوں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔“ (۱۸۸)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی آپ ﷺ سے کہلوایا گیا کہ اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے اب اس کا مزید جواب دیا جا رہا ہے۔

باطل فرقوں کی ہمیشہ سے عادت رہی ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ذمہ وہ بات لگاتے اور ان سے مافوق الفطرت کاموں کی توقع اور ایسے مطالبات کرتے رہے کہ جس کا انھوں نے کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ یہی حالت اہل مکہ کی تھی۔ کبھی آپ سے یہ مطالبہ کرتے کہ ہم آپ پر تب ایمان لائیں گے جب تک آپ ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری نہ کر دیں یا پھر آپ کے پاس کھجوروں کا ایسا باغ ہونا چاہیے جس میں نہریں جاری ہوں، یہ نہیں تو آپ اپنے دعویٰ کے مطابق آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا ڈالیں۔ اگر یہ کام نہیں کر سکتے تو اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کو ہمارے سامنے لے آئیں تاکہ ہم ان سے ہم کلام ہونے کے ساتھ انھیں دیکھ لیں۔ اگر یہ بھی نہیں ہو سکتا تو آپ کا گھر سونے کا ہونا چاہیے۔ آخری بات انھوں نے یہ کہی کہ آپ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر چڑھ جائیں لیکن یاد رکھنا ہم پھر بھی آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ہمارے لیے ایسی لکھی لکھائی کتاب نہ لائیں جس کو ہم خود دیکھ کر پڑھ سکیں۔ ان بے ہودہ سوالات کے جواب میں آپ کو صرف اتنا کہنے کا حکم ہوا کہ آپ انھیں فرمائیں کہ میرا رب یہ کرنا چاہے تو اس کے پاس ایسا کرنے کا پورا اختیار اور طاقت ہے۔ کیونکہ وہ ہر کمزوری سے مبرا اور پاک ہے لیکن مجھے تو میرے رب نے صرف ایک انسان اور رسول بنایا ہے۔

''اور کہنے لگے: ہم آپ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ ہمارے لیے زمین سے چشمہ نہ جاری کر دیں۔ یا آپ کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں بہا دے۔ یا آپ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دیں جیسے آپ کا دعویٰ ہے یا اللہ اور فرشتوں کو سامنے لے آئیں۔ یا آپ کے لیے سونے کا کوئی گھر ہو یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھنے کو بھی نہ مانیں گے حتیٰ کہ آپ ہم پر کتاب اتار لائیں جس کو ہم پڑھ لیں کہیے: پاک ہے میرا رب! میں تو محض ایک انسان ہوں پیغام پہنچانے والا۔'' [بنی اسرائیل: ۹۰ تا ۹۳]

یعنی نہ میں نے کبھی ایسی باتوں کا وعدہ اور دعویٰ کیا ہے اور نہ ہی یہ چیزیں میرے اختیار میں ہیں۔ یہاں تک کہ میں اپنے نفع ونقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے اگر میں غیب جاننے والا ہوتا تو یقیناً اپنے لیے بہت سی خیر جمع کر لیتا اور مجھے کبھی نقصان نہ پہنچتا۔ میرا دعویٰ صرف یہ ہے میں ایمان لانے والوں کے لیے ڈرانے اور خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ قرآن مجید نے متعدد مقامات پر عقیدۂ توحید کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا خواہ کوئی ولی، نبی اور فرشتہ ہی کیوں نہ ہو۔ اسے اپنے یا دوسرے کے نفع ونقصان کا کوئی اختیار حاصل نہیں۔ لیکن افسوس فرقہ واریت کی لہر میں بہہ کر بڑے بڑے علماء کھلم کھلا اپنے بزرگوں کے ایسے اقوال نقل کرتے ہیں جو واضح طور پر قرآن وسنت کے منافی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اس مقام پر ایک عالم نے کچھ اقوال کے ذریعے اپنا کمزور عقیدہ ثابت کرنے کی لاحاصل کوشش کی ہے۔ اس آیت کریمہ میں حضور اکرم ﷺ اپنی ذات مقدسہ سے الوہیت کی نفی فرما رہے ہیں کہ میں خدا نہیں۔ کیونکہ خدا وہ ہے جس کی قدرت کامل اور اختیار مستقل ہے جو چاہے کرسکتا ہے۔ نہ کسی کام سے اُسے کوئی روک سکتا ہے اور نہ اُسے کسی کام پر مجبور کرسکتا ہے۔ اور مجھ میں یہ اختیار کامل اور قدرت مستقلہ نہیں پائی جاتی۔ میرے پاس جو کچھ ہے میرے رب کا عطیہ ہے اور میرا سارا اختیار اسی کا عنایت فرمودہ ہے۔ ''لَا اَمۡلِکُ'' کے کلمات سے اپنے اختیار کامل کی نفی فرمائی اور ''اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ'' سے اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ کوئی نادان یہ نہ سمجھے کہ حضور کو نفع وضرر کا کچھ اختیار ہی نہیں۔ فرمایا مجھے اختیار ہے اور یہ اختیار اتنا ہی ہے جتنا میرے رب کریم نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ کتنا عطا فرمایا ہے تو انسانی عقل کا کوئی پیمانہ اور کوئی اندازہ اس کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ کوئی بناوٹی حد قائم نہیں کی جاسکتی۔ اس ایک آیت کریمہ میں ہی غور فرمائیے **وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی**۔ ''(اے حبیب ﷺ) تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔'' کیا لطف ہے حضور ﷺ نے اپنی ساری توانائیوں اور قوتوں سے برأت کرتے ہوئے ہر بات اپنے خالق ومالک کی مرضی اور مشیت کے سپرد کر دی اور اس بندہ نواز نے اپنی مشیت کو اپنے محبوب بندے کی رضا وخوشنودی پر منحصر کر دیا۔ بتا دیا تجھے دینے والا میں ہوں۔ خود تمھیں دوں گا اور اتنا دوں گا جتنا تو چاہے گا۔ اب اس عالی ظرف آقا کی وسعت ظرف کو ملاحظہ فرمائیے۔ جب ﴿**وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی**﴾ کا مژدہ پہنچا تو عرض کی اے کریم! میں تو اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میری امت کا آخری فرد بھی

جنت میں نہ پہنچ جائے۔ انصاف کر دیا۔ کیا آتش جہنم سے بچالینا دفع ضرر باذن اللہ نہیں ۔ کیا جنت میں پہنچا دینا نفع رسانی باذن اللہ نہیں ؟ ہے اور یقیناً ہے۔ یہاں آپ ﷺ کو مختار کل ثابت کرنے کے لیے ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے اور آپ کے بارے میں علم الغیب ثابت کرنے کے لیے عطائی علم کی اصطلاح کا سہارا لیا ہے یہ ایسا ہی کمزور سہارا ہے جس طرح مرزائی مرزا کو اصلی نبی نہیں کہتے بلکہ عوام الناس کو دھوکا دینے اور مرزا کی نبوت ثابت کرنے کے لیے ظلی اور بروزی نبی کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ الفاظ کے ہیر پھیر کے سوا اس عقیدہ کی کوئی بنیاد نہیں ان کی دیکھا دیکھی ایک طبقہ نے نبی اکرم ﷺ کو عالم الغیب ثابت کرنے کے لیے عطائی علم کی اصطلاح اپنائی ہے۔

جس کا معنی ہے کہ آپ واقعی غیب نہیں جانتے تھے سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا تھا اس کے لیے قرآن مجید کی واضح اور دوٹوک آیات کو چھوڑ کر لوگوں کو مغالطہ دینے کے لیے ایک دو ایسی آیات کا حوالہ دیتے ہیں جو متشابہات میں سے ہیں۔ متشابہات آیات کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے کہ ان آیات کو قرآن مجید کی مرکزی آیات کے ساتھ ملا کر سمجھنا چاہیے لیکن جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ پن ہے اور وہ امت میں فتنہ پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ ان آیات کی تفسیر اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ (آل عمران، آیت:۵)

((عَنِ ابْنِ دَارَّةَ مَوْلٰی عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ إِنَّا لَبِالْبَقِیعِ مَعَ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ إِذْ سَمِعْنَاهُ یَقُولُ أَنَا أَعْلَمُ النَّاسِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ ﷺ یَوْمَ الْقِیَامَةِ قَالَ فَتَدَاكَّ النَّاسُ عَلَیْهِ فَقَالُوا إِیهٍ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ قَالَ یَقُولُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِكُلِّ عَبْدٍ مُسْلِمٍ لَقِیَكَ یُؤْمِنُ بِی وَلَایُشْرِكُ بِكَ))[رواہ احمد]

’’ابن دارہ جو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں فرماتے ہیں کہ ہم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بقیع میں بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے کہا میں لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں قیامت کے دن محمد ﷺ کس کے ساتھ سفارش کریں گے۔ ابن دارہ کہتے ہیں لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا بتائیے اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے انہوں نے کہا اے اللہ ہر مسلمان بندے کو بخش دے جو تجھے اس حال میں ملے کہ تجھ پر ایمان لا کر اس نے شرک نہ کیا ہو۔‘‘

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِكُلِّ نَبِیٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِیٍّ دَعْوَتَهُ وَإِنِّی اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِی شَفَاعَةً لِأُمَّتِی یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَهِیَ نَائِلَةٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِی لَا یُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَیْئًا)) [رواہ مسلم: كتاب الایمان، باب اختباء النبی دعوۃ الشفاعۃ لأمتھپ]

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی معظم ﷺ نے فرمایا ہر نبی کے لیے ایک ایسی دعا ہوتی ہے جو قبول کی جاتی ہے سارے انبیاء نے اپنی دعاؤں میں جلدی کی اور میں نے اپنی دعا کو آخرت کے لیے اپنی امت کی سفارش کے لیے بچا کر رکھا ہے میری دعا ہر اس شخص کو فائدہ دے گی جو اس حالت میں فوت ہوا کہ اس نے اللہ

کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو۔“

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ رَأٰى رَبَّهُ فَقَدْ كَذَبَ وَهُوَ يَقُولُ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَمَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَقَدْ كَذَبَ وَهُوَ يَقُولُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ))[رواہ البخاری: كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحدا]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جو تمہیں یہ کہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو بلاشبہ وہ جھوٹ بولتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں“ اور جو کوئی تمہیں یہ کہے کہ آپ ﷺ غیب جانتے ہیں تو وہ بھی جھوٹا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اللہ کے علاوہ کو غیب نہیں جانتا“۔

مسائل

۱۔ نبی اکرم ﷺ کسی کو نفع یا نقصان نہیں دے سکتے۔

۲۔ پیغمبر بھی عام لوگوں کی طرح بیمار ہوتے اور مالی نقصان اٹھاتے تھے۔

۳۔ نبی اکرم ﷺ جنت کی خوشخبری اور جہنم سے ڈرانے کے لیے بھیجے گئے تھے۔

تفسیر بالقرآن

نبی اکرم ﷺ نفع ونقصان کے مالک نہیں:

۱۔ آپ ﷺ فرمادیں میں تمھارے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں۔(الجن:۲۱ تا ۲۲)

۲۔ آپ ﷺ فرمادیں کہ اپنے متعلق بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں۔(الاعراف:۱۸۸)

۳۔ اگر مجھے کوئی اللہ کی طرف سے تکلیف پہنچے تو اسے اللہ کے سوا کوئی دور نہیں کرسکتا۔(الانعام:۱۷)

۴۔ آپ ﷺ کہہ دیں کہ میں اپنے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں۔(یونس:۴۹)

۵۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام اپنی بیویوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے۔(التحریم:۱۰)

۶۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا مجھے اللہ کے سامنے کسی قسم کا اختیار نہیں ہے۔(الممتحنۃ:۴)

۷۔ کہہ دیجیے اگر اللہ عیسیٰ ابن مریم اور اس کی والدہ کو ہلاک کرنا چاہے تو انہیں کون بچا سکتا ہے؟(المائدۃ:۱۷)

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ

وہی جس نے تم کو پیدا کیا سے جان ایک اور اس نے بنایا

مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ

اس سے اس کا جوڑا تاکہ وہ سکون کرے اس سے پھر جب اس نے صحبت کی اس سے اٹھایا

حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ

حمل ہلکا سا وہ لیے پھرتی رہی اس کو پھر جب وہ بوجھل ہوگئی ان دونوں نے اللہ سے دعا کی

رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾

اپنے رب سے اگر تو نے ہمیں دیا صالح ہم ضرور ہوں گے سے شکر کرنے والوں

”وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے پھر جب مرد نے عورت سے صحبت کی تو اس نے ہلکا سا حمل اٹھالیا اور اسے لے کر چلتی پھرتی رہی، پھر جب وہ بھاری ہوگئی تو دونوں نے اللہ سے دعا کی جو ان کا رب ہے کہ اگر تو نے ہمیں تندرست بچہ عطا کیا تو ہم ضرور شکر کرنے والوں سے ہوں گے۔“ (۱۸۹)

فہم القرآن

ربط کلام: سابقہ آیات میں یہ ثابت کیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ مختار کل اور عالم الغیب نہیں۔ مختار کل اور غیب کا علم جاننے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہی ذات ہے جس نے پہلے انسان کو پیدا کیا اور پھر اس سے اس کی بیوی کو پیدا فرمایا ہے۔

عقیدۂ توحید دین کی روح اور اس کی بنیاد ہے۔ اسے سمجھانے کے لیے قرآن مجید نے کائنات کی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیزوں سے استدلال کر کے عقیدۂ توحید کو واضح کیا ہے۔ سب سے پہلا توحید کے لیے جو استدلال پیش کیا گیا ہے وہ انسان کی تخلیق کے متعلق ہے۔ پہلی وحی میں فرمایا گیا کہ اس رب کے نام کے ساتھ پڑھیے جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا سورۃ النساء آیت (۱) میں ارشاد ہوا کہ لوگو! اس رب کی نافرمانی سے بچو جس نے تمھیں ایک نفس سے پیدا فرمایا۔ اس سے اس کی بیوی کو جنم دیا اور پھر دونوں سے بے شمار مرد اور عورتیں پیدا فرمائیں۔ وہاں خَلَقَ اور یہاں جَعَلَ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنی پیدا کرنا اور بنانا ہے۔ پھر یہاں بیوی کے رشتے کی غرض و غایت بیان فرمائی کہ یہ رشتہ باہمی سکون کا باعث ہے۔ تاکہ باہم سکون حاصل کرتے ہوئے سلسلۂ تخلیق کی بنیاد بن سکے۔ ازدواجی تعلقات کے یہاں دو مقاصد بیان کیے ہیں۔

۱۔ میاں بیوی کے درمیان باہم اطمینان اور سکون کا رشتہ ہونا چاہیے جس کی تفصیل سورۃ الروم آیت ۲۱ میں یوں بیان

فَلَمَّآ	اٰتٰىهُمَا	صَالِحًا	جَعَلَا لَهٗ	شُرَكَآءَ	فِيْمَآ	اٰتٰىهُمَا ج
پھر جب	اس نے انہیں دیا	صالح	دونوں نے بنایا اسکے لئے	شریک	اس میں جو	اس نے عطا کیا
فَتَعٰلَى	اللّٰهُ	عَمَّا	يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾	اَيُشْرِكُوْنَ	مَا لَا	يَخْلُقُ
پس بلند ہے	اللہ	اس سے جو	وہ شرک کرتے ہیں	کیا وہ شریک ٹھہراتے ہیں	انکو جو نہیں	پیدا کر سکتے
شَيْـًٔا	وَّهُمْ	يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ ج	وَلَا	يَسْتَطِيْعُوْنَ	لَهُمْ	نَصْرًا
کچھ بھی	اور وہ	پیدا کیے جاتے ہیں	اور نہیں	وہ طاقت رکھتے	انکی	مدد کرنیکی
		وَّلَآ	اَنْفُسَهُمْ	يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾		
		اور نہ	اپنی	وہ مدد کر سکتے ہیں		

”پھر جب اس نے انہیں صحت مند بچہ عطا فرمایا تو دونوں نے اس میں جو اس نے انہیں عطا کیا تھا اس کے ساتھ شریک بنا لیے پس اللہ اس سے بہت بلند ہے جو وہ شریک بناتے ہیں۔(۱۹۰) کیا وہ انہیں شریک بناتے ہیں جو کوئی چیز پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔(۱۹۱) اور نہ ان کی کوئی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔“(۱۹۲)

ی ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ اس نے مردوں کی جنس سے ہی ان کی بیویوں کو پیدا کیا تا کہ ان سے سکون حاصل کریں۔اس نے تمھارے درمیان محبت اور مہربانی کا جذبہ قائم فرمایا ہے۔

سورۃ البقرۃ آیۃ ۱۸۷ میں ازدواجی رشتہ کو ایک دوسرے کے لیے لباس قرار دیا گیا ہے۔یعنی ازدواجی زندگی میں چار باتیں ہونی چاہیں۔

۱۔ باہم اطمینان اور اعتماد۔

۲۔ باہمی محبت۔

۳۔ ایک دوسرے پر شفقت و مہربانی کرنا۔

۴۔ ایک دوسرے کی پردہ پوشی کرنا۔

یہ وہ چار بنیادی تقاضے ہیں کہ اگر ان کا خیال رکھا جائے تو گھر کی زندگی پر سکون، امن و امان اور محبت و مہربانی کا گہوارا بن سکتی ہے۔یہاں تخلیق انسانی کی ابتدائی کیفیت کا تذکرہ کرتے ہوئے **تَغَشّٰهَا** کا لفظ استعمال کیا ہے۔جس کا معنیٰ ڈھانپ لینا ہے جو میاں بیوی کی صحبت اور تعلق کی طرف اشارہ ہے۔جس کے نتیجہ میں بیوی صاحب اُمید ہوتی ہے اور اس پر کچھ مہینے ایسے گزرتے ہیں جن میں وہ اپنے معمول کے مطابق زندگی گزارتی ہے لیکن جب مادۂ منویہ خون کے بعد لوتھڑے میں تبدیل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں روح پیدا کرتا ہے۔اس کے بعد عورت محتاط ہونے کے ساتھ اپنے وجود میں دن بدن

ایک بوجھ محسوس کرتی ہے امید کے یہ ایام ایسے ہوتے ہیں جن میں میاں بیوی اپنے رب کے حضور مسلسل دعائیں کرتے ہیں کہ الٰہی! ہمیں خوبصورت اور خوب سیرت بیٹا عنایت فرما۔ ہم تیرے شکر گزار بن کر رہیں گے لیکن جب انھیں صحت مند بیٹا عنایت ہوتا ہے تو پھر اپنے خالق و مالک کے ساتھ دوسروں کو شریک گردانتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ شرک سے مبرا اور ان باتوں سے بلند و بالا ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کرتے ہیں۔ مشرک بتوں، فوت شدہ بزرگوں، چاند ستاروں فرشتوں اور جنات کو اللہ تعالیٰ کے کاموں میں شریک ٹھہراتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ وہ خود اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ اور اس کی مخلوق ہیں اور پکارنے والوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ یہاں تک کہ ان پر کوئی افتاد آپڑے تو اپنے آپ کو بھی بچا نہیں سکتے لیکن اس کے باوجود مشرک اپنی اولاد میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک سمجھتے ہوئے پیراں دتہ، عبدالرسول، عبدالعزیٰ وغیرہ نام رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ اپنی اولاد کو ساتھ لے کر بتوں اور مزارات کا طواف کرتے اور ان کے لیے نذرانے پیش کرتے ہیں۔ یہ پہلے زمانے کے لوگ بچہ پیدا ہونے کے موقعہ شرک کرتے تھے آج کل تو مشرک اس حد تک شرک میں آگے بڑھ گئے ہیں کہ وہ شادی کے بعد مزارات کے چکر لگاتے ہوئے صاحب قبر سے اولاد مانگتے ہیں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک ہی نفس یعنی آدم سے پیدا کیا ہے۔
۲۔ میاں بیوی کے درمیان سکون اور اطمینان کا رشتہ ہونا چاہیے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اولاد دینے والا نہیں۔
۴۔ اللہ تعالیٰ مشرک کے شرک سے مبرا ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ صرف اکیلا خالق ہے باقی سب اس کی مخلوق ہے۔
۶۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کے سوا کوئی مالک اور خالق نہیں:

۱۔ مخلوق اللہ کی ہے۔ اللہ کے سوا کسی نے کچھ پیدا کیا ہے تو مجھے دکھاؤ۔ (لقمان:۱۱)
۲۔ اگر آپ ﷺ ان سے زمین و آسمان کی تخلیق کے بارہ میں سوال کریں گے تو اللہ ہی کا نام لیں گے۔ (لقمان:۲۵)
۳۔ یہ تمھارا رب ہے اس کے سوا دوسرا کوئی خالق نہیں۔ (الانعام:۱۰۲)
۴۔ اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے جو تمھیں زمین و آسمان میں رزق دیتا ہے؟ (الفاطر:۲)
۵۔ تمھارا اللہ تمھارا رب ہے کیا اس کے سوا کوئی دوسرا خالق ہے؟ (غافر:۶۲)
۶۔ ہر چیز اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ (یٰسین:۸۳)

وَاِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى لَا يَتَّبِعُوۡكُمۡ‌ؕ سَوَآءٌ عَلَيۡكُمۡ

اور اگر تم پکارو ان کو طرف ہدایت نہیں پیروی کریں گے تمہاری برابر ہے ان پر

اَدَعَوۡتُمُوۡهُمۡ اَمۡ اَنۡتُمۡ صَامِتُوۡنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ

خواہ تم بلاؤ ان کو یا تم خاموش رہنے والے بیشک وہ لوگ تم پکارتے ہو سے

دُوۡنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمۡثَالُكُمۡ‌ فَادۡعُوۡهُمۡ فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡا لَـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ

اللہ کے علاوہ وہ بندے ہیں تم جیسے ہی تو انہیں پکارو تم پھر چاہیے کہ وہ جواب دیں تمہارے لیے اگر تم ہو

صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمۡ اَرۡجُلٌ يَّمۡشُوۡنَ بِهَآ‌ اَمۡ لَهُمۡ اَيۡدٍ يَّبۡطِشُوۡنَ

سچے یا ان کے لیے پاؤں ہیں وہ چلتے ہیں ان سے یا انکے ہاتھ وہ پکڑتے ہیں

بِهَآ‌ اَمۡ لَهُمۡ اَعۡيُنٌ يُّبۡصِرُوۡنَ بِهَآ‌ اَمۡ لَهُمۡ اٰذَانٌ

ان کے ساتھ یا انکے لیے آنکھیں وہ دیکھتے ہیں ان کے ساتھ یا ان کے لیے کان

”اور اگر تم انہیں سیدھے راستے کی طرف بلاؤ تو وہ آپ کے پیچھے نہیں آئیں گے۔ آپ کے لیے برابر ہے کہ آپ انہیں بلائیں یا آپ چپ رہیں۔ (۱۹۳) بے شک جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ تمہارے جیسے بندے ہیں، پس انہیں پکارو، پھر اگر تم سچے ہو تو وہ تمہاری بات قبول کریں۔ (۱۹۴) کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہیں یا ان کے کان ہیں

فہم القرآن

ربط کلام: مشرکین کی مذمت اور توحید کے دلائل جاری ہیں۔

سورۂ نور آیت ۱۱۷ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو الٰہ مانتا ہے۔ اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ حق دلائل پر قائم ہے اور جھوٹ کی کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ لہٰذا شرک کی حمایت میں جتنے بھی جھوٹے دلائل دیے جاتے ہیں وہ دلیل کے ترازو میں پورے نہیں اترتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم نے شرک کے لیے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ (یوسف: ۴۰) یہی وجہ ہے جب بھی مشرک سے اس کے باطل معبودوں کے بارے میں جواب طلب کیا جاتا ہے تو وہ بہکی بہکی باتیں کرنے کے سوا کوئی جواب نہیں دے پاتا۔ یہاں ان کے سامنے ان کے معبودوں کی حیثیت اور حقیقت بیان کی جا رہی ہے۔

اگر واقعی یہ تمہاری کوئی بھلائی کر سکتے ہیں تو انھیں رہنمائی کے لیے بلاؤ۔ لیکن وہ تمہاری کوئی رہنمائی نہیں کر سکتے۔ تمھارا ان کو

يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ

وہ سنتے ہیں اس کے ساتھ فرما دیجیے تم بلاؤ اپنے شریکوں کو پھر تم تدبیر کرو

فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِیِّ َۦ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ٘

اور نہ تم مجھے مہلت دو بیشک میرا کارساز اللہ ہے وہ جو نازل کیا اس نے کتاب

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

اور وہ کارسازی کرتا ہے نیک لوگوں اور وہ لوگ تم پکارتے ہو سے اللہ کے علاوہ نہیں وہ طاقت رکھتے

نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى

تمہاری مدد اور نہ اپنے آپ وہ مدد کر سکتے ہیں اور اگر تم انہیں بلاؤ طرف

الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

ہدایت نہ وہ سنیں اور تو دیکھتا ہے ان کو وہ دیکھ رہے ہیں تیری طرف حالانکہ وہ نہیں دیکھتے

جن سے سنتے ہیں؟ فرما دیں تم اپنے شریکوں کو بلا کر میرے خلاف تدبیر کرو پس مجھے مہلت نہ دو۔ (۱۹۵) بے شک میرا مددگار اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل کی ہے اور وہی نیکوں کا مددگار ہوتا ہے۔ (۱۹۶) اور جنہیں تم اسے چھوڑ کر پکارتے ہو وہ نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی مدد کرتے ہیں۔ (۱۹۷) اور اگر تو انہیں سیدھے راستے کی طرف بلاؤ تو نہیں سنیں گے اور تو انہیں دیکھتا ہے کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ نہیں دیکھتے۔'' (۱۹۸)

بلانا یا نہ بلانا ان کے لیے یکساں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن فوت شدہ بزرگوں کو تم پکارتے ہو۔ وہ تمھاری طرح کے ہی بندے تھے یعنی جس طرح تم رب کے سامنے بے بس اور بے اختیار ہو۔ اسی طرح ہی وہ اپنے رب کے سامنے عاجز اور بے اختیار تھے اور ہیں۔ جس طرح بیماری اور شفا، غربت اور دولت، عزت اور ذلت نفع اور نقصان تمھارے اختیار میں نہیں اسی طرح وہ بھی ان امور پر کوئی اختیار نہیں رکھتے تھے۔ اس کے باوجود تم انھیں مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہو۔ اگر تم اپنے عقیدہ اور دعویٰ میں سچے ہو تو ان کو آواز دو۔ چاہیے تو یہ کہ وہ جواب دیں لیکن وہ تمھیں کبھی جواب نہیں دے سکتے۔ سورۃ الفاطر، آیت: ۱۴ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ نہ صرف تمھاری پکار کا جواب نہیں دے سکتے بلکہ قیامت تک کے لیے ان باتوں سے لاتعلق اور بے خبر ہیں اور محشر کے دن وہ صاف صاف تمھارے عقیدہ اور باتوں کا انکار کریں گے۔ ان دلائل کے باوجود مشرکین انبیاء اور موحدین کو دھمکیاں دیا کرتے ہیں کہ ہمارے معبود یہ کچھ کر سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں انھیں چیلنج دیا گیا ہے کہ کیا ان کے پاس پاؤں ہیں جن سے وہ چل سکیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑ سکیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھ سکیں یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سن سکیں۔ فوت ہونے کے بعد ان کے اعضا مٹی کے ساتھ مٹی ہو چکے اگر کسی کا وجود قبر

میں سلامت بھی ہے تو اس دنیا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اس لیے نبی محترم ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ انھیں چیلنج دیں تم اپنے معبودوں کو میرے خلاف اکٹھا کرواور جو تم میرا بگاڑنا چاہتے ہو بگاڑ لو میں تم سے ایک لمحہ کی مہلت بھی نہیں مانگتا۔

میرا مالک اور خیر خواہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے مجھ پر قرآن مجید نازل کیا ہے وہی نیک بندوں کی خیر خواہی اور دستگیری کرتا ہے۔ جنھیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو وہ نہ تمھاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنے آپ کی۔ اگر تم انھیں رہنمائی کے لیے بلاؤ وہ سنتے ہی نہیں۔ آیت ۱۹۸ میں فرمایا۔ حالانکہ وہ نہیں دیکھ سکتے۔ دیکھنے والوں سے مراد مدفون لوگ بھی ہو سکتے ہیں جن کے بارے میں مشرکین کا عقیدہ ہے کہ ہمارے حالات دیکھتے اور جانتے ہیں۔ تب ہی تو مشرک کہتے ہیں۔

یا عَبْدَ الْقَادِرْ جِیْلَانِی ۔ اُنْظُرْ اِلَیْنَا ۔ اے عبد القادر جیلانی ہماری حالت دیکھیے۔

ان سے مراد بت بھی ہو سکتے ہیں جنھیں اس طرح خوبصورتی سے تراشا اور بنایا جاتا تھا کہ دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ خاص کر جو شخص ان مجسموں کو خدا کا اوتار سمجھتا ہو، وہ تو عقیدت و محبت سے ایسا سمجھے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حالانکہ ان کے ہاتھ، پاؤں آنکھ، ناک سب کچھ بنایا گیا ہے۔ لیکن یہ کچھ حرکت نہیں کر سکتے یہی صورت قبر میں مدفون بزرگوں کی ہے جو گرتے کو تھام نہیں سکتے، رونے والے کو دلاسہ نہیں دے سکتے۔

یہاں ہم نہایت خیر خواہی کے جذبہ سے چند سوالات پیش کرتے ہیں جنھیں غور سے پڑھنا چاہیے۔

۱۔ فوت ہونے والے بزرگ بیمار ہوئے، ہزار دعاؤں اور دواؤں کے باوجود صحت یاب نہ ہو سکے۔

۲۔ فوت ہوئے تو گھر میں میت ہونے کے باوجود روتی ہوئی بیٹیوں، تڑپتی ہوئی والدہ، بلکتی ہوئی بیوی، سسکتے ہوئے بیٹے اور آہ و بکا کرنے والے مرید کو تسلی نہ دے سکے۔

۳۔ شرم و حیا کے پیکر ہونے کے باوجود اپنے آپ استنجا کر سکے نہ غسل۔

۴۔ زندگی میں خود اپنی قبر بنوانے والے بھی اپنے پاؤں پر چل کر قبر تک نہ پہنچ سکے۔

۵۔ جو زندگی میں صرف پنجابی یا کوئی ایک زبان جانتے تھے فوت ہونے کے بعد قبر پر آنے والوں اور دوسری زبانوں میں فریاد کرنے والوں کی زبان سے کس طرح واقف ہو گئے؟

۶۔ جو خود اولاد سے محروم تھے وہ دوسرے کو کس طرح اولاد عطا کر سکتے ہیں؟

۷۔ جو خراٹے لینے والی نیند یا کسی وجہ سے بے ہوشی کے عالم میں دیکھ اور سن نہیں سکتے تھے اب موت کے بعد کس طرح سننے اور دیکھنے کے قابل ہو گئے؟

۸۔ جو زندگی میں دیوار کی دوسری طرف نہیں دیکھ سکتے تھے اب قبر کی منوں مٹی اور مضبوط پتھروں کے درمیان کس طرح دیکھ سکتے ہیں۔

۹۔ جو اپنی حالت سے کسی کو آگاہ نہیں کر سکتے دوسرے کی حالت رب کے حضور کس طرح پیش کر سکتے ہیں؟

۱۰۔ جو زندگی میں بیک وقت ایک یا دو، تین آدمیوں سے زیادہ کی بات سن اور سمجھ نہیں سکتے تھے۔ اب بیک وقت سینکڑوں، ہزاروں آدمیوں کی فریاد کس طرح سن سکتے ہیں؟

مسائل

۱۔ ہٹ دھرم لوگ کبھی ہدایت نہیں پاتے۔

۲۔ ساری مخلوق اللہ کے سامنے بے بس اور بے اختیار ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نیک اور متقین کا دوست ہے۔

تفسیر بالقرآن

فوت شدگان نہیں سنتے:

۱۔ اللہ جسے چاہے سنا سکتا ہے جو قبروں میں ہیں آپ ﷺ ان کو نہیں سنا سکتے۔ (الفاطر: ۲۲)

۲۔ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ (النمل: ۸۰)

مشرکین کو انبیاء علیہم السلام کے چیلنج:

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کا مشرکوں کو چیلنج۔ (ھود: ۳۵)

۲۔ (آپ ﷺ) فرما دیں کہ بلاؤ اپنے شرکاء کو وہ انھیں کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ (القصص: ۶۴)

۳۔ (آپ ﷺ) فرما دیں اپنے شرکاء کے بارہ میں خبر دو جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو۔ (الفاطر: ۴۰)

۴۔ (آپ ﷺ) فرما دیں کیا تمھارے شرکاء پیدا کرنے اور زندہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں؟ (یونس: ۳۴)

۵۔ (آپ ﷺ) فرما دیں کیا تمھارے شرکاء حق کی راہ دکھلا سکتے ہیں؟ (یونس: ۳۵)

۶۔ (آپ ﷺ) استفسار فرمائیں کہ تمھارے شرکاء کچھ کر بھی سکتے ہیں؟ (الروم: ۴۰)

۷۔ مشرکین اپنے شرکاء کو بلائیں اگر سچے ہیں۔ (القلم: ۴۱)

۸۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشرکوں کو چیلنج۔ (الممتحنۃ: ۴)

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا

اختیار کیجیے درگزری | اور حکم کر | نیک کام کا | اور اعراض کر | سے | جاہلوں | اور اگر

يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾

ابھارے تجھے | سے | شیطان | کوئی وسوسہ | تو پناہ مانگ اللہ کی | بیشک وہ | سننے والا | جاننے والا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا

بیشک وہ لوگ | تقوی اختیار کیا | جب پہنچتا ہے انہیں | کوئی وسوسہ | سے | شیطان | چونک پڑتے ہیں

فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ

ناگہاں | وہ | سوجھ بوجھ والے ہو جاتے ہیں | اور انکے بھائی | انہیں کھینچتے ہیں | میں | گمراہی | پھر

لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

نہیں | وہ کمی کرتے

''درگزر اختیار کریں اور نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جائیں (۱۹۹) اور اگر کبھی آپ کو شیطان کا وسوسہ اُبھارے تو اللہ کی پناہ طلب کریں بے شک وہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ (۲۰۰) یقیناً وہ لوگ جو اللہ سے ڈرتے ہیں جب انہیں کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آتا ہے تو وہ چونک جاتے ہیں اور وہ سوجھ بوجھ والے ہوتے ہیں۔ (۲۰۱) اور جو شیاطین کے بھائی ہیں انہیں وہ گمراہی میں بڑھاتے رہتے ہیں اور کوئی کمی نہیں کرتے۔'' (۲۰۲)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کی توحید بتلانے اور سمجھانے پر مشرک اور کافر اشتعال میں آکر بدکلامی کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں درگزر کرنے کا حکم۔

یہاں مبلغ کو چار ہدایات دی گئی ہیں۔

۱۔ اختلاف اور اشتعال کے مقابلہ میں حوصلہ رکھنا اور درگزر کرنا۔

۲۔ عرف کے مطابق تبلیغ کرنا۔

۳۔ جہلاء سے اعراض برتنا۔

۴۔ انسان ہونے کے ناتے سے طبیعت میں غصہ اور اشتعال پیدا ہو تو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا۔

تبلیغ کے میدان میں ایک مبلغ کو ہر قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس لیے اسے سمجھداری اور بردباری کا

مظاہرہ کرنا چاہیے اگر دین کا کارکن اور مبلغ مشتعل ہو جائے تو کام آگے بڑھنے کے بجائے نہ صرف رک جاتا ہے بلکہ معاملہ جنگ وجدال تک پہنچ جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ فطری اور جبلی طور پر حوصلہ اور بردباری کے پیکر تھے۔ آپ کی حیات مبارکہ میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ آپ نے اشتعال میں آکر کسی کوترکی بہ ترکی جواب دیا ہو۔ اس کے باوجود آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ معافی اور درگزر کا رویہ اختیار کریں۔ یہی تعلیم آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجتے ہوئے دی تھی۔ پہلے آپ نے ارکان اسلام کی ترتیب بتلائی اور فرمایا کہ سب سے پہلے ان لوگوں کو توحید و رسالت سے آگاہ کرنا جب لوگ کلمہ طیبہ کی شہادت دیں تو پھر انھیں نماز پر لگانا اور نماز کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دینا اور لوگوں سے زکوٰۃ لے کر وہاں کے غریبوں پر خرچ کرنا اور یاد رکھنا کہ لوگوں کے ساتھ نرمی اور آسانی کا رویہ اختیار کرتے ہوئے ان کے درمیان نفرت پیدا کرنے سے اجتناب کرنا۔

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ إِنَّ الرَّحِمَ شَجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ اللّٰهُ مَنْ وَصَلَكِ وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهُ))[رواه البخاری: کتاب الادب، باب من وصل وصله الله]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں انہوں نے فرمایا بلاشبہ رحم رحمان سے ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو کوئی تمہیں ملائے گا اسے میں ملاؤں گا اور جو کوئی تمہیں قطع کرے گا میں اسے قطع کروں گا۔''

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِی يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ))[رواه البخاری: کتاب الادب، باب الحذر من الغضب]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا طاقتور وہ نہیں جو مدمقابل کو پچھاڑ دے بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر کنٹرول رکھے۔''

((عن سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ وَنَحْنُ عِنْدَهُ جُلُوسٌ وَأَحَدُهُمَا يَسُبُّ صَاحِبَهُ مُغْضَبًا قَدْ احْمَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ إِنِّی لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ لَوْ قَالَ أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ فَقَالُوا لِلرَّجُلِ أَلَا تَسْمَعُ مَا يَقُولُ النَّبِیُّ ﷺ قَالَ إِنِّی لَسْتُ بِمَجْنُونٍ))

[رواه البخاری: کتاب الأدب، باب الحذر من الغضب]

''حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں دو آدمیوں نے نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں باہم گالی گلوچ کی اور ہم آپ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان دونوں میں سے ایک شدید غصے میں تھا وہ دوسرے کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ تھا۔ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا میں ایسی بات جانتا ہوں اگر وہ اسے کہہ دے تو اس سے اس کا غصہ جاتا رہے۔ وہ کہے: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ''میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس شخص سے کہا کیا تم نبی اکرم ﷺ کا فرمان نہیں سنتے ہو؟ اس شخص نے

کہا میں پاگل تو نہیں ہوں۔''

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا))

[رواه البخاری: كتاب العلم، باب ما كا يتخولهم بالموعظة]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا آسانیاں پیدا کرو مشکلات پیدا نہ کرو لوگوں کو خوشخبریاں دو اور متنفر نہ کرو۔''

۲۔ دوسرا حکم آپ اور آپ کے حوالے سے ہر مبلغ کو یہ دیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو عرف کی تبلیغ کریں اور عرف کا معنیٰ نیک کام، تبلیغ اور نصیحت کرنا بھی ہے کہ مبلغ کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ وہ مرقع مسجع، ردیف اور قافیہ ملانے کے بجائے سادہ اور مؤثر الفاظ میں لوگوں کو وعظ کرے۔ اس کے لب ولہجہ، انداز اور الفاظ میں تکلف نہیں ہونا چاہیے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ اعلان فرمائیں کہ میں آپ سے تبلیغ کے بدلے نہ کوئی اجر طلب کرتا ہوں اور نہ ہی کسی قسم کا تکلف کرنے والا ہوں۔ (ص، آیت:۸۶) اس کے ساتھ ہی مبلغ کو وعظ بالخصوص خطبہ جمعہ میں شعر وشاعری سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ رسول اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے آپ کو شعر وشاعری نہیں سکھلائی اور نہ ہی آپ کی شان کے لائق ہے کہ آپ شعر گوئی کا مظاہرہ کریں۔ (یٰس، آیت:۶۹)

((عَنْ عُمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ ﷺ قَالَ رَأَى بِشْرَ بْنَ مَرْوَانَ عَلَى الْمِنْبَرِ رَافِعًا يَدَيْهِ فَقَالَ قَبَّحَ اللّٰهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مَا يَزِيدُ عَلَى أَنْ يَقُولَ بِيَدِهِ هٰكَذَا وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ))

[رواه مسلم: كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة و الخطبة]

''حضرت عمارہ بن رویبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے بشر بن مروان کو منبر پر دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھوں کو بلند کیے ہوئے تھے حضرت عمارہ کہنے لگے اللہ ان ہاتھوں کو تباہ کرے! میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا آپ اس سے زیادہ اشارہ نہیں کرتے تھے یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنی انگشت شہادت کی طرف اشارہ کیا۔''

۳۔ اعراض:

اس سے مراد بحث وتکرار اور جنگ جدال سے بچنا ہے۔ مبلغ تبلیغ کے میدان میں مخالف کی بدکلامی کا جواب ترکی بہ ترکی دے تو سننے والے اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔ بدکلامی اور طعنہ زنی کرنے والے مبلغین کو یہ بات اچھی طرح سمجھنی چاہیے وہ کونسا الزام اور بدکلامی ہے۔ جس سے نبی اکرم اور انبیاء کو واسطہ نہیں پڑا لیکن آپ اور کسی نبی نے اپنے مخالف کو برا کہنا تو در کنار کوئی سطحی لفظ بھی نہیں بولا۔

۴۔ وعظ ونصیحت کے میدان میں درگزر کرنے اور حوصلہ مندی کے باوجود بعض دفعہ ایسے جہلا سے واسطہ پڑتا ہے جو الجھے

بغیرنہیں رہ سکتے ایسی صورت میں ایسے لوگوں سے اعراض کرنا چاہیے اگران کی اشتعال انگیز باتوں پرطبیعت میں غصہ پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے کیونکہ غصہ شیطان کی طرف سے ہوا کرتا ہے۔ جولوگ گناہوں سے بچنے اور اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں جونہی اُنھیں شیطان کا غلبہ یا اس کے اثرات محسوس ہوں تو وہ اس پر چوکنے ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب نہ کی جائے تو شیطان اوراس کے ساتھی انسان کو گمراہی میں مبتلا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔

غصہ اوراشتعال ہمیشہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنی چاہیے۔اللہ تعالیٰ ہرکسی کی فریاد سننے والا اور مبلغ کی نیت اورمخالف کی جہالت کو جاننے والا ہے۔

((عن ابی ھُرَیْرَۃَ ؓ قال قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ یَأْتِی الشَّیْطَانُ أَحَدَکُمْ فَیَقُولُ مَنْ خلق کذا مَنْ خلق کذا حَتّٰی یَقُولَ مَنْ خَلَقَ رَبَّکَ فَإِذَا بَلَغَہُ فَلْیَسْتَعِذْ بِاللّٰہِ وَلْیَنْتَہِ))

[رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق، باب صفۃ ابلیس و جنودہ]

”حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول مکرم ﷺ نے فرمایاتم میں سے کسی ایک کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے فلاں چیز کس نے پیدا کی؟ فلاں چیز کس نے پیدا کی؟ یہاں تک کہ وہ کہتا ہے تیرے رب کو کس نے پیدا کیا۔ جب کوئی اس خیال کو پہنچے تو اسے چاہیے کہ اللہ کی پناہ مانگے اوراس سے باز آ جائے۔“

مسائل

۱۔ جھگڑے اورمخالفت میں حوصلے اوردرگزر سے کام لینا چاہیے۔
۲۔ برے خیالات آنے پرشیطان سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

جاہل لوگوں کی نشانیاں:

۱۔ اللہ کے سوا کسی اور کو معبود بنانا جاہلوں کا کام ہے۔(الاعراف:۱۳۸)
۲۔ جاہل اللہ کے سوادوسروں کی عبادت کی ترغیب دیتے ہیں۔(الزمر:۶۴)
۳۔ اللہ تعالیٰ کی آیات سے روگردانی کرنا جاہلوں کا کام ہے۔(النمل:۵۵)
۴۔ بیویوں کو چھوڑ کر لونڈے بازی کرنا جاہلوں کا کام ہے۔(النمل:۵۵)
۵۔ سوال نہ کرنے والے حاجت مند کو جاہل لوگ غنی خیال کرتے ہیں۔(البقرۃ:۲۷۳)
۶۔ فضول جواب دینا جہالت کی نشانی ہے۔(البقرۃ:۶۷)

وَاِذَا لَمۡ تَاۡتِهِمۡ بِاٰيَةٍ قَالُوۡا لَوۡلَا اجۡتَبَيۡتَهَا ؕ قُلۡ
اور جب نہیں لاتا توان کے پاس کوئی نشانی وہ کہتے ہیں کیوں نہیں تو بنالایا اسکو فرمادیجیے
اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ مِنۡ رَّبِّىۡ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ
سوائے اس کے نہیں پیروی کرتا ہوں میں جو وحی کی جاتی ہے میری طرف سے میرا رب یہ روشن دلائل
مِنۡ رَّبِّكُمۡ وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ۝ وَاِذَا
سے تمہارا رب اور ہدایت اور رحمت اس قوم کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اور جب
قُرِئَ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ وَاَنۡصِتُوۡا لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۝
پڑھا جائے قرآن تو غور سے سنو اسکو اور خاموش رہو تا کہ تم رحم کیے جاؤ

''اور جب آپ ان کے پاس کوئی نشانی نہ لائے تو کہتے ہیں تو نے اسے خود کیوں نہیں بنالیا؟ فرمادیں میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی جانب سے میری طرف وحی کی جاتی ہے یہ تمہارے رب کی طرف سے عقل کی باتیں ہیں اوران لوگوں کے لیے ہدایت اوررحمت ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔ (۲۰۳)اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''(۲۰۴)

فہم القرآن

ربط کلام: یہ شیطان کی شیطنت کا نتیجہ ہے کہ دلائل اور معجزات دیکھنے اور جاننے کے باوجود کفار ہر روز نئے سے نیا مطالبہ کرتے تھے کہ ہمیں مزید معجزات دکھائے جائیں۔

یہاں اس کا جواب دیا گیا ہے کہ قرآن سے بڑھ کر کونسا معجزہ ہوسکتا ہے۔ مکے کے کفار اور مدینہ کے اہل کتاب نبی اکرم ﷺ سے ایک سے ایک بڑھ کر سوال اور معجزات طلب کیا کرتے تھے۔ان کے ہر معقول سوال کا مؤثر اور مدلل جواب دیا گیا اوران کے مطالبہ پر بڑے بڑے معجزات بھی پیش کیے گئے۔لیکن ان کے دل میں کھوٹ اور طبیعت میں بہانہ سازی کا عنصر غالب تھا جس وجہ سے وہ ایک مطالبہ پورا ہونے کے بعد دوسرا پیش کردیا کرتے تھے۔اور کبھی کہتے یہ تو تیری جادوگری کا کرشمہ ہے۔ان باتوں کا جواب دینے کے لیے آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ فقط یہ فرمائیں میں تو ایک رسول ہونے کی حیثیت سے وحی الٰہی کی اتباع کا پابند ہوں۔ جہاں تک دلائل اور معجزہ کا تعلق ہے وہ قرآن مجید فرقان حمید کی شکل میں تمہارے سامنے ہے جس کا جواب آج تک تم سے نہیں بن سکا اور قیامت تک اس کا جواب پیش نہیں کرسکو گے۔اگر تم اپنی ہٹ دھرمی کو چھوڑ دو اور قرآن مجید کو توجہ اور خاموشی کے ساتھ سنو تو یقیناً تم پر اللہ کا کرم اور اس کی مہربانی نازل ہوگی

کیونکہ یہ قرآن لوگوں کے لیے ہدایت اوران کی مشکلات کے مداوا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔لیکن کفار کا وطیرہ تھا اور ہے کہ قرآن پڑھنے اور سننے کے بجائے جونہی قرآن کی تلاوت شروع ہوتو اتنا شوروغوغا کرو کہ تم قرآن پر غالب آجاؤ۔ (سورۂ حم السجدہ، آیت:٣٦)

بعض اہل علم نے تلاوت قرآن کو خاموشی کے ساتھ سننے کے حکم کو نماز پر منطبق کیا ہے جس کی بناء پر ان کا خیال ہے کہ جب امام نماز میں بلند آواز سے قراءت کرے تو اس کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے ابتدا میں یہ صرف علمی بحث تھی لیکن جونہی ائمہ کی تقلید کا مسئلہ پیدا ہوا تو پھر اس میں یہاں تک تشدد پیدا ہوا کہ بعض لوگ من گھڑت روایات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگے کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھے گا اس کے منہ میں قیامت کے دن آگ ڈالی جائے گی حالانکہ اس کا حدیث کی کتب میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ حالانکہ صحیح روایات سے ثابت ہے نبی اکرم ﷺ نے جہری نماز میں امام کے پیچھے صرف قرآن مجید کی تلاوت سے منع کیا ہے باقی فاتحہ سمیت پوری نماز امام کے پیچھے پڑھنی ہے۔ کیونکہ یہ آیت مبارکہ نماز کے بجائے کفار کے سورۃ حم السجدہ کے جواب میں نازل ہوئی تھی اس کا تعلق نماز کے بجائے تبلیغ کے ساتھ ہے اگر کوئی صاحب علم اس آیت کو عموم پر قیاس کرتا ہے تو پھر بھی اس کا اطلاق فاتحہ پر نہیں ہوتا اس شبہ کو دور کرنے کے لیے حدیث میں فاتحہ کا الگ ذکر کیا گیا۔

مسائل

۱۔ معجزات نبی مکرم ﷺ کے اختیار میں نہیں تھے۔
۲۔ نبی کریم ﷺ وحی کے پابند تھے۔
۳۔ قرآن مجید ہدایت اور رحمت سے بھرپور ہے۔
۴۔ قرآن مجید کو توجہ اور خاموشی سے سننا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

نبی اکرم ﷺ وحی کے پابند تھے:

۱۔ آپ ﷺ اپنے رب کی وحی کی اتباع کریں۔ (الاحزاب:٢)
۲۔ میں اتباع کرتا ہوں اس کی جو میری طرف وحی کی گئی ہے۔ (الاحقاف:٩)
۳۔ مجھے قرآن وحی کے ذریعہ دیا گیا ہے تاکہ میں تمھیں ڈراؤں۔ (الانعام:١٩)
۴۔ نبی ﷺ دین کے متعلق اپنی مرضی سے بات نہیں کرتے مگر آپ کو جو وحی کی جاتی ہے۔ (النجم:٣تا٤)

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ

اور یاد کیجیے | آپ کا رب | میں | اپنے دل | عاجزی سے | اور خفیہ | اور بغیر | پکارنے کے

مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾

سے | بات کرنے | صبح کو | اور شام کو | اور نہ | آپ ہو جائیں | سے | غافلوں

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ

بیشک | وہ لوگ جو | آپ کے رب کے پاس | نہیں وہ تکبر کرتے | سے | اس کی عبادت

وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۩ ﴿۲۰۶﴾

اور وہ اسکی تسبیح بیان کرتے ہیں | اور اسی کو وہ سجدہ کرتے ہیں

”اور اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور خوف سے صبح وشام یاد کریں اور بلند آواز کے بغیر بھی اور غافلوں سے نہ ہو جائیں۔(۲۰۵) بے شک جو آپ کے رب کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے وہ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔“(۲۰۶)

فہم القرآن

ربط کلام: تبلیغ کے میدان میں ایک مبلغ کو کفار سے جھگڑنے اور الجھنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور قرآن مجید کی تلاوت کرنی چاہیے۔

سورۃ الاعراف کا آغاز اس فرمان سے ہوا تھا کہ اے نبی ﷺ! یہ قرآن آپ کی طرف اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ آپ اس کے ذریعے لوگوں کو ان کے برے اعمال کے نتیجے سے ڈرائیں بے شک یہ کام مشکل ہے لیکن اس پر آپ کے دل میں کوئی گھٹن محسوس نہیں ہونی چاہیے۔ یہ تو مومنوں کے لیے ایک ذکر اور نصیحت ہے اب اس سورۃ کا اختتام بھی قرآن اور ذکر سے کیا جا رہا ہے کیونکہ قرآن مجید ملائکہ کے سردار جبرائیل امین علیہ السلام کے واسطے سے نازل ہوا ہے۔ اس لیے یہاں ملائکہ کی عجز و عاجزی اور ان کے ذکر اور عبادت سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کو بھی ہر قسم کے تکبر سے بچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور ہر دم عاجزی کا اظہار، اس کی عبادت میں انہماک اور اس کی زبان رب کی یاد میں محو رہنے کے ساتھ اس کا سر اللہ کے حضور جھکا رہنا چاہیے۔ جہاں تک ذکر کا تعلق ہے اس میں نمود و نمائش کا ذرہ برابر بھی شائبہ نہیں ہونا چاہیے۔ ذکر سے مراد نماز بھی ہے کیونکہ سورۃ العنکبوت آیت ۴۵ میں نماز کو ذکر اکبر قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے نماز کے آداب میں یہ بات شامل ہے کہ جہری نماز میں قرأت درمیانی آواز میں ہونی چاہیے اور اگر ذکر سے عام ذکر مراد لیا جائے تو اس کے لیے بھی یہی اصول ہے کہ جہاں نبی اکرم ﷺ نے بلند آواز سے ذکر کیا ہے وہاں بلند آواز سے اور جہاں آہستہ اور خفیہ انداز میں کیا ہے وہاں خفیہ

طریقہ ہونا چاہیے جیسا کہ فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ اللہ اکبر اور تین دفعہ استغفر اللہ بلند آواز سے کہنا اور باقی اذکار آہستہ کرنے چاہییں۔ حج وعمرہ کا احرام باندھنے کے بعد تلبیہ بلند آواز سے کہنا چاہیے ایسا ہی ذوالحجہ کا چاند طلوع ہونے کے بعد آپ ہر نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیرات کہا کرتے تھے اور عیدین کے وقت بھی بلند آواز سے تکبیرات کہنا سنت سے ثابت ہے جہاں تک بعض لوگ نماز کے بعد اور اجتماعی شکل میں اللہ ھو یا کلمہ کا ورد کرتے ہیں اس کا حدیث میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

((عَنْ أَبِي مُوسٰى رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ رَبَّهٗ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ)) [رواہ البخاری: کتاب الدعوات، باب فضل ذکر اللہ عزوجل]

”حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے اور نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی طرح ہے۔“ یعنی جو ذکر کرتا ہے وہ زندہ ہے جو ذکر نہیں کرتا وہ مردہ ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهٗ إِذَا ذَكَرَنِي فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهٗ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهٗ هَرْوَلَةً))

[رواہ البخاری: کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالی ویحذرکم اللہ نفسه]

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ میں اپنے بندے کے خیال کے مطابق ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اس جماعت سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں (مراد فرشتوں میں) اور اگر وہ میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس کی طرف دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے زبان تر رہنی چاہیے۔

۲۔ ذکر انتہائی عاجزی کے ساتھ کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

سجدہ صرف ”اللہ“ کو کرنا چاہیے:

۱۔ اللہ کو سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔ (النجم: ۶۲)

۲۔ سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو اس ذات کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ (حٰم السجدۃ: ۳۷)

سورۃ الانفال کا تعارف

انفال کا معنی ہے غنیمت کا مال۔ یہ سورۃ دس رکوع ۷۵ آیات اور ۱۰۷۵ کلمات پر مشتمل ہے۔اس کا آغاز ہی انفال کے متعلقہ سوال سے کیا گیا ہے۔اس کی تمام آیات مدینہ یا اس کے گردونواح میں نازل ہوئیں ہیں۔سورۃ کے واقعات اور آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ غزوہ بدر کے بعد نازل ہوئی۔اس کے بنیادی مسائل اور مرکزی مضامین درج ذیل ہیں۔

۱۔ ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو۔

۲۔ مالِ غنیمت پر قانونی حق اللہ اور اس کے رسول کا ہے اس کی تقسیم مجاہد کی مرضی پر نہیں بلکہ اللہ اور اسکے رسول کے حکم کے مطابق ہونی چاہیے۔

۳۔ بدر کی فتح اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت کا نتیجہ ہے ملائکہ کی کمک تو مجاہدین کے حوصلے بڑھانے کا بہانہ تھا۔

۴۔ بدر کے معرکہ کا مقصد اللہ کا کلمہ بلند کرنا اور کفار کا غرور خاک میں ملانا تھا۔

۵۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں کسی قسم کی خیانت نہیں ہونی چاہیے۔

۶۔ اللہ ہی مومنوں کا مولیٰ اور بہترین مددگار ہے۔

۷۔ مالِ غنیمت میں پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے مخصوص ہے۔

۸۔ حالات جنگ میں بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہنے کا حکم ہے۔

۹۔ آپس کے اختلاف سے بچنا چاہیے کیونکہ اس سے ساکھ اکھڑ جاتی ہے۔

۱۰۔ شیطان اپنے کارندوں کی نظروں میں ان کے اعمال خوبصورت کر کے دکھاتا ہے۔

۱۱۔ میدان بدر میں مسلمانوں کے جوش اور ملائکہ کی مدد دیکھ کر شیطان بھی ڈر کے مارے بھاگ گیا تھا

۱۲۔ جب تک لوگ نعمتوں کی ناشکری نہ کریں اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کو زحمت میں تبدیل نہیں کرتا۔

۱۳۔ اہل مکہ کا کردار اور آل فرعون کے کردار میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔دونوں کا اپنے اپنے انداز میں ہولناک انجام ہوا۔

۱۴۔ اللہ کے نزدیک پوری مخلوق میں کون بدترین مخلوق ہے۔

۱۵۔ سربراہِ قوم کو اپنی قوم ہر وقت جہاد پر آمادہ رکھنا چاہیے۔

۱۶۔ مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ میں اپنے گھوڑے جہاد کے لیے تیار رکھنے چاہیں۔

۱۷۔ کفار ایک دوسرے کے دوست اور مسلمان آپس میں خیر خواہ اور بھائی بھائی ہیں۔

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ — رُكُوْعَهَا: ١٠ — اٰيَاتُهَا: ٧٥

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا

وہ آپ سے سوال کرتے ہیں غنیمتوں کے بارے میں فرمادیجیے غنیمتیں اللہ کے لیے اوررسول پس ڈرو

اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

اللہ اورتم اصلاح کرو آپس میں اوراطاعت کرواللہ کی اوراسکےرسول کی اگر ہوتم مومن

”وہ آپ سے غنیمتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں فرمادیں غنیمتیں اللہ اور رسول کے لیے ہیں پس اللہ سے ڈرواور اپنے آپس کے تعلقات درست رکھواوراللہ اوراس کے رسول کا حکم مانو اگرتم مومن ہو۔“(١)

فہم القرآن

عربوں کے ہاں یہ اصول تھا کہ جنگ میں شریک ہونے والے شخص کے جو ہاتھ آتا وہ اسی کا مال سمجھا جاتا تھا غزوۂ بدر میں جب مسلمانوں کو مال غنیمت ہاتھ آیا تو اس کی تقسیم کا مسئلہ پیدا ہوا۔اس جنگ میں کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے کیمپ کی حفاظت کررہے تھے۔ایک گروہ نے بھاگتے ہوئے کفار کا تعاقب کیا اوردوسروں نے مال غنیمت جمع کیا۔اس صورت حال میں مال غنیمت جمع کرنے والوں کا مطالبہ تھا کہ یہ مال واسباب ہم نے جمع کیا لہٰذا قدیم اصول کے مطابق اس کا استحقاق ہمارے سوا کسی کو نہیں ہے اس پر کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی معظم سے مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں سوال کیا۔جس کا اللہ تعالیٰ نے جواب عنایت فرماتے ہوئے ارشادفرمایا کہ آپ انھیں بتلائیں کہ یہ مال اللہ اوراس کے رسول کی ملکیت ہے۔جس میں دو حکمتیں پنہاں ہیں۔

١۔ تم اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہواس لیے اس کے حقیقی مالک اللہ اوراس کے رسول ہیں۔

٢۔ تمھاری اکثریت گھروں سے قتال کے ارادے سے نہیں نکلی تھی یہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت تمھیں تمھارے گھروں سے نکال کر یہاں لاکھڑا کیا ہے اس لیے یہ مال انفال کا درجہ رکھتا ہے۔

جو مال مسلمانوں کو حالت جنگ میں ملتا ہے اس کے بارے میں قرآن مجید میں تین الفاظ پائے جاتے ہیں:

١۔ انفال ٢۔ فئی ٣۔ غنیمت

اہل علم نے ان الفاظ کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انفال نفل کی جمع ہے جس کا معنی زائد چیز ہے اس لیے فرض عبادت کے علاوہ دوسری عبادت کو نفلی عبادت کہا جاتا ہے۔مجاہد کے سامنے مال کے بجائے اعلائے کلمۃ اللہ کا مقصد ہوتا ہے اس کے لیے مال ایک زائد چیز ہے جس کی وجہ سے انفال کہا گیا ہے۔

۱۔ کفار کا جو مال بغیر جنگ کے مسلمانوں کے ہاتھ آئے اسے مال فئی کہا جاتا ہے۔(الحشر:٦)

۲۔ غنیمت سے مراد وہ مال ہے جو باضابطہ جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ آئے اُسے غنیمت کہا جاتا ہے۔

لیکن عمومی طور پر تمام اموال کو مال غنیمت ہی شمار کیا جاتا ہے جس کے بارے میں یہ اصول بیان ہوا۔ پورے مال میں اللہ اوراس کے رسول کا پانچواں حصہ ہوگا۔(الانفال،آیت:۴۱)

اس جواب کے بعد یہ ہدایات دی گئیں کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اپنی اصلاح کرتے رہو اور ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے لیے کمر بستہ رہو اگر تم حقیقتاً ایمان رکھنے والے ہو۔

آپ کا ارشاد گرامی ہے:

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ))[رواه مسلم : کتاب المساجد ومواضع الصلاة]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے تمام انبیاء علیہم السلام پر چھ فضیلتیں عنایت کی گئیں: ۱۔”مجھے جوامع الکلم کی صلاحیت عطا کی گئی۔۲۔اللہ تعالیٰ نے خصوصی رعب اور دبدبہ سے میری مدد فرمائی۔۳۔مال غنیمت میرے لیے حلال کر دیا گیا۔۴۔میرے لیے ساری زمین کو پاک اور مسجد بنا دیا گیا۔۵۔مجھے تمام انسانوں کے لیے رسول بنایا گیا۔۶۔مجھ پر سلسلہ نبوت ختم کر دیا گیا۔“

مسائل

۱۔ غنائم اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔۲۔آدمی کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

۳۔ مسلمانوں کو اپنی اصلاح پر توجہ رکھنی چاہیے۔

۴۔ سچے ایمان کا تقاضا ہے کہ ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی جائے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے فائدے:

۱۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ایمان کی نشانی ہے۔(الانفال:۱)

۲۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت باعث رحمت ہے۔(التوبۃ:۷۱)

۳۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والے ہی کامیاب ہوں گے۔(النور:۵۲)

۴۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔(النساء:۱۳)

۵۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والے انبیاء، صلحاء، شہداء، اور سچے لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔(النساء:۶۹)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ

سوائے اس کے نہیں مومن وہ لوگ جو جب ذکر کیا جاتا اللہ کا ڈر جاتے ہیں انکے دل

وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى

اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان پر اس کی آیتیں ان کو زیادہ کرتی ہیں ایمان میں اور پر

رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

اپنے رب وہ توکل کرتے ہیں وہ لوگ جو قائم کرتے ہیں نماز اور اس سے جو ہم نے انکو رزق دیا

يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ

وہ خرچ کرتے ہیں یہی لوگ ہیں وہ مومن سچے انکے لئے درجے ہیں

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

ہاں انکے رب اور بخشش ہے اور رزق ہے بہترین

''مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیات پڑھی جائیں تو ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (۲) جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے انہیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (۳) یہی لوگ سچے مومن ہیں انہی کے لیے ان کے رب کے پاس بہت سے درجے اور بڑی بخشش اور بہترین رزق ہے۔'' (۴)

فہم القرآن

ربط کلام: انفال کے بارے میں ابتدائی حکم دینے کے بعد مومن کی صفات کا بیان اور اس کا صلہ۔

پہلی آیت میں ایک سوال کا جواب دینے کے بعد مسلمانوں کو جامع ہدایات دی گئی ہیں جس پر عمل پیرا ہونے سے مسلمان میں یہ اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں جن سے وہ پکا مومن بن جاتا ہے۔ درجات بلند ہونے کے ساتھ مومن کو اللہ کی طرف سے اس کی بخشش اور بہترین رزق کی گارنٹی حاصل ہوتی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مال غنیمت کی تقسیم کا حکم سنتے ہی ایک ایک چیز رسول اکرم ﷺ کے حوالے کی اور دل و جان سے اس پر راضی ہو گئے۔ اس پر ان کی تعریف کرتے ہوئے مزید تاکید کی گئی ہے کہ مومن تو وہ ہیں کہ جن کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو تو ان کے دل موم سے زیادہ نرم ہو جاتے ہیں۔

اور جب ان کے سامنے اس کی آیات تلاوت کی جائیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور وہ عسر اور یسر

میں اپنے رب پر توکل کرنے والے ہیں۔ یہی لوگ نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا کر رکھا ہے اس میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں یہی لوگ پکے اور سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے ان کے رب کے ہاں درجات ہیں۔ اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ انھیں اپنے کرم سے معاف کر دیتے ہیں۔ ان کے لیے نہایت ہی عمدہ رزق تیار کیا گیا ہے یعنی جنت کی نعمتوں کے ساتھ دنیا میں رزق کی فراخی نصیب ہوگی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سمجھ کر مال غنیمت کی تقسیم پر راضی ہوئے اس پر انھیں رزق کریم کی خوشخبری دی گئی۔ جس کے صلہ میں وہ دنیا میں کثیر مال و اسباب کے مالک ہوئے اور قیامت کے دن انھیں جنت کی نعمتوں سے مالا مال کیا جائے گا جو مسلمان بھی ان اوصاف کا حامل ہوگا اللہ تعالیٰ اسے ان نعمتوں کے ساتھ سرفراز فرمائے گا۔ ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے احکام اور زبانی جسمانی ذکر ہے۔

مسائل

۱۔ مومن کی نشانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی آیات سن کر اس کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

۲۔ مومنوں کو ہر حال میں اپنے رب پر توکل کرنا چاہیے۔

۳۔ مسلمان کو نماز کا اہتمام اور زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے۔

۴۔ مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے درجات، بخشش اور عمدہ رزق ملے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رزق کریم:

۱۔ مومنوں کے لیے رب کے پاس درجات، بخشش اور رزق کریم ہے۔ (الانفال:۴)

۲۔ نیک اعمال کرنے والوں کا بدلہ بخشش اور رزق کریم ہے۔ (سبا:۴)

۳۔ ایمان دار نیک اعمال کرنے والوں کے لیے بخشش اور رزق کریم ہے۔ (الحج:۵۰)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کے لیے دوہرا اجر اور رزق کریم تیار کر رکھا ہے۔ (الاحزاب:۳۱)

۵۔ یہ لوگ مبرا ہیں ان کی باتوں (بہتان طرازی) سے ان کے لیے بخشش اور رزق کریم ہے۔ (النور:۲۶)

كَمَآ	اَخْرَجَكَ	رَبُّكَ	مِنْۢ بَيْتِكَ	بِالْحَقِّ ص	وَاِنَّ	فَرِيْقًا
جس طرح	نکالا تھا تجھے	تیرے رب نے	سے تیرا گھر	حق کے ساتھ	اور بیشک	ایک گروہ
مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	لَكٰرِهُوْنَ ۝	يُجَادِلُوْنَكَ	فِي	الْحَقِّ	بَعْدَ مَا	
سے مومنوں	البتہ ناپسند کرنے والے تھے	وہ تجھ سے جھگڑتے تھے	میں	حق	اسکے بعد جو	
تَبَيَّنَ	كَاَنَّمَا	يُسَاقُوْنَ	اِلَى الْمَوْتِ	وَهُمْ	يَنْظُرُوْنَ ۝	وَاِذْ
واضح ہوگیا	گویا کہ	وہ ہانکے جارہے ہیں	طرف موت کی	اور وہ	دیکھ رہے ہیں	اور جب
يَعِدُكُمُ	اللّٰهُ	اِحْدَى	الطَّآئِفَتَيْنِ	اَنَّهَا	لَكُمْ	وَتَوَدُّوْنَ
وعدہ کررہا تھا تم سے	اللہ	ایک کا	دونوں گروہوں سے	یقیناً وہ	تمہارے لیے	اور تم چاہتے تھے

''جس طرح آپ کے رب نے آپ کو آپ کے گھر سے حق کے ساتھ نکالا، حالانکہ مومنوں کی ایک جماعت ناپسند کرنے والی تھی (۵) وہ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑتے تھے اس کے بعد کہ وہ صاف واضح ہو چکا تھا، جیسے انہیں موت کی طرف ہانکا جارہا ہے اور وہ اُسے دیکھ رہے ہیں۔ (۶) اور جب اللہ تم سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کررہا تھا اور تم چاہتے تھے۔

فہم القرآن

ربط کلام: انفال کے بارے چند بنیادی احکام کے بعد غزوۂ بدر کی چند تفصیلات کہ غنیمتیں کیوں اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔

رسول محترم اور آپ کے عظیم رفقاء نے مکہ میں تیرہ سال بے پناہ مصائب و آلام کا سامنا کیا با لآخر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے مکہ والوں نے آخر وقت تک آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے خیر و سلامتی کے ساتھ آپ کو مدینہ طیبہ پہنچا دیا۔ یہاں پہنچ کر رسول معظم ﷺ نے مسلمانوں میں مواخات قائم فرمائی اور یہودیوں کے ساتھ میثاق مدینہ کے نام سے ایک معاہدہ کیا۔ جس میں فریقین کے حلیف قبیلے بھی شامل تھے۔ عبداللہ بن ابی جسے آپ کی آمد سے پہلے اہل مدینہ نے اپنا سربراہ بنانے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ آپ کی تشریف آوری کی وجہ سے اس منصب سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوگیا۔ اس نے آپ کی شخصیت اور منصوبہ بندی سے مرعوب ہو کر بظاہر کلمہ پڑھا۔ منافقت کا لبادہ پہن کر مدینہ کے یہودیوں اور مکے والوں کے ساتھ ساز باز کا منصوبہ بنایا جس بنا پر مکے والوں کو مدینہ کے بارے میں پل پل کی خبر دیا کرتا تھا۔ عقیدے کا اختلاف اور رسول محترم ﷺ کا اہل مکہ سے بچ نکلنا اور مدینہ میں آپ کی منصوبہ بندی کو اہل مکہ کس طرح برداشت کر سکتے تھے اس لیے انھوں نے خفیہ طور پر مدینہ پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا جس کے لیے کثیر سرمایہ کی ضرورت تھی اسی خاطر انھوں نے

اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ

بیشک علاوہ مسلح گروہ وہی ہو تمہارے لیے اور چاہتا تھا اللہ

اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷

یہ کہ وہ ثابت کر دکھائے حق کو اپنے احکام کیساتھ اور کاٹ دے جڑ کافروں کی

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸

کہ وہ ثابت کرے حق کو اور باطل کر دے جھوٹ کو اگر چہ ناپسند کریں مجرم

کہ جو غیر مسلح گروہ ہے وہ تمہیں ملے اور اللہ چاہتا تھا کہ حق کو اپنے احکام کے ساتھ سچا کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔(۷) تاکہ وہ حق کو سچا کر دے اور باطل کو جھوٹا کر دے، خواہ مجرم ناپسند ہی کریں۔'' (۸)

شام کے لیے ایک تجارتی قافلہ تیار کیا کہ جس کی رقم کا بیشتر حصہ مدینہ فتح کرنے پر لگانا تھا ادھر نبی محترم بھی مکہ والوں کی سرگرمیوں سے پوری طرح آگاہ تھے جناب عباس اور کچھ دوسرے لوگ نبی ﷺ کو مکہ کے حالات سے باخبر رکھتے تھے۔ آپ کو تجارتی قافلہ کی غرض و غایت کا علم ہوا تو آپ نے اس قافلہ پر شبخون مارنے کا فیصلہ کیا۔ حالات کی تیز رفتاری کی وجہ سے آپ نے اعلان فرمایا کہ جو لوگ بھی اس ایمرجنسی میں تیار ہو سکتے ہیں وہ ہمارے ہم رکاب ہو جائیں۔ آپ کے اس فیصلے کو اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر اپنی طرف منسوب فرمایا ہے کہ آپ کے رب نے ہی آپ کو آپ کے گھر سے نکالا تھا۔ یہاں گھر سے مراد مدینہ طیبہ کا گھر اور شہر ہے۔

بدر مدینہ طیبہ سے تقریباً ڈیڑھ سو کلومیٹر دور تھا جب آپ بدر کے مقام کے قریب پہنچے تو آپ کے مخبروں نے آپ کو اطلاع دی کہ قافلہ جرنیلی راستہ چھوڑ کر ساحلی راستہ اختیار کر کے یہاں سے نکل چکا ہے۔ راستہ تبدیل کرنے سے پہلے مکی قافلہ کے سربراہ ابوسفیان نے مکہ والوں کو صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے پیغام بھیجا کہ فوری طور پر قافلے کی حفاظت کا بندوبست کیا جائے۔ مکہ والے پہلے ہی ادھار کھائے بیٹھے تھے اس لیے ابوجہل نے حفاظتی دستہ بھیجنے کے بجائے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ابوسفیان کا نمائندہ مکہ پہنچا تو اس نے قدیم روایت کے مطابق شدید ترین ہنگامی صورتِ حال کا تاثر دینے کے لیے اپنی سواری کا ناک چیر ڈالا اپنا گریبان چاک کیا اور مکہ کے شاہراہوں میں کھڑے ہو کر دہائی دی کہ قافلہ لٹنے ہی والا ہے۔ اس پر مکہ کے ایک ہزار سورما مرنے مارنے کے لیے تیار ہو گئے۔

رسول معظم ﷺ نے بدر کے قریب جا کر اپنے ساتھیوں کو تجارتی قافلے اور مکہ کے لشکر کے بارے میں بتلایا۔ اور مشورہ طلب کیا کہ ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اس پر تین سو تیرہ مجاہدین فکری طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔

ایک حصہ کا خیال تھا جس قافلہ کے لیے ہم آئے تھے وہ ہمارے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ ہم تھوڑے اور بے سروسامان

ہیں۔اس لیے ہمیں واپس پلٹ جانا چاہیے۔

دوسرے فریق کا نکتہ نگاہ اس کے برعکس تھا۔اس صورت حال میں آپ نے وقفہ، وقفہ کے بعد تین چار مرتبہ صحابہ سے فرمایا: اَشِیْرُوْا عَلیٰ ھٰذَا اَیُّھَا النَّاسُ لوگو مجھے مشورہ دو۔جس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم آخر دم تک آپ کے ساتھ کھڑے رہیں گے۔لیکن آپ کا مطمع نظر یہ تھا کہ انصار کے نمائندے اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔جس کی مؤرخین نے یہ توجیہ بیان کی ہے کہ بیعت عقبہ کے موقع پر یہ بات طے پائی تھی کہ آپ ہجرت کر کے مدینہ آئیں اگر کوئی آپ پر حملہ آور ہوا تو انصار اس کا دفاع کریں گے۔اس لیے آپ نے مناسب جانا کہ انصار بھی اپنے خیالات کا اظہار کریں۔جونہی انصار نے آپ کا نقطہ نظر جانا تو وہ تڑپ گئے۔ان کے نمائندے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر عرض کی یا رسول اللہ !اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اگر آپ ہمیں سمندر میں چھلانگ لگانے کا حکم دیں تو ہمیں اس کے لیے بھی تیار پائیں گے۔کل جب دشمن سے مقابلہ ہوگا تو ہم اس طرح اپنی جان پر کھیل جائیں گے۔جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی پھر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اٹھے اور انھوں نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح نہیں پائیں گے جنھوں نے کہا تھا کہ اے موسیٰ! آپ اور آپ کا خدا لڑیں ہم یہاں بیٹھے ہیں۔اے اللہ کے رسول! آپ حبشہ کے دور دراز علاقہ ''برق الغماد'' تک جانا چاہیں تو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں۔ان جذبات اور بھرپور تائید کے ساتھ آپ نے بدر کی طرف پیش قدمی فرمائی۔جس کی تائید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ کا گھر سے نکلنا اور بدر کی طرف روانہ ہونا۔اللہ تعالیٰ ہی کا آپ کو حق کے ساتھ نکالنا تھا۔حق سے مراد دین کی سربلندی کے لیے بروقت نکلنا اور صحیح فیصلہ کرنا ہے۔

حضرت مقدار رضی اللہ عنہ کا دلیرانہ جواب:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ الْمِقْدَادُ رضی اللہ عنہ يَوْمَ بَدْرٍ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا لَا نَقُولُ لَكَ كَمَا قَالَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ لِمُوسٰى فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَا هُنَا قَاعِدُونَ وَلٰكِنِ امْضِ وَنَحْنُ مَعَكَ فَكَأَنَّهُ سُرِّيَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم))[رواه البخاری: کتاب المغازی ، باب قول اللّٰه اذ تستغیثون ربکم]

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ہم اس طرح نہیں کہیں گے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا تھا تم اور تمھارا پروردگار دونوں جاؤ اور لڑو۔ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں آپ نکلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے خوش ہو گئے۔''

یہاں جھگڑا کرنے سے مراد بحث وتکرار ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم کی دوسری جماعت کا خیال تھا کہ ہم سراسر موت کے منہ میں جارہے ہیں اسی پر تبصرہ کرتے ہوئے قرآن کہہ رہا ہے کہ گویا کہ وہ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔جبکہ

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ دو جماعتوں میں کوئی ایک جماعت تمھارے ہاتھ لگے گی۔ یعنی تجارتی قافلہ یا مکے کے لشکر سے مڈبھیڑ ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ آج حق کو اپنے حکم کے ساتھ بالا کر دے اور کفار کی جڑ کاٹ دے حق و باطل کے درمیان ہمیشہ کے لیے فیصلہ اور امتیاز ہو جائے خواہ یہ بات مجرموں کے لیے کتنی ہی ناپسند کیوں نہ ہو۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حق کو ثابت کرنے کے لیے نبی اکرم ﷺ کو غزوۂ بدر کے لیے نکالا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ مومنین کو مشکل وقت میں کبھی اکیلا نہیں چھوڑتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ حق کو سچا ثابت کرتا ہے اگرچہ یہ بات کافروں کو کتنی ہی ناپسند ہو۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کے وعدے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ زمین میں خلیفہ بنانے کا وعدہ کیا ہے۔ (النور: ۵۵)

۲۔ مومنوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔ (المائدۃ: ۹، الفتح: ۲۹)

۳۔ اللہ تعالیٰ مومن مرد مومن عورتوں کے ساتھ جنت کا وعدہ کرتا ہے۔ (التوبۃ: ۷۲)

۴۔ ہر مومن کے ساتھ اللہ نے اچھا وعدہ فرمایا ہے۔ (النساء: ۹۵)

۵۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ (ابراہیم: ۲۲)

۶۔ اے اللہ ہمیں اس جنت میں داخل فرما جس کا تو نے وعدہ فرمایا ہوا ہے۔ (المومن: ۸)

۷۔ اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ (آل عمران: ۹)

۸۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (یونس: ۵۵)

۹۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں مبتلا نہ کرے۔ (فاطر: ۵)

۱۰۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر سچی بات کرنے والا ہو۔ (النساء: ۱۲۲)

۱۱۔ اللہ نے تمہارے ساتھ اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جب تم کفار کو اس کے حکم سے کاٹ رہے تھے۔ (آل عمران: ۱۵۲)

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ

جب تم مدد مانگ رہے تھے اپنے رب سے پھر اس نے قبول کی تمہارے لیے بیشک میں تمہاری مدد کرنے والا ہوں ہزار

مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴿۹﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى

سے فرشتوں پے درپے اور نہیں بنایا اس کو اللہ نے مگر خوشخبری

وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ

اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس کیساتھ تمہارے دل اور نہیں مدد مگر سے طرف اللہ

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً

یقیناً اللہ غالب حکمت والا ہے جب تم پر طاری کر رہا تھا اونگھ امن دینے

مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ

اپنی طرف سے اور نازل فرما رہا تھا تم پر سے آسمان پانی تاکہ وہ تمہیں پاک کر دے

بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ

اسکے ساتھ اور لے جائے تم سے نجاست شیطان کی اور مضبوط کر دے پر تمہارے دلوں

وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾ ؕ

اور وہ مضبوط کر دے اس سے قدم (جمع)

”جب تم اپنے رب سے مدد مانگ رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کی کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد کرنے والا ہوں جو یکے بعد دیگرے آنے والے ہیں۔ (۹) اور اللہ نے اسے نہیں بنایا مگر ایک خوش خبری اور تاکہ اس کے ساتھ تمہارے دل مطمئن ہوں اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے۔ بے شک اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ (۱۰) جب اس نے اپنی طرف سے تم پر اونگھ طاری فرمائی خوف دور کرنے کے لیے اور تم پر آسمان سے پانی اتارتا کہ اس کے ساتھ تمہیں پاک کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی دور کرے تاکہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور قدموں کو جما دے۔“ (۱۱)

فہم القرآن

ربط کلام: نبی اکرم ﷺ کا مدینہ طیبہ سے نکلنا، اللہ تعالیٰ کی مشیت کے عین مطابق تھا۔ آپ نے بدر کے ریتلے علاقہ میں پڑاؤ ڈالا جس کا نقشہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

نبی اکرم ﷺ رات بھر اپنے رب کی بارگاہ میں آہ وزاری کے ساتھ دعا کرتے رہے۔ جس میں آپ اس حد تک اپنے رب کے حضور فریاد کناں ہوئے کہ اے بار الٰہا! اگر یہ مٹھی بھر مسلمان ختم ہو گئے تو قیامت تک تیرا نام لینے والا کوئی نہیں ہوگا۔

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا

جب | وحی کی | تیرے رب نے | طرف | فرشتوں کی | یقیناً میں | تمہارے ساتھ ہوں | تم ثابت رکھو

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا

وہ لوگ جو | وہ ایمان لائے | عنقریب میں ڈالوں گا | میں | دل (جمع) | وہ لوگ | جنہوں نے کفر کیا

الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ ﴿۱۲﴾

رعب | لہٰذا تم مارو | اوپر | گردنوں کے | اور تم مارو | ان میں سے | ہر جوڑ پر

’’جب آپ کا رب فرشتوں کی طرف وحی کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، پس تم ان ایمان والوں کو جمائے رکھو عنقریب میں کفار کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا، پس ان کی گردنوں پر ضرب لگاؤ اور ان کے جوڑ، جوڑ کو مارو۔‘‘ (۱۲)

ان الفاظ کے پیچھے دو قسم کے محرکات تھے۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انتہا درجہ کی عاجزی اور بے کسی کا اظہار۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اگر مکے کے لوگ آج غالب آگئے تو وہ اگلے دن مدینہ میں کسی ایک مسلمان کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہی جذبات کے ساتھ اہل مکہ نے بدر کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ نبی ﷺ کی دعا کے بارے میں جمع کا جو لفظ استعمال فرمایا گیا ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شامل فرمایا گیا ہے۔ امام رازی نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ دعا کرتے تھے اور آپ کے کیمپ میں موجود صحابہ آمین کہتے تھے اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے۔ جو فطرت کے زیادہ قریب ہے کہ تمام صحابہ رات کے وقت اپنے اپنے مقام پر اللہ تعالیٰ سے آرزوئیں کرتے رہے کہ اے مولائے کریم! صبح دشمن کے مقابلے میں ہمیں کامیابی نصیب فرمانا۔ کوئی جنگ اس وقت تک نہیں جیتی جا سکتی جب تک فوج کا ایک ایک سپاہی اپنی کامیابی اور دشمن کو ختم کرنے کے جذبات سے لبریز نہ ہو۔ اسی جذبہ کی یہاں ترجمانی کی گئی ہے کہ جب آپ اور آپ کے صحابہ اپنے رب کی بارگاہ میں فتح کی التجائیں کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعے انھیں ایک ہزار فرشتے نازل کرنے کی خوشخبری سنائی۔ (آل عمران ۱۲۳،۱۲۴) یہ کمک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کی مدد، ان کے لیے فتح کی خوشخبری کا پیش خیمہ اور اطمینان قلب کا ذریعہ بنی۔ مدد کے لیے فرشتہ تو ایک ہی کافی تھا لیکن انسانی نفسیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے پے در پے اس مدد میں اضافہ فرما کر نہتے اور کمزور صحابہ رضی اللہ عنہم کو شیروں سے زیادہ بہادر اور طاقت ور بنا دیا اور پھر اس کے ساتھ یہ کرم بھی فرمایا کہ رات کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو خوب نیند آئی حالانکہ حالت جنگ میں نیند بہت ہی کم آیا کرتی ہے۔ کیونکہ خوف وخطر کی بنا پر اعصاب میں شدید تناؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ مزید اللہ کا یہ کرم ہوا کہ رات کو اچھی خاصی رحمت کی برکھا برسی جس سے میدان جنگ کی صورت حال واضح طور پر صحابہ کے حق میں ہو گئی اس سے پہلے اسلامی فوج میدان کے اوپر کی طرف تھی جو ریت اور ڈھلوان ہونے کی وجہ سے پاؤں کے پھسلنے کا مقام تھا۔ بارش ہونے کی وجہ سے کفار کا میدان ولدل بنا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا حصہ ریت جمنے کی وجہ سے سخت ہو گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بارش کا پانی جمع کر لیا جس سے صحابہ نے وضو اور غسل کیے۔ اس سے صحابہ اپنے آپ کو جسمانی اور ذہنی طور پر بھی تازہ دم محسوس کر رہے تھے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ

یہ اس لیے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی اور جو مخالفت کرے اللہ کی

وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۳ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ

اور اس کے رسول کی پھر بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے یہ تم سو تم اس کو چکھو

وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ۝۱۴

اور یقیناً کافروں کے لیے عذاب ہے آگ کا

”یہ اس لیے کہ بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا تو بے شک اللہ بہت سخت عذاب والا ہے۔(۱۳) یہ ہے اسے چکھو اور جان لو کہ کافروں کے لیے آگ کا عذاب ہے۔“(۱۴)

اس طرح قلبی اطمینان، ذہنی آسودگی، جسمانی نشاط اور ملائکہ کی کمک کی وجہ سے مجاہد قدم جما کر لڑے۔ اس دوران یہ وحی بھی نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں میں تمھارا رعب ڈال دیا ہے۔ گویا کہ وہ پوری طرح تم سے مرعوب ہو گئے ہیں۔ لہٰذا آگے بڑھ کر ان کی گردنیں کاٹو اور جوڑ جوڑ کو نشانہ بناؤ کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے باغی ہیں۔ جو بھی اللہ اور اس کے رسول کا باغی ہوگا اس کو دنیا کی سزا کے ساتھ آخرت میں شدید عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ جس طرح بدر میں انھیں مارنے کا تمھیں حکم دیا گیا ہے اسی طرح جہنم کی آگ میں جھونکتے ہوئے ملائکہ انھیں کہیں گے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانیوں کا مزا ہمیشہ چکھتے رہو۔

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا...... یہ فلاں شخص کی قتل گاہ ہے یہ فلاں شخص کی جگہ ہے آپ نے اپنا دست مبارک زمین پر رکھ کر بتایا۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کافروں میں سے کوئی بھی دوسری جگہ نہیں گرا تھا جہاں جہاں رسول مکرم ﷺ نے دست مبارک رکھا تھا۔“ [رواہ مسلم]

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ وَقَفَ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى قَلِيبِ بَدْرٍ فَقَالَ هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ثُمَّ قَالَ إِنَّهُمُ الْآنَ يَسْمَعُونَ مَا أَقُولُ فَذُكِرَ لِعَائِشَةَ رضی اللہ عنہا فَقَالَتْ إِنَّمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّهُمُ الْآنَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّ الَّذِي كُنْتُ أَقُولُ لَهُمْ هُوَ الْحَقُّ ثُمَّ قَرَأَتْ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى حَتّٰى قَرَأَتِ الْآيَةَ)) [رواہ البخاری]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ بدر کے کنویں کے قریب کھڑے ہو کر پوچھ رہے تھے جو تم سے تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا کیا اس کو تم نے سچا پایا ہے؟ پھر فرمایا بلاشبہ یہ اس وقت سن رہے ہیں جو میں انہیں کہہ رہا ہوں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس بات کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا نبی کریم ﷺ نے صرف یہ فرمایا تھا بے شک ان لوگوں کو اب معلوم ہو گیا جو میں انھیں کہتا تھا وہ سچ ہے پھر اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی۔“ آپ

مردوں کونہیں سنا سکتے‘‘ یہاں تک کہ مکمل آیت کی تلاوت کی۔‘‘مقصد یہ تھا کہ اصل اصول یہی ہے کہ مردے نہیں سنتے لیکن آج یہ میری بات سن رہے ہیں۔

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا مَعَ عُمَرَ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ أَخَذَ يُحَدِّثُنَا عَنْ أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَيُرِينَا مَصَارِعَهُمْ بِالْأَمْسِ قَالَ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ غَدًا قَالَ عُمَرُ وَالَّذِي بَعَثَهُ بِالْحَقِّ مَا أَخْطَئُوا تِيكَ فَجُعِلُوا فِي بِئْرٍ فَأَتَاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ فَنَادَى يَا فُلَانُ بْنَ فُلَانٍ يَا فُلَانُ بْنَ فُلَانٍ هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا فَإِنِّي وَجَدْتُ مَا وَعَدَنِي اللّٰهُ حَقًّا فَقَالَ عُمَرُ تُكَلِّمُ أَجْسَادًا لَا أَرْوَاحَ فِيهَا فَقَالَ مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ)) [رواه مسلم: كتاب الجنائز، باب أرواح المؤمنين]

’’حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر میں تھے وہ ہمیں اہل بدر کے متعلق بتانے لگے۔ رسول معظم ﷺ نے وہ جگہیں متعین فرمائیں ہمیں دکھانے کے لیے جہاں اگلے دن کافروں نے قتل ہونا تھا آپ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ نے چاہا تو فلاں کے قتل ہونے کی جگہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کافر مقررہ جگہوں سے ذرا بھی نہیں ہٹے تھے انہیں کنویں میں پھینک دیا گیا۔ کنویں کے پاس نبی معظم ﷺ آئے اور انہیں آواز دیتے ہوئے فرمایا اے فلاں بن فلاں، اے فلاں بن فلاں کیا تم سے تمہارے رب نے اور جو وعدہ کیا تھا تم نے اسے سچ پایا ہے۔ بلاشبہ میرے رب نے میرے ساتھ جو وعدہ کیا تھا میں نے اسے سچ پایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں لاشوں کے ساتھ باتیں ہوئیں جبکہ ان میں روحیں نہیں تھیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ تم سے زیادہ سن رہے ہیں جو میں ان سے کہہ رہا ہوں۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں فرشتوں کے ذریعے مدد کی۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہی مدد کرنے والا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت مختلف انداز سے نازل فرماتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کے سوا کوئی مدد کرنے والا نہیں:

۱۔ نہیں ہے تمھارا کوئی اللہ کے سوا دوست اور نہ مددگار۔ (البقرۃ:۱۰۷)

۵۔ نہ ملے ان کو اللہ کے سوا کوئی دوست اور نہ مددگار۔ (الاحزاب:۱۷)

۲۔ نہیں ہے تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار جو تمھاری مدد کر سکے۔ (ھود:۱۳)

۳۔ نہیں ہے ان کے لیے زمین میں کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔ (التوبۃ:۷۴)

۴۔ نہیں ہے تمھارے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست اور سفارشی پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ (السجدۃ:۴)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا

اے لوگو ایمان لائے جب تم ملو ان لوگوں انہوں نے کفر کیا اکٹھے ہوکر

فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿١٥﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ

پھر نہ پھیرو تم ان سے اپنی پیٹھیں اور جو شخص پھیرے گا ان سے اس دن اپنی پیٹھ

اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ

مگر پینترا بدلنے والا لڑائی یا پناہ پکڑنے والا ہو طرف کسی جماعت کی تو تحقیق

بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٦﴾

وہ شخص لوٹا غضب کیساتھ سے اللہ کی طرف اور اسکا ٹھکانا جہنم ہے اور بری ہے وہ پھرنے کی جگہ

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم لشکر کی صورت میں کفار سے ملو تو پیٹھ نہ پھیرو۔(۱۵) اور جنگ کے دن جو کوئی کفار سے اپنی پیٹھ پھیرے ماسوائے اس کے جو لڑائی کے لیے پینترا بدلنے والا ہو یا جماعت کے ساتھ ملنے والا ہو تو یقیناً وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔“(۱۶)

فہم القرآن

ربط کلام: غزوۂ بدر کے واقعات کا بیان جاری ہے۔

زمانۂ قدیم اور آج بھی بنیادی طور پر جنگ دو طرح لڑی جاتی ہے۔ گوریلا وار، اور ایک دوسرے کے آمنے سامنے برسرِ پیکار ہونا۔ بدر کا معرکہ فریقین کے آمنے سامنے کی لڑائی تھی۔ جس کے لیے ”زَحفاً“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ زحفاً بچے کے گھسٹ گھسٹ کر چلنے کو کہا جاتا ہے۔ لشکر بڑا ہو تو وہ بھی اپنے ساز و سامان کے ساتھ سست رفتاری سے چلتا ہے۔ بدر میں مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کی تعداد ایک ہزار تھی اور ان کے ساتھ گھوڑے، خچر اور اونٹ بھی تھے۔ جس کی نقشہ کشی لفظ ”زَحفاً“ کے ذریعے کی گئی ہے۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب دشمن سامنے ہو یا مسلمانوں پر جنگ مسلط کر دی جائے تو اس صورت میں پیٹھ پھیر کر بھاگنے کے بجائے جان پر کھیل جانا چاہیے۔ جو مجاہد دشمن کے مقابلے میں پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے ساتھ لوٹے گا۔ اگر وہ اسی حالت میں مر جائے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا کیونکہ اس نے اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کے مفاد پر اپنے آپ اور اپنے مفاد کو ترجیح دی۔ البتہ جنگی حکمت عملی کے تحت مورچہ چھوڑنا یا ایک محاذ کے بجائے اپنے کمانڈر کے حکم پر دوسرے محاذ پر جانا یا دشمن پر حملہ آور ہونے کے لیے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ملنے کی خاطر پیچھے پلٹتا ہے تو اس پر کوئی جرم نہیں۔ کیونکہ حالت جنگ میں یہ تبدیلی ناگزیر ہوتی ہے۔ حالت جنگ میں بھگنا

اس لیے سنگین جرم ہے کہ ایک شخص کے بھاگنے سے دوسرے ساتھیوں کے حوصلے پست ہوتے ہیں۔اس طرح بھاگنا مسلمان کی غیرت کے منافی ہے۔ جنگ سے فرار موت کے ڈر سے ہوتا ہے۔جبکہ موت کی جگہ اور وقت مقرر ہے لہٰذا بھاگنا بزدلی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ قَالُوا یَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا هُنَّ قَالَ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِی حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَكْلُ الرِّبَا وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ وَالتَّوَلِّی يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ)) [رواہ البخاری: کتاب الحدود، باب رمی المحصنات]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔سات ہلاک کردینے والی چیزوں سے بچو۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے استفسار کیا۔اے اللہ کے رسول! وہ کون سی ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، کسی کو ناجائز قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال ہڑپ کرنا، لڑائی کے دن میدان سے بھاگنا، معصوم اور بے گناہ عورتوں پر الزام لگانا۔''

مسائل

۱۔ مجاہد کو میدان کارزار میں دشمن کے خلاف ڈٹ کر لڑنا چاہیے۔

۲۔ حالتِ جنگ میں پیٹھ پھیرنا سنگین جرم ہے۔

۳۔ میدان جنگ سے بھاگنے والے پر اللہ کا غضب ہوتا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

جہاد میں ثابت قدم رہنے کا حکم:

۱۔ مسلمانوں کفار سے تمھارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو۔(الانفال:۱۵)

۲۔ جب کفار سے تمھارا مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو۔(محمد:۴)

۳۔ غم نہ کرو تم ہی غالب آؤ گے اگر تم ایماندار رہو۔(آل عمران:۱۳۹)

۴۔ اے ایمان والو! جب کسی لشکر سے تمھارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو۔(الانفال:۴۵)

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ص وَمَا رَمَيْتَ

پھر نہیں — قتل کیا تم نے انکو — اور لیکن — اللہ — انکو قتل کیا — اور نہیں تو نے پھینکی تھی

اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ

جب تو نے پھینکی — اور لیکن اللہ — پھینکی تھی — اور تاکہ وہ آزمائے — مومنوں کو — اس سے

بَلَآءً حَسَنًا ط اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٧﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ

آزمائش — اچھی — بیشک — اللہ — سننے والا — جاننے والا — تمہاری — اور بے شک

اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٨﴾

اللہ — کمزور کرنے والا — تدبیر — کافروں کی

”پھر تم نے انہیں قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے انہیں قتل کیا ہے اور آپ نے نہیں پھینکا جب آپ نے پھینکا لیکن اللہ نے پھینکا تاکہ وہ مومنوں کو اپنی طرف سے اچھا انعام عطا کرے۔ بے شک اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ (١٧) یقیناً اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے۔“ (١٨)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ غزوۂ بدر کی کامیابی کا اصل سبب۔

بدر کے لیے نبی اکرم ﷺ کا اپنے گھر سے نکلنا، بدر کی رات بارش کا ہونا، رات کو مسلمانوں کا پرسکون ہو کر سونا، پے در پے ملائکہ کی کمک کا پہنچنا، کفار پر مسلمانوں کا رعب طاری ہونا، نبی اکرم ﷺ کا مٹھی بھر کنکریوں کو کفار کے لشکر کی طرف پھینکنا، اللہ تعالیٰ کا کفار کی آنکھوں میں کنکریوں کا پہنچانا۔ سب کے سب اقدام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد کا نتیجہ تھے۔ اس لیے بدر کی کامیابی کے بارے میں ارشاد فرمایا اے مسلمانو! اس کامیابی پر اترانے کے بجائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کو یاد رکھو کیونکہ تم تو ہر اعتبار سے کفار کے مقابلے میں کمزور اور ناتواں تھے۔ تم نے کفار کو قتل نہیں کیا یہ تو اللہ تعالیٰ نے انھیں قتل کیا ہے پھر نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ نے کنکریاں نہیں پھینکیں وہ تو اللہ تعالیٰ نے پھینکی ہیں گویا کہ ایک ایک کافر کی آنکھ میں کنکریاں جھونکنا۔ نبی اکرم ﷺ کے بس کی بات نہ تھی۔ بدر میں مسلمانوں کو کامیابی سے اس لیے ہمکنار کیا گیا تاکہ ان کو فتح دے کر آزمائے اور دوسری طرف کفار کو ذلیل کر دیا جائے۔ دنیا میں یہ پہلا معرکہ تھا کہ اتنے کمزور اور تھوڑے لوگوں نے اپنے سے تین گنا بڑی قوت کو نہ صرف شکست دی بلکہ ان کے ستر سرکردہ لوگوں کو جہنم واصل کر کے ستر آدمیوں کو گرفتار کر لیا جہاں تک اس میں مسلمانوں کی آزمائش کا تعلق ہے۔ اس کے لیے بَلَاءً حَسَنًا کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ دے کر بھی آزماتا ہے اور لے کر بھی آزماتا ہے۔ بدر میں عظیم الشان کامیابی دے کر مسلمانوں کو

آزمایا گیا اسی لیے سورۃ الحدید آیت ۲۳ میں یہ اصول بتلایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تم سے کوئی چیز لے لے تو زیادہ افسوس نہ کیا کرو اور جب وہ عطا فرمائے تو اس پر فخر وغرور نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ غرور کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

﴿لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ [الحدید:۲۳]

''اس لیے کہ جو تمھیں نہ مل سکے اس پر غم نہ کرو اور جو اللہ تمھیں دے اس پر اترایا نہ کرو اور اللہ کسی بھی خود پسند اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔''

((عَنْ أَبِي دَاوُدَ الْمَازِنِيِّ رضی اللہ عنہ وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا قَالَ إِنِّي لَأَتْبَعُ رَجُلًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ لِأَضْرِبَهُ إِذْ وَقَعَ رَأْسُهُ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَيْهِ سَيْفِي فَعَرَفْتُ أَنَّهُ قَدْ قَتَلَهُ غَيْرِي)) [رواہ أحمد]

''حضرت ابی داؤد المازنی رضی اللہ عنہ جو کہ بدر کے معرکہ میں شامل تھے بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مشرک کے پیچھے اسے قتل کرنے کے لیے بھاگ رہا تھا کہ اچانک میرے اس تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کی گردن کٹ گئی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اسے کسی اور نے قتل کیا ہے۔''

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَوْمَ بَدْرٍ هٰذَا جِبْرِيلُ آخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهِ عَلَيْهِ أَدَاةُ الْحَرْبِ))

[رواہ البخاری: کتاب المغازی، باب شهود الملائکة بدرا]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا یہ جبرائیل ہیں جنہوں نے اپنے گھوڑے کی پیشانی پکڑی ہوئی ہے اور اس پر اسلحہ رکھا ہوا ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کبھی دے کر آزماتا ہے اور کبھی لے کر آزماتا ہے۔

۲۔ آزمائش کبھی نعمت کی شکل میں ہوتی ہے اور کبھی بیماری اور نقصان کی صورت میں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو دنیا میں بھی ذلیل کر دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

کفار کی تدابیر کی حقیقت:

۱۔ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے تدبیر کی اللہ بہتر تدبیر فرمانے والا ہے۔ (الانفال:۳۰)

۲۔ انکے مکر کا انجام دیکھو ہم نے انہیں اور ان کی قوم کو ہلاک کر دیا۔ (النمل:۵۱)

۳۔ اللہ نے ان کی خفیہ تدبیروں سے آپ کو محفوظ رکھا۔ (المومن:۴۵)

۴۔ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے تدبیر کی اللہ بہتر تدبیر فرمانے والا ہے۔ (آل عمران:۵۴)

اِنۡ تَسۡتَفۡتِحُوۡا فَقَدۡ جَآءَكُمُ الۡفَتۡحُ ۚ وَاِنۡ تَنۡتَهُوۡا

اگر | تم فیصلہ طلب کرتے ہو | تو تحقیق | آگیا تمہارے پاس | فیصلہ | اور اگر | تم باز آجاؤ

فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ۚ وَاِنۡ تَعُوۡدُوۡا نَعُدۡ ۚ وَلَنۡ تُغۡنِىَ عَنۡكُمۡ

تو وہ | بہتر ہے تمہارے لیے | اور اگر | تم اعادہ کروگے | ہم بھی اعادہ کریں گے | اور ہرگز نہیں | فائدہ دے گی | تمہیں

فِئَتُكُمۡ شَيۡـًٔـا وَّلَوۡ كَثُرَتۡ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۹﴾

تمہاری جماعت | کچھ بھی | اور اگر | کثیر ہی ہو | اور بیشک | اللہ | ساتھ | مومنوں

''اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو یقیناً تمہارے پاس فیصلہ آچکا اور اگر باز آجاؤ تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر پھر ایسا کروگے تو ہم بھی یہی کریں گے اور تمہاری جماعت ہرگز تمہارے کچھ کام نہ آئے گی، خواہ بہت زیادہ ہو اور جان لو کہ بے شک اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔'' (۱۹)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ بدر کی ذلت کے بعد کفار کو انتباہ۔

قریش خاندانی سردار اور بیت اللہ کے متولی ہونے کی وجہ سے پوری دنیا میں معزز اور محترم سمجھے جاتے تھے۔ اس پر انھیں بڑا ناز اور فخر تھا۔ لیکن حق کی پے در پے مخالفت اور بدر میں ذلت ناک شکست کی وجہ سے اس قدر ذلیل ہوئے کہ ان کا نام اور مقام خاک میں مل گیا۔ یہاں مفسرین نے ایک عجب واقعہ نقل کیا ہے کہ بدر کی طرف نکلنے سے پہلے۔ سرداران قریش اور ابو جہل نے بیت اللہ کا غلاف پکڑ کر یہ دعا کی کہ اے کعبہ کے رب! تیری نگاہ میں مسلمانوں اور ہم میں جو حق پر ہے اسے کامیابی عنایت فرما۔ (جامع البیان)

ہوسکتا ہے یہاں اسی بات کی طرف اشارہ ہو کہ جس حق کے لیے تم فتح کے طلبگار ہوئے تھے اس حق پر صرف نبی آخر الزمان ﷺ اور آپ کے ساتھی ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے فتح سے ہمکنار فرمایا۔ لہٰذا تمھاری دعا کے نتیجہ میں جب حق ظاہر ہوچکا تو پھر تمھیں اس حق کی مخالفت سے باز آنا چاہیے۔ یہی تمھاری دنیا و آخرت کے لیے بہتر ہے۔ اگر تم باز آنے کے بجائے پھر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے پلٹو گے تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی پہلے کی طرح امداد کرے گا اور تمھیں تمھاری عددی قوت اور جنگی ساز و سامان کی کثرت کا کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا ساتھی ہے۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی مسلمان اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی سربلندی کے لیے اپنے وسائل کو یکجا کر کے متحد

ہو کر نکلے تو کفار کی کثرت اور ساز و سامان کی بہتات انھیں کچھ فائدہ نہ پہنچا سکی۔ وہ اپنے سے کمزور اور تھوڑے مسلمانوں کے مقابلہ میں ہمیشہ ذلیل وخوار ہوئے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال ہو تو کفار کی کثرت مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

۲۔ اگر کلمہ گو پکے مومن ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی ہمیشہ مدد فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کی مدد کے بغیر جنگ میں اکثریت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی:

۱۔ تھوڑی جماعتیں اللہ کی مدد سے بڑی جماعتوں پر غالب آگئیں۔(البقرۃ:۲۴۹)

۲۔ اے ایمان والو! جب تمھارا کسی لشکر سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ سے مدد کی دعا کرو۔(الانفال:۵۳)

۳۔ نہیں ہے کوئی گروہ جو ان کی مدد کرے اللہ تعالیٰ کے سوا۔(الکہف:۴۳)

۴۔ بدر میں دو جماعتوں کے لڑنے میں تمھارے لیے عبرت تھی۔ اللہ طاقت دیتا ہے اپنی مدد سے جسے چاہتا ہے۔(آل عمران:۱۳)

۵۔ تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ تم مومن بن جاؤ۔(آل عمران:۱۳۹)

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کن لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔(البقرۃ:۱۵۳)

۲۔ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔(التوبۃ:۳۶)

۳۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے۔(النساء:۱۴۶)

۴۔ اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنیوالوں کے ساتھ ہے۔(النحل:۱۲۸)

۵۔ اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنیوالوں اور نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔(النحل:۱۲۸)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا

اے وہ لوگو ایمان لائے تم اطاعت کرو اللہ کی اور اسکے رسول کی اور نہ تم منہ پھیرو

عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا

اس سے اور ہوتم سن رہے ہوتم اور نہ تم ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح کہا تھا ہم نے سنا

وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ

اور وہ نہیں سنتے تھے بیشک بدترین جانور اللہ کے نزدیک بہرے گونگے ہیں

الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

وہ لوگ نہیں وہ عقل رکھتے

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور اس سے منہ نہ پھیرو جب کہ تم سن رہے ہو۔(۲۰) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا ہم نے سنا، حالانکہ وہ نہیں سنتے۔(۲۱) بے شک اللہ کے نزدیک تمام جانوروں سے برے وہ ہیں جو بہرے گونگے ہیں وہ سمجھتے نہیں۔''(۲۲)

فہم القرآن

ربط کلام: غزوۂ بدر پر تبصرہ کے بعد مومنین کو ہدایات۔ مومن کی نشانی یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے جب تک مومن اس مشن پر کاربند رہے گا اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد اس کے شامل حال رہے گی۔

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ سورۃ الاحزاب آیت ۷۱ میں فرمایا جو مسلمان اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ کامیاب ہوگا سورۃ محمد، آیت :۳۳ میں حکم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ ان کی نافرمانی کرکے اپنے اعمال ضائع نہ کرنا۔ سورۃ النور، آیت :۵۱ میں ارشاد ہوا کہ مومن تو وہ ہیں جب انھیں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف بلایا جائے تو وہ یہ کہتے ہوئے سر تسلیم خم کرتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔

جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر گناہوں سے بچ جائے وہی لوگ بامراد ہوں گے۔(النور:۵۱تا۵۲) یہاں یہ حکم ہوا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ حکم سننے کے باوجود انحراف نہ کرو کسی بات کو تسلیم کرنے کے تین مدارج ہوتے ہیں۔ بات کو اچھی طرح سننا۔ اس پر غور کرنا۔ اس پر پورے اخلاص کے ساتھ عمل کرنا۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں جب تک تینوں باتیں شامل نہ ہوں۔ اطاعت کا حق ادا نہیں ہوتا اس لیے حکم فرمایا

ہے کہ اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے کہا ہم نے سن لیا۔ حالانکہ وہ سننے والے نہیں ہیں ایسا کرنے والوں سے مراد کافر، منافق اور وہ کلمہ گو بھی اس میں شامل ہوں گے۔ جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم سننے کے باوجود اس طرح زندگی گزارتے ہیں جیسا کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کا حکم سنا ہی نہیں۔ ان کی مثال تو **دوّاب** کی ہے جو دابۃ کی جمع ہے جس کا معنی ہے زمین پر چلنے والے جانور جو بہرے، گونگے اور بے عقل ہیں جنھیں کھاتے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے، بیٹھنے اور سونے، جاگنے کے سوا کوئی فکر نہیں ہوتی۔ یہی طرز زندگی ان لوگوں کا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی بات سنتے ہیں مگر اس کے تقاضے پورے نہیں کرتے۔

مسائل

۱۔ مسلمان کو ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنی چاہیے۔

۲۔ اللہ اور اس کے رسول کی بات سننے کے باوجود اس پر عمل نہ کرنا جانوروں کا طرز حیات ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم:

۱۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ (الانفال:۴۶)

۲۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (آل عمران:۱۳۲)

۳۔ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔ (محمد:۳۳)

۴۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور نافرمانی سے بچو۔ (المائدۃ:۹۲)

۵۔ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول اور صاحب امر کی اطاعت کرو۔ (النساء:۵۹)

چوپاؤں اور جانوروں سے بدتر لوگ:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کر دی انھیں بہرے اور اندھے کر دیا ہے۔ (محمد:۲۳)

۲۔ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں وہ رجوع نہیں کرتے۔ (البقرۃ:۱۸)

۳۔ ہماری آیات کا انکار کرنے والے بہرے اور گونگے ہیں۔ (الانعام:۳۹)

۴۔ بہروں کو آپ نہیں سنا سکتے کیونکہ وہ بے عقل ہیں۔ (یونس:۴۲)

۵۔ آپ مردوں اور بہروں کو اپنی پکار نہیں سنا سکتے۔ (النمل:۸۰)

۶۔ کفار چوپائے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ (الاعراف:۱۷۹)

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا

اور اگر جانتا اللہ ان میں کوئی بھلائی وہ انہیں ضرور سنواتا اور اگر وہ انہیں سنوا دیتا ضرور وہ منہ پھیرتے

وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۲۳ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ

اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے اے وہ لوگو وہ ایمان لائے کہنا مانو اللہ کا

وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

اور رسول کا جب وہ تمہیں بلائے اس کی طرف جو تمہیں زندگی بخشتا ہے اور جان لو بیشک اللہ

يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۲۴

حائل ہو جاتا ہے درمیان بندے اور اس کے دل کے اور بیشک وہ اسی کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے

’’اور اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی جانتا تو انہیں ضرور سنوا دیتا اور اگر وہ انہیں سنوا دیتا تو بھی وہ منہ پھیر جاتے کیونکہ وہ منہ پھیرنے والے ہیں۔(۲۳) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول کی دعوت قبول کرو، جب وہ تمہیں اس چیز کے لیے دعوت دے جو تمہیں زندگی بخشتی ہے اور جان لو کہ بے شک اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان رکاوٹ بن جاتا ہے اور یہ کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔‘‘(۲۴)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ منافق نہیں سننا چاہتے تو نہ سنیں۔ اے مومنو تمھیں ضرور اللہ اور اس کے رسول کی بات سننا اور ماننا چاہیے۔

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کا ارشاد سننے کے باوجود ایسا طرز حیات اختیار کرتے ہیں جیسا کہ انھوں نے اسے سنا ہی نہیں۔ ان کو جانوروں کے ساتھ تشبیہ دے کر فرمایا یہ عقل وفکر سے عاری ہیں۔ سورۃ الاعراف آیت ۱۷۹ میں ان لوگوں کو جانوروں سے بدتر شمار کرتے ہوئے انھیں غافل قرار دیا گیا ہے۔ یہاں فرمایا ہے اگر اللہ تعالیٰ ان میں خیر کا جذبہ دیکھتا تو ان کو بات سننے، سمجھنے کی توفیق دیتا۔ کیونکہ یہ جانوروں کی طرح محض اپنے مالک کی آواز سنتے ہیں سمجھتے نہیں۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے۔ اسی لیے انھیں ہدایت سے نہیں نوازا گیا۔ ایسے لوگوں کو اگر جبراً کوئی بات سنوائی جائے تو پھر بھی وہ اعراض کرنے والے ہوں گے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کے بارے میں آیا ہے کہ ان کے سروں پر پہاڑ بلند کیا گیا لیکن پھر بھی انھوں نے ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

یہی حال ان لوگوں کا ہے جو جان بوجھ کر بات کو سننا اور اُسے سمجھنا نہیں چاہتے لہٰذا اے مسلمانو! تم اس طرح کا رویہ اختیار کرنے کے بجائے اللہ اور اس کے رسول کی بات کو قبول کرو۔ جب بھی تمھیں اللہ کا رسول ﷺ بلائے تم اس کی طرف دوڑتے ہوئے آؤ یہی تمھارے زندہ اور عقل مند ہونے کا ثبوت ہے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے دل کے درمیان

حائل ہو جاتا ہے۔ اللہ کے بندے اوراس کے دل کے درمیان حائل ہونے کا یہ معنیٰ نہیں کہ بندہ ہدایت طلب کرنا چاہتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ بندے اور ہدایت کے درمیان حائل ہوگیا ہے۔ اس فرمان کا مفہوم یہ ہے جب کوئی شخص ہدایت سے ارادۃً انحراف کرے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے ارادے کے مطابق اس کو ہدایت کی طرف نہیں آنے دیتا کیونکہ ہدایت خیر ہے اور خیر ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو اس کے طالب اور اس کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اسی بات کو نبی اکرم ﷺ نے یوں بیان فرمایا۔

((عَنْ عَبْدَ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ يَقُوْلُ إِنَّ قُلُوْبَ بَنِي آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ كَقَلْبٍ وَّاحِدٍ يُصَرِّفُهُ حَيْثُ يَشَاءُ))

[رواہ مسلم: کتاب القدر، باب تصریف اللہ القلوب کیف شاء]

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن رضی اللہ عنہ عاص فرماتے ہیں کہ بلاشبہ رسول معظم ﷺ کو انہوں نے یہ فرماتے سنا کہ آدم کی اولاد کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جو ایک ہی دل کی طرح ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جس طرح چاہتا ہے پھیرتا رہتا ہے۔''

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ يُكْثِرُ أَنْ يَّقُوْلَ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى دِيْنِكَ))

[رواہ الترمذی: کتاب القدر، باب ما جاء ان القلوب بین اصبعی الرحمان]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ اکثر یہ دعا کرتے تھے۔ اے اللہ دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھنا۔''

((عن مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ))

[رواہ البخاری: کتاب العلم، باب مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ]

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہدایت کے طالب کو ہی ہدایت سے نوازتا ہے۔

۲۔ ہدایت نہ چاہنے والے کو جبراً ہدایت کی طرف بلایا جائے تو وہ پھر بھی اس سے اعراض کرتا ہے۔

۳۔ ایماندار کو ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول کی بات کو قبول کرنا چاہیے۔

۴۔ جو شخص رسول اکرم ﷺ کے فرمان سے بے پروائی برتتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اور دور کر دیتا ہے۔

۵۔ تمام لوگوں نے بالآخر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جمع ہونا ہے۔

وَاتَّقُوْا	فِتْنَةً	لَّا	تُصِيْبَنَّ	الَّذِيْنَ	ظَلَمُوْا	مِنْكُمْ
اور تم ڈرو	فتنہ	نہیں	وہ پہنچے گا	وہ لوگ	جنہوں نے ظلم کیا	تم سے
خَآصَّةً ۚ	وَاعْلَمُوْٓا	اَنَّ	اللّٰهَ	شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾		
خاص طور پر	اور جان لو	بیشک	اللہ	سخت سزا دینے والا ہے		

''اوراس فتنے سے بچ جاؤ جو لازماً انہی لوگوں کو نہیں پہنچے گا جنہوں نے خاص طور پر تم میں سے ظلم کیا ہوگا اور جان لو کہ بے شک اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔''(۲۵)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

جب لوگ اللہ اور اس کے رسول کے فرمان سے لاپروائی کریں گے اور آخرت کو بھول جائیں گے تو پھر فتنوں کا شکار ہوں گے۔ اس سے پہلی آیت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات کو انسان کے لیے حیات بخش قرار دیا گیا ہے۔ یعنی مسلمان اور امت کی بقا اسی وقت تک ہے۔ جب تک اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتے رہیں گے۔ جب مسلمان اس کو چھوڑ دیں گے تو پھر من حیث القوم آزمائش اور فتنوں کا شکار ہوں گے۔ اس سے یہاں ڈرایا گیا ہے کہ اے مسلمانو اس آزمائش سے بچو جس میں صرف برے لوگ ہی نہیں مبتلا ہوں گے بلکہ اس آزمائش اور فتنہ کی لپیٹ میں مخلص مسلمان بھی آجائیں گے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ شدید پکڑنے والا ہے۔ قرب قیامت کا ذکر کرتے ہوئے نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے قریب لوگوں سے ایمان اٹھ جائے گا اور فتنے اس طرح نازل ہوں گے جس طرح تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ جائے تو اس کے دانے ایک دوسرے کے اوپر گرتے ہیں ان فتنوں سے ایماندار بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔

مسلمانوں کو اس فتنہ سے متنبہ کرنے کے لیے پے در پے زوردار چار الفاظ بولے گئے ہیں۔

۱۔ فتنہ سے بچ جاؤ۔

۲۔ نیک لوگ بھی اس فتنہ سے نہیں بچ سکیں گے۔

۳۔ خبردار ہو جاؤ۔

۴۔ اللہ تعالیٰ شدید ترین عذاب والا ہے۔

رسول معظم ﷺ کا فرمان ہے کہ جب لوگ نیکی کا حکم دینا، برائی سے روکنا اور جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیں گے۔ تو پھر وہ اس فتنہ خاصہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔

((عَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُوشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلٰى قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزَعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ اللّٰهُ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهْنَ فَقَالَ قَائِلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا الْوَهْنُ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ)) [رواہ ابو داود: کتاب الملاحم، باب فی تداعی الامم علی الاسلام]

''حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب لوگ تم پر ایسے ٹوٹ پڑیں گے جیسے کھانے والے دسترخوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ایک صحابی نے عرض کی ہم اس وقت تھوڑی تعداد میں ہوں گے؟ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ تمہاری تعداد بہت زیادہ ہوگی لیکن تم اس وقت سیلاب میں بہنے والے تنکوں کی طرح ہوگے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب ودبدبہ ختم کردے گا اور تمہارے دلوں میں ''وھن'' ڈال دیا جائے گا۔ کسی صحابی نے پوچھا اے اللہ کے رسول! وھن کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا سے محبت اور موت سے کراہت۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي مَكَانَهُ)) [رواہ البخاری: کتاب الفتن، بَاب لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُغْبَطَ أَهْلُ الْقُبُورِ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ ایک آدمی کسی قبر کے پاس سے گزرے گا تو خواہش کرے گا کاش! میں آج اس کی جگہ ہوتا۔''

مسائل

۱۔ اجتماعی آزمائش سے نیک لوگ بھی نہیں بچ سکتے۔
۲۔ فتنہ سے بچتے رہنا چاہیے۔
۳۔ پرفتن دور میں اپنے ایمان کی حفاظت کرنی مشکل ہو جائے گی۔

تفسیر بالقرآن

آزمائش کی مختلف صورتیں:

۱۔ ہم تمہیں کسی چیز کے خوف، بھوک، مال اور پھلوں کی کمی سے ضرور آزمائیں گے۔ (البقرۃ:۱۵۵)
۲۔ کیا لوگوں نے تصور کرلیا ہے کہ وہ ایمان کا اقرار کریں اور انہیں آزمایا نہ جائے۔ (العنکبوت:۲)
۳۔ یقیناً تمہارے مال اور اولاد تمہارے لیے آزمائش ہیں۔ (التغابن:۱۵)

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ

اور یاد کرو | جب تھے تم | تھوڑے | کمزور سمجھے جاتے تھے | میں | زمین | تم ڈرتے تھے

اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ

یہ کہ | تم کو اچک لے جائیں | لوگ | اس نے تمہیں جگہ دی | اور تمہاری تائید کی | اپنی مدد کے ساتھ | اور تم کو رزق دیا

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

سے | پاکیزہ | تاکہ تم | شکر گزار بنو

''اور یاد کرو جب تم بہت تھوڑے تھے زمین میں کمزور شمار ہوتے تھے ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک کر لے جائیں گے تو اس نے تمہیں جگہ دی اور اپنی مدد کے ساتھ تمہیں قوت بخشی اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا تاکہ تم شکر کرو۔'' (۲۶)

فہم القرآن

ربط کلام: فتنۂ خاصہ سے بچنے کی تلقین کرنے کے بعد مسلمانوں کو ان کی مکی زندگی کے بارے میں اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان جتلایا ہے اور اس سے نجات کا تذکرہ کیا ہے۔ کیونکہ مکہ میں مسلمان اجتماعی آزمائش میں مبتلا تھے۔

مسلمان مکہ معظمہ میں تھوڑے اور کمزور ہونے کی وجہ سے مشرکین کے مظالم کا اس قدر شکار تھے کہ ہر وقت سہمے اور ڈرے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بھی ان مظالم سے محفوظ نہ تھی۔ سر بازار آل یاسر رضی اللہ عنہ کو پیٹتے ہوئے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو دو لخت کر دیا گیا۔ مزدور صحابہ کی خون پسینے کی کمائی ضبط کر لی گئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کو مسلمانوں کے ساتھ تین سال شعب ابی طالب میں محصور رکھا گیا۔ مسلمانوں کو پہلے حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ کی جانب ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ ان مصائب و آلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو سمجھایا ہے کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی بات کو قبول نہیں کرو گے تو یاد رکھو تم پر دوبارہ ایسے حالات وارد ہو سکتے ہیں۔ لیکن تم نے رسول کی دعوت کو قبول کیا اور اس پر ثابت قدم رہے۔ جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے اس کربناک صورت حال سے نجات دیتے ہوئے تمہیں مدینہ کی ریاست عطا فرمائی اور اپنی خاص مدد سے اسے مضبوط کرتے ہوئے تمہارے لیے رزق حلال کے دروازے کھول دیے تاکہ تم اپنے رب کے شکر گزار بنو۔ اس آیت میں غزوۂ بدر کی طرف بھی اشارہ ہے۔ جس کو موت سمجھتے ہوئے تم دشمن سے کانپ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تم جیسے کمزور اور بے سروسامان لوگوں کو دشمن پر غلبہ عطا کر کے مال غنیمت اور فتح کی کامیابی سے ہمکنار کر کے مدینہ کی ریاست کیا اور تمہیں مال غنیمت عطا فرمایا قدر محفوظ کر دیا کہ جس سے تمہارے لیے رزق حلال کے دروازے کھلے اور فتح و کامرانی کے راستے روشن ہوئے۔

اللہ کی نصرت وحمایت اور رزق حلال کی فراوانی کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ تم اس کے شکر وحمد کے خوگر ہو جاؤ۔

عَنْ أَبِی سَعِیدٍ الْمَقْبُرِیِّ أَنَّ أَبَا هُرَیْرَةَ ﷺقَالَ دُعَاءٌ حَفِظْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺلَا أَدَعُهُ اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِی أُعَظِّمُ شُكْرَكَ وَأُكْثِرُ ذِكْرَكَ وَأَتَّبِعُ نَصِیحَتَكَ وَأَحْفَظُ وَصِیَّتَكَ [رواه الترمذی:باب فِی الِاسْتِعَاذَةِ]

حضرت ابی سعید مقبری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ دعاء میں نے رسول اللہ ﷺ سے جب سے یاد کی اس کو چھوڑا نہیں۔ اے اللہ مجھے سب سے زیادہ شکر گذار ، کثرت سے ذکر کرنے ، ہدایت کی پیروی کرنے اور وصیت کی حفاظت کرنے والا بنا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی کمزور اور تھوڑے لوگوں کی مدد کرنے والا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد نہ فرمائے تو دشمن مسلمانوں کو ختم کر دیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ رزق حلال اور فتح وکامیابی عطا فرمائے تو انسان کو اس کا شکر گزار رہنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا حکم:

۱۔ لوگو! اللہ کو یاد کرو اللہ تمہیں یاد کرے گا اور اس کا شکر ادا کرو کفر نہ کرو۔ (البقرۃ:۱۵۲)

۲۔ لوگو! تم اللہ کا شکر ادا کرو اور ایمان لاؤ۔ اللہ بہت ہی قدر دان ہے۔ (النساء:۱۴۷)

۳۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو وہ مزید عطا فرمائے گا۔ (ابراہیم، آیت:۷)

۴۔ اللہ نے تمہیں دل، آنکھیں اور کان دیے تاکہ تم شکر کرو۔ (السجدۃ:۹)

۵۔ اللہ کی پاکیزہ نعمتیں کھا کر اس کا شکر کرو۔ (البقرۃ:۱۷۲)

۶۔ اللہ کی عبادت کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کرو۔ (العنکبوت:۱۷)

۷۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں تمہارے لیے متاعِ حیات بنایا تاکہ تم شکر ادا کرو۔ (الاعراف:۱۰)

۸۔ اللہ نے جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کیا تاکہ تم شکر کرو۔ (الحج:۳۶)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا

اے وہ لوگو وہ ایمان لائے نہ تم خیانت کرو اللہ کی اور رسول کی اور تم خیانت کرو

اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

آپس کی امانتوں کی اور ہوتم تم جانتے ہو

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو جبکہ تم جانتے ہو۔“ (۲۷)

فہم القرآن

ربط کلام: مزید ہدایات کے ساتھ نیا خطاب شروع ہوتا ہے:

اس ارشاد میں مسلمانوں کو امانتوں میں خیانت نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ خیانت صرف یہ نہیں ہے کہ آدمی دوسرے کی چیز میں خرد برد کرلے۔ اسلام میں امانت اور خیانت کا تصور بڑا وسیع ہے کیونکہ اس آیت میں امانت کے لیے جمع کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ ہر مسلمان کے ذمہ پہلی امانت اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ پورے اخلاص کے ساتھ محبت کرنا اور دل و جان کے ساتھ ان کے احکام ماننا ہے۔ دوسری امانت لوگوں کے آپس کے حقوق و فرائض ہیں۔ اگر کوئی شخص معاشرے کی تفویض کردہ ذمہ داری اور منصب کے فرائض تن دہی سے ادا نہیں کرتا تو وہ بھی خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔ منصبی ذمہ داری کے حوالے سے امانت کے ماحول کو پروان چڑھانے کے لیے قرآن مجید نے ٹھوس بنیاد فراہم کرکے حکم دیا ہے کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ جب تم کسی کو امانت سپرد کرو تو اہل لوگوں کو سپرد کیا کرو۔ جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمھیں اچھی سے اچھی نصیحت کرتا ہے اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ (النساء: ۵۸)

سورۃ النساء میں امانت اہل لوگوں کو سپرد کرکے ان کے حقوق ادا کرنے کا حکم تھا یہاں خیانت سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بنیادی طور پر امانت کی چار قسمیں ہوسکتی ہیں۔ (۱) اہل شخص کو منصب سپرد کرنا۔ (۲) منصب کی ذمہ داری پوری کرنا۔ (۳) کسی کی رکھی ہوئی امانت میں خرد برد سے بچنا اور اسے پورا پورا ادا کرنا۔ (۴) اگر کوئی مشورہ طلب کرے تو اسے اپنی فہم و فراست کے مطابق پوری دیانت داری کے ساتھ مشورہ دینا اور اگر کوئی راز بتائے تو اس کے راز کی حفاظت کرنا۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ))

[رواہ ابن ماجۃ: کتاب الایمان، باب اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس سے مشورہ مانگا جائے وہ امین ہے۔“

((عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اسْتَعْمَلَ عَامِلًا فَجَاءَهُ الْعَامِلُ حِينَ فَرَغَ

مِنْ عَمَلِهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هٰذَا لَكُمْ وَهٰذَا أُهْدِىَ لِى فَقَالَ لَهُ أَفَلَا قَعَدْتَ فِى بَيْتِ أَبِيكَ وَأُمِّكَ فَنَظَرْتَ أَيُهْدٰى لَكَ أَمْ لَا ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَشِيَّةً بَعْدَ الصَّلَاةِ فَتَشَهَّدَ وَأَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَمَا بَالُ الْعَامِلِ نَسْتَعْمِلُهُ فَيَأْتِينَا فَيَقُولُ هٰذَا مِنْ عَمَلِكُمْ وَهٰذَا أُهْدِىَ لِى أَفَلَا قَعَدَ فِى بَيْتِ أَبِيهِ وَأُمِّهِ فَنَظَرَ هَلْ يُهْدٰى لَهُ أَمْ لَا فَوَالَّذِى نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَغُلُّ أَحَدُكُمْ مِنْهَا شَيْئًا إِلَّا جَاءَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلٰى عُنُقِهِ إِنْ كَانَ بَعِيرًا جَاءَ بِهِ لَهُ رُغَاءٌ وَإِنْ كَانَتْ بَقَرَةً جَاءَ بِهَا لَهَا خُوَارٌ وَإِنْ كَانَتْ شَاةً جَاءَ بِهَا تَيْعَرُ فَقَدْ بَلَّغْتُ فَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ ثُمَّ رَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَدَهُ حَتّٰى إِنَّا لَنَنْظُرُ إِلٰى عُفْرَةِ إِبْطَيْهِ قَالَ أَبُو حُمَيْدٍ وَقَدْ سَمِعَ ذٰلِكَ مَعِى زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مِنَ النَّبِىِّ ﷺ فَسَلُوهُ))

[رواه البخاری: کتاب الایمان، باب کانت یمین النبی ﷺ]

’’حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ رسول معظم ﷺ نے کسی علاقے کی طرف عامل بھیجا۔ جب وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس آیا۔ اس نے کہا اے اللہ کے رسول! یہ آپ کے لیے ہے اور یہ مجھے تحفہ دیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس سے کہا تو اپنے باپ یا ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھا رہا اور تو دیکھتا کہ تجھے تحفہ دیا جاتا یا نہیں۔ پھر رسول مکرم عشاء کی نماز کے بعد ﷺ کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہوئے فرمایا اس عامل کا کیا معاملہ ہے جسے ہم کہیں مقرر کریں تو وہ واپس آکر کہے کہ یہ تمہارا ہے اور یہ مجھے تحفہ دیا گیا ہے۔ وہ کیوں نہ اپنے ماں یا باپ کے گھر بیٹھا رہا اور دیکھتا کہ اسے تحفہ دیا جاتا ہے یا نہیں؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! تم میں سے جو کوئی بھی خیانت کرے گا وہ اسے اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے قیامت کے دن آئے گا اگر وہ اونٹ ہوگا تو آوازیں نکال رہا ہوگا اگر وہ گائے ہوئی تو وہ بھی ڈکرا رہی ہوگی اور اگر بکری ہوگی تو وہ ممیا رہی ہوگی۔ بلاشبہ میں نے یہ پہنچا دیا ہے۔ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر رسول مکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ بلند فرمایا یہاں تک کہ ہم آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھ رہے تھے۔ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میرے ساتھ یہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بھی نبی کریم ﷺ سے سنا تھا تو اس سے بھی پوچھ لو۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر عمل نہ کرنا خیانت کرنے کے مترادف ہے۔

۲۔ امانت میں خیانت کرنا جائز نہیں۔

وَاعْلَمُوْٓا	اَنَّمَآ	اَمْوَالُكُمْ	وَاَوْلَادُكُمْ	فِتْنَةٌ ۙ	وَّاَنَّ	اللّٰهَ
اور جان لو	یقینا	تمہارے مال	اور تمہاری اولاد	فتنہ ہیں	اور بیشک	اللہ

عِنْدَهٗٓ	اَجْرٌ	عَظِيْمٌ ۲۸
اس کے پاس	اجر ہے	بہت بڑا

''اور جان لو کہ تمہارے مال اور اولاد ایک آزمائش کے سوا کچھ نہیں اور یہ کہ یقیناً اللہ ہی کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔'' (۲۸)

فہم القرآن

ربط کلام: خیانت سے بچنے کا حکم دینے کے ساتھ مال اور اولاد کو آزمائش قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ عموماً انسان ان کی وجہ سے خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔

واعلموا کا معنی ہے اچھی طرح جان لو، اس میں ایک قسم کا انتباہ پایا جاتا ہے کہ اے لوگو تمھارے مال اور تمہاری اولاد تمھارے لیے آزمائش کا باعث ہیں عمومی طور پر انسان اس وقت ہی خیانت کا مرتکب ہوتا اور شریعت کے احکام میں سستی اور غفلت کرتا ہے جب اس کے دل میں مال اور اولاد کی محبت غلو کر جائے۔ اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ خیانت سے بچنے کا حکم دینے کے بعد لوگوں کو بتلایا جائے کہ مال اور اولاد خیانت کا سبب بنتے ہیں لہٰذا تمھیں ان کے بارے میں محتاط رہنا چاہیے جو شخص اس آزمائش میں پورا اترے گا اللہ کے ہاں اسے اجر عظیم سے نوازا جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ ہر امت کے لیے ایک اجتماعی آزمائش ہوا کرتی ہے۔ میری امت کے لیے اجتماعی آزمائش مال ہوگا۔ دوسرے موقع پر آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میرے ساتھیو! مجھے آپ کی غربت کے بارے میں کوئی اندیشہ نہیں میں تو تمہارے متعلق کثرت مال سے ڈرتا ہوں۔

اولاد کے متعلق آپ نے یہ آیت کریمہ اس وقت تلاوت فرمائی جب آپ منبر پر کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے سامنے دیکھا تو حسن وحسین لوگوں کے درمیان اچھلتے ہوئے منبر کی طرف آرہے تھے آپ نے خطبہ منقطع کیا اور ان کو سینہ کے ساتھ چمٹاتے ہوئے اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ واقعی اولاد انسان کے لیے آزمائش ہے۔

((عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ أَبِيهِ قَالَ بَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ يَخْطُبُ إِذْ أَقْبَلَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ عَلَيْهِمَا السَّلَام عَلَيْهِمَا قَمِيصَانِ أَحْمَرَانِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ فَنَزَلَ وَحَمَلَهُمَا فَقَالَ صَدَقَ اللّٰهُ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ رَأَيْتُ هٰذَيْنِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ فِي قَمِيصَيْهِمَا فَلَمْ أَصْبِرْ حَتّٰى نَزَلْتُ فَحَمَلْتُهُمَا))

[رواہ النسائی: کتاب العیدین، باب نزول الامام عن المنبر قبل فراغه من الخطبة]

''حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں ایک دن رسول معظم ﷺ منبر پر خطبہ ارشاد

فرما رہے تھے اچانک حسن اور حسین علیہما السلام آ گئے انہوں نے سرخ قمیصیں پہن رکھی تھیں وہ چلتے اور گرتے پڑتے آ رہے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر سے اتر کران دونوں کو اٹھالیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ سچا ہے تمہارے مال اور اولاد تمہارے لیے آزمائش ہیں میں نے ان دونوں کو گرتے پڑتے اپنے کپڑوں میں الجھتے دیکھا مجھ سے رہا نہ جا سکا یہاں تک کہ میں نے اتر کران دونوں کو اٹھالیا۔''

((عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رضی اللہ عنہا وَكَانَتْ تَحْتَ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رضی اللہ عنہ تَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ مَنْ أَصَابَهُ بِحَقِّهِ بُورِكَ لَهُ فِيهِ وَرُبَّ مُتَخَوِّضٍ فِيمَا شَاءَ تْ بِهِ نَفْسُهُ مِنْ مَالِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ لَيْسَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا النَّارُ))

[رواه الترمذی: کتاب الزهد،باب ماجاء فی أخذ المال بحقه]

''حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا جو کہ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں فرماتی ہیں میں نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ فرما رہے تھے بلاشبہ یہ مال خوشنما اور دلفریب چیز ہے جو کوئی اس کو حق کے ساتھ لے گا تو اس کے لیے برکت کی جائے گی اور کتنے ہی متکلف لوگوں کے دل اللہ اور اس کے رسول کے مال سے چاہ رہے ہوتے ہیں لیکن قیامت میں آگ کے سوا ان کے لیے کچھ نہ ہوگا۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ أَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِمَنْكِبِي فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرُ الصَّبَاحَ وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرُ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ))

[رواه البخاری: کتاب الرقاق، باب قول النبیکن فی الدنیا کانك غریب]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے سے پکڑتے ہوئے فرمایا دنیا میں اس طرح رہو جس طرح تم اجنبی یا مسافر ہو اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے جب تم شام کرو تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب تم صبح کرو تو شام کا انتظار نہ کرو اپنی صحت کو مرض سے پہلے غنیمت جانو اور اپنی زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو۔''

مسائل

۱۔ مال اور اولاد انسان کے لیے آزمائش ہیں۔

۲۔ آزمائش میں پورا اترنے والے کے لیے اجر عظیم ہے۔

يَاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْٓا	اِنْ	تَتَّقُوا	اللّٰهَ	يَجْعَلْ
اے	وہ لوگ جو	وہ ایمان لائے	اگر	تم ڈر جاؤ	اللہ سے	وہ بنا دے گا
لَّكُمْ	فُرْقَانًا	وَّيُكَفِّرْ	عَنْكُمْ	سَيِّاٰتِكُمْ	وَيَغْفِرْ لَكُمْ	
تمہارے لیے	کسوٹی	اور مٹا دے گا	تم سے	تمہاری برائیاں	اور بخش دے گا تمہیں	
وَاللّٰهُ	ذُو الْفَضْلِ	الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾				
اور اللہ	مالک ہے فضل کا	بہت بڑا				

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہیں حق وباطل میں فرق کرنے کی بڑی قوت دے دے گا اور تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔'' (۲۹)

فہم القرآن

ربط کلام: مسلمانوں کو ہدایات کا سلسلہ جاری ہے۔ مال اور اولاد کے فتنہ سے بچنے کا موثر طریقہ یہ ہے کہ آدمی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے۔

تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی گناہوں سے ہر ممکن بچنے کی کوشش کرے اور شریعت کے ضابطوں پر عمل پیرا رہے۔ یہی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مقصد ہے۔ جو مسلمان جلوت اور خلوت میں اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ تقویٰ کو اس کے لیے فرقان بنا دے گا۔ فرقان قرآن مجید کا اسم مبارک ہے اور معجزہ کو بھی فرقان کہا گیا ہے اس کا معنیٰ ہے حق اور باطل، سچ اور جھوٹ، غلط اور صحیح کے درمیان امتیاز کر دینے والا۔ جب کوئی مسلمان صرف اپنے رب کی رضا کی خاطر اس کا ڈر اختیار کرتا ہے تو پھر اس کے ضمیر میں ایسی قوت اور نور پیدا ہوتا ہے۔ جس کی روشنی میں اسے حرام کاموں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے گویا کہ اس کی زندگی میں معجزانہ تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ گناہ وہ ہے جسے انسان کا دل محسوس کرے۔ اس کے ساتھ ہی تقویٰ کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی غلطیوں سے صرف نظر کر کے اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑا ہی فضل کرنے والا ہے۔

تقویٰ اختیار کرنے سے نہ صرف انفرادی مسائل حل ہوتے ہیں بلکہ اس سے زمین و آسمان کی برکات کے دروازے کھلتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ تقویٰ کا مقام انسان کا دل ہے۔ اور دل انسانی جسم میں قوت متحرکہ کا کام دیتا ہے۔ دل کی حرکت بند ہو جائے تو انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اگر دل روحانی طور پر مردہ ہو جائے تو جیتا جاگتا اور چلتا پھرتا انسان روحانی اور اخلاقی طور پر مردہ ہو جاتا ہے۔

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا

يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ التَّقْوٰى هَاهُنَا وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ.........))

[رواه مسلم: كتاب البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باہم حسد نہ کرو اور ایک دوسرے پر بولی نہ بڑھاؤ اور بغض نہ رکھو اور قطع تعلقی نہ کرو اور تم میں سے کوئی دوسرے کے سودے پر تجارت نہ کرے اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ وہ اپنے بھائی پر ظلم کرتا ہے نہ اسے ذلیل کرتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر سمجھتا ہے تقویٰ اس جگہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا.........''

((عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سِمْعَانَ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ فَقَالَ الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ))

[رواه مسلم: كتاب البر والصلة، باب تفسير البر والاثم]

''حضرت نواس بن سمعان انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا نیکی حسن اخلاق ہے اور برائی جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تو ناپسند کرے کہ اس کے متعلق لوگوں کو پتہ چل جائے۔''

مسائل

١۔ مسلمان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا چاہیے۔
٢۔ اللہ کا خوف مسلمان کے لیے حق و باطل کا معیار بن جاتا ہے۔
٣۔ تقویٰ اختیار کرنے والے کے۔ اللہ تعالیٰ گناہ معاف کر دیتا ہے۔
٤۔ اللہ تعالیٰ بڑا فضل و کرم والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

تقویٰ کے فوائد:

١۔ متقین کے لیے کامیابی ہے۔ (الانبیاء:٣١ تا ٣٣)
٢۔ متقین کے لیے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنت ہے۔ (القلم:٣٤)
٣۔ متقی کا ہر کام آسان اور اس کی سب خطائیں معاف اور ان کے لیے بڑا اجر ہوگا۔ (الطلاق:٤ تا ٥)
٤۔ متقین اولیاء اللہ ہیں جو بے خوف ہوں گے۔ (یونس:٦١ تا ٦٤)

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ

اور جب سازش کی آپ کے متعلق ان لوگوں انھوں نے کفر کیا تا کہ وہ آپکو قید کر دیں یا آپکو قتل کر دیں یا آپ کو نکال دیں

وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝۳۰

اور وہ سازشیں کر رہے تھے اور اللہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہتر ہے تدبیر کرنے والا

''اور جب کفر کرنے والے لوگ آپ کے خلاف تدبیریں کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو نکال دیں اور وہ سازش کر رہے تھے جبکہ اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔'' (۳۰)

فہم القرآن

ربط کلام: سابقہ حالات پر تبصرہ جاری ہے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کو مکی حالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے احساس دلایا گیا کہ اپنا ماضی یاد کرو جب تم کمزور اور قلیل تھے تمھیں ہر وقت خطرہ لاحق رہتا تھا کہ تمھارا دشمن تمھیں نیست و نابود نہ کر دے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے تمھاری نصرت وحمایت کی اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے آپ کے سامنے آپ کی ہجرت کا پس منظر رکھا گیا ہے۔ اے نبی! وہ وقت یاد کیجیے جب کفار نے یہ طے کیا تھا کہ آپ کو ہمیشہ کے لیے قید و بند کر دیا جائے یا آپ کو قتل کر دیا جائے یا پھر جلاوطن کر دیا جائے۔

جب وہ آپ کے خلاف مکروفریب اور سازشیں کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ایک فیصلہ کر رکھا تھا اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی فیصلہ اور تدبیر کرنے والا نہیں ہے۔

اہل مکہ آپ کی عظیم اور پر خلوص جدوجہد سے تنگ آ کر۔ دارالندوہ میں بھرپور نمائندہ اجتماع کرتے ہیں۔ جس کا ایجنڈا یہ تھا کہ ہم نے محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں ہر حربہ استعمال کیا مگر وہ بڑھتے ہی جا رہے ہیں ان حالات میں ہمیں فیصلہ کن اور آخری قدم اٹھانا چاہیے۔ مکہ کے ایک سردار نے یہ تجویز پیش کی کہ اسے تاحیات قید رکھا جائے۔ جس کی مخالفت کرتے ہوئے دوسروں نے کہا کہ یہ ممکن نہیں کیونکہ اس کے ساتھی اپنی جانوں پر کھیل کر اسے چھڑوانے کی کوشش کریں گے۔ دوسری تجویز یہ تھی کہ اسے جلاوطن کر دیا جائے اس کا جواب یہ آیا کہ اگر ہم نے ایسا کیا تو یہ ہمارے خلاف لوگوں کو منظم کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ آخری تجویز ابوجہل نے پیش کی کہ اسے قتل کر دینا چاہیے۔ جس کی تائید میں مجلس میں بیٹھے ہوئے عجمی شیخ کی صورت میں شیطان نے کہا کہ میں اس تجویز کی تائید کرتے ہوئے یہ اضافہ کرنا چاہوں گا کہ اسے قتل کرنے کے لیے مکہ کے تمام خاندانوں سے ایک ایک جوان لیا جائے تاکہ محمد (ﷺ) کا خاندان خون بہا کا مطالبہ کرے تو

یہ ذمہ داری کسی ایک فرد پر عائد نہ ہو سکے اور ہم سب اس کی دیت دے کر اس کے خاندان سے نجات پا جائیں گے۔ چنانچہ اگلی رات آپ کے گھر کا گھیراؤ کر لیا گیا حسب فیصلہ انھوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا۔ اس وقت آپ کو بذریعہ وحی اس صورت حال سے آگاہ کیا گیا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ آپ کی سبز دھاری دار چادر لے کر چارپائی پر لیٹ جائے۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین سے مٹی اٹھاتے ہوئے مکان کے چاروں طرف پھینکی جو کفار کے سروں پر پڑی۔ جس سے وہ مدہوش ہو گئے اس طرح آپ اپنے گھر سے باہر نکلے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لے کر تین دن غار ثور میں روپوش رہے بالآخر مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر کو کامیاب فرمایا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی دست برد سے محفوظ رہے اور اسلام کا بول بالا ہوا۔ تفصیل کے لیے سیرت کی کتب کا مطالعہ کیا جائے۔

مسائل

۱۔ کفار کی ہر سازش ناکام ہوئی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور تدبیر ہمیشہ غالب رہتی ہے کیونکہ اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والا ہے:

۱۔ عیسائیوں نے خفیہ تدبیر کی اللہ نے وہ تدبیر انھی پر لوٹا دی اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ (آل عمران: ۵۴)

۲۔ ان سے پہلے لوگوں نے بھی تدبیر کی سب تدبیر اللہ ہی کے لیے ہے۔ (الرعد: ۴۲)

۳۔ انھوں نے مکر و فریب کیا جبکہ اللہ نے بھی تدبیر کی لوگ اس کی تدبیر کو نہیں سمجھتے۔ (النمل: ۵۰)

۴۔ انھوں نے سازشیں کیں اللہ کے ہاں بہتر تدبیریں ہیں۔ (ابراہیم: ۴۶)

۵۔ کیا لوگ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہیں۔ (الاعراف ۹۹)

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ

اور جب | پڑھی جاتی ہیں | ان پر | ہماری آیات | وہ کہتے ہیں | تحقیق ہم نے سن لیا | اگر ہم چاہیں

لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾

تو ہم کہہ سکتے ہیں | مثل | اس کے | نہیں | یہ | مگر | کہانیاں | پہلے لوگوں کی

''اور جب ان پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں ہم نے سن لیا ہے اگر ہم چاہیں تو اس جیسا ہم بھی کہہ دیں یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیوں کے سوا کچھ نہیں۔'' (۳۱)

فہم القرآن

ربط کلام: نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کفار کی دشمنی قرآن کی وجہ سے تھی۔ جس بنا پر کفار نے آپ کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا ان کی عادت اور غلطی یہ تھی کہ وہ دل لگا کر قرآن سنتے ہی نہیں تھے اگر کسی طرح سن لیتے تو کہتے ہیں یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔

رسول محترم ﷺ مشرکین مکہ کے سامنے قرآن پاک کی تلاوت کرتے تو وہ اس پر ایمان لانے کے بجائے مختلف قسم کے بہانے بناتے اور الزامات لگایا کرتے تھے۔ ان الزامات میں ایک الزام یہ بھی تھا کہ محمد ﷺ اپنی طرف سے ایسا کلام بنا کر اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگاتا ہے۔ حالانکہ اس پر کسی قسم کی وحی نازل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر انھیں یکے بعد دیگرے چیلنج دیے کہ اگر تمھیں اس بات پر شک ہے کہ اس نبی ﷺ پر ہم نے قرآن مجید نازل نہیں کیا اور اس نے خود یہ کلام بنالیا ہے تو تم جس، جس کو چاہو اپنے ساتھ ملا کر ایک سورۃ ایسی بنالاؤ۔ لیکن وہ اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکے تھے اور قیامت تک کوئی اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکے گا۔

اس کے باوجود ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کہتے اے محمد! ہم نے آپ کے قرآن کو سن لیا ہے اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام بنا سکتے ہیں کیونکہ یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں اور ایسے قصے کہانیاں بنانا ہمارے لیے مشکل نہیں ہے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے۔

ہم نے اپنے بندے پر جو قرآن نازل کیا ہے اس کے من جانب اللہ ہونے پر تمہیں شک ہے اور تم اپنے دعوی میں سچے ہو تو اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا جہاں کے جن وانس اور جس کو جیسے اور جب چاہو اپنے ساتھ ملا کر انفرادی یا اجتماعی طور پر ایک ہی سورۃ بنا کر لے آؤ۔ لیکن یاد رکھو! اب تک نہ ہوا اور نہ قیامت تک ایسا ہو سکے گا۔ کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے اعلیٰ وارفع، لازوال اور بے مثال ہے اسی طرح اس کا کلام اعلیٰ، ارفع، لازوال اور بے مثال ہے۔ قرآن مجید انسانوں کی اصلاح اور فلاح کے لیے اللہ کریم کی طرف سے نبی محترم ﷺ کو ایسا معجزہ عطا کیا گیا ہے۔ جس کی بلاغت نے قیامت تک دنیا کے سخن وروں، قانون دانوں، شاعروں اور ادیبوں کو لاجواب کر دیا ہے۔ اس کے باوجود ہر دور کے کافر قرآن مجید' فرقان حمید کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔ لیکن بالآخر انہیں اپنی ناکامیوں کا اعتراف کرنا پڑا اور کرتے رہیں گے۔ جس کی چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں تاکہ قرآن کے طالب علم کو معلوم ہو جائے کہ منکرینِ

قرآن کس طرح اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے آئے ہیں اور کرتے رہیں گے۔اس لیے ارشاد ہوا کہ جب مقابلہ تمہارے بس کا روگ نہیں تو اس آگ سے بچو جس میں پتھروں اور انسانوں کو جھونکا جائے گا جو کفار کے لیے تیار کی گئی ہے۔(البقرة:۲۴)

فرانس کا مشہور مستشرق ڈاکٹر مارڈریس جس کو حکومت فرانس کی وزارتِ معارف نے قرآنِ حکیم کی باسٹھ سورتوں کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کرنے پر مامور کیا تھا اس نے اعتراف کیا:

’’بے شک قرآن کا طرزِ بیان اللہ تعالیٰ کا طرزِ بیان ہے، بلا شبہ جن حقائق و معارف پر یہ کلام حاوی ہے وہ کلامِ الٰہی ہی ہوسکتا ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ اس میں شک وشبہ کرنے والے بھی جب اس کی عظیم تاثیر کو دیکھتے ہیں تو تسلیم واعتراف پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ پچاس کروڑ مسلمان (اس تحریر کے وقت مسلمانوں کی تعداد اتنی ہی تھی 2005 میں یہ تعداد سوا ارب سے زائد ہے) جو سطح زمین کے ہر حصہ پر پھیلے ہوئے ہیں۔اُن میں قرآن کی خاص تاثیر کو دیکھ کر مسیحی مشن میں کام کرنے والے بالا جماع اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔‘‘[معارف القرآن مفتی محمد شفیع]

ڈاکٹر گستاد لی بان نے اپنی کتاب ’’تمدنِ عرب‘‘ میں قرآن کی حیرت انگیزی کا اعتراف کیا، ان کے الفاظ یہ ہیں:

’’نبی اُمّی اسلام کی ایک حیرت انگیز سرگزشت ہے، جس کی آواز نے ایک قومِ ناہنجار کو جو اس وقت تک کسی ملک کے زیرِ حکومت نہ آئی تھی رام کیا، اور اس درجہ پر پہنچا دیا کہ اس نے عالم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیروزبر کر ڈالا۔‘‘

مسٹر وڈول جس نے قرآن مجید کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا لکھتے ہیں:

’’جتنا بھی ہم اس کتاب یعنی قرآن کو الٹ پلٹ کر دیکھیں۔ اسی قدر پہلے مطالعہ میں اس کی مرغوبیت نئے نئے پہلوؤں سے اپنا رنگ جماتی ہے، فوراً ہمیں مسخر اور متحیر کر دیتی ہے، اور آخر میں ہم سے تعظیم کرا کر چھوڑتی ہے۔اس کا طرزِ بیان باعتبار اس کے مضامین کے، عفیف، عالی شان اور تہدید آمیز ہے اور جا بجا اس کے مضامین سخن کی غایت رفعت تک پہنچ جاتے ہیں، غرض یہ کتاب ہر زمانہ میں اپنا پر زور اثر دکھاتی رہے گی۔‘‘ (شہادۃ الاقوام، ص ۱۳)

مسائل

۱۔ مشرکین قرآن مجید کو غور سے نہیں سنتے۔

۲۔ قرآن مجید کو، کافر پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں کہتے ہیں۔

۳۔ قرآن مجید کے منکر جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

۴۔ قرآن مجید کا لوگوں کو قیامت تک کے لیے چیلنج ہے۔

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ

اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر ہے یہ وہی حق سے تیری طرف

فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

تو برسا ہم پر پتھر سے آسمان یا لے آ ہم پر عذاب دردناک

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ

اور نہیں ہے اللہ کہ عذاب دے انہیں اور آپ ہوں ان میں اور نہیں ہے اللہ

مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

ان کو عذاب دینے والا جبکہ وہ بخشش طلب کرتے ہوں

”اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ۔ (۳۲) اور نہیں اللہ ہے کہ انہیں عذاب دے جب کہ آپ ان میں ہیں اور اللہ انہیں کبھی عذاب دینے والا نہیں جب کہ وہ بخشش مانگتے ہوں۔“ (۳۳)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآن اور نبی اکرم ﷺ کی وجہ جدوجہد سے تنگ آکر کفار کی انتہا درجے کی جہالت، اکھڑ مزاجی اور اللہ تعالیٰ کے حضور گستاخی۔

مکہ کے سردار اس قدر ہٹ دھرمی اور جہالت پر اتر آئے کہ ایک دن ابو جہل کے ساتھ مل کر بیت اللہ میں جمع ہوئے۔ اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور اس کی توفیق مانگنے کے بجائے بیت اللہ کے غلاف کو پکڑ کر یہ دعا مانگتے ہیں۔ بارالٰہا! اگر واقعی محمد (ﷺ) سچا رسول ہے اور اس پر تو نے حق نازل کیا ہے تو پھر ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا۔ یا ہمیں اپنے عذاب میں مبتلا کردے۔ دنیا کی تاریخ میں شاید یہ پہلا اور آخری واقعہ ہوگا کہ جس میں انسان اس حد تک بغاوت پر اتر آیا ہو کہ وہ اللہ کے گھر میں کھڑے ہو کر اس سے اس کی رحمت اور ہدایت طلب کرنے کے بجائے۔ اس کے غضب کو چیلنج کر رہا ہو۔ جس طرح مکہ والوں نے انتہا کی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان کی منہ مانگی مراد پوری کرتے ہوئے انہیں ایک لمحہ کی تاخیر دیے بغیر بیت اللہ کے صحن کے اندر ہی تہس نہس کر دیا جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شفقت و مہربانی، حلم اور بردباری اس قدر بے کنار ہے کہ ان پر پتھر برسانے کی بجائے یہ کہہ کر مہلت دی کہ اللہ کے لیے عذاب نازل کرنا کوئی مشکل نہیں کہ وہ تم پر قوم لوط کی طرح پتھر برسائے یا قوم عاد کی طرح چیخ چیخ کر زمین پر دے مارے کیونکہ تم واقعی اس لائق ہو کہ تمھیں فی الفور ختم کر دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمھارا وجود معاشرے کے لیے ناسور اور دین حق کی راہ میں رکاوٹ بن چکا ہے لیکن اللہ تعالیٰ تم پر اس لیے عذاب نازل نہیں کر رہا کہ اس کا محبوب اور اس کے توبہ واستغفار کرنے والے ساتھی تم میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ سے یہ اصول رہا ہے کہ جس

بستی میں اس کا رسول ہو اس بستی کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک رسول کو وہاں سے ہجرت کا حکم نہ ہو جائے۔ دوسری بات جو اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتی اور اس کے عذاب کو ٹالتی ہے۔ وہ اس کے مومن بندوں کا توبہ و استغفار کرنا ہے جس بستی میں توبہ و استغفار کرنے والے لوگ زیادہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اس بستی کو کبھی ہلاک نہیں کرتا اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم صبح وشام اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرتے رہیں۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْ لُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ عَبْدًا اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ فَاغْفِرْهُ فَقَالَ رَبُّهٗ اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا یَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَاْخُذُبِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ ثُمَّ مَكَثَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ فَقَالَ اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا یَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَ یَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ ثُمَّ مَكَثَ مَاشَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا اٰخَرَ فَاغْفِرْهُ لِیْ فَقَالَ اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا یَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ فَلْیَفْعَلْ مَا شَآءَ))[رواه البخاری : كتاب التوحيد ، باب قول الله تعالى يريدون ان يبدلوا كلام الله]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' کوئی شخص گناہ کرتا ہے پھر اپنے رب سے عرض کرتا ہے کہ میں گناہ کر بیٹھا ہوں تو اے رب معاف فرما۔ اس کا رب فرشتوں سے کہتا ہے' کیا میرے بندے کو معلوم ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہوں کو معاف کرتا ہے اور ان پر مؤاخذہ بھی کرتا ہے؟ لہٰذا میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔ پھر جب تک اللہ کی توفیق ہوتی ہے وہ گناہ سے باز رہتا ہے' پھر اس سے گناہ ہو جاتا ہے اور پھر اپنے رب کو پکارتا ہے۔ میرے پروردگار مجھ سے گناہ ہو گیا ہے۔ میرے اللہ! مجھے معاف فرما۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے استفسار کرتا ہے کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ کوئی اس کا مالک ہے جو گناہوں کو معاف بھی کرتا ہے اور ان پر پکڑ بھی کرتا ہے؟ میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا! اب وہ جو چاہے کرے۔'' (یعنی سابقہ گناہ پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔)''

((عَنْ أَبِی سَعِید رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ قَالَ حِینَ یَأْوِی إِلَى فِرَاشِهِ أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ الْعَظِیمَ الَّذِی لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّومُ وَأَتُوبُ إِلَیْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ غَفَرَ اللَّهُ لَهُ ذُنُوبَهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ وَإِنْ كَانَتْ عَدَدَ وَرَقِ الشَّجَرِ وَإِنْ كَانَتْ عَدَدَ رَمْلِ عَالِجٍ وَإِنْ كَانَتْ عَدَدَ أَیَّامِ الدُّنْیَا))

[رواه الترمذی: كتاب الدعوات]

''حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں جو شخص اپنے بستر پر لیٹتے ہوئے تین مرتبہ یہ کلمات کہتا ہے ''أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ الْعَظِیمَ الَّذِی لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَیَّ الْقَیُّومَ وَأَتُوبُ إِلَیْهِ'' تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر بھی ہوں، اگرچہ درختوں کے پتوں کی تعداد کے برابر بھی ہوں، اگرچہ صحرا کی ریت کے ذروں کے برابر بھی ہوں، اگرچہ دنیا کے دنوں کی تعداد کے برابر بھی ہوں۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت نہیں دینی چاہیے۔ ۲۔ استغفار کرنے سے اللہ تعالیٰ کا عذاب ٹل جاتا ہے۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ

اور کیا ہے انھیں کہ نہ انہیں عذاب دے اللہ اور وہ روکتے ہیں سے مسجد

الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ

حرام اور نہیں ہیں وہ اس کے متولی نہیں ہیں اس کے متولی مگر متقی لوگ

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا

اور لیکن اکثر ان کے نہیں وہ جانتے اور نہیں تھی ان کی نماز بیت اللہ کے پاس مگر

مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

سیٹیاں اور تالیاں بجانا لہٰذا تم چکھو عذاب بوجہ اس کے جو تھے تم کفر کرتے

”اور نہیں کیا ہے کہ اللہ انہیں عذاب نہ دے جب کہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں، حالانکہ وہ اس کے متولی نہیں اس کے متولی تو متقی لوگوں کے سوا کوئی نہیں لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ (۳۴) اور بیت اللہ کے پاس ان کی نماز سیٹیاں بجانے اور تالیاں پیٹنے کے سوا نہیں ہوتی سو عذاب چکھو اس وجہ سے جو تم کفر کرتے تھے۔“ (۳۵)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

مشرکین مکہ نے بیت اللہ کا غلاف پکڑ کر اپنے لیے عذاب کی دعا کی جس کے جواب میں یہ فرمایا گیا کہ انھیں عذاب نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا رسول ﷺ اور اس کے استغفار کرنے والے ساتھی یہاں موجود ہیں۔ حالانکہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔ کیونکہ یہ مسجد حرام میں توحید کی دعوت دینے سے روکتے ہیں۔ جب کہ بیت اللہ کی بناء کا مقصد ہی اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اس کی توحید کا پرچار ہے۔ لیکن یہ بیت اللہ کی تولیت کے زعم میں آ کر اپنے اختیارات سے تجاوز کر رہے ہیں جبکہ مسجد کی تولیت کا مطلب صرف اس کی خدمت کرنا ہے۔ یہ لوگ اپنے عقیدہ اور کردار کی وجہ سے اس لائق نہیں رہے کہ مسجد حرام کی تولیت کے منصب پر سرفراز رہیں۔ مسجد حرام اور دیگر مساجد کی تولیت کا استحقاق صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر شرک و بدعت سے اجتناب کرتے ہیں لیکن لوگوں کی اکثریت اس حقیقت کو نہیں جانتی۔ اہل مکہ کا نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکنے کے ساتھ یہ جرم بھی تھا کہ جب آپ بیت اللہ میں

نماز پڑھتے یا توحید کی دعوت دیتے تو یہ لوگ سیٹیاں اور تالیاں بجایا کرتے تھے۔اس پر انھیں عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا ہے۔
یہاں مسلمانوں کو اشارہ دیا گیا ہے کہ عنقریب بیت اللہ کا انتظام و انصرام تمھارے سپرد کیا جائے گا۔جس کی نبی کریم ﷺ نے اس وقت پیش گوئی فرمائی جب آپ نے ہجرت سے پہلے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے بیت اللہ کی چابی طلب کی تاکہ بیت اللہ کے اندر داخل ہو کر نفل ادا کر سکیں۔لیکن اس نے بڑی رعونت کے ساتھ چابی دینے سے انکار کر دیا۔جس پر آپ نے فرمایا کہ اے عثمان وہ وقت کیسا ہوگا جب یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی جس کو چاہوں گا دوں گا۔عثمان بن طلحہ نے کہا کیا اشراف مکہ اس وقت مر چکے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں تم زندہ ہو گے۔

چنانچہ یہی کچھ ہوا کہ مکہ فتح کرنے کے بعد آپ نے عثمان سے چابی طلب کی اس نے سر جھکاتے ہوئے چابی آپ کی خدمت میں پیش کر دی۔آپ نے بیت اللہ کے اندر داخل ہو کر نفل ادا کیے بعد ازاں عثمان بن طلحہ کو چابی عطا کرتے ہوئے فرمایا۔عثمان اسے اپنے پاس رکھو جو تجھ سے چابی چھیننے کی کوشش کرے گا وہ ظالم ہوگا۔اس موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ زم زم کا کنٹرول ہمارے پاس ہے۔بہتر ہوگا کہ آپ بیت اللہ کی چابی بھی۔ہمیں عنایت کر دیں۔آپ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔اس موقعہ پر عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔

مسائل

۱۔ لوگوں کو مسجد حرام سے روکنا۔اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔
۲۔ مساجد اور مسجد حرام کی تولیت صرف صاحب تقویٰ لوگوں کے پاس ہونی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

مسجد سے روکنا جائز نہیں:

۱۔ مسجد سے روکنا بہت بڑا ظلم ہے۔(البقرۃ:۱۱۴)
۲۔ مشرکین مکہ مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکا کرتے تھے۔(الانفال:۳۴)
۳۔ مسجد سے روکنے والے سزا کے مستحق ہیں۔(الانفال:۳۴)
۴۔ مسجدیں تو اللہ کا گھر ہوتی ہیں۔(الجن:۱۸)
۵۔ نبی اکرم ﷺ نماز پڑھتے تو کفار آپ پر آوازیں کستے تھے۔(الجن:۱۹)

إِنَّ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	يُنْفِقُوْنَ	اَمْوَالَهُمْ	لِيَصُدُّوْا	عَنْ
بے شک	وہ لوگ	جنھوں نے کفر کیا	وہ خرچ کرتے ہیں	اپنے مال کو	تاکہ وہ روکیں	سے
سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ	فَسَيُنْفِقُوْنَهَا	ثُمَّ	تَكُوْنُ	عَلَيْهِمْ	حَسْرَةً	
اللہ کا راستہ	عنقریب وہ ان کو خرچ کریں گے	پھر	ہوگی	ان پر	حسرت	
ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ	وَالَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	اِلٰى جَهَنَّمَ	يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾		
پھر وہ مغلوب کردیے جائیں گے	اور وہ لوگ	جنھوں نے کفر کیا	طرف جہنم	وہ اکٹھے کیے جائیں گے		

''بے شک جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں تاکہ اللہ کے راستے سے روکیں، پس جو وہ خرچ کریں گے عنقریب وہ ان کے لیے افسوس کا باعث ہوں گے، پھر وہ مغلوب ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔'' (۳۶)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار کو ان کے کردار کا آئینہ دکھاتے ہوئے یہ احساس دلایا گیا ہے عنقریب تمھیں اپنے کیے پر حسرت و افسوس ہوگا۔

کفار صرف زبانی اور جسمانی طور پر ہی اللہ کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنے ہوئے تھے بلکہ وہ اس کے لیے اپنا مال بھی خرچ کرتے تھے۔ انھوں نے نبی محترم ﷺ کو دعوت توحید سے روکنے کے لیے بڑی بڑی پیش کشیں کی تھیں جب آپ نے ان کی پیشکشوں کو مسترد کر دیا تو پھر ان لوگوں نے آپ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا۔ اس پر بس نہیں کی پھر آپ کے خلاف جنگ و جدال کا راستہ اختیار کیا اور بہت سا مال خرچ کر ڈالا لیکن بدر سے لے کر فتح مکہ تک نہ صرف ان کا جانی نقصان ہوا بلکہ بے پناہ وسائل بھی ضائع ہوئے اس طرح حسرت کے سوا ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا اسی حسرت وافسوس کے ساتھ جہنم واصل ہوگئے۔

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يَا لَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا﴾ [سورۃ الفرقان: ۲۷]

''اور اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا میں نے رسول کے ساتھ اپنا راستہ اختیار کیا ہوتا۔''

اس وقت ان کی آہیں اور صدائیں انھیں کچھ فائدہ نہیں دیں گی اور انھیں ہمیشہ جہنم میں رہنا پڑے گا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر خرچ کیا ہوا مال ضائع ہو جاتا ہے۔

۲۔ قیامت کے دن یہ مال حسرت وافسوس کا باعث ہوگا۔

۳۔ خدا کے منکر اور باغی جہنم میں اکٹھے کیے جائیں گے۔

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَ يَجْعَلَ الْخَبِيْثَ

تاکہ الگ کردے اللہ ناپاک سے پاک اور وہ کردے ناپاک کو

بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ

اس کے بعض کو پر بعض وہ اس کا اوپر تلے ڈھیر لگادے تمام کو پھر اسے ڈال دے میں جہنم

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۟

یہی لوگ ہیں وہی خسارہ پانے والے

”تاکہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کردے اور ناپاک کے بعض کو بعض پر رکھے اور اسے اُوپر تلے ڈھیر لگادے، پھر اسے جہنم میں ڈال دے یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔“ (۳۷)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ مشرک اور کافر فکر وعمل کے اعتبار سے گندے لوگ ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے ذریعے مومنوں اور مشرکوں کے درمیان ایک امتیاز پیدا کرنا چاہتا ہے اور قیامت کے دن اسی امتیاز کی بناء پر انھیں الگ کردیا جائے گا۔

انسان جب کفر وشرک کا وطیرہ اختیار کرلیتا ہے تو وہ فکری طور پر منتشر اور عملی طور پر خبیث اور گندا ہو جاتا ہے قرآن مجید میں عقیدۂ کفر وشرک کو شجرۂ خبیثہ کہا ہے اور شرک کے مرتکب شخص کو نجس قرار دیا ہے۔ (ابراہیم: ۲۶)

عربی میں گندی، پلید اور بری چیز کو خبیث کہا جاتا ہے۔ شیطان ہر قسم کی خباثت کا منبع ہے اس بنا پر اس کا دوسرا نام خبیث ہے۔ خبیث کے مقابلہ میں طیب کا لفظ آیا ہے۔ عقیدۂ توحید کو سورۂ ابراہیم میں شجرہ طیبہ کہا گیا ہے۔ جس کی جڑیں مضبوط اور اس کی شاخیں آسمان تک بلند ہیں۔ یہ ایسا سدا بہار درخت ہے جو ہر آن پھل دیتا ہے۔ اس عقیدہ کے تقاضے پورے کرنے والا شخص طیب ہوگا۔ جس کا معنیٰ پاک، عمدہ اور بہترین ہے۔ نبی محترم نے حلال وحرام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ طیب ہے اور وہ طیب مال کو پسند کرتا ہے گویا کہ طیب اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ یہاں کافر و مشرک کو خبیث اور مسلمان کو طیب قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان امتیاز کرے گا۔ یہ امتیاز اللہ تعالیٰ دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے اور آخرت میں بھی ہوگا۔ اسلام کے نفاذ سے یہ امتیاز دنیا میں مدت تک قائم رہا لوگوں نے کھلی آنکھوں کے ساتھ دیکھا کہ قرآن کے ماننے اور عقیدہ توحید اختیار کرنے والوں کا کیا کردار ہوتا ہے اور خدا کے باغیوں کے عقیدہ وعمل سے دنیا میں کیا غلاظت اور تعفن پیدا ہوتا ہے اسی امتیاز کی بنا پر آخرت میں مومنوں اور مشرکوں کے درمیان فرق کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ

جہنم میں مشرکوں اور کافروں کو ایک دوسرے کے اوپر جمع کرے گا اور یہ لوگ ہمیشہ کے لیے نقصان میں رہیں گے۔ ایک دوسرے کے اوپر جمع کرنے سے مراد جہنم کے طبقات ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جہنمیوں کو ذلیل کرنے اور سزا کے طور پر ایک دوسرے پر پھینکا جائے۔

﴿أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَّا يَسْتَوُونَ﴾[سورة السجدة:۱۸]

''کیا مومن ایسے ہی ہوتا ہے جیسے فاسق؟ یہ دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔''

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا﴾[النساء:۱٤٥]

''بلاشبہ منافق جہنم کے نچلے گڑھے میں ہوں گے اور تو ان کے لیے کوئی مددگار نہیں پائے گا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان فرق کرتا ہے۔

۲۔ مشرک لوگ جہنم میں اکٹھے پھینکے جائیں گے۔

تفسیر بالقرآن:

مشرک اور مومن دنیا اور آخرت میں برابر نہیں ہو سکتے:

۱۔ مشرک پلید ہوتا ہے۔(التوبۃ:۲۸)

۲۔ مومن اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے۔(السجدۃ:۱۸)

۳۔ اللہ تعالیٰ مجرموں اور مومنوں کو برابر نہیں رکھے گا۔(القلم:۳۵-۳۶)

۴۔ اندھا اور بینا برابر اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح کرنے والے اور برے اعمال کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔(المومن:۵۸)

۵۔ جنتی اور جہنمی برابر نہیں ہو سکتے جنتی ہی کامیاب ہیں۔(الحشر:۲۰)

۶۔ نیکی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی۔(حٰم السجدۃ:۳۴)

۷۔ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو تعمیر کرنے کو ان لوگوں کے برابر سمجھ لیا ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں وہ اللہ کے ہاں برابر نہیں ہو سکتے۔(التوبۃ:۱۹)

أَنْ أَكُونَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ ثُمَّ وَلِينَا أَشْيَاءَ مَا أَدْرِي مَا حَالِي فِيهَا فَإِذَا أَنَا مُتُّ فَلَا تَصْحَبْنِي نَائِحَةٌ وَلَا نَارٌ))

[رواه مسلم: كتاب التفسير، باب قول الله تعالىٰ وانذر عشيرتك الاقربين]

''حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دایاں ہاتھ آگے کیجئے تاکہ میں آپ کی بیعت کروں۔ جب آپ نے اپنا دایاں ہاتھ آگے فرمایا تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا تب آپ پوچھتے ہیں اے عمرو! کیا ہوا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ایک شرط کے ساتھ بیعت کرتا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ وہ کونسی شرط ہے؟ میں نے عرض کی کہ میرے گناہ معاف کر دیے جائیں۔ فرمایا عمرو تو نہیں جانتا یقیناً اسلام پہلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اسی طرح ہجرت سے پہلے کے بھی گناہ ختم ہو جاتے ہیں۔ اور یقیناً حج سے بھی سابقہ غلطیاں معاف ہو جاتی ہیں۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مجھے کوئی محبوب نہ تھا۔ اور نہ ہی میری آنکھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کا جلال تھا۔ میں انہیں اس جلال کی وجہ سے آنکھ بھر کے نہیں دیکھ سکا۔ اگر مجھ سے کوئی سوال کرے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وصف بیان کروں تو اس کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔ کیونکہ میں نے آپ کو کبھی آنکھ بھر کے ہی نہیں دیکھا۔ اگر میں اس حال میں فوت ہو گیا تو میں امید کرتا ہوں کہ میں اہل جنت میں سے ہوں گا۔ پھر اللہ مجھے جنت میں ولی مقرر کر دے تو میں نہیں جانتا وہاں کس حال میں ہوں گا تو جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی اور آگ نہ لے کے آنا۔''

﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾[سورة الفرقان: ۷۰]

''ہاں جو شخص توبہ کر لے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

مسائل

۱۔ خدا کے منکروں کو بار بار سمجھانا چاہیے۔

۲۔ توبہ کرنے اور کفر و شرک سے باز آنے والے کے اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔

۳۔ خدا کے باغیوں کو اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام یاد رکھنا چاہیے۔

❀❀❀

أَنْ أَكُونَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ ثُمَّ وَلِينَا أَشْيَاءَ مَا أَدْرِي مَا حَالِي فِيهَا فَإِذَا أَنَا مُتُّ فَلَا تَصْحَبْنِي نَائِحَةٌ وَلَا نَارٌ))

[رواه مسلم: كتاب التفسير، باب قول الله تعالىٰ و انذر عشيرتك الاقربين]

''حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دایاں ہاتھ آگے کیجئے تاکہ میں آپ کی بیعت کروں۔ جب آپ نے اپنا دایاں ہاتھ آگے فرمایا تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا تب آپ پوچھتے ہیں اے عمرو! کیا ہوا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ایک شرط کے ساتھ بیعت کرتا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ وہ کونسی شرط ہے؟ میں نے عرض کی کہ میرے گناہ معاف کر دیے جائیں۔ فرمایا عمرو تو نہیں جانتا یقیناً اسلام پہلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اسی طرح ہجرت سے پہلے کے بھی گناہ ختم ہو جاتے ہیں۔ اور یقیناً حج سے بھی سابقہ غلطیاں معاف ہو جاتی ہیں۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مجھے کوئی محبوب نہ تھا۔ اور نہ ہی میری آنکھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کا جلال تھا۔ میں انہیں اس جلال کی وجہ سے آنکھ بھر کے نہیں دیکھ سکا۔ اگر مجھ سے کوئی سوال کرے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وصف بیان کروں تو اس کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔ کیونکہ میں نے آپ کو کبھی آنکھ بھر کے ہی نہیں دیکھا۔ اگر میں اس حال میں فوت ہو گیا تو میں امید کرتا ہوں کہ میں اہل جنت میں سے ہوں گا۔ پھر اللہ مجھے جنت میں ولی مقرر کر دے تو میں نہیں جانتا وہاں کس حال میں ہوں گا تو جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی اور آگ نہ لے کے آنا۔''

﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾[سورة الفرقان: ۷۰]

''ہاں جو شخص توبہ کر لے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

مسائل

۱۔ خدا کے منکروں کو بار بار سمجھانا چاہیے۔

۲۔ توبہ کرنے اور کفر و شرک سے باز آنے والے کے اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔

۳۔ خدا کے باغیوں کو اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام یاد رکھنا چاہیے۔

❀❀❀

وَقَاتِلُوْهُمْ	حَتّٰى	لَا تَكُوْنَ	فِتْنَةٌ	وَّيَكُوْنَ	الدِّيْنُ	كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ	
اور تم ان سے لڑو	یہاں تک	نہ باقی رہے	فتنہ	اور ہو جائے	دین	سارے کا سارا اللہ کا	
فَاِنِ	انْتَهَوْا	فَاِنَّ	اللّٰهَ	بِمَا	يَعْمَلُوْنَ	بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾	
پھر اگر	وہ باز آجائیں	تو یقیناً	اللہ	ساتھ اس کے جو	وہ عمل کرتے ہیں	دیکھنے والا	
وَاِنْ	تَوَلَّوْا	فَاعْلَمُوْٓا	اَنَّ	اللّٰهَ	مَوْلٰىكُمْ ؕ	نِعْمَ الْمَوْلٰى	
اور اگر	وہ منہ پھیرلیں	تو جان لو	بیشک	اللہ	تمہارا کارساز	اچھا کارساز	
وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾							
اور اچھا مددگار							

’’اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور دین سب کا سب اللہ کا ہو جائے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو بے شک اللہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اسے خوب دیکھنے والا ہے۔(۳۹) اور اگر وہ منہ موڑلیں تو جان لو کہ یقیناً اللہ تمہارا دوست ہے وہ اچھا دوست اور اچھا مددگار ہے۔‘‘(۴۰)

فہم القرآن

ربط کلام: جو کفار اپنی روش سے باز نہیں آتے ان کے خلاف جہاد کا حکم ہے۔

اسلام میں قتال فی سبیل اللہ کا تصور یہ ہے کہ اگر کفار بقائے باہمی کی بنیاد پر مسلمانوں کے ساتھ مفاہمت کرنا چاہیں تو مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ امن پسند کفار کے ساتھ قتال کرنے سے باز رہیں۔ بشرطیکہ اہل کفر تبلیغ دین میں رکاوٹ بننے کی کوشش نہ کریں کیونکہ اسلام کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ لوگوں تک حق پہنچانا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اگر لوگ اپنی خوشی سے حلقۂ اسلام میں داخل ہونا چاہیں تو ان کی راہ میں رکاوٹ بننے کا کسی کو حق نہیں پہنچتا۔ لیکن کفار دین اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں اگر وہ اپنی سازشوں سے باز نہیں آتے تو پھر مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اندر ایسی قوت پیدا کریں کہ جس سے کفار کو ان کے مذموم عزائم سے روکا جا سکے کیونکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنا یا اسلامی مملکت کے خلاف سازشیں کرنا ایک فتنہ ہے جسے کسی صورت بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اس بناء پر مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ فتنہ کا قلع قمع کرنے کے لیے پوری قوت کے ساتھ اس کے خلاف سینہ سپر ہو جاؤ اور اس وقت تک قتال فی سبیل اللہ سے پیچھے نہ ہٹو جب تک دین کا غلبہ نہ ہو جائے۔ اگر کفار اپنی سازشوں سے باز آجائیں اور بقائے باہمی کے اصول پر امن سے رہنا چاہیں تو پھر ان سے تعارض کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اگر وہ باز نہیں آتے تو دین کے غلبہ تک جہاد کرنا مسلمانوں

کا فرض ہے۔ کیونکہ اسلام کے نفاذ سے سب کو امن وامان اور سلامتی حاصل ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کو یہ تسلی دی گئی ہے کہ کفار سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ ان کے کردار کو دیکھ رہا ہے۔ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمھارا والی اور خیر خواہ ہے۔ اس سے بہتر تمھارا کوئی خیر خواہ اور مدد کرنے والا نہیں ہوسکتا ہے۔ یعنی جس کی اللہ تعالیٰ خیر خواہی اور دستگیری فرمائے وہی کامیاب اور سرفراز ہوگا۔

((عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرُزِقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا))[رواہ الترمذی : کتاب الزھد، باب فِیْ التَّوَكُّلِ عَلَى اللّٰهِ]

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے۔ تمہیں اسی طرح رزق دیا جائے جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ وہ خالی پیٹوں کے ساتھ صبح کرتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹوں کے ساتھ لوٹتے ہیں۔“

مسائل

۱۔ فتنہ کے خاتمہ تک قتال فی سبیل اللہ کرنا چاہیے۔

۲۔ دین کا غلبہ ہونا ضروری ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا خیر خواہ اور بہترین مدد کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے:

۱۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پر توکل کرنے کی ہدایت۔ (النمل:۷۹)

۲۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا حکم۔ (المجادلۃ:۱۰)

۳۔ انبیاء اور نیک لوگ اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ (یوسف:۶۷)

۴۔ جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اسے کافی ہوجاتا ہے۔ (الطلاق:۳)

۵۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔ (التوبۃ:۱۲۹)

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا	غَنِمْتُمْ	مِّنْ شَیْءٍ	فَاَنَّ لِلّٰهِ	خُمُسَهٗ	وَلِلرَّسُوْلِ	
اور جان لو کہ جو	تم غنیمت حاصل کرتے ہو	سے کسی چیز	تو بے شک اللہ کیلئے	اسکا پانچواں حصہ	اور رسول کیلئے	
وَلِذِی الْقُرْبٰی	وَالْیَتٰمٰی	وَالْمَسٰکِیْنِ	وَ	ابْنِ السَّبِیْلِ	اِنْ کُنْتُمْ	
اور رشتہ داروں کیلئے	اور یتیموں	اور مسکینوں	اور	مسافروں	اگر ہو تم	
اٰمَنْتُمْ	بِاللّٰهِ	وَمَآ	اَنْزَلْنَا	عَلٰی عَبْدِنَا	یَوْمَ	الْفُرْقَانِ
ایمان لائے	اللہ کے ساتھ	اور جو	ہم نے اتارا	پر اپنے بندے	دن	فیصلے کا
یَوْمَ	الْتَقَی	الْجَمْعٰنِ	وَاللّٰهُ	عَلٰی	کُلِّ شَیْءٍ	قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾
جس دن	مقابل	دو جماعتیں	اور اللہ	پر	ہر چیز	قادر ہے

”اور جان لو کہ بے شک تم جو کچھ بھی غنیمت حاصل کرو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول کے لیے اور قرابت دار اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے اگر تم اللہ اور اس چیز پر ایمان لائے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن نازل کی جس دن دو جماعتیں مقابل ہوئیں اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔“(۴۱)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سورۃ کی ابتدا مال غنیمت کے متعلق ایک سوال سے ہوئی۔ جس کا مختصر جواب یہ دیا گیا کہ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے تمھارا کام اپنی اصلاح کرنا اور اللہ، اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنا ہے یہاں اس کا تفصیلی جواب دیا گیا ہے۔

مال غنیمت کے حقدار لوگوں کی تفصیلات بتانے سے پہلے ”واعلموا“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس میں کسی بات سے آگاہ کرنے کے ساتھ انتباہ بھی پایا جاتا ہے۔ یعنی اچھی طرح جان لو کہ جو تمھیں بتلایا جا رہا ہے یہ معمولی مسئلہ نہیں حقیقت ہے کہ یہ مال اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس لیے کہ وہی اسے حلال کرنے والا اور تمھیں فتح دینے والا ہے۔ مال غنیمت کے حق داروں میں رسول محترم ﷺ کا نام پہلے اس لیے لیا کہ پہلے انبیاء اور ان کی امتوں پر یہ مال حرام تھا۔ پھر یاد رکھو کہ رسول محترم کی قیادت اور محنت کی وجہ سے تم اس قابل ہوئے ہو۔

نبی آخر الزمان ﷺ کی خصوصیت ہے کہ ان کے لیے غنیمت کا مال جائز قرار دیا گیا جس کی تقسیم یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے مال غنیمت میں پانچواں حصہ ہے جس کا مفہوم ائمہ کرام رحمہم اللہ نے یہ متعین کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حصہ سے مراد بیت اللہ کی تعمیر و ترقی پر خرچ کرنا ہے کچھ مفسرین کا خیال ہے اللہ تعالیٰ کا نام صرف تبرک کے طور پر لیا گیا ہے۔

میرا ذاتی نقطہ نظر یہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنا نام اس لیے لیا ہے تاکہ غازیوں کو احساس ہو جائے کہ یہ مال ہماری بہادری اور جواں مردی کا نتیجہ نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔اس لیے اس کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے جس نے اس کی تقسیم اس طرح فرمائی ہے کہ پہلا حصہ رسول ﷺ کا ہے وہ جہاں چاہیں اسے خرچ فرمائیں۔جس کے بارے میں آپ فرمایا کرتے تھے میرا حصہ بھی مسلمانوں کے لیے ہے جسے آپ مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات پر خرچ کیا کرتے تھے۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو انھوں نے فرمایا کہ میں امت کا ذمہ دار ہونے کی بناء پر اس سے اتنا ہی اپنی ذات پر خرچ کروں گا۔ جتنا یتیم کی کفالت کرنے والا اس کے مال سے اپنی ذات پر خرچ کرنے کا حق رکھتا ہے۔ گویا کہ خلیفۂ وقت اپنے اہل وعیال پر اس سے بڑھ کر خرچ نہیں کر سکتا۔ جہاں تک رسول کریم ﷺ کو اپنے رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی اجازت دی گئی ہے اس کے بارے میں آپ کی سنت یہ ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے بیت المال میں ایک کنیز لینے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ ابھی مستحق باقی ہیں۔اس لیے میں آپ کو کنیز دینے کے بجائے وظیفہ بتلاتا ہوں کہ آپ ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر۔رات سونے سے پہلے پڑھا کرو۔اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کا سربراہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو کن حالات میں کس قدر مال غنیمت دے سکتا ہے۔اس کے بعد خمس مال میں یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حصہ رکھا گیا۔اس تقسیم پر عمل کرنا ہر اس شخص پر لازم ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ ہی نے نبی کریم ﷺ پر بدر کے دن اپنی خاص مدد نازل فرمائی تھی جب دو جماعتیں آپس میں برسرِ پیکار ہوئیں۔اللہ تعالیٰ ہر چیز کا اختیار رکھنے والا ہے۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ جَعَلَ لِلْفَرَسِ سَهْمَيْنِ وَلِصَاحِبِهِ سَهْمًا))

[رواه البخاری: کتاب الجهاد، باب سهام الفرس]

''حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں بلاشبہ رسول معظم ﷺ نے گھوڑے والے کے لیے دو حصے اور پیادہ کے لیے ایک حصہ مقرر فرمایا۔''

((عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ الْأَجْرُ وَالْمَغْنَمُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ))[رواه البخاری:باب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ أُحِلَّتْ لَكُمُ الْغَنَائِمُ]

''حضرت عروہ البارقی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک خیر لکھ دی گئی ہے اجر اور غنیمت کی صورت میں۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ إِذَا أَصَابَ غَنِيمَةً أَمَرَ بِلَالًا فَنَادَى فِي النَّاسِ فَيَجِيئُونَ بِغَنَائِمِهِمْ فَيُخَمِّسُهُ وَيُقَسِّمُهُ فَجَاءَ رَجُلٌ بَعْدَ ذٰلِكَ بِزِمَامٍ مِنْ شَعَرٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هٰذَا فِيمَا كُنَّا أَصَبْنَاهُ مِنَ الْغَنِيمَةِ فَقَالَ أَسَمِعْتَ بِلَالًا يُنَادِي ثَلَاثًا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا مَنَعَكَ أَنْ تَجِيءَ بِهِ فَاعْتَذَرَ إِلَيْهِ

فَقَالَ كُنْ أَنْتَ تَجِیءُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَلَنْ أَقْبَلَهُ عَنْكَ))

[رواہ ابوداؤد:باب فِي الْغُلُولِ إِذَا كَانَ يَسِيرًا يَتْرُكُهُ الْإِمَامُ وَلَا يُحَرِّقُ رَحْلَهُ]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب مال غنیمت پہنچتا آپ بلال کو حکم دیتے کہ لوگوں میں اعلان کرے تو صحابہ کرام مال غنیمت ایک جگہ جمع کرتے اس مال میں سے پانچواں حصہ نکال کر باقی مال تقسیم کر دیا جاتا۔ایک دن ایک آدمی مال کی تقسیم کے بعد بالوں کی ایک گچھی لیکر آیا اور عرض کی اے اللہ کے رسول یہ مال غنیمت میں سے ہے۔آپ نے فرمایا کیا تو نے بلال کو اعلان کرتے ہوئے سنا تھا آپ نے یہ بات تین بار دہرائی۔اس نے عرض کی جی ہاں آپ نے فرمایا پھر تو اسے کیوں نہیں لیکر آیا۔اس نے عذر پیش کیا۔آپ نے فرمایا اسے اپنے پاس رکھو اور قیامت کو لیکر آنا اب ہرگز میں تجھ سے قبول نہیں کرونگا۔“

مسائل

۱۔ مال غنیمت میں اللہ اور اس کے رسول کا پانچواں حصہ ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان فرق پیدا کرتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۴۔ بدر کا دن حق و باطل میں فرق کر دینے والا دن تھا۔

۵۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے تھے۔ ۶۔ مال غنیمت میں یتیموں اور مساکین کا بھی حصہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

فرقان کیا ہے:

۱۔ اگر تم عقل مند ہو تو بتاؤ کونسا فریق امن کا زیادہ حق دار ہے۔(الانعام:۸۱)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور حق و باطل میں فرق کرنے والے معجزے عطا کیے۔(البقرۃ:۵۳)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو لوگوں کے لیے ہدایت اور حق و باطل میں فرق کر دینے والی کتاب بنا کر نازل کیا ہے۔(البقرۃ:۱۸۵)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن سے پہلے تورات وانجیل کو لوگوں کی ہدایت کے لیے اور حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب بنا کر نازل فرمایا۔(آل عمران:۳)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو حق و باطل میں فرق کرنے والی اور روشن کتاب عنایت فرمائی۔(الانبیاء:۴۸)

۶۔ اللہ تعالیٰ بابرکت ذات ہے جس نے اپنے بندے پر حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب نازل کی تاکہ آپ لوگوں کو ڈرائیں۔(الفرقان:۱)

۷۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر دو جماعتوں کے ٹکراؤ میں فرق واضح کر دیا۔(الانفال:۴۱)

إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ

جب تم | کنارے پر | قریب | اور وہ | کنارہ | دور | اور قافلہ

أَسْفَلَ مِنكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ وَلَٰكِن

نیچے کی جانب تھا | تم سے | اور اگر تم وعدہ کرتے آپس میں | تم اختلاف کرتے | وقت مقررہ میں | اور لیکن

لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ

کہ پورا کرے اللہ | اس کام کو | تھا وہ | کیا ہوا | تاکہ ہلاک ہو | جو ہلاک ہوا | سے | دلیل

وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٢﴾

اور زندہ رہے | جو زندہ رہے | سے | دلیل | اور بیشک اللہ | خوب سننے والا | خوب جاننے والا

''جب تم قریب والے کنارے پر اور وہ دور والے کنارے پر تھے اور قافلہ تم سے نیچے کی طرف تھا اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو ضرور مقرر وقت کے بارے میں آگے پیچھے ہو جاتے اور لیکن تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جو کیا جانے والا تھا تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل کے ساتھ اور جو زندہ رہے وہ بھی واضح دلیل کے ساتھ اور بے شک اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (۴۲)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ میدان بدر کا نقشہ اور فریقین کا ایک دوسرے کو اصل تعداد سے کم دکھائی دینا۔

اس سے پہلی آیت میں غزوۂ بدر کے معرکہ کو یوم الفرقان کہا گیا ہے۔ یعنی ایسا دن جس میں حق اور باطل، سچ اور جھوٹ کے درمیان دو اور دو چار کی طرح فرق واضح کر دیا گیا۔ غزوۂ بدر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ جو مرے وہ دلیل پر مرے اور جو زندہ رہے وہ بھی دلیل پر زندہ رہے۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ کے گھر سے نکلنے کے بارے میں فرمایا کہ آپ کو آپ کے رب نے ہی گھر سے نکالا تھا حالانکہ مومنوں میں سے ایک جماعت اسے پسند نہیں کر رہی تھی۔ (الانفال:۶)

یہاں بدر کا نقشہ پیش کیا گیا ہے کہ جب تم نے بدر میں مدینہ کی جانب اور کفار نے مکہ کی جانب پڑاؤ ڈالا تھا اور جس قافلہ کے لیے تم نکلے تھے وہ نیچے کی طرف ساحل کے کنارے کنارے نکل گیا۔ اگر کفار اور تم آپس میں جنگی اصول طے کرتے تو یہ معرکہ کبھی نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ جس طرح تم جنگ کرنے میں متردد تھے اسی طرح کفار کے درمیان بھی اختلاف تھا۔ سیرت کی کتب میں تفصیل ہے کہ بدر سے پہلے ابوجہل اور ان کے ساتھیوں کے درمیان اختلاف ہوا، کہ جب قافلہ بچ کر نکل چکا ہے تو اب جنگ کرنے کا کیا مقصد؟ لیکن ابوجہل کی رائے غالب آئی جس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی مشیت کارفرما تھی۔ اس آیت میں اسی اختلاف کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں جس طرح غزوۂ بدر کی جزئیات بیان کی گئی ہیں۔ اس طرح احد، احزاب، فتح مکہ اور غزوۂ تبوک کی جزئیات کی تفصیل بیان نہیں کی گئیں کیونکہ اس معرکہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات ہیں کہ ہم نے اس مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر رزم آرا کیا تھا

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنی نصرت کے ساتھ حق ثابت کرنا چاہتا تھا تاکہ حق، حق اور باطل، باطل ثابت ہو جائے۔

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا

جب دکھلاتا تھا آپکو انھیں اللہ میں آپ کے خواب تھوڑے اور اگر وہ دکھلاتا آپکو انہیں زیادہ

لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ

البتہ تم پست ہمت ہوجاتے اور باہم جھگڑتے میں معاملہ اور لیکن اللہ بچالیا بیشک وہ

عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٤٣﴾ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ

جانتا ہے راز سینوں کے اور جب وہ دکھلاتا تھا تمھیں انکو جب تم باہم ملے

فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ

میں تمہاری آنکھوں تھوڑے اور کم دکھلاتا تھا تم کو میں ان کی آنکھوں تاکہ پورا کردے اللہ

ع ۵ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٤٤﴾

کام کو تھا وہ کیا ہوا اور طرف اللہ کی لوٹائے جاتے ہیں سارے کام

''جب اللہ آپ کو خواب میں انہیں تھوڑے دکھا رہا تھا اور اگر وہ آپ کو دکھاتا کہ وہ زیادہ ہیں تو تم ضرور ہمت ہار جاتے اور اس معاملے میں آپس میں جھگڑ پڑتے اور لیکن اللہ نے سلامت رکھا، بے شک وہ سینے کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔(۴۳) اور جس وقت تم مقابل ہوئے وہ تمہیں ان کو تمہاری آنکھوں میں تھوڑے دکھاتا تھا اور تم کو ان کی آنکھوں میں بہت قلیل دکھاتا تھا تاکہ اللہ اس کام کو پورا کردے جو کیا جانے والا تھا اور سب معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔''(۴۴)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں جو فیصلہ کر رکھا تھا اسے لوگوں کے سامنے آشکار کرنا چاہتا تھا۔

۳۔ ہلاک ہونے والا دلیل کی بنیاد پر ہلاک ہو اور زندہ رہنے والا دلیل کی بنیاد پر زندہ رہے۔

دلیل پر مرنے اور دلیل کی بنیاد پر زندہ رہنے کا میرے نزدیک دو معانی ہو سکتے ہیں۔ بدر میں مرنے والے کفار نے اپنی آنکھوں سے اللہ کا وہ وعدہ دیکھ لیا۔ جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ مکہ میں انھیں بتایا کرتے تھے کہ تم جتنی چاہو مخالفت کرلو۔ اللہ تعالیٰ دین کو غالب کر کے رہے گا۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی اپنے رب کا وعدہ سچا پایا گویا کہ دونوں فریق نے حق کی پاسداری اور باطل کی ناپائیداری اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر لی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی پیدا فرمائی ہے اس کے وجود کی ایک بنیاد قائم فرمائی خواہ وہ چیز روحانی وجود رکھتی ہو یا مادی۔ انسانی وجود روح اور جسم پر مشتمل ہے۔ انسان کا وجود زمین سے بنا ہے۔ اس کی خوراک بھی زمین سے پیدا کی گئی ہے۔ اگر اسے مادی خوراک نہ ملے تو وجود لاغر، کمزور یہاں تک کہ مردہ ہو جاتا ہے۔ روح آفاقی اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اس کی خوراک روحانی یعنی آسمانی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی شکل میں اتارا ہے۔ جو شخص کفر و شرک کی راہ اختیار کرتا ہے اس کا روح مردہ ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے حق زندۂ جاوید اور حیات بخش ہے۔ باطل کے لیے دلیل نہ ہونے کی وجہ سے مردہ اور

مردگی کی علامت ہے۔اس بنا پر ایمان والا زندہ اور کفر والا مردہ ہے۔ یہی وہ دلیل ہے جس کی بنا پر مذکورہ بالا حقائق کو نمایاں اور مسلمانوں کو غالب کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کفار کی تعداد اصل تعداد سے کم دکھائی۔ آپ نے اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے اپنا خواب بیان فرمایا اور مسلمانوں کی تعداد کفار کو کم دکھائی گئی۔ جس سے فریقین کے حوصلے دوبالا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر ہم کثیر تعداد دکھلا دیتے تو اے مسلمانو! تم بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپس میں اختلاف کرتے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے تمھیں اختلاف سے بچالیا۔اس کا مقصد تھا کہ اللہ وہ کام پورا کردے جو اس کے ہاں ہونا طے پاچکا تھا اور ہر کام کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے خیالات اور دلوں کے جذبات کو جاننے والا ہے۔

مسائل

۱۔ فریقین کے نہ چاہنے کے باوجود بدر کا معرکہ برپا ہوا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ آشکار کرنا چاہتا تھا۔

۳۔ باطل مردہ اور اس کی دلیل بھی مردہ ہے۔

۴۔ حق زندۂ جاوید اور اس کی دلیل بھی حیات بخش ہے۔

۵۔ تمام امور کا انجام اللہ تعالیٰ کے ہاں طے شدہ ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ تمھارے نفسوں کی خباثت کو جانتا ہے۔(البقرۃ:۱۸۷)

۲۔ ہر ایک کی نماز اور تسبیح اللہ جانتا ہے۔(النور:۴۱)

۳۔ اللہ نے جان لیا جو ان کے دلوں میں ہے۔(الفتح:۱۸)

۴۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید جانتا ہے۔(المائدۃ:۷)

۵۔ اللہ پر بھروسا کیجیے کیونکہ وہ سنتا اور جانتا ہے۔(الانفال:۶۱)

۶۔ اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔(النور:۱۸)

۷۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔(الحجرات:۱۶)

۸۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے باطن اور ظاہر کو جانتا ہے وہی غیوب کا جاننے والا ہے۔(التوبۃ:۷۸)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا

اے وہ لوگ جو ایمان لائے جب تم مقابلہ کرو جماعت تو ثابت قدم رہو اور یاد کرو

اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا

اللہ بہت زیادہ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اسکے اور نہ

تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾

تم آپس میں اختلاف کروتو کم ہمت ہو جاؤ گے اور اکھڑ جائیگی تمہاری ہوا اور صبر کرو بیشک اللہ ساتھ صبر کرنے والے

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم کسی گروہ کا مقابلہ کرو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔(۴۵) اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں اختلاف مت کرو، ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“(۴۶)

فہم القرآن

ربط کلام: غزوۂ بدر کے واقعات کی روشنی میں آئندہ کے لیے ہدایات۔

غزوۂ بدر کے معرکہ سے پہلے مسلمانوں میں اس بات پر کچھ اختلاف تھا کہ اب اس معرکہ کی ضرورت ہے یا واپس مدینہ پلٹ جانا چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا کہ معرکہ برپا ہو۔ اس لیے مسلمانوں کی کچھ کمزوریوں کو صرف نظر فرما کر ان کی زبردست مدد فرمائی۔ جس کا نتیجہ رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ اب مسلمانوں کو آئندہ کے لیے ہدایات دی جارہی ہیں کہ جب تمھارا دشمن کے ساتھ آمنا سامنا ہو۔ تو تمھیں ان باتوں کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ بصورت دیگر تم اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت سے محروم ہو جاؤ گے۔

۱۔ جنگ میں ثابت قدمی دکھانا۔

۲۔ مسلسل اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔

۳۔ ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنا۔

۴۔ باہمی اختلاف اور انتشار سے بچ کر رہنا۔

۵۔ عسر و یسر میں مستقل مزاجی اور صبر وحوصلہ کا مظاہرہ کرنا۔

۶۔ اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جنگ سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ لیکن اگر کفار تبلیغ اسلام کے راستے میں رکاوٹ بنیں اور عوام الناس پر مظالم ڈھائیں یا مسلمانوں پر جنگ مسلط کریں تو پھر کفار کے مقابلے میں پیچھے ہٹنے کی بجائے

مسلمانوں کو پوری ثابت قدمی کے ساتھ ڈٹ جانا چاہیے اسی کے پیش نظر رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کفار سے جنگ کی آرزو نہ کرو اگر تم پر جنگ مسلط کی جائے تو پھر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرو۔ (حوالہ بخاری: کتاب القتال)

حالت جنگ میں دشمن کے خلاف ثابت قدمی دکھانا پہلی اور بنیادی بات ہے۔ اس کے بغیر جنگ جیتنے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ مجاہد میں ثابت قدمی تبھی پیدا ہو سکتی ہے جب اس کا دل قائم رہے۔ دل کو قائم رکھنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہی دل کی استقامت کے لیے دعا کی جائے۔ دعا کی ایک صورت اللہ تعالیٰ کو مسلسل یاد رکھنا ہے۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لوگو! دلوں کا اطمینان اور سکون میرے ذکر میں ہے۔ (الرعد۔ ۲۸)

ذکر جتنی کثرت کے ساتھ کیا جائے گا اتنا ہی دل میں ٹھہراؤ اور سکون پیدا ہوگا۔ جب مجاہد کے قدموں میں ثبات اور اس کے دل میں ٹھہراؤ ہو تو اس کی کامیابی یقینی ہے۔ جس کی بشارت دی گئی ہے۔ البتہ کامیابی اس وقت ناکامی میں تبدیل ہو سکتی ہے جب جنگ کے دوران اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی جائے۔ اس سے مراد شریعت کے مقرر کردہ جنگ کے اصول وضوابط کی پابندی، برائی اور بے حیائی سے اجتناب اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے لڑنا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو بالعموم اور مجاہدین کو بالخصوص باہمی اختلافات سے بچنے کا حکم دیا ہے ۔ظاہر ہے کہ اگر دشمن کو مسلمانوں کے باہمی اختلاف کا علم ہو جائے تو ان کے حوصلے بلند ہوں گے کیونکہ اختلاف کی وجہ سے قوم کا اجتماعی رعب اور دبدبہ ختم ہو جاتا ہے۔ آخر میں صبر کی تلقین کی گئی ہے۔ صبر کا معنی مستقل مزاجی اور تنگی اور خوشحالی میں حوصلہ رکھنا ہے۔ جنگ کے دوران اس بات کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے کیونکہ جنگ کے دوران بھوک، پیاس اور ہر قسم کی تکالیف سے مجاہد کو واسطہ پڑتا ہے ان حالات میں مجاہدین صبر واستقامت کا مظاہرہ کریں گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے گا جس کی تازہ مثال بدر میں مسلمان دیکھ چکے تھے۔

((عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ وَكَانَ كَاتِبًا لَهُ قَالَ كَتَبَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي أَوْفَى ؓ فَقَرَأْتُهُ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فِي بَعْضِ أَيَّامِهِ الَّتِي لَقِيَ فِيهَا انْتَظَرَ حَتَّى مَالَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ قَامَ فِي النَّاسِ خَطِيبًا قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَسَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَمُجْرِيَ السَّحَابِ وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ اهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ)) [رواه البخاري: كتاب الجهاد والسير]

”حضرت سالم، ابونضر جو کہ عمر بن عبید اللہ کے غلام ہیں اور وہ ان کے مکاتب ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان کی طرف عبید اللہ بن ابو اوفی ؓ نے خط لکھا میں نے اسے پڑھا۔ اس میں تھا رسول معظم ﷺ جن دنوں غزوہ میں کفار

کے خلاف برسر پیکار تھے۔ انتظار کیا یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا پھر نبی معظم ﷺ نے لوگوں میں کھڑے ہوکر فرمایا اے لوگو! دشمن سے سامنا کی خواہش نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو۔ جب تمہارا دشمن سے سامنا ہو جائے تو ڈٹ جاؤ اور جانو بلاشبہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ پھر دعا کی اے اللہ کتاب نازل فرمانے والے اور بادلوں کو چلانے والے اور لشکروں کو شکست دینے والے۔ دشمن کو شکست دے اور ان کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

مسائل

۱۔ مجاہدین کو جنگ میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔
۲۔ مسلمان کو ہر وقت بالخصوص حالت جنگ میں اللہ تعالیٰ کو کثرت کے ساتھ یاد کرنا چاہیے۔
۳۔ مسلمان کو ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنی چاہیے۔
۴۔ باہمی اختلاف سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ اختلاف میں ساکھ اور وقار ختم ہو جاتا ہے۔
۵۔ عسر و یسر میں مستقل مزاجی اور صبر و حوصلہ سے کام لینا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرنا چاہیے:

۱۔ صبح اور شام اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ (آل عمران: ۴۱)
۲۔ نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد زمین میں نکل جاؤ اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ (الجمعۃ: ۱۰)
۳۔ ایام تشریق میں اللہ کو زیادہ یاد کرو۔ (البقرۃ: ۲۰۲)
۴۔ جب حج کے مناسک ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو۔ (البقرۃ: ۱۹۸)
۵۔ جنگ کے دوران۔ اللہ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (الانفال: ۴۵)
۶۔ اے ایمان والو! اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ (الاحزاب: ۴۱)
۷۔ جب نماز ادا کر چکو تو۔ اللہ کو یاد کرو۔ (النساء: ۱۰۳)
۸۔ اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والوں کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ (الاحزاب: ۳۵)

وَلَا تَكُونُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا

اور نہ | تم ہو جاؤ | ان لوگوں کی طرح | وہ نکلے | سے | اپنے گھروں | اتراتے ہوئے

وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

اور دکھاوا کیلئے | لوگوں کو | اور وہ روکتے تھے | سے | راستہ | اللہ | اور اللہ

بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

ان کو جو | وہ عمل کرتے ہیں | گھیرنے والا ہے

''اوران لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے اور لوگوں کو دکھاوا کرتے ہوئے نکلے اور اللہ کے راستے سے روکتے تھے اور وہ جو کچھ کر رہے تھے اللہ اس کو گھیرنے والا ہے۔'' (۴۷)

فہم القرآن

ربط کلام: جنگ کے بارے میں مزید ہدایات۔

جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کی ہدایات دینے کے بعد شکست سے دوچار کر دینے والی مذموم حرکات سے روکا گیا ہے۔

۱۔ غرور، تکبر اور اترانے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۲۔ شہرت، نمائش سے بچ کر اخلاص کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

۳۔ بے مقصد جنگ کرنے کے بجائے اللہ کی رضا کے لیے جہاد کرنا چاہیے۔

مشرکین مکہ بدر کے لیے نکلے تو ان میں اس قدر غرور تھا کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھانے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کی حالت یہ تھی کہ جس کسی نے انھیں سمجھانے کی کوشش کی کہ جب تجارتی قافلہ بچ کر مکہ پہنچ چکا ہے اور قافلے کے سردار ابو سفیان کا پیغام آچکا ہے کہ اب لڑنے کی بجائے واپس آجانا چاہیے۔ اس کے بعد آگے بڑھنے کا کیا جواز ہے؟ اس کا جواب ابو جہل یہی دیتا کہ ہم چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کا صفایا کر دیا جائے۔ اس غرور اور تکبر کے ساتھ وہ آگے بڑھتے رہے اور جہاں پڑاؤ ڈالتے، شراب اور شباب کا دور چلتا۔ مکہ سے نکلتے وقت انھوں نے ناچ گانے اور عیاشی کے لیے کچھ بے حیا عورتوں کو ساتھ لیا ہوا تھا۔ اس گھناؤنے کردار کے ساتھ ان کا جنگ کرنے کا مقصد محض عربوں پر دھاک بٹھانا اور شہرت حاصل کرنا تھا۔ تاکہ لوگ ان کی کامیابی اور قوت وسطوت دیکھ کر اسلام قبول کرنے سے رک جائیں۔ انھیں کیا خبر کہ انسان کی تدبیر اور اس کی کوئی کوشش بھی اللہ تعالیٰ کے احاطۂ قدرت سے باہر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احاطۂ قدرت کا نتیجہ ہے کہ جب کوئی شخص یا قوم اس کی مقرر کی ہوئی حد سے آگے بڑھتی ہے تو وہ اسے ذلیل وخوار کر دیتا ہے۔ کفار کا مقصد لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنا اور دنیوی رعب اور دبدبہ جمانے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس لیے شکست اور ذلت ان کا مقدر ٹھہری۔

مسلمانوں کو ان حرکات سے منع کیا گیا ہے۔

ان کے مقابلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے دین کو بلند کرنا تھا جس کی وجہ سے وہ تھوڑے اور کمزور ہونے کے باوجود فتح یاب ہوئے۔

((عَنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ الرَّجُلُ يُقَاتِلُ حَمِيَّةً وَيُقَاتِلُ شَجَاعَةً وَيُقَاتِلُ رِيَاءً فَأَيُّ ذٰلِكَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ قَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ))

[رواه البخاري: كتاب التوحيد، باب قَوْلِهِ تَعَالَى (وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ)]

”حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا ایک آدمی اس لیے قتال کرتا ہے کہ اسے غیرت منداور حمیت والا کہا جائے اور وہ بہادری جتلانے کے لیے لڑتا ہے دوسرا آدمی وہ ہے جو لوگوں کے دکھاوے کے لیے لڑتا ہے۔ ان میں سے کون سا قتال فی سبیل اللہ ہے؟ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اس لیے لڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین غالب ہو وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔“

مسائل

١۔ جہاد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔

٢۔ غرور اور تکبر نہیں کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے:

١۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کے لیے ہے۔ اللہ نے ہر چیز کو اپنے احاطہ قدرت میں لے رکھا ہے۔ (النساء:١٢٦)

٢۔ لوگ جو کچھ کرتے ہیں ان سب چیزوں کو اللہ نے احاطہ میں لے رکھا ہے۔ (النساء:١٠٨)

٣۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا کہ بے شک میرے رب نے جو تم کرتے ہو اس کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ (ھود:٩٢)

٤۔ جو وہ عمل کرتے ہیں اللہ نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے۔ (آل عمران:١٢٠)

٥۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اپنے علم کے ذریعہ احاطہ کر رکھا ہے۔ (الطلاق:١٢)

٦۔ اللہ تعالیٰ کے علم کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ (البقرۃ:٢٥٥)

وَاِذْ زَيَّنَ	لَهُمُ الشَّيْطٰنُ	اَعْمَالَهُمْ	وَقَالَ	لَا غَالِبَ	لَكُمُ	
اور جب خوبصورت بنائے	انکے لیے شیطان	اعمال ان کے	اور کہا	نہیں کوئی غالب آنے والا	تم پر	
الْيَوْمَ	مِنَ النَّاسِ	وَاِنِّيْ	جَارٌ لَّكُمْ ۚ	فَلَمَّا	تَرَآءَتِ	الْفِئَتٰنِ
آج کے دن	سے لوگوں	اور بیشک میں	حمایتی ہوں تمہارا	پھر جب	آمنے سامنے ہوئیں	دونوں جماعتیں
نَكَصَ	عَلٰى	عَقِبَيْهِ	وَقَالَ	اِنِّيْ	بَرِيْٓءٌ	مِّنْكُمْ
وہ پھر گیا	پر	اپنی ایڑیوں	اور کہا	بیشک میں	لاتعلق	تم سے
اِنِّيْٓ اَرٰى	مَا لَا	تَرَوْنَ	اِنِّيْٓ اَخَافُ	اللّٰهَ ۭ	وَاللّٰهُ	شَدِيْدُ
یقیناً میں دیکھتا ہوں	جو نہیں	تم دیکھتے	یقیناً میں ڈرتا ہوں	اللہ	اور اللہ	سخت

الْعِقَابِ ۝

عذاب دینے والا

''اور جب شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال خوشنما بنا دیے اور کہا آج تم پر لوگوں میں سے کوئی غالب آنے والا نہیں اور یقیناً میں تمہارا حمایتی ہوں، پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو وہ اپنی ایڑیوں پر واپس پلٹا اور کہنے لگا بے شک میں تم سے بری ہوں بے شک میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے، یقیناً میں اللہ سے ڈرتا ہوں اللہ بہت سخت عذاب دینے والا ہے۔'' (۴۸)

فہم القرآن

ربط کلام: بدر کے دن شیطان کا کردار۔ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا، فخر و غرور اور نمود و نمائش کا مظاہرہ کرنا شیطانی کام ہے۔ شیطان ان کاموں کو خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے۔

اللہ کے راستے کو اختیار کرنا، عاجزی اپنانا اور فخر و غرور، ریا کاری سے اجتناب کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق کا نتیجہ ہے اس کے مقابلے میں فخر و غرور، نمود و نمائش اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں رکاوٹ بننا شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ شیطان برائی پر پکا رکھنے کے لیے رواج، خاندانی روایات اور برائی کو خوبصورت بنا کر فیشن کے طور پر دکھاتا ہے۔ اکثر اوقات شیطان انسانوں کے ذریعے ایسے کاموں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور کبھی خود بھی کسی آدمی کی شکل میں آکر برائی کرنے والے کی حوصلہ افزائی کرتا

ہے۔جس کا برائی کرنے والے کوعلم نہیں ہوتا ایسی ہی صورت حال بدر کے میدان میں پیش آئی۔ پہلے تو شیطان نے مشرکین مکہ میں ایسا ماحول پیدا کیا کہ وہ یہ سمجھتے ہوئے میدان بدر کی طرف بڑھے کہ آج ہمارے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا۔لیکن مسلمانوں کا کٹ مرنے کا جذبہ دیکھا تو پھر سوچنے پر مجبور ہوئے۔قریب تھا کہ وہ جنگ سے پسپائی اختیار کرتے لیکن اس حالت میں شیطان سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کی شکل میں آیا اور اس نے آکر کہا کہ مسلمانوں کے خلاف ڈٹ جاؤ۔میرا قبیلہ بھی تمھاری مدد کے لیے پہنچنے والا ہے۔لیکن جب دونوں جماعتوں نے صف بندی کی اور مسلمانوں کی حمایت میں ملائکہ قطار اندر قطار اترنا شروع ہوئے تو شیطان گھبرا کر پیچھے مڑا اور یہ کہتے ہوئے کفار کے لشکر سے نکل گیا کہ میرا تمھارے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں تم نہیں دیکھتے۔مجھے رب ذوالجلال سے ڈر لگ رہا ہے۔کیونکہ جب وہ پکڑنے پر آتا ہے تو اس کی پکڑ بڑی شدید ہوا کرتی ہے۔(الرحیق المختوم) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کبھی کبھی شیطان بھی رب ذوالجلال سے ڈرتا ہے حالانکہ اسے شیطنت کے لیے قیامت تک مہلت دی گئی ہے۔

مسائل

١۔ شیطان لوگوں کے لیے برے اعمال کو خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے۔

٢۔ شیطان کے وسوسے اور خیالات دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہوتے۔

٣۔ کبھی کبھار شیطان انسان کی شکل اختیار کر کے لوگوں میں گمراہی پھیلاتا ہے۔

٤۔ کبھی شیطان بھی اللہ تعالیٰ سے ڈر جاتا ہے۔

تفسیر القرآن

شیطان کن لوگوں کے اعمال خوبصورت بناتا ہے:

١۔ اکثر مشرکین کے لئے قتل اولاد کا عمل مزین کر دیا۔(الانعام:١٣٧)

٢۔ قوم عاد و ثمود کے اعمال بد کو شیطان نے مزین کر دیا۔(العنکبوت:٣٨)

٣۔ ہر گروہ کے بد اعمال کو شیطان نے ان کے لیے مزین کر دیا۔(الانعام:١٠٩)

٤۔ ظالموں کے دل سخت ہو گئے اور شیطان ان کے اعمال کو مزین کر دکھاتا ہے۔(الانعام:٤٣)

٥۔ اللہ کے علاوہ سورج کو سجدہ کرنے والوں کے برے اعمال کو شیطان نے ان کے لیے مزین کر دیا۔(النمل:٢٤)

اِذْ يَقُوْلُ	الْمُنٰفِقُوْنَ	وَالَّذِيْنَ	فِيْ	قُلُوْبِهِمْ	مَّرَضٌ	غَرَّ	
جب کہا	منافقون	اور وہ لوگ	میں	انکے دل	بیماری	دھوکے میں ڈالا	
هٰٓؤُلَآءِ	دِيْنُهُمْ	وَمَنْ	يَّتَوَكَّلْ	عَلَى اللّٰهِ	فَاِنَّ اللّٰهَ	عَزِيْزٌ	
انکے	دین نے	اور جو	بھروسہ کرے	پر اللہ	پھر یقیناً اللہ	غالب	

حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾

حکمت والا ہے

’’جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری تھی کہہ رہے تھے ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکا دیا ہے اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو بے شک اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔‘‘ (۴۹)

فہم القرآن

ربط کلام: بدر کے موقع پر منافقین کا ردِّعمل۔

منافق کا لفظ ’’نفق‘‘ سے نکلا ہے۔ جس کا معنی ہے کہ چوہے کی ایسی بل جس کے دو منہ ہوں۔ اگر ایک منہ بند کر دیا جائے تو چوہا دوسری طرف سے نکل جائے جب تک بل کے دونوں منہ بند نہ کیے جائیں چوہا قابو نہیں آ سکتا۔ منافق کو اس لیے منافق کہتے ہیں کہ اگر اُسے مسلمانوں کی طرف سے فائدہ ہو تو وہ اسلام اسلام پکارتا ہے اگر دین کے حوالے سے کسی آزمائش سے واسطہ پڑے تو وہ کافروں کا ہمدرد بن کر ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔

انسانی جسم دو چیزوں سے مکمل ہوا ہے روح اور جسم، روح آفاقی ہے اور جسم زمین سے بنا ہے۔ جسم کی خوراک کا تعلق زمین سے ہے، روح کا تعلق اخلاقیات اور ایمانیات سے ہے۔ جس طرح جسم کو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں۔ اسی طرح روح کو بھی بیماریاں لگتی ہیں۔ روح کی بیماریوں میں نفاق ایک بدترین بیماری ہے۔ جو روحانی اور اخلاقی مرض ہے۔ جس کی وجہ سے انسان کا کردار دوغلا ہو جاتا ہے اور وہ مفاد کا بندہ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ طاقتور دھڑے کا ساتھ دیتا ہے۔ یہی کردار بدر کے موقع پر منافقوں کا تھا۔ جب انھوں نے مسلمانوں کو بدر کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کی مدد ہمارے شامل حال ہوگی۔ کیونکہ ہم مسلمان ہیں۔ اس کے ساتھ منافق سمجھتے تھے کہ مسلمان جان بوجھ کر موت کے منہ میں جا رہے ہیں اور ان کا واپس آنا مشکل ہے لیکن انھیں کیا خبر تھی کہ جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے مشکلات میں سرخرو فرماتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ غالب، حکمت والا ہے۔ یہ بات پہلے بھی عرض کی جا چکی ہے کہ ہر آیت کے اختتامی الفاظ اس کے مفہوم کا خلاصہ ہوتے ہیں۔ اس معرکہ میں اللہ تعالیٰ کی

حکمت یہ تھی کہ حق و باطل میں امتیاز ہو جائے۔ اس لیے بدر کا معرکہ ناگزیر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ''العزیز'' صفت اس لیے لائی ہے تاکہ منافقوں کو معلوم ہو جائے کہ غلبہ اور کامیابی حربی طاقت اور افرادی قوت پر منحصر نہیں مدد تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا کرتی ہے۔

((قَالَ أَبُو هُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ إِنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یَدْعُو یَقُولُ اللّٰھُمَّ إِنِّی أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوءِ الْأَخْلَاقِ))[رواہ ابوداؤد: باب فِی الاِسْتِعَاذَۃِ]

''حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے۔ اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں بدبختی، نفاق اور برے اخلاق سے۔''

مسائل

١۔ منافقت ایک روحانی بیماری ہے جس سے بچنا چاہیے۔
٢۔ منافق ہمیشہ اپنے مفاد کو سامنے رکھتا ہے۔
٣۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والا حقیقی کامیابی حاصل کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والی جماعت:

١۔ اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسا کرنا چاہیے۔ (یوسف: ٦٧)
٢۔ مومن اللہ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ (المائدۃ: ١١)
٣۔ مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔ (التوبۃ: ٥١)
٤۔ جب آپ ﷺ کسی کام کا عزم کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کریں۔ (آل عمران: ١٥٩)
٥۔ آپ ﷺ ان سے اعراض کریں پھر اللہ پر بھروسہ کریں کیوں کہ اللہ ہی نگہبان ہے۔ (النساء: ٨١)
٦۔ سب کاموں کا انجام اللہ کی جانب ہے آپ ﷺ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ کریں۔ (ھود: ١٢٣)
٧۔ اگر تم مومن ہو تو اللہ پر ہی بھروسہ کرو۔ (المائدۃ: ٢٣)
٨۔ صابر لوگ اللہ پر بھروسہ کرنے والے ہیں۔ (العنکبوت: ٥٩)

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ

اور اگر آپ دیکھیں جب فوت کرتے ہیں ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا فرشتے وہ مارتے ہیں

وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ

ان کے چہرے اور ان کی پیٹھیں اور چکھو تم عذاب جلانے والا یہ

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

اس وجہ سے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے اور یقیناً اللہ نہیں ظلم کرنے والا اپنے بندوں پر

”اور کاش! آپ دیکھیں جب فرشتے کافر لوگوں کی جان قبض کرتے ہیں ان کے چہروں اور پشتوں پر مارتے ہوئے کہتے ہیں کہ جلا دینے والا عذاب چکھو۔(۵۰) یہ اس کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اس لیے کہ یقیناً اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔“(۵۱)

فہم القرآن

ربط کلام: منافق کا انجام اور موت کے وقت اس کی سزا۔

”تَرٰی“ کا معنی ہے بصیرت یا جسمانی آنکھوں کے ساتھ کسی چیز کو دیکھنا۔ یہاں صاحب ایمان شخص کو توجہ دلائی گئی ہے کہ اگر وہ بصیرت یا بصارت کے ساتھ منافقین کی موت کا وقت دیکھ سکے تو اسے معلوم ہو کہ ان کا انجام کتنا بد ترین ہوتا ہے۔ موت کے فرشتے ان کے چہروں اور کمروں پر تھپڑ مارتے ہوئے کہتے ہیں کہ اب جہنم کا جلا دینے والا عذاب ہمیشہ کے لیے چکھتے رہو۔ اس آیت سے پہلے منافقوں کا ذکر ہو رہا تھا لیکن ان کا انجام بیان کرتے ہوئے منافق کی بجائے کافر کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ منافق بظاہر کلمہ گو اور مسلمانوں جیسے کام کرتا ہے لیکن اصلاً وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا منکر ہوتا ہے۔ اس لیے حقیقتاً وہ کافر ہوتا ہے۔ اگر اس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان ہو تو وہ نہ مسلمانوں کو دھوکہ دے اور نہ ہی آخرت کے بدلہ میں دنیاوی مفاد کو ترجیح دے۔ یہ سزا ان کے اپنے کردار کا نتیجہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ منافق دنیا میں اللہ کا مخلص بندہ بننے کی بجائے اپنے مفاد کے بندہ بن کر رہا۔ موت کے وقت اُسے ہمدردی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ضرورت تھی لیکن یہ منافقت اور دد غلے کردار کی وجہ سے موت کے نازک لمحات میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ٹھہرا اور قیامت کے دن اسے جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں پھینکا جائے گا۔ (سورۃ النساء: ۱۴۵) سورۃ الانعام: آیت ۹۳ میں ہے کہ جب ایسے لوگوں کی جان قبض کی جاتی ہے تو موت

کے فرشتے انہیں مارتے ہوئے کہتے ہیں کہ اپنی جان کیوں نہیں نکالتے ہو؟

''حضرت برا بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انصار کے کسی آدمی کے جنازہ کے لیے نکلے ہم قبرستان پہنچے تو ابھی قبر کھودی نہیں گئی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے ہم بھی ان کے اردگرد بیٹھ گئے جیسے ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی آپ اس کے ساتھ زمین کو کرید رہے تھے آپ نے اپنا سر اٹھاتے ہوئے دو یا تین مرتبہ فرمایا قبر کے عذاب سے پناہ مانگو پھر فرمایا جب کافر دنیا کو چھوڑ کر آخرت کی طرف جارہا ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے کالے چہروں والے فرشتے آتے ہیں ان کے ہاتھ میں بدبودار بوری ہوتی ہے وہ حد نگاہ تک اس کے؟ پاس بیٹھ جاتے ہیں، پھر اس کے پاس ملک الموت آتا ہے یہاں تک کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتا ہے وہ کہتا ہے اے خبیث نفس! اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کی طرف چل۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اس کی روح کو اس طرح نکالتے ہیں جس طرح گرم سلائی کو روئی سے نکالا جاتا ہے وہ اس کی روح کو نکال کر جس تھیلے میں ڈالتے ہیں اس سے اتنی بدبو نکلتی ہے جس طرح لاش سے گندی بدبو زمین پر پھیلتی ہے وہ اس کو لے کر آسمانوں کی طرف بڑھتے ہیں۔ فرشتوں کے جس گروہ کے پاس سے بھی گزرتے ہیں وہ کہتے ہیں یہ خبیث روح کون سی ہے۔ موت کے فرشتے کہتے ہیں یہ فلاں بن فلان ہے اس کے برے نام لے کر اس کو بلاتے ہیں یہاں تک کہ وہ آسمانِ دنیا تک پہنچتے ہیں وہ اس کو کھلوانا چاہتے ہیں مگر اسے کھولا نہیں جاتا، پھر نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی: ''ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ سوئی کے سوراخ میں اونٹ داخل ہو جائے'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے لیے زمین کی تہہ میں ٹھکانہ بناؤ۔ پھر اس کی روح کو نیچے پھینک دیا جاتا ہے۔ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی ''جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے گا گویا کہ وہ آسمان سے گرا اور اسے پرندے اچک لیں یا اس کو ہوائیں کسی دور دراز مقام پر پھینک دیں'' پھر اس روح کو اس کے بدن میں لوٹا دیا جاتا ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس کو بٹھاتے ہیں اور اس کو کہتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا، پھر فرشتے کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے تو وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا، پھر فرشتے کہتے ہیں یہ شخص کون ہے جو تم لوگوں میں نبی مبعوث کیا گیا؟ تو وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ آسمانوں سے آواز دینے والا آواز دیتا ہے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے تم اس کا بچھونا آگ کا بنادو اور آگ کا دروازہ اس کی طرف کھول دو۔ اس کے پاس اس آگ کی گرمی اور بدبو آتی ہے۔ اس کی قبر تنگ کردی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں اور اس کے پاس بدصورت

گندے کپڑے اور بدبودار جسم کے ساتھ آدمی آتا ہے تو وہ کہتا ہے آج خوش ہو جا تجھے ذلیل کیا جائے گا وہ کہتا ہے کہ تم کون ہو اس طرح کی شکل والے جو اتنی بری بات کے ساتھ آئے ہو تو وہ کہے گا میں تیرا بدعمل ہوں وہ کہے گا اے میرے رب کبھی قیامت قائم نہ کرنا۔'' [مسند احمد]

مسائل

١۔ منافق اور کافر کی روح قبض کرتے وقت فرشتے نہایت ہی سختی کرتے ہیں۔

٢۔ برے لوگوں کے لیے جلانے والا عذاب ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا:

١۔ اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ (التوبۃ: ٧٠)

٢۔ اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ (العنکبوت: ٤٠)

٣۔ اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا لیکن وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ (الروم: ٩)

٤۔ اللہ لوگوں پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ (یونس: ٤٤)

٥۔ قیامت کے دن لوگ اپنے اعمال کو اپنے روبرو پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ (الکھف: ٤٩)

٦۔ قیامت کے دن انصاف کا ترازو قائم کیا جائیگا اور کسی پر کچھ ظلم نہیں ہوگا۔ (الانبیاء: ٤٧)

٧۔ آج کے دن کسی پر ظلم نہیں کیا جائیگا اور ہر کسی کو اس کے اعمال کا صلہ دیا جائیگا۔ یٰس: ٥٤)

٨۔ جو شخص نیک اعمال کرتا ہے اس کا صلہ اسی کے لیے ہے اور جو برے اعمال کرے گا اس کا وبال اسی پر ہوگا اور تیرا رب اپنے بندوں پر ظلم نہیں فرمائے گا۔ (حٰم السجدۃ: ٤٦)

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا
جسطرح حال آل فرعون اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے جنہوں نے کفر کیا

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۵۲
اللہ کی آیات کیساتھ تو انہیں پکڑ لیا اللہ نے انکے گناہوں کے سبب یقیناً اللہ نہایت طاقتور سخت عذاب والا

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى
یہ اس لیے کہ اللہ نہیں ہے بدلنے والا کسی نعمت کو اس نے انعام کی ہو وہ پر

قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ
کسی قوم یہاں تک وہ بدل دیں جو انکے اپنے دل اور یقیناً اللہ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۵۳
سننے والا جاننے والا ہے

”جیسے فرعون کی قوم اور ان لوگوں کا حال تھا جو ان سے پہلے تھے انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا تو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا۔ بیشک اللہ بہت قوت والا، بہت سخت عذاب والا ہے۔(۵۲) یہ اس لیے کہ بے شک اللہ کبھی نعمت بدلنے والا نہیں جو اس نے کسی قوم پر کی ہو، یہاں تک کہ وہ خود بدل دیں جو ان کے دلوں میں ہے اور اس لیے کہ بے شک اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔“(۵۳)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرکین مکہ کا انجام:

جس طرح فرعون اور اس کے ساتھی تکبر اور غرور کی وجہ سے دنیا میں ذلیل اور آخرت میں اللہ کے عذاب میں مبتلا ہوئے اسی طرح مشرکین مکہ دنیا میں خوار ہوئے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ مزمل میں اہل مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے تمھاری طرف ایسا رسول بھیجا ہے جس طرح کا رسول فرعون کے پاس بھیجا تھا۔ اس اعتبار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کی قوم کے انکار اور کردار میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ اسی بنا پر بدر کے واقعات، اہل مکہ اور منافقین کا کردار اور انجام بیان کرنے کے دوران فرعون اور آل فرعون کا ذکر ضروری سمجھا گیا ہے۔ جس طرح فرعون اپنے آپ کو رب اعلیٰ سمجھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے

احکام اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا مسلسل انکار کر کے اپنے انجام کو پہنچا اسی طرح ابوجہل اور اس کے ساتھی (اَنَا وَلَا غَیرِیْ) کا دعویٰ کرتے ہوئے اللہ کی آیات کے منکر ٹھہرے اور رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا متواتر انکار کرتے رہے۔ جس طرح فرعون اور اس کے ساتھی موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں اندھے ہوئے تھے اسی طرح ابوجہل اور اس کے ساتھی اپنے غرور وتکبر اور طاقت کے زعم میں اندھے ہو کر بدر کی طرف نکلے تھے۔ چنانچہ ان کا انجام بھی آل فرعون کی طرح دنیا نے دیکھا فرعون نے ڈبکیاں لیتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لانے کا اظہار کیا تھا۔ لیکن ابوجہل نے مرتے وقت بھی یہ کہا کہ مجھے افسوس ہے کہ مجھے مارنے والے قریشی جوانوں کے بجائے انصار کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں گویا کہ یہ آخری وقت فرعون سے بڑھ کر فرعون نکلا اس لیے اس کی لاش کو بدر کے ویران کنویں میں ڈالتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ میری امت کا فرعون تھا۔ (البدایہ والنھایہ)

جس طرح آل فرعون اپنے گناہوں کی وجہ سے پکڑے گئے اسی طرح ابوجہل اور اس کی ساتھی اپنے جرائم کی بنا پر اللہ کی گرفت میں آئے۔ اللہ تعالیٰ سخت ترین گرفت کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر کیے ہوئے اپنے انعام کو نہیں بدلتا جب وہ قوم اپنی بدکردار کے ذریعے اسے بدل نہ دے اللہ تعالیٰ ہر بات کو سننے والا اور کام کو جاننے والا ہے۔

مسائل

۱۔ آل فرعون اور مشرکین کا کردار اور انجام ایک جیسا ہوا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دیتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ مجرموں کی شدید گرفت کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے:

۱۔ اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ (المائدۃ:۹۸)

۲۔ اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں کو سخت ترین عذاب سے دوچار کرے گا۔ (آل عمران:۵۶)

۳۔ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرنے والوں کے لیے سخت ترین عذاب ہے۔ (آل عمران:۴)

۴۔ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں کے لیے شدید عذاب ہے۔ (الانفال:۱۳)

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا

جیسے عادت آل فرعون کی اوران لوگوں کی جو سے ان سے پہلے انہوں نے جھٹلایا

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ

آیات اپنے رب کی ہم نے انکو ہلاک کر دیا انکے گناہوں کی وجہ سے اور ہم نے غرق کر دیا آل فرعون کو

وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

اور سب تھے وہ ظالم

”جیسے فرعون کی قوم اوران سے پہلے لوگوں کا حال تھا۔انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور ہم نے فرعون کی قوم کو غرق کیا اور وہ سب ظالم تھے۔“(۵۴)

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ:

آل فرعون کی طرح اہل مکہ کی تباہی ان کے گناہوں کی وجہ سے ہوئی ورنہ اللہ تعالیٰ کسی کو بے وجہ نہ تباہ کرتا ہے اور نہ ہی اپنے انعام کو عتاب میں تبدیل کرتا ہے۔

قرآن مجید اپنے طے شدہ اسلوب کے مطابق وضاحت کرتا ہے کہ آل فرعون کی اقتدار اور اختیار سے محرومی، مصر جیسے سبز و شاداب ملک سے بے دخلی اور انواع واقسام کی نعمتوں کے بدلے مختلف قسم کی تنگیوں اور مصائب میں مبتلا ہونے کا سبب یہ نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بلاوجہ انھیں اپنی نعمتوں سے محروم کر دیا۔ یہ تو کسی قوم کا مسلسل منفی کردار ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کے انعام وکرام سے محروم ہو کر مصائب و آلام میں گھر جاتی ہے۔ یہاں تک کہ انھیں آنے والی نسلوں کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا جاتا ہے۔اس سے پہلی آیت میں آل فرعون کا جرم یہ بیان کیا ہے کہ وہ اللہ کی آیات یعنی اس کے احکام کا انکار کرنے والے تھے۔ یہاں آل فرعون اور اس سے پہلی اقوام کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب کی آیات کا انکار کرنے والے تھے جس کی وجہ سے ہم نے انھیں غرق کر دیا اور وہ سب کے سب ظالم تھے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زمین پر چلنے والے جانوروں سے بدترین ہیں۔لفظ رب کا ایک معنی ہے پالنے اور مختلف قسم کی نعمتوں سے نوازنے والا۔ یہاں رب کا لفظ استعمال فرما کر اپنی قربت کا احساس دلاتے ہوئے اپنی نعمتوں کی یاددہانی کروائی ہے۔یاد رہے اللہ کے نام میں جلال اور اسم رب میں محبت وقربت کا احساس پایا جاتا ہے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمرَ ؓ قال كَانَ مِنْ دُعَاءِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيعِ سَخَطِكَ)) [رواه مسلم: كتاب الذكر والدعاء]

”حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں رسول مکرم ﷺ کی دعاؤں میں سے یہ ایک دعا ہے۔“اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيعِ سَخَطِكَ“(اے اللہ میں تیری نعمتوں کے زوال، تیری عافیت کے پھرنے ،اور تیرے اچانک عذاب اور ہر طرح کے غصے سے پناہ مانگتا ہوں۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ بلا وجہ اپنی نعمت واپس نہیں لیتا۔

٢۔ اللہ تعالیٰ ہر بات سننے والا اور ہر کسی کے ارادے کو جاننے والا ہے۔

٣۔ آل فرعون نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی جس کی وجہ سے انھیں غرق کر دیا گیا۔

٤۔ مشرکین مکہ کا انجام بھی آل فرعون کی طرح ہوا۔

٥۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی بات کو نہ ماننے والے لوگ چوپاؤں سے بدتر ہیں۔

تفسیر بالقرآن

فرعون اور آل فرعون کا انجام:

١۔ فرعون اور اس کے لاؤلشکر کو اللہ تعالیٰ قحط سالی میں مبتلا کر دیا۔(الاعراف:١٣٠)

٢۔ فرعون اور اس کے لاؤلشکر کو اللہ تعالیٰ نے غرق فرما دیا۔(البقرۃ:٥٠)

٣۔ اللہ تعالیٰ نے آل فرعون کی گناہوں کی پاداش میں پکڑ فرمائی۔(آل عمران:١١)

٤۔ ہم نے انہیں انکے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔(الانفال:٥٤)

٥۔ قیامت کے دن آل فرعون کو برے عذاب سے دوچار کیا جائے گا۔(المومن:٤٥)

٦۔ آل فرعون کو سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔(المومن:٤٦)

٧۔ آسمان و زمین میں کوئی ان پر رونے والا نہیں تھا اور نہ وہ مہلت دیئے گئے۔(الدخان:٢٩)

٨۔ ہم نے اسے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا اور اس کا کوئی حامی اسے نہ بچا سکا۔(القصص:٧٩)

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾

یقیناً بدترین زمین پر چلنے والے اللہ کے نزدیک وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا پھر وہ نہیں ایمان لاتے

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ

وہ لوگ جو آپ نے عہد لیا ان میں سے پھر وہ توڑ دیتے ہیں اپنا عہد میں

كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ

ہر مرتبہ اور وہ نہیں وہ ڈرتے لہٰذا اگر آپ انکو پائیں میں لڑائی

”بے شک اللہ کے نزدیک سب جانوروں سے برے وہ لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا پھر وہ ایمان نہیں لاتے۔(۵۵) جن سے آپ نے عہد لیا وہ ہر بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور وہ نہیں ڈرتے۔(۵۶) پس اگر کبھی آپ انہیں لڑائی میں پا ہی لیں

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ: آل فرعون جیسا کردار اختیار کرنے والے لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

رسول معظم ﷺ نے مدینہ پہنچنے کے فوراً بعد اہل مدینہ سے بقائے باہمی کا معاہدہ کیا جسے تاریخ میں میثاق مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس میں آپ نے مدینے کے یہودیوں اور باسیوں سے طے کیا کہ اگر کوئی مدینہ پر حملہ آور ہوگا تو ہم سب مل کر شہر کا دفاع کریں گے۔ اس عہد کی رو سے یہودی آپ ﷺ کے حلیف تھے لیکن جب کفار نے بدر کی طرف پیش قدمی کی تو اس موقع پر یہودیوں کی ہمدردیاں اہل مکہ کے ساتھ تھیں اور انھوں نے میثاق مدینہ کی پرواہ نہ کی۔

جب بدر میں مسلمان کامیاب ہوئے تو یہودیوں کے سب سے بڑا قبیلہ بنو قریظہ نے آپ سے معذرت کی اور دوبارہ معاہدہ کیا کہ آئندہ ہم ایسی غلطی نہیں کریں گے لیکن غزوۂ خندق کے موقع پر انھوں نے دوبارہ اہل مکہ کے ساتھ ساز باز کی جس کے نتیجہ میں نبی معظم ﷺ نے انھیں مدینہ سے نکل جانے کا حکم صادر فرمایا جس کی تفصیل تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہے یہاں یہودیوں کی اسی عہد شکنی کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ انھوں نے بار بار عہد شکنی کی اور آئندہ بھی یہ لوگ اس حرکت سے ڈرنے اور رکنے والے نہیں ہیں۔ اگر عہد شکن لوگ کسی جنگ میں قابو آجائیں تو ان پر خوب سختی کرنی چاہیے تاکہ جنگ سے پیچھے رہ جانے والے لوگ عبرت حاصل کریں اگر ان لوگوں سے یہ خطرہ ہو کہ یہ آڑے وقت میں پھر عہد شکنی کے مرتکب ہوں گے تو مسلمانوں کو بھی حق ہے کہ وہ ان سے کیے ہوئے عہد کو توڑ دیں لیکن اس موقع پر دو باتوں کا خیال رکھنا لازم ہے ایک تو بدعہد قوم سے عہد توڑتے وقت ضروری ہے کہ ان کی عہد شکنی بالکل عیاں ہو چکی ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان

فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِمَّا

تو بھگا دیں انکے ذریعے جو انکے پیچھے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں اور اگر

تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

آپ ڈریں ایسی قوم کی خیانت سے تو پھینک دیں انکی طرف پر مساوی طور یقیناً اللہ

لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿٥٨﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ

نہیں پسند کرتا خیانت کرنے والے اور نہ گمان کریں وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا وہ بچ نکلے

اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿٥٩﴾

بیشک وہ نہیں عاجز کر سکتے

تو ان پر کاری ضرب کے ساتھ ان کو بھگا دیں جو ان کے پیچھے ہیں تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔(۵۷) اور اگر کبھی آپ کسی قوم کی جانب سے اس کی خیانت سے ڈریں تو ان کا عہد ان کی طرف برابری کی بنیاد پر پھینک دیں بے شک اللہ خیانت کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔(۵۸) اور جن لوگوں نے کفر کیا ہرگز گمان نہ کریں کہ وہ بچ نکلیں گے بے شک وہ عاجز نہیں کر سکتے۔"(۵۹)

سے جنگ کرنے سے پہلے عہد توڑا جائے یعنی عہد توڑنے میں مسلمانوں کی طرف سے کسی قسم کا دھوکا اور بدنیتی شامل نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کفار کے ساتھ بھی خیانت کرنے کو پسند نہیں کرتا۔ یہاں خیانت سے پہلی مراد اخلاقی اور سیاسی خیانت ہے جس طرح مالی خیانت حرام ہے اسی طرح سیاسی اور اخلاقی خیانت بھی ناجائز ہے۔ اس ہدایت کے ساتھ ہی کفار کو خبردار کر دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو کبھی عاجز اور بے بس نہیں کر سکتے اور اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو مسلمان حالت جنگ میں کفار کے ساتھ کسی قسم کی خیانت نہیں کرتے انھیں عاجز اور بے بس نہیں کیا جا سکتا۔ مؤرخین نے یہاں عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل روم کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جب معاہدہ ختم ہونے کے قریب آیا تو انھوں نے عساکر اسلام کو رومیوں کی سرحد کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا جونہی فوج حرکت میں آئی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنایا گیا کہ یہ دشمن سے بھی عہد شکنی جائز نہیں اخلاقی خیانت ہے جس سے منع کیا گیا ہے امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنتے ہی فوجوں کو واپس بلا لیا۔

((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ)) [رواه البخاری: کتاب الایمان، باب علامة المنافق]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ ① جب بات کرتا ہے تو

جھوٹ بولتا ہے۔ ② جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے ۔ ③ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے۔‘‘

((عَنْ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ کَمَثَلِ الشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَیْنَ الْغَنَمَیْنِ تَعِیرُ إِلٰی ھٰذِہٖ مَرَّةً وَإِلٰی ھٰذِہٖ مَرَّةً)) [رواہ مسلم: کتاب صفات المنافقین]

’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان نقل کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی مثال دو ریوڑوں کے درمیان بکری کی ہے کبھی ایک طرف جاتی ہے اور کبھی دوسری جانب۔‘‘

مسائل

۱۔ عہد شکن لوگوں پر سختی کرنی جائز ہے۔

۲۔ کفار کی سیاسی اور جنگی خیانت کے مقابلے میں عہد شکنی کرنا جائز ہے کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ۔

۳۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

۴۔ کافر اللہ تعالیٰ کو کبھی بے بس اور عاجز نہیں کرسکتے۔

تفسیر بالقرآن

بدترین لوگ:

۱۔ مالدار بخل کو اپنے لیے اچھا تصور کرتے ہیں حالانکہ وہ ان کے لیے برا ہے۔ (آل عمران: ۱۸۰)

۲۔ اللہ کے راستہ سے گمراہ لوگوں کا بدترین ٹھکانہ ہے۔ (المائدۃ: ۶۰)

۳۔ بہرے، گونگے بے عقل لوگ چوپاؤں سے بدتر ہیں۔ (الانفال: ۲۲)

۴۔ بدترین لوگوں کو منہ کے بل جہنم میں پھینکا جائے گا۔ (الفرقان: ۳۴)

۵۔ بدترین ظالموں کا بُرا ٹھکانہ ہے۔ (ص: ۵۵)

۶۔ بدترین لوگ جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔ (البینۃ: ۶)

۷۔ بدترین لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ کا وعدہ کیا ہے۔ (الحج: ۷۲)

وَاَعِدُّوْا	لَهُمْ	مَّا	اسْتَطَعْتُمْ	مِّنْ قُوَّةٍ	وَّمِنْ رِّبَاطِ	الْخَيْلِ

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ

اور تیاری کرو | انکے لیے | جو | تم استطاعت رکھتے ہو | سے قوت | اور سے بندھے ہوئے | گھوڑے

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ

تم خوفزدہ کردو گے | اسکے ساتھ | اللہ کے دشمن | اور تمہارے دشمن | اور | دوسرے کو | ان کے علاوہ

لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ

نہیں | تم جانتے ان کو | اللہ | انہیں جانتا ہے | اور نہیں | تم خرچ کرتے | سے کسی چیز

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝۶۰

میں | راستہ | اللہ | پورا دیا جائیگا | تمہیں | اور تم | نہیں ظلم کیے جاؤ گے

''اور جتنا ان کے مقابلے میں تیاری کرو قوت اور بندھے ہوئے گھوڑوں سے جس کے ساتھ تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو اور ان کے علاوہ دوسروں کو ڈراتے رہو، جنہیں تم نہیں جانتے انہیں اللہ جانتا ہے اور تم جو چیز بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے وہ تمہاری طرف پوری لوٹائی جائے گی اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' (۶۰)

فہم القرآن

ربط کلام: جب تک مسلمان اپنا دفاع مضبوط رکھیں گے کافر مسلمانوں کو کبھی عاجز اور بے بس نہیں کر سکتے۔

مسلمان اگر کفار کی سازشوں اور جارحیت سے بچنا چاہتے ہیں تو انھیں اپنا دفاع ہر وقت مضبوط رکھنا ہوگا قرآن مجید نے مضبوط دفاع کا اصول اس وقت پیش کیا جب دنیا کے بڑے بڑے جنگجو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اگر مسلمان دشمن کی جارحیت سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے بہترین اصول یہ ہے کہ مسلمان اپنے گھوڑے ہر وقت تیار رکھیں۔ جس سے اللہ اور مسلمانوں کے دشمن اور وہ دشمن بھی جو خفیہ سازشیں کرتے ہیں۔ خوف زدہ ہوں گے اور مسلمانوں پر جارحیت کرنے کا تصور بھی دل میں نہیں لائیں گے۔

مضبوط دفاع کے لیے جو کچھ بھی ہو سکے کرو۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو اس کا تمھیں پورا پورا صلہ دیا جائے گا اور تم پر کوئی زیادتی نہ ہوگی۔ زیادتی سے پہلی مراد دشمن کی جارحیت ہے۔

اس آیت کریمہ میں تین قسم کے دشمن بیان کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے مراد اس کی ذات کے ساتھ کفر و شرک کرنے والے، دین کے مخالف اور رسول اکرم ﷺ کے ساتھ دشمنی رکھنے والے۔ مسلمانوں کے دشمنوں سے مراد ان کی ذات

اور دین کی بنیاد پر عداوت رکھنے والے ہیں۔ تیسرے دشمن منافق اور وہ لوگ ہیں جو دین کی سربلندی اور مسلمانوں کی ترقی نہیں چاہتے لیکن اپنی کمزوری اور مصلحت کی خاطر کھلی دشمنی سے پرہیز کرتے ہیں۔

دفاع کے لیے نقل وحمل کے ذرائع اور اسلحہ کی ضرورت ہوتی ہے جن کا حصول مال کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا۔ یہ اتنا اہم عنصر ہے کہ قرآن مجید نے جہاد فی سبیل اللہ کے تذکرہ میں اکثر مقامات پر جہاد بالنفس سے پہلے جہاد بالمال کا حکم آیا ہے۔ یہاں دفاعی فنڈ میں حصہ لینے والوں کو تسلی دی گئی ہے کہ تمھیں اس کے بدلے پورا پورا صلہ دیا جائے گا اور تم پر کوئی زیادتی نہیں ہونے پائے گی۔ زیادتی سے مراد اجر وثواب میں کمی ہے اور اس میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ جب تم دل کھول کر اپنے دفاع میں خرچ کرو گے تو دشمن کے ظلم سے محفوظ رہو گے۔ دشمن کی جارحیت سے بچنے کے لیے حربی قوت بڑھانے اور کھلے عام جنگی گھوڑے باندھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

قوت سے مراد ہر قسم کی طاقت اور جدید سے جدید ٹیکنالوجی کا حصول ہے۔ پرانے زمانے میں نقل وحمل کے لیے گھوڑا مضبوط اور تیز رفتار سواری تھی لیکن آج اس کی جگہ ٹینک اور بمبار طیاروں نے لے لی ہے۔ تاہم گھوڑے کی اہمیت اپنی جگہ پر قائم ہے اور قیامت تک باقی رہے گی۔ کیونکہ پہاڑی علاقے میں جیپ، ٹینک یہاں تک کہ بلند پہاڑوں میں جہاز اور ہیلی کاپٹر بھی کام نہیں دیتے۔ جس کی بنا پر دنیا میں کوئی ایسی فوج نہیں جن کے پاس جنگی گھوڑے موجود نہ ہوں۔ نبی اکرم ﷺ کے دور میں تیر، تلوار اور گھوڑے جنگی ضروریات میں سب سے اہم تھے۔ اس وجہ سے آپ نے ان چیزوں کی اہمیت اور فضیلت بیان کی ہے۔

تاہم ان کے باوجود آپ ﷺ نے اپنے دور کی جدید ٹیکنالوجی حاصل کرنے کے بارے میں پوری توجہ فرمائی۔

((عن عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ عَلَى الْمِنبَرِ يَقُولُ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ))

[رواه مسلم: كتاب الامارة، باب فضل الرمى]

''حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول معظم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما رہے تھے کافروں کے لیے حسبِ استطاعت طاقت تیار رکھو۔ آگاہ ہو جاؤ بلاشبہ قوت تیر پھینکنے میں ہے۔ آگاہ رہو بلاشبہ قوت تیراندازی میں ہے۔''

((عن سَلَمَةَ بْنَ الْأَكْوَعِ رضی اللہ عنہ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى نَفَرٍ مِنْ أَسْلَمَ يَنْتَضِلُونَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ ارْمُوا بَنِي إِسْمَاعِيلَ فَإِنَّ أَبَاكُمْ كَانَ رَامِيًا ارْمُوا وَأَنَا مَعَ بَنِي فُلَانٍ قَالَ فَأَمْسَكَ أَحَدُ الْفَرِيقَيْنِ بِأَيْدِيهِمْ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَا لَكُمْ لَا تَرْمُونَ قَالُوا كَيْفَ نَرْمِي وَأَنْتَ مَعَهُمْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ ارْمُوا فَأَنَا مَعَكُمْ كُلِّكُمْ))

[رواه البخاری: كتاب الجهاد، باب التحريض على الرمى]

’’حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسلم قبیلہ کے لوگوں کے پاس سے گزرے جو تیر ٹھیک کر رہے تھے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنو اسماعیل تیراندازی کرو بلاشبہ تمہارے والد تیرانداز تھے اور میں فلاں قبیلہ کے ساتھ ہوں۔ صحابی فرماتے ہیں مقابل فریق نے اپنے ہاتھ روک لیے۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ کو کیا ہوا کہ آپ نے تیراندازی چھوڑ دی ہے؟ انہوں نے عرض کی ہم آپ کے مدمقابل کس طرح تیراندازی کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیراندازی کرو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔‘‘

((عن عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِي رضی اللہ عنہ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ مَنْ تَعَلَّمَ الرَّمْيَ ثُمَّ تَرَكَهُ فَقَدْ عَصَانِي)) [رواه ابن ماجة: كتاب الجهاد، باب الرمى فى سبيل الله]

’’حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جس نے نشانہ بازی سیکھی پھر اس کو چھوڑ دیا اس نے میری نافرمانی کی۔‘‘

((عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْجَعْدِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ))

[رواه البخارى: كتاب الجهاد، باب الخيل معقود فى نواصيها الخير]

’’حضرت عروہ بن جعد رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک خیر رکھ دی گئی ہے۔‘‘

((عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَلْوِي نَاصِيَةَ فَرَسٍ بِإِصْبَعِهِ وَهُوَ يَقُولُ الْخَيْلُ مَعْقُودٌ بِنَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ الْأَجْرُ وَالْغَنِيمَةُ))

[رواه مسلم: كتاب الامارة، باب الخيل معقود فى نواصيها الخير]

’’حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے اپنی انگلی سے گھوڑے کی پیشانی چھوتے ہوئے فرمایا گھوڑے کی پیشانی میں قیامت تک کے لیے بھلائی رکھ دی گئی ہے۔ وہ ثواب اور مال غنیمت ہے۔‘‘

مسائل

١۔ کافروں کے خلاف جس قدر استطاعت ہو قوت جمع کرنی چاہیے۔

٢۔ جو بھی اللہ کے راستے میں خرچ کیا جائے گا وہ پورے کا پورا واپس لوٹا دیا جائے گا۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ

اوراگر وہ مائل ہوں صلح کیلیے تو آپ جھک جائیں انکے لیے اور بھروسہ کریں پر اللہ یقیناً وہ

هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝٦١ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ

وہی خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے اوراگر وہ ارادہ کریں یہ کہ وہ آپکو دھوکہ دیں

فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝٦٢

پھر یقیناً کافی ہے آپکو اللہ وہی ہے جس نے آپکی تائید کی اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعے

''اوراگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسہ کریں بے شک وہ سب کچھ سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔(٦١) اوراگر وہ ارادہ کریں کہ آپ کو دھوکا دیں تو بے شک آپ کو اللہ ہی کافی ہے وہی ہے جس نے آپ کو اپنی مدد اور ایمان والوں کے ساتھ قوت بخشی۔'' (٦٢)

فہم القرآن

ربط کلام: مسلمانوں کی بھرپوردفاعی تیاری کے باوجود اگردشمن صلح کے لیے آمادہ ہوتو مسلمانوں کوان سے صلح کرلینی چاہیے۔

اسلام کے مخالف ہمیشہ سے یہ پراپیگنڈہ کرتے آرہے ہیں کہ اسلام جارحیت پسند اور مسلمان جنگ جوقوم ہے۔ حالانکہ اسلام کانقطۂ نگاہ یہ ہے کہ جوکفار تبلیغ دین میں رکاوٹ اور کسی پرظلم زیادتی نہیں کرتے ان کے ساتھ جنگ نہیں کرنی چاہیے اس آیت میں ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے یہاں تک کہ مسلمانوں کوحکم دیا گیا ہے کہ خواہ تم کتنے ہی مضبوط کیوں نہ ہو اگر دشمن تمھارے ساتھ صلح کرنے پرآمادہ ہو۔تو کسی گھمنڈ میں آنے کے بجائے صلح کی طرف بڑھے ہوئے ہاتھ کوتھام لو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو وہ ہر بات سننے والا اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔اگرصلح کرنے والا دشمن بدنیتی کا مظاہرہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہے۔کیونکہ اللہ اوراس پرایمان لانے والے مومن آپ کی مدد کریں گے۔یہ اصول اس دشمن کے لیے ہے۔جس کے بارے میں معلوم ہوکہ یہ کیے گئے معاہدے پرقائم رہے گا اوراگرکسی دشمن نے پہلے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہوتو اسے نہیں کہا جاسکتا۔

صلح کی اہمیت کے پیش نظر مومنوں کومخاطب کرنے کی بجائے واحد حاضر کی ضمیر لاکر آپ ﷺ کومخاطب فرمایا گیا ہے۔جس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ صلح اور جنگ کا فیصلہ کرنا قیادت کا کام ہوتا ہے اس لیے قیادت کو اللہ تعالیٰ اوراپنے مخلص ساتھیوں پراعتماد کرتے ہوئے صلح کرلینی چاہیے۔کیونکہ مسلمانوں کو ہر حال میں اپنی دفاعی قوت بڑھانے کا حکم ہے لہٰذا صلح کرنے سے انھیں تیاری کا مزید موقع ملے گا۔صلح کے اقدام سے دشمن کووسعت ظرفی اعلیٰ اخلاق اور دلیری کا پیغام ملنے کے ساتھ مسلمانوں کے اخلاق اور کردار دیکھنے کا موقعہ ملے گا۔اسی حکمت کے تحت نبی اکرم ﷺ نے مکہ والوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا تھا جس کے نتیجہ میں لوگ فوج درفوج اسلام میں داخل ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کوفتح مبین کا نام دیا۔

وَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا

اوراس نے الفت ڈال دی درمیان انکے دل اگر آپ خرچ کردیتے جو میں زمین سب کا سب

مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيۡنَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ

نہیں الفت ڈال سکتے آپ درمیان انکے دل اورلیکن اللہ نے الفت ڈال دی انکے درمیان یقیناً وہ

عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۶۳﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ حَسۡبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

غالب حکمت والا ہے اے نبی کافی ہے آپ کو اللہ اور جس نے آپکی پیروی کی سے

الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۶۴﴾

مومنوں میں سے

’’اور اللہ نے ان کے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی اگر آپ زمین میں جو کچھ ہے سب کا سب خرچ کردیتے ان کے دلوں کے درمیان الفت نہیں ڈال سکتے لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت ڈال دی۔ بے شک وہ غالب، کمال حکمت والا ہے۔(٦٣) اے نبی آپ کو اللہ کافی ہے اوران مومنوں کو جو آپ کی پیروی کرتے ہیں۔‘‘(٦٤)

فہم القرآن

ربط کلام: دشمن کے خلاف جہاد میں ہر قسم کی تیاری کے ساتھ قوم میں اتحاد اور محبت کی انتہائی ضرورت ہوتی ہے۔

اس سے پہلی آیت میں حکم تھا کہ کفار کی پیشکش کے پیش نظر مسلمانوں کو ان سے صلح کر لینی چاہیے۔اب مسلمانوں کی باہمی محبت کا تذکرہ کرنے کے دو مقاصد معلوم ہوتے ہیں۔

بے شک تمھیں دشمن کے ساتھ صلح کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس پر یہ سوچنے کی ضرورت نہیں کہ وہ تمھارے دشمن ہیں ذرا سوچو تو سہی ماضی میں تم بھی ایک دوسرے کے دشمن تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے تمھارے دلوں میں الفت پیدا کی جس سے تم آپس میں شیر وشکر ہوگئے کیا ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ آج کے دشمن کو تمھارا کل کا مسلمان بھائی بنا دے۔اے نبی آپ زمین بھر کی دولت خرچ کر کے بھی ان کے دلوں کو جوڑ نہیں سکتے تھے یہ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو محبت کے رشتے سے باندھ دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر کام کرنے پر غالب اور اس کے ہر قول وعمل میں حکمتیں پنہاں ہوتی ہیں۔وہ غالب حکمت والا تمھارے اور تمھارے دشمن کے درمیان بھی محبت پیدا کرسکتا ہے۔یہ الفت جس کی بنا پر حبشہ کے حضرت بلال رضی اللہ عنہ فارس کے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور غفار قبیلے کے جناب ابوذر رضی اللہ عنہ ایک دوسرے کے اس طرح بھائی بنے کہ حقیقی رشتے بھی پیچھے رہ گئے۔ اسی طرح مدینہ کے اوس اور خزرج کے قبائل شیر وشکر ہوئے جو نبی اکرم ﷺ کی مدینہ آمد سے تھوڑی ہی مدت پہلے جنگ

بعث میں ایک دوسرے کے سینکڑوں لوگوں کو قتل کر چکے تھے۔ ان کے درمیان صلح کی دور دور تک گنجائش نہیں تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان بھی حقیقی بھائیوں جیسی محبت پیدا فرمادی غزوہ بدر کے تذکرہ اور جہادی تیاریوں کے ضمن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی باہمی محبت کا حوالہ دینے کا یہ مقصد بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اشارہ ہے جب تک مسلمان آپس میں اتفاق اور اتحاد قائم رکھیں گے اس وقت تک ہی دشمن پر غالب آسکیں گے کیونکہ جو قوم آپس میں مختلف اور منتشر ہو وہ اسلحہ اور حربی قوت کی بنیاد پر دشمن پر غالب نہیں آسکتی۔ امام رازی اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کا کلی وعدہ فرمایا ہے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رضی اللہ عنہ.........قَالَ وَكَانَ يُعَلِّمُنَا كَلِمَاتٍ وَلَمْ يَكُنْ يُعَلِّمُنَاهُنَّ كَمَا يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ اللّٰهُمَّ أَلِّفْ بَيْنَ قُلُوبِنَا وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَاهْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَبَارِكْ لَنَا فِي أَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُلُوبِنَا وَأَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ وَاجْعَلْنَا شَاكِرِينَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِينَ بِهَا قَابِلِيهَا وَأَتِمَّهَا عَلَيْنَا))

[رواہ ابو داؤد، کتاب الصلاۃ باب التشهد]

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے.........فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کلمات اس طرح سکھایا کرتے تھے جس طرح وہ ہمیں تشہد سکھاتے تھے۔ اے اللہ! ہمارے دلوں میں الفت ڈال دے اور ہمارے درمیان اصلاح فرمادے۔ اور ہمیں سلامتی کے راستوں کی طرف ہدایت دے۔ ہمیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نجات دے۔ اور ہمیں پوشیدہ اور ظاہری فحاشی سے بچا۔ ہماری قوتِ سماعت، بصارت، ازواج اور اولاد میں برکت نصیب فرما۔ اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بلاشبہ تو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اور ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر گزار اور ان کے قابل بنا۔ اور انہیں ہم پر پورا فرما۔''

مسائل

١۔ مسلمانوں کی باہمی محبت اللہ کے فضل کا نتیجہ ہے۔

٢۔ اللہ کے سوا کوئی دلوں میں محبت نہیں ڈال سکتا۔

٣۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب اور اس کے ہر حکم اور کام میں حکمت ہوتی ہے۔

٤۔ مومن کے لیے اللہ کی مدد کافی ہوتی ہے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

اے نبی ابھاریے مومنوں پر لڑائی اگر وہ ہوں تم سے

عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

بیس صبر کرنے والے وہ غالب آئیں گے دو سو اور اگر وہ ہوں تم میں سے

مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ

ایک سو وہ غالب آئیں گے ہزار ان لوگوں میں سے جنہوں نے کفر کیا اس لیے وہ ایسی قوم

لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ

نہیں وہ سمجھتے اب تخفیف کردی اللہ نے تم سے اور جان لیا یقیناً تم میں

”اے نبی! ایمان والوں کولڑائی پر ابھارو، اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں تو وہ ہزار کفار پر غالب آئیں گے یہ اس لیے کہ وہ لوگ سمجھتے نہیں۔(۶۵) اب اللہ نے تم سے بوجھ ہلکا کر دیا اور جان لیا کہ تم میں کچھ

فہم القرآن

ربط کلام: نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور اپنی طرف سے اطمینان دلانے کے بعد قتال کا حکم دیا۔

سر براہ کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اپنے ساتھیوں پر اعتماد کرتے ہوئے مسلمانوں کو جہاد کرنے کا حکم دینا چاہیے جب مسلمان کردار کے حوالے سے پختہ تھے تو اس وقت کفار کے خلاف تناسب یہ قائم کیا گیا کہ اگر کفار اپنی جارحیت سے باز نہ آئیں تو دس کفار کے مقابلے میں ایک مسلمان کافی ہے یہ تعداد اس لیے کافی ہے کہ کافر موت کی حقیقت سے واقف نہیں وہ قتال اور موت سے اس لیے ڈرتا ہے کہ اس کے سامنے کوئی مقصد اور منزل نہیں ہوتی۔ جس وجہ سے اس میں وہ جوش اور ولولہ پیدا نہیں ہوتا جو مجاہد کے سینے میں موجزن ہوتا ہے مجاہد موت سے ٹکرانے کے لیے ہر وقت تیار ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے مولا کی رضا کی خاطر اس کے دین کی سربلندی کے لیے میدان کارزار میں اترتا ہے وہ اپنے خالق و مالک سے ملاقات کی تمنا اور اس کی جنت کے لیے جان کی بازی لگا دیتا ہے اسی بناء پر غزوہ اُحد کے موقع پر ایک صحابی کھجوریں کھا رہے تھے جونہی اس نے قتال فی سبیل اللہ کی آواز سنی تو یہ کہتے ہوئے کھجوریں پھینک دیں کہ اللہ کی قسم مجھے احد پہاڑ کی طرف سے جنت کی خوشبو آرہی ہے ایسا ہی خوبصورت منظر فرعون کی بیوی حضرت آسیہ نے اس وقت دیکھا۔ جب توحید کی پاداش میں اس کے نازک جسم پر میخیں ٹھونکی جا رہی تھیں۔

ضُعْفًا ؕ	فَاِنْ	يَّكُنْ	مِّنْكُمْ	مِّائَةٌ	صَابِرَةٌ	يَّغْلِبُوْا
کمزوری ہے	پھر اگر	ہوں گے	تم میں سے	ایک سو	صبر والے	وہ غالب آئیں گے
مِائَتَيْنِ ۚ	وَاِنْ	يَّكُنْ	مِّنْكُمْ	اَلْفٌ	يَّغْلِبُوْٓا	اَلْفَيْنِ
دو سو	اور اگر	ہوں گے	تم میں سے	ہزار	وہ غالب آئیں گے	دو ہزار
بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ	وَاللّٰهُ	مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝
اللہ کے حکم سے	اور اللہ	صبر کرنے والوں کیساتھ ہے

کمزوری ہے پس اگر تم میں سے سو صبر کرنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ہزار ہوں تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (٦٦)

﴿قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴾

[التحریم: ١١]

''اس نے دعا کی: ''اے میرے رب! میرے لیے اپنے ہاں جنت میں ایک گھر بنا دے۔ مجھے فرعون اور اس کے عمل سے بچا اور ان ظالموں سے بھی نجات دے۔''

مفسرین نے لکھا کہ حضرت آسیہ کو اللہ تعالیٰ نے اس کی موت سے پہلے جنت میں اس کا گھر دکھلا دیا تھا۔ یہی وہ فرق ہے جو مجاہد اور کافر کے درمیان ہوتا ہے۔ جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ کافر اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ پہلے حکم کے بعد دوسرا حکم نازل ہوا۔ جس میں تخفیف کر دی گئی جسے مضمون میں تسلسل کی خاطر یہاں رکھا گیا ہے۔ آج اس کی صورت یہ ہوگی کہ اگر کفار مسلمانوں پر جنگ مسلط کریں اور جنگی تناسب ایک کے مقابلے میں دس کا ہو تو پھر مسلمانوں پر قتال فرض ہو جائے گا۔ اگر تناسب میں اس سے زیادہ فرق ہو تو پھر مسلمانوں کو حق حاصل ہے کہ وہ کفار کے ساتھ اپنے وقار سے کم درجہ شرائط پر صلح کر سکتے ہیں۔ لیکن جب جنگی تناسب ایک اور دو کا ہو اور کافر تبلیغ اسلام میں رکاوٹ یا مسلمانوں پر جارحیت کرنے لگیں تو ایسی حالت میں مسلمانوں کو اللہ کا حکم سمجھ کر کفار کے خلاف ڈٹ جانا چاہیے کیونکہ فتح اور شکست اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اگر مسلمان ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ انھیں ضرور فتح سے سرفراز فرمائے گا۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَغَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا))

[رواه البخاري: كتاب الجهاد، باب الغدوة والروحة]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ کے راستے میں صبح یا شام کو نکلنا

دنیاو مافیہا سے بہتر ہے۔“

((عن ابی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ وَتَوَكَّلَ اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِهِ بِأَنْ يَتَوَفَّاهُ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يَرْجِعَهُ سَالِمًا مَعَ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ))[رواه البخاری :كتاب الجهاد، باب أفضل المؤمنين]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں میں نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی مثال اور اللہ تعالیٰ اس شخص کو بہتر جانتا ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے روزے رکھنے والے اور راتوں کو قیام کرنے والے کی طرح۔ اللہ تعالیٰ اپنے راستے میں جہاد کرنے والے کو یہ بدلہ دے گا کہ اسے جنت میں داخل کرے یا صحیح سلامت واپسی کی صورت میں ثواب اور مالِ غنیمت کے ساتھ لوٹائے گا۔“

مسائل

۱۔ سربراہ کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو قتال کے لیے تیار رکھے۔

۲۔ مجاہد کے سامنے اللہ کی رضا اور اس کی جنت ہوتی ہے۔

۳۔ کافر کے سامنے وطن، قوم اور ذاتی مفاد ہوتا ہے۔

۴۔ جب جنگی تناسب ایک کے مقابلے میں دو ہو تو قتال فرض ہو جاتا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

کافر بے وقوف ہوتا ہے:

۱۔ متقین کے لیے آخرت کا گھر بہتر ہے مگر کافر نہیں سمجھتے۔ (الاعراف:۱۶۹)

۲۔ میرا اجر میرے پیدا کرنے والے اللہ کے ذمہ ہے بے عقل نہیں سمجھتے۔ حضرت صالح کا اعلان۔ (ھود:۵۱)

۳۔ منافق بے سمجھ ہوتے ہیں۔ (المنافقون:۷)

۴۔ اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا کیونکہ یہ بے عقل لوگ ہیں۔ (التوبۃ:۱۲۷)

۵۔ وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان کی اکثریت بے عقل ہوتی ہے۔ (المائدۃ:۱۰۳)

۶۔ وہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں اور وہ عقل نہیں کرتے۔ (البقرۃ:۱۷۱)

مَا كَانَ	لِنَبِيٍّ	اَنْ يَّكُوْنَ	لَهٗٓ اَسْرٰى	حَتّٰى	يُثْخِنَ		
نہیں ہے لائق	کسی نبی کے لیے	یہ کہ ہوں	اس کے پاس قیدی	یہاں تک کہ	وہ خون ریزی کر لے		
فِى الْاَرْضِ ؕ	تُرِيْدُوْنَ	عَرَضَ	الدُّنْيَا ۖ	وَاللّٰهُ	يُرِيْدُ	الْاٰخِرَةَ ؕ	وَاللّٰهُ
میں زمین	تم ارادہ کرتے ہو	سامان	دنیا	اور اللہ	ارادہ کرتا ہے	آخرت کا	اور اللہ
عَزِيْزٌ	حَكِيْمٌ ﴿٦٧﴾	لَوْلَا	كِتٰبٌ	مِّنَ	اللّٰهِ	سَبَقَ	لَمَسَّكُمْ
غالب	حکمت والا	اگر نہ	لکھی ہوئی	سے	اللہ	پہلے	البتہ تمہیں پہنچتا
فِيْمَآ	اَخَذْتُمْ	عَذَابٌ	عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾	فَكُلُوْا	مِمَّا	غَنِمْتُمْ	
اس میں جو	تم نے لیا	عذاب	بہت بڑا	چنانچہ تم کھاؤ	اس سے جو	تم نے غنیمت لی	
حَلٰلًا	طَيِّبًا ۖ	وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾		
حلال	پاکیزہ	اور اللہ سے ڈرو	بیشک اللہ	بخشنے والا	رحم کرنیوالا		

٩ ع ٥

”کسی نبی کے لائق نہیں کہ اس کے ہاں قیدی ہوں، یہاں تک کہ وہ زمین میں خون نہ بہا لے تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت کو چاہتا ہے اور اللہ سب پر غالب حکمت والا ہے۔(٦٧) اور اگر اللہ کی طرف سے لکھی ہوئی بات نہ ہوتی جو پہلے طے ہو چکی تھی تو تم نے جو کچھ لیا اس کی وجہ سے تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا۔(٦٨) سو تم نے جو غنیمت حاصل کی ہے اس میں سے کھاؤ کہ حلال طیب ہے اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔“(٦٩)

فہم القرآن

ربط کلام: جنگ کے مسائل کا بیان جاری ہے اب قیدیوں اور مال غنیمت کے بارے میں وضاحت کی جاتی ہے۔

اس آیت مبارکہ میں تین الفاظ ایسے ہیں جن کا معنی جاننے سے آیت کا مفہوم بہتر طور پر ذہن نشین ہو جائے گا اسریٰ اس تسمے کو کہا جاتا ہے جس سے پرانے زمانے میں لوگ قیدیوں کو باندھا کرتے تھے اثخان کا معنی ہے خون کا گاڑھا ہونا مراد گھمسان کا رن پڑنا یعنی ایسی لڑائی کہ جس میں ایک فریق کی کمر ٹوٹ جائے عَرَضُ دنیا کے ساز و سامان کو کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ اے نبی! آپ کے لیے یہ مناسب نہیں تھا کہ آپ کفار کی کمر توڑے بغیر قیدیوں کو دنیا کے مال کے بدلے رہا کر دیتے۔ یہاں قیدیوں کے بارے میں مخاطب نبی اکرم ﷺ کو کیا گیا ہے لیکن فدیہ لینے کے بارے میں صحابہ کو مخاطب کیا ہے کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ اور ان کے فائدے کے لیے ہی نبی ﷺ نے قیدیوں سے فدیہ لینا قبول فرمایا تھا اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ تم دنیا کا تھوڑا اور عارضی مال چاہتے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آخرت کی بیش بہا اور دائمی

نعمتوں کا ارادہ رکھتا ہے اگر تم قیدیوں کا فدیہ لینے کی بجائے ان کو قتل کر دیتے تو یہ تمھارے مستقبل کے لیے نہایت ہی بہتر ہوتا۔ جہاں تک غنیمت کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ تمھیں آئندہ غزوات میں عطا فرماتا جیسا کہ مسلمانوں کو بے انتہا غنائم سے نوازا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر غالب ہے۔ اس کے ہر حکم اور کام میں حکمت ہوتی ہے اگر اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ پہلے سے نہ کر رکھا ہوتا کہ وہ تمھیں بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر عذاب نہیں کرے گا تو وہ تمہاری ضرور گرفت کرتا اب تم اس غنیمت سے کھاؤ اور اُسے استعمال کرو یہ تمھارے لیے حلال اور طیب ہے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا انتہائی مہربان ہے۔ بدر کے قیدیوں کا فدیہ لینے کے بارے میں مفسرین کی دو آراہیں ایک فریق کا خیال ہے کہ اس وقت تک قیدیوں کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا جس وجہ سے آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کر کے فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیا لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ فدیہ لینے کے متعلق حکم ہی نازل نہیں ہوا تھا تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب نازل کرنے کا کیا معنی؟ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنے ہاں لوح محفوظ پر لکھ رکھی ہے کہ بدر میں آپ ﷺ قیدیوں سے فدیہ لیں گے لیکن اس پر آپ ﷺ کا کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ لیکن میرے خیال میں ان مفسرین کا نقطۂ نگاہ زیادہ مضبوط ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ سورۃ محمد آیت ۴ میں یہ حکم پہلے نازل ہو چکا تھا کہ جب تم کفار کے ساتھ جنگ کرو تو ان کی اچھی طرح گردنیں مارو یہاں تک کہ ان کی کمر ٹوٹ جائے اور قیدیوں کو مضبوطی سے باندھ لو پھر چاہو تو انھیں یوں ہی رہا کر دو اور اگر چاہو تو ان سے فدیہ قبول کرو۔ لیکن شرط یہ ہے پہلے کفار کی کمر توڑ دی جائے بدر میں ایسا نہیں ہو سکا تھا۔ جب کفار بدر کا میدان چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر جو رسول معظم کی حفاظت کرتے رہے باقی مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے۔ بعد ازاں ان میں غالب اکثریت کی رائے یہ تھی کہ قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے جس سے ہماری اعانت ہو جائے گی اور شاید کفار بھی احسان شناسی کا مظاہرہ کریں اس رائے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی نرم طبع کی وجہ سے پیش پیش تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور کچھ صحابہ کا خیال تھا کہ ان کی گردنیں اڑا دینی چاہییں تاکہ کفار کی کمر ٹوٹ جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں تک عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہر شخص اپنے قریبی رشتہ دار قیدی کو قتل کرے سب سے پہلے میں اپنے عزیزوں کو قتل کروں گا لیکن رسول محترم ﷺ نے اکثریت کی رائے کا احترام کرتے ہوئے فدیہ لینا قبول کیا جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ انتباہ نازل ہوا۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا وَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَا اَمَرَبِهِ الْمُرْسَلِیْنَ فَقَالَ "یَا اَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا" (پ۱۸۔رکوع۳) وَقَالَ یَا اَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ ثُمَّ ذَکَرَ الرَّجُلَ یُطِیْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّیَدَیْهِ اِلَی السَّمَائِیَارَبِّ وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَغُذِیَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ))

[رواہ مسلم: باب قَبُوْلِ الصَّدَقَةِ مِنَ الْکَسْبِ الطَّیِّبِ وَتَرْبِیَتِهَا]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ معظم نے فرمایا' بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک صاف کے علاوہ کسی چیز کو قبول نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ان باتوں کا حکم دیا ہے جن باتوں کا اس نے اپنے رسولوں کو حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ''میرے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور عمل صالح کرو'' اے ایمان والو! جو رزق ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ'' پھر آپ نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو لمبا سفر طے کرتا ہے۔ پراگندہ بال' اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھائے دعا کرتا ہے۔ یارب! یارب! جب کہ اس کا کھانا حرام' اس کا پینا حرام' اس کا لباس حرام اور حرام غذا سے اس کی نشو ونما ہوئی اس حالت میں اس کی دعا کیسے قبول ہوسکتی ہے؟۔

مسائل

۱۔ دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دینی چاہیے۔
۲۔ تمام انسانوں کی تقدیر پہلے لکھی جا چکی ہے۔
۳۔ مال غنیمت امت محمدیہ کے لیے حلال ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ سے ڈرنے کا حکم:

۱۔ اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو بے شک اللہ متقین کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ:۱۹۴)
۲۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ اور سچی بات کرو۔ (الاحزاب:۷۰)
۳۔ اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (البقرۃ:۱۹۶)
۴۔ اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو تم اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔ (البقرۃ:۲۰۳)
۵۔ اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو کہ تم اس سے ملنے والے ہو۔ (البقرۃ:۲۲۳)
۶۔ اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو کہ اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔ (البقرۃ:۲۳۱)
۷۔ اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو اللہ تمھارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ (البقرۃ:۲۳۳)
۸۔ اللہ سے ڈر جاؤ اے عقلمندو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (المائدۃ:۱۰۰)
۹۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ (آل عمران:۱۰۲)
۱۰۔ اللہ سے ڈر جاؤ کیونکہ وہ دلوں کے بھید جانتا ہے۔ (المائدۃ:۷)

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ	قُلْ	لِّمَنْ	فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ	مِّنَ	الْاَسْرٰۤى	اِنْ
اے نبی	فرما دیجئے	ان سے جو	میں تمہارے ہاتھوں	سے	قیدی	اگر
يَّعْلَمِ	اللّٰهُ	فِيْ قُلُوْبِكُمْ	خَيْرًا	يُّؤْتِكُمْ	خَيْرًا	مِّمَّاۤ
معلوم کریگا	اللہ	میں تمہارے دلوں	بھلائی	وہ دے گا تمہیں	بہتر	اس سے جو
اُخِذَ	مِنْكُمْ	وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ	وَ	اللّٰهُ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ۝
لیا گیا	تم سے	اور وہ بخش دے گا تمہیں	اور	اللہ	بخشنے والا	رحم والا ہے
وَاِنْ	يُّرِيْدُوْا	خِيَانَتَكَ	فَقَدْ	خَانُوا اللّٰهَ	مِنْ قَبْلُ	
اور اگر	وہ ارادہ کریں	آپ سے خیانت کا	تو تحقیق	انہوں نے خیانت کی اللہ	سے پہلے	
فَاَمْكَنَ	مِنْهُمْ ؕ	وَاللّٰهُ	عَلِيْمٌ	حَكِيْمٌ ۝		
اس نے انہیں گرفتار کروا دیا	ان سے	اور اللہ	جاننے والا	حکمت والا ہے		

”اے نبی! آپ کے ہاتھ میں جو قیدی ہیں ان سے فرما دے اگر اللہ تمہارے دلوں میں کوئی بھلائی معلوم کرے گا تو تمہیں اس سے بہتر دے دے گا جو تم سے لیا گیا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔(۷۰) اور اگر وہ آپ سے خیانت کا ارادہ کریں تو بے شک وہ اس سے پہلے اللہ سے خیانت کر چکے ہیں اللہ نے انہیں گرفتار کروایا اللہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔“(۷۱)

فہم القرآن

ربط کلام: فیصلہ کن جنگ کرنے کا حکم دینے کے بعد قیدیوں کے بارے میں اصول بیان کیا اور بدر کے مال غنیمت کی اجازت دیتے ہوئے تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری کوتاہی کو معاف کر دیا ہے۔ اب ان قیدیوں کو نبی اکرم ﷺ کی زبان اطہر سے نصیحت کی جا رہی ہے جن کے متعلق آپ نے بہترین سلوک کرنے کا حکم دیا تھا۔

اے نبی! جو لوگ تمھارے ہاتھ آئے ہیں انھیں سمجھاؤ اور تسلی دو اگر اللہ تعالیٰ نے تمھارے دلوں میں خیر دیکھی۔ خیر سے مراد ایمان ہے تو اللہ تعالیٰ تمھیں اس فدیہ کے بدلے بہتر مال عنایت فرمائے گا۔ اگر تم ایمان لے آؤ تو تمھارے سابقہ جرائم اور گناہ معاف کر دیے جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔ اس کے بعد نبی محترم ﷺ کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ اگر یہ لوگ آپ سے خیانت کریں تو ان میں سے پہلے بھی کچھ لوگ اللہ تعالیٰ سے خیانت کر چکے ہیں اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے انھیں پہلے آپ کا قیدی بنایا ہے اگر انھوں نے آئندہ خیانت کی تو اللہ تعالیٰ پھر انھیں تمھاری ملک میں دے گا اللہ تعالیٰ ہر بات کو جاننے والا اور اس کے ہر حکم میں حکمت مضمر ہوتی ہے۔ خیانت سے

مراد عہد شکنی اور ہر قسم کی خیانت ہے یہ آیت بھی ایک وقفہ کے بعد نازل ہوئی لیکن مضمون کی مناسبت سے اسے یہاں رکھا گیا ہے۔ ہوا یہ کہ بدر کے قیدیوں میں کچھ لوگوں نے آپ ﷺ سے اللہ کا واسطہ دے کر وعدہ کیا تھا کہ ہمارے ساتھ کچھ رعایت کی جائے ہم واپس جا کر اپنی قوم کو اسلام لانے پر آمادہ کریں گے لیکن واپس جا کر انھوں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا گویا کہ یہ عہد شکنی انھوں نے بالواسطہ اللہ تعالیٰ سے کی ہے اس میں بھی آپ کے لیے تسلی کا پہلو ہے۔ کہ آپ سے خیانت نہیں کی گئی بلکہ اللہ تعالیٰ سے انھوں نے خیانت کی ہے لہٰذا آپ کو افسردہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہاں قیدیوں کے ساتھ مشروط وعدہ کیا گیا ہے کہ اگر ایمان لے آؤ تو تمھارے، گناہ بخشنے کے ساتھ دنیا میں بھی بہتر بدلہ دیا جائے گا۔ اس سلسلے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کرنا کافی ہے بدر میں نبی اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس آپ کے چچا زاد عقیل اور آپ ﷺ کے داماد ابوالعاص بھی قیدیوں میں شامل تھے جن سے فدیہ لیا گیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو ہدایت فرمائی کہ میرے چچا کے ساتھ ایک اوقیہ وزن کے برابر بھی رعایت نہ کی جائے کیونکہ آپ جانتے تھے کہ یہ مال دار ہونے کے باوجود بخل کی طرف مائل ہیں۔ جب صحابہ نے ان سے چار ہزار درہم کا مطالبہ کیا تو جناب عباس نے کہا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ جس پر نبی اکرم ﷺ نے انھیں مخاطب فرمایا کہ چچا وہ بات کس طرح ہے کہ جب آپ بدر کی طرف آنے لگے تھے تو میری چچی ام الفضل سے آپ نے کہا تھا کہ یہ درہم و دینار حفاظت سے رکھنا اگر بدر میں مجھے کچھ ہو گیا تو تیری گزران کے لیے کافی ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا اور کہا کہ میرا دل مان گیا ہے کہ آپ ﷺ واقعی ہی اللہ کے رسول ہیں کیونکہ جب میں نے آپ کی چچی سے یہ بات کی تھی تو اس وقت کوئی تیسرا شخص موجود نہیں تھا اس کے بعد حضرت عباس نے اپنے دو بھتیجوں اور ایک حلیف عتبہ بن عمرو کا فدیہ بھی ادا کیا حضرت عباس فرمایا کرتے تھے میں نے بیس اوقیہ فدیہ ادا کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے مجھے بہت ہی زیادہ مال عطا فرمایا اور نبی اکرم ﷺ نے مجھے زمزم کی تولیت دی اور میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری بخشش بھی فرمائے گا۔ (تفسیر ماجدی)

مسائل

١۔ مومن کے لیے ایمان سب سے بڑی دولت ہے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ گناہ معاف کرنے والا ہے کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

٣۔ خائن بالآخر ذلیل ہوتا ہے۔

٤۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے اور اس کے حکم میں ہمیشہ حکمت پائی جاتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں کے ساتھ

وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا

اور اپنی جانوں کے ساتھ میں اللہ کا راستہ اور وہ لوگ جگہ دی اور انہوں نے مدد کی

اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ

یہی لوگ ہیں ان کے بعض ولی ہیں بعض کے اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نہیں

يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى

ہجرت کی انہوں نے نہیں تمہارے لیے سے ان کی دوستی کچھ بھی یہاں تک کہ

يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى

وہ ہجرت کریں اور اگر وہ تم سے مدد طلب کریں میں دین تم پر واجب ہے مدد کرنا مگر پر

قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٧٢﴾

قوم تمہارے درمیان اور انکے درمیان کوئی عہد ہو اور اللہ اس کو جو تم عمل کرتے ہو دیکھنے والا ہے

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی یہ لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت نہ کی تمہارا ان سے کوئی تعلق نہیں یہاں تک کہ ہجرت کریں اور اگر وہ دین کے بارے میں تم سے مدد مانگیں تم پر مدد کرنا لازم ہے مگر اس قوم کے خلاف کہ تمہارے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ ہو جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔“(۷۲)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کرنا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ یہ ایسی پل صراط ہے جس کی دھار تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے۔ ہجرت کی تکالیف و مشکلات ایمان سے خالی دل کو ننگا کر دیتی ہیں یہ ایسا ترازو ہے جس میں ہر آدمی نہیں بیٹھ سکتا۔ اس پیمانے سے کھرے کھوٹے کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ قرآنِ مجید نے اسے ایمان کا معیار قرار دیا ہے۔ مہاجر اپنا وطن اور عزیز و اقربا کو چھوڑ کر تنہائی محسوس کرتا اس لیے آپ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کروائی تاکہ باہمی محبت پیدا ہونے سے مہاجرین کے معاشی، معاشرتی، اور خاندانی مسائل حل ہو سکیں۔ اس سے ثابت ہوتا

ہے کہ مہاجرین کے مسائل حل کرنا حکومت اور عام مسلمانوں کا فرض ہے۔

سورۃ النساء آیت نمبر ۸۹ میں صاف طور پر فرمادیا گیا ہے کہ جولوگ اللہ کی راہ میں ہجرت نہیں کرتے ان سے تمھیں رشتے ناطے اور دوستی رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہاں ان لوگوں کو ایک دوسرے کا دوست اور وارث قرار دیا گیا ہے۔ جنھوں نے ایمان لانے کی پاداش میں ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں اپنے مال و جان کے ساتھ جہاد کیا اور جن لوگوں نے مہاجروں کو جگہ دی اور ان کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کیا یہ لوگ ایک دوسرے کے دوست اور وارث قرار پائے۔ جولوگ ایمان لائے مگر مجبوری نہ ہونے کے باوجود ہجرت کے لیے آمادہ نہ ہوئے ان کے ساتھ مہاجرین اور انصار کی نہ دوستی ہونی چاہیے اور نہ وہ ایک دوسرے کے وارث ہوسکتے ہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ جائیں۔ ہجرت کرنے کا ارادہ رکھنے والے لوگ دوسرے مسلمانوں سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں۔ تو ان کی مدد کرنا مسلمانوں پر لازم ہے ہاں ان لوگوں کی مسلمان مدد نہیں کرسکتے کہ جس قوم میں وہ رہ رہے ہیں اس کے ساتھ تمھارا صلح اور آشتی کا معاہدہ قرار پاچکا ہو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے اچھی طرح دیکھ رہا ہے یعنی تمھیں اللہ تعالیٰ کے فرمان کی عہد شکنی نہیں کرنی چاہیے۔

سورۃ النساء میں ہجرت کو ایمان اور دوستی کا معیار قرار دیا ہے اور یہاں ہجرت کو دوستی اور وراثت کے لیے بنیاد متعین فرمایا ہے کہ ہجرت نہ کرنے والوں کے ساتھ نہ تم دلی دوستی رکھ سکتے ہو اور نہ ہی تم کسی کے مرنے کے بعد اس کی وراثت کے وارث ہوسکتے ہو۔ یہاں وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو دارالکفر میں ہیں مگر اس قوم کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے کا معاہدہ ہوچکا ہے ایسی صورت میں ہجرت نہ کرنے والوں کے ساتھ تعاون نہیں کرنا چاہیے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ تعاون کیوں نہیں کرنا چاہیے حالانکہ وہ مسلمان ہوچکے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت مدینہ کی طرف ہجرت کرنا فرض ہونے کے ساتھ اسے ایمان کی کسوٹی قرار دیا گیا تھا۔ ایک شخص کلمہ پڑھ کر اللہ اور اس کے رسول کی مقرر کردہ کسوٹی پر پورا نہیں اترتا اور وہ دارِ کفر کو چھوڑ کر دارالسلام جانے کی بجائے اپنا مفاد، رشتہ داری اور دارالکفر کو مقدم سمجھتا ہے تو اس کی مدد کرنے کا اخلاقی، قانونی اور ایمان کے حوالے سے کیا جواز باقی رہتا ہے؟ سوائے اس کے کہ جولوگ کسی مجبوری کی وجہ سے دارالکفر میں رہنے پر مجبور ہوں ان کے بارے میں اسلامی حکومت پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ دارالکفر کی حکومت کو ان پر ظلم کرنے سے باز رکھے بصورت دیگر ان کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے پر نظر ثانی کرنا ہوگی کیونکہ سورۃ النساء آیت نمبر ۷۵ میں قتال فی سبیل اللہ کا ایک جواز یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تمھیں ایسے لوگوں کی خاطر بھی جہاد کرنا چاہیے کہ جو کمزور ہیں اور ان کے لیے دارالکفر سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا﴾

[النساء: ۷۵]

’’مسلمانو! تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کرتے جبکہ کئی کمزور مرد عورتیں اور بچے ایسے ہیں جو یہ فریاد کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی جناب سے ہمارے لیے کوئی حامی مقرر کر دے اور اپنی جناب سے کوئی مددگار بھی پیدا فرما دے۔‘‘

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ عَنِ الْھِجْرَۃِ فَقَالَ لَا ھِجْرَۃَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰکِنْ جِھَادٌ وَنِیَّۃٌ وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا))[رواہ مسلم ، کتاب الامارۃ ، باب المبایعۃ بعد فتح مکہ]

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسول معظم ﷺ سے ہجرت کے بارے میں سوال کیا گیا آپ ﷺ نے فرمایا فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد کی نیت رکھنی چاہیے اور جب تم کو نکلنے کا کہا جائے تو تم نکل پڑو۔‘‘(یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے فرمان تھا ورنہ کسی ملک میں مسلمانوں کا رہنا اور ان کا ایمان بچانا مشکل ہو جائے تو ان کے لیے وہاں سے ہجرت کرنے کی اجازت ہے۔ اور ان کا اپنے گھروں سے نکلنا ہجرت میں کہلائے گا۔

مسائل

۱۔ مہاجر اور انصار ایک دوسرے کے دوست اور وارث ہیں۔

۲۔ ولایت کا معنی دوستی، بھائی چارہ اور ایک دوسرے کا وارث بننا ہے۔

۳۔ معاہد قوم کے ساتھ کیے ہوئے وعدے کو دیانت داری کے ساتھ نبھانا چاہیے۔

۴۔ دار الکفر میں رہنے والے لوگوں کی مشروط مدد کرنا فرض ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ سب کے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ سب کچھ جانتا اور دیکھتا ہے:

۱۔ کیا آپ نہیں جانتے اللہ آسمان و زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے۔(الحج:۷۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔(النحل:۷۴)

۳۔ اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ اللہ تمہارے دلوں میں پرورش پانے والے خیالوں سے بھی واقف ہے۔(البقرۃ:۲۳۵)

۴۔ اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔(البقرۃ:۲۳۳)

وَالَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	بَعْضُهُمْ	اَوْلِيَآءُ	بَعْضٍ ؕ	اِلَّا	تَفْعَلُوْهُ
اور وہ لوگ	جنہوں نے کفر کیا	انکے بعض	دوست ہیں	بعض کے	اگر نہ	تم کروگے ایسا

تَكُنْ	فِتْنَةٌ	فِي الْاَرْضِ	وَفَسَادٌ	كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾
ہوگا	فتنہ	میں زمین	اور فساد	بہت بڑا

''اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اگر تم یہ نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بہت بڑا فساد ہوگا۔'' (۷۳)

فہم القرآن

ربط کلام: مسلمانوں کو ایک دوسرے کا دوست اور وارث قرار دینے کے بعد کفار کے بارے میں فیصلے کا اعلان۔

اس سے پہلے مسلمانوں کی آپس میں اخوت اور باہمی وارث ہونے کے بارے میں ارشاد تھا۔ اب کفار کے بارے میں فیصلہ سنایا جاتا ہے کہ کافر ایک دوسرے کے خیر خواہ، دوست اور وارث ہیں۔ اسی بنیاد پر پوری دنیا کے کفار کو ایک ملت قرار دیا گیا ہے۔ یہی وہ بنیاد ہے جس کی بنا پر دوقومی نظریہ کی اصطلاح معرض وجود میں آئی اور اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر کسی قوم کا تشخص علاقائی' لسانی اور جغرافیائی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ حقیقی تشخص نظریہ کی بنیاد پر ہوتا ہے اور ہونا چاہیے۔ اس لیے اسلام نے کفار اور مشرکین سے قلبی دوستی، رشتہ داری اور ایک دوسرے کی موروثیت کو حرام قرار دیا ہے۔ اگر مسلمان معاہد قوم کے ساتھ عہد شکنی اور کفار کے ساتھ قلبی دوستی اور رشتہ داری قائم کریں گے تو دنیا میں دنگا فساد پیدا ہوگا۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، دین میں بگاڑ، مسلمانوں کے وقار میں کمی اور ایک دوسرے کے معاملات میں بلا سبب مداخلت کرنے سے دنیا میں مسلسل جنگ وجدال جاری رہے گا۔ جو کسی کے لیے بھی بہتر نہیں ہے۔

یہاں تک کہ دارالکفر میں مسلمانوں کی مدد کا معاملہ ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں اگر وہ منظّم ہو کر اپنے حقوق منوائیں گے تو جلد انھیں تحفظ مل جائے گا کیونکہ ہر ملک کے دستور میں اقلیتوں کے حقوق تحفظ کی ضمانت دی جاتی ہے بالخصوص جس کافر ملک کے ساتھ مسلمان حکومت کا معاہدہ ہو پہلے زمانے میں ایسی گارنٹی نہیں ہوتی تھی۔

تفسیر بالقرآن

کافر ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں:

۱۔ کافر ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔ (المائدۃ:۵۱) ۲۔ اے ایمان والو کفار کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ (التوبۃ:۲۳)
۳۔ جو بھی کفار کو اپنا دوست بنائے گا وہ ظالم ہوگا۔ (الممتحنۃ:۹) ۴۔ کفار کے شیطان دوست ہیں۔ (البقرۃ:۲۵۷)
۵۔ ظالم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (الجاثیۃ:۱۹)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور انہوں نے جہاد کیا میں اللہ کے راستہ

وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ

اور وہ لوگ جنہوں نے جگہ دی اور انکی مدد کی یہی لوگ وہ مومن سچے

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۷۴

انہی کیلئے مغفرت اور رزق باعزت

''اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں ان کے لیے بڑی بخشش اور باعزت رزق ہے۔'' (۷۴)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار کے مقابلہ میں مومنوں کا کردار اور ان کی آپس میں محبت۔

اوپر کی آیات میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کا وارث اور دوست قرار دیا گیا ہے۔ کفار اور جان بوجھ کر ہجرت نہ کرنے والے مسلمانوں سے لاتعلقی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر ان مسلمانوں کے ایمان کی تصدیق فرمائی جو اللہ تعالیٰ کی خاطر ہجرت کرنے والے اور اس کفار سے تعلقات توڑتے ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف رہتے ہوئے مہاجروں کی ہر قسم کی امداد کرتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے ہاں پکے اور سچے مومن ہیں۔ ان کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور انھیں بہترین رزق سے نوازا جائے گا۔ تاریخ گواہ ہے کہ جن لوگوں نے بھی اللہ کی رضا کی خاطر ہجرت اور یہ کام کیے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا میں بھی مال واسباب سے مالا مال فرمایا۔

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَدِمَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ الْمَدِيْنَةَ فَآخَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ وَكَانَ سَعْدٌ ذَا غِنًى فَقَالَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ أُقَاسِمُكَ مَالِيْ نِصْفَيْنِ وَأُزَوِّجُكَ قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ دُلُّوْنِيْ عَلَى السُّوْقِ فَمَا رَجَعَ حَتّٰى اسْتَفْضَلَ أَقِطًا وَسَمْنًا فَأَتٰى بِهٖ أَهْلَ مَنْزِلِهٖ فَمَكَثْنَا يَسِيْرًا أَوْ مَا شَاءَ اللّٰهُ فَجَاءَ وَعَلَيْهِ وَضَرٌ مِنْ صُفْرَةٍ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ مَهْيَمْ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ مَا سُقْتَ إِلَيْهَا قَالَ نَوَاةً مِّنْ ذَهَبٍ أَوْ وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ))

[رواہ البخاری، کتاب البیوع، باب قول اللہ تعالی فإذا قضیت الصلاۃ]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ اور ابن عوف رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات قائم کی۔ سعد مال دار آدمی تھے۔ انھوں نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا میں اپنے مال کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں اور آپ کے نکاح کا اہتمام کرتا ہوں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اللہ تعالیٰ تمھارے مال اور اہل میں برکت کرے۔ مجھے بازار کے بارے میں معلومات دیجیے وہ بازار گئے اور وہاں سے گھی اور پنیر لے کر واپس آئے۔ ہمیں مدینہ میں ٹھہرے کچھ دیر گزری تھی تو وہ آئے اور ان پر زرد رنگ کے نشانات تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے انصاری عورت سے شادی کی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کتنا مہر ادا کیا ہے؟ عبدالرحمٰن نے کہا گٹھلی کے برابر سونا یا اس کے کم و بیش سونا ادا کیا ہے۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولیمہ کیجیے خواہ ایک بکری ہی ذبح کرو۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت اور جہاد کرنا باعثِ مغفرت ہے۔

۲۔ مسلمانوں کی مدد کرنے والوں کے لیے باعزت رزق ہے۔

تفسیر بالقرآن

کن لوگوں کے لیے مغفرت ہے:

۱۔ اللہ سے بخشش طلب کرنے والوں کے لیے مغفرت ہے۔ (آل عمران:۱۳۶)

۲۔ اللہ کے راستے میں جان دینے والوں کے لیے مغفرت ہے۔ (آل عمران:۱۵۷)

۳۔ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والوں کے لیے مغفرت ہے۔ (النساء:۹۶)

۴۔ صبر کرنے والوں کے لیے مغفرت ہے۔ (ہود:۱۱)

۵۔ ایمان کے ساتھ صالح اعمال کرنے والوں کے لیے مغفرت ہے۔ (الحج:۵۰)

۶۔ پاکباز لوگوں کے لیے مغفرت ہے۔ (النور:۲۶)

۷۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے مغفرت ہے۔ (یٰسٓ:۱۱)

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ

اور وہ لوگ جو | ایمان لائے | سے | بعد | اور انہوں نے ہجرت کی | انہوں نے جہاد کیا | تمہارے ساتھ | تو یہ لوگ

مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ

تمہیں سے ہیں | اور رشتے دار | بعض ان کے | زیادہ حقدار ہیں | بعض کے | اللہ کی کتاب میں

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۷۵

بیشک | اللہ | ہر چیز | جاننے والا ہے

''اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا وہ تم ہی سے ہیں اور رشتے دار اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔'' (۷۵)

فہم القرآن

ربط کلام: پہلی آیات میں مہاجرین اور انصار کو ایک دوسرے کا وارث قرار دیا گیا تھا اب اس حکم کو منسوخ کر کے صرف رشتہ دار ایمانداروں کو ایک دوسرے کا وارث قرار دیا گیا ہے۔ اس فرمان میں دو حکم دیئے گئے ہیں۔

یہاں ان مسلمانوں کو بھی ملت اسلامیہ کا حصہ قرار دیا گیا ہے جو پہلی مرتبہ مدینہ کی طرف ہجرت نہ کر سکے لیکن بعد ازاں وہ ہجرت کر کے مدینہ آگئے۔ ان کے بارے میں حکم دیا ہے کہ وہ جہاد اور ہجرت کرنے کی بناء پر تمہارے ساتھی اور ملت اسلامیہ کے رکن ہیں۔ تم ان کے ساتھ قلبی دوستی، اور مواخات قائم رکھو مگر تم ہجرت اور مواخات کی بنیاد پر ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔ اب وہی مسلمان وراثت میں حق دار ہوں گے جو آپس میں قریبی رشتہ دار ہیں۔ جن کی تفصیل اللہ کی کتاب یعنی سورۂ نساء کی آیات ۱۱، ۱۲، ۱۷۴ میں بیان ہو چکی ہے۔

مسائل

۱۔ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہر معاملے کو خوب جانتا ہے۔

تعارف سورۃ التوبۃ

یہ مدنی سورۃ ١٦ رکوع ١٢٩ آیات اور ٤٠٧٨ کلمات پر محیط ہے۔اس مبارک سورۃ کے دو نام ہیں التوبہ اور برأت۔التوبۃ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس سورۃ کی آیت ١١٨ میں غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے مخلص صحابہ کی توبہ کی قبولیت کا ذکر ہے۔اس سورت کو سورۃ البراۃ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا آغاز ہی اس لفظ سے ہوا ہے کہ جس میں مشرکین مکہ اوران کے گردوپیش لوگوں سے کیے گئے معاہدات سے برأت کا اعلان کیا گیا ہے۔اس سورۃ کا نزول ٩ ہجری کے قریب ہوا ہے جب نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر صدیق کو حجاج کا امیر بنا کر روانہ کر چکے تھے ان کے رخصت کرنے کے فوراً بعد اس سورۃ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں تب اللہ کے پیغمبر نے اپنے چچازاد بھائی حضرت علی کو مکہ روانہ فرمایا کہ وہ آپ کی طرف سے حج کے موقع پر مشرکین کے ساتھ معاہدہ سے برأت کا اعلان کریں چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حجاج میں سرعام یہ اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ میں داخل نہیں ہوسکتا گویا کہ اس اعلان کا مدعا یہ تھا کہ اب وہ دور گزر چکا ہے جب مشرکین بیت اللہ کی تولیت کا دعوٰی کرتے تھے اور مسلمانوں کو اس کے داخلہ سے روکتے تھے۔دوسرے الفاظ میں مسلمانوں کی طرف سے بیت اللہ کی تولیت اور اسلام کے مکمل غلبہ کا اعلان تھا۔

چنانچہ اعلان ہوتا ہے کہ آج کے بعد اللہ اور اس کے رسول ﷺ اعلان کرتے ہیں کہ ان کا مشرکین کے ساتھ کیے گئے عہد سے کوئی واسطہ نہیں تاہم اس اعلان میں یہ گنجائش رکھی گئی کہ جن مشرکین کے ساتھ کیے گئے عہد کی مدت باقی ہے اس کی پاسداری کی جائے گی جس کا مفہوم یہ ہے کہ آئندہ سرزمین حجاز میں مشرکوں کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ ہوگا جس کے بنیادی طور پر دو اسباب تھے۔ایک مشرکین کا بار بار مسلمانوں سے عہد شکنی کرنا اور دوسرا مرکز اسلام کو ہمیشہ کے لیے اغیار سے پاک کرنا تھا جس طرح آج بھی نظریاتی حکومت اپنے دارالحکومت میں اغیار کو رہنے کا حق نہیں دیتی البتہ ایسے لوگ سچی توبہ کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو کر نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ اپنی مسلمانی ثابت کریں تو وہ مسلمانوں کے بھائی تصور ہوں گے اور اسلامی مملکت میں جہاں چاہیں رہ سکتے ہیں۔اس کے ساتھ ہی آیت ١٦ سے لے کر آیت ٢٤ میں واضح فرمایا مساجد کی تولیت اور نگرانی کا صرف ان لوگوں کو حق پہنچتا ہے جو عقیدہ توحید رکھنے کے ساتھ ارکان اسلام کی پابندی کرنے والے ہوں اگر وہ عقیدہ توحید اور ارکان اسلام سے لاپرواہی کرتے ہیں تو بیت اللہ اور حجاج کرام کی خدمت کرنا اللہ تعالٰی کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور نہ ہی ایسے لوگوں کے ساتھ دلی محبت اور رشتہ ناطہ قائم کرنے کی اجازت ہے، پھر مسلمانوں کو تسلی دیتے ہوئے انھیں غزوۂ بدر اور حنین کا واقعہ یاد کروایا کہ جب اللہ تعالٰی نے خصوصی مدد کے ساتھ مسلمانوں کی تائید فرمائی تھی، پھر یہود و نصارٰی کے علماء اور عوام کے دینی اور اخلاقی کردار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی غالب اکثریت حرام خور اور دین اسلام

کے راستے میں رکاوٹ بن چکی ہے۔

اس کے بعد غزوۂ تبوک کا پس منظر اور اس کے حالات کا ذکر کیا جس کا منظر یہ تھا ایک طرف مسلمانوں کی فصلیں تیار تھیں اور دوسری طرف موسم کی شدت اور تبوک کا دور دراز کا سفر سامنے تھا۔ ان حالات میں منافقوں نے ایک ایک کر کے اس غزوہ سے فرار کا راستہ اختیار کیا جن میں ایسے لوگ بھی تھے جنھوں نے مختلف بہانے بنا کر رسول اکرم ﷺ سے جنگ سے پیچھے رہ جانے کی اجازت طلب کی آپ منافقین کی بد نیتی اور لشکر اسلام کو ان کی شرارتوں سے محفوظ رکھنے کے لیے اجازت دیتے رہے۔ منافقین کے سوا مدینہ میں مسلم خواتین اور معذور صحابہ باقی تھے جو چند صحابہ کسی عذر کے بغیر محض سستی کی بنا پر پیچھے رہ گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے تبوک سے واپسی پر ان لوگوں کے ساتھ سوشل بائیکاٹ کا اعلان کیا جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتنی سختی کے ساتھ عمل کیا جس کی مثال دنیا کی کسی منظم جماعت میں بھی نہیں پائی جاتی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جنگ سے پیچھے رہ جانے والے صحابہ کے لیے مدینہ کی سرزمین اس طرح تنگ ہوگئی کہ ان کے لیے ان کے وجود بھی بوجھ بن گئے۔ بالآخر ان کی توبہ قبول ہوئی التوبہ کی آخری آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے اس لیے مومن اللہ کے راستے میں لڑنے مرنے سے جی نہیں چراتے ان کے ساتھ جنت کا وعدہ سچا اور پکا ہے۔ جس کا ذکر تورات اور انجیل میں بھی پایا جاتا ہے ان لوگوں کی صفات یہ ہیں یہ سچی توبہ کرنے والے عبادت گزار، ذکر و فکر میں مشغول، روزے کے اہتمام کرنے والے اپنے رب کی بارگاہ میں رکوع، سجود کرنے کے ساتھ امر بالمعروف نہی عن المنکر کے ساتھ اپنی حیا اور حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے ہیں اس سورۃ کی ابتدا میں مشرکین سے براءت کا اعلان ہوا ہے لہٰذا اس کے آخر میں دو ٹوک انداز میں حکم دیا ہے اے پیغمبر ﷺ! آپ اور آپ پر ایمان لانے والوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ کسی مشرک کی بخشش کے لیے دعا کریں۔ جہاں تک ابراہیم علیہ السلام کا معاملہ ہے انھوں نے اپنے باپ کے ساتھ ان کی بخشش کے لیے دعا کا وعدہ کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کی توبہ قبول کرنے کا اعلان فرماتے ہوئے مسلمانوں کو تلقین فرمائی کہ ذاتی تعلقات اور دنیاوی مفاد کی خاطر کسی کا ساتھ دینے کی بجائے ہمیشہ سچائی کی بنیاد پر لوگوں کا ساتھ دیا کرو۔ سورۃ کا اختتام سرور دو عالم ﷺ کے اوصاف حمیدہ پر کیا گیا کہ آپ اپنے ساتھیوں کے لیے نہایت مشفق و مہربان ان کی غلطیوں سے درگزر فرمانے والے اور ساتھیوں کی تکلیف کو ان سے بڑھ کر اپنی تکلیف محسوس کرنے والے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی عظیم جدوجہد، بے مثال کاوش اور شفقت و مہربانی کے باوجود اگر لوگ آپ سے اعراض کرتے ہیں تو آپ کو ان کی مخالفت اور بے اعتنائی کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے بلکہ ایسی صورتحال پر آپ کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے کہ آپ کو رب عرش عظیم پر اعتماد کرنا چاہیے اس کے سوا کوئی معبود حق، حاجت روا اور مشکل کشا نہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے ہر داعی کو یہ فرمان ہے کہ وہ توحید اور دین کی دعوت دیتے ہوئے مشکلات اور پریشانیوں کی پروا کیے بغیر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنا کام جاری رکھے۔

رُكُوعُهَا: ١٦ ‖ سُورَةُ التَّوبَةِ مَدَنِيَّةٌ ‖ اٰيَاتُهَا: ١٢٩

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١

دست برداری ہے سے اللہ اور اسکے رسول ان لوگوں سے تم نے عہد کر رکھا تھا سے مشرکین

فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ

تم چلو پھرو میں زمین چار مہینے اور جان لو بیشک تم نہیں

مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝٢

عاجز کرنیوالے اللہ کو اور بیشک اللہ ذلیل کرنے والا ہے کافروں کو

”اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے مشرکوں سے بری الذمہ ہونے کا اعلان ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا۔(۱) اس سرزمین میں چار ماہ چلو پھرو اور جان لو کہ بے شک تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں یقیناً اللہ کافروں کو ذلیل کرنے والا ہے۔“(۲)

فہم القرآن

ربط کلام: سورہ انفال کے اختتام میں ایمان، ہجرت اور جہاد کو باہم بھائی چارے کی بنیاد قرار دیا گیا۔ جو اس معیار پر پورا نہیں اترتا اس کے ساتھ مسلمانوں کا کوئی رشتہ ناطہ قائم نہیں رہ سکتا۔ اس بنا پر سورۃ التوبۃ کی ابتدا میں ایسے لوگوں سے برأت کا اعلان کیا گیا ہے۔

اس سورۃ کے تعارف میں اس کے نام کی وضاحت کر دی گئی ہے تفصیل جاننے کے لیے اس کا تعارف ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ کے رسول نے صلح حدیبیہ میں مشرکین مکہ سے اور دوسرے موقعوں پر مشرکین کے ساتھ بقائے باہمی کی بنیاد پر معاہدات کیے تھے۔ صلح حدیبیہ میں مشرکین مکہ کے ساتھ یہ شرائط طے پائی تھیں کہ آپس میں دس سال تک جنگ نہیں ہوگی۔ عرب کا جو قبیلہ ہمارا اور تمہارا حلیف بنے گا اس پر بھی اس معاہدہ کا اطلاق ہوگا۔ اس میں یہ شق بھی شامل تھی کہ اگر کوئی مسلمان مکہ والوں کے ساتھ آملے تو وہ اسے واپس نہیں کریں گے لیکن اگر کفار میں سے کوئی شخص مسلمانوں کے ساتھ آملے گا تو مسلمان اسے واپس کرنے کے پابند ہوں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس معاہدہ کی پوری سختی کے ساتھ پابندی فرمائی۔ معاہدہ کی تحریر کے وقت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو واپس کیا اور کچھ عرصہ کے بعد ابو بصیر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر مدینہ آیا تو آپ نے اسے بھی واپس جانے کا حکم دیا لیکن مکہ والوں نے اس معاہدہ کے اس وقت پرخچے اڑا دیے جب ان کے حلیف قبیلہ بنو بکر نے مسلمانوں کے حلیف قبیلے بنو خزاعہ پر رات کے وقت شب خون مارا اور ان کا مالی و جانی نقصان کیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اللہ کے رسول فی الفور معاہدہ ختم

کرنے کا اعلان فرماتے لیکن آپ رحمۃ اللعالمین اور صلح جو شخصیت کے مالک تھے اس لیے آپ نے مکہ والوں کو پیغام بھیجا کہ معاہدہ کی رو سے بنو بکر کو مجبور کریں کہ وہ بنو خزاعہ کا مال واپس کریں اور ان کے مقتولوں کی دیت ادا کریں۔ مکہ والوں نے اس پیغام کا بڑا متکبرانہ جواب دیتے ہوئے اس شق کو ماننے سے انکار کر دیا گویا کہ دوسرے لفظوں میں ان کی طرف سے معاہدہ ختم کرنے کا اعلان تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جہاد کی تیاری کا حکم صادر فرمایا۔ آٹھ ہجری دس رمضان المبارک کو دس ہزار کا لشکر جرار لے کر مکہ کی طرف پیش قدمی فرمائی اور اس طرح منصوبہ بندی کی کہ مکہ میں داخل ہوئے تو ایک معمولی واقعہ کے سوا کسی کو ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ ہو سکی اس موقع پر آپ نے بے پناہ شفقت و مہربانی فرماتے ہوئے چار پانچ قومی مجرموں کے سوا باقی سب کو معاف فرما دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مکہ اور حجاز کے لوگ جوق در جوق اور فوج در فوج حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اس کے باوجود کچھ مشرکین ایسے تھے کہ جو اس امید پر رومیوں اور یہودیوں کے ساتھ مل کر ساز باز کرتے رہتے کہ عنقریب سلطنت رومہ کا حکمران قیصر مسلمانوں کو تہس نہس کر دے گا۔ خاص کر غزوۂ تبوک کے موقع پر مشرکین کے حوصلے اس قدر بڑھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اب مسلمانوں کا باقی رہنا چند دنوں کی بات ہے۔ ایسی صورت حال میں بیت اللہ کے تقدس اور اس کی مرکزیت کا تقاضا تھا کہ مشرکین کو ہمیشہ کے لیے یہاں سے نکال دیا جائے۔ چنانچہ ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا اور ۹ ہجری کو اللہ کے پاک نبی ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا ابھی حجاج کا قافلہ راستے میں تھا کہ مدینہ میں آپ پر اس سورۃ مبارکہ کی تیس کے قریب آیات نازل ہوئیں۔ جن میں دوٹوک اور قطعی طور پر اعلان کیا گیا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ مشرکین سے برأت کا اعلان کرتے ہیں۔ اس کے لیے آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کیونکہ اس زمانے میں کسی اہم عہد کی منسوخی، کے لیے قوم کا نمائندہ خود اعلان کرتا یا قریبی عزیز کے ذریعے اعلان کروایا جاتا تھا۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ آپ میرے نمائندہ بن کر چار باتوں کا اعلان کریں حضرت علی رضی اللہ عنہ تیز رفتاری کے ساتھ امیر حج حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے امیر حج نے ان سے استفسار فرمایا۔ امیرٌ او ماموٌرا کہ آپ امیر حج بن کر تشریف لائے ہیں یا مامور کی حیثیت سے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی میں ماتحت کی حیثیت سے حاضر ہوا ہوں کیونکہ میرے ذمہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک اعلان کرنے کی ڈیوٹی لگائی ہے۔ چنانچہ انھوں نے جمرہ عقبٰی کے قریب کھڑے ہو کر اعلان فرمایا کہ یہ برأت کا اعلان اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کیا جا رہا ہے۔ یہاں برأت کا اعلان اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہے جب کہ معاہدہ کی نسبت مسلمانوں کی طرف سے کی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیبیہ کا معاہدہ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق ہوا تھا کیونکہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر اعتراض کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ میں اللہ کا رسول ہوں لہٰذا یہ

معاہدہ صرف آپ کی طرف سے ہی نہیں تھا بلکہ تمام صحابہ نے اسے تسلیم کیا جس وجہ سے اسے مسلمانوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

۱۔ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے کیے ہوئے عہد سے برأت کا اعلان کرتے ہیں۔

۲۔ مشرکین چار مہینے کے اندر حدود حرم کو ہمیشہ کے لیے خالی کر دیں۔ اس کے بعد کوئی مشرک حدودِ حرم میں داخل نہیں ہو سکتا۔

۳۔ اگر تم ایمان لے آؤ تو دنیا اور آخرت میں تمھارے لیے بہتر ہوگا۔

۴۔ اے مشرکو تم کبھی اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ تمھارے لیے دنیا میں ذلت اور آخرت میں شدید ترین عذاب ہوگا۔

۵۔ جن مشرکوں نے اپنے عہد کی پاسداری کی ہے اس عہد کی تکمیل کی جائے گی۔

۶۔ آئندہ کوئی شخص برہنہ طواف نہیں کر سکتا۔

۷۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے بغیر کوئی آدمی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں سے برأت کا اعلان فرما دیا۔

۲۔ کوئی بھی مشرک حدود حرم میں داخل نہیں ہو سکتا۔

۳۔ اللہ کافروں کو ذلیل و رسوا کرے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کفار اور مشرکوں کو دنیا میں ہی ذلیل کرتا ہے:

۱۔ ہجرت کے موقعہ پر کفار ذلیل ہوئے۔ (التوبۃ: ۴۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے موقعہ پر مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار فرما کر کفار کو ذلیل کیا۔ (آل عمران: ۱۲۳ تا ۱۲۷)

۳۔ فتح مکہ کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے کفار کو ذلیل و خوار کیا۔ (الفتح: ۱)

۴۔ غزوۂ حنین میں مشرک شکست فاش سے دوچار ہو کر ذلیل ہوئے۔ (التوبۃ: ۲۶)

۵۔ جنگ خندق میں کفار اور اہل کتاب ذلیل ہوئے۔ (الاحزاب: ۲۵ تا ۲۷)

وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖٓ اِلَی النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ

اور اعلان ہے سے اللہ اور اسکے رسول لوگوں کی طرف دن حج کے بڑا

اَنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۵ وَرَسُوْلُہٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ

بیشک اللہ دست بردار ہے سے مشرکین اور اسکا رسول پھر اگر تم توبہ کرلو

فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ غَیْرُ

تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم نے منہ پھیرے رکھا تو جان لو بیشک تم نہیں

مُعْجِزِی اللّٰہِ ؕ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۳

عاجز کرنیوالے اللہ کو اور خوشخبری دیجئے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا عذاب کی دردناک

’’اور اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے حج اکبر کے دن تمام لوگوں کی طرف صاف اعلان ہے کہ اللہ مشرکوں سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی۔ پس اگر تم توبہ کرلو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر منہ موڑ و تو جان لو کہ یقیناً تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں اور جنہوں نے کفر کیا انہیں دردناک عذاب کی بشارت دیجئے۔‘‘ (٣)

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ:

مشرکین کی سازشوں اور بدعہدیوں کی ٹھیک ٹھیک سزا تو یہ تھی کہ انھیں فوری طور پر حدود حرم سے نکال باہر کیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور اس کے رسول کی شفقت کا نتیجہ تھا کہ ان کے لیے یہ اعلان کیا گیا کہ چار مہینے تک تم کھلے عام حدودِ حرم کے اندر رہتے ہوئے اپنے کام کاج اور معاملات کو سمیٹ کر نکل جاؤ اور ساتھ ہی انھیں یہ انتباہ فرمایا کہ وہ دن گزر گئے کہ جب تم سازشیں کیا کرتے تھے اب ایسا کرو گے تو انتہائی ذلیل کر دیے جاؤ گے اور تم کسی طور پر بھی اللہ تعالیٰ کو بے بس نہیں کر سکتے۔ کفار اور مشرکین کی حرم کی تولیت سے محرومی اور ہمیشہ کے لیے اپنے گھروں سے بے دخل ہونا کچھ کم ذلت نہ تھی مگر اس کے باوجود انھیں متنبہ کر دیا گیا کہ اگر تم باز نہ آئے تو دنیا میں ذلیل اور آخرت میں اذیت ناک عذاب میں مبتلا کیے جاؤ گے البتہ تم ایمان لے آؤ تو تمہارے لیے دنیا میں خیر ہی خیر اور آخرت میں بہترین جزا ہوگی۔ عام لوگ عرفہ کے دن جمعہ ہو تو اسے حج اکبر کہتے ہیں حالانکہ اس کی کوئی شرعی دلیل نہیں۔ حج اکبر کی اصطلاح عمرہ کے مقابلہ میں ہے کیونکہ عرب عمرہ کو حج اصغر اور حج کو حج اکبر کہا کرتے تھے۔ حدود حرم سے غیر مسلموں کو نکالنا اس لیے ضروری تھا تاکہ امت مسلمہ کا مرکز روحانی نجاست اور سیاسی سازشوں سے ہمیشہ کے لیے پاک ہو جائے۔ وفات سے پہلے آپ ﷺ نے یہودیوں کو ہمیشہ کے لیے جزیرہ نما

عرب سے نکل جانے کا حکم دیا کیونکہ اس قوم نے بھی شرارتوں اور سازشوں کی حد کر دی تھی۔ اس لیے آپ نے حکم صادر فرمایا کہ انھیں ہمیشہ کے لیے سرزمین حجاز سے نکال باہر کیا جائے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ بَیْنَا نَحْنُ فِی الْمَسْجِد خَرَجَ النَّبِیُّ فَقَالَ انْطَلِقُوْا اِلٰی یَهُوْدَ فَخَرَجْنَا مَعَهٗ حَتّٰی جِئْنَا بَیْتَ الْمِدْرَاسِ فَقَامَ النَّبِیُّ فَقَالَ یَا مَعْشَرَ یَهُوْدَ اَسْلِمُوْا تَسْلَمُوْا اِعْلَمُوْا اَنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَاِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اُجْلِیَکُمْ مِنْ هٰذِهِ الْاَرْضِ فَمَنْ وَّجَدَ مِنْکُمْ بِمَالِهٖ شَیْئًا فَلْیَبِعْهُ))

[رواه البخاري: كتاب الجزية ، باب اخراج اليهود من جزيرة العرب]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم مسجد میں موجود تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا یہودیوں کی جانب چلو۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے اور ان کے مدرسہ میں پہنچے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا اے یہود مسلمان ہو جاؤ تم محفوظ رہو گے اور یقین کر لو یہ زمین اللہ اور اس کے رسول کے قبضہ میں ہے میں تمھیں اس سرزمین سے جلاوطن کرنا چاہتا ہوں۔ تم میں سے جس شخص کو اس کے مال کے بدلے کچھ دستیاب ہوتا ہے تو وہ اسے فروخت کر دے۔''

مسائل

۱۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

۲۔ عمرہ کے مقابلے میں حج کو حج اکبر کہا جاتا ہے۔

۳۔ ایمان لانا اور اس کے تقاضے پورے کرنے والا دنیا اور آخرت میں بہترین اجر پائے گا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ مشرکوں اور کافروں کو بالآخر ذلیل کرے گا۔

تفسیر بالقرآن

کفار کی سزا:

۱۔ بے شک وہ لوگ جنھوں نے ہماری آیات کی تکفیر کی ان کے لیے شدید عذاب ہے۔ (آل عمران: ۴)

۲۔ کفار کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ (آل عمران: ۹۱)

۳۔ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ہوگا۔ (البقرۃ: ۱۱۴)

۴۔ وہ لوگ جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں وہ عذاب میں مبتلا ہونگے۔ (المائدۃ: ۷۳)

۵۔ کفار کے چمڑے جب جل جائیں گے تو ہم انہیں عذاب کا مزہ چکھانے کے لیے انکے چمڑے تبدیل کر دیں گے۔ (النساء: ۵۶)

اِلَّا الَّذِيۡنَ عٰهَدْتُّمۡ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ثُمَّ لَمۡ يَنۡقُصُوۡكُمۡ شَيۡـًٔا

مگر وہ لوگ جو معاہدہ کیا تم نے سے مشرکین پھر نہیں انہوں نے کمی کی تمہارے ساتھ کچھ بھی

وَّلَمۡ يُظَاهِرُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَحَدًا فَاَتِمُّوۡۤا اِلَيۡهِمۡ عَهۡدَهُمۡ

اور نہیں مدد کی انہوں نے تم پر کسی کی تم پورا کرو ان کی طرف ان کا عہد

اِلٰى مُدَّتِهِمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ۝ فَاِذَا

تک ان کی مقررہ مدت بیشک اللہ پسند کرتا ہے پرہیز کرنیوالوں کو پھر جب

انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُـرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَيۡثُ

گزر جائیں مہینے حرمت والے بس تم قتل کرو مشرکین کو جہاں کہیں

وَجَدْتُّمُوۡهُمۡ وَخُذُوۡهُمۡ وَاحۡصُرُوۡهُمۡ وَاقۡعُدُوۡا لَهُمۡ كُلَّ مَرۡصَدٍ‌ ۚ

تم پاؤ انکو اور پکڑ و انہیں اور گھیرے میں رکھو انکو اور بیٹھو ان کے لیے ہر گھات کی جگہ

فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوۡا سَبِيۡلَهُمۡ‌ؕ

پھر اگر وہ توبہ کریں اور قائم کریں نماز کو اور ادا کریں زکوٰۃ کو تو چھوڑ دو ان کا راستہ

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝

بے شک اللہ بخشنے والا رحم والا ہے

’’مگر مشرکوں میں سے وہ لوگ جن سے تم نے عہد کیا، پھر انہوں نے تم سے عہد میں کچھ کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی ان کے ساتھ عہد کی مدت پوری کرو۔ بے شک اللہ متقی لوگوں سے محبت کرتا ہے۔(۴) پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انہیں پکڑو اور انہیں گھیرو اور ان کے لیے ہر گھات کی جگہ بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ بے شک اللہ بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔‘‘(۵)

فہم القرآن

ربط کلام: جن مشرکوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی ان کو چار مہینے اور جنھوں نے مسلمانوں سے کیے ہوئے عہد کی پاسداری کی ان کو معاہدے کے اختتام تک مہلت دی گئی ہے۔

اکرم ﷺ سے معاہدات کرنے والے کفار اور مشرکین کی دو قسمیں تھیں ایک وہ جنھوں نے حدیبیہ کے مقام پر صلح کا معاہدہ کرنے کے باوجود اسے توڑ دیا تھا۔ ان کو چار مہینے کی مہلت دی گئی لیکن جو لوگ آپ سے کیے ہوئے عہد کی پاسداری کر رہے تھے انھیں عہد کے اختتام تک مہلت دی گئی ہے۔ اس لیے انھیں برأتِ عہد سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے وضاحت فرمائی کہ ان مشرکوں کے ساتھ ابھی برأت کا اعلان نہیں ہے جنھوں نے نہ عہد کی خلاف ورزی کی اور نہ ہی مسلمانوں کے خلاف کسی کے ساتھ تعاون کیا۔ ان کے ساتھ کیے ہوئے عہد کی مکمل طور پر پاسداری ہونی چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ متقین کو پسند کرتا ہے یہاں تقویٰ سے پہلی مراد عہد شکنی سے بچنا ہے جب حرمت کے مہینے گزر جائیں تو پھر مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور ان کو ہر کمین گاہ سے گرفتار کرلو اور ان کے لیے پوری طرح مورچہ بندی کرو۔ اگر یہ ایمان لے آئیں اور اس کے ثبوت میں نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو پھر ان کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا انتہائی مہربان ہے۔ گیارہویں آیت میں فرمایا کہ اگر توبہ کر کے نماز اور زکوٰۃ ادا کریں تو یہ تمھارے دینی بھائی ہیں یہاں صرف نماز، زکوٰۃ کا اس لیے ذکر کیا ہے کہ نماز بدنی عبادات کی ترجمان ہے۔ جس میں روزہ اور حج بھی شامل ہیں اور زکوٰۃ مالی عبادات کا سرچشمہ ہے جس میں صدقہ و خیرات، حقوق العباد شامل ہیں۔ یاد رہے کہ مشرکین کو ہر مقام پر قتل کرنے کا حکم حالت جنگ میں ہے۔ عام حالات میں کسی مشرک یا کافر کو قتل کرنے کی اجازت نہیں۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ)) [رواہ بخاری: کتاب الایمان، باب فان کان تابوا]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں بلاشبہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا مجھے لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں۔ جب انہوں نے یہ کام کر لیے تو انہوں نے مجھ سے اپنا خون اور مال بچا لیا سوائے اسلام کے حق کے اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔“ (اسلام کے حقوق سے مراد حدود اللہ کا نفاذ ہے)

مسائل

١۔ عہد کی پاسداری کرنے والوں کے ساتھ عہد کا احترام کرنا چاہیے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ متقین کو پسند کرتا ہے۔

٣۔ کفر و شرک سے توبہ کرنے کے بعد نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی توبہ کرنے کی نشانی ہے۔

٤۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا انتہائی مہربان ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ

اور اگر کوئی سے مشرکین آپ سے پناہ مانگے آپ اسے پناہ دیں حتی کہ وہ سنے

كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ ٦

اللہ کا کلام پھر آپ پہنچا دیں اسکو اسکے امن کی جگہ یہ اس سبب سے کہ قوم نہیں علم رکھتے

ع ٧ / ٦

”اور اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیں یہ اس لیے ہے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔“(٦)

فہم القرآن

ربط کلام: دین میں کفر وشرک سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں اس کے باوجود توبہ کا دروازہ کھلا رکھا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے، نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے والے کو اپنی بخشش اور رحمت کی یقین دہانی کروائی ہے۔اس کے لیے مشرکین کو موقع فراہم کیا جا رہا ہے جو کسی وجہ سے مسلمانوں کے ہاں پناہ گزیں ہونا چاہے۔تو حکم ہے کہ انھیں پناہ دینی چاہیے تاکہ قرآن مجید سننے اور سمجھنے کے ساتھ انھیں مسلمانوں کا اخلاق اور کردار دیکھنے کا موقع ملے اگر وہ ایمان نہ لائیں گے تو ان پر پوری طرح اتمام حجت ہو جائے گی۔ پناہ کی مدت ختم ہونے کے بعد ان کی باسلامت واپسی بھی اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ پناہ دینا اس لیے ضروری ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ کے دین کو براہ راست نہیں جانتے۔اس فرمان میں مشرکین کو پناہ دینے کی حکمت یہ بیان فرمائی تاکہ یہ اللہ کا کلام براہِ راست سنیں اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔دین سمجھنے اور اس کی ہدایت پانے کا پہلا اور بنیادی اصول یہی ہے کہ آدمی تعصب سے پاک ہو کر دل کے کانوں کے ساتھ سننے کی کوشش کرے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسے لوگوں کی اکثریت دین قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائے گی۔اس کی بے شمار مثالیں نبی اکرم ﷺ کے دور میں اور ہزاروں امثال صحابہ رضی اللہ عنہم اور ہر دور میں پائی جاتی ہیں۔اسی حکم کے تحت آپ حالت جنگ میں بھی غیر مسلم کو پناہ دیا کرتے تھے یہاں تک کہ عام مسلمان کی دی ہوئی پناہ کو اپنی پناہ تصور فرماتے تھے۔

((عَنْ أَبِي النَّضْرِ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أُمَّ هَانِيءٍ بِنْتَ أَبِي طَالِبٍ تَقُولُ ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهُ تَسْتُرُهُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ مَنْ هَذِهِ فَقُلْتُ أَنَا أُمُّ هَانِيءٍ بِنْتُ أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِيءٍ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ قَامَ فَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ مُلْتَحِفًا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ زَعَمَ ابْنُ أُمِّي عَلِيٌّ أَنَّهُ قَاتِلٌ رَجُلًا قَدْ أَجَرْتُهُ فُلَانُ بْنُ هُبَيْرَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِيءٍ قَالَتْ أُمُّ هَانِيءٍ وَذَلِكَ ضُحًى)) [رواه البخاری: کتاب المغازی باب، امان النساء وجوارهن]

”حضرت ابونضر بیان کرتے ہیں انھوں نے ام ھانی رضی اللہ عنہا کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں رسول مکرم ﷺ کے پاس فتح

مکہ کے سال گئی آپ ﷺ غسل فرما رہے تھے جبکہ ان کی بیٹی فاطمہ ان کے لیے پردہ کا اہتمام کیے ہوئے تھی۔ میں نے آپ کو سلام کیا آپ ﷺ نے پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا میں ام ھانی ہوں آپ نے خوش آمدید کہا۔ جب آپ ﷺ غسل سے فارغ ہوئے آپ نے آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی۔ آپ نے ایک ہی کپڑے کو اپنے اردگرد لپیٹا ہوا تھا۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میرا ماں جایا بھائی علی رضی اللہ عنہ کہتا ہے کہ اس نے فلاں کافر کو قتل کرنا ہے جبکہ میں نے اسے امان دے دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ام ھانی جس کو تو نے امان دی ہم بھی اس کو امان دیتے ہیں۔ ام ھانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں یہ چاشت کا وقت تھا۔‘‘

((عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ شَدَّادٍ الْقِتْبَانِيِّ قَالَ لَوْلَا كَلِمَةٌ سَمِعْتُهَا مِنْ عَمْرِو بْنِ الْحَمِقِ الْخُزَاعِيِّ رضی اللہ عنہ لَمَشَيْتُ فِيمَا بَيْنَ رَأْسِ الْمُخْتَارِ وَجَسَدِهِ سَمِعْتُهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ أَمِنَ رَجُلًا عَلَى دَمِهِ فَقَتَلَهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ لِوَاءَ غَدْرٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))[رواه ابن ماجه : كتاب الديات ، باب من امن رجلا على دمه]

’’رفاعہ بن شداد قتبانی بیان کرتے ہیں اگر وہ حدیث نہ ہوتی جو میں نے عمرو بن حمق خزاعی رضی اللہ عنہ سے سنی تو میں مختار کے سر اور جسم کے درمیان چلتا میں نے سنا عمرو بیان کرتے تھے رسول معظم ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی کو جان کی امان دے کر قتل کردے۔ قیامت کے دن اس کی پشت پر دھوکے باز کا جھنڈا لگایا جائے گا۔‘‘

مسائل

۱۔ غیر مسلم پناہ مانگیں تو انھیں پناہ دینی چاہیے۔
۲۔ وعدوں کی پاسداری کرنی چاہیے۔
۳۔ قیدیوں کو دین کی دعوت دینی چاہیے۔
۴۔ امان دے کر اس کو پورا کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

نہ جاننے اور نہ سمجھنے والے لوگ:

۱۔ متقین کے لیے آخرت کا گھر بہتر ہے مگر کافر نہیں سمجھتے۔ (الاعراف:۱۶۹)
۲۔ میرا اجر میرے پیدا کرنے والے اللہ کے ذمہ ہے بے عقل نہیں سمجھتے۔ حضرت صالح کا اعلان۔ (ھود:۵۱)
۳۔ منافق بے سمجھ ہوتے ہیں۔ (المنافقون:۷)
۴۔ اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا کیونکہ یہ بے عقل لوگ ہیں۔ (التوبۃ:۱۲۷)
۵۔ وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان کی اکثریت بے عقل ہوتی ہے۔ (المائدۃ:۱۰۳)
۶۔ وہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں اور وہ عقل نہیں کرتے۔ (البقرۃ:۱۷۱)

كَيۡفَ يَكُوۡنُ لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ عَهۡدٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَعِنۡدَ رَسُوۡلِهٖۤ

کیونکر | ہے | مشرکوں کے لیے | عہد | اللہ کے نزدیک | اور پاس | اسکے رسول کے

اِلَّا الَّذِيۡنَ عٰهَدۡتُّمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ‌ۚ فَمَا

مگر | وہ لوگ جو | تم نے عہد کیا | نزدیک | مسجد | حرام | پھر جب

اسۡتَقَامُوۡا لَـكُمۡ فَاسۡتَقِيۡمُوۡا لَهُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ۝۷

وہ سیدھے رہیں | تمہارے لیے | تو تم بھی سیدھے رہو | انکے لیے | بیشک اللہ | پسند کرتا ہے | متقیوں کو

''ان مشرکوں کا اللہ کے نزدیک اوراس کے رسول کے نزدیک کوئی عہد کس طرح ممکن ہے سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا۔ جب تک وہ تمہارے لیے پوری طرح قائم رہیں تم ان کے لیے پوری طرح قائم رہو بے شک اللہ متقی لوگوں سے محبت کرتا ہے۔'' (۷)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرکین سے کیے ہوئے معاہدات سے برأت کرنے کی وجوہات۔

اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری اور مکمل دین ہے اسے اللہ تعالیٰ نے باقی ادیان پر غالب رہنے کے لیے نازل فرمایا ہے۔ اس کا غلبہ اس صورت میں ہی ہوسکتا ہے جب سچے مسلمان باہم متحد اور اپنے وسائل کو یکجا کرتے ہوئے جہاد کے لیے تیار رہیں گے۔ نبی ﷺ نے انھی بنیادوں پر صحابہ ؓ کی جماعت تیار فرمائی تھی جو جماعت اس قابل ہوئی کہ انھوں نے حدود حرم سے مشرکین کو نکال باہر کیا جب مشرکین کے دیس نکالے کا اعلان ہوا۔ تو انھوں نے اس پر مسلمانوں کے خلاف شدید پروپیگنڈہ کیا جس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ مشرکین کے عہد کی اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں کیونکہ مشرک کئی بار معاہدہ کرنے کے بعد توڑ چکے ہیں۔ سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے مسجد حرام کے قریب رہتے ہوئے اپنے عہد کی پاسداری کی ان کے عہد کی مدت معینہ تک پاسداری کی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ عہد شکنی اور کسی پر زیادتی کرنے کو پسند نہیں کرتا۔ اسلام کی روشن خیالی اور وسعت ظرفی کا عالم یہ ہے کہ وہ نہ صرف اپنوں کے ساتھ عہد شکنی اور زیادتی پسند نہیں کرتا بلکہ وہ بدترین دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ بھی ایفائے عہد اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔ بشرطیکہ وہ بھی اخلاقی قدروں کا احترام اور ایفائے عہد کا خیال رکھیں۔ آپ کی نبوت سے پہلے مکے میں چند لوگوں نے یہ عہد کیا کہ آج کے بعد کسی شخص کو کمزور، پردیسی اور بے سہارا پر ظلم نہیں کرنے دیا جائے گا۔ اس کے لیے انھوں نے اجتماعی حلف اٹھایا جسے حلف الفضول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ نبوت کے بعد آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر آج بھی مجھے کوئی اس حلف اور عہد کے لیے بلائے تو میں سب سے پہلے اس پر عمل کرنے کے لیے

تیار ہوں گا۔یہی تعلیم آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم اور ہر امتی کو دی ہے۔(الرحیق المختوم)

((عن حُذَيْفَة بن الْيَمَانِ رضی اللہ عنہ قَالَ مَا مَنَعَنِي أَنْ أَشْهَدَ بَدْرًا إِلَّا أَنِّي خَرَجْتُ أَنَا وَأَبِي حُسَيْلٌ قَالَ فَأَخَذَنَا كُفَّارُ قُرَيْشٍ قَالُوا إِنَّكُمْ تُرِيدُونَ مُحَمَّدًا فَقُلْنَا مَا نُرِيدُهُ مَا نُرِيدُ إِلَّا الْمَدِينَةَ فَأَخَذُوا مِنَّا عَهْدَ اللّٰهِ وَمِيثَاقَهُ لَنَنْصَرِفَنَّ إِلَى الْمَدِينَةِ وَلَا نُقَاتِلُ مَعَهُ فَأَتَيْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَخْبَرْنَاهُ الْخَبَرَ فَقَالَ انْصَرِفَا نَفِي لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ وَنَسْتَعِينُ اللّٰهَ عَلَيْهِمْ)) [رواه مسلم: كتاب الجهاد والسير، باب الوفاء بالعهد]

”حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں مجھے اور ابو حسیل کو غزوۂ بدر میں شرکت کرنے سے کسی نے نہیں روکا تھا۔ہمیں قریش مکہ نے پکڑ لیا انھوں نے پوچھا کہ بلاشبہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں ہمارا ان کی مدد کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ،ہم تو مدینہ کی طرف جارہے ہیں۔انھوں نے ہم سے اللہ کے نام پر حلف لیا ہم نے اس کی توثیق کردی کہ ہم مدینہ کی طرف ضرور جائیں گے مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر قتال نہیں کریں گے۔ہم رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ہم نے آپ کو راستہ میں پیش آنے والے واقعہ کی خبر دی ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں چلے جاؤ ہم اس عہد کی پاسداری کریں گے اور کفار کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں گے۔“

مسائل

١۔ کفار اور مشرکین کی عہد شکنی کے مقابلے میں عہد توڑنا جائز ہے۔
٢۔ اگر کوئی عہد کی پاسداری کرے تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ بھی عہد کو نبھائیں۔
٣۔ اللہ تعالیٰ پرہیزگار اور عہد کی پاسداری کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کن لوگوں سے محبت کرتا ہے:

١۔ جو اللہ سے ڈریں ان سے اللہ محبت کرتا ہے۔(آل عمران:٧٦)
٢۔ صبر کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔(آل عمران:١٤٦)
٣۔ نیکی کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔(آل عمران:١٤٨)
٤۔ توکل کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔(آل عمران:١٥٩)
٥۔ انصاف کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔(الممتحنة:٨)
٦۔ صاف ستھرا رہنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔(التوبة:١٠٨)

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا

کیسے | اور اگر | وہ غالب آجائیں | تم پر | نہ وہ خیال کریں | تمہارے متعلق | رشتہ داری کا

وَّلَا ذِمَّةً يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ وَاَكْثَرُهُمْ

اور نہ کسی عہد کا | وہ تمہیں خوش کرتے ہیں | اپنی زبانوں سے | اور | انکار کرتے ہیں | انکے دل | اور اکثر ان کے

فٰسِقُوْنَ ﴿٨﴾ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا

نافرمان ہیں | انہوں نے بیچا | آیات | اللہ | قیمت | تھوڑی | انہوں نے روکا

عَنْ سَبِيْلِهٖ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩﴾ لَا يَرْقُبُوْنَ

سے | اسکے راستہ | بیشک وہ | برا ہے | جو | وہ تھے | وہ عمل کرتے | نہیں وہ خیال کرتے

فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴿١٠﴾

میں | کوئی مومن | رشتہ داری کا | اور نہ کسی عہد کا | اور یہی لوگ | وہ | حد سے نکل جانے والے

”کیسے ممکن ہے وہ اگر تم پر غالب آجائیں تو تمہارے بارے میں نہ کسی قرابت اور نہ کسی عہد کا لحاظ کریں گے تمہیں اپنی زبانوں سے خوش کرتے ہیں اور ان کے دل نہیں مانتے اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔(٨) انہوں نے اللہ کی آیات کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت لی پھر اس کے راستے سے روکنے لگے بے شک یہ لوگ برا ہے جو کچھ کرتے رہے ہیں۔(٩) وہ کسی مومن کے بارے میں نہ کسی قرابت کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ کسی عہد کا اور یہی لوگ حد سے گزرنے والے ہیں۔“(١٠)

فہم القرآن

ربط کلام: عہد اور رشتہ داری کے بارے میں کفار اور مشرکین کا رویہ۔

مشرکین اور اسلام دشمن طاقتوں کا ہمیشہ سے رویہ رہا ہے کہ جب مسلمانوں کے مقابلے میں اپنے آپ کو کمزور پاتے ہیں تو صلح اور اتحاد کا پرچم اٹھا کر مسلمانوں کو زبانی کلامی راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کے لیے، بقائے باہمی، انسانی ہمدردی اور مذاہب کے درمیان ہم آہنگی کے نعرے لگاتے ہیں۔ حالانکہ ان باتوں کی ان کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہوتی اور دل ہی دل میں یہ انکار کر رہے ہوتے ہیں۔ جونہی مشکل وقت گزر جائے اور اپنے آپ کو طاقت ور محسوس کریں تو کسی معاہدے اور تعلق داری کا پاس نہیں کرتے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کے سامنے ہمیشہ مالی فائدہ اور سیاسی مفاد رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے دنیا کمانے سے نہیں چوکتے اس طرح وہ اللہ کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں مکہ کے مشرکین کا یہی رویہ تھا کہ جوں جوں اللہ کی آیات کا نزول ہوتا توں توں دنیا کے مفاد اور دین کی مخالفت میں آگے ہی بڑھتے

گئے۔ان کا فکر وکردار ہمیشہ بدترین رہا ہے یہ لوگ مسلمانوں کے بارے میں کسی رشتہ داری اور عہد کا خیال نہیں رکھتے دراصل یہ زیادتی کرنے والے لوگ ہیں مدینہ میں یہودیوں کی بار بار عہد شکنی اور مشرکین کا صلح حدیبیہ کو توڑنے سے لے کر تاریخ گواہ ہے کہ انھوں نے ہر دور میں مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی کی ہے۔

یہاں سقوطِ غرناطہ کا واقعہ عیسائیوں کی عہد شکنی کی ناقابلِ فراموش مثال پیشِ خدمت ہے:

ابوعبداللہ نے قصر الحمرء میں ایک مجلس مشاورت منعقد کی۔جس میں غرناطہ کے بڑے بڑے شیوخ وعمائد اور امراء و وزراء شریک تھے۔ان میں جو بعض بڑے پر جوش اور غیرت مند تھے ان کی رائے قطعی طور پر یہی تھی کہ مسلمانوں کو اپنے آخری قطرۂ خون تک لڑنا چاہیے چاہے انجام کچھ بھی ہو۔بہر حال غرناطہ کو اس طرح دشمن کے حوالہ کر دینا سخت ننگ وعار اور بزدلی کی بات ہے۔لیکن اکثریت کے نقارخانہ میں اکیلے طوطی کی آواز کیا اثر پیدا کر سکتی ہے؟ آخر ابوعبداللہ نے اپنے وزیر ابوالقاسم عبدالملک کی معرفت فرڈیننڈ سے صلح کی بات چیت شروع کی اور انجام کار ایک صلح نامہ مرتب ہوا جس پر شاہ کیسٹل اور ابو عبداللہ دونوں کے دستخط ہو گئے اور اس پر مسلمانوں کی حکومت کا جو تقریباً آٹھ سو سال قائم تھی بالکل خاتمہ ہو گیا۔

یہ صلح نامہ جو درحقیقت مسلمانانِ اندلس کی بدبختی کی آخری دستاویز تھا جیسا کہ امیر شکیب ارسلان نے اپنی کتاب ''آخر نبی سراج''میں تصریح کی ہے کہ یہ پچپن دفعات پر مشتمل تھا۔ان میں سے چند اہم دفعات کا خلاصہ یہ ہے کہ ''تمام چھوٹے بڑے مسلمانوں کو امن دیا جائے گا۔ان کے اموال اور جاگیریں اور جائیدادیں سب محفوظ رہیں گی۔ان کے مذہبی معاملات وخصومات کا تصفیہ خود مسلمان قاضی یا حاکم کرے گا۔جنگ میں جو مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا ہے اس کو غصب نہ کیا جائے گا۔مقررہ ٹیکس کے علاوہ ان پر کوئی زائد ٹیکس نہ لگایا جائے گا۔جو عیسائی مسلمان ہو گئے ہیں ان کو ترکِ اسلام پر مجبور نہ کیا جائے گا۔اور اسی طرح کسی مسلمان کو بجز عیسائی بنانے کی کوشش نہ کی جائے گی۔اگر کوئی مسلمان افریقہ جانا چاہے تو حکومت اس کو اپنے انتظام پر افریقہ پہنچائے گی۔کوئی عیسائی کسی مسلمان کے گھر داخل نہ ہو گا اور نہ ہی اس کی دیوار پر چڑھے گا۔مسلمانوں کو عیسائی فوجیوں کی دعوت کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔مسلمانوں کو لباس میں پوری آزادی رہے گی۔یعنی انہیں کسی خاص وضع قطع کے اختیار کرنے یا کوئی خاص علامت لگانے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔کوئی عیسائی کسی مسلمان کا راہ چلتے یا کہیں اور مذاق نہ اڑائے گا۔اس پر فقرہ نہ کسے گا۔اس کے ساتھ تمسخر نہ کرے گا۔اور اگر کسی نے ایسا کیا تو اس کو سزا دی جائے گی جو مسلمان جنگی مجرم ہیں اس کو رہا کر دیا جائے گا۔اگر کوئی مسلمان غلام اپنے مالک کے پاس سے بھاگ کر غرناطہ آ جائے تو اسے مامون سمجھا جائے گا۔بادشاہ اس کی قیمت غلام کے مالک کو ادا کر دے گا۔

یہ معاہدہ عیسوی تاریخ کے لحاظ سے ۳۰ دسمبر ۱۴۹۱ء مطابق یکم ربیع الاول ۸۹۷ھ کو ہوا تھا اور اس پر علاوہ فرڈیننڈ کے ملکہ ازبلا، شاہی خاندان کے شہزادے اور شہزادیاں پادری اور دیگر مذہبی پیشوا، امراء اور وزراء دربار وعمائد وارکانِ سلطنت کے دستخط ثبت تھے۔اور اس میں فرڈیننڈ اور اس کی بیوی ازبلا نے اس بات کا عہد کیا تھا کہ دونوں اس صلح نامہ کے ایک ایک لفظ اور

ایک ایک حرف کی پابندی کریں گے اور جس طرح یہ عہد نامہ خود ان دونوں کے لیے اور ان کے تمام حکام وعمال اور امراء واعیان کے لیے واجب العمل ہے اسی طرح ان کے قائم مقام، ان کی اولاد، اور ان کی اولاد کی اولاد سب اس عہد نامہ کے مطابق عمل کریں گے اور اس سے سرِ موانحراف نہ کریں گے۔

یہ عہد نامہ تو وہ تھا جس کا تعلق عام مسلمانوں اور ان کے مفاد سے تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور عہد نامہ ترتیب دیا گیا۔ جو خاص ابوعبداللہ کی ذات سے تعلق رکھتا تھا۔ اس عہد نامہ میں چودہ دفعات تھیں جن کا ماحصل یہ تھا کہ شاہ فرڈینڈ اور ازبلا ان دونوں نے کچھ املاک واراضی اور شہر سلطان ابوعبداللہ کو دیے ہیں۔ انہیں میں سے ایک البشرات بھی تھا۔

علاوہ بریں اس بات کا بھی وعدہ کیا گیا تھا کہ ابوعبداللہ کو وہاں کے سکہ کے حساب سے جس کو ''یراوید'' کہا جاتا تھا ایک کڑور چالیس لاکھ اور پانچ سو کی رقم ادا کی جائے گی۔ لیکن شرط یہ تھی کہ یہ رقم اس وقت حوالے کی جائے گی جب کہ فرڈینڈ اور ازبلا قلعہ الحمرء میں داخل ہو جائیں گے۔ پھر خاص ابوعبداللہ سے یہ وعدہ بھی کیا گیا تھا کہ جب تک وہ اندلس میں قیام کرے گا اس سے کوئی محصول نہیں لیا جائے گا۔ اور اگر اس نے کبھی اس ملک کو چھوڑ کر کہیں اور آباد ہونا چاہا تو اس کی زمینوں اور جائیدادوں کو مناسب قیمت پر خرید لیا جائے گا۔ اگر اس نے ان کو فروخت کرنا نہ چاہا تو وہ اپنا کوئی قائم مقام یا کارندہ ان کی دیکھ بھال اور نگرانی کے لیے چھوڑ جائے۔ وہ ہر سال جائیدادوں اور جاگیروں کی آمدنی وصول کر کے ابوعبداللہ کو بھیج دیا کریگا۔ ابوعبداللہ بحری سفر کرے گا تو اس کے تمام متعلقین کے لیے کشتیوں وغیرہ کا انتظام فرڈینڈ کی حکومت کی جانب سے کیا جائے گا۔ امیر شکیب رسلان کی تحقیق کے مطابق یہ دوسرا معاہدہ بتاریخ ۲۵ دسمبر ۱۴۹۱ء کو ہوا تھا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے ابوعبداللہ نے اپنے وزیر کے توسط سے یہ معاہدہ بلا بالا ہی کر لیا تھا۔ اہل غرناطہ کو اس کی کوئی خبر نہ تھی جب ان کو معلوم ہوا تو وہ سخت برہم اور پریشان ہوئے۔ حامد بن زرارۃ نامی ایک درویش کے جوش دلانے اور اکسانے پر بیس ہزار اہل غرناطہ مسلح ہو کر جنگ کرنے کے لیے نکلے بھی لیکن کچھ ایسے اسباب سماویہ پیش آئے کہ یہ اس مشکل سے عہدہ براء نہ ہو سکے اس واقعہ کے دوسرے دن ابوعبداللہ شہر کے روساء کی ایک جماعت کے ساتھ قلعہ الحمرء سے نکلا اور مسلمانوں کو خطاب کر کے کہا:

''مسلمانوں! میں اقرار کرتا ہوں کہ اس ذلت ورسوائی میں کسی کا کوئی گناہ نہیں ہے گنہگار صرف میں ہوں میں نے اپنے باپ کے ساتھ نافرمانی اور سرکشی کا معاملہ کیا، اور دشمنوں کو ملک پر حملہ کرنے کی دعوت دی لیکن بہر حال خدا نے مجھ کو میرے گناہوں کی سزا دے دی ہے تاہم یہ باور کرنا چاہیے کہ میں نے اس وقت یہ معاہدہ جو قبول کیا ہے محض اس لیے کیا ہے کہ تم لوگوں اور تمہارے بچوں کے خون خواہ مخواہ نہ بہیں۔ تمہاری عورتیں لونڈیاں اور باندیاں نہ بنیں اور تمہاری شریعت اور تمہاری املاک ومتاع ان بادشاہوں کے زیر سایہ محفوظ رہیں جو بہر حال بدنصیب ابوعبداللہ سے بہتر ہوں گے۔''

فرڈینڈ کی طرف سے دو ماہ دس دن کی مدت دی گئی تھی کہ ابوعبداللہ اس مدت کے اندر اندر فرڈینڈ کا قبضہ الحمراء پر کرا

دے گا۔لیکن ابوعبداللہ اس درجہ پریشان اور سراسیمہ تھا کہ اس نے اس مدت سے پہلے ہی مندرجہ بالا تقریر کے دوسرے دن فرینڈ کو پیغام بھیجا کہ شہر پر قبضہ کر لیجیے۔فرڈینڈ نے ایک پادری کو مقرر کیا کہ سب سے پہلے وہ ایک جماعت کیساتھ غرناطہ میں داخل ہو کر قلعہ الحمراء کے سب سے بڑے برج سے اسلامی نشان کو گرا کر اس کی جگہ صلیب کا نشان نصب کرے تا کہ اسے دیکھتے ہی پرجوش طریقہ سے بادشاہ اور اس کی ملکہ شہر میں داخل ہوں۔اسی قرارداد کے مطابق اب دونوں طرف غرناطہ کو الوداع کہنے اور اس میں داخل ہونے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ایک جانب بدنصیب ابوعبداللہ اور اس کا تمام خاندان تھا جو رات بھر اپنا ساز وسامان درست کرتا رہا اور غرناطہ سے پیش آنے والی جدائی کے غم میں الحمراء کے ایک ایک درو دیوار کو حسرت وافسوس سے تکتا اور ان پر آنسو بہاتا رہا اور دوسری طرف شاہ کیسٹل کے کیمپ میں خوشی کے شادیانے بج رہے تھے کہ بس اب رات کا تاریک پردہ درمیان میں حائل ہے۔اس کے اٹھنے کی دیر ہے کہ علی الصباح غرناطہ پر قبضہ ہو جائے گا۔

چنانچہ ابوعبداللہ علی الصباح اپنے متعلقین کو لے کر الحمراء سے نکلا اور ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ اس کو فرڈینڈ کا فرستادہ پادری مع ایک جماعت کے ملا۔ابوعبداللہ نے قلعہ کی کنجیاں اس کے سپرد کرتے ہوئے کہا ''جاؤ! اب ان قلعوں پر قبضہ کر لو جن کو اللہ نے ہماری بداعمالیوں کے باعث ہمارے قبضہ سے نکال کر تمہارے قبضہ میں دے دیا ہے'' پادری نے الحمراء میں داخل ہو کر امر شاہی کے مطابق اسلامی نشان کو گرا کر اس کی جگہ صلیبی پرچم لہرایا۔فرڈینڈ، ازبلا اور تمام عیسائی فوج نے اسے دیکھا تو ان کی خوشی کی حد نہ رہی فوراً بادشاہ اور ملکہ گھٹنوں کے بل بارگاہ خداوندی میں شکر بجالائے۔تمام فوج نے ان کی پیروی کی اس سے فارغ ہو کر یہ لوگ غرناطہ میں داخلہ کے لیے روانہ ہوئے دریا کے کنارے ایک چھوٹی جامع مسجد تھی ابھی وہاں پہنچے ہی تھے کہ یہاں ابوعبداللہ مل گیا۔ابوعبداللہ نے فرڈینڈ کو دیکھتے ہی چاہا کہ سواری سے اتر پڑے لیکن بادشاہ اور ملکہ دونوں نے منع کیا۔

اب ابوعبداللہ نے چاہا کہ بادشاہ کی دست بوسی کرے لیکن اس نے اسے یہ بھی نہ کرنے دیا۔امیر شکیب ارسلان نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ابوعبداللہ نے ملکہ ازبلا کے ہاتھوں کو چومنا چاہا تو اس نے اپنے ہاتھ نہ پھیلائے اور ابوعبداللہ کا اضطراب دیکھ کر اسے دلاسہ دیا۔ابوعبداللہ کا جو بیٹا اس کے پاس بطور ضمانت گرفتار تھا۔وہ اس کے سپرد کر دیا اس کے بعد ابو عبداللہ نے شہر کی کنجیاں بادشاہ کے حوالے کرتے ہوئے کہا ''یہ کنجیاں اسپین میں عربوں کے اقتدار کی آخری نشانی ہیں۔آپ انہیں لے لیجیے۔کیونکہ اللہ کی مشیت کے مطابق اب ہمارا ملک، متاع اور ہمارے جسم یہ سب آپ کی ملکیت ہو گئے ہیں۔امید ہے کہ آپ نے جیسا وعدہ کیا اسی طرح آپ ان کے ساتھ رحم وکرم اور رافت ونرمی کا معاملہ کریں گے۔'' فرڈینڈ نے جواب دیا ''کوئی شبہ نہیں کہ ہم نے جو وعدہ کیا ہے اس کے مطابق ہی معاملہ کریں گے۔'' اس گفتگو کے بعد کنجیاں فرڈینڈ نے ملکہ ازبلا کے سپرد کر دیں اس نے اپنے بیٹے پرنس جون کو دیں اور جون نے کاؤنٹ ٹنڈل کے حوالے کر دیں جو غرناطہ کا کمانڈر بنایا گیا تھا۔

اب فرڈیننڈ اس کی ملکہ از بلا، اوراس کا تمام لاؤلشکر غرناطہ کی طرف اس پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے ادھر بد بخت و بدنصیب ابوعبداللہ نے وادی برشانہ میں اس مقام کا رخ کیا جو اس کے لیے مقرر کر دیا گیا تھا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر اس نے اپنی پشت کی جانب ایک حسرت آمیز نگاہ سے غرناطہ کی آبادی اور قصر الحمراء کے میناروں اور گنبدوں پر نظر ڈالی۔ اس کے تمام ساتھی بھی اس وقت اس کے ساتھ غرناطہ کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن ان کی زبانیں گنگ تھیں۔ منہ سے ایک حرف نہ بول سکے ابھی وہ اس حسرت انگیز اور دردناک نظارہ میں محو ہی تھے کہ قلعہ الحمراء کے اوپر سے توپوں اور گولوں کے چلنے کی آواز آئی۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ اب غرناطہ سے مسلمانوں کی حکومت ختم ہوگئی اور عیسائیوں کی فوج نے اسے فتح کر لیا ہے۔ ابوعبداللہ اس وقت ضبط نہ کر سکا بے ساختہ اس کا جی بھر آیا اور زار و قطار رونے لگا۔ ابوعبداللہ کی ماں عائشہ جو نہایت عقل مند عورت تھی۔ اس نے بیٹے کو اس طرح روتے ہوئے دیکھا تو بولی ''اب عورتوں کی طرح رو رہا ہے۔ لیکن تجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ مردوں کی طرح غرناطہ کا دفاع کرتا'' ابوعبداللہ کے وزیر نے بھی اسے دلاسہ دینے کی کوشش کی۔ البشرات کی پہاڑی جس پر کھڑے ہو کر ابوعبداللہ اور اس کے ساتھیوں نے غرناطہ پر حسرت آمیز نگاہ واپسیں ڈالی ''دم واپسیں عرب'' کے نام سے ہی مشہور ہوگئی۔ اور اب تک اسی نام سے یاد کی جاتی ہے۔ امیر شکیب ارسلان لکھتے ہیں۔ کہ انہوں نے اپنی سیاحت اسپین کے دوران اس مقام کو دیکھا۔

ابوعبداللہ کی وفات:

فرڈیننڈ نے البشرات کا علاقہ ابوعبداللہ اور اس کے خاندان کی رہائش کے لیے متعین کر دیا تھا۔ اور اس سلسلہ میں اس نے بہت کچھ عہد و پیماں بھی کیے تھے۔ لیکن غرناطہ پر اقتدار پانے کے بعد اس نے تمام عہود و مواثیق کو گلدستہ طاق نسیان بنا کر رکھ دیا۔ چنانچہ ابوعبداللہ پر اندلس کی وسیع سرزمین کا چپہ چپہ تنگ ہوگیا اور آخر کار انجام یہ ہوا کہ فرڈیننڈ نے البشرات کا علاقہ بھی اونے پونے کر کے خرید لیا اور ابوعبداللہ اندلس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ کر افریقہ چلا آیا۔ یہاں مراکش کے بادشاہ کا ملازم ہوگیا اور اسی حالت میں ۹۴۰ھ میں اس دنیا سے بھی رخصت ہوگیا۔ (بحوالہ مسلمانوں کا عروج و زوال)

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی آیات کو فروخت کرنے والے:

۱۔ اللہ کی آیات کو تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرو اللہ سے ڈر جاؤ۔ (البقرۃ: ۴۱)

۲۔ ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے جو اللہ کی آیات کو فروخت کرتے ہیں۔ (البقرۃ: ۷۹)

۳۔ اللہ کی آیات کو چھپانا اور تھوڑی قیمت کے بدلہ میں فروخت کرنا۔ پیٹ میں آگ بھرنا ہے۔ (البقرۃ: ۱۷۴ تا ۱۷۶)

۴۔ اللہ سے ڈرو لوگوں سے نہ ڈرو۔ اور اللہ کی آیات کو فروخت نہ کرو۔ (المائدۃ: ۴۴)

فَإِنْ تَابُوْا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ

پھر اگر وہ توبہ کر لیں	اور قائم کریں	نماز	اور ادا کریں	زکوٰۃ	وہ تمہارے بھائی ہیں

فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑪

میں	دین	اور ہم تفصیل بیان کرتے ہیں	آیات	ایسی قوم کیلئے	وہ علم رکھتے ہیں

”پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور ہم جاننے والوں کے لیے کھول کر آیات بیان کرتے ہیں۔“ (۱۱)

فہم القرآن

ربط کلام: اسلام کی وسعت ظرفی اور عفو درگزر کی بے مثال پالیسی۔

اسلام ہی ایسا دین ہے جس نے انسانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر بار بار توبہ کا موقع فراہم فرمایا ہے اور یہ یقین دہانی کروائی ہے کہ کوئی فرد یا قوم جب بھی اپنے جرائم سے سچی توبہ کر لے تو انھیں صرف اللہ تعالیٰ ہی معاف نہیں کرتا ہے بلکہ حکم ہے کہ مسلمان بھی اسے معاف کر دیں۔ مکہ میں نبی اکرم ﷺ کی ذات آپ کے اعزاء و اقرباء اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشرکین نے مظالم کی انتہا کی مگر جب بھی ان میں سے کوئی تائب ہو کر حلقہ اسلام میں داخل ہوا تو نہ صرف اسے معاف کر دیا گیا بلکہ مسلمانوں کی طرف سے ایسی محبت کا اظہار ہوا کہ جس سے کل کا ظالم آج اسلام اور مسلمانوں پر جان نچھاور کرنا اپنے لیے دو جہانوں کی سعادت سمجھنے لگا۔ بدر، احد، احزاب اور دوسرے مواقعوں پر مسلمانوں کے خلاف تلواریں سونتنے والے جب بھی حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تو انھیں پورا، پورا اعزاز دیا گیا اس سے بڑھ کر کیا مثال ہوگی جنھوں نے احد کے موقعہ پر آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا تھا۔ آپ نے انھیں بھی معاف فرما دیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے مسلمانوں کا جنگ وقتال کبھی بھی اپنی ذات کے لیے نہیں رہا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ کافر کے لیے صرف کلمہ پڑھنا کافی نہیں۔ بلکہ کلمہ کے اقرار کے بعد نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی یاد رہے نماز حقوق اللہ ادا کرنے کی ضمانت ہے اور زکوٰۃ حقوق العباد کی ترجمان ہے۔ جو شخص ان کا خیال رکھے گا اس کے لیے رمضان کے روزے رکھنا اور حج کرنا آسان ہو جائے گا جہاں تک کہ اسلام میں توبہ کرنے کا تعلق ہے یہ تو حالت جنگ اور حالت نزع میں بھی قبول ہو جاتی ہے۔

((عَنْ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ رضی اللہ عنہما يَقُولُ بَعَثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلَى الْحُرَقَةِ فَصَبَّحْنَا الْقَوْمَ فَهَزَمْنَاهُمْ وَلَحِقْتُ أَنَا وَرَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ رَجُلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا غَشِينَاهُ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَكَفَّ الْأَنْصَارِيُّ فَطَعَنْتُهُ بِرُمْحِي حَتّٰى قَتَلْتُهُ فَلَمَّا قَدِمْنَا بَلَغَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا أُسَامَةُ أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ قُلْتُ كَانَ مُتَعَوِّذًا فَمَا زَالَ

يُكَرِّرُهَا حَتّٰى تَمَنَّيْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَسْلَمْتُ قَبْلَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ))

[رواه البخاری: کتاب المغازی، باب بعث النبی اسامۃ]

''حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حرقہ کی طرف بھیجا۔ ہم نے ان لوگوں کے ساتھ مقابلہ کیا اور انھیں شکست سے دو چار کیا۔ میں اور ایک انصاری نے دشمن کے ایک آدمی پر غلبہ پایا تو اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا۔ انصاری نے یہ سنتے ہی اپنے ہاتھوں کو روک لیا مگر میں نے اسے اپنا نیزا مارا یہاں تک کہ اسے قتل کر ڈالا۔ جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کے سامنے تفصیل بیان کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اسامہ کیا تو نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کیا؟ میں نے عرض کی کہ وہ تو مجھ سے بچنے کے لیے ایسا کر رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الفاظ بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ میں نے سوچا کاش میں نے آج سے پہلے اسلام قبول نہ کیا ہوتا۔'' (یعنی مسلمان ہوتے ہوئے مجھے یہ غلطی نہیں کرنی چاہیے تھی۔)

((عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ))

[رواه ابوداؤد: کتاب الجنائز، باب فی التلقین]

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا آخری کلام لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

مسائل

١۔ توبہ کرنے سے شرک وکفر بھی معاف ہو جاتا ہے۔

٢۔ ایمان لانے کے بعد نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ایمان لانے کا عملی ثبوت ہے۔

٣۔ دین باہمی اخوت کے لیے مضبوط ترین رشتہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

مسلمانوں کے باہمی تعلقات:

١۔ مومن آپس میں بھائی ہیں اگر وہ جھگڑ پڑیں تو ان میں صلح کروادو۔ (الحجرات:١٠)

٢۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی آپس میں بڑے رحمدل اور کفار پر بڑے سخت ہیں۔ (الفتح:٢٩)

٣۔ اے ایمان والو! اگر تم مرتد ہو جاؤ تو اللہ ایسی قوم لے آئے گا جو آپس میں محبت کرنے والے ہوں۔ (المائدۃ:٥٤)

وَاِنْ	نَّكَثُوْٓا	اَيْمَانَهُمْ	مِّنْۢ بَعْدِ	عَهْدِهِمْ	وَطَعَنُوْا
اور اگر	وہ توڑ دیں	اپنی قسمیں	سے بعد	اپنے عہد کے	اور وہ طعن کریں

فِيْ دِيْنِكُمْ	فَقَاتِلُوْٓا	اَئِمَّةَ	الْكُفْرِ ۙ	اِنَّهُمْ	لَآ اَيْمَانَ	لَهُمْ
میں تمہارے دین	تو تم لڑو	لیڈروں	کفر	بیشک وہ	نہیں قسمیں	ان کی

لَعَلَّهُمْ	يَنْتَهُوْنَ ﴿١٢﴾
تا کہ وہ	باز آجائیں

’’اور اگر وہ عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو بے شک ان لوگوں کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے تا کہ وہ باز آجائیں۔‘‘ (١٢)

فہم القرآن

ربط کلام: دین دار لوگوں کی آپس میں محبت ہونی چاہیے جو لوگ عہد شکنی کریں اور دین اسلام کو طعن وتضحیک کا نشانہ بنائیں ان سے نہ صرف نفرت ہونی چاہیے بلکہ جنگ کے دوران انھیں خاص طور پر نشانہ بنانا چاہیے۔

کفار اور منافقین تائب ہونے کی بجائے عہد شکنی اور دین میں طعن وتشنیع کا سلسلہ جاری رکھیں۔ تو ان کی قسموں پر اعتماد کرنے کی بجائے کفر کے سرداروں کو قتل کر دو۔ شاید اس طرح باقی ماندہ لوگ کفر وشرک کی کھلم کھلا مخالفت سے باز آجائیں۔ دین میں طعن سے مراد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کرنا اور دین کے بارے میں غلط پروپیگنڈہ کرنا ہے۔ اس آیت میں دو باتیں بالخصوص کہی گئی ہیں۔ ائمۃ الکفر کے قتل کا حکم اور ان کے عہد کو بے حیثیت قرار دینے کی ہدایت۔ یہ اس لیے ہے کہ کفار جب اپنے آپ کو طاقتور سمجھتے ہیں۔ تو مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے عہد کی پرواہ نہیں کرتے اور جب مسلمانوں کو مضبوط تصور کرتے ہیں تو پھر عہد کی پاسداری کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ جس طرح حدیبیہ کا عہد توڑنے کے بعد انھوں نے محسوس کیا کہ مسلمان ہم پر حملہ آور ہونے والے ہیں تو انھوں نے اپنے سربراہ ابوسفیان کو تجدید عہد کے لیے مدینہ بھیجا لیکن نبی اکرم ﷺ سمجھتے تھے کہ یہ صرف دفع الوقتی کی خاطر ایسا کر رہے ہیں اور بنو بکر کو بنو خزاعہ کی دیت دینے کے لیے مجبور کرنے پر تیار نہیں ہیں جس بناء پر آپ تجدید عہد کے لیے تیار نہ ہوئے اور مکہ کی طرف پیش قدمی فرمائی جب آپ نے مکہ کا کنٹرول سنبھالا تو چار پانچ آدمیوں کے سوا باقی کے لیے عام معافی کا اعلان فرمایا جن لوگوں کو اس موقع پر قتل کیا گیا ان کے بارے میں اعلان یہ تھا کہ اگر یہ لوگ کعبہ کے غلاف کے ساتھ چمٹ جائیں تو پھر بھی انھیں معاف نہ کیا جائے۔ اس کا سبب یہی تھا کہ یہ لوگ ائمۃ الکفر تھے اور اللہ اور اس کے رسول کی گستاخیاں کرنے کے ساتھ دین پر غلیظ ترین

طعن وتشنیع کرتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے حکم جاری فرمایا کہ ان لوگوں کو جہاں پاؤ قتل کردو۔ فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے اکابر مجرمین میں سے نو آدمیوں کا خون رائیگاں قرار دے کر حکم دیا کہ اگر وہ کعبے کے پردے کے پیچھے بھی پائے جائیں تو انھیں قتل کردیا جائے ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) عبدالعزیٰ بن خطل (۲) عبداللہ سعد بن ابی سرح (۳) عکرمہ بن ابی جہل (۴) حارث بن نفیل بن وہب (۵) مقیس بن صبابہ (۶) ہبار بن اسود (۷،۸) ابن خطل کی دو لونڈیاں جو نبی ﷺ کی ہجو گایا کرتی تھیں (۹) سارہ، جو اولاد عبدالمطلب میں سے کسی کی لونڈی تھی۔ ابن ابی سرح کا معاملہ یہ ہوا کہ اسے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خدمت نبوی ﷺ میں لے جا کر جان بخشی کی سفارش کردی اور آپ نے ان کی جان بخشی فرماتے ہوئے اس کا اسلام قبول کرلیا۔ لیکن اس سے پہلے آپ کچھ دیر تک اس امید میں خاموش رہے کہ کوئی صحابی اٹھ کر اسے قتل کردے گا۔ کیونکہ یہ شخص اس سے پہلے بھی ایک بار اسلام قبول کرچکا تھا اور ہجرت کرکے مدینہ آیا تھا لیکن پھر مرتد ہو کر بھاگ گیا تھا تاہم اس کے بعد یہ شخص مخلص مسلمان ثابت ہوا۔

عکرمہ بن ابی جہل نے بھاگ کر یمن کی راہ لی لیکن اس کی بیوی خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر اس کے لیے امان کی طالب ہوئی اور آپ نے اُسے امان دے دی۔ اس کے بعد وہ عکرمہ کے پیچھے گئی اور اسے واپس لے آئی۔ اس نے اسلام قبول کیا۔

ابن خطل خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کر لٹکا ہوا تھا۔ ایک صحابی نے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے قتل کردو۔ اس نے اسے قتل کردیا۔ مقیس بن صبابہ کو حضرت نمیلہ بن عبداللہ نے قتل کیا۔ مقیس بھی پہلے مسلمان ہو چکا تھا۔ لیکن پھر ایک انصاری کو قتل کرکے مرتد ہو گیا اور بھاگ کر مشرکین کے پاس چلا گیا تھا۔ حارث، مکہ میں رسول اللہ ﷺ کو سخت اذیت پہنچایا کرتا تھا۔ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ ہبار بن اسود وہی شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کی ہجرت کے موقع پر ایسا کچو کا مارا جس سے وہ ہودج سے نکل کر ایک چٹان پر جا گری تھیں اور اس کی وجہ سے ان کا حمل ساقط ہو گیا تھا۔ یہ شخص مکہ سے نکل بھاگا۔ بعد ازاں مسلمان ہو گیا اور اس کا اسلام اور کردار بہت اچھا رہا۔ ابن خطل کی دونوں لونڈیوں میں سے ایک قتل کی گئی۔ دوسری کے لیے امان طلب کی گئی اور اس نے اسلام قبول کرلیا۔ اسی طرح سارہ کے لیے امان طلب کی گئی اور وہ بھی مسلمان ہو گئی۔ (گویا کہ نو میں سے چار قتل کیے گئے، پانچ کی جان بخشی ہوئی اور انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔)

مسائل

۱۔ جو لوگ بار بار عہد شکنی کریں ان کے عہد کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔

۲۔ اللہ اور اس کے رسول کی گستاخی اور دین میں طعن کرنے والوں کو قتل کردینا چاہیے۔

۳۔ جنگ میں کفر کے لیڈروں کو قتل کردینا چاہیے۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ

کیا نہیں تم لڑو گے ایسی قوم انہوں نے توڑ دیں اپنی قسمیں اور انہوں نے ارادہ کیا نکالنے کا

الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ

رسول اور وہ انہوں نے شروع کی تم سے پہلی بار کیا تم ان سے ڈرتے ہو چنانچہ اللہ زیادہ حقدار

اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

کہ تم اس سے ڈرو اگر ہو تم مومن

”کیا تم ان لوگوں سے نہ لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے ہی پہلے تم سے ابتدا کی کیا تم ان سے ڈرتے ہو اللہ زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرو اگر تم ایمان رکھنے والے ہو۔“ (۱۳)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

اب پھر قتال فی سبیل اللہ کی تاکید کی جارہی ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں قتال کیوں نہیں کرتے؟ جب کہ بار بار عہد شکنی کرنے کے علاوہ انہوں نے آپ ﷺ کو مکہ سے نکالا اور پھر اس کے بعد مدینہ پر حملہ آور ہو کر جنگ میں پہل کی یہاں تک کہ منافقین کے ساتھ مل کر نبی اکرم ﷺ کو مدینہ سے بھی نکالنے کا منصوبہ بنایا ایسی صورت میں ان کے ساتھ قتال فی سبیل اللہ کا معرکہ ضرور ہونا چاہیے لیکن تمھاری کیفیت یہ ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی بجائے کفار سے زیادہ ڈرتے ہیں حالانکہ تمھیں اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنا چاہیے بشرطیکہ تم صدق دل کے ساتھ ایمان لانے والے ہو۔ جو مسلمان ہو کر کفار سے ڈرتے ہیں وہ غالب آنا تو درکنار کبھی کفار کے خلاف قتال کرنے کے لیے سوچ بھی نہیں سکتے۔ اللہ سے ڈرنے سے مسلمان کو بیک وقت دو فائدے پہنچتے ہیں۔ اس کے کردار میں نیکی، للّٰہیت کا اضافہ ہوتا ہے اور دشمن کے مقابلے میں بہادر ثابت ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ مسلمان اپنے سے دس گنا زیادہ طاقت ور کے ساتھ ٹکرانے میں ہچکچاہٹ نہیں سمجھتے تھے۔ سورۃ آل عمران ۱۳۹ میں ایمان کا صلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر تم ایمان کے تقاضے پورے کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمھیں ہمیشہ سربلند رکھے گا۔

مسائل

۱۔ معاہدہ کی پاسداری نہ کرنے والوں کے ساتھ لڑائی کی اجازت ہے۔

۲۔ ایمان داروں کو ہر حال میں اللہ سے ڈرنا چاہیے۔

قَاتِلُوْهُمْ	يُعَذِّبْهُمُ	اللّٰهُ	بِاَيْدِيْكُمْ	وَيُخْزِهِمْ	وَيَنْصُرْكُمْ
تم ان سے لڑو	عذاب دے گا انہیں	اللہ	تمہارے ہاتھوں سے	اور رسوا کرے گا انہیں	اور تمہاری مدد کرے

عَلَيْهِمْ	وَيَشْفِ	صُدُوْرَ	قَوْمٍ	مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٤﴾	وَيُذْهِبْ	غَيْظَ
ان کے مقابلہ میں	اور شفا بخشے گا	سینوں کو	قوم	مومنوں	اور وہ لے جائے گا	غصہ

قُلُوْبِهِمْ ؕ	وَيَتُوْبُ اللّٰهُ	عَلٰى	مَنْ يَّشَآءُ ؕ	وَاللّٰهُ	عَلِيْمٌ	حَكِيْمٌ ﴿١٥﴾
ان کے دلوں کا	اور توجہ فرماتا ہے اللہ	پر	جس پر چاہتا ہے	اور اللہ	خوب والا	حکمت والا ہے

’’ان سے لڑو، اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور انہیں رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور مومن لوگوں کے سینوں کو شفا دے گا۔(١٤) اور ان کے دلوں کا غصہ دور کرے گا اور اللہ جس کی چاہے گا توبہ قبول کرے گا اللہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔‘‘(١٥)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سے پہلے کفار اور مشرکین سے قتال کرنے کے اسباب بیان کیے اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ تمھیں اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرنا چاہیے لہٰذا تم اللہ کے راستے میں لڑو۔ اللہ تعالیٰ ضرور کفار اور مشرکوں کو تمھارے ہاتھوں ذلیل کرے گا۔

مسلمانوں کو قتال فی سبیل اللہ کا حکم دیتے ہوئے چار خوشخبریاں سنائی گئی ہیں جس میں پہلی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ تم دشمن کے مقابلے میں میدان کارزار میں اترو اللہ تعالیٰ تمھارے ہاتھوں انھیں عبرت ناک سزا دے کر دنیا میں ہی ان کو ذلیل وخوار کرے گا تمھاری ان کے مقابلے میں اس قدر مدد فرمائے گا جس سے تمھارے سینے ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ ماضی کے حوالے سے جو تمھارے دل میں ان کے بارے میں غصہ اور طیش ہے تم اس قدر ان کو مارو گے وہ بھی جاتا رہے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باقی ماندہ کفار مسلمانوں کی کامیابی اور اپنی ذلت اور رسوائی دیکھ کر انشرح صدر کے ساتھ اسلام کی حقانیت تسلیم کر کے اپنے رب کی بارگاہ میں تائب ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرمادے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے توبہ قبول کرتا ہے وہ لوگوں کے ظاہری اور باطنی حالات سے آگاہ ہے۔ اس کے ہر حکم اور کام میں حکمت ہوتی ہے۔ یہ قتال فی سبیل اللہ کا نتیجہ تھا کہ فتح مکہ کے بعد نہ صرف سرزمین حجاز پر اسلام کا پھریرا بلند ہوا بلکہ اس سے مشرق ومغرب اور شمال وجنوب میں اسلام کی پیش قدمی کے لیے راستے ہموار ہوئے اور نہایت قلیل عرصہ میں کافر اور مشرک دین کے سامنے سرنگوں ہوئے۔

مسائل

١۔ قتال فی سبیل اللہ کا ایک مقصد یہ ہے کہ دشمن ذلیل ہو جائے۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ جہاد وقتال میں مسلمانوں کی مدد کرتا ہے۔
٣۔ فتح اور کامیابی مجاہد کے لیے دل کا سکون اور سینے کی ٹھنڈک ہوتی ہے۔ ٤۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام اور حکم میں بے شمار حکمتیں ہوتی ہیں

اَمْ حَسِبْتُمْ	اَنْ تُتْرَكُوْا	وَلَمَّا	يَعْلَمِ	اللّٰهُ	الَّذِيْنَ	جٰهَدُوْا	
کیاتم نے گمان کرلیا	کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے	اورنہیں	جانا	اللہ نے	ان لوگوں کو	جنہوں نے جہاد کیا	
مِنْكُمْ	وَلَمْ	يَتَّخِذُوْا	مِنْ	دُوْنِ اللّٰهِ	وَلَا رَسُوْلِهٖ	وَلَا	
تم میں سے	اورنہیں	بنایاانہوں نے	سے	اللہ کے علاوہ	اور نہ اسکے رسول	اور نہ	
الْمُؤْمِنِيْنَ	وَلِيْجَةً ؕ	وَاللّٰهُ	خَبِيْرٌۢ	بِمَا	تَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾ ع		
مومنوں	کوئی دلی دوست	اوراللہ	خبردار ہے	ان سے جو	تم عمل کرتے ہو		

’’یاتم نے گمان کررکھا ہے کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے، حالانکہ ابھی اللہ نے ان لوگوں کونہیں جانا جنہوں نے تم میں سے جہاد کیااور نہ اللہ اور اس کے رسول اورایمان والوں کے سواکسی کورازدار بنایا اللہ اس سے باخبر ہے جوتم کرتے ہو۔‘‘(١٦)

فہم القرآن

ربط کلام: قتال فی سبیل اللہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں کوسکون اور سینوں کوٹھنڈا کرنے کے ساتھ یہ بھی آزمانا چاہتا ہے کہ مسلمان کس حدتک کفار کے بارے، میں اپنے دلوں میں نفرت رکھتے ہیں۔

دنیا کی زندگی ہر شخص کے لیے آزمائش اور امتحان گاہ کی حیثیت رکھتی ہے بالخصوص جب کوئی شخص حلقہ اسلام میں داخل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے کئی قسم کی آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے تا کہ دنیا والوں پر ظاہر کیا جائے کہ اللہ اوراس کے رسول کا کلمہ پڑھنے والا کس حدتک ایمان میں پکا اور اپنے مشن میں سچا ہے جس طرح مسلمان کی انفرادی طور پر آزمائش کی جاتی ہے۔ اسی طرح ہی ان کو اجتماعی آزمائشوں کے ذریعے آزمایا جاتا ہے۔ اجتماعی آزمائشوں میں سب سے بڑی آزمائش اللہ کی رضا کی خاطر اپنے اعزاء واقرباء سے جنگ کرنا ہے جو کفر اورشرک کی بناء پر اپنے رب کے باغی بن چکے ہوتے ہیں۔ مسلمانوں پہ آزمائش اس لیے بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی فوج قرار دیتا ہے۔ دنیا کی کونسی فوج ہے جس کے لیے آزمائش کا اہتمام نہ کیا گیا ہو۔ فوج کو پرکھنے اور ایک خاص معیار پر لانے کے لیے لاکھوں، کروڑوں ڈالر اور بے شمار اسلحہ ضائع کر کے آپس میں نقلی جنگیں کروائی جاتی ہیں تا کہ دشمن کے مقابلے میں جنگی تیاریوں کا اندازہ اورفوج کا مورال پرکھا جاسکے۔ مجاہد بھی کفار اور مشرکین کے ساتھ مقابلہ اور مقاتلہ اسی صورت میں کرسکتا ہے۔ جب اس کے دل میں کفار اور مشرکین کے بارے میں کاروباری مفادات، معاشرتی تعلقات اور خونی رشتوں سے بڑھ کر اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی محبت اور جان نثاری کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ یہاں قتال فی سبیل اللہ کا یہی مقصد بیان کیا گیا ہے۔ یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے لیے نازل ہوئی جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے اور ابھی تک مشرک اعزاء واقرباء کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے تھے جہاں تک سابقون الاولون

مسلمانوں کا تعلق ہے انھوں نے بدر اور اُحد میں یہ ثابت کر دیا تھا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ذات اور ان کی بات پر کسی شخص اور مفاد کو مقدم نہیں سمجھتے اسی لیے ان کی تعریف میں کہا گیا کہ

''جو لوگ اللہ اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں آپ انھیں ہرگز نہ پائیں گے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے مخالفوں کے ساتھ محبت رکھتے ہوں خواہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے، بھائی اور رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان راسخ کر دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ان کی خصوصی مدد کرتا ہے اور انھیں ایسی جنت میں داخل کیا جائے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں اللہ تعالیٰ ان سے ہمیشہ راضی ہوگا اور وہ بھی اپنے رب سے خوش ہوں گے یہ اللہ کی جماعت ہے اور لوگو! کان کھول کر سنو کہ اللہ کی جماعت ہی کامیاب اور کامران ہونے والی ہے۔ (المجادلۃ، آیت: ۲۲)''

مسائل

۱۔ ایمان کے لیے آزمائش شرط ہے۔
۲۔ مومن وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو سب سے مقدم جانتا ہو۔
۳۔ کافر اور مشرک کے ساتھ دلی محبت نہیں ہونی چاہیے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کے عمل کو جانتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

کن لوگوں سے دلی دوستی کرنا جائز نہیں:

۱۔ کافروں سے دوستی نہیں کرنی چاہیے۔ (النساء: ۸۹)
۲۔ مومنوں کے علاوہ کسی کو دوست نہیں بنانا چاہیے۔ (النساء: ۱۴۴)
۳۔ یہود و نصاریٰ سے دوستی جائز نہیں۔ (المائدۃ: ۵۱)
۴۔ دین کو مذاق کرنے والوں سے دوستی جائز نہیں۔ (المائدۃ: ۵۷)
۵۔ ایمان پر کفر کو ترجیح دینے والوں سے دوستی جائز نہیں۔ (التوبۃ: ۲۳)
۶۔ اللہ کے دشمنوں سے دوستی نہیں کرنا چاہیے۔ (الممتحنة: ۱)

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

نہیں ہے لائق واسطے مشرکوں کے یہ کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو شہادت دینے والے اپنے نفسوں پر

بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۞

کفر کی یہی لوگ ہیں برباد ہوگئے ان کے عمل اور میں آگ وہ ہمیشہ رہیں گے

”نہیں لائق مشرکوں کے لیے کہ وہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں کیونکہ وہ اپنے آپ پر کفر کی شہادت دینے والے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال ضائع ہو گئے اور وہ آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔“ (۱۷)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرکین اور کفار کے ساتھ اس لیے بھی قتال کرنے کا حکم ہوا۔ تاکہ ان سے حرم ہمیشہ کے لیے خالی کروالیا جائے۔

سورۃ التوبہ کے تعارف میں عرض کیا تھا کہ اس کی اکثر آیات فتح مکہ کے موقع پر نازل ہوئیں اس لیے قتال فی سبیل اللہ کا حکم دیتے ہوئے مشرکین مکہ کی اس حیثیت کو چیلنج کیا گیا ہے۔ جس بناء پر وہ پوری دنیا میں بالخصوص سرزمین عرب میں معزز اور محترم جانے جاتے تھے۔ لوگوں کی نظروں میں یہ اللہ کے گھر کے متولی اور خدمت گار تھے جس وجہ سے ان کا احترام کیا جاتا تھا لوگ سمجھتے کہ ان میں کوئی خاص خوبی نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ انھیں کیونکر اپنے گھر کا متولی اور خدمت گار بناتا۔ اس بنا پر لوگ انھیں مقدس اور محترم سمجھتے تھے اور مکے والے بھی اس بات پر فخر کرتے تھے کہ ہم بیت اللہ اور مسجد حرام کے متولی اور حجاج کرام کے خادم ہیں لہٰذا ہم مسلمانوں سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔ اہل مکہ اور لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے دوٹوک الفاظ میں واضح کیا ہے کہ مشرکین کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں کیونکہ ان کا قول وفعل ان پر گواہ ہے کہ وہ مسجد حرام اور بیت اللہ کے مالک یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور شرک کرنے والے ہیں۔ جب کہ بیت اللہ اور مسجد حرام کا مقصد ہی اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرنا ہے اور اسی مقصد کے لیے ہی مساجد بنائی جاتی ہیں۔ جب کافر اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتا اور مشرک اس کی خالص عبادت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا پھر انھیں یہ حق کیونکر دیا جا سکتا ہے کہ وہ مسجد حرام اور دیگر مساجد کے متولی بن کر رہیں انھیں تو مسجد میں آنے کی بجائے بتوں، مزاروں اور آتش کدوں میں جا کر ہی خوار ہونا چاہیے۔ لہٰذا انھیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ مسجد حرام یا کوئی اور مسجد تعمیر کریں اور اس کی تولیت یا خدمت وخطابت کے ذریعے لوگوں سے مراعات اور احترام حاصل کریں۔ ان کے اعمال ضائع ہوئے اور یہ لوگ ہمیشہ کے لیے جہنم رسید ہوں گے۔ لہٰذا مساجد کو وہی لوگ تعمیر کریں اور وہی انھیں آباد کریں جو اللہ اور آخرت پر خالصتاً ایمان رکھتے ہوئے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرنے والے ہیں اگر ایسے لوگوں سے کوئی چوک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی رہنمائی کرے گا غیر اللہ سے ڈرنے سے مراد حقیقی اور دائمی خوف ہے جو صرف مشرک کے دل میں ہوا کرتا ہے کیونکہ مشرک بتوں، مزارات اور یہاں تک کہ درختوں

سے ڈرتا اور کانپتا ہے یہی وجہ ہے کہ بے شمار شرک کرنے والے مزارات اور بت خانوں میں لگے ہوئے درختوں سے پتہ توڑنے کی جرأت نہیں کرتے کہ کہیں بت یا قبر والا ناراض نہ ہوجائے ان کے مقابلے میں مواحد صرف اللہ تعالیٰ کا خوف ہی دل میں بٹھائے رکھتا ہے کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی نفع دے سکتا ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔

یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں ہدایت کے لیے اولین شرط یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرے اگر وہ کسی دوسرے کا خوف اپنے دل میں محسوس کرے گا تو حقیقت سمجھنے کے باوجود اسے اپنانے سے خوف زدہ رہے گا۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُولَ اللّٰہِ ابْنُ جُدْعَانَ کَانَ فِی الْجَاھِلِیَّةِ یَصِلُ الرَّحِمَ وَیُطْعِمُ الْمِسْکِینَ فَھَلْ ذَاکَ نَافِعُهُ قَالَ لَا یَنْفَعُهُ إِنَّهُ لَمْ یَقُلْ یَوْمًا رَبِّ اغْفِرْ لِی خَطِیئَتِی یَوْمَ الدِّینِ))

[رواہ مسلم: کتاب الایمان]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! ابن جدعان زمانہء جاہلیت میں صلہ رحمی کیا کرتا تھا اور مساکین کو کھانا کھلایا کرتا تھا کیا اس کو اس کا کوئی فائدہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، کیونکہ اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ اے میرے رب! قیامت کے دن میری خطائیں معاف کرنا۔'' گویا کہ وہ آخرت کا منکر تھا۔

مسائل

۱۔ مشرکین کو بیت اللہ میں داخل ہونے کا کوئی حق نہیں۔

۲۔ مشرک کو کسی مسجد کا متولی نہیں ہونا چاہیے۔

۳۔ شرک اور کفر سے آدمی کے سارے اعمال ضائع ہوجاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

مشرک انتہائی ذلیل ہوتا ہے:

۱۔ مشرک پلید ہوتا ہے۔(التوبۃ:۲۸)

۲۔ مشرکوں کو لائق نہیں کہ مسجد حرام کے قریب آئیں۔(التوبۃ:۱۷)

۳۔ مشرکوں کے اعمال برباد ہوجائیں گے۔(الانعام:۸۸)

۴۔ مشرکوں پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔(الفتح:۶)

۵۔ مشرک پر جنت حرام ہے۔(المائدۃ:۷۲)

اِنَّمَا	يَعْمُرُ	مَسٰجِدَ اللّٰهِ	مَنْ	اٰمَنَ	بِاللّٰهِ	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
صرف	وہی آباد کرتا ہے	اللہ کی مسجدیں	جو	ایمان لایا	ساتھ اللہ کے	اور آخرت کے دن پر
وَاَقَامَ	الصَّلٰوةَ	وَاٰتَى	الزَّكٰوةَ	وَلَمْ يَخْشَ	اِلَّا اللّٰهَ	فَعَسٰٓى
اور قائم کی	نماز	اور ادا کی	زکوٰۃ	اور نہیں وہ ڈرا	مگر اللہ	پھر عنقریب
اُولٰٓئِكَ	اَنْ يَّكُوْنُوْا	مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾				
یہی	ہوں گے	ہدایت یافتہ لوگوں میں سے				

’’اللہ کی مسجدیں تو وہی آباد کرتا ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرا۔ امید ہے یہ لوگ ہدایت پانے والوں سے ہوں گے۔‘‘ (۱۸)

فہم القرآن

ربط کلام: پچھلی آیت میں مشرکین کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ لوگ مساجد کے متولی نہیں ہو سکتے یہاں وضاحت کی گئی کہ مساجد کے متولی حضرات کے کیا اوصاف ہونے چاہئیں۔

روئے زمین پر اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ جگہ اور مقام مسجد ہے جس کو ذکر وفکر اور اللہ کے حضور سجدہ گاہ بنایا گیا ہے۔ نبی محترم ﷺ نے اس زمین کے ٹکڑے کو اللہ کے باغوں میں سے ایک باغ قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ لوگو! اللہ کے باغوں میں داخل ہو کر خوب سیر ہو کر کھایا کرو۔ لوگوں نے پوچھا اللہ کے باغ کون سے ہیں اور ان میں کھانا پینا کیسا؟ آپ ﷺ فرماتے ہیں مسجدیں اللہ کا گھر ہیں اور روح کے لیے ذکر واذکار تازہ پھل کھانے کے مترادف ہیں۔ (مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلاۃ)

جس طرح گلشن وباغیچے کو صاف ستھرا رکھا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق مسجد روح ونفس اور جسم وجان کے لیے روحانی اور خدائی باغ ہیں۔ انہیں تو ہر حال میں پاک صاف اور ستھرا رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی تعمیر کرنے والے دو پیغمبروں سے یہی وعدہ لیا تھا کہ میرے گھر کو ہر طرح سے پاک صاف رکھنا۔

﴿وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾ [البقرة: ۱۲۵]

’’ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے وعدہ لیا تھا کہ میرے گھر کو طواف، رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا۔‘‘

اللہ کے گھر کی ظاہری صفائی یہ ہے کہ اسے گرد وغبار، جنگ وجدال اور فتنہ وفساد سے پاک رکھا جائے۔ پہلے پارے میں ارشاد ہے کہ جو لوگ مسجدوں کے ماحول کو خراب اور ان میں فتنہ وفساد پیدا کرتے ہیں ان کے لیے مسجدوں میں ایسی کڑی

نگرانی کا ماحول اور اخلاقی دباؤ ہونا چاہیے کہ وہ مسجد میں شرارت کرتے ہوئے خوف محسوس کریں۔

مسجدوں میں سکون اور ان میں آنے والے تب ہی ذوق وشوق کے ساتھ آئیں گے کہ مساجد میں صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ ساتھ پرسکون ماحول پیدا کیا جائے۔ مسجدوں میں بے وجہ گفتگو اور شوروغوغا نمازیوں کے سکون اور عبادت کے ذوق وشوق کو تباہ کر دیتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد میں دو آدمیوں کو بلند آواز میں باتیں کرتے ہوئے سنا تو ان کو ہلکی سی ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا کہ تم دیہاتی ہو اور تمہیں مسجد کے آداب کا علم نہیں اگر تم مدینے کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سخت سزا دیتا۔ (مشکوٰۃ: باب المساجد ومواضع الصلاۃ)

اخلاقیاتِ عالم کا مسلمہ اصول ہے کہ جب کوئی شخص دوسرے کے گھر جائے تو وہ اپنی عزت اور دوسرے کے احترام کی خاطر لڑائی جھگڑے حتیٰ کہ آواز اونچی کرنے سے بھی کتراتا ہے۔ مسجد تو رب ذوالجلال کا گھر ہے۔ اللہ کی سطوت و جبروت اور اس کے گھر کا احترام یہ ہے آدمی ہر اعتبار سے وقار اور سنجیدگی کا مظاہرہ کرے۔ جو شخص اللہ کے گھر کا احترام نہیں کرتا اس کے بارے میں یہ انتباہ ہے:

﴿ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ (البقرة: ١١٤)

''وہ دنیا وآخرت میں ضرور ذلیل وخوار ہوکر رہیں گے۔''

مسجد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی سمع وطاعت کی تربیت گاہ رحمت خداوندی کا مرکز اور اس کی تجلیات کی جگہ ہے۔ اس لیے یہاں آنے والے کو یہ تعلیم دی گئی کہ مسجد میں دایاں قدم رکھتے ہی اللہ کی رحمتوں کے حصول کے لیے یہ دعا کرتے ہوئے مسجد میں داخل ہوا جائے۔

﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ [التوبة: ١٨]

''بے شک مساجد کی تعمیر میں وہی لوگ حصہ لیتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔''

مسجد کا ماحول جس قدر پرسکون، صفائی اور اخلاق کے اعتبار سے صاف ستھرا ہوگا اسی قدر نمازی حضرات کو روحانی اور نفسیاتی فائدہ اور سکون وقرار حاصل ہوگا۔ مسجد میں دل جمعی کے ساتھ بیٹھنا اور فکر ونظر کی یکسوئی کے ساتھ اللہ کا گھر سمجھ کر اس کی بارگاہ میں حاضری کا تصور لیے ہوئے ٹھہرے رہنا بے پناہ روحانی اور نفسیاتی فوائد سے بھرپور عمل ہے۔

اس گئے گذرے دور میں کوئی شخص اس نیت وارادے کے ساتھ بیٹھ کر اندازہ کرسکتا ہے کہ جو سکون مسکن دواؤں، راحت بخش فضاؤں اور طعام وقیام کی لذتوں سے حاصل نہیں ہوتا، وہ اللہ کے گھر میں چند لمحے گذارنے سے اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ آدمی کی بے چینی اور مضطرب طبیعت میں قرار واطمینان کے جھونکے اس کی طبیعت کو ڈھارس بندھاتے اور اس کی روح کو بہلا رہے ہوتے ہیں۔ اس سکون واطمینان اور روحانی اثرات کا تسلسل فقط اس دنیا تک ہی نہیں بلکہ اسکے نتائج لامتناہی

مستقبل پراس طرح مرتب ہوں گے کہ محشر کے دن سورج کی شدت وحرارت کی وجہ سے پسینے میں شرابور لوگ تپش اور گرمی کی بنا پراس طرح دکھائی دیں گے جیسے کوئی بھاری نشہ استعمال کرنے کے بعد لڑکھڑا رہا ہوتا ہے۔

اس ہولناک موقع پر عرش معلیٰ سے سات قسم کے لوگوں کے لیے اعلان ہوگا۔ کہ فلاں، فلاں لوگ میرے عرش کے سائے میں آجائیں ان میں ایک طبقہ وہ ہوگا جو مسجد میں پُروقار اور مکمل اطمینان کیساتھ بیٹھا کرتا تھا۔

(مشکوٰۃ: باب المساجد ومواضع الصلاۃ)

دیکھنے والوں کے لیے یہ سچائی کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ جو افسران یا اثر ورسوخ اور سماجی لحاظ سے بڑے لوگ مسجدوں میں پانچ وقت حاضری کی سعادت سے سرفراز ہوتے ہیں' چند لوگوں کو چھوڑ کر ایسے افسران اور سرکردہ حضرات میں وہ رعونت اور تکبر نہیں پایا جاتا جو مسجدوں سے دور رہنے والے اعلیٰ حکام اور بڑے لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ ایسے افراد تک عوام کی رسائی ہزار پابندیوں کے باوجود آج بھی بہت آسان دکھائی دیتی ہے۔ مسجدوں میں حاضری کی وجہ سے انکے رویہ میں شفقت اور محبت کا پہلو غالب رہتا ہے۔ جب تک اقتدار میں شریک لوگ مسجد میں آیا کرتے تھے اس وقت تک عوام اور حکام کے درمیان اتنا بعد نہیں تھا۔ اس لیے ہم جس قدر بھی مسجدوں کے ساتھ وابستگی پیدا کریں گے اسی قدر روحانی اور معاشرتی ترقیوں کو پانا ہمارے لیے آسان ہوگا۔

مسجد میں داخل ہونے کی دعا:

((اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ)) [مشکوٰۃ: باب المساجد و مواضع الصلاۃ]

''اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیجیے۔''

مسجد سے نکلنے کی دعا:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ)) [مشکوٰۃ: باب المساجد و مواضع الصلاۃ]

''اے اللہ! میں آپ کے فضل کا طلب گار ہوں۔''

آداب:

اس رحمت گاہ کی تعمیر اور اسے ہر انداز سے آباد کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اس بشارت سے سرفراز فرمایا ہے:

مسائل

١۔ ایمان دار اور متقی لوگ ہی مساجد کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔

٢۔ مساجد کو آباد کرنا ہدایت یافتہ لوگوں کی نشانی ہے۔

اَجَعَلۡتُمۡ سِقَايَةَ الۡحَآجِّ وَعِمَارَةَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ كَمَنۡ

کیا تم نے بنالیا — پانی پلانا — حاجیوں کو — اور آباد کرنا — مسجد — حرام — مانند اس کی

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ

جو ایمان لایا — اللہ پر — اور دن — آخرت — اور انہوں نے جہاد کیا — میں — اللہ کے راستہ

لَا يَسۡتَوٗنَ عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿١٩﴾

نہیں برابر ہو سکتے — نزدیک — اللہ کے — اور اللہ — نہیں ہدایت دیتا — قوم — ظالموں

وقف لازم

''کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا اس جیسا بنالیا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا۔ یہ اللہ کے ہاں برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' (١٩)

فہم القرآن

ربط کلام: اہل مکہ ہر قسم کے جرائم میں ملوث ہونے کے باوجود سمجھتے تھے کہ وہ حرم کے موروثی وارث اور حجاج کرام کے خدام ہیں اس لیے ہماری تولیت کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر مؤاخذہ کرتے ہوئے حرم کے متولی کے اوصاف کا ذکر ضروری سمجھا گیا ہے۔

مسجد حرام اور دیگر مساجد کی تولیت کا استحقاق رکھنے والوں کے اوصاف بیان کرنے کے بعد مشرکین مکہ کے حوالے سے واضح کیا جا رہا ہے کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ حجاج کرام کی خدمت کرنا، انھیں زمزم پلانا، مسجد حرام کی تولیت اور تعمیر کرنا نیک کام ہیں۔ بے شک یہ عظیم کام ہیں لیکن ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہو سکتے۔ مسجد حرام کی تعمیر و ترقی، حجاج کو زمزم پلانا اور ان کی خدمت کرنے کا انھی لوگوں کو اجر ملے گا جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے یعنی توحید خالص کا عقیدہ اپنانے اور آخرت کی جوابدہی پر ایمان رکھنے کے ساتھ اپنے مال اور نفس کے ساتھ دین کی سربلندی کے لیے جہاد کرنے والے ہوں۔ جو لوگ ان اوصاف سے تہی دامن ہوں بے شک وہ مسجد حرام کی خدمت اور حجاج کرام کو چلو بھر بھر کر پانی پلائیں اور ان کے لیے اپنے مکان خالی کر دیں یا صبح و شام انھیں کھانا کھلائیں اگر ان کے عقیدہ میں شرک کی آمیزش ہوگی تو ان کا کوئی عمل بھی اللہ کی بارگاہ میں مستجاب نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشرک اور مواحد برابر نہیں ہو سکتے مشرک ظالم ہوتا ہے اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اختیارات اور اس کی صفات کو دوسروں میں تصور کرتا ہے جو پرلے درجے کی بے انصافی اور زیادتی ہے لہٰذا مشرک ظالم ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

((عن عُمَر بن الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ أَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوا فُلَانٌ شَهِيدٌ فُلَانٌ شَهِيدٌ حَتّٰى مَرُّوا علٰى رَجُلٍ فَقَالُوا فُلَانٌ شَهِيدٌ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ كَلَّا إِنِّي رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِي

بُرْدَةٍ غَلَّهَا أَوْ عَبَاءَةٍ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ قَالَ فَخَرَجْتُ فَنَادَيْتُ أَلَا إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ)) [رواه أحمد]

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں خیبر کے دن نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگ آئے انہوں نے کہا فلاں شہید ہے فلاں بھی شہید ہے یہاں تک کہ انہوں نے کسی آدمی کا تذکرہ کیا کہ فلاں بھی شہید ہے تو رسول معظم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ میں اس کو مال غنیمت میں سے چرائی گئی چادر میں لپٹا دیکھ رہا ہوں جو کہ جہنم کی آگ سے جلائی جارہی ہے پھر رسول مکرم ﷺ نے فرمایا اے ابن خطاب لوگوں میں اعلان کردو جنت میں صرف مومنین ہی داخل ہوں گے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے وہاں سے اٹھ کر لوگوں میں اعلان کردیا جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔“

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ)) [رواه مسلم: كتاب الامارة، باب ذم من مات لم يغز ولم يحدث به نفسه]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا جو کوئی اس حالت میں فوت ہوا کہ اس نے نہ کبھی جہاد کیا اور نہ ہی کبھی اس کے دل میں اس کی خواہش پیدا ہوئی بلاشبہ وہ نفاق کی ایک علامت پر مرا۔“

مسائل

١۔ مسجد حرام کی خدمت اور حجاج کو زمزم پلانا ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہوسکتے۔
٢۔ مشرک ظالم ہوتا ہے اور ظلم کرنے والے کو اللہ ہدایت نہیں دیتا۔
٣۔ جہاد فی سبیل اللہ کرنے والے کو دوسرے لوگوں پر فضیلت بخشی گئی ہے۔
٤۔ کسی کو ہدایت نہ ملنا بہت بڑی بدبختی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا:

١۔ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدۃ: ١٠٨)
٢۔ اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (القصص: ٥٠)
٣۔ اللہ تعالیٰ کفار کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدۃ: ٦٧)
٤۔ اللہ تعالیٰ جھوٹے اور ناشکرے کو ہدایت نہیں دیتا۔ (الزمر: ٣)

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ

وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور انہوں نے جہاد کیا میں راستے اللہ کے اپنے مالوں کیساتھ

وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ⑳

اور اپنی جانوں کیساتھ عظیم تر ہیں درجے میں اللہ کے ہاں اور یہی لوگ ہیں وہ کامیاب ہونے والے

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ

خوشخبری دیتا ہے انکو انکا رب رحمت کی اپنی طرف سے اور خوشنودی کی اور باغات کی انکے لیے

فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ㉑ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ

ان میں نعمتیں ہیں ہمیشہ رہنے والی وہ ہمیشہ رہیں گے اس میں ہمیشہ بیشک اللہ

عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ㉒

اسکے پاس اجر ہے بہت بڑا

”جولوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا اللہ کے نزدیک درجات میں زیادہ بڑے ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔(٢٠) ان کا رب انہیں اپنی طرف سے بڑی رحمت اور بہت رضامندی اور ایسے باغوں کی خوش خبری دیتا ہے جن میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہیں۔(٢١) جن میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں بے شک اللہ ہی کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔“(٢٢)

فہم القرآن

ربط کلام: مسجد حرام کی تعمیر وترقی اور حجاج کی خدمت کا ایمان اور کردار کے ساتھ موازنہ کرنے کے بعد حقیقی ایمان کے تقاضے بیان کیے گئے ہیں۔

ایمان صرف فکر اور عقیدہ کا نام نہیں یہ اس وقت تک مکمل اور اکمل نہیں ہوتا۔ جب تک اس کے تقاضے پورے نہ کیے جائیں۔ اس کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس نظریے کی خاطر ہر اس بات اور عمل کو چھوڑ دے جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے۔ ہجرت کا حقیقی اور جامع مفہوم بیان کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حقیقی مہاجر وہ ہے کہ جو ہر اس کام کو چھوڑ دے جس سے اللہ نے منع کیا ہے۔

دوسرا مرکزی اور بنیادی تقاضا یہ ہے کہ مسلمان اس دعوت کے لیے اپنا مال اور جان کھپانے کی کوشش کرے جس کا اس نے کلمہ پڑھ کر اقرار اور اظہار کیا ہے اس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا کسی

ظالم کاظلم اورعادل کا عدل اس راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔اہل علم نے جہاد کی چار اقسام بیان کی ہیں:

١۔ جہاد بالنفس: سب سے پہلے انسان اپنی خواہشات اور جذبات کے خلاف جہاد کرے تا آنکہ اس کا نفس اللہ اور اس کے رسول کی غلامی میں رہنے پر راضی ہو جائے۔

ایک غزوہ سے واپسی پر آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف آؤ۔صحابہ نے استفسار کیا کہ جہاد اکبر کیا ہے آپ نے فرمایا اپنے نفس کے خلاف جہاد کرنا۔

٢۔ جہاد باللسان: نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔یہ وہ جہاد ہے کہ جب تک اس کے تقاضے پورے نہ ہو جائیں اس وقت تک قتال فی سبیل اللہ کی اجازت نہیں ہوگی۔

اسی کے پیش نظر صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ جب ایسے لوگوں کے ساتھ ان کا سامنا ہوتا جن تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی تھی صحابہ قتال فی سبیل اللہ سے پہلے انھیں دو باتوں کی دعوت دیتے تھے۔اسلام قبول کر و یا جزیہ دینے کے لیے تیار ہو جاؤ جب لوگ انکار کرتے تو پھر ان کے ساتھ قتال فی سبیل اللہ کیا جاتا۔اس لحاظ سے پہلے جہاد باللسان ہے پھر جہاد بالسیف۔مکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کو جہاد اکبر قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اے نبی کفار کے خلاف جہاد جاری رکھو۔یہ بہت بڑا جہاد ہے۔ (الفرقان:٥٢)اہل علم نے جہاد بالقلم کو بھی اس جہاد میں شامل کیا ہے۔

٣۔ جہاد بالمال: قرآن مجید میں متعدد مقامات پر جہاد بالمال کا پہلے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ مال کے بغیر اسلحہ اور مجاہدین کی ضروریات پوری نہیں ہوسکتیں۔جہاد فی السیف سے پہلے جہاد بالمال کی ضرورت پیش آتی ہے۔

٤۔ جہاد بالسیف: اس سے مراد میدان کارزار میں دشمن کے خلاف برسر پیکار ہونا ہے جو لوگ اس جہاد میں حصہ لیں گے وہ دنیا میں کامیاب اور آخرت میں ان کے رب نے انھیں اپنی رحمت،خوشنودی اور ہمیشہ ہمیش جنت میں داخلے کی بشارت دی ہے۔یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لیے اجر عظیم ہوگا۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثَلَاثٌ مِنْ أَصْلِ الْإِيمَانِ الْكَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا نُكَفِّرُهُ بِذَنْبٍ وَلَا نُخْرِجُهُ مِنَ الْإِسْلَامِ بِعَمَلٍ وَالْجِهَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِي اللّٰهُ إِلٰى أَنْ يُقَاتِلَ آخِرُ أُمَّتِي الدَّجَّالَ لَا يُبْطِلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَلَا عَدْلُ عَادِلٍ وَالْإِيمَانُ بِالْأَقْدَارِ))

[رواه ابو داؤد: كتاب الجهاد باب في الغزو مع أئمة الجوار]

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایمان کی اصل ہیں ① جس نے لا الہ الا اللہ کہا اس سے ہاتھ روک لینا۔② کسی کے گناہ کی وجہ سے اسے کافر نہ قرار دینا۔اس کی عملی غلطی سے دائرہ اسلام سے خارج قرار نہ دینا۔③ اور جہاد جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے اس وقت سے لے کر میری امت کے دجال سے لڑنے تک جاری رہے گا۔اسے کسی ظالم کا ظلم اور عادل کا عدل نہیں روک سکے گا اور

ایمان تقدیر کے مطابق ہے۔“

((عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَقَدْ غزا وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِي أَهْلِهِ فَقَدْ غَزَا)) [رواه الترمذی: کتاب الجهاد باب فضل من جهز غازیا]

”حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ رسول مکرم ﷺ نے فرمایا جس نے کسی اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہد کا سامان مہیا کیا بلاشبہ اس نے خود جہاد کیا۔ جس نے کسی مجاہد کے گھر کی خیر خواہی کی گویا اس نے بھی جہاد کیا۔“

مسائل

۱۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ کے راستے میں مال اور جان کے ساتھ جہاد کیا جائے۔

۲۔ مجاہدین دنیا میں کامیاب اور آخرت میں اجر عظیم پائیں گے۔

۳۔ مجاہدین ہمیشہ ہمیش جنت میں رہیں گے۔

تفسیر بالقرآن

کامیاب ہونے والے لوگ:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں، مومنات سے ہمیشہ کی جنت اور اپنی رضامندی کا وعدہ فرمایا ہے یہ بڑی کامیابی ہے۔ (التوبۃ:۷۲،۸۹،۱۰۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے جنت کے بدلے ان کے مال و جان خرید لیے ہیں، یہ بڑی کامیابی ہے۔ (التوبۃ:۱۱۱)

۳۔ اے اللہ نیک لوگوں کو برائی سے بچا جو برائی سے بچ گیا اس پر تیرا رحم ہوا۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ (المومن:۹)

۴۔ ان کا جہنم کے عذاب سے بچنا اللہ کے فضل سے ہوگا اور یہی کامیابی ہے۔ (الدخان:۵۷)

۵۔ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یہ ظاہر کامیابی ہے۔ (الجاثیۃ:۳۰)

۶۔ مومنوں کے لیے ہمیشہ کی جنت ہے جس میں پاک صاف مکان ہیں۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ (الصّف:۱۲)

۷۔ جس کو آگ کے عذاب سے بچا دیا گیا اور جنت کا داخلہ مل گیا وہ کامیاب ہے۔ (آل عمران:۱۸۵)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ
اے لوگو جو ایمان لائے نہ تم بناؤ اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست اگر
اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ
وہ پسند کریں کفر کو پر ایمان اور جو دوستی رکھے ان سے تم میں سے پھر یہی لوگ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۳ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ
وہ ظالم ہیں فرما دیجیے اگر ہے تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں
وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا
اور تمہارا کنبہ قبیلہ اور مال جو تم نے کمائے وہ اور وہ تجارت تم ڈرتے ہو اس کے خسارے

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے باپوں اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ، اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر سے محبت رکھتے ہیں اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا وہی لوگ ظالم ہیں۔ (۲۳) فرما دیں اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو

فہم القرآن

ربط کلام: جہاد کا حق تب ادا ہو سکتا ہے جب مومن اللہ ہی کے لیے محبت کرے اور اسی کی خاطر کسی سے دشمنی رکھے۔

قرآن مجید نے مختلف الفاظ اور انداز میں یہ بات بار بار باور کروائی گئی ہے کہ مسلمانوں کو کفار اور مشرکین کے ساتھ قلبی محبت نہیں رکھنی چاہیے۔ جس کا بدیہی تقاضا ہے کہ ایمان اور مسلمانوں کو ہر چیز سے مقدم سمجھا جائے یہی امت کو متحد اور منظم رکھنے کا آخری اور بنیادی اصول ہے۔ اس کے لیے حکم دیا گیا ہے کہ اے مسلمانو! اگر تمھارے والدین اور بھائی ایمان پر کفر کو ترجیح دینے والے ہوں تو انھیں بھی اپنا رشتہ دار اور خیر خواہ مت سمجھو اگر تم نے اس حکم کے باوجود ان سے قلبی دوستی اور رشتے ناطے قائم رکھے تو پھر تم بھی ظالموں کے ساتھ شمار کیے جاؤ گے۔ مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر یہ بات سرور دو عالم ﷺ کی زبان سے کہلوائی گئی ہے کہ آپ واشگاف اعلان فرمائیں کہ اے مسلمانو! اگر تمھارے والدین، بیٹے، بھائی، تمھاری بیویاں، تمھارے رشتے دار اور جو مال تم کماتے ہو، تجارت جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور تمھارے مکانات جو تمھیں بہت پسند ہیں اللہ، اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے مسلمان نافرمان ہیں۔ جنکی وہ کبھی رہنمائی نہیں کرتا۔ مال عزت کا باعث اور زندگی گزارنے کا مستحکم ذریعہ ہے مال کی بڑھوتری کے لیے تجارت لازمی چیز

وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ

اور وہ گھر (جمع) تم انکو پسند کرتے ہو زیادہ محبوب ہیں تمہیں سے اللہ اور اسکے رسول اور جہاد سے

فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ

میں اس کی راہ سو تم انتظار کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ اپنا حکم اور اللہ

لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝٢٤ ع

نہیں ہدایت دیتا قوم نافرمانی کرنیوالے

٣
٨
٩

اور رہنے کے مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' (٢٤)

ہے مکان صرف سر چھپانے کی جگہ ہی نہیں غور کیا جائے تو انسان کی حقیقی دنیا ہی اس کا مکان ہوا کرتا ہے۔ باقی جہاں چلنے، پھرنے اٹھنے بیٹھنے اور کاروبار کے لیے ہے۔ زندگی میں گھر کی ہر آدمی کو خواہش ہوتی ہے کہ اس کی رہائش گاہ بہتر سے بہتر اور آرام دہ ہو حتی کہ پرندے رات کے وقت اپنے گھونسلے اور کیڑے مکوڑے اپنی بل کی طرف پلٹتے ہیں۔ اس کے لیے تَرْضَوْنَهَا کا لفظ استعمال فرمایا کہ جنھیں تم نہایت پسند کرتے ہو یہ مکانات اور سب کی سب چیزیں اور رشتے ناطے جو تمھیں ایک سے ایک بڑھ کر محبوب اور پسند ہیں اگر یہ اللہ اور اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر تمہیں عزیز ہیں تو اللہ کے عذاب کا انتظار کرو۔

((عَنْ ثَوْبَانَ ﷛ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْشِكُ أَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمُ الْأُمَمُ مِنْ كُلِّ أُفُقٍ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ عَلٰى قَصْعَتِهَا قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَمِنْ قِلَّةٍ بِنَا يَوْمَئِذٍ قَالَ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَلٰكِنْ تَكُوْنُوْنَ غُثَاءً كَغُثَاءِ السَّيْلِ يَنْتَزِعُ الْمَهَابَةَ مِنْ قُلُوْبِ عَدُوِّكُمْ وَيَجْعَلُ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ قَالَ قُلْنَا وَمَا الْوَهْنُ قَالَ حُبُّ الْحَيَاةِ وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ)) [رواہ احمد]

''حضرت ثوبان جو رسول اکرم ﷺ کے غلام تھے فرماتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا وہ وقت قریب ہے کہ تم پر جماعتیں ہر افق سے ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کھانے والے پیالے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ثوبان کہتے ہیں ہم نے پوچھا اے اللہ کے رسول! کیا ہم اس وقت قلت میں ہوں گے آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ تم اس وقت کثیر تعداد میں ہو گے لیکن تمہاری مثال پانی کی جھاگ کی طرح ہوگی تمہارے دشمن کے دل سے تمہارا رعب اٹھا لیا جائے گا اور تمہارے دلوں میں وھن پیدا ہو جائے گا ہم نے پوچھا وھن کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔'' اگر یہ چیزیں تمھیں اللہ، اس کا

رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے محبوب ہیں تو پھر حکم کا انتظار کرو۔ مفسرین نے یہاں حکم سے مراد اللہ کا عذاب لیا ہے یعنی پھر تم پر اللہ کا عذاب نازل ہو کر رہے گا جس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں جن میں پہلی صورت یہ ہوگی کہ دشمن نظریاتی اور حربی اعتبار سے تم پر غالب آئے گا۔ یہاں دنیا کی آٹھ بڑی نعمتوں کا ذکر کیا ہے جن پر انسان کی زندگی کا دارومدار ہے ان میں سے کوئی ایک چیز انسان کے پاس نہ ہو زندگی اجیرن محسوس ہوتی ہے۔ والدین سلسلۂ انسانی کی بقا کا ذریعہ ہیں بیویاں تخلیق انسانی کا وسیلہ بیٹے، بھائی، رشتہ دار درجہ بدرجہ انسان کے لیے معاون اور قوت کا باعث ہیں۔ مال اور کاروبار زندگی گزارنے کا ذریعہ، مکان جائے قیام ہے۔

مسائل

۱۔ مسلمان کو کسی کافر اور مشرک کے ساتھ قلبی تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔ بے شک وہ والدین اور قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔

۲۔ کفار اور مشرکین کے ساتھ رشتے ناطے اور قلبی دوستی رکھنے والے مسلمان ظالم ہیں۔

۳۔ اللہ، اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ دنیا کی ہر چیز سے عزیز تر ہونے چاہییں۔

۴۔ جو مسلمان اللہ، اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے دنیا کے رشتے اور دوسری چیزوں کو مقدم جانتے ہیں وہ فاسق ہیں۔

تفسیر بالقرآن

فاسق کی نشانیاں:

۱۔ فاسق اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔ (البقرۃ:۹۹)

۲۔ مومن اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے۔ (السجدۃ:۱۸)

۳۔ جو اقرار کرنے کے بعد بدل جائیں وہی فاسق ہیں۔ (آل عمران:۸۲)

۴۔ جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں۔ (المائدۃ:۴۷)

۵۔ غلط اطلاعات فراہم کرنے اور ان کی تشہیر کرنے والے فاسق ہیں۔ (الحجرات:۶)

۶۔ اللہ کی اطاعت سے منہ موڑنے والے فاسق ہیں۔ آل عمران:۸۲)

۷۔ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے فاسق ہیں۔ (المائدۃ:۴۷)

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ

بلا شبہ — تمہاری مدد کی — اللہ — جس جگہوں — بہت زیادہ — اور دن — حنین کے

اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّ ضَاقَتْ

جب تمہیں خوش فہمی میں ڈال دیا — تمہاری کثرت نے — پھر نہ — وہ کام آئی — تمہارے — کچھ بھی — اور تنگ ہوگئی

عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ ﴿۲۵﴾

تم پر — زمین — ساتھ اس کے جو — کھلی تھی — پھر — تم لوٹے — پیٹھ پھیرتے ہوئے

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ

پھر — نازل کی اللہ نے — اپنی سکینت — پر — اپنے رسول — اور پر — مومنوں — اور اس نازل کیے

”بلاشبہ اللہ نے بہت سی جگہوں میں تمہاری مدد فرمائی اور حنین کے دن بھی جب تمہاری کثرت نے تمہیں خود پسند بنا دیا وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین تنگ ہوگئی باوجود اس کے کہ وہ فراخ تھی پھر تم پیٹھ پھیر کر پلٹے۔“(۲۵) ”پھر اللہ نے اپنے رسول اور ایمان والوں پر اپنی سکینت نازل فرمائی۔

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ دین کی سربلندی کے لیے کسی کا محتاج نہیں اگر وہ چاہے تو غائبانہ اسباب سے اپنے دین کو سربلند رکھ سکتا ہے۔ جیسا کہ اس نے ہجرت کے وقت نبی ﷺ کی حفاظت کا بندوبست فرمایا تھا۔

اس سے پہلے والدین، بیٹے، بھائی، بیویاں، رشتے دار اور سب چیزوں کو اللہ اور اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ کے مقابلہ میں ناچیز سمجھنے کا حکم دیا تھا۔ جس سے مسلمان ذہنی دباؤ میں آکر اپنے آپ کو تھوڑے اور کمزور سمجھنے لگے۔ اس فکری دباؤ کو ختم کرنے کے لیے مسلمانوں کو یاد دلایا گیا ہے کہ فکر مند ہونے کے بجائے وہ مواقع یاد کیجیے جب اللہ تعالیٰ نے تمھاری مدد فرمائی۔ حالانکہ تم افرادی قوت اور جنگی ساز و سامان کے اعتبار سے کفار کے مقابلے میں تھوڑے تھے۔ اس لیے تمھیں بہر حال اللہ اور اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ کو تمام رشتوں اور ہر چیز سے مقدم رکھنا ہوگا۔ جہاں تک افرادی قوت اور کثرت کا تعلق ہے تم حنین میں پہلے غزوات سے زیادہ تھے۔ تمہاری تعداد ۱۲۰۰۰ سے زیادہ تھی۔ اس کے باوجود دشمن کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکے اور زمین وسعت و کشادگی کے باوجود تمھارے لیے تنگ ہوگئی تم پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے حالانکہ اس سے پہلے تمھیں اپنی عددی کثرت پر بڑا ناز تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں پر سکون اور اعتماد نازل فرما کر ملائکہ کی فوج بھیجی تاکہ کفار کو ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے۔ تمھارے پیٹھ پھیر کر بھاگنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تم پر کرم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے

جُنُوْدًا	لَّمْ	تَرَوْهَا	وَعَذَّبَ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	وَذٰلِكَ
ایسے لشکر	نہیں	تم نے انہیں دیکھا	اور عذاب دیا	ان لوگوں کو	جنہوں نے کفر کیا	اور یہی
جَزَآءُ	الْكٰفِرِيْنَ ۝٢٦	ثُمَّ	يَتُوْبُ اللّٰهُ	مِنْۢ بَعْدِ	ذٰلِكَ	عَلٰى
سزا ہے	کافروں کی	پھر	توجہ فرمائے گا اللہ	اس کے بعد	یہ	پر
مَنْ	يَّشَآءُ ؕ	وَاللّٰهُ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ۝٢٧		
جس کو	چاہے گا	اور اللہ	بخشنے والا	رحم والا		

اور وہ لشکر اتارے جن کو تم نہیں دیکھ سکتے تھے اور ان لوگوں کو سزا دی جنہوں نے کفر کیا اور یہی کافروں کی سزا ہے۔(۲۶) پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے گا توبہ قبول کرے گا اور اللہ بخشنے والا ، نہایت رحم والا ہے۔'' (۲۷)

فضل و کرم فرماتا ہے اور اللہ معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔ فتح مکہ کے متصل بعد حنین کا معرکہ ہوا جس میں مسلمانوں کی تعداد اہل حنین سے زیادہ تھی۔ اس کے ساتھ ہی فتح مکہ کی وجہ سے مسلمانوں کا مورال نہایت ہی اعلیٰ درجے پر تھا جس کی وجہ سے نو وارد مسلمانوں اور کچھ جوانوں نے ایک دوسرے سے اس بات کا اظہار کیا کہ آج ہمیں کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ ان جذبات کے ساتھ مسلمان حنین کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں۔ لیکن ہوا یہ کہ اہل حنین نے راستے میں سحری کے وقت مسلمانوں پر شب خون مارا اور اس قدر اچانک اور یکبارگی حملہ کیا کہ مسلمانوں کے چھکے چھوٹ گئے جس کا جدھر منہ آیا بھاگنے لگے۔ یہاں تک کہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس صرف چند صحابہ باقی رہ گئے۔ اس نازک اور اچانک صورتحال کے باوجود آپ نہایت ثابت قدمی اور زبردست دلیری کے ساتھ یہ اعلان کررہے تھے۔ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ کہ میں اللہ کا سچا نبی اور سردار عبدالمطلب کا بیٹا ہوں اس لیے میدان چھوڑ کر نہیں بھاگ سکتا۔ اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ بدر، احد اور بیعت رضوان میں شرکت کرنے والوں کو آواز دیجیے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آواز پر آواز دینے لگے اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ اے اللہ کے بندو کہاں بھاگے جارہے ہو اللہ کے رسول تو اپنی جگہ پر کھڑے اور ڈٹے ہوئے ہیں۔ پلٹ آؤ پلٹ آؤ صحابہ واپس آئے تو اللہ کے رسول نے اس طرح صف بندی اور منصوبہ بندی فرمائی کہ اہل حنین کے چھ ہزار قیدی بنا لیے کہ چالیس ہزار کے قریب بھیڑ بکریاں اور چوبیس ہزار اونٹ ہاتھ آئے۔ قیدیوں کو اہل حنین اور آپ کی سوتیلی بہن شیما کی سفارش پر چھوڑ دیا گیا اور بھیڑ بکریاں اور اونٹ مجاہدین میں تقسیم کردیے گئے۔ تفصیل کے لیے سیرت کی مستند کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔

((عَنْ أَبِی إِسْحَاقَ قَالَ رَجُلٌ لِلْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہما أَفَرَرْتُمْ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ حُنَيْنٍ قَالَ لَكِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَفِرَّ إِنَّ هَوَازِنَ كَانُوا قَوْمًا رُمَاةً وَإِنَّا لَمَّا لَقِينَاهُمْ حَمَلْنَا عَلَيْهِمْ فَانْهَزَمُوا فَأَقْبَلَ

الْمُسْلِمُونَ عَلَى الْغَنَائِمِ وَاسْتَقْبَلُونَا بِالسِّهَامِ فَأَمَّا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يَفِرَّ فَلَقَدْ رَأَيْتُهُ وَإِنَّهُ لَعَلَى بَغْلَتِهِ الْبَيْضَاءِ وَإِنَّ أَبَا سُفْيَانَ اٰخِذٌ بِلِجَامِهَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ)) [رواه البخاري: كتاب الجهاد ،باب من قاد دابة في الحرب]

''حضرت ابواسحاق بیان کرتے ہیں ایک آدمی نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تم لوگ حنین کے دن رسول مکرم ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ انہوں نے کہا لیکن رسول اکرم ﷺ میدان چھوڑ کر نہیں بھاگے تھے۔ ہوازن قبیلے کے لوگ تیرانداز تھے جب ہمارا اور ان کا آمنا سامنا ہوا تو ہم نے ان پر حملہ کیا اور انہیں شکست سے دوچار کیا۔ مسلمان مال غنیمت کی طرف متوجہ ہوئے اور ان لوگوں نے تیراندازی شروع کردی مگر رسول معظم ﷺ نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی تھی بلاشبہ میں نے انہیں دیکھا اور وہ اپنے سفید خچر پر تھے اور ابوسفیان اس کی لگام تھامے ہوئے تھے اور نبی ﷺ فرما رہے تھے میں جھوٹا نبی نہیں ہوں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

مسائل

۱۔ اللہ کی مدد کے بغیر عددی کثرت اور حربی قوت کام نہیں دیتی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حنین کی شکست کو فتح میں تبدیل کردیا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حنین کے موقع پر اپنے رسول اور مومنوں پر سکون اور اعتماد نازل فرمایا۔

۴۔ حنین میں مسلمانوں کی مدد کے لیے فرشتے نازل کیے گئے جن کو مسلمانوں نے نہیں دیکھا تھا۔

تفسیر بالقرآن

کفار کی سزا:

۱۔ اگر کفار تم سے لڑیں تم بھی ان سے لڑو کافروں کی یہی سزا ہے۔(البقرۃ:۱۹۱)

۲۔ اللہ اسی طرح سزا دیتا ہے کفار کو۔(الفاطر:۳۶)

۳۔ اللہ نے کفار کو ان کے کفر کی وجہ سے سزا دی۔(السباء:۱۷)

۴۔ کفار کی سزا ہمیشہ کی آگ ہے۔(فصلت:۱۹)

۵۔ اللہ کی آیات اور رسولوں کے ساتھ مذاق کی سزا جہنم ہے۔(الکھف:۱۰۶)

۶۔ اللہ کفار کو ان کے چہروں کے بل اوندھا کر کے اٹھائے گا یہ کفار کی سزا ہے۔(الاسراء:۹۷تا۹۸)

۷۔ اے کفار آج عذر نہ کرو جو کچھ تم نے کیا تھا اس کی سزا تمھیں مل گئی۔(التحریم:۷)

۸۔ کفار صبر کریں یا نہ کریں ان کی سزا جہنم ہے۔(الطّور:۱۵تا۱۶)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو بلاشبہ مشرکین پلید ہیں لہٰذا نہ قریب جائیں

الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً

مسجد حرام بعد سال اس اور اگر تم خوف کرتے ہو مفلسی کا

فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

تو عنقریب غنی کردیگا تم کو اللہ سے اپنے فضل اگر اس نے چاہا بیشک اللہ

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۲۸

جاننے والا حکمت والا ہے

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بات یہ ہے کہ مشرک ناپاک ہیں، پس وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں اور اگر تم مفلسی سے ڈرتے ہو اگر اللہ نے چاہا تو وہ جلد ہی تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا کمال حکمت والا ہے۔“ (۲۸)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرک فکری اور اعتقادی طور پر پلید ہوتا ہے۔ اسی لیے انبیاء اور موحدّین کی مخالفت کرتا ہے جب یہ عقیدہ توحید کے مخالف ہے تو اُسے بیت اللہ میں داخلے کا کوئی حق نہیں پہنچتا کیونکہ بیت اللہ تو اللہ کی وحدت کا ترجمان ہے۔

اس سورۃ کی ابتداء میں مشرکین کو الٹی میٹم دیا گیا ہے کہ تم چار مہینے سے زیادہ حدود حرم میں نہیں رہ سکتے سوائے ان لوگوں کے جن کا مسلمانوں کے ساتھ کیے ہوئے معاہدہ کی مدت باقی ہے۔ جونہی معاہدہ کی مدت پوری ہوگی انھیں بھی حدود حرم سے نکل جانا ہوگا۔ اس کے بعد مشرکین مکہ کو آگاہ کیا گیا کہ آئندہ تمھارے ساتھ کوئی عہد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ تم نے بار بار عہد شکنی کی ہے پھر یہ ارشاد ہوا کہ مشرکین کو ہرگز حق نہیں پہنچتا کہ وہ بیت اللہ کی تولیت اور مساجد کی تعمیر و ترقی کی ذمہ داری سنبھالیں۔ ان احکام کے نفاذ کے ردِّ عمل میں جو مشکلات اور مسائل پیدا ہوئے تھے ان کا تفصیلی حل بتایا گیا اور اس دوران مسلمانوں کی اعتقادی اور اخلاقی تربیت کے احکامات جاری کرتے ہوئے مشرکین کے کردار کا تفصیلی تجزیہ پیش کیا گیا۔ اب دوٹوک انداز میں مشرک کی اعتقادی اور اخلاقی نجاستوں اور خباثتوں کے پیش نظر اس کی حیثیت بتلائی جارہی ہے کہ مشرک نجس اور پلید ہوتا ہے اس لیے اس سال کے بعد انھیں ہمیشہ کے لیے حدود حرم میں داخل ہونے

کی اجازت نہ ہوگی۔ یہاں پھر مسلمانوں کو اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر یہ لوگ حدود حرم میں داخل نہیں ہوسکیں گے تو ہمیں اس کا معاشی نقصان اٹھانا پڑے گا جس پر تسلی دی جا رہی ہے تمھیں معیشت کی تنگی کا خطرہ لاحق نہیں ہونا چاہیے یقین رکھو کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمھیں اپنے فضل سے دولت مند کر دے گا یقیناً اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے۔ یہ بات پہلے بھی عرض کی جا چکی ہے کہ ہر آیت کے آخری الفاظ اس کے مفہوم کی جامع ترجمانی کرتے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے علیم اور حکیم ہونے کی صفات اس لیے بیان فرمائیں کہ وہ اپنے ہر حکم کے نتائج کو جانتا اور اس کی حکمتوں سے باخبر ہے لہٰذا مسلمانوں کو اپنے رب کے احکام پر مکمل یکسوئی اور بے فکری کے ساتھ من وعن عمل کرنا چاہیے وہی غربت اور تونگری کا مالک ہے۔ چنانچہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ حدود حرم سے مشرکین کے دیس نکالا کے باوجود اس وقت سے لے کر آج تک مکہ کی منڈیوں میں کسی چیز کی کمی واقع نہیں ہوئی جہاں تک مشرک کے نجس ہونے کا تعلق ہے اس نجاست سے مراد جسمانی نجاست نہیں بلکہ اس سے مراد اعتقادی، اخلاقی اور کردار کی نجاست ہے جس کی وجہ سے مشرک اور غیر مسلم کو حدود حرم میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ۔ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کو بھی حرم قرار دیا اور اس کی حدود متعین فرمائیں مکہ اور مدینہ مسلمانوں کا روحانی مرکز ہیں۔ اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ انھیں کفر وشرک سے پاک رکھا جائے جیسا کہ ہر حکومت اپنی مملکت کے دارالخلافہ کے معاملات میں زیادہ حساس ہوتی ہے اور وہ اس کے معاملات پر زیادہ توجہ دیتی ہے۔ حکومت کی کوشش ہوتی ہے کہ ملک کا دارالخلافہ ہر اعتبار سے سازشوں سے پاک رہے۔

((قَالَ عَلِیٌّ رضی اللہ عنہ مَا عِنْدَنَا كِتَابٌ نَقْرَؤُهُ إِلَّا كِتَابُ اللّٰهِ غَيْرَ هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ قَالَ فَأَخْرَجَهَا فَإِذَا فِيهَا أَشْيَاءُ مِنَ الْجِرَاحَاتِ وَأَسْنَانِ الْإِبِلِ قَالَ وَفِيهَا الْمَدِينَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ إِلٰى ثَوْرٍ)) [رواہ البخاری : کتاب الحج]

”حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب کے علاوہ کوئی کتاب نہیں جس کو میں پڑھوں مگر یہ صحیفہ ہے۔ راوی کہتے ہیں انھوں نے اُسے نکالا تو اس میں کچھ جراحی اور اونٹ کے دانت تھے کہتے ہیں اس میں لکھا ہوا تھا کہ مدینہ عیر مقام سے لے کر ثور تک حرم ہے۔“

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے امام مالک کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مشرک کو کسی مسجد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ جبکہ دوسرے آئمہ کا خیال ہے کہ حرمین کے سوا دوسری مساجد میں کسی اہم ضرورت کے پیش نظر مشرک اور کافر داخل ہوسکتا ہے۔

((قَالَ إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ فَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْفِكَ بِهَا دَمًا وَلَا يَعْضِدَ بِهَا شَجَرَةً فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِيهَا فَقُولُوا إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَذِنَ لِرَسُولِهِ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ وَإِنَّمَا أَذِنَ لِي فِيهَا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ثُمَّ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ)) [رواہ البخاری: کتاب العلم، باب یبلغ العلم الشاھد الغائب]

’’رسول معظم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم قرار دیا ہے اس کو لوگوں نے حرم نہیں بنایا۔ کسی بھی شخص کے لیے یہ جائز نہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس میں کسی کا خون بہائے۔ اور نہ ہی اس کا کوئی درخت کاٹا جائے۔ تو اگر کوئی شخص یہ بات کہے رسول اللہ ﷺ کے قتال کے بارے میں تو تم یہ کہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو کچھ دیر کے لیے اجازت دی تھی۔ تم میں سے کسی کو بھی یہ اجازت نہیں اور مجھے بھی دن کے کچھ حصے میں اجازت دی گئی اس کی حرمت پہلے کی طرح ہی لوٹ آئی ہے جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ دوسرے لوگوں تک یہ بات پہنچا دیں۔‘‘

مسائل

١۔ مشرک پلید ہوتا ہے اس لیے اسے حدودِ حرم میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔

٢۔ غربت اور تونگری اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

٣۔ رزق حلال کی کشادگی اللہ تعالیٰ کے فضل کا نتیجہ ہوتا ہے۔

٤۔ اللہ تعالیٰ اپنے ہر حکم کی حکمت اور اس کے نتائج کو جانتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مال واولاد کی حیثیت:

١۔ مال اور اولاد دنیا کی نمائش ہیں باقی رہنے والے نیک اعمال ہیں۔ (الکہف: ٤٦)

٢۔ قیامت کے روز مال اولاد کام نہیں آئے گی۔ (الشعراء: ٨٨)

٣۔ جان لو کہ مال، اولاد تمھارے لیے فتنہ ہیں۔ (الانفال: ٢٨)

٤۔ اے ایمان والو تمھیں مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔ (المنافقون: ٩)

٥۔ مال اور اولاد تمھارے لیے آزمائش ہے اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔ (التغابن: ١٥)

٦۔ اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کرنا بہترین تجارت ہے۔ (الصف: ١١)

٧۔ اللہ نے مومنین سے ان کے مال اور جان جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ (التوبۃ: ١١١)

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

تم لڑو وہ لوگ جو نہیں وہ ایمان لاتے اللہ پر اور نہ ساتھ دن آخرت کا

وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ

اور نہیں وہ حرام سمجھتے جو حرام ٹھہرایا اللہ نے اور اسکے رسول نے اور نہ وہ قبول کرتے دین حق کو

مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ

سے جنہیں دی گئی کتاب یہاں تک کہ وہ دیں جزیہ اپنے ہاتھ سے

وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ؏ ﴿۲۹﴾

اور وہ ذلیل ہوں

ع۵/۱۰

''لڑو ان لوگوں سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخرت پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دین حق کو اختیار کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور وہ ذلیل ہوں۔'' (۲۹)

فہم القرآن

ربط کلام: جہاد فی سبیل اللہ کے مسائل کے دوران دیگر مسائل کا تذکرہ ہوا۔ اب پھر قتال فی سبیل اللہ کا حکم دیا جارہا ہے۔

اللہ اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں سے پہلی مراد مشرک، دوسرے اہل کتاب اور کفار ہیں۔ کیونکہ مشرک اللہ تعالیٰ پر اس طرح ایمان نہیں رکھتا جس طرح اللہ پر بلا شرکت غیر ایمان لانا فرض ہے اور یہی صورت مشرک کی آخرت کے متعلق ہوتی ہے۔ بظاہر آخرت کو مانتا ہے لیکن وہ آخرت کے دن کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کو بلا شرکت غیرے حاکم ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا اس کا عقیدہ ہوتا ہے کہ آخرت میں فلاں اور فلاں بزرگ ہمیں چھڑوالیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بات ماننے پر مجبور ہوگا۔ اس حوالے سے مشرک نہ صرف دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے بلکہ مرنے کے بعد بھی اس کا یہی اعتقاد ہوگا حدیث شریف میں آیا ہے کہ محشر کے میدان میں ایک مرحلہ ایسا آئے گا جب اللہ تعالیٰ مشرکوں کو موقع دیں گے کہ وہ دنیا میں جس جس کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے تھے ان کے پاس جانا چاہیں تو چلے جائیں۔ مشرک اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنے معبودوں اور باطل خداؤں کے پاس چلے جائیں گے بخاری کتاب التفسیر سورۃ النساء تیسری وجہ مشرکوں کے ساتھ قتال کرنے کی یہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی حرام

کردہ چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنے باطل دین کو چھوڑ کر دین حق کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہاں اہل کتاب کے ساتھ بھی قتال فی سبیل اللہ کا حکم دیا۔ کیونکہ انھی جرائم کا ارتکاب وہ بھی کرتے ہیں لہٰذا ان کے خلاف بھی قتال فی سبیل اللہ ہونا چاہیے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھوں سے جزیہ دینے کی ذلت گوارا کریں۔ یہاں یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ ان کے خلاف قتال کرو یہاں تک وہ دین حق قبول کرلیں بلکہ جزیہ قبول کرنے کا ذکر کیا ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ خوش دلی سے دین قبول نہیں کرتے تو انھیں اسی حال پر رہنے دیجیے مگر اسلامی حکومت کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے انھیں جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ جزیہ ادا کرنے کی اہل علم نے مختلف وجوہات بیان کی ہیں۔ جن میں بنیادی اور مرکزی یہ وجہ ہے کہ اسلامی حکومت ان کے حقوق پورے کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے اس لیے ان سے معمولی جزیہ بطور ٹیکس وصول کیا جائے گا تاہم عورتیں، بچے، بوڑھے اور معذور لوگ اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ یہاں تک کہ دشمن کے خلاف جنگ ہو تو اسلامی حکومت ان کو جنگ میں شریک ہونے پر مجبور نہیں کرسکتی یاد رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں نہایت ہی معمولی جزیہ مقرر کیا تھا اس کے باوجود شام کے علاقے میں جب مسلمانوں نے فوجی حکمت عملی کے تحت حمص کا علاقہ چھوڑا تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جو اس محاذ کے کمانڈر تھے انھوں نے تمام جرنیلوں کو حکم دیا کہ جو جزیہ غیر مسلموں سے وصول کیا گیا ہے اس کی ایک ایک پائی واپس کی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جس پر غیر مسلموں کا ردعمل تھا کہ وہ تورات اور انجیل کو ہاتھوں میں اٹھا کر آسمان کی طرف منہ کرتے ہوئے یہ دعا کر رہے تھے جب تک ہم زندہ ہیں مسلمانوں کے سوا کوئی اور لوگ یہاں نہ آنے پائیں گے۔ یہ کہہ کر شہر پناہ کے دروازے بند کر دیے اور ہر جگہ پہرہ بٹھا دیا۔ عیسائیوں نے نہایت حسرت سے کہا خدا کی قسم تم رومیوں کی نسبت کہیں بڑھ کر ہم کو محبوب ہو۔ (الفاروق)

یہاں ”صَاغِرُوْنَ“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا معنی ذلیل اور چھوٹا ہونا ہے۔ بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام اپنی غیر مسلم رعایا کو ذلیل کر کے رکھنا پسند کرتا ہے حالانکہ اس کا یہ مفہوم نہیں اس کا صرف اتنا مطلب ہے کہ جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اس کے رسول کی غلامی قبول کرنے سے انکار کردیا ہے تو اللہ اور اس کے رسول کے باغیوں کو اسلامی مملکت میں دندنا کر پھرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے البتہ انھیں ایک شہری اور انسان ہونے کے ناطے سے پورے تحفظ اور مکمل حقوق دیے جائیں گے۔

مسائل

۱۔ اللہ اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں سے قتال کرنا چاہیے۔

۲۔ دین حق کو نہ ماننے والوں سے بھی قتال کرنا چاہیے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ

اور کہا | یہودیوں نے | عزیر | بیٹا ہے اللہ کا | اور کہا | نصاریٰ نے | مسیح

ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ

بیٹا ہے اللہ کا | یہ | بات ان کی | ان کے مونہوں | مشابہت کرتے ہیں وہ | بات | جنہوں

كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾

انہوں نے کفر کیا | سے | پہلے | ہلاک کرے انکو اللہ | کہاں | وہ پھیرے جاتے ہیں

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ

بنالیا انہوں نے | اپنے علماء | اور اپنے درویشوں | رب (جمع) | علاوہ | اللہ کے | اور | مسیح

ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ

ابن مریم | اور نہیں وہ حکم دیے گئے | مگر | کہ وہ عبادت کریں | معبود | ایک | نہیں معبود

اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾

مگر وہی | وہ پاک ہے | اس سے جو | وہ شریک ٹھہراتے ہیں

’’اور یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ ان کے مونہوں کی باتیں ہیں وہ ان لوگوں کی بات کی مشابہت کر رہے ہیں جنہوں نے ان سے پہلے کفر کیا اللہ انہیں غارت کرے، کدھر بہکائے جا رہے ہیں۔(۳۰) انہوں نے اپنے عالموں اور اپنے درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ انہیں صرف یہ حکم تھا کہ ایک الٰہ کی عبادت کریں اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ اس سے پاک ہے جو وہ شریک بناتے ہیں۔‘‘(۳۱)

فہم القرآن

ربط کلام: اہل کتاب کے ساتھ اس لیے قتال کرنا ہے کیونکہ وہ واضح طور پر شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اہل کتاب سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں۔ یہودیوں نے اپنی جہالت کی بناء پر یہ عقیدہ بنایا کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں جس کے دو سبب مفسرین بیان کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی موت کے بعد یہودیوں پر بخت نصر نے حملہ کیا اور اس نے تورات کلی طور پر ختم کرنے کا حکم دیا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ تورات دنیا میں بالکل ناپید ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے دین موسوی کی تجدید کے لیے حضرت عزیر علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ جنھوں نے وحی الٰہی کی روشنی

میں تورات کو دوبارہ لکھوایا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عزیز علیہ السلام سو سال تک فوت رہے پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ فرمایا جب وہ اٹھے تو ان کے سامنے ان کے گدھے کو زندہ کیا اور جو کھانا حضرت عزیر کے ساتھ تھا وہ سو سال گزرنے کے باوجود اسی طرح تر و تازہ رہا جس کی تفصیل سورۃ البقرۃ: آیت ٢٦٠ میں بیان کی گئی ہے اس معجزہ کی بناء پر یہودیوں نے عقیدتاً حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا اور ان کی دیکھا دیکھی عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اور حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ کی بیوی قرار دیا جس کی تردید سورۃ المائدۃ: آیت ٧٥ میں کی گئی ہے۔ گویا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے اپنے انبیاء کے معجزات دیکھ کر انھیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا جس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ یہ محض ان کی اعتقادی موشگافیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں غارت کرے۔ یہ کن ٹامک ٹوئیوں میں بھٹکے جا رہے ہیں۔ انسان جب گمراہی کے راستے پر چل پڑے تو اس کی کوئی انتہا نہیں رہتی یہی کیفیت یہود و نصاریٰ کی تھی اور ہے کہ انھوں نے اپنے علماء، درویشوں اور بزرگوں کو رب کا درجہ دے دیا تھا بالخصوص عیسائیوں نے مسیح ابن مریم علیہ السلام کو خدائی مقام پر پہنچا یا حالانکہ انھیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ خالص ایک اللہ کی عبادت کریں جسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو اپنی ذات اور صفات کے لحاظ سے یکتا ہے اور وہ مبرا اور پاک ہے ان سے جن کو اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ عدی بن حاتم طائی جب مسلمان ہوئے تو انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے اس آیت کی تلاوت کر کے عرض کی اے اللہ کے رسول! اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ عیسائیوں نے اپنے علماء اور صلحاء کو رب بنا لیا ہے ہم نے تو کبھی انھیں رب نہیں بنایا۔ اس پر اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

((قَالَ أَمَا إِنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ وَلَكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحَلُّوا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحَلُّوهُ وَإِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوهُ))[رواه الترمذی: کتاب تفسیر القرآن عن رسول الله، باب من سورة التوبة]

”آپ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن جب کسی چیز کو ان کے لیے حلال کہتے تو وہ اس کو حلال گردانتے اور جب ان کے لیے حرام کہتے تو وہ اس کو حرام سمجھتے تھے۔“

امام رازی اپنے استاد کے حوالے سے کہتے ہیں کہ میری نظر سے ایسے مقلدین گزرے ہیں جن کے سامنے ان کے مسلک کے خلاف قرآن مجید کی آیات پڑھ کر سنائیں گئیں۔ تو انھوں نے ان کی طرف التفات نہ کیا الٹے حیرت سے میری طرف دیکھتے رہے کہ ان کے مسلک کے خلاف یہ کیسی آیات ہیں۔

مسائل

١۔ یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے ہیں جس کے لیے ان کے پاس

کوئی دلیل نہیں۔

۲۔ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دینا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا ہے۔

۳۔ مشرک کے پاس شرک کی کوئی دلیل نہیں ہوتی۔

۴۔ مشرک اپنے عقیدہ کے بارے میں بلا دلیل بحث ومباحثہ کرتا ہے۔

۵۔ شرک کرنے والا گمراہ ہوتا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے۔

۶۔ علماء اور صلحاء کو خدائی درجہ نہیں دینا چاہیے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے اور وہ مشرکوں کے شرک سے مبرا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ لوگوں کے بنائے ہوئے شریکوں سے پاک ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے اس چیز سے جو لوگ شرک کرتے ہیں۔(النحل:۳)

۲۔ اللہ تعالیٰ کا حکم آچکا وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس چیز سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔(النحل:۱)

۳۔ کیا اللہ کے علاوہ کوئی اور الٰہ ہے بہت بلند ہے اللہ اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔(النمل:۶۳)

۴۔ اللہ پیدا کرتا ہے اور مختار کل ہے دوسروں کو کوئی اختیار نہیں ہے اللہ ان کے شرک سے پاک ہے۔(القصص:۶۸)

۵۔ قیامت کے دن آسمانوں کو اللہ اپنے دائیں ہاتھ پر لپیٹ لے گا۔ اللہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس چیز سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔(الزمر:۶۷)

۶۔ کیا ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے۔ اللہ پاک ہے اس چیز سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔(الطور:۴۳)

۷۔ انہوں نے کہا اللہ کی اولاد ہے اللہ اولاد سے پاک ہے بلکہ آسمان وزمین کی ہر چیز اسکے قبضہ قدرت میں ہے۔ (البقرۃ:۱۱۶)

۸۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کو ایسی چیزیں بتاتے ہو جس کا اسے علم نہیں ہے اللہ پاک ہے اور مشرکوں کے شرک سے بلند و بالا ہے۔(یونس:۱۸)

۹۔ اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں ہے اور شراکت داری سے پاک ہے۔(مریم:۳۵)

يُرِيْدُوْنَ	اَنْ	يُّطْفِئُوْا	نُوْرَ اللّٰهِ	بِاَفْوَاهِهِمْ	وَيَاْبَى	اللّٰهُ
وہ ارادہ کرتے ہیں	کہ	بجھادیں	اللہ کا نور	اپنے مونہوں سے	اور انکار کرتا ہے	اللہ
اِلَّآ	اَنْ يُّتِمَّ	نُوْرَهٗ	وَلَوْ	كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٣٢﴾	هُوَ	الَّذِيْٓ
مگر	یہ کہ پورا کرلے	اپنا نور	اور اگرچہ	ناخوش ہوں کفار	وہ	جس نے
اَرْسَلَ	رَسُوْلَهٗ	بِالْهُدٰى	وَدِيْنِ	الْحَقِّ	لِيُظْهِرَهٗ	عَلَى
بھیجا	اپنا رسول	ہدایت کے ساتھ	اور دین	حق	تاکہ وہ غالب کرے اس کو	پر
الدِّيْنِ	كُلِّهٖ	وَلَوْ كَرِهَ	الْمُشْرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾			
دین	سب کے سب	اور اگرچہ ناپسند سمجھیں	مشرکین			

”وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھادیں اور اللہ نہیں مانتا مگر یہ کہ اپنے نور کو پورا کرے، خواہ وہ کافر لوگ برا جانیں۔(۳۲) وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے، خواہ مشرک لوگ برا سمجھتے رہیں۔“(۳۳)

فہم القرآن

ربط کلام: دین حق کے خلاف مشرکین کی مذموم کوششیں۔

مشرکین توحید کا نور بجھانا اور قرآن کی روشنی کو مٹانا چاہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ اسے مکمل فرما کر قیامت تک غالب رکھے۔ کفار، مشرکین اور اہل کتاب پہلے دن سے ہی اس کوشش میں ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے کہ وہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا۔ بے شک یہ کفار اور مشرکوں کے لیے کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ اس نے تو اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اس لیے بھیجا ہے تاکہ دین اسلام تمام باطل ادیان پر غالب آجائے خواہ مشرکوں اور کفار کے لیے یہ بات کتنی ہی ناپسند کیوں نہ ہو۔ نور سے پہلی مراد اللہ کی توحید اور دوسری مراد قرآن مجید کی تعلیم اور رہنمائی ہے کیونکہ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے نور قرار دیا ہے۔ (البقرہ:۲۵۷) میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ ایمانداروں کا خیر خواہ اور دوست ہے وہ انھیں ہر قسم کے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور کفار کے دوست شیطان ہیں وہ ان کو نور سے اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں اس آیت سے پہلے آیۃ الکرسی اور دین کا تذکرہ ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کو کھول کر بیان کرتے ہوئے اسے دین اور ہدایت قرار دیا ہے سورۃ المائدۃ میں قرآن مجید کو نور اور روشن کتاب قرار دیا گیا ہے۔ کافر چاہتے ہیں کہ اللہ کی توحید کے چراغ اور قرآن مجید کی تعلیمات اور روشنی کو اپنی پھونکوں

سے بجھا دیں پھونکوں کا لفظ لا کر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جس طرح سورج کی روشنی اور چاند کی ضیاء پاشیوں کو پھونکوں سے نہیں بجھایا جاسکتا۔ توحید اور اللہ کے دین کی روشنی سورج اور چاند کی روشنی سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جس طرح سورج اور چاند کی طرف منہ کر کے تھوکنے اور پھونکنے والا پاگل پن کا مظاہرہ کرتا ہے، کفار، مشرکین اور اہل کتاب کی کوششیں بھی ان کے اخلاقی دیوالیہ پن کا مظہر ہیں۔ سورۃ الاحزاب: آیت ۴۶ اور ۴۷ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی دعوت اور ذات کو چمکتے ہوئے سورج سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جو لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں انھیں اللہ کے بڑے فضل کی خوشخبری دیجیے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی بعثت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اس لیے بھیجا ہے تاکہ تمام باطل ادیان پر دین اسلام کو غالب کر دے ہدایت سے مراد وہ رہنمائی اور طریقہ ہے جس کی روشنی میں اللہ کے رسول ﷺ نے دین کا ابلاغ اور نفاذ فرمایا یہ نبی اکرم ﷺ کا طریقہ ہے کیونکہ کوئی دین اور قانون کتنا ہی مفصل کیوں نہ ہو اس کے سمجھنے اور نفاذ کے لیے رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے یہاں بالہدیٰ کا لفظ استعمال فرما کر واضح کر دیا ہے کہ جس رب نے یہ دین نازل فرمایا ہے اسی نے ہی اپنے نبی ﷺ کی رہنمائی کا بندوبست کیا تاکہ اس کی منشا کے مطابق دین کی تشریح اور اس کا نفاذ کرے۔

”لِیُظْھِرَہٗ“ کا معنیٰ ہے زبردست کشمکش جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دین آسانی کے ساتھ نافذ نہیں ہوگا جب تک کفار، مشرکین اور اہل کتاب کے ساتھ زبردست کشمکش اور معرکہ آرائی نہ ہو جائے چنانچہ یہی کچھ ہوا کہ اس دین کے ابلاغ اور نفاذ کے لیے کئی معرکے برپا ہوئے اور نہ معلوم قیامت تک کتنے معرکے پیش آئیں گے۔ دین کے غلبہ سے پہلی مراد اس کا دلائل اور براہین کے ساتھ باطل نظریات اور ادیان پر غالب رہنا ہے یہی وجہ ہے کہ آج تک یہ دین اپنی سچائی اور دلائل کے زور پر باطل ادیان پر غالب رہا اور رہے گا۔ جہاں تک اس کے سیاسی غلبے اور نفاذ کا تعلق ہے اس کا دارومدار مسلمانوں کے اخلاص اور کردار پر ہے۔ جب مسلمان جان، مال کا ایثار کر کے دین کو غالب کرنا چاہیں گے تو یقیناً دین سیاسی طور پر بھی غالب رہے گا جس طرح کہ تقریباً ایک ہزار سال تک اس کا غلبہ رہا ہے اور قرب قیامت ایک دفعہ پھر اس کے غلبے کا دور آئے گا بے شک یہ بات کفار اور مشرکین کے لیے کتنی ہی ناپسند کیوں نہ ہو۔ ان آیات سے پہلے اور بعد میں اہل کتاب کا ذکر ہے۔ لیکن درمیان میں رسول کی بعثت اور دین کے غلبہ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کافر اور مشرک جتنا چاہیں زور لگالیں رسول ﷺ کامیاب ہوں گے اور دین غالب آکر رہے گا۔

کفار اور مشرکین کے الفاظ استعمال فرما کر واضح کیا ہے کہ اہل کتاب کا کردار کفار اور مشرکین جیسا ہو چکا ہے۔

((عَنْ تَمِیمٍ الدَّارِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ یَقُولُ لَیَبْلُغَنَّ هَذَا الْأَمْرُ مَا بَلَغَ اللَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَلَا یَتْرُكُ اللّٰهُ بَیْتَ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ هَذَا الدِّینَ بِعِزِّ عَزِیزٍ أَوْ بِذُلِّ ذَلِیلٍ عِزًّا یُعِزُّ اللّٰهُ بِهِ الْإِسْلَامَ وَذُلًّا یُذِلُّ اللّٰهُ بِهِ الْكُفْرَ)) [رواہ أحمد]

''حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرمار ہے تھے یہ دین وہاں تک پہنچے گا جہاں تک دن رات کا سلسلہ جاری ہے اللہ تعالیٰ ہر کچے پکے مکان میں اس کو داخل کر دے گا۔معزز کو عزت دے گا اور ذلیل کو مزید ذلیل کرے گا۔معزز کو اللہ تعالیٰ دین اسلام کے ساتھ عزت دے گا اور ذلیل کو مزید ذلت کفر سے ملے گی۔''

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهِ لَیُوشِكَنَّ أَنْ یَنْزِلَ فِیكُمُ ابْنُ مَرْیَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَیَكْسِرَ الصَّلِیبَ وَیَقْتُلَ الْخِنْزِیرَ وَیَضَعَ الْجِزْیَةَ وَیَفِیضَ الْمَالُ حَتّٰی لَا یَقْبَلَهُ أَحَدٌ حَتّٰی تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَیْرًا مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیهَا)) [رواہ البخاری: کتاب احادیث الانبیاء]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! عنقریب تم میں عیسیٰ ابن مریم عادل حکمران کی حیثیت میں آئیں گے وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر ڈالیں گے اور جزیہ ختم کریں گے مال ودولت کی اس قدر بہتات ہوگی کوئی اس کو لینے والا نہ ہوگا یہاں تک کہ ایک سجدہ کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔''

((عَنْ أَبِی سَعِیدٍ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْمَهْدِیُّ مِنِّی أَجْلَی الْجَبْهَةِ أَقْنَی الْأَنْفِ یَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا وَظُلْمًا یَمْلِكُ سَبْعَ سِنِینَ)) [رواہ ابو داؤد: کتاب المہدی]

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہدی میری اولاد سے ہوگا کشادہ پیشانی، اونچی ناک والا جو عدل وانصاف سے زمین کو بھر دے گا جیسے وہ ظلم وستم سے بھری تھی اور وہ سات برس تک حکمران رہے گا۔''

مسائل

۱۔ کفار ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے دین کے دشمن رہے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین اسلام کو پوری دنیا پر غالب کرے گا۔

۳۔ مشرکین کی مخالفت اس دین کو غالب آنے سے نہیں روک سکے گی۔

تفسیر بالقرآن

''اللہ'' کا دین غالب آکر رہے گا:

۱۔ وہ ذات جس نے رسولوں کو مبعوث کیا تاکہ دین اسلام تمام ادیان پر غالب آجائے۔(الفتح:۲۸)

۲۔ ان سے لڑائی کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہوجائے اور خالصتاً دین اللہ کے لیے ہوجائے۔(البقرۃ:۱۹۳)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ

اے ۔ وہ لوگو جو ایمان لائے بیشک بہت زیادہ سے علماء اور

الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ

درویش البتہ کھاتے ہیں مال (جمع) لوگوں ناجائز طریقے سے اور وہ روکتے ہیں

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ

سے راستہ اللہ اور وہ جو جمع کرتے ہیں سونا اور چاندی

وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳۴ يَّوْمَ

اور نہیں وہ اسکو خرچ کرتے اللہ کے راستے میں تو انہیں خوشخبری دیجئے عذاب کی دردناک جس دن

يُّحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ

دہکایا جائے گا اس پر میں جہنم کی آگ پھر داغا جائیگا اس سے انکی پیشانیوں کو

وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا

اور انکے پہلوؤں کو اور انکی پیٹھوں کو یہ ہے جو تم جمع کرتے تھے اپنے نفسوں کیلئے سو مزا چکھو تم

مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝۳۵

جو تھے تم جمع کرکے رکھتے

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بے شک بہت سے عالم اور درویش لوگوں کا مال ناجائز طریقے سے کھاتے ہیں اور اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے آپ انہیں دردناک عذاب کی خوش خبری دیں۔ (۳۴) جس دن اسے جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا یہ ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا سو چکھو جو تم جمع کرتے تھے۔'' (۳۵)

فہم القرآن

ربط کلام: اہل کتاب نے اپنے علماء اور صلحاء کو خدائی کا درجہ دیا ہوا تھا ان صلحاء اور علماء نے اپنی مسند کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنا لیا اس طرح دین کے داعی ہی دین کے راستے میں رکاوٹ ثابت ہوئے۔ ایسے پادری، درویش اور علماء ہمیشہ دین اسلام کے مخالف رہے ہیں اور ہر زمانے میں رہیں گے۔

یہودیوں کے علماء کا مدینہ، خیبر اور ان کے گردونواح پر اور پادریوں کا روم شام وغیرہ پر مذہبی تسلط تھا۔ عوام علماء اور

صلحاء کے ظاہری رکھ رکھاؤ اور تقدس سے بڑے مرعوب تھے جس وجہ سے لوگ سمجھتے تھے کہ اگر اتنے بڑے صلحاء، بڑے بڑے مربی اور پوپ، پادری، نامور علماء اسلام قبول نہیں کر رہے تو کوئی ایسی بات ہے جو اسلام کے بارے میں ان کی نفرت کا سبب ہے۔ اس تسلط کو توڑنے اور لوگوں کو حقیقت حال سے آگاہ کرنے کے لیے ایمانداروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے صاحب ایمان لوگو! یہودیوں اور عیسائیوں کے علماء اور صلحاء سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان کی اکثریت دین کے پردے میں لوگوں سے ناجائز طریقے سے مال بٹورنے اور جمع کرنے کے ساتھ اللہ کے راستے میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔
یہودیوں کے علماء اور عیسائیوں کے صلحا کے مال جمع کرنے کے کئی طریقے تھے۔

۱۔ فتویٰ فروشی۔
۲۔ حکام اور امراء کا تقرب حاصل کر کے مفادات اٹھانا۔
۳۔ سرکاری مناصب پر فائز ہو کر مراعات حاصل کرنا۔
۴۔ مذہبی بحث چھڑ جانے کی صورت میں کسی کے غلط موقف کی ناجائز تائید کر کے شہرت حاصل کرنا۔
۵۔ دولت اور شہرت کی خاطر خود کو بدلنے کے بجائے تورات اور انجیل میں تبدیلیاں کرنا۔
۶۔ معاشرے کے مؤثر اور بڑے لوگوں کو شرعی سزا سے بچانے کے لیے دین کی غلط تاویلات کرنا۔
۷۔ دین کو صرف ملازمت کے طور پر اختیار کرنا۔
۸۔ سیاسی برتری اور لیڈری کے شوق میں فرقہ پرستی کو ہوا دینا۔

بظاہر تو ان علماء اور صلحاء کا اوڑھنا بچھونا، رہنا سہنا، گفتار اور کردار دین ہی کی ترجمانی کرتا تھا لیکن حقیقت میں ظاہری لبادہ کے سوا کچھ نہیں تھا اس طرح ان لوگوں نے بڑی بڑی جائیدادیں بنائیں اور سرمایہ جمع کیا جس پر انھیں وعید سنائی جا رہی ہے کہ جس سونا اور چاندی کو انفاق فی سبیل اللہ کی بجائے اکٹھا کر رہے ہو۔ اس کو قیامت کے دن جہنم کی آگ میں تپا کر تمھاری جبینوں، کروٹوں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا اور جہنم کے ملائکہ سزا دیتے ہوئے کہیں گے یہ وہی مال ہے جس کو تم اپنے لیے جمع کرتے تھے لہٰذا آج اس کا ذائقہ چکھتے رہو اور تمھیں مزید عذاب کی خوشخبری بھی دی جاتی ہے۔ ناجائز مال پر خوش ہونے کی بجائے تمھیں آخرت کے بارے میں فکر کرنی چاہیے تھی۔ یہاں یہودیوں کے علماء اور عیسائیوں کے صلحاء کے گھناؤنے کردار کا ذکر کرنے کے بعد عام اصول یہ بیان کیا ہے کہ مال جمع کرنے کی بجائے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہیے۔ سونا اور چاندی کا اس لیے خصوصی ذکر کیا کہ ہمیشہ دنیا کے مال و اسباب میں یہ سرفہرست رہے ہیں۔

سابقہ دور میں سونا یا چاندی کو کرنسی کے لیے معیار ٹھہرایا گیا ہے۔ پہلے دور میں کاغذ کے نوٹوں کی بجائے چاندی، سونے کے سکے ہوتے تھے۔ یاد رہے حبر کی جمع احبار اور راہب کی جمع رہبان ہے۔

کنز کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجتماعی موقف ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ دی جائے وہ کنز میں شمار نہیں ہوگا۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی چاندی سونے کا مالک ایسا نہیں جو ان کی زکوٰۃ نہیں دیتا مگر وہ قیامت کے دن ایسا ہوگا کہ اس چاندی، سونے کی تختیاں بنائی جائیں گی۔ انھیں جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھر مال دار کی پیشانی اور کروٹیں اس سے داغی جائیں گی اور اس کی پیٹھ۔ جب تختیاں ٹھنڈی ہو جائیں گی تو پھر گرم کی جائیں گی پچاس ہزار برس کے دن میں اس کو یہی عذاب ہوگا یہاں تک کہ لوگوں کے بارے میں جنت اور جہنم کا فیصلہ ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ ﷺ اونٹوں کا کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا جو اونٹ والا اپنے اونٹوں کا حق ادا نہیں کرتا اور اس کے حق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دودھ دوہے جس دن کو پانی پلائے جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ برابر زمین پر اوندھا لیٹایا جائے گا اور وہ اونٹ نہایت فربہ ہو کر آئیں گے ان میں سے کوئی بچہ بھی باقی نہ رہے گا اور اس کو اپنے پاؤں سے روندیں گے اور منہ سے کاٹیں گے جب ان میں پہلا روندتا ہوا چلا جائے گا پچھلا آجائے گا یوں ہی عذاب ہوتا رہے گا تمام دن جو پچاس ہزار برس کا ہوگا یہاں تک کہ فیصلہ ہو جائے لوگوں کا پس وہ دیکھے گا راستہ جنت یا دوزخ کی طرف پھر عرض کی اے رسول اللہ ﷺ! اور گائے بکری کا کیا حال ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ کوئی گائے بکری والا ایسا نہیں جو اس کی زکوٰۃ نہ دیتا ہو مگر جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ اوندھا لٹایا جائے گا ایک پٹ پر صاف زمین پر اور ان گائے بکریوں میں سب آئیں گی کوئی باقی نہ رہے گی اور ایسی ہوں گی کہ ان میں سینگ مڑی ہوئی نہ ہوں گی نہ بے سینگ کی نہ سینگ ٹوٹی اور آکر اس کو ماریں گی۔ اپنے سینگوں سے اور روندیں گی اپنے کھروں سے جب اگلی اس پر سے گزر جائے گی پچاس ہزار برس کے دن پھر یہاں تک کہ فیصلہ ہو جائے بندوں کا پھر اس کی راہ کی جائے جنت یا دوزخ کی طرف پھر عرض کی کہ اے رسول اللہ اور گھوڑے؟ آپ نے فرمایا گھوڑے تین طرح پر ہیں ایک اپنے مالک پر بار ہے یعنی وبال ہے دوسرا اپنے مالک کا عیب ڈھانپنے والا ہے تیسرا اپنے مالک کا ثواب کا سامان ہے اب اس وبال والے گھوڑے کا حال سنو جو باندھا ہے اس لیے کہ لوگوں کو دکھلاوے اور لوگوں میں بڑ مارے اور مسلمانوں سے عداوت کرے سو یہ اپنے مالک کے حق میں وبال ہے اور وہ جو عیب ڈھانپنے والا ہے وہ گھوڑا ہے کہ اس کو اللہ کی راہ میں باندھا ہے (یعنی جہاد کے لیے) اور اس کی سواری میں اللہ کا حق نہیں بھولتا اور نہ اس کے گھاس چارہ میں کمی کرتا ہے تو وہ اس کا عیب ڈھانپنے والا ہے اور جو ثواب کا سامان ہے اس کا کیا کہنا وہ گھوڑا ہے کہ باندھا اللہ کی راہ میں اہل اسلام کی مدد اور حمایت کے لیے کسی چراگاہ یا باغ میں پھر اس نے جو کھایا اس چراگاہ یا باغ سے اس کی گنتی کے موافق نیکیاں اس کے مالک کے لیے لکھی گئیں اور اس کی لید اور پیشاب تک نیکیوں میں لکھا گیا اور جب وہ اپنی لمبی رسی توڑ کر ایک دو ٹیلے پر چڑھ جاتا ہے تو اس کے قدموں اور اس کی لید کی گنتی کے موافق نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جب اس کا مالک کسی ندی پر لے جاتا

ہے اور وہ گھوڑا اس میں سے پانی پی لیتا ہے اگرچہ مالک کا پلانے کا ارادہ بھی نہ تھا تب بھی اس کے لیے ان قطروں کے موافق نیکیاں لکھی جاتی ہیں جو اس نے پیے ہیں۔ پھر عرض کی کہ اے اللہ کے رسول گدھے کا حال فرمایئے آپ نے فرمایا گدھوں کے بارہ میں میرے اوپر کوئی حکم نہیں اترا بجز اس آیت کے جو بے مثل اور جمع کرنے والی ہے۔ (فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُo وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهُ)۔ جس نے ذرہ کے برابر نیکی کی وہ اسے دیکھے گا یعنی قیامت کے دن اور جس نے ذرہ برابر بدی کی وہ بھی اسے دیکھے گا۔''

[رواہ مسلم: کتاب الزکاۃ، باب اثم مانع الزکاۃ]

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَهُ زَبِيبَتَانِ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَعْنِي بِشِدْقَيْهِ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا مَالُكَ أَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا لَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ.......... الْآيَةَ)) [رواہ البخاری: کتاب الزکاۃ، باب اثم مانع الزکاۃ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس شخص کو مال عنایت کرے وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کے مال کو گنجے سانپ کی شکل دی جائے گی اس کی آنکھوں پر دو نشان ہوں گے اسے مال دار کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا جو اس کی دونوں باچھیں پکڑ کر کہے گا میں تمہارا مال ہوں، میں تمہارا خزانہ ہوں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی لا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ الْآيَةَ))

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ وَقَالَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ)) [رواہ مسلم: کتاب الزکاۃ، باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک مال ہی قبول کرتا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے جو کہ اس نے اپنے رسولوں کو حکم دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اے رسولو! پاکیزہ مال سے کھاؤ اور نیک عمل کرو بلاشبہ جو تم کرتے ہو میں اس کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اور یہی ارشاد ایمان والوں کے لیے ہے! پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ جو میں نے تم کو عنایت کی ہیں۔ پھر ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جو کہ دور دراز کا سفر کرتا ہے اس کے سر کے بال پراگندہ ہیں وہ اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف پھیلاتا ہے اور کہتا ہے اے میرے رب! اے میرے رب! اس کا کھانا اس کا پینا اس کا لباس حرام ہے اسکی پرورش بھی حرام مال سے ہوئی تو اسکی دعا کیسے قبول کی جائے گی۔''

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں سونے کی پازیب پہنتی تھی میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا یہ کنز ہے؟ آپ نے فرمایا جو مال زکوٰۃ کی حد تک پہنچ گیا اور اس کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی وہ کنز نہیں ہے۔(ابوداؤد)

مسائل

۱۔ یہود و نصاریٰ کے علماء کی اکثریت حرام خور ہے۔

۲۔ یہود و نصاریٰ کے علماء دین کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

۳۔ ناجائز طریقہ سے کمایا ہوا مال جہنم کی آگ بن جائے گا۔

۴۔ زکوٰۃ نہ دینے اور ناجائز مال کمانے والوں کے لیے جہنم کی خوشخبری ہے۔

تفسیر بالقرآن

حرام کھانے والے لوگ:

۱۔ لوگوں کا مال ناجائز طریقہ سے کھانا حرام ہے۔(البقرۃ:۱۸۸)

۲۔ اے لوگو! آپس میں اپنے مال کو حرام طریقہ سے نہ کھاؤ۔(النساء:۲۹)

۳۔ یتیموں کے مال کے ساتھ اپنا مال بدنیتی سے ملا کر کھانا حرام ہے۔(النساء:۲)

۴۔ جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا کھانا حرام ہے۔(الانعام:۱۲۱)

۵۔ یتیموں کا مال ظلم سے کھانا حرام ہے۔(النساء:۱۰)

۶۔ اللہ کی آیات کو فروخت کرنے والے اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔(البقرۃ:۱۷۴)

۷۔ تمہارے اوپر مردار، خون، خنزیر اور غیر اللہ کے نام دی ہوئی چیز حرام ہے۔(النحل:۱۱۵)

۸۔ وہ لوگ اسے حرام قرار نہیں دیتے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔(التوبۃ:۲۹)

۹۔ اے ایمان والو! اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو۔(المائدۃ:۸۷)

۱۰۔ انہوں نے اللہ کے حلال کردہ رزق کو حرام ٹھہرایا۔(الانعام:۱۴۰)

۱۱۔ اللہ تعالیٰ نے ظاہری اور باطنی فحاشی کو حرام قرار دیا ہے۔(الاعراف:۳۳)

اِنَّ	عِدَّةَ	الشُّهُوْرِ	عِنْدَ اللّٰهِ	اثْنَا عَشَرَ	شَهْرًا	فِيْ
بیشک	گنتی	مہینوں	اللہ کے نزدیک	بارہ	مہینے	میں
كِتٰبِ	اللّٰهِ	يَوْمَ	خَلَقَ	السَّمٰوٰتِ	وَ الْاَرْضَ	مِنْهَآ
کتاب	اللہ	دن	اس نے پیدا کیا	آسمانوں	اور زمین	ان سے
اَرْبَعَةٌ	حُرُمٌ ؕ	ذٰلِكَ	الدِّيْنُ	الْقَيِّمُ ۙ	فَلَا تَظْلِمُوْا	فِيْهِنَّ
چار	حرمت والے	یہی ہے	دین	سیدھا	چنانچہ نہ تم ظلم کرو	ان میں
اَنْفُسَكُمْ	وَقَاتِلُوا	الْمُشْرِكِيْنَ	كَآفَّةً	كَمَا	يُقَاتِلُوْنَكُمْ	
اپنی جانوں پر	اور تم لڑو	مشرکوں سے	اکٹھے	جیسے	وہ تم سے لڑتے ہیں	
كَآفَّةً ؕ	وَاعْلَمُوْٓا	اَنَّ اللّٰهَ	مَعَ	الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۶		
اکٹھے	اور جان لو تم	بیشک اللہ	ساتھ	پرہیزگاروں		

’’بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک اس کی کتاب میں بارہ مہینے ہے جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ان میں سے چار حرمت والے ہیں یہی سیدھا دین ہے سو ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور مشرکوں سے اکٹھے ہو کر لڑو جیسے وہ اکٹھے ہو کر تم سے لڑتے ہیں اور جان لو کہ بے شک اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔‘‘ (۳۶)

فہم القرآن

ربط کلام: حرمت والے مہینے میں قتال ممنوع ہے۔ یہود و نصاریٰ اور ان کے علماء کا کردار اور انجام ذکر کرنے کے بعد خطاب کا رخ مشرکین مکہ کی طرف ہو چکا ہے۔

اسلامی سال کی تقویم اور تقسیم کسی انسان کے حساب و کتاب کا نتیجہ نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ نے اس دن سے ہی ماہ، سنین اور ایام متعین فرما دیے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تھا۔ گویا کہ زمین و آسمان کی پیدائش کے ساتھ ہی لیل و نہار اور سال کی تقویم شروع کر دی گئی اور اسی وقت سے ہی اللہ تعالیٰ نے سال کے بارہ مہینے مقرر فرمائے ہیں جن میں چار مہینے محترم قرار دیے گئے۔ جن کے ناموں کی تصریح کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب کا مہینہ ہے گویا کہ اسلامی سال کا گیارہواں، بارہواں، پہلا مہینہ محرم اور ساتواں مہینہ رجب حرمت والے ہیں۔

یاد رہے کہ اسلامی جنتری اور کیلنڈر قمری حساب پر مرتب ہوتا ہے اور اسلامی عبادات کے شمار اور حساب کا دارومدار بھی چاند کے حساب پر رکھا گیا ہے جب مسلمان سیاسی اعتبار سے دنیا میں غالب تھے تو ان کے حساب و کتاب کا معیار قمری مہینہ ہوا کرتا تھا۔

لیکن جب سے یہ سیاسی اعتبار سے پسپا ہوئے تو ان کا تہذیب و تمدن اور حساب و کتاب کا شمار اور معیار بھی پسپائی اختیار کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ آج عام مسلمان ہی نہیں بلکہ دینی طبقہ بھی اپنی تقویم کو فراموش کر چکا ہے۔ حالانکہ ہماری زندگی کے لمحات اور ایام شمسی حساب سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قمری حساب پر مشتمل ہیں۔ سال کے بارہ مہینوں میں چار مہینے اس لیے محترم قرار دیے گئے تاکہ معاشرے میں امن و امان، اخلاق اور بہتر کردار کی بنیادیں مستحکم رہ سکیں۔ اور دنیا کے کونے کونے سے آنے والے مسلمان امن و امان کے ساتھ حج کر سکیں چوتھا مہینہ رجب اس لیے مقرر کیا گیا۔ کہ حضرت ابراہیم کے زمانے سے رجب کے مہینہ میں لوگ عمرہ ادا کرتے تھے البتہ نبی اکرم ﷺ نے عمرہ رمضان المبارک میں ادا کرنا حج کے ثواب کے مترادف قرار دیا ہے۔ انہی بنیادوں پر اسے دین قیم قرار دیتے ہوئے حکم فرمایا کہ ان مہینوں میں خاص طور پر اپنے آپ پر ظلم نہ کیا کرو۔ عرب جہالت کے باوجود ان مہینوں کا اس قدر احترام کرتے کہ اگر کسی کے باپ کا قاتل اس کے سامنے آجاتا تو وہ غیرتِ انتقام سے آگ بگولہ ہو جاتا مگر اس کو یہ جرأت نہ ہوتی کہ وہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی تلوار کو نیام سے باہر نکال سکے۔

لیکن قریش مکہ نے اسلام دشمنی میں آ کر ملت ابراہیم کی اخلاقی قدروں اور حرمت والے مہینوں کی پاسداری کا لحاظ چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے ان مہینوں میں تغیر و تبدل کر دیا۔ حرمت والے مہینوں کی پرواہ کیے بغیر وہ مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر نقصان پہنچانے سے دریغ نہ کرتے۔ ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کو اجازت دی گئی ہے کہ اگر کفار اور مشرکین ان مہینوں میں تم پر یلغار کریں تو تمھیں بھی انھیں منہ توڑ جواب دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے کہ کون اس کی حرمتوں کا خیال رکھنے والا ہے اور کون نہیں رکھتا۔ لیکن یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ظلم سے بچنے اور گناہوں سے اجتناب کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

((عَنْ أَبِی بَکْرَۃَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ الزَّمَانُ قَدِ اسْتَدَارَ کَھَیْئَتِہٖ یَوْمَ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ السَّنَۃُ اثْنَا عَشَرَ شَھْرًا مِنْھَا أَرْبَعَۃٌ حُرُمٌ ثَلَاثَۃٌ مُتَوَالِیَاتٌ ذُو الْقَعْدَۃِ وَذُو الْحِجَّۃِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِی بَیْنَ جُمَادٰی وَشَعْبَانَ)) [رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی سبع ارضین]

”حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا بیان نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا زمانہ گھوم کر بالکل اپنی اصل جگہ آ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ مہینوں کا ہے اس میں سے چار حرمت والے ہیں تین مہینے متواتر ہیں۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم جبکہ رجب جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔“

مسائل

۱۔ زمین وآسمان کی پیدائش کے وقت ہی سال کے بارہ مہینے تھے ان میں ذی القعدہ، ذوالحجہ محرم اور رجب حرمت والے مہینے ہیں۔

۲۔ دین ٹھوس بنیادوں پر قائم ہے۔ ۳۔ حرمت والے مہینوں میں بالخصوص ظلم نہیں کرنا چاہیے۔

۴۔ کافر حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنا چاہیں تو مسلمانوں کو ان کے مقابلہ کی اجازت ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ ظلم سے بچنے اور گناہوں سے پرہیز کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا

سوائے اس کے نہیں — ہٹا دینا — زیادتی ہے — میں — کفر — گمراہ کیے جاتے ہیں — اس وجہ سے — جو لوگ — انہوں نے کفر کیا

یُحِلُّوْنَہٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَہٗ عَامًا لِّیُوَاطِئُوْا عِدَّۃَ مَا

وہ حلال کرتے اسکو — سال — اور حرام کرتے اسکو — سال — تاکہ وہ پوری کریں — گنتی — جو

حَرَّمَ اللّٰہُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰہُ ؕ زُیِّنَ لَھُمْ سُوْٓءُ

حرام کیا اللہ نے — وہ حلال کر لیتے — جو — حرام کیا اللہ نے — خوبصورت کر دیے گئے — انکے لیے — برے

اَعْمَالِھِمْ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۳۷﴾ ؑ

ان کے اعمال — اور اللہ — نہیں ہدایت دیتا — قوم — کافروں

ع۵ ۸ ۱۱

”حقیقت یہ ہے کہ مہینوں کو آگے پیچھے کرنا کفر میں مزید بڑھنا ہے اس وجہ سے وہ لوگ گمراہ کیے جاتے ہیں جنہوں نے کفر کیا ایک سال اسے حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال اسے حرام کر لیتے ہیں تاکہ ان کی گنتی برابر کر لیں پس اسے حلال کر لیتے ہیں جو اللہ نے حرام کیا ہے۔ ان کے برے اعمال ان کے لیے خوبصورت بنا دیے گئے ہیں اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ (۳۷)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ مضمون جاری ہے۔

مشرکین اور کفار نے جس طرح اپنی اغراض کی خاطر دین ابراہیم کے دوسرے مسائل کو تبدیل کر دیا تھا اسی طرح انھوں نے اپنے مفاد کے پیش نظر حرمت والے مہینوں کو بھی تبدیل کر دیا تھا۔ جس کی مورخین نے دو وجوہات بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ ان مہینوں میں اپنے دشمن کو کمزور سمجھتے تو حرمت والے مہینے کی پرواہ کیے بغیر اس پر حملہ کر دیتے۔

۲۔ قمری مہینوں کے حساب سے حج کا موسم تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ جس سے مناسک حج کی ادائیگی میں دقت محسوس کرتے اور اس کے ساتھ ان کی تجارت پر بھی منفی اثرات پڑتے تھے کیونکہ حج کے موقع پر دنیا کے کونے کونے سے تاجر آتے اور شدت موسم کی وجہ سے کچھ لوگ ان دنوں آنے سے کتراتے۔ ان وجوہات کی بنا پر انھوں نے ”نسی ء“ کا من ساختہ اصول بنایا نسی ء کا معنی ہے موخر کرنا یعنی اگر حرمت والے مہینوں میں انھیں مار دھاڑ اور جنگ وجدال کی ضرورت پیش آتی تو وہ ان مہینوں میں قتل و غارت اور جنگ وجدال کر لیتے اور اس کے بدلے میں سال کے کسی اور مہینے کو محترم مہینہ قرار دے لیتے۔ اس طرح اپنے فائدے کی خاطر اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے حرمت والے مہینوں کو تبدیل کر دیتے۔ ان کی من ساختہ تقویم سے

سال کا کیلنڈر تیار ہوتا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حج ذوالحجہ میں ہونے کی بجائے بارہ مہینوں میں تبدیل ہوتا رہتا۔ ان کی اس حرکت کو اللہ تعالیٰ نے کفر پر کفر کرنے کے مترادف قرار دیا ہے کیونکہ انھوں نے اللہ کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا اور اس حرکت پر نادم ہونے کی بجائے یہ سمجھ کر مطمئن ہو جاتے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے حرمت والے چار مہینے پورے کر دیے ہیں اور ان کی حرمت کو قائم رکھا ہے۔ اس لیے ہمارا حج بھی ملت ابراہیم کے مطابق ادا ہوتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی حج مقبول ہوتا ہے۔ جسے اس کے مقرر کردہ مناسک اور ایّام میں ادا کیا جائے۔ حج کے ایّام تبدیل کرنے اور اللہ تعالیٰ کی حرمتیں پامال کرنے کے باوجود ان کا عقیدہ تھا کہ ہم نیک کام کر رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ حج ہر موسم میں آئے تاکہ مسلمان مشقت کے عادی ہوں۔ جس سے ان کو دشمن کا مقابلہ کرنے کی تربیت حاصل ہو اور وہ اپنے رب کے مقررہ کردہ اصول کے پابند رہتے ہوئے اس کے تقاضے پورے کریں۔ دوسری حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ تمام ممالک کے لیے حج کا موسم یکساں رہے۔

یہاں تک کفار کا بنایا ہوا ''نسی'' کا اصول تھا۔ یہ عقیدہ اور تصور شیطان کا پیدا کردہ ہے تاکہ انسان ایک رسم اور بدعت کو دین اور ثواب سمجھ کر کرے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا عمل مردود اور گناہ ہی رہتا ہے بدعت و رسومات پر عمل کرنے والے لوگ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے دین کے ساتھ کفر کرتے ہیں کیونکہ وہ اسے دین اور ثواب سمجھ کر کرتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ اور انھیں ہدایت نہیں دیتا۔ کفار کے بنائے ہوئے نسیٔ کے اصول اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے قانون کے مطابق حجۃ الوداع کا حج ٹھیک اس مہینہ اور ایام میں آیا جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھا تھا۔

اسی موقعہ پر آپ نے یہ الفاظ ادا فرمائے:

((عَنْ أَبِی بَکْرَۃَ ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ الزَّمَانُ قَدِ اسْتَدَارَ کَھَیْئَتِہٖ یَوْمَ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ السَّنَۃُ اثْنَا عَشَرَ شَھْرًا مِنْھَا أَرْبَعَۃٌ حُرُمٌ ثَلَاثَۃٌ مُتَوَالِیَاتٌ ذُو الْقَعْدَۃِ وَذُو الْحِجَّۃِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِی بَیْنَ جُمَادَی وَشَعْبَانَ)) [رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق]

''حضرت ابوبکرہ ؓ نبی اکرم ﷺ کا بیان نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا زمانہ گھوم کر بالکل اپنی اصل جگہ پر آگیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ مہینوں کا ہے اس میں سے چار حرمت والے ہیں تین مہینے متواتر ہیں۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم جبکہ رجب جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔''

مسائل

۱۔ نسیء پر عمل کرنا کفر کرنے کے مترادف ہے۔

۲۔ دین میں ردوبدل کرنا پرلے درجے کا کفر ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال اور اس کے حلال کو حرام کرنا گمراہی ہے۔

۴۔ شیطان بُرے اعمال اور بدعات کو خوبصورت اور دین بنا کر پیش کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

شیطان کن لوگوں کے اعمال خوبصورت بناتا ہے:

۱۔ ظالموں کے دل سخت ہو گئے اور شیطان ان کے اعمال کو مزین کر کے دکھاتا ہے۔(الانعام:۴۳)

۲۔ اکثر مشرکین کے لیے قتل اولاد کا عمل مزین کر دیا۔(الانعام:۱۳۷)

۳۔ شیطان نے اللہ کے راستہ سے روکنے والوں کے برے اعمال کو مزین کر دیا اور کہا تم ہی غالب ہو گے۔ (الانفال:۴۸)

۴۔ اللہ نے آپ ﷺ سے پہلے کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے شیطان نے ان کے بداعمال کو مزین کر دیا۔(النحل:۶۳)

۵۔ اللہ کے علاوہ سورج کو سجدہ کرنے والوں کے برے اعمال کو شیطان نے ان کے لیے مزین کر دیا۔(النمل:۲۴)

۶۔ قوم عاد و ثمود کے اعمال بد کو شیطان نے مزین کر دیا۔(العنکبوت:۳۸)

۷۔ ہر گروہ کے بداعمال کو شیطان نے ان کے لیے مزین کر دیا۔(الانعام:۱۰۹)

۸۔ شیطان نے کہا میں ضرور ان کے اعمال ان کے سامنے مزین کر کے پیش کروں گا اور انہیں گمراہ کرونگا۔(الحجر:۳۹)

۹۔ حد سے تجاوز کرنے والوں کے اعمال ان کے لیے مزین کیے جاتے ہیں۔(یونس:۱۲)

۱۰۔ کفار کے اعمال ان کے لیے مزین کیے جاتے ہیں۔(الانعام:۱۲۲)

۱۱۔ انہوں نے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دیا ان کے لیے برے اعمال مزین کر دیئے گئے۔(التوبۃ:۳۷)

۱۲۔ کفار کے لیے ان کی تدابیر کو مزین کر دیا گیا تو انہوں نے اللہ کی راہ سے روکنا شروع کر دیا۔(الرعد:۳۳)

۱۳۔ وہ شخص جس کے لیے برے اعمال مزین کر دیئے گئے اور وہ انہیں اچھے اعمال تصور کرتا ہے اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے۔(فاطر:۸)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا

اے لوگو جو ایمان لائے کیا ہے تم کو جب کہا جاتا ہے تمھارے لیے کوچ کرو

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

میں اللہ کے راستہ بوجھل ہو جاتے ہو تم زمین کی طرف کیا تم نے پسند کرلیا ہے دنیا کی زندگی کو

مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾

سے آخرت پھر نہیں فائدہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں مگر بہت تھوڑا

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ

اگر تم نہ نکلو گے وہ تمھیں عذاب دیگا عذاب دردناک وہ بدل کرلے آئیگا کوئی قوم سوائے تمہارے

وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

اور نہ تم اسکا بگاڑ سکو گے کچھ بھی اور اللہ پر ہر چیز قادر ہے

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ جب تم سے کہا جاتا ہے اللہ کے راستہ میں نکلو تو تم زمین کی طرف بوجھل ہو جاتے ہو؟ کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے ہو؟ دنیا کی زندگی کا سامان تو آخرت کے مقابلے میں بہت ہی تھوڑا ہے۔ (۳۸) اگر تم نہ نکلو گے تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہارے علاوہ اور لوگ لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (۳۹)

فہم القرآن

ربط کلام: نئے خطاب کا آغاز، جہاد کی تحریص۔

اس سورۃ کا مرکزی مضمون قتال فی سبیل اللہ اور اس کے متعلقات ہیں لہٰذا قتال فی سبیل اللہ کا خطاب پھر شروع ہوتا ہے۔ اس خطاب کا پس منظر اور شان نزول یہ ہے کہ جب مکہ فتح ہوا اور سرزمین حجاز کے بڑے بڑے قبائل بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تو مدینہ سے دور دراز کے لوگوں کے سامنے اسلام کی حقانیت واضح ہونے لگی۔ جس بنا پر شام، روم اور دیگر ممالک کے لوگوں نے مسلمانوں کے تہذیب و تمدن اور دین اسلام کی روشن تعلیمات کی طرف توجہ دینا شروع کی۔ جس سے ان ممالک کے حکمرانوں کو شدید خطرہ محسوس ہوا۔ خاص کر اس زمانے کی سب سے بڑی سیاسی قوت سلطنت رومہ نے محسوس کیا کہ اسلام کی پیش قدمی کو روکنا چاہیے۔ چنانچہ روم کے فرمانروا ہرقل نے مملکت اسلامیہ پر حملہ کرنے کی

سرگرمیاں تیز کردیں۔ان کی سرگرمیوں کو دیکھ کر مدینہ کے منافق بھی پھر سے حوصلہ پکڑنے لگے۔اس صورتحال پر قابو پانے اور رومیوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے اللہ کے رسول ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ رومیوں کو پیش قدمی کا موقعہ دینے کی بجائے ان کے گھر جا کر سبق سکھانا چاہیے اس کے لیے آپ نے خلاف معمول ایک مہینہ پہلے رومیوں کے خلاف جہاد کا اعلان فرمایا حالانکہ اس سے پہلے آپ جہاد کے لیے توریہ کی پالیسی اختیار کیا کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اگر مدینہ کے شمال کی طرف پیش قدمی کرنا ہوتی تو آپ جنوب کے علاقے کی باتیں کرتے تاکہ مدینہ کے منافق اور دیگر لوگ دشمن کو خبردار نہ کردیں لیکن اس مرتبہ آپ نے دوٹوک الفاظ میں رومیوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔یہ اعلان اس وقت ہوا جب فصلیں کٹنے پہ آئی ہوئی تھیں اور دوسری طرف گرمی کا عالم یہ تھا کہ گھر سے باہر نکلتے وقت آدمی کا چہرہ جھلس جاتا تھا۔حالانکہ دشمن کے خلاف جنگ کے وقت کا تعین کرتے ہوئے موسم اور قوم کے داخلی حالات کو ہمیشہ مدنظر رکھا جاتا ہے لیکن حالات تاخیر کی اجازت نہیں دیتے تھے جس بنا پر آپ نے کھلی جنگ کا اعلان کیا ان حالات میں اس جنگ کو کچھ صحابہ اپنے آپ پر بوجھ محسوس کرنے لگے۔اس اعصابی دباؤ اور ذہنی بوجھ کو دور کرنے کے لیے خطاب کا انداز ایسا اختیار کیا گیا جو پہلے کسی غزوہ کے لیے اختیار نہیں کیا چنانچہ حکم ہوا کہ اے مسلمانو! تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تمھیں اللہ کے راستے میں نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین کے ساتھ چمٹے اور آخرت کے مقابلہ میں دنیا پر راضی ہوئے جارہے ہو۔یاد کرو کہ دنیا کے مال واسباب کی آخرت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں؟ دنیا کی زندگی نہایت مختصر اور اس کا سامان ناپائیدار اور معمولی ہے اس کے باوجود اگر تم نے دنیا کو مقدم جانا اور اللہ کے راستے میں نکلنے سے فرار اختیار کیا تو پھر اللہ تعالیٰ تمھیں اذیت ناک عذاب دے گا۔تمہاری جگہ کوئی اور قوم لے آئے گا۔پھر تم اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اس انتباہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جب جہاد کا اعلان عام ہو جائے تو پھر کسی فرد کو پیچھے رہنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی جہاد فرض کفایہ کے بجائے فرض عین ہو جایا کرتا ہے۔ایسی صورت میں جو مسلمان پیچھے رہے گا اللہ تعالیٰ اسے دنیا اور آخرت میں سزا دینے کا اعلان کرتا ہے۔عام طور پر دنیا کی سزا دشمن کے ہاتھوں ہوا کرتی ہے کیونکہ دشمن کے مقابلے میں نہ نکلنے والی قوم ذلت ورسوائی کے ساتھ اپنا سب کچھ کھو بیٹھتی ہے۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتّٰى تَرْجِعُوا إِلٰى دِينِكُمْ))

[رواه ابو داؤد: كتاب البيوع، باب في النهي عن العينة]

”حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں جب تم تجارت عینہ کیا کرو گے گائے کی دم کو پکڑ لو گے اور کھیتی باڑی پر راضی ہو کر جہاد کو چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا۔وہ اس وقت تک تم پر مسلط رہے گی جب تک تم

واپس دین کی طرف لوٹ نہ آؤ گے۔“

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَا یَفْتُرُ مِنْ صِیَامٍ وَّلَا صَلٰوةٍ حَتّٰی یَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔)) [متفق علیه]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا اس شخص کی طرح ہے' جو مسلسل روزے رکھتا ہے اور ہمہ وقت حالت قیام میں قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے۔روزے اور نماز میں کوتاہی نہیں کرتا۔حتّٰی کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا مجاہد واپس لوٹ آئے۔

مسائل

۱۔ جب جہاد کا اعلان ہو تو اس پر لبیک کہنا چاہیے۔

۲۔ جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کے لیے وعید ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر بالقرآن

کن لوگوں کو دردناک عذاب ہوگا:

۱۔ منافقوں کے دلوں میں بیماری ہے۔ان کو دردناک عذاب ہوگا۔(البقرۃ:۷)

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرنے والے کو دردناک عذاب ہوگا۔(البقرۃ:۱۰۴)

۳۔ اللہ کی آیات چھپانے اور فروخت کرنے والے کو دردناک عذاب ہوگا۔(البقرۃ:۱۷۴)

۴۔ زیادتی کرنے والے کو دردناک عذاب ہوگا۔(البقرۃ:۱۷۸)

۵۔ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر۔انبیاء کو قتل کرنے والوں کو دردناک عذاب ہوگا۔(آل عمران:۲۱)

۶۔ اللہ کے عہد اور قسموں کو فروخت کرنے والوں کو دردناک عذاب ہوگا۔(آل عمران:۷۷)

۷۔ ایمان کے بدلے کفر کو خریدنے والوں کو دردناک عذاب ہوگا۔(آل عمران:۱۷۷)

۸۔ اللہ کے احکام کو پس پشت ڈالنے والوں کو دردناک عذاب ہوگا۔(آل عمران:۱۸۷)

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ

اگر نہ | تم اسکی مدد کرو گے | تحقیق | اسکی مدد کی | اللہ | جب نکال دیا اسکو | ان لوگوں نے

كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ

جنہوں نے کفر کیا | دو میں سے دوسرا تھا | جب وہ دونوں | میں | غار | جب | وہ فرما رہے تھے | اپنے ساتھی سے

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ

نہ تو غم کر | بیشک اللہ | ہمارے ساتھ ہے | پھر نازل کی | اللہ | اپنی تسکین | اس پر

وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا

اور اسکی مدد کی | ایسے لشکروں سے | نہیں تم نے انکو دیکھا اور | کردی | بات | جنہوں نے | کفر کیا

السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

پست | اور بات | اللہ کی | وہی | بالا ہے | اور اللہ | غالب | حکمت والا

’’اگر تم اس کی مدد نہ کرو تو بلاشبہ اللہ نے اس کی مدد کی جب اسے کفار نے نکال دیا، جب وہ دو میں دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اللہ نے اس پر اپنی سکینت اتاردی اور انہیں ایسے لشکروں کے ساتھ قوت دی جو تم نے نہیں دیکھے اور ان لوگوں کی بات نیچی کردی جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی بات ہی سب سے اونچی ہے اور اللہ سب پر غالب خوب حکمت والا ہے۔‘‘(۴۰)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ، مکہ کے نازک ترین حالات بتلا کر اللہ تعالیٰ کی نصرت کی یاد دہانی۔

اس سے پہلی آیات میں مسلمانوں کو جھنجوڑا گیا ہے کہ تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلنے کی بجائے زمین کے ساتھ چمٹے جا رہے ہو اگر تم جہاد کے لیے نہیں نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تمھاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور تم اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ اللہ تو وہ ذات ہے کہ جس نے اپنے رسول کی اس وقت مدد فرمائی جب اہل مکہ نے اسے مکہ سے نکال دیا تھا اور وہ غار میں پناہ گزیں ہوئے اور آپ کا ساتھی گھبرانے لگا تو آپ نے فرمایا گھبرانے کی ضرورت نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر سکون واطمینان نازل فرمایا اور آپ کی مدد ایسے لشکروں کے ساتھ کی جن کو تم نہیں دیکھتے تھے اس طرح کفار کی منصوبہ بندی ناکام رہی اور اللہ تعالیٰ کا حکم غالب رہا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے اور اس کے ہر حکم اور کام میں حکمت مضمر ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے چالیس سال نبوت سے پہلے اور تیرہ سال نبوت کے بعد مکہ میں بسر

کیے۔ تیرہ سال پیغمبرانہ زندگی میں آپ نے بے پناہ کوشش فرمائی کہ مکہ کے لوگ توحید خالص کے قائل ہو جائیں لیکن اہل مکہ باطل عقیدہ چھوڑنے کی بجائے دن بدن آپ کے دشمن ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے آپ کے ساتھیوں اور آپ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اس صورتحال میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی رہنمائی فرمائی لیکن آپ کو ہجرت کرنے کا براہ راست حکم نہیں آیا تھا جس وجہ سے آپ مکہ میں ہی ٹھہرے ہوئے تھے۔ کفار نے جب یہ دیکھا کہ نبی کے ساتھی ایک ایک کر کے مکہ چھوڑ چکے ہیں تو انھوں نے غنیمت سمجھا کہ آپ کو ختم کر دیا جائے اس کے لیے دارالندوہ میں اجلاس ہوا۔ جس میں طویل بحث کے بعد یہ پاس کیا گیا کہ تمام قبائل میں سے ایک ایک آدمی رات کے وقت بیک وقت محمد (ﷺ) کے گھر کا گھیراؤ کرے اور آدھی رات کے وقت یکبارگی حملہ کر کے اسے ختم کر دیا جائے اگر بنی ہاشم خون بہا کا مطالبہ کریں تو انھیں سب مل کر ادا کر دیں گے۔ جب انھوں نے اپنے طے شدہ منصوبہ کے مطابق رات کو آپ کے گھر کا گھیراؤ کیا تو آپ نے اپنی چارپائی پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لیٹنے کا حکم دیا اور خود سورہ یٰس کی تلاوت کرتے ہوئے مکان کے چاروں طرف مٹی پھینکی جس سے کفار کچھ وقت کے لیے اندھے ہو گئے اور آپ بسلامت نکل کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار ثور میں تین دن کے لیے پناہ گزین ہوئے۔ ان ایام میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب کفار ڈھونڈتے ہوئے غار کے دہانے پر پہنچ گئے۔ جن کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دیکھ کر آہستگی کے ساتھ نبی اکرم ﷺ سے عرض کرنے لگے اے اللہ کے رسول کفار تو ہمارے سر پر آپہنچے ہیں۔ اس پر آپ نے حضرت ابوبکر کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا گھبرانے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے کفار کو نامراد کیا اور اپنے حکم اور تدبیر کو غالب فرمایا۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ فرما کر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو متنبہ فرما رہا ہے کہ اگر تم جہاد کے لیے نہیں نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کا محتاج نہیں کیونکہ اس نے اپنے رسول کی اس وقت مدد فرمائی تھی جب اس کے ساتھ صرف ایک ہی ساتھی تھا اس ساتھی سے مراد سب کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی جلوت اور خلوت کا ساتھی ہونے کا شرف بخشا اس شرف میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

بعض نادان دوست صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دشمنی میں آ کر کہتے ہیں کہ ابوبکر خود نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جانے پر مصر تھے آپ نے مجبوراً اُسے ساتھ لیا تھا تاکہ ہجرت کا یہ راز افشاں نہ ہو جائے۔ یہ ایسی غلط بیانی ہے جس سے بڑھ کر کوئی جھوٹ اور الزام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پہلے ہجرت کی اجازت اس لیے نہیں دی تھی کہ تاکہ اللہ کا حکم آنے پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر ہجرت کی جائے۔ اس واقعہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر آپ کے اعتماد کا بے پناہ ثبوت ملتا ہے۔ جس کی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتا۔

((عن عائشۃ رضی اللہ عنہا زوج النبی ﷺ قالت...... قال رسول اللہ ﷺ قد أُرِيتُ دار هجرتکم رأیت سبخۃ ذات نخل بین لابتین وھما الحرتان فھاجر من ھاجر قبل المدینۃ حین ذکر ذلک رسول

اللّٰهِ ﷺ وَرَجَعَ إِلَى الْمَدِينَةِ بَعْضُ مَنْ كَانَ هَاجَرَ إِلَى أَرْضِ الْحَبَشَةِ وَتَجَهَّزَ أَبُو بَكْرٍ مُهَاجِرًا فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رِسْلِكَ فَإِنِّي أَرْجُو أَنْ يُؤْذَنَ لِي قَالَ أَبُو بَكْرٍ هَلْ تَرْجُو ذٰلِكَ بِأَبِي أَنْتَ قَالَ نَعَمْ فَحَبَسَ أَبُو بَكْرٍ نَفْسَهُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَصْحَبَهُ وَعَلَفَ رَاحِلَتَيْنِ كَانَتَا عِنْدَهُ وَرَقَ السَّمُرِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ))

[رواہ البخاری : کتاب الحوالات، باب جوار ابی بکر فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم وعقده]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین بیان کرتی ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو خواب میں تمھاری ہجرت کا مقام بتایا گیا میں نے ایک کیاری زمین کھجوروں والی دیکھی جو کالی پتھریلی زمینوں کے بیچ میں ہے یعنی مدینہ کے دونوں پتھریلے کنارے یہ سن کر جس نے ہجرت کی اس نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور جو لوگ پہلے حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے تھے وہ بھی مدینہ آ گئے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کی تیاری کی تب آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا ذرا ٹھہرو میں سمجھتا ہوں مجھے بھی خدا کی طرف سے ہجرت کی اجازت ملے گی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کو امید ہے کہ اجازت ملے گی آپ نے فرمایا ہاں اس لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ رکے رہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی ہجرت کریں گے اور اونٹنیوں کو چار مہینے تک ببول کے پتے کھلائے تاکہ وہ تیز بھاگنے لگیں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے غار میں رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دستگیری فرمائی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی تدبیر ہمیشہ غالب رہتی ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے موقعہ پر بھی کفار کو ذلیل کیا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی مسلمانوں کا مددگار اور خیر خواہ ہے:

۱۔ اے ایماندارو تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے اللہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدم مضبوط کر دے گا۔ (محمد: ۷)

۲۔ اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کی مدد کی جب کفار نے آپ کو گھر سے نکالا۔ (التوبۃ: ۴۰)

۳۔ اگر اللہ تمھاری مدد کرے تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ (آل عمران: ۱۶۰)

۴۔ نہیں ہے کوئی بھی جماعت جو اللہ کے سوا تمھاری مدد کر سکے۔ (الکہف: ۴۳)

۵۔ نہیں ہے اللہ کے سوا کوئی مسلمانوں کی مدد کرنے والا۔ (الشوریٰ: ۴۶)

۶۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے۔ (الحشر: ۸)

اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۴۱

نکلوتم | ہلکے | اور بوجھل | اور جہاد کروتم | اپنے مالوں کیساتھ | اور اپنی جانوں | میں

راستہ | اللہ | یہ تمھارے لیے | بہت بہتر ہے تمہارے لیے | اگر | ہوتم | جانتے

’’نکلو ہلکے اور بوجھل اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھنے والے ہو۔‘‘ (۴۱)

فہم القرآن

ربط کلام: ہجرت کا واقعہ یاد دلوا کر اب پھر جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا ہے۔

ہجرت کے موقع پر نبی اکرم ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نکلنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ چاہتے تو اپنے نبی کو اس سے پہلے بھی ہجرت کرنے کا حکم دے سکتے تھے لیکن اس نے اپنی قدرت کاملہ کا نمونہ دکھانے کے لیے یہ کیا کہ جب کفار متحد ہو کر انتہائی قدم اٹھا چکے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بسلامت نکال کر یہ ثابت کر دکھایا کہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں کسی کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اسی پس منظر کی روشنی میں مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اللہ کا حکم سمجھ کر تمھیں اس کے راستے میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے نکل کھڑے ہونا چاہیے۔ بے شک تم دشمن کے مقابلہ میں طاقتور ہو یا کمزور، تھوڑے ہو یا زیادہ ہلکے ہو یا بوجھل جب اللہ تعالیٰ کا حکم آ جائے تو اس کے راستے میں نکلنا ہی بہتر ہے بشرطیکہ تم اس کی حقیقت جان سکو۔ غزوۂ تبوک کے حالات سے واضح ہوتا ہے اگر دشمن حملہ آور ہونے کی کوشش کرے تو پھر اس کے ساتھ افرادی اور جنگی ساز و سامان کا موازنہ کرنے کی بجائے اس کے مقابلہ میں نکلنا ہی بہتر اور فرض ہو جاتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ بِنَاقَةٍ مَخْطُوْمَةٍ فَقَالَ هٰذِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَكَ بِهَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ سَبْعُ مِائَةِ نَاقَةٍ كُلُّهَا مَخْطُوْمَةٌ۔ (مسلم)

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص لگام والی اونٹنی لا کر کہنے لگا یہ اللہ کے لیے ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن تجھے اس کے بدلے سات سو اونٹنیاں ملیں گی اور وہ سب لگام والی ہونگی۔ (مسلم)

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو ہر حال میں اللہ کے راستے میں نکلنا چاہیے۔

۲۔ مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنا لازم ہے۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ

اگر ہوتا مال جلدی ملنے والا اورسفر درمیانہ وہ ضرور آپ کی پیروی کرتے اور لیکن

بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا

دور دکھائی دی ان کو مشکل عنقریب قسمیں کھائیں گے اللہ کی اگر ہم طاقت رکھتے ہم ضرور نکلتے

مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٤٢﴾

تمہارے ساتھ وہ ہلاک کررہے ہیں اپنی جانوں کو اور اللہ جانتا ہے بیشک وہ البتہ جھوٹ بولتے ہیں

”اگر جلدی ملنے والا اور درمیانہ سفر ہوتا تو وہ ضرور آپ کے پیچھے آتے لیکن انہیں سفر کی دوری مشکل نظر آئی اور عنقریب وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو تمہارے ساتھ ضرور نکلتے وہ اپنے آپ کو ہلاک کررہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔“ (۴۲)

فہم القرآن

ربط کلام: مخلص مسلمانوں سے خطاب کے بعد منافقوں کا کردار واضح کیا جارہا ہے۔

مکہ معظمہ میں اعتقاد کے اعتبار سے دو ہی قسم کے لوگ تھے ایک کافر اور دوسرے مخلص مسلمان، لیکن مدینہ طیبہ میں نبی اکرم ﷺ کو کفار کے ساتھ یہودیوں اور منافقین کے ساتھ بھی واسطہ پڑا ان میں خطرناک گروہ منافقین کا تھا جو مارِ آستین تھے۔ کیونکہ یہ لوگ بظاہر کلمہ پڑھنے کی وجہ سے مسلمانوں جیسے کام کرتے اور ہر وقت مسلمانوں کے ساتھ جڑے رہتے تھے۔ ان کو پہچاننا اور ان سے کنارہ کش ہونا نہایت ہی مشکل کام تھا۔ یہ لوگ سوائے کڑی آزمائش کے پہچانے نہیں جاتے تھے۔ البتہ بدر، اُحد اور دیگر معرکوں کے وقت کافی حد تک نمایاں ہو چکے تھے لیکن وقت گزر جانے کے بعد یہ لوگ اپنی چرب لسانی اور جھوٹے حلف دے کر کچھ مسلمانوں کو اپنا ہمدرد بنالیا کرتے تھے۔ غزوۂ تبوک کے ابتدائی ایام میں یہ لوگ شریک جنگ ہونے کے لیے مسلمانوں کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔ لیکن جوں ہی وقت قریب آتا گیا تو ان کے حیلے بہانے سامنے آنے لگے چنانچہ ان میں کچھ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں آکر اللہ کو گواہ بنا کر کہتے کہ ہماری فلاں فلاں مجبوری نہ ہوتی تو ہم آپ کے ساتھ ضرور شریک جنگ ہوتے۔ نبی اکرم ﷺ اپنے حلم و بردباری اور وسعت قلبی کی بناء پر انھیں اجازت عنایت فرماتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے منافقین کی قلبی خیانت کا ذکر کرتے ہوئے آپ کو آگاہ فرمایا کہ یہ لوگ دل کے کھوٹے ہیں اور دین کی خاطر کوئی مشقت اٹھانے کے لیے تیار نہیں اس سے کسی آزمائش میں اپنے آپ کو ڈالنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس لیے یہ حقیقت کہ کسی صورت بھی تمہارے ساتھ شریک ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں جہاں تک ان کے حلف اٹھانے کا تعلق ہے اللہ اس پر گواہ ہے کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ أَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ)) [رواه البخاری: کتاب الایمان، باب علامة المنافق]

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں بلاشبہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس شخص میں چار خصلتیں ہوں گی وہ پکا منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے کوئی ایک بھی ہو تو اس میں نفاق کی خصلت ہوگی یہاں تک کہ وہ اس کو چھوڑ دے۔ جب اسے امانت دی جائے وہ خیانت کرے اور جب بات کرے جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب کسی سے الجھاؤ ہو تو گالی گلوچ پر اُتر آئے۔''

مسائل

١۔ دین کے لیے منافق کسی بڑی آزمائش کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

٢۔ منافق کا حلف بھی جھوٹا ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہلاک ہونے والے لوگ:

١۔ اللہ نے حق کی تکذیب کرنے والوں کو انکے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر کے دوسری قوم کو پیدا فرمایا۔ (الانعام:٦)

٢۔ آل فرعون نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کیوجہ سے ہلاک کر دیا۔ (الانفال:٥٤)

٣۔ بستی والوں نے جب ظلم کیا اللہ نے انھیں ہلاک کر دیا۔ (الکھف:٥٩)

٤۔ قوم عاد نے جھٹلایا تو اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ (الشعراء:١٣٩)

٥۔ قوم تبع اور ان سے پہلے مجرموں کو اللہ نے ہلاک کر دیا۔ (الدخان:٣٧)

٦۔ اللہ نے انبیاء کی طرف وحی کی کہ ظالموں کو ضرور ہلاک کرے گا۔ (ابراہیم:١٣)

٧۔ ہم کسی بستی والوں کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتے جب تک ان میں ڈرانے والے نہ بھیج دوں۔ (الشعراء:٢٠٨)

٨۔ کیا وہ نہیں جانتے اللہ نے ان سے بھی بڑے مجرموں کو ہلاک کر دیا۔ (القصص:٧٨)

٩۔ قوم عاد کو تند و تیز ہوا کے ساتھ ہلاک کر دیا گیا۔ (الحاقة:٦)

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ

معاف کردیا اللہ نے آپ کو کیوں آپ نے اجازت دی ان کو یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتے

لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٤٣﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ

آپ کیلئے وہ لوگ جو سچے تھے اور آپ جان لیتے جھوٹوں کو نہیں آپ سے اجازت مانگتے

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا

وہ لوگ ایمان لائے ہیں اللہ پر اور دن آخرت پر کہ وہ جہاد کریں

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٤﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ

ساتھ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اور اللہ جاننے والا ہے پرہیز گاروں کو یقیناً آپ سے اجازت مانگتے ہیں

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ

وہ لوگ نہیں ایمان رکھتے اللہ پر اور دن آخرت اور شک میں پڑے ہیں

قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿٤٥﴾

ان کے دل تو وہ میں اپنے شک وہ تردد کر رہے ہیں

''اللہ نے آپ کو معاف کر دیا آپ نے انہیں کیوں اجازت دی یہاں تک کہ آپ کے لیے وہ لوگ واضح ہو جاتے جنہوں نے سچ کہا اور جھوٹوں کو بھی جان لیتا۔(۴۳) وہ لوگ آپ سے اجازت نہیں مانگیں گے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کہ اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کریں اور اللہ متقی لوگوں کو خوب جاننے والا ہے۔(۴۴) آپ سے اجازت صرف وہ لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں تو وہ اپنے شک میں حیران پھرتے ہیں۔''(۴۵)

فہم القرآن

ربط کلام: منافقین کا کردار پیش کیا جا رہا ہے۔ منافق کی چکنی چپڑی باتوں میں آنے کے بجائے اسے اچھی طرح جاننا اور پرکھنا چاہیے۔

رسول رحمت ﷺ نے اپنے حلم اور بردباری کی بناء پر منافقین کو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہنے کی اجازت دی لیکن وقت آچکا تھا کہ انھیں بالکل آشکار کر دیا جائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے نہایت شفقت و مہربانی کے لہجے کے ساتھ آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اے نبی! اللہ آپ کو معاف کرے جس کا دوسرا مطلب ہے کہ اللہ نے آپ کو معاف کر دیا ہے۔ منافقین کو اس وقت تک اجازت نہیں دینا چاہیے تھی جب تک کھرے اور کھوٹے، سچے اور جھوٹے کا فرق نمایاں نہ ہو جاتا۔ آپ کے

اجازت دینے کی وجہ سے منافقین آپس میں پروپیگنڈہ کررہے ہیں کہ مسلمانوں کے نبی کو ہمارے عزائم کا علم نہیں ہے کیونکہ یہ دوراندیش اور زیادہ بصیرت رکھنے والا نہیں۔ منافق اس بات پر خوش ہیں کہ اس نے ہمیں خود ہی اجازت دے دی ہے ہمارے ذمہ اب کوئی گناہ نہیں بلکہ اس کی ذمہ داری رسول پر عائد ہوتی ہے۔ منافقین کی اس ہرزہ سرائی کو طشت از بام کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ پر واضح کیا گیا ہے کہ آپ سے اجازت لینے والے وہ لوگ نہیں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنے میں مخلص ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو خوب جانتا ہے جو حیلے بہانوں سے اجتناب کرنے والے ہیں۔ آپ سے جنگ میں عدم شرکت کی اجازت تو وہ لوگ مانگتے ہیں جن کا اللہ پر یقین نہیں اور ان کے دلوں میں اللہ اور آخرت کے بارے میں شک ہے اور وہ بے یقینی کی کشمکش میں مبتلا رہتے ہیں۔

① قارئین محترم "عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ" لام عرب میں تعظیم اور تکریم کا کلمہ ہے۔ جس کو کلام کی ابتدا میں ذکر کیا جاتا ہے اور جو شخص متکلم کے نزدیک محترم اور مکرم ہو اس کے متعلق کہا جاتا ہے اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ نے میرے معاملہ میں کیا کر دیا ہے یا اللہ آپ سے راضی ہو۔ آپ نے میری بات کا کیا جواب دیا ہے لہٰذا اس آیت میں نبی مکرم ﷺ سے فرمایا ہے "عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ" اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہو۔

② نبی اکرم ﷺ کا منافقین کو جہاد میں عدمِ شرکت کی اجازت دینا کیا آپ کی خطا تھی۔ اگر یہ خطا تھی تو "عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ" سے اللہ نے اس کو معاف فرما دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ "آپ نے ان کو اجازت کیوں دی" فرمانا خطا کو مستلزم نہیں کرتا۔ لہٰذا اس قول کو ترک اولیٰ اور ترک اکمل پر محمول کیا جائے۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ پر صدق دل سے ایمان لانے والے نیکی کرنے میں دیر نہیں کرتے۔

٢۔ منافق لوگ نیکی کرنے میں تردد سے کام لیتے ہیں۔

٣۔ منافق مشکل کے وقت مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیتا۔

تفسیر بالقرآن

کن کے دلوں میں مرض ہے:

١۔ منافقین کے دلوں میں بیماری ہے اللہ نے ان کی بیماری کو بڑھا دیا۔ (البقرۃ:١٠

٢۔ منافقین اور ان کے ساتھیوں کے دلوں میں بیماری ہے۔ (الاحزاب:١٢)

وَلَوْ	اَرَادُوا	الْخُرُوْجَ	لَاَعَدُّوْا لَهٗ	عُدَّةً	وَّلٰكِنْ	كَرِهَ اللّٰهُ
اوراگر	وہ ارادہ کرتے	نکلنے کا	ضرور تیاری کرتے اس کیلئے	کچھ سامان	اور لیکن	ناپسند کیا اللہ نے

انْۢبِعَاثَهُمْ	فَثَبَّطَهُمْ	وَقِيْلَ	اقْعُدُوْا	مَعَ	الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾
ان کے اٹھنے کو	پس انکو روک دیا	اور کہا گیا	تم بیٹھے رہو	ساتھ	بیٹھنے والے

لَوْ	خَرَجُوْا	فِيْكُمْ	مَّا زَادُوْكُمْ	اِلَّا خَبَالًا	وَّلَاۡاَوْضَعُوْا
اگر	وہ نکلتے	تم میں	نہ وہ زیادہ کرتے تمہیں	مگر خرابی	اور وہ دوڑتے پھرتے

خِلٰلَكُمْ	يَبْغُوْنَكُمُ	الْفِتْنَةَ	وَفِيْكُمْ	سَمّٰعُوْنَ	لَهُمْ	وَاللّٰهُ
تمہارے درمیان	تلاش کرتے تم میں	فتنہ	اور تم میں	وہ سنتے ہیں	انکے لیے	اور اللہ

عَلِيْمٌ	بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾
جاننے والا ہے	ظالموں کو

’’اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ رکھتے تو اس کے لیے کچھ سامان ضرور تیار کرتے لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا پسند نہیں کیا انہیں روک دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔(۴۶) اگر وہ تم میں نکلتے تو خرابی کے سوا تم میں کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے اور تم میں فتنہ کی غرض سے تمہارے درمیان دوڑتے پھرتے اور تم میں کچھ ان کی باتیں کان لگا کر سننے والے ہیں اور اللہ ان ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔‘‘(۴۷)

فہم القرآن

ربط کلام: منافقین کی مزید عادات۔

منافق نقصان کے خوف یا کسی مفاد کے حصول کے لیے ظاہری طور پر اسلام کا لبادہ اوڑھتا ہے اس کے دینی کاموں میں اخلاص نہیں پایا جاتا وہ مفاد کا بندہ اور ابن الوقت ہونے کی وجہ سے موقعہ کی تلاش میں رہتا ہے۔ جونہی اسے موقعہ ملتا ہے تو وہ معمولی مفاد کی خاطر ملت کو نقصان پہنچانے میں عار محسوس نہیں کرتا۔ یہی حال رسول کریم ﷺ کے دور میں منافقین کا تھا۔ غزوۂ احد کے موقعہ پر جب کفار کا لشکر مسلمانوں کے خلاف مورچہ زن ہو چکا تھا تو مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کے لیے تین سو منافق ٹولیوں کی شکل میں مدینہ کی طرف بھاگ نکلے۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر بھی منافقین کی ہمدردیاں اور خفیہ سرگرمیاں اہل مکہ اور مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ تھیں۔ فتح مکہ کے موقع پر بھی انھوں نے اپنی مذموم حرکتیں جاری رکھیں۔ یہاں تک کہ غزوۂ تبوک کی تیاری کے وقت کھل کر سامنے آگئے اور حیلے بہانوں سے جان چھڑاتے رہے۔ جو منافق کسی مجبوری کے عالم میں لشکر کے ساتھ گئے انھوں نے تبوک سے واپسی پر رات کے وقت نبی اکرم ﷺ پر

حملہ کرنے کی کوشش کی جن کو آپ نے پہچان لیا اور حضرت حذیفہ کو ان کے نام بتلاتے ہوئے فرمایا کہ کسی کو بتلانے کی ضرورت نہیں ان کو انہی کے حال پر چھوڑ دو۔

منافقین کے اسی گھناؤنے کردار کی وجہ سے مسلمانوں کو بتلایا جارہا ہے کہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ تمھارے ساتھ نکلنے کا ارادہ ہی نہیں رکھتے تھے۔ اگر انھوں نے جہاد کے لیے نکلنا ہوتا تو یہ اس کے لیے کچھ نہ کچھ تیاری کرتے۔ ان کا جہاد کے لیے تیاری نہ کرنا درحقیقت میں اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا تمھارے ساتھ نکلنا پسند نہیں کرتا تھا اس لیے ان کی سستی اور غفلت کو برقرار رہنے دیا اور کہہ دیا گیا کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو۔ اللہ تعالیٰ اسی شخص کو نیکی کی توفیق دیتا ہے جو دل میں اس کی چاہت اور اس کے حصول کے لیے کوشاں ہوتا ہے۔ اگر منافق نکلتے بھی تو ماضی کی طرح مسلمانوں میں انتشار اور بددلی پیدا کرنے کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے۔ یہ تم میں ایسے لوگ ہیں جو غیروں کے لیے سنتے ہیں اور دشمن کے ایجنٹ کا کردار ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ بعض مفسرین نے ”فِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ“ کا معنی یہ لیا ہے کہ مسلمانوں میں کچھ ایسے بھولے بھالے تھے جو ناعاقبت اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے منافقوں کو راز کی باتیں بتلا دیا کرتے تھے انھیں یہ حکم دے کر آئندہ کے لیے متنبہ کیا گیا ہے۔

((عَنْ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تَعِيرُ إِلٰى هٰذِهِ مَرَّةً وَإِلٰى هٰذِهِ مَرَّةً)) [رواه مسلم: كتاب صفات المنافقين]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا بیان نقل کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا منافق کی مثال دو ریوڑوں کے درمیان بکری کی ہے کبھی ایک طرف جاتی ہے اور کبھی دوسری جانب۔“

تفسیر بالقرآن

فتنہ کیا ہے:

۱۔ فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے۔ (البقرۃ:۱۹۱)

۲۔ فتنہ کی موجودگی تک لڑتے رہو یہاں تک کہ دین پورے کا پورا اللہ کا ہوجائے۔ (البقرۃ:۱۹۳)

۳۔ جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہے وہ فتنہ تلاش کرتے ہیں۔ (آل عمران:۷)

۴۔ جان لو تمھارے مال اور اولاد تمھارے لیے فتنہ ہیں۔ (الانفال:۲۸)

۵۔ وہ کام نہ کرو جس سے زمین میں فساد اور فتنہ برپا ہو۔ (الانفال:۷۳)

لَقَدِ	ابْتَغَوُا	الْفِتْنَةَ	مِنْ	قَبْلُ	وَقَلَّبُوْا	لَكَ
بے شک	انہوں نے تلاش کیا	فتنہ	سے	پہلے	اور الٹ پلٹ کرتے	آپکے لیے
الْاُمُوْرَ	حَتّٰى	جَآءَ	الْحَقُّ	وَظَهَرَ	اَمْرُ اللّٰهِ	وَهُمْ
معاملات	یہاں تک کہ	آگیا	حق	اور غالب ہوگیا	اللہ کا حکم	اور وہ
كٰرِهُوْنَ ﴿٤٨﴾	وَمِنْهُمْ	مَّنْ	يَّقُوْلُ	ائْذَنْ لِّيْ	وَلَا	تَفْتِنِّيْ ؕ
ناپسند کرتے ہیں	اور ان سے	جو	وہ کہتے ہیں	مجھے اجازت دیجیے	اور نہ	فتنے میں ڈالیں مجھے
اَلَا	فِي الْفِتْنَةِ	سَقَطُوْا ؕ	وَاِنَّ	جَهَنَّمَ	لَمُحِيْطَةٌ ۢ	بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٩﴾
آگاہ رہو	میں فتنے	وہ گر چکے ہیں	اور بیشک	جہنم	گھیرنے والی ہے	کافروں کو

”بے شک انہوں نے اس سے پہلے بھی فتنہ ڈالنا چاہا اور آپ کے لیے کئی معاملات الٹ پلٹ کیے یہاں تک کہ حق آپہنچا اور اللہ کا حکم غالب ہوگیا حالانکہ وہ ناپسند کرنے والے تھے۔(٤٨) اور ان میں سے وہ ہے جو کہتا ہے مجھے اجازت دیجیے مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں۔ آگاہ رہو کہ وہ فتنے میں تو پڑے ہوئے ہیں اور بے شک جہنم کافروں کو ضرور گھیرنے والی ہے۔“(٤٩)

فہم القرآن

ربط کلام: منافقوں کی مزید عادات کا بیان جاری ہے۔

اس سے پہلے یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر منافق لشکر اسلام کے ساتھ شامل ہوتے تو فتنہ پروری کے سوا کسی بات میں اضافہ نہ کرتے کیونکہ یہ پہلے بھی مختلف موقعوں پر شرانگیزی اور فتنہ پردازی کر چکے ہیں۔ جس کی مثالیں احد، احزاب، فتح مکہ کے حوالے سے دی جا چکی ہیں ان کی ہمیشہ سے کوشش رہی ہے کہ معاملات کو گڑ بڑ کر دیا جائے اور مسلمان کامیابی کی بجائے ناکامیوں سے دوچار ہوتے رہیں۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر فضل ہے کہ اس نے منافقوں اور کفار کی کوئی سازش بھی کارگر نہ ہونے دی اور وہی کچھ ہوا جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے وعدہ کر رکھا تھا۔ منافقین نبی ﷺ اور مسلمانوں کی کامیابیوں پر خوش ہونے کی بجائے ہمیشہ اسے ناپسند کرتے رہے۔ ان میں ایسا شخص بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ مجھے جنگ کے فتنہ میں نہ ڈالیے۔ کیا اسے خبر نہیں کہ یہ تو پہلے ہی منافقت کے فتنہ میں مبتلا ہو چکا ہے درحقیقت منافقت کفر کی ہی ایک صورت ہے یقیناً جہنم کفر کرنے والوں کو گھیر لے گی۔ ایک شخص سے مراد ایک کردار ہے۔

یہاں مفسرین نے منافقوں کے سردار جد بن قیس کا ذکر کیا ہے کہ وہ نبی محترم ﷺ کے پاس آکر بڑی معصومیت

کے ساتھ کہنے لگا کہ آپ مجھے تبوک کے محاذ سے پیچھے چھوڑ جائیں اگر میں آپ کے ساتھ گیا تو رومی دوشیزاؤں کو دیکھ کر میرا ایمان خطرے میں پڑ جائے گا۔ گویا کہ جنگ سے جان بچانے کے لیے اس نے مصنوعی تقدس کا بہانہ بنایا جس پر کہا گیا کہ کیا ایسے لوگ نہیں سوچتے کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ منافقت کرنے سے بڑھ کر آدمی کے لیے کوئی اور آزمائش اور فتنہ کیا ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے منافقت سے بڑھ کر ایمان برباد کر دینے والا کوئی اور فتنہ نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ منافقت اختیار کرنے اور جہاد سے پیچھے رہنے کے لیے اس طرح کے بہانے بناتے ہیں دنیا میں تو شاید ان کی سازشوں اور شرارتوں کا کوئی احاطہ نہ کر سکے لیکن جہنم میں ان پر پوری طرح قابو پا کر ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے گی۔

مسائل

۱۔ منافقین ہر وقت دین اسلام سے راہ فرار ڈھونڈتے ہیں۔

۲۔ منافق سرور دو عالم ﷺ کی راہ میں رکاوٹیں ڈالا کرتے تھے۔

۳۔ منافق فطرتاً شرارتی ہوتا ہے۔

۴۔ منافق اسلام کی سربلندی کو پسند نہیں کرتا۔

۵۔ فتنہ کا معنی شرارت اور آزمائش ہوتا ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین اور منصوبہ کو غالب کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

فتنہ کیا ہے؟

۱۔ مال و دولت اور دنیا کی زندگی انسان کے لیے فتنہ ہے۔ (طٰہٰ: ۱۳۱)

۲۔ اللہ تعالیٰ کے گھروں سے روکنا بہت بڑا فتنہ ہے۔ (البقرۃ: ۲۱۷)

۳۔ کیا وہ خیال نہیں کرتے کہ انہیں ہر سال ایک مرتبہ یا دو مرتبہ آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ (التوبۃ: ۱۲۶)

۴۔ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ پھیلانے کے لیے متشابہ آیات کی پیروی کرتے ہیں۔ (آل عمران: ۷)

۵۔ تھور کا درخت جہنمیوں کے لیے آزمائش ہے۔ (الصّٰفّٰت: ۶۳)

۶۔ تمہارے مال اور اولاد تمہارے لیے فتنہ ہے۔ (التغابن: ۱۵)

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ

اگر | پہنچتی ہے آپکو | بھلائی | بری لگتی ہے انہیں | اور اگر | پہنچتی ہے آپکو | کوئی مصیبت

يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَ يَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝۵۰

وہ کہتے ہیں | تحقیق | ہم نے اختیار کرلیا | اپنا معاملہ | اس سے پہلے | اور وہ پھرتے ہیں | اور وہ خوش ہوتے ہیں

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ

فرمادیجیے | ہرگز نہیں | ہمیں پہنچے گی | مگر جو | لکھ دی | اللہ نے ہمارے لیے | وہ ہمارا کارساز ہے

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۵۱

اور پر | اللہ | بھروسہ رکھیں | مومن

”اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بری لگتی ہے اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں ہم نے تو پہلے ہی اپنا بچاؤ کرلیا تھا اور اس حال میں وہ بہت خوش پھرتے ہیں۔ (۵۰) فرمادیں ہمیں اس کے سوا ہرگز کوئی نقصان نہ پہنچے گا جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا وہی ہمارا مالک ہے اور اللہ ہی پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔“ (۵۱)

فہم القرآن

ربط کلام: منافقین کی اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں قلبی کیفیت اور ان کا حسد وبغض کا اظہار۔

منافقت کے بنیادی اسباب میں سے ایک سبب حسد بھی ہے۔ منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کی منافقت کا بنیادی سبب حسد ہی تھا۔ جس کی وجہ یہ ہوئی کہ نبی معظم ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے انصار کے قبیلے اوس اور خزرج نے یہودیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے عبداللہ بن ابی کو اپنا قائد بنانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ جب رسول معظم ﷺ کا مدینہ میں ورود مسعود ہوا تو لوگوں کی توجہ کا مرکز آپ کی ذات اقدس بن گئی جس کی وجہ سے عبداللہ بن ابی کی تاج پوشی کا پروگرام ہمیشہ کے لیے ختم ہوا۔ اس بنا پر عبداللہ بن ابی ہمیشہ کے لیے آپ اور مسلمانوں کا دشمن بنا لیکن مسلمانوں کی طاقت اور اوس وخزرج کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے وہ کھل کر مخالفت نہیں کرسکتا تھا۔ اس بنا پر اس نے اندر ہی اندر منافقوں کی اچھی خاصی تعداد تیار کرلی اور یہ لوگ ہر آڑے وقت میں خفیہ یا اعلانیہ مسلمانوں کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ مسلمانوں کو بدر، احزاب، خیبر اور فتح مکہ میں کامیابی حاصل ہوئی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ شرح صدر کے ساتھ سمجھتے کہ مسلمان اسلام کی حقانیت کی وجہ سے کامیاب ہو رہے ہیں لیکن حسد وہ بیماری ہے کہ جب تک انسان اس سے سچی توبہ اور حاسدانہ حرکات سے اجتناب نہیں کرتا یہ مرض کینسر کی طرح پھیلتا ہی جاتا ہے یہی سبب تھا کہ منافقین ہر وقت اس انتظار میں رہتے تھے کہ مسلمانوں کو کب نقصان پہنچتا ہے۔ منافقین کے اسی برے جذبہ کی نشاندہی کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کو باخبر کیا گیا ہے کہ اے رسول ﷺ اگر آپ کو اچھائی نصیب ہو تو منافقین کو انتہائی دکھ پہنچتا ہے اور اگر آپ کو کسی قسم کی مصیبت اور

پریشانی لاحق ہوتو یہ خوش ہوکر کہتے ہیں کہ ہم بھی اس مصیبت سے دوچار ہوجاتے اگر ہم نے اس کے خلاف منصوبہ بندی نہ کر لی ہوتی۔ انھیں فرمادیجیے کہ جو ہمیں مصیبت یا پریشان پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا نتیجہ ہے۔

وہی ہمارا مالک اور مولا ہے ہمارا اسی پر بھروسہ اور اعتماد ہے اور ہم اپنے مالک کی تقدیر پر دل وجان کے ساتھ راضی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر صاحب ایمان کو اللہ تعالیٰ پر ہی اعتماد اور بھروسہ کرنا چاہیے۔ یہاں "ھُوَ مَوْلَانا" کے الفاظ استعمال فرما کر منافقین کے مقابلے میں نبی اکرم ﷺ اور مومن کامل کی دل کی کیفیت بیان کی گئی ہے مومن وہ ہوتا ہے جو عسر و یسر میں اپنے رب پر راضی رہتا ہے۔

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ حَتّٰى يَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَهٗ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهٗ وَأَنَّ مَا أَخْطَأَهٗ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَهٗ))

[رواه الترمذی: کتاب القدر، باب ماجاء فی الایمان بالقدر]

''حضرت جابر بن عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا کوئی بھی شخص ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک وہ تقدیر کی اچھائی یا برائی پر ایمان نہ لے آئے۔ یہاں تک کہ وہ جان لے جو اس کو ملنے والا ہے وہ اس سے رُک نہیں سکتا اور جو اس کو نہیں ملنا وہ اس کو مل نہیں سکتا۔''

((عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ؓ أَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ ذَاقَ طَعْمَ الْإِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا)) [رواه مسلم: کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من رضی بالله ربا]

''حضرت عباس بن عبدالمطلب ؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا جو شخص اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد (ﷺ) کے رسول ہونے پر راضی ہوگیا اس نے ایمان کا لطف اٹھالیا۔''

مسائل

١۔ منافق مسلمانوں کو مشقت میں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ نے تنگدستی وخوشحالی پہلے دن انسان کے لیے لکھ دی ہے۔
٣۔ سچے مسلمان اللہ پر ہی توکل کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ پر توکل کے فائدے:

١۔ جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اسے کافی ہوجاتا ہے۔ (الطلاق: ٣)
٢۔ اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (آل عمران: ١٥٩)
٣۔ اللہ صبر کرنے والوں اور توکل کرنے والوں کو بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ (العنکبوت: ٥٩)
٤۔ اللہ پر ایمان لانے والوں اور توکل کرنے والوں کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ (الشوریٰ: ٣٦)

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ

فرما دیجیے کیا تم انتظار کرتے ہو ہمارے ساتھ مگر ایک کا دو بھلائیوں

وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ

اور ہم انتظار کرتے ہیں تمہارے ساتھ یہ کہ پہنچائے تم کو اللہ عذاب

مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝٥٢

اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سے لہٰذا تم انتظار کرو بلاشبہ ہم تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں

”فرمادیں تم ہمارے بارے میں دو بہترین چیزوں میں سے ایک کے سوا کس کا انتظار کرتے ہو اور ہم تمہارے بارے میں انتظار کررہے ہیں کہ اللہ تمہیں اپنی طرف سے کوئی عذاب پہنچائے یا ہمارے ہاتھوں سے۔ سو انتظار کرو بے شک ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔“ (٥٢)

فہم القرآن

ربط کلام: منافقین کو دوسرا جواب۔

منافقین کو پہلا جواب یہ دیا گیا تھا کہ جو کچھ ہمیں مصیبت پہنچتی ہے وہ ہمارے رب نے ہماری قسمت میں پہلے سے لکھ رکھی ہے۔ ہم اپنے رب کے ہر فیصلے پر راضی ہیں۔ اب ان کو دوسرا جواب دیا جارہا ہے کہ اے منافقو! تم ہمارے بارے میں دو میں سے کسی ایک بات کا انتظار کرتے ہو۔ یاد رکھو اگر ہمیں میدان کارزار میں موت آجائے یا فتح کی صورت میں کامیابی حاصل ہو۔ دونوں ہی ہمارے لیے بہتر ہیں ہاں ہم بھی تمھارے متعلق اس انتظار میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ براہ راست تم پر اپنا غضب نازل فرمائے یا ہمارے ہاتھوں تمھیں ذلیل کرے۔ بس انتظار کرو ہم بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں، چنانچہ یہی کچھ ہوا کہ منافق دنیا میں ہی ایک ایک کر کے ذلیل ہوئے جن کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن اللہ کے نبی کی خدمت میں عرض کی کہ اجازت ہو تو میں عبداللہ بن ابی کا سر قلم کردوں لیکن آپ نے فرمایا کیونکہ لوگ اس کے اصلی کردار کو نہیں جانتے اس لیے وہ پروپیگنڈہ کریں گے کہ” اِنَّ مُحَمَّدًا یَقْتُلُ اَصْحَابَہٗ“۔ کہ ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ عبداللہ بن ابی لوگوں کی نظر میں ذلیل اور بے اثر ہو گیا۔ (البدایہ والنہایہ)

((عَنْ صُهَيْبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم عجبا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَہُ کُلَّہُ خَیْرٌ وَلَیْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْہُ سَرَّاءُ شکر فکان خَیْرًا لَہٗ وَإِنْ أَصَابَتْہُ ضَرَّاءُ صبر فَکَانَ خَیْرًا لَہٗ))

[رواہ مسلم: کتاب الزھد والرقائق، باب المؤمن أمرہ کلہ خیر]

”حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کے معاملات عجیب ہیں۔ اس کے تمام معاملات میں خیر ہے اور یہ صرف مومن کے لیے ہے اگر اس کو آسانی ملتی ہے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے یہ اسکے لیے بہتر ہے اور اگر اسے تنگدستی آتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے یہ بھی اس کے لیے بہتر ہے۔“

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ انْتَدَبَ اللّٰہُ لِمَنْ خَرَجَ فِی سَبِیلِہٖ لَا یُخْرِجُہُ إِلَّا إِیمَانٌ بِی وَتَصْدِیقٌ بِرُسُلِی أَنْ أُرْجِعَہُ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِیمَةٍ أَوْ أُدْخِلَہُ الْجَنَّةَ وَلَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَی أُمَّتِی مَا قَعَدْتُ خَلْفَ سَرِیَّةٍ وَلَوَدِدْتُ أَنِّی أُقْتَلُ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ ثُمَّ أُحْیَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْیَا ثُمَّ أُقْتَلُ))

[رواہ البخاری: کتاب الایمان، باب الجھاد من الایمان]

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے اعلان کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے رستے میں نکلتا ہے اسے صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے رسولوں کی تصدیق ہی نکالتی ہے میں اس کو ثواب یا مال غنیمت کے ساتھ لٹاؤں گا یا اسے جنت میں داخل کروں۔ اگر میں اپنی امت پر مشقت نہ محسوس کرتا تو میں کسی بھی غزوہ سے پیچھے نہ رہتا۔ میں اس بات کی خواہش کرتا ہوں کہ میں اللہ کے راستے میں شہید کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں۔“

مسائل

١۔ مومن فتح یاب ہو یا شہید ہو جائے اس کے لیے اللہ کے ہاں اجر ہی اجر ہے۔

٢۔ منافق دنیا اور آخرت میں ذلیل ہوتا ہے۔

٣۔ منافق مومن کے لیے برائی کے سوا کچھ نہیں سوچتا۔

قُلۡ	اَنۡفِقُوۡا	طَوۡعًا	اَوۡ	كَرۡهًا	لَّنۡ	يُّتَقَبَّلَ
فرما دیجیے	تم خرچ کرو	خوشی	یا	ناخوشی	ہرگز نہیں	قبول کیا جائیگا
مِنۡكُمۡ ؕ	اِنَّكُمۡ	كُنۡتُمۡ	قَوۡمًا	فٰسِقِيۡنَ ۝۵۳	وَمَا	مَنَعَهُمۡ
تم سے	بیشک تم	تم ہو	قوم	نافرمان	اور نہیں	مانع ہوا ان کے
اَنۡ	تُقۡبَلَ	مِنۡهُمۡ	نَفَقٰتُهُمۡ	اِلَّاۤ اَنَّهُمۡ	كَفَرُوۡا	بِاللّٰهِ
یہ کہ	قبول کیے جائیں	ان سے	انکے صدقات	مگر یقیناً انہوں نے	کفر کیا	اللہ کے ساتھ
وَبِرَسُوۡلِهٖ	وَلَا	يَاۡتُوۡنَ	الصَّلٰوةَ	اِلَّا	وَهُمۡ	كُسَالٰى
اور اسکے رسول کیساتھ	اور نہیں	وہ آتے	نماز کو	مگر	اور وہ	سست ہوتے ہیں
وَلَا	يُنۡفِقُوۡنَ	اِلَّا	وَهُمۡ	كٰرِهُوۡنَ ۝۵۴		
اور نہیں	وہ خرچ کرتے	مگر	اور وہ	ناگواری سے		

''فرما دیں کہ خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے ہرگز تم سے قبول نہیں کیا جائے گا بے شک تم نافرمان لوگ ہو۔(۵۳) اور انہیں کوئی چیز مانع نہیں ہوئی ان کی خرچ کی ہوئی چیز قبول ہے سوائے یہ بات کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ نماز کو نہیں آتے مگر سستی سے اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری سے۔''(۵۴)

فہم القرآن

ربط کلام: منافق کے طرزِ عمل پر تبصرہ جاری ہے۔ منافق کی منافقت کی وجہ سے جس طرح اس کے دیگر اعمال ضائع ہوتے ہیں اسی طرح اس کا صدقہ وخیرات بھی ضائع ہو جاتا ہے۔

ایمان میں کھوٹے لوگ جب مسلمانوں کی طاقت محسوس کرتے ہیں تو منافقت کا وطیرہ اختیار کرتے ہیں تاکہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں سے فائدہ اٹھائیں۔ یہ حال نبی ﷺ کے زمانے کے منافقوں کا تھا اس کے لیے کفار کے خلاف جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر میدان کارزار میں پہنچتے اور اپنی منافقت کو چھپانے کے لیے مال خرچ کرتے تھے تاکہ ان کی منافقت چھپ سکے۔ انھیں ان کے صدقہ وخیرات کے بارے میں بتلایا گیا ہے کہ بے شک تم خوشی سے خرچ کرو یا بادل نخواستہ۔ تمھاری منافقت کی وجہ سے اللہ کے ہاں اس کی دمڑی بھر بھی حیثیت نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ منافق اللہ اور

اس کے رسول کے ساتھ کفر کرنے والے، نماز میں جان بوجھ کرسستی اختیار کرنے کے ساتھ جو کچھ خرچ کرتے ہیں بادل نخواستہ خرچ کرتے ہیں۔ یہاں منافق کی تین خصلتیں بیان کر کے ان کے عقیدہ کو کفر قرار دیا گیا ہے گویا کہ منافق کلمہ پڑھنے اور بظاہر ارکان اسلام پر عمل کرنے کے باوجود حقیقتاً کافر ہوتا ہے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اٰیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ زَادَ مُسْلِمٌ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰی وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ ثُمَّ اتَّفَقَا اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا ائْتُمِنَ خَانَ))

(رواه مسلم: باب خصائل المنافق)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذکر کرتے ہیں منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ ① جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے ② جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے ③ جب اسے امانت دی جائے تو خیانت کرے۔ (متفق علیہ) مسلم شریف میں ان الفاظ کا اضافہ ہے ”چاہے روزے رکھتا اور نماز پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔“

مسائل

۱۔ منافق کی کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی۔

۲۔ منافق اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ حقیقتاً کفر کرتا ہے۔

۳۔ منافق جان بوجھ کر نماز میں بے توجہگی اور کاہلی اختیار کرتا ہے۔

۴۔ منافق نمود و نمائش اور مجبوری کی بنا پر صدقہ کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

منافق کی نماز:

۱۔ منافق اللہ کو دھوکہ دیتا ہے نماز میں سستی و کاہلی، ریا کاری اختیاری کرتا ہے، اللہ کو تھوڑا یاد کرتا ہے۔ (النساء:۱۴۲)

۲۔ دوزخ کا عذاب ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے غافل اور ریا کار ہیں۔ (الماعون:۴تا۶)

۳۔ ایسے کفار اور منافقین کے ساتھ اللہ کا وعدہ جہنم کا ہے۔ (التوبۃ:۶۸)

فَلَا	تُعْجِبْكَ	اَمْوَالُهُمْ	وَلَآ	اَوْلَادُهُمْ ط	اِنَّمَا	يُرِيْدُ اللّٰهُ
چنانچہ نہ	حیرت میں ڈالیں آپکو	انکے مال	اور نہ	ان کی اولاد	یقیناً	ارادہ کرتا ہے اللہ
لِيُعَذِّبَهُمْ	بِهَا	فِي	الْحَيٰوةِ	الدُّنْيَا	وَتَزْهَقَ	اَنْفُسُهُمْ
کہ عذاب دے انکو	ساتھ اس کے	میں	زندگی	دنیا	اور نکلیں	ان کی جانیں
وَهُمْ	كٰفِرُوْنَ ﴿٥٥﴾	وَيَحْلِفُوْنَ	بِاللّٰهِ	اِنَّهُمْ	لَمِنْكُمْ ط	وَمَا هُمْ
اس حال میں کہ وہ	کافر ہوں	اور قسمیں کھاتے ہیں	اللہ کے ساتھ	بیشک وہ	تم میں سے ہیں	حالانکہ نہیں وہ
مِّنْكُمْ	وَلٰكِنَّهُمْ	قَوْمٌ	يَّفْرَقُوْنَ ﴿٥٦﴾			
تم میں سے	اور لیکن وہ	قوم	ڈرپوک			

''نہ حیرت میں ڈالیں آپ کو ان کے مال اور اولاد اللہ چاہتا ہے کہ انہیں ان کے ذریعے دنیا کی زندگی میں عذاب دے اور ان کی جانیں کفر کی حالت میں نکلیں۔(۵۵) اور وہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ بے شک وہ تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں اور لیکن وہ ڈرپوک لوگ ہیں''(۵۶)

فہم القرآن

ربط کلام: منافقین کی مزید نشانیوں کا تذکرہ جاری ہے۔

مدینہ کے منافق مال اور اولاد کے اعتبار سے بے شمار لوگوں سے زیادہ حیثیت کے مالک تھے۔ لیکن کمینے اور منافق شخص کے پاس مال کی کثرت اور افرادی قوت ہو تو وہ اپنی خباثت میں آگے ہی بڑھتا جاتا ہے۔ کیونکہ معاشرے میں جس شخص کے پاس یہ دو چیزیں وافر ہوں تو اسے کوئی ٹوکنے اور روکنے والا نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے وہ سمجھتا ہے کہ میں اپنے قول وفعل میں سچا ہوں۔ عوام الناس ایسے شخص سے متاثر اور مرعوب ہو جاتے ہیں اس تاثر کو ختم کرنے کے لیے نبی اکرم ﷺ کو براہ راست مخاطب کیا گیا ہے۔ تاکہ لوگوں کے سامنے منافقوں کی بے وقعتی ثابت ہو جائے۔ آپ کو حکم ہوتا ہے کہ اے نبی ﷺ آپ کو منافقوں کے کاروبار، محلات، مال واسباب اور افرادی قوت دیکھ کر تعجب نہیں کرنا چاہیے۔ یہ چیزیں انھیں بطور خیر کے عطا نہیں کی گئیں بلکہ اس لیے دی گئیں ہیں کہ ان کے مال اور اولاد دنیا میں ان کے لیے ذلت کا باعث اور آخرت میں ان کے لیے عذاب کا سبب ثابت ہوں اور یہ کفر کی حالت میں ہی جان دیں۔ یہ حلف دے دے کر آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ یہ تمھارے ساتھی ہیں حالانکہ وہ ایمان، اخلاص اور ہمدردی کے حوالے سے تمھارے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتے ایسی باتیں محض

اپنی منافقت اور بزدلی چھپانے کے لیے کرتے ہیں۔ منافقین کو چاہیے تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر اس کے شکرگزار ہوتے ہوئے، اخلاص اور تابعداری کا مظاہرہ کرتے لیکن منافق ان نعمتوں کو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے انہی چیزوں کے ساتھ انھیں دنیا میں سزا دی جائے گی۔ اگر سوچا جائے تو کیا یہ سزا کم ہے؟ کہ عبداللہ بن ابی نے جب غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی پر اپنے مخصوص ساتھیوں میں یہ کہا کہ مدینہ پہنچ کر گھٹیا لوگوں یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہر سے نکال دیا جائے گا۔ حالانکہ وہ اس قابل نہیں تھا۔ کیونکہ آج تو سلطنت رومہ کا حکمران بھی صحابہ کی تاب نہیں لا سکا۔ جس کی وجہ سے اس نے تبوک کے محاذ سے پسپائی اختیار کی تھی یہ صرف منافق کی یاوہ گوئی اور ہرزہ سرائی تھی۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْاطوَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَo يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّطوَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ o﴾[المنافقون:آیت، ۷۔۸]

”یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں نہ خرچ کرو ان (درویشوں) پر جو اللہ کے رسول کے پاس ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ (بھوک سے تنگ آ کر) تتر بتر ہو جائیں، اور اللہ کے لیے ہی ہیں خزانے آسمانوں اور زمین کے لیکن منافقین (اس حقیقت کو) سمجھتے ہی نہیں۔ منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر گئے مدینہ میں تو نکال دیں گے عزت والے وہاں سے ذلیلوں کو حالانکہ (ساری) عزت تو صرف اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے ہے مگر منافقوں کو (اس بات کا) علم ہی نہیں۔“

جونہی وہ مدینہ داخل ہوا۔ اس کا بیٹا جس کا نام بھی عبداللہ تھا وہ تلوار سونت کر سامنے آیا اور اپنے باپ سے کہا کہ میں تم کو مدینہ داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک آپ اپنے الفاظ واپس لے کر معذرت نہیں کرتے چنانچہ عبداللہ بن ابی نے اس سے معافی مانگی۔ اس کے باوجود یہ شخص منافقت کی حالت میں مرا تھا یہاں تک منافقوں کے مال کا تعلق ہے وہ بھی منافقین کی زندگی میں ختم ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے عزت و اقبال کے ساتھ دنیا کی فراوانی سے ہم کنار فرمایا۔

مسائل

۱۔ منافق اور کافر کے مال اور اولاد پر حیران نہیں ہونا چاہیے۔

۲۔ منافق اور کافر کا مال اور اولاد اس کے لیے دنیا میں بھی ذلت کا باعث بنتے ہیں۔

۳۔ منافق کا حلف جھوٹا اور یہ بزدل ہوتا ہے۔

۴۔ منافق کی جان بھی منافقت کی حالت میں نکلتی ہے۔

لَوْ يَجِدُوْنَ	مَلْجَاً	اَوْ مَغٰرٰتٍ	اَوْ مُدَّخَلًا	لَّوَلَّوْا	اِلَيْهِ	وَهُمْ
اگر وہ پائیں	کوئی جائے پناہ	یا غاریں	یا گھس کی جگہ	تو بھاگ جائیں	اسکی طرف	اور وہ

يَجْمَحُوْنَ ﴿٥٧﴾
رسیاں تڑواتے ہوئے

''اگر وہ کوئی پناہ کی جگہ پائیں یا کوئی غاریں یا گھس بیٹھنے کی جگہ تو اس کی طرف بھاگ جائیں اس حال میں کہ وہ رسیاں تڑا رہے ہوں۔'' (۵۷)

فہم القرآن

ربط کلام: مسلمانوں کو حلف دینے اور اس بات کی یقین دہانی کروانے کے باوجود کہ ہم کفار کی بجائے تمھارے ساتھی ہیں منافقوں کے دل کی کیفیت یہ تھی۔

منافقت کے دیگر اسباب کے ساتھ ایک سبب یہ بھی ہے کہ منافق بزدل اور ڈرپوک ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کے ظاہر اور باطن میں تضاد قائم رہتا ہے۔ خاص کر جب مسلمان طاقت ور ہوں تو منافق اپنی منافقت میں پکا اور گہرا ہو جاتا ہے۔ یہی صورت حال مدینہ کے منافقین کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں کو ہر میدان میں کامیابیاں عطا فرمائیں یہاں تک کہ اس زمانے کی واحد سیاسی سپر پاور روم بھی مسلمانوں کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ کر سکی۔ ادھر پورا حجاز بھی اسلام کے زیر نگین ہو چکا تھا ایسی صورت حال میں منافق جائیں تو کہاں جائیں حالانکہ کہ ان کے دل کی کیفیت اور منفی جذبات کا عالم یہ تھا کہ اگر انھیں دنیا میں کوئی پناہ گاہ ملتی تو ضرور اس کی طرف نکل کھڑے ہوتے۔ ان کی حالت بیان کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے اگر انھیں پناہ گاہ یا کوئی غار یا سر چھپانے کی معمولی جگہ ملے تو یہ وہاں جانے کے لیے بے تاب ہوں۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق منافقوں کو کس طرح حقیر اور ذلیل کیا کہ وہ اپنے اندر ہی اندر گھلتے جا رہے تھے اور اس فکر میں تھے کہ سر چھپانے کی کوئی جگہ مل جائے لیکن مسلمانوں کے بغیر انھیں کہیں بھی پناہ نہ مل سکی۔ اس طرح رب ذوالجلال کا یہ فرمان حرف بہ حرف پورا ہوا۔

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [المنافقون: ٨]

''کہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے لیکن منافق اسے نہیں سمجھتے۔''

مسائل

١۔ منافق ہر وقت اپنے دل میں پریشان رہتا ہے۔

٢۔ مسلمانوں کا غلبہ دیکھ کر منافق کسی پناہ گاہ کی تلاش میں رہتا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا

اوران میں سے جو آپ پرطعن کرتے ہیں میں صدقات پھراگر وہ دیے جائیں ان سے

رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿٥٨﴾

وہ راضی ہوتے ہیں اوراگرنہ وہ دیے جائیں ان سے جب وہ ناراض ہوجاتے ہیں

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا

اوراگر بلاشبہ وہ راضی رہتے جوعطا کیاانکو اللہ نے اوراسکے رسول نے اوروہ کہتے

حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ

کافی ہے ہمیں اللہ عنقریب دیگا ہمیں اللہ سے اپنافضل اوراس کارسول

اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿٥٩﴾ ع

بے شک ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں

’’اوران میں سے وہ ہیں جوآپ پرصدقات (کی تقسیم) کے بارے میں طعن کرتے ہیں اگرانہیں ان میں سے دے دیاجائے توخوش ہوجاتے ہیں اوراگرانہیں ان میں سے نہ دیاجائے تووہ ناراض ہوجاتے ہیں۔(۵۸)اورکاش کہ واقعی وہ اس پرراضی ہوجاتے جوانہیں اللہ اوراس کے رسول نے دیااورکہتے کہ اللہ کافی ہے جلد ہی اللہ اوراس کارسول ہمیں اپنے فضل سے دے گا۔بے شک ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔‘‘(۵۹)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔دنیامیں ذلیل ہونے کے باوجود مال کے بارے میں منافق کی حرص وہوس کاحال۔

مدینہ کے منافقین چاروں طرف سے مایوس اورہرسہارے سے بے سہاراہونے کے باوجوددنیاکے مال میں اس قدر حریص تھے کہ جب بھی اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کے حکم اوراس کی حکمت کے مطابق مال غنیمت تقسیم فرمایااوراس میں منافقوں کومخلصین کے مقابلے میں کم حصہ دیاتووہ اللہ کے رسول کی امانت ودیانت پریقین رکھنے کے باوجودہرزہ سرائی پراترآتے اور دیانت وامانت کے پیکررسول کریم ﷺ کوالزام دیتے کہ یہ نبی غنائم کی تقسیم میں عدل وانصاف کاخیال نہیں رکھتا۔حالانکہ ظالم کھلی آنکھوں کے ساتھ دیکھتے تھے کہ جب بھی مال غنیمت آتاتورسول کریم ﷺ سب کچھ تقسیم کرکے خالی ہاتھ اپنے گھرلوٹاکرتے تھے۔منافقین کوان کے مطالبہ کے مطابق مل جاتاتوبغلیں بجاتے ورنہ سخت ناراضگی کااظہاراورمنفی پروپیگنڈہ کرتے۔ایسے لوگوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ اگریہ اللہ اوراس کے رسول کی تقسیم اورمنشاپرخوش ہوجاتے اورکہتے کہ ہمیں اللہ ہی کافی ہے عنقریب ہمارااللہ

اپنے فضل سے مزید عطا کرے گا جس سے اس کا رسول ﷺ ہمیں خوش کر دے گا۔ لیکن منافقین نے مال کے حصول کو معیار بنا کر اللہ کے رسول کو ہدفِ تنقید بنالیا تھا یہاں فضل وکرم کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ اپنی طرف کی ہے تاکہ آنے والے وقت میں کوئی شخص یہ عقیدہ اختیار نہ کرے کہ مشکلات کے حل اور فضل وکرم کی عطا کا اختیار اللہ کے رسول کو بھی حاصل ہے۔ اس لیے اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ فضل وکرم کا مالک اور حل المشکلات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ نبی ﷺ تو اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال میں سے دیا کرتے تھے۔ اسی تناظر میں آپ نے وضاحت فرمائی ہے۔

((عَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْأُمَّةُ قَائِمَةً عَلٰى أَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ))

[رواه البخاري: كتاب العلم، باب من يرد الله به خيرا]

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عنایت کرتا ہے میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں اللہ تعالیٰ دیتا ہے یہ امت ہمیشہ دین حق پر رہے گی یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔ اس کی مخالفت کرنے والا اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔“

((عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ يَقُولُ بَعَثَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْيَمَنِ بِذُهَيْبَةٍ فِي أَدِيمٍ مَقْرُوظٍ لَمْ تُحَصَّلْ مِنْ تُرَابِهَا قَالَ فَقَسَمَهَا بَيْنَ أَرْبَعَةِ نَفَرٍ بَيْنَ عُيَيْنَةَ بْنِ بَدْرٍ وَأَقْرَعَ بْنِ حَابِسٍ وَزَيْدِ الْخَيْلِ وَالرَّابِعُ إِمَّا عَلْقَمَةُ وَإِمَّا عَامِرُ بْنُ الطُّفَيْلِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهٖ كُنَّا نَحْنُ أَحَقَّ بِهٰذَا مِنْ هٰؤُلَاءِ قَالَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ أَلَا تَأْمَنُونِي وَأَنَا أَمِينُ مَنْ فِي السَّمَاءِ يَأْتِينِي خَبَرُ السَّمَاءِ صَبَاحًا وَمَسَاءً قَالَ فَقَامَ رَجُلٌ غَائِرُ الْعَيْنَيْنِ مُشْرِفُ الْوَجْنَتَيْنِ نَاشِزُ الْجَبْهَةِ كَثُّ اللِّحْيَةِ مَحْلُوقُ الرَّأْسِ مُشَمَّرُ الْإِزَارِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اتَّقِ اللّٰهَ قَالَ وَيْلَكَ أَوَلَسْتُ أَحَقَّ أَهْلِ الْأَرْضِ أَنْ يَتَّقِيَ اللّٰهَ قَالَ ثُمَّ وَلَّى الرَّجُلُ قَالَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَلَا أَضْرِبُ عُنُقَهٗ قَالَ لَا لَعَلَّهٗ أَنْ يَكُونَ يُصَلِّي فَقَالَ خَالِدٌ وَكَمْ مِنْ مُصَلٍّ يَقُولُ بِلِسَانِهٖ مَا لَيْسَ فِي قَلْبِهٖ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِنِّي لَمْ أُومَرْ أَنْ أَنْقُبَ عَنْ قُلُوبِ النَّاسِ وَلَا أَشُقَّ بُطُونَهُمْ قَالَ ثُمَّ نَظَرَ إِلَيْهِ وَهُوَ مُقَفٍّ فَقَالَ إِنَّهٗ يَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِ هٰذَا قَوْمٌ يَتْلُونَ كِتَابَ اللّٰهِ رَطْبًا لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ وَأَظُنُّهٗ قَالَ لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ ثَمُودَ)) [رواه البخاري: كتاب المغازي، باب بعث على بن أبي طالب]

”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رنگے ہوئے چمڑے میں کچھ سونا، جس سے مٹی علیحدہ نہیں کی گئی تھی یمن سے رسول مکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے اسے چار آدمیوں عیینہ بن بدر، اقرع بن حابس، زید الخیل اور علقمہ یا عامر بن طفیل رضی اللہ عنہم کے درمیان تقسیم کر دیا۔ آپ کے اصحاب میں سے کسی نے کہا اس مال کے تو ہم ان لوگوں سے زیادہ حقدار ہیں آپ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا کیا تم لوگوں کو مجھ پر اطمینان

نہیں حالانکہ میں آسمان والے کا امین ہوں۔ میرے پاس صبح وشام آسمان کی خبریں آتی ہیں ایک آدمی جس کی آنکھیں دھنسی ہوئی، رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی، پیشانی باہر نکلی ہوئی، ڈاڑھی گھنی اور سر منڈا ہوا تھا۔ اپنا تہبند پنڈلیوں سے اٹھاتے ہوئے کھڑا ہو کر کہنے لگا اللہ کے رسول! اللہ سے ڈریے۔ آپ نے فرمایا تیرا ستیاناس ہو۔ کیا میں روئے زمین پر اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا نہیں ہوں؟ وہ آدمی چلا گیا تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں اس کی گردن نہ اڑا دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں شاید وہ نماز پڑھتا ہو۔ خالد رضی اللہ عنہ کہنے لگے کتنے ہی نمازی ہیں جو زبان سے اچھی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتیں۔ آپ نے فرمایا مجھے لوگوں کے دلوں میں نقب لگانے اور ان کے پیٹوں کو چاک کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب وہ پیٹھ موڑے جا رہا تھا تو آپ نے فرمایا اس کی نسل سے وہ لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن کو مزے لے کر پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میرا خیال ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر میں اس قوم کے زمانہ میں موجود رہا تو قوم ثمود کی طرح انھیں ہلاک کر دوں گا۔‘‘

((عن عَمرو بن تَغلِبَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أُتِيَ بِمَالٍ أَوْ سَبْيٍ فَقَسَمَهُ فَأَعْطَى رِجَالًا وَتَرَكَ رِجَالًا فَبَلَغَهُ أَنَّ الَّذِينَ تَرَكَ عَتَبُوا فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ أَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَوَاللّٰهِ إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ وَأَدَعُ الرَّجُلَ وَالَّذِي أَدَعُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الَّذِي أُعْطِي وَلٰكِنْ أُعْطِي أَقْوَامًا لِمَا أَرَى فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْجَزَعِ وَالْهَلَعِ وَأَكِلُ أَقْوَامًا إِلٰى مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْغِنٰى وَالْخَيْرِ فِيهِمْ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ فَوَاللّٰهِ مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِكَلِمَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُمْرَ النَّعَمِ))

[رواه البخاري: كتاب الجمعة، باب خطبة الجمعة]

’’عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مال یا قیدی آئے۔ آپ نے اسے تقسیم کر دیا۔ کسی کو آپ نے دیا اور کسی کو نہ دیا۔ آپ تک یہ بات پہنچی کہ جنھیں نہیں دیا گیا وہ ناراض ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں اللہ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا میں بعض لوگوں کو دیتا ہوں اور بعض کو نہیں دیتا۔ جنھیں میں دیتا ہوں وہ اس لیے نہیں دیتا کہ مجھے زیادہ محبوب ہیں بلکہ اس لیے دیتا ہوں کہ میں ان میں بے چینی اور بوکھلاہٹ پاتا ہوں اور جنھیں نہیں دیتا ان کی سیر چشمی اور بھلائی پر بھروسہ کرتا ہوں جو اللہ نے انھیں دے رکھی ہے ایسے لوگوں میں سے ایک عمرو بن تغلب ہے۔ آپ کے منہ سے یہ بات سن کر مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر مجھے سرخ اونٹ بھی مل جاتے تو اتنی خوشی نہ ہوتی۔‘‘

مسائل

١۔ منافق مال و دولت کا بہت حریص ہوتا ہے۔

٢۔ منافق کے دل میں للّٰہیت کے بجائے دنیا کا مفاد ہوتا ہے۔

٣۔ منافق کو اگر مفادات ملتے رہیں تو راضی رہتا ہے اگر نہ ملیں تو ناراض ہو جاتا ہے۔

اِنَّمَا	الصَّدَقٰتُ	لِلۡفُقَرَآءِ	وَالۡمَسٰكِيۡنِ	وَالۡعٰمِلِيۡنَ	عَلَيۡهَا
یقیناً	صدقات	فقیروں کے لیے	اور مسکینوں	اور اہل کاروں	اس پر

وَالۡمُؤَلَّفَةِ	قُلُوۡبُهُمۡ	وَفِى الرِّقَابِ	وَالۡغٰرِمِيۡنَ	وَ	فِىۡ	سَبِيۡلِ
اور مائل کرنا	دل ان کے	اور گردنوں کے چھڑانے	اور تاوان ادا کرنیوالوں	اور	میں	راستہ

اللّٰهِ	وَابۡنِ	السَّبِيۡلِ ؕ	فَرِيۡضَةً	مِّنَ	اللّٰهِ ؕ	وَاللّٰهُ
اللہ	اور ابن	راستہ	فریضہ ہے	سے	اللہ	اور اللہ

عَلِيۡمٌ	حَكِيۡمٌ ﴿۶۰﴾
جاننے والا	حکمت والا

”صدقات تو صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے اور ان پر مقرر عاملوں کے لیے ہیں اور ان کے لیے جن کے دلوں میں الفت ڈالنی مقصود ہے اور گردنیں چھڑانے میں اور تاوان بھرنے والوں میں اور اللہ کے راستے میں اور مسافر کے لیے یہ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔“ (٦٠)

فہم القرآن

ربط کلام: منافقین کا اعتراض اور ان کی عادت بیان کرنے کے بعد زکوٰۃ کے مستحق حضرات کی فہرست کا بیان۔

منافقین بلا استحقاق اپنے آپ کو صدقہ وخیرات کا مستحق سمجھتے اور نہ ملنے پر رسول معظم ﷺ کی دیانت وامانت پر ہرزہ سرائی کرتے تھے۔ ان کے الزام کی شدید ترین الفاظ میں تردید کرنے کے بعد مناسب سمجھا گیا کہ صدقات کے مستحقین کی فہرست جاری کردی جائے تاکہ صدقہ کرنے والوں کی رہنمائی اور غیر مستحقین ہمیشہ کے لیے صدقات سے مایوس ہوجائیں۔ قرآن مجید میں زکوٰۃ کے لیے بھی صدقے کا لفظ استعمال ہوا ہے یہاں تمام اہل علم نے صدقات سے مراد زکوٰۃ کا مال لیا ہے۔ جس کے آٹھ مصارف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے۔ جسے اس فہرست کے مطابق خرچ کرنا لازم ہے۔

١۔ فقیر کی جمع ہے فقراء جس کا معنی ہے ایسا شخص جو کسی بھی حقیقی مصیبت، روزگار کی کمی یا وسائل نہ ہونے کی وجہ سے نہایت تنگ دست ہوچکا ہو۔ یہاں تک کہ اس کے پاس ایک وقت کے کھانے کے سوا کچھ نہ ہو ایسے فقیر کو زکوٰۃ دینی چاہیے۔

((عن أَبِی هُرَیْرَةَ ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَیْسَ الْمِسْکِینُ الَّذِی تَرُدُّهُ الْأُکْلَةُ وَالْأُکْلَتَانِ وَلٰکِنِ الْمِسْکِینُ الَّذِی لَیْسَ لَهُ غِنًی وَیَسْتَحْیِی أَوْ لَا یَسْأَلُ النَّاسَ إِلْحَافًا))

[رواه البخاری: کتاب الزکاة، باب قول الله تعالی لایسألون الناس الحافا]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسکین وہ نہیں جو ایک یا دو لقموں کے ساتھ لوٹے۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس مال نہ ہو اور وہ حیا کی وجہ سے لوگوں سے چمٹ کر سوال نہ کرے۔''

مساکین:

۲۔ مسکین کی جمع مساکین ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکین کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مسکین وہ نہیں جو در بدر مانگتا پھرتا ہے بلکہ مسکین وہ ہے جو خودداری کی بنا پر نہیں مانگتا لیکن بنیادی ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہے۔ مثلاً بچوں کے تن ڈھانپنے کے لیے کپڑے نہیں۔ بیٹی کی شادی کرنے کے لیے معمولی سے معمولی سامان نہیں۔ ایسی بیماری اور بوجھ تلے دب گیا ہے جس سے نکلنا کسی کے تعاون کے بغیر اس کے لیے ممکن نہیں۔

عاملین زکوٰۃ:

۳۔ عامل کی جمع عاملین ہے ان سے مراد وہ افراد ہیں جو محکمہ زکوٰۃ کے تحت کام کرتے ہیں جس کے ذریعے زکوٰۃ کا حساب وکتاب، اس کی تقسیم اور دوسرے امور سرانجام دیئے جاتے ہیں بے شک وہ شخص خود بھی صاحب نصاب ہی کیوں نہ ہو اسے محکمہ سے تنخواہ لینی جائز ہے۔

مؤلفۃ القلوب:

۴۔ ان سے فقہاء اور محدثین نے وہ لوگ مراد لیے ہیں جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہوں اور معاشی طور پر حکومت کے تعاون کے خواستگار ہوں یا وہ لوگ جن سے یہ امید ہو کہ اگر ان کے ساتھ مالی تعاون کیا جائے تو یہ حلقہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ لیکن بعض اہل علم ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کا حق دار نہیں سمجھتے کیونکہ ان کے دلائل کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مال سے کفار کی مدد کی تھی وہ مال غنیمت کا مال تھا۔ میرے نزدیک حالات کے مطابق دونوں کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

الرقاب:

۵۔ رقبۃ کی جمع الرقاب ہے۔ جس کا مفہوم کسی شخص کی گردن چھڑانا ہے یعنی جو مسلمان کسی وجہ سے غلامی کے چنگل میں پھنس گیا ہو جس کی آج کل صورت یہ ہے کہ بے گناہ ہونے کے باوجود غیر مسلم کی قید میں جا چکا ہے جرمانہ دیے بغیر اس کی رہائی ممکن نہیں۔ جیسا کہ کوئی غلطی سے غیر مسلم حکومت کا بارڈر کراس کر جائے تو ایسی صورت میں اس کا جرمانہ دے کر رہائی دلوانا اس کی گردن چھڑوانے کے مترادف ہے۔ اس پر بھی زکوٰۃ خرچ کی جا سکتی ہے۔

غارم:

۶۔ اس کی جمع غارمین ہے۔ جس سے مراد وہ شخص جو کسی بیماری، ناگہانی آفت یا کسی ملزم کی ضمانت کے سلسلہ میں

مقروض ہو چکا ہو۔ایسے مقروض کا قرض بھی زکوٰۃ کے مال سے چکایا جا سکتا ہے۔

۷۔ فی سبیل اللہ ایسی شق ہے جس کے بارے میں اہل علم کا بہت اختلاف ہے ایک مکتب فکر کا خیال ہے کہ اس میں دینی کتب کی اشاعت، تبلیغ، مدارس، جہاد یہاں تک کہ غریب مساجد اور ہسپتالوں پر بھی زکوٰۃ خرچ ہو سکتی ہے۔ دوسرے مکتب کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد صرف دشمن کے خلاف جہاد اور قتال کرنا ہے اس لیے دوسرے رفاہی کاموں پر زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں۔

ابن السبیل:

۸۔ عربی میں عام طور پر ابن کا معنی بیٹا لیا جاتا ہے السبیل راستہ کو کہتے ہیں عربی محاورہ کے اعتبار سے مسافر کے لیے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اگر کوئی مسافر کسی وجہ سے زادِ سفر سے محروم ہو جائے یا منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے زادِ سفر تھوڑا ہو تو اسے بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے بے شک وہ اپنے گھر میں صاحب نصاب ہی کیوں نہ ہو۔

تفصیل کے لیے میری کتاب ''زکوٰۃ کے مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسائل

۱۔ زکوٰۃ صرف مستحقین کو دینا چاہیے۔

۲۔ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ نے صاحبِ حیثیت لوگوں پر فرض قرار دی ہے۔

تفسیر بالقرآن

زکوٰۃ کے مصارف:

۱۔ وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کس طرح مال خرچ کریں؟ کہہ دو جو مال خرچ کرنا چاہو وہ والدین، قریبی رشتہ داروں یتیم، مساکین اور مسافروں پر خرچ کرو۔ (البقرۃ:۲۱۵)

۲۔ صدقات مفلسوں محتاجوں، عاملین، تالیفِ قلب، غلاموں کی آزادی، قرض داروں، اللہ کی راہ اور مسافروں کے لیے ہیں۔ (التوبۃ:۶۰)

۳۔ اور اپنے مال اللہ کی رضا کے لیے قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں اور قیدیوں کو چھوڑانے کے لیے سرف کرو۔ (البقرۃ:۱۷۷)

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ

اوران میں سے وہ لوگ جس تکلیف دیتے ہیں نبی اور وہ کہتے ہیں وہ کان ہے فرمادیجیے

اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

کان بھلائی کا تمہارے لیے وہ یقین رکھتا ہے اللہ کے ساتھ اور وہ یقین رکھتا ہے مومنوں پر

وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ

اور رحمت واسطے ان لوگوں ایمان لائے تم میں سے اور وہ لوگ جو تکلیف دیتے ہیں رسول

اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾

اللہ انکے لیے ہے عذاب دردناک

’’اوران میں سے کچھ وہ ہیں جو نبی کو تکلیف دیتے ہیں اور کہتے ہیں وہ تو کان کا کچا ہے۔فرمادیں وہ تمہارے لیے خیر کا کان ہے اللہ پر اور مومنوں کی بات کا یقین کرتا ہے اور ایمان والوں کے لیے رحمت ہے اور جو لوگ اللہ کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔‘‘(٦١)

فہم القرآن

ربط کلام: منافقوں کی ہرزہ سرائی کا ایک اور انداز۔

منافقین اپنی سازشوں اور شرارتوں پر پردہ ڈالنے کے لیے کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑے رکھتے تھے بالخصوص رسول محترم ﷺ کی ذات اطہر کے بارے میں یاوہ گوئی کرنے کے لیے نئے سے نیا اور اوچھے سے اوچھا انداز اختیار کرتے تاکہ رسول معظم ﷺ کسی بات میں ان کو سرزنش نہ کرسکیں۔اگر کوئی مسلمان منافقین کی یاوہ گوئی اور خباثتوں سے نبی اکرم ﷺ کو آگاہ کرتا تو منافق آپ ﷺ کے استفسار کرنے سے پہلے ہی پروپیگنڈہ شروع کردیتے کہ یہ نبی ﷺ معاملہ فہمی سے عاری اور کانوں کا کچا ہے ان کے ردعمل میں رب ذوالجلال نے آپ ﷺ کو جواب دینے کے لیے فرمایا کہ ان سے فرمادیجیے کہ کان کھول کر سن لو جس رسول کو کانوں کا کچا کہتے ہو وہ تمھارے حق میں بہتر ہے اگر ہمارا نبی ﷺ تمھاری باتوں اور حرکتوں پر گرفت کرنے پر آئے تو تمھارا جینا مشکل ہو جائے گا۔اس لیے انھیں اپنے حق میں بہتر سمجھو۔ہمارے نبی ﷺ کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی بردباری اور حکمت عملی کے تحت تمھارے منہ پر تمھیں جھوٹا نہیں کہتا حالانکہ وہ تمھاری حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہے اگر وہ کانوں کا کچا اور نافہم ہوتا تو وہ تمھاری جھوٹی قسموں پر یقین کر لیتا اگر وہ تمھاری یاوہ گوئی کے مطابق کانوں کا کچا ہوتا تو تمھاری چاپلوسی کے فریب میں آجاتا وہ تو اپنے اللہ کے فرامین پر پختہ یقین اور مومنوں کی باتوں پر اعتماد کرنے والا ہے جو بات

میں سچے ہیں نبی اکرم ﷺ مومنوں کے لیے سراسر رحمت ہے۔ سن لو جو اللہ کے رسول ﷺ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لیے اذیت ناک عذاب تیار کیا گیا ہے۔

((عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ قَالَ فَقَرَأَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَ مِرَارًا قَالَ أَبُو ذَرٍّ خَابُوا وَخَسِرُوا مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ))

[رواه مسلم: كتاب الإيمان، باب غلظ تحريم اسبال الإزار]

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا تین اشخاص ایسے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے بات نہیں کرے گا نہ ان کو قیامت کے دن دیکھے گا نہ ہی انہیں گناہوں سے پاک کرے گا ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ نے اس آیت مبارکہ کو تین مرتبہ پڑھا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول! وہ برباد ہو گئے انہوں نے نقصان اٹھایا یہ کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تہبند لٹکا کر چلنے والا، احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسمیں کھا کر سودا فروخت کرنے والا۔''

مسائل

١۔ اللہ کے رسول ﷺ منافقوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔
٢۔ رسول اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے فرامین پر یقین رکھنے والے اور مومنوں کی باتوں پر اعتماد کرنے والے تھے۔
٣۔ نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اللہ کی رحمت تھے۔
٤۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی شان میں گستاخی کرتے ہیں ان کو اذیت ناک عذاب ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کے رسول ﷺ کو تکلیف دینے والے لوگوں کی سزا:

١۔ آپ ﷺ کو تکلیف دینا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ (الاحزاب: ٥٣)
٢۔ اللہ اور رسول ﷺ کو تکلیف دینے والے دنیا میں لعنت اور آخرت میں عذاب ذلیل کے مستحق ہیں۔ (الاحزاب: ٥٧)
٣۔ جو نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں وہ کافر ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (البقرة: ١٠٤)

يَحۡلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمۡ لِيُرۡضُوكُمۡ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُولُهٗۤ اَحَقُّ
وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تمہارے سامنے تاکہ تم کو راضی کریں اور اللہ اور اس کا رسول زیادہ حقدار

اَنۡ يُّرۡضُوهُ اِنۡ كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّهٗ مَنۡ
یہ کہ وہ اسکو راضی کریں اگر ہیں وہ ایماندار کیا نہیں انہیں معلوم ہوا بیشک وہ جو

يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا
مخالفت کرے اللہ اور اسکے رسول کی پس یقیناً اسکے لیے آگ جہنم کی ہمیشہ رہنے والا

فِيۡهَا ؕ ذٰلِكَ الۡخِزۡىُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۶۳﴾
اس میں یہ ہے ذلت بہت بڑی

’’تمہیں خوش کرنے کے لیے اللہ کی قسم کھاتے ہیں، حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق دار ہے کہ وہ اسے خوش کریں اگر وہ مومن ہیں۔ (۶۲) کیا انہیں نہیں معلوم کہ حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرے گا یقیناً اس کے لیے جہنم کی آگ ہے اس میں ہمیشہ رہنے والا ہوگا یہی بہت بڑی ذلت ہے۔‘‘ (۶۳)

فہم القرآن

ربط کلام: منافقین کے کردار اور گفتار کا بیان جاری ہے۔

منافق محض اپنی چرب لسانی سے مومنوں کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ انھیں اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنا چاہیے تھا۔ اگر اللہ اور اس کا رسول راضی ہو جاتا ہے تو مومن خود بخود راضی ہو جاتے لیکن اے منافقو! تمھاری حالت یہ ہے کہ جو کچھ بھی کر رہے ہو وہ کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ مقابلہ کرنے کے مترادف ہے۔ یاد رکھو تمھیں دنیا میں مہلت دی جا رہی ہے لیکن بالآخر تم نے ہمیشہ جہنم میں جلنا ہے اس سے بڑھ کر کوئی اور تکلیف اور رسوائی نہیں ہو سکتی۔ منافق کو منافق اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دوہرے کردار اور گفتار کا مالک ہوتا ہے۔ منافقین جب نبی اکرم ﷺ کی شان میں کسی گستاخی کا ارتکاب کرتے تو مسلمانوں کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ان کے سامنے قسمیں اٹھا اٹھا کر کہتے کہ ہماری بات کا فلاں شخص نے غلط مفہوم لیا ہے ہم تو اللہ کے رسول کے بارے میں کسی گستاخی کا تصور نہیں کر سکتے۔ اس طرح وہ مسلمانوں کو خوش کرنے کی کوشش کرتے اس پر انھیں سمجھایا گیا کہ اگر تم سچا ایمان رکھتے ہو تو اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق دار ہیں کہ تم ان کو راضی کرو کیونکہ اللہ اور اس کا رسول تم پر راضی ہوں گے۔ تو صحابہ کرام ؓ خود بخود راضی ہو جائیں گے یہاں ضمیر تثنیہ کی آنی چاہیے تھی۔ لیکن ضمیر واحد کی لا کر ثابت کیا ہے کہ اصل رضامندی اللہ تعالیٰ کی ہونی چاہیے رسول تو اپنے رب کی رضا کا پابند ہوتا ہے

اور مومن رسول کے تابع ہوتے ہیں اس لیے اسی سورۃ کی آیت ۹۶ میں وضاحت فرمائی کہ نبی ﷺ اگر منافقوں پر کسی وجہ سے راضی ہو بھی جائیں تو اللہ ان پر ہرگز راضی نہ ہوگا۔

جہنم کی سزا:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ نَارُكُمْ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنْ كَانَتْ لَكَافِيَةً قَالَ فُضِّلَتْ عَلَيْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَسِتِّينَ جُزْءًا كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا))

[رواه البخاري: كتاب بدء الخلق، باب صفة النار]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تمھاری دنیا کی آگ جہنم کی آگ کے سترویں درجے پر ہے۔ رسول معظم ﷺ سے عرض کیا گیا آگ ہی کافی تھی۔ آپ نے فرمایا وہ اس سے انہتر درجے زیادہ تیز ہے اور ہر درجہ دوسرے سے زیادہ تیز ہے۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أُوقِدَ عَلَى النَّارِ أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى احْمَرَّتْ ثُمَّ أُوقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى ابْيَضَّتْ ثُمَّ أُوقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى اسْوَدَّتْ فَهِيَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ)) [رواه الترمذي: كتاب صفة جهنم]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا ایک ہزار سال تک دوزخ کی آگ کو بھڑکایا گیا حتیٰ کہ وہ سرخ ہوگئی پھر اس کو ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی پھر اس کو ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا حتیٰ کہ وہ سیاہ ہوگئی اب اس کا رنگ سیاہ ہے۔''

((عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي قَوْلِهٖ وَيُسْقٰى مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ يَتَجَرَّعُهٗ قَالَ يُقَرَّبُ إِلَيْهِ فَيَتَكَرَّهُهٗ فَإِذَا دَنَا مِنْهُ شُوِيَ وَجْهُهٗ وَوَقَعَتْ فَرْوَةُ رَأْسِهٖ وَإِذَا شَرِبَهٗ قَطَّعَ أَمْعَاءَهٗ حَتَّى خَرَجَ مِنْ دُبُرِهٖ))

[رواه احمد]

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جہنمیوں کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا وہ ان کو جلا دے گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ ان کے قریب کیا جائے گا تو وہ اس کو ناپسند کرے گا جونہی وہ اس کے قریب ہوگا تو اس کا چہرہ جھلس جائے گا اور اس کے سر کے بال بھی گر جائیں گے اور جب وہ پیے گا تو اس کی آنتیں کٹ جائیں گی یہاں تک کہ وہ پانی اس کی پشت سے نکل جائے گا۔''

مسائل

۱۔ اللہ کی رضا میں نبی ﷺ اور مومنوں کی رضا ہے۔

۲۔ انسان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۳۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ

وہ ڈرتے ہیں منافق یہ کہ نازل کردی جائے ان پر سورۃ جو انکے بارے بتادے

بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ

جو کچھ میں ان کے دلوں فرمادیجیے تم مذاق کرتے رہو بیشک اللہ نکالنے والا ہے

مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ

جس سے تم ڈرتے ہو اور البتہ اگر آپ ان سے پوچھیں وہ ضرور کہیں گے بیشک ہم تھے شغل کی باتیں

وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾

اور دل لگی کرتے فرمادیجیے کیا اللہ کیساتھ اور اسکی آیات اور اسکے رسول تھے تم مذاق کرتے

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ

نہ تم عذر پیش کرو یقیناً تم نے کفر کیا بعد اپنے ایمان کے اگر ہم معاف کردیں

عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾

سے ایک گروہ تم میں سے ہم عذاب دیں گے ایک گروہ کو اس وجہ سے کہ وہ تھے مجرم

”منافق اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان پر کوئی ایسی سورت اتاری جائے جو انہیں وہ بتادے جو ان کے دلوں میں ہے فرمادیں تم مذاق کرتے رہو، بے شک اللہ ان باتوں کو ظاہر کرنے والا ہے جن سے تم ڈرتے ہو۔(٦٤) اور بلاشبہ اگر آپ ان سے پوچھیں تو یقیناً کہیں گے ہم تو صرف شغل اور دل لگی کرر ہے تھے۔فرمادیں کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کرتے ہو؟(٦٥) نہ عذر پیش کرو بے شک تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہو چکے۔ہم تم میں ایک گروہ کو معاف کردیں تو ایک گروہ کو عذاب دیں گے اس وجہ سے کہ یقیناً وہ مجرم تھے۔“(٦٦)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔منافقوں کا اپنے دل ہی دل میں خوف زدہ رہنا۔

منافق دوغلا ہوتا ہے دوغلا شخص اخلاقی لحاظ سے اندر سے کھوکھلا اور ضمیر کا چور ہوتا ہے کیونکہ وہ مختلف لوگوں سے ایک ہی بات مختلف مفہوم اور مذموم مقاصد کے لیے کرتا ہے۔اس لیے اسے ہر وقت اس بات کا دھڑکا لگا رہتا ہے کہ اگر لوگوں کو میری بات کی اصلیت کا پتہ چل گیا تو میں ہر طرف سے ذلیل اور لوگوں کی نظروں میں حقیر ہو جاؤں گا۔یہ خوف اسے ہر وقت بے چین رکھتا ہے۔نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں منافقین کی یہی حالت تھی وہ ہر وقت ڈرے اور سہمے رہتے تھے کہ نہ معلوم اللہ

کے رسول پر کب وحی نازل ہو جائے جس میں ہماری سازشوں کو طشت از بام کر دیا جائے اور ہماری باتوں کی قلعی کھول دی جائے ۔ بالخصوص غزوۂ تبوک کے موقع پر انھوں نے مسلمانوں کا یہ کہہ کر مذاق اڑایا کہ یہ ہیں وہ جیالے جو سلطنت روما کو فتح کرنے کے لیے نکلے ہیں ۔ ایک کہتا کہ ہونا تو یہ چاہیے کہ کل رومی جرنیل اچھی طرح ان کے ہاتھ پاؤں میں بیڑیاں پہنائے ۔ دوسرا کہنے لگا مزا تو یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے ان کی پیٹھوں پر کوڑے برستے ہوئے دیکھیں ۔ اسی طرح وہ قرآن مجید کی پیش گوئیوں اور نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کو استہزا کا نشانہ بناتے ۔ جب ان کی باتیں رسول معظم ﷺ تک پہنچتیں اور آپ کبھی کبھار ان کی تفتیش کرتے تو یہ لوگ جھوٹا حلف دے کر کہتے کہ ہم تو دل لگی اور شغل کے طور پر باتیں کر رہے تھے ۔ اس پر انھیں ڈانٹا گیا ہے کہ تم کس قدر ناعاقبت اندیش ہو کہ اللہ کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کرتے ہو؟

جب تم سے پوچھا جاتا ہے تو مختلف قسم کے بہانے بنا کر معذرت کرتے ہو ۔ اب تمھاری معذرتوں کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ تم ایمان کے دعویدار ہو کر کفر کا مسلسل ارتکاب کر رہے ہو ۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ تم سے درگزر کرتا ہے لیکن ان لوگوں کو ضرور عذاب دے گا جو سرغنہ ہیں ۔ یہاں معاف کر دینے کا اشارہ فرما کر چھوٹے منافقین کے لیے ایک دفعہ پھر معافی کا دروازہ کھلا رکھا گیا ہے تاکہ وہ اپنے کردار پر نظر ثانی کر سکیں ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے منافقوں میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اللہ کے رسول کی سواری کے پیچھے اس حال میں دوڑ رہا تھا کہ اس کے پاؤں زخمی ہو چکے تھے اور وہ رسول معظم ﷺ سے فریاد کر رہا تھا کہ جو باتیں آپ تک پہنچی ہیں ہم نے محض خوش طبعی اور دل لگی کے لیے کی تھیں لیکن رسول اکرم ﷺ نے اس کے جواب میں فقط اتنا فرمایا کہ کیا تم اللہ کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کرتے ہو؟ (رازی)

مسائل

۱۔ منافق اللہ کی ذات، اس کی آیات اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے تھے ۔

۲۔ اللہ اس کی آیات اور اس کے رسول کو مذاق کرنا کفر ہے ۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے ایک ایک سرغنہ کو دنیا میں ذلیل کیا اور قیامت کو منافقوں کے لیے اذیت ناک عذاب ہوگا ۔

تفسیر بالقرآن

منافق دین کو کھیل تماشہ سمجھتے ہیں :

۱۔ اے ایمان والو! اہل کتاب اور کفار کی طرح دین کو کھیل تماشہ نہ سمجھ ۔ (المآئدۃ:۵۷)

۲۔ جب منافقوں کو نماز کے لیے بلایا جاتا تو اسے کھیل تماشہ سمجھتے ہیں ۔ (المآئدۃ:۵۸)

۳۔ کافروں نے میری آیات اور میرے ڈرانے کو کھیل تماشہ سمجھ لیا ۔ (الکہف:۵۶)

۴۔ ان کافروں کی سزا جہنم ہے جنھوں نے میری آیات اور رسولوں کو مذاق سمجھا ۔ (الکہف:۱۰۶)

وقف لازم

اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ بَعۡضُهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ‌ۘ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡكَرِ

منافق مرد اور منافق عورتیں وہ سے بعض وہ حکم دیتے ہیں برے کام کا

وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ وَيَقۡبِضُوۡنَ اَيۡدِيَهُمۡ‌ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمۡ‌ ؕ

اور وہ روکتے ہیں سے نیک کام اور وہ بند رکھتے ہیں اپنے ہاتھ بھلا دیا انہوں نے اللہ کو تو اس نے انکو بھلا دیا

اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ

بیشک منافقین وہی نافرمان ہیں وعدہ کیا ہے اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں

وَالۡكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا‌ ؕ هِىَ حَسۡبُهُمۡ‌ ۚ

اور کافروں آگ جہنم کی وہ ہمیشہ رہیں گے اس میں وہ انہیں کافی ہے

وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ‌ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ ۙ﴿۶۸﴾

اور لعنت کی انکو اللہ نے اور انکے لیے عذاب دائمی

''منافق مرد اور منافق عورتیں یہ ایک دوسرے سے ہیں وہ برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں وہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا یقیناً منافق نافرمان ہیں۔(۶۷) اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے جہنم کی آگ کا وعدہ کیا ہے اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں وہی ان کو کافی ہے اور اللہ نے ان پر لعنت کی اور ان کے لیے ہمیشہ رہنے والا عذاب ہے۔''(۶۸)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔منافق اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ مخلص نہیں ہوتے۔لیکن وہ ایک دوسرے کے ساتھ ضرور مخلص ہوتے ہیں۔کیونکہ ان کا عقیدہ اور مشن ایک ہوتا ہے۔

منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کے ساتھی ہوتے ہیں کیونکہ ان کا مشن برے کاموں کی تلقین اور ان کی حوصلہ افزائی کرنا، نیکی کے معاملات میں رکاوٹ ڈالنا اور دین کی راہ میں روڑے اٹکانا، مسلمانوں کے صدقہ وخیرات کے بارے میں حوصلہ شکنی کرنا اور خود کنجوسی اختیار کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کو فراموش کردینا۔منافقین کا مشغلہ ہوتا ہے۔ان اعمال کا بالآخر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بھلا دیتا ہے اللہ تعالیٰ کے بھلا دینے سے یہ مراد نہیں کہ اس کا حافظہ بھول جاتا ہے۔بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل وکرم سے دور کردیتا ہے۔تاکہ گناہ کرنے میں ان کی حسرت باقی نہ رہے۔کیونکہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان ہیں، اللہ تعالیٰ کو منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کفار

پر اس قدر ناراضگی ہے کہ سزا سناتے ہوئے چار تاکیدی الفاظ استعمال کر کے فرمایا کہ ان کے ساتھ اللہ کا وعدہ ہے کہ انھیں جہنم میں ضرور پھینکے گا۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کا وعدہ سچا اور پکا نہیں ہوسکتا۔ ان کو اس میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ جہنم ان کے لیے کافی ہے۔ یعنی اس میں انھیں پوری پوری سزا دی جائے گی۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار برستی رہے گی اور ان پر عذاب جہنم قائم دائم رہے گا جس میں کبھی تخفیف نہ ہوگی۔ ایک جیسے الفاظ میں منافقین اور کفار کی سزا ذکر فرما کر اشارہ دیا ہے کہ منافق بے شک تمام کام بظاہر مسلمانوں کی طرح کرتے اور اسلام کا نام لیتے ہیں لیکن عملاً یہ کافر ہیں۔ اس لیے آخرت میں انھیں اکٹھا جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

برائی کی بنیاد قائم کرنے والے کی سزا:

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَأَيْتُ جَهَنَّمَ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا وَرَأَيْتُ عَمْرًا يَجُرُّ قُصْبَهٗ وَهُوَ أَوَّلُ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ)) [رواه البخاري: كتاب تفسير القران ،باب ماجعل الله من بحيرة و لاسائبة]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے جہنم کو دیکھا اس کا ایک حصہ دوسرے کو کھا رہا تھا اور میں نے اس میں عمرو کو دیکھا جو اپنی چادر کو گھسیٹ رہا تھا اور وہ پہلا شخص تھا جس نے ”بحیرہ اور سائبہ“ کا رواج ڈالا تھا“

مسائل

١۔ منافق مرد، منافق عورتیں اور کفار ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

٢۔ ان پر مسلسل اللہ تعالیٰ کی پھٹکار برستی رہے گی۔

٣۔ ان پر ہمیشہ عذاب قائم رہے گا۔

تفسیر بالقرآن

منافقوں کا کردار اور انجام:

١۔ منافق اللہ کو دھوکہ دینے والے ہوتے ہیں۔ (النساء:١٤٢)

٢۔ منافق جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ (النساء:١٤٥)

٣۔ اے نبی منافقین اور کفار کے ساتھ سختی سے جہاد کریں۔ (التوبۃ:٧٣، التحریم:٩)

٤۔ کفار اور منافقین کے ساتھ اللہ کا وعدہ جہنم کا ہے۔ (التوبۃ:٦٨)

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ

ان لوگوں کی طرح جو | تم سے پہلے | تھے وہ | زیادہ سخت | تم سے | قوت | اور زیادہ تھے

اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا

مال (جمع) | اور | اولاد | فائدہ اٹھایا انہوں نے | اپنے حصے کا | فائدہ اٹھایا تم نے | اپنے حصے کیساتھ | جیسے

اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ

فائدہ اٹھایا تھا | ان لوگوں نے جو | تم سے پہلے تھے | اپنے حصے کا | اور تم فضول بحث میں الجھے | جیسے

خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَ

وہ فضولیات میں الجھے | یہی لوگ | برباد ہوگئے | ان کے عمل | میں دنیا | اور آخرت | اور

اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۶۹

یہی لوگ ہیں | وہ | خسارہ پانے والے

''ان لوگوں کی طرح جوتم سے پہلے تھے وہ قوت میں تم سے زیادہ اور اموال اور اولاد میں بہت زیادہ تھے وہ اپنے حصے سے فائدہ اٹھا چکے تم نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا، جس طرح ان لوگوں نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا جوتم سے پہلے تھے اور تم نے بھی فضول باتیں کیں، جس طرح انہوں نے فضول باتیں کیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوگئے اور یہی خسارہ پانے والے ہیں۔'' (۶۹)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ منافقین بھی پہلی قوموں کی طرح مغضوب ہیں جس طرح ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہوئے اسی طرح منافقین کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوں گے۔ جس طرح ان پر دنیا میں اللہ کا غضب ہوا۔ منافقوں پر بھی اللہ کا غضب ہوگا۔

عربی زبان میں ''ک'' کا حرف تشبیہ اور مانند کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں منافقین کی مغضوب اور ملعون قوموں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو مال واسباب، اولاد اور افرادی قوت کے لحاظ سے بڑے کشادہ ہاتھ اور طاقت ور تھے۔ لیکن جب ان پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوڑا برسا تو ان کے مال واسباب اور اولاد انھیں کچھ فائدہ نہ دے سکے بلکہ وہ بھی ان کے ساتھ تباہی کے گھاٹ اتر گئے۔ اس اشارے اور تشبیہ کے بعد منافقین کو وارننگ دی گئی ہے کہ جو کچھ تمھیں دیا گیا ہے۔ تم بھی ان چیزوں سے فائدہ اٹھالو جس طرح مغضوب اور ملعون لوگوں نے اٹھایا تھا۔ لیکن یاد رکھو جس طرح ان پر غضب ہوا تم پر

بھی اسی طرح غضب ہوگا۔ ’’خَلَاق‘‘ کا معنی ہے حصہ جس طرح انھوں نے اپنے حصہ سے فائدہ اٹھایا تمھارے لیے بھی جو حصہ عمر اور وسائل کے حوالے سے مقرر کیا گیا ہے فائدہ اٹھا لو۔ اس میں یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ انسان جس قدر باغی ہو اور جتنا چاہے دنیا میں بھاگ دوڑ کر لے وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدود اور وسائل سے آگے نہیں بڑھ سکتا ہے۔ بھلا ہے وہ انسان جو اس سے فائدہ اٹھا کر اپنی دنیا اور آخرت سنوار لے۔ لیکن منافق اور خدا کے نافرمان اس کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ وہ دنیا کے عارضی وقار اور وسائل کی خاطر اپنے رب کی نافرمانی میں آگے ہی بڑھتے جاتے ہیں جیسا کہ ان سے پہلے لوگ دنیا طلبی میں بڑھتے ہی چلے گئے ان کے دنیا اور آخرت دونوں میں اعمال ضائع ہوئے اور وہ نقصان پانے والے بنے۔ اسی طرح ہی منافقوں کا حال ہوگا۔

((عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ....قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ....إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ)) [رواه البخاری: کتاب الجهاد والسیر، باب لایقول فلان شهید]

’’حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ بندہ بعض اوقات اہل جنت کے اعمال سرانجام دیتا ہے لوگوں کے لیے بھی ایسے ظاہر ہوتا ہے حالانکہ وہ جہنم والوں میں سے ہوتا ہے اور بلاشبہ کوئی بندہ جہنمیوں والے کام کرتا ہے اور لوگوں کو بھی ایسے ہی نظر آتا ہے جبکہ وہ اہل جنت سے ہوتا ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ کی پکڑ آنے پر منافق کو اس کی اولاد اور مال کچھ فائدہ نہیں دیتے۔
۲۔ منافقین کے اعمال پہلی مغضوب قوموں کی طرح ضائع ہوں گے۔
۳۔ منافقین دنیا اور آخرت میں نقصان اٹھائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

مغضوب قومیں مال اور اولاد میں زیادہ ہوتی ہے:

۱۔ لوگوں کو مال اور اولاد کی کثرت نے ہلاک کر دیا۔ (التکاثر:۱)
۲۔ کافروں نے کہا ہم مال و اولاد کے لحاظ سے زیادہ ہیں۔ (سبا:۳۵)
۳۔ قوم عاد نے زمین میں تکبر کیا اور کہا کہ ہم سے طاقت میں کون زیادہ ہے۔ (حٰم السجدۃ:۱۵)
۴۔ دنیا کی زندگی کھیل، تماشہ، زینت، مال و اولاد کی کثرت ہے۔ (الحدید:۲۰)

اَلَمْ	يَأْتِهِمْ	نَبَأُ الَّذِيْنَ	مِنْ قَبْلِهِمْ	قَوْمِ	نُوْحٍ	وَّعَادٍ
کیانہیں	آئی انکو	خبر ان لوگوں	ان سے پہلے	قوم	نوح	اور عاد

وَّثَمُوْدَ	وَقَوْمِ	اِبْرٰهِيْمَ	وَاَصْحٰبِ	مَدْيَنَ	وَالْمُؤْتَفِكٰتِ	اَتَتْهُمْ	
اور ثمود	اور قوم	ابراہیم	اور ساتھی	مدین	اور الٹی بستیوں والوں کی	آئے انکے پاس	

رُسُلُهُمْ	بِالْبَيِّنٰتِ	فَمَا	كَانَ	اللّٰهُ	لِيَظْلِمَهُمْ	وَلٰكِنْ	كَانُوْٓا
ان کے رسول	واضح دلائل کیساتھ	پس نہیں	ہے	اللہ	کہ ظلم کرتا ان پر	اور لیکن	وہ تھے

اَنْفُسَهُمْ	يَظْلِمُوْنَ ۝
اپنی جانوں پر	ظلم کرتے

”کیاان کوان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے تھے؟ نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم اور مدین والے اور الٹی ہوئی بستیوں والے ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے۔ اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔“ (۷۰)

فہم القرآن

ربط کلام: منافقین کو پہلے اشارے کی زبان سے مغضوب قوموں کے حوالے سے وارننگ دی گئی اور اب دوٹوک الفاظ میں ہلاک ہونے والی قوموں کا ذکر ہوتا ہے۔

پہلی آیت میں عربی کے حرف ”ک“ کے ذریعے مغضوب قوموں کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اب منافقین کو کھلی وارننگ دیتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں مغضوب اور ملعون قوموں کا ذکر کیا ہے تاکہ انھیں معلوم ہو کہ نوح علیہ السلام کی قوم کی طویل عمر اور عاد، ثمود، اہل مدین کے مال و اسباب اور ان کی افرادی قوت انھیں رب ذوالجلال کے عذاب سے نہیں بچا سکی تھی اور نہ ہی ابراہیم علیہ السلام کی قوم کو ان کی تہذیب و تمدن اور دنیوی ترقی اللہ کی گرفت سے محفوظ رکھ سکی حالانکہ ان کے پاس انبیاءِ عظام علیہم السلام تشریف لائے اور انھوں نے اپنی اپنی قوم کی اصلاح اور فلاح کے لیے بے پناہ کوشش کی لیکن نافرمان اقوام نے انبیاء کے ساتھ ناروا سلوک کیا اور ان کی دعوت کو ٹھکرایا جس کے نتیجے میں انھیں اللہ کے عذاب نے آلیا اور وہ اپنے سے بعد والی اقوام کے لیے نشانِ عبرت بن گئے انھوں نے اپنی ہلاکت و بربادی کا خود ہی سامان مہیا کیا جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ذرہ برابر بھی زیادتی نہیں کی گئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا۔

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ أَسَآءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيْدِ﴾ [حم السجدة: ٤٦]

”جس نے کوئی نیک عمل کیا اس کا فائدہ اسی کو ہوگا اور جو برائی کرے اس کا وبال اسی پر ہے اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔“

﴿قُلْ أَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ وَلاَ تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلاَّ عَلَيْهَا وَلاَ تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰی ثُمَّ إِلٰی رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾ [الأنعام:١٦٤]

”کہیں: کیا میں اللہ کے علاوہ دوسرا رب تلاش کروں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے اور جو کوئی برا کام کرے گا تو اس کا بار اسی پر ہوگا۔ کوئی شخص کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا پھر تمھیں اپنے رب کے ہاں لوٹنا ہے اور جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو وہ تمھیں بتلا دے گا۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی اقوام کو ان کے ظلم کی وجہ سے تباہ کیا۔
٢۔ لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا:

١۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا مگر لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ (العنکبوت:۴٠)
٢۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ (یونس:۴۴)
٣۔ اللہ نے کسی پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ (البقرۃ:۵۷)
۴۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔ (النساء:۴٠)
۵۔ اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا مگر خود انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ (الروم:٩)
٦۔ اللہ تعالیٰ کا قول تبدیل نہیں ہوا کرتا اور نہ وہ اپنے بندوں پر ظلم فرماتا ہے۔ (ق:٢٩)
٧۔ نیک اعمال کرنے والے کو اس کی نیکی کا صلہ ملے گا اور برے کو برائی کا اور تیرا رب ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ (حٰم السجدۃ:۴٦)
٨۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان میں حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ (الزمر:٦٩)
٩۔ قیامت کے دن ہر کوئی اپنا نامہ اعمال پڑھ لے گا اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائیگا۔ (بنی اسرائیل:٧١)

وقف لازم

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ

اور مومن مرد | اور مومن عورتیں | ان کے بعض | دوست | بعض کے | وہ حکم دیتے ہیں

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ

نیک کام کا | اور وہ روکتے ہیں | سے | برے کام | اور وہ قائم کرتے ہیں | نماز | اور

يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ

وہ دیتے ہیں | زکوٰۃ | اور وہ اطاعت کرتے | اللہ کی | اور اس کے رسول کی | یہی لوگ ہیں

سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

عنقریب رحم فرمائے گا ان پر | اللہ | یقیناً اللہ | غالب | حکمت والا

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں ۔ اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ یقیناً رحم کرے گا بے شک اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔'' (۷۱)

فہم القرآن

ربط کلام: منافقین کے بعد مومنین کا تذکرہ۔ ان کے اوصاف اور اجر وثواب کا بیان۔

پہلے پانچ پاروں کی تفسیر کے دوران دو تین مرتبہ عرض کیا ہے کہ قرآن مجید کا مستقل اسلوب ہے کہ وہ جنت اور جہنم کا ایک دوسرے کے ساتھ ذکر کرتا ہے تاکہ قاری تلاوتِ قرآن کرتے ہوئے ایک لمحہ میں فیصلہ کر سکے کہ اس نے دونوں میں سے کس کا انتخاب کرنا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کا یہ بھی طرز بیان ہے کہ وہ کفار اور منافقین کے بعد اکثر مقامات پر مومنوں کے اوصاف کا تذکرہ کرتا ہے تاکہ قرآن مجید پڑھنے والا موقعہ پر فیصلہ کر پائے کہ مجھے کون سا کردار اختیار کرنا چاہیے۔ اسی اصول کے پیش نظر منافقوں کے بعد مخلص مسلمانوں کا ذکر کیا جارہا ہے کہ اگر منافق ایک دوسرے کے ساتھی ہیں تو ایمان والے بھی ایک دوسرے کے جانثار اور خیر خواہ ہیں ۔ اسی بھائی چارے اور خیر خواہی کا نتیجہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو نیکی کی تلقین کرتے اور حکم دیتے ہیں اور برائی سے ایک دوسرے کو روکتے ہیں۔ نماز قائم کرنے ، زکوٰۃ دینے کے ساتھ وہ اللہ اور اس کے رسول کی ہر حال میں اطاعت کرتے ہیں۔ ایسے خوش بخت لوگوں پر اللہ ضرور کرم فرمائے گا اللہ تعالیٰ ہر فیصلہ کرنے پر غالب اور اس کے ہر حکم اور کام میں حکمت پنہاں ہوتی ہے۔ آیت کے آخر میں عزیز کا لفظ استعمال فرما کر مسلمانوں کو تسلی دی ہے کہ ایک دوسرے کی خیر خواہی اور نیکی کے کاموں پر عمل کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تمھیں ضرور غالب کرے گا۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ ﷛ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ دَعَا إِلَی هُدًی کَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ لَا یَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَیْئًا وَّمَنْ دَعَا إِلَی ضَلَالَةٍ کَانَ عَلَیْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ لَا یَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَیْئًا)) [رواہ مسلم: کتاب العلم ، باب من سن سنة]

''حضرت ابو ہریرہ ﷛ بیان کرتے ہیں بلاشبہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا جو کوئی کسی کو ہدایت کی طرف بلاتا ہے اس کے لیے اتنا ہی اجر ہوگا جتنا اس کی پیروی کرنے والوں کو ملے گا اور اس کے اجر سے کچھ بھی کم نہیں ہوگا اور جو کوئی گمراہی کی طرف بلائے اس کے لیے بھی اتنا ہی گناہ ہے جتنا اس کی پیروی کرنے والوں پر۔ اور مجرموں کے گناہوں سے کچھ کم نہیں ہوگا۔''

مسائل

١۔ مومن ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔

٢۔ مومن وہ ہے جو نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے۔

٣۔ مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرتا ہے۔

٤۔ مومن ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مومنوں کے کردار کی ایک جھلک:

١۔ مومن ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ (التوبۃ: ٧١)

٢۔ مومنوں کے سامنے جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو جاتا ہے اور جب اللہ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے اور مومن اپنے رب پہ توکل کرتے ہیں۔ (الانفال: ٢)

٣۔ مومن ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ (الانفال: ٧٤)

٤۔ مومن نمازوں میں خشوع و خضوع اختیار کرتے ہیں۔ (المؤمنون: ١ تا ٢)

٥۔ مومن دنیا کے لاؤ لشکر کو دیکھ کر ڈرتے نہیں بلکہ وہ کہتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ سچا ہے۔ (الاحزاب: ٢٢)

٦۔ مومن اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور مشکلات و مصائب کی وجہ سے ایمان سے پھرتے نہیں۔ (الحجرات: ١٥)

وَعَدَ اللّٰهُ	الْمُؤْمِنِيْنَ	وَالْمُؤْمِنٰتِ	جَنّٰتٍ	تَجْرِيْ	مِنْ	تَحْتِهَا
وعدہ کیا اللہ نے	مومن مردوں	اور مومن عورتوں	باغات	بہتی ہیں	سے	انکے نیچے
الْاَنْهٰرُ	خٰلِدِيْنَ	فِيْهَا	وَمَسٰكِنَ	طَيِّبَةً	فِيْ	جَنّٰتِ
نہریں	وہ ہمیشہ رہیں گے	ان میں	اور اچھے مکان	پاکیزہ	میں	باغات
عَدْنٍ ؕ	وَرِضْوَانٌ	مِّنَ اللّٰهِ	اَكْبَرُ ؕ	ذٰلِكَ	هُوَ	الْفَوْزُ
ہیشگی کے	اور رضامندی	سے اللہ	سب سے بڑھ کر	یہی	وہ	کامیابی

الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾ ع

بہت بڑی

ع ۹ ۱۵

’’اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسے باغات کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور پاک، صاف رہنے کے لیے مکانات کا جو ہیشگی کے باغوں میں ہوں گی اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی نعمت ہے یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔‘‘(۷۲)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔مومنوں کا انجام اوران کا صلہ۔

مومن مرد اور عورتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا سچا اور پکا وعدہ ہے کہ انھیں ایسی جنت میں داخل فرمائے گا جس میں آبشاریں اور نہریں جاری ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ان کے لیے صاف ستھرے اور بہترین محلات ہوں گے۔ان نعمتوں کے ساتھ انھیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا ہمیشہ کے لیے سرٹیفکیٹ دیا جائے گا۔یادرکھیں کہ اللہ کی رضا تمام نعمتوں سے اعلیٰ اور بڑھ کر ہے یہی وہ عظیم کامیابی ہے۔

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم.........إِنَّ فِی الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا بَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْأَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ أُرَاهُ فَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ))

[رواہ البخاری: کتاب الجهاد والسیر، باب درجات المجاهدین فی سبیل الله]

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا.....بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں سو درجے مجاہدین کے لیے تیار کیے ہیں دو درجوں کے درمیان زمین وآسمان کے برابر فاصلہ ہے۔جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کروتو اس سے جنت الفردوس کا سوال کرو۔بلاشبہ وہ وسط اور سب سے بلند جنت ہے میں نے دیکھا کہ اس کے اوپر

اللہ تعالیٰ کا عرش ہے اور اس سے ہی جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔‘‘

((عَنْ أَبِی سَعِیدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ إِنَّ اللّٰہَ یَقُولُ لِأَہْلِ الْجَنَّۃِ یَا أَہْلَ الْجَنَّۃِ فَیَقُولُونَ لَبَّیْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَیْكَ وَالْخَیْرُ فِی یَدَیْكَ فَیَقُولُ ہَلْ رَضِیتُمْ فَیَقُولُونَ وَمَا لَنَا لَا نَرْضٰی یَا رَبِّ وَقَدْ أَعْطَیْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ فَیَقُولُ أَلَا أُعْطِیکُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ فَیَقُولُونَ یَا رَبِّ وَأَیُّ شَیْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ فَیَقُولُ أُحِلُّ عَلَیْکُمْ رِضْوَانِی فَلَا أَسْخَطُ عَلَیْکُمْ بَعْدَہٗ أَبَدًا))

[رواہ البخاری: کتاب التوحید، باب کلام الرب مع أهل الجنة]

’’حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی معظم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا اے جنت والو! وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں اور تمام بھلائی آپ ہی کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم راضی ہو؟ جنتی کہیں گے۔ ہمارے رب ہمیں کیا ہے کہ ہم راضی نہ ہوں اے اللہ تو نے ہمیں وہ کچھ دیا ہے جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں تمھیں اس سے بہتر نہ عطا کروں؟ وہ کہیں گے اے باری تعالیٰ اس سے کون سی چیز بہتر ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تم پر اپنی رضا واجب کر دی ہے آج کے بعد کبھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور عورتوں کے ساتھ جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

۲۔ مومنوں کے لیے جنت میں عمدہ رہائش گاہیں ہوں گی۔

۳۔ مومن اللہ کی رضا کے مستحق ہیں۔

تفسیر بالقرآن

مومنوں کے ساتھ اللہ کے وعدے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ باغات، نہروں، اچھی رہائش گاہوں اور اپنی رضامندی کا وعدہ فرمایا ہے۔ (التوبۃ:۷۲)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ ہمیشگی کی جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ (مریم:۶۱)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے ساتھ زمین کی خلافت کا وعدہ فرمایا ہے۔ (النور:۵۵)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے ساتھ بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ (الفتح:۲۹)

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ

اے | نبی | جہاد کیجیے | کافروں | اور منافقوں سے | اور سختی کیجیے | ان پر

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۷۳

اور ٹھکانہ ان کا | جہنم | اور بری ہے | پلٹ کر جانے کی جگہ

''اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو۔ اور ان پر سختی کرو۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ پلٹ کر جانے کی بری جگہ ہے۔'' (۷۳)

فہم القرآن

ربط کلام: منافقوں کو انتباہ کرنے کے بعد مومنوں کے اوصاف اور ان کے انعامات کا ذکر فرمایا۔ درمیان میں آٹھ آیات چھوڑ کر ایک سو دس آیات تک مسلسل منافقین کے کردار اور انجام کا ذکر ہوگا۔

مدینہ پہنچنے کے بعد نبی محترم ﷺ کو منافقین کے ساتھ واسطہ پڑا آپ آٹھ سال مسلسل انھیں سمجھاتے اور معاف کرتے رہے۔ اس کے باوجود یہ باز نہ آئے یہاں تک کہ آپ تبوک سے کامیاب واپس آئے۔ لیکن ان بدفطرت لوگوں نے تبوک کے سفر میں بھی اپنی سازشیں جاری رکھیں۔ اس کے باوجود آپ درگزر سے کام لیتے رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کا حکم آن پہنچا کہ اب پانی سر سے گزر چکا ہے۔ لہٰذا منافقین سے سختی اختیار کیجیے۔ یہاں منافقین پر سختی سے یہ مراد نہیں کہ سماجی اور معاشرتی زندگی میں ان کے ساتھ بداخلاقی یا کسی قسم کی زیادتی کی جائے۔ اسلامی معاشرے میں منافق اور مسلمان کے معاشرتی حقوق یکساں ہوتے ہیں۔ جس طرح مسلمان کی جان و مال اور عزت و آبرو محترم ہے اسی طرح ہی کافر اور منافق کی عزت و آبرو اور مال و جان محفوظ ہونے چاہییں۔ منافقین پر سختی کا حکم اسلام نے پہلے دن سے ہی جاری نہیں کر دیا تھا بلکہ انھیں مسلسل آٹھ سال موقعہ دیا کہ اپنی اصلاح کر لیں بار بار معافی دینے کے باوجود یہ لوگ اپنی منافقت میں دلیر ہوتے چلے گئے ہر جنگ میں کفار کا ساتھ دیتے مکہ فتح ہونے کے بعد رومیوں کے ساتھ ساز باز کی۔ مسلمانوں کو جنگ میں شرکت اور جہاد کے لیے صدقہ کرنے سے روکا۔ رسول محترم اور مسلمانوں کو خاکم بدہن ذلیل کیا۔ ام المومنین حضرت عائشہ ؓ پر تہمت لگائی مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی کوششیں کیں گویا کہ ان کے جرائم کی فہرست دن بدن طول پکڑتی جارہی تھی لہٰذا اب وقت آن پہنچا تھا کہ منافقین پر سختی کی جائے اس سختی سے مراد یہ ہے کہ آئندہ ایسے لوگوں کے ساتھ ایسا وطیرہ اختیار کیا جائے کہ انھیں پوری طرح احساس ہو کہ مسلمان ہماری منافقت کو اچھی طرح سمجھ چکے ہیں۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں کوئی مسلمان ان کے ساتھ ہم مشرب اور ہم مجلس ہونے کے لیے تیار نہیں تھا یہ لوگ مسلم معاشرے میں خود بخود اچھوت بن کر رہ گئے۔ اخلاقی دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں ہو سکتی آخرت میں ان کے

لیے جہنم ہوگی جو مجرموں کیلئے بدترین ٹھکانہ ہے۔

دنیا میں اس سے بڑھ کر کیا ذلت ہوسکتی ہے کہ اللہ کے رسول نے غزوۂ تبوک سے واپس آکر منافقین کی بنائی ہوئی مسجد کو جسے اللہ تعالیٰ نے مسجد ضرار قرار دیا آگ لگا کر ختم کر دیا تھا جس کی تفصیل اسی سورۃ کی، آیت: ١٠٨ میں ملاحظہ فرمائیں۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اٰیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ زَادَ مُسْلِمٌ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰی وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ ثُمَّ اتَّفَقَا اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ۔)) [مسلم]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذکر کرتے ہیں منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ (بخاری اور مسلم نے اس پر اتفاق کیا ہے) کہ (١) جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولتا ہے (٢) اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرتا ہے (٣) جب اسے امانت دی جائے تو خیانت کرتا ہے۔ مسلم نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے" چاہے روزے رکھتا اور نماز پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔"

مسائل

١۔ کفار کے خلاف جہاد کرنا چاہیے۔

٢۔ منافقین کے ساتھ بے رخی اختیار کرنا لازم ہے۔

٣۔ کفار اور منافقین کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

منافق کا انجام:

١۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے ساتھ جہاد کرنے اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (التوبۃ: ٧٣)

٢۔ منافق کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ (البقرۃ: ١٠)

٣۔ منافق جہنم کے نچلے گڑھے میں ہوں گے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ (النساء: ١٤٥)

٤۔ منافق جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت و پھٹکار پڑتی رہے گی۔ (التوبۃ: ٦٨)

٥۔ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں منافق لعنتی ہیں۔ (الاحزاب: ٦١)

٦۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کریں اور ان پر سختی کریں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (التحریم:)

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ

وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی نہیں انہوں نے کہا حالانکہ تحقیق کہا انہوں نے کلمہ

الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ

کفر اور انہوں نے کفر کیا بعد اپنے اسلام کے اور انہوں نے ارادہ کیا اسکا جو نہ وہ حاصل کر سکے

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ

اور نہیں غصہ نکالا انہوں نے مگر یہ کہ غنی کر دیا انکو اللہ اور اس کا رسول سے اپنے فضل

فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ

پھر اگر وہ توبہ کر لیں تو ہوگا بہتر ان کے لیے اور اگر وہ منہ پھیریں تو عذاب دیگا انکو

اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ

اللہ عذاب بہت دردناک میں دنیا اور آخرت اور نہیں انکے لیے

فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

میں زمین کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار

”وہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے بات نہیں کہی، حالانکہ یقیناً انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے اور اس چیز کا ارادہ کیا جو انہیں نہیں ملی اور انھوں نے اس کے سوا کسی چیز کا انتقام نہیں لیا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا، پس اگر وہ توبہ کریں تو ان کے لیے بہتر ہوگا اور اگر منہ پھیر لیں تو اللہ انہیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور زمین میں نہ ان کا کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔“ (۷۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقین کی کذب بیانی، جھوٹی قسمیں اور احسان فراموشی۔

پہلے بھی عرض کیا ہے کہ منافق اپنی منافقت کی وجہ سے اخلاقی طور پر اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے اور اسے اپنی بات پر قرار اور اعتماد نہیں ہوتا۔ اس کے جھوٹے پن کی وجہ سے لوگ بھی اس پر اعتماد نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنا اعتماد قائم کرنے کے لیے جھوٹی قسموں کا سہارا لیتا ہے۔ یہی صورت حال اللہ کے رسول کے دور میں منافقین کی تھی جب بھی ان کی منافقت کا پردہ چاک ہوتا تو وہ اللہ کے عظیم اور پاک نام کو ڈھال کے طور پر استعمال کرتے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر انہوں نے کئی بار ایسا کیا۔ جس کے لیے انھیں کہا گیا ہے تم تو وہ لوگ ہو کہ اسلام قبول کرنے کے باوجود بار بار کفر کی حرکات اور باتیں

کرتے ہو اس لیے اب تمھاری قسموں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ پھر تم وہ لوگ ہو کہ تم نے ایسے کام کا ارادہ کیا جس کو تم نہ کر سکے یہ اشارہ اس سازش کی طرف ہے جو غزوۂ تبوک سے واپسی پر دس منافقین نے اپنے چہروں پر کپڑے لپیٹ کر رات کے وقت سفر کے دوران اللہ کے رسول کو قتل کرنے کی سازش کی تھی جب آپ نے انھیں پہچان کر للکارا تو وہ لشکر میں گھس گئے آپ نے ان کے نام حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بتلاتے ہوئے فرمایا کہ راز رکھنا اور انھیں نظر انداز کر دیا جائے۔ منافقین کی سازشیں اور شرارتیں اس لیے تھیں کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان سے بار بار درگزر کیا۔ ان میں اکثر غریب اور کنگلے تھے مال غنیمت ملنے پر یہ دولت مند ہوئے جس کی وجہ سے یہ منافقت میں آگے ہی بڑھتے گئے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان کو ان کی دولت سمیت زمین میں دھنسا دیا جاتا مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنی بے پناہ شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ سب کچھ کرنے کے باوجود اگر یہ لوگ اب بھی توبہ کر لیں تو ان کے لیے میری طرف سے خیر کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔ اگر پھر بھی باز نہ آئیں تو اللہ تعالیٰ انھیں دنیا اور آخرت میں اذیت ناک عذاب میں مبتلا کرے گا اور ان کے لیے کوئی خیر خواہ اور مددگار نہیں ہوگا۔

مسائل

۱۔ منافق اپنا نفاق چھپانے کے لیے جھوٹی قسموں کا سہارا لیتے ہیں۔
۲۔ منافق ظاہری طور پر ایمان لانے کے بعد کفر کرتے ہیں۔
۳۔ منافقین نے آپ ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا جس میں وہ بری طرح ناکام ہوئے۔
۴۔ منافق بھی سچے دل سے توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔
۵۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے منہ موڑنے والوں کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ اور اس کے رسول سے منہ پھیرنے والوں کی سزا:

۱۔ دنیا اور آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا اور ان کا دنیا میں کوئی دوست اور مددگار نہیں ہوگا۔ (التوبۃ: ۷۴)
۲۔ اللہ اور اس کے رسول سے منہ پھیرنے والوں کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا اور ان کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا۔ (النساء: ۱۴)
۳۔ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ (النساء: ۱۱۵)
۴۔ قیامت کے دن مجرم اپنے ہاتھوں کو کاٹیں گے۔ (الفرقان: ۲۷)
۵۔ اللہ اور اس کے رسول کے احکام سے منہ موڑنے والے فتنے اور عذاب الیم میں مبتلا ہوں گے۔ (النور: ۶۳)
۶۔ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ (الجن: ۲۳)

وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ

اوران میں سے | جس نے | عہد کیا اللہ سے | البتہ اگر | دیا ہمیں اس نے | سے | اپنا فضل

لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۷۵ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ

ہم ضرور صدقہ کرینگے | اور ہم ضرور ہو جائیں گے | سے | صالحین | پھر جب | دیا ان کو | اپنے فضل سے

بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۷۶ فَاَعْقَبَهُمْ

انہوں نے بخل کیا اس کیساتھ | اور وہ پھر گئے | اور وہ | بے رخی کرنے والے | اس نے انہیں سزا دی

’’اوران میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر اس نے ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمایا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور ضرور نیک لوگوں سے ہو جائیں گے۔(۷۵) پھر جب اس نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا تو انہوں نے اس میں بخل کیا اور منہ موڑ گئے کیونکہ وہ بے رخی کرنے والے تھے۔(۷۶) تو اس کے نتیجے میں اس نے

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔منافقین کا صدقہ کرنے کے بارے میں فکر وعمل۔

عام طور پر انسانی فطرت ہے کہ جب آدمی عسر اور تنگدستی کی حالت میں ہوتا ہے تو اپنے رب کی بارگاہ میں بار بار التجا کرتا ہے کہ اگر مجھے تونگری عطا کر دی جائے تو میں شکر ادا کرتے ہوئے تیری راہ میں بے دریغ خرچ کروں گا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کا فضل ہو جائے تو پھر انسان کو کئی قسم کی سوچیں لاحق ہو جاتی ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بجائے یہ کہہ کر اپنی ضروریات بڑھاتا چلا جاتا ہے کہ اگر فلاں کام مکمل ہونے کے بعد میں ضرور رب کی راہ میں خرچ کروں گا۔ بالآخر وہ بخل کی زنجیر میں اس طرح جکڑا جاتا ہے کہ جس سے نکلنا اس کے لیے زندگی بھر مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی صورتحال مدینہ کے منافقین کی تھی۔

غنائم ملنے اور خوش حال ہونے سے پہلے اپنی مجالس میں بیٹھے ہوئے کہا کرتے تھے کہ قتال میں حصہ لینا تو مشکل ہے البتہ جب ہمارا ہاتھ کشادہ ہوا تو ہم بھرپور طریقے سے مجاہدین کی مدد اور غرباء کے ساتھ تعاون کریں گے۔ لیکن جوں جوں ان کے پاس مال کی فراوانی ہوتی گئی وہ کنجوس سے کنجوس تر ہوتے چلے گئے۔ اسی کیفیت کو یہاں بیان کیا گیا ہے کہ ان میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو دل اور زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے رہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے نواز دے تو ہم اس کی راہ میں ضرور صدقہ کریں گے اور اس کے صالح بندوں میں شمار ہوں گے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے انھیں کشادگی سے نوازا اور رسول کریم ﷺ نے غنیمت کے مال سے انھیں مالا مال کر دیا۔ خرچ کرنا تو درکنار وہ اپنی منافقت اور کنجوسی میں آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان جاتا کیا ہے کہ یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ

نفاق میں ان کے دلوں تک دن وہ ملیں گے اس سے بسبب جو

اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿٧٧﴾

انہوں نے خلاف ورزی کی اللہ جو وعدہ کیا انھوں نے اس سے اور بہ سبب جو وہ تھے جھوٹ بولتے

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ

کیا نہیں وہ جانتے بیشک اللہ وہ جانتا ہے انکے پوشیدہ کو اور انکی سرگوشیاں اور بیشک

اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٧٨﴾

اللہ خوب جانتا ہے غیبوں کو

ان کے دلوں میں اس دن تک نفاق رکھ دیا جس میں وہ اس سے ملیں گے، اس لیے کہ انہوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی ہے اور وہ جھوٹ بولتے ہیں۔(۷۷) کیا انہیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ان کے راز اور ان کی سرگوشیاں جانتا ہے اور بے شک اللہ غیبوں کو خوب جاننے والا ہے۔'' (۷۸)

جو پہلے اس قدر غریب تھے کہ غربت اور تنگدستی کی وجہ سے زیادہ وقت مسجد نبوی میں بسر کرتے یہاں تک کہ لوگوں نے انھیں حمامۃ المسجد کا لقب دیا یعنی مسجد میں رہنے والی کبوتری۔ایک دن وہ اللہ کے نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کرنے لگے کہ مجھے اللہ تعالیٰ مال عنایت فرمادے تو میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح دل کھول کر صدقہ کروں گا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے ثعلبہ! مال ایک آزمائش ہے اس لیے اس طرح ہی گزر بسر کرتے رہو۔لیکن اس نے اصرار کیا۔ بالآخر آپ نے اس کے حق میں دعا کی نتیجتاً اس کی بھیڑ بکریاں اور اونٹ اس قدر زیادہ ہوگئے کہ پہلے جماعت کے ساتھ نماز چھوٹی پھر جمعہ بھی مسجد نبوی میں پڑھنا مشکل ہوگیا۔زکوٰۃ کا مہینہ آیا۔اللہ کے رسول کے نمائندے زکوٰۃ کی وصولی کے لیے پہنچے تو کہنے لگا یہ ایک چٹی اور جرمانے کے سوا کچھ نہیں۔عاملین نے رسول معظم کو رپورٹ پیش کی تو آپ نے فرمایا۔ثعلبہ ہلاک ہوگیا۔جب اسے آپ کے الفاظ پہنچے تو وہ زکوٰۃ کا مال لے کر حاضر ہوا لیکن آپ نے اس کی زکوٰۃ وصول کرنے سے انکار کردیا۔اگلا سال آنے سے پہلے نبی اکرم ﷺ وفات پاگئے۔وہ اپنی زکوٰۃ خلیفہ اول کے پاس لایا۔خلیفہ نے یہ کہہ کر زکوٰۃ کی وصولی سے انکار کیا کہ جس مال کو رسول معظم ﷺ نے قبول نہیں کیا میں قبول کرنے والا کون ہوتا ہوں۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی زکوٰۃ قبول نہ کی۔صحیح تحقیق کے مطابق یہ واقعہ ثابت نہیں ہے کیونکہ حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں جو نہایت مخلص اور سچے مسلمان تھے۔اس لیے ان آیات کو منافقین پر ہی چسپاں کرنا چاہیے اور وہی ایسی حرکات کے مرتکب ہوتے تھے۔جہاں تک ان کی زکوٰۃ قبول نہ کرنے کا معاملہ ہے وہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ اعلان کردیا ہے کہ ان کے دلوں

میں ان کے مرنے تک نفاق گھر کر چکا ہے۔ اب انھیں توبہ نصیب نہیں ہوگی کیونکہ یہ اپنے رب سے بار بار عہد شکنی اور کذب بیانی کرنے والے ہیں۔ انھیں اس بات کی خبر ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جلوت وخلوت اور ان کی زندگی کے خفیہ رازوں سے پوری طرح واقف ہے۔

((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَآءٌ عِنْدَ اِسْتِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَآءٌ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُرْفَعُ لَہٗ بِقَدْرِ غَدْرِہٖ اَلَا وَلَا غَادِرَ اَعْظَمُ غَدْرًا مِّنْ اَمِیْرِ عَامَّۃٍ))[رواہ مسلم]

”حضرت ابوسعید ؓ بیان کرتے ہیں نبی مکرم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ہر عہد شکن انسان کی دُبر کے قریب جھنڈا ہوگا۔ ایک روایت میں ہے ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن جھنڈا ہوگا‘ جو اس کی عہد شکنی کے مطابق بلند کیا جائے گا۔ خبردار! سربراہِ مملکت سے بڑھ کر کسی کی عہد شکنی نہیں ہوتی۔“

مسائل

١۔ منافق اللہ تعالیٰ سے جھوٹے وعدے کرتا ہے۔

٢۔ خوشحالی ہوتے ہی منافق اللہ تعالیٰ سے کیے وعدوں کو بھول جاتے ہیں۔

٣۔ اللہ تعالیٰ پوشیدہ باتوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

٤۔ غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے:

١۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے۔(البقرۃ:٧٧)

٢۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی ہر ظاہر اور پوشیدہ چیز کو جانتا ہے۔(الانعام:٣)

٣۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدہ سرگرشیوں کو بھی جانتا ہے۔(التوبۃ:٧٨)

٤۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم چھپاتے اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔(النحل:١٩)

٥۔ اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ اللہ تعالیٰ پوشیدہ اور آہستہ کہی ہوئی بات جانتا ہے۔(طٰہٰ:٧)

٦۔ اس کتاب کو نازل کرنے والی وہ ذات ہے جو آسمانوں وزمین کے پوشیدہ رازوں سے واقف ہے۔(الفرقان:٦)

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ

وہ لوگ جو | عیب لگاتے ہیں | فراخدلی سے خیرات کرنے والے | سے مومنوں | میں صدقات | اور وہ لوگ

لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ

نہیں وہ پاتے | مگر | اپنی محنت مزدوری | پس وہ مذاق کرتے ہیں | ان سے | مذاق کریگا اللہ

مِنْهُمْ ز وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٩﴾

ان میں سے | اور انکے لیے | عذاب دردناک

”صدقات میں فراخ دلی سے حصہ لینے والے ایمانداروں پر جولوگ طعن کرتے ہیں اور لوگوں پر جو اپنی محنت کے سوا کچھ نہیں پاتے وہ انہیں مذاق کرتے ہیں اللہ ان سے مذاق کرے گا ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“(٧٩)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔منافقین نہ صرف خودزکوٰۃ اور صدقات نہیں دیتے بلکہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں پر غلط الزام لگاتے اور ان کی نیت پر شک کرتے تھے ہیں۔

اس سورۃ مبارکہ میں غزوۂ تبوک کے حوالے سے منافقین کی بری عادات کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانے کے بدبخت منافقوں کی حالت یہ تھی کہ نہ صرف اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے سے خود پیچھے رہتے بلکہ اپنی برادری کے مخلص صحابہ کی دل شکنی بھی کرتے تھے۔اللہ کے رسول ﷺ نے تبوک کے معرکہ کا ایک مہینہ پہلے سرعام اعلان فرمایا تھا۔اور لوگوں کو چوکنا کیا کہ ہم پہلی دفعہ عرب کی سرحد سے باہر اور دنیا کی منظم ترین فوج کے ساتھ ٹکر لینے کے لیے جارہے ہیں۔اس لیے ہر قسم کی تیاری کے ساتھ دفاعی فنڈ میں دل کھول کر حصہ لیجیے۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس نے اپنی طاقت سے بڑھ کر دامے درمے حصہ نہ لیا ہو۔ یہاں تک کہ ایک صحابی جن کا نام ابوعقیل رضی اللہ عنہ تھا اس نے رات بھر ایک یہودی کے ہاں مزدوری کی اور صبح اس کے بدلے ملنے والی تقریباً دو کلو کھجوریں لے کر اللہ کے نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اسے برکت کی دعا دی۔ یہ ماجرا دیکھ کر منافقین نے باہر جا کر آوازے کسے کہ اب تو ضرور سلطنت رومہ ان کے سامنے ٹھہر نہیں سکے گی۔ کیونکہ ان لوگوں نے صدقہ کے ڈھیر لگا دیے ہیں۔اس طرح انھوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جنگی تیاریوں کا تمسخر اڑادیا۔اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے غیرت میں آکر فرمایا ہے کہ یہ مسلمانوں سے مذاق نہیں کرتے درحقیقت اللہ تعالیٰ نے انھیں تمسخر کا نشانہ بنایا ہے اور اس کے لیے اذیت ناک عذاب ہوگا۔ چنانچہ مسلمان جب تبوک سے کامیاب ہوکر واپس آئے تو منافقین ذلت اور شرمندگی کی وجہ سے منہ چھپاتے پھرتے تھے۔اس طرح یہ لوگ پورے عرب کے سامنے ذلت کا نشان بن کر رہ گئے۔

((عَنْ أَبِی مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أُمِرْنَا بِالصَّدَقَةِ قَالَ كُنَّا نُحَامِلُ قَالَ فَتَصَدَّقَ أَبُو عَقِيلٍ رضی اللہ عنہ بِنِصْفِ صَاعٍ قَالَ وَجَاءَ إِنْسَانٌ بِشَيْءٍ أَكْثَرَ مِنْهُ فَقَالَ الْمُنَافِقُونَ إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنْ صَدَقَةِ هٰذَا وَمَا فَعَلَ هٰذَا الْآخَرُ إِلَّا رِيَاءً فَنَزَلَتْ الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ))

[رواه مسلم: كتاب الزكوٰة ، باب الحمل باجرة تيصدق بها]

’’حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ہمیں صدقہ کا حکم دیا گیا ہم اس وقت مزدوری کیا کرتے اور اپنے کندھوں پر بوجھ اٹھایا کرتے تھے۔ابوعقیل رضی اللہ عنہ اس مزدوری سے آدھا صاع کھجور لے کر آئے تو منافق کہنے لگے ابو عقیل کی خیرات کی بھلا اللہ کو کیا پرواتھی عبدالرحمٰن بن عوف بہت سا مال لائے تو منافق کہنے لگے کہ اس نے تو ریاکاری کے لیے بھاری مال خیرات کیا ہے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔‘‘

مسائل

١۔ منافق مومنوں کی نیت پر شک کرتے ہیں۔

٢۔ منافق مومنوں کا مذاق اُڑاتے ہیں۔

٣۔ قیامت کے دن اللہ منافقوں سے مذاق کرے گا۔

٤۔ منافقوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ اور اس کے رسول کو مذاق کرنے والوں کی سزا:

١۔ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو دردناک عذاب میں مبتلا کریں گے۔(التوبۃ:٧٩)

٢۔ اللہ تعالیٰ مذاق کرنے والوں کے لیے کافی ہے۔(الحجر:٩٥)

٣۔ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے ساتھ مذاق کرنے کی وجہ سے بہت سی قوموں کو ہلاک کردیا۔(یٰسٓ:٣١)

٤۔ اللہ تعالیٰ مذاق کرنے والوں کو ڈھیل دیتا رہا اور پھر انھیں عذاب میں مبتلا کردیا۔(الرعد:٣٢)

٥۔ اللہ کے رسولوں کے ساتھ مذاق کرنے والوں کو تمسخر کی سزا نے آگھیرا۔(الانعام:١٠)

٦۔ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رسولوں کا مذاق اڑانے والوں کی سزا جہنم ہے۔(الکھف:١٠٦)

اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ

آپ بخشش مانگیں انکے لیے یا نہ بخشش مانگیں آپ ان کے لیے اگر آپ بخشش مانگیں انکے لیے ستر

مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا

مرتبہ تو ہرگز نہیں بخشے گا اللہ انکے لیے یہ اس لیے کہ انہوں نے کفر کیا

بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۸۰﴾

اللہ کا اور اسکے رسول کا اور اللہ نہیں ہدایت دیتا قوم نافرمانوں

''ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں اگر آپ ان کے لیے ستر بار بخشش کی دعا کریں گے تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا، اس لیے کہ بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' (۸۰)

فہم القرآن

ربط کلام: منافقین پر مزید سختی اور ان کی محرومیاں۔

اس خطاب کے آغاز میں رسول محترم ﷺ کو حکم ہوا تھا کہ کفار کے خلاف جہاد کرو اور منافقین پر سختی کرو۔ اب حکم ہوتا ہے کہ یہ جو کچھ بھی کرلیں ان کے لیے بخشش کی دعا نہیں کرنا۔ اگر آپ ستر (۷۰) مرتبہ بھی ان کے لیے بخشش کی دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہرگز انھیں معاف نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں۔ ایسے نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔ اس قوم پر اللہ تعالیٰ کے غضب کی انتہا ہو جاتی ہے جس کے لیے اللہ کا رسول یہ بددعا کرے کہ اے اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت کی توفیق نہ دے۔ جس طرح نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے بارے میں عذاب کی بددعا کرتے ہوئے کہا تھا کہ اے اللہ اب کفار کا ایک شخص بھی باقی نہیں رہنا چاہیے ان میں جو بھی پیدا ہوا وہ فاسق اور کافر ہی پیدا ہوگا۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے آل فرعون کے لیے بددعا کی۔ الٰہی! ان کے مال تباہ اور دل سخت کردے اور انھیں ایمان کی توفیق نہ دے یہاں تک کہ اذیت ناک عذاب آلے۔ (یونس آیت:۸۸)

نبی کریم ﷺ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے حوصلہ والے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ مدینہ میں نو سال تک منافقین کی ہرزہ سرائی اور اذیتیں برداشت کرتے رہے۔ منافق جب بھی آپ کی خدمت میں آکر کوئی بہانہ یا معذرت کرتے آپ اسے قبول فرماتے۔ لیکن اب وہ وقت آچکا تھا کہ ان پر ہمیشہ کے لیے معافی کا دروازہ بند کردیا جائے۔ چنانچہ آپ کو حکم ہوا کہ آپ ان کے لیے ایک نہیں ستر بار معافی طلب کریں اللہ تعالیٰ پھر بھی انھیں معاف نہیں کرے گا۔ یاد رہے اس زمانے میں عربوں کے ہاں کسی بات کی اہمیت اور اس کو بڑھا کر بیان کرنے کے لیے ستر کا عدد استعمال کیا جاتا تھا۔ تاکہ سننے والے کو بات کی اہمیت یا

اس کی برائی کا احساس ہو جائے۔اس آیت کی تفسیر میں امام رازی رحمۃ اللہ نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ غزوۂ تبوک کے بعد منافقین جب پوری طرح بے نقاب ہو گئے تو ان کا سردار عبداللہ بن ابی نے اپنے گناہوں پر پردہ ڈالنے اور اپنے وقار کو بحال کرنے کے لیے نماز کے بعد کھڑا ہو کر اللہ کے رسول کی تعریف کرنے لگا ۔جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ڈانٹتے ہوئے فرمایا ’’بیٹھ جاؤ‘‘ ہمیں تیری حقیقت اچھی طرح معلوم ہو چکی ہے۔ یہ بڑبڑاتا ہوا مسجد سے باہر نکلا جس پر اس کی برادری کے مخلص مسلمانوں نے اسے سمجھایا۔ برباد کیوں ہوتے ہو جا کر اللہ کے رسول سے معافی مانگو۔اس پر چلا کر کہنے لگا کہ مجھے معافی اور کسی کی دعا کی ضرورت نہیں۔اس پر اس آیت کریمہ کا نزول ہوا۔

مسائل

١۔ منافقین کے لیے دعا کرنا اور نہ کرنا برابر ہے۔
٢۔ اللہ منافقین کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔
٣۔ منافق کے جرائم کی وجہ سے اسے ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو معاف نہیں کرے گا:

١۔ اللہ تعالیٰ منافقین کو معاف نہیں کرے گا۔(التوبۃ:٨٠)
٢۔ اللہ تعالیٰ مشرک کو معاف نہیں کرے گا ۔(النساء:٤٨)
٣۔ اللہ تعالیٰ مشرک کو معاف نہیں کرے گا ۔(النساء:١١٦)
٤۔ اللہ تعالیٰ مرتد کو معاف نہیں کرے گا ۔(النساء:١٣٧)
٥۔ اللہ تعالیٰ کفر اور ظلم کرنے والوں کو معاف نہیں کرے گا ۔(النساء:١٦٨)
٦۔ اللہ تعالیٰ منافقین کو معاف نہیں کرے گا ۔(المنافقون:٦)
٧۔ اگر آپ منافق کے لیے ستر بار بھی بخشش طلب کریں اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا۔(التوبہ:٨٠)
٨۔ آپ منافقوں کے لیے بخشش طلب کریں یا نہ کریں اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا۔(المنافقوں:٦)

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا
خوش ہوئے جو پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھ رہنے پر بعد رسول اللہ اورانہوں نے ناپسند کیا

اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا
یہ کہ وہ جہاد کریں اپنے مالوں کیساتھ اوراپنی جانوں کیساتھ میں راستہ اللہ اور کہا

لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا
تم مت نکلو میں گرمی فرمادیجیے آگ جہنم اس سے زیادہ گرم ہے اگر ہوں

يَفْقَهُوْنَ ۝ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءً ۢ بِمَا
وہ سمجھتے چاہیے کہ وہ ہنسیں تھوڑا اور روئیں زیادہ بدلہ جو

كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝
وہ ہیں وہ کماتے

"جولوگ پیچھے چھوڑ دیے گئے وہ اللہ کے رسول کے پیچھے بیٹھ رہنے پر خوش ہو گئے اور انہوں نے ناپسند کیا کہ اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کریں اور انہوں نے کہا گرمی میں مت نکلو۔ بتلا دیں کہ جہنم کی آگ اس سے بہت زیادہ گرم ہے کاش وہ سمجھتے ہوتے۔ (٨١) بس وہ کم ہنسیں اور بہت زیادہ روئیں اس کے بدلے جو وہ کماتے ہیں۔" (٨٢)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ منافقین کے لیے بخشش کی دعا کرنا اس لیے بھی جائز نہیں یہ خود جان بوجھ کر جہاد سے پیچھے رہنے والے اور لوگوں کو جہاد سے بددل کرنے والے ہیں۔

مُخلَّف کی جمع مُخَلَّفُوْنَ ہے جس کا معنی ہے وہ لوگ جنھیں ان کے عذر بہانوں اور شرارتوں کی وجہ سے پیچھے چھوڑ دیا گیا۔ منافقین کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر جہاد کے لیے نکلنے کے بجائے اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں بظاہر تو وہ اپنے آپ میں خوش ہوتے کہ ہم نے پیچھے رہنے کی باضابطہ اجازت لی ہے لیکن حقیقت یہ تھی کہ اللہ کے رسول جانتے تھے کہ یہ لوگ جھوٹے بہانے اور خود ساختہ مجبوریاں پیش کر کے جہاد سے پیچھے رہنا چاہتے ہیں اس لیے آپ انھیں بیٹھ رہنے کی اجازت دیتے تاکہ ان کی شرارتوں سے اسلامی لشکر مامون ہو جائے اور دوسری طرف لوگوں کے سامنے یہ بات آشکار ہو جائے کہ یہ لوگ اسلام کے بارے میں مخلص نہیں ہیں اس کے باوجود مال غنیمت کے لالچ اور مسلمانوں کی مخبری کرنے کے لیے کچھ منافق شریک جہاد ہو جایا کرتے تھے۔ یہاں پیچھے رہنے والوں کے لیے مُخَلَّفُوْنَ کا لفظ استعمال فرما کر واضح کیا گیا ہے کہ ان کو ان کی شرارت اور بدنیتی کی وجہ سے پیچھے چھوڑ دیا گیا ہے کیونکہ انھوں نے اپنے مال اور جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کو ناپسند کیا اور لوگوں کو یہ کہہ کر ڈرایا کہ

تبوک کا سفر طویل ہے اور شدید گرمی پڑ رہی ہے۔ جہاد کے لیے نکلنا گویا کہ اپنے آپ کو موت کے منہ میں دھکیلنا ہے۔ اس پر انھیں بتلایا گیا کہ تم دنیا کی گرمی کا بہانہ بناتے ہو ذرا اپنے مستقبل کی طرف جھانکو اور وہ وقت یاد کرو کہ جب جہنم میں تمھیں جھونکا جائے گا اس کی آگ کتنی شدید تر ہوگی کاش تم لوگ سمجھ جاؤ۔ منافق غزوۂ تبوک کی طرف نکلنے والے مسلمانوں کو یہ کہہ کر مذاق اڑاتے کہ یہ ہیں سلطنت رومہ کے فاتح جو اسے فتح کرنے کے لیے نکل رہے ہیں۔ اس پر منافقوں کو سمجھایا گیا کہ ہنسو تھوڑا اور روؤ زیادہ جو کچھ کر رہے ہو اس کی سزا پاؤ گے کیونکہ دنیا کی خوشیاں آخرت کے مقابلے میں نہایت قلیل ہیں اور جو لوگ کفر و شرک اور منافقت کی حالت میں مریں گے ان کے لیے جہنم میں رونا ہی رونا ہوگا۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أُوقِدَ عَلَی النَّارِ أَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰی احْمَرَّتْ ثُمَّ أُوقِدَ عَلَیْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰی ابْیَضَّتْ ثُمَّ أُوقِدَ عَلَیْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰی اسْوَدَّتْ فَهِیَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ))

[رواه الترمذی: کتاب صفة جهنم]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک ہزار سال تک دوزخ کی آگ کو بھڑکایا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی پھر اس کو ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا حتیٰ کہ وہ سفید ہوگئی پھر اس کو ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا حتیٰ کہ وہ سیاہ ہوگئی اب وہ سیاہ ہے۔''

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری دنیاوی آگ جہنم کی آگ کے سترویں درجے کی ہے۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی یہ ہی کافی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اس سے انہتر درجے زیادہ سخت ہے اور ہر درجہ دوسرے سے زیادہ تیز تر ہے۔'' [رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق]

مسائل

١۔ منافق کی منافقت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا کہ یہ اس کی راہ میں جہاد کرے۔

٢۔ منافقوں کو پیچھے چھوڑ دینا چاہیے۔ ٣۔ جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا زیادہ ہے۔

٤۔ انسان کو تھوڑا ہنسنا اور اللہ کے حضور زیادہ رونا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

جہنم کی آگ کی کیفیت:

١۔ جہنم کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔ (البقرۃ:٢٤) ٢۔ جہنم کی آگ بہت زیادہ گرم ہوگی۔ (التوبۃ:٨١)

٣۔ مجرم لوگ جہنم کے گرجنے برسنے کی آوازیں سنیں گے۔ (الفرقان:١٢) ٤۔ جہنم بھرنے کا نام نہیں لے گی۔ (ق:٣٠)

٥۔ جہنم کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے اور اس پر سخت گیر فرشتوں کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے۔ (التحریم:٦)

٦۔ مجرموں کو جب جہنم میں ڈالا جائے گا تو وہ اس کی گرج دار آوازیں سنیں گے۔ (الملک:٧)

٧۔ جہنم سے بڑے بڑے محلات کے برابر شعلے اٹھیں گے۔ (المرسلٰت:٣٢)

فَاِنۡ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنۡهُمۡ فَاسۡتَاۡذَنُوۡكَ لِلۡخُرُوۡجِ

پھر اگر واپس لائے آپکو اللہ طرف ایک گروہ کی ان میں سے تو وہ اجازت مانگیں نکلنے کی

فَقُلْ لَّنۡ تَخۡرُجُوۡا مَعِىَ اَبَدًا وَّلَنۡ تُقَاتِلُوۡا مَعِىَ عَدُوًّا ؕ

فرما دیجیے ہرگز نہیں تم نکلو گے میرے ساتھ کبھی اور ہرگز نہیں تم لڑو گے میرے ساتھ دشمن سے

اِنَّكُمۡ رَضِيۡتُمۡ بِالۡقُعُوۡدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقۡعُدُوۡا مَعَ الۡخٰلِفِيۡنَ ۝۸۳

بیشک تم راضی ہو گئے تم بیٹھنے کے ساتھ پہلی دفعہ سو بیٹھ رہو ساتھ پیچھے رہنے والوں کے

”پھر اگر اللہ آپ کو ان میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لے آئے وہ پھر آپ سے لڑائی کے لیے نکلنے کی اجازت مانگیں تو آپ فرما دیں تم میرے ساتھ کبھی نہیں نکل سکتے اور میرے ساتھ مل کر کبھی کسی دشمن سے نہیں لڑ سکتے بے شک تم پہلی مرتبہ بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے بس پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔“ (۸۳)

فہم القرآن

ربط کلام: منافقوں کا ذکر جاری ہے۔ منافقین کو چھوڑ جانے کی وجہ یہ بھی تھی کیونکہ وہ خود جھوٹے بہانوں کی وجہ سے جہاد سے پیچھے رہنا چاہتے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مبارکہ غزوۂ تبوک کے سفر کے دوران نازل ہوئی جس میں ایک طرف رسول اکرم ﷺ کو یہ خوشخبری سنائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب اور بامراد مدینہ واپس لائے گا اور دوسری طرف یہ ہدایت کی گئی جب آپ مدینہ تشریف لائیں تو منافقین کا ایک گروہ آپ کی خدمت میں آکر یہ کہے گا آئندہ ہمیں بھی ضرور اپنے ساتھ جہاد کے لیے لے جائیے صرف یہ ثابت کرنے کے لیے کہ تبوک کے محاذ سے حقیقی مجبوری کی وجہ سے ہم پیچھے رہے ہیں ورنہ ہم جہاد سے جی کترانے والے نہیں تھے۔ اس موقعہ پر آپ انھیں یہ جواب دیں کہ تم ایسے لوگ ہو کہ ہرگز ہمارے ساتھ نہیں نکل سکتے اور نہ ہی دشمن کے خلاف تم برسرپیکار ہونے کے لیے تیار ہو۔ زبانی جمع خرچ کے سوا تم کسی کام کے لیے تیار نہیں ہوتے کیونکہ ابتدا ہی سے میدان کارزار سے پیچھے رہنا بچوں، عورتوں اور معذور لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہنا تمھاری خواہش اور عادت ہے۔ خالفین کا لفظ بول کر منافقین کو ایک طرح عار دلائی گئی ہے کہ تم صحت مند، مال دار اور ایمان کے بلند بانگ دعوے کرنے کے باوجود معذوروں اور عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہنا پسند کرتے ہو جو ایک غیور اور مخلص مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ اس فرمان کا دوسرا مقصد

یہ ہے کہ اب کبھی تمھیں شریک جہاد نہیں کیا جائے گا۔ اس اعلان سے یہ بات بھی واضح ہورہی ہے کہ غزوۂ تبوک کے بعد اللہ کے رسول ﷺ کو اب کوئی بڑا معرکہ درپیش نہیں ہوگا کیونکہ تبوک کی طرف آپ کی پیش قدمی نے دنیا پر رعب اور دبدبہ طاری کر دیا تھا۔ اسی بناء پر آپ کا ارشاد ہے:

((عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَّمَسْجِدًا وَّأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ فَيُرْعَبُ الْعَدُوُّ وَهُوَ مِنِّي مَسِيرَةَ شَهْرٍ وَقِيلَ لِي سَلْ تُعْطَهُ وَاخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي فَهِيَ نَائِلَةٌ مِنْكُمْ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى مَنْ لَمْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا))[مسند احمد]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی محترم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ ایسی چیزیں عنایت کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں۔

١۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے ہر کالے اور گورے کے لیے رسول بنایا ہے۔

٢۔ میرے لیے ساری زمین مسجد بنادی گئی ہے۔

٣۔ میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے جبکہ مجھ سے پہلے کسی رسول کے لیے حلال نہیں تھا۔

٤۔ ایک مہینہ کی مسافت پر ہونے کے باوجود دشمن مجھ سے لرزاں رہتا ہے۔

٥۔ مجھے قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کا حق دیا جائے گا۔

مسائل

١۔ منافق جہاد سے بچنے کے لیے جھوٹے بہانے تلاش کرتا ہے۔

٢۔ منافق کو بار بار موقع دینے کے بعد ہمیشہ کے لیے مسترد کر دینا چاہیے۔

٣۔ منافق کبھی میدان کارزار کے لیے نکلنا پسند نہیں کرتا۔

٤۔ منافق عورتوں اور معذوروں کی طرح جہاد سے پیچھے بیٹھے رہنا پسند کرتا ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ

اور نہ آپ نماز پڑھیں پر کسی ایک ان میں سے جو مر جائے کبھی اور نہ کھڑے ہوں اس کی قبر

اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

بیشک وہ انہوں نے کفر کیا ساتھ اللہ اور اسکے رسول کا اور وہ مرے اور وہ نافرمان تھے

''اور ان میں سے جو کوئی مر جائے اس کا جنازہ نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا، بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور اس حال میں مرے کہ وہ نافرمان تھے۔'' (۸۴)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ دنیا میں منافق کے لیے آخری سزا۔

منافقین کو بار بار موقع دینے اور پے در پے آزمانے کے بعد مرحلہ وار سخت احکامات جاری ہوئے۔ اسی سورۃ کی آیت ۷۳ میں حکم ہوا کہ منافقین پر سختی کا وقت آ گیا ہے۔ لہٰذا ان کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیجیے۔ پھر آیت ۸۰ میں ارشاد ہوا کہ ان کے لیے دعائے مغفرت سے اجتناب فرمائیں بالفرض آپ ۷۰ مرتبہ بھی بخشش کی دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ ان کی نماز جنازہ سے روکنے سے پہلے فرمایا کہ اب ہمیشہ کے لیے انھیں شرکت جہاد سے روک دیجیے کیونکہ یہ کبھی مخلص ہو کر ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔ اب آخری حکم صادر ہوتا ہے کہ اے نبی! اگر منافقین میں سے کوئی مر جائے تو نہ اس کا جنازہ پڑھنا اور نہ ہی اس کی قبر پر تشریف لے جانا کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرنے والے اور اسی حالت میں مرنے والے ہیں۔ یہاں فسق سے مراد بھی کفر ہے اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی ابن سلول مرا تو اس کے بیٹے جن کا نام بھی عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا جو نہایت ہی مخلص، اسلام کے بارے میں خوددار، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ دل کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ محبت کرنے والا تھا۔ اس نے آکر عرض کی کہ اللہ کے رسول میرے باپ کے بارے میں آپ کو سب کچھ معلوم ہے اس کے باوجود آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس کا جنازہ پڑھائیں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے نبی اکرم ﷺ فطری طور پر نہایت ہی مہربان اور درگزر کرنے والے تھے۔ آپ نے فرمایا جب جنازہ تیار ہو تو مجھے اطلاع کرنا۔ آپ جنازہ پڑھنے کے لیے نکلے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اے اللہ کے نبی اس ظالم کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھیں ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا اس کے جواب میں رحمت عالم نے فرمایا کہ مجھے اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ اگر میں چاہوں تو ان کے لیے بخشش کی دعا کر سکتا ہوں۔ لہٰذا میں ستر مرتبہ سے زائد بھی اس کے لیے دعا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ چنانچہ آپ نے جنازہ پڑھا اور اُسے دفناتے ہوئے اس کے منہ میں اپنا لعاب مبارک ڈالا اور اپنا مبارک کرتہ اس کی لاش کے اوپر رکھا مفسرین نے لکھا ہے کہ آپ نے دو وجہ سے اس کے جسم پر اپنا کرتہ ڈالا تھا۔

ایک تو اس خواہش کے ساتھ کہ شاید اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ غزوۂ احد کے موقع پر

حضرت عباس رضی اللہ عنہ قیدیوں میں شامل تھے افراتفری میں ان کا کرتا پھٹ گیا جس کے لیے عبداللہ بن ابی ابن سلول نے اپنا کرتہ دیا تھا آپ نے اسی احسان کا بدلہ چکایا تھا۔ بعض مفسرین نے لکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا تھا کہ میرے جنازہ پڑھنے کی وجہ سے اسے کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا لیکن ایک ہزار منافق مسلمان ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہوا لیکن مجھے اس روایت کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ملا بہر صورت جب آپ جنازہ پڑھا کر واپس تشریف لائے تو یہ حکم صادر ہوا کہ آئندہ آپ کو کسی منافق کا جنازہ پڑھنے اور اس کی قبر پر کھڑا ہونے کی اجازت نہیں۔

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں جب عبداللہ بن ابی فوت ہوا اس کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے آپ سے قمیص کا مطالبہ کیا کہ اس میں اس کے والد کو کفن دیا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قمیص عنایت کر دی۔ پھر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی۔ جب رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے کو پکڑ کر عرض کی اے اللہ کے رسول! کیا آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منع کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ استغفار کریں میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ استغفار کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تو منافق ہے۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز پڑھائی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی ”آپ منافقوں میں سے کسی پر بھی نماز نہ پڑھائیں اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔“ [رواہ البخاری: کتاب تفسیر القرآن]

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا﴾ [النساء: ۱۴۵]

”بلاشبہ یہ منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور آپ ان کا کوئی مددگار نہ پائیں گے۔“

مسائل

۱۔ منافق اور بد عقیدہ شخص کی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔

۲۔ منافق بظاہر کلمہ پڑھنے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کا منکر ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مشرک اور منافق کے لیے دعا کرنا جائز نہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کی نماز جنازہ اور ان کی قبر پر کھڑے ہونے سے منع فرمایا۔ (التوبۃ: ۸۴)

۲۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے دعا کریں۔ (التوبۃ: ۱۱۳)

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کے لیے وعدے کے مطابق دعا کرتے رہے۔

۴۔ جب معلوم ہوا کہ یہ اللہ کا دشمن ہے تو پھر دعا نہیں کی۔ (التوبۃ: ۱۱۴)

وَلَا	تُعْجِبْكَ	اَمْوَالُهُمْ	وَاَوْلَادُهُمْ	اِنَّمَا	يُرِيْدُ اللّٰهُ	اَنْ
اور نہ	تعجب میں ڈالیں	ان کے مال	اور انکی اولاد	بیشک	چاہتا ہے اللہ	یہ کہ
يُّعَذِّبَهُمْ	بِهَا	فِي الدُّنْيَا	وَتَزْهَقَ	اَنْفُسُهُمْ	وَهُمْ	كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾
انکو عذاب دے	ساتھ اس کے	دنیا	اور نکلیں	ان کی جانیں	اور وہ	وہ کفر کرنے والے

''اور آپ کو ان کے اموال اور ان کی اولاد تعجب میں نہ ڈالیں اللہ چاہتا ہے کہ انہیں دنیا میں ان کے ذریعے سزا دے اور ان کی جانیں کفر کی حالت میں نکلیں۔'' (۸۵)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ منافق کے انجام میں اس کے مال اور اولاد کا کردار۔

منافقین کے مال اور اولاد پر تعجب نہ کرنے کا حکم اس سورۃ میں دوسری مرتبہ نازل ہوا ہے چند الفاظ کے اضافے کے ساتھ یہ حکم آیت ۵۵ میں گزر چکا ہے اب پھر قریب ،قریب انھی الفاظ کے ساتھ حکم ہوتا ہے کہ اے نبی! منافقین کے مال واسباب اور ان کی اولاد پر تعجب نہیں کرنا چاہیے۔ ان کی مسلسل نافرمانیوں اور دائمی منافقت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انھیں ان کے مال اور اولاد کے ساتھ دنیا میں سزا دے اور کفر کی حالت میں ہی ان کی جانیں نکل جائیں۔ یہ بات پہلے عرض ہوئی ہے کہ منافقین کے اکثر لوگ مال اور اولاد کے حوالے سے بہت سے مسلمانوں سے آگے تھے۔ لیکن انھوں نے اپنے مال سے آخرت کمانے کی بجائے جہنم خریدنا بہتر جانا۔ جہاں تک ان کی اولاد کا تعلق ہے چند کے سوا باقی اپنے بڑوں کی روش اختیار کیے ہوئے تھی۔ جن منافقوں کے بیٹے مخلص مسلمان تھے۔ ان کے باپ اپنے بیٹوں کے اخلاص پر نہایت پریشان رہتے اور انھیں اللہ کے رسول کی رفاقت اور جہاد فی سبیل اللہ سے روکتے۔ اس صورت حال کو وہ اپنے لیے ذلت سمجھتے تھے۔ گویا کہ دنیا اور آخرت میں ان کے مال اور اولاد عذاب کا باعث ثابت ہوئے۔

مسائل

١۔ محض دنیاوی مال ومتاع پر اکتفا کرنے کے بجائے آخرت کی تیاری کرنی چاہیے۔

٢۔ منافقین کے لیے دنیاوی مال عذاب کا سبب ہے۔

٣۔ کافر ومنافق مال واولاد کے فتنے میں مبتلا رہتے ہیں۔

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ

اور جب — نازل کی گئی — کوئی سورۃ — یہ کہ تم ایمان لاؤ — اللہ پر — اور جہاد کرو — ساتھ

رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَ قَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ

رسول اس کا — اجازت مانگتے آپ سے — دولت مند — ان سے — اور انہوں نے کہا — ہمیں چھوڑ دیں — ہم ہو جائیں

مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٨٦﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ

ساتھ بیٹھنے والوں — وہ راضی ہو گئے — یہ کہ — وہ ہو جائیں — ساتھ — پیچھے رہنے والوں کے — اور مہر لگا دی گئی

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨٧﴾

پر ان کے دلوں — لہٰذا وہ — نہیں — وہ سمجھتے

”اور جب کوئی سورۃ نازل کی جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو۔ ان میں سے دولت مند آپ سے اجازت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں چھوڑ دے کہ ہم بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ ہو جائیں۔(٨٦) وہ اس پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ ہو جائیں اور ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی، لہٰذا وہ نہیں سمجھتے۔“(٨٧)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کے ساتھ منافقین کا رویہ۔

منافقین کی حالت یہ تھی کہ جب بھی کوئی آیت یا سورۃ نازل ہوتی جس میں اللہ تعالیٰ پر مخلصانہ ایمان لانے کی دعوت اور رسول معظم ﷺ کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا جاتا تو یہ لوگ اس کے ساتھ سراسر انحراف کرتے اور نبی اکرم ﷺ کے پاس آ کر مختلف بہانے بنا کر کہتے کہ ہمیں بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ ہی بیٹھ رہنے کی اجازت دیجیے حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جن کے پاس کوئی نام نہاد عذر بھی نہیں تھا کیونکہ وہ صحت منداور وسائل رکھنے والے تھے۔ دراصل یہ اس بات پر خوش تھے کہ انھیں جہاد سے پیچھے رہنے والوں کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گویا کہ وہ ہر حال میں جہاد سے پیچھے رہنا پسند کرتے تھے۔ ان کی اس روش اور منافقت کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی جس کی وجہ سے ایمان خالص اور جہاد کی عظمت کو سمجھنے سے قاصر ہوئے۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِی قَلْبِهِ فَإِنْ

تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ فَإِنْ زَادَ زَادَتْ فَذٰلِكَ الرَّانُ الَّذِي ذَكَرَهُ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ)) [رواه ابن ماجة: كتاب الزهد، باب ذكر الذنوب]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا جب مومن کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ لگا دیا جاتا ہے اگر وہ توبہ کرتا ہے اس گناہ کو چھوڑ کر بخشش طلب کرتا ہے اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے اگر وہ گناہ زیادہ کرتا ہے وہ نکتہ بھی بڑھا دیا جاتا ہے یہ وہی زنگ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے۔ خبردار وہ زنگ ہے جو ان کے دلوں پر ہے اس وجہ سے جو وہ اعمال کرتے تھے۔''

﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾[المطففين:١٤]

''ہرگز یہ بات نہیں بلکہ ان لوگوں کے دلوں پر انکے برے اعمال کا زنگ لگ گیا ہے۔''

مسائل

۱۔ منافق بلاعذر جہاد سے پیچھے رہتا ہے۔

۲۔ منافق کے دل پر گمراہی کی مہر لگ جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ حقیقت سمجھنے سے قاصر ہو جاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

کن کے دلوں پر مہریں ثبت ہوتی ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر مہریں لگا دیتا ہے۔ (البقرۃ:۷)

۲۔ جھوٹوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دے گا۔ (الشوریٰ:۲۴)

۳۔ نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے والے کے دل پر مہر لگ جاتی ہے۔ (الجاثیۃ:۲۳)

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

لیکن رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے اسکے ساتھ انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں کیساتھ

وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ز وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ

اوران کی جانیں اور یہی لوگ ہیں انکے لیے ہیں بھلائیاں اور یہی لوگ ہیں وہ

الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

فلاح پانے والے تیار کیے ہیں اللہ نے انکے لیے باغات چلتی ہیں سے نیچے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾

نہریں ہمیشہ رہیں گے اس میں یہ کامیابی ہے بہت بڑی

”لیکن رسول نے اوران لوگوں نے جو اسکے ساتھ ایمان لائے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔(٨٨) اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں یہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“(٨٩)

فہم القرآن

ربط کلام: منافقین کے مقابلہ میں مخلص مسلمانوں کا کردار۔

منافق اپنے ایمان میں غیر مخلص ہونے کی وجہ سے جہاد اور نیکی کے کاموں میں پیچھے رہنا پسند کرتا ہے اس کے مقابلے میں حقیقی مسلمان ہر وقت اپنے مال اور جان کے ساتھ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کوشاں رہتا ہے یہاں تک کہ وقت آنے پر وہ اپنا مال اور جان اللہ کی راہ میں قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ ان لوگوں کے لیے دنیا میں خیر ہی خیر ہے اور آخرت میں فلاح اور کامیابی پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ حقیقت میں یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ یہاں تک کہ نبی معظم ﷺ کی ذات کا معاملہ، آپ نیکی کے معاملہ میں سب سے آگے اور جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں سب سے زیادہ ولولہ رکھتے تھے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا أُصِيبَ إِخْوَانُكُمْ بِأُحُدٍ جَعَلَ اللّٰهُ أَرْوَاحَهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ تَرِدُ أَنْهَارَ الْجَنَّةِ تَأْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا وَتَأْوِي إِلَى قَنَادِيلَ مِنْ ذَهَبٍ مُعَلَّقَةٍ فِي ظِلِّ الْعَرْشِ فَلَمَّا وَجَدُوا طِيبَ مَأْكَلِهِمْ وَمَشْرَبِهِمْ وَمَقِيلِهِمْ قَالُوا مَنْ يُبَلِّغُ إِخْوَانَنَا عَنَّا أَنَّا أَحْيَاءٌ فِي الْجَنَّةِ نُرْزَقُ لِئَلَّا يَزْهَدُوا فِي الْجِهَادِ وَلَا يَنْكُلُوا عِنْدَ الْحَرْبِ فَقَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ أَنَا أُبَلِّغُهُمْ عَنْكُمْ قَالَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ))

[رواہ ابوداؤد: کتاب الجہاد، باب فی فضل الشہادۃ]

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمھارے بھائی احد کے دن شہید کیے گئے تو اللہ نے ان کی روحوں کو سبز چڑیوں کے پیٹوں میں رکھ دیا وہ بہشت کی نہروں پر پھرتی ہیں اور اس کے میوے کھاتی ہیں اور عرش کے سایہ میں سونے کی قندیلوں میں بسیرا اور ٹھکانہ کرتی ہیں جب ان کی روحوں کو کھانے، پینے اور سونے کی خوشی حاصل ہوئی، تو کہا کون ہے جو ہماری طرف سے ہمارے بھائیوں کو یہ خبر پہنچادے کہ ہم بہشت میں زندہ ہیں اور کھانا کھاتے ہیں تاکہ وہ بھی بہشت کے حاصل کرنے میں بے رغبتی نہ کریں اور قتال کے وقت سستی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمھاری خبر میں پہنچاؤں گا پس نازل کی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھانا کھلائے جاتے ہیں۔''

جنت کے درخت کا طول وعرض:

((عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ فِی الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِی ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَقْطَعُهَا)) [رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی صفة الجنة]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں ایک سو سال تک سوار چلتا رہے تب بھی وہ سایہ ختم نہیں ہوگا۔''

مسائل

١۔ اللہ کی راہ میں اپنے مال وجان کے ساتھ جہاد کرنے والے دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوں گے۔

٢۔ مجاہدین کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت تیار کر رکھی ہے جس میں نہریں جاری ہیں۔

٣۔ جسے جنت عطا کردی گئی اس نے عظیم کامیابی حاصل کی۔

تفسیر بالقرآن

عظیم کامیابی کیا ہے:

١۔ اللہ تعالیٰ کا مومنین کو ہمیشگی والی جنت میں داخل فرمائے گا۔ (التوبۃ: ٨٩)

٢۔ اللہ تعالیٰ کا مومنین کو باغات عطا کرنا اور اپنی رضامندی کا سرٹیفکیٹ عطا فرمانا۔ (التوبۃ: ٧٢)

٣۔ اللہ تعالیٰ کا مومنین کے ساتھ ان کی جانوں اور مالوں کے بدلے جنت کا سودا فرمانا۔ (التوبۃ: ١١١)

٤۔ اللہ تعالیٰ پہ ایمان لانا اور اسی سے ڈرنا اور اللہ تعالیٰ کا انھیں بشارت سے نوازنا۔ (یونس: ٦٣ تا ٦٤)

٥۔ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی سے برائی سے بچ جانا۔ (المؤمن: ٩)

٦۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے گناہ معاف کرنا اور ہمیشہ رہنے والے باغات اور رہائش گاہوں کا وعدہ فرمانا۔ (الصف: ١٢)

وَجَآءَ	الْمُعَذِّرُوْنَ	مِنَ	الْاَعْرَابِ	لِيُؤْذَنَ	لَهُمْ	وَقَعَدَ
اور آئے	بہانہ بنانے والے	سے	دیہاتیوں	کہ اجازت دی جائے	ان کو	اور بیٹھ گئے

الَّذِيْنَ	كَذَبُوا	اللّٰهَ	وَرَسُوْلَهٗ ؕ	سَيُصِيْبُ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا
وہ لوگ	جنہوں نے جھٹلایا	اللہ	اور اسکے رسول کو	عنقریب پہنچے گا	ان لوگوں کو	جنہوں نے کفر کیا

مِنْهُمْ	عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾
ان میں سے	عذاب دردناک

''اور دیہاتیوں میں سے کئی بہانے بنانے والے آئے تاکہ انہیں اجازت دی جائے اور وہ لوگ بیٹھ رہے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا جلد ہی انہیں دردناک عذاب ہوگا۔'' (۹۰)

فہم القرآن

ربط کلام: مدینہ کے منافقین کے بعد دیہاتی منافقین کا ذکر۔

مدینہ کے منافقین کی دیکھا دیکھی دیہات کے منافقین نے بھی جہاد فی سبیل اللہ سے جان چھڑانے کی پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر بہانے پیش کرتے آپ ان کے اطوار دیکھ کر ان سے صرف نظر فرماتے منافقین میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ وہ اللہ کے رسول کے پاس حاضر ہو کر کوئی عذر پیش کرتے یا اتنے کڑے وقت میں پیچھے بیٹھے رہنے سے اجتناب کرتے۔ لیکن انھوں نے دونوں میں سے کوئی ایک کام بھی نہ کیا۔ اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے والے تھے جنھیں کافر قرار دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ انھیں اذیت ناک عذاب پہنچے گا مُعذّرُوْن کا واحد مُعذِّرُ ہے جس سے مراد ایسا شخص جس کے پاس کوئی حقیقی عذر نہ ہو اس کے باوجود وہ عذر پیش کرے۔ نیکی کے معاملہ میں جھوٹا عذر پیش کرنے والا مجرم ہوتا ہے لہٰذا مجرموں کو اذیت ناک عذاب دیا جائے گا۔

((عَن ابنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قال لَمَّا مرَّ النَّبیُّ ﷺ بالْحِجر قَالَ لا تدْخُلُوا مساكِنَ الَّذِين ظَلمُوا أَنْفُسهُمْ أَنْ يُصِيبكُمْ مَا أَصَابَهُمْ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا باكِينَ ثُمَّ قنَّع رَأْسَهُ وَأَسْرَعَ السَّيْرَ حَتَّى أَجازَ الْوادى))

[رواه البخاری، کتاب المغازی، باب نزول النبی الحجر]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ حجر کے مقام سے گزرے آپ نے فرمایا ان لوگوں کے مقام سے نہ گزرا کرو جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا کہیں تم پر وہ آفت نہ آن پڑے۔ جو ان پر آن پڑی تھی۔ اگر گزرنا ناگزیر ہو تو روتے ہوئے گزرا کرو پھر آپ نے اپنا سر جھکایا اور سواری کو تیز چلایا یہاں تک کہ اس وادی سے گزر گئے۔''

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ

نہیں پر کمزوروں اور نہ پر بیماروں اور نہ پر وہ لوگ جو

لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

نہیں پاتے جو وہ خرچ کریں کوئی حرج جب وہ خیر خواہی کریں اللہ کیلئے اور اسکا رسول

مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾

نہیں پر نیکی کرنے والے کوئی راستہ اور اللہ بخشنے والا رحم والا ہے

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ

اور نہ پر ان لوگوں جب جو آئیں آپکے پاس کہ آپ انہیں سواری دیں

قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ

آپ نے فرمایا نہیں میں پاتا جو میں سوار کروں تمہیں اس پر تو وہ پلٹے آنکھیں ان کی

تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾

بہتی تھیں سے آنسو سے غم یہ کہ نہیں وہ پاتے جو وہ خرچ کریں

”کوئی حرج نہیں کمزوروں پر، نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جو خرچ کرنے کے لیے کوئی چیز نہیں پاتے جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے مخلص ہوں نیکی کرنے والوں پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں اور اللہ بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔“(۹۱) ”اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے جو آپ کے پاس آئے ہیں تاکہ تو انہیں سواری دے تو آپ نے کہا کہ میں کوئی چیز نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کروں تو وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں اس غم سے کہ وہ خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں پاتے۔“(۹۲)

فہم القرآن

ربط کلام: جھوٹے عذر پیش کرنے والوں کے لیے اذیت ناک عذاب ہے اور حقیقی عذر رکھنے والوں پر کوئی گناہ نہیں۔

بعض حالات میں ہر مسلمان پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے تبوک کا جہاد بھی فرض عین ہو چکا تھا۔ جہاد فرض عین ہونے کے باوجود چار قسم کے لوگوں کو جہاد سے رخصت دی گئی ہے۔

۱۔ ایسا کمزور جو بڑھاپا، صغرسنی یا کسی جسمانی کمزوری کی وجہ سے جہاد میں شرکت کرنے سے قاصر ہو۔

۲۔ وہ شخص جو دائمی مرض یا وقتی بیماری کی وجہ سے جہاد میں شامل نہ ہو سکے۔

۳۔ جہاد مال اور جان کے ساتھ کرنا فرض ہے اگر کوئی غربت کی وجہ سے دفاعی فنڈ میں حصہ نہیں لے سکتا تو اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔

۴۔ جو شخص سواری نہ ہونے کی وجہ سے میدان کارزار میں نہیں پہنچ سکتا، باوجود اس کے کہ اس کے پاس کوئی اور عذر نہیں

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ

بیشک راستہ پر وہ لوگ جو آپ سے اجازت مانگتے ہیں اور وہ مالدار ہیں راضی ہو گئے وہ کہ

يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

وہ ہو جائیں ساتھ پیچھے رہنے والے اور مہر لگا دی اللہ نے پر ان کے دل چنانچہ وہ نہیں جانتے

''گناہ تو ان لوگوں پر ہے جو آپ سے اجازت مانگتے ہیں، حالانکہ وہ دولت مند ہیں وہ اس بات پر راضی ہو گئے ہیں کہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ ہو جائیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی سو وہ نہیں جانتے۔'' (۹۳)

اسے مجبور سمجھ کر معاف کر دیا گیا ہے کیونکہ محاذ جنگ دور ہونے کی وجہ سے وہ اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر کچھ مخلص مسلمان ایسے بھی تھے جن کے پاس ۳۰۰ میل طویل سفر کرنے کے لیے سواری نہیں تھی وہ آپ کی خدمت میں آ کر عرض کرتے کہ اے اللہ کے رسول ہماری جان حاضر ہے مگر محاذ پر پہنچنے کے لیے ہم سواری نہیں رکھتے۔ لہٰذا ہمارے لیے سواری کا بندوبست فرمائیں آپ نے فرمایا کہ ہمارے پاس مزید سواریوں کا انتظام نہیں ہے جواب سن کر یہ لوگ زاروقطار روتے ہوئے واپس ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا اخلاص اس قدر پسند آیا کہ رہتی دنیا تک ان کے اخلاص کو خراج تحسین عطا فرمایا اور ایسے لوگوں کی ڈھارس بندھاتے ہوئے فرمایا کہ جو شرعی عذر کی بنا پر جہاد میں شرکت نہ کر سکیں ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ایک دفعہ پھر ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو مال دار اور وسائل رکھنے کے باوجود جہاد سے جی چراتے ہیں اور پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھ رہنے پر راضی ہیں درحقیقت اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹے بہانوں اور منافقت کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر ثبت کر دی ہے اب یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھنے کے شعور سے محروم ہو چکے ہیں۔

معذور مخلصین کا مقام:

((عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي غَزَاةٍ فَقَالَ إِنَّ بِالْمَدِينَةِ لَرِجَالًا مَا سِرْتُمْ مَسِيرًا وَلَا قَطَعْتُمْ وَادِيًا إِلَّا كَانُوا مَعَكُمْ حَبَسَهُمُ الْمَرَضُ)) [رواہ مسلم : کتاب الامارۃ باب ثواب من حبسه عن النفر مرض اور عذر]

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم ایک غزوہ میں رسول معظم ﷺ کے ساتھ تھے آپ نے فرمایا بلاشبہ مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں وہ تمھارے ساتھ تھے جہاں تم لوگوں نے قیام کیا یا کسی وادی کو عبور کیا وہ مدینے میں اپنی بیماری کی وجہ سے ٹھہرے رہے۔''

اس فرمان میں نبی علیہ السلام نے ان لوگوں کو غزوہ تبوک میں شریک تصور کیا ہے جو بیماری یا سواریاں نہ ہونے کی وجہ سے اس غزوہ میں عملاً شریک نہیں ہو سکے تھے بے شک وہ شریک سفر نہ تھے لیکن ان کے جذبات اور دعائیں ہمہ وقت مسلمانوں کی کامیابی کے لیے وقف تھیں۔ اس لیے آپ نے انہیں شریک ثواب گردانا ہے۔ غزوہ تبوک میں سواریوں کی قلت کا یہ عالم تھا کہ ایک اونٹ پر کئی کئی صحابہ سوار ہوتے اس کے باوجود انہوں نے باریاں مقرر کر رکھی تھیں جس بنا پر کچھ لوگ اپنی باری پر پیدل چلنے پر مجبور تھے۔

((عَنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ قَالَ أَرْسَلَنِي أَصْحَابِي إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَسْأَلُهُ الْحُمْلَانَ لَهُمْ، إِذْ هُمْ مَعَهُ فِي جَيْشِ الْعُسْرَةِ وَهِيَ غَزْوَةُ تَبُوكَ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ، إِنَّ أَصْحَابِي أَرْسَلُونِي إِلَيْكَ لِتَحْمِلَهُمْ فَقَالَ وَاللَّهِ لَا

أَحْمِلُكُمْ عَلَى شَيْءٍ وَوَافَقْتُهُ ، وَهُوَ غَضْبَانُ وَلَا أَشْعُرُ ، وَرَجَعْتُ حَزِينًا مِنْ مَنْعِ النَّبِيِّ ﷺ وَمِنْ مَخَافَةِ أَنْ يَكُونَ النَّبِيُّ ﷺ وَجَدَ فِي نَفْسِهِ عَلَيَّ ، فَرَجَعْتُ إِلَى أَصْحَابِي فَأَخْبَرْتُهُمُ الَّذِي قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَلَمْ أَلْبَثْ إِلَّا سُوَيْعَةً إِذْ سَمِعْتُ بِلَالًا يُنَادِي أَيْ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ قَيْسٍ فَأَجَبْتُهُ ، فَقَالَ أَجِبْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَدْعُوكَ ، فَلَمَّا أَتَيْتُهُ ، قَالَ خُذْ هَذَيْنِ الْقَرِينَيْنِ وَهَذَيْنِ الْقَرِينَيْنِ لِسِتَّةِ أَبْعِرَةٍ ابْتَاعَهُنَّ حِينَئِذٍ مِنْ سَعْدٍ فَانْطَلِقْ بِهِنَّ إِلَى أَصْحَابِكَ فَقُلْ إِنَّ اللَّهَ أَوْ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَحْمِلُكُمْ عَلَى هَؤُلَاءِ فَارْكَبُوهُنَّ فَانْطَلَقْتُ إِلَيْهِمْ بِهِنَّ ، فَقُلْتُ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ يَحْمِلُكُمْ عَلَى هَؤُلَاءِ وَلَكِنِّي وَاللَّهِ لَا أَدَعُكُمْ حَتَّى يَنْطَلِقَ مَعِي بَعْضُكُمْ إِلَى مَنْ سَمِعَ مَقَالَةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَا تَظُنُّوا أَنِّي حَدَّثْتُكُمْ شَيْئًا لَمْ يَقُلْهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالُوا لِي إِنَّكَ عِنْدَنَا لَمُصَدَّقٌ ، وَلَنَفْعَلَنَّ مَا أَحْبَبْتَ فَانْطَلَقَ أَبُو مُوسَى بِنَفَرٍ مِنْهُمْ حَتَّى أَتَوُا الَّذِينَ سَمِعُوا قَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَنْعَهُ إِيَّاهُمْ ، ثُمَّ إِعْطَاءَهُمْ بَعْدُ))[رواه البخاری:باب غَزْوَةُ تَبُوكَ ، وَهِيَ غَزْوَةُ الْعُسْرَةِ]

’’حضرت ابی موسیٰ ؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے ساتھیوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا تاکہ میں آپ سے سواریوں کا مطالبہ کروں تاکہ وہ آپ کے ساتھ جنگ تبوک میں شریک ہوسکیں۔ میں نے عرض کی اللہ کے نبی مجھے میرے ساتھیوں نے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکے آپ ہمارے لیے سواریوں کا انتظام فرمائیں۔ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم میں تمہیں سواری نہیں دونگا میں نے آپ کو غصے کے عالم میں پایا۔ میں آپ کی کیفیت نہ سمجھ سکا۔ میں نبی کریم ﷺ کی ناراضگی اور نہ دینے کی وجہ سے پریشان لوٹا اور اپنے ساتھیوں کو صورتحال سے آگاہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔ میں تھوڑی ہی دیر ٹھہرا تھا کہ میں نے بلال کی آواز کو سنا وہ آوازیں دے رہا تھا اے عبداللہ بن قیس میں نے بلال کو جواب دیا اس نے کہا رسول اللہ ﷺ کا پیغام ہے کہ آپ کی بات سنیں۔ جب میں آپ کے پاس آیا تو آپ نے مجھے چھ اونٹ دیتے ہوئے فرمایا یہ سواریاں لے جا میں نے یہ ابھی سعد سے خریدی ہیں۔ جا کر اپنے ساتھیوں سے کہو کہ اللہ کے رسول نے یہ سواریاں دی ہیں۔ میں نے وہاں موجود صحابہ سے کہا اللہ کی قسم میں تب تلک یہاں سے نہیں جاؤنگا جب تک یہاں بیٹھنے والوں میں سے کوئی جا کر نہ کہ دے جس نے رسول اللہ ﷺ کی بات کو سنا ہے تاکہ میرے ساتھی یہ تصور نہ کریں کہ میں ایسی بات کر رہا ہوں جو آپ ﷺ نے نہیں فرمائی انہوں نے کہا ہم تیری بات کی تصدیق کرتے ہیں تو حضرت ابوموسیٰ ان لوگوں کو ساتھ لیکر آیا جنہوں نے آپ کی بات کو سنا تھا کہ آپ نے پہلے انکار کیا اس کے بعد سواریاں عطا کردیں۔‘‘

مسائل

١۔ کمزوروں، مریضوں اور سواری نہ پانے والوں پر جہاد میں عدم شرکت پر کوئی گناہ نہیں۔

٢۔ غربت کی بنا پر جہاد میں چندہ نہ دینے والے پر کوئی گناہ نہیں۔

٣۔ شرعی عذر کے بغیر جہاد فرض ہونے کے باوجود جو لوگ شرکت نہیں کرتے ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ مہر ثبت کر دیتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام

۱۔قرآن مجید نے پوری وضاحت اور دوٹوک الفاظ میں کئی ایک مقام پر بتایا ہے کہ انسان کی ابتدا خالص انسانی تخلیق سے ہوئی ہے۔انسان کی افزائش کا کسی غیر انسانی وجود سے قطعاً کوئی تعلق نہیں لہٰذا انسان روزِ اوّل ہی سے انسان بنایا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو کامل انسانی شعور کے ساتھ پیدا فرما کر خلیفہ فی الارض کے منصب پر فائز فرمایا۔ڈارون کا بندر سے انسان ہونے کا نظریہ ارتقاء ایک فضول خیال ہونے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

۲۔حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ قرآن مجید کی گیارہ سورتوں میں آیا ہے آپ کا اسم گرامی پچیس مرتبہ آیا ہے اور ہر مرتبہ کسی نہ کسی خاص عنوان کے حوالے سے لایا گیا ہے۔

۱۔	البقرۃ:	آیات ۳۱، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۷	۲۔	آل عمران: آیات،	۳۳، ۵۹
۳۔	المائدہ:	۲۷	۴۔	الاعراف:	۱۱، ۱۹، ۲۶، ۲۷، ۳۱، ۳۵، ۱۷۲
۵۔	الاسراء:	۶۱، ۷۰	۶۔	الکہف:	۵۰
۷۔	مریم:	۵۸	۸۔	طٰہٰ:	۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۲۱
۹۔	یٰسٓ:	۶۰	۱۰۔	حجر:	۲۶، ۳۳
۱۱۔	صٓ:	۷۱ تا ۷۴			

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی قدرت کاملہ سے سخت اور کھنکھنانے والی مٹی سے پیدا فرمایا اس کے لیے قرآن مجید میں تین الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

صَلْصَالٌ : سوکھا گارہ   بجنے والا   حَمَأ: خمیر شدہ   سیاہ کیچڑ

مَسْنُون: تغیر پسند چکنا   بودار

متضاد الصفات مٹی سے آدم علیہ السلام کا خوبصورت پتلا بنایا پھر اس میں روح پھونکی، سورۂ حجر میں ان اوصاف کا یوں ذکر فرمایا ہے۔

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ﴾[حجر : ۲۸]

''اور یاد کرو اُس موقع کو جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں خمیر شدہ مٹی کے سوکھے بودار گارے سے ایک بشر پیدا کر رہا ہوں۔''

گارے کا خوب خمیر بنایا گیا تا آنکہ اس میں بو آنے لگی پھر وہ خشک ہو گیا اور خشک ہونے سے کھن کھن بولنے لگا، جیسے کہ مٹی کا برتن ٹھونک مارنے سے آواز دیتا ہے پھر اُس خشک گارے سے آدم کا پُتلا بنایا گیا۔حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کی حقیقت جس طرح قرآن حکیم نے بیان کی ہے یہ نوعِ انسانی کی تاریخ کا ایسا واقعہ ہے جس کا حوالہ آسمانی کتب بالخصوص قرآن مجید کے سوا کہیں سے نہیں مل سکتا۔

﴿إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِينٍ ٥ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ٥

فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ o إِلَّا إِبْلِيسَ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ﴾ [ص : ۷۱ تا ۷۴]

''اور وہ وقت یاد کرو جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔'' جب میں اس کو مکمل کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تمام ملائکہ اُس کے سامنے سربسجود ہو جائیں۔ سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے تکبر کیا کیونکہ وہ کافروں میں تھا۔

﴿وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ o وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ o قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ o قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ o وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَo وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَ کَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَo وَ قُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُکَ الْجَنَّةَ وَ کُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَoفَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا کَانَا فِیْهِ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَ لَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ oفَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ o قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ [البقرة: ۳۰ تا ۳۸]

''اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا۔ کیا آپ زمین میں ایسا نائب بنائیں گے جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔ جبکہ ہم حمد وثناء کے ساتھ تیری تسبیح وتقدیس بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھا دیئے۔ پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا (اگر تمہارا خیال صحیح ہے کہ کسی خلیفہ کے تقرر سے انتظام بگڑ جائے گا، تو ذرا) ان چیزوں کے نام بتاؤ؟ فرشتوں نے عرض کیا کیا عیب سے پاک تو آپ کی ہی ذات ہے ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہم کو دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ سب کچھ جاننے والا اور سمجھنے والا آپ کے سوا اور کوئی نہیں۔ اللہ نے آدم سے کہا اے آدم! تم انہیں ان چیزوں کے نام بتاؤ؟ جب آدم نے اُن سب کے نام بتا دیئے تو اللہ نے فرمایا اے فرشتو میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی ساری حقیقتیں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وہ بھی مجھے معلوم ہیں اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اُسے بھی میں جانتا ہوں۔ اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا اس نے انکار اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔ اور ہم نے فرمایا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو کھلا کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم دونوں ظالموں میں شمار ہو گے۔ لیکن شیطان نے ان کو پھسلا کر وہاں سے نکلوا دیا اور ہم نے فرمایا کہ اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور ایک وقت مقرر تک تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔ آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ ہم نے حکم

دیا تم سب یہاں سے اتر جاؤ جب تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے،تو جنہوں نے میری ہدایت کی تابعداری کی تو ان پر کوئی خوف وغم نہیں ہوگا۔''

ا۔تاریخ پیدائش: آدم علیہ السلام

یہ بات واضح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا وجود گرامی ما قبل تاریخ کا واقعہ ہے اس لیے تاریخ کی روشنی میں اس مسئلہ پر غور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، البتہ تحقیق جدید کی بنیاد پر قیاس وتخمین سے کام لیا جا سکتا ہے چنانچہ طبقات الارض کے ماہرین نے اپنے اندازے سے چند ایک قیاس قائم کیے ہیں لیکن ان پر نہ کوئی رائے قائم کی جا سکتی ہے اور نہ کسی کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔

زمین وآسمان کو بنانے اور سجانے کے بعد کائنات کی اعلیٰ ترین مخلوق ملائکہ کے پُرشکوہ اجتماع میں پورے جلال وکمال کے ساتھ ربِ کائنات نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور خلافت کا اعلان فرمایا۔اللہ اللہ کیا احترام ومقام ہے جنابِ آدم علیہ السلام کا! اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔اس کو بہترین سانچے میں استوار فرمایا۔اپنی روح کو اس میں القاء کیا اور پھر خلافت کے منصب پر فائز فرما کر اعلیٰ ترین مخلوق سے سجدہ کروایا اور زمین وآسمان کی ہر چیز کو اس کی خدمت پر لگا دیا۔

آدم وحوا علیہما السلام کے اسمائے گرامی

آدم اور حوا کے حقیقی معنی متعین کرنا مشکل ہے تاہم بعض اہل علم نے آدم کا لفظ ''ادیم الارض'' سے لیا ہے۔ادیم الارض کا معنی صفحہ زمین کے ہیں یعنی جو جسم مٹی سے تیار کیا گیا ہو۔چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا اس لیے ان کا نام آدم علیہ السلام نام رکھا گیا۔

''حوا'حیّ سے لیا گیا ہے۔حیّ کے معنی زندہ شخصیت کے ہیں۔چونکہ وہ ہر حیّ کی ماں ہیں اس لیے اُن کا نام حواء ہو گیا۔واللہ اعلم

سورۂ نساء کی پہلی آیت میں حضرت حوا کا ذکر ان الفاظ میں پایا جاتا ہے ﴿وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ اور حوا کو آدم سے پیدا کیا۔

مفسرین نے کسی حوالہ کے بغیر لکھا کہ آدم علیہ السلام جنت میں سو رہے تھے بیدار ہوئے تو پہلو میں حوا کو بیٹھا ہوا پایا فطرت خود بخود اس کی طرف مائل ہو گئی اس طرح دونوں میں اُنس پیدا ہو گیا۔

((وَعَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَمَّاصَوَّرَ اللّٰهُ اٰدَمَ فِي الْجَنَّةِ تَرَكَهُ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَتْرُكَهُ فَجَعَلَ اِبْلِيْسُ يُطِيْفُ بِهٖ يَنْظُرُ مَا هُوَفَلَمَّارَاٰهُ اَجْوَفَ عَرَفَ اَنَّهٗ خُلِقَ خَلْقًا لَايَتَمَالَكُ)) [رواہ مسلم:باب خُلِقَ الإِنْسَانُ خَلْقًا لا يَتَمَالَكُ]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی جنت میں شکل وصورت بنائی اس پیکر کو جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا جنت میں اسی طرح رہنے دیا ابلیس اس کے گرد گھوما اور غور کرتا رہا کہ یہ کیا ہے؟ جب اس نے مجسمہ کو دیکھا کہ یہ اندر سے کھوکھلا ہے' تو سمجھ گیا کہ یہ ایسی مخلوق تخلیق کی جا رہی ہے' جو مستقل مزاج نہیں ہوگی۔''

حضرت آدم علیہ السلام کی قد وقامت:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ ، طُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا)) [رواہ البخاری :باب بدء السلام]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس کی صورت کے مطابق بنایا، اس کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔''

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم خَیْرُ یَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ یَوْمُ الْجُمُعَةِ فِیْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِیْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ))

[رواہ مسلم: باب فَضْلِ یَوْمِ الْجُمُعَةِ]

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بیان کرتے ہیں کہ ایام میں سب سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے اس دن آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اسی دن ان کو جنت میں داخلہ ملا اور جمعہ کو ہی ان کا جنت سے اخراج ہوا۔ اور اسی دن ہی قیامت برپا ہوگی۔''

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ مَسَحَ ظَهْرَهُ فَسَقَطَ مِنْ ظَهْرِهِ كُلُّ نَسَمَةٍ هُوَ خَالِقُهَا مِنْ ذُرِّیَّتِهِ إِلَى یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَجَعَلَ بَیْنَ عَیْنَیْ كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ وَبِیصًا مِنْ نُورٍ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى آدَمَ فَقَالَ أَیْ رَبِّ مَنْ هَؤُلَاءِ قَالَ هَؤُلَاءِ ذُرِّیَّتُكَ فَرَأَى رَجُلًا مِنْهُمْ فَأَعْجَبَهُ وَبِیصُ مَا بَیْنَ عَیْنَیْهِ فَقَالَ أَیْ رَبِّ مَنْ هَذَا فَقَالَ هَذَا رَجُلٌ مِنْ آخِرِ الْأُمَمِ مِنْ ذُرِّیَّتِكَ یُقَالُ لَهُ دَاوُدُ فَقَالَ رَبِّ كَمْ جَعَلْتَ عُمْرَهُ قَالَ سِتِّینَ سَنَةً قَالَ أَیْ رَبِّ زِدْهُ مِنْ عُمْرِی أَرْبَعِینَ سَنَةً فَلَمَّا انْقَضَى عُمْرُ آدَمَ جَاءَهُ مَلَكُ الْمَوْتِ فَقَالَ أَوَلَمْ یَبْقَ مِنْ عُمْرِی أَرْبَعُونَ سَنَةً قَالَ أَوَلَمْ تُعْطِهَا ابْنَكَ دَاوُدَ قَالَ فَجَحَدَ آدَمُ فَجَحَدَتْ ذُرِّیَّتُهُ وَنَسِیَ آدَمُ فَنَسِیَتْ ذُرِّیَّتُهُ وَخَطِئَ آدَمُ فَخَطِئَتْ ذُرِّیَّتُهُ))

[رواہ الترمذی: باب وَمِنْ سُورَةِ الْأَعْرَافِ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو آدم علیہ السلام کی پشت پر ہاتھ پھیرا آدم علیہ السلام کی پشت سے اُس کی اولاد میں سے ہر وہ ذی روح پیدا ہوا جس کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک پیدا کرنا ہے ہر انسان کی آنکھوں کے درمیان روشنی تھی، آدم علیہ السلام کی پوری اولاد آدم علیہ السلام کے سامنے پیش فرمایا حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی کہ میرے رب یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تیری اولاد ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اُن میں سے ایک آدمی کو دیکھا جس کے آنکھوں کی روشنی آپ کو بہت پسند آئی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی میرے رب! یہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تیرا بیٹا داؤد ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی میرے رب آپ نے اس کی عمر کتنی مقرر فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ساٹھ سال حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب میری عمر سے چالیس سال اس کو عطا کر فرما دے۔ جب آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہوئی اور اُن کے پاس ملک الموت آیا تو اُنہوں نے کہا کہ کیا میری عمر ابھی چالیس سال باقی نہیں ہے؟ فرشتہ نے کہا کہ کیا آپ نے چالیس سال اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دے دیے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا اُس کی اولاد بھی انکار کرے گی۔ آدم علیہ السلام بھول گئے اس نے درخت کا پھل کھا لیا اُس کی اولاد بھولتی رہے گی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے خطا کی اس کی اولاد بھی خطا کرے گی۔''

ابوہریرہ شریعہ کالج میں داخلہ لیجیے

حضرات آپ یقیناً واقف ہوں گے کہ ملک میں یہ واحد ادارہ ہے جس میں 1997ء سے درسِ نظامی کے ساتھ لازمی (Compulsary) ایف۔اے، بی۔اے کروایا جاتا ہے۔اب تک جو بیک وقت عالمِ دین اور گریجویٹ علماء فارغ ہوئے ہیں۔ چند ایک کو چھوڑ کر باقی تمام فوج، پولیس اور ایجوکیشن کے شعبے میں ہم پوسٹوں پر کام کرنے کے ساتھ ساتھ دین کی خدمت بھی کر رہے ہیں۔

داخلہ میٹرک کے امتحان کے فوراً بعد

میرٹ: میٹرک۔تاہم میٹرک کا امتحان دینے والے طلباء داخلہ لے سکتے ہیں البتہ فیل ہونے کی صورت میں طالب علم کو فارغ کر دیا جائے گا۔

سہولیات: تعلیم، رہائش، کھانا فری تاہم درس نظامی اور کالج کی کتب طالب علم کے ذمہ ہونے کے ساتھ اسے استعداد کے مطابق کچھ ماہانہ زرتعاون جمع کروانا ہوگا۔ تاکہ مفت خوری سے اجتناب اور طلباء میں خودداری پیدا ہوسکے۔

نصاب شریعہ کالج

سال اوّل: ترجمۃ القرآن سورۃ الفاتحۃ تا الاعراف، مشکوٰۃ اوّل، علم النحو، علم الصرف، ابواب الصرف، دروس اللغۃ العربیۃ (دو حصے) تجوید القرآن **فرسٹ ائیر نصاب بمطابق لاہور بورڈ**

سال دوم: ترجمۃ القرآن سورۃ الاعراف تا النمل، مشکوٰۃ ثانی، نحو میر شرح مائۃ عامل، کتاب الصرف، اطیب المنح، معلم الانشاء (دو حصے) تجوید القرآن **سیکنڈ ائیر نصاب بمطابق لاہور بورڈ**

سال سوم: ترجمۃ القرآن، مسلم شریف، ترمذی شریف، ہدایۃ النحو، علم الصیغہ، السراجی، شرح نخبۃ الفکر، تجوید القرآن **تھرڈ ائیر نصاب بمطابق پنجاب یونیورسٹی**

سال چہارم: بخاری شریف، ہدایہ، الوجیز، شرح ابن عقیل، الفوز الکبیر، تجوید القرآن **فورتھ ائیر نصاب بمطابق پنجاب یونیورسٹی**

ابوہریرہ شریعہ کالج کے امتیازات

❁ کمبائن نصابِ تعلیم کا محرک ❁ تفسیر فہم القرآن اور دیگر کتب کا ناشر ❁ پاکستان میں تحریک دعوتِ توحید کا بانی

ابوہریرہ اکیڈمی کی نشریات: ازقلم میاں محمد جمیل

منفرد تفسیر: فہم القرآن

تفسیر کی انفرادیت

1۔ اُردو، عربی تفاسیر کے اہم نکات پر مشتمل تفسیر۔
2۔ محاورہ اور لفظی ترجمہ۔
3۔ بہت سی تفاسیر سے زیادہ ربط کلام کا اہتمام۔
4۔ ہر آیت میں پائے جانے والے مسائل کا نمبروار بیان
5۔ ہر آیت کے مرکزی مضمون کی تفسیر دیگر آیات کے حوالوں سے جو ایک مکمل تقریر ہے۔ مکمل سیٹ کی قیمت: ---/4200

فہم الحدیث

تمام مکاتب فکر کے مدارس میں پڑھائی جانے والی حدیث شریف کی کتاب مشکوٰۃ المصابیح سے متفق علیہ اور بخاری و مسلم کی مکمل روایات۔ ان روایات کے متن پر محدثین، دیوبند، بریلوی اور اہلحدیث علماء کا اتفاق ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد تعلیم یافتہ طبقہ کو 80 فیصد مسائل کسی عالم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ تعلیم و تعلم سے وابستہ حضرات کے لیے انتہائی مفید ہے۔ قیمت فی سیٹ: ----/1000

① دین تو آسان ہے (100 روپے) ② برکاتِ رمضان (80 روپے)
③ آپ ﷺ کا حج (40 روپے) ④ انبیاء ؑ کا طریقہ دعا (80 روپے)
⑤ سیرت ابراہیم ؑ (100 روپے) ⑥ زکوٰۃ کے مسائل و فوائد (90 روپے)
⑦ انحاد امت اور نظم جماعت (100 روپے) ⑧ آپ ﷺ کا تہذیب و تمدن (90 روپے)
⑨ فضیلت قربانی اور اس کے مسائل (40 روپے) ⑩ مشکلات کیوں؟ نکلنے کے الہامی راستے (90 روپے)
⑪ جادو کی تباہ کاریاں۔ان کا شرعی علاج (80 روپے) ⑫ آپ ﷺ کی نماز قیام و سجود کی عملی تصاویر (40 روپے)

40% رعایت

جدید مالی مسائل پر عصر حاضر کی منفرد کتب

① دورِ حاضر کے مالی معاملات کا شرعی حکم قیمت/200
② معیشت و تجارت کے اسلامی احکام قیمت/180
③ اسلام کا قانونِ وراثت ——

ازقلم: حافظ ذوالفقار علی، شیخ الحدیث ابوہریرہ شریعہ کالج

ملنے کے پتے: ☆ دارالسلام ☆ نعمانی کتب خانہ ☆ اسلامی اکیڈمی ☆ سلفیہ ☆ قدوسیہ ☆ مکتبہ اسلامیہ لاہور دارارقم فیصل آباد میں دستیاب ہیں۔ برائے راست منگوانے والوں کو 40% فی صد رعایت

میاں محمد جمیل پرنسپل ابوہریرہ شریعہ کالج 37 کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور: 042-35417233/0333-4095308
0306-4621016/0305-4036012

فہم القرآن

میاں محمد جمیل
پرنسپل ابوہریرہ شریعہ کالج

جلد سوم

ابوہریرہ اکیڈمی
۳۷- کمرشل کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہم القرآن

میاں محمد جمیل
ایم۔اے
فاضل اُردو۔علوم اسلامیہ

جلد سوم

ابوہریرہ اکیڈمی
۳۷۔ کمرشل کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

فہم القرآن

ازقلم ـــــــــــــــ میاں محمد جمیل ایم اے

جلد سوم ـــــــــــــــ پارہ 11 تا پارہ 15

اشاعتِ اول ـــــــــــــــ دسمبر 2008ء

قیمت ـــــــــــــــ 500/-

ملنے کے پتے

نعمانی کتب خانہ۔ اسلامی اکیڈمی ۔ محمدی کتب خانہ

مکتبہ دارالسلام ، سلفیہ، رحمانیہ، اسلامیہ، قدوسیہ ۔ اردو بازار لاہور

ناشر

ابوہریرہؓ اکیڈمی

۳۷- کمرشل کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

042-5417233

أعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

جلد سوم

فہم القرآن

پارہ: 11

سورۃ التوبہ آیت 94 تا آخر: سورۃ یونس : سورۃ ھود ابتدا تا آیت 5

پارہ: 12

سورۃ ھود آیت 6 تا آخر: سورۃ یوسف ابتدا تا آیت 52

پارہ: 13

سورۃ یوسف آیت 53 تا آخر: سورۃ الرعد سورۃ ابراہیم: سورۃ الحجر آیت 1

پارہ: 14

سورۃ الحجر آیت 2 تا آخر: سورۃ النحل

پارہ: 15

سورۃ بنی اسرائیل : سورۃ الکھف

تفسیر کا تعارف

رسولِ محترم ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے مرکزی مقصد یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ لوگوں کے سامنے عملی نمونہ پیش کریں اور اپنی زبانِ اطہر سے قرآن مجید کی تشریح اور تفسیر فرمائیں۔ جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے براہِ راست سیکھا، سمجھا اور اس پر عمل کیا۔ جہاں تک تفسیر قرآن کا تعلق ہے آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو قرآن فہمی کی دعا سے سرفراز فرمایا۔ حضرتِ عبداللہ بن عباسؓ اور صحابہ کرامؓ نے اپنی اولاد اور شاگردوں کو قرآن پڑھایا اور سمجھایا۔ اس طرح قرآنِ مجید کی تعلیم تحریر، تقریر اور تدریس کے ذریعے نسل در نسل جاری رہی تا آنکہ 270 ہجری میں علامہ ابوجعفر ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے چالیس سال کی جدوجہد سے کتب، مسوّدات اور مختلف اہلِ علم سے استفادہ فرما کر تیس جلدوں پر محیط تفسیر جامع البیان لکھی جو تفسیر ابن جریر کے نام سے معروف ہے۔ ان کے بعد حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل بن کثیر رحمہ اللہ المعروف امام ابن کثیر نے تفسیر ابن کثیر رقم فرمائی جو تمام مسالک کے نزدیک ممتاز اور منفرد تفسیر سمجھی جاتی ہے۔ بعد ازاں ہر دور اور ہر زبان میں قرآن مجید کی تفاسیر لکھی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ برصغیر میں انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کی ابتدا میں تراجم اور تفاسیر کا بے شمار ذخیرہ اردو زبان میں پیش کیا گیا جو علمی اور اسنادی اعتبار سے عربی کے سوا تمام زبانوں میں لکھی جانے والی تفاسیر پر حاوی ہے۔ ماضی قریب میں تفہیم القرآن، تدبر قرآن، معارف القرآن، تفسیر ثنائی، تیسیر القرآن، ضیاء القرآن کے مؤلفین نے اپنے اپنے انداز اور نقطۂ نگاہ سے فرقانِ حمید کی تفسیریں لکھیں جو اردو زبان میں ممتاز تفاسیر شمار ہوتی ہیں۔

فہم القرآن اور اعترافِ حقیقت

تفسیر کا نام سورۃ الانبیاء کی آیت 79 ﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ﴾ سے لیا گیا ہے۔ میں اس سچائی کا محض روایتی اور عاجزانہ نہیں بلکہ حقیقت پسندانہ اعتراف کرتا ہوں کہ خدمتِ قرآن کی چودہ سو سالہ تاریخ میں مجھ سے کم علم آدمی کوئی نہیں گزرا ہوگا کہ جس نے قرآن مجید کے کسی پہلو پر قلم اٹھایا ہو۔ میں نے بزرگوں کی خوشہ چینی کے سوا کچھ نہیں کیا۔ میرے کام میں حسن وخوبی کا کوئی پہلو دکھائی دے تو وہ اللہ کے فضل وکرم کا نتیجہ اور متقدّمین کی پرخلوص کوششوں کا ثمرہ ہے۔ کوتاہی اور کمزوری کو میری کم علمی اور کوتاہ فہمی تصور کرتے ہوئے آگاہ کیا جائے تاکہ اس کی تصحیح کی جائے۔ اپنے مختصر تدریسی تجربہ اور تفاسیر کا مطالعہ کرتے ہوئے چند باتوں کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ضروری سمجھا کہ اگر درج ذیل باتیں تفسیر میں جمع کر دی جائیں تو عوام الناس، طلبہ اور مبتدی خطباء کے لیے نہایت مفید اور بہتر ہوگا۔

(۱) بامحاورہ ترجمہ کے ساتھ لفظی ترجمہ (۲) ہر آیت کے الگ الگ مسائل کی نشاندہی

(۳) تفسیر بالقرآن کے حوالے سے ہر آیت کے مرکزی مضمون سے متعلقہ کچھ آیات کا حوالہ۔

آپ کی خدمت میں

قاری حضرات سے گزارش ہے کہ لفظی ترجمہ کے بجائے رواں ترجمہ سے استفادہ کریں کیونکہ لفظی ترجمہ میں باہم ربط نہ ہونے کی وجہ سے الجھن پیش آسکتی ہے۔ لفظی ترجمہ ان حضرات کے لیے زیادہ مفید ہے جو تعلیم وتعلم سے وابستہ ہیں۔

مفسّر کا تعارف

میاں محمد جمیل بن میاں محمد ابراہیم گوہڑ چک 8 پتوکی (قصور) اپریل 1947ء آرائیں فیملی میں پیدا ہوئے۔ حفظِ قرآن اور سکول کی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ اس کے بعد تجوید قرآن جامعہ محمدیہ اور درسِ نظامی کی تعلیم جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ سے پائی بعد ازاں وفاق المدارس کیا اور دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ایم۔ اے اسلامیات اور فاضل اردو کی ڈگریاں حاصل کیں۔ فراغتِ تعلیم کے بعد لاہور میں کاروبار کرنے کے ساتھ ساتھ جون 1986ء میں جامع مسجد ابوہریرہؓ کریم بلاک اقبال ٹاؤن کی بنیاد رکھی اور اعزازی خطابت کی ذمہ داری سنبھالی۔

ابوہریرہؓ شریعہ کالج

1997ء میں ابوہریرہؓ شریعہ کالج کی بنیاد رکھی اب تک ملک میں یہ واحد ادارہ ہے جس میں میٹرک پاس طلبہ کو چار سال میں درسِ نظامی اور بی۔ اے (Compulsoy) کروایا جاتا ہے۔

تنظیمی دور

1987ء میں مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان کے سیکرٹری اطلاعات اور 1996ء سے لے کر 2002 تک مرکزی جمعیت اہلحدیث کے سیکرٹری جنرل رہے۔ سیکرٹری شپ کا دوسرا دور پورا ہونے پر آئندہ ذمہ داری سنبھالنے سے معذرت کی اور اپنے آپ کو تعلیم وتصنیف کے ساتھ 2006ء کو تحریک دعوتِ توحید کے لیے وقف کیا۔ دیگر کتب تالیف کرنے کے بعد 2005ء میں تفسیر فہم القرآن لکھنے کا آغاز کیا۔ جس کی پہلی جلد پہلے پانچ پاروں پر مشتمل ستمبر 2006ء میں منظرِ عام پر آئی دوسری جلد پارہ 6 تا پارہ 10 ستمبر 2007 میں اور تیسری جلد پارہ 11 تا پارہ 15 دسمبر 2008 پیشِ خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبولیت کے شرف سے سرفراز اور اس کو تکمیل کے مرحلہ سے ہمکنار فرمائے اس کام میں معاون بننے والے حضرات کے لیے اسے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین یارب العٰلمین۔

تحریک دعوتِ توحید پاکستان

خلافت کی تحریک ہو یا جہاد فی سبیل اللہ، شانِ صحابہ ہو یا وطن عزیز کی سالمیت اور حقوقِ انسانیت کا تحفظ سب کی افادیت درجہ بہ درجہ لیکن تحریک دعوتِ ''توحید'' کی عظمت وبرکات کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ تحریک کا مقصد اللہ کی رضا، رسالتِ مآب ﷺ سے وفا اور بندوں کو اللہ تعالیٰ کی خالص بندگی پر آمادہ کرنا ہے۔ اسی کے لیے انبیاء کرام دنیا میں تشریف لائے اسی پر آدمی کی نجات کا دارومدار ہے لہٰذا توحید سمجھیں، اسے آگے پھیلائیں اور اس کے تقاضے پورے کریں تاکہ ہمارے اخلاق، اعمال سنور جائیں اور ہم جنت کے وارث قرار پائیں۔ یہ کوئی الگ اور مستقل جماعت نہیں اس لیے آپ اپنی اپنی جماعتوں اور منصب پر رہتے ہوئے اس کے ساتھ اخلاقی اور تبلیغی تعاون فرمائیں تاکہ لوگ شرک اور اس کے نقصانات سے بچیں اور توحید کی برکات سے دنیا اور آخرت میں سرفراز ہوسکیں۔

میاں محمد جمیل: کنویئز تحریک دعوتِ توحید پاکستان

عنوانات جلد سوم

پارہ......(۱۱)

پارہ......(۱۳)

پارہ......(۱۵)

مضامین جلد سوم

پارہ......(۱۱)

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا

وہ بہانے پیش کریں گے تمھارے سامنے جب تم لوٹو گے ان کی طرف فرما دیجیے مت بہانے پیش کرو تم

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ

ہرگز نہیں ہم یقین کریں گے تمھارا یقیناً ہمیں بتا دیا ہے اللہ نے سے تمھارے حالات

وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى

اور عنقریب دیکھے گا اللہ تمھارے عمل اور اس کا رسول پھر تم لوٹائے جاؤ گے طرف

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾

جاننے والا چھپی اور کھلی (باتیں) پھر وہ تمھیں خبر دے گا اس کی جو تھے تم عمل کرتے

سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ

عنقریب وہ قسمیں اٹھائیں گے اللہ کی تمھارے لیے جب تم واپس لوٹو گے ان کی طرف تاکہ تم اعراض کرو ان سے

''تمھارے سامنے بہانے پیش کریں گے، جب تم ان کی طرف واپس لوٹو گے، فرما دیں کہ بہانے مت کرو، ہم تم پر ہرگز نہیں یقین کریں گے، بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمھارے متعلق بتا چکا ہے۔ اور عنقریب اللہ اور اس کا رسول تمھارا عمل دیکھیں گے، پھر تم ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز کو جاننے والے اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے وہ تمھیں خبر دے گا جو کچھ تم عمل کرتے رہے تھے۔'' (۹۴) ''وہ عنقریب تمھارے سامنے اللہ کی قسمیں اُٹھائیں گے جب تم ان کی طرف لوٹو گے تاکہ تم ان سے اعراض کرو

فہم القرآن

ربط کلام: دسویں پارے کے آخر اور اس آیت سے پہلے یہ فرمایا گیا ہے کہ جن منافقوں نے غزوہ تبوک میں شرکت نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر ثبت کر دی ہے۔ اب وہ جہاد کی فضیلت اور دین کی حقیقت کو نہیں جان سکتے۔ لہٰذا یہ لوگ آپ کی واپسی پر معذرت کریں تو ان کی معذرت قبول نہ کی جائے۔

منافقوں کا اندازہ اور ان کی تمنا یہ تھی کہ سلطنت روما کا فرماں روا مسلمانوں کی طاقت کو اس طرح کچل ڈالے گا کہ یہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے لیکن روم کے لشکر مسلمانوں کی تاب نہ لا سکے اور انھوں نے اپنی پسپائی میں خیر سمجھی۔ نبی اکرم ﷺ نے رومیوں کا تعاقب کرنے کی بجائے کچھ دن محاذ پر قیام فرمایا اور بالآخر لشکر اسلام کو واپسی کا حکم دیا۔ منافقین کو اس صورتِ حال کی خبر پہنچی تو انھوں نے آپ ﷺ کی واپسی پر روایتی حیلہ سازیوں سے آپ کی خدمت میں معذرتیں پیش کرنا

فَاَعْرِضُوْا	عَنْهُمْ ؕ	اِنَّهُمْ	رِجْسٌ ۫	وَّمَاْوٰىهُمْ	جَهَنَّمُ ۚ	جَزَآءًۢ
سواعراض کرو تم	ان سے	یقیناً وہ	گندے ہیں	اوران کا ٹھکانہ	جہنم ہے	بدلے

بِمَا	كَانُوْا	يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾
اس کے جو	تھے وہ	وہ کماتے

سوان سے اعراض کرو، بے شک وہ گندے ہیں اوران کا ٹھکانہ جہنم ہے،اس کے سبب جو وہ کماتے رہے ہیں۔''(۹۵)

شروع کیں۔اُدھر راستہ میں ہی رب کریم نے اپنے رسول کوآ گاہ فرمادیا کہ آپ جوں ہی مدینہ ورودِ مسعود فرمائیں گے تو منافق ٹولیوں کی صورت میں آپ کے سامنے اپنی معذرتیں پیش کریں گے۔لیکن اب ان کی کسی معذرت کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا جائے بلکہ منافقین کو کھلے الفاظ میں بتلایا جائے کہ میرے رب نے مجھے تمہاری سازشوں اور ملمع سازیوں سے پوری طرح آ گاہ فرمادیا ہے لہٰذا تمہارے کسی عذر اور بہانہ کو قبول نہیں کیا جائے گا البتہ تم آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کی کوشش کرو تو اللہ اور اس کا رسول تمہارے کردار کو دیکھیں اور جانچیں گے کہ تم اپنے قول وفعل میں کتنے سچے ثابت ہوتے ہو۔

اے منافقو! نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کوئی بات چھپا سکتے ہو لیکن تم اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی نہیں چھپا سکتے۔دنیا میں اللہ تمہیں مہلت دیے ہوئے ہے لیکن آخرت میں تم اس کے حضور پیش کیے جاؤ گے۔وہ تمہاری ایک ایک حرکت اور بات سے تمہیں آ گاہ کرے گا اور اسی کے مطابق تمہیں سزا دی جائے گی۔اس انتباہ کے ساتھ منافقوں کو پھر ایک موقع دیا گیا ہے۔ کہ وہ سچی توبہ کریں اور اپنے کردار کو بہتر بنائیں۔

البتہ اس موقعہ پر ان کا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔خواہ یہ کتنی عاجزی کے ساتھ قسمیں اٹھائیں اور یقین دہانی کروائیں۔ ان سے اعراض ہی کرنا ہے۔کیونکہ اب تک یہ دل کے بُرے اور کردار کے گندے ثابت ہوئے ہیں۔ایسے لوگوں کے لیے جہنم ہے جس میں انھیں پوری پوری سزا دی جائے گی۔

منافق کی نشانیاں:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اٰیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ زَادَ مُسْلِمٌ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰی وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ ثُمَّ اتَّفَقَا اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ))

[رواه مسلم: باب الكبائر وعلامات النفاق]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا فرمان ذکر کرتے ہیں منافق کی تین نشانیاں ہیں۔(مسلم نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے''چاہے روزے رکھتا اور نماز پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔'')(۱) جب

وہ بات کرے تو جھوٹ بولتا ہے (۲) اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرتا ہے (۳) جب اسے امانت دی جائے تو خیانت کرتا ہے۔“

((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَزَالُ جَهَنَّمُ یُلْقٰی فِیْهَا وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ حَتّٰی یَضَعَ رَبُّ الْعِزَّةِ فِیْهَا قَدَمَهٗ فَیَنْزَوِیْ بَعْضُهَا اِلٰی بَعْضٍ فَتَقُوْلُ قَطْ قَطْ بِعِزَّتِكَ وَكَرَمِكَ وَلَا یَزَالُ فِی الْجَنَّةِ فَضْلٌ حَتّٰی یُنْشِئَ اللّٰهُ لَهَا خَلْقًا فَیُسْكِنُهُمْ فَضْلَ الْجَنَّةِ))

[رواه مسلم: کتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها ، باب النار لايدخلها الاالجبارون]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم میں مسلسل لوگوں کو ڈالا جاتا رہے گا اور جہنم کہتی رہے گی، کہ کچھ اور بھی؟ بالآخر اللہ تعالیٰ اپنا قدم جہنم میں رکھیں گے تو جہنم کا ایک حصہ دوسرے سے مل جائے گا۔ اور جہنم کہے گی بس! بس! تیری عزت اور تیرے کرم کی قسم! جنت میں ہمیشہ وسعت اور فراخی ہوگی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جنت کے لیے نئی مخلوق پیدا فرمائیں گے جنہیں جنت کے وسیع علاقے میں آباد کیا جائے گا۔“

مسائل

۱۔ منافق جھوٹے عذر بہانے پیش کرتے ہیں۔
۲۔ منافق قسم کو بہانے کے طور پر استعمال کرتا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔
۴۔ ہر قسم اٹھانے والا سچا نہیں ہوتا۔
۵۔ منافق عقیدہ اور کردار کے اعتبار سے گندہ ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ غیب وحاضر کو جاننے والا ہے:

۱۔ اللہ ظاہر اور غائب کو جانتا ہے۔ (التوبۃ: ۹۴)

۲۔ اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ (النحل: ۱۹)

۳۔ تم اپنی بات کو پوشیدہ رکھو یا ظاہر کرو اللہ سینوں کے بھید جانتا ہے۔ (الملک: ۱۳)

۴۔ اللہ کے لیے برابر ہے جو انسان چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہیں۔ (الرعد: ۱۰)

۵۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ غائب اور حاضر کو جانتا ہے۔ (الحشر: ۲۲)

۶۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے؟ (البقرۃ: ۷۷)

۷۔ کیا انہیں اس بات کا علم نہیں کہ اللہ ان کی پوشیدہ سرگوشیوں سے بھی واقف ہے؟ (التوبۃ: ۷۸)

يَحْلِفُوْنَ	لَكُمْ	لِتَرْضَوْا	عَنْهُمْ ۚ	فَاِنْ	تَرْضَوْا	عَنْهُمْ
وہ قسمیں اٹھائیں گے	تمہارے لیے	تاکہ تم راضی ہو جاؤ	ان سے	سو اگر	تم راضی ہو جاؤ	ان سے

فَاِنَّ	اللّٰهَ	لَا يَرْضٰى	عَنِ الْقَوْمِ	الْفٰسِقِيْنَ ۝۹۶
تو یقیناً	اللہ	نہیں راضی ہوگا	ان لوگوں سے	فاسق ہیں

''تمہارے لیے قسمیں اٹھائیں گے، تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔ اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ تو یقیناً اللہ نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوگا۔'' (۹۶)

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ منافقوں کے بارے میں مزید ناراضگی کا اظہار۔

منافقین کے بارے میں مزید سختی کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کو متنبہ کیا گیا ہے کہ اگر آپ ان کی جھوٹی قسموں، مصنوعی عاجزی اور ظاہری درماندگی پر راضی ہو بھی جائیں تو یاد رکھیں اللہ تعالیٰ ہرگز ان پر راضی نہیں ہوگا۔ کیونکہ حقیقتاً یہ لوگ نافرمان ہیں اس آیت میں یہ اصول دوٹوک انداز میں سمجھا دیا گیا ہے کہ اصل رضامندی اللہ ہی کی ہوتی ہے اگر نبی آخر الزماں بھی کسی شخص سے راضی ہو جائیں تو یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہو جائے۔

اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں تاکہ لوگ اپنے باطل عقیدہ پر غور کرسکیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال سمجھایا۔ لیکن قوم ایمان نہ لائی بالآخر حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا کے نتیجہ میں قوم پر عذاب آیا اور ان کا بیٹا ان کی آنکھوں کے سامنے غرقِ آب ہوا حضرت نوح علیہ السلام نے بے ساختہ اپنے رب سے فریاد کی کہ الٰہی! آپ نے میرے اہل کو بچانے کا وعدہ کیا تھا مگر میرا بیٹا میرے سامنے ڈبکیاں لے رہا ہے۔ اس پر نوح علیہ السلام کو ان الفاظ میں وارننگ دی گئی کہ اے نوح یہ تیرے اہل میں سے نہیں کیونکہ یہ اعمال صالح کا خوگر نہیں۔ (ھود۔۴۶) جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس پر راضی نہ ہو اس پر وقت کا پیغمبر بے شک وہ اس کا باپ ہی کیوں نہ ہو راضی ہو جائے تو پیغمبر کی رضا ربِّ ذوالجلال کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

نبی اکرم ﷺ کا اپنی بیٹی اور خاندان کو نصیحت کرنا:

((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ يَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ ، اشْتَرُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ اللّٰهِ ، يَا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اشْتَرُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ اللّٰهِ ، يَآ أُمَّ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ عَمَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ، يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ ، اشْتَرِيَا أَنْفُسَكُمَا مِنَ اللّٰهِ ، لَآ أَمْلِكُ لَكُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ، سَلَانِیْ مِنْ مَّالِیْ مَا شِئْتُمَا))

[رواہ البخاری : کتاب المناقب باب من انتسب الی آبائه فی الاسلام و الجاهلیة]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنی عبد مناف اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے بچالو، اے بنی عبدالمطلب اپنے آپ کو اللہ سے بچالو، اے زبیر بن عوام کی والدہ، رسول اللہ کی پھوپھی، اے فاطمہ بنت محمد اپنے آپ کو اللہ سے بچالو۔ میں تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ میرے مال میں سے جو لینا چاہتی ہو لے لو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے باوجود عبداللہ بن ابی کا انجام:

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أُبَيٍّ جَاءَ ابْنُهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَسَأَلَهُ أَنْ يُّعْطِيَهُ قَمِيصَهُ يُكَفِّنُ فِيهِ أَبَاهُ فَأَعْطَاهُ ثُمَّ سَأَلَهُ أَنْ يُّصَلِّيَ عَلَيْهِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَقَامَ عُمَرُ فَأَخَذَ بِثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تُصَلِّي عَلَيْهِ وَقَدْ نَهَاكَ رَبُّكَ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّمَا خَيَّرَنِي اللّٰهُ فَقَالَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً وَسَأَزِيدُهُ عَلَى السَّبْعِينَ قَالَ إِنَّهُ مُنَافِقٌ قَالَ فَصَلّٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تُصَلِّ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهِ))

[رواه البخاری: كتاب تفسير القران]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں جب عبداللہ بن ابی فوت ہوا۔ اس کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے آپ سے قمیص کا مطالبہ کیا کہ اس میں اس کے والد کو کفن دیا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قمیص عنایت کر دی۔ پھر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز جنازہ پڑھانے کی گزارش کی۔ جب رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے کو پکڑ کر عرض کی اے اللہ کے رسول! کیا آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان لوگوں کی نماز جنازہ پڑھانے سے منع کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ استغفار کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تو منافق ہے۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز پڑھائی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی ''آپ ان میں سے کسی پر بھی نماز نہ پڑھائیں اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔'' (التوبۃ:۸۴)

مسائل

۱۔ منافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین دلانے کے لیے جھوٹی قسمیں اٹھاتے تھے۔

۲۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی رضا کے پابند تھے۔ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا پابند نہیں۔

۳۔ منافق اپنے رب کا نافرمان ہوتا ہے۔ ۴۔ منافق کی قسم پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔

اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجۡدَرُ اَلَّا يَعۡلَمُوۡا

دیہاتی زیادہ سخت ہیں کفر کرنے اور منافقت میں اور زیادہ امکان ہے یہ کہ نہ وہ جانیں

حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۹۷﴾

احکام جو نازل کیے اللہ نے پر اپنے رسول اور اللہ خوب جاننے والا خوب حکمت والا ہے

وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ مَغۡرَمًا وَّ يَتَرَبَّصُ

اور سے دیہاتی جو وہ پکڑتا ہے جو وہ خرچ کرتا ہے جرمانہ اور وہ انتظار کرتا ہے

بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۹۸﴾

تمہارے ساتھ حالات کی گردشیں ان پر گردش بری اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے

”دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور زیادہ امکان ہے کہ وہ احکام نہ جانیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیے ہیں اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔“ (۹۷) ”اور کچھ ایسے دیہاتی ہیں کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے جرمانہ سمجھتے ہیں اور تم پر حالات کی گردشوں کا انتظار کرتے ہیں، انھی پر برا وقت آئے گا اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔“ (۹۸)

فہم القرآن

ربط کلام: شہری منافقین کے ذکر کے بعد دیہاتی منافقوں کا ذکر۔

کفر اور منافقت بذاتِ خود بدترین روحانی اور اخلاقی امراض ہیں۔ مگر دیہاتی ماحول کی وجہ سے ان میں اور بھی شدت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ دیہات میں تہذیب و تمدن کا فقدان، تعلیم و تربیت کی کمی، آب و ہوا کی شدت اور جسمانی مشقت کی وجہ سے دیہات میں رہنے والوں کی طبیعت میں سختی اور اجڈ پن پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے دیہات کے لوگ غلط یا صحیح جس نظریہ کو اپنا لیں اس پر اس قدر سخت ہو جاتے ہیں کہ اس کے خلاف کوئی بات سننا گوارا نہیں کرتے۔ پھر دیہات کے لوگوں میں خاندانی عصبیت اور قومی تعصب بھی شہروں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ ان وجوہات کی بنیاد پر وہ کفر و نفاق میں سخت تر ہوتے ہیں۔ یہی کیفیت رسول معظم ﷺ کے زمانے میں مدینے کے مضافات میں رہنے والے دیہاتیوں کی تھی۔ یہ لوگ جس قدر مدینہ سے دور رہتے تھے اسی قدر ان میں اسلام اور نبی ﷺ کے بارے میں نفرت اور دوری پائی جاتی تھی۔ کیونکہ عصبیت اور بعد مکانی کی وجہ سے انھیں اخلاقی قدروں اور دینی حدود کا علم نہیں تھا اور نہ ہی اپنی جہالت اور عصبیت کی وجہ سے حدود اللہ کو جاننے کی کوشش کرتے تھے۔ جس وجہ سے یہ دیہاتی کفر و نفاق میں متشدّد ہوتے چلے گئے کیونکہ یہ منافق تھے اپنی منافقت چھپانے کے لیے مسلمانوں جیسے اعمال کرتے تھے۔ لیکن جہاد کے موقع پر جب ان سے دفاعی فنڈ کی اپیل کی جاتی تو یہ لوگ نہ صرف اپنے آپ پر بوجھ محسوس کرتے بلکہ یہ اس انتظار میں رہتے کہ مسلمانوں پر کب کوئی افتاد پڑے۔ اور ہماری جان چھوٹ

جائے اس لیے ظاہری طور پر اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے اسے اتار پھینکیں۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر یہ لوگ اسی انتظار میں تھے کہ مسلمانوں کو رومیوں کے ہاتھوں ذلت ناک شکست ہوگی اور ہمیں اسلام سے آزادی مل جائے گی۔ لیکن معاملہ ان کی امیدوں کے برعکس ہوا۔ اور یہ لوگ زندگی بھر اسی ذہنی کشمکش میں رہے۔ یہاں تک کہ انہیں موت نے آلیا۔ اس آیت میں ﴿ عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ﴾ کے الفاظ میں منافقوں کو اسی بھیانک مستقبل کی وارننگ دی گئی ہے۔

مَغۡرَمًا: معناه غرما واصله لزوم الشی [قرطبی] اس کا معنی جرمانہ ہے یعنی کسی چیز کو لازم کردینا۔

دَآئِرَةُ السَّوۡءِ. کا معنی ہے اچھی حالت کا بُری حالت سے بدل جانا جسے گردش زمانہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اب تو وہ دل پر جبر کر کے کچھ نہ کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ لیکن وہ دلی طور پر اس بات کے خواہاں ہیں کہ گردش زمانہ مسلمانوں کی قوت ختم کر دے اور ہم چندہ دینے سے بچ جائیں اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا: ﴿ عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ﴾ ''برے ایام تمھارا ہی مقدر ہیں۔''

مسائل

۱۔ دیہاتی نفاق میں زیادہ سخت ہوتے ہیں۔

۲۔ دیہاتی احکام اور حدود وقیود کا زیادہ علم نہیں رکھتے۔

۳۔ منافق انفاق فی سبیل اللہ کو جرمانہ سمجھتے ہیں۔

۴۔ منافقین اسی انتظار میں رہتے ہیں کہ مسلمان کب گردش ایام کا شکار ہوتے ہیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ ہر بات کو سننے اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا:

۱۔ مومن اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے۔ (التوبۃ: ۹۹)

۲۔ جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ تمھیں اس سے زیادہ دے گا۔ (سبا: ۳۹)

۳۔ مومنین اللہ کے راستے میں خفیہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں۔ (الرعد: ۲۲)

۴۔ مسلمان تنگدستی اور خوشحالی میں خرچ کرتے ہیں۔ (آل عمران: ۱۳۴)

۵۔ مسلمان کو اس کے دیئے ہوئے صدقہ پر سات سوگنا ثواب دیا جائے گا۔ (البقرۃ: ۲۶۱)

۶۔ منافق صدقہ کرنے کو جرمانہ سمجھتا ہے۔ (التوبۃ: ۹۸)

وَمِنَ	الْاَعْرَابِ	مَنْ	يُّؤْمِنُ	بِاللّٰهِ	وَالْيَوْمِ	الْاٰخِرِ
اور سے	دیہاتی	جو	ایمان لاتا ہے	اللہ کے ساتھ	اور یوم	آخرت
وَيَتَّخِذُ	مَا	يُنْفِقُ	قُرُبٰتٍ عِنْدَ	اللّٰهِ	وَصَلَوٰتِ	الرَّسُوْلِ ؕ
اور وہ پکڑتا ہے	جو	وہ خرچ کرتا ہے	قرابتیں ہاں	اللہ	اور دعائیں	رسول کی
اَلَآ	اِنَّهَا	قُرْبَةٌ	لَّهُمْ ؕ	سَيُدْخِلُهُمُ	اللّٰهُ	فِيْ
آگاہ رہو!	یقیناً وہ	قربت	ان کے لیے	عنقریب وہ داخل کرے گا ان کو	اللہ	میں
رَحْمَتِهٖ ؕ	اِنَّ	اللّٰهَ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ﴿٩٩﴾		
اپنی رحمت	یقیناً	اللہ	بہت بخشنے والا	نہایت رحم کرنے والا ہے		

”اور کچھ دیہاتی وہ ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کی قربتوں اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ آگاہ رہو! یقیناً صدقہ ان کے لیے قربت کا ذریعہ ہے، عنقریب انھیں اللہ اپنی رحمت میں لے گا۔ بے شک اللہ بہت بخشنے، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ (۹۹)

فہم القرآن

ربط کلام: دیہاتی منافقین کے بعد دیہاتی مومنوں کے ایمان اور کردار کا تذکرہ۔

یہ بات کئی مرتبہ عرض کی جا چکی ہے کہ قرآن مجید کی عدل پسندی اور طرز بیان ہے کہ جہنم کے ساتھ جنت، برے انجام کے ساتھ اچھے انجام، کفار اور منافقین کے بیان کے معاً بعد مخلص مسلمانوں اور مومنوں کا تذکرہ کرتا ہے۔ تاکہ قاریٔ قرآن کو دونوں کردار اور انجام کا تجزیہ کرنے میں آسانی رہے چنانچہ اس بات کی وضاحت کر دی گئی کہ دیہات میں رہنے والے سب کے سب کافر اور منافق نہیں بلکہ ان میں ایسے خوش بخت بھی ہیں جو اپنے رب پر کامل ایمان اور قیامت کے دن اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کا پکا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کے پیچھے ان کی صرف اور صرف یہی تمنا ہوتی ہے کہ انہیں اپنے رب کا قرب حاصل ہو۔ اور رسول کریم ﷺ خوش ہو کر ان کے لیے دعائے خیر کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قربت اور رسول اکرم ﷺ کی دعائیں ان کے لیے دنیا اور آخرت کا خزانہ ہیں۔ ان کے اخلاص اور نیک اعمال کی وجہ سے انہیں خوشخبری سنائی جارہی ہے کہ خوش ہو جاؤ کہ اللہ کی قربت و رحمت تمہارے لیے ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا اور آخرت میں اپنی نعمتوں اور رحمتوں سے نوازے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کی کمزوریوں کو معاف کرتے ہوئے ان پر رحم و کرم فرمانے والا ہے۔ قرآن مجید کی تعلیم کے پیش نظر نبی اکرم ﷺ صدقہ کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ

الفاظ استعمال فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صدقہ پیش کیا جس پر آپ نے مجھے اس دعا سے نوازا۔

((عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ اَبِیْ اَوْفٰی رضی اللہ عنہ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا اَتَاہُ قَوْمٌ بِصَدَقَتِھِمْ قَالَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ فُلَانٍ فَاَتَاہُ اَبِیْ بِصَدَقَتِہٖ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ اَبِیْ اَوْفٰی (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) وَفِیْ رِوَایَۃٍ اِذَا اَتَی الرَّجُلُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم بِصَدَقَتِہٖ قَالَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ))[رواہ البخاری: کتاب الزکاۃ]

”حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب لوگ زکوٰۃ لے کر آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے دعا فرماتے۔ اے اللہ فلاں کے اہل وعیال پر رحمت فرما۔ میرے والد آپ کی خدمت میں زکوٰۃ لے کر آئے تو آپ نے دعا فرمائی اے اللہ ابواوفی کے اہل وعیال پر رحمت نازل فرما۔ دوسری روایت میں ہے جب کوئی آدمی زکوٰۃ پیش کرتا تو آپ دعا کرتے کہ اے اللہ اس پر رحمت فرما۔“

مسائل

۱۔ دیہاتیوں میں سے اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے بھی ہوتے ہیں۔
۲۔ ہر نیک عمل اللہ تعالیٰ کی قربت کے حصول کے لیے ہونا چاہیے۔
۳۔ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنے والے اللہ کی رحمت کے حقدار ہوتے ہیں۔
۴۔ اللہ تعالیٰ بہت ہی رحمت فرمانے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہونے والے لوگ:

۱۔ اللہ، انبیاء کو اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے۔ (الانبیاء:۸۶)
۲۔ اللہ نیک لوگوں کو اپنی رحمت سے ہمکنار کرتا ہے۔ (الانبیاء:۷۵)
۳۔ ایمان میں پختہ رہنے والے کو اللہ اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔ (النساء:۱۷۵)
۴۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔ (الشوریٰ:۸)
۵۔ اللہ کی رحمت ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ (الاعراف:۱۵۶)
۶۔ اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہوتی ہے۔ (الاعراف:۵۶)
۷۔ اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ (التوبۃ:۹۹)

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ

اور سبقت لے جانے والے سب سے پہلے سے مہاجرین اور انصار اور وہ لوگ

اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

انہوں نے اتباع کی ان کی نیکی کے ساتھ وہ راضی ہوگیا اللہ ان سے اور وہ راضی ہوگئے اس سے

وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ

اور اس نے تیار کیے ان کے لیے باغات بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٠٠﴾

وہ ہمیشہ رہنے والے ان میں ہمیشہ یہ کامیابی بہت بڑی

”اور سب سے پہلے لوگ ہیں جو مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے نیک کاموں میں ان کی اتباع کی اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ پر راضی ہوگئے۔ اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہنے والے ہیں۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ (۱۰۰)

فہم القرآن

ربط کلام: منافقت سے اجتناب کرنے، نیکی کا حکم دینے کے بعد نیکی میں سبقت اختیار کرنے کی ترغیب:

دیہاتی مخلصین کے تذکرہ کے بعد اسلام میں سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار کی فضیلت و منقبت کا بیان کیا گیا ہے۔ جس میں ان کی حوصلہ افزائی اور دوسروں کے لیے نیکیوں میں سبقت کرنے کی تلقین پائی جاتی ہے۔ اب ان پاکباز ہستیوں کی خدمات کا تذکرہ شروع ہوتا ہے جنہوں نے اسلام کی خاطر سب کچھ قربان کیا اور اپنا وطن چھوڑ کر بے خانماں ہوئے۔

مہاجرین اور انصار میں سابقون الاولون کے بارے میں اہل علم کی مختلف آراء پائی جاتی ہیں جن میں اکثریت کا خیال ہے کہ ”سابقون الاولون“ سے مراد وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو غزوہ بدر سے پہلے ایمان لائے۔ کیونکہ انہوں نے اسلام کے راستے میں وہ مصائب و آلام برداشت کیے جن کے ساتھ ان کے بعد آنے والے ایمان والوں کو واسطہ نہیں پڑا۔ اس لیے دیہاتی مخلصین کے تذکرہ کے بعد ضروری سمجھا گیا کہ ان لوگوں کی خدمات کا اعتراف کرکے قیامت تک کے لیے ان کے مرتبہ و مقام کو نمایاں اور ممتاز کردیا جائے۔ ان کے بعد ایمان لانے والے حضرات کی حوصلہ افزائی کرکے انہیں بھی عظیم خوشخبری سے نوازا گیا ہے۔ قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام اس بات پر گواہ ہے کہ ”مردوں میں سابقون الاولون“ کے سرخیل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، خواتین میں یہ شان ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوئی، نوعمر لوگوں میں یہ مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو

ملا، مجبور اور غلاموں میں یہ شان حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی۔ جہاں تک ''سابقون الاولون'' کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں کا تعلق ہے ان سے مراد وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو غزوہ بدر کے بعد ایمان لائے قرآن مجید سب کے لیے انعام واکرام کا اعلان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہوا، وہ اپنے رب پر راضی ہو گئے۔

ایمان کا درجہ حاصل ہو جائے تو انسان بے انتہا تکلیف، حد درجے کے رنج وغم اور بے پناہ تنگی میں بھی اپنے رب پر راضی رہتا ہے۔ ایسے حضرات کے لیے اللہ تعالیٰ نے ابدی باغات اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہی دنیا اور آخرت کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ان کی اولاد جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف نہ پاسکی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی اعزاز بخشا ہے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ إِنِّیْ لَوَاقِفٌ فِیْ قَوْمٍ ، فَدَعَوُا اللّٰهَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَقَدْ وُضِعَ عَلٰی سَرِيرِهٖ ، إِذَا رَجُلٌ مِنْ خَلْفِی قَدْ وَضَعَ مِرْفَقَهٗ عَلٰی مَنْكِبِیْ ، يَقُوْلُ رَحِمَكَ اللّٰهُ ، إِنْ كُنْتُ لَأَرْجُوْ أَنْ يَجْعَلَكَ اللّٰهُ مَعَ صَاحِبَيْكَ ، لِأَنِّیْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ كُنْتُ وَأَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ ، وَفَعَلْتُ وَأَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ ، وَانْطَلَقْتُ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ فَإِنْ كُنْتُ لَأَرْجُوْ أَنْ يَجْعَلَكَ اللّٰهُ مَعَهُمَا فَالْتَفَتُّ فَإِذَا هُوَ عَلِیُّ بْنُ أَبِیْ طَالِبٍ)) [رواه البخاری: كتاب فضائل الصحابة]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں لوگوں میں کھڑا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی چارپائی رکھی ہوئی تھی ان کے لیے دعائیں کی جارہی تھیں۔ ایک آدمی نے پیچھے سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا وہ کہہ رہا تھا اللہ تجھ پر رحم فرمائے یقیناً میں اُمید کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے ساتھیوں کی معیت عطا فرمائے گا۔ میں اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے میں، ابوبکر اور عمر وہاں تھے میں نے اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے یہ کام کیا۔ میں ابوبکر اور عمر وہاں گئے یقیناً میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تجھے تیرے ساتھیوں کا ساتھ عطا فرمائے گا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔''

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ مَا غِرْتُ عَلَی امْرَأَةٍ مَا غِرْتُ عَلٰی خَدِيجَةَ ، مِنْ كَثْرَةِ ذِكْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِيَّاهَا قَالَتْ وَتَزَوَّجَنِیْ بَعْدَهَا بِثَلَاثِ سِنِينَ ، وَأَمَرَهٗ رَبُّهٗ عَزَّ وَجَلَّ أَوْ جِبْرِيلُ علیہ السلام أَنْ يُبَشِّرَهَا بِبَيْتٍ فِی الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ))[رواه البخاری: كتاب مناقب الأنصار، باب تزويج النبی صلی اللہ علیہ وسلم]

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کثرت کے ساتھ ذکر کرنے کی وجہ سے میں نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی عورت پر رشک نہیں کیا، آپ فرماتی ہیں کہ آپ نے میرے ساتھ ان کی وفات کے تین سال بعد شادی کی، آپ کو اللہ تعالیٰ نے براہِ راست یا جبریل علیہ السلام کے ذریعے حکم دیا کہ آپ خدیجہ کو جنت

میں موتی کے گھر کی خوشخبری دے دیں۔"

((عن عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم خَيْرُكُمْ قَرْنِي ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ)) [رواه البخاری: کتاب الشهادات ،باب لَا يَشْهَدُ عَلَى شَهَادَةِ جَوْرٍ إِذَا أُشْهِدَ]

"حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر ان کے بعد والوں کا اور پھر ان کے بعد والوں کا۔"

مسائل

۱۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ پر اور اللہ تعالیٰ صحابہ پر راضی ہوا۔

۲۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سابقون الاولون صحابہ افضل ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دنیا میں جنت کا سرٹیفکیٹ عنایت فرمایا۔

۴۔ مہاجرین اور انصار کے نقش قدم پر چلنے والوں سے اللہ راضی ہوتا ہے۔

۵۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے والوں سے بھی اللہ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

۶۔ جنت نصیب ہونا مومن کے لیے سب سے بڑی کامیابی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہ راضی ہوا اور صحابہ اللہ تعالیٰ پر راضی ہو گئے:

۱۔ صحابہ اللہ پر راضی ہوئے اور اللہ ان سے راضی ہوا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔(المائدۃ:۱۱۹)

۲۔ صحابہ کے نقش قدم پر چلنے والوں پر اللہ راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔(التوبۃ:۱۰۰)

۳۔ اللہ اصحاب شجرہ پر راضی ہو گیا۔(الفتح:۱۸)

۴۔ صحابہ اللہ کی جماعت ہیں اللہ ان سے راضی ہوا، اور وہ اپنے اللہ پر راضی ہو گئے۔(مجادلۃ:۲۲)

۵۔ صحابہ اللہ سے ڈرنے والے تھے اللہ ان سے راضی ہو گیا۔(البینۃ:۸)

۶۔ اللہ انہیں ایسی جگہ داخل فرمائے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے۔(الحج:۵۹)

۷۔ اللہ انہیں اپنی رحمت، رضامندی اور جنت کی خوشخبری دیتا ہے۔:التوبۃ:۲۱)

وَمِمَّنْ	حَوْلَكُمْ	مِّنَ	الْاَعْرَابِ	مُنٰفِقُوْنَ ؕ	وَمِنْ
اور سے جو	تمہارے اردگرد	سے	دیہاتیوں	منافقت کرنے والے	اور سے
اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ	مَرَدُوْا	عَلَى	النِّفَاقِ ۫	لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ	نَحْنُ
اہل مدینہ	وہ اڑ گئے	پر	نفاق	نہیں جانتے آپ انھیں	ہم
نَعْلَمُهُمْ ؕ	سَنُعَذِّبُهُمْ	مَّرَّتَيْنِ	ثُمَّ	يُرَدُّوْنَ	
جانتے ہیں انھیں	عنقریب ہم انھیں عذاب دیں گے	دو مرتبہ	پھر	وہ لوٹائے جائیں گے	
اِلٰى	عَذَابٍ	عَظِيْمٍ ۞ ١٠١	وَاٰخَرُوْنَ	اعْتَرَفُوْا	بِذُنُوْبِهِمْ
طرف	عذاب	عظیم	اور دوسرے	جنھوں نے اعتراف کیا	اپنے گناہوں کا

''اور تمھارے اردگرد کے جو دیہاتی ہیں ان میں کچھ منافق ہیں اور کچھ اہل مدینہ میں سے بھی جو نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، آپ انھیں نہیں جانتے، ہم انھیں جانتے ہیں۔ عنقریب ہم انھیں دوبار عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔''(۱۰۱) ''اور کچھ دوسرے ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا

فہم القرآن

ربط کلام: منافقین کے دوسرے اور تیسرے طبقہ کا ذکر، مدینہ کے منافقین کا ذکر کرنے کے بعد ان منافقین کا بیان ہوتا ہے جو مدینہ اور اس کے مضافات میں رہتے تھے۔

مومنوں کے اعلیٰ طبقات بیان کرنے کے بعد منافقین کے اس گروہ کا ذکر کیا جاتا ہے جو مدینہ اور اس کے مضافات میں رہنے کی وجہ سے ہر وقت مسلمانوں کے ساتھ جڑے رہتے تھے لیکن حقیقتاً پکے منافق تھے مگر تمام کام مسلمانوں جیسے کرتے اور ہر کام میں مسلمانوں کی ہاں میں ہاں ملایا کرتے تھے۔ اس وجہ سے عام مسلمان ان کے اصلی کردار سے ناواقف تھے۔ یہ منافق مسلمانوں کے لیے آستین کے سانپ تھے۔ جنہیں پہچاننا عام مسلمانوں کے بس کی بات نہیں تھی اس لیے یہ گاہے بگاہے سازشیں کرتے رہتے تھے۔ غزوہ تبوک سے واپسی پر بارہ منافقین نے اپنے چہروں پر کپڑے لپیٹ کر رات کے وقت اللہ کے رسول کو قتل کرنے کی سازش کی تھی جب آپ نے انھیں پہچان کر للکارا تو وہ لشکر میں گھس گئے۔ آپ نے ان کے نام حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بتلاتے ہوئے فرمایا کہ یہ راز رکھنا اور انھیں نظر انداز کر دیا جائے۔ منافقین کی سازشیں اور شرارتیں اس لیے تھیں کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان سے بار بار درگزر کیا۔ ان میں اکثر غریب اور کنگلے تھے مال غنیمت ملنے پر دولت مند ہوئے جس کی وجہ سے یہ منافقت میں آگے ہی بڑھتے گئے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان کو ان کی دولت سمیت زمین میں دھنسا دیا جاتا مگر اس کے

خَلَطُوْا	عَمَلًا	صَالِحًا	وَّ اٰخَرَ	سَیِّئًا	عَسَی	اللّٰهُ
انھوں نے ملایا	ایک عمل	اچھا	اور دوسرا	برا	امید ہے	اللہ

اَنْ	یَّتُوْبَ	عَلَیْهِمْ	اِنَّ	اللّٰهَ	غَفُوْرٌ	رَّحِیْمٌ ﴿١٠٢﴾
یہ کہ	توجہ فرمائے گا	ان پر	یقیناً	اللہ	بہت بخشنے والا	نہایت رحم کرنے والا ہے

کچھ عمل نیک اور کچھ برے کیے، قریب ہے اللہ ان پر توجہ فرمائے۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' (١٠٢)

باوجود اللہ تعالیٰ اپنی بے پناہ شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ سب کچھ کرنے کے باوجود اگر یہ لوگ اب بھی توبہ کر لیں تو ان کے لیے میری طرف سے خیر کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔ اگر پھر بھی باز نہ آئیں تو اللہ تعالیٰ انھیں دنیا اور آخرت میں اذیت ناک عذاب میں مبتلا کرے گا اور ان کے لیے کوئی خیرخواہ اور مددگار نہیں ہوگا۔

یہی منافقین کفار کو مسلمانوں کی سرگرمیوں سے پل پل باخبر رکھتے تھے۔ ان سے الگ تھلگ رہنا تمدنی لحاظ سے مشکل تھا کیونکہ ان کا رہن سہن بظاہر مسلمانوں جیسا تھا، پھر وہ مسلمانوں کے ساتھ پرانی رشتے داریوں کی وجہ سے جڑے ہوئے تھے ان کے نفاق اور سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

مسلمانو! تم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے۔ اس نشان دہی کے بعد مسلمانوں کو ایسے منافقوں کو پہچاننا آسان ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی منافقین کو انتباہ کیا گیا کہ عنقریب تمھیں دوگنا عذاب دیا جائے گا اور پھر مرنے کے بعد تمہیں عظیم عذاب میں مبتلا رہنا ہوگا۔ دوگنے عذاب سے مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ ہے کہ دنیا میں مہلک بیماریوں میں مبتلا ہوں گے اور آخرت میں شدید ترین عذاب سے دوچار ہوں گے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بیمار تو مومن بھی ہوا کرتا ہے جس کا جواب ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ دیا کرتے تھے کہ بیماری اور تکلیف کے وقت مومن کے گناہ جھڑتے اور آخرت میں اس کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں بیماری اور تکلیف کے وقت منافق اپنی منافقت میں اور زیادہ ہوجاتا ہے اور آخرت میں اسے دوگنا عذاب ہوگا۔ کچھ اہل علم نے یہ لکھا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد کچھ منافقین کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ جمعہ کے دوران مسجد سے نکل جانے کا حکم دیا تھا۔ (واللہ اعلم)

اس طرح منافق دنیا میں ذلیل ہوئے اور مرنے کے وقت ملائکہ ان کے چہروں پر تھپڑ رسید کرتے اور انھیں جھڑکیاں دیتے ہوئے ذلیل کریں گے۔ ایسے لوگوں کو دوگنا عذاب اس لیے دیا جاتا ہے کہ یہ خود گمراہ ہیں اور دوسروں کی گمراہی کا سبب بنتے ہیں۔ گویا کہ گناہوں کے سرغنہ ہونے کی وجہ سے دوگنا عذاب پائیں گے۔

منافقین کا تیسرا طبقہ:

یہ لوگ عقیدہ کے اعتبار سے منافق نہ تھے لیکن ان کے عمل مخلص مسلمانوں جیسے نہ تھے۔ گویا کہ اعتقادی نہیں عملی منافق تھے۔ ان کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عملی کمزوریوں کو معاف کر دے گا کیونکہ بڑا مہربان اور معاف کر دینے والا ہے۔

منافقین کی سزا:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا﴾[النساء:١٤٥]

’’یقیناً منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے تم ان کا کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔‘‘

مسائل

۱۔ منافق کو دنیا اور آخرت میں عذاب ہوگا۔

۲۔ گناہ کا اعتراف کرنے اور معافی مانگنے سے اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہی گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی توبہ قبول کرتا ہے:

۱۔ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ (التوبۃ:۱۰۴)

۲۔ اللہ غلطیاں معاف کر کے توبہ قبول کرتا ہے۔ (الشوریٰ:۲۵)

۳۔ غزوہ تبوک سے پیچھے رہنے والوں کی اللہ نے توبہ قبول فرمائی۔ (التوبۃ:۱۰۲)

۴۔ غلطی کی اصلاح کرنے والوں کی اللہ توبہ قبول کرتا ہے۔ (البقرۃ:۱۶۰)

۵۔ اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (البقرۃ:۲۲۲)

۶۔ جس نے ظلم کرنے کے بعد توبہ کی اور اپنی اصلاح کی، اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ (المائدۃ:۳۹)

۷۔ اللہ ہر توبہ کرنے والے کو معاف فرما دیتا ہے۔ (طٰہٰ:۸۲)

۸۔ جو گناہ کرنے کے بعد جلدی سے توبہ کر لیتے ہیں اللہ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ (النساء:۱۷)

خُذْ	مِنْ	اَمْوَالِهِمْ	صَدَقَةً	تُطَهِّرُهُمْ	وَتُزَكِّيْهِمْ	بِهَا
وصول کیجیے	سے	ان کے مالوں	صدقہ	آپ انھیں پاک کریں	اوران کا تزکیہ کریں	اس کے ساتھ
وَصَلِّ	عَلَيْهِمْ ؕ	اِنَّ	صَلٰوتَكَ	سَكَنٌ	لَّهُمْ ؕ	وَاللّٰهُ
اور دعا کریں	ان کے حق میں	بلاشبہ	آپ کی دعا	تسکین ہے	ان کے لیے	اور اللہ
سَمِيْعٌ	عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾	اَلَمْ	يَعْلَمُوْٓا	اَنَّ	اللّٰهَ	هُوَ
خوب سننے والا	خوب جاننے والا ہے	کیا نہیں	جانا انھوں نے	یقیناً	اللہ	وہ
يَقْبَلُ	التَّوْبَةَ	عَنْ	عِبَادِهٖ	وَيَاْخُذُ	الصَّدَقٰتِ	
وہ قبول کرتا ہے	توبہ	سے	اپنے بندوں	وہ لیتا ہے	صدقات	
وَاَنَّ	اللّٰهَ	هُوَ	التَّوَّابُ	الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾		
اور یقیناً	اللہ	وہ	توبہ قبول کرنے والا	نہایت رحم کرنے والا		

”ان کے مالوں سے صدقہ وصول کیجیے، اس کے ساتھ انھیں پاک، صاف کیجیے اور ان کے لیے دعا کیجیے، بے شک آپ کی دعا ان کے لیے باعث سکون ہے اور اللہ خوب سننے، خوب جاننے والا ہے۔“ (۱۰۳) ”کیا وہ نہیں جانتے کہ یقیناً اللہ اپنے بندوں کی توبہ اور صدقہ قبول کرتا ہے اور یقیناً اللہ توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ (۱۰۴)

فہم القرآن

ربط کلام: چھپے ہوئے منافقوں کے بیان کے بعد ان مسلمانوں کا ذکر جو معقول عذر نہ رکھنے کے باوجود غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ نیز اس میں بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ اگر منافق بھی اخلاص کے ساتھ توبہ اور صدقہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرنے اور صدقہ منظور فرمانے والا ہے۔

اس سے پہلے منافقوں کے گھناؤنے کردار اور مخلص مسلمانوں کے درجات اور مقام کا ذکر فرمایا۔ ان کے بعد عملی منافقوں کو بخشش کی امید دلانے کے بعد ان مسلمانوں کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ جنہوں نے تبوک کے موقع پر سستی کا مظاہرہ کیا تھا۔ چھپے ہوئے منافقوں کے بیان کے معاً بعد سستی کے مرتکب حضرات کا ذکر ایک طرح کی سرزنش ہے مزید یہ کہ انھیں دوسرے کہہ کر پکارا گیا ہے۔ جس میں واضح طور پر بیگانگی کا تصور پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ لوگ اپنے ایمان میں نہایت مخلص تھے اور اسلام لانے کے بعد ان کا کردار بے داغ تھا۔ محض بشری سستی کی بنا پر عساکر اسلام سے پیچھے رہ گئے تھے۔ اس بنا پر انھوں نے جھوٹے عذر بہانے بنانے کی بجائے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ اور خود ہی اپنی سزا تجویز کی کہ اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے جکڑ لیا۔ کہ جب تک نبی کریم ﷺ ہمیں نہ کھولیں تا دم مرگ اسی طرح اپنے آپ کو جکڑے رکھیں گے۔ جن کے بارے

میں فرمایا گیا ہے کہ ان کے نیک اعمال بھی ہیں اور برے بھی۔ برے اعمال سے مراد جہاد کا حکم سننے کے باوجود سستی دکھانا یہاں تک کہ لشکر اسلام سے پیچھے رہ جانا اور پیچھے رہنے والے منافقوں کی تقویت کا باعث بننا۔ تاہم اپنے ایمان میں مخلص تھے۔ اس لیے اعلان ہوا۔ کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ ان پر مہربان ہوگا۔ چنانچہ چند دنوں کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔ توبہ قبول ہوتے ہی ان لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں سارا مال پیش کرتے ہوئے درخواست کی کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ یہ مال قبول فرمائیں۔ کیونکہ اس مال کی وجہ سے ہم اس غلطی کے مرتکب ہوئے۔ اس موقع پر یہ فرمان نازل ہوا۔ اے نبی ﷺ ان کے مال سے کچھ حصہ قبول فرمائیں اور ان کے لیے دعا کریں۔ آپ کی دعا ان کے زخمی دلوں پر مرہم اور ان کی بیقرار روح کے لیے تسکین کا سبب ہوگی۔ ان کا صدقہ قبول کرنے سے ان کا مال پاک اور ان کی طبیعت سے بخل دور ہوگا اور انھیں یقین ہو جائے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی ہے۔ اس سے لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا اور لوگوں کے صدقات منظور فرمانے والا ہے۔ جس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ اجازت نہ دے تو نبی بھی کسی کا صدقہ قبول نہیں کر سکتا۔ صرف اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ اور صدقات قبول کرنے والا ہے کیونکہ وہ نہایت ہی فضل و کرم کا مالک ہے۔ یاد رہے یہاں صدقہ سے مراد عام صدقہ ہے زکوٰۃ نہیں۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ))

[رواہ الترمذی: کتاب الدعوات، باب قبول توبة العبد مالم یغرغر]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا حالت نزع طاری ہونے سے پہلے پہلے اللہ بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے۔“

مسائل

۱۔ صدقہ دینے سے مال پاک ہوتا ہے۔
۲۔ رسول اللہ ﷺ کی دعا صحابہ کے لیے باعث تسکین تھی۔
۳۔ اللہ ہی بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔
۴۔ صدقات وخیرات کو اللہ ہی شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔
۵۔ اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ رحم فرمانے والا ہے:

۱۔ اللہ ہی رحم کرنے والا ہے۔ (الانعام:۱۳۳) ۲۔ مہربانی فرمانا اللہ نے اپنے آپ پر لازم کرلیا ہے۔ (الانعام:۵۴)

۳۔ اللہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (یوسف:۶۴)

۴۔ میرے بندوں کو میری طرف سے خبر کردو کہ میں بخشنے والا، رحم کرنے والا ہوں۔ (الحجر:۴۹)

۵۔ اللہ مومنوں کو اندھیروں سے نکالتا ہے کیونکہ وہ رحم کرنے والا ہے۔ (الاحزاب:۴۳)

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ

اور فرما دیجیے تم عمل کرو پس عنقریب وہ دیکھے گا اللہ تمہارا عمل اور اس کا رسول اور مومن

وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ

اور عنقریب تم لوٹائے جاؤ گے طرف جاننے والا چھپی اور کھلی (باتوں کو) پھر وہ تمھیں خبر دے گا

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۚ﴿١٠٥﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ

اس کے ساتھ تم تھے تم عمل کرتے کچھ اور ہیں چھوڑ دیے گئے حکم کے لیے اللہ

اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠٦﴾

یا تو وہ انھیں سزا دے گا اور یا وہ متوجہ ہوگا ان پر اور اللہ خوب جاننے والا بڑا حکمت والا

”اور فرما دیجیے عمل کرو، پس عنقریب اللہ تمھارا عمل اور اس کا رسول اور مومن دیکھیں گے اور عنقریب تم چھپی اور کھلی بات کو جاننے والے اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ وہ تمھیں خبر دے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔“(١٠٥) ”کچھ اور ہیں جو اللہ کے حکم سے چھوڑ دیے گئے ہیں، چاہے انھیں سزا دے اور چاہے وہ ان پر متوجہ ہو جائے۔ اور اللہ خوب جاننے والا، بڑا حکمت والا ہے۔“(١٠٦)

فہم القرآن

ربط کلام: توبہ اور صدقات قبول کرنے کے باوجود وارننگ۔

غزوہ تبوک سے پیچھے رہنے والوں کی توبہ قبول کر لی گئی۔ مگر اس کے باوجود انھیں یہ کہہ کر وارننگ دی گئی۔ کہ آئندہ تمہیں دیکھا جائے گا کہ تم کیسا کردار پیش کرتے ہو۔ گویا اللہ اس کا رسول اور مومن تم پر کڑی نگاہ رکھیں گے۔ کہ تم دوبارہ ایسی غلطی تو نہیں کرتے۔ ہاں یاد رکھنا تم بالآخر اس ذات کبریا کے حضور پیش ہونے والے ہو۔ جس سے کسی کا ظاہر و باطن پوشیدہ نہیں ہے۔ باطن کا معنٰی جو چیز انسان کی نظروں سے اوجھل ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ظاہر اور باطن دونوں برابر ہیں۔ ان سات صحابہ کی توبہ قبول ہوئی مگر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ حضرت ھلال بن امیہ رضی اللہ عنہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ فرما کر معلق کر دیا گیا کہ اللہ چاہے انھیں سزا دے یا انھیں معاف فرما دے۔ تاہم عذاب کے بعد معافی کا بیان فرما کر واضح اشارہ دیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی معاف فرما دیں گے، کیونکہ وہ ان کی نیتوں کو جانتا ہے۔ توبہ قبول کرنے کی تاخیر کی حکمت بھی اچھی طرح اس کے علم میں ہے۔ تفصیل کے لیے اسی سورۃ کی آیت ١١٨ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ افْتَتَحَ صَلٰوتَهٗ (فَقَالَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَآئِيْلَ وَمِيْكَآئِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ

بَيۡنَ عِبَادِكَ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ اِهۡدِنِيۡ لِمَا اخۡتُلِفَ فِيۡهِ مِنَ الۡحَقِّ بِاِذۡنِكَ اِنَّكَ تَهۡدِىۡ مَنۡ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ))[رواه مسلم :باب الدعاء فى الصلوة الليل]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے سے پہلے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اے الٰہی! جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے رب، تو ہی زمین وآسمانوں کا پیدا کرنے اور حاضر و غائب کا علم رکھنے والا ہے اور تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان کے آپس کے اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا۔ اختلافی معاملات میں حق اور سچ کے ساتھ میری رہنمائی فرما۔ یقیناً تو جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت عطا کرتا ہے۔''

اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا ہے:

((عَنۡ عَآئِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتۡ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ الۡعَبۡدَ اِذَا اعۡتَرَفَ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ))

[رواه البخارى:باب تعديل النساء بعضهن بعضا]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی بندہ گناہ کا اعتراف کرکے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد ہر کسی کو اس کے عمل سے آگاہ فرمائے گا۔

۲۔ لوگوں کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے چاہے معاف فرمادے چاہے سزا دے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا اور اس کے ہر کام اور حکم میں حکمت ہوتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ غیب اور ظاہر کو جانتا ہے:

۱۔ اللہ غیب اور ظاہر کو جانتا ہے۔(التوبۃ:۱۰۵)

۲۔ اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے اور چھپاتے ہو۔ وہ دل کے رازوں سے بھی واقف ہے۔(ہود:۵)

۳۔ اللہ پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے۔(النحل:۱۹)

۴۔ اللہ غائب اور حاضر کو جانتا ہے۔(الحشر:۲۲)

۵۔ اللہ زمین وآسمانوں کی ہر ظاہر اور پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔(الانعام:۳)

۶۔ جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو اللہ کے لیے برابر ہے۔(الرعد:۱۰)

وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مَسۡجِدًا ضِرَارًا وَّكُفۡرًا وَّتَفۡرِيۡقًاۢ بَيۡنَ

اور وہ لوگ | جنھوں نے بنائی | مسجد | تکلیف پہنچانے | اور کفر کرنے | تفرقہ ڈالنے | درمیان

الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَاِرۡصَادًا لِّمَنۡ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ مِنۡ

مومنوں کے | اور گھات لگانے | کیلئے جس نے | لڑائی کی اس نے | اللہ سے | اور اس کے رسول | سے

قَبۡلُ ؕ وَلَيَحۡلِفُنَّ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّا الۡحُسۡنٰى ؕ وَاللّٰهُ

پہلے | اور وہ ضرور قسمیں اٹھائیں گے | نہیں | ہم نے ارادہ کیا | مگر | اچھائی | اور اللہ

يَشۡهَدُ اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمۡ فِيۡهِ اَبَدًا ؕ لَمَسۡجِدٌ

گواہی دیتا ہے | بلاشبہ وہ | البتہ جھوٹ بولنے والے ہیں | آپ نہ کھڑے ہوں | اس میں | کبھی بھی | یقیناً مسجد

”اور وہ لوگ جنھوں نے مسجد بنائی تکلیف دینے اور کفر پھیلانے اور ایمان والوں کے درمیان تفریق ڈالنے کے لیے اور گھات لگانے کے لیے جنھوں نے اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کی اور یقیناً وہ ضرور قسمیں اٹھائیں گے کہ ہم نے بھلائی کے سوا کچھ ارادہ نہیں کیا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔“ (١٠٧) آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہوں۔ یقیناً وہ مسجد

فہم القرآن

ربط کلام: منافقوں اور مومنوں کے کردار اور انجام کا تقابل جاری ہے۔

منافقوں کی ایک اور سازش کا ذکر شروع ہوتا ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے۔ ابو عامر جو مدینہ کا ہی رہنے والا تھا۔ نبی محترم ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے اس کی مدینہ میں بڑی عزت وتکریم کی جاتی تھی۔ اس نے آپ ﷺ کے ورودِ مدینہ سے پہلے عیسائیت قبول کی اور لوگوں میں راہب کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا۔ آپ کی آمد پر اس نے منافقت کا لبادہ اوڑھا اور آئے روز نئی سے نئی سازش تیار کرتا۔ اس شخص کو غسیل الملائکہ حضرت ابو حنظلہ رضی اللہ عنہ کا باپ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اللہ کی شان بہترین بیٹے کا بدترین باپ حضرت ابو حنظلہ رضی اللہ عنہ کا منفرد اعزاز ہے کہ جب اُحد میں شہید ہوئے تو ان کی بیوی نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بڑی حیاداری سے عرض کی کہ اللہ کے رسول مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے شہیدوں کو بغیر غسل کے دفنانے کا فیصلہ فرمایا ہے۔ لیکن میرا خاوند حنظلہ واجب الغسل ہے۔ آپ نے فرمایا بی بی فکر نہ کرو۔ میں نے دیکھا ہے کہ آپ کے خاوند کو ملائکہ نے غسل دے دیا ہے۔ اس فرمان کے بعد انھیں غسیل الملائکہ کہا جانے لگا۔ (سنن البیہقی) غسیل الملائکہ کے باپ ابو عامر نے منافقین کو مشورہ دیا کہ مدینہ میں ہمارے لیے کسی الگ جگہ اکٹھا ہونا مشکل ہو گیا ہے۔ تم مسجد کے نام پر ایک ایسی عمارت بناؤ جس میں ہم نبی کو ناکام کرنے کا منصوبہ بنایا کریں چنانچہ انھوں نے اس نیت اور غرض سے مسجد بنائی۔ ان کے پروگرام میں مسلمانوں کو

اُسِّسَ	عَلَى	التَّقْوٰى	مِنْ	اَوَّلِ	يَوْمٍ	اَحَقُّ
جس کی بنیاد رکھی گئی	پر	تقویٰ	سے	پہلے	دن	زیادہ حق دار ہے

اَنْ	تَقُوْمَ	فِيْهِ ط	فِيْهِ	رِجَالٌ	يُّحِبُّوْنَ	اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ط
کہ	آپ کھڑے ہوں	اس میں	اس میں	لوگ	وہ پسند کرتے ہیں	یہ کہ وہ پاک ہوں

وَاللّٰهُ	يُحِبُّ	الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝١٠٨
اور اللہ	وہ محبت کرتا ہے	پاک رہنے والوں کو

جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی زیادہ حق رکھتی ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے آدمی ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' (١٠٨)

ایذا دینا، کفر پر پکے رہنا اور مسلمانوں میں تفریق ڈالنا تھا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف مورچہ بندی کرنا شامل تھا۔ مسجد بنانے کے بعد منافقین نے آپ ﷺ کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ آپ برکت کے طور پر اس مسجد میں ایک نماز پڑھائیں تاکہ ہم باقاعدہ اس میں نمازیں ادا کرنا شروع کریں۔ ان کے مذموم عزائم سے آگاہ کرنے کے لیے آپ کو حکم ہوا کہ: اے رسول! آپ اس مسجد میں ہرگز داخل نہ ہوں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تبوک سے واپسی پر اس مسجد میں نماز پڑھائیں گے لیکن تبوک سے واپسی پر آپ کو اس مسجد کی حقیقت بتلا کر منع کر دیا گیا کہ آپ نے اس مسجد میں ہرگز قدم رنجہ نہیں فرمانا۔ کیوں کہ اس کی تعمیر کا مقصد اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا نہیں بلکہ کفر کی ترویج، مسلمانوں میں تفریق ڈالنے کے ساتھ، اللہ اور آپ کے خلاف مورچہ بندی کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خلاف مورچہ بندی کرنے سے مراد کفر وشرک کی حمایت کرنا ہے۔ یہ حکم نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے اس مسجد کو مسمار کروا دیا تھا۔ یاد رہے کہ منافقوں نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے قسمیں اٹھا اٹھا کر کہا تھا کہ مسجد قبا ہمارے گھروں سے دور ہے۔ ہم نے آنے جانے کی سہولت اور خالص عبادت کی غرض سے یہ مسجد تعمیر کی ہے۔ جس کی تردید کرتے ہوئے اسے مسمار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور فرمایا کہ اے رسول ﷺ آپ کو اس مسجد کی بجائے اس مسجد میں جانا چاہیے جس کی بنیاد خدا خوفی اور یادِ الٰہی کے لیے رکھی گئی ہے۔ بعض اہل علم نے مسجد قبا کی بجائے اس سے مسجد نبوی مراد لی ہے اس میں کوئی شک نہیں مسجد نبوی مسجد قبا سے افضل ہے مگر قرآن مجید کے اشارات اور سیرت کی کتب سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد قبا ہے جس کے نمازیوں کی تعریف کی گئی ہے۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْتِيْ مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ مَّاشِيًا وَّرَاكِبًا فَيُصَلِّيْ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ)) [رواہ مسلم : كتاب الحج، باب فضل مسجد قباء و فضل الصلاة فيه وزيادته]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہر ہفتے پیدل یا سوار ہو کر مسجد قباء تشریف لے جاتے

اوراس میں دونفل ادا کیا کرتے تھے۔“

((عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ الْأَنْصَارِي وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الصَّلَاةُ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ كَعُمْرَةٍ))[رواہ الترمذی: کتاب الصلاۃ ، باب ماجاء فی الصلاۃ فی مسجد قباء]

”حضرت اسید بن حضیر انصاری رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے صحابہ میں سے تھے وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مسجد قباء میں نماز پڑھنا عمرہ ادا کرنے کی مانند ہے۔“

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ فِي أَهْلِ قُبَاءَ (فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ) قَالَ كَانُوا يَسْتَنْجُونَ بِالْمَاءِ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ فِيهِمْ))

[رواہ الترمذی: کتاب التفسیر،باب وَمِنْ سُورَةِ التَّوْبَةِ]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا یہ آیت قباء والوں کے متعلق نازل ہوئی اس کے نمازی طہارت کو پسند کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پاک صاف رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے کیونکہ قباء والے پانی سے بھی استنجاء کیا کرتے تھے تب یہ آیت ان کے متعلق نازل ہوئی۔“

مسائل

۱۔ منافقین شروع سے ہی دین اسلام کے خلاف سازشیں کرتے چلے آرہے ہیں۔

۲۔ مسجد ضرار دین حق کے مقابلہ میں بنائی گئی۔ ۳۔ اہل کفر دین اسلام کے کبھی خیر خواہ نہیں ہوسکتے۔

۴۔ ظاہر اور باطنی طور پر پاک رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ ۵۔ مسجد کی بنیاد خدا خوفی پر ہونی چاہیے۔

۶۔ مسجد میں کفروشرک اور تفرقہ بازی کی تبلیغ نہیں ہونی چاہیے۔ ۷۔ منافق کی قسم پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔

۸۔ جس مسجد میں کفروشرک اور لڑائی جھگڑے کا ماحول پیدا کیا جائے اس میں نماز پڑھنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ پاک باز لوگوں کو پسند کرتا ہے:

۱۔ اللہ پاک باز لوگوں کو پسند کرتا ہے۔(التوبۃ:۱۰۸)

۲۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔(البقرۃ:۲۲۲)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم اور اسماعیل کو بیت اللہ کو پاک، صاف رکھنے کا حکم دیا تھا۔(البقرۃ:۱۲۵)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا تاکہ تم طہارت حاصل کرو۔(الانفال:۱۱)

۵۔ اے نبی اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھیں۔(المدثر:۴)

اَفَمَنْ	اَسَّسَ	بُنْيَانَهٗ	عَلٰى	تَقْوٰى	مِنَ	اللّٰهِ
کیا پھر جس	نے بنیاد رکھی	اس عمارت کی	پر	خوف	سے	اللہ
وَرِضْوَانٍ	خَيْرٌ	اَمْ	مَّنْ	اَسَّسَ	بُنْيَانَهٗ	عَلٰى
اور رضامندی	بہتر	یا	جس	اس نے بنیاد رکھی	اس عمارت کی	پر
شَفَا	جُرُفٍ	هَارٍ	فَانْهَارَ	بِهٖ	فِيْ	نَارِ جَهَنَّمَ
کنارے	کھوکھلے	گرنے والی	چنانچہ وہ لے ہی گرے	ساتھ اس	میں	آگ جہنم
وَاللّٰهُ	لَا يَهْدِي	الْقَوْمَ	الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾	لَا يَزَالُ	بُنْيَانُهُمُ	الَّذِيْ
اور اللہ	نہیں ہدایت دیتا	قوم	ظالم	ہمیشہ رہے گی	اس نے بنیاد رکھی	وہ جو

''کیا وہ شخص، جس نے اس عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اس کی رضامندی پر رکھی، بہتر ہے، یا وہ جس نے اس عمارت کی بنیاد نیچے سے کھوکھلے تودے کے کنارے پر رکھی، جو گرنے ہی والا تھا؟ پس وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں گر گیا اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' (١٠٩) ''انھوں نے جو عمارت بنائی ہے، ہمیشہ

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

پچھلی آیت میں حکم ہے کہ اے نبی (ﷺ)! آپ کو اس مسجد میں نماز پڑھنا ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر اٹھائی گئی ہے۔ اس مسجد کو آپ ﷺ نے مدینہ داخل ہونے سے پہلے قبا محلّہ میں اس وقت تعمیر فرمایا تھا۔ جب آپ تقریباً پندرہ دن کے لیے قبا میں قیام پذیر ہوئے تھے۔ یہاں نہ صرف اس مسجد کی تعریف فرمائی گئی ہے۔ بلکہ وہاں کے نمازیوں کے اوصاف بھی گنوائے گئے ہیں کہ یہ لوگ طہارت کا خیال رکھنے والے نہایت پاکباز ہیں۔ اللہ پاکباز لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ اس کے بعد دونوں مسجدوں کا موازنہ کیا گیا ہے۔ کہ کیا دونوں برابر ہوسکتی ہیں؟ ایک کی بنیاد خدا خوفی اور اپنے رب کی خوشنودی پر اٹھائی گئی ہے اور نام نہاد مسجد کی اٹھان کفر و تفریق پر رکھی ہے۔ جس کی حیثیت یہ ہے گویا کہ یہ ایسی عمارت ہے جس کی بنیاد ہی نہیں۔ '' شَفَا جُرُفٍ هَارٍ'' کا معنیٰ ہے دریا کا وہ کنارہ جس کے نیچے سے زمین دریا برد ہو چکی ہو اور وہ گرنے ہی والا ہو۔ یہی حالت اس کے بنانے والوں کی ہے۔ ان کا کردار اس قدر گھناؤنا اور عقیدہ اس قدر گندہ ہے کہ یہ لوگ جہنم کے کنارے بیٹھے ہوئے ہیں۔ بس ان کے مرنے کی دیر ہے اِدھر مرے اور اُدھر جہنم میں دھڑام سے گرے۔ کیونکہ کفر ان کے دلوں میں اس طرح رچ بس گیا ہے کہ

بَنَوْا	رِيْبَةً	فِيْ	قُلُوْبِهِمْ	اِلَّآ	اَنْ	تَقَطَّعَ	قُلُوْبُهُمْ ؕ
انھوں نے بنائی	شک ڈالنا	میں	ان کے دلوں	مگر	یہ کہ	کٹ ہو جائیں	ان کے دل

وَاللّٰهُ	عَلِيْمٌ	حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع
اور اللہ	خوب جاننے والا	خوب حکمت والا ہے

ان کے دلوں میں بے چینی کا باعث بنی رہے گی مگر اس صورت میں کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔“(۱۱۰)

بے شک ان کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تو بھی ان کے دلوں سے کفر نکلنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ یہ اسی حالت میں مریں گے۔ لہٰذا ان کو اپنی حکمت کے مطابق مہلت دیے جا رہا ہے۔” شَفَا جُرُفٍ هَارٍ “کے الفاظ استعمال فرما کر اس مسجد کے گرانے کا واضح اشارہ دیا گیا جس بناء پر رسول معظم ﷺ نے اسے گرانے اور جلانے کا حکم صادر فرمایا۔

مسائل

۱۔ ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرنا چاہیے۔ ۲۔ ایمان اور نفاق کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔

۳۔ ایمان ایک عمارت کی طرح ہے جس کی بنیاد پختہ ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

۵۔ جس عمل کی بنیاد نفاق پر ہو خواہ کتنا ہی اچھا لگے وہ جہنم کا سبب ہو گا۔

۶۔ اعتقادی منافق مرتے دم تک نفاق سے چھٹکارا نہیں پاتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ظالم اور فاسق کو ہدایت نہیں دیتا:

۱۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (التوبۃ:۱۰۹)

۲۔ یہودیوں اور عیسائیوں سے دوستی کرنے والا انہی میں سے ہے اس کو اللہ ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدۃ:۵۱)

۳۔ اللہ منافقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (الصّف:۵)

۴۔ اللہ منافقوں کو ہرگز معاف نہیں کرے گا اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المنافقون:۶)

۵۔ جو اللہ کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں وہ برے لوگ ہیں۔ اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (الجمعۃ:۵)

إِنَّ	اللّٰهَ	اشْتَرٰى	مِنَ	الْمُؤْمِنِيْنَ	اَنْفُسَهُمْ	وَاَمْوَالَهُمْ
یقیناً	اللہ	خرید لیا اس نے	سے	مومنوں	ان کی جانیں	اور ان کے مال

بِاَنَّ	لَهُمُ	الْجَنَّةَ ؕ	يُقَاتِلُوْنَ	فِيْ	سَبِيْلِ	اللّٰهِ	فَيَقْتُلُوْنَ
بدلے بے شک	ان کیلئے	جنت	وہ لڑتے ہیں	میں	راستے	اللہ	پھر وہ قتل کرتے ہیں

وَ	يُقْتَلُوْنَ قف	وَعْدًا	عَلَيْهِ	حَقًّا	فِي	التَّوْرٰىةِ	وَالْاِنْجِيْلِ
اور	وہ قتل کیے جاتے ہیں	وعدہ	اس پر	سچا	میں	تورات	اور انجیل

وَالْقُرْاٰنِ ؕ	وَمَنْ	اَوْفٰى	بِعَهْدِهٖ	مِنَ	اللّٰهِ	فَاسْتَبْشِرُوْا
اور قرآن	اور کون	زیادہ پورا کرنے والا	اپنے عہد کو	سے	اللہ	لہٰذا تم خوش ہو جاؤ

بِبَيْعِكُمُ	الَّذِيْ	بَايَعْتُمْ	بِهٖ ؕ	وَذٰلِكَ	هُوَ	الْفَوْزُ	الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾
اپنے اس سودے پر	وہ جو	تم نے سودا کیا	ساتھ اس کے	اور یہی	وہ	کامیابی	بہت بڑی

”یقیناً اللہ نے ایمان والوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لیے ہیں۔ اس کے بدلے کہ یقیناً ان کے لیے جنت ہے، وہ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں، پس قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، تورات اور انجیل اور قرآن میں اللہ کے ذمے پکا وعدہ ہے اور اللہ سے زیادہ اپنا وعدہ پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ اس سودے پر خوب خوش ہو جاؤ جو تم نے اللہ سے کیا ہے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“ (۱۱۱)

فہم القرآن

ربط کلام: منافق اور مخلص مسلمان کے کردار میں فرق۔ منافق کفر و نفاق چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتا جبکہ مخلص مسلمان اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے اپنی جان کو ہتھیلی پر لیے پھرتا ہے۔

یہاں نہایت ہی اُچھوتے انداز میں منافق اور مسلمان کے کردار کا موازنہ پیش کیا جا رہا ہے۔ منافق دنیا کے لیے اپنا ایمان اور غیرت داؤ پر لگا دیتا ہے اس کے مقابلے میں مومن اپنے خالق و مالک کی رضا کی خاطر مال، عزت و اقبال، اقتدار اور اختیار یہاں تک کہ اپنی جان بھی قربان کر دیتا ہے۔ مومن کے اسی کردار کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کے عوض جنت کا سودا کر رکھا ہے۔ مومن اس کے حصول کے لیے ہر چیز قربان کرنے اور بڑی سے بڑی دشمنی مول لینے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم پر اللہ کے دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور ان کے ہاتھوں شہید بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جہاد اور ایثار کے بدلے جنت دینے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ جس کا تذکرہ

تورات، انجیل اور قرآن مجید میں پایا جاتا ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی اپنے وعدہ پورا کرنے والا نہیں ہے۔لہٰذا اے مجاہدو اور مومنو! اس سوداگری پر خوش ہو جاؤ۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ دنیا میں اس کامیابی کا صلہ یہ ہے کہ اگر مسلمان کامیاب ہوں تو نہ صرف اللہ تعالیٰ کا دین سربلند ہوتا ہے بلکہ مسلمانوں کی عزت و اقبال میں اضافہ اور انہیں کفار پر غلبہ اور اقتدار حاصل ہوتا ہے۔ آخرت میں غازیوں اور شہیدوں کو اس قدر اعلیٰ مقام پر فائز کیا جائے گا کہ جنتی بھی ان کی طرف حسرت کی نگاہ سے دیکھا کریں گے امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پر انصار کی بیعت عقبہ کا ذکر کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ جب انصار کا وفد حج کے موقع پر بیعت کر رہا تھا۔ عقبہ پہاڑ کے حصہ کو کہا جاتا ہے یہاں عقبہ سے مراد منیٰ میں جمرہ عقبہ کے ساتھ پہاڑ کا وہ حصہ جہاں نبوت کے گیارہویں سال چھ آدمیوں نے بیعت کی تھی جیسے بیعت عقبہ کہا جاتا ہے۔ اس میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی کہ اللہ کے رسول ہمیں اپنی بیعت کی شرائط بتلائیں آپ نے فرمایا اللہ کے لیے یہ عہد کرو کہ صرف اسی کی عبادت کرو گے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤ گے اور میری حفاظت اس طرح کرو گے جس طرح اپنے مال و جان کی کرتے ہو۔ ابن رواحہ نے عرض کی کہ اللہ کے رسول ہمیں اس کے بدلے میں کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں اس کے بدلے اللہ جنت عطا فرمائے گا یہ سنتے ہی انصار نے بیک زبان ہو کر کہا کہ ہمیں یہ سودا منظور ہے، ہم جیتے جی یہ بیع ٹوٹنے نہیں دیں گے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے یہاں ایک خاص نقطہ اٹھایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ چیز وہ خریدی جاتی ہے جو خریدار کے پاس نہ ہو اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کا خالق اور مالک ہے پھر خریداری کا کیا معنیٰ؟ امام محترم رحمہ اللہ خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی ہے کہ مومن کو دی ہوئی چیز اس سے لیتے ہوئے بھی اس کا بدلہ عنایت کرتا ہے۔

((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَا مِنْ اَحَدٍ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ یُحِبُّ اَنْ یَّرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا وَلَہٗ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا الشَّھِیْدُ یَتَمَنّٰی اَنْ یَّرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا فَیُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا یَرٰی مِنَ الْکَرَامَۃِ))[رواہ مسلم : کتاب الامارۃ ، باب فضل الشھادۃ فی سبیل اللّٰہ]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ مکرم ﷺ نے فرمایا، جنت میں داخل ہونے کے بعد کوئی بھی شخص دوبارہ دنیا میں آنا پسند نہیں کرے گا۔ اگرچہ اسے دنیا کی تمام چیزیں بھی دی جائیں۔ مگر شہید آرزو کرے گا کہ وہ دنیا میں جائے اور دس بار شہید کیا جائے۔ کیونکہ وہ عزت و شرف دیکھ چکا ہوتا ہے۔“

((أول ما یھراق من دم الشھید یغفر لہ ذنبہ کلہ إلا الدین))[حدیث رقم : ۲۵۷۸ ، فی صحیح الجامع]

”پہلے قطرہ خون سے شہید کے قرض کے سوا سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“

((عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَّ قِيَامِهٖ وَاِنْ مَّاتَ جَرٰى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِيْ كَانَ يَعْمَلُهٗ وَاُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ وَاَمِنَ الْفَتَّانَ)) [رواه مسلم:باب فضل الرباط فی سبیل الله]

”حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی گرامی ﷺ سے سنا کہ آپ فرمار ہے تھے اللہ کے راستے میں ایک دن اور رات کا پہرہ دینا ایک مہینہ کے روزوں اور قیام سے بہتر ہے اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کا عمل برابر جاری رہتا ہے اسے رزق دیا جاتا ہے اور وہ قبر کے فتنہ سے محفوظ رہتا ہے۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلے مومنوں کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا ہے۔

٢۔ اللہ کے ساتھ سودا کرنے والوں کو عظیم خوشخبری دی گئی ہے۔

٣۔ انسان کی جان اور مال اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔

٤۔ اللہ کے راستے میں قتال کرنا اللہ تعالیٰ سے تجارت کرنا ہے۔

٥۔ اللہ تعالیٰ مومنین کی آزمائش کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مجاہدین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے وعدے:

١۔ مجاہدین کے ساتھ اللہ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔(التوبۃ:١١١)

٢۔ مومنین میں سے مجاہد اور غیر مجاہد برابر نہیں ہو سکتے۔(النساء:٩٥)

٣۔ اللہ نے مجاہدین کو بیٹھنے والوں پر فضیلت دی ہے۔(النساء:٩٥)

٤۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔(البقرۃ:٢١٨)

٥۔ اللہ کی راہ میں مال و جان سے جہاد کرنے والوں کے لیے اچھائیاں اور کامیابی ہے۔(التوبۃ:٨٨)

٦۔ اللہ نے مجاہدین کے ساتھ بلند درجات کا وعدہ فرمایا ہے۔(النساء:٩٦)

٧۔ ایمان لانے والوں، ہجرت کرنے والوں اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے مغفرت اور رزق کریم ہے۔(الانفال:٧٤)

اَلتَّآئِبُوْنَ	الْعٰبِدُوْنَ	الْحٰمِدُوْنَ	السَّآئِحُوْنَ	الرّٰكِعُوْنَ
توبہ کرنے والے	عبادت کرنے والے	حمد کرنے والے	روزہ رکھنے والے	رکوع کرنے والے

السّٰجِدُوْنَ	الْاٰمِرُوْنَ	بِالْمَعْرُوْفِ	وَالنَّاهُوْنَ	عَنِ	الْمُنْكَرِ
سجدہ کرنے والے	حکم کرنے والے	ساتھ نیکی	اور روکنے والے	سے	برائی

وَالْحٰفِظُوْنَ	لِحُدُوْدِ	اللّٰهِ ؕ	وَبَشِّرِ	الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾
اور حفاظت کرنے والے	حدود	اللہ	اور خوشخبری سنا دیجیے	مومنوں

”(وہ مومن) توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے، برائی سے منع کرنے والے اور اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور ایمان والوں کو خوش خبری دیجیے۔“ (۱۱۲)

فہم القرآن

ربط کلام: مجاہد صرف اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے مرنے والے ہی نہیں ہوتے بلکہ وہ ان اوصاف حمیدہ کے حامل بھی ہوتے ہیں۔

یہاں مجاہدوں اور مومنوں کی نو صفات کا ذکر کیا گیا ہے جن میں پہلی اور بنیادی صفت کفر و شرک اور گناہوں سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنا ہے۔

۱۔ اَلتَّائِبُوْنَ: توبہ کرنے والے

کافر اور مشرک کے لیے پہلا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے کفر و شرک سے سچی توبہ کرے اور حلقہ اسلام میں داخل ہو جائے۔ اسلام میں توبہ کا مرتبہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کے حضور سچی توبہ کرتا ہے تو اس کے سابقہ گناہوں کو بیک جنبش قلم معاف کر دیا جاتا ہے وہ اپنے رب کے ہاں اس طرح ہو جاتا ہے جیسا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ توبہ کرنے سے انسان کے نہ صرف گناہ معاف ہوتے ہیں بلکہ وہ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہے توبہ کی بنیادی شرائط یہ ہیں:

۱۔ سابقہ گناہ پر شرمسار ہو کر معافی مانگنا۔

۲۔ آئندہ کے لیے گناہ سے بچنے کا عزم بالجزم کرنا۔

۳۔ اپنی اصلاح کرنا۔

((عَنْ أَبِیْ عُبَيْدَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهُ)) [رواه ابن ماجة: كتاب الزهد، باب ذكر التوبة]

''حضرت ابوعبیدہ بن عبداللہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا گناہوں سے توبہ کرنے والا اس طرح پاک ہو جاتا ہے گویا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔''

۲۔ اَلْعَابِدُوْنَ: عبادت کرنے والے

عبادت کی تین قسمیں ہیں جن کا اقرار ہر نمازی تشہد میں کرتا ہے۔

۱۔ التَّحِيَّاتُ: دعا کرنا اور زبان سے ذکر واذکار کرنا

۲۔ وَالصَّلَوَاتُ: نماز میں آدمی چار حالتیں اختیار کرتا ہے۔ قیام، رکوع، سجدہ اور تشہد۔ ان میں سے کوئی ایک طریقہ بھی کسی بزرگ یا قبر کے سامنے اختیار کیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور اس کی خالص عبادت کرنے سے انکار کے مترادف ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے عبادت اور ثواب سمجھ کر یہ آداب بجالانا حرام ہیں۔

۳۔ والطَّيِّبَاتُ: مالی عبادت۔ یہ بھی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہونی چاہیے اسی بناء پر غیر اللہ کے لیے نذرانہ پیش کرنا، بتوں یا قبروں پر چڑھاوے چڑھانا یا کوئی چیز نذرانہ کرنا۔ کلی طور پرنا جائز اور حرام ہے نبی اکرم ﷺ نے اس سے یہاں تک بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ''حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ ''بوانہ'' مقام پر اونٹ ذبح کرے گا۔ سرورِ دو عالم ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی پوجا کی جاتی ہو؟ اس نے نفی میں جواب دیا۔ سرورِ کائنات نے استفسار فرمایا: بھلا وہاں جاہلیت کے میلوں میں سے کوئی میلہ لگتا تھا؟ اس نے عرض کی کہ نہیں۔ حبیب کبریا ﷺ نے فرمایا پھر تجھے نذر پوری کرنا چاہیے۔ اس نذر کو پورا نہ کیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو اور نہ جس کو انسان پورا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔'' [رواہ ابوداؤد]

۳۔ اَلْحَامِدُوْنَ: حمد کرنے والے

اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے۔ قرآن مجید نے ہمیں یہ حقیقت بتلائی ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش بیان کرنے میں لگی ہوئی ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

''تسبیح بیان کرتے ہیں اسی کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیزان میں ہے۔ اور (اس کائنات میں) کوئی بھی ایسی چیز نہیں مگر وہ اس کی تسبیح اور حمد بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ بے شک اللہ بہت بردبار، بہت بخشنے والا ہے۔'' بنی اسرائیل: ۴۴

((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ ، خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ، ثَقِيْلَتَانِ فِی الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ))

[رواه البخاری: كتاب التوحيد ، باب قول الله تعالى ونضع الموازين القسط]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا دو کلمے رحمان کو بڑے پسند ہیں، زبان سے ادا کرنے میں آسان اور وزن کے لحاظ سے بھاری ہیں۔

"سُبُحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمُدِهٖ ، سُبُحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيُم ۔"

٤۔اَلسَّائِحُوُنَ: روزے دار

روزہ وہ عمل ہے جس کے بارے میں رسولِ محترم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے ایمان اور احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے اس کے سب کے سب گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ جہاں تک نفلی روزے کا تعلق ہے اس کا اجر وثواب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ روزے دار جہنم سے کوسوں میل دور کردیا جاتا ہے۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی معظم ﷺ نے فرمایا آدم کے بیٹے کو تمام نیک اعمال کا بدلہ دس سے سات سو گنا تک دیا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے روزہ کے سوا کیونکہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا روزہ دار اپنی خواہشات اور کھانے پینے کو میری خوشنودی کے لیے چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں۔ایک خوشی جب وہ روزہ افطار کرتا ہے .دوسری خوشی جب اس کی ملاقات اپنے رب سے ہوگی۔روزے دار کے منہ کی بو،اللہ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بہتر ہے۔روزہ ڈھال ہے جب تم روزہ رکھو تو فحش کلامی سے احتراز اور جھگڑے سے اجتناب کرو۔اگر کوئی شخص روزہ دار کو گالی دے یا اس سے جھگڑا کرے تو روزے دار کو کہنا چاہیے میں روزہ دار ہوں۔'' راوہ البخاری: باب ھل یقول انی صائم (تفصیل کے لیے میری کتاب برکات رمضان کا مطالعہ فرمائیں۔)

٥۔اَلرَّاكِعُوُنَ: رکوع کرنے والے

نماز میں رکوع خاص اہمیت کا حامل رکن ہے اس کے بغیر رکعت مکمل نہیں ہوتی اگر رکعت میں رکوع رہ جائے تو رکعت لوٹانا پڑے گی یہودیوں نے اپنی نماز میں رکوع کو خارج کردیا تھا جس وجہ سے قرآن مجید میں بالخصوص رکوع کی فضیلت وفرضیت کا ذکر کیا گیا ہے۔

٦۔ اَلسَّاجِدُوُنَ: سجدہ کرنے والے

سجدہ مومن کے لیے سکون کا خزینہ اور اس کے رب کی قربت کا آخری زینہ ہے۔اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا حرام اور شرک ہے۔ خواہ سجدہ کسی کی تعظیم کے لیے کیا جائے اور اس میں کوئی تسبیح نہ پڑھی جائے۔

((عَنُ مَّعُدَانَ ابُنِ طَلُحَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ لَقِيُتُ ثَوُبَانَ مَوُلٰى رَسُوُلِ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ اَخُبِرُنِىُ بِعَمَلٍ اَعُمَلُهُ يُدُخِلُنِىَ اللّٰهُ بِهِ الُجَنَّةَ فَسَكَتَ ثُمَّ سَاَلْتُهُ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ سَأَلْتُ عَنُ ذَالِكَ رَسُوُلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ عَلَيُكَ بِكَثُـرَةِ السُّجُوُدِ لِلّٰهِ فَاِنَّكَ لَا تَسُجُدُ لِلّٰهِ سَجُدَةً اِلَّا

"سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ ـ"

٤۔ اَلسَّائِحُوْنَ: روزے دار

روزہ وہ عمل ہے جس کے بارے میں رسولِ محترم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے ایمان اور احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے اس کے سب کے سب گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ جہاں تک نفلی روزے کا تعلق ہے اس کا اجر وثواب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ روزے دار جہنم سے کوسوں میل دور کر دیا جاتا ہے۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم کے بیٹے کو تمام نیک اعمال کا بدلہ دس سے سات سو گنا تک دیا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے روزہ کے سوا کیونکہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا روزہ دار اپنی خواہشات اور کھانے پینے کو میری خوشنودی کے لیے چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں۔ ایک خوشی جب وہ روزہ افطار کرتا ہے. دوسری خوشی جب اس کی ملاقات اپنے رب سے ہوگی۔ روزے دار کے منہ کی بو، اللہ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بہتر ہے۔ روزہ ڈھال ہے جب تم روزہ رکھو تو فحش کلامی سے احتراز اور جھگڑے سے اجتناب کرو۔ اگر کوئی شخص روزہ دار کو گالی دے یا اس سے جھگڑا کرے تو روزے دار کو کہنا چاہیے میں روزہ دار ہوں۔'' راوہ البخاری: باب ھل یقول انی صائم (تفصیل کے لیے میری کتاب برکات رمضان کا مطالعہ فرمائیں۔)

٥۔ اَلرَّاكِعُوْنَ: رکوع کرنے والے

نماز میں رکوع خاص اہمیت کا حامل رکن ہے اس کے بغیر رکعت مکمل نہیں ہوتی اگر رکعت میں رکوع رہ جائے تو رکعت لوٹانا پڑے گی یہودیوں نے اپنی نماز میں رکوع کو خارج کر دیا تھا جس وجہ سے قرآن مجید میں بالخصوص رکوع کی فضیلت وفرضیت کا ذکر کیا گیا ہے۔

٦۔ اَلسَّاجِدُوْنَ: سجدہ کرنے والے

سجدہ مومن کے لیے سکون کا خزینہ اور اس کے رب کی قربت کا آخری زینہ ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا حرام اور شرک ہے۔ خواہ سجدہ کسی کی تعظیم کے لیے کیا جائے اور اس میں کوئی تسبیح نہ پڑھی جائے۔

((عَنْ مَّعْدَانَ ابْنِ طَلْحَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ لَقِيتُ ثَوْبَانَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْتُ اَخْبِرْنِىْ بِعَمَلٍ اَعْمَلُهُ يُدْخِلُنِىَ اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ فَسَكَتَ ثُمَّ سَاَلْتُهُ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ سَأَلْتُ عَنْ ذَالِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ لِلّٰهِ فَاِنَّكَ لَا تَسْجُدُ لِلّٰهِ سَجْدَةً اِلَّا

وہ حدود اللہ کے قریب بھی نہیں پھٹکتے کہ کہیں ان سے حدود اللہ کی خلاف ورزی نہ ہو جائے اور اجتماعی طور پر مسلمان حدود اللہ کا نفاذ کرتے ہیں۔ حدود اللہ سے مراد شریعت کے وہ قانون اور ضابطے ہیں جن کی حفاظت کا مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر حکم دیا گیا ہے۔

((عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ نَّبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِيْ أُمَّتِهٖ قَبْلِيْ اِلَّا كَانَ لَهٗ فِيْ أُمَّتِهٖ حَوَارِيُّوْنَ وَاَصْحٰبٌ يَّأْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَيَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ يَّقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ مَا لَا يُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَّمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَآءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ)) [رواہ مسلم: کتاب الایمان، باب کون النہی عن المنکر من الایمان]

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ذکر کرتے ہیں کہ مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء بھیجے ان کی امت میں ان کے خاص مددگار رہوا کرتے تھے۔ جو اس نبی کے طریقے پر گامزن رہتے اور اس کا حکم مانتے اور پھر ان کے بعد نالائق لوگ آئے وہ جو کچھ کہتے تھے اس پر خود عمل نہیں کرتے تھے بلکہ ایسے کام کرتے جن کی انہیں اجازت نہیں تھی جس نے ایسے لوگوں کو ہاتھ سے روکا وہ مومن ہے اور ان کو زبان سے روکنے والا ایمان دار ہوگا حتی کہ ان کو دل سے برا جاننے والا بھی مومن ہے۔ اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔“

((عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَايَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اِسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِيْ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَّرْتَعَ فِيْهِ اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَا وَاِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ اَلَا وَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ)) [رواہ البخاری: کتاب الایمان]

”حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول مکرم ﷺ نے فرمایا کہ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے جو ان مشتبہات سے بچا رہا۔ اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچالیا اور جو شخص مشتبہات میں پڑ گیا وہ حرام کا مرتکب ہوا۔ اس کی مثال اس چرواہے کی ہے جو کسی محفوظ چراگاہ کے اردگرد اپنے جانور چراتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ وہ اس چراگاہ میں چرنے لگیں۔ سنو!

ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کی حرام کی گئی چیزیں ہیں۔خبردار! جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، جب تک وہ درست ہوگا تمام جسم درست رہے گا۔ جب اس میں خرابی واقع ہوگی تو سارا جسم فساد زدہ ہو جائے گا۔سنو! وہ لوتھڑا دل ہے۔''

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِقَامَةُ حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ مَطَرِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً فِي بِلَادِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ))[رواه ابن ماجة: كتاب الحدود ، باب اقامة الحدود]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد کو قائم کرنا زمین پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے چالیس راتیں بارش نازل کرنے سے بہتر ہے۔''

مسائل

۱۔ ایمان کے تقاضے پورے کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کی خوشخبری ہے۔
۲۔ مومن ہر قسم کے گناہ سے توبہ کرتے ہیں۔ ۳۔ مومن اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔
۴۔ مومن اللہ کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں۔ ۵۔ مومن روزے رکھتے ہیں۔
۶۔ مومن اللہ کے حضور رکوع کرتے ہیں۔ ۷۔ مومن اپنے رب کی بارگاہ میں سجدے کرتے ہیں۔
۸۔ مومن نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔ ۹۔ مومن اللہ تعالیٰ کی حدود وقیود کی حفاظت کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

متقین کے چند اوصاف:

۱۔ توبہ کرنا، عبادت کرنا، حمد کرنا، روزے رکھنا، رکوع وسجود کرنا، نیکی کا حکم دینا، برائی سے روکنا اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنا۔(التوبۃ:۱۱۲)

۲۔ اللہ، آخرت کے دن، فرشتوں، کتابوں اور انبیاء پر ایمان لاتے ہیں۔اللہ کی محبت کے لیے یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں اور گردنوں کے آزاد کرانے کے لیے مال خرچ کرتے ہیں۔نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ وعدے کی پاسداری کرتے تنگی، بیماری اور لڑائی کے وقت صبر کرتے ہیں۔یہی اپنے ایمان میں سچے اور یہی متقین ہیں۔(البقرۃ:۱۷۷)

۳۔ غیب پر ایمان لانا، نماز قائم کرنا، اللہ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرنا، قرآن مجید اور سابقہ کتبِ سماویہ پر ایمان لانا اور آخرت پر یقین رکھنا۔(البقرۃ:۳۔۴)

۴۔ متقین تنگی اور فراخی میں خرچ کرتے ہیں، غصہ پی جاتے اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔(آل عمران:۱۳۴)

۵۔ یقیناً ایمان والے کامیاب ہوگئے۔(المومنون:۱) ۶۔وہی جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔(المومنون:۲)

مَا	كَانَ	لِلنَّبِيِّ	وَ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْٓا	اَنْ
نہیں	ہے	نبی کیلئے	اور	وہ لوگ	جو ایمان لائے	یہ کہ

يَّسْتَغْفِرُوْا	لِلْمُشْرِكِيْنَ	وَلَوْ	كَانُوْٓا	اُولِيْ قُرْبٰى
وہ بخشش طلب کریں	مشرکوں کے لیے	اور اگرچہ	ہوں وہ	رشتہ دار

مِنْۢ بَعْدِ مَا	تَبَيَّنَ	لَهُمْ	اَنَّهُمْ	اَصْحٰبُ	الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾
بعد اس کے جو	واضح ہوگیا	ان کے لیے	بلاشبہ وہ	والے	جہنم

''نبی اور ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں جائز نہیں اس کے بعد کہ ان پر واضح ہوگیا کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعا کریں، خواہ وہ رشتہ دار ہوں، بلاشبہ وہ جہنمی ہیں۔'' (۱۱۳)

فہم القرآن

ربط کلام: مومنوں کی صفات بیان کرنے سے پہلے جہاد وقتال کے ذکر کے دوران فرمایا تھا کہ مومنوں سے ان کی جان و مال کے بدلے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ جب مسلمانوں کو کفار اور مشرکین کے خلاف جہاد کرنے کا حکم ہے تو پھر مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کرنے کا کیا معنیٰ؟

اسی سورۃ کی آیت ۸۰ میں منافقین کے حق میں استغفار سے منع کیا گیا ہے اور اب مشرکین کے حق میں استغفار کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ اکثر مفسرین نے اس کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نبوت کے آٹھویں سال جناب ابوطالب شدید بیمار ہوئے اور ان کے جانبر ہونے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ نزع کے وقت رسول کریم ﷺ اپنے چچا ابوطالب کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے آپ کو احساس ہوا کہ چچا کا آخری وقت آن پہنچا ہے۔ جب آپ ان کے سرہانے کے قریب خالی جگہ پر بیٹھنے لگے تو ابوجہل جو اپنے ساتھیوں سمیت جناب ابوطالب کے ہاں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ رسول محترم کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کر ابوطالب کے قریب خالی جگہ پر جا بیٹھا تاکہ نبی اکرم ﷺ اپنے چچا سے کوئی خاص بات نہ کرسکیں۔ اس صورت حال میں نبی اکرم ﷺ نے اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر اپنے محسن چچا کو مخاطب فرماتے ہوئے توجہ دلائی کہ چچا اگر اب بھی آپ میرا کلمہ طیبہ پڑھ لیں تو میں قیامت کے روز اللہ کے حضور آپ کی سفارش کروں گا۔ قریب تھا کہ جنابِ ابوطالب کلمہ شہادت پڑھ لیتے مگر ابوجہل اور اس کے دوسرے ساتھیوں نے اسے غیرت دلانے کے انداز میں کہا کیا آپ آخری وقت باپ دادا کے دین سے منحرف ہوجائیں گے؟ جناب ابوطالب نے نہایت نحیف آواز میں کہا کہ نہیں میں اپنے باپ دادا کے عقیدہ پر مرنا پسند کرتا ہوں۔ انہی الفاظ کے ساتھ ان کی روح پرواز کر گئی۔ اس پر رسول محترم نہایت رنجیدہ خاطر ہو کر اپنے گھر

تشریف لائے۔ آپ کو اس حالت میں چچا کے مرنے کا انتہائی صدمہ ہوا بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی طرف سے اپنے چچا سے وعدہ کیا تھا کہ میں بہر حال آپ کے لیے استغفار کی دعا کروں گا۔ اس پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی اور آپ کے ساتھیوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مشرکوں کے لیے دعائے مغفرت کریں بے شک مشرک ان کے کتنے ہی عزیز کیوں نہ ہوں۔ مشرکوں کے لیے ابدی جہنم ہے شرک اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات میں غیروں کو شریک کرنے کا نام ہے۔ یہ جرم اللہ تعالیٰ سے غداری کے مترادف ہے غدّار کو کوئی بھی معاف نہیں کیا کرتا۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَهْوَنُ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا اَبُوْطَالِبٍ وَهُوَمُتَنَعِّلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهٗ))[رواہ مسلم: کتاب الایمان، باب أھون أھل النار عذابا]

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم ﷺ نے فرمایا، دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب کو ہوگا وہ آگ کے دو جوتے پہنے ہوئے ہوگا جس کی وجہ سے اس کا دماغ اُبل رہا ہوگا۔“

مسائل

١۔ نبی اکرم ﷺ کو مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کرنے کی اجازت نہ تھی۔

٢۔ کسی مسلمان کی شان نہیں کہ وہ مشرک کے لیے مغفرت کی دعا کرے۔

٣۔ ایمان کے مقابلہ میں رشتہ داری کی کوئی حیثیت نہیں۔

٤۔ مشرک یقیناً جہنمی ہے۔

تفسیر بالقرآن

مشرک اور منافق کے لیے دعائے مغفرت کرنے کی ممانعت:

١۔ نبی اور مومنین کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کریں۔ (التوبۃ:١١٣)

٢۔ آپ منافقین کے لیے بخشش طلب کریں یا نہ کریں اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا۔ (المنافقون:٦)

٣۔ آپ منافق کے لیے ستر بار بھی مغفرت طلب کریں اللہ اسے نہیں بخشے گا۔ (التوبۃ:٨٠)

٤۔ منافقین میں سے جو مرے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں اور نہ ہی آپ ان کی قبر پر کھڑے ہوں۔ (التوبۃ:٨٤)

٥۔ ابراہیم نے اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا وعدے کی بنیاد پہ کی تھی۔ جب ان کے لیے واضح ہوگیا کہ وہ جہنمی ہے تو انہوں نے برأت کا اظہار کردیا۔ (التوبۃ:١١٤)

وَمَا	كَانَ	اسْتِغْفَارُ	اِبْرٰهِيْمَ	لِاَبِيْهِ	اِلَّا	عَنْ
اور نہیں	تھا	بخشش طلب کرنا	ابراہیم	اپنے باپ کے لیے	مگر	سے

مَّوْعِدَةٍ	وَّعَدَهَآ	اِيَّاهُ ۚ	فَلَمَّا	تَبَيَّنَ	لَهٗٓ	اَنَّهٗ
ایک وعدہ	جو وعدہ کیا تھا اس نے	اس سے	پھر جب	واضح ہو گیا	اس کے لیے	بے شک وہ

عَدُوٌّ لِّلّٰهِ	تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ	اِنَّ	اِبْرٰهِيْمَ	لَاَوَّاهٌ	حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾
دشمن ہے اللہ کا	وہ بیزار ہو گیا اس سے	بے شک	ابراہیم	البتہ بہت آہ وزاری کرنے والے	حوصلہ مند

”اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش طلب کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو وہ اپنے باپ سے کر چکے تھے پھر جب اس کے لیے واضح ہو گیا کہ اس کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔ بے شک ابراہیم بہت آہ وزاری کرنے والے اور حوصلہ مند تھے۔“ (۱۱۴)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرک کے حق میں دعا نہ کرنے کی ٹھوس دلیل اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے ایک بات کی وضاحت۔

یہود ونصاریٰ اور عربوں میں یہ بات معروف تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد دین حنیف پر نہیں تھے اس کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لیے استغفار کی دعا کی تھی۔ جس کی اس طرح وضاحت کی جارہی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے اس کے حق میں استغفار کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نہایت ہی خیر خواہ، نرم خو اور مہربان طبیعت کے مالک اور بڑے حوصلہ مند، حلیم الطبع تھے۔ جس بنا پر انھوں نے اپنے باپ کی زیادتیوں کے باوجود ازراہ ہمدردی اور پدرانہ آداب کے تحت وعدہ کیا تھا کہ میں آپ کے لیے دعائے مغفرت کروں گا۔ قرآن مجید اس بات کی صراحت کرتا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام پر واضح ہو گیا کہ میرا باپ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے سورۃ الممتحنہ آیت ۴ میں مزید وضاحت کی گئی ہے کہ لوگو! تمھارے لیے ابراہیم علیہ السلام بہترین نمونہ ہیں لیکن ان کا اپنے باپ کے ساتھ استغفار کرنے کا وعدہ کرنا تمھارے لیے دلیل اور نمونہ نہیں ہو سکتا۔ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کو عدو اللہ قرار دیا گیا ہے جس کا صاف معنیٰ ہے کہ مشرک اللہ کا دشمن ہوتا ہے اور کسی مومن کا یہ عقیدہ اور اس کی غیرت یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ وہ اللہ کے دشمن کی سفارش اللہ کے سامنے پیش کرے یہ عقل حیا اور دینی غیرت کے منافی بات ہے اس لیے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کو مشرک کے حق میں استغفار کرنے سے روک دیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا انجام:

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَلْقٰى اِبْرَاهِيْمُ اَبَاهُ اٰزَرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلٰى وَجْهِ اٰزَرَ

قَتَرَةٌ وَغَبَرَةٌ فَيَقُوْلُ إِبْرَاهِيْمُ أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ لَاتَعْصِنِيْ فَيَقُوْلُ لَهُ أَبُوْهُ أَلْيَوْمَ لَا أَعْصِيْكَ فَيَقُوْلُ إِبْرَاهِيْمُ يَارَبِّ إِنَّكَ وَعَدْتَّنِيْ أَنْ لَّا تُخْزِيَنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ فَأَيُّ خِزْيٍ أَخْزٰى مِنْ أَبِيْ الْأَبْعَدِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى إِنِّيْ حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِيْنَ ثُمَّ يُقَالُ لِإِبْرَاهِيْمَ أُنْظُرْ مَا تَحْتَ رِجْلَيْكَ فَيَنْظُرُ فَإِذَاهُوَ بِذِيْخٍ مُتَلَطِّخٍ فَيُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهٖ فَيُلْقٰى فِي النَّارِ))

[رواه البخاری:باب قول الله (واتخذ الله ابراهيم خليلا)]

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ابراہیم علیہ السلام اپنے والد آزر سے ملیں گے اس کے چہرے پر سیاہی اور گرد وغبار ہوگا حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے فرمائیں گے۔ کیا میں نے تمہیں دنیا میں نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کرنا؟ ان کے والد جواب دیں گے آج کے دن میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ اس پر ابراہیم علیہ السلام اپنے رب کے حضور عرض کریں گے اے میرے پروردگار! بے شک آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ حشر کے دن آپ مجھ کو رسوا نہیں کریں گے اب اس سے بڑھ کر کیا ذلت ہوسکتی ہے کہ میرا باپ ذلیل ہوا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے‘ بلاشبہ میں نے کافروں پر جنت حرام کردی ہے پھر ابراہیم علیہ السلام سے کہا جائے گا اپنے قدموں کی طرف دیکھو۔ وہ دیکھیں گے تو آپ کا باپ گندگی میں لتھڑا ہوا بجو ہوگا‘ جس کو ٹانگوں سے پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔‘‘

مسائل

١۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وعدہ کی بنیاد پر اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کی تھی۔ ٢۔ مشرک اللہ کا دشمن ہوتا ہے۔

٣۔ عقیدہ توحید کے ساتھ دشمنی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے براءت کا اعلان کیا۔

٤۔ حضرت ابراہیم نہایت نرم دل انسان تھے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اوصاف حمیدہ:

١۔ ابراہیم نرم دل اور بردبار تھے۔ (التوبۃ:١١٤) ٢۔ ابراہیم نہایت راست باز نبی تھے۔ (مریم:٤١)

٣۔ بے شک ابراہیم بڑے حلیم، بڑے خیرخواہ اور نرم دل تھے۔ (ہود:٧٥)

٤۔ ابراہیم ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ (الصّٰفّٰت:١١١)

٥۔ ابراہیم معبودان باطل کے انکاری اور براءت کا اظہار کرتے تھے۔ (الممتحنۃ:٤)

٦۔ ابراہیم کو اللہ نے ابتداء سے ہی ہدایت سے سرفراز فرمایا تھا۔ (الانبیاء:٥١)

وَمَا	كَانَ	اللّٰهُ	لِيُضِلَّ	قَوْمًا	بَعْدَ	اِذْ
اور نہیں	ہے	اللہ	کہ گمراہ کر دے	کسی قوم کو	بعد	جب

هَدٰىهُمْ	حَتّٰى	يُبَيِّنَ	لَهُمْ	مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ	اِنَّ
اس نے ان کو ہدایت دی	یہاں تک کہ	وہ واضح کرتا ہے	ان کے لیے	جو ڈرتے ہیں	بے شک

اللّٰهَ	بِكُلِّ	شَيْءٍ	عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾	اِنَّ	اللّٰهَ	لَهٗ
اللہ	ہر	چیز	خوب جاننے والا ہے	بے شک	اللہ	اس کیلئے

مُلْكُ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ ؕ	يُحْيٖ	وَيُمِيْتُ ؕ	وَمَا	لَكُمْ
بادشاہی	آسمانوں	اور زمین	وہ زندہ کرتا ہے	اور وہ مارتا ہے	اور نہیں	تمھارے لیے

مِّنْ	دُوْنِ	اللّٰهِ	مِنْ	وَّلِيٍّ	وَّلَا	نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾
سے	سوا	اللہ	کے	کوئی دوست	اور نہ	مددگار

”اور اللہ کبھی ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اسے گمراہ کرے، یہاں تک کہ ان کے لیے وہ چیزیں واضح کر دے جن سے انھیں بچنا چاہیے۔ بے شک اللہ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔“ (۱۱۵) ”بے شک اللہ ہی ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، وہی زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے اور اللہ کے سوا تمھارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار۔“ (۱۱۶)

فہم القرآن

ربط کلام: پچھلی دو آیات کے مفہوم کا تتمہ اور ایک غلط فہمی کا ازالہ:

اس سے پہلے دو آیات میں مشرکین کے لیے استغفار کرنے سے منع کیا گیا ہے جس کے نتیجہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں یہ خدشہ اور غلط فہمی پیدا ہوئی کہ جو صحابہ اپنے مشرک عزیز و اقرباء کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہے ہیں ان کا کیا ہوگا۔ اس شبہ کے ازالہ کے لیے یہ آیات نازل ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ان کی ہدایت پا جانے کے بعد گمراہ نہیں کرتا اور نہ ہی ہدایت واضح کرنے سے پہلے لوگوں کی گمراہی پر گرفت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے اور زمین و آسمان میں اسی کی حقیقی اور دائمی بادشاہی ہے۔ وہی موت و حیات پر اختیار رکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی خیر خواہ اور مددگار نہیں ہوسکتا۔ یہاں ولی اور نصیر کی صفات ذکر کر کے واضح کیا ہے کہ مشرکوں کے ساتھ قلبی تعلق یا کسی مفاد کی بنیاد پر ان سے روحانی رشتہ استوار نہ کرو۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد اور خیر خواہی نہ کرے تو زمین و آسمان میں کوئی بھی تمہاری نصرت و مدد کرنے

والانہیں ہوگا۔ یہ بات پہلے بھی واضح کی جا چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب ہدایت اور گمراہی کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے تو اس کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو جبراً ہدایت دیتا یا گمراہ کرتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ہدایت اور گمراہی بھی اسی طرح ہی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جس طرح زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا ربِّ کریم سے ہدایت کی طلب اور گمراہی سے بچنے کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ہدایت اور گمراہی کو اپنی طرف منسوب کرنے کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی جان بوجھ کر گمراہی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے گمراہ رہنے دیتا ہے اور جو ہدایت کا طالب ہے اور اس کی جستجو کرتا ہے اسے وہ ہدایت کی توفیق دیتا ہے۔ جو ہدایت یافتہ ہوا سے اللہ تعالیٰ کبھی گمراہ نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اسے ہدایت پر ثابت قدمی عطا کرتا ہے۔

((اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِي فِيمَا اَعْطَيْتَ))

[رواه ابو داؤد: باب القنوت في الوتر]

”اے اللہ مجھے ان کے ساتھ ہدایت دے جن کو تو نے ہدایت دی، اور مجھے عافیت دے ان میں جن کو تو نے عافیت دی اور کارساز بن میرا ان میں جن کی تو نے کارسازی کی اور جو کچھ مجھے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے ہدایت اور گمراہی کے راستے واضح کر دیے ہیں۔

٤۔ زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی حکومت ہے۔ ٥۔ موت و حیات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی موت و حیات کا مالک ہے:

١۔ اللہ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ (التوبۃ:١١٦) ٢۔ اللہ ہی معبود برحق ہے وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ (الحج:٦)

٣۔ اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہی تمھارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ (آل عمران:١٥٦)

٤۔ اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ (الاعراف:١٥٨)

٥۔ اللہ وہ ذات ہے جو زندہ کرتی اور مارتی ہے دن اور رات کا مختلف ہونا اسی کے حکم سے ہے (المومنون:٨٠)

٦۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ تمہارا اور تمہارے آباء و اجداد کا رب ہے۔ (الدخان:٨)

٧۔ زمین و آسمان کی بادشاہت اسی کی ہے وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ (الحدید:٢)

لَقَدْ	تَّابَ	اللّٰهُ	عَلَى	النَّبِيِّ	وَالْمُهٰجِرِيْنَ	وَالْاَنْصَارِ
بلا شبہ	توجہ فرمائی	اللہ نے	پر	نبی	اور مہاجرین	اور انصار
الَّذِيْنَ	اتَّبَعُوْهُ	فِيْ	سَاعَةِ الْعُسْرَةِ	مِنْۢ	بَعْدِ	مَا
جنھوں نے	آپ کی اتباع کی	میں	تنگی کے وقت	سے	بعد	اس کے جو
كَادَ	يَزِيْغُ	قُلُوْبُ	فَرِيْقٍ	مِّنْهُمْ	ثُمَّ	
قریب تھا	وہ ٹیڑھا ہوتا ہے	دل (جمع)	ایک فریق	ان میں سے	پھر	
تَابَ	عَلَيْهِمْ ؕ	اِنَّهٗ	بِهِمْ	رَءُوْفٌ	رَّحِيْمٌ ۝۱۱۷	وَّعَلَى
توجہ فرمائی	ان پر	بلا شبہ وہ	ان کیساتھ	بہت شفقت کرنے والا	نہایت رحم کرنے والا ہے	اور پر
الثَّلٰثَةِ	الَّذِيْنَ	خُلِّفُوْا ؕ	حَتّٰۤى	اِذَا	ضَاقَتْ	عَلَيْهِمُ
تینوں	جو	چھوڑ دیے گئے	یہاں تک	جب	تنگ ہوگئی	ان پر

''بلا شبہ اللہ نے نبی پر توجہ فرمائی اور مہاجرین وانصار پر بھی، جو تنگی کے وقت اُن کے ساتھ رہے، اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ٹیڑھے ہو جائیں، پھر ان پر توجہ فرمائی۔ یقیناً وہ ان پر شفقت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' (۱۱۷) ''اور ان تینوں پر بھی جو چھوڑ دیے گئے، یہاں تک کہ جب زمین ان پر تنگ ہو گئی

فہم القرآن

ربط کلام: غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے مخلص مسلمانوں کو معاف کرتے ہوئے اسی سورۃ کی آیت ۱۰۶ میں تین مخلص مسلمانوں کے معاملے کو مؤخر کرنے کا اعلان کیا گیا تھا اب ان کے بارے میں فیصلہ صادر ہوتا ہے۔

غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تین قسم کے لوگ تھے۔

۱۔ جسمانی طور پر معذور اور اسباب آمد ورفت کے میسر نہ ہونے کی وجہ سے مجبور۔

۲۔ منافقین۔

۳۔ بلا عذر پیچھے رہ جانے والے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ دس میں سے سات ایسے صحابہ تھے جنھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک سے واپسی پر اپنی سزا خود تجویز کرتے ہوئے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ جکڑ لیا تھا۔ جن کی توبہ کے بارے میں آیت ۱۰۵ کی تفسیر میں تفصیل سے عرض ہو چکا ہے۔ تین صحابہ کی حالت اب بیان کرنے اور تینوں کی توبہ مستجاب فرمانے سے پہلے بطور استحسان ذکر کیا جا رہا ہے کہ اللہ نے انصار و مہاجرین اور ان مجاہدوں پر بڑا فضل وکرم

الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا

زمین باوجود وہ فراخ ہوئی اور تنگ ہوگئی ان پر ان کی جانیں اور یقین کرلیا انھوں نے

اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ

یہ کہ نہیں کوئی جائے پناہ سے اللہ مگر اسی کی طرف پھر اس نے توجہ فرمائی

عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ ع ۱۴/۴

ان پر تاکہ وہ توبہ کرلیں بے شک اللہ وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم کرنے والا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

اے وہ لوگو جو ایمان لائے تم! ڈرو اللہ اور ہو جاؤ تم ساتھ سچ بولنے والوں کے

باوجود اس کے کہ فراخ تھی اور ان پر ان کی جانیں تنگ ہوگئیں اور انہوں نے یقین کرلیا اللہ کے سوا کہیں پناہ گاہ نہیں پھر اللہ نے ان پر مہربانی کے ساتھ توجہ فرمائی، تاکہ وہ توبہ کریں۔ یقیناً اللہ ہی ہے توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔"(۱۱۸) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھی بن جاؤ۔"(۱۱۹)

فرمایا جو انتہائی تنگی اور خوف کے عالم میں تبوک کے لیے نکلے حالانکہ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل اس صورتِ حال میں انشراح محسوس نہیں کر رہے تھے۔ کیونکہ شدید ترین گرمی، فصلیں کٹنے پر آئی ہوئیں اور دشمن زبردست طاقتور مزید یہ کہ سفر دشوار اور طویل ترین تھا۔ اس صورت میں محض اللہ کی توفیق اور اس کی نظر کرم کا نتیجہ تھا کہ اللہ نے اپنے نبی کو بروقت اور جرأت مندانہ فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ حالانکہ منافقوں نے مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کی ہر قسم کی کوشش کی تھی۔ لیکن رب کریم کا کرم شامل حال تھا۔ اس لیے انصار، مہاجرین اور دیگر مسلمان اس ولولہ اور جذبہ کے ساتھ نکلے کہ دنیا کی واحد سیاسی اور فوجی سپر طاقت مسلمانوں کا سامنا کرنے کی بجائے پسپائی میں اپنی خیر سمجھتی ہے۔ جسے بیان کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ﴿لقد تاب اللہ﴾ کے الفاظ کا اعزاز بخشا گیا ہے۔

تین صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک سے واپسی پر صاف اور واضح بات کی کہ ہمارے پاس عذر نہیں محض سستی اور غفلت کی وجہ سے لشکر کے ساتھ شمولیت نہ کر سکے۔ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں اعلان کیا کہ ان کے ساتھ تمام مسلمان سوشل بائیکاٹ کریں۔ آپ کا حکم صادر ہوتے ہی مسلمانوں نے اتنا سخت بائیکاٹ کیا کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے چچازاد بھائی سے ملنے اس کے باغ میں پہنچا لیکن اس نے میرے ساتھ کلام نہیں کی۔ میں نے نہایت آزردگی کے ساتھ کہا کہ بھائی میں آپ کا رشتہ دار اور پکا مسلمان ہوں اس کے جواب میں اس نے صرف اتنی بات کہی اللہ

اوراس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔لہٰذا میں تجھ سے کلام نہیں کر سکتا۔حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب میں مسجد نبوی میں جاتا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا تو آپ اپنا چہرۂ انور دوسری طرف پھیر لیتے تھے۔

کعب بن مالک، ھلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم اسی رنج وغم میں وقت گزار رہے تھے، یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا حکم صادر فرمایا کہ ان کے ساتھ ان کی بیویاں بھی نہ رہیں۔ چنانچہ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے دو کی بیویاں اپنے میکے چلی گئیں۔حضرت ہلال بن امیہ کہتے ہیں کہ میری بیوی نے اللہ کے نبی کی خدمت میں جا کر عرض کی کہ میرا خاوند بوڑھا ہے میرے سوا اس کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں اگر آپ اجازت فرمائیں تو میں روٹی پانی دینے کی حد تک اس کی خدمت کرتی رہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس حد تک خدمت کرنے کی اجازت فرمائی۔ان تین صحابہ رضی اللہ عنہم کی کیفیت اور اضطراب کا قرآن مجید ذکر کرتے ہوئے وضاحت کرتا ہے کہ تین پیچھے رہ جانے والوں پر زمین کشادہ ہونے کے باوجود تنگ ہوگئی یہاں تک کہ ان کے وجود بھی ان کے لیے بوجھ بن گئے اور انہیں ہر اعتبار سے یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں دوسرے الفاظ میں زندگی کے باوجود وہ اپنے آپ کو مردہ تسلیم کر رہے تھے۔اس کڑی اور شدید ترین آزمائش میں تینوں صحابہ پورے اترے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی کیونکہ اللہ توبہ قبول کرنے والا اور سب سے بڑا مہربان ہے۔اس موقعہ پر یہ حکم نازل ہوا کہ مسلمانو! ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور سچے لوگوں کے ساتھ معاونت اور ان کی معیت اختیار کرو جس میں یہ تلقین پائی جاتی ہے کہ آئندہ ایسی غلطیوں سے بچو۔سستی اور غفلت کی بجائے ہر حال میں حق وصداقت کا ساتھ دینے والوں کی رفاقت اختیار کرو۔

✵ حضرت کعب رضی اللہ عنہ پر ایک آزمائش یہ بھی آئی کہ غسان کے حکمران نے ان کے پاس خط بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا کہ آپ کے رسول نے آپ پر سختی کر رکھی ہے۔میرا خط ملتے ہی آپ میرے پاس تشریف لے آئیں، یہاں آپ کو ہر طرح اقبال و مقام دیا جائے گا۔حضرت کعب رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ یہ آزمائش پر آزمائش ہے۔انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری اور فرمایا کہ مجھ پر یہ وقت بھی آنا تھا کہ میرا دشمن مجھ سے اس بات کی توقع کرے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دوں۔اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایلچی کی موجودگی میں غسان کے حاکم کا خط آگ میں پھینک دیا اور فرمایا کہ اس خط کا میرے نزدیک یہی جواب ہوسکتا ہے۔

ان آیات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وارفتگی اور آپ کی تابعداری اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کے نظم و ضبط کا اندازہ ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کن اخلاقی بنیادوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منظم کیا تھا۔جس بنا پر وہ عرب وعجم کے حکمران بنے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ إِلَى الْجَنَّةِ وَمَايَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِيْ إِلَى الْفُجُوْرِ وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ إِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا. (متفق عليه) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ قَالَ إِنَّ الصِّدْقَ بِرٌّ وَّ إِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْكَذِبَ فُجُوْرٌ وَّ إِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ إِلَى النَّارِ))[رواه مسلم : كتاب البر والصلة والاداب، باب قبيح الكذب وحسن الصدق]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ مکرم ﷺ نے فرمایا! تم سچائی اختیار کرو۔اس لیے کہ سچائی نیکی کی جانب رہنمائی کرتی ہے۔اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔یہاں تک کہ آدمی سچی بات کہنے کا عادی اور سچائی کا طلب گار ہو جاتا ہے۔وہ اللہ کے نزدیک سچا لکھ دیا جاتا ہے۔اور تم جھوٹ سے کنارہ کش رہو۔اس لیے کہ جھوٹ گناہ کی جانب لے جاتا ہے۔اور گناہ دوزخ میں پہنچا دیتے ہیں۔ایک شخص ہمیشہ جھوٹ بولتا اور جھوٹ کا عادی ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔مسلم کی ایک روایت میں ہے، بلا شبہ سچ بولنا نیک کام ہے۔اور نیکی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔اور جھوٹ بولنا برا کام ہے اور برا کام دوزخ کی طرف لے جاتا ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہر حال میں تسلیم کرنا چاہیے۔ ۲۔ انسان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف ہی رجوع کرنا چاہیے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ ۴۔ انسان کو ہمیشہ سچ کا ساتھ دینا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے:

۱۔ اللہ بڑا شفیق اور رحم کرنے والا ہے۔(التوبۃ:۱۱۷)

۲۔ اللہ توبہ قبول کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔(التوبۃ:۱۱۸)

۳۔ اللہ سے بخشش طلب کرو بے شک وہ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے(المزمل:۲۰)

۴۔ اللہ سے ڈرو بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔(الحجرات:۱۲)

۵۔ بے شک اللہ نرمی کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔(الطّور:۲۸)

۶۔ میرا رب رحم کرنے اور محبت فرمانے والا ہے۔(ہود:۹۰)

۷۔ میرے رب مجھے معاف اور مجھ پر رحم فرما تو بہترین رحم کرنے والا ہے۔(المومنون:۱۱۸)

مَا	كَانَ	لِاَهْلِ	الْمَدِيْنَةِ	وَمَنْ	حَوْلَهُمْ	مِّنَ	
نہیں	ہے	والے	مدینہ	اور جو	اس کے آس پاس	سے	
الْاَعْرَابِ	اَنْ	يَّتَخَلَّفُوْا	عَنْ	رَّسُوْلِ	اللّٰهِ	وَلَا	
دیہاتیوں	یہ کہ	وہ پیچھے رہ جائیں	سے	رسول	اللہ	اور نہ	
يَرْغَبُوْا	بِاَنْفُسِهِمْ	عَنْ	نَّفْسِهٖ	ذٰلِكَ	بِاَنَّهُمْ	لَا	يُصِيْبُهُمْ
وہ رغبت رکھیں	اپنی جانوں سے	سے	اس کی جان	وہ	بے شک وہ لوگ	نہیں	پہنچی انھیں
ظَمَاٌ	وَّلَا	نَصَبٌ	وَّلَا	مَخْمَصَةٌ	فِيْ	سَبِيْلِ	
پیاس	اور نہ	تھکاوٹ	اور نہ	بھوک	میں	راستے	
اللّٰهِ	وَلَا	يَطَـُٔوْنَ	مَوْطِئًا	يَّغِيْظُ	الْكُفَّارَ	وَلَا	
اللہ	اور نہیں	وہ روندتے ہیں	کسی مقام کو	وہ غضب ناک ہوتا ہے	کافروں	اور نہیں	

”مدینہ والوں اوران کے آس پاس جو دیہاتی ہیں، ان کے لائق نہ تھا کہ وہ رسول اللہ سے پیچھے رہتے اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو آپ کی جان سے زیادہ عزیز سمجھتے ۔ یہ اس لیے کہ اللہ کے راستے میں انھیں کوئی پیاس پہنچی اور نہ کوئی تکان اور نہ کوئی بھوک اور نہ کسی ایسی جگہ پر قدم رکھے ہیں جو کافروں کو غصہ دلاتے ۔

فہم القرآن

ربط کلام: غزوہ تبوک سے پیچھے رہنے والوں کی توبہ قبول کرتے ہوئے آئندہ کے لیے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ اب کے بعد ہر گز ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ رسول معظم ﷺ جہاد کا حکم دیں، یا بنفس نفیس نکلیں تو اے مسلمانو! تمھارے لیے جائز نہیں کہ تم آپ سے پیچھے بیٹھے رہو۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ جب خلیفہ وقت جہاد کا اعلانِ عام کردے تو پھر جہاد فرض عین ہوتا جاتا ہے۔ اس سے پیچھے رہنا سنگین ترین جرم ہوگا۔ جس کی خلیفۂ وقت کوئی بھی سزا تجویز کرسکتا ہے۔ جس طرح نبی معظم ﷺ نے تبوک سے پیچھے رہنے والوں کی تادیب کی تھی۔ اس لیے حکم صادر ہوا کہ جب نبی معظم جہاد کے لیے نکلیں تو کسی شہری اور دیہاتی کو پیچھے نہیں رہنا چاہیے۔ اور نہ ہی انھیں اپنے آپ کو نبی ﷺ کی ذات سے مقدم سمجھنا چاہیے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ بعض معرکے ایسے ہونے چاہییں جن میں مسلمانوں کے حکمران کو کمانڈر انچیف کا کردار ادا کرنا چاہیے۔ تاکہ قوم میں انتہا درجے کا جوش و جذبہ پیدا ہو۔ اس کے ساتھ جہاد کی مشکلات گنوائیں ہیں تاکہ مجاہد ذہنی، جسمانی طور پر اور ہر طرح کے اسلحہ سے لیس ہو کر میدانِ کارزار میں اتریں۔ درج ذیل مشکلات میں سے کوئی ایک یا بیک وقت تمام کی تمام مشکلات پیش آسکتی ہیں۔

يَنَالُوْنَ	مِنْ	عَدُوٍّ	نَّيْلًا	اِلَّا	كُتِبَ	لَهُمْ	بِهٖ
حاصل کرتے وہ	سے	دشمن	کوئی کامیابی	مگر	لکھا گیا	ان کے لیے	اس کے بدلے
عَمَلٌ	صَالِحٌ	اِنَّ	اللّٰهَ	لَا	يُضِيْعُ	اَجْرَ	الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٢٠﴾
عمل	صالح	بے شک	اللہ	نہیں	ضائع کرتا وہ	اجر	نیکی کرنے والے
وَلَا	يُنْفِقُوْنَ	نَفَقَةً	صَغِيْرَةً	وَّلَا	كَبِيْرَةً	وَّلَا	
اور نہیں	وہ خرچ کرتے	کوئی خرچ	چھوٹا	اور نہ	بڑا	اور نہیں	
يَقْطَعُوْنَ	وَادِيًا	اِلَّا	كُتِبَ	لَهُمْ	لِيَجْزِيَهُمُ	اللّٰهُ	
وہ طے کرتے ہیں	کوئی وادی	مگر	لکھا گیا	ان کے لیے	تاکہ جزا دے انھیں	اللہ	
اَحْسَنَ	مَا كَانُوْا	يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢١﴾					
بہترین	جو تھے	وہ عمل کرتے					

اور نہ کسی دشمن سے کوئی کامیابی حاصل کرتے ہیں مگر اس کے بدلے ان کے لیے نیک عمل لکھ دیا جاتا ہے۔ یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔'' (۱۲۰) ''اور نہ وہ خرچ کرتے ہیں کوئی چھوٹا اور نہ کوئی بڑا اور نہ کوئی وادی طے کرتے ہیں مگر وہ ان کے لیے لکھ لیا جاتا ہے، تاکہ اللہ انھیں اس عمل کی بہترین جزا دے جو وہ کیا کرتے تھے۔'' (۱۲۱)

بھوک، پیاس، تھکان اور ہر قسم کی جسمانی مشقت، جنگ میں مشکل مراحل کا آنا، دشمن کے ساتھ آمنا سامنا اور ہر وقت ٹکراؤ کا خطرہ، گھمسان کا آن پڑنا۔ مالی وسائل کی کمی۔ ان مشکلات کے باوجود جہاد کرنا ہے اس کے بدلے مجاہد کو ہر قدم پر بہترین اجر سے نوازا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ چھوٹی سے چھوٹی نیکی اور خدمت کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَغَدْوَةٌ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا)) [رواه البخاری: کتاب الجهاد، باب الغدوة والروحة فی سبیل الله]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا صبح یا شام اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگانا دنیا و مافیھا سے بہتر ہے۔''

((عن عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جَبْرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ)) [رواه البخاری: کتاب الجهاد والسیر، باب من اغبرت قدماه فی سبیل الله]

''حضرت عبدالرحمٰن بن جبر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قدم اللہ تعالیٰ کی راہ میں غبار آلود ہوئے ہوں انہیں آگ نہیں چھوئے گی۔''

((عَنِ الْبَرَاءِ رضی اللہ عنہ يَقُولُ أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم رَجُلٌ مُقَنَّعٌ بِالْحَدِيدِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أُقَاتِلُ وَأُسْلِمُ قَالَ أَسْلِمْ ثُمَّ قَاتِلْ فَأَسْلَمَ ثُمَّ قَاتَلَ ، فَقُتِلَ ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَمِلَ قَلِيلًا وَأُجِرَ كَثِيرًا))

[رواه البخاری: کتاب الجهاد ، باب عمل صالح قبل القتال]

”حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک زرہ پوش آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے کہا اے اللہ کے رسول! میں لڑائی کروں اور اسلام لاؤں آپ نے فرمایا اسلام لاؤ، پھر لڑائی کرو، وہ اسلام لایا، پھر لڑائی کی پس وہ شہید ہو گیا آپ نے فرمایا اس نے عمل تھوڑا کیا ہے اور اجر زیادہ پا گیا۔“

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِآيَاتِ اللّٰهِ لَا يَفْتُرُ مِنْ صِيَامٍ وَّلَا صَلٰوةٍ حَتّٰى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ))

[رواه مسلم: کتاب الامارة ، باب فضل الشهادة فی سبيل اللّٰه]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا اس شخص کی طرح ہے، جو مسلسل روزے رکھتا ہے اور اللہ کی آیات کے ساتھ قیام کرتا ہے۔ نفلی روزے اور نماز میں کوتاہی نہیں کرتا۔ حتی کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا مجاہد واپس لوٹ آئے۔“

مسائل

١۔ مسلمان جو نیکی کا کام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے بہترین اجر دیتا ہے۔
٢۔ اللہ کی راہ میں بھوک پیاس برداشت کرنا اور کفار کے خلاف جہاد کرنا اجر عظیم کا باعث ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ بہترین اجر دینے والا ہے:

١۔ اللہ نیک لوگوں کو ان کے اعمال کا بہترین صلہ دے گا۔ (التوبۃ:١٢١)
٢۔ اللہ صابر لوگوں کو ان کے صبر کی بہترین جزا دے گا۔ (النحل:٩٦)
٣۔ اللہ نیکوں کو ان کے اعمال سے بہتر جزا دے گا۔ (العنکبوت:٧)
٤: اللہ اپنے فضل سے مزید اجر عطا کرے گا۔ (النور:٣٨)
٥۔ ایمان لانے والوں، نماز قائم کرنے والوں اور زکوٰۃ دینے والوں کے لیے اللہ کے ہاں اجر ہے۔ (البقرۃ:٢٧٧)
٦۔ ہم ان کے اعمال سے انہیں بہتر صلہ عطا کریں گے۔ (النحل:٩٧)
٧۔ ہم ایمان لانے والوں کو ان کا اجر دیں گے۔ (الحدید:٢٧)
٨۔ صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کے اجر دیا جائے گا۔ (الزمر:١٠)

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ

اور نہیں ہے (لائق) مومنوں تاکہ نکلیں وہ سارے کے سارے چنانچہ کیوں نہیں وہ نکلا سے

كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ

ہر فرقہ ان میں سے ایک گروہ تاکہ وہ سمجھ حاصل کریں میں دین

وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ ع

اور تاکہ وہ ڈرائیں اپنی قوم جب وہ لوٹیں ان کی طرف تاکہ وہ وہ ڈریں

''اور ٹھیک نہیں کہ ایمان دار سب کے سب جہاد کے لیے نکل جائیں، ان میں سے کچھ لوگ کیوں نہ نکلے، تاکہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور تاکہ جب اپنی قوم کی طرف لوٹیں تو انھیں ڈرائیں، اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ جائیں۔'' (١٢٢)

فہم القرآن

ربط کلام: جہاد میں بھی فہم دین اور علم کی طرف توجہ مبذول رکھنے کا حکم۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاد فی سبیل اللہ ہوتا ہی وہ ہے جس کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہو یعنی اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے ہر محاذ پر کوشش کرنا۔ مگر جب کوئی قوم یا مجاہد مسلسل جہاد میں مصروف رہے گا تو دین کے بنیادی علم کی طرف اس قدر توجہ نہیں دے پائے گا۔ جس کا حصول ایک مسلمان کے لیے لازم ہے۔ اس لیے عین حالت جنگ میں حکم ہوا ہے کہ تم میں ایسی جماعت ضرور ہونی چاہیے جو جہاد میں مصروفِ کار ہونے کی بجائے صرف اور صرف دین سیکھنے سکھانے پر توجہ مبذول رکھے۔ تاکہ میدان کارزار سے واپس آنے والے مجاہد اپنے ایمان کی بیٹری چارج کر سکیں۔ اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اگر پوری کی پوری قوم جہاد میں نکل کھڑی ہو تو علم وعرفان کے ادارے بند اور مملکت کے دیگر امور سست پڑ جائیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ خارجی طور پر مسلمان پیش قدمی کر رہے ہوں گے۔ لیکن علمی، ایمانی اور اندرونی طور پر کمزور ہو رہے ہوں گے۔ جس کی تلافی مشکل ہو جائے گی اس نقصان سے بچانے کے لیے حالت جہاد میں بھی اس اہم ترین فرض کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس آیت مبارکہ کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ میدان کارزار میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نکلو، تاکہ تمہیں دین کی سمجھ بوجھ حاصل ہوتی رہے۔ دوسرے الفاظ میں حالت جنگ میں بھی تعلیم وتعلم اور تربیت کا خیال رکھنا چاہیے۔ فہم دین سے مراد صرف قرآن و حدیث یاد کرنا نہیں بلکہ اس کی حقیقی فہم سیکھنا بھی ضروری ہے۔ حقیقی فہم سے مراد دین کی روح پر عمل کرنا ہے۔ جو حدیث رسول کے علم کے بغیر ممکن نہیں۔ جہاں تک موجودہ فقہ کا تعلق ہے۔ اس میں وہی فقہ مسلمان کی ضرورت ہے جو قرآن وسنت کا ترجمان ہو۔ بعض علماء یہاں سے اپنی اپنی مروجہ فقہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے آئمہ کی تقلید کو اپنے لیے لازم ثابت

کرتے ہیں، حالانکہ چاروں آئمہ نے ایسی فقہ کی تردید کی ہے جو قرآن وسنت کے منافی ہو۔

تقلید کے بارے میں ائمہ کے اقوال:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول:

(اِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِیْ) [تفسیر مظهری]

''جب صحیح حدیث موجود ہوتو وہی میرا مذہب ہے۔''

امام مالک رحمہ اللہ کا قول:

امام مالک نے روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''ہر شخص کی بات تسلیم کی جاسکتی ہے اگر درست ہو۔ اور اُسے ٹھکرایا جاسکتا ہے جب درست نہ ہو۔ مگر اس روضے والے کی بات کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔'' [حیات امام مالک۔ از امام زہری]

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول:

(اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی اَنَّ مَنِ اسْتَبَانَ لَهٗ سُنَّةٌ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَایَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّدَعَهَا لِقَوْلِ اَحَدٍ) [اعلام المعوقين]

''اس بات پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سامنے آجائے، پھر اس بات کی گنجائش نہیں رہتی کہ اسے کسی کے قول کی بنا پر حدیث رسول کو ترک کردیا جائے۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول:

(مَنْ رَدَّ حَدِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَهُوَ عَلٰى شَفَا هَلَكَتِهٖ)[ابن جوزی]

''جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو رد کیا وہ تباہی کے کنارے پر پہنچ گیا۔''

علم سے پہلی مراد علم دین ہے۔ باقی علوم اضافی اور عصری ضرورت ہیں قرآن مجید ان کی بھی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

((عَنْ كَثِيرِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِي الدَّرْدَاءِ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ إِنِّي جِئْتُكَ مِنْ مَدِينَةِ الرَّسُولِ صلی اللہ علیہ وسلم لِحَدِيثٍ بَلَغَنِي أَنَّكَ تُحَدِّثُهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا جِئْتُ لِحَاجَةٍ قَالَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالْحِيتَانُ فِي جَوْفِ الْمَاءِ وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ))

[رواہ ابوداؤد: کتاب العلم، باب الحث علی طلب العلم]

''حضرت کثیر بن قیس کہتے ہیں میں ابودرداء کے ساتھ دمشق کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا ایک آدمی آیا اس نے کہا اے ابودرداء میں آپ کے پاس حدیث رسول ﷺ حاصل کرنے کے لیے مدینۃ الرسول سے آیا ہوں مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ اسے رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں اس کے علاوہ میں کسی غرض سے نہیں آیا۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا جو شخص علم کی طلب کے لیے نکلا اللہ تعالیٰ اُسے جنت کے راستہ پر چلاتا ہے اور فرشتے طالب علم کی تکریم کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں اور یقیناً عالم کے لیے آسمانوں وزمین کی ہر چیز یہاں تک کہ پانی میں مچھلیاں بخشش کی دعائیں کرتی ہیں اور بے شک عالم کو عابد پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو ستاروں پر اور یقیناً علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور انبیاء علیہم السلام درہم و دینار کے وارث نہیں ہوتے وہ وراثت میں علم چھوڑتے ہیں جس نے اسے حاصل کیا اس نے بہت کچھ حاصل کیا۔''

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾[النمل:١٥]

''ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا اور ان دونوں نے کہا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی۔''

نبی اکرم ﷺ کو حکم:

﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾[طٰہٰ:١١٤]

''اور کہہ دیجیے اے میرے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما۔''

مسائل

۱۔ تعلیم وتعلم کے لیے کچھ لوگوں کا وقف ہونا ضروری ہے۔ ۲۔ مجاہدین کے لیے تعلیم وتعلم کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔

۳۔ لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے رہنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

علم اور اس کے فہم کی فضیلت:

۱۔ جہاد کے ساتھ ساتھ دین کا فہم حاصل کرنا لازم ہے۔(التوبۃ:۱۲۲) ۲۔ صاحب علم اور جاہل برابر نہیں ہوسکتے۔(الزمر:۹)

۳۔ اللہ تعالیٰ ایمانداروں اور علم والوں کے درجات بلند فرماتا ہے۔(المجادلۃ:۱۱)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا۔(النمل:۱۵) ۵۔ یقیناً اللہ سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔(فاطر:۲۸)

۶۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں عالم لوگ ہی ان کو سمجھتے ہیں۔(العنکبوت:۴۳)

يَاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	قَاتِلُوا	الَّذِيْنَ	يَلُوْنَكُمْ	مِّنَ
اے	لوگو	جو ایمان لائے	لڑو تم	ان لوگوں	تمھارے آس پاس ہیں	سے
الْكُفَّارِ	وَلْيَجِدُوْا	فِيْكُمْ	غِلْظَةً ؕ	وَاعْلَمُوْٓا	اَنَّ	اللّٰهَ
کافروں	اور چاہیے کہ وہ پائیں	تمھارے اندر	سختی	اور تم جان لو	یقیناً	اللہ
مَعَ	الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٣﴾					
ساتھ	متقیوں کے					

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان کفار سے لڑو جو تمھارے آس پاس ہیں اور چاہیے کہ وہ تم میں سختی پائیں اور جان لو کہ بے شک اللہ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔“ (١٢٣)

فہم القرآن

ربط کلام: جہاد کے مسائل کے دوران اہم امور کی طرف توجہ دلانے کے بعد اب پھر جہاد اور منافقوں کا ذکر ہوتا ہے۔

مملکت کے استحکام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ملک اندرونی سازشوں سے محفوظ ہو۔ اس کے لیے ملک و ملت کے غداروں سے آگاہی ضروری ہوتی ہے۔ جو ملک اور قوم کے لیے مارِ آستین ہوتے ہیں۔ اس لیے مسلسل کئی آیات میں منافقوں کے عقائد اور کردار کے بارے میں تفصیلاً ذکر کر کے ان سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اب اسلامی سرحدات کے ارد گرد کے دشمنوں کی سرکوبی کے لیے ہدایات دی جا رہی ہیں کہ مسلمانو! اپنے ملک کی سرحدوں کو دشمن سے محفوظ رکھو۔ جس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ قریب کے دشمن پر نظر رکھو اگر وہ شرارتوں اور سازشوں سے باز نہیں آتا تو ان پر اس چابکدستی اور جوانمردی کے ساتھ حملہ کرو کہ وہ تمہاری طاقت کے سامنے ٹھہرنے نہ پائیں۔ ان پر حملہ کرتے ہوئے اپنی طاقت کا اس طرح مظاہرہ کرو کہ وہ تم میں کسی قسم کی کمزوری اور نرمی محسوس نہ کریں۔ لیکن یاد رکھنا کہ ان پر ظلم نہ ہونے پائے۔ یہاں متقین کا پہلا مفہوم یہ ہے جو ظلم کرنے سے اجتناب کرنے والے ہوں ایسے انصاف پسند لوگوں کی اللہ تعالیٰ معاونت کرتا ہے۔ ان کے ساتھ لڑنا چاہیے جو اسلام کے راستے میں رکاوٹ اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہوں۔ اگر وہ تبلیغ دین کے راستے میں رکاوٹ پیدا نہ کریں اور بقائے باہمی کے اصول پر رہنا چاہیں تو ان پر کوئی تعارض نہیں ہونا چاہیے۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ وُجِدَتِ امْرَأَةٌ مَقْتُولَةً فِي بَعْضِ مَغَازِي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ))[رواہ البخاری: کتاب الجهاد ،باب قتل النساء فی الحرب]

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں سے کسی غزوہ میں ایک مقتول عورت پائی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمادیا۔''

((وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لِأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَا يَكُونَ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدَرِ مَظْلِمَتِهِ وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ)) [رواه البخاری:باب مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ عِنْدَ الرَّجُلِ فَحَلَّلَهَا لَهُ ، هَلْ يُبَيِّنُ مَظْلَمَتَهُ]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جس کسی نے اپنے مسلمان بھائی کی بے عزتی کی اور اس پر زیادتی کی تو اسے چاہیے وہ اس سے آج ہی معافی مانگ لے اس سے پہلے کہ جب دینار اور درہم نہ ہوں گے۔ اگر اس کے نیک اعمال ہوں گے تو اس کی زیادتی کے مطابق ان میں سے (مظلوم کو دینے کے لیے) لیے جائیں گے۔ اور اگر اس کے نیک عمل نہیں ہوں گے تو مظلوم شخص کی برائیوں کو اس پر لاد دیا جائے گا۔''

مسائل

١۔ جہاد قریب کے دشمنوں سے شروع کرنا چاہیے۔

٢۔ مسلمانوں کے ساتھ نرم خو اور کفار کے ساتھ سخت ہونا چاہیے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔

٤۔ ایمان والوں کو کفار کے ساتھ جہاد کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

متقین کے فضائل اور اللہ تعالیٰ کی رفاقت:

١۔ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔ (التوبۃ:١٢٣)

٢۔ اللہ سے ڈرو اور جان لو بے شک اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ:١٩٤)

٣۔ بے شک اللہ متقین کو پسند کرتا ہے۔ (آل عمران:٧٦)

٤۔ اللہ متقین سے محبت کرتا ہے۔ (التوبۃ:٤۔٧)

٥۔ متقین کے لیے کامیابی ہے۔ (النباء:٣١)

٦۔ متقین گھنے سایوں اور چشموں والی جنت میں ہوں گے۔ (المرسلات:٤١)

وَ اِذَا مَآ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ

اور جب جو نازل کی گئی کوئی سورت پھران میں سے جو وہ کہتا ہے

اَيُّكُمۡ زَادَتۡهُ هٰذِهٖۤ اِيۡمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

تم میں سے کون ہے زیادہ کردیا اس نے اس کو اس نے ایمان؟ پس لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے

فَزَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّهُمۡ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾ وَ اَمَّا الَّذِيۡنَ

پھر زیادہ کیا اس نے ان کو ایمان اور وہ وہ خوش ہوتے ہیں اور لیکن وہ لوگ

فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَتۡهُمۡ رِجۡسًا اِلٰى رِجۡسِهِمۡ

میں ان کے دلوں روگ پھر زیادہ کردیا اس نے ان کو پلیدی طرف ان کی پلیدی

وَ مَاتُوۡا وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾

اور وہ مرے اور وہ کفر کرنے والے

”اور جب بھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں اس نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا ہے؟ پس جو لوگ ایمان لائے، ان کے ایمان میں تو اس نے اضافہ کیا ہے اور وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔“ (۱۲۴) ”اور رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے تو اس نے ان کی پلیدی میں مزید پلیدی کا اضافہ کردیا اور وہ اس حال میں مرے کہ کافر تھے۔“ (۱۲۵)

فہم القرآن

ربط کلام: قتال فی سبیل اللہ کی بنیادی پالیسی اور تربیتی بیان کے بعد منافقوں کی قرآن مجید کے بارے میں روش بیان کی جاتی ہے۔

منافق کا بنیادی مرض یہ ہوتا ہے کہ اس کا اللہ اور اس کے رسول پر حقیقی ایمان نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے وہ ہر وقت شک اور تذبذب کا شکار رہتا ہے۔ اسی وجہ سے منافقین نئی آیات سنتے تو تمسخر کے طور پر مسلمانوں سے کہتے کہ بتائیں جناب ان آیات کے اترنے سے تمہارے ایمان میں کیا اضافہ ہوا ہے؟ جس کے جواب میں مسلمان کہتے کہ ہم تو اپنی راہنمائی اور ایمان میں اضافہ محسوس کر رہے ہیں۔ اس پر منافق شرمندہ ہو کر رہ جاتے اور ان کی منافقت میں اور اضافہ ہو جاتا۔ یاد رہے البقرۃ آیت ۱۰ میں منافقت کو مرض اور یہاں منافقت کو گندگی اور کفر قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ لوگ کفر کی حالت میں مریں گے۔ جس کا دوسرا معنٰی یہ ہے کہ منافق حقیقی ایمان لانے کی بجائے تادمِ آخر نفاق پر ہی جان دیں گے۔

کفر اور نفاق مرض اور گندگی ہیں:

﴿فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ﴾[البقرۃ:۱۰]

''ان کے دلوں میں بیماری ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری میں زیادہ کر دیا اور انہیں دردناک عذاب ہوگا کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔''

﴿وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كٰفِرُونَ﴾ [التوبۃ:١٢٥]

''اور رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے تو اس نے ان کی پلیدی کے ساتھ اور پلیدی کا اضافہ کر دیا اور وہ اس حال میں مرے کہ وہ کافر تھے۔''

مومن کی حالت:

﴿إِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾ [الانفال:٢]

''جب ان کے سامنے اس کی آیات پڑھی جائیں تو ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں۔''

﴿وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖ إِيمَانًا فَأَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ﴾ [التوبۃ:١٢٤]

''اور جب بھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں اس نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا ہے؟ پس جو لوگ ایمان لائے، ان کے ایمان میں تو اس نے اضافہ کیا ہے اور وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔''

مسائل

١۔ قرآن مجید کی تلاوت سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ ٢۔ منافق عناد کی وجہ سے قرآن مجید کی تاثیر کا انکار کرتے ہیں۔

٣۔ ایمان والے قرآن مجید کی تلاوت سے خوش ہوتے ہیں۔

٤۔ قرآن مجید کے نزول سے منافقین کی منافقت میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ ٥۔ منافق کا خاتمہ کفر پر ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

منافق کے نفاق میں اضافہ:

١۔ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے اللہ ان کی پلیدی کو اور بڑھا دیتا ہے۔(التوبۃ:١٢٥)

٢۔ منافقوں کے دلوں میں بیماری ہے اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا۔(البقرۃ:١٠)

٣۔ آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ اس کی طرف جلدی کرتے ہیں۔(المائدۃ:٥٢)

٤۔ منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کے وعدے کو فراڈ سمجھتے ہیں۔(الاحزاب:١٢)

اَوَلَا	يَرَوْنَ	اَنَّهُمْ	يُفْتَنُوْنَ	فِيْ	كُلِّ	عَامٍ
کیااورنہیں	وہ دیکھتے ہیں	بے شک وہ	آزمائش میں مبتلا کیے گئے	میں	ہر	سال
مَّرَّةً	اَوْ	مَرَّتَيْنِ	ثُمَّ	لَا	يَتُوْبُوْنَ	وَلَا
ایک بار	یا	دو بار	پھر	نہیں	وہ توبہ کرتے ہیں	اور نہ
هُمْ	يَذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾	وَاِذَا مَآ	اُنْزِلَتْ	سُوْرَةٌ	نَّظَرَ	
وہ	نصیحت حاصل کرتے ہیں	اور جب جو	نازل کی	کوئی سورۃ	اس نے دیکھا	
بَعْضُهُمْ	اِلٰى	بَعْضٍ ؕ	هَلْ	يَرٰىكُمْ	مِّنْ	اَحَدٍ
بعض ان کا	طرف	بعض	(کہ) کیا	وہ دیکھ رہا ہے تمھیں	سے	کوئی ایک

”کیاوہ نہیں دیکھتے کہ بے شک وہ ہر سال ایک یا دومرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں پھر بھی وہ توبہ کرتے ہیں اور نہ ہی وہ نصیحت پکڑتے ہیں۔“(۱۲۶)”اور جب کوئی سورۃ نازل کی جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں کہ کیا تمھیں کوئی دیکھ رہا ہے؟

فہم القرآن

ربط کلام: منافقین کا دنیا میں انجام۔

منافق دوغلے کردار کا انسان ہوتا ہے۔ظاہر ہے دوغلا پن کبھی نہ کبھی ظاہر ہو جاتا ہے۔جب آدمی کا دوغلا پن ظاہر ہوتا ہے تو سوائے رسوائی اور شرمندگی کے اُسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔یہی حالت منافقین مدینہ کی تھی۔ہر سال ایک یا دومرتبہ انہیں اپنے کیے کا خمیازہ بھگتنا پڑتا تھا۔جب یہ قسمیں اٹھا اٹھا کر اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کی کوشش کرتے تو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے نبی اکرم ﷺ کو آگاہ فرمادیتے کہ یہ لوگ جھوٹی قسمیں اٹھارہے ہیں۔تبوک سے واپسی پر بھی ان کے جھوٹ کی قلعی کھول دی گئی۔سورۃ التوبۃ:۹۵۔۹۶۔ان کی حرکتوں کی وجہ سے جب مسلمان ان کے ایمان پر شبہ کرتے تو یہ لوگ حلف دیتے نہیں تھکتے تھے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی نفی کرتے ہوئے فرمایا کہ منافقین حلف دیتے ہیں کہ محمد ﷺ واقعی اللہ کا رسول ہے۔لیکن یہ اپنی شہادت میں جھوٹے ہیں۔جبکہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ محمد ﷺ حقیقتاً اللہ کا رسول ہے۔(المنافقون:۱) یہی حالت غزوات اور صدقات کے موقع پر ان کی ہوا کرتی تھی۔غزوہ احد کے موقع پر پوری دنیا کے سامنے رسوا ہوئے،غزوہ خندق کے موقعہ پر ہر اعتبار سے بے نقاب ہوئے۔فتح مکہ کے دوران ان کی منافقت کی قلعی کھول دی گئی۔تبوک کے محاذ نے تو انہیں پوری طرح رسوا کردیا، رہی سہی کسر مسجد ضرار کے مسمار کرنے سے نکل گئی۔اس طرح قرآن مجید کا فرمان ان پر صادق آیا کہ یہ سال میں ایک یا دومرتبہ ملکی اور قومی سطح پر ذلیل ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت

ثُمَّ	انْصَرَفُوْا	صَرَفَ	اللّٰهُ	قُلُوْبَهُمْ	بِاَنَّهُمْ
پھر	وہ پھر گئے	اس نے پھیر دیا	اللہ	ان کے دلوں کو	بوجہ اس کے کہ یقیناً وہ
قَوْمٌ	لَّا	يَفْقَهُوْنَ ﴿١٢٧﴾			
قوم	نہیں	وہ سمجھتے ہیں			

پھر وہ پھر جاتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دل پھیر دیے ہیں، کیوں کہ یقیناً وہ ایسے لوگ ہیں جو نہیں سمجھتے۔'' (۱۲۷)

حاصل کرتے ہیں حالانکہ کم سے کم عقل رکھنے والا انسان بھی ایک دو دفعہ ذلیل ہونے کے بعد سنورنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن منافق نظریات اور کردار کے حوالے سے نجس اور پلید ہوتا ہے جس وجہ سے وہ سدھرنے کی بجائے بگڑتا چلا جاتا ہے۔ جس وجہ سے انہوں نے دنیا کی رسوائی اور آخرت کی ذلت قبول کر لی مگر اخلاصِ نیت کے ساتھ اسلام قبول کرنا پسند نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی بدنیتی اور مذموم حرکات کی وجہ سے ان کے دلوں کو اسی طرف پھیر دیا۔ جس طرف یہ پھرنا پسند کرتے تھے۔ ایسے لوگ سمجھنے اور ہدایت پانے والے نہیں ہوتے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ منافقوں کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔ ۲۔ منافقین منافقت کی وجہ سے نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

۳۔ منافقین بار بار مشکلات میں مبتلا ہونے کے باوجود توبہ نہیں کرتے۔

۴۔ منافقین اللہ کی آیات سے منہ موڑتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو پھیر دیتا ہے۔

۵۔ منافق قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

تفسیر بالقرآن

منافقین کا قرآن مجید کے ساتھ رویہ:

۱۔ جب قرآن مجید کا نزول ہوتا تھا تو منافقین ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے تھے۔ (التوبۃ: ۱۲۷)

۲۔ منافقین قرآن مجید کے نزول کا مذاق اڑاتے اور کہتے ہیں اس سے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا؟ (التوبۃ: ۱۲۴)

۳۔ قرآن کا جب کوئی حصہ نازل ہوتا ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول سے مل کر جہاد کرو تو وہ بہانے تراشنے لگتے ہیں۔ (التوبۃ: ۸۶)

۴۔ جب کوئی محکم سورۃ نازل ہوتی اور اس میں قتال کا تذکرہ ہوتا ہے تو منافق آپ کی طرف ایسے دیکھتے جیسے ان پر موت کی بیہوشی طاری ہوگئی ہو۔ (سورہ محمد: ۲۰)

لَقَدْ	جَآءَكُمْ	رَسُوْلٌ	مِّنْ	اَنْفُسِكُمْ	عَزِيْزٌ	عَلَيْهِ
یقیناً	آ گیا تمھارے پاس	ایک رسول	سے	تمہیں میں سے	شاق	اس پر

مَا عَنِتُّمْ	حَرِيْصٌ	عَلَيْكُمْ	بِالْمُؤْمِنِيْنَ	رَءُوْفٌ	رَّحِيْمٌ ۝۱۲۸
تم تکلیف میں مبتلا ہو	بہت حریص	تم پر	مومنوں کے ساتھ	نہایت شفیق	بہت مہربان ہے

''بلا شبہ یقیناً تمھارے پاس تم میں سے ایک رسول آیا ہے جس پر تمھارا مشقت میں پڑنا بہت شاق گزرتا ہے، تمھاری بھلائی کے بارے میں بہت حرص رکھنے والا ہے، ایمان والوں پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' (۱۲۸)

فہم القرآن

ربط کلام: منافقین کا بار بار بدعہدی کرنا، ہر موقع پر سازشیں کرنا اور نبی اکرم ﷺ کی مجالس میں آنکھوں آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارے کرنا۔ ایک سے ایک بڑھ کر بدتمیزی اور برا عمل تھا۔ اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ ان کے ساتھ بردباری و درگزر کا مظاہرہ فرماتے رہے جس کی یہاں شاندار الفاظ میں تعریف کی گئی اور آپ کو خراج تحسین سے نوازا گیا ہے۔

جہاں تک مخلص مسلمانوں کا معاملہ ہے رسول کریم ﷺ ان کے ساتھ اس قدر کرم فرما اور خیر خواہ تھے کہ آپ اپنے ساتھیوں کی تکلیف کو ان سے بڑھ کر اپنی تکلیف سمجھتے اور صبح و شام اس فکر میں رہتے کہ لوگوں کو کس طرح اصلاح اور فلاح کے راستے پر گامزن کیا جائے۔ آپ ﷺ کے حلم اور بردباری کا عالم یہ تھا کہ آپ اپنے ساتھیوں کی غلطیوں سے صرفِ نظر فرماتے اور ان کی کوتاہیوں کو معاف کر دیا کرتے تھے۔ جہاں تک آپ کی ہمدردی اور خیر خواہی کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو طبعاً اور فطرتاً ہمدرد اور خیر خواہ پیدا فرمایا تھا۔ مزید یہ کہ آپ نے دنیا کی مشکلات اور مصائب کو براہ راست دیکھا اور اپنے آپ پر برداشت کیا تھا ابھی دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے کہ والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ تقریباً چھ سال کے ہوئے تو والدہ ماجدہ مدینہ کے سفر کے دوران انتقال کر گئیں۔ آٹھ سال کے ہوئے تو مشفق اور مہربان دادا جنابِ عبدالمطلب دنیا سے کوچ کر گئے۔ اس طرح چھوٹی عمر میں آپ نے وہ صدمات برداشت کیے جس کے تصور سے کلیجہ دہل جاتا ہے۔ ان حالات میں جوں جوں عمر مبارک جوانی کے قریب پہنچی تو آپ ﷺ ہر وقت اس سوچ و بچار میں رہتے کہ لوگوں کی اصلاح اور فلاح کے لیے کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ جب چالیس سال کے ہوئے تو حالت یہ ہوگئی کہ کئی کئی دن تک غار حرا میں بیٹھ کر سوچا کرتے کہ آخر یہ بگڑی ہوئی قوم کس طرح راہ راست پر آئے گی۔ ایک دن غارِ حرا میں اسی سوچ و بچار میں بیٹھے تھے۔ کہ اللہ کا آخری پیغام آپہنچا۔ جس کا آغاز اس طرح ہوا کہ اللہ کے نام سے ابتدا کیجیے جس نے انسان کو ایک لوتھڑے سے پیدا کیا ہے۔ (العلق: ۱۔۲) آپ جب یہ پیغام لے کر سوئے قوم آئے تو پھر تیئس سال تک اسی غم اور کام میں زندگی گزار دی۔ لوگوں کی اصلاح کی خاطر بڑے

بڑے مصائب اٹھائے ، مشکلات کا سامنا کیا، طائف میں پتھر کھائے یہاں تک کہ حق اور سچ کی خاطر گھر بار اور وطن چھوڑنا پڑا۔ مدینہ پہنچنے کے بعد منافقوں کی سازشوں اور کفار کے ساتھ بدر، احد، خندق، مکہ اور تبوک کے محاذوں پر معرکے ہوئے، عزیز واقرباء کی قربانیاں پیش کیں، کاروبار اور ہر قسم کا نقصان اٹھایا مگر لوگوں کی خیر خواہی اوران کے ساتھ ہمدردی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ آپ سراپا ہمدرد اور خیر خواہ تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین کے خطاب اور رروف و رحیم کے القاب سے نوازا ہے۔ یہاں ہم آپ کی ہمدردی اور خیر خواہی کے تین واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی ابتدا نیند میں سچے خوابوں سے ہوئی۔ آپ جو بھی خواب دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی مانند سامنے آجاتا۔ پھر آپ تنہائی پسند ہو گئے اور غارِ حرا میں تنہائی میں وقت گزارنے لگے۔ وہاں آپ عبادت میں مشغول رہتے۔ اپنے اہل وعیال کے پاس واپس آنے سے پہلے آپ کئی راتیں وہاں گزارتے۔ اس عرصہ کے لیے سامانِ خورد ونوش ساتھ لے جاتے۔ سامان ختم ہونے پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتے۔ وہ پھر پہلے کی طرح سامان آپ کے ساتھ کر دیتیں۔ حتّٰی کہ غارِ حرا میں وحی کا نزول شروع ہوا۔ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا ''پڑھیے'' آپ نے جواب دیا میں پڑھنا نہیں جانتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے مجھے پکڑ کر اتنا دبایا کہ مجھے سخت تکلیف ہوئی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا ''پڑھیں''۔ آپ نے جواب دیا میں پڑھنا نہیں جانتا۔ پھر اس نے دوسری بار اسی طرح زور سے دبایا۔ جس پر میں نے سخت تکلیف محسوس کی۔ پھر چھوڑ دیا اور کہا ''پڑھیں''۔ میں نے جواب دیا میں پڑھنا نہیں جانتا۔ پھر اس نے مجھے دبوچ لیا اور تیسری بار زور سے دبایا، یہاں تک کہ مجھے بہت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا ''پڑھیں! اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کی تخلیق کی جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے۔ پڑھیے اور آپ رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔'' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وحی کے ساتھ واپس لوٹے آپ کا دل گھبرا رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ان سے فرمایا، مجھے کمبل اوڑھا دو۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو کپڑا اوڑھا دیا یہاں تک آپ سے خوف کی کیفیت دور ہوگئی۔ پھر آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سارا ماجرا کہہ سنایا اور فرمایا، مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ انہوں نے تسلی دی کہ ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچی بات کہتے ہیں، دوسروں کے بوجھ اٹھاتے ہیں محتاج کی خبر گیری کرتے ہیں، مہمان کو کھانا کھلاتے ہیں اور مصیبت زدہ اور ضرورت مند کی مدد کرتے ہیں۔ بعد ازاں خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی تھے۔ انہوں نے ورقہ سے کہا، اے میرے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے کا معاملہ سنیے۔ چنانچہ ورقہ نے آپ سے دریافت کیا، اے میرے بھتیجے! تجھے کیا نظر آتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تمام واقعہ کہہ سنایا۔ ورقہ نے کہا، یہ تو

وہی فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی دے کر بھیجتا تھا۔ اے کاش! میں تمہارے عہدِ نبوت میں جوان ہوتا اور کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب تمہاری قوم تمہیں نکال دے گی۔ رسول اللہ نے پوچھا، کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا، ہاں! کیوں کہ جب بھی کسی کو رسالت سے نوازا گیا تو اس کے ساتھ دشمنی کی گئی۔ اور اگر میں اس دن تک زندہ رہا، جب لوگ تمہیں نکالیں گے، تو میں تمہاری بھرپور معاونت کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ بن نوفل زیادہ دیر زندہ نہ رہے اور آپ پر وحی کا سلسلہ کچھ عرصہ کے لیے منقطع رہا۔'' [رواہ البخاری: باب کیف کان بدء الوحی]

((عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ حَدَّثَتْهُ أَنَّهَا قَالَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ هَلْ أَتَى عَلَيْكَ يَوْمٌ كَانَ أَشَدَّ مِنْ يَوْمِ أُحُدٍ قَالَ لَقَدْ لَقِيتُ مِنْ قَوْمِكِ مَا لَقِيتُ ، وَكَانَ أَشَدُّ مَا لَقِيتُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْعَقَبَةِ ، إِذْ عَرَضْتُ نَفْسِي عَلَى ابْنِ عَبْدِ يَالِيلَ بْنِ عَبْدِ كُلَالٍ ، فَلَمْ يُجِبْنِي إِلَى مَآ أَرَدْتُ ، فَانْطَلَقْتُ وَأَنَا مَهْمُومٌ عَلَى وَجْهِي ، فَلَمْ أَسْتَفِقْ إِلَّا وَأَنَا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ ، فَرَفَعْتُ رَأْسِي ، فَإِذَا أَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ أَظَلَّتْنِي ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا فِيهَا جِبْرِيلُ فَنَادَانِي فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ ، وَقَدْ بَعَثَ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ ، فَنَادَانِي مَلَكُ الْجِبَالِ ، فَسَلَّمَ عَلَيَّ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ ، فَقَالَ ذَلِكَ فِيمَا شِئْتَ ، إِنْ شِئْتَ أَنْ أُطْبِقَ عَلَيْهِمِ الْأَخْشَبَيْنِ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا))

[رواہ البخاری: کتاب بدأ الخلق ، باب اذا قال أحدکم آمین والملائکۃ فی السماء]

''عروہ کہتے ہیں نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔ انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا، کیا آپ پر احد سے بھی زیادہ سخت دن آیا ہے، آپ نے فرمایا عائشہ میں نے تیری قوم سے پایا ہے جو پایا ہے اور سب سے زیادہ سختی عقبہ والے دن پائی۔ جب میں نے اپنی دعوت ابن عبد یالیل بن عبد کلال پر پیش کی۔ اس نے میری خواہش کے برعکس جواب دیا۔ میں انتہائی افسردہ چہرے کے ساتھ واپس ہوا۔ میرا غم ہلکا نہ ہوا تھا کہ میں قرن ثعالب میں آ گیا میں نے اپنا سر اٹھایا تو ایک بادل کو سایہ کیے ہوئے پایا میں نے دیکھا اس میں جبرائیل علیہ السلام تھے اس نے مجھے آواز دی اور کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کے جواب کو سن لیا ہے جو انہوں نے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے اگر آپ ان کو جو حکم دینا چاہیں دیں۔ مجھے پہاڑوں کے فرشتہ نے آواز دی اس نے مجھے سلام کہتے ہوئے کہا اے محمد ﷺ! آپ ان کے متعلق جو کہنا چاہتے ہیں کہیں اگر آپ چاہتے ہیں تو میں ان پر دو پہاڑوں کو ملا دوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشت سے ایسے لوگوں کو پیدا فرمائے گا جو ایک اللہ کی عبادت کرنے والے اور شرک نہ کرنے والے ہوں گے۔''

((هِنْدَ بْنِ أَبِي هَالَةَ يَصِفُ لَنَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ هِنْدٌ فِيمَا قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مُتَوَاصِلُ الْأَحْزَانِ، دَائِمُ الْفِكْرَةِ، لَيْسَتْ لَهُ رَاحَةٌ، وَلَا يَتَكَلَّمُ فِي غَيْرِ حَاجَةٍ، طَوِيلُ السُّكُوتِ، يَفْتَتِحُ الْكَلَامَ

وَيَخْتِمُهُ بَأَشْدَاقِهِ ـ لِا بأطْرَافِ فَمِهِ ـ وَيَتَكَلَّمُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ، فَصْلاً، لَا فُضُوْلَ فِيهِ وَلَا تَقْصِيرَ، دَمْثاً لَيْسَ بِالْجَافِي وَلَا بِالْمَهِينِ، يُعَظِّمُ النِعْمَةَ وَإِنْ دَقَتْ، لَايَذُمُّ شَيْئاً، وَلَمْ يَكُنْ يَذُمُّ ذَوَاقاً مَا يُطْعِمُ وَلَا يَمْدَحُهُ، وَلَا يُقَامُ لِغَضَبِهِ إِذَا تَعَرَّضَ لِلْحَقِّ بِشَيْءٍ حَتّٰى يَنْتَصِرُ لَهُ، لَا يَغْضِبُ لِنَفْسِهِ، وَلَا يَنْتَصِرُ لَهَا سَمَاحَةً وَإِذَا أَشَارَ أَشَارَ بِكَفِّهِ كُلِّهَا، وَإِذَا تَعَجَّبَ قَلْبُهَا، وَإِذَا غَضِبَ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ، وَإِذَا فَرِحَ غَضَّ طَرْفَهُ، جَلَّ ضِحْكُهُ التَبَسُّمُ، وَيَفْتِرَ عَنْ مِثْلِ حَبِّ الْغَمَامِ)) [الرحيق المختوم]

’’ہند بن ابی ہالہ رسول اللہ ﷺ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں رسول محترم ﷺ پیہم غموں سے دوچار تھے ،غور وفکر کرنے والے تھے، آرام طلب نہیں تھے بغیر ضرورت کے کلام نہ کرتے کم گو، آپ کلام شروع کرتے اور اُس کا اختتام جبڑوں کے ساتھ کرتے ، زبان کی نوک سے نہیں اور آپ جامع گفتگو کرتے مناسب وقفے کے ساتھ اس میں فضول اور ناقص گفتگو نہ ہوتی ،نرم خو تھے، جفا جو اور حقیر نہ تھے، آپ چھوٹی نعمت کو بھی بڑا سمجھتے ، کسی چیز کی مذمت نہ کرتے اور آپ کسی کھانے کے ذائقے کی مذمت نہ کرتے ، نہ اُسے کھاتے اور نہ اُس کی تعریف کرتے ،اور آپ غضب ناک نہ ہوتے مگر جب حق کا معاملہ آتا تو آپ بدلہ لیتے ، اپنے لیے غصے میں نہ آتے اور نہ بدلہ لیتے ،نرمی فرماتے اور جب اشارہ کرتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ کرتے ۔ اور جب تعجب کرتے تو اُسے اُلٹ دیتے اور جب ناراض ہوتے اعراض کرتے اور پھر جاتے اور جب خوش ہوتے تو اپنی نگاہ کو جھکا لیتے ، آپ کا ہنسنا تبسم سے ظاہر ہوتا جب ختم ہو جاتا جیسے بادل چھٹ جاتا ہے۔‘‘

مسائل

١۔ رسول اکرم ﷺ اپنی امت کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ۔ ٢۔ رسول معظم ﷺ اپنی امت کے لیے بہت فکر مند رہتے تھے۔
٣۔ رسول معظم ﷺ نہایت اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ ٤۔ رسول کریم ﷺ کو اپنے ساتھیوں کی تکلیف بڑی گراں گزرتی تھی۔
٥۔ رسول محترم ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نرمی کرنے ، رحم فرمانے والے تھے۔

تفسیر بالقرآن

نبی اکرم ﷺ کے اوصاف حمیدہ کی ایک جھلک :

١۔ نبی اکرم مومنوں کے ساتھ شفیق و مہربان ہیں ۔ (التوبۃ: ١٢٨) ٢۔ ہم نے آپ کا ذکر بلند کیا ہے۔ (الانشراح: ٤)
٣۔ ہم نے آپ کو جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ (الانبیاء: ١٠٧)
٤۔ ہم نے آپ کو جہان والوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ (سبا: ٢٨)
٥۔ ہم نے آپ کو دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ (الاحزاب: ٤٦)
٦۔ آپ تمام انسانوں کے نبی ہیں (الاعراف: ١٥٨) ٧۔ آپ خاتم المرسلین نبی ہیں۔ (الاحزاب: ٤٠)
٨۔ آپ رسولوں میں سے ہیں ، اور آپ صراط مستقیم پر گامزن ہیں۔ (یٰس: ٣۔٤)

فَإِنْ	تَوَلَّوْا	فَقُلْ	حَسْبِيَ	اللّٰهُ ۖ	لَآ	إِلٰهَ	إِلَّا
پھر اگر	وہ منہ موڑیں	بس آپ فرما دیں	کافی ہے مجھے	اللہ	نہیں	کوئی معبود	مگر

هُوَ ۖ	عَلَيْهِ	تَوَكَّلْتُ	وَهُوَ	رَبُّ	الْعَرْشِ	الْعَظِيمِ ﴿۱۲۹﴾
وہ	اسی پر	میں نے بھروسہ کیا	اور وہی ہے	رب	عرش	عظیم کا

''پھر اگر وہ منہ موڑیں تو فرما دیں مجھے اللہ ہی کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔'' (۱۲۹)

فہم القرآن

ربط کلام: اے نبی کریم ﷺ! آپ کے اخلاص، بے مثال جدوجہد، ہمدردی اور خیر خواہی کے باوجود لوگ انحراف کرتے ہیں تو آپ کو ان کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ آپ کو ہر حال میں اپنے اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے جو عرش عظیم کا مالک ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کے آخر میں نبی پاک کو تسلی دینے کے ساتھ یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ مشرکین اور کفار کی طرف سے اعراض ہو یا ان کی طرف سے آپ کے بارے میں عدم توجہ اور انحراف۔ آپ کو کسی صورت میں بھی دل چھوٹا اور حوصلہ نہیں ہارنا کیونکہ آپ عرش عظیم کے مالک کے نمائندہ ہیں اس لیے آپ کو لوگوں کی مخالفت اور ان کی عدم توجہ سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ بلکہ آپ کی دعا، عقیدہ اور عمل یہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مدد کرنے والا نہیں اور اسی پر میرا بھروسہ ہے جو عرشِ عظیم کا رب ہے۔ یہ وہ عقیدہ ہے جس بنا پر دنیا کا کوئی خوف اور لالچ مومن کے قدموں میں تزلزل پیدا نہیں کرسکتا یہی عقیدہ اور وظیفہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جھونکا جارہا تھا تو ملائکہ آکر ان کو پیش کش کرتے ہیں کہ اگر آپ حکم فرمائیں تو یہ آگ نمرود اور اس کے ساتھیوں پر الٹا دی جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ملائکہ سے استفسار فرمایا کہ کیا ایسا کرنے کا میرے رب نے حکم دیا ہے ملائکہ نے کہا کہ اب تک حکم نازل نہیں ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

''حسبی اللّٰہ'' مجھے اللہ ہی کافی ہے۔

ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب پر بھروسہ اور اعتماد کی انتہا کردی ادھر آسمان سے آگ کو حکم نازل ہوا۔

﴿وَقُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ﴾ [الانبیاء: ۶۹]

''اور ہم نے کہا اے آگ ابراہیم کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا۔''

یہی وہ وظیفہ اور عقیدہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ ایک غزوہ سے واپس آرہے تھے تو دوپہر کے وقت ایک درخت کے نیچے استراحت فرما تھے۔ اچانک ایک بدو نے آپ کی تلوار پکڑ کر یہ کہتے ہوئے آپ کے سر پر لہرائی کہ اے محمد! تجھے

مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا مجھے اللہ بچانے والا ہے بدو کا وجود کانپنے لگا اتنے میں آپ نے اس سے تلوار اُچک لی اور فرمایا تجھے کون بچائے گا؟ اس نے معذرت کی اور حلقہ اسلام میں داخل ہوا۔ یہی وہ عمل اور ذکر ہے کہ جب احد کے میدان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شکست ہوئی اور وہ زخمی حالت میں مدینہ پہنچے تو کفار کے سردار ابوسفیان کا پیغام آیا کہ ہم مدینہ میں پہنچ کر تمہیں تہس نہس کرنے والے ہیں۔ اس کے ردِعمل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ''حسبنا الله'' پڑھتے ہوئے کفار کے لشکر کے تعاقب میں نکلے جس کے نتیجہ میں ابوسفیان نے مکہ کی راہ لینے میں عافیت سمجھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے مقصد میں کامیاب مدینہ پلٹے۔

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾

[الطلاق:٣]

''جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اُس کے لیے کافی ہے اللہ اپنے کام کو پورا کر دیتا ہے اور ہر چیز کا اللہ نے اندازہ مقرر فرمایا ہے۔''

مسائل

١۔ مسلمان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ ٢۔ صرف اللہ ہی مشکل کشا اور حاجت روا ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے عرش کا مالک ہے۔ ٤۔ سب لوگ منہ موڑ جائیں تو مومن کے لیے اللہ ہی کافی ہوتا ہے۔

٥۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔

تفسیر بالقرآن

مومن کو اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرنا چاہیے:

١۔ مومن کو اللہ پر توکل کرنے کا حکم ہے۔(المجادلۃ:١٠) ٢۔ انبیاء اور نیک لوگ اللہ پر توکل کرتے ہیں۔(یوسف:٦٧)

٣۔ اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں میں اسی پر توکل کرتا ہوں اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔(التوبۃ:١٢٩)

٤۔ جب کسی کام کا ارادہ کرلو تو اللہ پر توکل کرو۔ اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔(آل عمران:٥٩)

٥۔ اللہ کی عبادت کرو اور اسی پر توکل کرو۔(ہود:١٢٣) ٦۔ اللہ پر توکل کرو اگر تم مومن ہو۔(المائدۃ:٢٣)

٧۔ اللہ پر توکل کیجیے، وہی کارساز کافی ہے۔(الاحزاب:٣)

٨۔ اللہ پر توکل کرو یقیناً آپ واضح حق پر ہیں۔(النمل:٧٩)

٩۔ اس ذات پر توکل [illegible] جو زندہ ہے اور اسے موت نہیں آئے گی۔(الفرقان:٥٨)

سورۂ یونس کا تعارف

سورۃ کا نام حضرت یونس علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا

حضرت یونس علیہ السلام کا اسم مبارک اس سورۃ کی آیت ۹۸ میں موجود ہے۔سورۃ کے گیارہ رکوع ۱۰۹ آیات ہیں۔ چند آیات مدنی ہیں باقی تمام آیات مکی دور میں نازل ہوئی ہیں۔

* سب سے پہلے رسول کی بشریت کا انکار کرنے والوں کا رد کیا گیا ہے۔
* رسول کی بشریت اور نبوت ثابت کرنے کے بعد توحید کے ٹھوس دلائل دیے گئے ہیں۔
* اللہ تعالیٰ زمین، آسمانوں کا پیدا کرنے والا اور وہی ان کا نظام چلانے والا ہے۔زمین وآسمانوں کی تخلیق اور کائنات کے نظام چلانے میں اللہ کا کوئی شریک اور معاون نہیں ہے۔
* اللہ تعالیٰ ہی نے سورج اور چاند بنائے، ان کی منزلیں مقرر کیں اور وہی رات اور دن کو بنانے والا ہے۔
* مشرک کی عادت یہ ہے کہ وہ صرف مصیبت کے وقت اپنے رب کو پکارتا ہے مصیبت ٹل جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے۔
* مشرک ان سے مدد طلب کرتا اور ان کو اللہ کے ہاں سفارشی بناتا ہے جو نفع ونقصان کا کچھ اختیار نہیں رکھتے۔
* مشرک قرآن مجید کے دلائل کی تاب نہ لاکر مطالبہ کرتے ہیں کہ قرآن مجید کو بدل دیا جائے۔
* دنیا عارضی ہے اور اس کی مثال گھاس پھونس کی مانند ہے۔آخرت یقینی اور ابدی ہے۔
* قرآن مجید کو جھٹلانے والوں کو اس سورۃ میں ایک سورۃ بنالانے کا چیلنج دیا گیا ہے۔
* اللہ کے رسول سے کہلوایا گیا ہے کہ میں بھی اپنے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں۔
* قرآن مجید بہترین نصیحت اور نسخۂ شفا ہے۔
* اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک اور بے نیاز ہے۔
* سورۂ یونس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی کشمکش کا مختصر بیان ہوا ہے۔
* فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا گیا مگر فرعون کی لاش عبرت کے لیے باقی رکھی گئی۔
* قومِ یونس کی اجتماعی توبہ کی وجہ سے ان کے سروں پر منڈلانے والا عذاب ٹال دیا گیا۔
* آخر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے مشرکوں کو چیلنج دیا گیا ہے کہ تم اللہ کی ذات میں شک کرتے ہو تو کرو میں تو صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے والا ہوں۔
* اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد کرنا اپنے آپ پر لازم کر رکھا ہے۔

سُورَةُ يُونُسَ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رُكُوْعُهَا: ۱۱
اٰيَاتُهَا: ۱۰۹

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

الٓرٰ قف	تِلْكَ	اٰيٰتُ	الْكِتٰبِ	الْحَكِيْمِ ①	اَكَانَ	لِلنَّاسِ
الٓرٰ۔	یہ	آیتیں ہیں	کتاب	حکمت والی	کیا ہے	لوگوں کیلئے
عَجَبًا	اَنْ	اَوْحَيْنَآ	اِلٰى	رَجُلٍ	مِّنْهُمْ	اَنْ
تعجب	یہ کہ	ہم نے وحی کی	طرف	ایک آدمی	ان سے	یہ کہ
اَنْذِرِ	النَّاسَ	وَبَشِّرِ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْٓا	اَنَّ	لَهُمْ
آپ ڈرائیں	لوگوں	اور خوشخبری دیں	وہ	ایمان لائے	بے شک	ان کے لیے
قَدَمَ	صِدْقٍ	عِنْدَ	رَبِّهِمْ ؕ	قَالَ	الْكٰفِرُوْنَ	اِنَّ
مرتبہ	سچائی کا	پاس	ان کے رب	کہا اس نے	کافروں	بلاشبہ
		هٰذَا	لَسٰحِرٌ	مُّبِيْنٌ ②		
		یہ	یقیناً جادوگر	ظاہر		

’’الرٰ۔ یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں۔‘‘ (۱) ’’کیا لوگوں کو تعجب ہوا ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک آدمی کی طرف وحی بھیجی کہ لوگوں کو ڈرائے اور جو لوگ ایمان لے آئیں انھیں خوشخبری دے یقیناً ان کے لیے ان کے رب کے ہاں بہترین مقام ہے۔ کافروں نے کہا یقیناً یہ تو کھلا جادوگر ہے۔‘‘ (۲)

فہم القرآن

الرٰ۔ حروف مقطعات میں سے ہیں۔ حروف مقطعات کا معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ اس کا عملی زندگی سے تعلق ہے۔ جس بنا پر نبی اکرم ﷺ نے ان کا معنی نہیں بتلایا اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے استفسار کیا۔ جن بزرگوں نے ان کے معنٰی کیے ہیں۔ یہ ان کی ذہنی کاوش ہے۔ جس کی کوئی ٹھوس دلیل نہیں ہے۔ اس لیے آخر میں وہ بھی یہ لکھنے پر مجبور ہیں۔ کہ اللہ ہی حروف مقطعات کے معنی جانتا ہے۔ لیکن افسوس ہمارے دور کے ایک مفسر نے ایسا دعویٰ کیا ہے جس سے علم کے نام پر جہالت اور حروف مقطعات کے بہانے شرک پھیلانے کا دروازہ کھولا ہے چنانچہ لکھتے ہیں: کہ یہ حروف خود بول کر اپنا مفہوم اولیاء کرام سے بیان کر دیتے ہیں جیسے یہ حروف اُس ذات پاک سے گویا ہوتے تھے جس کی ہتھیلی میں کنکریوں نے اللہ کی تسبیح بیان کی تھی۔ معاذ اللہ۔ (ضیاء القرآن، جلد۲، ص: ۲۷۵) بہرحال یہ حروف ایسے ہیں جن کا معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں۔ لوگوں نے تعجب کیا کہ ہم نے انہیں میں ایک آدمی پر قرآن مجید

وقف النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نازل کیا ہے۔ جو انھیں کفر و شرک اور برے اعمال کے انجام سے خبر دار کرتا ہے۔ اور مسرت و شادمانی کا پیغام دیتا ہے جو اس پر ایمان لائے ان کے لیے ان کے رب کے پاس عزت و عظمت کا مقام ہے۔ کفار کہتے ہیں کہ یہ جادوگر ہے۔ (یہاں قدم کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کی جمع اقدام ہوتی ہے۔ جس کا مفہوم آگے بڑھنا ہے۔ یہاں قَدَمَ صِدْقٍ کے الفاظ لائے گئے ہیں یعنی یہ ترقی اور مرتبہ ان کو صدق نیت اور حق قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوگا، یہی نبوت کی دعوت کا خلاصہ ہے۔)

☆ پہلی اقوام سے بھی جب کتاب الٰہی کا جواب نہ بن پایا تو انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو جادوگر قرار دیا۔

☆ کتاب الٰہی کی تاثیر سے متاثر ہونے کی وجہ سے کفار اسے جادو قرار دیتے ہیں۔

☆ سنجیدہ لوگوں کو جادوگروں سے نفرت ہوتی ہے۔ لوگوں کو متنفر کرنے کے لیے کفار انبیاء علیہم السلام کو جادوگر ہونے کا الزام دیتے تھے۔

☆ جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی کفار ثابت کرنا چاہتے تھے کہ نبی کی بات ویسے ہی آدمی کو متاثر کرتی ہے ورنہ اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔

☆ جادوگر شعبدہ باز ہوتے ہیں۔ کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کو جادو اور شعبدہ قرار دیتے تھے۔

حالانکہ:

☆ وحی اللہ تعالیٰ کا کلام ہوتا ہے۔ مخلوق میں کوئی بھی اس جیسا کلام نہیں کرسکتا۔

☆ جادو کا اثر دیرپا نہیں ہوتا۔ جب کہ وحی دائمی اور اس پر ایمان لانے کے بعد آدمی مرنا قبول کر لیتا ہے اس سے انکار نہیں کرتا۔

☆ جادوگر روحانی اور جسمانی طور پر گندہ ہوتا ہے۔ پیغمبر پاکباز اور صاف ستھرا ہوتا ہے۔

☆ جادوگر پیٹ کے دھندے کے لیے کرتب دکھاتا ہے۔ نبی ساری عمر کسی سے ایک دمڑی کا روادار نہیں ہوتا۔

☆ جادو ڈرامہ ہے۔ قرآن مجید ابدی حقیقت ہے۔

☆ جادوگر جھوٹ بولتا ہے۔ اللہ کا رسول کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔

☆ جادو سے دین و دنیا کا نقصان ہوتا ہے۔ نبی کی اتباع سے دین و دنیا کی بھلائی اور عزت حاصل ہوتی ہے۔

جادو کی اقسام، معنی اور حقیقت:

مشہور مفسر امام رازی نے جادو کو آٹھ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ ان کی تقسیم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جادوگروں نے اپنے فن کے لیے کون کون سے طریقے ایجاد کر رکھے تھے۔

جادو کوئی مستقل اور مستند علم نہیں کہ جس کو کرنے کے لیے کوئی خاص طریقہ متعین کیا گیا ہو کیونکہ جادو تصنّع بازی کا نام ہے اس

لیے ہر دور میں اس کی کرشمہ سازی اور اثر انگیزی میں اضافہ کرنے کے لیے نئے نئے طریقے ایجاد کیے گئے تاہم جدید وقدیم جادو کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ کفریہ، شرکیہ الفاظ کے ہیر پھیر کے ذریعے جادو کرنا۔

۲۔ برے لوگوں، خبیث جنّات اور شیاطین کے ذریعے کسی پر اثر انداز ہونا۔

۳۔ علم نجوم کے ذریعے غیب کی خبریں دینا اور دوسرے کو متاثر کرنا۔

۴۔ توجہ، مسمریزم کی مخصوص حرکات، (ہپناٹیزم) کے ذریعے حواس خمسہ کو قابو کرنا۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید کی آیات پُر حکمت ہیں۔

۲۔ قرآن مجید ایمان داروں کے لیے خوشخبری کا پیغام ہے۔

۳۔ کفار انبیاء کی بشریت پر اعتراض کرتے تھے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ڈرانے اور خوشخبری سنانے کے لیے انسانوں میں سے ہی نبی بناتا رہا ہے۔

۵۔ مومنین کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مرتبہ ہے۔

۶۔ کفار نبی ﷺ کو جادوگر کہتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

نبی اکرم ﷺ پر کفار کے الزامات:

۱۔ کفار نبی کریم کو جادوگر کہا کرتے تھے۔ (یونس:۲)

۲۔ کفار آپ کو کاہن اور مجنون کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا کہ آپ کاہن اور مجنون نہیں ہیں۔ (الطّور:۲۹)

۳۔ کفار آپ کو شاعر کہتے تھے۔ (الطّور:۳۰)

۴۔ کفار آپ پر الزام لگاتے تھے کہ آپ قرآن مجید خود بنا لیتے ہیں۔ (النحل:۱۰۱)

۵۔ کفار نبی اکرم کو جادوگر اور کذاب کہتے تھے۔ (ص:۴)

۶۔ کفار نے انبیاء کو جادوگر اور مجنوں قرار دیا۔ (الذاریات:۵۲)

۷۔ ظالموں نے کہا تم جادو کیے گئے شخص کی پیروی کرتے ہو۔ (الفرقان:۸)

اِنَّ	رَبَّكُمُ	اللّٰهُ	الَّذِيْ	خَلَقَ	السَّمٰوٰتِ	وَ الْاَرْضَ
یقیناً	تمھارا رب	اللہ	وہ	پیدا کیا اس نے	آسمانوں	اور زمین کو
فِيْ	سِتَّةِ	اَيَّامٍ	ثُمَّ	اسْتَوٰى	عَلَى	الْعَرْشِ
میں	چھ	دنوں	پھر	وہ مستوی ہو گیا	پر	عرش
يُدَبِّرُ	الْاَمْرَ ؕ	مَا	مِنْ	شَفِيْعٍ	اِلَّا	مِنْۢ بَعْدِ
وہ تدبیر کرتا ہے	کام	نہیں	سے	سفارشی	مگر	سے بعد
اِذْنِهٖ ؕ	ذٰلِكُمُ	اللّٰهُ	رَبُّكُمْ	فَاعْبُدُوْهُ ؕ	اَفَلَا	تَذَكَّرُوْنَ ۝۳
اس کی اجازت	یہ ہے تمہارا	اللہ	تمھارا رب	سو تم اسی کی عبادت کرو	کیا پھر نہیں	تم نصیحت حاصل کرتے ؟

”یقیناً تمھارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر بلند ہوا۔ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔ اس کی اجازت کے بعد کوئی سفارش کرنے والا نہیں، وہی اللہ تمھارا رب ہے، بس اس کی عبادت کرو۔ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟“ (۳)

فہم القرآن

ربط کلام: انبیاء کرام ؊ کی نبوت کا انکار کرنے کی سب سے بڑی وجہ عقیدہ توحید تھا اس لیے نبی کی بشریت کا ذکر کرنے کے بعد توحید کے دلائل دیے جاتے ہیں۔

اے لوگو! تم نبی کے انسان ہونے پر تعجب کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ معمولی بات ہے کہ کسی شخص کو اپنے پیغام اور کام کے لیے منتخب فرمائے۔ اس کی ذات اتنی عظیم ہے کہ اس نے زمین و آسمان صرف چھ دن میں پیدا فرمائے اور پھر ذاتِ کبریا عرشِ عظیم پر متمکن ہوئی جس طرح اس کی شان ہے۔ البتہ ہمارے لیے یہ سوچنا عظیم تر گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں وقت کس حالت میں ہوگا ایسی سوچ آنے پر اعوذ باللہ...... پڑھنا چاہیے جہاں تک زمین و آسمان پیدا کرنے کا تعلق ہے اس کے بارے میں یہ وضاحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بغیر کسی Sample کے چھ دن میں پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ چاہتے تو وہ ایک لمحہ میں بھی زمین و آسمان پیدا کر سکتے تھے۔ لیکن اس میں یہ حکمت ہے کہ ہر کام کو مناسب وقت دینا فطری امر ہے جس کا خیال رکھنا چاہیے تا کہ ہر چیز یا کام اپنے فطرتی تقاضوں کے مطابق کما حقہ سرانجام پائے۔ وہی زمین و آسمان اور پوری کائنات کا نظام سنبھالے ہوئے ہے۔ زمین و آسمانوں کی پیدائش اور کائنات کا نظام سنبھالنے میں اس کا کوئی ساجھی، شریک اور مشیر نہ تھا، نہ ہے اور نہ ہوگا اور نہ اس نے کسی کو ذرہ برابر اختیار دے رکھا ہے۔ جب کائنات کی تخلیق اور نظام چلانے میں

اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک، معاون اور مشیر نہیں تو اس کے سامنے اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کرنے کی جرأت کیسے کر سکتا ہے؟ لوگو اللہ ہی تمہارا رب ہے لہٰذا صرف اور صرف اسی ایک کی عبادت کیا کرو۔ اتنے بڑے حقائق اور ناقابل تردید دلائل کی موجودگی میں کیا تم نصیحت حاصل کرنے کے لیے تیار ہو؟ نصیحت سے مراد یہاں توحید کا عقیدہ اور خالصتاً اللہ کی عبادت کرنا ہے جو شخص اس کو نہیں مانتا وہ ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتا۔ اس آیت مبارکہ میں تخلیق کائنات کا ثبوت دینے کے بعد اس بات کی پرزور تردید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی سفارش کا محتاج اور اسے ماننے پر مجبور نہیں جبکہ مشرک کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کی ریاضت وعبادت سے خوش ہو کر انہیں کچھ اختیار دے رکھے ہیں جس بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی خدائی میں شریک کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی سفارش مسترد نہیں کرتا۔ یہ باطل عقیدہ انسان کو اللہ سے بے خوف، بدعمل اور اپنے رب سے دور کر دیتا ہے جس سے معاشرتی، معاشی اور دینی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی لیے ہر نبی نے اس عقیدہ کی تردید کی۔

((عَنْ أَبِیْ أُمَامَةَ قَالَ قَالَ عَمْرُو بْنُ عَبَسَةَ السُّلَمِیُّ کُنْتُ وَأَنَا فِی الْجَاهِلِیَّةِ أَظُنُّ أَنَّ النَّاسَ عَلٰی ضَلَالَةٍ وَأَنَّهُمْ لَیْسُوْا عَلٰی شَیْءٍ وَهُمْ یَعْبُدُوْنَ الْأَوْثَانَ فَسَمِعْتُ بِرَجُلٍ بِمَكَّةَ یُخْبِرُ أَخْبَارًا فَقَعَدْتُ عَلٰی رَاحِلَتِی فَقَدِمْتُ عَلَیْهِ فَإِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُسْتَخْفِیًا جُرَءَآءُ عَلَیْهِ قَوْمُهُ فَتَلَطَّفْتُ حَتّٰی دَخَلْتُ عَلَیْهِ بِمَكَّةَ فَقُلْتُ لَهُ مَآ أَنْتَ قَالَ أَنَا نَبِیٌّ فَقُلْتُ وَمَا نَبِیٌّ قَالَ أَرْسَلَنِی اللّٰهُ فَقُلْتُ وَبِأَیِّ شَیْءٍ أَرْسَلَكَ قَالَ أَرْسَلَنِیْ بِصِلَةِ الْأَرْحَامِ وَكَسْرِ الْأَوْثَانِ وَأَنْ یُوَحَّدَ اللّٰهُ لَا یُشْرَكُ بِهِ شَیْءٌ قُلْتُ لَهُ فَمَنْ مَّعَكَ عَلٰی هٰذَا قَالَ حُرٌّ وَعَبْدٌ)) [رواہ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب اسلام عمرو بن عبسة]

”حضرت ابوامامۃ کہتے ہیں کہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں جاہلیت میں لوگوں کو گمراہی پر تصور کیا کرتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ کسی مذہب پر بھی نہیں ہیں کیونکہ وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ میں نے سنا کہ ایک آدمی مکہ میں ہے جن کے متعلق خبریں مشہور تھیں۔ میں سواری پر بیٹھا اور آپ کے پاس آیا اور رسول اللہ ﷺ اپنی قوم کے سرپھروں سے چھپ کر رہتے تھے۔ میں نے احتیاط برتی حتی کہ مکہ میں آپ کے پاس حاضر ہوا۔ میں نے کہا آپ کون ہیں آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں نبی ہوں، میں نے کہا نبی کون ہوتا ہے آپ نے فرمایا۔ اللہ نے مجھے اپنے پیغام کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ میں نے کہا کس چیز کے ساتھ آپ نے فرمایا صلہ رحمی اور بتوں کو توڑنے کے لیے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ایک جانا جائے اور اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرایا جائے میں نے کہا آپ کے ساتھ کون ہے؟ آپ نے فرمایا آزاد اور غلام۔“

((عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ وَقَالَ يَدُ اللّٰهِ مَلْأَى لَا تَغِيضُهَا نَفَقَةٌ ، سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَقَالَ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمَآءَ وَالْأَرْضَ فَإِنَّهُ لَمْ يَغِضْ مَا فِى يَدِهِ ، وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ ، وَبِيَدِهِ الْمِيزَانُ يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ))

[رواه البخاری : کتاب التفسیر، باب قوله تعالی و کان عرشه علی الماء]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل فرماتے ہیں انسان خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بھرے ہوئے ہیں۔ اس میں سے رات دن خرچ کرنے سے کمی نہیں آتی، آپ نے فرمایا کیا خیال ہے تمہارا کس قدر اللہ نے خرچ کیا ہوگا؟ جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین بنائے ہیں یقیناً اس میں کسی قسم کی کمی نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا، اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ترازو ہے وہ اسے اوپر کرتا اور نیچے کرتا ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں وزمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔
۲۔ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکے گا۔
۵۔ ایک اللہ کی ہی عبادت کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

سفارش کے دلائل:

۱۔ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کا حقدار نہ ہوگا۔ (یونس:۳)
۲۔ اللہ کی اجازت سے سفارش ہو سکے گی۔ (البقرۃ:۲۵۵)
۳۔ سفارش کا اختیار اسی کو ہوگا جسے رحمٰن اجازت دے گا۔ (مریم:۸۷)
۴۔ شفاعت اسی کے کام آئے گی جس پر رحمٰن راضی ہوا۔ (طٰہٰ:۱۰۹)
۵۔ اگر رحمٰن نقصان پہنچانا چاہے تو کسی کی سفارش کچھ کام نہ آئے گی۔ (یٰس:۲۳)
۶۔ سفارشیوں کی سفارش ان کے کسی کام نہ آئے گی۔ (المدثر:۴۸)
۷۔ وہی سفارش کر سکے گا جس کی سفارش پر رب راضی ہوگا۔ (الانبیاء:۲۸)

اِلَيْهِ	مَرْجِعُكُمْ	جَمِيْعًا ؕ	وَعْدَ	اللّٰهِ	حَقًّا ؕ
اسی کی طرف	تمہارا لوٹ کر جانا ہے	سب کا	وعدہ	اللہ	سچا
اِنَّهٗ يَبْدَؤُا	الْخَلْقَ	ثُمَّ	يُعِيْدُهٗ	لِيَجْزِيَ	الَّذِيْنَ
بلا شبہ وہی پیدا کرتا ہے	مخلوق	پھر	وہی اسے لوٹائے گا	تا کہ وہ جزا دے	ان لوگوں کو
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	بِالْقِسْطِ ؕ	وَالَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	لَهُمْ
وہ ایمان لائے اور انھوں نے عمل کیے	نیک	انصاف کے ساتھ	اور وہ لوگ	جنھوں نے کفر کیا	ان کیلئے
شَرَابٌ مِّنْ	حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ	اَلِيْمٌۢ	بِمَا	كَانُوْا	يَكْفُرُوْنَ ④
پینا ہوگا سے	کھولتے ہوئے پانی اور عذاب	دردناک	اس وجہ سے	تھے وہ	وہ کفر کرتے

''اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے، اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ بے شک وہی پیدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ لوٹائے گا، تا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے انھیں انصاف کے ساتھ جزا دے اور جن لوگوں نے انکار کیا ان کے لیے کھولتے ہوئے پانی سے پینا ہے اور دردناک عذاب ہے، اس کے بدلے جو وہ کفر کیا کرتے تھے۔'' (۴)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ ہی نے ساری کائنات اور انسان کو پیدا کیا وہی اس کائنات کو ملیا میٹ کر کے نئی صورت میں پیدا کرے گا۔ ہر انسان کو اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا اور اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔

ہر دور میں بے شمار ایسے لوگ رہے ہیں اور ہوں گے۔ جن کا یہ نظریہ ہے کہ کائنات کا نظام اسی طرح ہی چلتا رہتا ہے۔ انسان بھی مر کر مٹی کے ساتھ مٹی ہو جاتا ہے۔ ہندوؤں اور کچھ لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ کائنات کا نظام اس طرح چلتا رہے گا۔ مگر انسان جب مر جاتا ہے تو اس کی روح دنیا میں کسی دوسرے روپ میں پلٹ آتی ہے۔ جسے آواگون کا عقیدہ کہا جاتا ہے۔ آخرت کے منکرین میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ کائنات اور انسان بالآخر ختم ہو جائیں گے اور انسان کو دنیا میں ہی مکافاتِ عمل کے اصول کے تحت جزا اور سزا مل جاتی ہے۔ اسی طرح یہ لوگ موت کے بعد زندہ ہونا اور اللہ کے حضور پیش ہونے کے عقیدہ کا انکار کرتے ہیں۔ جبکہ قرآن مجید اور تمام آسمانی کتابیں اور عقل سلیم اس بات پر متفق ہیں کہ ایک دن ضرور ایسا آئے گا اور اسے آنا چاہیے کہ جب بُرے کو اس کی برائی کے برابر اور نیک کو اس کی نیکی کا پورا پورا اجر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ دنیا میں کتنے قاتل ہیں جنہیں عدالت ایک ہی دفعہ پھانسی دے سکتی ہے اور دوسرے مقتولوں کا بدلہ اور مظلوموں کو حق نہیں دلوا سکتی۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مصلحین رحمہم اللہ کس قدر محنت کرتے اور تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ جن کا پورا اجر دنیا میں ملنا مشکل ہے۔ اس بنا پر آخرت کی حاضری اور اپنے اپنے اعمال کی جوابدہی کا عقیدہ رکھنا فرض ہے۔ یہی عقیدہ

انسان میں نیکی کا شوق اور برائی کا خوف پیدا کرتا ہے۔اسی لیے ایمانیات میں بعثت بعد الموت کا تیسرا نمبر اور عقیدہ توحید کے ساتھ اس کا گہرا تعلق ہے۔ جو شخص آخرت کی حاضری اور حساب و کتاب کو نہیں مانتا۔حقیقتاً وہ اللہ تعالیٰ کی دائمی خدائی اور اس کے جزا اور سزا کے نظام کا انکار کرتا ہے۔کوئی مانے یا نہ مانے قیامت برپا کرنا اللہ کا سچا وعدہ ہے کہ ہر کسی نے ضرور اس کے حضور پیش ہونا ہے۔ جہاں تک بعض لوگوں کے بوسیدہ خیالات کا تعلق ہے کہ انسان مر کر مٹی کے ساتھ مٹی ہو جاتا ہے۔دوبارہ کس طرح انسان بنے گا اور پیدا ہوگا۔اس کا جواب یہ ہے کہ جس اللہ نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے آسان ہے یا مشکل؟ اور پھر سوچو کیا آدم کو مٹی سے نہیں پیدا کیا تھا۔اللہ تمہارے باپ آدم کو پیدا کرسکتا ہے تو اس کی اولاد کو پیدا نہیں کرسکتا؟ وہ تمہیں پیدا ہی نہیں کرے گا بلکہ اپنی عدالت میں پیش کرے گا۔ جہاں نیکوں کو ان کی نیکی کی جزا دے گا اور منکروں کو جہنم میں کھولتا ہوا پانی پلانے کے ساتھ انہیں اذیت ناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔سوچ لو! اللہ کی ذات اور اس کے احکام کا انکار کرنا بہتر ہے یا اقرار۔

((عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقَ إِلٰی أَهْلِهَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ، حَتّٰی یُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ)) [رواه مسلم : كتاب البر والصلة ، باب تحريم الظلم]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں قیامت کے دن لوگوں کے حقوق ان کے مالکوں کو ادا کرنا پڑیں گے، یہاں تک کہ جس بکری کے سینگ نہیں ہیں اس کو سینگ والی بکری سے بدلہ دلایا جائے گا۔“

مسائل

۱۔ سب نے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پہلی بار پیدا فرمایا اور وہی دوبارہ پیدا فرمائے گا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ ایمان دار اور نیکی کرنے والے کو صلہ عطا فرمائے گا۔

۵۔ کفار کو جہنم کے کھولتے ہوئے پانی کے ساتھ اذیت ناک عذاب دیا جائے گا۔ ۷۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دلائل:

۱۔ قیامت قریب ہے۔(الانبیاء:۱) ۲۔ قیامت کی ہولناکیاں بڑی سخت ہوں گی۔(الحج:۱)

۳۔ قیامت قریب آگئی اور اس کے آنے کو اللہ کے سوا کوئی نہیں روک سکتا۔(النجم:۵۷۔۵۸)

۴۔ قیامت واقع ہوگی اس کے واقع ہونے کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔(الواقعۃ:۲۰۱)

۵۔ اللہ مخلوق کو دوبارہ لوٹائے گا تاکہ نیک و بد کو جزا و سزا مل سکے۔(یونس:۴)

۶۔ جس نے ذرہ برابر نیکی کی اسے اجر ملے گا۔جس نے ذرہ برابر برائی کی اسے اس کی سزا ملے گی۔(الزلزال:۷۔۸)

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا

وہی وہ بنایا اس نے سورج چمکدار اور چاند نور

وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ

اور اس نے مقرر کیں اس کی منزلیں تاکہ تم معلوم کرو گنتی سالوں کی اور حساب

مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ج يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

نہیں پیدا کیا اللہ یہ مگر حق کے ساتھ وہ تفصیل سے بیان کرتا ہے آیتیں

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَمَا

لوگوں کے لیے جو وہ جانتے ہیں بلاشبہ میں آنے جانے رات اور دن اور جو

خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝

پیدا کیا اللہ میں آسمانوں اور زمین البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو ڈرتے ہیں

”وہی ہے جس نے سورج کو تیز روشنی اور چاند کو نور بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں، تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو۔ اللہ نے ان چیزوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ وہ آیات کو ان لوگوں کے لیے تفصیل سے بیان کرتا ہے جو جانتے ہیں۔“(۵) ”بے شک رات اور دن کے بدلنے اور ان چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کی ہیں، یقیناً ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ڈرتے ہیں۔“(۶)

فہم القرآن

ربط کلام: پچھلی آیت میں مرنے کے بعد جی اٹھنے کی یہ دلیل دی تھی کہ وہ ذات تمہاری موت کے بعد تمہیں اٹھائے گی جس نے ابتدا میں تمہیں پیدا کیا اب شمس وقمر کے حوالے سے موت کے بعد اٹھنے اور اللہ تعالیٰ کے اقتدار اور اختیار کی دلیل سنو۔

وہی ایک ذات ہے جس نے زمین وآسمان اور انسان کو پیدا کیا۔ وہی ذات ہے جس نے سورج کو روشنی دی اور چاند کو چاندنی عطا فرمائی۔ سورج کی روشنی ہلکی سرخ اور تیز گرم ہوتی ہے۔ چاند کی روشنی سفید ٹھنڈی اور پر کشش ہوتی ہے۔ جس وجہ سے کچھ فصلیں سورج کی تیز روشنی میں اور کچھ فصلیں چاند کی پر کشش روشنی میں تیار ہوتی ہیں۔ دنیا کو دونوں قسم کی روشنی کی ضرورت تھی۔ جس کا دائمی انتظام کر دیا گیا ہے۔ چاند اور سورج دو ہیں۔ لیکن خبر واحد کی لائی گئی جس میں اشارہ ہے کہ تم چاند کے حساب سے اپنے معاملات متعین کرو۔ اسی لیے مسلمانوں کی تقویم کی بنیاد چاند پر رکھی گئی ہے۔ پھر ان کی منازل متعین کیں جن پر یہ دن رات سفر کرتے ہیں۔ اے لوگو! جن کے مطابق تم اپنی زندگی کا حساب وکتاب اور دینی معاملات کو چلاتے ہو جس طرح کہ رمضان کے روزے، حج کی ادائیگی، صبح وشام کی نمازوں کا وقت یہ تمام امور شمسی حساب کی بجائے قمری حساب کی

بنیاد پر مقرر اور ادا کیے جاتے ہیں۔ ایک معمولی عقل رکھنے والا انسان غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس نظام کو کوئی پیدا کرنے والا اور چلانے والا نہیں۔ جب چاند اور سورج جیسے عظیم سیارے رات اور دن کا لامحدود نظام اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قبضہ میں ہے اور وہی رات دن کو ایک دوسرے کے پیچھے لاتا ہے۔ کبھی رات طویل تر ہو جاتی ہے اور کبھی دن رات کے وجود کو چھوٹا کر دیتا ہے۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ رات اور دن وقت کے اعتبار سے یکساں ہو جاتے ہیں۔ اسی نظام کے مطابق ہی انسان کی زندگی ہے۔ پہلے چھوٹا ہوتا ہے پھر جوان ہو کر بھرپور صلاحیتوں کا پیکر بن جاتا ہے۔ آخر عمر میں بچوں کی طرح کمزور اور دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی تندرستی کبھی بیماری کبھی خوشحالی اور تنگدستی ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ گویا کہ شمس وقمر کا غروب اور طلوع ہونا۔ زندگی اور موت اور جی اٹھنے کی واضح دلیل ہے۔ اسی طرح یہ اس بات کی واضح اور ٹھوس دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی موت کے بعد انہیں زندہ کرنے پر قادر ہے اور ان سے حساب ضرور لے گا۔

((اِنَّ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ لَا یَخۡسِفَانِ لِمَوۡتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَیَاتِهٖ وَلٰکِنَّهُمَا ایَتَانِ مِنۡ ایَاتِ اللّٰهِ (وَفِیۡ رِوَایَةٍ یُخَوِّفُ بِهَا عِبَادَهٗ).))[رواہ البخاری: کتاب الصلوۃ، باب قول النبی ﷺ]

''سورج اور چاند کو کسی کی موت وزیست سے گرہن نہیں لگتا بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے دو نشانیاں ہیں، ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔''

مسائل

۱۔ سورج کو ضیاء اور چاند کو چاندنی اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے۔ ۲۔ سورج اور چاند کی منازل اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں۔

۳۔ چاند اور سورج کی گردش اس لیے مقرر کی گئی کہ لوگ اس سے ایام، ماہ اور سال کا حساب لگائیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ جاننے والوں کے لیے اپنی نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے۔ ۵۔ رات اور دن کا مختلف ہونا اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

۶۔ آسمانوں وزمین کی تخلیق اللہ کی نشانیوں میں سے نشانیاں ہیں۔

تفسیر بالقرآن

لیل ونہار کی گردش اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں:

۱۔ دن اور رات کے مختلف ہونے اور زمین وآسمان کی پیدائش میں نشانیاں ہیں۔ (یونس:۶)

۲۔ آسمانوں وزمین کی پیدائش، دن اور رات کی گردش، سمندر میں کشتیوں کے چلنے، آسمان سے بارش نازل ہونے، بارش سے زمین کو زندہ کرنے، چوپایوں کے پھیلنے، ہواؤں کے چلنے اور بادلوں کے مسخر ہونے میں نشانیاں ہیں۔ (البقرۃ:۱۶۴)

۳۔ آسمانوں وزمین کی پیدائش اور دن رات کے مختلف ہونے میں نشانیاں ہیں۔ (آل عمران:۱۹۰)

۴۔ رات اور دن کے مختلف ہونے، آسمان سے رزق اتارنے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ (الجاثیۃ:۵)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	لَا يَرْجُوْنَ	لِقَآءَنَا	وَرَضُوْا	بِالْحَيٰوةِ	الدُّنْيَا
بے شک	وہ لوگ	نہیں وہ امید رکھتے	ہماری ملاقات کی	اور وہ راضی ہوئے	زندگی کے ساتھ	دنیا کی

وَاطْمَاَنُّوْا	بِهَا	وَالَّذِيْنَ	هُمْ	عَنْ	اٰيٰتِنَا	غٰفِلُوْنَ ۝٧
اور مطمئن ہوئے	اسی کے ساتھ	اور وہ لوگ	وہ	سے	ہماری آیات	غفلت کرنے والے ہیں

اُولٰٓئِكَ	مَاْوٰىهُمُ	النَّارُ	بِمَا	كَانُوْا	يَكْسِبُوْنَ ۝٨
یہی لوگ	ان کا ٹھکانہ	آگ	سبب اس کے جو	تھے وہ	وہ کماتے ہیں

''بے شک جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر خوش ہوئے اور اس پر مطمئن ہو گئے اور جو ہماری آیات سے غافل ہیں۔''(۷)''انھی لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے، اس کے بدلے جو وہ کمایا کرتے تھے۔''(۸)

فہم القرآن

ربط کلام: اتنے کھلے اور بھاری دلائل موجود ہونے کے باوجود کچھ لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں تو اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ کر اس پر راضی ہو چکے ہیں۔

آخرت کے انکار کا پہلا اور بنیادی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان دنیا کا بندہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کی ساری محنت دنیا کی خاطر ہوتی ہے۔ انسان دنیا کی ہوس میں اس قدر آگے بڑھ جاتا ہے کہ اس کے سامنے اخلاقی قدروں اور اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ضابطوں کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، وہ معمولی مفاد کی خاطر ایمان اور اپنی عزت کو بیچ دیتا ہے۔ بسا اوقات دنیا کے لالچ میں اس قدر اندھا ہو جاتا ہے کہ اسے اپنے جگر گوشوں سے بھی زیادہ دولت، منصب اور شہرت پیاری ہوتی ہے۔ یہ مفاد پرستی اور غفلت کی انتہا ہے۔ بڑی سے بڑی دلیل اور عبرت ناک حادثات بھی اس کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی ہٹانے میں کامیاب نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں کے لیے جہنم کی آگ تیار کی گئی ہے جس میں انہیں ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے گی۔

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ: خَطَّ النَّبِيُّ ﷺ خَطًّا مُرَبَّعًا وَخَطَّ خَطًّا فِي الْوَسَطِ خَارِجًا مِنْهُ وَخَطَّ خُطَطًا صِغَارًا إِلٰى هٰذَا الَّذِيْ فِي الْوَسَطِ مِنْ جَانِبِهِ الَّذِيْ فِي الْوَسَطِ فَقَالَ هٰذَا الْإِنْسَانُ وَهٰذَا أَجَلُهُ مُحِيْطٌ بِهِ وَهٰذَا الَّذِيْ هُوَ خَارِجٌ أَمَلُهُ وَهٰذِهِ الْخُطُوْطُ الصِّغَارُ الْأَعْرَاضُ فَإِنْ أَخْطَأَهُ هٰذَا نَهَسَهُ هٰذَا وَإِنْ أَخْطَأَهُ هٰذَا نَهَسَهُ هٰذَا)) [رواہ البخاری: باب فی الامل وطولہ]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی محترم ﷺ نے ایک دفعہ ایک مربع شکل کا خط کھینچا اور وسطی خط کے درمیان سے کچھ خطوط کھینچے۔ ایک درمیان سے باہر نکلنے والا خط کھینچا اور فرمایا' یہ انسان ہے۔ اور یہ مربع اس

کی موت ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے۔ اور جو خط باہر نکل رہے ہیں' وہ اس کی خواہشات ہیں۔ اور یہ چھوٹے چھوٹے خطوط آفات و بیماریاں ہیں۔ اگر ایک سے محفوظ رہا تو یہ دوسری اسے آلے گی۔ اگر یہ بھی اس سے خطا کر جائے' تو تیسری آفت اسے اپنا نشانہ بنا لے گی۔''

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَّالٍ لَابْتَغٰی ثَالِثًا، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ تَابَ)) [رواہ البخاری:باب مایتقی من فتنة المال]

''حضرت ابن عباس ؓ نبی گرامی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں' تو وہ تیسری کی خواہش کرے گا۔ ابن آدم کے پیٹ کو مٹی ہی بھر سکتی ہے اور اللہ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہے۔''

((عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰی اَرْضٍ بَيْضَاءَ عَفْرَاءَ كَقُرْصَةِ النَّقِيِّ لَيْسَ فِيْهَا عَلَمٌ لِاَحَدٍ)) [رواہ البخاری:باب یقبض اللہ الارض]

''حضرت سہل بن سعد ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز لوگوں کو سرخی مائل سفید زمین پر جمع کیا جائے گا زمین میدے کی روٹی کی مانند ہوگی زمین پر کسی قسم کا نشیب و فراز نہ ہوگا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے منکر اور دنیا کی عیش و عشرت پر مطمئن ہونے والے لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات سے غافل ہوتے ہیں۔

۲۔ جو لوگ دنیا کے پیچھے لگ کر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

تفسیر بالقرآن

جہنمیوں کا اپنے گناہوں کا اعتراف:

۱۔ اللہ سے ملاقات کی امید نہ رکھنے اور اللہ کی آیات سے غفلت برتنے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔(یونس ۷۔۸)

۲۔ جہنمی جہنم میں چلائیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں جہنم سے نکال دے ہم برے اعمال کی بجائے نیک عمل کریں گے۔(فاطر:۳۷)

۳۔ اے ہمارے پروردگار ہماری بدبختی نے ہمیں گھیر لیا تھا اور ہم کافر ہوئے۔(المومنون:۱۰۶)

۴۔ ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں کیا یہاں سے نکلنے کا راستہ ہے۔(المومن:۱۱)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُم
بے شک وہ لوگ وہ ایمان لائے اور انھوں نے عمل کیے نیک رہنمائی کرے گا ان کی ان کا رب

بِإِيمَانِهِمْ ۖ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٩﴾
ان کے ایمان کے سبب بہتی ہوں گی سے ان کے نیچے نہریں میں باغات نعمتوں والے

دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا
ان کا پکارنا ہوگا ان میں پاک ہے تو اے اللہ! اور ان کی دعا ان میں

سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠﴾
سلام اور ان کی آخری پکار ہوگی یہ کہ تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں رب سارے جہانوں کا

ع ۱

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے ان کی رہنمائی کرے گا، ان کے نیچے سے جنت کے باغوں میں نہریں بہتی ہوں گی۔“ (۹) ”ان کی دعا اس میں یہ ہوگی ”اے اللہ تو پاک ہے!“ اور ان کی آپس کی دعا اس میں سلام ہوگی اور ان کی دعا کا خاتمہ یہ ہوگا کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔“ (۱۰)

فہم القرآن

ربط کلام: جہنمیوں کی چیخ و پکار اور ان کا انجام بیان کرنے کے بعد جنتیوں کا صلہ اور جنت میں ان کے اخلاق اور کلام کا ذکر ہوتا ہے۔

جنتی جنت میں اپنے تصوّرات سے کروڑ ہا گنا بیش بہا نعمتیں پا کر پکار اٹھیں گے کہ اے اللہ تو پاک ہے۔ ہم تو اس قابل نہ تھے کہ یہ مقام اور انعام پاتے۔ ہماری حقیر سی محنت کے بدلے جو کچھ آپ نے ہمیں عطا فرمایا ہے اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بعض اہل علم نے یہ بھی لکھا ہے کہ جنتی کسی چیز کی خواہش کریں گے تو مانگنے کی بجائے لفظ سبحان استعمال کریں گے اور ان کی خواہش کے مطابق وہ چیز ان کی خدمت میں پیش کر دی جائے گی۔ (واللہ اعلم) جنتی جب آپس میں ملاقات کریں گے تو ایک دوسرے کو سلام اور مبارک پیش کریں گے۔ اکل و شرب اور مجلس برخاست کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش کے ترانے گائیں گے گویا کہ ہر طرف اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی فضا ہوگی۔ یہاں تک کہ دنیا میں آپس میں سلام کہنے کے آداب ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو حکم دیا کہ دیکھو وہ ملائکہ کی جماعت بیٹھی ہوئی ہے ان کے پاس جاؤ، وہ تمہیں جو کلمات کہیں گے وہ تیری اولاد کے آپس میں ملنے کے آداب ہوں گے۔ جب آدم علیہ السلام ملائکہ کے پاس گئے تو انہوں نے ان کو سلام علیکم کہا۔ ملائکہ نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کے الفاظ کہے۔ اسی وقت سے ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت یہ کلمات اور آداب مقرر کر دیئے گئے ہیں، جس بنا پر جنتی ایک دوسرے کو سلام کہیں گے۔

((عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ طُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعاً فَلَمَّا خَلَقَهٗ قَالَ اذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلٰی اُولٰٓئِكَ النَّفَرِ وَهُمْ نَفَرٌ مِّنَ الْمَلَآئِكَةِ جُلُوْسٌ فَاسْتَمِعْ مَايُحَيُّوْنَكَ فَاِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ فَذَهَبَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالُوْا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ قَالَ: فَزَادُوْهُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ قَالَ فَكُلُّ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰی صُوْرَةِ اٰدَمَ وَطُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعاً فَلَمْ يَزَلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ بَعْدَهٗ حَتَّی الْاٰنَ))[رواه البخاری:باب بدء السلام]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا۔اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر تخلیق فرمایا۔ان کا قد ساٹھ (۶۰) ہاتھ لمبا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ ان کی تخلیق سے فارغ ہوا تو حکم فرمایا: آدم اس جماعت کے پاس جا کر سلام کہو۔وہ فرشتوں کی مجلس ہے۔جووہ جواب دیں اسے سنو، وہی جواب تیرا اور تیری اولاد کا ہوگا۔ جب حضرت آدم نے جا کر السلام علیکم کہا تو انہوں نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ سے جواب دیا۔ نبی محترم ﷺ فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے ورحمۃ اللہ کا اضافہ کیا۔آپ فرماتے ہیں: جنت میں داخل ہونے والا ہر شخص آدم علیہ السلام کی شکل وصورت پر ہوگا اور ہر جنتی کا قد ساٹھ ہاتھ لمبا ہوگا۔لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے بعد انسانی قد میں مسلسل کمی ہوتی رہی یہاں تک کہ انسان کا قد اتنا رہ گیا۔''

اس گھڑی سے لے کر ملاقات کا یہی طریقہ انسان کے لیے پسند کیا گیا۔اس لیے ہمیں اِدھر اُدھر کے الفاظ استعمال کرنے کی بجائے فطری اور طبعی طریقے کو اختیار کرنا چاہیے۔کیونکہ اس میں اس قدر جامعیت ہے کہ ملنے والے ایک دوسرے کیلئے ہر لحاظ سے خیر سگالی کے جذبات اور خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔دنیا کے کسی مذہب اور سوسائٹی میں ملاقات کے وقت اسقدر سلامتی کے جامع الفاظ نہیں پائے جاتے۔ان کے انداز میں وقتی اور جزوی خیر خواہی کا اظہار ہوتا ہے۔جیسے: Good Morning ، Good Evening،صباح الخیر،شب الخیر وغیرہ۔

((عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِأَنَسٍ أَكَانَتِ الْمُصَافَحَةُ فِي أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ نَعَمْ))

[رواه البخاری :باب المصافحة]

''حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم آپس میں مصافحہ کرتے تھے۔انہوں نے کہاہاں۔''

((اِذَا الْتَقَی الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَا وَحَمِدَا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَاهُ غُفِرَلَهُمَا))

[رواه ابو داؤد : باب المصافحة و المعانقة]

''جب دو مسلمانوں کی باہم ملاقات ہو اور وہ مصافحہ کریں اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اپنے لیے مغفرت طلب کریں تو ان کی مغفرت ہو ہی جائے گی۔''

کچھ عرصہ اور مدت کے بعد ملنے پر بغل گیر ہونا اسلامی معاشرت کا حصہ قرار پایا۔حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ ذکر کرتے

ہیں کہ ایک دفعہ نبی ﷺ نے مجھے اپنے ہاں آنے کا پیغام بھیجا۔ میں اس وقت گھر میں موجود نہیں تھا بعد ازاں میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ مصافحہ کرتے ہوئے میرے ساتھ بغلگیر ہوئے :

((فَاَتَیْتُهٗ وَهُوَ عَلٰی سَرِیْرٍ فَالْتَزَمَنِیْ فَكَانَتْ تِلْكَ اَجْوَدَ وَالْجُوْدَ))

[رواه ابو داؤد: باب المصافحة و المعانقة]

”آپ ﷺ نے مجھ سے معانقہ فرمایا اور آپ کا یہ انداز نہایت ہی شفقت سے لبریز تھا۔“

((عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَجُلاً جَاءَ إِلَى النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْكُمْ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ عَشْرٌ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ عِشْرُوْنَ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ ثَلَاثُوْنَ))

[رواه الترمذی: كتاب الاستئذان ، باب ماذكر فی فضل السلام]

”حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اس نے کہا السلام علیکم، آپ نے فرمایا اس کے لیے دس نیکیاں ہیں، پھر ایک اور آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ آپ نے فرمایا بیس نیکیاں ہیں پھر ایک اور آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ نے فرمایا تیس نیکیاں ہیں۔“

مسائل

۱۔ ایمان دار عمل صالح کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ رہنمائی کرتا ہے۔

۲۔ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ جنت النعیم عطا فرمائے گا۔

۳۔ جنتی جنت میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں گے۔

۴۔ جنت میں مومن باہم ملاقات کے وقت اول و آخر اللہ کی تعریف کریں گے۔

تفسیر بالقرآن

جنتیوں کا جنت میں ایک دوسرے سے ملاقات کا طریقہ:

۱۔ جنتی جنت میں باہم ملاقات کے وقت اللہ کی تسبیح بیان کریں گے اور سلام کہیں گے۔ (یونس:۱۰)

۲۔ جنتیوں کا ایک دوسرے کو تحفہ سلام ہوگا۔ (الاحزاب:۴۴)

۳۔ جنتیوں کو بالا خانے ملیں گے اور وہ آپس میں ملتے وقت دعا و سلام کریں گے۔ (الفرقان:۷۵)

وَلَوْ	يُعَجِّلُ	اللّٰهُ	لِلنَّاسِ	الشَّرَّ	اسْتِعْجَالَهُمْ
اور اگر	جلدی کرتا	اللہ	لوگوں کیلئے	برائی	مانند جلدی طلب کرنے ان کے
بِالْخَيْرِ	لَقُضِيَ	اِلَيْهِمْ	اَجَلُهُمْ ط	فَنَذَرُ	الَّذِيْنَ
بھلائی کے	ضرور پورا کردیا جاتا	ان کی طرف	مقرر وقت ان کا	پھر ہم چھوڑ دیتے	لوگ وہ
لَا	يَرْجُوْنَ	لِقَآءَنَا	فِيْ	طُغْيَانِهِمْ	يَعْمَهُوْنَ ۝١١
نہیں	امید رکھتے	ہماری ملاقات کی	میں	ان کی سرکشی	وہ سرگرداں پھرتے ہیں

''اور اگر اللہ لوگوں کو بہت جلد بھلائی دینے کی طرح جلد نقصان پہنچائے تو ان کی طرف ان کی مدت پوری کردی جائے۔ تو جو لوگ ہماری ملاقات کی توقع نہیں رکھتے ہم انھیں چھوڑ دیتے ہیں، وہ اپنی سرکشی ہی میں حیران پھرتے ہیں۔'' (١١)

فہم القرآن

ربط کلام: جہنمیوں اور جنتیوں کی سزا اور صلہ بیان کرنے کے بعد انسان کی فطرت بیان کی جارہی ہے۔

انسان جلد باز ہے لیکن اللہ تعالیٰ بردبار اور غفور الرحیم ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی کوتاہیوں اور گناہوں پر پکڑنا چاہے تو کسی ایک کا بھی بچنا محال ہوجائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور بردباری کی وجہ سے لوگوں کو ڈھیل اور مہلت دیتا ہے تاکہ لوگ اپنے افکار اور کردار پر نظر ثانی کریں اور اس کی بارگاہ میں تائب ہوجائیں۔ عادی مجرموں کو اس لیے ڈھیل دیتا ہے تاکہ انہیں گناہ اور جرائم کرنے میں کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ ایسے لوگ اپنے گناہوں میں گھرے اور پریشان رہتے ہیں۔ یاد رہے نیکی میں سکون اور اطمینان ہے۔ جس کا لطف آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور کسی بھائی کے ساتھ تعاون کر کے فوری طور پر محسوس کرتا ہے۔ برائی بظاہر کتنی ہی اچھی اور وقتی طور پر اس میں کتنی لذت اور فائدہ ہو۔ بالآخر اس میں پریشانی، مال اور صحت کا نقصان ہی ہوتا ہے۔ جس شخص کو گناہوں میں ڈھیل دی جائے اسے خوش ہونے کے بجائے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ﴿فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ ''وہ اپنی نافرمانیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں'' پڑھ کر سوچنا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنی چاہیے۔

انسان صرف جلد باز ہی نہیں بلکہ احسان فراموش بھی ہے۔ اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو لیٹے ہوئے اور اٹھتے بیٹھتے اپنے رب کو یاد کرتا اور آہیں بھرتا ہے۔ جوں ہی اس کی تکلیف دور کردی جائے تو اپنے منعم حقیقی اور محسن ابدی کو بھول جاتا ہے۔ گویا کہ اس کو کبھی تکلیف پہنچی ہی نہیں اور نہ ہی اس نے اپنے خالق کو پکارا تھا۔ ایسا وہی کرتے ہیں جنہوں نے اسراف وتبذیر کا رویہ اختیار کررکھا ہوتا ہے۔ جس میں کافر اور مشرک سرفہرست ہوتے ہیں۔ کیونکہ جب مشرک سمندر کا سفر کرتے ہیں تو صرف ایک اللہ کو پکارتے ہیں بھنور سے جب انہیں اللہ تعالیٰ نجات دیتا ہے تو اس کے ساتھ شرک کرنا شروع کردیتے ہیں۔ (لقمان: ٣٢)

وَاِذَا مَسَّ	الْاِنْسَانَ	الضُّرُّ	دَعَانَا	لِجَنْۢبِهٖٓ	اَوْ
اور جب پہنچتی ہے	انسان	تکلیف	وہ پکارتا ہے ہمیں	اپنے پہلو پر	یا
قَاعِدًا	اَوْ قَاۗىِٕمًا ۚ	فَلَمَّا	كَشَفْنَا	عَنْهُ	ضُرَّهٗ
بیٹھنے والا	یا کھڑا ہونے والا	پھر جب	ہم دور کر دیتے ہیں	اس سے	اس کی تکلیف
مَرَّ كَاَنْ	لَّمْ يَدْعُنَآ	اِلٰى	ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ	كَذٰلِكَ	زُيِّنَ
گزر جاتا ہے وہ گویا کہ	نہیں پکارا تھا اس نے ہمیں	طرف	تکلیف اس کو پہنچی	اسی طرح	مزین کر دیا گیا
لِلْمُسْرِفِيْنَ	مَا كَانُوْا	يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾			
حد سے گزرنے والوں کیلئے	جو تھے وہ	وہ عمل کرتے			

’’اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پہلو پر بیٹھا یا کھڑا ہوا ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو اس طرح چل دیتا ہے جیسے اس نے ہمیں کسی تکلیف کے وقت، جو اسے پہنچی ہو، پکارا ہی نہیں۔ اسی طرح حد سے بڑھ جانے والوں کے لیے عمل مزین کر دیے گئے جو وہ کیا کرتے تھے۔‘‘ (۱۲)

اسراف کا معنی ہے: زیادتی کرنا، حد سے تجاوز کرنا، فضول خرچی کرنا۔

اسراف میں یہ جرم بھی شامل ہوتا ہے کہ کسی فرد، خاندان یا قوم کے لیے گناہ فیشن کا درجہ اختیار کر جائے اگر اسے روکا جائے تو وہ اس میں اپنی توہین اور گناہ کو چھوڑنے میں دقیانوسی ہونے کا طعنہ محسوس کرتا ہے۔

﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا﴾[بنی اسرائیل:۲۷]

’’بلاشبہ فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا نافرمان تھا۔‘‘

فضول خرچی کی ممانعت:

((عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ كُلُوا وَاشْرَبُوا وَتَصَدَّقُوا وَالْبَسُوا مَا لَمْ يُخَالِطْ إِسْرَافٌ وَلَا مَخِيلَةٌ))[رواه ابن ماجه:باب البس ماشئت]

’’حضرت عمر بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کھاؤ، پیو، صدقہ کرو اور پہنو جب تک اس میں فضول خرچی اور فخر نہ آئے۔‘‘

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾[الفرقان:٦٧]

’’نیک لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ کنجوسی کرتے ہیں بلکہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔‘‘

جلد بازی شیطان کی حرکت:

((حَدَّثَنَا أَبُو مُصْعَبٍ الْمَدَنِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمُهَيْمِنِ بْنُ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الأَنَاةُ مِنَ اللَّهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ))

[رواه الترمذی: باب ماجاء فی التانی]

''حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا بردباری اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ رحم و کرم فرمانے میں جلدی کرتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا منکر اپنے گناہوں میں پریشان رہتا ہے۔

۴۔ دنیا دار انسان مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے۔

۵۔ دنیا پرست اور مشرک مصیبت ٹل جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے۔

۶۔ گناہ کرنے والوں کے لیے ان کے گناہ خوبصورت بنا دیے جاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

انسان جلد باز اور احسان فراموش ہے:

۱۔ انسان جلد باز ہے۔(بنی اسرائیل:۱۱)

۲۔ انسان فطرتاً جلد باز ہے۔(الانبیاء:۳۷)

۳۔ یقیناً انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔(العادیات:۶)

۳۔ لوگ عذاب طلب کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔(الحج:۴۷)

۴۔ کیا وہ ہمارے عذاب کے معاملے میں جلدی کرتے ہیں۔(الشعراء:۲۰۴)

۵۔ میں عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا سو جلدی نہ کرو۔(الانبیاء:۳۷)

۶۔ اللہ کا حکم آنے والا ہے جلدی نہ کرو۔(النحل:۱)

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا

اور بلاشبہ | ہم نے ہلاک کردیا | بستیوں کو | سے | تم سے پہلے | جب | انھوں نے ظلم کیا

وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا

اور | آئے ان کے پاس | ان کے رسول | واضح دلائل کے ساتھ | اور نہ | تھے وہ | کہ ایمان لاتے

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ

اسی طرح | ہم سزا دیتے ہیں | لوگوں کو | مجرم ہیں | پھر | ہم نے بنایا تمھیں | جانشین

فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

میں | زمین | سے | بعد | تاکہ ہم دیکھیں | کیسے | تم عمل کرتے ہو؟

”اور بلاشبہ ہم نے تم سے پہلے بہت سی بستیوں کو ہلاک کر دیا، جب انھوں نے ظلم کیا اور ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے اور وہ ہرگز ایمان لانے والے نہ تھے۔ ہم مجرم لوگوں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔“ (۱۳) ”پھر ان کے بعد ہم نے تمھیں زمین میں جانشین بنا دیا، تاکہ ہم دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو۔“ (۱۴)

فہم القرآن

ربط کلام: حد سے گزر جانے والوں اور جرائم کا وطیرہ اختیار کرنے والوں کا تذکرہ کرنے کے بعد ان کی سزا بیان کی جارہی ہے۔

جن لوگوں نے گناہوں کو فیشن اور جرائم کو وطیرہ بنا لیا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حد سے آگے گزر جائیں تو اللہ تعالیٰ ایسے مجرموں کی ضرور گرفت کرتا ہے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں ظالموں اور مجرموں کی ایک حد مقرر کر رکھی ہے جب حد عبور کرنے سے دنیا کا نظام درہم برہم ہونا شروع ہو جاتا ہے تب اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو تباہی کے گھاٹ اتار دیا۔ حالانکہ ان کے پاس رسول بھیجے گئے جنہوں نے روشن اور ٹھوس دلائل کے ساتھ انہیں راہ راست پر لانے کی بے پناہ کوششیں فرمائیں۔ جب وہ کسی طرح بھی ہدایت کو ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں تہس نہس کر دیا۔ ظلم سے مراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک کرنا اور لوگوں پر مظالم ڈھانا ہے۔ قرن کی جمع قرون ہے جس کے اہل علم نے تین معنی کیے ہیں۔

(۱) ایک نسل۔ (۲) سو سال۔ (۳) کسی قوم کے اقتدار کا مخصوص دور۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی دوسری نسل یا کسی اور قوم کو اس سرزمین کا خلیفہ بنایا۔ تاکہ وہ انہیں بھی آزمائے اور دیکھے کہ وہ کیا کردار ادا کرتے ہیں۔ یہاں مخاطب کی ضمیر لا کر ہر دور کے انسانوں کو متنبہ کیا ہے کہ تم آزمائش گاہ میں ہو اور تمہارا رب تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ لہٰذا ہوش سے کام لو اور نیک بن کر رہو۔ دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ایک قوم کے بعد دوسری قوم نے کس طرح اس کی جگہ سنبھالی حالانکہ ظالموں کے بارے میں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کہ ان

کے جوروا ستبداد سے لوگوں کی جان چھوٹ جائے گی۔ لیکن جب اللہ کا فیصلہ صادر ہوا تو وہ اس طرح نَسْیًا مَنْسِیًا ہوئے کہ کوئی ان کی مدد کرنے اور ان کو یاد کرنے والا نہ تھا۔

((عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ فَالْاِمَامُ الَّذِیْ عَلَی النَّاسِ رَاعٍ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ وَالْمَرْأَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰی بَیْتِ زَوْجِھَا وَوَلَدِہٖ وَھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ عَنْھُمْ وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلٰی مَالِ سَیِّدِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْہُ اَلَا فَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ))

[رواہ البخاری:باب الْمَرْأَۃُ رَاعِیَۃٌ فِی بَیْتِ زَوْجِھَا]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خبردار! تم سب ذمہ دار ہو۔ تم سب سے تمہارے ماتحت لوگوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ لوگوں کا امیر ذمہ دار ہے' اس سے عوام کے بارے میں سوال ہوگا۔ گھر کا فردِ اعلیٰ اپنے گھر والوں کے بارے میں جواب دہ ہے' اس سے اس کے گھر والوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔ عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران ہے' اس سے ان کے بارے میں سوال ہوگا۔ آدمی کا غلام اپنے آقا کے مال کا محافظ ہے' اس سے اس کے متعلق سوال ہوگا۔ خبردار! تم میں سے ہر ایک شخص نگران ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔''

مسائل

۱۔ اللہ نے لوگوں کی ظلم کی وجہ سے ان کو ہلاک کیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی طرف رسول مبعوث کرنے سے پہلے اس کو عذاب نہیں دیتا۔

۳۔ کچھ لوگ واضح دلائل دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔

۵۔ ظالم قوم کی جگہ اللہ دوسری قوم لے آتا ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے اعمال پر نظر رکھے ہوئے ہے۔

تفسیر بالقرآن

خلافت اور اس کی ذمہ داریاں:

۱۔ پھر ہم نے زمین میں ان کے بعد تمہیں خلافت دی تاکہ ہم دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو۔ (یونس:۱۴)

۲۔ اگر اللہ چاہتا تو تمہیں لے جاتا اور تمہارے بعد کسی اور کو خلیفہ بنا دیتا۔ (الانعام:۱۳۳)

۳۔ میرا رب تمہارے سوا کسی اور کو خلافت دے دے تو تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ (ھود:۵۷)

۴۔ عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں زمین کی خلافت عطا کرے گا۔ (الاعراف:۱۲۹)

۵۔ اللہ نے مومنین اور عمل صالح کرنے والوں کے ساتھ خلافت کا وعدہ فرمایا ہے۔ (النور:۵۵)

وَاِذَا	تُتْلٰى	عَلَيْهِمْ	اٰيَاتُنَا	بَيِّنٰتٍ ۙ	قَالَ	الَّذِيْنَ
اور جب	پڑھی جاتی ہیں	ان پر	ہماری آیتیں	واضح	اس نے کہا	وہ لوگ
لَا يَرْجُوْنَ	لِقَآءَنَا	ائْتِ	بِقُرْاٰنٍ	غَيْرِ هٰذَآ	اَوْ	
نہیں امید رکھتے	ہماری ملاقات کی	لے آو	کوئی قرآن	اس کے علاوہ	یا	
بَدِّلْهُ ؕ	قُلْ	مَا يَكُوْنُ	لِيْٓ	اَنْ	اُبَدِّلَهٗ	مِنْ
بدل دے اس کو	فرما دیجیے	نہیں ہے	میرے لیے	یہ کہ	میں اسے بدل دوں	سے
تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ	اِنْ	اَتَّبِعُ	اِلَّا	مَا يُوْحٰٓى	اِلَيَّ ۚ	
اپنی طرف	نہیں	میں اتباع کرتا	مگر	اس چیز کی جو وحی کیا گیا	میری طرف	
اِنِّيْٓ	اَخَافُ	اِنْ	عَصَيْتُ	رَبِّيْ	عَذَابَ	يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮
بے شک	میں ڈرتا ہوں	اگر	میں نے نافرمانی کی	اپنے رب کی	عذاب	دن بڑے

"اور جب ان پر ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے، کہتے ہیں کوئی قرآن اس کے سوا لے آ، یا اسے بدل دے۔ فرما دیں میرے لیے ممکن نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں، میں تو صرف اسی کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے، بے شک اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔" (۱۵)

فہم القرآن

ربط کلام: مجرموں اور ہلاک ہونے والوں کا یہ بھی جرم تھا کہ وہ کتاب الٰہی کا انکار کرتے اور آخرت کے منکر تھے۔

پہلے ہلاک ہونے والوں کی طرح اہل مکہ کا کردار بھی یہی تھا کہ وہ قیامت کے دن کی جواب دہی کا تصور بھول چکے تھے۔ جس بنا پر اس قدر بے خوف اور دلیر ہوئے کہ جب بھی ان کے سامنے ٹھوس اور واضح آیات نازل ہوتیں یا نبی معظم ﷺ ان کے سامنے کوئی معجزہ پیش کرتے تو وہ سر تسلیم خم کرنے کی بجائے گردن اکڑا کر یہ کہتے کہ ہم اسے ہرگز نہیں مانیں گے۔ اگر ہمیں منوانا چاہتے ہو تو۔ اس قرآن کی جگہ کوئی دوسری کتاب لے آؤ اگر یہ ممکن نہیں تو کم از کم اس میں اتنی تبدیلی ضرور کرو۔ جس میں ہمارے اور تمہارے درمیان مفاہمت کی کوئی راہ نکل آئے۔ اس کے لیے ان کی ایک تجویز یہ تھی کہ کچھ تم نرمی اختیار کرو اور کچھ ہم اپنے موقف سے ہٹ جاتے ہیں۔ (القلم:۹) اس طرح ایک اللہ کی عبادت کے ساتھ ہمارے معبودوں کی عبادت کے لیے بھی گنجائش ہونی چاہیے۔ اس کے جواب میں رسول مکرم ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ ان سے فرمائیں کہ میں اپنی طرف سے قرآن میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔ میں تو کلی طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی طرف سے وحی کا پابند ہوں۔ میں اس

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ

فرمادیجیے | اگر چاہتا | اللہ | نہ | میں اس کی تلاوت کرتا | تم پر | اور نہ

اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ

وہ (اللہ) تمھیں اطلاع دیتا اس کی | چنانچہ تحقیق | میں ٹھہرا ہوں | تم میں | ایک مدت | سے

قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (۱۶) فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى

اس سے پہلے | کیا پھر نہیں | تم عقل رکھتے ؟ | چنانچہ کون | زیادہ ظالم ہے | اس شخص سے جس نے | جھوٹ باندھا

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ

پر | اللہ | جھوٹ | یا اس نے جھٹلایا | اس کی آیات کو؟ | بلاشبہ

لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (۱۷)

نہیں | فلاح پائیں گے | مجرم

’’فرمادیں اگر اللہ چاہتا تو نہ میں اسے تمھارے سامنے پڑھتا اور نہ وہ تمھیں اس کی خبر دیتا، پس میں تو اس سے پہلے تم میں ایک عمر گزار چکا ہوں، تو کیا تم نہیں سمجھتے؟‘‘ (۱۶) ’’پھر اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر کوئی جھوٹ باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجرم لوگ فلاح نہیں پاتے۔‘‘ (۱۷)

قدر اللہ کے حکم کا تابع ہوں کہ اگر میں کوئی ایک بات چھپاؤں تو گویا کہ میں نے اس کی رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔ (المائدہ: ۶۷) مجھے ڈر ہے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے عظیم عذاب دبوچ لے گا۔ ہوش کرو! اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہوتا تو میں کبھی بھی تمہارے سامنے قرآن پڑھتا اور نہ ہی توحید کی دعوت پیش کرتا۔ کیا تم غور نہیں کرتے کہ میں نے چالیس سال کا عرصہ تم میں گزارا ہے۔ اور اس پورے عرصہ میں نہ میں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور نہ ہی اللہ کے ذمہ کوئی بات لگائی۔ اگر تم تھوڑا سا عقل سے کام لو تو میری سچائی اور قرآن کی صداقت کو سمجھ جاؤ گے۔ لیکن قرآن کے دلائل، نبی اکرم ﷺ کی صداقت اور عقلی دلیل کے باوجود کفار یہی پروپیگنڈہ کرتے رہے کہ ’’محمد (ﷺ)‘‘ نے یہ کتاب اپنی طرف سے بنا ڈالی ہے۔ جس پر انہیں انتباہ کیا گیا ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہوسکتا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے یا تمہاری طرح اس کی آیات کو جھٹلائے جس کا صاف معنیٰ ہے کہ حضرت محمد ﷺ سچے ہیں مگر تم جھوٹے اور کذّاب ہو۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا یا اس کی آیات اور ضابطوں کو ٹھکرانا سب سے بڑا جرم ہے۔ مجرم کبھی کامیاب نہیں ہوا کرتے۔ اس میں بیک وقت دو اشارے دیے جا رہے ہیں۔ کہ رسول کامیاب ہوں گے اور اس کا انکار کرنے والے ہر صورت دنیا اور آخرت میں ناکام ہوں گے۔ دوسرا یہ کہ حضرت محمد ﷺ سچے رسول اور یہ قرآن من جانب اللہ اور تم اپنے موقف اور الزام میں سراسر جھوٹے ہو۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ " خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى صَعِدَ الصَّفَا فَجَعَلَ يُنَادِيْ يَابَنِيْ فِهْرٍ يَابَنِيْ عَدِيٍّ لِبُطُوْنِ قُرَيْشٍ حَتّٰى اجْتَمَعُوْا فَجَعَلَ الرَّجُلُ اِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يَّخْرُجَ اَرْسَلَ رَسُوْلًا لِيَنْظُرَ مَاهُوَ فَجَاءَ اَبُوْ لَهَبٍ وَقُرَيْشٌ فَقَالَ اَرَئَيْتُمْ اِنْ اَخْبَرْتُكُمْ اَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ مِنْ سَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ بِالْوَادِيْ تُرِيْدُ اَنْ تُغِيْرَ عَلَيْكُمْ اَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ قَالُوْا نَعَمْ مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ اِلَّا صِدْقًا قَالَ فَاِنِّيْ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ قَالَ اَبُوْ لَهَبٍ تَبًّا لَّكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا فَنَزَلَتْ تَبَّتْ يَدَااَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ)) [رواہ البخاری:باب وانذرعشیرتك الاقربین]

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ''آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کوڈرائیں''تو نبی ﷺ نکلے اور صفا پہاڑی پر چڑھ گئے' آپ پکارنے لگے' اے بنوفہر! اے بنوعدی! اسی طرح آپ نے قریش کے تمام قبائل کومخاطب کیا۔ یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ اور جوشخص نہ آسکا تو اس نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کیا معاملہ ہے، اپنا نمائندہ بھیج دیا۔ چنانچہ ابولہب اور قریش کے لوگ آئے۔ آپ نے فرمایا' تم مجھے بتاؤ' اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ ایک لشکر اس پہاڑ کی اوٹ سے نکل رہا ہے۔ اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ایک لشکر وادی سے نکل رہا ہے وہ تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے' تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ ان سب نے اثبات میں جواب دیا اور کہا کہ ہم نے آپ کے بارے میں ہمیشہ سچائی کا تجربہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا' میں تمہیں اس شدید عذاب سے ڈرا رہا ہوں جو تمہیں پیش آنے والا ہے۔ یہ سن کر ابولہب کہنے لگا' تباہ ہو جائے کیا تو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا؟ اس پر یہ سورت نازل ہوئی ''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ تباہ و برباد ہو جائے۔''

مسائل

۱۔ آخرت کے منکر اس قرآن کے علاوہ کسی اور قرآن کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ۳۔ رسول اکرم ﷺ بھی وحی کے تابع تھے۔
۲۔ نبی کریم بھی قرآن مجید میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کر سکتے تھے۔ ۴۔ رسول کریم ﷺ اللہ کے عذاب سے ڈرتے تھے۔
۵۔ نبی کریم ﷺ نے لوگوں کے سامنے اپنا ماضی بطور نمونہ پیش فرمایا۔

تفسیر بالقرآن

منکرین کا قرآن مجید کے ساتھ روّیہ:

۱۔ منکرین اس قرآن کے علاوہ قرآن یا اس میں تبدیلی کا مطالبہ کرتے تھے۔ (یونس:۱۵)
۲۔ منکرین کہتے ہیں کہ نبی کو ایک آدمی قرآن سکھاتا ہے۔ (النحل:۱۰۳)
۳۔ کافر کہتے تھے کہ ہم اس قرآن کے ساتھ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ (سبا:۳۱)
۴۔ کافر کہتے تھے قرآن یکبار نازل کیوں نہیں ہوا۔ (الفرقان:۳۲)
۵۔ قرآن مجید میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثال بیان کی گئی مگر اکثر ناشکرگزار انکار کرتے ہیں۔ (الکھف:۵۴)

وَ يَعْبُدُوْنَ	مِنْ	دُوْنِ	اللّٰهِ	مَا	لَا	يَضُرُّهُمْ
اور وہ عبادت کرتے ہیں	سے	سوا	اللہ	جو	نہیں	نقصان پہنچاتا ان کو

وَلَا	يَنْفَعُهُمْ	وَيَقُوْلُوْنَ	هٰٓؤُلَآءِ	شُفَعَآؤُنَا	عِنْدَ	اللّٰهِ ؕ
اور نہ	وہ نفع دیتے ہیں	اور وہ کہتے ہیں	یہ لوگ	ہمارے سفارشی ہیں	ہاں	اللہ

قُلْ	اَتُنَبِّئُوْنَ	اللّٰهَ	بِمَا	لَا	يَعْلَمُ	فِي	السَّمٰوٰتِ
فرما دیجیے	کیا تم خبر دیتے ہو	اللہ کو	اس چیز کی جو	نہیں	وہ جانتا	میں	آسمانوں

وَلَا	فِي	الْاَرْضِ ؕ	سُبْحٰنَهٗ	وَتَعٰلٰى	عَمَّا	يُشْرِكُوْنَ ۝۱۸	
اور نہ	میں	زمین؟	وہ پاک ہے	اور بلند ہے	ان سے جن کو	وہ شریک ٹھہراتے ہیں	

”اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انھیں نقصان پہنچاتی ہیں اور نہ نفع دے سکتی ہیں اور کہتے ہیں یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ فرما دیجئے کیا تم اللہ کو ان چیزوں کی خبر دیتے ہو جنھیں وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں؟ وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے ان چیزوں سے جو وہ شریک بناتے ہیں۔“ (۱۸)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآن مجید کی تعلیم کا انکار کرنے کی وجہ سے لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، حالانکہ وہ ان کے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔

فلاح نہ پانے والوں کا ایک جرم یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں اور معبودوں کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع دے سکتے ہیں۔ جب انہیں سمجھایا جائے تو کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے یہ تو ہمیں اللہ کے قریب کرتے اور اس کے حضور ہماری سفارش کرتے ہیں۔ اس دعویٰ کی تردید اور باطل عقیدے کا مؤاخذہ کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ اور ہر مواحد کو فرمایا گیا ہے کہ ان سے پوچھو کیا تم اللہ تعالیٰ کو بتلانا چاہتے ہو گویا کہ وہ زمین و آسمان کے معاملات سے بے خبر ہے۔ حالانکہ زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے وہ جانتا اور پل پل کی خبر رکھنے والا ہے۔ تم اپنے باطل معبودوں کو سفارشی ٹھہرا کر ایسا دعویٰ کرتے ہو کہ جس کی سچائی کے لیے رائی کے دانے کے برابر بھی دلیل اور اس کا وجود زمین و آسمان میں نہیں پایا جاتا۔ جس بات اور چیز کا سرے سے ثبوت ہی نہ ہو اس کا دعویٰ کرنا حد درجے کی حماقت اور بے ہودہ گوئی کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا تمہارے باطل تصورات اور عبادات سے اللہ تعالیٰ مبرا اور پاک ہے۔

شفاعت کے مسئلہ کو سمجھنے کے لیے چند نکات:

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر بات سنتا اور ہر زبان کو سمجھتا ہے مشرک جن بتوں، شمس و قمر اور قبروں میں مدفون بزرگوں کو پکارتے ہیں وہ نہیں سنتے۔ (فاطر: ۱۴)

۲۔ فوت شدہ بزرگ کی زبان عربی تھی تو فوت ہونے کے بعد دوسری زبان کس طرح سمجھ سکتا ہے۔

۳۔ درخواست قبول کرنے والے پر سفارشی اثر انداز ہو سکتا ہو، اس لیے سفارشی تلاش کیا جاتا ہے۔

یہاں تو بت وغیرہ بے حس اور بے جان ہیں۔ مدفون بزرگ سننا اور حرکت کرنا تو درکنار وہ خود بھی نہیں جانتے انہیں قبروں سے کب اٹھایا جائے گا۔ (النحل: ۲۱) اگر ان کی قبر پر کوئی حادثہ ہو جائے تو وہ دفاع نہیں کر سکتے۔

۴۔ ہو سکتا ہے کوئی اتھارٹی سفارش کے بغیر بات نہ سنتی ہو مگر اللہ تعالیٰ تو آواز پر آواز دیتے ہیں کہ جب بھی میرے بندے مجھے پکارتے ہیں میں ان کی فریاد سنتا ہوں اور قبول کرتا ہوں۔ (البقرۃ: ۱۸۶)

۵۔ دینے والا بار بار سوال کرنے کو برا سمجھتا ہے یہاں تو یہ ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ نہ مانگنے والوں سے ناراض ہوتا ہے۔ (المومن: ۶۰)

۶۔ سفارش اور واسطہ کے بغیر قبول کرنے والے تک بات نہ پہنچتی ہو۔ اللہ تعالیٰ واسطے اور وسیلے کی نفی کرتا اور اس کو اپنے ساتھ شرک تصور کرتا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۵۶۔۵۷)

مسائل

۱۔ مشرک اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں وہ نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔

۲۔ مشرکوں کا عقیدہ ہے کہ ہمارے معبود اللہ کے ہاں ہماری سفارش کرتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سے زمین و آسمان کی کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ ہر عیب و کمزوری سے مبرا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ مشرکوں کے شرک سے بلند و برتر ہے۔

تفسیر بالقرآن

معبودانِ باطل کے بارے میں مشرکین کا عقیدہ:

۱۔ معبودانِ باطل کو مشرکین اللہ کے ہاں سفارشی سمجھتے ہیں۔ (یونس: ۱۸)

۲۔ مشرکوں کا کہنا ہے کہ ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیتے ہیں۔ (الزمر: ۳)

۳۔ مشرک سمجھتے ہیں کہ اللہ نے مدفون بزرگوں کو کچھ اختیارات دے رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس نے کسی کو کوئی اختیار نہیں دیا۔ (فاطر: ۱۳)

۴۔ مدفون بزرگ نہیں سنتے وہ قیامت کے دن پکارنے والوں کا انکار کریں گے۔ (فاطر: ۱۴)

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ

اور نہیں تھے لوگ مگر امت ایک ہی پھر انھوں نے اختلاف کیا

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ

اور اگر نہ ایک بات جو پہلے ہو چکی ہے آپ کے رب کی طرف سے یقیناً فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان

فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ

اس کے بارے میں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں اور وہ کہتے ہیں کیوں نہیں نازل کی گئی اس پر

اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ

کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے؟ سو آپ فرما دیجیے یقیناً غیب اللہ کے لیے

فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾

چنانچہ تم انتظار کرو بلاشبہ میں تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں

''اور نہیں تھے لوگ مگر ایک امت پھر انہوں نے اختلاف کیا اور اگر وہ بات نہ ہوتی جو تیرے رب کی طرف سے پہلے ہی طے ہو چکی ہے۔ تو ان کے درمیان اس بات کے بارے میں ضرور فیصلہ کر دیا جاتا جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔'' (۱۹) ''اور وہ کہتے ہیں اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتاری گئی؟ سو فرما دیں غیب تو صرف اللہ کے پاس ہے، پس انتظار کرو، بے شک میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں۔'' (۲۰)

فہم القرآن

ربط کلام: لوگوں کی وحدت بیان فرما کر ثابت کیا گیا ہے کہ شرک سے پہلے لوگ توحید پر قائم تھے اور توحید ہی لوگوں کے درمیان اتحاد کے ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو فطرتاً توحید پر پیدا فرمایا ہے۔ یہ فطرت کی آواز اور اس کا تقاضا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر اس کی پشت سے اس کی تمام اولاد کو پیدا کیا اور ان سے۔ ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تمام بنی آدم نے توحید کا اقرار اور اس کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی کہ کیوں نہیں، آپ ہی ہمارے رب ہیں فرمایا اس پر گواہ رہنا۔ قیامت کو یہ نہ کہنے پاؤ کہ ہمیں تو اس عہد کا علم ہی نہیں ہم تو اس لیے شرک کرتے رہے کہ ہمارے آباؤ اجداد شرک کرتے تھے۔ (الاعراف: ۱۷۲۔۱۷۳)

اسی عہد کی ترجمانی کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرت اسلام یعنی عقیدہ توحید پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اسے جیسا

ماحول ملتا ہے ویسا ہو جاتا ہے۔ یہی ارشاد اس آیت مبارکہ میں پایا جا رہا ہے کہ لوگ پہلے ایک ہی امت تھے۔ انھوں نے بعد میں توحید کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ نہ ہوتا کہ لوگوں کو کفر وشرک، توحید اور ایمان میں سے کسی ایک کو اختیار کا حق دیا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کفر وشرک، سرکشی اور بغاوت کرنے والوں کو موقع پر ہی تہس نہس کر دیتا۔ فوری طور پر نہ پکڑنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دنیا دار العمل ہے، دار الجزاء نہیں اس اصول کے پیش نظر لوگوں کو مہلت دی جاتی ہے شاید وہ توبہ کرلیں۔ حالانکہ خدا کے باغی انبیاء سے پرزور مطالبہ کرتے رہے ہیں کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر عذاب نازل کیا جائے۔ اسی روش کے تحت مشرکین مکہ بھی نبی کریم ﷺ سے مطالبہ کرتے تھے کہ ہم پر عذاب نازل کرو۔ یہاں تک کہ انہوں نے کعبہ کا غلاف پکڑ کر کہا کہ الٰہی! اگر تیرا نبی سچا ہے تو ہم پر پتھر برسا یا ہمیں اذیت ناک عذاب میں مبتلا کر دے۔ جس کا جواب یہ دیا گیا کہ تم اسی لائق ہو مگر اللہ تعالیٰ تمھیں اس لیے عذاب نہیں کر رہا کہ اس کا رسول اور مسلمان تم میں موجود ہیں جو توبہ استغفار کرتے رہتے ہیں۔ (الانفال:٣٢۔٣٣) اس کے جواب میں نبی اکرم ﷺ کو فقط اتنا ہی حکم ہوا کہ آپ فرمائیں یہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ عذاب کب آئے گا۔ پس تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِیْمَةُ بَهِیْمَةً جَمْعَآءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِیْهَا مِنْ جَدْعَآءَ ثُمَّ یَقُوْلُ" **فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ**"))

[رواه البخاری: کتاب التفسیر، باب لاتبدیل لخلق اللّٰه]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول محترم ﷺ نے فرمایا ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے والدین اس کو یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جس طرح چار پائے اپنے بچے کو تام الخلقت پیدا کرتے ہیں کیا تم ان میں سے کسی بچے کو کان کٹا پاتے ہو؟ پھر آپ ﷺ نے آیت تلاوت کی۔ ''اللہ کا طریقہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہے یہ بالکل سیدھا اور صحیح دین ہے۔''

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ أَخَذَ اللّٰهُ الْمِیْثَاقَ مِنْ ظَهْرِ آدَمَ بِنَعْمَانَ یَعْنِیْ عَرَفَةَ فَأَخْرَجَ مِنْ صُلْبِهٖ كُلَّ ذُرِّیَّةٍ ذَرَأَهَا فَنَثَرَهُمْ بَیْنَ یَدَیْهِ كَالذَّرِّ ثُمَّ كَلَّمَهُمْ قِبَلًا قَالَ (**أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا أَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِیْنَ أَوْ تَقُوْلُوْا إِنَّمَا أَشْرَكَ اٰبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ**])) [رواه أحمد]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اولاد سے نعمان یعنی عرفہ کے مقام پر عہد لیا اس کی صلب سے اس کی اولاد کو نکالا اور اسے اس کے سامنے پھیلا دیا، پھر ان کے سامنے کلام فرمایا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ بنی آدم نے کہا کیوں نہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ہی ہمارے

رب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن یہ نہ کہنا کہ ہمیں اس کی خبر نہ تھی یا شرک ہمارے آباؤ اجداد نے کیا ہم تو ان کی اولاد تھے کیا تو ہمیں باطل پرستوں کے شرک کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے۔''

عقیدہ توحید وحدت کی علامت ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾[النساء:۱]

''اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے اور اس سے اس کا جوڑا پیدا فرمایا اور پھیلائے اس سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے وہ اللہ، مانگتے ہو جس کے واسطے سے اور قطع رحمی سے ڈرو یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔''

((عَنْ أَبِي نَضْرَةَ حَدَّثَنِي مَنْ سَمِعَ خُطْبَةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي وَسَطِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ.........))[رواہ احمد]

''حضرت ابونضرۃ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے خبر دی جس نے ایام تشریق میں رسول اللہ ﷺ کا خطبہ سنا آپ نے فرمایا اے لوگو! تمہارا رب اور تمہارا باپ ایک ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر برتری حاصل نہیں....''

مسائل

۱۔ ابتداءً تمام لوگ عقیدہ توحید اور ایک ہی طریقہ پر تھے۔ ۲۔ رسول اکرم ﷺ سے کفار معجزے کا مطالبہ کرتے تھے۔

۳۔ غیب کی خبر اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ۴۔ نبی بھی اللہ کے فیصلے کا منتظر ہوتا تھا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اگر لوگوں کا معاملہ مقرر شدہ نہ ہوتو ان کا فیصلہ جلد چکا دیا جائے۔

تفسیر بالقرآن

کفار کا بار بار معجزات کا مطالبہ کرنا:

۱۔ کافر کہتے ہیں کہ نبی پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل ہوتی۔(یونس:۲۰)

۲۔ کفار کہتے ہیں کہ نبی پر اس کے رب کی طرف سے معجزات کیوں نازل نہیں ہوتے۔(العنکبوت:۵۰)

۳۔ کفار کہتے ہیں کہ نبی پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی۔(الانعام:۳۷)

۴۔ کافر قسمیں اٹھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی معجزہ آیا تو وہ اس پر ضرور ایمان لائیں گے۔(الانعام:۱۰۹)

وَ	اِذَآ	اَذَقْنَا	النَّاسَ	رَحْمَةً	مِّنْۢ بَعْدِ	ضَرَّآءَ
اور	جب	ہم چکھاتے ہیں	لوگوں کو	رحمت	کے بعد	تکلیف
مَسَّتْهُمْ	اِذَا	لَهُمْ	مَّكْرٌ	فِيْٓ	اٰيَاتِنَا ؕ	قُلِ
جوانھیں پہنچی	جب	ان کے لیے	چالیں ہوتی ہیں	میں	ہماری آیات	فرمادیجیے
اللّٰهُ اَسْرَعُ	مَكْرًا ؕ	اِنَّ	رُسُلَنَا	يَكْتُبُوْنَ	مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿٢١﴾	
اللہ سب سے زیادہ تیز ہے	تدبیر میں	بے شک	ہمارے فرشتے	لکھتے ہیں	جو تم چالیں چلتے ہو	

''اور جب ہم کسی تکلیف کے بعد لوگوں کو کوئی رحمت چکھاتے ہیں، جوانھیں پہنچی ہو، تو اچانک ہماری نشانیوں کے بارے میں کوئی نہ کوئی چال چلتے ہیں۔ فرمادیں کہ اللہ بہت جلد تدبیر کرنے والا ہے۔ بے شک ہمارے فرشتے جو چال تم چلتے ہو، لکھتے جاتے ہیں۔'' (۲۱)

فہم القرآن

ربط کلام: نبی معظم ﷺ سے کفار عذاب لانے کا مطالبہ کرتے تھے انہیں آگاہ کیا کہ جس خبط میں تم مبتلا ہو وہ عذاب ہی تو ہے۔

اہل مکہ نبی اکرم ﷺ کی دعوت قبول کرنے کی بجائے یہ مطالبہ کرتے کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر آسمان سے عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا۔ اس کا اشارتاً جواب دیا گیا ہے کہ جس قحط سالی میں تم مبتلا ہو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر عذاب نہیں تو کیا ہے؟ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اہل مکہ کی ایذارسانیوں اور ان کے بار بار مطالبہ کی وجہ سے رسول محترم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ بددعا کی کہ اے رب ذوالجلال ان پر ایسا قحط نازل فرما جس طرح تو نے یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قوم مصر پر نازل کیا تھا۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ آپ نے بددعا مکہ میں رہتے ہوئے کی تھی یا مدینہ جا کر۔ حالات وواقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مکہ پر یہ عذاب اس وقت مسلط ہوا۔ جب آپ ﷺ مدینہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے۔ اہل مکہ پر عذاب مسلط ہوا تو وہ اس قدر تنگ ہوئے کہ بڑے بڑے مالدار گھرانے بھی مردار کھانے اور سوکھا چمڑا چبانے پر مجبور ہوئے۔ بالآخر بے بس ہو کر ابوسفیان نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ آپ لوگوں کے ساتھ مہربانی اور صلہ رحمی کرتے ہیں۔ ہماری درخواست ہے کہ آپ اپنے رب کے حضور ہمارے لیے بارش کی دعا کریں۔ تب آپ نے اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے جس کے نتیجہ میں مکہ اور اس کے گردونواح میں موسلا دھار بارش ہوئی۔ اور پورا علاقہ سرسبز وشاداب ہوا۔ بدحالی خوشحالی میں تبدیل ہوگئی۔ مگر جوں ہی مکہ والوں کے حالات بدلے تو انہوں نے مزید سازشیں شروع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہونے کے بجائے کہنے لگے کہ ہمارے معبود کچھ مدت کے لیے ہم پر ناراض ہوئے تھے اب انہوں نے راضی ہو کر ہماری

بدحالی کوخوشحالی میں تبدیل کر دیا ہے۔اس پر انہیں انتباہ کیا جا رہا ہے کہ تم جو کچھ کہتے اور کرتے ہو انہیں ہمارے ملائکہ ریکارڈ کر رہے ہیں۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے مکروفریب کا جواب دے گا۔ جب مکر کا لفظ لوگوں کی طرف منسوب ہو تو اس کا معنیٰ مکروفریب اور سازش وشرارت ہوا کرتا ہے۔ جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنیٰ منصوبہ یا عذاب ہوتا ہے۔ یہاں مکر سے مراد اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔ جس کی دنیا میں کئی شکلیں ہوا کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ اور مامون فرمائے۔ آمین

((عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ کَانَ مِنْ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم (اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِکَ وَتَحَوُّلِ عَافِیَتِکَ وَفُجَاءَ ۃِ نِقْمَتِکَ وَجَمِیْعِ سَخَطِکَ))[رواہ مسلم:باب أَکْثَرُ أَھْلِ الْجَنَّةِ الْفُقَرَاءُ وَأَکْثَرُ أَھْلِ النَّارِ النِّسَاءُ وَبَیَانُ الْفِتْنَةِ بِالنِّسَاءِ]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہوا کرتی تھی۔ بارالٰہا! میں تیری نعمتوں کے زوال' تیری عافیت کے پھر جانے' تیرے اچانک عذاب اور تیری ہر طرح کی ناراضگی سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔''

مسائل

۱۔ اللہ کی رحمت سے ہمکنار ہونے کے بعد اکثر انسان کفروشرک کرتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی بہتر تدبیر نہیں کرسکتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہونے والے ملائکہ ہر چیز لکھ رہے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

ہر شخص کا اعمال نامہ اللہ کے ہاں درج ہے:

۱۔ بے شک تمہاری چال بازیوں کو ہمارے قاصد لکھ رہے ہیں۔(یونس:۲۱)

۲۔ ہم ان کی جزا لکھ لیں گے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔(الاعراف:۱۵۶)

۳۔ ہم لکھ لیتے ہیں جو لوگ بولتے ہیں۔(آل عمران:۱۸۱)

۴۔ ہم ان کی کہی ہوئی بات لکھ لیں گے اور ان کے عذاب کو بڑھا دیا جائے گا۔(مریم:۷۹)

۵۔ ہمارے قاصد ان کے اعمال لکھ رہے ہیں۔(الزخرف:۸۰)

۶۔ کسی کی کوشش رائیگاں نہیں جائے گی بے شک ہم اس کو لکھ لیں گے۔(الانبیاء:۹۴)

هُوَ	الَّذِيْ	يُسَيِّرُكُمْ	فِي	الْبَرِّ	وَالْبَحْرِ ؕ
وہی ہے	جو	تمھیں چلاتا ہے	میں	خشکی	اور سمندر
حَتّٰٓى	إِذَا	كُنْتُمْ	فِي	الْفُلْكِ ۚ	وَجَرَيْنَ بِهِمْ
حتی کہ	جب	تم ہوتے ہو	میں	کشتیوں	اور وہ چلتی ہیں انھیں لے کر
بِرِيْحٍ	طَيِّبَةٍ	وَّفَرِحُوْا	بِهَا	جَآءَتْهَا	رِيْحٌ عَاصِفٌ
ہوا کے ساتھ	پاکیزہ	اور وہ خوش ہوتے ہیں	اس کے ساتھ	آتی ہے ان پر	ہوا سخت
وَّجَآءَهُمُ	الْمَوْجُ	مِنْ	كُلِّ مَكَانٍ	وَّظَنُّوْٓا	
اور آتی ہیں ان کے پاس	لہریں	سے	ہر مقام	اور وہ گمان کرتے ہیں	
أَنَّهُمْ	أُحِيْطَ	بِهِمْ ۙ	دَعَوُا اللّٰهَ	مُخْلِصِيْنَ	لَهُ الدِّيْنَ ۚ
کہ بے شک	گھیر لیا گیا ہے	ان کو	وہ پکارتے ہیں اللہ کو	خالص کرتے ہوئے	اسی کیلئے عبادت کو

”وہی ہے جو تمھیں خشکی اور سمندر میں چلاتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ انھیں لے کر موافق ہوا کے ساتھ چل پڑتی ہیں اور وہ اس پر خوش ہوتے ہیں تو ان کشتیوں کے مخالف ہوا آجاتی ہے اور ان پر ہر مقام سے موجیں چھا جاتی ہیں اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یقیناً ان کو گھیر لیا گیا ہے، تو اللہ کو اس طرح پکارتے ہیں کہ ہر قسم کی عبادت اس کیلئے خالص کرنے والے ہوتے ہیں

فہم القرآن

ربط کلام: مشرک اور کافر کی فطرت خبیثہ کا ذکر۔

اس سے پہلی آیات میں مسئلہ شفاعت کے حوالے توحید بیان کی گئی۔ درمیان میں کفار کے عذاب کا مطالبہ کرنے پر انہیں ہلکی سی سرزنش کی گئی۔ اب پھر توحید کے دلائل دیے جاتے ہیں۔ مضمون کا ربط قائم کرنے اور سابقہ دلائل کے استحضار کے لیے ﴿هُوَ الَّذِيْ﴾ کے الفاظ استعمال فرمائے۔ اس اللہ کی ذات اور صفات ماننے کی دعوت دی جارہی ہے جو تمہیں خشکی اور سمندر میں چلاتا ہے۔ ذرا غور کرو اور سوچو! کہ کتنے تمہارے جیسے انسان ہیں جن کی ٹانگیں ہیں مگر کسی بیماری کی وجہ سے چل نہیں سکتے، وجود ہیں مگر حرکت نہیں کر سکتے، روح ہے مگر زندگی سے بے زار ہو چکے ہیں۔ اسی طرح ملاّح اور کشتی موجود ہے۔ مگر بھنور میں پھنس چکی ہے۔ ملاح چپو پر چپو چلا رہا ہے لیکن کشتی بھنور سے نکلنے کی بجائے پھنستی چلی جارہی ہے۔ ملاّح مسافروں سے دعا کے لیے کہتا ہے۔ ان کو اپنی موت کا یقین ہو چلا ہے۔ جس وجہ سے شرک کے پردے ہٹ گئے اور دل نے شہادت دی کہ

لَىِٕنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۲۲﴾

البتہ اگر | تونے ہمیں نجات دے دی | سے | اس | تو یقیناً ہم ہو جائیں گے | سے | شکر گزاروں میں

فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ

پھر جب | اس نے نجات دی ان کو | تو فوراً وہ | وہ سرکشی کرنے لگتے ہیں | میں | زمین

بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰۤى

ناحق | اے | لوگو! | صرف | تمھاری سرکشی | پر

اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؗ ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُكُمْ

تمھاری جانوں | فائدہ | دنیا کی زندگی کا | پھر | ہماری طرف ہی | تمھارا لوٹنا ہے

فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

چنانچہ ہم تمھیں خبر دیں گے | ساتھ اسکے جو | تھے تم | تم عمل کرتے

یقیناً اگر تو نے ہمیں اس سے نجات دے دی تو ہم ضرور شکر کرنے والوں سے ہوں گے۔'' (۲۲) ''پھر جب وہ انھیں نجات دے دیتا ہے تو اچانک وہ زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو! تمھاری سرکشی تمھارے ہی برخلاف ہے۔ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے پھر ہماری ہی طرف تمھارا لوٹ کر آنا ہے تو ہم تمھیں خبر دیں گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔'' (۲۳)

صرف اور صرف ایک رب کو پکارو۔ ہر مسافر دل کی اتھاہ گہرائیوں، اور نہایت درماندگی کے ساتھ پکارنے لگا۔ اے زمین و آسمانوں کے مالک تیرا نہ کوئی ساجھی ہے اور نہ کوئی معاون۔ بس تو ہماری فریاد کو مستجاب کر کے ہمیں اس مصیبت سے نجات عطا فرما۔ آسمان سے آواز آتی ہے۔ جس میں نہ طعنہ ہے اور نہ کوئی جھڑک۔

﴿اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ [النمل: ۶۲]

''کون ہے جو لاچار کی دعا قبول کرتا ہے، جب وہ اسے پکارتا ہے اور تکلیف دور کرتا ہے اور تمہیں زمین میں جانشین بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بہت کم تم نصیحت قبول کرتے ہو۔''

یہاں اسی صورتِ حال کی منظر کشی کی گئی ہے۔ اے لوگو جب تم کشتی پر سوار ہوتے ہو، ٹھنڈی اور موافق ہوائیں چلتی ہیں جو کشتی کے تیز چلنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ تو تم خوش ہوتے ہو۔ یہاں روح پرور منظر کا نقشہ پیش کر کے اللہ تعالیٰ اپنی بے پایاں رحمت کا ثبوت دے رہے ہیں۔ لیکن اس کے بعد یک دم ہوا کا دباؤ بڑھا جس نے بھونچال کی شکل اختیار کر لی خوشگوار فضاء کی جگہ بھنور نے لی اور مسافروں کو جان کے لالے پڑ گئے ہر کوئی موت کو اپنے سامنے دیکھنے لگا۔ کشتی کے ملاح اور مسافروں کو

یقین ہوگیا کہ ساحل تک پہنچنے کی کوئی صورت باقی نہیں ہے۔تمام مسافر اِدھر اُدھر کے سہاروں اور باطل معبودوں کو چھوڑ کر اخلاص کے ساتھ صرف ایک اللہ کو پکارنے لگے ہر کسی نے دل ہی دل میں عہد باندھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے بچالیا تو اس کے شکر گزار بندے بن کر زندگی بھر اسی کو حاجت روا،مشکل کشا سمجھیں گے۔یہاں اخلاص سے پہلی مراد عقیدہ توحید کی طرف رجوع ہے جوں ہی کشتی کنارے لگی۔مشرک اللہ سے کیے ہوئے عہد کو بھول گئے اب کوئی خواجہ خضر کو نجات دہندہ سمجھ رہا ہے اور کسی نے پیر عبدالقادر جیلانی کو دستگیر بنالیا ہے۔ایسی پکار اللہ تعالیٰ کے ساتھ بغاوت اور اس کی پرلے درجے کی ناشکری ہے۔جس کی واضح مثال ۱۹۶۵ء میں ہندوستان کے ساتھ جنگ میں دیکھی اور سنی گئی۔سترہ دن کی جنگ میں پاکستان کے مرد و زن صرف اور صرف اللہ سے مدد طلب کرتے رہے۔اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو ہندوستان پر کامیابی اور برتری عنایت فرمائی۔جوں ہی جنگ ختم ہوئی تو ایک مکتب فکر کے علماء اور عوام نے کہانیاں بنانا شروع کردیں کہ فلاں محاذ پر فلاں بزرگ نے ہندوستان کے بم دبوچ کر شہر کو بچالیا۔۱۹۷۱ء کی جنگ میں مشرقی پاکستان ہم سے الگ ہوا۔نوے ہزار فوج کئی جرنیلوں سمیت ہندوستان کی غلام بنی۔شکر گڑھ کا علاقہ ہندوستان کے قبضے میں چلا گیا۔اس وقت کسی پیر،فقیر نے کیوں مدد نہ کی؟ عراق پر امریکہ نے مسلسل بمباری کی۔جس میں پیر عبدالقادر شاہ جیلانی رحمہ اللہ کے مزار کا ایک حصہ منہدم ہوا۔نجف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مرقد کا ایک حصہ بمباری کا نشانہ بنا۔پورا عراق کئی سال سے اتحادی فوجوں کا نشانہ بنا ہوا ہے۔نہ پیر جیلانی دفاع کرپائے اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی کو بچا سکے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی مدد نہیں کرسکتا۔کاش شرک کرنے والے بھائی اس حقیقت کو سمجھ جائیں۔جس کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی اور خدائی کو کچھ فرق نہیں پڑتا۔لوگو! اس بغاوت کا تمہیں ہی نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔یاد رکھو یہ دنیا کی زندگی معمولی اور قلیل ہے بالآخر تم نے ہمارے پاس حاضر ہونا ہے،ہم تمھیں بتائیں گے کہ تم دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ہو۔

عکرمہ بن ابوجہل کا واقعہ:

مفسرین نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے عکرمہ بن ابوجہل کا واقعہ نقل کیا ہے۔جب مکہ فتح ہوا تو عکرمہ یہ سوچ کر بھاگ نکلا کہ مجھے کسی صورت بھی معافی نہیں مل سکتی۔جدہ کی بندرگاہ پر پہنچا اور بیڑے میں سوار ہوا۔لیکن اللہ کی قدرت کہ جوں ہی بیڑے نے ساحل چھوڑا تو وہ اتنے شدید بھنور میں پھنسا کہ ملاح اور مسافروں کو یقین ہوگیا کہ اب نجات کی کوئی صورت باقی نہیں ہے۔ مصیبت کی گھڑی میں ملاح نے مسافروں سے کہا کہ جب کبھی بیڑے کو ایسے طوفان کا واسطہ پڑتا ہے تو کسی اور کی بجائے صرف ایک اللہ کو پکارا جاتا ہے۔اس لیے صرف ایک اللہ کے حضور فریادیں کرو اس کے سوا کوئی بیڑا پار لگانے والا نہیں۔یہ بات حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے دل پر اثر کرگئی اور اس نے سوچا کہ یہی تو ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دیتا ہے لہٰذا اگر یہاں سے بچ نکلا تو میں حلقہ اسلام میں داخل ہوجاؤں گا چنانچہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے اور باقی زندگی اسلام اور رسول محترم کے ساتھ اخلاص کے ساتھ گزاری اور جنت کے وارث بنے۔تفصیل کے لیے کسی مستند سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

((عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْمَا یَرْوِیْ عَنِ اللّٰہِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اَنَّہٗ قَالَ یَا عِبَادِیْ اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ وَجَعَلْتُہٗ بَیْنَکُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ ضَآلٌّ اِلَّا مَنْ هَدَیْتُہٗ.........یَا عِبَادِیْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْکُمْ مَّا زَادَ ذَالِكَ فِیْ مُلْکِیْ شَیْئًا یَا عِبَادِیْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْکُمْ مَّا نَقَصَ ذَالِكَ مِنْ مُّلْکِیْ شَیْئًا))[رواہ مسلم:باب تحریم الظلم]

”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا' اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنی ذات پر حرام کیا اور تمہارے درمیان بھی ظلم ناجائز قرار دیا ہے۔اس لیے ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔میرے بندو! تم میں سے ہر ایک گمراہ ہے ماسوا اس کے جس کو میں ہدایت سے سرفراز کروں.........
میرے بندو! تمہارے تمام اگلے پچھلے' جنّ وانس سب سے زیادہ متّقی انسان کے دل کی طرح ہو جائیں تو یہ میری سلطنت میں ذرّہ بھر اضافہ نہیں کرسکتے۔میرے بندو! تمہارے اگلے پچھلے جنّ وانس سب سے بدترین فاسق وفاجر انسان کے دل کی طرح ہو جائیں تو یہ میری حکومت میں کچھ نقص واقع نہیں کرسکتے۔“

مسائل

١۔ اللہ ہی خشکی اور تری میں نجات دینے والا ہے۔
٢۔ مصیبت کے وقت مشرکین بھی اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔
٣۔ مشکل دور ہوتے ہی مشرک اللہ کو بھول جاتے تھے۔
٤۔ کسی شخص کی سرکشی اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔
٧۔ دنیا کا ساز وسامان چندروزہ ہے
٨۔ ہر ایک نے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔
٩۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کو اس کے اعمال سے آگاہ فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کو ہر حال میں اخلاص کے ساتھ پکارنا چاہیے:

١۔ مشرک جب کسی مشکل میں گھر جاتے ہیں تو خالصتاً اللہ کو پکارتے ہیں۔(یونس:٢٢)
٢۔ لوگو اللہ کی خالص عبادت کرو۔(الزمر:٣)
٣۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی خالص عبادت کروں۔(الزمر:١١)
٤۔ جب مشرکین کشتی پر سوار ہوتے ہیں خالصتاً اللہ کو پکارتے ہیں۔(العنکبوت:٦٥)
٥۔ مومنو! اللہ کو اخلاص کے ساتھ پکارو اگرچہ کفار کے لیے یہ ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔(المومن:١٤)
٦۔ اللہ ہمیشہ زندہ ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں صرف اسی کو پکارو(المومن:٦٥)

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ

یقیناً مثال زندگی دنیا اس پانی کی طرح ہے جسے ہم نے اتارا سے

السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ

آسمان پھر مل جل گئی ساتھ اس کے روئیدگی زمین کی اس چیز میں سے وہ کھاتے ہیں

النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا

انسان اور چوپائے یہاں تک کہ جب پکڑی زمین نے اپنی شادابی

وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ

اور وہ مزین ہوگئی اور گمان کرلیا اہل زمین نے کہ بے شک وہ قادر ہیں اس پر آ گیا اس پر

”دنیا کی زندگی کی مثال تو بس اس پانی کی سی ہے جسے ہم نے آسمان سے اتارا تو اس کے ساتھ زمین کی نباتات خوب گنجان ہوگئی، جس سے انسان اور چوپائے کھاتے ہیں، یہاں تک کہ جب زمین شاداب اور خوب مزین ہوگئی اور اس کے رہنے والے گمان کر بیٹھے کہ یقیناً وہ اس پر قادر ہیں تو رات یا دن کے وقت اس پر

فہم القرآن

ربط کلام: پہلے بیان ہوا ہے کہ انسان جتنا چاہے باغی اور سرکش بن جائے بالآخر اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہو کر اپنے اعمال کا جواب دینا ہے یہ بات مزید واضح کرنے کے لیے ارشاد ہوتا ہے کہ جس دنیا پر تم اتراتے ہو یہ بالکل عارضی اور ناپائیدار ہے۔

قرآن مجید انسان کو دنیا کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے یہ باور کراتا ہے۔ کہ اے انسان دنیا کی ہر چیز اور خود تیرا وجود اور قیام عارضی ہے۔ جس دنیا کی خاطر تو اپنے رب کو بھلاتا اور آخرت کا انکار کرتا ہے۔ اس دنیا کی مثال تو اس طرح ہے جس طرح موسم برسات کے بعد ہر جگہ ہریالی آجاتی ہے۔ اس سے انسان اور حیوان فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ہر سو سبزہ ہونے کی وجہ سے دیکھنے والے کو یہ منظر بڑا سہانا اور دلربا لگتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اس سے فائدہ پہنچے گا اور ہم خوشحال ہو جائیں گے اچانک اللہ تعالیٰ کی آئی ہوئی موسم کی سختی اُسے تباہ کر دیتی ہے۔ گویا کہ یہاں کبھی ہریالی اور شادابی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے یہ حقائق اس لیے بیان کرتا ہے تاکہ لوگ غور و فکر کریں۔ یہی انسان کی زندگی کا حال ہے بچپن کی بھول بھلیاں، جوانی کی بہاریں، ادھیڑ پن کے مسائل اور بڑھاپے کی خزاؤں سے انسان کی زندگی عبارت ہے بالآخر انسان سپردِ خاک ہو جاتا ہے۔ یہ مثال دے کر دنیا دار کو سمجھایا گیا ہے کہ جس دنیا پر تو فریفتہ ہو رہا ہے۔ اس کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جن اعمال اور

اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ
ہمارا حکم | رات کو | یا | دن کو | ہم نے کر دیا اس کو | کٹی ہوئی کھیتی | گویا کہ | نہیں
تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾
تھی وہ موجود | کل | اسی طرح ہم مفصل بیان کرتے ہیں | اپنی آیتیں | ان لوگوں کیلئے | جو غور وفکر کرتے ہیں

ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اسے جڑ سے کاٹ کر رکھ دیا، جیسے وہ کل تھی ہی نہیں۔ اسی طرح ہم ان لوگوں کے لیے نشانیاں مفصل بیان کرتے ہیں جو سوچتے ہیں۔'' (۲۴)

اشغال کو خوش ہو کر کیے جا رہا ہے یہ تیری بربادی کا سامان ہے۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جس نے اس حقیقت پر غور کیا اور اپنے آپ کو دنیا کی رعنائی اور دل فریبیوں سے بچائے رکھا۔ یہی سلامتی کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اسی سلامتی کی طرف دعوت دیتا ہے۔ جب بندہ اپنی عاقبت کی فکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت کے راستے پر گامزن کر دیتا ہے۔ ایسے خوش نصیب کے لیے دنیا میں سلامتی اور آخرت میں جنت ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ دارالسلام جنت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

مسائل

۱۔ دنیا کی زندگی کی مثال بارش سے اُگنے والی انگوری کی طرح ہے۔

۲۔ جس طرح گھاس، پھونس اور کھیتی باڑی کی ایک مدت ہے اسی طرح دنیا کی زندگی کی مدت ہے۔

۳۔ کھیتی پر کسی کو اختیار نہیں اسی طرح زندگی پر کسی کو اختیار نہیں۔

۴۔ غور و فکر کرنے والوں کے لیے ان مثالوں میں عبرت کی نشانیاں ہیں۔

تفسیر بالقرآن

یہ دنیا اور اس کی ہر چیز عارضی ہے:

۱۔ جب اللہ کا حکم کسی چیز پر آجاتا ہے تو اس کا نام و نشان مٹ جاتا ہے۔ (یونس: ۲۴)

۲۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ (الرحمٰن: ۲۶)

۳۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ (القصص: ۸۸)

۴۔ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ (الانبیاء: ۳۵)

وَاللّٰهُ	يَدْعُوْٓا	اِلٰى	دَارِ السَّلٰمِ ط	وَيَهْدِيْ	مَنْ	
اور اللہ	وہ بلاتا ہے	طرف	سلامتی کے گھر	اور وہ ہدایت دیتا ہے	جس کو	
يَشَآءُ	اِلٰى	صِرَاطٍ	مُّسْتَقِيْمٍ ۝۲۵	لِلَّذِيْنَ	اَحْسَنُوا	الْحُسْنٰى
چاہتا ہے	طرف	سیدھی	راہ	ان لوگوں کیلئے جنھوں نے	نیکیاں کیں	بہترین بدلہ ہے
وَزِيَادَةٌ ط	وَلَا يَرْهَقُ	وُجُوْهَهُمْ	قَتَرٌ	وَّ	لَا	ذِلَّةٌ ط
اور مزید	اور نہیں ڈھانپے گی	ان کے چہروں کو	سیاہی	اور	نہ	ذلت
اُولٰٓئِكَ	اَصْحٰبُ	الْجَنَّةِ ج	هُمْ	فِيْهَا	خٰلِدُوْنَ ۝۲۶	
یہ لوگ ہیں	والے	جنت	وہ	اس میں	ہمیشہ رہیں گے	

’’اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، سیدھے راستہ کی طرف۔‘‘(۲۵) ’’جن لوگوں نے بھلائی کی انہی کے لیے بہترین بدلہ اور مزید بھی اجر ہے اور ان کے چہروں پر نہ کوئی سیاہی چھائے گی اور نہ ذلت، یہی لوگ جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔‘‘(۲۶)

فہم القرآن

ربط کلام: دنیا کی ناپائیداری اور بے ثباتی پر غور کرنے کا یہ نتیجہ نکلتا ہے اور نکلنا چاہیے کہ انسان عارضی اور ناپائیدار چیزوں پر دل لگانے کی بجائے دائمی اور مستقل چیز کی طرف توجہ کرے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور سلامتی کا گھر ہے۔

خوش قسمت ہے وہ انسان جس نے دنیا کی رعنائی اور دلفریبیوں سے اپنے آپ کو بچا کر صراط مستقیم پر گامزن رکھا جو سلامتی کا راستہ اور گھر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اسی سلامتی کی دعوت دیتا ہے جب بندہ اپنی عاقبت کی فکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت کے راستے پر گامزن کر دیتا ہے ایسے خوش نصیب کے لیے دنیا میں سلامتی اور آخرت میں جنت ہوگی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ دارالسلام جنت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

دنیا میں اچھے کام کرنے والوں کے لیے بہترین اجر ہوگا بلکہ ان کی نیکیوں سے کئی گنا زیادہ اجر عنایت کیا جائے گا۔ نہ یہ روسیاہ ہوں گے نہ ہی انہیں ذلت اٹھانا پڑے گی یہ لوگ جنتی ہیں اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بعض اہل علم نے الحسنٰی سے مراد جنت اور زیادۃ سے مراد اللہ تعالیٰ کا دیدار لیا ہے اس کا ثبوت حدیث میں اس طرح پایا جاتا ہے کہ جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے اور اس کی بہاریں لوٹ رہے ہوں گے تو ایک دن اللہ تعالیٰ جنتیوں سے استفسار فرمائیں گے کہ اے میرے بندو! بتاؤ کہ کسی اور چیز کی ضرورت ہے؟ جنتی اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے عرض کریں گے اے ہمارے رحیم و کریم رب ہم نے وہ کچھ پالیا ہے جس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اتنے میں نور کے حجاب اٹھ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی زیارت

سے مشرف فرمائیں گے۔

((عَنْ صُهَيْبٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى تُرِيْدُوْنَ شَيْئًا اَزِيْدُكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ اَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا اَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ قَالَ فَيُرْفَعُ الْحِجَابُ فَيَنْظُرُوْنَ اِلٰى وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَمَا اُعْطُوْا شَيْئًا اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ اِلٰى رَبِّهِمْ ثُمَّ تَلَا "لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ"))[رواہ مسلم: کتاب الایمان، باب اثبات رویة المومنین فی الاخرة ربهم سبحانه و تعالی]

''حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی گرامی ﷺ نے فرمایا کہ جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تم مزید کوئی نعمت چاہتے ہو، جو تمہیں عطا کروں؟ وہ عرض کریں گے، کیا آپ نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں فرمایا؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور دوزخ سے نہیں بچایا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تب پردہ اٹھا دیا جائے گا۔ تمام جنتی رب العزت کے چہرے کا دیدار کریں گے۔ انہیں ایسی کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی ہوگی، جو پروردگار کے دیدار سے انہیں زیادہ محبوب ہو۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ''جن لوگوں نے اچھے عمل کیے ان کے لیے جنت ہے اور مزید بھی۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم پر چلاتا ہے۔
۳۔ نیکی کرنے والوں کے لیے بھلائی اور انعام و اکرام ہیں۔
۴۔ نیکی کرنے والے ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔
۵۔ نیکی کرنے والوں کے چہرے ذلت و رسوائی سے محفوظ ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن نیک اور بد لوگوں میں فرق:

۱۔ قیامت کے دن نیک لوگوں کے چہروں پر ذلت اور نحوست نہ ہوگی اور وہ جنت میں رہیں گے۔ (یونس: ۲۶)
۲۔ برے لوگوں کے چہروں پر ذلت چھائی ہوگی انہیں اللہ سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ (یونس: ۲۷)
۳۔ مومنوں کے چہرے تروتازہ ہوں گے (القیامة: ۲۲)
۴۔ کفار کے چہرے بگڑے ہوں ہوگے۔ (الحج: ۷۳)
۵۔ مومنوں کے چہرے خوش و خرم ہوں گے (عبس: ۳۸)
۶۔ کفار کے چہروں پر گرد و غبار ہوگا۔ (عبس: ۴۰)
۷۔ مومنوں کا استقبال ہوگا۔ (الزمر: ۷۳)
۸۔ خدا کے باغیوں پر پھٹکار ہوگی۔ (یونس: ۲۷)

وَالَّذِيْنَ	كَسَبُوا	السَّيِّاٰتِ	جَزَآءُ	سَيِّئَةٍۭ	بِمِثْلِهَا ۙ
اور وہ لوگ	جنھوں نے کیے	برے کام	بدلہ	برائی کا	اس کی مثل ہی ہے

وَتَرْهَقُهُمْ	ذِلَّةٌ ۭ	مَا لَهُمْ	مِّنَ	اللّٰهِ	مِنْ عَاصِمٍ ۚ	كَاَنَّمَآ
اور ڈھانپ لے گی ان کو	ذلت	نہیں ہوگا ان کیلئے	سے	اللہ	کوئی بچانے والا	گویا کہ

اُغْشِيَتْ	وُجُوْهُهُمْ	قِطَعًا	مِّنَ الَّيْلِ	مُظْلِمًا ۭ	اُولٰۗىِٕكَ
اوڑھا دیے گئے	ان کے چہروں کو	ٹکڑے	رات کے	جب کہ وہ اندھیری ہو	یہ لوگ ہیں

اَصْحٰبُ	النَّارِ ۚ	هُمْ	فِيْهَا	خٰلِدُوْنَ ۝
والے	آگ	وہ	اس میں	ہمیشہ رہیں گے

''اور جن لوگوں نے برے کام کیے، ہر برائی کا بدلہ اس جیسا ہی ہوگا اور ان پر ذلت چھائی ہوگی، گویا ان کے چہروں پر رات کی تاریکیاں اوڑھا دی گئی ہیں، جو بہت سیاہ ہے انھیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ یہی لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔'' (۲۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نیک لوگوں کے انجام کے بعد برُے لوگوں کا انجام اور ان کی سزا کا بیان۔

فہم القرآن کا مطالعہ کرنے والے اصحاب کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک کے بعد بد اور جنت کی نعمتوں کے بعد جہنم کی ہولناکیوں کا تذکرہ کرتے ہیں تاکہ اچھے اور برے انجام کا تصور بیک وقت سامنے آئے اور قرآن کی تلاوت کرنے والا اپنے کردار کا تجزیہ کر سکے۔ پچھلی آیت میں نیک لوگوں کو ان کی نیکی کے بدلے جزا دینے کے ساتھ مزید عنایات کا اعلان ہوا ہے۔ یہاں برُے لوگوں کو ان کے برے اعمال کی سزا بتلاتے ہوئے یہ وضاحت کی گئی کہ انہیں فقط اتنی سزا دی جائے گی جس درجے کے انہوں نے گناہ اور جرائم کیے ہوں گے۔ گناہوں کے مطابق ہی ان کے چہرے خوفناک، منحوس اور کالے ہوں گے۔ اتنے کالے جس طرح رات کا گھٹاٹوپ اندھیرا ہوتا ہے یہ لوگ اپنے کفر وشرک کی وجہ سے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لِأَهْوَنِ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا لَوْ كَانَتْ لَكَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا أَكُنْتَ مُفْتَدِيًا بِهَا فَيَقُوْلُ نَعَمْ فَيَقُوْلُ قَدْ أَرَدْتُ مِنْكَ أَهْوَنَ مِنْ هٰذَا وَأَنْتَ فِيْ صُلْبِ آدَمَ أَنْ لَا تُشْرِكَ أَحْسِبُهُ قَالَ وَلَا أُدْخِلَكَ النَّارَ فَأَبَيْتَ إِلَّا الشِّرْكَ))

[رواہ مسلم: کتاب صفة القیامة والجنة والنار، باب طَلَبِ الْكَافِرِ الْفِدَاءَ بِمِلْءِ الْأَرْضِ ذَهَبًا]

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ جہنمیوں میں سے کم ترین عذاب والے سے کہے گا۔ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اگر تیرے لیے ہو۔ کیا تو اسے فدیہ کے طور پر دے گا وہ کہے گا جی ہاں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تجھ سے اس سے بھی ہلکی بات کا مطالبہ کیا تھا جب تو آدم کی صلب میں تھا کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا راوی کا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تجھے جہنم میں داخل نہ کرتا لیکن تو شرک سے باز نہ آیا۔“

مسائل

۱۔ برے لوگوں کو ان کی برائی کے مطابق سزا دی جائے گی۔

۲۔ برے لوگوں کے چہروں پر ذلت وندامت ہوگی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بُرے لوگوں کو کوئی نہیں بچا سکتا۔

۴۔ برے لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

۵۔ برائی کرنے والوں کے چہرے اندھیری رات کی طرح سیاہ ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

برے لوگوں کا موت سے لے کر جہنم میں داخل ہونے تک انجام:

۱۔ کاش آپ دیکھیں جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے وقت ان کے منہ اور پیٹھوں پر ماریں گے۔ (الانفال: ۵۰)

۲۔ اس وقت دیکھیں جب ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے ہاتھ بڑھا کر کہیں گے اپنی جان نکالو۔ آج تمہیں رسوا کن عذاب سے دوچار کیا جائے گا۔ (الانعام: ۹۴)

۳۔ جس شخص نے برائی کی اور اس کو اس کی برائیوں نے گھیر لیا وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔ (البقرۃ: ۸۱)

۴۔ جو شخص برے اعمال کے ساتھ آیا اسے اوندھے منہ جہنم میں پھینکا جائے گا۔ (النمل: ۹۰)

۵۔ برے لوگوں کو ان کی برائی کا بدلہ برائی کی مثل ملے گا اور ان کے چہروں پر ذلت چھائی ہوگی وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ (یونس: ۲۷)

۷۔ قیامت کے دن مجرموں کا عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا۔ (فاطر: ۳۶)

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا

اور دن | ہم انھیں اکٹھا کریں گے | سب کو | پھر | ہم کہیں گے | ان لوگوں کو | جنھوں نے شریک بنائے

مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ

اپنی اپنی جگہ پر رہو | تم | اور تمھارے شریک | پس ہم جدائی ڈال دیں گے | ان کے درمیان | اور کہیں گے

شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى

ان کے شریک | نہیں | تھے تم | خاص ہماری | تم عبادت کرتے | پس کافی ہے

بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ

ساتھ اللہ | گواہ | ہمارے درمیان | اور تمھارے درمیان | یقیناً | تھے ہم | سے

’’اور جس دن ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے پھر جنھوں نے شریک بنائے، ان سے کہیں گے اپنی جگہ ٹھہرے رہو، تم اور تمھارے شریک بھی۔ پھر ہم ان کے درمیان علیحدگی کر دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے تم ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے؟‘‘ (۲۸) ’’ہمارے اور تمھارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے کہ بے شک ہم

فہم القرآن

ربط کلام: جہنمیوں کو جہنم دھکیلنے سے پہلے ایک مقام پر ٹھہرا کر یہ سوال کیا جائے گا۔

لوگوں کے درمیان جب عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ صادر ہو جائے گا تو جنتیوں کو جنت میں داخلے کی اجازت دی جائے گی۔ وہ شاداں و فرحاں، خراماں خراماں جنت میں داخل ہوں گے اور جگہ جگہ ملائکہ انہیں سلام پیش کریں گے۔ ان کے مقابلے میں جب جہنمیوں کو جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا تو لحہ لحہ اور قدم قدم پر ان پر اللہ کی پھٹکار اور ملائکہ کی جھڑکیاں ہوں گی۔ جہنم کے کنارے کھڑا کر کے ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم ان معبودوں کی عبادت کرتے تھے؟ جہنم کی ہولناکیاں اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو دیکھتے ہوئے مشرکین کے معبود واشگاف الفاظ میں انکار کرتے ہوئے مریدوں سے کہیں گے تم ہماری عبادت کب کیا کرتے تھے؟

جہنمی جن کی عبادت کیا کرتے تھے وہ تین قسم کے معبود ہوں گے۔

انبیاء عظام علیہم السلام، اولیاء کرام رحمہم اللہ، ملائکہ اور نیک جنات یہ سب کے سب مشرکین کی عبادت اور اپنی طرف منسوب شرکیہ اعمال کا انکار کریں گے۔ جب مشرکین اپنی جان بچانے کی خاطر بار بار اصرار کریں گے تو صالح لوگ کہیں گے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ ہے۔ ہمیں تو کوئی خبر نہیں کہ ہمارے بعد ہماری عبادت کرتے تھے۔

عِبَادَتِكُمْ	لَغٰفِلِيْنَ ﴿٢٩﴾	هُنَالِكَ	تَبْلُوْا	كُلُّ	نَفْسٍ	مَّآ
تمھاری عبادت	بالکل غافل	وہاں	وہ جانچ لے گا	ہر	نفس	جو

اَسْلَفَتْ	وَ	رُدُّوْٓا	اِلَى اللّٰهِ	مَوْلٰىهُمُ	الْحَقِّ
اس نے آگے بھیجا	اور	وہ لوٹائے جائیں گے	اللہ کی طرف	جو ان کا مالک ہے	حقیقی

وَضَلَّ	عَنْهُمْ	مَّا	كَانُوْا	يَفْتَرُوْنَ ﴿٣٠﴾
اور گم ہو جائے گا	ان سے	جو	ہیں	وہ افترا باندھتے رہے

تمہاری عبادت سے یقیناً بے خبر تھے۔''(۲۹)''اس موقع پر ہر شخص جانچ لے گا جو اس نے آگے بھیجا اور وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا حقیقی مالک ہے اور ان سے گم ہو جائے گا جو وہ افتراء باندھتے رہے۔''(۳۰)

اللہ تعالیٰ کا قیامت کے دن معبودان باطل سے سوال کرنا اور ان کا جواب:

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَاءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ○ قَالُوْا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِيْ لَنَا اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا ○﴾[الفرقان:۱۷۔۱۸]

''اور جس دن اللہ انہیں اور جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے اکٹھا کرے گا تو اُن سے سوال کرے گا کیا تم نے میرے بندوں کو گمراہ کیا تھا یا خود ہی وہ راہ راست سے بھٹک گئے تھے وہ کہیں گے تیری ذات پاک ہے ہمارے لیے لائق نہیں تھا کہ ہم تیرے سوا کسی کو کارساز بناتے تو نے انہیں اور ان کے آباء کو فوائد عطا فرمائے یہاں تک کہ وہ تیری یاد کو بھول گئے یہ تھے ہی ہلاک ہونے کے قابل۔''

معبودوں کی دوسری قسم:

دوسرے وہ لوگ ہوں گے جو ولایت کے پردے اور بزرگی کے لبادے میں شرک کی تلقین کرتے تھے یا انہوں نے زندگی میں ایسا انداز اختیار کیا جس سے شرک و بدعت کے دروازے کھلے وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے انکار کریں گے۔ لیکن انہیں ان کے مریدوں کے ساتھ جہنم رسید کیا جائے گا۔

تیسرے بے جان معبود جیسے پتھر وغیرہ کے بت انہیں بھی جہنم میں جلایا جائے گا۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پتھروں کو نطق کی طاقت دے گا یہ بول کر کہیں گے کہ ہم تو بے حس اور بے جان تھے تم ہماری نہیں بلکہ شیطان کی عبادت کرتے تھے۔ اس طرح ہر شخص اپنے کیے کو جان لے گا۔ ان کا معاملہ ان کے معبودوں کے حوالے ہونے کی بجائے مالکِ حقیقی کے سپرد

ہوگا یعنی اللہ کے سوا کوئی بھی ان کی مدد نہیں کر سکے گا۔ جو دنیا میں ایک دوسرے کو جھوٹی تسلیاں دیتے تھے اور اللہ کے سوا جن کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے سب کچھ بھول جائیں گے۔

مسائل

١۔ قیامت کے دن اللہ سب کو جمع فرمائے گا۔ ٢۔ مشرکوں کو اپنی جگہ پر ٹھہرے رہنے کا حکم دیا جائے گا۔

٣۔ مشرک اور ان کے معبودوں کے درمیان پھوٹ پڑ جائے گی۔ ٤۔ معبودان اپنی عبادت کا انکار کردیں گے۔

٥۔ قیامت کے دن ہر کسی کو اس کے اعمال کا پتہ چل جائے گا۔

٦۔ قیامت کے دن ہر کسی نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے۔

٧۔ قیامت کے دن معبودان باطل غائب ہو جائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

جہنمیوں کا اپنے معبودوں سے بحث و تکرار:

١۔ قیامت کے دن معبودانِ باطل اپنی عبادت کا انکار کر دیں گے۔ (یونس: ٢٨)

٢۔ قیامت کے دن مشرک اپنے شرکاء کو دیکھ کر کہیں گے کہ ہم ان کی عبادت کرتے تھے اور معبود انکار کردیں گے۔ (النحل: ٨٦)

٣۔ قیامت کے دن مشرک اپنے معبودان کو دیکھ کر کہیں گے ہمیں یہ گمراہ کرنے والے تھے۔ (القصص: ٦٣)

٤۔ قیامت کے دن پیر اپنے مریدوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ (البقرۃ: ١٦٦)

٥۔ اس دن اللہ مشرکوں سے فرمائے گا میرے شریک کہاں ہیں وہ کہیں گے ہم میں سے کوئی اس کا دعویدار نہیں۔ (حٰم السجدۃ: ٤٧)

٦۔ قیامت کے دن مشرکوں سے کہا جائیگا اپنے معبودوں کو پکارو لیکن ان کے معبودان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دیں گے۔ (الکھف: ٥٢)

٧۔ جہنم میں داخل ہونے والے اپنے سے پہلوں کو دیکھ کر کہیں گے۔ ہمیں گمراہ کرنے والے یہی لوگ تھے انہیں دوگنا عذاب دیا جائے۔ (الاعراف: ٣٨)

قُلْ	مَنْ	يَّرْزُقُكُمْ	مِّنَ	السَّمَآءِ	وَ	الْاَرْضِ
فرما دیجیے	کون	وہ رزق دیتا ہے تمہیں	سے	آسمان	اور	زمین
اَمَّنْ	يَّمْلِكُ	السَّمْعَ	وَ	الْاَبْصَارَ	وَ	مَنْ
یا کون ہے	مالک ہے	سماعت	اور	بصارت	اور	کون
يُّخْرِجُ	الْحَيَّ	مِنَ	الْمَيِّتِ	وَ	يُخْرِجُ	الْمَيِّتَ
نکالتا ہے	زندہ	سے	مردہ	اور	وہ نکالتا ہے	مردہ
مِنَ	الْحَيِّ	وَمَنْ	يُّدَبِّرُ	الْاَمْرَ ط	فَسَيَقُوْلُوْنَ	اللّٰهُ ج
سے	زندہ	اور کون	تدبیر کرتا ہے	کاموں کی؟	تو وہ فوراً کہیں گے	اللہ

’’فرما دیں کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یا کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟ اور کون زندہ کو مردہ سے نکالتا اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور کون ہے جو ہر کام کی تدبیر کرتا ہے؟ تو وہ فوراً کہیں گے ’’اللہ‘‘

فہم القرآن

ربط کلام: مشرکین کو ان کے شرک کے بارے میں قیامت کے دن سوال ہوگا لیکن دنیا میں بھی ان سے سوال کیا جاتا ہے۔ ان کے پاس نہ قیامت کو اپنے شرک کا جواب ہوگا اور نہ دنیا میں جواب دے سکتے ہیں۔

اس سے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مشکل کشا ہونے کے دلائل دیئے تھے۔ جس کا اقرار مشرک صرف سمندری سفر میں بھنور میں پھنسنے کے وقت کرتے تھے۔ یہی مشرک اور مؤاحد کے درمیان فرق ہے۔ مشرک جب اپنے مشکل کشاؤں سے مایوس ہو جاتا ہے تب خالصتاً ایک اللہ کو پکارتا ہے، مؤاحد ہر حال میں ایک اللہ کو پکارتا ہے۔ اب توحید کے وہ دلائل دیے جاتے ہیں۔ جن کا مشرک ہر حال میں اقرار کرتے ہیں۔ چنانچہ رسول محترم ﷺ اور ہر مؤاحد کو کہا گیا ہے کہ آپ ان سے سوال کریں کہ زمین و آسمان سے تمہیں کون رزق دینے والا ہے؟ پھر ان سے پوچھیں کس نے تمہیں سننے کے لیے کان، دیکھنے کے لیے آنکھیں عطا فرمائیں؟ کون ہے جو زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ کو پیدا کرتا ہے؟ پھر پوری کائنات کے نظام کو سنبھالنے اور چلانے والا کون ہے؟ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ صرف اللہ ہی سب کچھ کرنے اور کائنات کا نظام چلانے والا ہے۔ ان سے پوچھیں پھر تم کیوں نہیں اللہ سے ڈر کر شرک و کفر چھوڑتے؟ لوگو! یہ ہے تمہارا ’’اللہ‘‘ اس کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا یا کسی کو اللہ کی ذات کے ساتھ کسی اعتبار سے شریک بنانا گمراہی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ پھر کیوں زیادتی کرتے ہو۔ توحید فطرت کی آواز ہے۔ اس لیے انسان کو اس کا اقرار کیے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور کا مشرک توحید کے ٹھوس اور واضح دلائل کے

فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٣١﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا

تو فرما دیجیے | کیا پھر نہیں | تم ڈرتے | بس یہی ہے تمہارا | اللہ | رب تمہارا | سچا | پھر کیا ہے

بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿٣٢﴾ كَذٰلِكَ

بعد | حق کے | سوائے | گمراہی کے | پھر کہاں | تم پھیرائے جاتے ہو؟ | اسی طرح

حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ

ثابت ہوگئی | بات | آپ کا رب | پر | لوگوں | نافرمانی کی | کہ بے شک وہ

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾

نہیں | ایمان لائیں گے

تو فرمادیں پھر کیا تم ڈرتے نہیں؟'' (۳۱) ''سواللہ ہی تمھارا سچا رب ہے۔ پھر سچ کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ بس تم کہاں پھیرے جاتے ہو۔'' (۳۲) ''اسی طرح ان لوگوں پر جونافرمان ہیں، تیرے رب کی بات سچ ثابت ہوگئی کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔'' (۳۳)

سامنے خاموش ہوجاتا ہے۔ یہی حالت مکہ کے مشرکین کی تھی جب ان سے اللہ تعالیٰ کے خالق، مالک، رازق اور قادرِ مطلق ہونے کے بارے میں سوال کیا جاتا تو وہ برملا اس کا اقرار اور اظہار کرتے تھے۔

یہاں ان کے اقرار کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن مشرکین کا یہ اقرار لاجواب ہونے کی صورت میں ہے۔ ایمان لانے کی نیت سے نہیں کیونکہ مشرک حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کا منکر ہوتا ہے۔ اس لیے مشرک کو کافر بھی کہا گیا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مشرک اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کرتا ہے:

۱۔ مشرک سے سوال کیا جائے کہ آسمان وزمین سے رزق کون دیتا ہے کہتے ہیں اللہ ہی رزق دیتا ہے۔ (یونس:۳۱)

۲۔ مشرکین سے پوچھا جائے مخلوق کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ جواب دیتے ہیں اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے۔ (یونس:۳۴)

۳۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ زمین وآسمان کا خالق کون ہے؟ کہتے ہیں اللہ ہی ہے۔ (الزمر:۳۸)

۴۔ مشرکوں سے پوچھا جائے سات آسمانوں اور عرشِ عظیم کا مالک کون؟ جواباً کہتے ہیں، اللہ ہی ہے۔ (المومنون:۸۶۔۸۷)

۵۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ ہر چیز پر بادشاہت کس کی ہے؟ جواب دیتے ہیں اللہ کی ہے۔ (المومنون:۸۸۔۸۹)

۶۔ یقیناً اگر تو ان سے پوچھے کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور سورج اور چاند کو مسخر کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، فرمائیں پھر کہاں سے بہکائے جارہے ہیں۔ (العنکبوت:۶۱)

قُلۡ هَلۡ مِنۡ شُرَكَآئِكُمۡ مَّنۡ يَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ
فرمادیجیے کیا سے تمھارے شریکوں جو پہلی بار پیدا کرے مخلوق کو

ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ
پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا فرمادیجیے اللہ پہلی بار پیدا کرتا ہے مخلوق کو پھر

يُعِيۡدُهٗ فَاَنّٰى تُؤۡفَكُوۡنَ ۝٣٤ قُلۡ هَلۡ مِنۡ شُرَكَآئِكُمۡ
وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا پھر کہاں سے تم بہکائے جاتے ہو؟ فرمادیجیے کیا سے تمھارے شریکوں

مَّنۡ يَّهۡدِيۡۤ اِلَى الۡحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهۡدِيۡ
جو ہدایت دیتا ہے طرف حق فرمادیجیے اللہ ہدایت دیتا ہے

”فرمادیجیے کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو پہلی بار پیدا کرے مخلوق کو پھر اسے دوبارہ پیدا کرے فرمادیں اللہ ہی پہلی بار پیدا کرتا ہے وہی دوسری بار پیدا کرے گا، تو تم کہاں بہکائے جاتے ہو؟“ (٣٤) ”فرمادیں کیا تمھارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرے؟ فرمادیں اللہ حق کے لیے رہنمائی کرتا ہے

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ توحید کے دلائل اور مشرکین سے سوالات جاری ہیں۔

اب باطل معبودوں کے بارے میں براہِ راست پوچھا جا رہا ہے کہ تمہارے معبودانِ باطل میں سے کون ہے جس نے ابتدا میں اس کائنات کو پیدا کیا اور پھر اسے دوبارہ وجود بخشے گا؟ ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں تھا اور ہمیشہ اس کا جواب نفی میں ہی رہے گا۔ لہٰذا نبی اکرم ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ بے دھڑک فرمائیں کہ اللہ ہی نے انھیں پہلی مرتبہ بغیر نمونے کے پیدا فرمایا اور وہی دوبارہ انھیں پیدا کرے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کو ان کا خالق اور دوبارہ پیدا کرنے والا مانتے ہو تو پھر کہاں بھٹکے پھرتے ہو؟ جب پیدا کرنے والا اور تمہیں اپنے ہاں لوٹانے والا بھی ایک اللہ ہی ہے۔ پھر تمہارے معبودانِ باطل کہاں سے آٹپکے اور ان کا کیا اختیار ہے۔ جس بنا پر تم انہیں حاجت روا، مشکل کشا اور داتا و دستگیر کہتے ہو۔ مزید برآں سوال یہ ہے کہ تمہارے معبودوں میں کوئی ہے جو تمہاری حق کی طرف راہنمائی کر سکے۔ یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ پتھر، مٹی اور لکڑی کے بت ہدایت کی راہنمائی نہیں کر سکتے۔ نہ فرشتے اور جنات اور نہ ہی سورج، چاند، ستارے ہدایت کا راستہ دکھا سکتے ہیں۔ جہاں تک انبیاء اور اولیاء کا تعلق ہے۔ صراط مستقیم کی طرف رہنمائی تو کر سکتے ہیں مگر کسی کو ہدایت پر گامزن نہیں کر سکتے۔ جب وہ فوت ہو گئے تو ان کا تعلق دنیا سے ٹوٹ گیا۔ اب وہ بھی کسی کی رہنمائی اور مدد نہیں کر سکتے۔ لہٰذا صرف اللہ ہی ہے جو ہدایت کی رہنمائی

لِلْحَقِّ ؕ	اَفَمَنْ	يَّهْدِيْٓ	اِلَى	الْحَقِّ	اَحَقُّ	اَنْ
حق کی	کیا پھر جو	ہدایت دیتا ہے	طرف	حق	زیادہ حقدار ہے	یہ کہ
يُّتَّبَعَ	اَمَّنْ	لَّا	يَهِدِّيْٓ	اِلَّآ	اَنْ	يُّهْدٰى ۚ
اتباع کیے جانے کا	یا وہ جو	نہیں ہے	خود ہدایت یافتہ	مگر	یہ کہ	ہدایت دیا جانا
فَمَا	لَكُمْ ۣ	كَيْفَ	تَحْكُمُوْنَ ۝٣٥	وَمَا	يَتَّبِعُ	اَكْثَرُھُمْ
چنانچہ کیا ہے	تمھیں	کیسے	تم فیصلہ کرتے ہو؟	اور نہیں	وہ اتباع کرتے	ان کے اکثر
اِلَّا	ظَنًّا ۭ	اِنَّ	الظَّنَّ	لَا	يُغْنِيْ	مِنَ
مگر	گمان کی	یقیناً	گمان	نہیں	فائدہ دیتا	سے
الْحَقِّ	شَيْـــًٔا ۭ	اِنَّ	اللّٰهَ	عَلِيْمٌۢ	بِمَا	يَفْعَلُوْنَ ۝٣٦
حق	کچھ بھی	بے شک	اللہ	خوب جاننے والا ہے	بسبب اس کے	وہ کررہے ہیں

تو کیا جو حق کی طرف رہنمائی کرے وہ زیادہ حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود اس کے سوا راستہ کی راہنمائی نہیں پاتا کہ اسے راستہ بتایا جاتا؟ تو تمھیں کیا ہے، کیسے فیصلہ کرتے ہو؟" (۳۵) "ان میں سے اکثر گمان کے سوا کسی چیز کی پیروی نہیں کرتے۔ یقیناً گمان حق کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا۔ یقیناً اللہ اچھی طرح جاننے والا ہے جو وہ کررہے ہیں۔" (۳۶)

کرتا ہے اور اس پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔ اب بتاؤ جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرے اس کی اتباع اور حکم ماننا چاہیے یا جو کسی کی رہنمائی کرنے کی بجائے خود رہنمائی کا محتاج ہو۔ اس کی اتباع کرنی چاہیے۔ ذرا سوچو کہ تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟ ظاہر ہے۔ پیروی تو اس کی کرنی چاہیے جو ہدایت کی راہنمائی کرتا ہے اور خود ہدایت والا ہے۔

درحقیقت تم محض فرسودہ خیالات، صرف سنی سنائی باتوں اور اپنے وہم و گمان کے پیچھے لگے ہوئے ہو۔ لیکن یاد رکھو کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کررہے ہو۔

ظن کا معنی وہم و گمان، اٹکل پچو اور شک کے ہیں۔ البتہ عربی میں کبھی ظن، یقین کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہاں اس کا معنی اٹکل پچو اور وہم و گمان ہے۔

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِعَمِّهِ عِنْدَ الْمَوْتِ قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ أَشْهَدُ لَكَ بِهَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَأَبٰی فَأَنْزَلَ اللّٰهُ "إِنَّکَ لَا تَهْدِی مَنْ أَحْبَبْتَ......الْآیَةَ))[رواہ مسلم: کتاب الایمان]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کو موت کے وقت کہا لا الٰہ الا اللہ کہہ دو! میں قیامت کے دن اس بات کی گواہی دوں گا۔ لیکن اس نے انکار کردیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت

نازل فرمائی: آپ اسے ہدایت نہیں دے سکتے جس کے لیے آپ ہدایت پسند کریں۔''

مسائل

۱۔ معبودانِ باطل میں سے کوئی بھی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرنے اور دوبارہ لوٹانے پر قادر نہیں ہے۔

۲۔ اللہ ہی نے مخلوق کو پیدا کیا وہی اس کو دوبارہ وجود بخشے گا۔

۳۔ مشرکین کے شریکوں میں کوئی ایسا نہیں جو حق کی طرف رہنمائی کر سکے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

۵۔ حق کی طرف رہنمائی کرنے والا ہی پیروی کا حقدار ہوتا ہے۔

۶۔ جس کو خود راستے کا علم نہیں وہ دوسرے کو کیا راستہ دکھلائے گا۔

۷۔ شرک کا عقیدہ عدل وانصاف کے اصولوں کے خلاف ہے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے افعال کو جاننے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کی تخلیق میں کوئی شریک نہیں:

۱۔ کیا تمہارے شرکاء میں سے کوئی ایسا ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ (یونس: ۳۴)

۲۔ یہ اللہ کی پیدا کردہ مخلوق ہے جو تمہارے معبودوں نے پیدا کیا ہے۔ وہ دکھلاؤ۔ (لقمان: ۱۱)

۳۔ کیا تم ان کو اللہ کا شریک بناتے ہو جنہوں نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا۔ (الاعراف ۱۹۱)

۴۔ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو انہوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ (النحل: ۲۰)

۵۔ جن کو تم نے اللہ کے سوا معبود بنا لیا ہے انہوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی بلکہ انہیں پیدا کیا گیا ہے۔ (الفرقان: ۳)

۶۔ کہہ دیجیے جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے دکھاؤ انہوں نے کون سی چیز پیدا کی ہے۔ (الاحقاف: ۴)

۷۔ کیا یہ لوگ بغیر کسی کے پیدا ہو گئے یا خود اپنے خالق ہیں۔ (الطور: ۳۵)

۸۔ کیا تم ان کے پیدا کرنے والے ہو یا اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے۔ (الواقعۃ: ۵۹)

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اور نہیں ہے یہ قرآن کہ خود بنانا غیر اللہ کی طرف سے

وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ
اور لیکن تصدیق ان کی جو اس سے پہلے اور تفصیل ہے

الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٧﴾
اس کتاب کی نہیں کوئی شک اس میں سے رب جہانوں

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ
کیا وہ کہتے ہیں خود اس کو بنایا فرما دیجیے پھر لے آؤ تم ایک ہی سورت اس جیسی

وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٨﴾
اور بلا لو تم جنھیں تم طاقت رکھتے ہو سوائے اللہ کے اگر ہو تم سچے

''اور یہ قرآن بنانا ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی خود بنا لے اور لیکن یہ اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے اور رب العالمین کی طرف سے تفصیل ہے اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔'' (۳۷) ''یا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے خود بنا لیا ہے؟ فرما دیں تو پھر تم بھی اس جیسی ایک سورت لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے بلا سکو بلا لو، اگر تم سچے ہو۔'' (۳۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح مشرکوں کے پاس باطل عقیدہ کی ٹھوس دلیل نہیں صرف سنی سنائی باتوں اور وہم وگمان پر بنیاد ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کا انکار اور نبی اکرم ﷺ پر الزام کہ قرآن مجید اپنی طرف سے بنا لیتے ہیں۔ اس کی بنیاد بھی وہم وگمان اور الزام تراشی کے سوا کچھ نہیں۔

کفارِ مکہ اور منکرین اسلام کی ابتدا سے ہی یہ کوشش رہی ہے کہ کسی طرح قرآن کو من گھڑت اور جھوٹا ثابت کیا جائے۔ تاکہ اسلام کی بنیاد منہدم ہو کر رہ جائے، کبھی کہتے کہ یہ نبی کسی عجمی سے سیکھ کر ہمیں بتلاتا ہے۔ کبھی یہ الزام دیتے کہ اپنی طرف سے بنا لیتا ہے۔ اس طرح ان کی سرتوڑ کوشش تھی کہ یہ ثابت کیا جائے کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے۔ ان کا خیال تھا اور ہے کہ قرآن کے غلط ثابت ہونے سے نبوت کا قصہ خود بخود پاک ہو جائے گا۔ جس طرح منکرین حدیث رسول ﷺ کی حدیث کو بے سند اور غلط ثابت کرنے کے لیے مختلف بہانے اور افسانے تراشتے ہیں۔ تاکہ شریعت کے زیادہ حصہ سے جان چھوٹ جائے بظاہر مسلمان بھی رہیں اور اپنی مرضی بھی چلتی رہے۔ قرآن مجید کو منجانب اللہ ثابت کرنے کے لیے یہاں تین ثبوت

دیے گئے ہیں۔

۱۔ قرآن مجید توراۃ اورانجیل کی تصدیق کرتا ہے۔ اگر تمہارے پاس اصلی تورات اورانجیل ہے تو قرآن مجید کے دلائل اور حوالہ جات کا تورات اورانجیل کے ساتھ مقابلہ کرو۔ تمہیں معلوم ہوجائے گا جو کچھ توراۃ اورانجیل میں ہے وہی قرآن مجید میں ہے۔ اسی طرح قرآن نہ انوکھی تعلیم دیتا ہے اور نہ ہی اس میں کوئی غلط بیانی کی گئی ہے۔ جب قرآن میں تمہاری کتابوں کی تصدیق پائی جاتی ہے تو اس کی مخالفت اور تکذیب کرنے کا کیا معنیٰ؟

۲۔ قرآن مجید نے مستقبل کے حوالے سے جو پیش گوئیاں کی ہیں اگر ان میں کوئی ایک بھی جھوٹی ثابت ہوئی ہے تو ثبوت پیش کرو۔

۳۔ اگر پھر بھی تمہیں قرآن کے من جانب اللہ ہونے کا یقین نہیں آرہا ہے تو جاؤ تم اس جیسی جونسی چاہو، ایک سورہ بنالاؤ اس میں تمہیں یہ بھی رعایت دی جاتی ہے کہ زندہ اور مردہ شاعروں، ادیبوں، دانشوروں اور سخن وروں، جنوں، شیطانوں غرضیکہ جس جس سے مدد لے سکتے ہو لے لو اور اس جیسی ایک سورت ہی بنالاؤ۔

سورۃ البقرۃ آیت ۲۴ میں سمجھایا گیا ہے۔ کہ تم کبھی ایسا نہیں کرسکو گے لہٰذا جہنم کی آگ سے بچو جس میں پتھر اور خدا کی باغی اور قرآن کے منکروں کو جھونکا جائے گا۔

مسائل

۱۔ جن وانس مل کر بھی قرآن مجید کی ایک سورۃ جیسی سورۃ نہیں لاسکتے۔ ۲۔ قرآن کریم پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔

۳۔ قرآن مجید کے احکام تفصیلی ہیں۔ ۴۔ قرآن کریم لاریب کتاب ہے۔

۵۔ قرآن مجید رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن کے چیلنج:

۱۔ اے جن وانس! تم سب مل کر اس قرآن جیسا قرآن لے آؤ۔ (بنی اسرائیل: ۸۸)

۲۔ سارے مل کر دس سورتیں بنالاؤ۔ (ہود: ۱۳)

۳۔ ایک سورۃ اس کی مثل لے آؤ۔ (یونس: ۳۸)

۴۔ جن وانس مل کر قیامت تک ایک سورۃ بھی اس جیسی نہیں بنا سکتے۔ (البقرۃ: ۲۳۔۲۴)

بَلْ	كَذَّبُوْا	بِمَا	لَمْ	يُحِيْطُوْا	بِعِلْمِهٖ	وَ
بلکہ	انھوں نے جھٹلایا	ایسی چیز کو	نہیں	احاطہ کیا انھوں نے	اس کو جاننے کا	اور
لَمَّا	يَاْتِهِمْ	تَاْوِيْلُهٗ ؕ	كَذٰلِكَ	كَذَّبَ	الَّذِيْنَ	مِنْ
ابھی تک نہیں	آئی تھی ان کے پاس	اس کی حقیقت	اسی طرح	جھٹلایا تھا	ان لوگوں نے جو	سے
قَبْلِهِمْ	فَانْظُرْ	كَيْفَ	كَانَ	عَاقِبَةُ	الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾	وَ
ان سے پہلے تھے	پھر دیکھیے	کیسا	ہوا	انجام	ظالموں کا؟	اور
مِنْهُمْ	مَّنْ	يُّؤْمِنُ	بِهٖ	وَمِنْهُمْ	مَّنْ	لَّا
بعض ان میں سے	وہ ہیں جو	ایمان لاتے ہیں	اس کے ساتھ	اور بعض ان میں سے	وہ ہیں جو	نہیں
يُؤْمِنُ	بِهٖ ؕ	وَ	رَبُّكَ	اَعْلَمُ	بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ ع	
ایمان لاتے	اس کے ساتھ	اور	آپ کا رب	خوب جانتا ہے	فساد کرنے والوں کو	

''بلکہ انھوں نے اس چیز کو جھٹلا دیا جس کے علم پر انھوں نے احاطہ نہیں کیا، حالانکہ اس کی حقیقت ان کے پاس نہیں آئی تھی۔ اسی طرح ان لوگوں نے جھٹلایا جو ان سے پہلے تھے۔ پھر دیکھیے ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔'' (۳۹) ''اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اس پر ایمان نہیں لاتے اور آپ کا رب فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے۔'' (۴۰)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار اور مخالفین نبوت کی قرآن مجید کے بارے میں جہالت۔

قرآن مجید کے بارے میں یہ کہنا کہ نبی کا بنایا ہوا ہے۔ حقیقتاً قرآن کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ جھٹلانے کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی جہالت اور کم فہمی کی وجہ سے قرآن مجید کی سچائی اور عظمت کا ادراک نہیں کر سکے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے جس ہولناک عذاب سے انہیں ڈرایا ہے اس میں یہ لوگ ابھی تک مبتلا نہیں ہوئے۔ حالانکہ تاریخ کا مطالعہ کرتے اور اپنے سے پہلی اقوام کا انجام دیکھتے تو انہیں قرآن کی سچائی اور اس کی عظمت کا علم ہو جاتا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام ہے۔ اگر ہم نے اس کا انکار کیا تو ہمارے ساتھ بھی وہ کچھ ہوگا جو ہم سے پہلے ظالموں کے ساتھ ہوا ہے۔ بہر حال ان میں کچھ لوگ ایمان لائیں گے اور کچھ لوگ ہرگز نہیں مانیں گے۔ اے رسول (ﷺ)! آپ کا رب ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ اگر ان کے ظلم کے باوجود ان پر گرفت نہیں کر رہا ہے تو یہ اس کا اصول ہے کہ وہ ایک مدت تک ظالموں کو مہلت دیا کرتا ہے۔ تاکہ انہیں

ظلم وتعدی کرنے میں کوئی حسرت نہ رہے۔ دوسری طرف ایمان والوں کو اچھی طرح پرکھ لیا جائے کہ وہ اپنے دعویٰ ایمان میں کس حد تک سچے اور لوگوں کے لیے کس قدر قابل عمل نمونہ ثابت ہوتے ہیں۔

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ [آل عمران:۱۷۸]

”کافر لوگ ہرگز یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ ہم جو انہیں ڈھیل دے رہے ہیں یہ ان کے حق میں بہتر ہے بلاشبہ ہم انہیں صرف اس لیے ڈھیل دیتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ گناہ کرلیں اور ان کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا۔“

مسائل

۱۔ اس بات کو نہیں جھٹلانا چاہیے جس بات کا علم انسان کے احاطہ معلومات سے باہر ہو۔

۲۔ اللہ کی کتابوں کی تکذیب پہلے لوگ بھی کیا کرتے تھے۔

۳۔ قرآن مجید کی تکذیب کرنے والوں کو پہلے لوگوں کا انجام سامنے رکھنا چاہیے۔

۴۔ کتاب اللہ پر ایمان لانے اور نہ لانے والے دونوں ہی ہمیشہ سے موجود ہیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ مفسدین کو اچھی طرح جانتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

فساد کرنے والے لوگ اور ان کا انجام:

۱۔ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ (یونس:۴۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کی اصلاح نہیں فرماتا۔ (یونس:۸۱)

۳۔ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (القصص:۷۷)

۴۔ فساد کرنے والوں کا انجام دیکھیے۔ (النمل:۴۱)

۵۔ فساد کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے اور آخرت میں ان کا بدترین ٹھکانہ ہے۔ (الرعد.۲۵)

۶۔ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ (البقرۃ:۲۰۵)

۷۔ فساد پھیلانے والوں کو قتل کردیا جائے یا سولی پر لٹکا دیا جائے۔ (المائدۃ:۳۳)

وَ اِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلۡ لِّىۡ عَمَلِىۡ وَ لَكُمۡ عَمَلُكُمۡ‌ۚ
اور اگر آپ کو جھٹلا دیا تو آپ فرمادیں میرے لیے میرا عمل ہے اور تمھارے لیے تمھارا عمل

اَنۡتُمۡ بَرِيۡٓـُٔوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَ اَنَا بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۱﴾
تم بری ہو اس سے جو میں عمل کرتا ہوں اور میں بری ہوں اس سے جو تم عمل کرتے ہو

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُوۡنَ اِلَيۡكَ‌ؕ اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ
اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو کان لگاتے ہیں آپ کی طرف کیا آپ سنا سکتے ہیں بہروں کو

وَلَوۡ كَانُوۡا لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡظُرُ
اگرچہ ہیں وہ نہ عقل رکھتے؟ اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو دیکھتے ہیں

''اور اگر انہوں نے جھٹلا دیا تو فرمادیں کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمھارے لیے تمھارا عمل ہے، تم اس سے بری ہو جو میں کرتا ہوں اور میں اس سے بری ہوں جو تم کر رہے ہو۔'' (۴۱) ''اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، تو کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں، جو سمجھ نہ رکھتے ہوں۔'' (۴۲) ''اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں،

فہم القرآن

ربط کلام: قرآن مجید کا انکار کرنے والے حقیقت میں بہرے اور اندھے ہیں ان کو ان کے حال پر چھوڑنا ہی بہتر ہے۔

منکرین قرآن کو بار بار چیلنج دیا گیا کہ اگر تم یہ الزام لگانے میں سچے ہو کہ رسول ﷺ نے قرآن مجید اپنی طرف سے بنالیا ہے تو پھر تم اس جیسی ایک سورت بنالاؤ۔ لیکن اس چیلنج کا جواب دینے کی بجائے وہ یہی ہرزہ سرائی کرتے رہے۔ جس پر مزید بحث کرنے اور چیلنج دینے کی بجائے نبی اکرم ﷺ کو یہ حکم ہوا کہ آپ ان سے یہ کہہ کر بے مقصد بحث سے دامن بچائیں کہ میرے لیے میرا عمل اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے۔ قیامت کے روز ہر کوئی اپنے عمل اور کردار کا انجام دیکھ لے گا۔ لہٰذا تمہیں ہمارے عمل کے بارے میں پوچھ گچھ نہیں ہوگی اور ہمیں تمہارے کردار کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ ہر کسی نے اپنے کیے کا صلہ پانا ہے۔

اے نبی ﷺ! ان میں ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو بظاہر آپ کی بات سنتے ہیں۔ جو نہ سننے کے برابر ہے۔ اس طرح جیسے وہ بہرے ہوں یہ اس لیے ہے کہ وہ توجہ کے ساتھ سننے اور اس پر غور وفکر کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو ظاہری آنکھوں سے آپ کی طرف دیکھتے ہیں مگر ان کے دل کی آنکھیں بند ہو چکی ہیں۔ گویا کہ یہ بصیرت سے محروم ہیں۔ اس لیے آپ دل کے اندھوں کو ہدایت کی طرف نہیں لا سکتے۔ درحقیقت انہوں نے ظلم کر کے اپنے آپ پر گمراہی مسلط کر لی ہے۔

اِلَيْكَ ؕ	اَفَاَنْتَ	تَهْدِي	الْعُمْيَ	وَلَوْ	كَانُوْا	لَا
آپ کی طرف	کیا پس آپ	راہ دکھا سکتے ہیں	اندھوں کو	اگرچہ	ہیں وہ	نہ
يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾	اِنَّ	اللّٰهَ	لَا	يَظْلِمُ	النَّاسَ	شَيْـًٔا
وہ دیکھتے؟	یقیناً	اللہ	نہیں	وہ ظلم کرتا	لوگوں پر	کچھ بھی
وَّلٰكِنَّ	النَّاسَ	اَنْفُسَهُمْ	يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾			
اور لیکن	لوگ	اپنے آپ پر	وہ ظلم کرتے ہیں			

تو کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھا سکتے ہیں، اگر چہ وہ نہ دیکھتے ہوں۔'' (۴۳) ''یقیناً اللہ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا اور لیکن لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔'' (۴۴)

اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔قرآن مجید نے منکرین حق کے بارے میں یہ وضاحت بھی فرمائی ہے:

﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ اٰذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾[الحج:٤٦]

''کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل ایسے ہو جاتے جو کچھ سمجھتے سوچتے اور کان ایسے جن سے وہ کچھ سن سکتے بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، اندھے تو دل ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔''

ان کے بارے میں سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ﴾[الاعراف:١٧٩]

''ہم نے جہنم کے لیے بہت سی مخلوق جنوں اور انسانوں سے پیدا کی۔ان لوگوں کو دل دیے گئے مگر وہ ان سے سوچتے نہیں ان کو آنکھیں عطا ہوئیں ان سے دیکھتے نہیں ان کے کان موجود ہیں مگر ان سے سنتے نہیں یہ لوگ چوپایوں سے بھی بدتر اور اپنے انجام سے غافل ہیں۔''

((عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِيْمَا يَرْوِیْ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اَنَّهٗ قَالَ يَا عِبَادِیْ اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ وَجَعَلْتُهٗ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا يَا عِبَادِیْ كُلُّكُمْ ضَآلٌّ اِلَّا مَنْ هَدَيْتُهٗ فَاسْتَهْدُوْنِیْ اَهْدِكُمْ يَا عِبَادِیْ كُلُّكُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُهٗ فَاسْتَطْعِمُوْنِیْ

اُطۡعِمۡکُمۡ یَا عِبَادِیۡ کُلُّکُمۡ عَارٍ اِلَّا مَنۡ کَسَوۡتُهٗ فَاسۡتَکۡسُوۡنِیۡ اَکۡسُکُمۡ یَا عِبَادِیۡ اِنَّکُمۡ تُخۡطِئُوۡنَ بِاللَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَاَنَا اَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا فَاسۡتَغۡفِرُوۡنِیۡ اَغۡفِرۡ لَکُمۡ))

[رواہ مسلم: کتاب البر والصلة ، باب تحریم الظلم]

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنی ذات پر حرام کرلیا ہے اور تمہارے درمیان بھی ظلم ناجائز قرار دیا ہے۔ اس لیے ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔ میرے بندو! تم میں سے ہر ایک گمراہ ہے ماسوا اس کے جس کو میں ہدایت سے سرفراز کروں۔ پس تم مجھ سے ہدایت مانگو میں تمہیں ہدایت دوں گا' تم میں سے ہر ایک بھوکا ہے سوائے اس کے جس کو میں کھلاؤں۔ پس تم مجھ سے کھانا مانگو میں تمہیں کھلاؤں گا۔ میرے بندو! تم سب ننگے ہو سوائے اس کے جس کو میں پہنادوں گا۔ پس تم مجھ سے پہناوا طلب کرو میں تمہیں پہناؤں گا۔ میرے بندو! تم رات دن گناہ کرتے ہو' میں تمام گناہوں کو بخش دینے والا ہوں۔ مجھ سے بخشش طلب کرو' میں تمہیں بخش دوں گا۔''

مسائل

۱۔ قرآن مجید جھٹلانے والوں کو ان کے جھوٹ کی سزا مل کر رہے گی۔

۲۔ ہر کسی کو اس کے اعمال کے مطابق جزا وسزا ملے گی۔

۳۔ جسے اللہ نہ سنانا چاہے اسے کوئی نہیں سنا سکتا۔

۴۔ جسے اللہ راہ نہ دکھانا چاہے اسے کوئی راہ نہیں دکھلا سکتا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

۶۔ لوگ اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحم کرتا ہے زیادتی نہیں کرتا:

۱۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں۔ (یونس: ۴۴)

۲۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ایک ذرہ کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ (النساء: ۴۰)

۳۔ ہر شخص اپنے اعمال کو حاضر پائے گا اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ (الکھف: ۴۹)

۴۔ قیامت کے دن ہر کسی کو اس کے اعمال کا صلہ دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ (المومن: ۱۷)

وَ	يَوْمَ	يَحْشُرُهُمْ	كَاَنْ	لَّمْ	يَلْبَثُوْٓا	اِلَّا
اور	جس دن	وہ انھیں اکٹھا کرے گا	گویا کہ	نہ	ٹھہرے تھے وہ	مگر
سَاعَةً	مِّنَ	النَّهَارِ	يَتَعَارَفُوْنَ	بَيْنَهُمْ ط	قَدْ	
ایک گھڑی	سے	دن	وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے	آپس میں	بے شک	
خَسِرَ	الَّذِيْنَ	كَذَّبُوْا	بِلِقَآءِ	اللّٰهِ	وَمَا	كَانُوْا
خسارہ پایا	لوگوں نے	جنھوں نے جھٹلایا	ملاقات کو	اللہ	اور نہ	تھے وہ
مُهْتَدِيْنَ ﴿٤٥﴾	وَاِمَّا	نُرِيَنَّكَ	بَعْضَ	الَّذِيْ	نَعِدُهُمْ	
ہدایت والے	اور اگر	ہم دکھا دیں آپ کو	بعض	وہ کہ	ہم وعدہ کرتے ہیں ان سے	

”اور جس دن وہ انھیں اکٹھا کرے گا گویا وہ نہیں ٹھہرے مگر دن کی ایک گھڑی، وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔ بے شک وہ لوگ خسارے میں رہے جنھوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور نہ ہوئے ہدایت پانے والے۔“ (٤٥) ”اور اگر کبھی ہم آپ کو اس کا کچھ حصہ دکھلا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں

فہم القرآن

ربط کلام: ظالموں کا انجام۔

قرآن مجید کا انکار اور سرورِ دو عالم ﷺ سے تکرار کرنے کی بنیادی وجہ آخرت کا انکار تھا۔ جس آدمی کا یہ عقیدہ ہو کہ میں نے مرنے کے بعد اٹھ کر رب ذوالجلال کی عدالت میں پیش ہونا ہے ایسا شخص زیادہ عرصہ تک قرآن مجید کے حقائق اور صاحب قرآن کی نبوت کا انکار نہیں کر سکتا۔ یہ بے باکی اور غفلت اسی شخص میں پیدا ہوا کرتی ہے جو اپنے رب کی ملاقات کا عملاً یا اعتقاداً منکر ہو۔ اس بناء پر منکرین قرآن کو احساس دلایا جا رہا ہے کہ اس دن کو یاد کرو۔ جب سب کو اکٹھا کیا جائے گا تم ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچانو گے۔ باوجود اس کے کہ تم ایک عرصہ تک دنیا میں رہے مگر قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھ کر تمہاری کیفیت یہ ہوگی کہ تم یہ خیال کرو گے کہ ہم دنیا میں چند گھڑیوں کے سوا نہیں ٹھہرے۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو جھٹلانے والے نقصان میں رہیں گے اور ایسے لوگ ہدایت سے محروم ہوتے ہیں۔ انہیں عذاب کی دھمکی دی جائے یا بُرے انجام سے ڈرایا جائے تو آپ ﷺ سے اس کا مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ عذاب جلد آنا چاہیے انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو آپ کی زندگی میں یہ اس سے دوچار ہوں گے۔ نہیں تو آپ کی وفات کے بعد ان کو وہ کچھ دکھلائے گا جس کا ان کے ساتھ قرآن کے الفاظ میں وعدہ کیا جاتا ہے۔ یقیناً یہ کام ہو کر رہے گا۔ انہیں

اَوۡ	نَتَوَفَّيَنَّكَ	فَاِلَيۡنَا	مَرۡجِعُهُمۡ	ثُمَّ	اللّٰهُ	شَهِيۡدٌ
یا	ہم وفات دیں آپ کو	تو ہماری طرف ہی	واپسی ہے ان کی	پھر	اللہ	گواہ ہے
عَلٰى	مَا	يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۴۶﴾	وَلِكُلِّ	اُمَّةٍ	رَّسُوۡلٌ	فَاِذَا
پر	جو	وہ کرتے ہیں	اور ہر	امت کے لیے	ایک رسول ہے	چنانچہ جب
جَآءَ	رَسُوۡلُهُمۡ	قُضِىَ	بَيۡنَهُمۡ	بِالۡقِسۡطِ	وَهُمۡ	لَا
وہ آ گیا	ان کا رسول	فیصلہ کر دیا گیا	ان کے درمیان	انصاف کے ساتھ	اور وہ	نہیں
يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۴۷﴾	وَ	يَقُوۡلُوۡنَ	مَتٰى	هٰذَا	الۡوَعۡدُ	اِنۡ
ظلم کیے جاتے ہیں	اور	وہ کہتے ہیں	کب ہوگا	یہ	وعدہ	اگر
كُنۡتُمۡ	صٰدِقِيۡنَ ﴿۴۸﴾					
ہو تم	سچے؟					

یا ہم آپ کو فوت کریں تو ہماری ہی طرف ان کا بھی لوٹ کر آنا ہے، اللہ اس پر اچھی طرح گواہ ہے جو وہ کر رہے ہیں۔'' (۴۶) '' اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہے تو جب ان کا رسول آتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور وہ ظلم نہیں کیے جاتے۔'' (۴۷) '' اور وہ کہتے ہیں یہ وعدہ کب پورا ہوگا، اگر تم سچے ہو۔'' (۴۸)

بہرصورت ہمارے پاس آنا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے ہر عمل اور بات پر گواہ ہے۔ درحقیقت ہر امت کے لیے رسول ہوتا ہے۔ جو انہیں کھول کھول کر اللہ تعالیٰ کے احکام سناتا اور اس کی نافرمانی سے ڈراتا ہے۔ جب لوگ رسول کی تکذیب کرتے ہیں تو ان کے درمیان نہایت عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ اس میں ان پر کوئی زیادتی نہیں کی جاتی۔ لہٰذا آپ انہیں سمجھاتے رہیں باوجود اس کے یہ جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ عذاب کا وعدہ کب پورا ہوگا۔

کفار کا مطالبہ:

﴿وَاِذۡ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنۡ كَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ فَاَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ○ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَاَنۡتَ فِيۡهِمۡ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمۡ وَهُمۡ يَسۡتَغۡفِرُوۡنَ ○﴾ [الانفال: ۳۲-۳۳]

''اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔ یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ اور نہیں اللہ ہے کہ انہیں عذاب دے کہ آپ ان میں ہیں اور اللہ انہیں کبھی عذاب دینے والا نہیں جبکہ وہ بخشش مانگتے ہوں۔''

مسائل

١۔ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں ایک پل کی مانند ہے۔
٢۔ قیامت کے دن لوگ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔
٣۔ قیامت کو جھٹلانے والے ناکام ہوں گے۔ ٤۔ آخرت کا انکار کرنے والے ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے۔
٥۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے اعمال پر گواہ ہے۔ ٦۔ اللہ تعالیٰ رسول بھیجنے کے بعد عدل وانصاف کا فیصلہ فرماتا ہے۔
٧۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ٨۔ کفار اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مطالبہ کیا کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

جہنمی قیامت کے دن ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچان لیں گے:

١۔ اس دن اللہ تعالیٰ انہیں جمع کرے گا اور وہ تصور کریں گے گویا کہ وہ دن کی ایک گھڑی ہی ٹھہرے ہیں اور وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔ (یونس: ٤٥)
٢۔ جب سارے جہنم میں جمع ہو جائیں گے تو پچھلے اگلوں کی نسبت کہیں گے انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ (الاعراف: ٣٨)
٣۔ تم پر اللہ کی مار تمہاری وجہ سے اس مصیبت کا ہمیں سامنا کرنا پڑا ہے۔ (ص: ٦٠)
٤۔ اے کاش آپ ان ظالموں کو دیکھتے جب وہ اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے کی بات کا جواب دیں گے۔ (سبا: ٣١)
٥۔ جب وہ جہنم میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو کمزور ان سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہ یقیناً ہم تو تمہارے پیچھے چلنے والے تھے، تو کیا تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو۔" (المومن: ٤٧)
٦۔ مجرم اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے۔ (الرحمٰن: ٤١)
٧۔ ظالموں اور ان کے ہم جنسوں اور جن کو وہ پوجتے تھے ان کو اکٹھا کیا جائے گا۔ پھر انہیں جہنم کے راستہ پر چلایا جائے گا۔ (الصّٰفّٰت: ٢٢ تا ٣١)

قُلْ	لَّآ	اَمْلِكُ	لِنَفْسِىْ	ضَرًّا	وَّلَا
فرمادیجیے	نہیں	میں اختیار رکھتا	اپنے آپ کیلئے	کسی نقصان کا	اور نہ

نَفْعًا	اِلَّا	مَا شَآءَ	اللّٰهُ ۭ	لِكُلِّ اُمَّةٍ	اَجَلٌ ۭ	اِذَا
کسی نفع کا	مگر	جو چاہے	اللہ	ہرامت کیلئے	ایک وقت ہے	جب

جَآءَ	اَجَلُهُمْ	فَلَا	يَسْتَاْخِرُوْنَ	سَاعَةً	وَّ	لَا	يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝۴۹
وہ آجاتا ہے	ان کا وقت	تو نہ	وہ پیچھے رہ سکتے ہیں	ایک گھڑی	اور	نہ	وہ آگے بڑھ سکتے ہیں

''فرمادیجیے میں اپنی ذات کے لیے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ چاہے۔ ہرامت کے لیے ایک وقت ہے، جب ان کا وقت آجاتا ہے تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے رہتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔'' (۴۹)

فہم القرآن

ربط کلام. نبی اکرم ﷺ سے بار بار عذاب لانے کا مطالبہ کرنے پر کفار کو اس کا جواب۔

کفار اور مشرکین کا ابتدا ہی سے انبیائے کرام کے ساتھ یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ ان سے ایسے مطالبات کرتے ہیں جن کا تعلق انبیاء کی نبوت کی بجائے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن منکرین نبوت انبیاء سے اس لیے اپنے مطالبات منوانے پر زور دیتے تھے تاکہ عوام الناس کو ذہنی طور پر الجھا کر یہ مغالطہ دیا جائے کہ اگر یہ شخص واقعی اللہ کا رسول ہوتا تو ہمارا مطالبہ پورا کر دیتا۔ اگر یہ ہمارا مطالبہ پورا کر دے تو ہم اپنی قوم کے ساتھ مل کر اس کے دست و بازو بن جائیں گے۔ لیکن یہ شخص ہمارا مطالبہ پورا کر نہیں سکتا خوامخواہ نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہرگز رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ کفار کے اس پروپیگنڈہ کا مختلف انداز سے جواب دیا گیا جس کا ایک جواب یہ بھی ہے۔ اے رسول ﷺ! ان سے واشگاف الفاظ میں فرمائیں کہ میں نے کبھی خدا کی خدائی میں حصہ دار ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ میرا اعلان تو یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں میں وہی کچھ تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں جس کا مجھے اللہ حکم دیتا ہے۔ خدا کی خدائی کے سامنے میں اس قدر بے بس اور بے اختیار ہوں کہ میں اپنے بارے میں بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں۔ نفع اور نقصان کے بارے میں میرے رب کے فیصلے ہیں جو وہ چاہے وہی ہوتا ہے۔ جہاں تک تمہارا یہ مطالبہ ہے کہ میں اللہ کا عذاب لے آؤں یہ بھی میرے رب کی مرضی پر منحصر ہے۔ وہ تمہارے مطالبہ کی وجہ سے اشتعال میں آکر وقت مقرر سے پہلے عذاب نہیں لاتا۔ کیونکہ وہ بندوں پر نہایت مہربان اور ان کی کوتاہیوں سے درگزر کرنے والا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اس نے ہر فرد اور قوم کے فیصلے کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ بے شک کوئی فرد یا قوم اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دن، رات چیلنج کرے اس کے باوجود مقررہ وقت

سے پہلے اس قوم کا فیصلہ نہیں کیا جاتا البتہ جب فیصلے کا وقت آجاتا ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو آگے پیچھے نہیں کر سکتی۔ یہاں واضح الفاظ میں نبی اکرم ﷺ سے کہلوایا گیا ہے۔ کہ آپ خود اعلان فرمائیں کہ میں اپنے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں۔ لیکن فرقہ پرستی کا برا ہو۔ یہاں بھی ایک مفسر لکھتا ہے کہ آیت کا مقصد کفار کی یاوہ گوئیوں کو ختم کرنا ہے اور یار لوگوں نے اس آیت کی آڑ لے کر حضور رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین ﷺ کے فضائل وکمالات کا انکار شروع کر دیا اور ایسی اناپ شناپ باتیں کرنے لگے جن سے دین و دانش دونوں شرمندگی محسوس کرتے ہیں کہ حضور کچھ نہیں دیتے، حضور کچھ نہیں کر سکتے۔ بارگاہ رسالت میں اپنے دکھ، دردوں کی فریاد کرنا شرک ہے وغیرہ۔

رسول اکرم ﷺ کا اعلان:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ دَعَا النَّبِیُّ ﷺ قُرَیْشًا فَاجْتَمَعُوْا فَعَمَّ وَخَصَّ فَقَالَ یَا بَنِیْ كَعْبِ ابْنِ لُؤَیٍّ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، یَا بَنِیْ مُرَّةَ ابْنِ كَعْبٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِیَا بَنِیْ عَبْدِ شَمْسٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، یَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، یَا بَنِیْ هَاشِمٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ یَا بَنِیْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ یَا فَاطِمَةُ اَنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا غَیْرَاَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَاَبُلُّهَا بِبِلَالِهَا [رواه مُسْلِمٌ وَ فِی الْمُتَّفَقِ عَلَیْهِ] قَالَ یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ اِشْتَرُوْا اَنْفُسَكُمْ لَا اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا وَ یَا بَنِیْ عَبْدِمَنَافٍ لَا اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا یَا عَبَّاسُ ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ لَا اُغْنِیْ عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا یَا صَفِیَّةُ عَمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَا اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا یَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِیْنِیْ مَا شِئْتِ مِنْ مَالِیْ لَا اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ''اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ'' تو آپ ﷺ نے قریش کو دعوت دی وہ جمع ہو گئے۔ آپ نے ان کے خاص و عام سبھی کو دعوت دی' آپ نے فرمایا' اے بنو کعب بن لؤی! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اے بنو مرہ بن کعب! تم اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ اے بنو عبد شمس! تم خود کو دوزخ سے بچاؤ اے بنی عبد مناف' بنی ہاشم' بنی عبد المطلب تم اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ اے فاطمہ! تو اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا۔ میں تمہارے لیے اللہ کے ہاں کسی چیز کا مالک نہیں۔ اگرچہ تمہارے ساتھ قرابت داری ہے۔ اس رشتہ داری کا احترام رہے گا (مسلم) اور بخاری' مسلم میں ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا' اے گروہ قریش! تم اپنے آپ کو آزاد کرلو۔ میں تم سے اللہ کے عذاب سے کچھ دور نہیں کر سکتا اے بنی عبد مناف! میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔ اے عباس بن عبد المطلب! میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔ اے رسول کی پھوپھی صفیہ! میں تم سے اللہ کے عذاب سے کچھ دور نہیں کر سکتا۔ اے فاطمہ بنت

محمد! تو مجھ سے جس قدر چاہے مال کا سوال کر لے لیکن میں اللہ کے ہاں تیرے کچھ کام نہیں آؤں گا۔"

آپ ﷺ نے بے بس ہو کر مکہ سے ہجرت کی:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ حَمْرَاءَ الزُّهْرِيِّ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَاقِفًا عَلَى الْحَزْوَرَةِ فَقَالَ وَاللّٰهِ إِنَّكَ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ وَلَوْلَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ))

[رواہ الترمذی: کتاب المناقب، باب فی فضل مکۃ]

"حضرت عبداللہ بن عدی بن حمراء زہری کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو ٹیلے پر کھڑے ہوئے دیکھا، آپ نے فرمایا اللہ کی قسم یقیناً تو اللہ تعالیٰ کی بہترین زمین اور محبوب ترین زمین میں سے ہے اگر مجھے یہاں سے نہ نکالا جاتا تو میں نہ نکلتا۔"

مسائل

۱۔ نبی اکرم ﷺ اپنے نفع ونقصان کے مالک نہیں تھے۔

۲۔ آپ اتنا ہی اختیار رکھتے تھے جتنا اللہ نے عطا کیا ہوا تھا۔

۳۔ ہر ایک کا وقت معین ہے۔ ۴۔ جب کسی کا وقت آجاتا ہے تو اس میں کمی وبیشی نہیں کی جاتی۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء ؑ نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتے:

۲۔ آپ ﷺ کہہ دیں کہ میں اپنے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں۔ (یونس: ۴۹)

۳۔ آپ ﷺ فرما دیں کہ میں تمہارے نفع ونقصان کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ (الجن: ۲۱)

۴۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے نفع ونقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتا۔ (الاعراف: ۱۸۸)

۵۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام اپنی بیویوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے۔ (التحریم: ۱۰)

۶۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا مجھے اللہ کے سامنے کسی قسم کا اختیار نہیں ہے۔ (الممتحنۃ: ۴)

۷۔ کہہ دیجیے اگر اللہ عیسیٰ بن مریم اور اس کی والدہ کو ہلاک کرنا چاہے تو انہیں کون بچا سکتا ہے؟ (المائدۃ: ۱۷)

۸۔ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں اپنے لیے بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھے کوئی نقصان نہ ہوتا۔ (الاعراف: ۱۸۸)

قُلْ	اَرَءَيْتُمْ	اِنْ	اَتٰىكُمْ	عَذَابُهٗ	بَيَاتًا	اَوْ
فرمادیجیے	تمہارا کیا خیال ہے	اگر	آجائے تم پر	اس کا عذاب	رات کو	یا
نَهَارًا	مَّاذَا	يَسْتَعْجِلُ	مِنْهُ	الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾	اَثُمَّ	اِذَا مَا
دن کو	وہ کس چیز کی	جلدی طلب کر رہے ہیں	اس کو	مجرم؟	کیا پھر	جب
وَقَعَ	اٰمَنْتُمْ	بِهٖ	آٰلْـٰٔنَ	وَقَدْ	كُنْتُمْ	بِهٖ
واقع ہو جائے گا	تم ایمان لاؤ گے	ساتھ اس کے	کیا اب	حالانکہ تحقیق	تھے تم	اس کو
تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾	ثُمَّ	قِيْلَ	لِلَّذِيْنَ	ظَلَمُوْا	ذُوْقُوْا	عَذَابَ
تم جلدی طلب کرتے	پھر	کہا جائے گا	ان لوگوں کے لیے	جنھوں نے ظلم کیا	تم چکھو	عذاب

”فرما دیں تم بتلاؤ اگر تم پر اس کا عذاب رات یا دن کو آجائے تو مجرم اس میں سے کون سی چیز جلدی طلب کریں گے۔“(۵۰) ”کیا جب وہ واقع ہو جائے گا تو پھر اس پر ایمان لاؤ گے؟ کیا اب! حالانکہ تم اس کو جلدی مانگا کرتے تھے۔“(۵۱) ”پھر ان لوگوں سے جنھوں نے ظلم کیا کہا جائے گا چکھو

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

اے پیغمبر (ﷺ)! ان سے استفسار فرمائیں کہ اگر ان پر اللہ کا عذاب دن کے وقت آئے یا رات کی کسی گھڑی میں آئے تو اسے کون ٹال سکتا ہے؟ ان سے یہ بھی سوال کیجیے کہ مجرمو! تم کس بات کی جلدی مچاتے ہو۔ مجرمانہ ذہن کی یہ علامت ہوتی ہے کہ وہ نہ صرف اچھی بات قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے بلکہ اکثر دفعہ اچھائی کی بجائے بری بات اور اس کے انجام کے لیے عجلت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو انتباہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کیا انہیں معلوم نہیں کہ جب اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے تو پھر بڑے بڑے مجرم ایمان لانے کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر اس وقت اللہ تعالیٰ کے ملائکہ جواب دیتے ہیں۔ اب تمہارے ایمان لانے کا کیا فائدہ؟ جب کہ تم اس سے پہلے حقیقت قبول کرنے کی بجائے عذاب کا مطالبہ کرتے تھے۔ اس وقت ان کو یہ بھی کہا جاتا ہے اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے کیے کی سزا پاؤ کیونکہ تم واقعی اس عذاب کے مستحق ہو۔ اے رسول ﷺ! یہ آپ سے پوچھتے ہیں کیا واقعی ہم عذاب میں گرفتار ہوں گے؟ ان سے فرمائیے کہ مجھے اپنے رب کی قسم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب برحق ہے۔ جب تم پر مسلط ہوگا تو تم کسی طرح بھی اسے ٹال نہیں سکو گے۔ کیا تم نے مجرم اقوام کی تاریخ پر غور نہیں کیا کہ جب ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب صبح یا رات کے وقت آیا

الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾
ہمیشگی کا نہیں تم بدلہ دیے جاؤ گے مگر اس بنا پر تھے تم کماتے

وَ يَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ۭ قُلْ اِيْ
اور وہ خبر دریافت کرتے ہیں آپ سے کیا حق ہے وہ فرمادیجیے ہاں!

وَ رَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۭ وَ مَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾
قسم ہے میرے رب کی بلا شبہ وہ یقیناً حق ہے اور نہیں تم عاجز کرسکتے (اللہ کو)

ہمیشگی کا عذاب، تمھیں بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر وہی جو تم کماتے رہے۔'' (۵۲) ''اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کیا یہی حق ہے؟ تو فرمادیجیے ہاں! مجھے اپنے رب کی قسم! یقیناً یہی حق ہے اور تم ہرگز عاجز کرنے والے نہیں ہو۔'' (۵۳)

تو وہ کس طرح چیخ و پکار کرتے ہوئے معافی مانگ رہے تھے۔ ذرا فرعون اور آل فرعون کے واقعہ پر ہی غور کرو کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں دریا میں ڈبکیاں دیں تو فرعون نے کس طرح دہائی دیتے ہوئے کہا تھا:

﴿قَالَ آمَنْتُ اَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي امَنَتْ بِهِ بَنُوْ إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ [یونس: ۹۰]

میں موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لاتا ہوں۔ لیکن اس کے ایمان کو مسترد کر دیا گیا یہی حالت مجرم قوم کی ہوا کرتی ہے اور اسی کرب میں مجرم موت کے وقت مبتلا ہوتا ہے اس وقت مجرم دل ہی دل میں ایمان کا اظہار کرتا ہے مگر موت کے فرشتے اسے جھڑکیاں دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اب تمہیں ہمیشہ عذاب میں رہنا ہے۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ))

[رواه الترمذی: کتاب الدعوات، باب قبول توبة العبد مالم یغرغر]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بندے کی سانس اٹکنے سے پہلے پہلے توبہ قبول فرماتا ہے۔''

موت کے وقت مجرموں کے ساتھ ملائکہ کا سلوک:

﴿وَلَوْتَرَى إِذِ الظَّالِمُوْنَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوْ أَيْدِيْهِمْ أَخْرِجُوْا أَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ [الانعام: ۹۳]

''موت کے وقت ملائکہ کی جھڑکیاں جب مجرم موت کی بیہوشیوں میں ہوتے ہیں اور فرشتے ہاتھ پھیلاتے ہوئے

کہتے ہیں اپنی جانیں نکالو آج تمہیں رسوا کن عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ کیونکہ تم اللہ پر ناحق باتیں بناتے ہو اور اس کی آیات سے تکبر کرتے ہو۔“

﴿وَلَوْتَرٰی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَاَدْبَارَھُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ﴾[الانفال: ۵۰]

”اور کاش آپ اس حالت کو دیکھتے جب فرشتے کافروں کی روحیں قبض کر رہے ہوتے ہیں تو ان کے چہروں اور ان کی پشتوں پر ضربیں لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب جلانے والے عذاب کا مزا چکھو۔“

مسائل

۱۔ کچھ لوگ اللہ کے عذاب کے لیے جلدی مچاتے ہیں۔ ۲۔ مجرموں کو اللہ کے عذاب کا مزا چکھنا پڑے گا۔

۳۔ انسان کو اسی کا بدلہ ملے گا جو وہ کرے گا۔ ۴۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار عذاب کے برحق ہونے کے متعلق پوچھتے تھے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو کوئی بھی ٹال نہیں سکتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی پکڑ آجائے تو مجرموں کو کوئی نہیں بچا سکتا:

۱۔ اللہ کا عذاب برحق ہے اور تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ (یونس: ۵۳)

۲۔ کفار کے چہروں پر ذلت چھا جائے گی انہیں اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ (یونس: ۲۷)

۳۔ آج کے دن اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچ سکتا مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ (ہود: ۴۳)

۴۔ اس دن وہ پیٹھیں پھیر کر بھاگیں گے اللہ کی پکڑ سے انہیں کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ (المومن: ۳۳)

۵۔ اگر اللہ کسی کو تکلیف دے تو کون ہے جو اُسے اس سے بچا سکے۔ (الاحزاب: ۱۷)

۶۔ حضرت نوح نے اپنے بیٹے کو فرمایا آج کے دن اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں۔ (ہود: ۴۳)

۷۔ جسے اللہ رُسوا کرے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔ (الحج: ۱۸)

وَلَوْ	اَنَّ	لِكُلِّ نَفْسٍ	ظَلَمَتْ	مَا	فِي	الْاَرْضِ
اور اگر	یقیناً	ہر نفس کے لیے	جس نے ظلم کیا	جو کچھ ہے	میں	زمین

لَافْتَدَتْ	بِهٖ	وَاَسَرُّوا	النَّدَامَةَ	لَمَّا	رَاَوُا	الْعَذَابَ
تو ضرور فدیہ دے دے گا	اس کیساتھ	وہ چھپائیں گے	ندامت کو	جب	وہ دیکھیں گے	عذاب کو

وَقُضِيَ	بَيْنَهُمْ	بِالْقِسْطِ	وَهُمْ	لَا	يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾
اور فیصلہ کیا جائے گا	ان کے درمیان	انصاف کے ساتھ	اور وہ	نہیں	ظلم کیے جائیں گے

''اور اگر یقیناً ہر شخص کے لیے جس نے ظلم کیا ہے، وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے تو وہ اسے ضرور فدیے میں دے دے گا اور وہ پریشانی کو چھپائیں گے جب عذاب کو دیکھیں گے اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔'' (۵۴)

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ، مجرم دنیا اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے۔

سورۃ المنافقون آیت ۱۰۔۱۱ میں بیان ہوا ہے۔ کہ جو لوگ مال اور اولاد کو دین سے مقدم جانتے ہیں جب ان پر موت وارد ہوتی ہے تو وہ اس حسرت کا اظہار کرتے ہیں کہ کاش ہمیں کچھ مہلت مل جائے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ اور نیکی کر کے صالحین میں شمار ہو جائیں۔ لیکن موت کا وقت آنے کے بعد کسی کو مہلت نہیں دی جاتی۔ یہی خواہش مجرم کی قیامت کے دن ہوگی وہ اپنی ندامت چھپاتے ہوئے اس بات کی خواہش کرے گا کہ کاش مجھ سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ یہ پہلی دفعہ عذاب کو دیکھتے وقت مجرم کی ابتدائی کیفیت ہوگی۔ جوں ہی وہ عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اس کی ندامت اور ذلت چیخ و پکار میں بدل جائے گی۔ ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹتے ہوئے واویلا کرے گا کہ ہائے افسوس میں رسول کا راستہ اختیار کرتا اور فلاں، فلاں کو اپنا دوست اور خیر خواہ نہ سمجھتا۔ اس کے بعد اس کی حالت زار ایسی ہوگی کہ وہ خواہش کرے گا کہ کاش میری بیوی بچوں کو میری جگہ پکڑ لیا جائے کبھی کہے گا کہ میں مٹی کے ساتھ مٹی ہو جاؤں مگر وہ ہمیشہ اذیت ناک عذاب میں مبتلا رہے گا۔

قیامت کے دن مجرموں کی خواہش:

﴿يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْيَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُئْوِيْهِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴾[المعارج: ۱۱ تا ۱۴]

''مجرم چاہے گا کہ عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں، بیوی، بھائی اور کنبہ جس میں رہتا تھا اور تمام زمین فدیہ دے دے تا کہ اسے عذاب سے بچا لیا جائے۔''

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝﴾ [عبس: ٣٤ تا ٣٦]

''اس دن انسان اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور اولاد سے بھاگے گا۔''

﴿اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ [النجم: ٣٨]

''کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔''

مجرم کی آخری خواہش:

﴿يٰلَيْتَنِىْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾ [النباء: ٤٠]

''کاش میں مٹی ہو جاتا۔''

مسائل

۱۔ قیامت کے دن مجرم عذاب سے بچنے کے لیے پوری دنیا کا مال فدیہ کے طور پر دینے کے لیے تیار ہوگا۔

۲۔ قیامت کے روز مجرم اپنی پشیمانی چھپانے کی کوشش کریں گے۔

۳۔ قیامت کے روز انصاف کے ساتھ فیصلہ ہوگا۔ ۴۔ قیامت کے روز کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی عدالت کے اصول:

۱۔ اللہ تعالیٰ انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائیں گے اور لوگوں پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (یونس: ۵۴)

۲۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حق کے ساتھ فیصلہ فرمائیں گے اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ (الزمر: ۶۹)

۳۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کو پورا پورا اجر دے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ (البقرۃ: ۲۸۱)

۴۔ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں مجرم کی سفارش قبول نہ ہوگی۔ (البقرۃ: ۴۸)

۵۔ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں خرید و فروخت، دوستی اور کسی کی سفارش کام نہ آئے گی۔ (البقرۃ: ۲۵۴)

۶۔ اس دن عدل و انصاف کا ترازو قائم کیا جائے گا اور کسی پر رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (الانبیاء: ۴۷)

اَلَآ	اِنَّ	لِلّٰهِ	مَا	فِي السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ ؕ	اَلَآ	اِنَّ
سن لو!	یقیناً	اللہ ہی کے لیے ہے	جو کچھ	میں آسمانوں	اور زمین	خبردار!	بلاشبہ

وَعْدَ اللّٰهِ	حَقٌّ	وَّلٰكِنَّ	اَكْثَرَهُمْ	لَا	يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾
اللہ کا وعدہ	حق ہے	اور لیکن	اکثر ان کے	نہیں	وہ جانتے

هُوَ	يُحْيٖ	وَ	يُمِيْتُ	وَ	اِلَيْهِ	تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾
وہی	وہ زندہ کرتا ہے	اور	وہی مارتا ہے	اور	اسی کی طرف	تم لوٹائے جاؤ گے

''سن لو! آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ خبردار بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے۔ لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' (۵۵) ''وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔'' (۵۶)

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

لوگو سنو! دنیا میں بھی زمین و آسمانوں اور جو کچھ ان میں ہے اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور قیامت کے دن بھی وہی مالک و مختار ہوگا۔ کان کھول کر سن لو! قیامت کا برپا ہونا یقینی اور حق ہے۔ یہ اللہ کا سچا اور پکا وعدہ ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ لیکن اکثر لوگ اس کا ادراک نہیں کرتے وہی موت و حیات کا مالک ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

پہلے بھی عرض کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کے مرکزی مضامین تین ہیں۔

۱۔ ایمان باللہ۔

۲۔ ایمان بالرسالۃ۔

۳۔ ایمان بالآخرۃ۔

ایمان کے تینوں عناصر اس طرح لازم ملزوم اور باہم مربوط ہیں کہ ان میں کسی ایک کا انکار کرنا گویا کہ تینوں کا انکار کرنا ہے۔ حقیقت یہ ہے جس طرح ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت کا صحیح اور پورا پورا صلہ قیامت کے بغیر مل نہیں سکتا۔ اسی طرح ایمان باللہ اور ایمان بالرسالۃ کا منکر قیامت کے برپا ہوئے بغیر ٹھیک ٹھیک سزا نہیں پا سکتا۔ اس لیے ایمان بالآخرۃ لازم ہی نہیں بلکہ عین عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ اے لوگو! قیامت برپا کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ جو ہر حال میں پورا ہو کر رہے گا اور اللہ ہی موت و حیات کا مالک ہے۔ بڑا ہی خوش نصیب ہے وہ شخص جو آخرت پر ایمان لائے اور اس کے لیے تیاری کرے۔

((عَنْ أَبِیْ سَعِیدٍ ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ أَنَّ رَجُلاً کَانَ قَبْلَکُمْ رَغَسَهُ اللّٰهُ مَالاً فَقَالَ لِبَنِیهِ لَمَّا حُضِرَ أَیَّ أَبٍ کُنْتُ لَکُمْ قَالُوا خَیْرَ أَبٍ قَالَ فَإِنِّی لَمْ أَعْمَلْ خَیْرًا قَطُّ ، فَإِذَا مُتُّ فَأَحْرِقُونِی ثُمَّ

اسْحَقُونِی ثُمَّ ذَرُّونِی فِی یَوْمٍ عَاصِفٍ فَفَعَلُوا ، فَجَمَعَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ، فَقَالَ مَا حَمَلَكَ قَالَ مَخَافَتُكَ فتلَقَّاهُ بِرَحْمَتِهِ))[رواه البخاری: باب حدثنا ابو الیمان]

''حضرت ابوسعید نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ تم سے پہلے ایک آدمی گزرا ہے جسے اللہ نے مال کی فراوانی عطا کی تھی اس نے موت کے وقت اپنے بیٹوں کو کہا میں نے کبھی نیک عمل نہیں کیا جب میں مرجاؤں مجھے جلا کر میری راکھ بنادینا، پھر اُسے ہواؤں میں اُڑا دینا، انہوں نے ایسا ہی کیا اللہ عزوجل نے اُسے زندہ ف کیا، فرمایا تجھے اس کام پر کس چیز نے اُبھارا؟ کہنے لگا آپ کے ڈر نے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی رحمت کی لپیٹ میں لے لیا۔''

((عن سَهْلِ بْن سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ يَقُولُ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى أَرْضٍ بَيْضَاءَ عَفْرَاءَ كَقُرْصَةِ نَقِيٍّ)) [رواه البخاری: کتاب الرقاق ، باب یقبض الله الأرض]

''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے، قیامت کے دن لوگوں کو سفید چٹیل میدان میں جمع کیا جائے گا زمین صاف ٹکیہ کی مانند ہوگی۔''

منکرینِ قیامت کو چیلنج:

﴿قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيْدًاo أَوْ خَلْقًا مِمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُوْرِكُمْ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُعِيْدُنَا قُلِ الَّذِیْ فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُوْنَ إِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ قُلْ عَسٰى أَنْ يَكُوْنَ قَرِيبًاo﴾[بنی اسرائیل: ۵۰، ۵۱]

''کہہ دیجیے کہ تم پتھر، لوہا یا کوئی اور چیز ہو جاؤ جو تمہارے نزدیک بڑی ہو تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں دوبارہ کون اُٹھائے گا کہہ دیجیے جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تو تمہارے سر ہلائیں گے اور پوچھیں گے کہ ایسا کب ہوگا؟ کہہ دیجیے امید ہے کہ وہ جلد ہوگا۔''

مسائل

۱۔ زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہے اللہ کی ملکیت ہے۔ ۲۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے لوگوں کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔
۳۔ اللہ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ ۴۔ اللہ ہی کی طرف سب نے لوٹنا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت برپا ہو کر رہے گی:

۱۔ سب نے اللہ کے ہاں لوٹنا ہے۔(یونس:۵۶) ۲۔ قیامت کے دن ہر کسی کو پورا پورا صلہ دیا جائے گا۔(آل عمران:۱۸۵)
۳۔ اس دن سے ڈر جاؤ جس دن تم اللہ کے ہاں لوٹائے جاؤ گے۔(البقرہ:۲۸۱)
۴۔ قیامت آنکھ جھپکنے کی طرح آجائے گی۔(النحل:۷۷)

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ

اے لوگو! تحقیق آ گئی ہے تمھارے پاس نصیحت تمھارے رب کی طرف سے اور شفا

لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾

اس چیز کے لیے جو میں سینوں اور ہدایت اور رحمت مومنوں کے لیے

''اے لوگو! یقیناً تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے ایک نصیحت آ گئی اور جو سینوں میں ہے اس کے لیے سراسر شفا ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت آئی ہے۔'' (۵۷)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآن مجید کی صورت میں لوگوں کے پاس نصیحت پہنچ چکی ہے۔ جسے روحانی بیماریوں کے لیے شفاء اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت قرار دیا گیا ہے۔

قرآن مجید کے بے شمار اوصاف اور خصائص ہیں مگر یہاں چار اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں۔

مَوْعِظَةٌ:

موعظت اس بات اور نصیحت کو کہتے ہیں جسے سن کر انسان حقیقت کی طرف متوجہ ہو اور اس پر غور کرنے پر مجبور ہو جائے۔ دوسرے لفظوں میں دل پر اثر انداز ہونے والی بات کو موعظۃ کہا جاتا ہے۔ جو اللہ کے کلام سے بڑھ کر کسی کی بات میں نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ قرآن کے الفاظ کی تلاوت کی جائے یا اسے سمجھ کر پڑھا جائے۔

۱۔ قرآن مجید کی تلاوت دل کے لیے رحمت، سکون اور اطمینان کا باعث ہے۔ انسان جس قدر پریشان اور غم کی حالت میں ہو۔ اگر وہ توجہ اور ذرا اونچی آواز کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرے تو قرآن مجید آدمی کے غموں کا مداوا بن جاتا ہے۔

۲۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ کے قلبِ اطہر پر اتارا گیا ہے۔ اس کی تاثیر سب سے پہلے دل پر اثر انداز ہوتی ہے جو دل کے لیے رحمت اور سکون کا باعث بنتی ہے۔

۳۔ قرآن مجید جس گھر میں تلاوت کیا جائے اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ملائکہ اترتے ہیں۔ اس گھر میں شیطانی اثرات کا خاتمہ ہونے کے ساتھ خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے۔

۴۔ جس قوم میں اس کا نفاذ ہوگا۔ وہ قوم جنگ و جدال، حسد و بغض اور باہمی خلفشار سے محفوظ رہے گی۔ اس کے نفاذ سے بھائی چارہ اور مسلمانوں کی معیشت میں برکت پیدا ہوگی اور ملک خوشحال ہوگا۔

((عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ .... كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ بِهِ الْهُدٰى وَالنُّوْرُ مَنْ

الْمُسْتَمْسَكَ بِهِ وَاَخَذَبِهٖ كَانَ عَلَى الْهُدٰى وَمَنْ اَخْطَاَهُ ضَلَّ وَفِيْ رِوَايَةٍ هُوَحَبْلُ اللّٰهِ مَنِ اتَّبَعَهٗ كَانَ عَلَى الْهُدٰى وَمَنْ تَرَكَهٗ كَانَ عَلٰى ضَلَالَةٍ))

[رواه مسلم: كتاب الفضائل، باب من فضائل علی ابن ابی طالب]

''حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا............اللہ تعالیٰ کی کتاب، اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ جس نے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا وہ ہدایت پا گیا اور جس نے اس سے غفلت کی وہ گمراہ ہو گیا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: یہ اللہ تعالیٰ کی رسی ہے جس نے اس کی پیروی کی وہ ہدایت یافتہ ہوگا اور جس نے اسے چھوڑ دیا وہ گمراہ ہو جائے گا۔''

انقلابی کتاب:

((عَنْ عُمَرَابْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ)) [رواه مسلم:باب فضل من يقوم بالقرآن]

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی بدولت کچھ کو عزت دے گا اور کچھ لوگوں کو ذلیل کرے گا۔''

﴿**لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهٗ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ**﴾[الحشر: ٢١]

''اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر بھی اتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا جاتا ہے اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ فکر کریں۔''

مسائل

١۔ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ زمین و آسمانوں میں ہے۔ ٢۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔
٣۔ اللہ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ ٤۔ اللہ ہی کی طرف تمام لوگوں نے لوٹنا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے اوصاف حمیدہ کی ایک جھلک:

١۔ اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے۔ (یونس: ٥٧)
٢۔ قرآن مجید کی آیات محکم ہیں۔ (ھود: ١) ٣۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت، رحمت اور نصیحت ہے۔ (البقرۃ: ١٨٥)
٤۔ قرآن مجید برہان اور نور مبین ہے۔ (النساء: ١٧٤) ٥۔ قرآن مجید مومنوں کے دلوں کے لیے شفا ہے۔ (بنی اسرائیل: ٨٢)
٦۔ قرآن مجید لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لانے کا ذریعہ ہے۔ (ابراہیم: ١)

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ

فرمادیجیے اللہ کے فضل کے ساتھ اور اس کی رحمت کے ساتھ تو اسی کے ساتھ پس چاہیے کہ وہ خوش ہوں وہ

خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۵۸

بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں

’’فرمادیں اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے ساتھ، چاہیے کہ وہ خوش ہو جائیں۔ یہ اس سے بہتر ہے وہ جو جمع کرتے ہیں۔‘‘(۵۸)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سے پہلی آیت میں قرآن مجید کو موعظت اور شفاء قرار دیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اس پر مومنوں کو خوش اور مطمئن ہونا چاہیے۔

قرآن مجید دنیا میں واحد کتاب ہے جسے جتنی بار تلاوت کیا جائے اتنی ہی اس کی تاثیر بڑھتی جاتی ہے۔ اس کے نزولِ مسعود سے لے کر ہر دور میں ہزاروں اور لاکھوں لوگ صرف اس کی تلاوت سے متاثر ہو کر اس پر ایمان لے آئے اور ان کی زندگی کی کایا پلٹ گئی۔ قرآن مجید کے سب سے بڑے دشمن اہل مکہ تھے ان کی تاریخ اٹھا کر دیکھیے کہ جو لوگ آخر دم تک حلقہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے وہ بھی قرآن مجید کی تاثیر کا برملا اقرار کرتے تھے۔ اسی بنا پر نبی اکرم ﷺ کو جادوگر کہتے تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ جب انہوں نے اپنی بہن سے براہ راست سورۃ طٰہٰ کی ابتدائی آیات سنیں تو قرآن کی تاثیر کی تاب نہ لاتے ہوئے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ایک مرتبہ مکہ والوں نے ولید کو اپنا نمائندہ بنا کر نبی معظم ﷺ کی خدمت میں بھیجا گفتگو کے دوران نبی اکرم ﷺ نے سورۃ حٰم سجدہ کی چند آیات پڑھ کر سنائیں ولید کی حالت یہ ہوئی کہ وہ بے ساختہ کہنے لگا کہ اتنا موثر کلام کسی انسان کا نہیں ہو سکتا۔ جب اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا تو انہوں نے اس کا چہرہ دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ یہ نبی کی گفتگو سے بے حد متاثر ہو چکا ہے۔ قرآن مجید کی تاثیر کا عالم یہ کہ مخارج اور صفات کا لحاظ رکھ کر اس کی تلاوت کی جائے یا سادہ اور عجمی لہجے میں پڑھا جائے۔ یہ دل پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کیونکہ اس کے نازل کرنے والے رب کا فرمان ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت سے دل نرم ہوتے ہیں اور ایماندار کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ جہاں تک قرآن مجید کو سمجھنے اور اس کے ساتھ وعظ و خطاب کا تعلق ہے۔ اگر وعظ کرنے میں تھوڑا سا بھی اخلاص ہو تو سننے والا اس کا اثر لیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جس کی واضح مثال پورے عالم اسلام میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی ۵۶ حکومتوں میں سے سعودی عرب کو چھوڑ کر کون سا ملک ہے جس ملک میں دین کی سرپرستی کی جارہی ہو یہ قرآن

کا معجزہ ہے کہ صرف خطیبوں کے وعظ کی وجہ سے کروڑوں مسلمان دین پر جان قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔ انشاء اللہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا اور لوگ قرآن مجید کی دعوت قبول کرتے رہیں گے۔

قرآن مجید کا دوسرا وصف یہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ دلوں کی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔ دل کی بیماریوں میں کفر و شرک اور نفاق سب سے بری بیماریاں ہیں جوں ہی توجہ کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کی جائے۔ یہ کفر و شرک کی بیماری کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ بشرطیکہ قرآن مجید کے حکم کے مطابق پرہیز بھی کیا جائے۔ کیونکہ علاج کے ساتھ پرہیز لازم ہے۔ قرآن مجید نے ابتداء ہی میں ﴿هُدًى لِلْمُتَّقِينَ﴾ کہہ کر پرہیز لازم قرار دیا ہے۔

قرآن مجید ہدایت اور خزانہ ہے:

قرآن مجید صرف فرد کی نہیں بلکہ قوموں کی ہدایت اور راہنمائی کا مکمل ضابطہ حیات ہے جس نے اسے زندگی کا آئینہ بنایا وہ دینی اخلاقی، معاشی اور معاشرتی اعتبار سے ہدایت پا جائے گا۔ قرآن مجید ایسا خزانہ ہے۔ جس کا موازنہ دنیا کی دولت اور کسی نعمت سے نہیں کیا جا سکتا۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے باعث نصیحت ہے۔ ۲۔ قرآن مجید روحانی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔
۳۔ قرآن کریم باعث ہدایت ہے۔ ۴۔ قرآن مجید باعث رحمت ہے۔
۵۔ اللہ کا فضل و رحمت دنیا کے مال و منال سے بہتر ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے فضائل کی جھلکیاں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو کچھ نازل کیا ہے وہ مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔ (بنی اسرائیل: ۸۲)
۲۔ قرآن مجید کو اللہ نے ہی نازل فرمایا ہے اور وہی اس کا محافظ ہے۔ (الحجر: ۹)
۳۔ جن و انس مل کر بھی اس قرآن کی مثل کوئی چیز نہیں لا سکتے۔ (بنی اسرائیل: ۸۸)
۴۔ یہ کتاب مبین ہے اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔ (البقرۃ: ۲)
۵۔ قرآن مجید میں کوئی کجی نہیں ہے۔ (الکہف: ۱)
۶۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے باعث نصیحت اور مومنوں کے لیے باعث ہدایت اور رحمت ہے۔ (یونس: ۵۷)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ

فرمادیجیے کیاتم نے دیکھا جو نازل کیا اللہ تمہارے لیے سے رزق

فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ

چنانچہ تم نے بنایا اس میں سے کچھ حرام اور کچھ حلال فرمادیجیے کیااللہ نے حکم دیا ہے

لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ مَا ظَنُّ

تمہارے لیے یا پر اللہ تم جھوٹ باندھتے ہو؟ اور کیا گمان ہے

الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

ان لوگوں کا جو باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ روزِ قیامت بلاشبہ اللہ

لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾

یقیناً بڑے فضل والا ہے لوگوں پر اور لیکن ان کے اکثر نہیں وہ شکر کرتے

''فرمادیجیے کیاتم نے دیکھا جورزق اللہ نے تمہارے لیے نازل کیا، پھرتم نے اس میں سے کچھ حرام اور کچھ حلال بنالیا۔ پوچھیں کیااللہ نے تمہیں اجازت دی ہے یاتم اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہو۔'' (۵۹) ''اور کیا گمان ہے ان لوگوں کو جواللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، قیامت کے بارے میں؟ یقیناً اللہ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے۔لیکن ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔'' (۶۰)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآن مجید دنیا کی دولت سے بے بہا گنا بہتر ہے۔لیکن دنیا دارلوگ اس کے مقابلہ میں دنیا کے مال کوترجیح دیتے ہیں۔وہ دنیا کی ہوس میں اس قدرآگے بڑھ چکے ہیں کہ اللہ کے حلال کوحرام اوراس کی حرام کردہ چیزوں کوحلال قراردیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے حلال کوحرام اوراس کی حرام کردہ چیزوں کوحلال کرلینے والوں سے پوچھیں کہ انہوں نے کبھی غورکیا کہ انہیں کس نے یہ اختیار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے حرام وحلال کوتبدیل کریں۔کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی اجازت دی ہے؟ یااللہ تعالیٰ پرجھوٹ بول رہے ہیں۔کیاانہوں نے اس کی سزاپرکبھی غورکیا ہے کہ قیامت کے دن ان پرکیا گزرے گی۔منکرین اسلام سے جب یہ بات پوچھی جائے تو وہ اپنی حرام خوری، بے حیائی اورکفروشرک کواللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں جس بناء پرانہیں بین السطور وارننگ دی گئی ہے کہ دنیامیں تم حرام وحلال کی تمیز کیے بغیرمزے اڑارہے ہو۔لیکن قیامت کے دن تمہیں اس کی سزا بھگتنا ہوگی۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بے حدوحساب فضل وکرم کرتا ہے لیکن اس کے باوجود لوگ شکرگزارنہیں ہوتے۔حلال وحرام کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کا شایداس لیے ذکرفرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزیں حرام قراردی ہیں اس میں بھی اس کافضل کارفرما ہے۔حرام وحلال کی فہرست پرانسان غورکرے تو وہ بے

ساختہ پکار اٹھے گا کہ واقعی جن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا وہ نہ صرف جسمانی اعتبار سے نقصان دہ ہیں بلکہ روحانی حوالے سے بھی انتہادرجے کی مضر ہیں۔ درندوں کا گوشت اسی لیے کھانے سے منع کیا گیا کہ ان میں شفقت اور مہربانی کا جذبہ کم ہوتا ہے اگر ان کا گوشت کھانے کی اجازت ہوتی تو انسانوں میں درندگی کے آثار بڑھ جاتے۔ خنزیر کا گوشت اس لیے حرام قرار دیا یہ پرلے درجے کا بے غیرت جانور ہے۔ جانوروں میں کوئی ایسا جانور نہیں، جو اپنی جنم دینے والی مادہ کے ساتھ جفتی کرنے کے لیے تیار ہو۔ لیکن خنزیر اپنے جنم دینے والی مادہ کے ساتھ بھی جفتی کر لیتا ہے۔ جہاں تک غیر اللہ کے نام دی ہوئی چیز کھانے کا معاملہ ہے اس کا تعلق روحانی اور ایمانی غیرت کے ساتھ ہے جس کے کھانے کی توقع توحید کی غیرت رکھنے والے شخص سے نہیں کی جاتی۔ یہاں اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فضل کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس فرمان کی دوسری وجہ یہ سمجھ آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کا ذکر فرما کر اشارہ دیا ہے کہ اگر دنیا میں حلال وحرام کے بارے میں اللہ کی حدود توڑنے والوں کو اللہ تعالیٰ نہیں پکڑتا جو اللہ کا عظیم فضل ہے۔ اس میں اس کی حکمت یہ ہے کہ شاید لوگ توبہ کرلیں تیسری وجہ بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے بے شمار چیزیں حلال فرمائی ہیں مگر ان کے مقابلے میں حرام چیزوں کی فہرست بالکل مختصر رکھی ہے۔ ہر چیز کا مالک اور عطا کرنے والا صرف اللہ ہے۔ مگر مشرک اسے کسی اور کی عطا سمجھتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے حکم کے برخلاف کسی مزار یا بت وغیرہ کے نام پر دیتا ہے۔ ایسی چیز کو توحید کی غیرت رکھنے والا شخص کس طرح کھا یا استعمال کر سکتا ہے۔ اسی غیرت کے پیش نظر غیر اللہ کے نام پر وقف کی ہوئی چیز کو کھانے سے منع کیا گیا ہے۔

مسائل

۱۔ کچھ لوگ اپنی مرضی سے حلال وحرام بنا لیتے ہیں۔ جو اللہ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنے والے قیامت کے دن عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر اپنا فضل کرم نازل فرماتا ہے۔ ۴۔ اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والوں کا انجام:

۱۔ ان لوگوں کا قیامت کے بارے میں کیا حال ہو گیا جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ (یونس: ٦٠)

۲۔ بے شک وہ لوگ جو اللہ پر افترا بازی کرتے ہیں فلاح نہیں پائیں گے۔ (النحل: ١١٦)

۳۔ اس شخص سے بڑا ظالم کوئی نہیں جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ (ہود: ١٨)

۴۔ اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ (العنکبوت: ٦٨)

وَمَا تَكُوْنُ فِىْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ

اور نہیں ہوتے آپ میں کسی حالت اور نہیں تلاوت کرتے آپ اس کی طرف سے

مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ

قرآن کا کچھ حصہ اور نہیں تم لوگ عمل کرتے سے کوئی عمل مگر ہم ہوتے ہیں تم پر

شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ

گواہ جب تم شروع ہوتے ہو اس میں اور نہیں وہ پوشیدہ ہوتی سے آپ کے رب

مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَاۗءِ وَلَآ اَصْغَرَ

سے برابر ذرہ میں زمین اور نہ میں آسمان اور نہ چھوٹی

مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝٦١

سے اس اور نہ بڑی مگر میں کتاب واضح

”اور نہیں ہوتے آپ کسی حالت میں اور نہ اس کی طرف سے آنے والے قرآن میں سے کچھ تلاوت کرتے ہیں اور نہ تم کوئی عمل کرتے ہو مگر ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں، جب تم اس میں شروع ہوتے ہو اور تیرے رب سے کوئی ذرہ بھر چیز نہ زمین میں پوشیدہ ہوتی ہے اور نہ آسمان میں اور نہ اس سے کوئی چھوٹی چیز ہے اور نہ بڑی مگر واضح کتاب میں موجود ہے۔“(٦١)

فہم القرآن

ربط کلام: منکرین اور مشرکین کی اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہرزہ سرائی اور عقیدہ توحید کی وجہ سے رسول کریم ﷺ کو ایذا دینے پر آپ کو تسلی دیتے ہوئے منکرین حق کو انتباہ کیا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی ڈھارس بندھانے منکرین اور مشرکین کو انتباہ کرنے کے ساتھ آپ کی محنت اور مشن کو خراج تحسین سے نوازا جا رہا ہے۔ کہ اے رسول ﷺ! آپ کا رات کو اٹھ اٹھ کر قرآن پڑھنا۔ دن کو اس کی تبلیغ کرنا اور اس کے ردعمل میں آپ کا غم زدہ ہونا ہماری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔ آپ کے شب و روز کا ایک ایک لمحہ ہمارے سامنے ہے۔

سورۃ الشعراء میں نبی کریم ﷺ کو بڑے دلربا انداز میں اطمینان دلایا گیا ہے

﴿الَّذِی یَرٰاکَ حِینَ تَقُومُ ○ وَتَقَلُّبَکَ فِی السَّاجِدِینَ ○ إِنَّهُ هُوَ السَّمِیعُ الْعَلِیمُ ○﴾

[الشعراء: ٢١٨ تا ٢٢٠]

’’آپ ہر حال میں ہمارے سامنے ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب آپ رات کی تاریکیوں میں اپنے رب کے حضور قیام کرتے اور سربسجود ہوتے ہیں تو اس وقت بھی آپ کا رب آپ کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔‘‘

جب آپ اس کی جناب میں آہ زاریاں کرتے ہیں تو وہ سن رہا ہوتا ہے۔ اے نبی آپ کا رب آپ کو ہی نہیں بلکہ آپ کے دشمنوں کو بھی دیکھ رہا ہے کہ وہ اس کی توحید کی دشمنی میں آ کر آپ اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ لوگوں کو مخاطب کیا کہ اے لوگو! تم جیسے بھی عمل کرتے ہو یاد رکھو! ہم سے تمہارا کوئی عمل اور حرکت وسکوت پوشیدہ نہیں ہے۔ اس کے بعد پھر واحد مخاطب کی ضمیر لا کر رسول محترم ﷺ کو تسلی دی گئی کہ آپ کے رب سے زمین وآسمانوں کا کوئی ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں بے شک کوئی چیز ذرہ سے چھوٹی ہو یا بڑی اللہ تعالیٰ کے احاطہ نظر سے باہر نہیں ہے اس نے ہر چیز کی ابتدا، اور انتہا واضح طور پر لوحِ محفوظ میں عیاں کر رکھی ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کی حالت پر گواہ ہوتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ سے زمین وآسمان کی کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

۳۔ ہر چھوٹی بڑی چیز کتاب مبین میں درج ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا اور اس پر نگران ہے:

۱۔ تم جو بھی عمل کرتے ہو وہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔(یونس:۶۱) ۲۔ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو جاننے والا ہے۔(یٰس:۷۹)

۳۔ جو لوگ جہالت کی وجہ سے برائی کرتے ہیں، پھر جلدی سے توبہ کر لیتے ہیں اللہ ان کی توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے اور حکمت والا ہے۔(النساء:۱۷)

۴۔ اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو یقیناً اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔(النساء:۳۲)

۵۔ جو کچھ تم اللہ کے دیے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہو اللہ اُس کو جاننے والا ہے۔(النساء:۳۹)

۶۔ قیامت کا، بارش کے نازل ہونے کا، اور جو کچھ رحموں میں ہے اور انسان کل کیا کمائے گا اور اُسے کہاں موت آئے گی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔(لقمان:۳۴)

۷۔ فرشتوں نے کہا تو پاک ہے ہمیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھلایا ہے اور تو جاننے والا، حکمت والا ہے۔(البقرۃ:۳۲)

۸۔ اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور چھپاتے ہو وہ تو سینے کے رازوں کو بھی جاننے والا ہے۔(ہود:۵)

اَلَآ	اِنَّ	اَوْلِيَآءَ	اللّٰهِ	لَا	خَوْفٌ	عَلَيْهِمْ	وَلَا	هُمْ
آگاہ رہو	یقیناً	دوست	اللہ	نہ	کوئی خوف	ان پر	اور نہ	وہ

يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَكَانُوْا	يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾	لَهُمُ	الْبُشْرٰى
غمگین ہوں گے	وہ لوگ جو	وہ ایمان لائے	اور تھے وہ	وہ ڈرتے رہے	ان کے لیے ہے	خوش خبری

فِي	الْحَيٰوةِ	الدُّنْيَا	وَ	فِي	الْاٰخِرَةِ ؕ	لَا	تَبْدِيْلَ
میں	زندگی	دنیا	اور	میں	آخرت	نہیں	تبدیلی ہوتی

لِكَلِمٰتِ	اللّٰهِ ؕ	ذٰلِكَ	هُوَ	الْفَوْزُ	الْعَظِيْمُ ﴿٦٤﴾
ارشادات میں	اللہ کی	یہی	ہے	کامیابی	بہت بڑی

”سن لو! یقیناً اللہ کے دوستوں پر، نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“ (٦٢) ”وہ جو ایمان لائے اور ڈرتے رہے۔“ (٦٣) ”ان کے لیے دنیا کی زندگی میں خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ کے ارشادات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔“ (٦٤)

فہم القرآن

ربط کلام: نبی اکرم ﷺ کو تسلّی دینے اور آپ کے کام کو خراج تحسین سے نوازنے کے بعد توحید سے محبت کرنے والوں، نبی ﷺ کے جانثاروں اور حق پر قربان ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست قرار دیتے ہوئے انہیں تسلی دینے کے ساتھ تابناک مستقبل کی خوشخبری دی ہے۔

ولی کی جمع اولیاء ہے جس کا معنیٰ ہے دوست۔ اولیاء اللہ یعنی اللہ کے دوست جن کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ ایمانداروں کا دوست ہے۔ ان کو کفر و شرک اور بدعت و رسومات سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور کفار کے دوست شیطان ہیں وہ انھیں کو نور سے نکال کر کفر و شرک اور بدعت و رسومات کے اندھیروں میں لے جاتے ہیں یہ لوگ جہنم کی آگ میں جھونکے جائیں گے۔ اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (البقرۃ: ٢٥٧) قرآن مجید کے ارشاد سے بالکل واضح ہے کہ اولیاء اللہ کوئی الگ گروہ یا جماعت نہیں ہے بلکہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان کے تقاضے پورے کرنے والے ہیں۔ جو صاحبِ ایمان جس قدر اخلاص اور خدا خوفی کے ساتھ ایمان کے تقاضے پورے کرے گا وہ اسی درجے کا اللہ تعالیٰ کا دوست قرار پائے گا۔ لیکن مفاد پرست گروہ ان لوگوں کو اولیاء اللہ شمار کرتا ہے۔ جن سے کوئی کرامت سرزد ہو یا وہ ایک مخصوص لباس اور انداز میں رہتے ہوئے عام مسلمانوں سے میل جول سے پرہیز کریں۔ اگر کوئی شخص تارک الدنیا ہو کر گوشہ نشین ہو جائے تو ایسے لوگوں کی

نظروں میں وہ ولی کامل سے کم درجہ نہیں رکھتا۔ ہندوازم سے متاثر ہو کر جاہل مسلمان ان لوگوں کو بھی ولی سمجھتے ہیں جو نہ صرف شریعت سے کوسوں دور ہیں بلکہ انسانیت کے مقام سے بھی گر چکے ہیں۔ یہ اس لیے ہوا کہ جہلاء نے اس معیار کو معیار نہ سمجھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ وہ معیار ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾[یونس:٦٣]

''جو ایمان لائے اور انہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔''

مشہور مفسر امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے استفسار کے جواب میں تقویٰ کی تشریح یوں فرمائی کہ کوئی آدمی ایسی پگڈنڈی سے گزرے جس کے اردگرد خاردار جھاڑیاں ہوں وہ ان سے اپنا دامن بچا کر گزر جائے گویا کہ دنیا کی آلائشوں اور نفسانی شہوات سے بچ کر صراط مستقیم پر چلنے کا نام تقویٰ ہے۔ لیکن افسوس آج بعض مسلمانوں نے ولایت کا معیار تقویٰ رکھنے کی بجائے جہالت اور جسمانی غلاظت قرار دے لیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ علماء میں بھی اسی عالم کو زیادہ نیک اور متقی سمجھا جاتا ہے جو صاف ستھرے لباس سے پرہیز اور حق گوئی کے تقاضے پورے کرنے سے احتراز کرتا ہو۔ حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسلمان کو زیادہ نیک قرار دیا ہے جو مشکلات میں عزیمت اختیار کرے اور لوگوں کے دکھ درد میں بھرپور طریقہ سے شرکت کرنے والا ہو۔

ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کی خوشخبری دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں عظیم کامیابی حاصل ہونے کے ساتھ آخرت میں کوئی خوف و خطر نہیں ہوگا۔ بعض لوگوں نے ولایت کی یہ نشانی بھی ذکر کی ہے کہ ولی کو دنیا میں کوئی خوف اور پریشانی لاحق نہیں ہوتی اگر اس سے مراد حقیقی پریشانی اور خوف لیا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے دوست یعنی ولی اللہ کا دل ہر حال میں مطمئن رہتا ہے۔ بحیثیت انسان کسی چیز کے چھن جانے اور ناگہانی افتاد آنے پر خوف و غم لاحق ہونے کے باوجود اس کا دل اپنے رب کی رضا پر راضی اور مطمئن ہوتا ہے جو لوگ ﴿وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ کا یہ مفہوم لیتے ہیں کہ ولی کامل کو قطعاً کسی قسم کا خوف و غم نہیں ہوتا یہ انسانی فطرت اور شریعت کے سراسر منافی ہے۔ رسول محترم سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا کون دوست ہوسکتا ہے آپ اپنے اعزاء واقربا کی موت پر زار و قطار روئے اور لوگوں کے مظالم کی وجہ سے بارہا دفعہ پریشان ہوئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے فرمان کا حقیقی اور صحیح مفہوم یہ ہے کہ موت کے بعد اللہ کے دوستوں کو کوئی خوف و خطر اور پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے اور اس کے فیصلے میں کبھی تبدیلی نہیں ہوگی۔ یہی ایماندار اور صاحبِ تقویٰ کا اعزاز اور اولیاء اللہ کا مقام ہے۔ کہ وہ قیامت کے خوف و خطر سے مامون ہوں گے۔

اولیاء اللہ کا مقام اور ان کی خوبی:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ

بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ فَکُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُبِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَاوَ رِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا وَاِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْءٍ اَنَا فَاعِلُهٗ تَرَدُّدِیْ عَنْ نَّفْسِ الْمُؤْ مِنِ یَکْرَہُ الْمَوْتَ وَاَنَا اَکْرَہُ مَسَاءَ تَهٗ وَلَابُدَّلَهٗ مِنْهُ))[رواه البخاری: کتاب الرقائق ، باب التواضع]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث قدسی بیان کرتے ہیں کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے‘جس شخص نے میرے دوست کے ساتھ عداوت رکھی اس کا خلاف میرا اعلانِ جنگ ہےاور میرے کسی بندے کو میرا قرب اور کسی چیز کے ذریعے حاصل نہیں ہوتا جو قرب فرائض کی ادائیگی سے حاصل ہوتا ہے۔ بندہ جوں جوں نفل پڑھتا ہے توں توں اسے میرا قرب حاصل ہوتا ہے۔حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب وہ میرا محبوب بن جاتا ہے تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے‘اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے‘اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہےاور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔اگر وہ مجھ سے کسی چیز کا طالب ہوتا ہے تو اس کو عطا کرتا ہوں۔ پناہ طلب کرتا ہے تو اس کو میں پناہ دیتا ہوں اور مجھے کسی کام کے کرنے میں اتنا تامل نہیں ہوتا جتنا ایک مومن کی جان قبض کرنے میں ہوتا ہے کیونکہ وہ موت سے کراہت کرتا ہے اور میں اس کو پہنچنے والی تکلیف کو برا سمجھتا ہوں۔لیکن موت سے ہرگز چھٹکارا نہیں ہے۔“

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾[یونس:٦٢]

”آگاہ رہو اولیاء اللہ پر کسی قسم کا خوف اور غم نہ ہوگا۔“

مسائل

۱۔ اولیاء اللہ قیامت کے دن غمزدہ نہیں ہوں گے۔
۲۔ اولیاء اللہ صاحب ایمان ہوتے ہیں۔
۳۔ اولیاء اللہ پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں۔
۴۔ اللہ کے ولی کے لیے دنیا وآخرت میں خوشخبری ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان تبدیل نہیں ہوا کرتے۔
۶۔ اللہ کا تابع دار ہونے میں بڑی کامیابی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اولیاء اللہ کا مقام:

۱۔اولیاء اللہ پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔(یونس:۶۲) ۲۔اولیاء اللہ کے لیے دنیا وآخرت میں خوشخبری ہے۔(یونس:۶۴)

۳۔ اللہ مومنوں کا دوست ہے۔وہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔(البقرۃ:۲۵۷)

۴۔ اللہ اپنے دوستوں کی مہمان نوازی فرمائے گا۔(حم السجدۃ:۳۲)

وَ	لَا	يَحْزُنْكَ	قَوْلُهُمْ م	اِنَّ	الْعِزَّةَ	لِلّٰهِ	
اور	نہ	پریشان کریں آپ کو	ان کی باتیں	بے شک	عزت	اللہ ہی کے لیے ہے	
جَمِيْعًا ط	هُوَ	السَّمِيْعُ	الْعَلِيْمُ ﴿٦٥﴾				
ساری کی ساری	وہی	خوب سنتا ہے	خوب جانتا ہے				

''اور آپ کو ان کی باتیں پریشان نہ کریں، یقیناً عزت اللہ ہی کے لیے ہے، وہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔'' (٦٥)

فہم القرآن

ربط کلام: اولیاء اللہ کو آخرت کے خوف وخطر، غم اور پریشانی سے محفوظ رہنے کی خوشخبری دینے کے بعد بالخصوص رسول کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کو دشمنوں اور ان کی ہرزہ سرائی سے غم زدہ اور دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ آپ سب سے زیادہ اللہ کے قریب اور اس کے محبوب ہیں۔

رسول کریم ﷺ لوگوں کی اصلاح اور فلاح کے لیے دن رات جدوجہد کر رہے تھے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ آپ کا اخلاص اور کردار دیکھ کر منکرین حق اسلام کی سچائی اور نبی کی نبوت پر ایمان لاتے۔ لیکن انہوں نے صحیح اور فطری راستے کو چھوڑ کر نہ صرف کفر وشرک اور نبی کی بغاوت کا راستہ اختیار کیا بلکہ انہوں نے آپ کو پریشان اور ناکام کرنے کے لیے گھٹیا سے گھٹیا ترین سلوک کرنا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھا۔ آپ کی مقدس ذات پر بدترین الزامات لگائے۔ دانشوروں کے رہبر اور پیشوا ہونے کے باوجود آپ کو پاگل کہا گیا، کائنات کے سب سے بڑے خیر خواہ کو مجنون اور لوگوں کا دشمن قرار دیا۔

آپ ﷺ کے گھر والوں کو ہراساں کیا گیا اور آپ کے ساتھیوں پر بے انتہا مظالم ڈھائے گئے۔ جن پر آپ کا پریشان ہونا طبعی اور فطری بات تھی مگر اس کے باوجود آپ کو حوصلہ دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اے رحمتِ عالم آپ کو غمگین اور آزردہ نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ عزت واقبال کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی کے اختیار میں عزت وسربلندی اور کائنات کے اسباب ووسائل ہیں وہ ہر بات سننے والا اور ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ اس فرمان میں نبی اکرم ﷺ کو حوصلہ دینے کے ساتھ خوشخبری سنائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دشمنوں کو ناکام کرے گا۔ آپ کو دنیا اور آخرت میں ایسی عزت وشرف سے سرفراز فرمائے گا۔ جس کا کوئی شخص تصور بھی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ دنیا جانتی ہے کہ جو احترام ومقام اور عزت وسرفرازی آپ ﷺ کو نصیب ہوئی وہ قیامت تک کسی کے مقدر کا حصہ نہیں بن سکتی اور قیامت کے دن آپ کو وہ مرتبہ اور شان دی جائے گی۔ جو آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی کے حصہ میں نہیں آئے گی۔ سورۃ المنافقون میں فرمایا کہ عزت ''اللہ'' اور رسول اور مومنوں کے لیے لیکن منافق نہیں سمجھتے۔

حیات مبارکہ میں سب سے بڑی پریشانی:

غزوہ احد کے موقعہ پر آپ ﷺ کے دانت مبارک شہید ہوئے۔ پیشانی پر گہرا زخم آیا۔ آپ ﷺ بے ہوش کر گر پڑے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نہایت غم کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی کہ کیا اس سے بڑھ کر آپ کو کبھی کوئی تکلیف پہنچی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے سب سے زیادہ تکلیف طائف میں پہنچی تھی۔ اس موقعہ پر آپ ﷺ نے یہ دعا کی:

((اَللّٰهُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُوْ ضَعْفِ قُوَّتِيْ، وَقِلَّةِ حِيْلَتِيْ، وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ، أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ، وَأَنْتَ رَبِّيْ، إِلىٰ مَنْ تَكِلُنِيْ ؟ إِلىٰ بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ ؟ أَمْ إِلىٰ عَدُوٍّ مَلَكْتَهُ أَمْرِيْ ؟ إِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا أُبَالِيْ، وَلٰكِنْ عَافِيَتُكَ هِيَ أَوْسَعُ لِيْ، أَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ، وَصَلُحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مِنْ أَنْ تُنَزِّلَ بِيْ غَضَبُكَ، أَوْ يَحِلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ، لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ))

[الرحيق المختوم]

''اے اللہ میں شکایت کرتا ہوں اپنی کمزوری کا اور وسائل کی کمی کا اور لوگوں کے مقابلے میں کمزور ہونے کا، اے رحم کرنے والے، آپ کمزوروں کے رب ہیں اور آپ میرے رب ہیں تو مجھے کس کے سپرد کرتا ہے دوری کی طرف جو مجھے غصہ میں مبتلا کر دے یا دشمن کی طرف جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنایا اگر تو مجھ پر ناراض نہیں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں لیکن تیری عافیت مجھے درکار ہے میں پناہ چاہتا ہوں تیرے چہرے کے نور سے جس کے ساتھ تو نے اندھیروں کو جلا بخشی اور اسی کے ساتھ دنیا اور آخرت کا معاملہ درست ہوا۔ اس چیز سے کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو۔ یا تیری ناراضگی مجھ پر حلال ہو۔ تیرے ہی لیے دونوں جانب ہیں یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے تیری توفیق کے بغیر نیکی کی طاقت اور گناہوں سے بچا نہیں جا سکتا۔''

مسائل

١۔ کفار کی باتوں سے غم زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ ٢۔ عزت و سطوت اللہ کے لیے ہے۔
٣۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے اور ہر بات کو سننے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

عزت اور ذلت اللہ کے اختیار میں ہے:

١۔ ہر قسم کی عزت اللہ کے لیے ہے وہ سننے اور جاننے والا ہے۔(یونس:٦٥)
٢۔ اللہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔(آل عمران:٢٦)
٣۔ عزت اللہ ہی کے پاس ہے۔(فاطر:١٠)
٤۔ کیا اللہ کے ماسوا عزت تلاش کرتے ہو حالانکہ ہر قسم کی عزت اللہ ہی کے پاس ہے۔(النساء:١٣٩)

اَلَاۤ	اِنَّ	لِلّٰهِ	مَنۡ	فِى	السَّمٰوٰتِ	وَ مَنۡ
سن لو!	یقیناً	اللہ ہی کے لیے ہے	جو	میں	آسمانوں	اور جو

فِى	الۡاَرۡضِ ؕ	وَ	مَا	يَتَّبِعُ	الَّذِيۡنَ	يَدۡعُوۡنَ	مِنۡ	دُوۡنِ
میں	زمین	اور	نہیں	پیروی کرتے	وہ لوگ جو	پکارتے ہیں	سے	سوائے

اللّٰهِ	شُرَكَآءَ ؕ	اِنۡ	يَّتَّبِعُوۡنَ	اِلَّا	الظَّنَّ	وَ
اللہ	شریکوں کی	نہیں	وہ پیروی کرتے	مگر	گمان کی	اور

اِنۡ	هُمۡ	اِلَّا	يَخۡرُصُوۡنَ ۞ ٦٦	هُوَ	الَّذِىۡ	جَعَلَ
نہیں	وہ	مگر	اٹکل کرتے	وہی ہے	جس نے	بنایا ہے

''سن لو! یقیناً جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اللہ ہی کے لیے ہے اور جو لوگ اللہ کے سوا کسی کو پکارتے ہیں وہ کسی قسم کے شریکوں کی پیروی نہیں کر رہے۔ وہ گمان کے سوا کسی چیز کی پیروی نہیں کرتے اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اٹکل لگاتے ہیں۔'' (٦٦) ''وہی ہے جس نے

فہم القرآن

ربط کلام: نبی معظم ﷺ کے مخالفوں کو خبر دار کرتے ہوئے ان کے عقیدہ کی قلعی کھولی جا رہی ہے۔

نبی معظم ﷺ کے دشمنوں اور دین کے منکروں کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ ہوش کے ناخن لو اور یہ غلط فہمی دماغ سے نکال دو کہ تم اللہ تعالیٰ کی گرفت اور دسترس سے باہر ہو۔ ایسا ہرگز نہیں۔ کیونکہ زمین و آسمانوں میں کوئی چیز نہیں جو اللہ تعالیٰ کی مِلک نہ ہو اور اس کے اختیار سے باہر ہو۔ کان کھول کر سن لو کہ یہ سب کچھ اسی کا ہے اگر تمہیں قابو نہیں کیا جا رہا تو اس میں اس کا یہ اصول کار فرما ہے کہ وہ ہر شخص کو ایک حد تک مہلت دیتا ہے۔ رہی یہ بات کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو پکارتے اور انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک کار سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ کسی آسمانی کتاب اور عقل سلیم کی بنیاد پر نہیں بلکہ صرف من گھڑت اور محض گمان کی بنیاد پر ہے۔ عربی زبان میں ظن کا یہ معنی بھی ہے کہ ایسی سوچ اور بات جس کی کوئی ٹھوس بنیاد نہ ہو۔ شرک کی ٹھوس بنیاد نہیں ہوتی جس بنا پر ہر دور کا مشرک اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں، مورتیوں کو خدا کے ہاں سفارشی اور خدا کی خدائی میں شریک سمجھتا ہے۔

فرق صرف اتنا ہے کہ آسمانی کتابوں پر ایمان لانے اور انبیاء کو تسلیم کرنے والے اور سرور دو عالم کا کلمہ پڑھنے والے حضرات مدفون بزرگوں کو اللہ کی حاکمیت میں شریک اور انہیں اللہ کے حضور اپنا سفارشی بناتے ہیں، اس خود ساختہ عقیدہ کو یہ کہہ کر سچ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ من دون اللہ سے مراد پتھر کے بت اور مٹی سے بنائی ہوئی مورتیاں ہیں، حالانکہ من

لَكُمُ	الَّيۡلَ	لِتَسۡكُنُوۡا	فِيۡهِ	وَ	النَّهَارَ
تمہارے لیے	رات کو	تاکہ تم سکون کرو	اس میں	اور	دن

مُبۡصِرًا ؕ	اِنَّ	فِىۡ	ذٰلِكَ	لَاٰيٰتٍ	لِّقَوۡمٍ	يَّسۡمَعُوۡنَ ﴿۶۷﴾
دکھلانے والا (روشن)	بلاشبہ	میں	اس	یقیناً بہت بڑی نشانیاں ہیں	ان لوگوں کے لیے	وہ سنتے ہیں

تمہارے لیے رات بنائی، تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو دکھانے والا بنایا۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔" (٦٧)

دون اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز ہے۔ خواہ فرشتے، بت، مورتیاں اور مدفون بزرگ ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ مشرکین مکہ میں کچھ لوگ ملائکہ کو، عیسائی حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کو، یہودی حضرت عزیر کو اللہ کے ہاں سفارشی بناتے تھے اور آج بھی ان کا یہی عقیدہ اور عمل ہے۔ حالانکہ اللہ وہ ذات ہے جس نے لوگوں کے لیے رات کو سکون اور نیند کا باعث بنایا اور دن کو روشن فرمایا تاکہ لوگ اپنی معاشی اور دیگر ضروریات کو پورا کرسکیں ان لوگوں کے لیے اس بات میں بڑے دلائل ہیں اگر وہ صحیح معنوں میں سننے کا حق ادا کریں۔ سننے کا حق یہ ہے کہ آدمی دل کی گہرائی اور کانوں کو کھول کر حق سنے اور اس پر غور کرے۔ (ق: ٣٧)

یہاں رات کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اسے سکون اور آرام کا ذریعہ بنایا ہے۔ غور فرمائیں کہ آدمی کتنا ہی تھکا ماندہ اور غم زدہ ہو صبح بیدار ہوتا ہے تو اس کا غم ہلکا اور نہ صرف تھکاوٹ دور ہو چکی ہوتی ہے بلکہ وہ اپنے آپ کو تازہ دم محسوس کرتا ہے۔ اس کے جسم کی صرف ہونے والی توانائی نیند کے بعد بحال ہو جاتی ہے اگر انسان کو کسی وجہ سے رات نیند نہ آئے تو جسم ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ جہاں تک روزِ روشن کا مسئلہ ہے اگر دن کی روشنی ختم ہو جائے تو دنیا کا نظام چند دنوں کا مہمان ٹھہرے۔ کیونکہ گھٹاٹوپ اندھیرے میں نہ صرف کاروبار نہیں ہوسکتا بلکہ انسان کی بینائی بھی کام نہیں دیتی اور بالآخر ختم ہو جاتی ہے۔ اگر رات اور دن اندھیرے میں ڈوب جائیں تو گھبراہٹ سے انسان کا کلیجہ پھٹ جائے۔ کاش مشرک اس بات پر غور کرتے اور اپنے رب کی ذات اور قدرت کا اعتراف کرکے بلاشرکت غیرے اس پر ایمان لا کر اس کی بندگی میں سکون پاتے۔

رات، دن کی مثال دے کر شرک کی تاریکیوں اور توحید کی روشنی کی طرف اشارہ کیا گیا کہ شرک اور توحید میں رات اور دن کی مانند فرق ہے۔ لیکن یہ فرق وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو حقیقت سننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

من دون اللہ کی وضاحت قرآن مجید کی روشنی میں:

"فرمایئے اے لوگو! اگر تمہیں کچھ شک ہو۔ میرے دین کے بارے میں۔ تو سن لو میں عبادت نہیں کرتا ان بتوں کی جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا۔ لیکن میں تو عبادت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی جو مارتا ہے تمہیں۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ہو جاؤں اہل ایمان سے۔" [یونس: ١٠٤]

"آپ فرمایئے مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں پوجوں انہیں جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا۔ آپ فرمایئے میں نہیں

پیروی کرتا تمہاری خواہشوں کی ایسا کروں تو گمراہ ہو گیا میں۔ اور نہ رہا میں ہدایت پانے والوں سے۔'' [الانعام:۵۶]

من دون اللہ سے مراد بت:

''آپ فرمایئے کیا ہم پوجیں اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے ہمیں اور نہ ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے اور کیا ہم پھر جائیں الٹے پاؤں اس کے بعد کہ ہدایت دی ہمیں اللہ نے؟'' [الانعام:۷۱]

من دون اللہ سے مراد فوت شدگان بزرگ:

''اللہ کے سوا وہ نہیں پیدا کر سکتے کوئی چیز۔ بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ وہ مردہ ہیں، وہ زندہ نہیں اور وہ نہیں سمجھتے کہ کب انہیں اٹھایا جائے گا۔'' [النحل:۲۰۔۲۱]

یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ ان سے مراد انبیاء، شہداء، صالحین اور فوت شدہ شخصیات ہیں۔ جن کو ان کے عقیدت مند حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ یاد رہے قیامت کے دن پتھر اور لکڑی وغیرہ کے بتوں کو نہیں اٹھایا جائے گا اور نہ کوئی ان کے زندہ ہونے کا قائل ہے۔

((قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما اِنَّ هٰؤُلَآءِ كَانُوْا قَوْمًا صَالِحِيْنَ فِيْ قَوْمِ نُوْحٍ فَلَمَّا مَاتُوْا عَكَفُوْا عَلٰى قُبُوْرِهِمْ ثُمَّ صَوَّرُوْا تَمَاثِيْلَهُمْ فَعَبَدُوْهُمْ ثُمَّ صَارَتْ هٰذِهِ الْاَوْثَانُ فِيْ قَبَائِلِ الْعَرَبِ))

[مستفاض من كتب التفاسير والبخاری]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سب (وَدّ، سُواع وغیرہ) ''قوم نوح'' کے اولیاء اللہ تھے۔ جب وہ مر گئے تو لوگ ان کی قبروں سے وابستہ ہو گئے اور پھر ان کی عبادت کرنے لگے۔ پھر انھیں کے مجسمے بتوں کی صورت میں عرب کے قبائل میں پھیل گئے۔''

من دون اللہ سے مراد علماء اور اولیاء:

''انہوں نے بنالیا اپنے پادریوں اور راہبوں کو (اپنے پروردگار) اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح مریم کے فرزند کو بھی۔'' [التوبۃ:۳۱]

حضرت سید پیر نصیر الدین آف گولڑہ کے الفاظ میں من دون اللہ کی وضاحت:

بعض درگاہی ملاؤں اور خانقاہی زلہ خوروں کا کہنا ہے کہ ہم اپنے مشائخ اور علماء کو معبود تو نہیں سمجھتے، ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے، پھر ہمیں کیوں موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ آیئے ہم یہ کیس (Case) دربارِ رسالت میں پیش کرتے ہیں، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا فیصلہ فرما دیں کہ کیا علماء و مشائخ پر بھی اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے الفاظ کا اطلاق کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں ایک روایت معتبرہ ملاحظہ ہو۔

''حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ میری گردن میں ایک سونے کی صلیب پڑی ہوئی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے عدی! اس بت کو اپنے سے اتار پھینکو اور میں نے یہ سنا کہ آپ سورۂ براۃ کی یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے کہ ''جن لوگوں نے اپنے علماء و مشائخ کو

اللہ کے سوا رب بنالیا۔'' پس میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ لوگ (یہود و نصاریٰ) اپنے بزرگوں کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا وہ لوگ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام نہیں کرتے تھے اور یہ معتقد انہیں حرام تسلیم کر لیتے تھے اور کیا وہ لوگ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال نہیں کرتے تھے اور یہ انہیں حلال مان لیتے تھے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ایسا تو ہے پس آپ نے فرمایا یہی عبادت ہے۔''

جن حضرات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جن آیات میں اصنام کو خطاب کیا گیا، ان آیات کو انبیاء و اولیاء پر منطبق کرنا نہ صرف جہالت ہے، بلکہ تحریف قرآنی ہے۔ وہ ہماری تحقیق بھی ذہن نشین کر لیں کہ غیر اللہ، من دون اللہ، شریک اور انداد کے الفاظ قرآن میں جہاں بھی آئے ہیں، ان سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہو اور جو وصول الی اللہ میں رکاوٹ بنتی ہو۔ اگر اصنام رکاوٹ بن رہے ہوں تو ان الفاظ سے مراد اصنام ہوں گے اور اگر انسان بن رہے ہوں تو انسان مراد ہوں گے۔ اگر کوئی عالم یا شیخ اللہ کے راستے میں رکاوٹ بن رہا ہے تو وہ یصدون عن سبیل اللہ کے زمرے میں آئے گا۔ پس ایسا شخص غیر اللہ، من دون اللہ شریک اور انداد کے الفاظ کا مصداق ٹھہرے گا۔ معلوم ہوا کہ جو چیز اللہ کے راستے میں رکاوٹ بنے وہ غیر اللہ ہے۔ چاہے وہ اصنام ہوں یا کوئی انسان۔ [اعانت واستعانت کی شرعی حقیقت از قلم حضرت پیر سید نصیر الدین نصیر صاحب آف گولڑہ]

مسائل

۱۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ ۲۔ بدعقیدہ لوگ محض اپنے خیالات کی پیروی کرتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے سکون حاصل کرنے کے لیے رات کو بنایا ہے۔

۴۔ علم رکھنے والوں کے لیے دن اور رات میں نشانیاں ہیں۔

تفسیر بالقرآن

من دون اللہ کے دلائل:

۱۔ میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ (یونس: ۱۰۴)

۲۔ مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ (الانعام: ۵۶)

۳۔ کیا میں اللہ کے سوا ان کو پکاروں جو نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ (الانعام: ۷۱)

۴۔ جن کو لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں انھوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ (النحل: ۲۰)

۵۔ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمھارے جیسے بندے ہیں۔ (الاعراف: ۱۹۴)

۶۔ انھوں نے اپنے پادریوں اور راہبوں اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا معبود بنا لیا۔ (التوبۃ: ۳۱)

قَالُوا	اتَّخَذَ اللّٰهُ	وَلَدًا	سُبْحٰنَهٗ ؕ	هُوَ	الْغَنِيُّ ؕ
انہوں نے کہا	بنائی ہے اللہ نے	اولاد	وہ پاک ہے	وہ تو	بے پرواہ ہے
لَهٗ	مَا	فِي	السَّمٰوٰتِ	وَ مَا	فِي الْاَرْضِ ؕ
اسی کے لیے ہے	جو کچھ	میں	آسمانوں	اور جو کچھ	میں زمین
اِنْ	عِنْدَكُمْ	مِّنْ	سُلْطٰنٍۭ	بِهٰذَا ؕ اَ	تَقُوْلُوْنَ
نہیں ہے	تمہارے پاس	سے	کوئی دلیل	اس بات کی کیا	تم کہتے ہو
عَلَى	اللّٰهِ	مَا	لَا	تَعْلَمُوْنَ ۝٦٨	
پر	اللہ	جس کا	نہیں	تم علم رکھتے؟	

''انھوں نے کہا اللہ نے اولاد بنا رکھی ہے۔ وہ پاک ہے، وہ بے پرواہ ہے، اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، تمھارے پاس اس کی اولاد بنانے کی کوئی دلیل نہیں، کیا تم اللہ پر وہ کچھ کہتے ہو جو تم نہیں جانتے؟'' (٦٨)

فہم القرآن

ربط کلام: یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دے کر اس کے ہاں سفارشی بنالیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی نانی کے نذر ماننے سے لے کر ان کی والدہ حضرت مریم کی پیدائش حضرت مریم کا نذر کرنا، حضرت مریم کا جوان ہونا، بغیر خاوند کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنم دینا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت قوم کا حضرت مریم پر تہمت لگانا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گود میں اپنی والدہ کی صفائی پیش کرنا اور اپنی نبوت کا اعلان کرتے ہوئے کہنا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں خدا نہیں ہوں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بڑے ہو کر رسالت کا فریضہ سرانجام دینا، دشمنوں کا آپ کو تختہ دار پر لٹکانے کی کوشش کرنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مجبور ہو کر اپنے حواریوں کو مدد کے لیے بلانا، اللہ تعالیٰ کا انہیں صحیح سالم آسمانوں پر اٹھا لینا، قیامت کے قریب دنیا میں دوبارہ بھیجنا اور پھر انہیں موت دینا، ان میں سے ایک ایک بات ان کی عاجزی، بے بسی اور ان کے عاجز بندہ ہونے کی شہادت دیتی ہے۔ یہی یہودیوں کا حال ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سو سال تک مارے رکھا۔ جب انہیں سو سال کے بعد زندہ کیا اور پوچھا کہ آپ کتنی دیر ٹھہرے رہے۔ انہیں خبر نہ تھی کہ میں ایک سو سال مردہ پڑا رہا ہوں۔ حضرت عزیر علیہ السلام کہنے لگے کہ ایک دن یا اس کا کچھ حصہ ٹھہرا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم سو سال تک ٹھہرے رہے ہو۔ تفصیل کے لیے البقرۃ آیت (٢٥٩) کی تلاوت کریں۔ جو لوگ ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں ان کا دامن بھی دلیل سے خالی ہے۔ اس کے باوجود عیسائی

اپنی جہالت اور یہودی اپنی ضد ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دینے اپنی بے علمی پر اڑے ہوئے ہیں، حالانکہ ان کے پاس کوئی عقلی اور نقلی دلیل نہیں ہے۔اسی بنیاد پر فرمایا ہے۔

﴿اِنْ عِنْدَكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ بِهٰذَا اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ﴾[یونس:٦٨]

''تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل ہے یا تم اللہ پر وہ کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔''

اللہ تعالیٰ کی اولاد قرار دینا سنگین ترین جرم اور گناہ ہے:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًاoلَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّاoتَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّاoأَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا o وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًاo﴾[مریم:٨٨۔٩٢]

''اور انہوں نے کہا رحمٰن کی اولاد ہے۔یہ تو اتنی بری بات تم گھڑ لائے ہو جس سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے، پہاڑ گر پڑیں۔انہوں نے رحمٰن کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا ہے۔حالانکہ رحمٰن کے لیے لائق نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کو اولاد کی ضرورت نہیں۔

۴۔ مشرک کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے حالانکہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

۵۔ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے اسی کا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ اولاد کی محتاجی سے پاک ہے:

۱۔ انہوں نے کہا اللہ نے اولاد بنا رکھی ہے اللہ اولاد سے بے نیاز ہے۔(یونس:٦٨)

۲۔ انہوں نے کہا اللہ نے اولاد بنائی ہے حالانکہ اللہ اولاد سے پاک ہے۔(البقرۃ:۱۱٦)

۳۔ مشرکین نے کہا کہ اللہ کی اولاد ہے اللہ اولاد سے پاک ہے بلکہ سارے اسی کے بندے ہیں۔(الانبیاء:۲٦)

۴۔ اللہ کی کوئی اولاد نہیں اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ ہے۔(المومنون:۹۱)

۵۔ ہمارے پروردگار کی شان بڑی ہے اس نے نہ کسی کو بیوی بنایا ہے نہ اس کی اولاد ہے۔(الجن:۳)

قُلۡ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ

فرما دیجیے — یقیناً — وہ لوگ جو — باندھتے ہیں — پر — اللہ — جھوٹ

لَا يُفۡلِحُوۡنَ ؕ‏ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِى الدُّنۡيَا ثُمَّ اِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ

نہیں — وہ فلاح پائیں گے — تھوڑا سا فائدہ — میں — دنیا — پھر — ہماری ہی طرف — ان کی واپسی ہے

ثُمَّ نُذِيۡقُهُمُ الۡعَذَابَ الشَّدِيۡدَ بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ ﴿۷۰﴾

پھر — ہم چکھائیں گے انہیں — عذاب — بہت سخت — بوجہ اس کے جو — وہ ہیں — وہ کفر کرتے رہے

’’فرما دیں بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔‘‘ (۶۹) ’’دنیا میں تھوڑا سا فائدہ ہے پھر ہماری ہی طرف ان کی واپسی ہے پھر ہم انھیں بہت سخت عذاب چکھائیں گے، اس وجہ سے جو وہ کفر کرتے ہیں۔‘‘ (۷۰)

فہم القرآن

ربط کلام: زمین و آسمان اور ان کے درمیان ہر چیز پر اللہ کا اختیار اور اقتدار ہے۔ سب کچھ اس کی ملکیت میں ہونے کے باوجود مشرک نہ صرف اللہ تعالیٰ کی خدائی میں دوسروں کو شریک کرتا ہے بلکہ کچھ شخصیات کو اللہ کی اولاد قرار دیتا ہے۔ جو سب سے بڑا گناہ ہے۔

مشرک اپنے بلاثبوت اور من گھڑت عقیدہ میں اس قدر اندھا ہو چکا ہوتا ہے کہ وہ شخصیات کی محبت اور اپنے مفادات کی خاطر کسی کو اللہ کی اولاد قرار دینے سے بھی نہیں چوکتا۔ عرب کے کچھ لوگ ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ جس کے لیے وہ یہ بات کہتے تھے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نور ہے اسی طرح ہی ملائکہ بھی نوری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کھانے پینے اور شادی بیاہ کی ضرورت نہیں اسی طرح ملائکہ بھی ان باتوں سے بے نیاز ہیں۔ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کے سو سال بعد زندہ ہونے کی بنا پر انہیں خدا کا بیٹا اور جز قرار دیا۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت اور ان کے بے مثال معجزات اور حضرت مریم کی پاک دامنی سے متاثر ہو کر اس قدر عقیدت میں آگے بڑھ گئے کہ انہوں نے یہ عقیدہ بنایا اور پھیلایا ہے کہ رب کی خدائی حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ اسی بنیاد پر تثلیث ان کے مذہب کی نشانی ٹھہری۔ اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ اور باطل نظریات کی تردید کرتے ہوئے ناقابل تردید تین دلائل دیتے ہوئے اسے بے بنیاد، جھوٹ اور جہالت قرار دے کر فرمایا ہے۔ کہ ان لوگوں کو دوٹوک بتلا دیا جائے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ بولتے ہیں۔ جھوٹے لوگ کبھی فلاح نہیں پائیں گے کیونکہ ان کے پاس کوئی حقیقی اور ٹھوس دلیل نہیں ہے۔ اس جھوٹ اور باطل عقیدہ کے پیچھے ان کے دنیا کے مفادات

ہیں جس نے بالآخر ختم ہونا ہے ان مفتروں اور مجرموں کی ہر صورت ہمارے پاس حاضری ہوگی۔ جھوٹے عقیدے اور حقائق کا انکار کرنے کی وجہ سے انہیں شدید ترین عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

شرک کرنا اللہ تعالیٰ کو گالی دینے کے مترادف ہے:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی کَذَّبَنِیْ ابْنُ اٰدَمَ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ وَشَتَمَنِیْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ فَاَمَّا تَکْذِیْبُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهٗ لَنْ یُّعِیْدَنِیْ کَمَا بَدَاَنِیْ وَلَیْسَ اَوَّلُ الْخَلْقِ بِاَهْوَنَ عَلَیَّ مِنْ اِعَادَتِهٖ وَاَمَّا شَتْمُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهٗ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا وَّاَنَا الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ اَلِدْ وَلَمْ اُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لِّیْ کُفُوًا اَحَدٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ: ابْنِ عَبَّاسٍ وَّاَمَّا شَتْمُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهٗ لِیْ وَلَدٌ وَسُبْحَانِیْ اَنْ اَتَّخِذَ صَاحِبَةً اَوْ وَلَدًا))[رواہ البخاری: باب قولہ قل ھو اللہ احد]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ابنِ آدم مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ یہ اس کے لیے مناسب نہیں۔ وہ میرے بارے میں زبان درازی کرتا ہے یہ اس کے لیے ہرگز جائز نہیں۔ یہ اس کا مجھے جھٹلانا ہے کہ اللہ مجھے دوبارہ پیدا نہیں کرے گا جیسا کہ اس نے پہلی بار پیدا کیا۔ حالانکہ میرے لیے دوسری بار پیدا کرنا پہلی دفعہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ اس کا میرے بارے میں یہ کہنا بدکلامی ہے کہ اللہ کی اولاد ہے جبکہ میں اکیلا اور بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنم دیا اور نہ مجھے کسی نے جنا ہے اور کوئی بھی میری برابری کرنے والا نہیں۔ بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ الفاظ پائے جاتے ہیں کہ ابن آدم کی میرے بارے میں بدکلامی یہ ہے کہ میری اولاد ہے جبکہ میں پاک ہوں نہ میری بیوی ہے نہ اولاد۔“

تین دلائل:

۱۔ اللہ تعالیٰ ان کے خود ساختہ عقیدہ اور من گھڑت شریکوں سے پاک ہے کیونکہ اس کا فرمان ہے:

”کہو وہ پاک ذات جس کا نام اللہ ہے ایک ہے، وہ بے نیاز ہے، نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں“[الاخلاص]

سبحان کا لفظ تعجب اور پاکیزگی کے لیے آتا ہے یہاں لفظ سبحان بیک وقت دونوں معنوں کا احاطہ کر رہا ہے۔

۱: اولاد کے لیے نفسانی خواہش اور بیوی کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ اس سے مبرا ہے۔

۲: اولاد باپ کی معاون اور بڑھاپے میں اس کے کام آتی ہے اللہ تعالیٰ ہر قسم کی محتاجی سے پاک ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے۔ غنی کا معنی صرف دولت مند نہیں بلکہ غنی کا جامع معنی ہے ذاتی اور صفاتی اعتبار سے ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ باقی سب اس کے محتاج اور اس کے در کے فقیر ہیں۔ بے شک انبیاء ہوں یا اولیاء، فوت شدہ ہوں یا زندہ سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ اس کا ارشاد ہے اے لوگو! تم تمام کے تمام اس کے در کے فقیر ہو۔ اللہ غنی اور ہر حوالے سے

تعریف کے لائق ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو ختم کر کے نئی مخلوق لے آئے تم اس کے سامنے دم نہیں مار سکتے۔ وہ ہر اعتبار سے غالب ہے۔ (فاطر: ۱۵۔۱۷)

پھر ارشاد فرمایا کہ جن کو تم پکارتے ہو وہ تو ایک مکھی نہیں پیدا کر سکتے مکھی پیدا کرنا تو درکنار اگر مکھی کوئی چیز اٹھا کر لے جائے تو اس سے واپس نہیں لے سکتے۔ طالب اور مطلوب سب کے سب کمزور ہیں۔ درحقیقت ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ہی نہیں جانی۔ (الحج آیت ۷۳۔۷۴)

۳۔ بیٹا باپ کا وارث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ زمین و آسمانوں اور جو کچھ ان میں ہے سب کا مالک ہے جب سب کچھ اسی کا ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا تو وارث کی کیا ضرورت ہے۔ اس کا ارشاد ہے۔

﴿وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [الحدید: ۱۰]

''اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان کا وارث ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ پر افترا کرنے والے فلاح نہیں پائیں گے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے جھوٹوں کو دنیا میں مہلت دے رکھی ہے۔

۳۔ افتراء بازی کرنے والوں کے لیے شدید ترین عذاب ہے۔

تفسیر بالقرآن

دنیا کی زندگی عارضی ہے:

۱۔ دنیا کی زندگی تھوڑی ہے پھر تمہاری واپسی ہوگی۔ (یونس: ۷۰)

۲۔ کیا تم آخرت کے بدلے دنیا پر خوش ہو گئے ہو جب کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا بالکل قلیل ہے۔ (التوبۃ: ۳۸)

۳۔ نہیں ہے دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں مگر نہایت تھوڑا فائدہ۔ (الرعد: ۲۶)

۴۔ دنیا کی زندگی کھیل تماشا ہے۔ (العنکبوت: ۶۴)

۵۔ نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر دھوکے کا سامان۔ (الحدید: ۲۰)

۶۔ تم آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ (الاعلیٰ: ۱۶)

۷۔ آخرت بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ (الاعلیٰ: ۱۷)

وَ	اتْلُ	عَلَيْهِمْ	نَبَاَ نُوْحٍ ۘ	اِذْ	قَالَ
اور	آپ سنائیں	ان پر	نوح کی خبر	جب	اس نے کہا
لِقَوْمِهٖ	يٰقَوْمِ	اِنْ كَانَ	كَبُرَ	عَلَيْكُمْ	مَّقَامِيْ
اپنی قوم سے	اے میری قوم!	اگر ہے	گراں گزرتا	تم پر	میرا کھڑا ہونا
وَ	تَذْكِيْرِيْ	بِاٰيٰتِ	اللّٰهِ	فَعَلَى	اللّٰهِ	تَوَكَّلْتُ
اور	میرا نصیحت کرنا	آیات کے ساتھ	اللہ	پھر پر	اللہ	میں نے توکل کیا ہے
فَاَجْمِعُوْٓا	اَمْرَكُمْ	وَشُرَكَآءَكُمْ	ثُمَّ	لَا	يَكُنْ
لہٰذا تم متفقہ فیصلہ کرلو	اپنے معاملے کا	اپنے شریکوں سمیت	پھر	نہ	رہے

''اورانھیں نوح کی خبر پڑھ کر سنائیں جب اس نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اگر میرا کھڑا ہونا اور اللہ کی آیات کے ساتھ میرا نصیحت کرنا تم پر گراں گزرتا ہے تو میں نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا ہے، پس تم اپنا معاملہ اپنے شرکاء کے ساتھ مل کر متفقہ فیصلہ کرلو پھر

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت نوح کی قوم نے فوت شدہ بزرگوں کو اللہ کا شریک بنا رکھا تھا اور انہیں اللہ کے ہاں سفارشی بناتے تھے۔ حضرت نوح نے انہیں بہت روکا مگر وہ باز نہ آئے۔ جس کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو سمجھایا مگر قوم سمجھنے کی بجائے گمراہی اور دشمنی میں آگے ہی بڑھتی گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام قوم کو سمجھاتے رہے کہ میں اس محنت شاقہ اور صبح، شام کی محنت پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ میرا معاملہ اور اجر وثواب اللہ کے ہاں ہے۔ لیکن قوم نے ان کی ایک نہ سنی الٹا الزام پہ الزام دیتی اور ان سے عذاب کا مطالبہ کرتی رہی۔

اس صورت حال سے تنگ آکر جناب نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ اے میری قوم اگر میرا رہنا اور سمجھانا تمہارے لیے بالکل ہی ناگوار ہوگیا ہے تو میرے خلاف اپنی تمام تدبیریں کرلو۔ الگ الگ نہیں سب مل کر بلکہ اپنے مشکل کشاؤں اور حاجت رواؤں کو بھی جمع کرلو۔ اپنی سازشوں اور شرارتوں میں کوئی کسر باقی نہ رہنے دو۔ اس میں تمہیں کوئی حسرت باقی نہیں رہنی چاہیے بس میرے خلاف کرلو جو کچھ کرنا چاہتے ہو۔ ہاں ہاں مجھے ایک لمحہ بھی مہلت نہیں چاہیے۔ میرا اللہ پر بھروسہ ہے اگر اس نے چاہا تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ چنانچہ پھر وہی کچھ ہوا جو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ایماندار ساتھی سلامت رہے۔ ان کی قوم حتی کہ ان کا ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو زمین پر اقتدار دیا۔ نافرمان بیٹا ڈبکیاں دے دے کر ختم کردیا گیا۔ جس کی تفصیل بارہویں پارہ سورۂ ہود کی آیت (۴۳) میں پڑھیں گے۔

اَمْرُكُمْ	عَلَيْكُمْ	غُمَّةً	ثُمَّ	اقْضُوْٓا			
تمہارا معاملہ	تم پر	مبہم	پھر	تم نافذ کردو (اپنا فیصلہ)			
اِلَيَّ	وَلَا	تُنْظِرُوْنِ ﴿٧١﴾	فَاِنْ	تَوَلَّيْتُمْ	فَمَا	سَاَلْتُكُمْ	
مجھ پر	اور نہ	تم مہلت دو مجھے	پھر اگر	تم منہ پھیرلو	تو نہیں	میں نے تم سے سوال کیا	
مِّنْ	اَجْرٍ	اِنْ	اَجْرِيَ	اِلَّا	عَلَى	اللّٰهِ	وَ
سے	اجر	نہیں ہے	میرا اجر	مگر	پر	اللہ	اور
اُمِرْتُ	اَنْ اَكُوْنَ	مِنَ	الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٧٢﴾	فَكَذَّبُوْهُ	فَنَجَّيْنٰهُ		
میں حکم دیا گیا ہوں	یہ کہ جاؤں میں	سے	فرمانبرداروں	پھر انہوں نے جھٹلایا اس کو تو	ہم نے نجات دی اسے		

تمہارا معاملہ تم پر کسی طرح مبہم نہ رہے پھر میرے ساتھ کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو۔" (٧١) "پھر اگر تم منہ موڑ لو تو میں نے تم سے کوئی اجر نہیں مانگا، میرا اجر تو اللہ کے سوا کسی کے ذمے نہیں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں سے ہوں۔" (٧٢) "پس انھوں نے اسے جھٹلا دیا تو ہم نے اسے نجات دی

مشرکوں کے لیے دعوتِ توحید بھاری ہوا کرتی ہے۔

﴿إِنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ [الصافات: ٣٥]

"انہیں جب کہا جاتا ہے اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں تو وہ تکبر کرتے ہیں۔"

﴿وَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ [الزمر: ٤٥]

"جب اللہ اکیلے کا ذکر کیا جائے تو وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل تنگ ہو جاتے ہیں اور جب اللہ کے علاوہ دوسروں کا ذکر کیا جائے تو کھل اُٹھتے ہیں۔"

﴿وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهُ وَلَّوْا عَلٰى أَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا﴾ [الاسراء: ٤٦]

"اور جب قرآن میں اکیلے رب کا ذکر کرتے ہیں تو کافر بدک کر پیٹھ پھیر لیتے ہیں۔"

مسائل

١۔ تمام انبیاء بلا معاوضہ تبلیغِ دین کیا کرتے تھے۔

٢۔ تمام انبیاء صرف اللہ پر توکل کرتے تھے۔

٣۔ تمام انبیاء نے بالآخر نافرمانوں کو چیلنج دیا کہ جو چاہو کر لو تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

وَمَنْ	مَّعَهٗ	فِي	الْفُلْكِ	وَ	جَعَلْنٰهُمْ	خَلٰٓئِفَ	وَ
اور جو	اس کے ساتھ تھے	میں	کشتی	اور	ہم نے بنا دیا انہیں	جانشین	اور
اَغْرَقْنَا	الَّذِيْنَ	كَذَّبُوْا	بِاٰيٰتِنَا ۚ	فَانْظُرْ			
ہم نے غرق کر دیا	ان لوگوں کو	جنھوں نے جھٹلایا	ہماری آیات	پس آپ دیکھیں			
كَيْفَ	كَانَ	عَاقِبَةُ	الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾				
کیسا	ہوا	انجام	ڈرائے گئے				

اوران کوبھی جواس کے ساتھ تھے کشتی میں اورانھیں جانشین بنایا اوران لوگوں کوغرق کر دیا جنھوں نے ہماری آیات کوجھٹلایا تھا۔ آپ پس دیکھیں انجام کیسا ہوا ڈرائے گئے لوگوں کا۔'' (۷۳)

تفسیر بالقرآن

قوم کے الزامات:

۱۔ قوم نے نوح کوگمراہ قرار دیا۔(الاعراف:۶۰)

۲۔ نوح پاگل ہے۔(المومنون:۲۵)

۳۔ نوح توہم جیسا انسان ہے۔(ہود:۲۷)

۴۔ یہ ہم پر لیڈری چمکاتا ہے۔(المومنون:۲۴)

۵۔ ہم تواس میں کوئی خوبی نہیں دیکھتے۔(ہود:۲۷)

۶۔ اس کے چاہنے والے نیچ لوگ ہیں۔(ہود:۲۷)

۷۔ اے نوح تجھے پتھر مار مار کر مار دیں گے۔(الشعراء:۱۱۶)

۸۔ قوم نے نوح سے اپنے چہرے چھپا لیے۔(نوح:۷)

۹۔ کفار نے حضرت نوح کے خلاف زبردست مکاریاں کیں۔(نوح:۷)

۱۰۔ ہمارا تمہارا جھگڑا طویل تر ہو گیا ہے نوح تو سچا ہے تو بس عذاب لے آ۔(ہود:۳۲)

۱۱۔ قوم نوح نے رسولوں کی تکذیب کی۔(الشعراء:۱۰۵)

ثُمَّ	بَعَثْنَا	مِنْ	بَعْدِهٖ	رُسُلًا	اِلٰى	قَوْمِهِمْ
پھر	ہم نے بھیجے	سے	بعد	کئی رسول	طرف	ان کی قوم

فَجَآءُوْهُمْ	بِالْبَيِّنٰتِ	فَمَا	كَانُوْا	لِيُؤْمِنُوْا	بِمَا	كَذَّبُوْا
پس لائے وہ ان کے پاس	واضح دلیلیں	پس نہ	ہوئے وہ	تاکہ وہ ایمان لائیں	اس چیز کے ساتھ	جھٹلایا انھوں نے

بِهٖ	مِنْ	قَبْلُ ؕ	كَذٰلِكَ	نَطْبَعُ	عَلٰى	قُلُوْبِ	الْمُعْتَدِيْنَ ۝
ساتھ اس کے	سے	پہلے	اسی طرح	ہم مہر لگادیتے ہیں	پر	دلوں ان لوگوں کے	جو حد سے گزرتے ہیں

”پھر اس کے بعد ہم نے کئی پیغمبران کی قوم کی طرف بھیجے تو وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے۔ پس وہ ہرگز نہ ہوئے کہ اس پر ایمان لاتے جسے اس کو پہلے جھٹلا چکے تھے۔ اسی طرح ہم حد سے گزرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔“ (۷۴)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر، ان کی عدیم المثال اور پرخلوص جدوجہد کا خاکہ پیش فرما کر ان کی قوم کا انجام بیان کرنے کے بعد سلسلہ نبوت کے تسلسل کا اشارہ فرمایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جن انبیاء کا ذکر کیا ہے وہ نہ صرف اپنی اپنی قوم کے رہبر و رہنما تھے بلکہ یہ عالی مرتبت شخصیات اپنے سے پہلے انبیاء کی اقوام کے بھی رہنما تھے۔ اس لیے قرآن مجید میں رسول محترم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اے رسول! ہم آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے حالات تو بیان کر دیئے گئے ہیں اور کچھ کے نہیں کیے کسی رسول کے پاس یہ طاقت نہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی معجزہ پیش کرتا۔ (المؤمن: ۷۸)

یہاں حضرت نوح علیہ السلام کے تذکرہ کے بعد فرمایا ہے کہ ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد انبیاء کی بعثت کا سلسلہ جاری کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد میں جلوہ گر کیے گئے جو انہی کی قوم کا ایک نمائندہ اور معتبر قبیلہ تھا یہ لوگ عمان اور حضرموت کے درمیان ریت کے ٹیلوں والے علاقہ میں رہتے تھے جو سمندر کے کنارے واقع تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام کے قبیلہ کا نام مغیث تھا۔ (قصص الانبیاء)

حضرت ہود علیہ السلام کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم ثمود میں مبعوث کیے گئے یہ قوم تبوک اور حجاز کے درمیان حجر کے علاقہ میں رہتی تھی جسے مدائن صالح بھی کہا جاتا ہے۔ یہ علاقہ خلیج عقبہ کے مشرق میں واقع ہے۔ قوم ثمود صنعت وحرفت میں اس قدر ترقی یافتہ تھی کہ انہوں نے پہاڑ تراش، تراش کر بڑے بڑے بنگلے اور مکانات تیار کیے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام عراق کی سرزمین میں جلوہ گر کیے گئے۔

جناب ابراہیم علیہ السلام کے بعد سلسلۂ نبوت اس وقت کی دنیا میں پھیلا دیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دور میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حجاز مقدس میں ٹھہرایا۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کو فلسطین کے علاقہ میں قیام کا حکم دیا۔ یہ علاقہ اس وقت مصر، شام پر مشتمل تھا۔ اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو اردن کے گردونواح میں لوگوں کی اصلاح کی ذمہ داری سونپی۔ خود خلیل اللہ علیہ السلام فلسطین میں قیام پذیر ہوئے مگر وقفہ وقفہ سے ان مراکز کا دورہ کرتے رہتے تھے۔ ان کے بعد بے شمار انبیاء علیہم السلام مبعوث کیے گئے جن میں حضرت شعیب، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت ایوب، حضرت ذوالکفل، حضرت یونس، حضرت موسیٰ علیہم السلام مبعوث فرمائے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کئی پیغمبر بھیجے گئے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث فرمائے گئے سب سے آخر میں خاتم النبیین سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے لیے رسول بنایا گیا۔ یہ انبیائے کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹھوس، واضح دلائل اور عظیم الشان معجزات کے ساتھ بھیجے گئے۔ مگر لوگوں کی غالب اکثریت نے انبیاء علیہم السلام کا پیغام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جس وجہ سے ان کے دلوں پر گمراہی کی مہر ثبت کر دی گئی۔

مسائل

۱۔ انبیاء علیہم السلام اپنی اقوام کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تھے۔

۲۔ بہت سے لوگ دلائل کی موجودگی میں بھی ایمان نہیں لاتے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرنے والوں کے دلوں پر مہریں ثبت کر دی جاتی ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نافرمانوں کے دلوں پر مہر ثبت کر دیتا ہے:

۱۔ ہم اسی طرح حد سے نکل جانے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیا کرتے ہیں۔ (یونس:۷۴)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ (النساء:۱۵۵)

۳۔ اللہ کفار کے دلوں پر مہر ثبت کرتا ہے۔ (الاعراف:۱۰۱)

۴۔ جو لوگ ایمان لائے اور اس کے بعد کفر کیا ان کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی۔ (المنافقون:۳)

۵۔ اللہ ہر تکبر کرنے والے سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ (المومن:۳۵)

۶۔ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر ثبت فرما دی سو وہ نہیں جانتے۔ (التوبۃ:۹۳)

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ىِٕهٖ

پھر ہم نے بھیجا سے بعد موسیٰ اور ہارون کو طرف فرعون اوراس کے سرداروں

بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿٧٥﴾

اپنی آیات کے ساتھ چنانچہ انہوں نے تکبر کیا اور ہوئے وہ لوگ مجرم

”پھران کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کوفرعون اوراس کے سرداروں کی طرف اپنی آیات دے کر بھیجا تو انھوں نے تکبر کیا اور تھے وہ مجرم لوگ۔“(٧٥)

فہم القرآن

ربط کلام: عظیم المرتبت اور اولوالعزم انبیاء کی ایک جماعت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا آغاز ہوتا ہے۔

ارشاد ہوا کہ ہم نے بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو بڑے بڑے معجزات اور دلائل دے کر فرعون اوراس کے سرداروں کی طرف بھیجا مگر انہوں نے ان کے ساتھ تکبر کا رویہ اختیار کیا یہ لوگ بڑے مجرم اور سرکش تھے۔قرآن مجید میں جابجا حضرت موسیٰ اور فرعون کی کشمکش کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔جس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اے اہل حجاز ہم نے تمہاری طرف ایسا رسول بھیجا ہے جیسا فرعون کی طرف بھیجا تھا۔فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی ہم نے پوری سختی کے ساتھ اس کی گرفت کی۔(المزمل:١٥۔١٦)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا مقصد:

﴿اذْهَبْ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِاٰيَاتِیْ وَلَا تَنِيَا فِیْ ذِكْرِیْ ○ اذْهَبَا إِلٰى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغٰى ○ فَقُوْلَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُأَوْ يَخْشٰى ○ قَالَا رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ أَنْ يَفْرُطَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يَطْغٰى○ قَالَ لَا تَخَافَا إِنَّنِیْ مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرٰى ○ فَأْتِيَاهُ فَقُوْلَا إِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْ إِسْرَائِيْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنَاكَ بِاٰيَةٍ مِنْ رَبِّكَ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى○﴾[طٰہٰ: ٤٢۔٤٧]

”اے موسیٰ!تو اور تیرا بھائی میرے معجزات لے کر جاؤ اور میرے ذکر میں کوتاہی نہ کرنا تو دونوں فرعون کے ہاں جاؤ وہ بڑا سرکش ہوگیا ہے دیکھو اُسے نرمی سے بات کہنا شاید وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے انھوں نے عرض کی اے پروردگار ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا مزید سرکشی اختیار کرے اللہ نے فرمایا ڈرنے کی ضرورت نہیں میں تمھارے ساتھ ہوں سب کچھ سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں لہٰذا اُس کے پاس جاؤ اور اُسے کہنا ہم تیرے رب کے رسول ہیں بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کے لیے آزاد کردے اور انھیں کسی قسم کی تکلیف نہ دے۔ہم تیرے پاس

تیرے پروردگار کی نشانی لے کر آئے ہیں اُس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی اختیار کرتا ہے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہونے والے معجزات:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسٰى تِسْعَ اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَاسْأَلْ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ إِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ إِنِّيْ لَأَظُنُّكَ يَا مُوسٰى مَسْحُوْرًا﴾[الاسراء:۱۰۱]

''ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ۹ واضح نشانیاں دی تھیں بنی اسرائیل سے پوچھ لیجیے کہ جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آئے تو فرعون نے کہا کہ میں تجھے سحر زدہ سمجھتا ہوں۔''

((قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَمُجَاهِدُ، وَعِكْرَمَةُ وَالشَّعْبِيُّ، وَقَتَادَةُ هِيَ يَدُهٗ، وَعَصَاهُ، وَالسِّنِيْنُ، وَنَقْصُ الثَّمَرَاتِ، وَالطُّوْفَانُ، وَالْجَرَادُ، وَالْقُمَّلُ، وَالضَّفَادِعُ، وَالدَّمُ))[ابن کثیر]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مجاہد، عکرمہ، شعبی اور قتادہ کے قول کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی جانے والی نشانیاں یہ تھیں۔ ۱۔ید بیضاء، ۲۔عصا، ۳۔قحط سالی، ۴۔پھلوں کی کمی، ۵۔طوفان، ۶۔ٹڈی دل، ۷۔جوئیں کھٹمل، ۸۔مینڈک اور ۹۔خون کے عذاب۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنے بھائی کے لیے دعا:

﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ○ وَيَسِّرْ لِيْ أَمْرِيْ ○ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِيْ ○ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ○ وَاجْعَلْ لِيْ وَزِيْرًا مِنْ أَهْلِيْ ○ هَارُوْنَ أَخِيْ ○ اشْدُدْ بِهٖ أَزْرِيْ ○ وَأَشْرِكْهُ فِيْ أَمْرِيْ ○﴾[طٰہٰ:۲۵۔۳۲]

''موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے میرے پروردگار میرا سینہ کھول دے، میرے کام آسان کر دے، میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ وہ میری بات سمجھ سکیں اور میرے لیے میرے خاندان میں سے ایک مددگار مقرر کر دے ہارون کو جو میرا بھائی ہے اُس سے میری قوت کو مضبوط کر اور اُسے میرے کام میں شریک کار کر۔''

تکبر کیا ہے:

((عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَ نَعْلُهٗ حَسَنًا قَالَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ))[رواہ مسلم: کتاب الیمان، باب تحریم الکبر وبیانہ]

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جس شخص کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا' وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے کہا کہ بے شک ہر شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اور جوتے اچھے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نہایت ہی خوب صورت ہے اور خوب صورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر تو حق بات کا

انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔“

قیامت کے دن رب ذوالجلال کا سوال کرنا:

((عَنْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَطْوِى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ السَّمٰوَاتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُهُنَّ بِيَدِهِ الْيُمْنَى ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ ثُمَّ يَطْوِى الْأَرَضِينَ بِشِمَالِهِ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ))[رواہ مسلم: باب صفة القيامة والجنة والنار]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ آسمان کو قیامت کے دن لپیٹ لے گا پھر اس کو دائیں ہاتھ میں پکڑے گا، پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں۔ کہاں ہیں جابر لوگ؟ کہاں ہیں تکبر کرنے والے؟ پھر زمین کو بائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا، پھر اعلان ہوگا میں بادشاہ ہوں کہاں ہیں جابر لوگ؟ اور کہاں ہیں تکبر کرنے والے؟“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو معجزات دے کر بھیجا۔

۲۔ اللہ کی آیات کی تکذیب کرنے والے لوگ مجرم ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

فرعون اور اس کے سرداروں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ تکبر کیا:

۱۔ اللہ نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس نشانیوں کے ساتھ بھیجا مگر انہوں نے تکبر کیا۔ (یونس: ۷۵)

۲۔ اللہ نے حضرت موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا پس انہوں نے تکبر کیا۔ (المومنون: ۴۶)

۳۔ حضرت موسیٰ، فرعون اور اس کے حواریوں کے پاس معجزات لے کر آئے مگر انہوں نے تکبر کیا۔ (العنکبوت: ۳۹)

۴۔ ہم نے ان پر طوفان، ٹڈیوں، جوؤں، مینڈک اور خون کتنی کھلی ہوئی نشانیاں بھیجیں مگر وہ تکبر ہی کرتے رہے اور وہ مجرم تھے۔ (الاعراف: ۱۳۳)

۵۔ اُن کے پاس موسیٰ علیہ السلام کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ زمین میں مغرور ہو گئے وہ ہم سے سبقت لے جانے والے نہ تھے۔ (العنکبوت: ۳۹)

۶۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں ہر متکبر سے جو آخرت کے دن پر یقین نہیں رکھتا اپنے پروردگار کی پناہ میں ہوں۔ (المومن: ۲۷)

فَلَمَّا	جَآءَهُمُ	الْحَقُّ	مِنْ	عِنْدِنَا	قَالُوْٓا	اِنَّ	هٰذَا
پھر جب	آ گیاان کے پاس	حق	سے	ہماری طرف	انہوں نے کہا	بلا شبہ	یہ
لَسِحْرٌ	مُّبِيْنٌ	قَالَ	مُوْسٰٓى	اَ	تَقُوْلُوْنَ	لِلْحَقِّ	لَمَّا
یقیناً جادو ہے	ظاہر	اس نے کہا	موسیٰ نے	کیا	تم کہتے ہو	حق کے لیے	جب
جَآءَكُمْ	اَسِحْرٌ	هٰذَا	وَلَا	يُفْلِحُ	السّٰحِرُوْنَ		
وہ آیا تمہارے پاس	کیا جادو ہے	یہ؟	حالانکہ نہیں	فلاح پاتے	جادوگر		

''تو جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا تو کہنے لگے یقیناً یہ تو واضح طور جادو ہے۔'' (۷۶) ''موسیٰ نے کہا کیا تم حق کے بارے میں یہ کہتے ہو، جب وہ تمھارے پاس آیا۔ کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر فلاح نہیں پاتے۔'' (۷۷)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

سورۃ طٰہٰ میں تفصیل ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپسی پر شجر مبارکہ کے پاس روشنی کے قریب پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ اے موسیٰ میں تیرا رب ہوں اور تو مقدس وادی میں داخل ہو چکا ہے۔ اس لیے اپنے جوتے اتار دے۔ میں نے تجھے نبوت کے لیے منتخب کر لیا ہے۔ لہٰذا جو تیری طرف وحی کی جاتی ہے اسے توجہ کے ساتھ سن، یقین کر! میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بس میری عبادت کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔ بے شک قیامت آنے والی ہے جس کے برپا ہونے کو میں نے چھپا رکھا ہے۔ جب وہ برپا ہوگی تو ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلا دیا جائے گا۔ جو شخص قیامت پر یقین نہیں رکھتا تجھے اس کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے۔ جو اپنی خواہش کے پیچھے چلے گا وہ برباد ہوگا پھر استفسار فرمایا کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی میرے ہاتھ میں لاٹھی ہے۔ جس پر میں ٹیک لگا لیتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لیے درختوں کے پتے جھاڑتا ہوں اور اس سے دوسرے کام بھی لیتا ہوں۔ ارشاد ہوا: اسے زمین پر پھینکیے موسیٰ علیہ السلام نے اسے زمین پر پھینکا تو وہ بہت بڑا سانپ بن کر دوڑنے لگا۔ ارشاد ہوا۔ ڈرنے کی بجائے اسے پکڑ لو۔ یہ پھر لاٹھی بن جائے گا۔ اب اپنے ہاتھ کو اپنی بغل میں دبا کر باہر نکالو۔ جو صحیح سالم چمکتا ہوا دکھائی دے گا۔ یہ دوسری نشانی ہے۔ ان کے ساتھ فرعون کی طرف جاؤ بلاشبہ وہ بڑا باغی انسان ہے۔

سورہ طٰہٰ میں میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اے موسیٰ تو اور تیرا بھائی ان معجزات کے ساتھ فرعون کے پاس

جاؤ اور میرے ذکر میں غفلت نہ کرنا بے شک فرعون بڑا سرکش اور باغی ہے۔لیکن بات نہایت نرمی کے ساتھ کہنا ہوسکتا ہے وہ نصیحت قبول کرے اور ڈر جائے۔دونوں بھائیوں نے اپنے رب سے عرض کی کہ ہمیں ڈر لگتا ہے کہ ہم پر وہ زیادتی کرے گا۔ ارشاد ہوا ہرگز نہیں ڈرنا کیونکہ میری رفاقت تمہارے ساتھ ہوگی اور میں تمہیں دیکھتے ہوئے تمہارے ساتھ ہوں گا۔جب حضرت موسیٰ اور جناب ہارون علیہما السلام فرعون کے پاس پہنچے تو انہوں نے اسے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو آزاد کردو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ۔جو شخص اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق چلے گا وہ سلامت رہے گا یقیناً ہمیں اللہ تعالیٰ نے تیرے پاس بھیجا ہے اور ہم پر وحی کی گئی ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو جھٹلایا اور ٹھکرایا اسے شدید ترین عذاب ہوگا۔(طٰہٰ:۴۷۔۴۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مابین مکالمہ:

﴿قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يَا مُوسٰى﴾[طٰہٰ:۴۹]

فرعون: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہ تمہارا رب کون ہے؟''

﴿قَالَ رَبُّنَا الَّذِىْ أَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى﴾[طٰہٰ:۵۰]

حضرت موسیٰ علیہ السلام: ''ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کی رہنمائی فرمائی۔''

﴿قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْأُوْلٰى﴾[طٰہٰ:۵۱]

فرعون: ''اے موسیٰ جو پہلے لوگ گزر چکے ان کا کیا حال ہوگا۔''

﴿قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّىْ فِىْ كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّىْ وَلَا يَنْسٰى﴾[طٰہٰ:۵۲]

حضرت موسیٰ علیہ السلام: ''ان کا علم میرے رب کے پاس ہے جو لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے میرا رب نہ چوکتا ہے نہ بھولتا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا تفصیلی تعارف کرایا اور اس کی توحید بیان فرمائی اور قیامت کے دلائل دیئے لیکن اس نے نہ صرف دلائل کو ٹھکرایا بلکہ معجزات دیکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی توحید اور موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کرتے ہوئے اپنے حواریوں سے مخاطب ہوکر کہا کہ دونوں بھائی جادو کے ذریعے تمہارے ملک سے تمہیں نکالنا چاہتے ہیں۔اس کے ساتھ ہی یہ چیلنج دیا کہ ہم تمہارے مقابلے میں اس سے بڑا جادو پیش کریں گے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے بہت سمجھایا کہ جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتے کیونکہ ان کے کام میں سچائی نہیں ہوتی۔یہاں اس کا اختصار ہے کہ جب فرعون اور اس کے ساتھیوں کے پاس حق پہنچ چکا تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے۔جس کا جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دیا کہ حق بات کو جادو کہتے ہو، جادوگر تو کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا۔گویا کہ دوسرے الفاظ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سمجھایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہے جو غالب آکر رہے گا۔

جادو کفر ہے:

﴿وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَى مُلْكِ سُلَيْمَانَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾[البقرة:١٠٢]

''اور وہ اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین حضرت سلیمانؑ کی مملکت میں پڑھتے تھے۔ سلیمانؑ نے تو کفر نہیں کیا تھا۔ یہ کفر تو شیطان کرتے تھے جو لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے جو بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر اتارا گیا۔ وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش میں ہیں تو کفر نہ کر۔''

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ اَوْتُطُيِّرَلَهُ اَوْتَكَهَّنَ اَوْتُكُهِّنَ لَهُ اَوْ سَحَرَ اَوْ سُحِرَ لَهُ وَمَنْ اَتَىٰ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَااُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ))[الترغيب و الترهيب]

''جو شخص فال نکالے یا اس کے لیے فال نکالی جائے' کوئی غیب کی خبریں دے یا اس کے لیے کوئی دوسرا ایسی خبر دے ایسے ہی کوئی خود جادوگر ہو یا دوسرا شخص اس کے لیے جادو کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جو کوئی ایسے شخص کے پاس جائے اور اسکی باتوں کی تصدیق کرے اس نے ہر اس بات کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔''

مسائل

۱۔ کفار حق کو جادو قرار دیتے ہیں۔ ۲۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت کی۔ ۳۔ جادوگر کامیاب نہیں ہوتے۔

تفسیر بالقرآن

فلاح نہ پانے والے لوگ:

۱۔ جادوگر فلاح نہیں پاتے۔ (یونس:۷۷)

۲۔ اُس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ کی آیات کی تکذیب کرتا ہے۔ بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔ (الانعام:۲۱)

۳۔ یوسف علیہ السلام نے کہا اللہ کی پناہ مجھے میرے آقا نے بہتر ٹھکانہ دیا ہے یقیناً ظالم فلاح نہیں پاتے۔ (یوسف:۲۳)

۴۔ اگر اللہ کا ہم پہ احسان نہ ہوتا تو ہم زمین میں دھنسا دیے جاتے کافر فلاح نہیں پاتے۔ (القصص:۸۲)

۵۔ بے شک وہ لوگ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں فلاح نہیں پائیں گے۔ (یونس:۶۹۔ النحل:۱۱۶)

۶۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے اُس کی جناب سے کون ہدایت لے کر آیا ہے اور کس کے لیے آخرت کا گھر ہے یقیناً ظالم فلاح نہیں پائیں گے۔ (القصص:۳۷)

۷۔ انہوں نے جادو کا کھیل کھیلا ہے اور جادوگر فلاح نہیں پاتے۔ (طٰہٰ:۶۹)

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا

انہوں نے کہا کیا تو آیا ہے ہمارے پاس تاکہ پھیر دیں آپ ہمیں اس سے ہم نے پایا اس پر اپنے باپ دادا کو

وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور ہوتم دونوں کے لیے بڑائی میں زمین اور نہیں ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے

''انھوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اس راہ سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور اس سرزمین میں تم دونوں ہی کو بڑائی مل جائے اور ہم تم دونوں کو کسی صورت ماننے والے نہیں ہیں۔'' (٧٨)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان گفتگو جاری ہے۔

فرعون کے حواری اس کی تائید کرتے ہوئے بات میں اضافہ کرتے ہیں کہ اے موسیٰ اور ہارون کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمیں اپنے باپ دادا کے دین سے پھیر دو اور ملک میں تم بڑے لیڈر بن جاؤ؟ یاد رکھو ہم ہرگز تمہیں ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ حواریوں کی اس بات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرعون نے کہا کہ ان دونوں جادوگروں کا مقصد یہ ہے کہ جادو کے ذریعے تمہیں تمہارے ملک سے نکال دیں اور تمہارا مثالی تہذیب وتمدن ختم کردیں لہٰذا اپنی منصوبہ بندی کرو تاکہ ہم کامیاب رہیں۔ (طٰہٰ: ٦٣۔٦٤) قرآن مجید اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ ابتدا ہی سے انبیائے کرام علیہم السلام کو یہ الزام دیا جاتا رہا ہے کہ یہ جادوگر ہیں۔ (الذاریات: ٥٢) قرآن مجید یہ بھی بتلاتا ہے کہ انبیاء کے راستے میں آنے والی رکاوٹوں میں ایک رکاوٹ آباء کی تقلید ہوا کرتی تھی۔ یہی بات فرعون کے حواریوں نے کہی۔ اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فرعون نے کہا تھا کہ اگر تمہارا عقیدہ اور دعوت صحیح ہے تو پھر ہمارے پہلے لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ اس کا مقصد لوگوں کے جذبات کے ساتھ کھیلنا تھا۔ کیونکہ انسان خود کتنا برا کیوں نہ ہو۔ وہ اپنے فوت شدہ آباؤ اجداد اور بزرگوں کے نظریات کے حوالے سے کوئی تنقید سننا گوارا نہیں کرتا۔ خواہ کہنے والا اعلیٰ اخلاق، نہایت اخلاص اور خیرخواہی کے جذبے سے ہی کیوں نہ سمجھا رہا ہو۔ تقلید ایسی نازک رگ ہے جو معمولی ارتعاش کو بھی گوارا نہیں کرتی۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو یہ جواب دیا جو آپ کی فہم وفراست کا بے مثال نمونہ ہے:

﴿قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتَابٍ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسٰی﴾ [طٰہٰ: ٥٢]

''ان کا معاملہ میرے رب کو معلوم ہے جو نہ بھولتا ہے اور نہ اس کی نگاہ سے کوئی چیز چھپی ہوئی ہے۔''

آباء کی اندھی تقلید کا انجام:

﴿وَقَالُوا رَبَّنَآ إِنَّآ أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَ نَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلاً ○ رَبَّنَا اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ○﴾ [الاحزاب:٦٧۔٦٨]

''اور کہیں گے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا حکم مانا انہوں نے ہمیں سیدھی راہ سے بہکا دیا اے رب ان پر دوگنا عذاب کر اور ان پر سخت لعنت فرما۔''

بڑے لوگوں کا کردار:

﴿وَكَذٰلِكَ مَآ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَ نَا عَلٰى أُمَّةٍ وَّإِنَّا عَلٰى اٰثَارِهِمْ مُقْتَدُوْنَ ○ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِأَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ اٰبَاءَ كُمْ قَالُوْا إِنَّا بِمَآ أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُوْنَ○ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ○﴾ [الزخرف:٢٣تا٢٥]

''اسی طرح ہم نے کسی بستی میں جب بھی کوئی ڈرانے والا بھیجا تو اُس بستی کے لوگوں نے یہی کہا ہم نے اپنے آباء و اجداد کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم ان کے نقش قدم کی اقتداء کر رہے ہیں۔ کہا خواہ میں تمہارے پاس اس سے زیادہ صحیح طریقہ لاؤں جس پر تم نے اپنے آباء کو پایا تھا کہنے لگے جو پیغام دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اُس کے منکر ہیں۔ چنانچہ ہم نے ان سے بدلہ لے لیا دیکھ لو جھوٹوں کا انجام کیسا ہوا۔''

مسائل

۱۔ حق کے مقابلہ میں لوگ آباء کی تقلید چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ۲۔ کفار انبیاء کو جادوگر کہا کرتے تھے۔

۳۔ دنیادار اپنی جاگیر اور چودھراہٹ کی خاطر ایمان نہیں لاتے۔

تفسیر بالقرآن

حق کے مقابلہ میں آباء کی تقلید:

۱۔ کفار نے کہا ہم تو اپنے آباؤاجداد کی پیروی کریں گے۔ (البقرۃ:۱۷۰)

۲۔ کفار نے کہا ہمارے لیے اپنے آباؤاجداد کا طریقہ ہی کافی ہے۔ (المائدۃ:۱۰۴)

۳۔ کفار نے کہا ہم تو اسی کی تابعداری کریں گے جس پر اپنے آباء کو پایا ہے۔ (لقمان:۲۱)

۴۔ کفار نے کہا ہم نے اپنے آباء کو ایک طریقہ پر پایا ہے ہم انہی کی اقتداء کرتے ہیں۔ (الزخرف:۲۳)

۵۔ کہیں گے ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا حکم مانا انہوں نے ہمیں سیدھی راہ سے گمراہ کر دیا۔ (الاحزاب:٦٧)

وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ

اور کہا فرعون تم لے آؤ میرے پاس ہر جادوگر ماہر سو جب آ گئے

السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾

جادوگر فرمایا انکے لیے موسیٰ نے تم ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہو

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ

سو جب انہوں نے ڈالا فرمایا موسیٰ وہ چیز تم لائے ہو اس کے ساتھ جادو ہے

اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

یقیناً اللہ جلدی باطل کرے گا اسے یقیناً اللہ نہیں وہ درست کرتا کام فساد کرنے والوں کے

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۱۲

اور ثابت کرتا ہے اللہ حق اپنے کلمات کے ساتھ اگرچہ ناپسند کریں مجرم لوگ

''اور فرعون نے کہا میرے پاس ہر ماہر جادوگر لے کر آؤ۔'' (۷۹) ''تو جب جادوگر آ گئے تو موسیٰ نے ان سے کہا ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہو۔'' (۸۰) ''جب انھوں نے ڈالا، موسیٰ نے کہا تم جو کچھ لائے ہو یہ تو جادو ہے، یقیناً اللہ اسے جلدی جھوٹا ثابت کر دے گا۔ بے شک اللہ مفسدوں کا کام درست نہیں کرتا۔'' (۸۱) ''اور اللہ حق کو اپنے فرمان کے ساتھ حق ثابت کر دیتا ہے، خواہ مجرم ناپسند کریں۔'' (۸۲)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان مکالمہ جاری ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت فقط اتنی تھی کہ بنی اسرائیل پر مظالم ڈھانے کی بجائے انہیں آزاد کر دو اور اللہ تعالیٰ کی بغاوت کرنے کی بجائے اس پر سچا ایمان لا کر اس کی غلامی اختیار کرو۔ مگر فرعون نے طاقت کے بل بوتے اور پروپیگنڈہ کے زور پر بات کا رخ موڑ دیا اور اپنے وزیروں اور مشیروں کو حکم صادر کیا۔ کہ پورے ملک سے ماہر جادوگروں کو میرے پاس حاضر کیا جائے۔ جس کی تفصیل سورۃ طٰہٰ میں یوں ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا ہم بھی تیرے جادو جیسے جادو کا مظاہرہ کریں گے۔ بس ہمارے اور تمہارے درمیان ایک معاہدہ ہوا۔ نہ ہم اس کی مخالفت کریں گے اور نہ تجھے اس کی خلاف ورزی کرنی چاہیے اب لوگوں کے عظیم اجتماع میں صبح کے وقت عید کے دن معرکہ ہوگا (طٰہٰ: ۵۸۔۶۰) یہ معاہدہ ہو جانے کے بعد فرعون نے پورے ملک سے اپنے اہلکاروں کے ذریعے جادوگروں کو اکٹھا کیا۔ جب جادوگر میدان میں اترے تو انہوں نے فرعون سے

مطالبہ کرڈالا اگر ہم موسیٰ اور ہارون علیہ السلام پر غالب آ گئے تو ہمیں کیا ملے گا۔فرعون نے کہا تم میرے مقربین میں ہو گے گویا کہ انہیں وزیر اور مشیر بنانے کا وعدہ کیا پھر انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ اپنا عصا پھینکتے ہیں یا جو کچھ ہم لائے ہیں وہ میدان میں پھینکیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں تمہیں پہلے موقع دیتا ہوں ساتھ ہی موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سمجھایا کہ نہایت ہی افسوس ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والے ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے اور مجھے عطا کیے گئے معجزات کو جادو قرار دیتے ہو۔ یاد رکھو اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں عنقریب اللہ کا عذاب آلے گا۔جھوٹا آدمی بالآخر ناکام اور نامراد ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ مفسدین کو کامیاب نہیں ہونے دیتا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات اتنے مؤثر اور بارعب انداز میں فرمائی کہ جادوگر سوچنے پر مجبور ہو گئے۔قریب تھا کہ ان میں موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے پر اختلاف ہو جاتا۔مگر انہوں نے اس پر کنٹرول کرلیا بالآخر اس بات پر اتفاق ہوا کہ یہ دونوں بھائی جادو کے ذریعے ہمارے دین کو بدلنا اور ہم کو ملک سے نکالنا چاہتے ہیں۔پھر انہوں نے صف بندی کرتے ہوئے۔(طٰہٰ:۵۸۔۶۴) بڑے بڑے رسے اور لاٹھیاں میدان میں پھینکیں اور زبردست جادومنتر کا مظاہرہ کرتے ہوئے فلک شگاف نعرے لگائے کہ فرعون زندہ باد یقیناً ہم غالب آچکے ہیں۔(الشعراء:۸۳۔۴۴)

انہوں نے صف بندی کرتے ہوئے بھرپور طور پر جادو کا مظاہرہ کیا۔ان کی لاٹھیاں اور رسیاں بڑے بڑے اژدہا بن کر میدان میں بل کھانے لگیں۔یہ ایسا خوفناک منظر تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈر گئے۔جس پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے موسیٰ سے فرمایا ہرگز نہ ڈریں آپ ہی سربلند اور کامیاب ہوں گے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے عصا پھینکا جس نے دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ نگل لیا جو کچھ جادوگروں نے کیا تھا اس کا صفایا کر دیا۔جادوگر کہیں بھی کامیاب نہیں ہوا کرتا۔ موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی دیکھتے ہوئے جادوگر سجدہ ریز ہو کر پکار اٹھے کہ ہم موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لاتے ہیں۔ فرعون نے اس پر دھمکی دیتے ہوئے کہا دراصل یہ تمہارا استاد جادوگر ہے۔میری اجازت کے بغیر تم نے اس پر ایمان لانے کا علان کیا ہے۔یاد رکھو میں تمہارے مخالف سمت میں ہاتھ پاؤں کاٹ کر تمہیں کھجور کے درختوں پر لٹکاؤں گا۔تاکہ تمہیں اور دیکھنے والوں کو معلوم ہو کہ ہم کیسی عبرت ناک اور دائمی سزا دیتے ہیں۔جو جادوگر ایمان لائے انہوں نے کہا ہم کیوں نہ ایمان لاتے جبکہ ہمارے پاس ٹھوس دلائل اور واضح معجزات آچکے ہیں اب تم جو چاہو کرلو ہم ہر سزا بھگتنے کے لیے تیار ہیں۔ہاں یاد رکھنا تمہاری سزائیں اور اذیتیں صرف دنیا کی زندگانی تک ہیں۔ایمانداروں کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ تمہاری سزائیں صرف ہمارے آخری سانس تک ہیں مرنے کے بعد ہمیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔کیونکہ ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے ہیں وہی ہماری خطاؤں کو معاف کرنے والا ہے۔(طٰہٰ:۶۴۔۷۳) جو کچھ موسیٰ علیہ السلام نے مقابلہ سے پہلے فرمایا تھا۔اللہ تعالیٰ نے ان کے فرمان کو سچ کر دکھایا۔جادوگروں کا جادو جھوٹ اور فریب ثابت ہوا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کامیاب ہوئے۔اللہ تعالیٰ ہمیشہ حق کو

غالب کرتا ہے۔خواہ یہ بات کفار کے لیے کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو، کفار تو حق کے غلبہ کو ہمیشہ سے ناگوار ہی سمجھتے ہیں۔

مسائل

۱۔ دنیادار مادی وسائل کی بنیاد پر حق والوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ ۲۔حق والے کسی کے وسائل سے مرعوب نہیں ہوتے۔

۳۔ حق والے ہمیشہ اللہ پر نظر رکھتے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ بالآخر باطل کو ملیا میٹ کر دیتا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ فسادیوں کو کامیاب نہیں ہونے دیتا۔

۶۔ اللہ تعالیٰ حق کو غلبہ عطا فرماتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

فساد کرنے والے لوگ حقیقی کامیابی نہیں پاتے:

۱۔ بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو کامیابی نہیں دیتا۔(یونس:۸۱)

۲۔ فساد کرنے والے خسارہ اٹھائیں گے۔(البقرۃ:۲۷)

۳۔ اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔(المائدۃ:۶۴)

۴۔ اللہ فساد کرنے والوں کے عمل کو درست نہیں کرتا۔(یونس:۸۱)

۵۔ دیکھو فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا۔(الاعراف:۸۶)

۶۔ جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ان کے لیے لعنت اور برا گھر ہے۔(الرعد:۲۵)

۷۔ زمین میں فساد نہ کرو اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔(القصص:۷۷)

۸۔ وہ زمین میں فساد پھیلانا چاہتے ہیں، کھیتی اور جانوروں کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں، اللہ فساد کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔(البقرۃ:۲۰۵)

۹۔ زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔(البقرۃ:۶۰)

۱۰۔ دیکھیں فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا۔(النمل:۱۴)

فَمَآ	اٰمَنَ	لِمُوْسٰٓى	اِلَّا	ذُرِّيَّةٌ	مِّنْ	قَوْمِهٖ	عَلٰى	خَوْفٍ
پھر نہ	ایمان لائے	موسیٰ کیلئے	مگر	کچھ لوگ	سے	اس کی قوم	پر	خوف

مِّنْ	فِرْعَوْنَ	وَمَلَا۟ئِهِمْ	اَنْ	يَّفْتِنَهُمْ	وَاِنَّ	فِرْعَوْنَ
سے	فرعون	ان کے سردار	کہ	ان کو فتنے میں ڈالنے سے	اور بلاشبہ	فرعون

لَعَالٍ	فِي	الْاَرْضِ	وَاِنَّهٗ	لَمِنَ	الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾	وَقَالَ
البتہ سرکشی کرنے والا تھا	میں	زمین	اور بے شک وہ	البتہ تھا	حد سے بڑھنے والوں میں سے	اور فرمایا

مُوْسٰى	يٰقَوْمِ	اِنْ	كُنْتُمْ	اٰمَنْتُمْ	بِاللّٰهِ	فَعَلَيْهِ
موسیٰ نے	اے میری قوم	اگر	ہو تم	ایمان لائے	اللہ کے ساتھ	تو اسی پر

''تو موسیٰ پر اس کی قوم کے کچھ نوجوانوں کے سوا فرعون اور اس کے سرداروں کے خوف اور ان کے فتنہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کوئی ایمان نہ لایا اور بلاشبہ فرعون زمین میں سرکش اور بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں میں سے ہے۔'' (۸۳) ''اور موسیٰ نے کہا اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر

فہم القرآن

ربط کلام: حق ثابت ہونے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غالب آنے کے باوجود چند نوجوانوں کے سوا باقی لوگ ایمان نہ لائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ملک کے نامی گرامی صاحب علم لاکھوں کے مجمع میں ہزاروں کی تعداد میں بیک وقت ایمان لے آئے، یاد رہے اس وقت مصر میں جادو ہی ترقی یافتہ علم سمجھا جاتا تھا۔

حق ثابت ہونے اور جادوگروں کے ایمان لانے کے باوجود فرعون کے جور واستبداد اور دبدبہ کی وجہ سے چند نوجوانوں کے سوا باقی لوگ ایمان نہ لائے کیونکہ فرعون بہت ظلم کرنے والا تھا۔ فرعون نے اس صورت حال پر قابو پانے کے لیے ایک دفعہ پھر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کا قتلِ عام شروع کیا۔ جس میں مردوں کو قتل کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ سورۃ المومن میں بیان ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس حق پہنچ چکا تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ کہ ایمانداروں کو قتل کیا جائے اور ان کی عورتوں کو باقی رکھا جائے اور فرعون نے اپنی قوم کو یہ بھی کہا کہ مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کو قتل بھی کرنا چاہتا ہوں وہ میرے مقابلے میں اپنے رب کو بلا لے اگر میں نے اسے قتل نہ کیا تو وہ تمہارا دین بدل دے گا اور ملک میں فساد برپا ہو جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں فقط اتنا فرمایا کہ میں ہر متکبر اور قیامت کے منکر سے اپنے اور تمہارے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔ (المومن: ۲۵۔۲۷)

تَوَكَّلُوْٓا	اِنْ	كُنْتُمْ	مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾	فَقَالُوْا	عَلَى	اللّٰهِ
تم توکل کرو	اگر	ہوتم	فرمانبردار	توانہوں نے کہا	پر	اللہ

تَوَكَّلْنَا ج	رَبَّنَا	لَا	تَجْعَلْنَا	فِتْنَةً	لِّلْقَوْمِ	الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾
ہم نے توکل کیا	اے ہمارے رب	نہ	بناتو ہمیں	فتنہ	قوم کیلئے	جوظالم ہیں

وَنَجِّنَا	بِرَحْمَتِكَ	مِنَ	الْقَوْمِ	الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾
اور ہمیں نجات دے	اپنی رحمت کے ساتھ	سے	قوم	جوکافر ہیں

توکل کرو، اگر تم فرمانبردار ہو۔'' (۸۴) ''توانہوں نے کہا ہم نے اللہ پر ہی توکل کیا، اے ہمارے رب ہمیں ظالم لوگوں کے سے بچا۔'' (۸۵) ''اور اپنی رحمت کے ساتھ ہمیں کافر لوگوں سے نجات عطا فرما۔'' (۸۶)''

نازک اور پریشان کن حالات میں قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگی اے موسیٰ آپ کی پیدائش کے وقت اور آپ کی نبوت کے بعد بھی ہمیں ان تکلیفوں کا سامنا ہے۔ حضرت موسیٰ نے انہیں سمجھایا کہ صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو، بالآخر زمین کے وارث نیک لوگ ہی ہوں گے عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو نیست و نابود کر کے تمہیں وارث بنائے گا پھر تمہیں دیکھے گا کہ تم کیا کردار ادا کرتے ہو۔ (الاعراف: ۱۲۸۔۱۲۹)

دین میں نوجوانوں کا کردار:

اس میں شک نہیں کہ عمر اور تجربے کے اعتبار سے آدمی جوانی کی نسبت ادھیڑ عمر میں زیادہ پختہ فکر ہوتا ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سوچنے سمجھنے اور کسی موقف کو اختیار کرنے میں انسان بھرپور جوانی کے دور میں ہی صحیح فیصلہ کر سکتا ہے شرط یہ ہے کہ اس کی راہنمائی کا صحیح بندوبست ہو۔ یہ اصول اور سوچ ہمیں انبیائے کرام کی سیرت اور ان کے ابتدائی ساتھیوں سے ملتی ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں یہ الفاظ ملتے ہیں کہ جب وہ بھرپور جوان ہوئے تو ہم نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا۔ (یوسف: ۲۲)

یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بھی قرآن مجید میں موجود ہے کہ جب انہوں نے عراق کے سب سے بڑے بت خانے کو توڑا تھا تو اس وقت وہ بھرپور جوانی کے عالم میں تھے۔ اس لیے مشرکین نے اپنے معبودوں کو اس حال میں دیکھ کر کہا تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام اُس جوان نے کیا ہے جسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔ (الانبیاء: ۶۰)

قرآن مجید نے اصحاب کہف کے واقعہ میں (۹) نوجوانوں کے کردار اور ایمان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے رسول! ہم آپ کے سامنے ٹھیک انداز میں ان نوجوانوں کا واقعہ بیان کرتے ہیں جو اپنے رب پر ایمان لے آئے اور ہم نے انہیں

ہدایت میں مزید آگے بڑھایا اور ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا۔ چنانچہ جب انہوں نے کہا کہ ہمارا رب وہ ہے جو زمین وآسمان کا رب ہے ہم اس کے سوا کسی کو الٰہ ماننے کے لیے تیار نہیں اگر ہم دوسروں کو رب تسلیم کریں اور پکاریں تو یہ بڑی بے عقلی کی بات ہوگی۔ (الکہف:۱۳۔۱۴)

یہی کردار موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے نوجوانوں کا تھا۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں نے بھی اسی کردار کا مظاہرہ کیا تھا۔ چنانچہ سیرت طیبہ اور تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخصیت کو بزرگوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والا شمار کیا جاتا وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں حالانکہ وہ بھرپور جوانی میں تھے جب وہ ایمان لے آئے تو ان کی عمر تقریباً پونے اڑتیس سال کی تھی۔

مسائل

۱۔ لوگ مشکلات سے ڈرتے ہوئے ایمان نہیں لاتے۔
۲۔ فرعون زیادتی کرنے والوں میں سے تھا۔
۳۔ ایمان والوں کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہیے۔
۴۔ اللہ کے فرمانبردار بندے اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔
۵۔ ظالموں کے ظلم سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔
۶۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مسلمانوں کو کافروں کے ظلم سے بچاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مومن کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

۱۔ حضرت موسیٰ کا ایمانداروں کو ارشاد کہ اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر بھروسہ کرو اگر تم مسلمان ہو۔ (یونس:۸۴)
۲۔ مومنوں کو اللہ پر توکل کرنا چاہیے۔ (آل عمران:۱۲۲)
۳۔ مومن اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (الانفال:۲)
۴۔ جب کسی کام کا ارادہ کر لو تو اللہ پر توکل کرو اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ (آل عمران:۱۵۹)
۵۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور نیک لوگ اللہ پر ہی توکل کرتے ہیں۔ (یوسف:۶۷)
۶۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اسی پر مومنوں کو توکل کرنا چاہیے۔ (التغابن:۱۳)
۷۔ جو اللہ کے ہاں ہے وہ مومنوں کے لیے بہتر اور باقی رہنے والا ہے وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ (الشوریٰ:۳۶)

وَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰى وَاَخِيۡهِ اَنۡ تَبَوَّاٰ لِقَوۡمِكُمَا

اور ہم نے وحی کی طرف موسیٰ اور اس کے بھائی کی یہ کہ تم منتخب کرو اپنی قوم کیلئے

بِمِصۡرَ بُيُوۡتًا وَّاجۡعَلُوۡا بُيُوۡتَكُمۡ قِبۡلَةً وَّاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ

مصر میں گھر اور بناؤ اپنے گھروں کو قبلہ تم قائم کرو نماز

وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸۷﴾

اور خوش خبری دے دیجیے مومنوں کو

''اور ہم نے موسیٰ اور اسکے بھائی کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں کچھ گھروں کو منتخب کرلو اور اپنے گھروں کو قبلہ رخ بنا لو نماز قائم کرو اور ایمان والوں کو خوشخبری دو۔''(۸۷)

فہم القرآن

ربط کلام: جورواستبداد کے دور میں موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو خصوصی ہدایات۔

قرآن مجید حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں پر ہونے والے جورواستبدد کا اس طرح منظر پیش کرتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے مواحد ساتھیوں پر وہ وقت بھی آیا جب ان کے لیے عبادت گاہوں کے دروازے بند کردیئے گئے۔ یہاں تک کہ ان کے لیے نماز پڑھنا بھی مشکل ہوگیا۔ اس کربناک صورت حال میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو حکم دیں کہ اپنے گھروں کو قبلہ رخ بنا کر نماز قائم رکھیں۔ دونوں بھائیوں کو یہ بھی ارشاد ہوا کہ ایمانداروں کو یہ خوشخبری سنائیں کہ عنقریب ان کی مشکلات کا خاتمہ ہونے والا ہے۔ یہاں بیوت کا لفظ دو دفعہ استعمال ہوا ہے جو بیت کی جمع ہے۔ جس کا معنی ہے گھر مفسرین نے یہ الفاظ دو دفعہ آنے کی وجہ سے دو مفہوم اخذ فرمائے ہیں۔ پہلی مرتبہ بیوت سے مراد ہے کہ کچھ گھر خفیہ طور پر منتخب کرلیے جائیں تاکہ وہاں حتی الامکان اجتماعی طور پر نماز ادا کی جائے۔ اگر یہ ممکن نہ ہوتو اپنے اپنے گھروں میں قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کی جائے اس فرمان سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ مسلمانوں کو مشکل ترین حالات میں بھی نماز باجماعت ادا کرنا چاہیے اگر نماز اور جماعت کے تقاضے سمجھ کر پورے کیے جائیں تو اس سے بہتر انفرادی اور اجتماعی تربیت اور باہم مربوط اور منظم ہونے کا کوئی اور جامع موثر ذریعہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس سے پہلے مومنوں نے اللہ تعالیٰ سے استدعا کی تھی کہ اے ہمارے رب ہمیں کفار کے مظالم سے نجات عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اپنے ساتھیوں کو مستقبل قریب میں فرعون سے نجات پانے کی خوشخبری سنایئے۔ جہاں تک نماز باجماعت کا تعلق ہے۔ ہماری شریعت میں اس کا اس قدر اہتمام اور التزام کیا گیا ہے کہ حالت جنگ

میں بھی نماز باجماعت ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

نماز باجماعت کی اہمیت:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ لِّیُحْطَبَ ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلٰوةِ فَیُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا فَیَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰی رِجَالٍ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَّا یَشْهَدُوْنَ الصَّلٰوةَ فَاُحَرِّقَ عَلَیْهِمْ بُیُوْتَهُمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ یَعْلَمُ اَحَدُهُمْ اَنَّهٗ یَجِدُ عَرْقًا سَمِیْنًا اَوْ مِرْمَاتَیْنِ حَسَنَتَیْنِ لَشَهِدَ الْعِشَآءَ))[رواہ البخاری: کتاب الاذان]

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ میں حکم دوں کہ لکڑیاں جمع کی جائیں پھر اذان کا حکم دوں کسی اور کو لوگوں کی جماعت کروانے کی ذمہ داری سونپوں پھر میں لوگوں کا محاسبہ کروں۔ دوسرے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جو لوگ جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے میں ان کے گھروں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دوں۔ اللہ کی قسم! اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ انہیں عشاء کی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے پر موٹی ہڈی یا دو پائے مل جائیں گے تو وہ عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کریں۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا لوگ اس وقت ملت ابراہیم پر رہیں گے جب تک نماز باجماعت ادا کریں گے۔(ابوداؤد: کتاب الصلوۃ)

مسائل

۱۔ دشمن کے خوف سے گھر میں نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ ۲۔ نماز ہر حالت میں جماعت کے ساتھ ادا کرنی چاہیے۔

۳۔ مومنین کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری ہے۔

تفسیر بالقرآن

نماز کے فوائد:

۱۔ وہ لوگ جو کتاب اللہ پر کاربند رہتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں ہم ان کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے۔(الاعراف:۱۷۰)

۲۔ اگر لوگ توبہ کریں اور نماز قائم کریں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔(التوبہ:۵)

۳۔ بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔(العنکبوت:۴۵)

۴۔ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اور نماز قائم کی ان پر کسی قسم کا خوف نہ ہوگا۔(البقرۃ:۲۷۷)

۵۔ اے ایمان والو! نماز اور صبر کے ساتھ مدد طلب کرو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔(البقرۃ:۱۵۳)

۶۔ نمازوں کی حفاظت کرنے والے جنت کے وارث ہیں۔(المومنون:۹۔۱۰)

وَقَالَ	مُوسٰى	رَبَّنَآ	إِنَّكَ	اٰتَيْتَ	فِرْعَوْنَ	وَمَلَاَهٗ
اور فرمایا	موسیٰ	اے ہمارے رب!	بے شک تونے	دیا ہے	فرعون	اور اس کے سردار
زِيْنَةً	وَّاَمْوَالًا	فِى	الْحَيٰوةِ	الدُّنْيَا	رَبَّنَا	لِيُضِلُّوْا
زینت	اور مال	میں	زندگی	دنیا	اے ہمارے رب	تاکہ وہ گمراہ کریں
عَنْ	سَبِيْلِكَ	رَبَّنَا	اطْمِسْ	عَلٰٓى	اَمْوَالِهِمْ	وَاشْدُدْ
سے	تیری راہ	اے ہمارے رب	ختم کردے	پر	ان کے مال	اور سخت کردے
عَلٰى	قُلُوْبِهِمْ	فَلَا يُؤْمِنُوْا	حَتّٰى	يَرَوُا	الْعَذَابَ	الْاَلِيْمَ ۝
پر	ان کے دل	پس نہ ایمان لائیں گے وہ	یہاں تک کہ	وہ دیکھ لیں	عذاب	دردناک

''اور موسیٰ نے کہا اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اسکے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں بہت سی زینت اور اموال عطا کیے ہیں۔ اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو ختم کردے اور ان کے دلوں کو سخت کردے، پس وہ ایمان نہ لائیں، یہاں تک کہ درد ناک عذاب دیکھ لیں۔'' (۸۸)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ اور ان کی قوم پر فرعون کے مظالم کی انتہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ظالموں کے لیے بددعا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام طویل عرصہ تک فرعون اور آل فرعون کو سمجھاتے رہے۔ اس دوران یکے بعد دیگرے آل فرعون پر طوفان، ٹڈی، جوئیں، مینڈک اور ہر چیز خون آلودہ ہو جانے کے عذاب آئے مگر یہ اس قدر بدترین اور ظالم لوگ تھے۔ کہ بار بار حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیے ہوئے عہد توڑتے اور ہر بار ظلم کے نئے سے نئے انداز اختیار کر لیتے۔ اس طرح ظلم کا دور جب طویل سے طویل تر ہوا۔ صاحب ایمان لوگوں کی ہمتیں جواب دینے لگیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور انتہائی بے بسی کے عالم میں نہایت عاجزانہ انداز میں التجا کی کہ اے رب ذوالجلال! ظالموں نے تیری توحید کے ماننے والوں پر ظلم کی انتہا کر دی ہے اگر اب ظالموں کی گرفت نہ ہوئی۔ الٰہی تیرے مظلوم بندے اور بندیاں ڈگمگا جائیں گے اس لیے میری فریاد کو قبول فرما۔ الٰہی تو نے فرعون اور اس کے بڑے لوگوں کو دنیا کا مال اور جاہ وجلال اس لیے دیا ہے۔ کہ یہ تیری اطاعت گزاری کریں۔ مگر انہوں نے ان چیزوں کو تیری دین کی طرف آنے والوں کے لیے رکاوٹ بنا دیا ہے۔ اے ہمارے رب، ان کے جاہ وجلال اور مال اسباب کو تہس نہس کر دے اور ان کے دل اتنے سخت ہو جائیں کہ تیرا عذاب دیکھنے کے باوجود

قَالَ	قَدْ	اُجِيْبَتْ	دَّعْوَتُكُمَا	فَاسْتَقِيْمَا	وَلَا
فرمایا	تحقیق	قبول کر لی گئی	تم دونوں کی دعا	سوتم دونوں ثابت قدم رہو	اور مت
تَتَّبِعٰٓنِّ	سَبِيْلَ	الَّذِيْنَ	لَا	يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾	
پیروی کرو	رستہ	ان لوگوں کا	نہیں	وہ علم رکھتے	

”فرمایا بلاشبہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے، پس دونوں ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کے راستے کی پیروی نہ کرنا جو نہیں جانتے۔“ (۸۹)

انہیں ایمان لانے کی توفیق نصیب نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی آہ وزاری کو قبول فرمایا اور حکم دیا اے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اب اس بات پر پکے رہنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب ہمارا عذاب آئے تو ان کے لیے نجات کی دعا کرنے لگو۔ اس کا دوسرا معنی ہے کہ آپ کی بد دعا قبول ہوئی لیکن عذاب آنے تک تم اپنی ڈیوٹی ادا کرتے جاؤ۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بد دعا ذاتی انتقام کے لیے نہیں بلکہ بد دعا اس لیے کی تھی کہ فرعون اور اس کے ساتھی لوگوں کی ہدایت کے راستے میں رکاوٹ بن چکے تھے۔ قرآن مجید کے الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ دعا تو حضرت موسیٰ نے کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے قبولیت کا شرف بخشتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تم دونوں کی دعا قبول کر لی ہے جس کا مفسرین نے یہ مفہوم متعین کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے تھے اور جناب ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے۔

مسائل

۱۔ مال اور دنیا کی زیب وزیبائش دین سے دوری کا سبب بن جاتے ہیں۔ ۲۔ ظالموں کے لیے بد دعا کی جا سکتی ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعا قبول فرماتا ہے۔ ۴۔ مشکلات کے باوجود آدمی کو دین پر قائم رہنا چاہیے۔

۵۔ بے علم لوگوں کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

ظالموں کو انبیاء علیہم السلام کی بد دعائیں:

۱۔ اے ہمارے پروردگار! ان کے اموال کو نابود کر دے اور ان کے دلوں کو سخت فرما۔ (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بد دعا)۔ (یونس: ۸۸)

۲۔ نوح نے بد دعا کی کہ الٰہی زمین پر ایک بھی کافر نہ چھوڑیے۔ (نوح: ۲۶)

۳۔ اے اللہ! فساد کرنے والی قوم کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔ (العنکبوت: ۳۰)

۴۔ اے ہمارے رب! تو ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے (حضرت شعیب علیہ السلام کی بد دعا)۔ (الاعراف: ۸۹)

وَجٰوَزْنَا	بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	الْبَحْرَ	فَاَتْبَعَهُمْ	فِرْعَوْنُ
اور ہم نے پار کردیا	بنی اسرائیل کو	سمندر سے	پھر تعاقب کیا ان کا	فرعون

وَ	جُنُوْدُهٗ	بَغْيًا	وَّعَدْوًا ؕ	حَتّٰٓى	اِذَآ	اَدْرَكَهُ	الْغَرَقُ
اور	اس کا لشکر	سرکشی کرتے ہوئے	اور زیادتی کرتے ہوئے	حتیٰ کہ	جب	پالیا اس کو	غرقابی نے

قَالَ	اٰمَنْتُ	اَنَّهٗ	لَآ اِلٰهَ	اِلَّا	الَّذِيْٓ	اٰمَنَتْ
اس نے کہا	میں ایمان لایا	بلاشبہ	نہیں کوئی معبود	سوائے	اس ذات کے	ایمان لائے

بِهٖ	بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ	وَ	اَنَا	مِنَ	الْمُسْلِمِيْنَ ۝
اس کے ساتھ	بنو اسرائیل	اور	میں	سے	فرمانبرداروں

’’اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کیا تو فرعون اور اسکے لشکروں نے سرکشی اور زیادتی کرتے ہوئے ان کا تعاقب کیا ، یہاں تک کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو کہا کہ میں ایمان لایا یقیناً سچ یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرمانبرداروں سے ہوں۔‘‘ (٩٠)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا کا نتیجہ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا اور ان کی قوم کی آہ و زاریوں کو قبول فرمایا اور بنی اسرائیل کو نجات دی۔ فرعون اور اس کے لشکروں کو ڈبکیاں دے دے کر مارا جس کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے کہ اے اہل مکہ ہم نے تم سے پہلے قوم فرعون کو آزمایا اور ان کے پاس معزز رسول یہ پیغام لے کر آیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذمہ دار اور امانت دار رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ لہٰذا اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کردے یعنی انہیں آزاد کردیا جائے اللہ تعالیٰ کے ساتھ سرکشی نہ کرو میں تمہیں واضح طور پر دلائل دے رہا ہوں۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو سنگسار کرنے کی دھمکی دی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بچانے کی ضمانت دی ہے اگر تم میری بات نہیں مانتے تو میرا راستہ چھوڑ دو ایک مدت کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے بددعا کی جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ۔ ہاں یہ بات یاد رکھنا کہ فرعون اور اس کا لشکر تمہارا پیچھا کریں گے۔ سمندر کے پانی کو کھڑا چھوڑ کر پار ہو جانا کیونکہ ہم انہیں غرق کردیں گے۔ (الدخان: ١٧-٢٤)

آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾

کیا اب؟ حالانکہ تحقیق تو نافرمان تھا پہلے اور تو تھا سے فساد کرنیوالوں والے

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ

چنانچہ آج ہم تجھے بچالیں گے تیرے بدن سمیت تاکہ ہوتو ان کے لیے جو تیرے پیچھے آنے والے ہیں عبرت

وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع

اور بلاشبہ بہت سے لوگ سے ہماری نشانیاں البتہ غافل ہیں

''کیا اب؟ حالانکہ تو نافرمان تھا اور تو فساد کرنیوالوں میں سے تھا۔'' (۹۱) ''پس آج ہم تیرے بدن کو بچالیں گے، تاکہ تو ان کے لیے عبرت بنے جو تیرے پیچھے آنے والے ہیں اور یقیناً بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غفلت برتنے والے ہیں۔'' (۹۲)

چنانچہ اس طرح فرعون اور اس کے لاؤلشکر کو غرق کر دیا گیا۔ جب فرعون ڈبکیاں لینے لگا تو اس نے موت وحیات کی کشمکش کے دوران دہائی دیتے ہوئے کہا کہ میں اس اللہ پر ایمان لاتے ہوئے مسلمان ہوتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں یہاں تک کہ اس نے اس کا بھی اقرار کیا کہ میں موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لاتا ہوں۔ لیکن اس کے ایمان کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا گیا کہ کیا اب ایمان لاتا ہے؟ اس سے پہلے تو بار بار انکار کر چکا اور انتہا درجے کا فسادی تھا۔ بس آج تیرے وجود کو لوگوں کی عبرت کے لیے باقی رکھا جائے گا تاکہ آنے والوں کے لیے نشانِ عبرت بن جائے۔ بے شک لوگوں کی اکثریت اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل ہوتی ہے۔ بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ جب فرعون نے آخری وقت کلمہ پڑھ لیا تھا تو اس کی توبہ کیوں قبول نہیں ہوئی؟ یہ سوال کرنے والوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ فرعون کی توبہ تین وجہ سے قبول نہیں کی گی۔

۱۔ سورۃ الاعراف کی آیت: ۱۳۳۔۱۳۵ میں گزر چکا ہے کہ یکے بعد دیگرے کئی عذابوں میں مبتلا ہونے اور بار بار عہد کرنے کے باوجود یہ لوگ عہد شکنی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا حال معلوم تھا کہ فرعون اور اس کے ساتھی اب بھی عہد شکنی کریں گے اس لیے ان کی توبہ قبول نہ کی گئی۔

۲۔ طویل مدت تک موسیٰ علیہ السلام کے سمجھانے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار بار مہلت دینے کے باوجود یہ لوگ ایمان نہ لائے جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے ایمان نہ لانے کی بددعا کی تھی گویا کہ اس بدعا کی وجہ سے اس کا ایمان قبول نہ ہوا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ انسان کی توبہ نزع کے عالم سے پہلے قبول ہوتی ہے جب موت کی واردات کا آغاز ہوتا ہے تو آدمی کے لیے توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اس بنا پر بھی فرعون کی توبہ مسترد کر دی گئی۔

جہاں تک اس کی لاش محفوظ رکھنے کی حکمت ہے وہ قرآن مجید نے خود ہی بیان کر دی ہے تاکہ اس کی لاش کو دیکھنے والے

عبرت حاصل کریں۔بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں کو خوف کے مارے یہ یقین نہیں ہو رہا تھا ان کے خوف کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے پانی کی لہروں کو حکم دیا کہ اس کی لاش کو پانی سے باہر اونچی جگہ پھینک دے جسے دیکھ کر بنی اسرائیل کو یقین ہوا کہ ان کا دشمن مر چکا ہے فرعون کی لاش کے بارے میں ﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ﴾ کہ آج ہم تیرے وجود کو باقی رکھیں گے کے بارے میں کچھ لوگوں نے لکھا کہ یہ قیامت تک محفوظ رہے گی جبکہ دوسرے اہل علم کا خیال ہے کہ یہ صرف اسی زمانے کے لوگوں کے لیے اعلان تھا۔واللہ اعلم۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ))

[رواه الترمذی: کتاب الدعوات باب قبول توبة العبد مالم یعرغر]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ سانس کے اٹکنے سے پہلے پہلے قبول کرتا ہے۔''

مسائل

١۔ ظلم کرنے والے تباہ ہو جاتے ہیں۔
٢۔ نزع کے وقت ایمان قبول نہیں ہوتا۔
٣۔ اللہ تعالیٰ اپنے باغیوں کو نشان عبرت بنا دیتا ہے۔
٤۔ اکثر لوگ اللہ کی نشانیوں سے غافل رہتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

فرعون اور اس کے حواریوں کا انجام:

١۔ آج ہم تیرے جسم کو بچائیں گے تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے نشان عبرت بنائیں۔(یونس:٩٢)

٢۔ ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور آل فرعون کو غرق کر دیا۔(الاعراف:٦٤)

٣۔ ہم نے فرعونیوں سے انتقام لیا اور انہیں دریا برد کر دیا۔(الزخرف:٥٥)

٤۔ ہم نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو غرق کر دیا۔(بنی اسرائیل:١٠٣)

٥۔ ہم نے موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو نجات دی اور آل فرعون کو غرق کر دیا۔(الشعراء:٦٦)

٦۔ قیامت کے دن (فرعون) اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور وہ انہیں دوزخ میں لے جائے گا۔(ہود:٩٨)

٧۔ ہم نے انہیں اور ان کے لشکروں کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا۔(الذاریات:٤٠)

وَلَقَدْ	بَوَّأْنَا	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	مُبَوَّاَ	صِدْقٍ	وَّرَزَقْنٰهُمْ	
اور البتہ تحقیق	ہم نے ٹھکانہ دیا	بنی اسرائیل کو	ٹھکانہ	اچھا	اور ہم نے انہیں رزق دیا	
مِّنَ	الطَّيِّبٰتِ ۚ	فَمَا	اخْتَلَفُوْا	حَتّٰى	جَآءَ	هُمُ
سے	پاکیزہ	پس نہ	اختلاف کیا انہوں نے	یہاں تک کہ	وہ آ گیا	ان کے پاس
الْعِلْمُ ۭ	اِنَّ	رَبَّكَ	يَقْضِيْ	بَيْنَهُمْ	يَوْمَ	الْقِيٰمَةِ
علم	بلاشبہ	آپ کا رب	فیصلہ کرے گا	ان کے درمیان	دن	قیامت کے
فِيْمَا	كَانُوْا	فِيْهِ	يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٣﴾			
اس چیز میں	وہ تھے	اس میں	اختلاف کرتے			

''اور البتہ تحقیق ہم نے بنی اسرائیل کو ٹھکانہ دیا، باعزت ٹھکانہ، اور انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا پھر انہوں نے اختلاف نہیں کیا، یہاں تک کہ ان کے پاس علم آ گیا، بلاشبہ تیرا رب قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔'' (۹۳)

فہم القرآن

ربط کلام: فرعون اور اس کے ساتھیوں کی غرقابی کے بعد بنی اسرائیل کے مرتبہ ومقام کا بیان۔

فرعون اور اس کے لشکر و سپاہ کو غرقاب کرنے کے بعد بنی اسرائیل کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے انہیں مقامِ صدق اور حلال وطیب رزق کی فراوانی سے ہم کنار کیا۔ لفظ صدق یہاں بڑے وسیع تر معانی میں استعمال ہوا ہے۔ صدق سے مراد وہ مرتبہ اور مقام ہے جو آل فرعون کی بربادی کے بعد بنی اسرائیل کو حاصل ہوا۔ دنیا میں بنی اسرائیل کی سچائی اور ان کی بزرگی کی دھوم مچ گئی۔ اقتدار کے اعتبار سے انہیں شام، مصر فلسطین اور اس پورے علاقے پر حکمرانی کا موقع ملا جس پر آل فرعون کا پھریرا بلند ہوا کرتا تھا۔ کھانے پینے کے حوالے سے انہیں ہر پاک اور طیب نعمت سے نوازا گیا۔ انہی کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل کو تورات، حکومت، نبوت، رزقِ طیب اور اس زمانے کی پوری دنیا پر فضیلت عطا کی گئی۔ (الجاثیہ: ۱۶)

چاہیے تو یہ تھا کہ یہ قوم اللہ تعالیٰ کی شکر گزار اور اس کے دین پر ثابت قدم رہتی لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد انہوں نے پے در پے انبیاء علیہم السلام کی گستاخیاں کیں اور اللہ تعالیٰ کی بغاوت کا راستہ اختیار کیا۔ بنی اسرائیل کی ناشکری اور تلون مزاجی کا حال یہ تھا کہ جونہی فرعون غرق ہوا اور یہ دریا عبور کر کے آگے چلے تو انہوں نے راستہ میں ایسے لوگ دیکھے کہ جو بتوں کے سامنے سجدہ کرتے

اوراعتکاف کی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ناشکری قوم سب کچھ بھول کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہمارے لیے بھی اس قسم کے الٰہ بنادیں جس پر موسیٰ علیہ السلام نے ناراضگی کے عالم میں فرمایا کہ تم تو جاہل قوم ہو۔کیا میں اللہ کو چھوڑ کر تمہیں ان کی عبادت کی اجازت دوں حالانکہ اس نے پوری دنیا میں تمہارے وقار کو بلند کیا ہے۔(الاعراف ۱۳۸۔۱۴۰)

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ﴾[هود:۱۱۰]

''ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی جس میں اختلاف کیا گیا اگر آپ کے رب کا حکم پہلے سے طے شدہ نہ ہوتا تو ان کے درمیان فیصلہ چکا دیا جاتا اور وہ اس کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔''

اختلاف فی نفسہ بُری بات ہے لیکن قرآن وسنت کا علم آجانے کے بعد مذہبی تعصب، ذاتی مفاد اور اپنی انا کی خاطر حقائق ٹھکرائے رکھنا، پرلے درجے کی گمراہی ہے ایسے لوگ بہت کم ہدایت پایا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے روز ان کا فیصلہ کرے گا۔یہاں اختلاف سے پہلی مراد گمراہی اور العلم سے مراد قرآن وسنت کا علم ہے۔

((عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا قَرَأَ وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقْرَأُ خِلَافَهَا فَجِئْتُ بِهِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَخْبَرْتُهُ فَعَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ فَقَالَ كِلَاكُمَا مُحْسِنٌ فَلَا تَخْتَلِفُوْا فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ اخْتَلَفُوْا فَهَلَكُوْا))[رواه البخاری: کتاب الخصومات ، باب مایذکر فی الاشخاص والخصومة بین المسلم والیهود]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔میں نے ایک آدمی کو تلاوت کرتے ہوئے سنا۔جبکہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی تلاوت کے برعکس تلاوت کرتے سنا تھا۔میں اسے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔میں نے آپ سے پوری بات عرض کی تو میں نے آپ کے چہرے پر ناراضگی کے اثرات دیکھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں کی تلاوت درست ہے۔اس طرح اختلافات نہ کیا کرو۔تم سے پہلے لوگ اس اختلاف کی وجہ سے برباد ہوئے تھے۔''

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ قَالَ اللّٰهُ سَمَّانِي لَكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَقَدْ ذُكِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ نَعَمْ فَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ وَفِي رِوَايَةٍ إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قَالَ وَسَمَّانِي قَالَ نَعَمْ فَبَكٰى))[رواه البخاری:باب مناقب ابی بن کعب]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں قرآن مجید کی تلاوت تجھ سے سنوں ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ نے آپ کو میرا نام لے کر فرمایا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں میں جواب دیا۔حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے پھر حیران ہو کر پوچھا کیا رب العالمین کے ہاں میرا ذکر ہوا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا بالکل ذکر ہوا ہے۔ اس خوشی سے حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ”لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا“ کی تلاوت تجھ سے سنو۔ انہوں نے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تیرا نام لیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ خوشی سے رو پڑے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اعلیٰ مقام عنایت فرمایا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبرداروں کو بہترین ٹھکانہ عطا فرماتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو پاک رزق عطا فرماتا ہے۔

۴۔ کچھ لوگ حقیقت جاننے کے باوجود حقائق کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ اختلاف کرنے والوں میں فیصلہ فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعامات:

۱۔ ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانہ دیا اور انہیں عمدہ چیزوں کا رزق عطا کیا۔ (یونس: ۹۳)

۲۔ اے بنی اسرائیل میرے انعام یاد کرو جو میں نے تم پر کیے۔ (البقرۃ: ۴۰)

۳۔ اے بنی اسرائیل میری نعمتوں کو یاد کرو جو تم پر انعام کیں اور میں نے تمہیں ساری دنیا پر فضیلت دی۔ (البقرۃ: ۴۷)

۴۔ بنی اسرائیل کے لیے سمندر کو پھاڑا گیا۔ (البقرۃ: ۵۰)

۵۔ اللہ نے بنی اسرائیل کے لیے بارہ چشمے جاری فرمائے۔ (الاعراف: ۱۶۰)

۶۔ ہم نے بنی اسرائیل کو اذیت ناک عذاب سے نجات دی۔ (الدخان: ۳۰)

۷۔ اللہ نے بنی اسرائیل کو نبوت، کتاب، حکومت، رزق اور دنیا بھر میں عزت دی۔ (الجاثیہ: ۱۶)

۸۔ تمام کھانے بنی اسرائیل کے لیے حلال تھے مگر جو انہوں نے اپنے اوپر حرام کر لیے۔ (آل عمران: ۹۳)

۹۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے صبر کی وجہ سے کامل بھلائیاں دیں۔ (الاعراف: ۱۳۷)

۱۰۔ ہم نے بنی اسرئیل پر بادلوں کا سایہ کیا اور ان کے لیے آسمان سے من وسلویٰ نازل کیا۔ (البقرۃ: ۵۷)

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ

چناچہ اگر ہوں آپ میں شک اس سے جو ہم نے نازل کیا آپ کی طرف

فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ج لَقَدْ

تو پوچھیے ان لوگوں سے جو وہ پڑھتے ہیں کتاب سے آپ سے پہلے بلاشبہ

جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٩٤﴾

آ گیا آپکے پاس حق سے آپ کا رب پس ہرگز نہ ہوں آپ سے شک کرنے والے

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

اور نہ ہرگز ہوں آپ سے ان لوگوں انھوں نے جھٹلایا آیات اللہ

’’پھر اگر آپ کو اس بارے میں کوئی شک ہو جو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لیں جو آپ سے پہلے کتاب پڑھنے والے ہیں، بلاشبہ آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے حق آیا ہے۔ سو آپ شک کرنے والوں سے نہ ہوں۔‘‘ (۹۴) ’’اور نہ کبھی ان لوگوں سے ہونا جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلا دیا

فہم القرآن

ربط کلام: موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کے مصائب کا تذکرہ کرنے کے بعد آپ ﷺ کو تسلی اور تشفی دی گئی ہے۔

اے رسول ﷺ! جو کچھ ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے اگر آپ کو اس بارے میں کوئی شک ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھ لیں۔ جن کو آپ سے پہلے کتاب عنایت کی گئی ہے یقین فرمائیں کہ آپ کے پاس حق پہنچ چکا ہے لہٰذا آپ کو شک کرنے والوں کا ساتھی نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی ان لوگوں کا ساتھ دینا چاہیے جو اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔ یہ لوگ ضرور نقصان پائیں گے۔ یقیناً آپ کے رب کا فرمان سچ ہے کہ اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے ان آیات میں رسول کریم ﷺ کی ذات کو مخاطب فرمانے کے کئی مقاصد ہیں۔

۱۔ قرآن مجید کا اسلوبِ بیان ہے کہ جب اہم اور مشکل ترین مسئلہ کی طرف توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے تو رسول کریم ﷺ کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ تاکہ قرآن پڑھنے والا چونک اٹھے کہ جب اس مسئلہ میں نبی اکرم ﷺ کی ذات بھی مستثنیٰ نہیں تو میری کیا حیثیت ہے۔

۲۔ خطاب رسول معظم ﷺ سے ہے مگر مقصود آپ کی امت ہے۔ بات کی اہمیت اور اس میں زور پیدا کرنے کے لیے کہا گیا ہے

فَتَكُوْنَ	مِنَ	الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٥﴾	اِنَّ	الَّذِيْنَ	حَقَّتْ
پس آپ ہو جائیں گے	سے	نقصان پانے والوں سے	یقیناً	وہ لوگ کہ	ثابت ہو چکا ہے
عَلَيْهِمْ	كَلِمَتُ	رَبِّكَ	لَا	يُؤْمِنُوْنَ ﴿٩٦﴾	وَلَوْ	جَآءَتْهُمْ
ان پر	حکم	آپ کے رب کا	نہیں	وہ ایمان لائیں گے	اور اگر چہ	آجائیں ان کے پاس
كُلُّ	اٰيَةٍ	حَتّٰى	يَرَوُا	الْعَذَابَ	الْاَلِيْمَ ﴿٩٧﴾
ساری	نشانیاں	یہاں تک کہ	وہ دیکھ لیں	عذاب	دردناک

ورنہ آپ نقصان پانے والوں سے ہو جائیں گے۔" (٩٥) "یقیناً جن پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی، کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔" (٩٦) "یہاں تک ان کے پاس ہر نشانی آجائے، یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔" (٩٧)

کہ آپ کو اس سچائی میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔

٣۔ بات کی اہمیت کے پیش نظر اس میں مزید زور پیدا کرنے کے لیے بھی مخاطب کو کہا جاتا ہے کہ تمہیں اس سچائی میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔

٤۔ حالات کے دباؤ اور پریشر ہونے کے ناطے سے نبی اکرم ﷺ کے دل میں کسی خیال کا آجانا یہ ایمان اور نبوت کے منصب کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ دل کے خیالات پر موخذاہ نہیں کرتا۔

٥۔ نبی اکرم ﷺ کو یہ فرمایا جانا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات جھٹلانے والوں کے ساتھ نہیں دینا چاہیے یہ ارشاد بھی پہلے فرمان کے تابع اور خاص کرامت کے لیے ہے کیونکہ دنیا میں کتنے ہی سچائی کا دم بھرنے والے ہیں۔ جو حق جاننے کے باوجود حق والوں کا ساتھ نہیں دیتے۔ مصلحت اور مفاد کی خاطر جھوٹے لوگوں کی معاونت کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں حقیقی ایمان لانے کی توقع رکھنا عبث ہوتا ہے۔ اگر ان کے سامنے حقائق کھول کھول کر رکھ دیئے جائیں تب بھی مصلحت اور مفاد کی خاطر سچائی قبول کرنے اور اس کی حمایت کے لیے کھڑے نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ انہیں اللہ کا عذاب آلے۔

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو ﷠ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ قُلُوْبَ بَنِيْ اٰدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ كَقَلْبٍ وَّاحِدٍ يُّصَرِّفُهُ كَيْفَ يَشَآءُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ))[رواه مسلم:باب تصريف الله القلوب]

"حضرت عبداللہ بن عمرو ﷠ بیان کرتے ہیں رسول مکرم ﷺ نے فرمایا تمام انسانوں کے دل رحمان کی دوانگلیوں

کے درمیان ایک دل کی طرح ہیں جیسے وہ چاہتا ہے پھیرتا ہے۔ پھر رسول اکرم ﷺ نے دعا کی ”اے اللہ دلوں کو پھیرنے والے اللہ ہمارے دلوں کو اپنی فرماں برداری پر پھیرے رکھنا۔“

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ اللَّهُمَّ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ تَخَافُ عَلَيْنَا وَقَدْ آمَنَّا بِكَ وَصَدَّقْنَاكَ بِمَا جِئْتَ بِهِ فَقَالَ إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ يُقَلِّبُهَا))[رواہ ابن ماجہ، باب دعا رسول اللہ]

”حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ اکثر دعا کرتے تھے اے اللہ! میرے دل کو دین پر ثابت قدم فرما ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ہمارے بارے میں ڈرتے ہیں حالانکہ ہم آپ پر ایمان لائے اور جو آپ لائے اس کی تصدیق کی آپ نے فرمایا یقیناً دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں وہ جیسے چاہتا اُسے پھیرتا ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ کے نازل کردہ قرآن میں شک نہیں کرنا چاہیے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والے خسارہ پائیں گے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ایمان نہیں لائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی آیات کے بارے میں شک نہیں کرنا چاہیے:

۱۔ آپ کے پاس حق آگیا ہے سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔(یونس:۹۴)

۲۔ آپ کے پروردگار کی طرف سے حق آچکا آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔(آل عمران:۶۰)

۳۔ اہل کتاب جانتے ہیں بے شک قرآن مجید اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔(الانعام:۱۱۴)

۴۔ حق آپ کے رب کی طرف سے ہے پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔(البقرۃ:۱۴۷)

۵۔ پس آپ شک میں مبتلا نہ ہوں یقیناً حق آپ کے رب کی طرف سے ہے۔(ھود:۱۷)

۶۔ یقیناً حق آپ کے رب کی طرف سے ہے آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔(آل عمران:۶۰)

فَلَوْلَا	كَانَتْ	قَرْيَةٌ	اٰمَنَتْ	فَنَفَعَهَآ		اِيْمَانُهَآ	اِلَّا
پھر کیوں نہ	ہوئی	کوئی بستی	ایمان لائی ہوئی	پس نفع دیا ہوتا		اس کے ایمان نے	سوائے
قَوْمَ	يُوْنُسَ ؕ	لَمَّآ	اٰمَنُوْا	كَشَفْنَا		عَنْهُمْ	عَذَابَ
قوم	یونس	جب	وہ ایمان لائے	ہم نے دور کر دیا		ان سے	عذاب
الْخِزْيِ	فِي	الْحَيٰوةِ	الدُّنْيَا	وَمَتَّعْنٰهُمْ		اِلٰى	حِيْنٍ ﴿٩٨﴾
ذلت کا	میں	زندگی	دنیا	اور ہم نے انہیں فائدہ دیا		طرف	ایک وقت

”پھر کوئی ایسی بستی کیوں نہ ہوئی جو ایمان لائی ہوتو اس کے ایمان لانے نے اسے نفع دیا ہو، یونس کی قوم کے سوا جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے دنیا کی زندگی میں ذلت کا عذاب دور کر دیا اور انہیں ایک وقت تک فائدہ پہنچایا۔“ (٩٨)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآن کے منکرو! اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مہلت سے اس طرح فائدہ اٹھانا چاہیے جس طرح قوم یونس علیہ السلام نے مہلت سے فائدہ اٹھا کر سچی توبہ کی اور اپنے سروں پر منڈلاتے ہوئے عذاب سے بچ گئے تھے۔

حضرت یونس علیہ السلام عراق کی سرزمین نینوا کے علاقہ میں ٨٠٠ قبل مسیح مبعوث کیے گئے۔ اس زمانے میں نینوا دنیا کے ترقی یافتہ بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ قرآن مجید نے اس شہر کی آبادی ایک لاکھ سے زائد بتلائی ہے۔ (الصافات: ١٤٧) شہر اور علاقے کے لوگ اشوری قوم سے تعلق رکھتے تھے جو بت پرستی میں مبتلا تھی۔ حضرت یونس علیہ السلام انہیں ایک مدت تک وعظ ونصیحت کرتے رہے مگر قوم نے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جو مشرک اقوام کا وطیرہ رہا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے انہیں بار بار اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا۔ لیکن وہ لوگ تائب ہونے کی بجائے بگاڑ میں آگے ہی بڑھتے گئے۔ جس پر یونس علیہ السلام نے انہیں آخری بار انتباہ کیا کہ اگر تم اسی راستے پر چلتے رہے تو فلاں دن تمہیں اللہ تعالیٰ کا عذاب دبوچ لے گا۔ قوم نے آخری وارننگ کو بھی استہزا کا نشانہ بنایا۔ جس پر حضرت یونس علیہ السلام دلبرداشتہ اور خفا ہو کر ہجرت کے لیے نکل کھڑے ہوئے حالانکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کرنے کا حکم نہیں پہنچا تھا۔ کیونکہ پیغمبر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر ہجرت نہیں کرسکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس فعل پر ان کی گرفت فرمائی جس کے بارے میں فرمایا۔

جب وہ غصہ کے عالم میں شہر چھوڑ کر چلا گیا اسے خیال تھا (یعنی اسے خیال نہ آیا) کہ ہم اس پر گرفت نہ کریں گے۔ (الانبیاء: ٨٧)

قوم یونس پر نظر کرم:

حضرت یونس علیہ السلام کے شہر چھوڑنے کے بعد ان کی پیشگوئی کے مطابق قوم پر عذاب منڈلانے لگا۔ جس پر قوم کو احساس ہوا کہ حضرت یونس کا فرمان سچ تھا۔ اللہ کا پیغمبر ہماری گستاخیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے ناراض ہو کر چلا گیا ہے۔ ظاہر ہے انہوں نے حضرت کو تلاش کیا ہوگا لیکن حضرت زمین کی بجائے مچھلی کے پیٹ میں جا چکے تھے۔ قوم نے دن کے وقت کالے بادل، کڑکتی ہوئی بجلیاں اور خوفناک گھٹا ٹوپ اندھیرا دیکھا تو یقین ہو گیا کہ یہ بارش برسانے والے بادل نہیں۔ یہ تو حضرت یونس علیہ السلام کی بددعا کا نتیجہ اور ہمیں ہلاک کر دینے والا بادل ہے۔ اس خوفناک صورت حال کو دیکھ کر انہوں نے عورتوں، بچوں اور مردوں کو کھلے میدان میں الگ الگ کر کے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور گڑ گڑا کر معافی مانگو۔ تمام کے تمام لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور پوری درماندگی اور عاجزی کے ساتھ زار و قطار روتے ہوئے معافی طلب کی جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا، جس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا عذاب ٹل جائے مگر یونس علیہ السلام کی قوم کے سوا۔ جس کے دو سبب معلوم ہوتے ہیں:

۱۔ عذاب کا قطعی وقت آنے سے پہلے کوئی فرد یا قوم سچی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ بھیجے ہوئے عذاب کو ٹال دیتا ہے۔

۲۔ قوم یونس پر ابھی تک حجت تمام نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔ کہ جب تک کسی قوم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوری طرح حجت قائم نہ ہو۔ اس وقت تک انہیں تہس نہس نہیں کیا جاتا لہٰذا قوم یونس کو نہ صرف معاف کر دیا۔ بلکہ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نجات دے کر اسی قوم کی طرف دوبارہ بھیجا گیا۔ سو وہ لوگ ایمان لائے جس وجہ سے انہیں زندگی میں مزید فائدہ اٹھانے کا موقعہ دیا گیا۔ (الصٰفٰت: ۱۴۷۔۱۴۸) اس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کے ذلت ناک عذاب سے بچا لیا اور مزید مہلت عطا فرمائی۔

عذاب نازل ہونے کے بعد ایمان لانے کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا:

﴿فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [المومن: ۸۵]

”پھر یہ نہ تھا کہ ان کا ایمان انہیں فائدہ دیتا، جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ یہ اللہ کا طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں گزر چکا اور اس موقع پر کافر خسارے میں رہے۔“

توبہ و استغفار کے ثمرات:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ

ھَمٍّ فَرَجًا وَمِنْ کُلِّ ضِیقٍ مَخْرَجًا وَرَزَقَهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ)) [رواہ ابوداؤد:باب الاستغفار]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے استغفار کو لازم پکڑا، اللہ تعالیٰ اسے ہر غم سے نجات عطا فرما دیتا ہے اور ہر تنگی سے نکلنے کی جگہ بنا دیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے خیال بھی نہ ہو۔''

مسائل

۱۔ اللہ کے حضور سچی توبہ کرنے سے آیا ہوا عذاب ٹل جاتا ہے۔

۲۔ ایمان والے اللہ کی عطا کردہ مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

توبہ استغفار کے فوائد:

۱۔ حضرت یونس کی قوم کے سوا کسی قوم کو عذاب کے وقت ایمان لانے کا فائدہ نہ ہوا۔ (یونس:۹۸)

۲۔ اللہ سے بخشش طلب کیجیے یقیناً وہ معاف کرنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔ (النساء:۱۰۶)

۳۔ اگر تم استغفار کرو تو اللہ تمہیں اس کا بہتر صلہ دے گا۔ (ہود:۳)

۴۔ تم اللہ سے مغفرت طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو وہ آسمان سے تمہارے لیے بارش نازل فرمائے گا اور تمہاری قوت میں اضافہ فرما دے گا۔ (ہود:۵۲)

۵۔ اللہ سے استغفار کرو اور اس کی طرف رجوع کرو میرا رب رحم کرنے اور شفقت فرمانے والا ہے۔ (ہود:۹۰)

۶۔ اللہ سے بخشش طلب کرو وہ معاف کر دے گا اور بارش نازل فرمائے گا اور تمہارے مال و اولاد میں اضافہ فرمائے گا۔ (نوح:۱۰۔۱۲)

۷۔ اللہ سے استغفار کرو یقیناً وہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ (المزمل:۲۰)

۸۔ جب تک لوگ اللہ سے بخشش طلب کرتے رہیں گے اللہ انہیں عذاب نہیں دے گا۔ (الانفال:۳۳)

۹۔ اپنے رب کی تعریف و تسبیح بیان کرو اور اس سے مغفرت طلب کرو یقیناً وہ معاف کرنے والا ہے۔ (النصر:۳)

وَلَوْ	شَآءَ	رَبُّكَ	لَاٰمَنَ	مَنْ	فِي	الْاَرْضِ	كُلُّهُمْ
اوراگر	وہ چاہتا	آپ کارب	تو ایمان لے آتے	جولوگ	میں	زمین	سب کے سب

جَمِيْعًا ؕ	اَفَاَنْتَ	تُكْرِهُ	النَّاسَ	حَتّٰى	يَكُوْنُوْا	مُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾
سارے ہی	کیا پس آپ	مجبور کریں گے	لوگوں کو	یہاں تک کہ	وہ ہوجائیں	ایمان لانے والے

وَمَا	كَانَ	لِنَفْسٍ	اَنْ تُؤْمِنَ	اِلَّا	بِاِذْنِ
اورنہیں	ہے	کسی نفس کے لیے	ایمان لانا	مگر	حکم سے

اللّٰهِ ؕ	وَ	يَجْعَلُ	الرِّجْسَ	عَلَى	الَّذِيْنَ	لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٠﴾
اللہ	اور	وہ کرتا ہے	پلیدی	پر	جولوگ	وہ عقل نہیں رکھتے

''اوراگر آپ کا رب چاہتا جولوگ زمین میں ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے یہاں تک کہ وہ ایمان والے ہوجائیں۔''(۹۹) ''اور کسی شخص کے لیے ممکن نہیں ایمان لانا مگر اللہ کی اجازت سے اور وہ پلیدی ان لوگوں پر ڈالتا ہے جونہیں سمجھتے۔''(۱۰۰)

فہم القرآن

ربط کلام: کیونکہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم عذاب دیکھ کرسچا ایمان لائی اور توبہ کی اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ وضاحت کردی جائے کہ اللہ تعالیٰ جبراً کسی کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتا۔

جس طرح کہ پہلی آیات کی تفسیر میں عرض کیا گیا ہے۔کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم پر عذاب بھیجنے کے باوجود اس لیے انہیں معاف کردیا گیا کہ ابھی پوری طرح ان پر اتمام حجت نہیں ہوئی تھی۔اس کے ساتھ ہی انہوں نے اللہ کے حضور عجز و عاجزی کی ایک نئی مثال قائم کی تھی جس بنا پر ان پر آیا ہوا عذاب ٹال دیا گیا۔قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کو یہ خیال آسکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہر دور کے مجرموں کو راہ راست پر لانے کے لیے تھوڑا سا جبر اختیار فرمالے تو لوگ ہدایت پر آسکتے ہیں۔اس خیال کی نفی کی خاطر یہاں یہ اصول بیان کردیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ضابطہ نہیں کہ لوگوں کو جبر کے ذریعے اپنی ذات منوائے اور دین پر گامزن کرے۔اگر اللہ تعالیٰ یہ انداز اختیار فرمائے تو زمین پر بسنے والے ہر دور کے انسان ایمان قبول کرلیتے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل وشعور کی صلاحیت سے سرفراز کیا ہے۔جسے بروئے کار لانا ہر انسان کی ذمہ داری ہے۔اگر لوگ عقل

وخرد رکھتے ہوئے بھی نفع اور نقصان، برائی اور اچھائی، نیکی اور بدی میں فرق نہیں کرتے تو اس کا انجام انہیں بھگتنا پڑے گا۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان کی توفیق اسے ضرور مل جاتی ہے جو خلوص نیت کے ساتھ ایمان کی جستجو کرتا ہے۔ جو کسی قسم کا تعصب اور دنیوی مفاد پیش نظر رکھے گا اس پر عقیدے کی گندگی اور بدعملی کی نحوست مسلط کر دی جاتی ہے۔ اس فرمان میں یہی اصول سمجھانے کے لیے یہ انداز اختیار کیا گیا ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے اذن کا نتیجہ ہوتی ہے اور برائی بھی اسی کی جانب سے ہوتی ہے۔ جس کا سادہ مفہوم یہ ہے کہ کوئی ہدایت کا طالب ہو تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دیتا ہے جو برائی کا طلبگار ہوتا ہے اس کے لیے برائی کا راستہ کھول دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے یوں بھی بیان کرتے ہیں:

﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا﴾ [الدھر:۳]

''ہم نے انسان کو راستے کی راہنمائی کی۔ چاہے تو وہ ہدایت کا راستہ اختیار کرے۔ چاہے تو گمراہی کا راستہ اختیار کر لے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ جبر کرتے تو سارے لوگ ایمان لے آتے۔

۲۔ آدمی ہدایت کے راستے کو چھوڑ دے تو اس پر گمراہی مسلط کر دی جاتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کسی کو جبراً ہدایت نہیں دیتا:

۱۔ اگر تیرا رب چاہتا تو زمین کے تمام لوگ ایمان لے آتے۔ (یونس:۹۹)

۲۔ کیا آپ لوگوں پر ایمان کے معاملہ میں جبر کر سکتے ہیں؟ (یونس:۹۹)

۳۔ دین میں جبر نہیں ہے۔ (البقرۃ:۲۵۶)

۴۔ ہم نے قوم ثمود کو ہدایت دی انہوں نے ہدایت کے بدلے جہالت کو پسند کیا۔ (حم السجدۃ:۱۷)

۵۔ اللہ ایسی قوم کو کیسے ہدایت دے جو ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرتی ہے۔ (آل عمران:۸۶)

۶۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ (الشوریٰ:۱۳)

۷۔ اگر اللہ چاہتا تو سبھی کو ہدایت دے دیتا اور کافر تو اسی حال میں ہی رہیں گے۔ (الرعد:۳۱)

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا
آپ فرمادیں تم دیکھو جو کچھ ہے میں آسمانوں اور زمین اور نہیں

تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾
فائدہ دیتیں نشانیاں اور تنبیہات سے قوم نہیں وہ ایمان لاتے ہیں

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ
چنانچہ پس نہیں وہ انتظار کرتے مگر مثل ایام (دن) ان لوگوں کے جو گزر چکے سے

قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾
ان سے پہلے فرمادیجیے پھر انتظار کرو تم بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں انتظار کرنے والوں میں سے

”فرمادیں دیکھو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ موجود ہے۔ اور نشانیاں اور تنبیہات ان لوگوں کے کام نہیں آتیں جو ایمان نہیں لاتے۔“ (۱۰۱) ”تو یہ لوگ ان لوگوں کے سے دنوں کے سوا کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے۔ فرمادیں پھر انتظار کرو، بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔“ (۱۰۲)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے تذکرہ کے بعد۔ انسان کو توجہ دلائی گئی ہے اگر تھوڑا سا عقل سے کام لے اور اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پر غور کرے تو اس کے لیے ہدایت کے راستے کھل جائیں گے۔

اللہ کی قدرت کی نشانیاں زمین و آسمان میں اس قدر نمایاں اور پھیلی ہوئی ہیں کہ آدمی تھوڑی سی توجہ کرے تو وہ خود بخود اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہیں۔ آسمان کی طرف دیکھیے کب سے جوں کا توں بلا ستون کھڑا ہے نہ اس کی رنگت میں کوئی فرق آیا ہے اور نہ ہی کہیں سے جھکا اور پھٹا ہے یہاں تک کہ اس میں دراڑ اور نشیب و فراز بھی نظر نہیں آتا۔ اب اپنے پاؤں تلے زمین پر غور فرمائیے کہ بظاہر ایک ہی دھرتی ہونے کے باوجود اس مٹی کی ہزاروں قسمیں ہیں۔ ایک زمین چنے کی فصل اُگاتی ہے اگر آپ وہاں چاول کی فصل لگائیں تو وہ اسے ہرگز قبول نہیں کرے گی۔ زمین کا ایک قطعہ سبزیوں کے لیے مفید ہے جبکہ دوسرا گنے اور کپاس کی فصل زیادہ اُگاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو اتنا امانت دار اور فراخ دل بنایا ہے کہ آپ ایک کھیت میں بیس پچیس کلو بیج ڈالتے ہیں تو وہ نہ صرف اس کی حفاظت کرتی ہے بلکہ بیس پچیس کلو کی جگہ چالیس پچاس من گندم واپس کرتی ہے پھر غور فرمائیں زمین، پانی، موسم ایک ہونے کے باوجود پھلوں کے ذائقے اور رنگت میں زمین آسمان سے بھی

ثُمَّ	نُنَجِّيْ	رُسُلَنَا	وَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	كَذٰلِكَ	حَقًّا
پھر	ہم نجات دیتے ہیں	اپنے رسولوں کو	اوران لوگوں کو	وہ ایمان لائے	اسی طرح	حق ہے

عَلَيْنَا	نُنْجِ	الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾
ہم پر	ہم نجات دیں	مومنوں کو

''پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں اور ایمان والوں کو بھی، اسی طرح ہم پر حق ہے کہ ہم مومنوں کو نجات دیں۔'' (۱۰۳)

ع ۱۵

زیادہ فرق ہے۔ آپ جوں جوں قادرِ مطلق کی قدرت پر غور کریں گے اسی انداز سے اپنے مالک کو پہچانتے جائیں گے۔ بے شمار نشانیاں اور ان گنت شواہد اس شخص کو کچھ فائدہ نہیں دیتے جو اللہ تعالیٰ کی ثبت کردہ نشانیوں سے بے اعتنائی اور اس کے خوف سے بے خوف ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی حالت یہ ہے کہ یہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اس برے وقت کا انتظار کرتے ہیں جو ان سے پہلے مجرم قوموں پر وارد کیا گیا تھا۔ اے نبی ﷺ! بس ان ناعاقبت اندیش، خدا کے خوف سے تہی دامن اور عقل کے اندھوں کو یہی کہنا چاہیے کہ تم اپنے انجام کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ اس کا انتظار کرتا ہوں۔ لیکن یاد رکھنا کہ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگا تو وہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو اس سے محفوظ فرمائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے جب نبی کی موجودگی میں اس کی قوم پر عذاب آتا ہے تو نبی اور اس کے ایماندار ساتھیوں کو اس بستی سے نکل جانے کا حکم دیا جاتا ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو ہر صورت پورا ہوا کرتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے بے ایمان لوگ عبرت حاصل نہیں کرتے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے اپنے رسولوں اور مومنین کو محفوظ رکھتا ہے۔

۳۔ مومنوں کو نجات دینا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ مومنوں کی مدد کرتا ہے:

۱۔ پھر ہم اپنے پیغمبروں اور ایمان والوں کو نجات دیتے ہیں۔ (یونس: ۱۰۳)

۲۔ مومنوں کی مدد کرنا ہمارے لیے لازم ہے۔ (الروم: ۴۷)

۳۔ بے شک ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں۔ (المومن: ۵۱)

۴۔ اے ایمان والو! تم اللہ کی مدد کرو (یعنی اللہ کے دین کی) اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ (محمد: ۷)

۵۔ ہم نے ان کی مدد کی سو وہ غالب آگئے۔ (الصّٰفّٰت: ۱۱۶)

قُلْ	يٰۤاَيُّهَا	النَّاسُ	اِنْ	كُنْتُمْ	فِيْ	شَكٍّ
آپ فرما دیجیے اے	لوگو!	اگر	ہو تم	میں	شک	

مِّنْ	دِيْنِيْ	فَلَاۤ	اَعْبُدُ	الَّذِيْنَ	تَعْبُدُوْنَ	مِنْ	دُوْنِ
سے	میرے دین	تو نہیں	میں عبادت کرتا	ان کی	تم عبادت کرتے ہو	سے	سوائے

اللّٰهِ	وَلٰكِنْ	اَعْبُدُ	اللّٰهَ	الَّذِيْ	يَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ	وَاُمِرْتُ	
اللہ	اور لیکن	میں عبادت کرتا ہوں	اللہ کی	وہ جو	تمہیں وفات دیتا ہے	اور میں حکم دیا گیا ہوں	

اَنْ اَكُوْنَ	مِنَ	الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٠٤	وَاَنْ	اَقِمْ	وَجْهَكَ	
یہ کہ ہو جاؤں میں	سے	مومنوں	اور یہ کہ	آپ سیدھا رکھیں	اپنا چہرہ	

لِلدِّيْنِ	حَنِيْفًا ۚ	وَلَا	تَكُوْنَنَّ	مِنَ	الْمُشْرِكِيْنَ ۝١٠٥	
دین کے لیے	یکسو ہو کر	اور نہ	ہرگز آپ ہوں	سے	مشرکین	

”فرما دیں اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی شک میں ہو تو میں انکی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو اور لیکن میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں وفات دیتا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان والوں میں سے ہو جاؤں۔“ (١٠٤) ”اور یہ کہ آپ اپنا چہرہ یکسو ہو کر اسی دین کی طرف سیدھا رکھیں اور مشرکوں سے ہرگز نہ ہونا۔“ (١٠٥)

فہم القرآن

ربط کلام: (آپ کھل کر اعلان کر دیں کہ) ”اللہ“ کی مدد انبیاء علیہم السلام اور مومنوں کے ساتھ ہوتی ہے۔

نبی معظم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو نصرت وحمایت کی خوشخبری دینے کے بعد حکم ہوا۔ کہ اے رسول ﷺ آپ سرعام اعلان فرمائیں کہ اے لوگو! اگر تمہیں میرے دین کے بارے میں شک ہے اور تم کسی طرح بھی مطمئن ہونے کے لیے تیار نہیں ہو۔ تو یاد رکھو میں اللہ کے سوا تمہارے معبودانِ باطل کی عبادت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میں صرف اسی ایک اللہ کی عبادت کرتا رہوں گا۔ جو تمہیں اور سب کو فوت کرنے والا ہے۔ کیونکہ میں ماننے والوں میں ہوں اس لیے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اپنے آپ کو کلی طور پر اس دین کے تابع کروں جو ہر اعتبار سے کامل، اکمل اور ہر قسم کی کمی کمزوری سے مبرا ہے۔ میرا مشرکوں کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں۔

یہاں دین سے مراد توحید خالص اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے۔ مشرکین مکہ نے جب نبی معظم ﷺ کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگالیا۔ اور وہ ہر اعتبار سے ناکام اور نامراد ٹھہرے تو انہوں نے اپنے رویے میں تبدیلی لاتے ہوئے یہ مطالبہ کیا کہ اے محمد! کچھ آپ نرم ہو جائیں اور کچھ ہم اپنا موقف چھوڑنے کے لیے تیار ہیں تاکہ ہماری

کشمکش ختم ہو جائے۔ (القلم : ۹) اس کے جواب میں یہ فرمان نازل ہوا کہ اے رسول ﷺ! آپ مشرکین کی پرواہ کیے بغیر صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے ہوئے اس کی توحید کی دعوت دیتے رہیں۔

چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے دشمنوں کی دشمنی اور مخالفوں کی مخالفت کی پرواہ کیے بغیر زندگی بھر اس کام کو جاری رکھا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے وہ وقت دکھایا کہ جب آپ اپنی زندگی کا آخری حج ادا کر رہے تھے۔ تو ایک لاکھ سے زائد کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''حضرت واقد بن محمد کہتے ہیں میں نے اپنے باپ سے سنا وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ، رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا کیا تم جانتے ہو حرمت کے لحاظ سے عظیم مہینہ کون سا ہے۔ صحابہ نے کہا یہ مہینہ۔ آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو حرمت کے لحاظ سے عظیم شہر کون سا ہے صحابہ نے عرض کیا ہمارا شہر۔ آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو حرمت کے لحاظ سے عظیم دن کون سا ہے صحابہ نے عرض کیا آج کا دن آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزت کو حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ جس طرح کہ اس دن کی حرمت ہے تمہارے اس شہر اور مہینے کی کیا میں نے پیغام پہنچا دیا، آپ نے تین بار یہ کلمات دھرائے اور تمام نے کہا کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا افسوس ہو تم پر یا ویل ہو میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹتے پھرو۔'' (رواہ البخاری: کتاب الحدود، باب ظهر المومن حمی الا فی حد او حق)

مسائل

۱۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرنی چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کی موت پر اختیار رکھتا ہے۔

۳۔ اپنے آپ کو دین کے لیے خالص کر لینا چاہیے۔ ۴۔ مشرکین کا ساتھی نہیں بننا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

صرف ایک اللہ کی ہی عبادت کرنی چاہیے:

۱۔ آپ کو حکم ہے کہ آپ فرما دیں کہ میں تو صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔ (یونس: ۱۰۴)

۲۔ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ (الرعد: ۳۶)

۳۔ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔ (ہود: ۲) ۴۔ اے لوگو اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ (البقرۃ: ۲۱)

۵۔ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ (یوسف: ۴۰)

۶۔ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے شریک نہ بناؤ (النساء: ۳۶)

۷۔ نوح، ہود، صالح، اور شعیب نے اپنی قوم کو ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا۔ (ہود: ۵۰۔ ۶۱۔ ۸۴)

۸۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ (بنی اسرائیل: ۲۳)

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا

اور مت — پکاریں آپ — سے — سوائے — اللہ — جو — نہ آپ کو نفع دے سکتا ہے — اور نہ

يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾

آپ کو نقصان دے سکتا ہے — پھر اگر — آپ نے کیا — تو بلاشبہ آپ — اسی وقت — سے — ظالموں

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ

اور اگر — پہنچائے آپ کو — اللہ — کوئی تکلیف — تو نہیں — کوئی دور کرنے والا — اسے

اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ

سوائے — اس کے — اور اگر — وہ ارادہ کرے آپ کے ساتھ — کسی بھلائی کا — تو نہیں — رد کرنے والا

''اور اللہ کو چھوڑ کر اس چیز کو مت پکاریں جو نہ آپ کو نفع دے سکتی ہے اور نہ آپ کو نقصان پہنچا سکتی ہے پھر اگر تو نے ایسا کیا تو بلاشبہ اس وقت ظالموں میں سے ہو جائے گا۔'' (١٠٦) ''اور اگر اللہ تجھے کوئی نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرلے تو اس کو رد کرنے والا نہیں۔

فہم القرآن

ربط کلام: صرف ایک اللہ کی عبادت اس لیے بھی کرنا ہے کیونکہ اس کے سوا کوئی نفع ونقصان کا مالک نہیں نہ ہی اس کے علاوہ کوئی حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔

توحید یہ ہے کہ اللہ کی ذات اور اس کی صفات میں کسی زندہ یا مردہ کو شریک نہ سمجھا جائے۔ یہ عقیدہ دین کی ابتداء اور انتہا ہے۔ اسے سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ بار بار مختلف انداز اور الفاظ استعمال کرتے ہوئے لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ اس پر پکے ہو جاؤ۔ یہی دنیا میں انسان کی کامیابی اور آخرت کی فلاح کا راستہ ہے۔ اس عقیدہ کی اہمیت اور فرضیت کے لیے نبی ﷺ سے لے کر ہر انسان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی کی عبادت کرے اور نہ ہی کسی کو اپنے نفع ونقصان کا مالک سمجھے۔ اسی سے انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان رشتہ مضبوط ہوتا ہے۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان ہر قسم کے نفع ونقصان سے بالاتر ہو کر محض اخلاص کی بنیاد پر دوسرے آدمی کے ساتھ تعلق قائم کرتا ہے۔ یہ عقیدہ زندگی کے ہر میدان میں انسان کو ایک دوسرے کے ساتھ مخلص ہو کر رہنے کا سبق دیتا ہے۔ کیونکہ اس کا یہ ایمان ہوتا ہے کہ نفع اور نقصان کا مالک صرف ایک اللہ ہے اگر وہ نہ چاہے تو کوئی مجھے نہ فائدہ دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس عظیم تصور اور عقیدے کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے

لِفَضْلِهٖ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ

اس کے فضل کو | وہ پہنچاتا ہے | ساتھ اس کے | جسے | وہ چاہتا ہے | سے | بندوں

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٧﴾

اور وہ | بہت بخشنے والا | نہایت رحم کرنے والا

اس کے فضل کو کوئی ہٹانے والا نہیں، وہ اسے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے پہنچاتا ہے اور وہی بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' (۱۰۷)

براہ راست اپنے رسول کو مخاطب کیا ہے کہ اے رسول ﷺ! اگر آپ بھی اس عقیدہ سے ہٹ جائیں تو آپ کا شمار ظالموں میں ہوگا۔ یہاں ظلم سے مراد شرک اور اس کا ارتکاب کرنے والے ظالم ہوں گے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بے مثال ہستی اور اس کی عظیم صفات کے ساتھ مردوں اور ادنیٰ چیزوں کو شریک بناتے ہیں۔ اس عقیدہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے پھر نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی تکلیف دینے کا فیصلہ کرے تو زمین وآسمان میں کوئی طاقت نہیں جو اس تکلیف کو آپ سے دور کر دے۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو خیر اور بھلائی عطا کرنا چاہیے ہے تو زمین وآسمان میں کوئی قوت نہیں جو اللہ کے فضل کو آپ سے دور کر سکے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے اپنے فضل وکرم سے نوازتا ہے۔ کیونکہ وہ بہت معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔ اس عقیدہ کی تازگی اور پختگی کے لیے آپ نے اپنے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر یوں فرمایا۔

((عَنِ الْمُغِيْرَةِ ابْنِ شُعْبَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ مَّكْتُوْبَةٍ (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ))[رواہ البخاری: باب الذکر بعد الصلوٰۃ]

''حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں نبی کریم ﷺ فرض نماز کے بعد اکثر یہ کلمات ادا فرمایا کرتے تھے۔ ''صرف ایک اللہ ہی معبود حق ہے اس کا کسی لحاظ سے کوئی شریک نہیں اس کی حکمرانی ہے، وہی تعریفات کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر اقتدار اور اختیار رکھنے والا ہے۔ الٰہی جسے تو کوئی چیز عنایت فرمائے اسے کوئی نہیں روک سکتا اور جو تو روک لے وہ کوئی دے نہیں سکتا۔ تیری کبریائی کے مقابلے میں کسی بڑے کی بڑائی فائدہ نہیں دے سکتی۔''

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا فَقَالَ يَا غُلَامُ اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ

وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلٰى أَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجُفَّتِ الصُّحُفُ))[رواه أحمد]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا آپ نے فرمایا اے بچے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی حفاظت کر اللہ تیری حفاظت کرے گا۔ اللہ کو یاد کر اُس کو اپنے سامنے پائے گا۔ جب مانگے تو فقط اللہ ہی سے سوال کر۔ مدد کی ضرورت ہو تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔ اس بات کو ذہن نشین کر لو اگر ساری دنیا والے تجھے نفع پہنچانے کے لیے جمع ہو جائیں تو نفع نہیں پہنچا سکتے مگر اُتنا ہی جتنا اللہ نے تیرے مقدر میں لکھ دیا ہے۔ اگر تمام کے تمام تجھے نقصان پہنچانے کے درپے ہو جائیں تو تجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اُتنا ہی جتنا تیرے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے۔ قلمیں اُٹھا دی گئیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں پکارنا چاہیے۔
٢۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نفع نقصان کا مالک نہیں۔
٣۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارنے والا ظالم ہے۔
٤۔ اللہ تعالیٰ کسی کو نقصان پہچانا چاہے تو کوئی بچا نہیں سکتا۔
٥۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کو کوئی ہٹا نہیں سکتا۔
٦۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنا فضل کا عطا فرماتا ہے۔
٧۔ اللہ معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں:

١۔ اللہ کے سوا کسی کو مت پکاریں جو نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ (یونس:١٠٦)
٢۔ اللہ کے سوا کوئی تکلیف دور کرنے والا نہیں۔ (بنی اسرائیل:٥٦)
٣۔ اللہ کے سوا مجبور کی دعا سننے والا اور اس کی مصیبت دور کرنے والا کون ہے؟ (النمل:٦٢)
٤۔ اللہ ہی تکلیف دور کرتا ہے لہٰذا اسی کو پکارو۔ (الانعام:٤١)
٥۔ اللہ کے سوا کوئی تمہارا ولی اور مددگار نہیں۔ (البقرۃ:١٠٧)
٦۔ لوگوں کا اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں جو ان کی مدد کر سکے۔ (الشوریٰ:٤٦)
٧۔ اس دن کافر لوگ جان لیں گے جب ان کے چہروں اور پشتوں سے آگ ہٹانے والا کوئی نہیں ہوگا اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے۔ (الانبیاء:٣٩)

قُلْ	يٰۤاَيُّهَا		النَّاسُ	قَدْ	جَآءَكُمُ	الْحَقُّ
فرما دیجیے	اے		لوگو!	یقیناً	آ گیا ہے تمہارے پاس	حق
مِنْ	رَّبِّكُمْ ۚ	فَمَنِ	اهْتَدٰى	فَاِنَّمَا	يَهْتَدِىْ	
سے	تمہارا رب	پس جس نے	ہدایت کو اپنایا	پس صرف	وہ ہدایت پائے گا	
لِنَفْسِهٖ ۚ	وَمَنْ	ضَلَّ	فَاِنَّمَا	يَضِلُّ	عَلَيْهَا ۚ	
اپنے ہی نفس کے لیے	اور جس نے	گمراہی اختیار کی	پس صرف	وہ گمراہی اختیار کرے گا	اپنے ہی نفس کے لیے	
وَمَآ	اَنَا	عَلَيْكُمْ	بِوَكِيْلٍ ۝۱۰۸	وَاتَّبِعْ	مَا	يُوْحٰۤى
اور نہیں	میں	تم پر	نگران	اور آپ پیروی کریں	جو	وحی کی جاتی ہے

''فرما دیں اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آ گیا ہے، جس نے ہدایت کو اپنایا تو وہ اپنے ہی لیے ہدایت کے راستے پر آتا ہے اور جو گمراہ ہوا اس کی گمراہی کی ذمہ داری اسی پر ہے اور مجھے تم پر نگران نہیں بنایا۔''(۱۰۸)''اور اسکی پیروی کیجیے

فہم القرآن

ربط کلام: اس آیت سے چار آیات قبل حکم تھا کہ اے رسول ﷺ لوگوں کو فرمائیں اگر تمہیں میرے عقیدہ اور دین کے بارے میں شک ہے تو میرے راستے میں رکاوٹ بننے کی بجائے مجھے اپنے طریقہ پر اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے دیجیے۔

اب ارشاد ہوتا ہے یہی حق ہے جو تمہارے رب کی طرف سے تم تک پہنچ چکا ہے۔ جو حق کی پیروی کرے گا اس کا فائدہ اسے ہی پہنچے گا اور جس نے توحید کا عقیدہ چھوڑ دیا۔ اس کا وبال اسے ہی اٹھانا پڑے گا۔ اور مجھے تم پر وکیل بنا کر نہیں بھیجا گیا وکیل کا معنٰی ہے دوسرے کے کام کا ذمہ دار ہونا۔ نبی کا کام حق پہنچانا ہوتا ہے منوانا نہیں۔ لہٰذا اے نبی ﷺ! آپ اسی کی اتباع کریں جو آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے اور لوگوں کی مخالفت پر حوصلہ رکھیں اور پوری دلجمعی اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنا کام کرتے جائیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ پہنچے اللہ تعالیٰ بہترین حاکم ہے۔ اللہ کے حکم سے مراد ظالموں پر عذاب اور حق والوں کی کامیابی ہے۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ؓ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ قَالَ إِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِي بِحَبِيبَتَيْهِ فَصَبَرَ عَوَّضْتُهُ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ)) [رواہ البخاری: باب فضل من ذھب بصرہ]

وَهُوَ	اللّٰهُ ج	يَحْكُمَ	حَتّٰى	وَاصْبِرْ	اِلَيْكَ
اور وہ	اللہ	وہ فیصلہ کرے	یہاں تک کہ	اور صبر کریں آپ	آپ کی طرف

الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾	خَيْرُ
فیصلہ کرنے والا ہے	بہتریں

جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور صبر کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ کرنے والوں سے سب سے بہتر ہے۔“(۱۰۹)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جس کو اللہ تعالیٰ اس کی دو محبوب (آنکھوں) چیزوں کے ساتھ آزماتا ہے اور وہ اس پر صبر کرتا ہے۔ اللہ اس کے عوض اسے جنت عطا فرمائیں گے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق پہنچ چکا ہے۔
۲۔ حق کا راستہ اپنانے والے کو اس کا فائدہ ہوگا۔
۳۔ گمراہی اختیار کرنے والے کو اس کا نقصان ہوگا۔
۴۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں تھے۔
۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی تابعداری کا حکم دیا گیا۔
۶۔ دین کے راستے میں مشکلات آئیں تو صبر سے کام لینا چاہیے۔
۷۔ اللہ تعالیٰ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

سب لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں:

۱۔ صبر کا دامن نہ چھوڑیں یہاں تک کہ اللہ فیصلہ صادر فرمادے۔(یونس:۱۰۹)
۲۔ نہیں ہے حکم مگر اللہ کا۔ اس کا حکم ہے کہ عبادت صرف اسی کی کی جائے۔(یوسف:۴۰)
۳۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے۔(المائدۃ:۱)
۴۔ اللہ قیامت کے دن لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔(البقرۃ:۱۱۳)
۵۔ قیامت کے دن آپ کا پروردگار ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔(النحل:۱۲۴، النساء:۱۴۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف سورۃ ھود

اس سورۃ مبارکہ میں حضرت ھود علیہ السلام کا ذکر قدرے تفصیل کے ساتھ پایا جاتا ہے۔اس حوالے سے اس سورت کا نام سورۃ ھود رکھا گیا۔اس کا نزول مکہ معظمہ میں ہوا۔یہ سورت (١٢٣) آیات پر مشتمل ہے۔اس میں قرآن مجید کا تعارف کروانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی گئی ہے۔اللہ کی توحید کی دعوت دینے کے ساتھ لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر وہ توبہ استغفار کا راستہ اختیار کریں تو اُنہیں دنیا میں بھی عزت وعظمت عطا کی جائے گی۔جو لوگ توبہ استغفار کا راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں تو اُنہیں قیامت کے دن کی ہولناکیوں کے بارے میں متنبہ کیا گیا ہے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رزاق ہونے کے دلائل دیے ہیں۔ساتھ ہی شکوہ کیا ہے کہ انسان کو تکلیف پہنچے تو اپنے رب سے مایوسی کا اظہار کرتا ہے۔اگر اُسے فضل وکرم سے نوازا جائے تو وہ فخر وغرور کا اظہار کرتا ہے اس کے بعد۔

قرآن مجید کے بارے میں چیلنج دیا گیا ہے کہ اگر تم اس کو من جانب من اللہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تو قرآن مجید کی کسی دس سورتوں کے مقابلے میں اُن جیسی سورتیں بنا کر لاؤ۔اگر تم یہ چیلنج قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تو تمہیں کھلے دل کے ساتھ اعتراف کرنا چاہیے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔اس سورت کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں حضرت نوح علیہ السلام کی بے مثال جدوجہد کا تذکرہ کرنے کے بعد ان کی قوم کا انجام ذکر کیا ہے۔حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ھود کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے بھی اپنی قوم کو یہ بات ارشاد فرمائی تھی کہ اگر تم توبہ استغفار کا راستہ اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاشی طور پر مستحکم فرمائے گا۔لیکن ان کی قوم نے اپنے رب کے حضور توبہ استغفار کرنے کی بجائے سرکشی اور نافرمانی کا راستہ اختیار کیا۔جس کے نتیجہ میں اس قوم پر اللہ کی پھٹکار نازل ہوئی اور اُسے نیست ونابود کر دیا گیا۔

قوم ھود کے بعد حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا انجام بیان کیا گیا ہے۔قومِ صالح کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی آمد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان سے خوفزدہ ہونا ملائکہ کا خوشخبری دینا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بیٹا اور پوتا عنایت فرمائیں گے۔ان سے فارغ ہونے کے بعد ملائکہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس جاتے ہیں۔لوط علیہ السلام کی قوم ہم جنسی کے جرم میں ملوث تھی۔ملائکہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آئے۔قوم نے مہمانوں کے ساتھ بدکرداری کا ارادہ کیا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملائکہ نے پوری بستی کو اُٹھا کر آسمان کے قریب لے جا کر زمین پر دے مارا اور ان پر پتھروں کی بارش

برسائی۔قومِ لوط کی تباہی کے تذکرہ کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے کردار کا بیان کیا ہے۔ جو لین دین اور ماپ تول میں خیانت کی مرتکب ہونے کے ساتھ شرک میں مبتلا تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے انھیں منع کیا تو قوم نے طعنہ دیا کہ اے شعیب تیری نمازیں تجھے یہی کچھ سکھاتی ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقہ کو چھوڑ دیں۔ جب قوم باز نہ آئی تو چیخ نے آلیا جس کی وجہ سے وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں اوندھے منہ تباہی کے گھاٹ اُتر گئے۔ سورۂ ھود کا اختتام حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی کشمکش کے بیان پر ہوا۔ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! انجام کار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم دنیا و آخرت میں اچھا انجام چاہتے ہو تو پھر ایک اللہ کی عبادت کرو اور اسی کی ذات پر بھروسہ کرو۔ ہمیشہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ وہ تمہارے احوال سے لحہ لحہ آگاہ رہتا ہے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ أَبُوْ بَكْرِ الصِّدِيْقِ رضی اللہ عنہ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم مَا شَيَّبَكَ ؟ قَالَ سُوْرَةُ هُوْدٍ وَالْوَاقِعَةِ وَالْمُرْسَلَاتِ وَ عَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ وَ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ)) [المستدرك للحاكم]

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔ اللہ کے محبوب پیغمبر آپ کو کس چیز نے بوڑھا کر دیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے سورۂ ھود ،الواقعة ، المرسلات ، عما یتساء لون ،اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا ہے۔“

سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعُهَا: ۱۰ اٰيَاتُهَا: ۱۲۳

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے

الٓرٰ قف	كِتٰبٌ	اُحْكِمَتْ	اٰيٰتُهٗ	ثُمَّ	فُصِّلَتْ
الف لام را	کتاب	محکم کی گئی ہیں	اس کی آیتیں	پھر	تفصیل سے بیان کی گئی ہیں
مِنْ	لَّدُنْ	حَكِيْمٍ	خَبِيْرٍ ۝۱		
سے	طرف	حکمت والے	خوب خبردار		

''الر۔ ایک کتاب ہے جس کی آیات محکم کی ہیں انھیں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے ایک کمال حکمت والے کی طرف سے جو خوب خبردار ہے۔'' (۱)

فہم القرآن

ربط کلام: سورۃ یونس اور ہود کا باہمی ربط (تفسیر): سورۃ یونس کا اختتام اس ارشاد پر ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی حاکم ہے اور وہ بہترین حکم دینے والا ہے سورہ ہود کی ابتدا اس بات سے ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے احکام محکم اور تفصیلی ہیں۔

الر۔ حروف مقطعات میں سے ہیں جن کے بارے میں سورۃ البقرۃ کی ابتدا میں عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ ان کا حقیقی معنی اور مفہوم۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا تفصیل کے لیے سورۃ البقرۃ کی ابتدا ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ قرآن مجید ایسی کتاب ہے جس کے احکام محکم ہیں جو پہلی کتابوں کی طرح منسوخ نہیں ہو سکتے۔ اس میں جامعیت کے ساتھ تفصیلات بھی ہیں تاکہ ہر دور کے تقاضے پورے ہوں اور لوگوں کو پیش آمدہ مسائل کا حل معلوم ہو سکے۔ ایسا اس لیے ہے کہ قرآن مجید کے احکام اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ہیں جو لوگوں کے جذبات اور حالات کو پوری طرح جانتا ہے۔ اور اس کے ہر حکم میں حکمت موجود ہوتی ہے جو سچائی، دانائی اور علم کے معیار پر پورا اترتی ہے۔

((عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ)) [رواه مسلم: کتاب الصلوٰة، باب فضل من يقوم بالقرآن]

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کتاب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بہت سی قوموں کو جو اس پر عمل کریں گی بامِ عروج پر پہنچائے گا اور بہت سی قوموں کو جو اس کو چھوڑ دیں گی

قعر مذلت میں گرادے گا۔“

((يَقُولُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِيْ وَسُؤَالِيْ أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِيْنَ)) [رواه الترمذی، باب فضائل القرآن]

”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جسے قرآن پاک کی تلاوت نے میرے اذکار اور مانگنے سے مصروف رکھا میں اسے سوال کرنے والوں سے زیادہ عطا کرونگا۔“

جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات عظمت وکبریائی اور خیر و برکت کے لحاظ سے یکتا اور تنہا ہے۔ ذکر واذکار میں یہی حیثیت تلاوت قرآن مجید کو حاصل ہے۔ قرآن مجید کو زندگی کا رہنما بنانے سے دنیا وآخرت کے مسائل اور دکھوں کا مداوا ہونے کی ضمانت مل جاتی ہے۔ اس کتاب مقدس سے انحراف اور بے اعتنائی پریشانیوں اور مشکلات کو دعوت دینے کے مترادف سمجھنا چاہیے۔ رسول کریم ﷺ اس کتابِ عظیم کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بدولت مسلمانوں کو عزت وعظمت سے نوازتا رہے گا اور اس کے چھوڑنے کی وجہ سے میری امت دنیا میں ہی ذلیل وخوار ہوجائے گی۔

مسائل

۱۔ گمراہی اختیار کرنے والے کو گمراہی کا نقصان ہوگا۔ ۲۔ قرآن کریم کی آیات محکم ہیں۔

۳۔ قرآن مجید میں ہدایت کے متعلق تفصیلات دی گئی ہیں۔ ۴۔ قرآن مجید اللہ حکیم وخبیر کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے چند اوصاف:

۱۔ قرآن مجید کی آیات محکم ہیں اس میں احکام کی تفصیلات ہیں۔ (ہود: ۱)

۲۔ قرآن مجید لاریب کتاب ہے۔ (البقرۃ: ۲) ۳۔ قرآن مجید برہان اور نور مبین ہے۔ (النساء: ۱۷۴)

۴۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔ (آل عمران: ۱۳۸)

۵۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت ہے، رحمت اور نصیحت ہے۔ (البقرۃ: ۱۸۵)

۶۔ قرآن مجید برہان اور نور مبین ہے۔ (النساء: ۱۷۴)

۷۔ قرآن مجید لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لانے کا ذریعہ ہے۔ (ابراہیم: ۱)

۸۔ قرآن مجید مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔ (بنی اسرائیل: ۸۲)

۹۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے باعث نصیحت اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ (یونس: ۵۷)

۱۰۔ ہم نے ہی اسے نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (الحجر: ۹)

اَلَّا	تَعْبُدُوْٓا	اِلَّا	اللّٰهَ ؕ	اِنَّنِیْ	لَكُمْ
کہ نہ	تم عبادت کرو	مگر	اللہ ہی کی	یقیناً میں	تمہارے لیے

مِّنْهُ	نَذِیْرٌ	وَّ بَشِیْرٌ ۝
اسی کی طرف سے	ڈرانے والا	اور خوشخبری دینے والا ہوں

''کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یقیناً میں تمہارے لیے اس کی طرف سے ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں۔'' (۲)

فہم القرآن

ربط کلام: سورۃ یونس کے اختتام میں حکم دیا گیا تھا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے سورۃ ہود کا آغاز قرآن مجید کے تعارف سے ہوا۔ پہلے کی طرح اس میں صرف اور صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنات کی تخلیق کا مقصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ اے انسانو اور جنو! میں نے تمہیں صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ (الذاریات: ۵۶۔۵۸) انسان کو اس کی زندگی کا مقصد سمجھانے کے لیے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب انبیائے عظام مبعوث کیے گئے۔ قرآن مجید ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ تمام کے تمام انبیاء اپنی دعوت کا آغاز اسی مقصد حیات سے کرتے تھے۔ آٹھویں پارے کے آخری پاؤ نکال کر دیکھیں کہ ہر رکوع کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ ہم نے نوح، ہود، صالح، شعیب کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور انہوں نے اپنی اپنی قوم کو یہی فرمایا کہ لوگو! صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کسی کی عبادت کرنا جائز نہیں سورۃ الانبیاء آیت ۲۵ میں ارشاد ہوتا ہے کہ اے رسول ﷺ آپ سے پہلے جتنے پیغمبر جلوہ گر کیے گئے۔ وہ لوگوں کو یہی بتلاتے اور سمجھاتے رہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔

اکثر مفسرین نے عبادت کا معنی تذلل یعنی نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پرستش کرنا بیان کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عبادت میں عاجزی اور انتہا درجے کی انکساری ضروری ہے کہ آدمی اللہ کے حضور قیام کرے تو زبان سے اقرار کرے اور اس کا پورا جسم خاموش گواہی دے رہا ہو کہ میرے جسم کا ایک ایک ریشہ تیرے حضور عاجز و بے بس ہے۔ جبین نیاز جھکائے تو اپنے آپ کو عجز وانکساری کی انتہا تک لے جائے گویا کہ وہ پستیوں کے سمندر میں ڈوب چکا ہے۔ زبان جنبش کرے تو اس کی حمد وثنا کے گیت گائے۔ دست سوال دراز کرے تو سراپا التجا بن جائے۔ مال خرچ کرے تو اس عاجزی کے ساتھ کہ میں تو مالک کی ملکیت ہی واپس لوٹا رہا ہوں نہ یہ میرا مال ہے اور نہ اس میں میرا کمال ہے۔

اس عہد کو نمازی پانچ وقت تشہد میں زبان سے دہراتا ہے کیونکہ عبادت تین ہی طریقوں سے ہوسکتی ہے۔

((اَلتَّحِیَاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ))

”تمام قسم کی قولی، فعلی اور مالی عبادات اللہ کے لیے ہیں۔“

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝﴾[الانعام:۱۶۲۔۱۶۳]

”کہہ دیجیے! یقیناً میری نماز، قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا اسلام لانے والا ہوں۔“

اس تصور کے ساتھ قرآن مجید نے عبادت کا وسیع تر تخیل پیش کیا ہے کہ آدمی منڈی یا بازار میں ہو تو امانت و دیانت کا ترجمان بن جائے، کسی کے ہاں مزدور اور خدمت گزار ہو تو وفا داری کا پیکر ہو جائے، حکمران ہو یا کوئی ذمہ داری اٹھائے تو قوم کا خادم اور مالک حقیقی کا غلام بن کر رہے۔ غرضیکہ زندگی کا ایک ایک لمحہ اور شعبہ رب کی غلامی اور سرافگندگی کے لیے وقف کرنے کا نام ہی عبادت ہے۔ یہی انسان کی تخلیق کا مقصد اور اسی کے لیے انسان کا ہر عمل وقف ہونا چاہیے۔ انبیائے عظام اپنی دعوت کا آغاز اسی سے کیا کرتے تھے۔ اس تصور عبادت سے ہٹنا مقصد حیات کی نفی اور غیر اللہ کی عبادت کرنے کے مترادف ہے۔ جس کا آدمی کو کسی حال میں بھی حق نہیں پہنچتا۔ عبادات میں سب سے پہلا درجہ نماز کا ہے۔ جسے اس کے تقاضوں کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کرنا جائز نہیں۔ ۲۔ نبی اکرم ﷺ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا تھا۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کرام ﷷ کی دعوت:

۱۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (ہود:۲)

۲۔ حضرت نوح نے اپنی قوم کو ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی اور شیاطین کی عبادت نہ کرو۔ (المومنون:۲۳)

۳۔ حضرت ہود نے ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی۔ اور غیر اللہ کی عبادت سے روکا۔ (الاعراف:۶۵)

۴۔ حضرت صالح نے ایک اللہ کی عبادت کے لیے بلایا اور ما سوائے اللہ کے دوسروں کی عبادت کو شیطان کی عبادت قرار دیا۔ (الاعراف:۷۳)

۵۔ حضرت شعیب نے ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا اور اس کے سوا دوسروں کی عبادت سے منع کیا۔ (ہود:۸۴)

۶۔ تمام امتوں کی طرف رسول بھیجے گئے اور سبھی نے ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی۔ (النحل:۳۶)

وَّاَنِ	اسْتَغْفِرُوْا	رَبَّكُمْ	ثُمَّ	تُوْبُوْٓا	اِلَيْهِ	يُمَتِّعْكُمْ
اور یہ کہ	تم مغفرت طلب کرو	اپنے رب	پھر	تم توبہ کرو	اسی کی طرف	وہ تمہیں فائدہ دے گا
مَّتَاعًا	حَسَنًا	اِلٰٓى	اَجَلٍ	مُّسَمًّى	وَّيُؤْتِ	كُلَّ
فائدہ	بہت اچھا	طرف	وقت	مقرر	اور وہ دے گا	ہر
ذِىْ	فَضْلٍ	فَضْلَهٗ ؕ	وَاِنْ	تَوَلَّوْا	فَاِنِّىْٓ	
صاحب	فضل کو	اس کا فضل	اور اگر	تم منہ پھیرو گے	تو یقیناً میں	
اَخَافُ	عَلَيْكُمْ	عَذَابَ	يَوْمٍ	كَبِيْرٍ ۳	اِلَى	اللّٰهِ
ڈرتا ہوں	تم پر	عذاب	دن	بڑا	طرف	اللہ
مَرْجِعُكُمْ ج	وَهُوَ	عَلٰى	كُلِّ	شَىْءٍ	قَدِيْرٌ ۴	
تمہارا لوٹنا	اور وہ	پر	ہر	چیز	خوب قادر	

''اور یہ کہ اپنے رب سے مغفرت مانگو پھر اس کی طرف پلٹ آؤ تو وہ تمھیں ایک معین مدت تک اچھا فائدہ دے گا اور ہر فضل والے کو اس کا فضل دے گا اور اگر تم پھر گئے تو یقیناً میں تمھیں بڑے دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔''(۳)''اللہ ہی کی طرف تمھارا لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھنے والا ہے۔''(۴)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کی عبادت تب ہی قبول ہو سکتی ہے جب انسان اپنے گناہوں بالخصوص شرک سے توبہ کرے گا۔

قرآن مجید اس بات پر بھی روشنی ڈالتا ہے کہ انبیاء کرام نہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیتے تھے بلکہ وہ اللہ کی عبادت کرنے کے ساتھ گناہوں سے معافی مانگنے اور شرک سے توبہ کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگو! اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو بے شک وہ معاف کرنے والا ہے۔ استغفار کے بدلے وہ تم پر رحمت کی برکھا برسائے گا اور تمہیں مال اور بیٹے عنایت فرمائے گا۔ (نوح:۱۱۔۱۲)

استغفار کرنے کا یہ بھی فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر اپنا عذاب مسلط نہیں کرتا۔ ایک دفعہ مکہ کے سردار جمع ہو کر بیت اللہ کا غلاف پکڑ کر اپنے لیے بد عا کرتے ہیں کہ اے اللہ! اگر یہ رسول سچا ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش برسا۔ اس کے جواب میں یہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اس لیے تم پر عذاب نازل نہیں کر رہا کہ تم میں اس کا رسول اور استغفار کرنے والے مسلمان موجود ہیں۔ (الانفال، :۳۲۔۳۳)

یہاں توبہ واستغفار کے تین فائدے بتائے گئے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ توبہ واستغفار کرنے والوں کو دنیا کے بہترین اسباب عنایت فرمائے گا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ انسان کی موت تک اسے مہلت دے گا اور کسی ذلیل کر دینے والی آزمائش میں مبتلا نہیں کرے گا۔

۳۔ توبہ واستغفار کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مزید نوازے گا۔

اگر لوگ اللہ تعالیٰ کی بندگی سے انکار اور اس کے حضور توبہ واستغفار نہ کریں گے تو دنیا میں ذلیل کر دینے والا عذاب اور آخرت میں بڑے اور لامتناہی مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا ہوں گے۔ کیونکہ بالآخر ہر کسی نے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے اور وہ لوگوں کو اپنے حضور پیش کرنے پر پوری طاقت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ ذرے ذرے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْ لُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ عَبدًا اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ فَاغْفِرْهُ فَقَالَ رَبُّهُ اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا یَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَاْخُذُبِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ ثُمَّ مَکَثَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ فَقَالَ اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا یَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَ یَاْخُذ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ ثُمَّ مَکَثَ مَاشَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا اٰخَرَ فَاغْفِرْهُ لِیْ فَقَالَ اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا یَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ فَلْیَفْعَلْ مَا شَآءَ))

[رواہ البخاری: کتاب التوحید ، باب قول اللہ تعالی یریدون ان یبدلوا کلام اللہ]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' کوئی شخص گناہ کرتا ہے پھر اپنے رب سے عرض کرتا ہے کہ میں گناہ کر بیٹھا ہوں تو اے رب مجھے معاف فرما۔ اس کا رب فرشتوں سے کہتا ہے' کیا میرے بندے کو معلوم ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہوں کو معاف کرتا ہے اور ان پر مؤاخذہ بھی کرتا ہے؟ لہٰذا میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔ پھر جب تک اللہ کی توفیق ہوتی ہے وہ گناہ سے باز رہتا ہے' پھر اس سے گناہ ہو جاتا ہے اور پھر اپنے رب کو پکارتا ہے۔ میرے پروردگار مجھ سے گناہ ہو گیا ہے۔ میرے اللہ! مجھے معاف فرما۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے استفسار کرتا ہے کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ کوئی اس کا مالک ہے جو گناہوں کو معاف بھی کرتا ہے اور ان پر پکڑتا بھی ہے؟ میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا! اب وہ جو چاہے کرے۔“ (یعنی سابقہ گناہ پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔)“

توبہ استغفار کے چند وظائف:

﴿رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ﴾[المومنون:۱۱۸]

”یا رب معاف اور رحم فرما تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔“

((أَسْتَغْفِرُاللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ إِلَیْهِ)) [مشکوٰۃ' باب الاستغفار]

”میں اللہ سے ہر گناہ کی معافی مانگتا ہوں اور اسی کے حضور توبہ کرتا ہوں۔“

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ)) [مشکوٰۃ 'باب السجود]

”اے اللہ مجھے معاف اور مجھ پہ رحم فرما۔“

((اَللّٰھُمَّ إِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ)) [مشکوٰۃ ' کتاب الصوم]

''اے اللہ آپ معاف کرنیوالے، معافی کو پسند کرتے ہیں اس لیے مجھے معاف فرما دیجیے۔''

یہاں قیامت کے دن کو یوم کبیر کہا گیا ہے جو اپنی طوالت کے اعتبار سے پچاس ہزار سال پر مشتمل ہوگا۔ (حم السجدۃ:۱۵) اور سختی کے حوالے سے اس قدر سخت ہوگا کہ بچہ جنم دینے والی ماؤں کے حمل ساقط ہو جائیں گے اور لوگ اس دن کی سختیوں سے مدہوش اور بدحواس ہوں گے۔ دیکھنے والا یوں سمجھے گا جیسے کسی نشے کی وجہ سے سرگرداں پھر رہے ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ یوم عظیم کی سختی اور تلخی کا نتیجہ ہوگا۔ (الحج:۲)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرنی چاہیے۔

۲۔ ہر شخص کو اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

۳۔ استغفار کی برکت سے اللہ تعالیٰ دنیوی فوائد بھی عطا فرماتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے نوازنے والا ہے۔

۵۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

۶۔ سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر بالقرآن

توبہ واستغفار کا حکم اور فوائد:

۱۔ اپنے پروردگار سے توبہ کرو اور اس کی طرف رجوع کرو وہ تمہیں خوشی وعیش دے گا۔ (ہود:۳)

۲۔ اپنے رب سے بخشش طلب کرو وہ آسمان سے بارش نازل فرمائے گا اور تمہاری قوت میں اضافہ کرے گا۔ (ہود:۵۲)

۳۔ تم اس سے بخشش طلب کرو میرا رب تمہاری توبہ قبول کرے گا۔ (ہود:۶۱)

۴۔ اپنے رب سے بخشش طلب کرو وہ تمہیں معاف کردے گا اور بارش، مال اور اولاد سے نوازے گا۔ (نوح:۱۰۔۱۲)

۵۔ اللہ سے بخشش طلب کرو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ (المزمل:۲۰)

۶۔ جب تک لوگ بخشش طلب کرتے رہیں گے ہم انہیں عذاب نہیں دیں گے۔ (الانفال:۳۳)

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا

آگاہ رہو! بے شک وہ دہرے کرتے ہیں اپنے سینوں کو تاکہ وہ چھپ جائیں اس سے آگاہ رہو!

حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا

جس وقت وہ اوڑھتے ہیں اپنے کپڑے وہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو

يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۵

وہ ظاہر کرتے ہیں بلاشبہ وہ خوب جانتا ہے راز سینوں کے

”آگاہ رہو! بے شک وہ اپنے سینوں کو اس لیے دہرے کرتے ہیں کہ اس سے چھپے رہیں، آگاہ رہو! جب وہ اپنے کپڑے اچھی طرح اوڑھتے ہیں اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ یقیناً سینوں کے رازوں کو خوب جاننے والا ہے۔“(۵)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے حضور توبہ واستغفار کرنے کی بجائے منکرین کا رویہ۔

منکرین حق نہ صرف انبیاء کی دعوت کا انکار کرتے بلکہ ہر اعتبار سے انبیاء کو اذیت پہنچانے اور انہیں زچ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کا انبیاء علیہم السلام کو اذیت دینے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ جب وقت کا پیغمبر انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے، شرک سے بچنے اور گناہوں کی معافی مانگنے کے لیے کہتا تو وہ لوگ وقت کے پیغمبر کا مذاق اڑانے کے ساتھ یہ بھی کرتے کہ جوں ہی پیغمبر کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھتے یا کہیں ملاقات ہو جاتی تو اپنے چہروں کو ڈھانپ لیا کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں کفار اور مشرکین کا رویہ اس حد تک ناروا تھا کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھتے ہی اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالتے اور چہروں کو چھپائے ہوئے انتہائی نفرت اور تکبر کا اظہار کیا کرتے تھے۔ (نوح: ۷)

ایسا ہی رویہ کفارِ مکہ میں سے کچھ لوگ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اختیار کرتے تھے۔ مکہ میں آنے والے ہر شخص کو یہ باور کرواتے کہ ہم میں ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے جو حقیقتاً جادوگر ہے اگر تم اس سے بچنا چاہتے ہو تو اس کے قریب نہ جانا۔ (کبھی یوں بھی کرتے کہ) آپ کی مجلس میں بیٹھتے تو اپنے سینوں کو اپنی رانوں میں سکیڑ لیتے تاکہ آپ کی بات سے بے پرواہی کا اظہار کیا جائے۔ اس پر انہیں انتباہ کیا جا رہا ہے کہ تم ایک داعی سے چھپ سکتے ہو لیکن اللہ سے نہیں چھپ سکتے کیونکہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ تم لوگوں سے چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔ اللہ تمہارے دلوں کے راز بھی جانتا ہے۔ طفیل دوسی جو قبیلہ دوس کا سردار تھا وہ عمرہ کی غرض سے مکہ آیا مکہ کے لوگوں نے حسب عادت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی پروپیگنڈہ کیا جس کے ردِ عمل میں طفیل دوسی نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی کہ کہیں اس شخص کی آواز اچانک مجھے متاثر نہ کر دے۔ لیکن

اللہ کی شان دیکھیے جوں ہی اس نے طواف شروع کیا تو کیا دیکھتا ہے کہ رسول محترم ﷺ مطاف میں اللہ کے حضور کھڑے ہوکر نوافل میں قرآن مجید تلاوت کررہے ہیں۔ طفیل طواف کے ہر چکر میں آپ کو غور سے دیکھتا ہے۔ اس کا طواف مکمل ہوا تو وہ آپ کے چہرپر انوار اور قیام وسجود سے اس قدر متاثر ہوا۔ کہ اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے دل ہی دل میں کہنے لگا کہ طفیل کیسی حماقت ہے؟ تو اپنی قوم کا مانا ہوا شاعر، اپنے قبیلے کا سردار، اور لوگوں کے تنازعات میں فیصلے کرنے والا ہے۔ تجھے اس شخص کی بات سن کر اندازہ تو کرنا چاہیے کہ اس کا کلام کیسا ہے؟ اس کے ساتھ ہی اس نے کانوں سے روئی نکالی اور ایک طرف کھڑا ہوکر رسول محترم کی تلاوت سنتا رہا جب آپ نوافل سے فارغ ہوکر گھر جانے لگے تو آپ کے پیچھے ہولیا آپ اپنے دروازے کے قریب پہنچے تو عرض کرتا ہے۔ کہ اے محمد! مجھے وہ سناؤ جو آپ نماز میں پڑھ رہے تھے۔ آپ نے اس کی مہمان نوازی کرتے ہوئے قرآن مجید کی چند آیات کی تلاوت کی طفیل اسی وقت مسلمان ہوگیا۔

مسائل

۱۔ منافق اللہ تعالیٰ سے اپنی باتوں کو چھپاتے ہیں۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہر پوشیدہ اور ظاہر بات کو جانتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سینے کے رازوں سے بھی بخوبی آگاہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ظاہر اور باطن کو جانتا ہے:

۱۔ اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے اور تم چھپاتے ہو وہ دل کے رازوں سے واقف ہے۔ (ہود: ۵)

۲۔ اللہ جانتا ہے جو تم خفیہ کرتے ہو اور جو تم سرعام کرتے ہو۔ (النحل: ۱۹)

۳۔ اللہ غائب اور ظاہر کو جانتا ہے۔ (الحشر: ۲۲) ۶۔ اللہ کے لیے ظاہر اور پوشیدہ برابر ہے۔ (الرعد: ۱۰)

۴۔ اللہ جانتا ہے جو تم چھپا کر کرتے ہو اور جو تم سرعام کرتے ہو۔ (البقرۃ: ۷۷)

۵۔ اللہ آسمان کی ہر ظاہر اور پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔ (الانعام: ۳)

۷۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ان کی سرگوشیوں سے بھی واقف ہے۔ (التوبۃ: ۷۸)

۸۔ تم بات کو پوشیدہ رکھو یا ظاہر کرو اللہ دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات کو بھی جانتا ہے۔ (الملک: ۱۳)

۹۔ کہہ دیجیے اس (قرآن مجید) کو اس ذات نے نازل فرمایا ہے جو آسمان وزمین کے اسرار ورموز کو جانتا ہے۔ (الفرقان: ۶)

وَمَا	مِنْ	دَآبَّةٍ	فِي	الْاَرْضِ	اِلَّا	عَلَى	اللّٰهِ
اور نہیں	سے	کوئی چلنے والا	میں	زمین	مگر	پر	اللہ

رِزْقُهَا	وَيَعْلَمُ	مُسْتَقَرَّهَا	وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ	كُلٌّ	فِيْ
اس کا رزق	اور وہ جانتا ہے	اس کی قرار گاہ	اور اس کی سونپے جانے کی جگہ	ہر چیز	میں

كِتٰبٍ	مُّبِيْنٍ ۝
کتاب	واضح

''اور زمین میں کوئی چلنے والا جاندار نہیں مگر اس کا رزق اللہ ہی کے ذمہ ہے اور وہ اس کی قرار گاہ اور اس کے دفن کیے جانے کی جگہ کو جانتا ہے سب کچھ ایک کھلی کتاب میں درج ہے۔'' (٦)

فہم القرآن

ربط کلام: گیارہویں پارے کے آخر میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے ظاہر اور خفیہ حالات سے واقف ہے اور دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔ یہاں ارشاد فرمایا کہ وہ انسان کے مستقل ٹھہراؤ اور عارضی قیام گاہوں کو بھی جانتا ہے۔

''دابۃ'' ہر جاندار کو کہا جاتا ہے لیکن یہاں خطاب انسانوں سے کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی انسان کو پیدا کرنے والا ہے اور اس نے ہی اس کے رزق کا ذمہ لے رکھا ہے۔ رزق سے مراد صرف کھانے پینے والی چیزیں نہیں بلکہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو ایک ذی روح کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں ہوا، پانی، خوراک اور رہن سہن کی ضروریات شامل ہیں۔ یہ سب چیزیں عطا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے اپنا دستر خوان اتنا وسیع اور Mobile بنایا ہے کہ ہر کھانے والے کو اس کی خوراک مل رہی ہے گوشت کھانے والے درندے کو گوشت مل رہا ہے اور دانہ دُنکا لینے والے کو دانہ دنکا صبح و شام میسر ہے۔ چند جمع کرنے والوں کے سوا باقی سب کے سب کھانے والے صبح و شام تازہ خوراک سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ جہاں تک انسان کا معاملہ ہے اس کا رزق بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے البتہ حکم ہے کہ اللہ کا رزق تلاش کیا کرو۔ اس کے لیے محنت و مشقت کرنا لازم ہے لیکن رزق کی کمی و بیشی کا انحصار انسان کی محنت پر نہیں۔ اگر رزق محنت کی بنیاد پر دیا جاتا تو معذور اور لاچار بھوکے مر جاتے۔ جہاں تک رزق کی کمی و بیشی کا تعلق ہے یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اصول کے مطابق ہے جس کے پیش نظر وہ لوگوں کا رزق بڑھاتا اور گھٹاتا رہتا ہے۔ اگر کہیں قحط سالی پیدا ہو جاتی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے طے شدہ اصول کے مطابق ہوتی ہے جس کا سبب بنیادی طور پر انسان ہی ہوا کرتا ہے۔ بے شک وہ قحط سالی پانی کی قلت اور بارش کی کمی کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو۔ وہ بھی انسان کے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس قانون کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے رزق کا ذمہ لیا ہے۔ وہ لوگوں کی مستقل قیام گاہوں اور عارضی رہائش کو جانتا ہے۔ کیونکہ لوگوں کو رزق پہنچانا اور ان کے اعمال اور ضروریات سے باخبر رہنا

اس کی صفت کاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف ہر لحاظ سے باخبر رہتا ہے بلکہ اس نے انسان اور دنیا کی ہر چیز کے بارے میں سب کچھ لوحِ محفوظ میں ثبت کر رکھا ہے۔ **مستقرھا و مستودعھا** بالترتیب ان کا معنی ہے ''مستقل قیام گاہ اور عارضی ٹھہراؤ''۔ مفسرین نے مستقرھا سے مراد بطن مادر اور **مستودعھا** کا معنی دنیا کی زندگی لیا ہے اور کچھ اہل علم نے مستودعھا کا معنٰی دنیا کی زندگی اور مستقرھا قبر کا قیام سمجھا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نہ صرف انسان کے ہر قول وفعل سے آگاہ ہوتا ہے بلکہ اس نے انسان کی زندگی کا پورا ریکارڈ اپنے ہاں محفوظ کر رکھا ہے۔

((عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَوْ أَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَوَکَّلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ حَقَّ تَوَکُّلِہٖ لَرُزِقْتُمْ کَمَا تُرْزَقُ الطَّیْرُ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا))

[رواہ الترمذی: کتاب الزھد، باب فی التوکل علی اللہ]

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اگر تم اللہ پر توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تم پرندوں کی طرح رزق دیے جاؤ وہ صبح خالی پیٹ ہوتے ہیں اور شام کو بھرے ہوئے پیٹ ہوتے ہیں۔''

رزق حلال کے لیے دعا:

((اَللّٰھُمَّ اکْفِنِی بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِی بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ))

[رواہ الترمذی: باب اللھم اکفنی حلالك عن حرامك]

''اے اللہ! مجھے حرام سے بچا اور اپنے حلال کے ساتھ میری کفالت فرما اور اپنے فضل کے ساتھ مجھے بے نیاز کر دے۔''

مسائل

۱۔ ہر چیز کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے ٹھکانے کو جانتا ہے۔

۳۔ ہر چیز کتاب مبین میں درج ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ سب کو رزق دیتا ہے۔

۵۔ ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے:

۱۔ ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔ (ھود: ٦)

۲۔ کتنے ہی چوپائے ہیں تم ان کے رزق کا بندوبست نہیں کرتے اللہ ہی انہیں رزق دیتا ہے۔ (العنکبوت: ٦٠)

۳۔ بے شک اللہ بغیر حساب کے جس کو چاہتا ہے رزق عطا کرتا ہے۔ (آل عمران: ٣٧)

۴۔ ہم تم سے رزق کے طالب نہیں بلکہ ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں۔ (طٰہٰ: ١٣٢)

۵۔ بے شک اللہ ہی رزاق ہے اور بڑی قوت کا مالک ہے۔ (الذاریات: ٥٨)

وَهُوَ	الَّذِىْ	خَلَقَ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضَ	فِىْ	سِتَّةِ
اوروہ	وہ	اس نے پیدا کیا	آسمانوں	اورزمین	میں	چھ
اَيَّامٍ	وَّكَانَ	عَرْشُهٗ	عَلَى	الْمَآءِ	لِيَبْلُوَكُمْ	اَيُّكُمْ
دنوں	اورتھا	اس کا عرش	پر	پانی	تاکہ وہ تمہیں آزمائے	کون ساتمہارا
اَحْسَنُ	عَمَلًا	وَلَئِنْ	قُلْتَ	اِنَّكُمْ	مَّبْعُوْثُوْنَ	مِنْۢ
زیادہ اچھا	عمل کرنے میں	اوراگر	آپ کہیں	بلاشبہ تم	اٹھائے جاؤ گے	سے
بَعْدِ	الْمَوْتِ	لَيَقُوْلَنَّ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْٓا	اِنْ	هٰذَآ
بعد	موت	توضرور کہیں گے	وہ لوگ	انہوں نے کفر کیا	نہیں	یہ
	اِلَّا	سِحْرٌ	مُّبِيْنٌ ۝			
	مگر	جادو	کھلا			

''اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرنے والا ہے اور بے شک اگر آپ کہیں کہ تم موت کے بعد ضرور اٹھائے جانے والے ہو تو جو لوگ منکر ہیں ضرور ہی کہیں گے یہ تو کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں۔''(۷)

فہم القرآن

ربط کلام: کھانے پینے کے انتظام کے ساتھ ہر ذی روح کی رہائش کا بندوبست۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلیفہ بنا کر زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور انسان کی زندگی کے لیے تمام اسباب مہیا فرمائے زمین وآسمان کی تخلیق کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے زمین وآسمان کو بغیر کسی نقشے اور میٹیریل کے پیدا فرمایا ہے۔ جس کے لیے بدیع کا لفظ استعمال کیا ہے۔ سورۃ الانعام آیت:۱۰۱''بـــدیـــع'' کا معنی ہے کہ جس چیز کا اس سے پہلے کسی اعتبار سے وجود نہ ہو۔ پھر زمین وآسمان کو بننے کا حکم دیا جن کی حالت ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ زمین وآسمان دونوں آپس میں جڑے ہوئے تھے ہم نے انہیں الگ الگ کیا۔ جسے سائنسدان بگ بینگ کا نام دیتے ہیں۔

سورۃ الانبیاء آیت:۳۰ میں بیان کیا ہے کہ پھر زمین کو دو دن میں بنایا اور دو یوم میں اس پر پہاڑ نصب کیے اور باقی تمام چیزیں زمین میں رکھ دیں۔ اس کے بعد دو یوم میں سات آسمان اور آسمانِ دنیا کو مزین فرمایا۔ جبکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ پانی زمین وآسمان سے بھی پہلے پیدا کیا۔ اس لیے ارشاد ہوا کہ ہم نے ہر چیز کو پانی سے پیدا کیا۔ (الانبیاء:۳۰)

پھر اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں سے اوپر متمکن ہوا جس طرح اس کے شایانِ شان ہے۔ (البقرۃ:۲۹)

ہمیں یہ سوچنے کی اجازت نہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر کس حالت میں ہے؟ زمین پر انسان کو خلافت اور مہلت اس لیے دی تاکہ وہ آزمائے کہ انسان تھوڑی سی مہلت اور معمولی سے اختیارات حاصل ہونے کے بعد کیا کردار ادا کرتا ہے یہی انسان کی موت وحیات کا مقصد ہے کہ وہ بہتر عمل کرنے کی کوشش کرے۔ (الملک:۲)

سورۃ التین میں انسان کی تخلیق کا ذکر کرنے سے پہلے چار قسمیں کھائیں اور فرمایا کہ ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت اور صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا۔ لیکن انسان کی حالت یہ ہے کہ جب اسے نیک اعمال کرنے کا احساس دلا کر یہ کہا جائے کہ موت کے بعد ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کا محاسبہ کرے گا اس کے جواب میں خدا کے باغی اور قیامت کے منکر کہتے ہیں کہ یہ تو الفاظ کی جادوگری ہے۔ جو شخص مرنے کے بعد اٹھنے کا دعویٰ کرتا ہے درحقیقت یہ عقیدہ سحر کے سوا کچھ بھی نہیں گویا کہ قیامت کے منکرین کے نزدیک جس طرح جادوگر اپنے جادو کا مظاہرہ کر کے محض وقتی طور پر ایک تماشا کرتا ہے ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے انسان اور دنیا کو محض تماشا کے طور پر پیدا کیا ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے زمین وآسمان اور جو کچھ اس میں ہے۔ کھیل تماشا کے طور پر پیدا نہیں کیا اگر ہمارے نزدیک اس کی حیثیت ایک کھیل تماشا کی ہوتی تو ہم اس کا مظاہرہ اپنے پاس کرتے۔ (الانبیاء:۱۵،۱۶)

اس لیے یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم تمہیں موت کے بعد ضرور اٹھائیں گے۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا کہ منکرین قیامت سے کہہ دیجیے کہ بے شک تم پتھر بن جاؤ یا لوہا یا اس سے بڑھ کر کچھ اور ہو جاؤ۔ جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا وہ تمہیں دوسری دفعہ بھی پیدا کرے گا۔ (بنی اسرائیل:۵۰،۵۱)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو چھ دن میں تخلیق فرمایا۔ ۲۔ زمین وآسمان کی تخلیق سے قبل اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔
۳۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو آزماتا ہے۔ ۴۔ کفار مرنے کے بعد جی اٹھنے کے قائل نہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ہر جاندار کو پیدا کرے گا:

۱۔ بے شک تمہیں مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا۔ (ھود:۷)
۲۔ بے شک جس نے پیدا کیا وہی مردوں کو زندہ کرے گا۔ (حٰم السجدہ:۳۹)
۳۔ اللہ تمہارا ولی ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (الشوریٰ:۹)
۴۔ اللہ ہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (الروم:۵۰)
۵۔ ہم ہی مردوں کو زندہ کریں گے۔ (یٰس:۱۲)

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ

اور البتہ اگر | ہم موخر کر دیں | ان سے | عذاب | تک | مدت | متعین

لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ط اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ

تو ضرور کہیں گے | کونسی چیز اسے روک رہی ہے | خبردار! | دن | وہ ان کے پاس آئے گا | نہیں

مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ع

وہ پھیرا ہوا | ان سے | اور اس نے گھیرا ان کے ساتھ | جو وہ تھے | اس کے ساتھ | وہ مذاق کرتے

''اور بلا شبہ اگر ہم ان سے عذاب کو ایک متعین مدت تک موخر کر دیں تو ضرور کہیں گے اسے کون سی چیز روک رہی ہے؟ خبردار! جس دن عذاب ان پر آئے گا تو ان سے کسی طرح ہٹایا جانے والا نہیں اور انہیں عذاب گھیر لے گا جس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔''(۸)

فہم القرآن

ربط کلام: منکرین حق نہ صرف قرآن مجید کو جادو قرار دیتے اور قیامت کا انکار کرتے تھے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت اور عذاب کے بھی منکر تھے۔

جب انسان کا اللہ تعالیٰ پر ایمان کمزور ہو جائے تو وہ نہ صرف قیامت کا انکار کرتا ہے بلکہ اپنے آپ کو پہنچنے والی تکلیف اور آزمائش کو اپنے اعمال کی شامت اور ان کے نتیجہ میں آنے والی گرفت کو من جانب اللہ قرار دینے کی بجائے اسے حالات کا ردّعمل سمجھتا ہے۔ یہی حالت اہل مکہ کی تھی۔ جب سرورِ دو عالم ﷺ انہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کے عذاب سے متنبہ کرتے تو وہ اس کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہتے کہ جس عذاب کی آپ دھمکی دیتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے؟ کہ اب تک ہم پر نازل نہیں ہوا۔ ایک طرف آپ ہمیں ہمارے اعمال کے نتیجہ سے ڈراتے ہیں دوسری طرف وہ عذاب ہمیں دور دور تک آتا دکھائی نہیں دیتا۔ آخر اس عذاب کو کس چیز نے روک رکھا ہے؟ اس پر انہیں وارننگ دی جا رہی ہے کہ جس عذاب کو مذاق کا نشانہ بنائے ہوئے ہو جب وارد ہوگا تو نہ اس کے راستے میں رکاوٹ حائل ہوگی اور نہ ہی کوئی روکنے والا اسے روک سکے گا۔ بس اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے کردار اور عقیدہ پر نظر ثانی کرو اور اپنے خالق و مالک کے سامنے آہ وزاری کے ساتھ تائب ہو جاؤ۔ یہی تمہاری دنیا اور آخرت کے لیے بہتر ہے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ ظالموں کو مہلت دیتا ہے تو اُس میں اس کی یہ حکمت بھی کارفرما ہوتی ہے کہ ظالموں کو ظلم کرنے میں کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنْفُسِهِمْ إِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْا إِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾[آل عمران:۱۷۸]

''کافرلوگ ہرگز یہ نہ سمجھ بیٹھیں ہم جوانہیں ڈھیل دے رہے ہیں یہ ان کے حق میں بہتر ہے ہم انہیں صرف اس لیے ڈھیل دیتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ گناہ کرلیں اور انہیں رسوا کن عذاب ہوگا۔''

دوسری جگہ اس طرح ارشادفرمایا:

﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى إِذَا فَرِحُوْا بِمَا أُوْتُوْا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ﴾[الانعام:٤٤]

''پھر جب انہوں نے وہ نصیحت بھلادی جوانہیں کی گئی تھی تو ہم نے ان پرخوشحالی کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جب وہ اُس میں مگن ہو گئے تو ہم نے یک دم ہی اُنہیں پکڑلیا تو وہ ہر چیز سے مایوس ہو گئے۔''

﴿إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ○ إِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ○﴾[البروج: ١٢-١٣]

''یقیناً تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔وہی پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ لوٹائے گا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب مؤخر ہونے پر کفار انبیاء ؊ کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ اوراس کے رسول سے مذاق کرنے والوں کا انجام:

۱۔ وہ چیز ان کو آہی گھیرے گی جس کی بنا پر یہ مذاق کرتے تھے۔(ہود:۸)

۲۔ جب وہ ہماری نشانیاں دیکھتے ہیں تو مذاق کرتے ہیں۔(الصّفٰت:۱۴)

۳۔ وہ تعجب کرتے ہیں اور مذاق کرتے ہیں۔(الصّفٰت:۱۲)

۴۔ جب ان کی قوم کے لوگ ان کے پاس سے گزرتے تھے تو مذاق کرتے تھے۔(ہود:۳۸)

۵۔ اور کافرلوگوں نے رسولوں سے باطل دلائل کے ساتھ جھگڑا کیا تاکہ وہ حق کو نیچا دکھائیں میری آیات اور تنبیہات کا مذاق اُڑائیں۔(الکہف:۵۶)

۶۔ یہ جہنم اُن کے کفر اختیار کرنے کا بدلا ہے وہ میری آیات اور میرے رسولوں کا مذاق اُڑاتے رہے۔(الکہف:۱۰۶)

وَلَئِنْ	اَذَقْنَا	الْاِنْسَانَ	مِنَّا	رَحْمَةً	ثُمَّ
اور البتہ اگر	ہم نے چکھایا	انسان	اپنی طرف سے	رحمت	پھر
نَزَعْنٰهَا	مِنْهُ ج	اِنَّهٗ	لَيَئُوْسٌ	كَفُوْرٌ ﴿۹﴾	وَلَئِنْ
ہم نے چھین لیا اس کو	اس سے	بے شک وہ	البتہ انتہائی ناامید	ناشکرا	اور البتہ اگر
اَذَقْنٰهُ	نَعْمَآءَ	بَعْدَ	ضَرَّآءَ	مَسَّتْهُ	لَيَقُوْلَنَّ
ہم چکھائیں اس کو	نعمتیں	بعد	تکلیف	وہ پہنچی اس کو	وہ ضرور کہے گا
ذَهَبَ	السَّيِّاٰتُ	عَنِّيْ ط	اِنَّهٗ	لَفَرِحٌ	فَخُوْرٌ ﴿۱۰﴾
وہ گیا	برائیاں	مجھ سے	بلاشبہ وہ	البتہ بہت اترانے والا	فخر کرنے والا

''اور بلاشبہ اگر ہم انسان کو اپنی رحمت سے نوازیں پھر اسے اس سے چھین لیں تو یقیناً وہ انتہائی ناامید اور بے حد ناشکرا ہوتا ہے۔''(۹) ''اور اگر ہم انسان کو کسی تکلیف کے بعد کوئی نعمت عنایت کریں تو یقیناً وہ کہے گا تمام تکلیفیں مجھ سے دور ہو گئیں بلاشبہ وہ بہت اترانے والا بہت فخر کرنے والا ہے۔''(۱۰)

فہم القرآن

ربط کلام: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور قیامت کو بھول جاتے ہیں ان کی طبیعت میں ناشکری اور فخر و غرور پیدا ہو جاتا ہے۔

ایسے لوگوں کی حالت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ایسے آدمی کو ہم اپنی رحمت سے بہرہ ور کریں اور اس کے بعد اپنے کرم کا ہاتھ پیچھے ہٹائیں تو وہ حوصلہ کرنے کی بجائے ناشکری کا اظہار کرتا ہے۔ اگر تکلیف کے بعد اسے راحت اور خوشی عطا کریں تو وہ یہ کہتے ہوئے فخر و غرور کا مظاہرہ کرتا ہے کہ میرے دکھ دور ہو گئے۔ گویا کہ اسے نعمت عطا ہو تو ناشکری کی صورت میں اور اس کا دکھ دور ہو جائے تو فخر و غرور کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔ اس طرح اللہ اور قیامت پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے نہ خوشی اسے اپنے رب کی طرف لاتی ہے اور نہ غم اسے اپنے رب کے قریب کرتا ہے۔

فخر اللہ تعالیٰ کی چادر ہے:

((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَلْكِبْرِيَآءُ رِدَآئِیْ وَالْعَظَمَةُ إِزَارِیْ مَنْ نَازَعَنِیْ وَاحِدًا مِنْهُمَا أَلْقَيْتُهٗ فِیْ جَهَنَّمَ)) [رواه ابن ماجة: باب البراءة من الكبر التواضع]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تکبر میری چادر ہے اور عظمت میرا ازار ہے جو ان میں سے کوئی ایک مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا میں اس کو جہنم میں پھینک دوں گا۔''

شکر وکفر کا انجام:

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾[ابراھیم:۷]

''اور جب تمہارے رب نے اعلان کیا اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا۔ اور اگر تم ناشکری کرو تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔''

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾[الزمر:۱۰]

''صبر کرو گے تو اس کا بے حد وحساب اجر پاؤ گے۔''

مومن کا کردار:

((عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ))

[رواہ مسلم: کتاب الزھد والرقائق، باب الْمُؤْمِنُ أَمْرُهُ كُلُّهُ خَيْرٌ]

''حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کا معاملہ عجب ہے بے شک اس کے تمام کاموں میں بہتری ہے۔ مومن کے سوا ایسا کسی کے لیے نہیں ہے اگر مومن کو کوئی خوش کر دینے والی چیز پہنچتی ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے پس یہ بھی اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی نعمت دینے کے بعد چھین لے تو انسان ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔

۲۔ انسان کو تکلیف کے بعد آسائش آئے تو فخر کرنا شروع کر دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انسانوں کی اکثریت اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہوتی ہے:

۱۔ اگر انسان کو اللہ رحمت دے کر چھین لے تو یہ مایوس اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔ (ہود:۹)

۲۔ اگر انسان پر اس کے کرتوتوں کی وجہ سے مصیبت آجائے تو ناشکرا ہو جاتا ہے۔ (الشوریٰ:۴۸)

۳۔ بے شک انسان بڑا ہی ناانصاف اور ناشکرا ہے۔ (ابراہیم:۳۴)

۴۔ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ (بنی اسرائیل:۱۰۰)

۵۔ اللہ تعالیٰ انسانوں پر فضل فرماتا ہے لیکن ان کی اکثریت شکر ادا نہیں کرتی۔ (یونس:۶۰)

لَهُمْ	اُولٰٓئِكَ	الصّٰلِحٰتِ ؕ	وَعَمِلُوا	صَبَرُوْا	الَّذِيْنَ	اِلَّا
ان کے لیے	وہی لوگ	نیک	اورانہوں نے عمل کیے	انہوں نے صبر کیا	وہ لوگ	مگر

كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾	وَّاَجْرٌ	مَّغْفِرَةٌ
بہت بڑا	اوراجر	مغفرت

’’مگر وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اور نیک اعمال کیے ان کے لیے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔‘‘(۱۱)

فہم القرآن

ربط کلام: کافراورناشکرگزار کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے تابعداراورقیامت پریقین رکھنے والوں کا کردار۔

پہلی آیات میں ’’الانسان‘‘ کےحوالے سے قیامت کے منکراوراللہ تعالیٰ کی ناشکری کرنے والا کا ذکر ہوا۔اب ان لوگوں کا ذکر ہوتا ہے جو اپنے رب پرسچا ایمان رکھتے ہوئے نیک اعمال اختیار کرتے ہیں۔یہاں ایمان کا لفظ استعمال کرنے کی بجائے فخروغرور کے مقابلے میں صبر کا لفظ استعمال کیا ہے۔جس کا جامع معنی ہے کہ’’مصیبت کے وقت حوصلہ کرنا،خوشی اور کامیابی ملنے پر اپنے آپ پر قابو رکھنا‘‘ دوسرے الفاظ میں صبر کا معنی ہے’’غم اور خوشی کے وقت شریعت کی مقرر کردہ حدود وقیود کا خیال رکھنا‘‘ ایسے لوگوں سے بتقاضائے بشریت کوتاہی سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ان کی کوتاہیوں کو معاف کرے گا اور اپنی رحمت سے اجرِ کبیر عنایت فرمائے گا۔

صبر واستقامت:

صبر بے بسی اور بے کسی کا نام نہیں۔صبر قوتِ برداشت‘ قوتِ مدافعت کو بحال رکھنے اور طبیعت کو شریعت کا پابند بنانے کا نام ہے۔دشمن کے مقابلے میں جرأت‘ بہادری اور مستقل مزاجی کے ساتھ مسائل ومصائب کا سامنا کرنے سے مسائل حل ہوتے ہیں۔آخرت میں بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخلہ نصیب ہوگا اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رفاقت ودستگیری حاصل ہوگی۔

ہر قسم کے مسائل اور مشکلات کو برداشت کرتے ہوئے سچ اور حقیقت پر قائم رہنے کا نام صبر واستقامت ہے۔اس کے بغیر کسی شخص کی کامیابی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔مشکلات زندگی کا حصہ ہیں ان سے نکلنے کے لیے روحانی اور الہامی طریقے اختیار کرنے کے ساتھ مادی وسائل اپنانے کا حکم ہے مگر جب تک پوری دلجمعی اور صبر واستقلال کے ساتھ اسباب کو استعمال اور ان کے اثرات ونتائج کا انتظار نہ کیا جائے اس وقت تک مشکلات سے نکلنا ناممکن ہے۔شریعت نے صبر واستقامت کو مشکلات سے نجات پانے کا اولین درجہ قرار دیا ہے۔کیونکہ جب تک آدمی مشکلات سے چھٹکارا پانے کے لیے اسباب کو مستقل مزاجی اور حوصلے کے ساتھ اختیار نہیں کرے گا تو نہ

صرف اس کی جسمانی اور روحانی تکلیف میں اضافہ ہوگا بلکہ وہ اپنے جذبات اور عجلت پسندی کی وجہ سے دنیا وآخرت میں بہتر نتائج سے محروم رہے گا جو صبر واستقامت کے سبب اس کو حاصل ہونے والے تھے۔اس لیے مشکلات اور آزمائش کے وقت صبر واستقامت سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے۔

صبر واستقامت کی دعائیں:

جب آدمی بیماری، پریشانی یا کسی مشکل اور غم میں مبتلا ہو تو اسے کثرت کے ساتھ یہ دعائیں پڑھنی چاہییں اللہ تعالیٰ اسے صبر وحوصلہ دیتے ہوئے اس مصیبت سے نجات دے گا۔

﴿رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ﴾ [الاعراف:١٢٦]

''اے اللہ ہمیں صبر عطا فرما اور مسلمانی کی حالت میں فوت کرنا۔''

﴿رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرا وَّثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ﴾ [البقرة:٢٥٠]

''اے اللہ ہمیں صبر واستقامت نصیب فرماتے ہوئے دشمن پر غلبہ نصیب فرما۔''

مشکل میں صبر کرنے کا ثواب:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَا یُصِیْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَّصَبٍ وَّلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَّلَا حُزْنٍ وَّلَا اَذًی وَّلَا غَمٍّ حَتَّی الشَّوْكَةِ یُشَاكُهَا اِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ خَطَایَاهُ)) [رواه البخاری :باب ماجاء فی کفارة المرض]

''حضرت ابو ہریرہ اور ابوسعید رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان بیان کرتے ہیں کوئی بھی مسلمان کسی طرح کی تھکاوٹ، درد، فکر، غم، تکلیف اور پریشانی میں مبتلا ہو یہاں تک کہ اس کو کانٹا بھی چبھے تو اس کو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔''

مسائل

١۔ مصیبت کے وقت صبر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔
٢۔ نیک اعمال کرنے والوں اور صابر لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر کبیر کا وعدہ کیا ہے۔

تفسیر بالقرآن

صبر کرنے والوں کا صلہ:

١۔ جو لوگ صبر اور نیک عمل کرتے ہیں ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔(ہود:١١)
٢۔ صبر بڑے کاموں میں سے ہے۔(الاحقاف:٣٥) ٣۔ صبر کرنے والوں کا انجام بہترین ہوتا ہے۔(الحجرات:٥)
٤۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔(البقرۃ:١٥٣) ٥۔ صبر کرنے والے کامیاب ہوں گے۔(المومنون:١١١)
٦۔ صبر کرنے والے بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔(الزمر:١٠)

فَلَعَلَّكَ	تَارِكٌۢ	بَعْضَ	مَا	يُوْحٰٓى	اِلَيْكَ	وَضَآئِقٌۢ
پھر شاید کہ آپ	چھوڑنے والا	کچھ	جو	وحی کی جاتی ہے	آپ کی طرف	اور تنگ ہونے والا
بِهٖ	صَدْرُكَ	اَنْ	يَّقُوْلُوْا	لَوْلَآ	اُنْزِلَ	عَلَيْهِ
ساتھ اس کے	آپ کا سینہ	یہ کہ	وہ کہیں گے	کیوں نہیں	اتارا گیا	اس پر
كَنْزٌ	اَوْ جَآءَ	مَعَهٗ	مَلَكٌ ؕ	اِنَّمَآ	اَنْتَ	نَذِيْرٌ ؕ
کوئی خزانہ	یا آیا	اس کے ساتھ	کوئی فرشتہ	صرف	آپ	ڈرانے والا

وَاللّٰهُ	عَلٰى	كُلِّ	شَيْءٍ	وَّكِيْلٌ ؕ﴿۱۲﴾
اور اللہ	پر	ہر	چیز	نگران

’’شاید آپ اس کا کچھ حصہ چھوڑ دینے والے ہیں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ اس وجہ سے کہ آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے۔ جو وہ کہتے ہیں کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہ اتارا گیا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا؟ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے۔‘‘ (۱۲)

فہم القرآن

ربط کلام: صبر کا اجر وثواب ذکر کرنے کے بعد رسول محترم ﷺ کو تسلی اور اطمینان دلایا گیا ہے۔ جس میں بالواسطہ صبر کی ترغیب دی گئی ہے۔

رسولِ محترم ﷺ بے پناہ اخلاص اور انتھک محنت کے ساتھ صبح وشام لوگوں کو سمجھاتے کہ جس راہ پر تم چلے جارہے ہو یہ تمہیں تباہی کے گھاٹ اتار دے گا۔ لیکن لوگ سمجھنے کی بجائے آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر مختلف قسم کے الزامات اور آپ سے الٹے سیدھے مطالبات کرتے۔ ان مطالبات میں یہ مطالبے بھی تھے کہ تم کیسے رسول ہو کہ نہ تیری تائید اور حمایت کے لیے فرشتہ بھیجا گیا اور نہ ہی تجھے خوشحالی حاصل ہے۔ تیرے پاس تو کثیر مال ہونا چاہیے تھا۔ اس کے جواب میں ایک طرف رسولِ محترم ﷺ کو تسلی دی گئی کہ اے نبی! آپ کو لوگوں کی طرف اس لیے بھیجا ہے کہ آپ انہیں ان کے برے اعمال کے انجام سے متنبہ فرمائیں۔ ہم نے آپ کو چوکیدار مقرر نہیں کیا۔ لہٰذا! نہ آپ کو دل تنگ کرنا چاہیے اور نہ ہی وحی میں سے کچھ حصہ چھوڑنے کا خیال آنا چاہیے۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ آپ ایسا کرنے کے لیے سوچتے تھے۔ بلکہ اس سے آپ کے دل کی پریشانی اور غم بیان کرنا مقصود اور تسلی دینا مطلوب ہے، جس کا یہ بھی مفہوم ہے کہ کیا آپ ایسے الزامات اور اعتراضات سے پریشان ہو کر وحی کا کچھ حصہ چھوڑ دیں گے ظاہر ہے ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اسی بات کا المائدۃ آیت ۶۷ میں یوں حکم دیا:

’’اے رسول جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اُسے پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا یقیناً اللہ انکار کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔‘‘

دوسری طرف کفار کو سمجھایا گیا کہ اگر ہم اپنے رسول کی تائید میں فرشتہ نازل کرتے۔ تو تمہارے انجام کا فیصلہ موقع پر ہی کر دیا جاتا۔ یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ وہ اپنے باغیوں کو بھی عرصہ دراز تک مہلت دیے رکھتا ہے۔ رسولِ محترم ﷺ کے مخالف کس قدر بے اصول اور سفلی مزاج تھے کہ وہ بیک موقع اور زبان ایک طرف یہ مطالبہ کرتے کہ آپ کی تائید میں ایک فرشتہ کی ڈیوٹی ہونی چاہیے تھی۔ دوسری طرف کبھی آپ ﷺ کو جادوگر قرار دیتے اور اسی زبان سے یہ الزام دیتے کہ آپ پر جادو ہو چکا ہے۔ ایسے بے اصول اور بدزبان لوگوں کے بارے میں آپ کو یہ کہہ کر تسلی دی گئی ہے کہ آپ ان کے ساتھ بحث و مباحثہ کرنے کی بجائے فقط اتنا ہی فرمائیں کہ میں رسول ہوں چوکیدار نہیں۔

مسائل

١۔ وحی میں سے کوئی بات چھوڑ دینا آپ ﷺ کے اختیار میں نہ تھا۔

٢۔ کفار نبی مکرم ﷺ پر خزانہ اترنے کا مطالبہ کرتے تھے۔

٣۔ کفار آپ کے ساتھ فرشتے کی تائید کا مطالبہ کرتے تھے۔

٤۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر کارساز ہے۔

تفسیر بالقرآن

نبی، مبلغ ہوتا ہے نہ کہ چوکیدار:

١۔ آپ ﷺ تو ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز پر کارساز ہے۔ (ھود: ١٢)

٢۔ آپ کا کام تبلیغ کرنا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔ (الرعد: ٤٠)

٣۔ رسولوں کا کام صرف تبلیغ کرنا ہے۔ (النحل: ٣٥)

٤۔ آپ کو ان پر نگران نہیں بنایا گیا آپ کا کام تبلیغ کرنا ہے۔ (الشوریٰ: ٤٨)

٥۔ (پیغمبروں نے کہا) ہمارے ذمہ دین کی تبلیغ کرنا ہے۔ (یٰس: ١٧)

٦۔ آپ نصیحت کریں آپ کا کام بس نصیحت کرنا ہے، آپ کو کوتوال نہیں بنایا گیا۔ (الغاشیۃ: ٢١-٢٢)

اَمْ	يَقُوْلُوْنَ	افْتَرٰىهُ ؕ	قُلْ	فَاْتُوْا	بِعَشْرِ	سُوَرٍ
یا	وہ کہتے ہیں	اس نے بنالیا ہے اس کو	فرمادیجیے	پس تم لے آؤ	دس	سورتیں
مِّثْلِهٖ	مُفْتَرَيٰتٍ	وَّادْعُوْا	مَنِ	اسْتَطَعْتُمْ	مِّنْ	دُوْنِ
اس جیسی	بنائی ہوئی	اور تم بلالو	جو	تم طاقت رکھتے ہو	سے	علاوہ
اللّٰهِ	اِنْ	كُنْتُمْ	صٰدِقِيْنَ ۝۱۳	فَاِلَّمْ	يَسْتَجِيْبُوْا	لَكُمْ
اللہ	اگر	تم	سچ بولنے والے	پس اگر نہ	وہ جواب دیتے ہیں	تمہارے لیے
فَاعْلَمُوْٓا	اَنَّمَآ	اُنْزِلَ	بِعِلْمِ	اللّٰهِ	وَاَنْ	لَّآ اِلٰهَ
پھر تم جان لو	صرف	نازل کیا گیا	ساتھ علم	اللہ	اور یہ کہ	نہیں کوئی معبود
اِلَّا هُوَ ۚ	فَهَلْ	اَنْتُمْ	مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۴			
مگر وہی	پس کیا	تم	مطیع ہونے والے			

”یا وہ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن بنالیا ہے؟ فرمادیں پھر اس جیسی دس سورتیں بنا کر لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو۔“ (۱۳) ”پس اگر وہ آپ کی بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ صرف اللہ کے علم سے اتارا گیا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں تو کیا تم حکم ماننے والے ہو؟“ (۱۴)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار کی مزید ہرزہ سرائی۔ رسول اللہ ﷺ کی مزید تسلی کے لیے کفار کو چیلنج کہ اس قرآن جیسی دس سورتیں بنالاؤ۔

انسان جب جان بوجھ کر ضد اور کفر کا راستہ اختیار کرلے۔ تو پھر اسے کسی دلیل سے مطمئن نہیں کیا جاسکتا۔ رسولِ معظم ﷺ کے مخالفوں کی یہی حالت تھی کہ وہ کسی صورت میں بھی آپ کو رسول ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ لیکن جب آپ ﷺ کی سیرت اور دلائل کے مقابلے میں لاجواب ہوجاتے تو پھر قرآنِ مجید کی تکذیب کرتے۔ اس میں بھی ان کا موقف تبدیل ہوتا رہتا تھا۔ ایک بار کہتے کہ یہ شخص اپنی طرف سے کلام بنا کر اللہ کے ذمہ لگاتا ہے۔ دوسری مرتبہ یہ کہتے کہ یہ روم کے فلاں شخص سے کلام سیکھ کر ہمارے سامنے قرآن کے نام سے پیش کرتا ہے۔ ان کے اس الزام کے جواب میں بالترتیب پانچ مرتبہ چیلنج دیا گیا۔

۱۔ اگر یہ سچے ہیں تو ایسا کلام بنا کے لائیں۔ (الطّور:۳۴) ۲۔ دس آیات بنا کر پیش کرو۔ (ھود:۱۳)

۳۔ کہہ دو اگر سچے ہو تو تم بھی اس طرح کی ایک سورت بنالاؤ۔ (یونس:۳۸)

۴۔ پورا قرآن مجید نہیں تو اس جیسی ایک سورت بنا کر لے آؤ۔ (البقرۃ:۲۳)

اے گروہِ کفار و مشرکین! اس چیلنج کو قبول نہیں کرتے ہو تو جان جاؤ کہ اسے اس اللہ نے اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ جس

کے سوا کوئی ایسا کلام نہیں بنا سکتا کیونکہ وہی معبودِ برحق ہے ان سے پوچھو کہ کیا تم ماننے کے لیے تیار ہو؟

عیسائی ڈاکٹر کا اعتراف:

فرانس کا مشہور مستشرق ڈاکٹر مارڈ ریس جس کو حکومت فرانس کی وزارتِ معارف نے قرآن حکیم کی باسٹھ سورتوں کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کرنے پر مامور کیا تھا اس نے اعتراف کیا:

''بے شک قرآن کا طرزِ بیان اللہ تعالیٰ کا طرزِ بیان ہے، بلاشبہ جن حقائق و معارف پر یہ کلام حاوی ہے وہ کلامِ الٰہی ہی ہوسکتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس میں شک وشبہ کرنے والے بھی جب اس کی عظیم تاثیر کو دیکھتے ہیں تو تسلیم و اعتراف پر مجبور ہو جاتے ہیں، پچاس کروڑ مسلمان (اس تحریر کے وقت مسلمانوں کی تعداد اتنی ہی تھی 2005ء میں یہ تعداد سوا ارب سے زائد ہے) جو روئے زمین کے ہر حصہ پر پھیلے ہوئے ہیں ان میں قرآن کی خاص تاثیر کو دیکھ کر مسیح مشن میں کام کرنے والے بالا جماع اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔'' (فہم القرآن: جلد ١)

مسائل

١۔ کفار رسول کریم ﷺ پر الزام لگاتے کہ آپ قرآن مجید خود بنا کر لے آتے ہیں۔

٢۔ دنیا والے قرآن مجید کی مثل لانے سے قاصر ہیں۔

٣۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔

٤۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کا چیلنج:

١۔ اس جیسی کوئی آیت لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ (الطور: ٣٤)

٢۔ جن اور انسان مل کر بھی اس جیسا قرآن نہیں لا سکتے۔ (بنی اسرائیل: ٨٨)

٣۔ آپ فرما دیں کہ اللہ کے سوا سبھی کو بلا لو اور دس سورتیں اس جیسی لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ (ہود: ١٣)

٤۔ اس جیسی کوئی ایک سورۃ بنا لاؤ۔ (یونس: ٣٨)

٥۔ قیامت تک قرآن کی مثل نہیں بنا سکتے۔ (البقرۃ: ٢٣)

مَنْ	كَانَ	يُرِيْدُ	الْحَيٰوةَ	الدُّنْيَا	وَزِيْنَتَهَا	نُوَفِّ	
جو	تھا	وہ چاہتا ہے	زندگی	دنیا	اور اس کی زینت	ہم پورا دیتے ہیں	
اِلَيْهِمْ	اَعْمَالَهُمْ	فِيْهَا	وَهُمْ	فِيْهَا	لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿١٥﴾		
ان کی طرف	ان کے اعمال	اس میں	اور وہ	اس میں	وہ کمی نہیں کیے جائیں گے		
اُولٰٓئِكَ	الَّذِيْنَ	لَيْسَ	لَهُمْ	فِي	الْاٰخِرَةِ	اِلَّا	النَّارُ ۖ
وہی لوگ	وہ لوگ	نہیں	ان کے لیے	میں	آخرت	مگر	آگ
وَحَبِطَ	مَا صَنَعُوْا	فِيْهَا	وَبٰطِلٌ	مَّا	كَانُوْا	يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾	
اور وہ برباد ہوا	جو انہوں نے کیا تھا	اس میں	اور ضائع ہونے والا	جو	وہ تھے	وہ عمل کرتے ہیں	

”جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتا ہے ہم انہیں ان کے اعمال کا پورا بدلہ اسی دنیا میں دیں گے اور اس میں ان کے لیے کمی نہ کی جائے گی۔“ (١٥) ”یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور برباد ہو گیا جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا اور ضائع ہو گیا جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔“ (١٦)

فہم القرآن

ربط کلام: لوگ دنیا کے مفاد اور اس کی زیب وزینت کے لیے حقائق کو ٹھکراتے ہیں جس بنا پر دنیا کی حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بنیادی اصول یہ ہے کہ جو شخص جس نیت کے ساتھ کسی کام کے لیے کوشش کرے گا اسے اس کی نیت اور کوشش کے مطابق صلہ دے گا۔ اگر کوئی آدمی صرف دنیا اور اس کی اچھی شہرت کے لیے جدوجہد کرتا ہے تو اسے دنیا میں نیک نامی مل جائے گی۔ اگر وہ دنیا اور آخرت کے لیے کوشاں ہے تو اسے دنیا کے ساتھ آخرت میں بھی اس کی کوشش سے کئی گنا زیادہ صلہ دیا جائے گا۔ دونوں قسم کے لوگوں کے بدلہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ یہاں اسی اصول کو یوں بیان فرمایا ہے کہ جو شخص دنیا اور اس کی آسائش وزیبائش یعنی اس کی ترقی کے لیے کوشش کرے گا۔ اس کے صلہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ مختلف مذاہب اور اقوام کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگوں نے اپنی اپنی قوم اور نظریہ کے لیے جس جس انداز میں محنت اور قربانیاں پیش کیں۔ اسی قدر ہی وہ لوگ اپنی اپنی قوم کے ہیرو ٹھہرے۔ جنہیں لوگ اپنے اپنے انداز میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ گنگا رام، میو اور لیڈی ولنگٹن نے لاہور میں ہسپتال بنائے۔ تو انہیں سرکاری خطاب دیا گیا اور آج تک لوگ انہیں اچھے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ کبھی کسی نے برے الفاظ میں ان کا نام نہیں لیا۔ یہ شہرت اور نیک نامی اللہ تعالیٰ کے اسی اصول اور فرمان کا نتیجہ ہے کہ جو کوئی دنیا کے لیے اچھی کوشش کرے گا اس کی کوشش کے صلہ میں کوئی کمی نہیں رہنے دی جائے گی۔ اِلّا یہ کہ اس نے

یہ کام اپنی قوم اور ملک کے لیے خلوص کے ساتھ کیا ہو۔ اس کے ساتھ وضاحت فرمادی کہ آخرت میں آگ کے سوا یہ کچھ نہیں پائیں گے۔ کیونکہ دنیا کی خاطر کوشش کرنے والا انسان آخرت کی جوابدہی پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس لیے انہیں آخرت میں آگ کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ انہوں نے دنیا فانی کے لیے محنت کی دنیا بالآخر ختم ہو جائے گی۔ لہٰذا دنیا کے خاتمہ کے ساتھ ہی ان کے کارنامے اوران کی شہرت ختم ہو جائے گی۔ دوسرے لفظوں میں یہ آخرت کی جزا اور اللہ تعالیٰ کے مالک یوم الدین ہونے پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے انھیں قیامت کے دن کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ عقیدہ آخرت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات اوراس کے عدل وانصاف کے ساتھ ہے۔ اس لیے آخرت کا منکر بیک وقت اسلام کے دو بنیادی عقائد کا انکار کرتا ہے۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ابْنُ جُدْعَانَ کَانَ فِی الْجَاهِلِيَّةِ يَصِلُ الرَّحِمَ وَيُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ فَهَلْ ذَاكَ نَافِعُهُ قَالَ لَا يَنْفَعُهُ إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيْئَتِي يَوْمَ الدِّيْنِ))

[رواہ مسلم:باب الدلیل علی ان من مات علی الکفر لاینفعہ عمل]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن جدعان جاہلیت میں صلہ رحمی کیا کرتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا کیا اُس کے یہ اعمال اُسے نفع دیں گے آپ نے فرمایا نہیں اس لیے کہ اُس نے کبھی یہ بات نہیں کہی تھی کہ اے اللہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف کر دینا۔“

مسائل

۱۔ دنیا دار لوگوں کو دنیا میں ہی بدلہ دیا جاتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کسی کے اجر میں کمی نہیں کرتا۔
۳۔ صرف دنیا کے خواہش مند کو آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ ۴۔ کفار کے اعمال تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر اچھے کام کا صلہ دیتا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر اچھے کام کا اچھا صلہ دیتا ہے۔ (النجم:۲۵)
۲۔ ہم ان کے اعمال کی جزا پوری دیں گے اور کوئی کمی نہیں کریں گے۔ (ھود:۱۵)
۳۔ اللہ ان کی نیکی کا صلہ اچھائی کی صورت میں دے گا۔ (النجم:۳۱)
۴۔ جو نیک اعمال کرتے رہے ہیں اللہ ان کا بدلہ دے گا۔ (الزمر:۳۵)
۵۔ اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کو جزا دے گا۔ (سبا:۴)
۶۔ جو صبر کرتے رہے ہم ان کو بہترین صلہ عطا کریں گے۔ (النحل:۹۶)

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ
کیا پھر جو ہو پر واضح دلیل سے اپنے رب اور وہ تلاوت کرتا ہے اس کی

شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا
ایک گواہ اس سے اور سے اس سے پہلے کتاب موسیٰ پیشوا

وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ
اور رحمت وہی لوگ وہ ایمان لاتے ہیں ساتھ اس کے اور جو وہ کفر کرتا ہے ساتھ اس کے سے

الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ج فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ق اِنَّهُ
گروہ پھر آگ وعدہ گاہ پھر نہ ہوں آپ میں شک اس سے بلاشبہ وہ

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾
حق سے آپ کا رب اور لیکن اکثر لوگ نہیں وہ ایمان لاتے ہیں

''تو کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہو اور اس کی طرف سے ایک گواہ اس کی تائید کر رہا ہو اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بھی جو پیشوا اور رحمت تھی۔ یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور ان گروہوں میں سے جو اس کا انکار کرے۔ آگ ہی اس کے وعدے کی جگہ ہے۔ سو آپ اس کے بارے میں کسی شک میں نہ رہیں۔ یقیناً یہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے اور اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔'' (۱۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ اور آخرت کا وہی شخص انکار کر سکتا ہے۔ جس کا ضمیر مردہ ہو چکا ہو۔ زندہ ضمیر شخص کی ہدایت کے لیے درج ذیل دلائل میں سے کوئی ایک دلیل بھی کافی ہے۔

یہاں اس سے پہلی آیات کا مضمون سامنے رکھتے ہوئے اس شخص کے ساتھ مقابلہ کیا جا رہا ہے جو زندہ ضمیر ہو اور اس کے سامنے آسمانی کتابوں کے دلائل ہوں۔ وہ اللہ اور آخرت پر ایمان لاتے ہوئے قرآن مجید کی تصدیق کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جو مردہ ضمیر ہونے کی وجہ سے حقائق کا انکار کرنے پر تل چکا ہو، اس کے ساتھ جہنم کے سوا کیا وعدہ کیا جا سکتا ہے؟ اے رسول ﷺ! آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے حق پہنچ چکا ہے۔ جس میں شک کرنے کی ذرہ برابر گنجائش نہیں۔ لیکن لوگوں کی اکثریت کا عالم یہ ہے کہ وہ حقائق سننے اور جاننے کے باوجود ایمان نہیں لاتے۔

اس آیت کریمہ کے مفسرین نے دو مفہوم اخذ کیے ہیں۔ اہل علم کی ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ اس آیت میں رسول مکرم ﷺ مخاطب ہیں۔ آپ کو نبوت سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو چکی تھی۔ پھر جبریل امین علیہ السلام نے آپ کے سامنے

اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھ کر سنایا اور گواہی دی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ پر ویسی ہی کتاب نازل کی گئی ہے جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی تھی۔ جو لوگوں کے لیے رہنما اور رحمت تھی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کا شک نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن لوگوں کی اکثریت نہیں مانے گی۔ اس طرح کچھ لوگ ایمان لائیں گے اور باقی جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

دوسری جماعت کا خیال ہے: ’’اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ ‘‘ سے مراد وہ شخص ہے جسے فطری طور پر اس شعور کی بیداری حاصل ہو۔ یعنی اسے ’’اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى‘‘ (کیا میں تمہارا رب ہوں؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں آپ ہی ہمارے رب ہیں) کا وعدہ یاد ہو اور پھر اسے قرآن مجید کی صورت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچ جائے جو اللہ کی رحمت اور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب تورات جو لوگوں کے لیے رحمت اور پیشوا تھی۔ پھر کچھ لوگ ایمان لاتے ہیں اور اکثر انکار کرنے کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔ ’’فَلَا تَكُ فِیْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ‘‘ کا خطاب مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جیسا کہ اور مقامات پر بھی ایسا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ لیکن حقیقتاً ان الفاظ سے مراد ’’آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لوگ ہیں‘‘۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید کا تابع دار اور انکار کرنے والا برابر نہیں ہو سکتے۔

۲۔ قرآن کریم کے منزل من اللہ ہونے کی گواہی تورات نے دی ہے۔

۳۔ قرآن کا انکار کرنے والوں کے لیے جہنم ہے۔

۴۔ کلام اللہ کے متعلق کسی قسم کے شک میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔

۵۔ قرآن مجید برحق ہے۔

۶۔ لوگوں کی اکثریت قرآن مجید پر ایمان نہیں لاتی۔

تفسیر بالقرآن

لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لایا کرتی:

۱۔ تیرے پروردگار کا کلام سچا ہے۔ لیکن لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لاتی۔ (ھود:۱۷)

۲۔ لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لائے گی۔ اگرچہ آپ ان کے ایمان پر کوشاں ہوں۔ (یوسف:۱۰۳)

۳۔ قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ لیکن لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لاتی۔ (المومن:۵۹)

۴۔ بے شک اس میں نشانی اور عبرت ہے۔ لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ (الشعراء:۸)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ

اورکون زیادہ ظالم اس سے جس نے اس نے باندھا پر اللہ جھوٹ وہی لوگ

يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ

وہ پیش کیے جائیں گے پر ان کا رب اور وہ کہے گا گواہ یہی لوگ وہ لوگ

كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ

انہوں نے جھوٹ بولا پر اپنے رب سن لو لعنت اللہ پر ظلم کرنے والے

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ

وہ لوگ وہ روکتے ہیں سے راہ اللہ اور وہ تلاش کرتے ہیں اس کی کجی

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور وہ آخرت کے ساتھ وہ انکار کرنے والے

”اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ بولے؟ یہ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور گواہ کہیں گے یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا۔ سن لو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔“ (۱۸) ”جو لوگ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں اور آخرت کے ساتھ انکار کرنے والے ہیں۔“ (۱۹)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآن مجید کی تکذیب، آخرت کا انکار کرنا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کے مترادف ہے۔

کفار یہ الزام عائد کرتے کہ محمد ﷺ قرآن مجید اپنی طرف سے بنالیتا ہے۔ ان کا یہ الزام بھی تھا کہ مرنے کے بعد اللہ کے حضور پیش ہونے کا تصور اس شخص کے الفاظ کی جادوگری ہے حالانکہ آپ ﷺ یہ باتیں من جانب اللہ کیا کرتے تھے۔ س لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اے رسول ﷺ! یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے! بلکہ اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔ جو حقیقت میں اللہ کو جھٹلانا ہے۔ جو شخص اللہ پر جھوٹ بولتا ہے اس سے بڑھ کر کون بڑا ظالم ہوسکتا ہے؟ ان جھوٹوں کا اس وقت کیا حال ہوگا جب انہیں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا جائے گا اور ان پر شہادتیں قائم کی جائیں گی۔ تب یہ وئی جواب نہیں دے پائیں گے۔ اس وقت گواہ کہیں گے کہ ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہو۔ یہ لوگ قیامت کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرنے کی وجہ سے یہ لوگ قولاً اور عملاً اللہ کی راہ میں رکاوٹ بننے کے ساتھ کفر کر رہے ہیں۔

((عَنْ كِنَانَةَ الْعَدَوِيِّ قَالَ دَخَلَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ،

أُخبَرَنِی عنِ الُعَبُدِ ،کَم مَعَهٗ مِن مَلَكٍ ؟ فَقَالَ مَلَكٌ عَلٰی یَمِیُنِكَ عَلٰی حَسُنَاتِكَ، وَهُوَ آمِرٌ عَلٰی اَلّذِی عَلٰی الشِّمَالِ، إذَا عَمِلُتَ حَسَنَةً کُتِبَتُ عَشُرًا، فَإذَا عَمِلُتَ سَیِّئَةً قَالَ الَّذِی عَلٰی الشِّمَالِ لِلَّذِیُ عَلٰی الُیَمِیُنِ اَکُتُبُ؟ قَالَ لَا لَعَلَّهٗ یَسُتَغُفِرُ اللّٰهَ وَیَتُوُبُ))[ابن کثیر]

’’کنانہ بن عدی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے اللہ کے رسول آدمی کے ساتھ کتنے فرشتے ہوتے ہیں آپ نے فرمایا ایک فرشتہ دائیں جانب جونیکیاں تحریر کرتا ہے اور وہ بائیں جانب والے فرشتے سے بااختیار رہتا ہے۔ جب انسان نیکی کرتا ہے تو وہ دس نیکیاں لکھ لیتا ہے۔ جب برائی کرتا ہے تو بائیں جانب والا دائیں جانب والے سے کہتا ہے کیا میں لکھ لوں؟ وہ کہتا ہے نہیں شاید کہ استغفار کر لے اور توبہ کر لے۔‘‘

مسائل

۱۔ اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں جو اللہ پر افترا بازی کرتا ہے۔

۲۔ قیامت کے دن جھوٹے اللہ کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔

۳۔ جھوٹوں کے خلاف گواہ پیش کیے جائیں گے۔

۴۔ ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔

۵۔ آخرت کا انکار کرنے والے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن مجرم کے خلاف شہادتیں:

۱۔ قیامت کے دن جھوٹ باندھنے والوں کے خلاف گواہ پیش کیے جائیں گے۔(ہود:۱۸)

۲۔ قیامت کے دن مجرم کے ہاتھ، پاؤں اور زبان اس کے خلاف گواہی دیں گے۔(النور:۲۴)

۳۔ قیامت کے دن مجرموں کے مونہہ پر مہر لگادی جائے گی ہاتھ اور پاؤں اس کے خلاف گواہی دیں گے۔(یٰس:۶۵)

۴۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جائیں گے۔تو ان کے کان، آنکھیں اور جسم ان کے خلاف گواہی دیں گے۔(حٰم السجدۃ:۲۰)

۵۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے بارے میں گواہی دیں گے۔(البقرۃ:۱۴۳)

أُولَٰٓئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا

وہی لوگ — نہ تھے وہ — عاجز کرنے والے — میں — زمین — اور نہ

كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَآءَ

تھا — ان کے لیے — سے — سوا — اللہ — سے — کوئی دوست

وقف لازم

يُضَٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ط مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ

وہ دگنا کیا جائے گا — ان کے لیے — عذاب — نہ — تھے وہ — وہ استطاعت رکھتے ہیں — سننا

وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿٢٠﴾ أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوٓا أَنْفُسَهُمْ

اور نہ — تھے وہ — وہ دیکھتے — وہی لوگ — وہ لوگ — انہوں نے نقصان میں ڈالا — اپنی جانوں کو

’’یہ لوگ زمین میں کبھی عاجز کرنے والے نہیں اور نہ ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست ہے، ان کو دگنا عذاب دیا جائے گا کیونکہ وہ نہ سننے کی کوشش کرتے تھے اور نہ ہی دیکھا کرتے تھے۔‘‘(۲۰)’’یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈالا۔

فہم القرآن

ربط کلام: آخرت کا انکار کرنے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے لوگوں کی دنیا میں حیثیت اور آخرت میں ان کا انجام۔

آخرت کا انکار کرنے والے دنیا میں تو حقائق کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ نہیں اُٹھایا جانا۔ لیکن قیامت کے دن جی اُٹھنے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونے سے انکار نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اُٹھائے گا اور انھیں اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔ یہ اپنی پیشی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو بے بس نہیں کر سکتے۔ انسان جب اللہ کی ذات کا منکر اور آخرت کا انکاری ہو جائے تو پھر اس کے گناہ اپنی ذات تک محدود نہیں رہتے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور آخرت کے انکار کی وجہ سے وہ اس حد تک باغی بن جاتا ہے کہ اس کی ذات اور اس کے کام لوگوں کے لیے اللہ کے راستے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں اور ایسے لوگ منفی فکر اور خود سری کی وجہ سے سرِ عام انبیاء سے مطالبہ کرتے تھے کہ اگر ہم واقعی مجرم ہیں تو ہماری گرفت کیوں نہیں ہوتی۔ ان کی ہرزہ سرائی کا جواب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ انہیں ڈھیل دینا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے عین مطابق ہے۔ ورنہ یہ اور ان کے پیر و مرشد اللہ کے سامنے دم نہیں مار سکتے۔ دنیا میں انہیں مہلت دینے کا یہ معنٰی نہیں کہ قیامت کے دن بھی یونہی چھوٹ جائیں گے، بلکہ انہیں اور ان کی وجہ سے جو لوگ گمراہ ہوئے انہیں دوگنا عذاب دیا جائے گا۔ جس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سننے کے لیے کان دیے اور دیکھنے کے لیے آنکھیں عطا فرمائیں۔ لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ

وَضَلَّ	عَنْهُمْ مَّا	كَانُوْا	يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾	لَا جَرَمَ	اَنَّهُمْ
اور گم ہو گیا	ان سے جو	تھے وہ	وہ افترا باندھتے ہیں	یقیناً	بلاشبہ وہ

فِي	الْاٰخِرَةِ	هُمُ	الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾
میں	آخرت	وہ	نقصان پانے والے

اور ان سے گم ہو گیا۔ جو کچھ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔" (۲۱) "اس میں کوئی شک نہیں کہ یقیناً وہ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان پانے والے ہیں۔" (۲۲)

کی عطا کردہ صلاحیتوں سے حقیقی فائدہ نہ اٹھایا۔ مرید غلط پیروں کی وجہ سے اور ورکر اپنے لیڈروں کے پیچھے اندھے اور بہرے ہونے کی وجہ سے پیروں کی وجہ سے ان کے مرید گمراہ ہوئے اور پھر دوسروں کو گمراہ کرتے رہے۔ اس بنا پر یہ لوگ اپنے اور دوسروں کے گناہوں کے ذمہ دار ٹھہرے۔ جس وجہ سے انہیں دوگنا عذاب ہوگا۔ لہٰذا یہ لوگ نقصان میں ہونگے اور آخرت کا نقصان ناقابل تلافی اور سب سے بڑا نقصان ہے۔ بلاشبہ ایسے لوگ بھاری اور نہ ختم ہونے والا نشان پائیں گے۔ اس وقت پیر اپنے مرید اور لیڈر اپنے ورکروں کے کچھ کام نہیں آئیں گے۔ بلکہ جہنم کا عذاب دیکھ کر اس قدر حواس باختہ ہوں گے کہ دنیا کے تعلقات اور دعوے سب بھول جائیں گے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی بھی عاجز نہیں کر سکتا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

۳۔ گمراہی کے ذمہ دار لوگوں کو دوگنا عذاب دیا جائے گا۔ ۴۔ اللہ کی آیات کا انکار کرنے والے خسارہ پائیں گے۔

۵۔ قیامت کے دن معبودانِ باطل نظر نہیں آئیں گے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن مجرموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا:

۱۔ اللہ کے مقابلہ میں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ (ھود: ۲۰)

۲۔ تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے۔ (البقرۃ: ۱۰۷)

۳۔ اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں جو تمہاری مدد کر سکے۔ (البقرۃ: ۱۲۰)

۴۔ اللہ کے سوا کوئی ولی اور بچانے والا نہیں ہے۔ (الرعد: ۳۷)

۵۔ اللہ کے سوا تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں۔ (العنکبوت: ۲۲)

۶۔ اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے۔ (الشوریٰ: ۳۱)

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَخْبَتُوْٓا

بے شک وہ لوگ وہ ایمان لائے اور انہوں نے عمل کیے نیک اور انہوں نے عاجزی کی

اِلٰی رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾

طرف ان کا رب یہی لوگ والے جنت وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

مَثَلُ الْفَرِیْقَیْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِیْرِ

مثال دونوں فریقوں کی مانند اندھے اور بہرے اور دیکھنے والے

وَالسَّمِیْعِ ؕ هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور سننے والے کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں مثال کیا پھر نہیں تم نصیحت حاصل کرتے ہو

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور اپنے رب کے سامنے عاجزی کی۔ وہی جنتی ہیں اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔'' (۲۳) ''دونوں گروہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا دیکھنے والا اور سننے والا کیا یہ دونوں مثال میں برابر ہیں؟ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟'' (۲۴)

فہم القرآن

ربط کلام: ملعون لوگوں کے بعد نیک مخلصین کا ذکر۔

قرآن مجید حسبِ دستور دو قسم کے لوگوں اور کرداروں کے درمیان تقابل بیان کرتا ہے۔ کیا اندھے اور بہرے، دیکھنے والے اور سننے والے برابر ہو سکتے ہیں۔ حقائق نہ دیکھنے اور نہ سننے کی وجہ سے اندھوں اور بہروں کا انجام جہنم کی آگ ہے۔ جو ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اتنا فرق ہونے کے باوجود لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ اللہ کے حضور عاجزی کرنیوالے لوگ اپنے رب کی رضا کے لیے حقیقت کو بغور دیکھتے اور سنتے ہیں۔ عاجزی کرنے والوں سے مراد اس پر عمل کرنے والے ہیں۔ جس کی تاکید اور وضاحت ایمان اور عمل صالح سے کر دی ہے۔

''اَخْبَتُوْٓا'' کا لغوی معنیٰ ''عاجزی اختیار کرنا'' جس کا اجر جنت ہے اور اللہ کے حضور عاجزی کرنے والے جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ قرآن مجید بار بار بتلاتا اور سمجھاتا ہے کہ ایمان کے ساتھ صالح عمل کرنا لازم ہے۔ ایمان اور عمل صالح کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ یہ ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتے۔ نہ ہی ایک دوسرے سے جدا ہو کر ان کی کوئی حیثیت رہتی ہے۔

جنت کی سجاوٹ:

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْجَنَّةُ مَا بِنَاؤُهَا قَالَ لَبِنَةٌ مِنْ فِضَّةٍ وَلَبِنَةٌ مِنْ ذَهَبٍ وَمِلَاطُهَا الْمِسْكُ الْأَذْفَرُ وَحَصْبَاؤُهَا اللُّؤْلُؤُ وَالْیَاقُوْتُ وَتُرْبَتُهَا الزَّعْفَرَانُ مَنْ یَدْخُلُهَا یَنْعَمُ

وَلَا یَیْأَسُ وَیُخَلَّدُ وَلَا یَمُوْتُ لَا تَبْلٰی ثِیَابُھُمْ وَلَا یَفْنٰی شَبَابُھُمْ)) [رواہ الترمذی: کتاب صفة الجنة]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی بناوٹ اس طرح ہے کہ ایک اینٹ چاندی کی اور ایک سونے کی اور اس کا گارا خوشبودار کستوری ہے۔ اس کے کنکر لؤلؤ اور یاقوت ہیں اور اس کی مٹی زعفران کی ہے جو اس میں داخل ہوگا وہ خوش وخرم ہوگا اسے کوئی تکلیف نہ ہوگی وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اسے موت نہیں آئے گی کپڑے بوسیدہ نہیں ہوں گے اور نہ جوانی ختم ہوگی۔''

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یُؤْتٰی یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِأَنْعَمِ أَھْلِ الدُّنْیَا مِنَ الْکُفَّارِ فَیُقَالُ اغْمِسُوْهُ فِی النَّارِ غَمْسَةً فَیُغْمَسُ فِیْھَا ثُمَّ یُقَالُ لَهٗ أَیْ فُلَانُ ھَلْ أَصَابَكَ نَعِیْمٌ قَطُّ فَیَقُوْلُ لَا مَا أَصَابَنِیْ نَعِیْمٌ قَطُّ وَیُؤْتٰی بِأَشَدِّ الْمُؤْمِنِیْنَ ضُرًّا وَبَلَاءً فَیُقَالُ اغْمِسُوْهُ غَمْسَةً فِی الْجَنَّةِ فَیُغْمَسُ فِیْھَا غَمْسَةً فَیُقَالُ لَهٗ أَیْ فُلَانُ ھَلْ أَصَابَكَ ضُرٌّ قَطُّ أَوْ بَلَاءٌ فَیَقُوْلُ مَا أَصَابَنِیْ قَطُّ ضُرٌّ وَلَا بَلَاءٌ)) [رواہ ابن ماجة: کتاب الزھد، باب صفة النار]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن کفار میں سے دنیا کے خوشحال ترین آدمی کو لایا جائے گا اور حکم ہوگا اسے جہنم میں غوطہ دلواؤ۔ اسے غوطہ دیا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائے گا کیا تجھے دنیا میں کبھی کوئی نعمت حاصل ہوئی ہے۔ وہ کہے گا نہیں مجھے کبھی کوئی نعمت نہیں ملی۔ سخت تکالیف پھر آزمائشوں میں مبتلا رہنے والے مومن کو لایا جائے گا کہا جائے گا اسے جنت کی ایک جھلک دکھلاؤ پھر اس سے پوچھا جائے گا۔ کیا تجھے کبھی کوئی تکلیف لاحق ہوئی؟ وہ کہے گا میں کبھی بھی تکلیف وآزمائش میں مبتلا نہیں کیا گیا۔''

مسائل

۱۔ اللہ پر ایمان لانے والے عمل صالح کرنے والے اور اپنے رب کی طرف جھکنے والے ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

۲۔ اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے۔ ۳۔ بہرا اور سننے والا برابر نہیں ہو سکتے۔

۴۔ اللہ کی آیات کا انکار کرنے والے نقصان اٹھائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

نیک اور بد برابر نہیں ہو سکتے:

۱۔ کیا اندھا اور بینا، بہرا اور سننے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ (ھود: ۲۴)

۲۔ اندھا اور دیکھنے والا، نیک اور بد برابر نہیں ہو سکتے۔ (المومن: ۵۸)

۳۔ مومن اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے۔ (السجدۃ: ۱۸)

۴۔ اللہ مجرموں اور مومنوں کو برابر نہیں رکھے گا۔ (القلم: ۳۵۔۳۶)

وَلَقَدْ	اَرْسَلْنَا	نُوْحًا	اِلٰى	قَوْمِهٖٓ	اِنِّیْ	لَكُمْ
اور البتہ تحقیق	ہم نے بھیجا	نوح کو	طرف	اس کی قوم	بے شک میں	تمہارے لیے
نَذِیْرٌ	مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾	اَنْ	لَّا	تَعْبُدُوْٓا	اِلَّا	اللّٰهَ
ڈرانے والا	واضح	یہ کہ	نہ	تم عبادت کرو	مگر	اللہ
اِنِّیْٓ	اَخَافُ	عَلَیْكُمْ	عَذَابَ	یَوْمٍ	اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾	
یقیناً میں	میں ڈرتا ہوں	تم پر	عذاب	دن	دردناک	

’’اور البتہ تحقیق یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا انہوں نے کہا بیشک میں تمہارے لیے واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔‘‘ (۲۵) ’’یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ بے شک میں تمھیں ایک دردناک عذاب سے ڈرتا ہوں۔‘‘ (۲۶)

فہم القرآن

ربط کلام: نئے خطاب کا آغاز۔

قرآن پاک کے حوالے سے یہ بات پہلے بھی لکھی جا چکی ہے کہ لوگوں کی ہدایت کے لیے جتنے پیغمبر مبعوث کیے گئے ان سب نے اپنی دعوت کا آغاز اللہ کی توحید سمجھانے سے کیا۔ جس کا تقاضا ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے۔ حضرت نوح علیہ السلام جن کو اوّل الرُسُل بھی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنی قوم کو یہی فرمایا کہ اے میری قوم! صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ میں تمہیں اس طریقہ عبادت کے انجام سے واشگاف الفاظ میں آگاہ کر رہا ہوں جس طریقہ سے تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں بلکہ اگر تم اس طریقہ عبادت سے باز نہ آئے تو تم پر اذیت ناک عذاب نازل کیا جائے گا۔ یاد رہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے فوت شدہ انبیاء اور بزرگوں کے مجسمے بنائے ہوئے تھے۔ جنہیں سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اس طرح اللہ کی عبادت کرنے کا زیادہ لطف آتا ہے اور ان کی ارواح ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتی ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے سمجھانے پر وہ لوگ سمجھنے کی بجائے یہ کہنے لگے کہ اے نوح ہم اپنے معبودوں کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ وہ لوگ ایک دوسرے کو پکا کرتے ہوئے کہتے کہ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو ہرگز نہیں چھوڑنا۔ یہ اس قوم کے پانچ فوت شدہ بزرگ تھے۔

عبادت کا مفہوم:

اکثر مفسرین نے عبادت کا معنی تذلل یعنی نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پرستش کرنا بیان کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عبادت میں عاجزی اور انتہا درجے کی انکساری ضروری ہے۔ آدمی اللہ کے حضور قیام کرے تو زبان سے اقرار کرے اور اس کا پورا جسم خاموش گواہی دے رہا ہو۔ اے اللہ میرے جسم کا ایک ایک ریشہ تیرے حضور عاجز و بے بس ہے۔ جبینِ نیاز جھکائے

تو اپنے آپ کو عجز وانکساری کی انتہا تک لے جائے گویا کہ وہ پستیوں کے سمندر میں ڈوب چکا ہے۔ زبان جنبش کرے تو اس کی حمد وثنا کے گیت گائے۔ دست سوال دراز کرے تو سراپا التجا بن جائے۔ مال خرچ کرے تو اس عاجزی کے ساتھ کہ میں تو مالک کی ملکیت ہی واپس لوٹا رہا ہوں نہ یہ میرا مال ہے ہے اور نہ اس میں میرا کمال ہے۔

اس عہد کو نمازی پانچ وقت تشہد میں دہراتا ہے:

((اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّيِّبَاتُ))

”تمام قسم کی قولی، فعلی اور مالی عبادات اللہ کے لیے ہیں۔“

نبی اکرم ﷺ کو حکم:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ○﴾ [الانعام:۱۶۲۔۱۶۳]

”کہہ دیجیے! یقیناً میری نماز، قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا اسلام لانے والا ہوں۔“

مسائل

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف ڈرانے والا بنا کر بھیجا گیا۔

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام نے لوگوں کو اللہ کی توحید کی طرف بلایا۔

۳۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا۔

تفسیر بالقرآن

تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی دعوت کا آغاز اللہ کی توحید سے کیا کرتے تھے:

۱۔ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ (ہود:۲۶)

۲۔ حضرت ہود نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں۔ (الاعراف:۶۵)

۳۔ حضرت صالح نے کہا اللہ کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں اسی کی عبادت کرو۔ (الاعراف:۷۳)

۴۔ حضرت شعیب نے اپنی قوم سے کہا اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ (ہود:۸۴)

۵۔ ہم نے ہر قوم کی طرف رسول بھیجے اور انہوں نے دعوت دی کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی عبادت سے بچو۔ (النحل:۳۶)

۶۔ بیشک میرا اور تمہارا پروردگار اللہ ہے، اسی کی عبادت کرو۔ (الزخرف:۶۴)

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ
پس اس نے کہا سردار وہ لوگ انہوں نے کفر کیا سے اس کی قوم نہیں ہم دیکھتے تجھے

اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا
مگر انسان اپنے جیسا اورنہیں ہم دیکھتے تجھے اس نے تیری اتباع کی مگر

الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى
وہ لوگ وہ کم تر ہیں ہمارے سرسری رائے اورنہیں ہم دیکھتے

لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ۝
تمہارے لیے اپنے اوپر سے فضل بلکہ ہم تمہیں گمان کرتے ہیں جھوٹ بولنے والے

’’اس کی قوم میں سے وہ سردار جنہوں نے کفر کیا کہتے کہ ہم تجھے نہیں دیکھتے مگر اپنے جیسا ایک انسان اور ہم تجھے نہیں دیکھتے کہ ان لوگوں کے سوا کسی نے تیری پیروی کی ہو جو ہم میں سے کم تر ہیں سرسری رائے کے ساتھ اور ہم تمہارے لیے اپنے آپ پر کوئی برتری نہیں دیکھتے بلکہ ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔‘‘ (۲۷)

فہم القرآن

ربط کلام: قومِ نوح کا حضرت نوح علیہ السلام کو جواب۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نمائندوں یعنی سرداروں نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہا کہ ہم تجھے اپنے ہی جیسا آدمی سمجھتے ہیں اور جو تیرے پیچھے چلنے والے ہیں۔ وہ ہم میں نہایت گھٹیا لوگ ہیں اور ہم اپنے آپ پر تم میں کوئی فوقیت نہیں دیکھتے بلکہ ہم تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید اور تاریخ کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو آدمی اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ہر پیغمبر کو اس کی قوم کی طرف سے سب سے پہلے ایسے ہی ردِعمل کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی بنا پر ہی اہل مکہ یہ کہا کرتے تھے کہ یہ نبی ہماری طرح کا انسان ہے۔ نبی تو انسان کی بجائے فرشتہ ہونا چاہیے تھا۔ جس کا جواب آپ کی زبان اطہر سے یوں کہلوایا گیا کہ ان سے فرمائیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ چلنے پھرنے، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے اور دیگر حاجاتِ انسانی کے حوالے سے میں تمہارے جیسا انسان ہوں۔ جو حاجات اور ضروریات تمہیں پیش آتی ہیں بحیثیت انسان میں ان حاجات سے مبرا نہیں ہوں۔ اس لحاظ سے میں تمہارے جیسا انسان ہوں یعنی بنی نوع انسان میں سے ہوں۔ لیکن مجھ پر اللہ تعالیٰ وحی کرتا ہے گویا کہ میں اس کا نامزد نمائندہ ہوں اور اسکا پیغام یہ ہے کہ لوگو! اللہ ایک کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں۔ (الکھف: ۱۱۰) حضرت نوح علیہ السلام کو دوسرا طعنہ یہ دیا گیا کہ تیرے ماننے والے ہماری سوسائٹی کے نچلے درجے کے لوگ ہیں۔ یہی طعنہ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیا گیا کہ تیرے قریب رہنے والے لوگ غریب کنگال اور نوکر چاکر قسم کے لوگ ہیں۔ اگر ان کو تو اپنے آپ سے دور ہٹائے تو ہم آپ کے قریب ہونے

کے لیے تیار ہیں۔قوم نوح کا یہ بھی کہنا تھا کہ تم لوگوں میں ہم اپنے پر کوئی فضیلت اور فوقیت نہیں دیکھتے یہ کہنا بھی ان کے تکبر اور رعونت کی وجہ سے تھا۔ ورنہ انبیاء کے پیروکار کردار کے سچے اور اعلیٰ اخلاق کے نمونے ہوا کرتے تھے جن میں سے کسی ایک کا مقابلہ ان کی پوری قوم سے نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جہاں تک پیغمبر کی سیرت کا تعلق ہے وہ تو اپنے دور کا منفرد اور ممتاز انسان ہوا کرتا ہے اس لیے یہ کہنا کہ پیغمبر یا اس کے تابع فرماں لوگوں میں کوئی افضلیت کی بات نہیں۔اس سے بڑا کوئی جھوٹ نہیں ہوسکتا۔لیکن کفار بالخصوص ان کے لیڈروں کا یہی پروپیگنڈہ ہوا کرتا تھا کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔

اہل مکہ کا وطیرہ:

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهٗ قَالَ مَرَّ الْمَلأُ مِنْ قُرَيْشٍ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَعِنْدَهٗ صُهَيْبٌ وَخَبَابٌ وَبَلَالٌ وَعَمَّارٌ وَغَيْرُهُمْ مِنْ ضُعَفَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ ، فَقَالُوْا يَا مُحَمَّدُ أَرَضِيْتَ بِهٰؤُلَاءِ عَنْ قَوْمِكَ؟ أَفَنَحْنُ نَكُوْنُ تَبَعاً لِهٰؤُلَاءِ ؟ أَطْرُدْهُمْ عَنْ نَفْسِكَ ، فَلَعَلَّكَ إِنْ طَرَدْتَهُمْ اتَّبَعْنَاكَ ، فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَقَالُوْا فَأَقِمْهُمْ عَنَّا إِذَا جِئْنَا ، فَإِذَا أَقَمْنَا فَأَقْعِدْهُمْ مَعَكَ إِنْ شِئْتَ ، فَقَالَ نَعَمْ طَمْعاً فِيْ إِيْمَانِهِمْ)) [تفسير الرازى]

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قریش کے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرے اور آپ کے پاس صہیب، خباب، بلال، عمار اور ان جیسے کمزور مسلمان بیٹھے ہوئے تھے قریش نے کہا کیا آپ اپنی قوم میں سے ان کے ساتھ راضی ہیں اور ہم ان کی وجہ سے آپ کی تابعداری کرنے والے نہیں ہیں ان کو اپنے آپ سے دور کردیجیے۔ ہوسکتا ہے کہ اگر آپ انہیں اپنے سے دور کردیں تو ہم آپ کی اطاعت کرلیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں مومنوں کو دور نہیں کرسکتا۔ انہوں نے کہا جب ہم آئیں تب آپ انہیں اُٹھا دیا کریں جب ہم اُٹھ جائیں۔ پھر انہیں اپنے پاس بٹھانا چاہیں تو بٹھالیں آپ نے ان کے ایمان لانے کے لالچ سے فرمایا ٹھیک ہے۔“

مسائل

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کو قوم نے اپنے جیسا انسان سمجھ کر جھٹلایا۔ ۲۔انبیاء علیہم السلام کے تابع فرماں اکثر غرباء ہوتے ہیں۔

۳۔ کفار ایمانداروں کو حقیر جانتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کرام علیہم السلام پر کفار کے الزامات:

۱۔ حضرت نوح کو ان کی قوم نے کہا کہ ہم تمہیں جھوٹا تصور کرتے ہیں۔(ہود:۲۷)

۲۔ کفار نے تمام انبیاء کو جادوگر اور دیوانہ قرار دیا۔(الذاریات:۵۲)

۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ نے جادوگر کہا۔(الصّف:۶) ۴۔کفار آپ کو شاعر قرار دیتے تھے۔(الطور:۳۰)

۵۔ قوم فرعون نے موسیٰ کو جادوگر ہونے کا الزام لگایا۔(القصص:۳۶)

قَالَ	يٰقَوْمِ	اَرَءَيْتُمْ	اِنْ	كُنْتُ	عَلٰى	بَيِّنَةٍ	مِّنْ
اس نے کہا اے میری قوم!	کیا تم نے دیکھا	اگر	میں ہوں		پر	واضح دلیل	سے
رَّبِّيْ	وَاٰتٰىنِيْ	رَحْمَةً	مِّنْ	عِنْدِهٖ	فَعُمِّيَتْ	عَلَيْكُمْ ؕ	
میرا رب	اور اس نے مجھے دی	رحمت	سے	اپنے پاس	پھر پوشیدہ کردی گئی وہ	تم پر	
اَنُلْزِمُكُمُوْهَا	وَاَنْتُمْ	لَهَا	كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾	وَيٰقَوْمِ	لَآ		
کیا ہم مسلط کردیں گے اس کو تم پر	اور تم	اس کے لیے	ناپسند کرنے والے ہو	اور اے میری قوم!	نہیں		
اَسْئَلُكُمْ	عَلَيْهِ	مَالًا ؕ	اِنْ	اَجْرِيَ	اِلَّا	عَلَى	
میں سوال کرتا	اس پر	کوئی مال	نہیں	میرا اجر	مگر	پر	

”حضرت نوح نے فرمایا! اے میری قوم تم دیکھتے نہیں میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے بڑی رحمت عطا فرمائی ہے مگر وہ تم کو نظر نہ آئی کیا ہم اسے تم پر زبردستی مسلط کردیں؟ جب کہ تم اسے ناپسند کرنے والے ہو۔“ (۲۸) ”اے میری قوم! میں تم سے اس کام پر کسی اجر کا سوال نہیں کرتا

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو جواب۔

حضرت نوح علیہ السلام قوم کی سطحی اور بے بنیاد گفتگو کا نہایت ہی مدبرانہ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اے میری قوم کیا تم غور نہیں کرتے؟ کہ میں نے تمہارے سامنے جو دعوت پیش کی ہے اس کے کتنے واضح دلائل اپنے رب کی طرف سے پیش کیے ہیں، جہاں تک میرے بشر ہونے کا تعلق ہے اس میں تو کوئی کلام نہیں کہ میں واقعی بشر ہی ہوں۔ لیکن اس میں بھی غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کتنا فضل وکرم فرمایا ہے۔ اس نے تم سب میں سے مجھے ہی اپنے پیغام کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ اگر تم جان بوجھ کر حقائق دیکھنے اور ان کو ماننے کے لیے تیار نہیں تو میں کس طرح تم پر ہدایت مسلط کرسکتا ہوں۔ اللہ کی ہدایت کو قبول کرنا اس کی رحمت اور فضل کے بغیر ممکن نہیں ہوا کرتا۔ پھر اس بات پر بھی غور کرو کہ میں تمہیں یہ دعوت اس لیے نہیں دے رہا کہ اس کے بدلے مجھے کسی مال، منصب یا شہرت کی غرض ہے۔ میں آپ سے اجر کا طالب ہونے کی بجائے اپنے رب پر بھروسہ رکھتا ہوں کہ وہی مجھے اس کا اجر عنایت فرمائے۔ جہاں تک آپ کے اس مطالبے کا تعلق ہے کہ میں غریب اور کمزور ایمانداروں کو چھوڑ دوں یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ جو اپنے رب کی رضا اور ملاقات کی چاہت رکھتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں۔ میں رب کے منکروں کو ترجیح دوں، تمہارا یہ مطالبہ سراسر جہالت پر مبنی ہے۔ اگر میں مخلص اور ایمان میں سچے لوگوں کو اپنے سے دور

اللّٰهِ	وَمَآ	اَنَا	بِطَارِدِ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا ط	اِنَّهُمْ
اللہ	اور نہیں	میں	دھتکارنے والا	وہ لوگ	وہ ایمان لائے	بے شک وہ
مُّلٰقُوْا	رَبِّهِمْ	وَلٰكِنِّيْٓ	اَرٰىكُمْ	قَوْمًا	تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾	
وہ ملنے والے ہیں	اپنے رب	اور لیکن میں	میں تمہیں دیکھتا ہوں	قوم	تم جہالت کرتے ہو	
وَيٰقَوْمِ	مَنْ	يَّنْصُرُنِيْ	مِنَ	اللّٰهِ	اِنْ	طَرَدْتُّهُمْ ط
اور اے میری قوم!	کون	وہ میری مدد کرے گا	سے	اللہ	اگر	میں انہیں دھتکار دوں
اَفَلَا	تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾					
کیا پھر نہیں	تم نصیحت حاصل کرتے					

میرا اجر اللہ کے سوا کسی پر نہیں اور نہ میں ان لوگوں کو دھتکارنے والا ہوں جو ایمان والے ہیں۔ یقیناً وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔ لیکن میں دیکھتا ہوں تم وہ لوگ ہو جو جہالت اختیار کیے ہوئے ہو۔'' (۲۹) ''اور اے میری قوم! اللہ کے مقابلے میں کون میری مدد کرے گا اگر میں انہیں دھتکار دوں؟ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟'' (۳۰)

کردوں تو اس جرم کے بدلے اللہ تعالیٰ سے مجھے کون چھڑائے گا؟ کیا تم اس حقیقت اور دعوت کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہو؟

مسائل

۱۔ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزات لے کر آتے ہیں۔ ۲۔ کسی کو ہدایت دینا انبیاء کے اختیار میں نہیں تھا۔
۳۔ انبیاء علیہم السلام لوگوں سے اجر کے خواہاں نہیں ہوتے تھے۔ ۴۔ انبیاء علیہم السلام مسکینوں کو التفاتِ خاص سے محروم نہیں کرتے۔
۵۔ ایمان والے اپنے رب سے ملاقات کریں گے۔ ۶۔ ایمان والوں کو کمتر اور حقیر جاننے والے جاہل ہوتے ہیں۔
۷۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی کسی کی مدد نہیں کرسکتا۔ ۸۔ اللہ تعالیٰ کے تابع داروں سے کبھی اعراض نہیں کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کرام علیہم السلام نبوت کے کام پر کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے:

۱۔ حضرت نوح نے فرمایا میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ (ہود: ۲۹)
۲۔ حضرت ہود نے فرمایا کہ میں تم سے تبلیغ کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ (الشعرا: ۱۲۷)
۳۔ حضرت صالح نے فرمایا کہ میرا اجر اللہ رب العالمین پر ہے اور تم سے کچھ نہیں مانگتا۔ (الشعرا: ۱۴۱، ۱۴۵)
۴۔ میرا اجر اللہ پر ہے اور وہی ہر چیز پر گواہ ہے۔ (سبا: ۴۷) ۵۔ میرا اجر اللہ پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ (ہود: ۵۱)
۶۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تجھ سے نہ اجر چاہتا ہوں اور نہ کسی قسم کا تکلف کرتا ہوں۔ (ص: ۸۶)

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ

اور نہ | میں کہتا ہوں | تمہارے لیے | میرے پاس | خزانے | اللہ | اور نہ

اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ

میں جانتا ہوں | غیب | اور نہ | میں کہتا ہوں | بے شک میں | فرشتہ | اور نہ

اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ

میں کہتا ہوں | ان لوگوں کے لیے | وہ حقیر دیکھتی ہیں | تمہاری آنکھیں | ہرگز نہیں | وہ دے گا انہیں | اللہ

خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّيْٓ

کوئی بھلائی | اللہ | وہ زیادہ جانتا ہے | ساتھ اس کے جو | میں | ان کے دلوں | یقیناً میں

اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣١﴾

تب | البتہ میں سے | ظلم کرنے والے

''اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ میں ان لوگوں کے بارے میں جنہیں تم حقیر دیکھتے ہو۔ یہ کہتا ہوں کہ اللہ انہیں ہرگز بھلائی نہیں دے گا۔ اللہ زیادہ جاننے والا ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔ یقیناً میں اس وقت ظالموں سے ہوں گا۔'' (٣١)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو چوتھا جواب۔

حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کو فقط اتنی دعوت دی تھی کہ اے لوگو! اللہ ہی سب کا خالق، مالک اور رازق ہے۔ لہٰذا اِدھر اُدھر کے واسطے چھوڑ کر براہِ راست صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ مگر قوم نے ان کی دعوت قبول کرنے کی بجائے حضرت نوح علیہ السلام پر اعتراضات کیے اور ان سے مختلف قسم کے مطالبات کرنے شروع کردیئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے بالترتیب یہ جواب دیئے:

١۔ اے میری قوم! اللہ نے مجھے اپنی رحمت کے ساتھ منتخب فرما کر حق کے ٹھوس اور واضح دلائل دیئے ہیں۔ اگر تم جان بوجھ کر انہیں قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تو میں ہدایت کو کس طرح تم پر مسلط کرسکتا ہوں۔

٢۔ اے میری قوم کے لوگو! نہ تم سے اس کام کا معاوضہ طلب کرتا ہوں اور نہ ہی تمہارے کہنے پر صاحبِ ایمان لوگوں کو اپنے سے دور کرسکتا ہوں۔

۳۔ اے میری قوم! اگر میں مخلص اور نیک لوگوں کو تمہاری وجہ سے اپنے آپ سے دور کر دوں تو اس جرم پر اللہ تعالیٰ کے سامنے میری کون مدد کر سکتا ہے؟

باطل پرست لوگوں کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ حق پرستوں کو الجھانے کے لیے وہ باتیں کرتے ہیں۔ جن کا حق والوں نے کبھی دعویٰ نہیں کیا اور ان باتوں کا سب سے پہلے نشانہ انبیائے کرام علیہم السلام کی مقدس شخصیات کو بنایا گیا، عجب بات یہ ہے کہ اس کی ابتدا حضرت نوح علیہ السلام سے ہی ہو گئی تھی۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام پر مذکورہ بالا اعتراضات کے ساتھ یہ مطالبات کیے گئے جن کے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ جوابات دیے:

۱۔ اے میری قوم! میں نے یہ کب دعویٰ کیا تھا کہ میں اللہ کے خزانوں کا مالک ہوں اور تم میری نبوت کو تسلیم کرو میں تمہارے لیے شہد کی نہریں بہا دوں گا۔ خزانوں کا مالک تو صرف اللہ تعالیٰ ہے وہ اپنی تقسیم کے مطابق جسے چاہتا ہے عنایت کرتا ہے۔

۲۔ اے میری قوم: میں نے کبھی غیب دانی کا دعویٰ نہیں کیا۔ غیب کے معاملات اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ولی اور نبی نہیں جانتا کسی کو کوئی خبر نہیں کی چند لمحوں کے بعد کیا کچھ ہونے والا ہے۔

۳۔ اے قوم! تم مجھ پر یہ بھی اعتراض کرتے ہو میں شکل و صورت اور انسانی حاجات کے حوالے سے تمہارے جیسا انسان ہوں۔ جس طرح تمہارے ایک دوسرے کے ساتھ رشتے ناطے ہیں۔ اسی طرح میرا بھی تمہارے ساتھ ایک رشتہ ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا رسول منتخب کیا ہے۔ لہٰذا میں فقط اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ اس لیے مجھ سے یہ امید رکھنا کہ میں فرشتہ بن جاؤں ایک بشر کے لیے یہ ممکن نہیں اور نہ ہی میں نے فرشتہ ہونے کا کبھی دعویٰ کیا ہے۔

۴۔ اے لوگو! میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ جنہیں تم اپنے سے کم تر سمجھتے ہو اللہ تعالیٰ انہیں کسی خیر سے نہیں نوازے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان اور اخلاص کو جانتا ہے۔ اگر میں تمہارے مطالبہ پر انہیں اپنے آپ سے دور کر دوں۔ تو یقیناً میں اس وقت ظالموں میں شمار ہوں گا۔ جیسا کہ اس سے پہلے آیت نمبر ۲۷ کی تفسیر میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ منکرین حق نے حضرت نوح علیہ السلام سے یہ کہہ کر مطالبہ کیا تھا کہ اے نوح! تیرے ماننے والے سماجی زندگی کے اعتبار سے ادنیٰ لوگ ہیں اگر ہم سے ایمان لانے کی توقع رکھتے ہو تو ان کو اپنے آپ سے دور کر دو جس کا نوح علیہ السلام نے یہ جواب دیا تھا کہ میں نیک

لوگوں کو اپنے آپ سے کس طرح دور کر سکتا ہوں؟ اس کے ساتھ انہوں نے یہ بھی جواب دیا کہ تمہارا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ انہیں خیر سے نہیں نوازے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ایمانداروں کو خیر سے نہ نوازنے کا کفار کا عقیدہ دو طرح سے تھا۔ ایک تو وہ سمجھتے تھے کہ یہ لوگ دین کے حوالے سے کاروبار میں جس طرح کی پابندیاں عائد کرتے ہیں اس طرح یہ کبھی بھی دنیا میں خوشحالی اور ترقی نہیں پا سکتے۔ دوسرا اس لیے کہتے تھے کہ جس طرح ہم ایمانداروں کے مقابلے میں دنیا میں بہتر ہیں اور آخرت میں بھی ان سے بہتر ہوں گے۔

مسائل

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس دنیا کے خزانے نہیں تھے۔

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام غیب نہیں جانتے تھے۔

۳۔ حضرت نوح علیہ السلام فرشتہ نہیں تھے۔

۴۔ دنیا دار نیک لوگوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔

۵۔ دلوں کی کیفیت جاننے والا صرف ایک اللہ ہے۔

۶۔ دین والوں کو حقیر جاننے والا ظالم ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کرام علیہم السلام غیب نہیں جانتے تھے:

۱۔ حضرت نوح نے فرمایا میرے پاس خزانے نہیں اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں۔ (ہود: ۳۱)

۲۔ آپ فرما دیں میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں۔ (الانعام: ۵۰)

۳۔ فرما دیجیے کہ زمین و آسمان کے غیب کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (النمل: ۶۵)

۴۔ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں اپنے لیے بہت سی بھلائیاں جمع کر لیتا۔ (الاعراف: ۱۸۸)

۵۔ اللہ کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اس کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ (الانعام: ۵۹)

قَالُوْا	يٰنُوْحُ	قَدْ	جٰدَلْتَنَا	فَاَكْثَرْتَ	جِدَالَنَا	فَاْتِنَا
انہوں نے کہا	اے نوح!	تحقیق	تو نے جھگڑا کیا ہم سے	اور تو نے بہت کیا	جھگڑا ہمارا	لہٰذا تو لے آ ہم پر
بِمَا	تَعِدُنَآ	اِنْ	كُنْتَ	مِنَ	الصّٰدِقِيْنَ ۝۳۲	قَالَ
ساتھ اس کے	تو ہمیں وعدہ دیتا ہے	اگر	تو ہے	سے	سچ بولنے والے	اس نے کہا
اِنَّمَا	يَاْتِيْكُمْ	بِهِ	اللّٰهُ	اِنْ	شَآءَ	وَمَآ
صرف	وہ لائے گا تم پر	ساتھ اس کے	اللہ	اگر	اس نے چاہا	اور نہیں
اَنْتُمْ	بِمُعْجِزِيْنَ ۝۳۳	وَلَا	يَنْفَعُكُمْ	نُصْحِيْٓ	اِنْ	اَرَدْتُّ
تم	عاجز کرنے والے	اور نہیں	تمہیں وہ نفع دے گی	میری نصیحت	اگر	میں چاہوں

''انہوں نے کہا اے نوح! تحقیق تو نے ہم سے بہت ہی جھگڑا کیا۔ پس لے آ ہم پر جس کی تو ہمیں وعید سناتا ہے۔ اگر تو سچے لوگوں میں سے ہے۔'' (۳۲) ''اس نے کہا وہ تم پر اللہ ہی لائے گا۔ اگر اس نے چاہا اور تم اللہ کو ہرگز عاجز کرنے والے نہ ہو گے۔'' (۳۳) ''اور میری خیر خواہی تمہیں نفع نہ دے گی اگر میں خیر خواہی کرنا بھی چاہوں

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت نوح علیہ السلام کے حکیمانہ جوابات کا قوم کی طرف سے بدترین ردِ عمل۔

حضرات! کفار اور مشرکین کے مزاج کا اندازہ لگائیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کس قدر ناصحانہ اور ان کا انداز کتنا حکیمانہ ہے۔ لیکن ان کے مخالف کتنے کج فہم اور منفی سوچ کے حامل لوگ تھے کہ انہوں نے دعوت توحید اور حضرت نوح علیہ السلام کی مخلصانہ اور طویل ترین جدوجہد کو بحث و تکرار اور ایک جھگڑے سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں دی۔ ایسے لوگوں کا شروع سے یہ مزاج ہے کہ یہ دین کے بنیادی مسائل کو بھی علماء کا باہمی جھگڑا قرار دے کر اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ جس کا نتیجہ تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ سوچ کا یہی انداز نوح علیہ السلام کی قوم کا تھا۔ چنانچہ انہوں نے حق تسلیم کرنے کی بجائے جناب نوح علیہ السلام سے کہا کہ اے نوح تو نے ہم سے بہت مدت تک بحث و تکرار اور جھگڑا کر لیا۔ اب اس کا ایک ہی حل ہے کہ جس عذاب کی تو دھمکیاں دیتا ہے۔ اسے ہم پر جلدی لے آ۔ اگر واقعی تو نبوت میں سچا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا عذاب لانا میرے بس میں نہیں۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب نازل ہوگا تو تم کسی طرح بھی اس کو ٹال نہیں سکو گے۔ جہاں تک تمہارا یہ کہنا ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ بہت جھگڑا کیا ہے یہ تمہاری منفی سوچ کا نتیجہ ہے۔ ورنہ میں نے طویل عرصہ تک نہایت خیر خواہی کے ساتھ تمہیں نصیحت کی ہے۔ اگر تم ہدایت پانے کے لیے تیار نہیں تو میری نصیحت کا تمہیں کیا فائدہ؟ جبکہ تم اپنی منفی سوچ اور

اَنْ	اَنْصَحَ	لَكُمْ	اِنْ	كَانَ	اللّٰهُ	يُرِيْدُ
یہ کہ	میں نصیحت کروں	تمہارے لیے	اگر	ہو	اللہ	وہ چاہتا ہے
اَنْ	يُّغْوِيَكُمْ ؕ	هُوَ	رَبُّكُمْ قف	وَاِلَيْهِ	تُرْجَعُوْنَ ۝۳۴	
یہ کہ	تمھیں وہ گمراہ رکھے	وہی	تمھارا رب ہے	اور اسی کی طرف	تم لوٹائے جاؤ گے	

کہ تمہیں نصیحت کروں۔ اگر اللہ ارادہ رکھتا ہو کہ تمہیں گمراہ کر دے۔ وہی تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔'' (۳۴)

بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ کے علم میں گمراہ ٹھہر چکے ہو۔ میں پھر تمہیں یہی کہوں گا کہ اپنے رب کو پہچانو۔ بالآخر تم نے اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ یہ بات پہلے بھی عرض کی جا چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ اس نے ہدایت کا معاملہ جبری نہیں رکھا۔ لہٰذا جو گمراہ ہونا چاہتا ہے اسے وہ اس راستے پر کھلا چھوڑ دیتا ہے۔

مسائل

۱۔ انبیاء علیہم السلام کی باتوں کی کفار پرواہ نہیں کرتے۔ ۲۔ انبیاء علیہم السلام سے کفار عذاب الٰہی کا مطالبہ کرتے ہیں۔

۳۔ انبیاء کرام علیہم السلام اپنا ہر معاملہ اللہ کے سپرد کرتے تھے۔ ۴۔ اللہ کے عذاب کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔

۵۔ اللہ کی مرضی کے بغیر کسی کی خیر خواہی کام نہیں آتی ۶۔ اللہ تعالیٰ جس کو گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

۷۔ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا پروردگار ہے۔ ۸۔ ہر کسی کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کرام علیہم السلام سے اقوام کا عذاب کا مطالبہ:

۱۔ حضرت نوح کو قوم نے کہا کہ جو ہمارے ساتھ عذاب کا وعدہ کرتا ہے وہ لے آ۔ (ہود: ۳۲)

۲۔ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے عذاب کا مطالبہ کیا۔ (الاعراف: ۷۷)

۳۔ مدین والوں نے شعیب علیہ السلام سے عذاب نازل کرنے کا مطالبہ کیا۔ (الشعرا: ۱۸۷)

۴۔ قوم عاد نے ہود سے عذاب کا مطالبہ کیا۔ (الاحقاف: ۲۲)

۵۔ کفار نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تو ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا دے۔ (بنی اسرائیل: ۹۲)

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰٮهُ ؕ قُلۡ اِنِ افۡتَرَيۡتُهٗ فَعَلَىَّ

کیا | وہ کہتے ہیں | اس نے خود گھڑا ہے اس کو؟ | فرما دیجیے | اگر | میں نے خود گھڑا ہے اسے | پھر مجھ ہی پر ہے

اِجۡرَامِىۡ وَاَنَا بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُجۡرِمُوۡنَ ﴿۳۵﴾ ع

میرا جرم | اور میں | بری ہوں | اس سے جو | تم جرم کرتے ہو

ع ۳ / ۱۱ / ۳

''یا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے بنالیا ہے۔فرمادیں اگر میں نے اسے اپنی طرف سے بنالیا ہے تو میرا جرم مجھ پر ہے اور میں اس سے بری ہوں جو تم جرم کرتے ہو۔'' (۳۵)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے ردِّعمل کا ذکر کرنے کے بعد اہل مکہ کو خطاب۔

انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی اقوام کے واقعات بیان کرنے کا مقصد محض داستان گوئی اور تاریخ برائے تاریخ دہرانا نہیں۔قرآن مجید موقع و محل کے مطابق انبیاء اور ان کی اقوام کی تاریخ کا اتنا ہی ذکر کرتا ہے جتنا مخاطب کے لیے ضروری سمجھتا ہے۔حضرت نوح علیہ السلام کی عظیم جدوجہد کے بیان کے دورانیہ میں حقیقت کی نقاب کشائی اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حوصلہ دینے کی خاطر فرمایا جارہا ہے کہ اے نبی! نوح علیہ السلام کی عظیم جدوجہد اور بے مثال حوصلے کو سامنے رکھ کر اپنا کام جاری رکھو۔قرآن مجید کے مخالفوں کو اس موقع پر صرف اتنا فرمائیں کہ تمہارا یہ کہنا کہ میں نے قرآن مجید اپنی طرف سے بنالیا ہے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر رہنے دو۔لیکن یاد رکھو جو کچھ تم بلا دلیل میری ذات اور قرآن پر الزام لگاتے ہو میں اس سے بری الذمہ ہوں۔لیکن تمہیں اس جرم کا اس طرح خمیازہ بھگتنا پڑے گا جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو اپنی کذب بیانی اور حق کی مخالفت کا خمیازہ بھگتنا پڑا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید میں ردّوبدل نہیں کر سکتے:

﴿وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَيۡرِ هٰذَاۤ اَوۡ بَدِّلۡهُ قُلۡ مَا يَكُوۡنُ لِىۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآئِ نَفۡسِىۡ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰٓى اِلَىَّ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَيۡتُ رَبِّىۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ o قُلۡ لَّوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوۡتُهٗ عَلَيۡكُمۡ وَلَاۤ اَدۡرٰٮكُمۡ بِهٖ فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِيۡكُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ﴾ [یونس: ۱۵-۱۶]

''اور جب ان کے سامنے آپ ہماری واضح آیات تلاوت کرتے ہیں۔ہماری ملاقات کی امید نہ رکھنے والے کہتے ہیں اس قرآن کے علاوہ کوئی قرآن لے آیا اسے بدل ڈال۔فرمادیجئے میرے لیے لائق نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے تبدیل کروں۔میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔مجھے ڈر ہے کہ اگر میں

اللہ کی نافرمانی کروں تو مجھے عذاب عظیم کا سامنا کرنا ہوگا۔ ہوش کرو اگر اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہوتا تو میں کبھی تمہارے سامنے قرآن پڑھتا اور نہ ہی توحید لے کر اُٹھتا۔ کیا تم غور نہیں کرتے؟ میں نے چالیس سال کا عرصہ تم میں گزارا ہے اور اس پورے عرصہ میں نہ میں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور نہ ہی اللہ کے ذمہ کوئی بات لگائی۔ اگر تم تھوڑا سا عقل سے کام لو تو میری سچائی اور قرآن کی صداقت کو سمجھ جاؤ گے۔''

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ، لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ،ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ﴾

[الحاقة:٤٤تا٤٦]

''اگر رسول کوئی بات گھڑ کر ہمارے ذمے لگا دیتا تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے پھر اس کی شہ رگ کاٹ ڈالتے۔''

مسائل

۱۔ رسول کریم ﷺ کفار پر قرآن مجید کے متعلق الزام لگاتے ہیں۔

۲۔ افتراء پردازی کا وبال اسی پر ہے۔

۳۔ کوئی کسی کے جرم کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

نبی ﷺ پر کفار کے الزامات:

۱۔ کفار نے کہا کہ آپ ﷺ نے قرآن کو خود بنا لیا ہے۔ (ہود:۳۵)

۲۔ نبی کریم ﷺ کو کفار نے جادوگر کہا۔ (الصّف:٦)

۳۔ نبی اکرم کو کفار جادو زدہ کہا کرتے تھے۔ (الفرقان:۸)

۴۔ کفار کے سامنے جب حق آیا تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے۔ (سبا:۴۳)

۵۔ کفار کہتے ہیں کہ آپ ﷺ مجنوں ہیں۔ (القلم:۵۱)

٦۔ کفار نے کہا کیا ہم اپنے معبودوں کو شاعر ومجنوں کی خاطر چھوڑ دیں؟ (الصّفٰت:۳٦)

وَ اُوْحِيَ	اِلٰى	نُوْحٍ	اَنَّهٗ	لَنْ	يُّؤْمِنَ	مِنْ
اور وحی کی گئی	طرف	نوح	بے شک وہ	ہرگز نہیں	وہ ایمان لائے گی	سے
قَوْمِكَ	اِلَّا	مَنْ	قَدْ	اٰمَنَ	فَلَا	تَبْتَئِسْ
تیری قوم	سوائے	جو	تحقیق	وہ ایمان لایا	چنانچہ نہ	تو غم کھا
بِمَا	كَانُوْا	يَفْعَلُوْنَ ۝٣٦	وَاصْنَعِ	الْفُلْكَ	بِاَعْيُنِنَا	وَوَحْيِنَا
ساتھ اس کے	تھے وہ	وہ کر رہے ہیں	اور تو بنا	کشتی	ہماری آنکھوں کے سامنے	اور ہماری وحی کے مطابق
وَلَا	تُخَاطِبْنِيْ	فِي	الَّذِيْنَ	ظَلَمُوْا	اِنَّهُمْ	مُّغْرَقُوْنَ ۝٣٧
اور مت	تو گفتگو کرنا مجھ سے	میں	وہ لوگ	ظلم کیا انہوں نے	بلاشبہ وہ	غرق کیے گئے
وَيَصْنَعُ	الْفُلْكَ	وَكُلَّمَا	مَرَّ	عَلَيْهِ	مَلَاٌ	مِّنْ
اور وہ بناتا ہے	کشتی	اور جب بھی	وہ گزرا	اس پر	سردار	سے

''اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ بے شک تیری قوم میں سے کوئی شخص ایمان نہیں لائے گا مگر جو ایمان لا چکا۔ جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں اس پر غمگین نہ ہونا۔'' (٣٦) ''اور ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ اور مجھ سے ظالموں کے بارے میں گفتگو نہ کرنا یقیناً وہ غرق کیے جائیں گے۔'' (٣٧) ''وہ کشتی بناتا رہا اور جب کبھی اس کے پاس سے اس کی قوم کے سردار گزرتے

فہم القرآن

ربط کلام: رسولِ اکرم ﷺ کو حوصلہ دینے اور اہلِ مکہ کو انتباہ کرنے کے بعد بطورِ مثال حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی انتھک اور شب و روز کی طویل کوشش کے باوجود قوم اس بات پر مصر ہو جاتی ہے کہ اے نوح! تیرے اور ہمارے درمیان اب فیصلے کی ایک ہی صورت باقی ہے کہ حسبِ اعلان ہم پر اپنے رب کا عذاب نازل کرو۔ حضرت نوح علیہ السلام نے انتہائی مجبور ہو کر اپنے رب کے حضور یہ بددعا کی:

﴿وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ [نوح: ٢٦-٢٧]

''اور نوح نے کہا اے میرے رب! کفار کا زمین پر کوئی گھر نہیں بچنا چاہیے۔ یقیناً اگر تو نے انہیں چھوڑ دیا تو یہ

قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا

اس کی قوم انہوں نے مذاق کیا اس سے اس نے کہا اگر تم مذاق کرتے ہو ہم سے

فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ؕ٣٨ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ

پھر بے شک ہم ہم مذاق کریں گے تم سے جس طرح تم مذاق کرتے ہو چنانچہ عنقریب تم جان لو گے

مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ٣٩

کون آتا ہے اس کے پاس عذاب وہ ذلیل کر دے گا اس کو اور وہ اترے گا اس پر عذاب دائمی

تو اس سے مذاق کرتے ۔ وہ کہتا اگر تم ہم سے مذاق کرتے ہو تو ہم تم سے مذاق کریں گے جس طرح تم مذاق کرتے ہو۔'' (٣٨) ''پس تمہیں جلد معلوم ہو جائے گا۔ کون ہے؟ جس پر ایسا عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور کس پر دائمی عذاب نازل ہونے والا ہے؟'' (٣٩)

تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی نسل بھی کافر ہی ہوگی۔''

آیت میں مذکورہ بددعا کے نتیجہ میں حضرت نوح علیہ السلام کو مخاطب کیا گیا۔ اے نوح! تیری قوم میں سے اب کوئی شخص ایمان نہیں لائے گا جو ایمان لانا چاہتے تھے سو لا چکے۔ لہٰذا جو کچھ یہ کر رہے ہیں اب اس پر غمگین ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ہمارے سامنے ہماری ہدایات کے مطابق ایک کشتی تیار کریں۔ ظالموں کو سمجھانے کی اب ضرورت نہیں اور نہ ہی ان سے بحث کرنے کا کچھ فائدہ۔ کیونکہ یہ غرق ہو کر رہیں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نگرانی اور وحی کے مطابق کشتی بنانا شروع کی جوں ہی انکی قوم کے سردار قریب سے گزرتے تو انہیں ٹھٹھا اور مذاق کرتے کبھی کہتے کہ نبوت کے ساتھ ساتھ ترکھانہ کام بھی شروع کر دیا ہے۔ کبھی کہتے یہاں کون سا دریا ہے جس میں کشتی چلاؤ گے؟ نہ معلوم سردار اپنی قوم کو کن کن الفاظ میں یہ بات کہتے ہوں گے کہ دیکھ لیا کہ ہم پہلے ہی کہتے تھے کہ اس شخص کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ دیکھ لو! لوگ بارش کی ایک ایک بوند کے لیے ترس رہے ہیں۔ کوئی دریا بھی قریب نہیں مگر یہ بوڑھا دن رات کشتی بنانے پر لگا ہوا ہے اور ہمیں یہ کہتے ہوئے دھمکیاں دیتا ہے کہ میں کشتی اس لیے بنا رہا ہوں کہ عنقریب اس علاقہ میں بہت بڑا سیلاب آنے والا ہے۔ سرداروں کے ٹھٹھا اور مذاق کا حضرت نوح علیہ السلام صرف اتنا جواب دیتے کہ جس طرح تم آج میرا مذاق اڑاتے ہو عنقریب ہم بھی تمہارا ایسا ہی مذاق اڑائیں گے۔ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر ذلیل کر دینے والا، دائمی عذاب نازل ہوتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا، چالیس دن اور چالیس رات تک برابر آسمان سے پانی برستا اور زمین کے چشموں سے پانی اچھلتا رہا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی ساخت:

جو کشتی حضرت نوح علیہ السلام نے بنائی تھی اس کا طول (۲۰۰) ہاتھ، عرض (۵۰) ہاتھ، بلندی (۳۰) ہاتھ تھی اور اس کے اندر تین طبقے تھے یعنی یہ کشتی تین سٹوری تھی۔ (بحوالہ: رحمۃ للعالمین: مصنف قاضی سلیمان منصور پوری)

مسائل

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کو بتلا دیا گیا کہ اب تیری قوم سے کوئی شخص ایمان نہیں لائے گا۔

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کشتی تیار کرنے کا حکم دیا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو تنبیہ فرمائی کہ غرق ہونے والوں کے متعلق سوال نہ کرنا۔

۴۔ حضرت نوح علیہ السلام کا کفار مذاق اڑاتے تھے۔

۵۔ مصلحین کا مذاق اڑانے والے ایک دن خود مذاق بن جاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اقوام نے حضرت نوح علیہ السلام اور انبیاء کرام علیہم السلام کا مذاق اڑایا:

۱۔ جب حضرت نوح کی قوم کے لوگ ان کے پاس سے گذرتے تھے تو ان سے مذاق کرتے۔ (ہود: ۳۸)

۲۔ یہ مذاق کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے مذاق کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (التوبۃ: ۷۹)

۳۔ وہ تعجب کرتے اور مذاق کرتے ہیں۔ (الصّٰفّٰت: ۱۲)

۴۔ جب وہ ہماری نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق کرتے ہیں۔ (الصّٰفّٰت: ۱۴)

۵۔ جب بھی ان کے پاس رسول آتا تو وہ اُس کا مذاق اُڑاتے۔ (الحجر: ۱۱)

۶۔ ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا مگر وہ اس کے ساتھ استہزاء کرتے تھے۔ (الزخرف: ۷)

۷۔ جب بھی ان کے پاس آپ سے پہلے رسول آئے انہوں نے انہیں جادوگر اور مجنوں قرار دیا۔ (الذاریات: ۵۲)

۸۔ لوگوں پر افسوس ہے کہ ان کے پاس جب کبھی رسول آئے تو انہوں نے ان کے ساتھ استہزاء کیا۔ (یٰس: ۳۰)

حَتّٰٓی	اِذَا	جَآءَ	اَمْرُنَا	وَفَارَ	التَّنُّوْرُ	قُلْنَا
یہاں تک	جب	آیا	ہمارا حکم	اور جوش مارا	تنور	ہم نے فرمایا
احْمِلْ	فِیْهَا	مِنْ	كُلٍّ	زَوْجَیْنِ	اثْنَیْنِ	وَاَهْلَكَ
سوار کرلے تو	اس میں	سے	ہر	جوڑا	دو	اور تیرے گھر والے

اِلَّا	مَنْ	سَبَقَ	عَلَیْهِ	الْقَوْلُ	وَ	مَنْ	اٰمَنَ ط
سوائے	جو	پہلے گزر چکا	اس پر	بات	اور	جو	وہ ایمان لایا

وَ	مَآ	اٰمَنَ	مَعَهٗٓ	اِلَّا	قَلِیْلٌ ۝۴۰
اور	نہ	وہ ایمان لایا	اس کے ساتھ	مگر	تھوڑے

”یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور ابل پڑا۔ ہم نے فرمایا اس میں ہر جنس دو دو جوڑے سے نر و مادہ اور اپنے گھر والوں کو سوار کرلو اور ان کو بھی جو ایمان لے آئے سوائے اس کے جس پر پہلے بات ہو چکی اور تھوڑے لوگ تھے جو اُس کے ساتھ ایمان لائے۔“ (۴۰)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا کے نتیجہ میں بارش کا پانی سیلاب کی صورت میں عذاب کی شکل اختیار کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کشتی تیار کر چکے تو اللہ کے غضب کا آغاز ہوا۔ جس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے زوردار بارش کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے۔ جگہ جگہ زمین کو پھاڑ کر چشمے جاری کردیئے یہاں تک کہ زمین اور آسمان کا پانی مل کر طوفان کی شکل اختیار کر گیا۔ (القمر: ۱۱۔۱۲)

اس کے ساتھ ہی اللہ کے حکم کے ساتھ تنور پھٹ گیا التنور کے مفسرین نے کئی معانی کیے ہیں۔ کچھ مفسرین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے لکھا کہ التنور سے مراد سطح زمین ہے جو مختلف مقامات سے پھٹی اور جگہ، جگہ چشمے جاری ہو گئے۔ بعض نے لکھا کہ التنور سے مراد اس بستی کا کوئی خاص مقام ہے۔ جس کی پہلے سے حضرت نوح علیہ السلام کو نشاندہی کر دی گئی تھی کہ جب التنور پھٹ جائے تو اپنے ایماندار ساتھیوں اور ہر جاندار کے دو دو جوڑے کشتی میں بٹھانا شروع کرنا۔ کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ التنور سے مراد یہی تنور ہے جس میں روٹیاں پکائی جاتی ہیں ”اللہ اعلم“، ممکن ہے کہ اس قوم پر اللہ تعالیٰ کا غضب اس انداز میں نازل ہوا ہو کہ التنور میں بھڑکنے والے انگارے پانی کے بلبلے بن چکے ہوں۔ کیونکہ اگر قوم لوط پر نامزد پتھروں کی بارش ہو سکتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے دہکتی ہوئی آگ ٹھنڈی ہو سکتی ہے۔ تو التنور کے شعلے پانی کے بلبلے کیوں نہیں بن سکتے؟ بہر کیف جوں ہی زمین و آسمان کے پانی نے مل کر بے پناہ طوفان کی ابتدائی شکل اختیار کی۔ حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ

ہر جاندار کا جوڑا جوڑا اور اپنے اہل کو بیڑے میں سوار کرلو۔ اس کے ساتھ ہی یہ وضاحت بھی فرمادی کہ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے نہایت ہی تھوڑے لوگ تھے تاکہ آئندہ نسلوں کو معلوم ہو کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عظیم اور طویل ترین کوشش کے باوجود لوگوں نے کفر و شرک نہیں چھوڑا تھا۔ جس بنا پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور قوم نوح کو غرقاب کر دیا گیا۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمًا فَقَالَ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْاُمَمُ فَجَعَلَ يَمُرُّ النَّبِيُّ وَمَعَهُ الرَّجُلُ وَالنَّبِيُّ وَمَعَهُ الرَّجُلَانِ وَالنَّبِيُّ وَمَعَهُ الرَّهْطُ وَالنَّبِيُّ وَلَيْسَ مَعَهُ اَحَدٌ فَرَأَيْتُ سَوَادًا كَثِيْرًا سَدَّ الْاُفُقِ فَرَجَوْتُ اَنْ يَّكُوْنَ اُمَّتِيْ فَقِيْلَ هٰذَا مُوْسٰى فِيْ قَوْمِهٖ ثُمَّ قِيْلَ لِيَ اُنْظُرْ فَرَأَيْتُ سَوَادًا كَثِيْرًا سَدَّ الْاُفُقِ فَقِيْلَ لِيَ انْظُرْ هٰكَذَا وَهٰكَذَا فَرَأَيْتُ سَوَادًا كَثِيْرًا سَدَّ الْاُفُقَ فَقَالَ هٰؤُلَاۗءِ اُمَّتُكَ وَمَعَ هٰؤُلَاءِ سَبْعُوْنَ اَلْفًا قُدَّامَهُمْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَلَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَكْتَوُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ)) [رواہ البخاری:باب من لم یرق]

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک روز نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا‘ مجھ پر اُمتیں پیش کی گئیں۔ ایک پیغمبر گزرا‘ اس کے ساتھ اس کا ایک پیروکار تھا۔ کسی کے ساتھ دو آدمی تھے۔ کسی کے ساتھ ایک جماعت تھی۔ اور بعض ایسے پیغمبر بھی ہوئے‘ جن کا کوئی پیروکار نہیں تھا۔ میں نے اپنے سامنے ایک بہت بڑا اجتماع دیکھا‘ جو آسمان کے کناروں تک پھیلا ہوا تھا۔ میں نے خیال کیا‘ شاید میری امت ہے لیکن بتایا گیا کہ یہ تو موسیٰ علیہ السلام کی امت ہے۔ پھر مجھے کہا گیا‘ آپ دیکھیں تو میں نے بہت بڑا اجتماع دیکھا۔ جس نے آسمان کے کناروں کو بھرا ہوا ہے۔ مجھ سے دائیں اور بائیں جانب بھی دیکھنے کے لیے کہا گیا۔ میں نے ہر طرف دیکھا بہت سے لوگ آسمان کے کناروں تک پھیلے ہوئے ہیں مجھے کہا گیا‘ یہ سب آپ کے اُمتی ہیں۔ ان کے ساتھ ستر ہزار وہ بھی ہیں۔ جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ وہ ایسے لوگ ہیں‘ جو نہ بدفالی اور نہ دم کراتے ہیں اور نہ گرم لوہے سے داغتے ہیں۔ بلکہ صرف اپنے اللہ پر توکل کرتے ہیں۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو عذاب کی نشانی سے آگاہ کر دیا تھا۔

٢۔ حضرت نوح علیہ السلام کو ہر قسم کے جوڑوں میں سے دو، دو سوار کرنے کا حکم ملا تھا۔

٣۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں سے بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے تھے۔

٤۔ عذاب کی ابتدا تنور سے ہوئی تھی۔

اوراس کاٹھہرنا	اس کا چلنا	اللہ	نام کے ساتھ	اس میں	تم سوار ہو جاؤ	اور اس نے کہا
وَمُرْسٰهَا	مَجْرٖىهَا	اللّٰهِ	بِسْمِ	فِيْهَا	ارْكَبُوْا	وَقَالَ

نہایت رحم کرنے والا	البتہ بہت بخشنے والا	میرا رب	بے شک
رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾	لَغَفُوْرٌ	رَبِّيْ	اِنَّ

''اور نوح نے کہا اس میں سوار ہو جاؤ۔ اللہ کے نام کے ساتھ کشتی کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا ہے۔ یقیناً میرا رب بہت بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔'' (۴۱)

فہم القرآن

ربط کلام: طوفانِ نوح کی کیفیت اور اس کی ہولناکیاں، حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آپ بسم اللہ مجرھا و مرسھا پڑھ کر کشتی میں سوار ہو جائیں اس بیڑے کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ کے حکم سے ہی ہو گا یقیناً وہ نہایت رحم فرمانے اور معاف کرنے والا ہے۔

دنیا میں یہ پہلا بحری بیڑا تھا۔ چپو اور انجن کے بغیر بے انتہا طوفان میں اپنی پوری سلامتی اور خیر و برکت کے ساتھ نامعلوم منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ جس میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر اس کے مومن ساتھی اور جانوروں کے دو، دو جوڑے سوار تھے گویا کہ ایک دنیا بیڑے میں سوار کر دی گئی۔

جوں ہی حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ایماندار ساتھی کشتی میں سوار ہوئے۔ تو یکدم پانی کے ریلے بڑے بڑے پہاڑوں کی شکل اختیار کر گئے۔ یہ ریلے اس قدر طاقتور اور تند و تیز تھے کہ جگہ جگہ پانی کے بھنور بننے لگے اور ہر لمحہ ان میں تلخی اور تیزی پیدا ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ پانی کی موجیں پہاڑوں کی مانند ایک دوسرے سے اُوپر اٹھتیں اور ٹکراتیں۔ طوفان کے جوش و خروش سے یوں خوفناک آوازیں بلند ہوئیں کہ لوگوں کے کلیجے دہل گئے اور موجیں پہاڑوں کی بلندیوں سے ٹکرانے لگیں، اس خطرناک اور ہولناک صورت حال میں اللہ کا عظیم پیغمبر اور اس کے مخلص ساتھی اپنے رب کے حضور سر فگندہ ہوئے اس کا شکر ادا کرتے ہوئے اس سے رحمت اور بخشش کی دعائیں کر رہے تھے۔

سواری پر سوار ہونے کی دعائیں:

﴿وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسَاهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [ھود: ۴۱]

''اور نوح نے کہا تم اس کشتی میں سوار ہو جاؤ اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا اللہ کے نام سے ہے یقیناً میرا رب معاف فرمانے اور مہربانی کرنے والا ہے۔''

﴿وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ﴾ [المومنون: ۲۹]

''اور کہیے میرے رب مجھے برکت والی جگہ اُتارنا اور تو سب سے بہتر اُتارنے والا ہے۔''

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ اِذَا اسْتَوٰى عَلٰى بَعِيْرِهٖ خَارِجًا اِلَى السَّفَرِ كَبَّرَ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ (سُبْحَانَ الَّذِىْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ فِىْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِلَنَا بُعْدَهٗ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِى السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِى الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِى الْمَالِ وَالْاَهْلِ) وَاِذَا رَجَعَ قَالَ هُنَّ وَزَادَ فِيْهِنَّ (آئِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ)) [رواہ مسلم:باب مَا يَقُوْلُ إِذَا رَكِبَ إِلَى سَفَرِ الْحَجِّ وَغَيْرِهٖ]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر روانہ ہوتے وقت جب اپنے اونٹ پر بیٹھتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے۔ پھر یہ دعا پڑھتے ”پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کردیا۔ حالانکہ ہم اس پر قابو پانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ بلاشبہ ہم اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ بارالٰہا! ہم اس سفر میں نیکی، تقویٰ اور ایسے عمل کی آرزو کرتے ہیں جس میں تیری رضا ہو۔ اے ہمارے معبود! ہمارے اس سفر کو آسان بنا دے۔ اس کی دوری کو سمیٹ دے۔ بارالٰہا! تو سفر میں ہمارا ساتھی ہے اور اہل وعیال کی حفاظت فرمانے والا ہے۔ بارالٰہا! میں سفر کی مشقتوں، غمناک منظر اور اپنے اہل وعیال اور مال میں پریشان حالت میں واپسی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔“ جب واپس آتے تو ان کلمات کا اضافہ فرماتے۔ ”ہم لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں اور اپنے خالق و مالک کی حمد وثنا کے گن گانے والے ہیں۔“

مسائل

۱۔ دعا پڑھ کر سواری پر سوار ہونا چاہیے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ ہی کشتیوں کو چلانے اور بچانے والا ہے۔
۳۔ کشتیوں کو ٹھہرانے والی اللہ کی ذات ہے۔
۴۔ اللہ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

سواری پر بیٹھنے کی دعا:

۱۔ اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا ہے، میرا رب بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔ (ہود:۴۱)

۲۔ پاک ہے وہ ذات جس نے (اسے ہمارے) تابع کردیا۔ ہم تو اسے قابو کرنے کے قابل نہ تھے اور ہم نے اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے۔ (الزخرف:۱۳۔۱۴)

وَهِيَ	تَجْرِيْ	بِهِمْ	فِيْ	مَوْجٍ	كَالْجِبَالِ قف	وَنَادٰى
اور وہ	وہ چلتی ہے	ان کے ساتھ	میں	موج	مانند پہاڑوں	اور پکارا اس نے

نُوْحُ ۨ	ابْنَهٗ	وَكَانَ	فِيْ	مَعْزِلٍ	يّٰبُنَيَّ	ارْكَبْ
نوح	اس کا بیٹا	اور تھا وہ	میں	الگ تھلگ	اے میرے بیٹے !	تو سوار ہو جا

مَّعَنَا	وَلَا	تَكُنْ	مَّعَ	الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾	قَالَ	سَاٰوِيْٓ
ہمارے ساتھ	اور نہ	ہو تو	ساتھ	کفر کرنے والے	اس نے کہا	عنقریب میں پناہ لوں گا

اِلٰى	جَبَلٍ	يَّعْصِمُنِيْ	مِنَ	الْمَآءِ ط	قَالَ	لَا عَاصِمَ
طرف	پہاڑ	وہ بچا لے گا مجھے	سے	پانی	اس نے کہا	نہیں بچانے والا

”اور کشتی ان کو لے کر پہاڑوں جیسی موجوں میں چلی جا رہی تھی اور نوح نے اپنے بیٹے کو آواز دی اور وہ ایک الگ جگہ میں تھا۔ اے میرے بیٹے ! ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ شامل نہ ہو۔“ (۴۲) ”اس نے کہا میں جلد ہی کسی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔

فہم القرآن

ربط کلام: کشتی کا پانی کی موجوں کے ساتھ چلنا اور حضرت نوح علیہ السلام کا اپنے بیٹے کو سمجھانا۔

کشتی پانی کے ساتھ رواں ہوئی تو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے دور کھڑے اپنے لخت جگر کو آخری بار سمجھایا کہ میرے پیارے بیٹے ! کلمہ پڑھو اور کشتی پر سوار ہو جاؤ۔ کفار کے ساتھی نہ بنو۔ لیکن گستاخ بیٹے نے بیزاری کے ساتھ کہا کہ مجھے آپ کے بیڑے کی ضرورت نہیں۔ پانی زیادہ ہوا تو میں پہاڑ پر چڑھ کر جان بچا لوں گا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے پدرانہ شفقت کے ساتھ سمجھایا کہ بیٹا آج اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچ سکے گا۔ سوائے اس کے جس پر اللہ رحم فرمائے۔ لیکن نافرمان بیٹے نے بوڑھے باپ کی شفقت اور خیر خواہی کا جواب گستاخانہ اور مشرکانہ انداز میں دیا۔ نہیں پہاڑ مجھے بچائے گا۔ باپ اور بیٹے کے درمیان گفتگو جاری تھی کہ پانی کی تند و تیز موج نے بیٹے کو آ لیا اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کے سامنے ان کا بیٹا ڈبکیاں لیتے ہوئے طوفان کی نظر ہوا۔

ہر کوئی اللہ کے رحم کا محتاج ہے یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کی رحمت کے محتاج ہیں:

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَنْ یُّنْجِیَ اَحَدًا مِّنْکُمْ عَمَلُہٗ قَالُوْا وَلَا اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ مِنْہُ بِرَحْمَتِہٖ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاغْدُوْا وَرُوْحُوْا وَشَیْءٌ مِّنَ الدُّلْجَۃِ وَالْقَصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوْا)) [رواہ البخاری: باب تمنی المریض الموت]

رَّحِمَ ج	مَنْ	اِلَّا	اللّٰهِ	اَمْرِ	مِنْ	اَلْيَوْمَ
اس نے رحم کیا	جس	مگر	اللہ	حکم	سے	آج

الْمُغْرَقِيْنَ ۝۴۳	مِنَ	فَكَانَ	الْمَوْجُ	بَيْنَهُمَا	وَحَالَ
غرق ہونے والے	سے	چنانچہ وہ تھا	موج	ان دونوں کے درمیان	اور وہ حائل ہوا

آج اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں۔ مگر جس پر وہ رحم کرے اور دونوں کے درمیان موج حائل ہوگئی تو وہ غرق ہونے والوں میں سے ہوگیا۔" (۴۳)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو بھی اس کا عمل نجات نہیں دلا سکتا۔ صحابہ پوچھتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ کو بھی؟ فرمایا! مجھے بھی میرے عمل نہیں بچا سکتا اِلَّا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت کے دامن میں ڈھانپ لے۔ سوتم صحیح راستے پر چلو، اللہ تعالیٰ کی قربت اختیار کرو، صبح وشام اور رات کے کچھ حصہ میں نیک عمل کرو لیکن میانہ روی اختیار کرو منزلِ مقصود پالو گے۔"

ہمیشہ اللہ کی رحمت کا طلب گار رہنا چاہیے:

((اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِیْ إِلٰى نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّأَصْلِحْ لِیْ شَأْنِیْ كُلَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ))

[رواہ ابو داؤد:باب مایقول اذا اصبح]

"اے اللہ میں تیری رحمت کی امید رکھتا ہوں مجھے ایک لمحے کے لیے بھی میرے نفس کے حوالے نہ کرنا اور میرے تمام معاملات درست فرمادے تیرے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔"

مسائل

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر جو سیلاب آیا اس کی موجیں پہاڑوں کی مانند تھیں۔

۲۔ کفار عذاب الٰہی کے وقت بھی مادی وسائل پر نگاہ رکھتے ہیں۔

۳۔ جسے اللہ غرق کرنا چاہے اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔ ۴۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا ان کے سامنے غرقاب ہوگیا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کے سوا کوئی بچانے والا نہیں:

۱۔ حضرت نوح نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ آج کے دن اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ (ھود:۴۳)

۲۔ کافروں کے چہروں پر ذلت ورسوائی چھا جائے گی اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ (یونس:۲۷)

۳۔ اس دن تم پیٹھیں پھیر کر بھاگو گے لیکن تمہیں اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ (المومن:۳۳)

وَقِيْلَ	يٰۤاَرْضُ	ابْلَعِىْ	مَآءَكِ	وَيٰسَمَآءُ	اَقْلِعِىْ	وَغِيْضَ
اور کہا گیا	اے زمین!	تو نگل لے	اپنا پانی	اور اے آسمان!	تھم جا تو	اور خشک کیا گیا

الْمَآءُ	وَقُضِىَ	الْاَمْرُ	وَاسْتَوَتْ	عَلَى	الْجُوْدِيِّ	وَقِيْلَ
پانی	اور تمام کر دیا گیا	کام	اور وہ جا ٹھہری	پر	جودی	اور کہا گیا

بُعْدًا	لِّلْقَوْمِ	الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾
دوری	قوم کے لیے	ظلم کرنے والی

’’اور حکم دیا گیا اے زمین! اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جاؤ۔ پانی خشک کر دیا گیا اور کام تمام ہوا اور کشتی جودی پہاڑ پر جا ٹھہری اور کہا گیا ظالم لوگوں کے لیے دوری ہو۔‘‘ (۴۴)

فہم القرآن

ربط کلام: طوفان کا تھمنا اور کشتی کا ٹھہرنا۔

مؤرخین اور مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ سیلاب چالیس دن تک رہا۔ جس کی کیفیت یہ تھی کہ پانی سب سے بلند پہاڑ کی چوٹی سے بھی بیس فٹ اونچا بہتا رہا۔ علاقہ میں کوئی چیز زندہ نہ بچی گویا کہ زمین کو اچھی طرح شرک وکفر کی غلاظت سے دھو دیا گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے حکم صادر فرمایا کہ: اے زمین پانی کو پی جا اور آسمان کو حکم ہوا کہ تھم جاؤ۔ اس طرح ظالم قوم کا صفایا ہوا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ کی چوٹی پر لنگر انداز ہوئی۔ جودی پہاڑ کردستان کے علاقہ میں جزیرۂ ابن عمر کے شمال مشرقی جانب واقع ہے۔ بائبل میں اس کشتی کے ٹھہرنے کی جگہ اراراط بتائی گئی ہے جو آرمینیا کے ایک پہاڑ کا نام ہے جو ایک سلسلہ کوہستان کا نام بھی ہے۔ سلسلہ کوہستان کے معنی میں جس کو اراراط کہتے ہیں وہ آرمینیا کی سطح مرتفع سے شروع ہو کر جنوب میں کردستان تک چلتا ہے اور جبل الجودی اسی سلسلے کا ایک پہاڑ ہے جو آج بھی جودی ہی کے نام سے مشہور ہے۔ قدیم تاریخوں میں کشتی کے ٹھہرنے کی یہی جگہ بتائی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح سے ڈھائی سو برس پہلے بابل کے ایک مذہبی پیشوا بریاسس (Berasus) نے پرانی کلدانی روایات کی بنا پر اپنے ملک کی تاریخ لکھی ہے اس میں وہ کشتی نوح کے ٹھہرنے کا مقام جودی ہی بتاتا ہے۔ ارسطو کا شاگرد ابیڈینوس (Abydenus) بھی اپنی تاریخ میں اس کی تصدیق کرتا ہے۔ نیز وہ اپنے زمانہ کا حال بیان کرتا ہے کہ عراق میں بہت سے لوگوں کے پاس اس کشتی کے ٹکڑے محفوظ ہیں جنہیں وہ گھول گھول کر بیماروں کو پلاتے ہیں۔

یہ طوفان، جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے، عالمگیر طوفان تھا یا اس خاص علاقے میں آیا تھا جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی۔ یہ ایسا سوال ہے جس کا فیصلہ آج تک نہیں ہوا۔ اسرائیلی روایات کی بنا پر عام خیال یہی ہے کہ یہ طوفان تمام روئے زمین پر آیا

تھا (پیدائش ۷: ۱۸۔۲۴) مگر قرآن میں یہ بات نہیں کہی گئی۔ قرآن کے اشارات سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بعد کی انسانی نسلیں انہی لوگوں کی اولاد سے ہیں جو طوفان نوح سے بچا لیے گئے تھے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ طوفان تمام روئے زمین پر آیا ہو، کیونکہ یہ بات اس طرح بھی صحیح ہو سکتی ہے کہ اس وقت تک بنی آدم کی آبادی اسی خطہ تک محدود رہی ہو جہاں طوفان آیا تھا، اور طوفان کے بعد جو نسلیں پیدا ہوئی ہوں وہ بتدریج تمام دنیا میں پھیل گئی ہوں۔ اس نظریہ کی تائید دو چیزوں سے ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ دجلہ وفرات کی سرزمین میں تو ایک زبردست طوفان کا ثبوت نہیں ملتا جس سے کسی عالمگیر طوفان کا یقین کیا جا سکے۔ دوسری یہ کہ روئے زمین کی اکثر وبیشتر قوموں میں ایک طوفان عظیم کی روایات قدیم زمانے سے مشہور ہیں۔ حتیٰ کہ آسٹریلیا، امریکہ اور نیوگنی جیسے دور دراز علاقوں کی پرانی روایات میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ کسی وقت ان سب قوموں کے آباء واجداد ایک ہی خطہ میں آباد ہوں گے جہاں یہ طوفان آیا تھا اور پھر جب ان کی نسلیں زمین کے مختلف حصوں میں پھیلیں تو یہ روایات ان کے ساتھ پھیل گئیں۔ (تفہیم القرآن، ج:۲)

بُعداً کا لغوی معنی ہے ہلاک ہونا۔ مرجانا۔ دور ہونا۔ اصطلاحاً اللہ کی رحمت سے دور ہونا

مسائل

۱۔ زمین وآسمان اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں۔ ۲۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری۔

۳۔ ظالم لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دھتکار دیئے جاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

ظالم دنیا اور آخرت میں اللہ کی رحمت سے دور ہوتے ہیں:

۱۔ ظلم کرنے والے لوگ اللہ کی رحمت سے دور ہو گئے۔ (ھود: ۴۴)

۲۔ اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (القصص: ۵۰)

۳۔ ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (الشوریٰ: ۲۱)

۴۔ بے شک اللہ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا۔ (الشوریٰ: ۴۰)

۵۔ ظالم ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ یہی ان کا بدلہ ہے۔ (الحشر: ۱۷)

۶۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا۔ (آل عمران: ۱۴۰)

۷۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ (المائدۃ: ۷۲)

وَنَادٰى	نُوْحٌ	رَّبَّهٗ	فَقَالَ	رَبِّ	اِنَّ	ابْنِيْ	مِنْ
اور پکارا اس نے	نوح	اس کا رب	چنانچہ اس نے کہا	اے میرے رب!	یقیناً	میرا بیٹا	سے
اَهْلِيْ	وَاِنَّ	وَعْدَكَ	الْحَقُّ	وَاَنْتَ	اَحْكَمُ	الْحٰكِمِيْنَ ۝۴۵	
میرے اہل	اور بلاشبہ	تیرا وعدہ	سچا	اور تو	بہتر فیصلہ کرنے والا	فیصلہ کرنے والے	
قَالَ	يٰنُوْحُ	اِنَّهٗ	لَيْسَ	مِنْ	اَهْلِكَ ج	اِنَّهٗ	
کہا اس نے	اے نوح!	بے شک وہ	نہیں	سے	تیرے اہل	بلاشبہ اس کا	
عَمَلٌ	غَيْرُ	صَالِحٍ ڦ صلے	فَلَا	تَسْئَلْنِ	مَا	لَيْسَ	
عمل	غیر	صالح	چنانچہ نہ	تو مجھ سے سوال کر	جو	نہیں ہے	

''اور نوح نے اپنے رب کو پکارا، کہا اے میرے رب! بے شک میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔'' (۴۵) ''فرمایا اے نوح! بلاشک تیرا بیٹا تیرے گھر والوں سے نہیں۔ بے شک اس کا عمل صالح نہیں پس مجھ سے اس بات کا سوال

فہم القرآن

ربط کلام: بیٹے کی غرقابی کے وقت حضرت نوح علیہ السلام کی بے ساختہ اللہ تعالیٰ سے فریاد۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو بار بار سمجھایا کہ جانِ پدر کلمہ پڑھو اور کفار کا ساتھ چھوڑ کر میرے ساتھ ہم رکاب ہو جاؤ۔ لیکن بیٹے نے عظیم باپ کی ایک نہ مانی اور پانی میں ڈبکیاں لیتے ہوئے جان دے دی۔ جب یہ کربناک منظر بوڑھے باپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو پدرانہ شفقت جوش میں آئی اور بے ساختہ اپنے رب کی بارگاہ میں فریاد کناں ہوئے کہ اے میرے رب آپ نے ازراہ کرم میرے ساتھ وعدہ فرمایا تھا کہ میں آپ کے اہل کو بچالوں گا۔ آپ کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوا کرتا ہے اور وعدہ پورا کرنے پر آپ ہر اعتبار سے قادر ہیں۔ کیونکہ آپ حاکموں کے حاکم اور آپ کا حکم ہی غالب آیا کرتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اس درخواست کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے پُرجلال انداز میں فرمایا کہ اے نوح! تیرا بیٹا تیرے اہل میں سے نہیں کیونکہ اس کا عقیدہ اور اعمال اچھے نہیں۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں اب کے بعد میرے حضور یہ درخواست نہ کرنا۔ ورنہ تم جاہلوں میں شمار کیے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد سنتے ہی نوح علیہ السلام کانپ اٹھے اور اپنے رب کے حضور نہایت عاجزانہ انداز میں استدعا کی کہ میرے رب! میں آپ کی حفظ و امان چاہتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ میں آئندہ ہرگز ایسا سوال نہیں کروں گا جس کے بارے میں مجھے علم نہ ہو۔ بس مجھے معاف کیجیے مجھ پر رحم فرمائیے۔ اگر آپ نے مجھے معاف نہ کیا اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں

لَكَ	بِهٖ	عِلْمٌ ؕ	اِنِّیْۤ	اَعِظُكَ	اَنْ	تَكُوْنَ
تیرے لیے	ساتھ اس کے	علم	بے شک میں	تجھے نصیحت کرتا ہوں	یہ کہ	ہوگا تو
مِنَ	الْجٰهِلِیْنَ ۝۴۶	قَالَ	رَبِّ	اِنِّیْۤ	اَعُوْذُ بِكَ	اَنْ
سے	جاہلوں	کہا	اے میرے رب!	بے شک میں	تیری پناہ میں آتا ہوں	یہ کہ
اَسْـَٔلَكَ	مَا	لَیْسَ	لِیْ	بِهٖ	عِلْمٌ ؕ	وَ اِلَّا
میں تجھ سے سوال کرتا ہوں	جو	نہیں	میرے لیے	ساتھ اس کے	علم	اور اگر نہ
تَغْفِرْ لِیْ	وَ تَرْحَمْنِیْۤ	اَكُنْ	مِّنَ	الْخٰسِرِیْنَ ۝۴۷		
تو معاف کرے مجھے	اور تو مجھ پر رحم کر	میں ہو جاؤں گا	سے	خسارہ پانے والے		

نہ کرنا جس کا تجھے کچھ علم نہیں ۔ بے شک میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں سے ہو جائے ۔'' (۴۶) ''اس نے کہا اے رب! بے شک میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں تجھ سے اس بات کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ۔ اور اگر تو نے مجھے معاف نہ اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں نقصان پانے والوں سے ہو جاؤں گا ۔'' (۴۷)

نقصان پانے والوں میں ہوں گا ۔ اس فرمان میں چار باتیں عیاں ہوتی ہیں ۔

۱ ۔ پیغمبر بھی مشرک اور کافر کے بارے میں بخشش کی دعا نہیں کرسکتا خواہ وہ اس کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو ۔

۲ ۔ پیغمبر کسی کو بچانا چاہے بھی تو نہیں بچا سکتا ۔ جب تک اللہ تعالیٰ کسی کو نہ بچائے ۔

۳ ۔ پیغمبر اللہ تعالیٰ کے حکم کا سب سے زیادہ پابند ہوتا ہے ۔ وہ اپنی مرضی سے اللہ تعالیٰ کے طے شدہ ضابطے کے خلاف بات نہیں کرسکتا ۔ بے شک اسے پہلے سے اس ضابطے کا علم نہ ہو ۔

۴ ۔ پیغمبر سے انجانے میں لغزش ہو جائے تو بھی اپنے رب سے استغفار کرتا اور پناہ مانگتا ہے ۔

رسول اللہ ﷺ کی دعا:

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّمَا لَمْ اَعْمَلْ)) [رواہ مسلم: باب التعوذ من شرما عمل]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے ۔'' اے اللہ! میں اپنے کردہ اور نا کردہ اعمال کے شر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں ۔''

مومنوں کی دعا:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ﴾[البقرة:٢٨٦]

''اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں تو ہماری گرفت نہ کرنا۔ اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈالنا جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو، ہم سے درگزر فرما اور ہمیں معاف فرما دے۔ اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہی ہمارا مالک ہے، ہمیں کفار پر غلبہ عطا فرما۔''

مسائل

۱۔ انبیاء علیہم السلام ہر مرحلے پر اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے تھے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ تمام حاکموں کا حاکم ہے۔ ۴۔ صالح عمل کرنے والے لوگ ہی انبیاء علیہم السلام کے اہل ہوتے ہیں۔

۵۔ حضرت نوح علیہ السلام کو ہر بات کا علم نہ تھا۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے انبیاء علیہم السلام بھی دم نہیں مار سکتے۔

۷۔ بے علمی میں اگر کوئی بات سرزد ہو جائے تو پھر بھی اللہ سے پناہ طلب کرنی چاہیے۔

۸۔ جسے اللہ معاف نہ کرے اور رحم نہ فرمائے وہ خائب وخاسر ہو جاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا فرمان اور وعدہ سچا ہوتا ہے:

۱۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور وہ حاکموں کا حاکم ہے۔ (ھود: ۴۵)

۲۔ اللہ کا فرمان سچ ہے۔ (الاحزاب: ۴) ۳۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ (القصص: ۱۳)

۴۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ (الروم: ۶) ۵۔ صبر کرو اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ (الروم: ۶۰)

۶۔ اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ (فاطر: ۵)

۷۔ اللہ کا وعدہ حق ہے اور اللہ سے بات کرنے میں کون زیادہ سچا ہو سکتا ہے؟ (النساء: ۱۲۲)

۸۔ خبردار اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (یونس: ۵۵)

۹۔ قیامت کے دن شیطان کہے گا یقیناً اللہ نے تمہارے ساتھ سچا وعدہ کیا تھا (ابراہیم: ۲۲)

۱۰۔ وہ کہیں گے پاک ہے ہمارا رب یقیناً اس کا وعدہ پورا ہونے والا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۱۰۸)

قِيْلَ	يٰنُوْحُ	اهْبِطْ	بِسَلٰمٍ	مِّنَّا	وَبَرَكٰتٍ	عَلَيْكَ
کہا گیا	اے نوح	اتر تو	سلامتی کے ساتھ	ہماری طرف سے	اور برکتوں کے ساتھ	تجھ پر
وَعَلٰٓى	اُمَمٍ	مِّمَّنْ	مَّعَكَ ؕ	وَاُمَمٌ	سَنُمَتِّعُهُمْ	
اور پر	جماعتوں	ان میں سے جو	تیرے ساتھ	اور جماعتیں	عنقریب ہم فائدہ دیں گے انہیں	
ثُمَّ	يَمَسُّهُمْ	مِّنَّا	عَذَابٌ	اَلِيْمٌ ۝۴۸		
پھر	انہیں پہنچے گا	ہماری طرف سے	عذاب	دردناک		

”کہا گیا اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی اور برکات کے ساتھ اُتر جاؤ۔ تجھ پر اور ان جماعتوں پر جو ان لوگوں سے ہوں گی جو تیرے ساتھ ہیں۔ اور جماعتیں ہیں جن کو ہم فائدہ دیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔“ (۴۸)

فہم القرآن

ربط کلام : عذاب کے بعد حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا کشتی سے سلامت اترنا اور ان کے لیے برکات کے دروازے کھلنا۔

بارش تھم جانے اور زمین کے خشک ہونے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ اے نوح! آپ اور آپ کے ساتھی زمین پر اتر جائیں۔ ہماری طرف سے آپ اور آپ کے متبعین پر سلامتی اور برکات کا نزول ہوگا۔ جو لوگ کفر و شرک کا راستہ اختیار کریں گے، ہم انہیں دنیا میں اسباب و وسائل دیں گے پھر آخرت میں انہیں اذیّت ناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ دنیا کی زندگی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا بنیادی اصول ہے کہ جو لوگ ایمان لائیں اور اس کے تقاضے پورے کریں انہیں دنیا کی ترقی سے سرفراز کیا جائے گا۔ اس کے لیے قرآن مجید ”یُمَتِّعْکُمْ مَتَاعًا حَسَنًا“ یعنی انہیں متاع حسنہ سے نوازا جاتا ہے۔ حسنۃ کا لفظ جب دنیا کے بارے میں استعمال ہوتا ہے تو اس کا معنی ہے کہ دنیا کی ایسی ترقی جو انسان کو خوشحالی کے ساتھ ساتھ عزت دے۔ اور حسنۃ کا لفظ جب آخرت کے بارے میں استعمال ہوتا ہے تو اس کا معنی ہے وہ نیکی اور بھلائی جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے۔

مسائل

۱۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کے ماننے والوں پر اللہ کی طرف سے سلامتی اور برکات کا نزول ہوتا ہے۔

۲۔ کفر کرنے والوں کو عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔

تِلْكَ	مِنْ	اَنْۢبَآءِ	الْغَيْبِ	نُوْحِيْهَآ	اِلَيْكَ ۚ
وہ	سے	خبریں	غیب	ہم اسے وحی کرتے ہیں	آپ کی طرف
مَا	كُنْتَ	تَعْلَمُهَآ	اَنْتَ	وَلَا	قَوْمُكَ	مِنْ
نہ	تھے آپ	آپ ان کو جانتے	آپ	اور نہ	آپ کی قوم	سے
قَبْلِ	هٰذَا ۛ	فَاصْبِرْ ۛ	اِنَّ	الْعَاقِبَةَ	لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾	
پہلے	اس	چنانچہ آپ صبر کریں	بلاشبہ	انجام	متقین کے لیے ہے	

”یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔اس سے پہلے نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم پس صبر کرو یقیناً متقی لوگوں کا انجام بہتر ہے۔“(۴۹)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے ذکر کے بعد نبی کریم ﷺ کو تکالیف پر صبر کرنے کا حکم۔

قرآن مجید مختلف الفاظ اور انداز میں موقع بہ موقع یہ وضاحت کرتا ہے کہ رسول کا مقام، حدود کار اور اس کے علم کی کیا حقیقت ہے۔کفار اور مشرک انبیاء کو الجھانے اور لوگوں کو ورغلانے کے لیے یہ پروپیگنڈہ کیا کرتے تھے کہ اسے تو فرشتہ ہونا چاہیے تھا یا اس کے پاس خدا کی خدائی میں سے کچھ اختیار ہونے چاہییں تھے۔اسی بنا پر وہ رسول معظم ﷺ سے مطالبہ کرتے کہ آپ کے پاس دنیا کے خزانے ہونے چاہییں۔

”فرما دیجیے میں اپنے نفع نقصان کا بھی کچھ اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھ کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔میں تو لوگوں کو ڈرانے اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔(الاعراف:۱۸۸)

”فرما دیجئے میں تو اپنے نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔ہر ایک امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے جب وہ آجاتا ہے تو اس میں کمی بیشی نہیں کی جاتی۔“(یونس:۴۹)

کفار اور مشرک رسول معظم ﷺ کو الجھانے اور لوگوں کو ورغلانے کے لیے یہ باتیں کیا کرتے تھے۔جس کی قرآن مجید متعدد مقامات پر نفی کرتا ہے۔لیکن افسوس آج کے کچھ مسلمان انہی باتوں کو رسول محترم ﷺ کی محبت کے دائرہ میں لا کر آپ کے ذمہ لگاتے ہیں کہ آپ ﷺ مختارِ کل تھے۔یعنی ہر چیز پر اختیار رکھنے والے تھے اور غیب کی باتیں جاننے والے تھے۔پھر اس کی تقسیم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ کو ذاتی نہیں عطائی اختیار اور غیب کا علم تھا۔حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان اطہر سے یہ بات کہلوائی ہے کہ اے نبی ﷺ آپ خود اعلان فرمائیں۔”کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا اللہ

ہی جو کچھ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے اپنے لیے حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا۔'' (الاعراف:۱۸۸) جبکہ قرآن مجید بار بار اس بات کی نفی کرتا ہے کہ نبی ہو یا ولی، ملائکہ ہوں یا جنات کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔غیب کا جاننا صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔غیب سے مراد یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے بھی کوئی چیز غیب یا پوشیدہ ہے ۔جب غیب کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد ملائکہ، جنات اور انسان ہوتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ میرے لیے غیب اور ظاہر دونوں برابر ہیں۔سورۃ الرعد آیت:۱۰ یہاں کھلے الفاظ میں آپ اور آپ کی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے بتلایا جارہا ہے کہ اے رسول! تم اور تمہاری قوم ،نوح کے زمانے میں موجود تھے اور نہ ہی تم نے قوم نوح کا براہ راست خوفناک انجام دیکھا۔یہ تو ہم آپ کے سامنے یہ واقعات بیان کرتے ہیں تا کہ آپ صبر وشکر کے ساتھ اپنا کام جاری رکھیں۔اگر آپ کے مخالف اپنے عقیدہ اور طرز زندگی سے باز نہ آئے تو ان کا انجام قوم نوح سے مختلف نہیں ہوگا۔لہٰذا حوصلہ قائم رکھیں اور یاد رکھیں کہ انجام کار متقین کے حق میں ہوگا۔

ضیاءالقرآن کے مفسر کا اعتراف:

اگر چہ نوح علیہ السلام کے نام سے لوگ آگاہ تھے اور ان کے احوال کی بھی کچھ کچھ انہیں خبر تھی۔لیکن وہ سب وہم وگمان کے تراشیدہ افسانے تھے۔حقیقت حال سے کوئی واقف نہ تھا۔اے میرے نبی! تمہیں بھی ان کے صحیح حالات کا علم نہ تھا اور تیری قوم بھی جاہل اوران پڑھ تھی۔اس غیب کو ہم نے آپ پر بذریعہ وحی کے ذریعہ منکشف فرمایا۔(ضیاءالقرآن،جلد:۲،ص۳۶۶)

مسائل

۱۔ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ۲۔ انبیاء علیہم السلام کو اُسی چیز کا علم ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ وحی کرتا ہے۔
۳۔ مصائب وپریشانی میں صبر کرنا چاہیے۔ ۴۔ پرہیزگاروں کا بہتر انجام ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا:

۱۔ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔(ھود:۴۹)
۲۔ اللہ آسمان وزمین کے غائب کو جانتا ہے۔(البقرۃ:۳۳)
۳۔ اللہ کے پاس ہی غیب کی چابیاں ہیں۔(الانعام:۵۹)
۴۔ نبی کریم غیب نہیں جانتے تھے۔(الانعام:۵۰)
۵۔ اللہ حاضر اور غائب کو جاننے والا ہے۔(الانعام:۷۳)

وَاِلٰی	عَادٍ	اَخَاھُمْ	ھُوْدًا ط	قَالَ	یٰقَوْمِ	اعْبُدُوا
اور طرف	عاد	ان کے بھائی	ہود	اس نے کہا	اے میری قوم!	تم عبادت کرو
اللّٰہَ	مَا لَکُمْ	مِّنْ	اِلٰہٍ	غَیْرُہٗ ط	اِنْ	اَنْتُمْ
اللہ	نہیں تمھارے لیے	سے	معبود	اس کے سوا	نہیں	تم
اِلَّا	مُفْتَرُوْنَ ۝۵۰	یٰقَوْمِ	لَآ	اَسْئَلُکُمْ	عَلَیْہِ	اَجْرًا ط
مگر	جھوٹ گھڑنے والے	اے میری قوم!	نہیں	مانگتا میں تم سے	اس پر	کوئی اجر
اِنْ	اَجْرِیَ	اِلَّا	عَلَی	الَّذِیْ	فَطَرَنِیْ ط	اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۵۱
نہیں	میرا اجر	مگر	پر	وہ	اس نے مجھے پیدا کیا	کیا پھر نہیں تم عقل رکھتے؟

اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تم تو محض جھوٹ باندھنے والے ہو۔'' (۵۰) ''اے میری قوم! میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر اس کے سوا کسی پر نہیں جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے؟'' (۵۱)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کے بعد حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا سب سے بڑا جرم اللہ کے ساتھ شرک کرنا تھا۔ قوم عاد شرک کے گھناؤنے جرم کے ساتھ کمزور لوگوں پر ظلم ستم کرنے والے تھے۔ یہ قوم تہذیب و تمدن کے اعتبار سے اپنے زمانے کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوم تھی۔ بڑے لینڈ لارڈ، باغات کے مالک اور پہاڑ تراش تراش کر عظیم الشان گھر تیار کرتے تھے۔ (الشعراء: ۱۲۸ تا ۱۳۴)۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ قد و قامت کے لحاظ سے دنیا میں ان کا کوئی ثانی نہیں پیدا کیا گیا۔ سورۃ الفجر: ۸ حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں سمجھایا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور کمزوروں پر ظلم کرنے سے باز آ جاؤ۔ اے میری قوم! میں اس کام کے بدلے تم سے کسی قسم کی ستائش اور صلہ نہیں چاہتا۔ میرا صلہ اس ذاتِ کبریا کے پاس ہے۔ جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ میری مخالفت کرنے کی بجائے ٹھنڈے دل کے ساتھ سوچو! کہ اس دعوت میں میرا کیا مفاد اور تمہارا نقصان کیا ہے؟ میں تمہیں لوگوں پر ظلم کرنے اور غیر اللہ کی عبادت کرنے سے روکتا ہوں۔ جن کو تم بلاتے اور پکارتے ہو۔ وہ تو اللہ کے سوا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔ جو تم ان کے بارے میں دعوے کرتے ہو اس کی کوئی بنیاد نہیں یہ سراسر جھوٹ اور بناوٹی باتیں ہیں۔ کیا تم سوچنے کے لیے تیار ہو؟ یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں کہ عقیدہ کا فرق ہونے کے باوجود حضرت ہود علیہ السلام اور آگے چل کر

حضرت صالح، حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کی اقوام کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ یہ انبیاءِ اکرام علیہم السلام اپنی اپنی قوم میں سے تھے۔ یہاں اہل مکہ کو احساس دلایا گیا ہے۔ کہ جس طرح ان انبیاء کی اقوام نے اپنے انبیاء کے ساتھ ناروا سلوک کیا اور برا انجام دیکھا۔ اے اہل مکہ تم بھی دیکھ لو کہ یہ نبی جو رشتہ کے اعتبار سے تمہارا بھائی لگتا ہے اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہو۔

یاد رکھو تمہارا انجام قوم ثمود اور قوم صالح سے مختلف نہ ہوگا۔ دوسرا سوال یہ ابھرتا ہے کہ حضرت ہود، حضرت نوح اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعارف کیوں نہیں کرایا۔ اس کی وجہ امام رازی یہ کہہ کر بیان کرتے ہیں کیونکہ تمام اقوام اللہ کو اللہ یعنی اپنا خالق، مالک، رازق مانتے تھے۔ لیکن ایک الٰہ نہیں مانتے تھے۔ جس بنا پر انبیاء علیہم السلام نے اپنی دعوت کا آغاز اس بات سے کیا ہے۔ جس کا وہ انکار کرتے تھے اس کے بعد امام موصوف لکھتے ہیں کہ میں ترکی اور ہند میں گیا اور وہاں دیکھا کہ یہاں کے لوگ اللہ کو ایک ماننے کے باوجود بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ یہی حالت عاد، ثمود و قوم مدین کی تھی۔

تفصیل جاننے کے لیے سورۃ الاعراف کے ۱۶ رکوع کی تفسیر دیکھیں۔

مسائل

۱۔ قوم عاد کی طرف ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔

۲۔ ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو ایک اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں ہے۔

تفسیر بالقرآن

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت:

۱۔ حضرت ہود نے فرمایا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ (ھود: ۵۰)

۲۔ حضرت صالح نے اپنی قوم کو ایک رب کی عبادت کرنے کا حکم دیا۔ (ھود: ۶۱)

۳۔ حضرت شعیب نے فرمایا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ (ھود: ۸۴)

۴۔ حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کو فرمایا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو۔ (العنکبوت: ۱۶)

۵۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا بے شک میرا اور تمہارا پروردگار اللہ ہے اسی کی عبادت کرو۔ (مریم: ۳۶)

۶۔ ہم نے ہر جماعت میں رسول بھیجے انہوں نے لوگوں کو کہا صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ (النحل: ۳۶)

وَ يٰقَوْمِ	اسْتَغْفِرُوْا	رَبَّكُمْ	ثُمَّ	تُوْبُوْٓا	اِلَيْهِ	يُرْسِلِ
اور اے میری قوم!	تم مغفرت طلب کرو	تمہارا رب	پھر	تم توبہ کرو	اسی کی طرف	وہ بھیجے گا
السَّمَآءَ	عَلَيْكُمْ	مِّدْرَارًا	وَّيَزِدْكُمْ	قُوَّةً	اِلٰى	قُوَّتِكُمْ
آسمان	تم پر	خوب برسنے والے	اور تمہیں بڑھا دے گا	قوت	طرف	تمہاری قوت

وَلَا	تَتَوَلَّوْا	مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾
اور نہ	تم روگردانی کرو	جرم کرنے والے

''اور اے میری قوم! اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اس کی طرف پلٹ آؤ۔ وہ تم پر بادل بھیجے گا۔ جو خوب برسنے والا ہوگا اور تمہیں تمہاری قوت کے ساتھ اور قوت زیادہ دے گا اور مجرموں کی طرح روگردانی نہ کرو۔''(۵۲)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت ھود علیہ السلام کا قوم سے خطاب جاری ہے۔

حضرت ھود علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے ہوئے اپنی قوم کو یہ حکم بھی دیا کہ اے میری قوم! اپنے رب سے اپنے سابقہ گناہوں کی معافی مانگو اور آئندہ کے لیے کفر و شرک اور ظلم و زیادتی سے باز آجاؤ۔ تمہیں آخرت میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہونے کے ساتھ دنیا میں اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کی بارش برسائے گا اور تمہاری قوت میں اور زیادہ اضافہ کرے گا۔ ان باتوں کا انکار کر کے مجرم نہ بنو۔ حضرت ھود علیہ السلام کے خطاب سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی دعوت قبول کرنے کا فائدہ صرف آخرت میں ہی نہیں ہوگا بلکہ انبیاء کی دعوت قبول کرنے سے دنیا کی خوشحالی اور ترقی بھی حاصل ہوتی ہے۔ ترقی کے لیے جو چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں وہ اسباب کی فراوانی اور جسمانی صحت کا بہترین ہونا ہیں۔ حضرت ھود علیہ السلام نے ماضی کے گناہوں پر استغفار اور کفر و شرک اور ظلم سے بچنے پر اپنی قوم کو دونوں قسم کی ضمانتیں دی تھیں۔ اس سورت کی پہلی اور دوسری آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو یہی ضمانت دی ہے کہ لوگو! صرف ایک اللہ کی عبادت کرو میں اس کی طرف سے تمہارے لیے نذیر اور بشیر بنایا گیا ہوں۔ اپنے رب کے حضور توبہ و استغفار کرو۔ وہ تمہیں دنیا میں بہترین اسباب اور اپنے فضل و کرم سے نوازے گا۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ نفاذِ دین سے تنگی اور مشکلات پیدا ہونے کی بجائے ہر قسم کی فراوانی اور خوشحالی پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ [الاعراف:۹۶]

’’اگر لوگ سچا ایمان لائیں۔کفروشرک اور جرائم سے بچیں۔تو ہم زمین وآسمان کی برکات کے دروازے کھول دیں گے۔‘‘

ایک حدنافذ کرنے کی برکات:

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ إِقَامَةُ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰہِ خَیْرٌ مِنْ مَطَرِ أَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً فِیْ بِلَادِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ))[رواہ ابن ماجة: کتاب الحدود ، باب اقامة الحدود]

’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد کو قائم کرنا۔زمین پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے چالیس راتوں کی بارش سے بہتر ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرنی چاہیے۔

۲۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف ہی متوجہ رہنا چاہیے۔

۳۔ استغفار کی برکت سے اللہ تعالیٰ بارشیں نازل فرماتا ہے۔

۴۔ استغفار کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ لوگوں کی قوت میں اضافہ کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

توبہ واستغفار کی اہمیت اور فوائد:

۱۔ اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرو،اسی کی طرف متوجہ رہو۔وہ تم پر بارش برسائے گا اور تمہاری قوت میں اضافہ کرے گا۔(ھود:۵۲)

۲۔ اللہ تعالیٰ استغفار کرنے والوں کو عذاب نہیں دیتا۔(الانفال:۳۳)

۳۔ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور اسی کی طرف متوجہ رہو۔اللہ تمہیں اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے گا۔(ھود:۳)

۴۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو۔بے شک اللہ معاف کرنے اور رحم کرنے والا ہے۔(المزمل:۲۰)

۵۔ اللہ سے معافی طلب کرو اور اسی کی طرف متوجہ رہو۔بے شک میرا رب نرمی کرنے اور شفقت کرنے والا ہے۔(ھود:۹۰)

۶۔ اللہ سے مغفرت طلب کرو یقیناً وہ معاف کرنے والا ہے۔(نوح:۱۰)

۷۔ اگر تم توبہ کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔(التوبة:۳۰)

قَالُوْا	يٰهُوْدُ	مَا	جِئْتَنَا	بِبَيِّنَةٍ	وَّمَا	نَحْنُ	بِتَارِكِيْٓ
انھوں نے کہا	اے ہود!	نہیں	لایا تو ہمارے پاس	واضح دلیل	اور نہیں	ہم	چھوڑنے والے
اٰلِهَتِنَا	عَنْ	قَوْلِكَ	وَمَا	نَحْنُ	لَكَ	بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۵۳	
اپنے معبودوں	سے	تیری بات	اور نہیں	ہم	تیرے لیے	ایمان لانے والے	
اِنْ	نَّقُوْلُ	اِلَّا	اعْتَرٰىكَ	بَعْضُ	اٰلِهَتِنَا	بِسُوْٓءٍ ؕ	
نہیں	ہم کہتے ہیں	مگر	تجھے مبتلا کر دیا اس نے	کسی	ہمارے معبود	آفت	
قَالَ	اِنِّيْٓ	اُشْهِدُ	اللّٰهَ	وَ	اشْهَدُوْٓا	اَنِّيْ	
اس نے کہا	بے شک میں	میں گواہ بناتا ہوں	اللہ	اور	تم گواہ رہو	بے شک میں	
بَرِيْٓءٌ	مِّمَّا	تُشْرِكُوْنَ ۝۵۴					
بری	اس سے جو	تم شریک بناتے ہو					

”انہوں نے کہا اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لے کر نہیں آیا اور ہم اپنے معبودوں کو تیرے کہنے پر ہرگز چھوڑنے والے نہیں اور نہ کسی طرح تجھ پر ایمان لانے والے ہیں۔“ (۵۳) ”ہم اس کے سوا کچھ نہیں کہتے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تجھے مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس نے کہا میں تو اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ بے شک میں اس سے بری ہوں جو تم شریک بناتے ہو۔“ (۵۴)

فہم القرآن

ربط کلام: قومِ عاد کا ردِّعمل۔

غور فرمائیں کہ حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توبہ واستغفار کی دعوت دی۔ لیکن قوم نے اس کا کس قدر الٹا جواب دیا۔ قوم کہنے لگی کہ اے ھود! تو ہمارے پاس ٹھوس اور واضح دلائل نہیں لایا۔ تیری بے بنیاد باتوں پر ہم اپنے معبودوں کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں اور نہ ہی تجھ پر ایمان لائیں گے۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ ہمارے معبودوں کی مخالفت کی وجہ سے کچھ معبودوں کی تجھ پر مار پڑ گئی ہے۔ جس کی وجہ سے تو الٹی سیدھی باتیں کرتا ہے۔ حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا تم جو کچھ چاہو کہو۔ لیکن میں اس بات پر اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ سچ اور حق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق اور حاجت روا، مشکل کشا نہیں۔ گواہ رہو کہ جن کو تم اللہ کا شریک بناتے ہو میں ان سے نفرت اور برأت کا اعلان کرتا ہوں۔ جہاں تک تمہاری اس بات کا تعلق ہے کہ مجھے تمہارے معبودوں نے کچھ کر دیا ہے، اس میں کوئی حقیقت

نہیں۔ میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں کہ تم اور تمہارے الٰہ اکٹھے ہوکر جو اقدام میرے خلاف کرنا چاہتے ہو کرو۔ میں تم سے ایک لمحہ بھی مہلت مانگنے کے تیار نہیں ہوں۔ یاد رہے کہ یہ بھی مشرکین کی شروع سے عادت ہے کہ وہ اپنے باطل عقیدہ کو سچ ثابت کرنے کے لیے نہ صرف اپنے معبودوں کے متعلق جھوٹے دعوے اور پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ بلکہ وہ توحید کی دعوت دینے والوں کو یہ کہہ کر ڈراتے ہیں کہ اگر تم نے ہمارے حاجت روا اور مشکل کشاؤں کی توہین جاری رکھی تو وہ تمہارا قلع قمع کر دیں گے۔ اگر کسی مواحد کو کوئی ناگہانی مشکل آن پڑے یا کوئی نقصان ہو جائے تو مشرکین یہ کہنے میں جھجک محسوس نہیں کرتے کہ یہ سب کچھ ہمارے بزرگوں کا کیا دھرا ہے۔ ایسا ہی دعویٰ حضرت ھود علیہ السلام کے مخالفوں نے کیا تھا حالانکہ ہر دور میں یہ مثالیں موجود رہی ہیں کہ مشرکین جن کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں وہ اپنے اور کسی دوسرے کے نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں۔

مسائل

۱۔ قوم عاد نے نبی کے سمجھانے کے باوجود معبودانِ باطل کو نہ چھوڑا۔

۲۔ حضرت ھود علیہ السلام پر ان کی قوم ایمان نہ لائی۔

۳۔ حضرت ھود علیہ السلام کی قوم سمجھتی تھی کہ حضرت ھود علیہ السلام کو ان کے دیوتاؤں نے مشکل میں بتلا کیا ہے۔

۴۔ انبیاء علیہم السلام کا ہمیشہ اللہ کی ذات پر بھروسہ ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء علیہم السلام کا اپنی اقوام کو چیلنج:

۱۔ حضرت ھود نے اپنی قوم سے کہا اللہ کے علاوہ تم سارے کے سارے جو کر سکتے ہو میرے خلاف کر گزرو۔ (ھود: ۵۵)

۲۔ اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارو نہ وہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان۔ (یونس: ۱۰۶)

۳۔ اللہ کے سوا کوئی ذرہ بھر بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں ہے۔ (الانبیاء: ۶۶)

۴۔ اے نبی! اعلان کر دیں کہ میں اپنے نفع ونقصان کا بھی مالک نہیں ہوں۔ (الاعراف: ۱۸۸)

۵۔ کیا تم ایسوں کو معبود مانتے ہو جو تمہارے نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ (الرعد: ۱۶)

۶۔ کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ (المائدۃ: ۷۶)

مِنْ دُوْنِهٖ	فَكِيْدُوْنِيْ	جَمِيْعًا	ثُمَّ	لَا	تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾
اس کے سوا	پھر تم تدبیر کرلو میرے لیے	سب کے سب	پھر	نہ	تم مجھے مہلت دو

''اس کے سوا۔ پھر تم سب میرے خلاف تدبیر کرلو پھر مجھے مہلت نہ دو'' (۵۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت ھود علیہ السلام کا اپنی قوم سے خطاب جاری ہے۔

حضرت ھود علیہ السلام نے نہ معلوم کتنی مدت تک قوم کو سمجھایا ہوگا۔ لیکن قوم نے ان کی دعوت کو نہ صرف کوئی حیثیت نہ دی تھی بلکہ کہنے لگے کہ تیری بہکی بہکی باتیں کرنے کا سبب یہ ہے کہ ہمارے مدفون بزرگوں کی تم پر مار پڑی ہے لہٰذا ہمیں سمجھائے یا نہ سمجھائے ہم تجھ پر ہرگز ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس پر حضرت ھود علیہ السلام نے انہیں یہ چیلنج دیا کہ تم سب مل کر میرے خلاف جو کچھ کرنا چاہتے ہو کرلو۔ میرا تم کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کیونکہ میرا بھروسہ اس ذات پر ہے جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ وہ اتنا بااختیار اور طاقتور ہے کہ ہر جاندار کی پیشانی اس کے قبضہ قدرت میں ہے اور میرا رب صراطِ مستقیم پر ہے۔ یعنی اس کا ہر حکم اور فیصلہ ہر اعتبار سے صحیح اور عدل پر قائم ہوتا ہے۔ اس میں کسی قسم کی بے انصافی اور ٹیڑھا پن نہیں ہوتا۔ حضرت ھود علیہ السلام نے یہاں اللہ کی دو صفات کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ ''اللہ'' میرا اور تمہارا رب ہے۔ (رب کا معنی: پیدا کرنے والا، روزی دینے والا، مالک، سردار، نگران، منتظم)

۲۔ اتنا طاقتور ہے کہ ہر جاندار کی پیشانی اس کے قبضہ میں ہے۔

یہ ہر زبان میں محاورہ بھی ہے اور ایک حقیقت بھی۔ جب کسی کی طاقت کا اعتراف اور اپنی وفاداری جتلانا مقصود ہو تو آدمی کہتا ہے کہ میرے سر کے بال تیرے ہاتھ میں ہیں۔ میری پیشانی تیرے سامنے جھکی ہوئی ہے یعنی میں تیرا غلامِ مہمل ہوں۔ دوسرا ان کے فرمان کا مقصد یہ ہوسکتا ہے۔ کہ ہر کسی کی جان اللہ کے اختیار میں ہے۔ کیوں کہ مرتے وقت آدمی کی جان اس کے چہرے کی جانب سے نکلتی ہے۔ اس لیے انہوں نے پیشانی کا نام لیا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی کی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہوتی:

۱۔ اللہ کے علاوہ تم سارے میرے ساتھ تدابیر کرلو اور مجھے مہلت نہ دو۔ (ھود: ۵۵)

۲۔ کہہ دیجیے! تم اپنے شرکاء کو بلالو اور پھر تدابیر کرلو اور مجھ مہلت نہ دو۔ (الاعراف: ۱۹۵)

۳۔ اللہ کفار کی تدابیر کو ناکام و نامراد کرنے والا ہے۔ (الانفال: ۱۸)

۴۔ انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تدبیر کی۔ اللہ نے انہیں خائب و خاسر کر دیا۔ (الانبیاء: ۷۰)

اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ ؕ مَا
بے شک میں | میں نے بھروسہ کیا | پر | اللہ | میرارب | اور تمھارارب | نہیں

مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِھَا ؕ اِنَّ
سے | چلنے والا | مگر | وہ | پکڑنے والا | اس کی پیشانی | بلاشبہ

رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۶﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ
میرارب | پر | راستے | سیدھے | پھراگر | تم روگردانی کرو | پھر تحقیق

اَبْلَغْتُکُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِہٖٓ اِلَیْکُمْ ؕ وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ
میں نے پہنچادی ہے تمھیں | جو | میں بھیجا گیا | اس کے ساتھ | تمھاری طرف | اور وہ جانشین بنادے گا | میرارب

”بے شک میں نے اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔کوئی چلنے والا جاندار نہیں مگر اسکی پیشانی اس کے قبضے میں ہے۔بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ہے۔“(۵۶)”پھر اگر تم پھر جاؤ تو بلاشبہ میں نے تمہیں پیغام پہنچا دیا۔جسے دے کر مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔اور میرا رب تمہارے سوا کسی اور

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت ھود علیہ السلام کا اپنی قوم کو تیسرا جواب۔

قوم نے جب کھلے الفاظ میں بار بار یہ کہا کہ ہم تجھ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں اور تمہاری دعوت کو دعوتِ حق سمجھنے کی بجائے اپنے بزرگوں کی بد دعا اوران کی سزا کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔تو حضرت ھود علیہ السلام نے یکے بعد تین جواب دیئے۔

۱۔ میں اللہ اور تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میرا تمہارے شرک کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔

۲۔ میرے خلاف جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر گزرو۔میرا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے،وہی میری حفاظت کرے گا۔

۳۔ اگر تم نے واقعی مجھ سے دور رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو یاد رکھو میں نے اپنے رب کا پیغام ٹھیک ٹھیک طریقہ سے پہنچا دیا ہے۔ لیکن یاد رکھنا اب تم زیادہ دیر تک زمین پر نہیں رہ سکو گے۔میرا رب تمہیں مٹا کر کوئی دوسری قوم تمہاری جگہ لائے گا،تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے۔یقیناً میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔حضرت ھود علیہ السلام نے یہاں اللہ تعالیٰ کی صفت ”حَفِیْظٌ“ استعمال کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی طاقت سے باہر نہیں بے شک تم دنیاوی وسائل،افرادی قوت اور جسمانی طاقت کے اعتبار سے ساری دنیا سے بڑھ کر ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی گرفت کے مقابلے میں تمہارا کوئی بس نہیں

رَبِّیْ	اِنَّ	شَیْئًا ؕ	تَضُرُّوْنَهٗ	وَلَا	غَیْرَكُمْ ۚ	قَوْمًا
میرا رب	بے شک	کچھ	تم اسے نقصان پہنچا سکو گے	اور نہ	تمہارے سوا	ایک قوم

حَفِیْظٌ ﴿۵۷﴾	شَیْءٍ	كُلِّ	عَلٰی
نگہبان	چیز	ہر	پر

قوم کو تمہاری جگہ لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ بے شک میرا رب ہر چیز پر پوری طرح نگہبان ہے۔" (۵۷)

چلے گا۔ کیونکہ جب وہ اپنے حفظ وامان کا ہاتھ پیچھے ہٹا لیتا ہے تو پھر کوئی چیز بھی باقی نہیں رہتی۔

عَنِ الْمُغِیْرَةِ ابْنِ شُعْبَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ یَقُوْلُ فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ مَّكْتُوْبَةٍ (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ)(متفق علیه)

"حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں نبی کریم ﷺ فرض نماز کے بعد اکثر یہ کلمات ادا فرمایا کرتے تھے۔ "صرف ایک اللہ ہی معبود حق ہے اس کا کسی لحاظ سے کوئی شریک نہیں اس کی حکمرانی ہے، وہی تعریفات کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر اقتدار اور اختیار رکھنے والا ہے۔ الٰہی جسے تو کوئی چیز عنایت فرمائے اسے کوئی نہیں روک سکتا اور جو تو روک لے وہ کوئی دے نہیں سکتا۔ تیری کبریائی کے مقابلے میں کسی بڑے کی بڑائی فائدہ نہیں دے سکتی۔"

مسائل

۱۔ انبیاء علیہم السلام کسی کے گناہوں کے ذمہ دار نہیں ہوتے۔
۲۔ انبیاء علیہم السلام کا کام اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچانا ہوتا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے ایک قوم کی جگہ دوسری قوم لے آتا ہے۔
۴۔ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ۵۔ اللہ ہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی ہر چیز کی حفاظت کرنے والا ہے:

۱۔ بے شک میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے۔ (ھود: ۵۷) ۴۔ اللہ تم پر نگہبان ہے۔ (الشوریٰ: ۶)
۲۔ تیرا رب ہر چیز کی حفاظت کرنے والا ہے۔ (سبا: ۲۱)
۳۔ اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے۔ (آل عمران: ۱۰۲)
۵۔ اللہ پر توکل کرو، اللہ بہترین کارساز ہے۔ (الاحزاب: ۳)

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اور جب وہ آیا ہمارا حکم ہم نے نجات دی ہود اور وہ لوگ جو ایمان لائے

مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝٥٨
اس کے ساتھ رحمت کے ساتھ ہم سے اور ہم نے انہیں نجات دی سے عذاب شدید

وَتِلْكَ عَادٌ ۟ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ
اور یہ عاد انھوں نے انکار کیا آیتوں کے ساتھ اپنے رب اور انہوں نے نافرمانی کی اس کے رسول

وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝٥٩ وَاُتْبِعُوْا فِيْ
اور انھوں نے پیروی کی حکم ہر سرکش عناد اور وہ پیچھے لگائے گئے میں

”جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے ہود کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے۔ اپنی رحمت کے ساتھ نجات دی اور انہیں ایک سخت عذاب سے بچا لیا۔“ (۵۸) ”اور یہ عاد تھے جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر جابر، سخت عناد والے کے حکم کی پیروی کی۔“ (۵۹) ”اور ان کے پیچھے

فہم القرآن

ربط کلام: قومِ ھود کا انجام۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اس قوم کا انجام ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم نے ان میں رسول بھیجا۔ جس نے انہیں فرمایا کہ ایک اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ لیکن قوم کے سرداروں نے اس بات کا انکار کیا اور آخرت کو جھٹلایا۔ مال دار طبقے نے کہا یہ تو تمہارے جیسا ہی انسان ہے۔ جو تم کھاتے پیتے ہو یہ بھی وہی کچھ کھاتا پیتا ہے۔ سردار اپنے اپنے قبیلوں کو کہنے لگے کہ اگر تم نے اپنے جیسے انسان کی پیروی کی تو یاد رکھو تم بڑا نقصان پاؤ گے۔ ھود تمہیں یہ کہہ کر ڈراتا ہے کہ تم مر کر بوسیدہ ہڈیوں اور مٹی میں تبدیل ہو جاؤ گے۔ پھر اللہ تمہیں زندہ کرے گا۔ یہ بات ہمارے لیے بڑی ہی تعجب کا باعث ہے۔ حالانکہ ہم ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے یہ شخص اللہ پر جھوٹ بولتا ہے۔ اس کے ساتھ انھوں نے حضرت ھود کی نافرمانی کی اور ہر ظالم، جابر کے پیچھے لگے رہے اور صاف صاف کہا کہ اے ھود ہم تجھ پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اس پر حضرت ھود علیہ السلام نے اپنے رب سے عرض کی کہ میرے رب انہوں نے مجھے کلی طور پر جھٹلا دیا ہے۔ میری مدد فرما۔ اللہ تعالیٰ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ اے ھود! اب یہ لوگ تھوڑی ہی مدت کے بعد پچھتائیں گے۔ چنانچہ انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ایک دھماکے نے آ لیا اور جس نے ظالموں کو خس و خاشاک بنا کر رکھ دیا۔ (المومنون: ۳۲ تا ۴۱) اس طرح قومِ ھود تباہ ہوئی اور

هٰذِهِ	الدُّنْيَا	لَعْنَةً	وَّيَوْمَ	الْقِيٰمَةِ ؕ	اَلَآ	اِنَّ
یہ	دنیا	لعنت	اور دن	قیامت	آگاہ رہو!	بلاشبہ

عَادًا	كَفَرُوْا	رَبَّهُمْ ؕ	اَلَا	بُعْدًا	لِّعَادٍ	قَوْمِ	هُوْدٍ ؑ ۶۰
عاد	انہوں نے انکار کیا	اپنے رب	سن لو!	دوری	عاد کے لیے	قوم	ہود

اس دنیا میں لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی۔ سن لو! بے شک عاد نے اپنے رب کا انکار کیا۔ سن لو! ہود کی قوم عاد کے لیے ہلاکت ہے۔"(۶۰)

دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت کی مستحق قرار پائی۔ آخرت میں ہر صورت انھیں عذاب ہوگا۔ لیکن دنیا میں عذاب سے دو چار ہوئے اور قیامت تک ان کا اچھے طریقے سے نام لیوا کوئی نہ ہوگا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے تابعداروں کو عذاب سے بچا لیا۔

۲۔ قوم عاد نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا۔

۳۔ قوم عاد نے اللہ کے رسول کی نافرمانی کی۔

۴۔ قوم عاد ظالموں اور سرکشوں کے پیچھے لگتی تھی۔

تفسیر بالقرآن

حضرت ہود علیہ السلام کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کا عذاب:

۱۔ میرے رب میری مدد فرما انھوں نے مجھے کلی طور پر جھٹلا دیا ہے۔(المومنون:۳۹)

۲۔ سات راتیں اور آٹھ دن زبردست آندھی اور ہوا کے بگولے چلے۔(الحاقۃ:۷)

۳۔ گرج چمک اور بادو باراں کا طوفان آیا۔(الاحقاف:۲۴)

۴۔ آندھی نے انھیں کھجور کے تنوں کی طرح پٹخ پٹخ کر دے مارا۔(الحاقۃ:۷)

۵۔ انھیں ریزہ ریزہ کر دیا گیا۔(الذاریات:۴۱۔۴۲)

۶۔ دنیا اور آخرت میں ان پر پھٹکار برستی رہے گی۔(حٰم السجدۃ:۱۶)

۷۔ قوم ہود کو نیست و نابود کر دیا گیا۔(الاعراف:۷۲)

۸۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود اور ایمانداروں کو اس عذاب سے محفوظ رکھا۔(ہود:۵۸)

وقف لازم

وَ اِلٰى	ثَمُوْدَ	اَخَاهُمْ	صٰلِحًا ۘ	قَالَ	يٰقَوْمِ	اعْبُدُوا
اورطرف	ثمود	ان کے بھائی	صالح	اس نے کہا	اے میری قوم!	تم عبادت کرو

اللّٰهَ	مَا لَكُمْ	مِّنْ	اِلٰهٍ	غَيْرُهٗ ؕ	هُوَ	اَنْشَاَكُمْ
اللہ کی	نہیں تمھارے لیے	سے	معبود	سوائے اس کے	وہ	تمہیں پیدا کیا

مِّنَ	الْاَرْضِ	وَاسْتَعْمَرَكُمْ	فِيْهَا	فَاسْتَغْفِرُوْهُ	ثُمَّ
سے	زمین	اوراسی نے تمھیں آباد کیا	اس میں	سوتم اس سے مغفرت طلب کرو	پھر

تُوْبُوْٓا	اِلَيْهِ ؕ	اِنَّ	رَبِّيْ	قَرِيْبٌ	مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾
تم توبہ کرو	اس کی طرف	بے شک	میرارب	بہت قریب	قبول کرنے والا

’’اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔اس کے سوا تمہارا کوئی سچا معبود نہیں۔اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور تمہیں اس میں آباد کیا۔سو اس سے بخشش مانگو، اس کی طرف پلٹ آؤ۔یقیناً میرا رب بہت جلد توبہ قبول کرنے والا ہے۔‘‘(۶۱)

فہم القرآن

ربط کلام: قومِ ھود کے بعد قومِ ثمود کو دنیا کی فراوانی عطا کی گئی۔مگر انہوں نے بھی قوم عاد کا رویہ اختیار کیا۔

قومِ ثمود دنیا کی ترقی میں ید طولیٰ رکھتی تھی۔یہ قوم اس قدر ترقی یافتہ تھی کہ انہوں نے پہاڑوں کو تراش تراش کر ان کے میں بڑے بڑے محلات بنا رکھے تھے۔اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ان کے بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو رسول منتخب فرمایا۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی دعوت کا آغاز وہیں سے کیا جہاں سے حضرت نوح اور حضرت ھود علیہما السلام نے کیا تھا۔

انہوں نے اپنی قوم کو فرمایا کہ اے میری قوم! صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔یہ بات پہلے بھی عرض کی جاچکی ہے کہ عبادت کا جامع مفہوم یہ ہے کہ آدمی اپنے فکر و عمل کو پوری طرح اللہ کے حکم کے تابع کر دے۔چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی عبادت کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں اس اللہ کی عبادت کا حکم دیا جارہا ہے، جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور پھر تمہیں اس میں آباد کیا۔لیکن تم اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی غلامی کی بجائے بغاوت پر اتر آئے ہو۔تمہیں سابقہ گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے آئندہ کے لیے سچی توبہ کرنی چاہیے۔یقین کرو کہ میرا رب ہر انسان کے قریب ہے اور سچے دل سے توبہ کرنے والے کی جلد ہی توبہ قبول کرلیتا ہے۔حضرت صالح علیہ السلام نے اپنے خطاب میں ’’ھو انشاکم فی الارض‘‘ کے الفاظ استعمال فرمائے۔جس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنیادی طور پر انسان یعنی آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے اور اس مٹی سے انسان کی

خوراک کا بندوبست کیا اور زمینی وسائل کی بنیاد پر ہی انسان نشو ونما پاتا ہے۔ بالآخر اسی زمین میں اس نے دفن ہونا ہے اور دوبارہ اسی سے نکل کر اللہ کے حضور پیش ہونا اور اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اس خطاب میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات کا ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے قریب تر ہے اور اس کی عبادت اور توبہ واستغفار کو قبول کرتا ہے۔

قوم ثمود نے قومِ نوح اور قومِ ھود کی طرح اپنے بزرگوں کے مجسمے بنا رکھے تھے اور ان کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ نہ صرف اس طرح اللہ کی عبادت کرنے میں لذت آتی ہے بلکہ ان کی ارواح ہماری فریادیں سن کر اللہ کے حضور پہنچاتی ہیں۔ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیتے ہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے نہایت حکیمانہ طریقہ کے ساتھ انہیں سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کے لیے صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ انسان سچے دل سے توبہ واستغفار کرتے ہوئے براہ راست ایک اللہ کی عبادت کرے۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَا اَیُّھَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَی اللّٰهِ فَاِنِّیْ اَتُوْبُ فِی الْیَوْمِ اِلَیْهِ مِائَةَ مَرَّةٍ)) [رواہ مسلم: کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ،باب اسْتِحْبَابِ الْاِسْتِغْفَارِ وَالْاِسْتِکْثَارِ مِنْهُ]

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرو۔ بلاشبہ میں ہر روز سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔“

مسائل

١۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی۔ ٣۔ حضرت صالح علیہ السلام نے معبودانِ باطل کی نفی کی۔

٥۔ اللہ تعالیٰ بندے کے قریب تر ہے۔ ٦۔ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ اور اس سے بخشش طلب کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ بندے کے قریب تر ہے:

١۔ میرا پروردگار قریب ہے اور قبول کرنے والا ہے۔ (ھود: ٦١)

٢۔ جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو بتا دیں بے شک میں قریب ہوں۔ (البقرۃ: ١٨٦)

٣۔ ہم ان کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ (ق: ١٦)

٤۔ ہم تم سے زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں۔ (الواقعۃ: ٨٥)

٥۔ آدمی جہاں کہیں ہو اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ (الحدید: ٤)

٦۔ آدمی تین ہوں تو چوتھا ان کے ساتھ اللہ ہوتا ہے۔ پانچ ہوں تو چھٹا اللہ ہوتا ہے اس سے زیادہ ہوں یا کم ”اللہ“ ہر وقت آدمی کے ساتھ ہوتا ہے۔ (المجادلۃ: ٧)

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ

انھوں نے کہا اے صالح! تحقیق تھا تو ہم میں امیدوں کا مرکز پہلے

هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا

یہ کیا تو ہمیں روکتا ہے یہ کہ ہم عبادت کرتے ہیں جو وہ عبادت کرتا ہے ہمارے باپ دادا

وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿٦٢﴾

اور بے شک ہم ضرور ایسے شک میں اس چیز سے جو تو ہمیں بلاتا ہے اس کی طرف اضطراب میں ڈالنے والا

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ

اس نے کہا اے میری قوم! کیا تم دیکھتے ہو اگر ہوں میں پر واضح دلیل

''انہوں نے کہا اے صالح! یقیناً تو ہم میں سے وہ تھا جس کے بارے میں اس سے پہلے امیدیں لگائیں گئیں تھیں۔ کیا تو ہمیں منع کرتا ہے کہ ہم ان کی عبادت نہ کریں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے رہے ہیں اور بے شک ہم اس بات کے بارے میں جس کی طرف تو ہمیں دعوت دیتا ہے یقیناً ایک اضطراب میں ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔'' (٦٢) ''اس نے کہا اے میری قوم! کیا تم نے دیکھا اگر میں اپنے

فہم القرآن

ربط کلام: قوم کا حضرت صالح علیہ السلام سے مکالمہ۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جتنے پیغمبر جلوہ گر فرمائے ہیں وہ حسن و جمال، سیرت اور لیاقت کے اعتبار سے بچپن میں ہی اپنی قوم میں منفرد اور ممتاز ہوا کرتے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام بھی اپنی قوم میں ہر حوالے سے ممتاز اور منفرد تھے۔ اس بنا پر قوم ان کے بارے میں بڑی توقعات رکھتی تھی۔ لیکن حضرت صالح علیہ السلام نے جب انہیں ان کے طریقہ عبادت سے منع کیا اور فرمایا کہ تم بالواسطہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی بجائے بلاواسطہ اس کی عبادت کرو اور براہِ راست اس سے مانگا کرو۔ قوم نے اس سیدھے اور صحیح طریقے کو اپنانے کی بجائے ان سے کہا کہ ہمیں تو تجھ پر بڑی توقعات اور اعتماد تھا کہ تم ہم میں اتحاد کی علامت اور ہماری دینی اور دنیوی ترقی کا ذریعہ بنو گے۔ لیکن تو نے ہمارے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی اور ہماری توقعات کے خلاف طرزِ عمل اختیار کر لیا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ عبادت کو چھوڑ دیں۔ ہمیں تو تیری دعوت اور عقیدہ کے بارے میں تردّد ہے۔ اس پر حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں اس دعوت کے بارے میں کسی تردد اور شک میں پڑنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میرے رب نے مجھ پر کرم فرما کر مجھے اپنا رسول منتخب کیا ہے اور میں تمہیں اپنے رب کی طرف سے ٹھوس اور واضح دلائل کے ساتھ یہ دعوت پیش کرتا ہوں۔ لیکن قوم نے صحیح طریقہ سے عبادت اپنانے کی بجائے حضرت صالح علیہ السلام پر ہر طرف سے دباؤ ڈالا کہ تمہیں اس دعوت سے دستکش ہو جانا چاہیے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اس دباؤ کے جواب میں فرمایا کہ اگر میں دعوتِ توحید کو

مِّنْ رَّبِّىْ وَاٰتٰىنِىْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِىْ مِنَ

سے میرا رب اور اس نے دی ہو مجھے اس سے رحمت پھر کون میری مدد کرے گا سے

اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِىْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾

اللہ اگر میں نے اس کی نافرمانی کی پھر نہیں تم زیادہ کرو گے مجھے سوائے نقصان

رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی جناب سے رحمت عطا کی کون ہے جو اللہ کے مقابلے میں میری مدد کرے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں؟ پھر نقصان پہنچانے کے سوا تم کیا مجھے زیادہ دو گے۔‘‘ (۶۳)

چھوڑ دوں تو یہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوگی۔ بلکہ تم مجھے ناقابل تلافی نقصان میں ڈال دو گے۔ اگر میں ایسا کروں تو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کون میری مدد کرے گا؟

قومِ ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی جب انہیں صالح علیہ السلام نے کہا کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں میں تمہارے لیے ایک امین رسول ہوں لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں تم سے اس کام کا کوئی صلہ نہیں مانگتا، میرا اجر رب العالمین کے ذمہ ہے۔ کیا تم اسی طرح چھوڑ دیے جاؤ گے ان باغات، چشموں، کھیتوں، اور کھجوروں میں جن کے خوشے بہت ملائم ہیں اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے ہو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور حد سے گزرنے والوں کی اطاعت نہ کرو جو ملک میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح کا کام نہیں کرتے۔ کفار کے پاس حضرت صالح علیہ السلام کے دلائل کے مقابلہ میں اس کے سوا کوئی بات نہ تھی کہ ہم اپنے والدین کے طرز زندگی اور طریقہ عبادت کو تیرے کہنے پر کس طرح چھوڑ سکتے ہیں۔ دراصل یہی وہ بہانہ ہے جس کو لوگ مختلف الفاظ میں بزرگوں کے نام پر پیش کرتے آرہے ہیں جس کو مذہبی لوگ آئمہ کی تقلید کا نام دیتے ہیں۔ جس کا قرآن مجید نے ایک موقعہ پر یہ جواب دیا ہے کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ تم اس بات کی اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے۔ یہ کہتے ہیں ہم تو اس طریقہ پر چلیں گے جس پہ اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔ اگرچہ ان کے آباؤ اجداد دین کے بارے میں سمجھ اور ہدایت نہ رکھنے والے ہوں۔ تب بھی یہ ان کے راستے پر چلتے رہیں گے؟

مسائل

۱۔ معبودانِ باطل کی عبادت سے روکنا مشرکین کو ناگوار گزرتا ہے۔ ۲۔ انبیاء علیہم السلام اللہ کے سوا کسی کو مددگار نہیں سمجھتے تھے۔
۳۔ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلائل لے کر آتے ہیں۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

تقلید آباء پر اصرار:

۱۔ کیا تو ہمیں ان معبودوں کی عبادت سے روکتا ہے جن کی عبادت ہمارے آباء کرتے رہے ہیں۔ (ھود: ۶۲)
۲۔ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہمیں ہمارے آباء و اجداد کافی ہیں۔ (المائدۃ: ۱۰۴)
۳۔ جب قرآن کی طرف بلایا جاتا ہے کہتے ہیں ہم اپنے آباء کی پیروی کریں گے۔ (لقمان: ۲۱)
۴۔ جب انہیں قرآن کی پیروی کے لیے کہا جاتا ہے تو جواب دیتے ہیں باپ دادا کافی ہیں۔ (البقرۃ: ۱۷۰)

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا
اور اے میری قوم! یہ اونٹنی اللہ تمھارے لیے نشانی چنانچہ تم اسے چھوڑ دو
تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ
وہ کھاتی پھرے میں زمین اللہ اور نہ تم اسے ہاتھ لگانا برائی کے ساتھ
فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا
پھر وہ تمھیں پکڑے گا عذاب قریب پھر انھوں نے اس کی کاٹ ڈالیں پس اس نے کہا تم فائدہ اٹھالو
فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾
میں اپنے گھروں تین دن یہ وعدہ نہیں جھوٹا

”اور اے میری قوم یہ اللہ کی اونٹنی ہے، جو تمہارے لیے نشانی۔ پس اسے چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ ورنہ تمہیں بہت جلد عذاب آلے گا۔“ (۶۴) ”انہوں نے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں تو حضرت صالح نے کہا اپنے گھروں میں تین دن فائدہ اٹھالو۔ یہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہوسکتا۔“ (۶۵)

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کے شاندار ماضی، عمر بھر کی صداقت اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ دلائل پر ایمان لانے کی بجائے یہ مطالبہ کر ڈالا۔ صالح ہم اس وقت تک تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہمارے سامنے اس پہاڑ سے ایک گابھن اونٹنی ظاہر نہ ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا کہ معجزہ طلب کرنے کے بعد اگر تم ایمان نہ لائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں مہلت نہ دی جائے گی۔ لیکن ان کی قوم نے صاف طور پر کہا کہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ (النحل: ۴۹)۔ تب حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ باری تعالیٰ ان کا یہ مطالبہ پورا فرما شاید یہ لوگ ایمان لے آئیں۔ حضرت صالح علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور مطالبہ کرنے والوں کے سامنے پہاڑ سے ایک گابھن اونٹنی بلبلاتے ہوئے باہر نکلی۔ کچھ مدت کے بعد اس نے ایک بچہ جنم دیا۔ یہ تفصیلات مختلف ذرائع سے مفسرین نے جمع کی ہیں۔ جبکہ قرآن مجید سے فقط اتنا ثابت ہے کہ جب پہاڑ سے اونٹنی برآمد ہوئی تو حضرت صالح نے اپنی قوم کو فرمایا یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔ جو معجزہ کے طور پر تمہارے سامنے لائی گئی ہے۔ جسے آپ نے ناقة الله قرار دیا' حضرت صالح کا اس اونٹنی کو ناقة الله قرار دینا دو وجہ سے تھا۔ ایک تو قوم کے مطالبہ پر معجزہ کے طور پر پہاڑ کو دو ٹکڑے کرتے ہوئے نکلی تھی۔

دوسری وجہ ناقة اللّٰہ قرار دینے کی یہ تھی کہ وہ اونٹنی رنگ روپ، قد وقامت کے اعتبار سے عام اونٹنیوں سے بالکل ہی مختلف تھی۔ اس کا کھانا پینا بھی غیر معمولی تھا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ کئی اونٹنیوں کے برابر اکیلی پانی پیتی اور منوں کے حساب سے چارہ ہڑپ کر جاتی۔ اونٹنی کے ظاہر ہونے پر حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو سمجھایا کہ اللہ کی اونٹنی کو اللہ کی زمین پر چلنے پھرنے اور کھانے پینے میں رکاوٹ نہ بننا اور نہ ہی اسے کسی قسم کی تکلیف دینا ورنہ تمہیں اللہ کا عذاب دبوچ لے گا۔ کیونکہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔ بستی کے کنویں سے ایک دن تمہارے جانور پانی پئیں گے اور ایک دن یہ اونٹنی اکیلی پیا کرے گی۔ اسے تکلیف نہ دینا ورنہ تم پر عظیم عذاب آئے گا۔ (الشعراء: ۱۵۵۔۱۵۶) لیکن منہ مانگا معجزہ پانے کے باوجود کچھ لوگوں نے آپس میں مشورہ کرنے کے بعد اس اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دیں اور مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ اونٹنی چیختی چلاتی ہوئی اپنے بچے کے ساتھ اسی پہاڑ میں داخل ہوگئی۔

اس واقعہ کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ بس تین دن تک اپنے گھروں میں رہو۔ چوتھے دن تم پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو کبھی جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اب بھی قوم حضرت صالح علیہ السلام سے معذرت کرتے ہوئے درخواست کرتی کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی جائے کہ وہ ان کے سنگین جرم کو معاف کردے۔ لیکن بدبخت قوم کہنے لگی کہ اے صالح! تو جس عذاب سے ہمیں ڈراتا ہے اسے جلدی لے آ۔ (الاعراف: ۷۷)

مسائل

۱۔ حضرت صالح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اونٹنی معجزہ کے طور پر عطا فرمائی تھی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو پامال کرنا عذابِ الٰہی کو دعوت دینا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مجرموں کا عذاب کا مطالبہ کرنا:

۱۔ حضرت نوح کی قوم نے اُن سے عذاب کا مطالبہ کیا۔ (ھود: ۳۲)

۲۔ قومِ ثمود نے حضرت صالح کو عذاب لانے کا چیلنج دیا۔ (الاعراف: ۷۷)

۳۔ مدین والوں نے حضرت شعیب سے عذاب الٰہی کا مطالبہ کیا۔ (الشعراء: ۱۸۷)

۴۔ قوم عاد نے حضرت ھود سے عذاب کے نزول کا مطالبہ کیا۔ (الاحقاف: ۲۲)

۵۔ کفار نے نبی کریم سے عذاب کا مطالبہ کیا۔ (بنی اسرائیل: ۹۲)

۶۔ اہل مکہ نے اللہ تعالیٰ سے عذاب کا مطالبہ کیا۔ (الانفال: ۳۱)

فَلَمَّا	جَآءَ	اَمْرُنَا	نَجَّيْنَا	صٰلِحًا	وَّالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا
پھر جب	آیا	ہمارا حکم	ہم نے نجات دی	صالح	اور وہ لوگ	جو ایمان لائے
مَعَهٗ	بِرَحْمَةٍ	مِّنَّا	وَمِنْ	خِزْيِ	يَوْمِئِذٍ ؕ	اِنَّ
اس کے ساتھ	رحمت کے ساتھ	ہم سے	اور سے	ذلت	اس دن	بے شک
رَبَّكَ	هُوَ	الْقَوِيُّ	الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾	وَاَخَذَ	الَّذِيْنَ	ظَلَمُوا
آپ کا رب	وہ	نہایت طاقتور	بہت زبردست	اور اس نے آ پکڑا	وہ لوگ	انہوں نے ظلم کیا
الصَّيْحَةُ	فَاَصْبَحُوْا	فِيْ	دِيَارِهِمْ	جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾	كَاَنْ	لَّمْ
چیخ	پھر وہ ہو گئے	میں	اپنے گھروں	اوندھے منہ گرے ہوئے	گویا کہ	نہ

''پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت کے ساتھ بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی۔ بے شک تیرا رب بڑی قوت والا اور سب پر غالب ہے۔''(۶۶)''اور جن لوگوں نے ظلم کیا انہیں چیخ نے پکڑ لیا تو وہ اپنے گھروں میں صبح کے وقت گرے پڑے تھے۔''(۶۷)''جیسے وہ ان میں بسے ہی نہ

فہم القرآن

ربطِ کلام: حسبِ وعدہ عذاب کا نازل ہونا، حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ایماندار ساتھیوں کا نجات پانا۔

قرآنِ مجید اس واقعہ کی یوں تفصیل بیان کرتا ہے۔ کہ ثمود نے سرکشی کی بنا پر حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلا دیا۔ پھر ان کا سب سے بڑا بدبخت اٹھا اور اس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اس بات کو مسترد کیا جو انہوں نے فرمائی تھی کہ اس اونٹنی کو پانی پینے دینا۔ اس بدبخت نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔ جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کیا اور ان کو زمین بوس کر دیا۔ (الشّمس: ۱۱ تا ۱۵) بدبخت قوم نے یہ قسمیں بھی اٹھائیں۔ کہ ہم صالح علیہ السلام کو اس کے اہل وعیال سمیت ختم کر ڈالیں گے۔ (النمل: ۴۹)

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے صالح اور اس کے ایماندار ساتھیوں کو اس دن کی ذلت سے بچا لیا۔ یقیناً آپ کا رب بڑا طاقتور اور ہمیشہ غالب رہنے والا ہے۔ ظالموں کو ایک چیخ نے آ لیا اور وہ اپنے گھروں میں الٹے منہ پڑے ہوئے اس طرح ہو گئے جیسے وہ کبھی آباد ہی نہ ہوئے تھے۔ خبردار! بلاشک ثمود نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا۔ خبردار! قوم ثمود کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پھٹکار دیا گیا۔

رَبَّهُمْ ط	كَفَرُوْا	ثَمُوْدَاْ	اِنَّ	اَلَآ	فِيْهَا ط	يَغْنَوْا
اپنے رب	انہوں نے انکار کیا	ثمود	بے شک	آگاہ رہو!	اس میں	رہے تھے وہ

لِّثَمُوْدَ ع	بُعْدًا	اَلَا
ثمود کے لیے	دوری	آگاہ رہو

تھے۔آگاہ رہو بے شک ثمود نے اپنے رب کا انکار کیا۔سن لو!ثمود کے لیے ہلاکت ہے۔“(٦٨)

مفسرین نے لکھا ہے کہ جب قوم صالح پر عذاب آیا اس کی کیفیت اس طرح سے تھی کہ پہلے دن ثمودیوں کے چہرے زرد ہوئے دوسرے دن سرخ ہوئے اور تیسرے دن سیاہ اور چوتھے دن انہیں چیخ نے آلیا جس کی ہیبت سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گر پڑے۔

مسائل

۱۔ اللہ کے عذاب سے وہی بچ سکتا ہے جسے اللہ محفوظ فرمائے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ بڑی قوت اور غلبہ والا ہے۔ ۳۔ قوم ثمود پر چیخ کی صورت میں عذاب آیا۔

۴۔ قوم ثمود نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا۔ ۵۔ ثمودیوں کا اللہ تعالیٰ نے نام ونشان مٹادیا۔

۶۔ قوم ثمود اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوگئی۔

تفسیر بالقرآن

دھتکاری اور پھٹکاری ہوئی اقوام:

۱۔ قوم ثمود کے لیے دوری ہے۔(ھود:٦٨)

۲۔ مدین والوں کا نام ونشان مٹ گیا۔قوم ثمود کی طرح مدین والوں کے لیے دوری ہے۔(ھود:٩٥)

۳۔ قوم عاد نے اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کیا۔قوم عاد کے لیے دوری ہے۔(ھود:٦٠)

۴۔ یہودیوں پر اللہ نے ذلت ومحتاجی مسلط کردی۔(البقرۃ:٦١)

۵۔ یہودی اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے۔(البقرۃ:٩٠)

۶۔ بنی اسرائیل پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ نے لعنت کی۔(المائدۃ:٧٨)

۷۔ کفار پر اللہ،اس کے ملائکہ اور کائنات کی ہر چیز لعنت کرتی ہے۔(البقرۃ:١٦١)

وَلَقَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُنَآ اِبۡرٰهِيۡمَ بِالۡبُشۡرٰى قَالُوۡا سَلٰمًا ؕ

اور البتہ تحقیق | وہ آئے | ہمارے قاصد | ابراہیم | خوشخبری کے ساتھ | انھوں نے کہا | سلام

قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنۡ جَآءَ بِعِجۡلٍ

کہا اس نے | سلام | پھر نہ | وہ ٹھہرا | یہ کہ | وہ آیا | بچھڑے کے ساتھ

حَنِيۡذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيۡدِيَهُمۡ لَا تَصِلُ اِلَيۡهِ

بھنا ہوا | چنانچہ جب | اس نے دیکھا | ان کے ہاتھ | نہیں | وہ پہنچتی ہے | اس کی طرف

نَكِرَهُمۡ وَاَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ خِيۡفَةً ؕ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ

اس نے انہیں اجنبی سمجھا | اور محسوس کیا اس نے | ان سے | خوف | انھوں نے کہا | نہ | تو ڈر

اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰى قَوۡمِ لُوۡطٍ ﴿۷۰﴾

بلاشبہ ہم | بھیجے گئے ہیں ہم | طرف | قوم | لوط

”اور تحقیق ہمارے بھیجے ہوئے ملائکہ ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے ،انہوں نے سلام کیا۔اس نے کہا سلام ہو پھر دیر نہ کی کہ اور بھنا ہوا بچھڑا لے آیا۔“(۶۹) ”جب دیکھا ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھتے تو انہیں اجنبی جانا اور ان سے خوف محسوس کیا انہوں نے کہا ڈرو نہیں ہم لوط کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔“(۷۰)

فہم القرآن

ربط کلام: قومِ ثمود کی تباہی کے بعد قومِ لوط کا واقعہ مگر اس کے بیان کرنے سے پہلے ضمناً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک واقعہ کا ذکر ضروری سمجھا گیا ہے۔

قومِ لوط کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے فرشتے بھیجے گئے۔مگر پہلے ان کو حکم دیا گیا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں۔انہیں بیٹے اور پوتے کی خوشخبری سنائیں۔جب یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے سلام عرض کیا۔جواباً سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی ملائکہ کو سلام کہتے ہیں۔خیر و عافیت پوچھنے کے بعد کوئی تاخیر کیے بغیر حضرت ابراہیم علیہ السلام مہمان نوازی کے لیے بھنا ہوا بچھڑا پیش کرتے ہیں۔لیکن دیکھا کہ مہمان کھانے کی طرف ہاتھ بڑھانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔یہ دیکھ کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے دل میں ان سے خوفزدہ ہوئے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کیفیت بھانپ کر ملائکہ اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہوئے تسلی دیتے ہیں کہ خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ہم اللہ کی طرف سے قومِ لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں اور اپنے بھیجے جانے کا مقصد بیان کیا کہ اس قوم کو ملیامیٹ کیا جارہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ملائکہ سے خوفزدہ ہونے کے بارے میں اہل علم نے مختلف آراء کا اظہار کیا ہے۔

۱۔ اس زمانے میں چوروں اور ڈاکوؤں میں بھی یہ اخلاق ہوا کرتا تھا کہ جس گھر میں نقب لگانا ہوتی۔ اس کا پانی تک نہیں پیا کرتے تھے تاکہ نمک حرامی نہ ہو جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھے کہ یہ مہمان کی بجائے ڈاکو ہیں۔

۲۔ مہمانوں کی شکل میں ملائکہ کچھ دیر کے بعد قوم لوط کو تباہ کرنے والے تھے۔ اس لیے ان کے چہروں پر تلخی نمایاں تھی اور انہوں نے اب تک اپنا تعارف بھی نہیں کروایا تھا۔ جس وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے خوفزدہ ہوئے۔ یہ مفسر کا اپنا استنباط ہے۔ جس کے ساتھ اتفاق کرنا اس لیے مشکل ہے کہ یہ فرشتے نہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان بن کر آئے بلکہ وہ انہیں بیٹے اور پوتے کی خوشخبری بھی سناتے ہیں۔ اس لیے ان کے چہروں پر تلخی کے آثار نمایاں ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔

۳۔ ایک مفسر کا استدلال ہے کیونکہ ملائکہ نے ابھی تک انہیں خوشخبری نہیں سنائی تھی اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام خوفزدہ ہوئے کہ تین ملائکہ کا جڑ کر آنا کسی خطرے کے سوا نہیں ہوسکتا۔ یہ استدلال اس لیے بے جوڑ نظر آتا ہے کہ قرآن مجید نے فرشتوں کا اپنے آپ کو ظاہر کرنے سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوفزدہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اسی بناء پر فرشتوں نے حضرت ابراہیم کو اپنا تعارف کرواتے ہوئے عرض کیا تھا کہ ہمارے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے آپ کو خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے ہم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔

میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ مہمانوں کے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام شاید اس لیے خوفزدہ ہوئے تھے ممکن ہے کہ ہماری مہمان نوازی میں کوئی فرق رہ گیا ہو۔ کیونکہ کھانا چننے کے بعد اگر مہمان کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے تو میزبان کو خواہ مخواہ تشویش لاحق ہو جاتی ہے۔ یہی حالت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ہوگی جس کے پیش نظر ملائکہ نے انہیں اپنا تعارف کرواتے ہوئے تسلی دی کہ کسی قسم کے فکر اور ہم سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ نوری مخلوق ہونے کی وجہ سے ہم کھانے پینے سے بے نیاز ہیں۔ اس واقعہ سے یہ حقیقت بھی نمایاں ہوتی ہے کہ اللہ کے پیغمبر بھی غیب نہیں جانتے۔ اگر سیدنا ابراہیم علیہ السلام غیب جانتے ہوتے کہ یہ ملائکہ ہیں اور ہمیں بیٹے اور پوتے کی خوشخبری دینے کے لیے آئے ہیں تو انہیں ڈرنے کی بجائے خوش ہونا چاہیے تھا۔ لیکن افسوس اتنی واضح حقیقت ہونے کے باوجود ایک مفسر نے اس بات کو یوں توڑ مروڑ کر بیان کیا ہے۔ بعض صاحبان اپنی عادت سے مجبور ہو کر اس آیت سے حضرت ابراہیم کی بے علمی پر استدلال کرنے لگتے ہیں کہ دیکھو انہیں پتہ نہ چلا کہ یہ فرشتے ہیں۔ [ضیاء القرآن: ج ۲، ص ۳۷۷]

مہمان نوازی کی اہمیت:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُكْرِمْ ضَیْفَهٗ وَمَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یُؤْذِ جَارَهٗ وَمَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ

فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْلِيَصْمُتْ وَفِيْ رِوَايَةٍ بَدْلَ الْجَارِ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ)) [رواه البخاری:باب اکرام الضيف وخدمته]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ جو آدمی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف میں مبتلا نہ کرے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔ایک روایت میں پڑوسی کے بجائے یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ صلہ رحمی کرے۔''

مسائل

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے خوشخبری دینے کے لیے آئے۔

۲۔ سلام کا جواب سلام سے دینا چاہیے۔

۳۔ مہمان نوازی کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرشتوں کو نہ پہچان سکے۔

۵۔ نوری مخلوق کھانے پینے اور انسانی حاجات سے پاک ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا:

۱۔ حضرت ابراہیم کو فرشتوں کے متعلق علم نہ ہو سکا۔(ھود:۶۹)

۲۔ حضرت لوط فرشتوں کو نہ پہچان سکے۔(ھود:۷۷)

۳۔ نبی اکرم نے فرمایا اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سی بھلائیاں جمع کر لیتا۔(الاعراف:۱۸۸)

۴۔ حضرت نوح نے فرمایا کہ میں غیب نہیں جانتا۔(ھود:۳۱)

۵۔ جنات غیب نہیں جانتے۔(سبا:۱۴)

۶۔ اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔(الانعام:۵۹)

وَامْرَاَتُهٗ قَآىِٕمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ

اور اس کی بیوی | کھڑی ہونے والی | پھر وہ ہنس پڑی | پھر ہم نے اسے خوشخبری دی | اسحاق | اور سے | بعد

اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿٧١﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ

اسحاق | یعقوب | اس نے کہا | ہائے ہائے! | کیا میں جنم دونگی | اور میں | بڑھیا ہوں

وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿٧٢﴾

اور یہ | میرا خاوند | بوڑھا؟ | بے شک | یہ | البتہ چیز | عجیب

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ

انہوں نے کہا | کیا تو تعجب کرتی ہے | سے | حکم | اللہ | رحمت | اللہ

”اور اس کی بیوی کھڑی تھی۔ وہ ہنس پڑی ہم نے اسے اسحاق اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔“(۷۱)”اس نے کہا ہائے میں ہائے ہائے ! کیا میں جنم دوں گی جبکہ میں بوڑھی ہوں اور میرا خاوند بھی بوڑھا ہے۔یقیناً یہ ایک عجیب بات ہے۔“(۷۲)”ملائکہ نے کہا کیا تو اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہے؟ اللہ کی رحمتیں

فہم القرآن

ربط کلام: ملائکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کا مقصد بیان کرتے ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مکرمہ اس موقعہ پر کھڑی ملائکہ کی گفتگو سن رہی تھیں۔ کچھ مفسرین نے ان کے اس طرح کھڑے ہونے کے بارے میں قیل وقال کی ہے۔ حالانکہ قریب کھڑے ہونے کا یہ معنی نہیں لیا جاسکتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مکرمہ جن کا اسم گرامی حضرت سارہ ہے کہ وہ بے پردہ اس مجلس میں آ کھڑی ہو۔کیا عورت اپنے خاوند کی موجودگی میں مہمانوں کو کھانا پیش کرنے کے وقت باپردہ حاضر نہیں ہوسکتی؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ پردے کے پیچھے کھڑی ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کھانا پکڑا رہی ہوں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام مہمانوں کو کھانا پیش کرنے کی خدمت سرانجام دے دیتے ہوں؟ بہر کیف قریب کھڑی ہوئی حضرت سارہ کو ملائکہ نے یہ خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بیٹا اور پوتا عنایت فرمائے گا۔ بیٹے کا نام اسحٰق اور پوتے کا نام یعقوب رکھا ہے۔ یہاں ملائکہ نے خوشخبری حضرت ابراہیم علیہ السلام کو براہِ راست پیش کرنے کی بجائے ان کی زوجہ مکرمہ کو اس لیے دی کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حضرت ھاجرہ سے حضرت اسمٰعیل موجود تھے۔ حضرت سارہ ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی تھیں۔ جو ان کی چچازاد تھیں اور یہ اسی (۸۰) سال سے زائد عمر ہونے کے باوجود اولاد سے محروم تھیں۔ جس بناء پر انہیں براہ راست بیٹے اور پوتے کی خوشخبری سنائی گئی۔ خوشخبری سنتے ہی بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا کہ آہ آہ یہ کیسے ہوگا؟ جبکہ

وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾

اور اس کی برکتیں | تم پر | والے | گھر | بلاشبہ وہ | انتہائی قابل تعریف | نہایت بزرگی والا

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَاۗءَتْهُ الْبُشْرٰي

پھر جب | گیا وہ | سے | ابراہیم | خوف | اور آگئی اس کے پاس | خوشخبری

يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ

وہ جھگڑتا ہے ہم سے | میں | قوم | لوط | بلاشبہ | ابراہیم

لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾

البتہ بہت بردبار | بہت زیادہ آہ وزاری کرنے والا | رجوع کرنے والا

اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے گھر والو! بے شک اللہ بے حد تعریف کیا گیا، بڑی شان والا ہے۔'' (۷۳) جب ابراھیم سے خوف جاتا رہا اور اس کے پاس خوشخبری آگئی تو وہ ہم سے لوط کی قوم کے بارے میں جھگڑنے لگا'' (۷۴) ''بے شک ابراھیم نہایت بردبار، بہت آہ وزاری کرنے والا، رجوع کرنے والا ہے۔'' (۷۵)

میں بانجھ اور میرے خاوند ابراہیم انتہائی بوڑھے ہو چکے ہیں۔ اس حالت میں یہ خوشخبری انوکھی معلوم ہوتی ہے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر (۱۲۰) سال کے قریب تھی۔ حضرت سارہ کی حیرانگی اور تعجب دیکھ کر ملائکہ نے انہیں کہا کیا آپ اللہ کے حکم اور اس کی رحمت کے بارے میں تعجب کرتی ہیں۔ حالانکہ آپ کے گھرانے پر اللہ کی بے پناہ رحمتیں نازل ہو رہی ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے تعریف والا اور بڑا ہے۔

یہ بات فہم القرآن کی جلد اول اور جلد دوم میں بیان ہو چکی ہے کہ ہر آیت کے اختتامی الفاظ اس کے مرکزی مفہوم کے کسی نہ کسی انداز میں ترجمان ہوتے ہیں۔ ملائکہ نے اللہ تعالیٰ کی ان دو صفات کا ذکر فرما کر انہیں مزید تسلی دی کہ بے شک آپ کی اور ابراہیم علیہ السلام کی عمر زیادہ ہو چکی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے سامنے کوئی کام بھی مشکل اور بڑا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ حمد وستائش کے لائق ہے لہٰذا تمہیں تعجب کرنے کی بجائے اس کی حمد اور شکر ادا کرنا چاہیے۔

❁ حمید کا معنٰی: قابلِ تعریف، قابلِ ستائش، مستحسن، پسندیدہ۔

❁ مجید کا معنٰی: جلیل القدر، نمایاں، شاندار، معروف، محمود، قابل تعریف، عالی شان۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان پر اللہ کی رحمت کی چند جھلکیاں:

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے آگ کو گلزار بنا دیا۔ ۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے اپنا دوست قرار دیا۔

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اہل خانہ کو بڑے وقار اور سلامتی کے ساتھ کفار کی سرزمین سے نجات دی۔

۴۔ راستہ میں جب حضرت سارہ پر ایک ظالم حکمران نے دست درازی کی کوشش کی تو ظالم کو زمین پر گرا دیا گیا۔

۵۔ حضرت سارہ نہ صرف بحفاظت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس آئی بلکہ انہیں حضرت ہاجرہ کی شکل میں کنیز بھی دی گئی۔

۶۔ حضرت سارہ کو بیک وقت بیٹے اور پوتے کی خوشخبری دی گئی۔ ۷۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رہتی دنیا تک سب کا امام بنایا گیا۔

۸۔ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یادگاروں کو اللہ تعالیٰ نے شعائر اللہ قرار دیا۔

۹۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے بیت اللہ کی زیارت لوگوں پر فرض قرار دی گئی۔

۱۰۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کو ہمیشہ کے لیے ہر امت کے لیے سنت قرار دیا گیا۔ علیٰ ھذہ القیاس۔

ملائکہ سے تکرار کرنے کا ذکر کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ نے اس تکرار کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ کیونکہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے اور اسی کے حکم کی تعمیل کے لیے قوم لوط کی طرف جانے والے تھے۔ پھر تکرار کی بجائے جھگڑے کا لفظ استعمال فرمایا جس میں ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پیار کی جھلک دکھائی دیتی۔ کیونکہ جھگڑے کی وجہ بیان کرتے ہوئے ناراضگی کا اظہار کرنے کی بجائے ان کی تعریف فرمائی گئی۔

۱۔ حَلِیْمٌ (خوشی، غم اور غصہ میں حوصلہ رکھنے والا، اللہ کے حضور آہ زاری کرنے والا)

۲۔ اَوَّاہٌ (انتہائی خیر خواہ اور دوسرے کی تکلیف دیکھ کر تڑپ جانے والا)

۳۔ مُنِیْبٌ (غمی و خوشی اور ہر حال میں اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ جب اور جسے چاہتا ہے اولاد عطا فرماتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اہل پر رحمت و برکت نازل فرمائی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ تعریف کے لائق ہے۔ ۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے حلیم اور نرم دل تھے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ تعریف والا اور بزرگی والا ہے:

۱۔ بے شک اللہ تعریف کے لائق اور بڑی شان والا ہے۔ (ھود: ۷۳)

۲۔ زمین و آسمان میں سبھی کچھ اللہ کا ہے اور اللہ ہر تعریف کے لائق ہے۔ (النساء: ۱۳۱)

۳۔ اللہ قرآن مجید نازل کرنے والا حکمت والا اور تعریف کے لائق ہے۔ (حم السجدۃ: ۴۲)

۴۔ زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں۔ (الحشر: ۱)

۵۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو جہانوں کو پالنے والا ہے۔ (الفاتحۃ: ۱)

يَـٰٓإِبۡرَٰهِيمُ	أَعۡرِضۡ	عَنۡ	هَٰذَآۖ	إِنَّهُۥ	قَدۡ	جَآءَ	أَمۡرُ
اے ابراہیم!	رہنے دو	سے	یہ	بے شک وہ	تحقیق	وہ آیا	حکم
رَبِّكَۖ	وَإِنَّهُمۡ	ءَاتِيهِمۡ	عَذَابٌ	غَيۡرُ	مَرۡدُودٖ ۝	وَلَمَّا	
آپ کے رب	اور بلاشبہ وہ	آنے والا ان پر	عذاب	نہیں	ہٹایا ہوا	اور جب	
جَآءَتۡ	رُسُلُنَا	لُوطٗا	سِيٓءَ	بِهِمۡ	وَضَاقَ	بِهِمۡ	
وہ آئی	ہمارے رسول	لوط	وہ مغموم ہوا	ساتھ ان کے	اور اس نے تنگی محسوس کی	ساتھ ان کے	
ذَرۡعٗا	وَقَالَ	هَٰذَا	يَوۡمٌ	عَصِيبٞ ۝	وَجَآءَهُۥ	قَوۡمُهُۥ	
دل	اور کہا اس نے	یہ	دن	انتہائی سخت	اور آئی اس کے پاس	اس کی قوم	

’’اے ابراہیم اسے رہنے دے۔ بے شک تیرے رب کا حکم آچکا اور یقیناً ان لوگوں پر عذاب آنے والا ہے جو ہٹایا نہیں جاسکتا۔‘‘(۷۶)’’اور جب ملائکہ لوط کے پاس آئے وہ ان کی وجہ سے پریشان ہوئے، ان سے دل تنگ ہوا اور کہنے لگا یہ بہت سخت دن ہے۔‘‘(۷۷)’’اس کی قوم کے لوگ سرپٹ

فہم القرآن

ربط کلام: ملائکہ کی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فارغ ہونے کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کی خدمت میں حاضری۔

جب ابراہیم علیہ السلام ملائکہ کی زبان سے بیٹے اور پوتے کی خوشخبری سن چکے۔ تو پھر قومِ لوط کے بارے میں ملائکہ سے تکرار کرنے لگے۔ جس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ مجرموں کے حمایتی تھے۔ بلکہ وہ اس وجہ سے قومِ لوط کے بارے میں تکرار کررہے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت حوصلہ مند، دوسرے کی تکلیف دیکھ کر تڑپ جانے والے اور ہر حال میں اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ جس بناء پر وہ ملائکہ سے تکرار کرنے لگے کہ آپ انہیں کچھ اور مہلت دیں۔ شاید وہ سنبھل جائیں۔ حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ آپ اس قوم کو عذاب کرنے چلے ہیں جن میں لوط بھی موجود ہیں۔ ملائکہ نے اس کا جواب دیا کہ ہمیں معلوم ہے کہ ان میں لوط موجود ہیں۔ لیکن ان کی بیوی کے سوا لوط اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو بچا لیا جائے گا۔ (العنکبوت:۳۲)

نہ معلوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کن الفاظ اور کس، کس انداز میں ملائکہ سے تکرار کرتے ہوں گے۔ لیکن بالآخر ملائکہ نے کہا کہ حضرت جانے دیجیے اب یہ عذاب ٹلنے والا نہیں۔ تب ملائکہ ان سے رخصت ہو کر حضرت لوط علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے۔ مفسرین نے اسرائیلی روایات کے حوالے سے لکھا ہے کہ ملائکہ انتہائی خوبصورت لڑکوں کی شکل میں تھے۔ ملائکہ کی آمد پر

يُهْرَعُوْنَ	اِلَيْهِ ط	وَمِنْ	قَبْلُ	كَانُوْا	يَعْمَلُوْنَ	السَّيِّاٰتِ ط
سرپٹ دوڑ رہے	اس کی طرف	اور سے	پہلے	تھے وہ	وہ عمل کرتے	برے
قَالَ	يٰقَوْمِ	هٰٓؤُلَآءِ	بَنَاتِيْ	هُنَّ	اَطْهَرُ	لَكُمْ
اس نے کہا	اے میری قوم!	یہ سب	بیٹیاں میری	وہ	بہت پاکیزہ	تمھارے لیے
فَاتَّقُوا	اللّٰهَ	وَلَا	تُخْزُوْنِ	فِيْ	ضَيْفِيْ ط	اَلَيْسَ
چنانچہ ڈروتم	اللہ	اور نہ	تم مجھے رسوا کرو	میں	میرے مہمان	کیا نہیں
مِنْكُمْ	رَجُلٌ	رَّشِيْدٌ ۝				
تم سے	آدمی	بھلا				

اس کے پاس دوڑتے ہوئے آئے جو پہلے سے ہی برے کام کیا کرتے تھے۔اس نے کہا اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں ہیں ، یہ تمہارے لیے پاک ہیں۔اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو۔کیا تم میں سے کوئی بھلا آدمی نہیں ہے؟"(۷۸)

حضرت لوط علیہ السلام نے ناگواری محسوس کی اپنی قوم کا کردار جانتے ہوئے اور دل ہی دل میں پریشان ہونے لگے۔اس حالت میں ان کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے کہ آج تو بڑا مصیبت کا دن ہے۔مہمانوں کی اطلاع پاکر ان کی قوم کے لوگ ان کے ہاں دوڑتے ہوئے آئے۔کیونکہ وہ پہلے سے ہی بدکاری کے عادی تھے۔حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں شرم دلانے کے لیے فرمایا یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں۔اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں میں مجھے ذلیل نہ کرو۔جب اوباش بے حیائی کی باتیں اور بدمستی دکھانے لگے تو حضرت لوط علیہ السلام نے پھر شرم دلائی کہ کیا تم میں سے کوئی ایک بھی شریف آدمی نہیں ہے؟ بے شرم جواب دیتے ہیں۔تو جانتا ہے کہ ہمیں تیری بیٹیوں کے بارے میں کوئی دلچسپی نہیں۔تو یہ جانتا ہے کہ ہم کس ارادے سے آئے ہیں۔یہاں "يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ" کے لفظ استعمال ہوئے ہیں۔جس کی تشریح کرتے ہوئے مفسرین نے لکھا ہے کہ جب اوباش لوگ دوڑتے ہوئے لوط علیہ السلام کے گھر کے سامنے پہنچے تو حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے گھر کے کواڑ بند کر لیے لیکن وہ دیواریں پھلانگتے ہوئے اندر آ گھسے۔جس پر لوط علیہ السلام نے انہیں بار بار شرم دلائی مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔حضرت لوط علیہ السلام کا یہ فرمان کہ میری بیٹیاں تمہارے لیے حاضر ہیں۔اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اپنی بیٹیوں کے ساتھ بدکاری کی دعوت دی تھی۔وہ ہرگز ایسی بات نہیں کہہ سکتے تھے کیونکہ پیغمبر سب سے زیادہ غیرت والا اور سب سے بڑھ کر صاحب حوصلہ ہوتا ہے۔پیغمبر نازک سے نازک ترین حالات میں بھی اپنی غیرت اور حیاء کے خلاف بات نہیں کرسکتا۔ان کے فرمان کے مفسرین نے دو معنی لیے ہیں۔ایک یہ کہ تمہارے گھروں میں جو تمہاری بیویاں ہیں۔وہ تمہارے لیے حلال ہیں کیونکہ پیغمبر امت کا روحانی باپ ہوتا ہے

اس لیے قوم کی بیٹیاں حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں۔

دوسرا ان کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ نکاح کے لیے میری بیٹیاں حاضر ہیں۔ جن کے ساتھ تعلقات قائم کرنا تمہارے لیے فطری اور حلال طریقہ ہوگا۔ لیکن بدمعاش کسی طرح بھی سمجھنے کے لیے تیار نہ تھے۔

لواطت کی سزا:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ وَجَدْتُمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهِ))[رواہ ابو داؤد:باب فیمن عمل عمل قوم لوط]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے قومِ لوط والا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو کوئی نہیں روک سکتا۔

۲۔ حضرت لوط علیہ السلام کو فرشتوں کے متعلق علم نہیں تھا۔

۳۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پرلے درجے کی بدکار تھی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو تباہ و برباد کر دیا:

۱۔ تمہارے پروردگار کا حکم آچکا اور ان پر نہ ٹلنے والا عذاب آنے والا ہے۔(ھود:۷۶)

۲۔ ہم نے تم سے پہلے بستیوں والوں کو ہلاک کیا جب انہوں نے ظلم کیا۔(یونس:۱۳)

۳۔ کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کیں اور وہ ظلم کرنے والی تھیں۔(الحج:۴۵)

۴۔ اللہ نے انبیاء کی طرف وحی کی کہ ہم ضرور ظالموں کو ہلاک کریں گے۔(ابراہیم:۱۳)

۵۔ اللہ ظالم لوگوں کو ہلاک کرتا ہے۔(الانعام:۴۷)

۶۔ نہیں ہم نے ہلاک کیں بستیاں مگر ان کے رہنے والے ظالم تھے۔(القصص:۵۹)

قَالُوْا	لَقَدْ	عَلِمْتَ	مَا لَنَا	فِيْ	بَنٰتِكَ	مِنْ
انھوں نے کہا	البتہ تحقیق	تو جانتا ہے	نہیں ہمارے لیے	میں	تیری بیٹیاں	سے
حَقٍّ ۚ	وَاِنَّكَ	لَتَعْلَمُ	مَا	نُرِيْدُ ۝		قَالَ
حق	اور یقیناً آپ	ضرور جانتا ہے	جو	ہم چاہتے ہیں		اس نے کہا
لَوْ اَنَّ	لِيْ	بِكُمْ	قُوَّةً	اَوْ	اٰوِيْٓ	اِلٰى
کاش یقیناً	میرے لیے	تمھارے مقابلے میں	کوئی قوت	یا	میں پناہ پکڑتا	طرف
رُكْنٍ	شَدِيْدٍ ۝	قَالُوْا	يٰلُوْطُ	اِنَّا	رُسُلُ	رَبِّكَ
سہارا	مضبوط	انہوں نے کہا	اے لوط	بے شک ہم	قاصد	آپ کے رب کا

''انہوں نے کہا تو ضرور جانتا ہے کہ تیری بیٹیوں میں ہمارا کوئی حق نہیں اور یقیناً تو جانتا ہے ہم کیا چاہتے ہیں۔''(۷۹)''اس نے کہا کاش میرے پاس تمہارے مقابلے کے لیے طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لے لیتا۔''(۸۰)''ملائکہ نے کہا اے لوط! بے شک ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: اوباشوں کی بے انتہا بدمعاشی پر حضرت لوط علیہ السلام کی انتہا درجے کی پریشانی اور اپنی کمزوری پر حسرت کا اظہار۔

حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا مگر اوباش کہنے لگے کہ ہمیں آپ کی بیٹیوں سے کوئی سروکار نہیں۔ ہم جس کام کے لیے آئے ہیں۔ تو اچھی طرح جانتا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام مہمانوں کے سامنے اپنی بے عزتی کو اس قدر محسوس کرتے ہیں کہ ان کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے۔ کاش ان کے مقابلے میں میرے پاس طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لیتا۔ قوم کی بدمعاشی پر حضرت لوط علیہ السلام کی بے بسی اور غم دیکھ کر ملائکہ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا اے اللہ کے پیغمبر! آپ کو ان کی بدمعاشی سے ڈرنے اور اس صورتِ حال پر غم کھانے کی ضرورت نہیں۔ آپ حوصلہ رکھیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس لیے بھیجا ہے کہ آپ اور آپ کے ایماندار ساتھیوں کے سوا باقی سب کو تہس نہس کر دیا جائے۔ جن میں آپ کی بیوی بھی شامل ہوگی۔ کیونکہ یہ سب کے سب برے ہیں۔ (العنکبوت: ۳۳۔۳۴)

اے لوط! ہم اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ملائکہ ہیں اس لیے یہ بدمعاش آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ آپ رات کے پچھلے پہر اپنے ساتھیوں کو لے کر اس بستی سے نکل جائیں اور انمیں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔ آپ کی بیوی پر وہی عذاب نازل ہوگا جو بدمعاشوں پر رات کے پچھلے پہر صبح کے قریب نازل ہوگا۔ قرآن مجید کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام اس صورتِ حال سے اس قدر پریشان تھے کہ وہ پوچھتے ہیں کہ صبح کب ہوگی؟ حالانکہ ملائکہ نے

لَنْ	یَّصِلُوْٓا	اِلَیْكَ	فَاَسْرِ	بِاَھْلِكَ	بِقِطْعٍ	مِّنَ
ہرگزنہیں	وہ پہنچ سکیں گے	آپ تک	بس لے چل	اپنے گھر والوں کو	ایک حصے	سے
الَّیْلِ	وَلَا	یَلْتَفِتْ	مِنْكُمْ	اَحَدٌ	اِلَّا	امْرَاَتَكَ ؕ
رات	اور نہ	وہ پیچھے مڑکر دیکھے	تم میں سے	کوئی	سوائے	تیری بیوی کے
اِنَّهٗ	مُصِیْبُهَا	مَآ	اَصَابَهُمْ ؕ	اِنَّ	مَوْعِدَهُمُ	الصُّبْحُ ؕ
بے شک وہ	پہنچنے والا ہے اسے	جو	انہیں پہنچے گا	بے شک	ان کے وعدے کا وقت	صبح ہے
		اَلَیْسَ	الصُّبْحُ	بِقَرِیْبٍ ﴿۸۱﴾		
		کیا نہیں ہے	صبح	قریب؟		

یہ ہرگز تجھ تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ سواپنے گھر والوں کو رات کے کسی حصے میں لے کر چل نکلو اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے سوائے تیری بیوی کے۔ بے شک اس پر وہی مصیبت آنے والی ہے جوان پر آئے گی۔ بے شک ان کے وعدے کا وقت صبح ہے۔ کیا صبح قریب نہیں ہے۔" (۸۱)

انہیں عذاب کا ٹھیک ٹھیک وقت بتا دیا تھا کہ وہ صبح کے وقت نازل ہوگا اس کے باوجود حضرت لوط علیہ السلام پوچھتے ہیں کہ صبح کب ہوگی۔

جس پر ملائکہ عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ کے محبوب پیغمبر صبح تو ہوا چاہتی ہے یہ بتلانے کے بعد ملائکہ نے بدمعاشوں کی آنکھیں مسخ کر دیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کا انتہا درجے کی پریشانی اور گھبراہٹ میں یہ کہنا کہ کاش میرے پاس پناہ کے لیے مضبوط سہارا ہوتا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اللہ لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے ان کے پاس تو اللہ کی ذات کا بہت بڑا سہارا تھا۔

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِبْرَاهِیْمَ اِذْقَالَ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی وَیَرْحَمُ اللّٰهُ لُوْطًا لَقَدْ کَانَ یَأْوِیْ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ وَلَوْ لَبِثْتُ فِی السِّجْنِ طُوْلَ مَا لَبِثَ یُوْسُفُ لَاَجَبْتُ الدَّاعِیَ)) [رواہ البخاری:باب زیادۃ طمانینۃ القلب]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کا حق رکھتے ہیں جب ابراہیم نے التجا کی تھی' اے میرے پروردگار مجھے دکھا کہ آپ کس طرح مردوں کو زندہ کرتے ہیں؟ حضرت لوط علیہ السلام پر اللہ کی رحمت ہو، وہ بڑی قوت والے کی پناہ میں تھے۔ اگر میں قید خانے میں حضرت یوسف علیہ السلام جتنا عرصہ رہتا' تو میں بلانے والے کی دعوت فوراً قبول کر لیتا۔

فَلَمَّا	جَآءَ	اَمۡرُنَا	جَعَلۡنَا	عَالِيَهَا	سَافِلَهَا	وَاَمۡطَرۡنَا
پھر جب	آ گیا	ہمارا حکم	ہم نے کر دیا	اس کے اوپر والے حصے کو	اس کے نیچے والا	اور ہم نے برسائے

عَلَيۡهَا	حِجَارَةً	مِّنۡ	سِجِّيۡلٍ ۙ	مَّنۡضُوۡدٍ ﴿۸۲﴾	مُّسَوَّمَةً	عِنۡدَ
اس پر	پتھر	سے	کنکر	پے در پے	نشان زدہ	کے ہاں

رَبِّكَ ؕ	وَمَا	هِىَ	مِنَ	الظّٰلِمِيۡنَ	بِبَعِيۡدٍ ﴿۸۳﴾
آپ کے رب	اور نہیں	وہ	سے	ظالموں	دور

”پھر جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے اس کے اوپر والے حصے کو اس کے نیچے کر دیا اور ان پر پے در پے نوک دار پتھر برسائے۔“(۸۲)”جو تیرے رب کی طرف سے نشان لگائے ہوئے تھے اور وہ ان ظالموں سے کچھ دور نہیں۔“(۸۳)

فہم القرآن

ربط کلام: قومِ لوط پر نازل ہونے والے عذاب کی کیفیت بیان کی جارہی ہے۔

قومِ لوط نے نفسانی خواہش اپنی بیویوں سے پوری کرنے کے بجائے لڑکوں سے شروع کر رکھی تھی۔ گویا کہ یہ ہم جنسی کے بدترین گناہ میں مرتکب ہو چکے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے بار بار سمجھانے کے باوجود باز آنے پر تیار نہ ہوئے۔ بلکہ حضرت لوط علیہ السلام کو رجم کر دینے کی دھمکی دینے کے ساتھ عذاب الٰہی کا مطالبہ کرتے رہے۔

﴿أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنْكَرَ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾[العنکبوت:۲۹]

”کیا تم لوگ مردوں کے پاس جاتے ہو، راہزنی کرتے اور اپنی مجالس میں برے کام کرتے ہو۔ اس کی قوم کا اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا کہنے لگے اگر تو سچا ہے تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آ۔“

سورۃ الشعراء کی آیت ۱۶۰ تا ۱۶۶ میں یوں ارشاد ہوتا ہے کہ: قومِ لوط نے بھی پیغمبر کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کہ تم کیوں نہیں ڈرتے؟ میں تمھارے لیے امانت دار پیغمبر ہوں۔ اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس کا بدلہ نہیں مانگتا، میرا بدلہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔ کیا تم لڑکوں پر مائل ہوتے ہو۔ جو تمھارے پروردگار نے تمھارے لیے جو بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے بڑھنے والے ہو۔

قومِ لوط پر جس علاقے میں عذاب نازل ہوا اُسے بحرِ مردار کے نام سے جانا جاتا ہے۔ دنیا کے موجودہ جغرافیے میں یہ بحرِ مردار

اردن کی سرزمین میں واقع ہے۔ جو پچاس میل لمبا، گیارہ میل چوڑا ہے اسکی سطح کا کل رقبہ ۳۵۱ مربع میل ہے۔ اسکی زیادہ سے زیادہ گہرائی تیرہ سوفٹ پیمائش کی گئی ہے۔ یہ اسرائیل اور اردن کی سرحد پر واقع ہے۔ اس کا کسی بڑے سمندر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ گویا کہ یہ ایک بہت بڑی جھیل ہے۔ اس کی نمکیات اور کیمیائی اجزاء عام سمندروں سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کے قریب ترین سمندر بحیرہ روم ہے۔ جدید محققین نے اسی جگہ پر لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کی نشاندہی کی ہے۔ کسی زمانے میں یہاں صدوم عمود کے نام سے بڑے شہر آباد تھے۔ مصر کے محقق شیخ عبدالوہاب البخار نے بھرپور دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ عذاب سے پہلے اس جگہ پر کوئی سمندر نہیں تھا۔ جب اللہ کے عذاب کی وجہ سے اس علاقے کو الٹ دیا گیا تو یہ ایک چھوٹے سے سمندر کی شکل اختیار کر گیا۔ اس کے پانی کی خصوصیت ہے کہ اس میں نمکیات کا تناسب پچیس فیصد ہے۔ جب کہ دنیا کے تمام سمندروں میں نمکیات کا تناسب چار سے چھ فیصد شمار کیا گیا ہے۔ اس کے کنارے نہ کوئی درخت ہے اور نہ ہی اس میں کوئی جانور زندہ رہ سکتا ہے حتی کہ سیلاب کے موقع پر دریائے اردن سے آنیوالی مچھلیاں اس میں داخل ہوتے ہی تڑپ تڑپ کر مر جاتی ہیں۔ اہل عرب اسکو بحیرہ لوط بھی کہتے ہیں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کے علاقے کو الٹا دیا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط پر پتھروں کی بارش برسائی۔

۳۔ ظالموں کے انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ ۴۔ حضرت لوط کی بیوی بھی اپنی قوم کے ساتھ تباہ ہوئی۔

تفسیر بالقرآن

قوم لوط پر عذاب کی کیفیت:

۱۔ جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے ان کی بستی کو الٹا دیا اور ان پر پتھروں کی بارش برسا دی۔ (ھود:۸۲)

۲۔ قوم لوط کو ایک سخت آواز نے پکڑ لیا۔ (الحجر:۷۳)

۳۔ ہم نے قوم لوط پر پتھروں کی بارش نازل کی دیکھیے مجرموں کا انجام کیسے ہوا۔ (الاعراف:۸۴)

۴۔ ہم نے قوم لوط پر پتھر برسائے۔ (القمر:۳۴)

۵۔ قوم لوط پر کنکر کے پتھر برسائے گئے۔ (الذاریات:۳۳)

وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا

اورطرف مدین ان کے بھائی شعیب کو اس نے کہا اے میری قوم! تم عبادت کرو

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا

اللہ نہیں تمھارے لیے سے معبود سوائے اس کے اور نہ تم کم کرو

الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ وَّاِنِّیْۤ اَخَافُ

ماپ کو اور تول کو بے شک میں تمھیں دیکھتا ہوں میں خوشحالی اور بے شک میں ڈرتا ہوں

عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ﴿۸۴﴾ وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْیَالَ

تم پر عذاب دن گھیرنے والے اور اے میری قوم! تم پورا کرو ماپ کو

’’اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ماپ، تول میں کمی نہ کرو۔ بے شک میں تمہیں خوشحال دیکھتا ہوں اور بے شک میں تم پر ایک گھیر لینے والے عذاب سے ڈرتا ہوں۔‘‘ (۸۴) ’’اور اے میری قوم! ماپ تول

فہم القرآن

ربط کلام: قومِ لوط کے انجام کے بعد قومِ صالح کے کردار اور انجام کا ذکر۔

قومِ مدین کی طرف انہیں میں سے حضرت شعیب علیہ السلام کو پیغمبر منتخب کیا گیا اور حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی دعوت کا آغاز اسی بات سے کیا جس کی دعوت ان سے پہلے انبیاء دیتے آرہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا الٰہ نہیں۔ قرآن مجید میں الٰہ کے کئی معانی ہیں۔ جن میں سب سے پہلا معنٰی ہے کہ وہ ہستی جس کی والہانہ طور پر بندگی کی جائے۔ انتہائی مشکل کے وقت صرف اس کو پکارا جائے اور اس کے سوا کسی کو مشکل کشا اور حاجت روا تسلیم نہ کیا جائے۔ (سورۃ النحل: ۲ تا ۶۵) کیونکہ یہ صفات صرف ایک اللہ کی ذات میں ہیں اور کسی نبی، ولی، فرشتہ اور دیگر مخلوق میں نہیں ہیں۔ جس بناء پر ہر انسان کو اللہ کی ذات اور صفات پر مکمل ایمان لا کر صرف اسی کی عبادت کرنا چاہیے۔ عبادت کا معنٰی ہے کہ انسان اپنے آپ کو صرف اور صرف ایک اللہ کی غلامی کے لیے وقف کر دے۔ یہی کلمہ طیبہ کے پہلے حصہ کا مفہوم اور تقاضا ہے۔ محمد رسول اللہ کا معنٰی ہے جو بات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی اور کر کے دکھائی ہے ہر کام اس کے مطابق کیا جائے چنانچہ شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو فرماتے ہیں اے قوم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ اس کی بندگی کا تقاضا ہے کہ صرف اسی کی اطاعت و پرستش کی جائے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ ماپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو میں دیکھ رہا

وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا

اور تول کو | انصاف کے ساتھ | اور مت | کم دو تم | لوگوں کو | ان کی چیزیں | اور نہ

تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝٨٥ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ

تم پھرو | میں | زمین | فساد کرنے والے | بچت | اللہ | بہت بہتر ہے

لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ۬ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝٨٦

تمھارے لیے | اگر | ہو تم | مومن | اور نہیں ہوں | میں | تم پر | محافظ

انصاف کے ساتھ پورا رکھو۔ لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں دنگا و فساد نہ مچاؤ۔'' (۸۵) ''اللہ کا دیا ہوا تمہارے لیے جو بچ گیا بہتر ہے، اگر تم مومن ہو اور میں تم پر کوئی محافظ نہیں ہوں'' (۸۶)

ہوں حالانکہ تم مال دار ہو۔ یہاں خیر سے مراد دنیا کا مال و متاع ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ میں خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ اگر تم کفر و شرک اور ماپ تول میں کمی و بیشی کرنے سے باز نہ آئے تو تم پر ایسا عذاب آئے گا جو تمہیں چاروں طرف سے گھیر لے گا۔ اس سے بچ نکلنا تمہارے بس کی بات نہ ہوگی۔ اے میری قوم ناپ تول میں خیانت کرنے کی بجائے اس کو عدل و انصاف کے ساتھ ناپا اور تولا کرو اور دوسروں کی چیزوں میں کسی طریقہ سے کمی و بیشی نہ کرو۔ یہ سراسر فساد کا راستہ ہے۔ تمہیں ملک میں فساد کرنے سے بچنا چاہیے۔ اللہ نے جو تمہیں خیر و برکت عطا کر رکھی ہے وہ تمہارے لیے کافی ہے اگر تم اس پر ایمان رکھنے والے ہو۔ میں تو تمہیں بار بار نصیحت ہی کر سکتا ہوں۔ کیونکہ میں تم پر نگران نہیں بنایا گیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے پہلے خطاب میں تین باتیں ارشاد فرمائیں:

۱۔ صرف ایک اللہ کی بندگی کرو اور اس کی بندگی میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرو۔

۲۔ لوگوں کا مال کم ناپنے اور تھوڑا تولنے کی بجائے اسے عدل و انصاف کے ساتھ ناپا اور تولا کرو۔ اس میں کسی قسم کی کمی و بیشی نہیں کرنا چاہیے۔

۳۔ عدل و انصاف کے ساتھ ناپ تول کرنے کے بعد جو تمہارا حق بنتا ہے وہی تمہارے لیے بہتر ہے۔

جہاں تک ماپ تول کا معاملہ ہے کہ کسی کو چیز دیتے ہوئے مقرر شدہ وزن سے کم دینا اور اس سے لیتے ہوئے مقررہ شرائط سے زیادہ لینا یہ بدترین قسم کا معاشی استحصال ہے۔ اس سے نہ صرف معیشت عدم توازن کا شکار ہوتی ہے بلکہ اس زیادتی سے آپس میں شدید نفرت پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر ہے ہر فساد کی ابتدا نفرت سے ہی ہوا کرتی ہے۔ جس سے منع کرتے ہوئے حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو تین طریقوں سے سمجھایا۔

۱۔ اے میری قوم کے لوگو! تم مال دار ہو، اس لیے تمہیں خیانت نہیں کرنا چاہیے۔ اس فرمان کا مقصد یہ تھا کہ ایک غریب آدمی کسی وجہ سے خیانت کرے تو اس کے پاس ایک بہانہ ہوتا ہے گو ایسا بہانہ جائز نہیں لیکن تم کس بنیاد پر اس خیانت کے مرتکب ہورہے ہو؟ تم تو مالدار ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم سرمایہ دار ہونے کے باوجود خائن تھی۔

۲۔ حلال اور جائز طریقے سے کمایا اور بچایا ہوا مال انسان کے لیے بہتر ہے یعنی بابرکت ہوا کرتا ہے۔

۳۔ مجھے اللہ نے تمہیں سمجھانے کے لیے بھیجا ہے، تم پر نگران مقرر نہیں کیا۔

((مَا طَفِفَ قَوْمُ الْمِيزَانَ إِلَّا أَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِالسِّنِيْنَ)) [السلسلة الصحيحة: ۱۰۷]

''جو بھی قوم تولنے میں کمی کرتی ہے اللہ تعالیٰ ان پر قحط سالی مسلط فرما دیتا ہے۔''

﴿وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ ٥ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ٥ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ٥﴾ [المطففين: ۱-۳]

''ہلاکت ہے کم تولنے والوں کے لیے کہ وہ جب لوگوں سے تول کر لیتے ہیں تو زیادہ لیتے ہیں اور جب اُن کے لیے تولتے ہیں یا وزن کرتے ہیں تو کمی کرتے ہیں۔''

مسائل

۱۔ مدین والوں کی طرف شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ ۲۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے جھوٹے معبودوں کی نفی کی۔

۳۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ایک اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دی۔

۴۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ناپ تول میں کمی کرنے سے منع کیا۔

۵۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔

۶۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو زمین میں فساد کرنے سے روکا۔

۷۔ ماپ تول میں کمی کرنا ملک میں فساد کرنے کے مترادف ہے۔

تفسیر بالقرآن

نبی نگران نہیں مبلغ ہوتا ہے:

۱۔ میں تم پر نگراں نہیں ہوں۔ (ھود: ۸۶) ۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ (النساء: ۸۰)

۳۔ اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کے لیے نگران نہیں بنایا۔ (الانعام: ۱۰۷)

۴۔ اگر وہ اعراض کریں تو آپ کو ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ (الشوریٰ: ۴۸)

۵۔ رسولوں کا کام صرف تبلیغ کرنا ہے۔ (النحل: ۳۵) ۶۔ آپ کا کام تبلیغ کرنا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔ (الرعد: ۴۰)

قَالُوْا	يٰشُعَيْبُ	اَصَلٰوتُكَ	تَاْمُرُكَ	اَنْ	نَّتْرُكَ	مَا يَعْبُدُ
انھوں نے کہا	اے شعیب!	کیا تیری نماز	تجھے حکم دیتی ہے	یہ کہ	ہم چھوڑ دیں	جو عبادت کرتے تھے
اٰبَآؤُنَآ	اَوْ	اَنْ	نَّفْعَلَ	فِيْٓ	اَمْوَالِنَا	مَا
ہمارے باپ دادا	یا	یہ کہ	ہم کریں	میں	اپنے مالوں	جو
نَشٰٓؤُا	اِنَّكَ	لَاَنْتَ	الْحَلِيْمُ	الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾	قَالَ	يٰقَوْمِ
ہم چاہیں؟	بلاشبہ تو	البتہ تو	بہت بردبار	بڑا سمجھدار ہے	فرمایا	اے میری قوم!
اَرَءَيْتُمْ	اِنْ	كُنْتُ	عَلٰى	بَيِّنَةٍ	مِّنْ	رَّبِّيْ
بتلاؤ تم	اگر	ہوں میں	پر	واضح دلیل	سے	اپنے رب
وَرَزَقَنِيْ	مِنْهُ	رِزْقًا	حَسَنًا	وَمَآ	اُرِيْدُ	اَنْ
اور اس نے دیا ہو مجھے	اپنی طرف سے	رزق	اچھا	اور نہیں	میں چاہتا	یہ کہ

”انہوں نے کہا اے شعیب کیا تیری نماز تجھے یہی حکم دیتی ہے کہ ہم انہیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے یا اپنے مالوں میں کریں جو چاہیں یقیناً تو بہت بردبار، بڑا سمجھ دار ہے۔“(۸۷)”اس نے کہا اے میری قوم! کیا تم نے غور کیا یہ کہ میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے اچھا رزق دیا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت شعیب علیہ السلام کو قوم کا جواب۔

مشرکوں اور سچائی کے منکروں کا شروع سے یہ رویہ رہا ہے کہ وہ توحید کو قبول اور حق کو تسلیم کرنے کی بجائے عقیدہ توحید اور حق کے جواب میں نہ صرف انبیاء اور مصلحین پر مختلف قسم کے الزامات لگاتے ہیں بلکہ وہ انبیاء اور مصلحین کے نیک کاموں کو طعنہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے بھی یہ روّیہ اختیار کرتے ہوئے کہا کہ اے شعیب کیا تیری نمازیں تجھے یہی سبق سکھاتی ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقہ عبادت اور ان کے طرزِ زندگی کو چھوڑ دیں اور تیری وجہ سے ہم اپنا کاروبار اپنی مرضی اور طریقہ کے مطابق نہ کریں۔ یہ باتیں تجھے زیب نہیں دیتیں کیونکہ ہم تجھے بُردبار اور نیک سمجھتے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ اے قوم! کیا آپ غور نہیں کرتے کہ میں جن کاموں سے تمہیں روکتا ہوں ان سے روکنے کا حکم اور دلائل میرے رب نے مجھے عطا فرمائے ہیں۔ کا مقصد یہ ہے کہ میں تمہیں ان برائیوں سے منع کروں۔ پھر تم یہ بھی غور کرو کہ مجھے تمہارے کاروبار کے ساتھ کوئی حسد اور رشک نہیں۔ کیونکہ میرے رب نے مجھے فراوانی کے ساتھ رزق حلال دے

اُخَالِفَكُمْ	اِلٰى	مَآ	اَنْهٰكُمْ	عَنْهُ ؕ	اِنْ	اُرِيْدُ
میں تمہاری مخالفت کرتا	طرف	جو	میں تمہیں روکتا ہوں	ان سے	نہیں	میں چاہتا
اِلَّا	الْاِصْلَاحَ	مَا	اسْتَطَعْتُ ؕ	وَمَا	تَوْفِيْقِيْٓ	اِلَّا
مگر	اصلاح	جس قدر	میں استطاعت رکھتا ہوں	اور نہیں	مجھے توفیق	مگر
بِاللّٰهِ ؕ	عَلَيْهِ	تَوَكَّلْتُ	وَاِلَيْهِ	اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾		
اللہ کے ساتھ	اسی پر	میں نے بھروسہ کیا	اور اسی کی طرف	میں رجوع کرتا ہوں		

میں تمہاری مخالفت کروں جس سے تمہیں منع کرتا ہوں میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں جہاں تک ہو سکے اور اس کا انحصار اللہ کی توفیق پر ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔'' (۸۸)

رکھا ہے۔ میں تمہیں کسی کاروباری رقابت یا ذاتی مفاد کی خاطر ان کاموں سے نہیں روکتا۔ بلکہ میرا مقصد تو اپنی ہمت کے مطابق اور محض اللہ کی توفیق سے تمہاری اصلاح کرنا ہے۔ اس کام کے ردّعمل پر میں اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں اور ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کرنے والا ہوں۔ قومِ شعیب کا آپ کو نمازوں کا طعنہ دینا اور آپ کی تعریف کرنا اس لیے تھا کہ ایک شریف آدمی کو دوسرے کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے اور اسے عبادات کو اپنی ذات کی حد تک رکھنا چاہیے۔

یہی وہ غلط فہمی اور پراپیگنڈہ ہے جو جرائم پیشہ لوگ ابتدا ہی سے کرتے آ رہے ہیں۔ کہ جب بھی انہیں سمجھایا جائے تو وہ سمجھانے والے کے اچھے کاموں کا اسے طعنہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ دین کو کاروبار اور سیاست میں دخل انداز نہیں ہونا چاہیے۔ اس طرح تو دینوی اور سیاسی کاموں میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ گویا کہ ان کے نزدیک دین ان کی ترقی میں حائل ہوتا ہے۔ جس بناء پر بالآخر حکمران سیکولر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جس کے پردے میں مادر پدر آزاد ہونے کے سوا کوئی بات نہیں ہوتی۔

رزقًا حسنًا : الحسنة اس چیز کو کہا جاتا ہے جو انتہائی خوبصورت ہو اور اس کی طرف انسان کا دل مائل ہو جائے یہ دنیا کی کوئی بھی نعمت ہو سکتی ہے اور یہ لفظ نیکی اور خیر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے کیونکہ نیکی سے بڑھ کر نیک آدمی کو کوئی چیز مرغوب نہیں ہوتی۔

قوم کے طعنے کے جواب میں حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کے جواب میں نہایت حکیمانہ طریقے سے چھ باتیں ارشاد فرمائیں جو ہر مبلغ کے لیے نہایت ضروری ہیں۔

۱۔ میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں۔

۲۔ میرے رب نے مجھے بہترین رزق عنایت فرمایا ہے۔
۳۔ میں مخالفت برائے مخالفت کی بنیاد پر تمہیں برائی سے منع نہیں کرتا۔
۴۔ میرا مقصد اپنی ہمت کے مطابق تمہاری اصلاح کرنا ہے۔
۵۔ میں ہر حال میں اپنے رب پر بھروسہ کرتا ہوں۔
۶۔ میں ہر حال میں اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

مسائل

۱۔ بدکار لوگ نیکوکاروں کو نیکیوں کا طعنہ دیتے ہیں۔
۲۔ بُرے لوگ نیک لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کو دلائل عطا فرماتا ہے۔
۴۔ اللہ ہی رزق عطا فرمانے والا ہے۔
۵۔ اپنی ہمت کے مطابق لوگوں کی اصلاح کرتے رہنا چاہیے۔
۶۔ نیکی کی توفیق اللہ کی طرف سے ملتی ہے۔
۷۔ انسان کو اللہ پر توکل اور اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

مسلمان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے:

۱۔ میں اللہ پر توکل کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ (ھود:۸۸)
۲۔ جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اسے کافی ہو جاتا ہے۔ (الطلاق:۳)
۳۔ مومن کو اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ (آل عمران:۱۲۲)
۴۔ ایمان والے اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (الشوریٰ:۳۶)
۵۔ آپ کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔ (الاحزاب:۱۸)

وَيٰقَوۡمِ	لَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ	شِقَاقِيۡۤ	اَنۡ	يُّصِيۡبَكُمۡ	مِّثۡلُ	مَاۤ
اور اے میری قوم!	نہ تمھیں اُکسائے	میری مخالفت	کہ	وہ پہنچے تم کو	مثل	جو
اَصَابَ	قَوۡمَ	نُوۡحٍ	اَوۡ	قَوۡمَ	هُوۡدٍ	اَوۡ قَوۡمَ
وہ پہنچا تھا	قوم	نوح	یا	قوم	ھود	یا قوم
صٰلِحٍ	وَمَا	قَوۡمُ	لُوۡطٍ	مِّنۡكُمۡ	بِبَعِيۡدٍ ﴿۸۹﴾	وَاسۡتَغۡفِرُوۡا
صالح	اور نہیں	قوم	لوط	تم سے	کچھ دور	اور تم مغفرت مانگو
رَبَّكُمۡ	ثُمَّ	تُوۡبُوۡۤا	اِلَيۡهِ	اِنَّ	رَبِّيۡ	رَحِيۡمٌ وَّدُوۡدٌ ﴿۹۰﴾
اپنے رب سے	پھر	تم توبہ کرو	اسی کی طرف	یقیناً	میرا رب	بڑا رحم والا نہایت محبت کرنے والا ہے

’’اور اے میری قوم! میری مخالفت تمھیں اس بات پر نہ اُکسائے کہ تمہیں اس جیسی مصیبت آ پہنچے جیسی نوح کی قوم یا ہود کی قوم یا صالح کی قوم کو پہنچی اور لوط کی قوم بھی تم سے کچھ دور نہیں ہے۔‘‘(۸۹)’’اور اپنے رب سے مغفرت مانگو پھر اسی کی طرف پلٹ آؤ یقیناً میرا رب بڑا رحم کرنے والا، نہایت محبت کرنے والا ہے۔‘‘(۹۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم کو دوسرا جواب اور خدشہ کا اظہار۔

اس سے پہلے حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ سمجھایا تھا کہ میں مخالفت برائے مخالفت کی بنیاد پر تمہیں برائی سے نہیں منع کرتا۔ میرا مقصد تو تمہاری اصلاح کرنا ہے۔ مگر قوم ان کی بات سمجھنے کی بجائے تعصب اور ضد کی بنیاد پر مخالفت برائے مخالفت میں آگے ہی بڑھتی گئی۔ اس صورت حال پر جناب شعیب علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ اے میری قوم تمہاری مخالفت اور ہٹ دھرمی تمہیں اس مقام پر لا کر کھڑا نہ کر دے جس جگہ پر پہنچ کر حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم تباہ ہوئی تھی۔ جہاں تک قومِ لوط کی تاریخ اور کھنڈرات کا تعلق ہے وہ تم سے دور نہیں ہیں۔

اے میری قوم! اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی اور آئندہ کے لیے سچی توبہ کرو یقیناً میرا رب نہایت ہی مہربان اور بہت ہی زیادہ محبت کرنے والا ہے۔

کسی شخص یا قوم کی گمراہی کی اس وقت کوئی حد نہیں رہتی جب وہ حقیقت سمجھنے کے باوجود تعصب اور ہٹ دھرمی میں آ کر مخالفت برائے مخالفت کا وطیرہ اختیار کر لے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ان کی اقوام یہی وطیرہ اختیار کرتی تھیں۔ ایسا ہی انداز اہل مکہ نے نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اختیار کر رکھا تھا۔ بدر کے میدان میں مکی لشکر کے ایک شخص نے ابوجہل سے پوچھا کہ یہ بتائیں کہ کبھی محمد نے ہم سے جھوٹ بولا ہے؟ ابوجہل نے جواب دیا ہرگز نہیں۔ سوال کرنے والے نے کہا اب کیا اس کی عمر چوّن (۵۴)

سال سے زائد ہونے والی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ بول سکتا ہے؟ ابوجہل نے کہا بالکل نہیں۔ سوال کرنے والے نے پوچھا کہ ہم پھر اس کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ ابوجہل نے کہا دراصل اس کے خاندان کے پاس زم زم کا کنٹرول، منیٰ اور عرفات میں حجاج کی خدمت اور دیگر اعزازات ہیں۔ اگر ہم اس کی نبوت کا بھی اقرار کرلیں تو ہمارے پلے کیا رہ جائے گا۔ یہ ہے وہ قومی اور شخصی تعصب جو حقیقت سمجھنے کے باوجود حق قبول کرنے میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس قسم کی عصبیت اور خواہ مخواہ کی مخالفت سے منع کرتے ہوئے اپنی قوم کو فرمایا کہ تم ماضی پر استغفار اور مستقبل کے لیے سچے دل سے توبہ کرو۔ یقیناً میرا رب نہایت ہی مہربان اور بڑا محبت کرنے والا ہے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَهُ اِذَا ذَكَرَنِیْ فَاِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهُ فِیْ نَفْسِیْ وَاِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهُ فِیْ مَلَاٍ خَیْرٍ مِّنْهُمْ)) [رواه البخاری: باب یحذركم الله نفسه]

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے میں اپنے بندے کے ساتھ اپنے بارے میں اس کے ظن کے مطابق معاملہ کرتا ہوں۔ وہ جب میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ میرا ذکر اپنے دل میں کرتا ہے تو میں اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا ذکر کسی گروہ میں کرتا ہے تو میں اسکا ذکر اس سے بہتر گروہ میں کرتا ہوں۔“

مسائل

۱۔ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں بخشش طلب کرنی چاہیے۔

۳۔ انسان کو اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمانے والا اور محبت کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نہایت رحم فرمانے اور محبت کرنے والا ہے:

۱۔ اگر لوگ شکر کریں تو اللہ کو لوگوں کو عذاب دینے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ (النساء: ۱۴۷)

۲۔ میرا پروردگار بڑا رحم فرمانے اور محبت کرنے والا ہے۔ (ھود: ۹۰)

۳۔ اللہ بخشنے اور شفقت کرنے والا ہے۔ (البروج: ۱۴)

۴۔ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ نرمی کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔ (البقرۃ: ۱۴۳)

۵۔ تمہارا پروردگار شفقت کرنے اور رحم کرنے والا ہے۔ (النحل: ۴۷)

۶۔ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے اور رحم کرنے والا ہے۔ (النساء: ۱۶)

قَالُوْا	يٰشُعَيْبُ	مَا	نَفْقَهُ	كَثِيْرًا	مِّمَّا	تَقُوْلُ
انہوں نے کہا	اے شعیب!	نہیں	ہم سمجھتے	زیادہ	اس سے	تو کہتا ہے
وَاِنَّا	لَنَرٰىكَ	فِيْنَا	ضَعِيْفًا ۚ	وَلَوْلَا	رَهْطُكَ	
اور یقیناً ہم	البتہ دیکھتے ہیں تجھے	اپنے درمیان	کمزور	اور اگر نہ	تیرا قبیلہ	
لَرَجَمْنٰكَ ۫	وَمَآ	اَنْتَ	عَلَيْنَا	بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾	قَالَ	يٰقَوْمِ
یقیناً ہم تجھے سنگسار کردیتے	اور نہیں ہے	تو	ہم پر	غالب	اس نے کہا	اے میری قوم!
اَرَهْطِيْٓ	اَعَزُّ	عَلَيْكُمْ	مِّنَ	اللّٰهِ ؕ	وَاتَّخَذْتُمُوْهُ	
کیا میرا قبیلہ	زیادہ عزت والا	تم پر	سے	اللہ	اور تم نے بنا رکھا ہے اس کو	
وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ	اِنَّ	رَبِّيْ	بِمَا	تَعْمَلُوْنَ	مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾	
اپنے پس پشت میں ڈالا ہوا	یقیناً	میرا رب	ساتھ اس کے	تم عمل کرتے ہو	گھیرنے والا	

''انہوں نے کہا اے شعیب! ہم تیری بہت سی باتیں نہیں سمجھتے جو تو کہتا ہے اور یقیناً ہم تجھے اپنے درمیان بہت کمزور دیکھتے ہیں اور اگر تیرا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم ضرور تجھے سنگسار کردیتے اور تو ہم پر ہرگز غالب نہ آسکتا۔'' (۹۱) ''اس نے کہا اے میری قوم! میرا قبیلہ تم پر اللہ سے زیادہ طاقت والا ہے اور اللہ کو تم نے اپنی پیٹھ پیچھے پھینک رکھا ہے۔ یقیناً جو تم کر رہے ہو میرا رب اس کو گھیرنے والا ہے۔'' (۹۲)

فہم القرآن

ربط کلام: قوم اور حضرت شعیب کے آپس میں سوال و جواب۔

توبہ استغفار کرنے کی بجائے قوم کے نمائندے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہنے لگے۔ اے شعیب تیری اکثر باتیں ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ آپ ہر روز ہمیں روکتے ٹوکتے ہیں۔ ہم آپ سے نمٹ لیتے اگر آپ کی برادری مضبوط نہ ہوتی ورنہ تیری تو ہم میں کوئی حیثیت نہیں۔ ہم تجھے اپنے میں نہایت کمزور سمجھتے ہیں۔ تو کسی طرح بھی ہم پر غالب نہیں آسکتا۔

حضرت نے اپنی قوم کو جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ کیا تمہارے لیے میری برادری اللہ سے زیادہ طاقتور ہے؟ جس اللہ کو تم نے میری برادری کے مقابلے میں پس پشت ڈال رکھا ہے۔ اگر تم باز نہیں آئے تو تم اپنا کام کرو اور مجھے اپنا کام کرنے دو۔ عنقریب تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا کون ہے اور کس پر ذلیل کردینے والا عذاب نازل ہوتا ہے۔ یقین جانو کہ میرا رب تمہاری تمام حرکات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس فرمان میں یہ کھلا اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مہلت سے غلط فائدہ نہ اٹھاؤ اور نہ یہ سمجھو تم اس کے احاطہ قدرت سے باہر ہو۔ یہ تو اس کا اصول ہے کہ وہ ظالموں کو ایک مدت

معینہ تک مہلت دیتا ہے۔ تاکہ انہیں گناہ کرنے میں کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ ثابت ہوتا ہے کہ دنیا پرست لوگوں کی ہمیشہ سے یہ سوچ رہی ہے کہ وہ رب ذوالجلال سے ڈرنے کی بجائے دنیا کے نقصان اور لوگوں کی طاقت سے ڈرتے ہیں۔ ورنہ کتنے لوگ ہیں جو حقیقت سمجھ جاتے ہیں۔ مگر منفی رائے عامہ کے خوف سے اسے قبول نہیں کرتے۔ اس خوف کو دور کرنے کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو سمجھایا کہ بد دیانتی چھوڑ کر دیانت اختیار کرو اور شرک سے اجتناب کرتے ہوئے توحید خالص کا عقیدہ اختیار کرو۔ میری برادری سے ڈرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

لوگوں سے ڈرنے کی بجائے اللہ سے ڈرنا چاہیے:

﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ [البقرۃ: ۱۵۰]

”تم ان سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا تاکہ تم پر اپنی نعمتوں کو پورا کروں اور تم راہِ راست پر چلو۔“

مسائل

۱۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے انہیں کمزور جانا۔

۲۔ کافر دنیا والوں کا لحاظ کرتے ہیں عرش والے کا نہیں۔

۳۔ انبیاء علیہم السلام کی دنیاوی وسائل پر نہیں اللہ پر نظر ہوتی ہے۔

۴۔ کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے احاطہ قدرت سے باہر نہیں۔

تفسیر بالقرآن

ہر چیز اللہ تعالیٰ کے احاطہ قدرت میں ہے:

۱۔ بے شک میرا پروردگار جو تم عمل کرتے ہو اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ (ھود: ۹۲)

۲۔ ہر چیز اللہ کے احاطہ علم میں ہے۔ (الطلاق: ۱۲)

۳۔ ہمارے رب نے علم کے ذریعے ہر چیز کو گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ (الاعراف: ۸۹)

۴۔ بے شک اللہ لوگوں کے اعمال کا احاطہ کرنے والا ہے۔ (آل عمران: ۱۲۰)

۵۔ یقیناً اللہ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔ (حٰم السجدۃ: ۵۴)

۶۔ اللہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے۔ (النساء: ۱۲۶)

وَيٰقَوْمِ	اعْمَلُوْا	عَلٰى	مَكَانَتِكُمْ	اِنِّىْ	عَامِلٌ ط	سَوْفَ
اور اے میری قوم!	تم عمل کرو	پر	اپنی جگہ	بلاشبہ میں	عمل کر رہا ہوں	عنقریب
تَعْلَمُوْنَ لا	مَنْ	يَّاْتِيْهِ	عَذَابٌ	يُّخْزِيْهِ	وَمَنْ	هُوَ
تم جان لو گے	کون	آتا ہے اس پر	عذاب	جو اسے رسوا کرے گا	اور کون	وہ
كَاذِبٌ ط	وَارْتَقِبُوْٓا	اِنِّىْ	مَعَكُمْ	رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾		
جھوٹا	اور تم انتظار کرو	یقیناً میں	تمھارے ساتھ	منتظر		

''اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرو، میں اپنی جگہ عمل کرنے والا ہوں۔ تم بہت جلد جان لو گے کہ کون ہے جسے خوار کرنے والا عذاب آلیتا ہے اور کون ہے جو جھوٹا ہے بس انتظار کرو یقیناً میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔'' (۹۳)

فہم القرآن

ربط کلام: قوم کی پے در پے مخالفت اور الزامات کے بعد بالآخر حضرت شعیب علیہ السلام مجبور ہو کر یہ جواب دیتے ہیں۔

اے میری قوم! تم میرے ساتھ مزید اختلاف کرنے اور میرے راستے میں رکاوٹ بننے کی بجائے اپنے انداز سے عمل کرو اور میں اپنی جگہ مستقل مزاجی سے کام کرتا ہوں۔ بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رُسوا کر دینے والا عذاب آتا ہے اور ہم میں سے کون جھوٹا ہے۔ بس تم انتظار کرو بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ انیسویں پارے میں موجود ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں یہ بھی فرمایا کہ میری برادری یا کسی اور سے ڈرنے کی بجائے اس ذاتِ کبریا سے ڈرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا ہے اس کے جواب میں قوم نے انہیں کہا کہ تم پر تو جادو ہو چکا ہے۔ ہم تیری پیروی کیونکر کریں۔ تو ہمارے جیسا انسان ہے۔ ہم تجھے کذّاب سمجھتے ہیں۔ اگر تو واقعی سچا ہے تو ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرا دے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس کے جواب میں صرف اتنا فرمایا کہ میرا رب جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔ انہوں نے شعیب علیہ السلام کو کلی طور پر جھٹلا دیا۔ (الشعراء:۱۸۴تا۱۸۹) چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام انہیں یہ فرما کر تم اپنی جگہ انتظار کرو۔ میں اپنی جگہ انتظار کرتا ہوں۔ ان سے الگ تھلگ ہو گئے۔

مسائل

۱۔ ہر عمل کرنے والے کو اپنے اعمال کا پتہ چل جائے گا۔

۲۔ قوم شعیب پر ذلیل کر دینے والا عذاب آیا۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّیۡنَا شُعَیۡبًا وَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

اور جب | آیا | ہمارا حکم | ہم نے نجات دی | شعیب کو | اوران لوگوں کو جو | ایمان لائے تھے

مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوا الصَّیۡحَةُ

اس کے ساتھ | اپنی رحمت | سے | اور آ پکڑا | وہ لوگ | انہوں نے ظلم کیا | چیخ

فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دِیَارِهِمۡ جٰثِمِیۡنَ ۙ﴿۹۴﴾ كَاَنۡ لَّمۡ یَغۡنَوۡا

تو وہ ہو گئے | میں | اپنے گھروں | گھٹنوں کے بل گرے ہوئے | گویا کہ | نہ | بسے تھے وہ

فِیۡهَا ؕ اَلَا بُعۡدًا لِّمَدۡیَنَ كَمَا بَعِدَتۡ ثَمُوۡدُ ﴿۹۵﴾

اس میں | آگاہ رہو! | دوری ہے | مدین کے لیے | جیسے | دوری ہوئی | ثمود

”اور جب ہمارا حکم آپہنچا ہم نے شعیب کو اوران لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی خاص رحمت سے بچالیا اور جن لوگوں نے ظلم کیا انہیں چیخ نے آپکڑا تو انہوں نے اپنے گھروں میں اس حال میں صبح کی کہ گھٹنوں کے بل گرے پڑے تھے۔“(۹۴) ”جیسے وہ ان میں بسے ہی نہ تھے۔آگاہ رہو! مدین کے لیے دوری ہے جیسے ثمود کے لیے دوری تھی۔“(۹۵)

فہم القرآن

ربط کلام: قومِ مدین جرائم سے تائب ہونے کی بجائے حضرت شعیب علیہ السلام سے عذاب کا مطالبہ کرتی ہے۔

قوم مدین نے حضرت شعیب علیہ السلام کو کلی طور پر ٹھکراتے ہوئے نہ صرف انہیں ان کے گھر سے نکال دینے کی دھمکیاں دیں بلکہ یہ بھی بار بار مطالبہ کیا کہ اگر تو اپنے وعدہ میں سچا ہے تو آسمان کا کوئی ٹکڑا ہم پر گرا دو۔اس کے نتیجہ میں قومِ مدین پر بیک وقت آسمان اور زمین سے عذاب نازل ہوا۔جس کی کیفیت مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات دن تک اس علاقہ کی ہوا کو جامد کر دیا۔سورج کی گرمی اور حبس نے ان لوگوں کو ہلکان کر دیا۔دن کو سکون اور نہ ہی رات کو نیند، جس کی وجہ سے ان کے جسم اکڑ گئے۔ہوا کی کمی اور گرمی کی شدت کی وجہ سے ان کے لیے سانس لینا اس طرح مشکل ہو گیا۔جس طرح تپ دق یا دل کا مریض آکسیجن کی کمی کی وجہ سے کھینچ کھینچ کر سانس لیتا ہے۔بسا اوقات اس طرح سانس لینے سے اس کے سینے کی ہڈیوں سے آوازیں نکلتی ہیں۔قوم شعیب اس کربناک عذاب سے دوچار کی گئی۔اس صورت حال میں ساتویں دن آسمان پر کالے بادل آئے اوران لوگوں نے سمجھا کہ بارش ہونے والی ہے۔گرمی کی شدت اور حبس کی گھٹن کی وجہ سے لوگ بادلوں کے سائے تلے جمع ہوئے۔تو آسمان سے کان پھاڑ دینے والی گرج اور زمین سے کلیجہ ہلا دینے والا زلزلہ آیا۔گویا کہ انہیں اوپر نیچے سے دبوچ لیا گیا۔اس طرح حضرت شعیب علیہ السلام کا فرمان حرف

بحرف سچ ثابت ہوا۔ اوران کی قوم تباہ و برباد کر دی گئی۔ انھیں اس طرح ہی رحمت خداوندی سے دور کر دیا گیا جس طرح قومِ ثمود کو اللہ تعالیٰ نے دھتکار دیا تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی قوم کو انتباہ:

﴿وَإِنِّیٓ أَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٖ مُّحِيطٖ﴾ [هود: ٨٤]

''یقیناً مجھے ڈر ہے تم پر ایسا عذاب آئے گا جو تمھیں ہر طرف سے گھیر لے گا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام اور مومنوں کو نجات عطا فرمائی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ظالم بچ نہیں سکتے۔

۳۔ مدین والوں کا نام ونشان مٹ گیا۔

۴۔ مدین والے اللہ کی رحمت سے دور ہو گئے۔

تفسیر بالقرآن

قومِ مدین کے جرائم:

۱۔ قومِ مدین شرک جیسے سنگین جرم میں ملوث تھی۔ (ھود: ۸۴)

۲۔ ناپ تول میں کمی وبیشی کرنے والے لوگ تھے۔ (ھود: ۸۵)

۳۔ ڈاکو اور راہزن تھے۔ (الاعراف: ۸۵)

۴۔ ایمانداروں کو کفر کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ (الاعراف: ۸۹)

۵۔ حضرت شعیب پر جھوٹا ہونے کا الزام لگایا۔ (الشعراء: ۱۸۶)

۶۔ حضرت شعیب کو سحر زدہ قرار دیا۔ (الشعراء: ۱۸۵)

۷۔ حضرت شعیب کی پیروی کو نقصان کا باعث قرار دیا۔ (الاعراف: ۹۰)

۸۔ حضرت شعیب کی نماز کو ان کے لیے طعنہ بنایا۔ (ھود: ۸۷)

۹۔ شعیب علیہ السلام کی مخالفت برائے مخالفت کرتے تھے۔ (ھود: ۸۹)

۱۰۔ شعیب علیہ السلام کو سنگسار کرنے کی دھمکیاں دیں۔ (ھود: ۹۱)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى

اور یقیناً | ہم نے بھیجا | موسیٰ کو | اپنی آیات کے ساتھ | اور دلیل | واضح | طرف

فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ

فرعون | اور اس کے سرداروں | تو انھوں نے پیروی کی | حکم | فرعون | اور نہیں

اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾

حکم | فرعون | بھلائی والا

''اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات اور واضح دلیل دے کر بھیجا۔'' (۹۶) ''فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف انہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی اور فرعون کا حکم کسی طرح بھلائی والا نہ تھا۔'' (۹۷)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اور دوسری اقوام کا انجام بیان کرنے کے بعد حضرت موسیٰ کی قوم کا کردار اور انجام کا مختصر بیان۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کی کئی اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کے ساتھ مماثلت پائی جاتی ہے۔ جس کی ابتدا موقعہ کی مناسبت سے یوں فرمائی کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو واضح دلائل اور کھلے معجزات کے ساتھ فرعون اور اس کے لیڈروں کی طرف بھیجا۔ کیونکہ فرعون کی قوم اس کے ہر کام کی پیروی کرتی تھی۔ جبکہ فرعون کا کوئی کام بھی اچھا نہ تھا ''الرشید'' کا معنیٰ ہے نیک یا اچھا کام۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دو عظیم معجزوں سے نوازا۔ عصا پھینکتے تو اللہ کے حکم سے بہت بڑا اژدھا بن جاتا۔ اپنا دایاں ہاتھ بغل میں دبا کر باہر نکالتے تو وہ اس قدر چمکتا ہوا دکھائی دیتا کہ سورج کی روشنی بھی اس کے سامنے ماند پڑ جاتی اور موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کی آزادی اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل دیتے تو فرعون اور اس کے لیڈروں کی زبانیں گنگ ہو جاتیں۔ وہ دلائل کا جواب دلائل سے دینے کی بجائے الزامات لگانے کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ فرعون اور اس کے ساتھیوں کے مظالم جب حد سے گزر گئے تو موسیٰ علیہ السلام کی بددعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے آل فرعون پر یکے بعد دیگرے پانچ عذاب مسلط کیے۔ زبردست سیلاب، ہر جگہ ٹڈیوں کے دَل کے دَل، جوئیں، مینڈکوں کی بہتات اور ہر چیز کا خون سے بھر جانا۔ فرعون اور اس کے ساتھی ہر عذاب کے بعد موسیٰ علیہ السلام سے ایمان لانے کے وعدہ پر فریاد کرتے لیکن جب موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے نتیجہ میں عذاب ٹل جاتا تو پھر پہلے سے زیادہ مظالم ڈھاتے۔ اور فرعون کی تابع داری میں آگے ہی بڑھتے چلے جاتے۔ جس کے بارے میں قرآن مجید واضح انداز میں بتلاتا ہے کہ فرعون اس قدر ظالم اور نافرمان ہو چکا تھا کہ اس کے کسی حکم اور کام میں خیر باقی نہ رہی۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو واضح نشانیاں دے کر بھیجا۔ ۲۔ فرعون کا کوئی کام درست نہ تھا۔

يَقْدُمُ	قَوْمَهٗ	يَوْمَ	الْقِيٰمَةِ	فَاَوْرَدَهُمُ	النَّارَ ؕ
وہ آگے آگے ہوگا	اپنی قوم	دن	قیامت	پھر انہیں داخل کرے گا	آگ

وَبِئْسَ	الْوِرْدُ	الْمَوْرُوْدُ ۹۸	وَ اُتْبِعُوْا	فِیْ	هٰذِهٖ	لَعْنَةً
اور برا	گھاٹ	جس پر وہ لائے جائیں گے	اور وہ پیچھے لگائے گئے	میں	یہ	لعنت

وَّيَوْمَ	الْقِيٰمَةِ ؕ	بِئْسَ	الرِّفْدُ	الْمَرْفُوْدُ ۹۹
اور دن	قیامت	برا	عطیہ	جو عطیہ وہ دیے جائیں گے

''فرعون قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا۔انہیں آگ میں لے جائے گا جو اُترنے کی بدترین جگہ ہے،جس پر پہنے کیلئے لایا جائے۔''(۹۸) ''اوران کے پیچھے اس دنیا میں لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی۔بہت برا صلہ ہے جو دیے جائیں گے۔''(۹۹)

فہم القرآن

ربط کلام: جس طرح فرعون اپنی قوم کا دنیا میں لیڈر بنا ہوا تھا اسی طرح ہی آخرت میں جہنم جاتے وقت ان کے آگے آگے ہوگا۔

قرآن مجید اس حقیقت کا انکشاف کرتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں کسی جماعت یا قوم کو گمراہ کرنے کا سبب بنتے ہیں اگر یہ سچی توبہ کے بغیر مر جائیں تو قیامت کے دن اپنے گمراہ کردہ ساتھیوں کے ساتھ اللہ کے حضور پیش کیے جائیں گے۔اسی صورتحال کا فرعون اور اہل فرعون کو سامنا کرنا پڑے گا۔چنانچہ جب آل فرعون کو جہنم کی طرف جانے کا حکم ہوگا تو وہ فرعون کی قیادت میں جہنم کی طرف دھکیلے جائیں گے۔

قرآن مجید کے مفہوم سے یہ بات اخذ ہوتی ہے جب فرعون اوراس کی قوم کو جہنم جانے کا حکم ہوگا تو ابتداً کسی اچھی امید کے ساتھ وہ خراماں خراماں فرعون کے پیچھے دوڑتے ہوئے جائیں گے لیکن تھوڑی دیر کے بعد جب انہیں جہنم کی دہکتی ہوئی آگ نظر آئے گی۔تو ایک دوسرے پر لعنت اور پھٹکار کریں گے۔اس طرح ان کا جہنم میں داخل ہونا بدترین انداز میں ہوگا۔جس کے لیے قرآن مجید میں ﴿الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ﴾ کے الفاظ استعمال کیے ہیں جن کا معنی عربی ڈکشنری کے لحاظ سے ہے سہارا۔گویا کہ جو دنیا میں ایک دوسرے کا سہارا بنے ہوئے تھے وہ سہارا بدترین ثابت ہوگا جس کی وجہ سے لیڈر اوران کے پیروکار ایک دوسرے کو جہنم میں داخل کرنے کا سبب ثابت ہوں گے۔

لیڈر کا کردار اور انجام:

((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ عِنْدَ اِسْتِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُرْفَعُ لَہٗ بِقَدَرِ غَدْرِہٖ اَلَاوَلَا غَادِرَ اَعْظَمُ غَدْرًا مِنْ اَمِیْرِ عَامَّۃٍ)) [رواہ مسلم: باب تحریم الغدر]

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ہر عہد شکن انسان کی مقعد کے نزدیک جھنڈا ہوگا۔ ایک روایت میں ہے ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن جھنڈا ہوگا، جو اس کی عہد شکنی کے بقدر بلند کیا جائے گا۔ خبردار! سربراہ مملکت سے بڑھ کر کسی کی عہد شکنی نہیں ہوتی۔''

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَا خَطَبَنَا نَبِيُّ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَّا قَالَ لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ))[رواہ احمد]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی ہمیں خطبہ دیا تو فرمایا جو بندہ امانت دار نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں اور جو شخص وعدہ پورا نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں۔''

مسائل

۱۔ قیامت کے دن فرعون کو اس کے لشکر سمیت جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

۲۔ جہنم بدترین ٹھکانہ ہے۔ ۳۔ فرعونیوں پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے۔

تفسیر بالقرآن

جہنمیوں کا ایک دوسرے پر لعنت بھیجنا:

۱۔ دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کو بھی لگی رہے گی (ھود:۹۹)

۲۔ دنیا میں بھی ان پر لعنت ہے اور قیامت کو بھی۔ (ھود:۶۰)

۳۔ اے ہمارے پروردگار ان کو دوگنا عذاب دے اور ان کو لعنت سے دوچار فرما۔ (الاحزاب:۶۸)

۴۔ قیامت والے دن بعض بعض کا انکار کریں گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے۔ (العنکبوت:۲۵)

۵۔ اللہ کی کافروں پر لعنت ہے اور اللہ نے ان کے لیے جہنم کو بھڑکایا ہے۔ (الاحزاب:۶۴)

ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيۡكَ مِنۡهَا

وہ — سے — خبریں — بستیاں — ہم بیان کرتے ہیں اس کو — آپ پر — اس سے

قَآئِمٌ وَّحَصِيۡدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَلٰكِنۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ

قائم — اور کچھ نیست و نابود کردی گئیں — اور نہیں — ہم نے ان پر ظلم کیا — اور لیکن — انھوں نے ظلم کیا — اپنے آپ پر

فَمَآ اَغۡنَتۡ عَنۡهُمۡ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِىۡ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ

پھر نہ — اس نے فائدہ دیا — ان سے — ان کے ان معبودوں نے — جنہیں — وہ پکارتے تھے — سے — سوائے

اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمۡرُ رَبِّكَ ‌ؕ

اللہ — سے — چیز — جب — وہ آگیا — عذاب — آپ کا رب

وَمَا زَادُوۡهُمۡ غَيۡرَ تَتۡبِيۡبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَخۡذُ

اور نہ — انھوں نے ان کو زیادہ کیا — سوائے — تباہی — اور اسی طرح — پکڑ

”یہ ان بستیوں کی خبریں ہیں جو ہم آپ پر بیان کرتے ہیں ان میں سے کچھ قائم ہیں اور کچھ نیست و نابود ہو چکی ہیں۔“(۱۰۰) ”ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔لیکن انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا، پس ان کے معبود ان کے کچھ کام نہ آسکے، جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے۔جب تیرے رب کا حکم آگیا اور انہوں نے ہلاک ہونے کے سوا انہیں کچھ زیادہ نہ کیا۔“(۱۰۱) اور تیرے

فہم القرآن

ربط کلام: فرعون کا انجام بتلانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہلاک شدہ اقوام کی دنیا میں بھی تباہی دیکھی جا سکتی ہے۔

یہ وہ بستیاں ہیں جن میں کچھ کے نشانات اور کھنڈرات باقی ہیں۔ کچھ ہیں جن کا نام و نشان مٹا دیا گیا ہے یہ جس حالت میں بھی ہیں ہم نے انکے رہنے والوں پر ظلم نہیں کیا یہ تو خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے۔ جب ہمارے عتاب کا کوڑا برسا تو جن کو اللہ کے سوا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھا کرتے تھے۔کسی ایک نے انکی مدد نہ کی بلکہ یہ انکی بربادی میں اضافہ کا باعث بنے۔ مجرموں کی تباہی میں اضافہ بننے کے دو مفہوم ہیں۔جن بتوں اور مزارات پر مریدوں کا بھروسہ تھا کہ مشکل آنے پر ہماری مدد کرینگے انہوں نے نہ انکی مدد کی اور نہ وہ کر سکتے تھے۔ بلکہ ان سے مشکل کشائی کا عقیدہ رکھنے والے آخر دم تک اس عقیدہ سے توبہ نہ کر سکے۔اس طرح ان کے مشکل کشا ان کی تباہی میں اضافہ کا سبب ثابت ہوئے۔دوسرا ”غَيۡرَ تَتۡبِيۡبٍ“ کا معنی ہے کہ جن لیڈروں اور غلط پیروں کے پیچھے لگے ہوئے وہ فائدے کی بجائے اپنی اور مریدوں کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔

رَبِّكَ	اِذَآ	اَخَذَ	الْقُرٰى	وَهِيَ	ظَالِمَةٌ ؕ	اِنَّ
آپ کا رب	جب	اس نے پکڑا	بستیاں	اور وہ	ظلم کرنے والی	یقیناً
اَخْذَهٗٓ	اَلِيْمٌ	شَدِيْدٌ ۝۱۰۲	اِنَّ	فِيْ	ذٰلِكَ	لَاٰيَةً
اس کی پکڑ	دردناک	شدید	یقیناً	میں	وہ	یقیناً نشانی
لِّمَنْ	خَافَ	عَذَابَ	الْاٰخِرَةِ ؕ	ذٰلِكَ	يَوْمٌ	مَّجْمُوْعٌ
اس کے لیے	وہ ڈر گیا	عذاب	آخرت	وہ	دن	جمع کیے جائیں گے
لَّهُ	النَّاسُ	وَ	ذٰلِكَ	يَوْمٌ	مَّشْهُوْدٌ ۝۱۰۳	
اس کے لیے	لوگ	اور	وہ	دن	حاضر کیا گیا	

رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے۔ جب وہ بستیوں کو اس حال میں پکڑتا ہے کہ وہ ظلم کرنے والی ہوتی ہیں۔ یقیناً اس کی پکڑ بڑی دردناک اور بہت سخت ہے۔'' (۱۰۲) ''یقیناً اس میں اس شخص کے لیے ایک نشانی ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرے۔ یہ وہ دن ہے۔ جس دن سب لوگ جمع کیے جائیں گے اور یہ دن وہ ہے۔ جس میں سب حاضر کیے جائیں گے۔'' (۱۰۳)

اے نبی ﷺ! تیرے رب کی پکڑ جب کسی بستی پر نازل ہوتی ہے تو وہ بڑی شدید ہوا کرتی ہے۔ اُس میں عبرت کا بڑا سامان ہوتا ہے ان لوگوں کے لیے جو آخرت کی فکر کرتے ہیں جس دن تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا ہر کسی پر گواہ لائے جائیں گے۔ یہ گواہ مجرم کے اپنے اعضاء، موقعہ واردات اور اس کے اعمال نامہ کے ساتھ وہ لوگ ہوں گے۔ جو کسی نہ کسی حوالے سے اس کی بداعمالیوں کو جانتے ہوں گے۔ یہاں تک کہ جس زمین پر گناہ کیا ہوگا وہ بھی گواہی دے گی۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن مجرم کے بارے میں شہادتیں:

۱۔ اس دن تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا اور وہ حاضری کا دن ہوگا۔ (ھود: ۱۰۳)

۲۔ افترا پردازی کرنے والوں کے خلاف شہادتیں پیش کی جائیں گی۔ (ھود: ۱۸)

۳۔ قیامت کے دن مجرم کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی ہاتھ اور پاؤں اس کے خلاف گواہی دیں گے۔ (یٰس: ۶۵)

۴۔ قیامت کے روز ہاتھ، پاؤں اور زبان مجرم کے خلاف شہادت دیں گے۔ (النور: ۲۴)

۵۔ قیامت کے دن مجرم کے خلاف اس کے کان، آنکھیں اور جسم گواہی دے گا۔ (حٰم السجدۃ: ۲۰)

۶۔ ان کا حساب کتاب لکھا ہوا ہے اور فرشتے ان پر گواہی دیں گے۔ (المطففین: ۲۰۔۲۱)

۷۔ مجرم کہیں گے ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔ (الانعام: ۱۳۰)

وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۝١٠٤ يَوْمَ يَاْتِ

اور نہیں	ہم مؤخر کرتے اس کو	مگر	وقت کے لیے	مقرر	دن	وہ آجائے گا

لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ۝١٠٥

نہ	وہ کلام کرے گا	کوئی نفس	مگر	اس کے حکم سے	پھر ان میں سے	بد بخت	اور کوئی نیک بخت

''اور ہم اسے مؤخر نہیں کرتے مگر ایک مقرر کیے ہوئے وقت کے مطابق۔'' (١٠٤) ''جس دن وہ آجائے گا کوئی شخص اس کی اجازت کے بغیر بات نہیں کر پائے گا۔ ان میں سے کوئی بد بخت ہوگا اور کوئی نیک بخت۔'' (١٠٥)

فہم القرآن

ربط کلام: جس دن تمام کے تمام لوگ حاضر ہوں گے اور ان پر گواہ پیش کیے جائیں گے۔ اس دن کا پہلا قانون یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی بھی بات نہ کر پائے گا۔

قیامت کے دن تمام کے تمام لوگ رب ذوالجلال کی عدالت میں دست بستہ پیش کیے جائیںگے۔ وہ دن اتنا بھاری اور خوفناک ہوگا۔ کہ حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔ سب لوگوں کی حالت یوں ہوگی جیسے کسی نے انہیں نشہ پلا رکھا ہو۔ یہ حالت کسی نشہ کی وجہ سے نہیں بلکہ رب ذوالجلال کے جلال اور خوف کی وجہ سے ہوگی۔ (الحج: ٢) حضرت جبریل امین علیہ السلام اور تمام ملائکہ دم بخود قطار اندر قطار کھڑے ہوں گے۔ کوئی نبی، ولی اور فرشتہ۔ اللہ تعالیٰ سے بات کرنے کی جرأت نہیں کر پائے گا۔ سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ اجازت عنایت فرمائیں گے اور وہ بھی وہی بات کر پائے گا جس کے کہنے کی اسے اجازت ہوگی۔ یہ دن آکے رہے گا یہ انسان کی مرضی پر ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف جانے کے راستہ کو اختیار کرے (النساء: ٣٨۔ ٣٩) دنیا میں لوگوں نے اپنے امتیازات قائم کر رکھے ہیں۔ ایک گورا ہے دوسرا کالا ہے، کوئی سیّد اور کوئی راجپوت، ایک امیر ہے دوسرا غریب، ایک حکمران ہے اور دوسرا محکوم علیٰ ہذا القیاس۔ قیامت کے دن صرف دو طبقے ہوں گے۔ ایک نیک اور دوسرا بد۔ جنہیں قرآن مجید شقی اور سعید کے لقب سے پکارتا ہے ان میں سے کوئی بھی اللہ جل جلالہ کی اجازت کے بغیر بات نہیں کر سکے گا یہاں تک کہ سرورِ دو عالم ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر سفارش نہیں کر سکیں گے۔ آپ سفارش کرنے کے لیے پہلے اپنے رب کی بارگاہ میں طویل سجدہ کریں گے نہ معلوم وہ سجدہ کس قدر طویل ہوگا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ میں اپنے رب کی وہ تعریف کروں گا جو اسی وقت مجھے القا کی جائے گی۔ یوں آپ کو اجازت مرحمت فرمائی جائے گی۔

قیامت کے دن آپ ﷺ کے سفارش کرنے کا انداز:

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ایمان دار لوگوں کو روک لیا جائے گا' یہاں تک کہ وہ اس وجہ سے پریشان ہو کر کہیں گے کہ کاش! ہم کسی کو اپنے پروردگار کی خدمت میں سفارشی پیش کریں تاکہ وہ ہمیں اس سے نجات دلائے چنانچہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے' کہ آپ آدم ہیں اور سب کے باپ ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا' آپ کو جنت میں ٹھہرایا' ملائکہ سے آپ کو سجدہ کروایا اور آپ کو تمام چیزوں کے نام بتائے۔ آپ اپنے پروردگار کے حضور ہمارے لیے سفارش کریں تاکہ وہ ہمیں اس مصیبت سے نجات عطا فرمائے حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے کہ میرا یہ مقام نہیں ہے وہ عذر پیش کرتے ہوئے اپنی اس غلطی کا ذکر کریں گے جو انہوں نے ممنوعہ درخت سے تناول کر کے کی تھی جب کہ انہیں اس کے قریب جانے سے روکا گیا تھا۔ وہ فرمائیں گے کہ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ! وہ پہلے پیغمبر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر نبی بنا کر بھیجا۔ چنانچہ وہ نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ وہ جواب دیں گے کہ میرا یہ مقام نہیں ہے اور وہ اپنی اس غلطی کا ذکر کریں گے جس کے وہ مرتکب ہوئے۔ انہوں نے اپنے پروردگار سے اپنے بیٹے کے بارے میں علم کے بغیر سوال کیا تھا۔ وہ فرمائیں گے کہ تم ابراہیم خلیل الرحمٰن کے پاس جاؤ۔ آپ نے فرمایا' لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ جواب دیں گے' کہ میری یہ شان نہیں ہے اور وہ اپنے تین مرتبہ جھوٹ بولنے کا ذکر کریں گے' جو ان کی زبان سے نکلے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ' وہ ایسے بندے ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے تورات عطا کی اور اللہ تعالیٰ ان سے ہم کلام ہوئے اور ان سے قریب ہو کے سرگوشی فرمائی آپ ﷺ نے فرمایا تب لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ جواب دیں گے کہ میرا یہ مقام نہیں ہے۔ وہ اپنی اس غلطی کا تذکرہ کریں گے جو ایک شخص کو قتل کرنے کی صورت میں ان سے سرزد ہوئی تھی تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں' اس کے رسول ہیں' روح اللہ ہیں' اور اس کے کلمہ ہیں' آپ ﷺ نے فرمایا' تب لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی معذرت کریں گے' کہ میرا یہ مرتبہ نہیں ہے۔ تم حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں جاؤ! وہ ایسے بندے ہیں جن کے اللہ تعالیٰ نے پہلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا' چنانچہ لوگ میرے پاس آئیں گے' میں اپنے رب سے اس کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کروں گا چنانچہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجازت دے دی جائے گی جب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھوں گا تو سجدے میں گر پڑوں گا پس اللہ تعالیٰ مجھے سجدے میں پڑا رہنے دیں گے جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: محمد! سر اٹھاؤ اور کہو آپ کی بات کو سنا جائے گا اور سفارش کریں آپ کی سفارش قبول کی جائے گی اور مانگیں آپ کو عطا کیا جائے گا آپ نے فرمایا چنانچہ میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور میں اپنے رب کی پھر حمد وثنا بیان کروں گا' اس کے بعد میں سفارش کروں

گا‘ چنانچہ میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی ۔ میں واپس آؤں گا اور میں انہیں دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا پھر میں دوسری مرتبہ جاؤں گا اور اپنے رب سے اس کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کروں گا حاضری کی اجازت عطا کی جائے گی۔ جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو میں سجدے میں گر پڑوں گا۔ مجھے اللہ تعالیٰ سجدے میں رہنے دیں گے‘ جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے محمد! سر اٹھائیں اور عرض کریں‘ آپ کی بات سنی جائے گی اور سفارش کریں آپ کی سفارش قبول کی جائے گی اور سوال کریں آپ کا سوال پورا کیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور میں اپنے رب کی حمد وثناء بیان کروں گا جو اللہ تعالیٰ مجھے سکھلائے گا۔ پھر میں سفارش کروں گا‘ تو میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی‘ تو میں بارگاہِ عزت سے باہر آؤں گا اور میں لوگوں کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا پھر میں تیسری مرتبہ آؤں گا اور اپنے رب سے اس کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت چاہوں گا تو مجھے اس میں حاضری کی اجازت عطا کی جائے گی جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو میں سجدہ ریز ہو جاؤں گا پس مجھے اللہ تعالیٰ سجدے میں رہنے دیں گے‘ جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے کہ وہ مجھے سجدے میں رہنے دیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے‘ اے محمد! سر اٹھائیں اور بات کریں‘ آپ کی بات سنی جائے گی اور سفارش کریں آپ کی سفارش قبول کی جائے گی اور سوال کریں آپ کا سوال پورا کیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور میں اپنے رب کی حمد وثناء بیان کروں گا جو اللہ تعالیٰ مجھے سکھلائے گا۔ پھر میں سفارش کروں گا اور میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی تو میں بارگاہ رب العزت سے باہر آؤں گا اور میں دوزخیوں کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔ یہاں تک کہ دوزخ میں صرف وہی لوگ رہ جائیں گے‘ جن کو قرآن نے روک رکھا ہوگا‘ یعنی ان کے لیے دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ثابت ہو چکا ہوگا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ”عنقریب آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر فائز کرے گا اور یہی وہ مقام ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی سے وعدہ کر رکھا ہے۔“ [رواہ البخاری: باب قَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی (وُجُوْہٌ یَوْمَئِذٍ نَاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ)]

مسائل

۱۔ قیامت کا دن مقرر ہے۔ ۲۔ قیامت کے دن اللہ کے حکم کے بغیر کوئی بول نہیں سکے گا۔ ۳۔ محشر میں نیک وبد کو جمع کیا جائیگا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی بول نہیں سکے گا:

۱۔ اس دن اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی کلام نہیں کر سکے گا۔ (ھود: ۱۰۵)

۲۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی اس کی اجازت کے بغیر سفارش نہ کر سکے گا۔ (البقرۃ: ۲۵۵)

۳۔ قیامت کے دن اس کی اجازت کے بغیر کوئی کلام نہیں کر سکے گا۔ (النباء: ۳۸)

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا
پھر لیکن — وہ لوگ — بد بخت ہوں گے — پس میں — آگ — ان کے لیے — اس میں

زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ
چیخنا چلانا — اور دھاڑنا — وہ ہمیشہ رہیں گے — اس میں — جب تک رہیں گے — آسمانوں

وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ط اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ
اور زمین — مگر — جو وہ چاہے — آپ کا رب — یقیناً — آپ کا رب — کر گزرنے والا ہے

لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾
اس کو جو — وہ چاہتا ہے

”وہ جو بد بخت ہوئے سو وہ آگ میں ہوں گے ان کے لیے اس میں چیخنا چلانا اور دھاڑنا ہے۔“(۱۰۶)”وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں مگر جو تیرا رب چاہے۔ یقیناً تیرا رب جو چاہے، کرنے والا ہے۔“(۱۰۷)

فہم القرآن

ربط کلام: شقی یعنی بدعقیدہ اور برے اعمال والے لوگوں کا انجام۔

یہ بات پہلے بھی عرض کی ہے کہ قرآن مجید کا مستقل یہ اسلوب ہے کہ وہ نیک اور بد، اچھے اور برے، جنت اور جہنم کا ایک دوسرے کے ساتھ ذکر کرتا ہے تاکہ قرآن پاک کی تلاوت کرنے والا شخص بیک وقت اور برمحل فیصلہ کر سکے کہ اسے کونسا عقیدہ اور راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ اسی اسلوب کے مطابق یہاں نیک و بد کا بیک محل ذکر کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ کفر و شرک اور کبیرہ گناہوں کے مرتکب مجرموں کو دہکتی ہوئی آگ میں جھونکا جائے گا جس آگ کے بارے میں قرآن مجید بتلاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جلائی ہوئی آگ ہے جو لوگوں کے کلیجوں پر اتر جائے گی اور مجرموں کو آگ کے ستونوں کے ساتھ جکڑ دیا جائے گا۔(ابراہیم:۴۹)

اس آگ میں اس قدر جوش اور شدت ہوگی کہ اس سے گدھے کے ہینگنے کی طرح آوازیں نکلیں گی۔ ”زَفِيْرٌ“ گدھے کے ہینگنے کی ابتدائی آواز کو کہتے ہیں اور ”شَهِيْقٌ“ سے مراد گدھے کی وہ آواز ہے جب اسکے ہینگنے کا اختتام ہوتا ہے تو گلے کی آواز کے ساتھ اس کے سینے کی آواز بھی شامل ہو جاتی ہے۔ جہنم کی آگ کے جوش کی وجہ سے اس طرح آوازیں نکلیں گی۔ مجرم اس وقت تک جہنم میں رہیں گے جب تک زمین و آسمان قائم رہیں گے مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے۔ اللہ تعالیٰ وہی کچھ کرتا ہے جس کا وہ ارادہ فرماتا ہے۔ یہاں جہنمیوں کی سزا کی مدت کا ذکر کرتے ہوئے دو الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

۱۔ جب تک زمین و آسمان قائم رہیں گے جہنمی جہنم میں جلتے اور چلاتے رہیں گے۔ زمین و آسمان سے مراد دنیا کے زمین و آسمان نہیں ہیں یہ تو ختم کر دیئے جائیں گے۔ قرآن مجید وضاحت کرتا ہے کہ اس دنیا کے خاتمے کے ساتھ قیامت کے دن

دنیا کے زمین وآسمان کے علاوہ اورزمین وآسمان ہوں گے جن کے لیے کوئی فنا نہیں ہوگی ۔(ابراہیم:۴۸)

۲۔ اس فرمان میں دوسرے الفاظ ’’اِلَّامَاشَاءَ رَبُّکَ ‘‘استعمال فرمائے ہیں۔جن کا لفظی معنی ہے ’’مگر تیرا رب جس طرح چاہے‘‘ جس کا عمومی مفہوم یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاید کفار اور مشرکین کو بھی کسی وقت جہنم سے نکال لیا جائے گا۔اس بارے میں اہل علم کے ذاتی اقوال اور استنباط ہیں ۔کہ ایک مدت کے بعد کفار اور مشرکین کو بھی جہنم سے نکال لیا جائے گا۔جس کی قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں ملتی ۔البتہ عقیدۂ توحید رکھنے والے کبیرہ گناہوں کے مرتکب مجرموں کو ان کی سزا پوری ہونے کے بعد جنت میں داخلہ دیا جائے گا۔جس کے بارے میں قرآن وحدیث میں مستند دلائل موجود ہیں۔اس لیے اِلَّا مَاشَاءَ رَبُّكَ کا یہی مفہوم لینا چاہیے۔

((عَنْ أَبِي سَعِيدٍ ﷜قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺيُجَاءُ بِالْمَوْتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُ كَبْشٌ أَمْلَحُ ---يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ هَلْ تَعْرِفُونَ هَذَا فَيَشْرَئِبُّونَ وَيَنْظُرُونَ وَيَقُولُونَ نَعَمْ هَذَا الْمَوْتُ قَالَ وَيُقَالُ يَا أَهْلَ النَّارِ هَلْ تَعْرِفُونَ هَذَا قَالَ فَيَشْرَئِبُّونَ وَيَنْظُرُونَ وَيَقُولُونَ نَعَمْ هَذَا الْمَوْتُ قَالَ فَيُؤْمَرُ بِهِ فَيُذْبَحُ قَالَ ثُمَّ يُقَالُ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ وَيَا أَهْلَ النَّارِ خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ))[رواہ مسلم: کتاب الجنۃ]

’’حضرت ابوسعید ﷜بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا موت قیامت کے دن مینڈھے کی شکل میں لائی جائے گی۔ ابوکریب نے کچھ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں کہ اسے جنت اور جہنم کے درمیان روک لیا جائے گا۔پھر جنتیوں سے کہا جائے گا کیا تم اسے پہچانتے ہو تو وہ اسے پہچاننے کی کوشش کریں گے اور اس کی طرف دیکھیں گے اور کہیں گے ہاں یہ موت ہے ۔جہنمیوں سے کہا جائے گا کیا تم اسے پہچانتے ہو وہ بھی پہچاننے کی کوشش کریں گے ۔دیکھیں گے اور کہیں گے ہاں یہ موت ہے پھر حکم ہوگا اور اسے ذبح کر دیا جائے گا پھر کہا جائے گا اے جنتیو! جنت میں ہمیشہ رہو تمہیں موت نہیں آئے گی ۔اے جہنمیو! جہنم میں ہمیشہ رہو تمھیں بھی موت نہیں آئے گی ۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی اور انہیں حسرت والے دن سے ڈرائیے جب فیصلہ کیا جائے گا۔وہ غفلت میں ہیں اور ایمان نہیں لائیں گے۔‘‘

مسائل

۱۔ بدبخت جہنم میں جائیں گے۔ ۲۔ جہنم میں مجرم چیخ وپکار کریں گے۔

۳۔ جب تک اللہ چاہے گا مجرم جہنم میں رہیں گے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے سو کر سکتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

جہنم میں مشرک اور کفار کا ہمیشہ رہنا اور چلانا:

۱۔بدبخت لوگ جہنم میں ہمیشہ چیختے اور چلاتے رہیں گے۔(ھود:۱۰۶)۲۔مجرم لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔(الزخرف:۷۴)

۳۔ جولوگ ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں وہ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔(البقرۃ:۳۹)

۴۔ جولوگ اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔(الاعراف:۳۶)

وَاَمَّا	الَّذِيْنَ	سُعِدُوْا	فَفِي	الْجَنَّةِ	خٰلِدِيْنَ	فِيْهَا
اور لیکن	وہ لوگ	جو نیک بنائے گئے	پس میں	جنت	وہ ہمیشہ رہیں گے	اس میں
مَادَامَتِ	السَّمٰوٰتُ	وَالْاَرْضُ	اِلَّا	مَاشَآءَ	رَبُّكَ	
جب تک رہیں گے	آسمانوں	اور زمین	مگر	جو وہ چاہے	آپ کا رب	
عَطَآءً	غَيْرَ	مَجْذُوْذٍ ﴿١٠٨﴾				
عطا	نہ	ختم ہونے والی				

''اور لیکن جو خوش بخت ہوئے وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں۔ مگر جو تیرا رب چاہے۔ یہ ایسی عطا ہے جو ختم ہونے والی نہیں۔'' (۱۰۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنمیوں کے بعد نیک لوگوں کا تذکرہ اور ان کا انعام۔

ایک طرف جہنمی اپنے بُرے عقیدہ اور گھناؤنے اعمال کی سزا پاتے ہوئے جہنم کے دہکتے ہوئے انگاروں میں گدھے کی طرح آوازیں نکال رہے ہوں گے۔ دوسری طرف صحیح عقیدہ رکھنے اور اس کے مطابق نیک اعمال کرنے والے سعادت مند حضرات، اللہ تعالیٰ کی میزبانی اور جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اپنے رب کے شکریہ کے ترانے گا رہے ہوں گے۔ جب یہ لوگ ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے تو اظہارِ تشکر کے طور پر برملا اعتراف کریں گے کہ ہمارے رب نے ہمارے ساتھ دنیا میں جو وعدے کیے تھے۔ ان سے ہم کئی گنا زیادہ پا رہے ہیں۔ ان کے لیے یہ اعلان ہوگا کہ اب تم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت میں قیام اور آرام کرو گے۔ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نہ ختم ہونے والی عطا اور جزا کا سلسلہ جاری رہے گا۔ یہاں پھر ''اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ'' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں ''مَا شَآءَ'' کا معنیٰ عربی میں سَوَاءٌ کا بھی آتا ہے یعنی کسی چیز کے برابر ہونا جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح قیامت برپا ہونے کے بعد نئے زمین و آسمان کو دوام اور ہمیشگی ہوگی اسی طرح جنتیوں کا جنت میں ہمیشہ ہمیشہ قیام ہوگا۔

((عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ يَاْ كُلُوْنَ فِيْهَا وَيَشْرَبُوْنَ وَلَا يَتْفُلُوْنَ وَلَا يَبُوْلُوْنَ وَلَا يَتَغَوَّطُوْنَ وَلَا يَمْتَخِطُوْنَ قَالُوْا فَمَا بَالُ الطَّعَامِ قَالَ جُشَآءٌ وَرَشْحٌ كَرَشْحِ الْمِسْكِ يُلْهَمُوْنَ التَّسْبِيْحَ وَالتَّحْمِيْدَ كَمَا تُلْهَمُوْنَ النَّفَسَ)) [رواہ مسلم: باب فی صفات الجنة]

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم ﷺ نے ارشاد فرمایا' جنتی لوگ جنت میں خوب کھائیں

پئیں گے، نہ تھوکیں گے نہ پیشاب کریں گے نہ رفع حاجت کریں گے اور نہ ہی ناک بہائیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے استفسار کیا تو پھر کھانے کا فضلہ کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کھانے کا فضلہ ڈکار سے ختم ہو جائے گا ان کا پسینہ کستوری کا طرح ہوگا۔ اہل جنت کے دل میں سبحان اللہ، الحمدللہ کا الہام کیا جائیگا جیسے تمہاری سانس جاری رہتی ہے۔"

((عَنْ صُهَيْبٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى تُرِيْدُوْنَ شَيْئًا اَزِيْدُكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ اَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا اَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ قَالَ فَيُرْفَعُ الْحِجَابُ فَيَنْظُرُوْنَ اِلٰى وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَمَا اُعْطُوْا شَيْئًا اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ اِلٰى رَبِّهِمْ ثُمَّ تَلَا لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ)) [رواه مسلم: باب اثبات رؤية المؤمنين]

"حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تم مزید کسی نعمت کو چاہتے ہو، جو میں تمہیں عطا کروں۔ جنتی عرض کریں گے، کیا آپ نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں فرمایا اور دوزخ سے ہمیں نہیں بچایا ہے؟ آپ نے فرمایا، تب پردہ اٹھا دیا جائے گا۔ تمام جنتی ربّ العزت کے چہرے کا دیدار کریں گے۔ انہیں ایسی کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی ہوگی، جو پروردگار کی زیارت سے انہیں زیادہ محبوب ہو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "جن لوگوں نے اچھے عمل کیے ان کے لیے جنت ہے اور مزید بھی۔"

مسائل

۱۔ نیکوکار جنت میں جائیں گے۔ ۲۔ سعادت مند ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔
۳۔ جنتیوں پر اللہ کی عطا ہمیشہ جاری رہے گی۔

تفسیر بالقرآن

جنتیوں کا جنت میں قیام اور آرام ہمیشہ کے لیے ہوگا:

۱۔ نیک لوگ جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور جو کچھ اللہ نے ان کو عطا کیا ہے ختم نہ ہوگا۔ (ھود: ۱۰۸)
۲۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والوں کو ہمیشہ کیلئے جنت میں داخل کیا جائے گا۔ (الفتح: ۱۷)
۳۔ ایمان والے اور عمل صالح کرنے والے ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ (البقرۃ: ۸۲)
۴۔ ایمان والوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا جس میں نہریں بہتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (النساء: ۵۷)
۵۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والے کو جنت میں داخلہ نصیب ہوگا اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ (النساء: ۱۳)

فَلَا تَكُ	فِيْ	مِرْيَةٍ	مِّمَّا	يَعْبُدُ	هٰٓؤُلَآءِ ؕ	مَا
چنانچہ نہ ہوں آپ	میں	شک	اس سے جو	وہ عبادت کرتا ہے	یہ لوگ	نہیں
يَعْبُدُوْنَ	اِلَّا	كَمَا	يَعْبُدُ	اٰبَآؤُهُمْ	مِّنْ	قَبْلُ ؕ
وہ عبادت کرتے ہیں	مگر	جیسے	وہ عبادت کرتا ہے	ان کے باپ دادا	سے	پہلے
وَاِنَّا	لَمُوَفُّوْهُمْ	نَصِيْبَهُمْ	غَيْرَ	مَنْقُوْصٍ ؑ﴿۱۰۹﴾		
اور یقیناً ہم	ضرور پورا دیں گے انہیں	ان کا حصہ	نہیں	کم کیا گیا		

''پس آپ ان چیزوں کے بارے میں جن کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں کسی شک میں نہ رہیں۔ یہ لوگ عبادت نہیں کرتے مگر اسی طرح جیسے ان سے پہلے ان کے باپ دادا کرتے تھے اور یقیناً ہم انہیں ان کا حصہ پورا پورا دینے والے ہیں۔ جس میں کوئی کمی نہ ہوگی۔'' (۱۰۹)

فہم القرآن

ربط کلام: انبیاء کرام کی دعوت کی یاددہانی۔

جہنمیوں اور جنتیوں کی سزا، جزا سے پہلے مسلسل انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت اور اس کے ردّعمل کا ذکر ہو رہا تھا۔ جس کے آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی آویزش کا ذکر ہوا۔ اب درمیان میں رسول اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے توجہ دلائی جارہی ہے کہ اے نبی! جن کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں ان کے باطل ہونے کے بارے میں آپ کو کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ تو ان کی محض اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ ان سے پہلے ان کے باپ دادا عبادت کرتے آرہے ہیں۔ ہم ان کو کسی کمی وبیشی کے بغیر اس کا پورا پورا بدلہ چکائیں گے۔ اس فرمان میں بظاہر رسول اکرم ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے مگر تمام اہل علم کا نقطۂ نظر ہے کہ اصل مخاطب اس سے آپ کی امت ہے۔ جس کا مقصد مسئلہ توحید کی افادیت اجاگر کرنا ہے۔ یہ بات سامنے رہے کہ ہر دور کے مشرک اور کفار جنکی وہ عبادت کرتے ہیں۔ جب انہیں اس سے روکا جاتا ہے تو وہ یہ کہہ کر انکار کرتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے۔ یہ تو پتھر، مٹی یا لکڑی کے مجسمے ہیں۔ ہماری مراد تو ان کی ارواح ہیں۔ جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی قربت چاہتے ہیں اور یہ ہماری دعائیں اللہ کے حضور پیش کرتے ہیں۔ قرآن مجید اس طریقہ کو عبادت قرار دیتے ہوئے نہ صرف اس کی تردید اور مذمت کرتا ہے۔ بلکہ اسے اللہ کے ساتھ شرک قرار دیتا ہے۔ جو تمام گناہوں کا منبع اور سب سے بڑا ظلم اور جرم ہے۔ اس طرح کی عبادت کرنے والوں کو ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے گی۔ جس کے بارے میں فرمایا ہے کہ انہیں اس کا پورا پورا حصہ دیا جائے گا جس میں کوئی کمی نہ ہونے پائے گی۔

((عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ یَقُوْلُ اللّٰہُ لِاَھْوَنِ اَھْلِ النَّارِ عَذَابًا یَّوْمَ الْقِیَامَۃِ لَوْ اَنَّ لَکَ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَیْءٍ اَکُنْتَ تَفْتَدِیْ بِہٖ فَیَقُوْلُ نَعَمْ فَیَقُوْلُ اَرَدْتُّ مِنْکَ اَھْوَنَ مِنْ ھٰذَا وَاَنْتَ فِیْ صُلْبِ اٰدَمَ اَنْ لَّا تُشْرِکَ بِیْ شَیْئًا فَاَبَیْتَ اِلَّا اَنْ تُشْرِکَ بِیْ))[رواہ البخاری:باب خلق آدم]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دوزخیوں میں سے سب سے ہلکے عذاب والے سے پوچھیں گے اگر تیرے پاس زمین کی چیزوں میں سے کوئی چیز ہوتی تو کیا تو اسے اس عذاب سے چھٹکارے کے بدلے میں دے دیتا؟ وہ کہے گا کیوں نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے تجھ سے اس وقت بہت ہی معمولی مطالبہ کیا تھا۔ جب تو آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا' لیکن تو نے انکار کیا اور میرے ساتھ شریک ٹھہراتا رہا۔''

مسائل

۱۔ کفار اپنے اباء واجداد کے طور طریقہ پر معبودان باطل کی پرستش کرتے ہیں۔

۲۔ ہر کسی کو اس کے اعمال کی پوری جزا یا سزا ملے گی۔

تفسیر بالقرآن

ظالموں کو ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے گی:

۱۔ بے شک ہم ان کو ان کا حصہ بغیر کم و کاست دیں گے۔(ھود:۱۰۹)

۲۔ قیامت کے دن ہر آدمی کو اس کی کمائی کا پورا پورا صلہ دیا جائیگا۔(المومن:۱۷)

۳۔ قیامت کے دن کسی پر ظلم نہ کیا جائیگا اور ہر کسی کو اس کے اعمال کے مطابق صلہ دیا جائیگا۔(یٰس:۵۴)

۴۔ جو آدمی برائیاں کرتا رہا اس کو اسی کی مثل سزا دی جائیگی۔(المومن:۴۰)

۵۔ اللہ بُروں کو ان کی برائی کی ٹھیک ٹھیک سزا دے گا۔(النجم:۳۱)

۶۔ قیامت کے دن تمہیں اسی چیز کا بدلہ دیا جائے گا جو تم عمل کرتے ہو۔(النمل:۹۰)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا
اور البتہ تحقیق | ہم نے دی | موسیٰ | کتاب | تو اختلاف کیا گیا | اس میں | اور اگر نہ ہوتی

كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ
ایک بات | جو گزر ہو چکی ہے | سے | آپ کے رب | ضرور فیصلہ کر دیا جاتا | ان کے درمیان | اور بے شک وہ

لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝۱۱۰ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا
البتہ | شک میں | اس سے | بے قرار کرنے والا ہے | اور یقیناً | تمام | اس وقت

لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۱۱
البتہ وہ ضرور پوری جزا دے گا ان کو | آپ کا رب | ان کے عمل | بے شک وہ | ساتھ اس کے جو | وہ عمل کرتے ہیں | خوب خبردار

''اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب دی پھر اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر یہ بات نہ ہوتی جو تیرے رب کی طرف سے پہلے ہو چکی ہے تو ان کے بارے میں ضرور فیصلہ کر دیا جاتا اور یقیناً لوگ اس کے بارے میں بے قرار رکھنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔'' (۱۱۰) ''اور بے شک جب ان کے لیے وقت آئے گا تو تیرا رب یقیناً انہیں ضرور پوری جزا دے گا۔ بے شک جو وہ کر رہے ہیں اس سے وہ پوری طرح باخبر ہے۔'' (۱۱۱)

فہم القرآن

ربط کلام : چند آیات پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے مقابلہ میں فرعون کا ردِ عمل اور اس کا انجام ذکر ہوا تھا اور اب پھر موسیٰ علیہ السلام کا حوالہ دے کر سورہ ھود کا اختتام ہو رہا ہے۔

فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور ان کے معجزات کا انکار کیا تھا۔ فرعون سے آزادی ملنے کے بعد جب بنی اسرائیل کو تختیوں کی شکل میں مفصل کتاب عنایت کی گئی تو انہوں نے یہ کہہ کر تورات کا انکار کیا کہ ہم اس وقت تک اس کے منجانب اللہ ہونے کا اقرار نہیں کریں گے۔ جب تک ہم براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل نہ کرلیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بہت سمجھایا مگر وہ اپنی بات پر مصر رہے۔ تب مجبور ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی۔ جس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام قوم کے ستر (۷۰) نمائندوں کو لے کر کوہِ طور پر گئے وہاں ان لوگوں کو ایک مختصر مدت کے لیے موت نے آلیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے نتیجہ میں انہیں پھر زندگی عطا ہوئی تفصیل جاننے کیلئے الاعراف ۱۵۵ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔ فرعون اور بنی اسرائیل کی طرح ہی اہل مکہ اور یہود و نصاریٰ

قرآن مجید کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔ اور بری طرح اس کتاب کے بارے میں ذہنی کشمکش کا شکار ہیں۔ آپ کا رب انہیں ان کے کردار کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ کیونکہ وہ ان کے فکروعمل سے پوری طرح باخبر ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے مجرموں کی گرفت کا ایک اصول بیان فرمایا ہے وہ یہ کہ قرآن مجید کے بارے میں اختلاف کرنے والے اور باغی، اللہ کی گرفت اور دسترس سے باہر نہیں ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی سزا اور جزا کا وقت مقرر کر رکھا ہے جب یہ وقت پورا ہو جائے تو ہر کسی کو اس کے فکروعمل کے مطابق دنیا میں ہی کچھ نہ کچھ جزا یا سزا مل جاتی ہے۔ البتہ کچھ لوگوں کی رسی اللہ تعالیٰ اس قدر دراز کر دیتا ہے انہیں دنیا میں کوئی خاص سزا نہیں ملتی۔ ایسے لوگوں کو ان کی موت کے بعد ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے گی۔

مسائل

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کتاب دی۔

۲۔ تورات کے بارے میں یہودیوں نے اختلاف کیا۔

۳۔ کفار کتاب اللہ کے متعلق شک میں مبتلا رہتے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو ان کے اعمال کا پورا بدلہ دے گا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ سب کے اعمال کی خبر رکھنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

جزاوسزا کا ایک وقت مقرر ہے:

۱۔ تیرے پروردگار کی طرف سے اگر ایک بات پہلے سے مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ (ھود: ۱۱۰)

۲۔ اگر تیرے پروردگار کی طرف سے پہلے سے بات مقرر نہ چکی ہوتی تو ان کے اختلافات کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ (یونس: ۱۹)

۳۔ اگر تیرے رب کے کلمات سبقت نہ لے چکے ہوتے تو ان لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ (حم السجدۃ: ۴۵)

۴۔ تیرے رب کے کلمات اگر سبقت نہ لے جا چکے ہوتے تو ان کے درمیان فیصلہ ہو جاتا۔ (الشوریٰ: ۱۴)

۵۔ اگر ایک بات کی تمہارے پرودگار کی طرف سے میعاد مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو عذاب لازم ہو جاتا۔ (طٰہٰ: ۱۲۹)

۶۔ اس دن سے ڈر جاؤ جس دن تمہیں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ (البقرۃ: ۲۸۱)

فَاسْتَقِمْ	كَمَآ	اُمِرْتَ	وَمَنْ	تَابَ	مَعَكَ	وَلَا	تَطْغَوْا ط
چنانچہ تو قائم	جس طرح حکم دیا گیا ہے		اور وہ	اس نے توبہ کی	آپ کیساتھ	اور نہ	تم سرکشی کرو

اِنَّهٗ	بِمَا	تَعْمَلُوْنَ	بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾	وَلَا	تَرْكَنُوْٓا	اِلَى
یقیناً وہ	ساتھ اس کے	تم عمل کرتے ہو	خوب دیکھنے والا	اور نہ	تم جھکو	طرف

الَّذِيْنَ	ظَلَمُوْا	فَتَمَسَّكُمُ	النَّارُ	وَمَا	لَكُمْ	مِّنْ	دُوْنِ
وہ لوگ	انہوں نے ظلم کیا	پس وہ پہنچے گی تمھیں	آگ	اور نہیں	تمھارے لیے	سے	سوائے

اللّٰهِ	مِنْ	اَوْلِيَآءَ	ثُمَّ	لَا	تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾
اللہ	کوئی	دوست	پھر	نہ	تم مدد کیے جاؤ گے

''پس جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے قائم رہیے اور وہ لوگ بھی جنہوں نے تیرے ساتھ توبہ کی اور تم سرکشی نہ کرو۔ یقیناً تم جو بھی عمل کرتے ہو وہ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔'' (۱۱۲) ''اور ان کی طرف نہ جھکنا جنہوں نے ظلم کیا ورنہ تمہیں آگ آلے گی اور اللہ کے سوا کوئی دوست نہیں ہوں گے۔ تمہیں مدد نہ دی جائے گی۔'' (۱۱۳)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار کے ردعمل کے مقابلہ میں نبی اکرم ﷺ کو استقامت اختیار کرنے کا حکم۔

کفار، مشرکین اور یہود و نصاریٰ اس حد تک آپ کی مخالفت پر اتر آئے تھے کہ آپ کو صادق و امین ماننے کے باوجود آپ کو کذّاب اور جادوگر قرار دیتے تھے۔ جس کا بحیثیت انسان آپ کو بہت رنج ہوتا تھا۔ آپ کی ڈھارس بندھانے اور مستقل مزاجی کا سبق دینے کے لیے آپ ﷺ اور آپ کے متبعین کو مسلسل ہدایات دی گئی ہیں۔

۱۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس پر قائم رہیے۔

۲۔ کسی حال میں بھی اللہ کی نازل کردہ وحی سے سرتابی نہیں کرنی۔

۳۔ ہر دم یہ خیال رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

۴۔ ظالموں کی طرف کسی حال میں بھی جھکاؤ نہیں ہونا چاہیے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خیر خواہ اور مدد کرنے والا نہیں ہوتا۔

استقامت کا معنٰی ہے کسی طرف جھکنے کی بجائے سیدھا کھڑے رہنا۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ ایک داعی نہ کسی قسم کے دباؤ کی پرواہ کرے اور نہ ہی کسی مفاد اور لالچ کے سامنے جھکے۔ ایسا شخص ہی صحیح معنوں میں حق کا ترجمان اور اس کا پاسبان ہوسکتا ہے۔

اس کی مزید وضاحت کے لیے ’’وَلَاتَرْکَنُوْا‘‘ کے الفاظ استعمال فرمائے۔ جس کا معنی ہے کہ دنیا کا کوئی خوف آپ اور آپ کے متبعین کو باطل کے سامنے جھکنے پر مجبور نہ کر سکے۔ اگر تم لوگ جھک گئے تو پھر تمہیں جہنم کی آگ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی تمہارا خیر خواہ اور مددگار نہیں ہوسکتا۔ ظلم سے پہلی مراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ جس کی سزا جہنم ہوگی۔

ترکنو کا لغوی معنی ہے: محبت اور دلی میلان۔ اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ ظالموں کی خوشامد مت کرو۔ (ضیاء القرآن، ج۲، ص:۳۹۶)

((عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا نَزَلَتِ ﴿**الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ**﴾ قَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم أَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ فَأَنْزَلَ اللّٰہُ ﴿**إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ**﴾)) [رواہ البخاری: کتاب الایمان]

’’حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے ہم میں سے کون ہے جو ظلم نہیں کرتا یعنی ہر انسان سے غلطی ہو جاتی ہے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ’’یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔‘‘

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ)) [رواہ البخاری: باب الظلم]

’’حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظلم قیامت کے دن اندھیرے ہوں گے۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ کے حکم پر استقامت اختیار کرنی چاہیے۔ ۲۔ حق کے داعی کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بغاوت نہیں کرنی چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ ۴۔ ظالموں کی طرف جھکاؤ نہیں کرنا چاہیے۔

۵۔ اللہ کے علاوہ کوئی رفیق اور مدد کرنے والا نہیں ہے۔

تفسیر بالقرآن

ظلم اور ظالم:

۱۔ ظالموں کی طرف نہ جھکیں ورنہ تمہیں بھی جہنم کی آگ چھوئے گی۔ (ھود:۱۱۳)

۲۔ اللہ کی مساجد کو ویران کرنے والا ظالم ہے۔ (البقرۃ:۱۱۴) ۳۔ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ (لقمان:۱۳)

۴۔ نبی کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا ظالم ہے۔ (الانعام:۹۳)

۵۔ اللہ کی آیات کو جھٹلانے والا ظالم ہے۔ (الاعراف:۳۷)

۶۔ اللہ نے بستیوں والوں کو ظلم کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔ (یونس:۱۳)

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيۡلِ ؕ

اور قائم | نماز | طرفین | دن | اور کچھ گھڑیوں | سے | رات

اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكۡرٰى لِلذّٰكِرِيۡنَ ۝۱۱۴

بلاشبہ | نیکیاں | وہ دور کر دیتی ہیں | برائیوں کو | یہ | نصیحت | یاد رکھنے والوں کے لیے

''اور دن کے دونوں کناروں میں اور رات کی کچھ گھڑیوں میں نماز قائم کرو یقیناً نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ یہ یاد رکھنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔'' (۱۱۴)

فہم القرآن

ربط کلام: داعی کے لیے مزید ہدایات۔

حلقہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد پہلا فرض مسلمان پر جو عائد ہوتا ہے۔ وہ پانچ وقت کی نماز کی ادائیگی ہے۔ یہ وہ فرض ہے جو ہوش وحواس قائم ہونے کی صورت میں مسلمان پر لازم ہے۔ نماز ایسا فرض ہے جس کی سب سے زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ یہاں ایک خاص پس منظر کے تحت اس کی ادائیگی کا حکم دیا اور اس کا یہ عظیم فائدہ بیان فرمایا ہے کہ نماز کی ادائیگی سے انسان کی برائیاں دور ہو جاتی ہیں۔ یہ فائدہ اور نصیحت ان لوگوں کے لیے ہے جو اس سے مستفیض ہونے کی کوشش اور تمنا رکھتے ہیں۔ یہاں غم اور برائیوں سے بچنے کے لیے نماز کی ادائیگی کے دو اوقات ذکر کیے ہیں۔ جن کے بارے میں جمہور اہل علم کا خیال ہے کہ ان سے مراد صبح اور مغرب کی نماز کا وقت ہے۔ بعض اہلِ علم نے یہ نقطہ بھی اٹھایا ہے کہ '' زُلف '' کی جمع زُلفاً ہے جو عربی میں جمع کا لفظ کم از کم تین کے لیے بولا جاتا ہے۔ لہٰذا اس میں عشاء کی نماز بھی شامل ہے۔ بہر حال حکم یہ ہے کہ دن کے اطراف یعنی اختتام اور آغاز پر نماز کا اہتمام کیجیے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمان نماز کے تقاضے پورے کرتے ہوئے صبح شام کی نماز ادا کرے تو رات کی پریشانیاں صبح کی نماز کے وقت اور دن بھر کی غمناکیاں مغرب کی نماز کی ادائیگی کے ساتھ ہلکی ہو جائیں گی۔ نماز پڑھنے سے گناہ دور ہونے کے دو مفہوم ہیں۔ سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اگر نماز کے تقاضے پیش نظر رہیں تو آدمی آئندہ کے گناہوں سے بھی بچ جاتا ہے۔

((عَنۡ أَبِی هُرَیۡرَةَ ﷛ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ الصَّلَوَاتُ الۡخَمۡسُ وَالۡجُمُعَةُ إِلَی الۡجُمُعَةِ كَفَّارَاتٌ لِمَا بَيۡنَهُنَّ)) [رواہ مسلم: کتاب الطهارة، باب الصَّلَوَاتُ الۡخَمۡسُ وَالۡجُمُعَةُ إِلَی الۡجُمُعةِ

''حضرت ابوہریرہ ﷛ سے بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا پانچ نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک کفارہ ہیں ان گناہوں کا، جو ان کے درمیان سرزد ہوتے ہیں۔

((عَنِ ابۡنِ مَسۡعُودٍ ﷛ أَنَّ رَجُلًا أَصَابَ مِنَ امۡرَأَةٍ قُبۡلَةً فَأَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَأَخۡبَرَهُ فَأَنۡزَلَ اللّٰهُ

﴿أَقِمِ الصَّلاَةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَلِي هَذَا قَالَ لِجَمِيعِ أُمَّتِي كُلِّهِمْ)) [رواہ البخاری: کتاب مواقیت الصلاۃ، باب الصلاۃ کفارۃ]

”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کسی عورت کا بوسہ لیا۔ پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اوراپنے گناہ کے بارے میں بتلایا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (نماز قائم کرو دن کے کناروں میں اوررات کی گھڑیوں میں بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں) پھراس آدمی نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول! یہ میرے لیے ہے یا تمام امت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام امت کے لیے۔“

”حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اوقات کے بارے میں سوال کیا۔ آپ فرماتے ہیں تم ہمارے ساتھ دو دن نمازیں ادا کرو۔ پہلے دن جب سورج ڈھلا ہی تھا تو بلال کو اذان کا حکم دیا۔ اس کے بعد اقامتِ ظہر ہوئی پھر بلال رضی اللہ عنہ کو نماز عصر کی اقامت کا حکم فرمایا جبکہ سورج کافی بلند اور دھوپ تیز تھی پھر سورج غروب ہوتے ہی مغرب کی نماز کھڑی فرمائی ابھی سورج کی سرخی ختم ہونے ہی پائی تھی تو عشاء کی نماز قائم کرنے کا حکم فرمایا۔ پھر صبح کی نماز کا حکم دیا جبکہ فجر ابھی نمودار ہی ہوئی تھی۔ جب دوسرا دن ہوا تو بلال رضی اللہ عنہ کو نماز ظہر ٹھنڈی کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اس نے خوب ٹھنڈے وقت میں اذان کہی۔ نماز عصر تاخیر سے ادا فرمائی اسے پہلے دن سے قدرے مؤخر کیا لیکن سورج ابھی بلندی پر تھا۔ نماز مغرب سورج کی روشنی کے آثار ختم ہونے سے پہلے ادا کی۔ جب رات کا تیسرا حصہ گزر گیا تو نمازِ عشا ادا کی گئی، نماز فجر اس وقت ادا کی جب صبح کی روشنی خوب پھیل چکی تھی۔ اب ارشاد ہوا کہ نمازوں کے اوقات پوچھنے والا کہاں ہے؟ وہ عرض کرتا ہے کہ اللہ کے رسول میں حاضر ہوں۔ فرمایا کہ تمہاری نمازوں کے وقت ان اوقات کے درمیان ہیں۔“ [رواہ البخاری: کتاب مواقیت الصلوٰۃ]

مسائل

١۔ نمازوں کی پابندی کرنے کا حکم ہے۔ ٢۔ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

٣۔ نصیحت حاصل کرنے والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

نماز کے اوقات اور فوائد:

١۔ نماز کی پابندی کیجیے دن کے دونوں کناروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ (العنکبوت: ۴۵)

٢۔ جو لوگ اللہ کی خوشنودی کیلئے صبر کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں ہم ان کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ (الرعد: ٢٢)

٣۔ نماز قائم کرنے والوں پر کسی قسم کا خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے۔ (البقرۃ: ٢٧٧)

۴۔ اگر کفار توبہ کریں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ (التوبۃ: ۵)

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾	اَجْرَ	لَا يُضِيْعُ	اللّٰهَ	فَاِنَّ	وَاصْبِرْ
نیکی کرنے والے	اجر	وہ نہیں ضائع کرتا	اللہ	تو یقیناً	اور آپ صبر کر

''اور صبر کرو کہ یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔'' (۱۱۵)

فہم القرآن

ربط کلام: مبلّغ کو ساتویں ہدایت۔

صبر کا جامع معنی ہے کہ ایک مسلمان ہر حال میں شریعت کے قواعد وضوابط کی پابندی کرتا رہے اور ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے حضور صبر وشکر کا مظاہرہ کرے۔ لیکن سیاق وسباق کے حوالے سے یہاں صبر کا معنی یہ ہے کہ ایک داعی اور مسلمان پریشانیوں اور مشکلات کے مقابلے میں اپنا حوصلہ قائم رکھے۔ ایسے صابر شخص کو تسلی دینے کے ساتھ خوشخبری سنائی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا اجر کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ صبر بے بسی اور بے کسی کا نام نہیں۔ صبر قوت برداشت' قوت مدافعت کو بحال رکھنے اور طبیعت کو شریعت کا پابند بنانے کا نام ہے۔ دشمن کے مقابلے میں جرأت' بہادری اور مستقل مزاجی کے ساتھ مسائل ومصائب کا سامنا کرنے سے مسائل حل ہوتے ہیں، آخرت میں بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخلہ نصیب ہوگا اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رفاقت ودستگیری حاصل ہوگی۔

مسائل

۱۔ صبر اختیار کرنے کا حکم ہے۔ ۲۔ نیکوکاروں اور صبر کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔

تفسیر بالقرآن

صبر کی حقیقت اور اس کا اجر:

۱۔ صبر کیجیے اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (ھود:۱۱۵) ۲۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ:۱۵۳)

۳۔ صبر کرنے والے کامیاب ہوں گے۔ (المومنون:۱۱۱) ۴۔ صبر کرنے والے کی آخرت اچھی ہوگی۔ (الرعد:۲۴)

۵۔ صبر کرنے والوں کو جنت میں سلامتی کی دعائیں دی جائیں گی۔ (الفرقان:۷۵)

۶۔ صبر کرنے والے بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ (الزمر:۱۰)

۷۔ اگر تم صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہترین چیز ہے۔ (النحل:۱۲۶)

۸۔ صبر کرو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (الانفال:۴۶)

۹۔ بہت سی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ:۲۴۹)

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ

پھر کیوں نہ تھا وہ سے امتوں تم سے پہلے والے عقل وبصیرت

يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا

وہ روکتے ہیں سے فساد میں زمین مگر

قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

تھوڑے جنہیں ہم نے نجات دی انہیں ان میں سے اور پیچھے لگے وہ لوگ انہوں نے ظلم کیا

مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ

کہ وہ آسودگی دیے گئے اس میں اور تھے وہ مجرم اور نہیں ہے

رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

آپ کا رب کہ وہ ہلاک کرے بستیوں کو ظلم سے ان کے رہنے والے اصلاح کرنے والے ہوں

”پھر ان امتوں میں سے جو تم سے پہلے تھیں عقل وبصیرت والے لوگ کیوں نہ ہوئے۔ جو زمین میں فساد سے منع کرتے سوائے تھوڑے سے لوگوں کے جنہیں ہم نے ان میں سے نجات دی۔ اور جو ظالم تھے وہ ان چیزوں کے پیچھے لگے رہے جن کے سامان اُنھیں فراوانی کے ساتھ دیے گئے اور وہ مجرم تھے۔“ (۱۱۶) ”اور آپ کا رب ایسا نہ تھا کہ بستیوں کو ظلم سے ہلاک کر دے اس حال میں کہ اس کے رہنے والے اصلاح کرنے والے ہوں۔“ (۱۱۷)

فہم القرآن

ربط کلام: پہلی اقوام کی تباہی کے دو بنیادی اسباب۔

اس سورۂ مبارکہ میں حضرتِ نوح، حضرتِ ھود، حضرتِ لوط، حضرتِ صالح، حضرتِ شعیب، اور حضرتِ موسیٰ ﷩ کی اقوام کی تباہی اور اس کی وجوہات کا ذکر کیا گیا ہے۔ آخر میں موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں فرعون کا انجام بیان کرنے کے بعد سرورِ دو عالم کو مخاطب کرتے ہوئے آپ اور آپ کی امّت کے مبلغین کو چند بنیادی ہدایات دیتے ہوئے فرمایا کہ حق کے راستے میں آنے والی ذہنی جسمانی اور مالی مشکلات پر صبر کرتے رہیے۔ اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کسی نیکی کرنے والے کے اجر وثواب کو ضائع نہیں کرتا۔ اس کے بعد پہلی اقوام کی تباہی کے دو بنیادی اسباب کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کہ ان لوگوں میں انبیاء کرام ﷩ کی بے مثال اور انتھک کوشش کے باوجود ایسے لوگ کیوں نہ تیار ہوئے جو ان کو ملک میں دنگا فساد کرنے سے روکتے۔ جنہوں نے دنیا پرست ظالموں کی پیروی کی اور مجرمانہ طرزِ عمل اختیار کیا۔ ان کی تباہی کا سبب ان کا اپنا کردار تھا۔ اگر یہ اپنے آپ پر ظلم نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ کبھی انہیں اس انجام سے دوچار نہ کرتا کیونکہ وہ اصلاح کرنے والوں کو کبھی ہلاک نہیں کرتا۔ کسی قوم کی بقا

اوراس کے ارتقاء کے لیے لازم ہے کہ اس میں اصلاح احوال کے لیے ایک منظم جماعت موجود ہو۔اللہ تعالیٰ افراد کی انفرادی اور ذاتی کمزوریوں سے درگزر کر لیتا ہے لیکن جب انفرادی کمزوریاں جرائم کی صورت اختیار کرتے ہوئے اجتماعی شکل اختیار کر لیں اور ان کی اصلاح کرنے والی کوئی منظم جماعت بھی پیدا نہ ہو۔تو اس قوم کا وجود دنیا میں کینسر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔جس کے منفی اثرات ہر جاندار یہاں تک کہ بلوں میں رہنے والی چیونٹیاں بھی محسوس کرتی ہیں۔اس صورت حال کو بدلنے اور دنیا کے نظام کو متوازن اور ہموار رکھنے کے لیے ظالم قوم کو تباہی کے گھاٹ اتار کر انبیاء اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا جاتا ہے۔عذابِ عام کے وقت نیک لوگوں کو بچانے کا وعدہ انبیاء اکرام کی ذات کے ساتھ مشروط ہوا کرتا تھا۔جب تک نبی کسی قوم میں موجود ہو اللہ تعالیٰ اس کی موجودگی میں بد سے بدترین قوم پر بھی عذاب نازل نہیں کرتا۔جس کا ثبوت انبیاء کرام یکے بعد دیگرے رخصت ہو چکے۔اب اللہ تعالیٰ کا اصول یہ ہے وہ چاہے تو برے لوگوں کے ساتھ نیک لوگ بھی اس تباہی اور عذاب میں سپرد خاک ہو جائیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم:

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ محترم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا' تم میں سے جو برائی دیکھے اسے چاہیے کہ وہ اس کو اپنے ہاتھ سے روکے۔اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے' اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پھر کم از کم دل سے نفرت کرے۔یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔'' [رواہ مسلم: باب امر بالمعروف]

مسائل

۱۔ سابقہ امم میں فساد سے روکنے والے لوگ بہت کم تھے۔ ۲۔ ظالموں کو دنیا کی عیش پرستی سے فرصت نہیں ملتی۔
۳۔ اللہ تعالیٰ اصلاح کرنے والوں کو ہلاک نہیں کرتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا:

۱۔ اللہ کسی پر کوئی ظلم نہیں کرتا۔(یونس:۴۴)
۲۔ بے شک اللہ کسی پر رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔(النساء:۴۰)
۳۔ اللہ اپنے بندوں کے ساتھ ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔(المومن:۳۱)
۴۔ بے شک اللہ بندوں کے ساتھ ظلم نہیں کرتا۔(الحج:۱۰)
۵۔ قیامت کے دن ہم عدل وانصاف کا ترازو قائم کریں گے اور کسی جان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔(الانبیاء:۴۷)
۶۔ جو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو اس کا تمہیں پورا پورا صلہ دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔(البقرۃ:۲۷۲)
۷۔ اللہ ان پر ظلم نہیں کرتا لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کرتے ہیں۔(التوبۃ:۷۰۔العنکبوت:۴۰۔الروم:۹)

وَلَوْ	شَآءَ	رَبُّكَ	لَجَعَلَ	النَّاسَ	اُمَّةً وَّاحِدَةً
اوراگر	چاہتا	آپ کا رب	توضرور بنا دیتا	لوگ	امت ایک

وَّلَا يَزَالُوْنَ	مُخْتَلِفِيْنَ ۝۱۱۸	اِلَّا	مَنْ	رَّحِمَ	رَبُّكَ
وہ ہمیشہ رہیں گے	اختلاف کرنے والی	سوائے	جن پر	رحم کیا	آپ کے رب

وَلِذٰلِكَ	خَلَقَهُمْ	وَتَمَّتْ	كَلِمَةُ	رَبِّكَ	لَاَمْلَئَنَّ
اوراسی لیے	اس نے انہیں پیدا کیا	اور پوری ہوئی	بات	آپ کے رب کی	میں ضرور بھروں گا

جَهَنَّمَ	مِنَ	الْجِنَّةِ	وَالنَّاسِ	اَجْمَعِيْنَ ۝۱۱۹	
جہنم کو	سے	جنوں	اورانسانوں	سب (تمام)	

''اوراگرآپ کا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا اور وہ ہمیشہ مختلف رہیں گے۔'' (۱۱۸) ''مگر وہی بچیں گے جن پر تیرا رب رحم کرے اوراس نے ان کو اسی لیے پیدا کیا اور تیرے رب کی بات پوری ہوگی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے ضرور بھروں گا۔'' (۱۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: لوگوں کی ہدایت اور گمراہی کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا اصول اوراس کی مشیّت۔

اس سے پہلے آیت نمبر ۱۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر اپنے حبیب ﷺ کو صبر کی تلقین فرمائی کہ حوصلہ رکھیے اور صبر کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے اجر کو کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ یہاں دوسرے پیرائے میں نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ کے رب کا اصول اوراس کی مشیت ہے کہ اس نے لوگوں کو جبراً ایک امت نہیں بنایا یعنی ہدایت پر اکٹھا نہیں کیا اسی اصول کے پیش نظر لوگ ہمیشہ سے حق والوں کے ساتھ اختلاف کرتے آئے ہیں اور تا قیامِ قیامت اختلاف کرتے رہیں گے سوائے اس فرد اور جماعت کے جس پر آپ کا رب رحم فرمادے۔

لوگوں کے اختلافات کی فطری وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مختلف طبائع کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ آپ کے رب کا فرمان سچ ثابت ہوگا کہ وہ بے شمار باغی جنوں اور انسانوں کے ساتھ جہنم کو بھرے گا۔ قرآن مجید میں یہ اصول مختلف الفاظ میں کئی مرتبہ بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہدایت کے بارے میں کسی پر جبر نہیں کرتا۔ اس نے ہر انسان کو عقل وفکر اور ایک حدتک آزادی عنایت فرمائی کہ جس میں رہ کر ہر انسان کو کفر وشرک، ہدایت اور گمراہی کے درمیان فیصلہ کرنا ہے۔ یہ آزادیٔ فکر اس لیے عنایت کی ہے کیونکہ اس نے انسان کو عقل وفکر کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ لیکن اس کا یہ معنٰی نہیں کہ کچھ انسان فطری طور پر گمراہ پیدا ہوتے ہیں۔ جس وجہ سے وہ زندگی بھر گمراہی کا راستہ اختیار کیے رکھتے ہیں ایسا

ہرگزنہیں کیونکہ اللہ نے انسان کوفطری طور پر حق اور ہدایت پر پیدا فرمایا ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ ایک انسان میں طبیعت کے بعض پہلوؤں کے اعتبار سے منفی قوت زیادہ ہوتی ہے جو اس کے لیے بطور آزمائش ہوتی ہے۔منفی قوت پر قابو پانے اور آزمائش میں سرخرو ہونے میں ہی کامیابی ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عقل وشعور کی قوت دینے کے ساتھ قرآن وسنت کی شکل میں مفصل ہدایت نامہ عطا فرمایا ہے تاکہ ہر انسان اس کے مطابق اپنی منفی قوتوں پر قابو پائے اور طبعی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ہدایت کے راستے پر گامزن رہے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِیْمَةُ بَهِیْمَةً جَمْعَآءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِیْهَا مِنْ جَدْعَآءَ ثُمَّ یَقُوْلُ "**فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ**")) [رواه البخاری :باب اذااسلم الصبی فمات]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔اس کے والدین اس کو یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جس طرح چار پائے اپنے بچے کو تام الخلقت جنم دیتے ہیں۔کیا تم ان میں سے کسی بچے کو کان کٹا پاتے ہو؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت تلاوت کی۔''اللہ کی فطرت ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہے یہ بالکل سیدھا اور درست دین ہے۔''

مسائل

۱۔ اختلاف کرنے والے ہمیشہ موجود رہیں گے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کی ہر بات پوری ہوتی ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ جس پر رحمت فرماتا ہے وہ حق کے ساتھ اختلاف کرنے سے اجتناب برتتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ باغی جنوں اور انسانوں سے جہنم کو بھریں گے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کسی کو جبراً ہدایت نہیں دیتا:

۱۔ اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن لوگ ہمیشہ ہی اختلاف کرتے رہیں گے۔(ھود:۱۱۸)

۲۔ اگر اللہ چاہتا تو انہیں ہدایت پر جمع فرما دیتا پس آپ جاہلوں میں سے نہ ہوں۔(الانعام:۳۵)

۳۔ اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ضرور ہدایت دیتا۔(الانعام:۱۴۹)

۴۔ اگر تیرا رب چاہتا تو سارے کے سارے لوگ مومن ہو جاتے۔(یونس:۹۹)

۵۔ اللہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔(البقرۃ:۲۱۳)

وَكُلًّا	نَّقُصُّ	عَلَيْكَ	مِنْ	اَنْۢبَآءِ	الرُّسُلِ	مَا نُثَبِّتُ
اور ہرایک	ہم بیان کرتے ہیں	آپ پر	سے	خبریں	رسولوں	کہ مضبوط رکھتے ہیں ہم
بِهٖ	فُؤَادَكَ ج	وَجَآءَكَ	فِيْ	هٰذِهِ	الْحَقُّ	وَمَوْعِظَةٌ
اس کے ساتھ	آپ کا دل	اور وہ آیا آپ کے پاس	میں	یہ	حق	اور نصیحت
وَّذِكْرٰى	لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾	وَ قُلْ	لِّلَّذِيْنَ	لَا	يُؤْمِنُوْنَ	
اور یاددہانی	مومنوں کے لیے	اور فرمادیجیے	ان لوگوں کے لیے	نہیں	ایمان لاتے	
اعْمَلُوْا	عَلٰى	مَكَانَتِكُمْ ط	اِنَّا	عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾	وَانْتَظِرُوْا ج	
تم عمل کرو	پر	اپنی جگہ	بلاشبہ ہم	عمل کرنے والے ہیں	اور تم انتظار کرو	
اِنَّا	مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾					
بلاشبہ ہم	انتظار کرنے والے ہیں					

''اور رسولوں کی خبروں میں سے ہر وہ خبر جو ہم تجھ سے بیان کرتے ہیں وہ ہے جس سے ہم تیرے دل کو مضبوط کرتے ہیں اور تیرے پاس ان خبروں میں سے حق بات اور مومنوں کے لیے ایک نصیحت اور یاددہانی ہے۔'' (۱۲۰) ''اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان سے فرمادیں تم اپنی جگہ عمل کرو۔ یقیناً ہم بھی اپنی جگہ عمل کرنے والے ہیں۔'' (۱۲۱) ''اور انتظار کرو، یقیناً ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں۔'' (۱۲۲)

فہم القرآن

ربط کلام: سرور دو عالم ﷺ کو تیسری مرتبہ پھر تسلّی اور حوصلہ دیا گیا ہے۔

دین کا داعی وقت کا پیغمبر ہو یا ایک عام مبلغ اس کے راستے میں بہرحال ایسے مشکل مقام آتے ہیں۔ جن کا سامنا کرتے ہوئے دل پسیجتا ہے اور اسے اپنا حوصلہ ٹوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ڈھارس اور اطمینان دلانے کے لیے اس کے سامنے دنیا سے رخصت ہونے والے عظیم لوگوں کے عظیم الشان کارنامے بیان کیے جائیں تو اس کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی قوت کار میں اضافہ پاتے ہوئے منزل مقصود کے لیے ان واقعات کو اپنے لیے مشعل راہ سمجھتا ہے۔ بے شک نبی اکرم ﷺ سرورِ دو عالم تھے مگر ایک انسان ہونے کے ناطے حوصلہ افزا معاملات سے آپ کا دل ڈھارس حاصل کرتا۔ اور منفی ردِّ عمل سے آپ کو غم اور پریشانی لاحق ہوتی تھی۔ جسے دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء کرام کے واقعات بیان فرمائے ہیں۔ آپ کے حسب حال کچھ انبیاء کے واقعات مختصر اور باقی کے قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ جنہیں آپ کے لیے اطمینان کا باعث قرار دیتے ہوئے حق کی تائید میں ٹھوس دلائل دیے ہیں تاکہ لوگوں کے دل حق کی طرف مائل ہوں اور

عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے بہترین نصیحت کا مواد موجود ہے۔اس کے باوجود اگر لوگ ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہوتے تو آپ ﷺ کو ارشاد ہے کہ آپ انہیں فرمائیں کہ حق کا انکار کرنے والو! میرے ساتھ مزید الجھنے اور حق کے راستہ میں رکاوٹ بننے کی بجائے تم اپنے کام کیے جاؤ اور مجھے اپنا کام کرنے دو۔اس کے نتیجے کا تم بھی انتظار کرو اور میں بھی اپنی جگہ انتظار کرتا ہوں۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ؓ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ اللَّهُمَّ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ تَخَافُ عَلَيْنَا وَقَدْ آمَنَّا بِكَ وَصَدَّقْنَاكَ بِمَا جِئْتَ بِهِ فَقَالَ إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ يُقَلِّبُهَا وَأَشَارَ الْأَعْمَشُ بِإِصْبَعَيْهِ))

[رواه ابن ماجة:باب دعاء الرسول]

''حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے اے اللہ میرے دل کو دین پر قائم فرما،ایک آدمی کہنے لگا اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے بارے میں ڈرتے ہیں جبکہ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اور آپ کی تصدیق کی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا یقیناً دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں وہ انہیں جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے اور اعمش نے اپنی انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا۔''

مسائل

۱۔ رسول اللہ ﷺ کے دل کو تقویت دینے کے لیے سابقہ انبیاء کے قصے بیان کیے گئے۔

۲۔ سابقہ انبیاء ورسل ؑ کے قصے برحق ہیں۔ ۳۔ انبیاء ؑ کے قصص میں مومنین کے لیے نصیحت ہے۔

۴۔ ایمان نہ لانے والوں کو عنقریب سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی حیثیت:

۱۔ قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات سچے ہیں ان میں اہل ایمان کے لیے نصیحت ہے۔(ھود:۱۲۰)

۲۔ بے شک یہ قصے بالکل برحق ہیں اور اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔(آل عمران:۶۲)

۳۔ ہم ان کی خبریں آپ پر حق کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔(الکھف:۱۳)

۴۔ ہم آپ پر سابقہ امم کی خبریں بیان کرتے ہیں۔(طٰہٰ:۹۹)

۵۔ ہم نے آپ سے پہلے ان میں رسول بھیجے ان میں سے بعض کے واقعات ہم نے آپ پر بیان کیے۔(المومن:۷۸)

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ

اوراللہ ہی کے لیے غیب آسمانوں اورزمین اوراسی کی طرف وہ لوٹائے جاتے ہیں کام

كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ

تمام کے تمام سوآپ اسی کی عبادت کریں اورآپ توکل کریں اسی پر اورنہیں ہے آپ کارب

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ ع

غافل اس سے جو تم عمل کرتے ہو

’’اورآسمانوں اورزمین کا غیب اللہ ہی کے پاس ہےاورسب کےسب کام اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں ۔سواس کی عبادت کرواوراس پربھروسہ کرواورتیرارب اس سے ہرگز غافل نہیں جوتم کرتے ہو۔‘‘(۱۲۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

اس فرمان میں ایک طرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک مسلمان کا عقیدہ کیا ہونا چاہیےاوردوسری طرف داعی حق کے لیے تسلی ہے کہ جوخدمت وہ سرانجام دے رہا ہے۔اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہے۔انجام کاراورصلہ اس کی جناب میں موجود ہے۔لہٰذا نبی اکرم ﷺ کومخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ دل چھوٹا کرنے اورمخالفین کی مخالفت کی طرف دھیان دینے کی بجائے اپنے رب کی عبادت یعنی اس کی یاد میں مگن رہیں اوراس کی ذات پربھروسہ اوراعتماد رکھیں۔آپ کارب نہ آپ کی بے مثال محنت واخلاص سے غافل ہےاورنہ ہی حق کے منکروں اورآپ کی مخالفت کرنے والوں کی سازشوں اورشرارتوں سے بے خبر ہے۔توکل کا معنی ہے کسی پراعتماداوربھروسہ کرنا۔توکل علی اللہ کا مفہوم ہے کہ بندہ اپنے خالق و مالک پرکامل اعتماد ویقین کا اظہار کرے۔جواپنے رب پربھروسہ اورتوکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہےاوراس کی مشکلات آسان کردیتا ہے۔لہٰذا تنگی اورآسانی' خوشی اورغمی میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیے۔یہ غموں کا تریاق اورمشکلات کامداوا ہے۔

﴿وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ إِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ أَمْرِہٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا﴾

[الطلاق:۳]

’’جواللہ پربھروسہ کرے اس کے لیے اللہ کافی ہے۔اللہ اپناحکم نافذکرکے رہتا ہےاس نے ہرچیز کے لیے ایک اندازہ مقررکررکھا ہے۔‘‘

﴿وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ [یوسف:٦٧]

''اس پر ہی بھروسہ کرنے والوں کو اعتماد کرنا چاہیے۔''

قرآن وسنت کی روشنی میں توکل کا کامل تصور یہ بنتا ہے کہ وسائل اور اسباب کو استعمال کرتے ہوئے۔ کام کا نتیجہ اور انجام اللہ کے سپرد کیا جائے۔ توکل پریشانیوں سے نجات پانے کا پہلا ذریعہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور توکل ہی نہیں اس کے مسائل کس طرح حل ہوں گے۔ اس لیے حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب اپنے جواں سال بیٹوں کو شہر مصر کی طرف روانہ کیا تو اس وقت کچھ ہدایات دیتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں شہر میں داخل ہونے کے لیے ایک ہی راستہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ میری طرف سے یہ احتیاطی تدابیر ہیں۔ انجام کار تو اللہ ہی کے اختیار میں ہوا کرتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کے غیب کو جانتا ہے۔ ۲۔ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی دسترس میں ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کی جائے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کیا جائے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال سے غافل نہیں۔

تفسیر بالقرآن

ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہیے:

۱۔ اللہ کی عبادت کرو اور اسی پر توکل کرو۔ (ھود:۱۲۳)

۲۔ جب کسی کام کا عزم کرو تو اللہ پر توکل کرو۔ (آل عمران:۱۵۹)

۳۔ جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اس کو کافی ہوتا ہے۔ (الطلاق:۳)

۴۔ مومنوں کو اللہ پر توکل کرنے کا حکم ہے۔ (المجادلۃ:۱۰)

۵۔ انبیاء اور نیک لوگ اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ (یوسف:٦٧)

٦۔ رسول اکرم ﷺ کو اللہ پر توکل کرنے کی نصیحت کی گئی۔ (النمل:۷۹)

۷۔ حضرت نوح نے فرمایا میں نے اللہ پر توکل کیا ہے تم اپنی تدبیریں اور شریک جمع کر کے زور لگا لو۔ (یونس:۷۱)

۸۔ حضرت ہود نے فرمایا میں نے اپنے اللہ پر توکل کیا ہے جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ (ہود:٥٦)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف سورۂ یوسف

اس سورۃ مبارکہ کی ابتدا میں یہ فرما کر قرآن مجید کا تعارف کروایا گیا ہے کہ قرآن مجید ایسی کتاب ہے جو اپنا مدعا اور مفہوم کھلے انداز میں بیان کرتی ہے۔ جس کی تفسیر نہ بھی کی جائے تو انسان کی ہدایت کے لیے قرآن مجید کا متن ہی کافی ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے عربی زبان میں نازل فرمایا تاکہ لوگ اس پر غور وخوض کریں۔ بالخصوص عربی جاننے والوں کو اس پر ضرور غور کرنا چاہیے۔ اس سورۃ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت طیبہ، تاریخ اور واقعات کو نہایت ہی احسن انداز میں بیان کیا گیا ہے اور یہ وضاحت کردی گئی ہے کہ نزول قرآن سے پہلے اے پیغمبر آپ بھی یوسف علیہ السلام کی سیرت، تاریخ اور واقعات سے بے خبر تھے۔ جن لوگوں نے یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے بارے میں آپ سے استفسار کیا ہے۔ اگر وہ عقل سے کام لیں تو ان کے لیے اس واقعہ میں بہت ہی سامانِ عبرت ہے۔ اس واقعہ کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ یوسف علیہ السلام نے بچپن کی عمر میں خواب دیکھا۔ جس میں گیارہ ستارے اور شمس وقمر انہیں سجدہ کررہے ہیں۔ انہوں نے یہ خواب اپنے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے بیان کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے رویہ کے پیش نظر یوسف علیہ السلام کو فرمایا کہ یہ خواب اپنے بھائیوں سے ذکر نہ کرنا کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ حسد میں آکر آپ کے خلاف کوئی سازش کریں۔ ساتھ ہی خواب کی تعبیر کی طرف اشارہ فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو نبوت عطا فرمانے کے ساتھ بالخصوص خوابوں کی تعبیر کا علم عنایت فرمائے۔ چنانچہ وہی ہوا جس کا خدشہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ظاہر کیا تھا۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ایک سازش کے تحت حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام سے اجازت لے کر اپنے ساتھ لیا اور انہیں کنویں میں پھینک ڈالا۔ ایک راہگیر قافلے نے انہیں کنویں سے نکالا اور مصر کے بازار میں بیچ دیا۔ انہیں عزیز مصر نے خریدا۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس کے گھر میں جوان ہوئے اور عزیز مصر کی بیوی نے اُنہیں بدکاری کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل کی کال کوٹھڑی میں جانا گوارا کر لیا مگر اپنی چادرِ عفت پر داغ نہ آنے دیا۔ ایک مدت کے بعد وقت کے بادشاہ کو ایک ایسا خواب آیا جس کی تعبیر مصر کے اربابِ فکر ودانش بتلانے سے قاصر رہے۔ تب قید سے رہا پانے والے بادشاہ کا ایک ملازم جو قید میں حضرت یوسف کے ساتھ رہا تھا۔ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت اور صلاحیت سے بادشاہ کو آگاہ کیا۔ بادشاہ سے اجازت لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ کر خواب کی تعبیر پوچھی۔ جس سے بادشاہ کو یقین ہوگیا کہ میرے خواب کی یہی تعبیر ہے۔

خواب کی تعبیر جان کر بادشاہ اس قدر متاثر ہوا کہ اُس نے یوسف علیہ السلام کو قید سے بلوا کر وزیر خزانہ بنایا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بہترین منصوبہ بندی سے ملکِ مصر کو معاشی بحران سے نکالا۔ اس دوران ملحقہ علاقوں میں بھی قحط پڑا۔ جس کے نتیجے میں ان کے بھائی غلہ لینے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ جن سے غلہ کی درخواست کررہے

ہیں وہ ان کا بھائی ہے۔ دوسری مرتبہ آئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی سجھائی ہوئی تدبیر کے مطابق اپنے حقیقی بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو بھائیوں کے سامنے ظاہر کیا جس سے ان کے بھائیوں نے ان سے معذرت کی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں معاف فرماتے ہوئے انہیں اپنی قمیص عنایت کی اور کہا کہ اسے والدِ محترم کے چہرے پر رکھنا، انھوں نے ایسا ہی کیا جس سے یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹ آئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین اور بھائیوں کو اپنے پاس بلوایا جب ان کے والدین اور بھائی ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے اُس زمانے کی روایت کے مطابق یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ اسی دوران حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد سے عرض کی والدِ محترم! یہ اُسی خواب کی تعبیر ہے جو بچپن میں میں نے آپ کے حضور عرض کیا تھا۔ اس واقعہ میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ اگر انسان صبر و حوصلہ کے ساتھ مشکلات کا سامنا کرے اور اپنے دامن کو گناہ کی آلودگی سے محفوظ رکھے تو کسی کا حسد اور سازش آدمی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اس پر واضح اشارہ ہے کہ اے اہل مکہ تمھیں بھی یہ دن ضرور دیکھنا پڑے گا کہ تم بھی ایک دن جھکو گے اور اپنے مظالم پر محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے معافی کے خواستگار ہوگے۔ اللہ کی شان ٹھیک تھوڑے عرصہ کے بعد فتح مکہ کے موقعہ پر کائناتِ عالم نے یہ منظر دیکھا کہ مکہ کے بڑے بڑے سردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی کے خواستگار ہوئے اور آپ نے ان الفاظ سے انہیں معاف فرما کر یہ ثابت کیا کہ انبیاء کردار اور اخلاق کے حوالے سے ہمیشہ منفرد انسان ہوتے ہیں۔

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں کے علماء کا ایک گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ تورات کے قاری تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ یوسف کی تلاوت فرما رہے تھے انھوں نے اُسے توراۃ کے مطابق پایا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی تھی۔ ان علماء نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو کس نے سکھلایا ہے؟ آپ نے فرمایا میرے اللہ نے مجھے سکھلایا ہے۔ علماء کی جماعت نے تعجب کیا جب آپ سے اس بات کو سنا وہ یہودیوں کی طرف واپس آئے اور انھیں کہا کیا تم جانتے ہو اللہ کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کو اُس طرح پڑھتے ہیں جس طرح تورات نازل کی گئی تو کچھ لوگ اُن کے ساتھ مل کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو انھوں نے آپ کے اوصاف کو پہچان لیا اور مہر نبوت جو آپ کے کندھوں کے درمیان تھی اُسے دیکھا اور آپ کو سورۂ یوسف کی قراءت کرتے ہوئے سنا۔ انھوں نے تعجب کیا اور کہا آپ کو کس نے سکھلایا؟ آپ نے فرمایا مجھے اللہ نے سکھلایا اور اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿یوسف اور اس کے بھائیوں کے واقعہ میں سوال کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں﴾ جو ان کے معاملے کے متعلق سوال کرتا ہے یا اُن کے متعلق جاننا چاہتا ہے تو اُس وقت قبیلے کے وہ لوگ مسلمان ہوگئے۔''

[رواہ البیھقی فی دلائل النبوۃ]

سُورَةُ يُوسُفَ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعَاتُهَا: ۱۲ اٰيَاتُهَا: ۱۱۱

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

الٓرٰ	تِلْكَ	اٰيٰتُ	الْكِتٰبِ	الْمُبِيْنِ ۝۱	اِنَّآ		اَنْزَلْنٰهُ
الر	وہ	آیات	کتاب	واضح	یقیناً ہم نے	ہم نے	نازل کیا اس کو
قُرْءٰنًا	عَرَبِيًّا	لَّعَلَّكُمْ	تَعْقِلُوْنَ ۝۲	نَحْنُ	نَقُصُّ		عَلَيْكَ
قرآن	عربی	تاکہ تم	تم سمجھو	ہم	ہم بیان کرتے ہیں		آپ پر
اَحْسَنَ	الْقَصَصِ	بِمَآ	اَوْحَيْنَآ	اِلَيْكَ	هٰذَا		الْقُرْاٰنَ
بہترین	بیان	ساتھ اس کے	ہم نے وحی کی	آپ کی طرف	یہ		قرآن
وَاِنْ	كُنْتَ	مِنْ	قَبْلِهٖ	لَمِنَ	الْغٰفِلِيْنَ ۝۳		
اور یقیناً	تھے آپ	سے	پہلے	البتہ میں سے	بے خبر		

”الر۔ یہ کھلی کتاب کی آیات ہیں۔“ (۱) ”یقیناً ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھو۔“ (۲) ”ہم آپ کو بہت ہی اچھا بیان سناتے ہیں اس لیے کہ ہم نے آپ کی طرف یہ قرآن وحی کیا ہے اور آپ اس سے پہلے یقیناً بے خبر لوگوں میں سے تھے۔“ (۳)

فہم القرآن

الٓرٰ۔حروف مقطعات ہیں۔جن کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ ان کا حقیقی معنیٰ اور مفہوم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ عرب دانشوروں کا طریقہ تھا کہ شاعر اور ادیب اپنا کلام پیش کرنے سے پہلے ”طرح مصرعہ کے طور پر“ چند الفاظ کہتے جس کا مفہوم بیان کرنا ضروری خیال نہیں کرتے تھے۔اسی روایت کے پیش نظر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا معنیٰ جاننے اور اس کا مفہوم سمجھنے کے لیے نبی معظم ﷺ سے استفسار کرنا مناسب نہیں سمجھا اور نہ ہی نبی معظم ﷺ نے حروف مقطعات کا مفہوم بتلانے کی ضرورت محسوس فرمائی۔ کیونکہ اس کا دین کی تفہیم اور عمل کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔ ورنہ آپ اس کا مفہوم ضرور بیان فرماتے۔ارشاد ہوتا ہے کہ یہ کتاب مبین کی آیات ہیں۔یعنی ایسی کتاب جس نے حق و باطل کے درمیان حدِ فاصل قائم کر دی ہے۔اس کے احکام اور ارشادات بالکل غیر مبہم ہیں۔اسے رب ذوالجلال نے واضح اور عربی زبان میں نازل فرمایا ہے تاکہ تم عقل و فکر کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ کتاب اہل عرب کے لیے ہی نازل کی گئی ہے۔ بلکہ اس فقرے کا اصل مدعا یہ ہے کہ ”اے اہل عرب، تمہیں یہ باتیں کسی یونانی یا ایرانی زبان میں تو نہیں سنائی جا رہی ہیں، یہ تمہاری اپنی زبان میں ہیں، لہٰذا تم یہ عذر نہیں پیش کر سکتے کہ اس کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ اس کتاب میں

اعجاز کے جو پہلو ہیں جو کلام الٰہی ہونے کی شہادت دیتے ہیں، وہ تمہاری نگاہوں سے پوشیدہ رہ جائیں۔‘‘

بعض لوگ قرآن مجید میں اس طرح کے فقرے دیکھ کر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کتاب تو اہل عرب کے لیے ہے، غیر اہل عرب کے لیے نازل ہی نہیں کی گئی ہے، پھر اسے تمام انسانوں کے لیے ہدایت کیسے کہا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ محض ایک سرسری سا اعتراض ہے جو حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کیے بغیر جڑ دیا جاتا ہے۔ انسانوں کی ہدایت کے لیے جو چیز بھی پیش کی جائے گی وہ بہر حال انسانی زبانوں میں سے کسی ایک زبان ہی میں پیش کی جائے گی۔ اس کے پیش کرنے والے کی کوشش ہوگی کہ پہلے اُس قوم کو متاثر کرے جس کی زبان میں کتاب نازل کی گئی ہے اس کے بعد پھر وہ قوم دوسری قوموں تک اس تعلیم کے پہنچانے کا وسیلہ بنے۔ یہی ایک فطری طریقہ ہے کسی دعوت و تحریک کے بین الاقوامی پیمانے پر پھیلنے کا۔

اے نبی ﷺ! ہم آپ کو قرآن کی زبان میں بہترین واقعہ سناتے ہیں جسے آپ پہلے سے نہیں جانتے۔ واقعہ کی اہمیت اور اس کے محکم اور سچا ہونے کے لیے چھ الفاظ استعمال فرمائے تاکہ معمولی عقل رکھنے والا انسان بھی اس کی حقیقت تک پہنچ سکے۔

۱۔ ’’تِلْکَ‘‘ عربی زبان میں دور کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس زمانے میں اہل علم کا یہ طریقہ تھا کہ جب کسی عظیم چیز یا واقعہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا بالخصوص جو چیز یا واقعہ سامع کے احاطۂ شعور میں ہوتا۔ اس کی یاد دہانی کے لیے دور کا اشارہ استعمال کرتے تاکہ سننے والا اس کی اہمیت کا فی الفور احساس کرے۔ لہٰذا اس احساس کو اجاگر کرنے کے لیے ارشاد ہوتا ہے۔ کہ یہ وہی کتاب ہے۔ جس کا تذکرہ تورات، انجیل اور زبور میں پڑھتے ہو۔

۲۔ یہ واقعہ قرآن مجید کے الفاظ میں بیان کیا جا رہا ہے۔ جس کی آیات بالکل واضح اور اس کا مفہوم غیر مبہم ہے۔

۳۔ اسے نبی اکرم ﷺ نے نہ کسی سے سنا ہے اور نہ پڑھا ہے بلکہ اسے رب ذوالجلال نے آپ پر نازل فرمایا ہے۔ کلام میں رعب پیدا کرنے اور اسے سچ ثابت کرنے کے لیے ایک ہی آیت میں دو مرتبہ ’ہم‘ کی ضمیر استعمال فرمائی ہے۔

۴۔ قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل فرمایا۔ جو قواعد و ضوابط، فصاحت و بلاغت اور اثر انگیزی کے اعتبار سے دنیا کی تمام زبانوں سے جامع اور موثر زبان ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت دنیا میں سب سے زیادہ یہی زبان بولی اور لکھی جاتی تھی۔ لسانیات کے حوالے سے اب بھی عربی زبان پوری دنیا میں اپنی نظیر آپ ہے۔

۵۔ قرآن مجید میں مختلف اقوام اور بڑے بڑے انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعات کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جو قرآن مجید کے مختلف مقامات پر موقعہ محل کے مطابق بیان ہوئے ہیں۔ لیکن جس ترتیب کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ شروع سے آخر تک بیان ہوا ہے یہ ترتیب کسی اور واقعہ میں نہیں پائی جاتی۔ اس لیے اس کے آغاز میں فرمایا ہے کہ ہم اس واقعہ کو بہترین انداز میں بیان کر رہے ہیں۔

یہاں بھی جمع متکلم کی ضمیر دوبارہ استعمال فرمائی ہے۔ تاکہ سننے والے کو کامل یقین ہو جائے کہ اسے بیان کرنے والا کوئی عربی یا عجمی شخص نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں پائی جاتی۔

۶۔ واقعہ کی سچائی اور اس کی اسنادی قوت میں مزید اضافہ کرنے کے لیے آخر میں پھر فرمایا کہ ہم ہی واقعہ کو بیان کرنے اور اس قرآن کو نازل کرنے والے ہیں۔ اے رسول ﷺ! آپ اس کے ذکر سے پہلے بالکل اس سے ناآشنا تھے۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید ایک واضح کتاب ہے۔ ۲۔ قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا گیا۔

۳۔ کلام اللہ کو سمجھنے، پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے نازل کیا گیا ہے۔

۴۔ قرآن مجید میں بہترین واقعات موجود ہیں۔

۵۔ قرآن کریم کے نزول سے پہلے آپ ﷺ ان واقعات سے بے خبر تھے۔

۶۔ وحی الٰہی سے پہلے نبی ﷺ بھی بے خبر ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے اوصاف:

۱۔ قرآن مجید کی آیات واضح ہیں۔ (یوسف:۱) ۲۔ قرآن مجید کی آیات محکم ہیں۔ (ھود:۱)

۳۔ قرآن مجید برہان اور نور مبین ہے۔ (النساء:۱۷۴) ۴۔ قرآن کریم لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔ (البقرۃ:۱۸۵)

۵۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔ (آل عمران:۱۳۸)

۶۔ قرآن مجید لاریب کتاب ہے۔ (البقرۃ:۲) ۷۔ قرآن مجید دلوں کے لیے شفا ہے۔ (یونس:۵۷)

۸۔ ہم نے قرآن کو نازل کیا جو مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔ (بنی اسرائیل:۸۲)

۹۔ ہم ہی قرآن مجید کو نازل کرنے والے ہیں اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (الحجر:۹)

۱۰۔ جن وانس مل کر اس قرآن جیسا قرآن نہیں لا سکتے۔ (بنی اسرائیل:۸۸)

۱۱۔ رمضان وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا۔ (البقرۃ:۱۸۵)

۱۲۔ ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ (القدر:۱)

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَآأَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ

جب اس نے کہا یوسف اپنے باپ کے لیے اے ابا! یقیناً میں نے میں نے دیکھا

أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي

گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھا میں نے ان کو میرے لیے

سٰجِدِينَ ﴿۴﴾ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلَىٰٓ إِخْوَتِكَ

سجدہ کرتے ہوئے اس نے کہا اے میرے بیٹے! نہ تو بیان کر اپنا خواب پر بھائیوں اپنے

فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا ط إِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْإِنسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۵﴾

پس وہ تدبیر کریں گے تیرے لیے تدبیر یقیناً شیطان انسان کے لیے دشمن کھلا

''جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ! یقیناً میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے۔ میں نے انھیں دیکھا کہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔'' (۴) ''یعقوب نے کہا اے میرے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تیرے خلاف تدبیر کریں گے۔ کوئی بری تدبیر۔ یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔'' (۵)

فہم القرآن

ربط کلام: نبی ﷺ جس واقعہ سے نا آشنا تھے اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی دو بیویوں سے گیارہ بیٹے تھے۔ جن میں حضرت یوسف علیہ السلام اور ان سے چھوٹے بنیامین آپس میں حقیقی بھائی تھے۔ حضرت یوسف نہایت ہی خوبصورت، ذہین وفطین اور سمجھدار تھے۔ ان کی دانش مندی کا اس بات سے انداہ لگائیں کہ ابھی ان کی عمر مبارک آٹھ رنو سال کی تھی کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ میرے سامنے گیارہ ستارے، چاند اور سورج سجدہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے یہ خواب کسی کے سامنے بیان کرنے کی بجائے اپنے والد گرامی کے سامنے بیان کیا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس خواب کی تعبیر میرے والد گرامی کے سوا کوئی اور نہیں جان سکتا۔ گویا کہ صغر سنی کے باوجود اپنے باپ کی سیرت طیبہ اور ان کی دانشمندی کا ادراک کر چکے تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے خواب کا تذکرہ صرف اپنے باپ کے سامنے کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام معصوم لخت جگر کا خواب سنتے ہی چونک گئے اور فرمایا۔ پیارے بیٹے اس خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے ذکر نہ کرنا کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کے خلاف کوئی سازش کریں۔ کیونکہ شیطان انسان کا کھلم کھلا دشمن ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ سے عیاں ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب یوسف کے بارے میں ان کے بھائیوں کے رویے سے منفی اثرات محسوس کر رہے تھے۔ جس کی وجہ سے انہیں احساس ہوا کہ ماں کی طرف سے سوتیلے بھائیوں کو اس خواب کا علم ہوا تو ان کے لیے اسے برداشت کرنا مشکل ہوگا۔ لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام نہایت دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ

پیغمبر اپنے زمانے کا سب سے بڑا دانشور انسان ہوا کرتا تھا۔ اسی بنا پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ الفاظ استعمال فرمائے ''اے یوسف اپنے خواب کا اپنے بھائیوں کے سامنے ذکر نہ کرنا۔ کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔'' ایک طرف حضرت یوسف علیہ السلام کو شیطان کی دشمنی سے آگاہ فرمایا اور دوسری طرف اس کے بھائیوں کے بارے میں کھلے الفاظ استعمال کرنے کی بجائے مبہم الفاظ کے ذریعے محتاط رہنے کی تلقین فرمائی۔ گیارہ ستاروں اور شمس وقمر کے سجدہ کرنے سے مراد یہ تھی۔ ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس قدر بلند اقبال اور سرفرازی عطا کرے گا کہ اس کے گیارہ بھائی اور والدین اس کے سامنے سجدہ ریز ہوں گے۔ چنانچہ خواب کے تقریباً چالیس سال بعد حضرت یوسف علیہ السلام ملکِ مصر جیسی عظیم الشان ترقی یافتہ مملکت کے فرماں روا بنے تو ان کے گیارہ بھائیوں اور والدین نے اس زمانے کی شریعت اور پروٹوکول کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ جس کی تفصیل اسی سورت کی آیت ۱۰۰ میں بیان کی گئی ہے۔ سجدہ سے مراد حقیقی سجدہ بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس وقت کی شریعت میں کسی بزرگ اور بڑے آدمی کو تکریمی سجدہ کرنا جائز تھا۔ لیکن شریعت محمدی میں اسے مطلقاً ناجائز اور حرام قرار دیا گیا ہے۔ (دیکھیں۔ فہم القرآن، جلد اول، البقرۃ:۳۴)

مسائل

۱۔ یوسف علیہ السلام نے خواب میں گیارہ ستارے، چانداور سورج کو اپنے سامنے سجدہ کرتے ہوئے پایا۔

۲۔ ہر کسی سے خواب بیان نہیں کرنا چاہیے۔ ۳۔ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں:

۱۔ سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو، سجدہ اسے کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ (حٰم السجدۃ:۳۷)

۲۔ اللہ کی تسبیح بیان کرو اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہوجاؤ۔ (الحجر:۹۸)

۳۔ اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو۔ (الحج:۷۷)

۴۔ اللہ کو سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔ (النجم:۶۲) ۵۔ ہر چیز کا سایہ بھی اللہ کو سجدہ کرتا ہے۔ (النحل:۴۵)

۶۔ اللہ کو زمین و آسمان کی ہر چیز سجدہ کرتی ہے۔ (النحل:۴۶)

۷۔ ستارے اور درخت اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ (الرحمٰن:۶)

۸۔ یقیناً جو ملائکہ آپ کے رب کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے، اس کی تسبیح بیان کرتے اور اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ (الاعراف:۲۰۶)

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ

اور اسی طرح تجھے | تجھے برگزیدہ کرے گا | تیرا رب | اور تجھے سکھائے گا | سے | تعبیر | باتوں (خوابوں) کی

وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا

اور وہ پوری کرے گا | اپنی نعمت | آپ پر | اور پر | آل | یعقوب | جس طرح | اس نے اسے پورا کیا تھا

عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ

پر | تیرے باپ دادا | سے | پہلے | ابراہیم | اور اسحاق | یقیناً

رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶ ع

تیرا رب | خوب جاننے والا | خوب حکمت والا ہے

’’اور اسی طرح تیرا رب تجھے برگزیدہ کرے گا اور تجھے باتوں کی اصل تعبیر سمجھنا سکھائے گا اور اپنی نعمت تجھ پر اور آل یعقوب پر پوری کرے گا۔ جیسے اس نے تیرے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق پر پورا کیا، یقیناً تیرا رب سب کچھ جاننے والا اور کمال حکمت والا ہے۔‘‘(٦)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کھلے الفاظ میں خواب کی تعبیر کرنے کی بجائے اشارات کی زبان میں تعبیر کرتے ہیں۔ خواب کی تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ میرے بیٹے اللہ تعالیٰ تجھے اپنے پیغام اور کام کے لیے منتخب فرمائے گا اور تجھے خوابوں کی تعبیر، معاملات کو سمجھنے اور سمجھانے کی دانشمندی کی نعمت سے بدرجۂ اتم سرفراز کرے گا جو انعام و اکرام رب کریم نے میرے خاندان یعنی تیرے دادا اور پڑ دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کو عنایت فرمائے تھے۔ یقیناً رب تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے۔ اور اس کے فرمان اور کام میں بے حد وحساب حکمتیں مضمر ہوا کرتی ہیں۔ بیٹے کا خواب سننے کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے اشاروں کی زبان میں اس کی تعبیر بتلائی کہ اے یوسف! اللہ تعالیٰ تجھے وقت کا نبی بنانے اور دنیا و آخرت کی عزت و عظمت عطا کرنے کے ساتھ خصوصی طور پر ’’**تاویل الاحادیث**‘‘ کے علم سے مالا مال کرے گا۔ اہل علم ’**تاویل الاحادیث**‘‘ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے مراد صرف خوابوں کی تعبیر نہیں بلکہ معاملہ فہمی اور امور مملکت سے آگاہ کرنا بھی ہے جس کے بغیر کوئی حکمران صحیح طریقے سے نظامِ حکومت نہیں چلا سکتا۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام خواب کی صحیح تعبیر بتلانے کی وجہ سے جیل کی کال کوٹھری سے رہا ہوئے اور ان کے علم بصیرت سے متاثر ہو کر مصر کے حکمران نے انہیں مصر کی وزارتِ خزانہ کا اس وقت قلم دان سونپا جب مصر شدید قحط سالی اور معاشی بحران کا شکار ہونے والا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے خداداد فہم و

فراست کی بنیاد پر آنے والے معاشی بحران پر کامیابی کے ساتھ قابو پایا کہ جس سے مصر کے عوام اوران کے حکمران عش عش کرا ٹھے۔اس کی تفصیل آپ انشاء اللہ اسی سورۃ کی ۴۱ تا ۴۹ آیات کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے خاندان کی عزت وعظمت کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی ذات کی بجائے اپنے بزرگوں کا ذکر کیا ہے۔ جس سے مراد عاجزی کا اظہار اور پورے خاندان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اور اس کے انعام واکرام کا اعتراف ہے۔

عظیم ترین خاندان:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الْكَرِيمُ بْنُ الْكَرِيمِ بْنِ الْكَرِيمِ بْنِ الْكَرِيمِ يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ))[رواه البخاری: کتاب التفسير، باب قَوْلِهِ (وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَى آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَى أَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ)]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عزت مند یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ جسے چاہتا ہے خوابوں کی تعبیر اور علم وفہم عطا فرماتا ہے۔ ۲۔اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل نازل کرتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام کو اپنی نعمتوں سے نوازا۔

تفسیر بالقرآن

حضرت یوسف علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے احسانات:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کو نبوت اور خوابوں کی تعبیر کا علم عطا فرمایا۔(یوسف:۶)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف پر وحی کی کہ ایک دن ضرور تو اپنے بھائیوں کو ان کی حرکت سے آگاہ کرے گا۔(یوسف:۱۵)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کو زمین میں اقتدار بخشا اور اسے خوابوں کی تعبیر سکھلائی۔(یوسف:۲۱)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کو حکومت اور علم عطا فرمایا۔(یوسف:۲۲)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کی دعا قبول فرمائی اور اسے عورتوں کے فریب سے نجات عطا فرمائی۔(یوسف:۳۴)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کو مصر میں بااختیار بنادیا۔(یوسف:۵۶)

۷۔ اللہ تعالیٰ نے آلِ ابراہیم پر احسانات فرمائے۔(یوسف:۹۰)

۸۔ اللہ تعالیٰ نے قید خانہ سے نکال کر حضرت یوسف کو حکمران بنایا۔(یوسف:۱۰۰)

لَقَدْ	كَانَ	فِيْ	يُوْسُفَ	وَاِخْوَتِهٖٓ	اٰيٰتٌ	لِّلسَّآىِٕلِيْنَ ۝
البتہ تحقیق	وہ تھا	میں	یوسف	اور اس کے بھائیوں	نشانیاں	سوال کرنیوالوں کیلئے

''البتہ تحقیق یوسف اور اس کے بھائیوں میں سوال کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔'' (۷)

فہم القرآن

ربط کلام: اے اہل مکہ جس واقعہ کے بارے میں تم نے سوال کیا ہے۔ اس کو واقعہ برائے واقعہ کے طور پر سننے کی بجائے اسے سبق آموزی اور عبرت حاصل کرنے کے لیے سنو۔

اس سورۃ کے تعارف میں عرض کیا ہے کہ اہل مکہ نے حسب عادت رسول معظم کو لاجواب اور پریشان کرنے کے لیے سوال کیا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کنعان میں رہائش پذیر تھے۔ ان کا بیٹا یوسف کس طرح مصر کا حکمران بنا۔ اور بنی اسرائیل کیونکہ مصر پہنچے؟ اس سوال کا تفصیلی جواب دینے سے پہلے اہل مکہ کو توجہ دلائی جارہی ہے کہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے متعلق تم نے جو سوال کیا ہے۔ اگر تم اس کے جواب پر غور کرو تو تمہارے لیے اس واقعہ کی ایک ایک کڑی میں راہنمائی اور بے انتہا سامانِ عبرت موجود ہے۔

۱۔ جس طرح یوسف علیہ السلام کے بھائی سوتیلا پن اور اپنے بھائی یوسف کی صلاحیتوں کو دیکھ کر ان کے مخالف ہوئے تھے۔ اسی طرح تم حسد وبغض میں آکر اپنے بھائی یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کمربستہ ہو چکے ہو۔

۲۔ جس طرح یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی مخالفت اور سازش اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی ایسے ہی تمہاری مخالفت اور سازشیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہیں بگاڑ پائیں گی۔

۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے اپنی طرف سے ختم کرنے کی پوری کوشش کی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں مامون اور محفوظ فرمایا۔ اسی طرح تم بھی رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کرنے کے درپے ہو جس میں تم کبھی کامیاب نہیں ہو پاؤ گے۔

۴۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا گھر سے نکلنا ان کے عروج واقبال کا ذریعہ بنا تھا۔ تم بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالنا چاہتے ہو لیکن یاد رکھو یوسف علیہ السلام سے کئی گنا زیادہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت ان کے عروج واقبال کا زینہ ثابت ہوگی۔

۵۔ جس طرح یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے مجبور اور لاچار ہو کر یوسف علیہ السلام کے سامنے دستِ سوال پھیلایا تھا وقت آئے گا کہ تمہیں بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دست سوال پھیلانا پڑے گا۔

۶۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے بالآخر اس سے معافی کی درخواست کی تھی۔ یہ وقت بھی آکر رہے گا کہ تم رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے نہایت عاجزی کے ساتھ معافی کے خواستگار ہو گے۔

۷۔ یوسف علیہ السلام ملک مصر کے حکمران بنے تھے۔ان کے بعدان کی اولا دیعنی بنی اسرائیل ایک مدت تک مصر میں حکمرانی کرتے رہے۔جس رسول کی مخالفت میں تم ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہوعنقریب وقت آنے والا ہے کہ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کی پوری دنیا میں عزت اور حکمرانی کا پھریرا بلند ہوگا۔

فضول سوال سے بچنا چاہیے:

سوال کرتے وقت اس چیز کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ فضول قسم کا سوال نہ کیا جائے اس سے اللہ تعالیٰ نے مومنین کو منع فرمایا ہے۔

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْأَلُوْا عَنْ أَشْيَآءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ○ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوْا بِهَا كَافِرِيْنَ ○﴾[المائدۃ:۱۰۱۔۱۰۲]

''اے ایمان والو!ان چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو جو تمہارے لیے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔ اگر تم ان کے بارے میں اُس وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جارہا ہے تو تمہارے لیے ظاہر کر دی جائیں گی۔اللہ نے ان سے درگزر فرمایا اور اللہ خوب بخشنے والا نہایت بردبار ہے۔تم سے پہلے ان کے بارے میں کچھ لوگ سوال کر چکے، پھر وہ ان سے منکر ہو گئے۔''

مسائل

۱۔ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے واقعہ میں نشانیاں ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات سے عبرت حاصل کرنی چاہیے:

۱۔ حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں پوچھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔(یوسف:۷)

۲۔ انبیاء کے قصے برحق ہیں مومنین کے لیے اس میں نصیحت ہے۔(ھود:۱۲۰)

۳۔ یہ قصے برحق ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔(آل عمران:۶۲)

۴۔ حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کے قصے میں عقل مندوں کے لیے عبرت ہے۔(یوسف:۱۱۱)

۵۔ انبیاء کے واقعات میں نبی کریم اور آپ کے تابع داروں کے لیے تسلی کا سامان ہے۔(ہود:۱۲۰)

اِذْ	قَالُوْا	لَيُوْسُفُ	وَاَخُوْهُ	اَحَبُّ	اِلٰٓى	اَبِيْنَا
جب	انھوں نے کہا	ضرور یوسف	اس کا بھائی	زیادہ پیارے ہیں	طرف	ہمارے باپ

مِنَّا	وَنَحْنُ	عُصْبَةٌ ؕ	اِنَّ	اَبَانَا	لَفِيْ	ضَلٰلٍ	مُّبِيْنِ ۚ (٨)
ہم سے	اور ہم	ایک جماعت	بے شک	ہمارا باپ	البتہ میں	غلطی	واضح

''جب انھوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کے ہاں ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں۔ یقیناً ہمارا باپ واضح طور پر غلطی پر ہے۔'' (٨)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ یوسف علیہ السلام کے بارے میں حسد و بغض رکھنا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال، لیاقت و صلاحیت اور مستقبل میں ان کے نبی بننے کے آثار دیکھ کر (جن کی نشاندہی خواب کی تعبیر میں حضرت یعقوب علیہ السلام کر چکے تھے۔) ان اوصاف حمیدہ کی بنیاد پر حضرت یعقوب کا دوسرے بیٹوں کی نسبت یوسف علیہ السلام سے زیادہ شفقت اور محبت کا اظہار کرتے تھے۔ بعض مفسرین نے ان سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت کا سبب حضرت یوسف علیہ السلام کا چھوٹا ہونا بیان کیا ہے۔ یہ وجہ اس لیے لائق توجہ نہیں کہ عمر کے لحاظ سے حضرت بنیامین سب سے چھوٹے تھے۔ بہر حال یوسف علیہ السلام کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت کی وجہ سے یوسف علیہ السلام کے بھائی حسد و بغض کا شکار ہوئے۔ اور انہوں نے خفیہ مشاورت میں یہ بات طے کی کہ ہمارے والد واضح طور پر بھٹک چکے ہیں۔ کیونکہ وہ ہم سے زیادہ یوسف کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم طاقتور ہیں۔ حسد و بغض اس قدر مہلک مرض ہے کہ جس شخص میں یہ پیدا ہو جائے وہ دوسرے کے بارے میں اس قدر منفی اور سطحی خیالات کا اظہار کرتا ہے جن کا کوئی معقول آدمی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادوں نے اپنے عظیم اور مشفق باپ جو وقت کے نبی ہونے کے علاوہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے پوتے ہیں۔ ایسے عظیم المرتبت باپ کے بارے کہنے لگے کہ ہمارا باپ واضح طور پر بھٹک چکا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ بوڑھے باپ کی توجہ حاصل کرنے کے لیے خدمت اور ان کی تابعداری کا رویہ اختیار کرتے اور اپنے منفی کردار پر نظر ثانی کرتے۔ اس کی بجائے انہوں نے اپنی طاقت اور جتھابندی پر فخر کا اظہار کیا۔ اور اس کے لیے جائز طریقہ استعمال کرنے کے بجائے غلط طریقہ کار اختیار کیا۔ جس سے نہ صرف ان کے بوڑھے باپ اور چھوٹے بھائی کو تکلیفیں پہنچیں بلکہ ان کے اپنے دامن پر بھی دھبہ لگا۔ انہوں نے حسد میں آکر یہ بھی نہ سوچا کسی کی الفت اور محبت حاصل کرنے کے لیے طاقت نہیں، اس کے لیے عاجزی، احترام اور بڑوں کی خدمت کرنا پڑتی ہے۔ کیونکہ محبت اور الفت کسی منڈی کا مال نہیں کہ اسے سرمایہ یا طاقت کی بنیاد پر حاصل کیا جاسکے۔ یہ تو دل کا معاملہ ہے اور تمام انسانوں کے دل اللہ کے اختیار میں ہیں۔ اس واقعہ سے یہ بات بھی

ثابت ہوتی ہے کہ اچھے کام کے لیے اچھا طریقہ کار اختیار کرنا لازم ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں نبی اکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ کہ اے رسول! اگر آپ ساری زمین کے خزانے خرچ کر دیتے تب بھی اپنے ساتھیوں کے دلوں میں محبت والفت پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا نتیجہ ہے کہ اس نے آپ کے اصحاب کے دلوں میں یکجہتی اور محبت پیدا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ (الانفال:۶۳)

باہمی محبت کے لیے نبی اکرم ﷺ کی دعا:

((عَنْ أَبِي وَآئِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بِمِثْلِهِ قَالَ وَكَانَ يُعَلِّمُنَا كَلِمَاتٍ وَلَمْ يَكُنْ يُعَلِّمُنَاهُنَّ كَمَا يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ اللّٰهُمَّ أَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَاهْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَبَارِكْ لَنَا فِيْ أَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُلُوْبِنَا وَأَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وَاجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا قَابِلِيْهَا وَأَتِمَّهَا عَلَيْنَا))[رواه ابو داؤد، باب التشهد]

”حضرت ابو وائل اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ہمیں رسول اللہ ﷺ یہ کلمات سکھلایا کرتے تھے جس طرح کہ آپ ہمیں تشہد کے کلمات سکھلاتے تھے۔ اے اللہ ہمارے معاملات درست فرما، ہمارے دلوں میں محبت پیدا فرما، ہمیں سیدھی راہ دکھا، ہمیں اندھیروں سے روشنی کی طرف رہنمائی عطا فرما اور ہمیں ظاہری اور باطنی فحاشی سے بچا۔ اے اللہ ہماری سماعت، بصارت، دلوں، بیویوں اور اولاد میں برکت عطا فرما اور ہم پر رجوع فرما۔ یقیناً تو توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے اور ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر گزار اور اپنی تعریف کرنے والے بنا اور ہمیں اس کے قابل بنا اور انہیں ہم پر پورا فرما۔“

مسائل

۱۔ حسد بہت بری چیز ہے۔ ۲۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے باپ کو غلطی پر سمجھتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

برادران یوسف کا اپنے عظیم باپ کے بارے میں رویہ:

۱۔ بے شک ہمارا باپ بہک گیا ہے۔ (یوسف:۸)

۲۔ واللہ تم تو یوسف کی یاد میں لگے رہو گے یہاں تک کہ ہلاک ہو جاؤ۔ (یوسف:۸۵)

۳۔ حضرت یعقوب کے بیٹوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! آپ تو پرانے وہم میں مبتلا ہیں۔ (یوسف:۹۵)

اقْتُلُوْا	يُوْسُفَ	اَوِاطْرَحُوْهُ	اَرْضًا	يَّخْلُ	لَكُمْ	وَجْهُ	
تم قتل کردو	یوسف کو	یا اسے پھینک دو تم	کسی زمین	وہ خالی ہو جائے	تمھارے لیے	چہرہ	
اَبِيْكُمْ	وَتَكُوْنُوْا	مِنْۢ	بَعْدِهٖ	قَوْمًا	صٰلِحِيْنَ ۝۹	قَالَ	
تمھارے باپ کا	اور تم ہو جاؤ	سے	اس کے بعد	لوگ	نیک	اس نے کہا	
قَآئِلٌ	مِّنْهُمْ	لَا تَقْتُلُوْا	يُوْسُفَ	وَاَلْقُوْهُ	فِيْ	غَيٰبَتِ	
کہنے والے	ان میں سے	نہ تم قتل کرو	یوسف	اور تم اسے ڈال دو	میں	ویران	
الْجُبِّ	يَلْتَقِطْهُ	بَعْضُ	السَّيَّارَةِ	اِنْ	كُنْتُمْ	فٰعِلِيْنَ ۝۱۰	
کنویں	وہ اُٹھا لے اسے	بعض	مسافر	اگر	ہو تم	کرنے والے	

”یوسف کو قتل کر دو یا اسے کسی زمین میں پھینک دو تمھارے باپ کی توجہ تمھارے لیے خاص ہو جائے اور اس کے بعد تم نیک بن جانا۔“ (۹) ”ان میں سے کہنے والے نے کہا یوسف کو قتل نہ کرو اور اسے کسی ویران کنویں میں پھینک دو۔ کوئی مسافر اسے اٹھالے گا اگر تم کرنے ہی والے ہو۔“ (۱۰)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ بردرانِ یوسف کا اپنے باپ اور بھائی کے بارے میں منفی خیالات کے تحت خفیہ اجلاس کرنا اور ایک گھناؤنے فعل پر متفق ہونا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے دس بیٹے اپنے بھائی کے خلاف سازش کرنے کے لیے ایک جگہ اکٹھے ہوئے اور یہ سوچ و بچار کرنے لگے کہ یوسف سے کس طرح چھٹکارا پایا جائے۔ جن میں ۹ (نو) بھائی اس بات پر متفق ہوئے کہ یوسف کو جان سے مار ڈالنا چاہیے یا کہیں دور پھینک دینا چاہیے۔ اس کے بعد باپ کی توجہ خود بخود تمہاری طرف ہو جائے گی۔ اس جرم کے بعد ہم اللہ تعالیٰ سے توبہ کر کے پھر نیکو کار بن جائیں گے۔ (یاد رہے کہ بعد میں توبہ کرنے کی نیت سے گناہ کرنے سے گناہ میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی فکر سے محفوظ فرمائے۔) برادرانِ یوسف نے اسی سوچ کے تحت یہ سازش تیار کی تھی۔ دسویں بھائی جس کا نام یہودہ بیان کیا گیا ہے جو سب سے بڑا تھا۔ اس نے برادران کو قتل یوسف سے منع کیا اور انہیں سمجھایا کہ ہمارا مقصد تو اپنے باپ کی توجہ چاہنا ہے۔ اس لیے ہمیں قتل جیسا سنگین جرم نہیں کرنا چاہیے۔ اگر آپ یوسف سے ضرور چھٹکارا پانا چاہتے ہیں تو یوسف کو کسی گمنام کنویں میں پھینک دو اسے کوئی راہ گذر قافلہ اٹھا کے لے جائے گا۔ اس بات پر متفق ہونے کے

بعد وہ سب کے سب حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے۔ اسی طرح کی سوچ و بچار اور سازش اہل مکہ نے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کی تھی۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ لوگوں کی توجہ روز بروز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو رہی ہے۔ اور ہر روز کسی نہ کسی خاندان سے کوئی نہ کوئی شخص حلقۂ اسلام میں داخل ہو رہا ہے۔ تو انہوں نے ایک خفیہ مشاورت میں طے کیا تھا۔

﴿وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ﴾[الانفال: ۳۰]

”اے رسول وہ وقت یاد کیجیے جب کافر آپ کے خلاف سازش کرتے ہوئے سوچ رہے تھے کہ اسے قید کر دیا جائے یا قتل کر دینا چاہیے یا اسے ہمیشہ کے لیے اپنی سرزمین سے نکال باہر کرنا چاہیے۔ وہ اس طرح کی سازشیں کر رہے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے بھی ایک تدبیر کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔“

مسائل

۱۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں قتل کرنے کا مشورہ کیا۔

۲۔ بعض لوگ جرم اس بنیاد پر کرتے ہیں کہ بعد میں توبہ کرلیں گے جو پرلے درجے کا گناہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

کفار مکر وفریب کرتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والا ہے:

۱۔ کفار نے مکر وفریب کیا اور اللہ نے تدبیر کی، اللہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ (آل عمران: ۵۴)

۲۔ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے تدبیر کی اور اللہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ (الانفال: ۳۰)

۳۔ ان کے مکر کا انجام دیکھیں ہم نے مکر کرنے والوں اور ان کی قوم کو ہلاک کر دیا۔ (النمل: ۵۱)

۴۔ عنقریب جرائم اور مکر وفریب کرنے والوں کو اللہ کے ہاں سے ذلت اور سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ (الانعام: ۱۲۴)

۵۔ انہوں نے مکر کیا اور ہم نے ان کے مکر کے مقابلہ میں تدبیر کی اور انہیں اس کا شعور بھی نہیں تھا۔ (النمل: ۵۰)

قَالُوْا	يٰۤاَبَانَا	مَالَكَ	لَا تَاْمَنَّا	عَلٰى	يُوْسُفَ	وَ اِنَّا	
اُنھوں نے کہا	اے ہمارے باپ! کیا ہے آپ کو		نہیں اعتبار کرتے آپ ہمارا	پر	یوسف	اور یقیناً ہم	
لَهٗ	لَنٰصِحُوْنَ ⑪	اَرْسِلْهُ	مَعَنَا	غَدًا	يَّرْتَعْ	وَيَلْعَبْ	
اس کے لیے	ضرور خیر خواہ ہیں	آپ اسے بھیجیں	ہمارے ساتھ	کل	کہ وہ کھائے	اور کھیلے	
وَ	اِنَّا	لَهٗ	لَحٰفِظُوْنَ ⑫	قَالَ	اِنِّيْ	لَيَحْزُنُنِيْۤ	
اور	ہم یقیناً	اس کے لیے	ضرور حفاظت کرنے والے	اس نے کہا	یقیناً مجھے	مجھے ضرور رنج میں ڈالتی ہے	
اَنْ	تَذْهَبُوْا	بِهٖ	وَاَخَافُ	اَنْ	يَّاْكُلَهُ	الذِّئْبُ	
یہ کہ	تم لے جاؤ	ساتھ اس کے	اور میں ڈرتا ہوں	کہ	اسے کھا جائے	بھیڑیا	

”کہنے لگے اے ہمارے باپ! آپ کو کیا ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتبار نہیں کرتے حالانکہ ہم یقیناً اس کے خیر خواہ ہیں۔“(۱۱) ”اسے کل ہمارے ساتھ بھیج دیں تا کہ کھائے، پیے اور کھیلے کودے یقیناً ہم ہر صورت اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“(۱۲) ”اس نے کہا بے شک مجھے یہ بات پریشان کرتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہ اسے کوئی بھیڑیا کھا جائے

فہم القرآن

ربط کلام: سازش پر متفق ہونے کے بعد برادران یوسف کا اپنے باپ کی خدمت میں پیش ہو کر یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے جانے کا مطالبہ کرنا۔

برادرانِ یوسف اپنے باپ سے مطالبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابا جان کیا وجہ ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد نہیں کرتے؟ حالانکہ ہم اس کے بارے میں نہایت ہی خیر خواہی کے جذبات رکھتے ہیں۔ لہٰذا ہماری درخواست ہے کہ اسے ہمارے ساتھ بھیجئے تا کہ کھلی فضا میں یوسف سیر و سیاحت اور کھیل کود میں ہمارے ساتھ شریک ہو۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم اس کی پوری طرح حفاظت کریں گے۔ بیٹوں کے مطالبہ کے جواب میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس بات کا اظہار کیا کہ میں خدشہ محسوس کرتا ہوں کہ تم یوسف کو اپنے ساتھ لے جانے کے بعد غفلت کا مظاہرہ کرو اور کوئی بھیڑیا یوسف کو کھا جائے۔ باپ کے جواب میں سب کے سب کہنے لگے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہمارے ہوتے ہوئے یوسف کو بھیڑیا کھا جائے۔ جبکہ ہم سب کے سب اکٹھے اور طاقتور ہیں۔ اگر یوسف کو ہمارے جیتے جی کوئی نقصان پہنچا تو ہم سے بڑھ کر کون نقصان پانے والا ہوگا۔ عُصْبَة کا معنیٰ گھوڑوں، پرندوں کا جھنڈ اور مردوں کی اس جماعت کو بھی کہا جاتا ہے جو دس افراد پر مشتمل اور ایک دوسرے کے مدد و معاون ہوں۔ قرآن مجید کے الفاظ اس حقیقت کی نقاب کشائی کر رہے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں اپنے بیٹوں کے بارے میں یوسف علیہ السلام کے متعلق منفی خیالات کا احساس موجود تھا۔ اور ان کے بیٹوں کو بھی احساس تھا کہ یوسف کے بارے میں ہمارے والد ہم پر پوری طرح مطمئن نہیں ہیں۔ جس بنا پر انہوں نے مثبت کے بجائے منفی انداز اختیار

وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ

اور تم اس سے غافل ہو انھوں نے کہا البتہ اگر وہ کھا جائے اس کو بھیڑیا

وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ﴿۱۴﴾

اور ہم ایک (طاقتور) جماعت بلاشبہ ہم اس وقت یقیناً خسارہ پانے والے ہوں گے

اور تم اس سے غافل ہو۔" (۱۳) "انھوں نے کہا اگر اسے بھیڑیا کھا جائے حالانکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں تو بلاشبہ ہم اس وقت خسارہ پانے والے ہوں گے۔" (۱۴)

کرتے ہوئے کہا اے ہمارے والد آپ یوسف کے بارے میں ہم پر کیوں اعتماد نہیں کرتے؟ ان کے اندازِ گفتگو سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ انہوں نے عاجزانہ اور مؤدبانہ انداز اختیار کرنے کی بجائے دباؤ ڈالنے کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے باپ کو اطمینان دلانے اور اپنی سازش کو کامیاب کرنے کے لیے پے در پے ایسے الفاظ استعمال کیے کہ جن سے حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین آجائے اس لیے وہ بار بار کہتے ہیں کہ یقین فرمائیں کہ ہم اس کی پوری طرح حفاظت کریں گے۔ یقین دہانیوں کے باوجود حضرت یعقوب علیہ السلام ان پر اعتماد نہیں کرتے۔ لیکن پیغمبرانہ اور پدری اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے فقط اتنا ہی فرماتے ہیں کہ میرے بیٹو! میں ڈرتا ہوں کہیں تمہاری غفلت کی وجہ سے یوسف کو بھیڑیا نہ کھا جائے!

مسائل

۱۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے بظاہر ان کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ ۲۔ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے متعلق خوف کا اظہار کیا۔

۳۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے غلط انداز میں باپ کو اطمینان دلایا۔

تفسیر بالقرآن

نقصان پانے والے لوگ:

۱۔ انہوں نے کہا اگر یوسف کو بھیڑیا کھا گیا تو ہم نقصان پانے والے ہو جائیں گے۔ (یوسف: ۱۴)

۲۔ اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم نقصان پانے والے ہوں گے۔ (الاعراف: ۲۳)

۳۔ زمین میں فساد کرنے والے لوگ خسارہ اٹھائیں گے۔ (البقرۃ: ۲۷)

۴۔ اللہ کفار کے اعمال دنیا میں تباہ کرے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پائیں گے۔ (التوبۃ: ۶۹)

۵۔ جس نے اللہ کے سوا شیطان کو دوست بنا لیا اس نے بہت نقصان پایا۔ (النساء: ۱۱۹)

۶۔ ان لوگوں نے نقصان پایا جنہوں نے اللہ کی ملاقات کی تکذیب کی۔ (الانعام: ۳۱)

فَلَمَّا	ذَهَبُوْا	بِهٖ	وَاَجْمَعُوْٓا	اَنْ	يَّجْعَلُوْهُ	فِيْ
پھر جب	وہ لے گئے	ساتھ اس کے	اور انھوں نے عزم کرلیا	یہ کہ	وہ اسے ڈال دیں	میں
غَيٰبَتِ	الْجُبِّ ۚ	وَاَوْحَيْنَآ	اِلَيْهِ	لَتُنَبِّئَنَّهُمْ	بِاَمْرِهِمْ	هٰذَا
ویران	کنویں	اور ہم نے وحی کی	اس کی طرف	تو انھیں ضرور خبر دے گا	ان کے کام کی	یہ
وَهُمْ	لَا	يَشْعُرُوْنَ ﴿١٥﴾				
جبکہ وہ	نہیں	وہ سمجھتے ہیں				

”پھر جب وہ اسے لے گئے اور انھوں نے طے کرلیا کہ اسے ویران کنویں میں پھینک دیں اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ تو ضرور انھیں ان کے اس کام کی خبر دے گا اس حال میں کہ وہ سمجھتے نہ ہوں گے۔“ (١٥)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا مجبور ہو کر یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کے سپرد کرنا۔ اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا انہیں ویران اور گمنام کنویں میں پھینکنا۔

برادران جب یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے کر اپنے ہدف کے مقام پر پہنچے تو انہوں نے بالاتفاق یوسف علیہ السلام کو ایک ویران کنویں میں پھینک دیا۔ اس موقع پر بعض مفسرین نے غیر مستند تاریخی روایات کے حوالے سے لکھا ہے کہ جونہی یوسف علیہ السلام کے برادر اپنی بستی سے دور ہوئے تو انہوں نے یوسف کو مارنا پیٹنا شروع کیا۔ یوسف زار و قطار روتے ہوئے کبھی ایک اور کبھی دوسرے بھائی کے ساتھ چمٹ جاتے مگر وہ ترس کھانے کے بجائے اپنے سے اگلے کی طرف دھکیل دیتا۔ ممکن ہے یہی کچھ ہوا ہو کیونکہ قرآن مجید کسی واقعہ کی غیر اہم جزئیات بیان نہیں کرتا۔ اس لیے سب سے بڑے اور آخری اقدام کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ انہوں نے جب یوسف کو ویران کنویں میں پھینک دیا تو ہم نے یوسف کو وحی کی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ وقت آئے گا کہ جو کچھ انھوں نے کیا اس کے بارے میں تم ضرور اور ہر صورت انھیں بتلاؤ گے۔ ہندو پاک کے معروف اہل قلم اور ریاست پٹیالہ کے سیشن جج قاضی سلیمان منصور پوری تفسیر سورۃ یوسف المسمیٰ به الجمال و الکمال میں ﴿لَتُنَبِّئَنَّهُمْ﴾ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس کا معنیٰ ہے۔ اے یوسف فکر نہ کر تو باعزت اس مصیبت سے نجات پائے گا۔ اور تجھے اعلیٰ منصب عطا کیا جائے گا۔ تیرے بھائی تیرے سامنے ذلیل ہو کر حاضر ہوں گے اور تجھے ان کے سامنے سب کچھ بیان کرنے کا

موقع عنایت کیا جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو مصر کی مملکت کا حکمران بنایا۔ قحط سالی سے تنگ آ کر امداد کے لیے برادرانِ یوسف ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنے جرم کا اعتراف کیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں معاف کرتے ہوئے، عزت واحترام سے نوازا۔ اس کی تفصیل آیت ۸۹ تا ۹۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ارشاد ہوا ہے کہ ہم نے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی۔ حالانکہ اس وقت حضرت یوسف کی عمر آٹھ، نو سال یا ۱۶، ۱۷ سال کی بتلائی جاتی ہے۔ میرا قلبی میلان یہ ہے کہ حضرت یوسف کی عمر آٹھ یا نو سال تھی۔ ۱۶ تا ۱۷ سال کا بچہ جوان یا جوانی کے بالکل قریب ہوتا ہے۔ بالخصوص جس شخصیت کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر نامزد کرنا ہوتا ہے وہ صحت کے اعتبار سے اپنی عمر سے بہت زیادہ سمجھدار اور کافی حد تک جسمانی طور پر بڑا دکھائی دیتا ہے۔ لہٰذا نہایت چھوٹی عمر میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف وحی کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلبی طور پر اطمینان بخشا اور فکری اعتبار سے انہیں پرسکون کر دیا کہ تجھے گھبرانا نہیں چاہیے۔ وقت آنے پر سب کچھ تیرے سامنے کر دیا جائے گا۔ وحی کی اقسام میں ایک قسم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی سے جو کام لینا چاہتا ہے اس کے کرنے کا اس کے دل میں القاء کر دیتا ہے۔ جس کی قرآن مجید کے حوالے سے دو مثالیں پیش خدمت ہیں۔ اے انسان تیرے رب نے مکھی کی طرف وحی کی ہے کہ وہ پہاڑوں اور انگور کی بیلوں میں اپنا گھر بنائے پھر پھلوں سے رس چوس کر اپنے رب کی ہموار کردہ راہوں پر چلتی ہوئی اپنے پیٹ سے مختلف رنگوں کا شہد نکالے جس میں لوگوں کے لیے شفاء رکھ دی گئی ہے۔ یقیناً اس میں غور کرنے والے لوگوں کے لیے راہنمائی کا سامان موجود ہے۔ (النحل: ۶۸ تا ۶۹)

موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کی والدہ کی طرف وحی کی (یعنی القا کیا) کہ اسے دریا میں ڈال دے، اس پر ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم موسیٰ کو آپ کی طرف لوٹائیں گے۔ اور اسے نبوت سے سرفراز کریں گے۔ (القصص: ۷)

مسائل

۱۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے اندھیرے کنویں میں پھینک دیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ القا کے ذریعے جسے چاہے آگاہ فرماتا ہے۔

وَجَآءُوْٓ	اَبَاهُمْ	عِشَآءً	يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾	قَالُوْا	يٰٓاَبَانَآ	اِنَّا	
اور وہ آئے	ان کا باپ	عشاء	وہ روتے ہوئے	انھوں نے کہا	اے ہمارے ابا!	یقیناً ہم	
ذَهَبْنَا	نَسْتَبِقُ	وَتَرَكْنَا	يُوْسُفَ	عِنْدَ	مَتَاعِنَا	فَاَكَلَهُ	
ہم گئے	ہم دوڑ کا مقابلہ کرنے لگے	اور ہم نے چھوڑ دیا	یوسف کو	پاس	اپنے سامان	تو کھا گیا اسے	
الذِّئْبُ	وَمَآ	اَنْتَ	بِمُؤْمِنٍ	لَّنَا	وَلَوْ	كُنَّا	
بھیڑیا	اور نہیں	آپ	یقین کرنے والے	ہمارے لیے	اور اگرچہ	ہوں ہم	
صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾	وَجَآءُوْ	عَلٰى	قَمِيْصِهٖ	بِدَمٍ	كَذِبٍ	قَالَ	
سچے	اور لائے وہ	پر	اس کی قمیص	خون	جھوٹا	اس نے کہا	

''اور وہ اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت روتے ہوئے آئے۔''(۱۶)'' کہنے لگے ابا جان! یقیناً ہم دوڑ میں مقابلہ کرنے لگے اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تو اسے کوئی بھیڑیا کھا گیا اور تو ہرگز ہمارا یقین کرنے والا نہیں خواہ ہم سچے ہوں۔''(۱۷)''اور وہ اس کی قمیص پر ایک جھوٹا خون لگا لائے اس نے کہا

فہم القرآن

ربط کلام: برادرانِ یوسف غلطی پر غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو ویران کنویں میں پھینک کر۔ برادرانِ یوسف روتے ہوئے دانستہ تاخیر سے عشاء کے وقت گھر آئے تاکہ ان کی من گھڑت کہانی پر والد کو یقین آجائے۔

یاد رہے کہ عشاء کا وقت مغرب کے بعد اچھی طرح اندھیرا چھا جانے سے لے کر آدھی رات تک شمار ہوتا ہے۔ برادرانِ یوسف گھر داخل ہوتے ہی ہچکیاں لیتے اور زار و قطار روتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہتے ہیں۔ ابا جان! ہم یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ کر کھیل کود میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں بہت دور نکل گئے۔ ہمارے پیچھے بھیڑیئے نے یوسف کو کھالیا۔ یہ حقیقت ہے مگر ہمارے سچا ہونے کے باوجود آپ ہم پر یقین نہیں کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے حضرت یوسف کی خون آلود قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے رکھ دی۔ جس پر کسی جانور کا خون لگا رکھا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ صورت حال دیکھ کر صرف اتنا ہی فرمایا۔ جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس پر میں اللہ ہی سے مدد کا طلب گار ہوں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف کو اس کے بھائیوں کے سپرد کرتے ہوئے جس بات کا خدشہ ظاہر کیا تھا برادرانِ یوسف نے پورے غور و خوض کے بعد سوچا چونکہ ہمارے والد کے دل میں بھیڑیئے کا یوسف کو کھانے کے بارے میں اندیشہ پختہ ہو چکا

الثلثة

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ

بلکہ بنالی ہے تمھارے لیے تمھارے نفسوں نے ایک بات بس صبر ہی بہتر ہے

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور اللہ (سے) مدد طلب کی جاتی ہے پر جو تم بیان کرتے ہو

بلکہ تمھارے لیے تمھارے دلوں نے ایک بات بنالی ہے۔بس صبر ہی بہتر ہے اور اللہ ہی ہے جس سے اس پر مدد مانگی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔(۱۸)

ہے۔اس لیے ہمیں بھی یہی بات ان کے سامنے کہنا چاہیے۔اس کے لیے انہوں نے حضرت یوسف کی قمیص کو کسی جانور کے خون کے ساتھ آلودہ کرلیا۔گویا کہ انہوں نے من گھڑت کہانی کو حقیقت کا رنگ دینے کے لیے یکے بعد دیگرے چار غلط اقدام کیے۔

۱۔ بلا وجہ رات تاخیر سے گھر آنا۔ ۲۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کو کسی جانور کے خون کے ساتھ لت پت کرنا۔

۳۔ زاروقطار رونا اور مصنوعی ہچکیاں لینا۔ ۴۔ باپ کے خدشے کے مطابق جھوٹی کہانی بنانا۔

تحقیق وتفتیش کی تاریخ میں یہ بات بڑی مسلمہ ہے کہ واردات کرنے والے شخص سے کوئی نہ کوئی ایسی غلطی یا کوتاہی رہ جاتی ہے جس سے جرم کا سراغ لگانا آسان ہوجاتا ہے۔جسے تفتیشی زبان میں کہا جاتا ہے کہ چور کوئی نہ کوئی نشان چھوڑ جاتا ہے۔

کہانی بیان کرنے سے پہلے ہی اخلاقی دباؤ ڈالنے کے لیے حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ کہا ہمارے سچا ہونے کے باوجود آپ ہماری بات پر یقین نہیں کریں گے۔بعض مفسرین نے بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص پر جھوٹا خون لگانے کے وقت وہ بھول گئے تھے۔کہ قمیص کو مخصوص انداز میں پھاڑنا بھی چاہیے۔حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص صحیح سالم دیکھی تو وہ فرمانے لگے کہ یہ کیسا بھیڑیا تھا؟ جس نے یوسف کو پھاڑ ڈالا مگر قمیص کو آنچ نہ آنے دی۔ممکن ہے اس طرح ہوا ہو لیکن میرے خیال میں حقیقت کی تہہ تک پہنچنے کے لیے بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کے ساتھ برتاؤ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے تھا۔جس بنا پر انہوں نے یوسف علیہ السلام کو ان کے سپرد کرتے ہوئے اس خدشہ کا اظہار فرمایا تھا کہ کہیں تمہاری غفلت کی وجہ سے بھیڑیا یوسف کو نقصان نہ پہنچائے۔پھر جس انداز سے انہوں نے من گھڑت کہانی بیان کی اس سے ایک دانشور انسان کو حقیقت تک پہنچنے کے لیے کوئی خاص دشواری پیش نہیں آتی۔

کیونکہ قتل جیسا سانحہ رونما ہونے کے بعد مقتول کے قریبی اعزاواقرباء کے رونے کا انداز اور ان کی طبیعت پر مرتب ہونے والے غم کے اثرات سے آدمی اچھی طرح اندازہ کرلیتا ہے کہ مقتول کے بارے میں رونے والے کے غم کی کیا کیفیت ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام تو یوسف علیہ السلام کے باپ اور اللہ کے عظیم پیغمبر تھے۔انہیں بات کی تہہ تک پہنچنے میں ذرا دیر نہ لگی فوراً فرمایا کہ تمہارے دلوں نے یوسف کے ساتھ زیادتی کرنے اور جھوٹی کہانی بنانے کو آسان بنادیا ہے۔کیونکہ بیٹوں نے اپنی طاقت پر

ناز کرتے ہوئے یہ جرم کیا تھا۔حضرت یعقوب علیہ السلام نے نہایت ہی دانشمندی اور صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے جوان بیٹوں سے جھگڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ ایسی صورتِ حال میں اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کرنی چاہیے۔لہٰذا حضرت یعقوب علیہ السلام نے ''اللہ''ہی سے مدد طلب کی۔

اس قسم کے حالات میں ایک دانشور باپ کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے ورنہ بدنامی کے ساتھ صورتِ حال اور گھمبیر ہو جایا کرتی ہے۔حضرت یعقوب علیہ السلام صبر جمیل کے ساتھ اس غم کو پی جاتے ہیں۔صبر جمیل سے مراد ایسا صبر جس میں کسی قسم کا گلہ شکوہ نہ پایا جائے۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِامْرَأَةٍ تَبْكِي عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ اتَّقِي اللَّهَ وَاصْبِرِي قَالَتْ إِلَيْكَ عَنِّي ، فَإِنَّكَ لَمْ تُصَبْ بِمُصِيبَتِي ، وَلَمْ تَعْرِفْهُ فَقِيلَ لَهَا إِنَّهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَتَتْ بَابَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَمْ تَجِدْ عِنْدَهُ بَوَّابِينَ فَقَالَتْ لَمْ أَعْرِفْكَ فَقَالَ إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولَى))

[رواه البخاري: باب زِيَارَةِ الْقُبُورِ]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک ایسی عورت کے پاس سے ہوا جو قبر پر بیٹھی رو رہی تھی آپ نے فرمایا اللہ سے ڈر اور صبر اختیار کر اُس نے کہا تمھیں کیا جو مصیبت مجھے پہنچی ہے وہ آپ کو نہیں اور اُس نے آپ کو پہچانا نہیں تھا اُسے کہا گیا کہ بے شک آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو وہ آپ کے دروازے پر آئی تو کوئی دربان نہ پایا اور عرض کرنے لگی اے اللہ کے نبی میں آپ کو پہچان نہیں سکی تھی آپ نے فرمایا صبر وہی ہوتا ہے جو صدمے کے آغاز پر کیا جائے۔''

مسائل

۱۔ مکار مجرم اکثر زیادہ رویا کرتے ہیں۔ ۲۔ صبر بہترین عمل ہے اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

تفسیر بالقرآن

صبر کی فضیلت اور اجر:

۱۔ صبر بہترین عمل ہے اور اللہ ہی اس پر مدد کرے گا جو تم بیان کرتے ہو۔(یوسف:۱۸)

۲۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔(البقرۃ:۱۵۳) ۳۔ صبر کرنے والے کامیاب ہوں گے۔(المومنون:۱۱۱)

۴۔ صبر کرنے والوں کی آخرت اچھی ہوگی۔(الرعد:۲۴)

۵۔ صبر کرنے والوں کو جنت میں سلامتی کی دعائیں دی جائیں گی۔(الفرقان:۷۵)

۶۔ صبر کرنے والے بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔(الزمر:۱۰)

وَجَآءَتْ	سَيَّارَةٌ	فَاَرْسَلُوْا	وَارِدَهُمْ	فَاَدْلٰى	دَلْوَهٗ ؕ	قَالَ
اور وہ آئی	قافلہ	پس انھوں نے بھیجا	اپنا پانی لانے والا	اس نے لٹکایا	اپنا ڈول	اس نے کہا

يٰبُشْرٰى	هٰذَا	غُلٰمٌ ؕ	وَاَسَرُّوْهُ	بِضَاعَةً ؕ	وَاللّٰهُ	عَلِيْمٌ
واہ خوشخبری ہے!	یہ	لڑکا	اور انھوں نے اسے چھپایا	پونجی سمجھ کر	اور اللہ	خوب جانتا تھا

بِمَا	يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾	وَشَرَوْهُ	بِثَمَنٍ	بَخْسٍ	دَرَاهِمَ	مَعْدُوْدَةٍ ۚ
اسے جو وہ کررہے تھے		اور انھوں نے اس کو بیچ ڈالا	ساتھ قیمت	ناقص	درہموں	گنتی کے

وَكَانُوْا	فِيْهِ	مِنَ	الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع
اور تھے وہ	اس میں	سے	بے رغبت

''اور ایک قافلہ آیا تو انھوں نے اپنے پانی لانے والے کو بھیجا سو اس نے اپنا ڈول لٹکایا۔ کہنے لگا! خوشخبری ہو! یہ ایک لڑکا ہے۔ اور انھوں نے پونجی سمجھ کر چھپا لیا اور اللہ خوب جانتا تھا جو وہ کررہے تھے۔'' (۱۹) ''اور انھوں نے اسے تھوڑی سی قیمت پر چند درہموں کے عوض بیچ دیا اور وہ اس میں رغبت نہ رکھنے والے تھے۔'' (۲۰)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائی کنویں میں پھینک کر واپس چلے آئے۔ کچھ دنوں کے بعد ایک قافلہ کنویں کے قریب اترا اور انھوں نے یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکال لیا۔

مفسرین کی غالب اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام تین دن تک اس ویران کنویں میں پڑے رہے اور آخری دن ایک قافلہ وہاں سے گزرا جنہوں نے اس زمانے کے دستور کے مطابق ایک آدمی کو اپنے سے پہلے روانہ کیا تاکہ جہاں انہوں نے پڑاؤ ڈالنا ہے اس کے گردو جوار پانی تلاش کرے۔ پانی تلاش کرنے والے شخص نے جب کنویں میں ڈول ڈالا۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام اس ڈول میں بیٹھ کر باہر نکلے۔ جنہیں دیکھتے ہی وہ شخص چلا اٹھا کہ قافلے والو! خوش ہو جاؤ۔ ہمیں ایک غلام مل گیا ہے۔ ظاہر ہے قافلے والوں نے آج تک ایسا غلام نہیں دیکھا ہوگا۔ کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام پیغمبروں کے عظیم خاندان کا صاحبزادہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسا حسن و جمال عنایت فرمایا تھا جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ آٹھ، نو سال کی عمر کا پیغمبرزادہ اس کے حسن و جمال اور چہرے کی نورانیت اور معصومیت چودھویں رات کے چاند کو شرما رہی تھی۔

قافلہ والوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی مگر یہ لوگ بردہ فروش نہ تھے۔ اس لیے انہوں نے یوسف علیہ السلام کو چند درہموں کے عوض یعنی حقیر سی رقم پر بیچ ڈالا۔ کیونکہ انہیں بردہ فروشی کے کاروبار کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ کچھ لوگوں نے اس کا مفہوم یہ

لکھا ہے کہ بیچنے والے قافلے کی بجائے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی تھے۔ جو کسی نہ کسی انداز میں ان کی نگرانی کر رہے تھے۔ کہ یوسف کا کیا انجام ہوتا ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ قافلے والے اسے نکال کر لے جا رہے ہیں۔ تو انہوں نے مختلف بہانے بنا کر حضرت یوسف علیہ السلام کو ان سے حاصل کیا اور بعد ازاں انہیں کے ہاتھوں معمولی قیمت لے کر فروخت کر دیا۔ لیکن پختہ اہل علم، اس بات کے ساتھ اتفاق نہیں کرتے انہوں نے فروخت کنندگان سے مراد قافلے کے لوگ سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پہلی آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا جو وہ کر رہے تھے۔ جس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔

۱۔ برادران یوسف کو یہ معلوم نہ تھا کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس کا انجام یوسف علیہ السلام کے بارے میں کتنا بہتر ہوگا۔

۲۔ قافلے والوں کو بھی یہ خبر نہ تھی کہ جسے وہ عام بچہ اور غلام سمجھ رہے ہیں وہ کس قدر بڑے خاندان کا لختِ جگر اور کس قدر عظیم الشان قسمت کا مالک ہوگا۔ غلام عربی زبان میں صرف زرخرید شخص کے لیے نہیں بلکہ غلام کا لفظ چھوٹے بچے سے لے کر ایسے نوجوان کے بارے میں بھی بولا جاتا ہے جس کے چہرے پر جوانی کا سبزہ نمودار ہو رہا ہو۔

مسائل

۱۔ یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر پانی لانے والا خوشی سے چلا اٹھا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کے عمل سے خوب واقف ہے۔

۳۔ یوسف علیہ السلام کو معمولی قیمت پر فروخت کر دیا گیا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال سے اچھی طرح باخبر ہے:

۱۔ اللہ خوب واقف تھا جو کچھ وہ کر رہے تھے۔ (یوسف:۱۹)

۲۔ اللہ دیکھنے والا ہے جو لوگ عمل کرتے ہیں۔ (آل عمران:۱۶۳)

۳۔ نہیں ہے اللہ غافل اس سے جو لوگ عمل کرتے ہیں۔ (الانعام:۱۳۲)

۴۔ بے شک جو وہ عمل کرتے ہیں اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے۔ (ھود:۱۱۱)

۵۔ ہم ان کو خبر دیں گے جو وہ اعمال کرتے رہے۔ (الانعام:۱۰۹)

۶۔ اللہ کو ظالموں کے اعمال سے غافل تصور نہ کریں۔ (ابراہیم:۴۲)

وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِیْ

اور اس نے کہا — وہ — خرید اتھا اس کو — سے — مصر — اپنی بیوی کے لیے — اچھا کیجیے

مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ

اس کا ٹھکانہ — امید ہے — یہ کہ — وہ ہمیں نفع دے — یا — ہم بنالیں — بیٹا

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ؗ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ

اور اسی طرح — ہم نے جگہ دی — یوسف کو — میں — زمین — اور تاکہ ہم اسے سکھائیں — سے

تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ

تعبیر کرنا — باتیں — اور اللہ — غالب — پر — اپنے کام — اور لیکن

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۱

اکثر — لوگ — وہ نہیں جانتے

”اور جس شخص نے اسے مصر سے خریدا اس نے اپنی بیوی سے کہا اسے اچھے انداز میں رکھیں۔ ہوسکتا ہے کہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔ اور اسی طرح ہم نے یوسف کو اس زمین میں جگہ دی، تاکہ ہم اسے معاملات کی حقیقت تک پہنچنا سکھائیں۔ اللہ اپنے کام پر غالب ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“ (۲۱)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا بازار میں بکنا اور عزیز مصر کا انہیں خریدنا۔

جن اہل علم نے اس سے پہلی آیت کا یہ مفہوم لیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو فروخت کرنے والے ان کے بھائی تھے۔ انھوں نے مختلف غیر مستند روایات سے ثابت کیا ہے کہ جب قافلہ والے حضرت یوسف کو بیچنے کی غرض سے بازار میں لائے۔ تو ہر خریدار ان پر اس قدر فریفتہ ہوا جس سے حضرت یوسف علیہ السلام کی بولی لگتے لگتے ڈھیروں درہم و دینار اور قیمتی کپڑوں کے انبار لگ گئے مگر عزیز مصر نے سب سے زیادہ بولی چکا کر حضرت یوسف علیہ السلام کو خرید لیا۔ آیات کے سیاق وسباق سے یہ بات زیادہ واضح ہوتی ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے قافلے والوں نے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کے ہاتھ فروخت کیا تھا کیونکہ یہ لوگ بنیادی طور پر بردہ فروش نہ تھے۔ جس وجہ سے انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قیمت بڑھانے میں زیادہ دلچسپی نہ لی۔ بہر حال حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر خرید کر اپنے گھر لے جاتا ہے۔ عزیز مصر کون تھا؟ اکثر مفسرین اور مؤرخین کا خیال ہے کہ مصر کا وزیر خزانہ تھا۔ سوسائٹی کا بڑا آدمی اور حکومت کے اہم عہدے پر فائز ہونے کی وجہ سے وہ حضرت

یوسف علیہ السلام کو خریدتے وقت پہچان گیا کہ یہ بچہ کوئی عام بچہ نہیں ہے بلکہ کسی بڑے خاندان کا چشم و چراغ ہے لیکن زمانے کے حوادث نے اسے منڈی کا مال بنا دیا ہے۔

اسے یہ فیصلہ کرنا اس لیے بھی آسان ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام عمر کے اعتبار سے بچہ ہونے کے باوجود اپنے حسن و جمال میں سب سے نمایاں تھے۔ اس لیے اس نے گھر جاتے ہی اپنی بیوی سے کہا کہ اس کا خیال رکھنا۔ ہوسکتا ہے کہ ہمارے لیے بڑا مفید ثابت ہو یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنا لیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا عزیز مصر کے ہاں پہنچنا اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا نتیجہ تھا۔ جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے یوسف کو زمین میں یعنی مصر میں اچھا ٹھکانہ دیا تاکہ اسے معاملہ فہمی اور امور مملکت سکھلائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر کامیاب کرنے اور ہر حکم کو نافذ کرنے پر قادر ہے لیکن لوگوں کی اکثریت اللہ کی تقدیر اور اس کے احکام کی حکمت کو نہیں جانتی۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں تین آدمی بڑے ہی عقلمند اور قیافہ شناس ثابت ہوئے ہیں۔

۱۔ عزیز مصر جس نے یوسف علیہ السلام کو دیکھتے ہی گوہر نایاب کے طور پر پہچان لیا اور اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ اس بچے کا ہر لحاظ سے خیال رکھنا۔ یہ بڑا ہو کر ہمارے لیے بڑا ہی سودمند ثابت ہوگا۔

۲۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی دختر نیک اختر جس نے ایک مسافر یعنی موسیٰ علیہ السلام کو شرم و حیا کے ساتھ ایک نظر دیکھتے ہی پہچان لیا تھا کہ یہ جوان نہایت ہی باحیا، صاحب کردار، خیر خواہ اور دیانت دار ہے۔ بعد ازاں اسی کی رائے کے نتیجے میں حضرت شعیب علیہ السلام نے جناب موسیٰ علیہ السلام کو آٹھ سے دس سال کے لیے اپنے گھر رکھا پھر اسی بیٹی کو ان کے نکاح میں دیا۔

۳۔ تیسرے ''سیدنا'' صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ جنہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا۔ جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی وہ خدمت کی جس کی مثال قیامت تک نہ مل سکے گی۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بہتر ٹھکانہ عطا فرمایا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہر کام پر غالب ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کا حکم ہر حال میں غالب ہوتا ہے:

۱۔ اللہ اپنے ہر کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف:۲۱)

۲۔ اللہ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو حکم کرتا ہے۔ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ (البقرۃ:۱۱۷)

۳۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (البقرۃ:۲۰)

وَلَمَّا	بَلَغَ	اَشُدَّهٗۤ	اٰتَيْنٰهُ	حُكْمًا	وَّعِلْمًا ؕ	وَكَذٰلِكَ	
اور جب	وہ پہنچا	اپنی جوانی	ہم نے اسے عطا کیا	حکم	اور علم	اور اسی طرح	
نَجْزِى	الْمُحْسِنِيْنَ ۝	وَرَاوَدَتْهُ	الَّتِىْ	هُوَ	فِىْ	بَيْتِهَا	
ہم جزا دیتے ہیں	نیکی کرنے والوں کو	اور اس کو پھسلایا	اس نے	وہ	میں	اس کے گھر	
عَنْ	نَّفْسِهٖ	وَغَلَّقَتِ	الْاَبْوَابَ	وَقَالَتْ	هَيْتَ لَكَ ؕ		
سے	اس کا نفس	اور بند کر دیے اس نے	دروازے	اور کہا	آ جاؤ		
قَالَ	مَعَاذَ	اللّٰهِ	اِنَّهٗ	رَبِّىْۤ	اَحْسَنَ	مَثْوَاىَ ؕ	
اس نے کہا	پناہ	اللہ	تحقیق وہ	میرا آقا ہے	اچھا کیا اس نے	میرا ٹھکانہ	
اِنَّهٗ	لَا يُفْلِحُ	الظّٰلِمُوْنَ ۝					
یقیناً	نہیں وہ فلاح پاتے	ظالم لوگ					

’’اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے حکم اور علم عطا کیا اور ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔‘‘ (۲۲)
’’اور اس عورت نے جس کے گھر میں وہ تھا اسے اس کے نفس سے پھسلایا اور دروازے بند کر لیے اور کہنے لگی جلدی آؤ۔ اس نے کہا اللہ کی پناہ بے شک وہ میرا مالک ہے اس نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا۔ بلاشبہ حقیقت یہ ہے کہ ظالم فلاح نہیں پاتے۔‘‘ (۲۳)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا عزیز مصر کے گھر امورِ مملکت کی تربیت پاتے ہوئے نوجوان ہونا۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام جوانِ رعنا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عقل و دانش اور امورِ مملکت کی جان پہچان سے نوازا۔ جس کے بارے میں ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔ مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام ۲۳ سال کے لگ بھگ عزیز مصر کے ہاں ٹھہرے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس عرصہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی لیاقت، دیانت اور احساس ذمہ داری سے عزیز مصر اور اس کے اہل خانہ اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرتِ طیبہ سے کیوں نہ متاثر ہوتے جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام براہِ راست اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں پرورش پا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ جس شخصیت کو اپنا رسول بنانا چاہتا ہے وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ہوا کرتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے کہ جونہی

یوسف جوان ہوئے تو ہم نے اسے علم وحکمت سے نوازا۔ اس فرمان سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کے گھر ہی نبوت سے سرفراز کیا گیا تھا۔ علم وحکمت اور امور مملکت کے مشاہدات کیے۔ مؤرخین نے عزیز مصر کی بیوی راعیل اور زلیخا لکھا۔ لیکن قرآن مجید نے اس کی پردہ پوشی کے لیے نام نہیں لیا۔ جب یوسف علیہ السلام حسن و جمال اور عالم شباب کو پہنچے تو عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف کو برائی کے لیے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ نہ معلوم وہ کس کس انداز اور نخرے کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو ورغلانے کی کوشش کرتی رہی۔ جب تمام کوششوں میں ناکام ہوئی تو اس نے آخری قدم اٹھاتے ہوئے ایک دن حضرت یوسف علیہ السلام کو کسی بہانے اپنے شب خانہ میں بلایا۔ جونہی حضرت یوسف علیہ السلام اس جگہ پہنچے تو اس نے نامعلوم طریقے کے ساتھ اس کمرے تک پہنچنے والی راہداری اور اس کے ملحقہ کمروں کو مقفل کر دیا۔ عزیز مصر کے محل کا نقشہ سمجھنے کے لیے آج کے بنگلوں اور محلات کے نقشوں کو سامنے رکھنا چاہیے۔

جب اس نے ہر دروازہ مقفل کر لیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو ہیجانی اور جذباتی انداز میں کہا کہ آ جاؤ اب تو کوئی نہیں دیکھتا۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نگاہیں نیچی رکھتے ہوئے بڑے ہی وقار اور حیادار لہجے میں فرماتے ہیں کہ ''اللہ کی پناہ'' یعنی اللہ مجھے بچائے۔ جس نے مجھے بہترین قیام وطعام بخشا ہے۔ میں ایسی حرکت کیونکر کر سکتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو کامیابی نہیں دیتا۔

یہاں ظلم سے مراد اللہ تعالیٰ کی حد کو توڑنا ہے اور بدکاری کرنا ہے۔ بدکار ایک طرف اللہ تعالیٰ کی حد کو توڑ کر ظلم کرتا ہے۔ دوسری طرف اپنی حیا کو تار تار کرتے ہوئے اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔ جس سے زانی اور زانیہ دونوں کے خاندانوں کے وقار پر دھبہ لگتا ہے۔ اکثر اوقات مال ضائع ہونے کے علاوہ قتل جیسے سنگین جرائم جنم لیتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس لیے بھی اس حرکت کو ظلم قرار دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی احسان فراموشی کے علاوہ عزیز مصر کے ساتھ بھی زیادتی ہوگی کہ اس نے مجھ جیسے غلام کو بیٹوں کی طرح پالا اور میں غلام ہو کر اپنے آقا کی عزت کو تار تار کروں یہ بڑا ہوگا۔ جس سے میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

﴿إِنَّهُ رَبِّيٓ أَحْسَنَ مَثْوَايَ﴾ [یوسف:۲۳]

''بے شک وہ میرا رب ہے۔ اس نے میرا ٹھکانہ اچھا بنایا ہے۔''

رب سے مراد بعض مفسرین نے عزیز مصر لیا ہے۔ کیونکہ عربی میں یہ الفاظ عام استعمال ہوتے ہیں جیسے رب البیت وغیرہ۔ اسی کے پیش نظر حضرت یوسف علیہ السلام نے عمومی زبان استعمال کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے رب یعنی عزیز مصر نے مجھے بہت بڑا مقام دیا ہے اگر میں اس کی اہلیہ کے ساتھ بدکاری کروں تو بہت بڑی زیادتی اور ظلم ہوگا۔ دوسرے اہل علم اس معنی کی نفی کرتے ہیں کہ ایک ایسا شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنانا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی بڑے سے بڑے شخص کو بھی ''میرا رب'' کے الفاظ نہیں کہہ سکتا۔ میرا ذاتی خیال بھی یہ ہے کہ پیغمبر کی شان اور اس کے عقیدہ کے خلاف ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو'' میرا رب'' کہے۔ بے شک رب کا لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن نبی کے لائق نہیں کہ وہ ''اللہ'' کے سوا کسی اور کے لیے یہ لفظ استعمال کرے۔ لہٰذا حضرت یوسف کی مراد حقیقی رب تھا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو علم وحکمت عطا فرمائی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو صلہ عطا فرماتا ہے۔

۳۔ یوسف علیہ السلام نے گناہ سے بچنے کے لیے اللہ سے پناہ طلب کی۔

۴۔ ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے۔

تفسیر بالقرآن

ظالم حقیقی کامیابی نہیں پایا کرتا:

۱۔ بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔ (یوسف: ۲۳) ۲۔ ظالموں کے لیے تباہی ہے۔ (نوح: ۲۸)

۳۔ ظالموں کی بستی کو الٹا کر پتھروں کی بارش برسائی گئی۔ (العنکبوت: ۳۱)

۴۔ ظالموں کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے۔ (الحشر: ۱۷) ۵۔ ظالم کامیابی نہیں پائیں گے۔ (الانعام: ۲۱)

۶۔ مجرم فلاح نہیں پائیں گے۔ (یونس: ۱۷)

۷۔ ظالموں کا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہوگا۔ (الشعراء: ۸)

۸۔ قیامت کے دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹیں گے اور کہیں گے کاش ہم رسول کی راہ اختیار کرتے۔ (الفرقان: ۲۷)

۹۔ قیامت کے دن ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہوں گے۔ (مریم: ۳۸)

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ
اور البتہ تحقیق اس نے ارادہ کیا ساتھ اس کے اور اسے ارادہ کیا ساتھ اس کے اگر نہ یہ کہ اس نے دیکھا

بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَاۗءَ ۭ
دلیل اپنے رب اسی طرح تا کہ ہم پھیر دیں اس سے برائی اور بے حیائی

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝۲۴
یقیناً وہ سے ہمارے بندے خالص کیے ہوئے

''اور البتہ تحقیق وہ اس کے ساتھ ارادہ کر چکی تھی اور وہ بھی اس عورت کے ساتھ ارادہ کر لیتا اگر نہ دیکھی ہوتی اس نے اپنے رب کی برہان۔ اسی طرح ہوا۔ تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو ہٹا دیں۔ یقیناً وہ ہمارے خالص کیے ہوئے بندوں سے تھا۔'' (۲۴)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

پچھلی آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے عظیم امتحان کا ذکر ہوا۔ اس آیت میں اس کی مزید تفصیل ہے کہ زلیخا تو گناہ کے خیال میں لگی ہوئی تھی۔ یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی انسانی فطرت کے تقاضے سے کچھ کچھ غیر اختیاری میلان پیدا ہونے لگا مگر اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت اپنی برہان یوسف علیہ السلام کے سامنے کر دی جس کی وجہ سے غیر اختیاری میلان آگے بڑھنے کی بجائے ختم ہو گیا۔

اس آیت میں لفظ ''ھَمّ'' بمعنی خیال یوسف علیہ السلام اور زلیخا دونوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یہ تو معلوم ہے کہ زلیخا کو گناہ کا خیال تھا۔ یوسف علیہ السلام کے متعلق بھی اسے ہی خیال کا وہم ہوسکتا تھا اور یہ باجماع امت شان نبوت کے خلاف ہے۔ کیونکہ جمہور علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ انبیاء کبیرہ، صغیرہ ہر قسم کے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ کبیرہ گناہ نہ تو قصداً ہوسکتا ہے اور نہ سہواً ہوسکتا ہے۔ البتہ صغیرہ گناہ سہواً و خطا کے طور پر سرزد ہونے کا امکان ہے۔ مگر اس پر بھی انبیاء علیہم السلام کو قائم نہیں رہنے دیا جاتا۔

عربی زبان میں لفظ '' ھَمَّ '' دو معنوں کے لیے بولا جاتا ہے۔

۱۔ کسی کام کا پختہ ارادہ اور عزم کر لینا۔

۲۔ محض دل میں وسوسہ اور خیال کا پیدا ہونا جو انسان کے اختیار میں ہوتا نہ اس پر کوئی مواخذہ اور گناہ ہے۔

معلوم ہوا کہ اگرچہ آیت میں لفظ ''ھَمَّ'' زلیخا اور حضرت یوسف علیہ السلام دونوں کے لیے بولا گیا مگر ان دونوں کے ''ھَمَّ'' میں بڑا فرق ہے۔ پہلا ھَمَّ گناہ ہے اور دوسرا ھَمَّ غیر اختیاری وسوسہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بعد جو ارشاد فرمایا ''لو لا ان لا برھان ربہ'' اس کی جزا محذوف ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ اگر وہ اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے تو اس خیال میں مبتلا ہو جاتے۔

قرآن کریم نے یہ واضح نہیں فرمایا کہ جو ''برہان ربی'' یوسف علیہ السلام کے سامنے آئی وہ کیا تھی؟ اسی لیے اس کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد، سعید بن جبیر، محمد بن سیرین، حسن بصری وغیرہ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ اس خلوت گاہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت اس طرح سامنے کی کہ وہ اپنی انگلی اپنے منہ میں دبائے ہوئے یوسف کو متنبہ کر رہے تھے۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ عزیز مصر کی صورت ان کے سامنے کر دی۔ بعض نے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نظر چھت پر پڑی جس پر لکھا ہوا تھا ''لَاتَقرَبُوا الزِنٰی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَسَاءَ سَبِیْلًا'' بعض مفسرین نے فرمایا کہ زلیخا کے کمرہ میں ایک بت تھا۔ اس نے بت پر پردہ ڈالا تو یوسف علیہ السلام نے وجہ پوچھی اس نے کہا کہ یہ میرا معبود ہے۔ اس کے سامنے گناہ کرنے کی اجازت نہیں۔ یوسف علیہ السلام نے کہا کہ میرا معبود اس سے زیادہ کا مستحق ہے۔ اس کی نظر کو کوئی پردہ نہیں روک سکتا۔ بہرحال حضرت یوسف علیہ السلام نے برہان دیکھی جس سے ان کے دل سے وسوسہ جاتا رہا۔

﴿کَذٰلِکَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ﴾ [یوسف: ۲۴]

''یعنی ہم نے یوسف کو یہ برہان اس لیے دکھائی کہ ان سے برائی اور بے حیائی کو ہٹا دیں۔ کیونکہ یوسف علیہ السلام ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں۔''

لفظ مخلصین اس جگہ بفتح لام مخلَص کی جمع ہے۔ جس کے معنیٰ منتخب کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اصلاح خلق کے لیے انتخاب فرمایا ہے۔ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظتی پہرہ ہوتا ہے کہ وہ کسی برائی میں مبتلا نہ ہو سکیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو لفظ سوء اور فحشاء کے استعمال فرمائے ہیں۔ سوء کے لفظی معنیٰ برائی کے ہیں۔ مراد اس سے صغیرہ گناہ ہے اور فحشاء کے معنی بے حیائی کے ہیں اس سے مراد کبیرہ گناہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کبیرہ اور صغیرہ دونوں قسم کے گناہوں سے محفوظ رکھا۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ ابتلاء پیش آئی تو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ آپ کا یہ مخلص بندہ گناہ کے خیال میں ہے حالانکہ وہ اس کے وبال کو خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انتظار کرو۔ اگر وہ گناہ کرلے تو جیسا کرے۔ وہ اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دو اور اگر وہ اس کو چھوڑ دے تو اس کے نامۂ اعمال میں گناہ کے بجائے نیکی لکھ دو کیونکہ اس نے میرے خوف سے اپنی خواہش کو چھوڑ دیا ہے۔ (رواہ مسلم: باب اذا ھم العبد بحسنة)

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے گناہ کے وسوسہ اور خیال کو معاف کر دیا ہے۔ جبکہ وہ اس پر عمل نہ کرے۔ (رواہ مسلم: تجاوز اللہ عن حدیث النفس والخواطر باتقلب اذالم تستقر)

مسائل

۱۔ عزیز مصر کی بیوی نے برائی کا ارادہ کرلیا تھا۔

۲۔ یوسف علیہ السلام کو برہان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے برائی سے بچالیا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو برائی اور بے حیائی سے دور رکھتا ہے۔

۴۔ یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور پیغمبر تھے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کے مخلص بندے:

۱۔ اللہ اپنے مخلص بندوں کو برائی اور بے حیائی سے بچاتا ہے۔ (یوسف:۲۴)

۲۔ رسول اللہ کو مخلص لوگوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا۔ (الکہف:۲۸)

۳۔ تم خالص اللہ کو پکارو اگرچہ یہ بات کفار کو ناگوار گزرے۔ (المومن:۱۴)

۴۔ شیطان نے کہا تیرے مخلص بندوں کے سوا تمام کو گمراہ کروں گا۔ (الحجر:۴۰)

۵۔ شیطان نے کہا تیری عزت کی قسم تیرے مخلص بندوں کے علاوہ سبھی کو گمراہ کروں گا۔ (ص:۸۳)

۶۔ فرما دیجیے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خالصتاً اللہ کی عبادت کروں۔ (الزمر:۱۱)

۷۔ جنھوں نے رسولوں کو جھٹلایا وہ دوزخ میں داخل کیے جائیں گے۔ اللہ کے خاص بندوں کے سوا۔ (الصّٰفّٰت:۱۲۸)

وَاسْتَبَقَا	الْبَابَ	وَقَدَّتْ	قَمِيصَهُ	مِنْ	دُبُرٍ	وَّأَلْفَيَا
اور وہ دونوں بھاگے	دروازہ	اور پھاڑ دی اس نے	اس کی قمیص	سے	پیچھے	اور پایا دونوں نے
سَيِّدَهَا	لَدَا	الْبَابِ	قَالَتْ	مَا جَزَآءُ	مَنْ	أَرَادَ
اس کے خاوند کو	نزدیک	دروازہ	اس نے کہا	کیا سزا ہے	جو	ارادہ کرے
بِأَهْلِكَ	سُوٓءًا	إِلَّآ	أَنْ	يُّسْجَنَ	أَوْ	عَذَابٌ
تیری بیوی کے ساتھ	برائی کا	سوائے	یہ کہ	وہ قید کیا جائے	یا	عذاب
أَلِيمٌ ۝	قَالَ	هِيَ	رَاوَدَتْنِي	عَنْ	نَفْسِي	وَشَهِدَ
دردناک؟	اس نے کہا	اسی نے	ورغلایا مجھے	سے	میرے نفس	اور گواہی دی

”اور دونوں دروازے کی طرف بھاگے اور اس عورت نے اس کی قمیص پیچھے سے پھاڑ دی اور دونوں نے اس کے خاوند کو دروازے کے پاس پایا، کہنے لگی کیا سزا ہے اس کی جس نے تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا۔ سوائے اس کے کہ وہ قید کیا جائے یا اسے دردناک عذاب دیا جائے۔“ (۲۵) ”یوسف نے کہا اسی نے مجھے میرے نفس سے ورغلایا

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حضرت یوسف علیہ السلام کا بے حیائی سے بچتے ہوئے دروازے کی طرف بھاگنا۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنی عفت وعصمت بچاتے ہوئے دروازے کی طرف دوڑے۔ ان کو پکڑنے کے لیے عزیز مصر کی بیوی پیچھے بھاگتی ہے۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام دوڑتے ہوئے دروازے تک پہنچ گئے۔ پیچھے سے عزیز مصر کی بیوی نے ان کی قمیص کھینچی۔ اس حالت میں حضرت یوسف دروازہ کھولنے میں کامیاب ہوئے جونہی دروازہ کھلا۔ دونوں نے عزیز مصر کو دروازے کے سامنے پایا۔ اپنے خاوند کو دیکھ کر عورت نے اپنی کرتوت کو یوسف علیہ السلام کے ذمہ لگاتے ہوئے اپنے خاوند سے مطالبہ کیا کہ اس مجرم کی کیا سزا ہونی چاہیے؟ جس نے آپ کی اہلیہ کے ساتھ برا ارادہ کیا ہو۔ ہاں اس کی سزا تو جیل بھیجنا یا اس سے بھی سخت ترین سزا ہونی چاہیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام فوراً فرماتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ اس عورت نے مجھے ورغلانے کی کوشش کی ہے۔ عورت کے خاندان میں ایک شخص نے گواہی دی کہ اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہے۔ تو عورت سچی اور یوسف جھوٹا ہے۔ اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو عورت جھوٹی اور یوسف سچ کہتا ہے۔ جب یوسف علیہ السلام کی قمیص دیکھی گئی تو وہ پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ جس پر عزیز مصر نے کہا یہ عورتوں کی ایک چال اور مکر وفریب ہے۔ بلاشبہ تمہارا مکر وفریب بڑا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بڑی عاجزی سے کہا جو ہونا تھا ہوگیا۔ اس بات کو آگے

شَاهِدٌ	مِّنْ	اَهْلِهَا ۚ	اِنْ	كَانَ	قَمِيْصُهٗ	قُدَّ
ایک گواہ	سے	اس کے خاندان	اگر	ہے	اس کی قمیص	پھٹی ہوئی
مِنْ	قُبُلٍ	فَصَدَقَتْ	وَهُوَ	مِنَ	الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾	وَاِنْ
سے	آگے	تو وہ سچی ہے	اور وہ	سے	جھوٹ بولنے والے	اور اگر
كَانَ	قَمِيْصُهٗ	قُدَّ	مِنْ	دُبُرٍ	فَكَذَبَتْ	وَهُوَ
ہے	اس کی قمیص	پھٹی ہوئی	سے	پیچھے	تو وہ جھوٹی ہے	اور وہ
مِنَ	الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾	فَلَمَّا	رَاٰ	قَمِيْصَهٗ	قُدَّ	مِنْ
سے	سچ بولنے والے	پھر جب	دیکھی	اس کی قمیص	پھٹی ہوئی	سے
دُبُرٍ	قَالَ	اِنَّهٗ	مِنْ	كَيْدِكُنَّ ؕ	اِنَّ	كَيْدَكُنَّ
پیچھے	اس نے کہا	یقیناً وہ	سے	مکر وفریب	یقیناً	مکر وفریب

ہے اوراس عورت کے گھر والوں سے ایک شخص نے گواہی دی اگراس کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو عورت نے سچ کہا اور یہ جھوٹوں سے ہے۔" (۲۶) "اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو عورت نے جھوٹ کہا اور وہ سچے لوگوں میں سے ہے۔" (۲۷) "جب اس نے اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی دیکھی تو اس نے کہا یقیناً یہ تم عورتوں کے فریب ہیں یقیناً تمھارا فریب

بڑھانے کے بجائے جانے دیجیے پھر اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ تجھے اپنے گناہ کی معافی مانگنی چاہیے۔ یقیناً تو ہی خطا کار ہے۔

اس موقعہ پر عزیز مصر نے انتہائی دانش مندی اور حوصلہ سے کام لیتے ہوئے معاملے کو نپٹانے کی کوشش کی۔ تا کہ مزید بدنامی سے بچا جا سکے۔ مگر معاملہ تین کے بجائے چوتھے آدمی تک پہنچ چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ بڑے لوگوں کے محلات میں کئی نوکر اور خادمائیں ہوا کرتی ہیں۔ ان حالات میں بات کا پھیلنا یقینی ہوتا ہے۔ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے قاضی سلیمان منصور پوری سیشن جج آف ریاست پٹیالہ لکھتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ایک ہوشیار شخص تھا، اور اس نے جو طریق استدلال اختیار کیا۔ وہ صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ یہ شخص بالکل عورت کی حمایت میں تھا۔ اگر ہم عورت کے اس بیان کو مروجہ قانون کے تحت لائیں تو یہ ایک استغاثہ اقدام زنا بالجبر کا تھا۔ استغاثہ کی صداقت خود مستغیثہ کے بیان اور حالت سے ہونی چاہیے تھی۔ جس میں عورت کے لباس اور جسم کو دیکھا جاتا۔ تشدد کے نشانات تلاش کیے جاتے ہیں۔ لیکن رائے دہندہ چونکہ عورت کے گھرانے کا تھا۔ اس لیے اس نے تحقیقات کا یہ حقیقی پہلو اختیار ہی نہیں کیا۔ بلکہ عورت کے خالی خولی بیان کو مان کر حضرت یوسف علیہ السلام پر صفائی کا بار ڈال دیا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندہ کی عفت وعصمت کو واضح کرنا تھا۔ ورنہ طریقہ تحقیقات خالی از تعصب

عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ

بہت بڑا ہے یوسف! درگزر کر سے یہ اور تو مغفرت طلب کر اپنے گناہوں کی

اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾

بلاشبہ تو تو ہی ہے سے خطا کاروں میں سے

بہت بڑا ہے۔" (۲۸) "یوسف! اس معاملے سے درگزر کر اور اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی مانگ یقیناً تو ہی خطا کاروں سے ہے۔" (۲۹)

ہرگز نہ تھا۔

اب قانون کی دوسری بات سمجھو کہ اس شاہد نے دریافت اصلیت کے لیے ایک قرینہ کو اختیار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہی امر سکھلانے کے لیے اس کا ذکر فرمایا ہے کہ جب شہادت واقعہ موجود نہ ہو تب قرائن کا استعمال کیا جا سکتا ہے اور فقدان شہادت اصلیہ کے وقت قرائن صحیحہ اور قیاسات قریبہ بھی شہادات کا کام دے جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے عمر فاروق اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ جات کو پڑھا ہے۔ جن لوگوں کی نظر قاضی کعب بن سراز دی اور قاضی شریح بن الحارث کندی اور قاضی ایاس بن معاویہ مزنی اور فقیہ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے فیصلہ جات تک پہنچی ہے وہ جانتے ہیں کہ آئمہ اسلام نے کس عمدگی سے اس اصول کا استعمال کیا ہے اور وہ فراست صادقہ کی شمولیت سے حقیقت اصلیہ کا انکشاف عمدگی سے کیا کرتے تھے۔ (سیرت رحمت للعالمین)

مسائل

۱۔ برائی سے بچنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

مکر کا مفہوم:

۱۔ بے شک یہ تیری تدبیر ہے عورتوں کا مکر بہت بڑا ہوتا ہے۔ (یوسف: ۲۸)

۲۔ بے شک یہ مکر ہے جو تم نے شہریوں کو ان کے گھروں سے نکالنے کے لیے کیا ہے۔ (الاعراف: ۱۲۳)

۳۔ اللہ نے اسے ان کی خفیہ تدبیروں سے محفوظ رکھا۔ (المومن: ۴۵)

۴۔ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی تدبیر کی اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ (الانفال: ۳۰)

۵۔ ان کے مکر کا انجام دیکھو ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو ہلاک کر دیا۔ (النمل: ۵۱)

وَ قَالَ	نِسْوَةٌ	فِي	الْمَدِيْنَةِ	امْرَاَتُ	الْعَزِيْزِ	تُرَاوِدُ
اور اس نے کہا	عورتیں	میں	شہر	بیوی	عزیز	وہ پھسلاتی ہے
فَتٰىهَا	عَنْ	نَّفْسِهٖ	قَدْ شَغَفَهَا	حُبًّا	اِنَّا	لَنَرٰىهَا
اپنے غلام کو	سے	اس کے نفس	تحقیق گھر کر گئی اس میں	محبت	یقیناً ہم	البتہ دیکھتی ہیں اسے
فِيْ	ضَلٰلٍ	مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾	فَلَمَّا	سَمِعَتْ	بِمَكْرِهِنَّ	اَرْسَلَتْ
میں	گمراہی	ظاہر	پھر جب	اس نے سنی	ان کی ملامت	اس نے بھیجا
اِلَيْهِنَّ	وَ اَعْتَدَتْ	لَهُنَّ	مُتَّكَاً	وَّاٰتَتْ	كُلَّ	وَاحِدَةٍ
ان کی طرف	اور اس نے تیار کی	ان کے لیے	تکیے	اور اس نے دی	ہر	ایک کو

''اور شہر میں کچھ عورتوں نے کہا عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس کے نفس سے پھسلاتی ہے بلاشبہ وہ محبت کی وجہ اس کے دل میں سما چکا ہے۔ یقیناً ہم تو اسے صریح غلطی پر دیکھتی ہیں۔'' (۳۰) ''جب اس نے ان کے فریب کے بارے میں سنا تو ان کی طرف پیغام بھیجا اور ان کے لیے تکیوں والی مجلس سجائی اور ان میں سے ہر ایک کو

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ عزیز مصر کے معاملہ کو رفع دفع کرنے کے باوجود بات امراء کے گھروں تک پہنچی۔

جوں جوں بات امراء کے گھرانوں میں پہنچتی گئی ہر عورت نے اپنے اپنے انداز سے اس پر تبصرہ کیا۔ سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ عزیز مصر کی بیوی کس قدر جذباتی اور بے وقوف ہے کہ وہ زرخرید غلام پر فریفتہ ہو چکی ہے۔

''شَغَفَهَا حُبًّا'' کے بارے میں اہل لغت نے لکھا ہے کہ اس سے مراد دل کے اندر وہ خلا، حلقہ یا وہ ہلکی سی جھلی ہے جو دل کے اوپر دکھائی دیتی ہے۔

اس کا معنٰی دل پر محبت کی چوٹ لگنا بھی لیا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ عزیز مصر کی بیوی پر حضرت یوسف کی غالب ہو چکی تھی اور وہ اپنے زرخرید غلام کے ہاتھ اپنا دل ہار بیٹھی۔ جب ان باتوں کا عزیز مصر کی بیوی کو علم ہوا تو اس نے تمام عورتوں کو ایک دعوت میں مدعو کیا۔ جس میں شاندار طریقے کے ساتھ تکیے سجائے گئے اور ہر کسی کے سامنے کھانے پینے کی اشیاء کے ساتھ پھل رکھتے ہوئے ایک ایک چھری رکھ دی گئی۔ ممکن ہے اس وقت بھی چھری کانٹے سے کھانے کا رواج ہو۔ اس کے بعد عزیز مصر کی بیوی نے کسی بہانے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان عورتوں کے سامنے بلایا۔ جب یوسف علیہ السلام اندر آئے تو عورتوں نے نظریں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تو خود سپردگی کے عالم میں اپنے ہاتھ زخمی کر لیے۔ اس کے ساتھ ہی بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا۔ یہ بشر نہیں بلکہ

مِّنْهُنَّ	سِكِّيْنًا	وَّ قَالَتِ	اخْرُجْ	عَلَيْهِنَّ ۚ	فَلَمَّا	رَاَيْنَهٗٓ
ان میں سے	ایک چھری	اوراس نے کہا	تو نکل	ان پر	پھر جب	اس کو دیکھا
اَكْبَرْنَهٗ	وَقَطَّعْنَ	اَيْدِيَهُنَّ	وَقُلْنَ	حَاشَ	لِلّٰهِ	مَا هٰذَا
اسے بہت بڑا جانا	اورانھوں نے کاٹ لیے	اپنے ہاتھ	اور وہ بولیں	پناہ	اللہ کی	نہیں یہ
بَشَرًا ۭ	اِنْ	هٰذَآ	اِلَّا	مَلَكٌ	كَرِيْمٌ ۝۳۱	قَالَتْ
بشر	نہیں ہے	یہ	مگر	کوئی فرشتہ	نہایت معزز	اس نے کہا
فَذٰلِكُنَّ	الَّذِيْ	لُمْتُنَّنِيْ	فِيْهِ ۭ	وَلَقَدْ	رَاوَدْتُّهٗ	عَنْ
یہی تو ہے	وہ کہ	تم نے مجھے ملامت کی	اس میں	اور البتہ تحقیق	میں نے ورغلایا تھا اسے	سے

ایک چھری دے دی اور کہنے لگی ان کے سامنے آؤ۔ پھر جب انھوں نے اسے دیکھا تو اسے بہت بڑا جانا اور انھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور کہنے لگیں اللہ کی پناہ! یہ آدمی نہیں ہے مگر کوئی معزز فرشتہ ہے۔(۳۱)''اس عورت نے کہا یہی ہے وہ جس کے بارے میں تم نے مجھے ملامت کی اور بلاشبہ میں نے اسے اس کے نفس سے ورغلایا تھا۔ مگر یہ بالکل بچ گیا اور اگر اس

ایک معزز فرشتہ ہے۔ان کے جذبات دیکھ کر اس عورت کو اور حوصلہ ملا۔ جس بنا پر اس نے سب کے سامنے کھل کر کہا کہ جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں۔ تم نے دیکھ لیا کہ یوں ہی نہیں میں نے اسے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر یہ بچ نکلا۔ اگر اس نے اب میری حکم عدولی کی تو اسے جیل خانہ میں ڈال کر ذلیل کیا جائے گا۔ یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کو دیکھتے ہی نہ صرف انہوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے بلکہ یوسف علیہ السلام کے حسن وصورت سے متاثر ہو کر ایک دوسرے سے بڑھ کر فریفتہ ہو رہی تھیں۔ گویا کہ یہاں یک نہ شد دو شد سے بھی معاملہ کہیں آگے گزر چکا تھا۔

لیکن دوسری طرف اس ماہِ جبیں کی کیفیت یہ تھی کہ نگاہیں زمین پر گڑھی ہوئی تھیں۔ گناہ کے ماحول سے پریشان اور اللہ کے ڈر سے خوفزدہ ہو کر دل ہی دل میں اللہ کی پناہ مانگ رہے ہیں۔ اس واقعہ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس زمانے میں مصر کے پوش محلوں اور (ہائی جینٹری) High Gentry کی اخلاقی حالت کیا تھی کہ سرِ عام اور کھلے الفاظ میں ایک نہیں سب بیگمات خود سپردگی کی کیفیت میں ایک غیر محرم کے سامنے نسوانی جذبات کا اظہار کر رہی ہیں۔ لیکن آزادی نسواں کے پرستار انہیں روکنے ٹوکنے کے لیے تیار نہ تھے۔ جس طرح آج یورپ، امریکہ بلکہ بعض اسلامی ملکوں میں بھی یہ ماحول پیدا ہو چکا ہے جو کسی بھی معاشرے کی تباہی کے سوا کوئی نتیجہ برآمد نہیں کر سکتا۔

نَفۡسِهٖ	فَاسۡتَعۡصَمَ ؕ	وَلَئِنۡ	لَّمۡ	يَفۡعَلۡ	مَاۤ	اٰمُرُهٗ
اس کے نفس	تو اس نے بچا لیا	اور البتہ اگر	نہ	اس نے کیا	جو	میں اسے حکم دیتی

لَيُسۡجَنَنَّ	وَلَيَكُوۡنًا	مِّنَ	الصّٰغِرِيۡنَ ﴿۳۲﴾
وہ ضرور قید کیا جائے گا	اور البتہ ضرور ہوگا	سے	بے عزت ہونے والوں میں

نے وہ نہ کیا جو میں اسے حکم دیتی ہوں تو اسے ضرور قید کیا جائے گا اور یہ ہر صورت بے عزت ہونے والوں سے ہوگا۔'' (۳۲)

حسن یوسف:

((عَنۡ أَنَسِ بۡنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ...... ثُمَّ عَرَجَ بِيۡ إِلَى السَّمَآءِ الثَّالِثَةِ فَاسۡتَفۡتَحَ جِبۡرِيۡلُ فَقِيۡلَ مَنۡ أَنۡتَ قَالَ جِبۡرِيۡلُ قِيۡلَ وَمَنۡ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ ﷺ قِيۡلَ وَقَدۡ بُعِثَ إِلَيۡهِ قَالَ قَدۡ بُعِثَ إِلَيۡهِ فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِيُوۡسُفَ إِذَا هُوَ قَدۡ أُعۡطِيَ شَطۡرَ الۡحُسۡنِ فَرَحَّبَ وَدَعَا لِيۡ بِخَيۡرٍ))

[رواہ مسلم: کتاب الایمان، باب الاسرا]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا.... پھر مجھے تیسرے آسمان پر چڑھایا گیا جبرائیل علیہ السلام نے دروازہ کھلوانا چاہا پوچھا گیا کون ہے جواب ملا جبرائیل۔ پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہے۔ جبرائیل علیہ السلام کہنے لگے محمد (ﷺ) انہوں نے دریافت کیا کہ آپ کو لینے کے لیے بھیجا گیا تھا جبرائیل علیہ السلام نے کہا ہاں انہیں لینے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ دروازہ کھول دیا گیا وہاں یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ساری کائنات کے حسن کا آدھا حصہ عطا فرمایا تھا۔ تو اس نے خوش آمدید کہا اور میرے لیے بھلائی کی دعا کی۔''

مسائل

۱۔ یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔

۲۔ اللہ کا نبی صورت وسیرت کے لحاظ سے اعلیٰ ترین انسان ہوتا ہے۔

۳۔ بعض عورتیں جذبات کی خاطر اپنی عزت بھی داؤ پر لگا دیتی ہیں۔

قَالَ	رَبِّ	السِّجْنُ	اَحَبُّ	اِلَيَّ	مِمَّا	يَدْعُوْنَنِيْٓ
اس نے کہا	اے میرے رب!	قید	زیادہ پسندیدہ ہے	مجھے	اس سے	وہ مجھے بلاتی ہیں
اِلَيْهِ ۚ	وَاِلَّا	تَصْرِفْ	عَنِّيْ	كَيْدَهُنَّ	اَصْبُ	اِلَيْهِنَّ
اس کی طرف	اور اگر نہ	تو پھیرے گا	مجھ سے	ان کا مکر	میں مائل ہو جاؤں گا	ان کی طرف
وَاَكُنْ	مِّنَ	الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾	فَاسْتَجَابَ	لَهٗ	رَبُّهٗ	فَصَرَفَ
اور میں ہو جاؤں گا	سے	جاہلوں	چنانچہ قبول کر لی	اس کیلیے	اسکے رب نے	سو پھیر دیا اس نے
عَنْهُ	كَيْدَهُنَّ ۭ	اِنَّهٗ	هُوَ	السَّمِيْعُ	الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾	ثُمَّ بَدَا
اس سے	ان کا مکر	یقیناً وہی	وہ	خوب سننے والا	خوب جاننے والا	پھر ظاہر ہوا
لَهُمْ	مِّنْۢ	بَعْدِ	مَا رَاَوُا	الْاٰيٰتِ	لَيَسْجُنُنَّهٗ	حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾
ان کیلیے	سے	بعد	جوانھوں نے دیکھ لیں	نشانیاں	اسے ضرور قید میں ڈالیں	کچھ وقت تک

''اس نے کہا اے میرے رب! مجھے قید خانہ اس سے زیادہ پسند ہے جس کی طرف یہ مجھے دعوت دے رہی ہیں اور اگر تو مجھ سے ان کے فریب کو نہ دور کرے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو کر جاہلوں سے ہو جاؤں گا۔''(۳۳)''بس اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی پس اس سے ان کا فریب ہٹا دیا۔ یقیناً وہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔''(۳۴)''پھر اس کے بعد کہ وہ کئی نشانیاں دیکھ چکے ان کے سامنے یہ بات آئی کہ اسے ایک وقت تک ضرور قید کر دیں۔''(۳۵)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی بے بسی کے عالم میں مانگی ہوئی دعا قبول ہوئی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام زرخرید غلام اور غریب الوطن ہونے کی وجہ سے ہر طرف سے بے بس اور مجبور تھے۔ اگر فرار کا راستہ اختیار کرتے تو ان کے سامنے جیل خانہ یا موت تھی۔ دوسری طرف ایک نہیں کئی عورتیں بے حیائی کے چنگل میں پھنسانا چاہتی تھیں۔ یوسف علیہ السلام جائیں تو جائیں کہاں۔ مزید یہ کہ اس عورت نے ذلیل کرنے یا جیل کی کال کوٹھڑی میں ڈالنے کی دھمکی دی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر اس کا اظہار کیا کہ جس بے شرمی اور بے حیائی کی تو مجھے دعوت دیتی ہے اور اس کے نہ کرنے پر مجھے جیل جانے کی دھمکی سنا رہی ہے۔ شرم و حیا کے لٹ جانے سے میرے لیے یہ بڑا آسان راستہ ہے کہ میں جیل کی کوٹھڑی قبول کر لوں۔ مقصد یہ تھا کہ جس میں انسان کی حیا رخصت ہو جائے ایسی آزادی اور عزت کو پرکاہ برابر نہیں سمجھنا چاہیے۔ ان خیالات کے اظہار کے بعد یوسف علیہ السلام نے دل کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ اپنے رب سے فریاد کی کہ

اے ربِ کریم میں کب تک اس آزمائش میں پڑا رہوں گا۔جس طرف یہ مجھے بلا رہی ہے۔اے میرے رب اگر تو نے مجھے ان کے مکروفریب سے نہ بچایا تو انسان ہونے کے ناتے ڈر ہے کہ کہیں میں ان کی طرف مائل ہوکر تیری بارگاہ میں جاہلوں میں شامل نہ ہوجاؤں۔اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی فریاد قبول کی اور انہیں عورتوں کے مکروفریب، بے شرمی اور بے حیائی سے محفوظ کردیا۔کیونکہ اللہ اپنے بندوں کی فریادیں قبول کرنے والا اور ان کے دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔

مسائل

۱۔ یوسف علیہ السلام نے گناہ کے بجائے جیل کو ترجیح دی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ سے برائی سے بچنے کی دعا کرنی چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعا قبول فرماتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو گناہ سے محفوظ فرمالیا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ دعا قبول کرنے اور دلوں کے بھید جاننے والا ہے:

۱۔ اللہ نے اس کی دعا قبول فرمائی اور عورتوں کی تدبیر سے اسے دور رکھا بے شک وہ سننے اور جاننے والا ہے۔(یوسف:۳۴)

۲۔ اللہ دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہے۔(البقرۃ:۱۸۶)

۳۔ اللہ فرماتا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔(المومن:۶۰)

۴۔ بے شک میرا رب دعاؤں کو سننے والا ہے۔(ابراہیم:۳۹)

۵۔ بے شک اللہ دعاؤں کو سننے والا ہے۔(آل عمران:۳۸)

۶۔ نوح علیہ السلام نے پکارا اے میرے پروردگار میں مغلوب ہوں میری مدد فرما۔(القمر:۱۰)

۷۔ کون ہے جو مجبور کی پکار کو سنتا ہے اور اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے؟(النمل:۶۲)

۸۔ جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اللہ کی طرف جھکتے ہوئے اسے پکارتے ہیں۔(الروم:۳۳)

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ط قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ

اور وہ داخل ہوا اس کے ساتھ قید خانہ دو جوان اس نے کہا ان دونوں میں سے ایک یقیناً میں

اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ج وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ

اپنے آپ کو دیکھتا ہوں میں نچوڑ رہا ہوں شراب اور اس نے کہا دوسرا یقیناً میں

اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ

اپنے آپ کو دیکھتا ہوں میں اُٹھا رہا ہوں اوپر اپنے سر روٹی وہ کھاتا ہے پرندے

مِنْهُ ط نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ج اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۞

اس سے تو ہمیں بتلا اس کی تعبیر یقیناً ہم تجھے دیکھتے ہیں سے نیکی کرنے والے

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا

اس نے کہا نہیں آئے گا تم دونوں کے پاس کھانا جو تم دیے جاتے ہو مگر میں تمھیں بتلا دوں گا

''اور قید خانے میں اس کے ساتھ دو جوان داخل ہوئے۔ دونوں میں سے ایک نے کہا یقیناً میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ شراب نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا یقیناً میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں، جس سے پرندے کھا رہے ہیں، ہمیں اس کی تعبیر بتائیں۔ یقیناً ہم آپ کو نیک لوگوں میں سے دیکھتے ہیں۔'' (۳۶) ''اس نے کہا تمھارے پاس کھانا نہیں آئے گا جو تمھیں دیا جاتا

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا بے بسی اور بے چارگی کے عالم میں بدکاری کے مقابلے میں جیل کو ترجیح دینا۔

حقائق جاننے اور عزیز مصر کی بیوی کے اعترافِ جرم کے باوجود مصر کا حکمران طبقہ اور زعماء اپنی عورتوں کے ہاتھوں اس قدر مجبور ہوا کہ انہوں نے نسوانی رائے عامہ کے خوف سے حضرت یوسف علیہ السلام جیسے عظیم کردار کے حامل، شرم و حیا کے پیکر، دیانت و امانت کے امین اور احساس ذمہ داری کے نگہبان کو جیل کی کال کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ جس کے بارے میں اللہ سبحانہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ان لوگوں نے سب حقائق جاننے اور دیکھنے کے باوجود ایک مدت تک حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل میں بند رکھا۔

عربی شمار کے مطابق ''سنین'' کا لفظ دس سال کی مدت تک استعمال ہوتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام بے گناہ اور ایک پردیسی کی حیثیت سے جیل کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ ہی جیل میں داخل ہونے والے دو جوان قیدیوں نے ان کے سامنے اپنا اپنا خواب بیان کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں انگور نچوڑ رہا ہوں اور

بِتَأْوِيْلِهٖ	قَبْلَ	اَنْ	يَّاْتِيَكُمَا	ذٰلِكُمَا	مِمَّا	عَلَّمَنِيْ
اس کی تعبیر کے ساتھ	پہلے	یہ کہ	وہ تمہارے پاس آئے	وہ دونوں	اس چیز سے	اس نے مجھے سکھایا

رَبِّيْ	اِنِّيْ	تَرَكْتُ	مِلَّةَ	قَوْمٍ	لَّا يُؤْمِنُوْنَ	بِاللّٰهِ
میرے رب نے	بلاشبہ میں نے	میں نے چھوڑ دیا	دین	قوم	نہیں وہ ایمان لاتے	اللہ کے ساتھ

وَهُمْ	بِالْاٰخِرَةِ	هُمْ	كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾
اور وہ	آخرت کے ساتھ	وہ	کفر کرنے والے ہیں

ہے مگر میں کھانا آنے سے پہلے تمھیں اس کی تعبیر بتاؤں گا۔ یہ اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے۔ یقیناً میں نے اس قوم کا دین چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔'' (۳۷)

دوسرے نے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں۔ جنہیں پرندے نوچ رہے ہیں۔ اے یوسف ہمیں اس کی تعبیر بتائیں؟ کیونکہ ہم آپ کو محسن سمجھتے ہیں محسن کے دو معنی ہیں۔

۱۔ نہایت اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنے والا۔

۲۔ لوگوں پر احسان کرنے والا۔

ان الفاظ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے کردار کے کمال و جمال کا پتا چلتا ہے کہ ایک پردیسی اور بے گناہ قیدی ہونے کے باوجود کتنے حوصلے کے ساتھ جیل کاٹتے ہوئے اپنے رب کے شکر گزار اور ساتھیوں کے کس قدر خدمت گار ہوں گے۔ حالانکہ ایک بے گناہ قیدی اپنی بے گناہی اور ظالموں کے ظلم کی وجہ سے قید میں نہایت ہی پریشان دن گزارتا ہے۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں ایسا کردار پیش کرتے ہیں کہ ان کے قید کے ساتھی ان کے صالح کردار اور حسن اخلاق کی تعریف کیے بغیر نہیں رہتے اور ان کے کردار اور صلاحیتوں سے متاثر اس قدر ہیں کہ ان کو انتہائی نیک، سمجھ دار اور خیر خواہ سمجھ کر ان کے سامنے اپنے خواب ذکر کرتے ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ دونوں قیدی حاکم مصر کے شاہی مہمان خانے کے ملازم تھے۔ ایک باورچی خانے کا انچارج اور دوسرا حاکم مصر کے لیے مشروبات تیار کیا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے شراب یا کوئی مشروب اپنے آقا کی خدمت میں پیش کیا اس میں کرواہٹ تھی اور دوسرے کے کھانے پکانے میں کوئی نقص واقع ہوا۔ بعض اہل علم نے اسرائیلی روایات یا ان جوانوں کی قید کی سزا کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے اندازے سے لکھا کہ انہوں نے شراب اور کھانے میں زہر ملا دیا تھا۔

قرآن وحدیث اور تاریخ کی کسی بھی مستند کتاب سے ان کے زہر ملانے کا ثبوت نہیں ملتا۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ اکثر بادشاہ نازک

مزاج اور مغضوب الغضب ہوتے ہیں۔ جو بعض دفعہ چھوٹی سی غلطی پر بڑی سے بڑی سزا دینے سے نہیں چوکتے۔ بہر حال غلطی کوئی بھی ہو انہیں جیل میں ڈال دیا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کا خواب سنتے ہی فرمایا کہ قید میں تمہارا کھانا آنے سے پہلے ہی میں تمہارے خواب کی تعبیر بتاؤں گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب محسوس کیا کہ قیدی بھائی مجھ پر اعتماد اور میرے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں تو انہوں نے اس موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے انہیں دین کی دعوت دی۔ یہی داعی کی شان اور بصیرت ہونی چاہیے کہ وہ موقعہ محل کے مطابق دین کی دعوت پیش کرے۔ دین کی ابتدا اور انتہا تین بنیادوں پر قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور قیامت کے دن جواب دہی کا تصور اور عقیدۂ توحید پر ایمان لانا اور نبی کی ہدایت کے مطابق ان کے تقاضے پورے کرنا۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام قیدیوں کو دین سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے رب نے مجھے خوابوں کی تعبیر کا ملکہ، معاملہ فہمی اور اپنی جناب سے علم عنایت فرمایا ہے۔ اس لیے میں نے ایسی قوم کے طرز فکر اور طریقۂ حیات کو چھوڑ دیا ہے۔ جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور قیامت کے روز اس کے حضور پیش ہونے کے عقیدے کا انکار کرتے ہوں۔ اس سے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے نبی ہونے کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔

مسائل

۱۔ خواب کی تعبیر، تعبیر جاننے والے سے پوچھنا چاہیے۔ ۲۔ بے دین لوگوں کی راہ نہیں اپنانی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

ملت کفر و شرک کو چھوڑنے کا حکم:

۱۔ میں ایسی ملت چھوڑتا ہوں جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہ لائے۔ (یوسف:۳۷)

۲۔ اے پروردگار! اس کو امن والا شہر بنا، مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ (ابراہیم:۳۵)

۳۔ دین پر قائم رہو اور بے علموں کے راستہ کی پیروی نہ کرو۔ (یونس:۷۹)

۴۔ ہم نے آپ کو دین کے ایک طریقہ پر کر دیا آپ اسی پر چلے جائیں اور بے علموں کی خواہش کی پیروی نہ کریں۔ (الجاثیۃ:۱۸)

۵۔ بے وقوف ہی ملتِ ابراہیم سے منحرف ہو سکتا ہے۔ (البقرۃ:۱۳۰)

۶۔ کہہ دیجئے اللہ نے سچ فرمایا ہے کہ تم دین ابراہیم کی پیروی کرو۔ (آل عمران:۹۵)

۷۔ ہم اس وقت اللہ پر افتراء بازی کریں گے۔ اگر ہم ملت کفر میں لوٹ آئیں۔ (الاعراف:۸۹)

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

اور میں نے پیروی کی — دین — اپنے باپ دادا — ابراہیم — اور اسحاق — اور یعقوب

مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ

نہیں — ہے — ہمارے لیے — یہ کہ — ہم شریک ٹھہراتے ہیں — اللہ کے ساتھ — سے

شَيْءٍ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى

کسی چیز — وہ — سے — فضل — اللہ — ہم پر — اور پر

النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۳۸ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَ

لوگوں — اور لیکن — اکثر — لوگ — نہیں شکر کرتے — اے میرے ساتھیو — جیل — کیا

اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۳۹

رب — متفرق — بہتر — یا — اللہ — ایک — نہایت غالب؟

''اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے ہمارے لیے ممکن نہیں کسی کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔'' (۳۸) ''اے جیل کے دو ساتھیو! کیا مختلف رب بہتر ہیں یا ایک ''اللہ''؟ جو اکیلا نہایت غالب ہے'' (۳۹)

فہم القرآن

ربط کلام: قیدیوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کا خطاب جاری ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں کہ خوابوں کی تعبیر جاننا، اللہ اور آخرت پر ایمان لانا۔ میرے رب نے مجھے سکھلایا ہے۔ ان الفاظ سے یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل جانے سے پہلے نبوت کے منصب پر فائز کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی دعوت کی وضاحت اور سلسلۂ نبوت کو اپنے آباء حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے ساتھ جوڑتے ہوئے فرماتے ہیں ہم اس کو ہرگز جائز نہیں سمجھتے کہ اللہ کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک کریں۔ بے شک وہ جاندار ہو یا غیر جاندار۔ ''من شیءٍ'' کے الفاظ میں مردہ اور زندہ تمام شامل ہیں۔

اسی لیے میں نے اس طریقہ کو چھوڑ دیا ہے۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام پہلے شرک کرتے تھے بعد میں اسے چھوڑ

دیا۔اس کا معنٰی یہ ہے کہ میں نے اسے قبول ہی نہیں کیا۔عقیدۂ توحید کی فضیلت اور فرضیت کے پیش نظر فرماتے ہیں کہ یہ اللہ کا ہم لوگوں پر بڑا فضل ہے۔ ’’الناس‘‘ سے مراد بالخصوص انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔ان کے بعد وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے عقیدۂ توحید کی سمجھ اور اس کے تقاضے پورے کرنے کی توفیق عنایت فرمائی ہے۔پھر انتہائی عاجزی اور حقیقت کے اظہار کے لیے فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہی کے عطا کردہ علم سے خوابوں کی تاویل اور توحید کا عقیدہ بتلا رہا ہوں اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔الناس سے مراد عام لوگ بھی ہوسکتے ہیں۔کیونکہ یہ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے لوگوں کو عقیدۂ توحید کی تعلیم دے کر انسان کو اپنی چوکھٹ کے سوا ہر چوکھٹ اور درگاہ کے سامنے جھکنے سے منع کیا ہے۔اور انسان کی فطرت میں یہ بات رکھ دی ہے۔ کہ وہ انتہائی بے بسی اور غلامی کی حالت میں بھی ایک سے زائد آقا گوارا نہیں کرتا لیکن جب توحید کی غیرت دب جاتی ہے تو وہ ایک خدا کے سامنے جھکنے کے بجائے بتوں، مزاروں اور غیروں کے سامنے جھکتا چلا جاتا ہے۔حضرت یوسف علیہ السلام نہایت سمجھ داری اور سوز مندی کے ساتھ عقیدۂ توحید سمجھانے اور اس کے دنیوی اور اخروی فوائد بتلانے کے بعد ان سے سوال کرتے ہیں کہ اے میرے قید کے ساتھیو! بتلاؤ کہ مختلف خداؤں پر ایمان لانا بہتر ہے یا ایک اللہ پر جو ہر قسم کے اقتدار، اختیار اور زبردست جلالت وجبروت کا مالک ہے۔اندازہ فرمائیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کا دل بہلانے اور اپنی قربت کا احساس دلانے کے لیے کتنا پیارا انداز اختیار فرمایا ہے کہ انہیں یہ کہہ کر مخاطب کر رہے ہیں کہ تم میرے قیدی ساتھی ہو۔ذہنی قربت اور قلبی محبت پیدا کرنے کے بعد انہیں عقیدۂ توحید کا یہ فائدہ بھی بتلایا کہ اللہ واحد کے ہی اختیارات میں ہے کہ جب چاہے ظالموں کے دل موڑ دے اور ہماری رہائی عمل میں آجائے۔اس کے سامنے کسی جابر کا جبر اور ظالم کا ظلم نہیں ٹھہر سکتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو جب قافلے والوں نے اٹھایا اور پھر بازار میں فروخت کیا۔اس وقت انہیں یہ شعور اور علم تو تھا کہ میں حضرت یعقوب پیغمبر کا بیٹا حضرت اسحٰق کا پوتا ہوں اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ میرے پڑدادا ہیں۔جب ان پر تہمت لگی تو اس وقت وہ تیس سال کے قریب تھے۔بے گناہ ثابت ہونے کے باوجود انہیں جیل ڈال دیا گیا۔مگر کسی ایک موقع پر بھی انہوں نے اپنے خاندان کا تعارف نہیں کروایا۔لیکن جب عقیدۂ توحید بیان کرنے لگے تو اپنے بزرگوں کا تعارف کرواتے ہیں۔اس سے پہلے تعارف نہ کروانے کی دو وجوہات میں سے کوئی ایک وجہ یقینی ہے۔

پہلی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی انہیں اس وقت روک دیا ہو۔دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ عظیم خانوادے کا فرزند ہونے کی وجہ سے خداداد حوصلے کے سبب قافلے والوں کو اپنا تعارف کروانا مناسب نہ سمجھا۔بے شک وہ عمر کے لحاظ سے چھوٹے تھے

لیکن مستقبل میں نبی بنانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی نگرانی کر رہا تھا۔ تہمت لگنے کے وقت ان کی عمر تیس سال کے قریب تھی لیکن انہوں نے اپنے خاندانی حوالے سے اپنی پاک دامنی کا ثبوت دینے کے بجائے اسے حالات پر چھوڑ دیا کہ وقت آئے گا کہ قرائن اور شواہد سے ثابت ہو جائے گا کہ میرا دامن ہر اعتبار سے پاک صاف ہے۔ توحید کی دعوت دیتے وقت اپنے بزرگوں کا اس لیے تعارف کروایا کہ مصر کے لوگ بھی ان شخصیات سے بہت حد تک واقف اور ان کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس لیے ان کا نام لیتے ہیں کہ عقیدۂ توحید کو اختیار کرنے اور اس کی دعوت دینے میں، میں اکیلا نہیں بڑے بڑے انبیاء اور بزرگ اس عقیدہ کے حامل اور اس کی دعوت دیتے آرہے ہیں۔ اس وضاحت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ شرک چھوڑنے اور توحید کا عقیدہ اپنانے میں آسانی محسوس کریں۔

مسائل

۱۔ سب لوگوں کو ملت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کرنے کا حکم ہے۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشرکوں کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔

۳۔ عقیدۂ توحید در در کی ٹھوکروں اور کئی خداؤں سے نجات دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ملت ابراہیم کی اِتباع کا حکم:

۱۔ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو یکسو ہے۔ (النساء: ۱۲۵)

۲۔ حضرت ابراہیم کے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی اطاعت کی۔ (آل عمران: ۶۸)

۳۔ سب یکسو ہو کر حضرت ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو، وہ مشرک نہیں تھے۔ (آل عمران: ۹۵)

۴۔ نبی کریم کو بھی ملتِ ابراہیم کی اتباع کا حکم دیا گیا۔ (النحل: ۱۲۳)

مَا تَعْبُدُوْنَ	مِنْ	دُوْنِهٖٓ	اِلَّآ	اَسْمَآءً	سَمَّيْتُمُوْهَآ	اَنْتُمْ
نہیں تم عبادت کرتے	سے	سوائے اس کے	مگر	نام	تم نے رکھا ہے اس کو	تم
وَ اٰبَآؤُكُمْ	مَّآ	اَنْزَلَ	اللّٰهُ	بِهَا	مِنْ	سُلْطٰنٍ
اور تمھارے باپ داد	نہیں	اس نے نازل کی	اللہ	ساتھ اس کے	سے	دلیل
اِنِ	الْحُكْمُ	اِلَّا	لِلّٰهِ	اَمَرَ	اَلَّا	تَعْبُدُوْٓا	اِلَّآ
نہیں	حکم	مگر	اللہ کیلیے	اس نے حکم دیا	یہ کہ نہ	تم عبادت کرو	مگر
اِيَّاهُ	ذٰلِكَ	الدِّيْنُ	الْقَيِّمُ	وَلٰكِنَّ	اَكْثَرَ	النَّاسِ	لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۰
صرف اسی کی	وہ	دین	سیدھا	اور لیکن	اکثر	لوگ	نہیں وہ جانتے

''تم چند ناموں کے سوا عبادت نہیں کرتے۔ جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کے بارے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' (۴۰)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ عقیدۂ توحید اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک شرک کی نفی نہ کی جائے۔ اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام توحید کے اثبات کے ساتھ شرک کی نفی کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔

مصر کے معاشرہ میں لوگ اپنے بڑوں کو رب کے لفظ سے پکارا کرتے تھے جیسا کہ اب بھی ہندوستان اور ایران میں ہزاروں شرک زدہ لوگ اپنے اپنے بزرگوں کو خداوند یا خدایگان کہا کرتے ہیں۔ پاکستان میں مدفون بزرگوں، خاص کر حضرت علی ہجویری کو داتا اور بابا فرید آف پاکپتن کو فرید گنج، سندھ میں شہباز قلندر کو لجپال یعنی عزت دینے اور حفاظت کرنے والا کہتے ہیں۔ کسی نے وشنو، کسی نے برہما، کسی نے مہادیو، کسی نے ابوالہول، کسی نے تیان چینی، کسی نے غولِ بیابانی، کسی نے عارف عرق ،کسی نے سلطان الہند، کسی نے ابدال شامی، کسی نے اوتادِ مصری، غرض مختلف ملکوں میں ہر ایک شخص نے اپنے اپنے تعلق و محبت اور اپنے اپنے میلان طبع کی مناسبت سے خدائی اختیارات کسی نہ کسی کو دے رکھے ہیں۔ انہی کو اس آیت میں ﴿اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ﴾ فرمایا گیا ہے۔

قیدی ساتھیوں کو توحید کا سبق پڑھاتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام سمجھ گئے کہ اب یہ ذہنی طور پر اس مقام پر آ کھڑے ہوئے ہیں کہ کھلے الفاظ کے ساتھ شرک کی نفی اور اس کے بنیادی اسباب کا ذکر کیا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تم لوگ اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو یہ تو تمہارے دماغ کی اختراع اور اپنی طرف سے تمہارے رکھے ہوئے نام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا

کسی دوسرے کی عبادت کرنے اوران کی تائید میں کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے۔ توحید سمجھنا، اس پر ایمان لانا اوراس کے تقاضے پورے کرنا۔ دین کے باقی ارکان اس عقیدہ کے تقاضے ہیں۔ یہی اللہ تعالیٰ کا حکم اوراس کا دین ہے۔ جو ہمیشہ سے انھی اصولوں پر قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا۔

لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو جاننے کی کوشش نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی حکم ہے کہ صرف اسی ایک کی عبادت کرنے کے ساتھ تمام معبودان باطل کا انکار کیا جائے۔ اسی کا نام عقیدۂ توحید ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے دین قیم کے الفاظ استعمال فرما کر یہ بھی سمجھایا کہ اگر کسی کے پاس عقیدۂ توحید نہیں تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں۔ بے شک وہ کتنا دیندار ہونے کے دعوے کرتا رہے۔ یہی عقیدہ مضبوط اور دین ہمیشہ رہنے والا ہے۔

((عَنْ وَّهْبِ ابْنِ مُنَبِّهٍ رحمہ اللہ قِيلَ لَهٗ اَلَيْسَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لَّيْسَ مِفْتَاحٌ اِلَّا وَلَهٗ اَسْنَانٌ فَاِنْ جِئْتَ بِمِفْتَاحٍ لَّهٗ اَسْنَانٌ فُتِحَ لَكَ))[رواہ البخاری فی ترجمۃ الباب]

”حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے کسی نے یہ سوال کیا کیا لا الہ الا اللہ جنت کی چابی نہیں ہے؟ انہوں نے فرمایا کیوں نہیں؟ لیکن ہر چابی کے دندانے (پیچ) ہوا کرتے ہیں اگر تو پیچ دار چابی سے تالا کھولے گا تو کھل سکتا ہے (بصورتِ دیگر تیرے لیے دروازہ نہیں کھل سکتا۔)“

مسائل

۱۔ عبادت صرف ایک اللہ ہی کی کرنی چاہیے، باقی سب معبودانِ باطل ہیں۔

۲۔ پوری کائنات میں صرف اللہ ہی کا حکم چلتا ہے۔ ۳۔ دین اسلام سیدھا، سچا اور مضبوط دین ہے۔

۴۔ لوگوں کی اکثریت توحید کا علم نہیں رکھتی۔

تفسیر بالقرآن

صرف ایک اللہ کی ہی عبادت کرنا چاہیے:

۱۔ صرف اللہ ہی کی عبادت کرو۔ (ھود:۲۶) ۲۔ اس اللہ کی عبادت کرو جو اکیلا ہے۔ (الاعراف:۷۰)

۳۔ اللہ کا شکر ادا کرو اور خاص اس کی ہی عبادت کرو۔ (البقرۃ:)

۴۔ اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو اور خاص اس کی ہی عبادت کرو۔ (النحل:۱۱۴)

۵۔ اللہ نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے ان کو یہی حکم دیا کہ ایک اللہ ہی کی عبادت کریں۔ (الانبیاء:۲۵)

۶۔ اللہ نے ہر امت میں رسول بھیجے تاکہ لوگوں کو بتلائیں کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی عبادت سے بچو۔ (النحل:۳۶)

یٰصَاحِبَیِ	السِّجْنِ	اَمَّآ	اَحَدُکُمَا	فَیَسْقِیْ	رَبَّهٗ	خَمْرًا ۚ
اے میرے ساتھیو	جیل	لیکن	تم دونوں میں سے ایک	تو وہ پلائے گا	اپنے مالک کو	شراب
وَاَمَّا	الْاٰخَرُ	فَیُصْلَبُ	فَتَاْکُلُ	الطَّیْرُ	مِنْ	رَّاْسِهٖ ؕ
اور لیکن	دوسرا	سو وہ سولی دیا جائے گا	اور کھائے گا	پرندہ	سے	اس کے سر
قُضِیَ	الْاَمْرُ	الَّذِیْ	فِیْهِ	تَسْتَفْتِیٰنِ ؕ۴۱		
فیصلہ کر دیا گیا ہے	اس معاملے کا	وہ جو	اس کی بابت	تم مجھ سے پوچھتے ہیں		

”اے قید خانے کے ساتھیو! تم میں سے جو ایک ہے وہ اپنے مالک کو شراب پلائے گا اور جو دوسرا ہے اسے سولی دی جائے گی، پرندے اس کے سر کو کھائیں گے۔ جس کے بارے میں تم پوچھ رہے ہو اس کام کا فیصلہ ہو چکا۔“ (۴۱)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے قید کے ساتھیوں کو عقیدۂ توحید سمجھانے اور شرک کی نفی کرنے کے بعد ان کے خواب کی تعبیر بتلاتے ہیں۔ اب پھر دلربا لہجے میں فرمایا کہ اے میرے قید کے ساتھیو! تم میں سے ایک تو جیل سے رہا ہو کر اپنی ڈیوٹی پر بحال ہوگا اور اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا۔ اور دوسرا تختۂ دار پر لٹکایا جائے گا۔ اس کا سر پرندے نوچیں گے۔ جن خوابوں کی تعبیر تم پوچھ رہے ہو ان کی حقیقت یہ ہے اور ایسا ہی ہوگا۔ کیونکہ اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ یہ بات پہلے بھی عرض کی جا چکی ہے کہ پیغمبر ظاہری حسن و جمال اور صالح کردار ہونے کے ساتھ انتہائی ذہین اور سمجھ دار ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ غور فرمائیں کہ تعبیر بتلاتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام نے کس قدر دانائی اور ہوشمندی کا مظاہرہ کیا ہے۔ حالانکہ معلوم تھا کہ اس قیدی نے خواب میں اپنے آپ کو شراب کشید کرتے ہوئے دیکھا ہے اور دوسرے نے اپنے سر پر اٹھائی ہوئی روٹیاں پرندوں کو کھاتے ہوئے دیکھا ہے لیکن خواب کی تعبیر بتلاتے ہوئے پھانسی لگنے والے شخص کو براہِ راست یہ نہیں فرمایا کہ تم پھانسی لگ جاؤ گے۔ حالانکہ وہ دو میں سے ایک تھا۔ اس کے باوجود ایسا انداز اختیار فرمایا۔ جس سے اسے کم سے کم صدمہ پہنچے۔ اپنی بتلائی ہوئی تعبیر پر اس قدر یقین ہے کہ فرمایا جو میں نے بتلایا ہے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ تعبیر پر اس لیے یقین تھا کیونکہ انہیں پہلے بتلا چکے تھے کہ میرے رب نے مجھے خوابوں کی تعبیر اور اپنی طرف سے علم عنایت فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے قیدیوں نے کسی قسم کی بحث نہیں کی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب یوسف علیہ السلام نے رہائی پانے والے قیدی کو شراب پلانے سے منع کیوں نہ کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسے

منع کرنے کا فائدہ تو تبھی ہو سکتا تھا کہ اگر وہ اللہ کی توحید کا اقرار اور آخرت پر ایمان لانے کا اظہار کرتا۔ اس کا ثبوت تاریخ کے کسی حوالے سے موجود نہیں ہے کہ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کا کلمہ پڑھ لیا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مشروب کے لیے بھی شراب کا لفظ بولا جاتا ہے۔ یعنی ہر پینے والی چیز شراب ہوتی ہے۔ جس سے منع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

شراب پینے والے کی سزا:

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا فَمَاتَ وَ هُوَ يُدْمِنُهَا لَمْ يَتُبْ لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْاٰخِرَةِ)) [رواہ مسلم:باب بیان ان کل مسکر خمر]

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ جو شخص دنیا میں شراب پیتا ہوا فوت ہوا، اس نے توبہ نہ کی آخرت میں اسے جنت کی شراب نہیں ملے گی۔''

((عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا نُؤْتٰى بِالشَّارِبِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَإِمْرَةِ أَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ فَنَقُوْمُ إِلَيْهِ بِأَيْدِيْنَا وَنِعَالِنَا وَأَرْدِيَتِنَا حَتّٰى كَانَ آخِرُ إِمْرَةِ عُمَرَ فَجَلَدَ أَرْبَعِيْنَ حَتّٰى إِذَا عَتَوْا وَفَسَقُوْا جَلَدَ ثَمَانِيْنَ)) [رواہ البخاری: کتاب الحدود، باب الضرب بالجرید والنعال]

''حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ابتدائی دور میں شرابی پکڑا دیا جاتا۔ ہم اسے اپنے ہاتھوں، جوتوں اور چادروں کے ساتھ مارتے اور جب عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آخری دور آیا تو انہوں نے چالیس کوڑے مارے۔ جب لوگ شراب نوشی میں بڑھ گئے تو پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے مارے۔''

((عَنِ ابْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہما يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَعَنَ اللّٰهُ الْخَمْرَ وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ إِلَيْهِ)) [رواہ ابو داؤد: باب العنب یعصر للخمر]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے شراب پر اس کے پینے اور پلانے والے، بیچنے اور خریدنے والے، بنانے اور بنوانے والے اور اس کو اٹھانے اور اٹھوانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔''

مسائل

۱۔ دین کی تبلیغ حکمت کے ساتھ کرنی چاہیے۔

۲۔ دین کی بنیاد عقیدہ توحید ہے۔ دین مضبوط دلائل پر مبنی ہے۔

وَقَالَ	لِلَّذِيْ	ظَنَّ	اَنَّهٗ	نَاجٍ	مِّنْهُمَا	اذْكُرْنِيْ
اور اس نے کہا	اس کو	اس نے گمان کیا	یقیناً وہ	وہ نجات پانے والا ہے	ان دونوں میں سے	تو میرا ذکر کرنا
عِنْدَ	رَبِّكَ ۡ	فَاَنْسٰىهُ	الشَّيْطٰنُ	ذِكْرَ	رَبِّهٖ	فَلَبِثَ
پاس	اپنے رب	چنانچہ اسے بھلا دیا	شیطان	ذکر	اس کا رب	سو وہ ٹھہرا
فِي	السِّجْنِ	بِضْعَ	سِنِيْنَ ۝٤٢			
میں	جیل	کئی	سال			

''اور جس کے متعلق اس نے سمجھا تھا کہ یقیناً وہ دونوں میں سے رہا ہونے والا ہے۔ اس سے کہا کہ اپنے مالک کے پاس میرا ذکر کرنا۔ شیطان نے اسے اس کے مالک سے ذکر کرنا بھلا دیا وہ کئی سال قید خانے میں رہے۔'' (۴۲)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ جس نے رہائی پانی تھی، خواب کی تعبیر بتلاتے ہوئے اسے حضرت یوسف علیہ السلام نے اسے ایک پیغام دیا۔

جس کے بارے میں حضرت یوسف علیہ السلام کو یقین تھا کہ یہ رہا ہو جائے گا۔ اسے فرمایا کہ جب تم رہا ہو کر تم اپنی ڈیوٹی پر جاؤ تو اپنے آقا کے سامنے میرے بے گناہ ہونے کا معاملہ پیش کرنا۔ اسے بتلانا کہ ایک بے گناہ اور پردیسی شخص اس طرح جیل کی صعوبتیں برداشت کر رہا ہے۔ جب وہ شخص رہا ہو کر اپنے منصب پر بحال ہوا تو وہ اس پیغام اور اپنے عہد کو اس طرح بھول گیا جیسے اس نے یہ بات سنی ہی نہ تھی کیونکہ اس کے ذہن سے شیطان نے اس بات کو بالکل فراموش کر دیا۔ جس کے بارے میں قرآن مجید بتلاتا ہے کہ اسے یہ پیغام اور عہد شیطان نے بھلایا تھا۔ گویا کہ نسیان شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس طرح یوسف علیہ السلام کئی سال تک جیل میں قید رہے۔

بعض علماء نے ''فانساہ'' کی ضمیر کا مرجع حضرت یوسف علیہ السلام کو قرار دیا ہے لیکن درست نہیں، حضرت یوسف علیہ السلام جن کے شب و روز ذکر الٰہی میں بسر ہو رہے تھے بلکہ دوسروں کو بھی یاد الٰہی کی تلقین کرنے میں مصروف رہتے تھے وہ اپنے رب کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں۔ صحیح یہی ہے کہ اس کا مرجع وہ ساقی ہے جس کو یوسف علیہ السلام نے رہائی پانے اور اپنے منصب پر دوبارہ فائز ہونے کی خوشخبری دی تھی۔

''سنین'' کا لفظ عربی گنتی کے اعتبار سے دس سال تک کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس قیدی کے رہا ہونے کے بعد سات سال جیل میں گزارے۔ اس طرح ان کی قید نو یا دس سال بنتی ہے۔ قرآن مجید نے رہائی

پ نے والے کے بارے میں فرمایا ہے کہ اسے شیطان نے بھلا دیا تھا۔اس کی دو وجوہات میری سمجھ میں آتی ہیں۔

۱۔ اس سے بھولنے والے کی صفائی پیش کرنا مقصود ہے کہ اس نے اپنے آقا کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر جان بوجھ کر نہیں چھوڑا تھا بلکہ اس کو شیطان نے بھلا دیا تھا۔

۲۔ شریعت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ہر قسم کی کوتاہی، غلطی اور کمزوری کا سبب شیطان ہوا کرتا ہے۔اس لیے ہر قسم کی غلطی، کمزوری اور کوتاہی کی نسبت شیطان کی طرف کی جاتی ہے۔

اس شخص کے بھولنے کا سبب بیان کرتے ہوئے مستند مفسرین نے لکھا ہے۔ چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اس لیے ان کے مرتبہ اور شان کے منافی تھا کہ وہ بادشاہ کی خدمت میں عام آدمی کی طرح پیغام بھیجتے۔ وہ اللہ کے نبی اور انبیاء کی اولاد تھے اور اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے مشکل مقامات میں ان کی مدد اور رہنمائی فرمائی تھی۔اس لیے انہیں ایک عام آدمی کی طرح یہ کام نہیں کرنا چاہیے تھا۔اس پاداش میں انہیں تقریباً سات، آٹھ، سال تک مزید جیل میں ہی رہنا پڑا۔لیکن اس بات کے ساتھ اتفاق کرنا ضروری نہیں کیونکہ مصیبت سے نکلنے کے لیے تدبیر کرنا ہر کسی پر لازم ہے۔جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی تھی کہ مصر کے ایک ہی دروازے سے داخل ہونے کی بجائے مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔(یوسف.٦٧)

مسائل

۱۔ شیطان انسان کو بھول میں مبتلا کر دیتا ہے۔

۲۔ یوسف علیہ السلام جیل میں کئی سال رہے۔

تفسیر بالقرآن

شیطان لوگوں کو پھسلاتا ہے:

۱۔ شیطان نے قیدی کو حضرت یوسف کا تذکرہ کرنا بھلا دیا۔(یوسف:۴۲)

۲۔ شیطان نے آدم اور حوا کو پھسلا دیا۔(البقرۃ:۳٦)

۳۔ شیطان نے حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کے درمیان اختلاف ڈلوا دیا۔(یوسف:۱۰۰)

۴۔ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔(یوسف:۵)

۵۔ شیطان کو اپنا دشمن سمجھ کر اس کی شیطنت سے بچنا چاہیے۔(فاطر:٦)

وَقَالَ	الْمَلِكُ	اِنِّیْٓ	اَرٰی	سَبْعَ	بَقَرٰتٍ	سِمَانٍ	
اوراس نے کہا	بادشاہ	یقیناً میں	میں دیکھتا ہوں	سات	گائیں	موٹی	
یَّاْكُلُهُنَّ	سَبْعٌ	عِجَافٌ	وَّسَبْعَ	سُنْۢبُلٰتٍ	خُضْرٍ	وَّاُخَرَ	
وہ کھارہی ہیں انھیں	سات	دبلی	اورسات	بالیاں	سبز	اوردوسری	
یٰبِسٰتٍ ؕ	یٰۤاَیُّهَا	الْمَلَاُ	اَفْتُوْنِیْ	فِیْ	رُءْیَایَ	اِنْ	
خشک	اے	درباریو!	تم تعبیر بتلاؤ مجھے	میں	میراخواب	اگر	
كُنْتُمْ	لِلرُّءْیَا	تَعْبُرُوْنَ ۝۴۳	قَالُوْۤا	اَضْغَاثُ	اَحْلَامٍ ۚ	وَمَا	
ہوتم	خواب کی	تم تعبیر کرسکتے	انھوں نے کہا	پریشان	خواب	اورنہیں	

’’اور بادشاہ نے کہا یقیناً میں سات موٹی گائیں دیکھتا ہوں جنہیں سات دبلی گائیں کھارہی ہیں اور سات سبز خوشے اور کچھ دوسرے خشک دیکھتا ہوں اے درباریو! مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ، اگر تم خواب کی تعبیر جانتے ہو۔(۴۳)‘‘ انھوں نے کہا یہ پریشان خواب ہیں اور

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ اللہ تعالیٰ نے حاکم وقت کے خواب کو حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کا ذریعہ بنادیا

ایک رات حاکم مصر ’’جس کا نام ’الریان بن ولید‘ بتلایا جاتا ہے۔ جو عربی النسل اور عمالقہ خاندان کے ساتھ تعلق رکھتا تھا۔‘‘ اس نے خواب دیکھا کہ سات موٹی گائیں جنہیں سات دبلی پتلی گائیں کھائے جارہی ہیں۔ اور گندم کی سات بالیاں ہری اور سات سوکھی ہوئی ہیں۔ صبح اٹھتے ہی اس نے اپنا خواب بڑے بڑے لوگوں کو بتلا کر پوچھا اگر تم خواب کی تعبیر جانتے ہو تو میرے خواب کے بارے میں بتلاؤ۔ وہ بڑی سوچ و بچار اور کئی دن کے غور وخوض کے بعد کہنے لگے۔ یہ کوئی خواب نہیں بلکہ پریشان خیالات ہیں۔ لہٰذا ہم ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔ لیکن بادشاہ اس خواب کے قلق اور اس کے مندرجات سے اپنے ملک کا مستقبل بھیانک دیکھ رہا تھا۔ اس لیے اسے کسی طرح چین نہیں آرہا تھا۔ جس کے لیے اس نے ملک بھر کے دانشوروں، خواب کی تاویل جاننے والوں اور بڑے بڑے اہل علم کو بلا کر پوچھا کہ اس خواب نے میرے دل کا سکون چھین لیا ہے۔ مجھے کسی طرح بھی چین نہیں آرہا۔ یہ کوئی پراگندہ خیالی نہیں بلکہ میں اسے خوفناک حقیقت کے روپ میں دیکھ رہا ہوں اہل فکر کا ایک کے بعد دوسرا اجلاس بلایا جاتا ہے۔ مگر سب نے خواب کی تعبیر بتانے سے معذرت کردی۔ بالآخر رہائی پانے والے قیدی نے بادشاہ سے عرض کی کہ اگر مجھے جیل میں داخل ہونے کی اجازت ہو تو میں آپ کو یوسف نامی قیدی سے

نَحۡنُ بِتَاۡوِيۡلِ الۡاَحۡلَامِ بِعٰلِمِيۡنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِىۡ نَجَا

ہم | تعبیر | خوابوں | جاننے والے | اور اس نے کہا | وہ | اس نے نجات پائی

مِنۡهُمَا وَادَّكَرَ بَعۡدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمۡ بِتَاۡوِيۡلِهٖ فَاَرۡسِلُوۡنِ ﴿۴۵﴾

ان دونوں میں سے | اور اسے یاد آگیا | بعد | ایک مدت | میں | میں تمھیں خبر دوں گا | اس کی تعبیر کی | لہٰذا تم بھیجو مجھے

ہم ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔(۴۴)"اور دونوں میں سے جو قید سے رہا ہوا تھا اور اسے ایک مدت کے بعد یاد آیا اس نے کہا میں تمھیں اس خواب کی تعبیر بتاتا ہوں سو مجھے بھیجو۔"(۴۵)

اس کی تعبیر پوچھ کر بتلاتا ہوں۔ بادشاہِ وقت خواب کی تعبیر جاننے کے لیے بے قرار اور بے تاب تھا۔ جس وجہ سے اس نے ایک لمحہ کی تاخیر کیے بغیر اسے حکم دیا کہ وہ فوری طور پر جیل جا کر اس خواب کی تعبیر پوچھ کر آئے۔

"الاحلام" کا معنی:۔ احلام حلم کی جمع ہے جس کا معنی ہے جھوٹے اور بے اصل خواب۔

مسائل

۱۔ بادشاہ نے خواب میں دیکھا سات موٹی گایوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں۔

۲۔ بادشاہ نے خواب میں سات سبز اور سات خشک ڈالیاں دیکھیں۔

۳۔ ملک بھر کے دانشور بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتانے سے قاصر رہے۔

تفسیر بالقرآن

تاویل کا مفہوم:

۱۔ میں ابھی اس کی تدبیر بتلا دیتا ہوں مجھے جانے دیجیے۔(یوسف:۴۵)

۲۔ اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہی بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی خوب تر ہے۔(النساء:۵۹)

۳۔ گمراہ علماء اس کا غلط مطلب تلاش کرتے حالانکہ اس کا صحیح مطلب اللہ ہی جانتا ہے۔(آل عمران:۷)

۴۔ کیا وہ قیامت کا انتظار کرتے ہیں۔(الاعراف:۵۳)

۵۔ یہ حقیقت ہے ان باتوں کی جن پر تجھ سے صبر نہ ہوا۔(الکھف:۸۲)

يُوْسُفُ	اَيُّهَا	الصِّدِّيْقُ	اَفْتِنَا	فِيْ	سَبْعِ	بَقَرٰتٍ
یوسف!	اے	سچے!	ہمیں بتلا	میں	سات	گائے
سِمَانٍ	يَّاْكُلُهُنَّ	سَبْعٌ	عِجَافٌ	وَّسَبْعِ	سُنْۢبُلٰتٍ	خُضْرٍ
جوموٹی ہیں	انہیں کھارہی ہیں	سات	دبلی	اور سات	بالیاں	سبز
وَّاُخَرَ	يٰبِسٰتٍ	لَّعَلِّيْٓ	اَرْجِعُ	اِلَى	النَّاسِ	لَعَلَّهُمْ
اوردوسری	خشک	تاکہ میں	میں لوٹوں	طرف	لوگوں	تاکہ وہ
يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٦﴾	قَالَ	تَزْرَعُوْنَ	سَبْعَ	سِنِيْنَ	دَاَبًا	فَمَا
وہ جان لیں	اس نے کہا	تم کاشت کروگے	سات	سال	لگاتار	پھر جو
حَصَدْتُّمْ	فَذَرُوْهُ	فِيْ	سُنْۢبُلِهٖٓ	اِلَّا	قَلِيْلًا	مِّمَّا
تم کاٹو	توچھوڑدو اسے	میں	اس کی بالی ہی	مگر	تھوڑا	اس میں سے جو

''اے سچے یوسف! ہمیں سات موٹی گائیوں کی تعبیر بتا جنھیں سات دبلی گائیں کھارہی ہیں اور سات سبز خوشے اور دوسرے خشک خوشے ہیں۔ میں واپس جاکر بتاؤں تاکہ انہیں خواب کی تعبیر معلوم ہو۔'' (۴۶) ''اس نے کہا تم سات سال پے درپے کاشت کروگے تو جو کاٹو اسے اس کے خوشے میں رہنے دو مگر تھوڑا سا وہ جو

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ رہائی پانے والے قیدی کا جیل میں آنا اور یوسف علیہ السلام کو آواز دینا۔

بادشاہ کا غلام جو حضرت یوسف کا قید میں ساتھی تھا بھاگم بھاگ یوسف علیہ السلام کی بیرک کے دروازے پر پہنچ کر آواز دیتا ہے کہ اے سچ بولنے والے یوسف ہمیں اس خواب کی تعبیر بتلا کہ سات موٹی گائیں ہیں جنہیں پتلی دبلی سات گائیں کھائے جا رہی ہیں اور سات سبز وشاداب بالیاں ہیں اور سات بالیاں سوکھی ہوئی ہیں۔ ازراہِ کرم مجھے ان کی حقیقت بتلا تاکہ میں واپس جاکر لوگوں کو بتلاؤں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بتلاتے ہوئے فرمایا ''کہ پہلے تم سات سال کھیتی باڑی کرو گے۔ ان سات سالوں میں تمہاری فصلیں خوب اناج دیں گی۔ مگر تمھیں یہ کرنا ہوگا کہ جو تمہارے کھانے سے بچ جائے اس اناج کو ڈالیوں میں ہی رہنے دو۔ اس کے بعد سات سال قحط سالی کے ہوں گے اور تم محفوظ کیا ہوا غلہ استعمال کرو گے۔ سوائے اس کے کہ جو اس میں سے بچ جائے۔ اس کے بعد اگلا سال نہایت ہی سبز وشاداب اور خوشحالی کا ہوگا اور تم لوگ خوب پھلوں کا رس نچوڑوگے۔'' معلوم ہوتا ہے کہ مصر کے لوگ پھلوں کا جوس بھی پیا کرتے تھے۔

تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ

تم کھاؤ | پھر | وہ آئے گا | سے | بعد | اس | سات

شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا

سخت | وہ کھا جائیں گے | جو | تم نے پہلے ذخیرہ کیا ہوگا | ان کے لیے | مگر | تھوڑا

مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

اس میں سے جو | تم محفوظ رکھو گے | پھر | وہ آئے گا | سے | بعد | اس

عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ ع

سال | اس میں | وہ بارش دیے جائیں گے | لوگ | اور اس میں | وہ نچوڑیں گے

ع ۷/۱۲

تم کھاؤ۔" (۴۷) "پھر اس کے بعد سخت سات سال آئیں گے جو کھا جائیں گے جو کچھ تم نے ان کے لیے پہلے جمع کیا ہوگا مگر تھوڑا سا وہ جو تم محفوظ رکھو گے۔" (۴۸) "پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں لوگوں پر بارش ہوگی اور وہ اس میں نچوڑیں گے۔" (۴۹)

سابقہ قیدی یعنی سرکاری اہلکار کا حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں آنا اور ان سے بادشاہ کے خواب کے بارے میں تعبیر پوچھنا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا بلا تامل اسے نہ صرف خواب کی تعبیر بتلانا بلکہ نہایت فراخ دلی کے ساتھ ماضی کے کسی واقعہ کو ذہن میں رکھے بغیر بادشاہ کی ذہنی الجھن اور قوم کی مشکل کا حل پیش کرنا بے مثال اعلیٰ ظرفی کا ثبوت ہے۔ ورنہ سب سے پہلے رہا ہونے والے سرکاری اہلکار کو کہتے کہ تم کیسے آدمی ہو کہ میں نے اپنی مظلومیت کے بارے میں تجھے بادشاہ کے لیے ایک پیغام دیا تھا مگر تو نے غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام یہ بھی فرما سکتے تھے کہ پہلے جو مجھ پر زیادتیاں کی گئی ہیں ان کا مداوا کرو۔ پھر میں تمہیں خواب کی تعبیر اور اس کا حل بتلاؤں گا۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام شکایت کا ایک حرف بھی زبان پر نہیں لائے۔ فی الفور اسے خواب کی تعبیر اور مستقبل میں قوم کو درپیش آنے والی مصیبت کا حل بتلایا۔ اس موقع پر یہ بات بھی کھل جاتی ہے کہ رہا ہونے والا سرکاری ملازم پوری طرح سمجھ چکا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام قول کے سچے اور کردار کے پکے ہیں۔ اس لیے اس نے آپ علیہ السلام کو "الصدیق" کہہ کر پکارا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیق کا مقام انبیاء کے بعد بیان کیا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نہ صرف الصدیق تھے بلکہ اللہ کے جلیل القدر نبی اور انبیاء کی اولاد تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے پڑدادا حضرت ابراہیم کا لقب بھی صدیق ہے۔ "اس کتاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیجیے بلاشبہ وہ صدیق نبی تھا۔" (مریم:۴۱)

''اور حضرت ادریس علیہ السلام کا تذکرہ کیجیے بلاشبہ وہ صدیق نبی تھے۔'' (مریم:۵۶) ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لاتے ہیں وہ الصدیق ہیں۔'' (الحدید:۱۹)

خوشحالی کی قدر کرنی چاہیے:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لِرَجُلٍ وَھُوَ یَعِظُہٗ اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ ھَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقْمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفِرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَیَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ)) [رواہ الحاکم]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کو وعظ ونصیحت فرما رہے تھے آپ نے فرمایا پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، خوشحالی کو تنگدستی سے پہلے فارغ وقت کو مصروف ہونے سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔''

مسائل

۱۔ خاندانی لوگ اپنی ذات کے بجائے دوسروں کی خیر خواہی کا خیال رکھتے ہیں۔

۲۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے قحط سے بچنے کی تدبیر بتائی۔

۳۔ خاندانی لوگ اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

صدیقین اور صادقون کا تذکرہ:

۱۔ اے سچے یوسف! ہمیں تعبیر بتلا۔ (یوسف:۴۶)

۲۔ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی وہی سچے ہیں۔ (الحشر:۸)

۳۔ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلا دے گا۔ (الاحزاب:۲۴)

۴۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ نبیوں، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا۔ (النساء:۶۹)

۵۔ قیامت کے دن سچوں کو ان کی سچائی کا صلہ ملے گا۔ (المائدۃ:۱۱۹)

۶۔ سچے مومن وہ ہیں جو اپنے مال اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جدوجہد (جہاد) کرتے رہتے ہیں۔ (الحجرات:۱۵)

وَقَالَ	الْمَلِكُ	ائْتُوْنِيْ	بِهٖ ۚ	فَلَمَّا	جَآءَهُ	الرَّسُوْلُ
اور اس نے کہا	بادشاہ	تم لے آؤ میرے پاس	ساتھ اس کے	پھر جب	وہ آیا اس کے پاس	قاصد
قَالَ	ارْجِعْ	اِلٰى	رَبِّكَ	فَسْئَلْهُ	مَا بَالُ	النِّسْوَةِ
اس نے کہا	تو لوٹ جا	طرف	اپنے رب	اس سے پوچھ	کیا حال ہے	ان عورتوں کا
الّٰتِيْ	قَطَّعْنَ	اَيْدِيَهُنَّ ؕ	اِنَّ	رَبِّيْ	بِكَيْدِهِنَّ	عَلِيْمٌ ۝۵۰
وہ	انہوں نے کاٹ لیے تھے	اپنے ہاتھ	یقیناً	میرا رب	ان کے مکر کو	خوب جاننے والا ہے

''اور بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ جب قاصد اس کے پاس آیا تو اس نے کہا اپنے مالک کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے؟ جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے یقیناً میرا رب ان کے فریب کو خوب جاننے والا ہے۔'' (۵۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ بادشاہ کا خوش ہو کر سرکاری اہلکار کو رہائی کا پیغام دے کر جیل میں یوسف علیہ السلام کی خدمت میں بھیجنا۔

سرکاری اہلکار حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے ''کہ اے الصدیق! بادشاہ سلامت آپ کو طلب فرما رہے ہیں آپ کی رہائی کا حکم ہو چکا ہے۔ لہٰذا آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں۔'' کوئی عام قیدی ہوتا تو اس کی خوشی سے باچھیں کھل جاتیں اور وہ بادشاہ کے اہلکار کے ساتھ چل دوڑتا مگر یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں ''آپ اپنے بادشاہ کے پاس واپس جائیں۔ اور اس سے پوچھیں کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے؟ جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ میرا رب تو یقیناً ان کے مکروفریب اور سازش کو جاننے والا ہے۔'' حضرت یوسف علیہ السلام یہاں بھی اعلیٰ ظرف ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ عزیز مصر کی بیوی کا کیا معاملہ تھا۔ انہوں نے اس طرح کہنے کے بجائے عورتوں کے بارے میں جمع کا لفظ استعمال کیا۔ کیونکہ آپ ان کے گھر میں ایک عرصہ تک ٹھہرے تھے اس احسان مندی کی وجہ سے انہوں نے جمع کا لفظ استعمال کیا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے، کہ عزیز مصر نے اپنی بیوی کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام سے اس وقت معذرت کر لی۔ (آیت ۲۹) لیکن جب عورتوں کے پراپیگنڈے کی وجہ سے معاملہ طول پکڑ گیا تو وہ یوسف علیہ السلام کو جیل بھیجنے پر مجبور ہوا۔ جس بنا پر حضرت یوسف علیہ السلام اس شخص کو فرماتے ہیں کہ واپس جا کر اپنے بادشاہ سے پوچھیے کہ ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کا کیا معاملہ ہوا؟ یعنی جہاں تک میرے ''اللہ'' کا معاملہ ہے اُسے تو پہلے ہی میری بے گناہی کا حال معلوم ہے مگر تمہارے رب (عزیز مصر)

کو بھی میری رہائی سے پہلے اُس معاملہ کی پوری تحقیق کر لینی چاہیے جس بنا پر مجھے جیل بھیجا گیا تھا۔ میں کسی شبہ اور بدگمانی کا داغ لیے ہوئے عوام کے سامنے نہیں آنا چاہتا، مجھے رہا کرنا ہے تو پہلے سرِ عام یہ ثابت کرنا ہوگا کہ میں بے قصور تھا۔ اصل قصوروار تمہاری سلطنت کے کارفرما تھے جنہوں نے اپنی بیگمات کی بداطواری کا خمیازہ، میری پاکدامنی پر ڈالا۔ اس مطالبے کو حضرت یوسف علیہ السلام جن الفاظ میں پیش کرتے ہیں اُن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عزیز مصر اس پورے واقعہ سے پہلے ہی واقف تھا جو عزیز مصر کی بیوی کی دعوت کے موقع پر پیش آیا تھا بلکہ وہ ایسا مشہور واقعہ تھا کہ جس کی طرف اشارہ کرنا ہی کافی تھا۔ اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے جوں کی توں حالت میں جیل سے نکلنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس فیصلہ سے ان کے کردار کی پختگی، پاک دامنی اور بصیرت کا پتا چلتا ہے۔ اگر وہ اسی طرح ہی جیل سے نکل کھڑے ہوتے تو ان کے دامن پاک پر لگے ہوئے جھوٹے دھبے کے کچھ نشان باقی رہ سکتے تھے۔

((عَنْ اَبُوْھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِبْرَاھِیْمَ اِذْقَالَ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی وَیَرْحَمُ اللّٰہُ لُوْطًا لَقَدْ کَانَ یَأْوِیْ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ وَلَوْ لَبِثْتُ فِی السِّجْنِ طُوْلَ مَا لَبِثَ یُوْسُفُ لَاَجَبْتُ الدَّاعِیَ)) [رواہ البخاری: کتاب التفسیر]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کا حق رکھتے ہیں جب ابراہیم نے التجا کی تھی' اے میرے پروردگار مجھے دکھا کہ آپ کس طرح مردوں کو زندہ کرتے ہیں؟ حضرت لوط علیہ السلام پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔ وہ بڑی قوت والے کی پناہ میں تھے۔ اگر میں قید خانے میں ہوتا تو حضرت یوسف علیہ السلام جتنا عرصہ رہے تو میں بلانیوالے کی دعوت فوراً قبول کر لیتا۔''

مسائل

۱۔ بادشاہ نے حالات سے مجبور ہو کر حضرت یوسف کو طلب کیا۔

۲۔ حضرت یوسف بڑے حوصلے والے تھے اس لیے انہوں نے قاصد کو واپس کر دیا۔

۳۔ اعلیٰ ظرف لوگ کسی کی مجبوری سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

۴۔ نازک معاملات میں آدمی کو جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔

۴۔ اللہ ہر کسی کے مکر و فریب سے بخوبی آگاہ ہے۔

قَالَ	مَا	خَطْبُكُنَّ	اِذْ	رَاوَدْتُّنَّ	يُوْسُفَ	عَنْ
اس نے کہا	کیا	حال ہے تمھارا	جب	تم نے پھسلانا چاہا تھا	یوسف کو	متعلق
نَّفْسِهٖ	قُلْنَ	حَاشَ	لِلّٰهِ	مَا	عَلِمْنَا	عَلَيْهِ	مِنْ
اس کے نفس	انھوں نے کہا	پناہ	اللہ کی	نہیں	ہم نے جانی	اس پر	سے
سُوْٓءٍ	قَالَتِ	امْرَاَتُ	الْعَزِيْزِ	الْـٰٔنَ	حَصْحَصَ	الْحَقُّ
برائی	اس نے کہا	عورت	عزیز	اب	واضح ہوگیا ہے	حق
اَنَا	رَاوَدْتُّهٗ	عَنْ	نَّفْسِهٖ	وَاِنَّهٗ	لَمِنَ	الصّٰدِقِيْنَ ﴿٥١﴾
میں نے ہی	اسے ورغلایا تھا	متعلق	اس کے نفس کے	اور بلاشبہ وہ	میں سے	سچوں

''اس نے کہا تمھارا کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسف کو اس کے نفس کے متعلق پھسلایا؟ کہنے لگیں اللہ کی پناہ! ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ عزیز کی بیوی نے کہا اب تو حق واضح ہوگیا کہ میں نے ہی اسے ورغلایا تھا اور یقیناً وہ سچے لوگوں میں سے ہے۔'' (۵۱)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ اہلکار کا واپس جا کر بادشاہ کو حضرت یوسف علیہ السلام کا جواب بتلانا۔ اور بادشاہ کا ان عورتوں کو طلب کرنا۔

بادشاہ پہلے ہی خواب کی تعبیر اور اس کا حل جان کر حضرت یوسف علیہ السلام کی شخصیت اور صلاحیت سے بے حد متاثر ہو چکا تھا۔ جب اس کے اہلکار نے جا کر حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں بتلایا کہ وہ اس حالت میں جیل سے نکلنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو بادشاہ نے سوچا کہ ایسے شخص کو جیل میں رکھنا ملک وملت کا نقصان کرنے کے مترادف ہے۔ اس لیے اس نے فی الفور ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کو طلب کر کے ان سے استفسار کیا کہ مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ تمہارے ہاتھ زخمی کرنے کا کیا سبب تھا؟ یہ عورتیں خطا کار تو تھیں کیونکہ انہوں نے اس وقت پروپیگنڈہ کرنے کے ساتھ مجلس میں یوسف علیہ السلام پر دباؤ ڈالا تھا کہ تجھے عزیز مصر کی بیوی کی بات مان لینی چاہیے۔ اس لیے بادشاہ کا غیظ وغضب دیکھ کر اپنے جرم کا اقرار کرتے ہوئے ان الفاظ میں یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کی گواہی دیتی ہیں۔

﴿مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ﴾ [یوسف: ۵۱]

''ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔''

جب باقی عورتوں نے بادشاہ کے سامنے یوسف علیہ السلام کی کھلے لفظوں میں صفائی پیش کی تو عزیز مصر کی بیوی کے پاس انکار کرنے

کا کوئی چارہ کار باقی نہ تھا۔ لہٰذا اس نے کھلے الفاظ میں کہا ''کہ اب تو یہ حقیقت آشکارا ہوگئی ہے کہ میں نے ہی اسے اپنے لیے پھسلانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن یوسف علیہ السلام نے انکار کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ کردار کا پکا اور گفتار کا سچا ہے۔

''حصحص الحق'' حق کا پوری طرح واضح ہو جانا عرب اس طرح بھی بولتے ہیں۔ ''حصحص البعیر'' اونٹ نے پوری طرح زمین پر گھٹنے ٹیک دیے۔ عزیز مصر کی بیوی نے یہ الفاظ بول کر بتلایا کہ حق واضح ہوا۔ میں اس حقیقت کا اعتراف اور اقرار کرتی ہوں۔

''''حاش للّٰہ'' کہ ہم نے کسی اعتبار سے بھی اس میں ذرہ برابر برائی اور بے حیائی نہیں دیکھی۔'' ''حَاش'' '' حوْشٌ '' سے ہے۔ اس کے لغوی معنی کسی جانور کو گھیر کر لانا ہے۔ ''حاش للّٰہ'' کا دوسرا معنی ہے۔ لوگوں سے توجہ ہٹا کر اللہ ہی کی طرف متوجہ ہو جانا یعنی یوسف علیہ السلام اس موقعہ پر اپنے رب کی طرف متوجہ رہے۔

((عَنْ أَبِی أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَطْبَعُ الْمُؤمِنُ عَلَی الْخِلَالِ کُلِّھَا اِلَّا الْخِیَانَةَ وَالْکِذْبَ)) [رواہ أحمد]

''حضرت ابوامامہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن میں ہر قسم کی خرابی پائی جا سکتی ہے مگر خیانت اور جھوٹ نہیں پائے جا سکتے۔''

مسائل

۱۔ کسی پر الزام لگنے کی صورت میں ذمہ دار اتھارٹی کا فرض بنتا ہے کہ اس کی غیر جانبدرانہ انکوائری کرائے۔

۲۔ اپنے ہاتھ زخمی کرنے والی عورتوں اور عزیز مصر کی بیوی نے کھل کر حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کا اقرار کیا۔

۳۔ حقیقت واضح ہونے کے بعد آدمی کو اس کا برملا اقرار کرنا چاہیے بے شک اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

تفسیر بالقرآن

یوسف علیہ السلام نیک اور سچے پیغمبر تھے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قوتِ فیصلہ اور علم عطا کیا تھا۔ (یوسف:۲۲)

۲۔ حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ بندے تھے۔ (یوسف:۲۴)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کو خوابوں کی تعبیر کا علم عطا کیا تھا۔ (یوسف:۳۶)

۴۔ حضرت یوسف علیہ السلام ہمیشہ سچ بولتے تھے۔ (یوسف:۵۱) ۵۔ حضرت یوسف علیہ السلام امانت دار تھے۔ (یوسف:۵۴)

۶۔ حضرت یوسف علیہ السلام بڑے ہی اچھے مہمان نواز تھے۔ (یوسف:۵۹)

ذٰلِكَ	لِيَعْلَمَ	اَنِّىْ	لَمْ	اَخُنْهُ	بِالْغَيْبِ	وَاَنَّ
یہ	تا کہ وہ جان لیں	یقیناً میں	نہیں	میں نے خیانت کی اس کی	غیب کے ساتھ	اور یقیناً
اللّٰهَ	لَا يَهْدِىْ	كَيْدَ	الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾			
اللہ	وہ ہدایت دیتا	مکر	خیانت کرنے والے			

”یہ اس لیے کہ وہ جان لے کہ یقیناً میں نے اس کی غیر حاضری میں اس کی خیانت نہیں کی کیونکہ اللہ خیانت کرنے والوں کی چال کو کامیاب نہیں کرتا۔“ (۵۲)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا رہا ہو کر بادشاہ کے ساتھ ملاقات کرنا۔ اس کے سامنے تاخیر سے آنے کی وضاحت فرمانا۔

جب قرائن اور ٹھوس شواہد کے ساتھ حقیقت ہر اعتبار سے واضح ہو چکی تو بادشاہ وقت نے ایک دفعہ پھر حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل سے رہا ہونے اور اپنے ساتھ ملاقات کا پیغام بھیجا۔ تب حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے پاس تشریف لے گئے۔ انھوں نے پہلی دفعہ جیل سے نہ نکلنے کی نہایت وقار کے ساتھ وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے انکار کرنے کا مقصد یہ تھا کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ میں نے عزیز مصر کی نہ احسان فراموشی کی اور نہ ہی کسی قسم کی خیانت کی تھی۔ کیونکہ میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ خائن لوگوں کی کبھی رہنمائی نہیں کرتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

((عَنْ أُمِّ مَعْبَدٍ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّيَاءِ وَلِسَانِیْ مِنَ الْكَذِبِ وَعَيْنِیْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرِ)) [رواه البيهقی فی الدعوات الكبير]

”حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ دعا کیا کرتے تھے اے اللہ میرے دل کو نفاق، میرے عمل کو ریا سے اور میری زبان کو جھوٹ اور میری آنکھوں کو خیانت سے محفوظ فرما۔ یقیناً تو خیانت کرنے والی آنکھ اور جو کچھ دلوں میں پوشیدہ ہے اُس کو جانتا ہے۔“

مسائل

۱۔ آدمی کو حتی المقدور اپنا دامن پاک رکھنا چاہیے۔

۲۔ اللہ خائن کو ہدایت نہیں دیتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ خائن کو پسند نہیں کرتا۔

وَمَآ	اُبَرِّئُ	نَفْسِيْ ۚ	اِنَّ	النَّفْسَ	لَاَمَّارَةٌۢ	بِالسُّوْٓءِ
اور نہیں	میں بری کرتا ہوں	اپنا نفس	بے شک	نفس	ضرور حکم دیتا ہے	برائی کا

اِلَّا	مَا	رَحِمَ	رَبِّيْ ؕ	اِنَّ	رَبِّيْ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾
مگر	جس	اس نے رحم کیا	میرا رب	بے شک	میرا رب	بہت بخشنے والا	نہایت رحم کرنے والا

''اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا، بے شک نفس تو برائی کا حکم دینے والا ہے۔ مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے۔ بے شک میرا رب بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔'' (۵۳)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت یوسف علیہ السلام کی عاجزی کی انتہا۔

امانت و دیانت اور بے انتہا پاکدامنی کے باوجود حضرت یوسف علیہ السلام یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ مجھ سے غلطی نہیں ہو سکتی۔ فرماتے ہیں کہ غلطی تو ہر انسان سے ہو سکتی ہے۔ کیونکہ نفس امارہ انسان کو ہمیشہ برائی کی طرف کھینچتا ہے۔ برائی سے وہی شخص بچ سکتا ہے جس پر میرا رب مہربانی فرمائے۔ کیونکہ میرا رب غلطیاں معاف کرنے والا اور نہایت ہی رحیم و کریم ہے۔ اگلی آیات سے یہ بات مترشح ہو رہی ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے پاس پہنچے تو درباری رواج کے مطابق بادشاہ نے ان کا والہانہ استقبال کیا ہو۔

حکمرانوں اور اعلیٰ سرکاری افسران کو ملنے والے احباب جانتے ہیں کہ جونہی بڑے لوگوں کی کسی شخص پر خاص توجہ ہوتی ہے تو درباری اور چھوٹے درجے کے لوگ کس طرح اس کے سامنے بچھے جاتے ہیں۔ وہ شخص تو مطلق العنان بادشاہ تھا۔ اس نے جس عقیدت اور تپاک سے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے ہاں بلایا، یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر بادشاہ کے حواریوں کی کیا کیفیت ہوگی۔ پھر جس حسنِ کردار کی گواہی کے ساتھ یوسف علیہ السلام نے جیل سے رہائی پائی اور یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جس قدر بے مثال حسن و جمال عطا فرمایا تھا بڑے سے بڑا شاعر اور کہنہ مشق ادیب بھی اس کی منظر کشی نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے اس صورتحال میں ہر شخص حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال اور ان کے کردار کو زبردست خراجِ تحسین پیش کر رہا ہوگا۔ ہر آنکھ حضرت یوسف علیہ السلام کے چہرۂ انور پر جمی ہوگی مگر حضرت یوسف علیہ السلام اس پر پھولنے اور اترانے کے بجائے دل ہی دل میں اپنے رب کا شکریہ ادا کرتے، آنکھیں جھکائے بڑے وقار کے ساتھ تشریف فرما ہوئے۔ ہر شخص سوچتا ہوگا کہ نامعلوم یہ شخص کس طمطراق کے ساتھ گفتگو کرے گا ابھی لوگ سوچ ہی رہے ہوں گے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام بڑی عاجزی کے ساتھ فرماتے ہیں۔ میں اپنی پاک بازی پر فخر نہیں کرتا۔

﴿وَمَآ أُبَرِّئُ نَفۡسِیٓۚ إِنَّ ٱلنَّفۡسَ لَأَمَّارَةُۢ بِٱلسُّوٓءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیٓۚ إِنَّ رَبِّی غَفُورٞ رَّحِيمٞ﴾ [یوسف:۵۳]

''اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا، بے شک نفس تو برائی کا حکم دینے والا ہے۔ مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے۔ یقیناً میرا رب بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔''

((عَنْ أَبِی سَعِيدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ ثُمَّ يَقُولُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَآ إِلَهَ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُولُ لَآ إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ ثَلَاثًا ثُمَّ يَقُولُ اللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا ثَلَاثًا أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ)) [رواہ ابو داود:باب مَنْ رَأَى الاِسْتِفْتَاحَ بِسُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ]

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب رات کو قیام کرتے تو اللہ اکبر کہتے پھر یہ دعا پڑھتے اے اللہ! تو پاک ہے۔ میں تیری تعریف بیان کرتا ہوں بابرکت ہے نام تیرا اور بلند ہے تیری شان تیری علاوہ کوئی معبود نہیں۔ پھر تین بار کہتے اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں پھر تین بار اللہ اکبر کہتے۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ میں شیطان مردود کے وسوسہ، پھونک اور اس کی چھیڑ چھاڑ سے پناہ طلب کرتا ہوں۔''

((عَنْ أَبِی بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ دَعَوَاتُ الْمَكْرُوبِ اللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُو فَلَا تَكِلْنِی إِلَى نَفْسِی طَرْفَةَ عَيْنٍ وَأَصْلِحْ لِی شَأْنِی كُلَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ)) [رواہ أبوداود :باب مایقول اذا اصبح]

''حضرت ابو بکرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مضطرب کی دعا بیان کرتے ہوئے فرمایا اے اللہ! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں مجھے میرے نفس کے سپرد نہ کر اور میرے تمام معاملات درست فرما تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔''

مسائل

۱۔ نفس امارہ انسان کو برائیوں پر ابھارتا ہے۔ ۲۔ گناہوں سے وہی شخص بچ سکتا ہے جس پر اللہ رحم فرمائے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ گناہ معاف کرنے اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نفس انسانی کی تین حالتیں:

۱۔ نفسِ مطمئنہ۔ ہر حال میں مطمئن یعنی نیکی پر قائم رہنے والا نفس۔ (الفجر:۲۷)

۲۔ نفس لوّامہ۔ گناہ پر ملامت کرنے والا نفس۔ (القیامہ:۲)

۳۔ نفس امّارہ۔ گناہ پر ابھارنے والا نفس۔ (یوسف:۵۳)

(تفصیل کے لیے دیکھیے فہم القرآن ج ۲، ص ۱۳۰)

وَقَالَ	الْمَلِكُ	ائْتُونِي	بِهٖٓ	اَسْتَخْلِصْهُ	لِنَفْسِيْ ۚ	فَلَمَّا
اور کہا	بادشاہ	تم میرے پاس لاؤ	اسے	میں اسے خاص کروں گا	اپنی ذات کے لیے	پھر جب

كَلَّمَهٗ	قَالَ	اِنَّكَ	الْيَوْمَ	لَدَيْنَا	مَكِيْنٌ	اَمِيْنٌ ﴿۵۴﴾
بات چیت کی اس سے	کہا	بے شک تو	آج	ہمارے ہاں	مرتبے والا ہے	ایمانت دار

قَالَ	اجْعَلْنِيْ	عَلٰى	خَزَآئِنِ	الْاَرْضِ ۚ	اِنِّيْ
کہا	مجھے بنا دیں	پر	خزانوں	زمین	بے شک میں

حَفِيْظٌ	عَلِيْمٌ ﴿۵۵﴾
حفاظت کرنے والا	جاننے والا

''اور بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ کہ میں اسے اپنے لیے خاص کرلوں، پھر جب اس نے اس سے بات چیت کی تو کہا بلا شبہ تو آج ہمارے ہاں صاحبِ اقتدار اور امانتدار ہے۔'' (۵۴) ''اس نے کہا مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے، بے شک میں پوری حفاظت کرنے والا، اس کو جاننے والا ہوں۔'' (۵۵)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت یوسف علیہ السلام کے ارشاد کے بعد بادشاہِ وقت کی پیش کش۔

قرآن مجید کے مقدس انداز اور الفاظ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مصر کے بادشاہ کی حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ یہ پہلی ملاقات تھی۔ جس میں اس نے آپ سے درخواست کی کہ میں آپ کو اپنے کاموں کے لیے مخصوص کرنا چاہتا ہوں۔ آج کے بعد آپ ہمارے نزدیک نہایت ہی قابل اعتماد اور مقرب ہوں گے۔

یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ مجھے ملک کے وسائل کی ذمہ داری سونپیں۔ یقیناً میں ان کے مصرف کو جانتا ہوں اور معاملات کی حفاظت کروں گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دعویٰ اس لیے کیا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نا صرف انھیں خوابوں کی تعبیر کا علم دیا تھا بلکہ دیگر معاملات کو سمجھنے اور ان کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت بھی عطا فرمائی تھی۔

بائبل کی عبارت سے معلوم ہتا ہے کہ مصر کے بادشاہ نے اپنے وزراء اور ملک کے زعماء سے پہلے ہی یہ طے کر رکھا تھا کہ یوسف علیہ السلام کو کلی اختیار دیے جائیں۔ جس کے لیے اُس نے حضرت یوسف علیہ السلام سے یہ درخواست کی کہ میں اپنے لیے آپ کو مخصوص کرنا چاہتا ہوں۔ جس کا یہ مفہوم بھی لیا جا سکتا ہے کہ میری ذاتی طور پر درخواست ہے کہ ملک کو مستقبل کے بحران سے نکالنے کے لیے آپ عملی طور پر بھی ہمارے ساتھ تعاون کریں۔ اس سے بادشاہ کی اپنی قوم کے ساتھ خیر خواہی اور حب الوطنی کا اندازہ ہوتا

ہے۔اس پیش کش کے ردِّعمل میں حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مجھے آپ ملک کے خزانوں کا اختیار دیں جسے انتظامی زبان میں وزیرخزانہ کہا جاسکتا ہے۔میں اللہ کے فضل سے جانتا ہوں کہ معاشی بحران میں ملک کو کس طرح سنبھالا دیا جاسکتا ہے ۔یہاں بہت سارے مفسرین نے لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام وزیرخزانہ کے بجائے ملک کے تمام امور کے ذمہ دار بنائے گئے تھے ۔ان بزرگوں کا خیال ہے کہ بادشاہ نے صرف نام کے طور پر بادشاہی رکھی تھی۔گویا کہ موجودہ پارلیمانی نظام کی طرح حضرت یوسف علیہ السلام ملک کے وزیراعظم تھے۔ثبوت کے طور پر وہ اسی سورت کی آیت ۶۹، ۶۷اور ۵۶ سے استدلال کرتے ہیں۔جن میں حضرت یوسف علیہ السلام ملک کے کلی اختیارات کے مالک دکھائی دیتے ہیں۔

جبکہ قرآن مجید کے الفاظ سے یہ بالکل عیاں ہے کہ بادشاہِ مصر نے اس موقعہ پر حضرت یوسف علیہ السلام کو ملک کے کلی اختیارات نہیں دیے تھے۔ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہ کی پیش کش کے جواب میں یہ کہنے کی ضرورت نہ پیش آتی کہ آپ مجھے ملک کے وسائل کی تقسیم کار کا اختیار دیں جو آج کل کی انتظامی تقسیم کے مطابق وزارتِ خزانہ کا منصب بنتا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی تیسری مرتبہ اپنے والدین کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس گئے تو اُس وقت وہ مصر کے بادشاہ بن چکے تھے۔مؤرخین کا خیال ہے کہ بادشاہ کے فوت ہونے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام ملک کے بادشاہ بنے تھے اور یہی بات قرآن مجید کے سیاق وسباق کے تناظر میں حقیقت کے زیادہ قریب لگتی ہے۔جہاں تک اس بحث کا تعلق ہے، کہ یوسف علیہ السلام نے منصب کا خود مطالبہ کیا تھا قرآن مجید کے الفاظ سے بظاہر یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔لیکن اگر پچھلی بات کو ساتھ ملا کر اس بات کا مفہوم سمجھا جائے تو بات بالکل واضح ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے از خود مطالبہ نہیں کیا بلکہ منصب کی پیش کش کے جواب میں انہوں نے ملک وقوم کی خیرخواہی اور خواب کی تعبیر کو عملی جامہ پہنانے کے لیے یہ مطالبہ کیا کہ اگر آپ مجھے ہر صورت اعیانِ حکومت میں شامل کرنا چاہتے ہیں تو ملک وقوم کے لیے یہ مناسب ہوگا کہ مجھے وزارتِ خزانہ کا قلمدان سونپا جائے تاکہ مستقبل کے معاشی بحران سے ملک وقوم کو نکالنے کے لیے میں خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاسکوں۔جہاں تک منصب کا مطالبہ کرنے کا معاملہ ہے ہماری شریعت میں ایسا مطالبہ ناجائز ہے۔ممکن ہے کہ پہلی شریعتوں میں اس طرح کا مطالبہ کرنا جائز ہو۔

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ وَلِیَ الْقَضَآءَ أَوْ جُعِلَ قَاضِیًا بَیْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَیْرِ سِكِّیْنٍ)) [رواہ الترمذی : کتاب الأحکام باب مَا جَاءَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِی الْقَاضِی]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔جس کو فیصلہ کرنے کا حق دیا گیا یا اسے لوگوں کے درمیان قاضی مقرر کیا گیا یقیناً وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔“

((عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيْتَهَا عَنْ مَّسْئَلَةٍ وُّكِلْتَ إِلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيْتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا)) [متفق علیه]

''حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، امارت کی خواہش نہ کرنا! کیونکہ اگر تیری خواہش پر امارت مل گئی تو تجھے تیرے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اگر بلا خواہش امارت تفویض کی گئی تو تیری معاونت کی جائے گی۔''

((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَى الْإِمَارَةِ وَسَتَكُوْنُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ)) [رواه البخاری: باب باب مَا يُكْرَهُ مِنَ الْحِرْصِ عَلَى الْإِمَارَةِ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا' عنقریب تم امارت کی خواہش کرو گے' حالانکہ قیامت کے دن امارت باعث ندامت ہوگی۔ اقتدار بھلا لگتا ہے' اقتدار سے محرومی دل خراش ہوتی ہے۔ جیسے دودھ پلانے والی بھلی لگتی ہے اور دودھ چھڑانے والی بری لگتی ہے۔''

قیامت کے دن منصب دار لوگوں کی حالت:

((عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَلَا تَسْتَعْمِلُنِیْ قَالَ فَضَرَبَ بِيَدِهٖ عَلٰى مَنْكِبِیْ ثُمَّ قَالَ يَآ أَبَا ذَرٍّ إِنَّكَ ضَعِيْفٌ وَّإِنَّهَا أَمَانَةٌ وَّإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ خِزْيٌ وَّنَدَامَةٌ إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَأَدَّى الَّذِیْ عَلَيْهِ فِيْهَا)) [رواه مسلم: باب كَرَاهَةِ الْإِمَارَةِ بِغَيْرِ ضَرُوْرَةٍ]

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا' کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھے کوئی عہدہ کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر مارتے ہوئے فرمایا' اے ابوذر! یقیناً تو کمزور آدمی ہے۔ اور یہ عہدہ امانت ہے جو بلاشبہ قیامت کے دن رسوائی اور ذلت کا باعث ہوگا' سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے حق کو سوچ سمجھ کر استعمال کیا۔ اور ذمہ داریوں کو صحیح طور پر نبھایا۔''

مسائل

۱۔ بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کو اپنا مشیر بنانے کی پیشکش کی۔

۲۔ جیل سے نکلنے کے بعد یوسف علیہ السلام پہلے سے زیادہ معتبر اور معزز ہو گئے۔

۳۔ معاشیات کے ماہر شخص کو وزیر خزانہ بنانا چاہیے۔

وَكَذٰلِكَ	مَكَّنَّا	لِيُوْسُفَ	فِي	الْاَرْضِ ۚ	يَتَبَوَّاُ	مِنْهَا
اوراسی طرح	ہم نے اقتدار دیا	یوسف کے لیے	میں	زمین	وہ جگہ پکڑتا ہے	اس میں
حَيْثُ	يَشَآءُ ؕ	نُصِيْبُ	بِرَحْمَتِنَا	مَنْ	نَّشَآءُ	وَلَا
جہاں	وہ چاہتا	ہم پہنچاتے ہیں	اپنی رحمت	جسے	ہم چاہتے ہیں	اورنہیں
نُضِيْعُ	اَجْرَ	الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾	وَلَاَجْرُ	الْاٰخِرَةِ	خَيْرٌ	
ہم ضائع کرتے	اجر	نیکی کرنے والے	اور یقیناً اجر	آخرت	بہتر	
لِّلَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَكَانُوْا	يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾			
ان لوگوں کے لیے	ایمان لائے	اور وہ تھے	وہ ڈرتے			

ع۷

’’اوراسی طرح ہم نے زمین میں یوسف کو اقتدار عطا فرمایا، اس میں جہاں چاہتا تھا جگہ بناتا تھا۔ ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت سے نوازتے ہیں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔‘‘(۵۶)’’اور یقیناً آخرت کا اجر ان لوگوں کے لیے کہیں بہتر ہے جو ایمان لائے اور پرہیزگاری اختیار کرتے رہے۔‘‘(۵۷)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت یوسف علیہ السلام کا جیل سے رہا ہو کر وزارتِ خزانہ تک پہنچنا اللہ تعالیٰ کے کرم کا نتیجہ تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کو ختم کرنے یا ہمیشہ کے لیے کسی کا محتاج یا غلام رہنے کے لیے چھوڑ گئے تھے۔ لیکن درحقیقت ان سے یہ کام اللہ تعالیٰ کی تقدیر نے کروایا تھا۔ کیونکہ اگر یوسف علیہ السلام کو کنویں میں نہ پھینکتے مار ڈالتے یا حضرت یوسف علیہ السلام اپنے ماں باپ کے پاس کنعان میں ہی رہتے تو وہ مصر کے بادشاہ کس طرح بن سکتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی منشا اور اس کی تقدیر کا نتیجہ تھا کہ بھائیوں نے قتل کرنے کے بجائے کنویں میں پھینکا۔ کنویں سے قافلے والوں نے نکالا اور انہوں نے مصر کے بازار میں فروخت کیا۔ اللہ کی تقدیر کے مطابق عزیز مصر خریدتا ہے۔ عزیز مصر کی اہلیہ انہیں بدکاری پر آمادہ کرتی ہے۔ یوسف علیہ السلام بدکاری سے انکار کرنے کی پاداش میں جیل جاتے ہیں، وہاں بادشاہ کے قریبی ملازم متاثر ہوتے ہیں۔ ایک ملازم رہائی پا کر اپنی ڈیوٹی پر واپس جاتا ہے۔ جب اُس نے بادشاہ کے خواب کا چرچا سنا تو وہ بادشاہ سے اجازت لے کر جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر پوچھتا ہے، خواب کی تعبیر صحیح پا کر بادشاہ کا انہیں وزارتِ خزانہ کا منصب سونپنا اور بالآخر حضرت یوسف علیہ السلام کا مصر کا حکمران بننا۔ ان کے بھائیوں کا اپنی خطا کا اعتراف کرتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز کے ساتھ پیش ہونا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو والدین کی خدمت کرنے کا بہترین موقع میسر آنا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے

فضل وکرم کا نتیجہ تھا۔ جس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے اس طریقہ سے یوسف علیہ السلام کو ملکِ مصر میں حکومت عنایت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ جیسے چاہتا ہے زمین میں اقتدار عطا کرتا ہے۔ جس کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہم جسے چاہتے ہیں اپنی رحمت سے سرفراز کرتے ہیں اور ہم نیک لوگوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتے۔ اور صاحبِ ایمان اور اللہ سے ڈر کر زندگی بسر کرنے والوں کا اجر قیامت کے دن بہت ہی بہتر اور زیادہ ہوگا۔

((عن أبی أمامة رضی اللہ عنہ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَخْطُبُ فِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَقَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ وَصُومُوا شَهْرَكُمْ وَأَدُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ وَأَطِيْعُوا ذَا أَمْرِكُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ))[رواه الترمذی : کتاب الصلاة، باب فضل الصلاة وهو حديث صحيح]

”حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے ڈر جاؤ جو تمہارا رب ہے پانچ نمازیں پڑھو اور رمضان کے روزے رکھو۔ اپنے مالوں میں سے زکوٰۃ ادا کرو۔ اپنے امرا کی اطاعت کرو تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو ملک میں بااختیار بنادیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنی رحمت فرماتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

۴۔ اللہ سے ڈرنے والوں کو آخرت میں بہتر صلہ دیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

عزت اور اقتدار اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو ملک میں بااختیار بنایا۔ (یوسف:۵۶)

۲۔ اللہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے جسے چاہے بادشاہت عنایت کرتا ہے۔ (آل عمران:۲۶)

۳۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی اللہ مجھے بخش دے اور مجھے بے مثال حکومت عطا فرما۔ (ص:۳۵)

۴۔ بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں زمین وآسمان کی بادشاہت ہے۔ (الملک:۱)

۵۔ زمین وآسمان کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے۔ (الجاثیۃ:۲۷)

وَجَآءَ	اِخْوَةُ	يُوْسُفَ	فَدَخَلُوْا	عَلَيْهِ	فَعَرَفَهُمْ	وَهُمْ	لَهٗ
اور آئے	بھائی	یوسف	وہ داخل ہوئے	اس پر	پھر اس نے ان کو پہچان لیا	اور وہ	اسے
مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾	وَلَمَّا	جَهَّزَهُمْ	بِجَهَازِهِمْ	قَالَ	ائْتُوْنِيْ	بِاَخٍ	
نہ پہچاننے والے	اور جب	اس نے ان کیلیے تیار کر دیا	ان کا سامان	فرمایا	تم آؤ میرے پاس	بھائی کے ساتھ	
لَّكُمْ	مِّنْ	اَبِيْكُمْ	اَلَا	تَرَوْنَ	اَنِّيْٓ	اُوْفِي	
تمہارے لیے	سے	تمہارا باپ	کیا نہیں	تم دیکھتے ہو	بے شک میں ہوں	میں پورا دیتا ہوں	
الْكَيْلَ	وَاَنَا	خَيْرُ	الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾	فَاِنْ	لَّمْ	تَاْتُوْنِيْ	
ماپ	اور میں	بہتر	مہمان نوازی کرنے والا ہوں	پس اگر	نہ	لائے تم میرے پاس	
بِهٖ	فَلَا	كَيْلَ	لَكُمْ	عِنْدِيْ	وَلَا	تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾	
اس کو	تو نہیں	کوئی ماپ	تمہارے لیے	میرے پاس	اور نہ	تم میرے قریب آنا	

”اور پھر یوسف کے بھائی آئے اور اس کے ہاں داخل ہوئے اس نے انہیں پہچان لیا اور وہ اسے نہیں پہچانتے تھے۔“ (۵۸) ”اور جب اس نے ان کا سامان تیار کروا دیا تو کہا میرے پاس اپنے بھائی کو لے کر آنا جو تمہارے باپ کی طرف سے ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں ماپ پورا دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز ہوں۔“ (۵۹) ”اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو تمہارے لیے میرے پاس کوئی ماپ نہ ہوگا اور نہ میرے ہاں آنا۔“ (۶۰)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ قحط سالی کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا مجبور ہو کر مصر جانا۔

قرآنِ مجید کے مقدس الفاظ سے یہ بات مترشح ہو رہی ہے کہ بادشاہ کے خواب کے مطابق خوشحالی کے سات سال گزرنے کے بعد مصر میں قحط سالی شروع ہو چکی تھی۔ اور اس قحط کے اثرات شام، فلسطین اور کنعان تک پھیل چکے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے وزارت خزانہ کا قلمدان سنبھالتے ہی بہترین منصوبہ بندی کی۔ جس کی وجہ سے دوسرے علاقوں کے لوگ بھی غلہ حاصل کرنے کے لیے مصر کا رخ کر رہے تھے۔ اسی بنا پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی غلہ لینے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لیکن وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے۔ جب یوسف علیہ السلام نے ان کا سامان تیار کروا دیا تو فرمایا۔ آئندہ غلہ لینے کیلیے آؤ تو اپنے سوتیلے بھائی کو ضرور ساتھ لانا۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ میں پورا پورا تولنے کے ساتھ مہمان کی بہترین تکریم کرنے والا ہوں۔ اگر تم اپنے بھائی کو ساتھ نہ لائے تو میرے پاس نہ آنا اور نہ ہی تمھیں غلہ دیا جائے گا۔ بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ پہچاننے کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ جب انھوں نے یوسف علیہ السلام

کو کنویں میں پھینکا تھا تو اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر نو یا دس سال سے زیادہ نہ تھی۔ اسی لیے حضرت یعقوب علیہ السلام نے رخصت کرتے وقت فرمایا تھا کہ اس کا خیال رکھنا کہ کہیں اسے بھیڑیا نہ کھا جائے۔ اگر حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر بقول بعض مفسرین کے ۱۷ یا ۲۰ سال کی تھی تو اس عمر میں آدمی اتنا بچہ نہیں ہوتا کہ کسی درخت وغیرہ پر یا کسی اور طرح اپنی حفاظت نہ کر سکتا ہو۔ کنویں میں پھینکنے کے بعد اب تک تقریباً تیس سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا تھا۔ جن کا اس طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر یوسف علیہ السلام کی عمر کنویں کے وقت دس سال کی تھی تو وہ عزیز مصر کے ہاں کم از کم بیس سال ٹھہرے ہوں گے۔ پھر وہ نو، دس سال جیل میں بھی رہے گویا کہ اب وہ چالیس کے لگ بھگ تھے۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ﴾

''اور جب وہ (یوسف علیہ السلام) اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے۔''

یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائیوں سے جدا ہوئے کم وبیش چالیس سال کا عرصہ بنتا ہے۔ ظاہر ہے کہ چالیس سال کے بعد دس، بارہ سال کے بچے کے نقش ونگار اور قد وقامت میں غیر معمولی فرق واقع ہو جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بھائی سوچتے ہوں گے کہ اگر یوسف علیہ السلام زندہ ہے تو وہ کسی کی نوکری چاکری کر رہا ہوگا۔ انھیں کیا معلوم تھا کہ جس یوسف کو ہم نے دنیا کی ٹھوکریں کھانے کے لیے کنویں میں پھینکا تھا۔ وہ کنویں کی گہرائیوں سے نکل کر مصر کے اقتدار کی بلندیوں تک پہنچ چکا ہے۔ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ وہ مقتدر شخصیت ہمارا ہی سوتیلا بھائی ہے جس کو وہ پہچان نہ سکے۔ لیکن قرآن مجید کے الفاظ بتلا رہے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے انھیں پہچان لیا اور ان کو بھائیوں جیسی تکریم دیتے ہوئے بہترین مہمان نوازی کی۔ یہاں قرآن مجید کے الفاظ سے یہ مفہوم بھی آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے کہ یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں سے ایک سے زیادہ بار ملاقات کر چکے تھے۔ اور باتوں باتوں میں انھوں نے اپنے گھر کے حالات ان سے دریافت کر لیے تھے۔ جس وجہ سے فرما رہے ہیں کہ جب آئندہ غلہ لینے کے لیے آؤ تو اپنے سوتیلے بھائی کو ساتھ لانا ورنہ میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں ہے۔

((عَنْ اَبِیْ شُرَیْحِ الْکَعْبِیِّ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ جَآئِزَتُهٗ يَوْمٌ وَّلَيْلَةٌ وَّالضِّيَافَةُ ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ فَمَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَّلَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّثْوِيَ عِنْدَهٗ حَتّٰى يُحْرِجَهٗ)) [رواه البخاری: باب إِكْرَامِ الضَّيْفِ وَخِدْمَتِهٖ إِيَّاهُ بِنَفْسِهٖ]

''حضرت ابو شریح کعبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ ایک دن ایک رات خوب اہتمام کرے مہمان نوازی تین دن تک ہے اس کے بعد صدقہ ہے۔ مہمان کے لیے جائز نہیں کہ میزبان کے ہاں بلا وجہ مقیم رہے کہ اسے تنگی میں مبتلا کر دے۔''

مسائل

۱۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا۔ ۲۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی انہیں نہ پہچان سکے۔

۳۔ یوسف علیہ السلام ناپ تول میں کمی نہیں ہونے دیتے تھے۔ ۴۔ یوسف علیہ السلام بہت ہی مہمان نواز تھے۔

قَالُوْا	سَنُرَاوِدُ	عَنْهُ	اَبَاهُ	وَاِنَّا	لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾	وَقَالَ
انہوں نے کہا	عنقریب ہم آمادہ کریں گے	اس کا	اس کا باپ	اور بے شک ہم	ضرور کرنے والے	اور کہا اس نے
لِفِتْيٰنِهِ	اجْعَلُوْا	بِضَاعَتَهُمْ	فِيْ	رِحَالِهِمْ	لَعَلَّهُمْ	
اپنے جوانوں سے	تم رکھ دو	ان کی پونجی	میں	ان کے سامان	شاید کہ وہ	
يَعْرِفُوْنَهَآ	اِذَا	انْقَلَبُوْٓا	اِلٰٓى	اَهْلِهِمْ	لَعَلَّهُمْ	يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾
وہ پہچان لیں	جب	وہ لوٹ کر جائیں	طرف	اپنے گھر والوں	شاید کہ وہ	وہ لوٹ آئیں

''انہوں نے کہا ہم اس کے باپ کو اس کے بارے میں آمادہ کریں گے اور بے شک ہم ضرور اس طرح کریں گے۔'' (۶۱) ''اور اس نے اپنے جوانوں سے کہا ان کا مال ان کے کجاووں میں رکھ دو، تا کہ جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس جائیں تو اسے پہچان لیں، شاید پھر آجائیں۔'' (۶۲)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے فرمان کے جواب میں ان کے بھائیوں کا چھوٹے بھائی کو ساتھ لانے کا وعدہ۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کی بہترین مہمان نوازی کی اور انھیں رخصت کرتے ہوئے صاف صاف فرمادیا کہ اگر تم اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ نہ لائے تو ادھر کا رخ نہ کرنا۔ ان کے بھائیوں نے ان سے الوداع ہوتے ہوئے عرض کی کہ ہم اُسے ساتھ لانے کے لیے اپنے والد کو آمادہ کریں گے کہ وہ ضرور اُسے ہمارے ساتھ بھیجے۔ ہم ہر صورت ایسا کریں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ تاکید انہیں اس لیے کی تا کہ حقیقی بھائی سے ان کی ملاقات ہو اور انہیں براہِ راست اپنے والد گرامی کے حالات سے آگاہی ہو جائے۔ اسی لیے وہ مختلف انداز میں تاکید کرتے ہیں کہ اپنے سوتیلے بھائی کو آئندہ ساتھ لانا اس کے ساتھ ہی انھوں نے اپنے خادموں سے فرمایا کہ ان کی رقم ان کے سامان میں رکھ دی جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے غلہ کے ساتھ ان کی معمولی رقم درج ذیل وجوہات کی وجہ سے واپس کی۔

۱۔ قحط زدہ اور کنگال لوگ تھے۔ اس لیے ان کی رقم واپس کی گئی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قحط سالی کے وقت حکومت کا فرض ہے کہ وہ حتی المقدور لوگوں کو بلا معاوضہ غلہ مہیا کرے۔

۲۔ یہ لوگ یوسف علیہ السلام کے بھائی اور مستحق بھی تھے۔ اس لیے ان کا زیادہ حق بنتا تھا کہ ان کی خدمت کی جاتی۔

۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے غلے کی رقم اس لیے بھی واپس کی تا کہ ان کے بوڑھے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ تعاون ہو اور وہ خوش ہو جائیں۔

۴۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے تعاون کا یہ مقصد بھی تھا تا کہ اس بنا پر دوسری بار مصر آتے ہوئے میرے بھائی کو ضرور ساتھ لائیں۔

گھر پہنچ کر غلّہ کی قیمت دیکھتے ہی ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور اپنے والد سے کہنے لگے کہ ابا جان! ہمیں اور کیا چاہیے ہماری رقم بھی واپس کر دی گئی ہے لہٰذا آپ چھوٹے بھائی کو ضرور اجازت دیں تا کہ ہم پھر غلہ لائیں۔ ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے۔ اس کے جانے کی وجہ سے ہمیں ایک اونٹ مزید غلہ مل جائے گا اس میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام گھر کی تنگدستی، بیٹوں کے اصرار اور مصر کے بادشاہ کا حسن سلوک دیکھ کر دل ہی دل میں ایک ٹیس محسوس کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی ٹھنڈی سانس بھر کر کہتے ہیں۔ اللہ حفاظت کرنے والا وہ سب سے زیادہ مہربان ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تو پہلے بھی یوسف کے بارے میں بڑی تاکیدیں کیں تھیں مگر حقیقی حفاظت تو اللہ کے اختیار میں ہے جب وہ اپنا کرم فرمائے گا تو ہماری پریشانیاں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔

مکہ والوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہونا:

((عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا رَأَى مِنَ النَّاسِ إِدْبَارًا قَالَ اللَّهُمَّ سَبْعٌ كَسَبْعِ يُوْسُفَ فَأَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ حَصَّتْ كُلَّ شَيْءٍ حَتّٰى أَكَلُوا الْجُلُوْدَ وَالْمَيْتَةَ وَالْجِيَفَ، وَيَنْظُرَ أَحَدُهُمْ إِلَى السَّمَآءِ فَيَرَى الدُّخَانَ مِنَ الْجُوْعِ، فَأَتَاهُ أَبُوْ سُفْيَانَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّكَ تَأْمُرُ بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَبِصِلَةِ الرَّحِمِ وَإِنَّ قَوْمَكَ قَدْ هَلَكُوْا، فَادْعُ اللّٰهَ لَهُمْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿**فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ**﴾ إِلٰى قَوْلِهٖ ﴿**عَآئِدُوْنَ**﴾ ﴿**يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى**﴾))

[رواه البخاري: باب دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ اجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ]

”مسروق بیان کرتے ہیں کہ ہم عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے اُنھوں نے بیان کیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مکہ کے لوگ ایمان نہیں لا رہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ! ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے قحط کی طرح قحط نازل فرما دے اس کے بعد اُن کو قحط سالی نے آلیا ہر چیز ختم ہوگئی یہاں تک کہ وہ چمڑے اور مردار کھانے پر مجبور ہو گئے۔ جب اُن میں سے کوئی آسمان کی طرف دیکھتا تو اُسے بھوک کی وجہ سے دھواں نظر آتا۔ ابوسفیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا اے محمد! آپ اللہ کی اطاعت اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے۔ اُن کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں ﴿**فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ**﴾ سے لے کر ﴿**عَآئِدُوْنَ**﴾ ﴿**يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى**﴾ تک۔“

مسائل

۱۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے باپ کو اپنے چھوٹے بھائی کے بارے میں یقین دہانی کروائی۔

۲۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کی نقدی لوٹا دی۔

فَلَمَّا	رَجَعُوْٓا	اِلٰٓى	اَبِيْهِمْ	قَالُوْا	يٰٓاَبَانَا		مُنِعَ
چنانچہ جب	وہ لوٹے	طرف	اپنے باپ	انہوں نے کہا	اے ہمارے باپ!		وہ روکا گیا
مِنَّا	الْكَيْلُ	فَاَرْسِلْ	مَعَنَآ	اَخَانَا	نَكْتَلْ		وَاِنَّا
ہم سے	ماپ	لہٰذا تو بھیج	ہمارے ساتھ	ہمارا بھائی	ماپ لائیں ہم		اور یقیناً ہم
لَهٗ	لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾	قَالَ	هَلْ	اٰمَنُكُمْ	عَلَيْهِ		اِلَّا
اس کے لیے	ضرور حفاظت کرنے والے ہیں	اس نے کہا	نہیں	میں تمھیں امین سمجھتا	اس پر		مگر
كَمَآ	اَمِنْتُكُمْ	عَلٰٓى	اَخِيْهِ	مِنْ	قَبْلُ ؕ		فَاللّٰهُ
جیسا کہ	میں نے تمھیں امین سمجھا تھا	پر	اس کے بھائی	سے	پہلے		چنانچہ اللہ

''چنانچہ جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹے تو کہنے لگے اے ہمارے باپ! ہم سے ماپ روک لیا گیا، سو آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجیں تا کہ ہم ماپ لائیں اور یقیناً ہم اس کی ضرور حفاظت کریں گے۔''(۶۳)''اس نے کہا کیا اس کے معاملہ میں ویسا ہی اعتبار کروں جس طرح میں نے اس کے بھائی کے معاملہ میں اس سے پہلے تم پر اعتبار کیا، سو اللہ

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ برادرانِ یوسف علیہ السلام واپس اپنے گھر آ کر اپنے والد سے حسبِ وعدہ اور ضرورت اپنے بھائی بنیامین کو آئندہ سفر میں ساتھ لے جانے کی درخواست کرتے ہیں۔

برادرانِ یوسف علیہ السلام گھر آ کر اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کو مصر کے بادشاہ کی مہمان نوازی، حسن سلوک اور اس کے فرمان کا ذکر کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اباجی ہمیں آئندہ غلہ دینے سے اس لیے انکار کیا گیا ہے کہ جب تک ہم اپنے بھائی بنیامین کو ساتھ نہ لے جائیں گے ہمیں غلہ نہیں مل سکتا۔ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ آپ ہمارے بھائی بنیامین کو ہمارے ساتھ روانہ فرمائیں ہم اس کی ضرور بضرور حفاظت کریں گے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے معاملے میں ان کے وعدے اور باتوں سے واقف تھے۔ انھوں نے صرف یہی کہنا مناسب سمجھا کہ کیا تم پر میں اُسی طرح اعتبار کروں جس طرح اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں اعتبار کیا تھا؟ اس کے ساتھ ہی فرمایا اللہ ہی بہترین حفاظت کرنے والا ہے۔ وہ سب سے زیادہ مہربان ہے۔ اس گفتگو کے بعد جب برادران یوسف نے اپنا سامان کھولا تو یہ دیکھ کر ان کے تعجب اور خوشی کی انتہا نہ رہی کہ غلہ کے ساتھ ان کی ادا کی ہوئی رقم بھی واپس کر دی گئی ہے۔ کہنے لگے! اباجان! اب تو ضرور آپ بنیامین کو ساتھ لے جانے میں اجازت مرحمت فرمائیں۔

آدمی کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا طلبگار رہنا چاہیے:

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا كَرَبَهٗ أَمْرٌ قَالَ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ))

[رواہ الترمذی: باب یا حیی یا قیوم]

خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَ لَمَّا فَتَحُوْا

بہترین حفاظت کرنے والا اور وہی زیادہ رحم کرنے والا رحم کرنے والے اور جب انہوں نے کھولا

مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا

اپنا سامان انہوں نے پائی اپنی پونجی واپس کردی گئی ان کی طرف انہوں نے کہا اے ہمارے باپ!

مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَ نَمِيْرُ اَهْلَنَا

کیا چاہتے ہیں ہم؟ یہ ہماری پونجی واپس کردی گئی ہماری طرف اور ہم غلہ لائیں گے اپنے اہل وعیال

وَ نَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿٦٥﴾

اور ہم حفاظت کریں گے اپنے بھائی کی اور ہم زیادہ لائیں گے ماپ ایک اونٹ یہ ماپ بہت آسان

بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔‘‘(٦٤)’’اور جب انہوں نے پنا سامان کھولا تو اپنے مال کو پایا جوان کو واپس کر دیا گیا، کہنے لگے اے ہمارے باپ! ہمیں کیا چاہیے؟ یہ ہمارا مال ہمیں واپس کر دیا گیا ہے اور ہم گھر والوں کے لیے غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا ماپ زیادہ لائیں گے ،یہ بہت تھوڑا ماپ ہے۔‘‘(٦٥)

’’حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی معاملے میں پریشانی ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے اے زندہ اور قائم رہنے والے اللہ! میں تیری رحمت کے صدقے تیری مدد طلب کرتا ہوں۔‘‘

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ سب سے بہتر حفاظت فرمانے والا ہے۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی سب کی حفاظت کرنے والا ہے۔

١۔ بے شک میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔(ھود:٥٧)

٢۔ اللہ ہی سب کی حفاظت کرنے والا ہے۔(الانبیاء:٨٢)

٣۔ ہر ایک کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر ہیں۔(الرعد:١١)

٤۔ وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اللہ نے اپنے بندوں کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر کیے ہیں۔(الانعام:٦١)

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا

اس نے کہا | ہرگز نہیں | میں اسے بھیجوں گا | تمہارے ساتھ | یہاں تک | تم مجھے دو | پختہ وعدہ

مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ

سے | اللہ | تم ضرور میرے پاس آؤ گے | ساتھ اس کے | مگر | یہ کہ | گھیرے جاؤ

بِكُمْ ج فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى

تمہارے ساتھ | پھر جب | انہوں نے اس کو دیا | اپنا پختہ وعدہ | اس نے کہا | اللہ | پر

مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا

جو | ہم کہتے ہیں | نگہبان ہے | اور اس نے فرمایا | اے میرے بیٹو! | نہ | تم داخل ہونا

''اس نے کہا میں اسے تمہارے ساتھ ہرگز نہ بھیجوں گا، یہاں تک کہ تم میرے ساتھ اللہ کی قسم اٹھا کر پختہ عہد کرو کہ تم ہر صورت اسے میرے پاس لاؤ گے، مگر یہ کہ تمہیں گھیر لیا جائے۔ پھر جب انہوں نے پختہ وعدہ کر لیا تو اس نے کہا اللہ اس پر ضامن ہے جو ہم کہہ رہے ہیں۔'' (۶۶) ''اور اس نے کہا اے میرے بیٹو! ایک دروازے سے داخل نہ ہونا

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ بیٹوں کے اصرار پر حضرت یعقوب علیہ السلام کا مجبور ہو کر بنیامین کو بھائیوں کے ساتھ بھیجنے پر آمادہ ہونا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام یہ فرماتے ہوئے اپنی آمادگی کا اظہار کرتے ہیں کہ میں بنیامین کو اس وقت تک ہرگز تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک اللہ کا نام لے کر میرے ساتھ پختہ وعدہ نہ کرو کہ اسے ضرور میرے پاس واپس لاؤ گے۔ الا یہ کہ تم سب کے سب گھیر لیے جاؤ۔ جب انھوں نے قسمیں اٹھا اٹھا کر عہد دیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ ہی ہمارے قول و اقرار پر نگران ہے۔ پھر فرمانے لگے کہ بیٹا شہر کے ایک دروازے سے اندر داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہونا۔ میں تمھیں اللہ کی تقدیر سے نہیں بچا سکتا۔ کیونکہ بالآخر حکم اللہ ہی کا غالب آیا کرتا ہے۔ اس تجویز کو پیش کرنے کا یہ مقصد نہیں کہ میرا اللہ پر بھروسہ نہیں ہے۔ میں اللہ ہی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور ہر بھروسہ رکھنے والے کو اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹوں سے حلف لیتے ہوئے یہ فرمانا کہ تم ضرور میرے پاس بنیامین کو واپس لاؤ گے الا یہ کہ تم سب کے سب گھیر لیے جاؤ۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مصر میں امن و امان کا مسئلہ بھی پیدا ہو چکا تھا جو قحط سالی کے دور میں پیدا ہو جایا کرتا ہے کیونکہ کچھ عناصر اپنی ضروریات کے حصول کے لیے مار دھاڑ کا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں۔ ایسی صورت میں مضبوط سے مضبوط حکومت کا نظم و ضبط کمزور ہو جایا کرتا ہے۔ ان حالات میں گیارہ آدمیوں کا جتھا جو کہ ایک سے

مِنْ	بَابٍ	وَّاحِدٍ	وَّادْخُلُوْا	مِنْ	اَبْوَابٍ	مُّتَفَرِّقَةٍ
سے	دروازہ	ایک	اورتم داخل ہونا	سے	دروازوں	متفرق

وَمَآ	اُغْنِيْ	عَنْكُمْ	مِّنَ	اللّٰهِ	مِنْ	شَيْءٍ
اورنہیں	میں کفایت کرسکتا	تم سے	سے	اللہ	سے	کچھ

اِنِ	الْحُكْمُ	اِلَّا	لِلّٰهِ	عَلَيْهِ	تَوَكَّلْتُ
نہیں ہے	حکم	مگر	اللہ ہی کا	اسی پر	میں نے بھروسہ کیا

وَعَلَيْهِ	فَلْيَتَوَكَّلِ	الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝
اوراسی پر	پس چاہیے کہ بھروسہ کریں	بھروسہ کرنے والے

اور بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا اور میں تم سے اللہ کی طرف سے آنے والی کسی چیز کو نہیں ٹال سکتا، حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور لازم ہے کہ اسی پر بھروسہ کرنے والے بھروسہ کریں۔'' (٦٧)

ایک بڑھ کر کڑیل جوان ہوا ایسے اجنبیوں کو انتظامیہ مشکوک نگاہوں سے دیکھے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ انتظامیہ نے امن وامان برقرار رکھنے کے لیے دفعہ ایک سو چوالیس کی طرح کوئی قانون نافذ کر رکھا ہو۔ ایسی صورتِ حال کے پیش نظر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہ مشورہ دیا کہ تم وہاں اجنبی اور پردیسی ہو گے اس لیے تمھیں جتھے کی شکل میں ایک ہی دروازے سے داخل ہونے کے بجائے مختلف دروازوں سے داخل ہونا چاہیے۔ اس تجویز پر عمل کرنے کے ساتھ تمھارا اللہ پر مضبوط ایمان اور بھروسہ ہونا چاہیے۔ اللہ اپنی ذات پر بھروسہ کرنے والوں کے معاملات آسان فرما دیتا ہے۔

توکل کا معنی ہے کسی پر اعتماد اور بھروسہ کرنا۔ توکل علی اللہ کا یہ مفہوم ہوا کہ بندہ اپنے خالق و مالک پر کامل اعتماد و یقین کا اظہار کر رہا ہے۔ جو اپنے رب پر بھروسہ اور توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور اس کی مشکلات آسان کر دیتا ہے۔ لہٰذا تنگی اور آسانی' خوشی اور غمی میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ یہ غموں کا تریاق اور مشکلات کا مداوا ہے۔

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾

[الطلاق:٣]

''جو اللہ پر بھروسہ کرے اس کے لیے وہ کافی ہے۔ اللہ اپنا حکم نافذ کر کے رہتا ہے اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔''

﴿وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ [یوسف: ٦٧]

''اس پر ہی بھروسہ کرنے والوں کو اعتماد کرنا چاہیے۔''

قرآن وسنت کی روشنی میں توکل کا کامل تصور یہ بنتا ہے کہ وسائل اور اسباب کو استعمال کرتے ہوئے کام کا نتیجہ اور انجام اللہ کے سپرد کیا جائے۔توکل پریشانیوں سے نجات پانے کا پہلا ذریعہ ہے اگر کسی کا اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور توکل ہی نہیں تو اس کے مسائل کس طرح حل ہوں گے؟

((عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَوْ أَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَوَکَّلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ حَقَّ تَوَکُّلِہٖ لَرُزِقْتُمْ کَمَا تُرْزَقُ الطَّیْرُ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا))[رواہ الترمذی : کتاب الزھد، باب فِی التَّوَکُّلِ عَلَی اللّٰہِ]

”حضرت عمر بن خطاب ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے۔تمہیں اسی طرح رزق دیا جائے جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے۔وہ خالی پیٹوں کے ساتھ صبح کرتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹوں کے ساتھ لوٹتے ہیں۔“

مسائل

۱۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے پختہ عہد لیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کے قول وعمل پر گواہ ہوتا ہے۔

۳۔ اپنی اولاد کو نصیحت کرنی چاہیے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی کسی کے کام نہیں آسکتا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ پر ہی ہر کسی کو توکل کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

توکل علی اللہ کے فوائد:

۱۔ میں اللہ پر توکل کرتا ہوں اور توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں۔(یوسف:۶۷)

۲۔ جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اسے کافی ہو جاتا ہے۔(الطلاق:۳)

۳۔ اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔(آل عمران:۱۵۹)

۴۔ اللہ صبر کرنے والوں اور توکل کرنے والوں کو بہترین اجر عطا فرمائے گا۔(العنکبوت:۵۹)

۵۔ اللہ پر ایمان لانے والوں اور توکل کرنے والوں کے لیے خیر ہی خیر ہے۔(الشوریٰ:۳۶)

وَلَمَّا	دَخَلُوْا	مِنْ	حَيْثُ	اَمَرَهُمْ	اَبُوْهُمْ ؕ	مَا
اور جب	وہ داخل ہوئے	سے	جہاں	انہیں حکم دیا تھا	ان کے باپ	نہیں
كَانَ	يُغْنِيْ	عَنْهُمْ	مِّنَ	اللّٰهِ	مِنْ	شَيْءٍ	اِلَّا
تھا	وہ کفایت کرسکتا	ان سے	سے	اللہ	سے	کچھ	مگر

حَاجَةً	فِيْ	نَفْسِ	يَعْقُوْبَ	قَضٰىهَا ؕ	وَاِنَّهٗ	لَذُوْ عِلْمٍ
حاجت	میں	دل	یعقوب	اس نے اسے پورا کیا	اور بے شک وہ	البتہ صاحب علم تھا
لِّمَا	عَلَّمْنٰهُ	وَلٰكِنَّ	اَكْثَرَ	النَّاسِ	لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾
اس کی وجہ سے	سکھایا تھا ہم نے اسے	اور لیکن	اکثر	لوگ	نہیں جانتے

''اور جب داخل ہوئے جہاں سے ان کے باپ نے ان کو حکم دیا تھا، وہ ان سے اللہ کی طرف سے آنے والی کسی چیز کو ٹال نہیں سکتا تھا مگر یعقوب کے دل میں ایک خلش تھی جو اس نے پوری کی اور بلا شبہ وہ یقیناً بہت علم والا تھا، وجہ یہ ہے کہ ہم نے اسے علم عطا کیا تھا اور اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' (۶۸)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے ان کے بیٹوں کا مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہونا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے اپنے والد کی تجویز کے مطابق شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہوئے۔ یہ تو ان کی احتیاطی تدبیر تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی تعلیم کی بدولت حضرت یعقوب علیہ السلام بڑے صاحبِ علم تھے۔ جبکہ اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔ پہلے واقعہ کے پیش نظر حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو رخصت کرتے ہوئے ان سے حلف لیا تا کہ انھیں پہلی غلطی کا احساس اور آئندہ کے لیے فکر مندی ہو کہ ہم نے پہلے جیسا جرم نہیں کرنا۔ اس کے ساتھ ہی احتیاط کے طور پر ایک تدبیر بتلائی۔ اس تدبیر کے باوجود کئی دفعہ فرمایا کہ بیٹو! اپنے رب پر پوری طرح توکل رکھنا اور میرا بھی اس کی ذات پر توکل ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی احتیاطی تدبیر اور اللہ پر توکل کرنے کی سوچ وفکر اور علم کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ یہ ہم نے ہی یعقوب علیہ السلام کو علم اور سوچ عطا کی تھی۔ جسے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت دنیا کے اسباب اور اپنے علم و ہنر پر ہی بھروسہ کرتی ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اسباب و وسائل کو اختیار کیے

بغیر اللہ پر توکل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ توکل کا حقیقی معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ وسائل کو استعمال کرتے ہوئے اس پر بھروسہ کیا جائے۔

تدبیر کی اہمیت:

((عَنْ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ يَقُولُ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَعْقِلُهَا وَأَتَوَكَّلُ أَوْ أُطْلِقُهَا وَأَتَوَكَّلُ قَالَ اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ))[رواہ الترمذی:باب اعقل وتوکل]

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول! میں سواری کو باندھوں اور توکل کروں یا اسے کھلا چھوڑ دوں اور توکل کروں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے اونٹ کا گھٹنا باندھو پھر توکل کرو۔“

مسائل

۱۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ان کے حکم کے مطابق شہر میں داخل ہوئے۔

۲۔ حضرت یعقوب علیہ السلام بڑے صاحب علم تھے۔

۳۔ لوگوں کی اکثریت حقائق سے آگاہ نہیں ہوتی۔

تفسیر بالقرآن

لوگوں کی اکثریت کا حال:

۱۔ اکثر لوگ نہیں جانتے۔(یوسف:۲۱)

۲۔ لوگوں کی اکثریت شکر نہیں کرتی۔(یوسف:۳۸)

۳۔ آپ کے چاہنے کے باوجود لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لائے گی۔(یوسف:۱۰۳)

۴۔ یہ آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔(ھود:۱۷)

۵۔ اہل کتاب میں سے کچھ لوگ مومن ہیں اور ان کی اکثریت نافرمان ہے۔(آل عمران:۱۱۰)

۶۔ وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے اور اُن کی اکثریت بے عقل ہے۔(المائدۃ:۱۰۳)

۷۔ اللہ کی منشا کے بغیر کوئی ایمان نہیں لاتا لیکن لوگوں کی اکثریت جاہل ہے۔(الانعام:۱۱۱)

۸۔ اللہ کے احسان کو پہچانتے ہیں پھر اُس کا انکار کرتے ہیں اور اُن میں سے بیشتر لوگ ایسے ہیں جو حق کو نہیں مانتے۔(النحل:۸۳)

وَلَمَّا	دَخَلُوْا	عَلٰى	يُوْسُفَ	اٰوٰۤى	اِلَيْهِ	اَخَاهُ	
اور جب	وہ داخل ہوئے	پر	یوسف	اس نے جگہ دی	اپنے پاس	اپنے بھائی کو	
قَالَ	اِنِّيْٓ	اَنَا	اَخُوْكَ	فَلَا	تَبْتَىِٕسْ	بِمَا	
اس نے کہا	یقیناً میں	میں	تیرا بھائی	بس نہ	تو غم کھا	اس وجہ سے	
كَانُوْا	يَعْمَلُوْنَ ۞	فَلَمَّا	جَهَّزَهُمْ	بِجَهَازِهِمْ	جَعَلَ		
تھے وہ	وہ عمل کرتے	پھر جب	تیار کر دیا اس نے ان کے لیے	ان کا سامان	اس نے رکھ دیا		
السِّقَايَةَ	فِيْ	رَحْلِ	اَخِيْهِ	ثُمَّ	اَذَّنَ	مُؤَذِّنٌ	
پیالہ	میں	سامان	اپنے بھائی	پھر	اس نے اعلان کیا	اعلان کرنے والا	

''اور جب وہ یوسف کے ہاں داخل ہوئے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی، کہا بے شک میں ہی تیرا بھائی ہوں، اس پر غم نہ کھاؤ جو وہ کرتے رہے ہیں۔'' (۶۹) ''جب اس نے ان کا سامان تیار کروا دیا تو پینے کا برتن اپنے بھائی کے کجاوے میں رکھ دیا پھر ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ برادرانِ یوسف کا مختلف دروازوں کے ذریعے گزر کر حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاں جمع ہونا۔

مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کے ہاں جمع ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک ایک کمرے میں دو دو بھائیوں کو ٹھہرایا اور بنیامین کو الگ کمرہ میں جگہ دی۔ پھر بنیامین کے پاس تشریف لے جا کر انھیں اپنا تعارف کروایا۔ ظاہر ہے اتنی مدت کے بعد ملنے پر دو بھائیوں کے جو جذبات ہوں گے انکا پوری طرح اندازہ کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی زندگی کے نشیب و فراز کے بارے میں بتایا ہوگا اور حضرت بنیامین نے اپنے غم، گھریلو حالات اور اپنے والد گرامی کی پریشانیوں کا ذکر کیا ہوگا۔ جس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ پیارے بھائی اب آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے فضل و کرم سے اکٹھا کر دیا ہے۔ لہٰذا جو کچھ آپ کے ساتھ زیادتیاں ہوتی رہیں ہیں ان پر دل گرفتہ ہونے کی ضرورت نہیں، ساتھ انہیں فرمایا کہ میں آپ کو اپنے پاس رکھنے کی کوئی راہ نکالتا ہوں۔ چنانچہ صبح کے وقت بھائیوں کا سامان تیار کیا۔ تو چپکے سے پانی پینے والا مخصوص پیالہ بنیامین کے سامان میں رکھوا دیا۔ جب قافلہ غلہ لے کر شہر سے باہر نکل گیا تو حسب منصوبہ پیچھے سے انتظامیہ کے آدمی بھیجے کہ جانے والے قافلہ کی تلاشی لی جائے۔ انتظامیہ کے لوگوں نے قافلہ کا پیچھا کرتے ہوئے آواز دی کہ رُک جاؤ تم تو چور معلوم ہوتے ہو۔ قافلے والے پیچھے پلٹ کر پوچھتے ہیں۔ جناب آپ کی کیا چیز گم ہوئی ہے؟ جس وجہ سے آپ ہمیں چور کہہ رہے ہیں۔ انتظامیہ کے سربراہ نے کہا

اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝٧٠ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ

اے | قافلہ | بے شک تم | البتہ چوری کرنے والے | انہوں نے کہا | اور وہ متوجہ ہوئے | ان کی طرف

مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ۝ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ

کیا | تم گم پاتے ہو؟ | انہوں نے کہا | ہم گم پاتے ہیں | پیالہ | بادشاہ | اور اس کے لیے جو

جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ۝٧٢

وہ آیا | اس کے ساتھ | بوجھ | ایک اونٹ | اور میں | ساتھ اس کے | ضمانت دینے والا

اے قافلے والو! بے شک تم چور ہو۔‘‘(۷۰)’’جب وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے کہا کیا چیز تم گم پاتے ہو؟‘‘(۷۱)’’انہوں نے کہا ہم بادشاہ کا پیمانہ گم پاتے ہیں اور جو اس کو لائے گا اس کے لیے ایک اونٹ کا غلہ ہوگا اور میں اس کا ضامن ہوں۔‘‘(۷۲)

کہ ہمارے بادشاہ کا پانی پینے والا پیالہ گم ہوگیا ہے۔ جو شخص ڈھونڈ لائے گا اسے ایک اونٹ غلہ دیا جائے گا۔ میں اس کی ضمانت دیتا ہوں صواع سے مراد ہے پانی پینے کا پیالہ جو سونے یا چاندی کا ہو۔ یاد رہے ہماری شریعت میں سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا حرام ہیں، شریعت یوسفی میں حرام نہ تھے۔

((عن عَبدِ اللّٰهِ بنِ عُكَيمٍ قَالَ كُنَّا مَعَ حُذَيفَةَ رضی اللہ عنہ بِالْمَدَآئِنِ فَاسْتَسْقٰى حُذَيفَةُ فَجَآءَهُ دِهْقَانٌ بِشَرَابٍ فِيْ إِنَاءٍ مِّنْ فِضَّةٍ فَرَمَاهُ بِهِ وَقَالَ إِنِّيْ أُخْبِرُكُمْ أَنِّيْ قَدْ أَمَرْتُهُ أَنْ لَّا يَسْقِيَنِيْ فِيهِ فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَشْرَبُوْا فِيْ إِنَاءِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا تَلْبَسُوا الدِّيْبَاجَ وَالْحَرِيْرَ فَإِنَّهُ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَهُوَ لَكُمْ فِي الْآخِرَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))[رواه مسلم: كتاب اللباس والزينة، باب تَحْرِيمِ اسْتِعْمَالِ إِنَاءِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ عَلَى الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ]

’’حضرت عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدائن میں تھے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پانی طلب کیا تو ایک کاشتکار چاندی کے برتن میں پانی لے کر حاضر ہوا تو انہوں نے اسے پھینک دیا اور فرمانے لگے کہ میں تمہیں آگاہ کرتے ہوئے حکم دیتا ہوں کہ کوئی مجھے ایسے برتن میں مجھے نہ پلائے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیو۔ زیور اور ریشمی لباس نہ پہنو (مرد) یقیناً یہ دنیا میں کافروں کے لیے ہے اور تمہارے لیے آخرت میں ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی۔ ۲۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے پینے کا برتن بھائی کی بوری میں رکھوا دیا۔
۳۔ پختہ شک کی بنیاد پر چوری کا الزام لگایا جا سکتا ہے۔ ۴۔ گمشدہ چیز کے لیے انعام مقرر کیا جا سکتا ہے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي
انہوں نے کہا | اللہ کی قسم! | البتہ تحقیق | تم جانتے ہو | نہیں آئے ہم | تا کہ ہم فساد کریں | میں

الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗ
زمین | اور نہیں | ہیں ہم | چوری کرنے والے | انہوں نے کہا | پھر کیا | سزا ہے اس کی

اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ
اگر | ہوئے تم | جھوٹ بولنے والے | انہوں نے کہا | اس کی سزا ہے | جو | وہ پایا گیا

فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾
میں | اس کے سامان | پھر وہی شخص | بدلہ اس کا | اسی طرح | ہم سزا دیتے ہیں | ظالموں کو

”انہوں نے کہا اللہ کی قسم! بلاشبہ تم جانتے ہو کہ ہم اس لیے نہیں آئے کہ اس ملک میں فساد کریں اور نہ ہم چور ہیں۔“ (۷۳) ”انہوں نے کہا اس کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے ہوئے؟“ (۷۴) ” کہنے لگے اس کی سزا وہ شخص ہے جس کے کجاوے میں وہ پایا جائے، سو وہ شخص آپ ہی اپنی سزا میں رکھ لیا جائے۔ اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیتے ہیں۔“ (۷۵)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ قافلے والوں کا انتظامیہ کو جواب اور حلف۔

قافلے والے رُک کر کہنے لگے کہ جناب آپ کو معلوم ہے کہ ہم چوری کرنے نہیں آئے۔ ہم تو بھوک کے مارے ہوئے اپنے وطن سے آپ کے ملک میں غلہ لینے کے لیے آئے ہیں۔ ہمارا چوری چکاری سے کیا تعلق۔ لیکن انتظامیہ کے لوگ تلاشی لینے کے سوا کسی دلیل کو نہیں مانتے۔ یہ بیچارے قسم پر قسم اٹھائے جا رہے ہیں کہ یقین کرو کہ ہم نے چوری نہیں کی۔ ہمارا خاندان ایسا ویسا نہیں ہے ہم تو انبیاء کی اولاد ہیں۔ نہ معلوم انہوں نے کس کس انداز سے پولیس افسر کو یقین دلانے کی کوشش کی ہوگی۔ بالآخر پولیس والے کہنے لگے کہ چلو یہ بتاؤ کہ اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے تو تمہاری کیا سزا ہونی چاہیے؟ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ ہم نے پیالہ نہیں اٹھایا۔ لہٰذا ہم کس طرح چور ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس لیے فوراً کہنے لگے۔ ہمارے علاقے کا قانون ہے کہ اگر چور سے چوری کا مال برآمد ہو جائے تو اس کو ایک سال کے لیے مال کے مالک کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ اگر ہم میں سے کسی کے پاس بادشاہ کا پیالہ نکل آئے تو ہم اسے آپ کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس شرط پر قافلے والوں کی تلاشی شروع کر دی گئی۔ لیکن حسبِ ہدایت سب پہلے دوسرے لوگوں کی تلاشی لی گئی۔ تا کہ اصل منصوبہ کے بارے میں کسی کو شک نہ پڑے۔ اس کے پیشِ نظر آخر میں بنیامین کے سامان کی تلاشی لی گئی۔ ان سے پیالہ برآمد ہوا۔ اللہ تعالیٰ

فَبَدَاَ	بِاَوْعِيَتِهِمْ	قَبْلَ	وِعَآءِ	اَخِيْهِ	ثُمَّ	اسْتَخْرَجَهَا
پھر شروع ہوا وہ	ان کے تھیلوں کے ساتھ	پہلے	تھیلے	اپنے بھائی	پھر	اس نے نکال لیا اس کو
مِنْ	وِّعَآءِ	اَخِيْهِ	كَذٰلِكَ	كِدْنَا	لِيُوْسُفَ	مَا كَانَ
سے	تھیلا	اپنے بھائی	اسی طرح	ہم نے تدبیر کی	یوسف کے لیے	نہیں تھا وہ
لِيَاْخُذَ	اَخَاهُ	فِيْ	دِيْنِ	الْمَلِكِ	اِلَّآ	اَنْ
تاکہ وہ لے سکتا	اپنے بھائی	میں	قانون	بادشاہ کے	مگر	یہ کہ
يَّشَآءَ	اللّٰهُ	نَرْفَعُ	دَرَجٰتٍ	مَّنْ	نَّشَآءُ	وَفَوْقَ
وہ چاہتا ہے	اللہ	ہم بلند کرتے ہیں	درجے	جس	ہم چاہیں	اور اوپر
كُلِّ	ذِيْ	عِلْمٍ	عَلِيْمٌ ﴿٧٦﴾			
ہر	صاحب	علم	بہت زیادہ علم والا			

تو اس نے اس کے بھائی کے تھیلے سے پہلے ان کے تھیلوں سے ابتدا کی پھر اسے اس کے بھائی کے تھیلے سے نکال لیا۔ اسی طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی ممکن نہ تھا کہ بادشاہ کے قانون کے مطابق وہ اپنے بھائی کو رکھ لیتا مگر جو اللہ چاہے، ہم جسے چاہتے ہیں درجات کی بلندی دیتے ہیں اور ہر علم والے سے اوپر ایک سب سے زیادہ علم والا ہے۔" (۷۶)

اس تدبیر کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کے لیے یہ تدبیر کی تھی۔ یعنی اسے سکھلائی تھی۔ ورنہ یوسف بادشاہ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق بھائی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا تھا۔ اللہ جو چاہے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے مراتب میں بلند کرتا ہے۔ اور ایک علم والا ایسا ہے جو سب علم رکھنے والوں سے بڑھ کر علم رکھنے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کے لیے تدبیر کی۔ سوچنا یہ ہے کہ یہ تدبیر کونسی تھی۔ کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ اس سے مراد یوسف علیہ السلام کا بنیامین کے سامان میں پیالہ رکھنا ہے۔ دوسرے مکتبہ فکر کا کہنا ہے کہ " کدنا " سے مراد وہ بات ہے جو تفتیش کے دوران یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے منہ سے نکلی تھی کہ اسرائیلی شریعت کے مطابق ہمارا یہ اصول ہے کہ چور کو ایک سال کے لیے مال کے مالک کے حوالے کر دیا جائے۔ اسی بنیاد پر بنیامین کو یوسف علیہ السلام نے اپنے پاس رکھ لیا۔ جس کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ﴾

"ایک ہستی ہر علم والے سے بڑھ کر علم رکھنے والی ہے۔"

دین کے معانی:

دین اسلام اپنے کام اور نظام کے اعتبار سے کامل اور اکمل ہی نہیں بلکہ یہ تو اپنے نام کے دامن میں بھی پوری جامعیت اور دنیا و آخرت کے معاملات کا احاطہ کیے ہوئے ہے چنانچہ دین کا معنیٰ ہے(۱) تابع دار ہونا (۲) دوسرے کو اپنا تابع فرمان بنانا۔(۳) مکمل اخلاص اور یکسوئی کا اظہار کرنا۔(۴) قانون (۵) مکمل ضابطۂ حیات (۶) جزا و سزا اور قیامت کے دن کے لیے بھی لفظ دین بولا جاتا ہے۔

دین کی فرضیت:

﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ﴾[المائدة:۳]

''آج کے دن تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا ہے۔''

﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾[النحل:۱۲۳]

''پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ یکسو رہنے والے ابراہیم کی ملت کی اتباع کیجیے اور وہ مشرک نہ تھے۔''

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾[آل عمران:۸۵]

''اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھائے گا۔''

مسائل

۱۔ صفائی پیش کرنے کے لیے قسم اٹھائی جا سکتی ہے۔ ۲۔ شریعت اسرائیلی میں بھی چور کی سزا اسے غلام بنانا تھا۔

۳۔ یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو بادشاہ کے دین کے مطابق نہ رکھ سکتے تھے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے بلند مرتبہ عطا فرماتا ہے۔ ۵۔ ہر علم والے کے اوپر علم والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

دین کا معنیٰ:

۱۔ یوسف کے لیے ممکن نہ تھا کہ بادشاہ کے قانون (دین) کے مطابق اپنے بھائی کو روک لیتے۔ (یوسف:۷۶)

۲۔ وہ مالک ہے قیامت (دین) کے دن کا۔ (الفاتحۃ:۴)

۳۔ کیا اللہ کے دین کے سوا وہ کوئی اور دین (الاسلام) تلاش کرتے ہیں۔ (آل عمران:۸۳)

۴۔ یہی مستقل (ضابطہ) دین ہے۔ (التوبۃ:۳۶)

۵۔ اس نے تمہارے لیے وہی طریقہ (دین) مقرر کیا ہے۔ (الشوریٰ:۱۳)

قَالُوْٓا	اِنْ	يَّسْرِقْ	فَقَدْ	سَرَقَ	اَخٌ	لَّهٗ
انہوں نے کہا	اگر	وہ چوری کرتا ہے	تو تحقیق	چوری کی تھی	بھائی	اس کے لیے
مِنْ	قَبْلُ ج	فَاَسَرَّهَا	يُوْسُفُ	فِيْ	نَفْسِهٖ	وَلَمْ
سے	پہلے	چنانچہ اس کو چھپایا	یوسف	میں	اپنے دل	اور نہ
يُبْدِهَا	لَهُمْ ج	قَالَ	اَنْتُمْ	شَرٌّ	مَّكَانًا ج	وَاللّٰهُ
ظاہر کیا اس نے اسے	ان کے لیے	اس نے کہا	تم	بدترین	مرتبے	اور اللہ
اَعْلَمُ	بِمَا	تَصِفُوْنَ ۝٧٧	قَالُوْا	يٰٓاَيُّهَا	الْعَزِيْزُ	اِنَّ
خوب جانتا ہے	اس کو جو	تم بیان کرتے ہو	انہوں نے کہا	اے	عزیز!	بے شک

''انہوں نے کہا اگر اس نے چوری کی ہے تو بیشک اس سے پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی۔ یوسف نے اسے اپنے دل میں چھپائے رکھا۔ اسے ان پر ظاہر نہ کیا، کہا برے لوگ ہو اور اللہ زیادہ جاننے والا ہے جو تم بیان کرتے ہو۔'' (۷۷) ''انہوں نے کہا اے عزیز! بے شک

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ بنیامین کے سامان سے بادشاہ کا پیالہ برآمد ہونے پر بھائیوں کا ردِّعمل۔

سامان کی تلاشی لینے پر بنیامین کے سامان سے پیالہ نکلا۔ تلاشی لینے والوں نے کہا کہ اب بتائیں کہ ہمارا قیافہ صحیح نہیں نکلا؟ سب کو حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ برادارانِ یوسف اس پر بنیامین کی طرف سے کوئی عذر اور معذرت کرتے۔ انہوں نے اس کے برعکس اپنے حسد کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کے حقیقی بھائی نے بھی چوری کی تھی۔ یہ ہمارا حقیقی بھائی نہیں ہے باقی ہم سگے بھائی ہیں۔ ہم میں کوئی بھی ایسی حرکت کرنے والا نہیں ہے۔ یہ دونوں بھائی ایسی حرکات کر لیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ہمیں شرمندگی اٹھانی پڑی ہے۔ نہ معلوم انہوں نے اس موقع پر کیا کیا باتیں کی ہوں گی کیونکہ ان کے دلوں میں ان دونوں کے بارے میں حسد و بغض کا ایک طوفان چھپا ہوا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام بڑے حوصلے کے ساتھ ساری باتیں سنتے رہے اور اپنے دل میں کہا کہ تم خود برے لوگ ہو۔ تم مجھ پر چوری کا الزام لگا رہے ہو حالانکہ تم نے مجھ پر بڑی زیادتی کی تھی۔ حضرت یوسف چاہتے تو انہیں گرفتار کر لیتے اور ان سے ساری بات اگلواتے کہ تم نے کس طرح اپنے باپ کو دھوکا دے کر یوسف کو کنویں میں پھینکا تھا۔ اگر وہ انکار کرتے تو فرماتے کہ ظالمو! کیوں جھوٹ پر جھوٹ بولے جا رہے ہو میں ہی یوسف ہوں۔ لیکن انہوں ایسا کرنے کی بجائے راز کو راز ہی رہنے دیا۔ بھائیوں نے جب دل کی بھڑاس نکال لی تو انہیں احساس ہوا کہ ہم نے معذرت کرنے کی بجائے نہ صرف بنیامین کو چور ثابت کر دیا ہے بلکہ اس کے بھائی کو بھی چور بنا ڈالا ہے۔

لَهٗٓ	اَبًا	شَيْخًا	كَبِيْرًا	فَخُذْ	اَحَدَنَا	مَكَانَهٗ ۚ	
اس کے لیے	باپ	بوڑھا	بڑا	لہٰذا آپ لے لیں	ہم میں سے کسی ایک کو	اس کی جگہ	
اِنَّا	نَرٰىكَ	مِنَ	الْمُحْسِنِيْنَ ۝	قَالَ	مَعَاذَ	اللّٰهِ	
بے شک ہم	ہم آپ کو دیکھتے ہیں	سے	احسان کرنے والے	اس نے کہا	پناہ	اللہ	
اَنْ	نَّاْخُذَ	اِلَّا	مَنْ	وَّجَدْنَا	مَتَاعَنَا	عِنْدَهٗٓ ۙ	
یہ کہ	ہم لیں	سوائے	جو	ہم نے پایا	ہمارا سامان	اس کے پاس	
اِنَّآ	اِذًا	لَّظٰلِمُوْنَ ۝					
بلاشبہ ہم	اس وقت	البتہ ظالم ہوں گے					

اس کا باپ بہت بوڑھا ہے آپ ہم میں سے کسی کو اس کی جگہ رکھ لیں بے شک ہم تجھے احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں۔'' (۷۸) ''اس نے کہا اللہ کی پناہ کہ جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے، اس کے سوا کسی کو پکڑیں یقیناً ہم تو اس وقت ظالم ہوں گے۔'' (۷۹)

اس کے بعد یوسف علیہ السلام سے عرض کرنے لگے۔ کہ اے بادشاہ سلامت! اس کا باپ بہت ہی کمزور اور بوڑھا ہے۔ اسے اس کے ساتھ بہت محبت ہے لہٰذا ہماری درخواست ہے کہ آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو گرفتار کرلیں ہم نے دیکھا ہے کہ آپ بڑے ہی مہربان اور احسان کرنے والے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی پناہ! کہ ہم ایسے شخص کو گرفتار کریں کہ جس سے مال برآمد نہیں ہوا۔ ایسا کرنا تو بہت بڑی زیادتی ہوگی۔ ہم تو اس شخص کو پکڑیں گے جس سے ہم نے مال برآمد کیا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی احتیاط اور سمجھداری کا اندازہ لگائیں کہ وہ یہ نہیں فرماتے کہ ہم چور کو پکڑیں گے۔

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو کہتے ہوئے سنا کہ باپ کو بیٹے کے جرم میں قتل نہیں کیا جائے گا۔'' (مسند احمد)

مسائل

۱۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام لگادیا۔ ۲۔ مجرم کے بدلے کسی دوسرے کو سزا نہیں دی جاسکتی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ظالم کو ہدایت نہیں دیتا:

۱۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ (آل عمران: ۵۷) ۲۔ ظالموں کے لیے تباہی ہے۔ (نوح: ۲۸)

۳۔ ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (الشوریٰ: ۲۱) ۴۔ ظالموں کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے۔ (الحشر: ۱۷)

فَلَمَّا	اسْتَيْـَٔسُوْا	مِنْهُ	خَلَصُوْا	نَجِيًّا	قَالَ	كَبِيْرُهُمْ
پھر جب	وہ ناامید ہو گئے	اس سے	وہ الگ ہوئے	مشورہ کرنا	اس نے کہا	ان کے بڑے
اَلَمْ	تَعْلَمُوْٓا	اَنَّ	اَبَاكُمْ	قَدْ	اَخَذَ	عَلَيْكُمْ
کیا نہیں	تم جانتے	بے شک	تمہارا باپ	تحقیق	اس نے کہا	تم پر
مَّوْثِقًا	مِّنَ	اللّٰهِ	وَمِنْ	قَبْلُ	مَا	فَرَّطْتُّمْ
پختہ وعدہ	سے	اللہ	اور سے	پہلے	جو	تم کوتاہی کر چکے ہو
فِيْ	يُوْسُفَ	فَلَنْ	اَبْرَحَ	الْاَرْضَ	حَتّٰى	يَاْذَنَ
میں	یوسف؟	چنانچہ ہرگز نہیں	میں چھوڑوں گا	اس زمین	یہاں تک کہ	وہ اجازت دے

’’پھر جب اس سے بالکل ناامید ہو گئے تو مشورہ کرنے کے لیے الگ جا بیٹھے، ان کے بڑے نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کی قسم کے ساتھ عہد لیا ہے اور اس سے پہلے تم نے یوسف کے بارے میں جو کوتاہی کی، اب میں اُس زمین سے ہرگز نہ جاؤں گا۔ یہاں تک کہ

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ برادرانِ یوسف جب بنیامین کو رہا کروانے میں ناکام ہوئے تو علیحدہ ہو کر مشورہ کرنے لگے۔

نامعلوم برادرانِ یوسف نے بنیامین کو رہا کروانے کے لیے کس قدر منت سماجت اور ترلے کیے ہوں گے۔ مگر بادشاہ نے ان کی کوئی بات تسلیم نہ کی۔ جب بادشاہ سے پوری طرح مایوس ہو گئے تو انہوں نے علیحدہ ہو کر آپس میں مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ بالآخر ان کا بڑا بھائی جس کا نام مؤرخین یہودہ بتلاتے ہیں کہنے لگا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم سب سے والد صاحب نے قسمیں اٹھوا کر وعدہ لیا ہے کہ تم ہر صورت بنیامین کو اپنے ساتھ واپس لاؤ گے اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ تم اس سے پہلے یوسف کے ساتھ زیادتی کر چکے ہو۔ مجھے اس طرح واپس جاتے ہوئے حیا آتی ہے میں اپنے دکھی اور بوڑھے باپ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ لہٰذا تم جانا چاہتے ہو تو جاؤ۔ لیکن میں یہاں سے کبھی نہیں جاؤں گا۔ یہاں تک کہ والد گرامی مجھے پیغام بھیجیں یا اللہ تعالیٰ میرے لیے کوئی فیصلہ کر دے۔ وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ فیصلہ سے مراد بنیامین کی رہائی یا پھر مصر میں رہنا ہے۔ لہٰذا تم اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور جا کر عرض کرنا ابا جان! آپ کے بیٹے نے چوری کا ارتکاب کیا اور ہم نے وہی گواہی دی جو کچھ ہمارے سامنے پیش آیا اور ہم غیب میں بنیامین کی حفاظت کرنے والے نہ تھے۔ بعض اہل لغت نے غیب سے مراد رات لی ہے کہ دن کے وقت تو ہم اکھٹے تھے لیکن جب بنیامین رات کے وقت ہم سے علیحدہ ہوا تو ہم نہیں جانتے کہ رات

لِیۡۤ اَبِیۡۤ اَوۡ یَحۡکُمَ اللّٰہُ لِیۡ ۚ وَ ہُوَ خَیۡرُ الۡحٰکِمِیۡنَ ﴿۸۰﴾

میرے لیے میراباپ یا فیصلہ کردے اللہ میرے لیے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا

اِرۡجِعُوۡۤا اِلٰۤی اَبِیۡکُمۡ فَقُوۡلُوۡا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابۡنَکَ

تم واپس جاؤ طرف اپنے باپ پھر کہو اے ہمارے باپ! بے شک آپ کے بیٹے نے

سَرَقَ ۚ وَ مَا شَہِدۡنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمۡنَا وَ مَا

اس نے چوری کی اور نہیں گواہی دی ہم نے مگر اس چیز کی ہمیں علم تھا اور نہیں

کُنَّا لِلۡغَیۡبِ حٰفِظِیۡنَ ﴿۸۱﴾ وَ سۡـَٔلِ الۡقَرۡیَۃَ الَّتِیۡ کُنَّا

تھے تم غیب کی حفاظت کرنے والے اور پوچھ لیجیے اس بستی سے جو تھے ہم

فِیۡہَا وَ الۡعِیۡرَ الَّتِیۡۤ اَقۡبَلۡنَا فِیۡہَا ؕ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿۸۲﴾

اس میں اور اس قافلہ سے وہ جو ہم آئے ہیں اس میں اور بے شک البتہ سچے ہیں

میرا باپ مجھے حکم دے یا اللہ میرے لیے کوئی فیصلہ کردے اور وہ تمام فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔'' (۸۰) ''اپنے باپ کے پاس جاؤ، پس کہو اے ہمارے باپ! بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے اور ہم نے شہادت نہیں دی مگر اس کے مطابق جو ہم نے جانا اور ہم غیبی میں اس کی حفاظت کرنے والے نہ تھے۔'' (۸۱) ''اور اس بستی سے پوچھ لیں جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے بھی جس کے ساتھ ہم آئے ہیں اور یقیناً ہم سچے ہیں۔'' (۸۲)

کے وقت اس نے چوری کر لی ہوا گر آپ کو ہماری باتوں پر یقین نہیں آ رہا تو بستی کے اس قافلے والوں سے پوچھئے جن کے ساتھ ہم واپس آئے ہیں۔ یقین فرمائیں کہ ہم بالکل سچے ہیں۔

مسائل

۱۔ ہر صورت وعدہ کی پاسداری کرنی چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے:

۱۔ یا اللہ میرے حق میں فیصلہ فرمادے اللہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ (یوسف: ۸۰)

۲۔ سن لو! اللہ کا ہی حکم چلتا ہے اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ (الانعام: ۶۲)

۳۔ بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (ھود: ۴۵)

۴۔ وحی کی فرمانبرداری کرو اور صبر کرو کہ اللہ فیصلہ فرمادے اللہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ (یونس: ۱۰۹)

قَالَ	بَلْ	سَوَّلَتْ	لَكُمْ	اَنْفُسُكُمْ	اَمْرًا	فَصَبْرٌ
اس نے کہا	بلکہ	بنالی ہے	تمہارے لیے	تمہارے نفس	ایک بات	لہٰذا صبر
جَمِيْلٌ	عَسَى	اللّٰهُ	اَنْ	يَّاْتِيَنِيْ	بِهِمْ	جَمِيْعًا
بہتر	امید	اللہ	یہ کہ	وہ آئے میرے پاس	ان	تمام
اِنَّهٗ	هُوَ	الْعَلِيْمُ	الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾			
بے شک	وہ	خوب جاننے والا	خوب حکمت والا ہے			

''اس نے کہا بلکہ تمہارے لیے تمہارے دل نے یہ کام خوبصورت بنا دیا ہے، میں اچھا صبر کروں گا امید ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے گا، یقیناً وہی سب کچھ جاننے اور حکمت والا ہے۔'' (۸۳)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے بیٹوں پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے دو وجہ سے بنیامین پر چوری کے الزام اور اپنے بیٹوں کی باتوں کو مسترد کیا۔ پہلی وجہ یہ تھی کہ وہ بحیثیت باپ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ میرا بیٹا بنیامین چوری نہیں کرسکتا کیونکہ اس نے اس سے پہلے کبھی ایسی غلطی نہیں کی۔ ایسا نیک اور دیانتدار بچہ پردیس میں جا کر کس طرح غلطی کرسکتا ہے۔ پھر وہ وہاں رہنے کے لیے نہیں بلکہ مجبوری کے عالم میں غلہ لینے کے لیے گیا ہے۔ ایسی صورت میں چوری کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس لیے بھی اپنے بیٹوں کی باتوں پر اعتماد کا اظہار نہیں کیا کہ وہ جانتے تھے کہ یہ پہلے بھی یوسف علیہ السلام کے بارے میں بھی زیادتی کر چکے ہیں۔ اس وجہ سے ان پر اعتماد نہ کرنا ایک فطری بات تھی۔ اسی وجہ سے انہوں نے یہ فرمایا کہ تم خواہ مخواہ ایک کہانی بنا کر میرے سامنے پیش کر رہے ہو جسے بنانا اور بیان کرنا تمہارے دل نے تمہارے لیے آسان کر دیا ہے۔ میں صبر جمیل کے سوا اور کیا کرسکتا ہوں۔ تاہم مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور تینوں کو میرے پاس لائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم اور فیصلہ میں حکمت ہوتی ہے۔

﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ﴾ [یوسف: ۱۸]

''یعقوب علیہ السلام نے کہا بلکہ تم نے ایک بات کو بنا سنوار لیا ہے۔ خیر صبر ہی بہتر ہے۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہ الفاظ اس وقت بھی کہے تھے جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر کہا تھا۔ ابا جان! جب ہم کھیل کود میں ایک دوسرے سے بہت آگے نکل گئے پیچھے سے بھیڑیے نے یوسف کو کھا لیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس وقت بھی فرمایا تھا جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس پر اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے گا۔ اللہ اللہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا کتنا بڑا حوصلہ اور ایمان ہے کہ دوسرے بڑے سانحہ اور یوسف علیہ السلام کی طویل جدائی کے باوجود پہلے سے بڑھ کر

نہ صرف صبر کا مظاہرہ کیا بلکہ بے انتہا پریشانی کے وقت بھی فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ضرور ہمیں ہماری زندگی میں جمع فرمائے گا۔ مجھے جو عظیم صدمہ کے بعد دوبارہ بڑا صدمہ پہنچا ہے اس کی حکمت اللہ ہی جانتا ہے۔ ان شاء اللہ میں اس پر صبر جمیل کروں گا۔ پہلے بھی عرض کیا ہے کہ صبر جمیل سے مراد ایسا صبر جس میں کسی قسم کا گلہ شکوہ اور جزع فزع نہ پایا جائے۔

((عَنْ صُهَيْبٍ ﷛ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ))

[رواه مسلم : باب الْمُؤْمِنُ أَمْرُهُ كُلُّهُ خَيْرٌ]

”حضرت صہیب ﷛ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کا عجیب معاملہ ہے اُس کے تمام معاملات میں بھلائی ہی بھلائی ہے اور یہ سعادت کسی اور کے نصیبے میں نہیں اگر مومن کو خوشحالی ملے تو وہ شکر کرتا ہے تو وہ بھی اُس کے لیے باعث خیر ہے اور اگر وہ پہنچنے والی تکلیف پر صبر کرے تو وہ بھی اُس کے حق میں بہتر ہے۔“

اولاد منہ زور ہو جائے تو والدین کو درج ذیل ہدایات پر عمل کرنا چاہیے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ وَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللّٰهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ○﴾ [التغابن: ۱۴۔۱۵]

”اے ایمان والو! تمہاری بیویوں میں سے اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں۔ ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور انہیں بخش دو تو اللہ یقیناً بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔ یقیناً تمھارے مال اور اولاد آزمائش ہیں اور اللہ کے ہاں بہترین اجر ہے۔“

مسائل

۱۔ مومن کو صبر کا دامن کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ سے حالات بدلنے کی امید اور دعا کرنی چاہیے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ ہر بات جاننے اور حکمت والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

صبر اور اس کا اجر:

۱۔ صبر ہی بہتر ہے۔ (یوسف: ۸۳) ۲۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کے اجر دے گا۔ (الزمر: ۱۰)
۳۔ صبر کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بہترین صلہ دیا جائے گا۔ (النحل: ۹۶)
۴۔ اللہ تعالیٰ صبر کا بدلہ جنت اور ریشم کی صورت میں دے گا۔ (الدھر: ۱۲)
۵۔ صبر کیجیے اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ (ھود: ۱۱۵)

وَتَوَلّٰى	عَنْهُمْ	وَقَالَ	يٰٓاَسَفٰى	عَلٰى	يُوْسُفَ
اوراس نے منہ پھیرا	ان سے	اوراس نے کہا	ہائے افسوس!	پر	یوسف
وَابْيَضَّتْ	عَيْنٰهُ	مِنَ	الْحُزْنِ	فَهُوَ	كَظِيْمٌ ۝۸۴	قَالُوْا
اورسفید ہوگئی	اس کی دونوں آنکھیں	سے	غم	اوروہ	غم سے بھرا ہو	انہوں نے کہا
تَاللّٰهِ	تَفْتَؤُا	تَذْكُرُ	يُوْسُفَ	حَتّٰى	تَكُوْنَ	حَرَضًا
اللہ کی قسم!	تو رہے گا	یاد کرتا رہے گا	یوسف	یہاں تک	تو ہو جائے	گھل جانے والا
اَوْ	تَكُوْنَ	مِنَ	الْهٰلِكِيْنَ ۝۸۵	قَالَ	اِنَّمَآ	اَشْكُوْا
یا	تو ہو جائے	سے	ہلاک ہونے والوں	اس نے کہا	بس میں	تو شکایت کرتا ہوں

''اس نے منہ پھیرا اور کہنے لگا۔ ہائے یوسف! اس کی آنکھیں غم سے سفید ہوگئیں، پس وہ غم سے بھرا ہوا تھا۔'' (۸۴) ''انہوں نے کہا اللہ کی قسم! تو ہمیشہ یوسف کو یاد کرتا رہے گا یہاں تک کہ گھل گھل کر مرنے کے قریب ہو جائے یا ہلاک ہو جانے والوں سے ہو جائے۔'' (۸۵) ''اس نے کہا میں اپنی بیقراری اور غم کی شکایت

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں سے یہ کہتے ہوئے رخ پھیر لیتے ہیں کہ میں تو صبر ہی کروں گا اور مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے یوسف، بنیامین اور یہودہ سے جلد ہی ملائے گا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے ٹھنڈی سانس بھری اور اپنا چہرہ بیٹوں سے پھیرتے ہوئے کہا کہ ہائے یوسف میں اس غم کی شکایت اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کرتا ہوں یہی انبیاء علیہم السلام اور صابر لوگوں کا طریقہ ہے۔ اس غم میں ان کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی اور ان کی حالت یہ تھی کہ ان کے جسم کا ایک ایک عضو یوسف کی یاد میں غم سے چور چور ہو چکا تھا۔ بیٹے باپ کو تسلی دینے کی بجائے قسم اٹھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ کو یوسف کا غم ہر وقت کھائے جا رہا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی غم کے وقت دعا:

((اَللّٰهُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُوْ ضَعْفَ قُوَّتِيْ، وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ، وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ، أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ، وَأَنْتَ رَبِّيْ.... فَلَا أُبَالِيْ، وَلٰكِنْ عَافِيَتُكَ هِيَ أَوْسَعُ لِيْ، أَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ، وَصَلَحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ)) [الرحیق المختوم]

''بارالہا! میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری و بےبسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بےقدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین! تو کمزور لوگوں کا رب ہے اور تو ہی میرا بھی رب ہے............ پس مجھے کوئی پرواہ نہیں لیکن تیری عافیت

بَثِّيْ	وَحُزْنِيْٓ	اِلَى	اللّٰهِ	وَاَعْلَمُ	مِنَ	اللّٰهِ
اپنی بے قراری	اور اپنے غم	طرف	اللہ	اور میں جانتا ہوں	سے	اللہ

مَا	لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۶
جو	تم نہیں جانتے

صرف اللہ کے حضور پیش کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ہو۔'' (۸۶)

میرے لیے کافی ہے، میں تیرے چہرے کے جمال کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو جائیں اور جس سے دنیا اور آخرت کے مسائل حل ہو جائیں۔''

مسائل

۱۔ بیٹے کی جدائی ماں باپ کے لیے عظیم صدمہ ہوتا ہے۔

۲۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی غم کی وجہ سے بینائی چلی گئی۔

۳۔ رنج و غم کی شکایت اللہ ہی سے کرنی چاہیے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے جو علم انبیاء علیہم السلام کو عطا کیا ہے وہ کسی اور کو عطا نہیں کیا۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء علیہم السلام اپنا دکھ اور فریاد اللہ ہی کے حضور پیش کرتے تھے:

۱۔ یعقوب علیہ السلام نے کہا میں اپنی بے قراری اور غم کی شکایت صرف اللہ کے حضور پیش کرتا ہوں۔ (یوسف: ۸۶)

۲۔ آدم علیہ السلام نے کہا ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اگر تو ہمیں معاف نہیں کرے گا اور رحم نہیں فرمائے گا تو ہم یقیناً نقصان اٹھائیں گے۔ (الاعراف: ۲۳)

۳۔ ایوب علیہ السلام نے دعا کی اے میرے پروردگار! مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ (الانبیاء: ۸۳)

۴۔ یونس علیہ السلام نے اندھیروں میں اللہ تعالیٰ کو پکارا۔ تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں تو پاک ہے اور میں ہی قصوروار تھا۔ (الانبیاء: ۸۷)

۵۔ زکریا علیہ السلام نے کہا اے میرے پروردگار! مجھے تنہا نہ چھوڑ اور تو ہی بہترین وارث ہے۔ (الانبیاء: ۸۹)

۶۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اے رب! بلاشبہ میں نے اپنے اوپر ظلم کیا لہٰذا مجھے معاف کر دے۔ (القصص: ۱۶)

یٰبَنِیَّ	اذْهَبُوْا	فَتَحَسَّسُوْا	مِنْ	یُّوْسُفَ	وَاَخِیْهِ	وَلَا
اے میرے بیٹو!	تم جاؤ	اور تلاش کرو تم	سے	یوسف	اور اس کے بھائی	اور نہ
تَایْئَسُوْا	مِنْ	رَّوْحِ	اللّٰهِ ؕ	اِنَّهٗ	لَا	یَایْئَسُ
تم مایوس ہونا	سے	رحمت	اللہ	بے شک	نہیں	مایوس ہوتے
مِنْ	رَّوْحِ	اللّٰهِ	اِلَّا	الْقَوْمُ	الْكٰفِرُوْنَ ۝۸۷	
سے	رحمت	اللہ	مگر	لوگ	کافر	

''اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی رحمت سے کافر ہی مایوس ہوتے ہیں۔'' (۸۷)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو لگ بھگ ۴۰ سال سے زائد عرصہ گزر چکا تھا۔ ان کی جدائی میں حضرت یعقوب علیہ السلام ہر وقت خاموش اور غمگین رہتے تھے۔ اس غم نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کی عمر سے پہلے ہی بوڑھا کر دیا تھا۔ طویل مدت گزرنے کے باوجود ان کا غم پہلے دن کی طرح تازہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو صدمے پر صدمہ پہنچتا ہے۔ پہلے یوسف علیہ السلام آنکھوں سے اوجھل ہوئے پھر بنیامین اور یہودہ بھی مصر میں رہ گئے۔ اس کے باوجود حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوئے۔ جب بیٹوں نے انہیں یہ بات کہی کہ آپ یوسف کو یاد کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ آپ ہلاک ہو جائیں۔ اس پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا میرے بیٹو! مایوس ہونے کی ضرورت نہیں تم جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے اس کی رحمت سے کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو خواب کی تعبیر پر یقین تھا کہ ایک وقت ضرور آئے گا کہ یوسف اور اس کے بھائی سے ملاقات ہوگی۔ کیونکہ وہ پہلے بھی فرما چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ ضرور سب کو جمع کرے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے:

۱۔ اللہ کی رحمت سے کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔ (یوسف: ۸۷) ۲۔ اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ (الزمر: ۵۳)

۳۔ اللہ کی رحمت سے گمراہوں کے سوا کوئی ناامید نہیں ہوتا۔ (الحجر: ۵۶)

۴۔ اللہ کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کرنے والے اللہ کی رحمت سے مایوس ہیں۔ (العنکبوت: ۲۳)

۵۔ مومن اللہ کی رحمت کے امیدوار ہوتے ہیں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (البقرۃ: ۲۱۸)

۶۔ ابراہیم نے کہا میں اپنے پروردگار کو پکاروں گا اُمید ہے کہ میں اُس کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔ (مریم: ۴۸)

فَلَمَّا	دَخَلُوْا	عَلَيْهِ	قَالُوْا	يٰٓاَيُّهَا	الْعَزِيْزُ	مَسَّنَا
پھر جب	وہ داخل ہوئے	اس پر	انہوں نے کہا	اے	عزیز!	پہنچی ہے ہمیں
وَاَهْلَنَا	الضُّرُّ	وَجِئْنَا	بِبِضَاعَةٍ	مُّزْجٰىةٍ	فَاَوْفِ	لَنَا
اور ہمارے اہل وعیال	تکلیف	اور ہم آئے	ہم پونجی کے ساتھ	ناقص	چنانچہ آپ پورا دیجیے	ہمارے لیے
الْكَيْلَ	وَتَصَدَّقْ	عَلَيْنَا ؕ	اِنَّ	اللّٰهَ	يَجْزِي	الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾
ماپ	اور خیرات کیجیے	ہم پر	بے شک	اللہ	جزا دیتا ہے	صدقہ خیرات کرنے والوں کو

''پھر جب وہ اس کے ہاں داخل ہوئے کہنے لگے اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی ہے اور ہم معمولی رقم لے کر آئے ہیں، مگر ہمیں ماپ پورا عنایت کریں اور ہم پر صدقہ بھی کریں۔ یقیناً اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔'' (۸۸)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ حضرت یعقوب کی ہدایت پر برادرانِ یوسف کا مصر کی طرف جانا۔

برادرانِ یوسف اب تیسری مرتبہ مصر پہنچ کر مصر کے بادشاہ (یوسف علیہ السلام) سے ملاقات کرتے ہیں۔ اب کی بار فاقہ مستی کی وجہ سے ان کی حالت یہ ہو چکی تھی کہ بادشاہ کے حضور پیش ہوتے ہی فریاد کرنے لگے۔ اے عزیز مصر! ہم اور ہمارے گھر والے قحط سالی اور فاقہ کشی کی وجہ سے انتہائی پریشان ہیں۔ غلہ لینے کے لیے جو رقم ہم لائے ہیں وہ بالکل ہی معمولی ہے لیکن آپ سے التجا ہے کہ آپ قیمت کے برابر غلہ دینے کی بجائے ہم پر صدقہ کریں۔ اللہ تعالیٰ صدقہ دینے والوں کو یقیناً جزا دیتا ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ سے پتا چل رہا ہے کہ برادرانِ یوسف نے کتنی بے بسی اور عاجزی میں آکر فریاد کی تھی۔ غیور اور پیغمبر زادے ہونے کے باوجود فریاد کرتے ہیں کہ ہم بڑی مشکل سے کچھ رقم لائے ہیں۔ مگر یہ اتنی تھوڑی ہے کہ اس کے عوض جو غلہ ملے گا۔ اس سے ہم اپنے بوڑھے ماں باپ اور چھوٹے چھوٹے بچوں کا پیٹ نہیں پال سکتے اس لیے ہماری عاجزانہ درخواست ہے کہ آپ اپنی طرف سے مزید غلہ عنایت فرمائیں۔ ہم اس قدر مجبور ہو چکے ہیں کہ ہم آپ سے صدقہ کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ آپ ضرور ہمیں صدقے کے طور پر غلہ دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ صدقہ دینے والوں کو جزا دیتا ہے۔ قرآن مجید کا ایک ایک لفظ برادرانِ یوسف کی حالت زار کی ترجمانی کر رہا ہے کہ انہوں کتنی عاجزی اور لجاجت کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے فریاد پر فریاد کی تھی۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی **ایھا العزیز** کہہ کر درخواست کرتے ہیں ''**العزیز**'' کا لفظ پچھلی آیات میں اس عورت کے خاوند کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو پھسلانے اور ورغلانے کی کوشش کی تھی۔ جس کے بارے میں مفسرین اور مؤرخین کا مکمل اتفاق ہے کہ وہ مصر کی حکومت میں اعلیٰ افسر یا کوئی وزیر تھا۔ جہاں تک بادشاہ کے نام کا تعلق ہے اس کو قرآن کریم نے اسی سورۃ کی آیت ۴۳ تا ۵۰ میں ''الملک'' کے نام سے متعارف کروایا ہے۔ لہٰذا تفہیم القرآن کے مؤلف سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مطابق ''العزیز'' سے مراد مصر میں کسی خاص منصب کا نام نہ تھا بلکہ محض ''صاحب اقتدار'' کے معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے۔ غالباً مصر میں بڑے لوگوں کے لیے اس طرح کا کوئی لفظ اصطلاحاً رائج تھا جیسے ہمارے ملک میں لفظ سرکار بولا جاتا ہے۔

قَالَ	هَلْ	عَلِمْتُمْ	مَّا	فَعَلْتُمْ	بِيُوْسُفَ	وَاَخِيْهِ
اس نے فرمایا	کیا	تمہیں معلوم ہے	جو کچھ	تم نے کیا	یوسف کے ساتھ	اور اس کے بھائی کے ساتھ
اِذْ	اَنْتُمْ	جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾	قَالُوْٓا	ءَ	اِنَّكَ	لَاَنْتَ
جب	تھے تم	جاہل	انہوں نے کہا	کیا	واقعی	البتہ تو ہی ہے
يُوْسُفُ ؕ	قَالَ	اَنَا	يُوْسُفُ	وَهٰذَآ	اَخِيْ ؗ	قَدْ
یوسف	اس نے کہا	میں	یوسف ہوں	اور یہ	میرا بھائی ہے	تحقیق
مَنَّ	اللّٰهُ	عَلَيْنَا ؕ	اِنَّهٗ	مَنْ	يَّتَّقِ	وَيَصْبِرْ
احسان کیا اس نے	اللہ	ہم پر	بے شک	جو شخص	وہ ڈرتا ہے	اور وہ صبر کرتا ہے
فَاِنَّ	اللّٰهَ	لَا	يُضِيْعُ	اَجْرَ	الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾	
تو بے شک	اللہ	نہیں	وہ ضائع کرتا ہے	اجر	نیکی کرنے والوں	

”اس نے کہا کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کیساتھ کیا کیا تھا، جب تم جاہل تھے؟“ (۸۹) ”کہنے لگے کیا واقعی تو یوسف ہے؟ اس نے کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، یقیناً اللہ نے ہم پر احسان فرمایا ہے۔ بے شک حقیقت یہ ہے کہ جو اللہ سے ڈرے اور صبر کرے تو یقیناً اللہ نیکی والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔“ (۹۰)

فہم القرآن

ربط کلام : گذشتہ سے پیوستہ۔ برادرانِ یوسف کی بے بسی اور انتہا درجے کی عاجزی دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام اپنا تعارف کرواتے ہیں۔

یوسف علیہ السلام کے بھائی انتہا درجہ عاجز ہو کر ان کے سامنے فریاد کرتے ہیں۔ یہاں سے حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی عملی تعبیر کی ابتدا ہوتی ہے جو انہوں نے بچپن میں دیکھا تھا۔ یقیناً حضرت یوسف علیہ السلام ابھی سوچ ہی رہے ہوں گے کہ میں نے بچپن میں خواب میں گیارہ ستاروں کو اپنے سامنے جھکتے ہوئے دیکھا تھا ہو سکتا ہے کہ اس کی تعبیر یہی ہو تب اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کے ذریعے یہ اجازت عنایت فرمائی کہ اے یوسف! اب وقت آگیا ہے کہ تم ان سے یہ سوال کرو اور پھر انہیں اپنا تعارف کرواؤ۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام ان سے استفسار کرتے ہیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اُس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا جب تم جاہل تھے؟ انہوں نے اس کے جواب میں یہ عرض کی کہ کیا آپ ہی یوسف ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی بنیامین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر عظیم احسان فرمایا ہے۔ جو بھی اللہ تعالیٰ سے ڈر کر زندگی بسر کرے اور صبر کرتا رہے یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی، یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال، اعلیٰ اخلاق، اپنے ساتھ مروّت اور میزبانی کا انداز، حکومت چلانے کا طریقہ، رعایا پروری اور ملک

مصر کے ملحقہ علاقوں کے ساتھ بے لوث تعاون دیکھ چکے تھے۔ یقیناً احسان شناس لوگوں کی طرح اس نتیجے پر پہنچے ہوں گے کہ مصر کا بادشاہ کوئی عام انسان نہیں ہے۔ یقیناً یہ کسی عظیم خاندان کا فرزند اور منفرد انسان ہے۔ تیسری دفعہ ملاقات کی وجہ سے انہیں یہ بھی ادراک ہو چلا ہوگا کہ بادشاہ ہمارے ساتھ اس طرح ملتا ہے جس طرح خونی رشتہ رکھنے والا ملا کرتا ہے۔ قرائن اور جمال وکمال نے انہیں یوسف علیہ السلام کو پہچاننے کے بالکل قریب کر دیا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے سوال پر چونک اٹھے کیونکہ اب پہچاننے میں کوئی حجاب باقی نہ رہا۔ جس بنا پر وہ عرض کرتے ہیں کہ کیا آپ یوسف ہیں؟ لیکن سوالیہ انداز میں عرض کرتے ہیں جس کی وجہ بادشاہ کا دبدبہ، احترام اور اپنی غلطیوں کا احساس ہوسکتا ہے۔ چنانچہ جھجکتے ہوئے سوال کرتے ہیں کہ کیا آپ یوسف ہیں؟ سیدنا یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں ہاں میں ہی یوسف ہوں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے بنیامین کو بلا کر فرمایا یہ میرا بھائی ہے۔ یقیناً اس عروج وکمال میں ہمارا کوئی کمال اور دخل نہیں یہ محض اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص پر ضرور کرم فرماتا ہے جو اللہ سے ڈر کر اس کی نافرمانیوں سے بچنے کی کوشش کرے اور اس کی فرمانبرداری کرتے ہوئے پریشانیوں پر صبر کرے۔ یقیناً ایسے صاحبِ کردار لوگوں کا اللہ تعالیٰ کبھی اجر ضائع نہیں کرتا۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یوسف علیہ السلام نے انہیں کسی قسم کا طعنہ اور جھڑک دینے کی بجائے صرف یہ فرمایا کہ کیا تمہیں یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ اپنا سلوک یاد ہے؟ جب تم جاہل تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ لفظ بول کر ایک طرح ان کی شرمندگی کم کرنے کوشش کی کہ جو کچھ ہوا یہ جہالت کی وجہ سے ہوا جس میں یہ نقطہ سمجھایا کہ بھائیوں کے ساتھ زیادتی کرنا جہالت کا کام ہے جس سے بچنا چاہیے۔

مسائل

۱۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو ان کی جہالت یاد کروائی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنے اور صبر کرنے والوں کی نیکی ضائع نہیں کرتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا:

۱۔ بے شک اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (یوسف:۹۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا۔ (آل عمران:۱۹۵)

۳۔ صبر کرو اللہ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ (ھود:۱۱۵)

۴۔ ہم تمھارے گناہ مٹا دیں گے اور عنقریب ہم احسان کرنے والوں کو زیادہ عطا کریں گے۔ (البقرۃ:۵۸)

۵۔ احسان کرو یقیناً اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ (البقرۃ:۱۹۵)

۷۔ انھیں معاف کیجیے اور درگزر کیجیے یقیناً اللہ محسنین کو پسند فرماتا ہے۔ (المائدۃ:۱۳)

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ
انہوں نے کہا اللہ کی قسم! البتہ تحقیق آپ کو فضیلت دی اللہ ہم پر اور بلاشبہ

كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ
ہم ہی البتہ خطا کار اس نے فرمایا نہیں کوئی ملامت تم پر آج

يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾
وہ معاف کرتا ہے اللہ تمہیں اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا رحم کرنے والے

''انہوں نے کہا اللہ کی قسم! بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر برتری دی ہے اور بلاشبہ ہم واقعی خطا کار تھے۔'' (۹۱) ''اس نے کہا آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمہیں بخشے، وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔'' (۹۲)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جونہی اپنا تعارف کروایا تو بھائی ان کے سامنے معذرت پیش کرنے لگے۔

برادرانِ یوسف نے دل کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ اللہ کی قسم اٹھاتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کی برتری کا اعتراف کیا کہ اللہ نے آپ کو ہم پر بڑی عزت وعظمت عطا فرمائی ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہم خطا کار ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا بے فکر ہو جاؤ آج تم پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔ تمہیں اللہ معاف فرمائے وہ سب سے بڑھ کر مہربان ہے۔

یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے، حضرت اسحٰق علیہ السلام کے پوتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کے پڑپوتے تھے۔ اس لیے اس موقع پر دونوں طرف سے بے مثال اور عظیم سے عظیم تر کردار کا مظاہرہ ہوا۔ برادرانِ یوسف کو جب معلوم ہوا کہ یہی یوسف ہیں جن کے ساتھ ہم نے زیادتی کی تھی۔ ذرہ برابر تامل کرنے کی بجائے اللہ کی قسم اٹھا کر یوسف کی برتری کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ نہایت عاجزی کے ساتھ اپنی زیادتی کی معافی مانگنے لگے۔ جس کے جواب میں بے مثال اور عظیم الشان اخلاق کے مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ ماضی کو بھول جائیں۔ آپ پر رائی برابر بھی زیادتی نہیں ہوگی۔ نہ صرف میں آپ کو معاف کرتا ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ سے بھی التجا ہے کہ وہ بھی آپ کو معاف فرمائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو معاف کرتے ہوئے ''لا تثریب'' کا لفظ استعمال کیا جس کا معنی یہ ہے کہ کسی کو اس طرح معاف کیا جائے کہ جس میں اشارے کنایے میں بھی طعن کا مفہوم موجود نہ ہو۔ اسی اسوہ کا مظاہرہ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر کیا تھا۔ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ میں داخل ہو کر دو نفل ادا کیے۔ اس کے بعد بیت اللہ کے صحن میں تشریف لائے یہاں مکہ کے بڑے بڑے سردار آپ کے انتظار میں بیٹھے سوچ رہے تھے کہ نہ معلوم کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے بیت اللہ میں نماز کے دوران آپ کی

گردن پر گندی اوجڑی رکھی تھی۔ آپ کے ساتھیوں پر مظالم ڈھائے تھے۔ وہ شخص بھی موجود تھا جس نے مکی دور میں آپ کو کعبہ کی چابی دینے سے انکار کیا تھا۔ سرورِ دو عالم ﷺ نے حمد و ثنا کے بعد مکہ کے سرداروں کو مخاطب کر کے فرمایا "ھل تظنون" کیا خیال ہے کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ مکہ کے سردار آنکھیں نیچے کر کے بڑے عاجزی سے کہتے ہیں ''انت کریم'' آپ انتہائی معزز ہیں اور عزت والے خاندان کے فرد ہیں۔ ہم آپ سے بہتر امید رکھتے ہیں۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَ النبیَّ ﷺ لَمَّا دَخلَ مَكَّةَ فَقالَ مَنْ دَخلَ دَارًا فَهُوَ امِنٌ وَمَنْ اَلقی السَّلاحَ فَهُوَ امِنٌ وَعَمَدَ صَنَادِیْدَ قُرَیْشٍ فَدَخُلُوا الْكَعْبَةَ فَغَصَّ بِهِمْ وَطَافَ النَّبِیُّ ﷺ وَصَلّٰی خَلْفَ الْمَقَامِ ...... اَتَی الْكَعْبَةَ فَأَخذَ بِعِضَادَتِی الْبَابِ فَقَالَ مَا تَقُوْلُوْنَ وَمَا تَظُنُّوْنَ قَالُوا نَقُوْلُ اِبْنَ اَخٍ وَابْنَ عَمٍّ حَلِیْمٌ رَحِیْمٌ قَالَ وَقَالُوا ذٰلِكَ ثَلَاثًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَقُوْلُ كَمَا قَالَ یُوْسُفُ ﴿لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ﴾)) [السنن الکبریٰ: جزء ۹]

''حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے دن جب مکہ میں داخل ہوئے تو فرمایا جو اپنے گھر میں داخل ہو جائے وہ امن میں رہے گا۔ جو اسلحہ پھینک دے اسے بھی پناہ دی جائے گی۔ قریش کے سردار کعبۃ اللہ میں داخل ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے طوافِ کعبہ کیا...... آپ ﷺ پھر کعبۃ اللہ کے پاس آئے اور اس کی دہلیز پکڑ کر فرمایا تم میرے متعلق کیا کہتے اور کیا خیال کرتے ہو؟ کہنے لگے ہم کہتے ہیں آپ ہمارے بھائی کے بیٹے، چچا کے بیٹے ہیں۔ حلیم الطبع اور رحم کرنے والے ہیں۔ انہوں نے یہ الفاظ تین بار کہے۔ آپ نے فرمایا میں وہی بات کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے کہی تھی۔ آج کے دن کوئی گرفت نہیں۔ اللہ تمہاری خطاؤں کو معاف فرمائے یقیناً وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

مسائل

۱۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے جرم کا اعتراف کیا۔ ۲۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا۔
۳۔ بھائیوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کی۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، مہربان ہے:

۱۔ اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سب سے زیادہ مہربان ہے۔ (یوسف: ۹۲)
۲۔ تیرا پروردگار بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (الکھف: ۵۸)
۳۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (البقرۃ: ۲۱۸)
۴۔ اے رب ہمیں معاف کر دے اور ہم پر رحم فرما تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (المومنون: ۱۰۹)

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ

تم جاؤ — میری قمیص کے ساتھ — یہ — اور اسے ڈال لو تم — پر — چہرے — میرے باپ

يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٩٣﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ

وہ ہو جائیں گے — دیکھنے والے — اور لے آؤ میرے پاس — اپنے اہل وعیال کو — سب — اور جب — وہ جدا ہوا

الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ

قافلہ — اس نے کہا — ان کے باپ — بے شک میں — ضرور پاتا ہوں — خوشبو — یوسف

لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿٩٤﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ

اگر نہ ہو — یہ کہ — تم مجھے بہکا ہوا کہو — انہوں نے کہا — اللہ کی قسم! — بے شک آپ — البتہ میں

''میری یہ قمیص لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈالنا، وہ بینا ہو جائے گا اور اپنے تمام گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔'' (٩٣) ''اور جب قافلہ الگ ہوا، ان کے باپ نے کہا یقیناً میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو تم مجھے بہکا ہوا کہو۔'' (٩٤) ''انہوں نے کہا اللہ کی قسم! تو

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائیوں کو الوداع کہتے ہوئے اپنی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرنے کا حکم۔

نہ معلوم حضرت یوسف علیہ السلام نے کتنے دنوں تک اپنے بھائیوں کو اپنے ہاں عزت وتکریم کے ساتھ ٹھہرایا۔ برادران جب اپنے وطن واپس جانے لگے تو انہیں الوداع کرتے ہوئے یوسف علیہ السلام نے اپنی قمیص دیتے ہوئے فرمایا کہ اسے والدِ گرامی کے چہرہ اقدس پر رکھنا۔ جس سے ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔ کیونکہ بنیامین انہیں گھریلو حالات اور والدِ محترم کی صحت کے بارے میں بتلا چکا تھا کہ آپ کے غم میں والدِ گرامی کی بینائی جاتی رہی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو رخصت کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ تم سب کے سب میرے ہاں آ کر قیام کرو۔ اِدھر قافلہ مصر سے روانہ ہوا، اُدھر حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے گھر والوں سے فرمانے لگے اگر تم مجھے طعن نہ دو تو میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ ان کے گھر والے پھر کہنے لگے کہ آپ تو مدت سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ جب خوشخبری لانے والے نے آ کر حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرۂ اقدس پر یوسف علیہ السلام کی قمیص رکھی تو یکدم ان کی بینائی پلٹ آئی انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی حضرت یوسف علیہ السلام کا تذکرہ ہوتا تو حضرت

ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿٩٥﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ
غلطی آپ کی | پرانی | چنانچہ | یہ کہ | وہ آیا | خوش خبری دینے والا | اس نے ڈالا اس کو

عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ
پر | اس کے چہرے | تو پھر سے ہو گئے وہ | دیکھنے والے | اس نے کہا | کیا نہیں | کہا تھا میں نے

لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٩٦﴾
تمہارے لیے | بے شک میں | میں خوب جانتا ہوں | سے | اللہ | جو | نہیں | تم جانتے ہو

پرانی غلطی پر ہے۔'' (۹۵) ''پھر جیسے ہی خوشخبری دینے والا آیا اس نے قمیص اس کے چہرے پر ڈالی تو وہ بینا ہو گیا۔ کہنے لگا کیا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ بیشک میں اللہ کی طرف سے جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔'' (۹۶)

یعقوب علیہ السلام گھر والوں کو فرماتے کہ ایک وقت آئے گا کہ جب یوسف کے ساتھ میری ضرور ملاقات ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیے کہ جب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینک کر قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کو پیش کی تھی تو اس وقت انہوں نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ یوسف زندہ ہے اور مجھے اس کی خوشبو آرہی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں حکمران بن چکے ہیں یعقوب علیہ السلام کے بیٹے دو مرتبہ یوسف علیہ السلام سے ملاقات بھی کر چکے مگر حضرت یعقوب علیہ السلام کو کچھ معلوم نہیں ہوا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے چاہا اس وقت قمیص لانے والا ابھی مصر سے چلا ہے تو فرما رہے ہیں کہ مجھے اپنے پیارے بیٹے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔ یہ عقیدہ کا معاملہ ہے جس پر ہر مسلمان کا ایمان ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نہ بتلائے تو نبی کو غیب کے معاملات کی خبر نہیں ہوتی۔

مسائل

۱۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات برحق ہیں۔ ۲۔ آدمی کو اپنے عزیز و اقارب کا خیال رکھنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی غیب جانتا ہے:

۱۔ زمین و آسمان کا غیب اللہ ہی جانتا ہے۔ (النحل: ۷۷)

۲۔ کہہ دیجیے ہر قسم کا غیب اللہ ہی جانتا ہے۔ (یونس: ۲۰)

۳۔ اللہ تعالیٰ غائب اور ظاہر کو جانتا ہے۔ (السجدۃ: ۶)

۴۔ کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں ہی آسمان و زمین کے غائب کو جانتا ہوں۔ (البقرۃ: ۳۳)

۵۔ اے نبی! فرما دیں اگر میں غیب جانتا ہوتا تو اپنے لیے بہت سی بھلائی جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ (الاعراف: ۱۸۸)

قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا اسۡتَغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـئِيۡنَ ۝۹۷

انہوں نے کہا اے ہمارے باپ! تو مغفرت طلب کر ہمارے لیے ہمارے گناہ بے شک ہم ہم ہی تھے خطا کار

قَالَ سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَـكُمۡ رَبِّىۡ‌ؕ اِنَّهٗ هُوَ

اس نے کہا عنقریب میں مغفرت طلب کروں گا تمہارے لیے اپنے رب سے بے شک وہی

الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ۝۹۸

غفور ہے رحیم ہے

”انہوں نے کہا اے ہمارے باپ! ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی بخشش کی دعا کریں یقیناً ہم خطا کار تھے“(۹۷) ”اس نے کہا کہ میں عنقریب تمہارے لیے اپنے رب سے بخشش کی دعا کروں گا بے شک وہ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔“(۹۸)

فہم القرآن

ربط کلام: برادرانِ یوسف کا گھر واپس جانا اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے معافی کا خواستگار ہونا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے واپس آئے تو کیا دیکھتے ہیں باپ انتہائی خوش وخرم، ہشاش بشاش ہے اور ان کی بینائی بھی صحیح ہو چکی ہے۔ والد گرامی کو سلام عرض کرنے کے بعد سب مل کر اپنے گناہ کا اعتراف کر کے درخواست کرتے ہیں کہ ابا جان! ہم نے یوسف علیہ السلام پر بہت زیادتی کی جس سے آپ کو طویل عرصہ تک دُکھ اٹھانا پڑا۔ ہم اس پر سچے دل کے ساتھ آپ سے معافی مانگتے ہیں۔ آپ ہمارے عظیم باپ ہیں اور ہم اپنے کیے پر انتہائی شرمندہ ہیں۔ ہماری عاجزانہ درخواست ہے کہ آپ ہمیں معاف کر دیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام ایک مشفق باپ ہونے کے ساتھ اللہ کے نبی اور انبیاء علیہم السلام کی اولاد تھے۔ انہوں نے کوئی بات کرنے کے بجائے فی الفور فرمایا کہ نہ صرف تمہیں معاف کرتا ہوں بلکہ عنقریب میں اپنے رب سے تمہارے لیے بخشش کی دعا کروں گا۔ میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے ہر گناہ معاف کرنے والا ہے۔ اہل تفسیر نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے۔ عنقریب معافی مانگنے سے تہجد کا وقت مراد تھا۔ کیونکہ دعا کی قبولیت کے اوقات میں یہ سب سے زیادہ اللہ کے ہاں قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔ اس لیے حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے لیے عنقریب دعا کروں گا۔ اس واقعہ میں اولاد کے لیے حکم ہے کہ اگر اس سے ماں باپ کی شان میں گستاخی ہو جائے تو اولاد کا فرض ہے کہ وہ جلد از جلد ماں باپ سے معافی مانگنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔ کیونکہ والدین کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے والدین کے لیے یہ سبق ہے کہ بے شک اولاد کتنی ہی نافرمان کیوں نہ ہو وہ معافی اور درگزر کا رویہ اختیار کریں۔

((عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِیَّ ﷺ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی قَالَ الصَّلٰوۃُ لِوَقْتِھَا قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ؟قَالَ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ حَدَّثَنِیْ بِھِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُّہٗ لَزَادَنِیْ))[رواہ البخاری : کتاب مواقیت الصلاۃ ،باب فَضْلِ الصَّلَاۃِ لِوَقْتِھَا]

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی محترم ﷺ سے یہ سوال کیا کہ اعمال میں اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل زیادہ پسند ہے؟ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں فرض نماز اس کے وقت پر ادا کرنا۔ میں نے عرض کی اس کے بعد کون سا عمل بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا والدین کے ساتھ بہتر سلوک کرنا۔ میں نے پھر عرض کی ان کے بعد کون سا عمل بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اگر میں اس موقعہ پر مزید سوال کرتا تو آپ اس کا بھی جواب عنایت فرماتے۔“

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَجُلاً أَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ إِنِّیْ أَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِیْمًا فَھَلْ لِیْ مِنْ تَوْبَۃٍ قَالَ ھَلْ لَکَ مِنْ أُمٍّ قَالَ لَاقَالَ ھَلْ لَکَ مِنْ خَالَۃٍقَالَ نَعَمْ قَالَ فَبِرَّھَا))[باب مَا جَاءَ فِی بِرِّ الْخَالَۃِ]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی اے اللہ کے رسول! مجھ سے بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے۔ کیا میرے لیے توبہ ہے آپ نے فرمایا کیا تیری ماں ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا تیری خالہ ہے اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا اس کی خدمت کرو۔“

مسائل

١۔ والدین سے دعا کروانی چاہیے۔ ٢۔ اپنی غلطی کا اعتراف کر لینا چاہیے۔

٣۔ والدین کو بچوں کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ ٤۔ ماں باپ کو اولاد کی غلطی معاف کر دینی چاہیے۔

٥۔ اللہ تعالیٰ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے:

١۔ میں اللہ سے مغفرت طلب کروں گا بے شک وہ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔(یوسف:٩٨)

٢۔ بے شک تیرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔(الانعام:١٤٥)

٣۔ اللہ جسے چاہے معاف کر دے، جسے چاہے عذاب دے، وہ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔(آل عمران:١٢٩)

٤۔ اللہ نیک لوگوں کو اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا یقیناً وہ بخشنے والا مہربان ہے۔(التوبۃ:٩٩)

٥۔ اللہ سے بخشش طلب کرو یقیناً وہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔(البقرۃ:١٩٩)

٦۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں سکتے اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔(النحل:١٨)

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ

پھر جب | وہ داخل ہوئے | پر | یوسف | اس نے جگہ دی | اپنے پاس | اپنے ماں باپ کو

وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۝٩٩

اور اس نے کہا | تم داخل ہو جاؤ | مصر | اگر | اس نے چاہا | اللہ | امن والے

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ

اور اونچا کیا اس نے | اپنے ماں باپ | پر | تخت | اور وہ گر پڑے | اس کے لیے | سجدہ کرتے ہوئے

وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫

اور کہا اس نے | اے میرے ابا جان! | یہ | تعبیر | میرے خواب | سے | پہلے

”پھر جب وہ یوسف کے ہاں پہنچے تو یوسف نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا مصر میں داخل ہو جاؤ، اگر اللہ نے چاہا تو امن میں رہو گے“ (۹۹)”، اس نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور وہ بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور اس نے کہا اے میرے والد! یہ میرے پہلے والے خواب کی تعبیر ہے

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ یوسف علیہ السلام کی درخواست پر حضرت یعقوب علیہ السلام کا بمعہ اہل وعیال ملک مصر کی طرف روانہ ہونا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام منزل بہ منزل سفر کرتے ہوئے اپنے اہل وعیال کے ساتھ مصر شہر کے قریب پہنچے۔ یاد رہے کہ آج سے ہزاروں سال پہلے بھی اس ملک کا نام مصر تھا۔ اس کے سب سے بڑے شہر کا نام بھی مصر ہے جو اس ملک کا قدیم سے دارالخلافہ ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام دن رات اس انتظار میں تھے کہ والد گرامی کس دن تشریف لاتے ہیں۔ جونہی انہیں معلوم ہوا کہ والد گرامی کا قافلہ مصر شہر کی حدود میں داخل ہونے والا ہے۔ یوسف علیہ السلام اپنے عملہ سمیت استقبال کے لیے پہلے سے وہاں موجود تھے۔ والد گرامی سے بغل گیر ہوتے ہوئے انہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس کی منظر کشی کرنے کے بجائے اسے فطری تصور کے حوالے کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنی مدت کے بعد باپ بیٹے کی ملاقات زندگی کے ایسے موڑ پر ہو رہی ہے کہ بیٹا نہ صرف دنیا کی عظیم مملکت کا فرمانروا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے تاجِ نبوت سے بھی نواز رکھا ہے۔ ایسے موقعہ پر جذباتی کیفیت سے وہی واقف ہو سکتے ہیں جن کو کسی نہ کسی انداز میں اولاد کی جدائی کا صدمہ پہنچا ہو۔ مصافحہ، معانقہ اور محبت وعقیدت کا اظہار کرنے کے بعد یوسف علیہ السلام اپنے والد گرامی سے عرض کرتے ہیں میرے عظیم باپ آئیں شہر میں قدم رنجہ فرمائیں۔ آپ ان شاء اللہ ہر جانب سے امن وامان، عزت واقبال، سکون اور اطمینان پائیں گے۔ گویا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے خداداد صلاحیتوں سے مصر کو امن وامان اور خوشحالی کا گہوارا بنا دیا تھا۔ شاندار استقبال کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی زوجہ مکرمہ

قَدْ	جَعَلَهَا	رَبِّيْ	حَقًّا ؕ	وَقَدْ	اَحْسَنَ	بِیْۤ
تحقیق	کر دیا ہے اسے	میرے رب نے	سچا	اور تحقیق	اس نے احسان کیا	میرے ساتھ
اِذْ	اَخْرَجَنِیْ	مِنَ	السِّجْنِ	وَجَآءَ	بِكُمْ	مِّنَ
جب	اس نے مجھے نکالا	سے	قید خانے	اور لے آیا	تمہیں	سے
الْبَدْوِ	مِنْۢ	بَعْدِ	اَنْ	نَّزَغَ	الشَّیْطٰنُ	بَیْنِیْ
صحرا	سے	بعد	اس کے کہ	اختلاف ڈال دیا تھا	شیطان نے	میرے درمیان
وَبَیْنَ	اِخْوَتِیْ ؕ	اِنَّ	رَبِّیْ	لَطِیْفٌ	لِّمَا	یَشَآءُ ؕ
اور درمیان	میرے بھائیوں	بے شک	میرا رب	خوب تدبیر کرنے والا ہے	اس کے لیے جو	وہ چاہتا ہے
اِنَّهٗ	هُوَ	الْعَلِیْمُ	الْحَكِیْمُ ﴿۱۰۰﴾			
بلاشبہ	وہ	خوب جاننے والا	نہایت حکمت والا			

بے شک اسے میرے رب نے سچ کر دکھایا اور بے شک اس نے مجھ پر احسان کیا جب مجھے قید خانے سے نکالا اور تمہیں صحرا سے لے آیا، بعد اس کے شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جھگڑا ڈال دیا۔ بے شک میرا رب جو چاہے تدبیر کرنے والا ہے، بلاشبہ وہی سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔‘‘(۱۰۰)

جو حضرت یوسف علیہ السلام کی حقیقی والدہ ہیں مصر کے پایۂ تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ برادرانِ یوسف علیہ السلام سامنے براجمان ہوتے ہیں۔ جونہی حضرت یوسف علیہ السلام اپنے مسند اقتدار پر تشریف رکھتے ہیں تو ان کے والدین اور بھائی ان کے حضور سجدہ کرتے ہیں۔ جب سب نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا تو حضرت یوسف علیہ السلام اپنے باپ سے عرض کرنے لگے۔ اے میرے عظیم باپ! بچپن میں جو میں نے خواب دیکھا تھا یہ اس کی تعبیر ہے میرے رب نے اسے حرف بہ حرف حقیقت بنا دیا ہے اور مجھ پر احسان کر کے مجھے جیل سے نکال کر اس منصب تک پہنچایا ہے۔ اسی رب نے آپ کو صحرا سے لا کر مجھ سے ملایا ہے۔ حالانکہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان دوری پیدا کر چکا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا رب نہایت ہی لطیف انداز میں اپنی مشیت پوری کرنے والا ہے۔ کیونکہ وہ سب کچھ جاننے والا ہے اور اس کے ہر حکم اور کام میں حکمت ہوتی ہے۔ قرآن مجید کے مقدس الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اب تک اپنے والد کے بغیر خواب کسی کے سامنے بیان نہیں کیا تھا۔ تبھی تو فرما رہے ہیں کہ والدِ محترم یہ اسی خواب کی تعبیر ہے جو میں نے بچپن میں آپ کے سامنے بیان کیا تھا۔ پھر اپنے جیل جانے کا واقعہ بیان کیا۔ لیکن بھائیوں کے کنویں میں پھینکنے کے واقعہ کو بیان کرنے کی بجائے صرف اشارہ کیا ہے شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان نزاع ڈال چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کی سازش کو ناکام فرما کر ہمیں ملایا اور ہمارے دلوں میں محبت پیدا فرما دی ہے۔ سجدہ سے مراد جھکنا بھی ہو سکتا ہے لیکن قرآن مجید نے سجدہ کے ساتھ خَرُّوْا کا لفظ

بھی استعمال کیا ہے۔جس کا صاف معنی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں نے ان کے حضور سجدہ کیا تھا۔ یہ سجدۂ تعظیم تھا جو پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ اسی شاہی پروٹوکول کا خیال رکھتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین ان کی تعظیم کے لیے سجدہ کرتے ہیں جنہیں دیکھ کر یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی سجدہ ریز ہو گئے۔ یاد رہے کہ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ ہمارے دین میں بالکل حرام اورنا جائز ہے۔

تعظیمی سجدہ پیر محمد کرم شاہ صاحب الأزھری کی نظر میں:

''جب فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی وسعتِ علم اوراپنے عجز کا اعتراف کرلیا تو پروردگارِ عالم نے انہیں حکم دیا کہ آدم کوسجدہ کرو۔ سجدہ کا لغوی معنی ہے تذلّل اور خضوع اور شریعت میں اس کا معنٰی ہے ''وضع الجبهة على الأرض ''پیشانی کا زمین پر رکھنا۔ بعض علماء کے نزدیک یہاں سجدہ کا لغوی معنٰی مراد ہے کہ فرشتوں کوادب واحترام کرنے کا حکم دیا گیا لیکن جمہور علماء کے نزدیک شرعی معنٰی مراد ہے۔یعنی فرشتوں کوحکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے پیشانی رکھ دیں۔اب اس سجدہ کی دوصورتیں ہیں ایک تو یہ کہ پیشانی جھکانے والا یہ اعتقاد کرے کہ جس کے سامنے میں پیشانی جھکا رہا ہوں وہ خدا ہے تو یہ عبادت ہے اور یہ بھی کسی نبی کی شریعت میں جائز نہیں بلکہ انبیاء کی بعثت کا مقصدِ اولین تھا ہی یہی کہ وہ انسانوں کوصرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیں اور دوسروں کی عبادت سے منع کریں تو یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ جس چیز سے روکنے کے لیے انبیاء تشریف لائے اس فعل کا ارتکاب خود کریں یا کسی کواجازت دیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس کے سامنے سجدہ کیا جارہا ہے اس کی عزت واحترام کے لیے ہوعبادت کے لیے نہ ہوتو اس کوسجدہ تحیہ کہتے ہیں۔ یہ پہلے انبیاء کرام کی شریعتوں میں جائز تھا لیکن حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرما دیا۔اب تعظیمی سجدہ بھی ہماری شریعت میں حرام ہے۔'' [ضیاء القرآن، جلداول البقرہ:۳۴]

مسائل

۱۔ والدین کی عزت وتوقیر کرنی چاہیے۔ ۲۔ ہرکام کرتے وقت انشاءاللہ کہنا چاہیے۔
۳۔ انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے ہیں۔ ۴۔ شیطان کا کام فساد ڈالنا ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ علم وحکمت والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے:

۱۔ بے شک میرا اللہ جو چاہتا ہے تدبیر کرتا ہے۔(یوسف:۱۰۰) ۲۔ اللہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے۔(آل عمران:۱۳)
۳۔ جوتم چاہتے ہو وہ نہیں ہوتا مگر وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔(الدھر:۳۰)
۴۔ جوتم چاہتے ہو وہ نہیں ہوتا مگر وہی ہوتا ہے جو جہانوں کا رب چاہتا ہے۔(التکویر:۲۹)
۵۔ اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔(آل عمران:۳۷)

رَبِّ	قَدْ	اٰتَيْتَنِيْ	مِنَ	الْمُلْكِ	وَ عَلَّمْتَنِيْ
اے میرے رب!	تحقیق	تو نے دی مجھے	سے	بادشاہی	اور تو نے سکھایا مجھے
مِنْ	تَاْوِيْلِ	الْاَحَادِيْثِ ۚ	فَاطِرَ	السَّمٰوٰتِ	وَ الْاَرْضِ ۣ قف
سے	تعبیر	باتیں	اے پیدا کرنے والے	آسمانوں	اور زمین
اَنْتَ	وَلِيّٖ	فِي	الدُّنْيَا	وَ الْاٰخِرَةِ ۚ	تَوَفَّنِيْ
تو	میرا کارساز	میں	دنیا	اور آخرت	تو مجھے فوت کر
	مُسْلِمًا	وَّ اَلْحِقْنِيْ	بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾		
	مسلمان	اور تو مجھے ملا دے	صالحین کے ساتھ		

''اے میرے رب! بے شک تو نے مجھے حکومت عنایت فرمائی اور باتوں کی حقیقت سمجھائی، اے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والے دنیا اور آخرت میں تو ہی میرا مددگار ہے، مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں فوت کرنا اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملانا۔'' (۱۰۱)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ والد محترم کے سامنے خواب کی تعبیر کا تذکرہ کرنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے سامنے بھائیوں کا جھکنا دیکھ کر اکڑتے اور اس بات پر اتراتے نہیں بلکہ فوراً اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہتے ہیں میرے رب یہ تیرے کرم کا نتیجہ ہے کہ تو نے مجھے بڑی بڑی مصیبتوں سے نکال کر دنیا کی عظیم مملکت کا حکمران بنایا۔ تو نے ہی مجھے خوابوں کی تعبیر اور معاملات کی فہم عطا فرمائی۔ اے میرے رب میں جو کچھ بھی ہوں تیرے کرم سے ہوں۔ تو میری دنیا اور آخرت کے کاموں کا والی اور مختار ہے۔ جو کچھ مجھے عطا ہوا بغیر مانگے عطا ہوا۔ میری تیرے حضور یہ فریاد ہے کہ مجھے مسلمان رکھنا، اسی حالت میں فوت کرنا اور صالحین کے ساتھ اٹھانا۔ اس دعا پر حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ختم ہوتا ہے۔ اسی عقیدہ اور عمل پر حضرت یوسف علیہ السلام کا خاتمہ ہوا۔ اور یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی۔ یہی مسلمان کی زندگی کا مقصد ہے اسی پر مسلمان کی موت آنی چاہیے۔

(الٰہی! مجھے بھی ایسی موت نصیب فرما۔ امین یا ارحم الراحمین)

﴿وَوَصّٰى بِهَآ إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ۝ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ

بَعۡدِیۡ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰـهَکَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِکَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ اِلٰـهًا وَّاحِدًا وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ﴾ [البقرة:۱۳۲۔۱۳۳]

''ابراہیم اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ اے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین کو پسند کیا ہے لہٰذا تم مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا۔ کیا تم یعقوب کی موت کے وقت موجود تھے جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے انھوں نے کہا ہم تیرے الٰہ اور تیرے ابا ابراہیم، اسماعیل، اسحاق کے الٰہ کی عبادت کریں گے اُن سبھی کا ایک ہی الٰہ ہے اور ہم اُسی کے فرمانبردار ہیں۔''

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ﴾ [آل عمران:۱۰۲]

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔''

مسائل

۱۔ بادشاہت عطا کرنے والی اللہ کی ذات ہے۔

۲۔ دنیا اور آخرت میں اللہ ہی کارساز ہے۔

۳۔ آدمی کو اللہ تعالیٰ سے نیک لوگوں کا ساتھ طلب کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اسلام ہی آخری دین ہے اور اسی پر قائم رہنے کا حکم ہے:

۱۔ مجھے اسلام پر موت دے اور نیک لوگوں سے ملا دے۔ (یوسف:۱۰۱)

۲۔ جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرتا ہے اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ (آل عمران:۸۵)

۳۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں دین اسلام ہی ہے۔ (آل عمران:۱۹)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین کو چن لیا ہے لوگو! تمہیں اسلام پر ہی موت آنی چاہیے۔ (البقرۃ:۱۳۲)

۵۔ آج کے دن تمھارے لیے تمھارا دین مکمل ہوا۔ میں نے اپنی نعمت تم پر تمام کی اور تمھارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔ (المائدۃ:۳)

۶۔ کیا وہ اللہ کے دین کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرتے ہیں۔ (آل عمران:۸۳)

۷۔ اپنے چہرے کو دین حنیف پر سیدھا کیے چلتے جاؤ۔ (الروم:۳۰)

ذٰلِكَ	مِنْ	اَنْۢبَآءِ	الْغَيْبِ	نُوْحِيْهِ	اِلَيْكَ ۚ	وَمَا
یہ	سے	خبریں	غیب	ہم وحی کرتے ہیں	آپ کی طرف	اور نہیں
كُنْتَ	لَدَيْهِمْ	اِذْ	اَجْمَعُوْٓا	اَمْرَهُمْ	وَهُمْ	يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾
تھے آپ	ان کے پاس	جب	وہ اکٹھے ہوئے	ان کا کام	اور وہ	مکروفریب کرتے ہیں
وَمَآ	اَكْثَرُ	النَّاسِ	وَلَوْ	حَرَصْتَ	بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾	وَمَا
اور نہیں	اکثر	لوگ	اور اگرچہ	تو طمع کرے	ایمان لانے والے	اور نہیں
تَسْـَٔلُهُمْ	عَلَيْهِ	مِنْ	اَجْرٍ ۭ	اِنْ	هُوَ	اِلَّا
آپ ان سے مانگتے	اس پر	کوئی	اجر	نہیں	وہ	مگر
ذِكْرٌ	لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾					
نصیحت	جہان والوں کیلئے					

ع ۱۱

”یہ غیب کی خبریں ہیں، جو ہم آپکی طرف وحی کرتے ہیں۔ آپ ان کے پاس نہ تھے جب انہوں نے اپنے کام کا پختہ ارادہ کیا اور وہ خفیہ تدبیر کر رہے تھے۔“ (۱۰۲) ”اور آپ کے چاہنے کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔“ (۱۰۳) ”حالانکہ آپ ان سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتے۔ یہ تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔“ (۱۰۴)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سورۃ کی آیت: ۷ میں اہل مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں جو سوال کیا ہے اگر تم غور کرو تو اس میں تمہارے لیے سامان عبرت ہے۔ پورا قصہ بیان کر کے اس کو مشرکین مکہ پر منطبق کر دیا ہے۔

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا یہ ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے۔ جو آپ کے لیے غیب تھا۔ یعنی آپ اس واقعہ کو نہیں جانتے تھے، نہ آپ اس وقت موجود تھے جب برادرانِ یوسف علیہ السلام نے ایک جگہ جمع ہو کر یہ سازش کی تھی۔ یوسف علیہ السلام کے بارے میں مکہ والوں نے آپ سے سوال کیا۔ جس کے جواب میں ہم نے تفصیلی سورت آپ پر نازل فرمائی۔ یاد رکھیں آپ جتنا بھی ان کے ایمان کی کوشش اور تمنا کریں ان کی اکثریت ایمان نہیں لائے گی۔ یہ لوگ سوچتے نہیں کہ آپ ان کی ہدایت کے لیے نہایت دلسوزی کے ساتھ صبح وشام محنت کر رہے ہیں اس پر آپ نے ان سے کوئی اجر وصول نہیں کرنا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی کوشش تھی کہ لوگ شرک و بدعت اور ہر قسم کی رسومات چھوڑ کر حلقہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اس کے لیے رات کو اٹھ کر دعائیں کرتے اور دن کے وقت انتھک کوشش فرماتے کہ کسی نہ کسی طریقہ سے لوگ ہدایت قبول کرلیں۔ لیکن آپ کے مخاطبین کی اکثریت کی حالت یہ تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دلیل یا معجزہ طلب کرتے جب ان

کی خواہش پر کوئی معجزہ یا دلیل نازل ہوتی تو وہ قریب آنے کی بجائے پہلے سے بھی سے دور ہو جاتے تھے۔اس پر آپ ﷺ کو مختلف الفاظ اور انداز میں تسلی دی جاتی کہ آپ دلگیر ہونے کی بجائے اپنا کام کرتے جائیں۔ یہاں آپ ﷺ کی تسلی کے لیے فرمایا گیا ہے کہ آپ جس قدر چاہیں خواہش اور کوشش فرمائیں ان کی اکثریت ایمان نہیں لائے گی۔ یاد رہے کہ ایمان ایسی گرانمایہ نعمت ہے جو خواہش اور کوشش کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

اے رسول ﷺ! آپ کے لیے یہ بات بھی اطمینان بخش ہے کہ آپ ان سے کسی اجر کے طلب گار نہیں ہیں آپ کا اجر آپ کے رب کے پاس پوری طرح محفوظ ہے جو کسی طرح کم ہونے والا نہیں۔اس کے ساتھ آپ کے مخالفین کو سمجھایا گیا ہے کہ ذرا سوچو اور غور کرو کہ نبی ﷺ جو بے لوث محنت کر رہے ہیں اس میں ان کا کیا مفاد ہے؟ وہ تو اپنے دن رات تمہارے فائدے کے لیے وقف کیے ہوئے ہیں۔ جو کچھ وہ فرماتے اور آپ کو بتلاتے ہیں اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے جس پر تمہیں ہر صورت غور کرنا چاہیے۔

مکر کا معنی دھوکہ، فریب، حیلہ و تدبیر اور سازش کرنا ہے اگر مکر کے لفظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی تدبیر کرنا ہوتا ہے۔

مسائل

١۔غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ ٢۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت موجود نہ تھے جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے مکر کیا تھا۔
٣۔ لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لایا کرتی۔ ٤۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے نصیحت ہے۔

تفسیر بالقرآن

نبی اکرم ﷺ غیب نہیں جانتے تھے:

١۔ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں آپ اس وقت موجود نہ تھے۔(یوسف:١٠٢)
٢۔ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں۔(الانعام:٥٠)
٣۔ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو اپنے لیے ساری بھلائیاں جمع کر لیتا۔(الاعراف:١٨٨)
٤۔ اللہ تعالیٰ کے سوا آسمان و زمین کا غائب کوئی نہیں جانتا۔(النمل:٦٥)
٥۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو غیب پر مطلع نہیں کرتا۔(آل عمران:١٧٩)
٦۔ اللہ کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اللہ کے علاوہ اُنھیں کوئی نہیں جانتا۔(الانعام:٥٩)
٧۔ کہہ دیجیے غیب اللہ کے لیے ہے تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔(یونس:٢٠)
٨۔ اللہ ہی غیب کو جاننے والا ہے اور وہ کسی پر غیب ظاہر نہیں ہوتا۔(الجن:٢٦)

وَكَاَيِّنْ	مِّنْ	اٰيَةٍ	فِي	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ	يَمُرُّوْنَ
اور کتنی	سے	نشانیاں	میں	آسمانوں	اور زمین	وہ گزرتے ہیں
عَلَيْهَا	وَهُمْ	عَنْهَا	مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾	وَمَا	يُؤْمِنُ	اَكْثَرُهُمْ
ان پر	اور وہ	ان سے	منہ پھیرنے والے ہیں	اور نہیں	وہ ایمان لاتا	اکثر ان کے
بِاللّٰهِ	اِلَّا	وَهُمْ	مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾	اَ	فَاَمِنُوْٓا	اَنْ
اللہ کے ساتھ	مگر	اور وہ	شرک کرنے والے	کیا	پھر وہ بے خوف ہیں	یہ کہ
تَاْتِيَهُمْ	غَاشِيَةٌ	مِّنْ	عَذَابِ	اللّٰهِ	اَوْ	تَاْتِيَهُمُ
آئے ان کے پاس	چھا جانے والا	سے	عذاب	اللہ	یا	وہ آئے ان کے پاس
السَّاعَةُ	بَغْتَةً	وَّهُمْ	لَا	يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾		
قیامت	اچانک	اور وہ	نہ	خیال رکھتے ہوں		

”اور آسمانوں اور زمینوں میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن کے پاس سے گزرتے ہیں اور وہ ان پر توجہ نہیں دیتے۔“(۱۰۵)”اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان لانے کے باوجود وہ شرک کرنے والے ہوتے ہیں۔“(۱۰۶)”تو کیا وہ بے خبر ہو گئے ہیں کہ ان پر اللہ کے عذاب میں سے کوئی چھا جانے والی آفت آپڑے یا ان پر قیامت اچانک آجائے اور وہ خیال بھی نہ کرتے ہوں۔“(۱۰۷)

فہم القرآن

ربط کلام: یہودیوں نے اہل مکہ کو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے اس لیے سوال کرنے کو کہا کہ اگر آپ حقیقتاً نبی ہیں تو جواب دے پائیں گے۔ بصورت دیگر جھوٹے ثابت ہوں گے۔ اس واقعہ کا اختتام اس بات پر کیا جا رہا ہے کہ یہ واقعہ ہی عبرت کی نشانی نہیں بلکہ زمین و آسمان اور آفاق میں بے شمار نشانیاں ان کے لیے موجود ہیں۔ جنہیں دیکھ کر یہ لوگ رب کی ذات کا اقرار کرتے ہیں۔ مگر رب ماننے کے باوجود اسے ایک الٰہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے مخالفین میں بالخصوص مشرکین مکہ کی حالت یہ تھی کہ پہلے وہ آپ ﷺ سے دلیل مانگتے جب انھیں دلیل دی جاتی، پھر اس سے یکسر اعراض کر دیتے تھے۔ جس پر انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ تمھارے لیے زمین و آسمان میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن کو دیکھنے کے باوجود ان کی طرف توجہ نہیں دیتے ہو۔ مانتے ہو کہ سب کا خالق صرف ایک اللہ ہے۔ اللہ کو خالق ماننے کے باوجود اس کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ آیت ۱۰۶ میں بتایا گیا ہے کہ لوگوں کی اکثریت ایمان کا دعوے دار ہونے کے باوجود مشرک ہوتی ہے۔ کیا یہ لوگ اس بات سے بے پروا ہو گئے ہیں کہ ان کو اللہ کا عذاب گھیر لے یا اچانک ان پر قیامت ٹوٹ پڑے اس حال میں کہ انہیں اس کی توقع بھی نہ ہو۔

آیت کا معنیٰ ومفہوم:

آیت سے مراد قرآن مجید کے فرمان کا کچھ حصہ عقلی یا نقلی دلیل، نبی اکرم ﷺ کو عطا ہونے والے معجزات، اللہ تعالیٰ کی قدرت وسطوت کے نشانات اور پہلی اقوام کے انجام کے واقعات ہیں۔ قرآن مجید نے اہل مکہ اور رہتی دنیا تک سب انسانوں کے لیے دلائل پیش فرمائے ہیں لیکن آپ کے مخالف اس قدر ہٹ دھرم اور کم ظرف تھے کہ حقیقت جاننے کے باوجود اپنے کفرو شرک پر ڈٹے رہے حالانکہ جب ان سے یہ پوچھا جاتا کہ زمین وآسمان کس نے پیدا کیے ہیں تو وہ واضح الفاظ میں کہتے کہ اللہ ہی ان کا خالق ہے۔ (العنکبوت :۶۱)

پھر ان سے سوال ہوتا کہ آسمان سے بارش نازل کرنے والا کون ہے؟ ان کا جواب ہوتا صرف اللہ ہی بارش نازل کرتا ہے۔ (العنکبوت:۶۳)

جب یہ پوچھا جاتا کہ زمین وآسمان سے تمہیں کون رزق دیتا ہے۔ تمہیں کان اور آنکھوں کی نعمتیں کس نے عطا فرمائیں ہیں؟ مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کون پیدا کرتا ہے؟ کائنات کا نظام کون چلا رہا ہے؟ فوراً جواب دیتے کہ اللہ ہی یہ سب کچھ کرنے والا ہے۔ (یونس:۳۱)

اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی ایک ایک صفت کا اقرار کرتے تھے اس کے باوجود مشرکین اپنے ہی بنائے ہوئے بتوں کو خدا کا اوتار سمجھتے۔ یہود ونصاریٰ انبیاء علیہم السلام اور بزرگوں کی ارواح کو خدا کی خدائی میں شریک سمجھ کر انہیں اللہ تعالیٰ کے حضور وسیلہ مانتے اور ان کی طفیل مانگتے تھے۔ افسوس ان کی دیکھا دیکھی آج کے کروڑوں مسلمان بھی یہی عقیدہ اختیار کیے ہوئے ہیں حالانکہ اس عقیدہ اور طریقہ عبادت کی ان کے پاس کوئی دلیل نہ ہے اور نہ ہوگی۔

ایسے لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ کیا یہ بے پروا اور بے خوف ہو چکے ہیں کہ انہیں اللہ کا عذاب ہر طرف سے گھیر لے یا پھر ان پر اچانک قیامت برپا ہو جائے۔ جن کو یہ اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں ان میں سے کوئی بھی ان کو نہ عذاب سے بچا سکتا ہے اور نہ کوئی قیامت کو ٹال سکتا ہے۔

مسائل

۱۔ کفار زمین وآسمان کی نشانیوں سے منہ پھیرتے ہیں۔ ۲۔ اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے کے باوجود شرک کرتے ہیں۔

۳۔ اللہ کے عذاب سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب اور قیامت کسی وقت بھی آسکتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کا عذاب ظالموں کو اچانک آلیتا ہے:

۱۔ کیا وہ بے فکر ہیں کہ انہیں اللہ کا عذاب یا قیامت اچانک آلے اور انہیں پتا بھی نہ ہو۔ (یوسف:۱۰۷)

۲۔ ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ بے خبر تھے۔ (الاعراف:۹۵)

۳۔ ہم ان کے پاس اچانک عذاب لے آئیں گے اور انہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔ (العنکبوت:۵۳)

قُلۡ	هٰذِهٖ	سَبِیۡلِیۡۤ	اَدۡعُوۡۤا	اِلَی	اللّٰہِ ۟ؔ	عَلٰی
فرما دیجیے	یہ	میرا راستہ	میں بلاتا ہوں	طرف	اللہ	پر
بَصِیۡرَۃٍ	اَنَا	وَمَنِ	اتَّبَعَنِیۡ ؕ	وَسُبۡحٰنَ	اللّٰہِ	وَمَاۤ
بصیرت	میں	اور سے	میری پیروی کی اس نے	اور پاک	اللہ	اور نہیں
		اَنَا	مِنَ	الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۱۰۸﴾		
		میں	سے	شرک کرنے والے		

''فرما دیں یہی میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت کے ساتھ، میں اور جنہوں نے میری پیروی کی ہے ،اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں سے نہیں ہوں۔'' (۱۰۸)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرکین کے ایمان کی نفی کرنے کے بعد نبی اکرم ﷺ کی دعوت کی وضاحت اور آپ کے طریقہ دعوت کی تشریح پیش کی جاتی ہے۔

اے نبی! آپ وضاحت فرمائیں کہ میرا راستہ اور میری دعوت لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا ہے۔ نہایت دانائی اور خدا داد بصیرت کے ساتھ یہی میرے متبعین کا راستہ اور دعوت ہے۔ ان کو بتا دیں کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کے حوالے سے ہر قسم کے شرک سے مبرا ہے اور ہم کسی طرح بھی مشرکین سے نہیں ہیں۔ اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کی زبان اطہر سے کہلوایا گیا ہے کہ آپ خود یہ اعلان فرمائیں کہ میرا راستہ اور میری دعوت یہ ہے کہ میں لوگوں کو نہایت دانائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاؤں۔ یہ بات پہلے بھی عرض کی جا چکی ہے کہ عقیدہ کے متعلق جتنی اہم باتیں ہیں۔ ان کے اظہار کے لیے پہلے قل کا لفظ لایا جاتا ہے۔ حالانکہ سارا قرآن اور شریعت نبی اکرم ﷺ نے ہی بیان کی ہے۔ آپ کی بیان کردہ ہر بات اہم اور واجب الاتباع ہے لیکن اس کے باوجود بنیادی اور مرکزی باتوں کے لیے حکم ہوتا ہے کہ اے نبی! آپ اعلان فرمائیں کہ میری زندگی کا مشن یہ ہے کہ حالات جیسے بھی ہوں میں خدا داد بصیرت کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا رہوں۔ اللہ کی طرف بلانے کا معنی اس کی توحید اور احکام کی طرف دعوت دینا ہے۔ جو میرا سچا فرمانبردار ہے اس کا بھی یہی راستہ ہے اور ہونا چاہیے۔ ہمارا مشرکوں کے ساتھ کوئی رشتہ ناطہ نہیں ہے۔ مشرک کے ساتھ رشتہ نہ رکھنے کا صرف یہ مطلب نہیں ایک سچے امتی کا مشرکوں جیسا عقیدہ اور عمل نہیں ہونا چاہیے۔ قرآن مجید نے مشرکوں سے نکاح حرام قرار دیا اور ان سے قلبی محبت سے منع کیا ہے۔ (البقرۃ:۲۲۱)

وقف النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۱۲

داعی کی چیدہ چیدہ صفات:

۱۔ داعی کو وحی الٰہی کی پیروی کرنا چاہیے۔(یونس:۱۵)

۲۔ داعی کو سب سے پہلے مسلمان یعنی ''اللہ'' کا تابع دار ہونا چاہیے۔(الانعام:۱۶۳)

۳۔ داعی کا لباس پاک صاف ہونا چاہیے۔(المدثر:۴)

۴۔ داعی کو لالچ سے گریز کرنا چاہیے۔(المدثر:۶)

۵۔ داعی کو ہر وقت کمر بستہ رہنا چاہیے۔(المدثر:۲)

۶۔ داعی کو حکمت اور خیر خواہی کے ساتھ دعوت دینا چاہیے۔(النحل:۱۲۵)

۷۔ داعی کو برائی کا جواب برائی سے نہیں دینا چاہیے۔(حم السجدۃ:۳۴)

۸۔ داعی کو صابر ہونا چاہیے۔(المدثر:۷)

۹۔ داعی کو عملی نمونہ پیش کرنا چاہیے۔(یونس:۱۶)

مسائل

۱۔ نبی کریم ﷺ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے تھے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہر نقص اور عیب سے پاک ہے۔

۳۔ رسول کریم ﷺ مشرکوں سے برأت کا اظہار فرماتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کرام علیہم السلام کا شرک سے براءت کا اظہار:

۱۔ آپ فرما دیں اللہ تعالیٰ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔(یوسف:۱۰۸)

۲۔ کہہ دیجیے اللہ ایک ہے بے شک میں تمہارے شرک سے بری ہوں۔(الانعام:۱۹)

۳۔ حضرت ابراہیم نے کہا اے میری قوم! میں تمہارے شرک سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔(الانعام:۷۸)

۴۔ ھود علیہ السلام نے کہا میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی بنا لو میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔(ہود:۵۴)

۵۔ بے شک اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بری ہے۔(التوبۃ:۳)

۶۔ ابراہیم نے اپنی قوم سے کہا ہم تم سے اور تمھارے باطل معبودوں سے بری الذمہ ہوں۔(الممتحنۃ:۴)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ

اور نہیں | ہم نے بھیجے | سے | آپ پہلے | مگر | مرد | ہم وحی کرتے ہیں

اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰىؕ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ

ان کی طرف | سے | رہنے والوں | بستیوں | کیا پھر نہیں | وہ چلتے ہیں | میں | زمین

فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْؕ

پس دیکھتے ہیں وہ | کیسا | ہوا | انجام | وہ لوگ | سے | ان سے پہلے

وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْاؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝۱۰۹

اور البتہ گھر | آخرت کا | بہتر | ان لوگوں کے لیے | انہوں نے تقویٰ اختیار کیا | پھر نہیں | تم عقل رکھتے ؟

''اور ہم نے آپ سے پہلے نہیں بھیجے مگر مرد، جوان ہی بستیوں کے رہنے والے تھے اور انھی کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے، تو کیا وہ چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جوان سے پہلے تھے اور یقیناً آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں۔ تم نہیں سمجھتے ؟'' (۱۰۹)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرکین، نہ صرف اللہ کو ایک الٰہ نہیں مانتے تھے بلکہ وہ نبی اکرم ﷺ کو بشر تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ نبی انسان ہونے کی بجائے مافوق البشر ہستی ہونا چاہیے۔ جس کا جواب یہ دیا ہے کہ توحید اور بشریت کے بہانے نبوت کا انکار کرنے والوں کا انجام دیکھنا چاہو تو زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ توحید ورسالت کا انکار کرنے والوں کا کیا انجام ہوا ہے۔ اگر تم بھی انکار کی روش اختیار کیے رکھو گے تو تمہارا انجام بھی پہلے لوگوں سے مختلف نہیں ہوگا۔

اے رسول ﷺ! آپ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب کے سب انسان تھے۔ اور انہی علاقوں اور قوموں سے تعلق رکھتے تھے جن میں انہیں مبعوث کیا گیا تھا۔ کیا لوگ زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھتے کہ دنیوی مفادات کی خاطر انبیاء علیہم السلام کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ سے ڈر کر زندگی بسر کرتے ہیں۔ کیا لوگ نہیں سوچتے کہ انہیں دنیا کی بجائے آخرت کو ترجیح دینا چاہیے۔ یہ حقیقت قرآن مجید بارہا دفعہ بیان کرتا ہے کہ جتنے رسول دنیا میں مبعوث کیے گئے وہ سب کے سب نہ صرف انسان تھے بلکہ اپنی اپنی قوم سے تعلق رکھتے اور انہی کی زبان میں بات کرنے والے تھے۔ قرآن مجید عربی میں اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ عربی النسل تھے۔ اہل مکہ اس بات پر ناز کرنے کی بجائے تعجب کا اظہار کرتے تھے کہ عجیب معاملہ ہے کہ ہمارے جیسا انسان نبی بنا دیا گیا ہے اور وہ ہماری زبان میں بات کرتا ہے۔

قرآن مجید نے کئی مقامات پر اس بات کے ٹھوس دلائل دیے ہیں کہ نبی کے انسان ہونے اور اپنی قوم میں مبعوث ہونے کے کیا فوائد ہیں؟ اگر نبی قومی زبان کی بجائے کوئی اور زبان بولنے والا کسی دوسری جنس سے ہوتا تو نبی اور اس کی امت کو بات

سمجھنے سمجھانے اور اس پر عمل کرنے میں جو مشکلات پیش آتیں ان کا یہ لوگ تصور بھی کر سکتے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ آدمیوں میں سے جس کو چاہے نبی بنائے اور جس قوم اور بستی میں نبی مبعوث کیا جائے اس کے لیے یہ طرۂ امتیاز ہے جس کا کوئی قوم مقابلہ نہیں کر سکتی قرآن مجید کے الفاظ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ تمام نبی مرد تھے۔ جس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ نبی نہ صرف فرشتوں میں نہیں تھے بلکہ کسی عورت کو بھی نبوت کے مقام پر فائز نہیں کیا گیا۔ مگر لوگ اس حقیقت اور اللہ تعالیٰ کے احسانِ عظیم پر غور نہیں کرتے۔ یہاں نبی کی بشریت کے دلائل دینے کی بجائے صرف اتنا فرمایا ہے کہ انہیں عقل سے کام لینا چاہیے کہ جن لوگوں نے نبی کی نبوت اور بشریت کو جھٹلایا ان کا دنیا میں کیا انجام ہوا ہے بلکہ دنیا کے ساتھ ان کی آخرت بھی برباد ہوگئی۔

((عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَفَرَّغُوْا مِنْ هُمُوْمِ الدُّنْيَا مَا اسْتَطَعْتُمْ فَإِنَّهُ مَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا اَكْبَرُ هَمَّهُ اَفْشَى اللّٰهُ ضَيْعَتَهُ وَجَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَمَنْ كَانَتِ الْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ هَمَّهُ جَمَعَ اللّٰهُ لَهُ اُمُوْرَهُ وَجَعَلَ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهِ وَمَا اَقْبَلَ عَبْدٌ بِقَلْبِهِ إِلَى اللّٰهِ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ قُلُوْبَ الْمُؤْمِنِيْنَ تَفِدُّ إِلَيْهِ بِالْوُدِّ وَالرَّحْمَةِ وَكَانَ اللّٰهُ إِلَيْهِ بِكُلِّ خَيْرٍ اَسْرَعُ))[معجم الاوسط]

”حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک ہو سکے تم دنیا کے غموں سے چھٹکارا حاصل کرلو جس نے دنیا کی فکر کو بڑا جان لیا اللہ تعالیٰ اس پر دنیا تنگ کر دیں گے۔ محتاجی اس کی آنکھوں سے ٹپک رہی ہوگی۔ جس نے آخرت کو اپنے لیے بڑی فکر سمجھ لیا۔ اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو سنوار دے گا۔ اس کے دل میں غنا پیدا کر دے گا۔ جو انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سچے دل سے متوجہ ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مومنوں کے دلوں میں محبت اور رحمت پیدا فرما دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر بھلائی میں جلدی کرتا ہے۔“

مسائل

۱۔ تمام رسول مردوں میں سے تھے۔ ۲۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف اللہ تعالیٰ وحی فرماتے تھے۔
۳۔ زمین میں سیر و سیاحت کر کے پہلے لوگوں کا انجام دیکھنا چاہیے۔ ۴۔ آخرت کا گھر تمام دنیا سے بہتر ہے۔
۵۔ آخرت کا گھر متقین کے لیے ہے۔

تفسیر بالقرآن

آخرت کا گھر کن لوگوں کے لیے ہے:

۱۔ آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ (یوسف:۱۰۹)

۲۔ مومنوں کے لیے سلامتی والا گھر ہے اور اللہ ان کا دوست ہوگا۔ (الانعام:۱۲۷)

۳۔ متقین کے لیے آخرت کا گھر بہتر ہے کیا لوگ عقل نہیں کرتے۔ (الاعراف:۱۶۹)

۴۔ صبر کرنے والوں کے لیے آخرت کا گھر بہتر ہے۔ (الرعد:۲۴)

حَتّٰۤی	اِذَا	اسۡتَیۡـَٔسَ	الرُّسُلُ	وَ	ظَنُّوۡۤا	اَنَّهُمۡ
یہاں تک	جب	وہ ناامید ہوگیا	رسول	اور	انہوں نے گمان کیا	بے شک وہ
قَدۡ	کُذِبُوۡا	جَآءَهُمۡ	نَصۡرُنَا ۙ	فَنُجِّیَ	مَنۡ	نَّشَآءُ ؕ
تحقیق	وہ جھٹلائے گئے	آ گیا ان کے پاس	ہماری مدد	پھر نجات دی گئی	جسے	ہم چاہتے ہیں
وَلَا	یُرَدُّ	بَاۡسُنَا	عَنِ	الۡقَوۡمِ	الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۱۰﴾	
اور نہیں	پھیرا جاتا	ہمارا عذاب	سے	قوم	مجرم	

''یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہو گئے اور انہوں نے خیال کیا ان سے جھوٹ بولا گیا تھا تو ان کے پاس ہماری مدد آئی پھر جسے ہم نے چاہا اسے بچا لیا اور ہمارا عذاب مجرموں سے ٹالا نہیں جا سکتا۔''(۱۱۰)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کی توحید، انبیاء کی نبوت اور بشریت کے واضح دلائل آنے کے باوجود کفار نے انبیاء کے ساتھ مقابلہ اور مکالمہ جاری رکھا۔ یہ کشمکش اس قدر شدید تھی کہ انبیاء علیہم السلام کو یقین ہونے لگا کہ انہیں یکسر طور پر جھٹلا دیا گیا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ کی مدد نازل ہوئی۔

اس آیت مبارکہ کے ترجمہ اور تفسیر میں اہل علم کو بڑی الجھن پیش آئی ہے۔ تفسیر کے حوالے سے قرآن مجید کا یہ مشکل ترین مقام سمجھا جاتا ہے۔

﴿حَتّٰۤی اِذَا اسۡتَیۡـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ قَدۡ كُذِبُوۡا﴾ [یوسف: ۱۱۱]

''یہاں تک کہ رسول مایوس ہو گئے اور انہوں نے گمان کیا کہ وہ جھٹلا دیے گئے ہیں۔''

بعض مترجمین نے ﴿قَدۡ كُذِبُوۡا﴾ کا ترجمہ کیا ہے کہ انبیاء نے خیال کیا ان کے ساتھ جھوٹ بولا گیا ہے۔ اس آیت کریمہ کی تین طرح تفسیر کی گئی ہے۔

۱۔ جب اللہ کی رحمت سے رسول مایوس ہو گئے تو انہوں نے خیال کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا ہے۔ بے شک کچھ لوگوں نے صرف نحو کے حوالے سے یہ معنی لینے کی کوشش کی ہے کہ لیکن انبیاء کے مرتبہ و مقام اور ایمان و ایقان کے پیش نظر یہ ترجمہ لینا مناسب نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید نے اسی سورۃ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے حوالے سے بتلایا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو مصر میں روک لیا اور باقی بھائی حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے سارا معاملہ سن کر فرمایا جاؤ۔ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ اللہ کی رحمت سے مایوس صرف کافر ہی

ہوا کرتے ہیں۔(یوسف:۸۷)اس بنیاد پر مذکورہ بالا ترجمہ اور مفہوم لینا نہایت ہی غلط ہے۔

۲۔ دوسری جماعت نے ﴿قَدْ كُذِبُوْا وَظَنُّوْا﴾ یہ مفہوم لیا ہے کہ جب اللہ کے رسول کفار کے ایمان نہ لانے سے مایوس ہوگئے تو انہوں نے گمان کیا کہ انہیں جھٹلا دیا گیا ہے تب اللہ تعالیٰ کی مدد نازل ہوئی اور کفار کو تہس نہس کر دیا گیا۔

۳۔ تیسری جماعت نے اس سے مراد مومن لیے ہیں کہ جب ایمان والوں کو یقین ہوگیا کہ ان کے ساتھ جھوٹ بولا گیا ہے۔ بار بار مطالبہ کے باوجود عذاب نہ آیا تو کفار نے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ عذاب کا جو وعدہ کیا جا تا رہا ہے وہ جھوٹ تھا۔ کفار کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر ایمانداروں کے دلوں میں یہ گمان پیدا ہوا کہ واقعی عذاب کا وعدہ جھوٹا ثابت ہو رہا ہے۔ یعنی مومنوں نے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ایسا خیال کرنا شروع کر دیا۔ تب اللہ کا عذاب آن پہنچا۔ یاد رہے کہ یہاں ظن کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ لفظ عربی میں گمان اور یقین دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں اس کا معنی گمان لیا جائے۔ مومنوں کے دل میں ایسا گمان پیدا ہونا بعید از قیاس نہیں ہے۔ یاد رہے گمان پیدا ہونے پر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ میرے نزدیک دوسرے نمبر والی تفسیر بہتر ہے۔(اللہ اعلم)

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ مَا وَسْوَسَتْ بِهٖ صُدُوْرُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ بِهٖ اَوْ تَتَكَلَّمْ))[رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ: بَابُ الطَّلَاقِ فِی الْإِغْلَاقِ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے بُرے خیالات کو معاف کر دیا ہے بشرطیکہ ان کے مطابق عمل اور گفتگو نہ کی جائے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تفسیر:

۴۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کی تفسیر بالخصوص ﴿قَدْ كُذِبُوْا﴾ کے الفاظ کی تشریح کے بارے میں سوال کیا جس کا تذکرہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

((عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِیْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَیْرِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ لَهٗ وَهُوَ یَسْأَلُهَا عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿حَتّٰٓى إِذَا اسْتَیْأَسَ الرُّسُلُ﴾ قَالَ قُلْتُ أَكُذِبُوْا أَمْ كُذِّبُوْا قَالَتْ عَائِشَةُ كُذِّبُوْا قُلْتُ فَقَدِ اسْتَیْقَنُوْٓا أَنَّ قَوْمَهُمْ كَذَّبُوْهُمْ فَمَا هُوَ بِالظَّنِّ قَالَتْ أَجَلْ لَعَمْرِیْ لَقَدِ اسْتَیْقَنُوْا بِذٰلِكَ فَقُلْتُ لَهَا وَظَنُّوْٓا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا قَالَتْ مَعَاذَ اللّٰهِ لَمْ تَكُنِ الرُّسُلُ تَظُنُّ ذٰلِكَ بِرَبِّهَا قُلْتُ فَمَا هٰذِهِ الْاٰیَةُ قَالَتْ هُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَصَدَّقُوْهُمْ ، فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْبَلَاءُ، وَاسْتَأْخَرَ عَنْهُمُ النَّصْرُ حَتّٰى اسْتَیْأَسَ الرُّسُلُ مِمَّنْ كَذَّبَهُمْ مِنْ قَوْمِهِمْ وَظَنَّتِ الرُّسُلُ أَنَّ أَتْبَاعَهُمْ قَدْ كَذَّبُوْهُمْ جَآءَهُمْ نَصْرُ اللّٰهِ عِنْدَ ذٰلِكَ))[رواہ البخاری: کتاب التفسیر ، باب قول حتی اذا استیاس]

’’ابن شہاب کہتے ہیں۔ مجھے عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے اس سے فرمایا۔ وہ اللہ کے اس فرمان ﴿حَتّٰى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ﴾ کے بارے میں سوال کر رہے تھے۔ حضرت عروہ کہتے ہیں میں نے کہا کیا وہ جھوٹ بولے گئے یا پھر جھٹلائے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ وہ جھٹلائے گئے۔ میں نے عرض کی کیا انہوں نے یقین کرلیا کہ وہ جھٹلائے گئے پھر ظن کیا ہے؟ اس نے کہا ہاں میری عمر کی قسم! انہوں نے اس بات کا یقین کرلیا۔ میں نے کہا تو پھر انبیاء نے بھی یقین کرلیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اللہ کی پناہ رسول اپنے رب کے بارے میں ایسا گمان نہیں کر سکتے۔ میں نے پھر پوچھا تو اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے رسولوں کی اتباع اور تصدیق کی۔ جب طویل مدت تک مومنوں پر آفت اور مصیبت آتی رہی اور اللہ کی مدد آنے میں دیر ہوگئی۔ انبیاء علیہم السلام کفار کے ایمان لانے سے ناامید ہو گئے۔ (یعنی جب کفار کی طرف سے انبیاء مایوس ہو گئے اور ایمان والوں نے یہ خیال کیا کہ ان پر ایمان لانے والے بھی گمان کرنے لگے ہیں کہ شاید انبیاء علیہم السلام نے جھوٹ بولا ہے) انہوں نے گمان کرلیا کہ ان کے متبعین نے ان کو جھٹلا دیا ہے تو اس وقت ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی مدد آئی۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کی آزمائش کرتا ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اپنی مدد نازل فرماتا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے عذاب سے نجات عطا فرماتا ہے۔
۴۔ مجرم لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نیک بندوں کی آزمائش فرماتا ہے:

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے چند باتوں کے ساتھ آزمایا۔ (البقرۃ:۱۲۴)
۲۔ مومنوں کو سخت آزمائش میں مبتلا کیا گیا اور ان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا گیا۔ (الاحزاب:۱۱)
۳۔ ہم تمہیں آزمائیں گے تا کہ جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں میں امتیاز ہو سکے۔ (محمد:۳۱)
۴۔ اگر اللہ چاہتا تو تمہاری ضرور مدد فرماتا۔ لیکن اللہ بعض کو بعض کے ساتھ آزماتا ہے۔ (محمد:۴)
۵۔ اللہ تمہیں تمہارے مالوں اور جانوں کے ساتھ ضرور آزمائے گا۔ (آل عمران:۱۸۶)
۶۔ حضرت ابراہیم کا حضرت اسماعیل کو ذبح کرنا بہت بڑی آزمائش تھی۔ (الصّٰفّٰت:۱۰۶)
۷۔ اللہ نے پہلے لوگوں کو آزمایا اور تمہیں بھی آزمائے گا۔ (العنکبوت:۲)

لَقَدْ	كَانَ	فِيْ	قَصَصِهِمْ	عِبْرَةٌ	لِّاُولِي	الْاَلْبَابِ ؕ
ابتہ تحقیق	ہے	میں	ان کے بیان	عبرت	والے	عقل

مَا	كَانَ	حَدِيْثًا	يُّفْتَرٰى	وَلٰكِنْ	تَصْدِيْقَ	الَّذِيْ
نہیں	ہے	بات	گھڑلی گئی ہو	اور لیکن	تصدیق کرنا	وہ

بَيْنَ	يَدَيْهِ	وَتَفْصِيْلَ	كُلِّ	شَيْءٍ	وَّهُدًى	وَّ
درمیان	اس کے سامنے	اور تفصیل	ہر	چیز	اور ہدایت	اور

رَحْمَةً	لِّقَوْمٍ	يُّؤْمِنُوْنَ ؑ ﴿۱۱۱﴾
رحمت	ان لوگوں کے لیے	وہ ایمان لاتے ہیں

''بلاشبہ ان کے واقعات میں عقلوں والوں کے لیے ایک سبق ہے، یہ ہرگز ایسی بات نہیں جو بنالی گئی ہو اور یہ اس کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے ہے اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں۔''(۱۱۱)

ركوع ۱۲

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

رسول مکرم ﷺ سے اہل مکہ نے اس ذہن کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں سوال کیا تھا۔ کہ آپ ﷺ اس کا ٹھیک ٹھیک جواب نہیں دے پائیں گے اور ہماری یہ بات سچ ثابت ہوگی کہ یہ نبی اپنی طرف سے باتیں بنا کر اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگاتا ہے۔ اہل مکہ کے اس سوال کا جواب دینے سے پہلے یہ فرمادیا گیا کہ جن لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے بارے میں سوال اٹھایا ہے۔ اس کے جواب میں ان کے لیے عبرت کی بہت سی باتیں پائی جاتی ہیں۔(یوسف:۷)

اس سورۃ مبارکہ کا اختتام بھی اسی بات سے کیا جارہا ہے۔ جس کا اشارہ ابتدا میں کیا گیا ہے۔ لہٰذا ارشاد ہوتا ہے کہ ان واقعات میں سوال کرنے والوں کے لیے بہت سا سامانِ عبرت موجود ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنی عقل استعمال کریں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے بیان میں یہ بات پوری طرح واضح ہوچکی ہے کہ یہ قرآن حضرت محمد ﷺ کی طرف سے بنائی ہوئی باتیں نہیں ہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جسے اس نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا ہے۔ قرآن مجید کے من جانب اللہ ہونے کا یہ بھی واضح ثبوت ہے کہ اس میں جو احکام اور واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ وہ تورات، انجیل اور زبور کے حقیقی احکام اور واقعات کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس قرآن میں ہدایت کے مفصل دلائل دیے گئے ہیں جو ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا پیکر ہیں۔

سوال کرنے والوں کے لیے عبرت کے دلائل:

۱۔ اہل مکہ نے نبی اکرم ﷺ کو لاجواب کرنے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں سوال کیا تھا۔ جس کے جواب میں خود لاجواب ہوئے اور انہیں شرمندگی اٹھانا پڑی۔

۲۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرح اہل مکہ نے اپنی طاقت کے بل بوتے پر رسول اکرم ﷺ کو ناکام کرنے اور آپ ﷺ کی دعوت کو مٹانے کی کوشش کی۔ جس میں وہ برادرانِ یوسف کی طرح ناکام رہے۔

۳۔ بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف سازش کی۔ جس میں وہ ناکام ہوئے۔ اسی طرح اہل مکہ نے آپ ﷺ کے خلاف ہجرت اور دوسرے مواقعوں پر سازشیں کی۔ جس میں وہ ہر بار ناکام ہوئے۔

۴۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں صبر کیا۔ جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں خوشیاں نصیب فرمائیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اہل مکہ کے جبر وتشدد کے مقابلہ میں صبر سے کام لیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی خوشیاں اور کامیابیاں عطا فرمائیں۔

۵۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے صبر وحوصلہ کے ساتھ مشکلات کا سامنا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مصر کا اقتدار عطا فرمایا۔ نبی معظم ﷺ نے کفار کے مظالم کے مقابلے میں مستقل مزاجی کا مظاہرہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل مکہ اور پورے عرب پر غلبہ عطا فرمایا۔

۶۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ان سے معافی مانگنے پر مجبور ہوئے۔ فتح مکہ کے موقع پر اہل مکہ بھی نبی معظم ﷺ سے بھی معافی کے خواستگار ہوئے۔

۷۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی درخواست پر ﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ کہتے ہوئے معاف کردیا۔ نبی اکرم ﷺ نے انہی الفاظ کے ساتھ فتح مکہ کے موقعہ پر اہل مکہ کو معاف فرمایا۔

مسائل

۱۔ حضرت یوسف کے واقعہ میں عقلمندوں کے لیے عبرت ہے۔

۲۔ قرآنی واقعات لوگوں کے لیے باعثِ ہدایت ہیں۔

۳۔ قرآن مجید پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔

۴۔ قرآن مجید میں انسان کی ہدایت کے متعلق ہر بات کی تفصیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف سورۃ الرعد

اس سورۃ کا نام اس کی آیت ۱۳ سے لیا گیا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ چمکنے اور کڑکنے والی آسمانی بجلی بھی اللہ کی تسبیح پڑھتی ہے۔ یہ سورۃ چھ رکوع اور ۴۳ آیات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان رات اور دن باغات اور نباتات کے حوالے سے اپنی وحدت کا ثبوت دیتے ہوئے انسان کو یہ بات باور کروائی ہے کہ اے انسان! اللہ تعالیٰ تجھے اس وقت سے جانتا ہے جب تو اپنی ماں کے رحم میں تھا۔ وہ رحم میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں سے بھی واقف ہے۔ اس کے سامنے غائب اور ظاہر دونوں برابر ہیں۔ وہ تیری جلوت اور خلوت کو نہ صرف جانتا ہے بلکہ اس نے ہر کسی پر نگران اور محافظ مقرر کر رکھے ہیں۔ سب کچھ جاننے اور ہر چیز پر قدرت رکھنے کے باوجود وہ لوگوں کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے آپ کو بدلنے کا عزم نہ کریں۔ اس نے انسان کو اپنی حالت بدلنے یا نہ بدلنے کے بارے میں اختیار دے رکھا ہے۔ انسان اس اختیار سے غلط فائدہ اُٹھا کر اپنے رب کا نافرمان ہو جاتا ہے۔ حالانکہ انسان اس قدر کمزور ہے کہ وہ چمکنے اور کڑکنے والی بجلی کی تاب نہیں لاسکتا۔ بجلی کی جس آواز سے یہ کانپتا ہے حالانکہ وہ اپنی زبان میں اپنے رب کی حمد بیان کرتی ہے۔ توحید کے دلائل دینے کے بعد فرمایا کہ لوگوں تک حق پہنچ چکا ہے۔ خدا کے نافرمانوں کی حالت اس شخص کی مانند ہو چکی ہے۔ جو پانی پر کھڑا ہو کر ہاتھ پھیلا کر پانی کو آواز پر آواز دیتا ہے لیکن اس کے باوجود پانی اس کی زبان تک نہیں پہنچتا۔ یہی حالت خدا کے نافرمان اور مشرک کی ہوا کرتی ہے کہ اگر وہ خدا کی خدائی اور اس کی توحید کو سمجھنا چاہے تو ہر قسم کے دلائل اس کے سامنے موجود ہوتے ہیں۔ اگر نہ سمجھنا چاہے پانی کی طرح عقیدہ توحید کی عظیم نعمت خود اس تک نہیں پہنچ سکے گی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی قدرت قریب ہونے کے باوجود پھر بھی مشرک دوسروں کو پکارتا ہے۔ حالانکہ وہ نفع ونقصان پر کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ عقیدۂ توحید خالص سونے کی مانند ہے اور شرک جھاگ اور راکھ کے برابر ہے جس طرح جھاگ اور راکھ کا کوئی فائدہ نہیں اسی طرح شرک کرنے والے کو اس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ جس طرح جھاگ اور راکھ کچھ مدت کے بعد اپنا وجود کھو بیٹھتی ہیں۔ اسی طرح مشرک اور کافر اپنے اچھے اعمال کا نتیجہ بھی کھو بیٹھیں گے۔ اس مثال کے بعد اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اور لوگوں کے ساتھ عہد کی وفا کا حکم دیا ہے۔ پھر یہ بات ارشاد فرمائی کہ صاحب ایمان لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور ذکر پر سکون پاتے ہیں۔ سورت کے آخر میں قرآن مجید کی عظمت کا ذکر کیا گیا ہے۔

سُورَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّة | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رکوعاتھا: ٦ آیاتھا: ٤٣

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

اِلَيْكَ	اُنْزِلَ	وَالَّذِيْٓ	الْكِتٰبِ	اٰيٰتُ	تِلْكَ	الٓمّٓرٰ
آپ کی طرف	نازل کیا گیا	اور وہ	کتاب	آیتیں	یہ	الٓمّٓر۔

النَّاسِ	اَكْثَرَ	وَلٰكِنَّ	الْحَقُّ	رَّبِّكَ	مِنْ
لوگ	اکثر	اور لیکن	حق	آپ کا رب	سے

يُؤْمِنُوْنَ ①	لَا
وہ ایمان لاتے ہیں	نہیں

”الٓمّٓر۔ کتاب کی آیات ہیں اور جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“ (۱)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآن مجید کا تعارف۔

نبوت سے پہلے لوگوں کو نبی اکرم ﷺ پر نہ صرف مکمل اعتماد تھا کہ آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں بلکہ ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ آپ سب سے بڑھ کر دیانتدار ہیں۔ اسی لیے وہ آپ کو صادق اور امین کہتے تھے۔ لیکن جونہی آپ پر قرآن مجید نازل ہوا، اس میں ان کے شرک کی نفی کی گئی تو وہ لوگ یکدم کہنے لگے کہ یہ شخص جھوٹ بولتا ہے۔ اس پر کوئی وحی نازل نہیں ہوتی۔ یہ اپنی طرف سے باتیں بنا کر اللہ کے ذمہ لگاتا ہے۔ جس سے ان کا منشا یہ تھا کہ قرآن کا انکار کرنے سے یہ شخص خود بخود ناکام ہو جائے گا۔ ان کی اس سازش کو ناکام کرنے اور نبی ﷺ کو سچا ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ بار بار قرآن مجید کا تعارف کرواتا ہے کہ یہ قرآن من جانب اللہ ہے۔ اس کی کسی بات میں شک کی کوئی گنجائش نہ ہے۔ جس کا اعتراف ہر دور کے منصف مزاج کافر بھی کیا کرتے ہیں جس کی ایک مثال پیش خدمت ہے۔ فرانس کا مشہور مستشرق ڈاکٹر مارڈریس جس کو حکومت فرانس کی وزارتِ معارف نے قرآنِ حکیم کی باسٹھ سورتوں کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کرنے پر مامور کیا تھا اس کا اعتراف:

”بے شک قرآن کا طرزِ بیان اللہ تعالیٰ کا طرزِ بیان ہے، بلاشبہ جن حقائق ومعارف پر یہ کلام حاوی ہے وہ کلامِ الٰہی ہی ہوسکتا ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ اس میں شک وشبہ کرنے والے بھی جب اس کی عظیم تاثیر کو دیکھتے ہیں تو تسلیم واعتراف پر مجبور ہو جاتے ہیں، پچاس کروڑ مسلمان (اس تحریر کے وقت مسلمانوں کی تعداد اتنی ہی تھی 2008 میں یہ تعداد سوا

ارب سے زائد ہے) جو سطح زمین کے ہر حصہ پر پھیلے ہوئے ہیں اُن میں قرآن کی خاص تاثیر کو دیکھ کر مسیح مشن میں کام کرنے والے بالاجماع اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔''

ڈاکٹر گستاد لی بان نے اپنی کتاب ''تمدنِ عرب'' میں قرآن کی حیرت انگیزی کا اعتراف، ان الفاظ کیا ہے:

''پیغمبر نبی اُمی اسلام کی ایک حیرت انگیز سرگزشت ہے، جس کی آواز نے ایک قومِ ناہنجار کو جو اس وقت تک کسی ملک کے زیر حکومت نہ آئی تھی رام کیا اور اس درجہ پر پہنچا دیا کہ اس نے عالم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر وزبر کر ڈالا۔''

مسٹر وڈول جس نے قرآن مجید کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا لکھتے ہیں:

''جتنا بھی ہم اس کتاب یعنی قرآن کو الٹ پلٹ کر دیکھیں اسی قدر پہلے مطالعہ میں اس کی مرغوبیت نئے نئے پہلوؤں سے اپنا رنگ جماتی ہے، فوراً ہمیں مسخر اور متحیر کر دیتی ہے، اور آخر میں ہم سے تعظیم کرا کر چھوڑتی ہے، اس کا طرزِ بیان باعتبار اس کے مضامین کے، عفیف، عالی شان اور تہدید آمیز ہے اور جا بجا اس کے مضامین سخن کی غایت رفعت تک پہنچ جاتے ہیں، غرض یہ کتاب ہر زمانہ میں اپنا پرزور اثر دکھاتی رہے گی۔'' (شہادۃ الاقوام، ص ۱۳)

مسائل

۱۔ قرآن مجید چھوٹی چھوٹی آیات اور حقائق پر مبنی کتاب ہے۔ ۲۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے۔

۳۔ قرآن مجید کے حق ہونے کے باوجود لوگوں کی اکثریت اس پر ایمان نہیں لاتی۔

تفسیر بالقرآن

حق کیا ہے؟

۱۔ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا وہ حق ہے۔ (الرعد:۱)

۲۔ تیرے رب کی طرف سے حق پہنچ گیا آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں جائیں۔ (البقرۃ:۱۴۷)

۳۔ اللہ نے قرآن مجید کو حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ (البقرۃ:۱۷۶)

۴۔ یہ اللہ کی آیات ہیں، ہم ان کو آپ پر حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں اور یقیناً آپ رسولوں میں سے ہیں۔ (البقرۃ:۲۵۲)

۵۔ یقیناً جو اس کتاب میں قصے بیان کیے گئے ہیں وہ برحق ہیں۔ (آل عمران:۶۲)

۶۔ حکم صرف اللہ کا ہے وہی حق بیان کرنے والا ہے۔ (الانعام:۵۷)

۷۔ حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور حق کو جانتے بوجھتے مت چھپاؤ۔ (البقرۃ:۴۲)

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا

اللہ | وہ ذات ہے | اس نے بلند کیا | آسمان | بغیر | ستون | ان کوتم دیکھتے ہو

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط

پھر | وہ مستوی ہوا | پر | عرش | اوراس نے مسخر کیا | سورج | اور چاند

كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ط يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ

ہرایک | وہ چل رہا ہے | واسطے وقت | مقرر | وہ تدبیر کرتا ہے | کام | وہ تفصیل سے بیان کرتا ہے

الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝۲

نشانیاں | تاکہ تم | ساتھ ملاقات | تمہارا رب | تم یقین کرتے ہو

”اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا کیا جنہیں تم دیکھتے ہو، پھر وہ عرش پر بلند ہوا اور اس نے چاند اور سورج کو مسخر کیا۔ ہر ایک مقرر وقت کے لیے چل رہا ہے، وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے اور کھول کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے، تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرلو۔“ (۲)

فہم القرآن

ربط کلام: جس ہستی نے قرآن نازل فرمایا اس کی صفات کا بیان۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق، تدبیر اور حکمتوں کو دیکھنے کے لیے ایک سرسری نظر کائنات کی تشکیل اور تدبیر پر ڈالیں۔

کائنات اور اس کا نظام:

- اب تک جو کائنات معلوم ہوئی ہے اسے اگر مکعب کلومیٹر میں ناپا جائے۔ ایک مکعب کلومیٹر ایک کلومیٹر لمبائی، ایک کلومیٹر چوڑائی اور ایک کلومیٹر اونچائی ہے تو پوری معلوم کائنات کا گھیراؤ نکالنے کے لیے ایک کے آگے 69 صفر لگانے پڑیں گے تب حساب پورا ہوگا۔ اس کے باوجود کائنات لامحدود ہے اس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ مسلسل انتہائی تیز رفتاری سے مزید پھیل رہی ہے۔
- ہماری زمین جس نظام شمسی میں شامل ہے اس کی وسعت کا یہ حال ہے کہ زمین سورج سے صرف 15 کروڑ کلومیٹر دور ہے جبکہ پلوٹو سیارے کا سورج سے فاصلہ 15 ارب 91 کروڑ کلومیٹر ہے۔
- ہماری زمین کا قطر 12754 کلومیٹر ہے۔ سورج کا قطر 14 لاکھ کلومیٹر ہے یعنی زمین سے 109 گنا بڑا ہے۔ قطر کی یہ وسعت تو کچھ بھی نہیں۔ ہماری کہکشاں کا قطر ایک لاکھ 17x کھرب کلومیٹر ہے۔ اس کہکشاں میں ایک کھرب ستارے

پائے جاتے ہیں اور اب تک ایسی کھرب سے زائد کہکشائیں دریافت ہو چکی ہیں۔

❁ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ کائنات کے درمیان ایک کہکشاں ایسی ہے جس کے گرد تمام کہکشائیں چکر کاٹ رہی ہیں۔ ان کا ایک چکر 25 کروڑ سال میں پورا ہوتا ہے۔

❁ سورج کا وزن دس کھرب x19889 کھرب ٹن ہے یعنی زمین سے تقریباً سوا تین لاکھ گنا زیادہ اور درجۂ حرارت تقریباً ڈیڑھ کروڑ ڈگری سینٹی گریڈ ہے۔ اس میں 40 لاکھ ٹن ہائیڈروجن گیس فی سیکنڈ استعمال ہوتی ہے اور اس کی سطح کا درجہ حرارت 6000 ڈگری سینٹی گریڈ ہے۔ سورج کی حرارت ابھی مزید 5 ارب سال کے لیے کافی ہے۔

❁ ہماری کہکشاں کا وزن سورج سے 4 کھرب گنا زیادہ ہے اور اس کا فاصلہ کائنات کے مرکز سے اڑھائی لاکھ 10x کھرب کلومیٹر ہے۔

❁ سب سے لمبی کہکشاں کی لمبائی تقریباً ایک ارب 10x کھرب کلومیٹر اور موٹائی دس کھرب 5x کروڑ 30 لاکھ کلومیٹر ہے۔ اس کی روشنی 20 کھرب سورجوں کی روشنی کے برابر اور اس کا قطر ہماری کہکشاں سے 80 گنا زیادہ ہے۔ روشنی ایک شمسی سال میں تقریباً 3 لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے 95 کھرب کلومیٹر فاصلہ طے کرتی ہے اسے نوری سال کہا جاتا ہے اور یہ کہکشاں ہماری زمین سے ایک ارب 7 کروڑ نوری سال دور ہے۔

❁ اگر تمام ستارے ایک جیسے فاصلے سے دیکھے جا سکیں تو Eta Carinae سب سے زیادہ روشن ہوگا۔ اس کی روشنی سورج سے 65 لاکھ گنا زیادہ ہے۔

❁ 1989ء میں فلکیات دانوں نے خلاء میں عظیم دیوار (Great Wall) کی دریافت کا اعلان کیا۔ یہ کہکشاؤں کا مجموعہ ہے۔ اس کی لمبائی دس کھرب x ساڑھے سات ارب کلومیٹر ہے۔ اس کی چوڑائی دس کھرب 2.6x ارب کلومیٹر ہے اور اس کی گہرائی دس کھرب 22x کروڑ کلومیٹر ہے۔

❁ اندازہ ہے کہ ایک کہکشانی نظام ایسا ہے کہ اس کی جو شعاعیں اس کہکشاں سے چار ارب نوری سال پہلے روانہ ہوئی تھیں وہ آج پہنچی ہیں۔ یعنی اس کہکشاں کی روشنی نے زمین تک پہنچنے کے لیے چار ارب 95x کھرب کلومیٹر فاصلہ طے کیا ہے۔

❁ ہماری قریب ترین کہکشاں Andromeda Galaxy M31 ہے۔ اس کا ہماری کہکشاں سے فاصلہ 22 لاکھ 99x کھرب کلومیٹر ہے۔ اس کا وزن 3 کھرب سورجوں کے برابر اور اس کا قطر 95x130000 کھرب کلومیٹر ہے۔ اس کا حجم ہماری کہکشاں سے دگنا ہے۔ اس میں تقریباً 4 کھرب ستارے ہیں۔

❁ بعض کہکشاؤں کا قطر 2 ہزار سے 8 لاکھ نوری سال، وزن 10 لاکھ سے 100 کھرب سورجوں کے برابر اور روشنی دس لاکھ

سے 1 کھرب سورجوں کی روشنی کے برابر ہے۔ کہکشائیں کیا سب سے بڑی چیزیں ہیں؟ جی نہیں! کہکشائیں مل کر Cluster بناتی ہیں۔ Cluster میں سینکڑوں سے لے کر ہزاروں کہکشائیں ہو سکتی ہیں۔ ہماری کہکشاں جس Cluster میں ہے یہ 30 کہکشاؤں کا مجموعہ ہے جبکہ Spiral Galaxy M100 تقریباً 2500 کہکشاؤں کا مجموعہ ہے۔

پھر Super Cluster درجنوں Clusters پر مشتمل ہوتا ہے۔ ابھی تک دکھائی دینے والی کائنات میں تقریباً 10 لاکھ Super Cluster ہیں۔

ایک Cluster کی کہکشاؤں کا آپس میں فاصلہ 10 لاکھ x95 کھرب کلومیٹر سے 20 لاکھ x95 کھرب کلومیٹر تک ہوتا ہے اور Clusters کے درمیان آپس کا فاصلہ اس سے سو گنا زیادہ ہے۔ Spherical Cluster میں 10 ہزار کہکشائیں ہیں۔

Quasars کائنات کے اب تک دریافت شدہ روشن ترین اجسام ہیں۔ زیادہ دور ہونے کی وجہ سے یہ بھی چھوٹے ستاروں کی طرح نظر آتے ہیں۔ ان کی روشنیاں جو آج ہم تک پہنچی ہیں یہ دراصل 10 ارب نوری سال پہلے وہاں سے چلی تھیں۔ ہمارے نظام شمسی جتنا Quasar دس کھرب سورجوں سے زیادہ روشن جبکہ ہماری کہکشاں کی مجموعی روشنی سے سو گنا زیادہ روشن ہوتا ہے۔ Quasar 3cg 10 سے 16 ارب نوری سال کے فاصلے پر ہے۔

❁ اگر ہم 7 ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کریں تو کائنات عبور کرنے میں تین ہزار کھرب سال لگیں گے وہ بھی اگر کائنات محدود ہو تو جبکہ کائنات لامحدود ہے۔

زمین کی وُسعت:

❁ زمین کا کرہ فضا میں سیدھا نہیں کھڑا بلکہ 23 درجے کا زاویہ بناتا ہوا ایک طرف جھکا ہوا ہے۔ یہ جھکاؤ ہمیں ہمارے موسم دیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں زمین کا زیادہ سے زیادہ حصہ آبادکاری کے قابل ہو جاتا ہے اور مختلف نباتات اور پیداوار حاصل ہوتی ہے۔

❁ زمین اپنے محور پر 1000 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے لٹو کی مانند گھوم رہی ہے۔ اگر زمین کی رفتار 100 میل فی گھنٹہ ہوتی تو ہمارے دن اور رات موجودہ دن اور رات سے دس گنا زیادہ لمبے ہوتے۔ زمین کی تمام ہریالی اور ہماری فصلیں سو گھنٹے کی مسلسل دھوپ میں جھلس جاتیں اور جو بچ رہتیں وہ لمبی سرد رات میں سردی کی نذر ہو جاتیں۔

❁ اگر زمین کی اوپر کی پرت صرف دس فٹ اور موٹی ہوتی تو ہماری فضا میں آکسیجن کا وجود نہ ہوتا جس کے بغیر حیوانی اور انسانی زندگی ناممکن ہوتی۔ اسی طرح اگر سمندر چند فٹ اور گہرے ہوتے تو وہ کاربن ڈائی آکسائیڈ اور آکسیجن جذب کر لیتے اور زمین کی سطح پر کسی قسم کی نباتات زندہ نہ رہ سکتیں۔

❁ اگر آکسیجن 21% کی بجائے 50% یا اس سے زیادہ مقدار میں فضا کا جزو ہوتی تو سطح زمین کی تمام چیزوں میں آتش

پذیری کی صلاحیت اتنی بڑھ جاتی کہ ایک درخت کے آگ پکڑتے ہی سارا جنگل بھک سے اُڑ جاتا۔

❁ زمین کے گرد ہوا کا غلاف اس انداز سے رکھا گیا ہے کہ زمین پر اس کا دباؤ مناسب رہے تا کہ انسان سانس لینے میں دشواری محسوس نہ کرے۔ اور باہر سے آنے والے شہاب ثاقب رگڑ سے ہی جل جائیں۔ شہاب ثاقب ہر روز اوسطاً 2 کروڑ کی تعداد میں 6 سے 40 میل فی سیکنڈ کی رفتار سے کرۂ ہوائی (ہوا کے غلاف) میں داخل ہوتے ہیں۔ اگر یہ موجودہ غلاف کی نسبت لطیف ہوتا تو شہاب ثاقب زمین کے اوپر ہر آتش پذیر مادے کو جلا دیتے اور سطح زمین کو چھلنی کر دیتے۔ اگر زمین کے اوپر سے ہوا کا یہ غلاف کھینچ لیا جائے تو تمام جاندار آکسیجن نہ ہونے کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائیں۔

❁ اگر زمین کا حجم کم یا زیادہ ہوتا تو اس پر زندگی محال ہو جاتی۔ مثلاً اگر زمین کا قطر موجودہ کی نسبت چوتھائی ہوتا تو کشش ثقل کی اس کمی کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ پانی اور ہوا کو اپنے اوپر روک نہ سکتی۔ جیسا کہ جسامت کی اس کمی کی وجہ سے چاند میں واقع ہوا ہے۔ چاند پر اس وقت نہ تو پانی ہے اور نہ کوئی ہوائی کرہ ہے۔ ہوا کا غلاف نہ ہونے کی وجہ سے وہ رات کے وقت بے حد سرد ہوتا ہے اور دن کے وقت تنور کی مانند جلنے لگتا ہے۔ اس کے برعکس اگر زمین کا قطر موجودہ کی نسبت سے دُگنا ہوتا تو اس کی کشش ثقل دُگنی ہو جاتی۔ جس کے نتیجے میں ہوا جو اس وقت زمین کے اوپر 5 سو میل کی بلندی تک پائی جاتی ہے وہ کھنچ کر بہت نیچے تک سمٹ آتی۔ اس کے دباؤ میں فی مربع انچ 15 تا 30 پونڈ کا اضافہ ہو جاتا، جس کا ردعمل مختلف صورتوں میں زندگی کے لیے نہایت مہلک ثابت ہوتا۔ اور اگر زمین سورج جتنی بڑی ہوتی اور اس کی کثافت برقرار رہتی تو اس کی کشش ثقل ڈیڑھ سو گنا بڑھ جاتی۔ ہوا کے غلاف کی موٹائی گھٹ کر 5 سو میل کی بجائے صرف 4 میل رہ جاتی۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ ہوا کا دباؤ ایک ٹن فی مربع انچ تک جا پہنچتا۔ اس غیر معمولی دباؤ کی وجہ سے زندہ اجسام کا نشوونما ممکن نہ رہتا۔ ایک پونڈ وزنی جانور کا وزن ایک سو پچاس پونڈ ہو جاتا۔ انسان کا جسم گھٹ کر گلہری کے برابر ہو جاتا اور اس میں کسی قسم کی ذہنی زندگی ناممکن ہو جاتی کیونکہ انسانی ذہانت حاصل کرنے کے لیے بہت کثیر مقدار میں اعصابی ریشوں کی موجودگی ضروری ہے اور اس طرح پھیلے ہوئے ریشوں کا نظام ایک خاص درجہ کی جسامت میں ہی پایا جا سکتا ہے۔

سورج کی اہمیت:

❁ سب سے روشن کہکشاں کی مجموعی روشنی سورج سے 3 ہزار کھرب گنا زیادہ ہے۔

❁ سورج جو ہماری زندگی کا سرچشمہ ہے، اس کی حرارت اتنی زیادہ ہے کہ بڑے بڑے پہاڑ بھی اس کے سامنے جل کر راکھ ہو جائیں مگر وہ ہماری زمین سے اتنے مناسب فاصلے پر ہے کہ یہ ”کائناتی انگیٹھی“ ہمیں ہماری ضرورت سے ذرا بھی زیادہ گرمی نہ دے سکے۔ اگر سورج دگنے فاصلے پر چلا جائے تو زمین پر اتنی سردی پیدا ہو جائے کہ ہم سب لوگ جم کر برف بن جائیں اور اگر وہ آدھے فاصلے پر آ جائے تو زمین پر اتنی حرارت پیدا ہوگی کہ تمام جاندار اور پودے جل بھن کر خاک ہو جائیں گے۔

چاند کی حقیقت:

❀ چاند ہم سے تقریباً 384,400 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس کی بجائے اگر وہ صرف پچاس ہزار کلومیٹر دور ہوتا تو سمندروں میں مدوجزر کی لہریں اتنی بلند ہوتیں کہ تمام کرۂ ارض دن میں دو بار پانی میں ڈوب جاتا اور بڑے بڑے پہاڑ موجوں کے ٹکرانے سے رگڑ کر ختم ہو جاتے۔ چاند کی اس مناسب کشش کی وجہ سے سمندروں کا پانی متحرک رہتا ہے اسی وجہ سے پانی صاف ہوتا رہتا ہے۔

❀ سورج اپنی غیر معمولی کشش سے ہماری زمین کو کھینچ رہا ہے اور زمین ایک مرکز گریز قوت کے ذریعے اس کی طرف کھنچ جانے سے اپنے آپ کو روکتی ہے۔ اس طرح وہ سورج سے دور رہ کر فضا کے اندر اپنا وجود باقی رکھے ہوئے ہے۔ اگر کسی دن زمین کی یہ قوت ختم ہو جائے تو وہ تقریباً 6000 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سورج کی طرف کھنچنا شروع ہو جائے گی اور چند ہفتوں میں سورج کے اندر اس طرح جا گرے گی جیسے کسی بہت بڑے الاؤ کے اندر کوئی تنکا گر جائے۔ (بحوالہ: سائنس اور قرآن از ہارون یحیٰ)

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ قَالَ وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ)) [رواہ مسلم: باب حِجَاجِ آدَمَ وَمُوْسٰى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ]

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوق کی تقدیریں لکھ دیں تھیں اور اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے قائم کیا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔

۳۔ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کے حکم سے وقت مقرر کے مطابق چل رہے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں تفصیل سے بیان فرماتا ہے۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا یقین رکھنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

آسمان کے بارے میں قرآنی معلومات: (یہاں ہم آسمان کے بارے میں چند آیات پیش کرتے ہیں)

۱۔ اللہ نے آسمانوں کو بغیر ستون کے قائم کیا۔ (الرعد:۲)

۲۔ اللہ نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔ (الانبیاء:۳۲)

۳۔ آسمان اور زمین آپس میں ملے ہوئے تھے۔ (الانبیاء:۳۰)

۴۔ اللہ نے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا۔ (البقرۃ:۲۲)

۵۔ پھر اللہ آسمان کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ دھویں کی صورت میں تھا۔ (حٰم السجدۃ:۱۱)

وَهُوَ	الَّذِیۡ	مَدَّ	الۡاَرۡضَ	وَجَعَلَ	فِیۡهَا	رَوَاسِیَ
اور وہ	وہ	اس نے بچھائی	زمین	اور اس نے بنایا	اس میں	پہاڑ
وَاَنۡهٰرًا ؕ	وَمِنۡ	كُلِّ	الثَّمَرٰتِ	جَعَلَ	فِیۡهَا	زَوۡجَیۡنِ
اور نہریں	اور سے	ہر قسم	پھل	اس نے بنایا	اس میں	جوڑے
اثۡنَیۡنِ	یُغۡشِی	الَّیۡلَ	النَّهَارَ ؕ	اِنَّ	فِیۡ	ذٰلِكَ
دو دو	وہ ڈھانپتا ہے	رات	دن	بلاشبہ	میں	اس
لَاٰیٰتٍ	لِّقَوۡمٍ	یَّتَفَكَّرُوۡنَ ۝				
البتہ نشانیاں	ان لوگوں کے لیے	وہ غور وفکر کرتے ہیں				

''اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور ندیاں بنائیں اور اس نے ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے پیدا کیے، وہ رات کو دن پر اوڑھا دیتا ہے، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور بہت سی نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں۔'' (۳)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

میخوں کی مانند پہاڑ:

ارضیات میں ''بل پڑنے'' (Folding) کا مظہر حالیہ دریافت شدہ حقیقت ہے۔ قشر ارض (Crust) میں بل پڑنے کی وجہ سے پہاڑی سلسلے وجود میں آئے ہیں۔ قشر ارض جس پر ہم رہتے ہیں، کسی ٹھوس چھلکے کی طرح ہے، جب کہ کرۂ ارض کی اندرونی پرتیں، (Layers) نہایت گرم اور مائع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زمین کا اندرون کسی بھی قسم کی زندگی کے لیے قطعاً غیر موزوں ہے۔ آج ہمیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ پہاڑوں کی قیام پذیری (Stability) کا تعلق، قشرِ ارض میں بل پڑنے کے عمل سے بہت گہرا ہے۔

ماہرین ارضیات کا کہنا ہے کہ زمین کا رداس (Radius) یعنی نصف قطر تقریباً ۶،۰۳۵ کلومیٹر ہے اور قشرِ ارض، جس پر ہم رہتے ہیں، اس کے مقابلے میں بہت پتلی ہے، جس کی موٹائی ۲ کلومیٹر سے لے کر ۳۵ کلومیٹر تک ہے۔ چونکہ قشرِ ارض بہت پتلی ہے، لہٰذا اس کے تھرتھرانے یا ہلنے کا امکان بھی بہت قوی ہے، اس میں پہاڑ خیمے کی میخوں کا کام کرتے ہیں جو قشرِ ارض کو تھام لیتی ہیں اور اسے قیام پذیری عطا کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں بھی عین یہی کہا گیا ہے:

﴿اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا ۝ وَّالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا ۝﴾ [النباء: ۶۔۷]

''کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے زمین کو فرش بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا۔''

یہاں عربی لفظ ''اوتاد'' کا مطلب بھی میخیں ہی نکلتا ہے، ویسی ہی میخیں جیسی کہ خیمے کو باندھے رکھنے کے لیے لگائی جاتی ہیں۔ ارضیاتی تہوں (Folds) یا سلوٹوں کی گہری پوشیدہ بنیادیں بھی یہی ہیں۔

Earth نام کی ایک کتاب ہے جو دنیا بھر کی کئی جامعات میں ارضیات کی بنیادی حوالہ جاتی نصابی کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کتاب کے مصنفین میں ایک نام ڈاکٹر فرینک پریس کا بھی ہے، جو ۱۲ سال تک امریکہ کی اکیڈمی آف سائنسز کے سربراہ رہے ہیں۔ اس کتاب میں وہ پہاڑوں کی وضاحت، کلہاڑی کے پھل جیسی شکل (Wedge Shape) سے کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ پہاڑ بذاتِ خود ایک وسیع تر وجود کا ایک چھوٹا حصہ ہوتا ہے۔ جس کی جڑیں زمین میں بہت گہرائی تک اُتری ہوتی ہیں۔ (ملاحظہ ہو: Earth از: پریس اور سلور

ڈاکٹر فرینک پریس کے مطابق، قشرِ ارض کی پائیداری اور قیام پذیری میں پہاڑ نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

پہاڑوں کے فائدے کی وضاحت کرتے ہوئے، قرآن پاک واضح طور پر یہ فرماتا ہے کہ انہیں اس لیے بنایا گیا ہے تاکہ یہ زمین کو لرزتے رہنے سے بچائیں:

﴿وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ﴾ [الانبیاء: ۳۱]

''اور ہم نے زمین میں پہاڑ جما دیے تاکہ وہ انہیں لے کر ڈھلک نہ جائے۔''

اسی طرح کے ارشادات سورۃ لقمان، آیت: ۱۰ اور سورۃ النحل اور آیت ۱۵ میں بھی وارد ہوئے ہیں۔ لہٰذا قرآن پاک کے فراہم کردہ بیانات جدید ارضیاتی معلومات سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہیں۔

پہاڑوں کو مضبوطی سے جما دیا گیا ہے:

سطح زمین متعدد ٹھوس ٹکڑوں، یعنی ''پلیٹوں'' میں بٹی ہوئی ہے جن کی اوسط موٹائی تقریباً ۱۰۰ کلومیٹر ہے۔ یہ پلیٹیں، جزوی طور پر پگھلے ہوئے حصے کے اوپر گویا تیر رہی ہیں، اس حصے کو (Aesthenosphere) کہا جاتا ہے۔ پہاڑ عموماً پلیٹوں کی بیرونی حدود پر پائے جاتے ہیں۔ قشر ارض، سمندروں کے نیچے ۵ کلومیٹر موٹی ہوتی ہے، جب کہ خشکی پر اس کی اوسط موٹائی ۳۵ کلومیٹر تک ہوتی ہے البتہ پہاڑی سلسلوں میں قشرِ ارض کی موٹائی ۸۰ کلومیٹر تک جا پہنچتی ہے، یہی وہ مضبوط بنیادیں ہیں جن پر پہاڑ کھڑے ہیں۔

پہاڑوں میں برکات:

اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو صرف میخوں کے طور پر ہی نہیں بنایا بلکہ ان میں بے شمار فوائد رکھ دیے ہیں۔ پہاڑوں پر برف جمتی ہے جو اللہ کی طرف سے پانی ذخیرہ کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ پہاڑوں میں چشمے جاری ہوتے ہیں۔ جو صاف شفاف پانی کا وسیلہ ہیں۔ تمام دریاؤں کا آغاز پہاڑوں سے ہوتا ہے۔ پہاڑوں میں بے شمار قسم کی معدنیات پائی جاتی ہیں جو زمین کی پیداوار سے ہزاروں گنا قیمتی ہیں۔ پہاڑوں میں سونے کے ذخائر اور بے شمار قسم کے قیمتی پتھر بھی پائے جاتے ہیں۔

وَفِي	الْاَرْضِ	قِطَعٌ	مُّتَجٰوِرٰتٌ	وَّجَنّٰتٌ	مِّنْ	اَعْنَابٍ
اور میں	زمین	قطعات	ایک دوسرے کے قریب	اور باغات	سے	انگوروں
وَّ	زَرْعٌ	وَّنَخِيْلٌ	صِنْوَانٌ	وَّغَيْرُ	صِنْوَانٍ	يُّسْقٰى
اور	کھیتیاں	اور کھجوریں	جڑ سے ملی ہوئی	اور علاوہ	جدا	وہ سیراب کی جاتی ہیں
بِمَآءٍ	وَّاحِدٍ قف	وَنُفَضِّلُ	بَعْضَهَا	عَلٰى	بَعْضٍ	فِي
پانی	ایک	اور ہم فضیلت دیتے ہیں	ان کے بعض	پر	بعض	میں
الْاُكُلِ ط	اِنَّ	فِيْ	ذٰلِكَ	لَاٰيٰتٍ	لِّقَوْمٍ	يَّعْقِلُوْنَ ۝
کھانا	بے شک	میں	وہ	البتہ نشانیاں	ان لوگوں کے لیے	وہ عقل رکھتے ہیں

''اور زمین کے ایک دوسرے سے ملے ہوئے مختلف ٹکڑے ہیں اور انگوروں کے باغ اور کھیتیاں اور کھجور کے درخت ہیں۔ بہت سے تنوں والے اور ایک تنے والے بھی جنھیں ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور ہم ان میں سے ایک دوسرے کو پھل میں فوقیت دیتے ہیں۔ اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں۔'' (۴)

فہم القرآن

ربط کلام: پہاڑوں کے بعد نباتات کا بیان جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر ہونے کے ساتھ لوگوں کے لیے خوراک اور بے شمار فوائد کی حامل ہے۔

قرآن مجید نے پہلی دفعہ لوگوں کے سامنے یہ حقیقت پیش کی کہ جس طرح جاندار چیزوں کے جوڑے ہیں ویسے ہی پودوں، درختوں اور پوری نباتات کے جوڑے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے پھولوں کے بھی جوڑے پیدا کیے گئے ہیں۔ ایک ہی قسم کا پھل ہونے کے باوجود کوئی میٹھا ہے، کوئی کڑوا، کوئی ترش اور کوئی پھیکا ہے۔ ایک ناقص ہے اور ایک اعلیٰ قسم کا اور نہایت قیمتی اور مفید ہے۔ پرانے زمانے کے انسان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ پودوں میں بھی جانوروں کی طرح نر اور مادہ ہوتے ہیں۔ البتہ جدید نباتیات کا علم یہ بتاتا ہے کہ ہر پودے کی نر اور مادہ صنف ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ پودے جو یک صنفی (Unisexual) ہوتے ہیں ان میں بھی نر اور مادہ کے امتیازی اجزا اکیجا ہوتے ہیں۔ کھجور کے بارے میں تفصیلات کے لیے دیکھیں (فہم القرآن جلد۲ صفحہ۔۴۰۰)

نباتات میں جوڑے:

﴿وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى﴾ [طٰہٰ:۵۳]

''اور اوپر سے پانی برسایا اور پھر اس کے ذریعہ سے مختلف اقسام کی پیداوار (جوڑا جوڑا) نکالی۔''

پھلوں میں جوڑے:

﴿وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ [الرعد:۳]

''اسی نے ہر طرح کے پھلوں میں جوڑے پیدا کیے ہیں۔''

اعلیٰ درجہ کے پودوں (Superior Plants) میں نسل خیزی کی آخری پیداوار اُن کے پھل (Fruits) ہوتے ہیں۔ پھل سے پہلے پھول کا مرحلہ ہوتا ہے جس میں نر اور مادہ اعضا (Organs) یعنی اسٹیمنز (Stamens) اور اوویولز (Ovules) ہوتے ہیں جب کوئی زردانہ (Pollen) کسی پھول تک پہنچتا ہے، تبھی وہ پھول ''بارآور'' ہوکر پھل میں بدلنے کے قابل ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ پھل پک جاتا ہے اور (اُس پودے کی) اگلی نسل کو جنم دینے والے بیج سے لیس ہوکر تیارہ ہوجاتا ہے۔ لہٰذا تمام پھل اس امر کا پتا دیتے ہیں کہ (پودوں میں بھی) نر اور مادہ اعضا ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسی سچائی ہے جسے قرآن پاک بہت پہلے بیان فرما چکا ہے۔

پودوں کی بعض انواع غیر بارآور (Non Fertilized) پھولوں سے بھی پھل بن سکتے ہیں۔ (جنہیں مجموعی طور پر ''پارتھینو کارپک فروٹ'' کہا جاتا ہے) ان میں اناس، انجیر، نارنگی اور انگور وغیرہ کی بعض اقسام شامل ہیں۔ ان پودوں میں بھی بہت واضح صنفی خصوصیات (Sexual Characteristics) موجود ہوتی ہیں۔

ہر چیز کو جوڑوں میں بنایا گیا ہے:

﴿وَمِنۡ كُلِّ شَیۡءٍ خَلَقۡنَا زَوۡجَیۡنِ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ﴾[الذریت:۴۹]

''اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں شاید کہ تم اس سے سبق لو۔''

اس آیت مبارکہ میں ''ہر چیز'' کے جوڑوں کی شکل میں ہونے پر زور دیا گیا ہے۔ انسانوں، جانوروں، پودوں اور پھلوں کے علاوہ بہت ممکن ہے کہ یہ آیت مبارکہ بجلی کی طرف بھی اشارہ کر رہی ہو کہ جس میں ایٹم منفی باروالے الیکٹرونوں اور مثبت باروالے مرکزے پر مشتمل ہوتے ہی۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے جوڑے ہوسکتے ہیں۔

﴿سُبۡحَانَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَمِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَمِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴾[یٰس:۳۶]

''پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کیے خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود ان کی اپنی جنس (یعنی نوع انسانی) میں سے یا ان اشیا میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں۔''

یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر چیز جوڑوں کی شکل میں پیدا کی گئی ہے، جن میں وہ چیزیں بھی شامل ہیں جنہیں آج کا انسان نہیں جانتا اور ہوسکتا ہے کہ آنے والے کل میں انہیں دریافت کرلے۔

پودوں میں جنسی ملاپ: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں پھلوں کے بارے غور فرمائیں ایک کھجور کو ہی دیکھیں کس طرح نر و مادہ درختوں کے ذریعہ سے اس کی بے شمار قسمیں وجود میں آرہی ہیں اور اسی طرح دیگر فصلوں کی نئی نئی اقسام پیدا کی جاتی ہیں۔

مسائل

۱۔ زمین میں مختلف ٹکڑے ہیں۔ ۲۔ زمین میں انگوروں اور کھجوروں کے بہت سے درخت ہیں۔

۳۔ ایک ہی پانی سے سیراب ہونے والے درختوں کے پھل ذائقے کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔

۴۔ پھلوں میں ایک کو دوسرے پر برتری حاصل ہے۔ ۵۔ عقلمندوں کے لیے اللہ کی تخلیق میں نشانِ عبرت ہیں۔

وَاِنْ	تَعْجَبْ	فَعَجَبٌ	قَوْلُهُمْ	ءَ	اِذَا	كُنَّا
اور اگر	آپ تعجب کریں	پھر عجیب	ان کی بات	کیا	جب	ہم ہو جائیں گے
تُرٰبًا	ءَ اِنَّا	لَفِيْ	خَلْقٍ	جَدِيْدٍ ؕ	اُولٰٓئِكَ	الَّذِيْنَ
مٹی	کیا ہم	البتہ میں	پیدائش	نئی	یہ	وہ لوگ
كَفَرُوْا	بِرَبِّهِمْ ۚ	وَاُولٰٓئِكَ	الْاَغْلٰلُ	فِيْٓ	اَعْنَاقِهِمْ ۚ	
انہوں نے کفر کیا	اپنے رب کے ساتھ	اور یہ لوگ	طوق	میں	ان کی گردنوں	
وَاُولٰٓئِكَ	اَصْحٰبُ	النَّارِ ۚ	هُمْ	فِيْهَا	خٰلِدُوْنَ ۝	
اور یہی لوگ	والے	آگ	وہ	اس میں	ہمیشہ رہیں گے	

”اور اگر آپ تعجب کریں تو ان کا یہ کہنا بہت عجب ہے کہ ہم جب مٹی ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم ایک نئے سرے سے پیدا ہوں گے۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا اور یہی ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہی جہنمی ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“ (۵)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ اللہ تعالیٰ کی لاتعداد قدرتوں کو دیکھنے اور ان سے استفادہ کرنے کے باوجود یہ لوگ اس کی قدرت کا انکار کرتے ہیں کہ ہمارے مرنے کے بعد ہمیں کون اُٹھائے گا۔

یہ کتنی بڑی حقیقت ہے جس پر یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ ایک چھوٹے سے بیج سے کس قدر تناور درخت پیدا کرتا ہے، پھر غور کریں کہ کتنے بیج ہیں جو کئی سال تک زمین میں دفن رہتے ہیں لیکن اُگنے کا نام نہیں لیتے۔ جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے تو زمین سے نکل کر بڑے بڑے درختوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی طرح انسان کو متعین مدت کے بعد اُٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آفاق، جمادات اور نباتات کے حوالے سے اپنی صفات کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ کفار اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت اور صفات پر غور وفکر نہیں کرتے۔ اسی کا نتیجہ ہے یہ کہتے ہیں کہ ہم مرنے کے بعد مٹی ہو جائیں گے تو دوبارہ کس طرح اٹھائے جائیں گے۔ یہ بڑی نادانی اور حیرت انگیز بات ہونے کے ساتھ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کرنا ہے جو لوگ اللہ کی ذات اور صفات کا انکار کرتے ہیں قیامت کے دن ان کی گردنوں میں جہنم کے طوق پہنائے جائیں گے اور انہیں ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہنا ہوگا۔ دنیا میں بھی ایسے لوگوں کی زندگی بے یقینی کی کشمکش میں جکڑی رہتی ہے۔ توحید اور آخرت کا عقیدہ آپس میں اس طرح جڑے ہوئے اور لازم ملزوم ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کا دعوے دار ہے مگر آخرت کا انکار کرتا ہے تو اس کا صاف معنیٰ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو عادل، منصف اور جزا وسزا کا مالک تسلیم نہیں کرتا۔ حالانکہ

آخرت کا برپا ہونا اور ہر انسان کا اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر اپنے اعمال کا جواب دینا نہ صرف ہر آسمانی کتاب سے ثابت ہے بلکہ عام عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ قیامت کا دن ضرور برپا ہونا چاہیے تاکہ نیک کو اس کی نیکی اور برے کو اس کی برائی کا بدلہ چکایا جائے۔ اگر آخرت کا برپا ہونا یقینی نہ ہو تو دنیا میں کتنے ظالم ہوئے اور ہوں گے جنہیں منصف سے منصف عدالت بھی پوری پوری سزا نہیں دے سکتی۔ مثال کے طور پر ایک آدمی دس آدمیوں کو قتل کرتا ہے تو اسے عدالت ایک قتل کے بدلے قتل کر سکتی ہے باقی مقتولوں کی سزا اسے کس طرح دی جائے گی؟

ایسے ظالم کو صرف قیامت کے دن ہی ٹھیک ٹھیک سزا دی جا سکتی ہے کیونکہ وہاں موت کا تصور ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح دنیا میں کتنے ہی ایماندار اور صالح کردار لوگ ہوئے اور ہوں گے جنہیں دنیا میں ان کے کردار اور خدمات کا اس طرح صلہ نہ مل پایا جس کا وہ استحقاق رکھتے تھے۔ ایسے لوگوں کو مرنے کے بعد دائمی زندگی سے نوازتے ہوئے نہ صرف ان کے صالح کردار کا اجر دیا جائے گا بلکہ رب کریم اپنی طرف سے کئی گنا اجر عنایت فرمائے گا اور وہ ہمیشہ ہمیش جنت میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کریں گے ان دلائل کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی ذات اور صفات کو مانتا ہے اس کے لیے آخرت پر یقین رکھنا لازم ہے۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ ابْنُ جُدْعَانَ کَانَ فِی الْجَاھِلِیَّةِ یَصِلُ الرَّحِمَ وَیُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ فَھَلْ ذَاکَ نَافِعُهٗ قَالَ لَا یَنْفَعُهٗ إِنَّهٗ لَمْ یَقُلْ یَوْمًا رَبِّ اغْفِرْ لِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ))

[رواہ مسلم: باب الدَّلِیْلِ عَلٰی أَنَّ مَنْ مَّاتَ عَلَی الْکُفْرِ لَا یَنْفَعُهٗ عَمَلٌ]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! ابن جدعان جاہلیت میں صلہ رحمی کیا کرتا، مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا کیا یہ اعمال اُس کے لیے سود مند ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں کیونکہ اس نے ایک دن بھی نہیں کہا تھا اے میرے رب! میری خطائیں قیامت کے دن بخش دے۔“

مسائل

۱۔ آخرت کا انکار کرنے والے کافر ہیں۔ ۲۔ کفار بعث بعد الموت کے قائل نہیں۔

۳۔ کافروں کی گردنوں میں طوق پہنائے جائیں گے۔ ۴۔ کافر جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر بالقرآن

مرنے کے بعد جی اٹھنے کا ثبوت:

۱۔ تعجب کے قابل ان کی یہ بات ہے کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ (الرعد: ۵)

۲۔ مردوں کو اللہ تعالیٰ اٹھائے گا پھر اس کی طرف ہی لوٹائیں جائیں گے۔ (الانعام: ۳۶)

۳۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام کو اٹھائے گا اور ہر کسی کو اس کے اعمال کے متعلق بتلائے گا۔ (المجادلۃ: ۶)

وَيَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ	بِالسَّيِّئَةِ	قَبۡلَ	الۡحَسَنَةِ	وَقَدۡ	خَلَتۡ
وہ آپ سے جلدی طلب کرتے ہیں	ساتھ برائی	پہلے	بھلائی	اور تحقیق	گزر چکی ہیں
مِنۡ	قَبۡلِهِمُ	الۡمَثُلٰتُ ؕ	وَاِنَّ	رَبَّكَ	لَذُوۡ	مَغۡفِرَةٍ
سے	ان سے پہلے	مثالیں	اور بلاشبہ	آپ کا رب	البتہ والا	مغفرت
لِّلنَّاسِ	عَلٰى	ظُلۡمِهِمۡ ۚ	وَ	اِنَّ	رَبَّكَ	لَشَدِيۡدُ
لوگوں کے لیے	پر	ان کے ظلم	اور	بے شک	آپ کا رب	سخت
الۡعِقَابِ ۝	وَيَقُوۡلُ	الَّذِيۡنَ	كَفَرُوۡا	لَوۡ	لَاۤ	اُنۡزِلَ
سزا دینے والا	اور وہ کہتا ہے	وہ لوگ	انہوں نے کفر کیا	کیوں	نہیں	نازل کی گئی

''اور وہ آپ سے بھلائی سے پہلے برائی کا مطالبہ کرتے ہیں، حالانکہ ان سے پہلے کئی عبرت ناک مثالیں گزر چکیں ہیں اور بے شک آپ کا رب یقیناً لوگوں کے ظلم کے باوجود ان کے لیے بڑی بخشش والا ہے اور تیرا رب یقیناً بہت سخت سزا دینے والا ہے۔''(۶) ''اور جن لوگوں نے انکار کیا، کہتے ہیں اس کے

فہم القرآن

ربط کلام: آخرت کا منکر ہونے کی وجہ سے کفار جلد بازی کا مظاہرہ کر کے دنیا میں عذاب کا مطالبہ کیا کرتے ہیں۔

آخرت کا انکار کرنے والے شخص میں خدا خوفی کا تصور بالآخر ختم ہو جاتا ہے۔ جس کی بنا پر اس سے ایسے گناہ اور جرائم سرزد ہوتے ہیں جس کا ایماندار شخص تصور بھی نہیں کر سکتا۔ آخرت کے انکار کی وجہ سے کفار جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ سے بار بار یہ مطالبہ کرتے تھے کہ اگر تو واقعی اللہ کا پیغمبر اور یہ قرآن من جانب اللہ ہے تو اس کا انکار کرنے کی وجہ سے ہم پر عذاب نازل کیوں نہیں ہوتا۔ قرآن مجید نے کفار کے اس مطالبے کا مختلف انداز میں جواب دیا ہے۔ یہاں اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے رسول ﷺ! یہ لوگ کس قدر ناعاقبت اندیش ہیں۔ نیکی کی بجائے برائی اچھائی کی بجائے خرابی میں عجلت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ ان سے پہلی اقوام جنہوں نے عذاب کا مطالبہ کیا ان کا انجام کیسا ہوا۔ آخرت کے منکر اپنے رب سے خیر اور اچھائی طلب کرنے کی بجائے بار بار آپ سے عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ان سے فرمائیں کہ عذاب لانا میرے اختیار میں نہیں مجھے تو اللہ تعالیٰ نے انتباہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ سو میں تمہیں مسلسل انتباہ کر رہا ہوں۔ اگر تم نے اپنی حالت نہ بدلی تو اللہ کا عذاب تمہیں آلے گا۔ انہیں یہ بھی فرمائیں کہ تم سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ

عَلَيْهِ	اٰيَةٌ	مِّنْ	رَّبِّهٖ ط	اِنَّمَآ	اَنْتَ	مُنْذِرٌ
اس پر	کوئی نشانی	سے	اس کا رب	صرف	تو	ڈرانے والا

وَّلِكُلِّ	قَوْمٍ	هَادٍ ۞
اور ہر	قوم	رہنمائی کرنے والا

رب کی طرف سے اس پر کوئی نشانی کیوں نہ اتاری گئی ؟ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما ہوتا ہے۔" (٧)

نے ہر قوم کے لیے ہادی مبعوث فرمائے تھے۔جن کے ساتھ ایسا ہی رویہ اختیار کیا جاتا رہا ہے۔رہی بات ان لوگوں کے فکر وعمل کی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے جرائم اس قدر زیادہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر سخت عذاب نازل کرے۔لیکن اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے گناہوں پر فوری پکڑنے کی بجائے اپنے فضل وکرم سے بار بار درگزر کرتا اور مہلت دیتا ہے۔اسی بنا پر انہیں ڈھیل پر ڈھیل دی جا رہی ہے جس سے فائدہ اُٹھانے کی بجائے یہ لوگ اس قدر دلیر ہو چکے ہیں کہ آپ سے عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں۔انہیں خبر ہونی چاہیے کہ آپ کا رب شدید گرفت کرنے والا ہے جب وہ کسی فرد یا قوم کو پکڑتا ہے تو پھر ولی کی ولایت اور کسی طاقتور کی طاقت مجرموں کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچا نہیں سکتی اس لیے انہیں اپنے سے پہلی اقوام کا انجام سامنے رکھنا چاہیے۔اے نبی تو انھیں اللہ کی پکڑ سے ڈرانے والے ہیں لہٰذا آپ انھیں ڈراتے جائیں ہر قوم کے لیے ایک ڈرانے والا ہوتا ہے۔

مسائل

١۔ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت مانگنے کی بجائے عذاب مانگتے ہیں۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی قوموں کو ان کے جرائم کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔ ٤۔ ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہوتا ہے۔

٥۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے ظلم کے باوجود درگزر کرنے والا ہے۔

٦۔ نبی کریم ﷺ کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا گیا۔

تفسیر بالقرآن

پہلی اقوام کا انجام:

١۔ یہ لوگ عذاب الٰہی میں جلدی کرتے ہیں حالانکہ اس سے پہلے عذاب آنے کے واقعات گزر چکے ہیں۔(الرعد:٦)

٢۔ تم سے پہلے لوگوں نے ظلم کیا تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔(یونس:١٣)

٣۔ اللہ نے بہت سی اقوام کو تباہ کیا۔(الانعام:٦) ٤۔ثمود زوردار آواز کے ساتھ ہلاک کیے گئے۔(الحاقۃ:٥)

٥۔ قومِ لوط پر جب ہمارا عذاب آیا تو ہم نے ان پر ان کی بستی کو اُلٹا کر پتھروں کی بارش کی۔(ھود:٨٢)

اَللّٰهُ	يَعْلَمُ	مَا	تَحْمِلُ	كُلُّ	اُنْثٰى	وَمَا
اللہ	وہ جانتا ہے	جو	وہ اُٹھاتی ہے	ہر ایک	مادہ	اور جو

تَغِيْضُ	الْاَرْحَامُ	وَمَا	تَزْدَادُ	وَكُلُّ	شَيْءٍ	عِنْدَهٗ	
کم کرتی ہے وہ	رحم	اور جو	وہ زیادہ کرتے ہیں	اور ہر ایک	چیز	اس کے ہاں	

بِمِقْدَارٍ ۝٨	عٰلِمُ	الْغَيْبِ	وَ	الشَّهَادَةِ	الْكَبِيْرُ	الْمُتَعَالِ ۝٩
ایک مقدار کے ساتھ	جاننے والا	پوشیدہ	اور	ظاہر	بہت بڑا	نہایت بلند

سَوَآءٌ	مِّنْكُمْ	مَّنْ	اَسَرَّ	الْقَوْلَ	وَمَنْ	جَهَرَ بِهٖ
برابر	تم میں سے	جو	آہستہ کہا	بات	اور جو	اس نے ظاہر کیا اس کے ساتھ

وَمَنْ	هُوَ	مُسْتَخْفٍ	بِالَّيْلِ	وَ	سَارِبٌ	بِالنَّهَارِ ۝١٠
اور جو	وہ	چھپنے والا	رات	اور	چلنے والا	دن

”اللہ جانتا ہے جو ہر مادہ اٹھائے ہوئے ہے اور رحم جو کچھ کم کرتے ہیں اور جو زیادہ کرتے ہیں اور اس کے ہاں ہر چیز کا اندازہ مقرر ہے۔“(۸) ”وہ غیب اور ظاہر کو جاننے والا، بہت بڑا اور نہایت بلند و بالا ہے۔“(۹) ”برابر ہے تم میں سے جو بات چھپا کر کرے یا اسے بلند آواز سے کرے اور رات کو چھپا ہوا ہے اور جو دن کو ظاہر پھرنے والا ہے۔“(۱۰)

فہم القرآن

ربط کلام: سابقہ آیت میں نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ ہادی ہیں لہٰذا لوگوں کو سمجھاتے جائیں۔ جہاں تک ان کے مال اور اعمال کا تعلق اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کی پیدائش کے وقت سے جانتا اور اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ اس عقیدہ کا تقاضا ہے کہ آدمی آخرت پر ایمان لائے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔

اللہ تعالیٰ انسان کو یہ باور کرواتا ہے کہ اے انسان! تجھے کسی وقت بھی یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ میں تیری حرکات وسکنات سے بے خبر ہوں بلکہ میں تجھے اس وقت سے جان رہا ہوں جب تیرا تخم ماں کے رحم میں داخل ہوا تھا۔ پرانی طب اور جدید میڈیکل سائنس اس بات پر متفق ہیں کہ جب میاں بیوی کا آپس میں ملاپ ہوتا ہے تو مرد کے مادہ منویہ میں جو جرثومے ہوتے ہیں وہ عورت کے بیضا سے مل کر رحم میں داخل ہو جاتے ہیں پھر ان کا آپس میں ملاپ ہوتا ہے جس سے انسان کی تخلیق کی ابتدا ہوتی ہے۔ قرآن مجید اس کی اجمالی تفسیر بیان کرتا ہے پھر یہ قرآن کی زبان میں نطفہ امشاج (مخلوط نطفہ) ماں کے رحم میں ایک محفوظ مقام پر جا کر ٹھہر جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس نطفہ کو لوتھڑے میں تبدیل کرتا ہے اس کے بعد اسے ایک گوشت کے

ٹکڑے کی شکل دیتا ہے، پھر اس میں نہایت ہی باریک اور لطیف ہڈیاں تیار کرتا ہے اور پھر اس کے بعد ہڈیوں کو گوشت پہنا تا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اسے انسان کی شکل میں پیدا کرتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ بہترین پیدا کرنے والا ہے۔ (المومنون:۱۴)

''پھر انسان دنیا میں اپنی عمر گزارنے کے بعد فوت کیا جاتا ہے پھر سب کے مرنے کے بعد اللہ قیامت کے دن سب کو اٹھائے گا۔'' (المومنون:۱۳ تا ۱۶)

دوسرے مقام پر اسے یوں بیان کیا ہے کہ'' اللہ کی ذات سے زمین وآسمان میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں، وہی ماؤں کے رحم میں تمہاری شکل وصورت بناتا ہے جس طرح وہ پسند کرتا ہے پس وہی معبودِ برحق ہے اور ہر چیز پر غالب حکمت والا ہے۔'' (آل عمران:۵ تا ۶)

''حضرت عبداللہ بن سالم اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غیب کی پانچ چابیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو قیامت کا علم ہے اور وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ رحم ﷺ مادر میں کیا ہے؟ کوئی نہیں جانتا کہ اس نے کل کیا کرنا ہے؟ اور کسی کو علم نہیں کہ اسے کس سرزمین پر موت آئے گی۔ یقیناً اللہ جاننے والا، خبر رکھنے والا ہے۔''

[رواہ البخاری : کتاب التفسیر، باب وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ]

مسائل

۱۔ ہر مادہ کا حمل اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ ۲۔ رِحم میں جو کمی وبیشی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس سے آگاہ ہے۔

۳۔ ہر چیز کی مقدار اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے۔

۵۔ رات کے اندھیروں اور دن کے اجالوں میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے علم میں ہے۔

تفسیر بالقرآن

غائب اور ظاہر کو جاننے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے:

۱۔ اللہ کے لیے غیب اور ظاہر برابر ہیں وہ ہر چیز کو جانتا ہے وہ پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے، بلند و بالا اور عالی شان والا ہے۔ (الرعد:۹)

۲۔ اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ اللہ پوشیدہ اور آہستہ کہی ہوئی بات کو جانتا ہے۔ (طٰہٰ:۷)

۳۔ اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو۔ (النحل:۱۹)

۴۔ اللہ آسمان وزمین کے رازوں سے واقف ہے۔ (الفرقان:۶)

۵۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے۔ (البقرۃ:۷۷)

لَهٗ	مُعَقِّبٰتٌ	مِّنْۢ	بَیْنِ	یَدَیْهِ	وَ	مِنْ
اس کے لیے	باری باری آنے والے فرشتے	سے	درمیان	اس کے سامنے	اور	سے
خَلْفِهٖ	یَحْفَظُوْنَهٗ	مِنْ	اَمْرِ	اللّٰهِ ؕ	اِنَّ	اللّٰهَ
اس کے پیچھے	وہ اس کی حفاظت کرتے ہیں	سے	حکم	اللہ	بے شک	اللہ
لَا	یُغَیِّرُ	مَا	بِقَوْمٍ	حَتّٰى	یُغَیِّرُوْا	مَا
نہیں	وہ بدلتا ہے	جو	لوگوں کے ساتھ	یہاں تک	وہ بدل لیں	جو
بِاَنْفُسِهِمْ ؕ	وَاِذَآ	اَرَادَ	اللّٰهُ	بِقَوْمٍ	سُوْٓءًا	فَلَا	مَرَدَّ
ان کے دل	اور جب	وہ ارادہ کرتا ہے	اللہ	قوم کے ساتھ	برائی	تو نہیں	کوئی پھیرنے والا
لَهٗ ۚ	وَمَا	لَهُمْ	مِّنْ	دُوْنِهٖ	مِنْ	وَّالٍ ⑪
اس کے لیے	اور نہیں	ان کے لیے	سے	سوائے	سے	کارساز

”اس کے لیے اس کے آگے اور اس کے پیچھے یکے بعد دیگرے مقرر کیے ہوئے نگران لگے ہوئے ہیں، جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ بے شک اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کو، یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو خود بدلے جو ان کے دلوں میں ہے اور جب اللہ کسی قوم پر مصیبت کا ارادہ کرلے تو اسے کوئی ہٹانے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں۔“ (۱۱)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ نے براہ راست بندے کی نگرانی کرنے کے علاوہ ہر انسان پر محافظ بھی مقرر کر رکھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ انسان کی ابتدا اور انتہا، اس کے ظاہر اور باطن سے پوری طرح باخبر ہے۔ اس نے ہر بات اپنے ہاں لوحِ محفوظ پر ثبت کر رکھی ہے۔ اس کے باوجود اس نے ہر انسان پر فرشتے تعینات کر رکھے ہیں جو اس کے تمام امور کی نگرانی کرتے ہیں۔ جن میں محافظ فرشتوں کے ساتھ کراماً کاتبین بھی ہیں۔ جو صبح و شام انسان کی تمام حرکات وسکنات کا اندراج کرتے ہیں اور ان کے ساتھ محافظ فرشتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہر انسان کے آگے پیچھے رہتے ہیں اور ہر انسان کی حفاظت کرتے ہیں۔ لیکن جب اللہ کا حکم غالب آتا ہے تو فرشتے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مقابلے میں پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ اس طرح انسان پر اللہ کا لکھا غالب آجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا۔ جب تک وہ اپنی حالت خود نہیں بدلتی۔ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو برے اعمال کے بدلے اس کے بُرے انجام میں مبتلا کرتا ہے تو پھر اس کے عذاب کو ٹالنے اور اس قوم کو بچانے والا کوئی نہیں ہوتا۔

اس فرمان کے مفسرین نے دو مفہوم اخذ کیے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنی عطا کردہ نعمت کو اس وقت تک زحمت میں تبدیل نہیں کرتا جب تک کوئی قوم اپنے کردار کی وجہ سے اسے تبدیل نہ کرے۔

۲۔ ''جب تک کوئی قوم اپنی حالت سنوارنے کی کوشش نہ کرے اللہ تعالیٰ بھی اس کی بُری عادت کو نیکی میں تبدیل نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کا اصول ہے کہ جو لوگ اس کے راستے میں کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے لیے ضرور راستے کھول دیتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ نیک کام کرنے والوں کا ساتھی ہے۔'' (الروم:۶۹)

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے کہ ''ہم نے انسان کو کفر و شرک کا راستہ بتلایا ہے یہ انسان کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرتا ہے۔'' (الدھر:۳)

اس فرمان سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے دلائل دیتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس وقت سے جانتا ہے جب یہ ماں کے رحم میں تھا اور اس سے انسان کی کوئی خفیہ اور ظاہر بات پوشیدہ نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ انسان کی راتوں اور دنوں سے واقف ہے۔ جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ جب تک انسان عقیدہ توحید کے تقاضے پورے نہیں کرتا اس وقت تک اس کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔

کراماً کاتبین کی ڈیوٹی:

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَتَعَاقَبُوْنَ فِیْکُمْ مَلَآئِکَۃٌ بِاللَّیْلِ وَمَلَآئِکَۃٌ بِالنَّھَارِ وَیَجْتَمِعُوْنَ فِیْ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَصَلٰوۃِ الْعَصْرِ ثُمَّ یَعْرُجُ الَّذِیْنَ بَاتُوْا فِیْکُمْ فَیَسْأَلُھُمْ رَبُّھُمْ وَھُوَ اَعْلَمُ بِھِمْ کَیْفَ تَرَکْتُمْ عِبَادِیْ فَیَقُوْلُوْنَ تَرَکْنٰھُمْ وَھُمْ یُصَلُّوْنَ وَاَتَیْنٰھُمْ وَھُمْ یُصَلُّوْنَ))

[رواہ البخاری: کتاب مواقیت الصلاۃ ،باب فَضْلِ صَلاَۃِ الْعَصْرِ]

''حضرت ابو ہریرۃ ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں رات اور دن کو آگے پیچھے فرشتے آتے ہیں۔ اور وہ فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں پھر رات والے فرشتے چلے جاتے ہیں تو ان سے پروردگار سوال کرتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا وہ جواب دیتے ہیں کہ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو وہ نماز ادا کر رہے تھے اور جب ہم ان سے واپس آئے تو وہ نماز ہی کی حالت میں تھے۔

☆☆☆

انسان پر ایک فرشتہ اور ایک شیطان مقرر ہے:

((عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهٖ قَرِيْنُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ قَرِيْنُهٗ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ قَالُوْا وَاِيَّاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَ اِيَّایَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِیْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ فَلَا يَاْمُرُنِیْ اِلَّا بِخَيْرٍ))[رواہ مسلم: کتاب صفة القيامة والجنة والنار، باب تحريش الشيطان وبعثه سراياه لفتنة الناس]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک جن اور ایک فرشتہ مقرر کیا گیا ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا کیوں نہیں لیکن اللہ نے اس پر میری مدد فرمائی جس سے وہ میرے تابع ہو چکا ہے۔ وہ مجھے نیکی کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی حفاظت کے لیے فرشتے کو مقرر کیا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ تب تلک کسی کے حالات نہیں بدلتا جب تک وہ خود تبدیل کرنے کا ارادہ نہ کرے۔

۳۔ اللہ کے عذاب کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی کسی کا مددگار نہیں ہوسکتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا عذاب اور اس کا حکم کوئی نہیں ٹال سکتا:

۱۔ جب اللہ کسی قوم پر مصیبت نازل کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں اور نہ کوئی بچانے والا ہے۔(الرعد:۱۱)

۲۔ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں۔(الرعد:۳۴)

۳۔ اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا اور انہیں کوئی بچانے والا نہیں تھا۔(المومن:۲۱)

۴۔ اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچ سکتا مگر جس پر اللہ رحم فرمائے۔(ہود:۴۳)

۵۔ قومِ لوط پر نہ ٹلنے والا عذاب آیا ہے۔(ھود:۷۶) ۶۔ اللہ کی گرفت بہت سخت ہوا کرتی ہے۔(البروج:۱۲)

هُوَ	الَّذِیْ	یُرِیْكُمُ	الْبَرْقَ	خَوْفًا	وَّ طَمَعًا	وَّ یُنْشِئُ
وہ	جو	وہ تمھیں دکھاتا ہے	بجلی	ڈرانا	اور امید دلانا	اور وہ پیدا کرتا ہے
السَّحَابَ		الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾	وَ یُسَبِّحُ	الرَّعْدُ	بِحَمْدِهٖ	وَ الْمَلٰٓئِكَةُ
بادل		بھاری	اور وہ تسبیح بیان کرتا ہے	گرج	اس کی حمد کے ساتھ	اور فرشتے
مِنْ	خِیْفَتِهٖ	وَ یُرْسِلُ	الصَّوَاعِقَ	فَیُصِیْبُ	بِهَا	مَنْ
سے	اس کے خوف	اور وہ بھیجتا ہے	کڑکتی بجلیاں	پھر وہ پہنچاتا ہے	اس کے ساتھ	جس پر
یَّشَآءُ	وَهُمْ	یُجَادِلُوْنَ	فِی	اللّٰهِ	وَهُوَ	شَدِیْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾
وہ چاہتا ہے	اور وہ	وہ جھگڑا کرتے ہیں	میں	اللہ	اور وہ	شدید قوت والا

”وہی ہے جوتمہیں بجلی دکھاتا ہے، ڈرانے اور امید دلانے کے لیے اور بھاری بادل پیدا کرتا ہے۔“(۱۲) ”اور بجلی اس کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے۔ اور کڑکنے والی بجلیاں بھیجتا ہے پھر انہیں جن پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے، جبکہ وہ اللہ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور وہ بہت سخت قوت والا ہے۔“(۱۳)

فہم القرآن

ربط کلام: پہلی آیات میں یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی ابتدا، انتہا سے باخبر ہے اور اسی نے انسان پر نگران مقرر کیے ہوئے ہیں۔

اب ارشاد ہوتا ہے، کہ وہی ذات ہے جو تمہیں آسمان سے گرجتی اور چمکتی ہوئی بجلی دکھاتا ہے۔ جس کے گرجنے چمکنے سے تم سہمے جاتے ہو، اس حال میں کہ اپنے دلوں میں بارش کی امید لیے ہوئے ہوتے ہو۔ وہی فضا اور ہوا میں بھاری بھر کم بادلوں کو اٹھائے اور چلائے رکھتا ہے۔ جس بجلی کی کڑک سے تم ڈرتے ہو۔ درحقیقت وہ اپنی زبان میں اپنے رب کی حمد کرتی ہے اور فرشتے اپنے رب سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں۔ اللہ جہاں چاہتا ہے بجلی کو گرنے کا حکم صادر کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر تدبیر اور منصوبہ بندی کرنے والا ہے۔ لیکن مشرکوں اور منکروں کی حالت یہ ہے کہ وہ پھر بھی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں۔ کافر اللہ تعالیٰ کی ذات کا منکر ہوتا ہے اور مشرک اللہ تعالیٰ کو ماننے کے باوجود اس کی صفات میں دوسروں کو شریک کرتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں جھگڑا کرنے کے مترادف قرار دیا ہے حالانکہ مشرک اور کافر جانتے ہیں کہ زمین و آسمان کو بنانے والا شمس و قمر کو تسخیر کرنے والا، پہاڑوں کو نصب کرنے والا اور ان کے درمیان دریا بہانے والا۔ پانی سے مختلف قسم کے پھل پیدا کرنے والا اور انسان کو اس کی ماں کے رحم سے لے کر موت تک پالنے اور اس کی نگرانی کرنے والا۔ موت کے بعد اٹھا کر محشر میں اپنے سامنے کھڑا کرنے والا صرف ایک اللہ ہے۔ ان تمام

کاموں اور امور میں زمین و آسمان میں کوئی ہستی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک و سہیم ہو۔ مشرک یہ حقیقت جاننے کے باوجود باطل معبودوں کے بارے میں بحث و تکرار کرتا ہے اور کافر اتنی بڑی حقیقت کا انکار کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتا۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ أَقْبَلَتْ يَهُودُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوا يَا أَبَا الْقَاسِمِ أَخْبِرْنَا عَنِ الرَّعْدِ مَا هُوَ قَالَ مَلَكٌ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُوَكَّلٌ بِالسَّحَابِ مَعَهُ مَخَارِيقُ مِّنْ نَارٍ يَّسُوقُ بِهَا السَّحَابَ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ فَقَالُوا فَمَا هٰذَا الصَّوْتُ الَّذِي نَسْمَعُ قَالَ زَجْرُهُ بِالسَّحَابِ إِذَا زَجَرَهُ حَتّٰى يَنْتَهِيَ إِلَى حَيْثُ أُمِرَ قَالُوا صَدَقْتَ))[رواه الترمذی: کتاب التفسیر، باب ومن سورة الرعد وهو حديث صحيح]

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہودی نبی ﷺ کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا اے ابوالقاسم! ہمیں کڑک کے بارے میں خبر دیجئے کہ وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا فرشتوں میں سے ایک فرشتہ بادلوں پر مقرر ہے۔ اس کے پاس آگ کے کوڑے ہوتے ہیں۔ وہ ان کے ساتھ بادلوں کو ہانکتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے۔ انہوں نے کہا وہ آواز کیا ہے جو ہم سنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ فرشتہ بادلوں کو چلاتا ہے یہاں تک کہ وہ اس جگہ پہنچ جاتے ہیں جہاں ان کو حکم دیا جاتا ہے۔ یہودیوں نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔''

مسائل

۱۔ آسمانوں سے بجلیوں کی چمک دکھانے والا اور بھاری بادلوں کو بلند کرنے والا اللہ ہے۔

۲۔ آسمانی بجلی بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہے۔ ۳۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ جب اور جہاں چاہے بجلیاں گرا دیتا ہے۔ ۵۔ لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کر رہی ہے:

۱۔ رعد اس کی حمد و تسبیح بیان کرتی ہے۔ (الرعد: ۱۲)

۲۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ (الحدید: ۱)

۳۔ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں۔ (نبی اسرائیل: ۴۴)

۴۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد بیان کرتے ہیں اور مومنوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ (الشوریٰ: ۵)

۵۔ مومن اللہ کی حمد اور تسبیح بیان کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔ (السجدة: ۱۵)

لَهٗ	دَعْوَةُ	الْحَقِّ ؕ	وَالَّذِيْنَ	يَدْعُوْنَ	مِنْ	دُوْنِهٖ
اسی کے لیے	پکارنا	سچا	اور وہ لوگ	وہ پکارتے ہیں	سے	اس کے سوائے
لَا	يَسْتَجِيْبُوْنَ	لَهُمْ	بِشَيْءٍ	اِلَّا	كَبَاسِطِ	
نہیں	وہ جواب دیتے	ان کے لیے	بھی	مگر	جیسے پھیلانے والا ہو	
كَفَّيْهِ	اِلَى	الْمَآءِ	لِيَبْلُغَ	فَاهُ	وَمَا	هُوَ
اپنی دونوں ہتھیلیاں	طرف	پانی	تا کہ وہ پہنچے	اس کے منہ	اور نہیں	وہ
بِبَالِغِهٖ ؕ	وَمَا	دُعَآءُ	الْكٰفِرِيْنَ	اِلَّا	فِيْ	ضَلٰلٍ ١٤
پہنچنے والا اس تک	اور نہیں	پکارنا	کافروں	مگر	میں	گمراہی

''اسی کو پکارنا حق ہے اور جن کو اس کے سوا پکارتے ہیں وہ ان کی دعا قبول نہیں کرتے مگر اس شخص کی طرح جو اپنی دونوں ہتھیلیاں پانی کی طرف پھیلانے والا ہے، تا کہ وہ اس کے منہ تک پہنچ جائے، حالانکہ پانی اس تک ہرگز پہنچنے والا نہیں اور نہیں ہے کافروں کا پکارنا مگر سراسر بے سود۔'' (۱۴)

فہم القرآن

ربط کلام: کافر اور مشرک کو توحید کے ٹھوس دلائل دینے کے بعد اسے دعوت دی گئی ہے کہ وہ صرف ایک اللہ کو پکارے۔ لہٰذا ذاتِ حق اور اس کی بات پر ایمان لاؤ۔

مشرک کا غیر اللہ کو پکارنا اس قدر بے فائدہ اور بے حیثیت ہے جس طرح کوئی شخص نہر یا کنویں کے کنارے کھڑا ہو کر پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر آواز پر آواز دے کہ اے پانی میری پیاس بجھا دے لیکن وہ پانی کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا ایسا شخص پانی کے کنارے کھڑا ہو کر تڑپ تڑپ کر مر سکتا ہے مگر پانی اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہی صورتِ حال مشرک کی ہوتی ہے اس کی اپنے معبودوں کے سامنے آہ و پکار گمراہی کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ مشرک بظاہر اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے لیکن حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا منکر ہوتا ہے اس لیے یہاں لفظ کافر استعمال کیا گیا ہے۔ پہلے پارہ میں دین اسلام کو بارش کے ساتھ تشبیہ دی گئی جس میں اندھیرے بجلی اور گرج چمک بھی ہوا کرتی ہے۔ اس حالت میں لوگ موت کے ڈر کی وجہ سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں اسلام کے بارے میں منافق کا یہی رویہ ہوتا ہے۔ (البقرۃ:۱۹)

یہاں عقیدۂ توحید کی مثال پانی کے ساتھ دی گئی ہے جس میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں جس طرح پانی کے بغیر انسان کی زندگی محال ہے اسی طرح عقیدۂ توحید کے بغیر انسان روحانی طور پر مردہ ہوتا ہے۔ پانی کے بغیر کوئی چیز نشو ونما نہیں پا سکتی عقیدۂ توحید کے بغیر انسان کا کوئی عمل شرفِ قبولیت نہیں پا سکتا۔ جس طرح پانی کے کنارے کھڑا ہوا انسان کوشش کے بغیر پانی نہیں پی سکتا اسی

طرح عقیدہ توحید سمجھنے کے لیے توجہ اور کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح پانی پینے سے پیاسے کی روح تازہ ہو جاتی ہے اسی طرح توحید کے دلائل سے مومن کی روح میں نشاط پیدا ہوتی ہے۔ اس مثال سے یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں ان کی پکار سوائے پکار کے کچھ نہیں۔ کیونکہ نہ فوت شدگان سنتے ہیں، نہ پتھر اور لکڑی کے بت سن سکتے ہیں۔ قرآن میں دوسری جگہ ایک اور مثال کے ذریعے یوں بیان کیا گیا ہے: اے لوگو تمہاری سامنے ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے پوری توجہ کے ساتھ سنو جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ سب کے سب اکٹھے ہو کر بھی ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے مکھی پیدا کرنا تو درکنار اگر مکھی ان سے کوئی چیز اٹھا لے جائے تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتے۔ لہٰذا مدد کے طالب اور جن سے مدد طلب کی جاتی ہے یہ سب کے سب کمزور ہیں درحقیقت ایسے لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں پہچانی جس طرح پہچاننی چاہیے تھی یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور اور ہر چیز پر غالب ہے۔ (الحج: ۷۳تا۷۴)

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنَا اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْكِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَكَ فِیْهِ مَعِیَ غَیْرِیْ، تَرَکْتُهٗ وَشِرْکَهٗ وَفِیْ رِوَایَةٍ فَاَنَا مِنْهُ بَرِیْءٌ هُوَ لِلَّذِیْ عَمِلَهٗ)) [رواہ مسلم، باب من اشرك فی عمله غیر اللّٰه]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے میں شریکوں کے شرک سے پاک ہوں۔ جو شخص بھی کوئی شرکیہ عمل کرتا ہے، میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے تو میں اس کو اور اس کے شرک کو مسترد کر دیتا ہوں۔ دوسری روایت میں ہے کہ میں اس سے بری ہوں اور اس نے جو عمل جس کے لیے کیا وہ اسی کے لیے ہے۔“

مسائل

۱۔ پکارنے کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ۲۔ پانی پانی کہنے سے پانی منہ میں نہیں آسکتا۔

۳۔ فوت شدگان اور بت کسی کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے۔ ۴۔ کافروں کا پکارنا بے کار ہی جاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مشرک کی عبادت اور پکار کی کوئی حیثیت نہیں:

۱۔ کافروں کی پکار بے اثر ہے۔ (الرعد: ۱۴)

۲۔ کافروں کی پکار بے کار ہی جائے گی۔ (المومن: ۵۰)

۳۔ معبودانِ باطل اپنے چاہنے والوں کی عبادت کا انکار کر دیں گے۔ (مریم: ۸۲)

۴۔ اگر تم انھیں پکارو تو وہ تمھاری پکار کو نہیں سنتے اگر سن لیں تو جواب نہیں دے سکتے۔ (فاطر: ۱۴)

وَلِلّٰهِ	يَسْجُدُ	مَنْ	فِي	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ	طَوْعًا
اوراللہ کے لیے	وہ سجدہ کرتا ہے	جو	میں	آسمانوں	اورزمین	خوشی
وَّ	كَرْهًا	وَّظِلٰلُهُمْ	بِالْغُدُوِّ	وَالْاٰصَالِ ۞ السجدۃ ⑮		
اور	ناخوشی	اوران کے سائے	صبح	اورشام		

''اورآسمانوں اورزمین میں جوبھی ہے خوشی اورناخوشی اللہ ہی کوسجدہ کررہا ہے، اوران کے سائے بھی صبح اورشام سجدہ کرتے ہیں۔'' (۱۵)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سے پہلے مشرک کے شرک کی بے حیثیتی بیان کی گئی اوراب کافر کے کفرکو بے حیثیت قراردیا جارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات یااس کی کسی صفت کاانکار کرنے والاشخص اس قدر نافرمان اور باغی طبیعت کاہوتا ہے۔ کہ وہ زمین و آسمان کی ہر چیز کے مخالف سمت میں چلنے کی کوشش کرتا ہے۔اسی بات کو یہاں سمجھایا گیا ہے کہ اللہ وہ ذاتِ کبریا ہے۔جس کے سامنے زمین وآسمان کی ہر چیز طوعاً، کرہاً سجدہ ریز ہوتی ہے یہاں تک کہ ان کے سائے بھی صبح وشام اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتے ہیں۔سجدہ سے مراد حقیقی سجدہ بھی ہوسکتا ہے جو ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم اوراس کے مقرر کردہ اصول کے مطابق اپنے اپنے مقام پر سجدہ کررہی ہے جسے انسان کے لیے دیکھنااورسمجھنا مشکل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کافرمان ہے کہ زمین وآسماں کی ہر چیز اس کی حمد وثنا کرتی ہے مگر انسان ان کی حمد کونہیں سمجھ سکتے۔(بنی اسرائیل:۴۴)

یہاں سجدہ سے مراد اکثر مفسرین نے جھکنا اورتابعداری لی ہے۔قرآن مجید کے الفاظ سے دونوں مفہوم لیے جاسکتے ہیں۔جہاں تک ہر چیز کے سایہ کاسجدہ کرنا ہے۔ظاہر ہے کہ ہر چیز کاسایہ صبح کے وقت مغرب کی جانب اورمغرب کے وقت مشرق کی جانب اوپر سے نیچے کی طرف آتااورزمین پر پھیلتا ہے۔جودرحقیقت اپنے رب کے حضور سجدہ کرنا ہے۔ہر چیز کے سجدہ کے بارے میں طوعًا، کرھًا کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔''طوعًا'' کامعنی ہے خوشی اورورغبت کے ساتھ جھکنااورسجدہ کرنا۔کافر کے سوا کائنات کی ہر چیز دل کی اتھاہ گہرائیوں اوراپنی فطرت کے مطابق اپنے خالق ومالک کوسجدہ کرنے کے ساتھ اس کی اطاعت میں لگی ہوئی ہے۔ صرف انسان ہی اس قدر باغی اورسرکش ہوجاتا ہے جواپنے رب کی فرمانبرداری اوراس کے سامنے سجدہ کرنے سے گریز کرتا ہے۔اگر کوئی شخص کلمہ پڑھ کربھی اللہ تعالیٰ کاحکم نہیں مانتااوراس کے حضور پانچ وقت نمازادانہیں کرتا تواس کے بارے میں اہل علم متفق ہیں کہ ایسے شخص کارویہ کفرکرنے کے مترادف سمجھا جائے گا۔لیکن کافر کفر کرنے کے باوجود پوری زندگی بے شمار کاموں میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے جھکنے پر مجبور رہتا ہے۔جس میں مرنا، جینا، سونا، جاگنا، بیماری اورمشکل میں مبتلا ہونا۔یہاں تک کہ صحت، زندگی اوررزق کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے بے بس ہے۔اس طرح مجبوراً کافر بھی اللہ تعالیٰ کی

اطاعت کرنے پر مجبور ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ''کرھا'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

((عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم حِیْنَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ اَتَدْرِیْ اَیْنَ تَذْھَبُ ھٰذِہٖ قُلْتُ اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّھَا تَذْھَبُ حَتّٰی تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَسْتَاْذِنُ فَیُؤْذَنُ لَھَا وَیُوْشِكُ اَنْ تَسْجُدَ وَلَا تُقْبَلُ مِنْھَا وَتَسْتَاْذِنُ فَلَا یُؤْذَنُ لَھَا وَیُقَالُ لَھَا اِرْجِعِیْ مِنْ حَیْثُ جِئْتِ فَتَطْلُعُ مِنْ مَّغْرِبِھَا فَذَالِكَ قَوْلُہٗ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا قَالَ مُسْتَقَرُّھَا تَحْتَ الْعَرْشِ))

[رواہ البخاری: کتاب بدأ الخلق باب صِفَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ]

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تجھے معلوم ہے جب سورج غروب ہوتا ہے تو کہاں جاتا ہے؟ میں نے کہا' اللہ اور اس کے رسول کو علم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورج عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے اور اجازت طلب کرتا ہے۔ اسے اجازت مل جاتی ہے قریب ہے کہ وہ سجدہ کرے گا اور اس کا سجدہ قبول نہ ہو وہ طلوع ہونے کی اجازت طلب کرے گا اس کو اجازت نہ ملے بلکہ اسے حکم ہو جدھر سے آیا اسی طرف سے طلوع ہو جا۔ چنانچہ سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورج اپنے مستقر کی طرف چلا جاتا ہے آپ نے فرمایا اس کا ٹھکانا عرش کے نیچے ہے۔''

انسان کو ''اللہ'' کی عبادت کا حکم:

''اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔'' (البقرۃ:۲۱)

''نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔'' (۴۳)

''اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔'' (الحجر:۹۹)

مسائل

۱۔ زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے۔ ۲۔ ہر چیز کا سایہ بھی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہر چیز تسبیح کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے:

۱۔ زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ کو سجدہ کرتی ہے۔ (الرعد:۱۵) ۲۔ اللہ کو زمین وآسمان کی ہر چیز سجدہ کرتی ہے۔ (النحل:۴۹)

۳۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ کو زمین وآسمان کی ہر چیز سجدہ کرتی ہے۔ (الحج:۱۸)

۴۔ ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن انسان اس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ (بنی اسرائیل:۴۴)

۵۔ زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے وہ غالب، حکمت والا ہے۔ (الحشر:۱)

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ

کہہ دیجیے کون رب آسمانوں اور زمین فرما دیجیے اللہ

قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ

آپ فرمادیں کیا پھر تم نے پکڑے ہیں سے اس کے سوا حمایتی نہیں وہ اختیار رکھتے

لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي

اپنے نفسوں کے لیے نفع اور نہ نقصان فرما دیجیے! کیا برابر ہوتا ہے

الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ

اندھا اور دیکھنے والا یا کیا برابر ہوتے ہیں اندھیرے

”پوچھیں آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ فرمادیں اللہ ہے۔ فرمائیں پھر کیا تم نے اس کے سوا حمایتی بنا رکھے ہیں جو اپنے آپ کے نہ نفع کے مالک ہیں اور نہ نقصان کے؟ فرمادیں کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہوتے ہیں؟ یا کیا اندھیرے

فہم القرآن

ربط کلام: ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے اور اس کے سامنے سجدہ ریز اور اس کی فرمانبرداری میں لگی ہوئی ہے مگر کافر اور مشرک اللہ تعالیٰ کی خالص فرمانبرداری سے گریز کرتے ہیں۔ اس لیے ان سے چند سوال کیے گئے ہیں۔

کافر اور مشرک اس لحاظ سے برابر ہیں کہ کافر مجبور ہو کر اللہ تعالیٰ کا اقرار کرتا ہے اور مشرک انتہائی مشکل کے وقت خالصتاً اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے گویا کہ مشرک اور کافر اپنے اپنے انداز میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا مجبوراً اقرار کرتے ہیں۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ کو ارشاد ہوا کہ آپ ان لوگوں سے استفسار فرمائیں کہ زمین و آسمان کا رب کون ہے؟ اگر یہ خاموشی اختیار کریں تو آپ انہیں فرمائیں کہ صرف ایک اللہ ہی زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا ہے۔ مشرکین سے پھر پوچھیے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اپنا خیر خواہ اور کارساز سمجھ لیا ہے جو اپنے بارے میں نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ کیا اندھا اور دیکھنے والا اندھیرے اور روشنی برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا جن کو اللہ کا شریک بنایا جاتا ہے انہوں نے کوئی ایسی چیز پیدا کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیز کے مشابہ ہو؟ اگر یہ لوگ ان باتوں کا جواب نہیں دیتے تو آپ ضرور جواب دیں کہ اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور اکیلا ہی قہار اور زبردست ہے۔ اس فرمان میں مشرکین سے براہ راست تین سوال کیے گئے ہیں کہ زمین و آسمان کا رب کون ہے؟ کیونکہ ہر دور کے مشرک کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے۔ لہٰذا ان کی خاموشی کو ہاں سمجھتے ہوئے اگلا سوال کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اس سوال کا جواب مشرکین کی طرف سے یوں دیا گیا ہے۔

وَالنُّوْرُ	اَمْ	جَعَلُوْا	لِلّٰهِ	شُرَكَآءَ	خَلَقُوْا	كَخَلْقِهٖ
اور روشنی	کیا	انھوں نے بنائے	اللہ کے لیے	شریک	انھوں نے پیدا کیا	اس کے پیدا کرنے کے مانند
فَتَشَابَهَ	الْخَلْقُ	عَلَيْهِمْ	قُلِ	اللّٰهُ	خَالِقُ	كُلِّ
لہٰذا مشتبہ ہوگئی	پیدائش	ان پر	کہہ دیجیے	اللہ	پیدا کرنے والا ہے	ہر
شَيْءٍ	وَّهُوَ	الْوَاحِدُ	الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾			
چیز	اور وہ	یکتا ہے	نہایت غالب ہے			

اور روشنی برابر ہوتے ہیں؟ کیا انہوں نے اللہ کے ایسے شریک بنا رکھے ہیں جنہوں نے اس کے پیدا کرنے کی طرح کچھ پیدا کیا ہے تو پیدائش ان پر گڈمڈ ہوگئی ہے؟ فرمادیجئے اللہ ہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اور وہ ایک ہے اور بہت زبردست ہے۔" (۱۶)

۱۔ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا سورج اور چاند کو کس نے مسخر فرمایا؟ ان کا جواب ہوگا کہ زمین و آسمان اللہ ہی نے پیدا کیے ہیں اور چاند، سورج کو بھی اسی نے مسخر کیا ہے۔ اس اقرار کے باوجود یہ لوگ کیوں بہک چکے ہیں۔

۲۔ ان سے سوال کیا گیا کہ کون آسمان سے بارش نازل فرما کر مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے۔ اس کا جواب بھی ان کی طرف سے یہی تھا اور ہے کہ صرف اللہ ہی سب کچھ کرتا ہے اے نبی! فرمائیں کہ سب کچھ اللہ ہی کرتا ہے تو پھر یہ تم کیوں نہیں سمجھتے۔ (العنکبوت: ۶۱ تا ۶۳)

۳۔ ان سے یہ سوال کیا گیا کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے اس کا حقیقی مالک کون ہے؟ اگر تم جانتے ہو تو اس کا جواب دو۔ ان سے پوچھیے کہ پھر نصیحت حاصل کیوں نہیں کرتے؟

۴۔ ان سے پھر سوال کیجئے کہ ساتوں آسمان اور عرشِ عظیم کا رب کون ہے؟ ان کا جواب ہے کہ اللہ ہی ان کا رب ہے۔ فرمایئے کہ پھر کیوں شرک سے باز نہیں آتے۔

۵۔ سوال ہوا کہ ہر چیز کس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ کون ہر چیز کی حفاظت کرتا ہے؟ اللہ کے سوا اور کوئی ہے۔ مشرکین اس کا یہی جواب دیا کرتے ہیں کہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہر چیز کا کنٹرول ہے۔ فرمائیں کہ پھر کیا تمہیں جادو ہو گیا ہے کہ حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ (المومنون ۸۵ تا ۸۹)

مشرکین کے جواب کے بعد اب ان سے ان شریکوں کے بارے میں دو سوال کیے جاتے ہیں۔ کیا جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا خیر خواہ اور نفع ونقصان کا مالک سمجھتے ہو وہ اپنے نفع ونقصان کا اختیار رکھتے ہیں؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا' اندھیرے اور روشنی برابر ہو سکتے ہیں؟ ظاہر ہے یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے جب

توحید کی حقیقت اور شرک کا بے حیثیت ہونا ظاہر ہو چکا ہے تو پھر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات اور صفات کے حوالے سے ''وحدہ لاشریک'' کیوں نہیں سمجھتے ؟ کیا دنیا میں کوئی ایسی مخلوق ہے۔ جو ان کے معبودان باطل نے پیدا کی ہو یا یہ چیز اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ، کسی چیز کے مشابہ ہو۔ جس وجہ سے انہیں شرک اور توحید میں اختلاط نظر آتا ہے اور جسے سمجھنا ان کے لیے مشکل ہو چکا ہے۔ جس بنا پر یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسا ہرگز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا، بے شک اولیا، جنات یا ملائکہ ہوں کوئی بھی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی پیدا نہیں کرسکتا۔ لہٰذا اللہ ہی ہر چیز کا واحد خالق ہے اور وہ زبردست قدرت رکھنے والا ہے۔ یہاں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ توحید کا عقیدہ رکھنے والا شخص بینا ہے اور شرک کرنے والا اندھا ہے۔ کیونکہ اسے زبردست قدرت رکھنے والے اللہ کی قدرتیں دکھائی نہیں دیتیں۔ شرک ہر قسم کے اندھیرے ہیں اور توحید اللہ کا نور اور روشنی ہے۔ جو شخص اس روشنی کی تلاش کی جستجو کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے شرک و بدعت کے اندھیروں سے نکال کر توحید کی جلوہ گاہ میں پہنچنے کی توفیق دیتا ہے۔ (آل عمران: ۲۵۷)

مسائل

۱۔ مکہ کے مشرک زمین وآسمان کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے تھے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے اور ہر کسی پر غالب ہے۔

۳۔ مشرک اللہ تعالیٰ کو سب کچھ مان کر بھی دوسروں کو نفع ونقصان کا مالک سمجھتے ہیں۔

۴۔ اندھا اور بینا، تاریکی اور روشنی برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح خالق اور مخلوق برابر نہیں ہیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے کوئی چیز پیدا نہیں کی ہے۔ ۶۔ ہر چیز کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

تفسیر بالقرآن

نفع اور نقصان کا صرف اللہ ہی مالک ہے:

۱۔ کیا تم اللہ کے سوا دوسروں کو خیر خواہ سمجھتے ہو۔ جو اپنے بھی نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں۔ (الرعد:۱۶)

۲۔ میں اپنے نفع ونقصان کا بھی مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے؟ (یونس:۴۹)

۳۔ کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں؟ (المائدۃ:۷۶)

۴۔ اگر اللہ تمہیں نفع ونقصان میں مبتلا کرنا چاہے کون ہے جو اس سے بچالے گا۔ (الفتح:۱۱)

۵۔ معبودانِ باطل اپنی جانوں کے نفع ونقصان کے مالک نہیں۔ (الفرقان:۳)

۶۔ فرما دیجیے میں اپنے نفس کے بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ (الاعراف:۱۸۸)

۷۔ (اے نبی کریم ﷺ) آپ فرما دیں کہ مجھے تمھارے کسی نفع ونقصان کا اختیار نہیں۔ (الجن:۲۱)

اَنْزَلَ	مِنَ	السَّمَآءِ	مَآءً	فَسَالَتْ	اَوْدِيَةٌۢ	بِقَدَرِهَا
اس نے نازل کیا	سے	آسمان	پانی	تو بہہ پڑیں	وادیاں	اپنے انداز ے کے ساتھ
فَاحْتَمَلَ	السَّيْلُ	زَبَدًا	رَّابِيًاؕ	وَمِمَّا	يُوْقِدُوْنَ	عَلَيْهِ
پھر اُٹھالی	سیلاب نے	جھاگ	اُبھرا ہوا	اور ان چیزوں میں بھی کہ	وہ تپاتے ہیں	اس پر
فِي النَّارِ	ابْتِغَآءَ	حِلْيَةٍ	اَوْ	مَتَاعٍ	زَبَدٌ	مِّثْلُهٗؕ
میں آگ	تلاش کرنا	زیور	یا	سامان	جھاگ	اس کے مانند
كَذٰلِكَ	يَضْرِبُ	اللّٰهُ	الْحَقَّ	وَالْبَاطِلَ ۚ		فَاَمَّا
اسی طرح	وہ بیان کرتا ہے	اللہ	حق	اور باطل		پھر لیکن

''اس نے آسمان سے پانی اتارا جس سے نالے اپنی اپنی کشادگی کے مطابق بہہ نکلے، پھر اس ریلے نے ابھرا ہوا جھاگ اٹھالیا اور جن چیزوں کو کوئی زیور یا سامان بنانے کی غرض سے آگ پر تپاتے ہیں ان سے بھی اسی طرح کا جھاگ ابھرتا ہے۔اسی طرح اللہ حق اور باطل کی مثال بیان کرتا ہے

فہم القرآن

ربط کلام: توحید اور شرک کے فرق کو سمجھنے کے لیے مزید دو مثالیں۔

دین اور اس کے مرکزی نقطہ یعنی توحید کی مثال آسمان سے بارش کی مانند ہے۔ جب موسلا دھار بارش برستی ہے تو ہر وادی اور ندی نالے اپنی اپنی وسعت وکشادگی کے مطابق اس سے سیر ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ندی نالوں میں چلنے والا سیلِ رواں اپنے اوپر جھاگ اٹھائے ڈھلوان کی طرف رواں دواں ہوتا ہے۔ دیکھنے میں پانی کے بجائے جھاگ ہی جھاگ نظر آتی ہے لیکن کچھ وقت کے بعد جھاگ اپنا وجود کھوبیٹھتی ہے۔ بعض اوقات حق و باطل کی کشمکش توحید اور کفر وشرک کی آویزش میں ابتداءً یہی منظر آتا ہے جیسے باطل حق پر غالب آجائے گا۔ لیکن جب حق والے اپنے وسائل بروئے کار لاتے ہوئے پوری استقامت کے ساتھ جدوجہد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پانی کی جھاگ کی طرح کفر کو مٹا دیتا ہے۔ کیونکہ اس کا اعلان ہے کہ حق آ چکا اور باطل بھاگ کھڑا ہوا باطل کا کام بھاگنے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ (بنی اسرائیل۔۸۱)

اس ارشاد میں دوسری مثال توحید اور کفر وشرک کی کشمکش کو ایک کٹھالی کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ جس طرح کٹھالی میں سونا یا کوئی دھات رکھ کر اسے آگ دی جائے تو سونے سے اس کی ملاوٹ وکثافت الگ ہو جاتی ہے۔ خالص سونا پوری چمک دمک کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے۔ اسی طرح حق و باطل کے معرکہ میں حق پر قائم رہنے اور اس کی خاطر قربانیاں

الزَّبَدُ	فَيَذْهَبُ	جُفَآءً ۚ	وَاَمَّا	مَا	يَنْفَعُ	النَّاسَ
جھاگ	پھر وہ چلا جاتا ہے	خشک ہونا	اور لیکن	جو	وہ نفع دیتا ہے	لوگ
فَيَمْكُثُ	فِي	الْاَرْضِ ؕ	كَذٰلِكَ	يَضْرِبُ	اللّٰهُ	الْاَمْثَالَ ۝
تو وہ ٹھہرتا ہے	میں	زمین	اسی طرح	وہ بیان کرتا ہے	اللہ	مثالیں

جو جھاگ ہے سو بے کار چلا جاتا ہے اور وہ چیز جو لوگوں کو نفع دیتی ہے وہ زمین میں رہ جاتی ہے۔اسی طرح اللہ مثالیں بیان کرتا ہے۔"(۱۷)

دینے والے اللہ تعالیٰ کی نظر میں کندن بن جاتے ہیں اور ان کا کردار آنے والی نسلوں کے لیے تقویت کا باعث اور مشعل راہ ثابت ہوتا ہے۔جس طرح سونے کی میل کچیل اور پانی کی جھاگ بے فائدہ اور فضول چیز ثابت ہوتی ہے۔اسی طرح کفر وشرک کے لیے کوشش کرنے والوں کی محنت اور وسائل ضائع ہو جائیں گے۔سونا زیب وزینت کا باعث اور منافع بخش چیز ہے۔پانی زمین میں جذب ہونے کی وجہ سے گل وگلزار اور اناج پیدا کرتا ہے۔جس پر لوگوں کی زندگی کا انحصار پانی پر ہے۔یہی مثال دین حق کی ہے کہ جس کے نفاذ سے ہر کسی کو فائدہ پہنچتا ہے۔اس مثال سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اصل چیز کو ہی بقا اور دوام حاصل ہوتا ہے۔لہٰذا حق کو دوام اور باطل کے لیے فنا ہے۔حق بات دنیا وآخرت میں مفید ہے اور باطل فضول اور ہمیشہ کے لیے نقصان دہ ہے۔اللہ تعالیٰ یہ مثالیں اس لیے بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ ان سے سبق حاصل کریں۔

مسائل

۱۔ حق کے مقابلہ میں باطل کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ لوگ حقیقت کو سمجھ جائیں۔

تفسیر بالقرآن

حق وباطل میں فرق:

۱۔ اللہ تعالیٰ حق وباطل کی مثالیں بیان کرتا ہے۔(الرعد:۱۷)

۲۔ حق آگیا اور باطل بھاگ گیا، باطل کا کام ہی بھاگ جانا ہے۔(بنی اسرائیل:۸۱)

۳۔ اللہ تعالیٰ باطل کو مٹاتا اور حق کو واضح کرتا ہے۔(الشوریٰ:۲۴)

۴۔ اللہ تعالیٰ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دیتا ہے اگرچہ مجرم ناپسند جانیں۔(الانفال:۸)

۵۔ حق کو باطل سے نہ ملائیں۔(البقرۃ:۴۲)

۶۔ اے اہل کتاب حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو؟(آل عمران:۷۱)

لِلَّذِيْنَ	اسْتَجَابُوْا	لِرَبِّهِمُ	الْحُسْنٰى ؕ	وَالَّذِيْنَ	لَمْ	
لوگوں کے لیے	انہوں نے قبول کیا	اپنے رب کے لیے	بھلائی	اور وہ لوگ	نہیں	
يَسْتَجِيْبُوْا	لَهٗ	لَوْ	اَنَّ	لَهُمْ	مَّا	فِي
وہ قبول کرتے ہیں	اس کے لیے	اگر	بے شک	ان کے لیے	جو	میں
الْاَرْضِ	جَمِيْعًا	وَّمِثْلَهٗ	مَعَهٗ	لَافْتَدَوْا	بِهٖ ؕ	
زمین	سارا	اور اس کی مثل	اس کے ساتھ	البتہ بدلے میں دے دیں وہ	ساتھ اس کے	
اُولٰٓئِكَ	لَهُمْ	سُوْٓءُ	الْحِسَابِ ۙ	وَ	مَاْوٰىهُمْ	جَهَنَّمُ ؕ
یہ لوگ	ان کے لیے	برا	حساب	اور	ان کا ٹھکانہ	جہنم
وَ	بِئْسَ	الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ ع				
اور	برا	ٹھکانہ				

’’جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت قبول کر لی انہی کے لیے بھلائی ہے اور جنہوں نے اس کی بات قبول نہ کی اگر ان کے پاس سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا اور ہو تو ضرور اس کو فدیہ میں دے دیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے برا حساب ہے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے۔‘‘(18)

فہم القرآن

ربط کلام: حق واضح کرنے، دلائل اور مثال کے ذریعے سمجھانے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ حق بات کو قبول کریں۔

جن لوگوں نے اپنے رب کی رضا کی خاطر اس کے حکم کو مانتے ہوئے سچائی کو قبول کیا اور اس پر عمل پیرا ہو گئے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں بہتری ہے۔ جنہوں نے اپنے رب کے حکم کو تسلیم نہ کیا ان کے لیے دنیا میں نقصان اور آخرت میں سخت عذاب ہو گا۔ جس سے چھٹکارا پانے کے لیے زمین اور اس کی ہر چیز بلکہ اتنا کچھ اور بھی فدیہ کے طور پر دیں تو انہیں چھٹکارا حاصل نہ ہو گا۔ ان کا حساب و کتاب بُرا ہو گا اور انہیں جہنم میں جھونکا جائے گا جو رہنے کے اعتبار سے بدترین جگہ ہے۔ قرآن مجید کئی مقامات پر یہ حقیقت آشکار کرتا ہے کہ دنیا کے مال و اسباب دنیا میں ہی رہ جائیں گے مرنے کے بعد انسان نے خالی ہاتھ اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔ وہاں نیکی و بدی کے سوا انسان کے پاس اور کچھ نہ ہو گا۔ اس حقیقت کے باوجود قرآن مجید نے یہاں اور آل عمران: ۹۱ میں لوگوں کو سمجھانے کے لیے فرمایا کہ مجرم فدیہ میں زمین سے بھرا ہوا سونا بھی دے تو اس کا چھٹکارا نہیں ہو پائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ کفر و شرک اس قدر سنگین جرم ہے کہ اس کا مرتکب شخص کسی صورت بھی عذاب سے نجات نہیں پا سکے گا۔

((عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ كُنْتُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَجَاءَهٗ رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا يَشْكُوْ

وقف النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الْعَيْلَةَ وَالآخَرُ يَشْكُو قَطْعَ السَّبِيلِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَمَّا قَطْعُ السَّبِيلِ فَإِنَّهُ لاَ يَأْتِي عَلَيْكَ إِلاَّ قَلِيلٌ حَتَّى تَخْرُجَ الْعِيرُ إِلٰى مَكَّةَ بِغَيْرِ خَفِيرٍ وَأَمَّا الْعَيْلَةُ فَإِنَّ السَّاعَةَ لاَ تَقُومُ حَتَّى يَطُوفَ أَحَدُكُمْ بِصَدَقَتِهِ لاَ يَجِدُ مَنْ يَقْبَلُهَا مِنْهُ ، ثُمَّ لَيَقِفَنَّ أَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ حِجَابٌ وَلاَ تُرْجُمَانٌ يُتَرْجِمُ لَهُ ، ثُمَّ لَيَقُولَنَّ لَهُ أَلَمْ أُوتِكَ مَالاً فَلَيَقُولَنَّ بَلَى ثُمَّ لَيَقُولَنَّ أَلَمْ أُرْسِلْ إِلَيْكَ رَسُولاً فَلَيَقُولَنَّ بَلَى فَيَنْظُرُ عَنْ يَمِينِهِ فَلاَ يَرَى إِلاَّ النَّارَ ، ثُمَّ يَنْظُرُ عَنْ شِمَالِهِ فَلاَ يَرَى إِلاَّ النَّارَ ، فَلْيَتَّقِيَنَّ أَحَدُكُمُ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ)) [رواه البخاری: باب صدقة قبل الرد]

''حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھا کہ آپ کی خدمت میں دو آدمی آئے ایک نے فقر و فاقہ کی شکایت کی اور دوسرے نے راستوں کے غیر محفوظ ہونے کی شکایت کی اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہاں تک راستوں کے غیر محفوظ ہونے کا تعلق ہے تو بہت جلد ایسا زمانہ آئے گا جب ایک قافلہ مکہ سے کسی محافظ کے بغیر نکلے گا اور اُسے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ رہا فقر و فاقہ تو قیامت اُس وقت تک نہیں آئے گی جب تک ایک شخص اپنا صدقہ لے کر نکلے گا لیکن اُسے کوئی لینے والا نہ ہوگا، پھر اللہ کے سامنے ایک آدمی اس طرح کھڑا ہوگا اُس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہ ہوگا اور نہ کوئی ترجمان، پھر اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا میں نے تجھے دنیا میں مال نہیں دیا تھا وہ کہے گا کیوں نہیں۔ اللہ فرمائے گا کیا میں نے تیرے پاس پیغمبر نہیں بھیجا تھا وہ کہے گا کیوں نہیں، پھر وہ اپنے دائیں اور بائیں جانب دیکھے گا تو اُسے آگ کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا سو جہنم سے بچ جاؤ خواہ ایک کھجور کے ٹکڑے سے ہی بچا جائے اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو منہ سے اچھی بات کہو۔''

﴿لاَ يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَالِدُوْنَ﴾ [الانبیاء: ۱۰۲]

''وہ جہنم کی آہٹ تک نہ سنیں گے اور جنت میں وہ اپنی پسند کی نعمتوں میں رہیں گے۔''

مسائل

۱۔ اللہ کے فرمانبرداروں کے لیے اچھا بدلہ ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے نافرمان سب کچھ دے کر بھی عذاب سے نہیں بچ سکتے۔

تفسیر بالقرآن

مجرم سے کسی قسم کا فدیہ اور سفارش قبول نہیں کی جائے گی۔

۱۔ مجرم دنیا بھر کی چیزیں اور ان کی مثل بطور فدیہ دے کر بھی عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ (الرعد: ۱۸)

۲۔ کسی سے قیامت کے دن کوئی فدیہ قبول نہ کیا جائے گا۔ (البقرۃ: ۴۸) ۳۔ کسی کی دوستی کسی کے کام نہ آئے گی۔ (البقرۃ: ۲۵۴)

۴۔ کفار سے عذاب کے بدلے زمین بھر کا سونا بھی قبول نہ ہوگا۔ (آل عمران: ۹۱)

اَفَمَنْ	يَّعْلَمُ	اَنَّمَآ	اُنْزِلَ	اِلَيْكَ	مِنْ	رَّبِّكَ
کیا پھر جو	وہ جانتا ہے	صرف	وہ نازل کیا گیا	آپ کی طرف	سے	آپ کے رب
الْحَقُّ	كَمَنْ	هُوَ	اَعْمٰى	اِنَّمَا	يَتَذَكَّرُ	
حق	اس شخص کے مانند ہے	وہ	اندھا	یقیناً	وہ نصیحت حاصل کرتا ہے	
اُولُوا	الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾					
والا	عقل					

''کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ بے شک جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف اتارا گیا وہی حق ہے، اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو اندھا ہے؟ نصیحت تو عقل مند ہی قبول کرتے ہیں۔'' (۱۹)

فہم القرآن

ربط کلام: تابعدار بندوں کا بہترین انجام بیان اور کافرومشرک کے بدترین انجام کا ذکر کرنے کے بعد ایمان دار کا مرتبہ اور اس کا کردار بیان کیا جاتا ہے۔

اس سے پہلے آیت:۱۶ میں مشرک کو اندھا اور موحد کو بینا قرار دیا تھا۔ اب حق کی پیروی کرنے والے موحد کا مقام اور شان بیان کرتے ہوئے اجمالاً فرمایا ہے کہ ایسا شخص جو حق کو پہچانتا ہے وہ اندھے شخص جیسا ہوسکتا ہے؟ اس مختصر اشارے میں عقل مندوں کے لیے بے انتہا عبرت اور نصیحت کا سامان ہے اس فرمان کی تفصیل سورۃ السجدۃ میں یوں بیان فرمائی۔ کیا مواحد ،فرمانبردار اور نافرمان شخص برابر ہوسکتے ہیں؟

﴿أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُوْنَ ○ أَمَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوٰى نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ وَأَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَأْوٰهُمُ النَّارُ كُلَّمَا أَرَادُوْا أَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا أُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُوْنَ ○﴾ [السجدۃ:۱۸۔۲۰]

''مومن اور فاسق ہرگز برابر نہیں ہوسکتے۔ صاحب کردار مومن کے لئے جنت ہے اور اس میں ان کی اعلیٰ مہمان نوازی ہوگی۔ اللہ کے نافرمانوں کے لیے جہنم ہے وہ جب بھی اس سے نکلنے کی کوشش کریں گے انہیں یہ کہتے ہوئے اسی میں پھینک دیا جائے گا کہ آگ کے عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہو کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والے تھے۔''

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ إِلَّا مُؤْمِنٌ))

[رواہ البخاری: کتاب القدر]

''حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔''

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ الْمُوجِبَتَانِ مَنْ لَقِیَ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ لَا یُشْرِكُ بِہٖ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّۃَ وَمَنْ لَقِیَ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ وَھُوَ مُشْرِكٌ دَخَلَ النَّارَ))[رواہ أحمد]

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نبی سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا دو چیزیں واجب کرنے والی ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کو اس حال میں ملا کہ اس نے اس کے ساتھ شرک نہ کیا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے شرک کیا ہوگا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔''

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ اذْھَبْ فَنَادِ فِی النَّاسِ إِنَّہٗ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ إِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ قَالَ فَخَرَجْتُ فَنَادَیْتُ أَلَا إِنَّہٗ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ إِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ))[رواہ مسلم: باب غِلَظِ تَحْرِیمِ الْغُلُوْلِ وَأَنَّہٗ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ إِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابن خطاب جاؤ لوگوں میں اعلان کردو کہ بے شک مومنوں کے سوا کوئی جنت میں نہیں جائے گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نکلا اور میں نے اس بات کا اعلان کیا کہ جنت میں صرف مومن ہی جائیں گے۔''

مسائل

۱۔ کتاب اللہ کو ماننے والا اور انکار کرنے والا برابر نہیں ہو سکتے۔ ۲۔ عقلمند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

۳۔ تابع دار اور نافرمان برابر نہیں ہو سکتے۔

تفسیر بالقرآن

مومن، کافر اور مشرک کے درمیان فرق:

۱۔ کتاب اللہ پر ایمان لانے والا اور نہ لانے والا برابر نہیں ہو سکتے۔ (الرعد: ۱۹)

۲۔ مومن اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے۔ (السجدۃ: ۱۸)

۳۔ اللہ مجرموں اور مومنوں کو برابر نہیں کرے گا۔ (المومن: ۵۸)

۴۔ ایمان دار اور عمل صالح کرنے والا اور بدکار برابر نہیں ہو سکتے۔ (المومن: ۵۸)

۵۔ جنتی اور جہنمی برابر نہیں ہو سکتے۔ (الحشر: ۲۰)

الْمِيْثَاقَ ۝	يَنقُضُونَ	وَلَا	اللّٰهِ	بِعَهْدِ	يُوْفُوْنَ	الَّذِيْنَ
پختہ عہد	وہ توڑتے ہیں	اور نہیں	اللہ	ساتھ عہد	وہ پورا کرتے ہیں	وہ لوگ

”جو اللہ کا عہد پورا کرتے ہیں اور پختہ عہد کو نہیں توڑتے۔“ (۲۰)

فہم القرآن

ربط کلام: سابقہ آیات میں عقیدہ توحید کے دلائل دیے گئے ہیں۔ توحید کا عقیدہ اللہ تعالیٰ سے انسان ایک عہد ہے۔ صاحب بصیرت اور حقیقی سمجھ رکھنے والے لوگ اس عہد کی پاسداری کرتے ہیں۔

صاحبِ بصیرت اور عقلِ سلیم رکھنے والوں کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے مضبوط عہد کا ایفا کرتے ہیں اور اسے کسی صورت بھی ٹوٹنے نہیں دیتے۔ اس عہد سے مراد پہلا عہد وہ ہے جس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے اے انسان جب تیرے رب نے بنی نوعِ انسان کی پشت سے نسل در نسل اس کی اولاد کو پیدا کیا اور ان کو انہی کے اوپر گواہ بناتے ہوئے استفسار فرمایا کہ ”کیا میں تمہارا رب نہیں؟“ آدم علیہ السلام کی ساری کی ساری اولاد نے اپنے رب کے حضور یہ اعتراف کیا۔ ”کیوں نہیں آپ ہی ہمارے رب ہیں۔ ہم اس کی گواہی دیتے ہیں۔ گواہی لینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس عہد کو یاد رکھنا اور اس پر پکے رہنا کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن کہو کہ ہمیں تو اس عہد کی کوئی خبر نہیں۔“ (سورۃ الاعراف: ۱۷۲)

اسی عہد کا یہاں اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جو لوگ اس عہد یعنی توحید کی گواہی پر پکے رہے اور اس میں کوئی نقص نہیں آنے دیتے، یہ لوگ صاحبِ بصیرت اور صحیح عقل کے مالک ہیں۔ یہی وہ عہد ہے جس کا اقرار کرتے ہوئے آدمی حلقہ اسلام میں داخل ہوتا ہے اور اس کے تقاضے پورے کرنے سے مسلمان کی زندگی کے تمام زاویے صحیح سمت پر قائم رہتے ہیں۔ جس کو موت کے وقت اس کا اقرار نصیب ہوا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اس عہد کے ساتھ لوگوں سے کیے ہوئے عہد کی پابندی بھی فرض ہے۔ جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی یا کسی غیر مسلم کے ساتھ انفرادی یا اجتماعی سطح پر کرتے ہیں۔

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ یَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَآ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَفِیْ قَلْبِهٖ وَزْنُ شَعِيْرَةٍ مِّنْ خَيْرٍ ، وَيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَفِیْ قَلْبِهٖ وَزْنُ بُرَّةٍ مِّنْ خَيْرٍ ، وَيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَآ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ ، وَفِیْ قَلْبِهٖ وَزْنُ ذَرَّةٍ مِّنْ خَيْرٍ))[رواہ البخاری ، کتاب الایمان، باب زِيَادَةِ الْإِيمَانِ وَنُقْصَانِهٖ]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم سے بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ جہنم سے نجات پا گیا جس نے لا الہ الا اللہ کہا

اور اس کے دل میں جو کی مقدار کے برابر بھی بھلائی ہوگی۔ جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں چاول کے کے برابر بھلائی ہوگی وہ بھی جہنم سے نکل گیا۔ جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا، اس کے دل میں رائی کے ذرے کے برابر بھی بھلائی ہوگی تو وہ بھی جہنم سے چھٹکارا پا گیا۔“

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَا خَطَبَنَا نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ إِلَّا قَالَ لَآ إِيمَانَ لِمَنْ لَّآ أَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ))[رواه أحمد]

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب بھی ہمیں خطبہ دیا آپ نے فرمایا اس شخص کا کوئی ایمان نہیں جو امانت دار نہیں اور جو عہد کی پاسداری نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں۔“

((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَآءٌ عِنْدَ اِسْتِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَآءٌ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرْفَعُ لَهٗ بِقَدْرِ غَدْرِهٖ اَلَاوَلَا غَادِرَ اَعْظَمُ غَدْرًا مِّنْ اَمِیْرِ عَامَّةٍ))[رواه مسلم]

”حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی مکرم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ہر عہد شکن انسان کی دُبر کے قریب جھنڈا ہوگا۔ ایک روایت میں ہے ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن جھنڈا ہوگا‘ جو اس کی عہد شکنی کے مطابق بلند کیا جائے گا۔ خبردار! سربراہِ مملکت سے بڑھ کر کسی کی عہد شکنی نہیں ہوتی۔“

مسائل

۱۔ عقیدۂ توحید اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کی پاسداری کرنی چاہیے۔

۳۔ عہد کو توڑنا نہیں چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے عہد سے پہلی مراد عقیدہ توحید ہے:

۱۔ وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اسے توڑتے نہیں۔ (الرعد:۲۰)

۲۔ اللہ نے نسل انسانی سے اپنی ربوبیت کا عہد لے رکھا ہے۔ (الاعراف:۱۷۲)

۳۔ اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو پورا کرو۔ (الانعام:۱۵۲)

۴۔ اللہ کا وعدہ پورا کرو۔ (البقرۃ:۴۰)

۵۔ اللہ کے عہد کا پورا کرنا فرض ہے۔ (النحل:۹۱)

وَالَّذِيْنَ	يَصِلُوْنَ	مَآ	اَمَرَ	اللّٰهُ	بِهٖٓ	اَنْ
اور وہ لوگ	وہ ملاتے ہیں	جو	اس نے حکم دیا	اللہ	ساتھ اس کے	یہ کہ
يُّوْصَلَ	وَيَخْشَوْنَ	رَبَّهُمْ	وَيَخَافُوْنَ	سُوْٓءَ	الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾	
ملایا جائے	اور وہ ڈرتے ہیں	اپنے رب	اور وہ ڈرتے ہیں	برے	حساب	

''اور جو لوگ تعلقات کو نبھاتے ہیں۔ جس کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ اسے ملایا جائے اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب سے ڈرتے ہیں۔'' (۲۱)

فہم القرآن

ربط کلام: ''اللہ'' کے عہد کی پاسداری کے ساتھ آپس کے تعلقات اور عہد کی پاسداری کا حکم۔

بصیرت اور عقل سلیم رکھنے والے لوگ اپنے رب کے ڈر اور قیامت کے برے حساب کے خوف سے رشتوں کو جوڑتے اور ان کا احترام کرتے ہیں۔ جن کے جوڑنے اور احترام کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اس کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے لوگو! اپنے رب سے ڈر جاؤ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، پھر اسی سے اس کی بیوی کو پیدا فرمایا پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلا دیں۔ بس اللہ سے ڈرو۔ جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتہ داریوں کو توڑنے سے بھی بچو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ہر وقت نگرانی کر رہا ہے۔ (سورۃ النساء:۱) اللہ کے بندوں کی یہ صفت ہے کہ وہ کسی مفاد کی بنیاد پر نہیں بلکہ اللہ کے ڈر کی بنا پر رشتہ داریوں کا خیال اور ان کا احترام کرتے ہیں۔ ارحام کی واحد رحم ہے جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ یوں ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَیْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُکَافِءِ وَلٰکِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِیْ إِذَا انْقَطَعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا)) [رواہ الترمذی: کتاب البر والصلۃ، باب مَا جَآءَ فِیْ صِلَةِ الرَّحِمِ]

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا برابری کرنے والا صلہ رحم نہیں ہے۔ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے جب اس سے تعلق توڑا جائے تو وہ اسے جوڑنے کی کوشش کرے۔''

((وَعَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهُ قَامَتِ الرَّحِمُ فَاَخَذَتْ بِحَقْوَیِ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ مَهْ قَالَتْ هٰذَا مَقَامُ الْعَآئِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِیْعَةِ قَالَ اَلَا تَرْضَیْنَ اَنْ اَصِلَ مَنْ وَّصَلَكِ وَاَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ قَالَتْ بَلٰی یَا رَبِّ قَالَ فَذَاكِ)) [رواہ البخاری: کتاب التفسیر، باب (وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَکُمْ)]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ جب مخلوق کو پیدا فرما کر فارغ ہوا تو ''رحم'' (رشتہ داری) کھڑی ہوگئی۔اس نے اللہ تعالیٰ کے دامن کو پکڑ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' کیا ہے؟ اس نے عرض کیا' یہ اس شخص کا مقام ہے جو تیرے ساتھ قطع رحمی سے پناہ مانگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ میں اس شخص کو اپنے قریب کروں جو تجھے کو ملاتا ہے اور اس شخص سے قطع تعلق کروں جو تجھے ترک کرتا ہے۔ رحم (رشتہ داری) نے عرض کیا' پروردگار کیوں نہیں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تیرے لیے ہے۔''

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ رِزْقُهُ أَوْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ)) [رواه البخاری : کتاب البیوع ،باب مَنْ أَحَبَّ الْبَسْطَ فِي الرِّزْقِ]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم ﷺ نے فرمایا' جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے' کہ اس کے رزق میں برکت اور اس کی عمر میں اضافہ ہو تو' اسے صلۂ رحمی کرنی چاہیے۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ))[رواه البخاری:باب إِكْرَامِ الضَّيْفِ وَخِدْمَتِهِ إِيَّاهُ بِنَفْسِهِ]

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ مہمان کی عزت کرے۔ جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔ جو شخص اللہ اور آخرت پر یقین رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ بھلائی والی بات کہے یا خاموش رہے۔''

مسائل

١۔ آپس میں صلہ رحمی کرنی چاہیے۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے۔

٣۔ باہمی تعلقات کا احترام کرنا چاہیے۔ ٣۔ اللہ تعالیٰ اور بُرے حساب سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے اوصاف:

١۔ اللہ اور سخت حساب سے ڈرتے ہیں۔ (الرعد:٢١)

٢۔ مومن اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں۔ (الرعد:٢٠) ٣۔ نیک لوگ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ (الرعد:٢١)

٤۔ اللہ کی رضا کے لیے صبر کرتے ہیں، نماز قائم کرتے، پوشیدہ اور اعلانیہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے اور برے سلوک کو حسن سلوک سے ٹالتے ہیں۔ (الرعد:٢٢)

وَالَّذِیْنَ	صَبَرُوا	ابْتِغَآءَ	وَجْهِ	رَبِّهِمْ	وَ	اَقَامُوا	
اور وہ لوگ	انہوں صبر کیا	تلاش کرنا	رضامندی	اپنے رب	اور	انھوں نے قائم کی	
الصَّلٰوةَ	وَاَنْفَقُوْا	مِمَّا	رَزَقْنٰهُمْ	سِرًّا	وَّعَلَانِیَةً		
نماز	اور انہوں نے خرچ کیا	اس میں سے جو	ہم نے انہیں رزق دیا	پوشیدہ	اور ظاہر		
وَّیَدْرَءُوْنَ	بِالْحَسَنَةِ	السَّیِّئَةَ	اُولٰٓئِكَ	لَهُمْ	عُقْبَى	الدَّارِ ﴿۲۲﴾	
اور وہ دور کرتے ہیں	اچھائی کے ساتھ	برائی کو	یہ لوگ	ان کے لیے	آخرت	گھر	

''وہ جنہوں نے اپنے رب کی رضا چاہنے کے لیے صبر کیا اور نماز قائم کی اور ہم نے انہیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے خفیہ اور ظاہر طور پر خرچ کیا اور برائی کو نیکی کے ساتھ مٹاتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے اس گھر کا اچھا انجام ہے۔''(۲۲)

فہم القرآن

ربط کلام: مومنوں کے مزید چار اوصاف۔

مومن وہ ہیں جو مشکلات اور پریشانیوں کے وقت اپنے رب کی رضا کی خاطر صبر کرتے ہیں اس کے حضور پانچ وقت نماز ادا کرتے ہیں۔ جو کچھ ان کے رب نے انہیں عطا فرمایا ہے، اس میں سے خفیہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں۔ برائی کا بدلہ برائی سے دینے کی بجائے اچھائی اور خیر خواہی سے دیتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت کا گھر تیار کیا گیا ہے۔ ان اوصاف حمیدہ کی فرضیت اور فضیلت کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

صبر:

صبر کا معنٰی ہے مشکل اور پریشانی کے وقت حوصلہ قائم رکھنا اور شریعت کی حدود و قیود کا مستقل مزاجی کے ساتھ اتباع کرنا۔ اس سے پہلے مومنوں کی یہ صفات ذکر ہوئی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد یعنی عقیدۂ توحید پر پکے رہتے ہیں اور آپس کی رشتے داریوں کو جوڑے رکھتے ہیں۔ یہ دونوں کام ایسے ہیں جو مشکلات کا سامنا کیے بغیر کما حقہ پورے نہیں ہو سکتے۔

صبر کس وقت کرنا چاہیے:

((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ ﷺ بِامْرَاَةٍ تَبْكِیْ عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ اتَّقِی اللّٰهَ وَاصْبِرِیْ قَالَتْ اِلَیْكَ عَنِّیْ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَبْ بِمُصِیْبَتِیْ وَلَمْ تَعْرِفْهُ فَقِیْلَ لَهَا اِنَّهُ النَّبِیُّ ﷺ فَاَتَتْ بَابَ النَّبِیِّ ﷺ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدَهُ بَوَّابِیْنَ فَقَالَتْ لَمْ اَعْرِفْكَ فَقَالَ اِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰى))

[رواه البخاري: كتاب الجنائز، باب زيارة القبور]

’’حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک عورت کے پاس ہوا جو ایک قبر پر آہ و بکا کر رہی تھی۔ آپ نے اُسے تلقین فرمائی' اللہ سے ڈرو اور صبر کرو۔ وہ کہنے لگی یہاں سے چلے جاؤ۔ تمہیں ایسی مصیبت نہیں پہنچی جس مصیبت میں میں مبتلا ہوں۔ وہ آپ کو پہچانتی نہیں تھی۔ جب اسے بتایا گیا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہ آپ کے دروازے پر آئی جس پر کوئی چوکیدار نہ تھا وہ معذرت خواہانہ عرض کرنے لگی میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا' صبر تو وہ ہے جو صدمہ پہنچنے کے وقت کیا جائے۔‘‘

مسائل

۱۔ آدمی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صبر اختیار کرنا چاہیے۔ ۲۔ نماز قائم کرنا فرض ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اعلانیہ اور خفیہ طور پر خرچ کرنا چاہیے۔ ۴۔ برائی کو نیکی سے ٹالنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۵۔ نیک لوگوں کا اچھا انجام ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

ایمانداروں کے مختصر اوصاف:

۱۔ وہ لوگ جو اللہ کی رضا کے لیے صبر کرتے، نماز قائم کرتے اور اللہ کی راہ میں اعلانیہ اور خفیہ طور پر خرچ کرتے ہیں۔ اور بدسلوکی کو حسن سلوک سے ٹالتے ہیں ان کا انجام بہتر ہے۔ (الرعد:۲۲)

۲۔ ایمانداروں کے دل اللہ کے ذکر سے سہم جاتے ہیں جب ان کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے ایمان والے اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ (الانفال:۲)

۳۔ ایماندار نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ کے عطا کیے ہوئے مال سے خرچ کرتے ہیں۔ (الانفال:۳)

۴۔ مومن اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ (الحجرات:۱۵)

۵۔ مومن ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے، زکوۃ ادا کرتے مومن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ (التوبۃ:۷۱)

۶۔ اللہ اور اس کے رسول اور مومن آپس میں دوست ہیں۔ (المائدۃ:۵۵)

۷۔ ایمان والے نماز میں خشوع و خضوع اختیار کرتے ہیں۔ (المومنون:۱۔۲)

۸۔ ایماندار دنیا کے لاؤ لشکر کو خاطر میں نہیں لاتے۔ (الاحزاب:۲۲)

جَنّٰتُ	عَدْنٍ	يَّدْخُلُوْنَهَا	وَمَنْ	صَلَحَ	مِنْ
باغات	ہمیشہ	وہ داخل ہوں گے ان میں	اور جو	اس نے نیکی کی	سے

اٰبَآئِهِمْ	وَاَزْوَاجِهِمْ	وَذُرِّيّٰتِهِمْ	وَالْمَلٰٓئِكَةُ	يَدْخُلُوْنَ
ان کے باپ دادوں	اوران کی بیویوں	اوران کی اولاد	اورفرشتے	وہ داخل ہوں گے

عَلَيْهِمْ	مِّنْ	كُلِّ	بَابٍ ﴿٢٣﴾	سَلٰمٌ	عَلَيْكُمْ	بِمَا
ان پر	سے	ہر	دروازہ	سلام	تم پر	بوجہ اس کے

صَبَرْتُمْ	فَنِعْمَ	عُقْبَى	الدَّارِ ﴿٢٤﴾
صبر کیا تم نے	کیا ہی اچھا	آخرت	انجام

”ہمیشہ کے باغات، جن میں وہ داخل ہوں گے اوران کے باپ دادوں اوران کی بیویوں اوران کی اولادوں میں سے بھی جو نیک ہوئے اورفرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے۔“(۲۳)”سلام ہو تم پر اس کے بدلے کہ تم نے صبر کیا۔ سو آخرت کا گھر بہت ہی اچھا ہے۔“(۲۴)

فہم القرآن

ربط کلام: مومنوں کا اجر اوران کے لیے تیار کیے گئے گھر کی خوبیاں۔

”عقبی الدار“ سے مراد مومنوں کے لیے جنت کا گھر ہے۔ جس میں تروتازہ اور ہمیشہ رہنے والے انواع واقسام کے پھلوں کے باغات ہوں گے۔ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں مومنوں کو داخل کر کے ان کے نیکوکار آباءواجداد اوران کی بیویاں اوران کے بیٹے، بیٹیوں کو بھی اکٹھا کیا جائے گا۔ جنتی جب جنت کے قریب پہنچیں گے تو ملائکہ آگے بڑھ کر انہیں جنت کے ہر دروازے پر سلام عرض کریں گے۔ اس لیے کہ انہوں نے مشکلات اور پریشانیوں کے وقت صبر کیا اور دنیا میں رہتے ہوئے شریعت کی حدود وقیود کی پابندی کرتے رہے۔ انہیں ملائکہ موت کے وقت ہی خوشخبری سنائیں گے کہ تمہارے لیے جنت میں بہترین محل تیار کیے گئے ہیں لہٰذا تم ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَآئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ أَوْلِيَآؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ○﴾[حم السجدة: ۳۰۔۳۲]

”یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اُس پر استقامت اختیار کی ایسے لوگوں پر فرشتے اُتریں گے

کہ تم ڈرا اور غم محسوس نہ کرو تمھارے لیے جنت کی خوش خبری ہے جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا جا تا رہا ہے ہم تمہارے دنیا اور آخرت میں رفیق رہیں گے اور تمہارے لیے جنت میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کو تمھارا جی چاہے اور تمھارے لیے وہ کچھ موجود ہے جو تم مانگو یہ غفور الرحیم کی طرف سے مہمان نوازی ہے۔“

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷛ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا خَرَجَتْ رُوْحُ الْمُؤْمِنِ تَلَقَّاهَا مَلَكَانِ یُصْعِدَانِهَا قَالَ حَمَّادٌ فَذَكَرَ مِنْ طِیْبِ رِیْحِهَا وَذَكَرَ الْمِسْكَ قَالَ وَیَقُوْلُ اَهْلُ السَّمَآءِ رُوْحٌ طَیِّبَةٌ جَآءَتْ مِنْ قِبَلِ الْاَرْضِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْكِ وَعَلٰی جَسَدٍ كُنْتِ تَعْمُرِیْنَهٗ فَیُنْطَلَقُ بِهٖ اِلٰی رَبِّهٖ ثُمَّ یَقُوْلُ انْطَلِقُوْا بِهٖ اِلٰی اٰخِرِ الْاَجَلِ ......)) [رواہ مسلم: باب عَرْضِ مَقْعَدِ الْمَیِّتِ مِنَ الْجَنَّةِ اَوِ النَّارِ عَلَیْهِ وَاِثْبَاتِ عَذَابِ الْقَبْرِ وَالتَّعَوُّذِ مِنْهُ]

”حضرت ابو ہریرہ ﷛ نے رسول اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا جب مومن کی روح اس کے جسم سے نکلتی ہے تو دو فرشتے اس کو ہاتھوں ہاتھ لے کر آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔ راوی حماد ﷫ بیان کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ ﷛ نے بہترین خوشبو اور مشک کا ذکر کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آسمان کے فرشتے کہتے ہیں اے زمین سے آنے والی پاک باز روح! تجھ پر اور تیرے جسم پر جس کا تو نے خیال رکھا اللہ کی رحمتیں ہوں۔ چنانچہ اس روح کو اس کے رب کی بارگاہ میں لے جایا جاتا ہے۔ حکم ہوتا ہے اس کو برزخ کے آخری کنارے تک لے جاؤ۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو ہمیشگی کی جنت میں داخل فرمائے گا۔ ٢۔ نیک لوگوں کو جنت میں فرشتے سلام عرض کریں گے۔

٣۔ نیکوکاروں کے ماں، باپ اور بیوی بچوں میں سے جو نیک ہوں گے وہ بھی جنت میں داخل ہوں گے۔

٤۔ صبر کرنے والوں کا بہت ہی اچھا انجام ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

ملائکہ کا جنتیوں کو سلام:

١۔ ملائکہ جنتیوں کو سلام کہتے ہوئے کہیں گے کہ جنت کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ۔ (الرعد:٢٣۔٢٤)

٢۔ فرشتے کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو اپنے اعمال کے بدلے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (النحل:٣٢)

٣۔ جنت کے دربان کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو مزے سے رہو اور ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (الزمر:٧٣)

وَالَّذِيْنَ	يَنْقُضُوْنَ	عَهْدَ	اللّٰهِ	مِنْۢ	بَعْدِ	مِيْثَاقِهٖ
اور وہ لوگ	وہ توڑتے ہیں	عہد	اللہ	سے	بعد	اس کے پختہ ہونے
وَيَقْطَعُوْنَ	مَآ	اَمَرَ	اللّٰهُ	بِهٖٓ	اَنْ	يُّوْصَلَ
اور وہ قطع کرتے ہیں	اس چیز کو	اس نے حکم دیا	اللہ	اس کی بابت	یہ کہ	ملایا جائے
وَ يُفْسِدُوْنَ	فِي	الْاَرْضِ	اُولٰٓئِكَ	لَهُمُ	اللَّعْنَةُ	
اور وہ فساد کرتے ہیں	میں	زمین	یہ لوگ	ان کے لیے	لعنت	
وَلَهُمْ	سُوْٓءُ	الدَّارِ ﴿۲۵﴾				
اور انھی کے لیے	برا	گھر				

”اور جو لوگ اللہ سے پختہ عہد کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور اس کو کاٹ دیتے ہیں جس کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ اسے ملایا جائے اور زمین میں فساد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے لعنت ہے اور انہی کے لیے بدترین گھر ہے۔“ (۲۵)

فہم القرآن

ربط کلام: جنتیوں کے مقابلہ میں......جہنمیوں کا کردار اور انجام۔

یہ بات کئی مرتبہ فہم القرآن میں عرض کی ہے کہ قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان ہے کہ وہ نیکوں کے ساتھ بروں اور جنت کے ساتھ جہنم کا اکثر مقامات پر یکجا ذکر کرتا ہے۔ تاکہ قاریٔ قرآن کے لیے اچھے اور برے اعمال اور انجام میں فرق کرنا آسان ہو جائے۔ اسی اسلوب کے پیش نظر پہلے ایفائے عہد کرنے والے حضرات اور ان کے اوصاف حمیدہ کا ذکر فرمایا۔ اب عہد شکنی کرنے والوں اور رشتہ داریوں کو توڑنے والوں کا بیان کیا ہے۔ اس موقع پر ان کے جرائم کی تفصیل دینے کی بجائے صرف ان کی عہد شکنی اور لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی کی بجائے قطع رحمی کے جرائم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ لوگ زمین میں فساد کرنے والے ہیں۔ ان پر لعنت برستی ہے اور مرنے کے بعد ان کا بدترین گھر ہوگا۔ بلاوجہ قطع رحمی کرنے اور لوگوں کے حقوق چھیننے اور ان پر مظالم ڈھانے کی وجہ سے ظاہر بات ہے کہ ملک اور معاشرے میں ہر قسم کی خرابی اور فساد پھیلتا ہے۔ جہاں تک عہد شکنی کا تعلق ہے۔ یہ افراد کی آپس میں ہو یا ایک قوم کی دوسری قوم کے ساتھ اس سے تعلقات ٹوٹنے کے ساتھ مروتیں ختم ہو جاتی ہیں جس کا منطقی نتیجہ نفرت، لڑائی جھگڑا اور دنگا فساد ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا عہد شکنی کی بدترین صورت ہے جس سے تمام جرائم جنم لیتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد پورا نہیں کرتا وہ لوگوں کے ساتھ کیے ہوئے عہد کی پاسداری کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ ایسا شخص معاشرے میں فساد کا سبب بنتا ہے۔ اس پر ”اللہ“ کی لعنت برستی ہے۔ اس کا ٹھکانہ بدترین ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور اس کے ساتھ عہد شکنی کرنے والے شخص سے بڑھ کر زیادہ فسادی کون

ہوسکتا ہے؟ اس لیے عہد شکنی شرک کی صورت میں ہو یا لوگوں کے ساتھ، ایسے مجرم پر لعنت ہی برستی ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت نہیں کہ لعنت کرنے والا کون ہے۔ لیکن سورۃ البقرۃ میں حق کو چھپانے اور کفر کرنے والوں پر لعنت کا ذکر کرتے ہوئے وضاحت فرمائی ہے کہ ان پر اللہ، ملائکہ اور تمام لوگوں کی طرف سے لعنت برستی ہے۔

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰهَ)) [رواہ احمد]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں کا شکر گزار نہیں ہوتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا۔''

((وَعَنِ النُّعْمَانِ ابْنِ بَشِیْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًامَنْ لَّهٗ نَعْلَانِ وَشِرَاکَانِ مِنْ نَّارٍ یَغْلِیْ مِنْهُمَا دِمَاغُهٗ کَمَایَغْلِی الْمِرْجَلُ مَایَرٰی اَنَّ اَحَدًا اَشَدُّمِنْهُ عَذَابًا وَاِنَّهٗ لَاَهْوَنُهُمْ عَذَابًا)) [رواہ مسلم:باب أَهْوَنِ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا]

''حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا' یقیناً دوزخیوں میں سب سے معمولی عذاب والے کے پاؤں میں آگ کے جوتے اور تسمے ہوں گے جس کی وجہ سے اس کا دماغ ہنڈیا کی طرح کھول رہا ہو گا وہ یہ خیال کرے گا کہ کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ عذاب نہیں ہو رہا ہے' حالانکہ وہ سب سے ہلکے عذاب میں مبتلا ہو گا۔''

مسائل

۱۔ کافر اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے جن رشتوں کو ملانے کا حکم دیا ہے خدا کے نافرمان انھیں توڑتے ہیں۔

۳۔ خدا کے نافرمان زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ ۴۔ منکرین حق پر لعنت اور ان کے لیے برا گھر ہے۔

تفسیر بالقرآن

لعنتی لوگوں کی نشانیاں:

۱۔ اللہ کے منکرین پر لعنت اور ان کے لیے برا گھر ہے۔(الرعد:۲۵)

۲۔ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دینے والے لعنتی ہیں۔(الاحزاب:۵۷)

۳۔ حق چھپانے والے لعنتی ہیں۔(البقرۃ:۱۵۹) ۴۔ جھوٹے لوگ لعنتی ہیں۔(آل عمران:۶۱)

۵۔ یہودی لعنتی ہیں۔(المائدۃ:۶۴) ۶۔ کافر لعنتی ہیں۔(الاحزاب:۶۴)

اَللّٰهُ	يَبْسُطُ	الرِّزْقَ	لِمَنْ	يَّشَآءُ	وَ يَقْدِرُ ؕ
اللہ	کشادہ کرتا ہے	رزق	جس کے لیے	چاہے	اور وہ تنگ کرتا ہے

وَفَرِحُوْا	بِالْحَيٰوةِ	الدُّنْيَا ؕ	وَمَا	الْحَيٰوةُ	الدُّنْيَا	فِي
اور وہ اتراتے ہیں	ساتھ زندگی	دنیاوی	اور نہیں	زندگانی	دنیا	میں

الْاٰخِرَةِ	اِلَّا	مَتَاعٌ ۲۶
آخرت	مگر	فائدہ

٢٦/٤ع

”اللہ جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کرتا اور تنگ کرتا ہے اور وہ دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے، حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں معمولی فائدہ کے سوا کچھ نہیں۔“ (۲۶)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد شکنی اور باہمی تعلقات کو توڑنے کی سب سے بڑی وجہ دنیا پرستی ہے۔ حالانکہ رزق کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

منکرین حق جس دنیا پر اتراتے اور جس کی خاطر اپنے رب کو فراموش اور لوگوں سے عہد شکنی کرتے ہیں اگر دنیا کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کریں انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ آخرت کے مقابلے میں قلیل اور عارضی ہے۔ جس دنیا کی خاطر بدمعاملگی اور عہد شکنی کرتے ہیں۔ غور کریں کہ کیا رزق کی فراوانی اور اسباب کی کشادگی انسان کی صلاحیتوں کے بدولت ہے یا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت کا نتیجہ ہے؟ رزق کی فراوانی اور اسباب کی وسعت اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے رزق کی کشادگی سے نوازتا ہے اور جس کا چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے۔ انسان کو تلاش رزق کا حکم ضرور ہے مگر رزق کا انحصار صرف انسان کی محنت پر نہیں۔ اگر رزق کا دارومدار انسان کی محنت پر ہوتا تو دنیا میں کوئی ہنرمند غریب نہ ہوتا اور کوئی لینڈ لارڈ مقروض نہ ہوتا، نہ ہی کارخانے دار دیوالیہ ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ رزق دینے والا صرف ایک اللہ ہے۔ اس نے اپنی حکمت، تقسیم اور لوگوں کے تعلقات کو مربوط رکھنے کے لیے رزق کی تقسیم اس طرح کر رکھی ہے کہ ایک شخص اپنی روزی کے لیے کئی انسانوں کے تعاون کا ضرورت مند ہوتا ہے۔ جس بنا پر لوگ ایک دوسرے کی روزی میں معاون بنتے ہیں۔ کارخانے دار کو دیکھیں کہ وہ کتنے لوگوں کے رزق کا وسیلہ بنتا ہے۔ یہی صورتِ حال زمیندار کی ہے کہ بظاہر وہ اپنی روزی کا بندوبست کرتا ہے۔ لیکن اپنے ساتھ درجنوں گھرانوں، سینکڑوں جانوروں اور ہزاروں کیڑے مکوڑوں کی روزی کا وسیلہ بنتا ہے۔

((عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِذِی الْحُلَيْفَةِ فَإِذَا هُوَ بِشَاةٍ مَيِّتَةٍ شَآئِلَةٍ بِرِجْلِهَا فَقَالَ أَتَرَوْنَ هٰذِهٖ هَيِّنَةً عَلٰى صَاحِبِهَا فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ

هٰذِهِ عَلٰى صَاحِبِهَا وَلَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَزِنُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا قَطْرَةً أَبَدًا))[سنن ابن ماجه: بَابُ مَثَلِ الدُّنْيَا]

''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذوالحلیفہ کے مقام پر تھے جبکہ ایک مری ہوئی بکری جس کی ٹانگیں اُوپر اُٹھی ہوئی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ مردہ بکری اُس کے مالک کے لیے حقیر ترین ہے۔ قسم ہے مجھے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے دنیا اللہ کے ہاں اس سے بھی زیادہ حقیر ہے۔ اگر دنیا کی وقعت اللہ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو اللہ کسی کافر کو ایک قطرہ پانی کا نہ دیتا۔''

((عَنْ أَبِي وَائِلٍ رضی اللہ عنہ عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ أَنَّ مُكَاتَبًا جَاءَهُ فَقَالَ إِنِّي قَدْ عَجَزْتُ عَنْ كِتَابَتِي فَأَعِنِّي قَالَ أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ عَلَّمَنِيهِنَّ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ كَانَ عَلَيْكَ مِثْلُ جَبَلِ ثَبِيرٍ دَيْنًا أَدَّاهُ اللّٰهُ عَنْكَ ؟ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ))

[رواه الترمذی: باب فی دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم]

''حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک مکاتب غلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور آکر عرض کی کہ میں اپنی غلامی کی رقم ادا کرنے سے عاجز آگیا ہوں میری مدد کیجیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تجھ کو ایسے کلمات نہ سکھلا دوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلائے تھے اگر تجھ پر ثبیر پہاڑ کے برابر قرض ہوگا تو اُس کو بھی اللہ تعالیٰ اُتار دے گا۔ فرمایا پڑھا کرو اے اللہ! مجھے حلال رزق کے ساتھ حرام سے بچا لے اور مجھے اپنے فضل کے ساتھ غنی فرما کر دوسروں سے بے نیاز فرما۔''

مسائل

۱۔ رزق تنگ اور کشادہ کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ۲۔ آخرت کا انکار کرنے والے دنیا کی زندگی پر خوش رہتے ہیں۔

۳۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔

تفسیر بالقرآن

دنیا کی حقیقت:

۱۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔ (الرعد: ۲۶)

۲۔ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں نہایت مختصر ہے۔ (التوبۃ: ۳۸)

۳۔ دنیا کی زندگی تھوڑی ہے اور آخرت متقین کے لیے بہتر ہے۔ (النساء: ۷۷)

۴۔ یقیناً دنیا کی زندگی عارضی فائدہ ہے اور آخرت کا گھر ہی اصل رہنے کی جگہ ہے۔ (المؤمن: ۴۳)

۵۔ دنیا کے مقابلے میں آخرت بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ (الاعلیٰ: ۱۷)

وَيَقُوْلُ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	لَوْ	لَآ	اُنْزِلَ	عَلَيْهِ
اور کہتے ہیں	وہ لوگ جنھوں نے	کفر کیا	کیوں	نہیں	نازل کی گئی	آپ پر
اٰيَةٌ	مِّنْ	رَّبِّهٖ ؕ	قُلْ	اِنَّ	اللّٰهَ	يُضِلُّ
کوئی نشانی	سے	آپ رب کی طرف	فرمادیجیے	بے شک	اللہ	گمراہ کرتا ہے
مَنْ	يَّشَآءُ	وَيَهْدِيْٓ	اِلَيْهِ	مَنْ	اَنَابَ ۚ (۲۷)	اَلَّذِيْنَ
جسے	چاہے	اور ہدایت دیتا ہے	اپنی طرف	جو	وہ رجوع کرے	وہ لوگ
اٰمَنُوْا	وَتَطْمَئِنُّ	قُلُوْبُهُمْ	بِذِكْرِ	اللّٰهِ ؕ	اَلَا	بِذِكْرِ
ایمان لائے	اور مطمئن ہوتے ہیں	ان کے دل	ذکر کے ساتھ	اللہ	آگاہ رہو!	ذکر کے ساتھ

”اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتاری گئی۔ فرمادیں کہ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور وہ اسے ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔“ (۲۷) ”وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے اطمینان پاتے ہیں۔ سن لو!

فہم القرآن

ربط کلام: عقیدۂ آخرت سے انحراف اور دنیا کے مال ومتاع پر اترانے کی وجہ سے منکرین حق کی ہٹ دھرمی۔

اس سورہ مبارکہ کی پہلی آیت میں قرآن مجید کو من جانب اللہ قرار دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آفاق، جمادات اور نباتات کے حوالے سے اپنی ذات اور صفات کے بارے میں اتنے بھاری اور ٹھوس دلائل دیے ہیں کہ جن کا جواب دینا انسان کے تصور سے ماوراء ہے۔ یہ ایسے ٹھوس اور بھاری دلائل ہیں کہ ان کا انکار کرنے والے کو اندھا قرار دیا گیا ہے۔ اسی اندھے پن کا نتیجہ تھا کہ کفار ٹھوس اور واضح دلائل کو تسلیم کرنے کی بجائے ہر بار مطالبہ کرتے کہ کوئی نیا معجزہ نازل کیا جائے۔ یہاں کفار کی کوتاہ بینی اور ہٹ دھر کا صرف اتنا جواب دیا ہے کہ اے رسول ﷺ! ان سے فرمادیں دلائل اور معجزات تو بہت آچکے مگر تم انہیں تسلیم کرنے کی بجائے انکار کی روش اختیار کیے ہوئے ہو۔ درحقیقت ہدایت اور گمراہی اللہ کے اختیار میں ہے جو شخص تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے حق کا انکار کرتا جائے۔ اسے اللہ تعالیٰ گمراہی میں کھلا چھوڑ دیتا ہے اور جو شخص ہدایت کی تمنا اور اس کی جستجو کرتا ہے اسے ہدایت عطا کی جاتی ہے۔ کیونکہ ہدایت اس قدر گراں مایہ نعمت ہے جو تمنا اور جستجو کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں انہیں ایمان کی دولت نصیب ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں۔ اے لوگو! یاد رکھو کہ دل اللہ کے ذکر سے ہی سکون اور اطمینان پاتے ہیں۔ جو لوگ ایمان کے ساتھ صالح کردار اپناتے

اللّٰهِ	تَطۡمَىِٕنُّ	الۡقُلُوۡبُ ؕ﴿۲۸﴾	اَلَّذِيۡنَ	اٰمَنُوۡا	وَعَمِلُوا
اللہ	مطمئن ہوتے ہیں	دل	وہ لوگ	ایمان لائے	اور انھوں نے عمل کیے

الصّٰلِحٰتِ	طُوۡبٰى	لَهُمۡ	وَحُسۡنُ	مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾
نیک	راحت وفرحت	ان کے لیے	اور اچھا	ٹھکانہ

اللہ ہی کی یاد سے دل اطمینان پاتے ہیں۔'' (۲۸) ''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے خوشحالی اور اچھا ٹھکانا ہے۔'' (۲۹)

ہیں ان کے لیے ان کی موت کے بعد ہر قسم کی خوشحالی اور رہنے کا بہترین مقام ہوگا۔ ''الذکر'' سے مراد اللہ پر سچا ایمان لانا اس کی تسبیح پڑھنا، اس کی معرفت حاصل کرنا اور اس کے بتلائے ہوئے طریقے پر زندگی بسر کرنا ہے۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے حج کے موقعہ پر جمرات کو کنکریاں مارنا، صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا اور بیت اللہ کے طواف کرنے کو اللہ کا ذکر قرار دیا ہے۔ ''اللہ'' کے ذکر سے مومن کا دل قرار اور سکون پا کر نیک اعمال کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ ایسے لوگوں کو جنت میں بہترین مکان اور مقام عطا کیے جائیں گے۔ ''طوبیٰ'' کا معنیٰ ہر قسم کی خوشحالی اور یہ جنت کے ایک درخت کا نام ہے۔ جس کے طول وعرض کے بارے میں آپ ﷺ نے یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

((عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لَہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ طُوْبٰی لِمَنْ رَآكَ وَآمَنَ بِكَ قَالَ طُوْبٰی لِمَنْ رَآنِیْ وَآمَنَ بِیْ ثُمَّ طُوْبٰی ثُمَّ طُوْبٰی ثُمَّ طُوْبٰی لِمَنْ آمَنَ بِیْ وَلَمْ یَرَنِیْ قَالَ لَہٗ رَجُلٌ وَمَا طُوْبٰی قَالَ شَجَرَۃٌ فِی الْجَنَّۃِ مَسِیْرَۃُ مِائَۃِ عَامٍ ثِیَابُ أَھْلِ الْجَنَّۃِ تَخْرُجُ مِنْ أَکْمَامِھَا))[رواہ أحمد وھو حدیث حسن]

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے آپ سے عرض کی اے اللہ کے رسول! اس آدمی کے لیے خوشخبری ہے جس نے آپ کو دیکھا اور آپ پر ایمان لایا۔ آپ نے فرمایا خوشخبری ہے اس کے لیے جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا، پھر خوشخبری ہو، خوشخبری ہو، خوشخبری ہو اس شخص کے لیے جو مجھ پر ایمان لایا اور اس نے مجھے دیکھا نہیں۔ آدمی نے آپ سے پوچھا طوبیٰ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ جنت میں ایک درخت ہے جس کی مسافت سو سال ہے اس کے خوشوں سے جنتیوں کا لباس نکلتا ہے۔''

ذکر کی اہمیت وفضیلت:

ذکر روحانی وجسمانی بیماریوں کا علاج، قلب ونظر کا سکون اور اطمینان، مشکلات سے نکلنے کا آسان راستہ، اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی نصرت وحمایت کا ذریعہ، ذکر کرنے والے کا حریم کبریا میں تذکرہ اور فلاح وکامیابی کا زینہ ہے لہٰذا ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو کثرت کے ساتھ یاد کیجیے۔

ذکر دنیا وآخرت کی کامیابیوں کا ذریعہ ہے۔ بشرطیکہ الفاظ اور انداز قرآن اور نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق ہو۔ من گھڑت یا بزرگوں کے حوالے سے مصنوعی درود ووظائف سے ممکن ہے کہ مشکلات آسان ہو جائیں مگر قرآن اور نبی ﷺ کے الفاظ کی برکت اور سنت رسول سے محرومی اس کا مقدر ہوگی۔

((عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ وَأَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيكِكُمْ وَأَرْفَعِهَا فِي دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٌ لَكُمْ مِنْ إِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ وَخَيْرٌ لَكُمْ مِنْ أَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوا أَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوا أَعْنَاقَكُمْ ؟ قَالُوا بَلَى قَالَ ذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالَى فَقَالَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ مَاشَيْءٍ أَنْجَى مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ))[رواہ الترمذی: باب ماجاء فی فضل الذکر]

”حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو وہ عمل نہ بتاؤں جو تمہارے سارے اعمال میں بہتر اور تمہارے درجات کو دوسرے اعمال سے زیادہ بلند کرنے والا ہے اور راہِ خدا میں سونا اور چاندی خرچ کرنے اور اس جہاد سے بھی زیادہ تمہارے لیے بہتر ہے جس میں تم اپنے دشمنوں کی گردنیں مارو اور وہ تمھاری گردنیں ماریں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کیوں نہیں اللہ کے رسول ضرور بتلائیں فرمایا وہ اللہ کا ذکر ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ کے عذاب سے بچانے والی نہیں ہے۔“

مسائل

۱۔ کفار معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہ رکھتا اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔
۳۔ اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔ ۴۔ ایمان دار اور صالح کردار لوگ اللہ کے ہاں خوش وخرم ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

ذکر کا حکم اور فائدہ:

۱۔ اللہ کے ذکر کے ساتھ دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔ (الرعد: ۲۸)

۲۔ صبح اور شام کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو۔ (آل عمران: ۴۱)

۳۔ اے ایمان والو! کثرت سے اللہ کو یاد کرو۔ (الاحزاب: ۴۱)

۴۔ اللہ کو کثرت کے ساتھ یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (الجمعۃ: ۱۰)

۵۔ اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والوں کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ (الاحزاب: ۳۵)

۶۔ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ (البقرۃ: ۱۵۲)

كَذٰلِكَ	اَرْسَلْنٰكَ	فِيْٓ	اُمَّةٍ	قَدْ خَلَتْ	مِنْ	قَبْلِهَآ
اسی طرح	ہم نے آپ کو بھیجا	میں	ایسی امت	تحقیق گزر چکی ہیں	سے	پہلے
اُمَمٌ	لِّتَتْلُوَا۟	عَلَيْهِمُ	الَّذِيْٓ	اَوْحَيْنَآ	اِلَيْكَ	وَهُمْ
کئی امتیں	تاکہ آپ پڑھیں	ان پر	وہ	ہم نے وحی کیا	آپ کی طرف	اور وہ
يَكْفُرُوْنَ	بِالرَّحْمٰنِ ط	قُلْ	هُوَ	رَبِّيْ	لَآ	اِلٰهَ
کفر کرتے ہیں	رحمٰن کے ساتھ	فرما دیجیے	وہ	میرا رب	نہیں	معبود
اِلَّا	هُوَ ج	عَلَيْهِ	تَوَكَّلْتُ	وَاِلَيْهِ	مَتَابِ ۝۳۰	
مگر	وہی	اسی پر	میں نے بھروسہ کیا	اور اسی کی طرف	میرا لوٹنا ہے	

''اسی طرح ہم نے آپ کو ایسی امت میں بھیجا جس سے پہلے کئی امتیں گزر چکیں، تاکہ انھیں وہ پیغام پڑھ کر سنائے جو ہم نے آپ کی طرف بھیجا ہے، اس حال میں کہ وہ اس رحمان کے ساتھ کفر کر رہے ہیں۔ فرما دیں وہی میرا رب ہے، اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میرا لوٹ کر جانا ہے۔'' (۳۰)

فہم القرآن

ربط کلام: ہر دور کے منکرین حق کا ایک جیسا انداز اور سوچ۔

اس فرمان کی ابتداء ''کذلك'' کے الفاظ سے کی گئی ہے جس کا مفہوم یہ ہے ''مانند'' اور ''اس جیسا''۔

یعنی جس طرح کا وطیرہ اہل مکہ اور قرآن کے منکروں نے اختیار کیا ہے۔ اس جیسا پہلے زمانے کے کفار بھی اختیار کیے ہوئے تھے انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام سے معجزات کا مطالبہ کیا۔ جب ان کے مطالبہ پر انبیاء کرام علیہم السلام نے انہیں من جانب اللہ معجزے دکھائے تو منکرین حق نے تسلیم ورضا کا رویہ اختیار کرنے کی بجائے انکار اور مخالفت کا رویہ اختیار کیا۔ یہ لوگ بالآخر دنیا میں ذلیل ہوئے اور قیامت کے دن انہیں شدید ترین عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کو ہم نے ایسی امت کی طرف بھیجا ہے جس جیسی پہلے امتیں گزر چکی ہیں۔ آپ کو بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں آپ من وعن پڑھ کر انہیں سناتے اور سمجھاتے جائیں۔ جس طرح پہلی امتوں کے لوگ انکار کرتے رہے آپ جن لوگوں کی طرف مبعوث کیے گئے ان میں بھی لوگ ''الرحمان'' کا انکار کرتے ہیں۔ آپ ان کے انکار پر شکست خوردہ اور دل گرفتہ ہونے کی بجائے انہیں صاف صاف فرمائیں۔ کہ تم بے شک ''الرحمٰن'' کا انکار کرو۔ میرا اُسی پر بھروسہ ہے اور اس کے سوا کوئی معبود حق، حاجت روا اور مشکل کشا نہیں ہے۔ بالآخر اسی

کی طرف سب نے پلٹ کر جانا ہے۔ اہل مکہ اللہ تعالیٰ کو معبود، مشکل کشا اور حاجت روا مانتے تھے مگر اس شرط کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ اختیارات اپنے سوا دوسروں کو بھی دے رکھے ہیں۔ جس بنا پر وہ بتوں کو خدا کا اُوتار اور شریک سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے مبارک نام ''الرحمٰن'' کا بالکل انکار کرتے تھے۔ جب انہیں کہا جاتا۔ اللہ ہی اور ''رحمٰن'' ہے اس ''الرحمٰن'' کو سجدہ کرو تو وہ کہتے، رحمٰن کون ہے کہ جسے ہم سجدہ کریں۔

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمٰنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا﴾ [الفرقان: ٦٠]

''اور جب اُنھیں کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کے لیے سجدہ کرو۔ وہ کہتے ہیں الرحمٰن کون ہے؟ کیا ہم اُسے سجدہ کریں جسے آپ سجدہ کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اُن کی نفرت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔''

وہ یہ بھی اعتراض کرتے تھے کہ اگر ہم، اللہ کے ساتھ اپنے معبودوں کو شریک کرتے ہیں تو آپ بھی ''رحمان'' کو اللہ کا شریک بناتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کی وضاحت کی گئی کہ اللہ کا دوسرا نام ''الرحمٰن'' ہے۔ اس لیے اللہ کو پکارو یا الرحمٰن کو، اُسی کے بہترین نام ہیں۔ (بنی اسرائیل: ۱۱۰)

مسائل

۱۔ پہلی امتوں کی طرف بھی رسول بھیجے گئے تھے۔

۲۔ نبی اکرم ﷺ کا کام لوگوں کے سامنے کتاب اللہ پڑھنا اور اس کی تفسیر کرنا تھا۔

۳۔ کافر ''الرحمٰن'' کا انکار کرتے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔

تفسیر بالقرآن

توکل علی اللہ کے فائدے:

۱۔ ''اللہ'' کے سوا کوئی الٰہ نہیں میں اسی پر توکل کرتا ہوں اور مجھے اسی کی طرف پلٹنا ہے۔ (الرعد: ۳۰)

۲۔ اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (آل عمران: ۱۵۹)

۳۔ جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہے۔ (الطلاق: ۳)

۴۔ عمل کرنے والوں کے لیے بہتر اجر ہے جو صبر کرتے ہیں اور اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ (العنکبوت: ۵۹)

وَلَوْ	اَنَّ	قُرْاٰنًا	سُيِّرَتْ	بِهِ	الْجِبَالُ	اَوْ
اور اگر	بے شک	کوئی قرآن	چلائے جاتے	اس کے ذریعے سے	پہاڑ	یا
قُطِّعَتْ	بِهِ	الْاَرْضُ	اَوْ كُلِّمَ	بِهِ	الْمَوْتٰى ؕ	بَلْ
قطع کی جاتی	ساتھ اس کے	زمین	یا کلام کیا جاتا	ساتھ اس کے	مردے	بلکہ
لِّلّٰهِ	الْاَمْرُ	جَمِيْعًا ؕ	اَفَلَمْ	يَايْئَسِ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْٓا
اللہ کے لیے	معاملہ	سارا	کیا پھر نہیں	جانا	ان لوگوں نے جو	ایمان لائے
اَنْ	لَّوْ	يَشَآءُ	اللّٰهُ	لَهَدَى	النَّاسَ	جَمِيْعًا ؕ
یہ کہ	اگر	چاہتا	اللہ	البتہ ہدایت دیتا	لوگوں کو	سب

”اور اگر ایسا قرآن ہوتا جس کے ذریعے پہاڑ چلائے جاتے یا اس کے ذریعے زمین قطع کی جاتی یا اس کے ذریعے مردوں سے کلام کیا جاتا تب بھی یہ ایمان نہ لاتے ، بلکہ تمام کام اللہ ہی کے اختیار میں ہے ،تو کیا جو لوگ ایمان لائے ہیں مایوس نہیں ہو گئے کہ اگر اللہ چاہے تو سب کے سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا

فہم القرآن

ربط کلام: کفار کے انکار اور بار بار معجزہ طلب کرنے کا دوسرا جواب۔

کفار کو بنیادی طور پر نبی اکرم ﷺ کی بجائے قرآن مجید کے ساتھ اختلاف تھا کیونکہ نزول قرآن سے پہلے اہل مکہ رسولِ معظم ﷺ کو ”الامین“ اور ”الصادق“ کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔ مگر جب آپ پر قرآن مجید نازل ہوا اور آپ نے اللہ کے رسول کی حیثیت سے اس کا ابلاغ شروع کیا تو کفار نے آپ کو کذاب کہنا شروع کیا۔ جس پر تبصرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اے پیغمبر! ہم جانتے ہیں کہ ان لوگوں کی ہرزہ سرائی آپ کو پریشان کرتی ہے۔ لیکن یقین جانیں کہ حقیقتاً یہ آپ کو جھوٹا نہیں سمجھتے بلکہ ظالم اللہ کی آیات کو جھٹلاتے اور ان کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں۔ (الانعام: ۳۳)

قرآن مجید کی مخالفت پر وہ یہ بھی مطالبہ کرتے تھے کہ اس قرآن کی بجائے کوئی اور قرآن لاؤ۔ (یونس: ۱۵)

یہاں اسی بات کا جواب دیا گیا ہے اگر قرآن مجید سے پہاڑ چلائے جاتے یا زمین پھاڑ دی جاتی یا اس کے ذریعے یہ لوگ مردوں سے ہم کلام ہوتے۔ تب بھی یہ لوگ قرآن مجید کو ماننے کے لیے تیار نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا قرآن نازل کرنا مشکل نہیں۔ کیونکہ ہر قسم کی طاقت اور اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں لیکن وہ طاقت کے زور پر کسی شخص کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتا۔ جہاں تک کفار کا بار بار دلائل اور معجزات طلب کرنا ہے۔ دلائل اور معجزات تو آچکے۔ لیکن کافر ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کیا اس صورتِ حال کے باوجود ایماندار لوگ، کفار کے طرزِ عمل اور سوچ سے مایوس نہیں ہوئے؟ ایمانداروں کو

وَ	لَا يَزَالُ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	تُصِيْبُهُمْ	بِمَا	صَنَعُوْا
اور	ہمیشہ رہیں گے	وہ لوگ جنھوں نے	کفر کیا	پہنچے گی انہیں	بوجہ اس کے جو	انھوں نے کیا

قَارِعَةٌ	اَوْ	تَحُلُّ	قَرِيْبًا	مِّنْ	دَارِهِمْ	حَتّٰى	يَاْتِيَ
سخت آفت	یا	وہ اترے گی	قریب	سے	گھروں	یہاں تک کہ	آجائے

وَعْدُ	اللّٰهِ ؕ	اِنَّ	اللّٰهَ	لَا	يُخْلِفُ	الْمِيْعَادَ ۝۳۱ ع
وعدہ	اللہ	بے شک	اللہ	نہیں	خلاف کرتا	وعدے

ع ۵ / ۱۰

اور جو لوگ کافر ہیں ہمیشہ اس حال میں رہیں گے کہ انہیں ان اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے کیے ہیں، کوئی نہ کوئی مصیبت آتی رہے گی یا ان کے گھر کے قریب نازل ہوگی، یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آجائے۔ یقیناً اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔" (۳۱)

تو سمجھ جانا چاہیے کہ کفار کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ طاقت کے زور پر چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت پر جمع کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے ہدایت کا معاملہ لوگوں کے اختیار پر چھوڑ رکھا ہے۔

ہدایت کا انکار کرنے والے بالآخر اپنے کردار کا خمیازہ بھگتیں گے۔ جو دنیا میں ان پر براہِ راست وارد ہوگا یا اس کے بھیانک اثرات ان کے گھروں تک پہنچیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آپہنچے۔ یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ وعدہ سے مراد دنیا میں تباہ کن عذاب اور قیامت کا عذاب ہے۔

مسائل

۱۔ نہ ماننے والے ہر قسم کے معجزات کا انکار کر دیتے ہیں۔
۲۔ ہر چیز کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔
۳۔ کافر اللہ تعالیٰ کا عذاب دیکھ کر بھی اپنے آپ کو نہیں بدلتے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا ارشاد اور وعدہ برحق ہے:

۱۔ اللہ کا وعدہ پورا ہوگا کیونکہ اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ (الرعد: ۳۱)

۲۔ بے شک اللہ نے تمہارے ساتھ سچا وعدہ کیا ہے۔ (ابراہیم: ۲۲)

۳۔ یہ وہی سچا وعدہ ہے جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا۔ (الاحقاف: ۲۰)

۴۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے۔ (لقمان: ۳۳)

۵۔ صبر کیجیے اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ (الحج: ۵۵)

فَاَمۡلَيۡتُ	قَبۡلِكَ	مِّنۡ	بِرُسُلٍ	اسۡتُهۡزِئَ	وَلَقَدِ
تو میں نے مہلت دی	آپ سے پہلے	سے	رسولوں کے ساتھ	مذاق کیا گیا	اور البتہ تحقیق

عِقَابِ ﴿۳۲﴾	كَانَ	فَكَيۡفَ	اَخَذۡتُهُمۡ قف	ثُمَّ	كَفَرُوۡا	لِلَّذِيۡنَ
میرا عذاب؟	ہوا	چنانچہ کیسا	میں نے ان کو پکڑا	پھر	کفر کیا	ان لوگوں کیلیے جنہوں نے

''اور بلاشبہ یقیناً آپ سے پہلے کئی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا تو میں نے ان لوگوں کو مہلت دی جنہوں نے کفر کیا پھر میں نے انہیں پکڑ لیا پھر میرا عذاب کیسا تھا۔''(۳۲)

فہم القرآن

ربط کلام: منکرین حق کی عجب حالت تھی۔ ان کے مطالبہ پر معجزہ ظاہر ہوتا تو نبی معظم ﷺ کو جادوگر قرار دیتے۔ اگر معجزہ دکھانے کی بجائے دلائل سے سمجھایا جاتا تو مذاق اڑاتے کہ کیسا رسول ہے کہ ہم نے فلاں معجزہ کا مطالبہ کیا تھا لیکن یہ اس کو پورا نہیں کر سکا۔ کیا ہم ایسے رسول پر ایمان لائیں کفار کے مذاق کرنے پر آپ ﷺ کو تسلی دینے کے ساتھ صورت حال سے آگہی بخشی جا رہی ہے کہ اے نبی ﷺ آپ اطمینان خاطر رکھیں۔ یہ تو ہم کفار کی آزمائش کرتے ہیں کہ کبھی ان کا مطالبہ مان کر معجزہ دکھا دیتے ہیں اور کبھی ان کے مطالبہ کو مسترد کر دیتے ہیں۔ پھر انکار اور آپ کا استہزا کرنے پر مہلت دیتے ہیں۔

اسی طرح ہم نے ان سے پہلے کفار کو آزمایا تھا۔ جب ان کی مہلت ختم ہوئی اور ہماری طرف سے حجت تمام ہو چکی ہم نے انہیں پکڑ لیا۔ ہمارا پکڑنا خوب ہوا کرتا ہے سورۃ البروج آیت: ۱۲ میں فرمایا کہ تیرے رب کی گرفت بڑی سخت ہوا کرتی ہے۔

جب ان کی مہلت پوری ہو گی تو ان پر ایسی گرفت ہو گی کہ انہیں چھڑانے اور بچانے والا کوئی نہ ہو گا۔ چنانچہ پہلی گرفت بدر کے میدان میں ہوئی کہ ان کے ستر سورماؤں کی لاشیں بدر کے کنویں میں پھینک دی گئیں۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کرام علیہم السلام کو مذاق کرنے والے لوگ:

۱۔ یقیناً رسولوں کے ساتھ اس سے پہلے بھی مذاق کیا گیا ہے۔(الرعد: ۳۲)

۲۔ کیا تم اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسولوں سے مذاق کرتے ہو۔(التوبہ: ۶۵)

۳۔ نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر انہوں نے اس کا مذاق اُڑایا۔(الحجر: ۱۱)

۴۔ افسوس ہے لوگوں پر جب بھی ان کے پاس کوئی رسول آیا تو انہوں نے اس کا مذاق اُڑایا۔(یٰس: ۳۰)

۵۔ نہیں آیا ان کے پاس کوئی نبی مگر وہ ان سے مذاق کرتے تھے۔(الزخرف: ۷)

۶۔ آپ سے پہلے بھی انبیا سے مذاق کیا جاتا رہا تب ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا۔(الانبیاء: ۴۱)

اَفَمَنْ	هُوَ قَآئِمٌ	عَلٰی	کُلِّ	نَفْسٍۭ	بِمَا	کَسَبَتْ ۚ
کیا پھر جو ذات	وہ نگہبان ہے	پر	ہر	نفس	ساتھ اس کے جو	اس نے کمایا
وَجَعَلُوْا	لِلّٰهِ	شُرَكَآءَ ؕ	قُلْ	سَمُّوْهُمْ ؕ	اَمْ	تُنَبِّئُوْنَهٗ
اور انھوں نے بنائے	اللہ کے لیے	شریک	کہہ دیجیے	تم ان کے نام تو لو	کیا	تم خبر دیتے ہو اس کو
بِمَا	لَا	يَعْلَمُ	فِي	الْاَرْضِ	اَمْ	بِظَاهِرٍ
ان چیزوں کی کہ	نہیں	وہ جانتا	میں	زمین	بلکہ	ظاہری
مِّنَ	الْقَوْلِ ؕ	بَلْ	زُيِّنَ	لِلَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	مَكْرُهُمْ
سے	لفظ	بلکہ	مزین کر دیا گیا	ان لوگوں کے لیے جنہوں نے	کفر کیا	ان کا مکر

”تو کیا وہ جو ہر نفس پر نگران ہے جو اس نے کمایا اور انہوں نے اللہ کے شریک بنا لیے۔ ان سے پوچھیں کہ ان کے نام بتلاؤ یا کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ زمین میں نہیں جانتا یا ویسے ہی کہہ رہے ہو بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے ان کا مکر

فہم القرآن

ربط کلام: اے رسول! کیا آپ کو مذاق کرنے والے بھول گئے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ ان پر نگران نہیں ہے؟

اے رسول! انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مذاق کرنے والے مجرموں کو اس ذاتِ حق نے پکڑا جو ہر نفس پر نگران اور اسے پکڑنے پر پوری طرح قادر ہے۔ وہ ہر نفس کے کردار اور افکار پر نگران ہے۔ رقیب کے معنی نگران کے ہیں۔ اس کے لفظی معنی کھڑے ہونے کے بھی ہیں جو ہر زبان میں محاورہ ہے کہ فلاں شخص فلاں کے سر پر کھڑا ہے۔ پہلے لوگوں کے گناہوں کا بنیادی سبب شرک تھا اور ان لوگوں نے بھی اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں۔ انہیں بتلائیں کہ جن کو تم حاجت روا سمجھے ہو یہ تو محض تمہارے رکھے ہوئے نام ہیں۔ ان کے پیچھے نہ کوئی وجود ہے اور نہ ہی ان کی کوئی حقیقت جب تم پر اللہ کی گرفت ہوگی تو کوئی تمہارے کام نہ آ سکے گا۔ مشرکوں کے رکھے ہوئے ناموں کی حقیقت پر غور کریں تو معلوم ہوگا۔ یہ ایک دھوکہ اور افسانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ مثال کے طور پر پیر عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو لیجیے۔ لوگ انھیں دستگیر کہتے ہیں کہ وہ ڈوبتے بیڑے بچا لیتے ہیں۔ 2005ء کی بات ہے پوری دنیا کے اخبارات اٹھا کر دیکھیں اور اس وقت ٹی وی بلیٹن نکلوا کر دیکھیں اور سنیں کہ امریکہ کی عراق پر بمباری سے پیر عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے مزار کو کس قدر شدید نقصان پہنچا۔ اسی طرح نجف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مزار کا ایک حصہ تباہ ہوا۔ پیر صاحب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے مزارات کو نہ بچا سکے۔ گویا کہ علی مشکل کشا اور پیر دستگیر محض مشرکوں کے رکھے ہوئے نام ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

دراصل کفار کے لیے ان کے مکر و فریب خوبصورت بنا دیے گئے ہیں۔ (النحل: ۶۳) اور وہ راہِ حق سے روک دیے گئے ہیں۔ یہاں

وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا
اور وہ روکے گئے — سے — راہ — اور جسے — گمراہ کرے — اللہ — تو نہیں ہے

لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ
اس کے لیے — سے — ہدایت دینے والا — ان کے لیے — عذاب — میں — زندگی

الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ
دنیا — اور البتہ عذاب — آخرت — سخت ترین — اور نہیں — ان کے لیے — سے

اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾
اللہ — سے — بچانے والا

خوشنما بنا دیا گیا ہے اور وہ صحیح راستے سے روک دیے گئے اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔“ (۳۳)
”ان کے لیے عذاب دنیا کی زندگی میں ہے اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے اور انہیں اللہ سے کوئی بچانے والا نہیں۔“ (۳۴)

مشرکوں کو کافر اور ان کے شرک کو مکروفریب قرار دیا گیا ہے مکر کا مفہوم ہے کسی کے خلاف سازش کرنا یا حقیقت کے خلاف کوئی چیز پیش کرنا۔ ① قولی اور فعلی طور شرک کا پرچار کرنے والے لوگ توحید کے عقیدہ کے خلاف سازش کرتے ہیں۔ ② شرک کرنے والے ہمیشہ جھوٹی اور من گھڑت کہانیوں کے ذریعے لوگوں کا عقیدہ خراب کرتے ہیں جسے قرآن مجید نے مکروفریب قرار دیتا ہے۔ ③ شرک جھوٹ، فریب اور مکرو ریا کا دوسرا نام ہے۔ ④ شرک کا پرچار کرنے والے من گھڑت بزرگوں کی کرامات کے حوالے سے جھوٹے قصے بیان کر کے لوگوں کو دھوکہ دے کر عقیدہ توحید سے روکتے ہیں۔ ⑤ مشرک ایک سازش اور گھناؤنے منصوبے کے تحت جھوٹی کرامات بیان کر کے لوگوں کا مال ہڑپ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو دنیا میں بھی عذاب دے گا اور آخرت میں ان کے لیے سخت ترین عذاب ہوگا۔ انہیں بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ کسی فرد اور قوم کی گمراہی کی اس وقت کوئی حد نہیں رہتی جب اس کے گناہ اس کے لیے فیشن اور فخر کا ذریعہ بن جائیں۔ ایسے فرد یا قوم کو پھر کوئی راہِ راست پر نہیں لاسکتا۔ پہلی قوموں کے عذاب کے واقعات قرآن مجید نے بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ اہل مکہ پر اس طرح کا عذاب نازل نہ ہوا۔ لیکن تباہی اور ذلت کے حوالے سے انہیں پہلی اقوام کے مقابلہ میں بہت بڑی سزا سے دوچار ہونا پڑا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کفار کو ان کا مکروفریب خوشنما کر کے دکھاتا ہے۔ ۲۔ جسے اللہ گمراہ رکھنا چاہے اسے کوئی راہ راست پر نہیں لاسکتا۔
۳۔ کفار کو دنیا اور آخرت میں عذاب ہوگا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کفار کو کوئی نہیں بچاسکتا۔

مَثَلُ	الْجَنَّةِ	الَّتِيْ	وُعِدَ	الْمُتَّقُوْنَ ؕ	تَجْرِيْ
مثال	جنت	جو	وعدہ دیے گئے ہیں	متقی لوگ	بہتی ہیں

مِنْ	تَحْتِهَا	الْاَنْهٰرُ ؕ	اُكُلُهَا	دَآئِمٌ	وَّظِلُّهَا ؕ	تِلْكَ	عُقْبَى
سے	نیچے	نہریں	اس کے پھل	دائمی	اوراس کا سایہ	یہ	انجام ہے

الَّذِيْنَ	اتَّقَوْا ۖۗ	وَّعُقْبَى	الْكٰفِرِيْنَ	النَّارُ ۟
ان لوگوں کا جنھوں نے	تقویٰ اختیار کیا	اور انجام	کافروں کا	آگ ہے

''اس جنت کی خوبی یہ ہے جس کا متقی لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، اس کے پھل اور سایہ ہمیشہ رہنے والا ہے یہ ان لوگوں کا صلہ ہے جو پرہیز گاری اختیار کرتے رہے اور کافروں کا انجام آگ ہے۔'' (۳۵)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار اور مشرکوں کے مقابلہ میں توحید کا عقیدہ رکھنے اور نیک اعمال کرنے والوں کا بہتر انجام اور صلہ۔

قرآن مجید اپنے دلکش اور مفید ترین اسلوب کے مطابق دونوں قسم کے لوگوں اور کرداروں کا انجام بیان کرتے ہوئے واضح کرتا ہے جن لوگوں نے صرف ایک اللہ کو مشکل کشا اور حاجت روا جانا اور اس کے حکم کے تابع ہو کر زندگی بسر کی، مشرکوں اور کفار کے ظلم وستم کا نشانہ بنے ان کے لیے جنت کا وعدہ ہے جس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔ اس کے گھنے پھل اور ٹھنڈے سائے ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

متقین کا بہترین انجام ہوگا اور ان کے مقابلہ میں کفار کے لیے جہنم کی آگ کے دہکتے ہوئے انگارے ہوں گے۔

جنتیوں اور جہنمیوں کا فرق:

((جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ ؓ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَأْکُلُ أَھْلُ الْجَنَّةِ فِیْھَا وَیَشْرَبُوْنَ وَلَا یَتَغَوَّطُوْنَ وَلَا یَمْتَخِطُوْنَ وَلَا یَبُوْلُوْنَ وَلٰکِنْ طَعَامُھُمْ ذَاكَ جُشَاءٌ کَرَشْحِ الْمِسْكِ یُلْھَمُوْنَ التَّسْبِیْحَ وَالْحَمْدَ کَمَا یُلْھَمُوْنَ النَّفَسَ قَالَ وَفِیْ حَدِیْثِ حَجَّاجٍ طَعَامُھُمْ ذٰلِكَ)) [رواہ مسلم: کتاب صفة القیامة والجنة النار، باب فِیْ صِفَاتِ الْجَنَّةِ وَأَھْلِھَا وَتَسْبِیْحِھِمْ فِیْھَا بُکْرَةً وَّعَشِیًّا]

''حضرت جابر بن عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا جنتی جنت میں کھائیں پییں گے، نہ پاخانہ کریں گے اور نہ ان کی ناک سے فضلہ آئے گا اور نہ ہی وہ پیشاب کریں گے۔ ان کا کھانا کستوری کی مانند ایک ڈکار سے ہضم ہوگا، تسبیح اور تحمید ان میں اس طرح الہام کی جائیں گی جس طرح سانس چلتی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ تسبیح اور تحمید ان کی غذا ہوگی۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لِأَهْوَنِ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا لَوْ كَانَتْ لَكَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا أَكُنْتَ مُفْتَدِيًا بِهَا فَيَقُوْلُ نَعَمْ فَيَقُوْلُ قَدْ أَرَدْتُّ مِنْكَ أَهْوَنَ مِنْ هٰذَا وَأَنْتَ فِيْ صُلْبِ آدَمَ أَنْ لَّا تُشْرِكَ أَحْسَبُهُ قَالَ وَلَا أُدْخِلَكَ النَّارَ فَأَبَيْتَ إِلَّا الشِّرْكَ))

[رواه مسلم : كتاب صفة القيامة والجنة النار]

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جہنمیوں میں سے کم ترین عذاب والے سے کہے گا۔ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے وہ تیرے لیے ہو تو کیا تو اسے فدیہ کے طور پر دے دے گا وہ کہے گا جی ہاں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے اس سے بھی زیادہ تجھ سے نرمی کی تھی جب کہ تو آدم کی پشت میں تھا کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا، راوی کا خیال ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تجھے جہنم میں داخل نہ کرتا لیکن تو شرک سے باز نہیں آیا۔“

((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ نَارُكُمْ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا مِّنْ نَّارِ جَهَنَّمَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنْ كَانَتْ لَكَافِيَةً قَالَ فُضِّلَتْ عَلَيْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَّ سِتِّيْنَ جُزْءًا كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا))

[رواه البخاری: باب صِفَةِ النَّارِ وَأَنَّهَا مَخْلُوقَةٌ]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا تمہاری آگ‘ دوزخ کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک ہے آپ سے عرض کیا گیا‘ اے اللہ کے رسول ﷺ! جلانے کو تو یہی آگ کافی تھی۔ آپ نے فرمایا دوزخ کی آگ کو دنیا کی آگ سے اُنہتر ڈگری بڑھا دیا گیا ہے، ہر ڈگری دنیا کی آگ کے برابر ہوگی۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے متقین کے ساتھ جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ ۲۔ جنت کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

۳۔ جنت کے پھل اور سائے ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ۴۔ کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔

تفسیر بالقرآن

متقین کا صلہ اور کفار کا انجام:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے متقین کے ساتھ جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔ (الرعد:۳۵)

۲۔ صبر کرو متقین کا بہتر انجام ہے۔ (ہود:۴۹) ۳۔ متقین کے لیے جنت ہے۔ (الحجر:۴۵)

۴۔ کفار کے چہرے کالے ہوں گے اور جنتیوں کے چہرے پر نور ہوں گے۔ (آل عمران:۱۰۶۔۱۰۷)

۵۔ مجرم کے لیے جہنم ہے۔ (طٰہٰ:۷۴) ۶۔ کافر ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ (الزخرف:۷۴)

۷۔ کفار کے چہروں پر ذلت چھائی ہوگی اور متقین کے چہرے ہشاش بشاش ہوں گے۔ (یونس:۲۶۔۲۷)

وَالَّذِيْنَ	اٰتَيْنٰهُمُ	الْكِتٰبَ	يَفْرَحُوْنَ	بِمَآ	اُنْزِلَ	اِلَيْكَ
اور وہ لوگ	ہم نے ان کو دی	کتاب	وہ خوش ہوتے ہیں	اس کے ساتھ جو	اتارا گیا	آپ کی طرف
وَمِنَ	الْاَحْزَابِ	مَنْ	يُّنْكِرُ	بَعْضَهٗ ؕ	قُلْ	اِنَّمَآ
اور سے	کچھ گروہ	جو	انکار کرتے ہیں	اس کا بعض	فرمادیجیے	صرف
اُمِرْتُ	اَنْ	اَعْبُدَ	اللّٰهَ	وَلَآ	اُشْرِكَ	بِهٖ ؕ
حکم دیا گیا ہے	یہ کہ	میں عبادت کروں	اللہ	اور نہ	میں شریک ٹھہراؤں	اس کے ساتھ
اِلَيْهِ	اَدْعُوْا	وَاِلَيْهِ	مَاٰبِ ۝			
میں اسی کی طرف	بلاتا ہوں	اور اسی کی طرف	میری واپسی ہے			

''اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس پر خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف اتارا گیا اور کچھ گروہ وہ ہیں جو اس کے کچھ حصے کا انکار کرتے ہیں۔فرمادیں مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤں۔ میں اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف میرا پلٹنا ہے۔''(۳۶)

فہم القرآن

ربط کلام: موحدین کا صلہ،مشرکین اور کفار کا انجام بیان کرنے کے بعد اہل کتاب کو شرک کے بارے میں متنبہ کیا گیا ہے۔

اہل کتاب دو گروہ تھے ایک وہ جماعت جس نے حق پہنچایا اور اس پر ایمان لائے اور دین اسلام پر خوش ہو گئے۔دوسرے وہ وگ تھے جنھوں نے حق جاننے کے باوجود تعصب کی وجہ سے اس کا انکار کیا۔اس طرح یہ لوگ کفر و شرک میں مبتلا ہوئے اور مبتلا رہیں گے۔

شرک کرنے والوں کو مجموعی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا گروہ کفار کا ہے جو ملائکہ،جنات،شمس و قمر ،ستاروں،بتوں اور دیگر چیزوں کو مختلف انداز میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات میں شریک سمجھتے ہیں۔دوسرے وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو کسی نہ کسی نبی کا پیروکار اور آسمانی کتاب کا حامل سمجھتے ہیں۔

لیکن انبیاء علیہم السلام اور اپنے بزرگوں کی روحوں اور مزارات کو اللہ کے قرب کا ذریعہ اور اس کے حضور وسیلہ اور واسطہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا اور عیسائیوں کی اکثریت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اور حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ کی بیوی قرار دیا۔آپ کو حکم ہے کہ اے رسول! آپ فرمادیں کہ میں صرف اور صرف ایک اللہ کی دعوت دیتا ہوں اور اسی کے حضور مجھے پیش ہونا ہے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَتَی الْمَقْبَرَةَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ

وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ وَدِدْتُ اَنَّا قَدْ رَاَیْنَا اِخْوَانَنَا قَالُوْا اَوَلَسْنَا اِخْوَانَكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَنْتُمْ اَصْحَابِیْ وَاِخْوَانُنَا الَّذِیْنَ لَمْ یَاْتُوْا بَعْدُ فَقَالُوْا كَیْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَّمْ یَاْتِ بَعْدُ مِنْ اُمَّتِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ اَرَاَیْتَ لَوْ اَنَّ رَجُلًا لَّہٗ خَیْلٌ غُرٌّ مُّحَجَّلَۃٌ بَیْنَ ظَھْرَیْ خَیْلٍ دُھْمٍ بُھْمٍ اَلَا یَعْرِفُ خَیْلَہٗ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ فَاِنَّھُمْ یَاْتُوْنَ غُرًّا مُّحَجَّلِیْنَ مِنَ الْوُضُوْءِ وَاَنَا فَرَطُھُمْ عَلَی الْحَوْضِ))[رواہ مسلم :کتاب الطھارۃ، باب اسْتِحْبَابِ إِطَالَۃِ الْغُرَّۃِ وَالتَّحْجِیلِ فِی الْوُضُوْءِ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن قبرستان میں تشریف لے گئے فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ اے ایمان والو!تم پر سلام ہو ہم ان شاء اللہ عنقریب تم سے ملنے والے ہیں۔میری تمنا ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کی زیارت کریں۔ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں۔آپ نے فرمایا تم میرے ساتھی ہو۔میری مراد وہ بھائی ہیں جو ہمارے بعد آئیں گے۔ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ اپنی امت کے بعد والے لوگوں کو کس طرح پہچانیں گے؟ آپ نے استفسار فرمایا اگر کسی شخص کے گھوڑے کی پیشانی اور چاروں پاؤں سفید ہوں کیا وہ بالکل سیاہ رنگ گھوڑوں میں اسے پہچان نہیں سکتا؟۔ہم نے عرض کیا کیوں نہیں ۔فرمایا کہ بعد میں آنے والے لوگوں کے اعضا وضو کی وجہ سے چمکتے ہوں گے میں حوضِ کوثر پر ان کا استقبال کروں گا۔''

مسائل

۱۔ کتاب اللہ کو تسلیم کرنے والے اس کے احکام سے خوش ہوتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا۔

۳۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ایک اللہ کی طرف بلاتے تھے۔ ۴۔ ہر کسی نے اللہ تعالیٰ کے ہاں پلٹ کر جانا ہے۔

تفسیر بالقرآن

سب نے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے:

۱۔ میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے واپس جانا ہے۔(الرعد:۳۶)

۲۔ اللہ کو ہی قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف تم نے لوٹنا ہے۔(الزخرف:۸۵)

۳۔ زمین اور جو کچھ اس میں ہے ہم اس کے وارث ہیں اور وہ ہماری طرف لوٹیں گے(مریم:۴۰)

۴۔ اللہ کے لیے زمین و آسمان کی بادشاہت ہے اور اسی کے سامنے پیش کیے جاتے۔(الزمر:۴۴)

۵۔ وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے اور اسی کے حضور تم نے پیش ہونا ہے(یونس:۵۶)

وَكَذٰلِكَ	اَنْزَلْنٰهُ	حُكْمًا	عَرَبِيًّا	وَلَئِنِ	اتَّبَعْتَ	
اور اسی طرح	ہم نے اس کو نازل کیا	حکم	عربی	اور البتہ اگر	آپ نے پیروی کی	
اَهْوَآءَ	هُمْ	بَعْدَ	مَا	جَآءَكَ	مِنَ	الْعِلْمِ
خواہشوں کی	ان کی	بعد	اس کے کہ	آیا آپ کے پاس	سے	علم
مَا	لَكَ	مِنَ	اللّٰهِ	مِنْ	وَّلِيٍّ	وَّلَا	وَاقٍ ﴿۳۷﴾
نہیں ہوگا	آپ کے لیے	سے	اللہ	سے	حمایتی	اور نہ	بچانے والا

ع ۵ ۱۱

''اور اسی طرح ہم نے اسے عربی میں نازل کیا اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی، اس کے بعد جو آپ کے پاس علم آچکا تو اللہ کے مقابلے میں نہ آپ کا کوئی خیر خواہ ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا۔'' (۳۷)

فہم القرآن

ربط کلام: جس طرح پہلے انبیاء ﷩ کو آسمانی کتابیں عنایت کی گئیں۔ اسی طرح نبی ﷺ کو قرآن مجید عطا ہوا جو عربی زبان میں ہے۔ آپ کو حکم تھا کہ لوگوں کی خواہشات کے پیچھے چلنے کی بجائے اللہ کے حکم کی اتباع کرنا ہے۔

اس خطاب کا آغاز آیت نمبر ۳۰ سے ان الفاظ سے شروع ہوا ہے کہ آپ کی امت جیسی پہلے بھی امتیں گزری ہیں۔ لہٰذا آپ اپنی امت کو پڑھ کر سنائیں۔ جو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے۔ یہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی حیثیت رکھتا ہے یہ ایسا حکم ہے جس میں اچھے کاموں کے کرنے کا حکم ہے اور بُرے کاموں سے منع کیا گیا ہے۔ اچھے کام کرنے والوں کے لیے خوشخبریاں ہیں اور بُرے کام کرنے والوں کو ان کے بُرے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر مشتمل ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ جس طرح پہلی کتابیں جن لوگوں کے لیے نازل کی گئیں وہ انہی کی زبان میں تھیں۔ تاکہ لوگوں کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ جس قوم کی زبان میں کتاب نازل ہوتی ہے ان کا فرض دوسری اقوام سے نسبتاً زیادہ ہوتا ہے اور جس شخصیت گرامی پر کتاب نازل ہوتی ہے اس شخصیت پر سب سے بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا اے پیغمبر! آپ پر ہم نے قرآن مجید نازل کیا جو سراسر علم و حکمت کا منبع ہے۔ اس کے باوجود اگر آپ نے ہمارے حکم کو چھوڑ کر خوف یا کسی وجہ سے ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں نہ کوئی آپ کا حمایتی ہوگا اور نہ ہی کوئی آپ کو بچانے والا ہوگا۔ آپ کو اور آپ کے حوالے

سے آپ کی امت کو یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ ہر حال میں اپنے رب کا حکم ماننا ہے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ لِأَنِّیْ عَرَبِیٌّ ، وَالْقُرْاٰنَ عَرَبِیٌّ ، وَکَلَامَ أَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِیٌّ))[شعب الایمان للبیهقی]

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں عربوں سے تین وجہ سے محبت کرتا ہوں اس لیے کہ میں عربی ہوں، قرآن عربی زبان میں نازل ہوا اور جنتیوں کی زبان بھی عربی ہوگی۔“

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ)) [رواه فی شرح السنة وقال النووی فی أربعینه : هذا حدیث صحیح]

”عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اُس چیز کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لایا ہوں۔“

مسائل

۱۔ قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں انسان کا کوئی مدد گار نہیں ہوتا۔

۳۔ دین کا علم حاصل ہو جانے کے بعد کسی کی خواہشات کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں انسان کو کوئی بچانے والا نہیں:

۱۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خواہشات کی پیروی کریں گے تو آپ کا نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی اللہ سے بچانے والا ہوگا۔ (الرعد:۳۷)

۲۔ اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ (ہود:۴۳)

۳۔ جب اللہ نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں پکڑ لیا تو انہیں کوئی بچانے والا نہ تھا۔ (المومن:۲۱)

۴۔ اس دن تم پیٹھوں کے بل واپس پلٹو گے اللہ تعالیٰ سے تمہیں کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ (المومن:۳۳)

۵۔ کہہ دیجیے کون ہے جو تمہیں اللہ کے عذاب سے بچائے گا اگر وہ تمہیں اُس میں مبتلا کرنا چاہے۔ (الاحزاب:۱۷)

۶۔ ان کے چہروں کو ذلت و رسوائی نے ڈھانپ رکھا ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے اُنھیں کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ (یونس:۲۷)

وَلَقَدْ	اَرْسَلْنَا	رُسُلًا	مِّنْ	قَبْلِكَ	وَجَعَلْنَا	لَهُمْ
اور البتہ تحقیق	ہم نے بھیجے	کئی رسول	سے	آپ سے پہلے	اور ہم نے بنائیں	ان کے لیے
اَزْوَاجًا	وَّذُرِّيَّةً	وَمَا	كَانَ	لِرَسُوْلٍ	اَنْ	يَّاْتِيَ
بیویاں	اور اولاد	اور نہیں	ہے	کسی رسول کے لیے	یہ کہ	وہ لے آئے
بِاٰيَةٍ	اِلَّا	بِاِذْنِ	اللّٰهِ	لِكُلِّ	اَجَلٍ	
کوئی نشانی	مگر	حکم کے ساتھ	اللہ	ہر	مقررہ وعدہ	
كِتَابٌ ۝٣٨	يَمْحُوا	اللّٰهُ	مَا	يَشَآءُ	وَيُثْبِتُ	
لکھا ہوا ہے	مٹاتا ہے	اللہ	جو	چاہتا ہے	اور ثابت رکھتا ہے	
وَعِنْدَهٗٓ	اُمُّ	الْكِتٰبِ ۝٣٩				
اور اسی کے پاس ہے	اصل	کتاب				

''اور ہم نے کئی رسول آپ سے پہلے بھیجے اور ان کی بیویاں اور بچے بنائے اور کسی رسول کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ کوئی نشانی لے آتا مگر اللہ کی اجازت سے۔ ہر مقررہ وعدے کے لیے لکھا ہوا ہے۔'' (۳۸) ''اللہ مٹا دیتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے جسے چاہتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے'' (۳۹)

فہم القرآن

ربط کلام: نئے خطاب کا آغاز اور کفار کے ایک اعتراض کا جواب۔

مکہ اور حجاز کے کافر جہالت اور عصبیت کی بناء پر رسول محترم ﷺ پر یہ اعتراض بھی کیا کرتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے؟ جو ہماری طرح کھانے پینے کا محتاج اور بیوی بچوں والا ہے۔ اس اعتراض کا جواب سورۃ یونس کی ابتدا میں یوں جواب دیا گیا کہ لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوا ہے کہ انہی میں سے ایک شخص پر ہم نے کتاب نازل کی ہے حالانکہ اس میں تعجب کی بات نہیں بلکہ اس میں ایمان لانے والوں کے لیے خوشی اور آسانی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ایک شخص کو رسول بنایا تاکہ ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے والوں کے لیے آسانی اور خوشخبری ہو آپ ﷺ کو خوشخبری سنانے والا بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (یونس: ۳)

سورۃ آل عمران آیت: ۱۶۴ میں ارشاد ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا ہے کہ انہی میں سے ایک شخصیت کو رسول بنایا ہے۔

سورۃ التوبۃ آیت: ۱۲۸ میں فرمایا اے لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے جسے تمہاری تکلیف بڑی گراں

گزرتی ہے اورتمہارے ایمان لانے کے بارے میں وہ بڑی آرزو رکھتا ہے اور ایمان لانے والوں کے ساتھ نہایت شفقت کرنے والا، مہربان ہے۔

قرآن مجید کا دوسرا جواب:

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَآئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا﴾

[بنی اسرائیل:۹۵]

''اگر زمین میں بسنے والے فرشتے ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لیے فرشتہ ہی نبی بنا کر بھیجتا۔''

تیسرا جواب:

﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ إِلَّآ إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْأَسْوَاقِ﴾

[الفرقان:۲۰]

''اے پیغمبر! ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب کے سب کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلا پھرا کرتے تھے یعنی ایک چلتے پھرتے انسان ہی ہوا کرتے تھے۔''

جہاں تک کفار کے دوسرے اعتراض کے جواب کا معاملہ ہے کہ آپ ان کے لیے کوئی معجزہ نازل کریں اس کا بھی قرآن مجید نے بارہا دفعہ تفصیلی جواب دیا ہے۔ یہاں صرف اتنا ارشاد فرمایا کیونکہ پیغمبر ایک انسان ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نبی کے بس کی بات نہیں کہ وہ جب چاہے اور جس طرح کا چاہے لوگوں کے سامنے معجزہ پیش کر سکے۔ آپ ﷺ پر اعتراض کرنے والوں کو یہ خبر ہونی چاہیے کہ ہر دور کے لیے ایک کتاب ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ جو چاہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہے برقرار رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس ام الکتاب ہے۔ جو لوحِ محفوظ ہے۔ اس میں ہر چیز پوری تفصیل کے ساتھ اس کے پاس لکھی ہوئی ہے۔ کچھ باتوں کو مٹانے اور کچھ کو برقرار رکھنے کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔

۱۔ کراماً کاتبین ہر انسان کے ہر قول وفعل کو لکھتے جا رہے ہیں یہاں تک کہ کوئی انسان دل ہی دل میں کسی بات پر خوش ہوتا ہے تو اس کے چہرے پر عیاں ہونے والے خوشی کے اثرات کو بھی کراماً کاتبین ضبطِ تحریر میں لے آتے ہیں۔ گویا کہ انسان جو بھی اچھے برے، چھوٹے موٹے کام کرتا ہے کراماً کاتبین اس کا مسلسل اندراج کر رہے ہوتے ہیں۔ جو جمعرات کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ جس کے چاہتا ہے گناہ معاف کر دیتا ہے اور کچھ گناہ ایسے ہیں جو برقرار رکھے جاتے ہیں حتی کہ جن کا کرنے والا اپنے رب کے حضور توبہ کر لے۔ تاہم سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہے۔

۲۔ دوسرا مفہوم اہل علم نے یہ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس بات کا پورا پورا اختیار ہے کہ وہ اپنے احکام یعنی اپنی طرف سے نازل

کردہ کتاب سے جس حکم کو چاہے ختم کردے اور جسے چاہے باقی رہنے دے۔پیغمبر کو اس میں کسی قسم کے ردّ و بدل کا ذرہ برابر اختیار نہیں۔(تفصیل کے لیے دیکھیں فہم القرآن جلد اول صفحہ:۱۸۳)

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ أَعْمَالَ بَنِیْ آدَمَ تُعْرَضُ کُلَّ خَمِیْسٍ لَیْلَةَ الْجُمُعَةِ فَلَا یُقْبَلُ عَمَلُ قَاطِعِ رَحِمٍ)) [رواہ أحمد وھو حدیث حسن]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا آپ نے فرمایا یقیناً انسان کے اعمال جمعرات کو یعنی جمعہ کی شام کو پیش کیے جاتے ہیں۔پس رشتہ داری توڑنے والے کے اعمال قبول نہیں کیے جاتے۔''

مسائل

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی رسول مبعوث کیے گئے۔ ۲۔ تمام انبیاء علیہم السلام رشتے، ناطے رکھتے تھے۔

۳۔ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی رسول معجزہ نہیں دکھا سکتا تھا۔

۴۔اللہ تعالیٰ جس حکم کو چاہے مٹا دے اور جس کو چاہے برقرار رکھے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے پاس سب کچھ لکھا ہوا اور محفوظ ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ جس حکم کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس حکم کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور اسی کے پاس محفوظ کتاب ہے۔(الرعد:۳۹)

۲۔ اور ہم قیامت کے دن لکھا ہوا اعمالنامہ انسان کے سامنے کردیں گے اور ہر کوئی اسے کھلا ہوا دیکھ لے گا۔(بنی اسرائیل:۱۳)

۳۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے اللہ اس کو جانتا ہے۔تمام چیزیں لکھی ہوئی ہیں۔(الحج:۷۰)

۴۔ تمہیں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے وہ لکھی ہوئی ہے۔(الحدید:۲۲)

۵۔ یہ ہمارا لکھا ہوا ہے جو ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے تم جو کچھ بھی کرتے تھے ہم لکھواتے جاتے تھے۔(الجاثیۃ:۲۹)

۶۔ وہ کہیں گے ہائے افسوس یہ اعمال نامہ کیسا ہے جس میں ہر چھوٹی بڑی بات موجود ہے۔(الکھف:۴۹)

وَاِنْ مَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ

اور اگر ہم آپ کو دکھائیں بعض وہ جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا

نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ ۝۴۰

ہم آپ کو وفات دے دیں تو صرف آپ پر پہنچانا ہی ہے اور ہم پر ہے حساب

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ

کیانہیں انھوں نے دیکھا بے شک ہم چلے آتے ہیں زمین کو اسے کم کرتے ہوئے سے

اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ یَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ

اس کے اطراف اور اللہ حکم کرتا ہے نہیں کوئی رد کرنے والا اس کے حکم کو

وَهُوَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۝۴۱

اور وہ جلد حساب لینے والا ہے

''اور اگر ہم آپ کو اس میں سے کچھ دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا آپ کو اٹھا لیں تو آپ کے ذمے صرف پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمے حساب لینا ہے۔'' (۴۰) ''اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا ہم زمین کو تمام اطراف سے کم کر رہے ہیں اور اللہ فیصلہ فرماتا ہے، اس کے فیصلے پر کوئی نظر ثانی کرنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔'' (۴۱)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار کے اعتراض کا دوسرا جواب:

منکرین حق کا سینکڑوں دلائل سننے اور درجنوں معجزات دیکھنے کے باوجود اس بات پر مصر رہنا اور تکرار کرنا کہ رسول ہمیں مزید معجزات کیوں نہیں دکھاتا یا ہمارے مطالبہ پر ہم پر سخت ترین عذاب نازل کیوں نہیں ہوتا؟ اس کا بھی قرآن مجید نے متعدد مقامات پر جامع اور تفصیلی جواب دیا ہے۔ جس کے ثبوت حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امتوں کے حوالے سے پیش کیے ہیں۔ مگر پھر بھی منکرین حق آپ سے اس قسم کے مطالبات کرتے ہی رہتے تھے۔ جن کا اس مقام پر فقط اتنا ہی جواب دیا ہے کہ اے رسول! جس بات کا یہ مطالبہ کرتے ہیں اور ہم نے آپ سے وعدہ کیا ہے۔ اس کا کچھ حصہ آپ کی حیاتِ مبارکہ میں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انہیں ضرور دکھا اور چکھا دیا جائے گا۔ ان کی حماقتوں کی طرف توجہ دینے کی بجائے جو کچھ آپ پر نازل کیا جا رہا ہے ان تک پہنچاتے جائیں۔ آپ کے ذمہ ان کو حق بات پہنچانا ہے اور ہمارے ذمہ ان سے حساب لینا ہے۔ یہ عذاب کے بارے میں جلد بازی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے تمام اطراف سے گھٹاتے چلے جا رہے ہیں۔ انہیں خبر ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرنے والا ہے۔ جس کے فیصلے پر کوئی نظر ثانی اور تعاقب کرنے والا نہیں۔ وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ زمین کے چاروں اطراف کی طرف تنگ ہونے کا اس

زمانے کے مطابق مفہوم یہ ہے کہ اہل مکہ اور دیگر مخالفین کی ہزار کوششوں کے باوجود اسلام کا پھریرہ دور دور تک پھیلتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں ہی وہ وقت آیا کہ جب مسلمان دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن کر اُبھرے اور مسلمان تقریباً آٹھ سو سال دنیا میں واحد سپر پاور کے طور پر حکومت کرتے رہے۔ اس طرح اللہ کا حکم اور اس کا فیصلہ دنیا میں پورا ہوا۔ جس کا قرآن مجید نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ کفار چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو پھونکوں سے بجھا دیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا خواہ یہ بات کفار کے لیے کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اس لیے بھیجا تاکہ اُسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔ خواہ یہ بات مشرکوں کے لیے کتنی ہی ناپسند کیوں نہ ہو۔ (التوبۃ: ٣٢، ٣٣) اللہ تعالیٰ نے یہ بات لکھ چھوڑی ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آئیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت اور غلبہ والا ہے۔ (المجادلۃ: ٢١)

((عَنْ أَبِیْ سُکَیْنَۃَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُحَرَّرِیْنَ عَنْ رَّجُلٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَمَّا أَمَرَ النَّبِیُّ ﷺ بِحَفْرِ الْخَنْدَقِ عَرَضَتْ لَھُمْ صَخْرَۃٌ حَالَتْ بَیْنَھُمْ وَبَیْنَ الْحَفْرِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَأَخَذَ الْمِعْوَلَ وَوَضَعَ رِدَآءَہٗ نَاحِیَۃَ الْخَنْدَقِ وَقَالَ (تَمَّتْ کَلِمَۃُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلاً لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِہٖ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ)......... [رواہ النسائی: باب غزوۃ الترک والحبشۃ]

حضرت ابوسکینہ نبی ﷺ کے ایک صحابی سے بیان کرتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے خندق کھودنے کا حکم دیا تو خندق کھودتے ہوئے ایک چٹان درمیان میں حائل ہوگئی رسول اللہ ﷺ نے کدال پکڑا اور اپنی چادر کو خندق کے کنارے رکھا اور کہا (تَمَّتْ کَلِمَۃُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلاً لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِہٖ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ) تو پتھر کا تہائی حصہ ٹوٹ گیا.........

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے عذاب لے آئے۔ ٢۔ رسول کریم ﷺ کا کام تبلیغ کرنا تھا۔
٣۔ حساب لینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ ٤۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ ٥۔ اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء علیہم السلام کا کام حق بات پہنچانا ہے:

١۔ آپ ﷺ کا کام حق پہنچانا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔ (الرعد: ٤٠)

٢۔ نہیں ہے رسولوں پر مگر حق بات پہنچانا۔ (النحل: ٣٥) ٣۔ اگر وہ منہ موڑ لیں تو آپ کی ذمہ داری پہنچانا ہے۔ (آل عمران: ٢٠)

٤۔ نہیں ہے رسول پر مگر واضح طور پر پیغام پہنچانا۔ (النور: ٥٤) ٥۔ آپ نصیحت کرتے رہیں آپ کا کام نصیحت کرنا۔ (الغاشیۃ: ٢١)

٦۔ اگر تم اعراض کرو تو جان لو ہمارے رسولوں پر فقط پہنچانا ہے۔ (المائدۃ: ٩٢) ٧۔ رسولوں نے کہا ہمارا کام تو تبلیغ کرنا ہے۔ (یٰس: ١٧)

وَقَدْ	مَكَرَ	الَّذِيْنَ	مِنْ	قَبْلِهِمْ	فَلِلّٰهِ	الْمَكْرُ
اور تحقیق	اس نے تدبیر کی	وہ لوگ	سے	ان سے پہلے	اللہ ہی کے لیے	تدبیر
جَمِيْعًا	يَعْلَمُ	مَا	تَكْسِبُ	كُلُّ	نَفْسٍ	وَسَيَعْلَمُ
ساری	وہ جانتا ہے	جو کچھ	کماتا ہے	ہر	نفس	اور عنقریب جان لیں گے
الْكُفّٰرُ	لِمَنْ	عُقْبَى	الدَّارِ ۝٤٢	وَيَقُوْلُ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا
کافر	کس کے لیے ہے	آخرت کا	انجام	اور کہتے ہیں	وہ لوگ جنھوں نے	کفر کیا
لَسْتَ	مُرْسَلًا	قُلْ	كَفٰى	بِاللّٰهِ	شَهِيْدًا	بَيْنِيْ
نہیں ہیں آپ	رسول	آپ فرما دیجیے	کافی ہے	اللہ	گواہ	میرے درمیان
وَبَيْنَكُمْ	وَمَنْ	عِنْدَهٗ	عِلْمُ	الْكِتٰبِ ۝٤٣		
اور تمہارے درمیان	اور وہ شخص کہ	اس کے پاس ہے	علم	کتاب		

”اور بلاشبہ ان لوگوں نے تدبیریں کیں جو ان سے پہلے تھے، اصل تدبیر تو اللہ ہی کی ہے، وہ جانتا ہے جو کچھ ہر شخص کر رہا ہے اور کافر عنقریب جان لیں گے کہ آخرت کا گھر کس کے لیے اچھا ہے۔“ (٤٢) ”اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں آپ رسول نہیں ہیں۔ فرما دیں میرے اور تمہارے درمیان کافی اللہ گواہ ہے اور وہ شخص بھی جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔“ (٤٣)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

اے پیغمبر! ان لوگوں کا مخالفت کرنا کوئی انوکھی بات اور پہلا واقعہ نہیں۔ آپ سے پہلے جتنے پیغمبر ہوئے۔ مخالفین ان کے خلاف ہر قسم کا مکروفریب اور ظلم وزیادتی کیا کرتے تھے۔ مکر کے معانی ہیں۔ ”فریب، دھوکہ، سازش اور تدبیر کرنا۔“ جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو تمام اہل علم کے نزدیک اس کا معنی تدبیر کرنا ہوتا ہے۔ جب اس کی نسبت کفار، منافقین اور حق کے منکرین کی طرف ہو تو اس کا معنی مکروفریب ہو جایا کرتا ہے۔ یہاں رسول مکرم ﷺ کو تسلی دینے اور حقیقت حال سے آگاہ کرنے کے لیے فرمایا ہے کہ اے پیغمبر! گھبرانے اور دل چھوٹا کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ سے پہلے انبیاء ؊ کے جتنے مخالف گزرے ہیں انہوں نے انبیاء ؊ کے خلاف مکروفریب اور سازشیں کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ جس کے ثبوت حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالفین کے حوالے سے موجود ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی تدبیر ان کے مکروفریب پر غالب رہی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے اپنی تدبیر کامیاب کرنے میں غالب ہے۔ اطمینان رکھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے مخالفوں اور ہر شخص کے کردار کو پوری طرح جانتا ہے۔ عنقریب حق کا انکار کرنے والوں کو معلوم ہو جائے گا کہ انجام کار اور آخرت کا

گھر کس کے لیے بہتر ہے۔ ہزاروں دلائل اور درجنوں معجزات دیکھنے اور سننے کے باوجود کافر کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں۔ پورے اطمینان کے ساتھ انہیں فرمائیں کہ تمہارے انکار کا مجھ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تم میری رسالت کی گواہی نہیں دینا چاہتے تو تمہاری مرضی، لیکن یادرکھو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور وہ شخص بھی میرے حق میں گواہ ہے۔ جس کے پاس کسی بھی آسمانی کتاب کا علم ہے یعنی تورات، انجیل، زبور اور قرآن مجید میں میری رسالت کی جابجا شہادتیں پائی جاتی ہیں۔ برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی لاہور ۱۹۳۱ء کی چھپی ہوئی بائیبل میں یوحنا کی انجیل کے باب چودہ کی سولہویں آیت میں ہے۔ میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔'' لفظ مددگار پر حاشیہ ہے۔ اس پر اس کے معنی وکیل یا شفیع لکھے ہیں۔ تو اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جو شفیع ہوا اور ابد تک رہے یعنی اس کا دین کبھی منسوخ نہ ہو بجز سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کون ہے؟ پھر انتیسویں تیسویں آیت میں ہے اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تاکہ جب ہوجائے تو تم یقین کرو اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا۔ کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔'' (سورۃ الصف:۶ تدبر قرآن، ازقلم: امین احسن اصلاحی)

﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ﴾ [الصف:٦]

''اور جب عیسیٰ نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں تورات کی تصدیق کرنے والا اور ایک رسول کی بشارت سنانے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اُس کا نام احمد ہوگا جب آپ ان کے پاس معجزات لے کر آگئے تو انھوں نے کہا یہ تو سراسر جادو ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی کی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ ۲۔ ہر کسی کو اس کے اچھے اور بڑے انجام کا علم ہو جائے گا۔

۳۔ تورایت، انجیل اور زبور کا علم رکھنے والا جانتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول حق ہیں۔

۴۔ کافر جان لیں گے کہ اچھا انجام کس کا ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء علیہم السلام کے خلاف مجرموں کے مکروفریب:

۱۔ ان سے پہلے بھی مکروفریب کرچکے ہیں حالانکہ اللہ کے مقابلہ میں کسی کی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ (الرعد:۴۲)

۲۔ انہوں نے مکر کیا اور ہم نے تدبیر کی اور انہیں اس تدبیر کا علم بھی نہ ہوسکا۔ (النمل:۵۰)

۳۔ اللہ نے کفار کے لیے ان کے مکر کو مزین کر دیا ہے۔ (الرعد:۳۳)

۴۔ ان کے مکر کا انجام دیکھو ہم نے انہیں اور ان کی قوم کو ہلاک کر دیا۔ (النمل:۵۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ ابراہیم کا تعارف

یہ سورۃ مبارکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام سے منسوب کی گئی ہے۔ جن کا اسم گرامی اس سورۃ کی آیت ۳۵ میں مذکور ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام نامی قرآن مجید میں مجموعی طور پر ۶۲ مرتبہ ذکر ہوا ہے۔ اس عظیم سورت کی ابتدا میں قرآن مجید کا ان الفاظ میں تعارف کروایا گیا ہے کہ اے نبی آخرالزمان ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن مجید اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ہر قسم کی تاریکیوں سے نکال کر دنیا اور آخرت کی تابناکیوں میں لا کھڑا کریں۔ یہ اُس ذاتِ کبریا کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے جو ہر اعتبار سے غالب رہنے والا اور لائق تعریف ہے۔

مگر لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ آخرت کی لامتناہی زندگی اور بیش بہا نعمتوں کے بدلے میں دنیا کو ترجیح دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ لوگ پرلے درجے کی گمراہی میں بھٹک چکے ہیں۔ آپ سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسی ہی کتاب اور فرض تفویض کیا گیا تھا۔ مگر فرعون اور اس کے ساتھیوں نے اُسے یکسر طور پر مسترد کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں اُنھیں تباہی کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ دراصل کفار کے اعمال کی حیثیت ریت کے ذرّات کی طرح ہے۔ جس طرح آندھی کے مقابلے میں ریت کے ذرات کو ٹھہراؤ حاصل نہیں۔ اسی طرح کفار کے نظریات اور اعمال کی کوئی بنیاد نہ ہے۔ یہ لوگ شیطان کے جال میں پھنس چکے ہیں۔ قیامت کے دن شیطان کی حالت یہ ہوگی کہ وہ اپنے پیچھے لگنے والوں کو یہ کہے گا کہ میں تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکتا کیونکہ میری اپنی نجات کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اب ہمیں ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں رہنا ہے۔ اس کے بعد جنت کا تذکرہ ہے جس میں جنتیوں کے لیے ہمیشہ سلامتی ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کلمہ توحید کو ایک سدا بہار درخت کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جو ہر موسم میں سدا بہار اور پھل دیتا ہے اس کے ساتھ شرک کو ناپاک درخت قرار دیا ہے۔ کلمہ طیبہ دنیا اور آخرت میں ایمانداروں کے لیے قرار اور ثبات کا ذریعہ ہے۔ شرک اور کفر مشرک اور کافر کے لیے دنیا اور آخرت میں تباہی کا سبب ہے۔

سورۃ ابراہیم کے آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اُس دعا کا ذکر ہے جب اُنھوں نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور اپنے نونہال اسماعیل علیہ السلام کو بیت اللہ کے پاس چھوڑا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس دعا کے بعد حضرت ہاجرہ سے رخصت ہوئے۔ ''الٰہی! انھیں نماز پڑھنے کی توفیق عنایت کرنا، لوگوں کے دل ان کی طرف پھیر دینا اور انھیں رزق حلال عطا فرماتے ہوئے اپنا شکریہ ادا کرنے کی توفیق عنایت فرمانا۔'' سورۃ کے اختتام میں جہنمیوں کی سزا کا ذکر ہوا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے کہ لوگو! اگر تم جہنم سے بچنا چاہتے ہو تو ایک الٰہ کی عبادت کرو اور اس کی عبادت کے تقاضے پورے کرو۔ یہی عقل اور دانش مندی کا راستہ اور دنیا و آخرت میں مشکلات سے نجات پانے کا ذریعہ ہے۔

سُورَةُ اِبۡرٰهِيۡمَ مَكِّيَّةٌ — بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ — رُكُوۡعُهَا: ۷ اٰيَاتُهَا: ۵۲

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

الٓرٰ قف	كِتٰبٌ	اَنۡزَلۡنٰهُ	اِلَيۡكَ	لِتُخۡرِجَ	النَّاسَ	مِنَ
الر۔	کتاب	ہم نے اسے نازل کیا ہے	آپ کی طرف	تاکہ آپ نکالیں	لوگوں کو	سے
الظُّلُمٰتِ	اِلَى	النُّوۡرِ ۙ	بِاِذۡنِ	رَبِّهِمۡ	اِلٰى	صِرَاطِ
اندھیروں	طرف	روشنی	ساتھ حکم کے	ان کا رب	طرف	راستے
الۡعَزِيۡزِ	الۡحَمِيۡدِ ۙ ۝۱	اللّٰهِ	الَّذِىۡ	لَهٗ	مَا	فِى السَّمٰوٰتِ
جو نہایت غالب ہے	قابل تعریف	اللہ	وہ ذات	اسی کے لیے	جو	میں آسمانوں
وَمَا	فِى	الۡاَرۡضِ ط	وَوَيۡلٌ	لِّلۡكٰفِرِيۡنَ	مِنۡ	عَذَابٍ شَدِيۡدِ ۝۲
اور جو کچھ	میں	زمین	اور ہلاکت ہے	کافروں کے لیے	سے	عذاب سخت

''الر۔ایک کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے، تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لائیں، ان کے رب کے حکم سے اور اس کے راستے کی طرف جو سب پر غالب، بہت تعریف والا ہے۔''(۱) ''اللہ ہی وہ ذات ہے کہ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور منکروں کے لیے سخت عذاب اور بڑی ہلاکت ہے۔''(۲)

فہم القرآن

ربط کلام:

''الرٰ'' حروفِ مقطعات ہیں۔ جن کے بارے میں پہلے بھی عرض کیا ہے کہ ان کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ البتہ بعض مفسرین کے استدلال کے مطابق یہ دنیا بھر کے لوگوں کو چیلنج ہے کہ قرآن مجید انہی حروف پر مشتمل ہے اگر تم قرآن مجید کو منجانب اللہ تسلیم نہیں کرتے تو پھر اس جیسا قرآن مجید بنا کر پیش کرو۔ جس کا قیامت تک، کوئی فرد، جماعت اور کوئی حکومت جواب نہیں دے سکتی۔ اس قرآن کو اللہ تعالیٰ نے رسول معظم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر نازل فرمایا ہے۔ تاکہ لوگوں کو کفر وشرک، بدعت ورسومات اور ہر قسم کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت اور علم کی طرف لانے کی کوشش فرمائیں۔ اس رب کے راستے کی طرف لائیں۔ جو ہر اعتبار سے غالب اور تعریف کے لائق ہے۔ اسی کے لیے زمین وآسمان کی بادشاہی ہے۔ اس کی ذات اور کتاب کا انکار کرنے والوں کے لیے شدید ترین عذاب ہوگا۔ سورۂ ابراہیم کی پہلی آیت میں تین باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

۱۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا ہے جس کا صاف مطلب ہے کہ یہ کسی شخص کا بتلایا ہوا یا نبی کا اپنی طرف سے بنایا ہوا نہیں بلکہ اللہ ہی نے اس قرآن کو محمد عربی ﷺ کی ذاتِ اقدس پر نازل فرمایا ہے۔

۲۔ آپ ﷺ پر قرآن مجید نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ اپنے رب کے حکم کے مطابق لوگوں کو کفر و شرک، بدعت رسومات اور جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر اللہ کے بتلائے ہوئے راستے کی طرف لائیں یہی راستہ تابناک اور صراط مستقیم ہے۔

۳۔ لوگوں کے رب کا بتلایا ہوا یہ روشن راستہ ہے جس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اپنے رب کی ملاقات اور اس کی خوشنودی کا طالب ہے اسے قرآن مجید کا بتلایا ہوا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ العزیز اور الحمید کی صفات کا ذکر فرما کر یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ جو شخص اپنے رب کو غالب اور محمود سمجھ کر اس کے راستہ پر چلے گا اللہ تعالیٰ اسے بھی غلبہ اور تعریف کے لائق بنا دے گا۔

روشن اور تابناک راستہ:

((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَمْرٍو السَّلَمِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ الْعِرْبَاضَ بْنَ سَارِيَةَ ﷛ يَقُوْلُ وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَوْعِظَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ هٰذِهِ لَمَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَمْرٍو السَّلَمِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ الْعِرْبَاضَ بْنَ سَارِيَةَ يَقُوْلُ وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَوْعِظَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ هٰذِهِ لَمَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا قَالَ قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَآءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا لَا يَزِيْغُ عَنْهَا بَعْدِيْ إِلَّا هَالِكٌ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِمَا عَرَفْتُمْ مِنْ سُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَعَلَيْكُمْ بِالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّمَا الْمُؤْمِنُ كَالْجَمَلِ الْأَنِفِ حَيْثُمَا قِيْدَ انْقَادَ))

[رواه ابن ماجة: في المقدمة :باب اتِّبَاعِ سُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ]

''حضرت عبدالرحمٰن بن عمرو سلمی کہتے ہیں کہ انہوں نے عرباض بن ساریہ ﷛ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک دفعہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے وعظ فرمایا۔ ایسا وعظ تھا کہ ہمارے آنسو جاری ہوگئے اور دل ڈر گئے۔ ہم نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! ایسا وعظ تو رخصت ہونے والے کا ہوتا ہے۔ آپ ہمیں کیا نصیحت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا بے شک میں نے تمہیں ایسی چیز پر چھوڑے جا رہا ہوں جس کی رات دن کی مانند ہے۔ اس کو چھوڑنے والا ہلاک ہو جائے گا۔ تم میں سے جو کوئی زندہ رہا تو وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا جسے تم پہچان لو۔ تم اسے دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑنا۔ امیر کی اطاعت کو لازم جاننا۔ اگر چہ وہ حبشی غلام ہی ہو۔ یقیناً مومن ایک ایسے اونٹ کی مانند ہے جس کی ناک میں نکیل ڈالی گئی ہو۔ اسے جہاں باندھا جائے وہ بندھ جاتا ہے۔''

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ (اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَ لِقَاۗئُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَّالنَّارُ حَقٌّ وَّالنَّبِيُّونَ حَقٌّ وَّمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ حَقٌّ اللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْلِي مَا قَدَّمْتُ وَمَآ أَخَّرْتُ وَمَآ أَسْرَرْتُ وَمَآ أَعْلَنْتُ وَمَآ أَنْتَ أَعْلَمُ بِهٖ مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَلَآ إِلٰهَ غَيْرُكَ)) [رواه البخاري: باب التَّهَجُّدِ بِاللَّيْلِ]

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ رات کے وقت جب تہجد کے لیے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے۔” اے اللہ تیری ہی حمد وستائش‘ تو ہی زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہے اس کو قائم رکھنے والا ہے‘ تیرے لیے ہی حمد ہے اور تیری وجہ سے ہی زمین وآسمان اور ان کی ہر چیز روشن ہے‘ تیرے لیے ہی تعریف ہے اور تو ہی زمین وآسمان اور ان میں ہر چیز کا مالک ہے‘ تیرے ہی لیے حمد وثنا ہے تو ہی حق ہے تیرے وعدے سچ ہیں۔ تجھ سے ملاقات یقینی ہے۔ تیرا فرمان سچا ہے۔ جنت‘ دوزخ‘ انبیاء‘ محمد‘ قیامت یہ سب سچ اور حق ہیں۔ الٰہی میں تیرا ہی فرمانبردار اور تجھ پر ایمان رکھتا ہوں‘ تیری ذات پر میرا بھروسہ ہے۔ تیری طرف ہی رجوع کرتا ہوں‘ تیری مدد سے ہی لوگوں سے لڑتا ہوں۔ میں سب کچھ تیرے سپرد کرتا ہوں۔ پس میرے اگلے پچھلے‘ پوشیدہ اور ظاہر گناہ معاف فرما۔ جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ تیری ذات ہی اول وآخر ہے۔ تو ہی الٰہ برحق ہے اور تیرے سوا کوئی معبود ومسجود نہیں۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر قرآن مجید نازل فرمایا ہے۔ ۲۔ قرآن مجید اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالنے کا ذریعہ ہے۔
۳۔ زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ ۴۔ کافروں کے لیے سخت ترین عذاب ہے۔

تفسیر بالقرآن

نور کیا ہے:

۱۔ اللہ نور ہے۔ (النور: ۳۵) ۲۔ قرآن مجید نور ہے۔ (المائدۃ: ۱۵) ۳۔ تورات نور ہے۔ (المائدۃ: ۴۴)
۴۔ انجیل میں ہدایت اور نور ہے۔ (المائدۃ: ۴۶) ۵۔ نبی اکرم ﷺ لوگوں کو نور کی طرف دعوت دیتے تھے۔ (الطلاق: ۱۱)
۶۔ اللہ لوگوں کو نور کی طرف بلاتا ہے۔ (الاحزاب: ۴۳) ۷۔ تمام انبیاء علیہم السلام نور کی طرف بلاتے تھے۔ (ابراھیم: ۵)

الَّذِيْنَ	يَسْتَحِبُّوْنَ	الْحَيٰوةَ	الدُّنْيَا	عَلَى	الْاٰخِرَةِ
وہ لوگ	وہ پسند کرتے ہیں	زندگی	دنیا	پر	آخرت

وَيَصُدُّوْنَ	عَنْ	سَبِيْلِ	اللّٰهِ	وَيَبْغُوْنَهَا	عِوَجًا	اُولٰٓئِكَ
اور وہ روکتے ہیں	سے	راہ	اللہ	تلاش کرتے ہیں اس میں	کجی	یہ لوگ

فِيْ	ضَلٰلٍ	بَعِيْدٍ ۝۳
میں	گمراہی	دور کی

''جولوگ دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں پسند سمجھتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہیں، یہ لوگ دور کی گمراہی میں بھٹک چکے ہیں۔'' (۳)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآن مجید کا انکار اور لوگوں کے صراط مستقیم سے انحراف کی بڑی وجہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دینا ہے۔

جولوگ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی عیش وعشرت کو ترجیح دیتے ہیں وہی لوگ اللہ کے راستے میں رکاوٹ بننے کے ساتھ اس میں کج روی تلاش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ گمراہی میں بہت دور نکل جاتے ہیں۔ ان کا صراط مستقیم کی طرف پلٹنا نہایت ہی مشکل ہے۔ قرآن مجید انسان کو دنیا سے لاتعلقی کا حکم نہیں دیتا اس کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر انسان آخرت کو مقدم رکھنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ دنیا اور اس کی ہر چیز عارضی ہے اس کے مقابلے میں آخرت اور اس کی نعمتیں مستقل اور ہمیشہ رہنے والی ہیں۔ آخرت کو مقدم رکھنے والا ہر وقت اپنا احتساب کرتا ہے۔ لیکن لوگوں کی اکثریت کا عالم یہ ہے کہ لوگ آخرت کی بجائے دنیا کو ترجیح دیتے ہیں جو شخص دنیا کو آخرت کے مقابلے میں ترجیح دیتا ہے اس میں بیک وقت جو کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ ایسا شخص نہ صرف اپنے قول وفعل سے ہدایت کے راستے میں رکاوٹ بنتا ہے بلکہ وہ اس قدر گمراہ ہو جاتا ہے اور دین کو اپنی خواہشات کے تابع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے علماء سوء اور دنیا پرست لوگوں کا کردار ہمارے سامنے ہونا چاہیے۔ معاشرے میں جتنی بے پردگی، بے حیائی اور بے دینی پھیلتی ہے اس کا موجد کافی حد تک وہ طبقہ ہے جو آزادی کی آڑ میں نئے سے نیا فیشن اور آزادی کے نام پر اسلام کی من مانی کی تاویلیں کرتا ہے۔ یہ طبقہ ہر معاملہ میں دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے۔ یہ لوگ خود گمراہ ہونے کے ساتھ شعوری اور غیر شعوری طور پر معاشرے کی گمراہی کا سبب بنتے ہیں۔ ان میں بعض لوگ بالخصوص حکمران طبقہ مذہبی لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے دین کے نام پر ہی بدعت، رسومات پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کام کے لیے علماء سوء ہراول دستے کا کردار ادا کرتے ہیں۔ ایسے علما کے ذہن میں بھی دنیا پرستی کا عنصر ہی غالب ہوا کرتا

ہے۔جس کی قرآن مجید نے ان الفاظ میں نشاندہی کی ہے”اے ایمان والو! علماء اور درویشوں کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ یہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے کے ساتھ ساتھ اللہ کے راستے میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے انہیں اذیت ناک عذاب کی خوشخبری دیجئے۔ قیامت کے دن سونے اور چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں، کروٹوں اور پشتوں کو داغتے ہوئے کہا جائے گا کہ یہ ہے تمہارا خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا اور اپنے جمع شدہ مال کی سزا پاتے رہو۔(التوبۃ:۳۵)

((عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ؓ قَالَ خَطَّ النَّبِیُّ ﷺ خَطًّامُرَبَّعًا وَخَطَّ خَطًّا فِی الْوَسَطِ خَارِجًا مِنْهُ وَخَطَّ خُطَطًا صِغَارًا إِلٰی ھٰذَا الَّذِیْ فِی الْوَسَطِ مِنْ جَانِبِهِ الَّذِیْ فِی الْوَسَطِ فَقَالَ ھٰذَا الْإِنْسَانُ وَھٰذَآ أَجَلُهٗ مُحِیْطٌ بِهٖ وَھٰذَا الَّذِیْ ھُوَ خَارِجٌ اَمَلُهٗ وَھٰذِهِ الْخُطُوْطُ الصِّغَارُ الْاَعْرَاضُ فَاِنْ اَخْطَأَهٗ ھٰذَا نَھَسَهٗ ھٰذَا وَاِنْ اَخْطَأَهٗ ھٰذَا نَھَسَهٗ ھٰذَا)) [رواہ البخاری:باب قَوْلِ النَّبِیِّ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ ، اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ]

”حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی محترم ﷺ نے ایک دفعہ ایک مربع شکل کا خط کھینچا۔اور وسطی خط کے درمیان سے کچھ خطوط کھینچے۔ایک درمیان سے باہر نکلنے والا خط کھینچا اور فرمایا‘ یہ انسان ہے۔اور یہ مربع اس کی موت ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے۔ جو خط باہر نکل رہے ہیں‘ وہ انسان اس کی خواہشات ہیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے خطوط آفات اور بیماریاں ہیں۔اگر ایک سے محفوظ رہا تو دوسری اسے آلے گی۔ اگر یہ بھی اس سے خطا کر جائے‘ تو تیسری آفت اسے اپنا نشانہ بنالے گی۔“

مسائل

۱۔ کافر آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو پسند کرتے ہیں۔ ۲۔دنیا پرست لوگ قولاً اور عملاً لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

دین کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دینے والوں کا انجام:

۱۔ جو لوگ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں یہی دور کی گمراہی میں ہیں۔(ابراہیم:۳)

۲۔ وہ لوگ جو دین کو کھیل تماشا بناتے ہیں اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا، قیامت کے دن ہم ان کو بھلا دیں گے۔(الاعراف:۵۱)

۳۔ یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔(النحل:۱۰۷)

۴۔ جس نے سرکشی اختیار کی اور دنیا کو ترجیح دی اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔(النازعات:۳۸)

وَمَآ	اَرْسَلْنَا	مِنْ	رَّسُوْلٍ	اِلَّا	بِلِسَانِ	قَوْمِهٖ
اور نہیں	ہم نے بھیجا	سے	رسول	مگر	زبان کے ساتھ	اس کی قوم
لِيُبَيِّنَ	لَهُمْ	فَيُضِلُّ	اللّٰهُ	مَنْ	يَّشَآءُ	وَيَهْدِيْ
تاکہ وہ بیان کرے	ان کے لیے	پھر گمراہ کرتا ہے	اللہ	جسے	چاہے	اور وہ ہدایت دیتا ہے
مَنْ	يَّشَآءُ	وَهُوَ	الْعَزِيْزُ	الْحَكِيْمُ ۝		
جسے	چاہے	اور وہ	نہایت غالب	نہایت حکمت والا ہے		

''اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر وہ اپنی قوم کی زبان میں بات کرتا تھا تاکہ وہ ان کے لیے کھول کر بیان کرے پھر اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہی سب پر غالب، بڑی حکمت والا ہے۔'' (۴)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو گمراہی اور تاریکیوں سے نکالنے کے لیے جو آسانیاں عنایت فرمائی ہیں۔ ان میں ایک آسانی یہ ہے کہ جتنے پیغمبر مبعوث فرمائے وہ اپنی قومی زبان میں ہی وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے تاکہ لوگوں کو ان کی بات سمجھنے میں آسانی رہے۔

اللہ تعالیٰ کی عنایات اور کرم فرمائیوں میں یہ بھی ایک عنایت اور کرم فرمائی ہے کہ اس نے جتنے پیغمبر مبعوث فرمائے وہ سب کے سب انسان تھے جو انسان ہونے کے ساتھ اپنی اپنی قوم کے فرد ہوا کرتے تھے۔ انہیں حکم تھا کہ وہ لوگوں کو انہی کی زبان میں اپنے رب کا پیغام پہنچائیں۔ لوگوں کی زبان میں بات کرنے کا معنی یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کسی غیر زبان میں وعظ و نصیحت کرنے کی بجائے اپنی قوم کی زبان میں ہی وعظ کیا کرتے تھے۔ اس کا یہ بھی مفہوم ہے کہ وہ مرقع، مسجع، پر تکلف الفاظ اور انداز اختیار کرنے کی بجائے لوگوں کی فہم اور علمی لیاقت کے مطابق صاف اور سادہ انداز میں سمجھایا کرتے تھے تاکہ لوگوں کو دین سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کی انتھک اور پر خلوص کوشش کے باوجود لوگوں کی اکثریت نے ہدایت کے مقابلے میں گمراہی کو پسند کیا۔ اسی آیت کے پیش نظر خطبہ جمعہ بھی اپنی زبان میں ہونا چاہیے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں روح الخطبہ از قلم شیخ عبدالعزیز نورستانی)۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں جبراً ہدایت پر جمع کر سکتا تھا لیکن اس کی حکمت یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے ہدایت واضح کر کے انہیں اختیار دیا جائے کہ وہ ہدایت اور گمراہی میں سے جس کا چاہیں انتخاب کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انسان کی پسند کے مطابق ہی اسے انتخاب کی توفیق بخشتا ہے اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت سے سرفراز کرتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ تکلف نہیں کرتے تھے:

﴿قُلْ مَآ أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ٥ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ٥﴾[ص:٨٦۔٨٧]

”فرما دیجیے کہ میں تم سے اس قرآن پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں یہ قرآن لوگوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔“

((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَسْعُوْدِ الْعَبْدِيِ قَالَ سَمِعْتُ سَلْمَانَ الْفَارِسِیَ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ نَتَكَلَّفَ لِلضَّيْفِ))[رواه الحاكم فی المستدرك وهو حديث صحيح]

”حضرت عبدالرحمن بن مسعود العبدی کہتے ہیں کہ میں نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے مہمانوں کے لیے تکلف کرنے سے منع کیا تھا۔“

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عُمَرَ رضی اللہ عنہ فَقَالَ نُهِيْنَا عَنِ التَّكَلُّفِ))[رواه البخاری: كتاب الاعتصام]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھے تو انہوں نے کہا کہ ہم تکلف کرنے سے منع کیے گئے تھے۔“یعنی رسول اللہ ﷺ صحابہ کو تکلف کرنے سے منع کرتے تھے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ فَانْظُرِ السَّجْعَ مِنَ الدُّعَآءِ فَاجْتَنِبْهُ ، فَإِنِّي عَهِدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَأَصْحَابَهُ لَا يَفْعَلُوْنَ إِلَّا ذٰلِكَ يَعْنِي لَا يَفْعَلُوْنَ إِلَّا ذٰلِكَ الِاجْتِنَابَ))[رواه البخاری كتاب الدعوات ،باب مَا يُكْرَهُ مِنَ السَّجْعِ فِي الدُّعَآءِ]

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ دعا میں قافیہ بندی سے بچو۔ کیونکہ میں ایک عرصہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے ساتھ رہا ہوں وہ اسی طرح نہیں کرتے تھے یعنی قافیہ بندی سے بچتے تھے۔“

مسائل

١۔ تمام رسول اپنی زبان میں ہی وعظ و نصیحت کرتے تھے۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

تمام انبیاء علیہم السلام انسان تھے:

١۔ تمام رسولوں کو ان کی قوم میں انہی کی زبان میں بھیجا گیا۔(ابراہیم:۴)

٢۔ انبیاء اقرار کرتے تھے کہ ہم بشر ہیں۔(ابراہیم:١١) ٣۔ اللہ نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ آدمی تھے۔(یوسف:١٠٩)

۴۔ اللہ نے آپ سے پہلے جتنے بھی نبی بھیجے وہ بشر ہی تھے۔(النحل:۴٣)

۵۔ رسول اللہ کا اعتراف کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔(الکہف:١١٠)

وَلَقَدْ	اَرْسَلْنَا	مُوْسٰى	بِاٰيٰتِنَآ	اَنْ	اَخْرِجْ	قَوْمَكَ
اور البتہ تحقیق	ہم نے بھیجا	موسیٰ کو	اپنی آیات کے ساتھ	یہ کہ	تو نکال	اپنی قوم کو
مِنَ	الظُّلُمٰتِ	اِلَى	النُّوْرِ	وَذَكِّرْهُمْ	بِاَيّٰىمِ	اللّٰهِ
سے	تاریکیوں	کی طرف	روشنی	اور یاد دلا ان کو	ساتھ دنوں	اللہ
اِنَّ	فِيْ	ذٰلِكَ	لَاٰيٰتٍ	لِّكُلِّ	صَبَّارٍ	شَكُوْرٍ ۝۵
یقیناً	میں	ان	البتہ نشانیاں ہیں	کے لیے	صابر	شاکر

''اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا تاکہ وہ اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے اور انہیں اللہ کے دن یاد دلائے، بلاشبہ اس میں ہر شخص کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو صبر اور شکر کرنے والا ہے۔'' (۵)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام قومی زبان میں خطاب فرماتے اور ان کی دعوت کا مقصد لوگوں کو ہر قسم کی تاریکیوں سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ روشنی کی طرف بلانا تھا۔

پیغمبرانہ جدوجہد کے اعتبار سے اور قوم کے مزاج کے حوالے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیاں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ ''اے اہل مکہ! ہم نے تم پر حق کی شہادت قائم کرنے کے لیے تم ہی میں سے ایسا رسول بھیجا ہے جیسا ہم نے فرعون کے پاس رسول بھیجا تھا۔ فرعون نے اپنے رسول کی بات کا انکار کیا تب ہم نے اسے سختی کے ساتھ پکڑا۔ (المزمل: ۱۵۔۱۶)

اس روحانی اور دعوتی تعلق اور مماثلت کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور لوگوں کے مزاج کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو دلائل دے کر ان کی قوم کی طرف بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ روشنی کی طرف لانے کی کوشش کریں اور انہیں اللہ کے ایام یاد دلائیں ۔ یقیناً اس میں اس کے لیے عبرت کے نشانات ہیں جو مشکلات پر صبر کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا ہے۔ قرآن مجید نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور ان پر نازل ہونے والی کتاب تورات کو بھی النور فرمایا ہے اور اس کے مقابلے میں لوگوں کے عقائد و نظریات کو ظلمات سے تشبیہ دی ہے۔ ہدایت ایک ہی ہے جو ہمیشہ سے ایک ہی رہی ہے اور گمراہی اندھیرا ہے۔ جس کی ہر زمانے میں مختلف شکلیں اور صورتیں ہوتی ہیں۔ ایام اللہ سے مراد قوموں کے عروج و زوال کے واقعات اور وہ عتاب ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجرموں پر نازل ہوئے تھے۔ جس کی مثالیں حضرت نوح علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے حوالے سے قرآن مجید اور تورات میں مذکور ہیں۔ ایام اللہ سے مراد وہ دن بھی ہو سکتے ہیں جن ایام میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کو کامیابی نصیب ہوئی جیسا کہ محرم کی دس تاریخ کو فرعون اور اس کے لشکر و سپاہ کو غرق کیا گیا اور بنی اسرائیل کو سربلند کرتے ہوئے انھیں سرخروئی عطا کی

گئی۔ نبی اکرم ﷺ کو بدر، خندق، مکہ کے دن، حنین اور تبوک کے محاذ میں سرفراز کیا گیا۔ یہ واقعات اور ایام اس شخص کے لیے مشعل راہ اور عبرت کا نشان ہیں جو مشکلات پر صبر کرنے اور حق پر مستقل مزاجی کے ساتھ قائم رہنے والا ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو جب اللہ تعالیٰ کامیابی اور کسی نعمت سے سرفراز کرتا ہے تو وہ اترانے اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرنے کی بجائے اس کے حضور عجز و عاجزی کا اظہار کرتا ہے اور اس کا شکر بجالاتا ہے۔ قرآن مجید نے ہدایت اور گمراہی کو صبر اور شکر کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

((عَنْ صُهَيْبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَجَبًا لِّأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهٗ كُلَّهٗ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ))

[رواه مسلم: كتاب الزهد والرقائق، باب الْمُؤْمِنُ أَمْرُهٗ كُلُّهٗ خَيْرٌ]

''حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کا معاملہ عجب ہے بے شک اس کے تمام کاموں میں بہتری ہے۔ جو مومن کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔ مومن کو خوش کر دینے والی چیز ملتی ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے یہ بھی اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو معجزات عطا فرمائے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔

۳۔ ہر صابر و شاکر کے لیے ایام اور واقعات میں نشانیاں ہیں۔

تفسیر بالقرآن

آسمانی ہدایت نور ہے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس نور کی طرف لوگوں کو بلایا کرتے تھے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا تاکہ ان کے ذریعے اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ (ابراہیم: ۵)

۲۔ یقیناً آیا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب۔ (المائدۃ: ۱۵)

۳۔ اللہ رہنمائی کرتا ہے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے۔ (النور: ۳۵)

۴۔ ہم نے تورات اتاری اس میں ہدایت اور نور ہے۔ (المائدۃ: ۴۴)

۵۔ ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لائیں۔ (ابراہیم: ۱)

۶۔ اللہ اپنے دوستوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے شیطان اپنے دوستوں کو روشنی سے اندھیروں کی طرف لے جاتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۵۷)

وَاِذْ	قَالَ	مُوْسٰى	لِقَوْمِهِ	اذْكُرُوْا	نِعْمَةَ	اللّٰهِ
اور جب	کہا	موسیٰ نے	اپنی قوم سے	تم یاد کرو	نعمت	اللہ
عَلَيْكُمْ	اِذْ	اَنْجٰىكُمْ	مِّنْ	اٰلِ	فِرْعَوْنَ	يَسُوْمُوْنَكُمْ
اپنے اوپر	جب	اس نے تمھیں نجات دی	سے	آل	فرعون	وہ پہنچاتے تھے تم کو
سُوْٓءَ	الْعَذَابِ	وَيُذَبِّحُوْنَ	اَبْنَآءَكُمْ	وَيَسْتَحْيُوْنَ		
سخت	عذاب	اور وہ ذبح کرتے ہیں	تمھارے بیٹے	اور زندہ چھوڑتے ہیں		
نِسَآءَكُمْ	وَفِيْ	ذٰلِكُمْ	بَلَآءٌ	مِّنْ	رَّبِّكُمْ	عَظِيْمٌ ۝
تمھاری بیٹیاں	اور میں	اس	آزمائش تھی	سے	تمھارے رب	بہت بڑی

۱۶ع۱۴

”اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب اس نے تم کو فرعون کی قوم سے نجات دی، جو تمہیں برا عذاب دیتے تھے اور تمہارے بیٹے ذبح کرتے اور دی ہوئی عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔“(٦)

فہم القرآن

ربط کلام: آزادی حاصل کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو خطاب۔

بنی اسرائیل اس قدر متلون مزاج اور احسان فراموش تھے کہ جب فرعون کی غرقابی کے بعد بیت المقدس کی طرف جارہے تھے تو راستے میں انہوں نے ایسے لوگوں کو دیکھا جو بتوں کے سامنے اعتکاف کرتے تھے۔ بنی اسرائیل کے ذہن میں شرک اس قدر سمایا ہوا تھا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی اس قوم کے معبودوں کی طرح معبود بنا دیجیے جس پر موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ڈانٹا کہ تم کیسے جاہل لوگ ہو۔ یہ لوگ تو برباد ہونے والے ہیں اور جو کچھ یہ کرتے ہیں یہ سب کا سب باطل ہے۔ کیا اللہ کے سوا میں تمہارے لیے کوئی اور الٰہ تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں پوری دنیا پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔(الاعراف: ۱۳۸۔۱۴۰)

آزادی کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم کو خطاب:

﴿وَإِذْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُقَتِّلُوْنَ أَبْنَآءَ كُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَ كُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ﴾[الاعراف: ۱۴۱]

”وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں آل فرعون کے مظالم سے نجات عطا فرمائی۔ آل فرعون تمہیں شدید ترین

عذاب میں مبتلا رکھتے تھے حال یہ تھا کہ آل فرعون تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے اور تمہاری بچیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اس میں تمہارے رب کی طرف سے سخت ترین آزمائش تھی۔“

اسی بات کو موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے بیان کیا جارہا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ اے میری قوم! اللہ کے احسان کو یاد کرو، جب اس نے آلِ فرعون سے نجات دی جو تمہیں بدترین سزادیتے تھے۔تمہارے بیٹوں کو مارڈالتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔اس میں تمہارے رب کی طرف سے بھاری آزمائش تھی۔ چند الفاظ اور سیاق وسباق کے فرق کے ساتھ یہ آیت مبارکہ قرآن مجید میں تین مرتبہ آئی ہے۔جس میں بنی اسرائیل کو یہ یاد دلانا مقصود ہے کہ اہل کتاب! تم اپنے آپ کو بنی اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کہتے ہو۔سوچو اور غور کرو کہ آج کس طرح تم حضرت محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی مخالفت پر تلے ہوئے ہو حالانکہ وہ نسل کے اعتبار سے تمہارے جدامجد حضرت اسحاق علیہ السلام کے بڑے بھائی، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں،تمہارے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے والے اور تمہاری کتابوں کی تصدیق کرنے والے ہیں۔حق تو یہ تھا کہ تم آگے بڑھ کر ان کے معاون بنتے۔مگر تم حسد وبغض میں آکر ان کی مخالفت کیے جارہے ہو۔

مسائل

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو آزادی کی نعمت یاددلائی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو آلِ فرعون سے نجات دلائی۔

۳۔ فرعون بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کرتا اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔

تفسیر بالقرآن

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کے انعام یاددلانا:

۱۔ موسیٰ نے اپنی قوم کو کہا کہ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔(ابراھیم:۶)

۲۔ موسیٰ نے اپنی قوم کو اللہ کے انعام یادرکھنے کی تلقین کی۔(المائدۃ:۲۰)

۳۔ اے بنی اسرائیل اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو جو اس نے تم پر انعام کی ہیں۔(البقرۃ:۴۷)

۴۔ موسیٰ نے کہا کیا میں تمھیں کوئی اور معبود تلاش کر کے دوں حالانکہ اُس نے تمھیں جہان والوں پر فضیلت دی ہے۔(الاعراف:۱۴۰)

لَاَزِيْدَنَّكُمْ	شَكَرْتُمْ	لَئِنْ	رَبُّكُمْ	تَاَذَّنَ	وَاِذْ
تو یقیناً تمھیں زیادہ دوں گا	تم شکر کرو گے	البتہ اگر	تمھارا رب	اطلاع دی	اور جب

لَشَدِيْدٌ ۝	عَذَابِيْ	اِنَّ	كَفَرْتُمْ	وَلَئِنْ
بہت سخت	میرا عذاب	بلاشبہ	تم ناشکری کرو گے	اور البتہ اگر

''اور جب تمہارے رب نے اعلان کیا اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو بلا شبہ میرا عذاب بہت سخت ہے۔'' (۷)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانِ اطہر سے بنی اسرائیل کو آزادی کی نعمت یاد کروانے کے بعد سب لوگوں کو شکر گزار ہونے کی ہدایت۔

مذکورہ بالا آیت سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے موسیٰ کو اس لیے بھیجا کہ وہ اپنی قوم کو ان کے ماضی کے ایام اور اللہ تعالیٰ کے انعام یاد کروا کر انہیں کفر و شرک اور بدعت و رسومات کی تاریکیوں سے نکال کر اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ نور کی طرف لانے کی کوشش کریں۔ یہ کوشش ہر اس شخص کے لیے مفید اور کارگر ثابت ہوگی جو مشکلات پر صبر اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے والا ہے۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کو ان کے اذیت ناک ماضی کا حوالہ دیا گیا۔ اب انہیں اور دنیا کے ہر انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ لوگو! تمہارے رب کا یہ فرمان ہے کہ اگر تم اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو گے تو وہ تمہیں مزید نعمتوں سے نوازتا رہے گا۔ اگر تم نے ناشکری کا وطیرہ اختیار کیا تو اس کا عذاب شدید ترین ہوگا۔

صبر کا معنیٰ مصیبت میں حوصلہ رکھنا اور دین کے بتلائے ہوئے راستے پر مستقل مزاجی کے ساتھ گامزن رہنا ہے۔

شکر کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ اس کی فرمانبرداری میں زندگی بسر کرنا۔

شکر کی مختصر تشریح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اقتدار دے تو رعایا کی خدمت بجالائے، مال دے تو اس کے بندوں پر خرچ کرے، علم عطا ہو تو لوگوں کی رہنمائی کرے۔ طاقت نصیب ہو تو لوگوں کی مدد کرے، صحت ہو تو اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے کے ساتھ اس کے بندوں کی خدمت کرتا رہے۔

شکر کی اہمیت اور فوائد:

اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اظہار اور اس کی نعمتوں کا اعتراف اور شکر کرنا مشکلات سے محفوظ رہنے کا طریقہ ہے، مزید ملنے کی گارنٹی اور زوالِ نعمت سے مامون رہنے کی ضمانت ہے، شکر رب کی بارگاہ میں نہایت پسندیدہ عمل ہے، اس کے مقابلہ میں

ناشکری کفر کے مترادف ہے۔

﴿بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ [الزمر:٦٦]

”پس اللہ کی عبادت کرتے ہوئے شکر گزار بندوں میں شامل ہو جائیے۔“

﴿أَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيْرُ﴾ [لقمان:١٤]

”میرا اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کرتے رہیے بالآخر تم نے میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔“

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ﴾ [ابراھیم: ٧]

”اگر تم شکر کا رویہ اپناؤ گے تو ہر صورت مزید عنایات پاؤ گے۔“

﴿مَايَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَ آمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا﴾ [النساء:١٤٧]

”اللہ کو تمہیں سزا دینے سے کیا فائدہ، اگر تم شکر اور تسلیمات کا انداز اختیار کرو۔ اللہ تو نہایت ہی قدر افزائی کرنے والا ہے۔“

((عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَخَذَ بِيَدِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ إِنِّيْ لَأُحِبُّكَ يَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَأَنَا أُحِبُّكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَا تَدَعْ أَنْ تَقُوْلَ فِيْ كُلِّ صَلَاةٍ رَبِّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ))[سنن النسائی: باب نَوْعٌ آخَرُ مِنَ الدُّعَاءِ]

”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اے معاذ! میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ میں نے عرض کی اللہ کے رسول میں بھی آپ سے محبت کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کے بعد اس دعا کو پڑھنا نہ چھوڑنا اے میرے پروردگار! ذکر، شکر اور اچھی عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو مزید دیتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے انعام کی ناشکری نہیں کرنی چاہیے۔

۳۔ ناشکری کرنے والوں کے لیے سخت عذاب ہے۔ ۴۔ شکر کے مقابلہ میں کفر ہے۔

تفسیر بالقرآن

صبر اور شکر کی فضیلت:

۱۔ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا۔ (ابراہیم:۷) ۲۔ اللہ شکر گزار بندوں کا قدردان ہے (النساء:۱۴۷)

۳۔ اگر تم اس کا شکریہ ادا کرو تو وہ تم پر خوش ہوگا۔ (الزمر:۷) ۴۔ اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔ (آل عمران:۱۴۴)

۵۔ اگر تم اللہ کا شکریہ ادا کرو گے تو وہ تمہیں عذاب نہیں کرے گا۔ (النساء:۱۴۷)

وَ	قَالَ	مُوْسٰى	اِنْ	تَكْفُرُوْٓا	اَنْتُمْ	وَمَنْ	فِي
اور	اس نے کہا	موسیٰ	اگر	اگر تم کفر کرو گے	تم	اور جو	میں
الْاَرْضِ	جَمِيْعًا	فَاِنَّ	اللّٰهَ	لَغَنِيٌّ	حَمِيْدٌ ۝	اَلَمْ	
زمین	سارے	تو یقیناً	اللہ	یقیناً بہت بے پروا	قابل تعریف	کیا نہیں	
يَاْتِكُمْ	نَبَؤُا	الَّذِيْنَ	مِنْ	قَبْلِكُمْ	قَوْمِ	نُوْحٍ	
آئی تمھارے پاس	خبر	وہ لوگ	سے	تم سے پہلے	قوم	نوح	
وَّعَادٍ	وَّثَمُوْدَ	وَالَّذِيْنَ	مِنْ	بَعْدِهِمْ	لَا يَعْلَمُهُمْ		
اور عاد	اور ثمود	اور وہ لوگ	سے	ان کے بعد	وہ نہیں جانتا ان کو		

''اور موسیٰ نے کہا اگر تم اور جو لوگ زمین میں ہیں سب کے سب کفر کرو تو بے شک اللہ بے پروا اور بہت تعریف والا ہے۔'' (۸)
''کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو تم سے پہلے تھے، نوح کی قوم، عاد، ثمود اور ان کی جو ان کے بعد تھے، جنہیں

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو رب تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا حکم دیتے ہوئے ایک بار پھر سمجھانا۔

انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مرکزی نقطہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دینا تھا۔ کیونکہ توحید کو سمجھنے اور اس کے تقاضے پورے کیے بغیر انسان کی پائیدار بنیادوں پر اصلاح نہیں ہوسکتی۔ توحید کا یہ تقاضا ہے کہ انسان مشکلات پر صبر اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہے۔ شکر کا اُلٹ اللہ تعالیٰ کی ناقدری اور اس کے ساتھ کفر کرنا ہے۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتلایا اور سمجھایا کہ اگر تم اور جو بھی زمین پر انسان موجود ہیں اور ہوں گے وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کا انکار کریں تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ وہ بندوں کے شکریہ اور ان کی فرمانبرداری کا محتاج نہیں کیونکہ وہ ہر اعتبار سے بے نیاز اور حمد وستائش کے لائق ہے۔ کیا تمہیں پہلے لوگوں کے واقعات کا علم نہیں؟ جن میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم عاد، ثمود اور ان کے بعد لوگوں کا آسمانی اور تاریخ کی کتابوں میں ذکر موجود ہے۔ ان میں ایسی اقوام بھی ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بشر کو نہیں کہ کونسی قوم کس علاقے اور کس انجام کے ساتھ دوچار ہوئی۔ ان کے پاس اللہ کے رسول بین دلائل کے ساتھ آئے۔ مگر ان قوموں نے انبیاء علیہم السلام کے اخلاص کی قدر کرنے، ان کی دعوت سمجھنے اور ان کی تائید کرنے کی بجائے اپنے ہاتھ اپنے چہروں پر رکھتے ہوئے کہنے لگے کہ جس دعوت کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کا صاف صاف انکار کرتے ہیں کیونکہ جس عقیدہ کی تم دعوت دیتے ہو

اِلَّا	اللّٰہُ ؕ	جَآءَتۡھُمۡ	رُسُلُھُمۡ	بِالۡبَیِّنٰتِ	فَرَدُّوۡۤا
سوائے	اللہ	آئے تھے ان کے پاس	ان کے رسول	واضح دلائل کے ساتھ	توانھوں نے لوٹائے

اَیۡدِیَھُمۡ	فِیۡۤ	اَفۡوَاھِھِمۡ	وَقَالُوۡۤا	اِنَّا	کَفَرۡنَا	بِمَاۤ
اپنے ہاتھ	میں	اپنے مونہوں	اورانھوں نے کہا	بے شک ہم	نہیں مانتے	اس چیز کو کہ

اُرۡسِلۡتُمۡ	بِہٖ	وَاِنَّا	لَفِیۡ	شَکٍّ	مِّمَّا
بھیجے گئے ہو تم	جس کے ساتھ	اور بے شک ہم	البتہ میں	ایسے شک	اس سے کہ

تَدۡعُوۡنَنَاۤ	اِلَیۡہِ	مُرِیۡبٍ ﴿۹﴾
تم بلاتے ہو ہمیں	اس کی طرف	اضطراب میں ڈالنے والا

اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ان کے رسول ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے چہروں پر رکھ لیے اور کہنے لگے بے شک ہم اسے نہیں مانتے جو تم دے کر بھیجے گئے ہو اور بے شک ہم اس چیز کے بارے میں جس کی طرف تم ہم کو بلاتے ہو ایک اضطراب میں ڈالنے والے شک میں مبتلا ہیں۔" (۹)

ہم اس کے بارے میں شک وشبہات میں مبتلا ہیں۔ چہروں پر ہاتھ رکھنے کا مقصد انبیاء ﷩ کی دعوت سے نفرت کا اظہار کرنا تھا۔ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے منفی کردار کا ذکر کرتے ہوئے بیان ہوا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو توحید کی دعوت دیتے اور سمجھاتے کہ اے میری قوم اگر تم شرک وخرافات کو چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ تمہارے سابقہ گناہ معاف کرے گا۔ لیکن قوم نے ان کی دعوت قبول کرنے کی بجائے کانوں میں انگلیاں ڈال دیں اور اپنے چہروں کو کپڑوں سے ڈھانپ لیا۔ (نوح:۷)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ناشکری نہیں کرنی چاہیے۔ ۲۔ ساری کائنات مل کر بھی اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔
۳۔ اللہ تعالیٰ ساری کائنات سے بے پرواہ ہے۔ ۴۔ سابقہ امم کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
۵۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اقوام کے پاس رسول بھیجے۔

تفسیر بالقرآن

شکر کے فائدے اور ناشکری کے نقصانات:

۱۔ اگر تم اس کی ناشکری کرو تو اللہ بے پرواہے اور تعریف والا ہے۔ (ابراھیم:۸)
۲۔ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اگر ناشکری کرو تو اس کا عذاب بڑا سخت ہے۔ (ابراھیم:۷)
۳۔ جو شخص شکر کرتا ہے اس کا فائدہ اسی کو ہے اور جو ناشکری کرتا ہے میرا رب اس سے بے پرواہ ہے۔ (النمل:۴۰)

قَالَتْ	رُسُلُهُمْ	اَ	فِي	اللّٰهِ	شَكٌّ	فَاطِرِ
اس نے کہا	ان کے رسول	کیا	میں	اللہ	شک	پیدا کرنے والا
السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ ؕ	يَدْعُوْكُمْ	لِيَغْفِرَ	لَكُمْ	مِّنْ	ذُنُوْبِكُمْ
آسمانوں	اور زمین	وہ تمھیں بلاتا ہے	تاکہ وہ بخش دے	تمھارے لیے	سے	تمہارے گناہ
وَيُؤَخِّرَكُمْ	اِلٰٓى	اَجَلٍ	مُّسَمًّى ؕ	قَالُوْٓا	اِنْ	اَنْتُمْ
اور وہ مہلت دیتا ہے تمہیں	طرف	وقت	مقرر	انھوں نے کہا	نہیں	تم
اِلَّا	بَشَرٌ	مِّثْلُنَا ؕ	تُرِيْدُوْنَ	اَنْ	تَصُدُّوْنَا	عَمَّا
مگر	بشر	ہم جیسے	تم چاہتے ہو	یہ کہ	ہمیں روک دو	ان سے کہ
كَانَ	يَعْبُدُ	اٰبَآؤُنَا	فَاْتُوْنَا	بِسُلْطٰنٍ	مُّبِيْنٍ ۝۱۰	
تھے	وہ عبادت کرتا ہے	ہمارے باپ دادا	تم لے آؤ ہمارے پاس	کوئی دلیل	واضح	

”ان کے رسولوں نے کہا کیا اللہ کے بارے میں شک ہے؟ جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔ تمہیں اس لیے بلاتا ہے کہ تمہارے گناہ بخش دے اور تمہیں ایک متعین مدت تک مہلت دے۔ انہوں نے کہا تم ہمارے جیسے ہی بشر ہو، تم چاہتے ہو کہ ہمیں اس سے روک دو، جس کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے، پس ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لاؤ۔“ (۱۰)

فہم القرآن

ربط کلام: انبیاء ﷷ کے بار، بار سمجھانے کے باوجود لوگوں کا بلا دلیل اور بلا جواز توحید و رسالت کے بارے میں شک کرنا اور اس کا جواب۔

انبیاء کرام ﷷ کا طریقہ، توحید کا عقیدہ اور اس کے دلائل اتنے ٹھوس، واضح اور شفاف تھے اور ہیں کہ اگر کوئی شخص اخلاص کے ساتھ انہیں سمجھنا چاہے تو اسے کوئی دقّت پیش نہیں آتی۔ اللہ کی ذات اور اس کی قدرت کے شواہد اس قدر کھلے اور عام ہیں کہ ایک ان پڑھ سے ان پڑھ انسان بھی اس کا ادراک کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ انبیاء کرام ﷷ ایک مرتبہ نہیں، زندگی بھر اللہ کی توحید کے دلائل دیتے رہے۔ مگر نہ ماننے والے یہ کہہ کر انکار کرتے تھے کہ ہمارے شک و شبہات ابھی تک دور نہیں ہوئے۔ جس پر انبیاء کرام ﷷ انہیں فرمایا کرتے کہ شک و شبہات کا بہانہ کرنے والو! کیا تم اللہ کی ذات کے بارے میں شک کرتے ہو؟ جس نے بغیر کسی پہلے سے موجود نقشے اور میٹریل کے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا وہ تمہیں سمجھاتا اور بلاتا ہے کہ میرے بندو! میری طرف آجاؤ۔ میں تمہارے گناہوں کو معاف کرنے کے لیے تیار ہوں اور میں ہی تمہیں ایک معین مدت تک مہلت دیئے رکھتا ہوں۔ انسان جتنا بھی اللہ سے دور اور اس کا سرکش ہو جائے اللہ تعالیٰ پھر بھی اسے مدتِ مدید تک مہلت

دیے رکھتا ہے تاکہ میرا بندہ میری رحمت کا حقدار ہو جائے۔لیکن لوگوں نے توحید خالص کا عقیدہ قبول کرنے کی بجائے انبیاء ﷩ کو یہ بھی جواب دیا کہ تم تو ہمارے جیسے انسان ہو۔اس دعوت کے پیچھے تمہارا مقصد یہ ہے کہ ہمارے بزرگوں اور معبودوں کے عقیدہ اور طریقہ سے روک دیا جائے۔ہم تمہاری دعوت اور باتوں پر مطمئن نہیں۔اس لیے ہمارے سامنے کوئی بھاری معجزہ پیش کرو۔کچھ اہل علم نے شک سے مراد فکری تذبذب لیا ہے اور بعض کا خیال ہے کہ لوگ انبیاء ﷩ کی عظیم اور پر خلوص جدوجہد کے باوجود عقیدہ توحید کو نہ سمجھ سکے مگر شرک کے بارے میں ضرور شک کا شکار ہو گئے۔صد احترام کے باوجود اس توجیہہ کے ساتھ اتفاق کرنے کو دل نہیں مانتا۔کیونکہ قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ کفار اللہ تعالیٰ کی ذات کے منکر تھے۔جس طرح آج مادہ پرست سائنسدان اور عام لوگ انکار کرتے ہیں۔اسی طرح ہر دور کے مشرک صرف ایک اللہ کو حاجت روا، مشکل کشا ماننے کی بجائے یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تنہا ہماری مشکلات حل نہیں کرسکتا اور نہ ہی براہ راست ہماری فریادیں سنتا ہے۔یہی وہ شک اور مشرکانہ عقیدہ ہے۔جس مین ہلاک ہونے والی اقوام مبتلا تھیں۔

مسائل

۱۔ کفار اللہ تعالیٰ کے بارہ میں شک میں مبتلا تھے۔ ۲۔ زمین و آسمان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ ۴۔ کفار انبیاء ﷩ سے بار بار معجزات طلب کرتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

کفار اور مشرکین کا انبیاء کرام ﷩ کے ساتھ رویہ:

۱۔ کفار کہتے تھے کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو تم چاہتے ہو کہ ہم اپنے آباء و اجداد کے معبودوں کو چھوڑ دیں۔(ابراہیم:۱۰)

۲۔ کفار نے انبیاء سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے۔(ابراہیم:۱۳)

۳۔ حضرت نوح کو قوم کا جواب جب ان کے پاس رسول معجزات لے کر آئے تو انہوں نے انکار کیا۔(المومن:۲۲)

۴۔ حضرت نوح کو قوم کے سرداروں نے کہا تو تو ہمارے جیسا ہی ایک آدمی ہے اور تیری پیروی کرنے والے بھی ادنیٰ لوگ ہیں۔(ھود:۲۷)

۵۔ قوم عاد نے اللہ کی آیات کا انکار کیا اور رسولوں کی نافرمانی کی۔(ھود:۵۹)

۶۔ حضرت موسیٰ کو فرعون نے کہا کیا تم اپنے جادو سے ہمیں ہماری زمین سے نکالنا چاہتے ہو۔(طٰہٰ:۵۷)

۷۔ کافروں کے پاس جب حق آیا تو انہوں نے اُسے واضح طور پر جادو قرار دیا۔(سبا:۴۳)

۸۔ کفار نے نبی اکرم کو جادوگر قرار دیا۔(الفرقان:۸)

قَالَتْ	لَهُمْ	رُسُلُهُمْ	اِنْ	نَّحْنُ	اِلَّا	بَشَرٌ
اس نے کہا	ان کے لیے	ان کے رسول	نہیں	ہم	مگر	بشر
مِّثْلُكُمْ	وَلٰكِنَّ	اللّٰهَ	يَمُنُّ	عَلٰى	مَنْ	يَّشَآءُ
تم جیسے	اور لیکن	اللہ	وہ احسان کرتا ہے	پر	جس	وہ چاہتا ہے

مِنْ	عِبَادِهٖ	وَمَا	كَانَ	لَنَآ	اَنْ	نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ
سے	اپنے بندوں	اور نہیں	تھا	ہمارے لیے	یہ کہ	ہم لے آئیں تمھارے پاس کوئی معجزہ
اِلَّا	بِاِذْنِ	اللّٰهِ ۭ	وَعَلَى	اللّٰهِ	فَلْيَتَوَكَّلِ	الْمُؤْمِنُوْنَ ۝
مگر	ساتھ حکم	اللہ	اور پر	اللہ	پھر چاہیے کہ بھروسا کریں	مومن

''ان کے رسولوں نے کہا ہم نہیں ہیں مگر تمہارے جیسے بشر ہیں۔لیکن اللہ احسان فرماتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اور ہمارے لیے ممکن نہیں کہ تمہارے پاس کوئی دلیل اللہ کے اذن کے بغیر لے آئیں اور پس لازم ہے کہ ایمان والے اللہ پر بھروسہ کریں۔'' (۱۱)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔انبیاء علیہم السلام کی بشریت کا جواب،انبیاء علیہم السلام کی زبان اطہر سے۔

مشرکین کی عجب حالت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی کامل صفات کے ساتھ ماننے کی بجائے دوسروں کو اس کی صفات میں بلادلیل شامل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو سراسر شرک ہے۔تمام پیغمبر علیہم السلام اس شرک سے لوگوں کو منع کرنے کے لیے مبعوث کیے گئے۔

لیکن جب بھی اپنے اپنے دور میں پیغمبروں نے لوگوں کو توحید خالص کی دعوت دی تو لوگوں نے اس پر ایمان لانے کی بجائے پیغمبروں کی دعوت کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ تم تو ہمارے جیسے انسان ہو۔قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق ہر پیغمبر نے اس بات کا یہی جواب دیا کہ ''اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم بھی تمہارے جیسے انسان ہیں۔لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر خصوصی احسان ہے کہ اس نے ہمیں اپنے کام اور پیغام کے لیے منتخب فرمایا ہے۔یہ اُسی کا اختیار ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اپنے کام اور پیغام کے لیے منتخب کرلے۔کیونکہ ہم اس کے بندے اور اس کے پیغام رساں ہیں۔اس لیے ہمارے اختیار میں نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی معجزہ تمہارے سامنے پیش کرسکیں۔ایمان لانے والوں کو متزلزل ہونے کی بجائے اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے۔اس آیت مبارکہ میں دوٹوک الفاظ میں انبیاء کرام علیہم السلام کی زبان اطہر سے واضح کیا ہے کہ تمام کے تمام انبیاء کرام علیہم السلام ''بشر'' تھے اور ان کے پاس یہ اختیار نہیں تھا کہ جب چاہیں،جس طرح چاہیں کوئی معجزہ لوگوں کے سامنے پیش کرسکیں۔اس آیت کے آخری الفاظ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا جواب صرف کفار کے لیے ہی نہیں تھا۔بلکہ وہ

اپنے ماننے والوں کو بھی یہی بتلایا کرتے تھے کہ ہم بھی تمہارے جیسے انسان ہیں۔ لہٰذا کفار کے بار بار مطالبات کی بنیاد پر ہم سے ایسی توقع نہ رکھو جو ہمارے بس کی بات نہیں۔ بس اللہ تعالیٰ پر ایمان پختہ رکھو اور اسی کی ذات پر توکل کرو۔ جب وہ چاہے گا ہمارے ہاتھ پر کوئی معجزہ سرزد فرما کر کفار کو لاجواب کر دے گا۔

یاد رہے کہ ہر دور کے کافر یہ بات کہہ کر پیغمبروں کی بشریت کا انکار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے پیغام کے لیے انسان کی بجائے کسی فرشتے کو مقرر کرنا چاہیے تھا۔ جس کا جواب قرآن مجید نے یہ دیا ہے کہ اگر زمین میں بسنے والے فرشتے ہوتے تو اللہ تعالیٰ انہی میں سے ایک فرشتے کو رسول منتخب کرتا۔ چونکہ زمین میں انسان بستے ہیں اس لیے ان کی سہولت اور رہنمائی کے لیے بشر ہی کو رسول بنایا گیا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۹۵) افسوس اس بات کا ہے کہ اتنی واضح حقیقت کے باوجود مسلمانوں کا ایک گروہ یہ کہہ کر بشریت کا انکار کرتا ہے کہ نبی ﷺ کو انسانوں جیسا انسان کہنا آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنا ہے، حالانکہ دنیا میں کوئی ایک مسلمان بھی ایسا نہیں جو رسول معظم ﷺ کو جمال و کمال، اخلاق اور اعمال مرتبہ اور شان کے حوالے سے اپنے جیسا سمجھتا ہو۔ ایسا سمجھنے والا شخص صرف گستاخ نہیں بلکہ پرلے درجے کا مرتد اور واجب القتل ہوگا۔ قرآن مجید کے فرمان اور انبیاء علیہم السلام کے اعتراف کے مطابق انبیاء علیہم السلام کی بشریت کا صرف یہ معنی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام بنی نوعِ انسانوں میں سے تھے اور وہ بھی کھانے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے اور موت و حیات کے انہی ضابطوں کے پابند تھے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔

مسائل

۱۔ تمام رسول بشر ہی ہوا کرتے ہیں۔
۲۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے۔
۳۔ انبیاء علیہم السلام اپنی طرف سے کوئی معجزہ نہیں لا سکتے تھے۔
۴۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

تمام انبیاء کرام علیہم السلام بشر تھے:

۱۔ انبیاء نے فرمایا کہ ہم تمہاری ہی طرح بشر ہیں لیکن اللہ جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے۔ (ابراہیم: ۱۱)

۲۔ نہیں ہے یہ مگر تمہارے جیسا بشر اور یہ تم پر فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ (المومنون: ۲۴)

۳۔ نہیں ہے تو مگر ہمارے جیسا بشر کوئی نشانی لے کر آ اگر تو سچا ہے۔ (الشعراء: ۱۵۴)

۴۔ نہیں ہے یہ مگر تمہارے جیسا بشر جیسا تم کھاتے ہو، ویسا وہ کھاتا ہے۔ (المومنون: ۳۳)

۵۔ ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی نبی بھیجے وہ بشر تھے۔ (النحل: ۴۳)

۶۔ آپ ﷺ اعلان فرمائیں کہ میں تمھارے جیسا انسان ہوں۔ (الکہف: ۱۱۰)

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ

اور کیا ہمارے لیے کہ نہ ہم بھروسہ کریں پر اللہ اور البتہ تحقیق

هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ

اس نے ہدایت دی ہمیں ہماری راہیں اور البتہ ضرور ہم صبر کریں گے پر جو تم ہمیں اذیت دیتے ہو

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور پر اللہ پھر چاہیے کہ بھروسہ کریں بھروسہ کرنے والے

''اور ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں، حالانکہ اس نے ہمیں راستے دکھا دیے ہیں اور ہم ہر صورت اس پر صبر کریں گے جو تم ہمیں تکلیف پہنچاؤ گے اور پس چاہیے کہ بھروسہ کرنے والے اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کریں۔'' (۱۲)

فہم القرآن

ربط کلام: انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے والے کا اعلان اور عقیدہ۔

انبیاء کرام علیہم السلام ہر مصیبت اور مشکل کے وقت اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے اور اپنے ماننے والوں کو بھی یہی تعلیم دیتے تھے کہ حالات جیسے بھی ہوں ہمیں اپنے رب پر ہی توکل کرنا چاہیے۔ اس عقیدہ اور تعلیم کا یہ اثر تھا کہ ان پر ایمان لانے والے حضرات بے پناہ مشکلات اور پریشانیوں کے باوجود ظلم کرنے والوں کو کہتے کہ تم جو چاہو کر گزرو۔ ہمارا ایمان اور اعتماد ہے کہ ہمارا رب ہماری ضرور مدد فرمائے گا۔ ہم کیوں نہ اپنے رب پر توکل کریں جب کہ اس نے کفر و شرک اور بدعت و رسومات کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اس لیے ہم صبر کریں گے اور وہ ایک دوسرے کو یہی بات کہتے کہ ہمیں اللہ کی ذات پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔

توکل کا معنیٰ ہے کسی پر اعتماد اور بھروسہ کرنا۔ توکل علی اللہ کا یہ مفہوم ہے کہ بندہ اپنے خالق و مالک پر کامل اعتماد و یقین کا اظہار کرتا ہے۔ جو اپنے رب پر بھروسہ اور توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور اس کی مشکلات آسان کر دیتا ہے۔ لہٰذا تنگی اور آسانی، خوشی اور غمی میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیے۔ یہ غموں کا تریاق اور مشکلات کا مداوا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا حکم اور فائدہ:

۱۔ توکل کرنے والوں کو اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ (ابراہیم: ۱۲) ۲۔ اللہ توکل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ (آل عمران: ۱۵۹)

۳۔ اللہ پر توکل کرو اگر تم مومن ہو۔ (المائدۃ: ۲۳) ۴۔ جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے کافی ہو جاتا ہے۔ (الطلاق: ۳)

۴۔ اللہ صبر کرنے والوں اور توکل کرنے والوں کو بہترین اجر سے نوازے گا۔ (العنکبوت: ۵۹)

۶۔ جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے یقیناً اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (الانفال: ۴۹)

وَقَالَ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	لِرُسُلِهِمْ	لَنُخْرِجَنَّكُمْ	مِّنْ
اور کہا اس نے	لوگوں	انہوں نے کفر کیا	اپنے رسولوں سے	البتہ ہم ضرور نکال دیں گے تمھیں	سے

اَرْضِنَآ	اَوْ	لَتَعُوْدُنَّ	فِيْ	مِلَّتِنَا ؕ	فَاَوْحٰٓى	اِلَيْهِمْ
اپنی زمین	یا	تم واپس آ جاؤ	میں	ہمارے دین	چنانچہ وحی کی	ان کی طرف

رَبُّهُمْ	لَنُهْلِكَنَّ	الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾	وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ	الْاَرْضَ	مِنْۢ
ان کے رب	یقیناً ہم ضرور ہلاک کریں گے	ظالموں	اور یقیناً ہم ضرور آباد کریں گے	زمین	سے

بَعْدِهِمْ ؕ	ذٰلِكَ	لِمَنْ	خَافَ	مَقَامِيْ	وَ	خَافَ
بعد	یہ	اس شخص کے لیے ہے جو	ڈر گیا	میرے سامنے کھڑا ہونے	اور	ڈر گیا

وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾	وَاسْتَفْتَحُوْا	وَخَابَ	كُلُّ	جَبَّارٍ	عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾
میری وعید	اور انھوں نے فتح طلب کی	اور ناکام ہوا	ہر	سرکش	عناد رکھنے والا

”اور جن لوگوں نے کفر کیا اپنے رسولوں سے کہنے لگے ہم ہرصورت تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے، یا ضرور تم ہمارے دین میں واپس آ ؤ گے ان کے رب نے انکی طرف وحی کی کہ یقیناً ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے۔“(۱۳)”اور یقیناً ان کے بعد تمہیں اس زمین میں ضرور آباد کریں گے، یہ اس کے لیے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے سے اور میری وعید سے ڈر جائے۔“(۱۴)”اور انہوں نے فیصلہ مانگا اور ہر سرکش، سخت عناد رکھنے والے نامراد ہوئے۔“(۱۵)

فہم القرآن

ربط کلام: انبیائے کرام علیہم السلام اور مومنین کے جواب میں کفار کی دھمکیاں۔

کفار اور مشرکین کی شروع ہی سے یہ عادت رہی ہے کہ دلیل کا جواب دلیل سے دینے کی بجائے انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کے خلاف ہرزہ سرائی اور طاقت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی سرتوڑ کوشش ہوتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے والوں پر اس قدر جبر و ستم کیا جائے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول کرنے سے نہ صرف انکار کریں بلکہ اپنی جان کے خوف سے ایمان سے دست کش ہو کر کفر میں پلٹ آئیں۔ انبیاء علیہم السلام کے کردار اور ان کی استقامت کے بارے میں کفار کو یقین ہوتا تھا کہ یہ مر جائیں گے مگر اپنے عقیدے اور دعوت سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔ اس لیے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں کفار کا عمومی طور پر یہ رویہ رہا ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے یا اپنے ملک سے نکلنے پر مجبور کر دیا جائے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو انہوں نے پتھر مار مار کر مار ڈالنے کی دھمکی دی ان کے بعد جتنے پیغمبر مبعوث کیے گئے۔ ان میں سے کچھ انبیاء علیہم السلام کو شہید کیا گیا اور چند ایک انبیاء علیہم السلام کو چھوڑ کر باقی کو ان کے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا۔ یہی کچھ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانثار ساتھیوں

کے ساتھ کیا گیا۔ جب بھی یہ صورتِ حال پیش آئی تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو وحی فرمائی کہ ثابت قدم رہیے اور ہمارے حکم کے مطابق کرتے جائیے۔ ہم ظلم کرنے والوں کو ہر صورت ہلاک کریں گے اور تمہیں ضرور زمین میں تمکنت عطا فرمائیں گے۔ یہ مرتبہ اور مقام ہر اس شخص کے لیے ہے جو اللہ کے سامنے کھڑا ہونے اور اس کی وعید سے ڈرتا رہے گا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ہر جابر اور ظالم کو ناکام کر دیا۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے ساتھیوں کو زمین میں عزت وعظمت اور برکات سے نوازا۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی تاریخ اس پر پوری طرح گواہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو دنیا میں ذلیل وخوار کیا۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [العنکبوت:۶۹]

''جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہم اُن کو ضرور اپنا راستہ دکھلائیں گے اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

مسائل

۱۔ کفار انبیاء علیہم السلام کو راہ راست سے بھٹکانے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کے دشمنوں کو ہلاک کرنے کا وعدہ پورا فرمایا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو زمین میں عزت وتمکنت عطا فرمائی۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو زمین میں اقتدار دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء علیہم السلام اور ان کے ساتھی کامیاب اور کفار ذلیل ہوئے:

۱۔ ہم ظالموں کو ہلاک کریں گے اور تمہیں ان کے بعد زمین میں بسائیں گے یہ وعدہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر جائے۔ (ابراہیم:۱۳۔۱۴)

۲۔ کفار نے حضرت نوح کو جھٹلایا ہم نے نوح اور اس کے ماننے والوں کو نجات دی۔ (الاعراف:۶۴)

۳۔ ہم نے موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی۔ (الشعراء:۶۵)

۴۔ ہم نے شعیب اور ایمان لانے والوں کو نجات دی۔ (ہود:۹۴)

سمجھنے سمجھانے اور اس پر عمل کرنے میں جو مشکلات پیش آتیں ان کا یہ لوگ تصور بھی کر سکتے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ آدمیوں میں سے جس کو چاہے نبی بنائے اور جس قوم اور بستی میں نبی مبعوث کیا جائے اس کے لیے یہ طرۂ امتیاز ہے جس کا کوئی قوم مقابلہ نہیں کر سکتی قرآن مجید کے الفاظ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ تمام نبی مرد تھے۔ جس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ نبی نہ صرف فرشتوں میں نہیں تھے بلکہ کسی عورت کو بھی نبوت کے مقام پر فائز نہیں کیا گیا۔ مگر لوگ اس حقیقت اور اللہ تعالیٰ کے احسانِ عظیم پر غور نہیں کرتے۔ یہاں نبی کی بشریت کے دلائل دینے کی بجائے صرف اتنا فرمایا ہے کہ انہیں عقل سے کام لینا چاہیے کہ جن لوگوں نے نبی کی نبوت اور بشریت کو جھٹلایا ان کا دنیا میں کیا انجام ہوا ہے بلکہ دنیا کے ساتھ ان کی آخرت بھی برباد ہوگئی۔

((عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم تفرَغُوا مِنْ ھُمُوْمِ الدُّنْیَا مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنَّہٗ مَنْ کَانَتِ الدُّنْیَا اَکْبَرُ ھَمَّہٗ اَفْشَی اللّٰہُ ضَیْعَتَہٗ وَجعَلَ فَقْرَہٗ بَیْنَ عَیْنَیْہِ وَمَنْ کَانَتِ الْاٰخِرَۃِ اَکْبَرُ ھَمَّہٗ جَمَعَ اللّٰہُ لَہٗ اُمُوْرَہٗ وَجَعَلَ غِنَاہُ فِیْ قَلْبِہٖ وَمَا اَقْبَلَ عَبْدٌ بِقَلْبِہٖ اِلَی اللّٰہِ اِلَّا جَعَلَ اللّٰہُ قُلُوْبَ الْمُؤْمِنِیْنَ تَفِدُّ اِلَیْہِ بِالْوُدِّ وَالرَّحْمَۃِ وَکَانَ اللّٰہُ اِلَیْہِ بِکُلِّ خَیْرٍ اَسْرَعُ))[معجم الاوسط]

”حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک ہو سکے تم دنیا کے غموں سے چھٹکارا حاصل کرلو جس نے دنیا کی فکر کو بڑا جان لیا اللہ تعالیٰ اس پر دنیا تنگ کر دیں گے۔ محتاجی اس کی آنکھوں سے ٹپک رہی ہوگی۔ جس نے آخرت کو اپنے لیے بڑی فکر سمجھ لیا۔ اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو سنوار دے گا۔ اس کے دل میں غنا پیدا کر دے گا۔ جو انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سچے دل سے متوجہ ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مومنوں کے دلوں میں محبت اور رحمت پیدا فرما دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر بھلائی میں جلدی کرتا ہے۔“

مسائل

۱۔ تمام رسول مردوں میں سے تھے۔ ۲۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف اللہ تعالیٰ وحی فرماتے تھے۔

۳۔ زمین میں سیر و سیاحت کر کے پہلے لوگوں کا انجام دیکھنا چاہیے۔ ۴۔ آخرت کا گھر تمام دنیا سے بہتر ہے۔

۵۔ آخرت کا گھر متقین کے لیے ہے۔

تفسیر بالقرآن

آخرت کا گھر کن لوگوں کے لیے ہے:

۱۔ آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ (یوسف: ۱۰۹)

۲۔ مومنوں کے لیے سلامتی والا گھر ہے اور اللہ ان کا دوست ہوگا۔ (الانعام: ۱۲۷)

۳۔ متقین کے لیے آخرت کا گھر بہتر ہے کیا لوگ عقل نہیں کرتے۔ (الاعراف: ۱۶۹)

۴۔ صبر کرنے والوں کے لیے آخرت کا گھر بہتر ہے۔ (الرعد: ۲۴)

جہنم کی تپش:

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذکر کرتے ہیں کہ جب گرمی زیادہ ہو تو نماز ٹھنڈی کرلیا کرو۔ بخاری کی دوسری روایت میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز کا نام لے کر فرمایا اس نماز کو ٹھنڈا کرو، جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے گرمی میں اضافہ ہوتا ہے۔ جہنم کی آگ نے اللہ تعالیٰ کے حضور شکایت کی کہ میرے رب میں اپنے آپ میں ہی جلی جارہی ہوں۔ تب اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کی اجازت عنایت فرمائی ایک سردی میں اور دوسرا گرمی میں جب تم شدید گرمی اور شدید سردی محسوس کرتے ہو تو یہ اسی وجہ سے ہوتا ہے۔'' (رواہ مسلم: کتاب المساجد، باب استحباب الابراد)

جہنمی کا جسم کتنا بڑا ہوگا:

((وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا بَیْنَ مَنْكِبَیِ الْكَافِرِ فِی النَّارِ مَسِیْرَةُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ لِلرَّاكِبِ الْمُسْرِعِ وَفِیْ رِوَایَةٍ ضِرْسُ الْكَافِرِ مِثْلُ اُحُدٍ وَغِلَظُ جِلْدِهٖ مَسِیْرَةُ ثَلٰثٍ)) [رواہ مسلم: کتاب الجنة وصفة نعیمها وأهلها، باب النَّارُ یَدْخُلُهَا الْجَبَّارُوْنَ وَالْجَنَّةُ یَدْخُلُهَا الضُّعَفَآءُ]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم میں کافر کے کندھوں کا درمیانی فاصلہ اتنا لمبا ہوگا کہ تیز رفتار سوار کے لیے تین دن کی مسافت ہوگی دوسری روایت میں ہے کہ دوزخ میں کافر کی داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی اور اس کی جلد کی موٹائی تین رات کی مسافت کے برابر ہوگی۔''

مسائل

۱۔ کفار کو جہنم میں پینے کے لیے پیپ اور لہو دیا جائے گا۔ ۲۔ جہنم میں موت نہیں آئے گی۔

۳۔ کفار کو آخرت میں سخت ترین عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

جہنم میں پینے کا پانی کیسا ہوگا:

۱۔ ان کے پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہوگا۔ (الانعام: ۷۰)

۲۔ کفار کے لئے اُبلتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہوگا۔ (یونس: ۴)

۳۔ جہنمی گرم ہوا کی لپیٹ میں اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے۔ (الواقعۃ: ۴۲)

۴۔ ان کے لیے کھانے کی کوئی چیز نہیں ہوگی مگر ضریع ہے۔ جو نہ موٹا کرے گا اور نہ بھوک میں کچھ کام آئے گا۔ (الغاشیۃ: ۶۔۷)

۵۔ جہنمیوں کو پیپ اور لہو پلایا جائے گا۔ (ابراہیم: ۱۶) ۶۔ کھولتے ہوئے چشمے سے انھیں پانی پلایا جائے گا۔ (الغاشیۃ: ۵)

ہوا کرتے ہیں۔ (یوسف: ۸۷) اس بنیاد پر مذکورہ بالا ترجمہ اور مفہوم لینا نہایت ہی غلط ہے۔

۲۔ دوسری جماعت نے ﴿قَدْ كُذِبُوْا وَظَنُّوْا﴾ یہ مفہوم لیا ہے کہ جب اللہ کے رسول کفار کے ایمان نہ لانے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے گمان کیا کہ انہیں جھٹلا دیا گیا ہے تب اللہ تعالیٰ کی مدد نازل ہوئی اور کفار کو تہس نہس کر دیا گیا۔

۳۔ تیسری جماعت نے اس سے مراد مومن لیے ہیں کہ جب ایمان والوں کو یقین ہو گیا کہ ان کے ساتھ جھوٹ بولا گیا ہے۔ بار بار مطالبہ کے باوجود عذاب نہ آیا تو کفار نے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ عذاب کا جو وعدہ کیا جاتا رہا ہے وہ جھوٹ تھا۔ کفار کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر ایمانداروں کے دلوں میں یہ گمان پیدا ہوا کہ واقعی عذاب کا وعدہ جھوٹا ثابت ہو رہا ہے۔ یعنی مومنوں نے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ایسا خیال کرنا شروع کر دیا۔ تب اللہ کا عذاب آن پہنچا۔ یاد رہے کہ یہاں ظن کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ لفظ عربی میں گمان اور یقین دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں اس کا معنی گمان لیا جائے۔ مومنوں کے دل میں ایسا گمان پیدا ہونا بعید از قیاس نہیں ہے۔ یاد رہے گمان پیدا ہونے پر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ میرے نزدیک دوسرے نمبر والی تفسیر بہتر ہے۔ (اللہ اعلم)

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ مَا وَسْوَسَتْ بِهٖ صُدُوْرُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ بِهٖ اَوْ تَتَكَلَّمْ)) [رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ: بَابُ الطَّلَاقِ فِی الْإِغْلَاقِ]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے بُرے خیالات کو معاف کر دیا ہے بشرطیکہ ان کے مطابق عمل اور گفتگو نہ کی جائے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تفسیر:

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کی تفسیر بالخصوص ﴿قَدْ كُذِبُوْا﴾ کے الفاظ کی تشریح کے بارے میں سوال کیا جس کا تذکرہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

((عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِیْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ لَهٗ وَهُوَ يَسْأَلُهَا عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی ﴿حَتّٰى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ﴾ قَالَ قُلْتُ أَكُذِبُوا أَمْ كُذِّبُوْا قَالَتْ عَائِشَةُ كُذِّبُوْا قُلْتُ فَقَدِ اسْتَيْقَنُوْا أَنَّ قَوْمَهُمْ كَذَّبُوْهُمْ فَمَا هُوَ بِالظَّنِّ قَالَتْ أَجَلْ لَعَمْرِیْ لَقَدِ اسْتَيْقَنُوْا بِذٰلِكَ فَقُلْتُ لَهَا وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا قَالَتْ مَعَاذَ اللّٰهِ لَمْ تَكُنِ الرُّسُلُ تَظُنُّ ذٰلِكَ بِرَبِّهَا قُلْتُ فَمَا هٰذِهِ الْآيَةُ قَالَتْ هُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَصَدَّقُوْهُمْ، فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْبَلَاءُ، وَاسْتَأْخَرَ عَنْهُمُ النَّصْرُ حَتّٰى اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ مِمَّنْ كَذَّبَهُمْ مِنْ قَوْمِهِمْ وَظَنَّتِ الرُّسُلُ أَنَّ أَتْبَاعَهُمْ قَدْ كَذَّبُوْهُمْ جَآءَهُمْ نَصْرُ اللّٰهِ عِنْدَ ذٰلِكَ)) [رواه البخاری: کتاب التفسیر، باب قول حتی اذا استیاس]

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّهٗ لَیَأْتِی الرَّجُلُ الْعَظِیْمُ السَّمِیْنُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لَا یَزِنُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ وَقَالَ اقْرَءُ وْا (فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَزْنًا)[رواہ البخاری کتاب التفسیر ،باب قوله أولئك الذین حبطت أعمالهم فی الحیاۃ الدنیا]

''حضرت ابوھریرہ ؓ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ایک موٹا تازہ آدمی لایا جائے گا۔اس کا وزن اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا اور آپ نے فرمایا پڑھو ﴿فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَزْنًا﴾ ''ہم قیامت کے دن ان کے لیے ترازو قائم نہیں کریں گے۔''

((عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ابْنُ جُدْعَانَ کَانَ فِی الْجَاهِلِیَّةِ یَصِلُ الرَّحِمَ وَیُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ فَهَلْ ذَاكَ نَافِعُهٗ قَالَ لَا یَنْفَعُهٗ إِنَّهٗ لَمْ یَقُلْ یَوْمًا رَبِّ اغْفِرْ لِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ))[رواہ مسلم :کتاب الایمان، باب الدلیل علی أن من مات علی الکفر لاینفعه عمل]

''حضرت عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اے اللہ کے رسول !ابن جدعان زمانۂ جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا۔کیا یہ چیز اسے نفع دے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کام اسے نفع نہیں دیں گے کیونکہ کبھی اس نے یہ نہیں کہا اے میرے رب! قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف کر دینا۔''

مسائل

۱۔ کفار کے اعمال غارت جائیں گے۔ ۲۔ کفار کو کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

کفار اور مشرکین کے اعمال غارت کردیے جائیں گے:

۱۔ کفار کے اعمال اس طرح غارت ہو جائیں گے جیسے تیز آندھی سب کچھ اڑا کر لے جاتی ہے (ابراہیم:۱۸)

۲۔ یہی لوگ ہیں جن کے اعمال تباہ کر دیے گئے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔(التوبۃ:۱۷)

۳۔ یہی ہیں وہ لوگ جن کے اعمال دنیا و آخرت میں تباہ و برباد کر دیے گئے۔(التوبۃ:۶۹)

۴۔ جو لوگ اللہ کی آیات اور اس کی ملاقات کے منکر ہیں ان کے اعمال ضائع ہوں گے۔(الکھف:۱۰۵)

۵۔ جو لوگ ہماری آیات کی اور آخرت میں ملاقات کی تکذیب کرتے ہیں ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔(الاعراف:۱۴۷)

۶۔ ایمان نہ لانے والے کے اعمال غارت جائیں گے اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔(المائدۃ:۵)

اَلَمْ	تَرَ	اَنَّ	اللّٰهَ	خَلَقَ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضَ
کیا نہیں دیکھا آپ نے		یقیناً	اللہ	اس نے پیدا کیا	آسمانوں	اورزمین
بِالْحَقِّ	اِنْ	يَّشَاْ	يُذْهِبْكُمْ	وَ	يَاْتِ	بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾
حق کے ساتھ؟	اگر	وہ چاہے	تو تمھیں لے جائے	اور	لے آئے	مخلوق نئی
وَّمَا	ذٰلِكَ	عَلَى	اللّٰهِ	بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾		
اورنہیں	یہ	پر	اللہ	کچھ بھی مشکل		

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ یقیناً اللہ نے آسمانوں اورزمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے، اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور ایک نئی مخلوق لے آئے۔'' (۱۹) ''اور یہ اللہ پر کچھ مشکل نہیں ہے۔'' (۲۰)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار کو ان کے اعمال کی حیثیت اور انجام بتلانے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی قدرت وسطوت کا اظہار کرتا ہے۔

عربی زبان میں ''ترٰی'' کا معنی صرف ''دیکھنا'' نہیں ہوتا بلکہ یہ لفظ غور کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اکثر اہل علم نے ''اَلَمْ تَرَ'' کا معنی ''اَلَمْ تَعْلَمْ'' یعنی کیا ہے۔ کہ کیا آپ نہیں جانتے یا تو نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے حق کے ساتھ پیدا کرنے کے دو مفہوم ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بلاوجہ اور بے مقصد پیدا نہیں فرمایا بلکہ زمین وآسمان اور ان میں بے شمار مخلوق کو پیدا فرما کر انہیں وسیع ترین نظام کے ساتھ مربوط کر دیا ہے۔ جو اپنے اپنے مقام پر اللہ تعالیٰ کی تفویض کردہ ذمہ داری کو پورا کرنے کے ساتھ اس کی حمد وثنا کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

۲۔ دوسرا مفہوم یہ ہے جس قادرِ مطلق نے زمین وآسمان کو وجود بخشا اور اس لامحدود نظام کو کنٹرول کر رکھا ہے اے انسان! تجھے غور کرنا چاہیے کہ اس لامحدود نظام کے اندر تیری بغاوت کی کیا حیثیت ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تیرے وجود کو ناپید کر دے اور تمہاری جگہ نئی مخلوق لے آئے۔ کیونکہ زمین وآسمان کی تخلیق کے مقابلے میں تمہیں ختم کر کے دوسری نسل یا مخلوق پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک معمولی بات ہے۔ سورۂ یٰس میں ارشاد فرمایا:

﴿أَوَلَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلٰى أَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيْمُ○إِنَّمَآ أَمْرُهٗٓ إِذَآ أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ○﴾ [یٰس: ۸۱]

''بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ ان کو ویسے ہی پیدا کر دے کیوں نہیں! وہ

تو بڑا پیدا کرنے والا اور علم والا ہے۔ اُس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔''

((عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّ رَجُلًا کَانَ قَبْلَکُمْ رَغَسَهُ اللّٰهُ مَالًا فَقَالَ لِبَنِیْهِ لَمَّا حُضِرَ أَیَّ أَبٍ کُنْتُ لَکُمْ قَالُوْا خَیْرَ أَبٍ قَالَ فَإِنِّیْ لَمْ أَعْمَلْ خَیْرًا قَطُّ ، فَإِذَا مُتُّ فَأَحْرِقُوْنِیْ ثُمَّ اسْحَقُوْنِیْ ثُمَّ ذَرُّوْنِیْ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ فَفَعَلُوْا ، فَجَمَعَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ، فَقَالَ مَا حَمَلَكَ قَالَ مَخَافَتُكَ فَتَلَقَّاهُ بِرَحْمَتِهِ))[رواه البخاری : کتاب أحادیث الأنبیاء]

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ تم سے پہلے ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ نے مال کی فراوانی عطا کی تھی۔ جب اس کا آخری وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میں تمہارے لیے کیسا باپ ہوں؟ انہوں نے کہا بہترین! اس نے کہا کہ میں نے کبھی نیک عمل نہیں کیا۔ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا کر میری راکھ ہواؤں میں اڑا دینا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دوبارہ زندہ کر کے دریافت فرمایا۔ تجھے ایسا کرنے پر کس بات نے ابھارا تھا؟ وہ کہنے لگا آپ کے ڈر نے! اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت میں لے لیا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو ساری مخلوق تباہ کر دے اور نئی مخلوق کو بسا دے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی چیز پیدا کرنا مشکل نہیں:

۱۔ اگر اللہ چاہے تو تمہیں فنا کر دے اور نئی مخلوق لے آئے۔ یہ اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ (ابراہیم:۱۹۔۲۰)

۲۔ اگر اللہ چاہے تو تم کو فنا کر کے دوسری مخلوق لے آئے یہ اللہ کے لیے مشکل نہ ہے۔ (فاطر:۱۶۔۱۷)

۳۔ اگر اللہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے۔ (النساء:۱۳۳)

۴۔ اگر اللہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہارے بعد جسے چاہے لے آئے۔ (الانعام:۱۳۳)

۵۔ اے ایمان والو! اگر تم دین سے مرتد ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہارے جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا۔ (المائدۃ:۵۴)

وَبَرَزُوْا	لِلّٰهِ	جَمِيْعًا	فَقَالَ	الضُّعَفٰٓؤُا	لِلَّذِيْنَ	اسْتَكْبَرُوْٓا
اور وہ سامنے ہوں گے	اللہ کیلیے	سب	پس اس نے کہا	کمزوروں نے	ان لوگوں کے لیے	انہوں نے تکبر کیا
اِنَّا	كُنَّا	لَكُمْ	تَبَعًا	فَهَلْ	اَنْتُمْ	مُّغْنُوْنَ
یقیناً ہم	تھے	تمھارے	تابع	تو کیا	تم	دور کر سکنے والے ہو
عَنَّا	مِنْ	عَذَابِ	اللّٰهِ	مِنْ	شَيْءٍ	قَالُوْا
ہم سے	سے	عذاب	اللہ	سے	چیز	کہا
لَوْ	هَدٰىنَا	اللّٰهُ	لَهَدَيْنٰكُمْ	سَوَآءٌ	عَلَيْنَآ	اَجَزِعْنَآ
اگر	ہدایت دیتا ہمیں	اللہ	ہدایت کرتے تمھیں	برابر	ہم پر	کیا ہم جزع فزع کریں
اَمْ	صَبَرْنَا	مَا	لَنَا	مِنْ	مَّحِيْصٍ ﴿٢١﴾	
یا	ہم صبر کریں؟	نہیں	ہمارے لیے	سے	بھاگنے کی جگہ	

ع ٥

’’اور وہ سب کے سب اللہ کے سامنے پیش ہوں گے، کمزور لوگ ان لوگوں سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہ یقیناً ہم تمہارے تابع تھے، کیا تم ہمیں اللہ کے عذاب سے بچانے میں کچھ کام آسکتے ہو؟ بڑے کہیں گے کہ اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم ضرور تمھاری راہنمائی کرتے، ہم پر برابر ہے کہ ہم جزع فزع یا صبر کریں، ہمارے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں۔‘‘(٢١)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ جس طرح زمین وآسمانوں اور انسانوں کو پہلی مرتبہ پیدا کرنے والا ہے اسی طرح دوبارہ زندہ کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ انسانوں کو دوبارہ پیدا کرے گا جس کے لیے لفظ ’’بَرَزُوْا‘‘ استعمال کیا ہے۔ جس کا معنٰی ہے پردے سے نکلنا۔ پردے سے مراد عالم برزخ ہے جسے عرفِ عام میں قبر کی زندگی کہا جاتا ہے۔ قیامت کے پہلے مرحلہ میں ساری مخلوق موت کے گھاٹ اتار دی جائے گی۔ یہاں تک کہ زمین وآسمان بھی ختم کردیے جائیں گے۔ پھر ایک خاص مدت کے بعد اللہ تعالیٰ اسرافیل کو پیدا کر کے اسے صور پھونکنے کا حکم دے گا۔ جب اسرافیل صور پھونکے گا تو انسان اور ہر جاندار زندہ ہو کر اپنے اپنے مقام سے نکل کر محشر کے میدان میں جمع ہوجائیں گے۔ جس کی تفصیل احادیث کی کتب میں موجود ہے اس کے بعد حساب و کتاب ہوگا۔ جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔ جب جہنمی جہنم میں اکٹھے ہوں گے تو مرید گمراہ پیروں، ورکر اپنے لیڈروں اور کارکن اپنے رہنماؤں سے پوچھیں گے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے تمہاری وجہ سے گمراہ ہوئے۔ اب بتاؤ کہ عذاب سے چھٹکارا پانے کی کوئی صورت ہے؟ گمراہ پیر اور رہنما انتہائی درماندگی اور ذلت کے لہجہ میں جواب دیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم ضرور تمہاری رہنمائی کرتے۔ آج ہم اسی طرح لاچار اور مجبور ہیں جس طرح تم لاچار اور

مجبور ہو۔ لہٰذا ہمارے لیے برابر ہے کہ ہم جزع وفزع کریں یا صبر کریں۔ جہنم سے نکلنے کے لیے ہمارے لیے کوئی راستہ اور طریقہ نہیں ہے۔ جہاں تک رہنماؤں کا یہ کہنا ہے کہ اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم تمہاری ضرور رہنمائی کرتے۔ یہ بھی ان کا مجرمانہ جواب اور جھوٹ ہوگا۔ ورنہ اگر وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی توفیق مانگتے تو انہیں ضرور ہدایت نصیب ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم تک ہدایت پہنچانے کا وعدہ اور بندوبست کر رکھا ہے۔ اس نے یہ وعدہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے سچے متبعین کے ذریعے پورا کر دیا ہے۔ جہنم میں داخل ہونے والے لیڈروں اور مذہبی پیشواؤں نے اپنی ذات اور مفاد کے لیے گمراہی اختیار کی اور اس سبب اپنے عقیدت مندوں اور مریدوں کو گمراہ کیا تھا۔ ایک وقت آئے گا جس کا جہنم میں برملا اعتراف کریں گے۔ جہاں تک ورکروں اور عقیدت مندوں کا تعلق ہے ان کا عذر قیامت کے دن اس لیے قبول نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عقل وشعور بخشا تھا جس سے ہدایت اور گمراہی، غلط اور صحیح رہنماؤں کے درمیان ٹھیک فیصلہ کر سکتے تھے۔ مذہبی لوگوں نے اندھی تقلید اور ورکروں نے ذاتی اور پارٹی مفادات کی خاطر غلط رہنماؤں کی پیروی کی تھی جس کی وجہ سے ان کا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔

مسائل

۱۔ سبھی لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے۔ ۲۔ جہنم میں جہنمیوں کا چیخنا چلانا اور صبر کرنا کسی کام نہ آئے گا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہوگی، گمراہ پیر اپنے مریدوں اور لیڈر اپنے کارکنوں کی مدد نہیں کر سکیں گے۔

تفسیر بالقرآن

شیطان کی عبادت کرنے والوں کا انجام:

۱۔ جہنم میں مرید، پیروں، ورکر، لیڈروں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے کیا تم اللہ کے عذاب کا کچھ حصہ دور کر سکتے ہو۔ (ابراہیم: ۲۱)

۲۔ وہ کہیں گے ہمارا چیخنا چلانا اور صبر کرنا برابر ہے۔ (ابراہیم: ۲۱)

۳۔ جہنم میں چھوٹے، بڑوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے کیا تم ہمارے عذاب سے کچھ کم کر سکتے ہو۔ وہ کہیں گے ہم سب جہنم میں رہیں گے۔ (المومن: ۴۷۔۴۸)

۴۔ جب پہلے لوگوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا انہیں دوگنا عذاب دیا جائے۔ (الاعراف: ۳۸)

۵۔ مجرم اپنے اہل وعیال کو پیش کریں گے تاکہ ہماری نجات ہو جائے۔ (المعارج: ۱۱ تا ۱۳)

وَقَالَ	الشَّيْطٰنُ	لَمَّا	قُضِيَ	الْاَمْرُ	اِنَّ	اللّٰهَ
اور کہا اس نے	شیطان	جب	فیصلہ کر دیا جائیگا	معاملہ	یقیناً	اللہ
وَعَدَكُمْ	وَعْدَ	الْحَقِّ	وَ	وَعَدْتُّكُمْ	فَاَخْلَفْتُكُمْ	
وعدہ کیا اس نے تم سے	وعدہ	سچا	اور	میں نے تم سے وعدہ کیا	پھر میں نے خلاف ورزی کی تمہاری	
وَمَا	كَانَ	لِيَ	عَلَيْكُمْ	مِّنْ	سُلْطٰنٍ	اِلَّآ
اور نہیں	تھا	میرے لیے	تم پر	سے	غلبہ	سوائے
اَنْ	دَعَوْتُكُمْ	فَاسْتَجَبْتُمْ	لِيْ	فَلَا	تَلُوْمُوْنِيْ	
یہ کہ	میں نے تمھیں بلایا	اور تم نے مان لی	میری بات	سو نہ	تم مجھے ملامت کرو	

''ور جب پورے کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا تو شیطان کہے گا بے شک اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا سچا وعدہ ہوا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا اس کی خلاف ورزی کی اور میرا تم پر کوئی زور نہ تھا، سوائے اس کے کہ میں نے تم کو بلایا تم نے میرا کہنا مان لیا، اب مجھے ملامت نہ کرو

فہم القرآن

ربط کلام: جہنمیوں کا جمع ہو کر شیطان کے پاس جانا۔

قرآن مجید کے سیاق وسباق سے معلوم ہو رہا ہے کہ چھوٹے بڑے جہنمی آپس میں بحث وتکرار اور جھگڑنے کے بعد شیطان اکبر کے پاس جائیں گے۔ اس کے سامنے آہ وزاریاں کرتے ہوئے فریادیں کریں گے کہ ہم سب تیری وجہ سے گمراہ ہوئے اور جہنم میں پہنچے۔ تو دنیا میں ہمیں بڑی امیدیں دلایا کرتا اور ہمارے دلوں میں جھوٹی تسلیاں پیدا کرتا تھا، اب بتا کہ ہمارے لیے جہنم سے نکلنے کا کوئی راستہ ہو سکتا ہے اس حال میں تو ہماری کیا مدد کر سکتا ہے؟ شیطانِ اکبر سب سے زیادہ اذیتوں اور عذاب میں مبتلا ہوگا۔ وہ ان سے بھی زیادہ درماندگی اور ذلت ورسوائی کے لہجے میں جواب دے گا کہ میں اپنے اور تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اللہ احکم الحاکمین نے حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ صادر کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے لیے جنت اور جہنمیوں کے لیے جہنم کا جو وعدہ کیا تھا وہ سچا تھا اور اسے سچ کر دکھایا۔ جہاں تک میرے وعدے اور امیدیں دلانے کا تعلق ہے وہ امیدیں فریب تھیں اور میرے وعدے سب جھوٹے تھے۔ یہ سنتے ہی جہنمی اس پر پھٹکار کریں گے جب جہنمی اس پر لعنتیں بھیجیں گے تو وہ یہ کہتے ہوئے ان سے جان چھڑانے کی کوشش کرے گا کہ میں نے تمہارا ہاتھ کھینچ کر یا کسی جبر کے ذریعے اپنے پیچھے نہیں لگایا تھا۔ میں تمہارے دل میں برے خیالات، جھوٹی امیدیں اور تسلیاں پیدا کرتا تھا۔ تم نے یقین کیا اور ان کے

وَلُوْمُوْٓا	اَنْفُسَكُمْ	مَآ	اَنَا	بِمُصْرِخِكُمْ	وَمَآ
اور تم ملامت کرو	اپنے آپ کو	نہیں	میں	فریاد رسی کرنے والا تمہاری	اور نہ
اَنْتُمْ	بِمُصْرِخِيَّ	اِنِّيْ	كَفَرْتُ	بِمَآ	اَشْرَكْتُمُوْنِ	مِنْ
تم ہی	میری فریاد رسی کرنے والے	بلاشبہ میں	میں نے انکار کیا	اس کا جو	تم نے مجھے شریک ٹھہرایا	سے
قَبْلُ	اِنَّ	الظّٰلِمِيْنَ	لَهُمْ	عَذَابٌ	اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾
پہلے	یقیناً	ظالم لوگ	ان کے لیے	عذاب	بہت دردناک

اور اپنے آپ کو ملامت کرو، نہ میں تمہاری فریاد رسی کرنے والا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کرنے والے ہو، یقیناً میں اس کا انکار کرتا ہوں جو تم نے مجھے شریک بنایا۔ یقیناً جو لوگ ظالم ہیں اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔" (۲۲)

پیچھے لگے لہٰذا آج مجھے ملامت کرنے کی بجائے اپنے آپ کو لعن طعن اور ملامت کرو۔ نہ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں اور نہ تم میرے کام آسکتے ہو۔ دنیا میں میرے وسوسہ ڈالنے کی وجہ سے جو تم مجھے اللہ کا شریک بناتے اور میری پیروی کرتے رہے اس کا میں آج کھلم کھلا انکار کرتا ہوں۔ اس گفتگو کے دوران ملائکہ ان پر لعنتیں برسائیں گے۔ اعلان ہوگا کہ ظالموں کے لیے اذیت ناک عذاب ہے۔ جہنم میں شیطان اکبر اپنی براءت کا اظہار کرتے ہوئے جہنمیوں کے شرک کو اپنی طرف منسوب کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں کفر و شرک کرنے والے بظاہر جس کسی کے سامنے جھکیں یا سجدہ کریں اللہ تعالیٰ کے سوا جسے بھی حاجت روا اور مشکل کشا سمجھیں ان کا ایسا کرنا شیطان کے حکم اور وسوسہ کے تابع ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ کے سوا بظاہر کسی کی بھی عبادت کی جائے درحقیقت وہ شیطان کی عبادت ہوتی ہے۔ اس لیے قیامت کے دن ایک موقع ایسا بھی آئے گا جب اللہ تعالیٰ مجرموں کو الگ کر کے خطاب فرمائیں گے کہ اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ صرف میری عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے مگر شیطان نے تم میں بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ تم نے کچھ بھی عقل سے کام نہ لیا۔ لہٰذا یہ ہے وہ جہنم جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا۔ اپنے کفر کی وجہ سے اس میں داخل ہو جاؤ۔ (یٰس: ۵۹تا۶۴)

مسائل

اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں:

۱۔ قیامت کے دن شیطان اللہ تعالیٰ کے وعدے کو سچا قرار دے گا۔
۲۔ شیطان کے وعدے جھوٹے ہیں۔
۳۔ قیامت کے دن شیطان شرک اور اپنی شرارتوں سے صاف انکار کرے گا۔
۴۔ ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

وَاُدْخِلَ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	جَنّٰتٍ	تَجْرِيْ
اور داخل کیے گئے	وہ لوگ	وہ ایمان لائے	اورانہوں نے عمل کیے	نیک	باغات	بہتی ہیں
مِنْ	تَحْتِهَا	الْاَنْهٰرُ	خٰلِدِيْنَ	فِيْهَا	بِاِذْنِ	رَبِّهِمْ
سے	نیچے	نہریں	ہمیشہ رہیں گے	ان میں	ساتھ حکم کے	اپنے رب
تَحِيَّتُهُمْ	فِيْهَا	سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾				
ان کا تحفہ	ان میں	سلام				

’’اور جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے وہ ایسے باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں اپنے رب کے اذن سے ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، اس میں ان کا آپس کا تحفہ سلام ہوگا۔‘‘ (۲۳)

فہم القرآن

ربط کلام: جہنمیوں کے بعد جنتیوں کے مرتبہ ومقام کا تذکرہ۔

قرآن مجید کا کتنا موثر اور دلکش انداز ہے کہ جب کفار کا ذکر کرتا ہے تو ان کے ساتھ جنتیوں کے اوصاف کا بیان ہوتا ہے۔ جنت کے ذکر کے بعد جہنم کا بیان اور جہنم کے بیان کے بعد جنت کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اسی دلرُبا اسلوب کے پیش نظر جہنمیوں کے ذکر کے بعد جنتیوں کا تذکرہ شروع ہوا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ جولوگ ایمان لائے اور صالح عمل کرتے رہے انہیں ایسے باغوں میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ اپنے رب کے حکم سے ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ وہاں ان پر ہر طرف سے اللہ کی رحمتیں نازل ہوں گی۔ وہ ایک دوسرے کو سلامتی کی دعائیں دیں گے ’’تحیّۃ ‘‘ کا معنٰی ہے بہترین ماحول میں ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات کرنا۔ دنیا میں بھی یہ لوگ ایک دوسرے کی سلامتی اور خیر خواہی کے طالب تھے۔ کیونکہ انہیں حکم تھا کہ ایک دوسرے کو السلام علیکم کہا کریں خیر سگالی کے جذبات، عقیدۂ توحید اور نیک اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نہ صرف انہیں اپنی جنت میں داخل کرے گا بلکہ انہیں ہر قدم اور مقام پر چاروں طرف سے سلام اور سلامتی کی صدائیں اور پیغام آئیں گے۔

((عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ ؓ أَنَّ رَجُلاً جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَشْرٌ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عِشْرُوْنَ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ ثَلَاثُوْنَ))

[رواه الترمذی: باب ماذکر فی فضل السلام]

”حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے السلام علیکم کہا۔ آپ نے فرمایا دس نیکیاں ہیں۔ پھر دوسرا آدمی آیا اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کیلیے بیس نیکیاں ہیں پھر تیسرا آدمی آیا اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کیلیے تیس نیکیاں ہیں۔“

((عن أبی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم خَلَقَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ طُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا فَلَمَّا خَلَقَهُ قَالَ اذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلَى أُولَئِكَ النَّفَرِ وَهُمْ نَفَرٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ جُلُوسٌ فَاسْتَمِعْ مَا يُجِيبُونَكَ فَإِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ قَالَ فَذَهَبَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالُوا السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ قَالَ فَزَادُوهُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ قَالَ فَكُلُّ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ آدَمَ وَطُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا فَلَمْ يَزَلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ بَعْدَهُ حَتَّى الْآنَ))[رواہ مسلم : کتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها ،باب يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَقْوَامٌ أَفْئِدَتُهُمْ مِثْلُ أَفْئِدَةِ الطَّيْرِ]

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر تخلیق فرمایا۔ ان کا قد ساٹھ ہاتھ لمبا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ ان کی تخلیق سے فارغ ہوا تو حکم فرمایا: آدم اس جماعت کے پاس جا کر سلام کہو۔ وہ فرشتوں کی مجلس ہے۔ وہ جو جواب دیں اسے سنو، وہی جواب تیرا اور تیری اولاد کا ہوگا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے جا کر السلام علیکم کہا تو انہوں نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ سے جواب دیا۔ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے ورحمۃ اللہ کا اضافہ کیا۔ آپ فرماتے ہیں: جنت میں داخل ہونے والا ہر شخص آدم علیہ السلام کی شکل وصورت پر ہوگا اور ہر جنتی کا قد ساٹھ ہاتھ لمبا ہوگا۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے بعد انسانی قد میں مسلسل کمی ہوتی رہی یہاں تک کہ انسان کا قد اتنا رہ گیا۔“

مسائل

۱۔ صاحب ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ ۲۔ جنت کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔
۳۔ مومن جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ ۴۔ جنتی باہم ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام کہیں گے۔

تفسیر بالقرآن

نیک لوگوں کے لیے موت کے بعد سلامتی ہی سلامتی ہے:

۱۔ قیامت کے دن نیک لوگ جنت میں داخل کیے جائیں گے اس میں ان کی دعا سلام ہوگا۔ (ابراہیم:۲۳)
۲۔ جب فرشتے نیک لوگوں کی روحیں قبض کرتے ہیں تو کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو۔ (النحل:۳۲)
۳۔ حکم ہوگا کہ جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ (ق:۳۴)
۴۔ جنت کا دربان کہے گا تم پر سلامتی ہو۔ (الزمر:۷۳) ۵۔ ان کے لیے اللہ کے ہاں سلامتی والا گھر ہے۔ (الانعام:۱۲۷)

اَلَمْ	تَرَ	كَيْفَ	ضَرَبَ	اللّٰهُ	مَثَلًا	كَلِمَةً
کیا نہیں	آپ نے دیکھا	کس طرح	بیان کی	اللہ	مثال	کلمہ
طَيِّبَةً	كَشَجَرَةٍ	طَيِّبَةٍ	اَصْلُهَا	ثَابِتٌ	وَّ فَرْعُهَا	
طیبہ	مانند درخت	پاکیزہ	اس کی جڑ	مضبوط	اور اس کی شاخیں	
فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾	تُؤْتِيْٓ	اُكُلَهَا	كُلَّ	حِيْنٍ	بِاِذْنِ	رَبِّهَا
میں آسمان	وہ دیتا ہے	اپنا پھل	ہر	وقت	ساتھ حکم کے	اپنے رب
وَيَضْرِبُ	اللّٰهُ	الْاَمْثَالَ	لِلنَّاسِ	لَعَلَّهُمْ	يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾	
اور بیان فرماتا ہے	اللہ	مثالیں	لوگوں کے لیے	تاکہ وہ	نصیحت حاصل کریں	

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے ایک پاکیزہ کلمہ کی مثال بیان فرمائی ہے، جو ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور جس کی شاخیں آسمان میں ہے۔" (۲۴) "وہ اپنے رب کے حکم سے اپنا پھل ہر وقت دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔" (۲۵)

فہم القرآن

ربط کلام: نیا خطاب۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں یہ بات ودیعت فرمائی ہے کہ اسے کوئی بات مثال دے کر سمجھائی جائے تو نہ صرف اسے سمجھ آجاتی ہے بلکہ وہ بات اسے زندگی بھر یاد رہتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اہم ترین مسائل کو امثال کے ذریعے سمجھایا ہے۔ پہلے پارے میں دین اسلام کو بارش کے ساتھ تشبیہ دی۔ بارش میں فوائد بھی ہیں اور کچھ نقصان کا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔ گویا کہ دین میں فوائد کے ساتھ قربانی بھی دینا پڑتی ہے۔ (البقرۃ:۱۹) دین اسلام بارش کی طرح فائدہ مند چیز ہے لیکن جس طرح اچھی زمین بارش کا فائدہ اُٹھا کر نباتات اُگاتی ہے اور خراب زمین اُس کا فائدہ نہیں اُٹھا پاتی یہی مثال دین اسلام کی ہے سعادت منداور عقلمند فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ دنیا کے طالب اور لاپروا فائدہ نہیں اُٹھا پاتے۔

عقیدۂ توحید سمجھانے کے لیے مکھی کی مثال دی کہ اگر وہ کھانے سے کوئی چیز اٹھا کے لے جائے تو معبودان باطل اور ان کو مشکل کشا سمجھنے والے اس سے وہ چیز واپس نہیں لے سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ مدد مانگنے والے اور جن سے مدد طلب کی جاتی ہے دونوں ہی کمزور ہیں۔ (الحج:۷۳)

شرکیہ عقیدہ کی کمزوری کو واضح کرنے کے لیے مکڑی کی مثال دی کہ جس طرح مکڑی مضبوط چھت کے نیچے اپنے لیے جالا

بن کر اسے محفوظ سمجھتی ہے یہی مشرک کی حالت ہے کہ وہ قادر مطلق پر یقین کرنے کی بجائے کمزور سہارے تلاش کرتا ہے اوران پر بھروسہ کرتا ہے۔(العنکبوت:۴۱) حالانکہ وہ کسی وقت بھی سہارا نہیں بن سکتے۔

سورۃ ابراہیم کے اس مقام پر عقیدہ توحید کو ایک درخت کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے لوگو! کیا تم غور نہیں کرتے کہ کلمہ طیبہ کو اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ درخت کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے سمجھاتا ہے کہ یہ ایسا درخت ہے کہ جس کی جڑیں زمین میں جمی ہوئی ہیں اوراس کی شاخیں آسمان کی بلندیوں میں لہرا رہی ہیں۔ یہ درخت اپنے رب کے حکم سے ہر موسم میں پھل دے رہا ہے۔ یہ مثال اس لیے دی جارہی ہے تاکہ لوگ اس سے سبق حاصل کریں۔

حقیقت ہے کہ ہر درخت کا ایک بیج ہوتا ہے بے شک وہ بیج کی شکل میں ہو یا جڑ کی صورت میں درخت اسی کی بنیاد پر زمین میں جڑ پکڑتا، فضا میں پھیلتا اور پھل دیتا ہے۔ جس طرح کا بیج ہوگا اسی طرح کا درخت اوراس کا پھل ہوگا۔ یہی انسان کے عقیدہ اوراس کے کردار کی مثال ہے۔ اگر عقیدہ باطل یا کمزور ہے تو اس کا کردار بھی گھناؤنا اور کمزور ہوگا۔ اگر عقیدہ توحید پر مبنی اور مضبوط ہے تو اس کے کردار اور گفتار میں نکھار اور پختگی ہوگی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کو ایک ایسے درخت کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کی جڑیں زمین میں پھیلی ہوئی اور مضبوط ہیں اگر اسے پانی نہ بھی مل سکے تو اس کی جڑیں زمین سے پانی جذب کر کے درخت کی ہریالی کو سدابہار رکھتے ہوئے اسے ہر موسم میں بارآور بناتی ہیں۔ اس کی شاخیں فضا میں ہر سو لہلہاتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ اس کا سایہ گھنا اور پھل میٹھا ہوتا ہے۔ یہی مثال عقیدۂ توحید کی ہے۔ جس کی بنیاد کلمہ طیبہ پر ہے جس میں آدمی یہ اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی چیز دینے والا ہے اور نہ کوئی چیز لینے والا ہے۔ اسی بنیاد پر مواحد کے عقیدہ وعمل میں نکھار اور کمال ہوتا ہے۔ اس کے تعلقات میں اخلاص، معاملات میں نکھار، کردار میں عدل وانصاف، گفتار میں وقار اور اخلاق اعلیٰ ہوتا ہے اور ہونا چاہیے۔ حاکم ہے تو رعایا پروری کرے گا، مال دار ہے تو صدقہ وخیرات کرے گا، طاقتور ہے تو دوسرے کی مدد کرے گا، علم ولیاقت کا مالک ہے تو لوگوں کے لیے علم ومعرفت کا ذریعہ بنے گا، رات کو اٹھے گا تو اپنی اورامت کی خیر مانگے گا، صبح کو گھر سے نکلے گا تو اپنوں بیگانوں کا بھلا کرے گا۔ گویا کہ جلوت وخلوت، رات اوردن میں کوئی گھڑی ایسی نہیں ہوگی جس میں یہ اپنے رب سے غافل اوراس کا ضمیر اپنے رب کے حضور جوابدہی کے تصور سے خالی ہو۔ مصیبت آئے گی تو ثابت قدم رہے گا، نعمت چھن جائے تو صبر کرے گا۔ کچھ حاصل ہوگا تو اپنے رب کا شکر گزار ہوگا۔

مسائل

۱۔ کلمہ طیبہ کی مثال پاکیزہ درخت کی سی ہے جس کی جڑیں مضبوط اورشاخیں اونچائی میں ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی نصیحت کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اِجْتُثَّتْ مِنْ

اور مثال | کلمہ | بُرا | مانند درخت | ناپاک | اکھاڑا گیا | سے

فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾

اوپر | زمین | نہیں | اس کے لیے | سے | ٹھہرنا

”اور گندی بات کی مثال ایک گندے پودے کی طرح ہے، جو زمین کے اوپر سے اکھاڑ لیا گیا ہو، اس کے لیے کچھ بھی ٹھہرنا نہیں ہے۔“(۲۶)

فہم القرآن

ربط کلام: کلمہ طیبہ کے بعد کلمہ خبیثہ کی مثال۔

کلمہ طیبہ کے مقابلہ میں کلمہ خبیثہ ہے۔ جس طرح کلمہ طیبہ کے دنیا و آخرت میں فوائد وثمرات ہیں۔ اسی طرح دنیا اور آخرت میں کلمہ خبیثہ کے مضمرات اور نقصانات ہیں۔ اگر تعمق نگاہی کے ساتھ دیکھا جائے تو عقیدہ کا سب سے پہلا اثر انسان کی سوچ پر پڑتا ہے۔ اگر عقیدہ ٹھیک ہے تو اس کی سوچ مثبت اور ٹھیک ہوگی، اگر عقیدہ غلط ہے تو اس کی سوچ بھی منفی اور غلط ہوگی۔ دوسرے الفاظ میں سوچ تبدیل ہوگی تو انسان تبدیل ہوگا۔ انسان تبدیل ہوگا تو پورا نظام تبدیل ہوگا۔ اس لیے دین سب سے زیادہ زور عقیدہ کی درستگی پر دیتا ہے، جسے قرآن وحدیث کی زبان میں ایمان کہا گیا ہے۔ ایمان کو درست رکھنے اور اس کو مضبوط کرنے کے لیے ارکانِ اسلام مقرر کیے گئے ہیں۔ ان کی ادائیگی سے ایمان مضبوط ہوتا ہے اور ایمان کی مضبوطی سے کردار میں نکھار اور پختگی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے کلمہ طیبہ کے ثمرات کے ذکر کے بعد کلمہ خبیثہ کی بات کی ہے۔ اگر عقیدہ باطل ہے تو سوچ بھی غلط اور باطل ہوگی، جب سوچ غلط ہوگی تو عمل لامحالہ غلط ہوگا۔ جس طرح اچھے بیج سے اچھا درخت اور اس سے میٹھا پھل حاصل ہوتا ہے، اسی طرح برے بیج سے ناقص درخت پیدا ہوگا، اس کا پھل کڑوا اور بے فائدہ ہوگا، یہ ایسا درخت ہے جس کی نہ جڑیں مضبوط ہیں اور نہ ہی اس کا تنا۔ یہی باطل عقیدہ اور برے عمل کی مثال ہے۔ بے شک دیکھنے میں کتنا اچھا لگتا ہو، اس کا نتیجہ دنیا میں بھی برا ہوگا۔ آخرت میں تو ہر صورت اس کا انجام برا ہوگا۔ یہی اچھے اور برے عقیدہ کی مثال ہے۔ جیسے ایک پاکیزہ اور خبیثہ شجر کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ ذاتِ کبریا کا خوف اور آخرت کا ڈر اٹھ جائے تو انسان درندہ بن جاتا ہے۔ ذاتِ اقدس کی حیا نہ رہے تو انسان سے ہر برائی کی توقع ہوسکتی ہے۔ قرآن مجید کھلے الفاظ میں بتلا رہا ہے کہ برائی کو قرار حاصل نہیں بشرطیکہ حق میں آگے بڑھنے کی ہمت ہو کیونکہ حق میں یہ خصوصیت ہے کہ اُسے قرار اور ثبات ہے اور باطل میں یہ قوت اور صلاحیت نہیں پائی جاتی۔

﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾[بنی اسرائیل:۸۱]

’’اور کہہ دو کہ حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا بے شک باطل نابود ہونے والا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ پر ایمان مضبوط ہے تو بڑی سے بڑی پریشانی میں بھی انسان دینِ اسلام پر قائم اور اپنے رب پر راضی رہے گا۔ اگر عقیدہ یعنی ایمان کمزور ہے تو چھوٹی سی آزمائش اور معمولی نقصان کے اندیشہ سے انسان دین کے اصول کو چھوڑ دے گا۔ جیسے قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا ہے:

’’اور جو شخص اپنا چہرہ اللہ کی طرف سپرد کر دے اور وہ نیکی کرنے والا ہو تو یقیناً اس نے مضبوط کڑے کو اچھی طرح پکڑ لیا۔ تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے۔‘‘ (لقمان: ۲۲)

برے عمل اور بری سوچ کا برا نتیجہ:

((وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰى اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ)) [رواه البخاری : کتاب أحادیث الأنبیاء الباب الأخیر]

’’حضرت عبداللہ مسعود ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا‘ لوگوں نے پہلے انبیاء کے کلام میں سے جو بھی پایا ہے‘ اس میں یہ بات ہے کہ جب تجھ میں شرم نہیں تو جو چاہے کرتا رہ۔‘‘

مسائل

۱۔ برے عقیدے کی مثال اس درخت کی سی ہے جس کا پھل کڑوا ہے۔

۲۔ جس طرح زمین میں گہری جڑیں نہ رکھنے والا درخت قائم نہیں رہ سکتا، اسی طرح کمزور عقیدہ شخص آزمائش کے وقت دین پر قائم نہیں رہتا۔

تفسیر بالقرآن

کفر و شرک کی مثال:

۱۔ کفر و شرک کی مثال اس درخت کی سی ہے جو زمین کے اوپر ہی اوپر کھڑا ہو۔ (ابراہیم: ۲۶)

۲۔ اے لوگو! تمہارے لیے مثال بیان کی جاتی ہے اسے غور سے سنو جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ (الحج: ۷۳)

۳۔ کفار کے اعمال کی مثال تیز آندھی کی سی ہے جس طرح تیز آندھی سب کچھ اڑا کر لے جاتی ہے ایسے ہی کفار کے اعمال غارت ہو جائیں گے۔ (ابراہیم: ۱۸)

۴۔ کفار کا حال تو اس شخص کا سا ہے جو ایسے جانور کے پیچھے چلا آ رہا ہے جو پکارنے اور بلانے کے باوجود کچھ سنتا نہیں۔ (البقرۃ: ۱۷۱)

۵۔ حق کے فوائد ہمیشہ رہنے والے ہیں اور باطل مٹنے والا ہے۔ (الرعد: ۱۷)

۶۔ اس کی مثال کتے کی سی ہے اگر حملہ کرو تو تب بھی زبان لٹکائے ہوئے اور اگر چھوڑ دو پھر بھی وہی حالت۔ (الاعراف: ۱۷۶)

يُثَبِّتُ	اللّٰهُ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	بِالْقَوْلِ	الثَّابِتِ	فِي
قائم رکھتا ہے	اللہ	ان لوگوں کو جو	ایمان لائے	قول کے ساتھ	ثابت	میں
الْحَيٰوةِ	الدُّنْيَا	وَفِي	الْاٰخِرَةِ ۚ	وَيُضِلُّ	اللّٰهُ	الظّٰلِمِيْنَ ۙ قف
زندگی	دنیا	اور میں	آخرت	اور گمراہ کرتا ہے	اللہ	ظالموں کو
وَيَفْعَلُ	اللّٰهُ	مَا	يَشَآءُ ؏ ﴿۲۷﴾			
اور کرتا ہے	اللہ	جو	چاہتا ہے			

''جو ایمان لائے اللہ ان کو پختہ بات کے ساتھ قائم رکھتا ہے، دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ جو چاہے کرتا ہے۔''(۲۷)

فہم القرآن

ربط کلام: باطل عقیدہ کی بے ثباتی اور اس کی ناپائیداری کا ذکر کرنے کے بعد عقیدہ توحید کا دنیا اور آخرت میں فائدہ ذکر فرمایا ہے۔

عقیدۂ توحید اپنانے اور اس کے تقاضے پورے کرنے کا صرف آخرت میں نہیں بلکہ دنیا کی زندگی اور موت کے وقت بھی اس کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔عقیدۂ توحید کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ پر خالص ایمان لاتے ہوئے خوشی اور غمی، عسر اور یسر میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے۔اس کا دنیوی زندگی میں فائدہ یہ ہے کہ آدمی خوشی کے وقت اپنے آپ سے باہر نہیں ہوتا اور غم کے وقت مایوسی کا شکار نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کلمہ توحید کی وجہ سے مسلمان کو دنیا اور آخرت کی آزمائشوں میں ثابت قدم رکھتا ہے۔آخرت کی پہلی منزل انسان کی موت ہے،دوسری منزل قبر ہے جسے عالم برزخ کہا گیا ہے اور تیسری منزل محشر کے میدان میں جمع ہو کر ربِّ ذوالجلال کے حضور پیش ہونا ہے۔کلمہ توحید کے تقاضے پورے کرنے والے کو اللہ تعالیٰ ان منازل میں ثابت قدم رکھتا ہے۔اور جو لوگ اس توحید خالص پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اس کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کرتے ہیں،انہیں اللہ تعالیٰ گمراہی میں آگے بڑھنے کے لیے کھلا چھوڑ دیتا ہے کیونکہ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جس نے اس کو انسان کی مرضی پر چھوڑ رکھا ہے۔عقیدہ کو صحیح طور پر نہ سمجھنے اور اس کے تقاضے پورے نہ کرنے والا شخص کسی آزمائش میں پورا نہیں اُتر سکتا۔

عقیدۂ توحید کے دنیا اور آخرت میں فائدے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا

بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنتُمْ تُوعَدُونَ○نَحْنُ أَوْلِيَآؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ○نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَحِيمٍ○﴾[حم السجدة: ۳۰تا۳۲]

''یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اُس پر قائم رہے اُن پر فرشتے اُتریں گے اور کہیں گے خوف اورغم محسوس نہ کرو اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا خوشی مناؤ۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمھارے دوست تھے اور آخرت میں بھی اور تمھارے لیے اُس میں وہ کچھ ہوگا جو تمھارا جی چاہے گا اور جو چیز تم طلب کرو گے موجود پاؤ گے یہ بخشنے والے مہربان کی طرف سے مہمانی ہے۔''

اچھے اور برے عقیدہ کا نتیجہ:

((عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي جَنَازَةِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَانْتَهَيْنَا إِلَى الْقَبْرِ وَلَمَّا يُلْحَدْ فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ كَأَنَّ عَلٰى رُءُ وْسِنَا الطَّيْرَ وَفِي يَدِهِ عُوْدٌ يَنْكُتُ بِهِ فِي الْأَرْضِ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ اسْتَعِيْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا........قَالَ فَتُعَادُ رُوْحُهُ فِي جَسَدِهِ فَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَنْ رَّبُّكَ فَيَقُوْلُ رَبِّيَ اللّٰهُ فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَا دِيْنُكَ فَيَقُوْلُ دِيْنِيَ الْإِسْلَامُ فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ فَيَقُوْلُ هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَيَقُوْلَانِ لَهُ وَمَا عِلْمُكَ فَيَقُوْلُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ فَآمَنْتُ بِهِ وَصَدَّقْتُ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ فِي السَّمَآءِ أَنْ صَدَقَ عَبْدِيْ فَأَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَأَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ قَالَ فَيَأْتِيْهِ مِنْ رَّوْحِهَا وَطِيْبِهَا وَيُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ مَدَّ بَصَرِهِ قَالَ وَيَأْتِيْهِ رَجُلٌ حَسَنُ الْوَجْهِ حَسَنُ الثِّيَابِ طَيِّبُ الرِّيْحِ فَيَقُوْلُ أَبْشِرْ بِالَّذِيْ يَسُرُّكَ هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِيْ كُنْتَ تُوْعَدُ فَيَقُوْلُ لَهُ مَنْ أَنْتَ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ يَجِيْءُ بِالْخَيْرِ فَيَقُوْلُ أَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ فَيَقُوْلُ رَبِّ أَقِمِ السَّاعَةَ حَتّٰى أَرْجِعَ إِلٰى أَهْلِيْ وَمَالِيْ))[رواه أحمد وهو حديث صحيح]

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے کے لیے نکلے۔ ہم قبرستان گئے تو ابھی تک قبر تیار نہیں ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے اردگرد بیٹھ گئے۔ گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ ﷺ زمین کرید رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ دو مرتبہ فرمایا.........اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ دو فرشتے آ کر اسے بٹھا لیتے ہیں۔ اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ پھر پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے۔ پھر پوچھتے ہیں کہ وہ آدمی کون ہے جو تم میں مبعوث کیا گیا؟ وہ کہتا ہے کہ

وہ اللہ کے رسول ہیں۔فرشتے اس سے کہتے ہیں تجھے کیسے علم ہوا؟ وہ کہتا ہے میں نے اس کے بارے میں اللہ کی کتاب میں پڑھا، اس پر ایمان لایا۔ میں نے اس کی تصدیق کی۔ پھر اعلان کرنے والا آسمان میں اعلان کرتا ہے۔میرے بندے نے سچ کہا۔تم اس کے لیے جنتی بستر بچھادو،اسے جنت کالباس پہنادو اور اس کے لیے دروازہ کھول دو۔راوی کہتے ہیں اس کے پاس جنت کی خوشبوئیں اور ہوائیں آتی ہیں۔اس کی قبر کو اس کی حد نگاہ تک کشادہ کر دیا جاتا ہے۔اس کے پاس ایک خوبصورت چہرے اور بہترین لباس والا آدمی آئے گا۔وہ کہے گا تو اس چیز سے خوش ہو جاؤ جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔وہ آدمی اس سے پوچھتا ہے کہ آپ کون ہیں؟ آپ کا چہرہ تو ایسا ہے جو بھلائی لانے والا۔پس وہ کہے گا میں تیرا نیک عمل ہوں۔ بندہ کہے گا اے میرے رب قیامت قائم کر دے۔یہاں تک کہ میں اپنے گھر والوں اور اپنے مال کی طرف لوٹ جاؤں۔‘‘

عقیدہ اور دین پر استقامت کی دعا:

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷺ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ يَا وَلِيَ الْإِسْلَامِ وَأَهْلِهِ ثَبِّتْنِيْ حَتّٰى أَلْقَاكَ))[رواه الطبراني: في الأوسط وهو حديث صحيح]

’’حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دعا کرتے تھے کہ اے سلامتی کے مالک اور اس کے اہل! مجھے اسلام پر ثابت قدم رکھ۔یہاں تک کہ تجھ سے آملوں۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو دنیا اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔ ۲۔اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہِ راست نہیں دکھاتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مومن اور کافر کا فرق:

۱۔ مومن اور فاسق برابر نہیں ہیں۔(السجدۃ:۱۸) ۲۔ جنتی اور جہنمی برابر نہیں ہیں۔(الحشر:۲۰)

۳۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو دنیا اور آخرت میں ثابت قدم فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو بھٹکا دیتا ہے۔(ابراہیم:۲۷)

۴۔ فرشتے مومن کی روح قبض کرتے وقت سلام کہتے ہیں۔(النحل:۳۲) ۵۔کافر ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔(البقرۃ:۳۹)

۶۔ کفار کی روح قبض کرتے وقت فرشتے ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے ہیں۔(الانفال:۵۰)

۷۔ ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والے جنت میں جائیں گے۔(البقرۃ:۸۲)

۸۔ موت کے وقت فرشتے فاسق کو کہتے ہیں کہ آج تجھے عذاب دیا جائے گا۔(الانعام:۹۳)

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِیۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ
کیا نہیں آپ نے دیکھا طرف ان لوگوں کی بدل ڈالا انہوں نے نعمت اللہ
كُفۡرًا وَّاَحَلُّوۡا قَوۡمَهُمۡ دَارَ الۡبَوَارِ ۝۲۸ جَهَنَّمَ ۚ يَصۡلَوۡنَهَا ؕ
کفر سے اتارا انہوں نے اپنی قوم کو گھر ہلاکت جہنم وہ داخل ہوں گے اس میں
وَبِئۡسَ الۡقَرَارُ ۝۲۹ وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا لِّيُضِلُّوۡا عَنۡ
اور بہت ہی برا ٹھکانا ہے اور انھوں نے بنائے اللہ کے لیے شریک تاکہ وہ گمراہ کریں سے
سَبِيۡلِهٖ ؕ قُلۡ تَمَتَّعُوۡا فَاِنَّ مَصِيۡرَكُمۡ اِلَى النَّارِ ۝۳۰
اس کے راستے فرمادیجیے تم فائدہ اٹھاؤ پھر بلاشبہ تمھاری واپسی ہے کی طرف آگ

''کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں ڈال دیا۔'' (۲۸) ''وہ جہنم میں داخل ہوں گے، وہ برا ٹھکانہ ہے۔'' (۲۹) ''اور انہوں نے اللہ کے لیے شریک بنا لیے، تاکہ اس کے راستے سے گمراہ کریں۔ فرمادیں کہ فائدہ اٹھالو، پس یقیناً تمہارا آگ کی طرف لوٹنا ہے۔'' (۳۰)

فہم القرآن

ربط کلام: عقیدہ توحید کو چھوڑنے والا نہ صرف گمراہ اور ظالم ہوتا ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت کو بدلنے کا جرم بھی کرتا ہے۔

عقیدۂ توحید اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس عقیدہ کے ذریعے انسان کو اپنے سوا سب کی محتاجی اور در در کی ٹھوکریں کھانے سے بچالیتا ہے۔ اس سے نہ صرف انسان کو دینی اور دنیوی فوائد حاصل ہوتے ہیں بلکہ انسان کی خودی اور غیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ جو شخص اس عظیم عقیدہ کو چھوڑ کر شرک اختیار کرتا ہے۔ وہ در در کی ٹھوکریں کھانے کے ساتھ اپنی خودی بھی کھو بیٹھتا ہے۔ اس شخص کے کردار اور زیادتی کے بارے میں متنبہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کیا آپ نے ایسے لوگوں کے بارے میں غور نہیں کیا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت یعنی عقیدۂ توحید کو کفر میں بدل ڈالا۔ نہ صرف خود گمراہ ہوئے بلکہ اپنے ساتھ اپنے خاندان اور قوم کو بھی ہلاکت کے گھر اتار دیا۔ ہلاکت کے گھر سے مراد جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے، ان کا ظلم یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک بنایا۔ ذاتی اور گروہی فائدے کی خاطر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے گمراہ کیا۔ اے نبی ﷺ! ان سے فرمائیں دنیا کی زندگی سے فائدہ اٹھالو، لیکن یاد رکھو آخر میں تمہیں جہنم میں جانا ہے۔ ند کی جمع انداد ہے جس سے مراد ہر وہ ذات یا چیز جسے اللہ تعالیٰ کا ساجھی یا اسے اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک سمجھا جائے۔

عقیدۂ توحید اختیار کرنا اور شرک کو چھوڑ دینا اللہ کا فضل ہے:

﴿ اِنِّیۡ تَرَكۡتُ مِلَّةَ قَوۡمٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ۝ وَاتَّبَعۡتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیۡۤ

إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ﴾[یوسف:۳۷۔۳۸]

''جولوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور روزِ آخرت کا انکار کرتے ہیں میں ان کا مذہب چھوڑے ہوئے ہوں اور اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے مذہب پر چلتا ہوں ہمیں زیب نہیں دیتا کہ کسی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک بنائیں یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر اور لوگوں پر فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ كَلِمَةً وَقُلْتُ أُخْرٰى قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ مَّاتَ وَهُوَ يَدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ نِدًّا دَخَلَ النَّارَ وَقُلْتُ أَنَا مَنْ مَّاتَ وَهُوَ لَا يَدْعُو لِلّٰهِ نِدًّا دَخَلَ الْجَنَّةَ))[رواہ البخاری :کتاب التفسیر، باب قَوْلِهٖ (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَنْدَادًا)]

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بات ارشاد فرمائی اور میں نے دوسری بات کہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو فوت ہو گیا اس حال میں کہ وہ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتا رہا وہ جہنم میں داخل ہو گا اور میں نے کہا جو بندہ اس حال میں فوت ہوا کہ اس نے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو وہ جنت میں داخل ہو گا۔''

مسائل

۱۔ عقیدۂ توحید سب سے بڑی نعمت ہے۔ ۲۔ عقیدۂ توحید میں شرک کی آمیزش کرنا اس عظیم نعمت کو بدلنے کے مترادف ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات کی ناشکری نہیں کرنی چاہیے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ مشرکوں کو عیش پرستی کے لیے ڈھیل دیتا ہے۔
۵۔ مشرکین کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

تفسیر بالقرآن

شرک کی سزا:

۱۔ شرک سے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔(الزمر:۶۵)
۲۔ اللہ مشرک کو معاف نہیں کرے گا اس کے علاوہ جسے چاہے گا معاف کر دے گا۔(النساء:۴۸)
۳۔ شرک کرنے والا راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے۔(النساء:۱۱۶)
۴۔ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے گویا کہ وہ آسمان سے گر پڑا۔(الحج:۳۱)
۵۔ شرک کرنے والے پر جنت حرام ہے۔(المائدۃ:۷۲) ۶۔ مشرکین کا ٹھکانہ جہنم ہے۔(ابراھیم:۳۰)
۷۔ اللہ اور اُس کا رسول مشرکوں سے بری الذمہ ہے۔(التوبۃ:۳)

الصَّلٰوةَ	يُقِيْمُوا	اٰمَنُوْا	الَّذِيْنَ	لِّعِبَادِيَ	قُلْ
نماز	وہ قائم کریں	جوایمان لائے	ان لوگوں کو	میرے بندوں کے لیے	فرمادیجیے

مِّنْ	وَّعَلَانِيَةً	سِرًّا	رَزَقْنٰهُمْ	مِمَّا	وَيُنْفِقُوْا
سے	اور ظاہر	پوشیدہ	ہم نے ان کورزق دیا	اس میں سے جو	اوروہ خرچ کریں

فِيْهِ	بَيْعٌ	لَّا	يَوْمٌ	يَّاْتِيَ	اَنْ	قَبْلِ
اس میں	خرید وفروخت ہوگی	نہ	دن	آئے	کہ	پہلے

خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾	وَّلَا
دوستی	اور نہ

”میرے بندوں سے فرمادیں جوایمان لائے کہ نماز قائم کریں اور ہم نے انہیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور سرعام خرچ کریں، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ تو کوئی خرید وفروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی کام آئے گی۔“(۳۱)

فہم القرآن

ربط کلام: توحید کے فوائد اور شرک کے نقصانات کا ذکر کرنے کے بعد توحید کے تقاضوں کا بیان ہے۔

مخلوق ہونے کے ناطے تمام انسان اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں مگر جن لوگوں نے کفروشرک اختیار کیا وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی سے نکل کر شیطان کے بندے بن جاتے ہیں۔ قرآن مجید نے انہیں ”عبدالطاغوت“ قرار دیا ہے۔

ان کے مقابلے میں جنھوں نے عقیدۂ توحید اپنایا انہیں قرآن مجید آمنوا کے اعزاز سے نوازتا ہے۔ انھیں اللہ تعالیٰ اپنے بندے قرار دیتا ہے۔ جن کے بارے میں سرور دو عالم ﷺ کو ارشاد ہوا: ”آپ انہیں فرمائیں کہ اے اللہ کے بندو! توحید کا تقاضا ہے کہ پانچ وقت نماز قائم کرو جو کچھ اللہ نے تمہیں عطا فرمایا اس میں پوشیدہ اور اعلانیہ طور پر خرچ کرتے رہو۔ تا آنکہ وہ دن آپہنچے جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی نہ کسی کی دوستی کام آئے گی۔“ اس فرمان میں واضح اشارہ ہے کہ یقیناً توحید اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور دنیا وآخرت کی کامیابی کی کلید ہے مگر جو شخص جان بوجھ کر اس کے تقاضے پورے نہیں کرتا، جنہیں قرآن وحدیث میں ارکان اسلام کے نام سے بیان کیا گیا ہے۔ بے شک بالآخر جنت میں داخل ہوگا لیکن ارکان اسلام پورے نہ کرنے کی وجہ سے اسے جہنم میں جانا پڑے گا۔ نہ معلوم وہ کتنی مدت تک سزا بھگتتا رہے گا اس لیے ایمان یعنی عقیدۂ توحید کے بعد قرآن وحدیث میں بار بار اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ایمان لانے کے بعد انسان کو ارکانِ اسلام کی پابندی کرنا ہوگی۔

یہاں ایمان کے بعد اسلام کے بنیادی ارکان میں سے نماز اور انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ نماز میں انسان اللہ تعالیٰ

کے قریب ہوتا ہے اور باجماعت نماز پڑھنے سے ۲۷ گنا زیادہ ثواب پانے کے ساتھ اپنے بھائیوں کے قریب ہونے اور آپس کے حالات جاننے کا موقع ملتا ہے۔ نماز کے ساتھ زکوٰۃ انفاق فی سبیل اللہ کی لازمی صورت ہے اس سے صاحب ثروت حضرات کو حکم ہے کہ پانچ وقت مسجد میں اکٹھا ہونے والے ساتھیوں کی ضروریات کا بھی خیال رکھیں۔ نماز کی ادائیگی اور انفاق فی سبیل اللہ کا احساس اجاگر کرنے کے لیے فرمایا کہ اس دن کے آنے سے پہلے ان اُمور کا خیال رکھو، جس دن نہ لین دین ہوگا اور نہ مجرم کو کسی کا واسطہ اور دوستی کام آئے گی۔

((عن أُمَامَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَخْطُبُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَقَالَ اتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ وَصُومُوا شَهْرَكُمْ وَأَدُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ وَأَطِيعُوا ذَا أَمْرِكُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ))[رواه الترمذی :كتاب الصلاة ،الباب الأخير وهو حديث صحيح]

''حضرت امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجۃ الوداع کے موقعہ پر خطبہ دیتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا اللہ سے ڈر جاؤ جو تمہارا رب ہے۔ پانچ نمازیں پڑھو، رمضان کے روزے رکھو، اپنے مالوں سے زکوٰۃ ادا کرو اور صاحب امر لوگوں کی اطاعت کرو۔ تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

مسائل

۱۔ ایمان والوں کو نماز قائم کرنے کا حکم ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرنا چاہیے۔

۳۔ قیامت کے دن خرید وفروخت ہوگی نہ دوستی کام آئے گی۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن دوستی کام آئے گی اور نہ رشوت چلے گی:

۱۔ اس دن نہ دوستی کام آئے گی نہ لین دین ہوگا۔ (ابراہیم:۳۱)

۲۔ قیامت کے دن سے ڈر جاؤ جس دن کوئی معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ (البقرۃ:۴۸)

۳۔ قیامت کے دن مجرم سونا بھر کر زمین دے، تب بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ (آل عمران:۹۱)

۴۔ مجرم خواہش کرے گا جو کچھ زمین میں ہے سب کچھ دے کر عذاب سے بچ جائے۔ (المائدۃ:۳۶)

۵۔ قیامت کے دن مجرم اپنے اہل وعیال بطور فدیہ پیش کرے گا۔ (المعارج:۱۱تا۱۴)

۶۔ اس دن کے آنے سے پہلے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کرو جس دن سفارش اور دوستی کام نہ آئے گی۔ (البقرۃ:۲۵۴)

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ

اللہ وہ ذات ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور نازل کیا سے

السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا

آسمان پانی پھر اس نے نکالا ساتھ اس کے سے پھلوں روزی

لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ

تمھارے لیے اور اس نے تابع کردیا تمھارے لیے کشتیوں کو تاکہ وہ چلیں میں سمندر

بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ

اس کے حکم سے اور اس نے تابع کردیا تمھارے لیے نہروں کو اور اس نے تابع کردیا تمھارے لیے سورج

''اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی اتارا پھر اس کے ساتھ تمہارے لیے پھلوں میں سے رزق نکالا اور تمہارے لیے کشتیوں کو مسخر کیا، تاکہ وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلیں اور تمہارے لیے دریاؤں کو مسخر کردیا۔'' (۳۲)

''اور تمہارے لیے سورج

فہم القرآن

ربط کلام: جس اللہ کی عبادت اور اس کی راہ میں خرچ کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اس کی صفات یہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسان کو صرف حکم دیتا کہ مجھ پر ایمان لاؤ اور میری عبادت کرو۔ اس نے حکم دینے کی بجائے اپنی ذات پر ایمان لانے اور اپنی عبادت کے استحقاق کے بے شمار دلائل دیے ہیں۔ جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اے لوگو! اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ اسی نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسایا جس سے تمہارے کھانے پینے کے لیے انواع واقسام کے پھل پیدا کیے۔ بس اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ کیونکہ تم جانتے ہو زمین وآسمان کو بنانے اور تمہارے رزق کا بندوبست کرنے میں کوئی دوسرا اللہ کے ساتھ شامل نہیں ہے۔ (البقرۃ:۲۱)

یہاں جسمانی اور مالی عبادت کا استحقاق ثابت کرنے کے لیے آٹھ دلائل دیے ہیں۔

۱۔ اللہ ہی نے زمین وآسمان کو پیدا فرمایا۔

۲۔ اللہ ہی آسمان سے بارش نازل کرتا ہے۔

۳۔ اللہ ہی پانی کے ساتھ مختلف قسم کے پھل پیدا کرتے ہوئے لوگوں کے لیے رزق مہیا کرتا ہے۔

وَالْقَمَرَ	دَآئِبَيْنِ ج	وَسَخَّرَ	لَكُمُ	الَّيْلَ	وَالنَّهَارَ ج ﴿۳۳﴾
اور چاند کو	پے در پے چلنے والے دونوں	اور اس نے تابع کر دیا	تمھارے لیے	رات	اور دن کو

وَاٰتٰكُمْ	مِّنْ	كُلِّ	مَا	سَاَلْتُمُوْهُ ط	وَاِنْ	تَعُدُّوْا
اور اس نے دی تمھیں	سے	ہر	جو	تم نے سوال کیا اس کا	اور اگر	تم شمار کرو

نِعْمَتَ	اللّٰهِ	لَا تُحْصُوْهَا ط	اِنَّ	الْاِنْسَانَ	لَظَلُوْمٌ	كَفَّارٌ ع ﴿۳۴﴾
نعمتیں	اللہ	نہ تم انھیں گن سکو گے	یقیناً	انسان	البتہ بہت بڑا ظالم	نہایت ناشکرا ہے

اور چاند کو مسخر کر دیا جو پے در پے چلنے والے ہیں اور تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر کر دیا۔" (۳۳) "اور تمھیں ہر چیز عطا کی جو تم نے اس سے مانگی اور اگر تم اللہ کی نعمت شمار کرو تو اسے شمار نہیں کر سکو گے۔ یقیناً انسان ظالم اور ناشکرا ہے۔" (۳۴)

۴۔ اللہ ہی نے جہازوں اور کشتیوں کو تمہارے لیے مسخر کیا جو اس کے حکم سے سمندر میں رواں دواں ہیں۔

۵۔ اللہ ہی نے تمہارے لیے دریاؤں کو مسخر کیا۔

۶۔ اللہ ہی نے چاند اور سورج کو مسخر فرمایا جو تمہاری خدمت کرنے کے لیے لگاتار ڈیوٹی ادا کر رہے ہیں۔

۷۔ اللہ ہی نے رات اور دن کو تمہاری خدمت کے لیے پیدا کیا۔ رات آرام اور دن کام کاج کے لیے ہے۔

۸۔ اللہ ہی تمہیں عطا کرتا ہے جو تم اس سے مانگتے ہو۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی عنایات کو شمار کرنا چاہو تو تم شمار نہیں کر سکتے، ہر چیز مسخر کرنے اور سب کچھ عنایت کرنے کے باوجود انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک کر کے زیادتی اور اس کی ناشکری کرتے ہیں۔

قرآن مجید کئی مقامات پر اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لیل و نہار، شمس و قمر، دریاؤں، کشتیوں کو تمہارے لیے مسخر کیا ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ [الجاثیة: ۱۳]

"زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے اللہ نے اسے انسانوں کے لیے مسخر کر دیا ہے۔ اس میں عبرت آموزی کے لیے بڑے دلائل ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔"

تسخیر کائنات کے دلائل دینے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیس و تحمید بیان کرنے کے علاوہ انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہے، اے انسان! تجھے زیادتی اور ناقدری کرنے کی بجائے اپنے خالق و مالک کا تابع فرمان ہونا اور اس کی راہ میں خرچ کرنا چاہیے مگر انسانوں کی اکثریت کا عالم یہ ہے کہ وہ بغاوت اور سرکشی میں اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ کچھ ان میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کرتے ہیں اور کچھ اس کی ذات اور صفات میں غیروں کو شریک کرتے ہیں، جو پرلے

درجے کاظلم اورناقدری ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس ناقدری کایوں شکوہ کیا ہے۔

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِينِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾[الزمر:٦٧]

”لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں جانی، جس طرح قدر کرنے کا حق تھا حالانکہ قیامت کے دن زمین وآسمان اس کی مٹھی میں ہوں گے، وہ پاک اور بالاتر ہے ان سے جن کولوگ اس کا شریک بناتے ہیں۔“

مسائل

۱۔ زمین وآسمان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ ۲۔ آسمانوں سے اللہ تعالیٰ پانی نازل فرماتا ہے۔

۳۔ پانی سے پھل پیدا کرنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ۴۔ کشتیاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسخر ہیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نہروں کو مسخر کردیا ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے سورج، چاند، دن اور رات کو مسخر کیا ہے۔ ۷۔ اللہ تعالیٰ ہی عطا کرنے والا ہے۔

۸۔ کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار نہیں کرسکتا۔ ۹۔ انسان اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

تسخیر کائنات:

۱۔ اللہ نے کشتیوں، نہروں، چاند، سورج، دن اور رات کو تمہارے لیے مسخر کردیا ہے۔(ابراہیم:۳۲۔۳۳)

۲۔ اللہ نے تمہارے لیے رات اور دن، چاند اور سورج کو مسخر کردیا ہے۔(النحل:۱۲)

۳۔ اللہ نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کردیا تاکہ تم تازہ گوشت حاصل کرسکو۔(النحل:۱۴)

۴۔ اللہ نے تمہارے لیے چاند اور سورج کو مسخر کردیا ہے ہر ایک اپنے وقت پر آتا ہے۔(لقمان:۲۹)

۵۔ اللہ عرش پر مستوی ہے اور اس نے تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر کیا۔(الرعد:۲)

۶۔ اللہ نے سورج اور چاند کو مسخر فرمایا ہے دونوں اپنے وقت مقررہ میں چلتے ہیں۔(الزمر:۵)

۷۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے تمھارے لیے دریاؤں کو مسخر کردیا تاکہ اُس میں اللہ کے حکم سے کشتیاں رواں دواں ہوں۔(الجاثیۃ:۱۲)

۸۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے تمھارے لیے جو کچھ زمین میں ہے مسخر کردیا ہے۔(الحج:۶۵)

۹۔ اللہ نے تمھارے لیے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے مسخر کردیا ہے۔(الجاثیۃ:۱۳)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ

اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب! تو بنا دے اس شہر کو

اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿٣٥﴾ رَبِّ

امن والا اور دور رکھ مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے کہ ہم عبادت کریں بتوں کی اے میرے رب!

اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ

بلاشبہ انھوں نے گمراہ کیے ہیں بہت سے لوگ چنانچہ جس شخص نے میری پیروی کی

فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٦﴾

تو یقیناً وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً تو بہت زیادہ بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا

''اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے۔ اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچانا۔''(۳۵) ''اے میرے رب! یقیناً انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا جو میرے پیچھے چلے یقیناً وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی یقیناً تو بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔''(۳۶)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ کی توحید کا انکار کرنے والا شخص ظالم اور ناقدری کرنے والا ہوتا ہے قریش مکہ اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد تصور کرتے تھے۔ انہیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ بتلا کر یہ احساس دلایا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے رب کے قدر دان اور صرف اُسی کے تابع فرمان تھے۔

اے دنیا جہان کے انسانو بالخصوص مکہ میں بسنے والے لوگو! جس عالی مرتبت شخصیت کے ساتھ تم ناطہ جوڑتے اور اس کے بسائے ہوئے شہر میں رہتے ہو اس کا عقیدہ یہ تھا کہ جب اس نے اپنی زوجہ مکرمہ اور اکلوتے لخت جگر کو مکہ میں ٹھہرا کر اس شہر کی بنیاد رکھی تھی تو اس نے اپنے رب کے حضور سب سے پہلے یہ التجا کی تھی ''میرے رب میں اپنی اولاد کو تیرے حکم پر، تیرے محترم گھر کے قریب چھوڑے جا رہا ہوں۔ میری پہلی فریاد یہ ہے کہ الٰہی! اس شہر اور گھر کو امن وسکون کا گہوارا بنانا مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھنا، میرے رب! بتوں کی وجہ سے بے شمار لوگ گمراہ ہوئے ہیں۔ جو میری اتباع کرے یقیناً وہ میرا ساتھی ہے اور جس نے میری نافرمانی کی الٰہی! تو معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا سے تین باتیں سامنے آتی ہیں۔

پہلی دعا اور اس کا دنیوی فائدہ:

آدمی جہاں رہ رہا ہو اس مقام اور شہر میں امن نہ ہو تو انسان کوئی کام بھی دلجمعی کے ساتھ نہیں کر سکتا۔ بلکہ ایک وقت آتا

ہے کہ انسان اس علاقہ کو چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ فرد، قوم اور ملک کی ترقی کے لیے یہ بنیادی بات ہے کہ علاقہ میں امن وامان ہو، جسے تمدن کی زبان میں یوں کہا جاتا ہے کہ چادر اور چاردیواری کا تحفظ معاشرہ اور ملک کی ترقی کے لیے خشت اول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا مستجاب کرتے ہوئے رہتی دنیا تک اس شہر اور بیت اللہ کو امن کا گھر اور شہر قرار دیا ہے۔

مکہ کی آبادکاری کی ابتدا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اولاد کو چھوڑ کر چلے گئے تو کچھ عرصہ بعد یمن سے ایک قبیلہ آیا جسے تاریخ میں جرہم ثانی کہا جاتا ہے۔ یہ قبیلہ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ سے اجازت لے کر مکہ میں ٹھہر گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ قبیلہ پہلے مکہ کے گردو پیش کی وادیوں میں سکونت پذیر تھا۔ صحیح بخاری میں اتنی صراحت موجود ہے کہ رہائش کی غرض سے یہ لوگ مکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی آمد کے بعد اور ان کے جوان ہونے سے پہلے وارد ہوئے تھے۔ لیکن اس وادی سے ان کا گزر اس سے پہلے بھی ہوا کرتا تھا۔ (صحيح بخاری : كتاب الانبياء)

دوسری دعا:

اے میرے پالنہار! مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھنا۔ یاد رہے کہ دنیا میں شرک کی ابتدا مٹی اور پتھروں کے مجسموں سے ہی ہوئی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے پہلے انبیاء علیہم السلام اور فوت شدگان بزرگوں کے مجسمے اس لیے بنائے تھے تاکہ بزرگوں کی یاد تازہ کرتے ہوئے ان کی ارواح کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر کے اس کے حضور دعا اور عبادت کی جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو طبعاً اور شرعاً شرک اور ان کے ذرائع سے شدید نفرت تھی۔ اس بنا پر انہوں نے اپنے شہر کے سب سے بڑے بت خانہ کو پاش پاش کیا تھا۔ اس لیے دعا کرتے ہیں اے میرے پالنہار! مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھنا۔ اپنے بارے میں بتوں کی عبادت سے بچنے کی دعا انہوں نے نفرت کا اظہار کرنے اور آئندہ نسلوں کو پیغام دینے کے لیے کی تھی تاکہ لوگوں کو ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ معلوم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کو نہ صرف اپنے ساتھ شرک سے نفرت ہے بلکہ قیامت کے دن ان لوگوں کو بھی جہنم میں جھونکا جائے گا جنہوں نے کسی نہ کسی طریقہ سے شرک کی راہ ہموار کی تھی۔ یہاں تک کہ جن پتھروں کے مجسمے بنائے گئے یا برکت کے طور انہیں استعمال کیا گیا۔ جس طرح کچھ لوگ برکت کے طور پر بعض پتھروں کو انگوٹھی کے نگینہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں ان پتھروں کو بھی جہنم میں تپایا جائے گا۔ (الانبیاء:۹۸)

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ حَرَّمَ اللّٰهُ مَكَّةَ ، فَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَلَا لِأَحَدٍ بَعْدِي ، أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِّنْ نَهَارٍ ، لَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا ، وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا ، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا وَلَا تُلْتَقَطُ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمُعَرِّفٍ))[رواه البخاری : کتاب الجنائز، باب الإِذْخِرِ وَالْحَشِيشِ فِي الْقَبْرِ]

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مکہ کو محترم قرار دیا ہے۔ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے جائز تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے جائز ہے۔ میرے لیے دن کی ایک گھڑی میں جائز قرار دیا ہے، نہ اس کی گھاس کو کاٹا جائے اور نہ اس کے درختوں کو کاٹا جائے اور نہ اس کا شکار کیا جائے اور نہ اس کی گری ہوئی چیز کو اٹھایا جائے مگر اعلان کرنے کی غرض سے۔“

مکہ معظمہ کا مقام:

یہ وادئ قدس‘ جلالت وعظمت‘ رفعت و بلندی اور علومرتبت کے لحاظ سے اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ یہ دنیا و جہان کی تمام بستیوں، قصبوں اور شہروں میں نرالی حیثیت کی حامل ہے یہ ایسی نگری ہے جس میں داخل ہونے والے کو قرار اور سکون میسر ہوتا ہے، اس کی ہواؤں اور فضاؤں میں خالقِ کائنات نے طمانیتِ قلب کا وہ سامان پیدا فرمایا ہے جو دنیا میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا۔ اس کا یوں تذکرہ کیا گیا ہے:

﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ○ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ○ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ○﴾ [التین:۱۔۳]

”قسم ہے انجیر، زیتون، طورِ سینا اور اس پُرامن شہر (مکہ) کی“

مسائل

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظمہ کے لیے دعا مانگی الٰہی! اسے امن والا شہر بنا دے۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی الٰہی! مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھنا۔

۳۔ بتوں کی وجہ سے بہت سارے لوگ گمراہ ہوئے۔ ۴۔ نبی کا امتی نبی کی فرمانبرداری کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

مکہ معظمہ اور بیت اللہ کا مرتبہ اور مقام:

۱۔ دنیا میں پہلا گھر بیت اللہ تعمیر ہوا۔ (آل عمران:۹۶) ۲۔ قسم ہے اس شہر کی۔ (البلد:۱)

۳۔ اے میرے رب اس گھر کو امن والا بنا۔ (ابراہیم:۳۵) ۴۔ قسم ہے اس امن والے شہر کی۔ (والتین:۳)

۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ اس شہر کو امن والا بنا۔ (البقرۃ:۱۲۶)

رَبَّنَآ اِنِّيٓ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّيَّتِيۡ بِوَادٍ غَيۡرِ

اے ہمارے رب! یقیناً میں بسائی ہے سے اولاد ایک ایسی وادی میں جو نہیں ہے

ذِيۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَيۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيۡمُوا

والی کھیتی نزدیک تیرے گھر حرمت والے کے اے ہمارے رب! تا کہ وہ قائم کریں

الصَّلٰوةَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِيۡۤ اِلَيۡهِمۡ

نماز لہٰذا کر دے تو دلوں سے لوگوں مائل ہوں ان کی طرف

وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَشۡكُرُوۡنَ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ

تو رزق دے انہیں سے پھلوں تا کہ وہ شکر کریں اے ہمارے رب! بے شک تو

''اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی اولاد کو اس وادی کو بسایا ہے، جو کسی کھیتی باڑی کے لائق نہیں، تیرے حرمت والے گھر کے پاس، اے ہمارے رب! تا کہ نماز قائم کریں۔ بس لوگوں کے دل اس کی طرف مائل کر دے اور انہیں پھلوں سے رزق عطا فرما، تا کہ وہ شکر کریں۔'' (۳۷) ''اے ہمارے رب! یقیناً تو

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مزید دعائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس لیے بیت اللہ کے قریب ٹھہرایا تھا تا کہ حضرت ہاجرہ نماز قائم کریں اور جب اسماعیل علیہ السلام بڑے ہوں تو وہ بھی نماز پڑھتے رہیں۔ قرآن مجید کے مقدس الفاظ سے یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہاں ٹھہرایا تو اس وقت بیت اللہ کی مقدس جگہ اور بنیادیں موجود تھیں مگر گردشِ ایام کی وجہ سے بیت اللہ کی عمارت موجود نہ تھی۔ جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے از سر نو تعمیر فرمایا۔ جس کا ذکر البقرۃ کی آیت: ۱۲۷ میں ان الفاظ میں ہوا ہے:

''اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اُٹھا کر رہے تھے تو کہنے لگے اے پروردگار ہم سے یہ خدمت قبول فرما یقیناً تو سننے والا جاننے والا ہے۔'' [البقرۃ: ۱۲۷]

''حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کیا یہ اللہ کا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں! تب حضرت

تَعْلَمُ	مَا	نُخْفِيْ	وَمَا	نُعْلِنُ ؕ	وَمَا	يَخْفٰى
جانتا ہے	جو کچھ	ہم چھپاتے ہیں	اور جو کچھ	ہم ظاہر کرتے ہیں	اور نہیں	چھپتی
عَلَى	اللّٰهِ	مِنْ	شَيْءٍ	فِي	الْاَرْضِ	
پر	اللہ	سے	چیز	میں	زمین	
وَلَا	فِي	السَّمَآءِ ۝۳۸				
اور نہ	میں	آسمان				

جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں اور زمین اور آسمان میں اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔'' (۳۸)

ہاجرہ علیہا السلام نے عرض کی کہ پھر پروردگار ہمیں ہلاک نہیں کرے گا۔ یہ کہہ کر حضرت ہاجرہ علیہا السلام واپس آئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام چل دیئے حتی کہ اس پہاڑی پر پہنچے، جہاں سے حضرت ہاجرہ کو دکھائی نہیں دیتے تھے (اسی پہاڑی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تھے) تو ادھر کا رخ کیا جہاں اب کعبہ ہے۔ پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی۔ اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی اولاد ایسے میدان میں چھوڑی دی ہے جہاں کچھ نہیں اگتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جانے کے بعد حضرت ہاجرہ علیہا السلام اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتیں اور مشک میں سے پانی پیتی رہیں۔ جب پانی ختم ہوگیا تو خود بھی پیاسی ہوئیں، بچے کو بھی پیاس لگنے لگی دیکھا کہ وہ پیاس کے مارے تڑپ رہا ہے ذرا پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئیں کیونکہ بچے کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ دیکھا کہ صفا پہاڑ قریب ہے اس پر چڑھیں شاید کوئی آدمی نظر آئے لیکن کوئی نہیں دکھائی دیا۔ وہاں سے اتریں اور اپنا کرتہ سمیٹ کر نالے کے نشیب میں اس طرح دوڑیں جیسے کوئی مصیبت زدہ دوڑتا ہے۔ نالے کے پار جا کر مروہ پہاڑ پر دوسری جانب چڑھیں۔ وہاں بھی دیکھا، کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ انہوں نے اس طرح چکر لگائے۔'' (**رواہ البخاری : باب قول اللہ تعالیٰ وا تخذ اللہ ابراھیم خلیلا**)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری دعا:

اے ہمارے رب! میں اس لیے تیرے گھر کے قریب اپنی اولاد کو ٹھہرائے جا رہا ہوں یہ تیری توفیق سے نماز قائم کرتے رہیں، قائم کرنے سے مراد نماز باجماعت ادا کرنے کے ساتھ اس کے تقاضے پورے کرنا ہے۔

چوتھی دعا:

الٰہی! لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل فرمادے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ یہ اللہ کا گھر ہے جو لوگوں کے لیے مرکز ہدایت بنایا گیا ہے۔ اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہاں ٹھہرایا تھا تاکہ آگے چل کر یہ اللہ کے گھر کو آباد کریں۔ اللہ

کے گھر کی آبادی کے لیے ضروری ہے کہ نہ صرف اس کے ساتھ لوگوں کی محبت اور رغبت ہو بلکہ اس کے آباد کرنے والے لوگوں کے درمیان بھی محبت والفت کا رشتہ قائم ہونا چاہیے۔ جس سے نہ صرف اللہ کا گھر آباد ہوتا ہے بلکہ لوگوں میں امن وامان اور باہمی محبت کی فضا پروان چڑھتی ہے اس طرح اللہ کا گھر آباد ہونے کے ساتھ امت کی وحدت اور اتحاد کا ذریعہ بنتا ہے۔

پانچویں دعا:

اللہ کے گھر کو آباد کرنے کے لیے جس طرح اس میں نماز پڑھنا، اس کے آباد کرنے والوں کی آپس میں محبت ہونا لازم ہے، اسی طرح اس کے رہائشی بالخصوص امام اور اس کے لیے ہمہ وقت وقف ہونے والے خدام کے خوردونوش کا انتظام کرنا بھی ضروری ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لیے دعا کرتے ہوئے مکہ کے باسیوں کے لیے بھی دعا کی۔ اے میرے رب! انہیں پھلوں سے رزق عطا فرمانا تاکہ تیرا شکریہ ادا کرتے رہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح قبول فرمایا کہ ہزاروں سال بیت چکے ہیں۔ مکہ میں لوگوں کو نہ صرف رزق مہیا ہو رہا ہے بلکہ ہر سال اناج اور پھلوں کی درآمد میں اضافہ ہی ہوا جا رہا ہے۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا پھل ہوگا جو وافر مقدار میں مکہ مکرمہ میں موجود نہ ہو۔ اناج اور پھلوں کی فراوانی کا مظاہرہ لاکھوں لوگ ہر سال عمرہ اور حج کے موقعہ پر کرتے ہیں۔ اس دعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جس کا ہم اظہار کرتے ہیں۔ زمین وآسمان میں کوئی بات اور چیز ایسی نہیں جو تیری نظر سے پوشیدہ ہو۔ یہ الفاظ ادا کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دل کی کیفیت بھی عرض کرتے ہیں جس کے دو مقصد ہو سکتے ہیں کہ الٰہی جو کچھ میں مانگ رہا ہوں اس کا مقصد تو جانتا ہے۔ اس کا مقصد ذاتی غرض نہیں بلکہ دین کی آبیاری ہے۔ اس دعا کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے رب جو کچھ ہمارے تحت الشعور میں پوشیدہ ہے اور ہمارے مستقبل کی ضروریات ہیں تو وہ بھی جانتا ہے۔ اس لیے جو مانگ لیا سو مانگ لیا جو نہیں مانگ پایا اپنی جناب سے وہ بھی عطا فرما۔

مسائل

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی اور بچے کو بے آب وگیاہ وادی میں بیت اللہ کے پاس چھوڑ آئے۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچے اور بیوی کو اس لیے چھوڑا تاکہ وہ نماز قائم کریں اور بیت اللہ کو آباد کریں۔

۳۔ اپنی اولاد کے لیے نیکی کی دعا مانگنی چاہیے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے رہنا چاہیے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ سے زمین وآسمان کی کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

اَلْحَمْدُ	لِلّٰہِ	الَّذِیْ	وَھَبَ	لِیْ	عَلَی	الْکِبَرِ
تمام تعریفیں	اللہ کیلئے ہیں	وہ جس نے	عطا کیے	مجھے	پر	بڑھاپے

اِسْمٰعِیْلَ	وَاِسْحٰقَ	اِنَّ	رَبِّیْ	لَسَمِیْعُ	الدُّعَآءِ ۝۳۹
اسماعیل	اور اسحاق	بے شک	میرا رب	البتہ خوب سننے والا ہے	دعا کا

''سب تعریف اللہ کی ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا کیے۔ بے شک میرا رب خوب دعا سننے والا ہے۔'' (۳۹)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے رب کا شکرادا کرتے ہیں ہوئے مزید مانگتے ہیں۔

حضرت ابراہیم کے خاندان کا مختصر تعارف:

حضرت اسمعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے اور ایک بچی تھی۔ جس کا نام مؤرخین نے بشامہ لکھا ہے۔ آپ کے بارہ بیٹوں کے نام

۱۔ نیابوط، جن کو عرب نابت کہتے ہیں۔

۲۔ قیدار حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اس صاحبزادے نے بڑی شہرت حاصل کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس قیدار کی نسل عدنان سے پیدا ہوئے۔

۳۔ ادبایل ۴۔ بمشام ۵۔ سمع۔ ۶۔ دومہ ۷۔ مسا ۸۔ حدود ۹۔ یلتماد ۱۰۔ جسطورا۱۱۔ نفیس ۱۲۔ قدمہ (توراۃ پ۲۵)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نبی نہیں ہوا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی اور اولاد:

حضرت سارہ علیہا السلام کے انتقال کے بعد آپ نے حضرت قطورا سے نکاح کیا۔ جناب شعیب علیہ السلام کا نسب انہی سے ملتا ہے۔

حضرت قطورا سے اولاد: آپ کے بطن سے چھ لڑکے پیدا ہوئے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔ زمران ۲۔ مقسان ۳۔ مدیان ۴۔ مدان ۵۔ اسباق ۶۔ سوخ

بنی قطورا میں اہل مدین اور اصحاب الایکہ آتے ہیں۔ جناب شعیب علیہ السلام کا تعلق اسی شاخ سے ہے۔

زیادہ مشہور حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ علیہما السلام ہیں اور انہی کے بیٹے اسحاق علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو نبوت سے نوازا گیا اور ان کو شہرتِ دوام حاصل ہوئی۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت:

تمام مؤرخین نے تحریر فرمایا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری دی گئی تو آپ کی عمر سو سال اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام کی عمر نوے سال تھی۔ قرآن مجید نے اسحاق علیہ السلام کی ولادت کا متعدد مقامات پر ذکر فرمایا ہے۔ فرشتے انسانوں کی شکل میں جناب خلیل علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ ان کی ضیافت کے لیے ایک بچھڑا بھون لائے لیکن انسانی شکل میں آنے والے ملائکہ کھانے کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ تب حضرت نے اپنے آپ میں ایک خوف سا محسوس کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ کیفیت دیکھ کر فرشتوں نے اپنی آمد کا مقصد بیان کرتے ہوئے انہیں اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری دی اور اس کے ساتھ ہی پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کی خبر بھی دی۔

﴿وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ٥ فَلَمَّا رَآٰى أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ إِنَّآ أُرْسِلْنَا إِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ٥﴾ [هود: ٦٩، ٧٠]

''جب ابراہیم علیہ السلام کے پاس ہمارے فرشتے خوشخبری لے کر پہنچے تو فرشتوں نے عرض کیا۔ اے ابراہیم آپ پر سلام ہو۔ ابراہیم نے جواب میں کہا تم پر بھی سلام ہو۔ پھر کچھ دیر نہ لگائی کہ ایک بھنا ہوا بچھڑا ضیافت کے لیے لے آئے۔ مگر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھتے تو وہ ان سے مشتبہ ہو گئے اور دل میں ان سے خوف محسوس کیا۔ فرشتوں نے کہا آپ ڈریں نہیں ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔''

بشارت سن کر حضرت سارہ علیہا السلام مسکرائیں:

''اور آپ کی بیوی (آپ کے) پاس کھڑی تھی۔ وہ یہ سن کر ہنس پڑی، پھر ہم نے اس کو اسحاق اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری سنائی۔ اس نے کہا اف! کیا اب میرے ہاں بچہ ہوگا۔ جب کہ میں نہایت بوڑھی ہو چکی ہوں۔ اور میرا خاوند بھی بوڑھا ہو چکا ہے۔ یہ تو عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا۔ کیا اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو۔ اے ابراہیم کے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہیں۔ یقیناً اللہ نہایت تعریف والا اور بلند شان کا مالک ہے۔''

ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانِ گرامی:

''اے نبی! آپ ان کو ابراہیم کے معزز مہمانوں کا واقعہ سنائیں۔ جب وہ آئے ابراہیم کے پاس اور کہا سلام ہو تم پر

تو ابراہیم نے کہا ہمیں تو آپ سے ڈر لگتا ہے فرشتے کہنے لگے۔آپ ڈریں نہیں! ہم آپ کو ذی علم لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ابراہیم فرمانے لگے۔کیا آپ اس بڑھاپے میں مجھے اولاد کی بشارت دے رہے ہیں۔یہ کیسی بشارت دے رہے ہو؟''

اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے:

''فرشتے کہنے لگے ہم آپ کو برحق خوشخبری دے رہے ہیں۔آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ابراہیم نے کہا۔اپنے رب کی رحمت سے تو گمراہ لوگ ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اظہارِ تفصیل کے لیے سوال کیا تھا ورنہ وہ تو اپنے رب کی رحمت سے مایوس نہیں تھے۔انھوں نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس تو صرف گمراہ لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔نبی تو اسباب کی ناپیدگی کے باوجود اپنے رب کی رحمت پر بھرپور بھروسہ کرنے والا ہوتا ہے۔

دوسرا اس واقعہ میں یہ بتانا مقصود ہے اے اہل مکہ! یہ حقیقت جان لو کہ تم فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کرتے ہو کہ وہ نازل ہو کر اس نبی کی تائید کریں۔تب ہم غور کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔یاد رکھو فرشتے یا تو کسی کے لیے رحمت لے کر آتے ہیں یا زحمت! تم سوچ لو تم کس چیز کے مستحق ہو؟ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ بغیر اسباب کے سب کچھ کر سکتا ہے۔جس طرح ابراہیم علیہ السلام کے ہاں اولاد کے بظاہر اسباب نہیں تھے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو بیٹے عنایت فرمائے۔اسی طرح حالات کتنے ہی نامساعد کیوں نہ ہوں اللہ اپنے دین کو ضرور برضرور سرفراز فرمائے گا۔اللہ اسباب کا پابند نہیں۔اسباب اللہ کے حکم کے پابند ہیں۔

''(فرشتوں) نے اس (ابراہیم علیہ السلام) کو علم والے بچے کی بشارت دی۔یہ سن کر اس کی بیوی چلاتی ہوئی آگے بڑھی اور اس نے اپنا منہ ڈھانپ لیا۔اور کہنے لگی بوڑھی بانجھ کو اولاد ہوگی فرشتوں نے کہا، یہی کچھ تمہارے رب نے فرمایا ہے۔یقیناً وہ حکیم ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔''

حضرت اسحاق علیہ السلام کا قیام:

جناب ابراہیم علیہ السلام نے تبلیغ دین کے لیے مراکز قائم فرمائے۔حضرت لوط علیہ السلام کو شرقِ اردن، حضرت ذبیح علیہ السلام کو حجازِ مقدس اور جناب اسحاق علیہ السلام جب بڑے ہوئے تو ان کو شام و فلسطین میں تعینات فرمایا۔

تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شام میں پیدا ہوئے اور ایک سو اسی سال کی عمر میں انتقال ہوا۔مقام جرون جسے آج کل غربِ اردن کہتے ہیں میں آپ علیہ السلام کی آخری آرامگاہ ہے۔جو فلسطین میں ہے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کی سیرتِ طیبہ کے چند پہلو قرآن حکیم نے ذکر فرمائے ہیں۔سورۃ انبیاء میں ارشاد فرمایا، ہم نے ان کو پیشوا بنایا تھا جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کی راہنمائی کیا کرتے تھے۔مزید ارشاد ہوا کہ ہم نے ان کی طرف وحی کی جس

میں ہدایت کی گئی کہ نیکی کے کام کریں نماز اور زکوۃ ادا کریں۔آخر میں ارشاد فرمایا۔وہ ہمارے عبادت گزار بندے ہیں۔
''اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق عطا کیا اور یعقوب اس پر مستزاد کہ ہم نے ہر ایک کو صالح بنایا۔
حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور آپ علیہ السلام کے فرزند ارجمند:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری رفیقہ حیات حضرت ہاجرہ علیہا السلام ہیں۔جن کی سیرتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو قرآن مجید نے اجاگر کرنے کے ساتھ ان کی زندگی سے وابستہ واقعات اور مقامات کو شعائر اللہ کہہ کر برائے اجروثواب زیارت گاہ بنا دیا اوران کے صبر ورضا کے واقعات کا اس طرح ذکر کیا کہ رہتی دنیا تک ان کا تذکرہ ہوتا رہے گا۔
حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اکبر ہیں۔اس حقیقت کا اعتراف تورات میں تحریف ہونے کے باوجود کتاب پیدائش (باب ۱۷،۲۴،۲۵) میں موجود ہے۔اس تصریح کے ساتھ کہ اس وقت جناب خلیل علیہ السلام کی عمر ۸۶ سال کی تھی جب اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔اور جب حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ علیہ السلام کی عمر ننانوے یا سو سال کی تھا۔تحقیق کے مطابق آپ کنعان میں پیدا ہوئے اور آپ علیہ السلام نے مکہ معظّمہ میں ۱۳۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں اولاد سے نوازا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہی دعاؤں کو سنتا اور قبول فرماتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مستجاب دعائیں:

۱۔ اے اللہ مجھے نیک بچہ عطا فرما۔(الصّٰفّٰت:۱۰۰) ۲۔ اے میرے پروردگار اس شہر کو امن والا بنا۔(ابراہیم:۳۵)

۳۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں مسلمان بنا دے اور ہماری نسل میں سے فرمانبردار امت پیدا فرما۔(البقرۃ:۱۲۸)

۴۔ اے ہمارے رب مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا۔اے ہمارے رب میری دعا قبول فرما۔(ابراہیم:۴۰)

۵۔ اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو بے آب وگیاہ وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے قریب ٹھہرایا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں لوگوں کے دل ان کی طرف مائل فرما دے اور انھیں پھلوں کا رزق عطا فرما۔(ابراہیم:۳۷)

۶۔ اے اللہ اس شہر کو امن والا بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے محفوظ فرما۔(ابراہیم:۳۵)

۷۔ اے پروردگار! مجھے علم ودانش عطا فرما اور نیکوکاروں میں شامل فرما۔(الشعراء:۸۳)

۸۔ اے اللہ! مجھے نعمتوں والی جنت کا وارث بنا۔(الشعراء:۸۵)

۹۔ اے اللہ انھی میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرما جو ان پر تیری آیات تلاوت کرے انھیں کتاب وحکمت سکھلائے۔(البقرۃ:۱۲۹)

رَبِّ	اجْعَلْنِیْ	مُقِیْمَ	الصَّلٰوةِ	وَمِنْ	ذُرِّیَّتِیْ	رَبَّنَا	
اے میرے رب!	تو بنادے مجھے	قائم رکھنے والا	نماز	اور سے	میری اولاد	اے ہمارے رب!	

وَتَقَبَّلْ	دُعَآءِ ﴿۴۰﴾
اور تو قبول فرما	میری دعا

''اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا، اے ہمارے رب! میری دعا قبول فرما۔'' (۴۰)

فہم القرآن

ربط کلام:

آدمی ہر حال اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت ونصرت کا محتاج ہے اس کے لیے اسے وہی ذرائع اور طریقے اختیار کرنے چاہییں جن کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم فرمایا ہے۔ آدمی جن ذرائع سے اللہ کی مدد کا مستحق اور اس کی رحمت کا سزاوار ہوتا ہے ان میں مؤثر ترین ذریعہ نماز کی ادائیگی ہے۔

مؤذن چوبیس گھنٹوں میں ایک مقررہ وقفے کے بعد پانچ مرتبہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نام لے کر مسلمانوں کو دنیا اور آخرت کی کامیابی کی نوید سناتے ہوئے دعوت دیتا ہے کہ اے کلمہ طیبہ کا اقرار اور اظہار کرنے والو! آؤ تمہاری کامیابی اللہ کی عبادت، نبی اکرم ﷺ کی اطاعت اور جماعت بندی میں ہے۔ تابع فرمان مسلمان ہر چیز چھوڑ کر اللہ کے گھر حاضر ہو کر عملاً ثابت کرتے ہیں کہ ہم خدا کی جماعت ہیں جو ہر وقت اس کے حکم کے پابند اور اس کی اطاعت پر کاربند ہیں۔ پھر پاؤں سے پاؤں اور کندھے سے کندھا ملا کر مسلمان غیر مسلموں کے سامنے ثابت کرتے ہیں کہ مسلم معاشرہ میں امیر، غریب، آقا اور غلام میں کوئی فرق نہیں۔ کاش امت نماز کی حقیقت کو سمجھ جائے تاکہ ان میں زندگی کی انقلابی روح پیدا ہو جائے۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جگر گوشہ اور رفیقہ حیات کو عرب کے صحراو بیابان میں چھوڑ کر دعائیں کرتے ہوئے الوداع ہوئے: ان دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی تھی ''الٰہی مجھے اور میری اولاد کو نمازی بنا'' حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہِ الٰہی سے اس طرح التجا کرتے۔ اے ہمارے پروردگار مجھے اور میری اولاد کو نماز کا پابند بنا۔

دعاؤں کا نتیجہ:

﴿وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا وَكَانَ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِیًّا﴾ [مریم: ۵۴۔۵۵]

”اے نبی! قرآن مجید سے حضرت اسمٰعیل کا تذکرہ ضرور کرو کیونکہ وہ اللہ کا برگزیدہ نبی وعدے کا سچا اور نماز وزکوٰۃ کا اہل خانہ کو حکم دینے والا تھا۔“

اولاد کو نماز کا حکم دینا چاہیے:

((عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ))

[رواه ابو داود:باب مَتٰى يُؤْمَرُ الْغُلَامُ بِالصَّلَاةِ]

”حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی اولاد کو نماز پڑھنے کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہو جائیں اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے اُن پر سختی کرو اور اُن کے بستر الگ کر دو۔“

نماز کی فرضیت اور فضیلت:

((عَنْ أَبِي سُفْيَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكَ الصَّلَاةِ)) [رواه مسلم:باب بَيَانِ إِطْلَاقِ اسْمِ الْكُفْرِ عَلٰى مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ]

”حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مسلمان اور کفر کے درمیان نماز کا فرق ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ سے نماز کی پابندی کی توفیق مانگنی چاہیے۔ ۲۔ اللہ ہی دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔

۳۔ کوشش کے ساتھ والدین کو دعا بھی کرنی چاہیے کہ ان کی اولاد نمازی بن جائے۔

تفسیر بالقرآن

نیک اولاد کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں:

۱۔ اے میرے پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو نماز کا پابند بنا۔ (ابراہیم:۴۰)

۲۔ حضرت زکریا نے اپنے پروردگار کو پکارا اور عرض کی کہ الٰہی مجھے نیک اولاد عطا فرما۔ (آل عمران:۳۸)

۳۔ میں تجھے لوگوں کا امام بنا رہا ہوں ابراہیم نے کہا میری اولاد میں سے بھی بنائیں۔ (البقرۃ:۱۲۴)

۴۔ اے ہمارے پروردگار! ہماری اولاد میں ایک جماعت اپنی مطیع بنا۔ (البقرۃ:۱۲۸)

یَوْمَ	وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ	وَلِوَالِدَيَّ	اغْفِرْ لِيْ	رَبَّنَا
جس دن	اور مومنوں کو	اور میرے ماں باپ کو	تو بخش دے مجھے	اے ہمارے رب!

	الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾	يَقُوْمُ
	حساب	قائم ہوگا

ع ۱۸

''اے ہمارے رب! مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے اور ایمان والوں کو بھی، جس دن حساب قائم ہوگا۔'' (۴۱)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مزید دعائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ برا سلوک کرنے کے باوجود باپ کے لیے بخشش کی دعا کا وعدہ:

''ابراہیم کا تذکرہ کیجیے یقیناً وہ سچا نبی تھا جب انھوں نے اپنے باپ سے کہا ابا جان آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکتے ہیں ابا جان مجھے ایسا علم ملا ہے جو آپ کو نہیں ملا میری فرمانبرداری کیجیے میں آپ کو سیدھی راہ پر چلاؤں گا۔ ابا جان شیطان کی پرستش نہ کیجیے یقیناً شیطان اللہ کا نافرمان ہے۔ ابا جان مجھے ڈر لگتا ہے کہ آپ کو اللہ کا عذاب آپکڑے اور آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں۔ اُس نے کہا ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے مجھے برگشتہ کرتا ہے اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا اور تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور ہو جا۔ ابراہیم نے کہا آپ پر سلامتی ہو میں آپ کے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا یقیناً وہ مجھ پر مہربان ہے۔'' (مریم: ۴۱ تا ۴۷)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا باپ کے حق میں قبول نہیں ہوئی:

باپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ دھمکی دے کر گھر سے نکال باہر کیا کہ میری آنکھوں سے دور ہو جا ورنہ میں تجھے سنگسار کردوں گا۔ اس کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے وعدہ کیا کہ میں اپنے رب سے آپ کی بخشش کی ضرور دعا کروں گا۔ (مریم: ۴۶ تا ۴۸) جس کے نتیجہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام محشر کے دن اپنے رب کے حضور فریاد کریں گے لیکن ان کی فریاد کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ قرآن مجید نے اس بات کی یوں بھی وضاحت فرمائی ہے کہ اے امت مسلمہ کے لوگو! تمھارے لیے ابراہیم کا ہر عمل نمونہ ہے سوائے اس کے جو انھوں نے اپنے باپ کے لیے دعا کا وعدہ کیا تھا۔ (الممتحنۃ: ۴)

ماں باپ اور نیک لوگوں کے لیے دعا کرنے کا حکم:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا باپ کے حق میں اس لیے قبول نہ ہوگی کہ وہ مشرک تھا۔ قرآن مجید نے مشرک کے حق میں

بخشش کی دعا کرنے سے منع کیا ہے۔ البتہ مواحد والدین اور مواحد فوت شدگان کے لیے بخشش کی دعا کرنا انبیاء کی سنت، نیک لوگوں کا طریقہ اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی اپنے والدین اور فوت شدگان کے لیے دعا:

''اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور جو ایمان دار میرے گھر میں آئے اُس کو اور تمام ایمان والے مردوں اور عورتوں کو معاف فرما اور ظالموں کی تباہی میں مزید اضافہ فرما۔'' [نوح:۲۸]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فوت شدگان کے لیے دعا:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ اِلَّامِنْ صَدَقَةٍ جَارِیَةٍ اَوْ عِلْمٍ یُّنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَّدْعُوْ لَهٗ)) [رواہ مسلم:باب مَا یَلْحَقُ الْاِنْسَانَ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَ وَفَاتِہٖ]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ذکر کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے فوت ہونے سے اس کے عمل کا تسلسل ختم ہو جاتا ہے۔ مگر ان تین چیزوں کے علاوہ (۱) صدقہ جاریہ۔ (۲) ایسا علم جس سے لوگ مستفید ہوتے رہیں۔ (۳) نیک اولاد جو اس کے لیے دعائیں کرتی رہے۔''

﴿وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾[الحشر:۱۰]

''اور وہ لوگ جو اُن کے بعد آئے وہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دل میں کینہ ایمان داروں کے متعلق پیدا نہ فرما اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔''

مسائل

۱۔ پروردگار سے اپنے لیے بخشش کی دعا مانگنی چاہیے۔ ۲۔ والدین اور مومنین کے لیے بھی بخشش طلب کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

مواحد فوت شدگان کے لیے مغفرت کی دعا:

۱۔ اے ہمارے پروردگار مجھے، میرے والدین اور مومنوں کو بخش دے۔ (ابراہیم:۴۱)

۲۔ نوح نے کہا اے میرے پروردگار مجھے بخش دے اور میرے والدین کو اور مومن مردوں اور عورتوں کو (نوح:۲۸)

۳۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے۔ (الحشر:۱۰)

۴۔ ابراہیم نے کہا میرے باپ کی مغفرت فرما یقیناً وہ گمراہوں میں سے تھا۔ (الشعراء:۸۶)

وَلَا	تَحْسَبَنَّ	اللّٰهَ	غَافِلًا	عَمَّا	يَعْمَلُ		الظّٰلِمُوْنَ ۵
اور نہ	گمان کریں آپ	اللہ	بے خبر	اس سے جو	عمل کرتے ہیں		ظالم
اِنَّمَا	يُؤَخِّرُهُمْ	لِيَوْمٍ	تَشْخَصُ	فِيْهِ	الْاَبْصَارُ ۝		مُهْطِعِيْنَ
صرف	انہیں مہلت دیتا ہے	اس دن تک	پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی	اس میں	آنکھیں		دوڑنے والے
مُقْنِعِيْ	رُءُوْسِهِمْ	لَا	يَرْتَدُّ	اِلَيْهِمْ	طَرْفُهُمْ ج		
اٹھانے والے	اپنے سر	نہیں	وہ لوٹے گا	ان کی طرف	ان کی نگاہ		
وَ	اَفْئِدَتُهُمْ	هَوَآءٌ ۝					
اور	ان کے دل	خالی ہوں گے					

''ان سے جولوگ ظلم کر رہے ہیں اللہ کو ہرگز غافل نہ سمجھو، وہ تو ان کو اس دن کے لیے مہلت دے رہا ہے جس میں آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی،'' (۴۲) ''اس حال میں کہ دوڑنے والے، اپنے سروں کو اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے، ان کی نگاہ ان کی طرف نہیں پلٹے گی اور ان کے دل اُڑے جارہے ہوں گے۔'' (۴۳)

فہم القرآن

ربط کلام: نیا خطاب شروع ہوتا ہے جس میں حق کے منکروں کو ان کے انجام سے آگاہ کیا جاتا ہے۔

مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر اکثر اوقات رسول معظم ﷺ کو براہِ راست مخاطب کیا جاتا ہے۔ اسی اصول کے پیش نظر آپ کو مخاطب کرتے ہوئے آپ کے مخالفوں کو ان کے انجام سے ڈرایا جارہا ہے۔ اے نبی! اس بات کا کبھی تصور بھی نہ کرنا کہ آپ کے مخالف حق کا انکار اور آپ کی مخالفت کر کے جو ظلم کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر ہے۔ ایسا ہرگز نہیں وہ تو انہیں اس دن کے لیے مہلت دیے ہوئے ہے۔ جس دن آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور ظالم سر اٹھائے اپنے سامنے نظریں جمائے دوڑے جارہے ہوں گے۔ ان کی نظریں ان کی اپنی طرف بھی نہ مڑ پائیں گی۔ ان کے دل گھبراہٹ کے عالم میں اڑے جارہے ہوں گے۔

سورج دنیا کی حرارت سے لاکھوں ڈگری زیادہ حرارت اور حدت لیے ہوگا۔ زمین تابنے کی طرح ہو جائے گی اور سورج زمین سے ایک میل کے فاصلے پر آجائے گا۔ لوگ اپنے اپنے پسینے میں ڈبکیاں کھا رہے ہوں گے۔ اس عالم میں لوگ گردنیں اٹھائے، پھٹی آنکھوں کے ساتھ ربّ ذوالجلال کی بارگاہ میں پیش ہونے کے لیے اس حال میں بھاگ رہے ہوں گے کہ ان کے دل اس طرح ہوں گے کہ جیسے چند لمحوں کے بعد پھٹ جائیں گے لیکن ایسا بالکل نہیں ہوگا۔

((عَنِ الْمِقْدَادِ ﷛ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ تُدْنَى الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْخَلْقِ

حَتّٰی تَکُوْنَ مِنْھُمْ کَمِقْدَارِ مِیْلٍ فَیَکُوْنُ النَّا سُ عَلٰی قَدْرِ اَعْمَالِھِمْ فِی الْعَرَ قِ فَمِنْھُمْ مَنْ یَّکُوْنُ اِلٰی کَعْبَیْہِ وَمِنْھُمْ مَنْ یَّکُوْنُ اِلٰی رُکْبَتَیْہِ وَمِنْھُمْ مَنْ یَّکُوْنُ اِلٰی حَقْوَیْہِ وَمِنْھُمْ مَنْ یُّلْجِمُھُمُ الْعَرَقُ اِلْجَامًا وَاَشَارَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِیَدِہٖ اِلٰی فِیْہِ))[رواہ مسلم :کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا وأھلھا، باب فِی صِفَۃِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ أَعَانَنَا اللّٰہُ عَلٰی أَھْوَالِھَا]

''حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سرورِ دو عالم ﷺ کو فرماتے سنا' آپ فرمارہے تھے قیامت کے دن سورج لوگوں سے ایک میل کی مسافت پر ہوگا لوگوں کا پسینہ ان کے اعمال کے مطابق ہوگا بعض لوگوں کے ٹخنوں تک' بعض کے گھٹنوں تک بعض کی کمر تک اور بعض کے منہ تک پسینہ ہوگا یہ بیان کرتے ہوئے رسولِ معظم ﷺ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا۔''

((عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ یُحْشَرُ النَّا سُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ حُفَاۃً عُرَاۃً غُرْلًا قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ جَمِیْعًا یَنْظُرُ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ فَقَالَ یَا عَائِشَۃُ اَلْاَمْرُ اَشَدُّ مِنْ اَنْ یَّنْظُرَ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ))[رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب کَیْفَ الْحَشْرِ]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسولِ معظم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لوگ قیامت کے دن ننگے پاؤں' ننگے بدن اور بلا ختنہ اٹھائے جائیں گے۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول کیا مرد اور عورتیں اکٹھے ہوں گے وہ ایک دوسرے کی جانب دیکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس دن معاملہ اس کے برعکس ہوگا کہ کوئی ایک دوسرے کی طرف دیکھ سکے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ سبھی کے اعمال سے باخبر ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ڈھیل دیتا ہے۔
۳۔ قیامت کے دن ظالم سر اٹھائے دوڑ رہے ہوں گے۔ ۴۔ قیامت کے دن کوئی ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن مجرم بدحواس ہوں گے:

۱۔ قیامت کے دن مجرم سر اٹھائے بدحواسی کے عالم میں دوڑ رہے ہوں گے۔ (ابراہیم:۴۳)

۲۔ قیامت کے دن آپ مجرموں کے چہروں کو سیاہ دیکھیں گے۔ (الزمر:۶۰)

۳۔ برے لوگوں کے چہروں پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی اور انہیں کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ (یونس:۲۷)

۴۔ اس دن مجرموں کو ایک دوسرے کے ساتھ جکڑا ہوا دیکھیں گے اور آگ ان کے چہروں پر چھائی ہوگی۔ (ابراہیم:۴۹۔۵۰)

۵۔ قیامت کے دن لوگ اس طرح بدحواس ہوں گے جیسے شراب سے مدہوش ہوں۔ (الحج:۲)

وَاَنْذِرِ	النَّاسَ	يَوْمَ	يَاْتِيْهِمُ	الْعَذَابُ	فَيَقُوْلُ
اور آپ ڈرائیں	لوگ	دن	آئے گا ان پر	عذاب	تو کہیں گے

الَّذِيْنَ	ظَلَمُوْا	رَبَّنَآ	اَخِّرْنَآ	اِلٰٓى	اَجَلٍ	قَرِيْبٍ
وہ لوگ	انہوں نے ظلم کیے	اے ہمارے رب!	مہلت دے ہمیں	طرف	مدت	تھوڑی سی

نُّجِبْ	دَعْوَتَكَ	وَنَتَّبِعِ	الرُّسُلَ	اَوَ	لَمْ	تَكُوْنُوْٓا
ہم قبول کرلیں گے	تیری دعوت	اور ہم پیروی کریں گے	رسولوں کی	کیا اور	نہیں	تھے تم

اَقْسَمْتُمْ	مِّنْ	قَبْلُ	مَا	لَكُمْ	مِّنْ	زَوَالٍ ۝۴۴
قسمیں کھاتے تھے	سے	پہلے	نہیں ہے	تمھارے لیے	سے	زوال؟

’’اور لوگوں کو اس دن سے ڈراؤ جب ان پر عذاب آئے گا، جن لوگوں نے ظلم کیے، کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں کچھ وقت کے لیے مہلت دے، ہم تیری دعوت قبول کریں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے۔ کیا تم نے اس سے پہلے قسمیں نہ کھائی تھیں کہ تمہارے لیے کوئی بھی زوال نہیں ہوگا۔‘‘ (۴۴)

فہم القرآن

ربط کلام: قیامت کی ہولناکیاں بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ آپ ﷺ قیامت کا انکار کرنے والوں کو ڈرائیں اور اس کی حقیقت بتلائیں۔

دنیا پرستی میں مبتلا ہونے والے لوگ آخرت کو اس قدر بھول جاتے ہیں کہ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا اور انسان کو محض کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر دنیا کھیل تماشا ہوتی تو ہم یہ تماشا اپنے پاس کرتے۔ (الانبیاء:۱۶۔۱۷)

یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے انسان جو کچھ بوئے گا مرنے کے بعد وہی کچھ اپنے سامنے پائے گا۔ اس حقیقت کے باوجود دنیا پرست لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں اور وہ اس کے لیے اتنے بوسیدہ دلائل دیتے ہیں کہ اگر وہ خود معمولی سا غور کریں تو ان کے دلائل میں بھی آخرت کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ آخرت کا انکار کرنے والا ایک شخص سرورِ دو عالم ﷺ کے سامنے ایک بوسیدہ ہڈی اپنے ہاتھ سے مسل کر کہتا ہے کہ اے محمد! بتلاؤ یہ ہڈی مٹی بن چکی ہے اسے کون زندہ کرے گا؟ قرآن مجید نے اس کا جواب دیا کہ کیا آخرت کے انکار کرنے والے نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ ہم نے اسے ایک نطفہ سے پیدا کیا ہے جس سے بڑا ہو کر وہ اپنے رب کے ساتھ جھگڑا کرتا ہے اور اپنی تخلیق بھول کر ہمارے سامنے بوسیدہ ہڈی کی مثال پیش کر کے کہتا ہے

کہ اسے کون زندہ کرے گا اے پیغمبر! انہیں فرمائیں اسے وہی خالق زندہ کرے گا جس نے اسے پہلی بار پیدا کیا تھا جو ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ (یٰس: ۷۰تا۷۷)

قیامت کا انکار کرنے والوں کو یہ کہہ کر بھی لا جواب کیا گیا ہے کہ یہ بتاؤ تمہیں پہلی دفعہ پیدا کرنا مشکل تھا یا دوسری مرتبہ پیدا کرنا مشکل ہے۔ (بنی اسرائل: ۵۱) پھر دوٹوک الفاظ میں فرمایا کہ آپ ﷺ انہیں کہیں کہ تم لوہا بن جاؤ یا پتھر ہو جاؤ یا تمہارے دل میں جو خیال آ سکتا ہے اس سے بھی کوئی بڑی مخلوق بن جاؤ تمہیں وہی ذات پیدا کرے گی جس نے تمھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ یہ دلائل سننے کے باوجود نفرت کی بنا پر سر ہلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کب ہوگا انہیں فرمائیں ہوسکتا ہے کہ قیامت عنقریب برپا ہو جائے۔ (بنی اسرائیل: ۴۹تا۵۱)

غور فرمائیں کہ مرنے کے بعد جی اٹھنے کے قرآن مجید نے کس قدر طبعی اور ٹھوس دلائل دیے ہیں لیکن اس کے باوجود قیامت کے منکر ہٹ دھرمی کی بنا پر قسمیں کھایا کرتے تھے کہ یہ دنیا کبھی ختم نہیں ہوگی۔ اور ہمیں کبھی زوال نہیں آئے گا۔ کوئی طاقت ہمیں زندہ نہیں کر سکتی۔ اس باطل عقیدہ کی تردید یہاں یہ کہہ کر کی گئی ہے۔ اے پیغمبر! انہیں سمجھائیں اور ڈرائیں کہ جب اللہ کا عذاب یا قیامت آئے گی تم دھاڑیں مار مار کر فریادیں کرو گے کہ ہمارے رب ہمیں تھوڑی سی مہلت دیجیے تاکہ ہم تیری دعوت کو قبول کر کے رسول کی فرمانبرداری کریں لیکن اس وقت مہلت دینے کے بجائے یہ کہا جائے گا کہ کیا تم وہی ظالم نہیں ہو جو قسمیں کھا کھا کر آخرت کا انکار کرتے اور کہتے تھے کہ اس دنیا نے ہمیشہ رہنا ہے اور اسے کبھی زوال نہیں آئے گا۔

مسائل

۱۔ کفار قیامت کے دن کہیں گے اے رب ہمیں مہلت دے ہم تیری بات مانیں گے اور تیرے رسول کی پیروی کریں گے۔

تفسیر بالقرآن

جہنم میں جہنمیوں کی فریادیں:

۱۔ اے ہمارے رب ہمیں تھوڑی دیر کے لیے مہلت دے ہم تیری دعوت کو قبول اور تیرے رسول کی بات کو تسلیم کریں گے۔ (ابراہیم: ۴۴)

۲۔ جہنمی کہیں گے اے اللہ ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو واپس لوٹا دے۔ (السجدۃ: ۱۲)

۳۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں یہاں سے نکال ہم پہلے سے نیک عمل کریں گے۔ (الفاطر: ۳۷)

۴۔ اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال اگر دوبارہ ایسا کریں تو بڑے ظالم ہوں گے۔ (المومنون: ۱۰۷)

وَّسَكَنْتُمْ	فِيْ	مَسٰكِنِ	الَّذِيْنَ	ظَلَمُوْٓا	اَنْفُسَهُمْ
اور تم آباد تھے	میں	گھروں	ان لوگوں کے	انہوں نے ظلم کیے	اپنی جانوں پر

وَتَبَيَّنَ	لَكُمْ	كَيْفَ	فَعَلْنَا	بِهِمْ	وَضَرَبْنَا	لَكُمُ
اور واضح ہو گیا تھا	تمھارے لیے	کیسا	کیا ہم نے	ان کے ساتھ؟	اور ہم نے بیان کی تھیں	تمھارے لیے

الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾	وَقَدْ	مَكَرُوْا	مَكْرَهُمْ	وَعِنْدَ	اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ
مثالیں	اور یقیناً	انھوں نے مکر کیے تھے	اپنے مکر	اور پاس ہیں	اللہ ان کے مکر

وَاِنْ	كَانَ	مَكْرُهُمْ	لِتَزُوْلَ	مِنْهُ	الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾	فَلَا
اور نہ	تھے	ان کے مکر	کہ ٹل جاتے	بوجہ ان کے	پہاڑ	پس نہ

''اور تم ان لوگوں کے رہنے کی جگہوں میں رہتے رہے۔ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیے اور تمہارے لیے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا اور ہم نے تمہارے لیے کئی مثالیں بیان کیں۔'' (۴۵) ''اور یقیناً انہوں نے اپنی ساری چالیں چلیں مگر ان کی ہر چال کا توڑ اللہ کے پاس تھا اگرچہ ان کی چالیں ایسی تھیں کہ اس سے پہاڑ ٹل جائیں۔'' (۴۶) ''پس آپ ہرگز

فہم القرآن

ربط کلام: آخرت کے منکرین کو خطاب جاری ہے۔

منکرین آخرت کو آخرت کے عذاب سے ڈرانے کے ساتھ پہلی اقوام کے انجام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انتباہ کیا ہے کیا یہ لوگ ان کے انجام پر غور نہیں کرتے کہ جن کی بستیوں اور علاقہ میں یہ لوگ رہ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ جس وجہ سے انہیں ذلت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ انہیں معلوم نہیں کہ ہم نے کس طرح انہیں آناً فاناً اور شدّت کے ساتھ پکڑا تھا۔ ہم نے کھول کھول کر ان کے حالات اور واقعات لوگوں کے سامنے بیان کر دیے ہیں کہ ان سے پہلے لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مکر و فریب اور سازش کی لیکن اللہ تعالیٰ کی تدبیر غالب رہی۔ حالانکہ ان کی سازشیں اور مکر و فریب اس قدر گہرے، بڑے اور مضبوط تھے کہ قریب تھا کہ پہاڑ ٹل جائیں۔ یہ بات پہلے بھی عرض کی جا چکی ہے کہ مکر کا معنی ہے سازش اور ہر قسم کا فریب۔ یہ لفظ جب منکرین حق کی طرف منسوب ہو تو اس کا معنی مکر و فریب ہوا کرتا ہے۔ جب مکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کی تدبیر ہوتی ہے۔ پہاڑ ٹل جانے سے مراد یہ بتانا مقصود ہے کہ کفار نے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر اللہ تعالیٰ نے حق کو غالب فرمایا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ تمہارے دشمنوں کو ذلیل کرے گا۔ اللہ کا وعدہ کبھی جھوٹا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ سخت انتقام لینے والا ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ

اللّٰہَ	اِنَّ	رُسُلَہٗ	وَعْدِہٖ	مُخْلِفَ	اللّٰہَ	تَحْسَبَنَّ
اللہ	یقیناً	اپنے رسولوں سے	اپنے وعدے کا	خلاف کرنے والا	اللہ	گمان کریں گے

ذُوانْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾	عَزِیْزٌ
بدلہ لینے والا	نہایت غالب ہے

گمان نہ کریں کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرنے والا ہے۔ یقیناً اللہ سب پر غالب اور بدلہ لینے والا ہے۔“(۴۷)

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سیلاب کی نذر ہوئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دشمن دریا میں غرقاب ہوئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف سازش کرنے والا اپنوں کے ہاتھوں سولی چڑھ گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مکروفریب اور سازشیں کرنے والے ایک ایک کر کے دنیا میں ذلیل وخوار ہوئے۔ آپ نے ان کی لاشوں کو یوں مخاطب کیا: جو باقی تھے انھیں فتح مکہ کے موقع پر سرِ عام سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی مانگنا پڑی۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ وَقَفَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَی قَلِیْبِ بَدْرٍ فَقَالَ هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ثُمَّ قَالَ إِنَّهُمُ الآنَ يَسْمَعُوْنَ مَا أَقُوْلُ))[رواہ البخاری: باب قَتْلِ أَبِی جَهْلٍ]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے کنویں پر کھڑے ہوئے آپ نے مرنے والے سرداروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کیا تم نے اپنے پروردگار کے وعدے کو سچ پایا ہے؟ آپ نے فرمایا اب جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے وہ سن رہے ہیں۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی قوموں کو نشان عبرت بنا دیا۔

۲۔ انسانوں کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ پہلی قوموں کی مثالیں بیان کرتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ سخت انتقام لینے پر غالب ہے۔

تفسیر بالقرآن

مخالفین کا انبیاء علیہم السلام اور حق کے خلاف سازشیں کرنا:

۱۔ کفار نے نبی اکرم کو قتل کرنے اور ملک بدر کرنے کی سازش کی۔ (الانفال:۳۰)

۲۔ نبی کریم کو حق سے پھیر دینے کے لیے کافروں نے سازش کی۔ (البقرۃ:۱۰۹)

۳۔ آپ غمزدہ نہ ہوں اور کفار کے مکروفریب سے تنگی محسوس نہ کریں۔ (النحل:۱۲۷)

يَوْمَ	تُبَدَّلُ	الْاَرْضُ	غَيْرَ	الْاَرْضِ	وَالسَّمٰوٰتُ
جس دن	بدل دی جائے گی	یہ زمین	اور	زمین	اور آسمان بھی

وَبَرَزُوْا	لِلّٰهِ	الْوَاحِدِ	الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾	وَتَرَى	الْمُجْرِمِيْنَ
اور سامنے ہوں گے	اللہ کے لیے	ایک	بڑا زبردست	اور آپ دیکھیں گے	مجرموں کو

يَوْمَئِذٍ	مُّقَرَّنِيْنَ	فِي	الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾	سَرَابِيْلُهُمْ	مِّنْ
اس دن	وہ جکڑے ہوئے ہوں گے	میں	زنجیروں	ان کی قمیصیں ہوں گی	سے

قَطِرَانٍ	وَّتَغْشٰى	وُجُوْهَهُمُ	النَّارُ ﴿۵۰﴾	لِيَجْزِيَ	اللّٰهُ
گندھک	اور ڈھانکتی ہوگی	ان کے چہروں کو	آگ	تاکہ بدلہ دے	اللہ

’’جس دن اس زمین کو دوسری زمین کے ساتھ بدل دیا جائے گا اور آسمان بھی بدل دیا جائے گا اور لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے، جو اکیلا اور بڑا زبردست ہے۔‘‘ (۴۸) ’’اور آپ اس دن مجرموں کو زنجیروں میں ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے ہوئے دیکھیں گے۔‘‘ (۴۹) ’’ان کی قمیصیں گندھک کی ہوں گی اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانپے ہوئے ہوگی۔‘‘ (۵۰) تاکہ اللہ

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ نے منکرین حق کو دنیا میں تباہ و برباد کیا اور آخرت میں بھی انہیں شدید ترین عذاب دے گا۔

جب قیامت برپا ہوگی تو ایک دفعہ ہر چیز کو نیست و نابود کر دیا جائے گا، پھر محشر کا میدان لگے گا اور اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ لیکن مخلوق کو زندہ کرنے سے پہلے زمین و آسمان بدل دیے جائیں گے اس کے بعد لوگوں کو صرف رب ذوالجلال کے سامنے پیش ہونا ہوگا۔ آج دنیا میں حق کے منکر، فاسق اور ظالم لوگ اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے دندناتے پھرتے ہیں۔ مگر قیامت کے دن انہیں بھاری زنجیروں میں جکڑ کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا جائے گا۔ پھر انہیں جہنم میں دھکیلتے ہوئے تارکول کے کپڑے پہنا کر آگ میں جھونکا جائے گا۔ وہ آگ ان کے چہروں تک پہنچ جائے گی۔ یہ اس لیے ہوگا تاکہ مجرموں کو ان کے جرائم کی پوری طرح سزا دی جائے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ دین کے بنیادی عقائد میں تیسرا عقیدہ فکر آخرت ہے۔ جسے قرآن مجید پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ یہاں ہم قیامت کے مختلف مراحل کے بارے میں قرآن مجید کی چند آیات اور احادیث کی چند مستند روایات کا حوالہ دیں گے تاکہ موقع کی مناسبت سے قیامت کے منظر کی ایک جھلک ہمارے سامنے آجائے اور ہم رب ذوالجلال کی بارگاہ میں پیشی کی تیاری کر لیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگ لیں۔

كُلَّ	نَفْسٍ	مَّا	كَسَبَتْ ؕ	اِنَّ	اللّٰهَ
ہر	نفس	اس کا جو	اس نے کمایا	یقیناً	اللہ
	سَرِيْعُ	الْحِسَابِ ﴿٥١﴾			
	بہت ہی جلد	حساب لینے والا ہے			

ہر کسی کو اس کا بدلہ دے جو اس نے کمایا۔ بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔“(۵۱)

((عن أَنس بن مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلاً قَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ يُحْشَرُ الْكَافِرُ عَلٰى وَجْهِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ أَلَيْسَ الَّذِىْ أَمْشَاهُ عَلَى الرِّجْلَيْنِ فِى الدُّنْيَا قَادِرًا عَلٰى أَنْ يُّمْشِيَهٗ عَلٰى وَجْهِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ قَتَادَةُ بَلٰى وَعِزَّةِ رَبِّنَا))[رواه البخارى : كتاب التفسير،باب قَوْلِهٖ (اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوهِهِمْ إِلٰى جَهَنَّمَ أُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضَلُّ سَبِيْلاً]

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے نبی! کافروں کو چہروں کے بل قیامت کے دن کیسے جمع کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا کیا وہ ذات جو دنیا میں ان کو قدموں پر چلانے پر قادر ہے کیا وہ ذات چہرے کے بل نہیں چلا سکتی؟ قتادہ نے کہا کیوں نہیں!“

((عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْ مَ الْقِيَامَةِ عَلٰى اَرْضٍ بَيْضَآءَ عَفْرَآءَ كَقُرْصَةِ النَقِيِّ لَيْسَ فِيْهَا عَلَمٌ لِاَحَدٍ)) [متفق عليه]

”حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز لوگوں کو سرخی مائل سفید زمین پر جمع کیا جائے گا زمین میدے کی روٹی کی مانند ہوگی زمین پر کسی قسم کا ٹیلہ نہیں ہوگا۔“

((عَنِ الْمِقْدَادِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ تُدْ نَىْ الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْخَلْقِ حَتّٰى تَكُوْنَ مِنْهُمْ كَمِقْدَارِ مِيْلٍ فَيَكُوْنُ النَّا سُ عَلٰى قَدْرِ اَعْمَالِهِمْ فِىْ الْعَرَ قِ فَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُوْنُ اِلٰى كَعْبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُوْنُ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُوْنُ اِلٰى حَقْوَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يُّلْجِمُهُمُ الْعَرَقُ اِلْجَامًا وَاَشَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِيَدِهٖ اِلٰى فِيْهِ))[رواه مسلم : كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب فِى صِفَةِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَعَانَنَا اللّٰهُ عَلٰى أَهْوَالِهَا]

”حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے قیامت کے دن سورج لوگوں سے ایک میل کی مسافت پر ہوگا لوگوں کا پسینہ ان کے اعمال کے مطابق ہوگا بعض

لوگوں کے ٹخنوں تک' بعض کے گھٹنوں تک بعض کی کمر تک اور بعض کے منہ تک پسینہ ہوگا یہ بیان کرتے ہوئے رسولِ معظم ﷺ نے منہ کی طرف اشارہ کیا۔''

مسائل

۱۔ قیامت کے دن زمین وآسمان بدل دیے جائیں گے۔۲۔ تمام لوگ اللہ تعالیٰ واحد وقہار کے روبرو پیش ہوں گے۔

۳۔ قیامت کے دن مجرموں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا۔

۴۔ قیامت کے دن مجرموں کو گندھک کے کپڑے پہنائے جائیں گے۔

۵۔ مجرموں کے چہروں کو آگ ڈھانپ رہی ہوگی۔

۶۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔

۷۔ اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن مجرموں کا بُرا حال ہوگا:

۱۔ قیامت کے دن مجرموں کو باہم زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا۔(ابراہیم:۴۹)

۲۔ قیامت کے دن کفار کو طوق پہنا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔(الحاقۃ:۳۰۔۳۱)

۳۔ قیامت کے دن مجرموں کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھا رہی ہوگی۔(المعارج:۴۴)

۴۔ قیامت کے دن مجرموں کے اُبرو پاؤں کے انگوٹھے کے بال سے باندھ دیے جائیں گے۔(الرحمٰن:۴۱)

۵۔ اس دن آپ دیکھیں گے کہ مجرم اپنے سروں کو جھکائے پروردگار کے سامنے پیش ہوں گے۔(السجدۃ:۱۲)

۶۔ بے شک مجرم ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔(الزخرف:۷۴)

۷۔ قیامت کے دن مجرم گرم ہوا اور کھولتے ہوئے پانی اور سیاہ دھویں میں ہوں گے۔(الواقعۃ:۴۱۔۴۳)

۸۔ قیامت کے دن مجرموں کو دھکتی ہوئی آگ میں داخل کیا جائے گا۔(الغاشیۃ:۴)

۹۔ مجرموں کا کھانا تھور کا درخت ہوگا۔(الدخان:۴۳۔۴۴)

۱۰۔ مجرم تھور کے درخت سے اپنے پیٹ بھریں گے اور کھولتا ہوا پانی پئیں گے۔(الصّٰفّٰت:۶۶۔۶۷)

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا
یہ پیام ہے لوگوں کے لیے اور تا کہ وہ ڈرائے جائیں اس کے ذریعے سے اور تا کہ وہ جان لیں کہ صرف
هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٥٢﴾ ع
وہی معبود ہے ایک اور تا کہ نصیحت حاصل کریں والے عقل

’’یہ لوگوں کے لیے ایک پیغام ہے اور تا کہ انہیں اس کے ساتھ ڈرایا جائے اور تا کہ وہ جان لیں کہ حقیقت یہی ہے کہ اللہ ایک ہی حقیقی معبود ہے اور تا کہ عقل والے نصیحت حاصل کریں۔‘‘ (۵۲)

فہم القرآن

ربط کلام: انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرنے والوں کو دنیا و آخرت میں ان کا انجام ذکر کرنے کے بعد بتلایا ہے کہ قرآن مجید سب کے لیے بالخصوص عقل مندوں کے لیے خیر خواہی ہے جو تم تک پہنچ چکی ہے۔

اس سورہ مبارکہ کی پہلی آیت میں ارشاد فرمایا تھا کہ اے نبی ﷺ! ہم نے اس قرآن مجید کو آپ پر اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کو کفر و شرک کے اندھیروں اور ہر قسم کی جہالت سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی روشنی میں لا کھڑا کریں۔ کیونکہ یہی آپ کے رب کا بتلایا ہوا سیدھا راستہ ہے جو لوگ اس راستہ کی طرف نہیں آئیں گے ان کے لیے شدید ترین عذاب ہوگا۔ یہی پیغام موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دیا اور اسی کی دعوت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دی۔ لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ وہ ایک اللہ پر ایمان لائیں، اس کا حکم مانیں جو لوگ ایک اللہ کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر مشکل کشا اور حاجت روا تلاش کرتے اور آخرت کو بھول بیٹھے ہیں انہیں ان کے انجام سے ڈرائیں۔ نصیحت کی نعمت کو وہی لوگ پائیں گے جو حقیقی عقل سے بہرہ مند ہیں۔ گویا کہ آخرت کے لیے تیاری کرنا اور عقیدۂ توحید اپنانا اور اس کے تقاضے پورے کرنا عقل کی بات ہے۔ آخرت کو فراموش اور شرک کرنا پرلے درجے کی حماقت ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا بڑا مقصد اللہ تعالیٰ کی توحید بتلانا اور سمجھانا تھا:

﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا نُوْحِیْٓ إِلَيْهِ أَنَّهٗ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ [الانبیاء: ۲۵]

’’اور جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے اُن کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو۔‘‘

﴿كَمَآ أَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرة: ۱۵۱]

''جس طرح ہم نے تم میں سے رسول بھیجے جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور تمھیں پاک کرتے اور کتاب اور حکمت سکھلاتے اور ایسی باتیں بتاتے ہیں جو تم جانتے نہ تھے۔''

﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾[البقرة:١٦٣]

''اور تمھارا الٰہ ایک ہی الٰہ ہے اُس کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

﴿اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾[آل عمران:٢]

''اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ زندہ اور قائم ہے۔''

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ﴾[محمد:١٩]

''پس جان لو کہ بے شک اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور مومن مردوں، عورتوں کے لیے بھی معافی طلب کرو اللہ تمھارے چلنے پھرنے اور ٹھہرنے سے واقف ہے۔''

((عَنْ أَبِیْ یَعْلٰی شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا ثُمَّ تَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ))[رواہ ابن ماجة :باب ذِكْرِ الْمَوْتِ وَالِاسْتِعْدَادِ لَهٗ]

''حضرت ابویعلیٰ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کام آنے والے اعمال کرے۔ عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش کی امید رکھتا ہے۔''

مسائل

۱۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے نصیحت کا پیغام ہے۔ ۲۔ عقلمند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

۳۔ اللہ ایک ہی عبادت کے لائق اور سب کا حاجت روا، مشکل کشا ہے۔

تفسیر بالقرآن

عقلمندوں کا کردار:

۱۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے پیغام ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں عقلمند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ (ابراہیم:۵۲)

۲۔ نصیحت تو بس عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔ (آل عمران:۷)

۳۔ جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر نہیں ہو سکتے عقلمند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ (الزمر:۹)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی طرف نازل فرمایا ہے وہ حق ہے عقلمند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ (الرعد:۱۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف سورۃ الحجر

حجاز سے ملک شام کی طرف جانے والے راستہ پر حجر کا علاقہ پایا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام الحجر رکھا گیا ہے۔ جس کا ذکر اس سورت کی آیت ۸۰ میں موجود ہے۔

یہ سورت چھ رکوع اور ننانوے آیات پر مشتمل ہے۔ سورۃ الحجر مکہ معظمہ اور اس کے گردنواح میں نازل ہوئی۔ سورت کی ابتدا میں قرآن مجید کو روشن کتاب قرار دینے کے بعد کفار کو اس بات کا انتباہ کیا گیا ہے۔ کھاؤ، پیو اور عیش کرو۔ مگر عنقریب تمھیں اس بات کا پچھتاوا ہوگا کہ کاش! ہم مسلمان ہوتے یعنی اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان بنتے۔ انہیں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ قرآن مجید کی تکذیب کرنے اور نبی علیہ السلام کو مجنون قرار دینے کے باوجود تم پر اللہ تعالیٰ کی گرفت نازل نہیں ہوئی۔ تو یہ مہلت اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر فرد اور قوم کی اجل کا ایک وقت مقرر کررکھا ہے جو کسی کی نیکی یا نافرمانی کی وجہ سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتا۔ جہاں تک قرآن مجید کا منجانب اللہ ہونا اور اس کی سچائی کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ ہی نے اسے نازل فرمایا ہے اور وہی اس کی حفاظت کرے گا۔ درحقیقت تم لوگ جس قسم کی الزام تراشی اور مطالبے کرتے ہو اسی طرح کے الزمات اور مطالبے تم سے پہلے مجرم کر چکے ہیں۔ اس کے بعد آسمان کا ذکر ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے برج بنائے اور ستاروں کے ذریعے اسے خوبصورت بنایا ہے۔ ستارے ایک طرف آسمان کی خوبصورتی کا سبب ہیں اور دوسری طرف شیاطین کے لیے بھڑکتے ہوئے شعلوں کا کام دیتے ہیں۔ تیسرے رکوع میں یہ بیان کیا ہے کہ انسان کو کھڑکھڑانے والی اور بدبودار مٹی سے اور جنات کو آگ کی لپیٹ سے پیدا کیا گیا ہے، پھر موقع کی مناسبت سے آدم علیہ السلام کے سامنے ملائکہ کا سجدہ کرنا اور شیطان کا سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے لعین قرار پانا اور شیطان کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے قیامت تک اسے مہلت دینے کا تذکرہ ہوا ہے۔ اس بیان کے بعد قوم لوط کی تباہی کے لیے بھیجے جانے والے ملائکہ کے سفر کی روداد بیان کرتے ہوئے ان کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جانا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان کی مہمان نوازی کا اہتمام کرنا۔ ملائکہ کا کھانے سے انکار اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کی خوشخبری دینے کا ذکر ہے۔ بعدازاں ملائکہ کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچنا۔ ملائکہ کی آمد سے حضرت لوط علیہ السلام کا پریشان ہونا۔ ملائکہ کا حضرت لوط علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے یہ اعلان کرنا کہ صبح کے وقت آپ کی قوم کے مجرموں کو نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ سورۃ الحجر کے آخر میں قوم حجر کی ترقی اور تباہی کا ذکر کرتے ہوئے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ کو دنیا کی عیش و عشرت کی طرف توجہ دینے کی بجائے اپنے ساتھیوں کی طرف توجہ مبذول رکھنی چاہیے۔ جہاں تک آپ کے مخالفوں کا تعلق ہے ان سے اعراض فرمائیں۔ کیونکہ مذاق اُڑانے والوں کے مقابلے میں آپ کا رب آپ کے لیے کافی ہے۔ آپ کا رب جانتا ہے کہ ان کے الزامات اور استہزا کی وجہ سے آپ کا دل غمگین ہوتا ہے۔ آپ کو نصیحت کی جاتی ہے کہ آپ اپنے مخالفوں کی طرف توجہ دینے کی بجائے اپنے رب کی عبادت میں مصروف ہوجایا کریں۔ یہ کام آپ نے اپنی موت تک کرتے رہنا ہے۔

سُورَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوعَهَا ۶ اٰيَاتُهَا ۹۹

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

مُّبِيْنٍ ①	وَقُرْاٰنٍ	الْكِتٰبِ	اٰيٰتُ	تِلْكَ	الٓرٰ قف
واضح کی	اور قرآن	کتاب کی	آیتیں ہیں	یہ	الر

''الر۔ یہ کتاب اور واضح قرآن کی آیات ہیں۔'' (۱)

فہم القرآن

الم۔حروفِ مقطعات میں سے ہیں۔جن کے بارے میں پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ان کا حقیقی علم اور مفہوم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ بھی کسی کو معلوم نہیں کہ جن سورتوں کے شروع میں مقطعات لائے گئے ہیں اس میں کیا حکمت پنہاں ہے۔ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا ایمان ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جن سورتوں کی ابتداء حروفِ مقطعات سے کی ہے۔اس میں کوئی خاص حکمت مضمر ہے۔جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔سورۃ الحجر کی ابتدا بھی حروفِ مقطعات سے ہوئی۔ارشاد ہوتا ہے: یہ کتابِ الٰہی ہے جس کا نام قرآن مجید ہے۔یہ ایسی کتاب ہے جو اپنے احکام بالکل واضح طور پر بیان کرتی ہے۔

قرآن مجید کے بدترین مخالفوں کا اعتراف:

ڈاکٹر گستاد لی بان نے اپنی کتاب ''تمدنِ عرب'' میں قرآن کی حیرت انگیزی کا اعتراف کیا، ان کے الفاظ یہ ہیں:
''پیغمبر نبی اُمّی اسلام کی ایک حیرت انگیز سرگزشت ہے، جس کی آواز نے ایک قوم ناہنجار کو جو اس وقت تک کسی ملک کے زیرِ حکومت نہ آئی تھی رام کیا، اور اس درجہ پر پہنچا دیا کہ اس نے عالم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیروزبر کر ڈالا۔''

مسٹر وڈول جو قرآن مجید کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا لکھتا ہے:
''جتنا بھی ہم اس کتاب یعنی قرآن کو الٹ پلٹ کر دیکھیں اسی قدر پہلے مطالعہ میں اس کی مرغوبیت نئے نئے پہلوؤں سے اپنا رنگ جماتی ہے، فوراً ہمیں مسخر اور متحیر کر دیتی ہے اور آخر میں ہم سے تعظیم کرا کر چھوڑتی ہے، اس کا طرزِ بیان باعتبار اس کے مضامین کے، عفیف، عالی شان اور تہدید آمیز ہے اور جا بجا اس کے مضامین سخن کی غایت رفعت تک پہنچ جاتے ہیں، غرض یہ کتاب ہر زمانہ میں اپنا پرزور اثر دکھاتی رہے گی۔''
(فہم القرآن جلد اول صفحہ ۶۵)

مسائل

۱۔ قرآن مجید ایک واضح کتاب ہے۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ②

بسا اوقات وہ چاہتا ہے لوگ انہوں نے کفر کیا کاش کہ وہ تھے مسلمان

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ

آپ انہیں چھوڑ دیں وہ کھاتے ہیں اور وہ فائدہ اٹھاتے ہیں اور وہ انہیں غفلت میں ڈالتا ہے امید چنانچہ عنقریب

يَعْلَمُوْنَ ③ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ

وہ جان لیں گے اور نہیں ہم نے ہلاک کیا سے بستی مگر اور اس کے لیے لکھی ہوئی

مَّعْلُوْمٌ ④ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ⑤

مقرر نہیں وہ آگے نکلتی ہے سے امت اس کا مقررہ وقت اور نہ وہ پیچھے رہتے ہیں

”وقت آئے گا وہ لوگ جو کافر ہوئے چاہیں گے، کاش! وہ مسلمان ہوتے۔“ (۲) ”انہیں چھوڑ دیں وہ، کھائیں اور فائدہ اٹھائیں تاکہ ان کی امیدیں ان کو غافل رکھیں چنانچہ عنقریب وہ جان لیں گے۔“ (۳) ”اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس لیے کہ اس کا وقت لکھا ہوا تھا۔“ (۴) ”کوئی امت اپنے وقت سے نہ آگے نکل سکتی ہے اور نہ وہ پیچھے رہ سکتی ہے۔“ (۵)

فہم القرآن

ربط کلام: اگر کفار ایمان نہیں لاتے تو انہیں کھلے الفاظ میں انتباہ کیا جاتا ہے کہ وقت آئے گا کہ انہیں مسلمان نہ ہونے پر پچھتاوا ہوگا۔

اے نبی ﷺ! آپ کے اخلاص اور جہدِ مسلسل کے باوجود یہ لوگ اپنے رب کی خالص بندگی کرنے اور آپ کی رسالت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تو ان سے الجھنے کی بجائے ان کو ان کی حالت پر چھوڑتے ہوئے فرما دیجیے: اے حق کا انکار کرنے والو! تم کھاؤ، پیو اور عیش اڑاؤ۔ اپنے خوبصورت سپنوں اور امیدوں میں مگن رہو۔ لیکن یاد رکھنا وقت آئے گا کہ یہ خواب ایک دن چکنا چور ہو جائیں گے اور جس ذاتِ کبریا کا تم انکار کرتے ہو قیامت کے دن اس کے سامنے تمہیں حاضر ہو کر اپنے اعمال کا انجام پانا ہوگا۔ جہاں تک ان کے اصرار اور تکرار کا تعلق ہے کہ ان کی بغاوت اور نافرمانیوں کے باوجود ان کا احتساب کیوں نہیں ہو رہا، انہیں فرمائیں یہ تاخیر اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے ضابطے کے عین مطابق ہے۔ اس نے ہر قوم کے مواخذے کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ جب اس قوم کی ہلاکت کا وقت آتا ہے تو اس میں لمحہ بھر کی تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی۔ وہ وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں لوحِ محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔ جب کسی قوم کی ہلاکت کا وقت آتا ہے۔ تو وہ لوگ حسرت و افسوس کا اظہار کرتے ہوئے صدائیں دیتے ہیں کہ کاش ہم اس سے پہلے اپنے رب کے تابع فرمان ہو جاتے۔ لیکن اس وقت ان کی آہ وزاریاں انہیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتیں۔

﴿فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ

هُنَالِکَ الْکَافِرُوْنَ ﴾[المومن:۸۵]

''جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے تو ان کے ایمان میں انھیں کچھ فائدہ نہ دیا یہ اللہ کا طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں چلا آتا ہے اور وہاں کافر خسارے میں رہیں گے۔''

لوح محفوظ میں ہر چیز لکھی ہوئی ہے:

((عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ کَتَبَ اللّٰہُ مَقَادِیْرَ الْخَلَآئِقِ قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ قَالَ وَکَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَاءِ))

[رواہ مسلم: باب حِجَاجِ آدَمَ وَمُوْسٰی علیہما السلام]

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوق کی تقدیریں لکھ دیں تھیں اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا۔''

((عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ دُعِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِلٰی جَنَازَۃِ صَبِیٍّ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ طُوْبٰی لِھٰذَا عُصْفُوْرٌ مِّنْ عَصَافِیْرِ الْجَنَّۃِ لَمْ یَعْمَلِ السُّوْٓءَ وَلَمْ یُدْرِکْہُ فَقَالَ اَوَغَیْرُ ذٰلِکَ یَا عَائِشَۃُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ لِلْجَنَّۃِ اَھْلًا خَلَقَھُمْ لَھَا وَھُمْ فِیْٓ اَصْلَابِ اٰبَآئِھِمْ وَخَلَقَ لِلنَّارِ اَھْلًا خَلَقَھُمْ لَھَا وَھُمْ فِیْٓ اَصْلَابِ اٰبَآئِھِمْ)) [رواہ مسلم: باب مَعْنٰی کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسول محترم ﷺ کو انصار کے ایک بچے کے جنازے کے لیے بلایا گیا میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اس بچے کے لیے خوشی ہے یہ تو جنت کے پرندوں سے ایک پرندہ ہے اس نے کوئی برا کام نہیں کیا اور نہ ہی اس نے اس کی مہلت پائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا عائشہ! حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے لیے کچھ لوگوں کو پیدا فرمایا وہ اسی کے لیے پیدا ہوئے جبکہ وہ اپنے آباء کی پشت میں تھے اور کچھ لوگوں کو دوزخ کے لیے پیدا فرمایا اور وہ دوزخ کے لیے ہی پیدا ہوئے جب وہ اپنے آباء کی پشت میں تھے۔''

مسائل

۱۔ قرآن مجید واضح کتاب ہے۔ ۲۔ کافر قیامت کے دن تمنا کریں گے کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں کفار کو مہلت دیتا ہے۔ ۴۔ کوئی قوم اپنے مقررہ وقت سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔

تفسیر بالقرآن

مجرموں کا افسوس کرنا:

۱۔ عذاب کے وقت کفار کا حسرت وافسوس کرنا۔ (البقرۃ:۱۶۷) ۲۔ موت کے وقت آہ وزاریاں کرنا۔ (المومنون:۹۹)

۳۔ محشر کے میدان میں حسرت وافسوس کا اظہار کرنا۔ (النباء:۴۰) ۴۔ جہنم میں ان کا آہ وبکا کرنا۔ (فاطر:۳۷)

وَقَالُوْا	يٰۤاَيُّهَا	الَّذِیْ	نُزِّلَ	عَلَيْهِ	الذِّكْرُ	اِنَّكَ
اور انہوں نے کہا	اے	وہ	نازل کیا گیا	اس پر	ذکر	یقیناً تو

لَمَجْنُوْنٌ ۝	لَوْ	مَا	تَاْتِيْنَا	بِالْمَلٰٓئِكَةِ	اِنْ	كُنْتَ
ضرور پاگل	کیوں	نہیں	لے آتا تو ہمارے پاس	ساتھ فرشتوں کے	اگر	تو تھا

مِنَ	الصّٰدِقِيْنَ ۝	مَا	نُنَزِّلُ	الْمَلٰٓئِكَةَ	اِلَّا	بِالْحَقِّ
سے	سچے	نہیں	ہم نازل کرتے	فرشتے	مگر	حق کے ساتھ

وَمَا	كَانُوْۤا	اِذًا	مُّنْظَرِيْنَ ۝
اور نہیں	تھے وہ	اس وقت	مہلت دلیے گئے

''انہوں نے کہا جس شخص پر قرآن نازل کیا گیا یقیناً وہ پاگل ہے۔'' (۶) ''ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں لے آتا، اگر سچوں میں سے ہے۔'' (۷) ''ہم فرشتوں کو نہیں نازل کرتے مگر حق کے ساتھ اور اس وقت وہ مہلت نہیں دیے جاتے۔'' (۸)

فہم القرآن

ربط کلام: حق کا انکار اور دنیا پرستی کی وجہ سے لوگ انبیاءِ کرام علیہم السلام کو مجنوں کہا کرتے تھے۔

حق کے منکر اور دنیا پرست لوگوں کے سامنے دنیا کی جاہ وحشمت، وسائل اور ترقی ہی سب کچھ ہوا کرتی ہے۔ وہ انبیاء علیہم السلام اور مصلحین حضرات کو پاگل قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ انبیاء کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کے مقابلے میں آخرت کو مقدم سمجھا جائے۔ ظاہر ہے یہ بات دنیا پرست شخص کو کسی صورت گوارا نہیں ہوتی۔ اس لیے حق کے منکر اور دنیا پرست لوگ درج ذیل وجوہات کی بناء پر انبیاءِ کرام علیہم السلام کو پاگل کہا کرتے تھے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء علیہم السلام دنیا میں مبعوث فرمائے وہ نبوت سے پہلے اپنی برادری اور قوم میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ لیکن جونہی وہ حق کی دعوت لے کر اٹھے۔ معاشرے میں احترام کی بجائے انہیں نفرت کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا۔ اس بناء پر دنیا دار لوگ انہیں پاگل قرار دیتے کہ یہ کیسا شخص ہے؟ کہ بنی بنائی عزت برباد کر بیٹھا ہے۔

۲۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنے مشن میں انتہا درجہ مخلص ہوا کرتے تھے۔ اس لیے وہ شب وروز اس کام میں مصروف رہتے۔ جس بناء پر انہیں مالی نقصان اٹھانا پڑتا۔ یہاں تک کہ وہ کئی کئی دن بھوکے رہ کر بھی اپنا کام جاری رکھتے۔ اس وجہ سے دنیا دار لوگ انھیں مجنون کہتے تھے۔

۳۔ انبیاءِ کرام ؑ دعوتِ حق کی خاطر کئی قسم کے الزامات برداشت کرتے۔ یہاں تک کہ بے شمار انبیاء ؑ قتل کر دیے گئے۔ دنیا پرست لوگ ان کی موت پر یہ تبصرہ کرتے کہ اس شخص نے خواہ مخواہ لوگوں کی دشمنی مول لی اور اپنے آپ کو ہلاک کر لیا۔ پہلے انبیاء کرام ؑ کی طرح سرور دو عالم ﷺ بھی دعوتِ حق کی خاطر ہر قسم کا نقصان اٹھانے اور دشمنی مول لیتے ہوئے دن رات ایک کیے ہوئے تھے۔ جس بناء پر لوگ آپ ﷺ کو پاگل کہتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ حق کے ابلاغ کے لیے دن رات کام کرتے تھے۔ جب لوگ آپ کی دعوت اور اخلاص کا مقابلہ نہ کر پائے تو انہوں نے یہ مطالبہ کر ڈالا کہ ہم اس وقت اس کی نبوت کو تسلیم نہیں کریں گے جب تک کوئی فرشتہ اس کی تائید اور تصدیق کے لیے ہمارے پاس نہیں آئے گا۔ یاد رہے اس بات میں بھی کفار کا موقف ایک نہیں رہتا تھا۔ ایک وقت میں یہ مطالبہ کرتے کہ اس نبی کو انسان کے بجائے فرشتہ ہونا چاہیے تھا۔ جب اس کا یہ جواب دیا گیا کہ اگر زمین میں بسنے والے لوگ فرشتے ہوتے تو ان کے لیے نبی بھی فرشتہ بھیجا جاتا۔ کیونکہ زمین میں بسنے والے انسان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سہولت اور راہنمائی کے لیے انسان کو ہی نبی مبعوث فرمایا ہے جب اس دلیل کے سامنے لاجواب ہوتے تو پھر یہ مطالبہ کرتے کہ اس کی تائید کے لیے ہمارے پاس فرشتہ آنا چاہیے۔ جس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جب فرشتے نازل ہوتے ہیں تو پھر حق کا انکار کرنے والوں کو مزید مہلت دینے کے بجائے ان کا صفایا کر دیا جاتا ہے۔

مسائل

۱۔ کفار آپ ﷺ کو مجنوں کہا کرتے تھے۔ ۲۔ کفار آپ ﷺ سے فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کرتے تھے۔

۳۔ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھیج دیتا ہے تو پھر کسی کو مہلت نہیں ملتی۔

تفسیر بالقرآن

حق کا انکار کرنے والوں پر جب فرشتے نازل ہوئے تو ان کا صفایا کر دیا گیا:

۱۔ ہم نہیں اتارتے فرشتوں کو مگر حق کا فیصلہ کرنے کے لیے اور اس وقت ان کو مہلت نہیں دی جاتی۔ (الحجر:۸)

۲۔ اگر ہم فرشتے اتار دیتے تو قصہ ختم ہو جاتا اور انہیں مہلت نہ دی جاتی۔ (الانعام:۸)

۳۔ جب قومِ لوط پر فرشتے آئے۔ تو اللہ نے انہیں ملیامیٹ کر دیا۔ (ہود:۸۱تا۸۳)

۴۔ زمین پر بسنے والے انسان ہیں اس لیے ''اللہ'' نے انسان ہی پیغمبر مبعوث فرمائے۔ (بنی اسرائیل:۹۵)

۵۔ کیا وہ اس انتظار میں ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا تیرا پروردگار آئے یا اس کی بعض آیات آئیں جس دن اس ہو گیا تو پھر کسی کو اس کا ایمان فائدہ نہیں دے گا۔ (الانعام:۱۵۸)

اِنَّا	نَحْنُ	نَزَّلْنَا	الذِّكْرَ	وَاِنَّا	لَهٗ	لَحٰفِظُوْنَ ۝	
یقیناً ہم	ہم	ہم نے نازل کیا	قرآن	اور یقیناً ہم	اس کیلیے	ضرور حفاظت کرنے والے	
وَلَقَدْ	اَرْسَلْنَا	مِنْ	قَبْلِكَ	فِيْ	شِيَعِ	الْاَوَّلِيْنَ ۝	
اور البتہ تحقیق	ہم نے بھیجا	سے	آپ سے پہلے	میں	گروہوں	پہلے	
وَمَا	يَاْتِيْهِمْ	مِّنْ	رَّسُوْلٍ	اِلَّا	كَانُوْا	بِهٖ	
اور نہیں	وہ آتا ہے ان کے پاس	سے	رسول	مگر	تھے وہ	اس کے ساتھ	
يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝	كَذٰلِكَ	نَسْلُكُهٗ	فِيْ	قُلُوْبِ	الْمُجْرِمِيْنَ ۝		
وہ مذاق کرتے ہیں	اسی طرح	ہم داخل کرتے ہیں اس کو	میں	دل	مجرموں		

''یقیناً ہم ہی نے قرآن نازل کیا ہے اور ہم اس کی ہر صورت حفاظت کرنے والے ہیں۔'' (۹) ''اور تحقیق ہم نے آپ سے پہلے گروہوں میں بھی رسول بھیجے۔'' (۱۰) ''اور ان کے پاس جو رسول آیا انہوں نے اس کے ساتھ مذاق کیا۔'' (۱۱) ''اسی طرح ہم یہ بات مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیتے ہیں۔'' (۱۲)

فہم القرآن

ربط کلام: سرورِ دو عالم ﷺ کی مخالفت قرآن مجید کی بناء پر تھی۔ اس لیے قرآن کے مخالفوں کو بالخصوص بتلایا گیا ہے کہ تم جو چاہو کر گزرو قرآن مجید ہمیشہ باقی رہے گا۔

سرورِ دو عالم ﷺ کے ساتھ لوگوں کی مخالفت کا بنیادی سبب آپ ﷺ کا نبوت کا اعلان تھا۔ ورنہ مخالفت کرنے والے لوگ آپ ﷺ کو ''الصادق'' اور ''الامین'' کہتے تھے۔ مگر جونہی قرآن مجید نازل ہوا اور آپ نے اسے لوگوں تک پہنچایا تو مکہ کے لوگوں کی اکثریت روز بروز مخالفت میں بڑھتی ہی چلی گئی۔ وہ اس بات کا مطالبہ کرتے کہ اس قرآن کی بجائے کوئی اور قرآن ہمارے سامنے پڑھا جائے۔ کبھی یہ کہتے قرآن مجید کے فلاں فلاں حصے کو تبدیل کر دیا جائے۔ جب ان کے یہ مطالبات مسترد کر دیے گئے تو انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ قرآن مجید کے نور کو بجھا دیا جائے۔ جس پر یہ اعلان ہوا کہ کافر اور مشرک چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو بجھا دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر رکھا ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا۔ بے شک یہ بات کفار کے لیے کتنی ہی تکلیف دہ کیوں نہ ہو۔ (الصّف: ۸)

اس مقام پر قرآن مجید کو ''اَلذِّكْرُ'' قرار دے کر فرمایا ہے کہ ہم نے اسے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان کے مطابق نہ صرف ہمیشہ کے لیے قرآن مجید کی حفاظت کا بندوبست فرمایا بلکہ نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جو قرآن مجید کی تشریح حدیث مبارکہ کی صورت میں فرمائی اسے بھی قیامت تک کے لیے محفوظ فرما دیا گیا ہے۔

عرب میں پڑھنے لکھنے کا رواج بہت ہی کم تھا۔ مذہبی' ثقافتی اور تجارتی مرکز ہونے کے باوجود مکہ میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد تقریباً بیس سے زیادہ نہ تھی اور یہ بھی معمولی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ شدید علمی بحران اور پڑھائی لکھائی کا رواج نہ ہونے کے باوجود نبی معظم ﷺ نے اس بات کا اہتمام فرمایا کہ جوں ہی قرآن مجید کا کوئی حصہ نازل ہوتا اسے اپنی نگرانی میں مرتب کرواتے کاغذ کی عدم دستیابی کی وجہ سے قرآن مجید کو ہڈی' لکڑی' پتھر یہاں تک کہ بعض درختوں کے پتے اس طریقے سے تیار کیے جاتے کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا جیسا کہ پرانے زمانے کے کتبات اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اس طرح مکمل قرآن مجید مختلف کتبات کی شکل میں محفوظ کرلیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ حفظِ قرآن اور اس کی تبلیغ کا سلسلہ اس طرح ٹھوس بنیادوں پر شروع کیا گیا جو قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔ تاہم کتابی شکل میں قرآن مجید اس وقت مرتب ہوا جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں یمامہ کے مقام پر مسیلمہ کذّاب کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقابلہ ہوا۔ تحفظ ختم نبوت کے اس معرکہ میں دوسرے شہداء کے ساتھ تقریباً سات سو حفاظ صحابہ شہید ہوئے (القرطبی) اس سانحہ سے متاثر ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفۃ المسلمین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اگر حفاظ کرام اسی طرح شہید ہوتے رہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ امت قرآن مجید کے کچھ حصہ سے محروم ہو جائے۔ میری درخواست ہے کہ قرآن مجید کو کتابی شکل میں یکجا کر دیا جائے۔ ابتداءً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے یہ کہہ کر معذرت کی کہ چونکہ رسولِ کریم ﷺ نے اس طرح کرنے کا حکم نہیں دیا لہٰذا ہمیں یہ کام نہیں کرنا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بار بار توجہ دلانے پر بعد ازاں آمادہ ہوئے تو انہوں نے کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید جمع کرنے کی ہدایت فرمائی بالآخر قرآن مجید ایک نسخہ کی شکل میں مرتب کر دیا گیا۔ جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی وفات کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ تھا۔ (بخاری: کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں عراق اور دوسرے ممالک میں قرآن مجید کے لہجہ اور تلفظ میں اختلاف رونما ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قریش کی کتابت اور لغت میں قرآن مجید کی متعدد نقول تیار کروا کر مملکتِ اسلامیہ کے دور دراز علاقوں میں ارسال فرما دیں۔ چنانچہ جو قرآنِ مجید ربِ عظیم نے اپنے رسولِ کریم ﷺ پر نازل فرمایا تھا من وعن کسی تحریف اور تغیر و تبدل کے بغیر اب تک محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ و موجود رہے گا جس کی تصدیق اسلام کے بدترین دشمن ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا' بحوالہ ضیاء القرآن)

"THIS RECENSION OF UTHMAN THUS BECAME THE ONLY STANDARD TEXT FOR THE WHOLE MUSLIM WORLD UP TO THE PRESENT DAY."

جو قرآن مجید اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ بعینہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی

معرفت اپنے رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اسے موجودہ ترتیب کے مطابق لکھوایا، صحابہ رضی اللہ عنہم کو یاد کرایا اور خود پڑھا۔

﴿ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴾ [القيامة: ۱۷]

''بے شک ہماری ذمہ داری ہے اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھانا۔''

جمع وترتیب:

صحیح بخاری میں ہے کہ جب آیت ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ﴾ نازل ہوئی تو رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اُدْعُ لِيْ زَيْدًا وَلْيَجِيْءْ بِاللَّوْحِ وَالدَّوَاةِ وَالْكَتِفِ)) [رواه البخاری : كتاب فضائل القرآن]

''زید کو میرے پاس بلاؤ کہ وہ دوات اور شانہ کی ہڈی لے کر حاضر ہو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ اور سبب تفصیل کے ساتھ سیرت کی تمام کتب میں درج ہے کہ وہ اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر گئے اور ان کو لکھا ہوا قرآن پڑھتے ہوئے پایا تو کہنے لگے:

((اَعْطُوْنِي الْكِتٰبَ الَّذِيْ عِنْدَكُمْ اَقْرَأْهُ)) [دارقطنی]

''جو قرآن تمہارے پاس ہے اسے لاؤ تاکہ میں اسے پڑھوں۔''

((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ مِمَّا تَنَزَّلُ عَلَيْهِ الْآيَاتُ فَيَدْعُوْ بَعْضَ مَنْ كَانَ لَهٗ يَكْتُبُ لَهٗ وَيَقُوْلُ لَهٗ ضَعْ هٰذِهِ الْاٰيَةَ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَكَذَا)) [رواه ابوداؤد: كتاب الصلوة]

''جب نبی ﷺ پر آیات اترتیں تو کاتبِ وحی کو بلا کر فرماتے اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں جگہ لکھو۔''

مسائل

۱۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ ۲۔ قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں قیامت تک ردوبدل نہیں ہوسکتا:

۱۔ قرآن مجید کو ہم نے نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔(الحجر:۹)

۲۔ اللہ کے کلمات تبدیل نہیں ہوسکتے۔(یونس:۶۴)

۳۔ فرما دیجیے کہ میرے پاس کوئی اختیار نہیں کہ میں اس قرآن میں کسی قسم کی تبدیلی کردوں۔(یونس:۱۵)

۴۔ اپنے پروردگار کی کتاب جو تمھارے پاس بھیجی گئی ہے اسے پڑھتے رہا کرو اور کوئی اسے بدل نہیں سکتا۔(الکہف:۲۷)

لَا	يُؤْمِنُوْنَ	بِهٖ	وَقَدْ	خَلَتْ	سُنَّةُ	الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾
نہیں	وہ ایمان لاتے ہیں	اس کے ساتھ	اور تحقیق	وہ گزر چکی	طریقہ	پہلے
وَلَوْ	فَتَحْنَا	عَلَيْهِمْ	بَابًا	مِّنَ	السَّمَآءِ	فَظَلُّوْا
اور اگر	ہم نے کھول دیا	ان پر	دروازہ	سے	آسمان	تو وہ ہو گئے
فِيْهِ	يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾	لَقَالُوْٓا	اِنَّمَا	سُكِّرَتْ	اَبْصَارُنَا	
اس میں	وہ چڑھتے ہیں	البتہ وہ کہیں گے	صرف	بند کر دی گئی	ہماری نظریں	
بَلْ	نَحْنُ	قَوْمٌ	مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾			
بلکہ	ہم	لوگ	جادو کیے ہوئے			

''وہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ یقیناً یہی پہلے لوگوں کا طریقہ رہا ہے۔''(۱۳)''اگر ہم ان پر آسمان سے کوئی دروازہ کھول دیں، پس وہ اس میں چڑھیں۔''(۱۴)''یقیناً یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھیں بند کر دی گئی ہیں، بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔''(۱۵)

فہم القرآن

ربط کلام: تحفظ اور ضبطِ قرآن کی گارنٹی دینے کے بعد رسول محترم ﷺ کو تسلی اور تشفی دی گئی ہے۔

سرورِ دو عالم ﷺ کو اس بات کی تسلّی دینے کے بعد کہ جس قرآن مجید کی یہ لوگ مخالفت کرتے ہیں وہ تو ہمیشہ رہے گا۔ جس کا دوسرے الفاظ میں معنٰی یہ ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ اپنا کام اطمینان کے ساتھ کرتے جائیں کیونکہ آپ کا کام اور پیغام ہمیشہ رہے گا اور ان لوگوں کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ ہم نے آپ سے پہلی اقوام کی طرف بھی رسول بھیجے اور انہوں نے اپنے رسولوں کو استہزاء کا نشانہ بنایا۔ اس رویہ کی پاداش میں وہ جرائم میں آگے ہی بڑھتے گئے۔ یہی حالت آپ ﷺ کے مخالفین کی ہے۔ یہ بھی پہلے لوگوں کی روش اختیار کرتے ہوئے ایمان نہیں لائیں گے۔ گویا کہ بعدِ زمانی کے باوجود ان کے دل اور کردار ایک جیسے ہو گئے ہیں۔ اگر ہم ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیں اور یہ ان میں داخل ہو جائیں۔ سب کچھ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنے کے باوجود کہیں گے کہ جو کچھ ہم نے دیکھا وہ دھوکے اور جادو کے سوا کچھ نہیں ہے۔

چاند کا دوٹکڑے ہونا:

((عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہما قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِرْقَتَيْنِ، فِرْقَةً فَوْقَ الْجَبَلِ وَفِرْقَةً دُوْنَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اشْهَدُوْا))[رواہ البخاری: باب (وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوْا)]

’’حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں شق قمر کا واقعہ پیش آیا۔ چاند کے دو ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا پہاڑ پر گرا اور ایک ٹکڑا اُس کے علاوہ تھا آپ ﷺ نے فرمایا لوگو! گواہ ہو جاؤ۔‘‘

معراج کا واقعہ اور مسجدِ اقصیٰ کا نقشہ:

آپ ﷺ معراج سے تشریف لائے تو کفار نے اسے یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ ایک مہینہ کا سفر رات کے کچھ حصہ میں کس طرح طے ہو سکتا ہے۔ اگر آپ واقعی مسجد اقصیٰ میں گئے ہیں تو اسکی نشانیاں بتلائیں؟ آپ نے ایک ایک کر کے اس کی نشانیاں بتلا دیں لیکن پھر بھی کفار نے معراج کا انکار کیے رکھا۔

((عَنْ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ لَمَّا كَذَّبَنِي قُرَيْشٌ قُمْتُ فِي الْحِجْرِ ، فَجَلَّى اللّٰهُ لِي بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَطَفِقْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ))
[رواه البخاری:باب قَوْلِهِ (أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ)

’’حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا جب کفار نے واقعہ معراج کے سلسلہ میں میری تکذیب کی تو میں مقام حجر میں کھڑا ہوا۔ اللہ نے بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا میں نے اس کی طرف دیکھ کر اس کی ساری نشانیاں بتلا دیں۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے پہلے بھی پیغمبر مبعوث فرمائے تھے۔ ۲۔ کفار انبیاء کا مذاق اڑاتے تھے۔

۳۔ اکثریت اپنے بڑوں کے طور طریقوں کو اپناتی ہے۔ ۴۔ کچھ لوگ معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔

۵۔ کفار معجزات کو جادو سمجھتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

کفار کے انبیاء علیہم السلام پر الزامات:

۱۔ اگر ہم ان کے لیے آسمان سے کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ اس میں سے چڑھ جائیں تو کہیں گے ہماری آنکھیں بند کر دی گئی ہیں۔ بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ (الحجر:۱۴۔۱۵)

۲۔ آلِ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام پر جادو کا الزام لگایا۔ (القصص:۳۶)

۳۔ کفار تمام انبیاء کو جادوگر اور دیوانہ قرار دیتے تھے۔ (الذاریات:۵۲)

۴۔ کفار نے نبی اکرم ﷺ کو جادوگر قرار دیا۔ (الصّف:۶) ۵۔ کفار نے قرآن کو جادو قرار دیا۔ (سبا:۴۳)

۶۔ کفار نے نبی اکرم ﷺ کو سحر زدہ یعنی جس پر جادو کر دیا گیا ہو بھی قرار دیا۔ (الفرقان:۸)

وَلَقَدۡ	جَعَلۡنَا	فِي	السَّمَآءِ	بُرُوۡجًا	وَّزَيَّنّٰهَا	لِلنّٰظِرِيۡنَ ۝۱۶
اور البتہ تحقیق	ہم نے بنایا	میں	آسمان	برج	اور ہم نے اسے خوبصورت بنایا	دیکھنے والوں کے لیے

وَ	حَفِظۡنٰهَا	مِنۡ	كُلِّ	شَيۡطٰنٍ	رَّجِيۡمٍ ۝۱۷	اِلَّا
اور	ہم نے اس کی حفاظت کی	سے	ہر	شیطان	مردود	مگر

مَنِ	اسۡتَرَقَ	السَّمۡعَ	فَاَتۡبَعَهٗ	شِهَابٌ	مُّبِيۡنٌ ۝۱۸
جو	اس نے چوری کرلیا	سننا	پھر اس کے پیچھے لگا	شعلہ	واضح

''اور یقیناً ہم نے آسمان میں برج بنائے اور اسے دیکھنے والوں کے لیے خوبصورت بنایا ہے۔''(۱۶)''اور اس کی ہر شیطان مردود سے حفاظت کی ہے۔''(۱۷)''مگر جو سنی ہوئی بات چرالے تو ایک روشن شعلہ اس کا تعاقب کرتا ہے۔''(۱۸)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآن مجید آسمان سے نازل کیا گیا ہے۔اس لیے مناسب سمجھا کہ آسمان کے نظام کا مختصر ذکر کیا جائے۔

خالق کائنات کا ارشاد ہے کہ ہم نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے خوبصورت بنایا اور شیطان مردود سے انہیں محفوظ کر دیا۔اگر کوئی شیطان چوری چھپے سنا چاہے تو ایک روشن اور بھڑکتا ہوا شعلہ اس کا تعاقب کرتا ہے۔ پرانے زمانے کے اہل ہیئت یعنی فلکیات کا علم رکھنے والے لوگوں نے آسمان دنیا کے بارہ برج متعین کر رکھے ہیں مگر قرآن مجید کے بروج سے مراد وہ برج نہیں ہیں۔ بروج سے مراد کچھ اہل علم نے پہلے آسمان کے دروازے لیے ہیں۔جن دروازوں کے ذریعے ملائکہ زمین پر اترتے اور پھر آسمان میں داخل ہوتے ہیں۔قرآن مجید کے الفاظ سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ہوسکتا ہے کہ بروج سے مراد آسمان کے دروازوں میں ڈیوٹی دینے والے چوکیدار ملائکہ ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے شہابِ ثاقب کی صورت میں اسلحہ دے رکھا ہو جن سے وہ شیاطین کو بھگاتے ہیں۔ اکثر علماء نے بروج سے مراد ستارے اور سیارے لیے ہیں۔جن سے آسمان کو خوبصورت اور محفوظ بنایا گیا ہے۔سرورِ دو عالم ﷺ سے برج کے بارے میں ہمیں کوئی وضاحت نہیں ملتی۔البتہ آپ ﷺ نے آسمان کی حفاظت اور شیاطین کے تعاقب کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔(رواہ البخاری: کتاب التفسیر سورۃ سبا)

''شھاب مبین '' کے لغوی معنی'' روشن شعلہ'' کے ہیں۔دوسری جگہ قرآن مجید میں اس کے لیے''شہاب ثاقب'' کا لفظ استعمال ہوا ہے،یعنی''تاریکی کو چھیدنے والا شعلہ۔''اس سے مراد ضروری نہیں کہ وہ ٹوٹنے والا تارہ ہی ہو جسے ہماری زبان میں شہاب ثاقب کہا جاتا ہے۔ممکن ہے کہ یہ شعاعیں ہوں،مثلاً کائناتی شعاعیں(Cosmic Rays) یا ان سے بھی زیادہ شدید قسم کی کوئی چیز جو ابھی ہمارے علم میں نہ آئی ہو۔یہ بھی ممکن ہے کہ یہی شہاب ثاقب مراد ہوں جنہیں کبھی کبھی ہماری

آنکھیں زمین کی طرف گرتے ہوئے دیکھتی ہیں۔ زمانۂ حال کے مشاہدات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ دوربین سے دکھائی دینے والے شہابِ ثاقب جوفضائے بسیط سے زمین کی طرف آتے نظر آتے ہیں، ان کی تعداد کا اوسط ۱۰ کھرب روزانہ ہے، جن میں سے دو کروڑ کے قریب ہر روز زمین کے بالائی خطے میں داخل ہوتے ہیں اور بمشکل ایک زمین کی سطح تک پہنچتا ہے۔ ان کی رفتار بالائی فضا میں کم وبیش ۲۶ میل فی سیکنڈ ہوتی ہے جو بسا اوقات ۵۰ میل فی سیکنڈ تک دیکھی گئی ہے۔ بارہا ایسا بھی ہوا ہے کہ برہنہ آنکھوں نے بھی ٹوٹنے والے تاروں کی غیر معمولی بارش دیکھی ہے۔ چنانچہ یہ چیز ریکارڈ پر موجود ہے کہ ۱۳ نومبر ۱۸۳۳ء کو شمالی امریکہ کے مشرقی علاقے میں صرف ایک مقام پر نصف شب سے لے کر صبح تک ۲ لاکھ شہابِ ثاقب گرتے ہوئے دیکھے گئے۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا) ہوسکتا ہے کہ یہی بارش عالم بالا کی طرف شیاطین کی پرواز میں مانع ہوتی ہو، کیونکہ زمین کے بالائی حدود سے گزر کر فضائے بسیط میں ۱۰ کھرب روزانہ کے اوسط سے ٹوٹنے والے تاروں کی برسات اُن کے لیے اس فضا کو بالکل نا قابل عبور بنا دیتی ہے۔ (بحوالہ تفہیم القرآن)

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ یَبْلُغُ بِهِ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِذَا قَضَی اللّٰهُ الْأَمْرَ فِی السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ كَالسِّلْسِلَةِ عَلَی صَفْوَانٍ قَالَ عَلِیٌّ وَقَالَ غَیْرُهُ صَفْوَانٍ یَنْفُذُهُمْ ذٰلِكَ فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ، قَالُوا لِلَّذِی قَالَ الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیرُ ، فَیَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُو السَّمْعِ ، وَمُسْتَرِقُو السَّمْعِ هٰكَذَا وَاحِدٌ فَوْقَ آخَرَ وَوَصَفَ سُفْیَانُ بِیَدِهِ ، وَفَرَّجَ بَیْنَ أَصَابِعِ یَدِهِ الْیُمْنَی ، نَصَبَهَا بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ فَرُبَّمَا أَدْرَكَ الشِّهَابُ الْمُسْتَمِعَ ، قَبْلَ أَنْ یَرْمِیَ بِهَا إِلَی صَاحِبِهِ ، فَیُحْرِقَهُ وَرُبَّمَا لَمْ یُدْرِكْهُ حَتّٰی یَرْمِیَ بِهَا إِلَی الَّذِی یَلِیهِ إِلَی الَّذِی هُوَ أَسْفَلُ مِنْهُ حَتَّی یُلْقُوهَا إِلَی الْأَرْضِ وَرُبَّمَا قَالَ سُفْیَانُ حَتّٰی تَنْتَهِیَ إِلَی الْأَرْضِ فَتُلْقَی عَلَی فَمِ السَّاحِرِ ، فَیَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ فَیُصَدَّقُ ، فَیَقُولُونَ أَلَمْ یُخْبِرْنَا یَوْمَ كَذَا وَكَذَا یَكُونُ كَذَا وَكَذَا ، فَوَجَدْنَاهُ حَقًّا لِلْكَلِمَةِ الَّتِی سُمِعَتْ مِنَ السَّمَاءِ))

[رواه البخاری: باب قَوْلِهِ (إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُبِینٌ)]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اُن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پہنچی جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے عاجزی کے ساتھ اپنے پر ہلاتے ہیں جس طرح کہ چٹان پر پھوار پڑتی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ملائکہ اُس حکم کا نفاذ کرتے ہیں جب اُن کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں تمھارے رب نے کیا فرمایا وہ کہتے ہیں حق فرمایا۔ وہی سب سے بلند و بالا ہے پس شیاطین اُسے چوری چھپے سنتے ہیں اور اُن کے سننے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کے کندھوں پر سوار ہوتے ہوئے آسمان تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سفیان

نے اپنے ہاتھوں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھتے ہوئے سے اس کو بیان کرتے کیا بسا اوقات سننے والے شیطان پر شہاب ثاقب لپکتا ہے پہلے اس کے کہ وہ اُس بات کو اپنے ساتھی تک پہنچائے وہ اس کو جلا دیتا ہے اور بسا اوقات شہاب ثاقب اُسے نہیں پہنچتا یہاں تک کہ وہ شیطان اُسے نیچے والوں تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ بات چلتے چلتے زمین والوں تک پہنچ جاتی ہے ابوسفیان کہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اُس بات کو زمین والوں تک پہنچا دیتا اور اُسے جادوگر کے منہ میں القاء کرتے ہیں۔ وہ اُس کے ساتھ سو جھوٹ ملاتا ہے اُس کی ایک بات کی وجہ سے اُس کی تصدیق ہو جاتی ہے وہ کہتا ہے میں نے فلاں فلاں موقع پر تمھیں فلاں فلاں بات نہیں بتلائی تھی اور وہ حق ثابت ہوئی تھی اس وجہ سے کہ وہ بات انھوں نے آسمان سے سنی تھی۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان میں برج بنائے ہیں۔

۲۔ آسمان کو ستاروں سے آراستہ فرما دیا گیا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو شیاطین سے محفوظ کر دیا ہے۔

۴۔ چوری کرنے والے شیطان کے پیچھے ایک روشن شعلہ لگ جاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

برجوں اور ستاروں کا بیان:

۱۔ ہم نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے انھیں آراستہ کیا۔ (الحجر:۱۶)

۲۔ بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں برج بنائے۔ (الفرقان:۶۱)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو ستاروں سے سجایا۔ (البروج:۱)

۴۔ ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے آراستہ کر دیا ہے۔ (الصافات:۶)

۵۔ ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے مزین کیا اور شیطانوں سے محفوظ رکھا۔ (حٰم السجدۃ:۱۲)

۶۔ کیا انہوں نے اوپر آسمان کی طرف نگاہ نہیں کی کہ ہم نے اس کو کیسے بنایا اور سجایا۔ (ق:۶)

۷۔ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے مضبوط چوکیداروں اور انگاروں سے بھرا ہوا پایا جناب کا بیان۔ (الجن:۸)

وَالْاَرْضَ	مَدَدْنٰهَا	وَاَلْقَيْنَا	فِيْهَا	رَوَاسِيَ	وَاَنْۢبَتْنَا	فِيْهَا
اور زمین	ہم نے اسے پھیلایا	اور ہم نے ڈال دیے	اس میں	پہاڑ	اور ہم نے اُگائی	اس میں
مِنْ	كُلِّ	شَيْءٍ	مَّوْزُوْنٍ ۝۱۹	وَجَعَلْنَا	لَكُمْ	فِيْهَا	مَعَايِشَ
سے	ہر	چیز	مناسب مقدار	اور ہم نے بنائے	تمہارے لیے	اس میں	اسباب
وَمَنْ	لَّسْتُمْ	لَهٗ	بِرٰزِقِيْنَ ۝۲۰	وَاِنْ	مِّنْ	شَيْءٍ
اور جو	نہیں ہو تم	اس کیلئے	روزی دینے والے	اور نہیں	سے	چیز
اِلَّا	عِنْدَنَا	خَزَآئِنُهٗ	وَمَا	نُنَزِّلُهٗٓ	اِلَّا	بِقَدَرٍ	مَّعْلُوْمٍ ۝۲۱
مگر	ہمارے پاس	اس کے خزانے	اور نہیں	ہم اس کو اتارتے	مگر	اندازے کیساتھ	معلوم

’’اور ہم نے زمین کو پھیلایا، اس میں پہاڑ رکھے اور ہم نے اس میں ہر چیز مناسب مقدار میں اگائی۔‘‘ (۱۹) ’’اور ہم نے اس میں تمہارے لیے کئی قسم کے اسباب بنائے ہیں اور ان کیلئے بھی جنھیں تم قطعاً روزی دینے والے نہیں ہو۔‘‘ (۲۰) ’’اور کوئی ایسی چیز نہیں مگر اس کے ہمارے پاس اس کے کئی خزانے ہیں۔ اور ہم اسے نہیں اتارتے مگر ایک معلوم اندازے کے مطابق۔‘‘ (۲۱)

فہم القرآن

ربط کلام: آسمان کے ذکر کے بعد زمین کا تذکرہ اور ظاہری جسامت کے حوالے سے سب سے بڑی مخلوق پہاڑوں کا بیان۔

سورۃ الانبیاء کی آیت ۳۰ میں زمین و آسمان کی ابتدائی ہیئت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ کیا اللہ کے منکر اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اس نے زمین و آسمان کو کس طرح ایک دوسرے سے الگ کیا۔ حالانکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ سورۃ السجدۃ کی آیت ۹ تا ۱۳ میں قدرے تفصیل بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو دو دن میں بنایا۔ اس کے بعد اس پر پہاڑ نصب کیے پھر دو دن میں آسمانوں کی تکمیل کی اور ہر آسمان کے متعلقات کو انہیں اپنے اپنے مقام پر ٹھہرنے کا حکم صادر فرمایا۔ بعد ازاں آسمانِ دنیا کو ستاروں کے ساتھ خوبصورت کیا اور اس کی حفاظت کا بندوبست فرمایا۔ یہ سب غالب اور ہر چیز کا علم رکھنے والے اللہ کے فرمان کے عین مطابق ہوا۔ یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے زمین کو پھیلا کر اس میں پہاڑوں کا ایک وسیع سلسلہ جمادیا اور زمین میں ہر چیز کو مقررہ مقدار اور معیار سے پیدا کیا۔ اس میں لوگوں کی معیشت کا بندوبست فرمایا اور ان کے رزق کا بندوبست بھی کیا جن کا رزق تمہارے ذمہ نہیں ہے۔ یہاں زمین کو پھیلانے کا ذکر کرنے کے بعد پہاڑوں اور زمین کی نباتات کا ذکر فرمایا ہے۔

ان آیات میں دو باتوں کا ذکر آیا ہے۔ ایک تو ہر چیز کو نہایت متناسب اور موزوں انداز سے پیدا کیا گیا ہے۔ جس کا سادہ مفہوم یہ ہے کہ ہر چیز اپنے تخلیقی معیار کو پہنچ کر خود بخود ایک مقام پر جا کر کے ٹھہر جاتی ہے۔ انسان اپنی تخلیق پر غور کرے تو اس حقیقت

کو جان کر ششدر رہ جاتا ہے۔ کہ اس کا ہر عضو تخلیق کے مقررہ معیار پر پہنچ کر ایک موزوں شکل وصورت میں ٹھہر جاتا ہے۔ اگر خالق کائنات کا ضابطۂ تخلیق اپنی موزونیت کے اصول پر نہ رہے تو انسان کے ناک، کان اور آنکھیں کتنی خوف ناک اور بے ڈھنگی ہو سکتی تھیں۔ ایک انسان کے باقی سب اعضاء موزوں اور مناسب شکل وصورت میں ہوں۔ لیکن اس کی ناک ہی صرف آدھا فٹ لمبی ہو جائے۔ تو وہ کتنا خوفناک انسان ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا کرشمہ اور اس کا ناقابل فراموش احسان ہے کہ اس نے ہر چیز کو ایک متعین شکل وصورت اور مقدار سے پیدا کیا ہے۔ جنس انسانی کے اعتبار سے اگر دنیا میں ہمیشہ مردوں یا عورتوں کی بہتات رہتی تو سلسلۂ تخلیق کس طرح متناسب رہ سکتا تھا۔ یہی صورتِ حال نباتات کی ہے۔ ایک علاقے میں ایک جنس کی پیداوار زیادہ ہے تو دوسرے علاقے میں کسی دوسری چیز کی پیداوار زیادہ ہوگی تاکہ رسد ونقل کے ذریعے لوگ ایک دوسرے کی ضرورتیں پوری کریں۔ اس کے ساتھ ہی اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ زمین کو صرف فرش کے طور پر ہی نہیں پھیلایا گیا بلکہ اس میں انسانوں کی معیشت اور رزق کا نہایت مناسب نظام قائم کر دیا گیا ہے۔ انسان تو اپنی روزی خود کمانے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن زمین اور اس کے اندر یہاں تک کہ فضاؤں میں بسنے والی مخلوق کو صرف اللہ تعالیٰ رزق مہیا کرتا ہے۔ ہر کسی کی روزی اس کی ضرورت کے مطابق پہنچائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں لامحدود خزانے ہیں جسے وہ ہر وقت اور ہر دور میں مناسب اور اپنے ہاں متعین مقدار کے مطابق نازل کرتا رہتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پھیلایا اور اس میں مضبوط پہاڑ گاڑ دیئے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ زمین میں ہر چیز اندازے کے مطابق اگاتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں ہر کھانے والے کا رزق پیدا کر رکھا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز متعین مقدار کے مطابق نازل فرماتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے اور اس کے پاس ہر چیز کے لامحدود خزانے ہیں:

۱۔ ہم نے اس زمین میں تمہارے لیے معاش کا سامان بنایا اور ان کے لیے بھی جنہیں تم روزی نہیں دیتے۔ (الحجر:۲۰)

۲۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی رزق کو فراخ اور تنگ کرتا ہے۔ (الزمر:۵۲)

۳۔ زمین میں ہر قسم کے چوپاؤں کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔ (ھود:۲)

۴۔ بے شک اللہ ہی رزق دینے والا ہے۔ (الذاریات:۵۸)

وَاَرْسَلْنَا	الرِّيٰحَ	لَوَاقِحَ	فَاَنْزَلْنَا	مِنَ	السَّمَآءِ	مَآءً
اور ہم نے بھیجیں	ہوائیں	البتہ بوجھل	پھر ہم نے نازل کیا	سے	آسمان	پانی
فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ	وَمَآ	اَنْتُمْ	لَهٗ	بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾	وَاِنَّا	لَنَحْنُ
پھر ہم نے تم کو پلایا اُسے	اور نہیں	تم ہو	اس کیلیے	ذخیرہ کرنے والے	اور یقیناً ہم	البتہ ہم
نُحْيٖ	وَ	نُمِيْتُ	وَنَحْنُ	الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾	وَلَقَدْ	عَلِمْنَا
ہم زندہ کرتے ہیں اور		ہم مارتے ہیں	اور ہم	وارث	اور البتہ تحقیق	ہم نے جانا
الْمُسْتَقْدِمِيْنَ	مِنْكُمْ	وَلَقَدْ	عَلِمْنَا	الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾		
آگے بڑھنے والے	تم میں سے	اور البتہ تحقیق	ہم نے جانا	پیچھے رہنے والے		
وَاِنَّ	رَبَّكَ	هُوَ	يَحْشُرُهُمْ	اِنَّهٗ	حَكِيْمٌ	عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع
اور یقیناً	آپ کا رب	وہ	انھیں اکٹھا کرے گا	یقیناً وہ	بڑی حکمت والا	خوب جاننے والا

٢ع/٢

''اور ہم نے ہواؤں کو بارآور بنا کر بھیجا پھر ہم نے آسمان سے پانی اتارا، پس ہم نے تمہیں پلایا اور تم ہرگز اس کو جمع کرنے والے نہیں تھے۔'' (۲۲) ''اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں۔'' (۲۳) ''اور یقیناً وہ ہمارے علم میں ہیں جو تم میں سے بہت پہلے جانے والے ہیں اور بلا شبہ وہ بھی ہمارے علم میں ہیں جو پیچھے آنے والے ہیں۔'' (۲۴) ''اور بے شک تیرا رب ہی انہیں اکٹھا کرے گا۔ یقیناً وہ حکمت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (۲۵)

فہم القرآن

ربط کلام: انسان کا رزق اور ہر چیز کی ضروریات اللہ تعالیٰ ہی پوری کرتا ہے۔ رزق کے اسباب میں پانی اور ہوا کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔ اس لیے پانی اور ہوا کا ذکر ضروری سمجھا۔

انسان اور حیوانات کا رزق، نباتات کی ضروریات اللہ تعالیٰ ہی پوری کرتا ہے۔ اس کے پاس کائنات کا نظام چلانے کے لیے ہر چیز کے لامحدود خزانے موجود ہیں۔ جہاں تک رزق کا معاملہ ہے اس میں زمین کا کردار بنیادی اور مرکزی ہے۔ کیونکہ انسان کی تخلیق میں بنیادی میٹریل مٹی ہے اور اس کی خوراک کا انتظام بھی مٹی یعنی زمین سے ہی کیا گیا ہے۔ اس میں بنیادی عوامل ہوا اور پانی ہیں ان کے ساتھ سورج کی حرارت اور چاند کی روشنی بھی معاون ہے۔ مگر بنیادی کردار ہوا اور پانی کا ہے۔ ہوا کے بغیر جاندار چیزوں کا چند لمحوں کے بعد مرنا یقینی ہے اور پانی کے بغیر انسان حیوان اور نباتات کا زندہ رہنا ناممکن ہے۔ سورۃ الانبیاء، آیت: ۳۰ میں فرمایا کہ ہم نے ہر چیز کی زندگی کا انحصار پانی پر رکھا ہے۔ انسان، جنات، حیوانات اور نباتات کو پانی فراہم کرنے کے تین ذرائع ہیں۔

۱۔ زمین کے اندر پانی کا بے انتہا ذخیرہ ہے۔ جو دریاؤں، چشموں اور سمندر کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ جغرافیہ

دانوں کا اندازہ ہے کہ دنیا میں تین حصے پانی اور ایک حصہ خشکی ہے جس میں پہاڑ بھی شامل ہیں۔سمندر کے پانی کی کثیر مقدار پینے کے قابل نہیں جس وجہ سے زمین کے اندر کا پانی کنوؤں اور دوسرے ذرائع سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔اگر پانی کی سطح گہری کر دی جائے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جو پانی مہیا کر سکے۔(الملک:۳۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ بعض علاقوں میں ہوا کا نقطۂ انجماد اس قدر زیادہ کرتا اور نیچے لے جاتا ہے کہ پہاڑ کئی کئی فٹ برف سے ڈھانپ دیے جاتے ہیں۔پانی کی مقدار میں مزید اضافہ کرنے کے لیے سردیوں میں برف باری کا سلسلہ قائم فرمایا ہے۔پانی ذخیرہ کرنے کا ایسا نظام ہے۔جو امیر سے امیر حکومت بھی نہیں کر سکتی، پھر اللہ کی شان دیکھیں یہ پانی پہاڑوں کی چوٹیوں پر جمع کیا گیا ہے جس میں کسی غلاظت کے شامل ہونے کا اندیشہ نہیں۔اس کو سورج کی تپش سے پگھلا کر ندی نالوں اور دریاؤں کی شکل میں دور دراز علاقوں تک پہنچانے کا بندوبست فرمایا ہے۔

۳۔ پانی کی کمی کو پورا کرنے اور اسے دور دور تک پہنچانے کے لیے ہواؤں اور سورج کی ڈیوٹی لگائی ہے کہ سورج کی تپش سے اٹھنے والے بخارات کو ہوائیں مختلف گیسوں کے ساتھ فلٹرائز کر کے فضا میں اتنا اونچا لے جاتی ہیں کہ بخارات بادلوں کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوائیں بادلوں کو دھکیل کر اس علاقے میں پانی برساتی ہیں جہاں برسنے کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔جس سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے۔اسی سے موت وحیات کا استدلال پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے آخرت کے منکر انسانو! جو مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے۔وہی مالک تمہاری موت اور زندگی کا اختیار رکھتا ہے تم سب نے ایک دن مر جانا ہے۔اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا وارث ہے اور ہوگا۔وہ تم سے پہلے لوگوں کو بھی جانتا ہے اور تمہارے بعد آنے والے لوگوں کا بھی اسے علم ہے۔تم آخرت کا اقرار کرو یا انکار بالآخر اللہ تعالیٰ تم سب کو اپنے ہاں جمع فرمائے گا۔اگر آج تم اس کی ذات اور احکام کا انکار کرتے ہو اور وہ تمہیں پکڑتا نہیں تو یہ نہ سمجھنا کہ تم اس کے علم اور اختیارات سے باہر ہو اس نے اپنی حکمت کے تحت تمہیں مہلت دے رکھی ہے۔وہ اپنے احکام اور فیصلوں کی حکمت جاننے کے ساتھ ہر بات اور چیز کا علم رکھتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی پانی سے لدی ہوئی ہواؤں کو بھیجتا ہے۔ ۲۔اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمانوں سے بارش برستی ہوتی ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہی سب کو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہی ہر چیز کا وارث ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ فوت ہونے اور دنیا میں آنے والوں کو جانتا ہے۔ ۵۔اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب کو جمع کرے گا۔

۶۔ اللہ تعالیٰ حکمت اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

وَلَقَدْ	خَلَقْنَا	الْاِنْسَانَ	مِنْ	صَلْصَالٍ	مِّنْ	حَمَاٍ	مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾
اور البتہ تحقیق	ہم نے پیدا کیا	انسان	سے	والی مٹی	سے	سڑے ہوئے	گارے

وَالْجَآنَّ	خَلَقْنٰهُ	مِنْ	قَبْلُ	مِنْ	نَّارِ	السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾
اور جن	ہم نے اس کو پیدا کیا	سے	پہلے	سے	آگ	سخت حرارت والی

’’اور بلا شبہ ہم نے انسان کو کھڑ کھڑانے والی مٹی سے پیدا کیا، جو بدبودار، سیاہ کیچڑ سے تھی۔‘‘(۲۶)’’اور جنات کو اس سے پہلے آگ کی لو سے پیدا کیا۔‘‘(۲۷)

فہم القرآن

ربط کلام: زمین وآسمانوں اور پہاڑوں کی تخلیق کے ذکر کے بعد انسان کی تخلیق کا بیان۔

یہاں بڑے لطیف انداز میں لوگوں کو موت کے بعد جی اٹھنے پھر حشر کے میدان میں اکٹھا ہونے کی دلیل دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے لوگو! ذرا غور کرو جس نے تمہیں بدبودار گارے اور کھڑ کھڑانے والی مٹی سے پیدا کیا ہے اور تم سے پہلے جنات کو آگ کی لو سے پیدا کیا۔ کیا وہ قیامت کے دن تمہیں دوبارہ پیدا نہیں کرسکتا؟ کیوں نہیں، یقیناً وہ پیدا ہی نہیں بلکہ سب کو اپنے حضور جمع کر کے تمہارے اعمال پر تمہیں جزا یا سزا بھی دے گا۔ قرآن مجید نے اس بات کو بار بار بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ مگر بعض لوگ اس حقیقت کو نہیں مانتے اور وہ اپنے مشاہدے اور غلط تجربات کی بنیاد پر اس حقیقت کو ٹھکراتے ہیں۔ حالانکہ نہ صرف اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا بلکہ اس سے پہلے جنوں کو آگ کی لو سے پیدا فرمایا ہے۔ اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ جس اللہ نے مٹی سے انسان کو پہلے بغیر کسی نمونے کے پیدا کیا ہے۔ کیا وہ اس مٹی سے دوبارہ پیدا نہیں کرسکتا؟

ملائکہ، جن اور انسان کی تخلیق:

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ))[رواه مسلم: باب فِي أَحَادِيثَ مُتَفَرِّقَةٍ]

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملائکہ کو نور سے پیدا کیا گیا ہے اور جنوں کو بھڑکتی ہوئی آگ سے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔‘‘

انسان ہر دیکھنے والے درند پرند کو نظر آتا ہے جبکہ جن کسی کو نظر نہیں آتے۔

((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَمَّا صَوَّرَ اللّٰهُ اٰدَمَ فِی الْجَنَّةِ تَرَكَهٗ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَّتْرُكَهٗ فَجَعَلَ اِبْلِيْسُ يُطِيْفُ بِهٖ يَنْظُرُ مَا هُوَ فَلَمَّا رَاٰهُ اَجْوَفَ عَرَفَ اَنَّهٗ خُلِقَ خَلْقًا لَا يَتَمَالَكُ))

[رواه مسلم: باب خُلِقَ الْإِنْسَانُ خَلْقًا لَا يَتَمَالَكُ]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی جنت میں شکل وصورت بنائی تو اس کے پیکر کو جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا جنت میں اسی طرح رہنے دیا۔ ابلیس نے اس کے گرد گھومنا شروع کیا اور غور کرتا رہا کہ یہ کیا ہے؟ جب اس نے مجسمہ کو دیکھا کہ یہ اندر سے کھوکھلا ہے' تو وہ سمجھ گیا کہ یہ ایک ایسی مخلوق تخلیق کی جا رہی ہے، جو مستقل مزاج نہیں ہوگی۔''

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ عَلٰی صُورَتِهِ ، طُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا ، فَلَمَّا خَلَقَهُ قَالَ اذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلٰی أُولٰئِكَ النَّفَرِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ جُلُوسٌ ، فَاسْتَمِعْ مَا یُحَیُّونَكَ ، فَإِنَّهَا تَحِیَّتُكَ وَتَحِیَّةُ ذُرِّیَّتِكَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْكُمْ فَقَالُوا السَّلَامُ عَلَیْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فَزَادُوهُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ ، فَكُلُّ مَنْ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰی صُورَةِ آدَمَ ، فَلَمْ یَزَلِ الْخَلْقُ یَنْقُصُ بَعْدُ حَتَّی الْآنَ))[رواه البخاری:باب بَدْءِ السَّلَامِ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت کے مطابق بنایا اور اس کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔ جب آدم کی تخلیق ہو چکی تو اللہ نے آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرشتوں کی جماعت کے پاس جاؤ اور انہیں سلام کہو اور جو وہ جواب دیتے ہیں اسے سنو وہ تیرے لیے اور تیری اولاد کے لیے تحفہ ہوگا۔ آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو سلام کہا تو فرشتوں نے سلام کا جواب دیا اور رحمۃ اللہ کا اضافہ کیا ہر انسان کی جنت میں آدم کی صورت ہوگی تب سے لے کر آج تک آدم کی اولاد کے قد میں کمی واقع ہوتی آ رہی ہے''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے جنوں کو انسانوں سے پہلے آگ کی لو سے پیدا فرمایا۔

تفسیر بالقرآن

تخلیق انسانی کے مختلف مراحل:

۱۔ یقیناً ہم نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ (الحجر:۲۶) ۲۔ انسان کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا۔ (آل عمران:۵۹)

۳۔ اللہ نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ (المومنون:۱۲) ۴۔ حوا کو آدم سے پیدا فرمایا۔ (النساء:۱)

۵۔ اللہ نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔ (الدھر:۲)

۶۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اسے نطفہ بنایا، پھر اس سے خون کا لوتھڑا، پھر اس سے بوٹی بنا کر۔ (الحج:۵)

۷۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ، پھر لوتھڑا بنا کر تمہیں پیدا کرتا ہے کہ تم بچے ہوتے ہو۔ (المومن:۶۷)

۸۔ کیا تو اس ذات کا کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا فرمایا۔ (الکھف:۳۷)

۹۔ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا۔ (الروم:۲۰)

۱۰۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تمہارے جوڑے جوڑے بنائے۔ (فاطر:۱۱)

وَاِذْ	قَالَ	رَبُّكَ	لِلْمَلٰٓئِكَةِ	اِنِّیْ	خَالِقٌۢ	بَشَرًا	
اور جب	اس نے کہا	آپ کا رب	فرشتوں کے لیے	یقیناً میں	پیدا کرنے والا	ایک بشر	
مِّنْ	صَلْصَالٍ	مِّنْ	حَمَاٍ	مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾	فَاِذَا	سَوَّیْتُهٗ	
سے	بجنے والی مٹی	سے	سڑے ہوئے	گارے	پھر جب	میں اس کو درست کرلوں	
وَنَفَخْتُ	فِیْهِ	مِنْ	رُّوْحِیْ	فَقَعُوْا	لَهٗ	سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾	
اور میں پھونک دوں	اس میں	سے	اپنی روح	بس تم گر پڑنا	کے لیے	سجدہ کرتے ہوئے	
فَسَجَدَ	الْمَلٰٓئِكَةُ	كُلُّهُمْ	اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾				
لہٰذا اس نے سجدہ کیا	فرشتے	سب کے سب	اکٹھے				

''اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا یقیناً میں بجنے والی مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں، جو بدبودار، سیاہ کیچڑ سے ہوگی۔'' (۲۸) ''جب میں اسے مکمل کرلوں اور اس میں اپنی روح سے پھونک دوں تم اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے گر جانا۔'' (۲۹) ''پس تمام فرشتوں نے اکٹھے ہوکر سجدہ کیا۔'' (۳۰)

فہم القرآن

ربط کلام: تخلیق آدم کے بارے میں مختصر اشارہ کرنے کے بعد اس کے اعزاز کا تذکرہ۔

قرآن مجید کا یہ بھی اسلوب ہے کہ وہ کسی واقعہ کو کہانی اور زیب داستان کے لیے بیان نہیں کرتا۔ بلکہ ہر بات کو موقع محل کے مطابق اور موثر نصیحت کے طور پر بیان کرتا ہے۔ اثر آفرینی کے لیے کسی بات کا دوبارہ ذکر کرنا مقصود ہو تو اس کا انداز اور الفاظ پہلے بیان سے مختلف ہوتے ہیں۔ تاکہ پڑھنے والے کو نئے انداز کے ساتھ اس کی راہنمائی کے لیے نئی دلیل پیش کی جائے۔ اسی اصول کے پیش نظر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا یوں بیان فرمایا ہے کہ اے انسان! جب تیرے رب نے ملائکہ کو حکم دیا کہ یقیناً میں بدبودار اور کھنکھناتی مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں۔ جب میں اسے پوری طرح بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق سب کے سب ملائکہ نے سجدہ کیا۔ پہلے پارے میں اس کی یوں تفصیل بیان فرمائی کہ جب آپ کے رب نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ خلیفہ سے مراد نمائندہ اور حکمران ہے۔ لیکن ملائکہ نے کہا، کیا آپ زمین میں اس کو خلیفہ بنائیں گے جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا؟ ہم آپ کی حمد و ستائش کے ساتھ تسبیح اور پاکی عرض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا جو کچھ میں

جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ پھر آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتلائے گئے۔ اس کے بعد ان چیزوں کو ملائکہ کے سامنے پیش کر کے پوچھا اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتلاؤ۔ ملائکہ نے معذرت پیش کرتے ہوئے عرض کی کہ اے اللہ! تو پاک ہے ہم اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں بتلایا ہے۔ یقیناً تو ہی سب کچھ جاننے والا ہے اور تیرے ہر کام اور فرمان میں حکمت پنہاں ہوتی ہے۔ پھر آدم علیہ السلام کو ان چیزوں کے نام بتلانے کا حکم دیا اور آدم علیہ السلام نے سب چیزوں کے نام بتلائے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں زمین و آسمان کے غیب کو جانتا ہوں اور میں وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ اس کے بعد ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ یہاں فرمایا کہ جب میں اس کا ڈھانچہ بنالوں اور اپنی روح پھونک دوں پھر سب کے سب اسے سجدہ کرو۔

((حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبَضَهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَرْضِ فَجَاءَ بَنُو آدَمَ عَلَى قَدْرِ الْأَرْضِ جَاءَ مِنْهُمُ الْأَحْمَرُ وَالْأَبْيَضُ وَالْأَسْوَدُ وَبَيْنَ ذٰلِكَ وَالسَّهْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ)) [رواہ ابوداؤد: باب فِي الْقَدَرِ]

”حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی کی ایک مٹھی سے پیدا فرمایا اسی لیے آدم کی اولاد زمین کی رنگت کے مطابق ہے بعض اُن میں سے سرخ ہیں اور بعض سفید، اور بعض سیاہ اور انھی کے درمیان کچھ آرام اور سکون سے زندگی بسر کرنے والے ہیں اور کچھ غم زدہ اور کچھ خبیث النفس اور کچھ پاک ہیں۔“

روح کیا ہے؟

﴿وَيَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّىْ وَمَآ أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلاً﴾

[بنی اسرائیل: ۸۵]

”وہ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں فرمادیں روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔“ (روح کی تفصیل سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۸۵ کی تفسیر میں بیان ہوگی۔ ان شاءاللہ)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیق انسانی سے پہلے فرشتوں کو آگاہ فرمایا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔

۳۔ شیطان کے سوا تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔

اِلَّآ	اِبْلِيْسَ	اَبٰٓى	اَنْ	يَّكُوْنَ	مَعَ	السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾
مگر	ابلیس	اس نے انکار کیا	یہ کہ	وہ ہو جائے	ساتھ	سجدہ کرنے والے
قَالَ	يٰٓاِبْلِيْسُ	مَا لَكَ	اَلَّا	تَكُوْنَ	مَعَ	السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾
اس نے کہا	اے ابلیس!	کیا ہے تیرے لیے	یہ کہ نہ	ہوا تو	ساتھ	سجدہ کرنے والے
قَالَ	لَمْ	اَكُنْ	لِّاَسْجُدَ	لِبَشَرٍ	خَلَقْتَهٗ	مِنْ
اس نے کہا	نہیں	ہوں میں	تا کہ میں سجدہ کروں	بشر کے لیے	تو نے اسے پیدا کیا	سے
صَلْصَالٍ	مِّنْ	حَمَاٍ	مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾	قَالَ	فَاخْرُجْ	مِنْهَا
بجنے والی مٹی	سے	سڑا ہوا	گارا	اس نے کہا	لہٰذا تو نکل جا	اس سے
فَاِنَّكَ	رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾	وَّاِنَّ	عَلَيْكَ	اللَّعْنَةَ	اِلٰى	يَوْمِ	الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾
یقیناً تو	مردود	اور یقیناً	تجھ پر	لعنت	طرف	دن	قیامت

''مگر ابلیس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔'' (۳۱) ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس! تجھے کیا ہے؟ کہ تو سجدہ کرنے والوں میں نہیں ہوا۔'' (۳۲) ''ابلیس نے کہا میں کیوں بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے ایک بجنے والی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ جو بدبودار، سیاہ کیچڑ سے ہے۔'' (۳۳) ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا بس اس سے نکل جا، یقیناً تو مردود ہے۔'' (۳۴) ''اور یقیناً قیامت کے دن تک تجھ پر لعنت برستی رہے گی۔'' (۳۵)

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

اللہ تعالیٰ نے جونہی حکم صادر فرمایا تو تمام کے تمام ملائکہ حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سربسجود ہو گئے۔ سوائے ابلیس کے وہ اکڑا رہا اور اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے استفسار فرمایا۔ تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ سجدہ نہیں کیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اس نافرمانی اور سرکشی پر ربِ ذوالجلال سے معافی طلب کرتا لیکن اس نے یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی گستاخی اور حضرت آدم علیہ السلام کی عیب جوئی کی کہ میں ایک بشر کو کیوں سجدہ کروں جس کو تو نے بدبودار اور کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا ہے۔

مسائل

۱۔ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ ۲۔ شیطان نے تکبر کی بنیاد پر سجدہ کرنے سے انکار کیا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اپنی بارگاہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ ۴۔ قیامت تک شیطان پر لعنت و پھٹکار ہو گی۔

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝۳۶

اس نے کہا | اے میرے رب | پھر تو مجھے مہلت دے | تک | دن | وہ اٹھائے جائیں گے

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝۳۷ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ

اس نے کہا | پھر یقیناً تو | سے | مہلت دیے گئے | تک | دن | وقت

الْمَعْلُوْمِ ۝۳۸ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ

مقرر | اس نے کہا | اے رب! | بسبب اس کے | تو نے مجھے گمراہ کیا | یقیناً میں مزین کر کے دکھاؤں گا | ان کیلیے

فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝۳۹ اِلَّا عِبَادَكَ

میں | زمین | اور میں ضرور گمراہ کروں گا ان کو | تمام | سوائے | تیرے بندے

مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ۝۴۰

ان میں سے | مخلص

''اس نے کہا اے میرے رب! پھر اس دن تک مہلت دے جب لوگ اٹھائے جائیں گے۔'' (۳۶) ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک تو مہلت دیے گئے لوگوں میں سے ہے۔'' (۳۷) ''معلوم دن کے وقت تک۔'' (۳۸) ''اس نے کہا اے میرے رب! تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، میں ضرور ان کے لیے زمین مزین کروں گا اور میں ان سب کو گمراہ کردوں گا۔'' (۳۹) ''سوائے تیرے وہ بندے جو مخلص ہیں۔'' (۴۰)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ابلیس کی درخواست کہ مجھے مہلت دیں میں ابن آدم کو گمراہ کروں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہمیشہ ہمیش محروم ہونے کے باوجود ابلیس نے ربِّ کریم کی بارگاہ میں درخواست پیش کی کہ اے میرے رب! مجھے قیامت تک زندہ رکھ اور مہلت دے کہ میں ابن آدم کو گمراہ کرتا رہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی درخواست قبول کرتے ہوئے فرمایا تجھے اس دن تک مہلت دی جاتی ہے جس کا علم میرے سوا کسی کو نہیں ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ رب کریم کی شفقت و مہربانی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ابلیس اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہوتا۔ مگر ابلیس معافی کا خواستگار ہونے کے بجائے مزید سرکشی اور گستاخی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے آدم کی وجہ سے رسوا کیا ہے۔ اس لیے میں زمین پر جا کر آدم اور اس کی اولاد کو خوش فہمیوں اور فریب کاریوں کے ذریعے گمراہ کروں گا۔ البتہ تیرے مخلص بندے میرے چنگل سے بچ جائیں گے۔ میں ان کو گمراہ نہیں کرسکوں گا۔ یعنی مستقل طور پر شیطان اللہ کے مخلص بندوں کو گمراہ نہیں کرسکتا۔ مخلص کا معنی ہے جو اللہ تعالیٰ پر بلا شرکتِ غیر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی اخلاص کے ساتھ عبادت کرے اور اس

کے رسول کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی بسر کرے۔ ابلیس کو مہلت دینے کی حکمت یہ ہے تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کو آزمایا جائے۔

((عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ إِنَّ الشَّیْطَانَ قَالَ وَعِزَّتِكَ یَا رَبِّ لَا أَبْرَحُ أَغْوِیْ عِبَادَكَ مَا دَامَتْ أَرْوَاحُھُمْ فِیْ أَجْسَادِھِمْ ، فَقَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ لَا أَزَالُ أَغْفِرُ لَھُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِیْ))[رواہ الحاکم فی المستدرك :کتاب التوبة والانابة]

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان نے کہا اے میرے رب! تیری عزت کی قسم میں ہمیشہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے جسموں میں روحیں موجود ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا مجھے میری عزت اور جلال کی قسم! میں ہمیشہ انہیں معاف کرتا رہوں گا جب تک یہ مجھ سے بخشش طلب کرتے رہیں گے۔''

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ مَعَ إِحْدٰی نِسَآئِہٖ فَمَرَّ بِہٖ رَجُلٌ فَدَعَاہُ فَجَآءَ فَقَالَ یَا فُلَانُ ھٰذِہٖ زَوْجَتِیْ فُلَانَةُ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ کُنْتُ أَظُنُّ بِہٖ فَلَمْ أَکُنْ أَظُنُّ بِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ إِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنَ الإِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ))

[رواہ مسلم:باب تَحْرِیمِ الْخَلْوَةِ بِالْأَجْنَبِیَّةِ وَالدُّخُولِ عَلَیْھَا]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دن نبی کریم ﷺ اپنی کسی بیوی کے ساتھ کھڑے تھے ایک آدمی آپ کے قریب سے گزرا، آپ نے اُسے آواز دے کر کہا اے فلاں یہ میری بیوی ہے۔ اُس نے عرض کی اے اللہ کے رسول ! میں آپ کے بارے میں کس طرح شک کرسکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یقیناً شیطان انسان کے جسم میں اس طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون گرتا ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو قیامت تک کے لیے مہلت دے رکھی ہے۔

۲۔ شیطان نے انسانوں کو گمراہ کرنے کی قسم اُٹھا رکھی ہے۔

۳۔ اللہ کے مخلص بندے شیطان کے جال سے محفوظ رہیں گے۔

قَالَ	هٰذَا	صِرَاطٌ	عَلَيَّ	مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾	اِنَّ	عِبَادِيْ
اس نے کہا	یہ	راستہ	مجھ پر	سیدھا	یقیناً	میرے بندے
لَيْسَ	لَكَ	عَلَيْهِمْ	سُلْطٰنٌ	اِلَّا	مَنِ	اتَّبَعَكَ
نہیں	تیرے لیے	ان پر	غلبہ	مگر	جس	اس نے تیری پیروی کی
مِنَ	الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾	وَ اِنَّ	جَهَنَّمَ	لَمَوْعِدُهُمْ	اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾	
سے	گمراہوں	اور یقیناً	جہنم	البتہ ان کے وعدے کی جگہ ہے	سب کے سب	
لَهَا	سَبْعَةُ	اَبْوَابٍ	لِكُلِّ	بَابٍ	مِّنْهُمْ	جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾
اس کیلئے	سات	دروازے	ہر ایک کے لیے	دروازہ	ان میں سے	حصہ الگ کیا ہوا

''فرمایا یہ سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک سیدھا پہنچتا ہے۔'' (۴۱) ''یقیناً میرے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہوگا مگر گمراہوں میں سے جو تیرے پیچھے چلے۔'' (۴۲) ''اور بلاشبہ ضرور جہنم ان سب کے وعدے کی جگہ ہے۔'' (۴۳) ''اس کے سات دروازے ہیں، ہر دروازے میں سے ان کے لیے مقرر کیا ہوا ایک حصہ ہے۔'' (۴۴)

ع ۳ (۹)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ ابلیس کے جواب میں رب ذوالجلال کا فرمان۔

اخلاص ہی وہ صراط مستقیم ہے جس پر گامزن رہنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور اسی راستے پر چل کر انسان اللہ تعالیٰ کی منشا اور رضا کو پا سکتا ہے۔ جو لوگ اس راستے کو اپنائیں گے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ میرے بندے ہیں۔ اے ابلیس! ان پر تیرا کبھی غلبہ نہ ہو پائے گا۔ ہاں! تیرا غلبہ ان لوگوں پر ہوگا جو صراطِ مستقیم سے بھٹک کر تیری اطاعت کریں گے۔ ان سب کے لیے میرا وعدہ ہے کہ میں ضرور انہیں جہنم میں داخل کروں گا۔ جہنم کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے میں مقررہ تقسیم کے مطابق مجرموں کو داخل کیا جائے گا۔ اہل علم نے مقررہ تقسیم سے یہ مراد لی ہے کہ اللہ تعالیٰ مختلف جرائم اور ان کی سنگینی کے مطابق مجرموں کو جہنم کے مختلف طبقات میں داخل کرے گا۔

﴿وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [الانعام: ۱۵۳]

''یہی میرا راستہ ہے اُس کی پیروی کرو، متفرق راستوں کو مت اپناؤ اس بات کی تمہیں وصیت کی جاتی ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔''

جنت اور جہنم کے دروازے:

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رضی اللہ عنہما قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَخَطَّ خَطًّا وَخَطَّ خَطَّيْنِ عَنْ يَمِينِهِ وَخَطَّ خَطَّيْنِ عَنْ يَسَارِهِ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ فِي الْخَطِّ الْأَوْسَطِ فَقَالَ هَذَا سَبِيلُ اللَّهِ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ ﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ﴾))

[رواه ابن ماجة:باب اتِّبَاعِ سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم]

”حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے ایک سیدھا خط کھینچا اور اُس کی دائیں جانب دو خط اور بائیں دو خط کھینچے پھر اپنے ہاتھ کو درمیانے خط پر رکھتے ہوئے فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی ﴿بے شک یہی میرا سیدھا راستہ ہے اس کو اپنالو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو وگرنہ تم سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے۔﴾“

صراط مستقیم کے سنگ میل:

١۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔
٢۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔
٣۔ اولاد کو غربت کی وجہ سے قتل نہ کیا جائے۔
٤۔ ظاہری اور باطنی فحاشی کے قریب نہ جائیں۔
٥۔ کسی کو ناحق قتل نہ کریں۔
٦۔ یتیم کے مال کے قریب نہ جائیں۔
٧۔ ماپ تول کو پورا کریں۔
٨۔ عدل وانصاف کی گواہی دیں۔
٩۔ اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کریں۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر شیطان کا بس نہیں چلتا۔
٢۔ شیطان کے پیروکار جہنم میں جائیں گے۔
٣۔ جہنم کے سات دروازے ہیں۔
٤۔ ہر دروازہ کے لیے مجرموں کا مقرر حصہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

صراط مستقیم کے نشانات:

١۔ اللہ نے فرمایا ہے سیدھا راستہ مجھ تک پہنچتا ہے۔ (الحجر:٤١)
٢۔ اللہ کی عبادت کرنے والا صراطِ مستقیم پر ہے۔ (یٰس:٦١)
٣۔ اللہ کی خالص عبادت کرنا صراطِ مستقیم پر گامزن ہونا ہے۔ (آل عمران:٥١)
٤۔ اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے اس میں شک نہیں کرنا چاہیے یہی صراطِ مستقیم ہے۔ (الزخرف:٦٨)
٥۔ یقیناً اللہ میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ اسی کی عبادت کرو یہی صراطِ مستقیم ہے۔ (الزخرف:٦٤)

اِنَّ	الْمُتَّقِيْنَ	فِيْ	جَنّٰتٍ	وَّعُيُوْنٍ ؁	اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ
یقیناً	متقی لوگ	میں	باغات	اور چشمے	تم اس میں داخل ہو جاؤ سلامتی کے ساتھ
اٰمِنِيْنَ ؁	وَنَزَعْنَا	مَا	فِيْ	صُدُوْرِهِمْ	مِّنْ غِلٍّ
با امن	اور ہم نکال دیں گے	جو	میں	ان کے سینے	سے کینہ
اِخْوَانًا	عَلٰي	سُرُرٍ	مُّتَقٰبِلِيْنَ ؁	لَا	يَمَسُّهُمْ فِيْهَا
بھائی بھائی	پر	تختوں	آمنے سامنے	نہیں	وہ ان کو چھوئے گا اس میں
نَصَبٌ	وَّمَا	هُمْ	مِّنْهَا	بِمُخْرَجِيْنَ ؁	
تھکاوٹ	اور نہیں	وہ	اس سے	نکالے گئے	

”بے شک پرہیزگار لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔“ (۴۵) ان کو کہا جائے گا ”سلامتی کے ساتھ اور بے خوف ہو کر ان میں داخل ہو جاؤ۔“ (۴۶) ”اور ہم ان کے سینوں میں جو کینہ ہے وہ نکال دیں گے، وہ بھائی بھائی بن کر تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔“ (۴۷) ”اس میں انہیں نہ کوئی تھکاوٹ ہوگی اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے۔“ (۴۸)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے مخلص بندوں پر شیطان کا تسلط نہیں ہو سکتا۔ اب مخلص بندوں کے اجر و ثواب کا اعلان کیا جا رہا ہے۔

مخلص بندوں کی پہلی اور بنیادی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اس کی نافرمانیوں سے بچتے ہیں۔ ان کے اجر و ثواب کا یوں تذکرہ فرمایا کہ یہ ایسی جنت میں داخل کیے جائیں گے جس میں چشمے اور آبشاریں جاری ہوں گی۔ وہ اس میں امن و سلامتی کے ساتھ داخل ہوں گے۔ جس میں انہیں نہ کوئی مشقت اٹھانا پڑے گی اور نہ ہی انہیں جنت سے نکالے جانے کا خطرہ ہوگا۔ دنیا میں رہتے ہوئے انسان ہونے کے ناطے سے اگر ان کی باہمی رنجش ہو گی تو اللہ ان کے دلوں سے عداوت و کدورت نکال دے گا۔ جنتی اخوت و بھائی چارے کی فضا میں ایک دوسرے کے ساتھ شیر و شکر ہو کر بیٹھا اور ٹہلا کریں گے۔ اسی آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ میں اللہ کی رحمت سے امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے اور معاویہ کے درمیان ہونے والی رنجش کو دور فرمائے گا۔ ہم جنت میں بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے سامنے بیٹھا کریں گے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ جَاهَدَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ جَلَسَ فِیْ اَرْضِهِ الَّتِیْ وُلِدَ

فِيهَا قَالُوا اَفَلَا نُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ اَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِيْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ مَابَيْنَ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ فَاِذَا سَاَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ فَاِنَّهٗ اَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَاَعْلَى الْجَنَّةِ وَفَوْقَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ اَنْهَارُ الْجَنَّةِ)) [رواہ البخاری: کتاب الجھاد]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا، نماز قائم کی، رمضان کے روزے رکھے اللہ تعالیٰ نے ذمہ لے لیا ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ خواہ اس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا یا اپنی آبادی میں رہا جہاں وہ پیدا ہوا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! اجازت ہو تو ہم لوگوں کو یہ خوش خبری سنائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' بلاشبہ جنت کی سو منزلیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان لوگوں کے لیے تیار کیا ہے' جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر دو منزلوں کے درمیان زمین اور آسمان جتنا فاصلہ ہے۔ جب تم اللہ سے جنت کا سوال کرو تو اس سے جنت الفردوس کا سوال کرو۔ کیونکہ وہ اعلیٰ وافضل جنت ہے۔ اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔''

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن چہرہ ہوں گے۔ جو ان کے بعد داخل ہوں گے یہ آسمان پر بہت تیز چمکنے والے ستارے کی طرح ہوں گے تمام جنتیوں کے دل ایک جیسے ہوں گے نہ تو ان کے درمیان باہمی اختلاف ہوگا اور نہ ہی ایک دوسرے سے بغض رکھیں گے۔ ان میں سے ہر شخص کے لیے حوروں میں سے دو بیویاں ہوں گی۔ حسن کی وجہ سے جن کی پنڈ لیوں کا گودا ہڈی اور گوشت کے پیچھے دکھائی دے گا۔ اہل جنت صبح شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں گے۔ نہ وہ بیمار ہوں گے اور نہ ہی پیشاب کریں گے' نہ رفع حاجت کریں گے اور نہ ہی تھوکیں گے اور نہ ہی ناک سے رطوبت بہائیں گے۔ ان کے برتن سونے چاندی کے ہوں گے۔ ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی۔ انگیٹھیوں کا ایندھن عودِ ہندی ہوگا اور ان کا پسینہ کستوری کی طرح ہوگا۔ سب کا اخلاق ایک جیسا ہوگا نیز وہ سب شکل وصورت میں اپنے باپ آدم علیہ السلام کی طرح ہوں گے۔ آدم کا قد ساٹھ ہاتھ لمبا تھا۔'' [رواہ البخاری: باب خَلْقِ آدَمَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَذُرِّيَّتِهٖ]

تفسیر بالقرآن

جنت کی نعمتوں کی ایک جھلک:

١۔ ہم ان کے دلوں سے کینہ نکال دیں گے اور سب ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے۔ انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے۔ (الحجر: ٤٧۔٤٨)

٢۔ جنت کی مثال جس کا مومنوں کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اور اس کے پھل اور سائے ہمیشہ کے لیے ہوں گے۔ (الرعد: ٣٥)

٣۔ جنت میں بے خار بیریاں، تہہ بہ تہہ کیلے، لمبا سایہ، چلتا ہوا پانی، اور کثرت سے میوے ہوں گے۔ (الواقعۃ: ٢٨ تا ٣٠)

٤۔ جنت کے میوے ٹپک رہے ہوں گے۔ (الحاقۃ: ٢٣) ٥۔ جنت میں وہ سب کچھ ہوگا جس کی جنتی خواہش کرے گا۔ (حم السجدۃ: ٣١)

نَبِّئْ	عِبَادِيْٓ	اَنِّيْٓ	اَنَا	الْغَفُوْرُ	الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾	وَاَنَّ
اور خبر دیجیے	میرے بندے	یقیناً میں	میں	بہت بخشنے والا	رحم کرنے والا	اور یقیناً
عَذَابِيْ	هُوَ	الْعَذَابُ	الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾			
میرا عذاب	وہ	عذاب	دردناک			

''میرے نبی میرے بندوں کو خبر دے دیجیے کہ بے شک میں بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہوں۔'' (۴۹) ''اور بے شک میرا عذاب بھی دردناک ہے۔'' (۵۰)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سے پہلے جنتیوں کا انعام اور جہنمیوں کے انجام کا ذکر ہوا ہے۔ اب اسی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے اپنی دو صفات کا تذکرہ فرمایا۔

متقین اور ان کے انعامات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نہایت مشفقانہ انداز میں فرمایا اے نبی ﷺ! میرے بندوں کو فرما دیجیے کہ میں معاف کرنے والا نہایت مہربان ہوں اور انہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جو میری سرکشی و نافرمانی کرے گا تو میرا عذاب بھی شدید ہوا کرتا ہے۔ بخشش اور مہربانی کا ذکر کرنے کے ساتھ شدید عذاب کا اس لیے بیان کیا ہے تا کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کی رحمت کو پیش نظر رکھ کر جان بوجھ کر سرکشی اور نافرمانی کا راستہ اختیار نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے نہایت مہربان ہے اور ظالموں کے لیے جبار، قہار اور سخت عذاب دینے والا ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَمَّا قَضَى اللَّهُ الْخَلْقَ كَتَبَ عِنْدَهُ فَوْقَ عَرْشِهِ، إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي)) [رواه البخاري: باب قَوْلِهِ تَعَالَى (وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ)]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے مخلوقات کو پیدا کرنے کا فیصلہ فرمایا تو اُس وقت اللہ کے عرش پر لکھا ہوا تھا بے شک میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے جا چکی ہے۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ لِلَّهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ أَنْزَلَ مِنْهَا رَحْمَةً وَاحِدَةً بَيْنَ الْجِنِّ وَالإِنْسِ وَالْبَهَائِمِ وَالْهَوَامِّ فَبِهَا يَتَعَاطَفُونَ وَبِهَا يَتَرَاحَمُونَ وَبِهَا تَعْطِفُ الْوَحْشُ عَلَى وَلَدِهَا وَأَخَّرَ اللَّهُ تِسْعًا وَتِسْعِينَ رَحْمَةً يَرْحَمُ بِهَا عِبَادَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) [رواه مسلم: باب فِي سَعَةِ رَحْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَأَنَّهَا سَبَقَتْ غَضَبَهُ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا بے شک اللہ کی رحمت کے سو حصے ہیں ان میں سے ایک حصے کو اللہ نے جنوں، انسانوں، چوپاؤں اور پرندوں میں تقسیم فرمایا جس کے ساتھ وہ آپس میں شفقت

اور رحم کرتے ہیں اور اُسی کے ساتھ وحشی جانور بھی اپنی اولاد پر رحم کرتے ہیں اور اللہ نے اپنی رحمت کے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے ہیں جن کے ساتھ اللہ قیامت کے دن رحم و کرم فرمائے گا۔“

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَتْ قُرَيْشٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ أَنْ يَجْعَلَ لَنَا الصَّفَا ذَهَباً وَنُؤْمِنَ بِكَ قَالَ وَتَفْعَلُونَ قَالُوا نَعَمْ قَالَ فَدَعَا فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ إِنَّ رَبَّكَ عَزَّ وَجَلَّ يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَيَقُولُ إِنْ شِئْتَ أَصْبَحَ لَهُمُ الصَّفَا ذَهَباً فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْهُمْ عَذَّبْتُهُ عَذَاباً لَا أُعَذِّبُهُ أَحَداً مِنَ الْعَالَمِينَ وَإِنْ شِئْتَ فَتَحْتُ لَهُمْ بَابَ التَّوْبَةِ وَالرَّحْمَةِ قَالَ بَلْ بَابُ التَّوْبَةِ وَالرَّحْمَةِ))[مسند احمد]

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں قریش نے نبی ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ ہمارے لیے صفا پہاڑی کو سونے کا بنا دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے تو آپ نے فرمایا کیا تم ایسا کرو گے؟ انھوں نے کہا ہاں۔ تو آپ ﷺ کے دعا فرمانے پر جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کی آپ کے رب نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو ہم ان کے لیے صفا پہاڑی کو سونے کا بنا دیں گے لیکن جو اس کے بعد کفر کرے گا میں اُسے ایسے عذاب میں مبتلا کروں گا کہ اس سے پہلے کسی کو ایسا عذاب نہ ہوگا اور اگر آپ چاہیں تو میں ان کے لیے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھول دیتا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ ان کے لیے رحمت اور توبہ کا دروازہ کھول دے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ اللہ کا عذاب بڑا دردناک ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے عذاب کی جھلکیاں:

۱۔ میرے بندوں کو بتا دیں یقیناً میں بخشنے، رحم کرنے والا ہوں۔ میرا عذاب بڑا دردناک ہے۔(الحجر:۴۹۔۵۰)

۲۔ اچھی طرح جان لو اللہ بہت سخت سزا دینے والا، بڑی مغفرت اور رحم فرمانے والا ہے۔(المائدۃ:۹۸)

۳۔ اللہ گناہوں کو بخشنے اور توبہ قبول کرنے والا ہے، سخت سزا دینے والا، قدرت والا ہے۔(المومن:۳)

۴۔ اللہ ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا یقیناً وہ بخشنے والا، رحم والا ہے۔(التوبۃ:۹۹)

۵۔ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔(الدہر:۳۱)

وقف لازم

وَنَبِّئْهُمْ	عَنْ	ضَيْفِ	اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾	اِذْ	دَخَلُوْا	عَلَيْهِ
اور آپ بتائیں	سے	مہمان	ابراہیم	جب	وہ داخل ہوئے	اس پر
فَقَالُوْا	سَلٰمًا ؕ	قَالَ	اِنَّا	مِنْكُمْ	وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾	قَالُوْا
پھرانہوں نے کہا	سلام	اس نے کہا	یقیناً ہم	تم سے	وہ ڈرتے ہیں	انہوں نے کہا
لَا	تَوْجَلْ	اِنَّا	نُبَشِّرُكَ	بِغُلٰمٍ	عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾	قَالَ
نہیں	توڈر	یقیناً ہم	ہم خوشخبری دیتے ہیں	ساتھ بیٹے	علم والا	اس نے کہا
اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ	عَلٰۤى	اَنْ	مَّسَّنِيَ	الْكِبَرُ	فَبِمَ	
کیا تم خوشخبری دیتے ہو مجھے	پر	یہ کہ	پہنچ چکا مجھے	بڑھاپا	کس چیز کے ساتھ	

''اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں کے بارے میں بتائیں۔'' (۵۱) ''جب اس کے پاس آئے تو انہوں نے اسے سلام کہا، اس نے کہا ہم تم سے خوف محسوس کرتے ہیں۔'' (۵۲) ''انہوں نے کہا ڈریئے نہیں، ہم آپ کو ایک صاحب علم بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں۔'' (۵۳) ''اس نے کہا کیا تم مجھے خوشخبری دیتے ہو جب کہ مجھے بڑھاپا آپہنچا ہے تم مجھے کس بات کی

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ آیت میں رحمت کا بیان ہوا۔ اب اللہ کی رحمت کا عملی نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانانِ گرامی کے ذکر سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور عذاب کا ذکر کیا۔ یہاں رحمت کا عملی نمونہ پیش کیا جاتا ہے جس کا پس منظر یہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری دینے والے ملائکہ حاضر ہوئے۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں سلام پیش کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معمولی توقف کے بعد ان کی خدمت میں بھنا ہوا بچھڑا پیش کیا۔ جب مہمانوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پریشان ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پریشانی دیکھتے ہوئے ملائکہ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے عرض کی کہ آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہم قومِ لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریب کھڑی ہوئی ان کی بیوی کو بیٹے اور پوتے کی خوشخبری سنائی۔ جس پر بی بی صاحبہ نے بڑے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کیا میرے ہاں بیٹا جنم لے گا؟ جبکہ میں بانجھ ہوں اور میرا خاوند بوڑھا ہو چکا ہے۔ یہ بات عجب معلوم ہوتی ہے۔ ملائکہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا اے ابراہیم کے اہل بیت! کیا تم اللہ کی رحمت اور برکت پر تعجب کا اظہار کرتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نہایت ہی قابل تعریف اور بڑی عظمت والا ہے۔ (ھود: ۶۹ تا ۷۳)

یہاں اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے پیغمبر ﷺ! آپ اپنے مخالفین کو ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کا واقعہ

تُبَشِّرُوْنَ ﴿٥٤﴾	قَالُوْا	بَشَّرْنٰكَ	بِالْحَقِّ	فَلَا	تَكُنْ	مِّنَ
خوشخبری دیتے ہوتم	انہوں نے کہا	ہم تجھے خوشخبری دیتے ہیں	حق کے ساتھ	لہذا نہ	تو ہو	سے
الْقٰنِطِيْنَ ﴿٥٥﴾	قَالَ	وَمَنْ	يَّقْنَطُ	مِنْ	رَّحْمَةِ	رَبِّهٖٓ
ناامید ہونے والوں	اس نے کہا	اور جو	ناامید ہوتا ہے	سے	رحمت	اپنے رب کی
			اِلَّا	الضَّآلُّوْنَ ﴿٥٦﴾		
			مگر	گمراہوں کے		

خوشخبری دیتے ہو؟''(۵۴)''انہوں نے کہا ہم نے تجھے سچی خوشخبری دی ہے ،آپ ناامید ہونے والوں سے نہ ہوں۔''(۵۵)''اس نے کہا اپنے رب کی رحمت سے گمراہ لوگوں کے سوا کوئی ناامید نہیں ہوتا۔''(۵۶)

سنائیں۔جب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوکر سلام عرض کیا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں فرمایا ہم تو آپ سے خوف محسوس کرتے ہیں۔مہمان ملائکہ نے عرض کیا ہم سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہم تو آپ کو ایک صاحب علم بیٹے کی خوشخبری سنانے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں فرمایا یہ کیسی ہے؟ میں تو بڑھاپے کی آخری دہلیز پر کھڑا ہوں۔ملائکہ نے عرض کیا آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ابراہیم علیہ السلام فی الفور فرمانے لگے میں اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں کیونکہ اس کی رحمت سے مایوس گمراہ لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جواب سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ وہ اپنے رب کی رحمت پر پورا یقین رکھنے والے تھے لیکن اپنی اور اپنی رفیقۂ حیات کی عمر اور صحت کا خیال کرتے ہوئے خوشخبری پر تعجب کا اظہار فرمایا۔جس سے ثابت ہوتا ہے وسائل کی کمی اور نامساعد حالات کی بنا پر حقیقت کے بارے میں تعجب کا اظہار کرنا، اللہ کی رحمت پر مایوس ہونا نہیں ہے لہٰذا تعجب کا اظہار کرنا گناہ نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اظہار تفصیل کے لئے سوال کیا تھا ورنہ وہ تو اپنے رب کی رحمت سے مایوس نہیں تھے۔نبی تو اسباب کی ناپیدگی کے باوجود اپنے رب کی رحمت پر بھرپور بھروسہ کرنے والا ہوتا ہے۔دوسرا اس واقعہ میں یہ بتانا مقصود ہے اے اہل مکہ! یہ حقیقت جان لو کہ تم فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کرتے ہو کہ وہ آکر اس نبی کی تائید کریں تب ہم غور کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔یاد رکھو فرشتے یا تو کسی کے لئے رحمت لے کر آتے ہیں یا زحمت! تم سوچ لو تم کس چیز کے مستحق ہو؟ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر اسباب کے سب کچھ کرسکتا ہے۔جس طرح ابراہیم علیہ السلام کے ہاں اولاد کے بظاہر اسباب نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو بچے عنایت فرمائے۔اسی طرح حالات نامساعد ہی کیوں نہ ہوں اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضرور بضرور سرفراز فرمائے گا۔اللہ اسباب کا پابند نہیں اسباب اللہ کے حکم کے پابند ہیں۔

قَالَ	فَمَا	خَطْبُكُمْ	اَيُّهَا	الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾	قَالُوْٓا	اِنَّآ
اس نے کہا	پھر کیا	مقصد تمہارا	اے	بھیجے گئے	انہوں نے کہا	یقیناً ہم
اُرْسِلْنَآ	اِلٰى	قَوْمٍ	مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾	اِلَّآ	اٰلَ	لُوْطٍ
ہم بھیجے گئے ہیں	طرف	قوم	مجرموں	سوائے	ال	لوط
اِنَّا	لَمُنَجُّوْهُمْ	اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾	اِلَّا	امْرَاَتَهٗ	قَدَّرْنَآ	
یقیناً ہم	بچائیں گے	سب	سوائے	اس کی بیوی	ہم نے مقدر کر دیا	
اِنَّهَا	لَمِنَ	الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾				
یقیناً وہ	البتہ سے	پیچھے رہنے والے				

ع ۶

”اس نے کہا اے فرشتو! تمہارا مقصد کیا ہے؟“ (۵۷) ”انہوں نے کہا بے شک ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔“ (۵۸) ”لوط کے گھر والوں کے سوا یقیناً ہم ان سب کو بچالیں گے۔“ (۵۹) ”مگر اس کی بیوی، ہم نے طے کر دیا ہے کہ یقیناً وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہوگی۔“ (۶۰)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کا عملی ثبوت پیش کیا گیا ہے اور اب حضرت لوط علیہ السلام کے واقعہ میں اس کے غضب کی ایک مثال پیش کی جا رہی ہے۔ تاکہ ملائکہ کے نزول کا مطالبہ کرنے والے ملائکہ کے نزول کا پوری طرح فرق سمجھ لیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ملائکہ سے خوشخبری سننے اور اس پر اطمینان کا اظہار کرنے کے بعد ان سے استفسار فرماتے ہیں کہ تمہاری آمد کا اور مقصد کیا ہے؟ ملائکہ نے عرض کیا کہ ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ سوائے حضرت لوط علیہ السلام اور اس کی آل کے ان کو عذاب سے بچا لیا جائے گا۔ البتہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی نہیں بچ سکے گی۔ کیونکہ ربِّ ذوالجلال کا یہی فیصلہ ہے کہ وہ تباہ و برباد ہونے والوں میں شامل ہو۔ حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیویوں کے بارے میں بتلایا گیا ہے کہ وہ دونوں اللہ کے صالح بندوں کی بیویاں ہونے کے باوجود خیانت کی مرتکب تھیں وہ اپنے خاوندوں جو کہ اپنے اپنے وقت میں اللہ کے رسول تھے۔ ان پر ایمان لانے کی بجائے کفر اختیار کیے ہوئے تھیں۔ جب اللہ تعالیٰ کا ان اقوام پر عذاب نازل ہوا تو حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام اپنی بیویوں کو عذاب سے نہ بچا سکے۔ حکم ہوا کہ تم دونوں عورتیں جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ ان کے مقابلے میں ایک بدترین انسان اور حکمران فرعون کی بیوی جنت میں جائے گی بلکہ موت سے پہلے اُسے جنت کا نظارہ کروا گیا۔ یہاں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا انجام ذکر کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ حضرت

لوط علیہ السلام کی بیوی بھی ان کے ساتھ تباہی کے گھاٹ اتر گئی۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَتْ خِيَانَتُهُمَا أَنَّهُمَا كَانَتَا عَلٰى عَوْرَتَيْهِمَا فَكَانَتْ اِمْرَأَةُ نُوْحٍ تَطَّلِعُ عَلٰى سِرِّ نُوْحٍ، فَإِذَا آمَنَ مَعَ نُوْحٍ أَحَدٌ أَخْبَرَتِ الْجَبَابِرَةَ مِنْ قَوْمِ نُوْحٍ بِهِ، وَأَمَّا اِمْرَأَةُ لُوْطٍ فَكَانَتْ إِذَا أَضَافَ لُوْطُ أَحَدًا أَخْبَرَتْ بِهِ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ مِمَّنْ يَّعْمَلُ السُّوْءَ))[ابن كثير]

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کی خیانت یہ تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی ان کے راز فاش کرتی تھی۔ جب کوئی شخص حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لے آتا تو وہ اس کے بارے میں ظالموں کو بتاتی دیتی اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ان کے مہمانوں کے بارے میں شہر کے بُرے لوگوں کو خبر دیتی تھی۔“

اللہ تعالیٰ کے ہاں کردار:

﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا امْرَأَةَ نُوْحٍ وَّامْرَأَةَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَمَعَ الدَّاخِلِيْنَ ٥ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا امْرَأَةَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ٥﴾ [التحريم: ١٠]

”اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے نوح اور لوط کی بیویوں کو بطورِ مثال بیان فرماتا ہے۔ وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو صالح بندوں کے نکاح میں تھیں مگر انہوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی تو وہ اللہ کے مقابلہ میں اُن دونوں کے کچھ کام نہ آسکے۔ اور دونوں عورتوں سے کہہ دیا گیا کہ جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ اہل ایمان کے معاملہ میں اللہ فرعون کی بیوی کی مثال پیش کرتا ہے جب اُس نے دعا کی اے میرے رب میرے لیے اپنے ہاں جنت میں ایک گھر بنادے۔ مجھے فرعون اور اس کے عمل سے بچا اور ظالم قوم سے مجھے نجات عطا فرما۔“

مسائل

۱۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے سوا، ان کے ایماندار ساتھیوں کو بچا لیا گیا۔

تفسیر بالقرآن

حضرت لوط کی بیوی کا کردار اور انجام:

۱۔ لوط کی بیوی کے سوا اللہ نے انہیں نجات دی۔ (الحجر: ٦٠)

۲۔ ہم نے لوط اور اس کے اہل کو نجات دی مگر لوط کی بیوی پر عذاب مسلط ہوا۔ (الاعراف: ۸۳)

۳۔ نوح اور لوط کی بیویوں نے خیانت کی اللہ انہیں جہنم میں داخل کرے گا۔ (التحریم: ۱۰)

۴۔ ہم نے لوط اور اس کے اہل کو نجات دی مگر اس کی بیوی پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی۔ (النمل: ۵۷)

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ

پھر جب وہ آئے آل لوط بھیجے گئے اس نے کہا یقیناً تم قوم

مُّنْكَرُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ

اجنبی انہوں نے کہا بلکہ ہم لائے ہیں تیرے پاس اس چیز کو تھے وہ اس میں

يَمْتَرُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٦٤﴾ فَاَسْرِ

وہ شک کرتے ہیں اور ہم لائے ہیں آپ کے پاس ساتھ حق کے اور یقیناً ہم یقیناً سچے ہیں تو لے چل

بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا

ساتھ تیرے گھر والے حصے میں سے رات اور تو چل ان کے پیچھے اور نہیں

''پھر جب لوط کے پاس فرشتے آئے۔''(٦١)''تو اس نے کہا تم اجنبی ہو۔''(٦٢)''انہوں نے کہا ہم آپ کے پاس وہ لے کر آئے ہیں جس میں وہ شک کرتے تھے۔''(٦٣)''اور ہم آپ کے پاس حق لے کر آئے ہیں اور بلا شبہ ہم سچے ہیں''(٦٤)''پس آپ اپنے گھر والوں کو رات کے کسی حصے میں لے کر نکل جائیں اور خود ان کے پیچھے پیچھے چلیں

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ اللہ تعالیٰ کے غضب کی زندہ مثال۔

ملائکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے الوداع ہونے کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت لوط علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ملائکہ کو پہچان نہ سکے۔ فرمانے لگے آپ لوگ تو بالکل اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ ملائکہ عرض کرتے ہیں کہ ہم آپ کے پاس اس کام کے لیے آئے ہیں۔ جس کام کی آمد کے بارے میں آپ کی قوم بے یقینی کا شکار ہے۔ جس کام کے لیے ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں وہ حقیقت اور ہو کر رہے گا۔ یقین جانیے کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہ سو فیصد سچ ہے۔ بس آپ جتنا جلدی ہو سکے رات کے آخری پہر اپنے اہل کو لے کر اس بستی سے نکل جائیں۔ آپ کے لیے خصوصی ہدایت یہ ہے کہ آپ نکلنے والے قافلے کے پیچھے پیچھے رہیں اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیں کہ ان میں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور ادھر کی طرف چلے جاؤ جدھر جانے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ ہم نے لوط علیہ السلام کو یہ فیصلہ سنا دیا کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ہلاک ہونے والی پہلی اقوام کی طرح نہ صرف حق کا انکار کرتی تھی بلکہ حضرت لوط علیہ السلام جب انہیں سمجھاتے تو وہ انہیں یہ کہہ کر طعنہ اور دھمکی دیتے کہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو بستی سے نکال باہر پھینکو کیونکہ یہ اپنے آپ کو بڑے پاکباز اور حق پر سمجھتے ہیں۔ (الاعراف:۸۲)

يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَيْنَآ

پیچھے مڑ کر دیکھے | تم میں سے | کوئی | اور تم چلے جاؤ | جہاں | تم حکم دیے جاتے ہو | اور ہم نے فیصلہ سنا دیا

اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾

اس کی طرف | وہ | معاملہ | یقیناً | جڑ | وہ لوگ | کاٹی | صبح کے وقت

اور تم میں سے کوئی مڑ کر نہ دیکھے اور پس جہاں تمہیں حکم دیا جاتا ہے چلے جاؤ۔" (۶۵) "اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہی کاٹ دی جائے گی۔" (۶۶)

لیکن حضرت لوط علیہ السلام ان کو بار بار سمجھاتے رہے۔ مگر قوم سمجھنے کی بجائے حضرت لوط علیہ السلام سے عذاب لانے کا مطالبہ کرتی ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں پھر سمجھایا کہ برے کاموں سے باز آؤ اور اللہ تعالیٰ سے عذاب کا مطالبہ نہ کرو اگر تم برے اعمال سے باز نہیں آؤ گے تو اللہ تعالیٰ کا عذاب بالیقین آ کر رہے گا۔ لیکن قوم نے ان کی کسی بات پر یقین نہ کیا یہاں تک کہ غضب ناک عذاب کا وقت آن پہنچا۔ اس کے بارے میں حضرت لوط علیہ السلام کو نہ صرف اس کا وقت بتلا دیا گیا بلکہ یہ ہدایت بھی کر دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرف نکل جانے کی آپ کو ہدایت کی ہے آپ اپنی کافر بیوی کے سوا اہل ایمان کو لے کر جلد از جلد نکل جائیں۔ قرآن مجید نے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے جائے ہجرت کا ذکر نہیں کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس کا قول ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کو شام کی طرف جانے کا حکم ہوا تھا۔ (تفسیر رازی)

مسائل

۱۔ حضرت لوط علیہ السلام نے فرشتوں کو نہ پہچانا۔

۲۔ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو رات کے اندھیرے میں نکل جانے کا حکم دیا۔

۳۔ حضرت لوط علیہ السلام کو بتلایا دیا گیا کہ صبح ہونے سے پہلے ان کی قوم پر عذاب آجائے گا۔

تفسیر بالقرآن

ملائکہ کا مختلف مواقعوں پر انسانی شکل میں آنا:

۱۔ جب ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس آئے تو انہوں نے کہا تم اجنبی معلوم ہوتے ہو۔ (الحجر: ۶۱۔۶۲)

۲۔ ہمارے ملائکہ ابراہیم کے پاس آئے اور انہوں نے سلام کہا جواباً ابراہیم نے بھی سلام کہا۔ (ھود: ۶۹)

۳۔ ابراہیم نے فرشتوں سے خوف محسوس کیا تو انہوں نے کہا خوف کھانے کی ضرورت نہیں (ہم ملائکہ ہیں)۔ (الذاریات: ۲۸)

۴۔ جب لوط کے پاس فرشتے آئے تو وہ ان کی وجہ سے مغموم ہوئے۔ (العنکبوت: ۳۳)

وَجَآءَ	اَهۡلُ	الۡمَدِيۡنَةِ	يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ۝۶۷	قَالَ	اِنَّ	هٰۤؤُلَۤاءِ
اور وہ آیا	اہل	شہر	وہ خوشیاں مناتے ہیں	اس نے کہا	یقیناً	یہ لوگ

ضَيۡفِىۡ	فَلَا	تَفۡضَحُوۡنِۙ ۝۶۸	وَاتَّقُوا	اللّٰهَ	وَلَا	تُخۡزُوۡنِ ۝۶۹
میرے مہمان	لہذا نہ	تم مجھے رسوا کرتے ہو	اور ڈرو تم	اللہ	اور نہ	تم مجھے ذلیل کرو

قَالُوۡۤا	اَوَلَمۡ	نَنۡهَكَ	عَنِ	الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۷۰
انہوں نے کہا	کیا اور نہیں	ہم نے تجھے منع کیا	سے	جہان والے

قَالَ	هٰۤؤُلَۤاءِ	بَنٰتِىۡۤ	اِنۡ	كُنۡتُمۡ	فٰعِلِيۡنَؕ ۝۷۱
اس نے کہا	یہ لوگ	میری بیٹیاں	اگر	تم ہو	کرنے والے

''اور شہر کے لوگ اس حال میں آئے کہ بہت خوش ہو رہے تھے۔'' (۶۷) ''اس نے کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں، سو مجھے ذلیل نہ کرو۔'' (۶۸) اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو۔'' (۶۹) ''انہوں نے کہا کیا ہم نے تجھے لوگوں سے منع نہیں کیا ؟'' (۷۰) ''اس نے کہا یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تم کرنے والے ہو۔'' (۷۱)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ اوباشوں کا مہمانوں کو دیکھ کر حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پر یلغار کرنا۔

بڑے بڑے مفسرین نے تاریخ کے حوالے سے یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آنے والے ملائکہ انتہائی خوبصورت لڑکوں کی شکل میں تشریف لائے۔ کیونکہ لوط علیہ السلام کی قوم کے لوگ ہم جنسی کے مرض کا شکار تھے یہ لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ ازدواجی تعلقات رکھنے اور نوجوان عورتوں سے شادی کرنے کے بجائے لڑکوں کے ساتھ بدکاری کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا کہ دنیا میں تم پہلے لوگ ہو جو اس جرم میں ملوث ہو۔ اسی سبب جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس خوبصورت مہمان آئے ہیں تو وہ مسٹنڈوں کی طرح اچھلتے کودتے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پہنچے حضرت لوط علیہ السلام اس صورت حال پر اس قدر پریشان ہوئے کہ بے ساختہ کہنے لگے کہ آج کا دن بڑا مشکل دن ہے۔ پھر انہیں سمجھایا ''اے میری قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں جو تمہارے لیے جائز ہیں بس اللہ سے ڈرو۔ میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو۔ جب دیکھا کہ یہ لوگ باز نہیں آرہے تو فرمایا کیا تم میں کوئی بھی شریف آدمی نہیں ہے جو تمہیں اس کام سے منع کرے وہ کہنے لگے تو جانتا ہے کہ ہمیں تیری بیٹیوں میں کوئی دلچسپی نہیں۔ ہم جو کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اسے جانتا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام انتہائی غمزدہ ہو کر ٹھنڈی آہ بھر کر فرماتے ہیں کہ اے کاش! میں تمہارا مقابلہ کرنے کے قابل ہوتا یا پھر میں

مضبوط سہارے کی پناہ لیتا۔ اس پر ملائکہ نے حضرت لوط علیہ السلام کو تسلی دی کہ آپ فکر نہ کریں یہ لوگ آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ بس آپ نکلنے کی جلد تیاری کریں۔ انہیں صبح کے وقت عذاب آلے گا اور صبح ہونے ہی والی ہے۔ (ھود: ۷۷۔۸۱)

حضرت لوط علیہ السلام کے بار بار سمجھانے کے باوجود وہ آپ کا دروازہ توڑنے کی پے در پے کوشش کرتے رہے جب دروازہ نہ کھلا تو دیواریں پھلانگ کر اندر آئے اور گستاخانہ لہجے میں کہا کہ کیا ہم نے آپ کو بارہا نہیں کہا کہ آپ ساری دنیا کا ٹھیکہ لینے کی کوشش نہ کیا کریں؟ اس پر حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں۔ (الاعراف: ۸۱ کی رُو سے اُن بدکاروں کی بیویوں کے لیے لوط علیہ السلام نے میری بیٹیوں کے الفاظ استعمال کیے۔ النساء کا لفظ قرآن میں بیویوں کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ (النساء: ۴) (الطلاق: ۱) بیٹیاں حاضر ہونے سے مراد نعوذ باللہ یہ نہیں کہ تم ان سے بدکاری کر سکتے ہو۔ اس جملے کا مقصد یہ ہے کہ تم جائز طریقہ اختیار کر کے ان سے نکاح کر سکتے ہو یہ بھی حقیقت ہے کہ نبی اپنی قوم کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ اس لیے انہوں نے قوم کی بیٹیوں کو اپنی بیٹیاں قرار دیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں شرم دلانے کے لیے یہ الفاظ کہے تھے لیکن دل نہیں مانتا کہ حضرت لوط علیہ السلام نے اس ارادے سے یہ الفاظ استعمال کیے ہوں۔ کیونکہ عام شخص تو یہ الفاظ کہہ سکتا ہے مگر پیغمبر بے انتہا غیور ہوا کرتے ہیں جن سے ایسے الفاظ کے بارے میں سوچا نہیں جا سکتا۔

((عَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ رَأَيْتُ رَجُلاً مَعَ امْرَأَتِي لَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ غَيْرَ مُصْفِحٍ ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَتَعْجَبُونَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ ، لَأَنَا أَغْيَرُ مِنْهُ وَاللَّهُ أَغْيَرُ مِنِّي))[رواہ البخاری:باب الغیرۃ]

”حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں کسی آدمی کو اپنی عورت کے پاس پاؤں میں تو اسے قتل کردوں گا اور تلوار الٹی نہیں ماروں گا۔ جب نبی گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا تم سعد کی غیرت پر تعجب کر رہے ہو۔ اللہ کی قسم! میں اس سے بھی زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔“

مسائل

۱۔ مہمانوں کی عزت وآبرو کا خیال رکھنا معاشرے کے لیے لازم ہے۔

تفسیر بالقرآن

انسانوں کو ہر حال میں اللہ سے ڈرنا چاہیے:

۱۔ اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوانہ کرو۔ (الحجر: ٦٩) ۲۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔ (آل عمران: ۱۰۲)

۳۔ اللہ سے ڈرو اور اطاعت کرو۔ (التغابن: ١٦) ۴۔ اس اللہ سے ڈرو جس کے سامنے تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔ (المائدۃ: ۹٦)

۵۔ اے مومن بندو! اپنے پروردگار سے ڈرو۔ (الاحزاب: ۷۰)

٦۔ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ (المائدۃ: ۵۷)

يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾	سَكْرَتِهِمْ	لَفِيْ	اِنَّهُمْ	لَعَمْرُكَ
وہ سرگرداں ہوتے ہیں	ان کی مستی	البتہ میں	یقیناً وہ	آپ کی زندگی کی قسم

''آپ کی عمر کی قسم! بے شک وہ اپنی بدمستی میں سرمست تھے۔'' (۷۲)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ قوم لوط علیہ السلام کی بدمعاشی کی انتہا۔

قومِ لوط علیہ السلام کے بدمعاشوں کی بے حیائی اور غنڈہ گردی اس قدر حد سے بڑھ چکی تھی کہ حضرت لوط علیہ السلام انتہائی پریشان ہو کر بے ساختہ پکار اٹھے کہ کاش تمہارے مقابلے کے لیے میرے پاس قوت ہوتی یا پھر کوئی مضبوط پناہ گاہ۔ (ھود: ۸۰) اس کے باوجود غنڈوں کو شرم نہ آئی تو انہوں نے فرمایا میری بیٹیاں حاضر ہیں۔ (الاعراف: ۸۱) حالانکہ وہ لوگ کسی اعتبار سے بھی اس لائق نہ تھے کہ حضرت لوط علیہ السلام انھیں اپنی دامادی میں لینے کے لیے تیار ہوتے لیکن مہمانوں کی تکریم اور اپنی بے بسی کی وجہ سے حضرت لوط علیہ السلام نے انتہا درجے کی پریشانی میں یہ بات کہی۔ حضرت لوط علیہ السلام کے اضطراب اور بدمعاشوں کی غنڈہ گردی کی منظر کشی کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کی قسم کھا کر فرمایا ہے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی عمر کی قسم! اس وقت وہ لوگ بے حیائی کے نشے میں اندھے ہو چکے تھے۔ اس فرمان میں ایک طرف ان کی انتہائی بدمعاشی اور غنڈہ گردی کی عکاسی کی گئی ہے تو دوسری طرف یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ اے نبی! آپ کے مخالف بھی آپ کی مخالفت میں اندھے ہو چکے ہیں۔ ان لوگوں کو قوم لوط کا انجام اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی آپ کی عزت وعظمت کو دوبالا کرنے کے لیے آپ کی عمر کی قسم کھائی گئی ہے۔ جس سے بڑھ کر آپ کی پاکدامنی کا اور ثبوت نہیں ہو سکتا۔ مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات میں کسی کی عمر کی قسم نہیں کھائی یہ اعزاز واکرام صرف ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بخشا گیا ہے۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی قسم کھانے کا معاملہ ہے یہ اس کی مرضی اور حکمت ہے وہ جس کی چاہے قسم کھائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے اسی لیے انسان کے ذہن میں کسی حقیقت کو دو چند کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں کسی چیز کی قسم اٹھاتا ہے تو اس سے اُس بات اور کام کی اہمیت میں اضافہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ قسم کا یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ جس چیز کی قسم کھائی جارہی ہے کہ وہ قسم کھانے والے سے لازماً بڑی یا عظیم تر ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت:

((عَنْ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَيْفَ عَلِمْتَ أَنَّكَ نَبِيٌّ حَتّٰى اسْتَيْقَنْتُ ؟ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ أَتَانِي مَلَكَانِ وَأَنَا بِ بَعْضِ بَطْحَاءَ مَكَّةَ فَوَقَعَ أَحَدُهُمَا عَلَى الْأَرْضِ وَكَانَ

الآخَرُ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ أَهُوَ هُوَ ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَزِنْهُ بِرَجُلٍ فَوَزَنَتُ بِهِ فَوَزَنْتُهُ ثُمَّ قَالَ زِنْهُ بِعَشْرَةٍ فَوَزَنْتُ بِهِمْ فَرَجَحْتُهُمْ ثُمَّ قَالَ زِنْهُ بِمِائَةٍ فَوَزَنْتُ بِهِمْ فَرَجَحْتُهُمْ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَنْتَثِرُوْنَ عَلَى مَنْ خِفَّةِ الْمِيزَانِ قَالَ فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ لَوْ وَزَنْتَهُ بِأُمَّتِهِ لَرَجَحَهَا)) [رواه الدارمی]

''حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے کیسے جانا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں تاکہ میں بھی یقین کرسکوں آپ نے فرمایا اے ابوذر میرے پاس دوفرشتے آئے اور وہ بطحاء کی وادی میں گھومے پھرے، ایک ان میں سے زمین پر آیا اور دوسرا آسمان وزمین کے درمیان میں رہا۔ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کیا یہ وہی ہے اُس نے کہا ہاں اس نے کہا پھر ان کا وزن ایک آدمی کے ساتھ کیجیے۔میرا وزن ایک آدمی کے ساتھ کیا گیا میں بھاری نکلا، فرشتے نے کہا ان کا وزن دس آدمیوں کے ساتھ کیا جائے میں پھر بھی بھاری نکلا، پھر فرشتے نے کہا ان کا وزن سو آدمیوں کے ساتھ کیجیے تو میں پھر بھی بھاری نکلا۔ فرشتے نے کہا اگر تو ان کا وزن ان کی پوری امت کے ساتھ کرے گا تو یہ تب بھی بھاری نکلیں گے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ جس کی چاہے قسم کھائے۔
۲۔ مجرم اپنی مدہوشی میں بہکے رہتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی قسموں کے چند حوالے:

۱۔ آپ کی جان کی قسم! وہ اپنی مدہوشی میں مست ہیں۔(الحجر:۷۲)
۲۔ قسم ہے ان ہواؤں کی! جو بھیجی جاتی ہیں۔(المرسلات:۱)
۳۔ قسم ہے جان سختی سے نکالنے والے فرشتوں کی۔(النازعات:۱)
۴۔ قسم ہے برجوں والے آسمان کی۔(البروج:۱)
۵۔ قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والی چیز کی۔(الطارق:۱)
۶۔ قسم ہے فجر کی۔(الفجر:۱)
۷۔ میں قسم کھاتا ہوں مکہ شہر کی۔(البلد:۱)
۸۔ قسم ہے آفتاب اور اس کی روشنی کی۔(الشمس:۱)
۹۔ قسم ہے آپ کے رب کی وہ مومن نہیں ہوسکتے حتی کہ آپ اپنے درمیان فیصل تسلیم کرلیں۔(النساء:۶۵)

فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ مُشۡرِقِيۡنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمۡطَرۡنَا

چنانچہ آ پکڑا ان کو ایک چیخ سورج نکلتے وقت پھر کر دیا ہم نے اس کا اوپر والے حصے کو اس کے نیچے اور ہم نے برسائے

عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ

ان پر پتھر سے کھنگر یقیناً میں وہ

لَاٰيٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِيۡنَ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيۡلٍ مُّقِيۡمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِىۡ

البتہ نشانیاں غور وفکر کرنے والوں کے لیے اور یقیناً وہ ایسے راستے موجود یقیناً میں

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۷۷﴾

وہ البتہ نشانیاں مومنوں کے لیے

”پس سورج نکلتے ہی انہیں زبردست چیخ نے آ پکڑا۔“ (۷۳) ”ہم نے اس کا اوپر کا حصہ اس کا نیچے کا حصہ کر دیا اور ان پر کھنگر کے پتھروں کی بارش کی۔“ (۷۴) ”بے شک اس میں غور کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔“ (۷۵) ”اور بے شک وہ راستے پر موجود ہے۔“ (۷۶) ”بے شک اس میں ایمان والوں کے لیے بڑی عبرت ہے۔“ (۷۷)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ بدمعاشوں کی بدمعاشی کا منظر پیش کرنے کے بعد ان کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

ملائکہ نے حضرت لوط علیہ السلام کو پہلے ہی بتلا دیا تھا کہ صبح کے وقت آپ کی قوم کو اللہ کا عذاب آلے گا۔ جونہی عذاب کی گھڑی آ پہنچی تو حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے پوری بستی کو اٹھایا اور اس قدر اونچا لے جا کر اسے الٹ کر زمین پر دے مارا کہ بستی والوں کے چیخنے کی آوازیں آسمان کے ملائکہ تک نے سنیں۔

جس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ سورج نکلنے کے قریب ہی وہ پکڑے گئے اور ہم نے اس بستی کے اوپر کے حصہ کو نیچے کر دیا اور پھر ان پر پتھر برسائے گئے جن پر مخصوص نشان لگے ہوئے تھے۔ (الذاریات: ۳۴)

ارشاد ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں صاحب بصیرت لوگوں کے لیے بڑی عبرت ہے اور یہ علاقہ شاہراہِ عام پر واقع ہے۔ قوم لوط کی بستیاں مدینہ سے مدین جاتے ہوئے راستے میں پائی جاتی ہیں اور آج بھی ان کے کھنڈرات عبرت کا نقشہ پیش کر رہے ہیں۔ [رواہ البخاری: کتاب الانبیاء باب قولہ تعالیٰ والیٰ ثمود اخاھم صالحا]

دنیا کے موجودہ جغرافیے میں یہ بحر مردار اردن کی سرزمین میں واقع ہے۔ پچاس میل لمبا، گیارہ میل چوڑا ہے اس کا کل رقبہ ۳۵۱ مربع میل ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ گہرائی تیرہ سو فٹ پیمائش کی گئی ہے۔ یہ اسرائیل اور اردن کی سرحد پر واقع ہے اور

اس کا کسی بڑے سمندر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ گویا کہ یہ ایک بہت بڑی جھیل بن چکی ہے۔ اس کی نمکیات اور کیمیائی اجزاء عام سمندروں سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کے قریب ترین سمندر بحر روم ہے۔ جدید محققین نے اسی جگہ پر لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کی نشاندہی کی ہے۔ جو کسی زمانے میں یہاں صدوم عمود کے نام سے بڑے شہر آباد تھے۔ مصر کے محقق عبدالوہاب النجار نے بھرپور دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ عذاب سے پہلے اس جگہ پر کوئی سمندر نہیں تھا۔ جب اللہ کے عذاب کی وجہ سے اس علاقے کو الٹ دیا گیا تو یہ ایک چھوٹے سے سمندر کی شکل اختیار کر گیا۔''

۱۔ اس کے پانی کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں نمکیات کا تناسب پچیس فیصد ہے جب کہ دنیا کے تمام سمندروں میں نمکیات کا تناسب چار سے چھ فیصد شمار کیا گیا ہے۔

۲۔ اس کے کنارے نہ کوئی درخت ہے اور نہ ہی اس میں کوئی جانور زندہ رہ سکتا ہے حتیٰ کہ سیلاب کے موقع پر دریائے اردن سے آنے والی مچھلیاں اس میں داخل ہوتے ہی تڑپ تڑپ کر مر جاتی ہیں۔ اہل عرب اس کو بحیرہ لوط بھی کہتے ہیں۔ اس صورتِ حال کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

مسائل

۱۔ قومِ لوط کو آواز نے پکڑ لیا۔

۲۔ قومِ لوط کی بستی کو الٹ دیا گیا۔

۳۔ قومِ لوط پر پتھروں کی بارش برسائی گئی۔

۴۔ اہل بصیرت کے لئے اس واقعہ میں نشانیاں ہیں۔

۵۔ قومِ لوط کی بستی ایک آباد راستہ پر ہے۔

تفسیر بالقرآن

قوم لوط کے واقعہ کی تفسیر:

۱۔ ہم نے اس بستی کو الٹ کر ان پر پتھروں کی بارش برسائی۔ (الحجر:۷۴)

۲۔ ان کے پاس ان کی قوم کے لوگ دوڑتے ہوئے آئے اور وہ پہلے سے ہی بدکاریاں کیا کرتے تھے۔ (ھود:۷۸)

۳۔ لوط نے کہا کہ کاش میرے پاس طاقت ہوتی یا میں کوئی مضبوط پناہ گاہ پاتا۔ (ھود:۸۰)

۴۔ ہم نے اوپر والی سطح کو نیچے کر دیا اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسادی جو تہہ بہ تہہ تھے خاص نشان لگے ہوئے۔ (ھود:۸۲)

وَاِنْ	كَانَ	اَصْحٰبُ	الْاَيْكَةِ	لَظٰلِمِيْنَ ۝٧٨	فَانْتَقَمْنَا
اور یقیناً	تھے	اصحاب	ایکہ	ضرور ظالم	پھر ہم نے انتقام لیا
مِنْهُمْ	وَاِنَّهُمَا	لَبِاِمَامٍ	مُّبِيْنٍ ۝٧٩		
ان سے	اور یقیناً وہ دونوں	البتہ سامنے	واضح		

وقف لازم ١٥/٩ ع

''اور بے شک ایکہ والے ظالم تھے۔''(٧٨)''ہم نے ان سے انتقام لیا اور بے شک وہ دونوں یقیناً کھلے راستے پر موجود ہیں۔''(٧٩)

فہم القرآن

ربط کلام: قوم لوط کے بعد اصحاب ایکہ کا انجام۔

"اصحاب الایکۃ" سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے۔ جنہیں تاریخ میں قومِ مدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اہل مدین عرب کے باشندے تھے۔ مدین حجاز کی سرزمین کے متصل اور بحیرۂ لوط کے قریب ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے بعد اپنے علاقہ میں نمایاں حیثیت کی حامل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف خطیب الانبیاء حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا۔ یہ لوگ عقیدہ کے اعتبار سے کافر تھے۔ پرلے درجے کے راہزن، ناپ تول میں کمی بیشی کرنے والے، خیانت اور ملاوٹ میں ملوث اپنے علاقے کے خاص قسم کے درخت کو متبرک سمجھ کر اس کی پوجا کرتے۔ اس درخت کے اردگرد درختوں کا بہت بڑا جھنڈ تھا۔ جس وجہ سے انہیں "اصحاب الایکۃ" کہا جاتا ہے۔ ان کے جرائم کی تفصیل دیکھنے کے لیے سورۃ الاعراف آیت: ٨٥تا٩٣ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں جرائم سے باز رکھنے کی بڑی جدوجہد فرمائی۔ مگر یہ اس قدر ظالم اور سفاک لوگ تھے کہ انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھیوں پر مظالم کی انتہا کر دی اور انہیں اپنے دین پر واپس لانے کے لیے دھمکیاں دیتے اور ظلم کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں شدید زلزلے سے دوچار کیا اور انہیں ایک ایسے دھماکے نے آلیا کہ یہ لوگ اپنے گھروں میں اوندھے منہ موت کے گھاٹ اتر گئے۔ جس کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے ان سے انتقام لیا ان کا علاقہ اور انجام تمہارے سامنے ہے۔

((عَنْ أَبِیْ أُمَامَةَ، قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، یَقُوْلُ إِذَا مَرَرْتُمْ عَلٰی أَرْضٍ قَدْ أُهْلِكَ أَهْلُهَا فَاعْدُوا السَّیْرَ)) [رواہ الطبرانی فی الکبیر وھو حدیث صحیح]

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے جب تم ایسی زمین سے گزرو جس کے بسنے والوں کو ہلاک کیا گیا ہو تو وہاں سے جلدی گزر جاؤ۔''

مسائل

١۔ ایکہ بستی والے ظالم تھے۔ ٢۔ دونوں بستیاں شاہراہ پر واقع ہیں۔

وَلَقَدۡ كَذَّبَ اَصۡحٰبُ الۡحِجۡرِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۙ﴿۸۰﴾ وَاٰتَيۡنٰهُمۡ اٰيٰتِنَا

اور البتہ تحقیق جھٹلایا اس نے والے حجر بھیجے گئے اور ہم نے ان کو دی ہماری نشانیاں

فَكَانُوۡا عَنۡهَا مُعۡرِضِيۡنَ ۙ﴿۸۱﴾ وَكَانُوۡا يَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ

پھر وہ تھے ان سے منہ پھیرنے والے اور وہ تھے وہ تراشتے ہیں سے پہاڑ

بُيُوۡتًا اٰمِنِيۡنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ مُصۡبِحِيۡنَ ۙ﴿۸۳﴾ فَمَاۤ اَغۡنٰى

گھر بے خوف ہو کر پھر آ پکڑا ان کو چیخ صبح کے وقت چنانچہ نہ فائدہ دیا

عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۸۴﴾

ان سے جو تھے وہ وہ کماتے ہیں

’’اور بلاشبہ ’’حجر‘‘ والوں نے رسولوں کو جھٹلا دیا۔‘‘(۸۰)’’اور ہم نے انہیں نشانیاں دیں۔ وہ ان سے منہ پھیرنے والے تھے۔‘‘(۸۱)’’، وہ پہاڑوں میں مکان تراشتے تھے اور بے خوف تھے۔‘‘(۸۲)’’پس انہیں صبح ہوتے ہی زبردست چیخ نے آ لیا۔‘‘(۸۳)’’ان کے کسی کام نہ آیا جو وہ کمایا کرتے تھے۔‘‘(۸۴)

فہم القرآن

ربط کلام: اصحاب الایکہ کے بعد اصحاب الحجر کی تاریخ اور ان کا انجام۔

اصحاب الحجر سے مراد وہ قوم اور علاقہ ہے جو مدینہ سے تبوک جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے۔ یہ علاقہ جغرافیائی اعتبار سے خلیج اربعہ کے مشرق میں اور شہر مدین کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ یہ قوم اس قدر ٹیکنالوجی اور تعمیرات کے معاملے میں ترقی یافتہ تھی کہ انہوں نے پہاڑوں کو تراش تراش کر مکانات اور محلات تعمیر کیے تھے تاکہ کوئی زلزلہ اور طوفان انہیں نقصان نہ پہنچا سکے۔ یہ قوم بھی کفر وشرک کا عقیدہ رکھنے کے ساتھ ہر قسم کے جرائم میں ملوث تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے بہت سمجھایا مگر یہ لوگ کفر وشرک اور برے اعمال سے باز نہ آئے۔ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ایماندار ساتھیوں کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ کرتے کہ تم ہمارے لیے نحوست کا سبب ہو اور حضرت صالح علیہ السلام پر جادو کا اثر ہو چکا ہے۔ (الشعراء:۱۴۲تا۱۵۳) انھوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہمارے سامنے اس پہاڑ سے گابھن اونٹنی نمودار نہ ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا کہ اس طرح معجزہ طلب نہ کرو۔ اگر تمہارا منہ مانگا معجزہ ظاہر کر دیا گیا۔ اور تم نے اس کا انکار کیا تو پھر تمہارا بچنا مشکل ہوگا۔ لیکن قوم ثمود نے اونٹنی کاٹ دیں۔ جسکے سبب عذاب نازل ہوا۔ جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے تفصیل جاننے کے لیے سورۃ الاعراف کی آیت: ۷۳تا۷۹ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا

اور نہیں | ہم نے پیدا کیا | آسمانوں | اور زمین | اور جو | دونوں کے درمیان | مگر

بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝۸۵

حق کے ساتھ | اور یقیناً | قیامت | ضرور آنے والی | لہٰذا آپ درگزر کریں | درگزر کرنا | خوبصورت

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝۸۶

یقیناً | آپ کا رب | وہی | پیدا کرنے والا | جاننے والا

''اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو ٹھیک پیدا کیا اور یقیناً قیامت ہر صورت آنے والی ہے پس درگزر کیجیے، اچھے طریقے سے درگزر کرنا۔'' (۸۵) ''بے شک آپ کا رب کمال درجے کا پیدا کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (۸۶)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ مجرموں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ دنیا ہمیشہ رہے گی اور قیامت برپا نہیں ہوگی۔ حالانکہ قیامت یقیناً برپا ہو کر رہے گی۔

انبیاءِ کرام علیہم السلام توحید و رسالت کے بعد جس عقیدہ پر سب سے زیادہ زور دیتے تھے وہ مر کر اٹھنا اور اللہ کے حضور اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ جسے عرف عام میں فکرِ آخرت کا عقیدہ کہا جاتا ہے۔ انسان جب آخرت کی جواب دہی کی فکر سے آزاد ہو جاتا ہے تو وہ نہ صرف دنیا کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے بلکہ وہ ہر کام میں من مرضی کرنے کو اپنا حق سمجھتا ہے۔ دنیا پرستی اور لذتِ نفس کی خاطر وہ جرائم میں آگے ہی بڑھتا جاتا ہے۔ بالآخر وہ یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ یہ دنیا ہمیشہ رہنی ہے اور اللہ تعالیٰ نے محض اسے اپنی دل لگی کے لیے پیدا کیا۔ اس باطل اور بے بنیاد نظریہ کی تردید کے لیے قرآن مجید میں سینکڑوں دلائل دیے گئے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دنیا نے ہمیشہ قائم نہیں رہنا اور بالآخر انسان نے اپنے رب کی بارگاہ میں پیش ہو کر اپنے اعمال کا جواب دینا اور اسے اچھے یا برے انجام کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس بات کو مختصر الفاظ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

''ہم نے زمین و آسمانوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے حق کے ساتھ تخلیق فرمایا ہے۔'' (الاحقاف: ۳)

حق سے مراد ہے کہ انہیں بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ بلکہ سب انسان کی خدمت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ جو لوگ اپنے رب کی عبادت میں زندگی صرف کریں گے وہ جزا پائیں گے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے بجائے اس کی نافرمانی کا راستہ اختیار کیا انہیں ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے گی۔ لہٰذا اے پیغمبر! قیامت کا برپا ہونا یقینی ہے جو لوگ اس کا انکار کرتے اور آخرت کو جھٹلاتے ہوئے لایعنی گفتگو کرتے ہیں ان سے الجھنے کی بجائے صبر و تحمل

اختیار کر کے انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دیں۔ یقیناً آپ کا رب سب کو پیدا کرنے اور ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَإِذَا طَلَعَتْ فَرَآهَا النَّاسُ آمَنُوا أَجْمَعُونَ ، فَذَلِكَ حِينَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا ، لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ ، أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ نَشَرَ الرَّجُلَانِ ثَوْبَهُمَا بَيْنَهُمَا فَلَا يَتَبَايَعَانِهِ وَلَا يَطْوِيَانِهِ ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدِ انْصَرَفَ الرَّجُلُ بِلَبَنِ لِقْحَتِهِ فَلَا يَطْعَمُهُ ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَهُوَ يَلِيطُ حَوْضَهُ فَلَا يَسْقِي فِيهِ ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ رَفَعَ أُكْلَتَهُ إِلَى فِيهِ فَلَا يَطْعَمُهَا))[رواہ البخاری:باب قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو اسے دیکھ کر تمام کے تمام لوگ ایمان لے آئیں گے۔لیکن اس وقت اس کے ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا جو اس سے قبل نہ ایمان لایا اور نہ اس نے نیک اعمال کیے۔دو آدمیوں نے کپڑا پھیلایا ہوگا دوکاندار کپڑے کو بیچ اور سمیٹ نہیں پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ دودھ دوہنے والا دودھ پی نہیں سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔حوض پر وارد ہونے والا پانی نہیں پی سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔انسان اپنے منہ میں ڈالا ہوا لقمہ کھا نہیں پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔“

مسائل

۱۔ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے، بے مقصد پیدا نہیں کیا گیا۔ ۲۔ قیامت ضرور آئے گی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت برپا ہو کر رہے گی:

۱۔ یقیناً قیامت آنے والی ہے۔(الحجر:۸۵) ۲۔یقیناً قیامت آنے والی ہے اور اللہ قبر والوں کو اٹھائے گا۔(الحج:۷)

۳۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت برپا ہونے میں کوئی شک نہیں۔(الکھف:۲۱)

۴۔ بے شک قیامت آنے والی ہے۔میں اس کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر کسی کو جزا یا سزا ملے۔(طٰہٰ:۱۵)

۵۔ اے لوگو!اللہ سے ڈر جاؤ بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔(الحج:۱)

۶۔ کافر ہمیشہ شک میں رہیں گے، یہاں تک کہ قیامت اچانک آجائے۔(الحج:۵۵)

۷۔ ہم نے قیامت کے دن جھٹلانے والوں کے لیے آگ کا عذاب تیار کیا ہے۔(الفرقان:۱۱)

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾

اور البتہ تحقیق ہم نے آپ کو دی سات سے بار بار دہرائی جانے والی اور قرآن عظیم

”اور بلاشبہ یقیناً ہم نے آپکو بار بار دہرائی جانے والی سات آیات اور عظیم قرآن عطا کیا ہے۔“(۸۷)

فہم القرآن

ربط کلام: سابقہ اقوام کے عبرت ناک انجام کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسلی و اطمینان دیتے ہوئے سورۃ کے اختتام میں گذشتہ تمام مضامین کو سمیٹا جا رہا ہے۔

اے پیغمبر! آپ کو منکرین کے ساتھ اس لئے بھی نہیں الجھنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سورۃ الفاتحہ اور قرآن مجید کی صورت میں عظیم دولت سے مالا مال کیا ہے۔ جس میں منکرین کا انجام اور اللہ کے بندوں کا انعام بیان کیا گیا ہے۔ نبوت کا منصب بذاتِ خود اس قدر اعلیٰ و ارفع ہے کہ دنیا کا کوئی منصب اور نعمت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مزید انعام و احسان یہ کہ نبوت کے منصب کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس شخصیت کو اپنی کتاب بھی عطا فرما دے۔ صاحب کتاب نبی جسے ”الرسول“ بھی کہا گیا ہے۔ یہ وہ منصب ہے کہ جس کا موازنہ اور مقابلہ کسی فرشتے کے ساتھ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بالخصوص ہمارے رسول مکرم ﷺ کا وہ منصب اور مقام ہے جس کی مثال کائنات کی کسی چیز سے نہیں دی جا سکتی۔ جس طرح آپ کی ذات اور مقام بے مثال اور عالی مرتبت ہے اسی طرح قرآن مجید کی صورت میں جو کتاب آپ کو عنایت کی گئی ہے۔ اس کی مثل کوئی دوسری کتاب نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ اے رسول ﷺ! ہم نے آپ کو بار بار دہرائی جانے والی سات آیات یعنی سورۃ الفاتحہ اور قرآن مجید، فرقان حمید عنایت فرمایا ہے۔ لہٰذا لوگوں کو بتلائیں کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایسی نصیحت آچکی ہے جو دلوں کی بیماریوں کے لیے شفا، تمہاری زندگی کے لیے رہنما اور اس پر ایمان لانے والوں کے لیے رحمت ہے۔ لہٰذا اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوش ہو جاؤ۔ یہ سراسر بہتر ہے اس سے جو اپنے لیے جمع کرتے ہو۔ (یونس: ۵۷۔۵۸)

اس گراں مایہ خزانے کے ساتھ آپ کو سورۃ فاتحہ کی صورت میں سات آیات عنائت کی گئی ہیں۔ جو بار بار پڑھی جانے والی ہیں۔ قرآنِ مجید سورۃ فاتحہ کی زبان میں انعام یافتہ، مغضوب اور گمراہ لوگوں کے حوالے سے قوموں کے عروج و زوال بیان کرتا ہے تاکہ سمع و اطاعت اور تسلیم و رضا کا رویّہ اختیار کرنے والوں کو بہترین انجام اور ان کا مرتبہ و مقام بتلایا جائے، باغیوں اور نافرمانوں کو ان کے انجام سے ڈرایا جائے۔ قرآنِ مجید کے باقی ارشادات و احکامات انہی مضامین کی تفصیلات اور تقاضے ہیں اور یہی قرآن کا پیغام ہے۔ اسی بنیاد پر سورۃ الحمد کو فاتحہ اور ام الکتاب کا نام دے کر اس کو کتاب مبین کی ابتدا میں رکھا گیا ہے۔

فاتحہ کی فضیلت:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ بَيْنَمَا جِبْرِيْلُ قَاعِدٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم سَمِعَ نَقِيْضًا مِّنْ فَوْقِهٖ فَرَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ هٰذَا بَابٌ مِّنَ السَّمَآءِ فُتِحَ الْيَوْمَ لَمْ يُفْتَحْ قَطُّ إِلَّا الْيَوْمَ فَنَزَلَ مِنْهُ مَلَكٌ فَقَالَ هٰذَا مَلَكٌ نَزَلَ إِلَى الْأَرْضِ لَمْ يَنْزِلْ قَطُّ إِلَّا الْيَوْمَ فَسَلَّمَ فَقَالَ أَبْشِرْ بِنُوْرَيْنِ أُوْتِيْتَهُمَا لَمْ يُؤْتَهُمَا نَبِيٌّ قَبْلَكَ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَخَوَاتِيْمِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ لَنْ تَقْرَأَ بِحَرْفٍ مِّنْهُمَا إِلَّا أُعْطِيْتَهٗ))

[رواہ مسلم: كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل الفاتحة]

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس دوران انہوں نے اوپر سے ایک زوردار آواز سنی اور اپنا سر اٹھا کر فرمایا کہ آسمان کا جو دروازہ آج کھولا گیا ہے یہ اس سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا۔ اس دروازے سے ایک فرشتہ نازل ہوا یہ ایسا فرشتہ ہے جو آج ہی زمین پر نازل ہوا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں اترا۔ پھر اس فرشتے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور کہا: دونوروں کی خوشخبری سنیے! یہ دونوں نور آپ ہی کو عطا کیے گئے ہیں اور آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے۔ ایک فاتحۃ الکتاب اور دوسرا سورۃ البقرۃ کی آخری آیات۔ آپ ان دونوں میں سے کوئی کلمہ تلاوت کریں گے تو آپ کی مانگی مراد پوری ہو جائے گی۔“

فاتحہ کی عظمت:

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم خَرَجَ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَا أُبَيُّ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَالْتَفَتَ أُبَيٌّ وَلَمْ يُجِبْهُ وَصَلّٰى أُبَيٌّ فَخَفَّفَ ثُمَّ انْصَرَفَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَعَلَيْكَ السَّلَامُ مَا مَنَعَكَ يَا أُبَيُّ أَنْ تُجِيْبَنِيْ إِذْ دَعَوْتُكَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ كُنْتُ فِي الصَّلَاةِ قَالَ أَفَلَمْ تَجِدْ فِيْمَآ أُوْحِيَ اللّٰهُ إِلَيَّ أَنِ **(اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ)** قَالَ بَلٰى وَلَآ أَعُوْدُ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ قَالَ تُحِبُّ أَنْ أُعَلِّمَكَ سُوْرَةً لَمْ يَنْزِلْ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الْإِنْجِيْلِ وَلَا فِي الزَّبُوْرِ وَلَا فِي الْفُرْقَانِ مِثْلُهَا قَالَ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ كَيْفَ تَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ قَالَ فَقَرَأَ أُمَّ الْقُرْآنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا أُنْزِلَتْ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الْإِنْجِيْلِ وَلَا فِي الزَّبُوْرِ وَلَا فِي الْفُرْقَانِ مِثْلُهَا وَإِنَّهَا سَبْعٌ مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ أُعْطِيْتُهٗ))

[رواه الترمذی: كتاب فضائل القرآن، باب مَآ جَاءَ فِي فَضْلِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی بن کعب کے ہاں تشریف لے گئے۔ آپ

نے اسے آواز دی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے التفات فرمایا اور جواب نہ دیا لیکن اپنی نماز کو ہلکا کر دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا۔تو اس نے کہا آپ کو سلام کہا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا اے ابی! کس چیز نے تجھے جواب دینے سے روکے رکھا، اس نے کہا اللہ کے رسول میں نماز ادا کر رہا تھا آپ نے فرمایا کیا تو قرآن مجید میں یہ بات نہیں پاتا کہ اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دو۔ جب وہ تمہیں بلائیں ایسی چیز کی طرف جو تمھیں زندگی بخشنے والی ہے۔ اس نے کہا کیوں نہیں ان شاء اللہ دوبارہ ایسے نہیں کروں گا۔آپ نے فرمایا کیا تو پسند کرتا ہے کہ میں تجھے ایسی سورۃ سکھلاؤں جو توراۃ، انجیل، زبور اور قرآن مجید میں نہیں ہے اس نے کہا جی ہاں اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا تو نماز میں کیا پڑھتا ہے حضرت ابی نے سورۃ فاتحہ پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔اس جیسی سورۃ توراۃ، انجیل، زبور اور قرآن مجید میں نازل نہیں ہوئی اور یقیناً یہ سات آیات ہیں اور عظمت والا قرآن ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔“

((عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُونَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ قُلْنَا نَعَمْ هَذَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا))

[رواہ ابو داؤد:باب مَنْ تَرَكَ الْقِرَاءَةَ فِي صَلَاتِهِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ]

”حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صبح کی نماز پڑھ رہے تھے آپ پر قرأت بھاری ہوگئی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کیا تم امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ ہم نے عرض کی جی ہاں۔آپ نے فرمایا تم صرف سورۃ فاتحہ پڑھا کرو کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو الفاتحہ کی صورت میں سات آیات دیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے اوصاف اور عظمت:

۱۔ اللہ نے رسول اللہ کو قرآن مجید اور سات آیات دیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں۔(الحجر:۸۷)

۲۔ قرآن مجید ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔(البقرۃ:۲) ۳۔قرآن مجید برہان اور نور مبین ہے۔(النساء:۱۷۴)

۴۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔(البقرۃ:۱۸۵) ۵۔قرآن مجید اللہ کی طرف سے کھلی کتاب ہے۔(ھود:۱)

۶۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔(آل عمران:۱۳۸)

لَا	تَمُدَّنَّ	عَيْنَيْكَ	اِلٰى	مَا	مَتَّعْنَا	بِهٖٓ	اَزْوَاجًا
نہ	اٹھائیں آپ	اپنی آنکھیں	طرف	جو	ہم نے فائدہ دیا	اس کے ساتھ	جوڑے

مِّنْهُمْ	وَلَا	تَحْزَنْ	عَلَيْهِمْ	وَاخْفِضْ	جَنَاحَكَ	لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾
ان میں سے	اور نہ	آپ غم کھائیں	ان پر	اور آپ جھکا دیں	اپنے کندھے	مومنوں کے لیے

وَقُلْ	اِنِّیْٓ	اَنَا	النَّذِيْرُ	الْمُبِيْنُ ﴿٨٩﴾	كَمَآ	اَنْزَلْنَا
اور فرما دیجئے	یقیناً میں	میں	ڈرانے والا ہوں	ظاہر	جیسا کہ	ہم نے نازل کیا

عَلَى	الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿٩٠﴾	الَّذِيْنَ	جَعَلُوا	الْقُرْاٰنَ	عِضِيْنَ ﴿٩١﴾
پر	تقسیم کرنے والے	وہ لوگ	کر دیا انہوں نے	قرآن	ٹکڑے ٹکڑے

فَوَرَبِّكَ	لَنَسْئَلَنَّهُمْ	اَجْمَعِيْنَ ﴿٩٢﴾	عَمَّا	كَانُوْا	يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾
چنانچہ قسم ہے آپ کے رب کی	ان سے ضرور پوچھیں گے	سب	اس کی بابت	تھے وہ	وہ عمل کرتے ہیں

”نگاہ ان چیزوں کی طرف ہرگز نہ اٹھاؤ جو ہم نے مختلف لوگوں کو فائدہ اٹھانے کے لیے دی ہیں اور ان پر غم نہ کرو۔ اپنے کندھے ایمان والوں کے لیے جھکا دو“ (٨٨) اور فرمائیں کہ میں یقینی طور پر ڈرانے والا ہوں۔“ (٨٩) ”ایسے عذاب سے جیسا ہم نے تقسیم کرنے والوں پر اتارا ہے۔“ (٩٠) ”جنہوں نے کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔“ (٩١) ” آپ کے رب کی قسم ہم ان سے ضرور پوچھیں گے۔“ (٩٢) ”اس کے بارے میں جو وہ کیا کرتے تھے۔“ (٩٣)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

اے نبی! اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مثال منصب اور علمی، روحانی، دولت سے نوازا ہے۔ لہٰذا آپ کو کسی اور طرف نظر التفات نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم اور سورۃ فاتحہ جیسی نعمتیں عطا فرما کر اپنے رسول کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ہم نے دنیا داروں کو جو کچھ دے رکھا ہے، ان کی طرف نظر التفات نہیں کرنی اور نہ ہی ان کی باتوں پر غم زدہ ہونا چاہیے۔

ان کی باتوں اور دنیا داری کی طرف توجہ کرنے کے بجائے اپنے مومن ساتھیوں سے محبت اور ان کی طرف توجہ رکھیں۔ دنیا پرستوں کو بس اتنا فرمائیں کہ میں حق کا انکار کرنے والوں کو کھلے الفاظ میں ان کے انجام سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر اس طرح ہی عذاب نازل کرے گا۔ جس طرح ان سے پہلے ”مُقْتَسِمِیْنَ“ پر عذاب نازل کیا گیا تھا۔

مُقْتَسِمِیْنَ: کے اہل علم نے دو مفہوم بیان کیے ہیں۔

۱۔ جھوٹی قسمیں اُٹھانے والے۔

۲۔ مُقْتَسِمِيْنَ حصے بخرے کرنے والے اہل علم نے اس سے مراد یہود ونصاریٰ لیے گئے ہیں۔ جنہوں نے مذہبی منافرت اور ذاتی مفادات کی بنا پر تورات اور انجیل کے حصے بخرے کر دیے تھے۔

اسی طرح آپ کے مخالفین نے اپنے ذہن میں قرآن مجید کے حصے بخرے کر رکھے ہیں۔ توحید کی آیات سے انھیں سخت نفرت تھی۔ باقی آیات کو قدرے برداشت سمجھتے تھے۔ آپ کے رب کی قسم ہم ان سے ضرور باز پرس کریں گے اور ان کے اعمال کا ضرور احتساب ہوگا۔ اس بات کو قرآن مجید نے دوسرے مقام پر یوں بیان کیا ہے کہ بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو تقسیم کر دیا اور کئی گروہوں میں تقسیم ہو گئے اے نبی ﷺ آپ کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے وہ انہیں بتلائے گا جن کاموں میں وہ مصروف تھے۔ (الانعام: ۱۵۹)

دین میں تفریق پیدا کرنا اور قرآن مجید کو تقسیم کرنے کے بنیادی طور پر دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔

۱۔ ذاتی یا گروہی مفاد یا عناد کی بنا پر قرآن مجید کے کچھ احکام کا انکار کرنا اور کچھ کو تسلیم کر لینا۔ جس طرح اہل مکہ اور یہود ونصاریٰ نے رویہ اختیار کر رکھا تھا۔ اہل مکہ رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کرتے کہ فلاں فلاں آیات کو چھوڑ یا بدل دیا جائے۔ تب ہم قرآن مجید اور آپ کی رسالت پر ایمان لائیں گے۔ یہود ونصاریٰ ان آیات کو تسلیم کرتے تھے اور ہیں جن میں ان کے انبیاء کی تائید اور تورات و انجیل کی تصدیق پائی جاتی ہے۔ جن آیات میں ان کی خود ساختہ شریعت کی مخالفت پائی جاتی ہے یہ لوگ ان آیات کا انکار کرتے ہیں۔ یہی صورتِ حال ملائکہ کے بارے میں تھی اور ہے۔ بالخصوص یہودی حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کی ذات کے ساتھ یہ کہہ کر بغض رکھتے ہیں کہ جبرائیل نے ہمارے آباؤ اجداد پر عذاب نازل کیا تھا اس لیے وہ ہمارا دشمن ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ اس لیے نام نہاد علما اور مسلمان اس میں ترمیم واضافہ نہیں کر سکتے۔ لیکن اس کے متعین مفہوم میں اپنے اپنے عقائد کی تائید میں قرآن مجید کی آیات پیش کر کے دین میں تفریق اور امت میں تقسیم کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید نے واضح طور پر اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ قرآن مجید میں کچھ آیات محکم ہیں جو قرآن مجید کے مفہوم کی بنیاد ہیں اور دوسری آیات متشابہات ہیں۔ جن کے ایک سے زائد مفہوم بھی ہو سکتے ہیں۔ جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے۔ وہ بنیادی آیات اور اس کے مفہوم کو چھوڑ کر فتنہ برپا کرنے کے لیے متشابہات کے پیچھے لگتے ہیں۔ حالانکہ متشابہات کا صحیح مفہوم اللہ تعالیٰ اور پختہ علم والوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (آل عمران: ۷)

دین کو تقسیم کرنا سنگین جرم ہے جس کی سنگینی کے پیش نظر فرمایا گیا ہے کہ اے پیغمبر! تیرے رب کی قسم ان سے ان کے کردار کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ خَطَبَنَا عُمَرُ رضی اللہ عنہ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ يَآ أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ قُمْتُ فِيْكُمْ كَمَقَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْنَا فَقَالَ أُوْصِيْكُمْ بِأَصْحَابِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَفْشُو الْكَذِبُ حَتّٰى يَحْلِفَ الرَّجُلُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ وَيَشْهَدَ الشَّاهِدُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ أَلَا لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ أَبْعَدُ مَنْ أَرَادَ بِحَبُوْحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَآءَ تْهُ سَيِّئَتُهُ فَذٰلِكَ الْمُؤْمِنُ)) [رواه الترمذی: کتاب الفتن ، باب مَا جَاءَ فِی لُزُوْمِ الْجَمَاعَةِ]

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر خطبہ دیا کہا اے لوگو! میں تم میں کھڑا ہوا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اپنے صحابہ کے متعلق وصیت کرتا ہوں پھر ان کے بعد والوں کے لیے اور پھر ان سے بعد آنے والوں کے لیے۔ اس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا یہاں تک کہ آدمی قسم اٹھائے گا حالانکہ اس سے قسم طلب نہیں کی جائے گی۔ آدمی گواہی دے گا حالانکہ گواہی اس سے طلب نہیں کی جائے گی۔ آگاہ رہو! نہیں خلوت اختیار کرتا کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ مگر تیسرا ان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔ جماعت کو لازم پکڑو اور فرقوں میں بٹنے سے بچو یقیناً شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے دور ہوتا ہے جو جنت کی خوشبو چاہتا ہے وہ جماعت کے ساتھ منسلک رہے۔ جس کو نیکی اچھی لگے اور برائی بری محسوس ہو وہ مومن ہے۔“

مسائل

۱۔ کفار کے اموال کی طرف للچائی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ ۲۔ نبی اکرم ﷺ کو مومنوں کے ساتھ نرمی کرنے کا حکم دیا گیا۔

۳۔ آپ ﷺ کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا گیا۔ ۴۔ کچھ لوگ عملاً قرآن مجید کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے درپے رہتے ہیں۔

۵۔ ہر کسی سے اس کے اعمال کے متعلق پوچھا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

دنیا کی اصلیّت اور اس کا انجام:

۱۔ جو ہم نے کفار کو دے رکھا ہے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے۔ (الحجر: ۸۸)

۲۔ نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر کھیل تماشا۔ (العنکبوت: ۶۴)

۳۔ دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا سامان ہے۔ (آل عمران: ۱۸۵)

۴۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا قلیل ہے۔ (التوبۃ: ۳۸)

۵۔ آپ فرما دیں کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے۔ (النساء: ۷۷)

فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا

چنانچہ آپ اعلان کردیں ساتھ اس کے حکم دیا گیا آپ کو اور اعراض کریں سے مشرکوں یقیناً ہم

كَفَيۡنٰكَ الۡمُسۡتَهۡزِءِيۡنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيۡنَ يَجۡعَلُوۡنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا

ہم آپ کو کافی ہیں مذاق کرنے والے وہ لوگ وہ بناتے ہیں ساتھ اللہ کے معبود

اٰخَرَ ۚ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۶﴾

دوسرا پھر عنقریب وہ جان لیں گے

”پس اس کا واضح اعلان کردیں جس کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے اور مشرکوں کی پروانہ کریں۔“ (۹۴) ”بے شک ہم آپ کو مذاق کرنے والوں کے مقابلے میں کافی ہیں۔“ (۹۵) ”جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود بناتے ہیں وہ عنقریب جان لیں گے۔“ (۹۶)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ قرآن مجید کے ٹکڑے کرنے والے لوگوں کو انتباہ کرنے کے بعد رسول اکرم کو کھل کر تبلیغ کرنے کا حکم۔

اہل مکہ کی شدید مخالفت کے پیش نظر اور ساتھیوں کی کمی کی بنا پر نبوت کے ابتدائی تین سالوں میں آپ ﷺ نے ایک حد تک خفیہ تبلیغ کا طریقہ اپنایا۔ جونہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کچھ تعداد بڑھی اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی کٹ حجتیاں اور استہزا کے مقابلے میں آپ کی طرف سے مزاحمت کا اعلان فرمایا اور اس کے ساتھ حکم نازل ہوا کہ اے رسول! جو کچھ آپ کو بیان کرنے کا حکم دیا جار ہا ہے اسے دوٹوک انداز اور کھلے الفاظ میں لوگوں کے سامنے بیان فرمائیں اور مشرکین کی مخالفت کو خاطر میں نہ لائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے استہزا اور حجت بازیوں کے مقابلے میں آپ کو کافی ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں عنقریب انہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ مکہ معظّمہ کے ابتدائی تین سالوں میں رسول اکرم ﷺ عام طور پر دار ارقم میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید بتلایا اور سمجھایا کرتے تھے۔ لیکن توحید ایسی حقیقت ہے جس کے اثرات چھپ نہیں سکتے بشرطیکہ توحید کا اقرار اور ابلاغ کرنے والا اس کے تقاضے سمجھنے اور پورا کرنے کی کوشش کرے۔ یہی وجہ ہے کہ جونہی کوئی شخص مسلمان ہوتا اہل مکہ اس کی زندگی میں واضح انقلاب دیکھتے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا مکہ کے بڑے بڑے خاندانوں میں شریف النفس نوجوان حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر مکہ کے لوگ رسولِ معظم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو طعن و تشنیع اور استہزا کا نشانہ بنانے لگے۔ اس پر آپ کو براہِ راست اور آپ کے حوالے سے بالواسطہ صاحب ایمان لوگوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کے طعن و تشنیع اور استہزا کے مقابلے میں آپ کو کافی ہے۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو عبادت کے لائق اور حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے

ہیں وہ عنقریب اس کا انجام دیکھیں گے چنانچہ ٹھیک ہجرت کے دوسرے سال غزوۂ بدر میں دنیا نے ان کا انجام دیکھا اور آخرت میں مشرکین کو ہمیشہ ہمیش جہنم کے عذاب میں مبتلا رہنا ہوگا۔

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ يَرْفَعُهُ أَنَّ اللَّهَ يَقُولُ لِأَهْوَنِ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا لَوْ أَنَّ لَكَ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ كُنْتَ تَفْتَدِي بِهِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَقَدْ سَأَلْتُكَ مَا هُوَ أَهْوَنُ مِنْ هَذَا وَأَنْتَ فِي صُلْبِ آدَمَ أَنْ لَا تُشْرِكَ بِي فَأَبَيْتَ إِلَّا الشِّرْكَ))[رواه البخاری:باب طلب الكافر الفداء]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جہنمیوں میں سے سب سے ہلکے عذاب والے سے پوچھے گا کہ جو کچھ زمین میں ہے تو اس کا فدیہ دے گا؟ وہ ہاں میں جواب دے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تجھ سے اس سے بھی ہلکی چیز کا مطالبہ کیا تھا کہ تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا لیکن تو نے اس کا انکار کیا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ تمسخر کرنے والوں کے مقابلہ میں اپنے بندوں کے لیے کافی ہے۔
۲۔ مشرک کو مرنے کے بعد اس کے عقیدہ کے برے نتائج کا پتہ چل جائے گا۔
۳۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ہر حال میں اللہ کے احکام سنا دینے کا حکم دیا گیا۔
۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مشرکوں سے اعراض کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کیساتھ کوئی اور الٰہ نہیں:

۱۔ اللہ کے ساتھ کسی اور کو پکارنے کی کوئی دلیل نہیں۔ (المومنون:۱۱۷)
۲۔ اللہ کے ساتھ کسی اور کو نا پکارو وگرنہ عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ (الشعرآء:۲۱۳)
۳۔ اللہ کے ساتھ کسی اور الٰہ کو نا پکارو اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں مگر وہی (القصص:۸۸)
۴۔ اللہ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اور پھر آسمان سے پانی اتار کر باغات اگائے۔ کیا اس کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل:۶۰)
۵۔ کون ہے جو لاچار کی فریاد سنتا اور اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے، کیا اللہ کیساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل:۶۲)
۶۔ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں اللہ کے سوا رہنمائی کون کرتا ہے؟ کیا اللہ کیساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے۔ (النمل:۶۳)
۷۔ پہلے اور دوبارہ پیدا کرنے اور زمین وآسمان سے تمہارے لیے روزی کا بندوبست کرنے والا کون ہے؟ کیا اللہ کیساتھ کوئی اور الٰہ ہے؟ (النمل:۶۴)

وَلَقَدْ	نَعْلَمُ	اَنَّكَ	يَضِيْقُ	صَدْرُكَ	بِمَا	يَقُوْلُوْنَ ﴿٩٧﴾
اور البتہ تحقیق	ہم جانتے ہیں	یقیناً آپ	وہ تنگ ہوتا ہے	آپ کا سینہ	ساتھ اس کے جو	وہ کہتے ہیں
فَسَبِّحْ	بِحَمْدِ	رَبِّكَ	وَكُنْ	مِّنَ	السّٰجِدِيْنَ ﴿٩٨﴾	وَاعْبُدْ
چنانچہ آپ تسبیح بیان کریں	حمد کے ساتھ	اپنے رب کی	اور ہوتو	سے	سجدہ کرنے والے	اور تو عبادت کر
رَبَّكَ	حَتّٰى	يَاْتِيَكَ	الْيَقِيْنُ ﴿٩٩﴾			
تیرا رب	یہاں تک کہ	آجائے آپ کے پاس	یقین			

''اور بلاشبہ ہم جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں یقیناً آپ کا سینہ اس سے تنگ ہوتا ہے۔''(۹۷)''پس اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔''(۹۸)''اور اپنے رب کی عبادت کریں یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین آجائے۔''(۹۹)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ نے آپ کا دفاع کرنے کے ساتھ تسلی دی ہے۔

کفار کو انتباہ کرنے اور آپ کے دفاع کی ذمہ داری لینے کے بعد آپ کو مزید تسلی دینے کی خاطر ارشاد ہوتا ہے اے رسول ﷺ! ہم آپ کے حالات اور کیفیت کو بڑی اچھی طرح جانتے ہیں کہ کفار کے طعن و تشنیع اور استہزا سے آپ کے دل کو غم اور تکلیف پہنچتی ہے۔ جب بھی آپ غم اور تکلیف محسوس کریں تو مشرکین کے طعن و تشنیع اور استہزا کی طرف توجہ کرنے کے بجائے آپ اپنے رب کی حمد بیان کریں اور اس کے حضور سجدہ ریز ہو جائیں اور اپنے رب کی آخری دم تک عبادت کرتے رہیں۔ یہاں عبادت کے لیے ''الیقین'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس سے اکثر مفسرین نے موت مراد لی ہے۔ انسان کو اپنی موت تک اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی فرمانبرداری کرنا ہے۔ اسی کے پیش نظر مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے اے صاحب ایمان لوگو! ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یہاں تک کہ تمہیں موت بھی مسلمان ہونے کی حیثیت سے آئے۔ (آل عمران:۱۰۲)

لیکن اس کے مفہوم میں یہ بھی گنجائش نکلتی ہے کہ ''الیقین'' سے مراد عبادت میں وہ کیفیت اور اطمینان ہے۔ جس سے عبادت گزار کی طبیعت میں سکون اور دل میں اطمینان پیدا ہو جائے۔ کیونکہ! دل اللہ کے ذکر سے ہی قرار پاتے ہیں۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ اَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ فِیْ نَاحِیَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلّٰی ثُمَّ جَآءَ فَسَلَّمَ عَلَیْهِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَعَلَیْكَ السَّلَامُ ارْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلّٰی ثُمَّ جَآءَ فَسَلَّمَ فَقَالَ وَعَلَیْكَ السَّلَامُ ارْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ فِی الثَّالِثَةِ اَوْ فِی الَّتِیْ بَعْدَهَا عَلِّمْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاَسْبِغِ

الْوُضُوْءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَّفِيْ رِوَايَةٍ ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِيْ صَلٰوتِكَ كُلِّهَا)) [رواه البخاری:باب من رد فقال و علیکم السلام]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک کونے میں تشریف فرما تھے اس نے جلدی سے نماز پڑھی اور آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا۔آپ نے اسے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا پیچھے ہٹ کر دوبارہ نماز پڑھو کیونکہ آپ نے نماز نہیں پڑھی۔اس نے واپس پلٹ کر نماز پڑھی اور پھر آکر سلام عرض کیا۔آپ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا۔جا کر پھر نماز پڑھو یقیناً تیری نماز ادا نہیں ہوئی۔اس طرح وہ تیسری یا چوتھی دفعہ نماز پڑھنے کے بعد آیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی ارشاد فرمایا تب وہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ کے رسول! مجھے نماز ادا کرنے کا طریقہ سمجھائیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اچھی طرح وضو کرو۔قبلہ رخ کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہو پھر قرآن کی تلاوت کرو جتنی تم آسانی کے ساتھ کر سکتے ہو۔پھر اطمینان کے ساتھ رکوع کرو، رکوع کے بعد سر اٹھا کر اطمینان کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ، پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو' سجدہ کے بعد اطمینان کے ساتھ بیٹھو اب دوسرا سجدہ اطمینان کے ساتھ کرو۔پھر دو سجدوں کے بعد اطمینان اور سکون کے ساتھ بیٹھ کر اٹھو۔ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ موجود ہیں اس کے بعد پھر اطمینان کے ساتھ قیام کرو۔اس طرح اپنی نماز کو مکمل کرو۔''

مسائل

۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی باتیں سن کر دل میں تنگی محسوس کرتے تھے۔ ۲۔ انسان کو آخری دم تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے سے دل کو سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی تسبیح کے فوائد:

۱۔ اے لوگو! آخری دم تک اللہ کی عبادت کرو۔(الحجر:۹۹)

۲۔ جن وانس کو اللہ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔(الذاریات:۵۶)

۳۔ اپنے رب کی حمد و تسبیح بیان کرو اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔(الحجر:۹۸)

۴۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔میں تمھیں عذاب الیم سے ڈراتا ہوں۔(ھود:۲۶)

۵۔ اللہ کا ذکر دلوں کے لیے سکون و اطمینان کا باعث ہے۔(الرعد:۲۸)

تعارف سورۃ النحل

سورۃ النحل مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی۔ اس کے ١٦ رکوع اور ١٢٨ آیات ہیں۔ سورۃ کا نام، آیت ٦٨ سے لیا گیا ہے۔ النحل کا معنی ہے ''شہد کی مکھی۔'' مکہ اور اس کے گردونواح کے لوگ نبی اکرم ﷺ سے اکثر یہ مطالبہ کرتے تھے کہ جس عذاب سے ہمیں ڈراتے ہو وہ ہم پر نازل کیوں نہیں ہوتا؟ سورۃ کی ابتداء میں کفار کو چیلنج دیا گیا ہے کہ جس عذاب کا تم مطالبہ کرتے ہو وہ عنقریب تم پر نازل ہونے والا ہے۔ اس وارننگ کے بعد ہر انسان کو سمجھایا گیا ہے کہ تجھے اللہ تعالیٰ نے ایک نطفہ سے پیدا کیا ہے لیکن انسان اپنے خالق کے ساتھ جھگڑا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ باور کروایا ہے کہ قیامت کے دن کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر امت کی طرف رسول مبعوث فرمایا اور ہر نبی کا پیغام یہ تھا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور شیطان کی پیروی سے بچ جاؤ۔ کچھ لوگ ہدایت پا گئے اور باقی پر گمراہی مسلط ہوگئی۔ گمراہوں کا انجام دیکھنا چاہو تو دنیا کی تاریخ اور جغرافیہ اس پر گواہ ہیں۔ اس کے بعد ہجرت کا دنیا اور آخرت میں صلہ ذکر کیا گیا ہے۔ ساتویں رکوع کی ابتداء میں یہ ارشاد فرمایا کہ زمین وآسمان میں دو الٰہ نہیں ہیں۔ الٰہ صرف ایک ہی ہے۔ اس لیے صرف ایک ہی سے ڈرو۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے ظلم کی وجہ سے انہیں فی الفور پکڑنا چاہے تو انسان تو درکنار زمین پر کوئی چوپایہ بھی باقی نہ رہے۔ پھر شرک کی حقیقت سمجھاتے ہوئے دو قسم کے آدمیوں کی مثال دی گئی ہے۔ اس خطاب کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ہر امت پر اس کا پیغمبر شہادت دے گا اور نبی آخر الزماں ﷺ اپنی امت پر گواہ ہوں گے۔ اٹھارہویں رکوع کے آغاز میں عدل وانصاف احسان اور رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا، برائی، بے حیائی اور ہر قسم کی سرکشی اور نافرمانی سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ لوگو! اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کی پاسداری کرو۔ تمھارا کردار اس عورت کی طرح نہیں ہونا چاہیے جو شام کے وقت اپنے ہاتھوں سے کاتے ہوئے سوت کو ریزہ ریزہ کردیتی ہے، پھر قرآن مجید کی تلاوت کے آداب بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھ لیا کرو۔ اس سورۃ مبارکہ کا اختتام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات مبارکہ کے تذکرے کے ساتھ کیا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے رب کے نہایت ہی تابع فرماں اور اس کی اطاعت میں سراپا اخلاص ہونے کی وجہ سے مشرکوں کے ساتھ ان کا ہرگز تعلق نہ تھا وہ۔ اے پیغمبر ﷺ آپ کی طرف بھی ہم نے یہی وحی بھیجی ہے کہ آپ بھی پوری یکسوئی کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کو اپناتے ہوئے مشرکوں سے بے پرواہو جائیں

سُورَةُ النَّحلِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — رُکُوعُهَا:١٦ اٰیَاتُهَا:١٢٨

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

اَتٰٓی	اَمْرُ	اللّٰہِ	فَلَا	تَسْتَعْجِلُوْهُ ط	سُبْحٰنَهٗ	وَتَعٰلٰی
آ پہنچا	حکم	اللہ	سو نہ	تم اسے جلدی طلب کرو	وہ پاک ہے	اور برتر ہے

عَمَّا	یُشْرِکُوْنَ ①
ان سے جو	وہ شریک ٹھہراتے ہیں

’’اللہ کا حکم آ گیا، سو اس کے لیے جلدی نہ کرو، وہ پاک اور بہت بلند ہے اس سے جو وہ شریک بناتے ہیں۔‘‘ (۱)

فہم القرآن

ربط کلام: سورۃ الحجر کا اختتام ان آیات پر ہوا ہے کہ مشرکین سے مزید بحث و تکرار کرنے کی بجائے اعراض کیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے ان کی کٹ حجتیاں اور استہزا کے مقابلے میں کافی ہے یہ لوگ جو ہرزہ سرائی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس سے آپ کا دل پسیجتا ہے۔ بس آپ اپنے رب کو یاد کرتے رہیں اور کفار کو تنبیہ کریں کہ جس بات کی تم جلدی کرتے ہو وہ آن پہنچی ہے۔

رسول معظم ﷺ مشرکین کو اللہ تعالیٰ کی توحید سمجھاتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کیے رکھا تو اس کا عذاب تمہیں آ لے گا۔ لیکن مشرکین آپ ﷺ کا یہ کہہ کر مذاق اڑاتے کہ سال پر سال گزر رہے ہیں، تیری دھمکیوں کے باوجود اب تک ہم پر کوئی عذاب نازل نہیں ہوا۔ اس دلیری میں وہ اس قدر آگے بڑھ گئے کہ ایک دن بیت اللہ میں جمع ہو کر اس کے غلاف کو کھینچتے ہوئے یہ الفاظ کہتے ہیں کہ اے اللہ اگر یہ دین حق اور یہ رسول تیری طرف سے ہے تو پھر ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہمیں کسی ہولناک عذاب سے دوچار کر دے جس کا یہ جواب دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس لیے عذاب میں مبتلا نہیں کر رہا کہ اس کا رسول ان میں موجود ہے اور ان پر عذاب نہ آنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ ان میں مسلمان موجود ہیں جو استغفار کرتے رہتے ہیں۔ (الانفال: ۳۲۔۳۳)

لیکن اب وقت آ گیا تھا کہ ان کی نافرمانیوں کے بدلے میں ان پر عذاب نازل کیا جائے۔ چنانچہ اعلان ہوتا ہے اپنے آپ سے باہر ہونے اور جلدی کرنے کی ضرورت نہیں بس اللہ کا حکم آ ہی پہنچا ہے۔ جب اللہ کا عذاب آئے گا تو اس کے سامنے تم اور تمہارے معبودانِ باطل یکسر بے بس ہو جائیں گے۔ اب تک اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل نہیں ہوا تو اس کا معنیٰ یہ نہ سمجھو کہ

تمہارے اور تمہارے معبودوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کمزور ہے۔ وہ ہر کمزوری سے مبرا، اور ہر قسم کی شراکت سے پاک اور تمہارے باطل عقیدہ اور تصورات سے کہیں اعلیٰ اور ارفع ہے۔ اس کے کمال کو کوئی زوال نہیں اور اس کی ذات میں کوئی نقص نہیں وہ ہمیشہ سے اعلیٰ اور صاحب کمال ہے اور رہے گا۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ؓ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ قَالَ أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ قُلْتُ إِنَّ ذٰلِكَ لَعَظِيْمٌ ، قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ قَالَ وَأَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ تَخَافُ أَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ قَالَ أَنْ تُزَانِيَ حَلِيْلَةَ جَارِكَ))

[رواہ البخاری: کتاب التفسیر باب قَوْلُهُ تَعَالٰی (فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ أَنْدَادًا وَّأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ]

”حضرت عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ اللہ کے ہاں سب سے بڑا گناہ کونسا ہے آپ نے فرمایا تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے۔ میں نے کہا یہ تو بہت بڑا ہے۔ اس کے بعد کونسا ہے آپ نے فرمایا کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائے گی۔ میں نے عرض کی اس کے بعد کونسا گناہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ شریکوں کی شراکت سے پاک اور مبرا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر قسم کی کمزوری اور شرک سے پاک ہے:

۱۔ اللہ ان کے شرک سے پاک و برتر ہے۔ (النحل:۱)

۲۔ اللہ نے آسمان و زمین کو برحق پیدا کیا۔ اللہ شریکوں سے بلند و بالا ہے۔ (النمل:۳)

۳۔ اللہ غائب اور حاضر کو جاننے والا ہے اللہ شریکوں کی شراکت سے بلند ہے۔ (المومنون:۹۲)

۴۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ اللہ ان کے شرک سے بالا ہے۔ (النمل:۶۳)

۵۔ اللہ نے تمہیں پیدا کیا، رزق دیا، تمہیں مارے گا اور تمہیں زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے شرکا میں سے بھی کوئی ہے جو یہ کام کر سکے؟ اللہ مشرکوں کے شرک سے پاک ہے۔ (الروم:۴۰)

۶۔ قیامت کے دن آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوں گے۔ اللہ لوگوں کے شرک سے پاک و برتر ہے۔ (الزمر:۶۷)

يُنَزِّلُ	الْمَلٰٓئِكَةَ	بِالرُّوْحِ	مِنْ	اَمْرِهٖ	عَلٰى	مَنْ
وہ نازل کرتا ہے	فرشتے	روح کے ساتھ	سے	اس کا حکم	پر	جس
يَّشَآءُ	مِنْ	عِبَادِهٖٓ	اَنْ	اَنْذِرُوْٓا	اَنَّهٗ	لَآ
وہ چاہتا ہے	سے	اس کے بندے	یہ کہ	تم ڈراؤ	یقیناوہ	نہیں
اِلٰهَ	اِلَّآ	اَنَا	فَاتَّقُوْنِ ۞			
کوئی معبود	مگر	میں	سو مجھ ہی سے ڈرو			

''وہ اپنے حکم سے وحی کے ساتھ فرشتوں کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے کہ لوگوں کو متنبہ کرو کہ بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں لہذا مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔'' (۲)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شرک اور نقص سے مبرا ہونے کی وجہ سے اکیلا ہی معبودِ حق ہے۔

رسول معظم ﷺ کی نبوت کا انکار کفار کئی قسم کے اعتراضات اور بہانوں سے کیا کرتے تھے۔ ان میں ایک اعتراض اور بہانہ یہ تھا کہ اللہ نے واقعی عرب سے کسی کو رسول بنانا ہوتا تو وہ طائف یا مکہ کے فلاں امیرزادے کو رسول نامزد کرتا۔ اسے کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ ایک یتیم اور مالی اعتبار سے کمزور شخص کو اپنا رسول بناتا۔ اس کا جواب دوسرے مقامات پر مختلف الفاظ اور انداز میں دیا گیا ہے۔ لیکن یہاں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے اعلیٰ اور ہر قسم کے شرک سے مبرا ہے۔ اس لیے اسے نہ کسی کے مشورے اور تجویز کی حاجت ہے اور نہ ہی وہ کسی مالدار کی دولت کا محتاج ہے کہ اس کے بغیر اس کا پیغام لوگوں تک نہ پہنچ سکے۔ وہ تو ہر اعتبار سے بے نیاز اور طاقت ور ہے۔ اس لیے اس نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو اپنے پیغام کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کون سا سینہ اس کی وحی کا متحمل اور کون سے کندھے نبوت کی ذمہ داریاں اٹھا سکتے ہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں منتخب کرتا ہے۔ لہٰذا اس نے حضرت محمد ﷺ کو اپنے پیغام اور کام کے لیے اس لیے منتخب کیا ہے کہ وہ لوگوں کو سمجھائیں اور بتلائیں کہ اے لوگو! رب ذوالجلال سے ڈر کر اس کی ذات اور صفات میں شرک کرنا چھوڑ دو۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی معبودِ حق، حاجت روا اور مشکل کشا نہیں۔ لہٰذا ایرے غیرے سے ڈرنے کی بجائے صرف اسی سے ڈرتے رہو۔ رسول معظم ﷺ پر وحی لانے والا فرشتہ ایک ہی تھا۔ جن کا نام نامی اسم گرامی حضرت جبریل امین علیہ السلام ہے۔ مگر یہاں جمع کا لفظ ''الملائکۃ'' استعمال ہوا ہے۔ اس لیے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام ملائکہ کے سردار

ہیں اور اہل عرب تعظیم کی خاطر کسی قوم کے سربراہ کے لیے جمع کا لفظ بھی استعمال کرتے تھے۔ جس کی بنا پر الملک کے بجائے جمع کا لفظ لایا گیا ہے۔

الروح کا لفظ قرآن مجید میں تین معنوں میں استعمال ہوا ہے:

۱۔ الروح سے مراد ہر جاندار میں حرکت کرنے والی قوت جسے اُردو زبان میں جان اور عربی میں روح کہا جاتا ہے۔

۲۔ قرآن مجید میں روح سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ (الشعراء:۱۹۳)

۳۔ روح سے مراد وحی، پیغام اور کسی کے دل میں القا کرنا بھی آیا ہے۔ (النحل:۲۔المومن:۱۵۔الشعراء:۱۹۴)
یہاں اس سے مراد روح نبوت یعنی وحی ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اپنے حکم کے ساتھ نازل کرتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنی وحی کا نزول فرماتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔

۴۔ ہر حال میں اللہ سے ہی ڈرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں:

۱۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے جو رات کے بعد دن لائے؟ (القصص:۷۱)

۲۔ انہوں نے اللہ کے سوا ان کو الٰہ بنا لیا ہے جنہوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ (الفرقان:۳)

۳۔ اگر یہ الٰہ ہوتے تو جہنم میں نہ جاتے۔ (الانبیاء:۹۹)

۴۔ اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور پھر آسمان سے پانی اتار کر باغات اگائے۔ کیا اس کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل:۶۰)

۵۔ کون ہے جو لاچار کی فریاد سنتا اور اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے، کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل:۶۲)

۶۔ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں اللہ کے سوا رہنمائی کون کرتا ہے؟ کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے۔ (النمل:۶۳)

۷۔ پہلے اور دوبارہ پیدا کرنے اور زمین و آسمان سے تمہارے لیے روزی کا بندوبست کرنے والا اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے؟ (النمل:۶۴)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ③

اس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین حق کے ساتھ وہ اعلیٰ ہے اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں

''اس نے آسمانوں اور زمینوں کو ٹھیک ٹھیک پیدا کیا۔ وہ اس سے بہت بلند ہے جنہیں وہ شریک بناتے ہیں۔'' (٣)

فہم القرآن

ربط کلام: ایک اللہ سے ڈرنا اور اس ایک ہی کی عبادت کرنا اس لیے ہے کہ وہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اور کائنات کی تخلیق میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

لوگوں کو اس لیے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک سمجھنے اور بنانے سے منع کیا گیا ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق میں خالقِ حقیقی کے ساتھ اور کوئی شریک اور سہیم نہیں تھا۔ وہی زمین و آسمان اور ہر چیز کا خالق ہے۔ زمین و آسمان کا لا محدود نظام اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ نہ صرف اس کی تخلیق میں کوئی شریک نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے مقصد پیدا کرنے کے بجائے ایک خاص مقصد اور ٹھیک ٹھیک انداز میں پیدا فرمایا ہے۔ زمین و آسمان کا چپہ چپہ اور ذرہ ذرہ اس کی خدائی کی تصدیق کرنے کے ساتھ ساتھ باطل خداؤں کی تردید کر رہا ہے۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو برحق پیدا فرمایا۔

٢۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شرک سے برتر ہے۔

تفسیر بالقرآن

زمین و آسمان کی پیدائش کے مختلف مراحل:

١۔ اللہ نے آسمان و زمین کو برحق پیدا کیا ہے اللہ شرک سے بالاتر ہے۔ (النحل:٣)

٢۔ اللہ نے بغیر نمونے اور میٹیریل کے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ (البقرۃ:١١٦)

٣۔ زمین و آسمان پہلے باہم جڑے ہوئے تھے۔ پھر اللہ نے ان کو ایک دوسرے سے الگ کیا۔ (الانبیاء:٣٠)

٤۔ اللہ نے دو دن میں آسمانوں کو پیدا کیا۔ (حٰم السجدۃ:١٢)

٥۔ اللہ نے آسمان و زمین چھ دن میں بنائے۔ (الاعراف:٥٤)

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ ۝۴

کھلا	جھگڑنے والا	وہ	پھرنا گہاں	نطفے	سے	اس نے پیدا کیا انسان

’’اس نے انسان کوایک قطرے (نطفہ) سے پیدا کیا پھرنا گہاں وہ جھگڑنے والا ہوگیا۔‘‘(۴)

فہم القرآن

ربط کلام: زمین وآسمان کی تخلیق کے بعد انسان کی تخلیق کا بیان۔

اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان اوران کے درمیان جو چیز ہے اسے انسان کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے۔اس لیے انسان کی تخلیق کے بیان سے پہلے زمین وآسمان کی تخلیق کا ذکر فرمایا ہے۔گویا کہ مکیں سے پہلے مکاں کا بیان ہوا۔اب انسان کوتوجہ دلائی جارہی ہے کہ اے انسان تجھے اللہ تعالیٰ نے ایک حقیر پانی سے پیدا کیا ہےاورزمین وآسمان کی تخلیق کی طرح تیری تخلیق میں بھی کوئی شریک نہیں ہے۔وہ چاہتا ہے تو مرداورعورت کے ملاپ کے ذریعے ان کے نطفہ سے بچہ کو پیدا کرتا ہے،اگر نہ چاہے تو مرداورعورت کے زندگی بھر کے ملاپ سے کچھ بھی نہ پیدا ہواورنہ انہیں کوئی دوسرااولاد عطا کرسکتا ہے۔لیکن اس حقیقت کے باوجودانسان نہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کواس کا شریک بناتا ہے بلکہ شرک جیسے عظیم گناہ کے من گھڑت دلائل بھی دیتا ہے۔جواللہ تعالیٰ کے ساتھ کھلے الفاظ میں جھگڑا کرنے کے مترادف ہے۔لہٰذا ہرانسان کواپنی اوقات سامنے رکھنی چاہیے کہ وہ کیا تھااورکہاں پہنچااورکس ذاتِ کبریا کے ساتھ اوروں کوشریک بنا کراس کے ساتھ جھگڑا کرتا ہے۔(یٰس:۷۷)

((عَنِ ابۡنِ مَسۡعُوۡدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوۡلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ الصَّادِقُ الۡمَصۡدُوۡقُ اِنَّ خَلۡقَ اَحَدِكُمۡ يُجۡمَعُ فِيۡ بَطۡنِ اُمِّهٖ اَرۡبَعِيۡنَ يَوۡمًا نُّطۡفَةً ثُمَّ يَكُوۡنُ عَلَقَةً مِثۡلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَكُوۡنُ مُضۡغَةً مِثۡلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَبۡعَثُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ مَلَكًا بِاَرۡبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَكۡتُبُ عَمَلَهٗ وَاَجَلَهٗ وَ رِزۡقَهٗ وَشَقِيٌّ اَوۡ سَعِيۡدٌ ثُمَّ يُنۡفَخُ فِيۡهِ الرُّوۡحُ فَوَالَّذِيۡ لَآ اِلٰهَ غَيۡرُهٗ اِنَّ اَحَدَكُمۡ لَيَعۡمَلُ بِعَمَلِ اَهۡلِ الۡجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُوۡنَ بَيۡنَهٗ وَبَيۡنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسۡبِقُ عَلَيۡهِ الۡكِتَابُ فَيَعۡمَلُ بِعَمَلِ اَهۡلِ النَّارِ فَيَدۡخُلُهَاوَاِنَّ اَحَدَكُمۡ لَيَعۡمَلُ بِعَمَلِ اَهۡلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُوۡنَ بَيۡنَهٗ وَبَيۡنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسۡبِقُ عَلَيۡهِ الۡكِتَابُ فَيَعۡمَلُ بِعَمَلِ اَهۡلِ الۡجَنَّةِ فَيَدۡخُلُهَا))[رواه البخاری:باب خَلۡقِ آدَمَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيۡهِ وَذُرِّيَّتِهٖ]

’’حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اللہ کے سچے اورمصدوق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں ہر شخص کی تخلیق اس کی والدہ کے رحم میں چالیس دن ایک نطفہ کی صورت میں ہوتی ہے پھر چالیس دن جمے ہوئے خون کی شکل میں رہتا ہے پھر چالیس دن گوشت کی صورت میں رہتا ہے۔پھراللہ تعالیٰ فرشتے کو چار باتوں کے ساتھ بھیجتے ہیں وہ اس کا کردار،اس کی موت،اس کا رزق،اس کا بد یا نیک ہونا لکھتا ہے پھراس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔اس اللہ کی قسم جس کا کوئی شریک نہیں تم میں سے کوئی جنتیوں والے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جنت اوراس

کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اس پر تقدیر غالب آتی ہے اور وہ ایسے کام کرتا ہے کہ وہ جہنم میں داخل ہوجاتا ہے۔اسی طرح ایک شخص عمر بھر دوزخیوں والے کام کرتا ہے یہاں تک کہ دوزخ اور اس کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی ہوتا ہے تو اس پر لکھا ہوا غالب آجاتا ہے۔پھر وہ جنتیوں والے عمل کر کے جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی کَذَّبَنِیْ ابْنُ اٰدَمَ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ وَشَتَمَنِیْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ فَاَمَّا تَکْذِیْبُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهٗ لَنْ یُّعِیْدَنِیْ کَمَا بَدَاَنِیْ وَلَیْسَ اَوَّلُ الْخَلْقِ بِاَهْوَنَ عَلَیَّ مِنْ اِعَادَتِهٖ وَاَمَّا شَتْمُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهٗ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا وَّاَنَا الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ اَلِدْ وَلَمْ اُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لِّیْ کُفُوًا اَحَدٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ: ابْنِ عَبَّاسٍ وَّاَمَّا شَتْمُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهٗ لِیْ وَلَدٌ وَسُبْحَانِیْ اَنْ اَتَّخِذَ صَاحِبَةً اَوْ وَلَدًا))

[رواہ البخاری:باب قَوْلُهٗ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ]

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ یہ اس کے لیے مناسب نہیں۔وہ میرے بارے میں زبان درازی کرتا ہے یہ اس کے لیے ہرگز جائز نہیں۔اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ اللہ مجھے دوبارہ پیدا نہیں کرے گا جیسا کہ اس نے پہلی بار پیدا کیا۔حالانکہ میرے لیے دوسری دفعہ پیدا کرنا پہلی دفعہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے۔اس کا میرے بارے میں یہ کہنا بدکلامی ہے کہ اللہ کی اولاد ہے جبکہ میں اکیلا اور بے نیاز ہوں۔نہ میں نے کسی کو جنم دیا اور نہ مجھے کسی نے جنا ہے اور کوئی بھی میری ہر برابری کرنے والا نہیں۔صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ الفاظ پائے جاتے ہیں کہ ابن آدم کی میرے بارے میں بدکلامی یہ ہے کہ میری اولاد ہے جبکہ میں پاک ہوں نہ میری بیوی ہے نہ اولاد۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک نطفہ سے پیدا کیا۔ ۲۔ انسان جھگڑالو ہے۔

تفسیر بالقرآن

انسانی تخلیق کے مختلف مراحل:

۱۔ اللہ نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا۔(النحل:۴)

۲۔ اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔(آل عمران:۵۹)

۳۔ حوا کو آدم سے پیدا کیا۔(النساء:۱)

۴۔ ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔(المومنون:۱۲)

۵۔ ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔(الدھر:۲)

۶۔ اے لوگو!اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔(النساء:۱)

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا

اور چوپائے — اسی نے پیدا کیا اس کو — تمہارے لیے — اس میں — گرماؤ — اور کئی فائدے — اور ان میں سے

تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ

تم کھاتے ہو — اور تمہارے لیے — ان میں — رونق — جب — شام کے وقت تم چرا کر لاتے ہو

وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝

اور جب — صبح کے وقت تم چرانے لے جاتے ہو

''اور چوپایوں کو اس نے پیدا کیا، تمہارے لیے ان میں گرمی حاصل کرنے کا سامان اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور انہی سے تم کھاتے ہو۔'' (۵) ''اور تمہارے لیے ان میں ایک جمال ہے، جب تم شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب صبح کو چرانے کو لے جاتے ہو۔'' (٦)

فہم القرآن

ربط کلام: انسان کی تخلیق کے، چوپاؤں کی تخلیق کا بیان یعنی اللہ کے خالق ہونے کے مزید دلائل۔

انسان کو اس کی تخلیق کا احساس دلانے کے بعد ان چیزوں کی تخلیق کا حوالہ دیا جا رہا ہے کہ جن کے بغیر انسان کا جینا، رہنا سہنا اور اس کا ایک مقام سے دوسرے مقام تک جانا انتہائی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل و کرم فرماتے ہوئے نہ صرف انسان کو یہ نعمتیں عنایت فرمائیں بلکہ ان کو کلی طور پر انسان کے تابع فرمان کر دیا۔ ان میں حلال قسم کے چوپائے ہیں۔ جن کے جسم کے بالوں اور اُون سے آدمی سردیوں سے بچنے کے لیے گرم لباس بناتا اور استعمال کرتا ہے۔ بالخصوص عرب کا بیشتر علاقہ خانہ بدوش لوگوں پر مشتمل تھا۔ اس سے سفر کے دوران لباس اور جانوروں کی کھالوں، بالوں اور اون کے خیمے بناتے تھے۔ جاڑے کے موسم میں کھلے صحراؤں میں انہیں مکان کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اس طرح ہر دور میں انسان اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اپنی زیب و زینت اور ضرورت کے لیے استعمال کرتا آ رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چوپایوں کو آمدنی کے حصول کا ذریعہ بنانے کے ساتھ ان کے لیے سہارا اور شان و شوکت کا ذریعہ بھی بنایا ہے۔ بالخصوص دیہاتی زندگی میں بھیڑ بکریاں ہوں یا اونٹ، بیل اور بھینسیں ہوں جب شام کے وقت چراگاہوں اور کھیتوں سے چرواکر ان کے مالک کے واپس پاس آتے ہیں تو مالک کی طبیعت میں خوشی کی عجب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے چوپایوں کے صبح کے وقت نکلنے کا منظر بیان کرنے کے بجائے شام کے وقت پیٹ بھر کر واپس آنے کا منظر ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ صبح کے وقت چوپائے خالی پیٹ نکلتے ہیں تو ان کے مالک کو یہ فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ نہ معلوم چرنے کے لیے کہاں سے گھاس وغیرہ اور

پینے کے لیے پانی میسر آتا ہے؟ بالخصوص جن مالکوں کی چراگاہیں اپنی نہیں ہوتیں ان کی کیفیت صبح کے وقت ایسی ہی ہوتی ہے۔لیکن جب سیر ہو کر شام کو خیر و سلامتی کے ساتھ جانور واپس آتے ہیں تو مالک کے چہرے سے اطمینان عیاں ہوتا ہے۔

چوپایوں کے مزید فوائد:

﴿وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ﴾[النحل:٦٦]

''اور تمہارے لیے مویشیوں میں بھی ایک سبق موجود ہے کہ ہم تمہیں ان کے پیٹ سے گوبر اور خون کے درمیان میں سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار ہے۔''

﴿اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ○ وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ﴾[المومن:٧٩۔٨٠]

''اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہاری سواری اور کھانے کے لیے چوپایوں کو پیدا کیا اور تمہارے لیے ان میں اور بھی فوائد ہیں۔ جو ضرورت تمہارے جی میں آئے۔اس کے لیے ان پر اور کشتیوں پر سوار ہو کر وہاں پہنچ جاتے ہو۔''

مسائل

١۔ ہر قسم کے چوپائے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں۔

٢۔ اللہ تعالیٰ نے چوپایوں کو انسانی فوائد کے لیے پیدا کیا۔

٣۔ اللہ تعالیٰ نے چوپایوں کو انسان کے لیے زیب و زینت کا سامان بنایا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے چوپائے انسان کے فائدے کے لیے پیدا فرمائے:

١۔ اللہ نے چوپایوں کو انسانی ضروریات اور زیب و زیبائش کے لیے پیدا فرمایا ہے۔(النحل:٥۔٦)

٢۔ قربانی کے ایام میں ان پر اللہ کا نام لیں جو چوپائے اللہ نے تمھیں عطا کیے ہیں پس تم بھی اس میں سے کھاؤ اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔(الحج:٢٨)

٣۔ تمہارے لیے چوپایوں میں بہت زیادہ فائدہ ہے اور اسی سے تم کھاتے ہو۔(المومنون:٢١)

٤۔ چوپایوں میں تمہارے لیے نفع ہے ان پر تم سواری کرتے ہو۔(المومنون:٨٠)

وَتَحْمِلُ	اَثْقَالَكُمْ	اِلٰى	بَلَدٍ	لَّمْ	تَكُوْنُوْا	بٰلِغِيْهِ
اور وہ اٹھائی ہے	تمہارے بوجھ	طرف	شہر	نہیں	تم ہو	پہنچنے والے اس تک

اِلَّا	بِشِقِّ	الْاَنْفُسِ ؕ	اِنَّ	رَبَّكُمْ	لَرَءُوْفٌ	رَّحِيْمٌ ۟ۙ	وَّالْخَيْلَ
مگر	مشقت کے ساتھ	جسمانی	یقیناً	تمہارا رب	البتہ شفیق	رحم کرنے والا	اور گھوڑے

وَالْبِغَالَ	وَالْحَمِيْرَ	لِتَرْكَبُوْهَا	وَزِيْنَةً ؕ	وَيَخْلُقُ	مَا	لَا	تَعْلَمُوْنَ ۝
اور خچر	اور گدھے	تاکہ تم اس پر سوار ہو	اور زینت	اور وہ پیدا کرتا ہے	جو	نہیں	تم جانتے ہو

''اور وہ تمہارا بوجھ اس شہر تک لے جاتے ہیں جہاں تم تھے، جسمانی مشقت کے بغیر پہنچ نہیں سکتے، بے شک تمہارا رب بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' (۷) ''اور گھوڑے اور خچر اور گدھے زینت کے لیے، تاکہ تم ان پر سواری کرو اور اور وہ بہت کچھ پیدا کرے گا جنہیں تم نہیں جانتے۔'' (۸)

فہم القرآن

ربط کلام: حلال چوپایوں کے ذکر کے بعد بار برداری کے کام آنے والے چوپایوں کا تذکرہ۔

اللہ تعالیٰ کی یہ کرم فرمائی ہے کہ اس نے حلال چوپاؤں اور بار برداری کے کام آنے والے چوپاؤں کے درمیان حلال و حرام کے ذریعے فرق کر دیا ہے۔ حلال چوپایوں میں بھیڑ اور بکریوں کا گوشت زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ اور ان کی نسل دنیا کے تمام ممالک میں حسب ضرورت پائی جاتی ہے۔ ان کی افزائش اور پیدائش کا سلسلہ دوسرے چوپایوں کے مقابلے میں زود افزائش ہے۔ بھیڑ چھ سے سات مہینے کے دوران ایک سے لے کر تین تک بچے جنم دیتی ہے۔ بکری پانچ سے چھ مہینے کی مدت میں عام طور پر دو سے چار بچے پیدا کرتی ہے۔ ان کے مقابلے میں بار برداری کے کام آنے والے جانوروں کی حلال جانوروں کے مقابلے میں نسبتاً کم ضرورت ہوتی ہے اس لیے ان کی مدتِ پیدائش میں بھی خاصہ فرق رکھا گیا ہے۔ شاید اس کی ایک حکمت یہ ہے کہ انہوں نے بوجھ اٹھا کر طویل سفر کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے گھوڑی اور گدھی بارہ ماہ کے بعد بچہ پیدا کرتی ہے۔ تاکہ ان کے جسم مضبوط ہوں اور ان کے تخلیقی ڈھانچے میں کسی قسم کی کمزوری واقع نہ رہے۔ اگر سواری اور بار برداری کے لیے یہ جانور پیدا نہ کیے جاتے تو انسان کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ تک بھاری بھرکم اشیا کی منتقلی ناممکنات میں سے ہو جاتی۔ چوپائے سواری اور بار برداری کے کام آنے کے علاوہ آدمی کی زینت اور شوکت میں اضافہ کے باعث بھی ہیں۔ بالخصوص گھوڑے اور خچر کی سواری سوار کی شوکت میں اضافہ کا سبب بنتی ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی شفقت اور مہربانی کا نتیجہ ہے کہ اس نے چوپایوں کو انسان کے تابع کر دیا ہے۔ ورنہ انسان کے بس کی بات نہ تھی کہ وہ انہیں اپنے تابع کر لیتا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تمہاری سواری اور بار برداری کے لیے اللہ تعالیٰ وہ کچھ پیدا کرے گا جس کو تم نہیں جانتے چنانچہ ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنی عقل عنایت فرمائی کہ وہ سواری اور بار برداری کے لیے نئی سے نئی ایجادات کرتا

رہے۔اسی کا نتیجہ ہے کہ آج فضا میں سینکڑوں من بوجھ اٹھائے ہوئے ہوائی جہاز پرواز کر رہے ہیں اور ہزاروں ٹن وزن اٹھائے بحری جہاز سمندر کا سینہ چیرتے ہوئے ہزاروں میل کی مسافت طے کرتے دکھائی دیتے ہیں۔اگر یہ ایجادات نہ ہوتیں تو انسان کبھی اتنی ترقی نہ کرسکتا۔اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارا رب تم پر بڑا مہربان اور شفقت کرنے والا ہے۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ کَانَ اِذَا اسْتَوٰی عَلٰی بَعِیْرِہٖ خَارِجًا اِلَی السَّفَرِ کَبَّرَ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ (سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْاَلُكَ فِیْ سَفَرِنَا ھٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَا ھٰذَا وَاطْوِلَنَا بُعْدَہٗ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْاَھْلِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَّعْثَآءِ السَّفَرِ وَکَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْٓءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِ) وَاِذَا رَجَعَ قَالَ ھُنَّ وَزَادَ فِیْھِنَّ (آئِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ)) [رواہ مسلم:باب مایقول اذا رکب الی سفر الحج]

”حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ سفر پر روانہ ہوتے وقت جب اپنے اونٹ پر سوار ہوتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے پھر یہ دعا پڑھتے ”پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کردیا حالانکہ ہم اس کو زیر کرنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ بلاشبہ ہم اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ بارِالٰہا! ہم اس سفر میں نیکی‘ تقویٰ اور ایسے عمل کا سوال کرتے ہیں جس میں تیری رضا ہو۔اے ہمارے معبود! ہمارے اس سفر کو آسان بنادے‘ اس کی دوری کو سمیٹ دے۔ بارِالٰہا! تو سفر میں ہمارا ساتھی ہے اور اہل وعیال کی حفاظت فرمانے والا ہے۔ بارِالٰہا! میں سفر کی مشقتوں‘ غمناک منظر اور اپنے اہل وعیال اور مال میں پریشان واپسی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔“ جب واپس آتے تو ان کلمات کا اضافہ فرماتے۔”ہم لوٹنے والے ہیں‘ توبہ کرنے والے ہیں‘ عبادت کرنے والے ہیں اور اپنے خالق ومالک کی حمد وثنا کے گن گانے والے ہیں۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کا بوجھ اٹھانے کے لیے چوپائے پیدا کیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ بڑی شفقت اور رحمت فرمانے والا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے گھوڑے، خچر اور گدھے سواری کے لیے پیدا کیے ہیں اور ان کو انسان کے تابع کردیا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ وہ کچھ پیدا کرے گا جسے انسان نہیں جانتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ شفقت اور رحمت والا ہے:

۱۔ اللہ بڑی شفقت اور رحمت والا ہے۔(النحل:۷) ۲۔اللہ تمہارے ساتھ شفقت اور رحمت فرماتا ہے۔(الحدید:۹۰)

۳۔ اللہ لوگوں کے ساتھ شفقت اور رحم کرنے والا ہے۔(البقرۃ:۱۴۳)

۴۔ اللہ نے ان کی توبہ قبول کی بے شک وہ شفقت کرنے اور رحم والا ہے۔(التوبۃ:۱۱۷)

وَ عَلَى	اللّٰهِ	قَصْدُ	السَّبِيْلِ	وَ مِنْهَا	جَآئِرٌ ؕ	وَ لَوْ
اور پر	اللہ	سیدھی	راہ	اور اس میں سے	ٹیڑھی	اور اگر

شَآءَ	لَهَدٰىكُمْ	اَجْمَعِيْنَ ۟۹
وہ چاہتا ہے	البتہ وہ تمہیں ہدایت دیتا	سب

ع ۷ / ۹

''اور سیدھا راستہ بتلانا اللہ کے ذمہ ہے اور کچھ ان میں ٹیڑھے ہیں اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔''(۹)

فہم القرآن

ربط کلام: جس طرح اللہ تعالیٰ نے سواری اور بار برداری کے جانور پیدا فرما کر انسان کے لیے راستے آسان کر دیے ہیں۔ اسی طرح ہی اس نے انسان کے لیے صراط مستقیم کی نشان دہی فرما کر ہدایت تک پہنچنے کے لیے آسانی پیدا کر دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ بھی کرم فرمائی ہے کہ اس نے مادی وسائل کے ساتھ انسان کی روحانی خوراک اور راہنمائی کا بندوبست بھی فرمایا ہے۔ نزولِ آدم سے لے کر تا قیامت انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے انسان کی، روحانی غذا اور فکری راہنمائی کا بندوبست فرما دیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی عقل کے حوالے کر دیتا تو اس کا صراطِ مستقیم کو پانا اور اس پر چلنا نہایت مشکل ہو جاتا۔ کیونکہ ہر انسان اپنی عقل اور سوچ کو حرفِ آخر سمجھ کر ایک دوسرے سے الگ الگ راستہ اختیار کرتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی اس کی عقل پر چھوڑنے کے بجائے اسے وحی کا پابند کیا اور اس کی رہنمائی کا کام اپنے ذمے لیا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ صراط مستقیم بتلانا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لیا ہے جبکہ بے شمار ٹیڑھے راستے بھی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت پر جمع کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے ہدایت کی طرف راہنمائی اور صراطِ مستقیم کی نشاندہی کرنے کے بعد انسان کو آزاد چھوڑ دیا ہے تاکہ اپنی عقل وفکر اور آزادی کے ساتھ گمراہی اور صراطِ مستقیم میں سے کسی ایک راستے کا انتخاب کر سکے۔

سیدھی راہ:

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ فَخَطَّ خَطًّا وَخَطَّ خَطَّيْنِ عَنْ يَمِينِهٖ وَخَطَّ خَطَّيْنِ عَنْ يَسَارِهٖ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهٗ فِي الْخَطِّ الْأَوْسَطِ فَقَالَ هَذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ (وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِی مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ))
[رواه ابن ماجة :باب اتِّبَاعِ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ]

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ہم نبی کریم ﷺ کے پاس تھے۔ آپ نے ایک سیدھا خط کھینچا اور دو خط اس کی دائیں جانب اور دو بائیں جانب۔ پھر آپ ﷺ نے درمیانی خط پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے اور یہ آیت تلاوت کی یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس کی پیروی کرو۔ اس کے علاوہ دوسری راہوں پر نہ چلو ورنہ وہ سیدھی راہوں سے تمہیں جدا کر دیں گے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی راہِ ہدایت دکھاتا ہے۔ ۲۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سبھی کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔

هُوَ	الَّذِيْٓ	اَنْزَلَ	مِنَ	السَّمَآءِ	مَآءً	لَّكُمْ	مِّنْهُ
وہی	وہ	نازل کیا اس نے	سے	آسمان	پانی	تمہارے لیے	اس سے
شَرَابٌ	وَّمِنْهُ	شَجَرٌ	فِيْهِ	تُسِيْمُوْنَ ﴿١٠﴾	يُنْۢبِتُ	لَكُمْ	بِهِ
پینا	اور اس سے	درخت	اس میں	تم چراتے ہو	وہ اگاتا ہے	تمہارے لیے	اس کے ساتھ
الزَّرْعَ	وَالزَّيْتُوْنَ	وَالنَّخِيْلَ	وَ	الْاَعْنَابَ	وَمِنْ	كُلِّ	
کھیتی	اور زیتون	اور کھجور	اور	انگور	اور سے	ہر	
الثَّمَرٰتِ	اِنَّ	فِيْ	ذٰلِكَ	لَاٰيَةً	لِّقَوْمٍ	يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿١١﴾	
پھل	یقیناً	میں	اس	البتہ نشانی	ان لوگوں کے لیے	جو غور وفکر کرتے ہیں	

”وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا، تمہارے لیے اس سے پینا ہے اور اسی سے پودے اُگتے ہیں۔ جن میں تم چراتے ہو۔“ (١٠) ”وہ تمہارے لیے اس کے ساتھ کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانی ہے جو غور وفکر کرتے ہیں۔“ (١١)

فہم القرآن

ربط کلام: حیوانات کے بعد نباتات کے حوالے سے انسان کو غور وفکر کرنے کی دعوت۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم نے ہر چیز کی زندگی کا انحصار پانی پر رکھا ہے۔ (الانبیاء: ٣٠) بالخصوص انسان اور حیوانات کی زندگی پانی کے سوا چند گھنٹوں کی مہمان ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کی خوراک، رہائش بھی پانی کے بغیر ممکن نہیں۔ دنیا جس قدر چاہے ترقی کر جائے اس کی تعمیر و ترقی میں پانی کا عنصر ہمیشہ بنیادی حیثیت کے طور پر شامل رہے گا۔ جہاں تک انسان اور حیوانات کی خوراک کا تعلق ہے۔ اس میں پانی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس لیے نباتات اور پھلوں کا ذکر کرنے سے پہلے پانی کا ذکر کیا ہے اور پانی کی بڑی مقدار اور اس کی منتقلی کا سب سے بڑا ذریعہ بارش ہی ہوا کرتی ہے۔ بارش نہ ہو تو زمین کا پانی بھی نیچے چلا جاتا ہے۔ بارش کی نسبت آسمان کی طرف اس لیے کی جاتی ہے کہ یہ بلندی سے زمین کی طرف آتی ہے۔ جس کو ہوائیں سمندر سے اٹھا کر اوپر لے جاتی ہیں اور وہاں ایک خاص نکتۂ انجماد پر پہنچ کر پانی بارش کی صورت میں برستا ہے۔ جس سے نباتات اور فصلیں اگتی ہیں۔ انسان اور حیوانات اپنی اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں۔ بالخصوص اللہ تعالیٰ انسان کے لیے پانی سے زیتون، کھجور، انگور اور ہر قسم کے پھل پیدا کرتا ہے۔ اس میں غور وفکر کرنے والے انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ

کی قدرتوں کو پہچاننے اور صراطِ مستقیم پانے میں بصیرت کے واضح دلائل موجود ہیں۔ جس کی وضاحت یوں فرمائی گئی ہے

﴿وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ﴾ [الرعد: ٤]

''اورزمین کے کئی قطعات ہیں جو آپس میں ملے جلے ہوتے ہیں۔ اس میں انگور کے باغات، مختلف فصلیں اور کھجوریں ہیں۔ جن میں سے کچھ اپنی جڑ سے ملی ہوتی ہیں اور کچھ جڑ سے اوپر ہوتی ہیں۔ ایک ہی پانی سے سیراب ہونے کے باوجود رنگ ونسل اور ذائقے کے اعتبار سے ان کے پھل ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ عقل مندوں کے لیے اس میں سوچنے کی بہت سی باتیں ہیں۔''

﴿أَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ [الانبیاء: ٣٠]

''کیا کافرلوگ غورنہیں کرتے کہ بے شک آسمان وزمین باہم ملے ہوئے تھے ہم نے اُن کو جدا کیا اور ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندہ کیا، کیا وہ ایمان نہیں لاتے؟''

مسائل

۱۔ آسمان سے پانی نازل کرنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ پانی تم پیتے ہو اور اسی سے سبزہ اگتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ پانی سے انسانوں کے لیے کھیتی، زیتون، کھجور، انگور اور مختلف قسم کے پھل پیدا فرماتا ہے۔

۴۔ غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سے دلائل ہیں۔

تفسیر بالقرآن

نباتات میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں:

۱۔ اللہ پانی سے تمہارے لیے کھیتی، زیتون، کھجور اور انگور اگاتا ہے۔ (النحل: ١١)

۲۔ اللہ نے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ (المومنون: ١٩)

۳۔ اللہ نے زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ (یٰس: ٣٤)

۴۔ اللہ نے پانی سے ہر قسم کی نباتات کو پیدا کیا۔ (الانعام: ٩٩)

۵۔ اللہ نے باغات، کھجور کے درخت اور کھیتی پیدا کی جو ذائقہ کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ (الانعام: ١٤١)

وَالْقَمَرَ	الشَّمْسَ	وَ	وَالنَّهَارَ	الَّيْلَ	لَكُمُ	وَسَخَّرَ
اور چاند	سورج	اور	اور دن	رات	تمہارے لیے	اور اس نے مسخر کر دیا

لَاٰيٰتٍ	ذٰلِكَ	فِيْ	اِنَّ	بِاَمْرِهٖ ؕ	مُسَخَّرٰتٌ	وَالنُّجُوْمُ
ضرور نشانیاں ہیں	اس	میں	یقیناً	اس کے حکم کے ساتھ	تابع کر دیئے گئے	اور ستارے

يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾	لِّقَوْمٍ
وہ عقل رکھتے ہیں	ان لوگوں کے لیے

''اور اس نے تمہاری خاطر رات، دن، سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے اور ستارے اس کے حکم کے ساتھ تابع کر دیے گئے ہیں۔ اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔'' (۱۲)

فہم القرآن

ربط کلام: نباتات، کھیتوں اور پھلوں کی پیداوار میں رات اور دن، چاند اور سورج کا بڑا دخل ہے اسی لیے دانشور حضرات کو ان کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بارہا یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات اور دن، سورج، چاند اور ستاروں کو اپنے حکم سے لوگوں کے لیے مسخر کر دیا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت وسطوت کی نشانیاں اور دانشوروں کے لیے ہدایت کے بے شمار دلائل موجود ہیں۔ رات اور دن، چاند، سورج اور ستاروں کو لوگوں کے لیے مسخر کرنے کا یہ معنیٰ نہیں کہ انسان کسی وقت اس قدر ترقی کر جائے گا کہ وہ رات دن کی گردش، سورج اور چاند کی آمد ورفت اور ستاروں کی چمک دمک میں دخل انداز ہو سکے گا۔ یہ پورے کا پورا نظام اور اس کا کنٹرول صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اس میں سائنس اور کسی کی ولایت کو دخل کا اختیار نہیں ہو سکتا۔ تسخیر سے مراد یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں۔ رات لوگوں کے سکون کے لیے ہے اور دن کام کاج کے لیے۔ اے انسان ذرا سوچ کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم کے مطابق رات اور دن کا آنا جانا، سورج کا صبح کے وقت طلوع ہو کر مغرب کے وقت غروب ہونا، چاند اور ستاروں کا رات کو اپنے اپنے وقت میں نمودار ہونا یقینی بنا دیا ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کا حکم صادر ہوگا تو نہ صرف یہ اپنے اپنے مقام پر جامد ہو جائیں گے بلکہ یہ بے حرکت ہو کر زمین پر گر پڑیں گے۔ اس نظام کی طرف اشارہ کرنے کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ اے انسان! تیرے لیے سوچنے کی بات ہے کہ یہ چیزیں وجود کے اعتبار سے تجھ سے کروڑوں گنا بڑی ہونے کے باوجود اپنے رب کے حکم کی بجا آوری اور تیری خدمت میں لگی ہوئی ہیں۔ تیرا وجود ان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا مگر پھر بھی تو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے بجائے نافرمانی سے نہیں چوکتا۔ تجھے اپنے فکر وعمل پر غور کرنا چاہیے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کو انسان کے لیے مسخر کر دیا۔ ۲۔ نظامِ کائنات میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے چاند، سورج اور ستاروں کو اپنے حکم سے مسخر کر دیا۔

وَمَا	ذَرَاَ	لَكُمْ	فِي	الْاَرْضِ	مُخْتَلِفًا	اَلْوَانُهٗ ؕ
اور وہ جو	اس نے پیدا کیا	تمہارے لیے	میں	زمین	مختلف	اس کے رنگ

اِنَّ	فِيْ	ذٰلِكَ	لَاٰيَةً	لِّقَوْمٍ	يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾
یقیناً	میں	اس میں	البتہ نشانی	ان لوگوں کے لیے	جو نصیحت حاصل کرتے ہیں

''اور جو کچھ اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کیا ہے، جس کے رنگ مختلف ہیں، بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانی ہے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔'' (۱۳)

فہم القرآن

ربط کلام: آفاقی نشانیوں کے بعد زراعت اور نباتات کے حوالے سے غور وفکر کی دعوت۔

اسی سورۃ کی آیت: ۱۱ کی تفسیر میں سورۃ الرعد کی آیت: ۴ کے حوالے سے واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہی قسم کی زمین، پانی اور آب وہوا کے ذریعے مختلف فصلیں اور نباتات پیدا کرتا ہے۔ یہ فصلیں اور نباتات جنس کے اعتبار سے ہی مختلف نہیں ہوتیں بلکہ ایک زمین ایک ہی پانی سے سیراب ہونے کے باوجود ایک ہی جنس کے مختلف رنگ اور شکل وصورت اور ذائقے میں واضح فرق ہوتا ہے۔ پودے کو دیکھو زمین، پانی اور سب کچھ ایک ہونے کے باوجود ایک پھول میں مختلف قسم کے رنگ کی پتیاں ہوتی ہیں۔ یہ کس کی قدرت کا کرشمہ ہے؟ اس خالق حقیقی کو پہچاننے اور شرک سے بچنے سے انسان کے لیے اتنی ہی دلیل کافی ہے۔ بشرطیکہ انسان نصیحت حاصل کرنے کے لیے تیار ہو۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے نباتات کی مختلف اقسام کو بھی انسان کے لیے مسخر کر دیا۔

۲۔ اس میں نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

تفسیر بالقرآن

انسان کے لیے نباتات کی مختلف اقسام:

۱۔ تمہارے لیے مسخر کیا نباتات کو زمین پر پھیلا کر، ان کی اقسام مختلف ہیں۔ (النحل: ۱۳)

۲۔ انہوں نے کھیتی اور مویشیوں میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا ہے جو اللہ ہی نے پیدا فرمائے ہیں۔ (الانعام: ۱۳۶)

۳۔ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا اور اس سے مختلف انواع کے پھل پیدا فرمائے۔ (فاطر: ۲۷)

۴۔ اللہ زمین سے کھیتی نکالتا ہے جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ (الزمر: ۲۱)

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا
اور وہ — وہ — مسخر کیا اس نے — سمندر — تاکہ تم کھاؤ — اس سے — گوشت

طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ج وَتَرَى الْفُلْكَ
تروتازہ — اور تم نکالو — اس میں سے — زیور — تم پہنتے ہو اس کو — اور تو دیکھتا ہے — کشتیاں

مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾
پھاڑنے والی — اس میں — اور تا کہ تم تلاش کرو — سے — اس کا فضل — اور تاکہ تم — تم شکر کرو

''اور وہی ہے جس نے سمندر کو مسخر کر دیا، تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زینت کی چیزیں نکالو، جنہیں تم پہنتے ہو اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے، جو پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔'' (۱۴)

فہم القرآن

ربط کلام: آفاق اور نباتات کے بعد سمندری انعامات کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نہ صرف لیل ونہار، شمس وقمر اور ستاروں کو اپنے حکم سے انسان کے تابع بنایا ہے بلکہ اس نے زمین اور سمندر کو بھی انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے۔ لیکن ان چیزوں کی تسخیر میں بنیادی فرق ہے۔ آفاق سے متعلق کائنات انسان کی خدمت میں مصروف ہونے کے باوجود اس کی دسترس سے باہر ہے۔ جہاں تک زمین سے متعلقہ چیزوں کا تعلق ہے وہ کافی حد تک انسان کی دسترس میں کر دی گئی ہیں۔ زمین کو انسان جس طرح چاہے استعمال کر سکتا ہے۔ پہاڑوں میں بڑے بڑے محل اور راستے بنا لیے جاتے ہیں، دریاؤں کے رخ موڑ دیے گئے ہیں۔

۱۔ نہروں کے ذریعے وہاں تک پانی پہنچا دیا جاتا ہے جہاں پہنچنے کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ دریاؤں کے پانی کو بڑے بڑے ڈیموں میں بند کر لیا جاتا ہے۔

۲۔ سمندر کی سطح پر پلوں کی شکل میں بڑی بڑی سڑکیں بنا دی گئی ہیں یہاں تک کہ سمندر کے پانی کی گہرائیوں میں بحری اڈے قائم کر دیے گئے ہیں۔ اس طرح مختلف سمندروں سے کروڑوں ٹن ہر روز تروتازہ مچھلی نکالی جاتی ہے۔ جسے انسان اپنی خوراک بنانے کے ساتھ ادویات اور دیگر ضروریات کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح سمندر کی تہہ سے بڑے بڑے قیمتی ہیرے، جواہرات ہمیشہ سے نکالے جا رہے ہیں جو بالخصوص عورتوں کی حسن وزیبائش کے لیے گراں قدر قیمت کے حامل ہیں۔ معدنیات جیسی خوبصورت چیزیں زمین کی سطح پر نہیں پائی جاتیں۔ اب تو سمندر کے پانی سے تیل اور گیس کے ذخائر تلاش کر لیے گئے ہیں۔ نہ معلوم قیامت تک کون کون سی قیمتی اشیا سمندر کے پانی سے

حاصل کر لی جائیں گی۔ان ذخائر جن کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔اس کے بعد سطح سمندر کی طرف آئیں تو دنیا کی تجارت کا ستر فیصد سے زائد حصہ سمندری راستوں کے ساتھ وابستہ ہے جو پرانے زمانے میں کشتیوں کے ذریعے اور آج کل آبدوزوں اور بحری جہازوں کے ذریعے ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچائی جا رہی ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا نتیجہ ہے جس پر انسان کو اپنے رب کا شکر گزار ہونا چاہیے۔اگر آدمی تھوڑی سی توجہ کے ساتھ غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ آخر وہ کونسی وجہ ہے کہ جو پانی سوئی کے معمولی وزن کو اپنی چھاتی پر برداشت نہیں کرتا وہ ہزاروں ٹن وزنی جہازوں کو نہ صرف اپنے آپ پر برداشت کرتا ہے بلکہ اسے اٹھائے ہوئے ہزاروں میل تک منتقل کرنے میں مددگار ثابت ہو رہا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی فائدے کے لیے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے۔

۲۔ سمندر میں کشتیاں اللہ کے حکم سے چلتی ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

شکر کی فضیلت:

۱۔ کشتیاں پانی چیرتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور شکر کرو۔(النحل:۱۴)

۲۔ اللہ تعالیٰ شکر گزار بندوں کا قدردان ہے۔(النساء:۱۴۷)

۳۔ اللہ تعالیٰ شکر ادا کرنے والے کو مزید نوازتا ہے۔(ابراہیم:۷)

۴۔ تھوڑے ہی بندے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔(سبا:۱۳)

۵۔ اللہ نے آنکھ،کان،دل،اس لیے دیے ہیں کہ اس کا شکر ادا کرو۔(السجدۃ:۹)

۶۔ اگر تم اللہ کا شکر کرو تو وہ تمہیں عذاب نہیں کرے گا۔(النساء:۱۴۷)

۷۔ اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔(آل عمران:۱۴۴۔۱۴۵)

۸۔ شکر سے مراد اللہ کے احکام کی فرمانبرداری کرنا ہے۔(البقرۃ:۱۵۲۔ابراہیم:۷)

وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ
اوراس نے گاڑ دیا میں زمین پہاڑ یہ کہ وہ جھکتی ہے ساتھ تمہارے

وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ
اورنہریں اورراستے تاکہ تم تم ہدایت پاتے ہو اورنشانیاں اورستاروں کیساتھ وہ

يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾
وہ ہدایت پاتے ہیں کیا پھر وہ جو پیدا کرتا ہے اسی کی طرح نہیں وہ پیدا کرتا ہے کیا پھر نہیں تم نصیحت حاصل کرتے ہو

''اور اس نے زمین میں پہاڑ گاڑ دیے کہ زمین تمہیں ہلا نہ دے اور نہریں اور راستے بنائے تاکہ تم منزل تک پہنچ پاؤ۔'' (۱۵) ''اور علامتیں بنائیں اور ستاروں کے ساتھ تاکہ راستہ معلوم کریں۔'' (۱۶) ''تو کیا جو وہ پیدا کرتا ہے اس جیسا ہے جو وہ پیدا نہیں کرتا؟ پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔'' (۱۷)

فہم القرآن

ربط کلام: سمندر کے بعد پھر زمین کا تذکرہ۔

بارہویں پارے کی ابتدا میں ذکر ہوا ہے کہ اللہ ہی کی ذات ہے جس نے زمین وآسمان کو چھ دن میں پیدا کیا ہے اس سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا۔ (ھود: ۷) جب زمین کو پانی پر استوار کیا گیا تو یہ ہچکولے کھاتی تھی جس طرح خالی کشتی پانی پر ہچکولے کھایا کرتی ہے۔ کشتی میں مناسب مقدار میں وزن ہو تو وہ ہچکولے کھانے اور ڈانواں ڈول ہونے کے بجائے پانی کی سطح پر متوازن رفتار میں ٹھہری رہتی ہے۔ یہی کیفیت پہاڑوں سے پہلے زمین کی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے زمین پر بڑے بڑے پہاڑ گاڑ دیے تاکہ ہچکولے کھانے سے رک جائے۔ پھر پہاڑوں کے درمیان دریا، نہریں اور راستے بنا دیے گئے تاکہ لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے سہولت اور راہنمائی حاصل کریں۔ ان راستوں کو پہچاننے کے لیے زمین پر پہاڑ، ٹیلے، درخت اور دیگر نشانیاں قائم کرنے کے ساتھ رات کے سفر کے لیے آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں کا سلسلہ پھیلا دیا گیا ہے کہ آسمان کے نیچے بلب لٹکا دیے گئے ہیں۔ جس سے صحراؤں اور بیابانوں میں راستہ تلاش کرنا آسان ہو گیا۔ پھر ستاروں کی مدد سے زمین پر راستے متعین کیے جاتے ہیں۔ بڑی بڑی نشانیاں بیان کرنے اور ان کے حوالے سے اپنی ذات اور صفات کی وحدت کا ثبوت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ ہر انسان بالخصوص کافر اور مشرک سے سوال کرتا ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات میں شریک کرتے ہو وہ ان چیزوں کے مقابلے میں وجود کے اعتبار سے نہایت ہی چھوٹی مخلوق ہیں۔ انہیں اور سب کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے۔ لہٰذا بتاؤ کہ خالق اور مخلوق دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے پھر تم شرک کو سمجھنے اور اس سے بچنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ دوسرے مقام پر اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے کہ اے لوگو تمہارے

سامنے ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے غور سے سنو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ سب جمع ہو کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ مکھی پیدا کرنا تو درکنار اگر مکھی ان کے کھانے سے کوئی چیز اٹھا کر لے جائے تو یہ اسے واپس نہیں لے سکتے۔ مدد طلب کرنے والے اور جن سے مدد طلب کی جاتی ہے دونوں ہی کمزور ہیں۔ درحقیقت لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہیں پہچانی۔ (الحج:۷۳)

ترقی یافتہ اقوام اپنے مقابلے میں دوسروں کو اجڈ، جاہل اور غیر مہذب تصور کرتی ہیں۔ بالخصوص مسلمانوں کے بارے میں ان کا خیال یہ ہے کہ مسلمان غیر مہذب، جاہل اور بنیاد پرست لوگ ہیں۔ حالانکہ اسلام ہی وہ دین ہے جس نے ان فرسودہ خیالات اور تصورات کی نہ صرف حوصلہ شکنی بلکہ مکمل نفی کی ہے۔ ستاروں اور چاند کو مسخر کرنے کا دعوے کرنے والی اقوام ایسے جاہلانہ تصورات رکھتے ہیں کہ انہوں نے ہفتے کے ایام کو انہی بروج اور سیاروں کی طرف منسوب کر رکھا ہے۔

یہاں پہاڑوں کا سب سے بڑا یہ فائدہ ذکر فرمایا ہے کہ ان کے ذریعے زمین کو متوازن بنا دیا گیا۔ اس کا اعتراف آج کے ماہر ارضیات بھی کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری زمین پر پہاڑوں کا سلسلہ اس طرح قائم کیا ہے جس سے زمین میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا ہے۔ اس لحاظ سے پہاڑ زمین کو ہچکولے کھانے سے بچانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں پہاڑ گاڑ دیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں دریا اور راستے بنائے تا کہ تم راہ پا سکو۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے علامتیں بنائی ہیں۔ ۴۔ انسان ستاروں سے بھی راستہ تلاش کرتے ہیں۔

۵۔ پیدا کرنے والا اور نہ کرنے والا برابر نہیں ہو سکتا۔ ۶۔ واضح دلائل کے باوجود لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

تفسیر بالقرآن

خالق اور مخلوق برابر نہیں ہو سکتے:

۱۔ کیا پیدا کرنے والا اور پیدا نہ کرنے والے برابر ہیں؟ (النحل:۱۷)

۲۔ کیا تم ان کو شریک بناتے ہو جنہوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ (الاعراف:۱۹۱)

۳۔ اللہ کے سوا کیا وہ ان لوگوں پکارتے ہیں جنہوں نے کچھ پیدا نہیں کیا بلکہ انہیں پیدا کیا گیا ہے؟ (النحل:۲۰)

۴۔ انہوں نے ان کو معبود بنا لیا جنہوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ (الفرقان:۳)

۵۔ بھلا دیکھو جو کچھ تم بوتے ہو تو کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔ (الواقعۃ:۶۳۔۶۴)

۶۔ تمہیں آسمان و زمین سے کون رزق دیتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل:۶۴)

وَاِنْ	تَعُدُّوْا	نِعْمَةَ	اللّٰهِ	لَا	تُحْصُوْهَا ؕ	اِنَّ
اور اگر	تم شمار کرو	نعمت	اللہ	نہیں	تم اس کو شمار کر سکتے	یقیناً
اللّٰهَ	لَغَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾	وَاللّٰهُ	يَعْلَمُ	مَا	تُسِرُّوْنَ
اللہ	بخشنے والا	رحم کرنے والا	اور اللہ	وہ جانتا ہے	جو	تم چھپاتے ہو
وَمَا	تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾	وَالَّذِيْنَ	يَدْعُوْنَ	مِنْ	دُوْنِ	اللّٰهِ
اور جو	تم ظاہر کرتے ہو	اور وہ لوگ	وہ پکارتے ہیں	سے	سوا	اللہ
لَا	يَخْلُقُوْنَ	شَيْئًا	وَّهُمْ	يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾	اَمْوَاتٌ	غَيْرُ
نہیں	وہ پیدا کرتے ہیں	چیز	اور وہ	وہ پیدا کیے گئے ہیں	مردے	نہیں
اَحْيَآءٍ ۚ	وَمَا	يَشْعُرُوْنَ ۙ	اَيَّانَ	يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾		
زندہ	اور نہیں	وہ شعور رکھتے ہیں	کب	وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے		

”اور اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرو تو انہیں شمار نہ کر پاؤ گے۔ یقیناً اللہ بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“(۱۸)”اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔“(۱۹)”اور جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔“(۲۰)”زندہ نہیں مردے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔“(۲۱)

فہم القرآن

ربط کلام: بڑی بڑی نعمتوں کے ذکر کے بعد انسان کو احساس دلایا ہے کہ تو اگر اپنے رب کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہے تو تمہارے لیے ان کا گننا اور شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔

آفاقی، زمینی اور بحری نعمتوں کے تذکرے کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ یہ چند نعمتوں کا بیان ہوا ہے اگر تم اپنے رب کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تم سب مل کر اپنے بنائے کمپیوٹرز اور دیگر ذرائع سے بھی ان کا شمار نہیں کر سکتے۔ اس کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت عقیدۂ توحید ہے۔ جس کی نشاندہی اللہ کی نعمتیں کر رہی ہیں۔ تم اس کی نعمتوں کی ناشکری اور اس کی ذات اور صفات میں اس کی مخلوق کو شریک کرتے ہو لیکن پھر بھی وہ درگزر کرتا اور تم پر رحم فرماتا ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے جو تم کھلے عام کہتے اور کرتے ہو اور جو تم اپنے دلوں میں لوگوں سے چھپاتے ہو۔ جن مدفون لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے اور حاجت روا، مشکل کشا سمجھتے ہو۔ بتاؤ آسمانوں، زمین، فضاؤں اور سمندروں میں کونسی چیز انہوں نے پیدا کی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اس وسیع ترین کائنات میں ایک ذرہ بھی پیدا نہیں کیا۔ وہ تو خود پیدا کیے گئے ہیں۔ اب وہ مر چکے تمہاری مدد کس طرح کر سکتے ہیں؟ کیونکہ نہ سنتے ہیں اور نہ حرکت کر سکتے ہیں یہاں تک کہ انہیں یہ بھی خبر نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ یہ بات

ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ'' من دون اللّٰہ '' سے مراد ہر جگہ بت مراد نہیں ہوتے ۔ یہاں یہ حقیقت کس قدر کھلے الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ'' من دون اللّٰہ '' سے مراد یہاں بت نہیں ہیں۔لیکن اس کے باوجود ایک مکتبۂ فکر کے مفسر نے یہاں بھی'' من دون اللّٰہ '' سے مراد بت ہی لیے ہیں۔حالانکہ شرک کے پردے ہٹا کر دیکھتے اور معمولی سا غور کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا ہے کیا قیامت کے دن پتھروں کو پیدا کیا جائے گا۔ یہ عقیدہ تو دنیا میں کسی جاہل سے جاہل آدمی کا بھی نہیں ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ خدا کے باغی لوگوں اور پتھروں کو جہنم میں پھینکا اور تپایا جائے گا۔(البقرۃ:۲۴)

بالخصوص جن پتھروں کے بت بنائے گئے۔انہیں تو ضرور جہنم میں جھونکا جائے گا تا کہ ان کے ماننے والے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ جنہیں ہم بزرگوں کا اوتار سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور وسیلہ بناتے تھے وہ بھی ہماری طرح بے بس ہو کر جہنم کا ایندھن بن چکے ہیں۔(الانبیاء:۹۸)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ،رحم کرنے والا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے۔ ۴۔ اللہ کے سوا کسی نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا۔ بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔

۵۔ ''من دون اللّٰہ'' کو اتنا بھی علم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

''من دون اللّٰہ ''نے کچھ پیدا نہیں کیا:

۱۔ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود مخلوق ہیں۔(النحل:۲۰)

۲۔ کیا تم ان کو شریک بناتے ہو؟ جنہوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔(الاعراف:۱۹۱)

۳۔ انہوں نے ان کو معبود بنا لیا جنہوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی حالانکہ وہ خود مخلوق ہیں۔(الفرقان:۳)

۴۔ بے شک جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ مکھی بھی نہیں پیدا کر سکتے اگرچہ سارے بھی جمع ہو جائیں۔(الحج:۷۳)

۵۔ کیا یہ لوگ بغیر کسی چیز کے پیدا ہو گئے ہیں یا یہ اپنے خالق خود ہی ہیں؟(الطّور:۳۵)

۶۔ من دون اللہ یعنی''غیر اللہ'' سے مت مانگو۔(یونس:۱۰۶)

اِلٰهُكُمْ	اِلٰهٌ	وَّاحِدٌ ۚ	فَالَّذِيْنَ	لَا	يُؤْمِنُوْنَ	بِالْاٰخِرَةِ
تمہارا معبود	معبود	ایک	چنانچہ وہ لوگ	نہیں	وہ ایمان لاتے	آخرت کے ساتھ
قُلُوْبُهُمْ	مُّنْكِرَةٌ	وَّهُمْ	مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۲۲	لَا جَرَمَ	اَنَّ	
ان کے دل	انکاری	اور وہ	وہ تکبر کرنے والے ہیں	یقیناً	یقیناً	
اللّٰهَ	يَعْلَمُ	مَا	يُسِرُّوْنَ	وَمَا	يُعْلِنُوْنَ ؕ	اِنَّهٗ
اللہ	وہ جانتا ہے	جو	تم چھپاتے ہو	اور جو	تم ظاہر کرتے ہو	یقیناً وہ
لَا	يُحِبُّ	الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۝۲۳				
نہیں	وہ پسند کرتا ہے	تکبر کرنے والے				

”تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے پس جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ ان کے دل انکار کرتے ہیں اور وہ بہت تکبر کرنے والے ہیں۔“ (۲۲) ”کوئی شک نہیں یقیناً اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“ (۲۳)

فہم القرآن

ربط کلام: دلائل کے ساتھ باطل معبودوں کی نفی کرتے ہوئے اللہ کا ایک الٰہ ہونا ثابت کیا گیا ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حقیقی نام اللہ اور الٰہ ہے۔ لفظ الٰہ اور اللہ میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ الٰہ اللہ تعالیٰ کا نام ہونے کے ساتھ اس کی صفت کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ اگر الٰہ کو صرف صفت کے معنیٰ میں لیا جائے تو یہ ایسا لفظ اور نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی تمام بڑی بڑی صفات کا ترجمان ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات کا معنیٰ لفظ الٰہ کے ذریعے ادا کیا گیا ہے۔ چنانچہ یہاں پہلی آیات میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل اس حقیقت سے انکار کرتے ہیں اور آخرت کے انکار کی وجہ سے یہ متکبر ہو گئے ہیں۔ حالانکہ آخرت میں شک کرنے کی رائی برابر گنجائش نہیں انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے اور جس کا وہ اظہار کرتے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ یہاں توحید اور عقیدۂ آخرت کو یکجا اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ عقیدۂ توحید اس وقت تک کامل اور اکمل نہیں ہو سکتا جب تک انسان موت کے بعد اٹھنا اور اٹھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا اور اپنے برے بھلے اعمال کی سزا اور جزا پر یقین نہ رکھے۔ کیوں کہ جو شخص آخرت کا انکار کرتا ہے اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو موت کے بعد زندہ کرنے پر قادر نہیں سمجھتا اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کو عادل اور منصف مانتا ہے

حالانکہ اس کے عدل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ایک دن لوگوں کو زندہ کرے اور وہاں نیک لوگوں کو پوری پوری جزا دے اور مجرموں کو ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے۔ پوری پوری جزا اور سزا کا عمل قیامت کے بغیر ممکن نہیں کیونکہ دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور صالحین رحمہم اللہ کی خدمات کا صلہ کما حقہ کوئی نہیں دے سکتا۔ اسی طرح ہی کتنے قاتل ہیں جنہیں دنیا میں ایک مقتول کے بدلے قتل کیا گیا۔ جب کہ باقی مقتول اور مظلوم لوگوں کی سزا اسے نہیں دی جا سکتی۔ ایسے مجرم کو قیامت کے دن ہی ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے گی۔ انہیں خبر ہونی چاہیے کہ جو کچھ دنیا میں چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے لہٰذا کان کھول کر سن لیں! کہ دنیا میں انہیں ڈھیل دینے کا یہ معنیٰ نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں پسند کرتا ہے۔ ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ متکبرین کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

((عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِنْ کِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّ الرَّجُلَ یُحِبُّ اَنْ یَّکُوْنَ ثَوْبُہٗ حَسَنًا وَ نَعْلُہٗ حَسَنًا قَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی جَمِیْلٌ یُّحِبُّ الْجَمَالَ اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ))[رواہ مسلم:باب تحریم الکبر وبیانہ]

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ ایک آدمی نے عرض کی ایک شخص پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اور جوتے اچھے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ خوبصورت ہے خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے۔ تکبر حق بات کو چھپانا اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام ہے۔“

مسائل

۱۔ الٰہ حق ایک ہی ہے۔ ۲۔ آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے دل منکر ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

تفسیر بالقرآن

الٰہ ایک ہی ہے

۱۔ تمہارا الٰہ ایک ہی ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ رحمٰن و رحیم ہے (البقرۃ۔۱۶۳)

۲۔ یقیناً اللہ ایک ہی الٰہ ہے وہ اولاد سے پاک ہے آسمان و زمین کی ہر چیز اسی کے لیے ہے (النساء۔۱۷۱)

۳۔ اسکے سوا کوئی الٰہ نہیں مگر وہ اکیلا ہی ہے (المائدۃ:۷۳)

۴۔ کہہ دیجیے اللہ ایک ہی الٰہ ہے اور میں تمہارے شرک سے بری ہوں۔ (الانعام:۱۹)

۵۔ اللہ نے فرمایا دو الٰہ نہ بناؤ یقیناً الٰہ ایک ہی ہے۔ (النحل:۵۱)

وَاِذَا	قِيْلَ	لَهُمْ	مَّاذَآ	اَنْزَلَ	رَبُّكُمْ	قَالُوْٓا
اور جب	کہا گیا	ان سے	کیا ہے جو	اس نے نازل کیا ہے	تمہارا رب	وہ کہتے ہیں
اَسَاطِيْرُ	الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾	لِيَحْمِلُوْٓا	اَوْزَارَهُمْ	كَامِلَةً	يَّوْمَ	
کہانیاں	پہلے	تاکہ وہ اٹھائیں	ان کے بوجھ	پورے	دن	
الْقِيٰمَةِ	وَمِنْ	اَوْزَارِ	الَّذِيْنَ	يُضِلُّوْنَهُمْ	بِغَيْرِ	عِلْمٍ
قیامت	اور سے	بوجھ	وہ لوگ	وہ گمراہ کرتے ہیں	بغیر	علم
اَلَا	سَآءَ	مَا	يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾			
آگاہ رہو	برا	جو کچھ	وہ اٹھائیں گے			

''اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا اتارا ہے؟ تو کہتے ہیں کہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔''(۲۴) ''تاکہ وہ قیامت کے دن اپنا بوجھ اٹھائیں اور ان کے بھی بوجھ جنہیں وہ علم کے بغیر گمراہ کرتے رہے۔ خبردار! برا ہے جو بوجھ وہ اٹھا رہے ہیں۔''(۲۵)

فہم القرآن

ربط کلام: منکرین آخرت حقیقت میں متکبر ہوتے ہیں لہٰذا تکبر کرنے کا نتیجہ اور اس کا انجام۔

یہ تکبر کا ہی نتیجہ ہے کہ کفار سے جب یہ کہا جاتا کہ سوچو تمہارے رب نے کیا کیا ارشادات نازل فرمائے ہیں۔ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہم سے پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ اس طرح نہ صرف خود حق کا انکار کرتے ہیں بلکہ اس پروپیگنڈہ کے ذریعے دوسرے لوگوں کو بھی حق سے دور رکھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ ہوگا کہ قیامت کے دن یہ اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھانے کے علاوہ ان کا بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہوں گے جن کو انھوں نے گمراہ کیا ہوگا۔ کتنا ہی برا بوجھ ہے جسے اُٹھائے ہوئے ہوں گے اور ہمیشہ کے لیے جہنم میں ذلیل ہوں گے۔ (الفرقان:۶۹) جہاں تک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ (النجم:۳۸) اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ لیکن جو لوگ دوسروں کی گمراہی کا سبب بنیں گے کیونکہ ان کا دوہرا گناہ ہوگا اس لیے انہیں بوجھ بھی دوگنا اٹھانا پڑے گا۔ اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن مجرموں کو ذلیل کرنے کے لیے ان کے گناہوں کو جسم کی شکل دے کر ان کے کندھوں پر لادا جائے گا تاکہ وہ ایک دوسرے کی نظروں میں ذلیل ہوتے رہیں۔ پہلے زمانے میں کچھ لوگ اس وجہ سے گمراہ ہوئے کہ نیکی اور بدی کا وزن نہیں ہو

سکتا مگر آج سائنس نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ انسان کے جسم کا ٹمپریچر ماپا اور ہوا کا وزن کیا جاسکتا ہے۔کیا جس رب نے انسان کو یہ عقل اور صلاحیت دی ہے وہ اس کے اچھے اور برے اعمال کا وزن نہیں کرسکتا؟ یقیناً لوگوں کے اعمال کو تولا جائے گا۔

((أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حِينَ أَنْزَلَ اللّٰهُ (وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ) قَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا .... وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِينِي مَا شِئْتِ مِنْ مَالِي ، لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا))[رواه البخاري: باب (وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ......)]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں آپ نے فرمایا اے قریش کی جماعت یا اس طرح کہ دوسرے کلمات ادا فرمائے..........اور کہا اے فاطمہ بنت محمد دنیا کا جو مال مجھ سے لینا چاہتی ہے لے لے میں اللہ کے ہاں تجھے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکوں گا۔“

مسائل

۱۔ قرآن مجید کو کفار سابقہ امم کے قصے کہانیاں کہتے ہیں۔

۲۔ قیامت والے دن اپنا اور جس کو گمراہ کیا ہوگا اس کا بھی بوجھ اٹھانا پڑے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن نیکی اور بدی کا وزن ہوگا:

۱۔ قیامت کے دن اپنے اعمال کا بوجھ اٹھانا ہوگا۔(النحل:۲۵) ۲۔قیامت کے دن اعمال کا وزن ضرور ہوگا۔(الاعراف:۸)

۴۔ قیامت کے دن ہم عدل کا میزان قائم کریں گے۔(الانبیاء:۴۷)

۵۔ جس کی نیکیوں کا بوجھ زیادہ ہوگا وہ عیش وعشرت میں ہوگا۔(المومنون:۱۰۲)

۶۔ جس کی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہ عیش وعشرت میں ہوگا۔(القارعۃ:۶۔۷)

۷۔ جن کی نیکیاں کم ہوں گی یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں رکھا ہوگا۔(المومنون:۱۰۳)

۸۔ جس کی نیکیوں کا وزن کم ہوا اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے۔(القارعۃ:۸۔۹)

۹۔ قیامت کے دن چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی اس کے سامنے آجائے گی اور چھوٹی سے چھوٹی برائی بھی۔(الزلزال:۷۔۸)

قَدْ	مَكَرَ	الَّذِيْنَ	مِنْ	قَبْلِهِمْ	فَاَتَى اللّٰهُ
تحقیق	مکر کیا اس نے	وہ لوگ	سے	ان سے پہلے	لہٰذا آیا اللہ
بُنْيَانَهُمْ	مِّنَ	الْقَوَاعِدِ	فَخَرَّ	عَلَيْهِمُ	السَّقْفُ مِنْ
ان کی عمارتیں	سے	بنیادیں	تو گر پڑا وہ	ان پر	چھتیں سے
فَوْقِهِمْ	وَ	اَتٰىهُمُ	الْعَذَابُ	مِنْ	حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۲۶
ان کے اوپر	اور	آیا ان کے پاس	عذاب	سے	جہاں نہیں وہ شعور رکھتے ہیں

''یقیناً ان لوگوں نے تدبیریں کیں جو ان سے پہلے تھے اللہ نے ان کی عمارت کو بنیادوں سے اکھاڑ پھینکا۔ان پر ان کے اوپر سے چھت گر پڑی اور ان پر وہاں سے عذاب آیا کہ یہاں سے وہ سوچتے نہ تھے۔''(۲۶)

فہم القرآن

ربط کلام: گمراہوں اور ان کے راہنماؤں کا دنیا میں انجام۔

''لفظ مکر'' کے بارے میں کئی بار وضاحت ہو چکی ہے کہ اگر اس لفظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی تدبیر اور منصوبہ بندی ہوتا ہے۔اگر مکر کی نسبت کسی برے کام اور شخص کی طرف ہو تو پھر اس کا معنی فریب، دھوکا، سازش اور شرارت ہوتا ہے۔جرائم پیشہ لوگوں، کفار اور مشرکین کی شروع سے یہ عادت رہی ہے کہ وہ لوگوں کو حق سے دور رکھنے اور اپنا ہمنوا بنانے کے لیے مختلف قسم کی سازشیں، شرارتیں اور ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ان میں غلط قسم کے الزامات اور مختلف قسم کا پروپیگنڈہ ہر دور میں انبیاء کرام علیہم السلام اور داعیان حق کے خلاف کیا گیا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے حق کو اس طرح غالب کرتا ہے جس سے حق کے منکروں کے بنے ہوئے جال، الزامات اور ان کے جھوٹے پروپیگنڈے کی بنیاد پر کھڑی کی گئیں عمارتیں ریزہ ریزہ ہو کر دھڑام جاتی ہیں۔گویا کہ ان کی بنائی ہوئی عمارتیں اور محلات انہی کے اوپر آگرتے ہیں۔بالآخر اللہ کے عذاب نے انہیں ایسی حالت میں آلیا جس کے بارے میں وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا اچانک عذاب آنے کی چند مثالیں:

۱۔ مجرموں پر عذاب اس طرف سے آیا جدھر سے ان کو خیال بھی نہ تھا۔(النحل:۲۶)

۲۔ قوم ثمود کو زلزلے نے آپکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔(الاعراف:۷۸)

۳۔ قوم لوط کو سورج نکلنے سے پہلے پہلے ایک آواز نے آلیا۔(الحجر:۷۳)

۴۔ اگر کفار کے پاس اچانک اللہ کا عذاب آئے تو وہ اسے ٹال نہ سکیں گے۔(الانبیاء:۴۰)

۵۔ کفار کے پاس اچانک عذاب آئے گا اور وہ شعور بھی نہیں رکھیں گے۔(الشعراء:۲۰۲)

ثُمَّ	یَوْمَ	الْقِیٰمَةِ	یُخْزِیْهِمْ	وَ یَقُوْلُ	اَیْنَ	شُرَكَآءِیَ
پھر	دن	قیامت	وہ انہیں رسوا کرے گا	اور کہے گا وہ	کہاں	میرے شریک
الَّذِیْنَ	كُنْتُمْ	تُشَآقُّوْنَ	فِیْهِمْ	قَالَ	الَّذِیْنَ	اُوْتُوا
وہ لوگ	تھے تم	تم جھگڑا کرتے ہو	ان کی بابت	اس نے کہا	وہ لوگ	وہ دیے گئے ہو
الْعِلْمَ	اِنَّ	الْخِزْیَ	الْیَوْمَ	وَ السُّوْٓءَ	عَلَى	الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۷﴾
علم	یقیناً	ذلت	دن	اور رسوائی	پر	کافروں

”پھر قیامت کے دن وہ انہیں رسوا کرے گا اور کہے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بارے میں تم جھگڑتے تھے؟ جن لوگوں کو علم دیا گیا کہیں گے کہ بے شک آج کے دن رسوائی اور مصیبت ہے کافروں کے لیے۔“ (۲۷)

فہم القرآن

ربط کلام: دنیا کے انجام کے ساتھ مجرموں کا آخرت میں انجام۔

گمراہ اقوام اور ان کے راہنماؤں کا دنیا میں بدترین انجام ہوا۔ قیامت کے روز بھی انہیں رسوا کیا جائے گا۔ قیامت کی رسوائیوں میں ایک رسوائی یہ ہوگی کہ غلط پیروں اور ان کے مریدوں، لیڈروں اور ان کے ورکروں، علماء اور ان کے پیروکاروں کو آمنے سامنے کھڑا کر کے اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بارے میں تم بحث و تکرار، جنگ و جدال اور جھوٹے دلائل دیا کرتے تھے۔ جب کوئی جواب نہیں دے پائیں گے تو اہل علم پکار اٹھیں گے۔ آج کے دن کافر اور مشرک ذلیل ہو جائیں گے۔ قرآن مجید میں کافروں اور مشرکوں کی رسوائیوں کا یوں ذکر کیا گیا ہے:

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن پیروں، مریدوں کی تقرار:

۱۔ قیامت کے دن وہ ایک دوسرے کی تکفیر کریں گے اور ایک دوسرے پر پھٹکار کریں گے۔ (العنکبوت: ۲۵)

۲۔ قیامت کے دن پیشوا اپنے پیروکاروں سے براءت کا اظہار کریں گے۔ (البقرۃ: ۱۶۶)

۳۔ قیامت کے دن پیروکار کہیں گے اگر دنیا میں جانا ہمارے لیے ممکن ہو تو ہم تم سے براءت کا اظہار کریں گے (البقرۃ: ۱۶۵)

۴۔ کاش آپ ظالموں کو اس وقت دیکھیں جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونگے تو ایک دوسرے کے سامنے تردد کرتے ہوئے کمزور اپنے بڑوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے جب کہ ان کے بڑے اس سے انکاری ہونگے (سبا: ۳۲-۳۱)

۵۔ قیامت کے دن مجرم دوزخ میں جھگڑیں گے تو کمتر لوگ اپنے بڑوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے (المومن: ۴۸)

الَّذِيْنَ	تَتَوَفّٰىهُمُ	الْمَلٰٓئِكَةُ	ظَالِمِيْٓ	اَنْفُسِهِمْ	فَاَلْقَوُا	السَّلَمَ
وہ لوگ	وہ فوت کرتی ہیں انہیں	فرشتے	ظلم کرنے والے	ان کی جانیں	تو وہ پیش کریں گے	فرمانبرداری
مَا	كُنَّا	نَعْمَلُ	مِنْ	سُوْٓءٍ	بَلٰٓى	اِنَّ
نہیں	تھے ہم	ہم عمل کرتے ہیں	سے	برا	کیوں نہیں	یقیناً
اللّٰهَ	عَلِيْمٌ	بِمَا	كُنْتُمْ	تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾	فَادْخُلُوْٓا	اَبْوَابَ
اللہ	جاننے والا	ساتھ اس کہ	تھے تم	تم عمل کرتے ہو	چنانچہ تم داخل ہو جاؤ	دروازے
جَهَنَّمَ	خٰلِدِيْنَ	فِيْهَا	فَلَبِئْسَ	مَثْوَى	الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾	
جہنم	ہمیشہ رہنے والے	اس میں	پس برا ہے	ٹھکانہ	تکبر کرنے والے	

’’جنہیں فرشتے اس حال میں فوت کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، وہ تابع داری کا اظہار پیش کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم کوئی برا کام نہیں کیا کرتے تھے۔ کیوں نہیں! یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔‘‘(۲۸) ’’بس جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، تم ہمیشہ اس میں رہنے والے ہو، جو تکبر کرنے والوں کا بد ترین ٹھکانا ہے۔‘‘(۲۹)

فہم القرآن

ربط کلام: آخرت میں کفار اور مشرکین کی ذلت کی ابتداء۔

کفار اور مشرکین کے بارے میں بتلایا جا رہا ہے کہ ان کی موت ذلت کے ساتھ ہوگی اور قیامت کے دن بھی ذلیل ہوں گے۔ اس سے قبل دو آیات میں یہ بتلایا ہے کہ کفار دنیا میں بھی ذلیل ہوتے ہیں۔ بالخصوص انبیاء کرام کا براہ راست مقابلہ کرنے والے کفار اور مشرک بالآخر دنیا میں ذلیل ہوئے۔ اب یہ بتلایا جاتا ہے کہ ان کی ذلت کی ابتدا اسی وقت ہو جاتی ہے جب ملائکہ ان کی روح قبض کرتے ہیں۔ ملائکہ پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ خوف کے مارے کہتے ہیں ہم کوئی برے کام نہیں کر رہے تھے۔ ملائکہ انہیں جھڑکیاں دیتے ہوئے کہتے ہیں کیوں نہیں! تم اپنے رب کے نافرمان اور باغی تھے۔ تم مانو یا نہ مانو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔ بعض مفسرین نے ’’فَاَلْقَوُا السَّلَمَ ‘‘ کا یہ مفہوم لیا ہے کہ مرنے کے وقت یہ لوگ موت کے ملائکہ کو دیکھ کر ہتھیار ڈال دیں گے یعنی بے بس ہو جائیں گے یہاں تک کہ آہ وزاری کرنا چاہیں بھی تو نہیں کر سکیں گے۔

قرآن مجید نے دوسرے مقام پر یہ بھی بیان کیا ہے کہ موت کے وقت ملائکہ ان کے چہروں پر تھپڑ مارتے ہوئے کہتے ہیں کہ اپنی

روح ہمارے حوالے کرو جب روح ان کے جسد عنصری سے باہر نہیں نکلتی تو وہ ان کے چہروں پرتھپڑ مارتے اور جھڑکیاں دیتے ہیں۔اس ذلت اور رسوائی کے ساتھ ان کی روح قبض کی جاتی ہے۔مرنے کے بعد ان کی قبر کو جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بنا دیا جاتا ہے۔محشر کے دن حکم ہوگا کہ تم جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔جو تکبر کرنے والوں کے لیے بدترین جگہ ہے۔یہاں جہنم کے ایک دروازے کا ذکر کرنے کی بجائے جمع کا لفظ لا کر یہ بتایا گیا ہے کہ یہ ایسے مجرم ہیں کہ جہنم کے تمام دروازے اور اس کی بلائیں ان کا انتظار کر رہی ہوں گی۔

((عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ الْعَبْدَ الْكَافِرَ إِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِنَ الدُّنْيَا وَإِقْبَالٍ مِنَ الْآخِرَةِ نَزَلَ إِلَيْهِ مِنَ السَّمَاءِ مَلَائِكَةٌ سُوْدُ الْوُجُوْهِ مَعَهُمُ الْمُسُوْحُ فَيَجْلِسُوْنَ مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَجِيءُ مَلَكُ الْمَوْتِ حَتّٰى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَيَقُوْلُ أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيْثَةُ اخْرُجِيْ إِلٰى سَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَغَضَبٍ قَالَ فَتَفَرَّقُ فِيْ جَسَدِهٖ فَيَنْتَزِعُهَا كَمَا يُنْتَزَعُ السَّفُّوْدُ مِنَ الصُّوْفِ الْمَبْلُوْلِ)) [رواه أحمد]

”حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کافر کا دنیا سے رخصت ہونے کا اور موت کا وقت آ جاتا ہے تو آسمان سے کالے چہروں والے فرشتے اترتے ہیں۔ان کے پاس کھردرا لباس ہوتا ہے۔وہ فرشتے فوت ہونے والے کافر سے حدِ نگاہ تک دور بیٹھ جاتے ہیں۔ملک الموت اس کے سرہانے آ کر کہتا ہے۔اے خبیث جان! اللہ کی ناراضگی اور غضب کا سامنا کر پھر روح اس کے جسم سے الگ ہو جاتی ہے۔پھر اسے اس طرح کھینچتے ہیں جیسے گرم سلاخ کو روئی سے کھینچا جاتا ہے۔“

مسائل

۱۔ ظالم اپنے برے اعمال کو درست سمجھتے ہیں۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کے عمل سے باخبر ہے۔

۳۔ کفار جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ ۴۔ تکبر کرنے والوں کا بہت برا ٹھکانا ہے۔

تفسیر بالقرآن

جہنم بدترین جگہ ہے:

۱۔ جہنم کے دروازوں سے ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ تکبر کرنے والوں کا کیسا برا ٹھکانہ ہے۔(النحل:۲۹)

۲۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔(النساء:۹۷)

۳۔ رسول کی مخالفت کرنے والوں کو جہنم میں ڈالا جائے گا اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔(النساء:۱۱۵)

۴۔ اللہ نے کفار کے لیے جہنم تیار کی ہے، وہ برا ٹھکانہ ہے۔(الفتح:۶)

۵۔ بے شک جہنم برا ٹھکانہ اور برا مقام ہے۔(الفرقان:۶۶)

وَقِيْلَ	لِلَّذِيْنَ	اتَّقَوْا	مَاذَآ	اَنْزَلَ	رَبُّكُمْ ؕ	قَالُوْا
اور کہا گیا	ان لوگوں کیلئے	وہ پرہیز گار ہوئے	کیا ہے؟	اس نے نازل کی	تمہارا رب	انہوں نے کہا
خَيْرًا ؕ	لِلَّذِيْنَ	اَحْسَنُوْا	فِيْ	هٰذِهِ	الدُّنْيَا	حَسَنَةٌ ؕ
خیر	ان لوگوں کے لیے	انہوں نیکی کی	میں	اس	دنیا	اچھا
وَلَدَارُ	الْاٰخِرَةِ	خَيْرٌ ؕ	وَلَنِعْمَ	دَارُ	الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۰	جَنّٰتُ
اور البتہ گھر	آخرت	بہتر	اور بہت ہی اچھا	گھر	پرہیز گار	باغات
عَدْنٍ	يَّدْخُلُوْنَهَا	تَجْرِيْ	مِنْ	تَحْتِهَا	الْاَنْهٰرُ	لَهُمْ
ہمیشہ	وہ اس میں داخل ہوں گے	وہ بہتی ہے	سے	ان کے نیچے	نہریں	ان کے لیے
فِيْهَا	مَا	يَشَآءُوْنَ ؕ	كَذٰلِكَ	يَجْزِي	اللّٰهُ	الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۱
اس میں	جو	وہ چاہیں گے	اسی طرح	وہ جزا دیتا ہے	اللہ	پرہیز گار

”اور اللہ سے ڈرنے والوں سے کہا گیا کہ تمہارے رب نے کیا نازل فرمایا؟ تو انہوں نے کہا بہترین بات۔جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے لیے اس دنیا میں بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو کہیں بہتر ہے یقیناً آخرت اللہ سے ڈرنے والوں کا بہترین گھر ہے۔“ (۳۰) ”ہمیشگی کے باغات ہیں ،جن میں وہ داخل ہوں گے ،ان کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی ،اس میں ان کے لیے جو چاہیں گے موجود ہوگا۔اسی طرح اللہ ڈرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔“ (۳۱)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار، مشرکین اور مجرموں کے انجام کے بعد متقی حضرات کا صلہ اور ان کے انجام اور انعام کا بیان۔

اس خطاب کا آغاز اس بات سے ہوا تھا کہ لوگو! تمہارا الٰہ صرف ایک ہی الٰہ ہے۔جس کے ردِّعمل میں کافر اور مشرک یہ کہتے ہیں یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ان کے مقابلے میں جو لوگ کفر و شرک سے تائب ہوئے اور اللہ کی توحید کا اقرار کیا ان کا ردعمل یہ ہوتا ہے کہ جب ان سے پوچھا جائے کہ تمہارے رب نے تمہاری ہدایت کے لیے کیا نازل فرمایا ہے وہ بلا تاخیر کہتے ہیں کہ ہمارے رب نے جو کچھ نازل کیا ہے اس میں ہماری بھلائی اور رہنمائی ہے۔ان کے لیے دنیا میں بھی بہتری ہے اور آخرت میں ان کے لیے خیر ہی خیر ہوگی متقی حضرات کے لیے کتنا ہی اچھا گھر تیار کیا گیا ہے۔جس میں یہ داخل کیے جائیں گے اس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جو کچھ چاہیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں عنایت ہوگا۔اس طرح متقی حضرات کو بہترین جزا دی جائے گی۔

((عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلٰى جِنَازَةٍ فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

عَلَى الْقَبْرِ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ كَأَنَّ عَلٰى رُءُ وسِنَا الطَّيْرَ وَهُوَ يُلْحَدُ لَهُ فَقَالَ أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ثَلَاثَ مِرَارٍ ثُمَّ قَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا كَانَ فِي إِقْبَالٍ مِنَ الآخِرَةِ وَانْقِطَاعٍ مِنَ الدُّنْيَا تَنَزَّلَتْ إِلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ كَأَنَّ عَلٰى وُجُوهِهِمُ الشَّمْسَ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ كَفَنٌ وَحَنُوطٌ فَجَلَسُوا مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ حَتّٰى إِذَا خَرَجَ رُوحُهُ صَلّٰى عَلَيْهِ كُلُّ مَلَكٍ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ وَكُلُّ مَلَكٍ فِي السَّمَآءِ)) [رواہ أحمد]

”حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم رسول اللہ کے ساتھ ایک جنازہ کے لیے نکلے آپ ایک قبر کے قریب بیٹھ گئے اور ہم آپ کے اردگرد اس طرح بیٹھے۔ گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ میت کے لیے لحد بنائی جارہی تھی۔ آپ نے فرمایا میں قبر کے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا جب مومن کا دنیا سے رخصت ہونے اور موت کا وقت آتا ہے تو آسمان سے خوبصورت چہروں والے فرشتے نازل ہوتے ہیں ہر ایک کے پاس کفن اور خوشبو ہوتی ہے۔ فرشتے فوت ہونے والے مومن سے حد نگاہ تک اس سے دور بیٹھ جاتے ہیں۔ جب اس کی روح نکل جاتی ہے تو زمین و آسمان کے درمیان تمام فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔“

مسائل

۱۔ قرآن مجید کو متقین اپنے لیے رہنمائی اور خیر ہی خیر سمجھتے ہیں۔ ۲۔ نیکی کرنے والوں کے لیے دنیا میں بھی بھلائی ہے۔

۳۔ نیکوکاروں کے لیے آخرت کا گھر بہتر ہے۔ ۴۔ متقین کو ہمیشہ رہنے والے باغات میں داخل کیا جائے گا۔

۵۔ جنت میں وہ کچھ ملے گا جو جنتی خواہش کریں گے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ متقین کو بہترین صلہ عطا فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

متقین کا دنیا اور آخرت میں صلہ:

۱۔ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔ (النحل: ۱۲۸)

۲۔ متقین امن و سلامتی والے گھر میں ہوں گے۔ (الدخان: ۵۱)

۳۔ متقین کے لیے دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت ان کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ (النحل: ۳۰)

۴۔ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے جنت ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ (آل عمران: ۱۹۸)

۵۔ اللہ تعالیٰ متقین کو قیامت کے دن گروہ در گروہ جنت میں داخل کرے گا۔ (الزمر: ۷۳)

۶۔ ایمان لانے اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے دنیا اور آخرت میں خوشخبری ہے۔ (یونس: ۶۳۔۶۴)

الَّذِيْنَ	تَتَوَفّٰهُمُ	الْمَلٰٓئِكَةُ	طَيِّبِيْنَ	يَقُوْلُوْنَ	سَلٰمٌ	عَلَيْكُمُ
وہ لوگ	وہ فوت کرتی ہے ان کو	فرشتے	پاک لوگ	وہ کہتے ہیں	سلام	تم پر

ادْخُلُوا	الْجَنَّةَ	بِمَا	كُنْتُمْ	تَعْمَلُوْنَ ۳۲
تم داخل ہو جاؤ	جنت	اس لیے کہ	تم تھے	تم عمل کرتے

”جنہیں فرشتے اس حال میں فوت کرتے ہیں کہ وہ نیکی کرنے والے ہوتے ہیں۔فرشتے انہیں سلام کہتے ہیں ، جنت میں داخل ہو جاؤ ،اس کے بدلے جو تم کیا کرتے تھے۔“(۳۲)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔متقی حضرات کے ساتھ موت کے فرشتوں کا حسن سلوک۔

شرک سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے تقاضے پورے کرنے والے حضرات ہی حقیقی معنوں میں متقی ہوتے ہیں۔ ایسے متقی حضرات کو دنیا میں ہر قسم کی اچھائی اور موت کے بعد جنت کے انعام واکرام عطا کیے جائیں گے۔جن کی ابتدا متقین کی موت کے وقت ہی ہو جاتی ہے۔جس کا پہلا منظر یہ ہے کہ ملائکہ جب ان کی روح قبض کرنے کے لیے تشریف لاتے ہیں تو متقی حضرات کو سلام عرض کرتے ہوئے تسلی دیتے ہیں کہ آپ کو کسی قسم کا خوف و خطر نہیں ہوگا۔جونہی تمہاری جان قبض کی جائے گی تمہیں جنت میں داخلہ مل جائے گا کیونکہ تم نیک عمل کیا کرتے تھے۔اس خوشخبری کو اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے کہ جن لوگوں نے اس بات کا اقرار کیا کہ ہمیں پیدا کرنے اور رزق دینے والا صرف ایک اللہ ہے پھر وہ تا دم آخر عقیدۂ توحید پر قائم رہے ملائکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری سناتے ہیں کہ خوف اور غم نہ کرو تمہیں اس جنت کی خوشخبری دی جاتی ہے جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا۔ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے خیر خواہ تھے اور آخرت میں بھی تمہارے ساتھ ہیں۔تمہارے لیے وہ سب کچھ ہے جس کی تم تمنا کرو گے۔یہ غفور الرحیم رب کی طرف سے تمہاری مہمان نوازی ہے۔(حٰم السجدۃ:۳۰۔۳۱۔۳۲)

مسائل

۱۔ مومن کو موت کے وقت اور قبر میں ملائکہ خوشخبری دیتے ہیں۔ ۲۔ متقین کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔

۳۔ فرشتے مومنین کی روحیں قبض کرتے ہوئے انہیں سلام کہتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

متقین حضرات کو موت سے لے کر جنت میں داخل ہونے تک ملائکہ کا سلام کرنا:

۱۔ جب فرشتے پاکباز لوگوں کی روحیں قبض کرتے ہیں تو انھیں سلام کہتے ہیں اور جنت کی خوشخبری دیتے ہیں۔(النحل:۳۲)

۲۔ فرشتے کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو تم نے صبر کیا آخرت کا گھر بہت ہی بہتر ہے۔(الرعد:۲۴)

۳۔ داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ آج تمہارے لیے داخلے کا دن ہے۔(ق:۳۴)

۴۔ فرشتے جب جنتیوں پر داخل ہوں گے تو سلام کہیں گے۔(الزمر:۸۹)

هَلْ	يَنْظُرُوْنَ	اِلَّآ	اَنْ	تَاْتِيَهُمُ	الْمَلٰٓئِكَةُ	اَوْ
کیا	وہ انتظار کرتے ہیں	مگر	یہ کہ	آئیں ان کے پاس	فرشتے	یا
يَاْتِيَ	اَمْرُ	رَبِّكَ ؕ	كَذٰلِكَ	فَعَلَ	الَّذِيْنَ	مِنْ
وہ آتا ہے	حکم	آپ کا رب	اسی طرح	اس نے کیا	وہ لوگ	سے
قَبْلِهِمْ ؕ	وَمَا	ظَلَمَهُمُ	اللّٰهُ	وَلٰكِنْ	كَانُوْٓا	اَنْفُسَهُمْ
ان سے پہلے	اور نہیں	اس نے ظلم کیا ان پر	اللہ	اور لیکن	تھے وہ	ان کے نفس
يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾	فَاَصَابَهُمْ	سَيِّاٰتُ	مَا	عَمِلُوْا	وَحَاقَ	بِهِمْ
وہ ظلم کرتے ہیں	چنانچہ وہ پہنچا ان کو	برائیاں	جو	انہوں نے عمل کیا	اور اس نے گھیر لیا	ان کو
مَّا	كَانُوْا	بِهٖ	يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ ع			
جو	تھے وہ	اس کے ساتھ	وہ مذاق کرتے ہیں			

ع ۹ ۱۰ ۴

”وہ اس کے سوا کس چیز کا انتظار کررہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا آپ کے رب کا حکم آجائے۔ ایسے ہی ان لوگوں نے کیا جو ان سے پہلے تھے اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود اپنے آپ پر ظلم کیا کرتے تھے۔“ (۳۳) ”پس ان کے پاس اس کے برے نتائج آپہنچے جو انہوں نے کیا تھا اور انہیں اس چیز نے گھیر لیا جسے وہ مذاق کیا کرتے تھے۔“ (۳۴)

فہم القرآن

ربط کلام: متقی حضرات کو خوشخبری سنانے کے بعد خطاب کا رخ مشرکین کی طرف کیا گیا ہے۔

مشرکین اور خدا کے منکر جب حق کے مقابلے میں لاجواب ہو جاتے تو اس بات کا مطالبہ کرتے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اللہ اس نبی کے پاس فرشتے بھیجتا ہے اور ملائکہ ہمارے پاس کیوں نہیں بھیجتا؟ بسا اوقات وہ اس بات کو یوں بھی کہتے کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک فرشتے آکر ہمارے سامنے اس کی تائید نہ کریں۔ بار بار سمجھانے کے باوجود یہ لوگ سمجھنے کے لیے تیار۔ ان کے ایک اعتراض کا مدلل جواب دیا جاتا ہے تو دوسرا اعتراض جوڑ دیتے۔ جب اس کے بارے میں تشفی کر دی جاتی ہے تو تیسرا اعتراض کیے دیتے ہیں ان کا مقصد حق سمجھنا اور قبول کرنا نہیں تھا بلکہ یہ لوگ اپنے ساتھیوں کو ورغلانے اور حق والوں کو پریشان کرنے کے سوا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ لہٰذا اب تو یہ عملاً اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے آئیں جو ان کا قلع قمع کر دیں یا پھر اللہ کا عذاب آئے جو انہیں تہس نہس کر دے۔ یہی رویہ ان

سے پہلے لوگوں نے اختیار کیا تھا۔ جس وجہ سے وہ ہلاک کر دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی۔ وہ خود ہی اپنے آپ پر زیادتی کرنے والے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو اپنے اعمال کا انجام دیکھنا پڑا اور جس عذاب کو وہ استہزاء کا نشانہ بناتے تھے اس نے انہیں اچانک دبوچ لیا۔

ظلم کی حرمت:

((عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا رَوَى عَنِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَّهُ قَالَ يَا عِبَادِي إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوا.....))[رواه البخاري:باب تحريم الظلم]

''حضرت ابوذر نبی کریم ﷺ سے حدیث قدسی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے بندو! میں نے اپنے آپ پر ظلم حرام قرار دیا ہے اور تم پر بھی، پس تم آپس میں ظلم نہ کرو.....۔''

ایک دوسرے پر ظلم کرنا حرام ہے

مسائل

۱۔ کفار منتظر تھے کہ فرشتے آئیں یا اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے۔

۲۔ مشرکین مکہ سے پہلے بھی کفار کا یہی وطیرہ رہا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

۴۔ لوگ اپنے آپ پر خود ظلم کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ اور اس کے رسول کا مذاق اڑانے والوں کا انجام:

۱۔ انہیں اسی عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ تمسخر اڑاتے تھے۔ (النحل:۳۴)

۲۔ اللہ تعالیٰ مذاق کرنے والوں کے لیے کافی ہے۔ (الحجر:۹۵)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو مذاق کرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ (یٰس:۳۵)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے مذاق کرنے والوں کو ڈھیل دی پھر انہیں عذاب میں مبتلا کر دیا۔ (الرعد:۳۲)

۵۔ اللہ کی آیات اور اس کے رسولوں کا مذاق اڑانے والوں کی سزا جہنم ہے۔ (الکہف:۱۰۶)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کا مذاق اڑانے والوں کے لیے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔ (التوبۃ:۷۹)

وَ	قَالَ	الَّذِيْنَ	اَشْرَكُوْا	لَوْ	شَآءَ	اللّٰهُ	مَا
اور	اس نے کہا	وہ لوگ	انہوں نے شریک کیا	اگر	اس نے چاہا	اللہ	نہ

عَبَدْنَا	مِنْ	دُوْنِهٖ	مِنْ	شَيْءٍ	نَّحْنُ	وَلَآ
ہم نے عبادت کی	سے	اس کے علاوہ	سے	چیز	ہم	اور نہ

اٰبَآؤُنَا	وَلَا	حَرَّمْنَا	مِنْ	دُوْنِهٖ	مِنْ	شَيْءٍ
ہمارے باپ دادا	اور نہ	ہم نے حرام ٹھہرایا	سے	اس کے بغیر	سے	چیز

كَذٰلِكَ	فَعَلَ	الَّذِيْنَ	مِنْ	قَبْلِهِمْ	فَهَلْ	عَلَى
اسی طرح	اس نے کیا	وہ لوگ	سے	ان سے پہلے	چنانچہ کیا	پر

الرُّسُلِ	اِلَّا	الْبَلٰغُ	الْمُبِيْنُ ۝۳۵
رسولوں	مگر	پہنچا دینا	واضح

’’اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شریک بنائے کہتے کہ اللہ چاہتا تو نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اس کے سوا کسی کی عبادت کرتے اور نہ ہم اللہ کی حرام کردہ چیزوں اس کے سوا کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ اسی طرح ان لوگوں نے کہا جو ان سے پہلے تھے تو رسولوں کے ذمہ تو پیغام پہنچا دینا ہے۔‘‘ (۳۵)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ حق کا انکار کرنے کے لیے مشرکوں کا دوسرا بہانہ اور انداز۔

مشرک کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ ہم اور ہمارے آباؤ اجداد اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ بنائیں اور نہ ہی اس کے حکم کے سوا کسی چیز کو حرام ٹھہرائیں تو کیا مجال تھی کہ ہم اور ہمارے باپ دادا ایسا کر سکتے؟ دراصل ہم وہی کچھ کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ یہاں اس کے دو جواب دیے گئے ہیں ایک یہ کہ ایسی بیہودہ باتیں ان سے پہلے لوگ بھی کیا کرتے تھے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہمارے رسولوں کے ذمے کسی کو منوانا نہیں ان کا کام حق پہچانا ہے۔ سو یہ کام رسول اللہ ﷺ نے اور آپ سے پہلے انبیاء نے پورے اخلاص اور بڑی ذمہ داری کے ساتھ پورا کیا ہے۔ آٹھویں پارے میں اسی بات کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ عنقریب مشرک کہیں گے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک کے مرتکب نہ ہوتے اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ ان کی بات کا مطلب یہ ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح انبیاء کو جھٹلایا تھا۔ یہاں تک کہ انہیں ہمارا عذاب آ پہنچا۔

انہیں فرمائیں کیا تمہارے پاس اس دعویٰ کی کوئی دلیل ہے؟ تو اسے ہمارے سامنے پیش کرو۔ درحقیقت یہ لوگ اپنے خیالات کی پیروی کرتے ہیں جو سراسر من گھڑت ہیں۔ لہٰذا انہیں فرمائیں اللہ کی دلیل پہنچ چکی جو ہر اعتبار سے غالب ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ہدایت پر اکٹھا کرسکتا تھا۔ (الانعام:۱۴۸۔۱۴۹)

مشرکین کے بہانوں میں سے یہ ایک بہانہ ہے جسے وہ ہمیشہ سے پیش کرتے آرہے ہیں۔ جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا الزام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اگر اپنے ساتھ شرک اور اپنی حرام کردہ چیزوں کو لوگوں کے لیے جائز رکھتا تو اسے کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب پیغمبر مبعوث کرتا۔ خاکم بدہن کیا اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ساتھ ڈرامہ کیا ہے کہ ایک طرف تو وہ شرک اور حرام خوری کو پسند کرتا ہے اور دوسری طرف لوگوں کو روکنے کے لیے انبیاء بھیجتا رہا۔ جنہوں نے اس مشن کی خاطر بڑے بڑے دکھ برداشت کیے اور مال و جان کی عظیم قربانیاں پیش کیں۔ کفار کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارا شرک اور حرام خوری پسند ہے یہ اس کی شان میں بہت بڑی گستاخی اور سنگین جرم ہے جس بنا پر انہیں دنیا میں تہس نہس کر دیا گیا۔

مسائل

۱۔ مشرکین اپنے شرک کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ۲۔ رسولوں کے ذمہ دین پہنچانا تھا منوانا نہیں۔

تفسیر بالقرآن

حق کے مقابلہ میں کفار اور مشرکین کے بہانے:

۱۔ مشرکین نے کہا اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرتے۔ (النحل:۳۵)

۲۔ عنقریب مشرکین کہیں گے اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے۔ (الانعام:۱۴۸)

۳۔ کفار نے کہا ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک تو زمین سے ہمارے لیے کوئی چشمہ جاری نہ کردے۔ (بنی اسرائیل:۹۱)

۴۔ مشرکین نے آپ پر اعتراض کیا کہ آپ پر خزانہ کیوں نہیں نازل ہوتا۔ (ھود:۱۲)

۵۔ بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰ جب تک ہم اللہ کو اپنے سامنے نہیں دیکھ لیتے ہم ایمان نہیں لائیں گے۔ (البقرۃ:۵۵)

۶۔ کہتے ہیں یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جس کو اس نے لکھ رکھا ہے اور وہ صبح و شام اس کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ (الفرقان:۵)

وَلَقَدْ	بَعَثْنَا	فِیْ	كُلِّ	اُمَّةٍ	رَّسُوْلًا	اَنِ
اور یقیناً	ہم نے بھیجا	میں	ہر	امت	رسول	یہ کہ
اعْبُدُوا	اللّٰهَ	وَاجْتَنِبُوا	الطَّاغُوْتَ ۚ	فَمِنْهُمْ	مَّنْ	هَدَى
تم عبادت کرو	اللہ	اور تم بچو	طاغوت	پھر ان میں سے	جو	اس نے ہدایت دی
اللّٰهُ	وَمِنْهُمْ	مَّنْ	حَقَّتْ	عَلَيْهِ	الضَّلٰلَةُ ؕ	فَسِيْرُوْا
اللہ	اور ان میں سے	جو	ثابت ہوگئی	اس پر	گمراہی	پس تم سیر کرو
فِی	الْاَرْضِ	فَانْظُرُوْا	كَيْفَ	كَانَ	عَاقِبَةُ	الْمُكَذِّبِيْنَ ۝٣٦
میں	زمین	پھر تم دیکھو	کیسا	ہوا	انجام	جھٹلانے والے

”اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔ ان میں سے کچھ وہ تھے جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور کچھ وہ تھے جن پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ پس زمین میں چل، پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔“ (۳۶)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ انبیاء کا کام اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا اور لوگوں پر حجت قائم کرنا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر امت میں نبی مبعوث فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم اس وقت تک کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتے جب تک اس میں رسول مبعوث نہ کیا جائے۔ (بنی اسرائیل: ۱۵)

دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا کہ رسول لوگوں کو خوشخبری دینے والے اور برے اعمال کے انجام سے ڈرانے والے تھے۔ تاکہ ان رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت یعنی بہانہ باقی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ بڑا زبردست اور حکمت والا ہے۔ (النساء: ۱۶۵)

اسی اصول کے پیش نظر یہاں ارشاد فرمایا کہ ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا۔ جو لوگوں کو یہی بتلاتا اور سمجھاتا رہا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی عبادت سے بچو۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے ہدایت پائی اور باقی پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ گمراہوں کا انجام دیکھنے کے لیے زمین پر چل، پھر کر دیکھو تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ حق کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

امت سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے لیے رسول کو مبعوث کیا جاتا تھا۔ نبی کی تشریف آوری کے بعد یہ امت دو حصوں میں تقسیم ہو جایا کرتی تھی۔ خوش نصیب لوگ رسول پر ایمان لے آتے۔ حقیقی معنوں میں وہی اس رسول کی امت ہوتے تھے۔ اس امت کو امتِ اِجابہ کہا جاتا ہے۔ ”یعنی انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول کرنے والے لوگ“۔ باقی لوگوں کو ”امت دعوت“ کہتے ہیں

اِنۡ	تَحۡرِصۡ	عَلٰی	هُدٰىهُمۡ	فَاِنَّ	اللّٰهَ	لَا
اگر	تو طمع کرے	پر	ان کی ہدایت	تو یقیناً	اللہ	نہیں
يَهۡدِىۡ	مَنۡ	يُّضِلُّ	وَمَا	لَهُمۡ	مِّنۡ	نّٰصِرِيۡنَ ۝۳۷
وہ ہدایت دیتا ہے	جو	وہ گمراہ کرتا ہے	اور نہیں	ان کے لیے	سے	مددگار

''اگر آپ ان کی ہدایت کا لالچ کریں بے شک اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ کر دے اور کوئی ان کی نہ مدد کرنے والے ہیں۔'' (۳۷)

یعنی وہ لوگ جس کے لیے نبی بھیجا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے پیغام کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات اور صفات کے حوالے سے ایک سمجھیں اور زندگی کے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو مقدم جانیں۔ اس کے ساتھ ہر اس قوت کا انکار کریں جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف لے جانے والی ہو۔ بے شک انسان کا ضمیر ہو یا معاشرے کے رسم و رواج اور کسی پارلیمنٹ کا فیصلہ یا حکومت کا قانون، اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں یہ تمام کے تمام طاغوت سمجھے جائیں گے۔ عبادت کا یہی مفہوم انبیاء کرام علیہم السلام سمجھاتے اور کر کے دکھلایا کرتے تھے۔ لیکن پیغمبروں کے سمجھانے کے باوجود کچھ لوگ ہدایت یافتہ ہوئے اور باقی گمراہی پر جمے رہے۔ اے لوگو! ان کا انجام دیکھنے کے لیے ان کے علاقوں میں جا کر دیکھو کہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرنے والوں کا کس قدر برا انجام ہوا۔ اس کے ساتھ ہی سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ آپ ان لوگوں کی ہدایت کے لیے جس قدر خواہش کا اظہار اور محنت کریں۔ آپ ان کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے کیونکہ جسے بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے۔ اسے ہدایت دینے میں کوئی بھی مددگار ثابت نہیں ہو سکتا۔ ہدایت اسی شخص کو نصیب ہوتی ہے۔ جو اس کی تمنا اور کوشش کرتا ہے۔ بصورتِ دیگر اللہ تعالیٰ جبراً کسی پر ہدایت مسلط نہیں کرتا۔

مسائل

۱۔ ہر امت کی طرف رسول بھیجا گیا۔ ۲۔ ہر رسول نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا اور شیطان کی عبادت سے روکا۔
۳۔ انبیاء علیہم السلام کو جھٹلانے والوں کے انجام پر نظر رکھنی چاہیے۔ ۴۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی پر ہدایت مسلط نہیں کر سکتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

توحید و رسالت کے منکرین کا انجام:

۱۔ زمین میں چل، پھر کر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ (النحل: ۳۶)

۲۔ ہم نے ان سے انتقام لیا دیکھئے جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ (الزخرف: ۲۵)

۳۔ قیامت کے دن منکرین کے لیے ہلاکت ہے۔ (الطور: ۱۱)

۴۔ منکرین کے لیے جہنم کا کھولتا ہوا پانی ہے۔ (الواقعۃ: ۹۲)

وَاَقْسَمُوْا	بِاللّٰهِ	جَهْدَ	اَيْمَانِهِمْ	لَا	يَبْعَثُ اللّٰهُ
اور انہوں نے قسمیں اٹھائیں	اللہ	پختہ	ان کی قسمیں	نہیں	اٹھائے گا اللہ
مَنْ	يَّمُوْتُ ؕ	بَلٰى	وَعْدًا	عَلَيْهِ	حَقًّا وَّلٰكِنَّ
جو	وہ مرے گا	کیوں نہیں	وعدہ	اس پر	سچا اور لیکن
اَكْثَرَ	النَّاسِ	لَا	يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾	لِيُبَيِّنَ	لَهُمُ الَّذِيْ
اکثر	لوگ	نہیں	وہ جانتے ہیں	تاکہ وہ واضح کرے	ان کیلئے وہ
يَخْتَلِفُوْنَ	فِيْهِ	وَلِيَعْلَمَ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْٓا	اَنَّهُمْ كَانُوْا
وہ اختلاف کرتے	اس میں	اور تاکہ وہ جان لیں	وہ لوگ	انہوں نے کفر کیا	کہ یقیناً وہ تھے

’’انھوں نے اللہ کی پختہ قسمیں اٹھائیں کہ جو مر گیا اللہ اُسے نہیں اٹھائے گا۔ کیوں نہیں! اللہ کا سچا وعدہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔‘‘ (۳۸) ’’تاکہ ان کے لیے واضح کر دے وہ چیز جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور تاکہ جن لوگوں نے کفر کیا جان لیں کہ واقعی

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ گمراہ لوگوں کو ہدایت اس لیے نصیب نہیں ہوتی کیونکہ یہ اللہ کے حضور پیش ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

ہدایت پانے اور گناہوں سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ اگر میں ایمان لانے کے بعد اچھے اعمال کروں گا تو میرا رب مجھے آخرت میں اس کی جزا دے گا۔ اگر میں نے ایمان لانے سے انکار کیا اور برے اعمال اختیار کیے تو مرنے کے بعد مجھے اس کی سخت سزا دی جائے گی۔ جب آدمی اس عقیدہ کا انکار کرتا ہے تو پھر وہ کفر و شرک اور جرائم کرنے میں دلیر ہو جاتا ہے۔ اسی دلیری کے پیش نظر آخرت کے منکر قسمیں اٹھا اٹھا کے کہتے تھے کہ اللہ کی قسم! جو مر گیا اللہ تعالیٰ اسے کبھی نہیں اٹھائے گا۔ یہاں ان کی قسموں اور عقیدے کی نفی کے لیے چار دلائل دیے گئے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان اور اس کا وعدہ ہے کہ میں ضرور قیامت برپا کروں گا اور اس دن نیکوں کو پوری پوری جزا ملے گی اور نافرمانوں کو ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان اور اس کا وعدہ سچا ہے۔ لیکن آخرت کے منکر نہیں مانتے۔

۲۔ قیامت اس لیے بھی برپا کی جائے گی تاکہ اس دن لوگوں کے انبیاء علیہم السلام اور صالحین کے ساتھ اور دیگر اختلافات کا فیصلہ کیا جائے۔ اگر حق اور باطل کے درمیان فیصلہ نہ ہو تو انبیاء اور صالحین اپنے حق سے محروم رہ جائیں گے اور ظالم دنیا میں مزید ظلم کرتے رہیں گے۔ یہاں حق سے مراد ’’اللہ کی فرمانبرداری ہے‘‘۔ (یونس: ۱۰۶۔ لقمان: ۱۳)

كٰذِبِيْنَ ﴿٣٩﴾	اِنَّمَا	قَوْلُنَا	لِشَيْءٍ	اِذَآ	اَرَدْنٰهُ	اَنْ
جھوٹے	صرف	ہمارا کہنا	کسی چیز کے لیے	جب	ہم اس کا ارادہ کریں	یہ کہ
	نَّقُوْلَ	لَهٗ	كُنْ	فَيَكُوْنُ ﴿٤٠﴾		
	ہم کہتے ہیں	اس کے لیے	ہو جا	پس وہ ہو جاتا ہے		

ع ٥ | ١١

وہ جھوٹے تھے۔'' (۳۹) ''ہمارا کہنا کسی چیز کو کہ جب ہم اس کا ارادہ کرلیں، اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم اسے کہتے ہیں ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔'' (۴۰)

۳۔ قیامت کا آنا اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ اس کا انکار کرنے والے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام فرمایا کرتے تھے وہ سچ ہے اور جو کچھ ہم کہتے اور کرتے تھے وہ سراسر جھوٹ تھا۔

۴۔ منکرین قیامت کا یہ عقیدہ جھوٹا ثابت کیا جائے گا کہ مرنے کے بعد ان کی بوسیدہ ہڈیوں کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔ اس کی تردید کے لیے یہاں صرف اتنا کہنا مناسب سمجھا گیا۔ اس بنیاد پر تمہارا آخرت کا انکار کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور اس کی قوت وسطوت کا انکار کرنا ہے۔ تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اپنے حضور پیش کرنا اس کے لیے کیونکر مشکل ہوسکتا ہے حالانکہ جب کسی کام کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ صرف ''کن'' کہتا ہے یعنی ہو جا اور وہ کام اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور فرمان کے عین مطابق پورا ہو جاتا ہے۔

مسائل

۱۔ کفار قسمیں اٹھا، اٹھا کر لوگوں کو یقین دلاتے ہیں کہ مرنے کے بعد ہمیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ قیامت برپا کرنا اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے برپا ہونے کے دلائل:

۱۔ اللہ کا قیامت قائم کرنے کا وعدہ برحق ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (النحل: ۳۸)

۲۔ قیامت قریب ہے۔ (الانبیاء: ۱) ۳۔ قیامت کے دن اللہ پوچھے گا آج کس کی بادشاہی ہے؟ (المومن: ۱۶)

۴۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کے بارے میں بتائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔ (المجادلۃ: ۷)

۵۔ قیامت کے دن کوئی کسی کو فائدہ نہیں دے سکے گا۔ (الانفطار: ۱۹)

۶۔ اے لوگو! اللہ سے ڈر جاؤ بے شک قیامت کا زلزلہ بہت ہی سخت ہوگا۔ (الحج: ۱)

وَالَّذِيْنَ	هَاجَرُوْا	فِي	اللّٰهِ	مِنْ	بَعْدِ	مَا
اور وہ لوگ	جنہوں نے ہجرت کی	میں	اللہ	سے	بعد	جو
ظُلِمُوْا	لَنُبَوِّئَنَّهُمْ	فِي	الدُّنْيَا	حَسَنَةً ؕ	وَلَاَجْرُ	الْاٰخِرَةِ
وہ ظلم کیے گئے	ہم ان کو ضرور ٹھکانہ دیں گے	میں	دنیا	اچھا	اور البتہ اجر	آخرت
اَكْبَرُ ۘ	لَوْ	كَانُوْا	يَعْلَمُوْنَ ۝۴۱	الَّذِيْنَ	صَبَرُوْا	وَعَلٰى
بہت بڑا	کاش کہ	ہوتے وہ	وہ جانتے ہیں	وہ لوگ	انہوں نے صبر کیا	اور پر
رَبِّهِمْ	يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۴۲					
ان کا رب	وہ بھروسہ کرتے ہیں					

وقف لازم

’’اور جن لوگوں نے اللہ کی خاطر وطن چھوڑا، اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا، بلاشبہ ہم انہیں دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانہ دیں گے اور البتہ آخرت کا اجر تو سب سے بڑا ہے۔ کاش! وہ جانتے ہوتے۔‘‘ (۴۱) ’’وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔‘‘ (۴۲)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

جب انسان آخرت کا منکر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی قوت وسطوت کا فکری یا عملی طور پر انکار کر دے تو وہ ظالم بن جاتا ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ ظالم لوگ توحید کا عقیدہ رکھنے والے اور صاحبِ کردار لوگوں پر ظلم کیا کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے مظلوم ہجرت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

جب سے دنیا معرض وجود میں آئی ہے اسی وقت سے توحید و رسالت اور آخرت کا عقیدہ رکھنے والوں پر مظالم ڈھائے جاتے رہے یہاں تک کہ انہیں اپنا گھر بار چھوڑنا پڑا اصاحب عزیمت لوگوں نے سب کچھ برداشت کرلیا۔ مگر حق پر قائم اور دائم رہے۔ ان کو خوشخبری سنائی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور انہیں دنیا میں سرخرو کرنے کے ساتھ اپنی نعمتوں سے نوازتے ہوئے آخرت میں انہیں عظیم اجر سے نوازا جائے گا۔ کاش! لوگ اس حقیقت کو جان جائیں۔ یہ جزا ان لوگوں کو دی جائے گی جنہوں نے اپنے رب پر اعتماد کرتے ہوئے حق پر استقامت اور ظلم پر صبر وحوصلہ اختیار کیا۔

اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کرنا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ یہ ایسی پل صراط ہے جس کی دھار تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے۔ ہجرت کی تکالیف ومشکلات ایمان سے خالی دل کو ننگا کر دیتی ہیں۔ یہ ایسا ترازو ہے جس میں ہر آدمی نہیں بیٹھ سکتا۔ اس پیمانے سے کھرے کھوٹے کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید نے مہاجرین کو اصحاب صدق کے لقب سے نوازا ہے۔

﴿الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ أُولٰئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾[الحشر:٨]

”اور جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکالے گئے یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کی حمایت پر کمر بستہ رہتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ہیں۔“

﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ٥ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾[النحل:٤١،٤٢]

”جو ظلم سہنے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت کر گئے، ان کو ہم دنیا ہی میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔ کاش وہ جان لیں۔ وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اور جو اپنے رب کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔“

﴿وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ آوَوْا وَّنَصَرُوْا أُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾[الانفال:٧٤]

”اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اللہ کے راستے میں گھر بار چھوڑا اور جہاد کیا اور جنہوں نے مہاجرین کو پناہ دی اور ان کی مدد کی یہی لوگ سچے اور ایمان دار ہیں۔ ان ہی کے لیے بخشش اور بہترین رزق ہے۔“

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ اشْتَكَى فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهِ عَلَيْهِمْ أَغْنِيَاءَ هُمْ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الْفُقَرَاءِ أَلَا أُبَشِّرُكُمْ أَنَّ فُقَرَاءَ الْمُؤْمِنِيْنَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَائِهِمْ بِنِصْفِ يَوْمٍ خَمْسِمِائَةِ عَامٍ))[رواه ابن ماجة: باب مَنْزِلَةِ الْفُقَرَاءِ]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فقیر مہاجرین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ اغنیا کو ہم پر فضیلت حاصل ہے آپ نے فرمایا اے فقیروں کی جماعت کیا میں تمہیں خوشخبری نہ دے دوں کہ فقیر مومن جنت میں اغنیاء سے ڈھائی سو سال پہلے داخل ہوں گے۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دنیا میں بہترین ٹھکانہ ملے گا۔

٢۔ مومنین کو ہجرت کے عوض آخرت میں عظیم اجر سے نوازا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

صبر اور توکل علی اللہ کے فوائد:

١۔ اللہ صبر اور توکل کرنے والوں کو اجر عظیم سے نوازے گا۔ (النحل:٤١۔٤٢)

٢۔ جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہے۔ (الطلاق:٣)

٣۔ اللہ توکل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ (آل عمران:١٥٩)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا
اور نہیں ہم نے بھیجے سے آپ سے پہلے مگر آدمی ہم وحی کرتے ہیں ان کی طرف چنانچہ تم پوچھو
اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٤٣﴾ بِالْبَيِّنٰتِ
اہل ذکر اگر تم نہیں جانتے دلائل کے ساتھ
وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا
اور کتابیں اور ہم نے نازل کیا آپ کی طرف ذکر تاکہ آپ بیان کریں لوگوں کے لیے جو
نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٤٤﴾
نازل کیا گیا ان کی طرف اور تاکہ وہ فکر کریں

''اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے مگر آدمی نبی جن کی طرف ہم نے وحی کی۔ اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔''(۴۳)''واضح دلائل اور کتابیں دے کر۔ اور ہم نے آپ کی طرف نصیحت اتاری، تاکہ آپ لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کریں جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ غور وفکر کریں۔''(۴۴)

فہم القرآن

ربط کلام: عقیدۂ توحید اور آخرت کے انکار کے ساتھ اہل مکہ اس بات کے بھی منکر تھے کہ نبی بشر نہیں ہوسکتا۔

قرآن مجید نے توحید اور عقیدہ آخرت کے دلائل دینے کے ساتھ اس بات کے شرعی، عقلی، نقلی اور تاریخی حوالہ جات کے ساتھ درجنوں دلائل دیے ہیں کہ رسولِ آخر الزماں ﷺ عبد، بشر اور آدمی ہیں۔ آپ سے پہلے جتنے رسول مبعوث کیے گئے۔ وہ عبد، بشر اور آدمی تھے۔ یہاں مختصر جواب یہ دیا گیا ہے کہ دلائل اور حقائق دینے کے باوجود رسالت مآب ﷺ کے منکروں کو کھلی دعوت دی جاتی ہے کہ وہ اپنی تسلی کے لیے اہلِ ذکر سے پوچھ لیں کہ حضرت محمد ﷺ سے پہلے جو رسول آئے وہ جنس کے اعتبار سے آدمی تھے یا کوئی اور؟ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انبیاء کو واضح دلائل اور کتابیں دے کر بھیجا۔ اے نبی ﷺ! ہم نے آپ کی طرف قرآن مجید نازل کیا ہے۔ تاکہ آپ لوگوں کو کھول کھول کر بتلائیں تاکہ وہ اس پر غور وفکر کریں۔

یہاں الذکر کا لفظ دو دفعہ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ پہلی دفعہ اھل الذکر سے مراد تورات اور انجیل کے اہل علم ہیں۔ دوسری مرتبہ الذکر سے مراد قرآن مجید ہے۔ جو حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔ یہاں اس بات کو بھی کھول دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کا کام صرف قرآن مجید لوگوں تک پہنچانا ہی نہیں بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق کھول کر بیان بھی کرنا ہے۔ ظاہر ہے جو آپ ﷺ نے اپنے عمل اور فرمان کے ذریعے قرآن مجید کی تبیین یعنی تفسیر فرمائی ہے اسے حدیث

النصف

رسول ﷺ کہا جاتا ہے۔جس کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ آپ ﷺ کا ارشاد۔

۲۔ آپ ﷺ کا عمل۔

۳۔ آپ ﷺ کے سامنے کسی صحابی نے دین سمجھ کر کوئی کام کیا ہو اور آپ ﷺ نے اسے دیکھ کر خاموشی اختیار کی۔اس بات کو محدثین تقریری حدیث کہتے ہیں۔یہ حدیث اس لیے مستند ہوتی ہے کہ اللہ کے پیغمبر کی یہ شان نہیں کہ اس کے سامنے کوئی غلط کام ہو رہا ہو اور وہ اسے دیکھ کر خاموش رہیں۔

اس اعتبار سے حدیث کی تینوں صورتیں ہی محفوظ کر لی گئی ہیں۔کیونکہ جس طرح قرآن مجید کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ نے ضمانت دی ہے اسی طرح رسول اکرم ﷺ کی بتلائی ہوئی قرآن مجید کی تفسیر کا محفوظ رہنا بھی لازم تھا۔جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محدثین کی شکل میں ایک ایسی جماعت پیدا فرمائی جنہوں نے آپ ﷺ کے ایک ایک فرمان اور عمل کو قیامت تک امت کے لیے جمع کر دیا۔اسی تسلسل کو جاری رکھتے ہوئے حدیث کی پہلی ضخیم کتاب حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے موطا کے نام سے لکھی جس کو انہوں نے اپنے زمانے میں تابعین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیٹوں اور شاگردوں کے سامنے پیش کیا۔جس کا ہر زاویہ سے علمی تجزیہ کرنے کے بعد اہل علم نے اسے صحیح قرار دیا۔اس لیے اس کا نام موطا امام مالک رحمہ اللہ رکھا گیا جس کا معنیٰ ہے روندی ہوئی گویا کہ علمی لحاظ سے شدید ترین تنقید سے گزری ہوئی کتاب'' امام مالک رحمہ اللہ کے شاگرد، امام شافعی، امام شافعی کے شاگرد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ''مسند احمد'' کے نام سے ضخیم کتاب تحریر فرمائی۔امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے شاگرد عظیم امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری اور ان کے شاگرد امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم اور ان کے شاگردوں نے صحاح ستہ میں شامل باقی چار کتابیں تحریر فرمائیں۔اس طرح حدیث کی چھ کتابیں تیار ہوئیں جنھیں صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔صحاح کا معنیٰ صحیح اور ستہ عربی میں چھ کے عدد کو کہتے ہیں۔ان کتابوں میں دین کے 99% مسائل پائے جاتے ہیں۔باقی مسائل حدیث کی دوسری کتب میں موجود ہیں۔اس طرح تسلسل کے ساتھ حدیث کا عظیم الشان ذخیرۂ ہم تک پہنچا۔

حدیث کے بغیر قرآن فہمی ناممکن ہے:

دین اور اس کے بنیادی ارکان جن کے بارے میں قرآن مجید مختلف الفاظ اور انداز میں بار بار عمل پیرا ہونے کا حکم دیتا ہے۔حدیث کے بغیر ان پر عمل کرنا ناممکن ہے؟ اگر حدیث کی محض مخالفت مقصود نہ ہو تو ایک معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی یہ تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حدیث کے بغیر قرآن کے احکامات پر عمل کرنا ناممکن ہے۔کیونکہ قرآن مجید نے اکثر مسائل کے بنیادی اصول ذکر کرنے کے بعد ان کی تفصیل رسول کریم ﷺ پر چھوڑ دی ہے۔تاکہ حدیث کی اہمیت اور ضرورت لوگوں کے سامنے

واضح ہو جائے۔قرآن کے دلائل' حدیث کی ضرورت اور مستند تاریخی ریکارڈ کے سامنے لاجواب ہونے کے باوجود بعض لوگ اپنی کم علمی یا خبث باطن کی بنا پر محدثین کے خلاف یہ پراپیگنڈا کرتے ہوئے لوگوں کی نگاہوں میں حدیث کا مقام کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ فلاں محدث کے بقول اس نے اتنے لاکھ احادیث میں سے صرف چند ہزار حدیثیں اپنی کتاب میں نقل کی ہیں انہوں نے اتنی احادیث کو کیوں چھوڑا؟ ایسی گفتگو اور اعتراضات اٹھانے والے درحقیقت فن حدیث اور محدثین کے حدیث جمع کرنے کے طریقہ کو نہیں سمجھتے۔ دنیا میں آج تک کوئی محدث ایسا نہیں ہوا جس نے جان بوجھ کر ایک بھی صحیح حدیث کو اپنی کتاب میں شامل کرنے سے انکار کیا ہو۔

مسائل

۱۔ تمام رسول انسان تھے۔

۲۔ جس چیز کا علم نہ ہو وہ اہل علم سے پوچھ لینی چاہیے۔

۳۔ نبی اکرم ﷺ پر قرآن مجید نازل کیا گیا جو لوگوں کے لیے نصیحت ہے۔

۴۔ آپ ﷺ کے ذمہ قرآن مجید کا پیغام پہنچانا اور اس کی تفسیر کرنا تھا۔

۵۔ قرآن مجید کی تفسیر حدیث ہے جو ہمیشہ محفوظ رہے گی۔

تفسیر بالقرآن

نبوت کے مرکزی مقاصد:

۱۔ آپ ﷺ لوگوں پر بیان کریں جو کچھ ان کی طرف بھیجا گیا ہے۔(النحل:۴۴)

۲۔ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو آیات دے کر بھیجا تا کہ وہ اپنی قوم کے لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لائیں۔(ابراہیم:۵)

۳۔ ہم نے آپ ﷺ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے ان کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ لہٰذا میری عبادت کرو۔ (الانبیاء:۲۵)

۴۔ ہم نے آپ ﷺ کو خوشخبری دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔(الاحزاب:۵۶)

۵۔ اللہ نے ان پڑھ لوگوں میں رسول مبعوث فرمایا۔ جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے، انہیں تعلیم دیتا ہے اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔(الجمعۃ:۲)

اَفَاَمِنَ	الَّذِيْنَ	مَكَرُوا	السَّيِّاٰتِ	اَنْ	يَّخْسِفَ	اللّٰهُ
کیا پھر بے خوف ہو گیا	وہ لوگ	انہوں نے تدبیریں کیں	بری	کہ	وہ دھنسا دیتا ہے	اللہ
بِهِمُ	الْاَرْضَ	اَوْ	يَاْتِيَهُمُ	الْعَذَابُ	مِنْ	حَيْثُ
ساتھ ان کے	زمین	یا	آئے ان کے پاس	عذاب	سے	جہاں
لَا	يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾	اَوْ	يَاْخُذَهُمْ	فِيْ	تَقَلُّبِهِمْ	فَمَا
نہیں	وہ شعور رکھتے ہیں	یا	وہ پکڑ لے ان کو	میں	ان کا چلنا پھرنا	پھر نہیں
هُمْ	بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾	اَوْ	يَاْخُذَهُمْ	عَلٰى	تَخَوُّفٍ	فَاِنَّ
وہ	عاجز کرنے والے	یا	وہ پکڑ لے ان کو	پر	خوف زدگی	پس یقیناً
رَبَّكُمْ	لَرَءُوْفٌ	رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾				
تمہارا رب	البتہ شفقت کرنے والا	رحم کرنے والا ہے				

”تو کیا جن لوگوں نے بری تدبیریں کیں ہیں وہ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر وہاں سے عذاب آجائے کہ جہاں سے وہ سوچ سکتے نہ ہوں۔“ (۴۵) ”یا وہ انہیں ان کے چلنے پھرنے کے دوران پکڑ لے۔ وہ کسی طرح عاجز کرنے والے نہیں۔“ (۴۶) ”یا وہ انہیں ایسی حالت میں پکڑ لے کہ وہ آنے والی مصیبت کے خوف میں مبتلا ہوں۔ پس یقیناً تمہارا رب ضرور مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ (۴۷)

فہم القرآن

ربط کلام: توحید و رسالت اور عقیدہ آخرت کا انکار کرنے والوں کو زبردست انتباہ۔

توحید و رسالت اور عقیدہ آخرت کے مختصر دلائل دینے کے بعد ان لوگوں کو انتباہ کیا جا رہا ہے جو توحید کا انکار، نبوت کے خلاف سازشیں اور قیامت برپا ہونے کا مذاق اڑاتے ہیں۔

اللہ کا فرمان ہے، کیا یہ لوگ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر اس وقت عذاب نازل کرے جس وقت انہیں وہم و گمان بھی نہ ہو؟ یا پھر انہیں چلتے پھرتے اور کام کاج کرتے ہوئے عذاب آلے جسے ٹالنے کی یہ کسی طرح بھی طاقت نہ رکھتے ہوں یا ان پر ایسا مسلط کر دے جس کے بارے میں انہوں نے کبھی سوچا تک نہ ہو۔

یہاں چار قسم کے عذابوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ سب کے سب عذاب تم سے پہلے مجرموں پر نازل ہو چکے ہیں۔ عقیدے اور کردار کے حوالے سے تم ان لوگوں سے مختلف نہیں ہو۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ وہ تمہیں مہلت دیئے ہوئے ہے۔ کیونکہ تمہارا رب بڑا مہربان اور شفقت فرمانے والا ہے۔

خوف سے مراد دشمن کا خوف ہے۔ جس قوم پر یہ مسلط کر دیا جائے وہ قوم ضمیر کے حوالے سے مردہ ہو جاتی ہے۔ بالآخر اپنا سب کچھ کھو بیٹھتی ہے۔

﴿إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ﴾[القصص:٧٦]

”بے شک قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا باغی تھا اور ہم نے اُسے خزانوں سے نوازا تھا اُس کے خزانے کی چابیاں ایک طاقتور جماعت اُٹھاتی تھی اُسے اُس کی قوم نے کہا اترانے کی ضرورت نہیں اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

ہم نے اسے اس کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا تو اللہ کے سوا کوئی اس کا مددگار نہ ہوا اور نہ وہ اس کا بدلہ لے سکا۔ (القصص:٨١)

مسائل

١۔ اللہ کے عذاب سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو زمین میں دھنسانے پر قادر ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے لوگوں کو اپنے عذاب کی لپیٹ میں لے سکتا ہے۔ ٤۔ اللہ تعالیٰ انسان کو چلتے پھرتے پکڑ سکتا ہے۔

٥۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی عاجز نہیں کر سکتا۔ ٦۔ اللہ تعالیٰ بڑا شفیق اور رحمت کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

پہلی اقوام پر عذاب کی اقسام:

١۔ کیا وہ لوگ بے فکر ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے؟ (النحل:٤٥)

٢۔ قومِ ثمود کو چیخ نے آ پکڑا۔ وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ (ھود:٦٧)

٣۔ قومِ عاد کو تیز و تند ہوا نے ہلاک کیا۔ (الحاقۃ:٦)

٤۔ قومِ لوط کی بستی کو الٹا کر دیا اور ان پر کھنگر والے پتھر برسائے گئے۔ (الحجر:٧٤)

٥۔ آلِ فرعون کو غرق کر دیا گیا۔ (البقرۃ:٥٠)

٦۔ ان کے گناہ کی پاداش میں پکڑ لیا کسی پر تند ہوا بھیجی، کسی کو ہولناک آواز نے آلیا، کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کچھ کو غرق کر دیا۔ (العنکبوت:٤٠)

٧۔ بنی اسرائیل کو اللہ نے ذلیل بندر بنا دیا۔ (البقرۃ:٦٥)

اَوَ	لَمْ	يَرَوْا	اِلٰى	مَا	خَلَقَ	اللّٰهُ	مِنْ
کیا اور	نہیں	انہوں نے دیکھا	طرف	جو	اس نے پیدا کیا	اللہ	سے
شَیْءٍ	يَّتَفَيَّؤُا	ظِلٰلُهٗ	عَنِ	الْيَمِيْنِ	وَالشَّمَآئِلِ	سُجَّدًا	
چیز	وہ جھکتا ہے	اس کا سایہ	سے	دائیں	اور بائیں	سجدہ کرتے ہوئے	
لِّلّٰهِ	وَهُمْ	دٰخِرُوْنَ ۝۴۸	وَلِلّٰهِ	يَسْجُدُ	مَا	فِي	
اللہ کے لیے	اور وہ	عاجز ہونے والے	اور اللہ کے لیے	وہ سجدہ کرتا ہے	جو کچھ	میں	
السَّمٰوٰتِ	وَمَا	فِي	الْاَرْضِ	مِنْ	دَآبَّةٍ	وَّالْمَلٰٓئِكَةُ	
آسمانوں	اور جو کچھ	میں	زمین	سے	چلنے والا	اور فرشتے	

”اور کیا ان لوگوں نے ان چیزوں کو نہیں دیکھا جو اللہ نے پیدا کی ہیں ہر چیز کے سائے دائیں اور بائیں طرف سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتے ہیں اور وہ عاجزی اختیار کرتے ہیں۔“ (۴۸) ”اور اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے ہر چلنے والا جانور اور فرشتے بھی

فہم القرآن

ربط کلام: کفار اور مشرکین کو عذاب کی وعید سنانے کے بعد یہ سمجھایا ہے کہ انہیں غور کرنا چاہیے کہ جس کائنات میں یہ رہ رہے ہیں اس کا ذرہ ذرہ اپنے خالق کے سامنے سربسجود ہے۔ مگر کافر، مشرک اور نافرمان اللہ کی عبادت کرنے کے لیے تیار نہیں۔

قرآن مجید بار بار یہ بات انسان کو باور کرواتا ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ پیدا کیا گیا ہے اس کے پیدا کرنے کا ایک مقصد یہ کہ وہ انسان کی خدمت بجالائے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے رب کے حکم کے مطابق اپنا اپنا کام کرتے رہیں۔ لیکن انسان نہ صرف اپنے رب کی نافرمانی کرتا ہے بلکہ وہ کفر وشرک کا ارتکاب کر کے ذاتِ کبریا کا انکار کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کو توجہ دلائی جارہی ہے کہ کیا وہ غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے ان کے سائے یہاں تک کہ انسان کا سایہ بھی دائیں بائیں اپنے رب کے حضور سربسجود ہوتا اور اس کے حضور عاجزی کا اظہار کرتا ہے۔ نہ صرف ہر چیز کا سایہ اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ کرتا ہے بلکہ زمین وآسمان میں جتنی جاندار مخلوق اور فرشتے ہیں وہ سب کے سب اپنے رب کے حضور سجدہ کرتے ہیں اور کبھی تکبر اور نافرمانی نہیں کرتے۔ وہ ہر وقت اپنے رب سے لرزاں وترساں رہتے ہوئے وہی کچھ کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

وَهُمْ	لَا	يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝٤٩	يَخَافُوْنَ	رَبَّهُمْ	مِّنْ	فَوْقِهِمْ
اور وہ	نہیں	وہ تکبر کرتے ہیں	وہ ڈرتے ہیں	ان کا رب	سے	ان کے اوپر

وَيَفْعَلُوْنَ	مَا	يُؤْمَرُوْنَ ۝٥٠ السجدة
اور وہ کرتے ہیں	جو	وہ حکم دیئے جاتے ہیں

اور وہ تکبر نہیں کرتے۔" (۴۹) "وہ اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے، اس سے ڈرتے ہیں اور وہ کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔" (۵۰)

عربی لغت کے اعتبار سے سجدہ کا معنی جھکنا ہے۔ جس کے لیے ضروری نہیں کہ جھکنے والے کی پیشانی زمین کے ساتھ لگے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ اس کی مخلوق اسے کس کس انداز میں سجدہ کر رہی ہے۔

مسائل

۱۔ ساری مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

۲۔ سب کے سائے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمام عاجز ہیں۔

۴۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے۔

۵۔ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں۔

۶۔ فرشتے کبھی تکبر نہیں کرتے۔

تفسیر بالقرآن

زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ کو یاد کرنے کے ساتھ اس کو سجدہ کرتی ہے:

۱۔ چوپائے، فرشتے اور جو کچھ زمین و آسمان میں ہے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ (النحل:۴۹)

۲۔ ستارے اور درخت اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ (الرحمٰن:۶)

۳۔ بے شک وہ لوگ جو تیرے رب کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔ (الاعراف:۲۰۶)

۴۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ کو سجدہ کرتی ہے۔ (الرعد:۱۵)

۵۔ وہ لوگ جو تیرے رب کے پاس ہیں وہ تکبر نہیں کرتے وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں۔ (الانفال:۲۰۶)

وَقَالَ	اللّٰهُ	لَا	تَتَّخِذُوْٓا	اِلٰهَيْنِ	اثْنَيْنِ ۚ	اِنَّمَا
اوراس نے کہا	اللہ	مت	تم بناؤ	دومعبود	دو	صرف
هُوَ	اِلٰهٌ	وَّاحِدٌ ۚ	فَاِيَّايَ	فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾	وَلَهٗ	مَا
وہ	معبود	ایک	سومجھ ہی سے	پس تم ڈرو	اوراسی کے لیے	جو
فِي	السَّمٰوٰتِ	وَ	الْاَرْضِ	وَلَهُ	الدِّيْنُ	وَاصِبًا ۭ
میں	آسمانوں	اور	زمین	اوراسی کے لیے	اطاعت	ہمیشہ
اَفَغَيْرَ	اللّٰهِ	تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾	وَمَا	بِكُمْ	مِّنْ	نِّعْمَةٍ
کیا سوا	اللہ	تم ڈرتے ہو	اور جو کچھ	تمہارے ساتھ	سے	نعمت

’’اور اللہ نے فرمایا دومعبود نہ بناؤ وہ صرف ایک ہی معبود ہے، پس صرف مجھ ہی سے ڈرو۔‘‘(۵۱) ’’اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ عبادت ہمیشہ اسی کی ہے پھر کیا اللہ کے سوا ڈرتے ہو۔‘‘(۵۲) ’’اور تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے

فہم القرآن

ربط کلام: جب زمین وآسمان کی ہر چیز صرف ایک ہی خالقِ حقیقی کے سامنے سربسجود اور اس کے حکم کے تابع ہے تو مشرک کو بھی کسی دوسرے الٰہ کا تصور اور اس کی عبادت نہیں کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اے لوگو! دو الٰہ نہ بناؤ۔ ایرانیوں نے دو خدا بنا رکھے تھے حالانکہ اس حقیقت میں رائی کے دانے کے برابر بھی شبہ نہیں کہ کائنات کا خالق و مالک ایک ہی اِلٰہ ہے۔ اس کا حکم ہے کہ صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہے۔ اللہ ہی ان کا مالک اور خالقِ حقیقی ہے۔ اس کے باوجود کسی اور کی تم عبادت کرتے اور اس سے ڈرتے ہو۔ حالانکہ زمین وآسمان اسی کی ملک ہیں اور ہر چیز اسی کی عبادت اور اطاعت کر رہی ہے۔ لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ وہ بھی کسی اور کی عبادت کرنے کی بجائے صرف ایک رب کی عبادت کرے۔ یہ تبھی ہو سکتا ہے جب انسان اپنے نفع ونقصان اور ہر چیز کا مالک ایک اللہ کو سمجھے۔ لیکن مشرک کا یہ ذہن ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے بھی نفع ونقصان پہنچانے میں کچھ اختیارات رکھتے ہیں۔ اسی لیے کوئی مزاروں کے سامنے جھکتا ہے اور کوئی بتوں، جنات اور دوسری چیزوں سے ڈرتا ہے۔ ایسے لوگوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں سے ڈرتے ہو حالانکہ زمین وآسمان اور ان کے درمیان ہر چیز اللہ تعالیٰ کی نہ صرف ملک ہے بلکہ اس کی اطاعت اور بندگی میں مصروفِ عمل ہے۔ لیکن مشرک کا یہ حال ہے

فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾

پس سے | اللہ | پھر | جب | وہ پہنچتا ہے تمہیں | تکلیف | تو اسی کی طرف | تم آہ وزاری کرتے ہو

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ

پھر | جب | وہ ہٹا دیتا ہے | تکلیف | تم سے | اسی وقت | ایک فریق

مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ

تم میں سے | اپنے رب کے ساتھ | وہ شریک ٹھہراتے ہیں | تاکہ وہ ناشکری کریں | ساتھ اس کے جو | ہم نے دیا ان کو

فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

سو تم فائدہ اٹھالو | پس عنقریب | تم جان لوگے

وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو تم اسی کے حضور گڑگڑاتے ہو۔'' (۵۳) ''پھر جب تم سے اس تکلیف کو دور کردیتا ہے تو اچانک تم میں سے چند لوگ اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔'' (۵۴) ''تاکہ ہم نے انہیں جو کچھ دیا ہے اس کی ناشکری کریں۔ سو فائدہ اٹھالو، پس عنقریب تم جان لوگے۔'' (۵۵)

کہ جب اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت حاصل ہوتی ہے تو پھر اس کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے غیروں کے سامنے جھکتا ہے اور جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو پھر چیخ وپکار اور آہ وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے۔ لیکن جونہی اس کی تکلیف دور ہوتی ہے تو پھر اپنے رب کے ساتھ شرک کرتا ہے۔ جب کہ مواحد ہر حال میں اپنے رب سے مانگتا اور اس کے سامنے جھکتا ہے۔ مشرک کے عمل کو کفر قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا ہے یہ شرک کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور اس کی ناشکری کر رہے ہیں۔ انہیں اپنے اعمال کا نتیجہ بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

مشرک صرف تکلیف کے وقت خالصتاً اللہ کو پکارتا ہے:

۱۔ جب وہ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو خالصتاً اللہ کو پکارتے ہیں۔ (العنکبوت: ۶۵)

۲۔ جب انھیں مصیبت پہنچتی ہے تو تم اسی کی طرف آہ وزاری کرتے ہو۔ (النحل: ۵۳)

۳۔ جب ہر طرف سے موجیں انھیں گھیر لیتی ہیں تو وہ خالصتاً اللہ کو پکارتے ہیں۔ (یونس: ۲۲)

۴۔ جب تمھیں سمندر میں تکلیف پہنچتی ہے اس وقت اللہ کے سوا سب کو بھول جاتے ہو۔ (بنی اسرائیل: ۶۷)

۵۔ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی لمبی دعائیں کرتا ہے۔ (حٰم السجدۃ: ۵۱)

رَزَقْنٰهُمْ	مِّمَّا	نَصِيْبًا	يَعْلَمُوْنَ	لَا	لِمَا	وَيَجْعَلُوْنَ
ہم نے ان کو رزق دیا	اس میں سے جو	ایک حصہ	وہ جانتے ہیں	نہیں	ان کے لیے	اور وہ ٹھہراتے ہیں

تَفْتَرُوْنَ ﴿٥٦﴾	كُنْتُمْ	عَمَّا	لَتُسْـَٔلُنَّ	تَاللّٰهِ
جھوٹ باندھتے	تھے تم	اس کے متعلق	البتہ تم ضرور پوچھے جاؤ گے	اللہ کی قسم

''اور وہ ان کے لیے جن کے بارے میں وہ نہیں جانتے ،اس میں سے ایک حصہ مقرر کرتے ہیں جو ہم نے انہیں دیا ہے۔اللہ کی قسم! تم اس کے بارے میں ضرور پوچھے جاؤ گے جو تم جھوٹ باندھتے رہے۔''(٥٦)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔مشرک اللہ کی ذات اور صفات میں دوسروں کو شریک کرتا ہے۔اس بنا پر اس کا عقیدہ ہوتا ہے کہ اگر میں نے فلاں مزار یا بت کے لیے نذرانہ پیش نہ کیا تو وہ میرا رزق کم کر دے گا۔اس لیے کچھ لوگ اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے کے ساتھ مزارات کے نام پر بھی صدقہ کرتے ہیں تا کہ مدفون بزرگ خوش ہو کر ہمارے رزق میں اضافہ کریں۔

مشرک کا عقیدہ ہوتا ہے کہ جو کچھ مجھے ملا اور مل رہا ہے یہ بزرگوں کی طفیل اور انکی حرمت کے واسطے مل رہا ہے۔بت پرست بتوں کی طفیل اور واسطے سے اور قبر پرست صاحب قبر کی طفیل سمجھتے ہیں۔حالانکہ اللہ تعالیٰ کسی بت یا صاحب قبر کی طفیل نہیں دیتا۔ وہ انسان کو براہ راست وہی کچھ دیتا ہے جو اس نے اس کے مقدر میں لکھ رکھا ہے۔اس کی عطا نہ کوئی روک سکتا ہے (فاطر:٢) اور نہ ہی اس میں کمی وبیشی کر سکتا ہے۔اگر انسان کا یہ عقیدہ پختہ ہو جائے تو نہ صرف اس میں استغنا پیدا ہوتی ہے بلکہ وہ یہ سوچ کر حرام کھانے سے بچ جاتا ہے کہ جو کچھ منعم حقیقی نے میرے مقدر میں لکھ چھوڑا ہے اس میں کوئی زندہ اور مردہ کمی وبیشی نہیں کر سکتا۔ رسول اکرم ﷺ ہر نماز کے بعد دعا کرتے تھے کہ الٰہی جو چیز تو عطا کرنا چاہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے تو روک لے اسے کوئی عطا نہیں کر سکتا۔

((عَنِ الْمُغِيْرَةِ ابْنِ شُعْبَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ مَّكْتُوْبَةٍ (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ))[رواہ البخاری:باب الذکر بعد الصلوۃ]

''حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں نبی کریم ﷺ فرض نماز کے بعد اکثر یہ کلمات ادا فرمایا کرتے تھے۔ صرف ایک اللہ ہی معبود حق ہے۔اس کا کسی لحاظ سے کوئی شریک نہیں۔اس کی حکمرانی ہے' وہی تعریفات کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر اقتدار اور اختیار رکھنے والا ہے۔الٰہی جسے تو کوئی چیز عنایت فرمائے اسے کوئی نہیں روک سکتا اور جو چیز تو روک لے وہ کوئی دے نہیں سکتا۔تیری بڑائی کے مقابلے میں کسی بڑے کی بڑائی نہیں چلتی۔''

اس حقیقت کے باوجود مشرک یہ سمجھتا ہے کہ بت یا فوت شدہ بزرگ میرے رزق میں کمی وبیشی کر سکتے ہیں۔اس بنا پر وہ بتوں اور مزارات پر جا کر چڑھاوے چڑھاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر سنگین جرم ہے کہ جس کے بارے میں رب ذوالجلال نے اپنی ذات کی قسم اٹھا کر فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے یہ جھوٹا عقیدہ بنا رکھا ہے قیامت کے روز میں انہیں ضرور پوچھوں گا۔

((عَنْ طَارِقِ بْنِ شَهَابٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ دَخَلَ الْجَنَّةَ رَجُلٌ فِيْ ذُبَابٍ ، وَدَخَلَ النَّارَ رَجُلٌ فِيْ ذُبَابٍ قَالُوْا وَكَيْفَ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ مَرَّ رَجُلَانِ عَلٰى قَوْمٍ لَهُمْ صَنَمٌ لَا يَجُوْزُهُ أَحَدٌ حَتّٰى يُقَرِّبَ لَهُ شَيْئًا ، فَقَالُوْا لأَحَدِهِمَا قَرِّبْ ، قَالَ لَيْسَ عِنْدِيْ شَيْءٌ أُقَرِّبُ ، قَالُوْا لَهُ قَرِّبْ وَلَوْ ذُبَابًا ، فَقَرَّبَ ذُبَابًا فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُ ، فَدَخَلَ النَّارَ وَقَالُوْا لِلآخَرِ قَرِّبْ ، قَالَ مَا كُنْتُ لِأُقَرِّبَ لِأَحَدٍ شَيْئًا دُوْنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ ، فَضَرَبُوْا عُنُقَهُ ، فَدَخَلَ الْجَنَّةَ))[رواہ أحمد]

''حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی مکھی کا نذرانہ کی وجہ سے جنت میں داخل ہو گیا اور دوسرا مکھی کے نذرانہ کی وجہ سے جہنم میں۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی اللہ کے رسول !وہ کس طرح ؟آپ نے فرمایا دو آدمی ایک بت پرست قوم کے پاس سے گزرے وہ کسی کو بتوں کے نام نذرانہ دیے بغیر گزرنے نہیں دیتے تھے۔انھوں نے ان دونوں میں سے ایک کو کہا نذرانہ دو۔اس نے کہا میرے پاس نذرانے کے لیے کچھ نہیں۔انہوں نے کہا ایک مکھی کا ہی نذرانہ دے دو۔تو اس نے ایک مکھی کا نذرانہ دے دیا جس سے انہوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔اس وجہ سے وہ جہنم میں داخل ہوا۔انہوں نے دوسرے سے بھی نذرانہ دینے کے لیے کہا۔اس نے جواب دیا میں اللہ کے سوا کسی کے لیے نذرانہ نہیں دوں گا۔انہوں نے اس کی گردن کاٹ ڈالی تو وہ جنت میں داخل ہوا۔''

مسائل

۱۔ مشرکین اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ چیزوں میں غیر اللہ کا حصہ مقرر کرتے ہیں۔

۲۔ قیامت والے دن مشرکین سے ضرور باز پرس ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

مشرک اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق میں غیر اللہ کا حصہ مقرر کرتے ہیں:

۱۔ جن کے متعلق انہیں کوئی علم نہیں ان کا حصہ مقرر کرتے ہیں ان چیزوں میں جو ہم نے انہیں دی ہیں۔(النحل:۵۶)

۲۔ اور انہوں نے کھیتی اور چوپاؤں میں سے کچھ حصہ اللہ کا ٹھہرا رکھا ہے اور کچھ حصہ اپنے شرکا کا مقرر کر رکھا ہے۔(الانعام:۱۳۶)

وَيَجْعَلُوْنَ	لِلّٰهِ	الْبَنٰتِ	سُبْحٰنَهٗ	وَلَهُمْ	مَّا	يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾
اور وہ بناتے ہیں	اللہ کے لیے	بیٹیاں	وہ پاک ہے	اور ان کے لیے	جو	وہ چاہتے ہیں
وَاِذَا	بُشِّرَ	اَحَدُهُمْ	بِالْاُنْثٰى	ظَلَّ	وَجْهُهٗ	مُسْوَدًّا
اور جب	خوشخبری دی جاتی ہے	ان میں سے ایک	بیٹی	ہو جاتا ہے	اس کا چہرہ	سیاہ
وَّهُوَ	كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾	يَتَوَارٰى	مِنَ	الْقَوْمِ	مِنْ	سُوْٓءِ
اور وہ	غم وغصہ سے بھرا ہوا	وہ چھپتا ہے	سے	لوگ	سے	برائی

مَا	بُشِّرَ	بِهٖ	اَ	يُمْسِكُهٗ	عَلٰى	هُوْنٍ	اَمْ
جو	خوشخبری دیا گیا	ساتھ اس کے	کیا	وہ اسے روکتا ہے	پر	ذلت	یا

اور وہ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں، وہ پاک ہے اور ان کے لیے وہ ہے جو وہ چاہتے ہیں۔" (۵۷) "اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا منہ کالا ہو جاتا ہے اور وہ پریشان ہو جاتا ہے۔" (۵۸) "اور لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس خوشخبری کی وجہ سے جو اسے دی گئی۔ کیا اسے ذلت کی وجہ سے اسے رکھ لے یا

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق میں دوسروں کو شریک کرنے کے ساتھ بعض مشرک اللہ تعالیٰ کی ذات میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے کئی قسم کا شرک کرتے ہیں۔ مشرکین کا ایک شرک یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں دوسروں کو شریک بناتے ہیں۔ دوسری قسم یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو وحدہ، لاشریک سمجھنے کے بجائے اس کی بیوی اور اولاد ثابت کرتے ہیں۔ جس طرح یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور حضرت مریم اللہ کی بیوی ہے۔ کچھ عیسائی یہ بھی کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام اللہ تعالیٰ کی ذات کے جزو ہیں۔ تینوں کے ملنے سے خدا کی ذات مکمل ہوتی ہے۔

افسوس! مسلمانوں میں کچھ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے نور میں سے نور ہیں۔ اسی طرح چائنہ، جاپان اور دنیا کے کسی ممالک میں کچھ لوگوں کا یہ بھی عقیدہ ہے اور تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں جو اس کے نور سے پیدا ہوئی ہیں۔ جس کی قرآن مجید نے عقلی اور فطری حوالے سے یہ کہہ کر تردید کی ہے کہ یہ لوگ کس قدر ناعاقبت اندیش ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں مقرر کر رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اولاد کی حاجت نہیں اور وہ شرک سے پاک ہے۔ یہ لوگ کس قدر عقل سے عاری ہیں کہ اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہیں اور اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے ہاں بیٹی پیدا ہو تو

يَدُسُّهٗ	فِي	التُّرَابِ ؕ	اَلَا	سَآءَ	مَا	يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾
وہ اس کو گاڑ دیتا	میں	مٹی	آگاہ رہو	برا	جو	وہ فیصلہ کرتے ہیں
لِلَّذِيْنَ	لَا	يُؤْمِنُوْنَ	بِالْاٰخِرَةِ	مَثَلُ	السَّوْءِ ۚ	وَلِلّٰهِ
ان لوگوں کے لیے	نہیں	وہ ایمان لاتے ہیں	آخرت	مثال	بری	اور اللہ کے لیے
الْمَثَلُ	الْاَعْلٰى ؕ	وَهُوَ	الْعَزِيْزُ	الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾ ع		
مثال	اعلیٰ	اور وہ	بڑا غالب	خوب حکمت والا		

ع ۱۴ / ۱۰

اسے مٹی میں گاڑ دے۔ سن لو! برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔" (۵۹) "جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے بری مثال ہے اور اللہ کے لیے سب سے اعلیٰ مثال ہے اور وہی سب پر غالب حکمت والا ہے۔" (۶۰)

اس پر انہیں مبارک اور خوشخبری دی جائے تو ان کے چہرے سیاہ اور غمزدہ ہو جاتے ہیں اس خوشخبری کو اپنے لیے ذلت اور عار سمجھتے ہیں۔ اس ذلت کی وجہ سے سوچتے ہیں کہ بیٹی کو زندہ رہنے دیں یا زمین میں گاڑ دیں۔ غور کریں کہ یہ کس قدر برا فیصلہ کرتے ہیں۔ یہاں پہلی بات یہ سمجھائی گئی ہے کہ بیٹی کو اس لیے ذلت سمجھنا کہ وہ کمانے کی بجائے صرف کھانے کے لیے پیدا ہوتی ہے یا اس کی وجہ سے دوسرا شخص اس کا داماد بن جائے گا۔ یہ سوچ کر بیٹی کو برا سمجھنا یا اسے زندہ درگور کر دینا بدترین فیصلہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس بات کی تردید کی گئی ہے کہ انسان اپنے لیے بیٹے پسند کرے اور اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں تجویز کرے گویا کہ یہ سوچ اخلاقی اور اعتقادی طور پر بدترین سوچ اور نظریہ ہے۔

مسائل

۱۔ مشرک کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ مشرکوں کی افترا بازی سے پاک ہے۔

۳۔ مشرکین کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ اولاد سے مبرّا اور پاک ہے:

۱۔ مشرکین اللہ کے لیے بیٹیاں قرار دیتے ہیں حالانکہ اللہ اولاد سے پاک ہے۔ (النحل: ۵۷)

۲۔ ان سے پوچھیں کہ کیا تمہارے لیے بیٹے اور اللہ کے لیے بیٹیاں ہیں؟ (الصّٰفّٰت: ۱۴۹)

۳۔ کیا اللہ کے لیے بیٹیاں اور تمہارے لیے بیٹے ہیں؟ (الطور: ۳۹)

۴۔ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے۔ (الزخرف: ۱۶)

وَلَوْ	يُؤَاخِذُ	اللّٰهُ	النَّاسَ	بِظُلْمِهِمْ	مَّا	تَرَكَ
اور اگر	وہ پکڑتا ہے	اللہ	لوگ	ان کے ظلم کی وجہ سے	نہ	اس نے چھوڑا
عَلَيْهَا	مِنْ	دَآبَّةٍ	وَّلٰكِنْ	يُّؤَخِّرُهُمْ	اِلٰٓى	اَجَلٍ
اس پر	سے	چلنے والا	اور لیکن	وہ مہلت دیتا ہے ان کو	طرف	وقت
مُّسَمًّى	فَاِذَا	جَآءَ	اَجَلُهُمْ	لَا	يَسْتَاْخِرُوْنَ	سَاعَةً
مقرر	پھر جب	وہ آیا	ان کا وقت	نہیں	وہ پیچھے رہتے ہیں	لمحہ بھر
وَّلَا	يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾					
اور نہ	وہ آگے بڑھ سکتے ہیں					

''اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے پکڑے تو زمین پر کوئی چلنے والا نہ چھوڑے لیکن وہ ان کو ایک مقررہ وقت تک ڈھیل دیتا ہے پھر جب ان کا وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔''(٦١)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات میں کسی کو شریک کرنا اور فرشتوں کو اس کی بیٹیاں قرار دینا بدترین ظلم ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق ظالموں کی فی الفور گرفت نہیں کرتا۔

کفار، مشرک اور مجرم پیشہ لوگوں کو جب ان کے کفر وشرک اور ان کے مظالم کے بارے میں سمجھایا جائے تو وہ اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لیے یہ دلیل بھی دیتے ہیں۔ کہ اگر اللہ کو ہمارے عقائد اور اعمال اتنے ہی ناپسند ہیں تو پھر وہ ہماری گرفت کیوں نہیں کرتا؟ بسا اوقات ضعیف الایمان لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ آخر کوئی سبب تو ہے جس کی بنا پر کفر وشرک اور جرائم کے مرتکب لوگوں کو کھلی چھٹی دی گئی ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ایسا نہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور گرفت سے باہر ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مقرر کردہ مدت کی وجہ سے ان لوگوں کو ڈھیل دے رکھی ہے۔ اگر لوگوں کے جرائم اور ان کی عجلت بازی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پکڑنا چاہے تو مجرم تو درکنار کوئی جاندار چیز بھی زمین پر باقی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مقرر کردہ مدت کے مطابق انہیں ڈھیل دیے ہوئے ہے۔ جب اس کی گرفت کا وقت آپہنچے گا تو وہ ایک لمحہ بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکے گا۔

((عَنْ أَبِی قَتَادَةَ بْنِ رِبْعِیٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ مُرَّ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ بِجَنَازَةٍ قَالَ مُسْتَرِيحٌ وَّمُسْتَرَاحٌ مِنْهُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا الْمُسْتَرِيحُ وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْهُ قَالَ الْمُؤْمِنُ اسْتَرَاحَ مِنْ نَصَبِ الدُّنْيَا وَأَذَاهَا إِلٰی رَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَالْفَاجِرُ اسْتَرَاحَ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ))[رواہ أحمد]

''حضرت ابی قتادہ بن ربعی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا، آپ نے فرمایا آرام پا گیا اور اس سے آرام پا گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول! آرام پا گیا اور آرام پا گئے، سے کیا مراد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مومن دنیا کے مصائب اور تکلیفوں سے نجات پا کر اللہ کی رحمت کا حق دار بن گیا اور فاسق وفاجر سے لوگ، شہر، درخت اور چوپائے آرام پا گئے۔''

وَيَجْعَلُوْنَ	لِلّٰهِ	مَا	يَكْرَهُوْنَ	وَتَصِفُ	اَلْسِنَتُهُمُ	الْكَذِبَ
اور وہ بناتے ہیں	اللہ کے لیے	جو	وہ ناپسند کرتے ہیں	اور وہ کہتی ہے	ان کی زبانیں	جھوٹ
اَنَّ	لَهُمُ	الْحُسْنٰى ؕ	لَا جَرَمَ	اَنَّ	لَهُمُ	
یقیناً	ان کے لیے	اچھا	یقیناً	بلاشبہ	ان کے لیے	
النَّارَ	وَاَنَّهُمْ	مُّفْرَطُوْنَ ۝۶۲	تَاللّٰهِ	لَقَدْ	اَرْسَلْنَآ	اِلٰٓى
آگ	اور یقیناً وہ	زیادہ کیے جائیں گے	اللہ کی قسم	البتہ تحقیق	ہم نے بھیجا	طرف
اُمَمٍ	مِّنْ	قَبْلِكَ	فَزَيَّنَ	لَهُمُ	الشَّيْطٰنُ	اَعْمَالَهُمْ
امتیں	سے	آپ سے پہلے	چنانچہ خوبصورت بنایا	ان کے لیے	شیطان	ان کے اعمال
فَهُوَ	وَلِيُّهُمُ	الْيَوْمَ	وَلَهُمْ	عَذَابٌ	اَلِيْمٌ ۝۶۳	
سو وہ	ان کا دوست	دن	اور ان کے لیے	عذاب	دردناک	

”اور اللہ کے لیے وہ چیز تجویز کرتے ہیں جسے وہ خود ناپسند کرتے ہیں۔ان کی زبانیں جھوٹ بولتی ہیں کہ بے شک انہی کے لیے بھلائی ہے۔کوئی شک نہیں کہ بے شک ان کے لیے آگ ہے اور بلاشبہ وہ سب سے پہلے وہاں پہنچائے جانے والے ہیں۔“(۶۲)”اللہ کی قسم! یقیناً ہم نے آپ سے پہلے بہت سی امتوں کی طرف رسول بھیجے۔شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال خوبصورت بنا دیے۔وہی آج ان کا دوست ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“(۶۳)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔کافر، مشرک اور مجرم لوگ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مہلت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہرزہ سرائی کرتے ہیں۔

چاہیے تو یہ تھا کہ کافر، مشرک اور مجرم لوگ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مہلت سے فائدہ اٹھا کر اپنے عقائد اور جرائم سے توبہ کرتے۔لیکن یہ لوگ اس مدت سے حقیقی فائدہ اٹھانے کے بجائے اس قدر دلیر ہوگئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہیں۔جو سراسر زیادتی اور جھوٹ ہے۔اس زیادتی اور کذب بیانی کے باوجود یہ خیال کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا کے اسباب و وسائل دے رکھے ہیں۔اسی طرح آخرت میں بھی ہمیں سب کچھ مل جائے گا۔گویا کہ دنیا میں بھی ہم ایمانداروں سے بہتر ہیں اور آخرت میں بھی ان سے بہتر ہوں گے۔یہ ایسی دیدہ دلیری اور لاف زنی ہے، جس کی سزا دہکتی ہوئی آگ ہے، جس میں انہیں دھکیلا جائے گا۔مزید ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ کبریا کی قسم اٹھا کر فرماتا ہے کہ اے رسول! ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے۔جن کے ساتھ کفار، مشرکین اور

مجرم لوگوں نے یہی وطیرہ اختیار کیا۔ جس کی وجہ یہ ہے شیطان ان کے نظریات اور کردار کو ان کے لیے خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے۔ ان لوگوں کا شیطان ہی ولی اور سرپرست ہے جو انہیں ایسی باتیں بتلاتا ہے۔ اس پاداش میں انہیں اذیت ناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

مسائل

۱۔ مشرکین اللہ تعالیٰ کے ذمہ وہ باتیں اور چیزیں لگاتے ہیں۔ جنہیں اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔

۲۔ مشرکین جھوٹ بولتے ہیں۔

۳۔ مشرکین کے لیے خیر نہیں بلکہ ان کے لیے آگ ہے۔

۴۔ شیطان انسان کو اس کے غلط اعمال خوشنما کر کے پیش کرتا ہے۔

۵۔ شیطان کے پیروکاروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والوں کا انجام:

۱۔ ان کی زبانیں جھوٹ کہتی ہیں کہ ان کے لیے بھلائی ہے حالانکہ ان کے لیے آگ ہے۔ (النحل: ٦۲)

۲۔ اللہ پر جھوٹ باندھنے والے ظالم ہیں۔ (آل عمران: ۹۴)

۳۔ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے یا اس کی آیات کو جھٹلاتا ہے۔ (الانعام: ۲۱)

۴۔ جھوٹ باندھنے والے نقصان اٹھائیں گے۔ (طٰہٰ: ٦۱)

۵۔ قیامت کے دن جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہوگی۔ (ھود: ۱۸)

٦۔ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے؟ جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اور اسکی آیات کو جھٹلاتا ہے۔ (الانعام: ۹۳)

۷۔ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے؟ جو اللہ پر افتراء بازی کرتا ہے اور اس کی آیات کی تکذیب کرتا ہے۔ یقیناً مجرم فلاح نہیں پائیں گے۔ (یونس: ۱۷)

۸۔ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے؟ جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے، کیا ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے؟ (العنکبوت: ٦۸)

وَمَآ	اَنۡزَلۡنَا	عَلَيۡكَ	الۡكِتٰبَ	اِلَّا	لِتُبَيِّنَ	لَهُمُ
اور نہیں	ہم نے نازل کی	آپ پر	کتاب	مگر	تا کہ آپ بیان کریں	ان کے لیے

الَّذِى	اخۡتَلَفُوۡا	فِيۡهِ‌ۙ	وَهُدًى	وَّرَحۡمَةً	لِّقَوۡمٍ	يُّؤۡمِنُوۡنَ ۝۶۴
وہ	انہوں نے اختلاف کیا	اس میں	اور ہدایت	اور رحمت	لوگوں کے لیے	جو ایمان رکھتے ہیں

’’اور ہم نے آپ پر کتاب نازل نہیں کی مگر اس لیے کہ آپ ان کے لیے کھول کر بیان کریں وہ بات جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے سراسر ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔‘‘(۶۴)

فہم القرآن

ربط کلام: بے شک مشرکوں کے بدعقیدہ ہونے کی وجہ سے ان پر شیطان مسلّط ہو چکا ہے۔لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ لوگوں کو سمجھاتے رہیں۔

منصب نبوت کی ذمہ داریوں میں آپ ﷺ کی پہلی ذمہ داری یہ تھی کہ آپ لوگوں کو اللہ کا قرآن سنائیں اور سمجھائیں۔ بے شک اس کے مقابلے میں کتنی ہی مشکلات برداشت کرنا پڑیں۔ بالخصوص عقیدۂ توحید اور ان مسائل کو کھول کر بیان کریں جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ جو لوگ اخلاص نیت سے توحید سمجھنے اور دینی مسائل جاننے کی کوشش کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے ضرور ہدایت عنایت فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت بنا کر بھیجا گیا جو اس پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں۔

مسائل

۱۔ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل فرمائی۔ ۲۔ قرآن مجید کو لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کرنا چاہیے۔

۳۔ ایمان والوں کے لیے کتاب اللہ باعث ہدایت اور رحمت ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے اوصافِ حمیدہ کا ایک منظر:

۱۔ قرآن مجید ایمان والوں کے لیے باعث ہدایت و رحمت ہے۔(النحل:۶۴)

۲۔ قرآن مجید شک وشبہ سے بالاتر کتاب ہے۔(البقرۃ:۲) ۳۔ قرآن کریم برہان اور نور مبین ہے۔(النساء:۱۸۵)

۴۔ قرآن حمید کے نزول کا مقصد لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانا ہے۔(ابراہیم:۱)

۵۔ قرآن مجید اللہ کی طرف سے واضح کتاب ہے۔قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔(البقرۃ:۱۸۵)

۶۔ ہم نے قرآن کو نازل کیا جو مومنوں کے لیے باعثِ رحمت اور شفا ہے۔(بنی اسرائیل:۸۲)

بِهِ	فَاَحْيَا	مَآءً	السَّمَآءِ	مِنَ	اَنْزَلَ	وَاللّٰهُ
ساتھ اسکے	پس اس نے زندہ کیا	پانی	آسمان	سے	اس نے نازل کیا	اور اللہ

لَاٰيَةً	ذٰلِكَ	فِىْ	اِنَّ	مَوْتِهَا ؕ	بَعْدَ	الْاَرْضَ
البتہ نشانی	اس	میں	یقیناً	اس کی موت	بعد	زمین

يَّسْمَعُوْنَ ؑ ﴿٦٥﴾	لِّقَوْمٍ
وہ سنتے ہیں	ان لوگوں کیلئے

٨ ع(٥) ١٤

''اور اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کی مردگی کے بعد زندہ کر دیا۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے عبرت ہے جو سنتے ہیں۔'' (٦٥)

فہم القرآن

ربط کلام: انسان کی زندگی اور دنیا کی بقا کے لیے پانی اس کی بقا کا ضامن ہے۔ اسی طرح انسان کی روحانی اور ایمانی زندگی کے لیے قرآن مجید تریاق اور آب حیات ہے۔

انسان کی روحانی اور ایمانی زندگی کا انحصار آسمانی وحی پر ہے آخری وحی قرآن مجید کی شکل میں نازل کی گئی ہے۔ اس کے بغیر انسان کی روح اور اس کا ایمان صحت منداور توانا نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح انسان کی مادی زندگی کی بنیاد پانی پر رکھی گئی ہے۔

﴿أَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ [الانبياء: ٣٠]

''کیا کافروں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ زمین وآسمان آپس میں ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں الگ الگ کیا اور ہر جاندار چیز کو پانی سے زندگی بخشی کیا پھر بھی یہ لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔''

آبیات (ہائیڈرولوجی):

آج ہم جس تصور کو ''آبی چکر'' (واٹر سائیکل) کے نام سے جانتے ہیں اسے پہلے پہل ١٥٨٠ء میں برنارڈ پیلیسی نامی ایک شخص نے پیش کیا۔ اس نے بتایا کہ سمندروں سے کس طرح پانی تبخیر (Evaporation) ہوتا ہے اور کس طرح وہ سرد ہو کر بادلوں کی شکل اختیار کرتا ہے۔ یہ بادل خشکی پر آگے کی طرف بڑھتے ہیں، بلند تر ہوتے ہیں، ان میں پانی کی تکثیف (Condensation) ہوتی ہے اور بارش برستی ہے۔ یہ پانی جھیلوں، جھرنوں، ندیوں اور دریاؤں کی شکل میں آتا ہے اور بہتا ہوا واپس سمندر میں چلا جاتا ہے اس طرح پانی کا یہ چکر جاری رہتا ہے۔ ساتویں صدی قبل از مسیح میں تھیلز نامی ایک یونانی فلسفی کو یقین تھا کہ سطح سمندر پر باریک باریک آبی قطروں کی پھوار (اسپرے) پیدا ہوتی ہے۔ ہوا اسی پھوار کو اٹھا لیتی ہے اور خشکی کے دور افتادہ علاقوں پر لے جا کر بارش کی صورت میں برساتی ہے۔

پرانے وقتوں میں لوگ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ زیرِ زمین پانی کا ماخذ کیا ہے۔ان کا خیال تھا کہ ہوا کی زبردست قوت کے زیرِ اثر سمندر کا پانی براعظموں (خشکی) میں اندرونی حصوں تک داخل ہوتا ہے۔انہیں یہ یقین بھی تھا کہ پانی ایک خفیہ راستے یا ''عظیم تاریکی'' (Great Abyss) سے آتا ہے، سمندر سے ملا ہوا یہ تصوراتی راستہ افلاطون کے زمانے سے میں ''ٹارٹارس'' کہلاتا تھا، حتیٰ کہ اٹھارہویں صدی کے عظیم مفکر، ڈیکارتے (Desvarts) نے بھی انہیں خیالات سے اتفاق کیا ہے۔

انیسویں صدی عیسوی تک ارسطو کا نظریہ ہی زیادہ مقبول و معروف رہا۔اس نظریے کے مطابق، پہاڑوں کے سرد غاروں میں پانی تکثیف (Condensation) ہوتی ہے اور وہ زیرِ زمین جھیلیں بناتا ہے جو چشموں کا باعث بنتی ہیں۔آج ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ بارش کا پانی زمین پر موجود دراڑوں کے راستے رِس رِس کر زیرِ زمین پہنچتا ہے اس سے چشمے بنتے ہیں۔درج ذیل آیاتِ قرآنی میں اس نکتے کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔

''کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کو سوتوں اور چشموں اور دریاؤں کی شکل میں زمین کے اندر جاری کیا، پھر اس پانی کے ذریعہ سے وہ طرح طرح کی کھیتیاں نکالتا ہے جن کی مختلف قسمیں ہیں۔'' [الزمر:۲۱]

''آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس کے ذریعے سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔'' [الروم:۲۴] ''اور آسمان سے ہم نے ٹھیک حساب کے مطابق ایک خاص مقدار میں پانی اتارا اور اس کو زمین میں ٹھہرا دیا، ہم اسے جس طرح چاہیں غائب کر سکتے ہیں۔'' [المؤمنون:۱۸] ''قسم ہے بارش برسانے والے آسمان کی۔'' [الطارق:۱۱]

﴿وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ﴾ [الحجر:۲۲]

''اور ہم ہی ہواؤں کو بارآور بنا کر چلاتے ہیں، پھر آسمان سے پانی برساتے اور تم کو اس سے سیراب کرتے ہیں۔''

یہاں عربی لفظ ''لواقح'' استعمال کیا گیا ہے، جو ''لاقح'' کی جمع ہے اور ''لاقحہ'' سے مشتق ہے، جس کا مطلب ''بارآور'' کرنا یا ''بھر دینا'' ہے، اسی سیاق وسباق میں بار سے مراد یہ ہے کہ ہوا، بادلوں کو (ایک دوسرے کے) قریب دھکیلتی ہے جس کی وجہ سے ان پر تکثیف کا عمل بڑھتا ہے جس کا نتیجہ بجلی چمکنے اور بارش ہونے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔اسی طرح کی توضیحات، قرآن پاک کی دیگر آیات مبارکہ میں بھی موجود ہے۔(از: خطباتِ ڈاکٹر ذاکر نائیک

''کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ بادل کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے اور پھر اس کے ٹکڑوں کو باہم جوڑتا ہے پھر اسے سمیٹ کر ایک کثیف ابر بنا دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے خول میں سے بارش کے قطرے ٹپکتے چلے آتے ہیں اور وہ آسمان سے ان پہاڑوں کی بدولت جو اس میں بلند ہیں اولے برساتا ہے پھر جسے چاہتا ہے ان کا نقصان پہنچاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ان سے بچا لیتا ہے اس کی بجلی کی چمک نگاہوں کو خیرہ کیے دیتی ہے۔'' [النور:۴۳]

''اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں، پھر وہ ان بادلوں کو آسمان میں پھیلاتا ہے جس طرح چاہتا ہے اور انہیں ٹکریوں میں تقسیم کرتا ہے، پھر تو دیکھتا ہے کہ بارش کے قطرے بادل میں سے ٹپکے چلے آتے ہیں۔یہ بارش جب وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے بھیجتا تو یکا یک وہ خوش ہو جاتے ہیں۔'' [الروم:۴۸]

وَاِنَّ	لَكُمۡ	فِى	الۡاَنۡعَامِ	لَعِبۡرَةً ؕ	نُسۡقِيۡكُمۡ	مِّمَّا
اور یقیناً	تمہارے لیے	میں	چوپاؤں	البتہ نشانی ہے	ہم پلاتے ہیں تمہیں	اس سے جو

فِىۡ	بُطُوۡنِهٖ	مِنۡۢ	بَيۡنِ	فَرۡثٍ	وَّدَمٍ	لَّبَنًا
میں	ان کے پیٹ	سے	درمیان	گوبر	اورخون	دودھ

خَالِصًا	سَآئِغًا	لِّلشّٰرِبِيۡنَ ۞
خالص	حلق سے آسانی سے گزر جانے والا	پینے والوں کے لیے

”اور بلاشبہ تمہارے لیے چوپاؤں میں بڑی عبرت ہے، ہم ان کے پیٹوں میں سے گوبر اور خون کے درمیان سے تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں، جو پینے والوں کے لیے مزیدار ہے۔“ (٦٦)

فہم القرآن

ربط کلام: حیوانات اور نباتات کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے خالق، رازق ہونے کے ناقابل تردید دلائل۔

دورانِ خون (بلڈ سرکولیشن) اور دودھ:

قرآن پاک کا نزول، دورانِ خون کی وضاحت کرنے والے اولین مسلمان سائنس دان ابنِ نفیس سے ۶۰۰ سال پہلے اور اس دریافت کو مغرب میں روشناس کروایا تھا۔ تقریباً تیرہ صدیاں پہلے یہ معلوم ہوا کہ آنتوں کے اندر ایسا کیا کچھ ہوتا ہے جو نظامِ ہاضمہ میں انجام پانے والے افعال کے ذریعے دیگر جسمانی اعضا کی نشوونما کی ضمانت فراہم کرتا ہے قرآن پاک کی ایک آیت مبارک، جو دودھ کے اجزاء کے ماخذ کی وضاحت کرتی ہے، اس تصور کے عین مطابق ہے۔

مذکورہ بالا تصور کے حوالے سے آیتِ قرآنی کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا اہم ہے کہ آنتوں میں کیمیائی تعاملات واقع ہوتے ہیں اور یہ آنتوں ہی سے ہضم کردہ غذا سے اخذ کیے ہوئے مادے ایک پیچیدہ نظام سے گزر کر دورانِ خون میں شامل ہوتے ہیں۔ کبھی وہ مادے جگر سے ہو کر گزرتے ہیں جس کا انحصار ان کی کیمیائی ترکیب پر ہوتا ہے۔ خون ان اجزاء (مادوں) کو تمام اعضا تک پہنچاتا ہے جن میں دودھ پیدا کرنے والے (چھاتیوں کے) غدود بھی شامل ہیں۔

سادہ الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آنتوں میں موجود غذا کے بعض مادے آنتوں کی دیوار سے سرایت کرتے ہوئے خون کی نالیوں (Vessels) میں داخل ہوجاتے ہیں، اور پھر خون کے راستے یہ دورانِ خون کے ذریعے کئی اعضا تک جا پہنچتے ہیں۔ یہ فعلیاتی تصور ہماری سمجھ میں آجائے گا اگر ہم قرآن پاک کی درج ذیل آیات مبارکہ کو سمجھنے کی کوشش کریں گے:

﴿وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِلشَّارِبِينَ﴾[النحل:٦٦]

''اور تمہارے لیے مویشیوں میں بھی ایک سبق موجود ہے ان کے پیٹ سے گوبر اور خون کے درمیان ہم ایک چیز تمہیں پلاتے ہیں، یعنی خالص دودھ، جو پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار ہے۔''

﴿وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ﴾[المومنون:٢١]

''اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے مویشیوں میں بھی ایک سبق ہے۔ ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہے اسی میں سے ایک چیز (دودھ) ہم تمہیں پلاتے ہیں اور تمہارے لیے ان میں بہت فوائد ہیں۔ ان کو تم کھاتے ہو۔''

۱۴۰۰ سال قبل، قرآن پاک کی فراہم کردہ یہ وضاحت جو گائے میں دودھ کے پیدا ہونے کے حوالے سے ہے، حیرت انگیز طور پر جدید معلومات سے بھرپور انداز میں ہم آہنگ ہے جس نے اس حقیقت کو حال ہی میں دریافت کیا۔ (قرآن اور سائنس: از خطباتِ ڈاکٹر ذاکر نائیک)

مسائل

۱۔ چوپائے انسان کے لیے باعثِ عبرت ہیں۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ خون اور گوبر کے درمیان سے خالص دودھ پیدا کرتا ہے۔
۳۔ پینے والوں کے لیے دودھ انتہائی مزے دار ہے۔

تفسیر بالقرآن

دودھ کی حقیقت اور چوپاؤں کے فوائد:

۱۔ ہم ان کے پیٹوں سے تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں۔ (النحل:٦٦)

۲۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے پیدا فرمائے تاکہ تم ان پر سواری کرسکو اور کھا سکو۔ (المومن:٧٩)

۳۔ چوپاؤں کو پیدا کیا جن کے ذریعے تم سردی سے بچتے ہو اور دیگر فوائد حاصل کرتے ہو۔ (النحل:٥)

۴۔ تمہارے لیے چوپاؤں کی کھالوں سے ایسے گھر بنائے جنہیں تم نقل مکانی اور قیام دونوں حالتوں میں ہلکا پاتے ہو۔ (النحل:٨٠)

۵۔ تمہارے لیے چوپاؤں میں عبرت ہے کہ ان کے پیٹوں میں سے ہم تمہیں دودھ پلاتے ہیں اور تمہارے لیے ان میں بہت سے فوائد ہیں اور انہی میں سے تم کھاتے بھی ہو۔ (المومنون:٢١)

وَمِنْ	ثَمَرٰتِ	النَّخِيْلِ	وَالْاَعْنَابِ	تَتَّخِذُوْنَ	مِنْهُ	سَكَرًا
اور سے	پھل	کھجوریں	اور انگور	تم بناتے ہو	اس سے	شراب
وَّ	رِزْقًا	حَسَنًا	اِنَّ	فِيْ	ذٰلِكَ	لَاٰيَةً
اور	رزق	اچھا	یقیناً	میں	اس	البتہ نشانی ہے
		لِّقَوْمٍ	يَّعْقِلُوْنَ ۞			
		ان لوگوں کے لیے	جو عقل رکھتے ہیں			

''اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے بھی، جس سے تم شراب بناتے ہو اور عمدہ رزق بھی دیا بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے عبرت ہے جو سمجھتے ہیں۔'' (٦٧)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ کی قدرت کے مزید دلائل بشرطیکہ لوگ عقل وفکر سے کام لیں۔

معزز قاری کی سہولت کے لیے انگور کے بارے میں فہم القرآن جلد دوم کی معلومات درج کی جاتی ہیں۔

انگور:

قرآنی نام:

عِنَبٌ، اَعْنَابٌ (جمع)

دیگر نام:

Grape (انگریزی)، فرشک، انگور (فارسی)، عنب (عربی)، انگور (اردو، فارسی)

قرآن مجید میں انگور کا تذکرہ:

١۔ البقرۃ، آیت: ٢٦٦ ٢۔ الانعام، آیت: ١٠٠ ٣۔ الرعد، آیت: ٤

٤۔ النحل، آیت: ١١ ٥۔ النحل، آیت: ٦٧ ٦۔ بنی اسرائیل، آیت: ٩١

٧۔ الکہف، آیت: ٣٢ ٨۔ المؤمنون، آیت: ١٩ ٩۔ یٰس، آیت: ٣٤

١٠۔ النباء، آیت: ٣١۔٣٢ ١١۔ عبس، آیت: ٢٧۔٢٨

انگور کا شمار قدرت کی بہترین نعمتوں میں کیا جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن حکیم میں اس کا ذکر عنب اور اعناب (جمع) کے نام سے مندرجہ بالا گیارہ آیات میں کیا گیا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے فہم القرآن جلد ٢ صفحہ ٤٠٣)

وَ اَوۡحٰی	رَبُّكَ	اِلَی	النَّحۡلِ	اَنِ	اتَّخِذِیۡ	مِنَ
اوراس نے وحی کی	آپ کا رب	طرف	شہد کی مکھی	یہ کہ	بنا	سے
الۡجِبَالِ	بُيُوۡتًا	وَّمِنَ	الشَّجَرِ	وَمِمَّا	يَعۡرِشُوۡنَ ﴿٦٨﴾	ثُمَّ
پہاڑوں	گھر	اور سے	درخت	اوراس سے	وہ چھپر بناتے ہیں	پھر
كُلِیۡ	مِنۡ	كُلِّ	الثَّمَرٰتِ	فَاسۡلُكِیۡ	سُبُلَ	رَبِّكِ
کھاتو	سے	ہر	پھل	پھرتو چل	راستے	تیرارب
ذُلُلًا ؕ	يَخۡرُجُ	مِنۡ	بُطُوۡنِهَا	شَرَابٌ	مُّخۡتَلِفٌ	اَلۡوَانُهٗ
آسان کیے ہوئے	وہ نکلتا ہے	سے	اس کے پیٹ	پینے کی چیز	مختلف	اس کے رنگ

’’اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی کہ پہاڑوں اور درختوں میں گھر بنائے اور ان میں جو لوگ چھپر بناتے ہیں۔‘‘(٦٨)’’پھر ہر قسم کے پھلوں سے کھائے اور اپنے رب کے راستے پر چلے جو آسان کیے ہوئے ہیں ان کے پیٹوں سے پینے کیلئے شہد نکلتا ہے جس کے رنگ مختلف ہیں

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ مکھی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی رزاقی اور خلاقی کے دلائل۔

مکھیاں، کیڑے، مکوڑے دیوانہ وار منڈلاتے پھولوں کا طواف کرنے کے ساتھ ساتھ ’’Polination‘‘ کا وہ عمل کرتے ہیں جو سب انسان مل کر بھی نہیں کر سکتے۔ ارشاد ربانی ہے:

’’تیرے رب نے شہد کی مکھی کو پیغام بھیجا کہ پہاڑوں، درختوں اور بیلوں میں اپنا گھر بنا۔ تمام پھلوں سے رس حاصل کر اور اپنے رب کے دیے ہوئے دستورِ عمل کو باقاعدگی سے نبھا اور دیکھو تو سہی اس (شہد کی) مکھی کے پیٹ سے رطوبت نکلتی ہے۔ جس کے رنگ طرح طرح کے ہوتے ہیں اور جس میں امراض کی شفا ہے۔ مکھی کے ان اعمال میں ان لوگوں کے لیے اسباق موجود ہیں جو صحیفۂ فطرت میں غور کرتے ہیں۔‘‘ (النحل: ٦٨۔٦٩)

مکھیوں کی بارہ ہزار لگ بھگ اقسام ہیں۔ جو ماہرین کے مطابق ’’Apridea‘‘ خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔

شہد کی مکھیاں اپنے رب کی وحی (پیغام) کے مطابق چلتی ہیں۔ ان کو اپنے رب کے بتائے ہوئے دستورِ عمل کا علم ہے شہد کی مکھیاں گندگی اور نجاست کے نزدیک تک نہیں جاتیں۔ یہ پھولوں اور پھلوں سے رس ’’Nectar‘‘ حاصل کرتی ہیں جسے طرح طرح کے عمل کے بعد خالص شہد میں تبدیل کرتی ہیں۔

فِيهِ	شِفَآءٌ	لِّلنَّاسِ ؕ	اِنَّ	فِيْ	ذٰلِكَ
اس میں	شفا	لوگوں کے لیے	یقیناً	میں	اس

لَاٰيَةً	لِّقَوْمٍ	يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٦٩﴾
البتہ نشانی ہے	ان لوگوں کیلئے	جو غور وفکر کرتے ہیں

اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً نشانی ہے جو غور وفکر کرتے ہیں۔''(۶۹)

جرمن سائنسدانوں نے تحقیق کے بعد بتایا ہے کہ ان مکھیوں سے وہی مادہ نکلتا ہے جسے ''JellyRoyal'' کہتے ہیں۔شہد کی مکھیاں تین طرح کی ہوتی ہیں جن میں ملکہ، کارکن، شہد کی تلاش میں پھولوں، پھلوں تک جانے والیاں اور مادہ مکھیاں یہ چھتوں میں محصور ہوتی ہیں۔

ایک چھتے میں بیس ہزار سے بھی زیادہ شہد کی مکھیاں ہوسکتی ہیں۔ جبکہ ملکہ صرف ایک ہوتی ہے۔ ملکہ ہر روز تقریباً ایک ہزار انڈے دیتی ہے۔عام مکھی کی عمر تقریباً ۴۵ دن کے لگ بھگ ہوتی ہے جبکہ ملائکہ کی عمر ایک سال کے قریب ہوتی ہے۔شہد کی مکھیاں ملکہ کے ساتھ کنیزوں کی طرح رہتی ہیں۔آیا مکھیاں ملکہ کے دیے ہوئے انڈوں والے خانوں کو''Royal Jelly'' اور زرِگل''Pollen Grains'' سے بھر کر موم سے بند کر دیتی ہیں اور پھر اس بند کمرے میں انڈے سے بالغ مکھی تک کے مراحل طے ہوتے ہیں۔

ملکہ مکھی کی غذا عام مکھیوں کے مقابلے میں بہت اچھی ہوتی ہے۔اسے''Royal Jelly'' ہمیشہ ملتی رہتی ہے۔

شہد کی مکھیاں عام طور پر قطرہ قطرہ کر کے سال میں پانچ سو کلوگرام رس''Nectar'' حاصل کرتی ہے۔ چھتے میں شش کونے''Hexagonal'' خانے اس ترتیب اور تناسب سے بنتے ہیں کہ عقل مکھیوں کی''Designing'' اور انجینئرنگ پر دنگ رہ جاتی ہے۔مکھیاں موم بناتی ہیں جس سے چھتے کی تعمیر ہوتی ہے۔کچھ مکھیاں چھتے کی صفائی اور''House Keeping'' پر مامور ہوتی ہیں۔ کارکن مکھیاں محنت مزدوری اور پھلوں، پھولوں سے رس اور زرِگل لاتی ہیں جبکہ گھریلو مکھیاں خاتون خانہ کی طرح امورِ خانہ داری سنبھالتی ہیں۔

مکھیاں 120 سے لے کر 50 ڈگری فارن ہیٹ درجہ حرارت تک بآسانی اپنا کام انجام دیتی ہیں۔ چھتے میں درجہ حرارت 92 ڈگری فارن ہیٹ تک رکھتی ہیں۔اگر ہنگامی طور پر موم کی زیادہ ضرورت ہو تو کچھ مکھیاں خود کو اذیت میں ڈال کر اُلٹی لٹک جاتی

ہیں۔یوں موم سے تھیلیاں بھر کر نذرِ آشیاں کر دیتی ہیں۔یہ ایثار وقربانی کی عمدہ مثال ہے۔

ناکارہ اور کاہل مکھیوں کو نہ صرف چھتے سے نکال باہر کرتی ہیں بلکہ جان سے ختم کر دیتی ہیں۔

مکھیوں کے چار پر اور دو آنکھیں ہوتی ہیں جو ساڑھے تین ہزار ننھی ننھی آنکھوں کا مجموعہ ہوتی ہیں۔آنکھوں کے علاوہ مکھیوں کو دونہایت عمدہ اینٹینے ملے ہوتے ہیں۔جو خوشبو کو خوب پہچانتی ہیں۔مکھی کی پچھلی دونوں ٹانگوں پر باریک باریک بال ہوتے ہیں جو زرِگل جمع کرنے میں کام آتے ہیں۔

اللہ کی قدرت دیکھیے کہ شہد کی مکھیاں انسانی آنکھ سے بڑھ کر ''Ultra Voilet'' شعاعوں کو بھی اولادِ نرینہ کی طرح پہچانتی ہیں سائنسدان مکھیوں کی اُڑان، ان کے طریقہ کار، چھتے تک تیز رفتار سے سفر اور اپنی منزلوں کو پہچاننے جیسے امور پر انگشت بدنداں ہیں۔کارکن مکھی کو ڈنگ کی قوت بھی ملی ہوتی ہے۔مگر مکھی اپنا ڈنگ مارنے کے تھوڑی دیر بعد خود بھی مر جاتی ہے۔

شہد کی مکھیوں کے پر ملائم اور ریشم کی طرح ہوتے ہیں یہی وجہ ہے یہ خراب موسم اور بادو باران میں بھی اپنی ''Flight'' جاری رکھ سکتی ہیں۔پروں کے نیچے نالیوں میں ہوا موجود ہوتی ہے۔یوں مکھیوں کی ''Aerodynamics'' اور اڑنے کی کارکردگی بہت اچھی رہتی ہے۔

دنیا بھر میں ہر سال 50,000,000 کلوگرام شہد پیدا ہوتا ہے۔شہد کی مختلف اقسام ہیں۔اسی طرح ان کے خواص بھی بے حد ہیں۔شہد کی مکھیاں بذاتِ خود علاج معالجے میں استعمال کی جاتی ہیں۔قرآن میں جنت کے حوالے سے شہد کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔

شہد کی مکھیوں کے کام کی تقسیم:

۱۔ مکھیوں کو کھانا کھلانے کا کام۔ ۲۔ لاروے کی صفائی۔ ۳۔ چھتے میں نئے خانوں کی تعمیر۔

۴۔ ملکہ کی خدمت۔ ۵۔ انڈوں کو سنبھالنا اور ان کی دیکھ بھال۔ ۶۔ چھتے میں ہوا کی آمدورفت کا انتظام۔

۷۔ پھولوں سے زرگل اور رس کا اکٹھا کرنا۔ ۸۔ خوراک کے نئے خزانوں کا پتا لگانا۔

شہد کی مکھیوں کی اہم خصوصیات:

۱۔ نگران کا مقصد ''House keeping'' اور بیماری سے بچاؤ کی تدبیر کرنا ہے یہ چھتے میں صرف دو فیصد ہوتی ہیں۔

بھلا ان کی انفرادی قوت کی یوں تقسیم کون کرسکتا ہے؟

۲۔ مردہ مکھیوں کو ایک گھنٹے کے اندر ہی چھتے سے باہر پھینک دیا جاتا ہے اور اسے تقریباً 400 فٹ دور پھینکتے ہیں۔

۳۔ ایک چھتے میں زیادہ سے زیادہ پچاس ہزار مکھیاں ہوتی ہیں۔

۴۔ چھتے میں تمام مکھیاں مادہ ہوتی ہیں اور ملکہ کی اولاد ہیں۔ جب کہ صرف چند نر مکھیاں جنہیں نکھٹو کہتے ہیں ہوتی ہیں۔ انہیں بھی مادہ مکھیاں مار دیتی ہیں نر مکھیاں کسی کو کاٹ نہیں سکتیں کیونکہ ان میں ڈنگ نہیں ہوتا۔

۵۔ ایک مربع فٹ چھتہ بنانے کے لیے مکھیوں کو تین اونس موم کی ضرورت ہوتی ہے۔

۶۔ کارکن مکھی کی عمر ایک سے دو ماہ ہوتی ہے۔

گیلن کی مقدار اور مکھی:

۷۔ پھولوں کے رس کا ایک گیلن مکھی میں اتنی توانائی پیدا کرتا ہے کہ وہ گیارہ کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چالیس لاکھ میل کا سفر طے کر سکتی ہے۔

۸۔ چھتے کا درجہ حرارت 93 سے 95 ڈگری فارن ہیٹ رہتا ہے۔ اگر یہ 98 ڈگری فارن ہیٹ ہو جائے تو مکھیاں مر جاتی ہیں۔ مکھیاں اپنے پروں کی حرکت سے یہ درجہ حرارت قائم رکھتی ہیں ایگزاسٹ فین اسی اصول پر کام کرتا ہے۔

۹۔ خوراک کی کمی کی صورت میں مل بانٹ کر کھاتے ہیں اس لیے زندہ رہتیں ہیں۔

۱۰۔ ملکہ مکھی کو یعسوب بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی عمر تقریباً دو سال تک ہوتی ہے اس کے مرنے کے بعد اس کی بیٹی ملکہ بن جاتی ہے۔ ملکہ مکھی دن بھر میں 1500 انڈے دیتی ہے اور ساری عمر میں تقریباً دس لاکھ سے زائد انڈے دیتی ہے۔

۱۱۔ مکھیاں آتشی شعاؤں ''Ultra Voilet Rays'' بھی دیکھ سکتی ہیں۔ چنانچہ ابر آلود موسم میں بھی ان کو طلوعِ آفتاب کا علم ہو جاتا ہے اور اپنا کام شروع کر دیتی ہیں۔

۱۲۔ یہ زمین کے مقناطیسی نظام کے تحت سفر کرتی ہیں۔ لہٰذا اندھیرے میں بھی یہ راستہ نہیں بھولتیں۔

۱۳۔ چھتے میں ہر خانہ مسدس (چھ دیوار والا) ہوتا ہے۔ اس لیے جگہ بے کار نہیں جاتی۔

۱۴۔ شہد کی کمی ہو تو اس میں پانی ملاتی ہیں۔ ۱۵۔ ہر شہد کی مکھی واپس اپنے ہی چھتے میں آتی ہے۔

مسائل

۱۔ شہید کی مکھیاں پھلوں سے رس چوس کر شہد بناتی ہیں۔ ۲۔ شہد مختلف اقسام کا ہوتا ہے۔ ۳۔ شہد میں شفا ہے۔

وَاللّٰهُ	خَلَقَكُمْ	ثُمَّ	يَتَوَفّٰىكُمْ	وَمِنْكُمْ	مَّنْ	يُّرَدُّ
اور اللہ	اس نے پیدا کیا تمہیں	پھر	وہ تمہیں موت دے گا	اور بعض تم میں سے	جو	لوٹایا جاتا ہے
اِلٰٓى	اَرْذَلِ	الْعُمُرِ	لِكَیْ	لَا	یَعْلَمَ	بَعْدَ
تک	ناکارہ	عمر	تاکہ	نہ	جانے	بعد
عِلْمٍ	شَیْـًٔا	اِنَّ	اللّٰهَ	عَلِیْمٌ	قَدِیْرٌ	
جان لینے کے	کچھ بھی	یقیناً	اللہ	جاننے والا ہے	قدرت والا ہے	

ع ٩ ٥ ١٥

''اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے پھر وہی تم کو موت دے گا اور بعض تم میں سے وہ ہیں جنہیں بدترین عمر کو پہنچا دیا جاتا ہے، تاکہ وہ جان لینے کے بعد کچھ نہ جانے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز پر قادر ہے۔'' (٧٠)

فہم القرآن

ربط کلام: دودھ اور شہد کی بناوٹ کا ذکر کرنے کے بعد انسان کو اس کی تخلیق اور اس کی زندگی کے مختلف مراحل کا احساس دلایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی پیدائش اور زندگی کے مختلف مراحل کی طرف توجہ دلانے سے پہلے تخلیق کے عجب کرشمے بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ اے لوگو! ذرا غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے چوپائے کے پیٹ میں خون اور گوبر کے بیچ میں سے کس طرح تمہارے لیے صاف شفاف سفید اور میٹھا دودھ پیدا کیا ہے۔ پھر پھلوں کی طرف دیکھو بالخصوص کھجور اور انگور سے کتنا میٹھا اور عمدہ مشروب تمہارے لیے تیار کیا۔ اگر تھوڑی سی عقل استعمال کرو تو یقیناً اپنے رب پر ایمان لانے کے لیے تیار ہو جاؤ گے۔ مزید سوچو اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کو کس قدر بصیرت اور رہنمائی سے نوازا ہے کہ دور دراز سے پھلوں کا رس چوس کر تمہارے لیے مختلف رنگ اور ذائقوں کا شہد تیار کرتی ہے۔ غور و فکر کرنے والوں کے لیے مکھی اور اس کے بنائے ہوئے شہد میں کس قدر سبق آموزی کے دلائل ہیں۔ اب اپنے آپ پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کس طرح پیدا فرمایا۔ وہی تمہیں بچپن، جوانی اور ادھیڑ عمر میں موت دیتا ہے۔ تم میں کچھ لوگ عمر کے اس حصہ میں پہنچ جاتے ہیں جس میں ان کی جسمانی اور دماغی صلاحیتیں اس قدر کمزور ہو جاتی ہیں کہ انہیں گزرے ہوئے اوقات میں سے کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز پر قادر ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق اور اس کے مختلف مراحل کا تذکرہ کرنے کے بعد اسے یہ احساس دلانے کی کوشش فرمائی ہے کہ اے انسانو! اپنی تخلیق کی طرف توجہ کرو۔ تاکہ تمہیں اپنی حقیقت اور حیثیت کا ادراک ہو سکے۔ بالخصوص موت و حیات کے مسئلہ پر غور کرو کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی کی مرضی سے پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی

اس کی موت کسی کے اختیار میں ہے کوئی دوسرا کجا خود انسان اپنی موت وحیات پر ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتا۔ یہاں تک کہ زندہ ہونے کے باوجود زندگی کے اس حصہ یعنی ارزل العمر میں پہنچ جاتا ہے کہ جس میں نہ صرف اسے اپنے گزرے ہوئے ماضی کی کوئی خبر نہیں رہتی بلکہ اس کی یاداشت اور اعضا اس قدر کمزور ہو جاتے ہیں کہ دوسروں کو پہچانا تو درکنار اسے اپنی اولاد تک کو پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اُسے پاکی، پلیدی کی خبر نہیں ہوتی۔ ارذل العمر کے عوارض بیان کرنے کے بعد انسان کو احساس دلایا ہے کہ تو جیتے جی سب کچھ بھول گیا ہے۔ مگر تیرا رب تیری زندگی کے ایک ایک لمحے سے واقف ہے۔ لہٰذا تجھے صحت اور خوشحالی میں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے اور جس طرح چاہے تیری گرفت کرنے پر قادر ہے۔

((عَنْ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ كَانَ يُعَلِّمُ بَنِيْهِ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمٰتِ وَيَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ دُبُرَ الصَّلٰوةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ)) [رواه البخاری:باب یتعوذ من الجبن]

''حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے بیٹوں کو یہ کلمات یاد کروایا کرتے تھے۔ سعد کہتے ہیں۔ اللہ کے رسول نماز کے بعد پناہ مانگا کرتے تھے۔''الٰہی میں بزدلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، الٰہی میں کنجوسی سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، الٰہی میں نہایت بے بس زندگی سے پناہ مانگتا ہوں الٰہی میں دنیا کے شر اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ کا طلبگار ہوں۔''

مسائل

١۔ موت وحیات کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا، قدرت والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انسانی تخلیق کے مختلف مراحل:

١۔ انسان مٹی سے پیدا ہوا۔ (آل عمران:٥٩)

٢۔ حوا آدم سے پیدا ہوئی۔ (النساء:١)

٣۔ اللہ نے انسانوں میں سے ہی ان کی بیویاں بنائیں اور ان سے بچے پیدا فرمائے۔ (النحل:٧٢)

٤۔ اللہ نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا فرمایا۔ (الحجر:٢٧)

٥۔ انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا گیا۔ (الدھر:٢)

٦۔ تخلیق انسانی کے مختلف مراحل۔ (المؤمنون:١٢۔١٣۔١٤)

وَاللّٰهُ	فَضَّلَ	بَعْضَكُمْ	عَلٰى	بَعْضٍ	فِي	الرِّزْقِ ج
اوراللہ	فوقیت دی	تمہارے بعض کو	پر	بعض	میں	رزق
فَمَا	الَّذِيْنَ	فُضِّلُوْا	بِرَآدِّيْ	رِزْقِهِمْ	عَلٰى	مَا
چنانچہ نہیں ہیں	وہ لوگ	فضیلت دیے گئے	لوٹانے والے	اپنا رزق	پر	جو
مَلَكَتْ	اَيْمَانُهُمْ	فَهُمْ	فِيْهِ	سَوَآءٌ ط	اَ	فَبِنِعْمَةِ
مالک ہیں	ان کے دائیں ہاتھ	پس وہ	اس میں	برابر	کیا	نعمت
		اللّٰهِ	يَجْحَدُوْنَ ۞			
		اللہ	وہ انکار کرتے ہیں			

''اوراللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فوقیت دی ہے، پس وہ لوگ جنہیں فوقیت دی گئی ہے جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ ہیں کسی صورت اپنا رزق غلاموں کو دینے والے نہیں کہ وہ اس میں برابر ہو جائیں، تو کیا وہ اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں؟''(۷۱)

فہم القرآن

ربط کلام: جس طرح اللہ تعالیٰ موت وحیات کا مالک ہے اسی طرح وہ انسان کا رزق بڑھانے اور اسے کم کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسانوں کی زندگی کے مختلف مراحل مقرر کیے ہیں اسی طرح اس نے لوگوں کے درمیان جسمانی، روحانی اور معاشرتی اعتبار سے امتیازات قائم فرمائے ہیں۔ ایسے ہی اس نے معاشی حوالے سے لوگوں کے درمیان فرق قائم کیا ہے۔ تاکہ لوگ ایک دوسرے کی ضرورت بن کر زندگی بسر کریں۔ ایک شخص زمیندار ہے دوسرا اس کا مزارع، ایک کارخانہ دار ہے دوسرا اس کا ورکر۔ ایک مالدار ہے دوسرا اس کا ملازم گویا کہ معاشی اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ایک دوسرے پر برتری عنایت فرمائی ہے۔ ملازم کے بغیر مالدار کا کاروبار آگے نہیں بڑھ سکتا۔ کاریگر اور ورکر کے بغیر فیکٹری کا پہیہ جام ہو جاتا ہے۔ مزارع کے بغیر زمین میں زراعت نہیں ہوسکتی۔ یہی اسباب رزق کی کمی وبیشی کا سبب ثابت ہوتے ہیں۔ یہاں رزق کے حوالے سے مشرک کو عقیدۂ توحید سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے کہ ایک لینڈ لارڈ مزارع کو اور کارخانہ دار ورکر کو اپنے کاروبار اور زمین میں حصہ دار بنانے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ مگر مشرکانہ ذہن رکھنے والے لوگ فطرت سلیم اور انصاف کے اصولوں کے برخلاف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات میں دوسروں کو شریک بنا کر شرم محسوس نہیں کرتے۔ یہاں ان کی مردہ فطرت کو جگانے کے بعد ان سے سوال کیا گیا ہے کہ اپنے گریبان

میں جھانک کر دیکھو اور اپنے ضمیر سے پوچھو۔ کیا تم اپنے غلاموں، نوکروں اور مزارعوں کو اپنے کاروبار میں شریک کرنے کے لیے تیار ہو؟ یقیناً تم ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہو۔ مگر تم خدا کی خدائی میں زندہ اور مردہ یہاں تک کہ بتوں کو شریک بناتے ہوئے عار محسوس نہیں کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ شرک کرنے کی وجہ سے تمہارے ضمیر مردہ ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے تم نہ صرف شرک سے اجتناب نہیں کرتے بلکہ شرکیہ عقیدہ کی خاطر جھگڑتے ہو۔ دراصل تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہو۔ اللہ کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت عقیدۂ توحید ہے جس سے انسان میں خودداری اور اللہ کے سوا باقی سب سے بے نیازی پیدا ہوتی ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے رزق کے لحاظ سے بعض کو بعض پر برتری دی ہے۔

۲۔ کوئی مالدار اپنے مال میں کسی کو حصہ دار بنانا پسند نہیں کرتا۔

۳۔ اللہ کی نعمتوں کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

کافر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں:

۱۔ کافر اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔ (النحل: ۷۱)

۲۔ ہماری آیات کا صرف کافر ہی انکار کرتے ہیں۔ (العنکبوت: ۴۹)

۳۔ ظالم لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔ (الانعام: ۳۳)

۴۔ اللہ کی آیات کا انکار کرنے کا بدلا آخرت میں آگ کا گھر ہے۔ (حم السجدۃ: ۲۸)

۵۔ کیا تم باطل کے ساتھ ایمان لاتے اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہو؟ (النحل: ۷۲)

۶۔ کافر اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں۔ پھر ان کا انکار کرتے ہیں۔ (النحل: ۸۳)

۷۔ جو بھی اللہ کی نعمت کو تبدیل کرے اس کے لیے سخت عذاب ہے۔ (البقرۃ: ۲۱۱)

۸۔ قیامت کے دن ہم انہیں فراموش کر دیں گے جس طرح وہ قیامت کی ملاقات کو بھول گئے کیونکہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے۔ (الاعراف: ۵۱)

وَاللّٰهُ	جَعَلَ	لَكُمْ	مِّنْ	اَنْفُسِكُمْ	اَزْوَاجًا	وَّجَعَلَ
اور اللہ	اس نے بنایا	تمہارے لیے	سے	تم ہی سے	بیویاں	اور اس نے بنایا
لَكُمْ	مِّنْ	اَزْوَاجِكُمْ	بَنِيْنَ	وَ	حَفَدَةً	وَّرَزَقَكُمْ
تمہارے لیے	سے	تمہاری بیویوں	بیٹے	اور	پوتے	اور اس نے رزق دیا تمہیں
مِّنَ	الطَّيِّبٰتِ ؕ	اَ	فَبِالْبَاطِلِ	يُؤْمِنُوْنَ	وَبِنِعْمَتِ	
سے	پاکیزہ چیزیں	کیا	باطل پر	وہ ایمان لاتے ہیں	اور نعمت	
اللّٰهِ	هُمْ	يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾				
اللہ	وہ	وہ کفر کرتے ہیں				

''اور اللہ نے تمہی میں سے تمہارے لیے بیویاں بنائیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے بنائے اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا تو کیا باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں؟'' (۷۲)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ اللہ تعالیٰ کے بلاشرکت غیرے خالق ہونے کی پانچویں دلیل:

مشرک کے ضمیر کو جھنجھوڑنے اور رزق میں تفاوت بیان کے بعد اب ان کے نفوس کے حوالے سے عقیدہ توحید سمجھایا جارہا ہے۔ اللہ وہ خالق ہے جس نے مردوں میں سے ہی ان کی بیویوں کو پیدا فرمایا اور پھر ان کی بیویوں سے بیٹے اور پوتوں کا سلسلہ جاری کیا۔ وہی تمہیں پاک چیزوں سے روزی دیتا ہے لیکن اس کے باوجود لوگ باطل معبودوں پر ایمان لاتے ہیں۔ حقیقت میں مشرک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اس آیتِ مبارکہ میں دو باتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں سے ان کی بیویوں کو پیدا فرمایا جسے قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا ہے۔ ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک جان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا پھر آدم سے ہی اس کی بیوی کو پیدا فرمایا پھر دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتہ داری میں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔'' (سورۃ النساء:۱)

حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر فرما کر یہاں تمام لوگوں کی تخلیق بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ ''ہم نے تم سے تمہاری بیویوں کو پیدا کیا ہے۔'' جس کا پہلا مفہوم یہ ہے کہ وہ تمہاری جنس سے تعلق رکھتی ہیں۔ دوسرا مفہوم یہ لینے کی گنجائش بھی نکلتی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کو ایک ہی مٹی سے پیدا کیا ہو۔ (الروم:۲۱)

۲۔ اللہ تعالیٰ ہی میاں بیوی کے ملاپ کے بعد بیٹے دیتا ہے اور کتنے ہی لوگ ہیں جنہیں پوتوں کی خوشیاں بھی دیکھنا نصیب ہوتی ہے۔ اس بات سے یہ حقیقت عیاں کرنا مقصود ہے کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ ہی تمہیں بیویاں اور اولاد عطا فرماتا ہے۔

وَ	يَعۡبُدُوۡنَ	مِنۡ	دُوۡنِ	اللّٰهِ	مَا	لَا	يَمۡلِكُ
اور	وہ عبادت کرتے ہیں	سے	سوا	اللہ	جو	نہیں	وہ اختیار رکھتا ہے
لَهُمۡ	رِزۡقًا	مِّنَ	السَّمٰوٰتِ		وَالۡاَرۡضِ		شَيۡـًٔا
ان کے لیے	رزق	سے	آسمانوں		اور زمین		کوئی چیز
وَّلَا	يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ﴿۷۳﴾						
اور نہیں	وہ استطاعت رکھتے ہیں						

اور اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں ۔ جو نہ انہیں آسمانوں اور زمین سے رزق دینے کے مالک ہیں اور نہ وہ اختیار رکھتے ہیں۔'' (۷۳)

اور وہی پاک چیزوں سے تمہاری روزی کا بندوبست کرتا ہے۔ اس کے باوجود مشرک اپنے معبودوں کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مثالیں دیتے ہیں۔ لیکن تم اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے اس کے ساتھ دوسروں کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھتے اور عبادت کے لائق جانتے ہو۔ حالانکہ وہ تمھیں رزق کا ایک دانہ بھی مہیا نہیں کر سکتے ۔ اور نہ ہی کسی کی حاجت پوری کرنے کے قابل اور مشکل حل کر سکتے ہیں ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے لیکن تم نہیں جانتے ۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کی نسل سے ہی عورت پیدا کی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔

۳۔ مشرک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں اور مدفون بزرگوں کی مثالیں بیان نہیں کرنی چاہییں ۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کے رزق کا مالک نہیں:

۱۔ اللہ کے سوا مشرک ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو آسمان و زمین سے رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے ۔ (النحل:۷۳)

۲۔ اگر تم اللہ کے خزانوں کے مالک ہوتے تو اس کے خرچ ہو جانے کے ڈر سے ہاتھ روک لیتے ۔ (الاسراء:۱۰۰)

۳۔ بے شک جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو وہ تمہارے رزق کے مالک نہیں ہیں ۔ (العنکبوت:۱۷)

۴۔ کتنے ہی چوپائے ایسے ہیں کہ تم انہیں رزق نہیں دیتے اللہ ہی ان کو رزق دینے والا ہے ۔ (العنکبوت:۶۰)

فَلَا تَضۡرِبُوۡا لِلّٰهِ الۡاَمۡثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ

پس نہ | تم بیان کرو | اللہ کے لیے | مثالیں | یقیناً | اللہ | وہ جانتا ہے | اور تم

لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝۷۴ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبۡدًا مَّمۡلُوۡكًا لَّا يَقۡدِرُ

نہیں تم جانتے ہو | بیان کی | اللہ | مثال | غلام | مملوک | نہیں | وہ قدرت رکھتا

عَلٰى شَىۡءٍ وَّمَنۡ رَّزَقۡنٰهُ مِنَّا رِزۡقًا حَسَنًا

پر | کسی چیز | اور جو | ہم نے رزق دیا اسے | اپنی طرف سے | رزق | اچھا

فَهُوَ يُنۡفِقُ مِنۡهُ سِرًّا وَّجَهۡرًا ؕ هَلۡ يَسۡتَوٗنَ ؕ

تو وہ | خرچ کرتا ہے | اس سے | پوشیدہ | اور اعلانیہ | کیا | وہ برابر ہیں

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝۷۵

تمام تعریف | اللہ ہی کے لیے ہے | بلکہ | اکثر ان میں سے | نہیں | جانتے

”پس اللہ کے لیے مثالیں نہ دو۔ یقیناً اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“(۷۴) ”اللہ مثال بیان کرتا ہے، ایک غلام کی جو کسی کی ملکیت میں ہے اور خود کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا اور وہ شخص جسے ہم نے اپنی طرف سے اچھا رزق دیا ہے وہ اس میں سے پوشیدہ اور سر عام کھلا خرچ کرتا ہے، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔“(۷۵)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

معبودانِ باطل کی مثالیں خالق حقیقی کے ساتھ بیان کی بجائے ان کا اپنے ساتھ موازنہ کرو اور اپنے ضمیر کے آئینہ میں دیکھو اور سوچو تاکہ تمہارے سامنے حقیقت منکشف ہو جائے کہ شرک کا عقیدہ کس قدر بے بنیاد اور بے انصافی پر مبنی ہے۔

مشرکین کی پرانی عادت ہے کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت سمجھائی جائے۔ تو مشرک اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرتوں کا اعتراف کرنے کے بجائے اپنے معبودانِ باطل کے حق میں دلائل دیتے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے مشابہ قرار دیتے ہیں۔ بالخصوص جو لوگ مدفون بزرگوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ اور دلائل یہ ہیں کہ جس طرح دنیا میں ایک حکمران اپنا نظام چلانے کے لیے مختلف لوگوں کو ذمہ داریاں تفویض کرتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ گو اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے مگر اس نے بھی کائنات کا نظام چلانے کے لیے اپنی خوشی سے مدفون بزرگوں کو کچھ اختیارات دے رکھے ہیں جس کی بنا پر ہم ان کے واسطے سے اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات طلب کرتے ہیں۔ اسی بنا پر وہ دلیل دیتے ہیں کہ جس طرح حاکم کو ملنے کے لیے اس کے P-A کو ملنا ضروری ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے اور اس کو اپنی فریاد پہنچانے کے لیے

بزرگوں کے وسیلے کی ضرورت ہے۔ کچھ جاہل تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جس طرح چھت پر چڑھنے کے لیے سیڑھی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کو اپنی فریاد پہنچانے کے لیے مدفون بزرگوں کی ارواح کا واسطہ دینا لازم ہے۔ ان مثالوں پر ذرا غور فرمائیں تو آپ کے سامنے ان کی حقیقت کھل جائے گی۔ چھت پر چڑھنے کے لیے سیڑھی کی ضرورت اس لیے ہے کہ چھت نیچے آنہیں سکتی اور چھت پر چڑھنے والا سیڑھی کے بغیر اس پر چڑھ نہیں سکتا، حاکم کو ملنے کے لیے اس لیے سفارش چاہیے کہ وہ غریب اور کمزور لوگوں کی فریاد کو براہِ راست سننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ یہی صورتِ حال قبروں میں مدفون بزرگوں کی ہے جو نہ کسی کی فریاد سن سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کی مدد کر سکتے ہیں یہاں تک اپنی قبر پر ہونے والی غیر شرعی حرکات کو نہیں روک سکتے۔ حالانکہ ان میں ایسے مواحد بھی تھے جو اپنی زندگی میں شرک و بدعات سے سختی سے روکتے تھے۔ لیکن اب ان کی بے چارگی کا یہ عالم ہے ان کے نام پر شرک و بدعت اور خرافات کی جا رہی ہیں۔ لیکن روک نہیں سکتے۔ یہاں تک انہیں خبر نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ ان کی حالت ایسی ہے جیسی آقا کے مقابلے میں غلام کی ہوتی ہے جو مالک کے حکم کا پابند اور اس کا تابع مہمل ہوتا ہے۔ مالک کے مال سے ایک روپیہ بھی اپنی مرضی سے خرچ کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔ اس کے مقابلے میں ایسا شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے وافر رزق عنایت فرما رکھا ہے وہ اپنی مرضی اور خوشی سے جہاں اور جتنا چاہتا ہے خفیہ اور اعلانیہ خرچ کرتا ہے۔ کیا مالک اور غلام، بے اختیار اور بااختیار کنگال اور سخی برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنے خالق کے سامنے ایک غلام سے کہیں زیادہ بے بس ہیں۔ حق یہ ہے کہ تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں۔ جس کا کوئی شریک نہیں اور نہ اس کا شریک ثابت کرنے کے لیے کوئی معقول دلیل ہے۔ لیکن لوگوں کی اکثریت اس حقیقت کو جاننے اور ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف مثالیں بیان فرمائیں۔ ۲۔ جس طرح غلام اور آقا برابر نہیں اسی طرح خالق اور مخلوق برابر نہیں۔

۳۔ تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

مشرک اور کافر حقیقی علم سے بے بہرہ ہوتے ہیں:

۱۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (النحل: ۷۵)

۲۔ آسمان وزمین کا پیدا کرنا انسانی تخلیق سے بڑا کام ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (المومن: ۵۷)

۳۔ یہی صحیح دین ہے لیکن لوگوں کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔ (الروم: ۳۰)

۴۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں۔ (الروم: ۶)

۵۔ اکثریت حق کو نہیں پہچانتی۔ بلکہ اکثر لوگ حق سے اعراض کرتے ہیں۔ (الانبیاء: ۲۴)

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا
اور بیان کی اللہ مثال دو آدمیوں کی ان میں سے ایک گونگا ہے نہیں

يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ
قدرت رکھتا پر چیز اور وہ بوجھ ہے پر اپنے مالک کے

اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ
جہاں کہیں وہ اسے بھیجتا ہے نہیں وہ لاتا بہتری کیا برابر ہے وہ

ع ١٠ / ١٦ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝٧٦
اور وہ شخص حکم دیتا ہے عدل کا اور وہ پر راستے سیدھے

''اور اللہ دو آدمی کی مثال بیان کرتا ہے جن میں سے ایک گونگا ہے، کسی بات پر قدرت نہیں رکھتا اور وہ اپنے مالک پر بوجھ ہے، وہ اسے جہاں بھی بھیجتا ہے کوئی بہتری لے کر نہیں آتا، تو کیا یہ اور وہ شخص برابر ہیں جو عدل کے ساتھ حکم دیتا ہے اور وہ سیدھے راستے پر ہے۔'' (٧٦)

فہم القرآن

لوگو! اللہ تعالیٰ توحید اور شرک واضح کرنے کے لیے ایک اور مثال بیان فرماتا ہے۔ اسے غور سے سنو! دو آدمی ہیں۔ ان میں ایک گونگا، بہرا ہے۔ جو اپنا مؤقف بیان نہیں کر سکتا اور نہ کسی قسم کی طاقت رکھتا ہے وہ سراسر اپنے آقا پر بوجھ بنا ہوا ہے۔ اس کا آقا اسے جدھر بھیجتا ہے وہ بھلائی کے بجائے نقصان کے ساتھ لوٹتا ہے اس کے مقابلے میں باصلاحیت غلام کو اس کا آقا جدھر بھیجتا ہے وہ انصاف کا حکم دیتا ہے اور خود بھی ٹھیک راستے پر گامزن ہے کیا اس کے ہر کام میں خیر و برکت ہے۔ بتاؤ یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ بالکل نہیں۔ یہی فرق ہے مواحد اور مشرک کے درمیان۔ مشرک حقیقت سننے اور اس کا اعتراف کرنے سے قاصر ہے۔ دین کے نام پر جو کام بھی نیکی سمجھ کر کرے گا، نامراد اور نقصان میں رہے گا۔ مواحد ہمیشہ عدل پر قائم ہے اور انصاف کی بات کہتا ہے اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی چھوٹی سی نیکی بھی اس کے رب کے ہاں بڑا مقام رکھتی ہے۔ اس کے لیے اللہ کی طرف سے خیر ہی خیر ہے۔

اس مثال سے یہ بات واضح فرمائی ہے کہ توحید عدل ہے۔ جس کا پرچار کرنا، دنیا میں عدل قائم کرنا ہے۔ یہی صراط مستقیم ہے اس کے بغیر نہ عدل قائم ہو سکتا ہے اور نہ آدمی صراطِ مستقیم پا سکتا ہے۔ اس مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرک گونگا، بہرا اور گمراہ ہوتا ہے اور مواحد حق گو، صاحبِ بصیرت اور حق کا علمبردار ہوتا ہے۔

صراطِ مستقیم کے سنگ میل:

۱۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ ۲۔والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔

۳۔اولاد کو رزق کی کمی کی وجہ سے قتل نہ کیا جائے۔ ۴۔کھلی اور پوشیدہ بے حیائی سے اجتناب کیا جائے۔

۵۔کسی کو ناحق قتل نہ کیا جائے۔ ۶۔یتیم کے مال کو ناحق نہ کھایا جائے۔

۷۔ناپ تول کو پورا کیا جائے۔ ۸۔عدل وانصاف کی بات کی جائے۔

۹۔اللہ کے عہد کو پورا کیا جائے۔

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ﷛ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَخَطَّ خَطًّا وَخَطَّ خَطَّيْنِ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَخَطَّ خَطَّيْنِ عَنْ يَّسَارِهٖ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهٗ فِي الْخَطِّ الْأَوْسَطِ فَقَالَ هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ ﴿وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾))

[رواه ابن ماجة: باب اتباع سنة رسول الله ﷺ]

”حضرت جابر بن عبداللہ ﷛ بیان کرتے ہیں ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس تھے آپ ﷺ نے ایک سیدھا خط کھینچا پھر اس کے دائیں اور بائیں مختلف خطوط کھینچے پھر آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک درمیان والے سیدھے خط پر رکھتے ہوئے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی ﴿وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾“

مسائل

۱۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں مختلف قسم کی مثالیں بیان فرماتا ہے۔۲۔ توحید عدل ہے۔عدل کی تبلیغ کرنے والا صراطِ مستقیم پر ہوتا ہے۔

۳۔ گونگا اور کسی بات پر قدرت نہ رکھنے والا اور صراطِ مستقیم پر چلنے والا برابر نہیں۔۴۔ مشرک اور مواحد برابر نہیں ہو سکتے۔

تفسیر بالقرآن

صراط مستقیم:

۱۔ کچھ نہ کرنے والا اور اچھی باتوں کی تعلیم دینے والا اور صراطِ مستقیم پر چلنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟(النحل:۷۶)

۲۔ جس شخص نے اللہ کی رسی کو پکڑ لیا اس کی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کی گئی۔(آل عمران:۱۰۱)

۳۔ اللہ کو ایک ماننا صراطِ مستقیم ہے۔(آل عمران:۵۱) ۴۔اللہ کی عبادت کرنے والا صراطِ مستقیم پر ہے۔(یٰس:۶۱)

۵۔اللہ مومنوں کی صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔(الانعام:۱۶۱)

۶۔اللہ کے رسول کی اطاعت کرنا صراط مستقیم پر چلنا ہے۔(الزخرف:۶۱)

وَ لِلّٰهِ	غَيْبُ	السَّمٰوٰتِ	وَ الْاَرْضِ ؕ	وَمَآ	اَمْرُ	السَّاعَةِ
اور اللہ کے لیے	غیب	آسمانوں	اور زمین	اور نہیں	معاملہ	آخرت کا
اِلَّا	كَلَمْحِ	الْبَصَرِ	اَوْ	هُوَ	اَقْرَبُ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ
مگر	جھپکنے	آنکھ	یا	وہ	اس سے بھی قریب تر ہے	یقیناً اللہ
عَلٰى	كُلِّ	شَيْءٍ	قَدِيْرٌ ۝			
پر	ہر	چیز	قدرت رکھنے والا			

''اور آسمانوں زمین کا غیب اللہ ہی کے پاس ہے اور قیامت کا معاملہ نہیں ہے مگر آنکھ جھپکنے کی طرح، یا وہ اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (۷۷)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

توحید کے انکار کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ مشرک آخرت کی جوابدہی کا انکار کرتا ہے۔ لہٰذا توحید کے بعد عقیدہ آخرت کے ثبوت دیئے جاتے ہیں۔ گویا کہ توحید اور آخرت کا عقیدہ لازم وملزوم ہیں۔

آدمی کے کفر وشرک اختیار کرنے کی بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کافر سرے سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا منکر ہونے کی وجہ سے آخرت کا انکار کرتا ہے۔ مشرک آخرت کے بارے میں اس لیے دلیر ہوتا ہے کہ اس کا عقیدہ ہوتا ہے کہ جن کو وہ مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتا ہے وہ قیامت کے دن اسے بچا لیں گے۔ اس بنا پر کافر کفر سے اور مشرک شرک سے باز نہیں آتا۔ مکہ کے کفار کی حالت یہ تھی کہ وہ آخرت کا انکار کرنے کے ساتھ نبی اکرم ﷺ سے مطالبہ کرتے تھے کہ آخرت برپا کیوں نہیں ہوتی؟ جس کے جواب میں قرآن مجید میں کئی دلائل دیئے گئے ہیں یہاں صرف یہ جواب دیا گیا ہے کہ جس طرح زمین وآسمان کے غیبی اُمور کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اسی طرح اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہوگی۔ البتہ جب اس کا وقت آئے گا تو آنکھ جھپکنے سے پہلے برپا ہو جائے گی۔ کیونکہ اللہ ہر بات پر قادر ہے۔

((مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ)) [السلسلة الضعيفة و الموضوعة]

''جو شخص مرگیا اس کے لیے قیامت قائم ہوگئی۔''

((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا ، فَإِذَا طَلَعَتْ فَرَآهَا النَّاسُ آمَنُوْا أَجْمَعُوْنَ ، فَذٰلِكَ حِيْنَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا ، لَمْ

تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ ، أَوْ كَسَبَتْ فِيْ إِيمَانِهَا خَيْرًا ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ نَشَرَ الرَّجُلَانِ ثَوْبَهُمَا بَيْنَهُمَا فَلَا يَتَبَايَعَانِهِ وَلَا يَطْوِيَانِهِ ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدِ انْصَرَفَ الرَّجُلُ بِلَبَنِ لِقْحَتِهِ فَلَا يَطْعَمُهُ ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَهُوَ يَلِيطُ حَوْضَهُ فَلَا يَسْقِيْ فِيهِ ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ رَفَعَ أُكْلَتَهُ إِلَى فِيهِ فَلَا يَطْعَمُهَا)) [رواه البخاري: كتاب الرقاق]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو اسے دیکھ کر تمام کے تمام لوگ ایمان لے آئیں گے۔لیکن اس وقت اس کے ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا جو اس سے قبل ایمان نہیں لایا اور اس نے نیک اعمال نہ کیے ہوں ۔دو آدمیوں نے کپڑا پھیلایا ہوگا وہ اس کپڑے کو بیچ اور سمیٹ نہیں پائیں گے کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔دودھ دوہنے والا دودھ پی نہیں سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔حوض پر پہنچانے والا پانی نہیں پی سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔کھانا کھانے والا اپنے منہ میں ڈالا ہوا لقمہ کھا نہیں پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔“

مسائل

۱۔ آسمان وزمین کی پوشیدہ باتیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

۲۔ قیامت آنکھ جھپکنے سے پہلے برپا ہو جائے گی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت برپا ہو کر رہے گی:

۱۔ قیامت آنکھ جھپکنے کی مانند یا اس سے بھی پہلے برپا ہو جائے گی۔(النحل:۷۷)

۲۔ قیامت قریب تر ہے۔(الانبیاء:۱)

۳۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت برپا ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔(الکہف:۲۱)

۴۔ قیامت میں کوئی شک نہیں اللہ قبروں سے مردوں کو اٹھالے گا۔(الحج:۷)

۵۔ بے شک قیامت آنے والی ہے۔(طٰہٰ:۱۵)

وَاللّٰهُ	اَخْرَجَكُمْ	مِّنْۢ	بُطُوْنِ	اُمَّهٰتِكُمْ	لَا	تَعْلَمُوْنَ
اور اللہ	اس نے تمہیں نکالا	سے	پیٹوں	تمہاری ماؤں	نہیں	تم جانتے

شَيْـًٔا ۙ	وَّجَعَلَ	لَكُمُ	السَّمْعَ	وَالْاَبْصَارَ	وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ
کچھ بھی	اور اس نے بنایا	تمہارے	کان	اور آنکھیں	اور

لَعَلَّكُمْ	تَشْكُرُوْنَ ۝
تا کہ تم	شکر کرو

''اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں پیدا کیا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اور اس نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنا دیئے، تا کہ تم شکر کرو۔'' (۷۸)

فہم القرآن

ربط کلام: قیامت کے منکرین کو قیامت کا منظر بتلانے کے بعد ان کی پیدائش کا منظر بتلایا ہے۔

قیامت کے منکر سب سے بڑی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب ہم مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں کس طرح اٹھائے گا۔ اس کے ساتھ وہ یہ دلیل بھی دیتے ہیں۔ کہ انسان کے الفاظ اور اس کا کردار ہوا میں تحلیل ہو جاتا ہے اس لیے انسان کا دوبارہ زندہ ہونا اور اس کے اعمال کا محاسبہ کرنا نہ ممکنات میں سے ہے۔ موت کے بعد جی اٹھنے کا انکار کرنے والوں کو غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو تمہاری ماؤں کے بطنوں سے تمہیں نکالتا ہے۔ اس حالت میں کہ اس سے پہلے تمہارا وجود نہ تھا۔ اسی نے تمہاری آنکھیں، کان، اور دل بنائے۔ تا کہ تم اس کی ذات کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا مقام اس کی ماں کا رحم رکھا ہے۔ جو ازدوجی زندگی سے پہلے بالکل خالی ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ انسان کی پیدائش کا فیصلہ فرماتا ہے۔ تو اس کے ماں باپ کے مادہ منویہ سے جرثومے اس کی ماں کے کے رحم میں ملاپ حاصل کرتے ہیں۔ جس سے انسان کی تخلیق کا آغاز ہوتا ہے۔ جس سے انسان بے خبر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ پیدائش کے بعد بھی ایک مدت تک اسے اپنے بارے میں کچھ علم نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اسے دو آنکھوں، دو کانوں اور ایک دل کے ساتھ پیدا کرتا ہے۔ مگر یہ اعضاء انسان کی پیدائش کے وقت اس قدر نازک اور اپنے گردوپیش کے ماحول سے بے خبر ہوتے ہیں کہ اسے یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ مجھے جنم دینے والی ماں کون ہے؟ اللہ تعالیٰ اسے القاء کرتا ہے جس بنا پر ہر نومولود بے شک جانور کا بچہ کیوں نہ ہو وہ اپنی ماں کی چھاتی کی طرف لپکتا ہے۔ جوں جوں انسان بڑا ہوتا ہے اس کی سماعت، بصارت اور سوچ و فکر کی صلاحیتیں بھی پروان چڑھتی ہیں۔ لیکن افسوس بڑا ہو کر وہ ہر بات سنتا، ہر چیز دیکھتا اور دنیوی نفع و نقصان پر غور و خوض کرتا

ہے۔اس کے باوجود اپنے خالق حقیقی کو بھول جاتا ہے اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتا ہے۔ یہ پرلے درجے کا کفر اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہے۔ حالانکہ انسان کو غیروں کی بجائے اپنے خالق اور منعم حقیقی کو پہچاننا اور اس کا شکرگزار رہنا چاہیے۔ یہاں انسان کی پیدائش کو اس ماں کی طرف منسوب کیا گیا ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسان کی تخلیق ماں کے رحم میں ہوتی ہے۔اس لیے باپ کی بجائے ماں کا ذکر ہوا ہے۔اسی بناء پر رسول کریم ﷺ نے ماں کے حقوق والد کی نسبت زیادہ بیان فرمائے ہیں۔

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ)) [رواہ احمد]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں کا شکر گزار نہیں ہوتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرسکتا۔“

آپ ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ جو اپنے جیسے انسانوں کے چھوٹے چھوٹے احسانات کا شکریہ نہیں ادا کرتا حالانکہ اسے ان احسانات کا شکرادا کرنا آسان ہے وہ خالق کائنات کے پہاڑوں جیسے اوران گنت احسانات کا شکریہ کس طرح ادا کرسکتا ہے۔ شکر کے مقابلے میں ناشکری کو شریعت کی زبان میں تمام نافرمانیوں اور بغاوتوں کا پیش خیمہ تصور کیا ہے۔

﴿لَإِنْ شَکَرْتُمْ لَأَزِیْدَنَّـکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ﴾ [ابراھیم۔۷]

”اگر تم شکریہ ادا کروگے تو تمہیں ضرور مزید عنایت کیا جائے گا اگر ناشکری کا رویہ اختیار کروگے تو پھر میرا عذاب بہت سخت ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی ماں کے پیٹ سے نکالا اور اسے کچھ خبر نہ تھی۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی سماعت، بصارت اور دل بنایا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کا ہر حال میں شکرادا کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

شکر کی اہمیت اور اس کے فوائد:

۱۔ اللہ نے تمہارے لیے سماعت، بصارت اور دل بنایا تاکہ تم شکر کرو۔(النحل:۷۸)
۲۔ اگر تم شکر کروگے تو اللہ تمہیں زیادہ دے گا۔(ابراہیم:۷) ۳۔ اگر تم اللہ کا شکر کرو تو وہ تم سے خوش ہوگا۔(الزمر:۷)
۴۔ اگر تم اللہ کا شکرادا کرو اور اس پر ایمان لاؤ تو تمہیں عذاب کرنے کا اسے کیا فائدہ؟(النساء:۱۴۷)
۵۔ اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔(آل عمران:۱۴۴)
۶۔ اللہ نے کفر اور شکر کا راستہ واضح فرما دیا ہے۔(الدھر:۳)

اَلَمْ	يَرَوْا	اِلَى	الطَّيْرِ	مُسَخَّرٰتٍ	فِيْ	جَوِّ
کیانہیں	انہوں نے دیکھا	طرف	پرندوں	تابع فرمان ہیں	میں	فضائے
السَّمَآءِ	مَا	يُمْسِكُهُنَّ	اِلَّا	اللّٰهُ	اِنَّ	فِيْ
آسمان	نہیں	انکوٹھہراتا	مگر	اللہ	بے شک	میں
ذٰلِكَ	لَاٰيٰتٍ	لِّقَوْمٍ	يُّؤْمِنُوْنَ ۝٧٩			
اس	البتہ نشانیاں ہیں	ان لوگوں کے لیے	جوایمان لاتے ہیں			

”کیا انہوں نے پرندوں کی طرف نہیں دیکھا، آسمان کی فضاء میں مسخر ہیں، انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں ٹھہراتا۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو ایمان لائے ہیں۔“(۷۹)

فہم القرآن

ربط کلام: پرندوں کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا حوالہ دے کر انسان کو ایمان لانے کی دعوت دی ہے۔

جانوروں اور پرندوں میں معاشرے کا وجود:

﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ﴾[الانعام:۳۸]

”زمین میں چلنے والے کسی جانور اور ہوا میں پروں سے اڑنے والے کسی پرندے کو دیکھ لو یہ سب تمہاری ہی طرح کی اقسام ہیں اور ہم نے ان کی تقدیر کے نوشتے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے پھر یہ سب اپنے رب کی طرف سمیٹے جاتے ہیں۔“

جدید تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ جانور اور پرندے بھی معاشروں کی شکل میں رہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان میں بھی اجتماعی نظم وضبط ہوتا ہے اور مل جل کر رہتے ہیں اور اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔

پرندوں کی پرواز:

﴿أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾[النحل:۷۹]

”کیا ان لوگوں نے کبھی پرندوں کو نہیں دیکھا کہ فضائے آسمانی میں کس طرح مسخر ہیں۔ اللہ کے سوا کس نے ان کو تھام رکھا ہے۔ اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔“

ایک اور آیت مبارکہ میں پرندوں پر کچھ اس انداز سے بات کی گئی ہے:

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَنُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ﴾[الملك:۱۹]

''یہ لوگ اپنے اوپر اڑنے والے پرندوں کو پر پھیلاتے اور سکیڑتے نہیں دیکھتے؟ رحمان کے سوا کوئی نہیں جو انہیں تھامے ہوئے ہو وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔''

عربی لفظ ''امسک'' کا لغوی ترجمہ ''کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دینا، روکنا، تھامنا، یا کسی کی کمر پکڑ لینا'' ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں ''یُمسکُھُنَّ'' سے اس بات کا اظہار ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور اپنے اختیار سے پرندوں کو ہوا میں تھامے رکھتا ہے، ان آیات ربانی میں اس پر زور دیا گیا ہے کہ پرندوں کے طرزِ کا مکمل انحصار اُنہی قوانین پر ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمایا ہے۔ اور جنہیں ہم قوانین فطرت کے نام سے جانتے ہیں جدید سائنسی معلومات سے ثابت ہو چکا ہے کہ بعض پرندوں میں پرواز کی بے مثل اور بے عیب صلاحیت کا تعلق اس وسیع تر اور مجموعی منصوبہ بندی (پروگرامنگ) سے ہے جو اُن کی حرکات و سکنات سے متعلق ہے۔ مثلاً ہزاروں میل دور تک نقل مکانی کرنے والے پرندوں کی جینیاتی رموز (جینیٹک کوڈز) میں اُن کے سفر کی تمام تر تفصیلات و جزئیات موجود ہیں، جو ان پرندوں کو اس قابل بناتی ہیں کہ وہ نہایت کم عمری میں بھی لمبے سفر کے کسی تجربے اور کسی رہنما کے بغیر ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر لیں اور پیچیدہ راستوں سے پرواز کرتے چلے جائیں۔ بات صرف سفر کی یک طرفہ تکمیل ہی پر ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ وہ ایک مخصوص تاریخ پر اپنے عارضی مسکن سے پرواز کرتے ہیں اور ہزاروں میل واپسی کا سفر کر کے ایک بار پھر اپنے گھونسلوں تک بالکل ٹھیک ٹھیک جا پہنچتے ہیں۔

پروفیسر ہیمبر گر نے اپنی کتاب ''پاور اینڈ فر یجیلیٹی'' میں ''مٹن برڈ'' نامی ایک پرندے کی مثال دی ہے جو بحرالکال کے علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ نقل مکانی کرنے والا یہ پرندہ ۲۴،۰۰۰ (چوبیس ہزار) کلومیٹر کا فاصلہ ۸ کی شکل میں چکر لگا کر طے کرتا ہے۔ یہ اپنا سفر چھ ماہ میں پورا کرتا ہے اور مقام ابتداء تک زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کی تاخیر سے واپس پہنچ جاتا ہے۔ ایسے کسی سفر کے لیے نہایت پیچیدہ معلومات کا ہونا ضروری ہے جو اس پرندے کے اعصابی خلیات میں محفوظ ہونی چاہیں۔ یعنی ایک باضابطہ ''پروگرام'' کی شکل میں پرندے کے جسم میں موجود اور ہمہ وقت دستیاب ہوتی ہے۔ اگر پرندے میں کوئی پروگرام ہے تو کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اسے تشکیل دینے والا کوئی ''پروگرامز'' بھی یقیناً ہے؟ (از: خطبات ڈاکٹر ذاکر نائیک)

مسائل

۱۔ پرندوں کو فضا میں ٹھہرانے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

۲۔ ایمانداروں کے لیے پرندوں میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

وَاللّٰهُ	جَعَلَ	لَكُمْ	مِّنْۢ	بُيُوْتِكُمْ	سَكَنًا	وَّجَعَلَ
اور اللہ	بنائے	تمہارے لیے	سے	تمہارے گھر	جائے سکونت	اور اسی نے بنائے
لَكُمْ	مِّنْ	جُلُوْدِ	الْاَنْعَامِ	بُيُوْتًا	تَسْتَخِفُّوْنَهَا	
تمہارے لیے	سے	چمڑے	چوپائے	گھر	تم ان کو ہلکا سمجھتے ہو	
يَوْمَ	ظَعْنِكُمْ	وَيَوْمَ	اِقَامَتِكُمْ	وَمِنْ	اَصْوَافِهَا	وَ
دن	اپنے کوچ	اور دن	اپنی اقامت	اور سے	ان کی اون	اور
اَوْبَارِهَا	وَاَشْعَارِهَاۤ	اَثَاثًا	وَّمَتَاعًا	اِلٰى	حِيْنٍ ۝۸۰	
ان کی پشم	اور ان کے بال	گھر کا سامان	اور کئی فائدے	تک	وقت	

’’اور اللہ نے تمہارے گھروں سے تمہارے لیے جائے سکون بنایا اور تمہارے لیے چوپاؤں کی کھالوں سے ایسے گھر بنائے جنہیں تم سفر اور قیام کی حالت میں قیام ہلکا پھلکا پاتے ہو اور ان کی اونوں اور ان کی پشموں اور ان کے بالوں سے گھر کا سامان پیدا کیا اور ایک وقت تک فائدہ اٹھانے کی چیزیں بنائیں۔‘‘(۸۰)

فہم القرآن

ربط کلام: پرندوں کے بعد چوپاؤں کے حوالے سے خدا کی قدرت کا شعور دیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے ماحول کے حوالے سے اپنی قدرت کا شعور دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کو سکون اور سکونت کا باعث بنایا اور تمہیں صلاحیت عنایت فرمائی کہ تم چوپاؤں کی کھالوں سے گھر یعنی خیمے بناتے ہو جو نقل مکانی کی اور پڑاؤ ڈالنے کی شکل میں تمہارے لیے ہلکے ہوتے ہیں پھر چوپاؤں کی اون، پشم اور بالوں سے رہنے سہنے کے لیے سامان اور پہننے کے لیے اپنا لباس بنانے کے ساتھ اپنی زندگی کے لیے دیگر فوائد حاصل کرتے ہو۔ بھیڑ کی اون کو صوف کہا جاتا ہے جس کی جمع اصواف ہے اونٹ کے بالوں کو وبر کہتے ہیں جس کی جمع اوبار ہے، دنبے، بکری کے بالوں کو شعر کہتے ہیں جس کی جمع اشعار ہے۔

نزول قرآن کے وقت عربوں کی اکثریت پانی کی قلت اور اسباب زندگی کی کمی کی وجہ سے صحرانوردوں کی زندگی بسر کرتے تھے۔ جس طرح ہمارے ملک میں بادیانشین زندگی گزارتے ہیں ایسی حالت میں چوپاؤں کے چمڑے اور دیگر جانوروں کے بالوں اور اون سے بنے ہوئے خیمے نا صرف سائے گھنے اور اٹھانے میں سہل اور ہلکے ہوتے ہیں بلکہ چمڑے کے بنے ہوئے خیمے موسم کی حدّت اور برودت میں صحرانشینوں کے لیے بہترین گھروں کا کام دیتے ہیں۔ گھر انسان ہی نہیں بلکہ درند پرند کے

لیے سکون اور سکونت کا باعث ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ شام کے وقت پرندے اپنے گھونسلے کی طرف جاتے ہیں۔ درندے اپنے غاروں اور کیڑے مکوڑے اپنی بلوں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ انسان اپنے گھر سے باہر کتنی اچھی رہائش گاہ میں قیام پذیر رہا اسے اس وقت تک چین نصیب نہیں ہوتا جب تک اپنے گھر واپس نہیں پلٹتا بے شک اس کا گھر کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو۔ اس کی زندہ مثال ہر ملک میں بادیانشین لوگوں کی زندگی میں دیکھی جا سکتی ہے آپ ان کو شہر میں بہترین مکان مہیا کریں لیکن وہ اور ان کے بچے اپنی جھونپڑیوں میں جو سکون پاتے ہیں۔ وہ سکون انھیں محلات میں نہیں ملتا۔ درندوں، پرندوں اور انسانوں کا اپنے گھروں کی طرف پلٹنا اور سکون پانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کردہ جذبے کی بنا پر ہے جس وجہ سے ہر جاندار کو اپنا گھر پیارا ہوتا ہے اور وہ اس کی حفاظت کے لیے سب کچھ کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ کیونکہ اپنا گھر اپنا ہی ہوتا ہے۔ گھر سے محبت اور اس کے سکون کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے انسان کو اس طرف توجہ دلائی ہے تاکہ وہ دنیا کے گھر میں رہ کر جنت کے گھر کی تیاری کرے۔

مسائل

۱۔ گھر انسان کے لیے باعثِ تسکین ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے سکون کے لیے بہت کچھ پیدا فرمایا۔

تفسیر بالقرآن

سکون حاصل کرنے کے ذرائع:

۱۔ اللہ نے تمہارے گھر تمہارے لیے سکون کا باعث بنائے ہیں۔ (النحل: ۸۰)

۲۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے رات کو بنایا تاکہ تم سکون حاصل کرو۔ (یونس: ۶۷)

۳۔ اللہ کی رحمت کا نتیجہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے دن اور رات بنائے تاکہ تم تسکین حاصل کرو۔ (القصص: ۸۲)

۴۔ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہاری جانوں میں سے تمہارے لیے بیویاں پیدا فرمائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو۔ (الروم: ۲۱)

۵۔ آپ ان کے لیے دعا کیجیے آپ کی دعا ان کے لیے باعث تسکین ہے۔ (التوبۃ: ۱۰۳)

۶۔ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ (الرعد: ۲۸)

وَاللّٰهُ	جَعَلَ	لَكُمْ	مِّمَّا	خَلَقَ	ظِلٰلًا	وَّجَعَلَ
اور اللہ	اس نے بنائے	تمہارے لیے	ان چیزوں سے	پیدا کیے	سائے	اور بنائے
لَكُمْ	مِّنَ	الْجِبَالِ	اَكْنَانًا	وَّجَعَلَ	لَكُمْ	سَرَابِيْلَ
تمہارے لیے	سے	پہاڑ	چھپنے کی جگہ	اور بنائیں	تمہارے لیے	قمیصیں
تَقِيْكُمُ	الْحَرَّ	وَسَرَابِيْلَ	تَقِيْكُمْ	بَأْسَكُمْ ؕ	كَذٰلِكَ	يُتِمُّ
وہ بچاتی ہیں تمہیں	گرمی	اور قمیصیں	وہ بچاتی ہیں تمہیں	تمہاری لڑائی میں	اسی طرح وہ پوری کرتا ہے	
نِعْمَتَهٗ	عَلَيْكُمْ	لَعَلَّكُمْ	تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾	فَاِنْ	تَوَلَّوْا	فَاِنَّمَا
اپنی نعمت	تم پر	تا کہ تم	مطیع ہو جاؤ	پھر اگر	وہ منہ پھیریں	پس

”اور اللہ نے ان چیزوں سے جو اس نے پیدا کیں تمہارے لیے سائے بنا دیے اور تمہارے لیے پہاڑوں میں سے چھپنے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لیے کچھ ایسی قمیصیں بنائیں جو تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں اور کچھ ایسی ذریں جو تمہیں لڑائی میں بچاتی ہیں۔اسی طرح وہ اپنی نعمت تم پر پوری کرتا ہے، تا کہ تم فرماں بردار بن جاؤ۔“(۸۱)”اگر وہ پھر جائیں

فہم القرآن

ربط کلام: انسان کی مستقل قیام گاہ کے بعد اس کی عارضی پناہ گاہوں اور اس کے لباس کا تذکرہ۔

دنیا میں انسان کی مستقل قیام گاہ اس کا گھر ہوتا ہے جو انسان کے لیے سکون اور سکونت کا باعث ہونے کے ساتھ گرمی، سردی اور اس کے ساز وسامان کی حفاظت کا ذریعہ ہوتا ہے۔انسان کا گھر بے شک جھونپڑی کی صورت میں کیوں نہ ہو وہ اسے اٹھائے ہوئے ہر جگہ نقل وحرکت نہیں کرسکتا۔اس نے اپنی روزی اور دیگر حاجات کے لیے گھر سے باہر جانا ہوتا ہے۔اس لیے ضروری تھا کہ اس کے لیے عارضی طور پر ایسی قیام گاہیں ہوں جنہیں وہ گرمی، سردی اور سفری مشکلات کے وقت کچھ وقت کے لیے قیام کر سکے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے درختوں اور پہاڑوں کے سائے بنائے تا کہ تھکا ماندہ اور محنت کش انسان کچھ وقت کے لیے ان میں آرام کر سکے پہاڑوں کے دیگر فوائد کے ساتھ ایک فائدہ یہ بھی عطا فرمایا کہ انسان موسم ناہموار ہونے کی صورت میں عارضی طور پر ان میں پناہ لے سکے پھر انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ لیاقت عطا فرمائی کہ وہ گرمی اور جنگ کی صورت میں دشمن سے بچاؤ کے لیے اپنا لباس تیار کرے۔حالات کے مطابق اپنی صحت اور جسم کی حفاظت کا خیال رکھ سکے۔یہاں دو قسم کے ملبوسات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔گرمی سے بچاؤ اور لڑائی کے وقت اپنی حفاظت کے لیے لباس تیار کرنا۔

سورۃ النحل کا نزول مکہ معظّمہ میں ہوا۔مکہ اور اس کے گرد ونواح میں ہمیشہ سخت یا نیم گرمی کا موسم رہتا ہے۔جنگی لباس کا ذکر اس لیے کیا کہ اس زمانے میں دست بدست لڑائی ہوتی تھی۔دشمن کے وار سے بچنے کے لیے لوہے کا ٹوپ اور سینہ ڈھانپنے کے

عَلَيْكَ	الْبَلٰغُ	الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾	يَعْرِفُوْنَ	نِعْمَتَ	اللّٰهِ	ثُمَّ
آپ پر	پہنچانا ہے	واضح	وہ پہچانتے ہیں	نعمت	اللہ	پھر

يُنْكِرُوْنَهَا	وَاَكْثَرُهُمُ	الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾
وہ اس کا انکار کرتے ہیں	اور ان میں سے اکثر	کافر ہیں

تو آپ کے ذمے صرف کھول کر پیغام پہنچا دینا ہے۔'' (۸۲) ''وہ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔'' (۸۳)

لیے زرہ پہنی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس لباس کو اپنی نعمت قرار دیتے ہوئے فرمایا کیونکہ جنگی ٹیکنالوجی کا حصول کسی قوم اور ملک کے تحفظ کے لئے سب سے بڑی نعمت ہوا کرتا ہے۔ یہ انعامات تم پر اس لیے کیے گئے ہیں تاکہ تم اپنے رب کے تابع فرمان رہو۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات سے مستفیض ہونے کے باوجود لوگ حق قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ اے نبی ﷺ! آپ پر صرف یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ آپ واشگاف الفاظ اور انداز میں لوگوں تک حق پہنچا دیں جہاں تک لوگوں کی اکثریت کا حال ہے وہ اپنے رب کی نعمتوں کو پہچاننے اور ان سے لطف اندوز ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ناقدری اور اس کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ یہ حقیقت قرآن مجید نے کئی بار واضح کی ہے کہ نبی معظم ﷺ کا کام حق بات پہنچانا ہے منوانا نہیں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے سائے بنائے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے ایسے پیراہن بنائے جو انہیں گرمی، سردی اور جنگ کے وقت دشمن کے وار سے محفوظ رکھتے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر اپنی نعمتیں نازل فرمائیں تاکہ وہ فرمانبردار بن جائیں۔ ۵۔ انبیاء علیہم السلام کا کام دین کی تبلیغ کرنا ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچاننے کے باوجود لوگ اللہ کی ذات اور اس کی صفات کا انکار کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کا کام تبلیغ کرنا ہے:

۱۔ اگر لوگ روگردانی کریں تو آپ کا کام حق پہنچانا ہے۔ (النحل: ۸۲)

۲۔ اگر تم پھر جاؤ یقیناً ہمارے رسول کے ذمے حق بات پہنچانا ہے۔ (المائدۃ: ۹۲)

۳۔ نہیں ہے رسول کے ذمہ مگر حق پہنچا دینا۔ (المائدۃ: ۹۹)

۴۔ اگر وہ اعراض کریں تو ہم نے آپ کو نگران بنا کر نہیں بھیجا آپ کا کام پہنچانا ہے۔ (الشوریٰ: ۴۸)

وَ يَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ

اور دن ہم کھڑا کریں گے سے ہر امت گواہ پھر

لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾

نہ اجازت دی جائے گی ان لوگوں کیلیے کفر کیا انھوں نے اور نہ وہ توبہ ہی کا مطالبہ کیا جائے گا ان سے

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ

اور جب دیکھیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا عذاب پس نہ کم کیا جائے گا

عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾

ان سے اور نہ وہ مہلت دیے جائیں گے

’’اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے پھر جن لوگوں نے کفر کیا انہیں اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ان کی توبہ قبول کی جائے گی۔‘‘ (۸۴) ’’اور جب جنہوں نے ظلم کیا، عذاب دیکھیں گے تو نہ وہ ان سے ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔‘‘ (۸۵)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری اور اس کی ذات کے ساتھ کفر کرنے کا انجام۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری اور اس کی ذات کا انکار کرنے والے لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیے جائیں گے۔ وہ جہنم کا عذاب اور رب کا جلال دیکھ کر اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے سے انکار کردیں گے۔ اور بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہمارے پاس کوئی سمجھانے والا نہیں آیا تھا اگر کوئی ہمیں سمجھاتا تو ہم ضرور تیری ذات اور فرمان پر ایمان لاتے۔ اس انکار پر ہر امت کے نبی کو ان کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ جب اس امت کا نبی اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی قوم کے خلاف گواہی دے گا کہ اے رب میں نے پیغام من وعن پہنچا دیا تھا۔ مجرم لوگ اپنے نبی کی شہادت مسترد کردیں گے اس پر اللہ تعالیٰ نبی کو حکم فرمائیں گے کہ آپ اپنی تائید کے لیے گواہ پیش کریں وہ نبی امتِ محمدیہ کے لوگوں کو گواہ کے طور پر پیش کریں گے۔ نبی معظم ﷺ کی امت کے لوگ گواہی دیں گے کہ بارالٰہا ہم نے تیرے قرآن میں پڑھا تھا کہ پہلے انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو ٹھیک ٹھیک طریقے سے حق کا پیغام پہنچایا۔ انبیاء ﷷ کی گواہی دینے کے باوجود مجرم ہر گواہی کو مسترد کرتے جائیں گے۔ اس صورتِ حال میں اللہ تعالیٰ ان کی زبانوں پر مہر ثبت فرما کر ان کے عضاء کو حکم دے گا کہ تم گواہی دو کہ کیا یہ واقعی مجرم نہیں ہیں؟ مجرموں کے اعضاء اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہو کر اس کے حضور اپنی شہادت پیش کریں گے کہ یہ حقیقی مجرم ہیں۔ (یٰس: ۶۵)

جب مجرم لوگ ہر طرف سے لاجواب ہوجائیں گے تو پھر مزید انہیں عذر پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی اور نہ ہی ان کی معذرت قبول کی جائے گی ظالموں کو جس عذاب سے واسطہ پڑے گا اس میں نہ تخفیف کی جائے گی اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔

وَإِذَا	رَاَ	الَّذِيْنَ	اَشْرَكُوْا	شُرَكَآءَهُمْ	قَالُوْا	رَبَّنَا
اور جب	دیکھیں گے	وہ لوگ	جنھوں نے شرک کیا	اپنے شریکوں کو	وہ کہیں گے	اے ہمارے رب
هٰٓؤُلَآءِ	شُرَكَآؤُنَا	الَّذِيْنَ	كُنَّا	نَدْعُوْا	مِنْ	دُوْنِكَ ج
یہی ہیں	ہمارے وہ شریک	جنہیں	ہم تھے	پکارتے	سے	تیرے سوا
فَاَلْقَوْا	اِلَيْهِمُ	الْقَوْلَ	اِنَّكُمْ	لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ ج	وَاَلْقَوْا	اِلَى
تو وہ دے ماریں گے	ان کی طرف	بات	بیشک تم	یقیناً جھوٹے ہو	اور وہ پیش کریں گے	طرف
اللّٰهِ	يَوْمَئِذِ	السَّلَمَ	وَضَلَّ	عَنْهُمْ	مَّا	كَانُوْا
اللہ	اس دن	فرمانبرداری	اور بھول جائیں گے	ان سے	جو	تھے وہ

''اور جب وہ لوگ جنھوں نے شریک بنائے اپنے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے رب! یہی ہیں ہمارے شریک جنہیں ہم تیرے سوا پکارتے تھے۔تو شریک ان کی طرف یہ بات دے ماریں گے کہ بلاشبہ تم جھوٹے ہو۔'' (۸۶)

''اور وہ اس دن اللہ کے سامنے فرمان برداری پیش کریں گے اور وہ بھول جائیں گے جو وہ

فہم القرآن

ربط کلام: عذاب کا فیصلہ ہو جانے کے بعد مجرمین کا اپنے معبودان باطل کے بارے میں اقرار۔

قرآن مجید نے یہ حقیقت بھی کئی بار بیان کی ہے کہ محشر کے میدان میں مختلف مراحل پر مشرکین کا اپنے معبودوں کے ساتھ آمنا سامنا ہوگا۔ مشرک جن لوگوں کو دنیا میں مشکل کشا سمجھ کر نذرانے پیش کرتے اور ان کو سجدے کیا کرتے تھے ان کو پہچانتے ہوئے فریاد کے انداز میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہ ہیں ہمارے معبود۔ جن کو ہم تیرے سوا حاجت روا، مشکل کشا سمجھتے تھے دوسرے مقام پر قرآن مجید نے ان کے اس مطالبے کا بھی ذکر کیا ہے کہ وہ اپنے معبودان باطل کو دیکھ کر رب ذوالجلال سے فریاد کریں گے کہ ان لوگوں کی وجہ سے ہم اس انجام تک پہنچے اے ہمارے رب انہیں دوگنا عذاب دیا جائے۔ (الاعراف: ۳۸)

یہ سنتے ہی معبودانِ باطل اس بات کو اپنے مریدوں پر لوٹائیں گے کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ جب مجرم لوگ ہر طرف سے مایوس ہو جائیں گے تو سب کچھ بھول کر اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی فرمانبرداری پیش کریں گے لیکن اس وقت گناہوں کا اعتراف کرنے اور فرمانبردار ہونے کا انہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ (۱) یہاں جھوٹے عابدوں اور معبودوں کی گفتگو کا حوالہ دیتے ہوئے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ معبود اپنی عبادت کرنے والوں کو یہ کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔

يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ

جھوٹ باندھتے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکا سے راستے اللہ

زِدۡنٰهُمۡ عَذَابًا فَوۡقَ الۡعَذَابِ بِمَا كَانُوۡا يُفۡسِدُوۡنَ ﴿۸۸﴾

انہیں ہم زیادہ دیں گے عذاب اوپر عذاب بوجہ اس کے جو تھے وہ فساد کرتے

جھوٹ بولا کرتے تھے۔" (۸۷) "جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا۔ ہم انہیں عذاب پر عذاب دیں گے، اس پاداش میں کہ وہ فساد کیا کرتے تھے۔" (۸۸)

۱۔ انکار کرنے والوں سے مراد اللہ کے وہ بندے ہوں گے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا پرچار کرنے کے ساتھ ہر قسم کے شرک کی مذمت کیا کرتے تھے۔ لیکن ان کے فوت ہو جانے کے بعد ان کے چاہنے والوں نے انھیں مشکل کشا بنا لیا اور ان کی قبروں پر شرکیہ اعمال کرنے لگے۔ اور ان سے دعائیں مانگنے لگے، وہ قیامت کے دن ان کے اس شرک کا صاف انکار کر دیں گے۔ (فاطر: ۱۳۔۱۴)

۲۔ ان سے مراد یقیناً وہ لوگ ہیں جو مریدوں سے اپنے آپ کو سجدہ سجود کروایا کرتے اور جھوٹی امیدیں دلوایا کرتے تھے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کا عذاب دیکھیں گے تو اپنے مریدوں کو یہ کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو ہم تو کسی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ قرآن مجید نے بتلایا ہے کہ جب پیر عذاب دیکھیں گے تو اپنے مریدوں سے بیزاری کا اعلان کریں گے اس طرح ان کے درمیان تمام واسطے اور امیدیں منقطع ہو جائیں گی۔ مرید کہیں گے کاش! ہمیں دنیا میں واپس جانے کا موقع ملے تو ہم ان پیروں سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے ہم سے یہ بیزار ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حسرت بڑھانے کے لیے ایسا کریں گے اور وہ کبھی جہنم سے نہیں نکل پائیں گے۔ (البقرہ: ۱۶۶۔۱۶۷)

مسائل

۱۔ قیامت کے دن مشرک اپنے معبودوں کو پہچان لیں گے۔ ۳۔ قیامت کے دن مشرک کا کوئی بہانہ قبول نہ کیا جائے گا۔

۲۔ معبودانِ باطل اپنی عبادت کا انکار کریں گے اور مریدوں کو جھوٹا قرار دیں گے۔

تفسیر بالقرآن

عہد اور قسم کی پاسداری کا حکم:

۱۔ جب تم عہد کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو اور پختہ قسموں کی حفاظت کرو۔ (النحل: ۹۱)

۲۔ اللہ کے عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ (الاحزاب: ۱۵)

۳۔ جو شخص اللہ کے عہد کی پاسداری کرتا ہے اسے بشارت دے دیں۔ (التوبۃ: ۱۱۱)

۴۔ اللہ کا فرمان ہے تم میرے وعدے کو پورا کرو میں تمہارے وعدے کو پورا کروں گا۔ (البقرۃ: ۴۰)

وَيَوْمَ	نَبْعَثُ	فِيْ	كُلِّ	اُمَّةٍ	شَهِيْدًا	عَلَيْهِمْ
اور جس دن	ہم کھڑا کریں گے	میں	ہر	امت	گواہ	ان پر
مِّنْ	اَنْفُسِهِمْ	وَجِئْنَا	بِكَ	شَهِيْدًا	عَلٰى	هٰٓؤُلَآءِ
سے	ان کی ذاتوں	اور ہم لائیں گے	آپ کو	گواہ	پر	ان

وَنَزَّلْنَا	عَلَيْكَ	الْكِتٰبَ	تِبْيَانًا	لِّكُلِّ	شَيْءٍ	وَّهُدًى
اور ہم نے نازل کی	آپ پر	کتاب	کھول کر بیان کرنے والی ہے	ہر	چیز	اور ہدایت
وَّرَحْمَةً	وَّبُشْرٰى	لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾				
اور رحمت	اور خوشخبری	مسلمانوں کے لیے				

''اور جس دن ہم ہر امت میں ان پر انہی میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے اور آپ کو ان پر گواہ بنائیں گے اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی جس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے اور فرماں برداروں کے لیے ہدایت، رحمت اور خوشخبری ہے۔'' (۸۹)

فہم القرآن

ربط کلام: اس خطاب کا آغاز اس بات سے ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر امت پر اس کے نبی کو گواہ کے طور پر پیش فرمائیں گے۔ اس کا اختتام بھی اسی مسئلے سے کیا جا رہا ہے۔

اے رسول! وہ وقت یاد کیجیے کہ جب ہر امّت سے ہم ایک گواہی دینے والا کھڑا کریں گے اور آپ کی امت پر آپ کو گواہ کے طور پر لایا جائے گا۔ ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہدایت کے متعلق ہر بات کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب مسلمانوں کے لیے سراسر ہدایت، رحمت اور خوشخبری بنا کر بھیجی گئی ہے۔ حدیث کی مقدس دستاویزات میں اس آیت کی تفسیر رسول اللہ ﷺ کی زبان اطہر سے یوں بیان ہوئی ہے کہ ایک دن آپ ﷺ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اے عبداللہ! میرا دل چاہتا ہے کہ آپ مجھے قرآن مجید کی تلاوت سنائیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے کہ اے رسول محترم! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں آپ کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کروں جب کہ قرآن مجید آپ پر نازل ہوا ہے۔ لیکن آپ ﷺ نے حکم دیا، میں تجھ سے قرآن مجید سننا چاہتا ہوں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کی جس کی تفصیل جاننے کے لیے حدیث کے مقدس الفاظ پڑھیں تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ نبی اکرم ﷺ اس آیت کو کس احساس کے ساتھ پڑھا اور سنا کرتے تھے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ يَحْيَى بَعْضُ الْحَدِيثِ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ قَالَ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ اقْرَأْ عَلَيَّ قُلْتُ آقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ فَإِنِّيْ أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِيْ فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ سُورَةَ النِّسَاءِ حَتّٰى بَلَغْتُ (فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا) قَالَ أَمْسِكْ فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ)) [رواه البخاری: کتاب التفسیر، فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول مکرم ﷺ نے مجھے فرمایا جب کہ آپ منبر پر تشریف فرما تھے۔ اے عبداللہ! میرے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کرو۔ میں نے عرض کیا میں آپ کو پڑھ کر سناؤں؟ جبکہ آپ پر قرآن نازل ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں پسند کرتا ہوں کہ کسی دوسرے سے قرآن مجید سنوں۔ پھر میں نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کر دی۔ جب میں اس آیت پر پہنچا ''اس وقت کیا حال ہوگا۔ جب ہم ہر امّت سے گواہ لائیں گے اور تجھے ہم ان پر بطور گواہ لائیں گے۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا اب بس کیجیے۔ میں نے آپ کی طرف نظر اٹھائی تو آپ کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہہ رہے تھے۔

مسائل

۱۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر امت سے ایک گواہ پیش کرے گا۔

۲۔ نبی اکرم ﷺ کو آپ کی امت پر گواہ بنایا جائے گا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر ایسی کتاب نازل فرمائی جو ہدایت کے متعلق جو ہر بات کھول کر بیان کرنے والی ہے۔

۴۔ قرآن مجید مسلمانوں کے لیے باعثِ ہدایت، رحمت اور خوشخبری ہے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء علیہم السلام کی شہادت:

۱۔ اس دن ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے۔(النحل:۸۹)

۲۔ جس دن ہم اٹھائیں گے ہر امت سے گواہ پھر کفار کو اجازت نہ دی جائے گی۔(النحل:۸۴)

۳۔ تا کہ رسول تم پر گواہ ہو اور اور تم لوگوں پر۔(البقرۃ:۱۴۳)

۴۔ تا کہ رسول تم پر اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔(الحج:۷۸)

اِنَّ	اللّٰهَ	يَاْمُرُ	بِالْعَدْلِ	وَالْاِحْسَانِ	وَاِيْتَآئِ	ذِي
یقیناً	اللہ	حکم دیتا ہے	عدل کا	اوراحسان کا	اور دینے کا	ساتھ
الْقُرْبٰى	وَيَنْهٰى	عَنِ	الْفَحْشَآءِ	وَالْمُنْكَرِ	وَالْبَغْيِ	يَعِظُكُمْ
قربت دار	اور وہ روکتا ہے	سے	بے حیائی	اور برے کام	اور سرکشی	وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے
لَعَلَّكُمْ	تَذَكَّرُوْنَ ۝					
تاکہ تم	نصیحت حاصل کرو					

”یقیناً اللہ عدل، احسان اور قرابت دار کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برائی اور سرکشی سے منع کرتا ہے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔“ (۹۰)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ، اللہ کی رحمت اور ایمان لانے والوں کے لیے خوشخبری ہے ان لوگوں کے لیے جو درج ذیل ہدایات پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

قرآن مجید کی یہ آیات مبارکہ ان آیات میں شامل ہے جو انتہائی جامع احکامات کی حامل ہیں۔ اس کی جامعیت کے پیش نظر خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے اپنے دورِ حکومت میں خطباء کو ہدایت کی تھی کہ وہ اسے ہر خطبۂ جمعہ میں پڑھا کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے تین باتوں کا حکم فرمایا اور تین کاموں سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تمہیں نصیحت کی جاتی ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔ اب نصائح کا مختصر مفہوم پیش کیا جاتا ہے۔

عدل:

۱۔ پہلا حکم عدل کے بارے میں دیا گیا ہے جس کا صحیح اور حقیقی معنٰی یہ ہے کہ ہر کسی کو اس کا اصولی حق دیا جائے۔ یہ عدل کا بنیادی اصول ہے۔ ہمارے ہاں عدل کے لیے انصاف کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے جو شریعت کا منشا پورا نہیں کرتی۔ کیونکہ انصاف کا معنٰی ہے کسی چیز کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا۔ گویا کہ کسی چیز کو نصف نصف کر دینے کا نام انصاف ہے۔ اسلام کا عدالتی نظام یہ ہے کہ حقدار کو اس کا پورا پورا حق دیا جائے۔ جس کے بارے میں رسول معظم ﷺ نے یہاں تک فرمایا ہے:

”حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میں انسان ہوں اور تم میرے پاس فیصلے لاتے ہو۔ شاید تم میں سے کچھ لوگ دوسروں کی نسبت اپنا مؤقف بیان کرنے میں زیادہ فصیح ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ میں اس کی بات سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔ جس شخص کو اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ دوں تو وہ اُسے ہرگز قبول نہ کرے۔ بلاشبہ میں اسے دوزخ کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں۔“ [رواہ البخاری: باب موعظۃ الامام للخصوم]

الاحسان:

حدیث کی مقدس دستاویزات میں احسان کے دو مفہوم بیان ہوئے ہیں۔

''انسان اللہ کی عبادت اس طرح کرے جیسے وہ خود اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ یہ ممکن نہیں تو اسے یہ یقین ضرور ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔'' [رواہ البخاری: کتاب الایمان]

حقوق العباد میں احسان کا مفہوم یہ ہے کہ انسان دوسرے کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے عدل کے بجائے شفقت اور نرمی کا مظاہرہ کرے

ایتائے ذی القربیٰ:

اس آیت مبارکہ میں پہلے عدل کا حکم دیا گیا پھر احسان کرنے کی تلقین فرمائی اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ احسان کے حقدار سب سے پہلے انسان کے قریبی رشتہ دار ہیں اگر احسان کرنے کے بارے میں قرآن مجید کی متعین کردہ فہرست کا خیال رکھا جائے تو دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا انسان ہو جس کا قریبی یا قدرے دور کا کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو گویا کہ قرآن مجید ایک نظم کے تحت احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔ تاکہ اسلامی معاشرے میں کوئی شخص محرومیت کا شکار نہ ہونے پائے۔ اگر کسی کا قریبی رشتہ دار نہ ہو تو اس کا دور کا رشتہ دار ہی اقرب قرار پائے گا۔

کسی سے تعاون کرنے کی ترتیب:

''حضرت بہز بن حکیم اپنے باپ اور وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا اے اللہ کے رسول! نیکی کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیری ماں۔ پھر تیری ماں۔ پھر تیری ماں۔ پھر تیرا باپ۔ پھر قریب والا پھر اس کے قریب والا۔'' [رواہ أبوداؤد: کتاب الأدب، باب فی برالوالدین]

محرمات:

مذکورہ بالا فرمان میں تین کاموں کا حکم دینے کے بعد تین برائیوں سے منع کیا گیا ہے۔ جس میں پہلی برائی فحش اور بے حیائی ہے۔ محرمات میں سب سے پہلے چھوٹی برائی سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ جب کوئی چھوٹی برائی سے بچنے کی کوشش کرے گا تو اس کے لیے بڑی برائی سے بچنا آسان ہوگا۔ اس لیے پہلے ہر قسم کی بے حیائی سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ بے حیائی سے مراد ہر وہ حرکت ہے جسے شریف لوگ برا سمجھتے ہوں۔

بے شک شریعت میں اس کے بارے میں واضح حکم نہ پایا جاتا ہو۔ ایسے کاموں کی ہر معاشرے میں مثالیں پائی جاتی ہیں رسول کریم ﷺ کے دور میں اور آج بھی کچھ عربوں کے ہاں یہ رواج ہے کہ جس شخص کو رشتہ درکار ہو وہ لڑکی کے والد سے براہِ راست رشتے کا سوال کرتا ہے لیکن ہمارے معاشرے میں اسے بے حیائی سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے ایسی حرکت سے اجتناب کرنا

چاہیے۔ بہر حال شریعت کے معیار کے علاوہ ہر معاشرے میں بے حیائی کا ایک معیار خود بخود مقرر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا شریعت کی وضع کردہ بے حیائی سے بچنا فرض ہے۔ اور معاشرے کی ناپسندیدہ باتوں سے اجتناب کرنا شرافت اور عقلمندی کی دلیل ہے۔

المنکر :

منکر سے مراد ہر وہ گناہ ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے بے شک وہ چھوٹا گناہ ہو یا بڑا گناہ۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ لوگو! کھلی اور پوشیدہ برائی کے قریب نہ جاؤ۔ (الانعام:۱۵)

البغی :

بغی سے مراد ایسا گناہ جس میں زیادتی کا عنصر بھی شامل ہو۔ اس میں ہر قسم کی زیادتی اور گناہ شمار ہوگا۔ منکر سے رک جانے کا حکم دے کر مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ معاشی، معاشرتی اور اخلاقی زیادتیوں سے روک دیا گیا ہے۔

یہ ہے اسلامی معاشرے کے حسن و جمال کا ایک خاکہ۔ اس لیے خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے حکم دیا تھا کہ ہر خطیب اپنے خطبہ میں اس آیت کی تلاوت کا اہتمام کیا کرے۔ تاکہ لوگوں کے ذہن میں ہر وقت اسلامی معاشرے کا تصور تازہ رہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ احسان کا حکم فرماتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ تعاون کرنے کا حکم دیتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ بے حیائی اور برائی اور ظلم و سرکشی سے روکتا ہے۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ کی نصیحت کو قبول کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں عدل کا حکم اور بے حیائی کی حرمت :

۱۔ یقیناً اللہ تمہیں عدل اور احسان اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ تعاون کا حکم دیتا ہے، بے حیائی اور برائی سے روکتا ہے۔ (النحل:۹۰)

۲۔ نبی اکرم کو حکم دیا گیا کہ آپ لوگوں کے درمیان عدل قائم کریں۔ (الشوریٰ:۱۵)

۳۔ عدل کرو یہ تقویٰ کے قریب تر ہے۔ (المائدۃ:۸) ۶۔ بے حیائی والے کاموں کے قریب نہ جاؤ۔ (الانعام:۱۵۱)

۴۔ جب بات کرو تو عدل و انصاف کی کرو اگرچہ اپنے قریبی رشتہ دار ہی کے خلاف کیوں نہ ہوں۔ (الانعام:۱۵۲)

۵۔ جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کا کرو۔ (النساء:۵۸)

۷۔ اللہ نے یقیناً بے حیائی کو حرام قرار دیا ہے۔ (الاعراف:۳۳)

وَاَوْفُوْا	بِعَهْدِ	اللّٰهِ	اِذَا	عٰهَدْ تُّمْ	وَلَا	تَنْقُضُوا
اور تم پورا کرو	عہد	اللہ کا	جب	تم عہد کرو	اور نہ	تم توڑو
الْاَيْمَانَ	بَعْدَ	تَوْكِيْدِهَا	وَ	قَدْ	جَعَلْتُمُ	اللّٰهَ	عَلَيْكُمْ
قسمیں	بعد	ان کے پختہ کر لینے کے	اور	تحقیق	تم نے بنالیا ہے	اللہ	تم پر
كَفِيْلًا ؕ	اِنَّ	اللّٰهَ	يَعْلَمُ	مَا	تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾
ضامن	یقیناً	اللہ	وہ جانتا ہے	جو	تم کرتے ہو

''اور اللہ کا عہد پورا کرو، جب آپس میں عہد کرو اور پختہ قسمیں اٹھاؤ تو ان کو نہ توڑو کیونکہ تم نے اللہ کو ان پر ضامن بنایا ہے۔ یقیناً اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔''(۹۱)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ اللہ تعالیٰ کے ارشادات پر عمل کرنا اور اس کی نافرمانی کے کاموں سے رکنا حقیقت میں ایک عہد ہے جس کی پاسداری ہر شخص پر لازم ہے۔

پہلا عہد وہ عہد ہے جو کلمۂ طیبہ کے الفاظ میں ہر مسلمان اپنے رب سے کرتا ہے یہ اس عہد کی تجدید اور اعادہ ہے جو ازل کے دن قَالُوْا بَلٰی کہہ کر ہر انسان نے اپنے رب کے ساتھ کیا تھا۔ جس کی عہد شکنی کرنا کفر ہے۔ دوسرا عہد وہ ہے جو ایک انسان یا افراد ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس عہد کی پاسداری کرنا بھی ہر کسی پر لازم ہے۔ قسم اٹھانا بھی عہد کی ایک صورت ہے۔ بلکہ یہ پختہ عہد ہوتا ہے۔ اس کی پاسداری کا یہ کہہ کر حکم دیا گیا ہے کہ خاص کر جب تم اللہ کی قسم اٹھاؤ تو قسم کا احترام کرو۔ اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ تم اپنے معاملات میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا رہے ہو۔ لہٰذا تمہاری اخلاقی اور دینی ذمہ داری ہے کہ تم اس عہد پر پکے رہو اور یاد رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے اچھی طرح جانتا ہے۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَا خَطَبَنَا نَبِيُّ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَّا قَالَ لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ))[رواہ احمد]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی ہمیں خطبہ دیا فرمایا جو امانت دار نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں اور جو شخص وعدہ پورا نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ اور لوگوں سے کیا ہوا عہد ہر حال میں پورا کرنا چاہیے۔ ۲۔ پختہ قسم کو توڑنا گناہ ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کے اعمال کو جانتا ہے۔

وَلَا	تَكُوْنُوْا	كَالَّتِيْ	نَقَضَتْ	غَزْلَهَا	مِنْۢ	بَعْدِ
اور نہ	ہو تم	اس عورت کی مانند	جس نے توڑ ڈالا	اپنا کاتا ہوا	سے	بعد
قُوَّةٍ	اَنْكَاثًا ؕ	تَتَّخِذُوْنَ	اَيْمَانَكُمْ	دَخَلًاۢ	بَيْنَكُمْ	اَنْ
مضبوطی	ٹکڑے ٹکڑے	تم بناتے ہو	اپنی قسموں کو	دھوکا دینے کا ذریعہ	آپس میں	یہ کہ
تَكُوْنَ	اُمَّةٌ	هِيَ	اَرْبٰى	مِنْ	اُمَّةٍ ؕ	اِنَّمَا
ہو جائے	ایک امت	وہ	بڑھی ہوئی ہو	سے	امت	صرف
يَبْلُوْكُمُ	اللّٰهُ	بِهٖ ؕ	وَلَيُبَيِّنَنَّ	لَكُمْ	يَوْمَ	الْقِيٰمَةِ
تمہیں آزماتا ہے	اللہ	اس کے ساتھ اور	وہ ضرور بیان کرے گا	تمہارے لیے	دن	قیامت
مَا	كُنْتُمْ	فِيْهِ	تَخْتَلِفُوْنَ ۝۹۲			
وہ چیز کہ	تم تھے	اس میں	اختلاف کرتے			

”اورتم اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے سوت کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا تم اپنی قسموں کو اپنے دھوکہ دہی کا ذریعہ بناتے ہو، اس لیے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے بڑھ جائے، اللہ تمہیں اس کے ساتھ آزماتا ہے اور قیامت کے دن تم پر ضرور واضح کرے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔“ (۹۲)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔عہد کو توڑنا اور قسم کا احترام نہ کرنا اپنے اچھے کردار کی نفی کرتا ہے۔

انسان کتنا ہی صاحبِ کردار اور باوقار کیوں نہ ہو جب دوسرے سے کیے ہوئے عہد کو توڑتا ہے اور اپنی قسم کا خیال نہیں رکھتا تو ایسا شخص اس حد تک لوگوں کی نظروں میں گر جاتا ہے کہ لوگ نہ صرف اس کے صالح کردار کی نفی کرتے ہیں بلکہ اس کی نماز روزہ کو بھی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔لوگوں کو ایسے شخص سے اس قدر نفرت ہو جاتی ہے کہ اس کا نام سنتے ہی لوگ اسے بے ایمان کہتے ہیں۔ایسا شخص قسم کی بے حرمتی اور عہد شکنی کی وجہ سے اپنے ماضی کے اچھے کردار کی نفی کر بیٹھتا ہے۔اس شخص کی مکہ کی اس عورت (یہ کوئی خاص عورت تھی یا ویسے ہی بطور مثال ذکر ہوا ہے) کے ساتھ مثال دی جا رہی ہے جس کا دماغی توازن ٹھیک نہ تھا۔وہ سارا دن سوت کاتنے کے بعد مغرب کے بعد خود ہی اسے ریزہ ریزہ کر دیتی تھی۔عہد توڑنے اور اپنی قسم کی پاسداری نہ کرنے والے کا یہی حال ہوتا ہے۔عام طور پر عہد شکنی اور قسم کی بے حرمتی آدمی اس وقت کرتا ہے جب وہ دوسرے کی مخالفت یا کسی فائدہ کے لالچ میں حد سے گزر جاتا ہے۔اس لیے ایسی حرکت سے سختی کے ساتھ منع کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تم ایک دوسرے کو نیچا دکھانے یا ایک دوسرے سے بڑھ کر فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرو۔ایسے کاموں سے تجھے رُک جانا چاہیے

جولوگ کسی معاملہ میں غلط ہونے کے باوجود جھوٹی قسم اٹھاتے ہیں انہیں سمجھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاملات میں آزماتا ہے کہ تم کس حد تک اپنی قسموں کا خیال اور اپنے درمیان عہد کی پاسداری کرتے ہو۔ اگر تم باز نہیں آؤ گے تو قیامت کے دن تمہارے اختلافات کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ الْکَبَائِرُ الإِشْرَاکُ بِاللّٰہِ ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَیْنِ ، وَقَتْلُ النَّفْسِ ، وَالْیَمِینُ الْغَمُوسُ))[رواہ البخاری: باب الْیَمِینِ الْغَمُوسِ]

''حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی قسم اُٹھانا کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے عہد اور قسم کو نہ توڑو۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے۔

۳۔ قیامت کے دن لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے گا:

۱۔ بے شک تیرا رب قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔(یونس:۹۳)

۲۔ اللہ ان کے معاملات کا فیصلہ فرمائے گا۔(البقرۃ:۲۱۰)

۳۔ یقیناً اللہ تمہارے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ فرمائے گا۔(النحل:۷۸)

۴۔ اللہ عدل وانصاف کا فیصلہ فرماتا ہے۔(المومن:۲۰)

۵۔ اللہ ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔(یونس:۵۴)

۶۔ اللہ قیامت کے دن تمہارے اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا۔(الحج:۶۹)

۷۔ اللہ قیامت کے دن عدل وانصاف کا ترازو قائم فرمائے گا۔(الانبیاء:۴۷)

۸۔ یقیناً اللہ تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا جو تم اختلاف کرتے تھے۔(الزمر:۳)

۹۔ اللہ قیامت کے دن تمہارے اختلاف کا فیصلہ فرمائے گا۔(البقرۃ:۲۱۳)

۱۰۔ اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور کافر مومنوں پر کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔(النساء:۱۴۱)

وَلَوْ	شَآءَ	اللّٰهُ	لَجَعَلَكُمْ	اُمَّةً	وَّاحِدَةً	وَّلٰكِنْ
اور اگر	چاہتا	اللہ	تو بنا دیتا تمہیں	امت	ایک	اور لیکن

يُّضِلُّ	مَنْ	يَّشَآءُ	وَ	يَهْدِيْ	مَنْ	يَّشَآءُ ؕ
وہ گمراہ کرتا ہے	جسے	چاہتا ہے	اور	وہ ہدایت دیتا ہے	جسے	چاہتا ہے

وَلَتُسْئَلُنَّ	عَمَّا	كُنْتُمْ	تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾
اور تم ضرور پوچھے جاؤ گے ان کے متعلق		تھے تم	تم عمل کرتے

''اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تمہیں ضرور پوچھے گا جو تم کرتے تھے۔'' (۹۳)

فہم القرآن

دنیوی مفاد اور باہمی اختلاف کی وجہ سے عہد توڑنا اور قسم کی بے حرمتی کرنا گمراہ لوگوں کا کام ہے۔ لوگ دنیوی مفاد اور باہمی اختلاف میں آکر اللہ کی نازل کردہ ہدایت کو بھول جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو انتباہ کرنے اور ہدایت یافتہ لوگوں کو تسلی دینے کے لیے فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت میں سب کو ہدایت دینا لازم ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ با اختیار اور طاقتور ہے کہ تمام انسانوں کو ہدایت یافتہ بنا دیتا اور پوری دنیا کے انسان بہترین کردار کے حامل اور ایک ہی امت قرار پاتے۔ لیکن ''اللہ'' نے ہدایت اور گمراہی کے اختیار کرنے میں انسان کو کھلا چھوڑ دیا ہے۔ جو لوگ ہدایت واضح ہونے کے باوجود گمراہی اختیار کریں گے اللہ تعالیٰ ضرور ان سے پوچھ گچھ کرے گا۔

یہ بات کئی مرتبہ بیان کی جا چکی ہے کیونکہ ہدایت اور گمراہی بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ان کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ جسے چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے گمراہ کرے۔

ہدایت کی طلب اور اس پر استقامت کی دعا کرنا چاہیے:

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ (اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰى))) [رواہ مسلم: باب التَّعَوُّذِ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلَ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ يَعْمَلْ]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ ''اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، پاکیزگی اور استغناء کا طلب گار ہوں۔''

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ

اور نہ تم بناؤ اپنی قسموں کو دھوکا دینے کا ذریعہ آپس میں کہ ڈگمگا جائے قدم

بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ

بعد اس کے جمنے کے اور تم چکھو سزا اس وجہ سے تم نے روکا سے

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا

راستے اللہ اور تمہارے لیے عذاب بہت بڑا اور نہ تم خریدو

بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ

عہد کے بدلے اللہ قیمت تھوڑی صرف ہاں اللہ

’’اور تم اپنی قسموں کو اپنے درمیان فریب کا ذریعہ نہ بناؤ، ایسا نہ ہو کہ قدم جمنے کے بعد پھسل جائے اور تم برائی کا خمیازہ چکھو، اس کے بدلے جو تم نے اللہ کی راہ سے روکا اور تمہارے لیے بہت بڑا عذاب ہو۔‘‘ (۹۴) ’’اور اللہ کے عہد کے بدلے تھوڑی قیمت نہ لو، جو چیز اللہ کے پاس ہے

فہم القرآن

ربط کلام: دنیا کی خاطر اللہ کے نام کو بدنام اور اپنا ایمان برباد نہ کرو دنیا تو ختم ہونے والی ہے، اور جو اللہ تعالیٰ کے ہاں تمھارا صلہ ہے وہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔

انسان دنیوی مفاد کی خاطر جھوٹی قسم اس لیے کھاتا ہے کہ وہ نقصان سے بچ جائے یا اسے فائدہ پہنچے۔ اس برائی سے منع کرتے ہوئے سمجھایا ہے کہ جس جھوٹی انا اور دنیوی مفاد کی خاطر اپنے رب کے عظیم نام کو استعمال کرتے اور عملاً دین کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہو۔ اس پر غور کرو کہ یہ دنیا تو عارضی اور ختم ہو جانے والی ہے۔ اگر تم جھوٹی انا اور عارضی مفاد کے مقابلہ میں اخلاقی قدروں اور دین کے اصولوں پر قائم رہو تو اللہ کے ہاں اس کا نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ استقامت اور دنیا کا معمولی مفاد چھوڑنے کے بدلے اللہ تعالیٰ تمھیں ایسی حیاتِ طیبہ اور اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ جس کا تم دنیا کی زندگی میں تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق اور تخصیص نہیں ہے۔ دنیا میں حقوق و فرائض کے حوالے سے عورت اور مرد میں کچھ فرق ہے لیکن اجر و ثواب کے حوالے سے کوئی فرق نہیں۔ جہاں تک حیاتِ طیبہ کا تعلق ہے یہ آخرت میں ہی نہیں دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔ جو اپنے رب کے حکم اور اس کی رضا کی خاطر اخلاقی قدروں اور دین کے اصولوں کا خیال رکھے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے مرد اور عورت کو اپنی نعمتیں عطا کرنے کے ساتھ اسے معاشرے میں وہ احترام و مقام عطا فرماتا ہے جس کی لوگ مثال پیش کرتے ہیں۔

هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۹۵ مَا

وہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم ہو جانتے جو کچھ

عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ

پاس تمہارے وہ فنا ہو جائے گا اور جو پاس اللہ باقی رہنے والا ہے

وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا

اور البتہ ہم ضرور بدلا دیں گے ان لوگوں کو جنہوں نے صبر کیا ان کا اجر زیادہ اچھا ہے جو تھے وہ

يَعْمَلُوْنَ ۝۹۶ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ

عمل کرتے جو عمل کرے گا نیک سے مرد یا

وہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہوتے۔" (۹۵) "جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم انہیں ان کا اجر ضرور دیں گے، ان بہترین اعمال کے بدلے جو وہ کیا کرتے رہے۔" (۹۶) "جو بھی نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِيْنَ مَالَاعَيْنٌ رَأَتْ وَلَآ اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَاخَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ وَّاقْرَءُ وْٓا اِنْ شِئْتُمْ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ)) [رواه البخاری:باب ما جاء فی صفة الجنة]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں' میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں' جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی ان کے متعلق کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال آیا اگر تمہیں پسند ہو تو اس آیت کی تلاوت کرو' کوئی نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چیز چھپا کے رکھی گئی ہے۔"

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ [یونس:۵۸]

"آپ فرما دیں یہ اللہ کے فضل اور اس کی مہربانی سے نازل ہوئی ہے لہٰذا انہیں اس پر خوش ہونا چاہیے یہ اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کر رہے ہیں۔"

مسلمان کی دعا:

﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

[البقرة:۲۰۱]

"اور کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی سے نواز اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا لے۔"

أُنْثٰى	وَهُوَ مُؤْمِنٌ	فَلَنُحْيِيَنَّهٗ	حَيٰوةً طَيِّبَةً ج	وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ
عورت	اور وہ مومن ہو	پس ہم اس کو ضرور زندگی عطا کریں گے	زندگی پاکیزہ	اور البتہ ہم ضرور بدلہ دیں گے ان کو

اَجْرَهُمْ	بِاَحْسَنِ	مَا	كَانُوْا	يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾
ان کا اجر	زیادہ اچھا ہے	جو	تھے وہ	عمل کرتے

اور وہ مومن ہو تو ہم ضرور اسے پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ضرور انہیں ان کا بدلہ دیں گے ان اعمال کے مطابق جو وہ کیا کرتے تھے۔“(۹۷)

((عَنْ بُسْرِ بْنِ أَرْطَاةَ الْقُرَشِيِّ رضی اللہ عنہ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَدْعُو اللّٰهُمَّ أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا وَأَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ))[رواہ احمد]

”حضرت بسر بن ارطاۃ قرشی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا اے اللہ! ہمارے تمام معاملات کا انجام اچھا فرما اور ہمیں دنیا اور آخرت کی رسوائی سے محفوظ فرما۔“

مسائل

۱۔ قسموں کو مفاد اور فساد کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے۔

۲۔ اللہ کی راہ سے روکنے والوں کے لیے عذاب عظیم ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے عہد کو تھوڑے فائدے کے بدلے نہ بیچیں۔

۴۔ انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا۔

۵۔ صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا بہتر صلہ عطا فرمائے گا۔

۶۔ اچھے اعمال کرنے والوں کو دنیا میں بھی پاکیزہ زندگی سے نوازا جائے گا۔

۷۔ اچھے اعمال کرنے والوں کو قیامت کے دن ان کے اعمال کی بہترین جزا ملے گی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ بہترین اجر دینے والا ہے:

۱۔ ہم ان کو ان کے اعمال سے بہتر جزا دیں گے۔(النحل:۹۷)

۲۔ اللہ ان کو ان کے اعمال سے بہتر صلہ عطا فرمائے۔(الزمر:۳۵)

۳۔ ہم ان کے اعمال سے بہتر جزا دیں گے۔(العنکبوت:۷)

۴۔ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہتر صلہ اور اپنے فضل سے مزید عنایت فرمائے گا ۔(النور:۳۸)

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ
چنانچہ جب آپ پڑھنے لگیں قرآن تو پناہ طلب کریں اللہ کی سے شیطان

الرَّجِیْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَی الَّذِیْنَ
مردود بلاشبہ وہ نہیں اس کے لیے کوئی دلیل پر ان لوگوں

اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَی
جو ایمان لائے اور پر اپنے رب وہ بھروسہ کرتے ہیں صرف اس کا غلبہ پر

الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۱ ۱۳ ۱۹
ان لوگوں جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور وہ لوگ وہ اس کے ساتھ شرک کرنے والے

''پس جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں۔'' (۹۸) ''یقیناً حقیقت یہ ہے کہ اس کا ان لوگوں پر کوئی غلبہ نہیں جو ایمان لائے اور صرف اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔'' (۹۹) ''اس کا غلبہ تو صرف ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور جو اس (اللہ) کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔'' (۱۰۰)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سے پہلی آیات میں نیک مرد اور عورتوں کے اجر کا ذکر ہوا۔ اب بتلایا ہے کہ نیکی کے کاموں کا علم قرآن مجید کی تلاوت سے حاصل ہوگا۔ قرآن کی تلاوت اور نیکی کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اللہ کے حضور شیطان سے بچنے کی دعا کی جائے۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی عظیم، مقدس اور آخری کتاب ہے۔ اس سے استفادہ کرنے کے لیے ظاہری اور باطنی آداب مقرر کیے گئے ہیں۔ اگر انسان ان آداب کو ملحوظِ خاطر نہ رکھے تو وہ قرآنِ مجید جیسی عظیم اور مقدس کتاب سے کما حقہٗ فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اس کا حقیقی اور پہلا ادب یہ ہے، اسے ہدایت کے لیے پڑھا جائے اور اس کے بتلائے ہوئے اصولوں کے مطابق نہ صرف زندگی بسر کی جائے بلکہ اس کے منع کردہ امور سے کلی طور پر اجتناب کیا جائے۔ اس اصول کو قرآن نے ابتدا میں ہی واضح کر دیا ہے۔ یہ قرآن گناہوں سے پرہیز کرنے والوں کے لیے کتابِ ہدایت ہے (البقرہ: ۲) قرآن مجید کے ظاہری آداب میں پہلا ادب یہ ہے کہ اسے طہارت کی حالت میں پکڑا جائے اور اس کی تلاوت اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ کر کی جائے جو شخص ایمان اور طہارت کی حالت میں اس کی تلاوت اس نیت کے ساتھ کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی فرمائے تو اس پر شیطان زیادہ دیر تک غالب نہیں رہ سکتا۔

شیطان توان لوگوں پر غلبہ جماتا ہے جو اس سے دوستی اور تعلق قائم رکھتے اور اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ یہاں تلاوتِ قرآن مجید سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھنے کا حکم ہے۔ ذراغور فرمائیں ایک شخص پاک جسم اور صاف نیت سے تلاوتِ قرآن سے پہلے نہایت عاجزی کے ساتھ تعوذ کے معنی کو سامنے رکھتا ہوا اس نیت کے ساتھ تلاوت کرتا ہے کہ الٰہی اس کتابِ مقدس کے ذریعے اپنی رحمت سے میری رہنمائی فرما اس پر شیطان کس طرح غلبہ جما سکتا ہے؟

تعوذ کا معنیٰ:

عوذ چوپائے کے چھوٹے بچے کو کہتے ہیں جو اتنا چھوٹا ہو کہ پوری طرح اپنے پاؤں پر چل کر ماں کا دودھ نہ پی سکے۔ وہ گرتا اور سنبھلتا ہوا ماں کے تھنوں تک پہنچے۔ گویا کہ بندہ شیطان کے مقابلے میں اس قدر کمزور ہے جس لیے وہ اللہ کی پناہ کی درخواست کرتا ہے۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت تعوذ پڑھنا لازم ہے۔ ۲۔ ایمان والے شیطان کے داؤ سے بچ نکلتے ہیں۔

۳۔ ایمان والے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں۔ ۴۔ شیطان کا داؤ انہی پر چلتا ہے جو اسے اپنا دوست بنائے رکھتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہیے:

۱۔ ایمان والے اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ (النحل:۹۹)

۲۔ میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور توکل کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (یوسف:٦٧)

۳۔ اے نبی! فرما دیجیے مجھے اللہ ہی کافی ہے اسی پر توکل کرنے والے توکل کرتے ہیں۔ (الزمر:۳۸)

۴۔ اللہ پر توکل کرو اگر تم مومن ہو۔ (المائدۃ:۲۳)

۵۔ جب کسی کام کا ارادہ کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (آل عمران:۱۵۹)

٦۔ ہمیشہ زندہ رہنے والے اللہ پر توکل کرو جسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ (الفرقان:۵۸)

۷۔ اگر اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر توکل کرو۔ (یونس:۸۴)

۸۔ مومنوں پر جب قرآنی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ (الانفال:۲)

وَ	اِذَا	بَدَّلْنَآ	اٰيَةً	مَّكَانَ	اٰيَةٍ	وَّاللّٰهُ
اور	جب	ہم بدلتے ہیں	ایک آیت	بجائے	آیت	اور اللہ

اَعْلَمُ	بِمَا	يُنَزِّلُ	قَالُوْٓا	اِنَّمَآ	اَنْتَ	مُفْتَرٍ
وہ خوب جانتا ہے	اس چیز کو جو	وہ نازل کرتا ہے	انہوں نے کہا	یقیناً	تو	گھڑنے

بَلْ	اَكْثَرُهُمْ	لَا	يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۱
بلکہ	اکثر ان کے	نہیں	جانتے

''اور جب ہم ایک آیت دوسری آیت کی جگہ لاتے ہیں اور اللہ زیادہ جاننے والا ہے جو وہ نازل کرتا ہے، تو وہ کہتے ہیں تو اپنی طرف سے گھڑنے والا ہے بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔'' (۱۰۱)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآن مجید کے بارے میں ایک وضاحت اور اس حوالے سے نبی ﷺ پر لگائے جانے والے الزام کی تردید۔

کفار اور اہلِ کتاب کو قرآن مجید پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اس کی بعض آیات اور احکام میں ردوبدل کیوں پایا جاتا ہے۔ اس اعتراض کا یہاں اس طرح جواب دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی آیات اور احکام میں جو ردوبدل فرماتا ہے اس کی حکمت کما حقہ وہی جانتا ہے۔ البتہ اس کے پیچھے لوگوں کی خیر خواہی مقصود ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے حالات کے مطابق اپنے احکام میں ردّوبدل نہ فرمائے تو اس سے لوگوں کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ سورۃ البقرۃ آیت ۱۰۶، میں اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم کوئی آیت منسوخ کریں یا اس سے ملتی جلتی دوسری آیت لے آئیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا انتخاب اور اس کا اختیار ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر بات پر اختیار رکھتا ہے۔ یہ حاکم مطلق کی مرضی اور مشیت ہے کہ شریعت کے جس حکم کو چاہے معطل، منسوخ یا اس میں ردّوبدل فرمائے۔ اس میں مخلوق کا نہ تو عمل دخل ہے اور نہ ہی کسی کو اعتراض کرنے کی گنجائش ہے۔ یہاں تک کہ رسول ﷺ بھی اس میں زیر وزبر کی تبدیلی کا اختیار نہیں رکھتے تھے یہ قادر مطلق اور شہنشاہِ عالم کا اختیار ہے کہ وہ اپنے حکم کو جس طرح چاہے، جب چاہے اور جس قدر چاہے اس میں تبدیلی کرے لیکن اس کے باوجود قرآن مجید کے منکر رسول محترم ﷺ پر یہ الزام لگاتے تھے کہ آپ ﷺ نے یہ قرآن مجید خود گھڑ لیا ہے۔ کیونکہ ان کے اس الزام کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ اس لیے اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ لوگوں کی اکثریت آیات اور احکام کے ردّوبدل کی حکمت نہیں جانتی جس وجہ سے وہ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ قرآن مجید اپنی طرف سے بنا لیتے ہیں۔ حالانکہ الزام لگانے والوں کو بارہا دفعہ چیلنج کیا گیا کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تمام کے تمام مل کر اس جیسی چھوٹی

سے چھوٹی سورت بنالاؤ۔

تبدیلی اور نسخ کا فائدہ:

نسخ کا معنیٰ ہے کسی بات کو مٹانا یا اس کا ازالہ کرنا۔ اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) ایک حکم خاص مدت کے لیے ہو، دوسری مدت کے لیے دوسرا حکم نازل ہو جائے۔

(۲) تربیت اور خاص مصلحت کی خاطر پہلے حکم میں نرمی اور کچھ گنجائش ہو بعد ازاں مکمل اور دائمی حکم نازل کر دیا جائے۔ جس طرح شراب کی حرمت، قبلہ کی تبدیلی اور دوسرے معاملات کے بارے میں تدریجاً احکامات نازل ہوئے۔ قرآن مجید میں اس کے برعکس بھی مثال موجود ہے کہ قتال کے سلسلہ میں پہلا حکم سخت تھا لیکن اس کے بعد اس میں نرمی کر دی گئی۔

(۳) پہلا حکم لوگوں کی خاص حالت کے بارے میں ہو بعد ازاں حالات کی تبدیلی کی وجہ سے اسے کلیۃً منسوخ کر دیا جائے اور اس کی جگہ اس سے ملتا جلتا یا اس سے جامع اور کثیر المقاصد حکم نازل کر دیا جائے۔

قرآن مجید میں تینوں اقسام کی امثال موجود ہیں۔ جن علماء نے ان تینوں اقسام کو ناسخ اور منسوخ میں شامل کیا ہے انہوں نے درجنوں آیات کو اس زمرہ میں شامل کر دیا حالانکہ ناسخ، منسوخ کو حقیقی اور کلی معنوں میں لیا جائے تو ان کی تعداد چند آیات سے زیادہ نہیں ہے۔ اس بنا پر شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے صرف پانچ آیات کو منسوخ شمار کیا ہے۔ (الفوز الکبیر: شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے احکام منسوخ کرنے یا ان میں ردّ و بدل کرنے کا پورا حق ہے۔

۲۔ زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مِلک ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کے اِذن کے بغیر کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔

تفسیر بالقرآن

لوگوں کی اکثریت دین کے بارے میں بے علم اور ناسمجھ ہوتی ہے:

۱۔ اکثر ان کے بے علم ہیں۔ (النحل: ۱۰۱)

۲۔ اللہ تعالیٰ آیات اتارنے پر قادر ہے لیکن اکثر بے خبر ہیں۔ (الانعام: ۳۷)

۳۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف: ۲۱)

۴۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر بے خبر ہیں۔ (الروم: ۴۰)

۵۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں۔ (النحل: ۳۸)

۶۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (الروم: ۶)

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ
فرمادیں اس نے نازل کیا ہے جبریل نے سے آپ کا رب حق کے ساتھ
لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾
تا کہ وہ ثابت رکھے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور ہدایت ہے اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے

”فرمادیں اسے جبریل نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا ہے، تا کہ ان لوگوں کو ثابت قدم رکھے جو ایمان لائے اور فرمابرداروں کیلیے ہدایت اور خوشخبری ہو۔“ (۱۰۲)

فہم القرآن

ربط کلام: منکرین قرآن کے ایک اور الزام کا جواب۔

کفار یہ کہہ کر قرآن مجید کا انکار کرتے تھے کہ اس نبی نے اسے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ جبکہ اہل کتاب کا یہ اعتراض تھا کہ اس رسول پر قرآن لانے والا جبریل علیہ السلام ہے جس کے ساتھ ہماری پرانی دشمنی ہے۔ یہودی یہاں تک ہرزہ سرائی کرتے ہیں کہ جبریل ظالم اور خائن فرشتہ ہے۔ اس نے ہماری کئی نسلوں کو تباہ کیا جو جبریل علیہ السلام کی ہم پر کھلی زیادتی ہے۔ سورۃ البقرہ آیت ۹۷، ۹۸ میں اس ہرزہ سرائی کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ”اے اللہ کے رسول! آپ فرمادیں جو جبریل کا دشمن ہو وہ اللہ، اس کے ملائکہ، اس کے رسولوں اور میکائیل کا دشمن ہے۔“ جہاں تک جبریل امین علیہ السلام کا تعلق ہے اس نے اللہ کے حکم سے اس قرآن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر نازل کیا ہے جو مومنوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ اور سراسر خوشخبری ہے۔ یہاں حضرت جبریل علیہ السلام کو روح القدس قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق لے کر آیا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے ایمان کو مضبوط بنائے۔ قرآن مجید اپنے ماننے والوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ اور خوشخبری کا پیغام ہے۔ حق سے مراد قرآن مجید ہے۔ جو دلائل، الفاظ، انداز اور اپنے احکام کے حوالے سے سچائی کا سرچشمہ اور حق کا ترجمان ہے۔ اسے نازل کرنے والا اور لانے والا فرشتہ سچا ہے۔ روح القدس کا معنٰی ”پاکیزہ روح“ یعنی وہ شخصیت جس کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی غلطی، زیادتی، بھول اور خیانت سے پاک پیدا کیا ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ فرشتے کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ہر قسم کی آلائش اور غلطی سے پاک پیدا کیا ہے۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام تمام ملائکہ کے سردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے اعزاز اور مقام بخشا کہ وہ تمام انبیاء علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ کے احکام لاتے اور پاک باز اور عظیم ترین ہستیوں سے بار بار شرف ملاقات پاتے رہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو مختلف القابات سے نوازا ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام کے پَر اور شخصیت:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ رَأٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم جِبْرِيْلَ فِيْ صُوْرَتِهٖ وَلَهٗ سِتُّمِائَةِ جَنَاحٍ كُلُّ جَنَاحٍ

مِّنْهَا قَدْ سَدَّ الْأُفُقَ يَسْقُطُ مِنْ جَنَاحِهِ مِنَ التَّهَاوِيْلِ وَالدُّرِّ وَالْيَاقُوتِ مَا اللّٰهُ بِهِ عَلِيْمٌ))[رواہ احمد]

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو اس کی اصلی حالت میں دیکھا اس کے چھ سو پر تھے۔ ہر پر نے آسمان کے کناروں کو ڈھانپ رکھا تھا۔ اس کے پروں سے سرخ، زرد اور سبز رنگ کے موتی اور یاقوت گر رہے تھے۔ جن کے حسن و جمال کے بارے میں صرف اللہ ہی جانتا ہے۔''

قَالَ جَابِرٌ رضی اللہ عنہ أُحَدِّثُكُمْ مَا حَدَّثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ جَاوَرْتُ بِحِرَاءٍ شَهْرًا فَلَمَّا قَضَيْتُ جِوَارِي نَزَلْتُ فَاسْتَبْطَنْتُ بَطْنَ الْوَادِي فَنُودِيتُ فَنَظَرْتُ أَمَامِي وَخَلْفِي وَعَنْ يَمِينِي وَعَنْ شِمَالِي فَلَمْ أَرَ أَحَدًا ثُمَّ نُودِيتُ فَنَظَرْتُ فَلَمْ أَرَ أَحَدًا ثُمَّ نُودِيتُ فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَإِذَا هُوَ عَلَى الْعَرْشِ فِي الْهَوَاءِ يَعْنِي جِبْرِيلَ علیہ السلام فَأَخَذَتْنِي رَجْفَةٌ شَدِيدَةٌ فَأَتَيْتُ خَدِيجَةَ فَقُلْتُ دَثِّرُونِي فَدَثَّرُونِي فَصَبُّوا عَلَيَّ مَاءً فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ (يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ)[رواہ مسلم:باب بدء الوحی الی رسول اللہ]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں تمہیں وہ حدیث سناتا ہوں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی آپ نے فرمایا میں ایک مہینے کے لیے غارِ حرا میں گوشہ نشینی اختیار کی جب میں نے ایک مہینہ کی میعاد پوری کر لی تو میں وادی کی طرف اترا تو مجھے آواز دی گئی میں نے اپنے سر کو اٹھایا تو جبرائیل امین کو ہوا میں عرش پر بیٹھے ہوئے پایا تو مجھے سخت خوف لاحق ہوا میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے چادر اُڑھا دو اور مجھ پر پانی بہاؤ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں (يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو بذریعہ جبریل امین علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔

۲۔ قرآن مجید مسلمانوں کے لیے باعثِ ہدایت و بشارت ہے۔

۳۔ قرآن مجید کی آیات کو نازل کرنے کا مقصد مومنوں کو ثابت قدم رکھنا ہے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت جبریل علیہ السلام کے اوصاف اور القابات:

۱۔ آپ فرما دیں کہ اسے روح القدس نے آپ کے پروردگار کی طرف سے حق کے ساتھ اتارا ہے۔(النحل:۱۰۲)

۲۔ قرآن مجید کو روح الامین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا ہے۔(الشعراء:۱۹۳) ۳۔ جبریل امین ملائکہ کے سردار ہیں۔(التکویر:۲۱)

۴۔ شب قدر کی رات فرشتے اور روح (جبریل) اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں۔(القدر:۴)

۵۔ اور ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کی روح القدس سے مدد کی۔(البقرۃ:۸۷) ٦۔ جبریل امین مقرب ترین فرشتہ ہے۔(النجم:۸)

۷۔ جبریل امین طاقتور فرشتہ ہے۔(النجم:۵) ۸۔ جبریل امین نے آپ کے قلبِ اطہر پر قرآن اتارا ہے۔(البقرۃ:۹۷)

وَلَقَدْ	نَعْلَمُ	اَنَّهُمْ	يَقُوْلُوْنَ	اِنَّمَا	يُعَلِّمُهٗ
اور البتہ تحقیق	ہم جانتے ہیں	کہ یقیناً وہ	وہ کہتے ہیں	صرف	وہ سکھاتا ہے اس کو
بَشَرٌ ؕ	لِسَانُ	الَّذِيْ	يُلْحِدُوْنَ	اِلَيْهِ	اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا
ایک آدمی	زبان	اس شخص کی	غلط نسبت کرتے ہیں	اس کی طرف	عجمی اور یہ
لِسَانٌ	عَرَبِيٌّ	مُّبِيْنٌ ۝	اِنَّ	الَّذِيْنَ	لَا يُؤْمِنُوْنَ
زبان	عربی	واضح	یقیناً	وہ لوگ	نہیں وہ ایمان لاتے
بِاٰيٰتِ	اللّٰهِ ۙ	لَا	يَهْدِيْهِمُ	اللّٰهُ	وَلَهُمْ عَذَابٌ
آیات	اللہ	نہیں	وہ ان کو ہدایت دیتا	اللہ	اور ان کے لیے عذاب

”اور بلاشبہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ یقیناً کافر کہتے ہیں اسے ایک آدمی سکھاتا ہے، جس کی طرف وہ غلط نسبت کررہے ہیں وہ عجمی ہے حالانکہ یہ قرآن واضح طور پر عربی ہے۔“ (۱۰۳) ”یقیناً جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لیے

فہم القرآن

ربط کلام: منکرین قرآن کے تیسرے اعتراض کا جواب:

حقیقت کا بار بار انکار کرنے کی وجہ سے اکثر اوقات آدمی بوکھلاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسے اس بات کی خبر نہیں رہتی کہ میں نے اس حقیقت کا انکار کرتے ہوئے پہلے کونسی بات کی اور حقیقت پیش کرنے والے پر کونسا الزام لگایا تھا یہی حالت مکہ کے کفار کی تھی۔ کبھی یہ الزام لگاتے کہ یہ نبی اپنی طرف سے قرآن گھڑ لیتا ہے اور کبھی یہ کہتے کہ روم کے فلاں شخص سے بالواسطہ سیکھ کر ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ قرآن مجید نے اس کا کئی پہلوؤں سے جواب دیا ہے جن میں سے ایک جواب یہ ہے کہ جس شخص یا جن افراد کو تم محمد عربی ﷺ کا استاد کہتے ہو وہ سب کے سب عجمی ہیں یعنی وہ عربی کے حروف ابجد سے بھی واقف نہیں یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جو شخص عربی زبان کی مبادیات اور اس کے حروف تہجی سے بھی واقف نہیں۔ اسے محمد ﷺ کا کس طرح معلم قرار دیا جا سکتا ہے؟ یہ بات اس سے بھی حیران کن اور احمقانہ ہے کہ ایک عجمی شخص قرآن مجید جیسی تبحر العلوم کتاب کا علم اور مستقبل میں ہونے والے واقعات کی من وعن خبر دے سکے۔ قرآن مجید تو اتنی عظیم الشان کتاب اور اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کہ اس جیسا کلام انسان تو درکنار روح القدس جبریل امین علیہ السلام بھی نہیں بنا سکتا۔ چہ جائے کہ کلام مقدس اور عظیم کتاب کو کسی انسان کی طرف منسوب کیا جائے۔ دراصل جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے وہی اس قدر بدترین جھوٹ بول سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے پر جلال انداز میں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

اَلِيْمٌ ﴿١٠٤﴾	اِنَّمَا	يَفْتَرِي	الْكَذِبَ	الَّذِيْنَ	لَا
دردناک	صرف	وہ باندھتے ہیں	جھوٹ	وہ لوگ	نہیں

يُؤْمِنُوْنَ	بِاٰيٰتِ	اللّٰهِ ۚ	وَاُولٰٓئِكَ	هُمُ	الْكٰذِبُوْنَ ﴿١٠٥﴾
وہ ایمان لاتے ہیں	ساتھ آیات کے	اللہ	اور یہی لوگ	وہ	جھوٹے بولنے والے

دردناک عذاب ہے۔" (۱۰۴) "جھوٹ تو وہی لوگ بناتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے دراصل وہ جھوٹے ہیں۔" (۱۰۵)

ہم ان کی زبان، نیت اور مذموم مقاصد کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ کبھی ہدایت نہیں دیتا۔ ان کے لیے اذیت ناک اور دائمی عذاب تیار کیا گیا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات سے اچھی طرح آگاہ ہے۔

۲۔ کفار آپ پر یہ الزام لگاتے کہ آپ قرآن مجید کسی بشر سے سیکھ کر سناتے ہیں۔

۴۔ قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا گیا۔

۵۔ اللہ کی آیت کا انکار کرنے والوں کو ہدایت نہیں ملتی۔

۶۔ اللہ کی آیت کا انکار کرنے والے عذاب کے حقدار ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے بارے میں کفار کے الزام اور ان کے جوابات:

۱۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ کہتے ہیں آپ کو تو ایک آدمی سکھا جاتا ہے۔ (النحل:۱۰۳)

۲۔ انہوں نے کہا قرآن تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ (الفرقان:۵)

۳۔ اس نے کہا یہ تو اثر کرنے والا جادو ہے۔ (المدثر:۲۴)

۴۔ فرمادیجیے جن وانس اکٹھے ہو کر اس قرآن جیسا قرآن لے آئیں۔ (بنی اسرائیل:۸۸)

۵۔ فرمادیجیے دس سورتیں اس جیسی لے آؤ اور اللہ کے سوا جن کو بلا سکتے ہو بلا لو۔ (ہود:۱۳)

۶۔ فرمادیجیے ایک سورۃ اس جیسی لے آؤ اور جن کو بلانا چاہتے ہو بلا لو۔ (یونس:۳۸)

مَنْ	كَفَرَ	بِاللّٰهِ	مِنْۢ	بَعْدِ	اِيْمَانِهٖٓ	اِلَّا
جو شخص	اس نے کفر کیا	اللہ کے ساتھ	سے	بعد	ایمان	سوائے
مَنْ	اُكْرِهَ	وَ	قَلْبُهٗ	مُطْمَئِنٌّۢ	بِالْاِيْمَانِ	
اس شخص کے جو	مجبور کیا جائے	اور	اس کا دل	مطمئن ہو	ساتھ ایمان کے	
وَلٰكِنْ	مَّنْ	شَرَحَ	بِالْكُفْرِ	صَدْرًا	فَعَلَيْهِمْ	
اور لیکن	جس نے	کھول دیا	کفر کے ساتھ	سینہ	پس ان پر	
غَضَبٌ	مِّنَ	اللّٰهِ	وَلَهُمْ	عَذَابٌ	عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾	
غضب ہے	سے	اللہ	اور ان کیلیے	عذاب ہے	بہت بڑا	

”جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے، سوائے اس کے جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو لیکن جس نے خوشی سے کفر قبول کیا ان پر اللہ کا بڑا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔“(۱۰۶)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآنِ مجید کی تکذیب اور رسول اکرم ﷺ پر مختلف الزام لگانے کا مقصد آپ پر دباؤ ڈالنا اور صحابہ کو دین سے متنفر کرنا مقصود تھا جس کے لیے کفار کمزور مسلمانوں پر ہر قسم کا ظلم کرنا جائز سمجھتے تھے ان حالات میں مظلوم صحابہ کو تسلی دینے کے ساتھ ان کے ایمان کی تائید اور حوصلہ افزائی کی جارہی ہے۔

اہل مکہ نے کمزور مسلمانوں کا حلقۂ حیات اس طرح تنگ کر رکھا تھا کہ بیچارے مسلمان کسی سے فریاد بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ابتدائی سالوں میں رسولِ محترم ﷺ کی اپنی حالت یہ تھی کہ آپ دارِ ارقم میں خفیہ انداز میں اپنے ساتھیوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام فرمایا کرتے تھے۔ ان نازک حالات میں کمزور اور غلام مسلمانوں پر اس قدر مظالم ڈھائے جاتے کہ جس کی روئداد لکھتے وقت کلیجہ پسیجنے کے ساتھ قلم لرز جاتا ہے۔ اس آیت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے اکثر مفسرین نے آل یاسر کا تذکرہ کیا ہے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کی والدہ ماجدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو اس بے شرمی کے ساتھ ابو جہل نے شہید کیا کہ ان کے اندام نہانی پر نیزہ مارا۔ اسی حالت میں یہ عظیم خاتون دنیا سے رخصت ہوگئی۔ اس کے بعد حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ پر بے انتہا مظالم ڈھائے گئے۔ بالآخر وہ بھی اللہ کو پیارے ہوئے، شہادت کا یہ پہلا خون تھا جس سے مکہ کی زمین لالہ زار ہوئی۔ حضرت یاسر اور ان کی زوجہ مکرمہ کے بعد ابو جہل اور اس کے گماشتوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ پر مظالم کا سلسلہ جاری رکھا کہ ایک دن کڑکڑاتی دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر دہکتے ہوئے انگارے ان کی کمر پر رکھے گئے۔ اس حالت میں ابو جہل اور اس کے غنڈوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک ان کی زبان سے کفریہ کلمات

نکلوانے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو جب وحشیانہ مظالم سے نجات ملی تو گھر جانے کی بجائے روتے ہوئے سیدھا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حالت دیکھ کر استفسار فرماتے ہیں۔ کَیْفَ اَنْتَ یَا عَمَّارُ۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی ہچکی بندھ گئی اس حالت میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول! دل پوری طرح اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں مطمئن ہے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ ابھی یہ الفاظ ادا کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو یہ خوشخبری دے کر بھیجا کہ جس شخص نے بے حد مجبوری کی حالت میں ایمان لانے کے بعد کفر کا کلمہ کہا مگر اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے اس پر کوئی گناہ نہیں البتہ جس نے بے حد مجبوری کے بغیر کلمۂ کفر کہا اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا اور اُسے عظیم عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ لفظ ''اِکْرِہَ'' کی تشریح کرتے ہوئے اہل علم نے لکھا ہے۔ جب مظلوم کو یقینی طور پر اس بات کا علم ہو جائے کہ اب اس کا بچ نکلنا محال ہے اس وقت مظلوم کلمۂ کفر کہہ سکتا ہے لیکن یہ عزیمت کا راستہ نہیں۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کٹ مرنا گوارا کر لیا مگر انھوں نے اللہ کے دین کو نہیں چھوڑا۔ کیونکہ اگر ہر آدمی معرکۂ حق و باطل میں جان بچانے کی کوشش کرے تو اسلامی انقلاب برپا نہیں ہو سکتا۔ نہ دین آنے والی نسلوں تک پہنچ سکتا ہے۔

جہنم کے عذاب کی کیفیت:

((عَنْ سَمُرَةَ ابْنِ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مِنْهُمْ مَنْ تَاْخُذُهُ النَّارُاِلٰی کَعْبَیْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَاْخُذُهُ النَّارُاِلٰی رُکْبَتَیْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَاْخُذُهُ النَّارُ اِلٰی حُجْزَتِهٖ وَمِنْهُمْ مَنْ تَاْخُذُهُ النَّارُ اِلٰی تَرْقُوَتِهٖ)) [راه مسلم:باب فی شدة حر النار]

''حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم کی آگ نے بعض لوگوں کے ٹخنوں تک، بعض کے گھٹنوں تک اور بعض کو کمر تک گھیرا ہوگا اور بعض کی گردن تک پہنچی ہوگی۔''

مسائل

۱۔ ایمان لانے کے بعد کفر اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ ۲۔ مرتد کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

۳۔ مجبوری کی حالت میں جان بچانے کی خاطر کفریہ کلمات کہے جا سکتے ہیں۔ ۴۔ عملاً کفر اختیار کرنے والے پر اللہ کا غضب ہے۔

تفسیر بالقرآن

کفار کے لیے اذیت ناک عذاب:

۱۔ ایمان لانے کے بعد کفر کرنے والے کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ (النحل:۱۰۶)

۲۔ کفار کے لیے آگ کا عذاب ہے۔ (الانفال:۱۴)

۳۔ عنقریب کفار کو دردناک عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ (التوبۃ:۹۰)

۴۔ ان کے کفر کی وجہ سے ہم انہیں شدید ترین عذاب چکھائیں گے۔ (یونس:۷۰)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ

یہ اس لیے کہ بے شک وہ انہوں نے پسند کیا زندگی دنیا پر آخرت

وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٠٧﴾

اور بے شک اللہ نہیں وہ ہدایت دیتا ہے لوگ کافروں

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ

یہ وہ لوگ مہر لگا دی اللہ پر ان کے دلوں اور ان کے کانوں

وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿١٠٨﴾ لَا جَرَمَ

اور ان کی آنکھوں اور وہ لوگ وہی ہیں غافل ہونے والے یقینا

اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٠٩﴾

بلاشبہ وہ لوگ میں آخرت وہی ہیں خسارہ پانے والے

”یہ اس لیے کہ یقیناً انھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں پسند کیا اور اس لیے کہ بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ (١٠٧) ”یہی لوگ ہیں جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور یہی ہیں جو غافل ہیں۔“ (١٠٨) ”کوئی شک نہیں کہ یہی لوگ آخرت میں خسارہ پانے والے ہیں۔“ (١٠٩)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ دین کی مخالفت اور کفر کو اختیار کیے رکھنے کی بنیادی وجہ۔

دین میں داخل ہونے والا شخص سب سے پہلے اپنی ”انا“ اور نظریات کی قربانی کرتا ہے۔ بسا اوقات اُسے دنیاوی مفاد، برادری اور اعزاء و اقارب یہاں تک کہ اُسے سماجی اور معاشرتی سٹیٹس چھوڑنا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے یہ قربانیاں وہی شخص دے سکتا ہے جو دنیا کے فوائد چھوڑ کر دین کی دعوت پر خوش اور مطمئن ہو جائے۔ یہ کام دنیا پرست شخص نہیں کر سکتا بے شک وہ اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے کتنا ہی اسلام کا پرچار کرنے والا ہو اس بات کو چند الفاظ میں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے ”جس نے کسی حوالے سے بھی دنیا کو آخرت پر مقدم جانا اور اسلام کی عظیم نعمت کی طرف توجہ نہ دی ایسا کرنا کفر ہے اور کافر کو اللہ تعالیٰ صراط مستقیم کی طرف ہدایت نہیں دیتا۔

دینوی مفاد حق کے منکروں پر اس طرح غالب رہا ہے کہ بالآخر اس جرم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا کر ان کی آنکھوں پر غفلت کا پردہ ڈال دیا۔ اسی حالت میں موت نے انھیں دبوچ لیا۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے لیے نقصان ہی نقصان ہوگا۔

گناہ کی وجہ سے دل کا سیاہ ہونا:

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِیْئَةً نُکِتَتْ فِیْ قَلْبِهٖ نُکْتَةٌ سَوْدَاءُ فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهٗ وَإِنْ عَادَ زِیْدَ فِیْهَا حَتّٰی تَعْلُوَ قَلْبَهٗ وَهُوَ الرَّانُ الَّذِیْ ذَکَرَ اللّٰهُ (کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ))) [رواہ الترمذی: کتاب تفسیر القرآن، باب وَمِنْ سُوْرَةِ وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ (حسن)]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا بلاشبہ جب بندہ گناہ کرتا ہے اس کے دل پر سیاہ نکتہ لگا دیا جاتا ہے جب وہ اس گناہ کو چھوڑتا اور توبہ واستغفار کرتا ہے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اس سیاہ نکتے میں اضافہ کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی سیاہی دل پر غالب آجاتی ہے یہی وہ زنگ ہے جس کا تذکرہ اللہ نے کیا ہے'' کیوں نہیں ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ پڑ چکا ہے۔''

مسائل

۱۔ دنیا کو آخرت پر ترجیح نہیں دینی چاہیے۔ ۲۔ اللہ کفار کو ہدایت نہیں دیتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر پردہ ڈال رکھا ہے۔

۴۔ اللہ کے ساتھ کفر کرنے والے خائب وخاسر ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کن لوگوں کے دلوں پر مہر ثبت کرتا ہے:

۱۔ اللہ نے کفار کے دل، سماعت اور بصارت پر مہر لگا دی۔(النحل:۱۰۸)

۲۔ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے مہر لگا دی۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔(النساء:۱۵۵)

۳۔ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی۔(محمد:۱۶)

۴۔ اللہ زیادتی کرنے والوں کے دلوں پر مہر ثبت فرماتا ہے۔(یونس:۷۴)

۵۔ اللہ ہر جابر اور متکبر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔(المومن:۳۵)

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ

پھر | بلاشبہ | آپ کا رب | ان لوگوں کیلیے | انہوں نے ہجرت کی | سے | بعد

مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ

وہ آزمائے گئے | پھر | انہوں نے جہاد کیا | اورانہوں نے صبر کیا | یقیناً | آپ کا رب

مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٠﴾

سے | بعد | البتہ بہت بخشنے والا | رحم کرنے والا ہے

’’پھر یقیناً آپ کا رب ان لوگوں کے لیے جنہوں نے وطن چھوڑا، اس کے بعد کہ آزمائش میں ڈالے گئے تو انھوں نے جہاد کیا اور صبر کیا، یقیناً آپ کا رب اس کے بعد ضرور بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔‘‘(١١٠)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سے پہلے آیت ١٠٦ میں بے حد مجبور شخص کو جان بچانے کی اجازت دی تھی اب مظلوم لوگوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ ممکن طور پر دین اور جان بچا کر انہیں ہجرت کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

جن لوگوں کو ناقابل برداشت اذیتوں کا نشانہ بنایا جائے اس حالت میں کہ انہیں جان اور دین بچانا مشکل ہو جائے توانھیں ہجرت کرنے کی اجازت ہے تاکہ دین کی سربلندی کے لیے کوششیں جاری رکھیں اس راستہ میں انہیں جو بھی انفرادی اور اجتماعی طور پر مصائب سے واسطہ پڑے تو انہیں صبر واستقامت کا دامن تھامے رکھنا چاہیے۔ اس دوران بتقصائے بشریت غلطی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ انھیں معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔

ہجرت:

اللہ تعالیٰ کی خاطر وطن عزیز چھوڑنا اور گناہوں سے کنارہ کش ہونا، اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت کے حصول کے ساتھ مشکلات سے نجات پانے کا راستہ ہے۔ ہجرت بظاہر ہر چیز کو چھوڑنا ہے۔ لیکن حقیقت میں ہر چیز کے پالینے کا نام ہے۔

’’جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے ہجرت کی وہ اپنے لیے بڑی کشادگی پائے گا۔‘‘ [النساء:١٠٠]

شریعت کی زبان میں ہجرت ہر اس کام کو چھوڑنا ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے راستے میں حائل اور رکاوٹ بنتا ہو۔ ایسے جوانمرد کو مہاجر اور اس کے عمل کو ہجرت کہا گیا ہے۔ عرفِ عام میں دین وایمان کی خاطر وطن عزیز کو چھوڑنا ہجرت کہلاتا ہے۔

یہ دنیا جب سے معرضِ وجود میں آئی ہے اس وقت سے لے کر آج تک حق و باطل کے معرکے پیش آ رہے ہیں۔ حق و باطل کی اس معرکہ آرائی میں بے شمار ہجرتوں کی روداد تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔ دنیا میں شاید ہی کوئی نبی یا رسول ہو گا جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کی ہو۔

شاید ہی کوئی فرد یا قوم ایسی ہوگی جس کی حالت ترکِ وطن کے بعد بہتر نہ ہوئی ہو۔ تاریخ عالم میں آپ ﷺ اور آپ کے رفقا

سے بڑھ کر کسی پر کسمپرسی کا عالم نہ گزرا ہوگا۔مہاجرین کے پہلے قافلے کا عالم یہ تھا کہ وہ نہ صرف گھربار سے محروم ہوئے بلکہ انہیں شیر خوار بچوں، بوڑھے والدین، جوان بیٹوں اور وفادار بیویوں سے الگ کر دیا گیا۔اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص اور دینی غیرت کی وجہ سے وسعت وکشادگی کے دروازے کھول دیے اور دنیا جہاں کی نعمتوں کو ان کے قدموں میں نچھاور کر دیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جب اپنے مواخاتی ساتھی کا یہ کہہ کر شکریہ ادا کررہے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ہر چیز کو سلامت رکھے میں آپ پر بوجھ بننے کے بجائے منڈی کی طرف جارہا ہوں۔ مجھے یہاں کی منڈی کا راستہ اور طریقہ بتا دیں۔اس تہی دامنی کے بعد وہ وقت بھی آیا کہ زکوٰۃ کے علاوہ لاکھوں روپے خرچ کرنے کے باوجود جب دنیا سے رخصت ہوئے۔تو منقولہ جائیداد کے علاوہ ان کے پاس ایک کروڑ نقدی اور سونا چاندی موجود تھا۔

تاریخ کے اوراق پلٹنے کی بجائے افغان، کشمیر اور انڈیا سے ہجرت کر کے پاکستان آنے والوں کی اکثریت کے حالات و واقعات دیکھیں جو اس سچائی کی شہادت دے رہے ہیں کہ واقعتاً ہجرت رزق کی کشادگی اور مسائل کا تریاق ثابت ہوتی ہے۔

اور جو شخص گناہوں سے کنارہ کش ہوتا ہے ایسے پرہیزگار کی مشکلات اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے بہت جلد حل کر دیتا ہے۔

”جو لوگ مظالم کی وجہ سے اللہ کے لیے ہجرت کرتے ہیں۔ان کو دنیا میں بہترین جائے قیام عطا کرنے کے ساتھ آخرت میں ان کے لیے بڑا اجر ہے۔کاش وہ اس حقیقت کو پا جائیں۔ایسے لوگوں کے لیے بھی یہی اجر ہے جو ثابت قدمی کے ساتھ اپنے رب پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتے ہیں۔“[النحل:۴۱تا۴۲]

”اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اللہ کے راستے میں گھربار چھوڑا اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور جنہوں نے مہاجرین کو پناہ دی اور ان کی مدد کی یہی لوگ سچے اور ایماندار ہیں ان ہی کے لیے بخشش اور بہترین رزق ہے۔“[الانفال:۷۴]

مسائل

۱۔ دین اور جان کو بچانے کی خاطر ہجرت اختیار کرنی چاہیے۔ ۲۔ دین کے لیے جہاد اور صبر کرنا چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مہاجرین کا بہترین انجام اور ان کے فضائل:

۱۔اللہ تعالیٰ مہاجرین کی خطاؤں کو بخشنے اور رحم فرمانے والا ہے۔(النحل:۱۱۰)

۲۔اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والے اس کی رحمت کے امیدوار ہیں۔(البقرۃ:۲۱۸)

۳۔اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو بہترین ٹھکانہ میسر آئے گا۔(النحل:۴۱)

۴۔اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو بہترین رزق عطا کیا جائے گا۔(الحج:۵۸)

يَوْمَ تَأْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا

جس دن | آئے گا | ہر | نفس | جھگڑتا ہوا | سے | اپنی بابت

وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

اور پورا پورا دیا جائے گا | ہر | نفس کو | جو | اس نے عمل کیا | اور وہ | نہیں | ظلم کیے جائیں گے

”جس دن ہر شخص اپنے بارے میں ہی جھگڑ رہا ہوگا اور ہر شخص کو پورا دیا جائے گا جو اس نے کیا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔“ (۱۱۱)

فہم القرآن

ربط کلام: صبر واستقامت کے ساتھ دین پر قائم رہنے والے لوگوں کو شفقت ومہربانی اور بخشش کی نوید سنانے کے بعد ظالموں اور دین کے منکرین کو ان کے انجام سے آگاہ کیا جارہا ہے۔

قرآن مجید کا یہ مؤثر اور دل ہلا دینے والا اسلوب ہے کہ وہ اکثر مقامات پر اس بات کا التزام کرتا ہے کہ نیکی اور بدی کا فرق سمجھاتے ہوئے برے لوگوں کو ان کا بدترین انجام اور دین کی خاطر قربانی دینے والوں کا بہترین انجام بیک وقت ذکر کیا جائے۔ اسی اسلوب کے پیش نظر پہلے برے لوگوں کے کردار اور ان کا انجام ذکر کیا ہے۔ ان کے مقابلے میں نیک لوگوں کی ایمان پر استقامت، ان کا حسن کردار اور ان کے بہترین انجام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ ”ظالموں کو وہ وقت یاد کرنا چاہیے کہ جب وہ اپنے بارے میں جھگڑا کر رہے ہوں گے۔ اس دن نیکوں کو پوری پوری جزا اور برے لوگوں کو ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے گی۔ کسی پر کسی اعتبار سے بھی ذرہ برابر زیادتی نہیں کی جائے گی۔

مسائل

۱۔ قیامت کے دن ہر کسی کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ ۲۔ قیامت کے دن ہر کسی کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔
۳۔ قیامت کے دن کسی پر ظلم نہ ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

مجرم کا اپنے آپ سے جھگڑا کرنے کی کئی صورتیں ہوں گی:

۱۔ مجرم اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کے لیے اپنے برے اعمال کا کلیتاً انکار کریں گے۔ (الانعام: ۲۳۔۲۴)

۲۔ مجرم اپنی جان بچانے کے لیے اپنے گناہوں کی ذمہ داری دوسرں پر ڈالیں گے۔ (الاحزاب: ۶۶۔۶۸)

۳۔ مجرموں سے سوال کیا جائیگا کہ تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ تو وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باہم سوال کریں گے کہیں گے تم تو ہمارے پاس دائیں، بائیں سے آتے تھے وہ جواب دیں گے بلکہ تم خود ہی ایمان لانے والے نہ تھے اور ہمارا تم پر کچھ زور نہیں تھا بلکہ تم خود سرکش تھے (الصّٰفّٰت: ۲۲۔۳۱)

۴۔ ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹیں گے اور کہیں گے کاش! میں نے رسول کے ساتھ ہی اپنی روش اختیار کی ہوتی۔ (الفرقان: ۲۷۔۳۰)

وَضَرَبَ	اللّٰهُ	مَثَلًا	قَرْيَةً	كَانَتْ	اٰمِنَةً	مُّطْمَئِنَّةً
اور بیان کی	اللہ	مثال	ایک بستی کی	کہ تھی وہ	امن والی	مطمئن
يَاْتِيْهَا	رِزْقُهَا	رَغَدًا	مِّنْ	كُلِّ	مَكَانٍ	فَكَفَرَتْ
آتا اس کے پاس	اس کا رزق	وافر	سے	ہر	جگہ	پھر ناشکری کی اس نے
بِاَنْعُمِ	اللّٰهِ	فَاَذَاقَهَا	اللّٰهُ	لِبَاسَ	الْجُوْعِ	وَالْخَوْفِ
نعمتوں کی	اللہ کی	تو چکھا دیا اس کو	اللہ نے	لباس	بھوک کا	اور خوف کا
بِمَا	كَانُوْا	يَصْنَعُوْنَ ﴿١١٢﴾	وَلَقَدْ	جَآءَ	هُمْ	رَسُوْلٌ
بوجہ اس کے جو	تھے	وہ کرتے	اور تحقیق	آیا پاس	ان کے	ایک رسول
مِّنْهُمْ	فَكَذَّبُوْهُ	فَاَخَذَهُمُ	الْعَذَابُ	وَهُمْ	ظٰلِمُوْنَ ﴿١١٣﴾	
ان میں سے	چنانچہ انہوں نے اس کو جھٹلایا	تو آ پکڑا ان کو	عذاب نے	اور وہ	ظلم کرنے والے	

”اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان کی ہے جو امن والی، اور مطمئن تھی، اس کے ہاں کھلا رزق ہر جگہ سے آتا تھا، اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اللہ نے اسے بھوک اور خوف کا لبادہ پہنا دیا، اس کے بدلے جو وہ کرتے رہے۔“ (١١٢) ”اور بلاشبہ ان کے پاس انہی میں سے ایک رسول آیا تو انہوں نے اسے جھٹلا دیا تو انہیں عذاب نے اس حال میں آلیا کہ وہ ظالم تھے۔“ (١١٣)

فہم القرآن

ربط کلام: قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے اچھے برے اعمال کی پوری پوری جزا یا سزا دی جائے گی۔ بسا اوقات کچھ لوگوں کو دنیا میں بھی ان کے اعمال کی سزا دی جاتی ہے۔ جس کی ایک مثال پیش کی جارہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جس میں ہر طرح کا امن وامان اور اسے ہر جانب سے کشادہ رزق فراہم کیا جارہا تھا۔ لیکن اس بستی والوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے بجائے کفر اور ناشکری کا رویہ اختیار کیے رکھا۔ جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا تاکہ ان کے کردار کی انہیں سزا دی جائے۔ یہ سزا اس لیے بھی دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا۔ مگر انہوں نے رسول کی نصرت وحمایت کرنے کے بجائے اسے کلی طور پر جھٹلا دیا۔ جس کی پاداش میں انہیں عذاب نے آلیا۔ کیونکہ وہ ظلم کررہے تھے۔ جس بستی کی یہاں مثال بیان کی گئی ہے۔ اس کی تعیین کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ کچھ اہل علم نے لکھا ہے کہ اس سے مراد ملکِ سبا کا دار الخلافہ ہے۔ مگر اکثر اہل علم کا رجحان اس طرف ہے کہ اس سے مراد مکہ معظمہ ہے۔ جو شدید افراتفری کے دور میں بھی امن وسکون کا گہوارہ تھا۔ حضرت

ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور بیت اللہ شریف کی برکت سے یہ شہر نہ صرف امن وامان کا گہوارہ تھا بلکہ پوری دنیا کے پھل اور اناج وافر مقدار میں یہاں پہنچ رہے تھے۔ حالانکہ عرب کی سرزمین انارکی اور قحط سالی کا شکار رہتی تھی۔ خشک پہاڑ، سنگلاخ زمین او ربارش نہ ہونے کی وجہ سے حدّ نگاہ تک ہریالی کا تصور تک نہ تھا۔ دن دیہاڑے قافلے لوٹ لیے جاتے لیکن بیت اللہ کے متولی اور مکہ کے باسی ہونے کی وجہ سے اہل مکہ کا اس قدر مقام واحترام پایا جاتا تھا کہ نہ صرف ان کے قافلے محفوظ رہتے بلکہ ان کا جاری کیا ہوا پروانہ راہداری کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص کرم کے ساتھ ان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ سال نہایت اخلاص کے ساتھ شب وروز مکہ والوں کے عقائد اور کردار کی اصلاح کرنے کی کوشش فرمائی۔ لیکن اہل مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرخلوص جدوجہد کا صلہ بدترین مظالم کے ساتھ دیا۔ جس کے نتیجے میں آپ اور آپ کے ساتھی مکہ جیسے بابرکت شہر کو چھوڑ کر مدینہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ جوں ہی سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان نے مکہ سے ہجرت کی۔ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ پر سخت گرفت فرمائی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امن وامان کا گہوارہ اور بابرکت شہر خوف وہراس اور ہرقسم کی ویرانی کا منظر پیش کرنے لگا۔ عام لوگ تو درکنار قریشی سردار بھی بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو کر جانوروں کے خشک چمڑے پانی میں بھگو کر کھانے پر مجبور ہوئے۔ یہاں بھوک اور خوف کے لیے لباس کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ گویا کہ جس طرح لباس چھوٹے، بڑے اور مرد وزن کے جسم کے ساتھ لگا ہوتا ہے۔ اسی طرح بھوک اور خوف ان کے ساتھ لگ چکے تھے جس سے چھٹکارا پانا ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ جہاں تک خوف کا تعلق ہے۔ اہل مکہ بدر، احد اور خندق میں مدینہ پر جارحیت کرنے کے باوجود صبح وشام اس خوف میں مبتلا رہتے تھے کہ کسی وقت بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے ساتھی ہم پر غالب آجائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

رسولوں کو جھٹلانے والوں کا انجام:

۱۔ ان کے پاس ان میں سے رسول آئے تو انہوں نے تکذیب کی تو انہیں عذاب نے آلیا۔ (النحل:۱۱۳)

۲۔ ان کے لیے کہا جائے گا تکذیب کرنے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا رہو۔ (السجدۃ:۲۰)

۳۔ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ہلاک کردیا۔ (الشعراء:۱۳۹)

۴۔ قومِ نوح نے جب حضرت نوح کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں غرق کردیا۔ (الفرقان:۳۷)

۵۔ ہم نے آلِ فرعون سے انتقام لیا اور انہیں دریا میں غرق کردیا۔ (الاعراف:۱۳۶)

۶۔ ان کے جھٹلانے کی وجہ سے انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ (البقرۃ:۱۰)

۷۔ پہلے لوگوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا سو دیکھو میرا عذاب کیسا تھا؟ (الملک:۱۸)

۸۔ اس سے پہلے بھی کفار نے تکذیب کی تو ان کے پاس وہاں سے عذاب آیا جہاں سے انہیں تصور بھی نہ تھا۔ (الزمر:۲۵)

فَكُلُوْا	مِمَّا	رَزَقَكُمُ	اللّٰهُ	حَلٰلًا	طَيِّبًا ۪	وَّاشْكُرُوْا
چنانچہ کھاؤ تم	اس میں سے جو	رزق دیا تمہیں	اللہ	حلال	پاکیزہ	اور تم شکر کرو

نِعْمَتَ	اللّٰهِ	اِنْ	كُنْتُمْ	اِيَّاهُ	تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾
نعمت کا	اللہ کی	اگر	ہو تم	خاص اسی کی	عبادت کرتے

''کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تمھیں حلال، پاکیزہ رزق دیا ہے اور اللہ کی نعمت کا شکریہ ادا کرو، اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔'' (۱۱۴)

فہم القرآن

ربط کلام: مکہ والوں نے اللہ تعالیٰ کے انعامات کی ناشکری کی جس کی بنا پر قحط سالی نے انہیں آلیا۔ اس لیے ہدایت کی جارہی ہے کہ لوگو اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے متعدد فرامین میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے لوگو! میرے سوا تمہیں کوئی رزق دینے والا نہیں۔ میں ہی اپنی حکمت کی بنا پر تمہارا رزق تنگ اور کشادہ کرتا ہوں۔ اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں مزید عنایت کروں گا۔ اگر کفر اور ناشکری کا راستہ اختیار کرو گے تو میرا عذاب نہایت سخت ہوا کرتا ہے۔ (ابراہیم: ۷) اس بنا پر حکم ہے کہ جو پاک اور حلال رزق تمہیں عطا کیا جاتا ہے۔ اسے کھاؤ اور پیو۔ رزق کے ساتھ جو اور بھی نعمتیں تمہیں عطا کی جاتی ہیں ان کا شکر ادا کرو اگر واقعتاً تم اسی کی بندگی کرنے والے ہو۔ اکلِ حلال کے ساتھ طیب کی شرط اس لیے لگائی ہے کہ بسا اوقات ایک چیز حلال ہوتی ہے مگر کسی وجہ سے وہ غلاظت آلود ہو جاتی ہے۔ مسلمان کا شیوہ یہ ہے کہ وہ حلال کے ساتھ صفائی اور طہارت کا خیال رکھے تاکہ مختلف قسم کی بیماریوں سے محفوظ رہے۔ یہاں شکر اور عبادت کو ایک حد تک لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ جو شخص اللہ کا عبادت گزار ہے یقیناً وہ شکر گزار بھی ہوگا اور جو اس کا شکر گزار بننا چاہتا ہے۔ اسے اللہ کی عبادت کرنا بھی لازم ہے۔ بالفاظِ دیگر عبادت گزار ہی اللہ کے شکر گزار ہوتے ہیں۔

حلال کی اہمیت:

((عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِ یَکْرِبَ الزُّبَیْدِیِّ رضی اللہ عنہ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا کَسَبَ الرَّجُلُ کَسْبًا أَطْیَبَ مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ وَمَآ أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَ أَھْلِہٖ وَوَلَدِہٖ وَخَادِمِہٖ فَھُوَ صَدَقَۃٌ))[رواہ ابن ماجۃ: کتاب التجارات]

’’حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: آدمی کے ہاتھ کی کمائی سے بڑھ کر اور کوئی کمائی پاکیزہ نہیں اور آدمی اپنے نفس، اہل، اولاد اور خادم پر جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ صدقہ ہے۔‘‘

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ مِنْ أَطْيَبِ مَآ أَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهٖ وَوَلَدُهٗ مِنْ كَسْبِهٖ)) [رواہ أبوداوٗد: کتاب البیوع، باب فی الرجل یأکل من مال ولدہ]

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین اور پاکیزہ مال وہ ہے جو آدمی اپنی کمائی سے کھاتا ہے اور اس کی اولاد بھی اس کی کمائی ہے۔‘‘

((لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ وَّ دَمٌ نَبَتَا عَلٰى سُحْتٍ فَالنَّارُ اَوْلٰى بِهٖ [رواہ ترمذی: کتاب الصلاۃ باب

’’جنت میں وہ گوشت اور خون داخل نہیں ہوگا جو حرام سے پلا ہوگا اس کے لیے دوزخ ہی مناسب ہے۔‘‘

شکر و حمد:

اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اظہار اور اس کی نعمتوں کا اعتراف کرنا مشکلات سے محفوظ رہنے کا طریقہ ہے، مزید ملنے کی گارنٹی اور زوال نعمت سے مامون رہنے کی ضمانت ہے۔ شکر رب کی بارگاہ میں نہایت پسندیدہ عمل ہے۔ اس کے مقابلہ میں ناشکری کفر کے مترادف ہے۔

﴿لَإِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ﴾ [ابراھیم:۷]

’’اگر تم شکر کا رویہ اپناؤ گے تو مزید عنایات پاؤ گے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی عبادت اور دین کے کسی عمل کے بارے میں بیک وقت یہ نہیں فرمایا کہ اس کی ادائیگی سے تم عذاب سے محفوظ اور مزید انعامات کے حقدار بن جاؤ گے۔ صرف شکر ایسا عمل ہے جس کے بارے میں فرمایا ہے کہ عذاب سے بچنے کے ساتھ مزید عطاؤں کا سلسلہ جاری رہے گا۔

ذرّہ ذرّہ شکر گزار ہے:

کائنات کا ایک ایک ذرہ مالکِ حقیقی کی حمد و ستائش اور اس کی نعمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے شکر کے ترانے الاپ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ایمان ہے جس کے ہوتے ہوئے آدمی ہر مشکل کا سامنا اور ہر قسم کی پریشانی کو برداشت کر سکتا ہے، ایمان کا محور و مرکز قرآن ہے اور قرآن کا خلاصہ فاتحہ ہے اسی بنا پر اس کا دوسرا نام ام الکتاب ہے سورۂ فاتحہ کا خلاصہ حمد کا لفظ قرار پایا اس میں یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ انسان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر اور مزید طلب کے لیے اس کی حمد و ستائش کرنی چاہیے۔ حمد پر ہی روزِ محشر عدالتِ کبریا کا اختتام ہوگا۔

﴿وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الزمر:۷۵]

’’اور تم دیکھو گے کہ فرشتے عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے رب کی حمد و تسبیح کر رہے ہوں گے اور لوگوں کے

درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ چکا دیا جائے گا اور صدائیں بلند ہوں گی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہ تمام تعریفات اللہ ہی کے لیے ہیں۔‘‘

نیک لوگوں کی دعا اور شکر کا انداز:

’’اے میرے رب! مجھے توفیق بخش کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں اور نیک عمل کروں جس سے آپ راضی ہوں۔ مجھے اور میری اولاد کو نیک فرما۔ میں تیرے حضور معافی کی درخوست کرتے ہوئے تابع فرمان ہوئی جا رہا ہوں۔‘‘

’’حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ کو پکڑا، پھر فرمایا اے معاذ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں تو میں نے آپ کے لیے کہا اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں بھی آپ سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا اے معاذ میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھنا نہ چھوڑنا۔

اے اللہ! اپنے ذکر، شکر اور اچھی عبادت پر میری مدد فرما۔‘‘

مسائل

۱۔ کھانا حلال اور پاک کھانا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ ۳۔ ایک اللہ کی عبادت کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرنے والوں کا انجام:

۱۔ اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرنے والے ہو۔ (النحل: ۱۱۴)

۲۔ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔ (ابراہیم: ۷)

۳۔ اللہ تمہیں عذاب نہیں دے گا اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ۔ (النساء: ۱۴۷)

۴۔ اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ (یونس: ۶۰)

۵۔ بستی والوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے انہیں بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا۔ (النحل: ۱۱۲)

۶۔ قرآن میں شکر بمعنی ’’اللہ کی فرمانبرداری کرنا‘‘ بہت سی آیات میں استعمال ہوا ہے۔ (الزمر: ۷)

اِنَّمَا	حَرَّمَ	عَلَيْكُمُ	الْمَيْتَةَ	وَالدَّمَ	وَلَحْمَ
صرف	اس نے حرام کیا	تم پر	مردار	اور خون	اور گوشت

الْخِنْزِيْرِ	وَمَآ	اُهِلَّ	لِغَيْرِ	اللّٰهِ	بِهٖ ج	فَمَنِ
خنزیر کا	اور وہ چیز کہ	نام پکارا جائے	غیر کے لیے	اللہ کے	اس کو	پھر جو شخص

اضْطُرَّ	غَيْرَ	بَاغٍ	وَّلَا	عَادٍ	فَاِنَّ	اللّٰهَ
لاچار ہو جائے	نہ ہو	سرکش	اور نہ	حد سے بڑھنے والا	پس یقیناً	اللہ

غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾
بہت بخشنے والا	نہایت رحم کرنے والا ہے

''اس نے تم پر صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ چیزیں حرام کی ہیں جن پر غیر اللہ کا نام لیا جائے جو مجبور کر دیا جائے، اس حال میں کہ نہ سرکش ہو اور نہ حد سے گزرنے والا ہو، پس یقیناً اللہ بخشنے والا، نہایت رحم فرمانے والا ہے۔'' (۱۱۵)

فہم القرآن

ربط کلام: پہلی آیت میں حکم ہوا ہے کہ اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور پیو حرام خور آدمی اس فرمان سے غلط فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ حرام کی وضاحت کر دی جائے۔

مذکورہ بالا وجہ کے ساتھ حرام کردہ چیزوں کی نشاندہی اس لیے کی جا رہی ہے کہ یہودیوں نے بہت سی اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام اور حرام کردہ چیزوں کو اپنے لیے حلال کر لیا تھا۔ اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے کے لیے یہودی رسول معظم ﷺ پر یہ بھی اعتراض کرتے تھے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ جو چیزیں تورات اور انجیل میں حلال ہیں آپ اسے حرام کیوں قرار دیتے ہیں؟ ان کا یہ الزام تھا کہ حرام وحلال کی فہرست میں آپ نے اپنی مرضی سے ترمیم واضافہ کر لیا ہے۔ اس کی وضاحت میں مختلف سیاق وسباق کے تناظر میں چوتھی مرتبہ یہ آیت نازل کی گئی جس کے نزول کا مقصود یہ ہے کہ اے یہود ونصاریٰ! جن حرام چیزوں کو تم اپنے لیے حرام سمجھ بیٹھے ہو یہ تورات اور انجیل میں بھی حرام تھیں۔ یہ رہتی دنیا تک سب کے لیے حرام ہیں سوائے اس شخص کے جو نہایت اضطراری حالت میں کھانے پر مجبور ہو جائے۔ اسے یقیناً اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا کیونکہ وہ معاف کرنے والا اور بخش دینے والا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اضطراری حالت میں کھانے والا شخص نہ باغی ہو اور نہ ہی حد سے گزرنے والا ہو۔ ان شرط کے پیش نظر تمام فقہا کا اتفاق ہے کہ مجبور شخص مجبوری کے وقت حرام چیزوں کو اتنا ہی کھا سکتا ہے جس سے اس

کی زندگی بچ جائے۔

(۴) غیر اللہ کے نام پر ذبح کی یا پکائی ہوئی چیز اس لیے حرام کی گئی کہ یہ ایمان کے خلاف ہے۔ ایک غیرت مند ایمان دار سے یہ کس طرح توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ گردانے گئے شریک کے نام پر چڑھائی گئی چیز کھانے یا اسے استعمال کرنے پر آمادہ ہو جائے؟ یہ نہ صرف غیرتِ ایمانی کے منافی ہے بلکہ فطرت بھی اس بات کو گوارا نہیں کرتی بشرطیکہ کسی کی فطرت مسخ نہ ہو چکی ہو۔ فطرتِ سلیم کا ثبوت اس فرمان کے نازل ہونے سے پہلے مکہ میں پایا گیا ہے۔

((عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَ نَّهٗ لَقِیَ زَیْدَ بْنَ عَمْرِ و بْنِ نُفَیْلٍ بِأَسْفَلَ بَلْدَحٍ وَذَاكَ قَبْلَ أَنْ یُّنْزَلَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ الْوَحْیُ فَقُدِّمَتْ إِلَی النَّبِیِّ ﷺ سُفْرَةٌ فَأَبٰی أَنْ یَّأْكُلَ مِنْهَا ثُمَّ قَالَ زَیْدٌ إِنِّیْ لَسْتُ آكُلُ مِمَّا تَذْبَحُوْنَ عَلٰی أَنْصَابِكُمْ وَلَا آكُلُ إِلَّا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ))

[رواه البخاری: کتاب الذبائح والصید، باب ماذبح علی النصب والأصنام]

”وحی نازل ہونے سے پہلے بلدح کے نشیبی علاقے میں رسولِ کریم ﷺ کی ملاقات زید بن عمرو بن نفیل سے ہوئی۔ رسولِ معظم ﷺ کے سامنے ایک دستر خوان لایا گیا جس پر غیر اللہ کے نام کی کوئی چیز تھی۔ آپ نے اسے کھانے سے انکار کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی جناب زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں بھی ان ذبیحوں کا گوشت نہیں کھاتا جو تم اپنے آستانوں پر ذبح کرتے ہو اور نہ اس جیسی کوئی اور چیز کھاتا ہوں سوائے اس چیز کے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔“

”ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ نے مجھے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک آدمی نے بوانہ نامی جگہ پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر عرض کی میں نے نذر مانی ہے کہ میں بوانہ نامی جگہ پر اونٹ ذبح کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے پوچھا: کیا وہاں کوئی میلہ لگتا تھا؟ صحابہ نے نفی میں جواب دیا آپ نے فرمایا: اپنی نذر پوری کرو کیونکہ اللہ کی نافرمانی والی نذر پوری نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی وہ نذر پوری کرنا لازم ہے جس کی انسان طاقت نہیں رکھتا۔“ [رواہ أبوداؤد: کتاب الأیمان والنذور]

اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم دیکھیے کہ ان چار چیزوں سے سختی کے ساتھ منع کرنے کے باوجود ایسے شخص کے لیے ان کو کھانے کی اجازت دی ہے جسے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا شدید خطرہ لاحق ہو گیا ہو۔ لیکن اس کے ساتھ یہ شرط رکھی کہ

نہ وہ پہلے سے ان چیزوں کے کھانے کا عادی ہو اور نہ ہی حرام خوری کی طرف اس کا دل مائل ہو۔

عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ جس جانور پر ذبح کرتے وقت اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام لیا جائے، صرف وہی حرام ہوتا ہے۔ یہ تصور بالکل غلط ہے، کیونکہ قرآن کے الفاظ میں نہ جانور کا ذکر ہے نہ ذبح کا بلکہ ''ما'' کا لفظ ہے جس میں عمومیت پائی جاتی ہے۔ لہٰذا اس کا معنی یہ ہوگا کہ جو چیز کسی بزرگ، دیوی، دیوتا کا تقرب حاصل کرنے اور اس کے نام پر مشہور کر دی جائے جیسے امام جعفر کے کونڈے، بی بی کی صحنک، مزار کے لیے بکرا وغیرہ یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ بعض علما لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے کہتے ہیں دودھ، چاول حلال ہیں اگر کھیر کسی کے نام کی پکائی جائے تو یہ حرام کیسے ہوگئی؟ بے شک دودھ اور چاول چیز جو فی نفسہٖ حلال ہیں۔ لیکن جو کھیر غیر اللہ کے نام پر پکائی گئی ہے وہ حرام ہوگی۔ کیونکہ غیر اللہ کے نام کی نیت رکھنے سے ہی چیز حرام ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص صدقہ وخیرات یا قربانی کرتا ہے اور اس سے اس کی نیت یہ ہو کہ اس کا ثواب میرے فوت شدہ والدین یا فلاں رشتہ دار یا فلاں بزرگ کو پہنچے تو اس میں کوئی حرج نہیں، یہ نیک عمل ہے اور سنت سے ثابت ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مردار، خون، خنزیر کا گوشت حرام قرار دیا ہے۔

۲۔ غیر اللہ کے نام پر دی ہوئی نذر ونیاز حرام ہے۔

۳۔ انسان کو جان کا خطرہ ہو تو مذکورہ بالا اشیا میں سے کچھ کھا سکتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں حرام کردہ چیزیں:

۱۔ اس نے تم پر خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر دی ہوئی چیز کو حرام قرار دیا ہے۔ (النحل: ۱۱۰)

۲۔ اللہ نے ظاہری اور باطنی فحاشی کو حرام قرار دیا ہے۔ (الاعراف: ۳۳)

۳۔ تم پر مردار، خون، خنزیر کا گوشت، غیر اللہ کے نام پر دی ہوئی چیز، گلا گھٹنے، کسی ضرب سے، گر کر، سینگ لگنے سے، جس کو درندوں نے کھایا ہو اور استھانوں پر ذبح کیا ہوا حرام ہیں۔ (المائدۃ: ۳)

۴۔ اور یہودیوں پر ناخن والے جانور حرام تھے اور گائے، بکری کی چربی بھی حرام تھی۔ (الانعام: ۱۴۶)

وَلَا	تَقُوْلُوْا	لِمَا	تَصِفُ	اَلْسِنَتُكُمُ	الْكَذِبَ
اور نہ	تم کہو	اس کو کہ	بیان کرتی ہیں	تمہاری زبانیں	جھوٹ
هٰذَا	حَلٰلٌ	وَّ	هٰذَا	حَرَامٌ	لِّتَفْتَرُوْا عَلَى
یہ	حلال ہے	اور	یہ	حرام ہے	تاکہ تم افتراء باندھو پر
اللّٰهِ	الْكَذِبَ ؕ	اِنَّ	الَّذِيْنَ	يَفْتَرُوْنَ	عَلَى
اللہ	جھوٹ	بے شک	وہ لوگ جو	افتراء باندھتے ہیں	پر
اللّٰهِ	الْكَذِبَ	لَا	يُفْلِحُوْنَ ﴿١١٦﴾	مَتَاعٌ	قَلِيْلٌ ۖ
اللہ	جھوٹ	نہیں	وہ فلاح پائیں گے	فائدہ ہے	تھوڑا سا
وَّ لَهُمْ	عَذَابٌ	اَلِيْمٌ ﴿١١٧﴾			
اور ان کے لیے	عذاب ہے	بہت دردناک			

’’اور اپنی غلط بیانی کی وجہ سے اسے مت کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، تاکہ اللہ پر جھوٹ باندھو۔ یقیناً جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے۔‘‘ (۱۱۶) ’’فائدہ ہے تھوڑا ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔‘‘ (۱۱۷)

فہم القرآن

ربط کلام: حرام کے بارے میں مزید احکامات اور یہودیوں کے کردار پر تبصرہ۔

اہل کتاب نے بالخصوص یہودیوں کے علما نے پیٹ پوجا اور معاشرے کے بڑے لوگوں کی خوشنودی کے لیے بہت سی حلال چیزوں کو حرام اور حرام کو حلال کر لیا تھا۔ جب اس جرم کی نشاندہی کی جاتی تو ان کے علما اس قدر مردہ ضمیر ہو گئے کہ اپنی حرام خوری پر پردہ ڈالنے کے لیے سرِ عام یہ بات کہتے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے ہی حرام اور حلال قرار دی ہیں۔ اس سے منع کرتے ہوئے انہیں انتباہ کیا گیا ہے کہ اپنی مرضی سے حرام وحلال کی فہرست تیار کر کے اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ لگاؤ۔ یہ اللہ تعالیٰ پر صریح جھوٹ بولنے کے مترادف ہے۔ جو لوگ اپنی مرضی سے حرام کردہ چیزوں کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے کر اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگاتے ہیں وہ جھوٹے ہیں یقیناً وہ کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔ یہ لوگ محض لذتِ دہن اور دنیا کے مفاد کے لیے ایسا کر رہے ہیں انہیں یاد ہونا چاہیے کہ دنیا اور اس کی ہر چیز آخرت کے مقابلے میں، مدت اور مقدار کے اعتبار سے عارضی اور تھوڑی ہے۔ اس کے باوجود جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کے لیے اذیت ناک عذاب ہوگا۔

((عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ ؓ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَفِي عُنُقِي صَلِيبٌ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ يَا عَدِيُّ اطْرَحْ عَنْكَ هَذَا الْوَثَنَ مِنْ عُنُقِكَ قَالَ فَطَرَحْتُهُ، وَانْتَهَيْتُ إِلَيْهِ وَهُوَ يَقْرَأُ فِي سُورَةِ بَرَاءَةَ فَقَرَأَ

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا
اور پر | ان لوگوں | یہودی ہوئے | ہم نے حرام کیا تھا | جو کچھ کہ | ہم نے بیان کیا ہے

عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا
آپ پر | سے | پہلے | اور نہیں | ہم نے ان پر ظلم کیا | اور لیکن | تھے وہ

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿١١٨﴾
اپنے آپ پر | وہ ظلم کرتے ہیں

''اور جولوگ یہودی ہوئے ان پر،ہم نے وہ چیزیں حرام کیں جو آپ کے سامنے اس سے پہلے بیان کی ہیں اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔''(١١٨)

هٰذِهِ الْآيَةَ(اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِن دُون اللّٰهِ)قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّا لَسْنَا نَعْبُدُهُمْ فَقَالَ أَلَيْسَ يُحَرِّمُوْنَ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ فَتُحَرِّمُوْنَهُ، وَيُحِلُّوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَتُحِلُّوْنَهُ؟ قَالَ قُلْتُ بَلٰى قَالَ فَتِلْكَ عِبَادَتُهُمْ))[تفسیر قرطبی:ج ١٤ رواہ الترمذی:باب وَمِنْ سُوْرَةِ التَّوْبَةِ]
''حضرت عدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے گلے میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی۔آپ نے فرمایا اے عدی اس بت کو اتار پھینکو تو میں نے اسے اتار پھینکا اور آپ کے قریب آ گیا اور آپ سورۃ توبہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔آپ نے آیت تلاوت کی (اتخذوا أحبارھم ورُھبانھم أربابًا من دون الله) تو میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ہم تو انکی عبادت نہیں کرتے تھے۔آپ نے فرمایا کیا جسے وہ حرام قرار دیتے تھے اسے تم حرام نہیں سمجھتے تھے اور جسے وہ حلال قرار دیتے اسے تم حلال نہیں سمجھتے تھے؟ میں نے کہا ہاں!اللہ کے رسول آپ نے فرمایا یہی تو انکی عبادت ہے۔''

یہودی حلال وحرام کی من ساختہ فہرست اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگاتے ہیں۔جس کی نفی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے مذکورہ بالا چار چیزیں حرام کرنے کے ساتھ یہودیوں کی نخوت اور بغاوت کی وجہ سے یہ چیزیں بھی حرام کیں تھیں۔جن کا تذکرہ آپ کے سامنے ہم پہلے کر چکے ہیں۔جن کی تفصیل سورۃ الانعام کی آیت ١٤٦ میں یوں بیان کی گئی ہے۔ہم نے یہودیوں پر ہر ناخن والا جانور حرام کیا نیز ان پر گائے اور بکری کی چربی بھی حرام کی تھی اِلَّا یہ کہ ان جانوروں کی پشت اور آنتوں کے ساتھ چپکی ہو یا ہڈیوں کے ساتھ چمٹی ہوئی ہو یہ ان کی مسلسل بغاوت کی سزا تھی۔جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے یقیناً وہ سچ ہے۔ہم نے یہودیوں پر کوئی زیادتی نہیں کی۔یہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے۔ظاہر ہے جو قوم اپنے آپ پر مسلسل ظلم کرنے پر تل جائے اسے کوئی بھی تباہی کے گھاٹ سے نہیں بچا سکتا۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا وَاِنَّ اللّٰہَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَآ اَمَرَبِہِ الْمُرْسَلِیْنَ فَقَالَ ﴿یٰٓاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ [المومنون:۵۱] وَقَالَ یَا اَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ ثُمَّ ذَکَرَ الرَّجُلَ یُطِیْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اِغْبَرَ یَمُدُّیَدَیْہِ اِلَی السَّمَآءِ یَارَبِّ وَمَطْعَمُہٗ حَرَامٌ وَّمَشْرَبُہٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُہٗ حَرَامٌ وَّغُذِیَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِکَ)) [رواہ مسلم: باب قَبُوْلِ الصَّدَقَۃِ مِنَ الْکَسْبِ الطَّیِّبِ وَتَرْبِیَتِھَا]

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا‘ بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک صاف کے علاوہ کسی چیز کو قبول نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ان باتوں کا حکم دیا ہے جن باتوں کا اس نے اپنے رسولوں کو حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ”میرے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور صالح عمل کرو۔“ اے ایمان والو! جو رزق ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔“ پھر آپ نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو لمبا سفر طے کرتا ہے۔ پراگندہ بال ہے اور اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھائے دعا کرتا ہے۔ یارب! یارب! جب کہ اس کا کھانا حرام‘ اس کا پینا حرام‘ اس کا لباس حرام اور حرام غذا سے اس کی نشو ونما ہوئی اس حالت میں اس کی دعا کیسے قبول ہوسکتی ہے؟“

مسائل

۱۔ یہودیوں پر بعض چیزیں حرام کی تھیں۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ۳۔ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

۴۔ یہودیوں پر جو چیزیں حرام تھیں ان میں سے بعض کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا گیا۔

۵۔ اپنی طرف سے کسی چیز کو حرام وحلال قرار نہیں دینا چاہیے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ کے ذمے جھوٹ لگانے والے فلاح نہیں پائیں گے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والوں کا انجام:

۱۔ اللہ کے ذمے جھوٹ لگانے والے فلاح نہیں پائیں گے ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (النحل:۱۱۶۔۱۱۷)

۲۔ جو شخص اللہ پر جھوٹ باندھے گا وہی ظالم ہے۔ (آل عمران:۹۴)

۳۔ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ (الاعراف:۳۷)

۴۔ اس شخص نے نقصان اٹھایا جس نے اللہ پر جھوٹ بولا۔ (طٰہٰ:۶۱)

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ

پھر | یقیناً | آپ کا رب | ان لوگوں کیلیے | عمل کیے | برے | جہالت کی وجہ سے

ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ

پھر | انہوں نے توبہ کی | سے | بعد | اس کے | اور اصلاح کر لی | یقیناً

رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٩﴾

آپ کا رب | سے | بعد | یقیناً بخشنے والا | نہایت رحم کرنے والا ہے

”یقیناً آپ کا رب ان لوگوں کے لیے جنہوں نے جہالت سے برے عمل کیے پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی، بلاشبہ آپ کا رب یقیناً بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔“ (۱۱۹)

فہم القرآن

ربط کلام: ظلم کرنے کے باوجود جن لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے۔

بنیادی طور پر انسان خطا کا پتلا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے اس وقت تک معاف کرتا رہتا ہے۔ جب تک انسان اس کے حضور معافی کا خواستگار رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے گناہوں پر اصرار کرتے ہوئے اس کا جواز پیش کرے تو پھر اسے توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔ جس کے بارے میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ جس نے بھی برے کام کیے پھر اس کے گناہوں نے اسے گھیر لیا ایسے لوگ اہل جہنم ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ (البقرۃ:۸۱)

البتہ جنہوں نے جہالت کی بناء پر گناہ کیے اور پھر توبہ کی یقیناً اللہ انہیں معاف کرنے والا، نہایت مہربان ہے یہاں توبہ کی قبولیت کے لیے ایک شرط عائد کی ہے کہ توبہ کرنے کے بعد وہ شخص نہ صرف اپنے عقیدہ اور کردار کی اصلاح کرے بلکہ اس کی وجہ سے جتنے لوگ گناہ کی طرف مائل ہوئے حتی المقدور ان کی اصلاح کرنا بھی اس کی ذمہ داری ہوگی۔

((عن عائشة رضی اللہ عنہا ..... فَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اعْتَرَفَ بِذَنْبِهٖ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ))

[رواہ البخاری: کتاب الشہادات]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ..... آپ نے فرمایا یقیناً جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتا اور، توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر رجوع فرماتا ہے۔“

توبہ کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے اور ہر شخص کی توبہ نزع کے وقت سے پہلے قبول ہو سکتی ہے۔ نزع سے مراد موت کی وہ گھڑی ہے جب مرنے والے کو دنیا کے بجائے آخرت نظر آنے لگتی ہے۔

((كُلُّ بَنِيْ آدَمَ خَطَّاءٌ وَّخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ)) [رواہ ابن ماجہ: کتاب الزہد، باب ذکر التوبۃ]

”آدم کی ساری اولاد خطا کار ہے اور بہترین خطا کار توبہ کرنے والے ہیں۔“

((مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ يُغَرْغِرَ نَفْسُهُ قَبِلَ اللّٰهُ مِنْهُ)) [رواه احمد]
”جس نے موت کے آثار ظاہر ہونے سے پہلے توبہ کرلی اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔“
((اَلتَّآئِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ)) [رواه ابنِ ماجة: كتاب الزهد]
”گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ نہ کرنے کے برابر ہو جاتا ہے۔“

توبہ کی شرائط:

توبہ کرنے والا اپنے گناہ پر نادم، آئندہ رک جانے کا عہد اور گناہ کے اثرات کو مٹانے کی کوشش کرے۔

جہالت کے بارے میں مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ انسان ہر گناہ جہالت کی وجہ سے ہی کیا کرتا ہے بے شک اسے معلوم ہو کہ فلاں کام کرنا گناہ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے۔ البتہ اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں کہ جو شخص گناہ کرنے سے پہلے یہ نیت کرے کہ جو کام میں کرنے لگا ہوں بے شک وہ گناہ ہے۔ مگر اس کے بعد میں توبہ کرلوں گا ایسی صورت میں گناہ کی سنگینی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جس سے سمجھدار اور صاحبِ ایمان شخص کو ہر حال میں بچنا چاہیے۔

مسائل

۱۔ انسان سے برے اعمال سرزد ہو جاتے ہیں۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔
۳۔ برے اعمال سرزد ہونے کی صورت میں توبہ اور اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

توبہ کی فضیلت اور شرائط:

۱۔ وہ لوگ جو جہالت کی بنا پر برے عمل کرتے ہیں اور اس کے بعد توبہ اور اپنی اصلاح کرتے ہیں اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ (النحل:۱۱۹)
۲۔ جو شخص جرم کرنے کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرے بے شک اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ (المائدۃ:۳۹)
۳۔ اگر وہ توبہ کرلیں تو ان کے لیے بہتر ہے۔ (التوبۃ:۷۴)
۴۔ یقیناً میں اسے معاف کردوں گا جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔ (طٰہٰ:۸۲)
۵۔ جو شخص توبہ کرے، ایمان لائے اور عمل صالح کرے تو میں اس کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کردوں گا۔ (الفرقان:۷۰)
۶۔ اے ایمان والو! خالص توبہ کرو۔ (التحریم:۸)
۸۔ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے تو ہم (اللہ) تمھارے چھوٹے گناہ دور کردیں گے۔ (النساء:۳۱)

اِنَّ	اِبْرٰهِيْمَ	كَانَ	اُمَّةً	قَانِتًا	لِّلّٰهِ	حَنِيْفًا
بلاشبہ	ابراہیم	تھا	ایک امت	فرمانبردار	اللہ کا	حق کا پرستار
وَلَمْ	يَكُ	مِنَ	الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾	شَاكِرًا	لِّاَنْعُمِهٖ	
اور نہ	تھا وہ	سے	مشرکوں میں	شکر کرنے والا تھا	اس کی نعمتوں کا	
اِجْتَبٰىهُ	وَهَدٰىهُ	اِلٰى	صِرَاطٍ	مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾	وَاٰتَيْنٰهُ	
اس نے اسے چن لیا	اور اس نے اسے ہدایت دی	کی طرف	راستہ	سیدھا	اور ہم نے اسے دی	
فِي	الدُّنْيَا	حَسَنَةً	وَاِنَّهٗ	فِي	الْاٰخِرَةِ	
میں	دنیا	بھلائی	اور بلاشبہ وہ	میں	آخرت	
لَمِنَ	الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾					
میں سے	صالح لوگوں					

''یقیناً ابراہیم ایک پیشوا تھا، اللہ کا فرماں بردار، صرف اللہ کا ہو جانے والا، وہ مشرکوں سے نہ تھا۔'' (۱۲۰) ''اس کی نعمتوں کا شکر کرنے والا۔ اس نے اسے چن لیا اور اسے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی۔'' (۱۲۱) ''اور ہم نے اسے دنیا میں بھلائی دی اور وہ آخرت میں بھی یقیناً نیک لوگوں سے ہے۔'' (۱۲۲)

فہم القرآن

ربط کلام: اے لوگو! اگر تم اپنے رب کی رحمت اور بخشش کے طلب گار ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کرو۔ بے شک ان کی طرح تمھیں اکیلا ہی کیوں نہ رہنا پڑے۔ لیکن یاد رکھنا جس پر اللہ کی رحمت ہو اُسے اپنے آپ کو اکیلا نہیں سمجھنا چاہیے۔

کفارِ مکہ اور اہل کتاب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا سمجھتے تھے۔ اس لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ذات اور ان کی خدمات کے حوالے سے کفار مکہ اور اہل کتاب کو سمجھایا گیا ہے کہ بات بات پر جس شخصیت کا تم حوالہ دیتے ہو اس گرامی قدر شخصیت کا عقیدہ اور کردار سنو۔ ابرہیم علیہ السلام اپنی ذات اور خدمات کے حوالے سے ایک پیشوا کی حیثیت رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے انتہا درجے کے فرمانبردار تھے۔ وہ دین اور اللہ کی عبادت میں بھی نہایت یکسو تھے۔ مشرکین کے ساتھ ان کا کوئی واسطہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر اس کے غایت درجہ شکر گزار تھے۔ ان اوصافِ حمیدہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے خاص بندوں میں ایک خصوصی مقام سے نوازتے ہوئے ہر حالت میں صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کی ہمت عطا فرمائی تھی۔ دنیا میں انہیں ہر قسم کی خیر سے نوازا اور آخرت میں یقیناً وہ صالحین کے ساتھی ہوں گے۔

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک امت کی حیثیت سے:

اہل لغت نے امت کے کئی معنی ذکر کیے ہیں۔ جن میں جامع اور اہم معانی یہ ہیں۔ والدہ، قوم، عوام، تمام فضائل حمیدہ

کا حامل انسان۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ امت کا معنی ہے ''مُعَلِّمُ الْخَیْرِ'' (صحیح بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ النحل)

اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام میں وہ تمام اوصاف پائے جاتے ہیں جو ایک کامیاب قائد میں ہونے چاہییں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تنہا ہونے کے باوجود دنیا میں وہ کام کر گئے جو ایک کامیاب قوم اور قائد کیا کرتا ہے اسی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام دنیا کی ان شخصیات میں سرِ فہرست ہیں جن کے اثرات قیامت تک باقی رہیں گے۔ دنیا میں کوئی آسمانی مذہب ایسا نہیں جو انہیں اپنا رہنما تسلیم نہیں کرتا۔ مذہب کے حوالے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک سند کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک امت قرار دیا ہے۔

۲۔ انتہا درجے کی فرمانبرداریوں کی ایک جھلک:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنے رب کے تابع فرمان ہو جاؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے تابع فرمان ہوئے کہ انہوں نے ہر چیز اپنے رب کے حکم پر نچھاور کر دی۔

۱۔ عقیدۂ توحید کی خاطر آگ میں چھلانگ لگا دی۔

۲۔ عقیدہ توحید کی بنا پر دنیا کی ٹھاٹ باٹ، گھر بار اور ہمیشہ کے لیے عراق کی سرزمین کو چھوڑ دیا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنی اہلیہ اور اپنے نونہال کو مکہ کی سرزمین پر چھوڑا۔

۴۔ خواب میں اشارہ پا کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حلقوم نازک پر چھری چلا دی۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر بیت اللہ تعمیر کیا۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق حج ادا کیا اور اس کے مناسک بیان فرمائے۔

۷۔ انبیاء کرام علیہم السلام میں خصوصی مقام کے حامل:

۸۔ ہر حال میں صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے والے:

۹۔ دنیا کے حوالے سے معتبر اور معزز شخصیت:

۱۰۔ آخرت میں انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت کے ممتاز ترین رکن:

۱۱۔ تمام لوگوں کے امام قرار پائے۔

مسائل

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے۔ ۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام مؤاحد تھے مشرک نہ تھے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صراطِ مستقیم پر گامزن کیا تھا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی انہیں بھلائی کے ساتھ نوازا تھا۔ ۶۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آخرت میں نیکوکاروں میں ہیں۔

ثُمَّ	اَوْحَيْنَآ	اِلَيْكَ	اَنِ	اتَّبِعْ	مِلَّةَ	اِبْرٰهِيْمَ
پھر	ہم نے وحی کی	آپ کی طرف	یہ کہ	آپ پیروی کریں	ملت	ابراہیم کی
حَنِيْفًا ؕ	وَمَا	كَانَ	مِنَ	الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾		
یکسو	اور نہ	تھا وہ	سے	مشرکوں میں		

’’پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو جو ایک اللہ کا ہو جانے والا اور مشرکوں سے نہ تھا۔‘‘ (۱۲۳)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اوصاف حمیدہ اور ان کا مرتبہ ومقام ذکر کرنے کے بعد ان کی ملت کی اتباع کا حکم۔

اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کو ظاہری اور جوہری صلاحیتوں کے اعتبار سے منفرد پیدا کیا تھا۔ ہر پیغمبر اپنے دور کے انسانوں میں سیرت اور صورت کے حوالے سے بھی ممتاز ہوتا تھا۔ ان اوصاف کے ساتھ ہر رسول میں کچھ ایسی خوبیاں ودیعت کی جاتی تھیں۔ جن کی بنا پر ہر رسول دوسرے سے منفرد ہوتا تھا۔ جس کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے:

’’یہ رسول ہیں ہم نے انہیں ایک ایک دوسرے پر فضیلت دی ان میں کچھ ایسے تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور کچھ وہ تھے جن کے درجات بلند کیے اور حضرت عیسیٰ بن مریم کو روشن نشانیاں عطا کرنے کے ساتھ جبریل امین علیہ السلام کے ذریعے مدد کی گئی۔‘‘ (البقرۃ:۲۵۳)

اسی اصول کے تحت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسی خوبیاں عنایت فرمائیں جو انہیں دوسرے انبیاء علیہم السلام سے منفرد اور ممتاز کرتی ہیں۔ سب کے سب انبیاءِ کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے تابع فرماں، اپنے عقیدہ اور کام میں یکسو اور مشرکوں کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ انبیاء عظام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے، اس کے محبوب اور ہر حال میں صراطِ مستقیم پر قائم رہنے والے تھے۔ ان میں ایسے انبیاء بھی موجود ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دیگر نعمتوں کے ساتھ سیاسی اقتدار بھی عنایت فرمایا تھا۔ اس طرح وہ دنیا کے حوالے سے بھی منفرد اور ممتاز تھے آخرت میں یقیناً وہ صالحین سے ہوں گے۔ اس مرتبہ ومقام کے باوجود کوئی نبی ایسا نہیں جس کی اتباع کا سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو حکم دیا گیا ہو۔ یہ مقام و مرتبہ صرف سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہوا۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

’’جب ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا وہ ان میں پورے اترے۔ فرمایا کہ میں تمھیں لوگوں کا امام بناؤں گا۔ ابراہیم نے عرض کی کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟ ارشاد ہوا کہ ظالموں سے میرا کوئی وعدہ نہیں۔‘‘ (البقرۃ:۱۲۴)

جہاں تک ملتِ ابراہیم علیہ السلام کا معاملہ ہے دین اسلام کے تمام بنیادی مسائل اوراحکام ملتِ ابراہیم کا تسلسل ہیں۔قربانی کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار ہوا تو ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔حج اسلام کا بنیادی رکن ہے اس کے مناسک حج پر توجہ فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ صفا مروہ کی سعی ،زمزم کا پانی ،اللہ کے حضور قربانی ذبح کرنا ،شیطان کو کنکریاں مارنا یہ مناسک ملتِ ابراہیم علیہ السلام کے ترجمان ہیں۔

((عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ قَالَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذِهِ الْأَضَاحِيُّ قَالَ سُنَّةُ أَبِيْكُمْ إِبْرَاهِيْمَ قَالُوْا فَمَا لَنَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعَرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوْا فَالصُّوْفُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعَرَةٍ مِّنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ))[رواه ابن ماجة:باب الاضحية]

”حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول !یہ قربانیاں کیا ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر پوچھا اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے اس میں کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایک بال کے بدلے نیکی۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی جانور کی اون کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا اون کے بھی ہر بال کے بدلے نیکی ملے گی۔

مسائل

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کا حکم دیا گیا تھا۔

۲۔ ابراہیم علیہ السلام مشرکوں میں سے نہ تھے۔

تفسیر بالقرآن

ملت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا حکم اوراس کی اتباع:

۱۔ پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ ملت ابراہیم کی پیروی کریں۔(النحل:۱۲۳)

۲۔ فرما دیجیے اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ تم ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو۔(آل عمران:۹۵)

۳۔ ملت ابراہیم کی تابعداری کیجیے وہ یکسو تھا۔(النساء:۱۲۵)

۴۔ ابراہیم کے دین سے کون روگردانی کرسکتا ہے سوائے اس کے کہ جو نادان ہو۔(البقرۃ:۱۳۰)

اِنَّمَا	جُعِلَ	السَّبْتُ	عَلَى	الَّذِيْنَ	اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ
صرف	بنایا گیا تھا	ہفتے کا دن	پر	ان لوگوں جنہوں نے	اختلاف کیا تھا اس میں
وَاِنَّ	رَبَّكَ	لَيَحْكُمُ	بَيْنَهُمْ	يَوْمَ	الْقِيٰمَةِ فِيْمَا
اور یقیناً	آپ کا رب	البتہ فیصلہ کرے گا	ان کے درمیان	دن	قیامت کے اس چیز کے متعلق کہ
كَانُوْا	فِيْهِ	يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾			
تھے وہ	اس میں	اختلاف کرتے			

''ہفتے کا دن صرف ان لوگوں پر مقرر کیا گیا جنھوں نے اس میں اختلاف کیا اور بے شک آپ کا رب ضرور ان کے درمیان قیامت کے دن اس کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔'' (۱۲۴)

فہم القرآن

ربط کلام: یہودی بڑی شدومد کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مذہب اور نسب کے اعتبار سے ابراہیم علیہ السلام کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔قرآن مجید دوٹوک انداز میں اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

''اے اہل کتاب تم ابراہیم کے بارے میں کس بنیاد پر جھگڑا کرتے ہو۔ حالانکہ تورات اور انجیل ابراہیم کے بعد نازل کی گئی ہیں کیا تم پھر بھی سمجھنے کے لیے تیار نہیں؟ تم وہ لوگ ہو جو ایسی باتوں کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہو جن کا تمہیں کچھ علم ہے مگر ایسی باتوں میں کیوں جھگڑتے ہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں۔ حضرت ابراہیم یہودی تھے اور نہ ہی عیسائی وہ تو موحد مسلمان تھے۔ ان کا مشرکوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔ حضرت ابراہیم کے قریب تر وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کی اتباع کی ان کے بعد سرورِ دو عالم اور آپ کے متبعین ابراہیم کے زیادہ قریب ہیں اور اللہ مومنوں کا حامی وناصر ہے۔'' (آل عمران: ۶۵ تا ۶۸)

اسی بات کی یہاں دوسرے انداز میں وضاحت کی گئی ہے۔ ہفتہ کا دن ان لوگوں پر لازم کیا گیا جنہوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا تھا۔ یقیناً آپ کا رب قیامت کے دن ضرور فیصلہ فرمائے گا، جس میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین میں جمعہ کے بجائے ہفتہ کا دن عبادت کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔ اس دعویٰ کی بنیاد پر یہودی نبی محترم ﷺ پر الزام لگاتے تھے کہ انہوں نے ہماری مخالفت کی بنیاد پر ہفتہ کا دن چھوڑ کر جمعہ کا دن مقرر کرلیا

ہے۔جس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ہفتہ کا دن یہودیوں نے اپنی مرضی سے اپنے آپ پر فرض کرلیا ہے اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ملت ابراہیم میں جمعہ کا دن ہی عبادت کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔اس کی وضاحت سرورِ دوعالم ﷺ نے اس طرح فرمائی ہے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَیْرُ یَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ یَوْمُ الْجُمُعَةِ فِیْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِیْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ))

[رواہ مسلم:باب فضل یوم الجمعة]

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں دنوں میں سب سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے اس دن آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اسی دن ان کو جنت میں داخلہ ملا اور جمعہ کو ہی ان کا اخراج ہوا اور اسی دن قیامت برپا ہوگی۔“

((عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَا یَغْتَسِلُ رَجُلٌ یَوْمَ الْجُمُعَةِ ، وَیَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ ، وَیَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهٖ ، أَوْ یَمَسُّ مِنْ طِیبِ بَیْتِهٖ ثُمَّ یَخْرُجُ ، فَلاَ یُفَرِّقُ بَیْنَ اثْنَیْنِ ، ثُمَّ یُصَلِّی مَا كُتِبَ لَهٗ ، ثُمَّ یُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الإِمَامُ ، إِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجُمُعَةِ الأُخْرَى))[رواہ البخاری:باب الدُّهْنِ لِلْجُمُعَةِ]

”حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا جو آدمی جمعہ کے دن غسل کرتا ہے اور استطاعت کے مطابق پاکیزگی حاصل کرتا ہے، بالوں کو تیل لگاتا ہے اور خوشبو لگاتا ہے، پھر وہ مسجد کی طرف نکلتا ہے اور لوگوں کے درمیان گھس کر نہیں بیٹھتا پھر جس قدر ممکن ہو وہ نماز پڑھتا ہے پھر خاموشی سے امام کا خطبہ سنتا تو اُس کے آٹھ دنوں کے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔“

مسائل

۱۔ یہودیوں پر ہفتہ کے دن کا احترام لازم کیا گیا تھا۔ ۲۔ یہودیوں نے اس کے احترام کا خیال نہ کیا۔

۳۔ اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

ہفتہ کے دن کا احترام نہ کرنے کی وجہ سے یہودیوں پر پھٹکار:

۱۔یہودیوں پر ہفتہ کے دن کا احترام لازم کیا گیا۔(النحل:۱۲۴) ۲۔ہم نے انہیں کہا کہ ہفتہ کے دن زیادتی نہ کرو۔(النساء:۱۵۴)

۳۔ یہودی ہفتہ کے دن کا احترام نہیں کیا کرتے تھے۔(الاعراف:۱۶۳)

۴۔ یہودیوں نے ہفتہ کے دن زیادتی کی تو انہیں بندر بنادیا گیا۔(البقرة:۶۵)

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ
بلاؤ طرف راستے اپنے رب ساتھ حکمت کے اور ساتھ نصیحت کے

الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّکَ
اچھی اور بحث کیجیے ان سے اس طریقے کے ساتھ کہ وہ بہت اچھا ہو بلاشبہ آپ کا رب

هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِهٖ وَهُوَ
وہ خوب جانتا ہے اس شخص کو جو گمراہ ہوا سے اس کی راہ اور وہ

اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِیۡنَ ﴿۱۲۵﴾
خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو

''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے بہت اچھے طریقے کے ساتھ بحث کرو۔ یقیناً آپ کا رب زیادہ جاننے والا ہے جو اس کے راستے سے گمراہ ہوا اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی جاننے والا ہے۔'' (۱۲۵)

فہم القرآن

ربط کلام: بے شک کسی کا دعویٰ اور موقف کتنا ہی جھوٹا ہو اس کے باوجود اسے دین کی دعوت حکمت کے اور خیر خواہی کے ساتھ دینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو طبعاً اور فطرتاً نرم خو اور ہمدرد پیدا فرمایا تھا۔ آپ مشکلات پر صبر کرنے والے، مخالفوں کی مخالفت کا جواب خندہ روئی کے ساتھ دینے والے، اور بدترین دشمن کے ساتھ بھی اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرنے والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر کسی کو برائی کا جواب برائی سے نہیں دیا آپ کے اعلیٰ اخلاق کی قرآن مجید میں متعدد مقامات پر یوں تعریف کی گئی ہے:

''لوگو! تمہارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آیا ہے تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو اسے نہایت ہی گراں گزرتی ہے وہ تمہاری کامیابی کی بہت ہی چاہت رکھتا ہے۔ مومنوں کے ساتھ نہایت مہربان اور شفقت کرنے والا ہے۔'' (التوبۃ: ۱۲۸)

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کو اعلیٰ اخلاق اور بے حساب صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا گیا لیکن اس کے باوجود آپ کو حکم ہوا کہ آپ حکمت، دانائی اور بصیرت کے ساتھ لوگوں کو دین حنیف کی طرف دعوت دیں اگر کسی وقت بحث وتکرار کی نوبت آئے تو اس میں بھی حسن اخلاق کا دامن نہ چھوڑیں۔ آخر میں فرمایا کہ آپ کا رب خوب جانتا ہے کون اس کے راستے سے بھٹک چکا اور کون ہدایت پانے والوں میں شامل ہے۔ حکمت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ موقعہ محل اور لوگوں کی فکری استعداد کے مطابق بات کی جائے۔ اس کے ساتھ اس بات کا خیال بھی رکھا جائے کہ لوگ کس حد تک سننے میں آمادگی رکھتے ہیں۔ بالخصوص مسلمانوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ وعظ و نصیحت میں یہ بات بھی لازم ہے کہ خطیب کے لب ولہجہ اور انداز

میں سنجیدگی، خیر خواہی اور ہمدردی کا جذبہ غالب ہو کیونکہ موعظت ایسی نصیحت کو کہتے ہیں جو سامع کے دل پر اثر انداز ہو سکے۔

((عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْأَيَّامِ ، كَرَاهَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا))

[رواه البخاری:باب الموعظة ساعة بعد ساعة]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دن ہمیں وعظ و نصیحت کرنا چھوڑ دیتے کہ کہیں ہم اکتا نہ جائیں۔''

((عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَآ أَنْتَ بِمُحَدِّثٍ قَوْمًا حَدِيْثًا لَا تَبْلُغُهُ عُقُولُهُمْ إِلَّا كَانَ لِبَعْضِهِمْ فِتْنَةً)) [رواه مسلم فی المقدمة ، باب النَّهْيِ عَنِ الْحَدِيثِ بِكُلِّ مَا سَمِعَ]

''حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم کسی قوم کو ایسی بات نہ کہو جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہے جو لوگوں کے لیے الجھن کا باعث بن جائے۔''

((قَالَ عَلِيٌّ حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ ، أَتُحِبُّوْنَ أَنْ يُّكَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ))

[رواه البخاری: کتاب العلم، باب مَنْ خَصَّ بِالْعِلْمِ قَوْمًا دُوْنَ قَوْمٍ]

''حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کو وہ بات کہو جو وہ سمجھتے ہوں کیا تم پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت حکمت سے دینی چاہیے۔ ۲۔ دین کی دعوت دیتے ہوئے نہایت اچھا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ گمراہ اور ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

داعی کے لیے ضابطۂ اخلاق:

۱۔ اللہ کے دین کی طرف لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحت سے بلانا چاہیے۔ (النحل:۱۲۵)

۲۔ فرما دیجیے یہ میرا راستہ ہے میں اس کی طرف بصیرت کے ساتھ بلاتا ہوں۔ (یوسف:۱۰۸)

۳۔ انہیں آپ کے ساتھ جھگڑا نہیں کرنا چاہیے حالانکہ آپ ان کو اپنے پروردگار کی طرف بلاتے ہیں۔ (الحج:۶۷)

۴۔ جب اللہ کے احکام آپ پر نازل ہوں تو آپ ان کی طرف لوگوں کو بلائیں۔ (القصص:۸۷)

۵۔ آپ انہیں دین حق کی طرف بلائیں اور اللہ کے حکم پر قائم رہیں۔ (الشوریٰ:۱۵)

۶۔ حضرت ابراہیم نے دعا کی کہ اے رب ان میں نبی بھیج جو ان کو علم اور عقل کی باتیں سکھلائے۔ (البقرۃ:۱۲۹)

۷۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت اور حکمت عنایت فرمائی۔ (الجمعہ:۲)

وَاِنْ	عَاقَبْتُمْ	فَعَاقِبُوْا	بِمِثْلِ	مَا	عُوْقِبْتُمْ
اور اگر	بدلہ	بدلہ لو	برابر اس کے	جو	تم ایذا دیے گئے ہو

بِهٖ ؕ	وَلَئِنْ	صَبَرْتُمْ	لَهُوَ	خَيْرٌ	لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝۱۲۶
ساتھ اس کے	اور البتہ اگر	تم صبر کرو	تو وہ	بہت بہتر ہے	صبر کرنے والوں کے لیے

''اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمھیں تکلیف دی گئی ہے اور اگر صبر کرو تو یقیناً وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔'' (۱۲۶)

فہم القرآن

ربط کلام: مبلغ کو ہر حال میں حکمت اور حوصلہ سے کام لینا چاہیے اگر وہ انتہائی ظلم پر صبر و حوصلہ نہیں کر سکتا تو اُسے ظلم سے بڑھ کر بدلہ لینے کی اجازت نہیں۔

مفسرین کا خیال ہے سورۃ النحل کی آخری تین آیات مدنی دور میں نازل ہوئیں جبکہ باقی پوری سورۃ مکی دور میں نازل ہوئی تھی۔ آخری آیات کا شان نزول بیان کرتے ہوئے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اُحد کے موقع پر انصار کے چونسٹھ اور مہاجرین کے چھ آدمی شہید ہوئے تھے۔ ان میں سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے تھے۔ جن کے جسدِ اطہر کی بے حرمتی کرتے ہوئے کفار نے ان کے کان، ہونٹ، ناک کاٹنے کے ساتھ آنکھیں نکال دیں جس پر مسلمانوں نے ردّ عمل ظاہر کرتے ہوئے کہا جب ہمیں کفار پر غلبہ ہوا تو ہم بھی ان کی لاشوں کا مُثلہ کریں گے۔ اس پر مسلمانوں کو اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ اگر تم بدلہ لینا چاہو تو پھر اُتنا ہی بدلہ لے سکتے ہو جتنا تم پر ظلم کیا گیا ہے۔ البتہ صبر کرو گے تو صبر کرنے والوں کے لیے یہ نہایت ہی بہتر بات ہے۔ اس آیت سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کسی مبلغ پر ظلم ہو تو وہ ظلم کا بدلہ لے سکتا ہے لیکن تبلیغ کے میدان میں اگر مبلغ صبر سے کام لے تو یہ بات نہایت ہی مفید ثابت ہوتی ہے۔ جس کی تاریخ اسلام میں ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑ سے بڑھ کر استقامت، سمندر سے زیادہ کشادہ دلی اور زمین سے بڑھ کر وسعتِ ظرفی اور صبر و ہمت کی توفیق عنایت فرمائی تھی۔ لیکن ایک انسان ہونے کے ناطے کبھی کبھار آپ کا دل بھر جاتا اور یہ بات سوچنے پر مجبور ہو جاتے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ میں ان کی دنیا کی بھلائی اور آخرت کی بہتری کے لیے ہر چیز قربان کیے ہوئے ہوں۔ مگر لوگ میری خیر خواہی کا جواب ظلم اور بد کلامی کے ساتھ دے رہے ہیں۔ اس پر آپ کا دل پریشان ہوتا اور آپ کا سینہ بھیج جاتا تھا، جس پر آپ کو تسلی دی گئی کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو ان لوگوں کے مکر و فریب، زیادتی اور بد کلامی پر زیادہ پریشان اور غمزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو ہر حال میں اپنے رب سے ڈرتے ہوئے اچھے اعمال اور دوسروں کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔

طائف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وعظ اور تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ وہاں کے باشندوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیچڑ پھینکا۔ آوازے

وَاصۡبِرۡ وَمَا صَبۡرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحۡزَنۡ

اور آپ صبر کیجیے | اور نہیں ہے | آپ کا صبر کرنا | مگر | اللہ کے لیے | اور نہ | آپ غم کریں

عَلَيۡهِمۡ وَلَا تَكُ فِىۡ ضَيۡقٍ مِّمَّا يَمۡكُرُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾

ان پر | اور نہ | ہوں آپ | میں | تنگی | اس سے جو | وہ سازشیں کرتے ہیں

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيۡنَ

بلاشبہ | اللہ | ساتھ ہے | ان لوگوں کے جنہوں نے | تقویٰ اختیار کیا | اور ان لوگوں کے کہ

هُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ ع

وہ | نیکی کرنے والے ہیں

۱۶ ع ۹ ۲۲

''اور صبر کیجیے اور نہیں ہے آپ کا صبر مگر اللہ کے لیے اور نہ ان پر غم کرو اور نہ کسی تنگی میں مبتلا ہو، اس سے جو وہ سازشیں کرتے ہیں۔'' (۱۲۷) یقیناً اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں اور ان لوگوں کے جو نیکی کرنے والے ہیں۔'' (۱۲۸)

لگائے، اتنے پتھر مارے کہ حضور لہو سے تر بہ تر اور بے ہوش ہو گئے۔ پھر بھی یہی فرمایا کہ میں ان لوگوں کی ہلاکت نہیں چاہتا۔ کیوں کہ اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو امید ہے کہ ان کی اولاد مسلمان ہو جائے گی۔ (رحمۃ اللعالمین)

مسائل

۱۔ صبر اللہ کی توفیق سے حاصل ہوتا ہے۔ ۲۔ آپ ﷺ کو کفار پر غم نہ کرنے کی تلقین کی گئی۔

۳۔ کسی کی چالوں سے تنگ دل نہیں ہونا چاہیے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ صبر اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کے ساتھ ہے:

۱۔ یقیناً اللہ متقین کے ساتھ ہے۔ (النحل: ۱۲۸)

۲۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ: ۱۵۳)

۳۔ اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو اللہ متقین کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ: ۱۹۴)

۴۔ اگر لوگ ایمان لائیں اور تقویٰ اختیار کریں تو اللہ کے ہاں ان کے لیے بہترین اجر ہے۔ (البقرۃ: ۱۰۳)

۵۔ تقویٰ اختیار کرنے والوں اور نیکی کرنے والوں کو اللہ پسند فرماتا ہے۔ (المائدۃ: ۹۳)

۶۔ اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو نجات عطا فرماتا ہے۔ (الزمر: ۶۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف سورۃ بنی اسرائیل

اس سورۃ کو بنی اسرائیل کے علاوہ اسراء کے نام سے بھی لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔اس کے بارہ رکوع اور ۱۲۱ آیات ہیں۔

یہ سورۃ مکہ معظّمہ کے آخری دور میں نازل ہوئی۔اس کی ابتداء معراج النبی ﷺ سے کی گئی ہے۔معراج کے بارے میں یہ فرما کر شکوک وشبہات دور کیے گئے ہیں کہ وہ ذاتِ کبریا اپنے بندے محمد ﷺ کو رات کے نہایت مختصر حصہ میں آسمانوں پر لے گئی۔جو ہر کمزوری سے پاک اور ہر نقص سے مبرا ہے۔سب کچھ سننے اور دیکھنے والی ہے۔اسی ذات نے اپنے رسول ﷺ کو مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ کی سیر کروائی تاکہ اسے اپنی قدرت کے نشانات دکھلائے۔یہاں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک معراج کا تذکرہ فرمایا۔سورہ نجم میں سدرۃ المنتہیٰ تک کا بیان ہے۔زیادہ تفصیلات احادیث کی کتب میں پائی جاتی ہیں۔مسجد اقصیٰ کے ذکر کے فوراً بعد بنی اسرائیل کو متنبہ کیا گیا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عنایت فرمائی۔جس کا پہلا حکم یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کارساز نہ سمجھا جائے۔بنی اسرائیل کو یہ بھی انتباہ کر دیا گیا تھا کہ تم دو مرتبہ ملک میں بڑا فساد برپا کرو گے اور دونوں دفعہ تم پر ایسا دشمن مسلط کیا جائے گا جو مار مار کر نہ صرف تمھارے چہرے بگاڑ دے گا بلکہ دونوں مرتبہ مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی بھی کریں گے۔اس کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن مجید لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل کیا گیا ہے۔جو لوگ اس پر حقیقی طور ایمان لائیں گے اور اپنی ہمت کے مطابق عمل کریں گے ان کو اجرِ عظیم اور ہر قسم کی کامیابی کی خوشخبری دی جاتی ہے۔لیکن انسان اپنی جلد بازی کی وجہ سے دائمی خیر کو چھوڑ کر دنیا کی خاطر اپنے نقصان کے درپے ہو جاتا ہے۔اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اس کی تمام حرکات وسکنات کو ضبط تحریر میں لایا جا رہا ہے جو ایک کتاب کی شکل میں قیامت کے دن اس کے سامنے پیش کرتے ہوئے حکم ہو گا اسے پڑھ! تیرے حساب کے لیے یہی کافی ہے۔انسان کو یہ بات بھی باور کروائی گئی ہے کہ قیامت کے دن کوئی کسی کے اعمال کا ذمہ دار نہیں ہو گا اور نہ ہی کوئی دوسرے کا بوجھ اُٹھائے گا۔پھر مسلمان معاشرے کو اعلیٰ اقدار اور مربوط رکھنے کے لیے والدین اور معاشرے کے کمزور طبقات کے حقوق کے تحفظ کا حکم دیا گیا ہے۔اس کے بعد اخلاقی،معاشی اور ہر قسم کے استحصال سے منع کرنے کے ساتھ انسان کو سمجھایا گیا ہے کہ تیرے اخلاق اور چال ڈھال میں تواضع اور انکساری کی جھلک غالب رہنی چاہیے۔جس وجہ سے انسان سے اخلاقی اور دیگر کمزوریاں سرزد ہوتی ہیں اس کا بنیادی سبب بتلاتے ہوئے آگاہ کیا گیا ہے کہ یہ شیطان کی شیطنت کا نتیجہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی حیثیت بھول کر فخر وغرور اختیار کرتا ہے۔آدم علیہ السلام کے ساتھ شیطان

کی دشمنی کا ذکر کیا ہے کہ شیطان تمھارا ازلی اور ابدی دشمن ہے۔جس نے نہ صرف فخر وغرور کی وجہ سے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا بلکہ اس نے بارگاہ اقدس میں یہ بھی گستاخی کی کہ مجھے آدم کی وجہ سے ذلیل ہونا پڑا ہے۔لہٰذا میں آدم اور اس کی اولاد کو گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھوں گا۔جس کا یہ جواب دیا گیا کہ اے راندۂ درگاہ! تو اپنے چیلے چانٹوں کو جس طرح چاہے استعمال کر۔لیکن میرے بندوں پر تیرا تسلط مستقل طور پر قائم نہیں ہو پائے گا،اس کے ساتھ ہی شیطان کے تسلط سے بچنے کا طریقہ بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دن رات میں نماز کی پابندی کرتے ہوئے بالخصوص صبح کے وقت قرآن مجید کی تلاوت اہتمام کرو۔کیونکہ صبح کے وقت قرآن مجید کی تلاوت کرنے پر مخصوص ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔اس سورۃ کا اختتام کرنے سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے انھیں نو بڑی بڑی نشانیاں عطا کی تھیں۔جس کے نتیجہ میں موسیٰ علیہ السلام کامیاب ہوئے اور ان کا دشمن اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ غرق ہوا۔سورۃ کا اختتام اس بات پر کیا گیا کہ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)! دوٹوک انداز میں بنی اسرائیل کو فرما دیجیے کہ ایمان لاؤ یا نہ لاؤ جنھیں اللہ تعالیٰ نے حقیقی علم اور سمجھ عنایت فرمائی ہے وہ تو اپنے رب کے وعدے پر یقین رکھتے ہیں اور روتے ہوئے اس کے حضور سربسجود ہوتے ہیں۔ان کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی اولاد ہے نہ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور اس کی ذات کو کسی اعتبار سے کمزوری لاحق نہیں ہوتی۔اس کو کسی کی مدد درکار نہیں اس کو بڑا جانتے ہوئے اس کی بڑائی بیان کرتے رہیں۔

((عَنْ أَبِیْ لُبَابَةَ، سَمِعْتُ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا تَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ مَا يُرِيْدُ أَنْ يُّفْطِرَ، وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ مَا يُرِيْدُ أَنْ يَّصُوْمَ، وَكَانَ يَقْرَأُ كُلَّ لَيْلَةٍ بَنِیْ إِسْرَائِيْلَ ، وَالزُّمَرَ))

[رواہ ابن خزیمة فی صحیحه]

”حضرت ابولبابہ کہتے ہیں میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا انھوں نے فرمایا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل روزے رکھتے تھے اور ہم کہتے کہ آپ روزے چھوڑیں گے نہیں۔آپ روزے رکھنا چھوڑ دیتے تو ہم کہتے آپ روزہ نہیں رکھیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ زمر کی تلاوت کرتے تھے۔“

❀❀❀

سُورَةُ بَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ مَکِّیَّةٌ — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — رُکُوۡعُھَا:۱۲ اٰیَاتُھَا:۱۱۱

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

سُبۡحٰنَ	الَّذِیۡۤ	اَسۡرٰی	بِعَبۡدِہٖ	لَیۡلًا	مِّنَ	الۡمَسۡجِدِ
پاک	جو	لے گیا	اپنے بندے کو	رات	سے	مسجد
الۡحَرَامِ	اِلَی	الۡمَسۡجِدِ	الۡاَقۡصَا	الَّذِیۡ	بٰرَکۡنَا	حَوۡلَہٗ
حرام	طرف	مسجد	اقصیٰ	جو	ہم نے برکت رکھی تھی	اس کے اردگرد
لِنُرِیَہٗ	مِنۡ	اٰیٰتِنَا ؕ	اِنَّہٗ	ہُوَ السَّمِیۡعُ	الۡبَصِیۡرُ ۝	
تاکہ ہم اس کو دکھائیں	سے	اپنی نشانیاں	بلاشبہ	وہی ہے خوب سننے والا	خوب دیکھنے والا	

”پاک ہے وہ ذات جو رات کے ایک حصے میں اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے بہت برکت دی ہے، تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بلاشبہ وہی خوب سننے والا، دیکھنے والا ہے۔“(۱)

فہم القرآن

ربط کلام: نئے خطاب کا آغاز: اس سورۃ میں بنی اسرائیل کو متنبہ کیا ہے کہ اب تمہارا دور ختم ہوا۔

معراج کے دو حصے ہیں: پہلے حصے کو اِسراء اور دوسرے کو معراج کہا جاتا ہے لیکن عرفِ عام میں دونوں ہی کو معراج کہا جاتا ہے۔”پاک ہے وہ ذات جو رات کے ایک مختصر حصّہ میں اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی۔ جس کے اردگرد ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ ہم اسے اپنی قدرت کے کچھ نمونے دیکھائیں۔“

مسجد حرام (خانہ کعبہ) مکہ میں ہے اور مسجد اقصیٰ فلسطین کے شہر”القدس“ میں ہے۔ جس کا پرانا نام یروشلم اور ایلیا ہے۔ اس وقت مکہ سے القدس تک کی مسافت چالیس دن میں طے ہوتی تھی۔ لیکن معراج کی رات چالیس دن کی مسافت رات کے ایک مختصر حصہ میں طے ہوگئی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا آغاز لفظ”سبحان“ سے کیا ہے۔ جس کا معنی ہے:”اللہ ہر نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔“

لفظ سبحان کا استعمال ایسے موقعوں پر ہوتا ہے جب کسی عظیم الشان واقعے کا ذکر ہو۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک ظاہری اسباب کے اعتبار سے یہ واقعہ کتنا ہی محال ہو لیکن اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ کیونکہ وہ اسباب کا پابند نہیں۔ لفظ ”کُنْ“ کہنے کی دیر ہے جو چاہتا ہے پلک جھپکنے سے پہلے ہو جاتا ہے۔ اسباب انسانوں کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے۔ لہٰذا اسباب اس کے محتاج اور پابند ہیں۔ وہ اسباب کی پابندیوں اور کمزوریوں سے پاک ہے۔

حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو ہم بامحاورہ بیان کرتے ہیں۔ تفصیل کے لیے حدیث کی کتب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

''اللہ کے نبی ﷺ نے انہیں اس رات کے متعلق بتلایا جس میں آپ ﷺ کو معراج کرائی گئی۔ آپ نے فرمایا: ''میں ایک رات حطیم میں سویا ہوا تھا۔ ایک آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے میرا پیٹ سینے سے ناف تک چاک کیا اور میرا دل باہر نکالا، پھر میرے قریب سونے کا ایک طشت لایا گیا جو ایمان وحکمت سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں میرے دل کو دھویا گیا اور اسے ایمان وحکمت سے بھر کر اپنی جگہ رکھ دیا گیا۔ پھر ایک سفید جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا۔ وہ اپنا قدم وہاں رکھتا جہاں اس کی نگاہ کی آخری حد ہوتی۔ مجھے اس پر سوار کرا دیا گیا اور جبریل مجھے اپنے ساتھ لے چلے یہاں تک کہ آسمانِ دنیا پر پہنچ گئے۔ جبریل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا، پوچھا گیا: کون ہے؟ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ میں جبریل ہوں۔ پوچھا گیا: تمہارے ساتھ کون ہے؟ جبریل نے بتلایا: محمد ﷺ ہیں پوچھا گیا: کیا انہیں بلوایا گیا ہے؟ جبریل نے کہا ہاں! کہا گیا: انہیں خوش آمدید! کیا ہی مبارک آنے والے ہیں۔ دربان نے دروازہ کھول دیا۔ جب میں نے آسمان پر قدم رکھا تو دیکھا وہاں حضرت آدم علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ آپ کے باپ آدم ہیں، انہیں سلام کریں۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: نیک بیٹے اور صالح پیغمبر کو خوش آمدید، پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر دوسرے آسمان پر چڑھے اور اس کا دروازہ کھولنے کو کہا۔ پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا: میں جبریل ہوں۔ پوچھا گیا: تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد ﷺ ہیں۔ پوچھا گیا: کیا انہیں بلوایا گیا ہے؟ جبریل نے کہا: ہاں! کہا گیا: خوش آمدید! جو آیا ہے کتنا اچھا ہے؟ دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام تھے جو دونوں خالہ زاد ہیں۔ جبریل نے کہا: یہ یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام ہیں انہیں سلام کریں۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ ان دونوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: صالح بھائی اور پیغمبر کو خوش آمدید۔ پھر جبریل مجھے تیسرے آسمان پر لے کر چڑھے اور دروازہ کھولنے کو کہا۔ پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا: میں جبریل ہوں۔ کہا گیا: تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد ﷺ ہیں۔ پوچھا گیا: کیا انہیں بلوایا گیا ہے؟ جبریل نے کہا: ہاں! انہوں نے خوش آمدید کہتے ہوئے کہا جو آیا ہے کتنا اچھا مہمان ہے؟ دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہاں یوسف علیہ السلام تھے جبریل نے کہا: یہ یوسف ہیں انہیں سلام کریں۔ میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے جواب دیا: صالح بھائی اور پیغمبر کو خوش آمدید۔ پھر جبریل مجھے چوتھے آسمان پر لے کر چڑھے۔ دروازہ کھولنے کو کہا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ کہا: میں جبریل ہوں۔ پوچھا گیا: تمہارے ساتھ کون ہے کہا: محمد ﷺ ہیں کہا گیا کیا انہیں بلوایا گیا ہے؟ جبریل نے کہا: ہاں کہا گیا: خوش آمدید، پس آنے والا جو آیا ہے کتنا ہی اچھا ہے؟ دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں ادریس علیہ السلام تھے جبریل

نے کہا: یہ ادریس علیہ السلام ہیں انہیں سلام کریں۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا: صالح بھائی اور پیغمبر کو خوش آمدید۔ پھر جبریل مجھے پانچویں آسمان پر لے کر چڑھے۔ انہوں نے دروازہ کھولنے کو کہا۔ کہا گیا: کون ہے؟ کہا میں جبریل ہوں پوچھا گیا: تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا: انہیں بلوایا گیا ہے؟ جبریل نے کہا: ہاں! کہا گیا: خوش آمدید جو آیا ہے کتنا اچھا ہے؟ جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں ہارون علیہ السلام تھے جبریل نے کہا: یہ ہارون ہیں۔ انہیں سلام کریں۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا: صالح بھائی اور پیغمبر کو خوش آمدید۔ پھر جبریل مجھے چھٹے آسمان پر لے کر چڑھے۔ تب انہوں نے دروازہ کھولنے کو کہا۔ پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا میں جبریل ہوں۔ پوچھا گیا: تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہا گیا: کیا انہیں بلوایا گیا ہے؟ جبریل نے کہا: ہاں! کہا: خوش آمدید! جو آیا ہے کتنا ہی اچھا ہے؟ جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں موسیٰ علیہ السلام تھے جبریل نے کہا: یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں انہیں سلام کریں میں نے انہیں سلام کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا اور کہا: صالح بھائی اور پیغمبر کو خوش آمدید۔ جب میں وہاں سے آگے چلا تو موسیٰ علیہ السلام رو پڑے۔ پوچھا گیا: آپ کیوں روتے ہیں؟ انہوں نے کہا: میں اس لیے روتا ہوں کہ یہ جوان جو میرے بعد نبی بنا کر بھیجا گیا، اس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ تعداد میں جنت میں جائیں گے۔ پھر جبریل مجھے لے کر ساتویں آسمان پر چڑھے اور انہوں نے دروازہ کھولنے کو کہا، پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا: میں جبریل ہوں۔ کہا گیا: تمہارے ساتھ کون ہے؟ جبریل نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہا گیا: کیا ان کی طرف یہاں آنے کا پیغام بھیجا گیا تھا؟ کہا: ہاں! کہا: خوش آمدید کتنا اچھا ہے جو آیا ہے۔ جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں ابراہیم علیہ السلام تھے۔ جبریل نے کہا: یہ آپ کے باپ ہیں انہیں سلام کریں۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: صالح بیٹے اور پیغمبر کو خوش آمدید۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا۔ اس کا پھل (بیر) ہجر ''شہر'' کے مٹکوں جتنا تھا۔ اس کے پتے ہاتھی کے کانوں جیسے تھے۔ جبریل نے کہا: یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ وہاں چار نہریں تھیں، دو نہریں جنت کے اندر اور دو نہریں باہر ہیں۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ دو نہریں کونسی ہیں؟ جبریل نے کہا: دو اندر والی ہیں وہ جنت میں اور جو دو نہریں ظاہر ہیں وہ نیل اور فرات ہیں۔ پھر میرے لیے بیت المعمور بلند کیا گیا، یہاں میرے لیے تین برتن لائے گئے ایک شراب کا دوسرا دودھ کا تیسرا شہد کا تھا۔ میں نے ان میں سے دودھ کا پیالہ لے لیا۔ جبریل نے فرمایا: یہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپ کی امت ہے۔ پھر مجھ پر رات اور دن میں پچاس نمازیں فرض کر دی گئیں۔ جب میں واپس لوٹا اور دوبارہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے پوچھا: آپ کو کیا حکم دیا گیا ہے؟ میں نے کہا: مجھے ہر روز پچاس نمازیں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام

نے فرمایا: آپ کی امت روزانہ پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکے گی۔ اللہ کی قسم! میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں۔ بنی اسرائیل کو خوب اچھی طرح آزما چکا ہوں۔ پس آپ اپنے رب کی طرف جائیں اور اس سے اپنی امت کے لیے تخفیف کا سوال کریں۔ میں دوبارہ واپس گیا تو اللہ نے میرے لیے دس نمازیں کم کر دیں۔ میں جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر پہلی والی باتیں کیں۔ میں پھر واپس گیا تو اللہ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا تو انہوں نے پھر وہی باتیں کیں۔ میں پھر واپس گیا تو میرے لیے پھر دس نمازیں کم کر دیں۔ میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر وہی باتیں کیں۔ میں پھر واپس گیا تو میرے لیے دس نمازیں کم کر دیں گئیں۔ میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے مجھے پھر واپس بھیجا۔ میں واپس گیا تو میرے لیے پانچ نمازیں معاف کر دیں۔ میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے پھر واپس جانے کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ کی امت روزانہ پانچ نمازیں بھی نہیں پڑھے گی۔ میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور میں بنی اسرائیل کو خوب آزما چکا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اپنے رب کے پاس جائیں اور اس سے اپنی امت کے لیے مزید تخفیف کا سوال کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بار بار اپنے رب سے سوال کر چکا ہوں اب مجھے شرم آ رہی ہے۔ اب میں اسی پر راضی ہوں اور اسے ہی تسلیم کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: جب میں کچھ آگے گیا تو ایک منادی کرنے والے نے بلند آواز سے کہا: میں نے اپنا فریضہ جاری کر دیا اور اپنے بندوں پر تخفیف کر دی ہے۔''

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مشاہدات:

* شق صدر کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کا نکالنا اور پھر اسے دھو کر دوبارہ اپنے مقام پر رکھ دینا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظیم نشانی ہے کیونکہ اس دور میں طب اور میڈیکل سائنس کی وہ ترقی نہیں تھی جو آج کل عام ہے۔ اس دور میں دل کا اپنے مقام سے باہر نکال لینا موت کے مترادف تھا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نہیں ہوا۔
* اللہ تعالیٰ کی طرف سے براق جیسی برق رفتار سواری کا انتظام کرنا جس نے ڈیڑھ مہینے کا سفر رات کے ایک نہایت قلیل حصے میں طے کرا دیا۔
* سیڑھی کے ذریعے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں پر لے جانا۔ یہ بے مثال اور عظیم الشان لفٹ تھی جو آسمانوں پر چڑھنے کے لیے آپ کو مہیا کی گئی۔ یاد رہے معراج کا معنیٰ سیڑھی ہے۔
* بیت المقدس میں تمام انبیاء علیہم السلام کا جمع ہونا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنا ہے۔ آپ کا امام الانبیاء کا اعزاز پانا۔
* آسمانوں پر جلیل القدر انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتوں کا خصوصی اہتمام بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی شان کا اظہار اور عظیم زیارات ہیں۔

- سدرة المنتہیٰ کا مشاہدہ جو مقام انتہاء ہے۔اس سے اوپر کی چیزیں جنہیں نیچے اترنا ہوتا ہے ان کا نزول پہلے یہاں ہوتا ہے:فرشتے اسے یہاں سے وصول کرکے اس کے مطابق کاروائی کرتے ہیں۔زمیں سے آسمانوں کو جانے والی چیزیں بھی یہاں ٹھہر جاتی ہیں۔اس کے بعدان کو جہاں لے جانا ہوتا ہے، لے جایا جاتا ہے۔اس اعتبار سے یہ بہت ہی اہم مقام اورنہایت اہم مرکز ہے۔علاوہ ازیں یہ مرکز تجلیات الٰہی بھی ہے۔اس کے گرد سونے کے پروانے محوِ پرواز رہتے ہیں۔اس کے حسن و جمال اور رعنائی کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔اسی کے پاس جنت الماویٰ ہے۔اسی جگہ پر نبی ﷺ نے قلموں کے چلنے کی آوازیں سنی تھیں۔جس کا مطلب ہے کہ فرشتے لوح محفوظ سے قضاوقدر کے فیصلے نوٹ کرتے ہیں اسی مقام پر نبی ﷺ کو وہ چیزیں ملیں جو شب معراج کے خاص تحفے ہیں۔اسی جگہ پر نبی ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دوسری مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا یہاں چار نہریں بھی دیکھیں جن کے سوتے اسی مقام پر ہیں۔گویا سدرة المنتہیٰ بہت سے مشاہدات کا مجموعہ اور عجائبات آسمانی کا مظہر ہے۔
- ساتویں آسمان پر بیت المعمور دیکھا جو فرشتوں کی عبادت گاہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق کی عظمت و کثرت کا مشاہدہ ہوا کہ روزانہ ستر ہزار فرشتے اس میں عبادت کے لیے آتے ہیں جنکی قیامت تک دوبارہ باری نہیں آئے گی۔
- جہنم کا داروغہ جس کا نام مالک ہے، دجّال جس کا خروج قیامت کے قریب ہوگا ان دونوں کا مشاہدہ بھی اسی رات نشانیوں کے طور پر کرایا گیا۔
- ((ثُمَّ أُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ فَإِذَا فِيهَا جَنَابِذُ اللُّؤْلُؤِ وَإِذَا تُرَابُهَا الْمِسْكُ))[رواہ مسلم: کتاب الایمان]
  ''پھر مجھے جنت میں لے جایا گیا۔میں نے وہاں دیکھا کہ موتیوں کے خیمے ہیں اوراس کی مٹی کستوری ہے۔''
- ((أَتَيْتُ عَلَى نَهَرٍ حَافَتَاهُ قِبَابُ اللُّؤْلُؤِ مُجَوَّفًا فَقُلْتُ مَا هَذَا يَا جِبْرِيلُ قَالَ هَذَا الْكَوْثَرُ))
  [رواہ البخاری: کتاب التفسیر باب تفسیر سورۃ الکوثر]
  ''میں ایک نہر پر آیا اس کے دونوں کنارے موتیوں کے قبوں کے تھے، میں نے پوچھا، جبریل یہ کیا ہے؟ جبریل نے کہا یہ کوثر ہے۔''

مسجد اقصیٰ کا تعارف اور فضیلت:

مسجد اقصیٰ کرۂ ارض پر مسلمانوں کا تیسرا مقدس مقام ہے۔یہ تاریخی شہر میں واقع ہے اس کو احادیث اور تاریخ میں 'بیت المقدس' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، بائبل میں یہ شہر 'یروشلم اور ایلیا' کے نام سے جانا جاتا ہے۔مسجد اقصیٰ قدیمی شہر کے جنوب مشرقی طرف ایک نہایت وسیع رقبے پر مشتمل ہے۔اس کے احاطے کے گرد ایک مستطیل شکل کی پر شکوہ فصیل ہے۔مسجد کے احاطہ کی وسعت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ اس کا رقبہ ۱۴۴ دونم (ایک میٹر ۱۰۰۰ میٹر مربع کے برابر ہے) ہے۔مسجد اقصیٰ شہر

کے جس حصہ میں واقع ہے وہ ایک ٹیلہ نما جگہ ہے۔اس ٹیلہ کا تاریخی نام 'موریا' ہے۔صخرہ مشرفہ وہ چٹان ہے جہاں اسراء معراج کی رات رسول اللہ ﷺ کے قدم مبارک لگے تھے اور آپ نے براق باندھا تھا۔مسجد کی پیمائش یوں ہے: جنوب کی طرف ٢٨١ میٹر،شمال کی طرف ٣١٠ میٹر،مشرق کی طرف ٤٦٢ میٹر اور مغرب کی جانب ٤٩١ میٹر۔مسجد اقصیٰ کا یہ احاطہ قدیمی شہر کا چھٹا حصہ بنتا ہے۔اس کی خاص بات یہ ہے کہ اس مسجد کی حدود آج بھی وہی ہیں جہاں جائے نماز کے طور پر پہلے دن اس کی تعمیر ہوئی تھی۔ احاطہ کے چودہ دروازے ہیں۔صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے جس وقت یہ مسجد آزاد کروائی،اس کے بعد بعض وجوہات کے پیش نظر مسجد کے کچھ دروازے بند کر دیئے گئے۔وہ دروازے جو اس وقت تک برقرار ہیں،دس ہیں۔مسجد اقصیٰ کے چار مینار ہیں۔باب المغاربہ والا مینار،جو کہ جنوب مغربی جانب ہے۔باب السلسہ والا مینار جو کہ مغربی سمت باب السلسہ کے قریب واقع ہے۔باب الغونمہ والا مینار جو کہ شمال مغربی سمت اور باب الاسباط والا مینار جو کہ شمالی سمت واقع ہے۔اقصیٰ کا مطلب ہے طویل تر۔مراد یہ ہے کہ اسلام کے تین مقدس مقامات میں سے یہ مقام باقی دو کی نسبت بعید تر ہے۔کیونکہ یہ مکہ و مدینہ سے کافی فاصلے پر واقع ہے۔اس مقام کا نام ''مسجد اقصیٰ'' نزول قرآن کے بعد ہی مشہور ہوا ہے۔قرآن مجید کے نام سے پہلے اس کو مقدس یا بیت المقدس کہا جاتا تھا۔بیت المقدس کا یہ علاقہ اس زمانہ میں ایلیاء کے نام سے بھی جانا جاتا تھا۔

((عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَیُّ مَسْجِدٍ وُّضِعَ فِیْ الْاَرْضِ اَوَّلَ قَالَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ الْمَسْجِدُ الْاَقْصٰی قُلْتُ کَمْ بَیْنَھُمَا قَالَ اَرْبَعُوْنَ عَامًا ثُمَّ الْاَرْضُ لَکَ مَسْجِدٌ فَحَیْثُ مَا اَدْرَکَتْکَ الصَّلٰوۃُ فَصَلِّ))

[رواہ البخاری،:باب المساجد و مواضع الصلاۃ]

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول محترم ﷺ سے عرض کیا کہ زمین میں سب سے پہلے کونسی مسجد تعمیر ہوئی؟ آپ نے فرمایا بیت اللہ۔میں نے پھر عرض کیا اس کے بعد آپ فرماتے ہیں مسجد اقصیٰ۔میں نے عرض کیا ان کے درمیان کتنے سال کا فرق ہے؟ آپ فرماتے ہیں کہ چالیس سال۔پھر ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیے پوری زمین مسجد بنا دی گئی ہے جس جگہ نماز کا وقت ہو،نماز ادا کر لیا کرو۔''

مسائل

١۔ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام سے لیکر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی۔

٢۔ مسجد اقصیٰ کے اردگرد اللہ کی برکات کا نزول ہوتا ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ سننے والا،جاننے والا ہے۔

وَاٰتَيْنَا	مُوْسَى	الْكِتٰبَ	وَجَعَلْنٰهُ	هُدًى	لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
اور ہم نے دی	موسیٰ	کتاب	اور ہم نے اسے بنایا	ہدایت	بنی اسرائیل کے لیے
اَلَّا	تَتَّخِذُوْا	مِنْ دُوْنِيْ	وَكِيْلًا ۝۲	ذُرِّيَّةَ	مَنْ
یہ کہ نہ	تم پکڑو	میرے سوا	کارساز	اولاد	جنہیں
حَمَلْنَا	مَعَ	نُوْحٍ	اِنَّهٗ	كَانَ	عَبْدًا شَكُوْرًا ۝۳
ہم نے سوار کیا تھا	ساتھ	نوح	بے شک وہ	تھا	بندہ نہایت شکر گزار

”اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا کہ میرے سوا کوئی کارساز نہ بنانا۔“ (۲) ”اے ان لوگوں کی اولاد! جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا! بے شک وہ بہت شکر گزار بندہ تھا۔“ (۳)

فہم القرآن

ربط کلام: معراج کا واقعہ درحقیقت یہود ونصاریٰ کے لیے یہ پیغام تھا کہ تمہارا دور گزر چکا۔ اب امت مسلمہ کا دور شروع ہونے والا ہے۔ اس لیے واقعہ معراج کی طرف مختصر اشارہ کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو بتلایا اور سمجھایا گیا ہے کہ ہم نے موسیٰ کو ایسی کتاب دی تھی جو تمہارے لیے رہنمائی کا سرچشمہ تھی۔

توراۃ کا مرکزی پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کارساز اور اپنے معاملات کا ذمہ دار نہ بنانا۔ اس کے ساتھ ہی بنی اسرائیل کو بتلایا ہے کہ تم نوح علیہ السلام کے ساتھیوں کی اولاد ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنے رب کے شکر گزار بندے تھے حضرت نوح علیہ السلام کی تعلیم کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ صرف ایک اللہ کے ہو جاؤ، اسی کے سامنے سر جھکاؤ، اسی سے رزق طلب کرو اور اسی پر بھروسہ کرو۔ جو قوم خداداد صلاحیتوں اور اپنے رب پر بھروسہ نہیں کرتی وہ ذلیل ہو کر رہ جاتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ پر غور کرو۔ انہیں اور ان کے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح بچا کر دنیا میں پھیلایا؟ ان کے مخالفوں کو کس طرح ڈبکیاں دے دے کر مارا گیا؟ اگر تم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرو گے۔ تو تمہارا دشمن ناکام اور تم دنیا وآخرت میں کامیاب ہو گے۔ لیکن بنی اسرائیل نے اپنے رب سے کیے گئے وعدوں کی پے در پے خلاف ورزی کی۔ جس کے نتیجے میں وہ ذلیل ہوئے۔ جس کی تفصیل اگلی آیات میں بیان کی گئی ہے۔ جن میں بنی اسرائیل کا انجام بیان ہوا؟ مسلمانوں کے لیے ایک سبق ہے کہ تمہاری کسمپرسی کا دور ختم ہونے والا ہے۔ اب تم اقتدار اور اختیار کے مالک بننے والے ہو۔ دیکھنا بنی اسرائیل کا گھناؤنا کردار اختیار کرنے کی بجائے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی طرح شکر گزار بننے کی کوشش کرنا۔ جس

کالازماً نتیجہ ہوگا کہ تم کامیاب اور تمہارا دشمن دنیاو آخرت میں ذلیل خوار ہوگا۔

بنی اسرائیل سے لیے گئے عہد کا خلاصہ:

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَا اٰتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾

[البقرة:٦٣۔٦٤]

''اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور کوہِ طور کو تم پر بلند کیا کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے۔اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھو اور اسے یاد رکھو تاکہ تم متقی بن جاؤ۔لیکن تم اس کے بعد پھر گئے۔اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم خسارہ پانے والے ہوتے۔''

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ إِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيْلًا مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُعْرِضُوْنَ﴾[البقرة:٨٣]

''اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، والدین، قریبی رشتے داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کرنا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا لیکن چند لوگوں کے سوا سب پھر گئے۔اس حال میں کہ تم اعراض کرنے والے تھے۔''

مسائل

۱۔اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کتاب عنایت فرمائی۔ ‏ ۲۔ حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے شکر گزار بندے تھے۔

۳۔اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بنانا۔

تفسیر بالقرآن

مختلف ادوار میں بنی اسرائیل کا انجام:

۱۔ بنی اسرائیل چالیس سال صحرا میں سرگرداں رہے۔(المائدۃ:۲۶)

۲۔ بنی اسرائیل پر داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام نے پھٹکار کی۔(المائدۃ:۷۸)

۳۔ بنی اسرائیل پر اللہ نے لعنت کی۔(النساء:۴۶) ‏ ۴۔ بنی اسرائیل دنیا میں ذلیل وخوار ہوئے۔(بنی اسرائیل:۵)

۵۔ بنی اسرائیل ذلیل بندر بنادیے گئے۔(البقرۃ:۶۵)

وَقَضَيْنَآ	اِلٰى	بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ	فِى	الْكِتٰبِ	لَتُفْسِدُنَّ
اور ہم نے فیصلہ کردیا	طرف	بنی اسرائیل	میں	کتاب	البتہ تم ضرور فساد کرو گے
فِى	الْاَرْضِ	مَرَّتَيْنِ	وَلَتَعْلُنَّ	عُلُوًّا	كَبِيْرًا ۝
میں	زمین	دو بار	اور البتہ ضرور تم سرکشی کرو گے	سرکشی کرنا	بہت بڑی
فَاِذَا	جَآءَ	وَعْدُ	اُوْلٰىهُمَا	بَعَثْنَا	عَلَيْكُمْ	عِبَادًا
پھر جب	وہ آگیا	وعدہ	دونوں میں پہلا	ہم نے مسلط کردیے	تم پر	بندے
لَّنَآ	اُولِىْ	بَاْسٍ	شَدِيْدٍ	فَجَاسُوْا	خِلٰلَ	الدِّيَارِ ؕ
ہمارے لیے	والے	لڑائی	نہایت سخت	پھر وہ گھس گئے	درمیان	شہروں کے
وَكَانَ	وَعْدًا	مَّفْعُوْلًا ۝			
اور تھا	وعدہ	کیا ہوا			

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں فیصلہ سنا دیا تھا کہ تم زمین میں ہرصورت دو بار فساد کرو گے اور تم بہت زیادہ سرکشی کرو گے۔''(۴) ''پھر جب ان دونوں وعدوں میں سے پہلا وعدہ آیا تو ہم نے تم پر اپنے سخت لڑائی کرنے والے بندے مسلط کر دیے، وہ گھروں کے اندر گھس گئے اور یہ ایسا وعدہ تھا جو پورا ہونے والا تھا۔''(۵)

فہم القرآن

ربط کلام: بائبل کے مجموعۂ کتبِ مقدسہ میں یہ تنبیہات مختلف مقامات پر ملتی ہیں۔ پہلے فساد اور اس کے بُرے نتائج پر بنی اسرائیل کو متنبہ کیا گیا۔ دوسرے فساد اور اس کی سخت سزا کی پیشین گوئی حضرت مسیح علیہ السلام نے کی ہے جو متّی اور لوقا کی انجیلوں میں موجود ہے۔ ذیل میں ہم ان کتابوں کی متعلقہ عبارتیں نقل کرتے ہیں تاکہ قرآن کے اس بیان کی تصدیق ہو جائے۔

پہلے فساد پر اولین تنبیہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں:

''انہوں نے ان قوموں کو ہلاک نہ کیا جیسا خداوند نے ان کو حکم دیا تھا بلکہ ان قوموں کے ساتھ مل گئے اور ان جیسے کام سیکھ لیے اور ان کے بتوں کی پرستش کرنے لگے جو ان کے لیے پھندا بن گئے۔ بلکہ انہوں نے اپنی بیٹیوں کو شیاطین کے لیے قربان کیا اور معصوموں یعنی اپنے بیٹیوں کا خون بہایا............اس لیے خداوند کا قہر اپنے لوگوں پر بھڑکایا اور اسے اپنی میراث سے نفرت ہوگئی اور اس نے ان قوموں کے قبضے میں کر دیا اور ان سے

ثُمَّ	رَدَدْنَا	لَكُمُ	الْكَرَّةَ	عَلَيْهِمْ	وَاَمْدَدْنٰكُمْ
پھر	ہم نے لوٹا دیا	تمہارے لیے	غلبہ	ان پر	اور ہم نے تمہاری مدد کی
بِاَمْوَالٍ	وَّبَنِيْنَ	وَجَعَلْنٰكُمْ	اَكْثَرَ	نَفِيْرًا ۝	اِنْ
مالوں کے ساتھ	اور بیٹے	اور ہم نے کر دیا تمہیں	زیادہ	تعداد	اگر
اَحْسَنْتُمْ	اَحْسَنْتُمْ	لِاَنْفُسِكُمْ قف	وَاِنْ	اَسَاْتُمْ	فَلَهَا ط
تم نیکی کرو گے	تم نیکی کرو گے	اپنے نفسوں کے لیے	اور اگر	تم برائی کرو گے	پھر اس کے لیے
فَاِذَا	جَآءَ	وَعْدُ	الْاٰخِرَةِ	لِيَسُوْٓءٗا	وُجُوْهَكُمْ	وَلِيَدْخُلُوا
پھر جب	وہ آیا	وعدہ	دوسرا	تا کہ وہ بگاڑ دیں	تمہارے چہرے	اور تا کہ وہ داخل ہو جائیں

''پھر ہم نے تمھیں دوبارہ ان پر غلبہ دیا اور تمھیں اموال اور بیٹوں سے مدد دی اور تمھیں تعداد میں زیادہ کر دیا۔'' (٦) ''اگر تم نے بھلائی کی تو اپنے لیے بھلائی کی اور اگر برائی کی تو اپنے لیے کی، پھر جب آخری وعدہ آیا (تو ہم نے اور بندے تم پر بھیجے) تا کہ وہ تمھارے چہرے بگاڑ دیں اور وہ مسجد میں داخل ہو جائیں

عداوت رکھنے والے ان پر حکمران بن گئے۔'' [زبور: باب ۱۰۶ آیات ۳۴-۱۴]

جب یہ فساد عظیم رونما ہوا۔تو اس کے نتیجے میں آنے والی تباہی کی خبر حضرت یسعیاہ علیہ السلام نبی اپنے صحیفے میں یوں دیتے ہیں:

''آہ! خطا کار گروہ، بدکرداری سے لدی ہوئی قوم، بدکرداروں کی نسل مکار اولاد جنھوں نے خداوند کو ترک کیا، اسرائیل کے قدوس کو حقیر جانا اور گمراہ و برگشتہ ہو گئے، تم زیادہ بغاوت کر کے اور مار کھاؤ گے۔'' [باب:۱، آیت ۴-۵]

''وفادار بستی کیسی بدکار ہو گئی! وہ تو انصاف سے معمور تھی اور راست بازی اس میں بستی تھی لیکن اب خونی رہتے ہیں۔......... تیرے سردار گردن کش اور چوروں کے ساتھی ہیں۔ان میں سے ہر ایک رشوت دوست اور انعام طلب ہے۔وہ یتیموں سے انصاف نہیں کرتے اور بیواؤں کی فریاد ان تک نہیں پہنچتی۔اس لیے خداوند رب الافواج اسرائیل کا قادر فرماتا ہے کہ آہ میں ضرور اپنے مخالفوں سے آرام پاؤں گا اور اپنے دشمنوں سے انتقام لوں گا۔'' [باب:۱، آیت ۲۱ تا ۲۴]

''وہ اہل مشرق کی رسوم سے پر ہیں اور فلسفیوں کی مانند شگون لیتے ہیں اور بیگانوں کی اولاد کے ساتھ ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں......اور ان کی سرزمین بتوں سے پُر ہے۔وہ اپنے ہی ہاتھوں کی صنعت یعنی اپنی ہی انگلیوں کی کاریگری

الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا
مسجد | جیسا کہ وہ داخل ہوئے تھے اس میں | پہلی بار | اور تا کہ وہ تباہ کر دیں | اس چیز کو جس پر

عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ
وہ غالب آئے | تباہ کرنا | قریب | تمہارا رب | یہ کہ | وہ تم پر رحم کرے

وقف لازم

وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝
اور اگر | تم دوبارہ کرو گے | تو ہم بھی دوبارہ دیں گے | اور ہم نے بنایا ہے | جہنم کو | کافروں کے لیے | قید خانہ

جیسے وہ پہلی مرتبہ اس میں داخل ہوئے تا کہ جس پر غلبہ پائیں اسے بری طرح برباد کر دیں۔'' (۷) '' قریب ہے کہ تمھارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم وہی کرو گے تو ہم بھی وہی کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنایا ہے۔'' (۸)

کو سجدہ کرتے ہیں۔'' [زبور: باب ۲ آیت ۶۔۸]

'' اے بنو اسرائیل کے گھرانے ! دیکھ میں ایک قوم کو دور سے تجھ پر چڑھا لاؤں گا۔ خداوند فرماتا ہے وہ زبردست قوم ہے وہ قدیم قوم ہے وہ ایسی قوم ہے جس کی زبان تو نہیں جانتا اور ان کی بات کو تو نہیں سمجھتا۔ ان کے ترکش کھلی قبریں ہیں۔ وہ سب بہادر مرد ہیں وہ تیری فصل کا ناج اور تیری روٹی جو تیرے بیٹوں بیٹیوں کے کھانے کی تھی کھا جائیں گے۔ تیرے گائے بیل اور تیری بکریوں کو چٹ کر جائیں گے۔ تیرے انگور اور انجیر نگل جائیں گے۔ تیرے مضبوط شہروں کو جن پر تیرا بھروسا ہے تلوار سے ویران کر دیں گے۔'' [زبور: باب ۵ آیت ۱۵۔۱۷]

'' اس قوم کی لاشیں ہوائی پرندوں اور زمین کے درندوں کی خوراک ہوں گی اور ان کو کوئی نہ ہنکائے گا۔ میں یہوداہ کے شہروں میں اور یروشلم کے بازاروں میں خوشی اور شادمانی کی آواز، دولہا اور دلہن کی آواز موقوف کروں گا تا کہ یہ ملک ویران ہو جائے۔'' [زبور: باب ۷ آیت ۳۳۔۳۴]

'' ان کو میرے سامنے نکال دے کہ چلے جائیں اور جب وہ پوچھیں کہ ہم کدھر جائیں تو ان سے کہنا کہ خداوند فرماتا ہے کہ جو موت کے لیے وہ موت کی طرف اور جو تلوار کے لیے ہیں وہ تلوار کی طرف اور جو قحط کے لیے وہ قحط کی طرف اور جو اسیری کے لیے وہ اسیری میں۔'' [زبور: باب ۱۵ آیت ۲۔۳]

یہ تھیں وہ تنبیہات جو بنی اسرائیل کے پہلے فساد عظیم کے موقع پر کی گئی۔ (ماخوذ از تفہیم القرآن)

مسائل

۱۔ بنی اسرائیل زمین میں فساد کرتے ہیں۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر سخت گیر بندے مسلط فرمائے۔

۳۔ بنی اسرائیل کے گھروں کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے مال اور بیٹے عطا فرماتا ہے۔

۵۔ نیکی کا صلہ نیکی کرنے والے کو ہی ملے گا۔

۶۔ برے کو اس کی برائی کا بدلہ ضرور ملے گا۔

۷۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنی رحمت کا نزول کرتا ہے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے جہنم قید خانہ بنایا۔

تفسیر بالقرآن

کفار کا ٹھکانہ:

۱۔ کفار سے فرمادیں کہ عنقریب تم مغلوب ہوگے اور تمہیں جہنم کی طرف اکٹھا کیا جائے گا۔(آل عمران:۱۲)

۲۔ کفار کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔(النساء:۹۷)

۳۔ کفار کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ اس میں انہیں موت نہیں آئے گی۔(فاطر:۳۶)

۴۔ کفار کو جہنم کی طرف گروہ در گروہ ہانکا جائے گا۔(الزمر:۷۱)

۵۔ مجرم لوگ ہمیشہ جہنم کے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔(الزخرف:۷۴)

۶۔ کفار کا ٹھکانہ جہنم ہے جب اُس کی آگ ہلکی ہونے لگے گی تو ہم اُس کو اور بھڑکا دیں گے۔(بنی اسرائیل:۹۷)

۷۔ سرکشوں کے لیے انتہائی بری جگہ ہے اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور برا ہے اُن کا بچھونا۔(ص:۵۶)

۸۔ وہ لوگ جنھوں نے اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔(البینۃ:۶)

۹۔ کفار کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ اس سے بچنے کی جگہ نہیں پائیں گے۔(النساء:۱۲۱)

۱۰۔ اے نبی! کفار کے خلاف جہاد کیجیے اور ان پر سختی کریں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔(التحریم:۹)

اِنَّ	هٰذَا	الْقُرْاٰنَ	يَهْدِىْ	لِلَّتِىْ	هِىَ	اَقْوَمُ
بے شک	یہ	قرآن	وہ ہدایت دیتا ہے	اس کی کہ	وہ جو	سب سے سیدھی ہے
وَيُبَشِّرُ	الْمُؤْمِنِيْنَ	الَّذِيْنَ	يَعْمَلُوْنَ	الصّٰلِحٰتِ	اَنَّ	
اور وہ خوشخبری دیتا ہے	مومنوں کو	وہ لوگ جو	عمل کرتے ہیں	نیک	بے شک	
لَهُمْ	اَجْرًا	كَبِيْرًا ۙ٩	وَّاَنَّ	الَّذِيْنَ	لَا يُؤْمِنُوْنَ	
ان کے لیے	اجر	بہت بڑا	اور بلاشبہ	وہ لوگ	نہیں ایمان لاتے	
بِالْاٰخِرَةِ	اَعْتَدْنَا	لَهُمْ	عَذَابًا	اَلِيْمًا ۧ١٠		
آخرت کیساتھ	ہم نے تیار کیا ہے	ان کے لیے	عذاب	اذیت ناک		

”بلاشبہ یہ قرآن اس راستے کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں، بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔“ (٩) ”اور بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔“ (١٠)

فہم القرآن

ربط کلام: بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے تورات، انجیل اور زبور نازل کی گئیں۔ مگر انہوں نے ان کی رہنمائی میں زندگی گزارنے کی بجائے من مرضی سے کام لیا۔ جس کی بناء پر دنیا میں ذلیل وخوار ہوئے اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ اگر یہ لوگ دنیا کی ذلت اور جہنم کے عذاب سے بچنا چاہتے ہیں تو ان کو قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق زندگی گزارنا ہوگی۔ جو تابناک مستقبل کی ضمانت دیتا ہے۔

قرآن مجید کے بے شمار اوصاف اور ان گنت فوائد ہیں۔ جن میں سے یہاں دو اوصاف اور فوائد ذکر کیے گئے ہیں۔ قرآن مجید سیدھی راہ بتلانے اور خوشخبری سنانے والا ہے۔ یہاں ہدایت کے لیے ”اَقْوَمُ“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا معنیٰ سیدھا، آسان اور قریب ترین راستہ ہے۔ جو لوگ قرآن مجید کے بتلائے ہوئے صالح اعمال اختیار کریں گے۔ ان کے لیے دنیا میں بے شمار فوائد اور آخرت میں اجر عظیم ہوگا۔ جن لوگوں نے آخرت کا انکار کیا۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے اذّیت ناک عذاب تیار کیا ہے۔ یہاں بات ہو رہی تھی قرآن مجید کی ہدایت پر عمل کرنے اور اُس کے بدلے دنیا و آخرت کے فوائد کی مگر انکار کے لیے قرآن مجید کا نام لینے کی بجائے آخرت کی بات کی ہے۔ جس کا صاف معنیٰ ہے۔ جو شخص قرآن مجید کی ہدایات کا انکار کرتا ہے۔ حقیقت میں وہ آخرت کا منکر ہے۔ ایسے مجرم کے لیے اللہ تعالیٰ نے اذّیت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ جہاں تک قرآن مجید کے اوصاف اور فوائد کا تعلق ہے۔ اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

تلاوتِ قرآن کا عظیم فائدہ:

((يَقُولُ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْانُ وَذِكْرِيْ عَنْ مَسْأَلَتِيْ اَعْطَيْتُهٗ اَفْضَلَ مَآ اُعْطِي السَّآئِلِيْنَ)) [رواه الترمذي: كتاب فضائل القرآن، باب ماجاء كيف كانت قراءة النبي]

''اللہ رب العزت فرماتے ہیں جسے قرآن پاک کی تلاوت اور میرے ذکر نے مجھ سے مانگنے سے مشغول رکھا۔ میں اسے مانگنے والوں سے زیادہ عطا کروں گا۔''

''یقیناً اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے قوموں کو بلند فرماتا ہے اور اسی کے سبب لوگوں کو ذلیل کرتا ہے۔''

کتابِ ہدایت کا تقاضا یہ ہے کہ اخلاصِ نیت کے ساتھ حتی المقدور اس کے ہر حکم اور ہدایت پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر کوئی فرد یا قوم مسلمان ہونے کے باوجود جان بوجھ کر اس کے کچھ احکامات چھوڑ دے اور صرف من پسند باتوں کو اختیار کرے تو اس سے نہ مسائل حل ہو پائیں گے اور نہ ہی مشکلات رفع ہوں گی بلکہ اس منافقت اور دوغلے پن کی وجہ سے یہ لوگ دنیا میں ذلیل اور آخرت میں عذابِ الٰہی میں مبتلا ہوں گے۔

یہاں قرآن مجید کے دس اوصاف بیان کیے جاتے ہیں۔

۱۔ قرآن مجید اللہ کا نازل کردہ ہے۔ ۲۔ احکام و مسائل میں جامع اور مفصل کتاب ہے۔

۳۔ اس کی رہنمائی اور ہدایت میں کسی قسم کا نقصان اور شک کی گنجائش نہیں۔

۴۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ ۵۔ قرآن مجید کے احکام عدل وانصاف پر مبنی ہیں۔

۶۔ قرآن مجید کے ارشادات اور اس کی پیش گوئیاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے برحق ہیں۔

۷۔ قرآن مجید ہر اعتبار سے تغیر و تبدل سے پاک ہے اور قیامت تک اس کے محفوظ رہنے کی ضمانت دی گئی ہے۔

۸۔ قرآن مجید میں نیکی اور بدی کا انجام کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔

۹۔ قرآن مجید منجانب اللہ ہے اور اس میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس میں ایک حرف بھی غلط نہیں ہے۔

۱۰۔ قرآن مجید سراسر ہدایت اور رحمت کا سرچشمہ ہے۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ۲۔ قرآن مجید ایمان والوں کو خوشخبری دیتا ہے۔

۳۔ مومنوں کے لیے بہت بڑا صلہ ہے۔ ۴۔ جو لوگ آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے ان کو دردناک عذاب ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے اوصاف حمیدہ کی ایک جھلک:

۱۔ یقیناً قرآن مجید حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور مومنوں کے لیے خوشخبری ہے۔ (بنی اسرائیل:۹)

۲۔ قرآن مجید مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔ (بنی اسرائیل:۸۲)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثال بیان کر دی ہے۔ (بنی اسرائیل:۸۹)

۴۔ اس کتاب میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں ہے۔ (البقرۃ:۲)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ (الزخرف:۳)

وَيَدْعُ	الْاِنْسَانُ	بِالشَّرِّ	دُعَآءَهٗ	بِالْخَيْرِ ؕ	وَ	كَانَ
اور وہ دعا مانگتا ہے	انسان	برائی کے ساتھ	دعا مانگنے کی طرح	خیر کے ساتھ	اور	ہے
الْاِنْسَانُ	عَجُوْلًا ⑪	وَجَعَلْنَا	الَّيْلَ	وَالنَّهَارَ	اٰيَتَيْنِ	
انسان	بہت جلد باز	اور ہم نے بنایا	رات کو	اور دن کو	دونشانیاں	
فَمَحَوْنَآ	اٰيَةَ	الَّيْلِ	وَجَعَلْنَآ	اٰيَةَ	النَّهَارِ	
پھر ہم نے مٹا دی	نشانی	رات کی	اور ہم نے بنادی	نشانی	دن کی	
مُبْصِرَةً	لِّتَبْتَغُوْا	فَضْلًا	مِّنْ	رَّبِّكُمْ	وَلِتَعْلَمُوْا	
دکھلانے والی	تا کہ تم تلاش کرو	فضل	سے	اپنے رب	اور تا کہ تم جان لو	

’’اور انسان برائی کی دعا کرتا ہے بھلائی کی دعا کرنے کی طرح انسان ہمیشہ سے بہت جلد باز ہے۔‘‘(۱۱) ’’اور ہم نے رات اور دن کو نشانیاں بنایا پھر ہم نے رات کی نشانی کو مٹا دیا اور دن کی نشانی کو روشن بنایا، تا کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو

فہم القرآن

ربط کلام: انسان کے لیے قرآن مجید ہدایت اور خوشخبری ہے۔ مگر ہدایت کے لیے کچھ محنت کرنا پڑتی ہے۔ لیکن انسان اس محنت سے جی چراتے ہوئے دنیا کے عارضی فائدے کے لیے جلد بازی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

انسان اپنی جلد باز طبیعت کی وجہ سے اکثر اوقات یہ نہیں سوچتا کہ دنیا کے جس فائدے کی خاطر آخرت کی دائمی خیر کو فراموش کر رہا ہوں۔ وہ اس کے لیے کس قدر نقصان کا سودا ہے کیونکہ انسان جلد باز ہے۔ اس لیے انسان خیر کے لیے محنت کرنے کی بجائے شر کی طرف جلد راغب ہوتا ہے۔ جس بنا پر اچھے نتیجے اور خیر کا انتظار کرنے کی بجائے وہ شر کا متلاشی بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ دنیا کی معمولی تکلیف سے پریشان ہو کر اپنے لیے شر کی دعا کرنے سے بھی نہیں جھجکتا۔ اس کی لوگوں کی زندگی میں کئی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ بیماری سے نجات کی بجائے موت کی دعا کرنا، اولاد کی خیر مانگنے کی بجائے ان کو بربادی کی بددعا دینا، مشکلات پر قابو پانے کی بجائے خودکشی کے گھاٹ اُتر جانا وغیرہ۔ یہ حرکات انسان کی جلد بازی کا نتیجہ ہیں۔ حالانکہ انسان ذرا غور وفکر کرے تو اُسے اس بات کا ادراک ہو جائے گا کہ اس کی زندگی جس لیل ونہار سے عبارت ہے۔ ان میں نشیب وفراز کا پایا جانا قدرتی اور فطری معاملہ ہے۔ اس لیے یہاں رات اور دن کو دونشانیاں قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

’’ہم نے رات اور دن کو دونشانیاں بنایا ہے۔ رات کو اندھیری اور دن کو روشن بنایا تا کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش

عَدَدَ	السِّنِیْنَ	وَ	الْحِسَابَ	وَكُلَّ	شَیْءٍ
گنتی	سالوں کی	اور	حساب	اور ہر	چیز

فَصَّلْنٰهُ	تَفْصِیْلًا ⑫
ہم نے اس کو بیان کیا	خوب بیان کرنا

تا کہ سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو اور ہر بات کو کھول کھول کر بیان کیا ہے۔''(۱۲)

کر سکو۔ رات اور دن بنانے کا ایک مقصد یہ بھی ہے تا کہ تم دن رات کے ذریعے مہینوں اور سالوں کا حساب کرو۔
ہم نے ہر چیز کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔''

ہر چیز کی تفصیل کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں اور باتیں انسان کی ہدایت اور اس کی آخرت کے فوائد کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تفصیل کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔ اگر کہیں ایک بات کو اشارہ کی زبان میں ذکر کیا ہے۔ تو وہ اشارہ بھی عقل مندوں کے لیے کھلی تفصیل کا عنوان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے نکتہ سنج دانشوروں اور کائنات پر غور کرنے والے سائنس دانوں نے قدرت کے بھید پانے کے لیے قرآن مجید کے دیے ہوئے اشاروں سے روشن شاہرائیں پائیں اور اپنی اپنی ایجادات سے ایک دنیا کو مستفید فرمایا۔ جہاں تک رات کی تاریکی اور دن کی روشنی کا معاملہ ہے اس میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ اے انسان! جس طرح رات کا تاریک ہونا لازم ہے۔ اس طرح پریشانیاں اور مشکلات تیری زندگی کا حصہ ہیں۔ یہاں دن کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ذکر کیا کہ دن کو اس لیے روشن بنایا تا کہ تم دن کے اُجالوں میں اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔ فضل تلاش کرنے سے مراد رزق حلال کے لیے محنت کرنے کے ساتھ دنیا کی ترقی کے اسباب کا حصول ہے۔ جس میں یہ کھلا اشارہ پایا جاتا ہے کہ مشکلات میں پریشان ہونے اور کسی شر کے بارے میں جلد بازی کرنے کی بجائے انسان کو یہ عقیدہ رکھتے ہوئے مشکلات پر قابو پانے کی جدو جہد کرنی چاہیے کہ جس طرح رات کے بعد دن کا آنا یقینی ہے۔ اسی طرح مشکلات کے بعد آسانیوں کا حاصل ہونا یقینی ہے۔ قرآن مجید نے اس اصول کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔

تفسیر بالقرآن

رات اور دن قدرت کی نشانیاں ہیں:

۱۔ رات اور دن کو اللہ نے نشانیاں بنایا ہے۔(بنی اسرائیل:۱۲)

۲۔ دن، رات، سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔(حٰم السجدۃ:۳۷)

۳۔ آسمان اور زمین کی پیدائش، دن اور رات کے آنے جانے میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔(آل عمران:۱۹۰)

۴۔ بے شک دن اور رات کے مختلف ہونے میں اور جو کچھ اللہ نے زمین و آسمان میں پیدا کیا ہے، اُس میں لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔(یونس:۶)

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ

اور ہر ۔ انسان ۔ ہم نے لازم کر دیا اس کو ۔ اس کا عمل ۔ میں ۔ اس کی گردن

وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾

اور ہم نکالیں گے ۔ اس کے لیے ۔ دن ۔ قیامت ۔ ایک کتاب ۔ وہ اسے پائے گا ۔ کھلی ہوئی

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾ؕ

پڑھ ۔ اپنی کتاب ۔ کافی ہے ۔ تیرے نفس کیساتھ ۔ آج ۔ تجھ پر ۔ حساب لینے والا

”اور ہم نے ہر انسان کا نصیب اس کی گردن میں لٹکا دیا ہے اور قیامت کے دن ہم اس کا اعمالنامہ نکالیں گے، جسے وہ اپنے سامنے کھلا پائے گا۔“(۱۳) ”حکم ہوگا اپنا اعمال نامہ پڑھ لے آج تو خود اپنا احتساب کرنے کے لیے کافی ہے۔“(۱۴)

فہم القرآن

ربط کلام: زندگی میں انسان جو کچھ کرتا اور کماتا ہے۔ وہ مٹ نہیں جاتا بلکہ اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور اُس میں چھوٹے سے چھوٹا کیا ہوا عمل اس کے نامہ اعمال میں درج ہو رہا ہوتا ہے۔

انسان کو برائی اور شر کے بارے میں جلد بازی سے روکنے کے لیے یہ بتلایا جا رہا ہے کہ اے انسان جو کچھ تو رات کی تاریکیوں اور دن کے اجالوں میں کرتا ہے۔ وہ رائیگاں نہیں جاتا بلکہ ہم اُس کو ہر انسان کے گلے میں لٹکائے دیتے ہیں۔ قیامت کے دن اُسے ہم ایک کتاب یعنی اعمال نامہ کی شکل میں تیرے سامنے لا کر تجھے اُسے پڑھنے کا حکم دیں گے۔ جسے تو اپنے سامنے بالکل عیاں پائے گا۔ تجھے حکم ہوگا اس اعمال نامے کو پڑھ لے جو تجھے اپنا حساب جاننے کے لیے کافی ہے۔ اس کتاب اور اعمال نامے کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے اس کو ہر انسان کے گلے میں لٹکا رکھا ہے۔ کسی چیز کو گلے میں لٹکانا ایک محاورہ بھی ہے۔ جس کا معنی ہے کہ ایسی چیز جس سے انسان کسی صورت میں بھی چھٹکارا نہ پا سکے۔ ممکن ہے کہ عملاً اور حقیقتاً بھی ایسا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کراماً کاتبین کی دستاویزات کے ساتھ اس بات کا بھی التزام رکھا ہو کہ انسان کی گردن کے پاس جسم کا ایسا حصہ ہو جہاں انسان کے اچھے برے اعمال خود بخود مرتب ہوئے جا رہے ہوں۔ ممکن ہے وہ دل ہو جس کے بارے میں حدیث شریف میں موجود ہے کہ انسان کے گناہوں کا اثر اس کے دل پر ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)

جہاں تک اعمال نامہ کا تعلق ہے۔ سورۃ الکہف آیت ۴۹ میں ارشاد ہوا کہ جب اعمال نامہ انسان کے سامنے رکھا جائے گا تو آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس کے مندرجات سے ڈرتے ہوئے کہیں گے کہ ہائے بدبختی کہ اس کتاب نے کوئی چھوٹی

بڑی بات نہیں چھوڑی۔ اس میں میری ہر بات لکھی ہوئی ہے۔ مجرم جو کام کرتے رہے وہ سب کے سب سامنے پائیں گے۔ آپ کا رب ذرہ برابر کسی پر زیادتی نہیں کرے گا۔ اعمال ناموں کے ساتھ خارجی شہادتیں بھی پیش کی جائیں گی۔ تاہم یہ اعمال نامہ اس قدر واضح اور حقیقت پر مبنی ہو گا کہ بالآخر مجرم اس کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ ہر مجرم کو اس کے اعمال نامہ کے مطابق ہی سزا دی جائے گی۔ جس میں کسی درجے کا ظلم نہیں پایا جائے گا۔

کراماً کاتبین کا ہر وقت ساتھ رہنا:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما ...إِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ عَنِ التَّعَرِّى فَاسْتَحْيُوْا مِنْ مَلَائِكَةِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ لَا يُفَارِقُوْنَكُمْ إِلَّا عِنْدَ ثَلَاثِ حَالَاتٍ اَلْغَائِطِ وَ الْجَنَابَةِ وَ الْغُسْلِ فَإِذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ بِالْعُرَاءِ فَلْيَسْتَتِرْ بِثَوْبِهِ أَوْ بِجَذْمَةِ حَائِطٍ أَوْ بِبَعِيْرِهِ))[رواہ البزار]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں بے شک اللہ نے تمہیں ننگا ہونے سے منع کیا ہے۔ پس تم اللہ کے فرشتوں سے حیا کرو۔ فرشتے صرف تم سے تین حالتوں میں ہی جدا ہوتے ہیں۔ قضائے حاجت کے وقت، جنابت اور غسل کے وقت، جب تم میں سے کوئی چٹیل میدان میں غسل کرے تو اسے چاہیے کہ وہ خود کو کسی کپڑے سے یا کٹے ہوئے درخت کے تنے کے پیچھے ڈھانپے یا پھر اپنے اونٹ کے ساتھ پردہ کر لے۔''

مسائل

۱۔ قیامت کے دن ہر کسی کا نامہ اعمال اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا۔

۲۔ انسان کا نامہ اعمال اس کے حساب و کتاب کے لیے کافی ہو گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن ہر انسان کو نامہ اعمال کا ملنا:

۱۔ قیامت کے دن ہر کسی کا نامہ اعمال کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ (بنی اسرائیل:۱۳)

۲۔ جب اعمال نامہ رکھا جائے گا، تو مجرم لوگ اس میں سب کچھ لکھا ہوا دیکھیں گے۔ (الکہف:۴۹)

۳۔ جس کو نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا، وہ اس کو پڑھے گا۔ (بنی اسرائیل:۷۱)

۴۔ جس کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا گیا، وہ کہے گا آؤ میرا نامہ اعمال پڑھو۔ (الحاقۃ:۱۹)

۵۔ جس کو اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا کاش کہ مجھے یہ نامہ اعمال نہ دیا جاتا۔ (الحاقۃ:۲۰)

۶۔ جس کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا گیا اس کا حساب آسان ہو گا۔ (الانشقاق:۸۔۷)

۷۔ جس کا اعمال نامہ پیٹھ کے پیچھے سے دیا گیا وہ موت کو پکارے گا اور دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ (الانشقاق:۱۰تا۱۲)

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ

جس شخص نے | ہدایت پائی | پھر یقیناً | وہ ہدایت پاتا ہے | اپنے نفس کے لیے | اور جو | گمراہ ہوا

فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ

پھر یقیناً | وہ گمراہ ہوتا ہے | اپنے پر ہی | اور نہیں | وہ بوجھ اٹھائے گا | کوئی بوجھ اُٹھانے والی | بوجھ

اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝

کسی دوسری کا | اور نہیں | ہیں ہم | عذاب دینے والے | حتیٰ کہ | ہم بھیجتے ہیں | رسول

”جس نے ہدایت پائی اس نے اپنے ہی لیے ہدایت پائی اور جو گمراہ ہوا اس کا وبال اسی پر ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہم پیغام پہنچانے سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیتے۔“ (۱۵)

فہم القرآن

ربط کلام: انسان کو اس کے اعمال نامہ کی بنیاد پر اس کا احتساب یاد دلانے کے بعد اُس میں احساس ذمہ داری پیدا کیا جارہا ہے۔ کہ جو ہدایت اختیار کرے گا اس کا فائدہ اسی کو ہوگا اور جو گمراہی اختیار کرے گا اس کا نقصان اسی کو ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور کی وافر صلاحیتیں دینے کے باوجود اس بات کا اہتمام فرمایا کہ اس میں احساسِ ذمہ داری پیدا کرنے اور اسے خود فراموشی سے نکالنے کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام عَلَیْہِمُ السَّلَامُ مبعوث فرمائے۔ تاکہ انسان کو احساسِ ذمہ داری سے ہمکنار کرنے کی کوشش کریں۔ انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَامُ کی جدوجہد کا مقصد یہ تھا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ رہنمائی کے مطابق زندگی بسر کرے۔ اس کے لیے انہوں نے لوگوں کو یہ باور کروایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت پر چلنے سے دنیا اور آخرت میں انسان ہی کو فائدہ پہنچے گا۔ لہٰذا جس نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا اُس کے ثمرات اُسے ہی حاصل ہوں گے اور جس نے گمراہی کو اختیار کیا۔ اس گمراہی کا اُسے ہی نقصان پہنچے گا اور قیامت کے دن کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اُس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک ان تک اس کا پیغام دینے والا نہ پہنچ جائے۔ قرآن مجید نے یہ حقیقت بارہا دفعہ واضح کی ہے کہ انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ اُس کا حسب و نسب، جاہ و منصب اور مال و دولت قیامت کے دن اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

یہ ایسا اصول ہے جسے سمجھنے اور اپنائے بغیر فرد اور معاشرے کی اصلاح ممکن نہیں ہوسکتی۔ جس فرد یا معاشرے میں اس اصول کا احساس ناپید ہوجائے اور مجرم اپنے اثر و رسوخ، جاہ و منصب اور وسائل و اسباب کی بنیاد پر چھوٹ جائے۔ اس معاشرے میں انارگی کی کوئی حد باقی نہیں رہتی۔ ملک و ملت کو انارگی سے بچانے کے لیے اس اصول اور اس کی پاسداری کا احساس پیدا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ قرآن مجید اس بات کا بار بار احساس دلاتا ہے کہ دنیا میں مجرم کسی بہانے سے سزا سے بچ سکتا ہے۔ لیکن

آخرت میں اُسے کوئی بچانے اور چھڑانے والا نہیں ہوگا۔

رسول اکرم ﷺ کا اپنے رشتہ داروں سے خطاب:

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ ؓ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ دَعَا النَّبِیُّ ﷺ قُرَیْشًا فَاجْتَمَعُوْا فَعَمَّ وَخَصَّ فَقَالَ یَا بَنِیْ کَعْبِ ابْنِ لُؤَیٍّ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِّنَ النَّارِ یَا بَنِیْ مُرَّۃَ ابْنِ کَعْبٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِّنَ النَّارِ یَا بَنِیْ عَبْدِ شَمْسٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِّنَ النَّارِ یَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِّنَ النَّارِ یَا بَنِیْ ھَاشِمٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِّنَ النَّارِ یَا بَنِیْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِّنَ النَّارِ یَا فَاطِمَۃُ اَنْقِذِیْ نَفْسَکِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ لَا اَمْلِکُ لَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا غَیْرَ اَنَّ لَکُمْ رَحِمًا سَاَبُلُّھَا بِبَلَالِھَا)) **(رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَفِی الْمُتَّفَقِ عَلَیْہِ)**

''حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ''اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ'' تو آپ ﷺ نے قریش کو دعوت دی وہ جمع ہوگئے۔ آپ ﷺ نے ان کے خاص و عام سبھی کو دعوت دی' آپ نے فرمایا، اے بنوکعب بن لؤی! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اے بنومرہ بن کعب! تم اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ اے بنوعبد شمس! تم خود کو دوزخ سے بچاؤ۔ (اے بنی عبد مناف' بنی ہاشم' بنی عبدالمطلب) تم اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ۔ اے فاطمہ! تو اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا۔ میں تمہارے لیے اللہ کے ہاں کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا۔ بیشک تیرے ساتھ رشتہ ہے۔ اس رشتہ داری کا خیال رہے گا (مسلم)

مسائل

۱۔ ہدایت کے فوائد ہدایت یافتہ کو ہی حاصل ہوں گے۔ ۲۔ گمراہی کا وبال گمراہ انسان پر ہوگا۔

۳۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ اپنا پیغام پہنچانے سے پہلے کسی قوم کو عذاب نہیں دیتا۔

تفسیر بالقرآن

کوئی کسی کی ذمہ داری اور بوجھ نہیں اٹھائے گا:

۱۔ کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ (بنی اسرائیل: ۱۰۔ الفاطر: ۱۸)

۲۔ اگر تم شکر کرو گے تو اللہ تم سے راضی ہوگا۔ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ (الزمر: ۷)

۳۔ جو بھی انسان کرتا ہے اس کا بوجھ اسی پہ ہے۔ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ (الانعام: ۱۶۴)

۴۔ خبردار کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ (النجم: ۳۸)

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا

اور جب | ہم چاہتے ہیں | یہ کہ | ہم ہلاک کریں | کسی بستی کو | ہم حکم دیتے ہیں | اس کے خوشحال لوگوں کو

فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا

انہوں نے نافرمانی کی | اس میں | پس ثابت ہو گیا | اس پر | بات | پھر ہم اس کو تباہ کر دیتے ہیں

تَدْمِيْرًا ۝۱۶ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ

تباہ کرنا | اور کتنی ہی | ہلاک کر دیں ہم نے | سے | قومیں | سے | بعد

نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ۝۱۷

نوح | اور کافی ہے | آپ کا رب | گناہوں کیساتھ | اپنے بندوں | خبر رکھنے والا | خوب دیکھنے والا

''اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں، پھر وہ اس میں فسق و فجور کرتے ہیں تو اس بستی پر بات ثابت ہو جاتی ہے پھر ہم اسے بری طرح برباد کر دیتے ہیں۔''(۱۶)''اور ہم نے نوح کے بعد کتنے زمانوں کے لوگ ہلاک کر دیے اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''(۱۷)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک تباہ نہیں کرتا جب تک ان تک ہدایت کا پیغام نہ پہنچ جائے مگر ہدایت کے راستہ میں معاشرے کے بڑے لوگ اپنی چوہدراہٹ اور مفاد کی خاطر رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ یہی لوگ ملک وملت کے بگاڑ اور تباہی کا سبب بنتے ہیں۔

قرآن مجید نے اقوامِ عالم کی تباہی کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح کی ہے کہ تباہ ہونے والی اقوام میں اکثر قومیں مال ووسائل کے حوالے سے انتہائی ترقی یافتہ تھیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جب ان کو عذاب میں گرفتار کیا تو دنیا کے وسائل واسباب، اقتدار اور اختیار ان کے کچھ کام نہ آئے۔ اللہ کے عذاب نے انہیں اس طرح نیست و نابود کر دیا کہ وہ دھرتی اور تاریخ کے اوراق میں نشانِ عبرت بن کر رہ گئے۔ ان قوموں کی تباہی میں جن لوگوں نے سب سے زیادہ مجرمانہ کردار ادا کیا وہ ان کا مالدار طبقہ تھا۔ جن کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ جب ہم کسی بستی کو تباہی کے گھاٹ اتارتے ہیں تو اس کے مالدار طبقے کو کھلی چھٹی (Free Hand) دے دیتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں ان کی پالیسیوں اور کردار سے فسق وفجور پیدا ہوتا ہے۔ تب ہمارا حکم نازل ہوتا ہے۔ جس کے سبب ان کو تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔ برباد ہونے والوں میں قومِ نوح اور ان کے بعد آنے والی بے شمار اقوام ہیں۔ جنہیں تباہی کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ لوگوں کو اس بات کا احساس ہونا

چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں کو اچھی طرح دیکھنے اور پوری طرح جاننے والا ہے۔

((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَ لدُّنْیَا حُلْوَۃٌ خَضِرَۃٌ وَاِنَّ اللّٰہَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْھَا فَیَنْظُرُ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ فَاتَّقُوا الدُّنْیَا وَا تَّقُوالنِّسَاءَ فَاِنَّ اَوَّلَ فِتْنَۃِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ کَانَتْ فِی النِّسَاءِ))[رواہ مسلم :باب اکثر اھل الجنۃ الفقراء]

''حضرت ابوسعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے ارشاد فرمایا بلاشبہ دنیا ہری بھری اور پر لطف ہے اور اللہ نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے وہ دیکھ رہا ہے تم کیا عمل کررہے ہو۔تم دنیا اور عورت کے فتنے سے بچے رہنا کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں کی وجہ سے رونما ہوا تھا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب لوگوں کے برے اعمال کی وجہ سے آتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب اتمام حجت کے بعد آتا ہے۔

۳۔ جس بستی پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے وہ تباہ وبرباد ہو جاتی ہے۔

۴۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد بہت سی بستیوں والے ہلاک کر دیے گئے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کے اعمال کی خبر رکھنے والا اور دیکھنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

تباہ وبرباد ہونے والی اقوام کی مالی اور سیاسی حالت:

۱۔ جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو خوشحال لوگوں کو ڈھیل دیتے ہیں تو وہ نافرمانی پر اتر آتے ہیں۔(بنی اسرائیل:۱۷)

۲۔ ہم نے ان سے پہلے کئی بستیوں کو ہلاک کیا جو ٹھاٹھ باٹھ میں بہت اچھے تھے۔(مریم:۷۴)

۳۔ ہم نے ان سے پہلے کئی امتیں ہلاک کر ڈالیں، جو قوت میں مکہ والوں سے بڑھ کر تھیں۔(ق:۳۶)

۴۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ نے ان سے پہلے بستیوں والوں کو ہلاک کیا جو طاقت، قوت اور مال کے لحاظ سے مکہ والوں سے بڑھ کر تھے۔(القصص:۷۸)

۵۔ بستیوں والوں کے ظلم کی وجہ سے اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا۔(یونس:۱۳)

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيهَا

جو شخص ہے وہ چاہتا ہے جلدی والی ہم جلدی دے دیتے ہیں اس کے لیے اس میں

مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ

جو کچھ ہم چاہتے ہیں جس کے لیے ہم چاہتے ہیں پھر ہم بنا دیتے ہیں اس کے لیے

جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا ۝۱۸ وَمَنْ اَرَادَ

جہنم وہ اس میں داخل ہوگا ملامت زدہ دھتکارا ہوا اور جو کوئی چاہتا ہے

الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ

آخرت اور کوشش کرتا ہے اس کے لیے اس کے لائق کوشش اور وہ مومن پھر یہی لوگ ہیں

”جو شخص جلدی کرتا ہے ہم اس کو اس دنیا سے جو چاہیں گے دیں گے پھر ہم نے اس کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے، وہ اس میں داخل ہوگا ملامت کیا ہوا دھتکارا ہوا۔“ (۱۸) ”اور جس نے آخرت کا ارادہ کیا اور اس کے لیے کوشش کی جو اس کے لائق کوشش ہے اور وہ مومن ہوا

فہم القرآن

ربط کلام: اقوام کی تباہی میں بنیادی عنصر ان کی جلد بازی ہوا کرتا ہے۔ جس کی بناء پر وہ اصول کے مقابلے میں وقتی مفاد، صالح کردار کے مقابلہ میں دنیا کی لذات، سہولیات اور آخرت کے بدلے دنیا کو ترجیح دیتے ہیں۔ جس بناء پر دنیا میں ذلت کے گھاٹ اتار دیے جاتے ہیں۔

یہاں دنیا دار کو جلد باز قرار دینے کے بعد اس کا انجام ذکر کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص دنیا کے لیے جلد بازی کرتا ہے۔ ہم جس قدر چاہتے ہیں اسے دنیا دے دیتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے ہم نے جہنم تیار کی ہے۔ جس میں اُسے ذلّت و پھٹکار کے ساتھ داخل کیا جائے گا۔ اس کے مقابلے میں جس شخص نے آخرت کو پسند کیا اور اس کے لیے کوشش کی اس حال میں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھنے والا ہو۔ ایسے لوگوں کی کوشش کی قدر کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ دونوں قسم کے لوگوں کو مہلت دیتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی ہے کہ وہ ہر کسی کو مہلت دیے ہوئے ہے۔ اس مہلت سے جو لوگ صحیح فائدہ اٹھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی کرم نوازی سے مزید عنایت فرمائیں گے۔ اے پیغمبر (ﷺ)! غور فرمائیں کہ ہم کس طرح لوگوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دیتے ہیں۔ جو لوگ دنیا کے حصول کے ساتھ آخرت کے لیے محنت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں ترقی عنایت فرمانے کے ساتھ آخرت میں برتری اور بڑی فضیلت سے سرفراز فرمائے گا۔ یہاں دنیا کی جستجو کرنے والے کے لیے ”عجلت“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ دنیا دار آخرت کے اجر پر صبر کرنے کی بجائے

كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۝ كُلًّا نُمِدُّ هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ

ہے ان کی کوشش قابل قدر ہر ایک ہم نواز تے ہیں ان کو اور ان کو

مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ۝

سے عطیے آپ کے رب اور نہیں ہے عطیہ آپ کے رب کا روکا ہوا

یہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی قدر افزائی ہوگی۔'' (۱۹) ''ہم ہر ایک کو نواز تے ہیں ان کو اور ان کو بھی یہ آپ کے رب کی عطا ہے اور آپ کے رب کی عطا کبھی ختم نہیں ہوتی۔'' (۲۰)

دنیا کے مفاد کو مقدم سمجھتا ہے۔ جس وجہ سے وہ حق اور سچ پر قائم رہنے کی بجائے دنیا کے فائدے کو ترجیح دیتا ہے اور اس کے لیے جلدی کرتا ہے۔ حالانکہ انسان حق کو ترجیح دے تو دنیا کے فائدے کے ساتھ آخرت میں اجر کا بھی حق دار بن جائے لیکن دنیا پرست جلد بازی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس لیے قرآن حکیم نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کے لیے عاجلہ کا لفظ استعمال کیا۔ سورۃ القیامۃ آیت ۲۰ تا ۲۱ میں فرمایا ہے کہ بے شک کوئی شخص دنیا کے لیے کتنی جلدی کرلے۔ دنیا میں اُسے وہی کچھ حاصل ہوگا جو اللہ چاہے گا۔ آخرت کے لیے ''سعی'' کا لفظ استعمال فرمایا جس میں یہ کھلا اشارہ ہے کہ مومن کو دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دینی اور اس کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ آخرت کا صلہ کوشش کے بغیر نہیں ملے گا۔

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَۃٍ مِنْ کَسْبٍ طَیِّبٍ وَّلَا یَقْبَلُ اللّٰہُ اِلَّا الطَّیِّبَ فَاِنَّ اللّٰہَ یَتَقَبَّلُھَا بِیَمِیْنِہٖ ثُمَّ یُرَبِّیْھَا لِصَاحِبِھَا کَمَا یُرَبِّیْ اَحَدُکُمْ فُلُوَّہٗ حَتّٰی تَکُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ)) [رواہ البخاری : کتاب الزکاۃ باب الصدقۃ من کسب طیب]

''حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ صرف حلال چیزوں سے صدقہ قبول فرماتا ہے تو اللہ اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیتے ہوئے شرف قبولیت بخشتے ہیں۔ پھر اس کو اس طرح بڑھاتے ہیں جیسا کہ تم اپنے بچھڑے کی پرورش کر کے اسے بڑا کرتے ہو۔ یہاں تک کہ ایک کھجور کا ثواب پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔''

مسائل

۱۔ جو دنیا کی چاہت رکھتا ہے اسے اس قدر دنیا ملتی ہے جتنی اللہ چاہتا ہے۔

۲۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دینے والے کو عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔

۳۔ آخرت کے لیے کوشش کرنے والے کی کوشش کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی عطا ختم ہونے والی نہیں۔

اُنْظُرْ	كَيْفَ	فَضَّلْنَا	بَعْضَهُمْ	عَلٰى	بَعْضٍ
دیکھیے	کس طرح	ہم نے فضیلت دی	ان کے بعض کو	پر	بعض؟
وَلَلْاٰخِرَةُ	اَكْبَرُ	دَرَجٰتٍ	وَّاَكْبَرُ	تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾	
اور البتہ آخرت	بڑھ کر ہے	درجوں میں	اور بڑھ کر ہے	باعتبار فضیلت کے	

''دیکھیے ہم نے ان کو ایک دوسرے پر کس طرح فضیلت دی ہے اور یقیناً آخرت اعلیٰ ہونے کے لحاظ سے اس سے بڑی اور فضیلت کے لحاظ سے بہت ہی بڑھ کر ہے۔'' (۲۱)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ کے ہاں سب سے زیادہ مرتبے والے انبیاء ہیں اور وہی اللہ تعالیٰ کی عطاؤں کے سب سے بڑھ کر حق دار ہیں۔ جنہیں دنیا میں بھی عظمت وفضیلت سے نوازا گیا۔ یہی اصول درجہ بدرجہ عام لوگوں میں کارفرما ہے۔ تمام انبیاء ﷺ خاندانِ نبوت کے افراد اور گلدستۂ رسالت کے پھول ہیں۔ انبیاء ﷺ کے درمیان مراتب کا تفاوت سمجھنے کے لیے طلبہ کی ایک کلاس کو سامنے رکھیں۔ استاد کی نظر میں تمام طلبہ عزیز ہوتے ہیں اور ہونے چاہییں۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ ہر طالب علم ایک دوسرے پر سبقت لے جائے۔ اس کے باوجود پوری کلاس میں مجموعی طور پر ایک ہی طالب علم قابلیت اور لیاقت کے اعتبار سے سب سے آگے ہوتا ہے۔ جب کہ جزوی لیاقت اور صلاحیت کے لحاظ سے کئی طلبہ کو ایک دوسرے پر برتری حاصل ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے مجموعی طور پر سرفہرست آنے والے طالب علم سے دوسرا طالب علم سائنس کے مضمون میں اس سے زیادہ نمبر حاصل کرتا ہو۔ اور یہی کیفیت دوسرے طالب علم کی کسی دوسرے مضمون میں ہوسکتی ہے۔ لیکن مجموعی طور پر تو ایک فسٹ پوزیشن حاصل کرے گا۔ انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت وعظمت دینے کا یہی مفہوم ہوسکتا ہے کہ حالات اور اقوام کے مزاج کے پیشِ نظر ایک نبی کو ایسے معجزات دیے گئے جو اس کے بعد آنے والے نبی کے دور اور مزاج کے لیے ضروری نہیں تھے۔ مثال کے طور پر موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جادو کا علم اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا ہوئے کہ دنیا کے قابل ترین جادوگر شکست ماننے پر مجبور ہوئے۔ ان کے بعد ہر دور کے مطابق انبیاء معجزات کے ساتھ مبعوث کیے گئے یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا ہوئے کہ ان کے سامنے ارسطو اور افلاطون کی میڈیکل سائنس ماند پڑ گئی۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِيَاءِ كَمَثَلِ قَصْرٍ اُحْسِنَ بُنْيَانُهٗ تُرِكَ مِنْهُ مَوْضِعُ لَبِنَةٍ فَطَافَ بِهِ النُّظَّارُ يَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ حُسْنِ بُنْيَانِهٖ اِلَّا مَوْضِعَ تِلْكَ اللَّبِنَةِ فَكُنْتُ اَنَا سَدَدْتُّ مَوْضِعَ اللَّبِنَةِ خُتِمَ بِیَ الْبُنْيَانُ وَخُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ وَفِیْ رِوَايَةٍ فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ))

[رواہ البخاری :باب خاتم النبین]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میری مثال اور دوسرے نبیوں کی مثال نہایت ہی اعلیٰ تعمیر شدہ محل کی سی ہے' جس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ دیکھنے والے اس کے اردگرد گھومتے اور اس کے حسن کو دیکھ کر عش عش کر اُٹھے۔ البتہ اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی۔ چنانچہ میں نے اس اینٹ کے خلا کو پر کر دیا۔ مجھ پر اس عمارت کی تکمیل ہوئی۔ رسولوں کا سلسلہ مجھ ہی پر ختم ہوا۔ دوسری روایت میں ہے' میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں ہی خاتم النبیین ہوں۔“

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَا اَوْلَى النَّاسِ بِعِیْسٰى ابْنِ مَرْیَمَ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ الْاَنْبِیَاءُ اِخْوَةٌ مِّنْ عَـلَّاتٍ وَّاُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِیْنُهُمْ وَاحِدٌ وَّلَیْسَ بَیْنَنَا نَبِیٌّ))

[رواه البخاری :باب (وَاذْكُرْ فِی الْكِتَابِ مَرْیَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا)]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دنیا اور آخرت میں عیسیٰ بن مریم کے زیادہ قریب ہوں۔ سب انبیاء سوتیلے بھائی ہیں البتہ ان کی مائیں مختلف ہیں ان کا دین ایک ہے نیز ہم دونوں کے درمیان کوئی پیغمبر نہیں۔“

عام انسانوں میں مراتب کا فرق:

یہی اصول باقی انسانوں میں جاری ہے ایک باپ کی اولاد میں ظاہری اور جوہری لحاظ سے زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ایک بادشاہ ہے اور دوسرا گداگر، ایک نہایت خوبصورت ہے اور دوسرا نامناسب صورت، ایک صاحب کردار ہے اور دوسرا بدکردار علیٰ ھذا القیاس۔

(اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ)[النساء: ۳۴] ”مرد عورتوں پر حاکم ہیں“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرماتا ہے۔ ۲۔ آخرت نعمتوں اور فضیلت کے اعتبار سے بہت اعلیٰ ہے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء علیہم السلام کے مراتب:

۱۔ حضرت آدم کو اللہ نے خلیفہ بنایا۔ (البقرۃ: ۳۰) ۲۔ حضرت ادریس کو اللہ نے مقامِ علیا سے سرفراز کیا۔ (مریم: ۵۷)

۳۔ حضرت ابراہیم کو اللہ نے اپنا خلیل بنایا۔ (النساء: ۱۲۵) ۴۔ حضرت یعقوب کو اللہ نے صبر جمیل عطا فرمایا۔ (یوسف: ۸۳)

۵۔ حضرت یوسف کو اللہ نے حکمرانی اور پاک دامنی عطا فرمائی۔ (یوسف)

۶۔ حضرت داؤد کو اللہ نے قوتِ فیصلہ عطا فرمائی۔ (ص: ۲۰)

۷۔ حضرت سلیمان کو اللہ نے سب سے بڑا حکمران بنایا۔ (ص: ۳۵)

۸۔ حضرت موسیٰ کو اللہ نے ہم کلامی کا شرف بخشا۔ (طٰہٰ: ۱۲۔۱۳۔۱۴) ۹۔ حضرت عیسیٰ کو اپنا کلمہ قرار دیا۔ (النساء: ۱۷۱)

۱۰۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین و خاتم النبیین بنایا۔ (الاحزاب: ۱۰۷)

لَا تَجْعَلْ	مَعَ	اللّٰهِ	اِلٰهًا	اٰخَرَ	فَتَقْعُدَ		مَذْمُوْمًا	مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾
نہ آپ ٹھہرائیں	ساتھ	اللہ	الٰہ	کوئی دوسرا	پھر آپ بیٹھ رہیں گے		ملامت زدہ	بے یارومددگار

”اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنانا ورنہ مذمت کیا ہوا اور بے یارومددگار ہو کر رہے گا۔“ (۲۲)

فہم القرآن

ربط کلام: اس خطاب کا آغاز اس سورت کی آیت ۲ سے ہوا۔ جس میں بنی اسرائیل کے حوالے سے تمام انسانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو حاجت روا اور مشکل کشا نہ سمجھیں۔ خطاب کا اختتام بھی اسی بات پر ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو حاجت روا اور مشکل کشا اور عبادت کے لائق نہیں سمجھنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا حقیقی نام ”اللہ“ ہے۔ اس نام کا متبادل ”الٰہ“ ہے۔ جو متبادل نام ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا اسم صفت بھی ہے۔ یہ نام اللہ تعالیٰ کی اکثر صفات کی ترجمانی کرتا ہے۔ ہر دور کا مشرک اللہ تعالیٰ کو خالق، رازق اور مالک تسلیم کرتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو بلاشرکت غیرے الٰہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ الٰہ کا معنیٰ ہے ایسی ذات جس کے ساتھ غایت درجے کی محبت کا اظہار کرتے ہوئے اس کی انتہائی عاجزی کے ساتھ عبادت کی جائے اور اس کی عبادت میں کسی اعتبار سے بھی کسی دوسرے کو شریک نہ سمجھا اور نہ بنایا جائے۔ دعا بھی عبادت کی ایک شکل ہے۔ جس میں کسی قسم کا واسطہ، حرمت، طفیل کے الفاظ نہیں بولنے چاہییں۔ سورۃ النمل آیت ۶۲ میں ارشاد ہوا ہے کہ بھلا کون ہے؟ جو مجبور کی دعا قبول کرتے ہوئے اس کی تکلیف دور کرتا ہے اور کون ہے؟ جو تمہیں زمین پر ایک دوسرے کا جانشین بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے؟ اس حقیقت کے باوجود بہت کم لوگ اس بات پر غور وخوض کرتے ہیں۔ یہاں ”الٰہ“ کا لفظ حاجت روا اور مشکل کشا کے طور پر لایا گیا ہے۔ سورۃ النمل کی آیت ۶۰ سے لے کر ۶۳ تک الٰہ کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں۔ البقرۃ آیت ۱۶۳ میں دوٹوک انداز میں ارشاد فرمایا ہے کہ: ”تمہارا ”الٰہ“ ایک ہی ”الٰہ“ ہے اس کے سوا تمہارا کوئی ”الٰہ“ نہیں وہ نہایت مہربان، رحم کرنے والا ہے۔ اس بناء پر یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو ”الٰہ“ نہ بنانا۔ ورنہ تم برے حال اور بے یارومددگار ہو کر بیٹھے رہ جاؤ گے۔

((عَنْ مُعَاذٍ رضی اللہ عنہ قَالَ کُنْتُ رِدْفَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰی حِمَارٍ یُقَالُ لَہٗ عُفَیْرٌ، فَقَالَ یَا مُعَاذُ، ھَلْ تَدْرِی حَقَّ اللّٰہِ عَلٰی عِبَادِہٖ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰہِ قُلْتُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّ حَقَّ اللّٰہِ عَلَی الْعِبَادِ أَنْ یَعْبُدُوْہُ وَلَا یُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا، وَحَقَّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰہِ أَنْ لَا یُعَذِّبَ مَنْ لَا یُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، أَفَلَا أُبَشِّرُ بِہِ النَّاسَ قَالَ لَا تُبَشِّرْھُمْ فَیَتَّکِلُوْا)) [رواہ البخاری: باب اسم الفرس والحمار]

”حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے گدھے پر سوار تھا۔ میرے اور آپ کے درمیان

صرف پلان کی آخری لکڑی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے معاذ! تجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے پر کیا حق ہے اور بندوں کے اللہ تعالیٰ پر کیا حقوق ہیں؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ ارشاد ہوا بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ تعالیٰ پر بندوں کا حق یہ ہے جب تک وہ شرک نہیں کرتے وہ انہیں عذاب سے دوچار نہ کرے۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ خوشی کی بات میں لوگوں تک نہ پہنچاؤں؟ فرمایا کہ نہیں اس طرح وہ محنت کرنا چھوڑ دیں گے۔“

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَقُولُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا لَوْ كَانَتْ لَكَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا أَكُنْتَ مُفْتَدِيًا بِهَا فَيَقُولُ نَعَمْ فَيَقُولُ قَدْ أَرَدْتُ مِنْكَ أَهْوَنَ مِنْ هٰذَا وَأَنْتَ فِي صُلْبِ اٰدَمَ أَنْ لَا تُشْرِكَ أَحْسَبُهُ قَالَ وَلَا أُدْخِلَكَ النَّارَ فَأَبَيْتَ إِلَّا الشِّرْكَ))

[رواہ مسلم: کتاب صفة القیامة والجنة النار، باب طلب الکافر الفداء بملء الأرض ذھبا]

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جہنمیوں میں سے کم ترین عذاب والے سے کہے گا۔ دنیا اور جو کچھ اس میں تیرے لیے ہے۔ کیا تو اسے فدیہ کے طور پر دینے کے لیے تیار ہے؟ وہ کہے گا جی ہاں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے اس سے زیادہ تجھ سے نرمی کی تھی جب کہ تو آدم کی پشت میں تھا کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا، راوی کا خیال ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تجھے جہنم میں داخل نہیں کروں گا لیکن تو شرک سے باز نہیں آیا۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہیں بنانا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنانے والا بدحال اور بے یارومددگار رہو گا۔

تفسیر بالقرآن

الٰہ کے مختلف معانی:

۱۔ اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ بناؤ ورنہ بدحال بے یارومددگار ہو جاؤ گے۔ (بنی اسرائیل:۲۲)

۲۔ تمہارا الٰہ ایک ہی ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ (البقرة:۱۶۳)

۳۔ اللہ کے سوا کسی اور کو نہ پکارو اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ (القصص:۸۸)

۴۔ اگر یہ الٰہ ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے۔ (الانبیاء:۹۹)

۵۔ انہوں نے اللہ کے سوا الٰہ بنا لیے ہیں جنہوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا۔ (الفرقان:۳)

۶۔ کیا انہوں نے اللہ کے سوا اپنی مدد کے لیے الٰہ بنا لیے ہیں؟ (یٰس:۳۶)

وَقَضٰی	رَبُّكَ	اَلَّا	تَعْبُدُوْٓا	اِلَّآ	اِيَّاهُ	وَبِالْوَالِدَيْنِ
اور فیصلہ کردیا	آپ کے رب	یہ کہ نہ	تم عبادت کرو	مگر	اُسی کی	اور ماں باپ کیساتھ
اِحْسَانًا ؕ	اِمَّا	يَبْلُغَنَّ	عِنْدَكَ	الْكِبَرَ	اَحَدُهُمَآ	اَوْ كِلٰهُمَا
حسن سلوک کرو	اگر	وہ پہنچے	تیرے سامنے	بڑھاپے کو	ان میں سے ایک	یا وہ دونوں
فَلَا	تَقُلْ	لَّهُمَآ	اُفٍّ	وَّلَا	تَنْهَرْهُمَا	وَقُلْ
پھر نہ	تو کہہ	ان سے	اُف	اور نہ	تو انہیں جھڑک	اور تو کہہ
لَّهُمَا	قَوْلًا	كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾	وَاخْفِضْ	لَهُمَا	جَنَاحَ	الذُّلِّ
ان دونوں کے لیے	بات	نرم	اور جھکائے رکھ	ان دونوں کے لیے	بازو	عاجزی کا

’’اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر تیرے سامنے دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو ’’اف‘‘ نہ کہہ اور نہ انھیں جھڑک اور ان سے نرم گفتگو کیجیے۔‘‘ (۲۳) ’’اور شفقت سے ان کے سامنے بازو جھکا دے

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت کے بعد والدین کا احترام اور تابعداری کرنے کا حکم۔

البقرۃ آیت ۸۳ کی تفسیر کرتے ہوئے عرض کیا ہے: ہر دور میں دین کے بنیادی ارکان واحکام ایک اور ان کی ترتیب بھی ایک جیسی ہی رہی ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرنا ہے۔ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اللہ کے حق کے بعد والدین کی تابعداری اور ان کے ساتھ احسان کرنا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ رب اور خالق ہے لیکن اس نے اپنی تخلیق اور ربوبیت کا ذریعہ والدین کو بنایا ہے۔ اس لیے اپنی ذات کے بعد اس نے اس مقدس رشتہ کو تقدیس وتکریم دیتے ہوئے ہدایات فرمائیں کہ اولاد کو چاہیے کہ اپنے والدین کے ساتھ ہر دم اچھا سلوک کرتی رہے۔ نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید کی اسی ترتیب کا خیال رکھتے ہوئے ارشادات فرمائے:

((عن عَبْدِ اللّٰهِ ؓ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِیَّ ﷺ أَیُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَی اللّٰهِ قَالَ الصَّلَاةُ عَلٰی وَقْتِهَا قَالَ ثُمَّ أَیٌّ قَالَ ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قَالَ ثُمَّ أَیٌّ قَالَ الْجِهَادُ فِی سَبِيْلِ اللّٰهِ)) [رواہ البخاری: کتاب مواقیت الصلوٰۃ]

’’حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز وقت پر ادا کرنا۔ پھر پوچھا تو فرمایا: والدین کے ساتھ

مِنَ	الرَّحْمَةِ	وَقُلْ	رَّبِّ	ارْحَمْهُمَا	كَمَا	رَبَّيٰنِىْ
سے	رحمت	اور کہہ	اے رب!	رحم فرما ان دونوں پر	جیسا کہ	انہوں نے میری پرورش کی
صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾	رَبُّكُمْ	اَعْلَمُ	بِمَا	فِىْ	نُفُوْسِكُمْ	اِنْ
بچپن میں	تمہارا رب	خوب جانتا ہے	اسے جو	میں	تمہارے دلوں	اگر
تَكُوْنُوْا	صٰلِحِيْنَ	فَاِنَّهٗ	كَانَ	لِلْاَوَّابِيْنَ	غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾	
ہو گے تم	صالح	تو بلاشبہ وہ	ہے	رجوع کرنے والوں کے لیے	بہت بخشنے والا	

اور اے میرے رب! ان دونوں پر رحم کیجیے جیسے انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔'' (۲۴) ''تمھارا رب خوب جاننے والا ہے جو تمھارے دلوں میں ہے۔ اگر تم نیک ہو گے یقیناً وہ رجوع کرنے والوں کے لیے بہت ہی بخشنے والا ہے۔'' (۲۵)

اچھا سلوک کرنا۔ اس کے بعد پوچھنے پر آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔''

((عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مَنْ أَبَرُّ قَالَ أُمَّكَ ثُمَّ أُمَّكَ ثُمَّ أُمَّكَ ثُمَّ أَبَاكَ ثُمَّ الْأَقْرَبَ فَالْأَقْرَبَ)) [رواه ابوداؤد: کتاب الأدب، باب فی برالوالدین]

''بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں کس سے اچھا سلوک کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی ماں سے، پھر اپنی ماں سے، پھر اپنی ماں سے، پھر اپنے باپ سے اور پھر قریبی رشتہ داروں سے۔''

والدہ کی خدمت پہلے کیوں؟

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتّٰى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ [الاحقاف:۱۵]

''ہم نے انسان کو حکم دیا کہ وہ اپنے والدین سے اچھا سلوک کرے۔ اس کی ماں نے مشقت سے اسے پیٹ میں رکھا اور پھر مشقت سے اسے جنا۔ اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس ماہ لگے۔ جب وہ اپنی بھرپور جوانی کو پہنچا اور چالیس سال کا ہوا تو کہنے لگا۔ اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیرے احسان کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا۔ یہ کہ میں نیک اعمال کروں جو تجھے پسند ہوں اور میری اور میری اولاد کی اصلاح فرما! میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور یقیناً میں فرمانبردار ہوں۔''

اللہ تعالیٰ نے والدین کا احترام اوران کی تابعداری کے لیے قرآن مجید میں پانچ الفاظ استعمال فرمائے ہیں ۔جن کا مختصر مفہوم پیش خدمت ہے۔

۱۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا:

احسان کا لفظ حقوق العباد کے متعلق استعمال کیا جائے تو اس کا معنیٰ ہے کہ کسی کی بھلائی کے بدلہ کے بغیر اوراس کے ساتھ احسان کارویہ اختیار کیا جائے۔اگر عبادت کے لیے استعمال ہوتو احسان کا معنیٰ یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَارِزًا يَوْمًا لِلنَّاسِ ، فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ علیہ السلام فَقَالَ .. .. مَا الْإِحْسَانُ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ))[رواہ البخاری: کتاب الایمان]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں تشریف فرما تھے ۔آپ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے۔انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا احسان کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ اسے دیکھ رہا ہے،اگر یہ نہیں ہوسکتا تو یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ تجھے دیکھ رہا ہے۔''

۲۔ والدین کو''اُف'' کا لفظ کہنے اورڈانٹنے کی ہرگز اجازت نہیں:

والدین کوان کی عمر کے کسی حصہ میں بھی اُف کہنے اورڈانٹ پلانے کی اجازت نہیں۔جب وہ بڑھاپا کی عمر میں داخل ہو جائیں تو بالخصوص ان کے سامنے ان کی کسی حرکت اور عادت پر اُف کہنا یعنی تاسف کا اظہار کرنا یا کرخت آواز سے بولنا ہرگز جائز نہیں۔بڑھاپے میں والدین اکثر طور پراولاد کے محتاج ہوجاتے ہیں ۔محتاجی اور جسمانی ضعف کی وجہ سے ان کا دل انتہائی حساس ہوجاتا ہے۔جس کی وجہ سے''اُف'' کا لفظ بھی ان کے کلیجہ پر نشتر بن کر اترتا ہے۔اس لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر عربی میں اس سے بھی کوئی ہلکا لفظ ہوتا تو وہ بھی یہاں استعمال کیا جاتا۔لہٰذااولاد کو چاہیے کہ ماں باپ کی کسی خطااورکمزوری پر ایساانداز نہ اپنائے۔جس سے ان کے دل کو دکھ پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

۳۔ قولِ کریم اختیار کرنا:

والدین کے مرتبہ ومقام اوران کے احترام واکرام کی خاطر مزید ارشاد ہوا۔کہ ناصرف ان کے سامنے''اُف'' کہنے سے اجتناب کرنا ہے بلکہ جب ان کے ساتھ بات کی جائے تو اُس میں ادب واحترام،محبت وعقیدت،نرمی اور شفقت کا پہلو غالب ہونا چاہیے تاکہ ان کی کمزورطبیعت کوسہارااوردکھی دل کوتسکین حاصل ہو۔

۴۔ والدین کے سامنے جھکتے ہوئے پیش ہونا:

اللہ تعالیٰ نے انسان کواپنے سوا کسی دوسرے کے سامنے عاجزی کے ساتھ پیش ہونے کا حکم نہیں دیا۔سوائے والدین کے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے والدین کواپنی ربوبیت کا پرتو ٹھہرایا ہے اس لیے حکم دیا ہے کہ اولاد اپنے ماں باپ کے سامنے انکساری کے ساتھ پیش ہوا کرے۔یہاں صرف انکساری اختیار کرنے پر اکتفانہیں کیا بلکہ مزید حکم دیا ہے کہ

والدین کے سامنے انکساری، اور ادب واحترام کے کندھے جھکے ہوئے ہونے چاہییں یعنی اولاد ماں، باپ کے سامنے اس طرح پیش ہو جیسے غلام اپنے آقا کے سامنے پیش ہوتا ہے۔

۵۔ والدین کے لیے دعا کرنا:

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو صرف اپنی بارگاہ سے مانگنے کا حکم دیا ہے۔انسان کو اپنے لیے مانگنے کے بعد جس شخصیت کے لیے مانگنے کا سب سے پہلے حکم دیا وہ والدین کی ذات ہے۔والدین کے لیے مانگتے وقت اولاد کے جو جذبات اور احساسات ہونے چاہئیں ان کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب اپنے رب سے والدین کے لیے مانگو تو تمہیں اپنا بچپن یاد کرتے ہوئے ان کی شفقت، محبت اور مشقت کا پوری طرح احساس ہونا چاہیے۔والدین کے لیے دعا کرتے وقت اللہ تعالیٰ کو جو الفاظ پسند ہیں ان کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے اے رب! میرے والدین پر اس طرح مہربانی اور شفقت فرما جس طرح انہوں نے مجھے شفقت اور محبت سے پالا ہے۔اس کے ساتھ ہی یہ احساس دلایا جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔تمہارا رب اُسے خوب جانتا ہے اگر تم نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ صالح بننے کی کوشش کرو گے۔تو وہ اپنی طرف رجوع کرنے والوں کو معاف کردینے والا ہے۔گویا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صالح شخص وہ ہوگا جو صحیح عقیدہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اپنے والدین کی تابعداری کرے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہوگا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنی چاہیے۔ ۲۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔

۳۔ والدین کو اف تک نہیں کہنا چاہیے۔ ۴۔ والدین کو جھڑکنا نہیں چاہیے۔

۵۔ والدین کے ساتھ ادب سے گفتگو کرنی چاہیے۔ ۶۔ والدین کے سامنے محبت وانکساری کے ساتھ جھکے رہنا چاہیے۔

۷۔ والدین کے لیے رحمت کی دعا کرنی چاہیے۔ ۸۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو معاف کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم:

۱۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔(بنی اسرائیل:۲۳)

۲۔ ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ والدین کے ساتھ احسان کرے۔(الاحقاف:۱۰)

۳۔ اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ نیکی کرو۔(النساء:۳۶)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور والدین سے حسن سلوک کریں۔(البقرۃ:۸۳)

۵۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔(الانعام:۱۵۱)

وَاٰبْنَ السَّبِيْلِ	وَالْمِسْكِيْنَ	حَقَّهٗ	ذَاالْقُرْبٰى	وَاٰتِ
اور مسافر کو	اور مسکین	اس کا حق	قرابت دار کو	اور دے تو

اِخْوَانَ	كَانُوْٓا	الْمُبَذِّرِيْنَ	اِنَّ	تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾	تُبَذِّرْ	وَلَا
بھائی	ہیں وہ	فضول خرچی کرنے والے	یقیناً	فضول خرچی کرنا	تو فضول خرچی کر	اور نہ

كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾	لِرَبِّهٖ	الشَّيْطٰنُ	وَكَانَ	الشَّيٰطِيْنِ ۭ
نہایت ناشکرا	اپنے رب کا	شیطان	اور ہے	شیطانوں کے

”اور رشتہ دار اور مسکین اور مسافر کو حق دیجیے اور فضول خرچی نہ کیجیے۔“(۲۶) ”بے شک فضول خرچی کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں اور شیطان ہمیشہ سے اپنے رب کا ناشکرا ہے۔“(۲۷)

فہم القرآن

ربط کلام: والدین کی خدمت کے بعد عزیز واقرباء اور کمزور لوگوں کی خدمت کا حکم۔

والدین کے احترام واکرام اور ان کی خدمت کا حکم دیتے ہوئے ان کی شان اور مرتبہ کے پیش نظر احسان کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ جس میں ہر قسم کا تعاون اور نیکی شامل ہے۔ لیکن رشتہ داروں پر خرچ کرنے کے لیے حق کا لفظ استعمال کیا ہے ۔جس میں ایک قسم کی تاکید کے ساتھ یہ باور کروایا گیا ہے کہ رشتہ داری کے حوالے سے تمہارے مال میں ان کا حق ہے جو تمہیں ادا کرنا چاہیے۔ رشتہ داروں کے بعد مسکین اور مسافر پر خرچ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ فضول خرچی سے بچو کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیاطین کے ساتھی ہیں۔ ہمیشہ یاد رکھو کہ شیطان اپنے رب کا ناقدردان اور ناشکرا ہے۔ اہل علم نے لکھا ہے کہ تبذیر کا معنی ہے نیکی کے کاموں پر خرچ کرتے وقت ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا جیسے مسجدوں کے میناروں اور ان کی زیب وزیبائش پر سرمایہ لگایا جاتا ہے۔ برائی کے کاموں پر مال خرچ کرنے کو اسراف کہا جاتا ہے جس سے ہر صورت بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

قیامت کے دن سوالات:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَا ابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ قَالَ یَا رَبِّ کَیْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا مَّرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْعُدْتَّهٗ لَوَجَدْتَّنِیْ عِنْدَهٗ یَا ابْنَ اٰدَمَ اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ قَالَ یَا رَبِّ کَیْفَ

اُطْعِمُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِىْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ اَمَاعَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ اَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَّ ذَالِكَ عِنْدِىْ يَا ابْنَ اٰدَمَ اسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِىْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَسْقِيْكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اسْتَسْقَاكَ عَبْدِىْ فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهِ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهُ وَجَدْتَّ ذَالِكَ عِنْدِىْ))[رواه مسلم :كتاب البر و الصلة و الآداب ،باب فى فضل عيادة المريض]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا اے آدم کے بیٹے! میں بیمار پڑا تو تُو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔ بندہ عرض کرے گا۔ میرے پروردگار میں آپ کی بیمار پرسی کیسے کرتا؟ کیونکہ تو رب العالمین ہے اللہ فرمائے گا۔ تو نہیں جانتا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو نے اس کی بیمار پرسی نہ کی۔ اگر تو اس کی بیمار پرسی کے لیے جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا لیکن تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا؟ بندہ جواب دے گا' اے میرے رب! میں تجھے کھانا کیسے کھلاتا تو تو جہانوں کو کھلانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھے معلوم نہیں میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے اس کو کھلانے سے انکار کر دیا تھا۔ تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو اس کا بدلہ میرے پاس پاتا۔ آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی طلب کیا لیکن تو نے مجھے پانی نہ پلایا۔ بندہ عرض کرے گا' اے میرے رب! میں تجھے کیسے پانی پلاتا جب کہ تو جہانوں کو پلانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے اسے پانی نہیں پلایا۔ تو نہیں جانتا کہ؟ اگر تو نے اسے کھلایا، پلایا ہوتا تو آج میرے پاس اپنے لیے کھانا پینا پاتا۔''

((عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ حُسَيْنٍ عَنْ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِلسَّائِلِ حَقٌّ وَاِنْ جَاءَ عَلٰى فَرَسٍ))[رواه أبو داود: كتاب الزكاة، باب فى حق السائل]

''فاطمہ بنت حسین حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے بیان کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سائل کا حق ہے اگر چہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔''

بخل سے بچو:

((قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَالْبَسُوْا وَتَصَدَّقُوْا، فِيْ غَيْرِ إِسْرَافٍ وَلَا مَخِيْلَةٍ))
[رواه البخارى :كتاب اللباس]

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھاؤ اور پیو، پہنو اور صدقہ کرو لیکن فضول خرچی اور بخیلی سے اجتناب کرو۔''

((عَنِ الْمُغِیْرَةِ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَیْکُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّھَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ وَمَنْعًا وَّھَاتِ وَکَرِہَ لَکُمْ قِیْلَ وَقَالَ وَکَثْرَةَ السُّؤَالِ وَاِضَاعَةَ الْمَالِ)) [رواہ البخاری : کتاب الاستقراض]

''حضرت مغیرہ ؓ ذکر کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا' بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم پر ماں کی نافرمانی کرنے' بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے' خود نہ دینے اور لوگوں سے عطیہ طلب کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ اور بے مقصد باتوں سے اجتناب، زیادہ سوالات کرنے اور مال کو ضائع کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔''

مسائل

۱۔ قریبی رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کریں۔ ۲۔ فضول خرچی نہیں کرنی چاہیے۔

۳۔ فضول خرچی کرنے والا شیطان کا بھائی ہے۔ ۴۔ شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

تفسیر بالقرآن

فضول خرچی اور اسراف کی ممانعت:

۱۔ فضول خرچی نہ کرو۔ (بنی اسرائیل:۲۶)

۲۔ فضول خرچی کرنے والا شیطان کا بھائی ہے۔ (بنی اسرائیل:۲۷)

۳۔ کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو، اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (الاعراف:۳۱)

۴۔ فصل کی کٹائی کے وقت اس کا حق ادا کرو اور اسراف نہ کرو۔ (الانعام:۱۴۱)

۵۔ اللہ کے بندے جب خرچ کرتے ہیں نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخیلی۔ (الفرقان:۶۷)

۶۔ اسراف کرنے والوں کے پیچھے نہ چلو۔ (الشعراء:۱۵۱)

۷۔ ہم اسی طرح حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے اعمال مزین کرتے ہیں۔ (یونس:۱۲)

۸۔ اللہ حد سے تجاوز کرنے والے جھوٹے کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المومن:۲۸)

۹۔ ہم حد سے تجاوز کرنے والوں اور اللہ کی آیات پر ایمان نہ لانے والوں کو ایسے ہی سزا دیتے ہیں۔ (طٰہٰ:۱۲۸)

رَّبِّكَ	مِّنۡ	رَحۡمَةٍ	ابۡتِغَآءَ	عَنۡهُمُ	تُعۡرِضَنَّ	وَاِمَّا
اپنے رب	سے	رحمت	تلاش کرنا	ان سے	تو اعراض کرے	اور اگر

يَدَكَ	تَجۡعَلۡ	وَلَا	مَّيۡسُوۡرًا ﴿۲۸﴾	قَوۡلًا	لَّهُمۡ	فَقُلۡ	تَرۡجُوۡهَا
اپنا ہاتھ	تو رکھ	اور نہ	نرم	بات	ان کے لیے	پھر تو کہہ	جس کی تو امید رکھتا ہے

الۡبَسۡطِ	كُلَّ	تَبۡسُطۡهَا	وَلَا	عُنُقِكَ	اِلٰى	مَغۡلُوۡلَةً
کھول دینا	پورا	کھول دے اسے	اور نہ	اپنی گردن	طرف	بندھا ہوا

مَّحۡسُوۡرًا ﴿۲۹﴾	مَلُوۡمًا	فَتَقۡعُدَ
تھکا ماندہ	ملامت کیا ہوا	تو پھر بیٹھ رہے

”اور اگر آپ اپنے رب کی رحمت کی تلاش میں جس کی آپ امید رکھتے ہیں۔ ان سے بے توجہگی کرتے وقت ان سے نرم بات کریں۔“ (۲۸) ”اور اپنا ہاتھ گردن سے نہ باندھیے اور نہ اسے پوری طرح کھولیے کھول دینا، ورنہ ملامت کیا ہوا تھکا ہوا بیٹھا رہے گا۔“ (۲۹)

فہم القرآن

ربط کلام: فضول خرچی سے روکنے کے ساتھ بخیلی اور کنجوسی سے بھی منع کیا گیا ہے۔

دین اسلام کی یہ بھی خوبی ہے کہ دین عبادات اور معاملات دونوں میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔ اس لیے حکم ہوا ہے کہ فضول خرچی سے بچنے کے ساتھ بخیلی سے بھی مکمل اجتناب کیا جائے۔ مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر رسول مکرم ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے کہ اپنا ہاتھ نہ گردن کے ساتھ لٹکائیں اور نہ اسے کلی طور پر کھول دیں۔ اگر آپ اپنا ہاتھ پورے کا پورا کھول دیں گے تو ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جائیں گے۔ اس کے ساتھ یہ رہنمائی بھی کی گئی کہ اگر آپ کے پاس کسی کو دینے کے لیے کوئی چیز نہ ہو۔ لیکن آپ کو اپنے رب کی طرف سے کوئی چیز ملنے کی توقع ہو تو سائل کو خالی ہاتھ واپس لُٹاتے ہوئے نرمی کے ساتھ جواب دیں۔ اعتدال کے ساتھ خرچ کرنے کے بارے میں آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جس نے اخراجات میں میانہ روی اختیار کی وہ کبھی کنگال نہیں ہوگا۔ کچھ نہ ہونے کی صورت میں آپ ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ سائل کو ڈانٹنے کی بجائے اُسے نرمی اور خوش اسلوبی کے ساتھ جواب دینا چاہیے۔ قرآن مجید نے عبادالرحمٰن کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ان کی یہ خوبی بیان کی ہے۔

”کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو اس میں اسراف اور بخل نہیں پایا جاتا۔ اللہ کے بندے خرچ کرتے ہوئے اعتدال کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔“ (الفرقان: ٦٧)

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ)) [رواہ أحمد]

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میانہ روی اختیار کی وہ کنگال نہیں ہوگا“

((عَنْ أَبِیْ مُوْسٰی رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ کَانَ اِذَا أَتَاهُ السَّائِلُ أَوْ صَاحِبُ الْحَاجَةِ قَالَ اشْفَعُوْا فَلْتُؤْجَرُوْا وَیَقْضِی اللّٰهُ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّهٖ صلی اللہ علیہ وسلم مَا شَاءَ))
[رواہ البخاری: باب التَّحْرِیضِ عَلَی الصَّدَقَةِ وَالشَّفَاعَةِ فِیهَا]

”حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ہی نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ جب آپ کے پاس سائل یا ضرورت مند آتا تو آپ فرماتے‘ اس کی سفارش کرو تمہیں ثواب ملے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جو چاہتا ہے کہلواتا ہے۔“

مسائل

١۔ سائل کے ساتھ نرمی سے بات کرنی چاہیے۔ ٢۔ فضول خرچی نہیں کرنی چاہیے۔
٣۔ بخل نہیں کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

دین اسلام کسی معاملہ میں غلو اور افراط و تفریط پسند نہیں کرتا:

١۔ نہ تو اپنے ہاتھ گردن ہی سے باندھ لے اور نہ اسے بالکل کھول دے۔ (بنی اسرائیل: ٢٩)

٢۔ وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں نہ بخیلی کرتے ہیں۔ (الفرقان: ٦٧)

٣۔ اپنی چال میں اعتدال اور اپنی آواز کو پست رکھیں۔ (لقمان: ١٩)

٤۔ کچھ ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ میانہ رو ہیں۔ (فاطر: ٣٢)

٥۔ ان میں سے درمیانی امت ہے اور زیادہ ان میں سے برے اعمال کرنے والے ہیں۔ (المائدۃ: ٦٦)

٦۔ نماز نہ بلند آواز سے پڑھو نہ آہستہ بلکہ درمیانہ انداز اختیار کرو۔ (بنی اسرائیل: ١١٠)

اِنَّ	رَبَّكَ	يَبۡسُطُ	الرِّزۡقَ	لِمَنۡ	يَّشَآءُ	وَيَقۡدِرُ ؕ
بے شک	آپ کا رب	وہ فراخ کرتا ہے	رزق	جس کے لیے	وہ چاہتا ہے	اور وہ تنگ کرتا ہے
اِنَّهٗ	كَانَ	بِعِبَادِهٖ	خَبِيۡرًاۢ	بَصِيۡرًا ﴿۳۰﴾	وَلَا	تَقۡتُلُوۡۤا
بلاشبہ وہ	ہے	اپنے بندوں کی	خبر رکھنے والا	دیکھنے والا	اور نہ	تم قتل کرو
اَوۡلَادَكُمۡ	خَشۡيَةَ	اِمۡلَاقٍ ؕ	نَحۡنُ	نَرۡزُقُهُمۡ	وَاِيَّاكُمۡ ؕ	
اپنی اولاد	ڈر	مفلسی	ہم	ہم انہیں رزق دیتے ہیں	اور تمہیں بھی	
اِنَّ	قَتۡلَهُمۡ	كَانَ	خِطۡاً	كَبِيۡرًا ﴿۳۱﴾		
بلاشبہ	ان کا قتل کرنا	ہے	گناہ	بہت بڑا		

’’بے شک آپ کا رب جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے یقیناً وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے اور دیکھنے والا ہے۔‘‘(۳۰) ’’اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم ہی انھیں اور تمھیں رزق دیتے ہیں۔ بے شک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔‘‘(۳۱)

فہم القرآن

ربط کلام: اخراجات میں اعتدال اختیار کرنے کے ساتھ غربت کی وجہ سے اولاد کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

بخل کا بنیادی سبب مال کم ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسی اندیشہ کی وجہ سے لوگ اپنی اولاد کو قتل کرتے آرہے ہیں۔ بخل اور اولاد کا قتل اپنی اپنی نوعیت کے اعتبار سے نا صرف سنگین جرم ہیں۔ بلکہ ان کے پیچھے آدمی کے عقیدہ کی کمزوری کا بڑا عمل دخل ہوا کرتا ہے۔ ایسے سنگین جرائم سے روکنے اور عقیدہ توحید کے ضعف سے بچانے کے لیے یہ بات سمجھائی ہے کہ رزق کی کمی وبیشی انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کا رزق چاہے کشادہ فرمائے اور جس کا چاہے تنگ کر دے۔ وہ اپنے بندوں کی ضروریات اور فطرت کو اچھی طرح جانتا اور دیکھتا ہے۔ رزق کی تنگی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرنے والے کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ جس رب نے میری پرورش کی ہے۔ وہی میری اولاد کو بھی روزی مہیا کرنے والا ہے۔ اولاد کو معیشت کی تنگی کی وجہ سے قتل کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ قتل اولاد کے پیچھے ہمیشہ سے یہ فکر رہی ہے کہ اگر اولاد زیادہ ہوگی تو اس سے معیشت پر منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ اسی کے پیش نظر پہلے لوگ اپنی اولاد کو قتل کیا کرتے تھے۔ اور آج ترقی یافتہ دور میں پڑھے لکھے لوگ انفرادی طور پر نہیں بلکہ بڑی بڑی حکومتوں نے بچے قتل کرنے کے لیے مستقل

وزارتیں قائم کررکھی ہیں۔ جو صبح شام میڈیا کے ذریعے کروڑوں روپے خرچ کر کے لوگوں کو یہ باور کروانے میں مصروف ہیں کہ ’’بچے دو ہی اچھے‘‘، ’’چھوٹا خاندان زندگی آسان‘‘، ’’چھوٹا خاندان خوشحالی کی ضمانت ہے‘‘ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے ساتھ ہی خطیر سرمایہ میڈیسن پر خرچ کیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود ہر سال نسل انسانی میں اضافہ کی رپورٹس شائع ہوتی ہیں۔ حالانکہ اگر یہی سرمایہ زراعت اور آمدنی کے حصول کے دیگر ذرائع پر خرچ کیا جائے تو اناج کی قلت سے بچا جا سکتا ہے۔ اولاد کو قتل کرنا صرف اخلاقی جرم نہیں بلکہ اس کے پیچھے شرک جیسا ناقابل معافی گناہ بھی پایا جاتا ہے۔ جس سے اللہ کے رزاق ہونے کی نفی ہوتی ہے۔ حالانکہ ہمارے خالق کا اعلان ہے کہ زمین میں چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو۔ وہ کھانے والے کی مستقل اور عارضی قیام گاہ کو پوری طرح جانتا ہے۔ اس نے سب کچھ لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔ (ہود:٦)

یہی وجہ ہے کہ جوں جوں آبادی میں اضافہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے اناج میں بھی اضافہ کرتا جا رہا ہے۔ ۱۹۶۵ء تک پاکستان میں گندم کی فی ایکڑ پیداوار پندرہ، سولہ من سے زیادہ نہیں تھی۔ لیکن آج فی ایکڑ پیداوار دگنی سے بڑھ چکی ہے۔ یہی رفتار چاول اور دیگر اجناس کی ریکارڈ کی گئی ہے۔ قتل اولاد کا دوسرا سبب ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ لوگ بیٹیوں کی ذمہ داریوں سے بچنے کے لیے ان کو قتل کرتے ہیں۔ جس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾[النحل:۵۸،۵۹]

’’حالانکہ جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خبر ملتی ہے۔ تو اس کا منہ غم کے سبب کے کالا پڑ جاتا ہے اور وہ اندوھناک ہو جاتا ہے اور اس بری خبر سے وہ چھپتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ آیا ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں گاڑ دے۔ دیکھو جو تجویز کرتے ہیں بہت بری ہے۔‘‘

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝﴾[الزخرف:۱۷]

’’جب اُن میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے جو وہ رحمٰن کے لیے منسوب کرتے ہیں تو اُس کا منہ غم کے سبب کالا پڑ جاتا ہے۔ (رحمٰن کے لیے بیان کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں۔)

قیامت کے دن بیٹی باپ سے سوال کرے گی:

﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ﴾[التکویر:۸۔۹]

’’جب زندہ درگور کی گئی بچی سے سوال کیا جائے گا۔ تجھے کس جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا؟‘‘

((عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَأَلْتُ أَوْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم أَیُّ الذَّنْبِ عِنْدَ اللّٰہِ أَکْبَرُ قَالَ أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰہِ نِدًّا وَھُوَ خَلَقَكَ قُلْتُ ثُمَّ أَیٌّ قَالَ ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْیَةَ أَنْ یَطْعَمَ مَعَكَ قُلْتُ ثُمَّ أَیٌّ قَالَ أَنْ تُزَانِیَ بِحَلِیلَةِ جَارِكَ))[رواہ البخاری :کتاب التفسیر، باب قولہ الذین لایدعون مع اللہ ....]

”حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کونسا گناہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں نے پھر سوال کیا اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا کہ اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔ میں نے پھر عرض کی اس کے بعد کونسا گناہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرے۔“

﴿یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ إِذَا جَاءَکَ الْمُؤْمِنَاتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰی أَنْ لَا یُشْرِکْنَ بِاللّٰهِ شَیْئًا وَلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا یَأْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَفْتَرِیْنَهُ بَیْنَ أَیْدِیْهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ﴾[الممتحنة:۱۲]

”اے نبی !جب مومن عورتیں آپ کی بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک نہیں کریں گی ،چوری اور بدکاری نہیں کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور اپنے ہاتھ پاؤں سے کوئی بہتان باندھ کر نہیں لائیں گی اور نیکی کے کاموں میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی تو ان سے بیعت لے لیں اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگیں یقیناً اللہ بخشنے والا ،رحم کرنے والا ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ جس کا چاہتا ہے رزق بڑھا دیتا ہے۔
۲۔ رزق تنگ کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا اور دیکھنے والا ہے۔
۴۔ اولاد کو غربت کی وجہ سے قتل نہیں کرنا چاہیے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ سب کو روزی دینے والا ہے۔
۶۔ قتل اولاد بہت بڑا جرم ہے۔

تفسیر بالقرآن

قتل اولاد کا جرم:

۱۔ نہ اسراف کرو، نہ زنا کرو اور نہ اپنی اولاد کو قتل کرو۔(الممتحنة:۱۲)

۲۔ اولاد کو قتل کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔(بنی اسرائیل :۳۱) ۳۔اپنی اولاد کو غربت کی وجہ سے قتل نہ کرو۔(الانعام:۱۵۱)

۴۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا نقصان پائیں گے۔(الانعام:۱۴۰)

وَلَا	تَقْرَبُوا	الزِّنٰٓى	اِنَّهٗ	كَانَ	فَاحِشَةً
اور نہ	تم قریب جاؤ	زنا کے	یقیناً وہ	ہے	بے حیائی

وَسَآءَ	سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾
اور برا	راستہ

”اور زنا کے قریب نہ جاؤ، یقیناً وہ بے حیائی اور برا راستہ ہے۔“ (۳۲)

فہم القرآن

ربط کلام: ضبطِ اولاد کے مصنوعی اور غیر شرعی طریقوں سے بدکاری کو رواج ملتا ہے۔ لہٰذا زنا کے راستوں اور طریقوں سے منع کیا گیا ہے۔ زنا کے نتیجہ میں حمل ٹھہر جائے تو بچہ ضائع کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے قتل اولاد سے منع کرنے کے بعد زنا سے بھی منع کیا گیا ہے۔

دین اسلام نہ صرف زنا سے منع کرتا ہے بلکہ وہ زنا کی قربتوں اور راستوں سے بھی روکتا ہے اور زنا کو بے حیائی اور برا راستہ قرار دیتا ہے۔ اس لیے جن راستوں اور واسطوں کے ذریعے آدمی زنا کا مرتکب ہوتا ہے۔ ان سے اجتناب کرنے کا سختی کے ساتھ حکم دیا گیا ہے۔ زنا ایسا بُرا عمل ہے جو آدمی سے یکدم سرزد نہیں ہوتا بلکہ پہلے کچھ اقدامات اور حرکات کرنا پڑتی ہیں۔ پہلے ایک دوسرے کو دیکھا دیکھی ہوتی ہے، پھر قربت کے راستے تلاش کیے جاتے ہیں۔ بسا اوقات ایک دوسرے کو دیکھے بغیر صرف آواز کے جادو سے متاثر ہو کر مرد عورت کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ دین نے اس لیے غیر محرم مرد اور عورت کو ایک دوسرے کو ارادتاً دیکھنے سے منع کیا ہے حتیٰ کہ عورتوں کو حکم دیا کہ وہ بازار میں نکلیں تو ان کا چلنے کا انداز شریفانہ ہونا چاہیے۔ اگر کسی غیر محرم سے بات کرنا ناگزیر ہو تو عورت کی آواز میں لوچ نہیں ہونی چاہیے۔ (الاحزاب: ۳۲) گانا بجانا اور موسیقی کی آواز بھی آدمی کے دل میں بے حیائی پیدا کرتی ہے اس لیے ایسی تمام چیزوں کے استعمال اور ان کے قریب جانے سے روک دیا گیا ہے تاکہ مسلمان معاشرہ شرم و حیا کا پیکر بن جائے۔ اسی بنا پر حکم دیا ہے کہ زنا کے قریب تک نہ جانا کیونکہ یہ بے حیائی کے ساتھ بدترین راستہ ہے۔ اس راستہ پر چل کر آدمی کا مال، عزت، یہاں تک کہ قتل کے واقعات بھی رونما ہوتے ہیں۔ یہ ایسا برا راستہ ہے کہ آدمی کے کردار پر ہمیشہ کے لیے بدنما دھبہ لگ جاتا ہے بالخصوص بدکاری کرنے والی عورت نہ صرف اپنے والدین، بہن بھائیوں، خاندان کے لیے عار کا سبب بنتی ہے بلکہ شادی کے بعد بھی یہ حرکت اس کی اولاد کے لیے مستقل طعنہ بنا رہتا ہے۔ غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں اگر اس فعل کے نتیجہ میں حمل ٹھہر جائے تو بچہ ضائع کیے بغیر کوئی چارہ

کار نہیں ہوتا جو واضح طور پر ایک جان کا قتل ہے۔ کئی مرتبہ ایسے بچوں کو گندگی کے ڈھیر پر پھینک دیا جاتا ہے۔ اس طرح زنا ہر قسم کی زیادتی اور بے حیائی کو فروغ دیتا ہے۔ ان برائیوں کی وجہ سے حکم دیا ہے کہ زنا کے قریب نہ پھٹکنا کیونکہ یہ سراسر بے حیائی اور برائی کا راستہ ہے۔

بدکاری سے بچنے کے احکام:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾[الاسراء:۳۲]

''اور تم زنا کے قریب نہ جاؤ یقیناً یہ فحاشی اور بری راہ ہے۔''

''مومنوں کو فرما دیجیے اپنی نظروں کو جھکا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ یقیناً اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔''[النور:۳۰]

''اے پیغمبر! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومن عورتوں سے فرما دیں کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے اوپر لٹکا لیں۔ یہ امر ان کے لیے موجب شناخت ہوگا تو کوئی ان کو ایذاء نہ دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''[الاحزاب:۵۹]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے بیٹے پر اس کے حصے کا زنا لکھ دیا ہے وہ ضرور اس کو پائے گا۔ آنکھ کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا بولنا ہے اور انسان کے نفس میں بری خواہش پیدا ہوتی ہے۔ وہ شہوت پر آمادہ ہوتا ہے۔ شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ (بخاری و مسلم) مسلم کی روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم کے بیٹے پر اس کے زنا کا حصہ ثبت ہے وہ ضرور اس کو پانے والا ہے۔ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، کانوں کا زنا سننا ہے اور زبان کا زنا کلام کرنا ہے۔ ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا چل کر جانا ہے۔ دل خواہشات اور آرزوئیں پیدا کرتا ہے۔ شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔'' یعنی زنا کرنے سے اس کی تصدیق ہو جائے گی۔ زنا کرنے سے دل کی خواہش کی نفی ہوگی۔

[رواہ مسلم: کتاب القدر، باب قدر علی ابن آدم حظہ من الزنا وغیرہ]

زانی کی سزا:

((عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ وَ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ رضی اللہ عنہما اَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ اَحَدُهُمَا اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَ قَالَ الْاٰخَرُ اَجَلْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَ اُئْذَنْ لِیْ اَنْ اَتَكَلَّمَ قَالَ تَكَلَّمْ قَالَ اِنَّ ابْنِیْ كَانَ عَسِيْفًا عَلٰى هٰذَا فَزَنٰى بِامْرَاَتِهٖ فَاَخْبَرُوْنِیْ اَنَّ عَلٰى ابْنِیَ الرَّجْمَ فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَ بِجَارِيَةٍ لِّیْ ثُمَّ اِنِّیْ سَاَلْتُ اَهْلَ الْعِلْمِ فَاَخْبَرُوْنِیْ اَنَّ عَلٰى ابْنِیْ جَلْدَ مِائَةٍ وَ تَغْرِيْبَ عَامٍ وَ اِنَّمَا الرَّجْمُ عَلٰى امْرَاَتِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَمَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَاَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللّٰهِ اَمَّا غَنَمُكَ وَ جَارِيَتُكَ فَرَدٌّ عَلَيْكَ وَاَمَّا ابْنُكَ فَعَلَيْهِ جَلْدُ مِائَةٍ وَ تَغْرِيْبُ عَامٍ وَاَمَّا اَنْتَ يَا اُنَيْسُ فَاغْدُ اِلٰى امْرَاَةِ هٰذَا فَاِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا))

[رواه البخاری: باب إِذَا اصْطَلَحُوا عَلٰى صُلْحِ جَوْرٍ فَالصُّلْحُ مَرْدُوْدٌ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو شخص رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ لے کر آئے۔ایک نے کہا ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے موافق فیصلہ فرمائیں۔دوسرے نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا' کہ اللہ کے رسول! ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ فرمائیں اور مجھے بات کرنے کی اجازت دیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بات کرو۔اس نے کہا میرا بیٹا اس کے ہاں مزدور تھا' اُس نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا۔مجھے بتایا گیا کہ میرے بیٹے کی سزا رجم ہے۔میں نے اس کی طرف سے سو بکریاں اور ایک لونڈی بطورِ فدیہ دی۔بعدازاں میں نے علماء (یہود) سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ میرے بیٹے کو سو کوڑے بطورِ حد لگائے جائیں گے اور ایک سال کے لیے اسے جلاوطن کر دیا جائے گا۔البتہ اس کی بیوی کو رجم کیا جائے گا۔رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یاد رکھو۔اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔بکریاں اور لونڈی تجھے واپس کی جائیں۔تیرے بیٹے کو سو کوڑے لگائے جائیں اور ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا جائے گا۔اے انیس! صبح اس کی بیوی کے پاس جائیں اگر وہ زنا کا اقرار کرے تو اسے رجم کر دیں۔اس عورت نے زنا کا اقرار کیا لہٰذا اسے رجم کر دیا گیا۔''

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ لَمَّا اَتٰی مَاعِزُ ابْنُ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لَهٗ لَعَلَّكَ قَبَّلْتَ اَوْ غَمَزْتَ اَوْ نَظَرْتَ قَالَ لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَنِکْتَهَا لَا یَکْنِیْ قَالَ نَعَمْ فَعِنْدَ ذٰلِكَ اَمَرَ بِرَجْمِهٖ))

[رواه البخاری: باب هَلْ يَقُولُ الإِمَامُ لِلْمُقِرِّ لَعَلَّكَ لَمَسْتَ أَوْ غَمَزْتَ]

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ نبی گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا' شاید تو نے بوس و کنار اور ملاپ کیا ہو یا اسے دیکھا ہو۔اس نے کہا نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا' کیا تو نے اس سے جماع کیا ہے؟ آپ کنایہ نہیں کر رہے تھے۔اس نے کہا' جی ہاں! تو آپ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔''

مسائل

۱۔ زنا کے قریب بھی نہیں جانا چاہیے۔ ۲۔ زنا بے حیائی اور بری راہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

زنا کی برائیاں:

۱۔ زنا کے قریب نہ جاؤ یقیناً یہ بے حیائی اور برا راستہ ہے۔(بنی اسرائیل:۳۲)

۲۔ نیک لوگ کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ زنا کرتے ہیں۔(الفرقان:۶۸)

۳۔ زانی مرد اور عورت کو سو کوڑے لگائیں۔(النور:۲)

۴۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، چوری نہ کریں اور زنا نہ کریں۔(الممتحنة:۱۲)

وَلَا	تَقْتُلُوا	النَّفْسَ	الَّتِيْ	حَرَّمَ	اللّٰهُ	اِلَّا
اور مت	تم قتل کرو	جان	جسے	حرام کیا	اللہ	مگر

بِالْحَقِّ	وَمَنْ	قُتِلَ	مَظْلُوْمًا	فَقَدْ	جَعَلْنَا	لِوَلِيِّهٖ
ساتھ حق کے	اور جو	قتل کیا گیا	مظلوم	تو تحقیق	ہم نے بنایا	اس کے وارث کے لیے

سُلْطٰنًا	فَلَا	يُسْرِفْ	فِّي	الْقَتْلِ	اِنَّهٗ	كَانَ	مَنْصُوْرًا ۝۳۳
دلیل	نہ	وہ زیادتی کرے	میں	قتل	بے شک وہ	ہے	مدد دیا ہوا

''اور جس جان کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے قتل مت کرو مگر حق کے ساتھ اور جو مظلوم قتل کر دیا جائے ہم نے اس کے ولی کے لیے اختیار رکھا ہے۔ پس وہ قتل کرنے میں حد سے نہ بڑھے، یقیناً وہ مدد دیا ہوا ہے۔'' (۳۳)

فہم القرآن

ربط کلام: قتل اولاد، زنا اور عفت گری سے روکنے کے بعد انسانی جان کے قتل سے روکا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری مخلوق میں انسان کو ظاہری اور جوہری صلاحیتوں کے لحاظ سے بہترین تخلیق فرما کر ارشاد فرمایا کہ میں نے انسان کو بحر و بر میں عزت و عظمت عنایت فرمائی ہے۔ (بنی اسرائیل: ۷۰) اس کے مقام و مرتبہ اور ہر طرح سے امن و امان قائم رکھنے کے لیے اس کو شرم و حیا اور عفت و عصمت کی رکھوالی کا حکم دیا اور یہ بھی حکم صادر فرمایا ہے کہ نفس انسانی کا احترام اور تحفظ ہونا چاہیے۔ کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے کو جائز حق کے بغیر قتل کرے۔ (المائدۃ: ۳۲) میں ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی ایک کو قتل کیا گویا کہ اس نے سب لوگوں کو مار ڈالا اور جس نے کسی جان کو تحفظ دیا۔ گویا کہ اس نے سب لوگوں کو تحفظ فراہم کیا اور جس شخص کو ناحق قتل کیا گیا اس کے وارثوں کو پورا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اس کا بدلہ لیں یا معاف کر دیں۔ یہ اختیار اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا ہے۔ لہٰذا معاشرہ اور اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ بدلہ لینے میں اس کی مدد کرے۔ البتہ بدلہ لینے کی صورت میں انہیں کسی قسم کی زیادتی کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ زیادتی سے مراد ایک کے بدلے زیادہ لوگوں کو قتل کرنا۔ لاش کا مثلہ کرنا، اصل قاتل کی بجائے کسی دوسرے کو قتل کرنا قتل کرتے وقت اذیتیں دینا۔ یاد رہے کہ مقتول کے وارث دیت لیں یا معاف کر سکتے ہیں۔ لیکن قصاص خود نہیں لے سکتے۔ قصاص حکومت کے ذریعہ ہی لیا جانا چاہیے۔ بصورت دیگر قتل در قتل کا سلسلہ چل نکلتا ہے۔

قرآن مجید نے لوگوں کو ہر قسم کی قتل و غارت سے منع کرتے ہوئے اِلَّا بِالْحَقِّ کے الفاظ استعمال کیے ہیں جس کا معنیٰ ہے کہ کچھ ایسے مجرم ہیں جن کی جان کو تحفظ نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ ایسے لوگ معاشرے کی حیا اور امن و امان کے دشمن ہیں۔ انہیں کھلا چھوڑ نا ملک و ملت کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں وہ درج ذیل پانچ جرم ہیں۔

۱۔ قتل کے بدلہ قتل کرنا البتہ مقتول کے وارث کو دیت لینے اور معاف کر دینے کا پورا پورا حق ہے۔ یہ حق وارث کے بغیر کسی

شخص اور حکومت کو حاصل نہیں ہوگا۔

٢۔ شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا۔ ٣۔ اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والا بھی قتل کیا جائے گا۔

٤۔ دین اسلام سے مرتد ہونے والا واجب القتل ہوگا اس میں گستاخ رسول ﷺ بھی شامل ہے۔

٥۔ راہزنی اور اسلامی حکومت میں دنگا وفساد برپا کرنے والا بھی تہ تیغ کیا جائے گا۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَزَوَالُ الدُّنْیَا أَھْوَنُ عَلَی اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ))

[رواہ الترمذی : کتاب الدیات ،باب ماجاء فی تشدید قتل المؤمن]

''عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی تباہی ایک مسلمان کو قتل کرنے سے زیادہ کم درجہ رکھتی ہے۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ الْكَبَائِرُ الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ أَوْ قَتْلُ النَّفْسِ شُعْبَةُ الشَّاكُّ وَالْيَمِيْنُ الْغَمُوْسُ)) [رواہ أحمد]

''عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا یا کسی جان کو قتل کرنا۔ کبیرہ گناہ ہیں راوی کو اس میں شک ہے، جھوٹی قسم کھانا۔'' بھی ان میں شامل ہے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ))

[رواہ البخاری: باب اتباع الجنائز من الإیمان]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا' مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔''

مسائل

١۔ کسی کو ناحق قتل نہیں کرنا چاہیے۔ ٢۔ مقتول کے وارث کو قصاص لینے کا حق حاصل ہوگا۔

٣۔ مقتول کے وارث کو حد سے نہیں بڑھنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

قتل کا گناہ:

١۔ جس جان کو اللہ نے تحفظ دیا ہے اسے ناحق قتل نہیں کرنا چاہیے۔ (بنی اسرائیل:٣٣)

٢۔ جس نے کسی کو بغیر حق کے قتل کر دیا گویا کہ اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔ (المائدۃ:٣٢)

٣۔ قابیل کو اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر ابھارا۔ اس نے قتل کر دیا پس خسارہ پانے والا ہوا۔ (المائدۃ:٣٠)

٤۔ جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (النساء:٩٣) ٥۔ کسی کو ناحق قتل نہ کرو۔ (الانعام:١٥١)

وَلَا	تَقْرَبُوْا	مَالَ	الْيَتِيْمِ	اِلَّا	بِالَّتِيْ	هِيَ
اور مت	تم قریب جاؤ	مال	یتیم	مگر	اس کے ساتھ کہ	وہ
اَحْسَنُ	حَتّٰى	يَبْلُغَ	اَشُدَّهٗ ۠	وَاَوْفُوْا	بِالْعَهْدِ ۚ	
بہت ہی اچھا	یہاں تک کہ	پہنچ جائے وہ	اپنی جوانی	اور تم پورا کرو	ساتھ عہد کے	
اِنَّ	الْعَهْدَ	كَانَ	مَسْئُوْلًا ﴿۳۴﴾			
بلاشبہ	عہد	ہے	سوال کیا گیا			

''اور یتیم کے مال کے قریب مت جاؤ ، مگر بہت ہی اچھے طریقے کے ساتھ اور عہد کو پورا کرو۔ بے شک عہد کے بارے میں سوال ہوگا۔'' (۳۴)

فہم القرآن

ربط کلام: حیا اور جان کے تحفظ کے بعد کمزور طبقہ کے مالی حقوق کے تحفظ کا حکم:

قرآن مجید معاشرے کے مظلوم طبقات کے حقوق کے تحفظ کا حکم دیتے ہوئے یہ بھی ہدایت کرتا ہے کہ جائز طریقے کے سوا یتیم کے مال کے قریب نہیں جانا چاہیے۔ یہاں تک یتیم اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔ یتیم کو مالی تحفظ دینے کے بعد ہر کسی کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے کیے ہوئے عہد کی پاسداری کرے۔ کیونکہ عہد کے بارے میں اللہ کے ہاں سوال کیا جائے گا۔ شریعت میں انسان اس وقت تک یتیم ہوتا ہے جب تک بالغ نہ ہو جائے۔ بلوغت سے پہلے کی عمر بچپن میں شمار ہوتی ہے۔ اس عمر میں کاروبار کو سمجھنا اور چلانا بچے کے لیے بالخصوص یتیم کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا قریبی یا کوئی دوسرا آدمی کاروبار چلائے گا۔ یہاں یتیم کے کفیل کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ کوشش کرے کہ حتی المقدور یتیم کا مال نہ کھائے۔ اگر اس کا اپنا کوئی معقول روزگار نہیں تو وہ گزران کی حد تک یتیم کے مال سے کھا سکتا ہے۔ جس کے لیے احسن کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی یتیم کا کفیل اس طریقہ اور حساب سے اس کے مال سے استفادہ کرے کہ دیانت وایمانداری کے ساتھ ساتھ اس کی عزت پر کوئی حرف نہ آنے پائے۔ اس آیت مبارکہ میں دوسرا حکم ایفائے عہد کا دیا ہے۔ یہ عہد ایک فرد کا دوسرے فرد کے ساتھ اور ایک قوم کا دوسری قوم کے ساتھ ہو سکتا ہے جس کی انفرادی اور اجتماعی طور پر پاسداری ہونی چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر کسی سے عہد کے بارے میں پوچھ گچھ کرنی ہے۔ اس عہد سے مراد وہ عہد بھی لیا جا سکتا ہے جو روز آفرینش اللہ تعالیٰ نے بنی آدم سے یہ کہہ کر لیا تھا کہ کیا میں تمہارا رب ہوں یا نہیں؟ اس کی تفصیل جاننے کے لیے سورۃ الاعراف آیت ۱۷۲ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

اس عہد کی پاسداری نہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور شرک کرنا ہے۔ ایک دوسرے سے کیے ہوئے عہد کو توڑنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا گناہ ہے۔ دنیا میں بھی عہد شکنی کرنے والے کی عزت کو شدید دھچکا لگتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی نماز، حج اور ہر قسم کی نیکی لوگوں کی نظروں میں طعنہ بن جاتی ہے۔

((عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَ لَا تَسْتَعْمِلُنِیْ قَالَ فَضَرَبَ بِیَدِہٖ عَلٰی مَنْکِبِیْ ثُمَّ قَالَ یَا اَبَا ذَرٍّ اِنَّکَ ضَعِیْفٌ وَاِنَّھَا اَمَانَۃٌ وَاِنَّھَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ خِزْیٌ وَنَدَامَۃٌ اِلَّامَنْ اَخَذَھَا بِحَقِّھَا وَاَدَّی الَّذِیْ عَلَیْہِ فِیْھَاوَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ لَہٗ یَا اَبَاذَرٍّ اِنِّیْ اَرَاکَ ضَعِیْفًا وَاِنِّیْ اُحِبُّ لَکَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِیْ لَا تَأَمَّرَنَّ عَلٰی اثْنَیْنِ وَلَا تَوَلَّیَنَّ مَالَ یَتِیْمٍ))

[رواہ مسلم: کتاب الامارۃ ،باب کَرَاھَۃِ الإِمَارَۃِ بِغَیْرِ ضَرُوْرَۃٍ]

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی' کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھے کوئی عہدہ کیوں نہیں عنایت فرماتے؟ آپ نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھتے ہوئے فرمایا اے ابوذر! یقیناً تو کمزور آدمی ہے اور یہ عہدہ امانت ہے جو قیامت کے دن رسوائی اور ذلت کا باعث ہوگا۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے حقوق کو پورا کیا اور ذمہ داریوں کو صحیح طور پر نبھایا۔ ایک روایت میں ہے۔ آپ نے اس سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: اے ابوذر! میرے خیال میں تم کمزور آدمی ہو۔ میں تیرے لیے وہی کچھ پسند کرتا ہوں' جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ دو آدمیوں کی بھی ذمہ داری نہ اٹھانا اور نہ ہی یتیم کے مال کی ذمہ داری لینا۔''

((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ عِنْدَ اِسْتِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِوَفِیْ رِوَایَۃٍ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُرْفَعُ لَہٗ بِقَدْرِ غَدْرِہٖ اَلَاوَلَا غَادِرَ اَعْظَمُ غَدْرًا مِنْ اَمِیْرِ عَامَّۃٍ))

[رواہ مسلم : کتاب الجھاد والسیر، باب تحریم الغدر]

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی مکرم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ہر عہد شکن انسان کی مقعد کے نزدیک جھنڈا ہوگا۔ ایک روایت میں ہے ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن جھنڈا ہوگا' جو اس کی عہد شکنی کے مطابق بلند کیا جائے گا۔ خبردار! سربراہِ مملکت کی عہد شکنی سب سے بڑی ہوتی ہے۔''

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَا خَطَبَنَا نَبِیُّ اللّٰہِ ﷺ إِلَّا قَالَ لَا إِیْمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَۃَ لَہٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَھْدَ لَہٗ))[رواہ احمد]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی معظم ﷺ نے جب بھی ہمیں خطبہ دیا تو فرمایا جو بندہ امانت دار

نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں اور جو شخص وعدہ پورا نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں۔‘‘

((عَنْ سَهْلٍ ﷛ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى، وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا))[رواہ البخاری:باب فضل من یعول یتیما]

’’حضرت سہل ﷛ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ آپ ﷺ نے سبابہ اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا اور ان کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا۔‘‘

مسائل

۱۔ یتیم کے مال کے قریب بھی نہیں جانا چاہیے۔ ۲۔ یتیم کے مال میں تصرف کرتے ہوئے احسن انداز اپنانا چاہیے۔

۳۔ وعدہ کی پاسداری کرنی چاہیے۔ ۴۔ عہد و پیمان کے متعلق پوچھا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

یتیم کے مال اور عہد کی پاسداری کا حکم:

۱۔ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر احسن طریقہ سے اور وعدہ وفا کرو۔(بنی اسرائیل:۳۴)

۲۔ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔(الانعام:۱۵۲)

۳۔ یتیموں کو ان کے مال واپس کرو۔ ناپاک کو پاک سے نہ ملاؤ۔(النساء:۲)

۴۔ جو لوگ یتیم کا مال ظلم سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔(النساء:۱۰)

۵۔ عہد کو پورا کرو یقیناً عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔(بنی اسرائیل:۳۴)

۶۔ اللہ کے وعدے کو پورا کرو۔(النحل:۹۱)

۷۔ نیک لوگ جب عہد کرتے ہیں تو عہد کی پاسداری کرتے ہیں۔(البقرۃ:۱۷۷)

۸۔ جو اللہ کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں اور قسموں کو تھوڑی قیمت میں بیچ دیتے ہیں اُن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔(آل عمران:۷۷)

۹۔ تم میرے وعدے کو پورا کرو میں تمھارے وعدے کو پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرو۔(البقرۃ:۴۰)

بِالْقِسْطَاسِ	وَزِنُوْا	كِلْتُمْ	اِذَا	الْكَيْلَ	وَاَوْفُوا
ترازو کے ساتھ	اورتم تولو	تم ماپو	جب	ماپ	اورتم پورا کرو

تَاْوِيْلًا ۝٣٥	اَحْسَنُ	خَيْرٌ وَّ	ذٰلِكَ	الْمُسْتَقِيْمِ ۭ
باعتبار انجام	بہت اچھا	بہت ہی بہتر ہے اور	یہ	سیدھی

''جب ماپو تو پورا ماپ ماپو اور وزن سیدھے ترازو کے ساتھ کرو۔ یہ بہتر، بہت اچھا اور انجام کے لحاظ سے بہت ہی اچھا ہے۔''(٣٥)

فہم القرآن

ربط کلام: یتیم کے مال کے بارے میں حکم دینے کے بعد سب لوگوں کے مال کے تحفظ کا حکم دیا گیا ہے۔

کاروبار میں یہ بات بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ دوکاندار گاہک کو وہی چیز اور اسی کوالٹی کا مال دے جس کا گاہک کے ساتھ سودا کیا گیا ہے۔اس کے ساتھ ہی یہ بات بڑی اہم ہے کہ جس چیز کا سودا ہوا ہے۔ وہ ماپ تول میں پوری ہونی چاہیے وزن یا پیمائش میں کمی کرنے سے نا صرف خریدار کو نقصان ہوتا ہے بلکہ اس کے دل میں شدید نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔جس سے معاشرہ میں منفی اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ دوسری طرف دکاندار کے رزق سے برکت اٹھالی جاتی ہے۔ان نقصانات کے پیش نظر ارشاد فرمایا ہے کہ لوگو! جب ماپ کرو تو پورا پورا کیا کرو۔ایسا کرنا کاروبار کی ترقی اور دیانت وامانت کے حوالے سے انتہائی بہتر ہے۔ اس سے نہ صرف خریدار اور دکاندار کے درمیان محبت کا رشتہ قائم ہوتا ہے بلکہ اس سے کاروبار بھی ترقی کرتا ہے۔جس معاشرے میں ماپ تول میں کمی بیشی کرنے کا رواج عام ہو جائے اس قوم کی ساکھ اور تجارت ختم ہو جاتی ہے۔ایسی قوم بالآخر قوم مدین کی طرح تباہی کے گھاٹ اتر جائے گی۔ رسول معظم ﷺ نے ایک دکاندار کو یہ ہدایت فرمائی کہ تولتے وقت ترازو جھکا ہوا رکھو۔ ماپ تول میں کمی کرنے والے کے بارے میں قرآن نے شدید الفاظ میں انتباہ کیا ہے۔

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ۝الَّذِيْنَ إِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ۝وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝أَلَا يَظُنُّ أُولٰٓئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ۝﴾ [المطففین: ١۔٦]

''ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے بربادی ہے جو لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا لیں اور جب اُن کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم کر دیں کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ انھیں ایک بڑے سخت دن میں اُٹھایا جائے گا جس دن تمام لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا وَالْمَکْرُ وَالْخِدَاعُ فِیْ النَّارِ))[اخرجه ابن حبان :هذاحديث حسن]

”عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے دھوکہ کیا وہ ہم میں سے نہیں، مکر کرنے اور دھوکہ دینے والا آگ میں جائے گا۔“

((قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اکْتَالُوْا حَتّٰی تَسْتَوْفُوْا))[رواه البخاری:باب الکیل علی البائع والمعطی]

”نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب ناپ تول کرو تو اسے پورا کرو۔“

ماپ تول میں کمی کرنے کی سزا:

((مَا صَفَقَ قَوْمُ الْمِیْزَانَ إِلَّا أَخَذَهُمُ اللّٰہُ بِالسِّنِیْنَ)) [السلسلة الصحيحة: ۱۰۷]

”جو بھی قوم تولنے میں کمی کرتی ہے اللہ تعالیٰ ان پر قحط سالی مسلط فرما دیتا ہے۔“

﴿وَیَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْیَاءَ هُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْأَرْضِ مُفْسِدِیْنَ﴾[هود:۸۵]

”اے میری قوم! انصاف کے ساتھ پورا پورا ناپو اور تولو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔“

مسائل

۱۔ ماپ پورا پورا ماپنا چاہیے۔ ۲۔ ماپ سیدھے ترازو سے تولنا چاہیے۔

۳۔ ماپ تول کو پورا کرنا کاروبار اور آخرت کے لحاظ سے بہتر ہے۔

تفسیر بالقرآن

ماپ تول میں کمی کرنے کا انجام:

۱۔ ماپ کو پورا کرو اور سیدھے ترازو سے تولو۔(بنی اسرائیل:۳۵) ۲۔ ماپ تول انصاف سے پورا کرو۔(الانعام:۱۵۲)

۳۔ ماپ تول پورا کرو اور لوگوں کو اشیاء کم نہ دو۔(الاعراف:۸۵)

۴۔ تول کو پورا کرو اور کمی کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔(الشعراء:۱۸۲)

۵۔ اے میری قوم ماپ، تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو۔(ھود:۸۵)

۶۔ ماپ تول میں کمی نہ کرو۔(ھود:۸۴)

وَلَا	تَقْفُ	مَا	لَيْسَ	لَكَ	بِهٖ	عِلْمٌ	اِنَّ
اور نہ	آپ پیچھا کریں	جو	نہیں ہے	آپ کے لیے	اس کے ساتھ	کوئی علم	بے شک

السَّمْعَ	وَالْبَصَرَ	وَالْفُؤَادَ	كُلُّ	اُولٰٓئِكَ	كَانَ
کان	اور آنکھ	اور دل	ہر ایک	وہ لوگ	ہوگی

عَنْهُ	مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾
اس سے	باز پرس

’’اور اس چیز کا پیچھا نہ کرو جس کا آپ کو علم نہیں ۔ بے شک کان، آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک کے بارے میں سوال ہوگا۔‘‘ (۳۶)

فہم القرآن

ربط کلام: معاملات میں درستگی کا حکم دینے کے بعد بات چیت، اخلاق اور خیالات میں پاکیزگی کا حکم دیا ہے۔

دانش مندی اور حقیقی دینداری کا تقاضا ہے کہ مسلمان ان باتوں اور کاموں کے پیچھے نہ پڑے۔ جس سے آدمی کے اخلاق اور دین میں نقص واقع ہو۔ اس نقصان سے مسلمان کو بچانے کے لیے یہ حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے کان، آنکھیں اور دل مسئول ٹھہرائے گئے ہیں۔ اس لیے مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ دانستہ طور پر اپنے کانوں سے وہ بات سننے کی کوشش نہ کرے جس بات میں شریعت کی خلاف ورزی پائی جا رہی ہو۔ اپنی آنکھوں کو ان چیزوں سے پھیر لے جن کو دیکھنے سے روکا گیا ہے۔ ہر شخص کو یہ حقیقت دل میں بٹھا لینی چاہیے کہ ایک وقت آئے گا کہ جب انسان کے اعضاء اور اس کا پورا جسم اس کے خلاف گواہی دے گا۔

﴿حَتّٰٓى إِذَا مَا جَاءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْا أَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِىْٓ أَنْطَقَ كُلَّ شَىْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ٥﴾ [حٰمٓ السجدۃ: ۲۰۔۲۱]

’’یہاں تک کہ جب سب اللہ کے پاس پہنچ جائیں گے تو اُن کے کان، آنکھیں اور جسم اُن کے خلاف اُن کے اعمال کی شہادت دیں گے اور وہ اپنے جسم سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں شہادت دی وہ کہیں گے کہ جس اللہ نے سب چیزوں کو بولنا سکھایا ہے اُس نے ہم کو بھی گویائی دی اور اُسی نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور اُسی کی طرف تمھیں لوٹ کر جانا ہے۔‘‘

جہاں تک دل کا معاملہ ہے اس میں پیدا ہونے والے بُرے خیالات کو ربِ کریم نے معاف کر دیا ہے۔ البتہ شرکیہ اعتقاد، حسد، بغض اور کفریہ خیالات دل میں جمائے رکھے تو ان کے بارے میں شدید پکڑ ہوگی۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ اللّٰہَ تَجَاوَزَ لِی عَنْ أُمَّتِی مَا وَسْوَسَتْ بِہٖ صُدُورُھَا، مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَکَلَّمْ))[رواہ البخاری :کتاب العتق، باب الْخَطَإِ وَالنِّسْیَانِ فِی الْعَتَاقَۃِ وَالطَّلَاقِ]

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے میری امت کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں سے درگزر فرمادیا ہے۔جب تک ان خیالات پر عمل نہ کریں یا ان کے مطابق کلام نہ کریں۔''

((عَنْ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ رضی اللہ عنہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَا لَا یَعْنِیہِ))

[رواہ مالک وأحمد]

''علی بن حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بھی شخص کا بے مقصد باتوں کو چھوڑ دینا اس کے اچھے اسلام کی دلیل ہے۔''

((عَنْ أُمِّ مَعْبَدٍ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِی مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِی مِنَ الرِّیَاءِ وَلِسَانِی مِنَ الْکَذِبِ وَعَیْنِی مِنَ الْخِیَانَۃِ فَإِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْأَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرِ))

[رواہ البیھقی فی الدعوات الکبیر]

''حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا کرتے ہوئے سنا آپ دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ! میرے دل کو نفاق سے، میرے عمل کو ریاء کاری سے، میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھوں کو خیانت سے محفوظ فرما۔ یقیناً آپ خیانت کرنے والی آنکھ اور دل کے خیالات سے واقف ہیں۔''

مسائل

١۔ ایسی بات کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے جو انسان کے احاطہ علم میں آنے والی نہ ہو۔

٢۔ قیامت کے دن کان، آنکھ اور دل کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن اعضاء سے سوال اور ان کا جواب:

١۔ قیامت کے دن کان، آنکھ اور دل سے سوال کیا جائے گا۔(بنی اسرائیل:٣٦)

٢۔ قیامت کے دن مجرموں کے خلاف ان کے کان، آنکھیں اور جسم گواہی دیں گے۔(حٰم السجدۃ:٢٠)

٣۔ مجرموں کے ہاتھ اور پاؤں گواہی دیں گے۔(یٰس:٦٥)

٤۔ قیامت کے دن ان کی زبانیں، ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے۔(النور:٢٤)

وَلَا	تَمْشِ	فِي	الْأَرْضِ	مَرَحًا ۚ	إِنَّكَ لَنْ
اور مت	تو چل	میں	زمین	اتراتے ہوئے	بلاشبہ تو ہرگز نہیں
تَخْرِقَ	الْأَرْضَ	وَلَنْ	تَبْلُغَ	الْجِبَالَ	طُولًا ۳۷
تو پھاڑ سکے گا	زمین کو	اور ہرگز نہیں	تو پہنچ سکے گا	پہاڑوں کو	اُونچائی
كُلُّ	ذَٰلِكَ	كَانَ	سَيِّئُهُ	عِنْدَ	رَبِّكَ مَكْرُوهًا ۳۸
تمام	یہ	ہے	برائی ان کی	نزدیک	آپ کے رب ناپسند

''اور زمین میں اکڑ کر نہ چل، بے شک تو نہ زمین کو پھاڑ سکے گا اور نہ اونچائی میں پہاڑوں تک پہنچ پائے گا۔'' (۳۷) ''یہ سب کام تیرے رب کے ہاں ہمیشہ سے ناپسند ہیں۔'' (۳۸)

فہم القرآن

ربط کلام: فضولیات میں پڑنے اور بُرے خیالات سے روکنے کے بعد متکبرانہ چال ڈھال اختیار کرنے سے روکا گیا ہے۔ حقیقتاً یہ بھی فضول حرکت ہے کیونکہ متکبر انسان اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔

انسان جب ذہنی طور پر پراگندہ اور قلبی لحاظ سے بُرا ہو جائے تو وہ اپنے سوا کسی کو اچھا نہیں سمجھتا۔ ایسے شخص کے دل میں غرور اور تکبر کا پیدا ہونا یقینی بات ہے۔ بالخصوص جب ایسے شخصکو مال کی فراوانی، اقتدار اور اختیار دیا جائے یا اسے کسی قسم کی برتری حاصل ہو جائے تو وہ فخر و غرور اور تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص نا صرف اپنی گفتگو میں شیخی بگھارتا ہے۔ بلکہ اس کی چال ڈھال میں غرور اور تکبر نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ ایسے شخص کو سرزنش کے انداز میں کہا جارہا ہے کہ زمین پر اکڑ، اکڑ کر مت چل کیونکہ اس طرح چلنے سے نہ تو زمین پھاڑ سکتا ہے اور نہ ہی تن کر چلنے سے پہاڑوں کی بلندیوں کو پہنچ سکتا ہے۔ اے انسان! یہ کام تیرے رب کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ ہے۔ یہاں ''کل ذلک'' کے الفاظ استعمال فرما کر سابقہ آیات میں کی گئی تمام ممنوعات کا احاطہ کر لیا ہے تاکہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ کاموں کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھے۔ دنیا کی رسوائی اور نقصان سے بچنے کے ساتھ آخرت کی ذلت و رسوائی سے مامون ہونے کی کوشش کرے۔

((عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہما قَالَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْعِزُّ إِزَارُهُ وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَاؤُهُ فَمَنْ يُنَازِعُنِي عَذَّبْتُهُ))[رواہ مسلم : کتاب البر والصلة والآداب باب تحریم الکبر]

''حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عزت اللہ کا ازار ہے اور کبریائی اس کی چادر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو ان کو مجھ سے چھینے گا میں اس کو عذاب دوں گا۔''

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَجُرُّ إِزَارَہٗ مِنَ الْخُیَلَاءِ خُسِفَ بِہٖ فَھُوَ یَتَجَلْجَلُ فِی الْاَرْضِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ))[رواہ البخاری : کتاب أحادیث الأنبیاء]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا' ایک دفعہ ایک شخص تکبر کے ساتھ چادر گھسیٹ کر چل رہا تھا تو اسے زمین میں دھنسا دیا گیا۔ اب وہ قیامت تک زمین میں دھنستا جائے گا۔''

تکبر کیا ہے؟

((عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِنْ کِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّ الرَّجُلَ یُحِبُّ اَنْ یَّکُوْنَ ثَوْبُہٗ حَسَنًا وَ نَعْلُہٗ حَسَنًا قَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ)) [رواہ مسلم: باب تَحْرِیمِ الْکِبْرِ وَبَیَانِہٖ]

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا' جس شخص کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا' وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے کہا کہ بے شک ہر شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اور جوتے اچھے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نہایت ہی خوب صورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر تو حق بات کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔''

مسائل

١۔ تکبر وغرور اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

٢۔ فخر وتکبر سے نہ تو کوئی زمین پھاڑ سکتا ہے اور نہ پہاڑوں کی بلندیوں کو پا سکتا ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ کو معصیت کے تمام کام ناپسند ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا:

١۔ زمین میں اکڑ کر نہ چل! نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ پہاڑوں کی بلندیوں کو پہنچ سکتا ہے۔ (بنی اسرائیل:٣٧)

٢۔ اللہ تکبر کرنے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ (لقمان:١٨)

٣۔ جو کچھ اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے، اس پر نہ اتراؤ اور اللہ فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (الحدید:٢٣)

٤۔ یقیناً اللہ تکبر کرنے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ (النساء:٣٦)

ذٰلِكَ	مِمَّآ	اَوْحٰٓى	اِلَيْكَ	رَبُّكَ	مِنَ	الْحِكْمَةِ
یہ	اس میں سے جو	وحی کی	آپ کی طرف	آپ کا رب	سے	حکمت
وَلَا	تَجْعَلْ	مَعَ	اللّٰهِ	اِلٰهًا	اٰخَرَ	فَتُلْقٰى
اور نہ	تم ٹھہراؤ	ساتھ	اللہ	کوئی معبود	دوسرا	پس تو ڈال دیا جائے گا
فِيْ	جَهَنَّمَ	مَلُوْمًا	مَّدْحُوْرًا ۝۳۹			
میں	جہنم	ملامت زدہ	دھتکارے ہوئے			

''یہ باتیں ہیں جو آپ کے رب نے حکمت سے بھرپور آپ کی طرف وحی کی اور اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ بنانا، ورنہ ملامت کیا ہوا دھتکارا ہوا ہو کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔'' (۳۹)

فہم القرآن

ربط کلام: خطاب کا اختتام اور اس خطاب میں بیان کی گئی ہدایات۔

اس خطاب کا آغاز آیت ۲۳ سے ہوا جس میں اللہ تعالیٰ نے گیارہ کاموں کا حکم دیا اور گیارہ باتوں سے منع فرمایا ہے۔

جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے کہ صرف اُسی کی عبادت کی جائے۔ ۲۔ والدین کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کیا جائے۔

۳۔ والدین کے ساتھ نرمی کے ساتھ بات کی جائے۔ ۴۔ والدین کے سامنے عاجزی کے ساتھ پیش ہوا جائے۔

۵۔ والدین کے لیے دعائیں کی جائیں۔ ۶۔ عزیز و اقرباء کا حق ادا کیا جائے۔

۷۔ مساکین کی معاونت کی جائے۔

۸۔ مسافر کی مدد کی جائے۔

۹۔ اخراجات میں میانہ روی اختیار کی جائے۔

۱۰۔ عہد کو پورا کیا جائے۔

۱۱۔ ماپ تول پورا ہونا چاہیے۔

وہ باتیں جن سے منع کیا گیا ہے:

۱۔ والدین کے سامنے اُف کا لفظ نہ بولا جائے۔

۲۔ والدین کو کسی صورت میں جھڑکنا جائز نہیں۔

۳۔ فضول خرچی سے بچنا چاہیے کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے ساتھی ہیں۔

۴۔ غربت کی وجہ سے اولاد کو قتل کرنے کی ہرگز اجازت نہیں۔

۵۔ اولاد کو قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

۶۔ زنا کے قریب نہیں جانا چاہیے کیونکہ یہ بُرا راستہ ہے۔

۷۔ کسی کو ناحق قتل کرنا حرام ہے۔

۸۔ قصاص لینے میں زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔

۹۔ یتیم کے مال کے قریب نہیں جانا چاہیے۔

۱۰۔ بے مقصد بات کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے۔

۱۱۔ زمین پر اکڑ کر چلنا جائز نہیں۔

''ذٰلِکَ'' کا لفظ استعمال فرما کر مذکورہ باتوں کا احاطہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ حکمت و دانائی کی باتیں ہیں۔ جو آپ کے رب نے آپ ﷺ کی طرف وحی فرمائی ہیں۔ ان میں سب سے بڑی حکمت کی بات عقیدہ توحید پر پکے رہ کر صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا ہے۔ اس لیے خطاب کے آغاز اور اس کے آخر میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرنا ورنہ ملامت زدہ اور دھتکارے ہوئے جہنم میں ڈالے جاؤ گے۔

مسائل

۱۔ آپ ﷺ پر حکمت والی باتیں وحی کی گئیں۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا چاہیے۔

۳۔ مشرک کو ملامت زدہ اور دھتکار کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

مشرک کی سزا:

۱۔ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ نہ بنانا وگرنہ دھتکار کر جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔ (بنی اسرائیل:۳۹)

۲۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے پر جنت حرام، اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (المائدۃ:۷۲)

۳۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا گویا کہ وہ آسمان سے گر پڑا۔ (الحج:۳۱)

۴۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ دور کی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔ (النساء:۱۱۶)

۵۔ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ (لقمان:۱۳)

۶۔ اللہ تعالیٰ مشرک کو معاف نہیں کرے گا۔ (النساء:۴۸)

المَلٰٓئِكَةِ	مِنَ	وَاتَّخَذَ	بِالْبَنِيْنَ	رَبُّكُمْ	اَفَاَصْفٰىكُمْ
فرشتوں	سے	اور بنالیا	بیٹوں کے ساتھ	تمہارے رب	کیا پھر تمہیں چن لیا ہے؟

عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾	قَوْلًا	لَتَقُوْلُوْنَ	اِنَّكُمْ	اِنَاثًا ؕ
بڑی	بات	البتہ کہتے ہو	بلاشبہ تم	بیٹیاں

”پھر کیا تمھارے رب نے تمھیں بیٹوں کے لیے چن لیا اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا ہے؟ بے شک تم بڑی بات کہہ رہے ہو۔“ (۴۰)

فہم القرآن

ربط کلام: توحید کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ لیکن اس کے باوجود مشرک ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف اللہ کی صفات میں دوسروں کو شریک کرتا ہے بلکہ اس کی ذات میں بھی دوسروں کو شریک سمجھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے ”وحدہ لاشریک“ ہے۔ سورۃ اخلاص میں دوٹوک الفاظ میں فرمایا ہے کہ اے رسول (ﷺ)! لوگوں کو کھول کر بتلا دیں کہ وہ اللہ ایک ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنا ہے اور نہ اُسے کسی نے جنم دیا ہے اور اس کی کوئی بھی کسی اعتبار سے برابری کرنے والا نہیں۔ سورۃ المائدۃ آیت ۷۵ میں فطری اور عقلی دلیل کے ساتھ عیسائیوں کو سمجھایا ہے کہ مسیح ابن مریم علیہ السلام ایک رسول ہی تھے۔ جن سے پہلے کئی رسول گزر چکے اور ان کی والدہ صدیقہ تھیں۔ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ ہم مشرکوں کے لیے کس طرح حقیقت کھول کر بیان کرتے ہیں۔ لیکن دیکھیں پھر بھی بھٹکے جاتے ہیں۔ سورۃ النحل آیت ۵۷ تا ۵۹ میں ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دینے والوں کو سمجھایا کہ جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہونے کے ساتھ غم سے بھر جاتا ہے اور وہ لوگوں میں اس بُری خبر کی وجہ سے عار محسوس کرتا ہے اور یہ سوچتا ہے آیا اُسے زندہ رہنے دے یا زمین میں دھنسا دے؟

یہاں سوالیہ انداز میں فرمایا ہے کہ کیا تمھارے رب نے تمہارے لیے بیٹے منتخب کیے ہیں اور اپنے لیے ملائکہ کو بیٹیاں منتخب کیا ہے؟ درحقیقت یہ بہت ہی گناہ کی بات ہے جو تم کہتے ہو۔ سورۃ مریم آیت ۸۸ تا ۹۲ میں اس جرم کی سنگینی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وہ کہتے ہیں:

”الرحمٰن“ کی اولاد ہے یہ اتنی بری بات کہہ رہے ہیں قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ سر کے بل نیچے گر پڑیں۔ ربِ رحمان کو کسی طرح لائق نہیں کہ وہ کسی کو اپنی اولاد بنائے۔“

نبی اکرم ﷺ نے اس کو اس حد تک گناہ قرار دیا ہے کہ جو شخص یا فرقہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے ایسا شخص اللہ تعالیٰ کو گالی دیتا ہے۔ ظاہر ہے اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہوسکتا۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی کَذَّبَنِیْ ابْنُ اٰدَمَ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ وَشَتَمَنِیْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ فَاَمَّا تَکْذِیْبُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهٗ لَنْ یُّعِیْدَنِیْ کَمَا بَدَاَنِیْ وَلَیْسَ اَوَّلُ الْخَلْقِ بِاَهْوَنَ عَلَیَّ مِنْ اِعَادَتِهٖ وَاَمَّا شَتْمُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهُ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا وَّاَنَا الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ اَلِدْ وَلَمْ اُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لِّیْ کُفُوًا اَحَدٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ: ابْنِ عَبَّاسٍ وَّاَمَّا شَتْمُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهٗ لِیْ وَلَدٌ وَسُبْحَانِیْ اَنْ اَتَّخِذَ صَاحِبَةً اَوْ وَلَدًا))[رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ یہ اس کے لیے مناسب نہیں۔ وہ میرے بارے میں زبان درازی کرتا ہے یہ اس کے لیے ہرگز جائز نہیں۔ اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ اللہ مجھے دوبارہ پیدا نہیں کریگا جس طرح اس نے پہلی بار پیدا کیا ہے۔ حالانکہ میرے لیے دوسری دفعہ پیدا کرنا پہلی دفعہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ اس کا میرے بارے میں یہ کہنا بدکلامی ہے کہ اللہ کی اولاد ہے جبکہ میں اکیلا اور بے نیاز ہوں۔ نہ میں نے کسی کو جنم دیا اور نہ مجھے کسی نے جنا ہے اور کوئی میری برابری کرنے والا نہیں ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ الفاظ پائے جاتے ہیں کہ ابن آدم کی میرے بارے میں بدکلامی یہ ہے کہ میری اولاد ہے جبکہ میں پاک ہوں میری نہ بیوی ہے نہ اولاد۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں ہے۔ ۲۔ کسی کو اللہ کی اولاد قرار دینا بدترین گناہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ اولاد سے مبرا اور پاک ہے:

۱۔ کیا تمہارے رب نے تمہیں بیٹے دیئے ہیں اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنایا ہے؟ یہ بڑی نامعقول بات ہے۔(بنی اسرائیل:۴۰)

۲۔ انہوں نے کہا اللہ کی اولاد ہے وہ اس سے پاک ہے۔(البقرۃ:۱۱۶)

۳۔ انہوں نے کہا ”الرحمٰن“ کی اولاد ہے وہ اس سے پاک ہے۔(الانبیاء:۲۶)

۴۔ اللہ کی اولاد نہیں ہے نہ اس کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے ۔(المومنون:۹۱)

۵۔ اللہ کی نہ بیوی ہے اور نہ اولاد۔(الجن:۳)

۶۔ انہوں نے کہا اللہ کی اولاد ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور بے نیاز ہے۔(یونس:۶۸)

وَلَقَدْ	صَرَّفْنَا	فِیْ	هٰذَا	الْقُرْاٰنِ	لِیَذَّكَّرُوْا ؕ
اور البتہ تحقیق	ہم نے پھیرا	میں	اس	قرآن	تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں
وَمَا	یَزِیْدُهُمْ	اِلَّا	نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾	قُلْ	لَّوْ	كَانَ
اور نہیں	وہ ان کو زیادہ کرتا ہے	مگر	نفرت میں	فرما دیجیے!	اگر	ہوتے
مَعَهٗۤ	اٰلِهَةٌ	كَمَا	یَقُوْلُوْنَ	اِذًا	لَّابْتَغَوْا	اِلٰی
اس کے ساتھ	معبود	جیسا کہ	وہ کہتے ہیں	اس وقت	ضرور تلاش کرتے وہ	طرف
ذِی الْعَرْشِ	سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾	سُبْحٰنَهٗ	وَ	تَعٰلٰی	عَمَّا
عرش والا	کوئی راستہ	وہ پاک ہے	اور	برتر	اس سے جو
یَقُوْلُوْنَ	عُلُوًّا	كَبِیْرًا ﴿۴۳﴾
وہ کہتے ہیں	بلند و بالا	بہت زیادہ

”اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں بدل بدل کر بیان کیا ہے تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں اور وہ ان میں نفرت کے سوا کچھ اضافہ نہیں کرتا۔“ (۴۱) ”فرما دیجیے اگر اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود ہوتے جس طرح یہ کہتے ہیں اس وقت وہ عرش والے کی طرف کوئی راستہ ضرور تلاش کرتے۔“ (۴۲) ”اللہ پاک اور برتر ہے اس سے جو یہ کہتے ہیں اس سے بہت ہی بلند و بالا ہے۔“ (۴۳)

فہم القرآن

ربط کلام: کسی کو اللہ تعالیٰ کی اولاد ٹھہرانا اس کی ذات کے ساتھ شریک بنانے کے مترادف ہے۔ اس بات کی تردید کے لیے یہ بتلایا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہوتا تو وہ ضرور اس کے خلاف کوئی راستہ تلاش کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے مسئلہ توحید سمجھانے کے لیے قرآن مجید میں بڑی تفصیل کے ساتھ ہر قسم کے دلائل دیئے ہیں۔ لیکن مشرک نے اپنی فطرت کو اس طرح مسخ کر لیا ہوتا ہے کہ وہ توحید خالص کو سننا گوارا نہیں کرتا۔ مشرک کی طبیعت اور فطرت کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید نے بتلایا ہے کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق، حاجت روا اور مشکل کشا نہیں تو یہ سن کر مشرک تکبر کا اظہار کرتے ہیں۔ (الصّٰفّٰت: ۳۵)

دوسرے مقام پر مشرک کی فطرت کا یوں ذکر کیا ہے کہ جب انہیں ایک اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے تو انکار کرتے ہیں اور اگر اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کیا جائے تو فوراً مان جاتے ہیں۔ حالانکہ حکم تو صرف اللہ عالی مرتبت کا چلتا ہے۔ (المومن: ۱۲)

سورۃ الزمر آیت ۴۵ میں مشرک کی حالت یوں بیان کی ہے کہ جب ایک اللہ وحدہ لاشریک کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے چہرے

بگڑ جاتے ہیں اور جب اس کے سوا دوسروں کا تذکرہ ہوتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں۔قرآن مجید کا توحید ہی سب سے بڑا اور مرکزی مضمون ہے۔اس لیے جب عقیدہ توحید کا بیان ہوتا ہے تو مشرک قرآن مجید سے مزید نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ انہیں سمجھانے کے لیے یہ انداز اختیار کیا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور اِلٰہ ہوتا جس کا یہ دعویٰ کرتے ہیں تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ سے کچھ اختیار لینے کی کوشش کرتا۔یعنی اللہ تعالیٰ کی اولاد ہوتی تو وہ اس سے کچھ نہ کچھ اختیار مانگتی اگر کوئی اس کا شریک ہوتا تو ہر صورت اختیارات کا مطالبہ کرتا۔ایک الٰہ ایک فیصلہ کرتا دوسرا خدا کوئی اور حکم دیتا۔جس سے زمین وآسمان کے نظام میں خلل واقع ہوتا۔کائنات کے نظام کا مربوط اور یکسوئی کے ساتھ چلنا اس بات کا ثبوت ہے۔ایک ہی ذات وحدہ لاشریک ہے۔جو پورے نظام کو سنبھالے اور چلائے جا رہا ہے۔اللہ تعالیٰ اولاد اور ہر قسم کے شریک سے پاک ہے اور وہ مشرکوں کی بیہودہ اور فرسودہ باتوں، پراگندہ خیالات اور گندے عقیدے سے بہت ہی بلند وبالا ہے۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید کی نصیحت آموز باتیں سن کر کفار کی نفرت میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور الٰہ نہیں ہے۔

۳۔ اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی الٰہ ہوتا تو یہ اللہ تعالیٰ کے عرش تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کفار کی باتوں سے پاک اور بلند وبالا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید باعثِ نصیحت ہے:

۱۔ ہم نے قرآن میں طرح طرح کے دلائل دیے ہیں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔(بنی اسرائیل:۴۱)

۲۔ یہ کتاب برحق ہے کیا اس کا علم رکھنے والا شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اندھا ہے؟ عقلمند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔(الرعد:۱۹)

۳۔ ہم نے بابرکت کتاب نازل کی تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور وفکر کریں اور نصیحت حاصل کریں۔(ص:۲۹)

۴۔ ہم نے قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں تاکہ کفار نصیحت حاصل کریں۔(الزمر:۲۷)

۵۔ اللہ تعالیٰ اپنی آیات لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔(البقرۃ:۲۴۲)

تُسَبِّحُ	لَهُ	السَّمٰوٰتُ	السَّبۡعُ	وَالۡاَرۡضُ	وَمَنۡ	فِيۡهِنَّ ؕ
پاکیزگی بیان کرتی ہے	اس کی	آسمان	سات	اور زمین	اور جو	ان میں
وَاِنۡ	مِّنۡ	شَىۡءٍ	اِلَّا	يُسَبِّحُ	بِحَمۡدِهٖ	وَلٰـكِنۡ
اور نہیں ہے	سے	چیز	مگر	وہ تسبیح کرتا ہے	اس کی حمد کے ساتھ	اور لیکن
لَّا	تَفۡقَهُوۡنَ	تَسۡبِيۡحَهُمۡ ؕ	اِنَّهٗ	كَانَ	حَلِيۡمًا	غَفُوۡرًا ۝
نہیں	تم سمجھتے	ان کی تسبیح	بلاشبہ وہ	ہے	نہایت حوصلے والا	بہت بخشنے والا

''اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو بھی ان میں ہیں اور کوئی بھی چیز نہیں مگر اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے اور لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ بے شک اللہ نہایت حوصلے والا بہت بخشنے والا ہے۔'' (۴۴)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرک اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک بنا کر اللہ تعالیٰ کی توہین کرتا ہے۔ اس طرح وہ نہ صرف سنگین جرم کا مرتکب ہوتا ہے بلکہ وہ نظامِ کائنات سے بغاوت کا راستہ اختیار کرتا ہے کیونکہ پوری کائنات اپنے خالق و مالک کے تابع فرمان اور اس کی حمد سرا ہے۔

قرآن مجید سب لوگوں بالخصوص کافر، مشرک اور نافرمانوں کے سامنے یہ حقیقت عیاں کرتا ہے۔ اے رب کے نافرمانو! تم جس طرح چاہو نافرمانی کرو۔ مگر یہ یاد رکھنا کہ جس دھرتی کے اوپر اور جس آسمان کے نیچے اور جس فضا میں تم رہتے ہو۔ وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش بیان کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ساتوں آسمان اور زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے وہ اپنے خالق و مالک کو بہترین الفاظ اور انداز کے ساتھ یاد کر رہے ہیں۔

لیکن انسان ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ اگر حمد و ثناء کی فضا میں انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود اپنے رب کی اس کے فرمان کے مطابق حمد و ثناء نہیں کرتا اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اُسے مہلت دیئے ہوئے ہے تو اس کا یہ معنٰی نہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت اور دسترس سے باہر ہے۔ ہرگز نہیں یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور بخشش کا نتیجہ ہے کہ وہ انسان کو مہلت پہ مہلت دیئے جاتا ہے۔ جہاں تک کائنات کی ہر چیز کا اپنے رب کی حمد و ثناء کے پڑھنے کا تعلق ہے۔ قرآن مجید واضح الفاظ میں یہ بھی بیان کرتا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے ساتھ اُس کے حضور سجدہ بھی کرتی ہے۔ حتیٰ کہ ان کے سائے بھی اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اس حقیقت کا اقرار کسی نہ کسی حد تک موجودہ سائنسدانوں نے کرلیا ہے ان کا کہنا ہے کہ درخت بھی ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں۔ ایمان کی حلاوت کے لیے اپنے رب کا ارشاد بار بار پڑھیے:

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ

وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ ﴾[الحج:١٨]

''کیا تم دیکھتے نہیں؟ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے اور لوگوں کی ایک کثیر تعداد اللہ کے حضور سربسجود ہوتی ہے۔''

((عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ اَتَدْرِیْ اَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهٖ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهَا تَذْهَبُ حَتّٰى تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَسْتَاْذِنُ فَيُؤْذَنُ لَهَا وَيُوْشِكُ اَنْ تَسْجُدَ وَلَا تُقْبَلُ مِنْهَا وَتَسْتَاْذِنُ فَلَا يُؤْذَنُ لَهَا وَيُقَالُ لَهَا اِرْجِعِیْ مِنْ حَيْثُ جِئْتِ فَتَطْلُعُ مِنْ مَّغْرِبِهَا فَذَالِكَ قَوْلُهٗ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا قَالَ مُسْتَقَرُّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ))

[رواه البخاری: کتاب التوحید، باب و کان عرشه علی الماء]

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ مکرم ﷺ نے فرمایا کیا تجھے معلوم ہے جب سورج غروب ہوتا ہے تو کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کی' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو علم ہے۔ آپ نے فرمایا سورج عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا اور اجازت طلب کرتا ہے۔ اسے اجازت مل جاتی ہے۔ قریب ہے کہ وہ سجدہ کرے اور اس کا سجدہ قبول نہ ہو وہ طلوع ہونے کی اجازت چاہے لیکن اس کو اجازت نہ ملے بلکہ اسے حکم ہو کہ جدھر سے آیا اسی طرف سے طلوع ہو جا۔ چنانچہ سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورج اپنے مستقر کی طرف چلا جاتا ہے آپ نے فرمایا اس کا ٹھکانہ عرش کے نیچے ہے۔''

مسائل

۱۔ ساتوں آسمان اور ساتوں زمین اور جو کچھ ان میں ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔

۲۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن لوگ نہیں سمجھتے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ بہت بردبار اور بخشنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے:

۱۔ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ اس میں ہے اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ (بنی اسرائیل:۴۴)

۲۔ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ (الحدید:۱)

۳۔ اللہ کے عرش کو اٹھانے والے فرشتے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ (المومن:۷)

۴۔ جو تیرے رب کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔ (الاعراف:۲۰۶)

۵۔ ہم نے داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کیا اور وہ بھی صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرتے۔ (الانبیاء:۷۹)

وَاِذَا	قَرَاْتَ	الْقُرْاٰنَ	جَعَلْنَا	بَيْنَكَ	وَبَيْنَ	الَّذِيْنَ
اور جب	آپ نے پڑھا	قرآن	ہم نے بنایا	آپ کے درمیان	اور درمیان	وہ جو
لَا	يُؤْمِنُوْنَ	بِالْاٰخِرَةِ	حِجَابًا	مَّسْتُوْرًا ۝۴۵	وَّ	جَعَلْنَا
نہیں	وہ ایمان لاتے ہیں	آخرت کیساتھ	پردہ	چھپایا گیا	اور	ہم نے بنادیا
عَلٰى	قُلُوْبِهِمْ	اَكِنَّةً	اَنْ	يَّفْقَهُوْهُ	وَ	فِيْٓ
پر	ان کے دل	پردے	کہ	وہ اس کو سمجھیں	اور	میں
اٰذَانِهِمْ	وَقْرًا	وَاِذَا	ذَكَرْتَ	رَبَّكَ	فِي	الْقُرْاٰنِ
ان کے کان	ڈاٹ	اور جب	آپ نے ذکر کیا	آپ کا رب	میں	قرآن
وَحْدَهٗ	وَلَّوْا	عَلٰٓى	اَدْبَارِهِمْ	نُفُوْرًا ۝۴۶		
تنہا اُسی کا	وہ پھر گئے	پر	ان کی پیٹھیں	نفرت		

”اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں ہم آپ اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیتے ہیں۔“ (۴۵) ”اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اس سے کہ وہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے جب آپ قرآن میں اپنے ایک رب کا ذکر کرتے ہیں تو نفرت سے اپنی پیٹھوں پر پھر جاتے ہیں۔“ (۴۶)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا عظیم ذکر اور اس کی حمد کی ایک صورت ہے۔ لیکن قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو کفار کے لیے ایک پردہ حائل ہو جاتا ہے اور وہ اس سے نفرت کرتے ہیں۔

قرآن مجید انسان کے دل کے لیے ایک بارش کی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر اس بارش کا اثر اُسی دل پر ہوتا ہے۔ جو کفر و نفاق اور ہر قسم کی عصبیت سے صاف ہوتا ہے۔ اس صفت کا حامل شخص جب قرآن مجید کی تلاوت کرتا اور سنتا ہے تو اس کے ایمان میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس پر ایمان لانے والے کا دل نرم اور اس کا اپنے رب پر توکل بڑھ جاتا ہے۔ (الانفال:۲) اس کے برعکس جس کے دل میں کفر و نفاق اور تعصب ہوتا ہے۔ اس پر قرآن مجید کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ کفر و نفاق اور تعصب کے پردے قرآن اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں۔ جس وجہ سے اس کے کفر و نفاق میں اور زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح بارش کوڑا کرکٹ پر ہو تو تعفن میں تیزی آجاتی ہے۔ یہی بارش فصلوں پر ہو تو وہ لہلہانے لگتی ہیں۔ اس سے پھول مہکتے ہیں، درختوں کے سبزے میں اضافہ ہوتا ہے، ہر چیز کا چہرہ گرد و غبار سے دھل جاتا ہے اور ہر چیز ہشاش

بشاش نظر آتی ہے۔ یہی قرآن مجید کی تاثیر ہے کہ وہ کفر و نفاق سے پاک دل میں ایمان کے اضافے کا باعث بنتا ہے۔ لیکن کافر کے کفر اور مشرک کے شرک و نفاق کی وجہ سے قرآن اور ان کے درمیان پردے حائل ہو جاتے ہیں۔ جس کے بارے میں مشرک ان الفاظ میں اقرار کرتے ہوئے کہتے تھے کہ جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے۔ اس سے ہمارے دل پردے میں، ہمارے کان بہرے ہیں اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔ لہٰذا تم اپنا کام کیے جاؤ اور ہم اپنا کام کیے جائیں گے۔ (حٰم السجدۃ:۵)

اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا ہے ہم نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ اس قرآن کو سمجھ ہی نہ سکیں۔ ان کے کانوں میں بوجھ ہے، جب آپ قرآن میں اپنے اکیلے رب کا ذکر کرتے ہیں تو مشرک بدک کر پیٹھ پھیر لیتے ہیں۔ یہ بات پہلے بھی عرض ہو چکی ہے کہ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اس لیے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے بعض دفعہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی طرف منسوب فرماتا ہے۔

مسائل

۱۔ جب آپ ﷺ قرآن پڑھتے ہیں تو آپ کے اور کفار کے درمیان پردہ حائل کر دیا جاتا۔

۲۔ اللہ کی توحید کا ذکر سن کر کفار پیٹھ پھیر جاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

کفار کے دل، کانوں اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے:

۱۔ ہم نے ان کے دلوں اور کانوں پر پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ اسے سمجھیں۔ (بنی اسرائیل:۴۶)

۲۔ وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں پر بوجھ ہے۔ (حٰم السجدۃ:۴۴)

۳۔ ہم نے ان کے دلوں پر پردہ اور ان کے کانوں پر بوجھ ڈال دیا ہے۔ (الانعام:۲۵)

۴۔ جب ان کے سامنے ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ تکبر سے منہ موڑتے ہیں گویا کہ انھوں نے سنا ہی نہیں ان کے کانوں میں بوجھ ہے۔ (لقمان:۷)

۵۔ ہم نے ان کے دلوں پر پردہ اور کانوں میں بوجھ پیدا کر دیا وہ ہدایت نہیں پاتے۔ (الکھف:۵۷)

۶۔ اللہ نے کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا رکھی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ (البقرۃ:۷)

نَحۡنُ	اَعۡلَمُ	بِمَا	يَسۡتَمِعُوۡنَ	بِهٖۤ	اِذۡ	يَسۡتَمِعُوۡنَ
ہم	خوب جانتے ہیں	اس کو	وہ غور سے سنتے ہیں	ساتھ اس کے	جب	وہ کان لگاتے ہیں

اِلَيۡكَ	وَاِذۡ هُمۡ	نَجۡوٰٓى	اِذۡ يَقُوۡلُ	الظّٰلِمُوۡنَ	اِنۡ
آپ کی طرف	اور جب وہ	سرگوشیاں کرتے ہیں	جب وہ کہتے ہیں	ظالم	نہیں

تَتَّبِعُوۡنَ	اِلَّا	رَجُلًا	مَّسۡحُوۡرًا ﴿۴۷﴾	اُنۡظُرۡ	كَيۡفَ	ضَرَبُوۡا
تم پیروی کرتے	مگر	ایک آدمی	سحر زدہ	دیکھیے	کس طرح	انہوں نے بیان کیں

لَكَ	الۡاَمۡثَالَ	فَضَلُّوۡا	فَلَا	يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ	سَبِيۡلًا ﴿۴۸﴾
آپ کے لیے	مثالیں؟	پس وہ گمراہ ہو گئے	سو نہیں	وہ استطاعت رکھتے ہیں	راستہ

''ہم اس کو زیادہ جاننے والے ہیں جس نیت کے ساتھ وہ قرآن کو غور سے سنتے ہیں، جب وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور جب وہ سرگوشیاں کرتے ہیں تب ظالم کہتے ہیں کہ تم تو سحر زدہ آدمی کی پیروی کرتے ہو۔'' (۴۷) ''دیکھیے انھوں نے کس طرح آپ کے لیے مثالیں بیان کیں۔ پس گمراہ ہو گئے وہ راہ راست پر نہیں آ سکتے۔'' (۴۸)

فہم القرآن

ربط کلام: عقیدہ توحید سے نفرت کی بناء پر کفار قرآن مجید کو سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔ اگر کہیں انہیں قرآن مجید سننا پڑ جائے۔ تو وہ عیب جوئی کی نیت سے سنا کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں رب ذوالجلال کا فرمان ہے کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ قرآن مجید کو کس نیت سے سنتے ہیں۔

کفار اور مشرکین کو قرآن مجید میں جس بات سے سب سے زیادہ چڑ تھی اور ہے۔ وہ توحید کا مضمون ہے۔ اس بناء پر کفار قرآن مجید سننے کے بعد آپس میں سرگوشیاں کرتے اور قرآن مجید سے متاثر ہونے والے حضرات کو کہتے کہ تم ایسے شخص کی پیروی کرتے ہو جس پر جادو ہو چکا ہے۔ اس پر رسول معظم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ کہ اے پیغمبر! دیکھیں یہ لوگ آپ کے بارے میں کیسی باتیں کرتے ہیں؟ یہ گمراہ ہو چکے ہیں، اب سیدھا راستہ نہیں پا سکتے۔ عقیدہ توحید سے انحراف اور قرآن مجید سے نفرت کی وجہ سے کفار اور مشرکین اس قدر بوکھلاہٹ کا شکار ہو چکے تھے۔ ایک طرف وہ آپ کو جادوگر قرار دیتے اور پھر اسی زبان سے یہ الزام دیتے کہ آپ جادو زدہ ہیں ۔ جب کوئی شخص گمراہ ہونے کے ساتھ حق کی مخالفت میں بوکھلاہٹ کا شکار ہو جائے۔ تو اس کا ہدایت پانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اسی بناء پر ارشاد ہوا کہ اے رسول! یہ لوگ سیدھا راستہ نہیں پا سکتے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے کھول کھول کر ہدایت کے متعلقہ دلائل اور امثال بیان کرتا ہے تا کہ لوگ ان پر غور کریں۔ مگر لوگ ان پر غور کرنے

کی بجائے عیب جوئی کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کو ہدایت کی توفیق نہیں ملتی۔

جادو اور جادوگر کی حالت:

جادو کفریہ شرکیہ اوٹ پٹانگ الفاظ اور جس طریقے سے کیا جائے وہ کفر ہے۔

﴿ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ﴾ [البقرۃ ۱۰۲]

''سلیمان نے کفر کبھی نہیں کیا بلکہ کفر تو وہ شیطان کرتے تھے جو لوگوں کو جادو سکھلاتے تھے۔''

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ اَوْ تُطُيِّرَلَهٗ اَوْ تَكَهَّنَ اَوْ تُكُهِّنَ لَهٗ اَوْ سَحَرَ اَوْ سُحِرَ لَهٗ وَمَنْ اَتٰى كَاهِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ)) [الترغيب و الترهيب]

''جو شخص فال نکالے یا اس کے لیے فال نکالی جائے' کوئی غیب کی خبریں دے یا اس کے لیے کوئی دوسرا ایسی خبر دے ایسے ہی کوئی خود جادوگر ہو یا دوسرا شخص اس کے لیے جادو کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جو کوئی ایسے شخص کے پاس جائے اور اسکی باتوں کی تصدیق کرے اس نے ہر اس بات کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے مقاصد اور نیتوں سے بخوبی آگاہ ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی سرگوشیوں کو بھی سنتا ہے۔

۳۔ کفار آپ ﷺ کو سحر زدہ قرار دیتے تھے۔

۴۔ آپ ﷺ پر الزام لگانے والے گمراہ لوگ ہیں یہ راہ راست نہیں پاسکتے۔

تفسیر بالقرآن

نبی ﷺ پر کفار کے الزامات:

۱۔ ظالم کہتے ہیں تم ایسے شخص کی پیروی کرتے ہو جس پر جادو کیا گیا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۴۷)

۲۔ انہوں نے کہا جو رسول تمہاری طرف بھیجا گیا ہے وہ مجنون ہے۔ (الشعراء: ۲۷)

۳۔ اور وہ کہتے ہیں آپ مجنون ہیں۔ (القلم: ۵۱)

۴۔ وہ کہتے ہیں کیا شاعر اور مجنون کے لیے ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ (الصّٰفّٰت: ۳۶)

۵۔ یہ اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے یا اسے جنون ہے۔ (سبا: ۸)

۶۔ آپ ﷺ اللہ کے فضل سے مجنون نہیں۔ (القلم: ۲)

وَرُفَاتًا	عِظَامًا	كُنَّا	اِذَا	ءَ	قَالُوْٓا	وَ
اور ریزہ ریزہ	ہڈیاں	ہم ہو جائیں گے	جب	کیا	انہوں نے کہا	اور

كُوْنُوْا	قُلْ	جَدِيْدًا ۝۴۹	خَلْقًا	لَمَبْعُوْثُوْنَ	ءَاِنَّا
تم ہو جاؤ!	فرما دیجیے!	نئے سرے سے؟	کوئی مخلوق	البتہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے	کیا بے شک ہم

يَكْبُرُ	مِّمَّا	خَلْقًا	اَوْ	حَدِيْدًا ۝۵۰	اَوْ	حِجَارَةً
وہ بڑا ہو	اس میں سے جو	کوئی مخلوق	یا	کوئی لوہا	یا	کوئی پتھر

الَّذِيْ	قُلِ	يُّعِيْدُنَا ؕ	مَنْ	فَسَيَقُوْلُوْنَ	صُدُوْرِكُمْ ج	فِيْ
وہ جو	فرما دیں	ہمیں دوبارہ لوٹائے گا؟	کون	پھر عنقریب وہ کہیں گے	تمہارے سینے	میں

''اور وہ کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم نئی تخلیق میں اٹھائے جائیں گے۔'' (۴۹) ''فرما دیں کہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا۔'' (۵۰) ''یا کوئی ایسی مخلوق جو تمھارے دلوں میں بڑی ہے عنقریب وہ کہیں گے کون ہمیں لوٹائے گا؟ فرما دیں

فہم القرآن

ربط کلام: قرآن مجید سے دوری اور عقیدہ توحید سے انحراف کا منطقی نتیجہ آخرت کا انکار ہوتا ہے۔ جس بناء پر مکہ کے کفار مرنے کے بعد جی اٹھنے کا انکار کرتے تھے۔

آخرت کے منکرین کی سب سے بڑی دلیل یہ ہوا کرتی ہے کہ جب ہم مر کر بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے۔ تو پھر ہمیں کون ازسرنو پیدا کرے گا؟ قرآن مجید کے دوسرے مقام پر آخرت کے منکرین کا عقیدہ یوں بیان کیا گیا ہے۔ کیا انسان غور نہیں کرتا؟ کہ ہم نے اس کو ایک نطفہ سے پیدا کیا ہے۔ پھر وہ بڑی بے باکی کے ساتھ جھگڑا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے مختلف قسم کی باتیں اور مثالیں بیان کرتا ہے۔ وہ اپنی پیدائش کو بھول کر کہتا ہے کہ جب ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو کون انہیں زندہ کرے گا؟ اے پیغمبر (ﷺ)! انھیں فرمائیں کہ جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا وہی سب کو جاننے والا، پیدا کرنے والا ہے۔ (یٰس: ۷۷تا۷۹) سورۃ القیامۃ کی آیت ۳۴ تا ۴۰ میں انسان کی اس سوچ اور رویہ پر یوں افسوس کا اظہار کیا گیا ہے۔

''اے انسان! افسوس ہے تجھ پر افسوس، پھر تجھ پر افسوس کیا جاتا ہے۔ اے انسان! کیا تو سمجھتا ہے؟ کہ تجھے یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا۔ کیا تو رحم میں داخل ہونے والا منی کا ایک قطرہ نہ تھا؟ پھر اللہ نے تجھے لوتھڑا بنایا۔ پھر اعضاء درست کیے۔ پھر اس سے مرد اور عورت کی قسمیں بنائیں۔ کیا اس خالق کو یہ قدرت نہیں؟ کہ وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرے۔''

ان دلائل کی بنیاد پر نبی معظم ﷺ کو ارشاد ہوا کہ آپ انہیں فرمادیں کہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا یا کوئی اور چیز۔ جس کا خیال تمہارے

فَطَرَكُمْ	اَوَّلَ	مَرَّةٍ ۚ	فَسَيُنْغِضُوْنَ	اِلَيْكَ	رُءُوْسَهُمْ
اس نے تمھیں پیدا کیا	پہلی	بار	پھر عنقریب وہ ہلائیں گے	آپ کی طرف	ان کے سر
وَيَقُوْلُوْنَ	مَتٰى	هُوَ ۭ	قُلْ	عَسٰٓى	اَنْ يَّكُوْنَ
اور وہ کہیں گے	کب	وہ؟	فرما دیجیے	شاید	کہ ہو وہ
قَرِيْبًا ۝٥١	يَوْمَ	يَدْعُوْكُمْ	فَتَسْتَجِيْبُوْنَ	بِحَمْدِهٖ	وَتَظُنُّوْنَ
قریب	دن	وہ تمھیں بلائے گا	تو تم تعمیل کرو گے	اس کی حمد کیساتھ	اور تم گمان کرو گے
اِنْ	لَّبِثْتُمْ	اِلَّا	قَلِيْلًا ۝٥٢ ع		
نہیں	تم ٹھہرے	مگر	تھوڑا		

٥ع(٢)٥

جس نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا۔ پھر وہ آپ کے سامنے اپنے سر ہلائیں گے اور کہیں گے یہ کب ہوگا؟ فرمادیں امید ہے عنقریب ہوگا۔'' (٥١) ''جس دن وہ تمھیں بلائے گا تم اس کی حمد کرتے ہوئے چلے آؤ گے اور سمجھو گے کہ تم تھوڑا عرصہ ہی دنیا میں ٹھہرے تھے۔'' (٥٢)

دلوں میں آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بھلا ہمیں کون اٹھائے گا؟ انہیں فرمادیں۔ وہی تمھیں اٹھائے گا جس نے تمھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے۔ یہ نخوت وتکبر کی وجہ سے سر ہلا کر پوچھتے ہیں کہ کب ایسا ہوگا؟ انہیں فرمادیں کہ عنقریب یہ ہو کر رہے گا۔ جس دن تمھیں اللہ تعالیٰ آواز دے گا اور تم اس کی تعریف کرتے ہوئے حاضر ہو گے اور اس وقت تم خیال کرو گے کہ دنیا میں بہت ہی تھوڑا عرصہ رہے تھے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا جلال اور دبدبہ دیکھ کر آخرت کے منکروں کو نہ صرف اپنی لایعنی باتیں اور جھوٹے دلائل بھول جائیں گے۔ بلکہ انہیں یہ بھی یاد نہ ہوگا کہ وہ کتنی مدت تک دنیا میں ٹھہرے رہے تھے۔

تفسیر بالقرآن

مرنے کے بعد زندہ ہونے کے دلائل:

١۔ وہ کہتے ہیں ہمیں کون دوبارہ زندہ کرے گا؟ فرما دیجیے جس نے پہلی بار پیدا کیا تھا۔ (بنی اسرائیل:٥١)

٢۔ ہم نے زمین سے تمھیں پیدا کیا اسی میں لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ اٹھائیں گے۔ (طٰہٰ:٥٥)

٣۔ اللہ ہی مخلوق کو پیدا کرنے والا ہے، پھر وہی اسے دوبارہ لوٹائے گا۔ (یونس:٤)

٤۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا، پھر وہ اسے لوٹائے گا اور یہ کام اس کے لیے آسان ہے۔ (الروم:٢٧)

٥۔ اللہ ہی نے مخلوق کو پیدا کیا، پھر وہ اسے دوبارہ پیدا کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (الروم:١١)

٦۔ کیا اللہ کو اس بات پر قدرت نہیں؟ کہ وہ مردوں کو زندہ فرمائے۔ (القیامۃ:٤٠)

وَقُلْ	لِّعِبَادِیْ	یَقُوْلُوا	الَّتِیْ	هِیَ	اَحْسَنُ ؕ	اِنَّ
اور فرما دیجیے	میرے بندوں سے	وہ کہیں	وہ جو	وہ	بہت ہی اچھی	بے شک
الشَّیْطٰنَ	یَنْزَغُ	بَیْنَهُمْ ؕ	اِنَّ	الشَّیْطٰنَ	كَانَ	
شیطان	جھگڑا ڈالتا ہے	ان کے درمیان	بے شک	شیطان	ہے	
لِلْاِنْسَانِ	عَدُوًّا	مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾				
انسان کے لیے	دشمن	کھلا				

''اور میرے بندوں سے فرما دیں وہ اچھی بات کیا کریں بے شک شیطان ان کے درمیان جھگڑا ڈالتا ہے۔ بلا شبہ شیطان ہمیشہ سے انسان کا کھلا دشمن ہے۔''(۵۳)

فہم القرآن

ربط کلام: عقیدہ توحید اور آخرت کا انکار کرنے والے لوگ باطل عقیدہ رکھنے کے باوجود اپنے عقیدے کی حمایت میں خواہ مخواہ بحث کرتے اور جھوٹے دلائل دیتے ہیں۔ اکثر اوقات لڑنے جھگڑنے پر اتر آتے ہیں۔ ایسی صورت میں داعی حق کو صبر و تحمل کے ساتھ بہتر سے بہترین گفتگو کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کو ارشاد ہوا کہ آپ میرے بندوں کو بتلائیں اور سمجھائیں کہ وہ لوگوں سے ایسی گفتگو کریں جو دل پذیر اور پسندیدہ ہو۔ کیونکہ شیطان اشتعال دلا کر لوگوں کے درمیان فساد برپا کرتا ہے۔ یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ داعی حق جب منکرین حق کو اخلاص اور جان سوزی کے ساتھ حق کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اس کے جواب میں منکرین حق جھوٹے دلائل دینے کے ساتھ ساتھ ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ جس سے داعی حق کا نہ صرف دل پسیجتا ہے بلکہ بعض دفعہ غیرتِ حق کی وجہ سے اسکی زبان سے ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں۔ جس سے نہ صرف اس کی محنت رائیگاں جاتی ہے۔ بلکہ معاملہ جنگ و جدال تک پہنچ جاتا ہے۔ اس صورت حال سے بچنے کے لیے یہاں تک حکم دیا گیا کہ مشرکین کے جھوٹے خداؤں کو گالی نہ دو۔ کیونکہ وہ جہالت اور عداوت میں آ کر تمہارے سچے رب کو گالی دیں گے۔ (الانعام:۱۰۸)

اس نقصان اور برے حالات سے بچنے کے لیے قرآن مجید مبلغ کو یہ ہدایت کرتا ہے:

﴿اُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ [النحل:۱۲۵]

''اپنے رب کی طرف اور خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ لوگوں کو بلاؤ۔ اگر کہیں بحث و تکرار کی نوبت آئے تو پھر بھی اچھا انداز اختیار کرو۔ آپ کا رب خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے گمراہ ہوا اور وہ ہدایت یافتہ

لوگوں سے اچھی طرح واقف ہے۔‘‘

جو مبلغ اس طریقہ اور انداز سے لوگوں کو حق بات کی طرف بلاتا ہے۔ اس کی ان الفاظ میں تعریف کی گئی ہے۔

دعوت دینے کی فضیلت:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِی مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ [حٰم السجدة:۳۳]

’’اور اس شخص سے بڑھ کر کس کی بات اچھی ہو سکتی ہے؟ جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا اور نیک عمل کرتا ہے اور اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔‘‘

((عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ ﷛ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ دَعَا اِلَی هُدًی کَانَ لَهُ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهُ لَا یَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا وَّمَنْ دَعَا اِلَی ضَلَالَةٍ کَانَ عَلَیْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَهُ لَا یَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اٰثَامِهِمْ شَیْئًا)) [رواه مسلم: کتاب العلم، باب مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً أَوْ سَیِّئَةً وَمَنْ دَعَا إِلَی هُدًی أَوْ ضَلَالَةٍ]

’’حضرت ابوہریرہ ﷛ رسولِ معظم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ خیر کی دعوت دینے والے کو اس پر عمل کرنے والے کے برابر ثواب ملے گا جبکہ ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔ جس نے برائی کا پرچار کیا وہ اس پر عمل کرنے والے کے برابر گنہگار ہوگا۔ اس سے ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔‘‘

مسائل

۱۔ انسان کو ہمیشہ اچھی بات کہنی چاہیے۔ ۲۔ شیطان لوگوں میں فساد ڈالتا ہے۔

۳۔ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ ۴۔ داعی کو ہمیشہ اچھا انداز اور بہترین الفاظ استعمال کرنے چاہییں۔

تفسیر بالقرآن

داعی حق کے اوصاف:

۱۔ میرے بندوں کو فرمادیں کہ اچھی بات کہیں۔ (بنی اسرائیل:۵۳)

۲۔ اللہ کے راستہ کی طرف حکمت اور دانائی سے دعوت دیں۔ (النحل:۱۲۵)

۳۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم دل ہیں۔ (آل عمران:۱۵۹)

۴۔ آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔ (القلم:۴) ۵۔ اچھائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتے۔ (حٰم السجدة:۳۴)

رَبُّكُمْ	اَعْلَمُ	بِكُمْ ؕ	اِنْ	يَّشَاْ	يَرْحَمْكُمْ	اَوْ	اِنْ
تمہارا رب	خوب جانتا ہے	تمہیں	اگر	وہ چاہے	تم پر رحم کرے	یا	اگر

يَّشَاْ	يُعَذِّبْكُمْ ؕ	وَمَآ	اَرْسَلْنٰكَ	عَلَيْهِمْ	وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾
وہ چاہے	تمہیں عذاب دے	اور نہیں	ہم نے آپ کو بھیجا	ان پر	ذمے دار

وَرَبُّكَ	اَعْلَمُ	بِمَنْ	فِي	السَّمٰوٰتِ	وَ	الْاَرْضِ ؕ
اور آپ کا رب	خوب جانتا ہے	ان کو جو	میں	آسمانوں	اور	زمین

وَلَقَدْ	فَضَّلْنَا	بَعْضَ	النَّبِيّٖنَ	عَلٰى	بَعْضٍ	وَّ
اور البتہ تحقیق	ہم نے فضیلت دی	بعض	انبیاء	پر	بعض	اور

اٰتَيْنَا	دَاوٗدَ	زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾
ہم نے دی	داوٗد	زبور

''تمہارا رب تمھیں خوب جاننے والا ہے اگر وہ چاہے تم پر رحم کرے یا اگر چاہے تو تمھیں عذاب دے اور ہم نے آپ کو ان پر کوئی وکیل بنا کر نہیں بھیجا۔'' (۵۴) ''اور آپ کا رب اس کو زیادہ جاننے والا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور بلاشبہ ہم نے انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت دی اور داوٗد کو زبور عطا فرمائی۔'' (۵۵)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سے پہلے داعی کو صبر واستقامت اور حسن گفتار کا حکم دیا گیا ہے۔ اب دوسرے انداز میں داعی کو یہ حقیقت سمجھائی گئی ہے کہ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اس نے اپنے رسول کو الداعی بنا کر بھیجا ہے۔ کسی پر چوکیدار بنا کر مبعوث نہیں فرمایا۔ لہٰذا داعی کو لڑنے جھگڑنے کی بجائے اپنا کام اچھے انداز میں کرتے رہنا چاہیے۔

اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا کہ تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کس پر کرم فرمانا چاہیے اور کس کو اس کے گناہوں اور جرائم کی سزا ملنی چاہیے۔ آپ کا رب زمینوں آسمانوں کی ہر چیز کی پوری طرح خبر رکھے ہوئے ہے۔ اسی نے بعض انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت عنایت فرمائی۔ اس کا ارشاد ہے کہ ہم نے داوٗد کو زبور عطا فرمائی۔ اس فرمان میں ہدایت کا لفظ استعمال کرنے کی بجائے ''رحم'' کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ گناہ سے بچ کر نیکی کا راستہ اختیار کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مہربانی سے ممکن ہوا کرتا ہے۔ اس حقیقت کی ترجمانی حضرت یوسف علیہ السلام نے ان الفاظ میں کی تھی۔ جب ایک مدت کے بعد جیل کی کال کوٹھری سے نکلے اور ہر طرف سے ان کو خراج تحسین پیش کیا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ عزیز مصر کی بیوی بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئی۔

﴿قَالَتِ امْرَاَةُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [یوسف: ۵۱]

’’عزیز مصر کی بیوی نے کہا اب تو حق واضح ہوا۔ میں نے ہی اسے اپنی طرف ورغلانے کی کوشش کی تھی اور یقیناً وہ سچے لوگوں میں سے ہے۔‘‘ اس موقعہ پر پوری عاجزی کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا:

’’اور میں اپنے آپ کو پاک صاف نہیں کہتا کیونکہ نفس امارہ برائی ہی سکھاتا رہتا ہے۔ مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے، بے شک میرا پروردگار بخشنے والا، مہربان ہے۔‘‘ [یوسف:۵۳]

یہی حقیقت رسول اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے داعی حق کو سمجھائی جارہی ہے کہ بُرائی کے مقابلے میں صبر کرنا اور ہر حال میں اچھی بات کہنی چاہیے۔ داعی کو یہ حقیقت بھی ہمیشہ اپنے سامنے رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے زمین وآسمان میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ جانتا ہے کون، کس نیت کے ساتھ حق کی مخالفت کر رہا ہے۔ گویا یہ بات بھی ایک لحاظ سے داعی کے لیے تسکین کا باعث ہے۔ آخر میں یہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے بعض انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت عنایت فرمائی۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک داعی کو اس بات سے بے پرواہ ہو کر دین حق کی تبلیغ کرنا ہے۔ کہ اس کی بات قبول کرنے والے کتنے لوگ ہیں؟ کیونکہ کئی انبیاء ایسے تھے کہ جن کی بات کو بہت سے لوگوں نے قبول کیا اور کچھ ایسے تھے جن کے اخلاص اور محنت کے باوجود لوگوں نے ان کی دعوت کو مسترد کر دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا حوالہ دے کر دو باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کسی داعی کو وسائل کی کم مائیگی کی طرف دھیان نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ ضروری نہیں کہ وسائل کی دستیابی کی صورت میں دعوت حق کو پذیرائی ہو جائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے وقت کے پیغمبر اور بادشاہ ہونے کے باوجود سب لوگوں کو عقیدہ توحید منوانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا اس حوالے سے بھی ذکر کیا کہ اہل مکہ اور یہودی یہ پروپیگنڈہ کیا کرتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے؟ کہ بال بچہ بھی رکھتا ہے اور کاروبار بھی کرتا ہے۔ ان کے بقول رسول تو تارک الدنیا شخص ہونا چاہیے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا حوالہ دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ وہ نا صرف وقت کے صاحبِ کتاب رسول تھے بلکہ بادشاہ بھی تھے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے احوال کو اچھی طرح جانتا ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں وزمین کی ہر چیز کو جانتا ہے۔
۳۔ بعض انبیاء علیہم السلام کو بعض پر فضیلت دی گئی۔
۴۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور عطا کی گئی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ جسے چاہے عذاب دے، جسے چاہے معاف کرے:

۱۔ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے اگر چاہے تو رحم کرے، اگر چاہے تو عذاب دے۔ (بنی اسرائیل:۵۴)
۲۔ اللہ جسے چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم کرے تم اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے۔ (العنکبوت:۲۱)
۳۔ اللہ جسے چاہے معاف کر دے جسے چاہے عذاب دے، اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ (آل عمران:۱۲۹)
۴۔ جسے چاہے بخش دے جسے چاہے عذاب دے زمین وآسمان کی بادشاہت اور جو کچھ ان میں ہے اللہ کا ہے۔ (المائدۃ:۱۸)

قُلِ	ادْعُوا	الَّذِيْنَ	زَعَمْتُمْ	مِّنْ	دُوْنِهٖ	فَلَا	يَمْلِكُوْنَ
فرمادیجیے	تم بلاؤ	وہ جو	تم گمان کرتے ہو	سے	اس کے سوا	پس نہیں	وہ اختیار رکھتے ہیں
كَشْفَ	الضُّرِّ	عَنْكُمْ	وَلَا	تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾	اُولٰٓئِكَ	الَّذِيْنَ	
ہٹانا	تکلیف	تم سے	اور نہ	بدلنا	یہ لوگ	جنہیں	
يَدْعُوْنَ	يَبْتَغُوْنَ	اِلٰى	رَبِّهِمُ	الْوَسِيْلَةَ	اَيُّهُمْ		
وہ پکارتے ہیں	وہ تلاش کرتے ہیں	طرف	ان کا رب	ذریعہ قرب	کون ان میں سے		
اَقْرَبُ	وَيَرْجُوْنَ	رَحْمَتَهٗ	وَيَخَافُوْنَ	عَذَابَهٗ	اِنَّ		
زیادہ قریب	اور وہ امید رکھتے ہیں	اس کی رحمت	اور وہ ڈرتے ہیں	اس کا عذاب	بلاشبہ		
عَذَابَ	رَبِّكَ	كَانَ	مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾				
عذاب	آپ کا رب	ہے	ڈرا گیا				

”فرمادیجیے! بلاؤ ان کو جنھیں تم نے اللہ کے سوا گمان کر رکھا ہے پس وہ نہ تم سے تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اسے بدلنے کا۔“ (۵۶) ”وہ لوگ جنھیں یہ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کی طرف ذریعہ قرب تلاش کرتے ہیں جو ان میں سے زیادہ قریب ہیں اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کے لائق ہے۔“ (۵۷)

فہم القرآن

ربط کلام: اس خطاب کا آغاز آیت ۳۹ سے ہوا تھا۔ اس میں رسول اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوا فرمایا گیا کہ اگر آپ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو معبود اور حاجت روا، مشکل کشا سمجھیں گے تو آپ کو بھی راندہ درگاہ کر کے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اس خطاب کا اختتام بھی توحید کے اسی پہلو پر کیا جا رہا ہے۔

اے رسول (ﷺ)! ان لوگوں کو کہیں کہ جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا مشکل کشا، حاجت روا سمجھتے ہو۔ ان کو بلاؤ۔ وہ تمہاری تکالیف دور کرنے یا ان کو بدل دینے کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا یا اس کے ساتھ اپنی مدد کے لیے پکارتے ہو۔ وہ تو اپنے رب کے ہاں قرب کے متلاشی ہیں۔ کہ کون ان میں سے اپنے رب کا مقرب بندہ ہے اور کون اس کے عذاب سے ڈرنے والا ہے؟ کیونکہ آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کے لیے ہے۔ یاد رہے کہ مکہ کے مشرک پتھر، لکڑی اور مٹی کے بتوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ اور حرمت کے طور پر پیش کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ انسان کے ہاتھوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ مگر ان میں ان بزرگوں کی روح حلول کر گئی ہے۔ جن کی عبادت سے خوش ہو کر اللہ تعالیٰ نے

انہیں اپنی خدائی میں سے کچھ اختیارات دے رکھے ہیں۔اہل مکہ کے عقیدہ کے مقابلے میں یہود ونصاریٰ بتوں کو وسیلہ بنانے کی بجائے انبیاء اور صلحاء کی قبروں کو وسیلہ بنایا کرتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ''اَلَّذِیْنَ'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔اس کے بارے میں تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ ''اَلَّذِیْنَ'' کا لفظ ''ذی روح'' اور ''ذوی العقول'' کے لیے استعمال ہوتا ہے۔یعنی روح اور عقل رکھنے والے۔ظاہر ہے بت نہیں انسان ہیں۔اس کا معنیٰ ہوا کہ جن بزرگوں کو اللہ تعالیٰ کے سوایا اس کے ساتھ مشکل کشا،حاجت روا اور وسیلہ سمجھتے ہو۔وہ تو خود اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتے ہیں۔ان کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنے رب کی رحمت کے طلبگار اور اس کے عذاب سے لرزاں وترساں رہتے تھے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ایسی خوفناک چیز ہے جس سے ہر حال میں ڈرنا ہی چاہیے۔اس آیت مبارکہ میں لفظ 'وسیلہ' استعمال کیا گیا ہے۔جس کا اردو میں معنیٰ ''ذریعہ'' ہوتا ہے۔لیکن عربی میں وسیلہ کا معنیٰ ''قربت چاہنا یا ڈھونڈنا'' ہے۔بعض لوگ وسیلہ کا معنیٰ ''ذریعہ'' لے کر لوگوں کو شرک کی تبلیغ کرتے ہیں۔حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی کی ہے۔

وسیلہ کی حقیقت:

اردو میں وسیلہ کا معنی ہے ذریعہ اور واسطہ جس سے بے شمار مسلمانوں کو قرآن کے لفظ وسیلہ کے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے جبکہ قرآن مجید میں اس کا معنی اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنا ہے۔ادھر ادھر کے واسطوں کے ذریعے نہیں بلکہ تقوٰی اور نیکی کے کاموں کے ذریعے۔لہٰذا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کی کوشش کرو۔حدیث میں وسیلہ کا معنی مقام علیا ہے جس پر فائز ہو کر نبی کریم ﷺ قیامت کے دن رب کریم کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہوئے امت کی سفارش کریں گے۔اس کا تذکرہ اذان کے بعد کی دعا میں موجود ہے۔آپ نے اسی مقام کے لیے دعا کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

یہ دنیا عالم اسباب ہے اس کا پورا نظام اسباب اور وسائل پر چل رہا ہے جب تک وسائل کو بروئے کار نہیں لایا جائے گا۔اس وقت تک دنیا کے معاملات صحیح سمت پر چلنے تو درکنار زندگی کا باقی رہنا ناممکن ہے۔ایک شخص کتنا ہی متوکل علی اللہ کیوں نہ ہو اگر پیاس کے وقت پانی نہیں پیتا اور بھوک کے وقت کھانا نہیں کھاتا تو موت کا لقمہ بن جائے گا۔بیمار کے لیے پرہیز اور دوائی لازم ہے۔بغیر اسباب کے کسی چیز کو باقی رکھنا یہ صرف خالق کائنات کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

لہٰذا شریعت نے کمزور کے ساتھ تعاون اور بے سہارا کو سہارا دینا اور بے وسیلہ کا وسیلہ بننے کا حکم دیا ہے۔اس وسیلہ اور اسباب کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اختیارات کے بارے میں دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کسی وسیلہ اور واسطہ کی ضرورت نہیں وہ مسبب الاسباب اور انسان کی شہ رگ سے زیادہ قریب اور دلوں کی دھڑکنوں کو جاننے والا ہے۔

مدفون بزرگوں کے وسیلہ کی حقیقت:

بندے کو اللہ تعالیٰ سے دور رکھنے کے لیے یہ گھٹیا اور سطحی تصور بھی دیا جاتا ہے۔اس کے لیے اتنی کمزور اور سطحی مثالیں دی جاتی ہیں

کہ جس پر آدمی حیرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایسے علماء کا کہنا ہے کہ ڈی سی سے ملنے کے لیے چپڑاسی کی ضرورت ہے مکان کی چھت پر سیڑھی کے بغیر نہیں چڑھا جاسکتا۔ اس باطل عقیدے کو اس شدومد کے ساتھ پھیلایا جارہا ہے کہ اچھے بھلے پڑھے لکھے حضرات حتیٰ کہ عدالتوں میں بیٹھنے والے جج ہی نہیں چیف جسٹس، قانون کی باریکیوں اور موشگافیوں سے واقف ماہر وکلاء، اندرون اور بیرونِ ملک یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل سکالر، الجھے ہوئے مسائل کو سمجھنے اور سمجھانے والے دانشور اس قدر اس پروپیگنڈہ سے متاثر ہوئے کہ وہ صحیح بات ماننا تو درکنار اسے ٹھنڈے دل و دماغ سے سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے۔ حالانکہ ذرا غور کیا جائے کہ جس مدفون بزرگ کا وسیلہ تلاش کیا جارہا ہے اس کی زندگی اور مرنے کے بعد کی حالت میں کتنا فرق ہے؟

1. بزرگ بیمار ہوئے۔ ہزار دعاؤں اور دواؤں کے باوجود صحت حاصل نہ کرسکے۔

2. فوت ہوئے تو گھر میں میت ہونے کے باوجود روتی ہوئی بیٹیوں' تڑپتی ہوئی والدہ' بلکتی ہوئی بیوی' سسکتے ہوئے بیٹے اور آہ وبکا کرنے والے مریدوں کو تسلی نہ دے سکے۔

3. شرم وحیا کے پیکر ہونے کے باوجود انتہائی بیماری اور فوت ہونے کے بعد نہ استنجا کرنے کی سکت ہے اور نہ غسل کرنے کی ہمت۔

4. اپنی زندگی میں خود اپنی قبر بنوانے والے بھی چل کر قبر تک نہ پہنچ سکے۔

5. جو زندگی میں صرف ایک زبان مثال کے طور پر صرف پنجابی زبان جانتے تھے فوت ہونے کے بعد اپنی قبر پر آنے والے سندھی' پشتو اور دوسری زبانوں میں فریاد کرنے والوں کی زبانوں سے کس طرح واقف ہوگئے؟

6. جو خود اولاد سے محروم تھے وہ دوسرے کو کس طرح اولاد عطا کرسکتے ہیں؟

7. جو زندگی میں خراٹے لینے والی نیند یا کسی بیماری کی وجہ سے بے ہوشی کے عالم میں دیکھ اور سن نہیں سکتے موت کے بعد کس طرح سننے اور دیکھنے کے قابل ہوئے؟

8. جو زندگی میں دیوار کی دوسری طرف نہیں دیکھ سکتے تھے اب قبر کی منوں مٹی اور مضبوط پتھروں کے درمیان کس طرح دیکھ سکتے ہیں؟

9. جو اپنی حالت سے کسی کو آگاہ نہیں کرسکتے۔ دوسرے کی حالت رب کے حضور کس طرح پیش کرسکتے ہیں؟

توہین آمیز اور مضحکہ خیز مثال

واعظ کا یہ کہنا ہے کہ چھت پر چڑھنے کے لیے سیڑھی کی ضرورت ہے۔ اس حد تک تو اس بات میں کوئی شبہ نہیں مگر غور وفکر کے ساتھ سوچیے چھت تو جامد اور ساکت ہے وہ چڑھنے والے کے قریب نہیں آسکتی اس لیے سیڑھی کی ضرورت ہے۔ اللہ کی قدرت وسطوت تو ہر جگہ موجود ہے اور وہ سب سے زیادہ انسان کے قریب حتیٰ کے دل اور شہ رگ پر اس کا اختیار ہے یہاں تو کسی وسیلے وسفارش اور سیڑھی

کی ضرورت نہیں۔ وہ انسان کی شہ رگ سے زیادہ قریب اور سینے کے راز جاننے والا ہے۔ خالق کائنات کے لیے یہ مثالیں اور تشبیہ اس کی توہین کے مترادف ہے۔

﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ﴾ [النحل: ۷۴]

''اللہ کے لیے ایسی مثالیں بیان نہ کیا کرو''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے سوا معبودان باطل کسی کی تکلیف دور نہیں کر سکتے۔

۲۔ مشرکین اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے غیر اللہ کو پکارتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید رکھنی چاہیے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب ڈرنے کے لیے ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نفع ونقصان کا مالک نہیں:

۱۔ فرمادیجیے جن کو تم معبود تصور کرتے ہو ان کو بلا کر دیکھو وہ تمہاری تکلیف دور کرنے پر اختیار رکھتے ہیں؟ (بنی اسرائیل: ۱۰۷)

۲۔ اللہ کے سوا ان کو نہ پکارو جو تمہارے نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں۔ (یونس: ۱۰۶)

۳۔ کیا تم اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان؟ (الانبیاء: ۶۶)

۴۔ فرمادیجیے میں اپنے نفع ونقصان کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ (الاعراف: ۱۸۸، یونس: ۴۹)

۵۔ فرمادیجیے کیا تم اللہ کے سوا ان کو دوست بناتے ہو؟ جو اپنے نفع ونقصان کے مالک نہیں۔ (الرعد: ۱۶)

۶۔ وہ اپنے آپ کے بھی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔ (الفرقان: ۳)

۷۔ کیا ہم اللہ کے سوا انہیں پکاریں جو ہمیں نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے؟ (الانعام: ۷۱)

۸۔ کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے نفع ونقصان کے مالک نہیں؟ (المائدۃ: ۷۶)

۹۔ اللہ کے ہاں کون ایسا ہے جو اللہ کی طرف سے آئے ہوئے نفع ونقصان کو روک سکے۔ (الفتح: ۱۱)

۱۰۔ قیامت کے دن تم ایک دوسرے کے نفع ونقصان کے مالک نہیں ہو گے۔ (سبا: ۴۲)

وَاِنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا نَحۡنُ مُهۡلِكُوۡهَا قَبۡلَ
اور نہیں سے بستی مگر ہم اسے ہلاک کرنیوالے ہیں پہلے

يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ اَوۡ مُعَذِّبُوۡهَا عَذَابًا شَدِيۡدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ
دن قیامت یا اسے عذاب دیں عذاب شدید ہے یہ

فِى الۡكِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا ﴿۵۸﴾ وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنۡ نُّرۡسِلَ
میں کتاب لکھا گیا اور نہیں ہمیں روکا کہ ہم بھیجیں گے

بِالۡاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ كَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ ؕ وَاٰتَيۡنَا
ساتھ نشانیاں مگر یہ کہ جھٹلایا ان کو پہلے لوگ اور ہم نے دی

’’اور کوئی بھی بستی نہیں مگر ہم قیامت کے دن سے پہلے اسے ہلاک کرنے والے ہیں یا اسے عذاب دینے والے ہیں شدید عذاب۔ یہ بات کتاب میں لکھی جا چکی ہے۔‘‘(۵۸)’’اور ہمیں کسی چیز نے نہیں روکا کہ ہم نشانیاں دے کر بھیجیں مگر اس بات نے کہ پہلے لوگوں نے انھیں جھٹلا دیا اور ہم نے

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کا عذاب صرف ڈرنے کی چیز ہی نہیں بلکہ حقیقتاً بھی نازل ہوتا ہے۔ جس طرح قوم ثمود پر نازل ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ کو یہ بات انتہائی ناپسند ہے کہ اسے براہ راست پکارنے اور اس کی خالص عبادت کرنے کی بجائے بالواسطہ عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی اور کو پکارا جائے۔ شرک کی یہی بڑی اور عالمگیر قسم ہے۔ جس میں ہر زمانے کی اکثریت اور بڑی بڑی اقوام مبتلا رہی ہیں۔ اسی سے انبیاء کرام منع کرتے رہے۔ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے پانچ بتوں کو وسیلہ بنایا۔ جن کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے۔ یہ قوم نوح کے فوت ہونے والے پانچ بزرگوں کے نام ہیں۔ جن کی محبت وعقیدت اور احترام میں آکر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قربت چاہنے کے لیے ان کے مجسمے بنائے۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں ان سے منع کیا۔ تو قوم نے صاف طور پر کہا کہ ہم اپنے معبودوں بالخصوص ود، سواع، یغوث، یعوق اور نصر کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ اسی طرح قوم نوح کے بعد آنے والی اقوام نے دیگر جرائم اور شرک کا ارتکاب کیا۔ شرک کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے پہلی قوموں کو ذلت آمیز عذاب کے ساتھ تہس نہس کیا۔ اب بھی اس کا اعلان ہے کہ قیامت سے پہلے ایسی بستیوں کو تہس نہس کرے گا یا پھر انہیں شدید ترین عذاب سے دوچار کیا جائے گا۔ یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں لوح محفوظ پر ثبت کر رکھا ہے۔ رہی یہ بات کہ پہلے انبیاء کی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اُس قسم کے معجزات کیوں نازل نہیں کیے گئے۔ جو پہلے انبیاء پر نازل کیے گئے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی اقوام منہ مانگے معجزات

نُرْسِلُ	وَمَا	بِهَا	فَظَلَمُوْا	مُبْصِرَةً	النَّاقَةَ	ثَمُوْدَ
ہم بھیجتے ہیں	اور نہیں	اس کے ساتھ	تو انہوں نے ظلم کیا	واضح	اونٹنی	ثمود

تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾	اِلَّا	بِالْاٰيٰتِ
ڈرانا	مگر	ساتھ نشانیاں

ثمود کو اونٹنی واضح نشانی کے طور پر دی تو انھوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم نشانیاں دے کر نہیں بھیجتے مگر ڈرانے کے لیے۔" (۵۹)

جھٹلا کر تباہ ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو مہلت دینا چاہتا ہے۔ اگر تمہارے مطالبے پر من وعن معجزہ نازل کر دے تو پہلی اقوام کی طرح مہلت کی گنجائش نہ ہوگی۔ البتہ تم غور کرو تو تمہیں معلوم ہوگا جو معجزے رسول کریم ﷺ کو دیئے گئے ہیں۔ وہ اپنی تاثیر اور نتائج کے لحاظ سے پہلے معجزات کے اعتبار سے بہت بڑے ہیں۔ پہلے جیسے معجزات نازل نہ کرنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ پہلے لوگوں نے ان معجزات کو جھٹلا دیا تھا اور تم بھی ایسا کرو گے۔ اب تمھارے سامنے قومِ ثمود کی مثال پیش کی جاتی ہے۔ قوم ثمود کے مطالبہ پر ان کے سامنے اونٹنی کا معجزہ ظاہر ہوا۔ جو پہاڑ کو چیرتی، لوگوں کے سامنے ہنہناتی ہوئی ظاہر ہوئی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں سمجھایا کہ یہ اونٹنی اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی اونٹنی ہے۔ اسے تکلیف پہنچانے کی نیت سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں اذیت ناک عذاب آلے گا۔ (الاعراف: ۷۳)

مگر ان لوگوں نے حضرت صالح کو جھٹلایا اور اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ تب ان کے اس جرم کی وجہ سے عذاب نازل کیا گیا۔ جس نے انہیں زمین کے برابر کر دیا۔ (الشّمس: ۱۴)

جس کا بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی کا کھلا معجزہ دیا۔ انہوں نے اونٹنی پر ظلم کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نشانیاں لوگوں کو ڈرانے کے لیے بھیجی تھیں۔

مسائل

۱۔ ہر بستی کی تباہی و بربادی کے متعلق لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

۲۔ کفار معجزات سے بصیرت حاصل نہیں کرتے۔

تفسیر بالقرآن

ہر ایک چیز کتاب میں لکھی ہوئی ہے:

۱۔ کوئی بستی نہیں مگر ہم اسے قیامت سے پہلے ہلاک یا پھر عذاب میں مبتلا کریں گے یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۵۸)

۲۔ کیا تم نہیں جانتے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اللہ اسے جانتا ہے یہ سب کچھ کتاب میں موجود ہے۔ (الحج: ۷۰)

۳۔ کوئی بھی مصیبت جو زمین سے آتی اور تمھیں پہنچتی ہے وہ پہلے ہی کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ (الحدید: ۲۲)

وَاِذْ	قُلْنَا	لَكَ	اِنَّ	رَبَّكَ	اَحَاطَ	بِالنَّاسِ ؕ
اور جب	ہم نے کہا	آپ کے لیے	تحقیق	آپ کا رب	گھیرا رکھا ہے	ساتھ لوگوں
وَمَا	جَعَلْنَا	الرُّءْيَا	الَّتِيْٓ	اَرَيْنٰكَ	اِلَّا	فِتْنَةً
اور نہیں	ہم نے بنایا	خواب	وہ جو	ہم نے دکھایا آپ کو	مگر	ایک آزمائش
لِّلنَّاسِ	وَالشَّجَرَةَ	الْمَلْعُوْنَةَ	فِي	الْقُرْاٰنِ ؕ	وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ	
لوگوں کے لیے	اور درخت	لعنت کیا گیا	میں	قرآن	اور ہم انہیں ڈراتے ہیں	
فَمَا	يَزِيْدُهُمْ	اِلَّا	طُغْيَانًا	كَبِيْرًا ۟ؑ		
پھر نہیں	بڑھاتا انہیں	مگر	سرکشی	زیادہ بڑی		

”اور جب ہم نے آپ سے کہا کہ تحقیق آپ کے رب نے لوگوں کا احاطہ کر رکھا ہے اور ہم نے جو منظر آپ کو دکھایا۔ نہیں بنایا اسے مگر لوگوں کے لیے آزمائش اور وہ درخت بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔ اور ہم انھیں ڈراتے ہیں تو یہ ڈرانا ان میں سرکشی کے سوا کچھ اضافہ نہیں کرتا۔“ (٦٠)

فہم القرآن

ربط کلام: نیا خطاب۔

اس آیتِ مبارکہ میں جس خواب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ ہم نے آپ کو پہلے ہی بتلا دیا تھا کہ آپ کا رب لوگوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور جو خواب ہم نے آپ کو دکھلایا ہے وہ لوگوں کے لیے آزمائش ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں جس خواب کا تذکرہ کیا گیا ہے اس کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دو آراء ہیں۔

١۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ یہ خواب غزوہ بدر سے پہلے آپ کو دکھلایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس معرکہ میں کامیاب ہوں گے اور آپ کا دشمن ناکام ہوگا۔ یہ خواب مشرکین کے لیے کڑی آزمائش ثابت ہوا۔ جسے کفار اور مشرکین نے مذاق کا نشانہ بنایا۔

٢۔ مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے۔ یہاں ”رؤیا“ سے مراد آنکھوں سے دیکھنا ہے۔ اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج سے واپس تشریف لائے تو کفار نے اسے تنقید کا نشانہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصیٰ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دیا۔ جو لوگ لفظِ رؤیا سے یہ استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمانی معراج کی بجائے خواب میں معراج کروایا گیا ہے۔ ان کا نقطہ نظر اس لیے درست نہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفار سے خواب میں مسجد اقصیٰ اور آسمانوں کی سیر کا ذکر کرتے۔ تو اس میں کفار کے لیے کون سی آزمائش اور اعتراض کی بات ہو سکتی تھی۔ کیونکہ خواب میں تو انسان بڑی سے بڑی چیز دیکھنے کا تصور کر سکتا ہے۔ جس طرح معراج کفار کے لیے آزمائش بنایا گیا۔

اسی طرح ہی وہ درخت بھی ان کے لیے آزمائش ثابت ہوا۔ جس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

﴿أَذٰلِکَ خَیْرٌ نُزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ o إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ o إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ o طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ o﴾ [الصٰفٰت: ٦٢ تا ٦٥]

''کیا یہ اچھی ہے یا تھور کا درخت ہم نے اسے ظالموں کے لیے آزمائش بنایا ہے۔ وہ ایک ایسا درخت ہے جو جہنم کی تہہ سے نکلتا ہے۔ اس کے خوشے ایسے ہیں جیسے شیطانوں کے سر۔''

کفار نے یہ کہہ کر اس حقیقت کا مذاق اڑایا کہ کبھی آگ میں بھی درخت اگا کرتے ہیں۔ یہ کفار کی جہالت اور ہٹ دھرمی تھی ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ان کا بھی عقیدہ تھا کہ انہیں آگ میں پھینکا گیا۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ سے صحیح سالم باہر آئے۔ نمرود کی آگ انہیں کوئی گزند نہ پہنچا سکی۔ کفار یہ بھی جانتے تھے کہ عرب کے علاقے میں ایک ایسا بھی درخت ہے جس سے آگ نکلتی ہے۔ لیکن جس تھوہر کے درخت کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے کہ وہ جہنم میں ہوگا۔ یہ کہہ کر اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے کہ کبھی آگ میں بھی درخت اگا کرتے ہیں۔ انہیں کیا خبر تھی کہ آنے والے وقت میں سائنس ہمارا مذاق اڑائے گی۔ جس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سمندر کے پانی کے نیچے بھی آگ کے الاؤ بھڑک رہے ہیں۔ جبکہ قرآن نے یہ حقیقت آج سے چودہ سو سال پہلے آشکارا کر دی تھی۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ (وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاکَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ) قَالَ هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيَهَا رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ (وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ) شَجَرَةُ الزَّقُّومِ))

[رواه البخاری: کتاب التفسیر، باب (وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاس]

''حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے (وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاکَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وہ آنکھ کا خواب ہے جو نبی کریم کو دکھائی گئی۔ اس رات جب آپ کو سیر کرائی گئی اور (وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ) سے مراد زقوم کا درخت ہے۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کا ہر طرف سے احاطہ کرنے والا ہے۔ ٢۔ بعض چیزیں اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لیے پیدا کی ہیں۔

تفسیر بالقرآن

شجر ملعونہ سے مراد؟

١۔ تھوہر کے درخت پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔ (بنی اسرائیل: ٦٠)

٢۔ ہم نے تھوہر کے درخت کو ظالموں کے لیے عذاب بنایا ہے۔ (الصّٰفّٰت: ٦٢۔٦٣)

٣۔ تھوہر کا درخت جہنم کی تہہ سے اُگے گا۔ (الصّٰفّٰت: ٦٤) ٤۔ یقیناً تھوہر کا درخت مجرموں کا کھانا ہوگا۔ (الدخان: ٤٣)

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ

اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو تم سجدہ کرو آدم کے لیے پھرانہوں نے سجدہ کیا سوائے

اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿۶۱﴾ قَالَ

ابلیس اس نے کہا کیا میں سجدہ کروں اسے جسے تونے پیدا کیا مٹی سے؟ اس نے کہا

اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ؗ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ

دیکھ تو یہ جسے تونے بزرگی دی مجھ پر البتہ اگر تونے مجھے مہلت دی

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾

طرف دن قیامت توالبتہ ضرور میں جڑ سے اُکھاڑ دوں گا اس کی اولاد کو ماسوائے چند

’’اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے کہا کیا میں اسے سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا۔‘‘(۶۱)’’اس نے کہا دیکھ جسے تو نے مجھ پر عزت بخشی ہے اگر تو مجھے قیامت تک مہلت دے تو میں چند لوگوں کے سوا اس کی اولاد کو اپنے چنگل میں پھنسائے رکھوں گا۔‘‘(۶۲)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار کی قرآن مجید سے عداوت اور بغاوت شیطان کی پیروی کی وجہ سے ہے۔شیطان اپنے رب کا سب سے بڑا باغی اور نافرمان ہے۔جس کی واضح اور پہلی دلیل حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم سے پہلے ملائکہ کے سامنے اعلان فرمایا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ملائکہ نے عرض کی کیا آپ زمین میں اس شخص کو خلیفہ بنائیں گے جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا؟ ہم تیری حمد وثناء کے ساتھ تسبیح وتقدیس بیان کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر تمام چیزوں کے نام بتلائے پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کر کے ارشاد فرمایا۔اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتلاؤ۔ملائکہ نے عرض کی اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ہمیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا آپ نے ہمیں سکھایا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں تو ہر بات کو جاننے والا ہے اور تیرے ہر حکم میں حکمت پائی جاتی ہے۔پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ تم ان چیزوں کے نام بتاؤ۔جب آدم علیہ السلام نے ان چیزوں کے نام بتا دیئے۔تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا۔کیا میں نے تمہیں نہیں فرمایا تھا کہ میں ہی زمین وآسمانوں کے غیب کو جانتا ہوں۔مجھے معلوم ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔اس کے بعد ملائکہ کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو۔ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ابلیس نے تکبر اور انکار کیا۔وہ انکار کرنے والوں میں ہوا۔(البقرۃ:۳۰تا۳۴)

ابلیس نے کفر وتکبر کا اظہار کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ کیا میں اس شخص کو سجدہ کروں؟ جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔تو نے اس کو مجھ پر فضیلت دی ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر کہنے لگا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔تو نے مجھے آگ سے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔(بنی اسرائیل:٦١)

اس کے بعد ابلیس اللہ تعالیٰ کے سامنے گستاخی کرتے ہوئے یہ بھی کہتا ہے کہ یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ میں آدم کو سجدہ کروں۔تو نے آدم کو سیاہ اور سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ملائکہ کی طرح ابلیس بھی اپنے رب کے سامنے معذرت خواہ ہوتا۔لیکن وہ حسد وبغض کی وجہ سے بغاوت پہ بغاوت کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس نے یہ جسارت بھی کر ڈالی کہ اگر مجھے قیامت تک مہلت دے تو میں چند لوگوں کو چھوڑ کر آدم کی تمام اولاد کو گمراہ کردوں گا۔ابلیس کا انکار تکبر اور حسد کی وجہ سے تھا۔تکبر وہ بری چیز ہے کہ جس سے انسان کے تمام اعمال غارت ہوجاتے ہیں اور انسان دنیا میں ہی ذلت ورسوائی سے دوچار ہوجاتا ہے۔۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔

٢۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو تکبر کی بناء پر سجدہ کرنے سے انکار کیا۔

٣۔ شیطان نے قیامت تک اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی، جو اسے دے دی گئی۔

٤۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو گمراہ کرنے کا اعلان کر رکھا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شیطان کی گستاخیاں:

١۔ جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس اس سے انکاری ہوا۔(بنی اسرائیل:٦١)

٢۔ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کیا۔(الحجر:٣٠۔٣١)

٣۔ کہنے لگا کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔(بنی اسرائیل:٦١)

٤۔ شیطان نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔(الاعراف:١٢)

٥۔ اگر تو مجھے قیامت تک مہلت دے تو میں تھوڑے لوگوں کے علاوہ اس کی اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔(بنی اسرائیل:٦٢)

٦۔ شیطان نے کہا تو نے مجھے اس کی وجہ سے گمراہ کیا ہے میں بھی ان کے راستے میں بیٹھوں گا۔(الاعراف:١٦)

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ

فرمایا | تو جا | پھر جو | تیری پیروی کرے گا | ان میں سے | پھر بلاشبہ | جہنم

جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ

تمہاری سزا | سزا | پوری پوری | اور بہکا لے تو | جو | تو طاقت رکھتا ہے

مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ

ان میں سے | اپنی آواز کے ساتھ | اور چڑھا لے | ان پر | اپنے سوار | اور | اپنے پیادے

وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا

اور تو شریک بن جا ان کا | میں | مالوں | اور اولاد | اور انہیں وعدے دے | اور نہیں

''فرمایا جا، ان میں سے جو تیرے پیچھے چلے گا یقیناً جہنم تمھاری سزا ہے جو بدترین سزا ہوگی۔'' (۶۳) ''اور ان میں سے جس کو اپنی آواز کے ساتھ بہکا سکے بہکا اور اپنے سوار اور اپنے پیادے ان پر چڑھا لے اور اموال اور اولاد میں ان کا حصہ دار بن اور ان سے

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

ابلیس نے گستاخی اور بغاوت کی حدیں پھیلانگتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اے رب! تیری عزت کی قسم میں چند مخلص لوگوں کے علاوہ سب کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ رب ذوالجلال نے ارشاد فرمایا۔ ٹھیک ہے۔ لیکن میرا فرمان بھی سچ اور اٹل ہے کہ میں تجھے اور تیری تابعداری کرنے والوں کو جہنم میں داخل کروں گا (ص:۸۲تا۸۵)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میری بارگاہ سے نکل جا۔ تو ہمیشہ کے لیے راندہ درگاہ ہوا اور تجھ پر قیامت تک پھٹکار برستی رہے گی۔ (الحجر:۳۴، ۳۵)

ربِ ذوالجلال نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔ اے ابلیس! تو نکل جا، جو شخص تیری پیروی کرے گا اس کی سزا جہنم ہوگی۔ جس میں سب کو پوری پوری سزا ملے گی۔ اے ابلیس! تجھے اختیار دیا جاتا ہے۔ ان میں سے جس کو چاہے اپنی آواز کے ذریعے بہکا لے۔ اپنے پیادوں اور سواروں کے ساتھ چڑھائی کر لے اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہو جا، ان سے وعدہ وعید کر تیرے وعدے مکروفریب کے سوا کچھ نہیں ہوں گے۔ لیکن یاد رکھنا میرے بندوں پر تیرا تسلط قائم نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ تیرا رب ان کا وکیل اور کفیل ہے۔ یہاں شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچ نکلنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے قرار دیا ہے۔

يَعِدُهُمُ	الشَّيْطٰنُ	اِلَّا	غُرُوْرًا ﴿٦٣﴾	اِنَّ	عِبَادِیْ
وہ وعدہ دیتا ہے انہیں	شیطان	مگر	دھوکہ	بے شک	میرے بندے

لَيْسَ	لَكَ	عَلَيْهِمْ	سُلْطٰنٌ	وَكَفٰى	بِرَبِّكَ	وَكِيْلًا ﴿٦٥﴾
نہیں	تیرے لیے	ان پر	کوئی غلبہ	اور کافی ہے	آپ کا رب	کارساز

وعدے کر اور شیطان دھوکا دینے کے سوا ان سے کوئی وعدہ نہیں کرتا۔‘‘(٦٤)’’بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہوگا اور تیرا رب انکا کارساز ہے۔‘‘(٦٥)

جن کی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہوتے ہیں۔مخلص کا معنیٰ ہے’’وفادار، صاف دل، سچا انسان‘‘(القاموس) کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بندے ان اوصاف حمیدہ کے حامل ہوتے ہیں۔اس لیے انہیں شیطان مستقل طور پر نہیں بہکا سکتا۔اسی بناء پر شیطان نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ کہا تھا کہ تیرے مخلص بندوں کے سوا میں سب کو گمراہ کر دوں گا۔(الحجر:٤٠،ص:٨٣) شیطان کو راندہ درگاہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے’’وَاسْتَفْزِزْ‘‘ کا لفظ استعمال فرمایا۔جس کا معنیٰ ہے’’جوش دلانا، پریشان اور خوفزدہ کرنا، ذلیل سمجھنا اور کرنا‘‘

قرآن مجید کی بلاغت پر قربان جائیں کہ ایک ہی لفظ میں شیطان کے ہتھکنڈوں کو بیان کر دیا ہے۔شیطان، انسان کو جوش دلا کر قتل وغارت کرواتا ہے۔جذباتی بنا کر بدکاری میں مبتلا کرتا ہے۔اشتعال دلا کر جو چاہے انسان سے فعل سرزد کروا لیتا ہے۔اگر جوش سے کام نہ بنتا ہو۔تو وہ کسی چیز کے چھن جانے کا خوف دلاتا ہے۔یہ سارے کام انسان سے اس لیے کرواتا ہے کہ شیطان پہلے دن سے انسان کو حقیر سمجھتا ہے اور اس کو ذلیل کرنے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا۔شیطان گانا بجانا، بے حیائی کی باتوں اور ہر قسم کے دھوکہ فریب سے انسان کو گمراہ کرتا ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔’’تو اپنے پیادوں اور لشکروں کے ذریعے زور لگا کر لوگوں کے مال اور اولاد میں شریک ہو جا۔‘‘ کیونکہ ظاہر ہے کہ انسان سواری استعمال کرتا ہے یہاں سے ثابت ہوتا ہے شیطان انسان کو گمراہ کرنے کے لیے ہر قسم کے ذرائع استعمال کرتا ہے۔اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ شیطان صرف جنات سے ہی نہیں ہوتے بلکہ انسانوں سے بھی ہوتے ہیں۔جن سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ مَلِكِ النَّاسِ ○ إِلٰهِ النَّاسِ ○ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ○ الَّذِیْ يُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ○ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ○﴾[الناس:١ تا ٦]

’’آپ کہہ دیجیے کہ میں لوگوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں، جو لوگوں کا بادشاہ ہے، جو لوگوں کا اِلٰہ ہے، وسوسہ ڈالنے

والے کے شر سے، جو (وسوسہ ڈال کر) پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے وہ جنوں اور انسانوں میں سے ہے۔“

مال میں شریک ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ انسان اپنا مال بے حیائی، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، شرک کی حمایت اور اس کے مرکزوں پر خرچ کرنے کے ساتھ فضول کاموں پر خرچ کرے۔ اولاد میں شریک کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی اولاد دے سکتا ہے یا اولاد دینے میں پیروں، فقیروں اور مزارات کا بھی عمل دخل ہے۔ اولاد کی پیدائش کے بعد انہیں مزارات کے نام منسوب کرنا یا ان کا نام ”پیراں دتہ“ یا کسی بت کے نام پر نام رکھنا۔ اولاد میں شیطان کو شریک کرنا ہے۔ اولاد کو برے کاموں میں لگانا یا اس کو شرک و بدعت اور بے حیائی کا ماحول دینا۔ یہ بھی اولاد میں شیطان کو شریک کرنا ہے۔

﴿وَقُلْ رَبِّ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ ٥ وَأَعُوْذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُوْنِ ٥﴾

[المومنون:۹۷۔۹۸]

”کہہ دیجیے اے میرے پروردگار! میں شیاطین کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔“

مسائل

۱۔ شیطان کے تابعدار کی سزا جہنم ہے۔ ۲۔ شیطان کے پیروکار کو پوری پوری سزا دی جائے گی۔
۳۔ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک مہلت دی۔ ۴۔ شیطان انسان سے جھوٹے وعدے کرتا ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے شیطان کے قابو میں نہیں آتے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے کافی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے کافی ہے:

۱۔ میرے بندوں پر شیطان کی کوئی دلیل کارگر نہ ہوگی تیرا رب تجھے کافی ہے۔ (بنی اسرائیل:۶۵)

۲۔ اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے، اللہ ولی اور مددگار کافی ہے۔ (النساء:۴۵)

۳۔ ان سے اعراض کیجیے اور اللہ پر توکل کیجیے اللہ ہی کارساز کافی ہے۔ (النساء:۱۳۲)

۴۔ اللہ ہی کے لیے آسمان و زمین کی بادشاہت ہے اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔ (النساء:۱۷۱)

۵۔ اللہ پر توکل کیجیے، اللہ ہی کارساز کافی ہے۔ (الاحزاب:۳)

رَبُّكُمُ	الَّذِىْ	يُزْجِىْ	لَكُمُ	الْفُلْكَ	فِى	الْبَحْرِ
تمہارا رب	جو	وہ چلاتا ہے	تمہارے لیے	کشتیاں	میں	سمندر
لِتَبْتَغُوْا	مِنْ	فَضْلِهٖ	اِنَّهٗ	كَانَ	بِكُمْ	رَحِيْمًا ۝٦٦
تاکہ تم تلاش کرو	سے	فضل	بے شک وہ	ہے	تمہارے ساتھ	بہت رحم کرنے والا
وَاِذَا	مَسَّكُمُ	الضُّرُّ	فِى	الْبَحْرِ	ضَلَّ	مَنْ
اور جب	تمہیں پہنچتی ہے	تکلیف	میں	سمندر	بھول جاتے ہیں	وہ جنہیں
تَدْعُوْنَ	اِلَّآ	اِيَّاهُ	فَلَمَّا	نَجّٰىكُمْ	اِلَى	الْبَرِّ
تم پکارتے ہو	سوائے	اس کے	پھر جب	وہ تمہیں نجات دے دیتا ہے	طرف	خشکی
اَعْرَضْتُمْ	وَ	كَانَ	الْاِنْسَانُ	كَفُوْرًا ۝٦٧		
تم منہ پھیر لیتے ہو	اور	ہے	انسان	بہت ناشکرا		

''تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لیے سمندر میں کشتیاں چلاتا ہے، تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ یقیناً وہ تم پر مہربان ہے۔'' (٦٦) ''اور جب تمھیں سمندر میں تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ کے سوا جنھیں تم پکارتے ہو سب تمھیں بھول جاتے ہیں پھر جب اللہ تمھیں بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تم منہ پھیر لیتے ہو اور انسان بہت ناشکرا ہے۔'' (٦٧)

فہم القرآن

ربط کلام: جو ذات اپنے بندوں کو شیطان کے تسلط سے محفوظ رکھتی ہے وہی تمہارا رب ہے جو تمہیں سمندر کی طغیانیوں سے بچاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت وسطوت کا حوالہ دیتے ہوئے دلیل دیتا ہے کہ تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لیے سمندر میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو بے شک وہ تم پر بڑا مہربان ہے۔ جب تمہیں سمندر میں کوئی پریشانی آتی ہے تو جنہیں تم مشکل کشا سمجھ کر پکارتے ہو۔ وہ تمہیں بھول جاتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ تمہیں خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو اپنے رب سے انحراف کرتے ہو وجہ یہ کہ انسان اپنے رب کا ناقدردان اور ناشکرا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مرتبہ سمندر میں چلنے والی کشتیوں کو اپنی قدرت کی نشانی کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ سمندر کے سینے پر چلنے والی کشتیوں اور بڑے بڑے جہازوں کی طرف توجہ کی جائے تو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ جو پانی اپنے اوپر ایک سوئی کو برداشت نہیں کرتا۔ اسی پانی کی لہریں کشتیوں اور جہازوں کو ساحل مراد تک پہنچانے میں خدّام کا کام دیتی ہیں۔ کشتیاں اور بحری جہاز ٹنوں کے حساب سے بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں' اور نقل وحمل کا یہ سب سے بڑا اور مفید ترین ذریعہ ہیں۔

ابتدائے آفرینش سے دنیا کی سب سے بڑی تجارت بحری راستوں کے ذریعے ہی ہورہی ہے اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ یہاں مشرک کی عادت بیان کی گئی ہے کہ وہ صرف انتہائی مشکل کے وقت اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتا ہے لیکن جب مشکل ٹل جاتی ہے تو پھر دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مشرک اللہ تعالیٰ کا ناقدردان اور ناشکرا ہے اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا ہے۔ اے پیغمبر ﷺ! صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤ۔ مشرک کو جس طرح اللہ تعالیٰ کی قدر کرنی چاہیے تھی اس طرح نہیں کی۔ قیامت کے دن ساتوں زمینیں اور آسمان اللہ کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے اللہ لوگوں کے شرک کرنے سے پاک اور عالی مرتبت ہے۔ (الزمر: ٦٧)

جہاں تک مشرکین مکہ کے عقیدہ کا تعلق ہے۔ ان کے بارے میں قرآن مجید بار بار گواہی دیتا ہے کہ وہ انتہائی مشکل کے وقت صرف ایک اللہ کو پکارا کرتے۔ جب انہیں مشکل سے نجات حاصل ہوتی تو پھر وہ اپنے بتوں اور دوسروں کے طفیل حرمت اور واسطے سے دعا کرتے تھے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے شرک قرار دیا ہے۔ افسوس آج بے شمار کلمہ پڑھنے والے حضرات انتہائی مشکل کے وقت بھی صرف اللہ سے براہ راست مانگنے کی بجائے اپنے فوت شدہ بزرگوں کی حرمت، طفیل، صدقہ اور وسیلہ سے مانگتے ہیں حالانکہ یہی وہ شرک کی عالمگیر قسم ہے جس سے انبیاء کرام لوگوں کو منع کرتے رہے ہیں۔

مسائل

۱۔ اللہ ہی سمندروں میں کشتیوں کو چلانے والا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے ساتھ رحم فرمانے والا ہے۔

۳۔ مشرک مشکل میں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے۔ ۴۔ انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

۵۔ نجات ملنے کے بعد مشرک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سے اعراض کرتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

مشرک انتہائی مشکل کے وقت ایک اللہ کو پکارتا ہے:

۱۔ جب دریا میں تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو تم اللہ کے سوا سب کو بھول جاتے ہو۔ (بنی اسرائیل: ٦٧)

۲۔ انہوں نے خیال کیا کہ وہ گھیرے میں آ گئے ہیں تو خالصتاً اللہ کو پکارتے ہیں۔ (یونس: ٢٢)

۳۔ جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالصتاً اللہ کو پکارتے ہیں۔ (العنکبوت: ٦٥)

۴۔ جب انہیں موجیں سائبان کی طرح ڈھانپ لیتی ہیں تو خالص اللہ کو پکارتے ہیں۔ (لقمان: ٣٢)

۵۔ وہ زندہ ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں خالصتاً اسی کو پکارو۔ (المومن: ٦٥)

٦۔ انہیں صرف اسی بات کا حکم دیا گیا ہے کہ صرف ایک اللہ کو پکارو۔ (البینۃ: ٥)

اَفَاَمِنۡتُمۡ اَنۡ يَّخۡسِفَ بِكُمۡ جَانِبَ الۡبَرِّ اَوۡ يُرۡسِلَ

کیا پھر تم بے خوف ہو گئے ہو | یہ کہ | وہ دھنسا دے | تمہیں خشکی کی ایک جانب | یا | وہ بھیج دے

عَلَيۡكُمۡ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَـكُمۡ وَكِيۡلًا ۙ‏ ﴿۶۸﴾

تم پر | سنگ ریزوں والی آندھی | پھر | نہ پاؤ تم | اپنے لیے | کوئی کارساز

اَمۡ اَمِنۡتُمۡ اَنۡ يُّعِيۡدَكُمۡ فِيۡهِ تَارَةً اُخۡرٰى

یا | تم بے خوف ہو گئے ہو | یہ کہ | وہ تمہیں لوٹا دے | اُسی میں | بار | دوسری

فَيُرۡسِلَ عَلَيۡكُمۡ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيۡحِ فَيُغۡرِقَكُمۡ بِمَا

پھر وہ بھیجے گا | تم پر | توڑ پھوڑ دینے والی | سے | ہوا | بالآخر وہ تمہیں غرق کر دے | بوجہ اس کے کہ

كَفَرۡتُمۡ ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَـكُمۡ عَلَيۡنَا بِهٖ تَبِيۡعًا‏ ﴿۶۹﴾

تم نے کفر کیا | پھر | نہ | پاؤ تم | اپنے لیے | ہم پر | اس کے بدلے | کوئی پیچھا کرنے والا

''تو کیا تم بے خوف ہو گئے ہو۔ اگر وہ تمہیں خشکی پر ہی زمین میں دھنسا دے یا تم پر کوئی پتھراؤ کرنے والی آندھی بھیج دے پھر تم اپنے لیے کوئی کارساز نہ پاؤ گے۔'' (۶۸) ''یا تم بے خوف ہو گئے کہ وہ تمہیں دوسری بار سمندر میں لے جائے پھر تم پر آندھی کا سخت جھونکا بھیج دے تمھارے کفر کرنے کی وجہ سے تمہیں غرق کر دے، پھر تم اپنے لیے ہمارے خلاف کوئی پیچھا کرنے والا نہ پاؤ گے۔'' (۶۹)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرکین کو پے در پے تین چیلنج دیئے گئے ہیں۔

پہلے مشرکین کی عادت کا ذکر ہوا ہے کہ جب دریائی سفر میں طوفان سے دوچار ہوتے ہیں تو صرف ایک اللہ کو پکارتے ہیں اور اسی کے حضور فریادیں کرتے ہیں۔ اس سے وعدے کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! اگر تو نے ہمیں اس گرداب سے نکال لیا تو ہم صرف تیرے ہی حضور جھکیں گے اور تجھ ہی سے فریاد کریں گے۔ یقیناً تو ہی مشکل کشا ہے تیرے سوا کوئی بھی اس بھنور سے نہیں نکال سکتا مگر جب خشکی پر اترتے ہیں تو فوراً اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو پے در پے تین چیلنج کیے گئے ہیں کہ یہ لوگ بھول گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں خشکی ہی میں دھنسا دے۔ کیا رب ذوالجلال اس بات پر قادر نہیں؟ کہ تمہیں دوبارہ ایسے حالات اور گرداب سے دوچار کر دے پھر تم اس کے سوا کوئی نہ اپنا مددگار پاؤ گے اور نہ ہی اس کی گرفت پر اس کے خلاف کوئی تعاقب نہیں کر سکتا ہے۔ جس طرح اس نے قارون کو اس کی دولت کے ساتھ زمین میں دھنسا دیا اور قوم لوط کو ان

کی بستی سمیت اٹھا کر زمین پر دے مارا اور اوپر سے پتھر برسائے۔

﴿فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِنْ سِجِّيلٍ مَنْضُودٍ۝مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ﴾[ھود:۸۲،۸۳]

''پھر جب ہم نے حکم نافذ کیا، ہم نے اس بستی کو اوپر نیچے کر دیا اور تابڑ توڑ پکی مٹی کے پتھر برسائے تیرے رب کی طرف سے ہر پتھر پر نشان (نام) لکھا ہوا تھا اور ظالموں سے یہ سزا دور نہیں ہے۔''

قوم مدین کو ایک کڑک نے آلیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے اور ان کے گھر ایسے ویران ہوئے جیسے ان میں کوئی بسا ہی نہ ہو یاد رکھو اہل مدین پر ایسی ہی پھٹکار ہوئی جس طرح قوم ثمود پھٹکاری گئی۔مفسرین نے لکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر سات راتیں آٹھ دن گرمی اور حبس کا ایسا عذاب مسلط کیا کہ وہ نہ تہہ خانوں میں آرام کر سکتے تھے اور نہ ہی کسی درخت کے سائے تلے ٹھہر سکتے تھے وہ انتہائی کرب کے عالم میں اپنے گھروں سے باہر نکلے تو ایک بادل ان کے اوپر سایہ فگن ہوا۔جب سب کے سب بادل تلے جمع ہو گئے تو بادل سے آگ کے شعلے برسنے لگے اور زمین زلزلہ سے لرزنے لگی پھر ایسی دھماکہ خیز چنگھاڑ گونجی کہ ان کے کلیجے پھٹ گئے اور اوندھے منہ تڑپ تڑپ کر ذلیل ہو کر مرے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے عذاب مسلط کر سکتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی کارساز نہیں ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ دوبارہ بھنور میں مبتلا کرنے پر قادر ہے۔ ۴۔ اللہ کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا کارساز ہے:

۱۔ اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے، سو تم اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے۔(الانعام:۱۰۲)

۲۔ بے شک آپ ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہی ہر چیز پر کارساز ہے۔(ہود:۱۲)

۳۔ اللہ ہر چیز کا پروردگار ہے اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے۔(الزمر:۴۱)

۴۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے اور وہی کارساز کافی ہے۔(النساء:۱۳۲)

۵۔ میرے بندوں پر شیطان کا داؤ پیچ نہیں چلے گا اللہ اپنے بندوں کے لیے کارساز ہے۔(بنی اسرائیل:۶۵)

۶۔ وہ مشرق و مغرب کا رب ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اسی کو کارساز مانو۔(المزمل:۹)

وَلَقَدْ	كَرَّمْنَا	بَنِيْٓ	اٰدَمَ	وَحَمَلْنٰهُمْ	فِي	الْبَرِّ
اور البتہ تحقیق	ہم نے عزت دی	بنی	آدم کو	اور ہم نے انہیں سوار کیا	میں	خشکی
وَالْبَحْرِ	وَرَزَقْنٰهُمْ	مِّنَ	الطَّيِّبٰتِ	وَفَضَّلْنٰهُمْ	عَلٰي	
اور تری	اور ہم نے ان کو رزق دیا	سے	پاکیزہ	اور ہم نے ان کو فضیلت دی	پر	
كَثِيْرٍ	مِّمَّنْ	خَلَقْنَا	تَفْضِيْلًا ﴿٧٠﴾			
بہت	ان میں سے جن کو	ہم نے پیدا کیا	بڑی فضیلت			

”اور بلاشبہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی اور انھیں خشکی اور تری میں سوار کیا اور انھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے جو مخلوق پیدا کی ان میں بہت سی مخلوق پر انھیں فضیلت عطا کی۔“(٧٠)

فہم القرآن

ربطِ کلام: برے لوگوں کا انجام بتانے کے بعد انسان کو اس کا مرتبہ ومقام یاددلایا گیا ہے۔ کیونکہ انسان کو بحروبر پر فضیلت دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے دستِ مبارک کے ساتھ بنایا اور اس میں اپنی روح القاء فرمائی۔ پھر اس کی خلافت کا اعلان فرمایا اور تمام ملائکہ کو اسے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ ابلیس کے سوا حضرت آدم علیہ السلام کو تمام ملائکہ نے سجدہ کیا۔ سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے شیطان کو ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ سے راندہ درگاہ کرنے کے ساتھ لعنتی قرار دیا۔

> ”جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں۔ جب اس کو بنالوں اور اس میں اپنی روح پھونک لوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ مگر شیطان اکڑ بیٹھا اور کافروں میں سے ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا۔ کیا تو غرور میں آگیا یا اونچے درجے والوں میں سے تھا؟ بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔ فرمایا یہاں سے نکل جا تو مردود ہے اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت پڑتی رہے گی۔“(ص:٧١تا٧٨)

پھر آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجا اور ہر چیز کو اس کی خدمت کرنے کا حکم دیا۔ جس کے نتیجے میں شمس وقمر، صحرا و دریا غرضیکہ ہر چیز اس کی نوکری اور چاکری میں لگی ہوئی ہے۔ اسی غلامی کا نتیجہ ہے کہ انسان نے ہوا پر کنٹرول حاصل کیا ہے۔ سینکڑوں من بوجھ اُٹھائے ہوائی جہاز فضا میں پرواز کرتے ہوئے مہینوں کا سفر گھنٹوں میں طے کر رہے ہیں۔ سمندروں کے رخ تبدیل کیے جارہے ہیں۔ چاند، ستاروں پر کمندیں ڈالی جارہی ہیں۔ نہ معلوم آنے والے وقت میں انسان خداداد عقل ودانش سے اس کائنات کو کس کس انداز میں اپنے مطیع کرنے کی کوششیں کرے اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے کیا کیا کرتب دکھائے گا۔ لیکن

افسوس جتنا انسان بااختیار ہوتا جاتا ہے۔ اُتنا ہی اپنے رب کا نافرمان بنتا جا رہا ہے۔ جس کے نتیجہ میں بیماریوں میں مبتلا اور کئی قسم کی مشکلات میں پھنستا جا رہا ہے۔ اگر انسان نے یہی طور طریقے اپنائے رکھے تو آخرت میں ہی نہیں دنیا میں بھی ذلیل ہو کر رہ جائے گا۔ اگر انسان اپنا کھویا ہوا مقام اور اعزاز واپس لینا چاہتا ہے تو اس کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ بلاشرکت غیرے اپنے رب کی غلامی میں آجائے۔ انسان نہ صرف اپنی قدوقامت اور شکل وصورت کے لحاظ سے باقی مخلوق سے اعلیٰ اور بہتر ہے بلکہ یہ خوردونوش، رہائش اور زیبائش کے اعتبار سے سب سے بہتر اور خوبصورت ہے۔ اب انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے عقیدہ، اخلاق اور کردار کے حوالے سے ثابت کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مرتبہ اور مقام کا اہل ہے۔ مگر انسان کی بدقسمتی ہے کہ اس کی اکثریت نے ہر دور میں اپنے آپ کو نا اہل ثابت کیا۔ جس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ○وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ○وَهٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِيْنِ○لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ○ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِيْنَ○إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ○فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ○أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ ○﴾[التین:۱تا۸]

”قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طور سینا اور اس پر امن شہر (مکہ) کی۔ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا پھر اسے الٹا پھیر کر ہم نے سب نیچوں سے نیچ کر دیا۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے کہ ان کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ پس (اے نبی!) اس کے بعد کون جزا اور سزا کے معاملہ میں تم کو جھٹلا سکتا ہے۔ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ساری مخلوق پر فضیلت عظمت عطا فرمائی ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بحروبر پر برتری عنایت فرمائی ہے۔

تفسیر بالقرآن

انسان کی پوری مخلوق پر فضیلت وبرتری:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا ہے۔ (ص:۷۵)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلیفہ بنایا۔ (البقرۃ:۳۰)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو ملائکہ سے سجدہ کروایا۔ (البقرۃ:۳۴)

۴۔ سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ابلیس کو ہمیشہ کے لیے اپنی بارگاہ سے راندہ درگاہ اور لعنتی قرار دیا۔ (الحجر:۳۴۔۳۵)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو انسان کے لیے مسخر فرمایا۔ (الجاثیۃ:۱۳)

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ

دن | ہم بلائیں گے | تمام | لوگوں | ان کے امام کے ساتھ | پس جو شخص | دیا گیا | اپنا اعمال نامہ

بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝۷۱

اپنے دائیں ہاتھ میں | تو یہ لوگ | پڑھیں گے | ان کا اعمال نامہ | اور نہ | وہ ظلم کیے جائیں گے | کھجور کی گٹھلی کا دھاگہ

”جس دن ہم لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے پھر جسے اس کا اعمالنامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا یہ لوگ اپنا اعمالنامہ پڑھیں گے اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے دھاگے کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔“ (۷۱)

فہم القرآن

ربط کلام: انسان کو اشرف المخلوقات اور بحر و بر میں عزت و عظمت سے نوازنے کے ساتھ کھلا نہیں چھوڑ دیا گیا۔ بلکہ اس کا پورا پورا محاسبہ ہوگا۔

قرآن مجید بار بار یہ حقیقت از بر کرواتا ہے کہ اے انسان! تیرے ایک ایک عمل اور لفظ کو ضبط تحریر میں لایا جار ہا ہے۔ کراماً کاتبین صبح و شام تیرے اعمال کا اندراج کر کے اسے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر رہے ہیں۔ قیامت کے دن پورے کا پورا ریکارڈ کتاب کی شکل میں تیرے سامنے رکھ دیا جائے گا پھر حکم ہوگا

﴿اِقْرَاْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝﴾[بنی اسرائیل:۱۴]

”اپنی کتاب یعنی اعمال نامے کو پڑھ۔ جو تیرے حساب کے لیے کافی ہے۔“

انسان اپنا اعمال نامہ دیکھ کر پکار اٹھے گا کہ ہائے افسوس! اس میں ہر چھوٹی بڑی بات لکھ دی گئی ہے۔ اس نے تو کسی بات کو نہیں چھوڑا۔ (الکہف:۴۹)

قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے اعمال نامہ کی طرف بلایا جائے گا جس کو اس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا گیا۔ وہ اپنا اعمال نامہ پڑھ کر خوش ہوگا اور کسی پر دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ جو دنیا میں ہدایت سے اندھا رہا وہ آخرت میں اندھا ہوگا اور۔ یہاں پہلی آیت میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ لفظ امام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تین معنیٰ لیے ہیں۔

۱۔ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ امام سے مراد ہر امت کا نبی ہوگا۔ جن کو اللہ تعالیٰ حکم فرمائیں گے کہ اپنی امت کو لے کر میری بارگاہ میں فلاں وقت حاضر ہو جاؤ۔ چنانچہ ہر نبی اپنی امت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہو کر جواب دہ ہوگا۔ (بنی اسرائیل:۷۱)

٢۔ دوسری جماعت نے امام سے مراد ہر شخص کا اعمال نامہ لیا ہے۔ کیونکہ ''بِاِمَامِهِمْ'' کے بعد یہ الفاظ آئے ہیں کہ جس شخص کو اس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا گیا۔ لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کی دوسری جماعت کا خیال ہے کہ اس آیت کے سیاق وسباق کے حوالے سے یہاں ''امام'' سے مراد ہر شخص کا اعمال نامہ ہے۔ اور اسی کی طرف سب کو بلایا جائے گا۔

٣۔ صحابہ کرام کی تیسری جماعت نے ''بِاِمَامِهِمْ'' کا یہ معنیٰ لیا ہے کہ ہر شخص کو اس کے امام یعنی پیشوا کے ساتھ بلایا جائے گا۔ جن لوگوں نے قرآن وسنت کے حاملین کو اپنا رہبر اور پیشوا بنایا۔ وہ ان کے ساتھ پیش ہوں گے اور جن لوگوں نے برے لوگوں کو اپنا رہبر اور پیشوا مانا۔ وہ ان کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔

٤۔ جب سے مسلمانوں میں چار آئمہ کی تقلید کا رجحان پیدا ہوا ہے۔ اس وقت سے لیکر بعض علماء اپنے اپنے امام کی اہمیت اور اس کی تقلید ثابت کرنے کے لیے کہتے ہیں۔ کہ اس آیت کی بنیاد پر آئمہ کی تقلید ثابت ہوتی ہے لہٰذا مسلمانوں کو کسی ایک امام کا مقلد ہونا ضروری ہے۔

مسائل

١۔ قیامت کے دن سب کو ان کے نامہ اعمال کے ساتھ بلایا جائے گا۔ ٢۔ ہر امت کو اس کے نبی کے ساتھ بلایا جائے گا۔
٣۔ جن کو نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں ملے گا وہ اسے پڑھ کر خوش ہوگا۔ ٤۔ جس کو اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں ملے گا وہ پچھتائے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا:

١۔ ہر جان کو اس کی کمائی کا پورا پورا صلہ دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ (البقرۃ:٢٨)

٢۔ لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (یونس:٥٤)

٣۔ نیک لوگوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور ان پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔ (مریم:٦٠)

٤۔ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (الزمر:٦٩)

٥۔ ہر انسان کو اس کے اعمال کا پورا صلہ دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ (النحل:١١١)

٦۔ قیامت کے دن ہر کسی کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ (البقرۃ:١٨١)

٧۔ ایمان لانے والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور کسی پر دھاگے کے برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (النساء:١٢٤)

٨۔ ہر کسی کو اس کے اعمال کا صلہ دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ (آل عمران:١٦١)

وَمَنْ	كَانَ	فِيْ	هٰذِهٖٓ	اَعْمٰى	فَهُوَ	فِي
اور	ہے	اس	میں	اندھا	تو وہ ہوگا	میں
الْاٰخِرَةِ	اَعْمٰى	وَاَضَلُّ	سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾	وَاِنْ	كَادُوْا	لَيَفْتِنُوْنَكَ
آخرت	اندھا	اور بہت زیادہ بھٹکا ہوا	راہ	اور بلاشبہ	قریب تھا کہ وہ	البتہ پھسلا دیتے آپ کو
عَنِ	الَّذِيْٓ	اَوْحَيْنَآ	اِلَيْكَ	لِتَفْتَرِيَ	عَلَيْنَا	
سے	وہ جو	ہم نے وحی کی	آپ کی طرف	تاکہ آپ بنالیں	ہم پر	
غَيْرَهٗ	وَاِذًا	لَّاتَّخَذُوْكَ	خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾	وَلَوْلَآ	اَنْ	
سوائے اس کے	اور اس وقت	ضرور بنالیتے وہ آپ کو	دوست	اور اگر نہ	یہ کہ	

''اور جو دنیا میں حق کے بارے اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور راستہ سے بھٹکا ہوا ہوگا۔''(۷۲)''اور یقیناً قریب تھے کہ وہ آپ کو پھسلا دیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی تاکہ آپ ہم پر اس کے سوا جھوٹ بنالیں اور اس وقت وہ آپ کو دوست بنا لیتے۔''(۷۳)''اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے آپ کو

فہم القرآن

ربط کلام: ہدایت سے اندھے لوگ صرف خود گمراہ اور اندھے نہیں ہوتے۔ بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ اور اندھا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ گمراہ لوگ انبیاء علیہم السلام کو ورغلانے کی ناکام کوشش کرتے تھے۔ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں کی بھی یہی کوشش تھی کہ کسی طرح آپ کو بہکا دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ کسی نہ کسی طریقہ سے آپ کو بہکانے میں کامیاب ہوجائیں۔ان کی سازشوں اور کوششوں کے پیش نظر آپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ استعمال فرمائے۔ان آیات کا ترجمہ بریلوی مکتبہ فکر کے ایک عالم نے اپنی تفسیر میں یوں کیا ہے۔اے پیغمبر! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ثابت قدم رکھا۔اگر اس کی رحمت شامل حال نہ ہوتی۔تو کفار کی سازشیں اور مخالفت اس قدر شدید تھیں کہ آپ بھی ان کی طرف جھک جاتے۔اگر آپ جھک جاتے تو اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا اور آخرت میں دوگنا عذاب کرتا۔اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے الفاظ آپ کی ازواج مطہرات کے بارے میں بھی استعمال فرمائے ہیں۔اے پیغمبر کے گھر والو! اگر تم میں سے کوئی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرے تو اسے دوگنا عذاب دیا جائے گا۔ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل نہیں۔(الاحزاب:۳۰)(ضیاء القرآن)

انہوں نے پختہ ارادہ کیا کہ وہ آپ کو برگشتہ کردیں۔اس کتاب سے جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے تاکہ آپ ہماری طرف بہتان منسوب کریں۔اس صورت میں وہ آپ کو اپنا گہرا دوست بنالیں گے(۷۳)اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ ضرور مائل ہوجاتے ان کی طرف کچھ نہ کچھ۔(۷۴)بفرض محال اگر آپ ایسا کرتے تو اس

ثَبَّتْنٰكَ	لَقَدْ	كِدْتَّ	تَرْكَنُ	اِلَيْهِمْ	شَيْـًٔا	قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾
ہم ثابت رکھتے آپ کو	تو البتہ تحقیق	قریب تھے آپ	جھک جاتے	ان کی طرف	کچھ	تھوڑا
اِذًا	لَّاَذَقْنٰكَ	ضِعْفَ	الْحَيٰوةِ	وَضِعْفَ	الْمَمَاتِ	ثُمَّ
اس وقت	ہم البتہ ضرور چکھاتے آپ کو	دوگنا	زندگی	اور دوگنا	موت	پھر
لَا	تَجِدُ	لَكَ	عَلَيْنَا	نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾		
نہ	آپ پاتے ہیں	اپنے لیے	ہم پر	کوئی مددگار		

ثابت قدم رکھا تو البتہ تحقیق قریب تھا کہ آپ تھوڑا سا ان کی طرف مائل ہو جاتے۔'' (۷۴) ''اس وقت ہم ضرور تجھے دنیا میں دوگنا اور اور موت کے بعد دوگنے عذاب کا مزہ چکھاتے پھر آپ ہمارے مقابلے میں اپنے لیے کوئی مددگار نہ پاتے۔'' (۷۵)

وقت ہم آپ کو چکھاتے دوگنا عذاب، موت کے بعد۔ پھر آپ نہ پاتے اپنے لیے ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار۔ ان آیات میں ایک طرف کفار کی سازشوں اور مذموم کوششوں کا ذکر ہے اور دوسری طرف ان الفاظ میں رسول معظم ﷺ کی ثابت قدمی اور استقامت کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ رسول معظم ﷺ کی عظیم جدوجہد اور بے مثال استقامت دیکھ کر بالآخر کفار ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔

مسائل

۱۔ جو کوئی اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا۔ ۲۔ کفار آپ ﷺ کو راہ حق سے بھٹکانا چاہتے تھے۔
۳۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حق پر قائم رہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا۔
۵۔ اگر آپ ﷺ کفار کے پیچھے لگتے تو آپ کو دوگنا عذاب کا سامنا کرنا پڑتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے عذاب کو کوئی نہیں ٹال سکتا:

۱۔ پھر ہم تجھے دنیا اور آخرت میں دوگنے عذاب سے دوچار کرتے اور آپ ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتے۔ (بنی اسرائیل: ۷۵)
۲۔ پھر وہ اپنا کوئی دوست اور مددگار نہیں پائیں گے۔ (الفتح: ۲۲)
۳۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بھلائی یا برائی کا ارادہ کرے تو کوئی اس سے آپ کو بچا نہیں سکتا۔ (الاحزاب: ۱۷)
۴۔ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہیں پائیں گے۔ (الاحزاب: ۶۵)

وَاِنْ	كَادُوْا	لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ	مِنَ	الْاَرْضِ	لِيُخْرِجُوْكَ
اور نہیں	وہ قریب تھے	البتہ وہ اکھاڑ دیں آپ کو	سے	زمین	تا کہ وہ نکال دیں آپ کو

مِنْهَا	وَاِذًا	لَّا	يَلْبَثُوْنَ	خِلٰفَكَ	اِلَّا	قَلِيْلًا ﴿٧٦﴾
اس سے	اور اس وقت	نہ	وہ ٹھہرتے ہیں	آپ کے بعد	مگر	تھوڑا

سُنَّةَ	مَنْ	قَدْ	اَرْسَلْنَا	قَبْلَكَ	مِنْ	رُّسُلِنَا
طریقہ	جو	تحقیق	ہم نے بھیجا	آپ سے پہلے	سے	ہمارے رسول

ع ٨

وَلَا	تَجِدُ	لِسُنَّتِنَا	تَحْوِيْلًا ﴿٧٧﴾
اور نہیں	آپ پائیں گے	ہمارے طریقے میں	کوئی تبدیلی

”اور یقیناً وہ قریب تھے کہ آپ کو اس سرزمین سے پھسلا دیں، تا کہ آپ کو اس سے نکال دیں اور اس وقت وہ آپ کے بعد نہ ٹھہر سکتے مگر بہت کم۔“ (٧٦) ”ان کے طریقے کی مانند جنھیں ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں میں سے بھیجا اور آپ تو ہمارے طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔“ (٧٧)

فہم القرآن

ربط کلام: نبی ﷺ کے خلاف کفار کا نظریاتی سازشوں اور شرارتوں کے بعد معاشرتی بائیکاٹ اور جلاوطن کر دینے کی سازش کرنا۔

اہل مکہ اور ان کے گردونواح کے کفار نے آپ کو اعتقادی اور نظریاتی طور پر پسپا کرنے اور پھسلانے کی کوشش کی۔ جب اس میں سراسر ناکام ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ، آپ کے خاندان اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سوشل بائیکاٹ کیا۔ جس کی بناء پر تین سال تک آپ اور آپ کے ساتھی شعب ابی طالب میں محصور رہے۔ بائیکاٹ اس قدر سخت تھا کہ بعض اوقات بھوک کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے بچوں کے رونے کی آوازیں مکہ شہر میں سنائی دیتی تھیں لیکن کفار آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے پایہ استقلال میں لغزش پیدا نہ کر سکے۔ اس کے بعد انہوں نے آپ کو مکہ سے نکال دینے کے بارے میں کئی دفعہ سوچا۔ جب آپ تبلیغ کے لیے طائف تشریف لے گئے۔ تو واپسی پر مکہ والوں نے آپ کو شہر میں داخل ہونے سے روک دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ایک قریشی سردار جنابِ مطعم کو یہ ہمت دی کہ جس نے کافر ہونے کے باوجود مکہ کے چوراہے میں کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ میں محمد کو شہر میں واپس لا رہا ہوں۔ اگر کسی میں ہمت ہے تو مجھے آگے بڑھ کر روک لے۔ ممکن ہے اسی واقعہ کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہو۔ جس کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ قریب تھا کہ آپ کو مکہ سے دربدر کر دیتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ناکام کر دیا۔ اگر آپ کو مکہ سے نکال دیتے تو یہ لوگ بھی زیادہ دیر تک مکہ میں نہ ٹھہر پاتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انبیاء علیہم السلام

کے بارے میں ایک طے شدہ طریقہ ہے کہ کسی نبی کو اس کے شہر سے نکال دیا جائے تو وہ قوم خود بھی زیادہ دیر تک وہاں نہیں ٹھہر سکتی۔ اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی شکل میں اس قوم کو تباہ کر دیتا ہے۔ مکہ والوں نے جب آپ کو نبوت کے تیرھویں سال مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا۔ تو ٹھیک ایک سال کے بعد مکہ کے بڑے بڑے سردار غزوہ بدر میں مارے گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنا ضابطہ نافذ کیا۔ جس کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہمارا ضابطہ اور طریقہ کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔

حضرت ابراہیم کو ان کے باپ نے گھر سے نکل جانے کا کہا:

﴿قَالَ أَرَاغِبٌ أَنتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ لَئِن لَّمْ تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا﴾[مریم:٤٦]

”اس نے کہا اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے برگشتہ ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا اور تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور ہو جا۔“

حضرت لوط اور انکے ساتھیوں کو نکال دینے کی دھمکی:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُم مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ﴾[ابراھیم:۱۳]

”اور جو لوگ کافر تھے انہوں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنے ملک سے باہر نکال دیں گے یا ہمارے مذہب میں داخل ہو جاؤ۔ تو پروردگار نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ظالموں کو ہلاک کر دیں گے۔“

مسائل

۱۔ کفار آپ ﷺ کو سرزمین حجاز سے نکالنے کے درپے تھے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

۳۔ پہلے انبیاء کرام کیساتھ ایسا معاملہ پیش آتا رہا ہے۔ ۴۔ نبی کریم ﷺ کے خلاف ہر وقت اہل مکہ سازشیں کیا کرتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی سنت اور طریقہ کبھی تبدیل نہیں ہوتا:

۱۔ آپ اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔ (بنی اسرائیل:۷۷)

۲۔ کیا وہ پہلوں کے انجام کا انتظار کرتے ہیں؟ یہ اللہ کے طریقہ میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔ (فاطر:۴۳)

۳۔ اللہ کے طریقہ میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔ (الاحزاب:۶۲)

۴۔ آپ اللہ کے طریقہ کو تبدیل ہونے والا نہیں پائیں گے۔ (الفتح:۲۳)

❀❀❀

اَقِمِ	الصَّلٰوةَ	لِدُلُوۡكِ	الشَّمۡسِ	اِلٰى	غَسَقِ	الَّيۡلِ
قائم کیجیے	نماز	کے لیے ڈھلنا	سورج	طرف	اندھیرے	رات

وَقُرۡاٰنَ	الۡفَجۡرِ ؕ	اِنَّ	قُرۡاٰنَ	الۡفَجۡرِ	كَانَ	مَشۡهُوۡدًا ۝۷۸
اور قرآن	صبح	بے شک	قرآن	صبح	ہے	حاضر کیا گیا

''نماز قائم کرو سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک اور فجر کے وقت قرآن پڑھا کریں ۔ فجر کے وقت قرآن پڑھنا حاضر ہونے کا وقت ہے۔'' (۷۸)

فہم القرآن

ربط کلام: مشکل کے وقت نماز کی اہمیت اور اس کا فائدہ:

جب بھی نبی کریم ﷺ کی پریشانی اور مشکلات کا ذکر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کو اپنے ذکر اور نماز کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ کیونکہ ذکر اور نماز قائم کرنے سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی طرف سے اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں بھی آپ ﷺ کی مشکلات کے ذکر کے بعد حکم ہوا ہے۔ کہ آپ سورج ڈھلنے کے ساتھ ہی نماز قائم کریں اور رات کے اندھیرے میں بھی نماز پڑھیں اور فجر کے وقت قرآن کی تلاوت کریں۔ کیونکہ صبح کے وقت قرآن مجید کی تلاوت کرنے پر فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کی غالب اکثریت نے ثابت کیا ہے کہ اس آیت سے تین نمازیں پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ قرآن مجید میں نماز پڑھنے کی بجائے قائم کرنے کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اقامتِ صلوٰۃ سے مراد اس کے ظاہری آداب و شرائط بجالانے کے ساتھ ساتھ معاشرتی اور روحانی فوائد کا حصول ہے۔ اس لیے یہاں صرف ''صَلُّوۡا'' کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ ''اَقِيۡمُوۡا الصَّلٰوةَ'' کا جامع لفظ استعمال فرما کر واضح کیا گیا ہے کہ نماز پڑھنے اور ادا کرنے کے لحاظ سے جامع اور مکمل ہونی چاہیے۔ اس میں طہارت ،ارکان کی صحیح ادائیگی ، اخلاص اور جماعت کے ساتھ پڑھنے کا حکم شامل ہے۔ اس طرح یہ پانچ وقت کا اجتماعی عمل ہے۔ ''اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ'' (الشوریٰ: 13) کا لفظ پورے دین کے لیے بھی استعمال ہوا۔ جس طرح دین کا تقاضا صرف اس کے احکامات پڑھ لینے سے پورا نہیں ہوتا جب تک اسے پورے طور پر نافذ نہ کیا جائے ایسے ہی نماز پوری جامعیت کے ساتھ اس وقت قائم ہو گی جب اس کے تقاضے پورے کیے جائیں گے۔ نمازی کو حکم ہے کہ نماز میں نظر کو اِدھر اُدھر نہ اٹھائے۔ یہی حکم نماز کے بعد ہے کہ چلتے پھرتے اپنی نگاہوں کو نیچے رکھا کریں۔ تشہد میں نمازی درود اور التحیات میں سب کی سلامتی کی دعائیں مانگتا ہے نماز سے فارغ ہوتے ہوئے بھی دائیں بائیں السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ کہتا ہے۔ یہی جذبہ اور انداز نماز کے بعد بھی اختیار کرنا چاہیے۔ گویا کہ نماز اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کے درمیان تعلق قائم رکھنے کا موثر ترین ذریعہ

ہے۔نماز میں اس قدر انہماک اور تعلق باللہ قائم ہونا چاہیے جیسے بندہ اپنے رب کی زیارت کر رہا ہو۔

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیت اللہ کے قریب جبریل علیہ السلام نے دو دفعہ میری امامت کروائی۔اس نے میرے ساتھ ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جب سورج تھوڑا سا ڈھل گیا اور اس کا سایہ تسمے کے برابر ہوگیا۔پھر اس نے میرے ساتھ عصر کی نماز پڑھی۔جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوا۔مجھے مغرب کی نماز پڑھائی جس وقت روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے۔پھر میرے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی جب سورج کی سرخی غائب ہوگئی اور فجر کی نماز میرے ساتھ اس وقت پڑھی جب روزہ دار پر کھانا، پینا حرام ہوجاتا ہے۔پھر اگلا دن آیا تو میرے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی اس وقت جب ہر شے کا سایہ اس کے برابر ہوگیا اور عصر کی نماز پڑھائی جب ہر شے کا سایہ اس سے دوگنا ہوگیا اور مغرب کی نماز اس وقت میرے ساتھ پڑھی جب روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے۔پھر عشاء کی نماز رات کے تہائی حصے میں ادا کی اور فجر کی نماز اس وقت ادا کی جب صبح خوب روشن ہوگئی پھر میری طرف متوجہ ہوکر جبریل نے فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ وقت آپ سے پہلے انبیاء کا ہے اور آپ کی نماز کا وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے۔“

جماعت کی اہمیت:

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا اکیلے نماز پڑھنے سے پچیس درجے بہتر ہے۔رات اور دن کے فرشتے فجر کی نماز میں حاضر ہوتے ہیں۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اگر چاہتے ہو تو قرآن مجید کی آیت پڑھو(إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا)“

مسائل

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورج ڈھلنے سے اندھیرے تک نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کی نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا۔ ۳۔ صبح کا وقت فرشتوں کی حضوری کا وقت ہے۔

تفسیر بالقرآن

نماز کے اوقات قرآن مجید کی روشنی میں:

۱۔ نماز قائم کرو سورج کے ڈھلنے سے لیکر رات تک اور فجر کے وقت قرآن پڑھا کریں۔(بنی اسرائیل:۷۸)

۲۔ دن کے دونوں سروں (یعنی صبح شام کے اوقات میں) اور رات کی ساعات میں نماز پڑھا کرو۔(ہود:۱۱۴)

۳۔ اللہ کی تسبیح صبح شام بیان کرو آسمان وزمین میں اسی کی تعریف ہے اور تیسرے پہر بھی اور جب دو پہر ہو۔(الروم:۱۷۔۱۸)

۴۔ سورج نکلنے اور غروب ہونے سے پہلے اور رات کی گھڑیوں میں اور دن کے اطراف میں تسبیح وتحمید بیان کریں۔(طٰہٰ:۱۳۰)

۵۔ سورج طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے اللہ کی تسبیح بیان کریں رات کے کچھ اوقات میں اور نماز کے بعد بھی۔(ق:۳۹۔۴۰)

وَ	مِنَ	الَّیۡلِ	فَتَهَجَّدۡ	بِهٖ	نَافِلَةً	لَّكَ ۖ
اور	سے	رات	پس آپ تہجد پڑھیں	اس کے ساتھ	زائد	آپ کے لیے

عَسٰۤی	اَنۡ	یَّبۡعَثَكَ	رَبُّكَ	مَقَامًا	مَّحۡمُوۡدًا ﴿۷۹﴾
قریب ہے	کہ	آپ کو کھڑا کرے گا	آپ کا رب	مقام	محمود

''اور رات کے کچھ حصے میں آپ تہجد پڑھیں اس حال میں کہ آپ کے لیے زائد ہے۔قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرے۔'' (۷۹)

فہم القرآن

ربط کلام: فرض نماز کے بعد تہجد کی تلقین۔

عبادات میں سب سے افضل عبادت فرض نماز ہے۔فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز تہجد کی نماز ہے۔ جسے نفل نماز قرار دیا گیا ہے۔نفل کا معنیٰ ہوتا ہے''زائد چیز''۔رسول محترم نے نوافل کا فائدہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن فرض نماز کی کمی ،بیشی نفل نماز سے پوری کی جائے گی۔بعض اہل علم کے نزدیک پہلے آپ ﷺ پر تہجد فرض تھی۔بعدازاں اسے نفل قرار دے دیا گیا۔تہجد کا لفظ''جہد'' سے نکلا ہے۔جس کا مطلب ہے''نیند کے بعد بیدار رہنا''ظاہر ہے یہ کام ہمت اور کوشش کے بغیر نہیں ہوتا۔اس لیے کچھ اہل علم ضروری سمجھتے ہیں کہ تہجد کچھ دیر سونے کے بعد اٹھ کر پڑھنی چاہیے۔ان کے بقول سونے سے پہلے پڑھے جانے والے نوافل تہجد شمار نہیں ہوتے۔لیکن احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آدمی اپنی صحت اور فرصت کے پیش نظر رات کے کسی پہر میں تہجد پڑھ سکتا ہے۔البتہ تہجد کے لیے افضل ترین وقت آدھی رات کے بعد شروع ہوتا ہے۔

سحری کا وقت حاجات ومناجات اور سکون واطمینان کے لیے ایسا وقت ہے کہ لیل ونہار کا کوئی لمحہ ان لمحات کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ زمین وآسمان کی وسعتیں نورانی کیفیت سے لبریز دکھائی دیتی ہیں۔ ہر طرف سکون وسکوت انسان کی فکر ونظر کو جلا بخشنے کے ساتھ خالقِ حقیقی کی طرف متوجہ کر رہا ہوتا ہے۔ایک طرف رات اپنے سیاہ فام دامن میں ہر ذی روح کو سلائے ہوئے ہے اور دوسری طرف بندۂ مومن اپنے خالقِ حقیقی کی بارگاہ میں پیش ہونے کے لیے کروٹیں بدلتا ہوا اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ کہیں نیند کی غفلت میں پرنور لمحات گذر نہ جائیں۔وہ ٹھنڈی راتوں میں یخ پانی سے وضو کر کے رات کی تاریکیوں میں لرزتے ہوئے وجود اور کانپتی ہوئی آواز کے ساتھ شکر وحمد اور فقر وحاجت کے جذبات میں زار وقطار روتا ہوا فریاد کناں ہوتا ہے۔وہ آنسوؤں کے پانی سے اس طرح اپنی ردائے حیات کو دھوڈالتا ہے کہ اس کا دامن گناہوں کی آلودگی سے پاک اور وجود دنیا کی تھکن سے ہلکا ہوجاتا ہے۔طویل ترین قیام اور دیر تک رکوع وسجود میں پڑا رہنے سے تہجد بندۂ مومن کو ذہنی اور جسمانی طور پر طاقت وتوانائی سے

ہمکنار کردیتی ہے۔اگر وہ خوردونوش میں مسنون طریقوں کو اپنائے تو اس کو کسی قسم کی سیر وسیاحت حتیٰ کہ معمولی ورزش کی بھی حاجت نہیں رہتی۔اللہ تعالیٰ تہجد گزار بندوں کی اس طرح تعریف فرماتا ہے۔

﴿تَتَجَا فٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعاً وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُوْنَ﴾

[السجدة: ١٦]

''وہ اپنے بستروں سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو ہم نے انہیں دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔''

((عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَنزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰی كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقٰی ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ يَقُوْلُ مَنْ يَدْعُوْنِیْ فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ مَنْ يَسْاَلُنِیْ فَاُعْطِيَهٗ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِیْ فَأَغْفِرَلَهٗ)) [رواه البخاری:باب التحريض علی قيام اليل]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رب تعالیٰ رات کے آخری حصے میں آسمانِ دنیا پر تشریف لاکر فرماتے ہیں: کون ہے مجھ سے طلب کرنے والا میں اسکو عطا کروں اور کون ہے جو مجھ سے بخشش اور مغفرت چاہے میں اسکو بخش دوں۔''

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ يَرْفَعُهٗ قَالَ سُئِلَ أَیُّ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ بَعْدَ الْمَكْتُوبَةِ وَأَیُّ الصِّيَامِ أَفْضَلُ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ فَقَالَ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ الصَّلَاةُ فِی جَوْفِ اللَّيْلِ وَأَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ صِيَامُ شَهْرِ اللّٰهِ الْمُحَرَّمِ))[رواه مسلم :كتاب الصيام ،باب فَضْلِ صَوْمِ الْمُحَرَّمِ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ فرض نماز کے بعد کونسی نماز افضل ہے اور رمضان کے روزوں کے بعد کون سے روزے افضل ہیں۔آپ نے فرمایا فرض نمازوں کے بعد افضل نماز آدھی رات کے وقت پڑھی جانے والی نماز ہے اور رمضان کے روزوں کے بعد افضل روزہ ماہِ محرم کا روزہ ہے۔''

((عَنْ أَبِی سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهٗ أَخْبَرَهٗ أَنَّهٗ سَأَلَ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِی رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَزِيدُ فِی رَمَضَانَ وَلَا فِی غَيْرِهٖ عَلٰی إِحْدٰی عَشْرَةَ رَكْعَةً ، يُصَلِّی أَرْبَعًا فَلَا تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ، ثُمَّ يُصَلِّی أَرْبَعًا فَلَا تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ، ثُمَّ يُصَلِّی ثَلَاثًا ، قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ ، إِنَّ عَيْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِی))[رواه البخاری :كتاب التهجد]

''حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ آپ کی رمضان میں نماز کیسی ہوتی تھی ؟ حضرت عائشہ نے رضی اللہ عنہا جواب دیا کہ آپ رمضان اور غیر رمضان

میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ آپ پہلے چار رکعات پڑھتے تو ان کے حسن اور طوالت کے متعلق مت پوچھ۔ پھر آپ چار رکعات پڑھتے تو ان کے اچھے اور طویل ہونے کے بارے میں نہ پوچھ پھر آپ تین رکعات پڑھتے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اے عائشہ! یقیناً میری آنکھیں سوتی ہیں مگر میرا دل نہیں سوتا۔''

آپ ﷺ کی تہجد کی کیفیت:

((عَنْ عَآئِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيْ فِيمَا بَيْنَ اَنْ يَّفْرُغَ مِنْ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ اِلَى الْفَجْرِ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ مِنْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ فَيَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذَالِكَ قَدْرَ مَا يَقْرَأُ اَحَدُكُمْ خَمْسِيْنَ اٰيَةً قَبْلَ اَنْ يَّرْفَعَ رَاْسَهُ فَاِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَتَبَيَّنَ لَهُ الْفَجْرُ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ حَتّٰى يَاْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلْاِقَامَةِ فَيَخْرُجُ))[رواہ البخاری:باب ایذان المؤذنین الائمة الصلوٰة]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی معظم ﷺ عشاء کی نماز کے بعد اور فجر سے پہلے گیارہ رکعت ادا کیا کرتے تھے ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے اور ایک وتر ادا کرتے۔ اس قدر لمبا سجدہ کرتے کہ اس دورانیہ میں اگر تم میں سے کوئی پچاس آیات کی تلاوت کرنا چاہے تو کرسکتا تھا۔ جب مؤذن فجر کی اذان کہتا اور صبح نمایاں ہو جاتی آپ مختصر دو رکعتیں ادا کرتے اور پھر دائیں جانب چند لمحے لیٹ جاتے پھر مؤذن نماز کی اطلاع کرتا۔ آپ ﷺ گھر سے تشریف لے جاتے۔''

مسائل

١۔ آپ ﷺ کو نماز تہجد ادا کرنے کا حکم تھا۔ ٢۔ تہجد آپ ﷺ کے لیے نفل بنا دی گئی۔

٣۔ آپ ﷺ کے ساتھ مقام محمود کا وعدہ کیا گیا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے آپ ﷺ کے ساتھ وعدے:

١۔ قریب ہے کہ اللہ آپ کو مقام محمود میں داخل فرمائے۔ (بنی اسرائیل:٧٩)

٢۔ عنقریب تیرا رب تجھے وہ کچھ عطا کرے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔ (الضحیٰ:٥)

وَقُلْ	رَّبِّ	اَدْخِلْنِیْ	مُدْخَلَ	صِدْقٍ	وَّاَخْرِجْنِیْ	
اور کہہ دیجئے	اے میرے رب!	مجھے داخل کر	داخل کرنا	سچا	اور مجھے نکال	
مُخْرَجَ	صِدْقٍ	وَّاجْعَلْ	لِّیْ	مِنْ	لَّدُنْكَ	سُلْطٰنًا
نکالنا	سچا	اور بنا	میرے لیے	سے	اپنی طرف	غلبہ
نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾	وَقُلْ	جَآءَ	الْحَقُّ	وَزَهَقَ	الْبَاطِلُ ط	
مدد دینے والا	اور آپ فرما دیجیے	وہ آ گیا	حق	اور مٹ گیا	باطل	
اِنَّ	الْبَاطِلَ	كَانَ	زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾			
بلاشبہ	باطل	ہے	مٹنے والا			

''اور دعا کیجیے میرے رب! داخل کر مجھے سچائی کے ساتھ داخل کرنا اور نکال مجھے سچائی کے ساتھ نکالنا اور مجھے غلبہ اور مدد عطا فرما۔'' (۸۰) ''اور فرمادیں حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹنے ہی والا تھا۔'' (۸۱)

فہم القرآن

ربط کلام: سابقہ آیات میں مکہ معظّمہ میں رہتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی مشکلات کا ذکر ہوا اور اس کے بعد آپ ﷺ کو نماز اور تہجد کا حکم دیا۔ اب آپ کو ہجرت کی طرف اشارہ کیا گیا اور اس کی دعا سکھلائی گئی ہے۔

رسول معظم ﷺ نے مکہ میں نبوت کے تیرہ سال بڑی مشکلات سے گزارے۔ سجدے کی حالت میں آپ کی گردن پر اونٹ کی گندی اوجڑی رکھی گئی۔ کئی بار قاتلانہ حملے ہوئے۔ آپ اور آپ کے ساتھیوں کا تین سال تک سوشل بائیکاٹ ہوا۔ ابو لہب کے بیٹوں نے آپ کی بیٹیوں کے ساتھ نکاح کی نسبت منقطع کی۔ آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ آپ کی ننھی منی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر ابوجہل نے تھپڑ مارا۔ آپ کے بیٹے کی وفات پر آپ کے پڑوسی اور حقیقی چچا ابولہب نے خوشیاں منائیں۔ غرض یہ کہ دنیا کی کوئی پریشانی اور مشکل ایسی نہ تھی جس کا آپ نے ثابت قدمی کے ساتھ سامنا نہ کیا ہو۔ آپ ﷺ کی بیٹی، داماد اور ساتھیوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا۔ آپ کے ساتھیوں کو سر بازار پیٹا گیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو آگ پر لٹایا گیا۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کی بیوی کو کھلے بازار میں دو اونٹوں سے باندھ کر دو ٹکڑے کیا گیا۔ ان مظالم کے باوجود آپ کے ساتھیوں کے پایہ استقلال میں کوئی لغزش واقع نہ ہوئی۔ جب مظالم کا سلسلہ اپنی انتہا کو پہنچا اور مکہ والوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفر کی مہر ثبت کر دی گئی تو یہ دعا اور خوشخبری نازل ہوئی کہ اے پیغمبر! رات کی تاریکیوں میں اپنے رب کے حضور یہ دعا کیجیے کہ اے میرے رب! مجھے جہاں اور جن حالات میں داخل فرماؤ اور جہاں سے مجھے نکالا جائے۔ سچائی کے ساتھ نکالنا اور میرے لیے اپنی طرف سے ہر حال میں مدد کا سامان مہیا فرما۔ اس دعا کے ساتھ ہی آپ کو خوشخبری دی گئی کہ

آپ اعلان فرمائیں۔حق پہنچ چکا اور باطل کا جانا ٹھہر چکا۔اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ باطل جایا ہی کرتا ہے۔یہ خوشخبری اور اعلان اس وقت ہوا جب کوئی شخص آپ کی کامیابی کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی جدوجہد اور دعا کے صلہ میں آپ کو وہ کامیابیاں عنایت فرمائیں کہ جو کسی نبی اور بادشاہ کے حصہ میں نہیں آئیں۔ہجرت کے موقع پر کفار ہزار کوششوں کے باوجود آپ کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے میں ناکام ہوئے۔بدر کے موقع پر قریش کے بڑے بڑے سردار جہنم رسید ہوئے۔یہاں تک کہ مکہ فتح ہوا۔آپ اس شان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے کہ کسی کو سر اٹھانے کی ہمت نہ تھی۔آپ کی جان کے دشمن بیت اللہ کے صحن میں مجرم کی حیثیت سے کھڑے ہو کر رحم کی اپیل کررہے تھے۔اس طرح آپ کی دعا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کے غلبہ کا اعلان اپنی سچائی،سطوت اور جلالت کے ساتھ نصف النہار کی طرح دشمن کی آنکھیں چندھیا رہا تھا۔

ہجرت اور مشکلات سے نکلنے کی دعا:

﴿وَقُلْ رَبِّ أَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَصِيْرًا﴾[بنی اسرائیل:٨٠]

”اور دعا کیجیے میرے رب! داخل کر مجھے سچائی کے ساتھ داخل کرنا اور مجھے سچائی کے ساتھ نکالنا اور بنا میرے لیے اپنی طرف سے ایسا غلبہ جو مددگار ہو۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ سے اچھائی طلب کرنی چاہیے۔
٢۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے سوا غلبہ حاصل نہیں ہوسکتا۔
٣۔ حق کے مقابلہ میں باطل کا ٹھہرنا محال ہے۔
٤۔ حق والے حق پر قائم رہیں تو بالآخر باطل مٹ جایا کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار نہیں:

١۔ الٰہی اپنی طرف سے میرے لیے مددگار بنا۔(بنی اسرائیل:٨٠)
٢۔ اللہ کی طرف سے ہی مدد حاصل ہوتی ہے۔(آل عمران:١٢٦)
٣۔ اللہ اپنی مدد کے ساتھ جس کی چاہتا ہے نصرت فرماتا ہے۔(الروم:٥)
٤۔ اللہ حق والوں کی مدد کرنے پر قادر ہے۔(الحج:٣٩)
٥۔ اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہی بہتر مدد کرنے والا ہے۔(آل عمران:١٥٠)
٦۔ وہ ذات جس نے آپ کی اور مومنوں کی مدد فرمائی۔(الانفال:٦٢)

وَ نُنَزِّلُ	مِنَ	الْقُرْاٰنِ	مَا	هُوَ	شِفَآءٌ	وَّرَحْمَةٌ
اور ہم نازل کرتے ہیں	سے	قرآن	جو	وہ	شفا	اور رحمت
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ	وَلَا	يَزِيْدُ	الظّٰلِمِيْنَ	اِلَّا	خَسَارًا ﴿۸۲﴾	
مومنوں کے لیے	اور نہیں	وہ زیادہ کرتا	ظالموں	مگر	نقصان	

’’اور ہم قرآن نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لیے سراسر شفا اور رحمت ہے اور قرآن ظالموں کو زیادہ نہیں کرتا مگر نقصان ہی میں۔‘‘(۸۲)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآن مجید کا دوسرا نام ’’الفرقان‘‘ ہے۔جس کا معنیٰ ہے’’حق و باطل میں فرق کردینے والی کتاب‘‘۔جس طرح دلائل کے حوالے سے اس کے سامنے باطل نہیں ٹھہر سکتا۔اسی طرح ہی اس کی غور وفکر کے ساتھ تلاوت کرنے سے کفر وشرک اور نفاق کی بیماریاں دل میں جگہ نہیں پا سکتیں۔

قرآن کے بے شمار اوصاف حمیدہ اور اس کے دنیا وآخرت میں لاتعداد فوائد ہیں۔ان فوائد میں سے دو کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔قرآن مجید پر جو شخص حقیقی طور پر ایمان لائے گا۔قرآن مجید اس کے لیے رحمت بن جائے گا۔جو معاشرہ جنگ وجدال، برائی و بے حیائی اور ہر قسم کی ناہمواری کا شکار تھا۔جونہی قرآن کا راج نافذ ہوا۔ہر طبقہ انسانی کو اپنے اپنے حقوق ملے اور معاشرہ مذہبی، معاشی اور معاشرتی بے اعتدالیوں سے پاک ہوا۔جنت بے نظیر کا نمونہ بن گیا۔حالانکہ قرآن مجید کے نزول سے پہلے اس معاشرہ کا یہ نقشہ تھا۔تم آگ کے گڑھے کے اوپر کھڑے تھے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں آگ میں گرنے سے بچالیا اور اللہ کے فضل وکرم سے تم آپس میں بھائی بھائی ہوگئے۔(آل عمران:۱۰۳)

جہاں تک قرآن مجید کا’’شفاء‘‘ہونے کا تعلق ہے۔اگر اس کے بتلائے ہوئے حفظان صحت کے اصولوں کا خیال رکھا جائے۔تو آدمی جسمانی بیماریوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔سورۃ المدثر کی ابتداء میں یہ تعلیم دی گئی کہ انسان کو لباس اور جسمانی طور پر پاک صاف رہنا چاہیے۔(المدثر:۴،۵)

جسمانی پاکیزگی کا خیال رکھنے والوں کو اس شرف کے ساتھ نوازتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔‘‘(التوبہ:۱۰۸)

انسان کو جسمانی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں۔تو اس سے روحانی اور جسمانی طور پر تکلیف محسوس کرتا ہے۔اسی طرح روح کو بھی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں۔جس سے نا صرف روحانی موت واقع ہوتی ہے بلکہ اس سے جسمانی بیماریاں بھی جنم لیتی ہیں۔عقیدہ توحید کی کمزوری کی وجہ سے آدمی بزدل، فکری انحطاط اور وہم کا شکار ہونے کی وجہ سے در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوجاتا ہے۔حسد ایک حد سے آگے بڑھ جائے تو آدمی بلڈ پریشر اور ڈپریشن کا شکار ہوجاتا ہے۔کسی کے ساتھ بغض اپنی حد سے تجاوز

کر جائے تو جنگ وجدال کی نوبت پیش آتی ہے۔جس سے مالی جانی نقصان کے ساتھ پورا خاندان پریشانیوں کا شکار رہتا ہے۔غرض کہ روحانی بیماریاں دنیا وآخرت کے نتائج کے اعتبار سے زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہوتی ہیں۔یہاں صرف ''الشِّفَا'' کالفظ استعمال ہوا ہے۔جب کہ سورۃ یونس میں فرمایا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [یونس:۵۷]

''اے لوگو!یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی جو سینوں کے لیے سراسر شفاء اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ أَنْجَى مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ قَالُوْا وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؟ قَالَ وَلَا أَنْ يَضْرِبَ بِسَيْفِهِ حَتّٰى يَنْقَطِعَ))[رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا ہر چیز کو صاف کرنے کے لیے ایک پالش ہوتی ہے۔دلوں کی پالش اللہ کا ذکر ہے۔اللہ کے ذکر سے بڑھ کر عذاب سے نجات دلوانے والی کوئی چیز نہیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کیا اللہ کے راستے میں جہاد بھی؟ آپ نے جواب دیا:ہاں!چاہے کوئی تلوار کے ساتھ لڑے اور اس کی گردن تن سے جدا ہو جائے۔''

مسائل

۱۔ قرآن مجید مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔ ۲۔ ظالم لوگ خسارہ میں آگے ہی بڑھا کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے اوصاف حمیدہ کی ایک جھلک:

۱۔ قرآن مومنوں کے لیے باعثِ شفاء اور رحمت ہے۔(بنی اسرائیل:۸۲)

۲۔ اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے۔(البقرۃ:۲)

۳۔ اس کتاب کی آیات محکم ہیں اور یہ حکیم وخبیر کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔(ھود:۱)

۴۔ یقیناً قرآن سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔(بنی اسرائیل:۹)

۵۔ جن وانس مل کر بھی اس قرآن جیسا قرآن نہیں لا سکتے۔(بنی اسرائیل:۸۸)

۶۔ اگر قرآن کو پہاڑوں پر نازل کیا جاتا تو وہ بھی اللہ کے ڈر کی وجہ سے ریزہ ریزہ ہو جاتے۔(الحشر:۲۱)

وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ‌ۚ

اور جب | ہم نے انعام کیا | پر | انسان | اس نے منہ پھیرا | اور اس نے دور کرلیا | ساتھ اس کا پہلو

وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوۡسًا ۝۸۳ قُلۡ كُلٌّ

اور جب | پہنچی اسے | تکلیف | وہ ہوگیا | ناامید | کہہ دیجیے! | ہر

يَّعۡمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖؕ فَرَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَنۡ

وہ عمل کرتا ہے | پر | اس کا طریقہ | چنانچہ تمہارا رب | خوب جانتا ہے | کون

هُوَ اَهۡدٰى سَبِيۡلًا ۝۸۴ ع ۹ ۵

وہ | زیادہ سیدھا | راستہ

''اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں وہ منہ پھیر لیتا ہے اور اپنا پہلو موڑ لیتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو بہت ناامید ہو جاتا ہے۔''(۸۳)''فرمادیں ہر ایک اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے تمھارا رب زیادہ جاننے والا ہے کہ کون سیدھے راستے پر ہے۔''(۸۴)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت قرآن مجید ہے لیکن اس کے منکر اس سے فیض یاب ہونے کی بجائے اپنے آپ کو نقصان میں آگے ہی آگے لے جا رہے ہیں اور اکثر انسانوں کی یہی کیفیت ہے کہ جب انہیں کوئی نعمت عطا کی جاتی ہے تو اپنے رب کا شکر ادا کرنے کی بجائے کفر وشرک میں آگے ہی بڑھتے جاتے ہیں۔

انسان کی طبعی کمزوریوں میں سے ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ انسان صحت اور وسائل کے حوالے سے خوشحال ہوتا ہے۔ تو ناصرف اپنے رب سے ناطہ توڑ لیتا ہے بلکہ وہ اپنے رب کی نافرمانی اور بغاوت پر اتر آتا ہے۔ انسان کی اس کمزوری کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے''یقیناً انسان سرکش ہو جاتا ہے۔ جب اپنے آپ کو مستغنی سمجھتا ہے۔ حالانکہ بالآخر اس نے اپنے رب کے پاس جانا ہے۔''(العلق:۶تا۸)

انسان کو جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا نتیجہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود انسان اپنے رب سے پہلو پھیر لیتا ہے۔ جب اسے کسی مشکل کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔ اے پیغمبر! فرمادیجیے کہ ہر شخص اپنی سوچ اور طریقے کے مطابق عمل کرتا ہے۔ تمہارا رب خوب واقف ہے۔ جو سیدھے راستے پر چلنے والا ہے۔ یہاں پہلی آیت میں انسان کی افتادِ طبع کا ذکر کیا گیا ہے کہ خوشحال ہو تو اپنے رب کی ناقدری اور ناشکری کرتا ہے۔ پریشان حال ہو تو اپنے رب کی رحمت سے مایوسی کا اظہار کرتا ہے۔ تنگدستی آئے تو کہتا ہے میں نے کبھی خوشحالی دیکھی ہی نہیں۔ بیمار ہو جائے تو صحت وتندرستی کا طویل

دور بھول جاتا ہے۔ پریشانی میں مبتلا ہوتو اسے خوشی کا کوئی لمحہ یاد نہیں رہتا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوا کہ انہیں آپ اپنے طریقے کے مطابق عمل کرنے دیں۔ کیونکہ ہر کوئی اپنے اپنے طریقے کو پسند کرتا اور اس پر عمل کرتا ہے۔ طریقہ سے مراد مذہبی رسومات اور انسان کا زندگی گزارنے کا انداز ہے۔ لیکن سب کو جان لینا چاہیے کہ تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت کے راستہ پر ہے۔ ''شاکلہ'' کا معنیٰ ''نیت'' بھی کیا گیا ہے لہٰذا ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق اجر ملے گا۔

﴿كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ﴾ [المومنون:٥٣]

''ہر گروہ کے پاس جو ہے وہ اسی میں مگن ہے۔''

((عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِ امْرَاَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ))[رواہ البخاری: کتاب الایمان]

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام اعمال کا انحصار نیت پر ہے اور آدمی اپنی نیت کے مطابق ہی صلہ پائے گا۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہجرت کی اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے۔ جس شخص نے دنیا کے فائدے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہجرت کی اس کی ہجرت اسی کے لیے ہوگی۔''

مسائل

١۔ انسان کو نعمت ملے تو منہ موڑ لیتا ہے۔ ٢۔ انسان کو تکلیف پہنچے تو ناامید ہو جاتا ہے۔

٣۔ ہر انسان اپنے طریقہ پر کام کرتا ہے۔ ٤۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ راہِ راست پر کون ہے۔

تفسیر بالقرآن

اکثر لوگوں کی عادت:

١۔ جب ہم انسان کو نعمت بخشتے ہیں تو وہ اعراض کرتا ہے اور جب تکلیف پہنچے تو ناامید ہو جاتا ہے۔ (بنی اسرائیل:٨٣)

٢۔ جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں کھڑے، بیٹھے اور لیٹ کر پکارتا ہے جب ہم تکلیف دور کر دیتے ہیں تو وہ ایسے ہو جاتا ہے جیسے اس نے تکلیف کے وقت ہمیں پکارا ہی نہیں۔ (یونس:١٢)

٣۔ جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارتا ہے اور دل سے اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جب اس کو اللہ کی طرف سے کوئی نعمت ملتی ہے تو اسے بھول جاتا ہے۔ (الزمر:٨)

٤۔ جب انسان کو ہماری طرف سے رحمت ملتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے۔ (الشوریٰ:٤٨)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ	عَنِ	الرُّوْحِ ؕ	قُلِ	الرُّوْحُ	مِنْ	اَمْرِ
اور وہ پوچھتے ہیں آپ سے	سے	روح	کہہ دیجیے	روح	سے	حکم
رَبِّيْ	وَمَآ	اُوْتِيْتُمْ	مِّنَ	الْعِلْمِ	اِلَّا	قَلِيْلًا ﴿٨٥﴾
میرا رب	اور نہیں	تم دیے گئے	سے	علم	مگر	تھوڑا

”اور وہ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔فرمادیں روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمھیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔“(٨٥)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سے پہلے قرآن مجید کے فضائل اور اوصاف کا ذکر ہوا۔اب اسی کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیا گیا ہے۔

اس آیت میں روح کے بارے میں سوال کیا گیا ہے کہ روح کیا چیز ہے؟ روح کے بارے میں اہل علم کی دو آراء ہیں۔ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہاں روح سے مراد نفس انسانی ہے۔جس کے بارے میں صرف یہ جواب دیا گیا ہے۔کہ اے پیغمبر! لوگ آپ سے استفسار کرتے ہیں کہ ”اَلرُّوْحُ“ کیا چیز ہے؟ انہیں فرمائیں کہ ”روح“ اللہ کا حکم ہے۔جب چاہتا ہے اپنا حکم واپس لے لیتا ہے۔روح نکلنے سے انسان کا جسدِ خاکی ایک ڈھانچے کے سوا کچھ نہیں رہتا۔جسم بالآخر مٹی کے ساتھ مٹی ہو جاتا ہے۔اہل علم کی دوسری جماعت کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہاں روح سے مراد نفس انسانی نہیں بلکہ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔کیونکہ قرآن مجید میں نفس انسانی کے لیے اکثر مقامات پر ”روح“ کی بجائے ”نفس“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔جس طرح کہ انسان کی موت کا ذکر کرتے ہوئے اس کی روح کے بارے میں قرآن مجید بار بار نفس کا لفظ استعمال کرتا ہے۔

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾[ال عمران:١٨٥]

بے شک قرآن مجید میں ”روح“ کے لیے ”نفس“ کا لفظ کئی بار استعمال ہوا ہے۔لیکن اس کا یہ ہرگز معنیٰ نہیں کہ قرآن میں ”نفس“ کے لیے روح کا لفظ استعمال ہی نہیں ہوا۔قرآن مجید نے آدم کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے یہ حقیقت واضح کی ہے۔کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو فرشتوں کو حکم دیا:

﴿فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوْا لَهُ سَاجِدِيْنَ﴾[صٓ:٧٢]

”جب میں اس میں اپنی روح پھونک لوں تو آدم کے سامنے سجدہ کرنا“

یہاں الروح سے مراد انسان کا نفس ہے۔لہٰذا جن اہل علم نے ''روح'' سے مراد صرف ''نفس انسانی'' لیا ہے۔ان کا موقف مستند دکھائی نہیں دیتا۔لہٰذا یہاں روح سے مراد ''روح انسانی'' ہے۔کیونکہ اگر سوال قرآن مجید کے بارے میں ہوتا تو یقیناً سوال کرنے والے قرآن مجید کا نام لیتے۔اگر یہ سوال جبریل امین کے بارے میں تھا تو نبی ﷺ کو خاموش رہنے کی ضرورت نہ تھی۔کیونکہ دن رات آپ کے پاس تشریف لاتے اور آپ کو قرآن کی نئی وحی سے آگاہ فرماتے تھے۔اس لیے یہ سوال ''انسانی روح'' کے بارے میں کیا گیا۔جس کی تائید سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے۔جس میں آپ کے چند لمحے خاموش رہنے کا ذکر موجود ہے۔

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک کھیت میں تھا اور آپ لکڑی کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔اتنے میں یہودی گزرے۔وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے۔نبی سے روح کے بارے میں سوال کرو۔بعض نے کہا تمہاری اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ بعض نے کہا وہ تمہیں ایسی بات نہ کہہ دے جو تمہیں بُری لگے۔انہوں نے کہا سوال کرو۔پھر انہوں نے آپ ﷺ سے روح کے بارے میں سوال کیا۔آپ کچھ دیر ٹھہرے رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔میں جان گیا کہ آپ کی طرف وحی کی جا رہی ہے۔میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔جب وحی کا نزول ختم ہوا تو آپ نے یہ آیت تلاوت کی (وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا)'' [رواہ البخاری: کتاب التفسیر]

اس فرمان میں انسان کو یہ تعلیم دی گئی ہے۔کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں کی حقیقت کو کما حقہ جاننا انسان کے بس کا روگ نہیں۔جہاں انسان کی عقل نہ پہنچ سکتی ہو۔اس حقیقت کو ٹھکرانے کی بجائے انسان کو اللہ تعالیٰ کے فرمان پر اکتفا کرنا چاہیے۔یہی وہ بنیادی اصول ہے جو ایک مسلمان اور بے دین سائنسدانوں کے درمیان امتیاز قائم کرتا ہے۔بے دین سائنسدان کو جب کوئی چیز سمجھ نہ آئے تو وہ اس کے وجود کا سرے سے ہی انکار کر دیتا ہے۔اسی بنیاد پر بے شمار سائنسدان نا صرف اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ چیزوں کا انکار کرتے ہیں۔بلکہ سرے سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کر دیتے ہیں۔اس انکار کی وجہ سے ان کا عقیدہ ہے کہ مادہ یعنی ایٹم میں خود بخود تبدیلیاں رونما ہونے کی وجہ سے چیزیں اپنے آپ بنتی اور ختم ہوتی رہتی ہیں۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ بے شک انسان کتنی ترقی کر جائے۔وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ چیزوں کا پوری طرح احاطہ نہیں کر سکتا۔کیونکہ اس آیت میں دوٹوک انداز میں ارشاد ہوا ہے۔کہ لوگو! اپنے علم پر اترانے کی کوشش نہ کرو۔کیونکہ تمہیں بہت کم علم دیا گیا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کا نام روح ہے۔ ۲۔ لوگوں کو بہت تھوڑا علم عطا کیا گیا ہے۔

وَلَئِنْ	شِئْنَا	لَنَذْهَبَنَّ	بِالَّذِیْٓ	اَوْحَيْنَآ	اِلَيْكَ
اور البتہ اگر	ہم چاہتے	تو یقیناً لے جائیں گے	اس کو جو	ہم نے وحی کی	آپ کی طرف
ثُمَّ	لَا	تَجِدُ	لَكَ	بِهٖ	عَلَيْنَا	وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾
پھر	نہ	آپ پائیں گے	اپنے لیے	ساتھ اس کے	ہم پر	کوئی حمایتی
اِلَّا	رَحْمَةً	مِّنْ	رَّبِّكَ ط	اِنَّ	فَضْلَهٗ	كَانَ
مگر	مہربانی	سے	آپ کا رب	بلاشبہ	اس کا فضل	ہے

عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾

آپ پر بہت بڑا

”اور بلاشبہ اگر ہم چاہیں تو یقیناً وحی واپس لے جائیں جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے پھر آپ اپنے لیے اس کے متعلق ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی نہیں پائیں گے۔“(۸۶)”مگر آپ کے رب کی مہربانی ہے یقیناً اس کا آپ پر فضل بہت زیادہ ہے۔“(۸۷)

فہم القرآن

ربط کلام: الروح کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ لوگو تمہیں بہت کم علم دیا گیا ہے۔ رسول محترم ﷺ جو بھی لوگوں کے سامنے بیان فرماتے تھے وہ من جانب اللہ تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ اے نبی! جو کچھ ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ ہم اسے واپس لے جانے میں پوری طرح قادر ہیں۔

اس سے پہلی آیت میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ لوگوں کو جو تھوڑا سا علم دیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یہاں یہ ثابت کیا ہے کہ جو کچھ رسول اکرم ﷺ کو وحی کی صورت میں علم دیا گیا ہے۔ وہ بھی من جانب اللہ ہے اور آپ کو منصب نبوت پر فائز کرنا اللہ تعالیٰ کا عظیم ترین فضل ہے۔ منصبِ نبوت اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا فضل ہے کہ دنیا کا کوئی منصب اور دولت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اے نبی! یہ یاد رکھیں اللہ نے جو وحی کی صورت میں آپ پر اپنا فضل نازل کیا ہے۔ وہ اس پر پوری طرح قادر ہے کہ اپنے فضل کو واپس لے جائے۔ واپس لے جانے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں آپ کوئی مددگار نہیں پا سکتے۔ وحی کا علم واپس لے جانے کا تذکرہ فرما کر بالواسطہ طور پر کفار کے اس الزام کی تردید کی گئی ہے۔ جو وہ آپ پر الزام لگاتے تھے کہ آپ قرآن اپنی طرف سے بنا لیتے ہیں۔ پھر اس بات کی بھی نفی کی گئی کہ نبوت کسی شخص کے ذاتی کمال یا محنت کی وجہ سے عطا نہیں کی جاتی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس پر وہ چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ جس کے مقابلے میں تمام نعمتیں فروتر ہیں۔ ان الفاظ سے کفار کے اس فکر کی تردید ہوتی ہے جو کہا کرتے تھے کہ نبوت تو کسی مالدار اور بڑے آدمی کو ملنی چاہیے تھی۔ کفار کے فکر

کی تردید کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی واضح فرما دی ہے کہ میرا پیغمبر وحی پر بھی کسی قسم کا اختیار نہیں رکھتا۔

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾[العکنبوت:٤٨]

''اور تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی اسے اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے ایسا ہوتا تو اہل باطل ضرور شک کرتے۔''

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۝﴾[الحاقة:٤٤-٤٧]

''اگر یہ پیغمبر ہماری نسبت کوئی جھوٹی بات بنا لاتے تو ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے، پھر ان کی شہ رگ کاٹ ڈالتے تم میں سے کوئی ہمیں روکنے والا نہ ہوتا۔''

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوْكَ وَمَا يُضِلُّوْنَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝﴾[النساء:١١٣]

''اور اگر تم پر اللہ کی مہربانی اور فضل نہ ہوتا تو ان میں سے ایک جماعت تمہیں بہکانے کا قصد کر ہی چکی ہوتی اور یہ اپنے سوا (کسی کو) بہکا نہیں سکتے اور نہ تمہارا کچھ بگاڑ سکتے ہیں۔ اللہ نے تم پر کتاب اور دانائی نازل فرمائی ہے۔ تمہیں وہ باتیں سکھائی ہیں جو تم نہیں جانتے تھے اور تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔''

مسائل

۱۔ اگر اللہ چاہتا تو آپ ﷺ سے وحی سلب کر لیتا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی کسی کا مددگار نہیں ہوتا۔

۳۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رحمت و فضل سے ہی ممکن ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی کسی کا مددگار نہیں ہو سکتا:

۱۔ اگر ہم چاہتے تو وحی سلب کر لیتے، پھر اللہ کے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتے۔ (بنی اسرائیل:۸۶)

۲۔ پھر آپ نہیں پائیں گے ہم پر کوئی مددگار۔ (بنی اسرائیل:۷۵) ۳۔ آپ ان کے لیے کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔ (النساء:۱۴۵)

۴۔ جن پر اللہ کی طرف سے لعنت ہو آپ ان کا کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔ (النساء:۵۲)

۵۔ جس کو اللہ گمراہ کرے اس کے لیے آپ کوئی راہ نہیں پائیں گے۔ (النساء:۸۸)

قُلْ	لَّئِنِ	اجْتَمَعَتِ	الْاِنْسُ	وَالْجِنُّ	عَلٰٓی	اَنْ
کہہ دیجیے	البتہ اگر	جمع ہو جائیں	تمام انسان	اور تمام جن	پر	کہ
يَّاْتُوْا	بِمِثْلِ	هٰذَا	الْقُرْاٰنِ	لَا يَاْتُوْنَ	بِمِثْلِهٖ	
وہ لائیں	ساتھ مثل	اس	قرآن	نہ لاسکیں گے وہ	اس کی مثل	
وَلَوْ	كَانَ	بَعْضُهُمْ	لِبَعْضٍ	ظَهِيْرًا ﴿٨٨﴾	وَلَقَدْ	صَرَّفْنَا
اور اگرچہ	ہو	ان کا بعض	بعض کے لیے	مددگار	اور البتہ تحقیق	ہم نے پھیر پھیر کر بیان کی
لِلنَّاسِ	فِيْ	هٰذَا	الْقُرْاٰنِ	مِنْ	كُلِّ	مَثَلٍ
لوگوں کے لیے	میں	اس	قرآن	سے	ہر	مثال
فَاَبٰٓى	اَكْثَرُ	النَّاسِ	اِلَّا	كُفُوْرًا ﴿٨٩﴾		
چنانچہ انکار کیا	اکثر	لوگوں	مگر	کفر کرنے سے		

”فرمادیں اگر سب انسان اور جن جمع ہو جائیں کہ قرآن جیسا کوئی قرآن بنالائیں وہ ہرگز نہیں لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔“ (٨٨) ”اور بلاشبہ ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر مثال پھیر پھیر کر بیان کی مگر اکثر لوگوں نے کفر کے سوا ہر چیز سے انکار کر دیا۔“ (٨٩)

فہم القرآن

ربط کلام: رسول معظم ﷺ پر وحی کے ذریعے قرآن نازل ہوا کرتا تھا۔ جس کے بارے میں کفار یہ الزام لگاتے کہ آپ اپنی طرف سے بنالیتے ہیں۔ جس پر انہیں ایک دفعہ پھر چیلنج دیا گیا ہے۔

حق کے مقابلے میں انسان جب ہٹ دھرمی اور مسلسل تکبر کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ تو اسے حق قبول کرنے سے الرجی سی ہو جاتی ہے۔ جس بناء پر وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگ جاتا ہے۔ کفارِ مکہ کی بھی یہی حالت ہو چکی تھی۔ ایک وقت میں وہ الزام لگاتے کہ روم کے فلاں شخص سے بالواسطہ سیکھ کر اس کا کلام ہمارے سامنے قرآن کی شکل میں پیش کرتا ہے۔ دوسرے وقت یہ الزام دیتے کہ یہ نبی اپنی طرف سے کلام بنا کر ہمارے سامنے سناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے الزمات کا جواب دیتے ہوئے یکے بعد دیگر چار چیلنج دیئے۔ جن میں پہلا چیلنج یہ تھا کہ اے پیغمبر! آپ انہیں چیلنج کریں کہ اگر تم اپنے الزام میں سچے ہو تو اس جیسا قرآن بنا کر پیش کرو۔ اگر جن وانس سب کے سب جمع ہو جائیں کہ قرآن جیسا کلام لے آئیں۔ تو بھی ایسا نہیں کرسکیں گے۔ بے شک یہ ایک دوسرے کی معاونت بھی کریں۔ ہم نے انہیں سمجھانے کے لیے قرآن مجید میں توحید ورسالت

اور آخرت کے بارے میں مختلف الفاظ اور انداز میں کئی مثالیں پیش کی ہیں۔ مگر لوگوں کی اکثریت اس کے ساتھ کفر کا رویہ ہی اختیار کرتی ہے۔

قرآن مجید کے چیلنج:

۱۔ اگر یہ سچے ہیں تو ایسا کلام بنا کے لائیں۔ (الطور:۳۴)

۲۔ دس آیات بنا کر پیش کرو۔ (ھود:۱۳)

۳۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں؟ کہ آپ نے اسے اپنی طرف سے بنا لیا ہے۔ کہہ دو اگر سچے ہو تو تم بھی اس طرح کی ایک سورۃ بنا لاؤ۔ (یونس:۳۸)

۴۔ پورا قرآن مجید نہیں تو اس جیسی ایک سورۃ بنا کر لے آؤ۔ (البقرۃ:۲۳)

مسائل

۱۔ جن وانس مل کر بھی اس قرآن جیسی کتاب نہیں لا سکتے۔

۲۔ سارے ایک دوسرے کے مددگار بن کر بھی قرآن کا جواب پیش نہیں کر سکتے۔

۳۔ قرآن مجید میں طرح طرح کے مضامین بیان کیے گئے ہیں۔

۴۔ اکثر لوگ بار بار سمجھانے کے باوجود انکار کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کا مختلف الفاظ اور انداز میں سمجھانے کا طریقہ:

۱۔ ہم نے اس قرآن میں تمام باتیں ہر طرح سے بیان کر دی ہیں۔ (بنی اسرائیل:۸۹)

۲۔ یقیناً ہم نے قرآن میں تمام باتیں بیان کر دیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (بنی اسرائیل:۴۱)

۳۔ ہم نے اسے لوگوں میں بیان کیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں مگر بہت سے لوگوں نے انکار کے سوا کچھ قبول نہ کیا۔ (الفرقان:۵۰)

۴۔ دیکھیں ہم کس طرح آیات بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں۔ (الانعام:۶۵)

۵۔ اسی طرح ہم اپنی آیات پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ یہ نہ کہیں کہ آپ نے یہ کسی سے پڑھی ہیں۔ سمجھنے والوں کے لیے آپ واضح کر دیں۔ (الانعام:۱۰۶)

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا
اورانھوں نے کہا ہرگزنہیں ایمان لائیں گے ہم تجھ پر یہاں تک کہ توجاری کردے ہمارے لیے

مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ
سے زمین ایک چشمہ یا ہو تیرے لیے ایک باغ

مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا
سے کھجوروں اورانگوروں پھرتوجاری کردے نہریں ان کے درمیان

تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا
جاری کرنا یا توگرادے آسمان جیسا کہ تونے دعویٰ کیا ہم پر

''اورانھوں نے کہا ہم تجھ پر ہرگزایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ توہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کرے۔''(۹۰)''یا تیرے لیے کھجوراورانگور کاایک باغ ہو پھرتواس کے درمیان نہریں جاری کردے۔''(۹۱)''یا آسمان کوٹکڑے کرکے ہم پرگرا دے جیساکہ تونے دعویٰ کیاہے۔

فہم القرآن

ربط کلام: قرآن مجید کے باربار کے چیلنج کے باوجود کفاراس کاجواب نہ دے سکے۔مگراس کے باوجودرسول معظم ﷺ سے مزیدمطالبات کرتے رہے۔

رسول معظم ﷺ کی عظیم جدوجہداورقرآن مجید کے ٹھوس دلائل کی تاب نہ لانے کانتیجہ تھاکہ کفاراپنی کسی بات پرقائم نہیں رہتے تھے۔ہربارپہلے سے بڑھ کرمطالبہ کرتے۔جب اس کامثبت اورموثرجواب دیاجاتاتوہلکان ہونے کی کیفیت میں کوئی اور مطالبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم ہرگزآپ پرایمان نہیں لائیں گے۔جب تک ہمارے یہ مطالبات پورے نہیں ہوتے۔

۱۔ زمین سے ہمارے لیے چشمے جاری کیے جائیں۔

۲۔ آپ کے لیے کھجوروں اورانگوروں کے ایسے باغ ہوں۔جن کے درمیان نہریں جاری ہوں۔

۳۔ ہم پرآسمان کاٹکڑاگرادے۔

۴۔ ملائکہ اوراللہ تعالیٰ کوہمارے سامنے لایاجائے۔

۵۔ آپ کے لیے سونے کاگھرہوناچاہیے۔

۶۔ آپ کے آسمان پرچڑھ جانے کے باوجودہم ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ لکھی ہوئی کتاب لائیں جس کوہم خودپڑھ سکیں۔

كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾

ٹکڑے ٹکڑے | یا | تو لے آئے | اللہ | اور فرشتوں | سامنے

اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ

یا | وہ ہو | تیرے لیے | ایک گھر | سے | سونے | یا

تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى

تو چڑھ جائے | میں | آسمان | اور ہرگز نہیں | ہم مانیں گے | تیرے چڑھ جانے کو | یہاں تک کہ

تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ

تو اتار لائے | ہم پر | ایک کتاب | ہم پڑھیں اسے | کہہ دیجیے | پاک ہے | میرا رب

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع

نہیں | ہوں میں | مگر | صرف ایک بشر | رسول

یا تو اللہ اور فرشتوں کو سامنے لے آئے۔'' (۹۲) ''یا تیرے لیے سونے کا ایک گھر ہو یا تو آسمان میں چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھنے کا یقین نہیں کریں گے یہاں تک کہ تو ہم پر کتاب لے آئے جسے ہم پڑھیں۔ آپ فرما دیں میرا رب پاک ہے میں تو ایک پیغام پہنچانے والا بشر ہوں۔'' (۹۳)

غور فرمائیں یہ کس قدر متضاد اور بے ہودہ مطالبات ہیں۔ جن کا جواب دینے کی بجائے آپ ﷺ کو فقط یہی کہنے کا حکم ہوا ہے۔ آپ انہیں فرمائیں میرا رب ہر قسم کی کمزوری سے پاک ہے۔ نہ میں نے ان باتوں کا دعویٰ کیا ہے اور نہ ہی تمہارے مطالبات میرے منصب کے مطابق ہیں۔ میں تو اپنے رب کا پیغام پہنچانے والا ہوں وہ تم تک پہنچا رہا ہوں۔

''سُبْحَانَ رَبِّیْ'' کے الفاظ سے یہ واضح کیا گیا ہے۔ اے کفار! تمہارے مطالبات پورے کرنا میرے رب کے لیے کوئی مشکل بات نہیں۔ کیونکہ وہ خالق کل اور قادرِ مطلق ہونے کی بناء پر یہ مطالبات کیا ان سے بڑے مطالبات تمہاری آنکھ جھپکنے سے پہلے پورے کرسکتا ہے۔ تم مطالبہ کرتے ہو تمھارے لیے چشمے جاری ہوں، غور کرو کیا اس نے پہاڑوں میں چشمے جاری نہیں کر رکھے؟ کیا اس نے کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا فرما کر ان میں چشمے جاری نہیں کیے؟ جس سے تم ان باغوں کو سیراب کرتے ہو۔ تم اپنے اوپر آسمان کا ٹکڑا گرانے کا مطالبہ کرتے ہو۔ کیا اس نے قوم لوط پر آسمان سے پتھر برسا کر ان کو تباہ نہیں کیا

تھا؟ کیا قوم لوط پر فرشتے نہیں آئے تھے؟ جنہوں نے ان کو سحری کے وقت نیست و نابود کر دیا تھا۔ کیا تمہارے مطالبہ پر چاند دو ٹکڑے نہیں ہوا؟ کیا آسمان کا ٹکڑا تم پر گرانا اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل ہے؟ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے جلوہ نما ہونے کا تعلق ہے اس کے نور کی ایک جھلک کو طور برداشت نہیں کر سکا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ تم بتاؤ کہ اس کا جلال کس طرح برداشت کر سکتے ہو۔؟ قیامت کے دن جب اللہ اپنی مخلوق کے سامنے جلالت و تمکنت کے ساتھ جلوہ افروز ہوگا۔ تمہاری کیا مجال کہ آنکھ اٹھا سکو۔ وہاں تو بڑے بڑے انبیاء بھی سر جھکائے ''رَبِّ نَفْسِیْ رَبِّ نَفْسِیْ'' کی فریاد کر رہے ہوں گے۔ تمہارا یہ مطالبہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجوروں اور انگوروں کے باغ ہونے چاہییں۔ ذرا غور کرو کہ وسائل کے اعتبار سے غریب نبی کو تم قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہو۔ جب وہ تم سے بڑھ کر امیر ہوگا تو پھر اس پر دنیا دار ہونے کا الزام لگا کر اس کی نبوت کا انکار نہیں کرو گے؟ تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو کیا کیا پیش کش کی اور آپ نے ان سے کس عاجزی کے ساتھ استغناء کا اظہار فرمایا۔ تمہارا یہ مطالبہ آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے لکھی ہوئی کتاب لائیں۔ کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مسجد اقصیٰ اور مسجد اقصیٰ سے ساتوں آسمانوں کی سیر کر کے رات کے مختصر حصہ میں واپس آ کر آپ کو یہ واقعہ نہیں بتا چکے۔ تم نے اس پر کیا رد عمل دیا؟ تمہارا یہ مطالبہ کرنا کہ آسمان سے لکھی ہوئی کتاب لائی جائے۔ کیا اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام لکھی ہوئی کتاب اپنی قوم کے پاس نہیں لائے تھے اور اس کی قوم نے اس کے ساتھ جو سلوک کیا وہ تمہیں معلوم نہیں؟

مسائل

۱۔ کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف معجزات کا مطالبہ کیا۔

تفسیر بالقرآن

کفار کا انبیاء علیہم السلام سے معجزات کا مطالبہ:

۱۔ کہنے لگے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ تو ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کر دے۔ (بنی اسرائیل: ۹۰)

۲۔ بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کہا ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ اللہ کو سامنے دیکھ لیں۔ (البقرۃ: ۵۵)

۳۔ کہنے لگے ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہمیں بھی وہ کچھ دیا جائے جو رسولوں کو دیا گیا ہے۔ (الانعام: ۱۲۴)

۴۔ اگر اللہ ہم سے عذاب ٹال دے تو ہم تجھ پر ایمان لے آئیں گے۔ (الاعراف: ۱۳۴)

وَمَا	مَنَعَ	النَّاسَ	اَنْ	يُّؤْمِنُوْٓا	اِذْ	جَآءَهُمُ
اور نہیں	روکا	لوگوں	کہ	وہ ایمان لائیں	جب	آگئی ان کے پاس
الْهُدٰٓى	اِلَّآ	اَنْ	قَالُوْٓا	اَبَعَثَ	اللّٰهُ	بَشَرًا
ہدایت	مگر	یہ کہ	انہوں نے کہا	کیا بھیجا	اللہ	بشر
رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾	قُلْ	لَّوْ	كَانَ	فِي	الْاَرْضِ	مَلٰٓئِكَةٌ
رسول	کہہ دیجیے	اگر	ہوتے	میں	زمین	فرشتے
يَّمْشُوْنَ	مُطْمَئِنِّيْنَ	لَنَزَّلْنَا	عَلَيْهِمْ	مِّنَ	السَّمَآءِ	مَلَكًا
وہ چلتے	مطمئن	تو البتہ ہم نازل کرتے	ان پر	سے	آسمان	کوئی فرشتہ

”اور لوگوں کو کسی چیز نے نہیں روکا کہ وہ ایمان لائیں جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر اس بات نے کہ انھوں نے کہا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔“ (۹۴) ”فرمادیں اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ضرور ان پر آسمان

فہم القرآن

ربط کلام: رسول معظم ﷺ سے کفارِ مکہ نے متضاد قسم کے مطالبات کیے۔ جس کا جواب آپ کی زبان اطہر سے یہ دیا گیا کہ آپ فرمائیں کہ میں تو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والا ایک انسان ہوں۔ یہاں آپ کی بشریت کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے۔ کیونکہ انبیاء کی بشریت کو بھی کفار اپنے انکار کا بہانہ بنایا کرتے تھے۔

چنانچہ ارشاد ہوا کہ جب لوگوں کے پاس ہدایت آگئی تو انہوں نے یہ کہہ کر ایمان لانے سے انکار کیا کہ عجب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بشر کو رسول بنا دیا ہے۔ یہی اعتراض کفار مکہ نے آپ پر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ارشاد فرمایا۔ کہ آپ انہیں فرمائیں کہ اگر زمین میں رہنے سہنے والے فرشتے ہوتے۔ تو ہم ضرور ان کے پاس فرشتہ ہی رسول بنا کر بھیجتے۔ کیونکہ زمین میں انسان رہتے ہیں۔ لہٰذا نبی بھی انسان ہونا چاہیے تھا۔ اس لیے تمام انبیاء انسان تھے۔ آپ ﷺ بھی انسان اور نبی ہیں۔ اتنی سچی، ٹھوس اور عقلی دلیل کے باوجود اگر یہ لوگ نہیں مانتے۔ تو انہیں بتلائیں کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے۔ وہ اپنے بندوں کے اعمال کو دیکھنے والا اور ان کی نیتوں سے باخبر ہے۔

حق کے منکر انبیاء کرام علیہم السلام کی ذات کے بارے میں ہمیشہ سے یہ اعتراض کرتے رہے ہیں کہ نبی انسان کی بجائے فرشتہ ہونا چاہیے تھا۔ گویا کہ کفار کے نزدیک نبوت انسان کی بجائے فرشتے کا حق ہے۔ ان کے نزدیک نبی کا کھانا پینا، رہنا سہنا اور انسانی حاجات کے حوالے سے دوسرے انسانوں جیسا ہونا منصب نبوت کی شان کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ بات سمجھائی ہے کہ اگر زمین پر ملائکہ رہائش پذیر ہوتے تو یقیناً کسی فرشتے کو رسول بنایا جاتا۔ کیونکہ فرشتہ ہی نورانی مخلوق کی

رَسُوْلًا ﴿۹۵﴾	قُلْ	كَفٰى	بِاللّٰهِ	شَهِيْدًۢا	بَيْنِىْ	وَبَيْنَكُمْ ؕ
رسول	کہہ دیجیے	کافی ہے	اللہ	گواہ	میرے درمیان	اورتمہارے درمیان
اِنَّهٗ	كَانَ	بِعِبَادِهٖ	خَبِيْرًۢا	بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾		
بے شک وہ	ہے	ساتھ اس کے بندے	خبر رکھنے والا	دیکھنے والا		

سے کوئی فرشتہ رسول بناتے۔"(۹۵)"فرمادیں میرے اور تمھارے درمیان اللہ گواہ ہے بے شک وہ اپنے بندوں کی اچھی طرح خبر رکھنے اور خوب دیکھنے والا ہے۔"(۹۶)

ضروریات اور مشکلات کو سمجھ سکتا ہے۔لیکن زمین پر انسان بستے ہیں۔لہٰذا ان کی ضروریات اور حاجات کو سمجھنے کے لیے نبی ان کا ہم جنس ہونا چاہیے تھا تاکہ کسی کو یہ بہانہ نہ مل سکے کہ نوری مخلوق کو خاکی مخلوق کی مشکلات وضروریات کا کس طرح ادراک اور احساس ہوسکتا ہے۔اس اعتراض کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء مبعوث فرمائے۔نا صرف وہ انسان تھے بلکہ اپنی قوم کے ایک فرد ہوا کرتے تھے تاکہ صرف انسان کے حوالے سے نہیں بلکہ اپنی قوم کے مزاج اور علاقے کے حالات کے مطابق ان کی ضروریات اور مشکلات کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے مسائل کا قابل عمل حل پیش کریں اور زندگی کے تمام معاملات میں ان کے سامنے اپنے آپ کو ایک نمونہ کے طور پر پیش کریں۔ان حقائق کے باوجود جولوگ انکار کرتے ہیں انہیں کان کھول کر سن لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نا صرف ان کے اعمال کو دیکھتا ہے بلکہ ان کی نیتوں سے بھی پوری طرح واقف ہے۔

مسائل

۱۔ رسول کے بشر ہونے کی وجہ سے کفار ان کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔۳۔اللہ تعالیٰ کی گواہی سب سے بڑی اور کافی ہے۔

۲۔ اگر زمین میں فرشتے رہائش پذیر ہوتے تو فرشتے کو رسول بنا کر بھیجا جاتا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ خبیر وبصیر ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی گواہی:

۱۔ فرمادیجیے میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے۔(بنی اسرائیل:۹۶) ۲۔ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ عرض کریں گے جب تو نے مجھے فوت کرلیا تو تو ہی ان پر نگران تھا اور تو ہر ایک پر گواہ ہے۔(المائدۃ:۱۱۷)

۳۔ ہماری طرف ان کا لوٹنا ہے، پھر اللہ اس پر گواہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔(یونس:۴۶)

۴۔ یقیناً اللہ قیامت کے دن ان میں فیصلہ فرمائیں گے اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔(الحج:۱۷)

۵۔ میرا اجر اللہ کے ذمّہ ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔(سبا:۴۷)

۶۔ آسمان وزمین کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔(البروج:۹)

وَمَنْ	يَّهْدِ	اللّٰهُ	فَهُوَ	الْمُهْتَدِ ۚ	وَمَنْ	يُّضْلِلْ
اور جو	وہ ہدایت دے	اللہ	تو وہی	ہدایت پانے والا	اور جسے	وہ گمراہ کرے
فَلَنْ	تَجِدَ	لَهُمْ	اَوْلِيَآءَ	مِنْ	دُوْنِهٖ ۭ	وَنَحْشُرُهُمْ
تو ہرگز نہیں	آپ پائیں گے	ان کے لیے	کوئی دوست	سے	سوائے اس کے	اور ہم اکٹھا کریں گے ان کو
يَوْمَ	الْقِيٰمَةِ	عَلٰى	وُجُوْهِهِمْ	عُمْيًا	وَّبُكْمًا	وَّصُمًّا ۭ
دن	قیامت	پر	ان کے منہ	اندھے	گونگے	بہرے
مَاْوٰىهُمْ	جَهَنَّمُ ۭ	كُلَّمَا	خَبَتْ	زِدْنٰهُمْ	سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾	
ان کا ٹھکانہ	جہنم	جب بھی	وہ بجھنے لگی گی	ہم زیادہ کردیں گے ان کے لیے	آگ کا بھڑکانا	

النصف

”اور جسے اللہ ہدایت دے سو وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے گمراہ کردے اس کے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہوگا اور قیامت کے دن، ہم انھیں ان کے چہروں کے بل اندھے، گونگے اور بہرے کرکے اٹھائیں گے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جب جہنم کی آگ بجھنے لگے گی ہم اسے ان پر مزید بھڑکا دیں گے۔“ (۹۷)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے کے ساتھ یہ بات بھی جانتا ہے۔ کہ کون ہدایت کا طالب اور کون گمراہی کے درپہ ہو چکا ہے۔
یہ حقیقت کئی بار عرض کی جاچکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ کسی کو گمراہ کرتا ہے اور نہ ہی کسی پر ہدایت مسلط کرتا ہے۔ اس کا اصول یہ ہے جو شخص ہدایت کا طلبگار ہوگا۔ وہ اس کے لیے ہدایت کا راستہ کھول دے گا۔ جو کوئی گمراہی کو پسند کرے گا اسے کھلا چھوڑ دیا جائے گا۔ اس کا یہ بھی فرمان ہے کہ ہم نے انسان کو دو راستے دکھلا دیئے ہیں۔ انسان چاہے تو شکر ادا کرے اگر چاہے تو ناشکری کا راستہ اختیار کرے۔ (الدھر:۴) اسی مفہوم کے پیش نظر فرمایا ہے کہ جسے اللہ ہدایت دے۔ وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے اللہ گمراہ کردے آپ اس کا کوئی بھی خیر خواہ نہیں پائیں گے یعنی انھیں کوئی بھی ہدایت نہیں دے سکتا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہم ان کو گونگے، بہرے اور اندھے بنا کر چہروں کے بل اٹھائیں گے۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ جب جہنم کی آگ ذرا ہلکی ہونے لگے گی تو ہم اس کو اور بھڑکا دیں گے۔ ان کی یہ سزا اس لیے ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور ارشادات کا انکار کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ جب ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو کیا ہم از سرِ نو پیدا کیے جائیں گے؟ توحید و رسالت کے ساتھ قرآن مجید کا تیسرا مضمون بعث بعد الموت ہے۔ جس کے بارے میں نہ صرف

ذٰلِكَ	جَزَآؤُهُمْ	بِاَنَّهُمْ	كَفَرُوْا	بِاٰيٰتِنَا	وَقَالُوْٓا	ءَاِذَا
یہ	ان کی سزا	اس وجہ سے کہ بیشک	انہوں نے کفر کیا	ہماری آیتوں کیساتھ	اورانہوں نے کہا	کیا جب
كُنَّا	عِظَامًا	وَّرُفَاتًا	ءَاِنَّا	لَمَبْعُوْثُوْنَ	خَلْقًا	جَدِيْدًا ۹۸
ہم ہوجائیں گے	ہڈیاں	اورریزہ ریزہ	کیابلاشبہ ہم	البتہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے	پیدا کرکے	نئے سرے سے؟

”یہی ان کی جزا ہے، کیونکہ انھوں نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو گئے تو کیا واقعی ہم نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے جانے والے ہیں؟“ (۹۸)

ٹھوس دلائل دیئے گئے ہیں۔ بلکہ پہلے انبیاء کے دور میں دنیا میں لوگوں کو زندہ کرنے کی مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صورت لوگوں کو دوبارہ زندہ کر کے اپنے حضور پیش کرے گا۔

مسائل

۱۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے۔
۲۔ جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔
۳۔ گمراہوں کو قیامت کے دن اندھا، گونگا اور بہرا کر کے منہ کے بل اٹھایا اور چلایا جائے گا۔
۴۔ گمراہ لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔
۵۔ جہنم کی آگ جب ہلکی ہونے لگے گی تو اسے مزید بھڑکایا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کے دلائل:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے سامنے چار پرندوں کو زندہ کیا۔ (البقرہ:۲۶۰)
۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے سامنے ان کی قوم کے ستر سرداروں کو موت دے کر دوبارہ زندہ کیا۔ (الاعراف:۱۵۵)
۳۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ہزاروں لوگوں کو موت دے کر دنیا میں دوبارہ زندہ کیا۔ (البقرۃ:۲۴۳)
۴۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کے ہاتھوں مردوں کو زندہ فرمایا۔ (المائدۃ:۱۱۰)
۵۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو تین سو نو سال سلا کر بیدار فرمایا۔ (الکھف:۲۵)
۶۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر کو سو سال مارنے کے بعد زندہ فرمایا۔ (البقرۃ: ۲۵۹)
۷۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر کے گدھے کو ان کے سامنے دوبارہ زندہ فرمایا۔ (البقرۃ:۲۵۹)

اَوَلَمْ	يَرَوْا	اَنَّ	اللّٰهَ	الَّذِيْ	خَلَقَ	السَّمٰوٰتِ
کیانہیں	انہوں نے دیکھا	بے شک	اللہ	جس نے	پیدا کیا	آسمانوں
وَالْاَرْضَ	قَادِرٌ	عَلٰٓي	اَنْ	يَّخْلُقَ	مِثْلَهُمْ	وَجَعَلَ
اور زمین	قادر	پر	کہ	وہ پیدا کرتا ہے	ان کی مثل	اور اس نے مقرر کیا
لَهُمْ	اَجَلًا	لَّا رَيْبَ	فِيْهِ	فَاَبَى	الظّٰلِمُوْنَ	
ان کے لیے	ایک معین وقت	نہیں کوئی شک	اس میں	پھر انکار کیا	ظالموں	
اِلَّا	كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾					
مگر	کفر					

’’اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس پر قادر ہے کہ ان جیسے پیدا کر دے اور اس نے ان کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے جس میں کچھ شک نہیں پھر بھی ظالموں نے کفر کے سوا ہر چیز سے انکار کر دیا۔‘‘ (۹۹)

فہم القرآن

ربط کلام: آخرت کے منکر کہتے ہیں کہ ہماری ہڈیاں ریزہ، ریزہ ہو جانے کے بعد ہمیں کون زندہ کرے گا؟ ایسے لوگوں کو زمین و آسمان کی تخلیق پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

آخرت کا انکار کرنے کے لیے منکرین کے پاس بڑی سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو کر مٹی کے ساتھ مل جائیں گی۔ تو ہمیں کس طرح زندہ کیا جائے گا؟ قرآن مجید نے دیگر دلائل کے ساتھ یہ دلیل بھی پیش فرمائی ہے کیا آخرت کے منکر اس بات پر غور نہیں کرتے کہ جس اللہ نے زمین و آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ ان جیسے اور لوگ پیدا کرے۔ اس نے لوگوں کو دوبارہ پیدا کرنے کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ جس کے آنے میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود ظالم اس دن کا انکار کرتے ہیں۔ یہ حقیقت بھی کئی دفعہ قرآن نے واضح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمینوں و آسمانوں کو بغیر نمونے کے پیدا کیا ہے۔ یعنی ان کے پیدا کرنے سے پہلے نہ زمین و آسمان کا میٹریل تھا اور نہ ہی نمونہ موجود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نا صرف ان کا میٹریل پیدا کیا۔ بلکہ اس کے حکم سے زمین و آسمان معرض وجود میں آئے کیونکہ جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے۔ تو فقط اتنا فرماتا ہے کہ ’’ہو جا‘‘ وہ کام اور چیز اللہ کی منشاء کے مطابق وجود میں آ جاتی ہے۔ (البقرۃ: ۱۱۷)

یہاں زمین و آسمان کی تخلیق کا حوالہ دے کر انسان کو اس پر غور کرنے کا اشارہ دیا ہے۔ تاکہ اسے معلوم ہو کہ زمین و آسمان کے پیدا کرنے کے مقابلے میں انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کیونکر مشکل ہے۔ یعنی انسان کی پیدائش زمین و آسمان کی پیدائش سے

کھربوں کے حساب سے زیادہ آسان ہے۔لیکن انسان کے ظلم کی انتہا یہ ہے کہ جب وہ کسی حقیقت کا انکار کرنے پر ضد اختیار کرلے تو اسے کوئی دلیل قائل نہیں کر سکتی۔

((عَنْ أَبِی سَعِیدٍ ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ أَنَّ رَجُلاً کَانَ قَبْلَکُمْ رَغَسَهُ اللَّهُ مَالاً فَقَالَ لِبَنِیهِ لَمَّا حُضِرَ أَیَّ أَبٍ کُنْتُ لَکُمْ قَالُوا خَیْرَ أَبٍ قَالَ فَإِنِّی لَمْ أَعْمَلْ خَیْرًا قَطُّ ، فَإِذَا مُتُّ فَأَحْرِقُونِی ثُمَّ اسْحَقُونِی ثُمَّ ذَرُّونِی فِی یَوْمٍ عَاصِفٍ فَفَعَلُوا ، فَجَمَعَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ ، فَقَالَ مَا حَمَلَكَ قَالَ مَخَافَتُكَ فَتَلَقَّاهُ بِرَحْمَتِهِ))[رواه البخاری : کتاب احادیث الأنبیاء ،الباب الأخیر]

''حضرت ابوسعید خدری ؓ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ تم سے پہلے ایک آدمی تھا اللہ نے اس کو مال کے اعتبار سے بڑی فراوانی دی تھی ۔اس نے اپنے بیٹوں کو حاضر کر کے کہا کہ میں تمہارا کیسا باپ تھا ؟انہوں نے کہا بہترین !اس نے کہا یقیناً میں نے کبھی نیک عمل نہیں کیا۔ جب میں مرجاؤں تو تم مجھے جلا دینا۔پھر میری راکھ کو دور لے جا کر ہواؤں میں اڑا دینا۔بیٹوں نے اس کے مرنے کے بعد ایسا ہی کیا۔پس اللہ تعالیٰ نے اس کو جمع کیا اور فرمایا تجھے کس چیز نے اس کام پر ابھارا تھا؟اس نے کہا تیرے خوف نے۔اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی رحمت میں لے لیا۔''

مسائل

۱۔زمین وآسمان کا خالق اللہ ہے۔ ۲۔اللہ تعالیٰ انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے اور وہ دوبارہ پیدا کرے گا۔

۳۔اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی تخلیق اور موت کا وقت مقرر کر رکھا ہے۔ ۴۔کافر قیامت کا انکار کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا زمین وآسمان کو بغیر نمونے کے پیدا فرمانا:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو بغیر نمونے کے پیدا فرمایا ہے۔(البقرۃ:۱۱۷)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو بغیر نمونے کے پیدا کیا،اس کی نہ اولاد ہے اور نہ اس کی بیوی۔(الانعام:۱۰۱)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا۔(حٰم السجدۃ:۹)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو دو دن میں پیدا کیا۔(حٰم السجدۃ:۱۲)

۵۔ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے ساتوں آسمانوں کو اوپر تلے بنایا۔(الملک:۳)

۶۔ وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا۔(البقرۃ:۲۲)

قُلْ	لَّوْ	اَنْتُمْ	تَمْلِكُوْنَ	خَزَآئِنَ	رَحْمَةِ	رَبِّیٓ
فرما دیجیے	اگر	تم	اختیار رکھتے ہو	خزانوں	رحمت	میرا رب

اِذًا	لَّاَمْسَكْتُمْ	خَشْيَةَ	الْاِنْفَاقِ	وَكَانَ	الْاِنْسَانُ	قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾
تو اس وقت	تم ضرور روک لیتے	ڈر	خرچ کرنا	اور ہے	انسان	بہت بخیل

ع

''فرمادیں اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو اس وقت تم اسے خرچ ہو جانے کے ڈر سے ضرور روک لیتے کیونکہ انسان بہت بخیل ہے۔''(۱۰۰)

فہم القرآن

ربط کلام: اس خطاب کا آغاز آیت نمبر ۸۵ سے ہوا تھا۔اس سے اگلی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو عظیم نعمت قرار دیتے ہوئے فرمایا۔اے نبی !اللہ تعالیٰ کا آپ پر یہ عظیم فضل ہے کہ اس نے آپ کو اپنے پیغام کے لیے منتخب کیا ہے اور قرآن مجید جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی اب اس خطاب کا اختتام کرتے ہوئے کفار کو مخاطب کیا گیا ہے۔کہ حق کا انکار کرنے والا صرف روحانی اور اخلاقی طور پر کم ظرف نہیں ہوتا۔بلکہ وہ دنیوی طور پر بھی بخیل اور کم ظرف ہوتا ہے۔

دیگر فرسودہ دلائل کے ساتھ اہل مکہ اس لیے نبی ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے تھے کہ یہ بشر ہے اور ہم اس جیسے چلتے پھرتے انسان کو اپنے آپ پر کس طرح بڑا تسلیم کر سکتے ہیں۔اس بات کا اظہار ابو جہل نے اپنے ایک ساتھی کے سامنے یوں کیا تھا کہ زم زم کا انتظام، حجاج کی خدمت اور فلاں فلاں کام بنو ہاشم نے سنبھال رکھے ہیں۔اگر ہم ان کے آدمی کی نبوت کا اعتراف کر لیں تو خاندانی طور پر ہمارے پلے کیا رہ جاتا ہے؟اس لیے میں اسکی نبوت کا انکار کرتا ہوں اور تا دم آخر کرتا رہوں گا۔گویا کہ کفار اپنی طبیعت کا انقباض اور چھوٹا پن چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ان کے چھوٹے پن اور کم ظرفی کو اس حوالے سے ذکر کیا گیا ہے۔جس میں بین السطور آپ کو یہ تسلی دی گئی ہے کہ آپ کو پریشان ہونے کی بجائے اپنا کام جاری رکھنا چاہیے۔یہ تو اس قدر کم ظرف لوگ ہیں کہ اگر ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے جمع ہو جائیں تو یہ خرچ کرنے کی بجائے ان پر سانپ بن کر بیٹھ جائیں۔کیونکہ انسان بنیادی طور پر تنگ دل واقع ہوا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر انسان کا کچھ نہ کچھ طبعی رجحان بخل کی طرف ہوتا ہے لیکن کافر اس لیے زیادہ بخیل ہوتا ہے کہ اسے آخرت میں کسی اجر و ثواب کی امید نہیں ہوتی مال کے حوالے سے کافر کے بخیل ہونے کا ذکر فرما کر یہ واضح کیا گیا ہے۔یہ اس کی کم ظرفی کا نتیجہ ہے کہ جس طرح وہ اپنے ہاتھ سے کوئی چیز دینا پسند نہیں کرتا اسی طرح ہی اپنا باطل نظریہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔کیونکہ اسلام قبول کرنے میں کافر کو اپنے مال اور دنیوی عزت کے بارے میں نقصان کا اندیشہ ہوتا۔

وَلَقَدْ	اٰتَيْنَا	مُوْسٰى	تِسْعَ	اٰيٰتٍۭ	بَيِّنٰتٍ	فَسْـَٔلْ
اور البتہ تحقیق	ہم نے دیئے	موسیٰ	نو	نشانیاں	واضح	پس آپ پوچھ لیجیے
بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ	اِذْ	جَاۗءَهُمْ	فَقَالَ	لَهٗ	فِرْعَوْنُ	اِنِّىْ
بنی اسرائیل	جب	وہ آیا ان کے پاس	تو کہا	اس سے	فرعون	بے شک میں
لَاَظُنُّكَ	يٰمُوْسٰى	مَسْحُوْرًا ۝۱۰۱				
البتہ گمان کرتا ہوں تجھے	اے موسیٰ!	سحر زدہ				

''اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو نو واضح نشانیاں دی تھیں، پس بنی اسرائیل سے پوچھ لیجیے۔ جب ان کے پاس موسیٰ آئے تو فرعون نے کہا اسے موسیٰ! بے شک میں تجھے سحر زدہ گمان کرتا ہوں۔'' (۱۰۱)

فہم القرآن

ربط کلام: جس طرح اہل مکہ نے اپنی طاقت اور دولت کے گھمنڈ میں آکر نبی معظم ﷺ کی نبوت کا انکار کیا اسی طرح ہی فرعون نے مال واسباب اور اقتدار کے نشے میں آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا تھا۔ حالانکہ اس کے سامنے بڑے بڑے معجزات پیش کیے گئے۔

سورۃ مزمل کی آیت: ۱۵ میں نبی ﷺ کی نبوت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے مماثل قرار دیا ہے۔ اس لیے قرآن میں جابجا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی کشمکش کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ اس میں ایک طرف نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اور دوسری طرف اہل مکہ کے انجام کی طرف اشارہ اور مومنوں کو سمجھایا گیا ہے۔ تاکہ ان لوگوں کو حق وباطل کی کشمکش کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ اسی حوالے سے امتِ مسلمہ بالخصوص کفار کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی کشمکش کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اگر کفار کو اس میں کوئی شک ہے تو انہیں اہل کتاب سے اس بارے میں پوچھ لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نو بڑی بڑی نشانیاں دے کر فرعون کے پاس بھیجا فرعون نے اقتدار کے نشے اور مال واسباب کے گھمنڈ میں آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اے موسیٰ میں سمجھتا ہوں کہ تجھ پر جادو ہو گیا ہے۔ یہی بات اہل مکہ نبی محترم ﷺ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ اس پر جادو کر دیا ہے۔ جس وجہ سے نہ اسے ہماری مخالفت کی پرواہ ہے نہ ہی ہماری پیش کشوں کی طرف توجہ دیتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کو دی جانے والی نو نشانیاں:

اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے حضرت موسیٰ کو دی جانے والی نشانیوں کے بارے میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مجاھد، عکرمہ، شعبی اور قتادہ کے قول کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی جانے والی نشانیاں یہ تھیں۔ ۱۔ ید بیضاء، ۲۔ عصا، ۳۔ قحط سالی، ۴۔ پھلوں کی کمی، ۵۔ طوفان، ۶۔ ٹڈی دل، ۷۔ جوئیں کھٹمل، ۸۔ مینڈک اور ۹۔ خون کے عذاب۔'' [ابن کثیر]

قَالَ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَآ اَنۡزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا

اس نے کہا | البتہ تحقیق | تو نے جانا | نہیں | اس نے نازل کیا | یہ | مگر

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیۡ لَاَظُنُّكَ

رب | آسمانوں | اور زمین | سمجھانے کی باتیں | اور بے شک میں | ضرور گمان کرتا ہوں تجھے

یٰفِرۡعَوۡنُ مَثۡبُوۡرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنۡ یَّسۡتَفِزَّهُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ

اے فرعون! | ہلاک کیا ہوا | تو اس نے ارادہ کیا | یہ کہ | وہ اکھاڑ دے ان کو | سے | زمین

فَاَغۡرَقۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ جَمِیۡعًا ﴿۱۰۳﴾

بالآخر ہم نے اسے غرق کر دیا | اور جو | اس کیساتھ تھے | سب

”موسیٰ نے کہا یقیناً تو جان چکا ہے کہ انہیں آسمانوں اور زمین کے رب کے سوا کسی نے نہیں اتارا، یہ سمجھانے کی باتیں ہیں اے فرعون! میں تجھے ہلاک کیا ہوا سمجھتا ہوں۔“ (۱۰۲) ”تو فرعون نے ارادہ کیا کہ انہیں اس سرزمین سے اکھاڑ دے تو ہم نے اسے اور جو اس کے ساتھی تھے سب کو غرق کر دیا۔“ (۱۰۳)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی کشمکش کا ذکر جاری ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کا الزام سننے کے بعد نہایت حوصلہ اور سمجھ داری کے ساتھ فرمایا۔ اے فرعون! تو اچھی طرح جانتا ہے کہ جو معجزے میں تیرے سامنے پیش کر رہا ہوں وہ میرے اور کسی انسان کے بس کا روگ نہیں۔ یہ تو اس رب کی طرف سے ہیں جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس راستے پر تم چل رہے ہو۔ یہ راستہ تیری اور تیری قوم کی تباہی کا راستہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے معجزات پیش کرتے ہوئے ”بَصَائِرُ“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس کا واحد بَصِیۡرَۃٌ ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ آنکھوں کی بینائی کو بصارت اور دل و دماغ کے ساتھ کسی بات کو جاننے کو بصیرت کہا جاتا ہے۔ بصیرت میں وہ قوت ہے۔ جس سے انسان اچھے برے کی تمیز کرتا ہے۔ بصیرت پر جب اقتدار، مال و اسباب اور دنیا کے کسی مفاد کا پردہ پڑ جائے تو کھلی آنکھوں اور اپنے کانوں سے سننے کے باوجود آدمی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ فرعون اور اس کے ساتھیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ نشانیوں کو یکے بعد دیگرے دیکھنے اور جاننے کے باوجود انکار کر دیا تھا۔ بالآخر اپنی قوم کے ساتھ تباہی کے گھاٹ اتر گیا۔ فرعون اور اس کے ساتھیوں کی کوشش تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو مصر سے باہر نکال پھینکے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے سامنے ڈبکیاں دے دے کر مارا اور فرعون کی لاش کو دنیا کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا گیا۔ جس طرح فرعون اور

اس کے ساتھیوں کی خواہش اور کوشش تھی کہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو مصر سے نکال دیا جائے ، یہی کوشش اہل مکہ کی تھی کہ اس نبی اور اس کے ساتھیوں کو مکہ سے نکال دیا جائے ۔جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دشمن ناکام ہوئے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن اپنے عزائم میں نامراد ہوئے ۔

﴿فَالْیَوْمَ نُنَجِّیکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَةً وَإِنَّ کَثِیْرًا مِنَ النَّاسِ عَنْ اٰیَاتِنَا لَغَافِلُوْنَ ﴾[یونس:۹۲]

”آج ہم تیرے بدن کو نکال لیں گے تاکہ تو آنے والوں کے لیے عبرت بنے۔بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں۔“

نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بھی ہلاک ہوئے :

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یَوْمَ بَدْرٍ مَنْ یَنْظُرُ مَا فَعَلَ أَبُو جَھْلٍ فَانْطَلَقَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ ، فَوَجَدَہُ قَدْ ضَرَبَہُ ابْنَا عَفْرَاءَ حَتّٰی بَرَدَ ، فَأَخَذَ بِلِحْیَتِہٖ فَقَالَ أَنْتَ أَبَا جَھْلٍ قَالَ وَھَلْ فَوْقَ رَجُلٍ قَتَلَہُ قَوْمُہُ أَوْ قَالَ قَتَلْتُمُوْہُ))[رواہ البخاری:باب قتل ابی جھل]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے موقع پر فرمایا ابوجہل کی کون خبر لائے گا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا؟ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو انہوں نے دیکھا کہ عفراء کے بیٹوں نے اسے قتل کردیا ہے۔انہوں نے اس کی داڑھی سے پکڑ کر پوچھا تو ابوجہل ہے۔اس نے جواب دیا تم نے بڑے آدمی کو قتل کیا ہے یا کہا تم نے اسے قتل کیا ہے جو قوم کا سردار ہے؟

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑی بڑی نشانیاں اور معجزات عطا فرمائے۔

۲۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کے قدم اکھاڑنے چاہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لاؤلشکر کو غرق کردیا۔

تفسیر بالقرآن

فرعون اور اس کے ساتھیوں کی غرقابی:

۱۔ ہم نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو غرق کردیا۔(بنی اسرائیل:۱۰۳)

۲۔ ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کردیا اور آل فرعون کو غرق کردیا۔(الانفال:۵۴)

۳۔ ہم نے موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو نجات دی اور دوسروں کو ہم نے غرق کردیا۔(الشعراء:۶۶۔۶۷)

۴۔ ہم نے ان سے انتقام لیا اور انہیں دریا میں غرق کردیا۔(الاعراف:۱۳۶)

۵۔ ہم نے تمہیں نجات دی اور آل فرعون کو غرق کردیا۔(البقرۃ:۵۰)

الْاَرْضَ	اسْكُنُوا		لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	بَعْدِهٖ	مِنْۢ	وَقُلْنَا
زمین	تم رہو		بنی اسرائیل سے	بعد اس کے	سے	اور ہم نے کہا

لَفِيْفًا ۱۰۴	بِكُمْ	جِئْنَا	الْاٰخِرَةِ	وَعْدُ	جَآءَ	فَاِذَا
باہم اکٹھا	ساتھ تمہارے	ہم آئے	آخرت	وعدہ	آیا	پھر جب

''اوراس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم اس سرزمین میں رہو، پھر جب آخرت کا وعدہ آئے گا ہم تمہیں اکٹھا کرکے لے آئیں گے۔''(۱۰۴)

فہم القرآن

ربط کلام: فرعون اوراس کے ساتھیوں کی غرقابی کے بعد اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل کو حکم۔

اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ میں فرمایا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عنایت کی اور اس کتاب کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کا سرچشمہ قرار دیا۔ جس میں پہلا حکم یہ تھا کہ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز اور مشکل کشا نہ سمجھنا۔ سورۃ البقرۃ آیت ۸۳،۸۴ میں اس فرمان کی تفصیل ہے ''ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کی خیر خواہی کرنا، لوگوں کو اچھی بات کہنا، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا۔ لیکن تھوڑے لوگوں کے سوا بنی اسرائیل کی اکثریت نے اس عہد سے منہ پھیر لیا'' اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم بھی دیا تھا کہ آپس میں کشت وخون کرنے سے بچنا اور کمزور لوگوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالنا۔ بنی اسرائیل نے وعدہ کیا اور وہ اس پر گواہ ہیں۔ اس فرمان کے بعد انہیں یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ تم ضرور پہلے کی طرح ملک میں فساد اور انتہا درجے کی سرکشی کرو گے۔ اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق پہلی مرتبہ تم پر اپنے سخت گیر بندے مسلط کرے گا۔ جو اس قدر سخت گیر ہوں گے کہ تمھیں قتل کرنے کے لیے تمہارے گھروں میں گھس جائیں گے۔ دوسری مرتبہ اپنے ایسے بندے تم پر غالب کرے گا کہ جو مار مار کر تمہارے چہرے بگاڑ دیں گے۔ یہاں تک کہ مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کریں گے۔ تفصیل جاننے کے لیے اسی سورۃ کی آیت ۲ تا ۸ اور بنی اسرائیل کی آیت ۵ تا ۷ کی تلاوت کریں۔ دنیا کی اس سزا کے ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آخرت میں جمع کرے گا جس میں ہر کسی کا پورا پورا حساب چکا دیا جائے گا۔

مسائل

۱۔ فرعون اوراس کے لشکر کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل کو ان کی زمین کا وارث بنایا گیا۔

۲۔ قیامت کے دن سبھی لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔

وَبِالۡحَقِّ اَنۡزَلۡنٰهُ وَبِالۡحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا
اور حق کے ساتھ ہم نے اسے نازل کیا اور حق کے ساتھ وہ نازل ہوا اور نہیں ہم نے آپ کو بھیجا مگر

مُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ۞ وَقُرۡاٰنًا فَرَقۡنٰهُ لِتَقۡرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ
خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور قرآن ہم نے اس کو جدا جدا کیا تاکہ آپ اس کو پڑھیں پر لوگوں

عَلٰى مُكۡثٍ وَّنَزَّلۡنٰهُ تَنۡزِيۡلًا ۞
پر ٹھہر ٹھہر اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا نازل کیا اتارنا

”اور ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا اور یہ حق کے ساتھ ہی نازل ہوا اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا۔“(۱۰۵)”اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کر کے نازل کیا، تاکہ آپ اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا۔“(۱۰۶)

فہم القرآن

ربط کلام: بنی اسرائیل کو ان کی عزت رفتہ کا حوالہ دیتے ہوئے آخرت کا خوف دلا کر قرآن مجید کی دعوت، رسول کریم ﷺ کی رسالت اور منصب کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل کے آغاز میں معراج کا ذکر فرما کر اہل مکہ کو بین السطور یہ سمجھایا گیا کہ تم جس قدر چاہو رسول اکرم ﷺ کی مخالفت کر لو۔ لیکن غور کرو کہ واقعہ معراج میں تمہارے لیے یہ سبق ہے کہ پیغمبر اور اس کی امت کا مستقبل روشن ہے یہ دنیا اور آخرت میں اس قدر ترقی پائیں گے کہ اے نبی کے مخالفو! تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کا ذکر کیا اور بنی اسرئیل کو ان کا ماضی یاد دلانے کے بعد مسلسل ایسی ہدایات اور احکام نازل فرمائے۔ جن میں کفار کے ساتھ گاہے بگاہے اہل کتاب کو بھی مخاطب کیا ہے۔ اب سورۃ کا اختتام کرنے سے پہلے کفار اور بنی اسرائیل دونوں کو بیک وقت مخاطب کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ یہ قرآن جو حق کا ترجمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حق کے ساتھ نازل کیا ہے یعنی اس کتاب اور اس کے نزول کے کسی مرحلہ میں باطل کی آمیزش کی رتی برابر گنجائش نہیں ہے۔ اے رسول! جو لوگ اس حق کو مانتے ہیں۔ آپ ان کو خوشخبری کا پیغام سنائیں اور جو حق کو نہیں مانتے آپ ان کو ان کے انجام سے ڈرائیں یہی آپ کے منصب کا تقاضا اور آپ کی تبلیغ کا خلاصہ ہے۔ اسی خاطر قرآن مجید کو ہم نے یکبارگی نازل کرنے کی بجائے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا ہے تاکہ آپ لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور سمجھائیں۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید کو حق کے ساتھ نازل کیا گیا۔ ۲۔ آپ کو خوشخبری دینے اور ڈرانے کے لیے بھیجا گیا۔
۳۔ قرآن مجید کو بتدریج نازل کیا گیا۔ ۴۔ قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیے۔

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ
فرمادیجیے! تم ایمان لاؤ اس کے ساتھ یا نہ تم ایمان لاؤ بے شک وہ لوگ جو

اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ
دیے گئے علم سے اس سے پہلے جب پڑھا جاتا ہے ان پر

يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ
وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے اور وہ کہتے ہیں پاک ہے ہمارا رب

اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ
بلاشبہ ہے وعدہ ہمارے رب کا کیا ہوا اور وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل

يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۩ ﴿۱۰۹﴾
روتے ہوئے اور وہ زیادہ کرتا ہے ان کو خشوع

السجدۃ ۳

”فرمادیں تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا، جب ان کے سامنے اسے پڑھا جاتا ہے وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کی حالت میں گر پڑتے ہیں۔“ (۱۰۷) ”اور کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہے۔ یقیناً ہمارے رب کا وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا۔“ (۱۰۸) ”اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر جاتے ہیں، روتے ہوئے اور یہ ان میں خشوع کو زیادہ کر دیتا ہے۔“ (۱۰۹)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآن مجید کے من جانب اللہ ہونے اور اس کے احکام، حقائق اور اس کے بیان کردہ واقعات میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر منکر اسے کتاب اللہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تو انھیں چھوڑ دیں جہاں تک حقیقی اہل علم کا تعلق ہے وہ تو ہر وقت اس کے سامنے سر تسلیم خم رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو قرآن مجید عطا فرما کر یہ بات واضح کر دی کہ آپ کا کام لوگوں تک حق پہنچانا ہے منوانا نہیں۔ جو حق مان جائیں انہیں خوشخبری پہنچائیں اور جو انکار کریں انہیں ان کے برے انجام سے ڈرائیں۔ اسی کے پیش نظر ارشاد فرمایا کہ آپ لوگوں میں کھلے الفاظ میں اعلان فرمائیں کہ لوگو! تمہارے پاس حق پہنچ چکا ہے جس کے حق ہونے میں کسی طرح بھی کوئی شبہ نہیں۔ لہٰذا اب تمہاری مرضی ہے کہ اس پر ایمان لاؤ یا اس کا انکار کرو۔ لیکن جن لوگوں کو قرآن مجید نازل ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہے۔ وہ تورات، انجیل اور زبور کے حوالے سے جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو آخری نبی مبعوث ہوگا اس پر قرآن مجید نازل کیا جائے گا۔ جس کے وجود اور نزول میں رتی برابر شک کی گنجائش نہیں ہوگی اہل کتاب میں سے اور جو لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو وہ پیشانی کے

بل سجدے میں گر کر اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا رب ہر عیب اور کمزوری سے پاک ہے۔ یقیناً ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو چکا اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر کر اپنے رب کے حضور زار و قطار روتے ہیں۔ ان کی حق گوئی اور عاجزی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے خشوع و خضوع اور ایمان میں اضافہ کرتا ہے۔ ان آیات میں اہل علم کی یہ صفت بیان ہوئی ہے کہ وہ قرآن مجید کو حق اور سچ مانتے ہوئے نبی آخر الزماں ﷺ کو رسولِ برحق مانتے ہیں اور انھیں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بے انتہا اجر و ثواب دے گا اور ظالموں کو پوری پوری سزا دے گا۔ اسی بنا پر مومن شکر و عاجزی کے جذبات میں اپنے رب کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں یہ حقیقی علم کا تقاضا ہے اور یہی ایک عالم کی شان ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا علم اور فکر و عمل نصیب فرمائے۔ (آمین)

سجدہ تلاوت کی دعا:

((عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِ الْقُرْاٰنِ بِاللَّيْلِ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ))

[المستدرك على الصحيحين للحاكم]

”حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ قیام اللیل میں سجدہ تلاوت کے وقت یہ دعا کرتے تھے۔ میرا چہرہ اس ذات کا مطیع ہوا جس نے اپنی قدرت سے اسے بنا کر کان اور آنکھیں عطا کیے۔ اللہ تعالیٰ بہترین پیدا کرنے والا ہے۔“

مسائل

۱۔ قرآن مجید من جانب اللہ ہے کسی کے ایمان لانے اور نہ لانے سے اس کی سچائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۲۔ حقیقی علم رکھنے والوں کے سامنے جب قرآن پڑھا جاتا ہے۔ تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں۔

۳۔ قرآن مجید کی تلاوت علم والوں کے خشوع و خضوع میں اضافہ کرتی ہے۔ ۴۔ اللہ کا وعدہ پورا ہونے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کا وعدہ برحق ہے:

۱۔ اللہ کا وعدہ یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔ (بنی اسرائیل: ۱۰۸) ۲۔ صبر کیجیے اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ (المومن: ۷۷)

۳۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بات سے کس کی بات سچی ہو سکتی ہے؟ (النساء: ۱۲۲)

۴۔ آگاہ رہو اللہ کا وعدہ برحق ہے لیکن اکثر علم نہیں رکھتے۔ (یونس: ۵۵)

۵۔ شیطان قیامت کے دن کہے گا اللہ نے تمہارے ساتھ سچا وعدہ کیا تھا۔ (ابراہیم: ۲۲)

۶۔ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے۔ (لقمان: ۳۳)

قُلِ	ادْعُوا	اللّٰهَ	اَوِ	ادْعُوا	الرَّحْمٰنَ ؕ	اَيًّا مَّا
فرما دیجیے	تم پکارو	اللہ	یا	تم پکارو	رحمٰن	جس کے ساتھ
تَدْعُوْا	فَلَهُ	الْاَسْمَآءُ	الْحُسْنٰى ۚ	وَلَا	تَجْهَرْ	بِصَلَاتِكَ
تم پکارو	سو اُسی کے لیے	سب نام	اچھے	اور نہ	بلند آواز کریں	اپنی نماز کے ساتھ
وَلَا	تُخَافِتْ	بِهَا	وَابْتَغِ	بَيْنَ	ذٰلِكَ	سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾
اور نہ	بہت آہستہ کریں آواز	اس کے ساتھ	اور تلاش کریں	درمیان	ان کے	راستہ

’’فرمادیں اللہ تعالیٰ کو پکارو یا رحمان کو، جس نام سے پکارو اس کے سب نام اچھے ہیں اور اپنی نماز نہ بہت بلند آواز سے پڑھ اور نہ اسے بالکل آہستہ کر۔ اس کے درمیان کا راستہ اختیار کر۔‘‘ (۱۱۰)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی سہولت کے لیے تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن مجید نازل کیا تاکہ اس پر ایمان لانے والوں کو اس پر عمل کرنا آسان ہو۔ لیکن منکرین قرآن نے اس سہولت کو عیب بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا اس کے ساتھ انھوں نے ’’الرحمٰن‘‘ کے نام کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ جس کا جواب دیا گیا ہے۔

مکہ کے لوگ اپنی دعاؤں میں ’’اللہ‘‘ کا نام استعمال کرتے تھے۔ مدینہ کے یہودی ’’اللہ‘‘ کی بجائے ’’الرحمٰن‘‘ کے نام سے رب تعالیٰ کا ذکر کرتے اور اپنی دعاؤں میں الرحمٰن کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ رسول کریم نے اسمِ ’’اللہ‘‘ کے ساتھ جب ’’الرحمٰن‘‘ کا لفظ استعمال کرنا شروع کیا تو مکہ کے مشرکوں کو آپ کے خلاف پروپیگنڈا کا بہانہ ہاتھ آیا۔ انہوں نے یہ الزام لگایا کہ ہمارے ساتھ ایک الٰہ پر صبح و شام تکرار کرتا ہے۔ اس کا اپنا یہ حال ہے کہ ’’اللہ‘‘ کے ساتھ ’’الرحمٰن‘‘ کو شریک بناتا ہے۔ اس پر انہیں یہ جواب دیا گیا کہ لوگو! اپنے رب کو ’’اللہ‘‘ کے نام سے پکارو یا اس کو ’’الرحمٰن‘‘ کے نام سے یاد کرو۔ اللہ کے جس نام سے پکارو اس کے تمام نام ہی بہترین ہیں۔ کیونکہ سورۃ الاعراف آیت ۱۸۰ میں یہ تعلیم دی گئی کہ اللہ کے سب نام بہترین ہیں لہٰذا جس نام کے ساتھ چاہو اسے پکارو۔ لیکن اس کے اسماء میں کسی قسم کا الحاد نہ کرو۔ جو لوگ ایسا کریں گے انہیں اپنے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ جہاں تک اللہ کے اسمائے گرامی کا تعلق ہے۔ اس میں اسم جنس ’’اللہ‘‘ ہے۔ باقی اسمائے گرامی اللہ تعالیٰ کے وصفی یعنی تعریفی نام ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ننانوے نام ہیں جبکہ دوسری روایات کو جمع کیا جائے تو ایک سو سے زیادہ بنتے ہیں۔

قرآن مجید کی تلاوت کا عام اصول:

((عَنْ أَبِی قَتَادَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم خَرَجَ لَیْلَةً فَإِذَا هُوَ بِأَبِی بَكْرٍ رضی اللہ عنہ یُصَلِّی یَخْفِضُ مِنْ صَوْتِهِ قَالَ وَمَرَّ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَهُوَ یُصَلِّی رَافِعًا صَوْتَهُ قَالَ فَلَمَّا اجْتَمَعَا عِنْدَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یَا أَبَا بَكْرٍ مَرَرْتُ بِكَ وَأَنْتَ تُصَلِّی تَخْفِضُ صَوْتَكَ قَالَ قَدْ أَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَیْتُ یَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ وَأَنْتَ تُصَلِّی رَافِعًا صَوْتَكَ قَالَ فَقَالَ یَا رَسُولَ اللَّهِ أُوقِظُ الْوَسْنَانَ وَأَطْرُدُ الشَّیْطَانَ زَادَ الْحَسَنُ فِی حَدِیثِهِ فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یَا أَبَا بَكْرٍ ارْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَیْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ اخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَیْئًا))[رواہ البخاری:باب فی الرفع الصوت بالقراءۃ]

”حضرت ابوقتادۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے۔ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دھیمی آواز میں نماز پڑھتے ہوئے پایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا وہ بلند آواز میں قرأت کر رہے تھے، جب دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ابوبکر! میں رات کو آپ کے پاس سے گزرا تھا آپ بالکل ہلکی آواز میں قرأت کر رہے تھے ابوبکر نے عرض کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس لیے آہستہ آواز میں قرأت کر رہا تھا تاکہ جس سے میں سرگوشی کر رہا ہوں اسے سنا سکوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا میں آپ کے پاس سے گزرا آپ اونچی آواز میں قرأت کر رہے تھے انہوں نے جواب دیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس لیے بلند آواز سے قرأت کر رہا تھا تاکہ میں سونے والوں کو جگا سکوں اور شیطان کو بھگا سکوں۔حسن کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر سے فرمایا کہ اپنی آواز کو تھوڑا سا بلند کرو اور عمر رضی اللہ عنہ سے کہا اپنی آواز کو تھوڑا سا دھیما رکھو۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے ناموں میں سے جس نام کے ساتھ چاہو پکارو۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے اچھے اور بہترین نام ہیں۔

۳۔ عبادت میں میانہ روی ہونی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

میانہ روی اختیار کرنی چاہیے:

۱۔ نماز بلند آواز سے نہ پڑھو نہ آہستہ بلکہ درمیانہ انداز اختیار کرو۔(بنی اسرائیل:۱۱۰)

۲۔ رحمٰن کے بندے جب خرچ کرتے ہیں۔نہ اسراف کرتے ہیں نہ بخیلی۔بلکہ درمیانی طریقہ اختیار کرتے ہیں۔(الفرقان:٦٧)

۳۔ چال میں اعتدال اور آواز کو پست رکھو۔(لقمان:۱۹)

۴۔ کچھ لوگ اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ میانہ رو ہیں۔(فاطر:۳۲)

۵۔ لوگوں میں سے کچھ میانہ رو ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جن کے اعمال برے ہیں۔(المائدۃ:٦٦)

وَقُلِ	الْحَمْدُ	لِلّٰهِ	الَّذِیْ	لَمْ	یَتَّخِذْ	وَلَدًا
اور فرما دیجیے	تمام حمد	اللہ ہی کیلئے	وہ جس نے	نہیں	اس نے بنائی	کوئی اولاد
وَّلَمْ	یَكُنْ	لَّهٗ	شَرِیْكٌ	فِی	الْمُلْكِ	وَلَمْ
اور نہیں	وہ ہے	اس کا	کوئی شریک	میں	بادشاہی	اور نہیں
یَكُنْ	لَّهٗ	وَلِیٌّ	مِّنَ	الذُّلِّ	وَكَبِّرْهُ	تَكْبِیْرًا ﴿۱۱۱﴾ ع
ہے	اس کا	کوئی حمایتی	سے	بوجہ ذلت	اور اس کی بڑائی بیان کیجیے	خوب بڑائی بیان کرنا

۱۲ ع ۱۱ ۱۲

’’اور فرما دیجیے تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ ہی اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ عاجز ہو جانے کی وجہ سے کوئی اس کا کوئی حمایتی ہے اور اس کی بڑائی بیان کر، خوب بڑائی بیان کرنا۔‘‘ (۱۱۱)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سورۃ مبارکہ کی ابتداء ’’سُبْحَانَ الَّذِیْ‘‘ کے الفاظ سے ہوئی۔ جس کا معنیٰ ہے وہ ذات جو ہر قسم کے عیب، کمزوری اور شرک سے پاک ہے۔ سورۃ کا اختتام بھی اسی بات پر ہو رہا ہے کہ اللہ وہ ہے جو ہر قسم کے شرک اور کمزوری سے پاک ہے۔

عربی گرائمر سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ لفظ ’’حمد‘‘ کے ساتھ ’’ال‘‘ شامل ہو تو یہ استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے کہ تمام قسم کی تعریفات اللہ کے لیے ہیں۔ ’’حمد‘‘ میں دوسرے کی ذات کی بڑائی اور اس کے احسانات کا احساس اور اعتراف پایا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی ابتداء میں انسان کو یہ تعلیم دی گئی ہے۔ کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے رب کی تعریف اور حمد و شکر کرنے میں لگا ہوا ہے۔ اے انسان! اشرف المخلوقات ہونے کے حوالے سے تجھے بھی ہر حال میں اپنے رب کا شکر گزار رہنا چاہیے۔ شکر گزار لوگ ہی اللہ کے تابع فرماں ہوتے ہیں۔ حمد کی فضلیت اور فرضیت کے پیش نظر رسول کریم ﷺ کو ارشاد ہوا ہے۔ کہ آپ دنیا والوں کو بتلائیں کہ ہر قسم کی حمد و ستائش اللہ کے لیے ہے۔ جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ ہی اسکی بادشاہی میں کوئی شریک ہے۔ نہ اس میں کسی قسم کا ضعف اور کمزوری ہے۔ کہ جس بناء پر اسے کسی مددگار کی مدد کی ضرورت پیش آئے۔ وہ اپنی ذات اور صفات میں بڑا ہی بلند و بالا ہے۔ اس لیے اس کی بڑائی کا اعتراف اور تذکرہ کرتے رہیے۔ یہاں ہر قسم کے شرک کی نفی کرنے کے ساتھ ’’اللہ‘‘ کی کبریائی کے بیان اور اعتراف کا حکم دیا گیا ہے۔ یہی حکم سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات میں ہے جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی دوسری وحی ہے، اس کی تیسری آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنے رب کی

کبریائی کا ذکر کیجیے۔ یادرہے کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا احساس پیدا ہوجائے۔ تو بیک وقت اس کے تین فائدے ہوتے ہیں۔

١۔ انسان میں فخر وغرور کی بجائے انکساری اور عاجزی پیدا ہوتی ہے۔ جس کی بناء پر آدمی کا اخلاق اور دوسروں کے ساتھ اس کا رویہ بہتر ہوتا ہے۔

٢۔ انسان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کی بجائے اسکی بارگاہ میں جھکتا ہے۔

٣۔ مسلمان کے دل میں اللہ کی کبریائی کا تصور مضبوط ہوجائے تو مسلمان دشمن کے مقابلے میں بہادر ثابت ہوتا ہے۔

حمد وثناء کی فضیلت:

((قَالَ النَّبِیُّ ﷺ أَفْضَلُ الْکَلَامِ أَرْبَعٌ سُبْحَانَ اللّٰهِ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَاللّٰهُ أَکْبَرُ))

[رواه البخاری:باب إِذَا قَالَ وَاللّٰهِ لَا أَتَکَلَّمُ الْیَوْمَ]

’’نبی کریم ﷺ نے فرمایا بہترین کلمات چار ہیں ۔١۔سبحان اللہ ۔٢۔الحمد للہ ۔٣۔لا الٰہ الا اللہ ۔٤۔اللہ اکبر‘‘

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کی ہر حال میں تعریف کرنی چاہیے۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں۔

٣۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے ٤۔ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعتراف اور اس کی بڑائی بیان کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی تعریف اور بڑائی:

١۔ کہہ دیجئے تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کا شریک ہے ۔(بنی اسرائیل:١١١)

٢۔ تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔(الفاتحہ:١)

٣۔ تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا۔(الانعام:١)

٤۔ تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں ہدایت سے نوازا۔(الاعراف:٤٣)

٥۔ تمام تعریفات اس ذات کے لیے ہیں جس نے ہمیں ظالموں سے نجات دی۔(المومنون:٢٨)

٦۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنا وعدہ سچ فرمایا۔(الزمر:٧٤) ٧۔ ہر چیز اپنے رب کو سجدہ کرتی ہے۔(النحل:٤٩)

٨۔ کائنات کی ہر چیز اپنے رب کی تسبیح بیان کرتی ہے۔(الحشر:١) ٩۔ ہر چیز کا سایہ اپنے رب کو سجدہ کرتا ہے۔(النحل:٤٨)

تعارف سورۂ کہف

اس سورۃ مبارکہ کا نام اس کی نویں آیت سے لیا گیا ہے۔ یہ سورۃ پوری کی پوری مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی۔ یہ سورت ایک سو دس آیات اور بارہ رکوع پر مشتمل ہے۔

سورۃ کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد وستائش سے کی گئی ہے کہ ہر قسم کی تحمید وتقدیس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ جس نے اپنے بندے حضرت محمد ﷺ پر ایسی کتاب نازل فرمائی جس کے مطالب، احکام اور ارشادات میں کسی قسم کا تضاد اور تعارض نہیں ہے۔ اس کے ارشادات اثر انگیز اور اس کے احکام ٹھوس، واضح اور نتائج کے اعتبار سے بے حد وحساب مفید اور قابل عمل ہیں۔ یہ سورۃ مبارکہ ہجرتِ مدینہ سے پہلے نازل ہوئی۔ اس میں یہودیوں کے سکھلانے پر اہل مکہ نے رسول معظم ﷺ سے تین سوال کیے۔

۱۔ اصحاب کہف کون تھے؟

۲۔ ذوالقرنین کون تھا؟

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر کے واقعہ کی کیا حقیقت ہے؟

اصحابِ کہف کے واقعہ میں ایک طرف اہل مکہ کو یہ بتلایا اور سمجھایا گیا کہ تم لوگ اپنی کثرت اور طاقت کے گھمنڈ میں آکر مسلمانوں کو مکہ سے نکالنے کے درپے ہو لیکن یاد رکھنا کہ جس طرح اصحابِ کہف کو ان کے وطن سے نکالنے والے ان کے مشن کو ختم نہیں کر سکے تھے۔ اسی طرح تم رسول اکرم ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو مکہ سے نکال باہر کرنے کے باوجود ان کی دعوت کو ختم نہیں کر سکو گے۔ جس طرح اصحابِ کہف کا مشن عام ہوا تھا اسی طرح ہی نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کا مشن دنیا میں غلبہ حاصل کرے گا۔ جہاں تک ذوالقرنین کے واقعہ کا تعلق ہے اُس میں تمہارے لیے یہ سبق ہے کہ بے پناہ وسائل اور اختیارات ہونے کے باوجود اس نے مغلوب اور مفتوح قوم پر ظلم کرنے سے اجتناب کیا تھا۔ جس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے اُسے دنیا کے کثیر حصہ پر اقتدار دیا اور اُس کے اقتدار کو استحکام بخشا تھا۔ اس کے منصفانہ اور مشفقانہ کردار کی وجہ سے اُسے دنیا میں شہرت دوام حاصل ہوئی اور آخرت میں اُسے اجر عظیم سے نوازا جائے گا۔ اے اہل مکہ! اگر تم دنیا کی نیک نامی اور آخرت کی خیر چاہتے ہو تو تمہیں ذوالقرنین کے کردار سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر کی ملاقات اور گفتگو میں سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ دنیا میں بے شمار واقعات ایسے ہوتے ہیں جن کی حکمت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ اگر تمہیں مسلمانوں پر کچھ تسلط حاصل ہے تو جان لو کہ اس میں بیک وقت تمہاری اور مسلمانوں کی آزمائش ہے۔ تم ظالمانہ کردار کے حوالے سے پہچانے جارہے ہو اور مسلمان مظلومانہ حالت میں اجر کے مستحق قرار ٹھہرائے جارہے ہیں۔ لیکن یاد رکھنا اس دنیا

کی زیب وزیبائش عارضی ہے۔جس مال اوراولاد پراتر رہے ہو یہ سب کچھ فنا کے گھاٹ اتر جائے گا۔آخرت میں کردار کے حوالے سے فیصلہ ہوگا۔جس نے نیک اعمال کیے وہ کامیاب ٹھہرے گااور جنت میں ہمیشہ کے لیے عیش کرے گا۔جس نے ظلم وتعدی کارویہ اختیارکیاوہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں پھینکا جائے گا۔

آخرمیں نبی اکرم ﷺ کی بشریت اوراللہ تعالیٰ کی توحید کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جواپنے رب سے ملاقات کی تمنا رکھتا ہےاسے چاہیے کہ وہ رب تعالیٰ کی عبادت میں کسی کوکسی انداز میں شریک نہ بنائے۔

سورۃ الکھف کی فضیلت:

((عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ سُورَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ))[رواہ مسلم:باب فضل سورۃ الکھف:

''حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے سورۃ کہف کی پہلی دس آیات حفظ کیں ،وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔''

((عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ مَنْ قَرَأَ أَوَّلَ سُورَةِ الْكَهْفِ وَآخِرَهَا كَانَتْ لَهُ نُوراً مِنْ قَدَمِهِ إِلَى رَأْسِهِ وَمَنْ قَرَأَهَا كُلَّهَا كَانَتْ لَهُ نُوراً مَا بَيْنَ السَّمَاءِ إِلَى الأَرْضِ))[رواہ احمد]

''حضرت سہل بن معاذ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جوشخص سورۃ کہف کواول اورآخر سے تلاوت کرتا ہے۔اس کے قدموں سے لے کرسر تک نور ہو جاتا ہےاور جومکمل سورۃ پڑھتا ہےتو اس کے لیے زمین اورآسمان کا مابین نور سے بھر دیا جاتا ہے۔''

((عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ رضی اللہ عنہما قَرَأَ رَجُلٌ الْكَهْفَ وَفِي الدَّارِ الدَّابَّةُ فَجَعَلَتْ تَنْفِرُ فَسَلَّمَ ، فَإِذَا ضَبَابَةٌ أَوْ سَحَابَةٌ غَشِيَتْهُ ، فَذَكَرَهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اقْرَأْ فُلاَنُ ، فَإِنَّهَا السَّكِينَةُ نَزَلَتْ لِلْقُرْآنِ ، أَوْ تَنَزَّلَتْ لِلْقُرْآنِ))[رواہ البخاری: باب عَلاَمَاتِ النُّبُوَّةِ فِي الإِسْلاَمِ]

''حضرت ابی اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے سنا کہ ایک آدمی اپنے گھر میں سورۃ الکھف کی تلاوت کر رہا تھا تو اُس کے گھوڑے نے بدکنا شروع کر دیا تو اُس نے سلام پھیر کر آسمان کی طرف نظر اُٹھائی تو اُسے بادلوں کا ایک ٹکڑا نظر آیا جواُسے ڈھانپے ہوئے تھا اُس نے اس کا تذکرہ نبی ﷺ کے سامنے کیا آپ نے فرمایااے فلاں پڑھتے رہو یہ سکینت تھی جوقرآن کے لیے نازل ہوئی تھی یا قرآن کی وجہ سے نازل ہورہی تھی۔''

سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعُهَا:١٢ اٰيَاتُهَا:١١٠

اللہ کے نام سے جو بہت ہی رحم والا، نہایت مہربان ہے

اَلْحَمْدُ	لِلّٰهِ	الَّذِيْٓ	اَنْزَلَ	عَلٰي	عَبْدِهِ	الْكِتٰبَ
تمام تعریف	اللہ ہی کیلئے	جس نے	اس نے نازل کی	پر	اس کا بندہ	کتاب
وَلَمْ	يَجْعَلْ	لَّهٗ	عِوَجًا ۞١	قَيِّمًا	لِّيُنْذِرَ	بَاْسًا
اورنہیں	اس نے رکھی	اس میں	کوئی کجی	سیدھی	تا کہ وہ ڈرائے	عذاب

شَدِيْدًا	مِّنْ	لَّدُنْهُ	وَيُبَشِّرَ	الْمُؤْمِنِيْنَ
شدید	سے	کی طرف	اور وہ خوشخبری دے	مومنوں

”سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔“(١) ”بالکل سیدھی ہے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے سخت عذاب سے ڈرائے اور ایمان والوں کو

فہم القرآن

ربط کلام: سورۃ بنی اسرائیل کا اختتام اس حکم کے ساتھ ہوا ہے۔ اے پیغمبر! اللہ کی حمد وثناء کیجیے۔ جس کا کسی حوالے سے بھی کوئی شریک نہیں۔ وہ اپنی ذات، صفات اور شان کے اعتبار سے ہر کسی سے بلند وبالا ہے۔ سورۃ الکہف کی ابتداء اللہ کی حمد سے ہو رہی ہے جس نے اپنے بندے حضرت محمد ﷺ پر ایسی کتاب نازل فرمائی جس میں کوئی نقص اور جھول نہیں ہے۔

تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے بندے حضرت محمد ﷺ پر قرآن مجید نازل فرمایا۔ جس میں کسی قسم کی جھول، تضاد اور پیچیدگی نہیں پائی جاتی۔ جس کے فرمان واضح، ٹھوس، سیدھے سادھے، صراط مستقیم کے ترجمان اور ہر قسم کے الجھاؤ، عیب اور نقصان سے پاک ہیں۔ قرآن مجید اس لیے نازل کیا گیا تاکہ لوگوں کو عذابِ شدید سے ڈرایا جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اس میں صالح کردار مومنوں کے لیے بہترین اجر کی خوشخبری دی گئی ہے۔ جن کا صلہ جنت ہے جس میں صالح اعمال کرنے والے لوگوں کو داخل کیا جائے گا وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ یہاں قرآن مجید کے تین اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے۔

١۔ قرآن مجید میں بُرے اعمال کی نشاندہی اور اس کے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔

٢۔ قرآن مجید صالح کردار ایمان داروں کو جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی خوشخبری دیتا ہے۔

٣۔ قرآن مجید کے من جانب اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے۔ کہ اس کے احکام اور مضامین میں کسی قسم کی پیچیدگی، الجھاؤ،

الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝۲

وہ جو | وہ عمل کرتے ہیں | نیک | بے شک | ان کیلئے | اجر | اچھا

مّٰكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۝۳

وہ رہنے والے ہوں گے | اس میں | ہمیشہ

جو نیک اعمال کرتے ہیں خوشخبرے دے کہ بے شک ان کے لیے اچھا اجر ہے۔"(۲) "جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔"(۳)

تضاد اور تعارض نہیں پایا جاتا۔ نا صرف اس میں الجھاؤ اور تعارض نہیں پایا جاتا بلکہ اس کی یہ بھی صفت ہے کہ اس کے ارشادات سادہ اور ٹھوس ہیں جن پر عمل پیرا ہونا آسان ہے اور اس کے بدلے دنیا اور آخرت کی کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

مسائل

۱۔ حقیقی تعریفات کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

۲۔ قرآن مجید میں کسی قسم کی کجی نہیں ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی۔

۴۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے کا موثر ذریعہ ہے۔

۵۔ قرآن مجید مومنوں کے لیے باعث رحمت اور بشارت ہے۔

۶۔ اعمال صالحہ کرنے والے مومنین کے لیے بہترین اجر اور خوشیوں کا پیغام ہے۔

تفسیر بالقرآن

عمل صالح کا صلہ:

۱۔ عمل صالح کرنے والے مومنوں کے لیے خوشخبری اور ان کے لیے بہترین اجر ہے۔(الکھف:۲)

۲۔ جو بھی مومن صالح عمل کرے گا اس کی محنت کو رائیگاں نہیں کیا جائے گا۔(الانبیاء:۹۴)

۳۔ ایماندار اور عمل صالح کرنے والوں کے لیے بخشش اور رزق کریم ہے۔(الحج:۵)

۴۔ عمل صالح کرنے والے مومنوں کے گناہوں کو اللہ ختم کر دیں گے۔(العنکبوت:۷)

۵۔ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے نعمتوں والی جنت ہے۔(لقمان:۸)

۶۔ ایماندار اور عمل صالح کرنے والوں کے لیے جنت الفردوس میں مہمانی کا اہتمام ہوگا۔(الکھف:۱۰۷)

وَّيُنۡذِرَ	الَّذِيۡنَ	قَالُوا	اتَّخَذَ	اللّٰهُ	وَلَدًا ۝۴
اور وہ ڈرائے	وہ جو	انہوں نے کہا	بنائی	اللہ	اولاد

مَا	لَهُمۡ	بِهٖ	مِنۡ	عِلۡمٍ	وَّلَا	لِاٰبَآئِهِمۡ ؕ
نہیں	ان کے لیے	اس کی بابت	سے	علم	اور نہ	ان کے باپ دادا کے لیے

كَبُرَتۡ	كَلِمَةً	تَخۡرُجُ	مِنۡ	اَفۡوَاهِهِمۡ ؕ	اِنۡ
بڑی	بات	وہ نکلتی ہے	سے	ان کے مونہوں	نہیں

يَّقُوۡلُوۡنَ	اِلَّا	كَذِبًا ۝۵
وہ کہتے	مگر	جھوٹ

’’اور ان لوگوں کو ڈرائیں جو کہتے کہ اللہ نے اولاد بنا رکھی ہے۔‘‘ (۴) ’’انہیں اور ان کے باپ دادا کو اس کا کوئی علم نہیں ہے، وہ بڑی بات کہتے، جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے، وہ نہیں کہتے مگر سراسر جھوٹ۔‘‘ (۵)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سے پہلی آیات میں مومنوں کو خوشخبری دی گئی ہے اور اب ان لوگوں کو انتباہ کیا جاتا ہے جو مخلوق میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ کی اولاد قرار دیتے ہیں۔

قرآن مجید ان لوگوں کو سخت ترین انتباہ کرتا ہے جو ہرزہ سرائی کرتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے۔ حالانکہ ان کے پاس نہ اس کی دلیل ہے اور نہ ہی ان کے آباؤ اجداد علم کی بنیاد پر یہ عقیدہ رکھتے تھے گویا کہ یہ عقیدہ اور بات سراسر جہالت پر مبنی ہے۔ یہ لوگ نہیں سوچتے کہ جو بات اپنی زبان سے نکال رہے ہیں یہ جھوٹ ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی گستاخی ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کی آخری آیت کی تشریح میں عرض کیا جا چکا ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اور کفار میں سے ایک گروہ ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کسی کی شراکت سے مبرّا اور اولاد کی حاجت سے بے نیاز ہے۔ کسی کو اللہ تعالیٰ کی اولاد یا شریک ٹھہرانا مشرکوں کی ذہنی پستی اور فکری دیوانگی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے باطل تصورات اور ہر قسم کی یاوا گوئی سے پاک اور مبرّا ہے۔ کائنات کی تخلیق کے لیے بدیع کا لفظ استعمال فرما کر واضح کیا کہ جس اللہ نے بغیر کسی پہلے سے موجود نقشے اور میٹریل کے اوپر نیچے سات آسمان اور تہ بہ تہ سات زمینیں پیدا کی ہیں اسے اولاد کی کیا حاجت ہے؟

اولاد انسان کی آنکھوں کی ٹھنڈک، قلبی سکون کا باعث، اس کی زندگی کا سہارا، معاملات میں اس کی معاون اور اس کے سلسلۂ نسب قائم رہنے کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ان باتوں میں سے کسی بات کی ضرورت نہیں ہے۔

اولاد ہونے کا منطقی نتیجہ ہے کہ اس کی بیوی ہو کیونکہ بیوی کے بغیر اولاد کا تصور محال ہے۔ فرشتوں اور جنات کو خدا کی بیٹیاں، انبیاء کو خدا کا بیٹا قرار دینے سے اللہ تعالیٰ کی بیوی ثابت کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ اولاد کسی نہ کسی طرح باپ کے مشابہ اور اس کی ہم جنس اور ہم نسل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ان حاجات اور تمثیلات سے پاک ہے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی كَذَّبَنِیْ ابْنُ اٰدَمَ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ وَشَتَمَنِیْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ فَاَمَّا تَكْذِیْبُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهٗ لَنْ یُّعِیْدَنِیْ كَمَا بَدَاَنِیْ وَلَیْسَ اَوَّلُ الْخَلْقِ بِاَهْوَنَ عَلَیَّ مِنْ اِعَادَتِهٖ وَاَمَّا شَتْمُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهُ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا وَّاَنَا الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ اَلِدْ وَلَمْ اُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لِّیْ كُفُوًا اَحَدٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ: ابْنِ عَبَّاسٍ وَّاَمَّا شَتْمُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهٗ لِیْ وَلَدٌ وَسُبْحَانِیْ اَنْ اَتَّخِذَ صَاحِبَةً اَوْ وَلَدًا))[رواہ البخاری :باب وقالوا اتخذاللہ ولدا]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ یہ اس کے لیے مناسب نہیں۔ وہ میرے بارے میں زبان درازی کرتا ہے یہ اسے ہرگز جائز نہیں۔ اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ اللہ مجھے دوبارہ پیدا نہیں کریگا جیسا کہ اس نے پہلی بار پیدا کیا۔ حالانکہ میرے لیے دوسری دفعہ پیدا کرنا پہلی دفعہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ اس کا میرے بارے میں یہ کہنا بدکلامی ہے کہ اللہ کی اولاد ہے جبکہ میں اکیلا اور بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنم دیا اور نہ مجھے کسی نے جنا ہے اور کوئی بھی میری برابری کرنے والا نہیں۔ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ الفاظ پائے جاتے ہیں کہ ابن آدم کی میرے بارے میں بدکلامی یہ ہے کہ میری اولاد ہے جبکہ میں پاک ہوں نہ میری بیوی ہے نہ اولاد۔

مسائل

۱۔ ایسے لوگوں کو ڈرانا چاہیے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔
۲۔ مشرکین اور ان کے آباؤاجداد کے پاس اللہ تعالیٰ کی اولاد ہونے کی کوئی دلیل نہ تھی اور نہ ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ پر کفار جھوٹ باندھتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں ہے:

۱۔ ان لوگوں کو ڈرایئے جو کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے۔ (الکھف:۴۔۵)
۲۔ انہوں نے کہا کہ رحمٰن کی اولاد ہے یہ تم بہت ہی بری بات کہتے ہو۔ (مریم:۸۸تا۸۹)
۳۔ اللہ کے لیے لائق نہیں کہ اس کی اولاد ہو وہ اولاد سے پاک ہے۔ (مریم:۳۵)
۴۔ اللہ ہی کے لیے زمین و آسمان کی بادشاہت ہے اور اس کی کوئی اولاد نہیں۔ (الفرقان:۲)
۵۔ انہوں نے کہا اللہ کی اولاد ہے حالانکہ اللہ اولاد سے پاک اور بے نیاز ہے۔ (یونس:۶۸)

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ

چنانچہ شاید کہ آپ ہلاک کرنے والا اپنے آپ کو پر پیچھے ان کے اگر نہ

يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝۶ اِنَّا جَعَلْنَا مَا

وہ ایمان لائیں کیساتھ بات غم بے شک ہم نے بنایا جو

عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ

پر زمین زینت اس کے لیے تا کہ ہم انہیں آزمائیں کون ان میں سے زیادہ اچھا ہے

عَمَلًا ۝۷ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝۸

عمل اور بلاشبہ ہم البتہ بنانیوالے ہیں جو اس پر صاف چٹیل میدان

''شاید آپ اپنے آپ کو ہلاک کرنے والے ہیں، اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائے۔'' (۶) ''بے شک جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اسے زمین کے لیے زینت بنایا ہے، تاکہ لوگوں کو آزمائیں ان میں کون عمل میں بہتر ہے۔'' (۷) ''اور بلاشبہ ہم جو کچھ زمین پر ہے اسے ایک چٹیل میدان بنا دینے والے ہیں۔'' (۸)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کے بارے میں لوگوں کی ہرزہ سرائی اور کفر و شرک پر قائم رہنے کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کا غم زدہ ہونا۔

رسول کریم ﷺ مشرکین کو دن رات بڑی دلسوزی اور محنت کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کرتے مگر ان کی حالت یہ تھی کہ وہ آپ کی جان کے دشمن ہونے کے ساتھ کفر و شرک میں آگے ہی آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ اس صورت حال پر آپ اس قدر دل گرفتہ ہو جاتے کہ قریب تھا کہ آپ کو کوئی جسمانی عارضہ لاحق ہو جائے۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ آپ کو اطمینان دلاتے کہ اے نبی! اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات اور صفات کے حوالے سے ایک ماننے اور اس کے ارشادات تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تو کیا آپ ان پر اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گے۔ کبھی آپ کی ان الفاظ کے ساتھ ڈھارس بندھائی جاتی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں آپ کو ان پر کوتوال بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ لہٰذا آپ انہیں نصیحت کرتے جائیں۔ آپ کو نصیحت کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (الغاشیہ: ۲۱، ۲۲)

آپ کو ان الفاظ کے ساتھ بھی تسلی دی گئی:

''کچھ لوگوں پر آپ جس قدر چاہیں محنت کر لیں وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ کفر و شرک اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا رکھی ہے۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ چکا ہے۔ ان کے لیے

بڑا عذاب تیار کیا گیا ہے۔‘‘(البقرۃ:٦۔۷)

سورۃ کہف میں آپ کو اطمینان دلانے کے ساتھ لوگوں کے کفر و شرک کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ یہ دنیا کی زیب و زینت میں محو ہو کر رہ گئے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر جو آسائش اور زیب و زینت کا سامان پیدا کیا ہے۔ وہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ لوگوں کی آزمائش کرتا ہے کہ کون دنیا کی آلائش سے بچ کر اچھے اعمال کرتا ہے۔ جہاں تک دنیا اور زمین کی زیب و زینت کا تعلق ہے بالآخر اللہ تعالیٰ سب کچھ نیست و نابود کر کے زمین کو چٹیل میدان بنا دے گا۔ اگر کوئی چیز باقی رہنی ہے تو وہ انسان کے اچھے اور برے اعمال ہیں۔ ہر کسی کو اس کے اچھے اور برے اعمال کے مطابق جزا اور سزا دی جائے گی۔

((عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ))[رواه الترمذی :کتاب الزهد وهو حدیث صحيح]

’’حضرت سہل بن سعد کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اگر دنیا کی وقعت اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو وہ کافر کو ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ دیتا۔‘‘(یعنی آخرت کے مقابلے میں دنیا کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔)

مسائل

۱۔ لوگوں کی آزمائش کے لیے زمین کو باعثِ رونق بنایا گیا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون اچھے اعمال کرتا ہے۔

۳۔ قیامت کے دن زمین کو چٹیل میدان بنا دیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

دنیا کی حقیقت:

۱۔ جو کچھ زمین میں ہے وہ باعثِ آزمائش ہے۔(الکھف:۷)

۲۔ دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے میں قلیل اور حقیر ہے۔(التوبۃ:۳۸)

۳۔ دنیا کی زندگی صرف کھیل کود ہے۔(العنکبوت:٦۴)

۴۔ دنیا کی زندگی دھوکے کا سامان ہے۔(آل عمران:۱۸۵)

۵۔ لوگ دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر معمولی فائدہ۔(الرعد:٢٦)

٦۔ دنیا کی زندگی کھیل تماشا ہے۔(الحدید:۲۰)

۷۔ دنیا کی زندگی کی مثال آسمان سے نازل ہونے والی کی طرح ہے۔(یونس:۲۴)

اَمْ	حَسِبْتَ	اَنَّ	اَصْحٰبَ	الْكَهْفِ	وَالرَّقِيْمِ
کیا	خیال کیا آپ نے	بلاشبہ	والے	غار	اور رقیم
كَانُوْا	مِنْ	اٰيٰتِنَا	عَجَبًا ۝٩	اِذْ	اَوَى	الْفِتْيَةُ
تھے وہ	سے	ہماری نشانیوں	ایک عجیب	جب	اس نے پناہ لی	نوجوانوں
اِلَى	الْكَهْفِ	فَقَالُوْا	رَبَّنَآ	اٰتِنَا	مِنْ	لَّدُنْكَ
طرف	غار	تو انہوں نے کہا	ہمارے رب!	تو دے ہمیں	سے	اپنی طرف
رَحْمَةً	وَّهَيِّئْ	لَنَا	مِنْ	اَمْرِنَا	رَشَدًا ۝١٠	فَضَرَبْنَا
رحمت	اور آسان کردے	ہمارے لیے	سے	ہمارا کام	بھلائی	تو ہم نے ڈال دیا

''یا آپ نے خیال کیا کہ غار اور رقیم والے ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے؟''(۹)''جب ان جوانوں نے غار میں پناہ لی تو انہوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما اور ہمارے لیے ہمارے کام میں آسانی پیدا فرما۔''(۱۰)''تو ہم نے

فہم القرآن

ربط کلام: اہل مکہ دنیا کی بدولت رسول معظم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی مخالفت کررہے تھے۔ان کے ایک سوال کے جواب میں اصحاب کہف کا واقعہ بیان کیا ہے۔جس میں اہل کفر کو یہ بتلایا ہے کہ اس طرح کا سلوک اصحابِ کہف کے ساتھ بھی کیا گیا تھا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے بالآخر ان کی دعوت کو شہرت عام اور دوام بخشا۔

اصحابِ کہف کے واقعہ میں سب سے بڑی تعجب خیز بات یہ ہے کہ چند نوجوان اپنی جان اور ایمان بچانے کے لیے ایک غار میں داخل ہوئے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں تین سو نو سال تک سلائے رکھا۔جو انسانی تاریخ میں پہلا واقعہ تھا۔اس سے پہلے حضرت عزیر علیہ السلام کو ایک سو سال تک موت کی آغوش میں رکھا تھا۔

﴿أَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ أَنّٰى يُحْيِى هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِئَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ إِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ﴾[البقرۃ:۲۵۹]

عَلَىٰٓ	اٰذَانِهِمْ	فِى	الْكَهْفِ	سِنِيْنَ	عَدَدًا ﴿١١﴾
پر	ان کے کانوں	میں	غار	کئی سال	گنتی

ثُمَّ	بَعَثْنٰهُمْ	لِنَعْلَمَ	اَىُّ	الْحِزْبَيْنِ	اَحْصٰى	
پھر	ہم نے ان کو اُٹھایا	تاکہ ہم جان لیں	کون	دو گروہوں	زیادہ یاد رکھنے والا ہے	

لِمَا	لَبِثُوْٓا	اَمَدًا ﴿١٢﴾
اس کو کہ	وہ ٹھہرے	اس مدت

ع ٢ ١٢

ان کے کانوں پر غار میں گنتی کے مطابق کئی سال پردہ ڈال دیا۔'' (١١) '' پھر ہم نے انہیں اٹھایا، تاکہ معلوم کریں دونوں گروہوں میں سے کس نے اچھی طرح مدت یاد رکھی جو وہ ٹھہرے تھے۔'' (١٢)

'' یا اُس شخص کی طرح جس کا گزر ایک بستی سے ہوا جو اپنی چھتوں کے بَل گری ہوئی تھی۔ اُس نے کہا اللہ تعالیٰ اس کو فنا کے بعد کس طرح زندہ کرے گا۔ اللہ نے اُس کی روح سو سال تک کے لیے قبض کر لی، پھر اُس کو اُٹھایا اور پوچھا تم کتنی دیر ٹھہرے ہو۔ اُس نے جواب دیا ایک دن یا اُس سے کم اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ تم سو برس ٹھہرے رہے ہو اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو، وہ خراب نہیں ہوئیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو تاکہ ہم تمھیں لوگوں کے لیے نشانی بنائیں اور ہڈیوں کو دیکھو ہم انھیں کس طرح جوڑتے اور ان پر گوشت چڑھاتے ہیں جب یہ بات اُس کے مشاہدے میں آئی تو بول اُٹھا یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اس لیے اصحاب کہف کا واقعہ بیان کرنے سے پہلے ارشاد فرمایا ہے کہ کیا آپ خیال کرتے ہیں؟ کہ اصحاب کہف اور الرقیم والے ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے عجب نشانی ہیں۔ جن کا واقعہ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ چند نوجوان تھے جب توحید کا عقیدہ اپنانے اور اس کی تبلیغ کرنے پر ان کا عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تو وہ یہ دعا کرتے ہوئے غار میں داخل ہوئے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم پر اپنی رحمت فرما اور ہمیں کامیابی کے لیے اسباب عنایت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تین سو نو سال تک سلائے رکھا۔ یہاں ان کے سونے کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کے کانوں کو تھپکائے رکھا۔ شدید آندھیاں، موسلا دھار بارشیں، پرندوں کی آوازیں اور درندوں کی دھاڑیں غرض کہ کوئی چیز ان کو بیدار نہ کر سکی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تین سو نو سال کے بعد اٹھایا۔ تاکہ آپس میں معلوم کریں کہ وہ کتنی مدت غار میں رہے ہیں۔ قرآن مجید تاریخ کی کتاب نہیں اسی وجہ سے قرآن ان جزئیات اور تفصیلات کا ذکر نہیں کرتا جن کا تعلق براہ راست ہدایت کے ساتھ نہ ہو۔ اس لیے یہ نہیں بتلایا کہ وہ کون لوگ تھے اور کس علاقے کے رہنے والے تھے۔ البتہ یہ بات اس واقعہ میں کھول کر بیان کر دی گئی ہے کہ یہ عمر کے لحاظ سے جوان لوگ تھے اور عقیدہ توحید کی بنیاد پر ان کا لوگوں کے ساتھ شدید اختلاف ہوا۔ وقت کی حکومت نے انہیں گرفتار اور

سنگسار کرنے کی کوشش کی وہ اپنا ایمان اور جان بچانے کے لیے ایک غار میں داخل ہوئے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں غار میں تین سو نو سال تک سلائے رکھا ایک کتا جو راستے میں ان کے ساتھ مانوس ہوا وہ ان کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔جب یہ نوجوان دعا کرتے ہوئے غار میں لیٹ گئے تو کتا غار کے دھانے پر بیٹھ گیا۔اللہ تعالیٰ نے اس کتے کو بھی تین سو نو سال تک اسی حالت میں وہاں بٹھائے رکھا کبھی کبھار اگر کوئی شخص اس غار کے قریب جاتا تو پہاڑوں کے درمیان عجیب قسم کی غار،اس میں لیٹے اور کروٹیں لیتے ہوئے انسان اور غار کے دہانے پر بیٹھے ہوئے کتے کو دیکھ کر ڈر کے مارے قریب جانے کی کوشش نہ کرتا تھا۔قرآن مجید نے اس بات کی وضاحت نہیں فرمائی کہ اتنی دیر کتا زندہ رہا یا مرنے کے باوجود اس حالت میں بیٹھا رہا۔بہر حال دیکھنے والا یوں محسوس کرتا کہ اگر اس نے غار کی طرف بڑھنے کی کوشش کی تو کتا اس پر حملہ آور ہو گا۔اللہ تعالیٰ نے انہیں تین سو نو سال سلانے کے بعد اٹھایا تاکہ ایک دوسرے سے پوچھیں کہ ہم کتنی دیر تک سوئے رہے ہیں؟ان جوانوں کو اصحاب کہف اور الرقیم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔''الرَّقِیْم'' کے بارے میں اہل علم کے دو خیال ہیں۔ایک جماعت کا نقطہ نظر ہے کہ'' الرَّقِیْم''اس بستی کا نام ہے جہاں کے یہ لوگ رہنے والے تھے دوسرے فریق کا کہنا ہے۔''الرَّقِیْم''اس تختی کا نام ہے جو تین سو نو سال کے بعد ایک بادشاہ نے غار کے دھانے پر آویزاں کی تھی۔

مسائل

۱۔ اصحابِ کہف اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے تھے۔ ۲۔ اصحابِ کہف نے غار میں پناہ لی۔
۳۔اللہ تعالیٰ نے غار میں ان کے کانوں پر پردہ ڈال دیا۔ ۴۔اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت اور ہدایت کا طلبگار رہنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

رحمت اور ہدایت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

۱۔ انہوں نے دعا کی اے اللہ!ہمیں رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں آسانی فرما۔(الکھف:۱۰)

۲۔ اے ہمارے پروردگار!ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کر اور ہمیں رحمت عطا فرما۔(آل عمران:۸)

۳۔ تیرا رب بے پرواہ اور رحمت والا ہے۔(الانعام:۱۳۳) ۴۔ اللہ کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔(الاعراف:۱۵۶)

۵۔ اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہوتی ہے۔(الاعراف:۵۶)

۶۔ وہ جسے چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم فرمائے۔(العنکبوت:۲۱)

۷۔ فرما دیجیے اے میرے رب!معاف فرما اور رحم فرما تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔(المومنون:۱۱۸)

۸۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔(الزمر:۵۳)

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ

ہم ہم بیان کرتے ہیں آپ پر ان کا واقعہ حق کے ساتھ بے شک وہ چندنوجوان

اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى ۝۱۳ قف وَّ رَبَطْنَا عَلٰى

وہ ایمان لائے اپنے رب کیساتھ اور ہم نے ان کو زیادہ کیا ہدایت اور ہم نے مضبوط کردیا پر

قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ

ان کے دلوں جب وہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا ہمارارب رب آسمانوں

وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ

اور زمین ہرگز نہیں ہم پکاریں گے سے سوائے کوئی معبود البتہ تحقیق ہم نے کہا

’’ہم آپ سے ان کا واقعہ ٹھیک بیان کرتے ہیں ، بے شک وہ چندنوجوان تھے جواپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے انہیں ہدایت میں اور زیادہ کردیا۔‘‘ (۱۳) ’’اوران کے دلوں کو مضبوط کردیا جب وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا ہمارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے، ہم اس کے سوا ہرگز کسی معبود کو نہیں پکاریں گے ، یقیناً ہم

فہم القرآن

ربط کلام: تمہید کے بعد اب واقعہ کی تفصیلات بیان ہوتی ہیں ۔قرآن مجید کا ہرلفظ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اسے نبی ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔لیکن بعض واقعات اوراحکام کی مرکزیت اوراہمیت ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ انہیں اپنی طرف منسوب فرماتا ہے۔

اس واقعہ میں توحید کے اثبات اورنوجوانوں کے کردارکونمایاں کرنے ،شرک کے ابطال اور قیامت کا انکار کرنے والوں کے موقف کو بے حیثیت اور بعث بعدالموت ثابت کرنے کے لیے اس بات کواپنی ذاتِ اقدس کی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم اس واقعہ کوآپ کے سامنے ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں ۔ چندنوجوان اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کوایمان اور ہدایت میں مزید آگے بڑھادیا۔ان کے دلوں کومضبوط کیا۔جب وہ عزم بالجزم کے ساتھ اس دعوت کو لے کراٹھے اور کہا کہ لوگو!ہمارا رب وہ رب ہے جوزمین آسمان کا خالق ہے ۔ہم اس کے سوا کسی دوسرے کوخالق ، مالک اور عبادت کے لائق نہیں سمجھتے ۔اگر ہم اس کے سوا کسی اور کوعبادت کے لائق ، حاجت روااور مشکل کشا سمجھیں ۔تو ہمارا اس طرح سمجھنا پرلے درجے کی حماقت ہوگا۔ ہماری قوم کی یہ حالت ہے کہ انہوں نے زمین وآسمان کے خالق و مالک کے سوادوسروں کومعبود بنا کر حاجت روااور مشکل کشا سمجھ لیا ہے۔یہ لوگ ان کے بارے میں کوئی ٹھوس ،شرعی ،اورعقلی دلیل پیش نہیں کر سکتے ۔اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کرنا اور

اِذًا	شَطَطًا ﴿۱۴﴾	هٰٓؤُلَآءِ	قَوْمُنَا	اتَّخَذُوْا	مِنْ	دُوْنِهٖٓ
اس وقت	ظلم وزیادتی	یہ	ہماری قوم	انہوں نے بنا لیے	سے	سوائے
اٰلِهَةً ؕ	لَوْلَا	يَاْتُوْنَ	عَلَيْهِمْ	بِسُلْطٰنٍۭ	بَيِّنٍ ؕ	فَمَنْ
کئی معبود	کیوں نہیں	وہ آتے ہیں	ان کے لیے	دلیل کے ساتھ	واضح	پھر کون
اَظْلَمُ	مِمَّنِ	افْتَرٰى	عَلَى	اللّٰهِ	كَذِبًا ﴿۱۵﴾	
زیادہ ظالم	اس شخص سے جس نے	باندھا	پر	اللہ	جھوٹ	

اس وقت زیادتی کی بات کہیں گے۔'' (۱۴) ''یہ ہماری قوم ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کئی معبود بنا لیے، یہ ان کے لیے واضح دلیل کیوں نہیں لاتے، پھر اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتا ہے۔'' (۱۵)

اسے حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا درحقیقت اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کے مترادف ہے۔ ایسے شخص سے زیادہ ظالم کوئی نہیں ہوسکتا۔ اس واقعہ میں پہلی حقیقت یہ ہے کہ زمین و آسمان کا خالق، مالک صرف ایک اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک سمجھنا اور کہنا پرلے درجے کا ظلم اور حماقت ہے۔ کیونکہ ایسے شخص کے پاس شرعی اور عقلی لحاظ سے کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ اسی طرح دوسری حقیقت یہ واضح کی گئی ہے کہ جب کوئی جواں مرد اللہ پر ایمان اور اس پر بھروسہ رکھتے ہوئے توحید کی دعوت لے کر اٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے جذبہ ایمان میں کئی گنا اضافہ فرما کر اس کے کام کو آسان کر دیتا ہے۔ تیسری حقیقت یہ ہے کہ نوجوان طبقہ نیکی اور برائی میں ہراول دستہ کا کام دیتا ہے۔ انبیاء کرام کے ابتدائی ساتھی ہمیشہ نوجوان طبقہ ہی ہوا کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن مجید نے دوٹوک انداز میں فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر ان کی قوم کے جوانوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا۔ کیونکہ وہ فرعون اور اس کے وزیروں مشیروں کے مظالم سے ڈرتے تھے۔ فرعون ملک میں بڑا متکبر اور کفر میں حد سے بڑھا ہوا تھا۔ (یونس: ۸۳) دوسرے مقام پر فرمایا کہ فرعون کی قوم اس سے ڈر کر اس کی تابع دار ہوگی۔ حقیقت میں یہ لوگ نافرمان تھے۔ (الزخرف: ۵۴)

رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ میں آپ پر ایمان لانے والوں کی اکثریت نوجوانوں پر مشتمل تھی۔ سیرت نگار لکھتے ہیں بزرگوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ غور فرمائیں حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عمر پونے اٹھتیس سال کے قریب تھی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا تو وہ ستائیس اور اٹھائیس سال کے درمیان تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ انیس سال کی عمر میں مسلمان ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ستائیس سال کے قریب تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ دس بارہ سال کے تھے۔ اصحاب کہف کی عمر کے بارے میں ''فتیۃ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ لغت کے لحاظ سے اس کا معنیٰ ہے ''چودہ سال سے لے کر اٹھائیس سال کے جوان تک بولا جاتا ہے''۔

جوانی کی عبادت کا مقام:

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ اِمَامٌ عَادِلٌ وَّشَآبٌّ نَشَأَ فِیْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰی يَعُوْدَ اِلَيْهِ وَرَجُلَانِ تَحَآبَّا فِی اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ ذَكَرَاللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَاَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَّجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ))[رواه البخاری:باب من جلس فی المسجد]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ذکر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سات آدمیوں کو اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے جس دن کوئی چیز سایہ فگن نہ ہوگی۔(۱)عدل کرنے والا حکمران (۲)اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ذوق وشوق رکھنے والا جوان (۳) وہ شخص جس کا دل مسجد کے ساتھ منسلک رہے جب وہ مسجد سے باہر جاتا ہے تو واپس مسجد میں جانے کے لیے فکرمند رہتا ہے(۴) دو آدمی جو باہم اللہ کے لیے محبت رکھتے ہیں اور اسی بنیاد پر ہی ایک دوسرے سے میل جول رکھتے اور الگ ہوتے ہیں (۵) جس آدمی نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے (۶) ایسا شخص جس کو ایک خاندانی حسین وجمیل عورت نے گناہ کی دعوت دی مگر اس نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو بچائے رکھا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور (۷) وہ جس نے صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو پائی کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید میں جو قصص بیان ہوئے ہیں وہ برحق ہیں۔ ۲۔ اصحاب کہف چند نوجوان تھے جو ایمان لائے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو ہدایت میں آگے بڑھایا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے دل مضبوط کر دیے۔

۵۔ اصحاب کہف نے اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں پکارنا چاہیے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو پکارنا بڑے گناہ اور ظلم کی بات ہے۔

تفسیر بالقرآن

نوجوانوں کا کردار:

۱۔ وہ کچھ جوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے ہم نے انکی ہدایت میں اضافہ کردیا۔(الکہف:۱۳)

۲۔ ہم نے ایک نوجوان کا تذکرہ سنا ہے جسے ابراہیم کہتے ہیں۔(الانبیاء:۶۰)

۳۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جوانی کو پہنچے تو ہم نے حکمت اور علم عطا کیا۔(القصص:۱۴)

۴۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو دانائی اور علم عطا کیا۔(یوسف:۲۲)

وَاِذِ	اعۡتَزَلۡتُمُوۡهُمۡ	وَمَا	يَعۡبُدُوۡنَ	اِلَّا	اللّٰهَ
اور جب	تم الگ ہو گئے ہو ان سے	اور جن	وہ عبادت کرتے ہیں	سوائے	اللہ
فَاۡوٗۤا	اِلَى	الۡكَهۡفِ	يَنۡشُرۡ	لَكُمۡ	رَبُّكُمۡ	مِّنۡ
تو تم پناہ لو	طرف	غار	وہ پھیلا دے گا	تم پر	تمہارا رب	سے
رَّحۡمَتِهٖ	وَيُهَيِّئۡ	لَكُمۡ	مِّنۡ	اَمۡرِكُمۡ	مِّرۡفَقًا ۝١٦
اس کی رحمت	اور مہیا کر دے گا	تمہارے لیے	سے	تمہارے کام	آسانی

''اور جب تم ان سے اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں سب سے الگ ہو چکے تو غار میں جا کر پناہ لے لو کہ تمہارا رب اپنی کچھ رحمت تمہارے لیے کھول دے اور تمہارے لیے تمہارے کام میں کوئی آسانی مہیا کر دے۔''(۱۶)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ، بالآخر مجبور ہو کر نوجوانوں کا قوم سے علیحدہ ہونے کا فیصلہ۔

نامعلوم نوجوانوں نے کتنی مدت اور کس قدر مظالم برداشت کیے ہوں گے۔ یہاں تک کہ وہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ یقیناً انہوں نے بار بار سوچا ہوگا کہ جائیں تو کہاں جائیں؟ سلطنت رومہ میں ہر جگہ شرک کا غوغہ مچ رہا ہے۔ وقت کی حکومت ان کی دشمن ہو چکی ہے۔ جب حکومت اور عوام اس بات پر متفق ہو گئے کہ ان کو پتھر مار مار کر جان سے مار دینا چاہیے تو اس صورت حال میں اللہ کی توحید کے متوالوں اور اس کی عظمت پر سب کچھ قربان کر دینے والوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ہمیں ان لوگوں سے اپنی جان اور ایمان بچانا چاہیے۔ جو اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ بات طے کرنے اور ایک دوسرے کو تسلی دیتے ہوئے غار میں داخل ہوئے کہ تمہارا رب تم پر کرم فرمائے گا اور ہمارے کام میں آسانی پیدا کرنے کے لیے اسباب مہیا فرمائے گا۔ بعض مفسرین نے ان الفاظ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ بات القاء کر دی تھی۔ جس بناء پر انہیں یقین ہو گیا کہ ہمارا رب اپنے کرم سے ہماری مشکلات کو ضرور آسان فرمائے گا کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب وہ توحید کی دعوت لے کر اٹھے تو ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا۔ کیونکہ مواحد کا اللہ پر بھروسہ ہوتا ہے اور وہ اسی سے مدد کا طلبگار رہتا ہے۔

مسائل

۱۔ اصحاب کہف نے معبودان باطل کو چھوڑ کر غار میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا۔

۲۔ جو اللہ کی راہ میں نکلتا ہے وہ اللہ کی رحمت کا حقدار ہو جاتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ

اورآپ دیکھیں گے سورج جب وہ طلوع ہوتا تو جھک جاتا ہے سے ان کا غار

ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ

طرف دائیں اور جب وہ غروب ہوتا توان سے کترا کر نکل جاتا طرف بائیں

وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ

اور وہ میں کھلی جگہ اس سے یہ سے نشانیوں

اللّٰهِ ۭ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ

اللہ جسے ہدایت دے اللہ تو وہی ہے ہدایت پانے والا اور جسے وہ گمراہ کردے

''سورج کو دیکھیں گے جب نکلتا ہے تو ان کی غار سے دائیں طرف کترا کر نکل جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو ان سے بائیں طرف کترا جاتا ہے اور وہ اس غار کی کھلی جگہ میں ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے گمراہ کردے

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ، جس غار میں نوجوان داخل ہوئے اس کا نقشہ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رہنمائی سے انہیں ایسی غار کا انتخاب کرنے کی توفیق عنایت فرمائی کہ جس کا اندرونی اور بیرونی نقشہ یوں بیان فرمایا ہے کہ صبح کے وقت سورج غار کے دہانے پر دائیں طرف مڑ جاتا اور غروب کے وقت دہانے سے بائیں سمت ہو جاتا۔ اس طرح وہ دوپہر اور پچھلے پہر سورج کی تمازت سے محفوظ کر دیئے گئے۔ اس غار کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا ہے۔ گویا کہ غار ہر اعتبار سے محفوظ ہونے کے ساتھ تازہ ہوا اور مناسب روشنی کی مرکز بنادی گئی۔ غار اندر سے اس قدر کشادہ اور ہموار تھی جس کے لیے 'فجوۃ' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے ''چٹیل میدان''۔ اسکے ساتھ ہی غار پر اس قدر اللہ تعالیٰ نے اپنی جلالت وجبروت کا رعب ڈال دیا تھا۔ کہ عام شخص تو درکنار رسول اکرم ﷺ کو فرمایا ہے کہ آپ بھی اس غار کی ہیبت دیکھ کر اس کے اندر جانے کی ہمت نہیں کر سکیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائی ہے کہ جو اس سے ہدایت کا طالب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت سے سرفراز کرتا ہے اور جو گمراہی کو پسند کرتا ہے اسے وہ گمراہ رہنے دیتا ہے۔ اسی اصول کے تحت اللہ تعالیٰ ہدایت اور گمراہی کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ کیونکہ ہدایت اور گمراہی بھی اسی کی ملک ہیں۔ لہٰذا جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے وہ اپنے لیے کسی کو ولی اور مرشد نہیں پائے گا۔ سبحان اللہ یہاں کیسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں کہ دنیا میں گمراہ لوگوں کی اکثریت کا عالم یہ ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو ولی اور مرشد سمجھتے ہیں جو حقیقتاً ان کے دشمن اور خود گمراہ ہوتے

فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا ۝۱۷ وَتَحْسَبُهُمْ

توہرگزنہیں آپ پائیں گے اس کیلئے کوئی دوست رہنمائی کرنے والا اورآپ خیال کریں گے ان کو

اَیْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ

بیدار اور وہ سوئے ہوئے اور ہم ان کو بدلتے ہیں طرف دائیں

وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْهِ بِالْوَصِیْدِ ؕ لَوِاطَّلَعْتَ

اور طرف بائیں اوران کا کتا پھیلائے ہوئے اپنے دونوں بازو دہلیز پر اگر آپ جھانکتے

عَلَیْهِمْ لَوَلَّیْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۝۱۸

ان پر تو آپ پیٹھ پھیر لیں ان سے بھاگتے ہوئے اور ضرور پڑے آپ پر ان کی دہشت

اس کا آپ کوئی رہنمائی کرنے والا دوست نہ پائیں گے۔" (۱۷) "اور آپ انھیں بیدار خیال کریں گے حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور ہم دائیں اور بائیں ان کی کروٹ پلٹتے رہتے ہیں اور ان کا کتا اپنے بازو دہلیز پر پھیلائے ہوئے ہے۔ اگر آپ ان پر جھانکتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے اور ضرور آپ پر ان کی دہشت طاری ہوگی۔ (۱۸)

ہیں۔ وہ ولایت کے پردے اور مرشد ہونے کی آڑ میں لوگوں کے مال، جان اور ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔

یہ غار نہ صرف اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ بلکہ اس میں آرام کرنے والے توحید کے علمبرداروں کی حالت یہ ہے کہ مدت تک وہ پرسکون نیند میں محوخواب رہے۔ مگر دیکھنے والا ان کے چہروں کی تروتازگی دیکھ کر سمجھتا کہ یہ جاگ رہے ہیں نہ صرف وہ جاگ رہے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان کی کروٹیں بھی تبدیل کرتا رہا۔

مسائل

۱۔ اصحاب کہف اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ ۲۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے۔

۳۔ جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔

تفسیر بالقرآن

ہدایت وگمراہی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

۱۔ جسے اللہ ہدایت دے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جس کو وہ گمراہ کردے اس کا کوئی دوست اور راہ بتانے والا نہیں پاؤ گے۔ (الکھف: ۱۷)

۲۔ جس کو آپ چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے۔ ہدایت اسی کو ملتی ہے جسے اللہ ہدایت دیتا ہے۔ (القصص: ۵۶)

۳۔ جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پر ہے۔ جس کو وہ گمراہ کردے وہ نقصان اٹھائیں گے۔ (الاعراف: ۱۷۸)

۴۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ (ابراہیم: ۴)

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَآئِلٌ

اور اسی طرح ہم نے ان کو دوبارہ اُٹھایا تا کہ وہ ایک دوسرے سے سوال کریں آپس میں کہا ایک کہنے والا

مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۚ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ

ان میں سے کتنا تم ٹھہرے ہو انہوں نے کہا ہم ٹھہرے ایک دن یا کچھ حصہ

يَوْمٍ ۚ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۚ فَابْعَثُوْٓا

دن کا انہوں نے کہا تمہارا رب خوب جانتا ہے جتنا تم ٹھہرے ہو چنانچہ تم بھیجو

اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ

اپنے میں ایک آدمی اپنی چاندی کیساتھ اس طرف شہر پس چاہیے کہ وہ دیکھے کونسا ان میں سے

"اور اسی طرح ہم نے انھیں دوبارہ اٹھایا، تا کہ آپس میں ایک دوسرے سے سوال کریں، ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا آپ کتنی دیر ٹھہرے رہے ہیں؟ کہنے لگے ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے رہے، دوسروں نے کہا تمھارا رب خوب جانتا ہے جتنی مدت تم ٹھہرے رہے ہو۔ اپنے میں سے ایک کو یہ چاندی دے کر شہر کی طرف بھیجو کہ دیکھے اس میں جو کھانے کے لحاظ سے زیادہ

فہم القرآن

ربط کلام: اصحاب کہف کا اٹھایا جانا، ان کا ایک دوسرے سے اپنے قیام کے بارے میں پوچھنا اور اپنی قوم کے ظلم سے ڈرنا۔

اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو تین سو نو سال کے بعد اٹھایا۔ تا کہ یہ ایک دوسرے سے پوچھیں کہ یہاں کتنی دیر ٹھہرے رہے ہیں۔ اس کے ساتھ اس بات کو منکرین آخرت کے لیے حجت قرار دیا ہے۔ اصحاب کہف کو تین سو نو سال سلانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اٹھایا، جونہی وہ لوگ اپنی اپنی جگہ سے اٹھے تو ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ بھائی! ہم کتنی دیر یہاں ٹھہرے رہے ہیں؟ ہر کسی نے سورج کا حساب لگا کر بتایا کہ ہم چند گھنٹے یا ایک دن سوئے رہے ہیں۔ اس اندازے کی دو وجہ تھیں۔ جب وہ سورج کو دیکھتے تو انہیں گمان ہوتا کیونکہ سورج غروب ہونے میں ابھی وقت باقی ہے اس بناء پر کچھ ساتھی کہتے ہیں کہ ہم چند گھنٹے سوئے ہیں۔ لیکن جب اپنی طبیعت کے سکون اور جسمانی آرام پر توجہ دیتے تو کہتے ہیں نہیں ہم ایک دن سوئے ہیں۔ گویا کہ ان کا اس بات پر اتفاق نہ ہو سکا کہ وہ کتنی دیر سوئے ہیں۔ قرآن مجید نے ان کی برادرانہ بحث کو من وعن اسی طرح نقل فرمایا ہے۔ اس کے بعد انہیں بھوک محسوس ہوئی اور انہوں نے فیصلہ کیا۔ اپنے میں سے ایک ساتھی کو کچھ رقم دے کر قریب کے شہر میں بھیجا جائے اور اسے سمجھایا کہ وہ صاف ستھرا کھانا لانا اور آنے جانے میں بھی احتیاط کرنا تا کہ ہمارے بارے میں کسی شخص کو کوئی خبر نہ ہونے پائے اگر لوگوں کو خبر

نصف القرآن باعتبار عدد حروفه التاء بعد اللام من النصف الاول والطاء الثانية من النصف الاخير ۱۲

اَزْكٰى	طَعَامًا	فَلْيَاْتِكُمْ	بِرِزْقٍ	مِّنْهُ	وَلْيَتَلَطَّفْ
زیادہ پاکیزہ	کھانا؟	پھر چاہیے کہ وہ آئے تمہارے پاس	ساتھ کھانا	اس میں سے	اور چاہیے کہ وہ نرمی کرے

وَلَا	يُشْعِرَنَّ	بِكُمْ	اَحَدًا ⑲	اِنَّهُمْ	اِنْ يَّظْهَرُوْا
اور نہ	آگاہ کردے وہ	تمہارے معاملے سے	کوئی ایک	بلاشبہ وہ	اگر وہ قابو پائیں

عَلَيْكُمْ	يَرْجُمُوْكُمْ	اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ	فِيْ	مِلَّتِهِمْ	وَلَنْ
تم پر	تو وہ تمہیں سنگسار کردیں گے	یا وہ تمہیں لوٹالیں گے	میں	ان کا دین	اور ہرگز نہیں

تُفْلِحُوْٓا	اِذًا	اَبَدًا ⑳
تم فلاح پاؤ گے	اس وقت	کبھی بھی

پاکیزہ ہے، پھر تمھارے پاس کھانا لائے نرم رویہ اختیار کرے اور تمھارے بارے میں کسی کو ہرگز معلوم نہ ہونے دے۔ ''(۱۹) ''بے شک اگر وہ تم پر قابو پالیں تو تمھیں سنگسار کردیں گے یا تمھیں دوبارہ اپنے دین میں پھرلیں گے تب تم کبھی فلاح نہیں پاؤ گے۔''(۲۰)

ہوگئی تو وہ ہمیں پکڑ کر سنگسار کردیں گے۔ یا ہمیں شرک کرنے پر مجبور کریں گے۔ شرک کرنے اور مرتد ہونے کی صورت میں ہم کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔ غار میں اصحاب کہف کی گفتگو کے چند نکات۔

۱۔ اصحاب کہف اس بات پر متفق نہ ہوئے کہ ہم کتنی دیر تک سوئے رہے ہیں۔ یہی حالت حضرت عزیر علیہ السلام کی بیان کی گئی ہے کہ جب ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک سو سال سلائے رکھا۔ جس کے بارے میں موت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اصحاب کہف کو بھی یہ معلوم نہ تھا کہ ہم کتنی دیر تک سوئے رہے ہیں۔

۲۔ اصحاب کہف کا اپنے ساتھی کو صاف ستھرا کھانا لانے کی تاکید کرنا، ان کی نفاست اور رزق حلال کھانے کی ترجمانی کرتا ہے۔

۳۔ ساتھی کو آنے جانے میں احتیاط کا پہلو اختیار کرنے کی تلقین کرنا، ان کی سمجھداری اور جن حالات میں انہوں نے اپنا علاقہ چھوڑا تھا۔ اس سے نازک ترین حالات اور شدید خطرات کا پتہ چلتا ہے۔

۴۔ جن حالات کے پیش نظر انہوں نے اپنا وطن چھوڑا تھا کہ اگر وہ غار میں پناہ نہ لیتے تو مشرک انہیں سنگسار کردیتے یا انہیں شرک میں مبتلا کردیتے جو ہلاکت کا راستہ ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو تین سو نو سال کے بعد اٹھایا۔ ۲۔ کھانا پاکیزہ کھانا چاہیے۔

۴۔ اہم کام میں رازداری کا خیال رکھنا چاہیے۔ ۵۔ مشرک اور مرتد کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔

وَكَذٰلِكَ	اَعْثَرْنَا	عَلَيْهِمْ	لِيَعْلَمُوْٓا	اَنَّ	وَعْدَ	اللّٰهِ
اور اسی طرح	ہم نے مطلع کر دیا	ان پر	تا کہ وہ جان لیں	بلاشبہ	وعدہ	اللہ
حَقٌّ	وَّاَنَّ	السَّاعَةَ	لَا رَيْبَ	فِيْهَا ۚ	اِذْ	يَتَنَازَعُوْنَ
حق	اور بلاشبہ	قیامت	نہیں کوئی شک	اس میں	جب	وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے
بَيْنَهُمْ	اَمْرَهُمْ	فَقَالُوا	ابْنُوْا	عَلَيْهِمْ	بُنْيَانًا ؕ	رَبُّهُمْ
ان کے درمیان	ان کا معاملہ	تو انہوں نے کہا	تم بناؤ	ان پر	ایک عمارت	ان کا رب
اَعْلَمُ	بِهِمْ ؕ	قَالَ	الَّذِيْنَ	غَلَبُوْا	عَلٰٓى	اَمْرِهِمْ
خوب جانتا ہے	ان کو	اس نے کہا	وہ جو	وہ غالب آئے تھے	پر	ان کا معاملہ
لَنَتَّخِذَنَّ	عَلَيْهِمْ	مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾				
البتہ ہم ضرور بنائیں گے	ان پر	ایک مسجد				

''اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان سے مطلع کر دیا تا کہ وہ جان لیں کہ بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے اور یہ کہ بے شک قیامت میں کوئی شک نہیں۔ جب وہ ان کے معاملے میں آپس میں جھگڑ رہے تھے تو کہنے لگے ان پر ایک عمارت بنا دو۔ ان کا رب خوب جانتا ہے جو لوگ ان کے معاملے پر غالب ہوئے انھوں نے کہا ہم ضرور یہاں مسجد بنائیں گے۔'' (۲۱)

فہم القرآن

ربط کلام: اصحاب کہف کو تین سو نو سال کے بعد اٹھانے کی حکمت اور عقیدہ آخرت کا ایک اور ٹھوس ثبوت۔

یہ حقیقت پہلے بھی کئی بار عرض کی جا چکی ہے کہ عقیدہ آخرت اسلام کا تیسرا بنیادی عقیدہ اور اصول ہے جس کے لیے نا صرف قرآن مجید نے عقلی اور نقلی دلائل دیئے ہیں۔ بلکہ اس حقیقت کے اثبات کے لیے انسانی تاریخ میں پھیلے ہوئے ایسے واقعات بیان فرمائے ہیں کہ جن سے ثابت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ضرور انسان کو پیدا فرمائے گا۔ اصحاب کہف کو بھی تین سو نو سال کے بعد اس لیے جگایا اور اٹھایا گیا تا کہ انہیں اور ان کے حوالے سے لوگوں کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر صورت قیامت برپا کرنے کا وعدہ پورا کرے گا۔ جس کے برپا ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اصحابِ کہف نے مشورہ کرنے کے بعد جس ساتھی کو شہر میں کھانے کے لیے بھیجا تھا جب وہ شہر گیا۔ تو اس نے شہر اور لوگوں کو بالکل بدلا ہوا پایا۔ جب اس نے تین سو نو سال پہلے کی کرنسی پیش کی تو دکان دار کا کیا ردِ عمل تھا۔ وہ کھانا لے کر غار میں واپس آیا اور اسکے ساتھ کیا کیا واقعات پیش آئے۔ اس کے بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ کیونکہ ان باتوں پر ردِ عمل کا ہونا ایک فطری بات ہے۔ لہٰذا اس کے

ذکر کی چنداں ضرورت نہیں تھی جس پراس کی تفصیلات بیان نہیں کی گئی ہیں۔البتہ مفسرین اور مؤرخین نے یہ واقعات درج کیے ہیں کہ جب وہ غار سے نکلا، شہر میں داخل ہوا تو شہر کی حالت، لوگوں کا رہن سہن اوران کے نظریات میں تبدیلی محسوس کی۔جب اس نے کھانے کی قیمت پیش کی تو دکاندار نے کہا یہ کرنسی تو بہت پرانی ہے۔اس نے کہا کل تو یہ کرنسی استعمال ہوتی تھی راتوں رات اسے کیا ہو گیا ہے۔ان کی آپس میں ہونے والی تکرار سن کر لوگ اکٹھے ہوئے۔مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے۔بالآخر لوگوں نے عجوبہ سمجھ کر غار تک اس کا پیچھا کیا وہ لوگوں کے سامنے غار میں داخل ہوا لیکن اس کا پیچھا کرنے والوں کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ آگے بڑھ کر غار میں جھانک سکیں۔جب یہ بات حکمرانوں تک پہنچی تو ذمہ داران حکومت غار کے دہانے پر پہنچے بعدازاں ان میں اس بات پر تنازعہ ہوا کہ ان کی یادگار کیسی ہونی چاہیے؟ بالآخر جو طبقہ اپنی رائے میں غالب رہا انہوں نے فیصلہ کیا کہ غار کے قریب مسجد تعمیر کی جائے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ))

[رواہ البخاری:باب حدثنا ابو الیمان]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہودیوں کو ہلاک کرے انہوں نے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔“

مسائل

۱۔ قیامت آنے والی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں۔اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔

۲۔ اصحاب کہف کے غار کے پاس ایک مسجد تعمیر کی گئی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے:

۱۔ ہم نے ان کو ان کے حال سے خبر دار کر دیا تا کہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے۔(الکھف:۲۱)

۲۔ اللہ کا وعدہ یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔(بنی اسرائیل:۱۰۸)

۳۔ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور اللہ تعالیٰ کی بات سے کس کی بات سچی ہو سکتی ہے؟(النساء:۱۲۲)

۴۔ آگاہ رہو! اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں۔(یونس:۵۵)

۵۔ بلاشبہ اللہ کا وعدہ برحق ہے لہٰذا تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے۔(لقمان:۳۳)

۶۔ صبر کیجیے اللہ کا وعدہ سچا ہے۔(المومن:۵۵۔۷۷)

۷۔ قیامت کے دن شیطان کہے گا یقیناً اللہ نے تمہارے ساتھ برحق وعدہ فرمایا تھا۔(ابراہیم:۲۲)

۸۔ اے لوگو! یقیناً اللہ کا وعدہ برحق ہے تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے۔(فاطر:۵)

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ

عنقریب وہ کہیں گے تین ان کا چوتھا ان کا کتا اور وہ کہیں گے پانچ

سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ

ان کا چھٹا ان کا کتا رائے زنی ساتھ غیب اور وہ کہیں گے سات

وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا

اور ان کا آٹھواں ان کا کتا فرمادیجیے میرا رب خوب جانتا ہے ان کی تعداد نہیں

يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ڛ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَاۗءً

وہ جانتے ہیں ان کو مگر بہت تھوڑے لوگ سو نہ جھگڑا کریں آپ اس کی بابت مگر جھگڑا

ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ۝ۧ٢٢

سرسری اور نہ پوچھیے آپ ان کے بارے میں ان میں سے کوئی ایک

”عنقریب وہ کہیں گے تین تھے، ان کا چوتھا کتا تھا اور کہیں گے پانچ تھے ان کا چھٹا کتا تھا، بن دیکھے پتھر پھینکتے ہوئے اور کہیں گے سات تھے، ان کا آٹھواں کتا تھا۔ فرمادیں آپ کا رب ان کی تعداد خوب جانتا ہے، تھوڑے لوگوں کے سوا کوئی نہیں جانتا آپ ان کے بارے میں سرسری بحث کے سوا بحث نہ کریں اور ان لوگوں میں سے کسی سے ان کے بارے میں نہ پوچھیے۔“ (۲۲)

فہم القرآن

ربط کلام: لوگوں کے درمیان اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں اختلاف رہا ہے ،اس بارے میں خصوصی ہدایت۔

اصحاب کہف کے بارے میں شروع سے لوگوں میں یہ اختلاف رہا ہے کہ ان کی تعداد کتنی تھی؟ یہی اختلاف نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بھی تھا۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ وہ تین آدمی تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا۔ دوسروں کا خیال تھا کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا۔ تیسرے گروہ کا خیال تھا کہ وہ سات جوان تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ آپ ﷺ کو یہ کہہ کر اس بحث سے لاتعلق رہنے کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ آپ فرمائیں کہ میرا رب ان کی تعداد کو خوب جانتا ہے۔ ان کی صحیح تعداد کو بہت تھوڑے لوگ جانتے ہیں لہٰذا آپ کو اس معاملے میں سرسری گفتگو سے بڑھ کر زیادہ بات نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی اصحاب کہف کے بارے میں کسی سے جاننے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ نوجوان تھوڑے ہوں یا زیادہ اصل بات تو ان کا عقیدہ اور کردار ہے۔

((مَايَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ))[الکھف:۲۲]

”چند لوگوں کے سوا اصحابِ کہف کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ میں ان قلیل لوگوں میں سے ہوں جو جانتے ہیں کہ ان کی اصل تعداد کیا

تھی۔اپنے موقف کی تائید کے لیے وہ یہ دلیل دیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں پہلی دوتعداد کا یہ کہہ کر رد فرمایا ہے کہ اس کے بارے میں لوگ اٹکل پچو سے باتیں کرتے ہیں۔اصحاب کہف کی تعداد سات تھی اور آٹھواں ان کا کتا تھا یہ بتلا کر اس کی تردید نہیں کی گئی۔اس بنیاد پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد سات تھی اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔(واللہ اعلم)

اس آیت مبارکہ میں رسول اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جن باتوں کا براہ راست شریعت اور عمل کے ساتھ تعلق نہ ہو۔انکے بارے میں بحث مباحثہ اور پوچھ گچھ کرنا مناسب نہیں کیونکہ جن لوگوں کو لایعنی باتوں میں پوچھ گچھ اور بحث ومباحثہ کرنے کی عادت ہوجائے۔دیکھا گیا ہے کہ ان لوگوں کی اکثریت بے عمل ہوتی ہے۔بلکہ ان کی غالب اکثریت گمراہ ہوجایا کرتی ہے۔نبی کریم ﷺ نے ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

’حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب میں تمہیں رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث بیان کروں تو اللہ کی قسم! مجھے آسمان سے گرنا زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ میں آپ ﷺ پر جھوٹ بولوں۔جب میں تمہارے اور اپنے درمیان بات کرتا ہوں تو یقیناً جنگ دھوکہ ہے۔یقیناً میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے۔آخری زمانے میں لوگ ہوں گے، چرب زبان، نادان ہوں گے، اچھی اور بھلائی کی بات کرنے والے ہوں گے، ان کا ایمان ان کی حلقوم سے تجاوز نہیں کرے گا۔وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے۔جہاں بھی تم انہیں پاؤ قتل کردو۔یقیناً ان کو قتل کرنے والے آدمی کے لیے قیامت کے دن اجر ہوگا۔‘‘[رواہ البخاری: کتاب استتابۃ المرتدین]

((عَنْ عَلِیٍّ إِنِّی سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ سَیَخْرُجُ قَوْمٌ فِی اٰخِرِ الزَّمَانِ حُدَّاثُ الْاَسْنَانِ سُفَھَآءُ الْاَحْلَامِ یَقُوْلُوْنَ مِنْ قَوْلِ خَیْرِ الْبَرِیَّۃِ لَا یُجَاوِزُ اِیْمَانُھُمْ حَنَاجِرَھُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ کَمَا یَمْرُقُ السَّھْمُ مِنَ الرَّمِیَّۃِ)) [رواہ البخاری: کتاب استتابۃ المرتدین باب قتل الخوارج]

’’حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ آخری زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو نوعمر، عقل ودانش کے لحاظ سے نادان، کتاب وسنت کو پیش کریں گے مگر حقیقتاً نورِ ایمان سے ایسے خالی ہوں گے کیونکہ ایمان ان کے حلقوں سے نیچے نہیں اترے گا۔دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے پار ہو جاتا ہے۔‘‘

تفسیر بالقرآن

ہر چیز کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے:

۱۔ فرمادیجیے! میرا پروردگار ہی ان کی تعداد کا علم رکھتا ہے۔(الکھف:۲۲)

۲۔ اصحاب کہف نے کہا تمہارا رب جانتا ہے تم کتنی دیر ٹھہرے ہو؟(الکھف:۱۹)

۳۔ اللہ جانتا ہے رسالت کسے عطا کرنی ہے؟(الانعام:۱۲۴) ۴۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید جانتا ہے۔(ھود:۵)

۵۔ اللہ جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔(ھود:۳۱) ۶۔ اللہ ہدایت یافتہ لوگوں کو جانتا ہے۔(القلم:۷)

وَلَا	تَقُوْلَنَّ	لِشَاْیْءٍ	اِنِّیْ	فَاعِلٌ	ذٰلِكَ	غَدًا ﴿۲۳﴾
اور نہیں	آپ قطعاً کہیں	کسی چیز کے متعلق	بلاشبہ میں	کرنے والا ہوں	یہ	کل
اِلَّآ	اَنْ	یَّشَآءَ	اللّٰهُ	وَاذْكُرْ	رَّبَّكَ	اِذَا
مگر	یہ کہ	وہ چاہے	اللہ	اور یاد کریں	آپ کا رب	جب
نَسِیْتَ	وَقُلْ	عَسٰۤی	اَنْ	یَّهْدِیَنِ	رَبِّیْ	لِاَقْرَبَ
آپ بھول گئے	اور فرمادیں	امید ہے	کہ	مجھے ہدایت دے دے	میرا رب	قریب تر
		مِنْ	هٰذَا	رَشَدًا ﴿۲۴﴾		
		سے	اس	بھلائی		

''اور کسی کام کے بارے میں یہ نہ کہیں کہ میں یہ کام کل ضرور کروں گا۔'' (۲۳) ''مگر یہ کہ اللہ چاہے اپنے رب کو یاد کرو۔ جب بھول جاؤ اور کہہ امید ہے کہ میرا رب مجھے نیکی کا اس سے قریب تر راستہ دکھائے گا۔'' (۲۴)

فہم القرآن

ربط کلام: نبی کریم ﷺ کو دوسری تلقین۔

سورۃ الکھف کے تعارف میں یہ بات بیان ہوچکی ہے کہ اہلِ مکہ نے مدینہ کے یہودیوں کے پاس ایک وفد بھیجا۔ یہودیوں نے انہیں تین سوالات بتلائے کہ اگر محمد نے ان سوالوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دیا تو وہ حقیقی نبی ہے۔ اگر ٹھیک جواب نہ دے سکا تو نبوت کے دعوی میں جھوٹا ہے۔ وفد نے مکہ سے واپس آکر آپ ﷺ سے یہ سوالات کیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں کل تمہیں جواب دوں گا لیکن کئی دن تک وحی نہ آئی۔ جس پر کفار نے بغلیں بجائیں اور پروپیگنڈہ کیا کہ یہ شخص جھوٹا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان جاری کیا ''اے نبی! کسی کام کے بارے میں آئندہ اس طرح نہ کہنا کہ میں اسے کل کروں گا ایسی بات کہتے وقت انشاء اللہ کہا کریں۔ جب اپنے رب کا نام لینا بھول جاؤ تو یاد آنے پر فوراً انشاء اللہ کہا کرو۔ اور فرمادیں عنقریب میرا رب میری اس سے زیادہ رہنمائی کرے گا۔'' اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر کو اور آپ کے حوالے سے آپ کی امت کو یہ ہدایت فرمائی ہے۔ مستقبل کے بارے میں کسی سے عہد کرنا ہو تو اس وقت انشاء اللہ کہہ لینا چاہیے۔ کیونکہ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔

﴿وَمَا تَشَاءُ وْنَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ﴾ [التکویر: ۲۹]

''اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو اللہ جہانوں کا رب چاہے۔''

﴿وَمَا تَشَاءُ وْنَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾[الدھر: ۳۰]
''اورتم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر جو اللہ کو منظور ہو، بے شک اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے۔''

انشاءاللہ کا مقام اور احترام:

انشاءاللہ میں دو باتیں پائی جاتی ہیں۔ایک طرف انشاء اللہ پڑھنے والا اس لیے پڑھتا ہے کہ میرا کام کوشش کرنا ہے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔گویا کہ وہ اپنے عقیدے کا اظہار کرتا ہے کہ کام کرنے کی اصل طاقت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔دوسرے الفاظ میں انشاء اللہ کہنے والا اللہ کو گواہ بنا کر دوسرے کو یقین دلاتا ہے کہ میں یہ کام کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کروں گا۔لیکن افسوس آج کئی علماء اور مسلمان انشاءاللہ تاکید کے طور پر نہیں بلکہ تعلیق کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔تعلیق کا معنٰی ہے کسی بات کو لٹکانا حالانکہ وعدہ کرتے ہوئے انہیں یقین کی حد تک معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام میں نہیں کر پاؤں گا لیکن وقت ٹالنے کے لیے انشاءاللہ کہتے ہیں۔جو شخص اس طرح انشاءاللہ کہتا ہے اسے خود ہی سوچنا چاہیے کہ وہ کس قدر ظالم ہے؟اپنے اور اپنے بھائی پر ظلم کرنے کے ساتھ اللہ کے مقدس نام کو کس نیت کے ساتھ استعمال کر رہا ہے۔

مسائل

۱۔ کسی کام کے متعلق یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں کل کروں گا۔

۲۔ جب اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھول جائیں تو یاد آنے پر انشاءاللہ کہنا چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہی حق کی جانب رہنمائی کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا چاہیے:

۱۔ اپنے رب کو یاد کرو جب اس کا نام لینا بھول جاؤ۔(الکھف:۲۴)

۲۔ اے ایمان والو!اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور اس کی صبح و شام تسبیح بیان کرو۔(الاحزاب:۴۱)

۳۔ جب نماز پوری کر چکو تو اللہ کا کھڑے، بیٹھ اور لیٹ کر ذکر کرو۔(النساء:۱۰۳)

۴۔ اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور انکساری سے یاد کرو۔(الاعراف:۲۰۵)

۵۔ خبردار اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔(الرعد:۲۸)

وَلَبِثُوْا	فِیْ	کَهْفِهِمْ	ثَلٰثَ	مِائَةٍ	سِنِیْنَ	وَ
اور وہ ٹھہرے	میں	ان کا غار	تین	سو	سال	اور
ازْدَادُوْا	تِسْعًا ﴿۲۵﴾	قُلِ	اللّٰهُ	اَعْلَمُ	بِمَا	لَبِثُوْا ج
زیادہ	نو	فرما دیجیے	اللہ	خوب جانتا ہے	اس کو جو	وہ ٹھہرے
لَهٗ	غَیْبُ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ ط	اَبْصِرْ بِهٖ	وَ	اَسْمِعْ ط
اسی کے لیے ہے	غیب	آسمانوں	اور زمین	خوب دیکھنے والا ہے	اور	خوب سننے والا ہے!
مَا لَهُمْ	مِّنْ	دُوْنِهٖ	مِنْ	وَّلِیٍّ ز	وَّلَا	یُشْرِكُ
نہیں ہے ان کے لیے	سے	سوا	سے	دوست	اور نہیں	وہ شریک کرتا ہے
فِیْ	حُكْمِهٖۤ	اَحَدًا ﴿۲۶﴾				
میں	اس کا حکم	کوئی ایک				

”اور وہ غار میں تین سو نو سال رہے۔“ (۲۵) ”فرما دیں اللہ زیادہ جاننے والا ہے کتنی مدت رہے، اسی کے پاس آسمانوں اور زمین کے چھپے ہوئے راز ہیں، وہ خوب دیکھنے والا اور سننے والا ہے، نہ اس کے سوا ان کا کوئی مددگار ہے اور نہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔“ (۲۶)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

اصحاب کہف کی غار میں مدت قیام تین سو نو سال بتلانے کے بعد پھر یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اے پیغمبر ﷺ! لوگوں کو بتلا دیں کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ اس میں کتنی مدت ٹھہرے رہے۔ وہی زمین و آسمان کی پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے۔ وہ ہر چیز کو خوب دیکھتا اور ہر بات کو اچھی طرح سننے والا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ایسی باتوں کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں ہاں یہ یاد رکھیں کہ اللہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی ذات اور صفات میں وحدہ لاشریک ہے اسی طرح کائنات کا خالق و مالک ہونے کے ساتھ واحد حاکم ہے۔ اس کے ہر حکم میں حکمتیں پنہاں ہوتی ہیں۔ زمین و آسمانوں میں کوئی ہستی نہیں جو اس کے حکم میں مداخلت کر سکے وہ حاکم مطلق ہے۔ اس کا ارشاد ہے کہ اس کے بندوں پر اسی کا حکم چلنا چاہیے۔

﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ﴾ [المائدة: ٤٤]

”جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔“

﴿وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰہُ فَأُولٰئِکَ ھُمُ الظَّالِمُوْنَ﴾[المائدۃ:٤٥]

”جو اس کے حکم کو نافذ نہیں کرتا جو اللہ نے نازل کیا ہے وہ ظالم ہے۔“

﴿وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰہُ فَأُولٰئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾[المائدۃ:٤٧]

”جو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ فاسق ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کے حکم کے نفاذ کے فوائد:

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ إِقَامَۃُ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰہِ خَیْرٌ مِنْ مَطَرِ أَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً فِی بِلَادِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ))[رواہ ابن ماجۃ: کتاب الحدود، باب اقامۃ الحدود]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد کو قائم کرنا۔ زمین پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے چالیس راتیں بارش نازل کرنے سے بہتر ہے۔“

مسائل

١۔ اصحاب کہف غار میں تین سو نو سال ٹھہرے رہے۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ زمین و آسمانوں کے غائب کو جانتا ہے۔
٣۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کارساز نہیں۔ ٤۔ اللہ تعالیٰ کے حکم میں کسی کو شریک نہیں بنانا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کی زمین پر اللہ ہی کا حکم نافذ ہونا چاہیے:

١۔ اللہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ (الکھف:٢٦)

٢۔ اللہ جیسا چاہتا ہے حکم کرتا ہے کوئی اس کے حکم کو رد کرنے والا نہیں۔ (الرعد:٤١)

٣۔ آپ ان کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں۔ (المائدۃ:٤٩)

٤۔ خبردار اسی کے لیے حکم ہے اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ (الانعام:٦٢)

٥۔ حکم صرف اللہ ہی کا ہے وہ حق بیان کرتا ہے۔ (الانعام:٥٧)

٦۔ نہیں ہے حکم مگر اللہ کا اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ (یوسف:٤٠)

٧۔ اچھی طرح سنو! کہ ساری کائنات کا خالق اللہ ہی ہے اور وہی حاکم مطلق ہے۔ (الاعراف:٥٤)

وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ

اور تلاوت کیجیے | جو | وحی کی گئی | آپ کی طرف | سے | کتاب | آپ کا رب

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾

نہیں کوئی بدلنے والا | اس کی باتوں کو | اور ہرگز نہیں پائیں گے آپ | سے | سوا | کوئی جائے پناہ

''اور تلاوت کرو جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے آپ پر کتاب میں وحی کی گئی ہے، اس کے ارشادات کو کوئی بدلنے والا نہیں اور نہ اس کے سوا آپ جائے پناہ پائیں گے۔'' (۲۷)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ حاکم ہے اور اس کا حکم قرآن مجید کی صورت میں مکمل ہوا، اس لیے اس کے حکم کو جاننے کے لیے قرآن مجید کی تلاوت کرنا لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر وحی کے ذریعے قرآن مجید نازل فرمایا جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کوئی ردوبدل نہیں کر سکتا۔ اس میں ردوبدل اور ترمیم واضافہ کرنے کی کسی کو ہرگز اجازت نہیں یہاں تک کہ رسول اکرم ﷺ بھی اس کی زیر زبر میں تبدیلی نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے احکام حق پر مبنی، حق کے ترجمان اور قیامت تک قائم دائم رہنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے۔ (الحجر: ۹) اللہ کے کلام میں تبدیلی نہ ہونے کا یہ بھی مقصد ہے کہ اے نبی ﷺ! لوگ اسے پسند کریں یا نہ کریں آپ نے ہر حال میں انہیں قرآن سنانا ہے۔ دنیا میں یہ واحد کتاب ہے جو شخص ایمان کی حالت میں اس کی تلاوت کرے گا۔ اسے ایک ایک حرف کے بدلے اجر وثواب دیا جائے گا۔

((عَنْ أَبِی مُوسَی رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ الْمُؤمِنُ الَّذِی یَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَیَعْمَلُ بِهِ کَالْأُتْرُجَّةِ، طَعْمُهَا طَیِّبٌ وَرِیحُهَا طَیِّبٌ، وَالْمُؤْمِنُ الَّذِی لَا یَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَیَعْمَلُ بِهِ کَالتَّمْرَةِ، طَعْمُهَا طَیِّبٌ وَلَا رِیحَ لَهَا، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِی یَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَالرَّیْحَانَةِ، رِیحُهَا طَیِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِی لَا یَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَالْحَنْظَلَةِ، طَعْمُهَا مُرٌّ أَوْ خَبِیثٌ وَرِیحُهَا مُرٌّ))

[رواه البخاری: کتاب فضائل القرآن، باب مَنْ رَایَا بِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ أَوْ تَأَكَّلَ بِهِ أَوْ فَخَرَ بِهِ]

''حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مومن وہ ہے جو قرآن پڑھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔ وہ سنگترے کی طرح ہے اس کا کھانا بھی پاکیزہ ہے اور اس کی خوشبو بھی پاکیزہ ہے اور وہ مومن جو قرآن نہیں پڑھتا لیکن اس پر عمل کرتا ہے وہ اس کھجور کی طرح ہے۔ اس کا ذائقہ اچھا ہے لیکن اس کی خوشبو نہیں اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال پھول کی طرح ہے جس کی

خوشبو تو اچھی ہے مگر اس کا ذائقہ کڑوا ہے اور جو منافق قرآن نہیں پڑھتا۔ وہ اندرائن کے پھل کی طرح ہے اس کا ذائقہ گندہ ہے اور اس کی بُو بھی بڑی ہے۔‘‘

((عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ فَلَہُ بِہٖ حَسَنَۃٌ وَالْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ أَمْثَالِہَا لَا أَقُوْلُ الم حَرْفٌ وَلٰکِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِیْمٌ حَرْفٌ))

[رواہ الترمذی : کتاب فضائل القرآن]

’’حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن کا ایک حرف پڑھا اسکے لیے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف، میم دوسرا حرف اور لام تیسرا حرف ہے۔‘‘

قیامت کے دن حافظ قرآن کا اعزاز:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ کَمَا کُنْتَ تُرَتِّلُ فِی الدُّنْیَا فَإِنَّ مَنْزِلَکَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰیَۃٍ تَقْرَؤُہَا))[رواہ ابوداود: باب اسْتِحْبَابِ التَّرْتِیلِ فِی الْقِرَاءَۃِ]

’’حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حافظ قرآن کو کہا جائے گا قرآن کو پڑھتے جاؤ اور اوپر چڑھتے جاؤ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو جس طرح دنیا میں پڑھا کرتے تھے۔ قرآن مجید کی آخری آیت کے اختتام پر تیری منزل ہوگی۔‘‘

مسائل

۱۔ کتاب اللہ کی تلاوت کرنی چاہیے۔ ۲۔ کتاب اللہ میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے آداب:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھیے جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے۔ (الکھف : ۲۷)

۲۔ ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔ (بنی اسرائیل:۱۰۵)

۳۔ قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھیں۔ (المزمل:۴) ۴۔ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے خاموشی سے سنو۔ (الاعراف:۲۰۴)

۵۔ قرآن بڑی شان والا ہے اور لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ (الواقعۃ : ۷۷تا۷۹)

۶۔ جن کو کتاب دی گئی وہ اس کی تلاوت اسی طرح کرتے ہیں جس طرح تلاوت کرنے کا حق ہے۔ (البقرۃ:۱۲۱)

وَاصْبِرْ	نَفْسَكَ	مَعَ	الَّذِيْنَ	يَدْعُوْنَ	رَبَّهُمْ
اور روک رکھیے	اپنا نفس	ساتھ	وہ لوگ	وہ پکارتے ہیں	ان کا رب

بِالْغَدٰوةِ	وَالْعَشِيِّ	يُرِيْدُوْنَ	وَجْهَهٗ	وَلَا	تَعْدُ
صبح	اور شام	وہ چاہتے ہیں	اس کا چہرہ	اور نہ	وہ تجاوز کریں

عَيْنٰكَ	عَنْهُمْ ج	تُرِيْدُ	زِيْنَةَ	الْحَيٰوةِ	الدُّنْيَا ج	وَلَا
آپ کی آنکھیں	ان سے	آپ ارادہ کرتے ہیں	زینت	زندگی	دنیا	اور مت

تُطِعْ	مَنْ	اَغْفَلْنَا	قَلْبَهٗ	عَنْ	ذِكْرِنَا	وَاتَّبَعَ
آپ اطاعت کریں	وہ جو	ہم نے غافل کردیا	اس کا دل	سے	ہمارا ذکر	اور اس نے پیروی کی

هَوٰىهُ	وَكَانَ	اَمْرُهٗ	فُرُطًا ۝۲۸
اس کی خواہش	اور ہے	اس کا معاملہ	حد سے بڑھا ہوا

’’اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیں جو اپنے رب کو صبح شام یاد کرتے ہیں، اس کی رضا چاہتے ہیں، آپ کی آنکھیں ان سے آگے نہ بڑھیں کہ آپ دنیا کی زندگی کی زینت چاہتے ہو اور اس شخص کا کہنا مت مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے۔‘‘ (۲۸)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار کے بے جا اعتراضات اور مطالبات پر آپ ﷺ کو صبر کی تلقین اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ وابستہ رہنے کا حکم:

کفار مکہ کا مسلسل مطالبہ تھا کہ اگر قرآن مجید میں ردوبدل کردیا جائے تو ہم تجھ پر ایمان لانے کے لیے تیار ہیں۔ جب یہ مطالبہ کلیتاً مسترد کردیا گیا تو انہوں نے یہ مطالبہ کرڈالا کہ جب ہم آپ کے پاس حاضر ہوں تو جو لوگ معاشی اور معاشرتی اعتبار سے کمزور ہیں وہ آپ کی مجلس میں نہیں ہونے چاہییں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پہلے مطالبہ کو مسترد کرتے ہوئے بتلایا کہ اللہ کے کلام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ اگر آپ اس میں ردوبدل کا خیال کریں کہ یہ لوگ اس پر راضی ہوجائیں تو یاد رکھنا ایسی صورت میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کوئی نہیں بچاسکے گا۔ جہاں تک ان لوگوں کا یہ مطالبہ ہے کہ آپ اپنی مجلس میں کمزور مسلمانوں کو نکال باہر کریں۔ اللہ کا حکم تو یہ ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ رکھیں جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرنے والے اور اس کی رضا کے متلاشی ہیں۔ جو لوگ دنیا کی زیب و زینت میں محو ہو کر اپنے رب کی یاد سے غافل ہوچکے ہیں۔ ایسے لوگوں کی بات کبھی نہیں ماننا اور نہ ہی ان کی جاہ، شوکت دیکھ کر کسی حسرت کا اظہار کرنا چاہیے۔ سورۃ آل عمران کی

آیت ۱۹۶، ۱۹۷میں فرمایا کہ اے نبی! شہروں میں کفار کا چلنا پھرنا آپ کو دھوکہ میں مبتلا نہ کردے۔ یہ تو دنیا کا معمولی سامان ہے بالآخران کا ٹھکانہ جہنم ہوگا، جو بدترین رہنے کی جگہ ہے۔ یہ انجام اس لیے ہوگا کہ ایسے لوگوں نے اپنے نفس کو خدا بنا رکھا ہے اور دنیا کے بندے ہوکر رہ گئے ہیں یہ پرلے درجے کی گمراہی ہے حالانکہ دنیا کی حقیقت یہ ہے۔

دنیا کی حقیقت:

﴿إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتّٰى إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُوْنَ عَلَيْهَا أَتٰهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيْدًا كَأَنْ لَمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾[یونس:۲٤]

”دنیا کی زندگی کی مثال تو بس اس پانی کی سی ہے جسے ہم نے آسمان سے اتارا تو اس کے ساتھ زمین کی روئیدگی سے (اگنے والی چیزیں) خوب گنجان ہوگئیں، جس سے انسان اور چوپائے کھاتے ہیں، یہاں تک کہ جب زمین شاداب اور خوب مزین ہوگئی اور اس کے رہنے والے گمان کر بیٹھے کہ یقیناً وہ اس پر قادر ہیں رات یا دن کے وقت اس پر ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اسے جڑ سے کاٹی ہوئی کردیا، جیسے وہ کل تھی ہی نہیں۔ اسی طرح ہم ان لوگوں کے لیے نشانیاں مفصل بیان کرتے ہیں جو سوچتے ہیں۔“

مسائل

۱۔ آپ ﷺ کو نیک لوگوں کے ساتھ وابستہ رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ۲۔ دنیا عارضی ہے۔

۳۔ اللہ کے نافرمانوں کی تابعداری نہیں کرنی چاہیے۔ ۴۔ اپنی یا لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اپنی یا کسی کی غلط خواہش کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے:

۱۔ اس شخص کا کہنا نہ مانیے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا ہے۔ (الکھف:۲۸)

۲۔ آپ ﷺ ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور خواہش کے پیچھے نہ لگیں۔ (ص:۲۶)

۳۔ اس سے بڑا گمراہ کون ہوسکتا ہے جو اپنی خواہشات کے تابع ہو چکا ہے۔ (القصص:۵۰)

۴۔ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو گمراہ ہو چکے ہیں۔ (المائدۃ:۷۷)

۵۔ فرمادیجیے! میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کروں گا اگر پیروی کروں تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ (الانعام:۵۶)

۶۔ آپ ﷺ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ کیونکہ آپ کے پاس حق آچکا ہے۔ (المائدۃ:۴۹)

وَقُلِ	الْحَقُّ	مِنْ	رَّبِّكُمْ قف	فَمَنْ	شَآءَ	فَلْيُؤْمِنْ
اور فرما دیجیے	حق	سے	تمہارا رب	سو جو	اس نے چاہا	تو وہ ایمان لائے
وَّمَنْ	شَآءَ	فَلْيَكْفُرْ	اِنَّآ	اَعْتَدْنَا	لِلظّٰلِمِيْنَ	نَارًا
اور جو	اس نے چاہا	تو وہ کفر کرے	بلاشبہ ہم نے	تیار کی	ظالموں کے لیے	آگ
اَحَاطَ	بِهِمْ	سُرَادِقُهَا ط	وَاِنْ	يَّسْتَغِيْثُوْا	يُغَاثُوْا	بِمَآءٍ
گھیرا ہوا	ان کو	اس کی قناتوں	اور اگر	وہ فریاد کریں گے	فریاد رسی کیے جائیں گے	پانی کیساتھ
كَالْمُهْلِ	يَشْوِى	الْوُجُوْهَ ط	بِئْسَ	الشَّرَابُ ط	وَسَآءَتْ	مُرْتَفَقًا ۲۹
تیل کی تلچھٹ کے مانند	وہ بھون ڈالے گا	چہرے	برا	پینا	اور بری	رہنے کی جگہ

''اور فرما دیں یہ حق تمھارے رب کی طرف سے ہے جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کردے۔ بے شک ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے، جس کی قناتوں نے انھیں گھیر رکھا ہے اور اگر پانی مانگیں گے تو انھیں تیل کی مانند پانی دیا جائے گا، جو چہروں کو بھون ڈالے گا نہایت برا پینا ہے اور نہایت بری رہنے کی جگہ ہے۔'' (۲۹)

فہم القرآن

ربط کلام: جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق پہنچ چکا ہے۔ تو پھر دنیا کی عیش وعشرت کی خاطر حق سے تغافل نہیں کرنا چاہیے۔ حق سے تغافل کرنے والوں کا انجام بدترین ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے حق نازل کرنے اور اس پر ایمان لانے کا حکم دینے کے باوجود حق کو انسان پر مسلط نہیں فرمایا۔ بلکہ اسے اختیار دیا کہ وہ چاہے تو حق پر ایمان لے آئے نہ چاہے تو کفر اختیار کیے رکھے کیونکہ اس کا اصول ہے۔

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ [البقرۃ:۲۵۶]

''دین میں کوئی زبردستی نہیں ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے اس لیے جو شخص باطل معبودوں کا انکار کرکے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سننے، جاننے والا ہے۔''

﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ إِمَّا شَاكِرًا وَّإِمَّا كَفُوْرًا﴾ [الدھر:۳]

''ہم نے (انسان) کو راستہ دکھلا دیا خواہ وہ شکر گزار ہو جائے اور خواہ ناشکرا۔''

البتہ کفر اختیار کرنیوالے کو یہ بات ضرور ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو کفر کا راستہ پسند نہیں ہے جو لوگ کفر اختیار کریں گے وہ ظالم شمار ہوں گے۔ ظالموں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں اسے گھیرے ہوئے ہوں گی وہ پیاس کے مارے پانی کے لیے فریاد کریں گے لیکن انہیں گرم ترین تیل کی مانند ابلتا ہوا پانی دیا جائے گا۔ جس سے نا صرف ان کے ہونٹ زخمی ہوں گے بلکہ ان کے چہرے جھلس کر بدترین شکل اختیار کرلیں گے۔ ان کا کھانا پینا اور رہنا سہنا بدترین صورت میں ہوگا۔ قرآن مجید کے دوسرے مقام میں جہنمیوں کو دیئے جانے والے پانی کا ان الفاظ میں ذکر ہوا ہے۔

﴿مِنْ وَرَائِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَاءٍ صَدِيْدٍ ٥ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهُ وَيَأْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَمِنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ٥﴾ [ابراھیم:١٦۔١٧]

”جہنم میں جہنمیوں کو خون اور پیپ سے ملا ہوا مشروب دیا جائے گا۔ جہنمی اس کا ایک گھونٹ لینے کی کوشش کرے گا لیکن وہ پی نہ سکے گا۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق پہنچ چکا ہے۔
٢۔ ایمان کے معاملے میں کسی پر زبردستی نہیں کی جاسکتی۔
٣۔ ظالموں کے لیے آگ ہے۔
٤۔ ظالموں کو جہنم کی آگ گھیرے ہوئے ہوگی۔
٥۔ جہنمیوں کو پانی کی بجائے پگھلے ہوئے تانبے کا سیال دیا جائے گا۔
٦۔ جہنم بہت ہی بدترین جگہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

جہنم میں عذاب کی مختلف شکلیں:

١۔ اس دن ہم ان کا مال جہنم کی آگ میں گرم کریں گے اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں، کروٹوں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ (التوبہ:٣٥)

٢۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جب وہ ہلکی ہونے لگے گی تو ہم اسے مزید بھڑکا دیں گے۔ (بنی اسرائیل:٩٧)

٣۔ تھور کا درخت گنہگاروں کا کھانا ہوگا۔ (الدخان:٤٣)

٤۔ اس میں وہ کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور اس طرح پئیں گے جس طرح پیاسا اونٹ پانی پیتا ہے۔ (الواقعہ:٥٤تا٥٥)

٥۔ ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کی ہے جو انہیں گھیرے ہوئے ہوگی اور انہیں پانی کی جگہ پگھلا ہوا تانبا دیا جائے گا جو ان کے چہروں کو جلا دے گا۔ (الکھف:٢٩)

٦۔ جہنمیوں کے جسم بار بار بدلے جائیں گے تاکہ انہیں پوری پوری سزا مل سکے۔ (النساء:٥٦)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	اِنَّا	لَا نُضِيْعُ
بے شک	وہ لوگ	وہ ایمان لائے	اورانہوں نے عمل کیے	نیک	بلاشبہ ہم	نہیں ضائع کرتے ہیں
اَجْرَ	مَنْ	اَحْسَنَ	عَمَلًا ۚ	اُولٰٓئِكَ	لَهُمْ	جَنّٰتُ
اجر	اس شخص کا جس نے	اچھا	عمل	وہ لوگ	انہی کے لیے	باغات
عَدْنٍ	تَجْرِيْ	مِنْ	تَحْتِهِمُ	الْاَنْهٰرُ	يُحَلَّوْنَ	فِيْهَا
ہمیشہ	بہتی	سے	نیچے	نہریں	وہ پہنائے جائیں گے	اس میں
مِنْ	اَسَاوِرَ	مِنْ	ذَهَبٍ	وَّيَلْبَسُوْنَ	ثِيَابًا	خُضْرًا
سے	کنگن	سے	سونے	اور وہ پہنیں گے	کپڑے	سبز رنگ

”بے شک جولوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے بلاشبہ جو اچھا عمل کرتے ہیں ہم ان کا اجر ضائع نہیں کرتے۔“ (۳۰) ”یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہمیشگی کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، ان میں انھیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ

فہم القرآن

ربط کلام: جہنمیوں کی سزا کے بعد جنتیوں کے انعام کا ذکر۔

فہم القرآن میں یہ بات کئی مرتبہ عرض ہوئی ہے کہ قرآن مجید کا اصول ہے کہ وہ نیک لوگوں کے بعد برے لوگوں کا، جنت کے ساتھ جہنم کا اور سزا کے ساتھ نیک لوگوں کے انعام کا ذکر کرتا ہے۔ اسی اسلوب کے پیش نظر جہنم کے عذاب کیساتھ نیک لوگوں کے بہترین اجر، جنت میں ان کے مقام اور اس کی نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جنتیوں کے لیے ہمیشگی کے باغات ہیں۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جنتیوں کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے وہ باریک دیبا اور اطلس کے سبز کپڑے پہن کر اونچی جگہوں پر تکیہ لگا کر بیٹھا کریں گے۔ کتنا ہی اچھا ان کا صلہ اور آرام گاہیں ہوں گی۔ یاد رہے کہ دنیا میں مرد کے لیے سونا پہننا حرام ہے۔ لیکن جنت میں سونا پہننا اور شراب پینا ان کے لیے جائز ہوگا لیکن شراب میں نشہ نہیں ہوگا۔

((عَنْ أَبِی حَازِمٍ قَالَ كُنْتُ خَلْفَ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ وَهُوَ یَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ فَكَانَ یَمُدُّ یَدَهُ حَتّٰی تَبْلُغَ إِبْطَهُ فَقُلْتُ لَهُ یَا أَبَا هُرَیْرَةَ مَا هَذَا الْوُضُوءُ فَقَالَ یَا بَنِی فَرُّوخَ أَنْتُمْ هَا هُنَا لَوْ عَلِمْتُ أَنَّكُمْ هَا هُنَا مَا تَوَضَّأْتُ هَذَا الْوُضُوءَ سَمِعْتُ خَلِیلِی صلی اللہ علیہ وسلم یَقُولُ تَبْلُغُ الْحِلْیَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَیْثُ یَبْلُغُ الْوَضُوءُ)) [رواہ مسلم: کتاب الطھارۃ، باب تَبْلُغُ الْحِلْیَةُ حَیْثُ یَبْلُغُ الْوُضُوءُ]

”حضرت ابوحازم کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے تھا اور آپ نماز کے لیے وضو کر رہے تھے۔ انہوں

مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ

سے | باریک ریشم | اور موٹے ریشم | ٹیک لگائے ہوئے | ان میں | پر | تختوں

نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾

اچھا | بدلہ | اور اچھی | آرام گاہ

باریک اور گہرے ریشم کے سبز کپڑے پہنیں گے تختوں پر تکیہ لگائے ہوں گے یہ اچھا بدلہ اور اچھی آرام گاہ ہے۔“(۳۱)

نے اپنے ہاتھوں کو پھیلایا یہاں تک کہ ان کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہوگئی (یعنی بازوؤں کو کہنیوں سے آگے تک دھویا۔ یاد رہے یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا استدلال ہے۔ حدیث سے ثابت نہیں) میں نے ان سے کہا ابوھریرہ یہ کیسا وضو ہے؟ ابوہریرہ کہنے لگے اے ابوفروخ! تم یہاں کھڑے ہو اگر مجھے اس بات کا علم ہوتا تو میں ایسا وضو نہ کرتا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ مومن کو اس کے وضو کے پانی کی جگہ تک زیور پہنایا جائے گا۔“

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ یَنْعَمُ لَا یَبْأَسُ لَا تَبْلَی ثِیَابُهُ وَلَا یَفْنَی شَبَابُهُ))[رواہ مسلم : کتاب الجنة وصفة نعیمها وأهلها]

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا جو بندہ جنت میں داخل ہوگا وہ نرم ونازک ہوگا، بدحال نہ ہوگا اور نہ ہی اس کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ اس کی جوانی ختم ہوگی۔“

مسائل

۱۔ ایمان دار اور صالح عمل کرنے والوں کے اعمال ضائع نہیں کیے جائیں گے۔

۲۔ ایمان والوں کے لیے ہمیشگی کے باغات ہوں گے۔ ۳۔ ایمان والوں کو جنت میں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

۴۔ ایمان والوں کو جنت میں سبز رنگ کے ریشم کے کپڑے پہنچائیں جائیں گے۔ ۵۔ جنت بڑی اعلیٰ اور بہترین جگہ ہے۔

۶۔ جنت میں جنتی ایک دوسرے کے سامنے صوفوں پر ٹیک لگائے تشریف فرما ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

جنتیوں کا مقام اور ان کے انعامات کی ایک جھلک:

۱۔ ہم نے اس میں کھجوروں، انگوروں کے باغ بنائے ہیں اور ان میں چشمے جاری کیے ہیں۔(یٰس:۳۴)

۳۔ یقیناً متقین باغات اور چشموں میں ہوں گے۔(الذاریات:۱۵) ۴۔ یقیناً متقی نعمتوں والی جنت میں ہوں گے۔(الطور:۱۷)

۵۔ جنت میں سونے اور لولو کے زیور پہنائے جائیں گے۔(فاطر:۳۳) ۶۔ جنت میں تمام پھل دو، دو قسم کے ہوں گے۔(الرحمٰن:۵۲)

۷۔ جنتی سبز قالینوں اور مسندوں پر تکیہ لگا کر بیٹھے ہوں گے۔(الرحمٰن:۷۶) ۸۔ جنتیوں کو شرابِ طہور دی جائے گی۔(الدھر:۲۱)

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا

اور آپ فرمادیں | ان کے لیے | ایک مثال | دو آدمیوں | ہم نے بنایا | ان دونوں میں سے ایک کے لیے

جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا

دو باغ | سے | انگوروں | اور ہم نے باڑ لگا دی تھی دونوں کے گرد | ساتھ کھجوروں | اور ہم نے اگائی

بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا

ان دونوں کے درمیان | کھیتی | دونوں | باغوں | دیا | اس کا پھل

وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾

اور نہ | کم کیا | اس میں | کچھ بھی | اور ہم نے جاری کردی | ان دونوں کے درمیان | ایک نہر

وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ

اور تھے | اس کے لیے | پھل | تو اس نے کہا | اپنے ساتھی سے | اور وہ | گفتگو کر رہا تھا اس سے

”اور ان کے لیے دو آدمیوں کی مثال بیان فرمادیں جن میں ایک کے لیے ہم نے انگوروں کے دو باغ بنائے اور ہم نے ان دونوں کے گرد کھجوروں کی باڑ لگائی اور دونوں کے درمیان کھیتی اگائی۔“ (۳۲) ”دونوں باغوں نے اپنا پھل دیا اور اس سے کچھ کمی نہ کی اور ہم نے دونوں کے درمیان ایک نہر جاری کر دی۔“ (۳۳) ”اور اُسے اُس کی پیداوار ملتی تھی وہ اپنے ساتھی سے، دوران گفتگو

فہم القرآن

ربط کلام: جہنمیوں اور جنتیوں کے ذکر سے پہلے رسول اکرم ﷺ اور آپ کے حوالے سے مومنوں کو سمجھایا گیا کہ وہ دنیا پرست لوگوں کے پیچھے لگنے سے بچیں۔ اب نیک اور دنیادار کی مثال پیش فرما کر دونوں کے کردار اور انجام کا فرق بیان کیا جاتا ہے۔

اے پیغمبر ﷺ! لوگوں کے سامنے دو آدمیوں کا واقعہ بیان کریں۔ جن میں ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ عنایت فرمائے اور ان کی حفاظت کھجور کے درختوں کے ساتھ کی اور ان کے درمیان فصل پیدا کی باغوں کو سیراب کرنے کے لیے ان کے درمیان نہریں جاری کیں۔ یہ باغ بھرپور طریقے سے پھل دیتے تھے ان کی پیداوار میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہوتی۔ اس مثال میں بیک وقت دو باتیں سمجھائی جارہی ہیں۔ ایک دنیوی اعتبار سے اور دوسری آخرت کے حوالے سے۔ دنیا کے اعتبار سے باغبانی کی طرف اشارہ ہے کہ زمیندار کس طرح زمین سے بیک وقت زیادہ فصلیں اگا سکتا ہے۔ آخرت کے حوالے سے یہ سمجھایا جارہا ہے کہ آدمی کو اترانے کی بجائے عاجزی اختیار کرنی چاہیے۔ اس کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے جس طرح لہلہاتا باغ خاکستر ہو سکتا ہے اسی طرح وقت آئے گا جب دنیا کی چہل پہل بھی ختم ہو جائے گی۔ باغ کے مالک کی طرح

اَنَا	اَكْثَرُ	مِنْكَ	مَالًا	وَّاَعَزُّ	نَفَرًا ﴿۳۴﴾	وَدَخَلَ
میں	زیادہ ہوں	تجھ سے	مال	اور زیادہ عزت والا	نفری	اور وہ داخل ہوا
جَنَّتَهٗ	وَهُوَ	ظَالِمٌ	لِّنَفْسِهٖ ج	قَالَ	مَآ	اَظُنُّ
اس کا باغ	جبکہ وہ	ظلم کرنے والا	ہوں	اس نے کہا	نہیں	میں گمان کرتا ہوں
اَنْ	تَبِيْدَ	هٰذِهٖٓ	اَبَدًا ﴿۳۵﴾	وَّمَآ	اَظُنُّ	السَّاعَةَ
یہ کہ	تباہ ہوگا	یہ	کبھی بھی	اور نہیں	میں گمان کرتا ہوں	قیامت
قَآئِمَةً لا	وَّلَئِنْ	رُّدِدْتُّ	اِلٰى	رَبِّيْ	لَاَجِدَنَّ	
قائم ہونے والی	اور البتہ اگر	میں لوٹایا گیا	طرف	میرا رب	تو میں ضرور پاؤں گا	
خَيْرًا	مِّنْهَا	مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾ ج				
بہتر	ان سے	لوٹ کر جانے کی جگہ				

کہنے لگا میں تجھ سے مال میں زیادہ اور افرادی قوت کے لحاظ سے زیادہ باعزت ہوں۔'' (۳۴) ''اور وہ اپنے باغ میں اس حال میں داخل ہوا کہ وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا، کہنے لگا میں نہیں گمان کرتا کہ یہ کبھی تباہ ہوگا۔'' (۳۵) ''اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ قیامت قائم ہونے والی ہے اور اگر مجھے میرے رب کی طرف لوٹایا گیا تو ضرور میں اس سے بہتر لوٹنے کی جگہ پاؤں گا۔'' (۳۶)

دنیا پرست کو بھی پچھتانا پڑے گا۔ چنانچہ جس شخص کے پاس یہ باغ تھے وہ اپنے ساتھی سے اس بات پر اترا رہا تھا کہ میں تجھ سے مال اور افرادی قوت کے اعتبار سے بڑا ہوں۔ ہوا یہ کہ ایک دن وہ متکبرانہ انداز میں اپنے باغ میں داخل ہو کر کہنے لگا۔ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ باغ کبھی اجڑ جائیں گے اور نہ ہی میں یہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت برپا ہوگی۔ بالفرض اگر قیامت قائم ہوئی اور میں اپنے رب کے حضور پیش کیا گیا۔ تو مجھے یقین ہے کہ میں اس سے اچھا مقام اور بہترین انعام پاؤں گا۔ یہاں مال دار متکبر کی مالدارانہ ذہن کی عکاسی کی جا رہی ہے کہ جب انسان دولت میں مست ہو جائے۔ تو وہ اس قدر متکبر اور اللہ کے خوف سے غافل ہو جاتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ دنیا کی عیش و عشرت اور مال و دولت ہمیشہ رہنے والے ہیں اور آخرت کا فیصلہ بھی دنیا کو پیش نظر رکھ کر کیا جائے گا کہ دنیا میں جو مال دار ہے یا منصب دار ہے۔ آخرت میں بھی اسے سب کچھ دیا جائے گا۔ اس سوچ کی وجہ سے وہ صالح کردار کی بجائے دنیا کے مال اور اقتدار کو عزت کا معیار سمجھتا ہے۔ اس وجہ سے اپنے سے کم تر لوگوں کو حقیر سمجھتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ جو دنیا کا مال و اسباب ہمیں ملا ہے۔ یہ ہماری ذاتی محنت کا نتیجہ اور اللہ تعالیٰ کے ہم پر راضی ہونے کی دلیل ہے۔ اس خوش فہمی کی وجہ سے فخر و غرور میں آ کر کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں دوسروں سے بہتر

ہیں اگر ہم اپنے رب کے حضور لوٹائے گئے تو آخرت میں بھی نیک لوگوں سے بہتر ہوں گے۔ دنیا کے اقتدار اور اسباب کی مستی میں وہ بھول جاتے ہیں جو مال انہیں دیا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور اس کی ناراضگی کا سبب ہے۔ وہ اس لیے ایسے لوگوں کو دنیا کے مال واسباب زیادہ دیتا ہے تاکہ انہیں گناہ کرنے میں کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ یہی قریش کا حال تھا وہ مال اور افرادی قوت کی بنیاد پر نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو حقیر سمجھتے اور ان پر ظلم کرتے تھے۔ بالآخر باغ والے شخص کی طرح برباد ہوئے ہیں۔ قرآن مجید نے اس بات کو یوں بیان فرماتا ہے کہ کفار یہ خیال نہ کریں کہ ہم انھیں جو مہلت دے رہے ہیں یہ ان کے حق میں اچھی ہے۔ ہرگز نہیں ہم ان کو اس لیے مہلت دیتے ہیں کہ وہ اور زیادہ گناہ کرلیں بالآخر ان کے لیے ذلیل کردینے والا عذاب ہوگا۔ (آل عمران:۱۷۸)

دنیا پر اترانے والے قارون کا انجام:

﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ﴾[القصص:۸۱]

”ہم نے اُسے اُس کے گھر سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ اللہ کے سوا کوئی جماعت اُس کی مددگار نہ ہوسکی اور نہ وہ بدلہ لے سکا۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو سمجھانے کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے۔ ۲۔ مال ودولت پر فخر وغرور نہیں کرنا چاہیے۔

۳۔ دنیا کا مال ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے۔

تفسیر بالقرآن

غرور وتکبر نہیں کرنا چاہیے:

۱۔ دنیادار نے اپنے نیک ساتھی سے کہا کہ میں تم سے مال ودولت کے لحاظ سے بہتر ہوں۔ (الکھف:۳۴)

۲۔ اللہ فخر وغرور کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔ (النساء:۳۶)

۳۔ اللہ نے جو تمہیں دیا ہے اس پر نہ اتراؤ اللہ فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (الحدید:۲۳)

۴۔ زمین میں اکڑ اکڑ کر نہ چل تو زمین کو پھاڑ نہیں سکتا۔ (بنی اسرائیل:۳۷)

۵۔ زمین میں اکڑ اکڑ کر نہ چل اللہ اترانے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (لقمان:۱۸)

۶۔ آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے تیار کیا گیا ہے جو دنیا میں تکبر وفساد نہیں کرتے۔ (القصص:۸۳)

قَالَ	لَهٗ	صَاحِبُهٗ	وَهُوَ	يُحَاوِرُهٗۤ	اَكَفَرْتَ
اس نے کہا	اس سے	اس کا ساتھی	اور وہ	گفتگو کر رہا تھا اس سے	کیا تو نے کفر کیا
بِالَّذِيْ	خَلَقَكَ	مِنْ	تُرَابٍ	ثُمَّ	مِنْ نُّطْفَةٍ
اس کیساتھ جس نے	تجھے پیدا کیا	سے	مٹی	پھر	سے نطفے
ثُمَّ	سَوّٰىكَ	رَجُلًا ؕ۳۷	لٰكِنَّا۠ هُوَ	اللّٰهُ	رَبِّيْ
پھر	اس نے ٹھیک بنایا تجھے	مرد؟	لیکن وہ	اللہ	میرا رب
وَلَاۤ	اُشْرِكُ	بِرَبِّيْۤ	اَحَدًا ۳۸		
اور نہیں	میں شریک ٹھہراتا ہوں	اپنے رب کے ساتھ	کوئی ایک		

”جب اس کا ساتھی اس سے باتیں کر رہا تھا، اس نے کہا۔ کیا تو اس ذات کا انکار کرتا ہے؟ جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے تجھے ٹھیک ٹھاک انسان بنا دیا۔“ (۳۷) ”رہا میں، تو وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔“ (۳۸)

فہم القرآن

ربط کلام: آخرت کے منکر کو اس کے مخلص ساتھی کی نصیحت۔

آخرت کے منکر کو اس کے مخلص ساتھی نے سمجھایا کہ کیا تو اس ذات حق کا انکار کرتا ہے۔ جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر ایک نطفے سے کامل انسان بنایا۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور اس کے بعد تمام انسان نطفہ سے پیدا کیے جاتے ہیں۔ جب آخرت کا منکر ہر دلیل سے انکار کرتا رہا تو اس کے مواحد ساتھی نے اسے کہا کہ اگر تو حق تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تو تیری مرضی۔ لیکن میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ ”اللہ“ ہی میرا رب ہے۔ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو کسی اعتبار سے شریک نہیں سمجھتا۔ یاد رہے کہ رب کا معنی ہے ”خالق، مالک، بادشاہ“ اور ہر چیز عطا فرمانے والا ہے۔ یہاں آخرت کے منکر کے لیے کافر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ جو شخص آخرت کا انکار کرتا ہے۔ وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے حاکم اور عادل ہونے اور اس کی جزا و سزا کا انکار کرتا ہے۔ آخرت کا انکار کرنا دین کے تیسرے بنیادی رکن کا انکار کرنا ہے۔ اس لیے جو شخص آخرت کا منکر ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا بھی منکر ہے۔

آخرت کا منکر اجر و ثواب سے محروم رہتا ہے:

((عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ابْنُ جُدْعَانَ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَصِلُ الرَّحِمَ وَيُطْعِمُ

الْمِسْكِينَ فَهَلْ ذَاكَ نَافِعُهُ قَالَ لَا يَنفَعُهُ إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ))

[رواہ مسلم : کتاب الایمان، باب الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ مَنْ مَاتَ عَلَى الْكُفْرِ لَا يَنفَعُهُ عَمَلٌ]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے رسول اللہ سے پوچھا اے اللہ کے رسول! ابن جدعان زمانہ جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا۔ کیا یہ عمل اس کے لیے سودمند ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان اعمال کا فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ آخرت پر یقین نہیں رکھتا تھا۔''

آپ ﷺ کی وصیت:

((عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ أَوْصَانِي خَلِيلِي ﷺ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَإِنْ قُطِّعْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُكْ صَلَاةً مَكْتُوبَةً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ))[رواہ ابن ماجۃ : باب الصَّبْرِ عَلَى الْبَلَاءِ]

''حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے خلیل ﷺ نے وصیت کی کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا اگرچہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کردیے جائیں اور تجھے آگ میں جلا دیا جائے۔ فرض نماز کو جان بوجھ کر نہیں چھوڑنا جس نے اس کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا وہ مجھ سے بری الذمہ ہوگیا اور شراب نہیں پینی اس لیے کہ یہ ہر برائی کی چابی ہے۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پہلے مٹی سے پیدا کیا۔ ٢۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا۔

٣۔ اللہ تعالیٰ ہی انسان کا پروردگار ہے۔ ٤۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

تخلیق انسانی کے مختلف مراحل:

١۔ کیا تو اس ذات کا کفر کرتا ہے جس نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے تجھے آدمی بنایا۔ (الکھف: ٣٧)

٢۔ انسان کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا۔ (آل عمران: ٥٩)

٣۔ حوا آدم سے پیدا ہوئیں۔ (النساء: ١)

٤۔ ہم نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ (الحجر: ٢٦)

٥۔ ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا۔ (المومنون: ١٢۔١٣)

٦۔ ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا۔ (الدھر: ٢)

وَلَوْلَآ	اِذْ	دَخَلْتَ	جَنَّتَكَ	قُلْتَ	مَا	شَآءَ
اور کیوں نہیں	جب	تو داخل ہوا	تیرا باغ	کہا تو نے	جو	وہ چاہے
اللّٰهُ ۙ	لَا قُوَّةَ	اِلَّا	بِاللّٰهِ ۚ	اِنْ	تَرَنِ	اَنَا
اللہ	نہیں کوئی قوت	مگر	اللہ کے ساتھ	اگر	تو دیکھتا ہے مجھے	میں
اَقَلَّ	مِنْكَ	مَالًا	وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾	فَعَسٰى	رَبِّيْٓ	اَنْ
کم تر	تجھ سے	مال	اور اولاد	امید	میرا رب	یہ کہ
يُّؤْتِيَنِ	خَيْرًا	مِّنْ	جَنَّتِكَ	وَيُرْسِلَ	عَلَيْهَا	
وہ مجھے دے	زیادہ بہتر	سے	تیرا باغ	اور وہ بھیجتا ہے	اس پر	

’’اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو نے یہ کیوں نہ کہا ’’جو اللہ چاہے اللہ کی مدد کے بغیر میرے پاس کوئی قوت نہیں‘‘ اگر تو مجھے دیکھتا ہے کہ میں مال اور اولاد میں تجھ سے کم تر ہوں۔‘‘ (۳۹) ’’قریب ہے میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا کرے

فہم القرآن

ربط کلام: آخرت کے منکر کو اس کے ایمان دار ساتھی کی مزید نصیحتیں۔

صاحبِ ایمان ساتھی نے آخرت کے منکر کو پانچ نصیحتیں کیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور اس کے بعد ہر انسان کو اس کے باپ کے نطفے سے پیدا کیا۔ اے میرے ساتھی تجھے بھی ’’اللہ‘‘ نے ایک نطفے سے پیدا فرما کر کامل انسان بنایا ہے۔

۲۔ تو مانے یا نہ مانے میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ آدمی کو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں سمجھنا چاہیے۔

۳۔ لہلہاتا ہوا باغ دیکھ کر غرور و تکبر کرنے کی بجائے تجھے ’’ماشاء اللہ، لاقوۃ الا باللہ‘‘ کہنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس کوئی چیز پیدا کرنے اور دینے کی طاقت نہیں ہے۔ وہی کچھ ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔

۴۔ تو مجھے غریب اور حقیر سمجھتا ہے کسی کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے ہوسکتا ہے میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر باغ عنایت فرمادے۔

۵۔ یہ بھی ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ آسمان سے کوئی آفت بھیج دے کر تیرا باغ نیست و نابود کردے یا اس میں جاری چشمے کا پانی اس قدر نیچے لے جائے کہ تو اسے کسی طرح بھی حاصل نہ کر سکے۔

’’فرمادیجیے کہ دیکھو اگر تمہارا پانی خشک ہوجائے تو کون ہے جو تمہارے لیے شیریں پانی کا چشمہ بہالائے۔‘‘ (الملک: ۳۰)

حُسْبَانًا	مِّنَ	السَّمَآءِ	فَتُصْبِحَ	صَعِيْدًا	زَلَقًا ﴿۴۰﴾
کوئی عذاب	سے	آسمان	پھر وہ ہو جائے	چٹیل میدان	پھسلنا

اَوْ يُصْبِحَ	مَآؤُهَا	غَوْرًا	فَلَنْ	تَسْتَطِيْعَ	لَهٗ	طَلَبًا ﴿۴۱﴾
یا وہ ہو جائے	اس کا پانی	گہرا	ہرگز نہ	تو استطاعت رکھتا ہے	اس کیلئے	ڈھونڈ لانا

اور تیرے باغ پر آسمان سے عذاب بھیجے تو وہ چٹیل میدان بن جائے۔'' (۴۰) ''یا اس کا پانی اتنا گہرا ہو جائے تو اسے کسی صورت حاصل نہ کر سکے۔'' (۴۱)

وَاللّٰهِ مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ وَلَا جِلْدَ مُخْبَأَةٍ قَالَ فَلُبِطَ سَهْلٌ فَأُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقِيْلَ لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لَكَ فِيْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ ؟ وَاللّٰهِ مَا يَرْفَعُ رَأْسَهٗ فَقَالَ هَلْ تَتَّهِمُوْنَ لَهٗ أَحَدًا ؟ فَقَالُوْا نَتَّهِمُ عَامِرَ بْنَ رَبِيْعَةَ قَالَ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَامِرًا فَتَغَلَّظَ عَلَيْهِ وَقَالَ عَلَامَ يَقْتُلُ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ ؟ أَلَا بَرَّكْتَ ؟ اِغْتَسِلْ لَهٗ فَغَسَلَ لَهٗ عَامِرٌ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ وَمِرْفَقَيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ وَأَطْرَافَ رِجْلَيْهِ وَدَاخِلَةَ إِزَارِهٖ فِيْ قَدَحٍ ثُمَّ صُبَّ عَلَيْهِ فَرَاحَ مَعَ النَّاسِ لَيْسَ لَهٗ بَأْسٌ))

[رواه فی شرح السنة ورواه مالك]

''حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف کہتے ہیں کہ عامر بن ربیعہ نے سہل بن حنیف کو غسل کرتے ہوئے دیکھا۔اس نے کہا۔اللہ کی قسم! میں نے آج تک اس جیسا آدمی نہیں دیکھا اور نہ ایسا خوبصورت جسم دیکھا ہے۔راوی کہتے ہیں اس بات پر سہل زمین پر گر پڑے۔سہل کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا۔لانے والوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! سہل کو دیکھیں اللہ کی قسم! یہ سر نہیں اٹھا سکتا۔آپ نے پوچھا کیا تم کسی کو الزام دیتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم عامر بن ربیعہ پر الزام لگاتے ہیں۔راوی کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے عامر بن ربیعہ کو بلایا اور ڈانٹ کر فرمایا۔ کیوں تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے؟ تم نے اس کے لیے برکت کی دعا کیوں نہ کی؟ اس کے لیے غسل کرو۔عامر نے اپنا چہرہ، ہاتھ، کہنیاں، گھٹنے اور پاؤں دھوئے اور اپنی چادر کو برتن میں ڈالا۔وہ پانی سہل پہ انڈیلا گیا جس سے وہ بالکل ٹھیک ہو گئے جیسے اسے کوئی تکلیف ہی نہ ہو۔''

مسائل

۱۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء سے ہوتا ہے۔

۲۔ انسان کو اللہ تعالیٰ سے بہتر امید رکھنی چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے لہلہاتے باغات کو چٹیل میدان بنا دے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو پانی کو نیچے لے جائے۔

وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى

اور گھیر لیا گیا | ساتھ اس کا پھل | سو وہ ہو گیا | وہ مَلتا ہے | اپنی دونوں ہتھیلیاں | پر

مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا

جو | اس نے خرچ کیا | اس میں | اور وہ | گرا ہوا | پر | اس کی چھتریوں

وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمْ

اور وہ کہتا ہے | کاش! میں | نہ | شریک ٹھہراتا | اپنے رب کیساتھ | کسی | اور نہ

تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

ہوئی | اس کے لیے | کوئی جماعت | وہ مدد کرتا ہے اس کی | سے | سوائے | اللہ

”اس کا سارا پھل تباہ کر دیا گیا تو اس نے اپنی ہتھیلیاں ملتے ہوئے اس پر صبح کی جو اس میں خرچ کیا تھا وہ اپنی چھتوں سمیت گرا ہوا تھا اور کہنے لگا اے کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا۔“ (۴۲) ”اور اللہ کے سوا کوئی گروہ نہ ہوا جو اس کی مدد کر سکا

فہم القرآن

ربط کلام: باغ کا تباہ ہونا اور آخرت کے منکر کا حسرت وافسوس سے ہاتھ ملنا۔

آخرت کے منکر کا غرور توڑنے اور اسے اپنی قدرت دکھلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت باغ کو خاکستر بنا دیا جب باغ پھل سے لدا ہوا تھا۔ اس کا مالک تصور نہیں کر سکتا تھا کہ اب یہ باغ اپنے پھل سمیت تباہ ہو جائے گا۔ باغ کے درخت کثرتِ پھل کی وجہ سے زمین پر جھکے ہوئے تھے جونہی اس کے پھل پکنے کے قریب آئے تو اللہ تعالیٰ کا ایسا غضب نازل ہوا کہ دیکھنے والا یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس قدر شاندار لہلہاتا ہوا باغ کس طرح تباہ ہو گیا ہے۔ باغ کا مالک جب وہاں پہنچا تو جلے ہوئے پودے دیکھ کر لرزتے ہوئے ہونٹوں اور کانپتے ہوئے وجود کے ساتھ انتہائی غم کی حالت میں اپنے ہاتھوں کو پیٹتے ہوئے زاروقطار روتا ہوا حسرت وافسوس کے ساتھ کہتا ہے۔ ہائے کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ سمجھتا اس حالت میں کوئی بھی اسکی مدد نہ کر سکا۔ اسے یقین ہو گیا کہ حقیقی اقتدار اور اختیار اللہ ہی کے لیے ہیں جس کی ذات اور فرمان حق ہیں۔ جس طرح اس کی ذات حق ہے اسی طرح ہی قیامت کے بارے میں اس کا فرمان حق ہے وہی بہتر صلہ دینے اور ہر چیز کا اچھا انجام کرنے والا ہے۔ جس مشرک کا باغ تباہ کیا گیا اس کے بارے میں یہ وضاحت موجود نہیں کہ وہ کس قسم کا شرک کرتا تھا۔ تاہم سیاق سباق سے معلوم ہوتا ہے۔ اس نے دنیا کے اسباب و وسائل

وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿٤٣﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ

اور نہ	ہو اوہ	بدلہ لینے والا	وہاں	تمام اختیار	اللہ	حق

هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾

وہ	بہت بہتر	ثواب	اور بہت بہتر	انجام

اور نہ وہ خود بدلہ لے سکا۔" (۴۳) "ہر طرح کی مدد اللہ سچے کے اختیار میں ہے، وہ ثواب دینے میں بہتر اور انجام کی رو سے زیادہ اچھا ہے۔" (۴۴)

کوسب کچھ سمجھ رکھا تھا۔ جس بناء پر آخرت کا انکار کرتا تھا یہ انداز اور سوچ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے مترادف ہے۔

((عَنْ بُسْرِ بْنِ أَرْطَاةَ الْقُرَشِيِّ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَدْعُو اللّٰهُمَّ أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا وَأَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ))[رواہ احمد]

"بسر بن ارطاۃ قرشی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا۔ اے اللہ! ہمارے تمام معاملات کا انجام بہتر بنا اور ہم کو دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے محفوظ فرما۔"

مسائل

۱۔ نعمت چھن جانے پر انسان حسرت وافسوس کرتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی کسی کا مددگار نہیں۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ بہتر صلہ اور بدلہ دینے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی اجر وثواب دینے والا ہے:

۱۔ حقیقی اقتدار صرف اللہ کا ہے۔ وہ بہتر صلہ اور اچھا اجر دینے والا ہے۔ (الکھف: ۴۴)

۲۔ نیکی کو اللہ بڑھادے گا اور اپنی طرف سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ (النساء: ۴۰)

۳۔ ہم انہیں اپنی طرف سے اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔ (النساء: ۶۷)

۴۔ عنقریب اللہ مومنوں کو اجر عظیم سے نوازے گا۔ (النساء: ۱۴۶)

۵۔ اگر تم اسکی اطاعت کرو گے اللہ تمہیں اچھا اجر عطا کرے گا۔ (الفتح: ۱۶)

۶۔ جو ایمان لائے اور اچھے اعمال کیے اللہ انہیں پورے پورے اجر سے نوازے گا اور اپنی طرف سے مزید عطا فرمائے گا۔ (آل عمران: ۵۷۔ النساء: ۱۷۳)

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ

اور بیان کیجیے ان کے لیے مثال زندگی دنیا پانی کے مانندہ ہم نے اتارا اُسے

مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ فَاَصۡبَحَ

سے آسمان پھر مل جل گئی اس کیساتھ انگوری زمین پھر وہ ہوگئی

هَشِيۡمًا تَذۡرُوۡهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

چورا چورا اُڑا لے جاتی ہیں اس کو ہوائیں اور ہے اللہ پر ہر

شَىۡءٍ مُّقۡتَدِرًا ۝٤٥ اَلۡمَالُ وَالۡبَنُوۡنَ زِيۡنَةُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ

چیز قادر مال اور بیٹے زینت زندگی دنیا

”اوران کے لیے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کیجیے، پانی جسے ہم نے آسمان سے اتارا اس کے ساتھ زمین کی انگوری خوب مل جل گئی پھروہ چور، چور ہوگئی، جسے ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔“(۴۵) ”مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں

فہم القرآن

ربط کلام: باغ کی تباہی کے بیان کے بعد دنیا کی زندگی کے انجام کا ذکر۔ جس طرح لہلہاتا ہوا باغ اجڑ گیا اسی طرح ہی ایک دن آئے گا کہ جب پوری دنیا اجڑ جائے گی۔

جس طرح کسی فصل اور باغ کے لیے پہلے زمین ہموار اور سازگار بنائی جاتی ہے۔ پھر اس زمین میں بیج یا پودے لگائے جاتے ہیں یہی اس دنیا کی زندگی کی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش نازل کرتا ہے جس سے زمین میں ہر قسم کی نباتات اگتی ہیں ان میں گھاس اور ایسی جڑی بوٹیاں ہوتی ہیں جن سے صحرا، بیابان ہرے بھرے اور شاندار منظر پیش کرتے ہیں ہرطرف ہریالی اور شادابی نظر آتی ہے۔ جونہی ان کا موسم اور مدت پوری ہوجاتیتو گھاس اور جڑی بوٹیاں تنکوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتیں۔ ہوا کے جھونکے انہیں ادھر سے ادھر اڑائے پھرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نتیجہ ہے کہ زمین پہلے صحرا اور بیابان تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر بارش برسائی پھر اس سے سبزہ اگایا اور اس سبزے کو تھوڑی مدّت کے بعد ریزہ ریزہ کردیا یہی انسان کی زندگی کا حال ہے کہ اسے ایک نطفہ سے پیدا فرمایا۔ اس کے بچپن کو جوانی میں بدلا، شادی ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اولاد سے نوازا اور دنیا کا مال عنایت فرمایا، انسان کی اولاد نہ ہو تو وہ گھر اجڑا اجڑا محسوس کرتا ہے۔ اگر مال سے تہی دست ہو تو انسان دنیا کی زیب وزینت اور آرام سے محروم رہتا ہے۔ لہٰذا مال اور اولاد انسان کی زندگی کا سہارا

وَالْبٰقِيٰتُ	الصّٰلِحٰتُ	خَيْرٌ	عِنْدَ	رَبِّكَ	ثَوَابًا
اور باقی رہنے والی	نیکیاں	بہت بہتر	پاس	آپکا رب	ثواب

وَّخَيْرٌ	اَمَلًا ۝٤٦
اور بہتر	امید

آپ کے رب کے ہاں جو باقی رہنے والا ہے وہ نیک اعمال ہیں جو امید کے لحاظ سے زیادہ اچھے ہیں۔'' (٤٦)

اور زینت ہیں مگر حقیقی زینت اور لذّت تبھی حاصل ہوگی۔ جب انسان اولاد کی نیک تربیت کرے اور مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرے۔ جو شخص مال اور اولاد کی نگرانی اور ان کی صحیح طریقہ سے حفاظت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف اس کے لیے دنیا کو بہتر بنا تا ہے بلکہ اس کی آخرت بھی بہتر بنادی جاتی ہے اور یہی انسان کی صالح باقیات ہیں۔ جس کا اس کے رب کے ہاں اس کو بہترین صلہ اور روشن مستقبل کی امید دلائی گئی ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ))

[رواه مسلم :باب ما يلحق الانسان من الثواب بعد وفاته]

''حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو تین اعمال کے علاوہ اس کے تمام عمل منقطع ہوجاتے ہیں۔ ① صدقہ جاریہ ② ایسا علم جس سے نفع حاصل کیا جائے ③ نیک اولاد جو بعد میں اس کے لیے دعا کرے۔''

مسائل

١۔ دنیا کی مثال آسمان سے نازل ہونے والی بارش کی طرح ہے۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

٣۔ مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں۔

٤۔ نیکیاں ثواب اور اعمال کے لحاظ سے بہت ہی بہتر ہیں۔

تفسیر بالقرآن

دنیا کی حقیقت:

١۔ دنیا کا فائدہ قلیل ہے۔ (النساء: ٧٧) ٢۔ اللہ کی آیات کے مقابلے میں پوری دنیا حقیر ہے۔ (البقرۃ: ١٧٤)

٣۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی کوئی حیثیت نہیں۔ (التوبۃ: ٣٨)

٤۔ دنیا کی زندگی کھیل کود کے علاوہ کچھ نہیں۔ (العنکبوت: ٦٤)

وَيَوْمَ	نُسَيِّرُ	الْجِبَالَ	وَتَرَى	الْاَرْضَ	بَارِزَةً	
اور دن	ہم چلائیں گے	پہاڑوں	اور آپ دیکھیں گے	زمین	صاف کھلی	

وَّحَشَرْنٰهُمْ	فَلَمْ	نُغَادِرْ	مِنْهُمْ	اَحَدًا ﴿٤٧﴾	وَعُرِضُوْا	
اور ہم اکٹھا کردیں گے ان کو	تو نہ	ہم چھوڑیں گے	ان میں سے	کوئی ایک	اور وہ پیش کیے جائیں گے	

عَلٰى	رَبِّكَ	صَفًّا	لَقَدْ	جِئْتُمُوْنَا	كَمَا	خَلَقْنٰكُمْ
پر	تیرا رب	صف	البتہ تحقیق	تم آئے ہمارے پاس	جس طرح	ہم نے تمھیں پیدا کیا

اَوَّلَ	مَرَّةٍ	بَلْ	زَعَمْتُمْ	اَلَّنْ	نَّجْعَلَ	لَكُمْ	مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾
پہلی	بار	بلکہ	تم تو خیال کرتے تھے	کہ ہرگز نہیں	ہم بنائیں گے	تمہارے لیے	کوئی وعدہ گاہ

”اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو صاف کھلی پائیں گے اور ہم انھیں اکٹھا کریں گے ان میں سے کسی ایک کو نہیں چھوڑیں گے۔“ (۴۷) ”اور وہ آپ کے رب کے سامنے صفیں باندھے ہوئے پیش کیے جائیں گے بلاشبہ یقیناً تم ہمارے پاس اسی طرح آئے ہو۔ جیسے ہم نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ تم نے خیال کیا تھا کہ ہم تمھارے لیے کبھی وعدے کا کوئی وقت مقرر نہیں کریں گے۔“ (۴۸)

فہم القرآن

ربط کلام: لوگوں کی حالت کا بیان جب دنیا ختم کر کے جزا سزا کا دن مقرر کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قیامت کا دن اس لیے مقرر فرمایا ہے کہ اس دن بُرے لوگوں کو ان کے بُرے اعمال کی ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے اور نیک لوگوں کو بہترین جزا سے سرفراز کیا جائے۔ اس دن کی ابتداء شدید ترین زلزلوں اور خوفناک دھماکوں سے ہوگی۔ زلزلوں اور دھماکوں سے بالآخر پہاڑ ریت کے ذرات بن کر مٹی کے ساتھ مل جائیں گے۔ زمین کے نشیب و فراز کو ہموار اور چٹیل میدان میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفار نے رسول محترم ﷺ سے سوال کیا کہ لامتناہی اور فلک بوس پہاڑوں کا کیا ہوگا؟ جس کا یہ جواب دیا گیا کہ اے پیغمبر! انہیں یہ بتلائیں کہ میرا رب ان پہاڑوں کو اڑا کر ریزہ ریزہ کردے گا۔ زمین کو ہموار اور چٹیل میدان بنادے گا۔ جس میں تم کسی قسم کا گڑھا اور ٹیلہ نہیں دیکھو گے۔ اس دن لوگ ایک آواز دینے والے کی آواز کے پیچھے بے چوں چراں بھاگتے آئیں گے۔ لوگ ربِ رحمان کے سامنے اس قدر عاجزی اور آہستہ آواز کے ساتھ بات کریں گے کہ گنگناہٹ کے سوا کچھ نہیں سنا جائے گا۔ (طٰہٰ: ۱۰۵ تا ۱۰۸)

اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس طرح اکٹھا کرے گا کہ کوئی ایک شخص بھی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری سے پیچھے نہیں رہے گا۔ لوگ اپنے

رب کے حضور سر جھکائے ”رب نفسی رب نفسی“ کی فریاد کرتے ہوئے قطار اندر قطار کھڑے ہوں گے۔ تمام انسان برہنہ جسم کے ساتھ پیش ہوں گے۔ اعلان ہوگا کہ یہ ہے وہ دن جس کے بارے میں منکر خیال کرتے تھے کہ ہم نے انہیں اکٹھا کرنے کا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ جَمِيْعًا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اَلْاَمْرُ اَشَدُّ مِنْ اَنْ يَّنْظُرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ)) [رواہ مسلم: باب فَنَاءِ الدُّنْيَا وَبَيَانِ الْحَشْرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسولِ معظم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا لوگ قیامت کے دن ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بلا ختنہ اٹھائے جائیں گے میں نے کہا اے اللہ کے رسول کیا مرد اور عورتیں اکٹھے ہوں گے اور وہ ایک دوسرے کی جانب نہیں دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: اس دن کا معاملہ اس کے برعکس ہوگا کہ کوئی دوسرے کی طرف دیکھے۔“

مسائل

۱۔ قیامت کے دن پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ ۲۔ قیامت کے دن زمین چٹیل میدان بنادی جائے گی۔

۳۔ قیامت کے دن سبھی کو اللہ کے حضور جمع کیا جائے گا۔

۴۔ قیامت کے دن لوگ اس طرح آئیں گے جس طرح پہلی بار پیدا کیے گئے تھے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کی کیفیت:

۱۔ اس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور زمین چٹیل میدان ہوگی اور ہم تمام لوگوں کو جمع کریں گے اور کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔ (الکھف: ۴۷)

۲۔ اس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی طرح ہو جائیں گے۔ (المزمّل: ۱۴)

۳۔ اس دن آنکھیں چندھیا جائیں گی اور چاند گہنا دیا جائے گا اور سورج چاند کو جمع کر دیا جائے گا۔ (القیامۃ: ۶ تا ۸)

۴۔ جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔ تارے بے نور ہو جائیں گے۔ پہاڑ چلائے جائیں گے۔ (التکویر: ۱ تا ۳)

۵۔ جب آسمان پھٹ جائے گا۔ جب تارے جھڑ جائیں گے۔ جب دریا مل جائیں گے۔ جب قبریں اکھیڑ دی جائیں گی۔ (الانفطار: ۱ تا ۴)

۶۔ اس دن لوگ قبروں سے نکل کر ایسے دوڑیں گے جس طرح شکاری شکار کی طرف دوڑتا ہے۔ (المعارج: ۴۳)

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا

اور رکھیں گے | کتاب | پھر آپ دیکھیں گے | مجرموں | ڈرنے والے | اس سے جو

فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا

اس میں | اور وہ کہیں گے | ہائے! ہماری کم بختی | کیا ہے؟ | اس | کتاب | نہیں

يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ج وَ

وہ چھوڑتا | کسی چھوٹے | اور نہ | کسی بڑے | مگر | اس نے شمار کر رکھا ہے اس کو | اور

وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ط وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ ع

انہوں نے پایا | جو انہوں نے عمل کیے | حاضر | اور نہیں | وہ ظلم کرے گا | آپ کا رب | کوئی ایک

”اور کتاب رکھی جائے گی آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ جو اس میں ہوگا اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی! کیسی کتاب ہے، اس نے نہ چھوٹی بات چھوڑی ہے اور نہ بڑی چھوڑی ہے اس نے سب کچھ شمار کر رکھا ہے انھوں نے جو کچھ کیا تھا اسے حاضر پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔“(۴۹)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کے بعد ہر شخص کو اس کا اعمال نامہ دیا جائے گا۔

تمام جنات اور انسان سر جھکائے قطار اندر قطار کھڑے ہوں گے۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام اور تمام ملائکہ بھی قطار اندر قطار حاضر ہوں گے۔ کوئی بھی بات کرنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔ (النباء:۳۸)

اس کے بعد رب ذوالجلال جلوہ نما ہوں گے اور آٹھ فرشتے رب ذوالجلال کا عرش اٹھائے ہوں گے۔ (الحاقۃ:۱۷)

اللہ تعالیٰ کے جمال سے ہر چیز روشن ہو جائے گی۔ لوگوں کو اعمال نامے دیئے جائیں گے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور دوسرے لوگوں کی شہادتیں پیش ہوں گی۔ لوگوں کے درمیان حق وانصاف سے فیصلہ کیا جائے گا اور کسی کے ساتھ رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔ (الزمر:۶۹)

لیکن مجرموں کی حالت یہ ہوگی کہ وہ اپنے اعمال نامے سے خوفزدہ ہوں گے۔ جونہی وہ اعمال نامے پڑھیں گے۔ آہ وزاری اور آہ وبکا کریں گے کہ ہائے افسوس! اس کتاب نے ہماری کسی چھوٹی، بڑی بات کو نہیں چھوڑا۔ اس میں تو ہر بات کا اندراج کر دیا گیا ہے۔ اس طرح وہ اپنے اعمال کو اپنے سامنے پائیں گے۔ آپ کے رب کی طرف سے کوئی زیادتی نہ ہو پائے گی۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُعْرَضُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَ

عَرَضَاتٍ فَأَمَّا عَرْضَتَانِ فَجِدَالٌ وَمَعَاذِيرُ وَأَمَّا الْعَرْضَةُ الثَّالِثَةُ فَعِنْدَ ذٰلِكَ تَطِيرُ الصُّحُفُ فِي الْأَيْدِي فَآخِذٌ بِيَمِينِهِ وَآخِذٌ بِشِمَالِهِ))[رواہ الترمذی :باب ماجاء فی العرض]

''حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو تین پیشیوں کے لیے پیش کیا جائے گا۔ دو پیشیاں لڑائی جھگڑوں اور عذروں کے بارے میں ہوں گی اور تیسری پیشی اس وقت ہوگی جب صحیفے اڑکر ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے۔ کچھ لوگ اسے دائیں ہاتھ سے پکڑنے والے ہوں گے اور کچھ لوگ اسے بائیں ہاتھ سے پکڑنے والے ہوں گے۔''

مسائل

۱۔ قیامت کے دن اعمال نامے کھول کر رکھ دی جائیں گے۔ ۳۔ نامہ اعمال میں ہر چھوٹا بڑا عمل درج ہوگا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

تفسیر بالقرآن

ہر شخص کو اس کے نامہ اعمال کا ملنا اور اس کی حالت :

۱۔ اس دن نامہ اعمال رکھ دیا جائے گا ہر کوئی اپنا اعمال نامہ دیکھے گا اور کہے گا یہ کیسا اعمال نامہ ہے؟ جس میں کوئی چھوٹی بڑی بات نہیں چھوڑی گئی۔(الکھف :۴۹)

۲۔ قیامت کے دن ہر کسی کا اعمال نامہ اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا۔(بنی اسرائیل :۱۳)

۳۔ ہر گروہ کو اس کے اعمال نامے کی طرف بلایا جائے گا۔ آج کے دن تمہیں تمہارے اعمال کا صلہ دیا جائے گا۔(الجاثیۃ :۲۸)

۴۔ جس کو اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا وہ اپنے اعمال نامے کو پڑھے گا اور اس پر ظلم نہ ہوگا۔(بنی اسرائیل :۷۱)

۵۔ جس کو اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا کاش مجھے اعمال نامہ نہ دیا جاتا۔(الحاقۃ :۲۵)

۶۔ جس کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا گیا اس کا حساب وکتاب آسان ہوگا۔(الانشقاق :۷۔۸)

۷۔ جس کو نامہ اعمال پیٹھ کے پیچھے سے دیا گیا وہ موت کو پکارے گا اور اسے دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔(الانشقاق :۱۰ تا ۱۲)

۸۔ ہر کسی کو اس کے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا آج کے دن تمہارے اعمال کا بدلہ چکایا جائے گا۔(الجاثیۃ :۲۸)

وَاِذْ	قُلْنَا	لِلْمَلٰٓئِكَةِ	اسْجُدُوْا	لِاٰدَمَ	فَسَجَدُوْٓا
اور جب	ہم نے فرمایا	فرشتوں سے	سجدہ کرو	آدم کے لیے	تو انہوں نے سجدہ کیا

اِلَّآ	اِبْلِيْسَ	كَانَ	مِنَ	الْجِنِّ	فَفَسَقَ	عَنْ
مگر	ابلیس	وہ تھا	سے	جنوں	چنانچہ اس نے نافرمانی کی	سے

اَمْرِ	رَبِّهٖ	اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ	وَذُرِّيَّتَهٗٓ	اَوْلِيَآءَ	مِنْ
حکم	اس کا رب	کیا پھر تم بناتے ہو اسے	اور اس کی اولاد	دوست	سے

دُوْنِيْ	وَهُمْ	لَكُمْ	عَدُوٌّ	بِئْسَ	لِلظّٰلِمِيْنَ	بَدَلًا ۵۰
میرے سوا	اور وہ	تمہارے لیے	دشمن	برا	ظالموں کے لیے	بدلہ

''اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس جنوں میں تھا اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔ کیا تم مجھے چھوڑ کر اُسے دوست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمھارے دشمن ہیں، وہ ظالموں کے لیے یہ کیسا برا بدل ہے؟'' (۵۰)

فہم القرآن

ربط کلام: مجرموں کو ان کا حساب و کتاب اور آخرت کا منظر دکھا کر یہ بتلایا گیا ہے کہ انسان کی گمراہی کا بنیادی محرک ابلیس ہے۔ جس سے بچنا چاہیے۔

قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان ہے کہ وہ کسی واقعہ کو داستان گوئی کے انداز میں بیان نہیں کرتا۔ وہ ہر واقعہ کو موقع محل کے مطابق اتنا ہی بیان کرتا ہے۔ جتنا بیان کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی اسلوب کے مطابق حضرت آدم اور ابلیس کا واقعہ مختلف الفاظ اور انداز میں قرآن مجید کے مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ یاد رہے شیطان کے بارے میں اس سے پہلے یہ الفاظ استعمال نہیں ہوئے کہ شیطان جنس کے اعتبار سے جنات میں سے ہے۔ البتہ آگے چل کر سورۃ ص میں ''كَانَ مِنَ الْجِنِّ'' کے الفاظ موجود ہیں۔ یہاں شیطان کی جنس بتا کر یہ اشارہ دیا ہے۔ کیونکہ وہ ملائکہ کی جنس میں سے نہ تھا جس کی وجہ سے اس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ جنوں اور انسانوں میں اطاعت گزاری اور حکم عدولی دونوں طرح کے جذبات موجود ہیں۔ اس لیے جنوں اور انسانوں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی خوشی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابعداری کریں اگر وہ تابعداری کی بجائے نافرمانی کرنا چاہتے ہیں تو انہیں ایسا کرنے کی مہلت دی گئی ہے۔ لیکن ملائکہ کی سرشت میں منفی عنصر ہے ہی نہیں وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی تابعداری کرتے ہیں۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے اپنی فطرت کے مطابق حکم کی بجا آوری کی۔ لیکن شیطان نے فطرت کے صحیح جذبے کو استعمال کرنے کی بجائے منفی جذبے کی

مَآ	اَشْهَدْتُّهُمْ	خَلْقَ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ	وَلَا	خَلْقَ
نہیں	میں نے گواہ بنایا تھا ان کو	پیدائش	آسمانوں	اور زمین	اور نہ	پیدائش
اَنْفُسِهِمْ ۠	وَمَا	كُنْتُ	مُتَّخِذَ	الْمُضِلِّيْنَ	عَضُدًا ﴿۵۱﴾	
ان کی اپنی	اور نہیں	ہوں میں	بنانے والا	گمراہ کرنے والوں	بازو	

میں نے انھیں نہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں گواہ بنایا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے میں اور نہ ہی میں گمراہ کرنے والوں کو بازو بنانے والا تھا۔'' (۵۱)

بدولت حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ یہاں ابن آدم کو غیرت دلانے کے انداز میں سمجھایا گیا ہے کہ کیا تم اسے اور اس کی اولاد کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا خیر خواہ اور دوست سمجھتے ہو؟ حالانکہ شیطان اور اس کی ذرّیت تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ شیطان اور اس کی اولاد کو دوست بنانے والے ظالم ہیں اور ظالموں نے اللہ تعالیٰ کی دوستی کے مقابلے میں کس قدر بُری دوستی اختیار کی ہے۔ کیونکہ شیطان جنّات میں سے ہے دنیا میں بے شمار ایسے لوگ موجود ہیں جو جنّات سے مدد طلب کرتے ہیں۔ عربوں کے ہاں بھی رواج تھا کہ وہ پہاڑی سفر کے دوران رہنمائی اور مشکل میں جنات کو پکارا کرتے تھے۔ اس عقیدہ کی نفی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ جن کو تم مشکل کے وقت پکارتے ہو نہ میں نے ان کو زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت بلایا اور شامل کیا اور نہ ہی ان کی اپنی تخلیق میں ان کا یا کسی اور کا عمل دخل ہے۔ لوگوں کو گمراہ کرنیوالوں کو اللہ تعالیٰ اپنا معاون نہیں بنا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کی معاونت کی حاجت نہیں۔ وہ ہر قسم کی کمزوری سے پاک اور مبرا ہے۔ یہاں صرف سمجھانے اور لوگوں کو شیطان سے نفرت دلانے کے لیے یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

یہاں ابلیس کو جنات کی جنس قرار دیا گیا ہے۔ اس پر بحث کرتے ہوئے اہل علم نے لکھا ہے کہ گو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا لیکن ابلیس افضلیت کے اعتبار سے کم ہونے کی وجہ سے اس حکم میں شامل تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو شیطان ادھر ادھر کی باتیں کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ عذر پیش کرتا کہ آپ نے تو حکم ملائکہ کو دیا ہے مجھے تو حکم دیا ہی نہیں گیا میں سجدہ کیوں کرتا؟ مجھے راندہ درگاہ کیوں کیا جا رہا ہے؟ لہٰذا جن لوگوں نے لفظی موشگافیوں میں آکر ابلیس کی وکالت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا موقف مضحکہ خیز ہونے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یہ گواہ چست اور مدعی سست ہونے کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی موشگافیوں سے بچائے۔ آمین یا ارحم الرّحمین۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں۔ ۲۔ فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا۔
۳۔ ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔ ۴۔ ابلیس جنوں میں سے تھا۔

وَيَوْمَ	يَقُوْلُ	نَادُوْا	شُرَكَآءِيَ	الَّذِيْنَ	زَعَمْتُمْ
اور دن	وہ فرمائے گا	تم بلاؤ	میرے شریکوں	وہ جو	تم دعویٰ کرتے تھے
فَدَعَوْهُمْ	فَلَمْ	يَسْتَجِيْبُوْا	لَهُمْ	وَجَعَلْنَا	بَيْنَهُمْ
تو وہ انہیں بلائیں گے	سو نہیں	وہ جواب دیں گے	ان کو	اور ہم نے بنایا	ان کے درمیان
مَّوْبِقًا ۝٥٢	وَرَاَ	الْمُجْرِمُوْنَ	النَّارَ	فَظَنُّوْٓا	اَنَّهُمْ
ہلاکت گاہ	اور اس نے دیکھا	مجرم	آگ	تو انہوں نے گمان کیا	کہ بیشک وہ
مُّوَاقِعُوْهَا	وَلَمْ	يَجِدُوْا	عَنْهَا	مَصْرِفًا ۝٥٣	
اس میں گرنے والے	اور نہیں	وہ پائیں گے	اس سے	پلٹنے کی جگہ	

ع۱۹

’’اور جس دن اللہ فرمائے گا لاؤ میرے ان شریکوں کو جن کا تم دعویٰ کرتے تھے۔ وہ انھیں پکاریں گے وہ انھیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور ہم ان کے درمیان ایک ہلاکت گاہ بنا دیں گے۔‘‘(۵۲)’’اور مجرم آگ دیکھیں گے تو سمجھ جائیں گے کہ بے شک وہ اس میں گرنے والے ہیں اور اس سے پلٹنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے۔‘‘(۵۳)

فہم القرآن

ربط کلام: غیر اللہ کو پکارنا شیطان کی شیطنت کا نتیجہ ہے کہ لوگ غیر اللہ کو پکارتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا قیامت کے دن انجام۔

غیر اللہ کو پکارنے والوں کو قیامت کے دن ربِ ذوالجلال آواز دے گا۔ تم جن کو میرا شریک سمجھ کر پکارتے تھے۔ آج وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں تو انہیں بلاؤ۔ مشرکین آواز پہ آواز دیں گے لیکن دنیا میں جن کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر ان کے حضور قیام، رکوع، سجدہ، اعتکاف کرتے، ہاتھ جوڑتے اور نذرانہ پیش کرتے تھے۔ وہ ان کو کچھ جواب نہ دیں گے۔ جب ان کو آواز پہ آواز دے رہے ہوں گے تو اچانک جہنم ان کے سامنے کر دی جائے گی۔ اسے دیکھتے ہی مشرکین کو یقین ہو جائے گا کہ وہ جہنم میں پھینکے جانے والے ہیں۔ اس سے بچنے کے لیے ان کے پاس کوئی راستہ نہ ہوگا۔ جہنم کی آگ گمراہ پیروں اور مریدوں کے درمیان اس لیے حائل کر دی جائے گی تاکہ ان کے دکھ میں اور اضافہ ہو جائے۔ کیونکہ وہ تو امید لگائے بیٹھے تھے کہ مشکل کشاؤں کو اس لیے ہمارے قریب کیا گیا ہے تاکہ وہ ہماری مدد کر سکیں۔ جب وہ اپنی امیدوں میں خوش، خوش دکھائی دیں گے تو اچانک ان کے درمیان جہنم کی آگ کھڑی کر کے گمراہ پیروں اور مریدوں کو آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ البتہ جن بزرگوں نے اپنی زندگی میں لوگوں کو شرک و بدعت سے منع کیا لیکن ان کے مرنے کے بعد لوگوں نے ان کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان کے مزارات کو عبادت گاہ بنا لیا ایسے بزرگوں کو جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما صَارَتِ الْأَوْثَانُ الَّتِي كَانَتْ فِي قَوْمِ نُوحٍ فِي الْعَرَبِ بَعْدُ ، أَمَّا وُدٌّ كَانَتْ لِكَلْبٍ بِدَوْمَةِ الْجَنْدَلِ ، وَأَمَّا سُوَاعٌ كَانَتْ لِهُذَيْلٍ ، وَأَمَّا يَغُوثُ فَكَانَتْ لِمُرَادٍ ثُمَّ لِبَنِي غُطَيْفٍ بِالْجُرُفِ عِنْدَ سَبَا ، وَأَمَّا يَعُوقُ فَكَانَتْ لِهَمْدَانَ ، وَأَمَّا نَسْرٌ فَكَانَتْ لِحِمْيَرَ ، لِآلِ ذِي الْكَلَاعِ أَسْمَاءُ رِجَالٍ صَالِحِينَ مِنْ قَوْمِ نُوحٍ ، فَلَمَّا هَلَكُوا أَوْحَى الشَّيْطَانُ إِلَى قَوْمِهِمْ أَنِ انْصِبُوا إِلَى مَجَالِسِهِمُ الَّتِي كَانُوا يَجْلِسُونَ أَنْصَابًا ، وَسَمُّوهَا بِأَسْمَائِهِمْ فَفَعَلُوا فَلَمْ تُعْبَدْ حَتَّى إِذَا هَلَكَ أُولَئِكَ وَتَنَسَّخَ الْعِلْمُ عُبِدَتْ))[رواہ البخاری: باب (وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ)]

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں جن بتوں کی پوجا نوح علیہ السلام کی قوم کیا کرتی تھی بعد میں انہیں لوگ عرب میں لے آئے ۔ ودّ کو دومۃ الجندل والوں نے اپنا معبود بنالیا اور سواع کو ھذیل والوں نے ، یغوث کو مراد قبیلے والوں نے اور ان کے بعد بنی غطیف نے سبا بستی میں جرف مقام پر اور یعوق کو ہمدان والوں نے اور نسر کو قبیلہ حمیر والوں نے ، جو ذی الکلاع کی اولاد تھے اپنا معبود بنالیا۔ یہ تمام نام نوح علیہ السلام کی قوم کے برگزیدہ لوگوں کے تھے ، جب وہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم کو القاء کیا۔ انہوں نے ان کے مجسموں کو اس جگہ پر نصب کیا ، جہاں وہ بیٹھا کرتے تھے اور ان کے نام نیک لوگوں کے ناموں کی نسبت سے رکھ دیئے گئے ، پہلے لوگ ان کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے جب یہ لوگ مر گئے تو ان کے بعد والوں نے ان مورتیوں کی عبادت شروع کر دی۔“

مسائل

۱۔ قیامت کے دن مشرکوں سے کہا جائے گا کہ اپنے مشکل کشاؤں کو بلاؤ۔ ۲۔ جہنم سے مجرم بچ نہیں پائیں گے۔

۳۔ مشرک اپنے معبودوں کو بلائیں گے لیکن ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں پائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن مشرکوں کو حکم ہوگا کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ:

۱۔ اس دن اللہ فرمائے گا بلاؤ! میرے شرکاء کو جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے۔ وہ انہیں بلائیں گے تو وہ جواب نہیں دیں گے۔ (الکھف: ۵۲)

۲۔ پھر ہم مشرکوں سے کہیں گے تمہارے شریک کہاں ہیں جن کو تم شریک تصور کرتے تھے۔ (الانعام: ۲۲)

۳۔ اس دن ہم انہیں آواز دیں گے کہ میرے شریک کہاں ہیں؟ جنہیں تم شریک بناتے تھے۔ (القصص: ۶۲)

۴۔ کیا ان کے شرکاء ہیں تو وہ اپنے شریکوں کو لائیں اگر وہ سچے ہیں۔ (القلم: ۴۱)

۵۔ قیامت کے دن ظلم کرنے والوں اور ان کے ہم جنس اور جن کی وہ پوجا کرتے تھے سب کو جمع کیا جائے گا۔ (الصّٰفّٰت: ۲۲)

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ
اور البتہ تحقیق ہم نے پھیر پھیر کر بیان کی میں اس قرآن لوگوں کے لیے سے

كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ
ہر مثال اور ہے انسان زیادہ چیزوں

جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا اِذْ
جھگڑالو اور نہیں روکا لوگوں کہ وہ ایمان جب

جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَیَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّاۤ اَنْ
آگئی ان کے پاس ہدایت اور وہ مغفرت طلب کریں ان کا رب مگر کہ

تَاْتِیَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾
پیش آئے ان کو معاملہ پہلے لوگوں یا آئے ان کے پاس عذاب سامنے

اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر مثال بدل بدل کر بیان کی ہے اور انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔" (۵۴) "اور لوگوں کو کسی بات نے نہیں روکا کہ وہ ایمان لائیں، جب ان کے پاس ہدایت آگئی اور اپنے رب سے بخشش مانگیں مگر اس بات نے کہ ان کو پہلے لوگوں جیسا معاملہ پیش آجائے یا ان پر عذاب نازل ہو۔" (۵۵)

فہم القرآن

ربط کلام: لوگوں کو شرک سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ مختلف انداز سے سمجھاتا ہے۔لیکن اس کے باجود مشرک لوگ سمجھنے کے لیے تیار نہیں بلکہ جھگڑا کرتے ہیں۔

عقیدہ توحید سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کئی قسم کی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔تاکہ لوگ شرک کی سنگینی کو سمجھ کر اس سے تائب ہوجائیں لیکن شرک ایسا گناہ ہے۔جس سے مشرک ناصرف باز آنے کے لیے تیار نہیں ہوتا بلکہ اپنا باطل عقیدہ ثابت کرنے کے لیے جھگڑا کرنے پر اتر آتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ انہیں بار بار سمجھاتا ہے کہ ہدایت قبول کرو اور سابقہ گناہوں کی معافی مانگو تمہارا رب معاف کرنے والا ہے۔لیکن مشرک شرک سے باز آنے کی بجائے بحث وتکرار میں آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے تا آنکہ پہلے لوگوں کی طرح اُسے عذاب آلیتا ہے۔جس طرح قوم نوح اور دوسری اقوام تباہی کے گھاٹ اتر گئیں شرک کی عام طور پر بنیاد کسی زندہ یا فوت شدہ بزرگ کی عقیدت پر ہوتی ہے عقیدت شریعت کی حدود سے تجاوز کر جائے تو انسان حقائق کے بارے میں اندھا ہوجاتا ہے۔ایسے شخص کو سمجھایا جائے تو حقیقت جاننا تو درکنار وہ اس بات کو توجہ سے سننا بھی بزرگوں کی توہین سمجھتا ہے جس بناء پر وہ ناصرف بحث وتکرار کرتا ہے بلکہ جھگڑا کرنے پر اتر آتا ہے۔جس کے لیے فرمایا گیا ہے کہ انسان

بڑا جھگڑالو ہے یہ روش اسے شرک وبدعت سے تائب نہیں ہونے دیتی۔یہی وطیرہ ہر دور کے مشرک کا ہوا کرتا ہے۔ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ پہلے لوگوں کے طریقہ کواپنائے ہوئے ہیں۔جس کاواضح مطلب ہے کہ یہ لوگ اپنے پہلے لوگوں کا انجام دیکھنا چاہتے ہیں جو بالآخر دیکھ لیں گے۔حالانکہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کھول کھول کر مثالیں بیان کرتا ہے یہاں دومثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ﴾[الحج:۷۳]

”اے لوگو! مثال بیان کی جاتی ہے اسے غور سے سنو وہ لوگ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ سب کے سب جمع ہو کر ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اور اگر مکھی اُن کے کھانے میں سے کوئی چیز لے جائے تو وہ واپس نہیں لے سکتے مانگنے والا بھی کمزور اور جس سے مانگا جارہا ہے وہ بھی کمزور۔“

﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾[الاعراف: ۱۷۶]

”اور اگر ہم چاہتے تو اسے ان کے ذریعے بلند کردیتے مگر وہ زمین کی طرف چمٹ گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا۔ اس کی مثال کتے کی طرح ہے کہ اگر آپ اس پر حملہ کریں تو زبان نکالے ہانپتا ہے۔اسے چھوڑ دیں تو بھی زبان نکالے ہانپتا ہے۔یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا آپ ان کو آیات سنائیں تا کہ وہ غور وفکر کریں۔“

مسائل

۱۔ قرآن مجید میں ہدایت کے متعلق ہر قسم کے مضامین اور امثال بیان کی گئی ہیں۔
۲۔ اپنے رب کے بارے میں انسان بڑا جھگڑالو ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کا مختلف انداز اور الفاظ میں سمجھانے کا طریقہ:

۱۔ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے طرح طرح کی مثالیں بیان کی ہیں ۔(الکھف:۵۴)

۲۔ ہم نے اس قرآن میں ہدایت کے متعلقہ تمام باتیں بیان کردی ہیں۔(بنی اسرائیل:۴۱)

۳۔ دیکھیں ہم کس طرح آیات بیان کرتے ہیں تا کہ لوگ سمجھیں۔(الانعام:۶۵)

۴۔ یقیناً ہم نے قرآن میں تمام باتیں بیان کردیں تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔(بنی اسرائیل:۸۹)

وَمَا	نُرْسِلُ	الْمُرْسَلِيْنَ	اِلَّا	مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ج
اور نہیں	ہم بھیجتے ہیں	رسولوں	مگر	خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے

وَيُجَادِلُ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	بِالْبَاطِلِ	لِيُدْحِضُوْا
اور جھگڑا کرتے ہیں	وہ جو	انہوں نے کفر کیا	باطل کے ساتھ	تاکہ وہ پھسلا دیں

بِهِ	الْحَقَّ	وَاتَّخَذُوْٓا	اٰيٰتِيْ	وَمَآ	اُنْذِرُوْا	هُزُوًا ﴿۵۶﴾
اس کیساتھ	حق	اور انہوں نے بنالیا	میری آیتوں	اور جو	وہ ڈرائے گئے تھے	مذاق

وَمَنْ	اَظْلَمُ	مِمَّنْ	ذُكِّرَ	بِاٰيٰتِ	رَبِّهٖ
اور کون	زیادہ ظالم	اس سے	وہ نصیحت کیا گیا	آیات کے ساتھ	اس کا رب

”اور ہم نہیں بھیجتے رسول مگر خوشخبری دینے اور ڈرانے والے۔ جنھوں نے کفر کیا وہ باطل کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اس کے ساتھ حق کو پھسلا دیں اور انھوں نے میری آیات اور ان چیزوں کو جن سے انھیں ڈرایا گیا، مذاق بنالیا ہے۔“ (۵۶) ”اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ساتھ نصیحت کی گئی

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ نے اقوام کو دنیا کی ہلاکت اور آخرت کے عذاب سے بچانے کے لیے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ لیکن لوگوں نے ان کے ساتھ جھگڑا کیا۔

قرآن مجید نے انبیاء کی تشریف آوری کا مقصد بیان کرتے ہوئے کئی بار وضاحت فرمائی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے مبعوث فرمایا ہے کہ وہ حق قبول کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی نعمتوں کی خوشخبری دیں اور حق ٹھکرانے والوں کو دنیا میں ہلاکت اور آخرت کے عذاب سے ڈرائیں۔ لیکن حق کا انکار کرنے والے ناجائز طریقوں اور باطل دلیلوں کے ساتھ انبیاء کرام کے ساتھ جھگڑتے رہے تاکہ حق کو ناحق ثابت کرسکیں۔ انبیاء جو باتیں ڈرانے کے لیے ان سے کرتے تھے۔ انہوں نے اس کو بھی استہزاء کا نشانہ بنایا۔ ظاہر بات ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نصیحت کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرے اور قیامت کے حوالے سے اپنے اعمال اور انجام کو بھول جائے اس سے بڑھ کر بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے؟ ایسے لوگ جھوٹے دلائل اور اُوچھے ہتھکنڈوں کے ساتھ حق کو اس لیے دباتے اور انبیاء سے استہزاء کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ناراض ہوکر ان کے کانوں میں حق کے بارے میں ناگواری کا بوجھ ڈال اور ان کے دلوں کو فہم وفراست کی صلاحیت سے عاری کردیا ہے اب ان کے دلوں پر پردہ ہے ان کے کان حق بات سننے کو بوجھ سمجھتے ہیں۔ اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ کبھی بھی

فَاَعۡرَضَ عَنۡهَا وَنَسِیَ مَا قَدَّمَتۡ یَدٰهُ ؕ

تو اس نے اعراض کیا | ان سے | اور وہ بھول گیا | جو | آگے بھیجا تھا | اس کے دونوں ہاتھوں نے

اِنَّا جَعَلۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ اَكِنَّةً اَنۡ یَّفۡقَهُوۡهُ

بلاشبہ ہم نے | ہم نے بنایا | پر | ان کے دلوں | پردے | کہ | وہ سمجھیں اس کو

وَفِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا ؕ وَاِنۡ تَدۡعُهُمۡ اِلَی الۡهُدٰی

اور میں | ان کے کانوں | ڈاٹ | اور اگر | آپ ان کو بلائیں | طرف | ہدایت

فَلَنۡ یَّهۡتَدُوۡۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

تو ہرگز نہ | وہ ہدایت پائیں گے | اس وقت | کبھی بھی

اس نے ان سے اعراض کیا اور اسے بھول گیا جو اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا، بلاشبہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں اس سے کہ اسے سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ رکھ دیا ہے اور اگر آپ انھیں ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ ہرگز ہدایت نہیں پائیں گے۔" (۵۷)

ہدایت قبول نہیں کریں گے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمان ہے۔

مسائل

۱۔ رسولوں کو خوشخبری دینے اور ڈرانے کے لیے بھیجا گیا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کی آیات اور رسولوں سے کفار مذاق کرتے تھے۔

۳۔ اس شخص سے بڑا ظالم کوئی نہیں جو اللہ کی آیات سے اعراض کرتا ہے۔

۴۔ کفار کے دل اور کانوں پر پردے ہیں وہ حق کو سنتے اور پہچانتے نہیں۔

۵۔ اگر کفار کو ہدایت کی طرف بلایا جائے تو وہ اسے قبول نہیں کرتے۔

تفسیر بالقرآن

سب سے بڑا ظالم کون؟

۱۔ اس سے بڑا ظالم کون ہے؟ جسے اللہ کی آیات سمجھائی گئیں لیکن اس نے اعراض کیا۔ (الکھف: ۵۷)

۲۔ اس سے بڑا ظالم کون ہے؟ جو اللہ کی مسجدوں سے روکتا ہے کہ ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے۔ (البقرۃ: ۱۱۴)

۳۔ اس سے بڑا ظالم کون ہے؟ جو شہادت حق کو چھپاتا ہے۔ (البقرۃ: ۱۴۰)

۴۔ اس سے بڑا ظالم کون ہے؟ جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ (الانعام: ۲۱)

۵۔ اس سے بڑا ظالم کون ہے؟ جو اللہ کی آیات کی تکذیب کرتا ہے۔ (الاعراف: ۱۵۸)

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا
اور آپ کا رب بخشنے والا رحمت والا اگر وہ ان کو پکڑتا ہے بہ سبب ان کے جو

كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ
انہوں نے کمائے تو یقینا جلدی لائے ان کیلئے عذاب بلکہ ان کے لیے ایک مقرر وقت

لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ۝۵۸ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى
ہرگز نہیں وہ پائیں گے سے سوا کوئی جائے پناہ اور یہ بستیاں

اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝۵۹ ع
ہم نے ہلاک کیا ان کو جب انہوں نے ظلم کیا اور ہم نے کر دیا ان کی ہلاکت کے لیے ایک مقرر وقت

”اور آپ کا رب بہت بخشنے اور رحمت کرنے والا ہے، اگر وہ ان کو ان کے اعمال کی وجہ سے پکڑے تو یقیناً ان کے لیے جلد عذاب نازل کرے۔ ان کے لیے وعدے کا ایک وقت ہے جس سے بچنے کی وہ ہرگز کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے۔“ (۵۸) ”اور یہی وہ بستیاں ہیں جنھیں ہم نے ہلاک کر دیا، جب انھوں نے ظلم کیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک مقرر وقت رکھ دیا تھا۔“ (۵۹)

فہم القرآن

ربط کلام: انبیاء سے مذاق کرنے، حقائق سننے اور انہیں تسلیم نہ کرنے کے باوجود لوگوں کو نہیں پکڑتا تو اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت ہی رحیم ہے اس نے مجرموں کی گرفت کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔

رب کریم نے اپنے گنہگار بندوں کو نہایت شفقت آمیز الفاظ کے ساتھ تسلی دیتے ہوئے دعوت دی ہے۔ کہ اے نبی ﷺ میرے بندوں کو فرمائیں جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیے ہیں کہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو معاف کرنے والا، نہایت مہربان اور بخشنے والا ہے۔ (الزمر: ۵۳)

اللہ تعالیٰ لوگوں کے گناہوں اور جرائم کی وجہ سے فی الفور گرفت کرے تو کوئی اس کے عذاب سے نہیں بچ سکتا۔ وہ اپنی رحمت کی وجہ سے گنہگاروں کو بار بار معافی کا موقع اور مہلت دیتا ہے۔ اس نے گنہگاروں کی گرفت کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ مقررہ وقت سے پہلے کسی فرد یا قوم کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔ البتہ جب عذاب کا وقت آجاتا ہے۔ تو پھر کسی کو پناہ نہیں ملتی جس کی مثالیں پہلے سے موجود ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو ان کی مقررہ معیاد پر پکڑا تو انہیں اس ہلاکت سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔

﴿وَإِذَا جَاءَ كَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ﴾[الانعام:٥٤]

''اور جب وہ لوگ آپ کے پاس آئیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں تو کہیں تم پر سلامتی ہو۔تمہارے رب نے رحم کرنا اپنے آپ پر لازم کرلیا ہے بلاشبہ تم میں سے جو شخص جہالت سے کوئی برائی کر بیٹھے، پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کر لے تو یقیناً وہ بے حد بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔''

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی کَتَبَ کِتَابًا قَبْلَ اَنْ یَخْلُقَ الْخَلْقَ اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ فَھُوَ مَکْتُوْبٌ عِنْدَہٗ فَوْقَ الْعَرْشِ)) [رواہ مسلم: باب فِی سَعَۃِ رَحْمَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَأَنَّھَا سَبَقَتْ غَضَبَہٗ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ معظم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق سے پہلے لوح محفوظ میں تحریر فرمایا کہ ''میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے'' یہ اللہ کے عرش پر تحریر ہے۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ بخشنے اور رحمت فرمانے والا ہے۔

٢۔ اگر اللہ تعالیٰ گناہوں کی وجہ سے جلد مواخذہ کرتا تو لوگ بہت جلد عذاب میں مبتلا ہو جاتے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ نے عذاب کے لیے ایک وقت معین کر رکھا ہے۔ ٤۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہوتا۔

٥۔ اللہ تعالیٰ نے بستیوں والوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے ہلاک کیا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے ہر فرد اور قوم کے لیے وقت مقرر کر رکھا ہے:

١۔ ہم نے ان بستیوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے ہلاک کیا اور ہم نے ہر ایک کی ہلاکت کا وقت مقرر کر رکھا ہے۔(الکھف:٥٩)

٢۔ ہر امت کا ایک وقت مقرر ہے۔جب وہ وقت آتا ہے تو اس میں کمی بیشی نہیں کی جاتی۔(الاعراف:٣٤)

٣۔ جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آ جاتا ہے۔اس میں آگا پیچھا نہیں کیا جاتا۔(یونس:٤٩)

٤۔ جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آ جاتا ہے۔اسے موخر نہیں کیا جاتا کاش لوگ جان لیں۔(نوح:٤)

٥۔ کفار عذاب کی جلدی مچاتے ہیں اگر اللہ کی طرف سے وقت مقرر کیا ہوا نہ ہوتا تو ان پر عذاب آ جاتا۔(العنکبوت:٢٩)

٦۔ اگر اللہ لوگوں کیظلم کی وجہ سے گرفت کرے تو زمین میں کوئی جاندار نہ بچے۔(النحل:٦١)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى

اور جب اس نے کہا موسیٰ اپنے جوان سے میں ہمیشہ رہوں گا یہاں تک کہ

اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا

میں پہنچ جاؤں سنگم دو دریاؤں یا میں چلتا رہوں گا مدت چنانچہ جب

بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ

وہ دونوں پہنچے ملنے کی جگہ ان دونوں کے درمیان وہ دونوں بھول گئے مچھلی ان کی سو اس نے بنا لیا اس کا راستہ

فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا

میں دریا سرنگ پھر جب وہ دونوں آگے گزرے کہا اپنے جوان سے دے ہمیں

''اور جب موسیٰ نے اپنے جوان ساتھی سے کہا میں نہیں ہٹوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں یا ایک مدت تک چلتا رہوں گا۔'' (۶۰) ''جب دونوں دریاؤں کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو وہ اپنی مچھلی بھول گئے، اس نے اپنا راستہ سمندر میں سرنگ کی صورت میں بنا لیا۔'' (۶۱) ''پھر جب وہ آگے گزر گئے تو اس نے جوان ساتھی سے کہا

فہم القرآن

ربط کلام: نئے خطاب کا آغاز جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کے ذریعہ سے چند کاموں کے حوالے سے تکوینی امور کی حکمتیں بیان کی ہیں۔ تاکہ لوگ ان کو پیش نگاہ رکھ کر اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر صابر، شاکر رہیں بات پر ایمان لائیں۔

اس خطاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک سفر کی روداد بیان کی ہے۔ جس میں ان کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے کروائی گئی تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے تکوینی امور کی حکمتوں سے کچھ نہ کچھ آگاہی حاصل ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفر کا سبب بیان کرتے ہوئے رسول محترم ﷺ نے فرمایا۔ ایک دن موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے خطاب کر رہے تھے۔ اچانک مجمع سے ایک آدمی اٹھا اس نے سوال کیا۔ جناب موسیٰ! کیا دنیا میں آپ سے بڑھ کر کوئی عالم ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا میں سب سے بڑا عالم میں ہوں حالانکہ انہیں یہ الفاظ کہنے کی بجائے پیغمبرانہ شان کے مطابق اللہ اعلم کے الفاظ کہنے چاہییں تھے۔ اللہ تعالیٰ کو موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ پسند نہ آئے۔ جس بناء پر انہیں حکم ہوا کہ اے موسیٰ! میرے بندوں میں ایسا بندہ موجود ہے جس کے پاس وہ علم ہے جو آپ کے پاس نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بندے سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بندے کی نشاندھی فرمائی۔ اس سے ملنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سفر اختیار کیا۔ جس کا تذکرہ یہاں کیا گیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگرد سے فرمایا کہ جب تک ہم دو دریاؤں کے سنگم پر نہ پہنچ جائیں اپنا سفر جاری رکھیں گے بے شک ہمیں برسوں تک چلنا پڑے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تلی ہوئی مچھلی اپنے پاس رکھو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے شاگرد یوشع بن نون کے ساتھ سفر کے لیے نکلے راستہ میں انہوں نے دریاؤں کے سنگھم کے پاس قیلولہ

غَدَآءَنَا ۡ لَقَدۡ لَقِيۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾

ہمارا ناشتہ | البتہ تحقیق | پہنچی ہمیں | سے | ہمارا سفر | اس | تھکاوٹ

قَالَ اَرَءَيۡتَ اِذۡ اَوَيۡنَاۤ اِلَى الصَّخۡرَةِ فَاِنِّىۡ

اس نے کہا | کیا دیکھا آپ نے | جب | ہم ٹھہرے تھے | طرف | چٹان | تو بلاشبہ میں

نَسِيۡتُ الۡحُوۡتَ ۡ وَمَاۤ اَنۡسٰنِيۡهُ اِلَّا الشَّيۡطٰنُ اَنۡ

میں بھول گیا | مچھلی | اور نہیں | بھلوایا مجھے | مگر | شیطان | یہ کہ

اَذۡكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيۡلَهٗ فِى الۡبَحۡرِ ۖ عَجَبًا ﴿٦٣﴾

میں اس کا ذکر کروں | اور اس نے بنایا تھا | اس کا راستہ | میں | دریا | عجیب

ہمارا دن کا کھانا لائیے، ہم نے اس سفر میں بہت تھکاوٹ پائی ہے۔'' (٦٢) ''اس نے کہا کیا آپ نے دیکھا جب ہم اس چٹان کے قریب ٹھہرے تھے بلاشبہ میں مچھلی بھول گیا اور مجھے نہیں بھلایا مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر آپ سے کروں اور اس نے اپنا راستہ سمندر میں عجیب طرح سے بنالیا۔'' (٦٣)

کیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام استراحت فرمارہے تھے تو یوشع بن نون کے سامنے تلی ہوئی مچھلی زندہ ہوکر دریا میں کود گئی جونہی مچھلی نے دریا میں چھلانگ لگائی تو اس نے دریا میں سرنگ کی طرح راستہ بنالیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد یہ واقعہ اور مچھلی بھول گئے۔ جب موسیٰ علیہ السلام اٹھے اور بہت آگے نکل گئے تو انہوں نے اپنے شاگرد کو حکم دیا کہ ناشتہ کے لیے مچھلی پیش کی جائے۔ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ہمیں اس سفر نے تھکا دیا ہے تب ان کے شاگرد نے عرض کی۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ کہ جب ہم ایک چٹان کے پاس آرام کررہے تھے تو مچھلی دریا میں کود گئی اور اس نے عجب طریقے کے ساتھ دریا میں راستہ بنایا یہ واقعہ شیطان نے مجھے فراموش کردیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہی تو وہ مقام ہے جس کی تلاش کے لیے ہم نکلے تھے۔ [رواہ البخاری: باب الخُرُوجِ فِی طَلَبِ الْعِلْمِ]

تفسیر بالقرآن

شیطان کی انسان سے دشمنی:

۱۔ مجھے اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا۔ (الکھف: ٦٣) ۲۔ یقیناً شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (الاعراف: ۲۲)

۳۔ یقیناً شیطان انسان کا واضح دشمن ہے۔ (یوسف: ۵) ۴۔ یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے اسے دشمن ہی سمجھو۔ (فاطر: ٦)

۵۔ یقیناً شیطان انسان کے ساتھ واضح دشمنی کرنے والا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۵۳)

٦۔ شیطان انسان کو رسوا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ (الفرقان: ۲۹) ۷۔ شیطان لوگوں کے درمیان دشمنی ڈالنا چاہتا ہے۔ (المائدۃ: ۹۱)

۸۔ شیطان نے آدم اور حوّا کو پھسلا دیا، وہ انسانوں کا کھلا دشمن ہے۔ (الاعراف: ۳۲)

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا

اس نے کہا یہ وہ جو تھے تم چاہتے پھر وہ دونوں واپس لوٹے پر ان کے قدموں کے نشانات

قَصَصًا ۙ ﴿٦٤﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً

اتباع توان دونوں نے پایا ایک بندہ سے ہمارے بندوں ہم نے اسے دی تھی رحمت

مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾ قَالَ لَهٗ

سے اپنی طرف اور ہم نے اسے سکھایا تھا سے اپنے پاس ایک علم اس نے کہا اس سے

مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا

موسیٰ کیا میں تیری پیروی کرسکتا ہوں پر کہ تو مجھے سکھائے اس میں سے جو

”اس نے کہا یہی جگہ ہے جس کو ہم تلاش کر رہے تھے دونوں اپنے قدموں کے نشانوں پر واپس پلٹے۔“ (٦٤) ”ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا۔ جسے ہم نے اپنی طرف سے رحمت عطا کی اور اسے اپنی طرف سے علم عطا کیا تھا۔“ (٦٥) ”موسیٰ نے اس سے کہا کیا میں تیری پیروی کرسکتا ہوں، اس پر کہ تجھے جو کچھ سکھایا گیا ہے

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھول کر دریا کے سنگھم سے آگے گزر جانا اور معلوم ہونے پر واپس پلٹنا۔

یوشع بن نون نے جب عرض کی کہ حضرت جہاں آپ نے آرام کیا تھا وہاں مچھلی دریا میں کود گئی۔ لیکن میں آپ سے عرض کرنا بھول گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوراً فرمایا یہی تو ہماری منزل تھی۔ پھر انہی قدموں پر منزل تلاش کرتے ہوئے واپس پلٹے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ دونوں نے وہاں ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا۔ جس کو ہم نے اپنی رحمت سے نواز رکھا تھا اور اپنی طرف سے خصوصی علم عطا کیا تھا۔ قرآن مجید نے اس بندے کا نام نہیں بتلایا البتہ حدیث شریف میں اس کا نام خضر آیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے اپنی حاضری کا مقصد بیان کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو علم عطا فرمایا ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ رہ کر اس سے استفادہ کروں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا آپ میرے کاموں پر صبر نہیں کر پائیں گے کیونکہ جس کام کی حقیقت سے آپ واقف نہیں اس پر کیونکر صبر کرسکتے ہیں۔ مفسرین نے دونوں شخصیات کی ملاقات کی تفصیل بتلاتے ہوئے لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے شاگرد خاص یوشع بن نون کے ساتھ دریاؤں کے سنگم کے پاس پہنچے تو انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو چادر لیے ہوئے لیٹا ہوا پایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے السلام علیکم کہا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے چہرے سے کپڑا ہٹاتے ہوئے فرمایا اس علاقہ میں السلام علیکم کہنے والے آپ پہلے شخص ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا نام بتایا۔ حضرت خضر علیہ السلام پوچھتے ہیں کیا آپ بنی اسرائیل کے موسیٰ

عُلِّمْتَ رُشْدًا ۞ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ

تجھے سکھائی گئی | بھلائی | اس نے کہا | بلاشبہ تو | ہرگز نہیں | استطاعت رکھے گا | میرے ساتھ

صَبْرًا ۞ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۞

صبر | اور کس طرح | تو صبر کرے گا | پر | جو | نہیں | احاطہ کیا تو نے | اس کا | علم

اس میں سے کچھ بھلائی مجھے سکھا دے۔'' (۶۶) ''اس نے کہا بے شک تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا۔'' (۶۷) ''تو اس پر کیسے صبر کر سکے گا جس کا تجھے علم نہیں ہے۔'' (۶۸)

ہیں ؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ جی ہاں ! میں وہی موسیٰ ہوں ۔ جسے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا حضرت خضر نے فرمایا کہ آپ اس بات پر کس طرح صبر کر پائیں گے، جس کی حقیقت سے آپ آگاہ نہیں ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ فرمانا کہ آپ ان کاموں پر کس طرح صبر کر سکیں گے ؟ جن کی حقیقت سے آپ واقف نہیں ۔ ان کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ جو کام آپ کے نزدیک خلاف شرع ہیں وہ میرے لیے جائز ہیں ۔ ظاہر ہے کہ ایک نبی ہونے کی حیثیت سے آپ انہیں برداشت نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ پیغمبر کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ اپنے سامنے خلاف شرع کام دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتا۔ پیغمبر کی خاموشی اس کام کے جائز ہونے کی دلیل بن جاتی ہے۔ اس خاموشی کو محدثین نے تقریری حدیث قرار دیا ہے یعنی ایسی بات یا کام جو رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا اور آپ اس پر خاموش رہے ہوں وہ کام امت کے لیے حدیث کا درجہ رکھتا ہے۔ یعنی ایسی بات یا کام جس کو پیغمبر نے برقرار رکھا ہو۔

مسائل

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس کا ساتھی اپنے قدموں کے نشانات پر واپس پلٹے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے علم سے نوازتا ہے۔

۳۔ حضرت خضر علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے فضل وکرم فرمایا تھا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے علم سے نوازتا ہے:

۱۔ انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے رحمت اور علم عطا کیا تھا۔ (الکھف: ۶۵)

۲۔ اللہ نے انسان کو وہ کچھ سکھلایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ (العلق: ۵)

۳۔ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو علم الاسماء سکھلایا۔ (البقرۃ: ۳۷)

۴۔ جب حضرت موسیٰ جوانی کو پہنچے تو اللہ نے انہیں حکمت اور علم عنایت فرمایا۔ (القصص: ۱۴)

۵۔ جب حضرت یوسف جوانی کو پہنچے اللہ نے انہیں دانائی اور علم بخشا۔ (یوسف: ۲۲)

۶۔ بلاشبہ اللہ نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا۔ (النمل: ۱۵) ۷۔ علم کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ (طٰہٰ: ۱۱۴)

قَالَ	سَتَجِدُنِيْٓ	اِنْ	شَآءَ	اللّٰهُ	صَابِرًا	وَّلَآ
اس نے کہا	یقیناً تو پائے گا مجھے	اگر	اس نے چاہا	اللہ	صبر کرنیوالا	اور نہیں
اَعْصِيْ	لَكَ	اَمْرًا ﴿٦٩﴾	قَالَ	فَاِنِ	اتَّبَعْتَنِيْ	فَلَا
میں نافرمانی کروں گا	تیرے لیے	حکم	اس نے کہا	چنانچہ اگر	تو میری پیروی کرنا چاہتا ہے	تو مت
تَسْئَلْنِيْ	عَنْ	شَيْءٍ	حَتّٰٓى	اُحْدِثَ	لَكَ	مِنْهُ
سوال کرنا مجھ سے	سے	کوئی چیز	یہاں تک کہ	میں کروں	تیرے لیے	اس کا
ذِكْرًا ﴿٧٠﴾ ع	فَانْطَلَقَا	حَتّٰٓى	اِذَا	رَكِبَا	فِي	السَّفِيْنَةِ
ذکر	پھر وہ دونوں چلے	یہاں تک کہ	جب	وہ دونوں سوار ہوئے	میں	کشتی

''اس نے کہا اگر اللہ نے چاہا تو مجھے تو صبر کرنے والا پائے گا اور میں تیرے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔'' (۶۹) ''اس نے کہا اگر تو میرے ساتھ چلا ہے تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں سوال نہ کرنا، یہاں تک کہ میں تیرے سامنے اس کا ذکر کروں۔'' (۷۰) ''پھر دونوں چل پڑے یہاں تک کہ کشتی میں سوار ہوئے تو

فہم القرآن

ربط کلام: خضر علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ انشاء اللہ آپ مجھے حوصلہ کرنے والا پائیں گے میں آپ کی مخالفت نہیں کروں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو میرے کسی کام کے بارے میں سوال نہ کرنا یہاں تک کہ میں خود اس کی وضاحت کروں۔ یہ بات طے کرنے کے بعد دونوں چل پڑے اور دریا عبور کرنے کے لیے کشتی پر سوار ہوئے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کا ایک تختہ توڑ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چونک اٹھے اور فرمایا کیا آپ کشتی والوں کو ڈبونا چاہتے ہیں؟ آپ نے عجب کام کر دکھایا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ میرے کاموں پر صبر نہیں کر پائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بھول گیا اس لیے میری گرفت نہ کیجیے۔ اسکے بعد دونوں نے سفر جاری رکھا راستہ میں ایک بچے کو کھیلتے ہوئے پایا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے آگے بڑھ کر بچے کا گلہ اس زور سے دبایا کہ بچے کی چیخ نکلی اور اس کے ساتھ ہی اس کی روح پرواز کر گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے احتجاج کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ نے ایک بے گناہ بچے کو ناحق قتل کر دیا ہے یہ تو آپ نے بہت ہی برا کام کیا ہے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔

خَرَقَهَا ط	قَالَ	اَخَرَقْتَهَا	لِتُغْرِقَ	اَهْلَهَا ج	لَقَدْ
اس نے اس میں شگاف کردیا	اس نے کہا	تو نے شگاف کیا ہے اس میں	تاکہ تو غرق کردے	اس کشتی والوں کو	تحقیق

جِئْتَ	شَيْئًا	اِمْرًا ﴿۷۱﴾	قَالَ	اَلَمْ	اَقُلْ	اِنَّكَ
آپ نے کیا ہے	بہت	کام	اس نے کہا	کیا نہیں	میں نے کہا تھا	بے شک تو

لَنْ	تَسْتَطِيْعَ	مَعِىَ	صَبْرًا ﴿۷۲﴾	قَالَ	لَا	تُؤَاخِذْنِىْ
ہرگز نہیں	استطاعت رکھے گا	میرے ساتھ	صبر	اس نے کہا	نہ	مؤاخذہ کر تو میرا

بِمَا	نَسِيْتُ	وَلَا	تُرْهِقْنِىْ	مِنْ	اَمْرِىْ	عُسْرًا ﴿۷۳﴾
اس پر جو	میں بھول گیا	اور نہ	ڈال تو مجھ پر	سے	میرے معاملے	تنگی

اس نے اس میں شگاف کردیا۔ موسیٰ نے کہا کیا تو نے اس میں شگاف کردیا ہے کہ اس میں سوار لوگوں کو غرق کردے، یقیناً تو نے بڑا کام کیا ہے۔" (۷۱) "اس نے کہا کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکے گا۔" (۷۲) "موسیٰ علیہ السلام نے کہا میری اس پر گرفت نہ کریں۔ میں بھول گیا اور مجھے میرے معاملے میں کسی تنگی میں نہ ڈال دینا۔" (۷۳)

خلاف شرع بات پر ٹوکنا چاہیے:

((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: مَنْ رَّاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ، فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ، وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ))

[رواه مسلم: باب بَيَانِ كَوْنِ النَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ مِنَ الإِيمَانِ]

"حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے اسے چاہیے کہ وہ اس کو اپنے ہاتھ سے روکے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پھر کم از کم دل سے نفرت کرے۔ یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔"

صبر اور شکر کا اجر و ثواب:

((عَنْ صُهَيْبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ))[رواه مسلم : باب الْمُؤْمِنُ أَمْرُهُ كُلُّهُ خَيْرٌ]

"حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایمان دار شخص کی حالت پر تعجب ہے کہ وہ اپنے

فَانْطَلَقَا	حَتّٰۤی	اِذَا	لَقِيَا	غُلٰمًا	فَقَتَلَهٗ	قَالَ
پھر وہ دونوں چلے	یہاں تک کہ	جب	وہ دونوں ملے	ایک لڑکے	تو اس نے اسے قتل کر دیا	اس نے کہا
اَقَتَلْتَ	نَفْسًا	زَكِيَّةًۢ	بِغَيْرِ	نَفْسٍ	لَقَدْ	
کیا تو نے قتل کر دیا	نفس	پاک	بغیر	نفس	تحقیق	
جِئْتَ	شَيْـًٔا	نُّكْرًا ﴿۷۴﴾				
تو آیا ہے	نہایت	برے				

پھر دونوں چل پڑے، یہاں تک کہ جب وہ ایک لڑکے سے ملے اس نے اسے قتل کر دیا۔ موسیٰ کیا تو نے ایک معصوم جان کو کسی جان کے بدلے کے بغیر قتل کر دیا ہے بلا شبہ تو نے برا کام کیا ہے۔'' (۷۴)

معاملات میں' ہر حال میں بہتر ہے اور یہ اعزاز صرف ایمان دار کو حاصل ہوتا ہے۔ اگر اسے خوشی حاصل ہو تو شکر کرتا ہے اس کا شکر اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ اگر اسے تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے' یہ بھی اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔''

مسائل

۱۔ صبر بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حاصل ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

صبر کا حکم اور اس کا اجر:

۱۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ (الکھف: ۶۹)

۲۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کفار کی باتوں پر صبر کیجیے اور صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کیجیے۔ (طٰہٰ: ۱۳۰)

۳۔ صبر کیجیے اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ (الروم: ۶۰)

۴۔ اپنے رب کے حکم کے مطابق صبر کیجیے۔ (الدھر: ۲۴)

۵۔ تکلیف پر صبر کیجیے یقیناً یہ بڑے کاموں میں سے ہے۔ (لقمان: ۱۷)

۶۔ صبر کرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (الاعراف: ۸۷)

❀❀❀

فہم القرآن

جلد چہارم

میاں محمد جمیل
پرنسپل ابوہریرہ شریعہ کالج

ابوہریرہ اکیڈمی

۳۷- کمرشل کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہم القرآن

میاں محمد جمیل
ایم۔اے
فاضل اُردو۔علوم اسلامیہ

جلد چہارم

ابوہریرہ اکیڈمی
۳۷۔کمرشل کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

فہم القرآن

حقوق بحق مصنف

ازقلم ______ میاں محمد جمیل ایم اے

جلد چہارم ______ پارہ 16 تا پارہ 20

اشاعتِ اول ______ دسمبر 2010ء

اشاعتِ دوم ______ مئی 2014ء

قیمت ______

ملنے کے پتے

نعمانی کتب خانہ۔ اسلامی اکیڈمی۔ محمدی کتب خانہ

مکتبہ دارالسلام، سلفیہ، رحمانیہ، اسلامیہ، قدوسیہ۔ اردو بازار لاہور

ناشر

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اکیڈمی

۳۷۔ کمرشل کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

042-5417233

أعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

جلد چہارم

فہم القرآن

پارہ: 16

سورۃ الکھف آیت 76 تا آخر: سورۃ مریم: سورۃ طٰہٰ

پارہ: 17

سورۃ الانبیآء: سورۃ الحجّ

پارہ: 18

سورۃ المؤمنون: سورۃ النّور: سورۃ الفرقان 1 تا 20

پارہ: 19

سورۃ الفرقان 21 تا مکمل: سورۃ الشّعرآء: سورۃ النّمل 1 تا 59

پارہ: 20

سورۃ النّمل 60 تا مکمل: سورۃ القصّص: سورۃ العنکبوت 1 تا 44

تفسیر فہم القرآن کا تعارف

رسولِ محترم ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے مرکزی مقصد یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ لوگوں کے سامنے عملی نمونہ پیش کریں اور اپنی زبانِ اطہر سے قرآن مجید کی تشریح اور تفسیر فرمائیں۔ جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے براہِ راست سیکھا، سمجھا اور اس پر عمل کیا۔ جہاں تک تفسیر قرآن کا تعلق ہے آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو قرآن فہمی کی دعا سے سرفراز فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اولاد اور شاگردوں کو قرآن پڑھایا اور سمجھایا۔ اس طرح قرآنِ مجید کی تعلیم تحریر، تقریر اور تدریس کے ذریعے نسل درنسل جاری رہی تا آنکہ 270 ہجری میں علامہ ابوجعفر ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے چالیس سال کی جدوجہد سے کتب، مسوّدات اور مختلف اہلِ علم سے استفادہ فرما کر تیس جلدوں پر محیط تفسیر جامع البیان لکھی جو تفسیر ابن جریر کے نام سے معروف ہے۔ ان کے بعد حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل بن کثیر رحمہ اللہ المعروف امام ابن کثیر نے تفسیر ابن کثیر رقم فرمائی جو تمام مسالک کے نزدیک ممتاز اور منفرد تفسیر سمجھی جاتی ہے۔ بعد ازاں ہر دور اور ہر زبان میں قرآن مجید کی تفاسیر لکھی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ برصغیر میں انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کی ابتدا میں تراجم اور تفاسیر کا بے شمار ذخیرہ اردو زبان میں پیش کیا گیا جو علمی اور اسنادی اعتبار سے عربی کے سوا تمام زبانوں میں لکھی جانے والی تفاسیر پر حاوی ہے۔ ماضی قریب میں تفہیم القرآن، تدبر قرآن، معارف القرآن، تفسیر ثنائی، تیسیر القرآن، ضیاء القرآن کے مؤلفین نے اپنے اپنے انداز اور نقطۂ نگاہ سے فرقانِ حمید کی تفسیریں لکھیں جو اردو زبان میں ممتاز تفاسیر شمار ہوتی ہیں۔

فہم القرآن اور اعترافِ حقیقت

تفسیر کا نام سورۃ الانبیاء کی آیت 79 ﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ﴾ سے لیا گیا ہے۔ میں اس سچائی کا محض روایتی اور عاجزانہ نہیں بلکہ حقیقت پسندانہ اعتراف کرتا ہوں کہ خدمتِ قرآن کی چودہ سو سالہ تاریخ میں مجھ سے کم علم آدمی کوئی نہیں گزرا ہوگا کہ جس نے قرآن مجید کے کسی پہلو پر قلم اٹھایا ہو۔ میں نے بزرگوں کی خوشہ چینی کے سوا کچھ نہیں کیا۔ میرے کام میں حسن و خوبی کا کوئی پہلو دکھائی دے تو وہ اللہ کے فضل و کرم کا نتیجہ اور متقدّمین کی پر خلوص کوششوں کا ثمرہ ہے۔ کوتاہی اور کمزوری کو میری کم علمی اور کوتاہ فہمی تصور کرتے ہوئے آگاہ کیا جائے تاکہ اس کی تصحیح کی جائے۔ اپنے مختصر تدریسی تجربہ اور تفاسیر کا مطالعہ کرتے ہوئے چند باتوں کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ضروری سمجھا کہ اگر درج ذیل باتیں تفسیر میں جمع کر دی جائیں تو عوام الناس، طلبہ اور مبتدی خطباء کے لیے نہایت مفید اور بہتر ہوگا۔

فہم القرآن کی خصوصیات

(۱) بامحاورہ کے ساتھ لفظی ترجمہ (۲) آیات کا باہمی ربط (۳) ہر آیت کے الگ الگ مسائل کی نشاندہی

(۴) تفسیر بالقرآن کے حوالے سے ہر آیت کے مرکزی مضمون سے متعلقہ چند آیات کا حوالہ۔

آپ کی خدمت میں

قاری حضرات سے گزارش ہے کہ لفظی ترجمہ کی بجائے رواں ترجمہ سے استفادہ کریں کیونکہ لفظی ترجمہ میں باہم ربط نہ ہونے کی وجہ سے کہیں الجھن پیش آسکتی ہے۔ لفظی ترجمہ ان حضرات کے لیے زیادہ مفید ہے جو تعلیم و تعلم سے وابستہ ہیں۔

مفسّر کا تعارف

میاں محمد جمیل بن میاں محمد ابراہیم گوہڑ چک 8 پتوکی (قصور) اپریل 1947ء آرائیں فیملی میں پیدا ہوئے۔ حفظِ قرآن اور سکول کی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ اس کے بعد تجوید قرآن جامعہ محمدیہ اور درسِ نظامی کی تعلیم جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ سے پائی بعد ازاں وفاق المدارس کیا اور دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ایم۔ اے اسلامیات اور فاضل اردو کی ڈگریاں حاصل کیں۔ فراغتِ تعلیم کے بعد لاہور میں کاروبار کرنے کے ساتھ ساتھ جون 1986ء میں جامع مسجد ابو ہریرہ کریم بلاک اقبال ٹاؤن کی بنیاد رکھی اور اعزازی خطابت کی ذمہ داری سنبھالی۔

ابو ہریرہؓ شریعہ کالج

1997ء میں ابو ہریرہؓ شریعہ کالج کی بنیاد رکھی اب تک ملک میں یہ واحد ادارہ ہے جس میں میٹرک پاس طلبہ کو چار سال میں درسِ نظامی اور بی۔ اے (Compulsoy) کروایا جاتا ہے۔ اب تک ایک سو سے زیادہ طلبہ فارغ ہو چکے ہیں۔ جو فوج، پولیس، میڈیا، ایجوکیشن اور ایل ایل بی کرنے کے بعد ہائی کورٹ میں پریکٹس (Practice) کر رہے ہیں۔

تنظیمی دور

1987ء میں مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان کے سیکرٹری اطلاعات اور 1996ء سے۔ لے کر 2002 تک مرکزی جمعیت اہلحدیث کے سیکرٹری جنرل رہے۔ سیکرٹری شپ کا دوسرا دور پورا ہونے پر آئندہ ذمہ داری سنبھالنے سے معذرت کی اور اپنے آپ کو تعلیم و تصنیف کے ساتھ 2006ء کو تحریک دعوتِ توحید کے لیے وقف کیا۔ دیگر کتب تالیف کرنے کے بعد 2005ء میں تفسیر فہم القرآن لکھنے کا آغاز کیا۔ جس کی پہلی جلد پہلے پانچ پاروں پر مشتمل ستمبر 2006ء میں منظرِ عام پر آئی دوسری جلد پارہ 6 تا پارہ 10 ستمبر 2007ء میں اور تیسری جلد پارہ 11 تا پارہ 15 دسمبر 2009ء میں اور چوتھی جلد 16 تا 20 دسمبر 2010ء میں پیشِ خدمت ہے۔

اللہ تعالیٰ اسے قبولیت کے شرف سے سرفراز اور اس کو تکمیل کے مرحلہ سے ہمکنار فرمائے۔ اس کام میں معاون بننے والے حضرات کے لیے اسے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین یا رب العٰلمین۔

تحریک دعوتِ توحید پاکستان

خلافت کی تحریک ہو یا جہاد فی سبیل اللہ، شانِ صحابہ ہو یا وطن عزیز کی سالمیت اور حقوقِ انسانیت کا تحفظ۔ سب کی افادیت درجہ بہ درجہ لیکن تحریک دعوتِ "توحید" کی عظمت و برکات کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تحریک کا مقصد اللہ کی رضا، رسالت مآب ﷺ سے وفا اور بندوں کو اللہ تعالیٰ کی خالص بندگی پر آمادہ کرنا ہے۔ اسی کے لیے انبیاء کرام دنیا میں تشریف لائے اسی پر آدمی کی نجات کا دارومدار ہے لہٰذا توحید سمجھیں، اسے آگے پھیلائیں اور اس کے تقاضے پورے کریں تاکہ ہمارے اخلاق، اعمال سنور جائیں اور ہم جنت کے وارث قرار پائیں۔ یہ کوئی الگ اور مستقل جماعت نہیں اس لیے آپ اپنی اپنی جماعتوں اور منصب پر رہتے ہوئے اس کے ساتھ اخلاقی اور تبلیغی تعاون فرمائیں تاکہ لوگ شرک اور اس کے نقصانات سے بچیں اور توحید کی برکات سے دنیا اور آخرت میں سرفراز ہو سکیں۔ میاں محمد جمیل

کنوینر تحریک دعوتِ توحید پاکستان

عنواناتِ جلد چہارم

پارہ......(۱۶)

پارہ......(۱۸)

مضامینِ جلد دوم

پارہ......(۱۶)

پارہ......(۱۸)

قَالَ	اَلَمْ	اَقُلْ	لَّكَ	اِنَّكَ	لَنْ		تَسْتَطِيْعَ
اس نے کہا	کیا نہیں	کہا تھا میں نے	آپ کے لیے	یقیناً تو	ہرگز نہیں		تو استطاعت رکھے گا
مَعِیَ	صَبْرًا ﴿٧٥﴾	قَالَ	اِنْ	سَاَلْتُكَ	عَنْ		شَیْءٍۭ
میرے ساتھ	صبر؟	اس نے کہا	اگر	میں آپ سے سوال کروں	سے		کسی چیز
بَعْدَهَا	فَلَا	تُصٰحِبْنِیْ	قَدْ	بَلَغْتَ	مِنْ		لَّدُنِّیْ
اس کے بعد	پس نہ	تو مجھے ساتھ رکھنا	تحقیق	تو پہنچ گیا ہے	سے		میری طرف
عُذْرًا ﴿٧٦﴾	فَانْطَلَقَا	حَتّٰٓی	اِذَآ	اَتَيَآ	اَهْلَ		قَرْيَةِ
عذر	پھر وہ دونوں چلے	یہاں تک کہ	جب	وہ دونوں پہنچے	والے		ایک بستی

''اس نے کہا میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے؟ (٧٥) (موسیٰ) نے کہا اس کے بعد اگر میں آپ سے سوال کروں تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں۔ یقیناً میری طرف سے آپ کو عذر مل گیا (٧٦) پھر وہ آگے چلے یہاں تک کہ ایک بستی میں پہنچ گئے

فہم القرآن

ربطِ کلام: گذشتہ سے پیوستہ

اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام جناب خضر علیہ السلام کے ہم سفر ہوئے۔ حضرت خضر نے انہیں پہلے سے ہی یہ بات کہہ دی کہ آپ اس شرط پر میرے ہمسفر ہو سکتے ہیں کہ دورانِ سفر جو کچھ میں کروں آپ کو اُس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ ہوا یہ کہ بحری سفر کے دوران خضر علیہ السلام نے بیڑے کا ایک تختہ توڑ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام چونک اُٹھے اور کہا کہ کیا آپ سب کو غرق کرنا چاہتے ہیں۔ جس پر خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو اعتراض نہ کرنے کا وعدہ یاد کروایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ کشتی سے اُتر کر جب ان کا گزر ایک بستی کے قریب سے ہوا تو خضر علیہ السلام نے ایک نونہال کا اس زور سے گلہ دبوچا جس سے چند لمحوں میں بچے کی جان نکل گئی۔ اللہ کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس المیہ پر تڑپ اُٹھے اور خضر علیہ السلام کو یہ کہہ کر ٹوکا کہ آپ نے ناقابلِ برداشت ظلم کیا ہے۔ آپ نے ایک معصوم بچے کو قتل کر ڈالا ہے اس پر پھر خضر نے موسیٰ علیہ السلام کو وعدہ یاد دلایا کہ آپ نے سفر کے آغاز میں عہد کیا تھا کہ میں آپ کے کسی کام پر اعتراض نہیں کروں گا لیکن آپ نے دوسری دفعہ مجھ سے سوال کر ڈالا ہے اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک دفعہ پھر جانے دیجیے۔ آئندہ آپ کے کسی کام پر اعتراض کروں تو ہماری رفاقت ختم ہو جائے گی کیونکہ آپ کی طرف سے حجّت پوری ہو جائے گی۔

اس اقرار کے بعد جب دونوں بزرگ ایک بستی سے گزرے تو انہوں نے بستی والوں سے کھانا طلب کیا لیکن بستی والوں نے انہیں کھانا کھلانے سے انکار کر دیا۔ اس کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام نے ایک مکان کی گرتی ہوئی دیوار کو مرمّت کیا۔ جس پر موسیٰ علیہ السلام نے انہیں توجہ دلائی کہ ہمیں ان سے مزدوری کے عوض کوئی چیز کھانے کے لیے طلب کرنا چاہیے تھی۔ جونہی موسیٰ علیہ السلام

اسْتَطْعَمَآ	اَهْلَهَا	فَاَبَوْا	اَنْ	يُّضَيِّفُوْهُمَا	فَوَجَدَا
ان دونوں نے کھانا مانگا	اس کے رہنے والے	پس انہوں نے انکار کر دیا	کہ	وہ ان دونوں کی مہمان نوازی کریں	پھر ان دونوں نے پائی

فِيْهَا	جِدَارًا	يُّرِيْدُ	اَنْ	يَّنْقَضَّ	فَاَقَامَهٗ ط	قَالَ
اس میں	ایک دیوار	وہ چاہتا تھا	کہ	وہ گر جائے	تو اس نے اسے سیدھا کر دیا	اس نے کہا

لَوْ شِئْتَ	لَتَّخَذْتَ	عَلَيْهِ	اَجْرًا ﴿۷۷﴾
اگر تو چاہتا	البتہ تو لیتا	اس پر	اجرت

اور وہاں کے لوگوں سے کھانا مانگا۔مگر انہوں نے ان کی مہمانوازی سے انکار کر دیا۔وہاں حضرت خضر اور موسیٰ نے ایک دیوار دیکھی جو گرنے ہی والی تھی انہوں نے اس دیوار کو ٹھیک کر دیا موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اُجرت لے سکتے تھے۔''(۷۷)

نے یہ بات کہی تو خضر علیہ السلام بول اُٹھے کہ اب ہم اکٹھے سفر نہیں کر سکتے۔لہٰذا میرے اور آپ کے درمیان علیحدگی ہے، تاہم جو میں نے سفر کے دوران کام کیے ہیں اُن کی حقیقت آپ کو بتلائے دیتا ہوں۔

مہمان نوازی کا اجر:

((عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ.........وَأَيُّمَا رَجُلٍ ضَافَ قَوْمًا فَلَمْ يَقْرُوهُ فَإِنَّ لَهُ أَنْ يُعْقِبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ))[رواہ ابوداود:باب النَّهْيِ عَنْ أَكْلِ السِّبَاعِ]

''حضرت مقدام بن معدی کرب سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا............جو مہمان کسی قوم سے اپنی مہمانی نوازی کا مطالبہ کرے اور وہ اس سے انکاری ہو تو مہمان ان سے اپنی مہمان نوازی کے مطابق لے سکتا ہے۔''

((لِلسَّائِلِ حَقٌّ وَإِنْ جَاءَ عَلٰى فَرَسٍ))[رواہ أبو داوٗد :کتاب الزکوٰۃ،باب حق السائل]

''اگر سائل گھوڑے پر سوار ہو کر کسی کے ہاں آ کر سوال کرے تو اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔''

((عَنْ اَبِى شُرَيْحِ الْكَعْبِيِّ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ جَآئِزَتُهٗ يَوْمٌ وَّلَيْلَةٌ وَّالضِّيَافَةُ ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ فَمَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَّلَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّثْوِىَ عِنْدَهٗ حَتّٰى يُحَرِّجَهٗ))[رواہ البخاری :باب إِكْرَامِ الضَّيْفِ وَخِدْمَتِهٖ إِيَّاهُ بِنَفْسِهٖ]

''حضرت ابو شریح کعبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ایک دن ایک رات خوب اہتمام کرے۔مہمان نوازی تین دن تک ہے اس کے بعد صدقہ ہے۔مہمان کے لیے جائز نہیں کہ میزبان کے ہاں بلاوجہ مقیم رہے کہ اسے تنگی میں مبتلا کرے۔''

قَالَ	هٰذَا	فِرَاقُ	بَيْنِيْ	وَ بَيْنِكَ ۚ	سَأُنَبِّئُكَ
اس نے کہا	یہ	جدائی	میرے درمیان	اور تیرے درمیان	عنقریب میں تجھے بتاؤں گا
بِتَاْوِيْلِ	مَا لَمْ	تَسْتَطِعْ	عَّلَيْهِ	صَبْرًا ۝	اَمَّا
حقیقت	جونہیں	تو نے استطاعت رکھی	جس پر	صبر	لیکن
السَّفِيْنَةُ	فَكَانَتْ	لِمَسٰكِيْنَ	يَعْمَلُوْنَ	فِي	الْبَحْرِ
کشتی	پس وہ تھی	مسکینوں کے لیے	وہ کام کرتے تھے	میں	سمندر
فَاَرَدْتُّ	اَنْ	اَعِيْبَهَا	وَكَانَ	وَرَآءَهُمْ	مَّلِكٌ يَّاْخُذُ
چنانچہ میں نے چاہا	یہ کہ	میں اسے عیب دار کردوں	اور تھا	ان کے آگے	بادشاہ / وہ لیتا تھا
كُلَّ	سَفِيْنَةٍ	غَصْبًا ۝			
ہر	کشتی	زبردستی			

''اس نے کہا میرے اور تیرے درمیان تفریق ہوگئی۔اب میں تمہیں ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے (۷۸) اس کشتی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں مزدوری کرتے تھے میں نے چاہا کہ اس میں نقص ڈال دوں کیونکہ آگے ایک ایسے بادشاہ کا علاقہ تھا جو اچھی کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا۔'' (۷۹)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

ہاں جو کام میں نے سفر کے دوران کیے ہیں۔ان کے بارے میں عرض کیے دیتا ہوں تا کہ آپ کو ان کی حکمت کا علم ہو سکے جن کے بارے میں آپ صبر نہ کر سکے۔

کشتی کا تختہ میں نے اس لیے توڑا تھا کہ ظالم بادشاہ، ملاحوں کی کشتیاں جبراً پکڑ رہا تھا۔ میں نے کشتی کو عیب دار کیا۔تا کہ بادشاہ کے کارندے کشتی کو غیر معیاری سمجھ کر چھوڑ دیں اس طرح ان غریبوں کی مزدوری چلتی رہے۔ثابت ہوتا ہے کہ ظالموں، حکمرانوں کا پرانا وطیرہ ہے کہ وہ ذاتی مفاد یا کسی اجتماعی مہم کے لیے بلا معاوضہ اور بلا تمیز لوگوں کے مال پر تصرف کرتے ہیں۔ جو ہرگز جائز نہیں البتہ ہنگامی حالات اور ملکی مفاد میں کچھ وقت کے لیے پبلک پراپرٹی سے فائدہ اٹھانا ناگزیر ہو تو رعایا کو اعتماد میں لے کر ایسا کرنا جائز ہے ۔اس کے باوجود غریبوں اور مجبور لوگوں کا خیال رکھنا لازم ہے۔ورنہ شرعاً اور اخلاقاً حکومت کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں کی ذاتی جائیداد پر قبضہ کرے اس کے لیے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی

مثال حکمران طبقہ کے سامنے ہونی چاہیے۔جس سے اشتراکی اور اسلامی نظام میں فرق کا پتہ چلتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے عہد میں جو مسجد نبوی کی عمارت تیار کی گئی تھی وہ اس عہد کے لیے کافی تھی۔لیکن مدینہ منورہ کی آبادی روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔اس وجہ سے نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔17ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کو وسیع کرنا چاہا جس کے لیے گرد و پیش کے مکانات قیمت دے کر خرید لیے،لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا مکان بیچنے سے انکار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کافی معاوضہ دینے کی پیشکش کی لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کسی طرح راضی نہ ہوئے تھے۔آخر مقدمہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جبراً مکان خریدنے کا کوئی حق نہیں۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب میں بلا قیمت عامۃ المسلمین کے لیے دیتا ہوں۔اس طرح ازواج مطہرات کے مکانات کو چھوڑ کر باقی جس قدر عمارتیں تھیں انہیں گرا کر مسجد کو وسعت دی گئی۔پہلے طول 10 گز تھا انہوں نے 140 گز کر دیا۔اسی طرح عرض میں بھی 20 گز کا اضافہ ہوا لیکن عمارت میں کچھ تکلف نہیں کیا گیا،آنحضرت ﷺ کے عہد میں جس طرح ستون وغیرہ لکڑی کے تھے، اب بھی لکڑی کے رہے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کی تجدید کے ساتھ ایک کونہ میں ایک چبوترہ بنوایا اور لوگوں سے کہا کہ جس نے بات چیت کرنا ہو اس کے لیے یہ جگہ ہے۔(الفاروق:مصنف شبلی نعمانی رحمہ اللہ)

مسائل

۱۔ بہتر ہے کہ ناواقف ہمسفر کو راستے کی مشکلات سے آگاہ کر دیا جائے۔

۲۔ غیر شرعی کام دیکھ کر بڑے سے بڑے بزرگ کو روکنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

۳۔ کسی کام میں شراکت قائم رکھنا مشکل ہو تو ساتھی کو آگاہ کر دینا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

صبر کے معانی:

۱۔ خضر نے کہا اب میرا اور تمھارا ساتھ ختم ہوا میں آپ کو ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہیں کر سکے۔ (الکہف:۷۸)

۲۔ آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مطمئن رکھیے جو صبح و شام اپنے پروردگار کو یاد کرتے ہیں۔(الکہف:۲۸)

۳۔ سردار مکہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کی پرستش پر قائم رہو۔(ص:٦)

۴۔ جہنمی کس طرح جہنم کی آگ کو برداشت کریں گے۔(البقرۃ:۱۷۵)

۵۔ تم کفار کی باتوں کو ہمت کے ساتھ برداشت کرو۔(المعارج:۵)

٦۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔(البقرۃ:۱۵۳)

وَاَمَّا	الْغُلٰمُ	فَكَانَ	اَبَوٰهُ	مُؤْمِنَيْنِ	فَخَشِيْنَآ	اَنْ	
اور جو	لڑکا	پس وہ تھا	اس کے والدین	مومن	پس ہمیں اندیشہ ہوا	یہ کہ	
يُّرْهِقَهُمَا	طُغْيَانًا	وَّكُفْرًا ۚ ﴿٨٠﴾	فَاَرَدْنَآ	اَنْ	يُّبْدِلَهُمَا	رَبُّهُمَا	
انہیں مبتلا کردے	سرکشی	اور کفر	پس ہم نے چاہا	کہ	وہ بدلہ دے انہیں	ان کا رب	
خَيْرًا	مِّنْهُ	زَكٰوةً	وَّاَقْرَبَ	رُحْمًا ﴿٨١﴾			
بہتر	اس سے	پاکیزہ	اور زیادہ قریب	مہربان			

”رہا وہ لڑکا تو اس کے والدین مومن تھے ہمیں محسوس ہوا کہ یہ لڑکا انہیں سرکشی اور کفر میں مبتلا کردے گا (۸۰) اس لیے ہم نے چاہا کہ ان کا رب اس کے بدلے ان کو ایسی اولاد دے جو کردار اور صلہ رحمی میں اس سے بہتر ہو۔“ (۸۱)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ، بچے کو قتل کرنے کی حکمت۔

حضرت خضر علیہ السلام بچے کو قتل کرنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ رہا بچے کو قتل کرنے کا معاملہ۔ تو میں نے اُس بچے کو اس لیے قتل کیا کہ اُس کے ماں باپ مومن اور نہایت ہی اچھے لوگ ہیں۔ ہم نے خطرہ جانا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر نہ صرف کفر و شرک کرے گا بلکہ اپنی سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے اپنے ماں باپ کو بھی کفر اور نافرمانی پر مجبور کرے گا اس لیے میں نے اسے قتل کر دیا کیونکہ ہم نے چاہا ان کا رب اس کے بدلے میں اس سے نیک، رحمدل اور شریف النفس بیٹا عطا فرمائے۔

حضرت خضر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض اُمور کی حکمت کا علم دے کر کچھ ایسے کام کرنے کا حکم دے رکھا تھا جو ظاہری طور پر شریعت کے ضابطوں کے خلاف تھے۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بچے کے قتل پر چپ نہ رہ سکے کیونکہ تمام شریعتوں میں بچہ ہو یا بڑا کسی کو ناحق قتل نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے اُس بچے کو عین اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اجازت کے مطابق قتل کیا تھا۔ اس لیے انھوں نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

ہم نے چاہا اس کے ماں باپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک اور نرم خو بیٹا عنایت کیا جائے۔ کسی کو اولاد عنایت کرنا خالصتاً اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کام میں اس کا کوئی شریک اور سہیم نہیں ہوتا۔ اس لیے حضرت خضر علیہ السلام نے بیٹے کی تخلیق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے۔ جہاں تک اُسے جان سے مار دینے کا تعلق ہے اس کے بارے میں ”ہم نے چاہا“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ کیونکہ کسی کو قتل کرنا سنگین جرم ہے۔ اس لیے حضرت خضر یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یقین دلانے اور اس کام کی پوری طرح حکمت منکشف کرنے کے لیے ”ہم“ کی ضمیر

استعمال فرمائی جس میں اشارہ ہے کہ میں نے یہ کام اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی منشاء اور اس کے حکم سے کیے ہیں۔ میں شامل کیا ہے۔اس کام میں یہ حکمت بھی بتلا دی کہ نیک اولاد کے اوصاف میں یہ وصف بھی ہونا چاہیے کہ وہ کردار کے لحاظ سے پاکیزہ اور روّیے کے اعتبار سے اپنے ماں باپ کے ساتھ انتہائی شفقت کرنے والی ہو۔

والدین کو حکم:

﴿وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا﴾

[بنی اسرائیل: ۳۱]

”اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم ہی انھیں اور تمھیں رزق دیتے ہیں۔بے شک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔“ (اولاد نافرمان ہونے کی صورت میں بھی ماں باپ کو اسے قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔)

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَأَلْتُ أَوْ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَيُّ الذَّنْبِ عِنْدَ اللّٰهِ أَكْبَرُ قَالَ أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ)) [رواہ البخاری :کتاب التفسیر، باب قولہ الذین لایدعون مع اللہ ....]

”حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کونسا گناہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔میں نے پھر سوال کیا اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا کہ اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔میں نے پھر عرض کی اس کے بعد کونسا گناہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرے۔“

مسائل

۱۔ بُری اولاد بسا اوقات ماں باپ کو بھی برے کاموں پر مجبور کرتی ہے۔

۲۔ اولاد کو اپنے ماں باپ کے ساتھ شفقت اور مہربانی کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

ماں باپ کے لیے اولاد آزمائش ہے:

۱۔ یقیناً تمھارے مال اور اولاد آزمائش ہیں اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔(الانفال:۲۸)

۲۔ اے ایمان والو! تمھارے مال اور اولاد تمھیں ہلاکت میں مبتلا نہ کردیں۔(المنافقون:۹)

۳۔ یقیناً تمھاری بیویوں اور اولاد میں سے تمھارے دشمن ہیں ان سے بچ کر رہو۔(التغابن:۱۴)

۴۔ مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی خوبصورتی ہیں نیک اعمال باقی رہنے والے ہیں اور ان کا ثواب اللہ کے بہترین ہے۔(الکھف:۴۶)

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ

اور جو | دیوار | پس وہ تھی | دو بچوں کے لیے | یتیم | میں | شہر

وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ

اور تھا | اس کے نیچے | خزانہ دونوں کا | اور تھا | ان دونوں کا باپ | نیک | پس اس نے ارادہ کیا

رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ

آپ کے رب | یہ کہ | وہ دونوں پہنچ جائیں اپنی جوانی کو | اور وہ نکال لیں | اپنا خزانہ

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ

رحمت | سے | آپ کا رب | اور نہیں | میں نے اس کو کیا | سے | اپنی مرضی

ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ؀ۭ ۸۲

یہ | حقیقت | نہیں کر سکے | تو نے طاقت رکھی | اس پر | صبر

ع ۱۰ / ۱۲ / ۱

’’اور اس دیوار کی صورت حال یہ ہے کہ یہ دو یتیم بچوں کی ہے جو اس شہر میں رہتے ہیں۔ اس دیوار کے نیچے ان بچوں کے لیے ایک خزانہ دفن ہے ان کا باپ نیک آدمی تھا اس لیے آپ کے رب نے چاہا کہ یہ دونوں بچے بڑے ہو کر اپنا خزانہ نکال لیں۔ جو کچھ میں نے کیا سب آپ کے پروردگار کی رحمت کی وجہ سے کیا ہے۔ میں نے اپنے اختیار سے کچھ بھی نہیں کیا۔ یہ ہے ان باتوں کی حقیقت جن پر آپ صبر نہیں کر سکے۔‘‘ (۸۲)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ حضرت خضر علیہ السلام اپنے تیسرے کام کے بارے میں وضاحت کرتے ہیں۔

حضرت خضر دیوار تعمیر کرنے کی وضاحت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس شہر میں یہ یتیموں کا مکان تھا جس کی دیوار گرنے ہی والی تھی۔ اس دیوار کے نیچے ایک خزانہ ہے جو ان بچوں کے نیک ماں باپ نے ان کے لیے چھپا رکھا تھا۔ قریب تھا یہ دیوار گر جائے اور خزانہ لوگوں کے ہاتھ لگ جائے۔ اس لیے ہم نے یہ دیوار درست کر دی ہے۔ اے موسیٰ علیہ السلام! بے شک آپ کو بھوک کی حالت میں یہ مشقت اُٹھانی پڑی ہے مگر تیرے رب نے یہی چاہا کہ یہ دیوار درست کر دی جائے تاکہ یتیم جوان ہو کر اس خزانے کو نکال لیں۔ یہ خزانہ تیرے رب کی رحمت اور ہمارا یتیموں کی خدمت کرنا اس کی مہربانی کا نتیجہ ہے یاد رکھیں کہ یہ کام بھی میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا۔ یہ ہے ان کاموں کی حقیقت جس پر آپ صبر نہ کر سکے حضرت خضر کا وضاحت کر دینا کہ یہ کام میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیے اس بات کا ثبوت ہیں کہ انہوں نے یہ کام اپنی شریعت کے مطابق یعنی وحی کی روشنی

میں کیے تھے۔ جس پر قیل وقال کرنے کا حق ختم ہو جاتا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں جہالت اور مشرکانہ عقائد:

دائرہ المعارف الاسلامیہ مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں زیر عنوان طریقت جلد ۱۲ صفحہ ۴۶۰ پر درج ہے کہ ''راسخ مقدس ہستی (سیدنا خضر) کے مظاہر سے فیضان حاصل ہوتا ہے جو پراسرار اور غیر فانی ہے یعنی الخضر جن کی ہادی طریقت کی حیثیت سے سب فرقے توقیر و تعظیم کرتے ہیں کیونکہ وہ سیدنا موسیٰ کے رہنما اور صوفی کی روح کو حقیقت علیا سے آشنا کرانے کے اہل ہیں۔

خواجہ خضر کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ ''ہندوستان میں سیدنا خضر علیہ السلام کو کنوؤں اور چشموں کی روح کا روپ سمجھا جاتا ہے دریائے سندھ کے آر پار انہیں دریا کا اوتار سمجھا جاتا ہے سیدنا خضر کی خانقاہ سندھ کے ایک جزیرے میں بھکر کے پاس ہے جہاں ہر مذہب کے عقیدت مند زیارت کو جاتے ہیں (ایضاً دائرۃ المعاف: جلد ۵، ص ۲۲)

اس طرح سیدنا خضر کے نام سے شرک کا ایک دروازہ کھل گیا اور اب تو سیدنا خضر کی نماز بھی پڑھی جانے لگی ہے۔ جس کی برکت سے سیدنا خضر سے ملاقات بھی ہو جاتی ہے (تفصیل کے لیے دیکھیے تلقین مرشد کامل از صادق فرغانی ص ۲۴۰) اور بعض لوگ خواجہ خراج خضر کی نیاز دریا میں پھینکتے ہیں تا کہ کشتی یا جہاز بخیر و عافیت کنارے پر لگ جائے گویا ایسے مشرکوں کے لیے خواجہ خضر ایک مستقل اوتار یا معبود بن گیا ہے۔

بعض مفسرین نے حضرت خضر کو انسان ماننے کی بجائے مافوق الفطرت ہستی قرار دیا ہے لیکن ان کا مؤقف غلط ہے۔ کیونکہ ملائکہ یا کوئی بھی مافوق الفطرت ہستی سے یہ ثابت نہیں کہ اس نے انسانی شکل اختیار کرنے کے باوجود کسی سے کھانے پینے کا مطالبہ کیا ہو۔ یہاں تو قرآن مجید دوٹوک الفاظ میں بیان کر رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جناب خضر نے اہل قریہ سے کھانے کا مطالبہ کیا مگر انہوں نے انہیں کھانے کے لیے کچھ نہ دیا اس کے باوجود دونوں نے یتیموں کی چار دیواری کو مرمت کیا ۔ جہاں تک ملائکہ کا انسانی شکل میں کسی کے پاس آنے کا تعلق ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہمارے سامنے ہے جب ملائکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس انہیں بیٹے اور پوتے کی خوشخبری دینے کے لیے آئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انسان سمجھ کر ان کے سامنے بھنا ہوا بچھڑا پیش کیا لیکن ملائکہ نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا کیونکہ مافوق الفطرت مخلوق ہونے کی بنا پر وہ کھانے سے بے نیاز تھے۔ اگر کوئی صاحبِ علم یہ بات کہتا ہے کہ کہ حضرت خضر نے آزمائشی طور پر کھانا طلب کیا تھا کیا موسیٰ علیہ السلام نے بھی کھانے کا مطالبہ فرضی طور پر کیا تھا؟

یتیم کی خدمت کا ثواب:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُحْسَنُ إِلَيْهِ وَشَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُسَاءُ إِلَيْهِ)) [رواه ابن ماجة: كتاب الأدب، باب حق اليتيم]

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: مسلمانوں میں بہترین گھرانہ وہ ہے جس میں یتیموں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو۔ مسلمانوں میں بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو۔‘‘

کیا خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟

((عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ صَلّٰی بِنَا النَّبِیُّ ﷺ الْعِشَاءَ فِی آخِرِ حَیَاتِهِ ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ فَقَالَ أَرَأَیْتَکُمْ لَیْلَتَکُمْ هَذِهِ ، فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا لَا یَبْقَی مِمَّنْ هُوَ عَلَی ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ))

[رواه البخاری: باب السَّمَرِ بِالْعِلْمِ]

’’عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ہمیں نبی ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں عشاء کی نماز پڑھائی آپ نے سلام پھیرا تو کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ کیا میں تمہیں اس رات کے بارے نہ بتلاؤں یقیناً آج سے سو سال بعد جو اس وقت زندہ ہیں ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔‘‘

(اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خضر علیہ السلام زندہ نہیں بلکہ فوت ہو چکے ہیں۔)

مسائل

١۔ یتامیٰ کی خدمت کرنے کا حکم ہے۔
٢۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے بغیر آدمی کسی کی خدمت نہیں کرسکتا۔
٣۔ رزقِ حلال کی فراوانی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوا کرتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

لفظ تأویل کے مختلف معانی:

١۔ اسی طرح تمھارا پروردگار تمھیں منتخب کرے گا اور خوابوں کی تعبیر سکھلائے گا۔ (یوسف:٦)
٢۔ اگر تمھارا کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان لانے والے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے خوب تر ہے۔ (النساء:٥٩)
٣۔ وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ اور غلط مطلب کی تلاش میں متشابہ آیات کے پیچھے پڑتے ہیں۔ (آل عمران:٧)
٤۔ وہ لوگ اس کے مصداق کا انتظار کر رہے ہیں۔ (الاعراف:٥٣)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ	عَنْ	ذِي الْقَرْنَيْنِ ؕ	قُلْ	سَاَتْلُوْا	عَلَيْكُمْ
اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں	سے	ذوالقرنین	فرما دیجیے	عنقریب میں پڑھوں گا	تم پر
مِّنْهُ	ذِكْرًا ؕ ۝٨٣	اِنَّا مَكَّنَّا	لَهٗ	فِي	الْاَرْضِ
اس سے	بیان	بلاشبہ ہم نے قدرت دی تھی	اس کو	میں	زمین
وَاٰتَيْنٰهُ	مِنْ	كُلِّ	شَيْءٍ	سَبَبًا ۝٨٤	
اور ہم نے اسے دیا تھا	سے	ہر	چیز	ساز وسامان	

''اور اے نبی یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں ان سے فرمادیں کہ میں اس کا کچھ حال تمہیں سناتا ہوں۔(٨٣) ہم نے اسے زمین میں اقتدار دیا اور اسے ہر قسم کے اسباب ووسائل عطا کیے تھے۔''(٨٤)

فہم القرآن

ربط کلام: الکھف کے تعارف میں عرض کیا ہے کہ یہ سورۃ اہل مکہ کے سوالات کے جواب میں نازل ہوئی تھی۔

اہلِ مکہ نے رسول معظم ﷺ کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا تھا۔ ان کی دن رات کوشش تھی کہ کسی ایک بات میں سہی اس نبی ﷺ کو لوگوں کی نظروں میں جھوٹا یا کم از کم لاجواب کر دیا جائے۔ اس کے لیے انھوں نے مدینہ میں یہودیوں کے پاس وفد بھیجا۔ یہودیوں نے اس سورۃ میں ذکر دوسرے سوالات کے ساتھ ایک سوال یہ بھی بتلایا کہ واپس جا کر محمد سے یہ بھی پوچھنا کہ ''ذوالقرنین'' کون تھا اور اس نے مشرق سے لے کر مغرب تک جو فتوحات حاصل کیں ان کی تفصیلات کیا ہیں۔ اہل مکہ نے واپس آکر آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں بھی استفسار کیا۔ جس کا جواب دینے سے پہلے یہ ارشاد ہوا ہے کہ یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں لہٰذا ہم آپ کو ذوالقرنین کے بارے میں کچھ باتیں بتلاتے ہیں۔

یاد رہے کہ قرآن مجید تاریخ، جغرافیہ اور دنیوی علوم وفنون کی کتاب نہیں ہے۔ تاریخ، جغرافیہ اور دنیوی علوم وفنون کے بارے میں قرآن مجید اتنا ہی اشارہ اور بات کرتا ہے جس کا تعلق کسی نہ کسی حوالے سے انسان کی ہدایت اور فائدے کے ساتھ ہوتا ہے اس سے آگے قرآن کچھ بھی ذکر نہیں کرتا۔ اس لیے ذوالقرنین کے بارے میں جواب دینے سے پہلے ''مِنْهُ ذِكْرًا'' کے لفظ استعمال کر کے واضح کر دیا گیا ہے۔ کہ ہم اس کے واقعات میں سے کچھ واقعات کا ذکر آپ کے سامنے کریں گے۔ لفظ ذکر کا ایک معنٰی نصیحت بھی ہے۔ اس لیے یہ حقیقت بھی بتلا دی گئی کہ ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرنے والوں کے لیے اُس کے کردار اور واقعات میں ایک عبرت اور نصیحت ہے بشرطیکہ یہ اُسے پانے کی کوشش کریں۔

ذوالقرنین وہ شخص تھا جسے اللہ تعالیٰ نے زمین پر بہت سے اختیارات دیے تھے اُسے وسیع وعریض مملکت اور ہر قسم کے وسائل سے مالا مال کیا تھا۔

ذوالقرنین کون تھا؟

یہ مسئلہ قدیم زمانے سے اب تک مختلف فیہ رہا ہے کہ یہ ''ذوالقرنین'' جس کا یہاں ذکر ہورہا ہے کون تھا۔ قدیم زمانے میں بالعموم مفسرین کا میلان سکندر کی طرف تھا، لیکن قرآن میں اس کی جو صفات وخصوصیات بیان کی گئی ہیں وہ مشکل ہی سے سکندر پر چسپاں ہوتی ہیں۔ جدید زمانے میں تاریخی معلومات کی بنا پر مفسرین کا میلان زیادہ تر ایران کے فرماں روا خورس (خسرو یا سائرس) کی طرف ہے اور یہ نسبتاً زیادہ قرینِ قیاس ہے مگر بہر حال ابھی تک یقین کے ساتھ کسی شخصیت کو اس کا مصداق نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

قرآن مجید جس طرح اُس کا ذکر کرتا ہے اس سے ہم کو چار باتیں وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ اس کا لقب ذوالقرنین (لغوی معنی (دوسینگوں والا) کم از کم یہودیوں میں جن کے اشارے سے کفارِ مکہ نے اس کے بارے میں نبی ﷺ سے سوال کیا تھا، ضرور معروف ہونا چاہیے۔ اس لیے لامحالہ ہمیں یہ معلوم کرنے کے لیے اسرائیلی لٹریچر کی طرف رجوع کرنا پڑے گا کہ وہ ''دوسینگوں والے'' کی حیثیت سے کس شخصیت یا سلطنت کو جانتے تھے۔

۲۔ وہ ضرور کوئی بڑا فرمانروا اور فاتح ہونا چاہیے جس کی فتوحات مشرق سے مغرب تک پہنچی ہوں اور تیسری جانب شمال یا جنوب میں بھی وسیع ہوئی ہوں، ایسی شخصیتیں نزول قرآن سے پہلے چند ہی گزری ہیں اور لامحالہ انہی میں سے کسی ایک میں اس کی دوسری خصوصیات ہمیں تلاش کرنی ہوں گی۔

۳۔ اُس کا مصداق ضرور کوئی ایسا فرمانروا ہونا چاہیے جس نے اپنی مملکت کو یاجوج وماجوج کے حملوں سے بچانے کے لیے کسی پہاڑی درے پر ایک مستحکم دیوار بنائی ہو۔ اس علامت کی تحقیق کے لیے ہمیں یہ بھی معلوم کرنا ہوگا کہ یاجوج وماجوج سے مراد کونسی قومیں ہیں اور پھر یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ان کے علاقے سے متصل کونسی ایسی دیوار کبھی دنیا میں بنائی گئی ہے اور وہ کس نے بنائی ہے۔

۴۔ اس میں مذکورۂ بالا خصوصیات کے ساتھ ایک یہ خصوصیت بھی پائی جانی چاہیے کہ وہ خدا پرست اور عادل فرمانروا ہو، کیونکہ قرآن یہاں سب سے بڑھ کر اس کی اسی خصوصیت کو نمایاں کرتا ہے۔

ان میں سے پہلی علامت آسانی کے ساتھ خورس پر چسپاں کی جاسکتی ہے کیونکہ بائیبل کے صحیفہ دانی ایل میں دانیال نبی کا جو خواب بیان کیا گیا ہے اس میں وہ یونانیوں کے عروج سے قبل میڈیا اور فارس کی متحدہ سلطنت کو ایک مینڈھے کی شکل میں دیکھتے ہیں جس کے دوسینگ تھے، یہودیوں میں اس ''دوسینگوں والے'' کا بڑا چرچا تھا کیونکہ اسی کی ٹکر نے آخر کار بابل کی سلطنت کو پاش پاش کیا اور بنی اسرائیل کو اسیری سے نجات دلائی۔

دوسری علامت بڑی حد تک اس پر چسپاں ہوتی ہے مگر پوری طرح نہیں اس کی فتوحات بلاشبہ مغرب میں ایشیائے کوچک اور شام کے سواحل تک اور مشرق میں باختر (بلخ) تک وسیع ہوئی مگر شمال یا جنوب میں اس کی کسی بڑی مہم کا سراغ ابھی تک تاریخ سے نہیں ملا ہے۔ حالانکہ قرآن صراحت کے ساتھ ایک تیسری مہم کا بھی ذکر کرتا ہے تاہم اس مہم کا پیش آنا بعید از قیاس نہیں ہے کیونکہ تاریخ کی رو سے خورس کی سلطنت شمال میں کاکیشیا (قفقاز) تک وسیع تھی۔

تیسری علامت کے بارے میں یہ تو قریب قریب متحقق ہے کہ یاجوج ماجوج سے مراد روس اور شمالی چین کے وہ قبائل ہیں

جوتا تاری منگولی، ھن اور سیتھین وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں اور قدیم زمانے سے متمدن ممالک پر حملے کرتے رہے ہیں، نیز یہ بھی معلوم ہے کہ اُن کے حملوں سے بچنے کے لیے قفقاز کے جنوبی علاقے میں دربند اور داریال کے استحکامات تعمیر کیے گئے تھے لیکن یہ ابھی تک ثابت نہیں ہو سکا ہے کہ خورس ہی نے یہ استحکامات تعمیر کیے تھے۔

آخری علامت قدیم زمانے کے معروف فاتحوں میں اگر کسی پر چسپاں کی جا سکتی ہے تو وہ خورس ہی ہے کیونکہ اس کے دشمنوں تک نے اس کے عدل کی تعریف کی ہے اور بائیبل کی کتاب عزرا اس بات پر شاہد ہے کہ وہ ضرور ایک خدا پرست اور خدا ترس بادشاہ تھا جس نے بنی اسرائیل کو ان کی خدا پرستی ہی کی بنا پر بابل کی اسیری سے رہا کیا اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے بیت المقدس میں دوبارہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کا حکم دیا۔

اس بنا پر ہم یہ تو ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ نزولِ قرآن سے پہلے جتنے مشہور فاتحینِ عالم گزرے ہیں ان میں سے خورس ہی کے اندر ''ذوالقرنین'' کی علامات زیادہ پائی جاتی ہیں لیکن تعین کے ساتھ اسے ذوالقرنین قرار دینے کے لیے ابھی مزید شہادتوں کی ضرورت ہے تاہم دوسرا کوئی فاتح قرآن کی بتائی ہوئی علامات کا اتنا بھی مصداق نہیں ہے جتنا خورس ہے۔

تاریخی بیان کے لیے صرف اتنا ذکر کافی ہے کہ خورس ایک ایرانی فرمانروا تھا جس کا عروج ۵۴۹ ق م کے قریب زمانے میں شروع ہوا۔ اس نے چند سال کے عرصے میں میڈیا (الجبال) اور لیڈیا (ایشیائے کوچک) سلطنتوں کو مسخر کرنے کے بعد ۵۳۹ ق م میں بابل کو بھی فتح کر لیا جس کے بعد کوئی طاقت اس کے راستہ میں مزاحم نہیں رہی۔ اُس کی فتوحات کا سلسلہ سندھ اور صُغد (موجودہ ترکستان) سے لے کر ایک طرف مصر اور لیبیا تک اور دوسری طرف تھریس اور مقدونیہ تک وسیع ہو گیا اور شمال میں اس کی سلطنت قفقاز (کاکیشیا) اور خوارزم تک پھیل گئی۔ عملاً اس وقت کی پوری مہذب دنیا اس کی تابع فرمان تھی۔ (بحوالہ: تفہیم القرآن)

مسائل

۱۔ ذوالقرنین ایک عظیم حکمران تھا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے وسیع مملکت اور ہر قسم کے وسائل عنایت فرمائے تھے۔
۳۔ ذوالقرنین کے کردار اور واقعات میں معاشرے کے بڑے لوگوں بالخصوص حکمرانوں کے لیے بڑی رہنمائی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی اقتدار اور وسائل دینے والا ہے:

۱۔ ہم نے اسے (ذوالقرنین) زمین میں اقتدار بخشا اور ہر طرح کا ساز و سامان بھی دیا۔ (الکھف:۸۴)
۲۔ کہہ دیجیے اللہ ہی بادشاہوں کا بادشاہ ہے جسے چاہتا ہے اقتدار سے نوازتا ہے جس سے چاہتا چھین لیتا ہے (آل عمران:۲۶)
۳۔ ہم نے آل ابراہیم کو کتاب وحکمت اور ملک عظیم عطا کیا۔ (النساء:۵۴)
۴۔ زمین وآسمان کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے اس کی اولاد نہیں اور اس کی بادشاہت میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ (الفرقان:۲)
۵۔ آسمان وزمین کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (آل عمران:۱۸۹)

فَاَتْبَعَ	سَبَبًا ﴿٨٥﴾	حَتّٰٓى	اِذَا	بَلَغَ	مَغْرِبَ	الشَّمْسِ	
پس وہ چلا	راہ	یہاں تک کہ	جب	وہ پہنچا	غروب کی جگہ	سورج	
وَجَدَهَا	تَغْرُبُ	فِيْ	عَيْنٍ	حَمِئَةٍ	وَّوَجَدَ	عِنْدَهَا	
اس نے پایا اسے	وہ غروب ہوتا ہے	میں	چشمہ	سیاہ	اور اس نے پائی	اس کے پاس	
قَوْمًا ؕ	قُلْنَا	يٰذَا الْقَرْنَيْنِ	اِمَّآ	اَنْ	تُعَذِّبَ	وَاِمَّآ	اَنْ
قوم	ہم نے کہا	اے ذوالقرنین	یا	یہ کہ	تو عذاب دے	اور یا	یہ کہ
تَتَّخِذَ	فِيْهِمْ	حُسْنًا ﴿٨٦﴾	قَالَ	اَمَّا	مَنْ	ظَلَمَ	
تو اختیار کرے	ان میں	اچھائی	اس نے کہا	لیکن	جس نے	اس نے ظلم کیا	

''اس نے پہلے ایک طرف کی تیاری کی (٨٥) یہاں تک کہ وہ غروبِ آفتاب کی حد تک پہنچ گیا۔ اس نے سورج کو ایک کالے پانی کے چشمے میں ڈوبتے ہوئے دیکھا۔ وہاں اسے ایک قوم ملی ہم نے کہا اے ذوالقرنین تجھے اختیار ہے کہ ان کو تکلیف دے یا ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرے۔ (٨٦) اس نے کہا جو ظلم کرے گا

فہم القرآن

ربط کلام: ذوالقرنین کی پہلی مہم اور اس کی فتوحات۔

قرآن مجید نے ذوالقرنین کی مملکت اور اُس کے اسباب و وسائل کا ذکر کرتے ہوئے یہ لفظ استعمال فرمائے ہیں۔'' فَاَتْبَعَ سَبَبًا '' اس کے دو ترجمے کیے گئے ہیں۔ ایک جماعت نے اس کا معنیٰ کیا ہے کہ وہ اسباب کے پیچھے چلا جس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ اُس نے اپنی مملکت میں وسائل کے حصول کے لیے ٹھیک ٹھیک اقدامات کیے اور وسائل کی خوب منصوبہ بندی کی۔ ترقی یافتہ مملکت اور کامیاب حکمران کی یہی خوبی ہوتی ہے کہ وہ وسائل کے حصول کے ساتھ اُس کی پلاننگ میں کوئی کسر باقی نہ رہنے دیتا۔

'' فَاَتْبَعَ سَبَبًا '' کا دوسرا معنی یہ لیا گیا ہے کہ اُس نے ایک راہ اختیار کی۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اُس نے فتح حاصل کرنے کے لیے ایک علاقے کو سامنے رکھا اور اُس کے بارے میں بڑی حکمت عملی کے ساتھ فوجی مہم کا نقشہ تیار کیا۔ یہی بات فتح کی کلید ہوا کرتی ہے۔ اس پیش بندی کے ساتھ جدید اسلحہ، تربیت یافتہ اور منظّم فوج، بہترین منصوبہ بندی اور مصمم ارادہ کے ساتھ لشکر جرار کی کمان کرتا ہے۔ ان وسائل کے ساتھ ذوالقرنین علاقے پر علاقہ اور بڑی بڑی حکومتوں کو فتح کرتے ہوئے آگے ہی بڑھتا گیا۔ یہاں تک اپنی مملکت کے مغرب میں اس مقام پر جا پہنچا جس سے آگے سمندر ہی سمندر تھا۔ اس نے ساحل سمندر پر کھڑے ہو کر فتح یاب آنکھوں کے ساتھ سورج کا نظارہ کیا۔ جو مغرب کے وقت یوں دکھائی دیا جیسے وہ سمندر کی دلدل میں غوطہ زن اور دھنس رہا ہے۔ اس علاقہ کے لوگ ذوالقرنین کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوتے ہیں کہ اے بادشاہ سلامت آپ غالب ہیں اور ہم مغلوب ہیں۔ لہٰذا ہم کلی طور پر سرنگوں اور آپ کے سامنے تابع فرماں ہیں۔ ہم اپنے آپ کو آپ

فَسَوْفَ	نُعَذِّبُهٗ	ثُمَّ	يُرَدُّ	اِلٰى	رَبِّهٖ	فَيُعَذِّبُهٗ
تو عنقریب	ہم اسے سزا دیں گے	پھر	وہ لوٹایا جائے گا	طرف	اپنے رب	چنانچہ وہ اسے عذاب دیگا
عَذَابًا	نُّكْرًا ﴿۸۷﴾	وَاَمَّا	مَنْ	اٰمَنَ	وَعَمِلَ	صَالِحًا
عذاب	سخت	اور کہ	جو شخص	وہ ایمان لایا	اور اس نے عمل کیے	نیک
فَلَهٗ	جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ		وَسَنَقُوْلُ	لَهٗ	مِنْ	اَمْرِنَا	يُسْرًا ﴿۸۸﴾
تو اس کے لیے	بدلہ	اچھا	عنقریب ہم کہیں گے	اس کے لیے	سے	اپنے کام	آسانی والا

ہم اس کو سزا دیں گے پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا اور وہ اسے سخت عذاب دے گا۔(۸۷) جو ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرے گا اس کے لیے بہترین جزا ہے اور ہم اس کو آسانی کے احکام دیں گے۔“(۸۸)

کے حوالے کرتے ہیں آپ چاہیں ہمارے ساتھ حسنِ سلوک کریں اگر چاہیں تو ہمیں گرفتار کریں اور سزا دیں۔ اگلی گفتگو کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم نے ذوالقرنین کو یہ ارشاد فرمایا کہ تو ان لوگوں کو سزا دے یا ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے اس نے کہا جس نے کسی کے ساتھ ظلم کیا تو بہت جلد اسے ”اللہ“ دنیا میں سزا دے گا، پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا وہ اسے سخت ترین عذاب دے گا۔ لیکن جو شخص ایمان لایا اور اس نے صالح اعمال کیے اس کے لیے بہترین بدلہ ہے اور عنقریب اس کے لیے ان کے کام کو آسان کر دیں گے۔ اس گفتگو کے بارے میں اہلِ علم کا استدلال ہے کہ ذوالقرنین حکمران ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کا پیغمبر بھی تھا۔ لیکن جید اہل علم کا خیال ہے کہ فقط ان الفاظ سے ذوالقرنین کا پیغمبر ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جن شخصیات اور شہد کی مکھی کے بارے میں بھی یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں کہ ہم نے ان کی طرف وحی کی، ظاہر ہے کہ ساری شخصیات اور شہد کی مکھی پیغمبر نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اہل علم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ! اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے دل میں یہ الفاظ القاء فرمائے جس کے نتیجہ میں اس نے خود کلامی کی یا اس کے عقیدہ کی ترجمانی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے تاکہ لوگ بالخصوص حکمرانوں کو اس کے عقیدہ اور کردار کی اہمیّت جتلائی جائے۔ ہر دو صورتوں میں بات کا خلاصہ یہ ہے کہ نیک حکمران کی خوبیوں میں ایک خوبی یہ بھی ہونی چاہیے کہ وہ جو اقدام اُٹھائے اس کے پیچھے یہ عقیدہ کارفرما ہو کہ اگر وہ کسی پر ظلم کرے گا تو اسے آخرت میں اس کی سزا بھگتنا پڑے گی۔ اگر وہ مفتوح قوم اور اپنی رعایا کے ساتھ حسنِ سلوک کرے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا میں اسے نیک نامی اور آخرت میں اجرِ عظیم سے سرفراز فرمائے گا۔ یہی وہ نصیحت ہے جو ذوالقرنین کے بارے میں معلومات دینے سے پہلے اہل مکہ کو کی گئی ہے کہ اے سوال کرنے والو! اس واقعہ میں تمھارے لیے بڑی ہی نصیحت کا سامان ہے۔ غور کرو کہ ذوالقرنین اتنا بڑا بادشاہ اور فاتح ہونے کے باوجود مفتوح اور کمزور لوگوں کے ساتھ کس قدر رحم دل اور مہربان تھا لیکن تمھاری حالت یہ ہے کہ تم اس کے مقابلے

میں کچھ بھی نہیں لیکن اس کے باوجود اپنے عزیز اقرباء پر ظلم کا بازار گرم کیے ہوئے ہو۔ یاد رکھو عنقریب تمھیں اس ظلم کا انجام دیکھنا پڑے گا۔ اور یہ بھی عقیدہ رکھو کہ جو نیک اعمال کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا میں بھی آسانی پیدا کرے گا۔

مشفق اور ظالم بادشاہ کا فرق :

((عَنْ أَبِی سَعِیدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَى اللّٰہِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا إِمَامٌ عَادِلٌ وَأَبْغَضَ النَّاسِ إِلَى اللَّهِ وَأَبْعَدَهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا إِمَامٌ جَائِرٌ))[رواہ الترمذی:باب مَا جَاءَ فِی الإِمَامِ الْعَادِلِ]

’’حضرت ابی سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ کے ہاں لوگوں میں سے محبوب اور قریب ترین شخص عادل بادشاہ ہوگا۔ لوگوں میں سے مبغوض اور اللہ سے دور شخص ظلم کرنے والا بادشاہ ہوگا‘‘

سورج ڈوبتا نہیں :

((عَنْ أَبِی ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم لأَبِی ذَرٍّ حِينَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ تَدْرِی أَيْنَ تَذْهَبُ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهَا تَذْهَبُ حَتَّى تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ، فَتَسْتَأْذِنَ فَيُؤْذَنَ لَهَا ، وَيُوشِكُ أَنْ تَسْجُدَ فَلاَ يُقْبَلَ مِنْهَا ، وَتَسْتَأْذِنَ فَلاَ يُؤْذَنُ لَهَا، يُقَالُ لَهَا ارْجِعِی مِنْ حَيْثُ جِئْتِ فَتَطْلُعُ مِنْ مَغْرِبِهَا، فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى (**وَالشَّمْسُ تَجْرِی لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ**))

[رواہ البخاری:باب صِفَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ]

’’حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تجھے معلوم ہے جب سورج غروب ہوتا ہے تو کہاں جاتا ہے؟ میں نے کہا' اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہے۔ آپ نے فرمایا سورج عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے اور اجازت طلب کرتا ہے اسے اجازت مل جاتی ہے۔ قریب ہے کہ وہ سجدہ کرے گا اور اس کا سجدہ قبول نہ ہو۔ وہ طلوع ہونے کی اجازت طلب کرے گا اور اس کو اجازت نہ ملے اسے حکم ہو جدھر سے آیا اسی طرف سے طلوع ہو جا۔ چنانچہ سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورج اپنے مستقر کی طرف چلا جاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا ٹھکانا عرش کے نیچے ہے۔‘‘ (الحمد اللہ آج سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ واقعتاً سورج نہیں ڈوبتا)

مسائل

١۔ ذوالقرنین دنیا کے عظیم حکمرانوں میں سے ایک حکمران تھا اس نے وسائل جمع کیے اور ان کی خوب منصوبہ بندی کی۔

٢۔ ذوالقرنین اپنے ملک کے مغرب میں پیش قدمی کرتے ہوئے ساحلِ سمندر تک پہنچ گیا۔

٣۔ وہ ظلم کرنے کی بجائے رعایا پر احسان اور نرمی کرنے والا تھا۔

٤۔ ذوالقرنین صحیح العقیدہ اور آخرت کی جزا و سزا پر یقین رکھنے والا بادشاہ تھا۔

ثُمَّ	اَتْبَعَ	سَبَبًا ﴿۸۹﴾	حَتّٰٓى	اِذَا	بَلَغَ	مَطْلِعَ
پھر	وہ پیچھے لگا	ایک راہ	یہاں تک	جب	وہ پہنچا	جائے طلوع پر
الشَّمْسِ	وَجَدَهَا	تَطْلُعُ	عَلٰى	قَوْمٍ	لَّمْ	نَجْعَلْ
سورج	اس نے اسے پایا	وہ طلوع ہو رہا ہے	پر	قوم	نہیں	بنایا ہم نے
لَّهُمْ	مِّنْ	دُوْنِهَا	سِتْرًا ﴿۹۰﴾	كَذٰلِكَ	وَقَدْ	اَحَطْنَا
ان کے لیے	سے	درمیان	کوئی پردہ	اسی طرح	اور تحقیق	ہم نے احاطہ کرلیا
بِمَا	لَدَيْهِ	خُبْرًا ﴿۹۱﴾				
جو	اس کے پاس	باعتبار علم				

”پھر اس نے ایک اور مہم کی تیاری کی۔(۸۹) یہاں تک کہ طلوع آفتاب کی حد تک جا پہنچا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ سورج ایک ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جس کے لیے دھوپ سے بچنے کا سامان نہیں ہے۔(۹۰) ان کی حالت یہ تھی اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ تھا اسے ہم جانتے تھے۔“(۹۱)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ ذوالقرنین کی مشرق کی جانب دوسری فوجی مہم۔

ذوالقرنین نے دوسری فوجی مہم کے لیے بھی پہلے کی طرح ٹھیک ٹھیک منصوبہ بندی کرتے ہوئے فوج کو اپنے ملک کے مشرقی علاقوں پر یلغار کرنے کا حکم دیا اور پہلے کی طرح فوج کی خود کمان سنبھالی۔ وہ ملک پر ملک زیرنگیں کرتا ہوا زمین کی اس حد تک پہنچا کہ جہاں سے آگے کوئی ملک باقی نہ رہا۔ گویا کہ سورج کے طلوع اور غروب کے درمیان اس کی فرمانروائی کا پرچم لہرانے لگا۔ زمین کی مشرقی سرحد پر اس کا واسطہ ایسی قوم کے ساتھ پڑا جو اس قدر غیر ترقی یافتہ اور غیر مہذب تھی کہ انھیں بودوباش اور رہن سہن کا بھی علم نہیں تھا۔ جس طرح آج بھی افریقہ کے کچھ علاقوں کے لوگ نیم برہنہ اور درختوں کے نیچے رہتے ہیں۔ حرام وحلال کی تمیز کے بغیر اور کھانا پکانے کی بجائے جانوروں کا کچا گوشت کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ کچھ نہ ملنے کی صورت میں اپنے بچے بھی کھا جاتے ہیں۔ 2005ء میں میرے قریبی ساتھی صدر کرنل قذافی کی دعوت پر لیبیا گئے انھیں لیبیا کے ملحقہ ملک کے ایسے علاقے میں لے جایا گیا جہاں انھوں نے ایسے انسان دیکھے جو صحراؤں اور جنگلوں میں رہتے ہیں۔ ان کے جسم اور شکلیں دیکھ کر انسان کو یقین نہیں آتا کہ آدم زاد ہیں۔ صرف ہاتھ، منہ اور انسانی اعضاء کے ناطے سے انسان معلوم ہوتے ہیں۔ یہ تو ترقی یافتہ دور کے انسان کی حالت ہے۔ آج سے ہزاروں سال پہلے جن لوگوں سے ذوالقرنین کو واسطہ پڑا۔ وہ کس طرح کے انسان اور کس قدر غیر مہذب ہوں گے۔ ذوالقرنین نے ایسے لوگوں کے ساتھ شریفانہ اور ہمدردانہ رویہ اختیار کیا ان پر کسی قسم کی زیادتی نہ کی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ذوالقرنین کو خراجِ تحسین سے نوازتے ہوئے فرماتا ہے کہ ہم اس کے حالات اور کردار کو خوب جانتے ہیں۔

ثُمَّ	اَتْبَعَ	سَبَبًا ﴿٩٢﴾	حَتّٰٓى	اِذَا	بَلَغَ	بَيْنَ
پھر	وہ پیچھے لگا	ایک راہ	یہاں تک کہ	جب	وہ پہنچا	درمیان
السَّدَّيْنِ	وَجَدَ	مِنْ	دُوْنِهِمَا	قَوْمًا	لَّا
دو دیواریں	اس نے پایا	سے	ان دونوں کے سوا	کچھ لوگ	نہیں
يَكَادُوْنَ	يَفْقَهُوْنَ	قَوْلًا ﴿٩٣﴾	قَالُوْا	يٰذَا الْقَرْنَيْنِ	اِنَّ
وہ قریب تھے	وہ سمجھ سکتے	کوئی بات	انہوں نے کہا	اے ذوالقرنین!	یقیناً
يَاْجُوْجَ	وَمَاْجُوْجَ	مُفْسِدُوْنَ	فِي	الْاَرْضِ	فَهَلْ	نَجْعَلُ
یاجوج	اور ماجوج	فساد کرنے والے	میں	زمین	پس کیا	ہم کر دیں

”پھر اس نے ایک اور مہم کا انتظام کیا۔(٩٢) یہاں تک کہ جب دونوں پہاڑوں کے درمیان جا پہنچا اسے ان کے قریب ایک قوم ملی جو مشکل سے کوئی بات سمجھ سکتی تھی۔(٩٣) ان لوگوں نے کہا اے ذوالقرنین یاجوج اور ماجوج اس سرزمین میں فساد برپا کرتے ہیں تو کیا ہم تجھے

فہم القرآن

ربط کلام: ذوالقرنین کی تیسری عسکری مہم۔

مفسرین کا خیال ہے کہ مشرق و مغرب کو فتح کرنے کے بعد ذوالقرنین اپنے ملک سے ملحقہ اس زمانے کی موجودہ دنیا کے شمال مشرقی علاقے میں پہنچا جسے بعض مؤرخ ترکستان کے قریب کا علاقہ شمار کرتے ہیں۔ یہاں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد آباد تھی۔ جہاں بحر قرز اور بحر اسود کے درمیان پہاڑی سلسلہ ہے یہاں کے لوگوں کو مؤرخ منگول قوم کے نام سے یاد کرتے ہیں یہ قریب قریب وہی علاقے ہیں جہاں چائینہ کا ملک ہے۔ کیونکہ یہاں کوہ قفقاز کے دامن میں آہنی دیوار موجود ہے۔

ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے مراد مشہور دیوارِ چین ہے۔ حالانکہ دراصل یہ دیوار قفقاز (Cauc asus) کے علاقہ داغستان میں دربند اور داریاں (Darial) کے درمیان بنائی گئی تھی۔ قفقاز اُس ملک کو کہتے ہیں جو بحیرۂ اسود (Black Sea) اور بحیرۂ خزر (Caspian Sea) کے درمیان واقع ہے۔ اس ملک میں بحیرۂ اسود سے داریال تک تو نہایت بلند پہاڑ ہیں اور ان کے درمیان اتنے تنگ درے ہیں کہ ان سے کوئی بڑی فوج نہیں گزر سکتی۔ البتہ دربند اور داریال کے درمیان جو علاقہ ہے اس میں پہاڑ بھی زیادہ بلند نہیں ہیں اور ان میں کوہستانی راستے بھی خاصے وسیع ہیں۔ قدیم زمانے میں شمال کی وحشی قومیں اسی طرف سے جنوب کی طرف غارت گرانہ حملے کرتی تھیں

لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ

تیرے لیے ٹیکس پر یہ کہ تو بنادے ہمارے درمیان اوران کے درمیان

سَدًّا ﴿٩٤﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ

دیوار اس نے کہا جو قدرت دی ہے مجھے اس میں میرا رب بہتر

فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾

لہٰذا تم میری مدد کرو قوت کے ساتھ میں بنادوں گا تمہارے درمیان اوران کے درمیان بند

اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ

تم مجھے لادو لوہے کے تختے یہاں تک کہ جب اس نے برابر کردیا دونوں پہاڑوں کا درمیانی خلا

کوئی ٹیکس اس کام کے لیے پیش کریں کہ آپ ہمارے اوران کے درمیان ایک بند تعمیر کردیں۔(۹۴) اس نے کہا جو کچھ میرے رب نے مجھے عطا کر رکھا ہے وہ کافی ہے تم بس مجھے افرادی قوت مہیا کرو۔ میں تمہارے اوران کے درمیان بند بنائے دیتا ہوں۔(۹۵) میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ، جب اس نے دونوں پہاڑوں کی درمیانی جگہ کو پُر کردیا۔

اور ایرانی فرمانرواؤں کو اسی طرف سے اپنی مملکت پر شمالی حملوں کا خطرہ لاحق رہتا تھا۔ انہی حملوں کو روکنے کے لیے ایک نہایت مضبوط دیوار بنائی گئی تھی جو ۵۰ میل لمبی ۲۹۰ فٹ بلند اور دس فٹ چوڑی تھی۔ ابھی تک تاریخی طور پر یہ تحقیق نہیں ہوسکی ہے کہ یہ دیوار ابتداً کب اور کس نے بنائی۔ مگر مسلمان مؤرخین اور جغرافیہ نویس اسی کو سدِ ذوالقرنین قرار دیتے ہیں۔

ابن جریر طبری اور ابن کثیر نے اپنی تاریخوں میں یہ واقعہ لکھا ہے اور یاقوت نے بھی معجم البلدان میں اس کا حوالہ دیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آذربائیجان کی فتح کے بعد ۲۲ ہجری میں سُراقہ بن عمرو کو باب الابواب (دربند) کی مہم پر روانہ کیا اور سراقہ نے عبدالرحمٰن بن ربیعہ کو مقدمۃ الجیش کا افسر بنا کر آگے بھیجا۔ عبدالرحمٰن جب رمینیہ کے علاقے میں داخل ہوئے تو وہاں کے فرمانروا شہر براز نے جنگ کے بغیر اطاعت قبول کرلی۔ اس کے بعد انہوں نے باب الابواب کی طرف پیش قدمی کا ارادہ کیا۔ اس موقع پر شہر براز نے ان سے کہا کہ میں نے اپنے ایک آدمی کو سدِ ذوالقرنین کا مشاہدہ اور اس علاقے کے حالات کا مطالعہ کرنے کے لیے بھیجا تھا، وہ آپ کو تفصیلات سے آگاہ کرسکتا ہے۔ چنانچہ اس نے عبدالرحمٰن کے سامنے اس شخص کو پیش کیا۔

(طبری، ج۳، :البدایۃ والنہایہ ج ۷:معجم البلدان، ذکر باب الابواب)

اس واقعہ کے دوسو سال بعد عباسی خلیفہ واثق (۲۲۷۔۲۳۳ھ) نے سدّ ذوالقرنین کا مشاہدہ کرنے کے لیے سلام الترجمان کی قیادت میں ۵۰ آدمیوں کی ایک مہم روانہ کی جس کے حالات یاقوت نے معجم البلدان اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ

قَالَ انْفُخُوْا ط حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ

اس نے کہا دھونکو تم یہاں تک کہ جب اس نے بنا دیا اسے آگ اس نے کہا

اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۙ﴿۹۶﴾ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ

لاؤ میرے پاس میں ڈال دوں اس پر تانبا پس نہ وہ استطاعت رکھیں گے یہ کہ

يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا

وہ اس پر چڑھ جائیں اور نہ وہ استطاعت رکھیں گے اس کے لیے سوراخ اس نے کہا یہ

رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ج فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ

رحمت سے میرے رب چنانچہ جب آ جائے گا وعدہ میرا رب

جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ج وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿۹۸﴾

وہ اسے کر دے گا ہموار اور ہے وعدہ میرا رب برحق

”تو لوگوں سے کہا کہ اب آگ جلاؤ حتی کہ جب یہ آہنی دیوار بالکل آگ کی طرح سرخ ہوگئی تو اس نے کہا لاؤ اب میں اس میں پگھلا ہوا تانبا انڈیلوں۔(۹۶) یہ بند ایسا تھا کہ یاجوج و ماجوج اس پر چڑھ نہیں سکتے تھے اور نہ ہی اس میں نقب لگا سکتے تھے۔(۹۷) ذوالقرنین نے کہا یہ میرے رب کی رحمت ہے مگر جب میرے رب کے وعدے کا وقت آئے گا تو وہ اس کو زمین بوس کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔“(۹۸)

میں خاصی تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں لکھتے ہیں کہ یہ وفد سامرّہ (سُرَّ مَنْ رَأیٰ) سے تفلیس وہاں سے السریر وہاں سے اَلَلان ہوتا ہوا فیلان شاہ کے علاقے میں پہنچا، پھر خزر کے ملک میں داخل ہوا۔ اس کے بعد دربند پہنچ کر اس نے سدّ کا مشاہدہ کیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری میں بھی مسلمان عام طور پر قفقاز کی اس دیوار ہی کو سدّ ذوالقرنین سمجھتے تھے۔

یاقوت نے معجم البلدان میں متعدد دوسرے مقامات پر بھی اسی امر کی تصریح کی ہے۔ (هِیَ بِلَادُ التُّرْكِ خَلْفَ بَابِ الْاَبْوَابِ الْمَعْرُوْفِ بِالدَّرْ بَنْدَ قَرِيْبٌ مِنْ سَدِّ ذِی الْقَرْنَيْنِ) یہ ترکوں کا علاقہ ہے جو سدِ ذوالقرنین کے قریب باب الابواب کے پیچھے واقع ہے جسے دربند بھی کہتے ہیں۔“ اسی سلسلہ میں خلیفہ المقتدر باللہ کے سفیر، احمد بن فضلان کی ایک رپورٹ نقل کرتا ہے جن میں مملکت خزر کی تفصیلی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ خزر ایک مملکت کا نام ہے جس کا

صدر مقام اتل ہے۔ دریائے اِتل اس شہر کے درمیان سے گزرتا ہے اور یہ دریا روس اور بُلغار سے آ کر بحرِ خزر میں گرتا ہے۔ باب الابواب کے زیرِ عنوان لکھتا ہے کہ اس کو الباب اور دربند بھی کہتے ہیں، یہ بحرِ خزر کے کنارے واقع ہے۔ بلادِ کفر سے بلادِ مسلمین کی طرف آنے والوں کے لیے یہ راستہ انتہائی دشوار گزار ہے۔ ایک زمانہ میں یہ نوشیروان کی مملکت میں شامل تھا اور شاہانِ ایران اس سرحد کی حفاظت کو غایت درجہ اہمیت دیتے تھے۔ (تفہیم القرآن: جلد ۳)

یہاں ذوالقرنین نے ایسی قوم کو پایا۔ جن کی زبان سے وہ واقف نہ تھا۔ ظاہر ہے اس قوم کے نمائندوں نے کسی ترجمان یا اشاروں کی زبان سے اپنی صورتِ حال بادشاہ سلامت کے سامنے پیش کی ہوگی یہاں یا جوج ماجوج قوم رہتی ہے۔ جو اس علاقے پر شب وخون مارتے اور ہر قسم کا دنگا فساد کرتے ہیں انھوں نے ہمارا جینا حرام کر رکھا ہے۔ ان سے ہماری حفاظت کا کوئی بندوبست فرمائیں۔ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی رکاوٹ کھڑی کریں۔ ہم اس کے لیے آپ کی خدمت میں ٹیکس بھی پیش کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ان کی گفتگو سے ثابت ہوتا ہے کہ ذوالقرنین نے ان پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کی تھی اور نہ ہی ان کے مال میں تصرف کیا جس وجہ سے وہ از خود مال کی پیشکش کرتے ہیں۔

رحم دل بادشاہ نے کہا کہ مجھے آپ کے مال کی ضرورت نہیں۔ ''اللہ'' کا مجھ پر کرم ہے اس نے مجھے سب کچھ دے رکھا ہے۔ آپ صرف افرادی قوت مہیا کریں یعنی لیبر دیں میں تمھارے اور ان کے درمیان ایک بند بنائے دیتا ہوں۔ تم لوہے کی چادریں اٹھا اٹھا کر لاؤ۔ میں دونوں پہاڑوں کے درمیان آہنی دیوار کھڑی کر دیتا ہوں۔ چنانچہ اس نے پہاڑوں کے دونوں جانب لوہے کی موٹی موٹی دیواریں کھڑی کر کے ان کو آگ سے تپایا جب وہ ایک خاص ڈگری تک گرم ہو گئیں تو حکم دیا ان کے درمیان پگھلا ہوا تانبا بھر دیا جائے۔ اس طرح دونوں پہاڑوں کے درمیانی حصے کو لوہے اور تانبے کے کنکریٹ سے بند کر دیا۔ اس موقعہ پر بادشاہ نے اختتامی کلمات کہتے ہوئے فرمایا کہ یاجوج ماجوج نہ اس پر چڑھ سکتے ہیں اور نہ ہی اس میں نقب لگا سکتے ہیں ظاہر ہے اتنے بڑے منصوبہ کی تکمیل پر لوگوں نے ذوالقرنین کی تعریف کی ہوگی۔ نیک دل بادشاہ اس پر اترانے کی بجائے کہتا ہے کہ یہ میرے رب کے فضل وکرم کا نتیجہ ہے اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ البتہ جب میرے رب کا وعدہ آن پہنچے گا تو وہ اسے پیوندِ خاک کر دے گا اور اس کا وعدہ حق اور سچ ہے۔ وعدہ سے مراد قیامت یا دیوار کی مدّتِ عمر ہے۔ یہاں پھر ذوالقرنین کے حسنِ کردار اور عقیدہ کی پختگی کا پتہ چلتا ہے کہ عظیم فاتح اور بلاشرکتِ غیرے دنیا کا حکمران ہونے کے باوجود رعایا کے ساتھ کس قدر مہربان اور قیامت پر کتنا پختہ عقیدہ رکھنے والا شخص تھا جس کی کلامِ حمید میں تعریف کی گئی ہے۔

❀❀❀

وَ تَرَكْنَا	بَعْضَهُمْ	يَوْمَئِذٍ	يَّمُوْجُ	فِيْ	بَعْضٍ
اور ہم چھوڑیں گے	ان کے بعض	دن	وہ گھس جائیں گے	میں	بعض

وَّنُفِخَ	فِي	الصُّوْرِ	فَجَمَعْنٰهُمْ	جَمْعًا ﴿٩٩﴾
اور پھونکا جائے گا	میں	صور	پھر ہم ان کو جمع کریں گے	جمع کرنا

''اور اس دن ہم لوگوں کو چھوڑ دیں گے جو سمندر کی موجوں کی طرح ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہونگے۔ صور پھونکا جائے گا اور ہم سب کو پوری طرح جمع کریں گے۔'' (۹۹)

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ

مفسرین نے یاجوج ماجوج کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد ہیں۔ ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ ماضی اور موجودہ زمانے میں اس کا کون سی قوم کے ساتھ تعلق بنتا ہے اور یہ قوم کس ملک اور علاقے میں پائی جاتی تھی بہر حال اللہ'' کا حکم نافذ ہوگا تو نہ صرف سدِّ ذوالقرنین ٹوٹ جائے گی بلکہ پوری دنیا اُلٹ پلٹ ہو جائے گی، اس دن تمام لوگوں کو محشر کے میدان میں جمع کر لیا جائے گا۔

یاجوج ماجوج سے مراد ایشیا کے شمالی مشرقی علاقے کی وہ قومیں ہیں جو قدیم زمانے سے متمدن ممالک پر غارت گرانہ حملے کرتی رہی ہیں اور جن کے سیلاب وقتاً فوقتاً اُٹھ کر ایشیاء اور یورپ دونوں طرف رخ کرتے رہے ہیں۔ بائبل کی کتاب پیدائش (باب ۱۰) میں ان کو حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی نسل میں شمار کیا گیا ہے اور یہی بیان مسلمان مؤرخین کا بھی ہے حزقی ایل کے صحیفے (باب ۳۸، ۳۹) میں ان کا علاقہ روس اور توبل (موجودہ توبالسک) اور مسک (موجودہ ماسکو) بتایا گیا ہے۔ اسرائیلی مؤرخ یوسیفوس اُن سے مراد سیتھیئن قوم لیتا ہے۔ جس کا علاقہ بحرِ اسود کے شمال اور مشرق میں واقع تھا۔ جیروم کے بیان کے مطابق ماجوج کا کیشیا کے شمال میں بحر خزر کے قریب آباد تھے۔

یاجوج ماجوج کے بارے میں مفسرین نے بہت ہی رطب یابس جمع کیا اور لکھنے والوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ یاجوج ماجوج قد کے لحاظ سے فٹ ڈیڑھ فٹ لمبے اور ان کے کان اتنے بڑے بڑے ہیں کہ ایک نیچے اور دوسرا کان اوپر لے کر سوتے ہیں ایک مادہ کم از کم سو بچے جنم دیتی ہے۔ حدیث کی بعض کتب میں یہ روایات بھی ملتی ہیں کہ وہ سارا دن اس دیوار کو چاٹتے رہتے ہیں۔ جب مغرب کا وقت ہوتا تو تھک ہار کر کہتے ہیں کہ کل ہم اس دیوار کو چاٹ چاٹ کر ختم کر دیں اور اس حصار سے باہر نکل آئیں گے یہ بھی ایک روایت میں درج ہے کہ قربِ قیامت جب باہر نکلیں گے تو آسمان کی طرف تیر چلائیں گے جو خون آلود ہو کر نیچے آئیں گے۔ جن کو دیکھ کر یاجوج ماجوج کہیں گے کہ ہم نے مسلمانوں کے رب کو قتل کر دیا ہے وہ اتنی تعداد میں ہوں گے کہ ان کا پہلا قافلہ بڑے بڑے دریاؤں کا پانی پی جائے گا۔ بعد کے قافلے دریاؤں اور چشموں کی مٹی بھی چاٹ جائیں وغیرہ وغیرہ۔

یاجوج ماجوج کی اصلیّت اور ان کے بارے میں روایات کی حقیقت:

((عَنْ زَيْنَبَ ابْنَةِ جَحْشٍ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم دَخَلَ عَلَيْهَا يَوْمًا فَزِعًا يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَيْلٌ

لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ ، فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هَذِهِ وَحَلَّقَ بِإِصْبَعَيْهِ الإِبْهَامِ وَالَّتِي تَلِيهَاقَالَتْ زَيْنَبُ ابْنَةُ جَحْشٍ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ قَالَ نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ)) [رواه البخاری:باب يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ]

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول محترم ﷺ گھبراہٹ کے عالم میں ان کے ہاں تشریف لائے اور فرمانے لگے۔ ''اللہ'' کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں عربوں کے لیے ایک بڑا ہلاکت خیز فتنہ بالکل قریب آ پہنچا ہے۔ یاجوج وماجوج کی دیوار میں اس قدر سوراخ ہوگیا ہے۔ آپ ﷺ نے وضاحت کے لیے اپنے انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی سے حلقہ بنایا۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے پوچھا' اے اللہ کے رسول! کیا ہم ہلاک کردیے جائیں گے' جبکہ ہم میں نیک لوگ موجود ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایاہاں! جب خباثتیں زیادہ ہوجائیں گی۔

((عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ الْغِفَارِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ اطَّلَعَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْنَا وَنَحْنُ نَتَذَاكَرُ فَقَالَ مَا تَذَاكَرُونَ قَالُوا نَذْكُرُ السَّاعَةَقَالَ إِنَّهَا لَنْ تَقُومَ حَتَّى تَرَوْنَ قَبْلَهَا عَشْرَ آيَاتٍ فَذَكَرَ الدُّخَانَ وَالدَّجَّالَ وَالدَّابَّةَ وَطُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَنُزُولَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَيَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَثَلَاثَةَ خُسُوفٍ خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ وَخَسْفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَآخِرُ ذَلِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ تَطْرُدُ النَّاسَ إِلَى مَحْشَرِهِمْ)) [رواه مسلم:باب فِي الآيَاتِ الَّتِي تَكُونُ قَبْلَ السَّاعَةِ]

''حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم آپس میں قیامت کا ذکر کررہے تھے آپ نے استفسار فرمایا کہ کس چیز کا ذکر کررہے ہو۔ ہم نے عرض کیا ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں' آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی' جب تک تم اس کی دس نشانیاں نہ دیکھ لو پھر آپ نے یہ نشانیاں ذکر فرمائیں: دھواں' دجال' دابۃ الارض' سورج کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا' حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نزول، یاجوج وماجوج کا خروج اور لوگوں کا تین دفعہ دھنسائے جانا، ان میں سے ایک بار دھنسنا مشرق میں' ایک مغرب میں اور ایک جزیرۃ العرب میں ہوگا۔ ان کے آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو میدانِ محشر کی طرف دھکیلے گی۔ ایک اور روایت میں ہے آگ عدن کے آخری کنارے سے نکلے گی جو لوگوں کو میدانِ حشر کی طرف دھکیل کر لے جائے گی تیسری روایت میں دسویں علامت کے طور پر آندھی کا ذکر ہے جو لوگوں کو سمندر میں گرادے گی۔''

صور کا پھونکا جانا:

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا میں کیسے نعمتوں سے لذت اٹھاؤں؟ جبکہ سینگ والے نے سینگ منہ میں ڈالا ہوا ہے اور اجازت کا منتظر ہے کب اس کو پھونکنے کا حکم ملے تو وہ پھونک مار دے۔ نبی محترم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ بات گراں گزری نبی معظم ﷺ نے ان سے فرمایا تم کہو ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے اور ہم اپنے اللہ پر ہی توکل کرتے ہیں۔'' [رواہ الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ ، باب ماجاء فی صفۃ الصور]

وَّعَرَضْنَا	جَهَنَّمَ	يَوْمَئِذٍ	لِّلْكٰفِرِيْنَ	عَرْضًا ۙ﴿۱۰۰﴾	الَّذِيْنَ
اور ہم سامنے لے آئیں گے	جہنم	دن	کافروں کے لیے	روبرو	وہ لوگ
كَانَتْ	اَعْيُنُهُمْ	فِيْ	غِطَآءٍ	عَنْ	ذِكْرِيْ	وَكَانُوْا
تھیں	ان کی آنکھیں	میں	پردے	سے	میری یاد	اور وہ تھے
لَا	يَسْتَطِيْعُوْنَ	سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾			
نہ	وہ استطاعت رکھتے	سننے کی			

ع ١١ ١٩ ٢

''اور اس دن ہم جہنم کو کفار کے سامنے لائیں گے۔(١٠٠)ان کافروں کے سامنے جو میری نصیحت کے بارے میں اندھے بنے ہوئے تھے اور نصیحت سننے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔''(١٠١)

فہم القرآن

ربط کلام : یاجوج ماجوج اور اللہ کے منکروں کا انجام۔

جب قیامت کی بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہو چکی ہوں گی تو اسرافیل کو پہلا صور پھونکنے کا حکم ہوگا۔ جس سے تمام مخلوق مر جائے گی صرف رب ذوالجلال کی ذات باقی رہے گی نہ معلوم کتنے عرصہ تک لوگ مرے رہیں گے۔ اس عرصہ میں پوری کائنات بدل دی جائے گی۔ اس کے بعد اللہ کے حکم سے اسرافیل زندہ ہوگا اور پھر دوسری مرتبہ صور پھونکے گا۔ جس سے تمام لوگ حتیٰ کہ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جانور بھی زندہ کر دیے جائیں گے جنہیں ایک دوسرے سے بدلہ کا دلوایا جائے گا۔ یہاں تک سینگ والی بکری جس نے دوسری کو مارا ہوگا وہ اس سے بدلہ لے گی۔ لوگوں کو محشر کے میدان میں اکٹھا کیا جائے گا اور جنت اور جہنم سامنے لا کھڑی کی جائے گی۔

((عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقَ إِلٰی أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ» حَتّٰی يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ))[رواہ مسلم : کتاب البر والصلة ، باب تحریم الظلم]

''حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا: تمہیں قیامت کے دن لوگوں کے حقوق ان کے مالکوں کو ادا کرنا پڑیں گے، یہاں تک کہ جس بکری کے سینگ نہیں اس کو سینگ والی بکری سے بدلہ دلایا جائے گا۔''

قیامت کے دن لوگوں کو آگ اکٹھا کرے گی:

((عَنْ حذيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ عَنْ أَبِی ذَرٍّ قَالَ إِنَّ الصَّادِقَ الْمَصْدُوقَ ﷺ حَدَّثَنِی أَنَّ النَّاسَ يُحْشَرُونَ ثَلَاثَةَ

أَفْوَاجٍ فَوْجٌ رَاكِبِينَ طَاعِمِينَ كَاسِينَ وَفَوْجٌ تَسْحَبُهُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلَى وُجُوهِهِمْ وَتَحْشُرُهُمُ النَّارُ وَفَوْجٌ يَمْشُونَ وَيَسْعَوْنَ يُلْقِي اللَّهُ الآفَةَ عَلَى الظَّهْرِ فَلا يَبْقَى حَتَّى إِنَّ الرَّجُلَ لَتَكُونُ لَهُ الْحَدِيقَةُ يُعْطِيهَا بِذَاتِ الْقَتَبِ لَا يَقْدِرُ عَلَيْهَا)) [رواه النسائی:باب البعث]

حضرت حذیفہ بن اسید حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں بے شک کائنات میں سے سچے انسان نے مجھے خبر دی کہ قیامت کے دن لوگوں کو تین طریقوں سے جمع کیا جائیگا۔ان میں سے ایک جماعت سوار ہوگی ،کھانا کھاتے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے ،ایک جماعت کو فرشتے چہروں کے بل گھسیٹیں گے اور آگ ان کو اکٹھا کرے گی اور ایک جماعت بھاگ دوڑ میں مصروف ہوگی اللہ تعالیٰ ان پر آفت مسلط فرمائیں گے اس سے کوئی بھی بچ نہیں پائے گا حتیٰ کہ ایک آدمی کا باغ ہوگا وہ اس باغ کو ایسی سواری کے بدلے میں دے گا جس پر اسے کچھ اختیار نہیں ہوگا۔

((وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُوْتٰى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لَهَا سَبْعُوْنَ اَلْفَ زِمَامٍ مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ يَّجُرُّوْنَهَا۔)) [رواه مسلم: باب فِي شِدَّةِ حَرِّ نَارِ جَهَنَّمَ ....]

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن دوزخ کو لایا جائے گا اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے،جو اسے کھینچ کر لائیں گے۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ نَارُكُمْ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنْ كَانَتْ لَكَافِيَةً قَالَ فُضِّلَتْ عَلَيْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَسِتِّينَ جُزْءًا كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا))

[رواه البخاری: كتاب بدء الخلق، باب صفة النار]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کی آگ جہنم کی آگ کے سترویں درجے پر ہے۔رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا جلانے کے لیے آگ یہی کافی تھی۔آپ نے فرمایا وہ اس سے انہتر درجے زیادہ تیز ہے اس کا ہر درجہ ایک دوسرے کے برابر ہے۔''

مسائل

۱۔ محشر کے میدان میں جہنم کفار کے سامنے لا کھڑی کی جائے گی۔
۲۔ جہنم کو دیکھ کر کفار کی آنکھوں سے غفلت کے پردے اُٹھ جائیں گے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کی نصیحت سے لاپرواہی کرنے والوں کی سزا جہنم ہے۔

اَ	فَحَسِبَ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْٓا	اَنْ	يَّتَّخِذُوْا	عِبَادِىْ	
کیا	پھر گمان کیا	لوگ	جنہوں نے کفر کیا	یہ کہ	وہ ٹھہرائیں	میرے بندے	
مِنْ دُوْنِىْٓ	اَوْلِيَآءَ	اِنَّآ	اَعْتَدْنَا	جَهَنَّمَ	لِلْكٰفِرِيْنَ	نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾	
سوائے میرے	کارساز	بلاشبہ ہم نے	تیار کی ہے	جہنم	کافروں کے لئے	بطورِ مہمانی	

''تو کیا کفار نے خیال کر رکھا ہے کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کا اپنا کارساز بنالیں۔ہم نے ایسے کافروں کی مہمانی کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے۔'' (۱۰۲)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار اور اللہ تعالیٰ کو بھول جانے والوں کا انجام۔

جس طرح پہلے بھی عرض کیا ہے کہ یہ سورت اہلِ مکہ کے سوالات کے جواب میں نازل ہوئی تھی۔اہل مکہ کے سوالات کا جواب دینے کے بعد سورۃ کے اختتام میں انھیں براہِ راست مخاطب کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا اُس کے بندوں کو حاجت روا، اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جہنم کو مہمان نوازی کے طور پر تیار کر رکھا ہے۔اس مختصر فرمان میں تین باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

۱۔ شرک کرنے والوں کو کافر کے لفظ سے مخاطب کیا گیا ہے۔

۲۔ جن فوت شدگان کو یہ لوگ حاجت روا، اور مشکل کشا سمجھ کر پکارتے ہیں۔ان کے لیے قرآن مجید میں کئی مرتبہ اولیاء کا لفظ استعمال ہوا ہے۔جس کے مشہور اور مستند معانی ہیں۔نگران، مددگار، دوست اور محبوب آقا۔ظاہر ہے کہ جن فوت شدگان کو پکارا جاتا ہے اُن کے بارے میں مشرکین ایسا ہی عقیدہ رکھتے ہیں حالانکہ وہ اللہ کے نیک بندے تھے جو قیامت کے دن اپنی عبادت کا صاف طور پر انکار کریں گے۔یعنی ایسے بزرگ جو مواحد تھے اور اپنی زندگی میں شرک کی مذمت کرتے تھے لیکن ان کے بعد مشرک انہیں مشکل کشا، حاجت روا کہہ کر پکارتے رہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کو شرک کے ساتھ اس قدر نفرت ہے کہ اس نے مشرکین کے لیے جہنم کو میزبانی کے طور پر تیار کر رکھا ہے۔ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی ناراضگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے ہاں مشرکین کا کیا مقام ہے اس لیے اس کا فرمان ہے۔

((إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَى إِثْمًا عَظِيمًا))[النساء:۴۸]

''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کرنے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مقرر کرے اس نے بہتان باندھا اور بہت بڑا گناہ کیا۔''

((إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِاٰيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ)) [الاعراف: ۴۰]

''بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور انہیں قبول کرنے سے تکبر کیا ان کے لیے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے نہ گزر جائے اور ہم مجرموں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔''

﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾

[المائدة: ۷۲]

''بیشک جو بھی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے گا اُس پر جنت حرام ہے اور اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

((عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مِنْهُمْ مَنْ تَاْخُذُهُ النَّارُاِلٰى كَعْبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَاْخُذُهُ النَّارُاِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَاْخُذُهُ النَّارُ اِلٰى حُجْزَتِهٖ وَمِنْهُمْ مَنْ تَاْخُذُهُ النَّارُ اِلٰى تَرْقُوَتِهٖ))

[راه مسلم:باب فی شدة حر النار]

''حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم کی آگ نے بعض لوگوں کے ٹخنوں تک ،بعض کے گھٹنوں تک اور بعض کو کمر تک گھیرا ہوگا اور بعض کی گردن تک پہنچی ہوگی۔''

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا مشرک جن کو پکارتے ہیں:

۱۔ کیا کافر لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ وہ میرے بندوں کو میرے سوا کارساز بنالیں گے۔ (الکھف:۱۰۲)

۲۔ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمھاری طرح کے ہی بندے ہیں۔ (الاعراف:۱۹۴)

۳۔ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمھاری مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (الاعراف:۱۹۷)

۴۔ سوال کیجیے کہ جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو انھوں نے زمین میں کیا پیدا کیا ہے؟ (الاحقاف:۴)

۵۔ جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ (الحج:۷۳)

۶۔ کیا تم بعل (بت) کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑتے ہو۔ (الصّٰفّٰت:۱۲۵)

قُلْ	هَلْ	نُنَبِّئُكُمْ	بِالْاَخْسَرِيْنَ	اَعْمَالًا ؀	اَلَّذِيْنَ
فرما دیجیے	کیا	ہم تمھیں خبر دیں	بہت زیادہ نقصان پانے والے	اعمال میں	وہ لوگ

ضَلَّ	سَعْيُهُمْ	فِي	الْحَيٰوةِ	الدُّنْيَا	وَهُمْ	يَحْسَبُوْنَ
ضائع ہوگئی	ان کی کوشش	میں	زندگی	دنیا	جبکہ وہ	گمان کرتے ہیں

اَنَّهُمْ	يُحْسِنُوْنَ	صُنْعًا ؀
کہ بے شک وہ	اچھے کررہے ہیں	کام

''اے نبی ان سے فرمادیں کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اعمال کے اعتبار سے نقصان پانے والے کون لوگ ہیں؟ (۱۰۳) یہ وہ ہیں جن کی دنیا کی زندگی میں ہی ساری محنت ضائع ہوگئی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ سب کچھ ٹھیک کررہے ہیں۔'' (۱۰۴)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرکین کے اعمال کی دنیا اور آخرت میں حیثیت۔

اللہ تعالیٰ کو مشرکین کے ساتھ اس قدر نفرت ہے کہ انھیں براہِ راست مخاطب کرنے کی بجائے رسول معظم ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ استفسار کرنے کی صورت میں انہیں بتلائیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اُس کے بندوں کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھنے والو! کیا میں تمھیں یہ نہ بتلاؤں کہ فکر وعمل کے اعتبار سے کون لوگ سب سے زیادہ نقصان پانے والے ہیں۔ ہاں یہ وہی لوگ ہیں جن کے دنیا اور آخرت میں تمام اعمال ضائع ہوئے حالانکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے نیکی کے کام کررہے ہیں۔

ایسے لوگوں کی بدقسمتی یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں جو ہمیں اچھی شہرت اور مال واسباب دیے گئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر راضی ہے۔ یہ وہ بات ہے جو کافر، مشرک، حرام خوار اور باغی انسان اپنی زبان سے اکثر کہتے ہیں کہ ہم پر اللہ کا بڑا ہی فضل وکرم ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ فراوانی اس لیے عنایت کی ہوتی ہے تاکہ یہ لوگ کھل کر بُرے اعمال کرسکیں۔ دنیا میں ان کے اعمال ضائع ہونے کا یہ بھی ایک مفہوم ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، مشرک کو ان کے اچھے اعمال کا قیامت کے دن کوئی صلہ نہیں ملے گا کیونکہ ان کا اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں تھا۔ جس طرح دنیا کی ہر چیز بالآخر فنا ہوجائے گی اسی طرح ہی ان کے اعمال اس دنیا میں ہی مٹ جائیں گے۔ یعنی ان کا نیکی کے حوالے سے ذکرِ خیر کرنے والا کوئی نہیں ہوگا یہی وجہ ہے کہ جن غیر مسلموں نے کارِ خیر کے جو کام کیے ان کا ذکر نیکی کے طور پر نہیں بلکہ محض یادگار کے طور پر کیا جاتا ہے۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو بظاہر نیکی کے کام کرتے ہیں لیکن ان کے اعمال سنت رسول ﷺ سے ثابت نہیں ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں بتلایا گیا ہے۔

﴿عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ o تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ﴾[الغاشیہ: ٣۔٤]

''سخت محنت کرنے والے تھکے ہوں گے۔لیکن دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔''

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ابْنُ جُدْعَانَ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَصِلُ الرَّحِمَ وَيُطْعِمُ الْمِسْكِينَ فَهَلْ ذَاكَ نَافِعُهُ قَالَ لَا يَنْفَعُهُ إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ))

[رواہ مسلم: کتاب الایمان]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ! ابن جدعان زمانہء جاہلیت میں صلہ رحمی کیا کرتا تھا اور مساکین کو کھانا کھلایا کرتا تھا کیا اس کو اس کے اعمال کا کوئی فائدہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں ، کیونکہ اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ اے میرے رب! قیامت کے دن میری خطائیں معاف کرنا۔'' گویا کہ وہ آخرت کا منکر تھا۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ))

[رواہ مسلم: باب نَقْضِ الْاَحْكَامِ الْبَاطِلَةِ وَرَدِّ مُحْدَثَاتِ الْاُمُورِ]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسولِ محترم ﷺ نے فرمایا جس نے ہمارے دین میں نئی بات ایجاد کی جو اس میں نہیں ہے وہ رد کردی جائے گی۔''

((عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْمًا وَلَا صَلَاةً وَلَا صَدَقَةً وَلَا حَجًّا وَلَا عُمْرَةً وَلَا جِهَادًا وَلَا صَرْفًا وَلَا عَدْلًا يَخْرُجُ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا تَخْرُجُ الشَّعْرَةُ مِنَ الْعَجِينِ))

[رواہ ابن ماجہ:باب اجْتِنَابِ الْبِدَعِ وَالْجَدَلِ]

''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ بدعتی کا روزہ ، نماز، حج، عمرہ، جہاد، اور کوئی چھوٹی بڑی نیکی قبول نہیں کرتا ایسا شخص اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔''

مسائل

١۔ بعض لوگوں کے دنیا اور آخرت میں اعمال ضائع کردیے جاتے ہیں۔

٢۔ جن کے دنیا اور آخرت میں اعمال ضائع ہوئے وہ بڑا ہی نقصان پائیں گے۔

٣۔ بدقسمت ہے وہ انسان جو برائی کو نیکی سمجھ کر کرتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	بِاٰيٰتِ	رَبِّهِمْ	وَلِقَآئِهٖ
یہی	لوگ	انکار کیا انہوں نے	آیات کا	اپنے رب	اور اس کی ملاقات
فَحَبِطَتْ	اَعْمَالُهُمْ	فَلَا	نُقِيْمُ	لَهُمْ	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
تو برباد ہو گئے	ان کے عمل	پس نہیں	ہم قائم کریں گے	ان کے لیے	دن قیامت
وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾	ذٰلِكَ	جَزَآؤُهُمْ	جَهَنَّمُ	بِمَا	كَفَرُوْا
کوئی وزن	یہ	ان کی سزا	جہنم	بوجہ اس کے	انہوں نے کفر کیا
وَاتَّخَذُوْٓا	اٰيٰتِيْ	وَرُسُلِيْ	هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾		
اور انہوں نے بنایا	میری آیات	اور میرے رسول	مذاق		

”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کو ماننے سے انکار کیا اور اس کے حضور پیش ہونے کا یقین نہ کیا۔ ان کے سارے اعمال ضائع ہو گئے قیامت کے دن ہم انہیں کوئی وزن نہ دیں گے۔ (۱۰۵) ان کی سزا جہنم ہے اس کفر کے بدلے جو انہوں نے کیا اور اس وجہ سے کہ وہ میری آیات اور میرے رسولوں کے ساتھ کیا کرتے رہے۔“ (۱۰٦)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ مشرکین کے ساتھ کفار کا انجام ذکر کیا جاتا ہے۔

اس آیت میں بظاہر کفار کا تذکرہ اور ان کی سزا کا بیان ہے لیکن اس کی ابتداء ”اُولٰٓئِكَ“ کے لفظ سے کی گئی ہے۔ جس کا معنٰی ”وہ“ یا ”یہی لوگ“ گویا کہ کفار کے ساتھ مشرکین کا ایک ایسا گروہ بھی ہے جو اپنے رب کی آیات کا انکار کرنے کے ساتھ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔ ان کے اعمال تو اس طرح ضائع ہوں گے کہ اُن کے لیے قیامت کے دن ترازو ہی نہیں رکھا جائے گا۔ یہ سزا اس لیے ہو گی کہ انھوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رسولوں کے ساتھ مذاق کیا تھا۔

حساب و کتاب کے حوالے سے تین قسم کے لوگ:

قرآن مجید سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قیامت کے دن حساب و کتاب کے حوالے سے لوگوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ان میں ایک خوش نصیب جماعت ایسی ہو گی جنھیں بغیر حساب کے جنت میں داخل کیا جائے گا۔ دوسرے وہ لوگ ہوں گے جن کے لیے ترازو ہی نہیں رکھا جائے گا انہیں یوں ہی جہنم داخل کر دیا جائے گا۔ تیسری قسم کے لوگوں سے ان کے اعمال کے مطابق ہلکا یا بھاری حساب لیا جائے گا۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَیْسَ اَحَدٌ یُحَاسَبُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلَّا ھَلَكَ قُلْتُ اَوَلَیْسَ یَقُوْلُ اللّٰهُ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا فَقَالَ اِنَّمَا ذٰلِكَ الْعَرْضُ وَلٰكِنْ مَّنْ نُوْقِشَ فِی الْحِسَابِ یَھْلِكُ))

[رواہ البخاری:باب مَنْ سَمِعَ شَيْئًا فَرَاجَعَ حَتّٰى يَعْرِفَهُ]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی گرامی ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جس سے حساب لے لیا گیا وہ ہلاک ہوا میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ ! کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں ''عنقریب اس کا آسان حساب ہوگا'' آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو معمولی پیشی ہے جس شخص سے باز پرس ہوئی وہ ہلاک ہوگیا۔''

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنِّی لَاَعْلَمُ اٰخِرَ اَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُوْلًا نِ الْجَنَّةَ وَاٰخِرَ اَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا مِّنْهَا رَجُلٌ يُؤْتٰى بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ اَعْرِضُوْا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوْبِهٖ وَارْفَعُوْا عَنْهُ كِبَارَهَا فَتُعْرَضُ عَلَيْهِ صِغَارُ ذُنُوْبِهٖ فَيُقَالُ عَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا» كَذَا وَكَذَا وَعَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا «كَذَا كَذَا وَكَذَا فَيَقُوْلُ نَعَمْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّنْكِرَ وَهُوَمُشْفِقٌ مِّنْ كِبَارِ ذُنُوْبِهٖ اَنْ تُعْرَضَ عَلَيْهِ فَيُقَالُ لَهٗ فَاِنَّ لَكَ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ حَسَنَةً فَيَقُوْلُ رَبِّ قَدْ عَمِلْتُ اَشْيَاءَ لَا اَرَاهَا هٰهُنَا وَلَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ۔))[رواہ مسلم:باب أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً فِيهَا]

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول مکرم ﷺ نے فرمایا: بلا شبہ میں جانتا ہوں کہ اہل جنت میں سے سب سے آخر میں جنت میں کون داخل ہوگا؟ اور اہل جہنم میں سے سب سے آخر میں جہنم میں سے کون نکالا جائے گا؟ وہ ایسا شخص ہوگا' جسے قیامت کے دن پیش کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اس کے سامنے اس کے صغیرہ گناہ پیش کرو اور اس کے کبیرہ گناہوں کو چھپائے رکھو چنانچہ اس کے سامنے صغیرہ گناہ پیش کئے جائیں گے اور اسے کہا جائیگا کہ تو نے فلاں دن' فلاں کام کیا؟ اور فلاں دن فلاں عمل کیا؟ وہ اقرار کرے گا' اس میں انکار کرنے کی جرأت نہ ہو گی البتہ وہ اپنے کبیرہ گناہوں سے خائف ہوگا کہ کہیں وہ اس کے سامنے نہ لائے جائیں تب اس سے کہا جائے گا' بیشک تیرے لیے ہر برائی کے بدلہ میں ایک نیکی ہے وہ عرض کرے گا' اے میرے پروردگار! میں نے بہت سے اور بھی گناہ کیے تھے جن کو میں یہاں نہیں دیکھ رہا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ یہ بیان کرتے ہوئے اتنا ہنسے یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں نظر آنے لگیں۔''

تفسیر بالقرآن

حساب وکتاب کے حوالے سے تین قسم کے لوگ:

۱۔ یقیناً صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کے اجر عطا کیا جائے گا۔ (الزمر:۱۰)

۲۔ مذکر ومؤنث میں سے جو بھی نیک اعمال کرے گا اسے جنت میں داخل کیا جائے گا اور اُسے بغیر حساب کے رزق عطا ہوگا۔ (المومن:۴۰)

۳۔ جس کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوگیا وہ کامیاب ہوا۔ (المومنون:۱۰۲)

۴۔ وہ لوگ جو اللہ کی آیات اور اس کی ملاقات کے منکر ہیں ہم ان کے لیے ترازو قائم نہیں کریں گے۔ (الکھف:۱۰۵)

۵۔ جس کا نیکیوں والا پلڑا ہلکا ہوا یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے اپنے آپ کو خسارے میں مبتلا کیا۔ (الاعراف:۹)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	كَانَتْ	لَهُمْ
بلاشبہ	لوگ	وہ ایمان لائے	اورانہوں نے عمل کیے	نیک	ہیں	ان کے لیے
جَنّٰتُ	الْفِرْدَوْسِ	نُزُلًا ﴿١٠٧﴾	خٰلِدِيْنَ	فِيْهَا	لَا	
باغات	فردوس	بطورِ مہمانی	وہ ہمیشہ رہیں گے	اس میں	نہیں	
يَبْغُوْنَ	عَنْهَا	حِوَلًا ﴿١٠٨﴾				
وہ چاہیں گے	اس سے	پھرنا				

”یقیناً جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے نیک عمل کیےان کی میزبانی کے لیےفردوس کے باغات ہوں گے۔(۱۰۷)جن میں وہ ہمیشہ رہیں گےاوراس سے نکلنے کی کبھی خواہش نہیں کریں گے۔“(۱۰۸)

فہم القرآن

ربط کلام: کفاراورمشرکین کےانجام کےذکر کےبعدایمانداراورصاحبِ کردارلوگوں کاتذکرہ۔

اللہ اس کے رسول ﷺ اور آخرت پرسچاایمان والےاورجنہوں نے نیک اعمال کیےان کی مہمان نوازی جنت الفردوس میں کی جائے گی۔جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گےاوران کوکبھی اُس سے نکالانہیں جائے گا۔نہ ہی وہ خودنکلیں گے۔جنت کی ایک جھلک اوراس کی چھوٹی سے چھوٹی نعمت”دنیاومافیھا“ سے کھرب ہادرجہ بہتر ہے۔

”جنت الفردوس“ جنت کاوہ اعلیٰ حصہ اورمقام ہےجس کےمقابلہ میں باقی جنت کی نعمتیں معمولی تصورہوں گی۔اس میں انبیاءکرام علیہم السلام،ان کےاصحاب،شہدآء،صدیقین،صلحآءاوروہ لوگ داخل ہوں گےجواللہ کی خوشنودی کی خاطرنیکی کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔رسول کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ لوگو!جب اپنے رب کےحضور جنت کی التجاءکروتوجنت الفردوس طلب کیاکرو۔

((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ جَاهَدَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوْجَلَسَ فِیْ أَرْضِهِ الَّتِیْ وُلِدَ فِيْهَا فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَفَلَا نُبَشِّرُ النَّاسَ قَالَ : إِنَّ فِی الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِيْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَابَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْأَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهٗ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ أُرَاهُ قَالَ وَ فَوْقَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ))[رواه البخاری : كتاب الجهاد والسير]

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:جواللہ ورسول پرایمان لایا،اس نے نماز قائم کی

اور رمضان کے روزے رکھے۔ اسے جنت میں داخل کرنا اللہ پر حق ہے اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو یا اپنے گھر بیٹھا رہا صحابہ نے عرض! کی اللہ کے رسول! تو کیا ہم لوگوں کو خوشخبری نہ دے دیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لیے جنت میں سو درجات بنائے ہیں ہر دو درجے کا درمیانی فاصلہ زمین و آسمان کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہے۔ جب تم اللہ سے جنت کا سوال کرو تو جنت الفردوس مانگا کرو کیونکہ یہ جنت کا وسط اور اعلیٰ جگہ ہے راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے اور وہاں سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔'' (روایت میں اختصار ہے ورنہ اسلام کے پانچ ارکان پر عمل کرنا فرض ہے)

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَالَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ وَّاقْرَءُ وْا اِنْ شِئْتُمْ **فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ**)) [رواہ البخاری: باب مَا جَاءَ فِی صِفَةِ الْجَنَّةِ وَأَنَّهَا مَخْلُوقَةٌ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں' میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں' جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی ان کے متعلق کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال آیا اگر تمہیں پسند ہو تو اس آیت کی تلاوت کرو'' کوئی نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چیز چھپا کے رکھی گئی ہے۔''

((عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَوْضِعُ سَوْطٍ فِی الْجَنَّةِ خَیْرٌ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیهَا)) [رواہ البخاری: باب مَا جَاءَ فِی صِفَةِ الْجَنَّةِ وَأَنَّهَا مَخْلُوقَةٌ]

حضرت سہل بن ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے ارشاد فرمایا جنت میں ایک کوڑے کے برابر (گز بھر) جگہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے' سب سے بہتر ہے۔

تفسیر بالقرآن

جنت اور اس کی نعمتوں کی ایک جھلک:

۱۔ ایمان والوں اور عمل صالح کرنے والوں کے لیے جنت الفردوس ہے۔ (الکھف: ۱۰۷)

۲۔ تمھارے لیے جنت میں وہ کچھ ہوگا جو تم چاہو گے۔ (حٰم السجدۃ: ۳۱)

۳۔ یقیناً متقین سایوں اور چشموں اور پسندیدہ میوہ جات میں رہیں گے۔ (المرسلات: ۴۱۔۴۲)

۴۔ اللہ کے مخلص بندے نعمتوں والی جنت میں ہوں گے ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہونگے۔ (الصّٰفّٰت: ۴۳۔۴۴)

۵۔ پرہیز گاروں کے لیے عمدہ مقام ہے۔ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے اور ان میں تکیے لگا کر بیٹھے ہوں گے۔ (ص: ۴۹ تا ۵۰)

قُلْ	لَّوْ كَانَ	الْبَحْرُ	مِدَادًا	لِّكَلِمٰتِ	رَبِّيْ	لَنَفِدَ
فرمادیجیے	اگر ہوجائے	سمندر	سیاہی	کلمات	میرا رب	یقیناً ختم ہوجائے
الْبَحْرُ	قَبْلَ	اَنْ	تَنْفَدَ	كَلِمٰتُ	رَبِّيْ	وَلَوْ
سمندر	پہلے	کہ	ختم ہوں	کلمات	میرا رب	اگرچہ
	جِئْنَا	بِمِثْلِهٖ	مَدَدًا۝۱۰۹			
	ہم لے آئیں	اس کی مثل	بطورِ مدد			

''اے نبی فرمادیں کہ اگر سمندر میرے رب کی تعریفات لکھنے کے لیے سیاہی بن جائے وہ ختم ہوجائے مگر میرے رب کی تعریفات ختم نہ ہوں بلکہ اگر اتنی ہی روشنائی ہم اور لے آئیں تو وہ بھی کافی نہیں ہوگی۔'' (۱۰۹)

فہم القرآن

ربط کلام : جس طرح جنت کی نعمتوں کا تصور اور اس کا شمار کرنا محال ہے اسی طرح ہی دنیا میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں، نعمتوں اور اس کی تعریفات کا شمار کرنا ناممکنات میں سے ہے۔

سورۃ ابراہیم آیت ۳۴ میں ارشاد ہے کہ اے لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ ظاہر بات ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احاطہ نہیں کر سکتا تو اس کی حمد و ثناء اور تعریفات کا شمار اور حق کس طرح ادا کر سکتا ہے۔

اس لیے نبی کریم ﷺ کو ارشاد ہوا کہ آپ مومنوں کے ساتھ بالخصوص کفار کو فرمائیں کہ تم اپنے رب کی ذات، صفات اور اس کی تعریفات کر و یا نہ کرو۔ وہ ایسی ہستی ہے کہ جس کی قدرتوں، نعمتوں اور تعریفات کو احاطہ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔

﴿وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ [لقمان:۲۷]

''اور اگر زمین کے درخت قلمیں اور سمندر سیاہی بن جائیں اور اس کے بعد سات سمندر اور بھی ہوں تو اللہ کی تعریفات ختم نہیں ہو سکتی بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔''

اسی حقیقت کے پیش نظر رسول اکرم ﷺ اپنے رب کی تعریف اس طرح کیا کرتے تھے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ؓ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ حَدَّثَهُمْ أَنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ قَالَ يَا رَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَلِعَظِيمِ سُلْطَانِكَ فَعَضَّلَتْ بِالْمَلَكَيْنِ فَلَمْ يَدْرِيَا كَيْفَ يَكْتُبَانِهَا فَصَعِدَا إِلَى السَّمَاءِ وَقَالَا يَا رَبَّنَا إِنَّ عَبْدَكَ قَدْ قَالَ مَقَالَةً لَا نَدْرِي كَيْفَ [illegible] قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ

وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا قَالَ عَبْدُهُ مَاذَا قَالَ عَبْدِي قَالَا يَا رَبِّ إِنَّهُ قَالَ يَا رَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَعَظِيمِ سُلْطَانِكَ فَقَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُمَا اكْتُبَاهَا كَمَا قَالَ عَبْدِي حَتَّى يَلْقَانِي فَأَجْزِيَهُ بِهَا)) [رواه ابن ماجة:باب فَضْلِ الْحَامِدِينَ]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتلایا کہ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے نے یہ کلمات کہے اے میرے پروردگار تیرے لیے تعریف ہے ایسی تعریف جیسی تیرے پرجلال چہرے کے لیے زیبا اور تیری عظیم سلطنت کے لائق ہو، پس دوفرشتوں نے اُن کلمات کا اجر لکھنے میں تنگی محسوس کی کہ وہ کیسے لکھیں؟ تو وہ دونوں آسماں کی طرف گئے اور اللہ کے سامنے عرض کی اے ہمارے پروردگار تیرے بندے نے ایسے کلمات کہے ہیں کہ جن کا اجر لکھنا ہم نہیں جانتے۔ اللہ عزوجل نے اُن سے پوچھا میرے بندے نے کیا کہا حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس نے کیا کہا فرشتے کہتے ہیں کہ اُس نے یہ کلمات کہے ہیں (يَا رَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَعَظِيمِ سُلْطَانِكَ) اللہ عزوجل نے فرمایا تم یہی کلمات لکھ دو جو کلمات میرے بندے نے ادا کیے ہیں یہاں تک کہ وہ مجھے آ ملے تو پھر میں اُسے اِن کلمات کا صلہ عطا کروں گا۔ ''

((عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ قَالَ (اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأُ السَّمٰوٰتِ وَمِلْأُ الْاَرْضِ وَمِلْأُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ اَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّمِنْكَ الْجَدُّ))

[رواه مسلم:باب اعْتِدَالِ أَرْكَانِ الصَّلَاةِ وَتَخْفِيفِهَا فِي تَمَامٍ]

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے رکوع کے متعلق ذکر کرتے ہیں کہ آپ رکوع میں یہ دعا بھی پڑھا کرتے تھے اے اللہ تیری حمد وستائش اس قدر ہے جس طرح زمین وآسمان اور ہر چیز کو تو نے بھرپور وجود بخشا ہے۔ تو ہی تعریف وتوصیف اور عظمت کے لائق ہے۔ تو اپنے بندے کی تعریف کا زیادہ حقدار ہے ہم سب تیرے ہی بندے ہیں۔ الٰہی جو چیز تو روک لے وہ کوئی نہیں دے سکتا اور جس کو تو عطا کرنا چاہے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ کسی کا حسب ونسب اور مال ومتاع تیرے حکم کے بغیر فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَيْلَةً مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِي عَلَى بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوبَتَانِ وَهُوَ يَقُولُ اللَّهُمَّ أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ)) [رواه مسلم: باب مَا يُقَالُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں میں نے رسول محترم ﷺ کو ایک رات ان کے بستر سے الگ پایا۔ میں نے

اپنے ہاتھوں سے آپ کو ٹٹولا میرے ہاتھ آپ کے دونوں قدموں کے درمیان آپ ﷺ کے پاؤں کو لگے آپ کے دونوں پاؤں مصلّے پر کھڑے تھے اور آپ دعا کر رہے تھے۔ ''اے اللہ! میں تیری ناراضگی کی بجائے تیری رضا کا طلب گار ہوں۔'' سزا کی بجائے معافی کا خواست گار ہوں اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ مجھ میں تیری شایان شان تعریف کرنے کی طاقت وصلاحیت نہیں۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ ، خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ ، سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ)) [رواه البخاري:باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى (**وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ**)]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بڑے محبوب ہیں، نہایت آسانی سے ادا ہو جاتے ہیں اور ترازو میں بہت وزنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی حمد اور عظمت کے ساتھ پاک ہے۔''

تفسیر بالقرآن

زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور اس کے ہاں سربسجود رہتی ہے:

١۔ زمین وآسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتی ہے۔ (الصّٰفّٰت:١)

٢۔ زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ کو سجدہ کرتی ہے۔ (الرعد:١٥)

٣۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا اللہ کی مخلوق میں سے ہر چیز اسے سجدہ کرتی ہے اور وہ عاجزی کرتے ہیں اللہ کو زمین وآسمان کی ہر چیز چوپائے اور فرشتے سجدہ کرتے ہیں۔ (النحل:٤٨۔٤٩)

٤۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ کہ زمین وآسمان کی ہر چیز، چاند، سورج اور ستارے، پہاڑ، درخت اور چوپائے اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ (الحج:١٨)

٥۔ ستارے اور درخت اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ (الرحمٰن:٦)

٦۔ ہر چیز کا سایہ بھی اللہ کو سجدہ کرتا ہے۔ (النحل:٤٥)

٧۔ اے ایمان والو! رکوع وسجدہ کرو اپنے رب کی عبادت کرو اور نیکی کے کام کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (الحج:٧٧)

قُلْ	اِنَّمَآ	اَنَا	بَشَرٌ	مِّثْلُكُمْ	يُوْحٰٓى	اِلَيَّ
فرما دیجیے!	صرف	میں	بشر	تمہاری طرح	وحی کی جاتی ہے	میری طرف

اَنَّمَآ	اِلٰهُكُمْ	اِلٰهٌ	وَّاحِدٌ ج	فَمَنْ	كَانَ	يَرْجُوْا
صرف	تمہارا معبود	معبود	ایک ہی	جو شخص	وہ تھا	وہ امید کرتا

لِقَآءَ	رَبِّهٖ	فَلْيَعْمَلْ	عَمَلًا	صَالِحًا	وَّلَا	يُشْرِكْ
ملاقات	اپنے رب	تو چاہیے کہ وہ عمل کرے	عمل	صالح	اور نہ	وہ شریک ٹھہرائے

بِعِبَادَةِ	رَبِّهٖٓ	اَحَدًا ع ﴿۱۱۰﴾	
عبادت میں	اپنے رب	کسی	

ع ۱۲ ۹ ۳

''اے نبی فرمادیں میں تو تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہے۔ اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور عبادت میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔'' (۱۱۰)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار اس لیے بھی رسول اکرم ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے تھے کہ یہ تو انسانوں میں سے ایک انسان ہے۔ وضاحت کے لیے آپ ﷺ کی زبانِ اطہر سے ہی انھیں سمجھایا اور بتلایا گیا ہے کہ میں نسلِ انسانی کے اعتبار سے تمہارے جیسا چلنے پھرنے، کھانے، پینے اور اُٹھنے، بیٹھنے والا انسان ہوں۔

رسول کریم ﷺ سے کفار مختلف قسم کے مطالبات کرتے رہتے تھے کبھی کہتے کہ ہمارے لیے چشمے جاری کیے جائیں۔ کبھی کہتے آپ کے لیے سونے کا گھر ہونا چاہیے۔ اس طرح اوٹ پٹانگ مطالبات کرتے رہتے تھے۔ جس کے جواب میں آپ کو حکم ہوا کہ آپ انھیں فرمائیں کہ میں بھی گوشت پوست کا بنا ہوا تمھارے جیسا انسان ہوں۔ انسان ہونے کے حوالے سے جو تمھاری ضروریات اور حاجات ہیں میں ان سے مبّرا نہیں ہوں۔ البتہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغام کے لیے منتخب فرمایا ہے میں اس کا رسول اور بندہ ہوں۔ خدا کی خدائی میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور اختیارات میں خود مختار ہے وہ کسی کے تعاون کا محتاج نہیں ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق اور حاجت روا مشکل کشا نہیں۔ جو شخص اپنے رب کی ملاقات پر یقین اور اس کی امید رکھتا ہے۔ اسے چاہیے کہ صالح اعمال کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو کسی حوالے سے بھی شریک سمجھے اور نہ بنائے۔ قرآن مجید کے دوسرے مقامات پر بھی آپ ﷺ اور انبیاء ﷩ کے بارے میں واضح کیا گیا کہ تمام انبیاء کرام انسان تھے۔ لیکن یہاں تو (قُلْ) کے لفظ کے ساتھ آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ فرمائیں کہ میں بشر ہونے کے ناطے سے تمھارے جیسا انسان ہوں۔ لیکن ستیاناس ہو فرقہ واریت کا کہ جس میں انسان اس قدر اندھا ہو

جاتا ہے کہ اسے کوئی دلیل اور حقیقت اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی۔ غور فرمائیں کہ کہاں قرآن مجید اور نبی ﷺ کے فرامین اور کہاں ایک مفسر کی دیدہ دلیری۔

جاننا چاہیے کہ پیدائش محمدی تمام افرادانسان کی پیدائش کی طرح نہیں بلکہ افرادِ عالم میں سے کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی، کیونکہ آنحضرت ﷺ باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ''خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ '' کشف صریح سے معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش اس امکان سے پیدا ہوئی ہے جو صفاتِ اضافیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور نہ کہ اس امکان سے جو تمام ممکناتِ عالم میں ثابت ہے۔ ممکنات عالم کے صحیفہ کو خواہ کتنا ہی باریک نظر سے مطالعہ کیا جائے لیکن آنحضرت کا وجود مشہود نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کی خلقت وامکان کا منشاء عالم ممکنات میں ہے ہی نہیں، کیونکہ اس عالم سے برتر ہے یہی وجہ ہے کہ ان کا سایہ نہ تھا نیز عالمِ شہادت میں ہر ایک شخص کا سایہ اس کے وجود کی نسبت زیادہ لطیف ہوتا ہے اور جب جہاں میں ان سے لطیف کوئی نہیں تو پھر ان کا سایہ کیسے متصور ہوسکتا ہے۔'' (ضیاء القرآن: جلد۳، صفحہ۵۹)

نبی اکرم ﷺ کا بار، بار اقرار کہ میں بشر ہوں:

''سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے نماز پڑھائی تو نماز میں کچھ کمی بیشی ہوگئی جب سلام پھیرا تو لوگوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ نماز کے متعلق کوئی نیا حکم آیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا 'کیا بات ہے لوگوں نے کہا آپ نے اتنی رکعت پڑھی ہیں یہ سن کر آپ الٹے پاؤں پھرے قبلہ کی طرف چہرہ کیا (سہو کے) دوسجدے کیے پھر سلام پھیرا پھر ہماری طرف چہرہ کر کے فرمایا: اگر نماز کے بارے میں کوئی نیا حکم آتا تو میں ضرور تمہیں بتادیتا لیکن بات یہ ہے کہ میں بھی تمہاری طرح آدمی ہوں جیسے تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں۔ جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاددلا دیا کرو اور جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک پڑ جائے تو ظن غالب کے مطابق اپنی نماز پوری کرے پھر سلام پھیرے اور سہو کے دوسجدے کرلے۔'' [رواه البخاري ، كتاب الصلوٰة : باب التوجه نحو القبلة]

((عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُوْنَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ وَأَقْضِي لَهُ عَلٰى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيْهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ)) [رواه البخاري: كتاب الحيل ، باب إذا غصب جارية فزعم أنها ماتت]

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: تم میرے پاس اپنے فیصلے لے کر آتے ہو میں ایک بشر ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ تم میں کوئی دوسرے سے دلائل پیش کرنے میں زیادہ مہارت رکھتا ہو۔ میں تو اسی بنیاد پر فیصلہ کرتا ہوں جو بات سنتا ہوں۔ میں جس کے لیے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کردوں۔ تو وہ اسے نہ لے کیونکہ میں اسے آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوتا ہوں۔''

''سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اس وقت لوگ کھجور کی پیوند کاری کرتے تھے آپ نے فرمایا: یہ کیا کرتے ہو؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا ہم ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم یہ کام نہ کرو تو شاید بہتر ہو۔ لوگوں نے پیوند کاری کرنا چھوڑ دی تو کھجوریں پھل کم لائی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تو آپ نے فرمایا: میں بھی ایک بشر ہی ہوں جب میں تمہیں تمہارے دین کی کسی بات کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو اور جب میں کوئی بات اپنی رائے سے کہوں تو میں بھی آخر آدمی ہوں۔[مسلم، کتاب الفضائل باب وجوب امتثال]

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ مَّاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ وَقُلْتُ أَنَا مَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ)) [رواه البخاري:كتاب الجنائز، باب ماجاء في الجنائز]

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا وہ جہنم میں جائے گا۔ میں یہ بھی کہتا ہوں جس شخص نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا اور اسی حال میں فوت ہوا وہ جنت میں جائے گا۔''

تفسیر بالقرآن

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام انسان تھے وہ بشر ہونے کا اقرار کرتے تھے:

۱۔ نوح کی قوم نے کہا کہ ہم تجھے اپنا جیسا بشر تصور کرتے ہیں۔(ھود:۲۷)

۲۔ اگر تم اپنے جیسے بشر کی اطاعت کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔(المومنون:۳۴)

۳۔ کیا ہم اپنے میں سے ایک بشر کی اطاعت کریں یقیناً یہ تو بڑی گمراہ کن بات ہوگی۔(القمر:۲۴)

۴۔ کفار نے کہا تو تو ہمارے جیسا بشر ہے اور ہم تجھے جھوٹا تصور کرتے ہیں۔(الشعراء:۱۸۶)

۵۔ کفار نے کہا نہیں ہے یہ مگر تمھارے جیسا بشر جو کچھ تم کھاتے ہو وہی کھاتا ہے۔(المومنون:۳۳)

۶۔ کسی بشر کے لیے لائق نہیں کہ اللہ اسے کتاب وحکمت اور نبوت دے تو وہ لوگوں کو کہتا پھرے کہ میری عبادت کرنے والے بن جاؤ۔(آل عمران:۷۹)

۷۔ تمام انبیاء نے فرمایا کہ اے لوگو! ہم تمہاری طرح کے بشر ہیں۔(ابراہیم:۱۱)

غور فرمائیں!

کفار کہتے تھے کہ بشر نبی نہیں ہوسکتا اور کلمہ پڑھنے والے کچھ حضرات کہتے ہیں کہ نبی بشر نہیں ہوسکتا۔

سورة مریم کا تعارف

ربط سورۃ: الکھف کا اختتام اس بات پر ہوا کہ نبی ﷺ آپ لوگوں کو فرما دیں کہ میں تمہارے جیسا بشر ہوں۔ لیکن ''اللہ'' نے مجھے اپنا رسول منتخب فرمایا ہے تا کہ اس کی الوہیّت کا پرچار کروں یہی بات سورہ مریم کے آغاز بیان ہوئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ایک بشر اور نبی تھے۔ اور اپنے رب کی توحید اور اس کی عبادت کی طرف بلانے والے تھے۔

سورۃ مریم کا نام اسی سورۃ کی آیت ۱۶ سے لیا گیا ہے یہ سورۃ ہجرت حبشہ سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ سورۃ مریم 6 رکوع اور 98 آیات پر مشتمل ہے۔ اہل مکہ نے مسلمانوں پر اس قدر مظالم ڈھائے کہ مسلمانوں کا مکہ میں رہنا ناممکن ہو گیا۔ اس صورتِ حال میں اللہ کے پیغمبر نے اپنے ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ تم کچھ مدت کے لیے حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ کیونکہ وہاں کا بادشاہ نہایت ہی منصف مزاج اور شفیق انسان ہے۔ حالات بہتر ہوں گے تو واپس آ جانا آپ ﷺ کے مشورہ کے مطابق پہلی مرتبہ گیارہ صحابہ اور چار صحابیات نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ کچھ دنوں کے بعد ہجرت کرنے والوں کو یہ خبر پہنچی کہ مکہ کے حالات نسبتاً بہتر ہو گئے ہیں۔ جب یہ لوگ مکہ واپس آئے تو انہیں معلوم ہوا کہ حالات پہلے سے زیادہ نازک صورت اختیار کر چکے ہیں۔ ہو سکتا ہے مکہ والوں کو مہاجرین کی واپسی پر یہ یقین ہو گیا ہو کہ ان لوگوں کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں۔ اس لیے انہوں نے اپنے مظالم میں کئی گنا اضافہ کر دیا۔ اس صورتِ حال میں نبی کریم ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا اس وقت ۸۳ مرد اور گیارہ خواتین نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

اہل تحقیق کے نزدیک مہاجرین کے بعد نبی ﷺ کے ساتھ مکہ میں صرف چالیس مسلمان باقی رہ گئے۔ تاہم مکہ کے بڑے بڑے گھرانوں میں کوئی ایسا گھر نہیں تھا جس کے کسی عزیز نے ہجرت نہ کی ہو، اس وجہ سے اس ہجرت کے مکہ پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ مکہ کے سردار دل ہی دل میں اس کرب کو محسوس کرنے لگے۔ یہاں تک کہ عمر بن خطاب کی ایک قریبی رشتہ دار لیلہ رضی اللہ عنہا بنت حشمہ ہجرت کی تیاری کر رہی تھیں کہ اس دوران عمر بن خطاب ان کے گھر آئے دیکھا کہ لیلہ بنت حشمہ ہجرت کی تیاری کر رہی ہیں پوچھا کدھر کی تیاری ہے؟ بہن نے رقت آمیز لہجہ میں جواب دیا بھائی جب تم نے ہمارا جینا حرام کر دیا ہے تو ہم نے یہاں رہ کر کیا کرنا ہے۔ عمر بن خطاب اپنی عزیزہ کی بات سن کر خاموش ہو گئے مگر ان کے چہرے سے نمایاں طور پر دکھائی دے رہا تھا کہ وہ اندر سے ہل چکے ہیں۔ اس اضطراب کے باوجود مکہ والوں کے رویّے میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ جس بنا پر انہوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ ابوجہل کے سوتیلے بھائی اور عمر بن عاص پر مشتمل ایک وفد تیار کیا اور انہیں قیمتی تحائف دیئے تا کہ حبشہ کے حکمران کی خدمت میں پیش کریں اور اس سے مسلمانوں کی واپسی کا مطالبہ کریں۔ مکی وفد حبشہ کے حکمران کی خدمت میں پہنچ کر پُر زور مطالبہ کرتا ہے کہ مہاجرین کو ان کے حوالے کیا جائے۔ کیونکہ یہ اپنے دین سے منحرف ہو چکے ہیں۔ مکہ والوں کا مؤقف سن کر نجاشی نے مہاجرین کو بُلا کر پوچھا کہ اس مسئلہ میں تمہارا مؤقف کیا ہے؟ مہاجرین نے کہا کہ اے بادشاہ! اللہ نے ہم ہی سے ایک شخص کو اپنا رسول منتخب فرمایا ہے جس نے ہمیں سچے دین کی دعوت دی اور ہم اس پر ایمان لے

آئے جس وجہ سے یہ لوگ ہم پر ظلم ڈھا رہے ہیں۔ یہ بات سن کر نجاشی نے اہل مکہ کا مؤقف مسترد کر دیا اور اپنے اہل کاروں کو حکم دیا کہ ہمارے ملک میں مہاجرین مہمان ہیں انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچنا چاہیے۔ مکہ کا وفد مایوس ہو کر اپنی قیام گاہ میں واپس لوٹا، اور ساری رات پیچ و تاب کھاتے رہے۔ بالآخر انہوں نے اگلے دن نجاشی سے ملاقات کی اور اسے کہا کہ یہ لوگ مریم علیہا السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کرتے ہیں، اس پر نجاشی نے مسلمانوں کی طرف دوبارہ قاصد بھیجا کہ وہ حاضر ہو جائیں۔ مسلمان نجاشی کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے حضرت مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کے بارے میں مسلمانوں سے استفسار کیا کہ تمہارا ان ہستیوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ مسلمانوں نے باہم مشورہ کر کے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو اپنا نمائندہ مقرر کیا۔ اور ان سے کہا کہ ہمیں ہر حال میں سچ بات کہنا ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ طیار نے اپنے ساتھیوں کی نمائندگی کرتے ہوئے سورۃ مریم کی ان آیات کی تلاوت کی جس میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ حضرت مریم کے ہاں کس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارے میں اپنے بارے میں کیا گفتگو فرمائی۔ نجاشی نے ان آیات کی تلاوت سنی تو اس نے زمین سے ایک تنکا اُٹھا کر کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ سو فیصد ٹھیک ہے ان کی شان میں ایک تنکا کے برابر بھی کمی، بیشی نہیں کی گئی۔ اس طرح مسلمان سرخرو ہوئے اور مکہ کا وفد ناکام اور نامراد ٹھہرا۔ اس سورہ مبارکہ میں حضرت مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کے ذکر کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خطاب کے بارے میں تفصیلات دی گئی ہیں، جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کے سامنے توحید کے واضح دلائل اور اس کا کھلے الفاظ میں ابلاغ کرتے ہیں۔ مگر باپ کے ادب میں فرق نہیں آنے دیتے۔ جس میں یہ بتلایا گیا ہے توحید کی سچائی اور غیرت اپنی جگہ لیکن اہلِ توحید کو ادب کا دامن کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مختصر تذکرہ ہے ان کے بیان کے بعد اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اور ان کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے کہ وہ وعدے کے سچے رسول اور نبی تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا وعدہ کے بارے میں سچا ہونے کی صفت شائد اس لیے ذکر کی گئی ہے کہ انہوں نے بارہ تیرا سال کی عمر اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام سے عرض کی تھی کہ والد محترم آپ نے خواب میں مجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھا ہے تو مجھے ذبح کر دیجیے آپ مجھے حوصلہ کرنے والا پائیں گے یعنی مجھے اس عہد پر پکا پائیں گے۔ حضرت اسماعیل نے انتہائی چھوٹی عمر میں باپ سے کیے ہوئے وعدے کو کمال درجے میں پورا کیا۔ جس وجہ سے ان کی اس صفت کا بالخصوص ذکر ہوا ہے۔ اس کے بعد بُرے لوگوں کا انجام اور متقین کے انعام کا بیان ہوا ہے۔ سورۃ کا اختتام اس بات پر ہوا کسی کو اللہ تعالیٰ کی اولاد ٹھہرانا اتنا بڑا جرم ہے کہ قریب ہے آسمان پھٹ جائے، زمین شک ہو جائے، اور پہاڑ گر پڑیں۔ ان لوگوں کی حماقت کی انتہا ہے کہ یہ نہیں سوچتے اللہ کے ہاں اولاد کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس کی تو کوئی بیوی نہیں وہ ہر قسم کی حاجت سے مبّرا ہے۔ اولاد کی ضرورت اسے ہوتی ہے جسے اپنا نسب جاری رکھنے کی خواہش یا کسی قسم کی معاونت کی ضرورت ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر ضرورت سے بے نیاز ہے کیونکہ زمین و آسمانوں کی ہر چیز اس کی ملکیت اور اس کے تابع فرمان ہے۔

سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعَاتُهَا: ٦ — اٰيَاتُهَا: ٩٨

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿١﴾	ذِكْرُ	رَحْمَتِ	رَبِّكَ	عَبْدَهٗ	زَكَرِيَّا ﴿٢﴾
کھیعص۔	ذکر	رحمت	آپ کا رب	اپنے بندے	زکریا

''کھیعص (۱) اس رحمت کا ذکر ہے جو آپ کے رب نے اپنے بندے زکریا پر فرمائی۔'' (۲)

فہم القرآن

ربط کلام: سورۃ مریم بھی حروف مقطعات سے شروع ہوئی ہے۔ ان کے بارے میں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حروفِ مقطعات کا حقیقی معنٰی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جن لوگوں نے بزرگوں کے اقوال سے ان کا معنٰی متعین کرنے کی کوشش کی ہے اسے فکری کاوش کے سوا کوئی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔ حقیقت یہی ہے کہ اس کا معنٰی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

مکہ معظمہ میں مسلمانوں کے حالات اس قدر مخدوش ہو چکے تھے کہ دُور دُور تک روشنی کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی تھی جس سے یہ واضح ہو کہ اللہ کی توحید کا غلبہ اور اسلام کی تحریک کامیاب ہو سکے گی۔ ان حالات میں سورۃ مریم نازل ہوئی جس کی ابتداء اس بات سے کی جارہی ہے کہ اے نبی ﷺ! ہم آپ کے سامنے زکریا کا واقعہ ذکر کرتے ہیں جو میرا بندہ تھا۔ آپ کے رب نے اُس وقت اُس پر اپنی رحمت اور شفقت کا نزول فرمایا جب وہ اپنی عمر کے اعتبار سے اولاد کے قابل نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے بڑھاپے میں بیٹا عنایت فرمایا۔ آپ بھی میرے بندے اور رسول ہیں۔ اس لیے آپ کو اسباب کے فقدان اور ظاہری حالات سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ اسباب آپ کے رب کے محتاج اور حالات اُس کے حکم کے تابع ہیں۔ عنقریب وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ توحید کے منکروں، اسلام کے مخالفوں اور آپ کے دشمنوں کو ناکام اور آپ کو دنیا اور آخرت کی کامیابیوں سے سرفراز فرمائے گا۔

سیدنا زکریا علیہ السلام

قرآن حکیم حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر خیر چار سورتوں میں سات مرتبہ آیا ہے جن کے حوالے درج ذیل ہیں:

سورۂ آل عمران: ۳۷تا۴۱ الانعام: ۸۵ مریم: ۲تا۱۱ الانبیاء: ۸۹۔۹۰

حضرت زکریا علیہ السلام کا پیشہ:

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ کَانَ زَکَرِیَّا نَجَّارًا)) [رواہ المسلم: کتاب الانبیاء]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا زکریا علیہ السلام نجاری کا پیشہ کرتے تھے۔''

مسائل

۱۔ حروفِ مقطعات کا معنٰی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۲۔ حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد گرامی اور اپنے وقت کے عظیم نبی تھے۔

اِذْ	نَادٰى	رَبَّهٗ	نِدَآءً	خَفِيًّا ۝٣	قَالَ	رَبِّ
جب	اس نے پکارا	اپنے رب	پکارنا	آہستہ	اس نے کہا	میرے رب!
اِنِّیْ	وَهَنَ	الْعَظْمُ	مِنِّیْ	وَاشْتَعَلَ	الرَّاْسُ
بلاشبہ میں	کمزور ہوگئی	ہڈیاں	میری	اور بھڑک اُٹھا	میرا سر
شَيْبًا	وَّلَمْ	اَكُنْۢ	بِدُعَآئِكَ	رَبِّ	شَقِيًّا ۝٤
بڑھاپا	اور نہیں	میں ہوا	تجھے پکار کر	میرے رب!	محروم

”جب اس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا۔ (٣) اس نے عرض کی اے میرے پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور بڑھاپے سے میرا سر چمک اُٹھا ہے۔ اے پروردگار میں تجھ سے دعا مانگ کر کبھی نامراد نہیں ہوا۔“ (٤)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت زکریا علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے جو خاص الخاص رحمت فرمائی اُس کا ذکر۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر مبارک 120 سال کے قریب ہو چکی تھی اور ان کی زوجہ مکرمہ 98 سال کے قریب اور جسمانی طور پر اولاد جنم دینے کے قابل نہ تھیں یعنی وہ کلیتاً بانجھ تھیں۔ ان حالات کے باوجود حضرت زکریا علیہ السلام ”اللہ“ کی رحمت سے مایوس نہیں تھے۔ یہی انبیاء علیہم السلام اور نیک لوگوں کا شیوہ ہے کہ حالات جیسے بھی ہوں وہ اپنے رب کی رحمت سے مایوس نہیں ہوا کرتے۔ اس لیے حضرت زکریا علیہ السلام پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ اپنے رب کے حضور دعائیں کیے جا رہے تھے۔ سورۃ آل عمران آیت ٣٧ تا ٣٩ میں ذکر ہے کہ ایک دن ان کے سامنے عجب واقعہ پیش آیا۔ جب وہ مسجد اقصیٰ کے ایک حجرہ میں اپنی اہلیہ کی بھانجی حضرت مریم جو زکریا علیہ السلام کی زیر کفالت تھیں۔ ان کے پاس تشریف لائے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ معصوم بچی کے پاس ایسے پھل موجود ہیں جن کا موسم نہیں تھا۔ فرمانے لگے۔ مریم! یہ پھل کہاں سے آئے؟ حضرت مریم علیہا السلام نے عرض کیا خالو! یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے یہ سنتے ہی زکریا علیہ السلام کے دل پر چوٹ لگی جس سے دل کے زخم تازہ ہوئے جذبات کا طلاطم بہہ نکلا اور اُسی وقت دبی زبان میں اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے لگے الٰہی میں بوڑھا ہوں میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں میرے بال سفیدی سے چمک رہے ہیں، میری بیوی بانجھ ہے اس کے باوجود میں تیری رحمت سے مایوس نہیں ہوا۔ الٰہی مجھے اپنی طرف سے ایک وارث عطا فرما جو میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہو۔ میرے رب! بیٹا نیک سیرت اور تیرا پسندیدہ ہونا چاہیے۔ میرے رب! مجھے اپنی جناب سے صالح اولاد عنایت فرما اور تو ہی دعاؤں کو سننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت فرشتے کے ذریعے خوشخبری دی کہ تجھے بیٹا عنایت کیا جاتا ہے۔ جس کا نام یحییٰ ہوگا جو سردار، پاکباز اور نبی ہوگا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے تعجب سے پوچھا یہ بات کس طرح پوری ہوگی؟ فرشتے نے جواب دیا میں صرف اسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ حالات کچھ بھی ہوں تمہارے ہاں ضرور بیٹا ہوگا۔ کیونکہ اللہ کا فیصلہ ہے اس کا فرمان ہے کہ میرے لیے یہ بہت آسان ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی

پروردگار کوئی نشانی عطا فرما جس سے بشارت کے ظہور کا علم ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم تین دن تک بات نہ کر سکو صرف اشاروں سے ہی اپنا مطلب ادا کر پاؤ گے۔ اس لیے ان ایام میں اللہ کی تسبیح و تقدیس میں زیادہ مشغول رہنا۔ زکریا علیہ السلام کا انداز اور عاجزی اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند آئی کہ ہمیشہ ہمیش کے لیے اس کا تذکرہ قرآن مجید میں محفوظ کر دیا گیا۔

دعا کرنے کے آداب:

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۝﴾ [الاعراف:٥٥]

''اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارو۔''

﴿وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [الاعراف:٥٦]

''اللہ کو خوف اور امید سے پکارو یقیناً اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہوتی ہے۔''

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ [الزمر: ٥٣]

''اے پیغمبر ﷺ میرے بندوں سے فرما دیجیے جو گناہ کر بیٹھے ہیں اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا یقیناً اللہ تعالیٰ ہی سب گناہوں کو بخشتا ہے اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

دعا کے آداب میں شکر و حمد، درود اور توبہ استغفار کے ساتھ فقیر کی شان اور اللہ تعالی کی جلالت و منزلت کا تقاضا ہے کہ رب کریم سے مانگتے وقت غایت درجے کی انکساری درماندگی کا اظہار کرتے ہوئے اسکے سامنے دست سوال دراز کرنا چاہیے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ دعا مانگنے والا اس بے بسی اور بے چارگی کا اظہار کرے جس طرح مردہ غسّال کے ہاتھ میں ہو۔

((رُوْحُ الدُّعَاءِ اَنْ يَّرٰى كُلَّ حَوْلٍ وَقُوَّةٍ مِنَ اللّٰهِ وَيَصِيْرُ كَا لْمَيِّتِ فِيْ يَدِ الْغُسَّالِ)) [حجۃ اللّٰہ]

''دعا کی روح یہ ہے کہ دعا کرنے والا ہر قسم کی طاقت و قوت کا سرچشمہ اللہ تعالی کی ذات کو تصور کرے اور اس کی قوت و عظمت کے سامنے اپنے آپ کو اس طرح بے بس سمجھے جس طرح نہلانے والے کے ہاتھوں میت ہوتی ہے۔''

((عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ إِذَارَفَعَ يَدَيْهِ اَنْ يَّرُدَّهُمَا صِفْرًا)) [رواہ أبو داوٗد:کتاب الصلاۃ،باب الدعاء]

''حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تمہارا رب نہایت ہی مہربان اور بڑا ہی حیا والا ہے۔ بندہ جب اس کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھاتا ہے تو اللہ کو خالی ہاتھ لوٹاتے ہوئے شرم آتی ہے۔''

مسائل

١۔ حضرت زکریا نے بڑی آہستگی کے ساتھ اپنے رب کو پکارا۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ بوڑھے اور بانجھ عورت کو اولاد عنایت کر سکتا ہے۔

٣۔ دعا یقین اور اعتماد کے ساتھ مسلسل کرنی چاہیے۔ ٤۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

وَاِنِّیْ	خِفْتُ	الْمَوَالِیَ	مِنْ	وَّرَآءِیْ	وَكَانَتِ	امْرَاَتِیْ
اور بلاشبہ میں	ڈرتا ہوں	اپنے وارث	سے	اپنے پیچھے	اور ہے	میری بیوی
عَاقِرًا	فَهَبْ	لِیْ	مِنْ	لَّدُنْكَ	وَلِیًّا ۝	یَّرِثُنِیْ
بانجھ	پس تو عطا کر	میرے لیے	سے	اپنے پاس	ایک وارث	وہ وارث ہو میرا
وَیَرِثُ	مِنْ	اٰلِ	یَعْقُوْبَ	وَاجْعَلْهُ	رَبِّ	رَضِیًّا ۝
اور وارث ہو	سے	آل	یعقوب	تو بنا اسے	میرے رب!	پسندیدہ

''مجھے اپنے بعد اپنے وارثوں کی کوتاہیوں کا ڈر لگتا ہے میری بیوی بانجھ ہے تو مجھے اپنے کرم سے ایک وارث عطا فرما (۵) جو میرا وارث اور آل یعقوب کا وارث بنے۔ اے پروردگار اس کو ایک پسندیدہ انسان بنا۔''(۶)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم پھل دیکھ کر اُسی وقت اور اُسی جگہ نیک بیٹے کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو فرشتے کے ذریعہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خوشخبری دی۔ یہاں زکریا علیہ السلام کی دعا کے تذکرہ میں یہ اضافہ موجود ہے کہ انھوں نے جب دعا کی تو وہ آہستہ الفاظ یعنی دبی زبان میں دعا کر رہے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی موجودگی اور انتہائی غم، بے بسی کی وجہ سے انھوں نے دل ہی دل میں دعا کی۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے انداز سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ دعا کرتے ہوئے آدمی کو اپنے رب کے حضور اپنی کم مائیگی اور بے بسی کا الفاظ میں بھی اظہار کرنا چاہیے۔ اس سے ایک طرف انسان کی طبیعت میں رِقت پیدا ہوتی ہے اور دوسری طرف عقیدہ کی پختگی کا اظہار ہوتا ہے کہ میں محتاج ہوں اور میرا رب داتا ہے جس سے دعا کی قبولیت میں یقینی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے جب اس کیفیت کے ساتھ عاجزی اور بے بسی کی دعا کی الٰہی مجھے بیٹا عطا فرما جو تیرا محبوب اور میرا خلف الرشید بنے تو اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کی زوجہ مکرمہ کو صحت عطا کرتے ہوئے یحییٰ علیہ السلام عنایت فرمائے۔

جن کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ نیکی کے کاموں میں آگے بڑھنے والے، اپنے رب کی انتہائی توجہ اور عاجزی کے ساتھ عبادت کرنے اور اللہ تعالیٰ سے بہت ہی ڈرنے والے تھے۔ دعا میں حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے اور آلِ یعقوب کے وارث کی حیثیت سے بیٹا طلب کیا تھا۔ وراثت پر بحث کرتے ہوئے اہل علم نے لکھا ہے یہاں وارثت سے مراد دنیوی وراثت نہیں ہے کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام محنت مزدوری کر کے اپنی ضروریات پوری کیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایک غریب پیغمبر کو اپنی دنیوی وراثت کی کیا فکر ہو سکتی ہے؟ یہاں وراثت سے مراد نبوت کا علم اور مشن ہے۔ جس کے انبیاء علیہم السلام داعی اور وارث ہوتے ہیں۔ اسی لیے زکریا علیہ السلام نے اپنی دعا میں آلِ یعقوب کا ذکر کیا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام خاندانی طور پر حضرت یعقوب علیہ السلام سے تعلق رکھتے تھے۔

يٰزَكَرِيَّآ	اِنَّا	نُبَشِّرُكَ	بِغُلٰمِ	اسْمُهٗ	يَحْيٰى	لَمْ
اے زکریا!	بے شک ہم	تجھے خوشخبری دیتے ہیں	ایک لڑکے کی	اس کا نام	یحییٰ	نہیں
نَجْعَلْ	لَّهٗ	مِنْ	قَبْلُ	سَمِيًّا ۝	قَالَ	رَبِّ
ہم نے بنایا	اس کا	سے	پہلے	کوئی ہم نام	اس نے کہا	میرے رب!
اَنّٰى	يَكُوْنُ	لِيْ	غُلٰمٌ	وَّكَانَتِ	امْرَاَتِيْ	عَاقِرًا
کیسے	وہ ہوگا	میرے لیے	لڑکا	اور ہے	میری بیوی	بانجھ
وَّقَدْ	بَلَغْتُ	مِنَ	الْكِبَرِ	عِتِيًّا ۝		
اور تحقیق	میں پہنچ چکا ہوں	سے	بڑھاپے	آخری حد؟		

’’اے زکریا ہم تجھے ایک بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔ جس کا نام یحییٰ ہوگا ہم نے اس نام کا اس سے پہلے کوئی شخص پیدا نہیں کیا۔ (۷) زکریا نے عرض کی! پروردگار بھلا میرے ہاں کیسے بیٹا ہوگا جب کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی آخری حد کو پہنچ چکا ہوں۔‘‘ (۸)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور انھیں فی الفور یحییٰ علیہ السلام کی خوشخبری دی گئی، حضرت زکریا کا نشانی طلب کرنا۔

سورۃ آل عمران میں ذکر ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ذریعہ یحییٰ علیہ السلام کی خوشخبری سنائی گئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اولاد دینے والا نہیں اور زکریا علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ملائکہ نے یحییٰ علیہ السلام کی خوشخبری دی تھی۔ اس لیے یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی خوشخبری دی اور اُس کا نام یحییٰ رکھا۔ اس سے پہلے اس نام کا کوئی شخص نہیں ہوا۔

جب زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی خوشخبری ملی تو عرض کرنے لگے میرے رب! میرے ہاں کس طرح بیٹا ہوگا جبکہ میں اور میری بیوی صحت کے اعتبار سے اولاد جنم دینے کے قابل نہیں ہیں۔ میں بڑھاپے کی آخری حد کو پہنچ چکا ہوں۔ یہاں تک کہ میری ہڈیاں کھوکھلی ہو چکی ہیں اور میرے بال سفیدی سے چمک رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب ارشاد فرمایا کہ اے میرے بندے زکریا! کیا تو نے اپنے آپ پر غور نہیں کیا کہ میں نے تجھے پیدا کیا ہے جبکہ تیرا ذکر اور وجود ہی نہیں تھا۔ بے شک تو اور تیری بیوی بچہ جنم دینے کے قابل نہیں لیکن میرے لیے تجھے بچہ عنایت کرنا کوئی مشکل نہیں۔ کیونکہ میں خالقِ کل اور مسبب الاسباب ہوں۔ مخلوق اور اسباب میرے محتاج ہیں میں مخلوق اور اسباب کا محتاج نہیں ہوں۔ بیٹے کی خوشخبری دیتے۔ ہوئے نا صرف اللہ تعالیٰ نے اُس کا نام یحییٰ بتلایا بلکہ یہ بھی وضاحت فرمائی کہ اس سے پہلے آج تک یہ کسی کا نام نہیں رکھا گیا۔ سَمِیًّا کا لفظ اوصاف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کا نام بتلانے کے ساتھ اُس کے بڑے

قَالَ	كَذٰلِكَ ۚ	قَالَ	رَبُّكَ	هُوَ	عَلَيَّ	هَيِّنٌ
اس نے کہا	اسی طرح	اس نے کہا	تیرے رب	وہ	مجھ پر	آسان
وَّقَدْ	خَلَقْتُكَ	مِنْ	قَبْلُ	وَلَمْ	تَكُ	شَيْـًٔا ⑨
اور تحقیق	میں نے تجھے پیدا کیا	سے	پہلے	اور نہیں	تھا تو	کچھ بھی
قَالَ	رَبِّ	اجْعَلْ	لِّيْٓ	اٰيَةً ۭ	قَالَ	اٰيَتُكَ
اس نے کہا	اے میرے رب!	بنا دے	میرے لیے	نشانی	فرمایا	تیری نشانی
اَلَّا	تُكَلِّمَ	النَّاسَ	ثَلٰثَ	لَيَالٍ	سَوِيًّا ⑩	فَخَرَجَ
یہ کہ نہ	بات کر سکے گا تو	لوگ	تین	راتیں	تندرستی کے باوجود	چنانچہ وہ نکلا
عَلٰي	قَوْمِهٖ	مِنَ	الْمِحْرَابِ	فَاَوْحٰٓى	اِلَيْهِمْ	اَنْ
پر	اپنی قوم	سے	حجرہ	تو اس نے اشارہ کیا	ان کی طرف	یہ کہ
	سَبِّحُوْا	بُكْرَةً	وَّعَشِيًّا ⑪			
	تم تسبیح بیان کرو	صبح	اور شام			

''جواب ملا یہ ہو کر رہے گا کیونکہ یہ میرے لیے آسان ہے یقیناً میں نے اس سے پہلے تجھے پیدا کیا جب کہ تو کچھ بھی نہ تھا۔(۹) زکریا نے کہا پروردگار میرے لیے کوئی نشانی بنا دے۔فرمایا تیرے لیے یہ نشانی ہے کہ تو تندرستی کے باوجود مسلسل تین دن لوگوں سے بات نہیں کر سکے گا۔(۱۰) تو وہ محراب سے نکل کر اپنی قوم کے سامنے آیا اور اشارے سے ان کو ہدایت کی کہ صبح و شام اللہ کا ذکر کرتے رہو۔'' (۱۱)

بڑے اوصاف سے بھی آگاہ کر دیا گیا۔یاد رہے کہ عربی میں غلام کے چار مشہور معانی ہیں۔

۱۔ بیٹا۔ ۲۔ نوعمر لڑکا۔ ۳۔ زرخرید آدمی غلام۔ ۴۔ تابع دار

انبیاء کرام علیہم السلام اللہ کے بندے اور انسان ہوتے ہیں۔حضرت زکریا علیہ السلام بھی اللہ کے نبی ہونے کے ساتھ ایک انسان ہی تھے۔جو کام انسان کی سوچ سے ماورا اور اس کے خیال میں ناممکن ہو۔اُس کے بارے میں اُسے خوشخبری دی جائے تو وہ اس کے ظہور کے قرائن اور شواہد کا طلب گار رہتا ہے تاکہ اس کی طبیعت اُسے قبول کرنے کے لیے آمادہ اور دل کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ اس پر یقین آ جائے۔اس کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے بھی موجود ہے۔جب انھوں نے عرض کی کہ میرے رب! آپ کس طرح مردوں کو زندہ کریں گے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے ابراہیم! کیا تو بھی ایمان نہیں رکھتا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواباً عرض کیا ''کیوں نہیں'' میرا پوری طرح ایمان ہے کہ آپ مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں اور کریں گے لیکن میں نے اپنے دل کے اطمینان کے لیے یہ عرض کی ہے۔جس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چار مختلف پرندے

اپنے ساتھ مانوس کرنے کے بعد انھیں ذبح کر کے ان کا گوشت پہاڑ کی مختلف جگہوں پر رکھنے کا حکم ہوا۔ جس کی تفصیل دیکھنے کے لیے سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۰ کی تلاوت کیجیے۔

ایسی ہی کیفیت میں حضرت زکریا علیہ السلام نے بیٹے کی ولادت کی نشانی عطا کرنے کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ بچے کی ولادت کی نشانی یہ ہے کہ آپ تین راتیں تندرست ہونے کے باوجود بات چیت نہیں کر سکیں گے لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ کی صبح و شام خوب حمد و ثناء کریں۔

سورہ آل عمران میں تین ایام کا ذکر ہے کہ آپ تین دن رات تک اشارے کے سوا بات نہیں کر پائیں گے۔ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ جب زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی خوشخبری دی گئی تو اُسی رات اللہ تعالیٰ نے ان کی بیوی کو صاحب امید کر دیا قرآن مجید کے الفاظ سے یہ مفہوم اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جونہی زکریا علیہ السلام کی اہلیہ صاحب امید ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا کی تین دن کے لیے زبان بند کر دی تاکہ زکریا علیہ السلام بیٹے کی خوشخبری پا کر تین دن تک معمولات سے ہٹ کر اپنے رب کی غیر معمولی حمد و ثناء اور اس کا شکر ادا کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر کی فضیلت:

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى أَنَا مَعَ عَبْدِيْ حَيْثُمَا ذَكَرَنِيْ وَتَحَرَّكَتْ بِيْ شَفَتَاهُ)) [رواه البخاري:كتاب التوحيد،باب قول الله تعالىٰ لاتحرك به لسانك الخ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب اس کے ہونٹ میرے ذکر میں حرکت کریں اور وہ جہاں کہیں بھی میرا ذکر کرے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کسی سبب کے بغیر سب کچھ کر سکتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ سے اس کی قدرت کی نشانی طلب کرنا جائز ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اولاد اور کوئی نعمت عطا فرمائے تو اس کی حمد و شکر کرنا چاہیے۔

۴۔ انسان کو صرف اللہ تعالیٰ سے ہی مانگنا چاہیے اس کے علاوہ کوئی کچھ نہیں دے سکتا۔

تفسیر بالقرآن

یحییٰ علیہ السلام کے اوصافِ حمیدہ:

۱۔ ہم نے اسے لڑکپن میں دانائی عطا فرمائی تھی اور اپنی جناب سے پاکیزگی اور شفقت عطا فرمائی تھی وہ پرہیز گار تھے اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے، سرکش اور نافرمان نہ تھے۔ (مریم:۱۲تا۱۴)

۲۔ یقیناً اللہ تجھے یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کریں گے، سردار ہوں گے اور عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والے، نیکوکاروں میں سے ہوں گے۔ (آل عمران:۳۹)

۳۔ زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس سب کے سب نیکوکاروں میں سے تھے۔ (الانعام:۸۹)

يٰيَحۡيٰى	خُذِ	الۡكِتٰبَ	بِقُوَّةٍ ؕ	وَاٰتَيۡنٰهُ	الۡحُكۡمَ	صَبِيًّا ۙ﴿۱۲﴾
اے یحییٰ!	پکڑ	کتاب	قوت کے ساتھ	اور ہم نے اسے دیا	حکم	بچپن میں

''اے یحییٰ! کتاب کومضبوطی سے پکڑلو۔ہم نے اسے بچپن میں ہی حکم سے نواز دیا۔'' (١٢)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ہدایات:

قرآن مجید کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت کے منصب پر فائز کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے کتاب سے سرفراز فرمایا تھا۔ کیونکہ اس آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم نے اُسے بچپن میں ہی حکمت و دانائی اور قوت فیصلہ عنایت کی تھی اور انھیں حکم دیا تھا کہ کتاب اللہ کو فکری اور عملی طور پر پوری قوت کے ساتھ پکڑے رکھنا یعنی اس کے ابلاغ، نفاذ اور اس پر عمل کرنے میں آپ سے دانستہ طور پر سستی اور کوتاہی سرزد نہیں ہونا چاہیے۔ قرآن مجید کے ظاہری الفاظ سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں یہ چیزیں عنایت کی گئیں تھیں۔ قریب قریب اس طرح کے الفاظ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بھی استعمال ہوئے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ ارشاد ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بچپن میں ہی رُشد و ہدایت سے سرفراز فرمایا تھا اور ہم ابراہیم کو اچھی طرح جاننے والے ہیں۔ (الانبیاء:٥١) اس کا مفہوم نبی علیہ السلام کے فرمان سے سمجھنا چاہیے آپ نے فرمایا کہ مجھے اس وقت نبوت عطا کی گئی تھی جب آدم علیہ السلام کا خمیر اُٹھایا جا رہا تھا۔ حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی ٤٠ سال کے بعد نازل ہوئی تھی۔ لہٰذا یہ بات حقیقت کے قریب لگتی ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن کی عمر میں نہیں، بلکہ باضابطہ طور پر بھرپور جوانی کے عالم میں نبوت سے سرفراز کیا گیا تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں روایات موجود ہیں کہ انھیں ٣٥ سال کے بعد کتاب عنایت کی گئی تھی۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی کتاب میں انہی باتوں پر زور دیا گیا تھا جو ہمیشہ سے آسمانی کتب اور ہر نبی کی نبوت کا مرکزی پیغام رہا ہے۔ کیونکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبی ہیں جن کی شریعت کے بنیادی اصولوں کا تذکرہ سورۃ البقرۃ میں یوں کیا گیا ہے۔

((وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَاٰتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُعْرِضُونَ)) [البقرة:٨٣]

''اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ وعدہ لیا تھا کہ نہ عبادت کرنا اللہ کے سوا۔ اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا نیز رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں سے بھی حسنِ سلوک کا مظاہرہ کرنا، لوگوں سے اچھی باتیں کہنا اور نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ دیتے رہنا مگر سب نے منہ موڑ لیا صرف چند آدمی تم سے ثابت قدم رہے۔ تم تو روگردانی کرنے والے ہو۔''

جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو منصب نبوت پر فائز کیا گیا تو انہیں کتاب پر پوری تندہی سے عمل کرنے کی تلقین کی گئی آپ کی زندگی

بتاتی ہے کہ آپ نے اس حکم خداوندی کی تعمیل کا حق ادا کر دیا۔ دور افتادہ آبادیوں، صحراؤں اور دشوار گزار پہاڑوں میں جا جا کر لوگوں کو پیغام حق سنایا اور انہیں گناہوں سے تائب ہونے کی ترغیب دی۔ بے شمار لوگ آپ کی تبلیغ کی برکت سے راہ حق پر آ گئے۔ فسق و فجور کی زندگی ترک کر کے زہد و تقویٰ کو اپنا شعار بنایا۔ قوم کے ہر طبقہ کو آپ نے ان کی کوتاہیوں اور خامیوں پر متنبہ کیا۔ بنی اسرائیل کے جو علماء دنیا کی محبت میں گرفتار ہو چکے تھے اور احکام الٰہی کی تحریف میں کوئی جھجک محسوس نہ کرتے تھے انہیں بڑی سختی سے جھنجھوڑا۔

((أَنَّ الْحَارِثَ الْأَشْعَرِيَّ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَ يَحْيَى بْنَ زَكَرِيَّا بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ يَعْمَلَ بِهَا وَيَأْمُرَ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يَعْمَلُوا بِهَا وَإِنَّهُ كَادَ أَنْ يُبْطِءَ بِهَا فَقَالَ عِيسَى إِنَّ اللَّهَ أَمَرَكَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ لِتَعْمَلَ بِهَا وَتَأْمُرَ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يَعْمَلُوا بِهَا فَإِمَّا أَنْ تَأْمُرَهُمْ وَإِمَّا أَنَا آمُرُهُمْ فَقَالَ يَحْيَى أَخْشَى إِنْ سَبَقْتَنِي بِهَا أَنْ يُخْسَفَ بِي أَوْ أُعَذَّبَ فَجَمَعَ النَّاسَ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَامْتَلَأَ الْمَسْجِدُ وَقَعَدُوا عَلَى الشُّرَفِ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ أَعْمَلَ بِهِنَّ وَآمُرَكُمْ أَنْ تَعْمَلُوا بِهِنَّ أَوَّلُهُنَّ أَنْ تَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَإِنَّ مَثَلَ مَنْ أَشْرَكَ بِاللَّهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اشْتَرَى عَبْدًا مِنْ خَالِصِ مَالِهِ بِذَهَبٍ أَوْ وَرِقٍ فَقَالَ هَذِهِ دَارِي وَهَذَا عَمَلِي فَاعْمَلْ وَأَدِّ إِلَيَّ فَكَانَ يَعْمَلُ وَيُؤَدِّي إِلَى غَيْرِ سَيِّدِهِ فَأَيُّكُمْ يَرْضَى أَنْ يَكُونَ عَبْدُهُ كَذَلِكَ وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَكُمْ بِالصَّلَاةِ فَإِذَا صَلَّيْتُمْ فَلَا تَلْتَفِتُوا فَإِنَّ اللَّهَ يَنْصِبُ وَجْهَهُ لِوَجْهِ عَبْدِهِ فِي صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَلْتَفِتْ وَآمُرُكُمْ بِالصِّيَامِ فَإِنَّ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ فِي عِصَابَةٍ مَعَهُ صُرَّةٌ فِيهَا مِسْكٌ فَكُلُّهُمْ يَعْجَبُ أَوْ يُعْجِبُهُ رِيحُهَا وَإِنَّ رِيحَ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ وَآمُرُكُمْ بِالصَّدَقَةِ فَإِنَّ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَسَرَهُ الْعَدُوُّ فَأَوْثَقُوا يَدَهُ إِلَى عُنُقِهِ وَقَدَّمُوهُ لِيَضْرِبُوا عُنُقَهُ فَقَالَ أَنَا أَفْدِيهِ مِنْكُمْ بِالْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ فَفَدَى نَفْسَهُ مِنْهُمْ وَآمُرُكُمْ أَنْ تَذْكُرُوا اللَّهَ فَإِنَّ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ خَرَجَ الْعَدُوُّ فِي أَثَرِهِ سِرَاعًا حَتَّى إِذَا أَتَى عَلَى حِصْنٍ حَصِينٍ فَأَحْرَزَ نَفْسَهُ مِنْهُمْ كَذَلِكَ الْعَبْدُ لَا يُحْرِزُ نَفْسَهُ مِنَ الشَّيْطَانِ إِلَّا بِذِكْرِ اللَّهِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ اللَّهُ أَمَرَنِي بِهِنَّ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ وَالْجِهَادُ وَالْهِجْرَةُ وَالْجَمَاعَةُ فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ إِلَّا أَنْ يَرْجِعَ وَمَنِ ادَّعَى دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَإِنَّهُ مِنْ جُثَا جَهَنَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَإِنْ صَلَّى وَصَامَ قَالَ وَإِنْ صَلَّى وَصَامَ فَادْعُوا بِدَعْوَى اللَّهِ الَّذِي سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ الْمُؤْمِنِينَ عِبَادَ اللَّهِ)) [رواه الترمذی :باب مَا جَاءَ فِي مَثَلِ الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ وَالصَّدَقَةِ]

''حارث الاشعری نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا کو پانچ کلمات پر عمل کرنے کا اور بنی اسرائیل کو عمل کروانے کا حکم دیا ہے۔ قریب تھا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اُس میں تاخیر کرتے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں یاد دلاتے ہوئے کہا کہ اللہ نے آپ کو پانچ کلمات سونپے ہیں اور اُن پر عمل کرنے کا اور عمل کروانے کا حکم دیا ہے۔ یا تو ان کلمات سے آپ لوگوں کو آگاہ کریں یا میں کرتا ہوں مجھے ڈر ہے کہیں سستی کی بنیاد

پر اللہ کا عذاب ہم پر مسلط نہ ہو جائے یا اللہ ہمیں زمین میں نہ دھنسا دے۔ انہوں نے لوگوں کو بیت المقدس میں جمع کیا جب مسجد لوگوں سے بھر گئی تو بلند مقام پر بیٹھ کر انہیں خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا اللہ نے مجھے پانچ کلمات پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور ذمہ داری عائد کی ہے کہ تمہیں بھی اُن پر عمل کرنے کا حکم دوں۔ وہ پانچ باتیں یہ ہیں۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے اُس کی مثال اس آدمی کی ہے جس نے اپنے خالص مال سونے اور چاندی سے ایک غلام خریدا اور اُسے کہا یہ میرا گھر ہے اور یہ میرا کام ہے۔ کام کرو اور اس کا معاوضہ مجھے دو۔ وہ غلام مزدوری کر کے مزدوری اپنے مالک کے سوا کسی اور آدمی کو دیتا ہے۔ تم میں ایسے غلام پر کون راضی ہوگا؟ اسی طرح اللہ نے تمہیں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے ۔ جب تم نماز پڑھو تو نماز میں اِدھر اُدھر نہ جھانکو۔ جب تک کوئی انسان پوری توجہ سے نماز پڑھتا رہتا ہے اللہ اس کی طرف پوری طرح متوجہ رہتے ہیں، اور میں تمہیں روزے رکھنے کا حکم دیتا ہوں روزہ رکھنے والے کی مثال اس آدمی کی سی ہے جو کسی جماعت کے ساتھ ہو اور اُس کے پاس کستوری کی ایک تھیلی ہو۔ جماعت میں سے ہر آدمی اُس کی خوشبو کو پسند کرے گا اور وہ بھی اُسے پسند کرے گا اور بے شک روزے دار کے منہ کی خوشبو۔ اللہ کے ہاں کستوری سے بڑھ کر ہے۔ میں تمہیں صدقہ دینے کا حکم دیتا ہوں بے شک جو آدمی صدقہ دیتا ہے اس کی مثال اُس آدمی کی سی ہے جس کو دشمن نے قید کر لیا اور مضبوطی سے اُس کے ہاتھ اُس کی گردن پر باندھ دیے اور اس کی گردن تن سے جدا کرنے کے لیے آگے بڑھے تو اس نے کہا میں تمہیں تھوڑا بہت فدیہ دیتا ہوں۔ وہ اس سے فدیہ قبول کر لیتا ہے۔ اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم ہر حال میں اللہ کو یاد رکھو بے شک جو آدمی اللہ کے ذکر میں مصروف رہتا ہے اس کی مثال اس آدمی کی سی ہے جس کی کھوج میں دشمن لگا ہوا ہے یہاں تک کہ وہ قلعے میں داخلہ ہو کر اپنے اپنا کو بچا لیتا ہے اسی طرح انسان اپنے آپ کو اللہ کے ذکر کے بغیر شیطان سے نہیں بچا سکتا۔ نبی ﷺ نے فرمایا میں بھی تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور یہ پانچ چیزیں وہ ہیں جن کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے ① امیر کی بات سننا ② اطاعت امیر ③ جہاد ④ ہجرت ⑤ جماعت کے ساتھ منسلک رہنا۔ جو آدمی جماعت کو چھوڑ کر ایک بالشت اِدھر اُدھر ہوا اس نے اپنی گردن سے اسلام کے طوق کو اتار دیا الا کہ وہ جماعت میں واپس آ جائے اور جس نے جاہلیت کا دعویٰ کیا وہ جہنم کا انگارا بنے گا۔ ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ اگر چہ وہ نماز پڑھتا ہو روزہ رکھتا ہو۔ آپ نے فرمایا اگر چہ نماز روزے کا پابند ہو۔ میں تمہیں اُن چیزوں کی دعوت دیتا ہوں جن کی دعوت دینے کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہارا نام مسلمان، مؤمن اور اللہ کے بندے رکھا ہے۔''

کتاب اللہ کے بارے میں سرورِ دو عالم ﷺ کی اپنی اُمت کو ہدایت:

''حضرت مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں یہ حدیث پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک ان کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہو گے ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری اس کے نبی کی سنت۔'' [موطا امام مالك: باب النَّهْيِ عَنِ الْقَوْلِ بِالْقَدَرِ]

وَّحَنَانًا	مِّنْ	لَّدُنَّا	وَزَكٰوةً	وَكَانَ	تَقِيًّا ۝١٣	وَّبَرًّا
اور شفقت	سے	اپنی طرف	اور پاکیزگی	اور تھا وہ	نہایت پرہیزگار	اور نیکی کرنیوالا
بِوَالِدَيْهِ	وَلَمْ	يَكُنْ	جَبَّارًا	عَصِيًّا ۝١٤		
اپنے ماں باپ کیساتھ	اور نہیں	وہ تھا	سرکش	نافرمان		

''اور اپنی طرف سے اس کو نرمی اور پاکیزگی عطا کی اور وہ بڑا پرہیزگار تھا۔(١٣) اور اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والا تھا۔ وہ سخت طبیعت اور نہ فرمان نہ تھا۔''(١٤)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت یحییٰ علیہ السلام کا تذکرہ جاری ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کتاب، حکمت و دانشمندی اور قوتِ فیصلہ عطا کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان اوصاف سے بھی متصف فرمایا تھا۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے اُسے اپنی طرف سے طبیعت کی نرمی، فکر و عمل کی پاکیزگی اور ہر قسم کے گناہ سے بچنے کی توفیق دی تھی۔ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے سرکش اور نافرمان نہیں تھے۔ یہی باتیں انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت طیبہ اور حیاتِ مبارکہ کا جوہر ہوتی ہیں اور انھیں باتوں کی اپنی اُمت کو تلقین فرمایا کرتے تھے۔

مسائل

١۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام اللہ کے نبی اور انتہائی پاکباز شخصیت تھے۔

٢۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نبی ہونے کے باوجود اپنے والدین کے انتہا درجہ کے فرمانبردار تھے۔

تفسیر بالقرآن

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم:

١۔ ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ (البقرۃ:٨٣)

٢۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔ (النساء:٣٦)

٣۔ فرما دیجیے آؤ! میں تمھیں ایسی باتیں پڑھ کر سناؤں جو تمھارے رب نے تم پر حرام کی ہیں، اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (الانعام:١٥١)

٤۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ (بنی اسرائیل:٢٣)

٥۔ ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ احسان کرے۔ (الاحقاف:١٥)

٦۔ ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرے۔ اگر والدین شرک پر ابھاریں تو ان کی اطاعت نہ کی جائے۔ (العنکبوت:٨)

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾ ع ۱ ۵ ۴

اور سلام ہے | اس پر | جس دن وہ پیدا ہوا | اور دن | وہ مرے گا | اور دن | وہ اُٹھایا جائے گا | زندہ کر کے

''سلام ہے اس پر جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔'' (۱۵)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت یحییٰ علیہ السلام پر پیدائش سے لے کر تادم واپسیں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں۔

یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے پیغمبر دنیا میں جلوہ گر فرمائے ان کی پیدائش سے لے کر وفات تک اور قبر سے لے کر حشر تک، حشر سے لے کر جنت الفردوس میں پہنچنے تک ہر لحہ اُن پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول رہتا ہے۔ لیکن بعض انبیاء کرام علیہم السلام کے خصوصی حالات کے پیش نظر اُن کے بارے میں خاص طور پر ذکر فرمایا ہے کہ اُن پر اُن کی پیدائش سے لے کر اُن کی موت اور دوبارہ زندہ ہونے تک اللہ کی رحمت اُن کے شامل حال رہی اور رہے گی۔ اُن میں بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کا نام لے کر ذکر کیا گیا ہے کہ سلام ہے اُس پر جس دن وہ پیدا ہوا۔ جس دن اُسے موت آئے گی اور جس دن وہ اُٹھایا جائے گا۔ یاد رہے کہ انسانی زندگی میں تین مرحلے ایسے ہیں جن میں کسی نبی، ولی، امیر، فقیر، شاہ و گدا، اعلیٰ اور اَدنیٰ کو اختیار نہیں ہوتا ان اوقات میں وہ ناتواں اور بالکل بے بس ہوتا ہے۔

۱۔ ولادت کے وقت ہر نومولود اس قدر نازک اندام، ناتواں اور بے بس ہوتا ہے کہ پھول کی پنکھڑی کی طرح معمولی سے معمولی سختی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

۲۔ موت کا وقت اس قدر شدید اور سخت ہوتا ہے کہ بہادر سے بہادر انسان گھبراہٹ میں مبتلا ہو جاتا ہے

((وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ اِنَّ مِنْ نِعَمِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيَّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم تُوُفِّيَ فِيْ بَيْتِيْ وَفِيْ يَوْمِيْ وَبَيْنَ سَحْرِيْ وَنَحْرِيْ .... فَجَعَلَ يُدْخِلُ يَدَيْهِ فِي الْمَاءِ فَيَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهٗ وَيَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٌ ثُمَّ نَصَبَ يَدَهٗ فَجَعَلَ يَقُوْلُ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى حَتّٰى قُبِضَ وَمَالَتْ يَدُهٗ۔))

[رواه البخاری :باب مَرَضِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَوَفَاتِهٖ]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مجھ پر بے پناہ انعامات میں سے ایک یہ ہے' کہ رسولِ اکرم میرے گھر میں' میری باری کے دن' میرے سینے اور حلق کے درمیان فوت کیے گئے۔ .... آپ پانی میں اپنے ہاتھ ڈالتے اور اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ ملتے رہے اور کہتے **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** بلاشبہ سکراتِ موت برحق ہیں۔ پھر اپنا ہاتھ بلند کیا اور رفیق اعلیٰ کی دعا کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی اور آپ کا دست مبارک جھک گیا۔

۳۔ حشر کا دن سخت ہوگا۔

''کوئی دوست کسی دوست کا پرسان حال نہ ہوگا۔ حالانکہ ایک دوسرے کو سامنے دیکھ رہے ہونگے۔ گنہگار خواہش کرے گا کہ کسی طرح اس دن کے عذاب کے بدلے میں سب کچھ دے دے یعنی اپنے بیٹے اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی اور اپنا خاندان جس میں وہ رہتا تھا۔ اور جتنے آدمی زمین میں ہیں غرض سب کچھ دے دے اور اپنے آپ کو عذاب سے چھڑا لے۔ [المعارج:۱۰تا۱۴]

وقف لازم

وَاذْكُرْ	فِي	الْكِتٰبِ	مَرْيَمَ	إِذِ	انْتَبَذَتْ	مِنْ
اور ذکر کیجیے	میں	کتاب	مریم	جب	وہ علیحدہ ہوئی	سے
أَهْلِهَا	مَكَانًا	شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾	فَاتَّخَذَتْ	مِنْ	دُونِهِمْ	حِجَابًا قف
اپنے گھر والے	مکان	مشرقی جانب	پھر اس نے کرلیا	سے	ان کے آگے	پردہ
فَأَرْسَلْنَا	إِلَيْهَا	رُوحَنَا	فَتَمَثَّلَ	لَهَا	بَشَرًا	سَوِيًّا ﴿١٧﴾
پھر ہم نے بھیجا	اس کی طرف	اپنی روح	تو اس نے شکل اختیار کی	اس کے لیے	آدمی	کامل

’’اور اے نبی قرآن مجید سے مریم کا حال بیان کرو۔ جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر شرقی جانب مکان میں گوشہ نشین ہوگئی۔ (١٦) اور اپنی قوم سے سے پردہ کرلیا۔ ہم نے اس کے پاس اپنے روح یعنی فرشتہ بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک کامل انسان کی شکل میں آیا۔‘‘ (١٧)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت یحییٰ علیہ السلام کا انتہائی بڑھاپے کے عالم میں زکریا علیہ السلام کے ہاں پیدا ہونا غیر معمولی پیدائش اور مشکلات کے حوالہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گہری مماثلت اور ان کے خالہ زاد بھائی ہونے کی وجہ سے حضرت مریم علیہا السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے علاوہ دوسری شخصیات کے ذکر کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کے لوگوں کی ڈھارس بندھائی جائے۔

((وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ)) [ھود: ١٢٠]

’’رسولوں کی خبروں میں سے ہر وہ خبر جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ اس سے ہم آپ کے دل کو مضبوط کریں اور آپ کے پاس اس سلسلہ میں حق آ گیا جو مومنوں کے لیے باعث نصیحت اور یاددہانی ہے۔

اس مقصد کے پیش نظر بعض انبیاء علیہم السلام اور شخصیات کا تذکرہ کرنے سے پہلے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے حکم دیا گیا کہ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ . قرآن مجید میں سے حضرت مریم علیہا السلام کی سیرت طیبہ کا بیان کریں تاکہ حضرت مریم علیہا السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا جزو ٹھہرانے والوں کو معلوم ہو کہ مریم علیہا السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت اور حیثیت کیا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہیں۔ جن کی سوانح یہ ہے کہ ان کی والدہ حضرت عمران کی بیوی ہیں وہ میاں بیوی انتہائی بوڑھے ہو چکے تھے۔ بڑھاپے کے عالم میں حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نے منت مانی کہ میرے رب! اگر تو مجھے بیٹا عطا فرمائے

تو میں اُسے تیرے لیے وقف کردوں گی لیکن ہوا یہ کہ بیٹے کی بجائے اللہ تعالیٰ نے اُسے بیٹی عنایت فرمائی جس کا نام اُس نے مریم رکھا، مریم کا معنی ہے (بلند و بالا) حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نے عرض کی کہ بارِالٰہا! یہ تو بیٹی پیدا ہوئی ہے۔ ظاہر ہے بیٹی ، بیٹے کی مانند نہیں ہوتی ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اس بات کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں (آل عمران، آیت:۳٦) حضرت مریم علیہا السلام بڑی ہوئی تو والدہ نے اپنی منت کے مطابق اُسے مسجد اقصیٰ میں اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر دیا۔ کیونکہ وہاں مردوں سے الگ مقام میں عورتیں اعتکاف ، انجیل کی تلاوت اور اللہ کی عبادت میں مصروف رہتی تھیں ۔ ایک دن مریم علیہا السلام پردہ میں بیٹھ کر جس طرح اعتکاف کیا جاتا ہے اللہ کے ذکر وفکر میں مشغول تھی کہ اچانک ان کے حجرہ میں نہایت ہی خوبصورت آدمی وارد ہوا۔ یہاں پردہ کا ذکر ہے لیکن تیسرے پارہ میں حضرت مریم علیہا السلام کے حجرہ کا ذکر موجود ہے جس میں بیٹھ کر وہ اللہ کی عبادت کیا کرتی تھیں ۔ (آل عمران:۳۷) دونوں آیات کی تطبیق کرتے ہوئے اہل علم نے لکھا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام ماہواری کی وجہ سے مسجد اقصیٰ سے باہر پردے میں بیٹھی ہوئی تھیں کہ ان کے پاس خوبصورت انسانی شکل میں فرشتہ آیا۔ یہ بات اس لیے دل کو لگتی ہے کہ حدیث میں حائضہ عورت کو مسجد میں آنے سے روکا گیا ہے۔ غالب امکان یہی ہے کہ اُس وقت کی شریعت میں بھی یہی اصول ہوگا۔

مسائل

۱۔ انبیاء علیہم السلام کی سیرت اور صلحاء کے اچھے واقعات کا ذکر کرنا چاہیے۔

۲۔ حضرت مریم علیہا السلام مسجد اقصیٰ کے مشرقی جانب پردہ میں تشریف فرما تھیں جب ان کے پاس فرشتہ آیا۔

تفسیر بالقرآن

ملائکہ کا انسانی شکل میں آنا:

۱۔ ہم نے اس کی طرف (مریم) فرشتہ بھیجا تو وہ ان کے سامنے ٹھیک انسانی شکل اختیار کر گیا۔ (مریم:۱۷)

۲۔ ابراہیم علیہ السلام کے پاس ہمارے فرشتے خوشخبری لے کر آئے۔ (ھود:٦۹)

۳۔ جب ہمارے فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو وہ ان کی آمد سے غمناک اور تنگ دل ہوئے۔ (ھود:۷۷)

۴۔ جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو انھوں نے کہا تم تو ناآشنا سے لوگ ہو۔ (الحجر:٦۱۔٦۲)

۵۔ انھیں ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے متعلق خبر دیں جب وہ سلام کہتے ہوئے داخل ہوئے تو ابراہیم نے کہا ہم تم سے خوف محسوس کرتے ہیں۔ (الحجر:۵۱۔۵۲)

قَالَتْ	اِنِّیْٓ	اَعُوْذُ	بِالرَّحْمٰنِ	مِنْكَ	اِنْ	كُنْتَ
اس نے کہا	بلاشبہ میں	پناہ پکڑتی ہوں	رحمٰن کے ساتھ	تجھ سے	اگر	ہے تو
تَقِيًّا ۝١٨	قَالَ	اِنَّمَآ	اَنَا	رَسُوْلُ	رَبِّكِ ۖ	لِاَهَبَ
ڈرنے والا	اس نے کہا	صرف	میں	بھیجا ہوا	تیرے رب	تاکہ عطا کروں
لَكِ	غُلٰمًا	زَكِيًّا ۝١٩	قَالَتْ	اَنّٰى	يَكُوْنُ	لِيْ
تجھے	لڑکا	پاکیزہ	اس نے کہا	کیسے	ہوگا	مجھے
غُلٰمٌ	وَّلَمْ	يَمْسَسْنِيْ	بَشَرٌ وَّلَمْ	اَكُ	بَغِيًّا ۝٢٠	قَالَ
لڑکا	حالانکہ نہیں	چھوا مجھے	کسی بشر اور نہ	ہوں میں	بدکار؟	اس نے کہا

”مریم نے کہا کہ اگر تو نیک ہے تو میں تجھ سے خدائے رحمان کے ساتھ پناہ چاہتی ہوں۔(١٨) اس نے کہا میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں۔ تاکہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔(١٩) مریم نے کہا میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا جب کہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے اور نہ ہی میں بدکار رہوں۔“(٢٠)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

حضرت مریم علیہا السلام نے حجرہ میں وارد ہونے والے انسان سے سختی کے ساتھ پوچھا تم کون ہو؟ میں تجھے ربِ رحمٰن کا واسطہ دے کر کہتی ہوں اگر تم اللہ سے ڈرنے والے ہو تو یہاں سے نکل جاؤ۔ فرشتہ نے جواب دیا کہ میں آپ کے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ آپ کو پاکباز بیٹے کی خوشخبری دوں۔ حضرت مریم علیہا السلام پہلے سے زیادہ حیران اور سراسیمگی کے عالم میں پوچھتی ہیں کہ میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا؟ نہ کسی مرد نے مجھے چھوا اور نہ ہی میں بدکار رہوں۔ فرشتے نے کہا کہ اسی حالت میں تجھے بیٹا عطا کیا جائے گا کیونکہ تیرے رب کا فرمان ہے اس طرح بیٹا عطا کرنا اس کے لیے مشکل نہیں۔ یہ اس لیے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی ظاہر کرنا چاہتا ہے سمجھ لو کہ یہ کام ہو چکا ہے۔ یہاں روح کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کے کئی معانی ہیں جن میں ایک معنیٰ جبرائیل امین علیہ السلام ہے۔ کیونکہ اُن کا دوسرا نام روح الامین ہے۔(الشعراء:١٩٣)

مسائل

١۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ان کی والدہ کو بتلا دیا گیا تھا کہ تیرے ہاں پاکباز بیٹا پیدا ہوگا۔

٢۔ حضرت مریم علیہا السلام پاکدامن بی بی تھیں اور انھیں زندگی بھر کسی مرد نے نہیں چھوا۔

كَذٰلِكِ ۚ	قَالَ	رَبُّكِ	هُوَ	عَلَيَّ	هَيِّنٌ ۚ	وَلِنَجْعَلَهٗٓ
اسی طرح	فرمایا	تیرے رب	وہ	مجھ پر	آسان	اور تاکہ ہم اسے بنائیں

اٰيَةً	لِّلنَّاسِ	وَرَحْمَةً	مِّنَّا ۚ	وَكَانَ	اَمْرًا	مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾
نشانی	لوگوں کے لیے	اور رحمت	اپنی طرف سے	اور ہے	کام	طے شدہ

فرشتے نے کہا ایسا ہی ہوگا تیرے رب کا فرمان ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے آسان ہے اور ہم یہ اس لیے کریں گے کہ اس بچے کو لوگوں کے لیے ایک نشانی اور اپنی طرف سے رحمت بنائیں اور یہ کام ہو کر رہنا ہے۔" (۲۱)

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بن باپ پیدا فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنی انوکھی قدرت کا ثبوت دیا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے لیے بن باپ بیٹا پیدا کرنا مشکل نہیں ہے۔

تفسیر بالقرآن

تخلیقِ انسان کے طرق:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بن باپ اور ماں کے پیدا کیا۔ (ص:۷۰)

۲۔ حضرت حوا ماں کی بجائے حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئیں۔ (النساء:۱)

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ (آل عمران:۴۶)

فَحَمَلَتْهُ	فَانْتَبَذَتْ	بِهٖ	مَكَانًا	قَصِيًّا ۝٢٢	
پھر وہ حاملہ ہوگئی اس	پھر وہ الگ ہوگئی	ساتھ اس کے	مکان	دور	
فَاَجَآءَهَا	الْمَخَاضُ	اِلٰى	جِذْعِ	النَّخْلَةِ ۚ	قَالَتْ	يٰلَيْتَنِيْ
پھر لے آئی	دردِزہ	طرف	تنے	کھجور	اس نے کہا	اے کاش!
مِتُّ	قَبْلَ	هٰذَا	وَكُنْتُ	نَسْيًا	مَّنْسِيًّا ۝٢٣	فَنَادٰىهَا
میں مرجاتی	پہلے	اس سے	اور میں ہوجاتی	بھولی	بسری	پھر اسے آواز دی
مِنْ	تَحْتِهَآ	اَلَّا	تَحْزَنِيْ	قَدْ	جَعَلَ	رَبُّكِ
سے	اس کے نیچے	یہ کہ نہ	تو غم کھا	تحقیق	کردیا	تیرے رب نے

''مریم کو حمل ٹھہرا اور وہ اس کے لیے دور جگہ مقام پر گئی۔(۲۲) پھر زچگی کی تکلیف نے اسے ایک کھجور کے درخت کے نیچے پہنچا دیا۔ وہ کہنے لگی کاش میں اس سے پہلے مرچکی ہوتی اور میرا نام ونشان مٹ چکا ہوتا۔(۲۳) فرشتے نے اسے پکار کر کہا غم نہ کر تیرے رب نے

فہم القرآن

ربط کلام: فرشتے نے حضرت مریم علیہا السلام کے جسم پر پھونک ماری جس سے وہ حاملہ ہوگئیں۔

اٹھائیسویں پارہ سورۃ التحریم کی آخری آیت میں جبرائیل امین علیہ السلام کی پھونک کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے عمران کی بیٹی مریم علیہا السلام جس نے اپنی شرم وحیاء کی حفاظت فرمائی۔ ہم نے اُس میں اپنی روح پھونک دی۔

جبرئیل امین کی پھونک کے ساتھ وہ حاملہ ہوگئیں تو اس حالت میں مسجد اقصیٰ سے دور ایک مکان میں جا ٹھہریں۔ جب اُسے زچگی کی تکلیف محسوس ہوئی تو وہ ایک کھجور کے تنے کے قریب آئیں۔ تکلیف اور ولادت کی وجہ سے بے ساختہ کہنے لگی ہائے کاش! میں اس سے پہلے مرچکی ہوتی اور لوگوں کے ذہن میں بھولی بسری ہوچکی ہوتی۔ اس مشکل وقت میں کھجور کے نیچے سے فرشتے نے آواز دی اے مریم علیہا السلام! تجھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ کے رب نے تیرے پاؤں کے نیچے ایک چشمہ جاری کردیا ہے اور کھجور کے تنے کو ہلاؤ تیرے سامنے تروتازہ کھجوریں آگریں گی۔ کھجوریں کھاؤ، پانی پیو اور بیٹے سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ اگر اپنی طرف کسی آدمی کو آتے ہوئے دیکھو تو اُسے کہو کہ میں نے رب رحمٰن کے لیے روزے کی منت مانی ہے اس لیے میں آج کسی مرد وزن سے بات نہیں کروں گی۔ قرآن مجید کے الفاظ سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام زچگی کے وقت مسجد اقصیٰ سے دور ایک مکان میں چلی گئی تھیں۔ جس کے متعلق مفسرین نے مختلف باتیں لکھیں ہیں جن میں اَقرب ترین بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہی وہ مقام ہے جسے تاریخ میں بیت لحم کہا جاتا ہے۔ معراج کے واقعے میں سیرت نگاروں

تَحْتَكِ	سَرِيًّا ﴿٢٤﴾	وَ	هُزِّيْٓ	اِلَيْكِ	بِجِذْعِ	النَّخْلَةِ
تیرے نیچے	چشمہ	اور	ہلاتو	اپنی طرف	تنے	کھجور
تُسٰقِطْ	عَلَيْكِ	رُطَبًا	جَنِيًّا ﴿٢٥﴾	فَكُلِيْ	وَاشْرَبِيْ	
وہ گرائے گا	تجھ پر	تازہ کھجوریں	پکی ہوئی	سوتو کھا	اورتو پی	
وَقَرِّيْ	عَيْنًا ج	فَاِمَّا	تَرَيِنَّ	مِنَ	الْبَشَرِ	اَحَدًا
اورٹھنڈی کر	آنکھیں	پھراگر	تودیکھے	سے	آدمیوں	کسی کو
فَقُوْلِيْٓ	اِنِّيْ	نَذَرْتُ	لِلرَّحْمٰنِ	صَوْمًا	فَلَنْ	
تو کہہ	بے شک میں نے	نذر مانی	رحمٰن کے لیے	روزہ	لہٰذا ہرگز نہیں	
اُكَلِّمَ	الْيَوْمَ	اِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾				
میں کلام کروں گی	آج	کسی انسان				

تیرے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔(۲۴) تو اس درخت کے تنے کو ہلا اوپر سے تازہ کھجوریں آ گریں گی۔(۲۵) پس تو کھا اور پانی پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر۔ اگر کوئی آدمی تجھ سے بات کرنے کی کوشش کرے تو اس سے کہہ کہ میں نے رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے اس لیے میں آج کسی سے بات نہیں کروں گی۔'' (۲۶)

نے لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب اس مقام سے گزرے تو جبرئیل امین علیہ السلام نے آپ کو توجہ دلائی یہ وہ بیت اللحم ہے جہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے براق سے اُتر کر یہاں دو نفل ادا کیے۔ اسی مقام پر حضرت مریم علیہا السلام کو یہ ہدایات دی جا رہی ہیں کہ آپ تازہ کھجوریں کھائیں، ٹھنڈا پانی پئیں اور بیٹے سے پیار کر کے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔ اگر کوئی آپ سے بات کرنا چاہے تو کہیں کہ میں نے نہ بولنے کی منت مانی ہوئی ہے۔ بنی اسرائیل کی شریعت میں چپ کا روزہ رکھنا جائز تھا مگر ہماری شریعت میں چپ کا روزہ رکھنا اور ایسی نذر ماننا جائز نہیں، یہاں تک کہ مصیبت کے وقت موت مانگنا یا خودکشی کرنا بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام نے ارادتاً نہیں بلکہ لوگوں کی طعنہ و تشنیع کے خوف سے انتہائی کرب کے عالم میں یہ الفاظ کہے تھے۔ مصیبت کے وقت ایسے الفاظ بڑے بڑے نیک لوگوں کی زبان سے بے ساختہ نکل جایا کرتے ہیں۔ ان الفاظ کا معنیٰ موت مانگنا نہیں ہوتا بلکہ انتہا درجہ کے غم کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔

نذر کے مسائل:

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ فَلْيُطِعْهُ ، وَمَنْ نَذَرَ أَنْ باب النَّذْرِ فِي الطَّاعَةِ

يَعْصِيَهُ فَلَا يَعْصِهِ))[رواه البخاری :باب النَّذْرِ فِی الطَّاعَةِ]

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتی ہیں جو شخص اللہ کی اطاعت کی نذر مانتا ہے اُس چاہیے کہ وہ نذر پوری کرے اور جس نذر میں اللہ کی نافرمانی ہو اُسے پورا نہیں کرنا چاہیے۔''

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ بَيْنَا النَّبِىُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَخْطُبُ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَائِمٍ فَسَأَلَ عَنْهُ فَقَالُوا أَبُو إِسْرَائِيلَ نَذَرَ أَنْ يَقُومَ وَلَا يَقْعُدَ وَلَا يَسْتَظِلَّ وَلَا يَتَكَلَّمَ وَيَصُومَ فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم مُرْهُ فَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيَقْعُدْ وَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ))[رواه البخاری :باب النَّذْرِ فِيمَا لَا يَمْلِكُ وَفِی مَعْصِيَةٍ]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ آپ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ کھڑا ہوا ہے آپ نے اُس کے بارے میں لوگوں سے پوچھا لوگوں نے عرض کی کہ یہ ابواسرائیل ہے اِس نے نذر مانی ہے کہ وہ کھڑا رہے گا بیٹھے گا نہیں نہ سایہ میں جائے گا، نہ کلام کرے گا اور ہمیشہ روزے کی حالت میں رہے گا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِسے کہو کلام کرے سایہ میں جائے، بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔''

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ نَذَرَ فِی الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ يَعْتَكِفَ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَالَ أُرَاهُ قَالَ لَيْلَةً قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَوْفِ بِنَذْرِكَ))[رواه البخاری :باب إِذَا نَذَرَ فِی الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ يَعْتَكِفَ ثُمَّ أَسْلَمَ]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دور جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ وہ مسجد حرام میں اعتکاف کریں گے راوی کہتا ہے میرا خیال ہے اُنہوں نے ایک رات کی نذر مانی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔''

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ أَصَابَهُ ، فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَلْيَقُلِ اللَّهُمَّ أَحْيِنِی مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِی ،وَتَوَفَّنِی إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِی))

[رواه البخاری :باب تَمَنِّی الْمَرِيضِ الْمَوْتَ]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تکلیف کی وجہ سے کوئی آدمی موت کی تمنا نہ کرے اگر وہ ایسا کرنا چاہتا ہے تو اُسے چاہیے کہ یہ دعا کریں۔اے اللہ! جب تک میرا زندہ رہنا بہتر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب میرا فوت ہونا بہتر ہو تو مجھے فوت فرمالے۔''

کون سی نذر نہیں ماننا چاہیے:

((حَدَّثَنِی ثَابِتُ بْنُ الضَّحَاكِ رضی اللہ عنہ قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ عَلٰی عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ يَنْحَرَ إِبِلًا بِبُوَانَةَ فَأَتَى النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ إِنِّی نَذَرْتُ أَنْ أَنْحَرَ إِبِلًا بِبُوَانَةَ فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِنْ أَوْثَانِ

الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالُوْا لَا قَالَ هَلْ كَانَ فِيْهَا عِيْدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ قَالُوْا لَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لَاوَفَاءَ لِنَذْرٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا فِيْمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ)) [رواه أبوداوٗد: كتاب الأيمان والنذور باب مايؤمربه من وفاء النذر]

''مجھے ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک آدمی نے بوانہ نامی جگہ پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر عرض کی میں نے نذر مانی ہے کہ میں بوانہ نامی جگہ پر اونٹ ذبح کروں گا آپ ﷺ نے فرمایا: کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے پھر پوچھا: کیا وہاں کوئی ان کا میلہ لگتا تھا؟ صحابہ نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا: اپنی نذر پوری کرو کیونکہ اللہ کی نافرمانی والی نذر پوری نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی وہ نذر پوری کرنا لازم ہے جس کی انسان طاقت نہیں رکھتا۔''

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ وَ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَنْذُرُوْا فَإِنَّ النَّذْرَ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْقَدْرِ شَيْئًا وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيْلِ))[رواه مسلم: باب النَّهْيِ عَنِ النَّذْرِ وَأَنَّهُ لَا يَرُدُّ شَيْئًا]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم ﷺ نے فرمایا تم نذر نہ مانا کرو' اس لیے کہ نذر تقدیر کو نہیں ٹال سکتی اس طرح صرف بخیل سے کچھ نہ کچھ مال نکلوایا جاتا ہے۔''

مسائل

۱۔ حضرت مریم علیہا السلام زچگی کے عالم میں مسجد اقصیٰ سے دور چلی گئیں تھیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے زچگی کے وقت حضرت مریم علیہا السلام کو چشمہ کا پانی اور تازہ کھجوریں عنایت فرمائی تھیں۔

۳۔ نذر شریعت کے مطابق ماننا اور اُسے پورا کرنا چاہیے۔ ۴۔ ہارون سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون نہیں۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کی نظر میں نذر:

۱۔ میں نے رحمان کے لیے نذر مانی ہے میں کسی سے کلام نہیں کروں گی۔ (مریم:۲۶)

۲۔ جو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتے ہو یا تم نذر مانتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ (البقرۃ:۲۷۰)

۳۔ عمران علیہ السلام کی بیوی نے کہا جو کچھ میرے بطن میں ہے میں اس کی نذر مانتی ہوں۔ (آل عمران:۳۵)

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ

پھر وہ آئی — ساتھ اس کے — اپنی قوم کے پاس — اسے اُٹھائے ہوئے — انھوں نے کہا — اے مریم! — یقیناً

جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ

تو نے کیا — کام — بہت برا — اے ہارون کی بہن! — نہ — تھا

اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾

تیرا باپ — بُرا آدمی — اور نہ — تھی — تیری ماں — بدکار

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ

تو اس نے اشارہ کیا — اس کی طرف — انھوں نے کہا — کیسے — ہم کلام کریں — جو — ہے

فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾

میں — گود — بچہ؟

”پھر وہ اس بچے کو لے کر اپنی قوم میں آئی۔ لوگ کہنے لگے اے مریم یہ تو نے بُرا کام کیا ہے۔(۲۷) اے ہارون کی بہن نہ تیرا باپ بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی۔(۲۸) مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا ہم اس سے کیسے بات کریں گے جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے؟“(۲۹)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت مریم علیہا السلام کا عیسیٰ علیہ السلام کو گود میں اُٹھا کر اپنے خاندان کے لوگوں کے پاس آنا۔

قرآن مجید یہ بتلا رہا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام عیسیٰ علیہ السلام کو گود میں لیے اپنی قوم کے پاس آئیں۔ قوم نے انھیں طعنے دیے۔ یہاں قوم سے مراد ان کے خاندان کے لوگ ہیں۔ خاندان کے لوگوں نے حضرت مریم علیہا السلام کی گود میں معصوم بچہ دیکھا تو حیران رہ گئے۔ ظاہر بات ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام عام لوگوں کی بجائے پہلی مرتبہ قریبی رشتہ داروں میں آئی ہوں گی پھر خاندان کے ذریعے بات محلے اور معاشرے کے لوگوں تک پہنچی ہوگی۔ جنھوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو ایسی ویسی باتیں کیں اور طعنے دیے۔ یہاں تک کہا کہ اے ہارون کی بہن! ”نہ تیری ماں بری تھی اور نہ ہی تیرا باپ بدکار تھا تو نے یہ کیا کر دکھایا؟“ حضرت مریم علیہا السلام جواب دے تو کیا؟ کیونکہ بچہ گود میں ہے۔ نکاح کسی کے ساتھ ہوا نہیں تھا مریم علیہا السلام لوگوں کو کیسے مطمئن کر سکتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے دل میں القاء کیا اور جرأت عطا فرمائی۔ انھوں نے صرف اتنی بات کہی یا اپنے منہ کی طرف انگلی کی کہ میں نے چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ہی معصوم بچے کی طرف اشارہ کیا کہ میری بجائے میرا بیٹا جواب دے گا۔ نہ معلوم کہ دل ہی دل میں حضرت مریم علیہا السلام کس طرح دعا کرتی ہوگی کہ میرے لاڈلے تیرے سوا میری کوئی صفائی پیش کرنے والا نہیں بیٹا بول تا کہ انھیں میری پاکدامنی کا یقین ہو جائے۔ حضرت مریم علیہا السلام قوم کو یہ بات کہہ ہی پائی تھی کہ ان کی قوم شور مچانے لگی یہ گود کا بچہ ہمیں کیا جواب دے گا۔ نہ معلوم لوگ کس انداز اور زبان میں طعنے دے رہے ہوں گے۔

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ

اس نے کہا بلاشبہ میں بندہ اللہ اس نے مجھے دی کتاب اور اس نے مجھے بنایا

نَبِیًّا ۝۳۰ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِیْ

نبی اور اس نے مجھے بنایا بابرکت جہاں کہیں بھی میں ہوں اور اس نے مجھے وصیت کی

بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۝۳۱ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ

نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک میں رہوں زندہ اور نیکی کرنیوالا اپنی والدہ کے ساتھ

وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ۝۳۲ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ

اور نہیں اس نے بنایا مجھے سرکش بدبخت اور سلام مجھ پر دن

وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ۝۳۳

میں پیدا کیا گیا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں اُٹھایا جاؤں گا زندہ کرکے

”بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا ہے۔(۳۰) اور بابرکت بنایا جہاں بھی میں رہوں اور جب تک میں زندہ ہوں مجھے نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا ہے۔(۳۱) اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا بنایا اور مجھ کو سرکش اور سخت طبیعت نہیں بنایا گیا۔(۳۲) سلام ہے مجھ پر جب کہ میں پیدا ہوا اور جب میں مروں گا اور جب زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔“(۳۳)

فہم القرآن

ربط کلام: ابھی لوگوں کا شور و غل ختم نہیں ہوا تھا کہ والدہ کا اشارہ پا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دیتے ہیں۔

حضرت مریم علیہا السلام کا اشارہ ہوا ہی تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بول اُٹھے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا ہے۔ میں جہاں کہیں ہوں اس نے اپنی برکات سے نوازا ہے۔ میرے رب نے مجھے وصیت کی ہے کہ جب تک زندہ رہوں نماز پڑھوں اور زکوٰۃ ادا کروں۔ مجھے یہ بھی وصیت کی گئی ہے کہ میں اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرتا رہوں اور میرے رب نے مجھے باغی اور منحوس نہیں بنایا۔ میرے رب نے میری پیدائش، موت اور موت کے بعد اُٹھنے کے دن مجھے اپنی رحمت کے دامن میں لے لیا ہے۔ اہل علم نے لکھا ہے کہ جب حضرت مریم علیہا السلام نے عیسیٰ علیہ السلام کو بولنے کا اشارہ کیا تھا تو وہ ان کی گود میں دودھ پی رہے تھے۔ جونہی ان کی والدہ نے اشارہ کیا تو دودھ چھوڑ کر پیغمبرانہ انداز میں گفتگو کرتے ہیں۔ جس میں ان کی شریعت کے بنیادی اور مرکزی مسائل کا بیان ہے۔ جسے قرآن مجید نے اپنے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ یہاں دو باتیں غور طلب ہیں کہ چند دنوں کے بچے کو اپنی ماں کے اشارے کا کس طرح علم ہوا؟ دوسری بات یہ کہ کیا عیسیٰ علیہ السلام کو اتنی چھوٹی عمر میں صاحب کتاب نبی بنا دیا گیا تھا؟ جہاں تک چھوٹی عمر میں نبوت ملنے کا تعلق ہے اس کے بارے میں سب اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ اور عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ گفتگو تھی۔ نبوت انھیں جوانی میں عطا کی گئی تھی۔ رہی بات اپنی والدہ کا اشارہ پا کر شہادت دینے کی تو یہ بھی ایک معجزہ ہے ورنہ اتنا چھوٹا بچہ اشارہ کیا اپنی ماں کی زبان بھی نہیں سمجھ سکتا۔

ذٰلِكَ	عِيسَى	ابْنُ	مَرْيَمَ ۚ	قَوْلَ	الْحَقِّ	الَّذِي
یہ ہے	عیسیٰ	ابن	مریم	بات	حق	وہ جس
فِيهِ	يَمْتَرُونَ ﴿٣٤﴾	مَا	كَانَ	لِلَّهِ	أَنْ	يَتَّخِذَ
میں	وہ لوگ شک کرتے ہیں	نہیں	ہے	اللہ کے لیے	یہ کہ	وہ بنائے
مِنْ وَلَدٍ ۖ	سُبْحَانَهُ ۚ	إِذَا	قَضَىٰ	أَمْرًا	فَإِنَّمَا	
کوئی اولاد	وہ پاک ہے اس سے	جب	وہ فیصلہ کرتا ہے	کسی کام کا	تو صرف	
يَقُولُ	لَهُ	كُنْ	فَيَكُونُ ﴿٣٥﴾			
وہ کہتا ہے	اس کے لیے	ہو جا	تو وہ ہو جاتا ہے			

”یہ عیسیٰ ابن مریم ہے اور یہ ہے اس کے متعلق سچی بات جس میں لوگ شک کر رہے ہیں۔ (٣٤) اللہ کا یہ کام نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ پاک ہے جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔“ (٣٥)

فہم القرآن

ربط کلام: خلاصہ کلام یہ ہے کہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام ایک بندہ تھے۔ خدا نہیں تھے۔

یہاں سارے خطاب کا نچوڑ پیش کرتے ہوئے ذَالِکَ کا لفظ استعمال ہوا۔ جو دور اور نزدیک کے لیے اشارہ کے طور پر بولا جاتا ہے۔ اس کا مقصد اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جن کو لوگ خدا یا خدا کا جزء ٹھہراتے ہیں اور جہاں تک کہ عیسائیوں کا کہنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے۔ انھیں قرآن مجید کی بتلائی ہوئی حقیقت کو پوری طرح سمجھ لینا چاہیے۔ کہ اللہ تعالیٰ بیوی، اولاد اور کسی قسم کی حاجت اور کمزوری سے بے نیاز۔ پاک ہے اور وہ ہر قسم کی شراکت اور لوگوں کی یاوا گوئی سے مبرّا ہے اسے اولاد اور کسی سے شراکت کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ اولاد یا کسی کو اپنے کام میں شریک بنانا کمزوری کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ کسی کام کے بارے میں فیصلہ کرتا ہے تو اسے صرف یہ کہتا ہے کہ ”ہو جا“ تو وہ اس کی منشاء کے مطابق ہو جاتا ہے۔ اس نے عیسیٰ کے متعلق ”کُنْ“ فرمایا اور عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہو گئے۔

مسائل

١۔ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا ہیں۔

٢۔ اللہ تعالیٰ کو اولاد کی ضرورت نہیں وہ اس سے مبرّا اور پاک ہے۔

وَاِنَّ	اللّٰهَ	رَبِّیْ	وَرَبُّكُمْ	فَاعْبُدُوْهُ ؕ	هٰذَا
اور بے شک	اللہ	میرا رب	اور تمھارا رب	سو تم اُسی کی عبادت کرو	یہی ہے

صِرَاطٌ	مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾
راہ	سیدھی

''اور عیسیٰ نے کہا تھا۔ اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے۔ پس تم اس کی ہی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔'' (۳۶)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کو کسی نے جنم نہیں دیا ہے اور نہ ہی کسی نے اس سے جنم لیا ہے۔ وہ تو پوری مخلوق کا خالق و مالک اور بادشاہ ہے۔ اس بنا پر اس کا فرمان ہے کہ صرف میری ہی عبادت کرو۔

حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت اور حقیقت بتلانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور قدرت کے بارے میں بتلایا ہے کہ اُسے کسی کو بیٹا یا شریک بنانے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ قادرِ مطلق ہے اس کا صرف حکم چلتا ہے۔ اس کی ذات کسی حوالے سے بھی کسی کی محتاج نہیں ہے۔ لہٰذا نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو بتلائیں اور سمجھائیں کہ ''اللہ'' ہی میرا اور تمھارا رب ہے۔ صرف اسی ایک کی عبادت کرنی چاہیے یہی صحیح عقیدہ اور صراط مستقیم ہے۔ یاد رہے ''رَبّ'' کا معنیٰ ہے، ہر چیز کو پیدا کرنے والا، ہر ذی روح کو روزی پہنچانے والا، اور زمین و آسمانوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک، بادشاہ اور ہر چیز پر ہر اعتبار سے مکمل اختیار رکھنے والا ہے۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ایک ہی دعوت دیا کرتے تھے۔ اس اللہ کی عبادت کرو جو تمہارا اور میرا رب ہے۔ یاد رہے کہ وہ میرا اور تمہارا باپ نہیں کہتے تھے جس طرح انجیل میں ان کی طرف بار بار اللہ تعالیٰ کے بارے میں باپ کے الفاظ منسوب کیے گئے ہیں۔ حالانکہ وہ میرا اور تمہارے رب کے مقدس اور واضح الفاظ استعمال فرماتے تا کہ لوگوں کو عیسیٰ اور ان کی والدہ کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہ پیدا ہو۔ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور صرف اسی ایک کی عبادت کرنا صراطِ مستقیم ہے۔

پرانے عہد نامہ کی کتاب استثناء میں مرقوم ہے قوم اسرائیل کا مشہور کلمہ شمع (Shama) (عربی: اسمع) اپنے مفہوم کے اعتبار سے اسلام کے کلمۂ شہادت اور قرآن مجید کی سورۃ اخلاص کی پہلی آیت سے چنداں مختلف نہیں ہے۔

خصوصاً اپنے عربی و عبرانی متن میں اس کے الفاظ مبارک اس آیت کی بازگشت ہیں ملاحظہ فرمائیے:

عربی: اِسْمَعْ يَااِسْرَائِيْلُ اِنَّ الرَّبَّ اِلٰهُنَا رَبٌّ وَاحِدٌ

عبرانی: Shama Yisrael Adonoi Elohem.Adonoi Ehod

شمع یاسرائیل ادونائی الوهیم ادونائی احاد

[بائبل عبرانی و اردو، کتاب استثناء ۶: ۴۔ الکتاب المقدس عربی ۱۰ ط۔ بیروت ۱۸۹۹ء) پرانے اور نئے عہد

نامہ کی وضاحت کے لیے دیکھئے باب ہفتم۔]

''سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا ایک ہی خدا ہے۔''

کتاب استثناء میں دوسری جگہ ہے:

''خداوند ہی خدا ہے اور اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں۔'' [استثناء:۴، ۳۵]

پرانے عہد نامہ میں ہے حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا میں یہ الفاظ موجود ہیں:

''تو ہی واحد خدا ہے۔'' [زبور:۸٦:۱۰]

عہد نامہ قدیم میں ایک اور جگہ لکھا ہے:

''خداوند فرماتا ہے میں ہی خدا ہوں مجھ سے پہلے کوئی خدا نہ ہے اور میرے بعد بھی کوئی نہ ہوگا......''

[یسعیاہ:۴۳:۱۰، ۱۲] یعنی اوّل و آخر اس کی ذات ہے۔

نیز فرمایا: ''میں خداوند سب کا خالق ہوں، میں ہی اکیلا آسمان کو تاننے اور زمین کو بچھانے والا ہوں، کون میرا شریک ہے۔'' [یسعیاہ:۴۴:۲۴]

برناباس۔ باب ۱۱ میں ہے:

تو اس خدا کی عبادت کر جس نے تجھے پیدا کیا ہے اور وہی تجھے صحت عطا کرے گا کیونکہ میں ویسا ہی ایک انسان ہوں جیسا تو ہے۔

اکثر مفسرین نے عبادت کا معنی تذلّل یعنی نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پرستش کرنا بیان کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عبادت میں عاجزی اور انتہا درجے کی انکساری ضروری ہے کہ آدمی اللہ کے حضور قیام کرے تو نا صرف زبان سے اقرار کرے بلکہ اس کا پورا جسم خاموش گواہی دے رہا ہو کہ میرے جسم کا ایک ایک ریشہ تیرے حضور عاجز و بے بس ہے۔ جبینِ نیاز جھکائے تو اپنے آپ کو عجز و انکساری کی انتہا تک لے جائے گویا کہ وہ پستیوں کے سمندر میں ڈوب چکا ہے۔ زبان جنبش کرے تو اس کی حمد و ثنا کے گیت گائے۔ دستِ سوال دراز کرے تو سراپا التجا بن جائے۔ مال خرچ کرے تو اس عاجزی کے ساتھ کہ میں تو مالک کی ملکیت ہی واپس لوٹا رہا ہوں نہ یہ میرا مال ہے اور نہ اس میں میرا کمال ہے۔

تفسیر بالقرآن

صراطِ مستقیم:

۱۔ کیا صراطِ مستقیم پر چلنے والا اور نہ چلنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ (النحل:٧٦)

۲۔ جس شخص نے اللہ کی رسی کو پکڑ لیا اس نے صراط مستقیم کی رہنمائی پالی۔ (آل عمران:۱۰۱)

۳۔ صراطِ مستقیم یہ ہے کہ اللہ کو ایک مانا جائے۔ (آل عمران:۵۱)

۴۔ اللہ واحد کی عبادت کرنے والا ہی صراطِ مستقیم پر ہے۔ (یٰس:٦١)

فَاخْتَلَفَ	الْاَحْزَابُ	مِنْۢ	بَيْنِهِمْ	فَوَيْلٌ	لِّلَّذِيْنَ
پھر اختلاف کیا	گروہ	میں	آپس	چنانچہ ہلاکت ہے	ان لوگوں کے لیے

كَفَرُوْا	مِنْ	مَّشْهَدِ	يَوْمٍ	عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾	اَسْمِعْ	بِهِمْ
انہوں نے کفر کیا	سے	حاضری	دن	بڑے	سنتے ہوں گے	وہ

وَاَبْصِرْ	يَوْمَ	يَاْتُوْنَنَا	لٰكِنِ	الظّٰلِمُوْنَ	الْيَوْمَ	فِيْ
اور دیکھتے ہوں گے	جس دن	وہ ہمارے پاس آئیں گے	لیکن	ظالم	آج کے دن	میں

ضَلٰلٍ	مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾	وَاَنْذِرْهُمْ	يَوْمَ	الْحَسْرَةِ	اِذْ	قُضِيَ
گمراہی	صریح	اور آپ انہیں ڈرائیں	دن	حسرت	جب	فیصلہ کیا جائے گا

”پھر کچھ گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے پس جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے بربادی ہوگی۔ وہ بڑے دن کا سامنا کریں گے۔ (۳۷) جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے۔ اس دن ان کے کان خوب سن رہے ہوں گے اور ان کی آنکھیں بھی اچھی طرح دیکھ رہی ہوں گی مگر آج ظالم کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ (۳۸) اے نبی انہیں اس دن سے ڈراؤ۔ جب ان کے اعمال کا فیصلہ کیا جائے گا۔

فہم القرآن

ربط کلام: حقیقت واضح ہونے کے باوجود عیسائی اور یہودی اختلاف کرتے ہیں۔ عیسائیوں، یہودیوں اور حق کا انکار کرنے والوں کا انجام۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات، کردار اور عقیدہ کے بارے میں علمی، عقلی اور تاریخی حقائق کے حوالے سے کھول کر بیان کیا ہے کہ مریم علیہا السلام کے ماں باپ کون اور کس قدر صالح کردار لوگ تھے۔ حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش، ان کی تربیت، ان کا عیسیٰ علیہ السلام کو جنم دینا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی والدہ کی صفائی پیش کرنا اور اپنی ذات کے بارے میں وضاحت کرنے کے ساتھ، اپنا عقیدہ بتلاتے ہوئے لوگوں کو ایک رب کی عبادت کی دعوت دینا، اس کے باوجود عیسائی اور یہودی ان کی ذات اور عقیدہ کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔ جن کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ لوگ حقائق کا انکار اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں ان کے لیے اس دن ہلاکت اور بربادی ہوگی۔ جس دن لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا۔ حقائق کے منکر آج سچ سننے اور اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں لیکن جس دن اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو اس دن سب کچھ دیکھ لیں گے اور ہر بات اچھی طرح سنیں گے۔ انھیں پتہ چل جائے گا اور پوری طرح یقین ہوجائے گا۔ کہ آج کے دن تباہی ہی تباہی ہے۔ اے پیغمبر! ان کے انکار کے باوجود انھیں اس دن کے حسرت ونقصان سے

الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۳۹

معاملہ اور وہ میں غفلت اور وہ نہیں وہ ایمان لاتے

اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَیْهَا وَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ۝۴۰ ع

بلاشبہ ہم ہی وارث ہوں گے زمین اور ان کے جو اس پر اور ہماری طرف ہی وہ لوٹائے جائیں گے

اس حالت میں جب کہ یہ لوگ غافل ہیں اور ایمان نہیں لا رہے اور اس دن پچھتاوے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔(۳۹) آخر کار ہم ہی زمین اور اس کی ساری چیزوں کے وارث ہوں گے اور سب ہماری طرف ہی لوٹائے جائیں گے۔''(۴۰)

ڈرایئے کیونکہ وہ اپنی غفلت کی وجہ سے آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ انھیں اس حقیقت سے بھی آگاہ فرمایئے کہ یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے ہم ہی اس کے حقیقی وارث ہیں لہٰذا کوئی ایمان لائے یا نہ لائے سب نے ہماری بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقْبِضُ اللّٰهُ الْاَرْضَ یَوْمَ الْقِیَا مَةِ وَیَطْوِی السَّمَاءَ بِیَمِیْنِهٖ ثُمَّ یَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَیْنَ مُلُوْكُ الْاَرْضِ))[رواہ البخاری:باب یقبض اللّٰہ الارض]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو اپنے قبضہ میں لے لے گا اور آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لیتے ہوئے فرمائے گا کہ میں ہی بادشاہ ہوں آج زمین کے بادشاہ کہاں ہیں۔؟''

مسائل

۱۔ آخرت کا انکار کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔ ۲۔ قیامت کے دن کفار کے لیے حسرت بربادی ہوگی۔

۳۔ زمین وآسمانوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کا حقیقی اور دائمی وارث صرف ''اللہ'' ہے۔

۵۔ زمین اور اس کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ۶۔ ہر کسی کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی وارث ہے:

۱۔ زکریا علیہ السلام نے کہا اے میرے پروردگار! مجھے تنہا نہ چھوڑ اور تو ہی بہترین وارث ہے۔(الانبیاء:۸۹)

۲۔ زمین اور جو کچھ اس میں ہے ہم اس کے وارث ہیں اور وہ ہماری طرف لوٹیں گے(مریم:۴۰)

۳۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے زمین میں خلیفہ بناتا ہے۔(الانعام:۱۳۳)

وَاذْكُرْ	فِي	الْكِتٰبِ	اِبْرٰهِيْمَ ؕ	اِنَّهٗ	كَانَ
اور ذکر کیجیے	میں	کتاب	ابراہیم	بے شک وہ	وہ تھا

صِدِّيْقًا	نَّبِيًّا ﴿٤١﴾
نہایت سچا	نبی

''اور اس کتاب میں ابراہیم کا واقعہ بیان کیجیے یقیناً وہ سچے نبی تھے۔'' (٤١)

فہم القرآن

ربط کلام: تین شخصیات میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ زکریا علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اولاد پیدا کرنے کی عمر سے گزر چکے تھے۔ حضرت مریم علیہا السلام کا معاملہ سب کے سامنے ہے کہ وہ کنواری تھیں انہیں بیٹا پیدا ہونے کا تصور بھی نہیں آ سکتا تھا۔ اس لیے حضرت زکریا علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کے تذکرہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت، ان کی بے مثال قربانیاں اور عظیم جدوجہد کا تذکرہ کرنے سے پہلے اُنھیں صدیق کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ نبی تمام کے تمام صدیق ہوتے ہیں مگر ابراہیم علیہ السلام کی صداقت سب سے اونچے مقام پر ہے۔ کیونکہ ہر نبی کسی ایک خوبی میں دوسرے انبیاء علیہم السلام سے ممتاز ہوا کرتا تھا۔ جس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے، کہ یہ رسول ہیں جنہیں ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت دی البقرۃ:٢٥٣۔ صدیق کے کئی معانی ہیں جن میں امتیازی معنٰی یہ ہے کہ قول وفعل میں یکسانیت ہونے کے ساتھ اُس کے دل میں اپنے عقیدہ اور مشن کے بارے میں کسی لچک کا خیال نہ آئے۔ قول وفعل کی یکسانیت کے ساتھ دل کی صداقت کا یہ منفرد مقام ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بدرجہ اتم سرفراز فرمایا تھا۔

شاید اس لیے بھی اُنھیں صدیق کا لقب عطا کیا گیا کیونکہ انھوں نے اپنی زندگی میں تین باتیں ایسی کہی تھیں جن کا مفہوم بظاہر الفاظ کے کچھ خلاف دکھائی دیتا ہے اس بنا پر بالواسطہ تردید کی گئی ہے۔

امت کے اکثر اہل علم نے اس روایت کے ان الفاظ کو تعریض اور توریہ پر محمول کیا تاکہ حدیث کی اسناد پر اعتماد بحال رہے اور قرآن وسنت میں تعارض پیدا کیے بغیر خلیل خدا کی صداقت پر آنچ نہ آنے پائے بلکہ اس روایت سے بھی ان کی تائید و تصدیق ہو جائے۔ بعض علماء نے ان الفاظ ''لَمْ یَکْذِبْ اِبْرَاهِیْمُ اِلَّا ثَلَاثَ کَذِبَاتٍ'' کی حقیقی معنوں میں لیا ہے اور پھر اس کی وضاحت فرمائی ہے جو کہ عنقریب آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔ اس کے ساتھ چند علماء ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے یہ کہا کہ ابراہیم علیہ السلام کو جھوٹا کہنے کی بجائے راوی کو جھوٹا کہنا زیادہ آسان اور بہتر ہے۔ ظاہر ہے تمام علماء نے نیک نیتی اور حضرت خلیل کی صداقت کی خاطر یہ انداز اختیار فرمایا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اجتہاد کرنے والے کو دو میں سے ایک ثواب ضرور مل جائے گا۔ بشرطیکہ نیک نیتی سے یہ کام کیا گیا ہو۔

قرآن مجید کا حضرت خلیل علیہ السلام کی حیات طیبہ کے مختلف گوشوں پر تفصیلی روشنی ڈالنے کا منشا یہ ہے کہ اہل عرب بالعموم اور قریش بالخصوص حضرت والا کی ذات بابرکات کے ساتھ اپنا تعلق بڑے فخریہ انداز میں بیان کرتے اور انکے متبع ہونے کا دعویٰ کرتے تھے، ساتھ ہی ساتھ یہ دعویٰ بھی کرتے کہ صرف ہم ہی ملت حنیف کے فدائی اور شیدائی ہیں۔ مشرکین عرب کے علاوہ یہود و نصاریٰ بھی اپنی اپنی جگہ ان کو اپنا پیشوا گردانتے اور مانتے ہیں۔

﴿قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [آل عمران: ۹۵]

”آپ اعلان فرما دیں کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے۔ آپ یکسو ہو کر عبادت کرنے والے ابراہیم کے طریقہ کی اتباع کرتے جائیں۔ ابراہیم شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔“

﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾

[آل عمران: ٦٧]

”ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ تو یک سو مسلمان تھے اور نہ ہی وہ مشرکین میں سے تھے۔

مسائل

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام صدیقیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات مبارکہ لوگوں کے سامنے بیان کرنا لازم ہے

تفسیر بالقرآن

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اوصافِ حمیدہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ قرآن مجید میں (۶۳) مرتبہ ہوا ہے۔

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے نبی تھے۔ (مریم: ۵۸)

۲۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے سے ہی ہدایت نواز رکھا تھا۔ (الانبیاء: ۵۱)

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اکیلے ہی ایک جماعت تھے۔ (النحل: ۱۲۰)

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے نرم دل اور متحمل مزاج تھے۔ (التوبۃ: ۱۱۴)

۵۔ یقیناً ابراہیم علیہ السلام بڑے متحمل مزاج، نرم دل اور اللہ تعالیٰ کی رجوع کرنے والے تھے۔ (ھود: ۷۵)

۶۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام امت محمدیہ کے مقتدیٰ ہیں۔ (آل عمران: ۹۵)

اِذْ	قَالَ	لِاَبِيْهِ	يٰۤاَبَتِ	لِمَ	تَعْبُدُ		مَا لَا
جب	اس نے کہا	اپنے باپ کو	اے میرے باپ!	کیوں	تو عبادت کرتا ہے		اس چیز کی جو نہ
يَسْمَعُ	وَلَا	يُبْصِرُ	وَلَا	يُغْنِيْ	عَنْكَ	شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾	
وہ سنتا ہے	اور نہ	وہ دیکھتا ہے	اور نہ	وہ کام آسکتا ہے	تیرے	کچھ بھی؟	
يٰۤاَبَتِ	اِنِّيْ	قَدْ	جَآءَنِيْ	مِنَ	الْعِلْمِ	مَا لَمْ	
اے میرے باپ!	بے شک میں	تحقیق	آیا ہے میرے پاس	سے	علم	جو نہیں	
يَاْتِكَ	فَاتَّبِعْنِيْۤ	اَهْدِكَ	صِرَاطًا	سَوِيًّا ﴿۴۳﴾	يٰۤاَبَتِ	لَا تَعْبُدِ	
آیا تیرے پاس	لہٰذا تو میری پیروی کر	میں تجھے بتلاؤں گا	راہ	سیدھی	اے میرے باپ!	نہ تو عبادت کر	

”جب اس نے اپنے باپ سے کہا کہ اے ابا جان آپ کیوں ان چیزوں کی عبات کرتے ہیں؟ جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کے کوئی کام آسکتی ہیں (۴۲) اے ابا جان میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں۔ آپ میرے پیچھے چلیں میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ (۴۳) اے ابا جان آپ شیطان کی بندگی نہ کریں

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوت کا آغاز اپنے گھر سے فرمایا یہی بہترین اور فطری طریقہ ہے کہ داعی اپنی دعوت کا آغاز اپنے گھر سے کرے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم اور ان کے والد آذر بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیغمبرانہ طریقہ کے مطابق تبلیغ کا آغاز اپنے گھر سے کیا۔ چنانچہ باپ کے مرتبہ کا خیال رکھتے ہوئے نہایت ادب کے ساتھ فرماتے ہیں کہ اے والد گرامی! آپ بتوں کی کیوں عبادت کرتے ہیں؟ جو نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی آپ کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ اے والد گرامی! یقیناً میرے پاس ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس موجود نہیں۔ میری بات مانیں میں آپ کو سیدھے راستے کی رہنمائی کروں گا۔ اے میرے والد آپ شیطان کی عبادت نہ کریں شیطان ربِ رحمٰن کا نافرمان ہے۔ اے میرے باپ! مجھے ڈر ہے کہ شرک کی وجہ سے ربِ رحمٰن کا آپ پر عذاب نازل نہ ہو جائے اور آپ شیطان کے ساتھی قرار پائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا علم عطا فرمایا ہے جو آپ کے پاس نہیں۔ مراد نبوت کا علم ہے۔ نبی کی نبوّت اور اُس کی اِتباع کے بغیر کوئی شخص حقیقی رہنمائی حاصل نہیں کرسکتا اور نہ ہی اُسے ہدایت یافتہ قرار دیا جا سکتا ہے جو شخص اس راستہ سے ہٹے گا وہ شیطان کا ساتھی قرار پائے گا۔ اُسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی چیز بچا نہیں

الشَّيْطٰنَ ؕ	اِنَّ	الشَّيْطٰنَ	كَانَ	لِلرَّحْمٰنِ	عَصِيًّا ﴿٤٤﴾	يٰۤاَبَتِ
شیطان	بلاشبہ	شیطان	ہے	رحمٰن کا	نافرمان	اے میرے باپ!

اِنِّيْۤ	اَخَافُ	اَنْ	يَّمَسَّكَ	عَذَابٌ	مِّنَ الرَّحْمٰنِ
بے شک میں	ڈرتا ہوں	یہ کہ	وہ چھوئے آپکو	عذاب	رحمٰن کی طرف سے

فَتَكُوْنَ	لِلشَّيْطٰنِ	وَلِيًّا ﴿٤٥﴾
پھر تو ہو جائے	شیطان کے لیے	دوست

شیطان تو رحمان کا نافرمان ہے۔(۴۴) اے ابا جان مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو رحمان کا عذاب آ پہنچے اور آپ شیطان کے ساتھی بن کر رہ جائیں۔''(۴۵)

سکتی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے سامنے توحید کی دعوت پیش کرتے ہوئے جو پہلی بات فرمائی وہ یہ تھی کہ پتھر اور مٹی کی بنی ہوئی مورتیاں نہ سن سکتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ ہی کسی کو کچھ فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔یادر ہے کہ بتوں کے سامنے جھکنے اور اُن کے سامنے اپنی حاجات پیش کرنے والوں سے بات کی جائے تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اِن کی عبادت نہیں کرتے۔ چونکہ اِن میں ہمارے بزرگوں کی رُوح حلول کر چکی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے خوش ہو کر کچھ اختیارات دے رکھے ہیں۔جس وجہ سے یہ ہماری فرمادیں رب کے حضور پہنچاتے اور ہمیں رب تعالیٰ کے قریب کر دیتے ہیں۔یہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔ہم ان کے وسیلہ اور برکت سے مانگتے ہیں۔ایسے لوگ کا یہ بھی نظریہ ہے کہ اس طرح ذکر اور عبادت کرنے میں سکون ملتا اور یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ عبادت کو شیطان کی عبادت قرار دیا ہے۔یہی بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو سمجھائی تھی۔اسی طریقۂ عبادت سے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ اور لوگوں کو روکا کرتے تھے۔

فرق یہ ہے کہ مکہ کے لوگ بتوں کو عبادت کا ذریعہ بناتے ،یہودی اور عیسائی انبیاء اور اولیاء کی قبروں کو قُرب کا ذریعہ بناتے تھے۔جبکہ فوت شدگان کے بارے میں قرآن مجید دوٹوک الفاظ میں وضاحت کرتا ہے کہ یہ نہ کوئی بات سنتے ہیں اور نہ ہی کسی کی مدد کر سکتے ہیں انہیں تو یہ بھی خبر نہیں کہ انہیں موت کے بعد کب اٹھا جائے گا۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ○اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾ [النحل: ٢٠]

''اور وہ لوگ جو اللہ کے سوا غیر اللہ کو پکارتے ہیں اُنہوں نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔وہ مردہ ہیں زندہ نہیں اور انہیں یہ بھی خبر نہیں کہ اُنہیں کب اُٹھایا جائے گا۔''

جہاں تک بتوں یا مدفون لوگوں کے وسیلہ کا معاملہ ہے یہی بات تو کفار مکہ کہا کرتے تھے۔

﴿وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖ أَوْلِیَاءَ مَا نَعْبُدُھُمْ إِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا إِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی﴾[الزمر:۳]

''وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے علاوہ کارساز بنار کھے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم توان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کردیں۔''

﴿وَإِذَا قِیْلَ لَھُمُ اتَّبِعُوْا مَا أَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَیْنَا عَلَیْہِ اٰبَاءَ نَا﴾ [البقرۃ:۱۷۰]

''اور جب کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل فرمایا ہے تو کہتے ہیں نہیں بلکہ ہم اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔''

مسائل

۱۔ توحید کی دعوت ہر چھوٹے، بڑے کو دینا چاہیے۔

۲۔ دعوت کا آغاز اپنے اقرباء سے کرنا چاہیے۔

۳۔ نبی آخرالزّماں ﷺ کی اتباع کے بغیر کوئی شخص ہدایت نہیں پاسکتا۔

۴۔ توحید اور رسالت کا انکار کرنے والا شیطان کا ساتھی ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

شیطان کے ساتھی کون؟:

۱۔ اے میرے باپ شیطان کی عبادت نہ کرو یقیناً شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے اے میرے باپ مجھے ڈر لگتا ہے کہ آپ کو رحمٰن کا عذاب آلے اور آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں۔ (مریم:۴۴۔۴۵)

۲۔ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ (بنی اسرائیل:۲۷)

۳۔ یقیناً شیطان تمھیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے ان سے نہ ڈرو۔ (آل عمران:۱۷۵)

۴۔ جس کا ساتھی شیطان ہو وہ بدترین ساتھی ہے۔ (النساء:۳۸)

۵۔ تم شیطان کے دوستوں سے لڑائی کرو یقیناً شیطان کی تدبیر کمزور ہے۔ (النساء:۷۶)

۶۔ جس نے شیطان کو اپنا دوست بنایا وہ خائب وخاسر ہوا۔ (النساء:۱۱۹)

۷۔ شیطان انسان کا دشمن ہے۔ (البقرۃ:۱۶۸)

۸۔ شیطان کی رفاقت کا بدترین انجام۔ (الفرقان:۲۷،۲۹)

قَالَ	اَ	رَاغِبٌ	اَنْتَ	عَنْ	اٰلِهَتِيْ	يٰٓاِبْرٰهِيْمُ
اس نے کہا	کیا	بے رغبتی کرتا ہے	تو	سے	میرے معبود	اے ابراہیم؟
لَئِنْ	لَّمْ	تَنْتَهِ	لَاَرْجُمَنَّكَ	وَاهْجُرْنِيْ	مَلِيًّا ۝٤٦	
البتہ اگر	نہ	باز آیا تو اس سے	میں تجھے ضرور سنگسار کردوں گا	اور تو دور جا مجھ سے	لمبا عرصہ	

''باپ نے کہا اے ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا۔ بس تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور ہو جا۔'' (۴۶)

فہم القرآن

ربط کلام: باپ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جواب۔

غور فرمائیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کس قدر ادب واحترام اور سوز مندی کے ساتھ اپنے والد کو توحید سمجھائی اور بحیثیت نبی اپنی اتباع کی دعوت دی مگر باپ نے کہا کہ میری آنکھوں سے ہمیشہ کے لیے دور ہو جا۔ ورنہ میں تمھیں پتھر مار مار کر سنگسار کر دوں گا۔ ''مَلِيًّا'' کا معنٰی ہے کسی کو ہمیشہ کے لیے دور کر دینا ہے۔ ہر معاشرے میں یہ مقولہ ہے کہ اولاد ماں باپ کو چھوڑ سکتی ہے لیکن ماں باپ اولاد کو نہیں چھوڑ سکتے۔ لیکن مشرک اس قدر سخت مزاج، بد اخلاق اور کم ظرف ہوتا ہے کہ توحید قبول کرنا تو در کنا توحید کی دعوت سننے کا حوصلہ بھی نہیں رکھتا۔ مشرکین نے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام اور توحید کی دعوت دینے والے مبلّغین کے ساتھ یہی روّیہ اختیار کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کے ساتھ یہی کچھ ہوتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ مشرکوں نے اپنے اہل خانہ اور عزیز واقرباء کے ساتھ مظالم کی انتہا کر دی اور قیامت تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔

مسائل

۱۔ والد نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سنگسار کرنے کی دھمکی دی۔

۲۔ مشرک بڑا متشدد ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء علیہم السلام اور ایمان والوں کو مشرکوں کی دھمکیاں:

۱۔ ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے کہا اگر تو باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کردوں گا بس تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور ہو جا۔ (مریم: ۴۶)

۲۔ مشرکوں کی حضرت نوح علیہ السلام کو دھمکی اگر تو باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر دیا جائے گا۔ (الشعراء: ۱۱۶)

۳۔ مشرکوں کی حضرت لوط علیہ السلام کو دھمکی کہ اگر تو باز نہ آیا تو تمھیں شہر بدر کر دیں گے۔ (الشعراء: ۱۶۷)

۴۔ فرعون کی ایمانداروں کو دھمکیاں کہ میں تمھارے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دوں گا اور تمھیں کھجور کے تنوں پر سولی چڑھا دوں گا۔ (طٰہٰ: ۷۱)

۵۔ مشرکوں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا کہ ہم تجھے اور تیرے ساتھ ایمان لانے والوں کو شہر سے نکال دیں گے۔ (الاعراف: ۸۸)

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ

اس نے کہا سلام تجھ پر میں مغفرت طلب کروں گا تیرے لیے اپنے رب یقیناً وہ

كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

ہے میرے ساتھ نہایت مہربان اور میں تم سے کنارہ کش ہوتا ہوں اور جو تم پکارتے ہو سے سوائے اللہ

وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾

اور میں پکارتا ہوں میرا رب عنقریب یہ کہ نہیں ہوں گا میں اپنے رب کو پکار کر محروم

”ابراہیم نے کہا آپ کو سلام ہو میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ آپ کو بخش دے۔ میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔(۴۷) میں آپ لوگوں کو چھوڑتا ہوں اور ان کو بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ میں اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہیں ہوں گا۔“(۴۸)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کو مؤدبانہ جواب۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو سخت جواب دینے کی بجائے نہایت ادب کے ساتھ فرمایا آپ میری دعوت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو میرا آپ کو سلام ہو۔ میں آپ کے لیے اپنے رب سے بخشش کی دعا کروں گا کیونکہ وہ بڑا ہی مہربان ہے۔ اب میں آپ اور جن کو بھی تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو اُن سے کنارہ کش ہوتا ہوں۔ میں تو اپنے رب کو ہی پکارتا رہوں گا۔ میرا ایمان ہے کہ میرا رب مجھے کبھی محروم نہیں کرے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ سے رخصت ہوتے ہوئے انھیں سلام کیا۔ ظاہر ہے کہ ان کی شریعت میں مشرک کو سلام کرنے کی اجازت ہوگی یا پھر اِس سلام سے مراد وہی سلام ہے جو جھگڑالو شخص کو کہنے کا حکم ہے۔

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا﴾ [الفرقان:٦٣]

”اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر وقار کے ساتھ چلتے ہیں جب ان سے جاہل گفتگو کرتے ہیں تو وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ تمہیں سلام۔“

جہاں تک باپ کے حق میں دعا کرنے کا تعلق ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ میرا والد اللہ کا دشمن ہے تو وہ اپنے باپ سے پوری طرح بیزار ہوگئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے باپ کی سختی اور دھمکی کے باوجود اِس لیے دعا کرنے کا وعدہ کیا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام دوسرے کا دُکھ دیکھ کر تڑپ جانے والے اور بڑے ہی حوصلہ والے تھے۔ (التوبۃ:۱۱۴)

نہ معلوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کتنی مدت باپ اور اپنی قوم کو سمجھاتے رہے۔ جب انھیں یقین ہو گیا کہ میرا باپ اور قوم میری دعوت ماننے کے لیے تیار نہیں تو انہوں نے باپ اور قوم سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ (الصّٰفّٰت:۹۹) قرآن مجید کے اسلوب بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ اور قوم سے علیحدگی کا اعلان آگ میں جھونکے جانے کے بعد کیا۔ دوسرے الفاظ میں ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کا اعلان کیا۔ ایسے موقعہ پر کفار اور مشرکین کے ساتھ مقاطعہ کی اجازت ہوتی ہے تا کہ وقت ضائع کرنے کی بجائے ان لوگوں کو دعوت دی جائے۔ جن تک پہلے دعوت نہ پہنچ پائی ہو۔

مسائل

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ اور قوم سے کنارہ کش ہو گئے۔
۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی دعاؤں کے بارے میں اپنے رب پر پورا یقین تھا۔

تفسیر بالقرآن

کفار اور مشرکین کے ساتھ مقاطعہ کرنے کا حکم:

۱۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں آپ لوگوں سے اور جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو ان سے کنارہ کش ہوتا ہوں۔ (مریم:۴۷)
۲۔ اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ (المائدۃ:۵۱)
۳۔ اے ایمان والو! اگر تمہارے آباء اسلام پر کفر کو ترجیح دیں تو اپنے آباء اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ۔ (التوبۃ:۲۳)
۴۔ اے ایمان والو! کفار کو مومنوں کے مقابلہ میں دوست نہ بناؤ۔ (النساء:۱۴۴)
۵۔ اے ایمان والو! جن لوگوں نے تمھارے دین کو کھیل تماشہ بنا رکھا ہے انہیں دوست نہ بناؤ۔ (المائدۃ:۵۷)
۶۔ اللہ تمھیں منع کرتا ہے کہ تم ان سے دوستی کرو جنھوں نے تمھارے دین میں جھگڑا کیا اور تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا۔ (الممتحنۃ:۹)
۷۔ ابراہیم معبودان باطل کے انکاری اور براءت کا اظہار کرتے تھے۔ (الممتحنۃ:۴)
۸۔ ھود علیہ السلام نے کہا میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔ (ھود:۵۴)
۹۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں اللہ تعالیٰ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ (یوسف:۱۰۸)
۱۰۔ اے کافرو تمہارے لیے تمہارا دین میرے لیے میرا دین ہے۔ (الکافرون)

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ

پھر جب وہ ان سے کنارہ کش ہوگیا اور وہ عبادت کرتے تھے سے سوا اللہ

وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝۴۹

ہم نے عطا کیے اس کو اسحاق اور یعقوب اور ہر ایک ہم نے بنایا نبی

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ

اور ہم نے نوازا ان کے لیے سے اپنی رحمت ہم نے کر دی ان کے لیے

لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝۵۰ ع

زبان سچائی بلند

ع ۳ ۶

’’جب ابراہیم ان سے اور ان کے معبودانِ باطل سے الگ ہو گئے تو ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب جیسی اولاد سے نوازا۔ اور ہر ایک کو نبی بنایا۔ (۴۹) ان کو اپنی رحمت سے نوازا اور ان کو نیک نامی عطا فرمائی۔‘‘ (۵۰)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت اور ان پر اللہ تعالیٰ کا انعام۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام دعائیں کرتے ہوئے عراق کی سرزمین سے رخصت ہوئے۔ یہاں ان کی دو دعاؤں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ پہلی دعا یہ تھی کہ میں اپنے رب کی خاطر سب کچھ چھوڑ رہا ہوں وہی ہجرت کے دوران میری رہنمائی فرمائے گا۔ (الصّٰفّٰت: ۹۹) دوسری دعا انھوں نے یہ کی کہ میرے رب! مجھے نیک اولاد عطا فرما۔ اس دعا کے صلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دی گئی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بیٹا اور پوتا عنایت کرے گا اور دونوں کو نبی بنائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنی بے پناہ رحمت سے نوازا اور اُن کے نام اور کام کو شہرت دوام بخشی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی دعا کی تھی۔ میرے رب مجھے حکمت و دانائی اور قوتِ فیصلہ عطا فرمانے کے ساتھ نیک لوگوں کی رفاقت عنایت فرما۔ میری یہ بھی دعا ہے کہ موت کے بعد میرا تذکرہ دنیا میں خیر کے ساتھ ہوتا رہے۔ (الشعراء: ۸۳، ۸۴) اسی دعا کا صلہ ہے کہ دنیا کے تمام آسمانی مذاہب اور ہر دور کے مذہبی لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ ان کے ساتھ تعلق کا اظہار کرنا اپنے لیے قابل افتخار سمجھتے ہیں اور ہر کوئی ان کا تذکرہ اچھے الفاظ میں کرتا ہے۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ شاید اس لیے نہیں کیا گیا کیونکہ ان کا ذکر دو آیات کے بعد آرہا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نا صرف حضرت اسحاق سے عمر میں بڑے تھے بلکہ ان کا مرتبہ اور مقام بھی حضرت اسحاق سے بڑا ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا

اور تذکرہ کیجیے میں کتاب موسیٰ بلاشبہ وہ تھا مخلص

وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ

اور تھا رسول نبی ہم نے اسے آواز دی سے جانب طور

الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ

دائیں اور ہم نے اسے قریب کیا سرگوشی اور ہم نے عطا کیا اسے کے لیے سے اپنی رحمت

اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾

اس کا بھائی ہارون نبی

اس کتاب سے تذکرہ کیجیے موسیٰ کا وہ ایک مخلص شخص اور رسول نبی تھا۔(۵۱) ہم نے اس کو طور کے دائیں جانب سے بُلایا اور رازدارانہ گفتگو کے لیے قریب کیا۔(۵۲) اور اپنی مہربانی سے اس کے بھائی ہارون کو نبی بنایا۔‘‘(۵۳)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ۔

جس طرح حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت طیبہ بیان کرنے کا حکم ہے اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کی حیات طیبہ بیان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحبِ کتاب رسول تھے۔ جنھیں مخلص ہونے کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں اس وقت قبول ہوئیں۔ جب وہ بے بس اور ظاہری اسباب سے مایوس ہو چکے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا بھی اس وقت قبول ہوئی جب وہ غریب الوطن اور سفر کی صعوبتوں میں مبتلا تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے اپنی اہلیہ کے ساتھ آٹھ یا دس سال کے عرصہ کے بعد مصر کی طرف انتہائی غم کے عالم میں واپس آرہے تھے۔ کیونکہ فرعون نے انھیں قتل کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔ جس بناء پر انھوں نے مصر چھوڑا تھا۔ واپس جب طور پہاڑ کے قریب آئے تو طور کی دائیں جانب سے ایک آواز آئی۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی آواز قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے کوہِ طور کی دائیں جانب موسیٰ علیہ السلام کو اپنے قریب کیا اور اُس سے سرگوشی کی۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام کو اپنی رحمت کے دامن میں جگہ دی اور اُس کے بھائی کو بھی نبوت کے منصب پر فائز فرمایا۔ سفر کے دوران انھیں فرعون کی طرف جانے کا حکم ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو عذر پیش کیے تھے۔ جن میں ایک یہ تھا کہ میرے رب! خدشہ ہے کہ فرعون مجھے قتل نہ کر دے۔

میں چاہتا ہوں کہ میرے بھائی ہارون کو میرا معاون بنایا جائے ۔ کیونکہ وہ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے مجھ سے زیادہ صاحبِ زبان ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کرتے ہوئے ان کے بھائی کو نبوت کا منصب عطا فرمایا۔جس کا یہاں مختصر تذکرہ ہے۔(الشعراء:۱۰تا۱۴)

یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک ایسے وصف کا ذکر کیا گیا ہے جس بناء پر وہ دوسرے انبیاء علیہم السلام سے منفرد اور ممتاز دکھائی دیتے ہیں۔وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سوائے موسیٰ علیہ السلام کے کسی پیغمبر کے ساتھ براہِ راست گفتگو نہیں فرمائی۔(النساء:۱۶۴)

اسی بنیاد پر انھیں مُخلَصًا کے لقب سے نوازا گیا ہے۔جس کا اکثر اہل علم نے یہی معنیٰ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ بات کرنے میں مخصوص فرمایا تھا۔

مخلص کا معنی ہے۔خالص دوستی کرنا،نجات پانا،محفوظ رہنا،صاف ہونا۔

مسائل

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت بیان کرنے کا حکم ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ ہم کلامی کا شرف بخشا۔

۳۔ موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے صلہ میں اُن کے بھائی ہارون کو بھی نبی بنایا گیا۔

تفسیر بالقرآن

موسیٰ علیہ السلام کے اوصافِ حمیدہ کا مختصر تذکرہ:

۱۔ موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ قرآن مجید میں ۱۳۵ مرتبہ آیا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو واضح دلائل سے نوازا۔(النساء:۱۵۳)

۳۔ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوئے۔(النساء:۱۶۴)

۴۔ اے موسیٰ میں نے تجھے اپنی رسالت اور کلام کے لیے چن لیا ہے۔(الاعراف:۱۴۴)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو آیات اور واضح دلائل دے کر فرعون کے پاس بھیجا۔(ھود:۹۶)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نو واضح نشانیاں دیں۔(بنی اسرائیل:۱۰۱)

۷۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نورِ ہدایت کی طرف بلاتے تھے۔(ابراہیم:۵)

۸۔ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے پردے میں بات کرتا تھا۔(الشوریٰ:۵۱)

وَاذْكُرْ	فِي	الْكِتٰبِ	إِسْمٰعِيلَ	إِنَّهُ	كَانَ	صَادِقَ
اور ذکر کیجیے	میں	کتاب	اسماعیل	بلاشبہ وہ	تھا	سچا
الْوَعْدِ	وَكَانَ	رَسُولًا	نَّبِيًّا ﴿٥٤﴾			
وعدے	اور تھا وہ	رسول	نبی			

''اور قرآن مجید سے اسماعیل کا ذکر خیر کیجیے وہ وعدے کا سچا اور رسول نبی تھا۔'' (٥٤)

فہم القرآن

ربط کلام: انبیاء کرام علیہم السلام کے اوصاف حمیدہ کا بیان جاری ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے ہیں۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں تقریباً چھیاسی سال کے بعد پیدا ہوئے۔ یہ واحد پیغمبر ہیں جنھیں ذبیح اللہ ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ اسی بنیاد پر انھیں وعدے کا سچا اور بیک وقت نبی اور رسول کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ ان کے بارے میں یہ روایت بھی ملتی ہے کہ انھوں نے کسی آدمی سے ملاقات کا وعدہ فرمایا۔ اُس کے نہ پہنچنے کی وجہ سے تین دن تک اس کا انتظار کرتے رہے۔ ایسی ہی روایت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی موجود ہے۔ تین دن انتظار کرنے کا یہ معنٰی نہیں کہ آپ تین دن وہیں کھڑے رہے۔ اس کا مفہوم یہی ہوسکتا ہے کہ وقت مقررہ پر آپ وہاں موجود ہوتے تھے۔ [رواہ ابوداؤد:باب فی العدۃ]

حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور آپ علیہ السلام کے فرزند ارجمند:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری رفیقہ حیات حضرت ہاجرہ علیہا السلام ہیں۔ جن کی سیرتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو قرآن مجید نے اجاگر کرنے کے ساتھ ان کی زندگی سے وابستہ واقعات اور مقامات کو شعائر اللہ قرار دیا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فضائل ومناقب:

یہودیوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ذبیح اللہ اسماعیل علیہ السلام نہیں بلکہ اسحاق علیہ السلام ہیں۔ حالانکہ تورات کتاب پیدائش باب ١٧ تا ٣٠ میں موجود ہے۔ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام سے بڑے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی پیش کی تھی۔ ظاہر ہے اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ ہوئے ہیں نہ کہ اسحاق علیہ السلام۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خراج تحسین:

((إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى مِنْ وَلَدِ إِبْرَاهِيمَ إِسْمَعِيلَ)) [رواہ الترمذی:باب فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم]

''اللہ تعالیٰ نے ابراہیم (علیہ السلام) کی اولاد میں اسمٰعیل کو سب سے معزز فرمایا۔''

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر دوسرے انبیاء کے ساتھ:

﴿وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ ۝ وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُمْ مِّنَ الصَّالِحِينَ﴾ [الانبیاء: ۸۵،۸۶]

''اوراسمٰعیل وادریس اورذوالکفل کا ذکر کرو، کہ سب صبر کرنے والے تھے۔اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا۔ بلاشک وہ نیکوکار تھے۔''

اولادِ اسماعیل علیہ السلام:

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے اور ایک بچی تھی۔جس کا نام مورخ نے بشامہ لکھا ہے۔آپ کے بارہ بیٹوں کے مندرجہ ذیل نام ہیں۔

۱۔ نیابوط،جن کو عرب نابت کہتے ہیں۔

۲۔ قیدار حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اس صاحبزادے نے بڑی شہرت حاصل کی نبی اکرم ﷺ اس قیدار کی نسل عدنان سے پیدا ہوئے۔

۳۔ ادبائیل ۴۔ بمشام ۔۵ سمع ۔۶ دومہ ۔۷ مسا ۸۔ حدود ۹۔ یلتماد ۱۰۔ جسطور ۱۱۔ نفیس ۱۲۔ قدمہ (توراۃ، پ ۲۵)

مسائل

۱۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ کا امت کے سامنے تذکرہ کرنا ضروری ہے۔

۲۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام قول کے سچے اور وعدے کے پکے پیغمبر تھے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اوصاف حمیدہ کا مختصر تذکرہ:

۱۔ حضرت اسماعیل کا تذکرہ قرآن مجید میں ۱۲ مرتبہ آیا ہے۔

۲۔ اللہ نے اسماعیل، یسع، یونس اور لوط علیہم السلام کو جہاں والوں پر فضیلت دی۔ (الانعام: ۸۶)

۳۔ اسماعیل علیہ السلام وعدے کے سچے تھے۔ (مریم: ۵۴)

۴۔ اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل صبر کرنے والوں میں سے تھے۔ (الانبیاء: ۸۵)

وَكَانَ	يَأْمُرُ	أَهْلَهُ	بِالصَّلٰوةِ	وَالزَّكٰوةِ ۪	وَكَانَ
اور تھا وہ	حکم کرتا	گھر والے	نماز کا	اور زکوٰۃ	اور تھا

عِنْدَ	رَبِّهٖ	مَرْضِيًّا ۝
نزدیک	اپنے رب	پسندیدہ

''وہ اپنے گھر والوں کو نماز قائم اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیتے اور اپنے رب کے ہاں نہایت پسندیدہ انسان تھے۔'' (۵۵)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعوت کا خلاصہ:

اللہ کی توحید کے بعد دین میں سب سے پہلے جس بات پر زور دیا گیا ہے وہ نماز اور زکوٰۃ ہے انھی سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ ان کا اہتمام اور ابلاغ کرنے کی بناء پر حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے رب کے مقرب ترین بندے بن گئے۔ نماز اللہ اور بندے کے درمیان عابد اور معبود ہونے کی ترجمان ہے۔ نماز سے بڑھ کر انسان کا اپنے رب کے قریب ہونے کا کوئی اور ذریعہ نہیں۔ پنجگانہ نماز سے قلبی اطمینان، جسمانی طہارت اور یہ مسلمانوں کا آپس میں رابطے کا قریب ترین ذریعہ ہے۔ زکوٰۃ طبیعت کے بخل اور سرمایہ داری کے خلاف ایک طرح کی سالانہ مہم ہے۔ جس سے ایک طرف مالدار کا مال پاک ہوتا ہے اور دوسری طرف غرباء، مساکین اور دیگر کمزور طبقات کے ساتھ مالی معاونت ہوتی ہے۔ اس لیے اسے اسلام کا خزانہ کہا گیا ہے۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ)) [رواہ بخاری: کتاب الایمان، باب فان کان تابوا]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں بلاشبہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا مجھے لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کا رسول ہے۔ وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں جو یہ کام کریں گے انہوں نے اپنا خون اور مال مجھ سے بچا لیا سوائے اسلام کے حق کے اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔'' (اسلام کے حقوق سے مراد حدود اللہ ہیں)

وَاذْكُرْ	فِي	الْكِتٰبِ	اِدْرِيْسَ	اِنَّهٗ	كَانَ	صِدِّيْقًا	
اور ذکر کیجیے	میں	کتاب	ادریس	بلاشبہ وہ	تھا	نہایت سچا	

نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾	وَّرَفَعْنٰهُ	مَكَانًا	عَلِيًّا ﴿۵۷﴾	
نبی	اور ہم نے اسے اٹھایا	مکان	بلند	

''اور اس کتاب میں سے ادریس کا ذکر کیجیے وہ ایک سچا انسان اور نبی تھا۔(۵۶) اور اسے ہم نے بلند مقام پر اٹھالیا۔''(۵۷)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت اسماعیل علیہ السلام کے تذکرہ کے بعد حضرت ادریس علیہ السلام کی سیرت کا بیان۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں کافی حد تک اہل علم کا خیال ہے کہ آپ نوح علیہ السلام سے پہلے مبعوث کیے گئے۔ حضرت ادریس علیہ السلام نسل اور مدت کے اعتبار سے حضرت آدم علیہ السلام کے قریب تر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بھی سچے نبی ہونے کے لقب سے نوازا ہے اور ان کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے اس کو بلند مقام پر اُٹھالیا۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے دو اوصاف بالخصوص ذکر کیے گئے ہیں۔

مسائل

۱۔ حضرت ادریس علیہ السلام نہایت ہی سچے اللہ کے پیغمبر تھے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بلند ترین مقام عنایت کیا تھا۔

تفسیر بالقرآن

حضرت ادریس علیہ السلام کے اوصاف حمیدہ:

حضرت ادریس کا قرآن مجید میں ۲ بار تذکرہ ہوا ہے۔ ۱۔ ادریس علیہ السلام نہایت سچے نبی تھے۔(مریم:۵۶)

۲۔ اسماعیل، ادریس، ذالکفل تمام صبر کرنے والوں میں سے تھے۔(الانبیاء:۸۵)

حضرت ادریس علیہ السلام

قرآن عزیز میں حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر صرف سورۃ مریم اور سورۃ الانبیاء میں آیا ہے۔

نام ونسب اور زمانہ:

حضرت ادریس علیہ السلام کے نام ونسب اور زمانہ کے متعلق مورخین کو شدید اختلاف ہے۔ تمام اختلافی دلائل کو سامنے رکھنے کے بعد بھی کوئی فیصلہ کن یا کم از کم راجح رائے قائم نہیں کی جاسکتی ہے۔ قرآن عزیز نے رشد وہدایت کے پیش نظر صرف ان کی نبوت رفعت مرتبت کا ذکر کیا ہے اور اسی طرح حدیث کی روایات بھی اس سے آگے نہیں جاتیں ایک جماعت کہتی ہے کہ وہ نوح کے جد امجد ہیں اور ان کا نام اخنوخ ہے۔ اور ادریس لقب ہے یا عربی زبان میں ادریس اور عبرانی یا سریانی میں ان کا نام اخنوخ ہے اور ان کا نسب نامہ یہ ہے۔

خنوخ یا اخنوخ بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔ ابن اسحاق کا رجحان اسی جانب ہے اور دوسری جماعت کا خیال ہے کہ وہ انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں اور الیاس وادریس ایک ہی شخصیت کے نام اور لقب ہیں ان دونوں روایات کے پیش نظر بعض علماء نے یہ تطبیق دینے کی کوشش کی ہے کہ جد نوح علیہ السلام کا نام اخنوخ ہے اور ادریس لقب اور بنی اسرائیل کے پیغمبر کا نام ادریس ہے اور الیاس لقب مگر یہ رائے بھی بے سند اور بے دلیل ہے۔

صحیح ابن حبان میں روایت ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم کو استعمال کیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے رمل کے خطوط کے متعلق سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ علم ایک نبی کو دیا گیا تھا۔ اگر کسی شخص کے نقوش اس کے مطابق ہو جاتے ہیں تو اندازہ صحیح نکلتا ہے ورنہ نہیں۔'' [رواه مسلم: باب تحريم الكهانة واتيان الكهان]

معراج کے واقعہ میں صرف اس قدر ذکر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ادریس علیہ السلام سے چوتھے آسمان پر ملاقات کی۔

حضرت ادریس علیہ السلام کی تعلیم کا خلاصہ:

اللہ کی ہستی اور اس کی توحید پر ایمان لانا، صرف خالق کائنات کی پرستش کرنا، آخرت کے عذاب سے رستگاری کے لیے اعمال صالحہ کو ڈھال بنانا، دنیا سے بے التفاتی اور تمام امور میں عدل وانصاف کو پیشِ نظر رکھنا اور مقررہ طریقہ پر عبادت الٰہی ادا کرنا، اور ایامِ بیض کے روزے رکھنا، دشمنانِ اسلام سے جہاد کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، طہارت ونظافت سے رہنا، خصوصیت کے ساتھ جنات، کتے اور سور سے اجتناب کرنا ہر نشہ آور شے سے پرہیز کرنا ان کی تعلیم کا لبِ لباب ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا حُلیہ مبارک:

حضرت ادریس علیہ السلام کا حلیہ یہ ہے کہ گندم گوں رنگ، پورا قد وقامت، خوبصورت وخوبرو، گھنی ڈاڑھی، سرگیں چمکدار آنکھیں، گفتگو باوقار، خاموشی پسند سنجیدہ اور متین چلتے ہوئے نیچی نظر انتہائی فکر وخوض کے عادی حضرت ادریس علیہ السلام نے بیاسی سال کی عمر پائی۔ ان کی انگوٹھی پر یہ عبارت کندہ تھی۔

اَلصَّبْرُ مَعَ الْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ يُوْرِثُ الظَّفَرَ

''اللہ پر ایمان کے ساتھ صبر فتح مندی کا باعث ہے۔''

اور کمر سے باندھنے والے پٹکہ پر یہ تحریر تھا۔

الْاَعْيَادُ فِيْ حِفْظِ الْفُرُوْضِ وَالشَّرِيْعَةِ مِنْ تَمَامِ الدِّيْنِ وَتَمَامُ الدِّيْنِ كَمَالُ الْمُرُوَّةِ

''حقیقی عیدیں اللہ تعالیٰ کے فرائض کی حفاظت میں مضمر ہیں اور دین کا کمال شریعت سے وابستہ ہے اور مروت میں دین کی تکمیل ہے۔''

حضرت ادریس علیہ السلام کے بہت سے پند ونصائح اور آداب واخلاق کے جملے مشہور ہیں جو مختلف زبانوں میں ضرب المثل ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

اللہ کی بیکراں نعمتوں کا شکر یہ انسانی طاقت سے باہر ہے۔ جو علم میں کمال اور عمل صالح کا خواہش مند ہو اس کو جہالت کے اسباب اور بدکرداری کے قریب بھی نہیں جانا چاہیے۔

دنیا کی بھلائی ''حسرت'' ہے اور برائی ''ندامت''۔ اللہ کی یاد اور عمل صالح کے لیے خلوصِ نیت شرط ہے۔

نہ جھوٹی قسمیں کھاؤ، نہ اللہ تعالیٰ کے نام کو قسموں کے لیے تختہ مشق بناؤ اور نہ جھوٹوں کو قسمیں کھانے پر آمادہ کرو کیونکہ ایسا کرنے سے تم بھی شریکِ گناہ ہو جاؤ گے۔

اطاعت کرو اور اپنے بڑوں کے سامنے پست رہو اور ہر وقت ذکر الٰہی میں زبان تر رکھو۔ دوسروں کی خوشی پر حسد نہ کرو اس لیے کہ یہ مسرور زندگی چند روزہ ہے۔ جو ضروریات زندگی سے زیادہ طالب ہو اور وہ کبھی قانع نہیں ہوتا۔

أُولَٰٓئِكَ	الَّذِينَ	أَنْعَمَ	اللّٰهُ	عَلَيْهِمْ	مِّنَ	النَّبِيّٖنَ
یہی ہیں	لوگ	انعام کیا	اللہ	ان پر	سے	نبیوں
مِنْ	ذُرِّيَّةِ	اٰدَمَ ق	وَمِمَّنْ	حَمَلْنَا	مَعَ	نُوحٍ ز
سے	اولاد	آدم	اوران میں سے	ہم نے اُٹھایا	ساتھ	نوح
وَّمِنْ	ذُرِّيَّةِ	اِبْرٰهِيمَ	وَاِسْرَآءِيلَ ز	وَمِمَّنْ	هَدَيْنَا	
اور سے	اولاد	ابراہیم	اور اسرائیل	اوران لوگوں سے	ہم نے ہدایت دی	
وَاجْتَبَيْنَا ط	اِذَا	تُتْلٰى	عَلَيْهِمْ	اٰيٰتُ	الرَّحْمٰنِ	
اورہم نے چن لیا	جب	تلاوت کی جاتی	ان پر	آیتیں	رحمٰن	
خَرُّوا	سُجَّدًا	وَّبُكِيًّا ۩ ۝٥٨				
وہ گر پڑتے	سجدہ کرنا	اور رونا				

آیت سجدہ ۵

''یہ وہ پیغمبر ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا جو آدم کی اولاد میں سے ہیں اوران لوگوں کی نسل سے جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی پر سوار کیا تھااور ابراہیم کی نسل سے اور اسرائیل کی نسل سے اور یہ ان لوگوں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت بخشی اور منتخب فرمایا۔ ان کا حال یہ تھا کہ جب ان کے سامنے رحمان کی آیات پڑھی جاتیں تو روتے ہوئے سجدے میں گرجاتے تھے۔'' (۵۸)

فہم القرآن

ربط کلام: اس خطاب کے اختتام پر انبیاء اوراُن کی صالح اولاد کی خاص الخاص خوبی کا ذکر۔

چند انبیاء اوران کی اولادوں میں ممتاز اور پسندیدہ شخصیات کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ لوگ تھے۔ جو آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کے بعد ان کا نسب حضرت نوح علیہ السلام اوران کے ساتھ کشتی میں نجات پانے والوں کے ساتھ ملتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا اور اپنی جناب میں برگزیدہ بنایا۔ یہ ایسے باوفا اور صاحب تقویٰ لوگ تھے۔ جب ان کے سامنے ان کے رب کے ارشادات پڑھے جاتے تو وہ خوف اور شکر کے جذبات میں سجدہ ریز ہو جاتے تھے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفانِ نوح کے وقت نسلِ انسانی بہت محدود تھی اور جو عرب کے علاقہ تک محدود تھی۔ جب نوح علیہ السلام کے زمانہ میں طوفان آیا تو صرف وہی لوگ بچ سکے تھے جو کشتی میں سوار تھے اوراسی سے نسل انسانی کی افزائش ہوئی تھی۔

((أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَخْبَرَهُمَا أَنَّ النَّاسَ قَالُوْا يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ هَلْ تُمَارُونَ فِي الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ دُونَهُ سَحَابٌ قَالُوا لَا يَا رَسُولَ اللّٰه قَالَ فَهَلْ تُمَارُونَ فِي الشَّمْسِ لَيْسَ دُونَهَا سَحَابٌ قَالُوا لَا قَالَ فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ كَذٰلِكَ ....حَتّٰى إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ رَحْمَةَ مَنْ أَرَادَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ ، أَمَرَ اللّٰهُ الْمَلَائِكَةَ أَنْ يُخْرِجُوا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ ، فَيُخْرِجُونَهُمْ وَيَعْرِفُونَهُمْ بِآثَارِ السُّجُودِ ، وَحَرَّمَ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ أَنْ تَأْكُلَ أَثَرَ السُّجُودِ فَيَخْرُجُونَ مِنَ النَّارِ ، فَكُلُّ ابْنِ آدَمَ تَأْكُلُهُ النَّارُ إِلَّا أَثَرَ السُّجُودِ)) [رواه البخاری :باب فَضْلِ السُّجُودِ]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کیا قیامت کے دن ہم اپنے رب کو دیکھیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم چودھویں رات کے چاند کے بارے میں شک کر سکتے ہو جب بادل نہ ہوں اُنہوں نے عرض کی نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا کیا تم سورج کو دیکھنے میں شک کر سکتے ہو جب بادل نہ ہوں اُنہوں نے عرض کی نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا اِسی طرح اللہ کی رویت میں کوئی شک نہیں............ یہاں تک کہ جب اللہ جہنمیوں کے ساتھ رحمت کا ارادہ فرمائیں گے اللہ فرشتوں کو حکم دیں گے ہر اُس بندے کو جہنم سے نکال دو جو اللہ کی عبادت کیا کرتا تھا فرشتے اُنہیں سجدوں کے نشانات سے پہچانیں گے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سجدوں کے نشانات کو جلانا آگ پر حرام قرار دیا ہے۔ اُنہیں فرشتے آگ سے نکالیں گے۔ آدم کے بیٹے کو آگ کھائے گی مگر سجدے والے نشانات محفوظ رہیں گے۔ یہ وہ لوگ ہونگے جو عقیدۂ توحید پر قائم تھے مگر بڑے بڑے گناہ کرتے تھے۔''

((حَدَّثَنِي مَعْدَانُ بْنُ أَبِي طَلْحَةَ الْيَعْمَرِيُّ قَالَ لَقِيتُ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ مَوْلَى رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْتُ أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ أَعْمَلُهُ يُدْخِلُنِي اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ أَوْ قَالَ قُلْتُ بِأَحَبِّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ سَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ لِلّٰهِ فَإِنَّكَ لَا تَسْجُدُ لِلّٰهِ سَجْدَةً إِلَّا رَفَعَكَ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْكَ بِهَا خَطِيئَةً قَالَ مَعْدَانُ ثُمَّ لَقِيتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ لِي مِثْلَ مَا قَالَ لِي ثَوْبَانُ)) [رواه مسلم :باب فَضْلِ السُّجُودِ وَالْحَثِّ عَلَيْهِ]

''حضرت معدان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ثوبان رضی اللہ عنہ سے ملا اور عرض کی کہ مجھے ایسا عمل بتلایئے جو اللہ کو بہت پسند ہو۔ جس سے مجھے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمادے وہ خاموش ہوگئے۔ میں نے پھر سوال کیا تب بھی انہوں نے خاموشی اختیار فرمائی۔ تیسری دفعہ میرے عرض کرنے پر فرمایا تجھے کثرت کے ساتھ اللہ کے حضور سجدے کرنے چاہییں۔ جب تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سجدے کرے گا' اللہ تعالیٰ تیرے درجات کو بلند اور تیرے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔ جناب معدان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے ابودرداء رضی اللہ عنہ سے

ملاقات کی اور ان سے یہی سوال عرض کیا۔ اورانہوں نے بھی مجھے وہی جواب دیا جو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔“

((حَدَّثَنِي رَبِيعَةُ بْنُ كَعْبٍ الْأَسْلَمِيُّ قَالَ كُنْتُ أَبِيتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَتَيْتُهُ بِوَضُوئِهِ وَحَاجَتِهِ فَقَالَ لِي سَلْ فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ أَوَغَيْرَ ذَلِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ)) [رواه مسلم: باب فَضْلِ السُّجُودِ وَالْحَثِّ عَلَيْهِ]

”حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں رات کے وقت رسول اللہ ﷺ کے لیے وضو کا پانی لے کر حاضر ہوا کرتا تھا۔ ایک دن ارشاد ہوا ربیعہ کچھ مانگنا چاہو تو مانگ لو۔ میں نے عرض کیا کہ میں جنت میں آپ کی رفاقت کا خواہش مند ہوں فرمایا کچھ اور مانگنا چاہو؟ میں نے عرض کیا پھر بھی یہی خواہش ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر کثرتِ سجود سے میری معاونت کرو۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کی اولاد میں بھی سلسلہ نبوت جاری فرمایا۔

۲۔ صلحاء کی خوبی ہے کہ جب اُن کے سامنے قرآن مجید کی آیات پڑھی جائیں تو وہ اپنے رب کے حضور روتے ہوئے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

جن انبیاء علیہم السلام کی اولاد کو نبی بنایا گیا:

۱۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے پیغمبروں میں سے فضل و کرم فرمایا یہ اولاد آدم میں سے ہیں۔ (مریم: ۵۸)

۲۔ ہم نے نوح اور پیغمبر بھیجے ہم نے ان کی اولاد کو نبوت عطا کی۔ (الحدید: ۲۶)

۳۔ ہم نے ابراہیم کو اسحٰق و یعقوب عطا کیے اور ہم نے ان کو نبوت عطا کی۔ (العنکبوت: ۲۷)

۴۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے حضرت یوسف کو نبی بنایا گیا۔ (یوسف: ۲۲)

۵۔ فرشتوں نے زکریا علیہ السلام سے کہا اللہ تجھے یحیٰی کی بشارت دیتا ہے جو نیکو کار اور پیغمبروں میں سے ہوں گے۔ (آل عمران: ۳۹)

۶۔ حضرت داؤد کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبی بنایا۔ (النمل: ۱۶)

فَخَلَفَ	مِنْۢ	بَعْدِهِمْ	خَلْفٌ	اَضَاعُوا	الصَّلٰوةَ	وَ اتَّبَعُوا
پھر جانشین ہوا	سے	بعد ان کے	ناخلف	انھوں نے ضائع کی	نماز	اور انھوں نے پیروی کی
الشَّهَوٰتِ	فَسَوْفَ	يَلْقَوْنَ	غَيًّا ۝۵۹	اِلَّا	مَنْ	تَابَ
خواہشات	پس عنقریب	وہ پائیں گے	ہلاکت	مگر	جس	اس نے توبہ کی
وَ اٰمَنَ	وَعَمِلَ	صَالِحًا	فَاُولٰٓئِكَ	يَدْخُلُوْنَ	الْجَنَّةَ	
وہ ایمان لایا	اور اس نے عمل کیا	اچھا	تو یہ لوگ	وہ داخل ہوں گے	جنت	
وَلَا	يُظْلَمُوْنَ	شَيْـًٔا ۝۶۰				
اور نہ	وہ ظلم کیے جائیں گے	کچھ				

''پھر ان کے بعد ناخلف لوگ ان کے جانشین ہوئے جنھوں نے نماز ضائع کی اور خواہشات نفس کی پیروی کی۔ جلد ہی وہ گمراہی کے انجام کو پائیں گے۔ (۵۹) ہاں جو توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں اور صالح عمل اختیار کریں۔ وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرہ برابر زیادتی نہیں ہوگی۔'' (۶۰)

فہم القرآن

ربط کلام: انبیاء کرام کی اولاد میں ان کے خلف الرشید بھی ہوئے اور ناخلف بھی ہوئے۔ ناخلف اولاد کا انجام۔

اللہ تعالیٰ اپنے اصول کے مطابق دین کی نعمت اور حقیقی احترام اُسی شخص دیتا ہے جو دین کی قدر اور اس پر عمل کرتا ہے۔ بے شک وہ کسی غیر معروف باپ کا بیٹا اور غریب کیوں نہ ہو۔ اس کے مقابلے میں کوئی نبی کا صاحبزادہ ہو کر اللہ اور اس کے نبی کی اطاعت کا انکاری ہے تو وہ دنیا و آخرت کی رسوائی سے نہیں بچ سکتا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کی مثال سب کے سامنے ہے۔ وہ پانی میں ڈبکیاں لینے لگا تو حضرت نوح علیہ السلام نے پدرانہ شفقت کی بناء پر اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ یہ میرا بیٹا ہے اور آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ میں تیری آل کو بچالوں گا جس کا جواب دیا گیا کہ اے نوح علیہ السلام! تیرا بیٹا تیرے اہل میں نہیں رہا کیونکہ اس کے اعمال اچھے نہیں۔ اگر آئندہ آپ نے اس کے بارے میں سوال کیا تو ہم آپ کو جاہلوں میں شمار کریں گے۔ (سورۃ ہود: ۴۶)

اسی اصول کو یہاں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ بعض انبیائے کرام علیہم السلام کی اولاد میں ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنھوں نے نماز کو ضائع کیا اور اپنی بری خواہشات کے پیچھے لگے۔ عنقریب انھیں ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا جائے گا۔ ''غیًا'' سے مراد جہنم کا ایک مخصوص گڑھا ہے۔ جس سے جہنم بھی پناہ مانگتی ہے جہنم سے اُن لوگوں کو بچالیا جائے گا۔ جنھوں نے کفر و شرک اور برے اعمال سے توبہ کی۔ اپنے رب پر سچے دل کے ساتھ ایمان لائے اور ایمان کے تقاضے پورے کرتے ہوئے صالح اعمال کیے انھیں جنت میں داخل کیا جائے گا اُن کے اعمال اور جزا میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جائے گی۔

ا۔ جب الحزن سے پناہ مانگو

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ قَالَ وَادٍ فِي جَهَنَّمَ تَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَنْ يَدْخُلُهُ قَالَ الْقُرَّاءُ الْمُرَاءُونَ بِأَعْمَالِهِمْ))[رواه الترمذی:باب مَا جَاءَ فِي الرِّيَاءِ وَالسُّمْعَةِ]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب الحزن سے اللہ کی پناہ مانگو صحابہ نے عرض کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب الحزن کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جہنم کی ایک وادی ہے جس سے جہنم بھی ایک دن میں سو بار پناہ مانگتی ہے ہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول اُس میں کون داخل ہوگا آپ نے فرمایا قراء جو اپنے اعمال میں دکھلاوا کرتے ہیں۔''

۲۔ نماز ضائع کرنے والے کا گناہ:

((عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ فِيهِ إِلَى فِيَّ لَا أَقُولُ حَدَّثَنِي فُلَانٌ وَلَا فُلَانٌ خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللَّهُ عَلَى عِبَادِهِ فَمَنْ لَقِيَهُ بِهِنَّ لَمْ يُضَيِّعْ مِنْهُنَّ شَيْئاً لَقِيَهُ وَلَهُ عِنْدَهُ عَهْدٌ يُدْخِلُهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَمَنْ لَقِيَهُ وَقَدِ انْتَقَصَ مِنْهُنَّ شَيْئاً اسْتِخْفَافاً بِحَقِّهِنَّ لَقِيَهُ وَلَا عَهْدَ لَهُ إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ))[رواہ احمد: مسند عبادۃ بن صامت]

''حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہتے ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے فلاں ،فلاں نے بیان کیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود مجھے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کیں ہیں، جو شخص اللہ تعالیٰ کو اس حال میں ملے گا کہ اُس نے نمازوں میں سے کوئی نماز ضائع نہ کی ہوگی۔ جب اللہ سے ملے گا تو اللہ تعالیٰ کا عہد ہے کہ وہ اُسے جنت میں داخل کرے گا،اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے کہ اُس نے نماز ترک کر رکھی تھی۔ وہ اللہ سے ملے گا تو اللہ کا اس کے ساتھ کوئی عہد نہیں اگر چاہے اِسے عذاب دے اور اگر چاہے تو معاف فرما دے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔

۲۔ نیک لوگوں کی جزا میں کسی قسم کی کمی نہیں ہونے پائے گی۔

۳۔ نماز ضائع کرنے اور اپنی خواہش کے پیچھے لگنے والوں کو جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

نماز کی اہمیّت اور فضیلت:

۱۔ نماز کی حفاظت کرو خصوصاً درمیانی نماز کی۔(البقرۃ:۲۳۸)

۲۔ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔(العنکبوت:۴۵)

۳۔ ایمان لانے والے اور نیک اعمال کرنے والے نماز قائم کرنے والے اور زکوٰۃ ادا کرنے والوں پر کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا۔(البقرۃ:۲۷۷)

جَنّٰتِ	عَدْنِ	الَّتِیْ	وَعَدَ	الرَّحْمٰنُ	عِبَادَهٗ	بِالْغَیْبِ ؕ	اِنَّهٗ
باغات	ہمیشگی	وہ	وعدہ کیا	رحمٰن	اپنے بندوں	بن دیکھے	یقیناً
كَانَ	وَعْدُهٗ	مَاْتِیًّا ﴿۶۱﴾	لَا یَسْمَعُوْنَ	فِیْهَا	لَغْوًا	اِلَّا	
ہے	اس کا وعدہ	آنے والا	نہیں سنیں گے وہ	اس میں	لغو	مگر	
سَلٰمًا ؕ	وَلَهُمْ	رِزْقُهُمْ	فِیْهَا	بُكْرَةً	وَّعَشِیًّا ﴿۶۲﴾	تِلْكَ	
سلام	ان کے لیے	ان کا رزق	اس میں	صبح	اور شام	یہ	
الْجَنَّةُ	الَّتِیْ	نُوْرِثُ	مِنْ	عِبَادِنَا	مَنْ	كَانَ	تَقِیًّا ﴿۶۳﴾
جنت	وہ	ہم وارث بنائیں گے	سے	اپنے بندے	جو	ہوگا	پرہیزگار

''ان کے لیے ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے درپردہ وعدہ کر رکھا ہے اور یقیناً یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔(۶۱) وہ اس میں کوئی بیہودہ بات نہیں سنیں گے جو کچھ سنیں گے اچھی بات سنیں گے اور ان کا رزق ان کو صبح وشام ملتا رہے گا۔(۶۲) یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اُسے بنائیں گے جو پرہیزگاری اختیار کرتا رہا ہے۔''(۶۳)

فہم القرآن

ربط کلام: نیک لوگوں کو جس جنت میں داخل کیا جائے گا۔ اُس کے چند اوصاف کا تذکرہ۔

جنت کی جمع جنات ہے۔ جس کا معنٰی باغات ہیں۔ جنت وہ مقام ہے جس کے حسن و جمال اور نعمتوں کا کوئی شخص تصور نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ اُس میں اپنے بندوں کو داخل فرمائے گا۔ جس کا وعدہ ہر صورت مومنوں کے ساتھ پورا ہو کر رہے گا۔ اس جنت میں کسی قسم کا لغو، پریشانی اور تکلیف نہیں ہوگی۔ اس میں ہر جنتی ہر اعتبار سے سلامت اور خوش ہوگا۔ جنتی ایک دوسرے کو سلام کہیں گے اور اس کی نعمتیں بھی سلامت رہیں گی۔ اُن کے لیے صبح وشام اللہ تعالیٰ کی نعمتیں وافر ہوں گی۔ جن کے بارے میں فرمایا ہے کہ جنتیوں کے لیے اعلان ہوگا جہاں چاہو جتنا چاہو، جس وقت چاہو کھاؤ اور پیو۔ صبح شام سے مراد یہ نہیں کہ انھیں صرف صبح وشام جنت کی نعمتیں دی جائیں گی۔ صبح وشام سے مراد رات اور دن کے پورے اوقات کا احاطہ کرنا ہے۔

جنت کی نعمتوں کا تصور کرنا محال ہے:

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَالَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَآ اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ وَّاقْرَءُ وْٓا إِنْ شِئْتُمْ ﴿**فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ**

قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾)) [رواه البخاری:کتاب بدء الخلق،باب ماجاء فی صفة الجنة وأنها مخلوقة]
''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار کی ہیں، جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی ان کے متعلق کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال پیدا ہوا۔ اگر چاہو تو اس آیت کی تلاوت کرو۔ ﴿کوئی نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چیز چھپا کے رکھی گئی ہے﴾۔''

خاتون جنت کا حُسن و جمال:

((وَلَوْ اَنَّ اِمْرَاَةً مِّنْ نِّسَآءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ اِلَی الْاَرْضِ لَاَضَآءَ تْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَاَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيْحًا وَلَنَصِيْفُهَا يَعْنِى الْخِمَارَ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا)) [رواه البخاری :کتاب الرقاق ،باب صفة الجنة والنار]
''اگر اہل جنت کی عورتوں سے کوئی زمین کی طرف جھانک لے تو مشرق و مغرب اور جو کچھ اس میں ہے روشن اور معطر ہو جائے۔ نیز اس کے سر کا دوپٹہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے قیمتی ہے۔''

جنتی ایک دوسرے کو سلام کہیں گے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِىْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ○ دَعْوٰهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَکَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [یونس: ۹۔۱۰]
''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے ان کی رہنمائی کرے گا، ان کے نیچے سے جنت کے باغوں میں نہریں بہتی ہوں گی۔ ان کی دعا یہ ہوگی'' کہ اے اللہ تو پاک ہے!'' اور ان کی آپس کی دعا سلام ہوگی اور ان کی دعاؤں کا خاتمہ اس بات پر ہوگا کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔''

((وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِىَّ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ يَتَحَدَّثُ، وَعِنْدَهٗ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ،اِنَّ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِالْجَنَّةِ اسْتَاْذَنَ رَبَّهٗ فِى الزَّرْعِ فَقَالَ لَهٗ اَلَسْتَ فِيْمَا شِئْتَ قَالَ بَلٰى وَلٰکِنِّىْ اُحِبُّ اَنْ اَزْرَعَ فَبَذَرَ فَبَادَرَالطَّرْفَ نَبَاتُهٗ وَاسْتِوَاءُهٗ وَاسْتِحْصَادُهٗ فَکَانَ اَمْثَالَ الْجِبَالِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى دُوْنَکَ يَابْنَ اٰدَمَ فَاِنَّهٗ لَايُشْبِعُکَ شَىْءٌ فَقَالَ الْاَعْرَابِىُّ وَاللّٰهِ لَاتَجِدُهٗ اِلَّا قُرَشِيًّا اَوْ اَنْصَارِيًّافَاِنَّهُمْ اَصْحَابُ زَرْعٍ وَاَمَّا نَحْنُ فَلَسْنَا بِاَصْحَابِ زَرْعٍ فَضَحِکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم)) [رواه البخاری:باب کَلَامِ الرَّبِّ مَعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ]
''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دیہاتی بیٹھا ہوا تھا آپ اس وقت فرمارہے تھے کہ جنتیوں میں سے ایک بندے نے اپنے رب سے کھیتی باڑی کی اجازت مانگی۔ اللہ رب العزت

نے فرمایا۔کیا تیرے پاس تیری پسند کی ہر چیز نہیں ہے؟اس دیہاتی نے کہا کیوں نہیں؟لیکن مجھے یہ بھی پسند ہے کہ میں کھیتی باڑی کروں چنانچہ وہ بیج ڈالے گا۔پلک جھپکتے ہی فصل اگ آئے گی کھیتی تیار ہو جائے گی اور کٹ جائے گی پہاڑ کے برابر انبار لگ جائے گا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے ابن آدم! لے تیری خواہش پوری ہو گئی۔حقیقتاً تیرا پیٹ کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔دیہاتی کہنے لگا' اللہ کی قسم! وہ شخص قریشی یا انصاری ہوگا کیونکہ وہی لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم تو کھیتی باڑی کرنے والے نہیں۔نبی مکرم ﷺ مسکرا دیے۔''

جنت عدن کی تعریف:

جب کوئی چیز کسی جگہ ہمیشہ کے لیے اقامت گزیں ہو جائے تو عربی میں کہتے ہیں:''عَدَنَ بِمَكَانِ كَذَا'' اسی لیے کان کو بھی معدن کہتے ہیں کیونکہ یہ جگہ اسی دھات کی قرار گاہ ہوتی ہے۔جنت کے اعلیٰ درجہ کا نام بھی عدن ہے جو جنت کے وسط میں ہے اسی میں تسنیم کا چشمہ ہے۔انبیاء کرام،شہداء،صدیقین کے لیے مخصوص ہے۔((وَقَالَ مَقَاتِلُ وَالْكَلْبِيْ عَدْنٌ اَعْلٰى دَرَجَةٍ فِيْ الْجَنْةِ وَفِيْهَا عُيُنٌ تَسْنِيْمِ وَالْجِنَانَ حَوْلَهَا)) [قرطبی: جلد ۸]

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جنت تیار کر رکھی ہے۔جس کی نعمتوں کا کوئی تصور نہیں کر سکتا۔
۲۔ صاحب ایمان اور نیک لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جنت کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔
۳۔ جنت میں کسی قسم کی لغویات، دکھ اور تکلیف نہیں ہوگی۔
۴۔ جنتیوں کے لیے ہر وقت نعمتیں حاضر رہیں گی۔

تفسیر بالقرآن

جنت کی نعمتوں کی ایک جھلک:

۱۔ ہم ان کے دلوں سے کینہ نکال دیں گے اور سب ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے۔انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے۔ (الحجر:۴۷۔۴۸)
۲۔ جنت کی مثال جس کا مومنوں کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔اس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اور اس کے پھل اور سائے ہمیشہ کے لیے ہوں گے۔(الرعد:۳۵)
۳۔ جنت میں بے خار بیریاں، تہہ بہ تہہ کیلے، لمبا سایہ، چلتا ہوا پانی، اور کثرت سے پھل ہوں گے۔(الواقعۃ:۲۸ تا ۳۰)
۴۔ جنت کے پھل ٹپک رہے ہوں گے۔(الحاقۃ:۲۳)
۵۔ مومنوں کے ساتھ جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس میں چار قسم کی نہریں ہوں گی۔(محمد:۱۰)

وَمَا	نَتَنَزَّلُ	اِلَّا	بِاَمْرِ	رَبِّكَ ج	لَهٗ	مَا
اور نہیں	ہم اترتے	مگر	حکم سے	آپ کارب	اس کے لیے	جو کچھ
بَيْنَ اَيْدِيْنَا	وَمَا	خَلْفَنَا	وَمَا	بَيْنَ ذٰلِكَ ج	وَمَا	
ہمارے آگے	اور جو کچھ	ہمارے پیچھے	اور جو کچھ	درمیان اس کے	اور نہیں	
كَانَ	رَبُّكَ	نَسِيًّا ﴿۶۴﴾ ج				
ہے	آپ کارب	بھولنے والا				

''اے نبی ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر نہیں اترا کرتے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اس کا رب ہے اور تمہارا رب بھولنے والا نہیں۔'' (۶۴)

فہم القرآن

ربط کلام: نئے خطاب کا آغاز

مکہ معظمہ میں رسول کریم ﷺ تن تنہا کفار اور مشرکین کا مقابلہ کر رہے تھے۔ حضرت عمر اور حضرت حمزہ کے اسلام لانے سے پہلے جتنے لوگ مسلمان ہوئے تھے وہ شخصی قوت کے لحاظ سے انتہائی کمزور تھے دوسری طرف آپ ﷺ کے سب سے بڑے پشتی بان جناب ابو طالب بھی دنیا سے چل بسے تھے۔ گھریلو حالات یہ تھے کہ آپ ﷺ کی غم خوار بیوی حضرت خدیجہ ؓ بھی داغ مفارقت دے چکی تھیں۔ ان حالات میں ایک انسان ہونے کے ناطے سے آپ کا دل پسیج جاتا۔ جس پر اللہ تعالیٰ جبرئیل امین علیہ السلام کو بھیج کر تسلی دیتے۔ جب کبھی جبرئیل امین علیہ السلام کی آمد کا وقفہ زیادہ ہو جاتا تو آپ انتہائی رنجیدہ ہو جاتے تھے۔ ایسی ہی صورت حال میں ایک دن آپ نے جبرئیل امین علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ جلدی تشریف لایا کریں۔ جس کے جواب میں جبرئیل امین نے عرض کی کہ ''اے محبوبِ خدا! ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے۔'' جو کچھ ہمارے آگے اور جو ہمارے پیچھے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے یعنی زمین کا ذرّہ، ذرّہ آسمانوں کا چپہ، چپہ اور جو کچھ ان میں ہے اور تمام ملائکہ آپ کے رب کے غلام اور سب کچھ ''رب'' کے اختیار میں ہے۔ آپ کا رب کوئی بات بھی بھولنے والا نہیں۔ آیت کے آخری الفاظ میں نبی اکرم ﷺ کو یہ کہہ کر تسلی دی گئی ہے کہ آپ یہ خیال نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے حالات سے غافل اور کوئی بات بھول جانے والا ہے۔ اسی بات کو قدرے تفصیل کے ساتھ گیارہویں پارے میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

''اور نہیں ہوتے آپ کسی حالت میں اور نہ اس کی طرف سے آنے والے قرآن میں سے کچھ تلاوت کرتے ہیں اور نہ آپ کوئی عمل کرتے ہیں مگر ہم آپ پر گواہ ہوتے ہیں، ۔ تیرے رب سے کوئی ذرہ بھر چیز نہ زمین میں پوشیدہ

ہوتی ہے اور نہ آسمان میں اور نہ اس سے کوئی چھوٹی چیز اور نہ بڑی مگر واضح کتاب میں موجود ہے۔'' (یونس:۶۱)
''وہ تمہیں اُس وقت دیکھ رہا ہوتا ہے جب تم اُٹھتے ہو۔اور سجدہ گزار لوگوں میں تمہاری نقل و حرکت پر نگاہ رکھتا ہے۔ وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔'' [الشعراء:۲۱۸تا۲۲۰]

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ یَبْلُغُ بِهِ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِذَا قَضَی اللّٰهُ الْأَمْرَ فِی السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ كَالسِّلْسِلَةِ عَلَى صَفْوَانٍ قَالَ عَلِیٌّ وَقَالَ غَیْرُهُ صَفْوَانٍ یَنْفُذُهُمْ ذٰلِكَ فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ، قَالُوا لِلَّذِی قَالَ الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیرُ)) [رواہ البخاری: باب قَوْلِهِ (إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُبِینٌ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ جب آسمان پر کوئی فیصلہ صادر فرماتا ہے تو اللہ کے حکم کے ڈر کی وجہ سے فرشتوں کے پروں میں آواز پیدا ہوتی ہے جیسے صاف پتھر پر لوہے کی زنجیر کھینچنے سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو وہ پوچھتے ہیں' تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ اُوپر والے ملائکہ اللہ کے ارشاد کو بیان کرتے اور اس کی تصدیق کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ ہے اللہ کا ارشاد ہے جو بلند و بالا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی فرشتہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔
۲۔ زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز اوجھل نہیں اور نہ ہی اس کے علم سے کوئی بات فراموش ہوتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کو ہر بات اور اس پر قدرت رکھنے والا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے(البقرۃ:۲۰)
۲۔ اللہ آسمانوں و زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(آل عمران:۲۹)
۳۔ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی اور نکلتی ہے۔(الحدید:۴)
۴۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں و زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے۔(المجادلۃ:۷)
۵۔ اللہ تعالیٰ حاضر اور غیب کو جاننے والا ہے۔(الرعد:۹)
۶۔ تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تمہیں قیامت کے دن جمع فرمائیگا وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(البقرۃ:۱۴۸)
۷۔ اللہ جسے چاہے عذاب دے جسے چاہے معاف کر دے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(البقرۃ:۲۸۴)

رَبُّ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ	وَمَا	بَيْنَهُمَا	فَاعْبُدْهُ
رب	آسمانوں کا	اورزمین کا	اوراُس کا بھی	ان دونوں کے درمیان	پس آپ اسی کی عبادت کریں

وَ	اصْطَبِرْ	لِعِبَادَتِهٖ	هَلْ	تَعْلَمُ	لَهٗ	سَمِيًّا ﴿٦٥﴾
اور	قائم رہیں	اس کی عبادت پر	کیا	آپ جانتے ہیں	اس کے لیے	کوئی ہم نام؟

ع ٥ ٤

''وہ رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان ساری چیزوں کا جو آسمان وزمین کے درمیان ہیں پس تم اس کی بندگی کرو اور اسی کی بندگی پر ثابت قدم رہو۔کیا ہے کوئی ہستی تمہارے علم میں اس کی ہم نام ہے؟''(٦٥)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں موجود ہے اور جو وہ پیدا کرنے والا ہے، سب کو جانتا ہے۔لہٰذا اے نبی ﷺ! مخالفوں کی مخالفت اور دشمنوں کی دشمنی کی طرف توجہ کرنے کی بجائے میری عبادت میں مصروف رہیے۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر رسول کریم ﷺ کی ڈھارس بندھانے کے لیے یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ جب بھی کفار اور مشرکین کی مخالفت اور ہٹ دھرمی کا ذکر ہوتا ہے تو اُس کے ساتھ ہی رسول کریم ﷺ کو نماز پڑھنے یا ذکر واذکار کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔جس کا صاف معنٰی ہے کہ ان لوگوں سے الجھنے اور پریشان ہونے کی بجائے آپ اپنے رب کے ذکر وفکر میں مصروف ہو جایا کریں۔تاکہ آپ پر اُس کی رحمت نازل ہو جس سے آپ کا غم دور ہو جائے۔اسی اسلوب اور ضرورت کے پیش نظر یہاں آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اپنے رب کی عبادت کریں اور اس کی عبادت کرنے پر قائم رہیں اسی کا نام لیتے رہیں۔ وہ ایسی لازوال اور بے مثال ہستی ہے جس کا ہمسر ہونا تو درکنار کوئی اس کا ہم نام ہی نہیں۔

اسم ''اللہ'' کی خصوصیت:

(اللہ تعالیٰ کے ننانوے سے زیادہ اسمائے گرامی ہیں۔اس کا ہر نام اس کی خاص صفت کا ترجمان ہے لیکن قرآن مجید میں تین اسماء گرامی ایک دوسرے کے مترادف کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، وہ اسماء گرامی یہ ہیں اللہ، الٰہ، رب، ذاتِ کبریا کا اسم اعظم ''اللہ'' ہے۔باقی دو نام صفاتی ہیں قرآن مجید میں انہیں ناموں کے ساتھ ان تمام صفات کا ذکر پایا جاتا ہے جو اللہ کے نام کے ساتھ ذکر کی گئی ہیں یہاں رب کا اسم استعمال ہوا ہے جس میں پہلی صفت ربوبیت ہے جس میں اللہ کا اپنے بندے کے ساتھ اپنائیت کا تعلق نمایاں ہوتا ہے کیونکہ رب کا معنٰی خالق اور پالنہار ہے اس کے سوا کوئی خالق اور مخلوق کی ضروریات پوری کرنے والا نہیں۔)

اللہ تعالیٰ کی عبادت پر ہمیشگی اختیار کرنے کے لیے ''وَاصْطَبِرْ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔جس کا معنی ہے ''مشکل اور پریشانی کے باوجود مستقل مزاجی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہنا۔'' جس کے لیے یہ تسلی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھنے اور جاننے والا ہے۔اس کے احاطہ علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔جب اُس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے تو اے

پیغمبر ﷺ! آپ کی ریاضت وعبادت، پریشانیوں اور مسائل سے آپ کا رب کس طرح غافل ہوسکتا ہے۔

کائنات کے رب نے اپنی مخلوق کی پرورش کا بندوبست ایسے مضبوط نظام کے ساتھ فرمایا ہے کہ ہر چیز کو زندگی اور اس کی بقا کے لیے جو کچھ اور جس قدر چاہیے اُسے اسی حالت اور مقام پر پہنچایا جار ہا ہے۔ پتھر کا کیڑا چاروں طرف بند چٹان کے اندر اپنی خوراک لے رہا ہے، مرغی کا بچہ انڈے میں پل رہا ہے، مچھلیاں دریا میں، پرندے ہوا میں، ستارے فضا میں، اور درندے صحرا میں اپنی اپنی خوراک اور ماحول میں مطمئن اور خوش وخرم دکھائی دیتے ہیں۔ ہر دانہ اپنی آغوش میں زندگی اور ہر بیج اپنے سینے میں نشوونما کا سامان لیے ہوئے ہے۔ زندگی کے لیے ہوا اور پانی اس قدر لازمی عناصر ہیں کہ ان کے بغیر زندگی لمحوں کی مہمان ہوتی ہے۔ یہ اتنے ارزاں اور وافر ہیں کہ اس کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں تک کہ پھول کی کلی کو جس ہوا اور فضا کی ضرورت ہے اسے مہیا کی جارہی ہے۔ اس لیے قرآن نے اللہ کی ہستی اور اس کے نظامِ ربوبیت سے بات کا آغاز کیا ہے تاکہ انسان کا وجدان پکار اٹھے کہ مجھے اس ہستی کا شکر ادا کرنا اور تابع فرمان رہنا ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ ایک زندہ ضمیر شخص جب اپنے چاروں طرف رب کی ربوبیت کے اثرات ونشانات دیکھتا ہے تو اس کے دل کا ایک ایک گوشہ پکار اٹھتا ہے۔

﴿فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ٥﴾ [المؤمنون:١٤]

”اللہ تعالیٰ برکت والا اور بہترین پیدا کرنے والا ہے۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ سے زمین وآسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

٢۔ صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا چاہیے۔ ٣۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں ہمیشگی ہونی چاہیے۔

٤۔ جو کچھ زمین وآسمانوں میں ہے ان میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ کا ہمسر اور ہم نام نہیں۔

تفسیر بالقرآن

رب کا معنٰی اور اس کی صفات:

١۔ لوگو اس رب سے ڈر جاؤ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ (النساء:١)

٢۔ تمہارا رب ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں تم کہاں بہک گئے ہو؟ (المومن:٦٢)

٣۔ اگر انھوں نے آپ کو جھٹلا دیا ہے تو آپ فرما دیں تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے۔ (الانعام:١٤٧)

٤۔ یہ تمھارا رب ہے اس کے سوا دوسرا کوئی خالق نہیں۔ (الانعام:١٠٢)

وَيَقُوْلُ	الْاِنْسَانُ	ءَ	اِذَا مَا	مِتُّ	لَسَوْفَ	اُخْرَجُ
اور وہ کہتا ہے	انسان	کیا	جب	میں مرجاؤں گا	البتہ عنقریب	میں نکالا جاؤں گا
حَيًّا ۞	اَوَلَا	يَذْكُرُ	الْاِنْسَانُ	اَنَّا	خَلَقْنٰهُ	مِنْ
زندہ	کیا اور نہیں	وہ یاد کرتا	انسان	کہ بے شک ہم	ہم نے پیدا کیا	سے
قَبْلُ	وَلَمْ	يَكُ	شَيْئًا ۞			
پہلے	اور نہ	تھا وہ	کچھ بھی؟			

''انسان کہتا ہے جب میں مرجاؤں گا تو واقعی پھر زندہ نکال لیا جاؤں گا (٦٦) کیا انسان کو یاد نہیں کہ ہم پہلے اس کو پیدا کر چکے ہیں جب وہ کچھ نہ تھا۔'' (٦٧)

فہم القرآن

ربط کلام: انسان اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی عبادت سے قولاً یا فعلاً تبھی انکار کرتا ہے جب وہ آخرت کے عقیدہ کو بھول جاتا ہے۔
اسی بنا پر مکہ کے کافر نبی اکرم ﷺ سے بحث کرتے تھے کہ ہماری عقل نہیں مانتی کہ انسان جب مر کر مٹی کے ساتھ مٹی بن جاتا ہے تو پھر دوبارہ کس طرح اُٹھایا جائے گا۔ اس عقیدہ کی تائید میں ایک دن ایک آدمی نے ایک بوسیدہ ہڈی ہاتھ میں ملتے ہوئے کہا کہ اس کو کس طرح دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟ جس کا ان الفاظ میں جواب دیا گیا۔

''ہمارے بارے میں مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا کہتا ہے کہ جب ہڈیاں بوسیدہ ہوجائیں گی تو اُن کو کون زندہ کرے گا۔ کہہ دو کہ اُن کو وہ زندہ کرے گا جس نے اُن کو پہلی بار پیدا کیا تھا، اور وہ سب کچھ پیدا کرنا جانتا ہے۔ وہی ہے جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کی اور تم اس سے آگ نکالتے ہو۔ بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا کیا وہ اِس بات پر قادر نہیں کہ اُن کو پھر ویسے ہی پیدا کردے کیوں نہیں اور وہ تو بڑا پیدا کرنے والا اور علم والا ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے۔'' (سورۃ یٰس ۷۸، ۷۹ تا ۸۲)

دوسرا جواب یہاں یہ دیا گیا ہے کہ کیا انسان کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اسے پہلی مرتبہ پیدا کیا جبکہ اس کا وجود تک نہ تھا۔ انسان سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ ان کی پیدائش سے پہلے انسان نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر انسان کی تخلیق کا یہی معاملہ ہے کہ اس کی پیدائش سے پہلے اُسے اور اس کے ماں باپ کو بھی اس کی خبر نہیں تھی کہ بیٹا ہو گا یا بیٹی۔

مسائل

۱۔ انسان کی پیدائش سے پہلے اسے کوئی نہیں جانتا۔ ۲۔ انسان کی پیدائش اس کے دوبارہ اٹھنے کی دلیل ہے۔

فَوَ رَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ

پس قسم ہے آپ کے رب کی البتہ ہم انہیں ضرور اکٹھا کریں گے شیطانوں کے ہمراہ پھر ہم انہیں ضرور حاضر کریں گے

حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝٦٨ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ

اردگرد جہنم گھٹنوں کے بل گرے ہوئے پھر ہم ضرور کھینچ لیں گے سے

كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۝٦٩

ہر گروہ جو ان میں سے زیادہ سخت تھا رحمٰن کے خلاف سرکشی

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ۝٧٠

پھر یقیناً ہم خوب جانتے ہیں ان لوگوں کو وہ زیادہ لائق ہیں ساتھ اس کے داخل ہونے کے

”تیرے رب کی قسم ہم ضرور ان سب کو اور ان کے ساتھ شیاطین کو بھی گھیر لائیں گے پھر جہنم کے قریب کر انہیں گھٹنوں کے بل گرا دیں گے۔(٦٨) پھر ہر گروہ سے ہر اس شخص کو الگ کر لیں گے جو رحمان کے مقابلے میں زیادہ سرکش بنا ہوا تھا۔(٦٩) پھر ہم جانتے ہیں کہ ان میں سے کون سب سے بڑھ کر جہنم میں جھونکے جانے کے لائق ہے۔“(٧٠)

فہم القرآن

ربط کلام: کوئی قیامت کا انکار کرے یا اقرار کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز سب کو اپنی بارگاہ میں جمع کرے گا۔

مرنے کے بعد قیامت کے دن زندہ ہونے کی حقیقت اس قدر عقلی اور شرعی دلائل پر مبنی ہے جس کا انکار کرنا ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں۔ اس سے پہلی آیت میں انسان کی تخلیق کے حوالے سے اسے سمجھایا ہے کہ انسان اپنی پیدائش پر غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا جس رب نے اسے عدم سے وجود بخشا ہے کہ وہ دوبارہ اسے کیونکہ زندہ نہیں کر سکتا؟ اس لیے رب ذوالجلال نے اپنی ذات کی قسم اُٹھا کر فرمایا ہے کہ اے نبی آپ کا رب نہ صرف انھیں اپنے حضور اکٹھا کرے گا بلکہ جس شیطان نے انسان کو گمراہ کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اُسے بھی ہر مجرم کے ساتھ عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کرے گا۔ مجرم جہنم کے پاس گھٹنوں کے بل کھڑے ہوں گے۔ یعنی جہنم کی ہولناکیوں اور اس کی چنگھاڑ سن کر خوف کے مارے ان سے کھڑا نہیں ہوا جائے گا۔ شیاطین کے ساتھ کفر و شرک کے ان سرداروں اور نمائندوں کو بھی مجرم کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا جو رب رحمان کی نافرمانی میں دنیا میں آگے آگے تھے۔ یہ ائمۃ الکفر اپنے کارکنان اور مریدوں کے آگے آگے ہوں گے جب جہنم میں داخل ہونے والے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں رک جانے کا حکم دیں گے۔ ان سے پوچھا جائے گا کہ تم ایک دوسرے کی کیوں نہیں مدد کرتے۔ اسی

بات کوقرآن مجید نے دوسرے مقام پر یوں بیان کیا ہے۔

”جولوگ ظلم کرتے تھے اُن کواور اُن کے ساتھیوں اور جن کو وہ پوجا کرتے تھے سب کو جمع کرلواورانہیں ان کوجہنم کے رستے پر چلا دو۔ اور اُن کوٹھہرائے رکھو کہ اُن سے پوچھنا ہے۔ تمہیں کیا ہوا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے بلکہ آج تو وہ فرمانبردار بنے ہوئے ہیں۔“ (الصافات:٢٢تا٢٧)

((عَنْ أَبِی ھُرَیْرَۃَ ؓقَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ امْرُؤُ الْقَیْسِ صَاحِبُ لِوَاءِ الشُّعَرَاءِ إِلَی النَّارِ))

[رواہ احمد: مسندابی ھریرہ]

”حضرت ابو ہریرہ ؓبیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت کے شاعروں کا جھنڈا امراء القیس کے ہاتھ میں ہوگا وہ ان کو لے کر جہنم داخل ہوگا۔“

مسائل

١۔ قیامت ہر صورت برپا ہو کر رہے گی۔

٢۔ قیامت کے دن مجرم کے ساتھ اس کو بہکانے والے شیاطین اور گمراہ رہنماؤں کو بھی اکٹھا کیا جائے گا۔

٣۔ مجرم جہنم کے کنارے گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

جہنّم میں داخلہ کے وقت جہنمیوں کی کیفیت:

١۔ اے ہمارے رب ہمیں تھوڑی دیر کے لیے مہلت دے ہم تیری حکم کو قبول اور تیرے رسول کی بات کوتسلیم کریں گے۔ (ابراہیم:٤٤)

٢۔ جہنمی کہیں گے اے اللہ ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو واپس لوٹا دے۔ (السجدۃ:١٢)

٣۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں یہاں سے نکال ہم بُرے اعمال کی بجائے نیک عمل کریں گے۔ (الفاطر:٣٧)

٤۔ اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال اگر دوبارہ ایسا کریں تو بڑے ظالم ہوں گے۔ (المومنون:١٠٧)

٥۔ اے اللہ جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا انہیں دوگنا عذاب کیا جائے۔ (الاحزاب:٦٨)

٦۔ جب بھی جہنم سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو دوبارہ لوٹائے جائیں گے۔ (السجدۃ:٢٠)

٧۔ ہر جہنمی کی خواہش ہوگی کہ دنیا میں واپس بھیج دیا جائے۔ (الانعام:٢٧تا٢٨)

وَاِنْ	مِّنْكُمْ	اِلَّا	وَارِدُهَا ۚ	كَانَ	عَلٰى رَبِّكَ
اور نہیں	تم میں سے	مگر	وہ اس میں وارد ہوگا	ہے	آپ کے رب کے ذمے

حَتْمًا	مَّقْضِيًّا ۚ	ثُمَّ	نُنَجِّي	الَّذِيْنَ	اتَّقَوْا	وَّنَذَرُ
حتمی	فیصلہ شدہ بات	پھر	ہم نجات دیں گے	جنہوں نے	تقوٰی اختیار کیا	اور ہم چھوڑ دیں گے

الظّٰلِمِيْنَ	فِيْهَا	جِثِيًّا
ظالموں کو	اس میں	گھٹنوں کے بل گرے ہوئے

''تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو جہنم پر وارد نہ ہو یہ ایک طے شدہ فیصلہ ہے جسے پورا کرنا آپ کے رب کے ذمہ ہے۔(۷۱)
پھر ہم پرہیز گاروں کو بچالیں گے اور ظالموں کو اس میں گرا دیں گے۔''(۷۲)

فہم القرآن

ربط کلام: جس جہنم میں مجرموں کو پھینکا جائے گا اس پر متقین کو بھی گزرنا ہوگا۔

جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ وہ کفار، مشرکین کو جہنم میں داخل کرے گا اسی طرح ہی اس کا قطعی فیصلہ ہے کہ وہ نیک لوگوں کو بھی جہنم میں وارد کرے گا۔ پھر انہیں جہنم سے محفوظ فرمائے گا۔ جس جہنم میں مجرم گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔ وَارِدُ کا معنیٰ گرنا ہے سورۃ القصص آیت ۲۳ میں وَارِدُ کا معنیٰ کسی کنویں یا گھاٹ کے قریب آنا ہے۔ حدیث میں وَارِدُ سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے۔ جس کی کیفیت رسول اکرم ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔

((عَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ وَاَبِىْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجْمَعُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى النَّاسَ فَيَقُوْمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى تُزْلَفَ لَهُمُ الْجَنَّةُ فَيَأْتُوْنَ اٰدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ يَا اَبَانَا اسْتَفْتِحْ لَنَا الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ وَهَلْ اَخْرَجَكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا خَطِيْئَةُ اَبِيْكُمْ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَالِكَ اِذْهَبُوْا اِلَى ابْنِىْ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِ اللّٰهِ قَالَ فَيَقُوْلُ اِبْرَاهِيْمُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَالِكَ اِنَّمَا كُنْتُ خَلِيْلًا مِنْ وَّرَاءِ وَرَاءِ اِعْمِدُوْا اِلٰى مُوْسٰى الَّذِىْ كَلَّمَهُ اللّٰهُ تَكْلِيْمًا فَيَاْتُوْنَ مُوْسٰى فَيَقُوْلُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَالِكَ اِذْهَبُوْا اِلٰى عِيْسٰى كَلِمَةِ اللّٰهِ وَرُوْحِهٖ فَيَقُوْلُ عِيْسٰى لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَالِكَ فَيَاْتُوْنَ مُحَمَّدًا ﷺ فَيَقُوْمُ فَيُؤْذَنُ لَهٗ وَتُرْسَلُ الْاَمَانَةُ وَالرَّحِمُ فَتَقُوْمَانِ جَنْبَتَىِ الصِّرَاطِ يَمِيْنًا وَّشِمَالًا فَيَمُرُّ اَوَّلُكُمْ كَالْبَرْقِ قَالَ قُلْتُ بِاَبِىْ اَنْتَ وَاُمِّىْ اَىُّ شَىْءٍ كَمَرِّ الْبَرْقِ قَالَ اَلَمْ تَرَوْا اِلَى الْبَرْقِ كَيْفَ يَمُرُّ وَيَرْجِعُ فِىْ طَرْفَةِ عَيْنٍ ثُمَّ كَمَرِّ الرِّيْحِ ثُمَّ كَمَرِّ الطَّيْرِ وَشَدِّ الرِّجَالِ تَجْرِىْ بِهِمْ اَعْمَالُهُمْ وَنَبِيُّكُمْ قَائِمٌ عَلَى الصِّرَاطِ يَقُوْلُ يَا رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ حَتّٰى تَعْجِزَ اَعْمَالُ الْعِبَادِ حَتّٰى يَجِيْئَ الرَّجُلُ فَلَا يَسْتَطِيْعُ السَّيْرَ اِلَّا زَحْفًا قَالَ وَفِىْ حَافَتَىِ الصِّرَاطِ كَلَالِيْبُ مُعَلَّقَةٌ

مَامُوْرَةٌ تَاْخُذُ مَنْ اُمِرَتْ بِهٖ فَمَخْدُوْشٌ نَاجٍ وَمَكْدُوْشٌ فِي النَّارِ وَالَّذِيْ نَفْسُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ بِيَدِهٖ اِنَّ قَعْرَ جَهَنَّمَ لَسَبْعِيْنَ خَرِيْفًا۔)) [رواہ مسلم: باب أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً فِيهَا]

''حضرت حذیفہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں کو جمع کریں گے' ایماندار شخص کھڑے ہوں گے' جنت کو ان کے قریب کر دیا جائے گا۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آکر کہیں گے اے ہمارے باپ! ہمارے لیے جنت کا دروازہ کھلوا دیجیے۔ حضرت آدم علیہ السلام عذر پیش کرتے ہوئے کہیں گے کہ تمہیں جنت سے تمہارے باپ کی غلطی نے ہی نکلوایا تھا' میں سفارش کرنے کا اہل نہیں ہوں۔ تم میرے بیٹے حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کے پاس جاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ابراہیم علیہ السلام کہیں گے کہ میں اس شفاعت کا اہل نہیں ہوں' میں تو آج سے پہلے پہلے خلیل تھا۔ تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ' جن سے اللہ تعالیٰ بلا واسطہ ہم کلام ہوئے چنانچہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ کہیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور روح اللہ ہیں وہ کہیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے آپ عرش کی جانب کھڑے ہوں گے' آپ کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی پھر امانت اور رشتہ داری کو لایا جائے گا وہ دونوں پل صراط کی دونوں جانب دائیں اور بائیں کھڑی ہوں گی۔ پھر تم میں سے ایک طبقہ بجلی کی مانند گزر جائے گا۔ ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں! بجلی کی مانند گزرنے کی صورت کیا ہوگی؟ آپ نے فرمایا' کیا تم دیکھتے نہیں کہ آسمانی بجلی کس قدر تیزی کے ساتھ آتی ہے اور پلک جھپکنے میں واپس چلی جاتی ہے کچھ لوگ پرندوں کی طرح اور کچھ آدمیوں کے دوڑنے کی طرح گزریں گے' ان کے اعمال ان کو چلائیں گے اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پل صراط پر کھڑے ہوئے' یہ کہے جا رہے ہوں گے اے رب! سلامتی عطا کر' سلامتی عطا فرما حتیٰ کہ لوگوں کے اعمال انہیں چلانے سے عاجز آجائیں گے' آخر ایک شخص آئے گا' وہ پل صراط پر سے اپنے کولہوں کے بل سرکتا ہوا گزرے گا اس کے بعد آپ نے فرمایا' پل صراط کے دونوں کناروں پر کنڈیاں لٹک رہی ہوں گی' جنہیں حکم ہوگا کہ وہ ان لوگوں کو کھینچ لیں جو قابل گرفت قرار ہوں گے کچھ لوگ زخمی ہو کر نجات پا جائیں گے۔ اور کچھ لوگ دوزخ میں گر جائیں گے اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جان ہے بلاشبہ جہنم کی گہرائی ستر برس کی مسافت کے برابر ہے۔''

مسائل

١۔ مجرموں کو جہنم میں گرا دیا جائے گا۔ ٢۔ متقین کو جہنم سے بچا لیا جائے گا۔

❀❀❀

وَإِذَا	تُتْلٰى	عَلَيْهِمْ	اٰيٰتُنَا	بَيِّنٰتٍ	قَالَ		الَّذِيْنَ
اور جب	تلاوت کی جاتی ہیں	ان پر	ہماری آیتیں	واضح	اس نے کہا		وہ لوگ
كَفَرُوْا	لِلَّذِيْنَ	اٰمَنُوْٓا ۙ	اَيُّ	الْفَرِيْقَيْنِ	خَيْرٌ		
انہوں نے کفر کیا	ان لوگوں کے لیے	وہ ایمان لائے	کون سا	دونوں فریقوں میں سے	بہتر ہے		
مَّقَامًا	وَّاَحْسَنُ	نَدِيًّا ۝	وَكَمْ	اَهْلَكْنَا	قَبْلَهُمْ	مِّنْ	
باعتبار مقام کے	اور زیادہ اچھا	باعتبار مجلس کے؟	اور کتنی ہی	ہم نے ہلاک کیں	ان سے پہلے	سے	
قَرْنٍ	هُمْ	اَحْسَنُ	اَثَاثًا	وَّرِءْيًا ۝			
قومیں	وہ	بڑھ کر تھیں	باعتبار ساز وسامان	اور ظاہری شان وشوکت			

''ان لوگوں کو جب ہماری واضح آیات سنائی جاتی ہیں تو کفار ایمان والوں سے کہتے ہیں بتاؤ ہم دونوں گروہوں میں سے کون بہتر حالت میں ہے اور کس کی مجالس زیادہ شاندار ہیں (۷۳) حالانکہ ان سے پہلے ہم کتنی ہی ایسی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ان سے زیادہ وسائل رکھتی تھیں اور ظاہری شان وشوکت میں ان سے بڑھ کر تھیں۔'' (۷۴)

فہم القرآن

ربط کلام: مجرم اس لیے بھی جہنم میں پھینکے جائیں گے کیونکہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دیتے اور اس پر اتراتے تھے۔

مجرموں کا جہنم میں داخل ہونے کا بنیادی سبب یہ بھی ہوگا کہ وہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دیتے ہوئے اس پر اتراتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے مخالفین کا یہی وطیرہ رہا ہے۔ جب ان کے سامنے ٹھوس اور واضح دلائل اور اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو انکار کرنے والے لوگ رعونت کی بنا پر ایمانداروں سے پوچھتے ہیں کہ بتاؤ کہ دنیوی مقام ومرتبہ، اور رہنے سہنے میں ہم میں سے کون بہتر ہے؟ یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کا رویہ تھا ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کیا انھیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے پہلے ایسی قوموں کو تباہ و برباد کیا۔ جو شان وشوکت اور اسباب ووسائل کے اعتبار سے ان سے بہت آگے تھیں۔

﴿وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ﴾ [محمد: ۱۳]

''اور کتنی ہی بستیاں تھیں جو آپ کی اس بستی سے بڑھ کر طاقتور تھیں، جس کے رہنے والوں نے آپ کو نکال دیا ہے۔ ہم نے انہیں ہلاک کیا تو ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوا۔''

﴿وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِي فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ﴾ [السبا:۴۵]

''ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا اور یہ لوگ اس ترقی کو نہیں پہنچے جو ہم نے انہیں عطا کی تھی پھر انہوں میرے

رسولوں کو جھٹلایا تو میرے ساتھ انکار کرنے کی وجہ سے انہیں کس انجام سے دوچار ہونا پڑا۔‘‘

منکرین حق کی شروع سے یہ سوچ اور طریقہ رہا ہے کہ وہ ایمانداروں کے ساتھ صالح کردار کی بجائے دنیا کی ترقی اور اسباب کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں۔ اس منفی سوچ میں اس قدر گمراہی میں وہ آگے چلے جاتے ہیں کہ جس سے انھیں غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ دنیا میں جو مقام، شہرت اور ترقی ہمیں حاصل ہوئی ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر راضی ہے تبھی تو اس نے ہمیں دنیا میں ایک مقام اور یہ سہولتیں دے رکھی ہیں۔

مسائل

۱۔ منکرین حق اور دنیا دار لوگ، ایمانداروں کے مقابلہ میں دنیا کی شہرت اور آسائش سے مقابلہ کرتے ہیں۔

۲۔ دنیا کے اسباب پر اترانے والوں کو اللہ تعالیٰ تباہ کر دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

دنیا اور اس کے وسائل کی حقیقت:

۱۔ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ (الاعلیٰ: ۱۷)

۲۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی عارضی ہے۔ (الرعد: ۲۶)

۳۔ دنیا عارضی اور آخرت پائیدار ہے۔ (المؤمن: ۳۹)

۴۔ مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی زینت ہیں ہمیشہ رہنے والے نیک اعمال ہیں۔ (الکہف: ۴۶)

۵۔ یقیناً دنیا کی زندگی عارضی فائدہ ہے اور آخرت کا گھر ہی اصل رہنے کی جگہ ہے۔ (المؤمن: ۴۳)

۶۔ دنیا کی زندگی تھوڑی ہے اور آخرت متقین کے لیے بہتر ہے۔ (النساء: ۷۷)

۷۔ جو کچھ زمین میں ہے وہ باعثِ آزمائش ہے۔ (الکہف: ۷)

۸۔ دنیا کی زندگی دھوکے کا سامان ہے۔ (آل عمران: ۱۸۵)

۹۔ دنیا کی زندگی کی مثال آسمان سے نازل ہونے والی کی طرح ہے۔ (یونس: ۲۴)

۱۰۔ دنیا کی زندگی صرف کھیل کود ہے۔ (العنکبوت: ۶۴)

۱۱۔ اللہ کی آیات کے مقابلے میں پوری دنیا حقیر ہے۔ (البقرۃ: ۱۷۴)

۱۲۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی کوئی حیثیت نہیں۔ (التوبۃ: ۳۸)

قُلْ	مَنْ	كَانَ	فِي	الضَّلٰلَةِ	فَلْيَمْدُدْ لَهُ
فرما دیجیے	جو شخص	ہے	میں	گمراہی	تو ڈھیل دیتا ہے اسے
الرَّحْمٰنُ	مَدًّا	حَتّٰٓى	اِذَا	رَاَوْا	مَا يُوْعَدُوْنَ
رحمٰن	ڈھیل دینا	یہاں تک کہ	جب	وہ دیکھ لیں گے	جو وعدہ دیے جاتے ہیں وہ
اِمَّا	الْعَذَابَ	وَاِمَّا	السَّاعَةَ	فَسَيَعْلَمُوْنَ	مَنْ هُوَ
یا	عذاب	اور یا	قیامت	وہ ضرور جان لیں گے	کون ہے وہ
شَرٌّ	مَّكَانًا	وَّاَضْعَفُ	جُنْدًا ۝		
بدتر	باعتبار مکان	اور کمزور تر	باعتبارِ گروہ؟		

''ان سے کہو جو شخص گمراہ ہوتا ہے اسے رحمان مہلت دیا کرتا ہے یہاں تک کہ ایسے لوگ وہ کچھ دیکھ لیتے ہیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے خواہ وہ عذاب الٰہی ہو یا قیامت کی گھڑی تب انہیں معلوم ہوتا ہے کہ کس کی حالت خراب ہے اور کون سا گروہ کمزور ہے۔'' (۷۵)

فہم القرآن

ربط کلام: منکرینِ حق کو دنیوی وسائل ملنے کی وجہ۔

حق والوں کی اکثریت دنیا کی ترقی کے اعتبار سے منکرین حق سے پیچھے رہتی ہے۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ حق والے شریعت کی حدود و قیود کے پابند ہوتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں حق اور سچ کی پرواہ نہ کرنے والے دنیا کی ترقی میں آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اس ترقی کی وجہ سے وہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال اور معاملات پر راضی ہے جس وجہ سے اس نے ہمیں ترقی کے مواقع فراہم کیے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں نبی ﷺ کو فرمایا ہے کہ انھیں متنبہ فرما دیں۔ رب رحمان انھیں اس لیے ڈھیل دیے جا رہا ہے تاکہ قیامت یا اس سے پہلے ان سے جس عذاب کا وعدہ کیا ہے انہیں اس سے دوچار کرے۔ جب اللہ تعالیٰ کا وعدہ دنیا میں عذاب کی شکل میں یا قیامت کا دن آئے گا تو وہ ہر صورت دیکھ لیں گے کہ کون مقام اور افرادی قوت کے اعتبار سے کمزور ترین تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنے اسماء الحسنٰی میں رحمان کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ اس کی شفقت اور مہربانی کا نتیجہ ہے کہ اس نے منکرین کو نہ صرف ڈھیل دے رکھی ہے بلکہ انھیں دنیاوی وسائل سے بھی مالا مال کیا ہے۔ جس کے بارے میں فرمایا ہے۔ یہ اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے اس کے سامنے تکبر کا اظہار اور ایمانداروں کے ساتھ ظلم کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔

﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ﴾ [الانعام: ۴۴]

”پھر جب وہ اس کو بھول گئے جو انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں کے ساتھ خوش ہو گئے جو انہیں دی گئی تھیں ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا تو وہ ناامید ہو گے۔“

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّهُ لَيَأْتِی الرَّجُلُ الْعَظِيمُ السَّمِينُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَزِنُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ وَقَالَ اقْرَءُ وا (**فَلاَ نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا**))) [رواہ البخاری:باب (**أُولَئِکَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ**)الآيَةَ]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: یقیناً روزِ قیامت ایک بڑا اور موٹا آدمی لایا جائے گا۔ لیکن اللہ کے ہاں اس کا مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہ ہوگا۔ فرمایا: یہ آیت پڑھو (قیامت کے دن ہم ان کافروں کے لیے ترازو قائم نہیں کریں گے)۔“

”حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بازار کی ایک طرف سے داخل ہوئے آپ کے ساتھ کچھ لوگ بھی تھے آپ ایک مردہ بکری کے بچے کے پاس سے گزرے آپ نے اس کے ایک کان کو پکڑ کر پوچھا کون اسے ایک درہم کے بدلے لینا چاہے گا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: ہم اسے کسی چیز کے بدلے بھی لینا نہیں چاہتے اور ہم اس کا کیا کریں گے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم اسے پسند کرتے ہو کہ یہ بکری کا بچہ تمہارا ہوتا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ کی قسم! اگر یہ زندہ بھی ہوتا تو کان چھوٹے ہونے کی وجہ سے اسے قبول نہ کیا جاتا۔ اب یہ مرا ہوا ہے تو ہم کیسے اسے پسند کریں گے۔ آپ نے فرمایا: جیسے تمہارے نزدیک یہ بکری کا مردہ بچہ بڑا ہی حقیر اور بے فائدہ ہے۔ اللہ کی قسم! دنیا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ حقیر اور ذلیل ہے۔“ [رواہ مسلم: کتاب الزھد والرقائق]

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ایک وقت معیّن تک ظالموں کو ڈھیل دیتا ہے۔

۲۔ اللہ کے عذاب یا قیامت کے دن مجرموں کو معلوم ہوگا کہ ان کی کیا حیثیت ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن منکرین کا حال:

۱۔ ہم مجرموں سے انتقام لیا کرتے ہیں۔ (سجدہ:۲۲)

۲۔ قیامت کے دن منکرین کے لیے ہلاکت ہے۔ (الطّور:۱۱)

۳۔ منکرین کے لیے جہنم کا کھولتا ہوا پانی ہے۔ (الواقعۃ:۹۲)

۴۔ جہنم میں جہنمی اس بات کا اقرار کریں گے کہ کاش عقل وفکر سے کام لیتے۔ (الملک:۱۰)

وَيَزِيْدُ	اللّٰهُ	الَّذِيْنَ	اهْتَدَوْا	هُدًى ۗ	وَالْبٰقِيٰتُ	الصّٰلِحٰتُ
اورزیادہ کرتا ہے	اللہ	ان لوگوں	ہدایت پائی	ہدایت پانا	اور باقی رہنے والی	نیکیاں

خَيْرٌ	عِنْدَ رَبِّكَ	ثَوَابًا	وَّخَيْرٌ	مَّرَدًّا ۝
بہتر	آپ کے رب کے نزدیک	باعتبارِ ثواب	اور بہت بہتر	باعتبارِ انجام

''اس کے برعکس جو لوگ ہدایت اختیار کرتے ہیں اللہ ان کو ہدایت میں بڑھا دیتا ہے اور باقی رہ جانے والی نیکیاں ہی آپ کے رب کے نزدیک جزا اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں۔'' (٧٦)

فہم القرآن

ربط کلام: منکرین حق کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو ہدایت میں زیادہ کرتا ہے۔

منکرین حق کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہدایت میں زیادہ کرتا ہے اچھے اعمال کرنے کی مزید توفیق عطا فرماتا ہے اچھے اعمال ہی ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ایسے لوگ ہی آپ کے رب کے نزدیک اجروثواب اور نتیجہ کے اعتبار سے بہتر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ منکرین حق کے مقابلہ میں نہ صرف ہدایت میں اپنے بندوں کو مضبوط اور زیادہ کرتا ہے۔ بلکہ انھیں صالح اعمال کی توفیق بخشتا ہے جو ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ﴾ [الشوریٰ: ٢٠]

''جو شخص آخرت کا خواہاں ہے ہم اس کی آخرت کی کھیتی میں اضافہ کردیں گے اور جو دنیا کا طلب گار ہے ہم اسے دنیا عطا کریں گے اور آخرت میں اُس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔''

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَّدْعُوْ لَهٗ)) [رواہ مسلم:باب مَا يَلْحَقُ الْاِنْسَانَ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَ وَفَاتِهٖ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ذکر کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے فوت ہونے سے اس کے عمل کا تسلسل ختم ہو جاتا ہے۔ مگر تین اعمال کے علاوہ (١) صدقہ جاریہ۔ (٢) ایسا علم جس سے لوگ مستفید ہوتے رہیں۔ (٣) نیک اولاد جو اس کے لیے دعائیں کرتی رہے۔''

مسائل

١۔ ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو نیکی کا بہترین صلہ عطا فرمائے گا۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ۝

کیا آپ نے دیکھا | اس کو | اس نے کفر کیا | ہماری آیات کے ساتھ | اور اس نے کہا | میں ضرور دیا جاؤں گا | مال | اور اولاد؟ | کیا وہ آگاہ | غیب | یا | اس نے لیا | رحمن سے | عہد؟ | ہرگز نہیں | ہم ضرور لکھیں گے | جو کچھ | وہ کہتا ہے | اور ہم بڑھا دیں گے اس کے لیے | عذاب | بڑھانا | اور ہم وارث ہوں گے | جو | وہ کہتا ہے | اور وہ آئے گا ہمارے پاس | اکیلا

”پھر آپ نے دیکھا اس شخص کو جو ہماری آیات کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو مال و اولاد سے نوازا گیا ہوں۔ (۷۷) کیا اسے غیب کا علم ہو گیا ہے یا اس نے رحمان سے کوئی وعدہ لے رکھا ہے۔ (۷۸) ہرگز نہیں جو کچھ وہ کہتا ہے اسے ہم لکھ لیں گے اور اس کی سزا کو بڑھائیں گے۔ (۷۹) اور اس کے مال و دولت کے ہم ہی وارث ہوں گے اور یہ اکیلا ہمارے سامنے حاضر ہوگا۔“ (۸۰)

فہم القرآن

ربط کلام: سابقہ آیات میں کفر اور سرمایہ دارانہ ذہن کی عکاسی کی جا رہی تھی۔ جس میں یہ کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ظالموں کو مہلت دیتا ہے اس کے بعد مختصر طور پر ہدایت یافتہ لوگوں کا ذکر اور ان کے بہترین انجام کا بیان فرمایا۔ اب پھر کفر و شرک اور سرمایہ دارانہ ذہن کی ترجمانی کی جا رہی ہے۔

کفر و شرک اور سرمایہ دارانہ خیال رکھنے والا شخص یہ سوچتا ہے کہ جس طرح دنیا میں اسے نوازا گیا ہے اسی طرح ہی آخرت میں اسے نوازا جائے گا۔ مکہ میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو نہ صرف یہ ذہن رکھتے تھے بلکہ اس بات کا برملا اظہار کرتے تھے جس بنا پر نبی اکرم ﷺ کو فرمایا گیا ہے کیا آپ نے اس شخص کی گفتگو نہیں سنی جو یہ کہتا ہے کہ میں آخرت میں بھی مال اور اولاد میں زیادہ ہوں گا۔ اس سے پوچھیے کیا اس نے پردہ غیب سے سب کچھ دیکھ لیا ہے یا رب رحمان سے عہد لے رکھا ہے؟ کہ وہ اسے آخرت میں بھی نوازے گا۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ البتہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے ہم لکھ رہے ہیں اور ہم اس کے لیے عذاب کو بڑھائیں گے۔ جس مال اور اسباب کے بارے میں یہ غرور کرتا ہے اس کے ہم ہی حقیقی مالک ہیں اور وارث ہوں گے۔ قیامت کے دن اسے تنہا ہمارے پاس حاضر ہونا ہوگا۔ اس کا مال اور اولاد اسے کچھ فائدہ نہیں دے سکیں گے۔ یہ بات عیاں ہے کہ اللہ کے ہاں انسان کا ہر اچھا اور برا عمل لکھا جاتا ہے، اس کے باوجود لکھنے کا ذکر کیا ہے۔ جس کا مقصد ایک تنبیہ اور دھمکی ہے۔

مسائل

۱۔ کافر یہ سمجھتا ہے کہ دنیا کی طرح آخرت میں بھی نوازا جائے گا۔ ۳۔ انسان جو کچھ بولتا اور کرتا ہے اسے لکھ لیا جاتا ہے۔

۲۔ قیامت کے دن مجرم کو اس کا مال اور اولاد اسے کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔

وَاتَّخَذُوْا	مِنْ	دُوْنِ اللّٰهِ	اٰلِهَةً	لِّيَكُوْنُوْا	لَهُمْ	عِزًّا ﴿٨١﴾
اورانھوں نے بنالیے	سے	اللہ کے سوا	معبود	تا کہ وہ ہوں	ان کے لیے	مددگار

كَلَّا ؕ	سَيَكْفُرُوْنَ	بِعِبَادَتِهِمْ	وَيَكُوْنُوْنَ	عَلَيْهِمْ	ضِدًّا ﴿٨٢﴾
ہرگز نہیں	عنقریب وہ خود انکار کردیں گے	ان کی عبادت	اور وہ ہوجائیں گے	ان پر	مخالف

''ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے معبود بنا رکھے ہیں تا کہ وہ ان کے مددگار رہوں گے حالانکہ ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔(۸۱) وہ ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے۔''(۸۲)

فہم القرآن

ربط کلام : شرک کرنے کا بنیادی سبب یہ ہوتا ہے کہ انسان صرف اللہ تعالیٰ کو کارساز، خود مختار اور ایک جاننے کی بجائے دوسروں کو بھی حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتا ہے۔اسی وجہ سے مشرک اور کافر اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کے سامنے ہاتھ جوڑتے، جھکتے، سجدے کرتے اور نذر و نیاز پیش کرتے ہیں۔ذاتِ کبریا کا اصل نام ''اللہ'' ہے اس کا متبادل نام الٰہ ہے۔ جو متبادل نام ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تمام بڑی بڑی صفات کا ترجمان ہے۔اس کا ایک معنٰی حاجت روا، مشکل کشا ہے۔(النمل:۶۲)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار اس بات سے منع کیا ہے کہ لوگو! اللہ کے سوا نہ کسی کی عبادت کرو اور نہ کسی کو پکارو اور نہ اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت کرو کیونکہ (تمھارا الٰہ ایک ہی ہے۔وہ بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔البقرۃ:۱۶۳) لیکن مشرک یہ بات ماننے اور سمجھنے کی بجائے ان بزرگوں کے سامنے اپنی حاجات پیش کرتے ہیں۔جن کو یہ معلوم بھی نہیں کہ وہ کب اُٹھائے جائیں گے۔جب انھیں اُٹھا کر اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا تو نہ صرف وہ مشرکوں کے شرک سے انکار کریں گے بلکہ ان کے مخالف شہادت دیتے ہوئے کہیں گے کہ بارِالٰہ نہ صرف ہم ان کے شرک کی مذمت اور انکار کرتے ہیں بلکہ ہماری درخواست ہے کہ شرک کرنے والوں کو جہنم میں جھونکا جائے۔یہاں یہ بات بھی یاد رہنی چاہیے کہ جو علماء یہ کہہ کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں کہ من دونِ اللہ سے مراد پتھر، مٹی اور لکڑی کے بت ہیں انھیں معلوم ہونا چاہیے قرآن و حدیث میں کہیں نہیں آیا کہ قیامت کے دن بتوں میں جان ڈالی جائے گی۔البتہ جن پتھر کے بتوں کی پوجا کی جاتی تھی انھیں مشرکوں کے ساتھ ہی جہنم میں پھینکا جائے گا۔یہاں من دونِ اللہ کا معنٰی وہ فوت شدگان بزرگ ہیں۔جن کو لوگوں نے داتا، دستگیر، حاجت روا اور مشکل کشا بنالیا تھا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔کوئی عبادت کے لائق، حاجت روا اور مشکل کشا نہیں۔

۲۔ جن انبیاء اور اولیاء کو لوگ حاجت روا، مشکل کشا سمجھ کر پکارتے تھے وہ قیامت کے دن پکارنے والوں کا صاف انکار کریں گے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ

کیانہیں دیکھا آپ نے بیشک ہم ہم نے بھیجا شیاطین پر کافروں کہ وہ انہیں ابھاریں

اَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾

ابھارنا؟ پس نہ جلدی کریں آپ ان پر یقیناً ہم گن رہے ہیں ان کے لیے گننا

''کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہم نے منکرین حق پر شیاطین چھوڑ رکھے ہیں جو انہیں اکسار ہے ہیں (۸۳) آپ ان پر نزولِ عذاب کے لیے جلدی نہ کریں۔ ہم ان کے دن پوری طرح گن رہے ہیں۔'' (۸۴)

فہم القرآن

ربط کلام: کفر و شرک کا بنیادی محرّک اور سبب شیطان ہوتا ہے۔ جب شیطان انسان پر مسلط ہو جائے تو انسان غیر اللہ کی عبادت کرنے میں لذت محسوس کرتا ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ اے نبی ﷺ! کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ ہم شیاطین کو کفار کی طرف بھیجتے ہیں جو انھیں کفر و شرک پر ابھارتے ہیں۔ شیاطین سے مراد جنّات اور وہ انسان ہیں جو لوگوں کو برائی اور کفر و شرک پر آمادہ کرتے ہیں۔ ان میں وہ علماء، پیر اور حکمران بھی شامل ہیں جو لوگوں کو شرک و بدعت کا سبق دیتے ہیں یا ایسا ماحول بناتے ہیں جس سے شرک و بدعت کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کی سزا کے بارے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مہلت دے رکھی ہے لیکن اس کا یہ معنٰی نہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی دسترس سے باہر اور اس کے علم میں نہیں ہیں، ایسا ہرگز نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال اور دن شمار کر رہا ہے۔ قیامت کے دن انھیں ایک ایک عمل کا حساب چکا دیا جائے گا۔ دن شمار کرنا ہر زبان میں ایک محاورہ ہے جو دھمکی کے معنٰی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شیطان بھیجنے کا معنی ڈھیل دینے کے مترادف ہے۔

﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ○ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾[الزخرف: ۳۶۔۳۷]

''اور جو شخص اللہ کی یاد سے منہ موڑتا ہے ہم اُس پر ایک شیطان مسلّط کر دیتے ہیں۔ وہ اُس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔ اور یقیناً شیطان ان کو راستے سے روکتے رہتے ہیں۔ گمراہ لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ سیدھی راہ پر گامزن ہیں۔''

مسائل

۱۔ کفر و شرک اختیار کرنے والوں پر شیطان مسلّط ہوتا ہے۔

۲۔ شیطان انسان کو شرک و بدعت اور برائی کے راستہ پر ڈالتا ہے۔

يَوْمَ	نَحْشُرُ	الْمُتَّقِيْنَ	اِلَى	الرَّحْمٰنِ	وَفْدًا ﴿٨٥﴾
دن	ہم اکٹھا کریں گے	متقین	طرف	رحمٰن	مہمان

”وہ دن آنے والا ہے جب متقی لوگوں کو ہم مہمانوں کی طرح رحمان کے حضور (یعنی اپنے حضور) پیش کریں گے۔“ (۸۵)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار اور مشرکین کا موازنہ جاری ہے۔

کفار اور مشرکین کے عقیدہ اور کردار کی وجہ سے ان پر شیطان مسلّط کر دیے جاتے ہیں۔ کفر و شرک سے اجتناب اور کبیرہ گناہوں سے بچنے والوں کی اللہ تعالیٰ رہنمائی اور دستگیری کرتا ہے۔ جس بنا پر ان پر شیطان کا تسلط نہیں ہوتا۔ وہ دنیا میں اس طرح زندگی گزارتے ہیں جس طرح ان کے رب نے حکم دیا ہے۔ ایسے لوگوں پر ان کے رب کا یہ انعام ہوگا کہ جب وہ دنیا سے کوچ کریں گے تو موت سے پہلے ملائکہ انھیں ان الفاظ میں خوشخبری سنائیں گے۔ جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر پکے ہو گئے ان پر ملائکہ کا نزول ہوگا جو انھیں تسلّی دیں گے اب تمھیں خوف اور غم کرنے کی بجائے اللہ کے کیے ہوئے وعدہ کے مطابق جنت پر خوش ہونا چاہیے۔ اللہ دنیا کی زندگی میں بھی تمھارا خیر خواہ اور کارساز تھا اور آخرت میں بھی ہوگا۔ تمھیں سب کچھ ملے گا جو تم چاہو گے۔ تمھاری مہمان نوازی تمھارا غفور رحیم رب فرمائے گا۔ (حٰم السجدۃ: ۳۰ تا ۳۲)

متقی لوگ اس تسلی اور خوشخبری کے ساتھ اپنے رب کی بارگاہ میں وفود کی صورت میں پیش ہوں گے انھیں ہر قسم کا سکون اور اطمینان نصیب ہوگا۔ یاد رہے کہ کفار، مشرکین اور اللہ کے باغیوں کو ملائکہ زنجیروں میں جکڑ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کرینگے لیکن متقین کو ملائکہ بڑے ادب واحترام کے ساتھ ربِ رحمٰن کے سامنے پیش فرمائیں گے۔ متقین کو اس طرح پیش کرنے کو از راہ کرم ربِ رحمٰن نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

مسائل

۱۔ متقی حضرات کی رب رحمان مہمان نوازی فرمائیں گے۔ ۲۔ متقین کو موت کے بعد کوئی غم اور خوف نہ ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

متقین کا مقام اور مرتبہ:

۱۔ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔ (النحل: ۱۲۸) ۲۔ متقین امن وسلامتی والے گھر میں ہوں گے۔ (الدخان: ۵۱)

۳۔ متقین کے لیے دنیا میں بھلائی ہے اور آخرت ان کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ (النحل: ۳۰)

۴۔ متقین کے لیے جنت ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ (آل عمران: ۱۹۸)

۵۔ اللہ تعالیٰ متقین کو قیامت کے دن گروہ در گروہ جنت میں داخل فرمائے گا۔ (الزمر: ۷۳)

وَّنَسُوْقُ	الْمُجْرِمِيْنَ	اِلٰى	جَهَنَّمَ	وِرْدًا ۝	لَا	يَمْلِكُوْنَ
ہم ہانکیں گے	مجرم	طرف	جہنم	پیاسے	نہیں	اختیار رکھیں گے وہ
الشَّفَاعَةَ	اِلَّا	مَنِ	اتَّخَذَ	عِنْدَ	الرَّحْمٰنِ	عَهْدًا ۝
سفارش	مگر	جس نے	پکڑا	پاس	رحمٰن	عہد

''اور ہم مجرموں کو پیاسے جہنم کی طرف ہانک کرلے جائیں گے۔(۸۶) اس وقت وہ کوئی سفارش نہیں لاسکیں گے سوائے اس کے جس نے رحمان سے عہد لیا ہو۔''(۸۷)

فہم القرآن

ربط کلام: متقین کے مقابلہ میں مجرمین کا انجام۔

ایک طرف متقین کو انعام واکرام کے ساتھ نوازا جارہا ہوگا اور دوسری طرف مجرمین کو ملائکہ بیڑیوں میں جکڑ کر آگ کے کوڑوں سے ہانکتے ہوئے جہنم کی طرف دھکیل رہے ہوں گے۔ مجرم خوف اور پیاس کی شدت کی وجہ سے ہلکان ہو رہے ہوں گے۔ کیونکہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا۔ مجرمین تانبے جیسی زمین پر کھڑے ہونگے جس پر سورج اپنی پوری تپش اور شدت کے ساتھ ایک میل کے فاصلہ پر ہوگا۔ مزید یہ کہ مجرم جہنم کو اپنے سامنے دیکھیں گے۔ اس خوف اور سورج کی حدّت کی وجہ سے پیاس کے مارے ان کے کلیجے کٹ رہے ہوں گے اور زبانیں منہ سے باہر نکلی ہوں گی۔ اس کیفیت میں انھیں جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا۔ دنیا میں جن لوگوں پر یہ اعتماد اور بھروسہ کرتے تھے وہ ان کی کوئی سفارش نہیں کرسکیں گے۔ سفارش تو ان لوگوں کے حق میں وہی لوگ کرسکیں گے جن کو اللہ تعالیٰ اجازت عنایت فرمائے گا۔ ظاہر ہے مشرک اور کافر کی کوئی بھی سفارش نہیں کرسکے گا اور نہ یہ ایک دوسرے کی مدد کرسکیں گے۔ اَلرَّحْمٰنَ سے عہد لینے سے مراد اس کی طرف سے سفارش کی اجازت ملنا ہے۔

مسائل

۱۔ مجرمین کو جہنم میں دھکیلا جائے گا۔ ۲۔ مجرموں کی کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہوگا۔
۳۔ سفارش وہی شخص کرسکے گا جس کو رب رحمان اجازت عنایت فرمائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن سفارش وشفاعت کے اصول:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کا حقدار نہ ہوگا۔(یونس:۳)
۲۔ صرف اللہ تعالیٰ کی اجازت سے سفارش ہوسکے گی۔(البقرۃ:۲۵۵)
۳۔ سفارش کا اختیار اسی کو ہوگا جسے رحمٰن اجازت دے گا۔(مریم:۸۷)
۴۔ شفاعت اسی کے حق میں ہوگی جس پر رحمٰن راضی ہوا۔(طٰہٰ:۱۰۹)

وَقَالُوا	اتَّخَذَ	الرَّحْمٰنُ	وَلَدًا ۝۸۸	لَقَدْ	جِئْتُمْ	شَيْـًٔا اِدًّا ۝۸۹
اورانھوں نے کہا بنائی ہے	رحمٰن	اولاد	البتہ تحقیق	تم آئے ہو		بہت بھاری بات

تَكَادُ	السَّمٰوٰتُ	يَتَفَطَّرْنَ	مِنْهُ	وَ تَنْشَقُّ	الْاَرْضُ
قریب	آسمان	وہ پھٹ پڑیں	اس سے	اورشق ہو جائے	زمین

وَتَخِرُّ	الْجِبَالُ	هَدًّا ۝۹۰	اَنْ	دَعَوْا	لِلرَّحْمٰنِ	وَلَدًا ۝۹۱
اورگر پڑیں	پہاڑ	ریزہ ریزہ	یہ کہ	انھوں نے دعویٰ کیا	رحمٰن کے لیے	اولاد

وَمَا	يَنْۢبَغِيْ	لِلرَّحْمٰنِ	اَنْ	يَّتَّخِذَ	وَلَدًا ۝۹۲	اِنْ
اورنہیں	لائق	رحمٰن کے	یہ کہ	وہ پکڑے	اولاد	نہیں ہے

''وہ کہتے ہیں کہ رحمان کی اولاد ہے۔(۸۸) بہت ہی بیہودہ بات ہے جو تم لوگ کہہ رہے ہو۔(۸۹) قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔(۹۰) اس بات پر کہ انھوں نے رحمان کی اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔(۹۱) رحمان کی شان نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے۔''(۹۲)

فہم القرآن

ربط کلام: جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کچھ بزرگ اللہ تعالیٰ کو اپنی بات منوا سکتے ہیں انھوں نے اسی وجہ سے ہی یہ عقیدہ بنا رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اولاد رکھتا ہے۔

قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں انبیاء کرام علیہم السلام اور بزرگوں کو یہاں تک کہ معصوم بچوں کو بھی سفارش کا حق دیا جائے گا لیکن یہ لوگ اسی کے حق میں سفارش کر سکیں گے۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ اجازت عنایت فرمائے گا۔ سفارش کرنے والی کتنی بڑی شخصیت کیوں نہ ہو وہ اس حد تک ہی سفارش کر پائے گی جس حد تک اسے سفارش کرنے کی اجازت ملے گی اس پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ لیکن کچھ لوگوں نے اس سے بڑھ کر یہ عقیدہ اختیار کر لیا ہے کہ کچھ بزرگ اللہ تعالیٰ سے اپنی منوا سکتے ہیں بلکہ جسے چاہیں چھڑا سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہودیوں نے حضرت عزیر کو اور عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے بیٹے قرار دیا۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی اور کی بات رد کر سکتا ہے مگر اپنے چہیتے بیٹوں کی بات رد نہیں کر سکتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لائق ہی نہیں اور نہ اس کی ضرورت ہے کہ وہ کسی کو اپنی اولاد بنائے۔ کیونکہ نہ اس کی بیوی ہے نہ وہ محبت کرنے یا کسی سے خدمت کروانے کا محتاج اور نہ اُسے سلسلہ نسب رکھنے کی حاجت ہے۔ زمین و آسمانوں میں جو کچھ ہے وہ اس کا تابع فرمان اور عاجز غلام ہے۔ اس نے ہر چیز شمار اور ہر بات کا اندراج کر رکھا ہے۔ ہر کوئی اس کی بارگاہ میں اکیلا ہی پیش ہوگا یعنی اس کے ساتھ کوئی حمایتی اور سفارشی نہیں ہوگا۔ اس کے خلاف عقیدہ رکھنا اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا سنگین جرم اور بڑا گناہ ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا ہے قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نیچے گر پڑیں۔ اولاد تو

كُلُّ	مَنْ	فِي	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ	اِلَّآ	اٰتِي	الرَّحْمٰنِ
کوئی بھی	جو	میں	آسمانوں	اور زمین	مگر	وہ آنے والی	رحمٰن

عَبْدًا ﴿۹۳﴾	لَقَدْ	اَحْصٰىهُمْ	وَعَدَّهُمْ	عَدًّا ﴿۹۴﴾	وَكُلُّهُمْ
غلام بن کر	البتہ تحقیق	اس نے ان کو شمار کر رکھا ہے	اور گن رکھا ان کو	گننا	اور وہ سبھی

اٰتِيْهِ	يَوْمَ	الْقِيٰمَةِ	فَرْدًا ﴿۹۵﴾
آنے والے ہیں اس کے پاس	دن	قیامت	اکیلے اکیلے

''زمین اور آسمانوں میں جو ہے سب کے سب اس کے حضور غلام کی حیثیت سے پیش ہونے والے ہیں۔(۹۳) اس نے ان کو پوری طرح شمار کر رکھا ہے۔(۹۴) قیامت کے دن سب اکیلے اکیلے اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔''(۹۵)

اُسے رکھنے کی ضرورت ہے، جو سہارے کا محتاج ہو یا اسے کسی وارث کی حاجت ہو اللہ تعالیٰ ان ضرورتوں اور کمزوریوں سے مبّرا ہے وہ ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم دائم رہے گا۔ اسے کسی لحاظ سے کوئی کمزوری لاحق نہیں ہوتی وہ ہر کمزوری سے پاک ہے۔ نہ ہی وہ کسی کی محبت کے ہاتھوں مجبور ہے کہ وہ اسے بیٹا بنائے یا اُسے اپنی خدائی میں کسی کو شریک کرے اس لیے آپ کو حکم ہوا

''کہو کہ وہ ذات پاک ہے جس کا نام اللہ ہے ایک ہے وہ معبودِ برحق بے نیاز ہے۔ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔'' [الاخلاص]

مسائل

۱۔ کسی کو اللہ تعالیٰ کی اولاد گردانا سنگین ترین گناہ ہے۔ ۲۔ کسی کو اولاد بنانا اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں۔

۳۔ اس ظالمانہ اور مشرکانہ عقیدہ کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ زمین پھٹ جائے، آسمان شق ہو جائیں اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں:

۱۔ انہوں نے کہا اللہ نے اولاد بنا رکھی ہے حالانکہ اللہ اولاد سے بے نیاز ہے۔ (یونس:۶۸)

۲۔ انہوں نے کہا اللہ نے اولاد بنائی ہے حالانکہ اللہ اولاد سے پاک ہے۔ (البقرۃ:۱۱۶)

۳۔ مشرکین نے کہا کہ اللہ کی اولاد ہے اللہ اولاد سے پاک ہے بلکہ سارے اسی کے بندے ہیں۔ (الانبیاء:۲۶)

۴۔ اللہ کی کوئی اولاد نہیں اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ ہے۔ (المومنون:۹۱)

۵۔ ہمارے پروردگار کی شان بڑی ہے اس نے نہ کسی کو بیوی بنایا ہے نہ اس کی اولاد ہے۔ (الجن:۳)

إِنَّ	الَّذِينَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	سَيَجْعَلُ	لَهُمُ
یقیناً	وہ لوگ	وہ ایمان لائے	اور انھوں نے عمل کیے	نیک	عنقریب پیدا کردے گا	ان کے لیے
الرَّحْمٰنُ	وُدًّا ﴿۹۶﴾					
رحمٰن	محبت					

”یقیناً جولوگ ایمان لائے اور عمل صالح کرتے رہے عنقریب رحمان ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا کرے گا۔“ (۹۶)

فہم القرآن

ربط کلام: مجرم قیامت کے دن اکیلے اکیلے اپنے رب کے حضور پیش ہونگے اور ان کے درمیان کسی قسم کی کوئی محبت اور تعلق باقی نہیں رہے گا وہ ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں ان کے مقابلے میں مومنوں کے دل میں محبت پیدا کردی جائے گی۔

قرآن مجید اپنے مؤثر ترین انداز کے مطابق یہاں بھی کفار اور مشرکین کے کردار اور انجام کا ذکر کرنے کے بعد ایماندار بندوں کا کردار اور ان کا صلہ ذکر کرتا ہے۔ ایمان سے مراد خالی خولی دعویٰ نہیں بلکہ ایمان ایک جامع لفظ ہے۔ جس کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ انسان عقیدہ توحید، سرورِ دوعالم ﷺ کی اطاعت اور آخرت پر یقین رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کرے۔ اس لیے قرآن مجید ایمان کے ساتھ صالح اعمال کا اکثر ذکر کرتا ہے۔ جولوگ اس طرح کا ایمان اور کردار اختیار کریں گے۔ بہت جلد اللہ تعالیٰ انھیں اپنی محبت کے دامن میں جگہ دے گا۔ بعض اہل علم نے اس کا یہ مفہوم بھی لینے کی کوشش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت پیدا کرے گا۔ گرائمر کے اعتبار سے اس کی گنجائش نہ بھی ہو۔ لیکن حقیقی ایماندار اور باکردار لوگوں کے درمیان محبت ہونا لازم اور فطری بات ہے۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا' بلاشبہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو پسند کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں آدمی سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو۔ راوی بیان کرتا ہے: پھر جبرئیل علیہ السلام اس شخص سے محبت کرتے ہیں اس کے بعد آسمان پر اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ سب اس کے ساتھ محبت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے۔ آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں اس کے بعد زمین میں بھی اس کی محبت بڑھ جاتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو برا سمجھتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر حکم دیتا ہے کہ میں فلاں شخص کو برا سمجھتا ہوں تم بھی اسے برا جانو۔ راوی نے بیان کیا' پھر جبرئیل علیہ السلام اسے برا سمجھتے ہیں اور پھر آسمان والوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو برا جانتا ہے تم بھی اس سے بغض رکھو۔ چنانچہ وہ اس سے بغض کرنا شروع کردیتے ہیں پھر زمین میں اس کے لیے نفرت پھیلادی جاتی ہے۔“ [رواہ مسلم: باب إِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا حَبَّبَهُ إِلَى عِبَادِهِ]

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ صحیح عقیدہ اور صالح کردار اختیار کرنے والوں کے ساتھ محبت کرتا ہے۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَ

پس یقیناً ہم نے اس کو آسان کر دیا آپ کی زبان پر تاکہ آپ خوشخبری دیں ساتھ اس کے پرہیز گاروں اور

تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝٩٧ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ

اور ڈرائیں ساتھ اس کے قوم جھگڑالو اور کتنی ہی ہم نے ہلاک کر دیں ان سے پہلے قومیں؟

هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝٩٨ ع

کیا آپ محسوس کرتے ہیں ان میں سے کسی ایک کو یا آپ سنتے ہیں ان کی کوئی بھنک؟

پس اے نبی اس قرآن کو ہم نے آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے تاکہ آپ پرہیزگاروں کو خوشخبری دیں اور ہٹ دھرم لوگوں کو ڈرائیں۔(۹۷) ان سے پہلی ہم کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں کیا آپ ان کا کوئی نشان پاتے ہیں یا ان کی بھنک بھی سنائی دیتی ہے۔"(۹۸)

فہم القرآن

ربط کلام: نزولِ قرآن کا مقصد، متقین کو خوشخبری سنانا اور مجرمین کو ان کے انجام سے آگاہ کرنا ہے۔

قرآن مجید میں بار ہا دفعہ رسول اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ یہی قرآن مجید کی دعوت اور اس میں بیان ہونے والے واقعات کا مدّعا ہے کہ لوگوں کے سامنے متقین کا عقیدہ اور کردار بیان کیا جائے ان کے مقابلہ میں کفار اور مشرکین کا عقیدہ کردار اور ان کا انجام ذکر کیا جائے تاکہ جرائم پیشہ لوگ اپنے بُرے عقیدہ اور گھناؤنے کردار سے باز آئیں۔ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی بغاوت کا راستہ اختیار کیا ان میں بڑی بڑی اقوام کو اس طرح تہس نہس کیا کہ آج دیکھنے والا کوئی ان کا نشان، آہٹ اور بھنک نہیں پا سکتا ان کی بستیاں اور قبریں زبانِ حال سے بول بول کر یہ پیغام دے رہی ہیں کہ اے دنیا میں رہنے والو! اقتدار، اختیار اور کسی گھمنڈ میں آکر اپنے رب کی نافرمانی نہ کرنا اگر تمھیں کسی بات پر ناز ہے تو ہمارے حال کو نگاہِ عبرت سے دیکھو۔

﴿فَاعْتَبِرُوْا يَا أُوْلِي الْأَبْصَارِ﴾ [الحشر:۲] "اے عقل والو نگاہِ عبرت سے دیکھو۔"

((عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ، قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، يَقُوْلُ إِذَا مَرَرْتُمْ عَلٰى أَرْضٍ قَدْ أُهْلِكَ أَهْلُهَا فَاغْدُوا السَّيْرَ)) [رواه الطبرانی فی الکبیر وھو حدیث صحیح]

"حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے جب تم ایسی زمین سے گزرو جس کے بسنے والوں کو ہلاک کیا گیا ہو تو وہاں سے جلدی گزر جایا کرو۔"

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر اس لیے قرآن نازل کیا تاکہ نیک لوگوں کو خوشخبری دی جائے۔

۲۔ قرآن مجید کے نازل کرنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ حق بات ٹھکرانے والوں کو ان کے برے انجام سے ڈرایا جائے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے جن اقوام کو تباہ و برباد کیا آج ان کی کوئی بھنک بھی نہیں پاتا۔

سورۃ طٰہٰ کا تعارف

ربطِ سورۃ: سورۃ مریم کا اختتام ان الفاظ میں ہوا کہ آپ ﷺ کی زبان پر قرآن مجید کو آسان کر دیا گیا ہے جس کا مرکزی پیغام ''اللہ'' کی توحید ہے، سورۃ طٰہٰ کا آغاز اس بات سے کیا ہے کہ آپ قرآن کو مشکل نہ سمجھیں اور اپنے رب کی توحید بیان کرتے جائیں۔

یہ سورۃ اپنے نام یعنی طٰہٰ کے لفظ سے شروع ہوتی ہے، 8 رکوع اور 135 آیات پر مشتمل ہے۔ یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سورۃ طٰہٰ مکہ میں اس وقت نازل ہوئی جب عمر بن خطاب مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ایک دن عمر بن خطاب یہ عزم لے کر گھر سے نکلے کہ محمد ﷺ کا کام تمام کر دیا جائے۔ راستہ میں ان کی برادری کا ایک آدمی ملا اور اس نے عمر کے تیور دیکھ کر پوچھا کہ کدھر کا ارادہ ہے؟ عمر بن خطاب کہنے لگا کہ محمد ﷺ کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ بزرگ نے فرمایا انہیں قتل کرنے کے لیے چڑھ دوڑے ہو پہلے اپنے گھر کو تو سنبھالو۔ تیرا بہنوئی سعید اور تیری بہن فاطمہ مسلمان ہو چکے ہیں یہ سنتے ہی عمر اپنے بہنوئی کے گھر پہنچے دروازے پر سنا کہ ان کی بہن سورۃ طٰہٰ کی تلاوت کر رہی ہے۔ اندر گئے بہنوئی اور بہن کو مارا وہ بہن جس نے بھائی کے سامنے کبھی آنکھ نہیں اٹھائی تھی زخمی ہونے کے باوجود کہنے لگی جس قدر چاہو مار لو ہم دین نہیں چھوڑ سکتے۔ بہن کی ایمانی جرأت پر حیران ہو کر کہتے ہیں کہ جو پڑھ رہی تھی مجھے بھی سناؤ۔ بہن نے سورۃ طٰہٰ کی ابتدائی آیات پڑھ کر سنائیں۔ زخمی بہن کی دکھ بھری آواز اور قرآن کی جلالت کی تاب نہ لا کر بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔ تفصیل کے لیے سیرت عمر رضی اللہ عنہ کا مطالعہ فرمائیں۔ اس سورہ مبارکہ کی ابتداء ان الفاظ سے ہوئی ہے کہ اے پیغمبر! ہم نے یہ قرآن آپ کی مشکلات کو بڑھانے کے لیے نازل نہیں کیا۔ اس کے نزول کا مقصد تو یہ ہے کہ آپ اس شخص کو نصیحت فرمائیں جو اپنے رب سے ڈرنے والا ہے۔ قرآن کو اس ذاتِ کبریا نے نازل کیا ہے جس نے زمین کو پیدا فرمایا اور آسمان کو بلند و بالا کیا وہ ذات بڑی الرحمان ہے۔ زمین و آسمان اور ان کے درمیان جو چیز ہے وہ اسی کی ملکیت ہے۔ انسان اپنی بات کو خفیہ رکھے یا اس کا الفاظ میں اظہار کرے، وہ ذات سب کچھ جانتی ہے۔ اس کا نام اللہ ہے۔ اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں اور اس کے بہترین نام ہیں وہ آپ کو موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان ہونے والے طویل اور شدید کشمکش سے آگاہ کرتا ہے جس کا آپ کو پہلے سے کچھ علم نہیں۔ اس کے ساتھ ہی موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا جس میں نبی اکرم ﷺ کے لیے رہنما اصول اور آپ کی امت کے لیے بہترین نصائح بیان کرنے کے ساتھ بتلایا گیا ہے کہ بے شک باطل جس قدر چاہے طاقتور ہو بالآخر وہ ناکام رہتا ہے۔ بشرطیکہ حق والے حق پر قائم رہتے ہوئے اپنی جدوجہد جاری رکھیں۔ اس سورۃ کے آخر میں حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں شیطان کی سازش اور شرارت کا ذکر فرما کر اولادِ آدم کو نصیحت کی گئی ہے کہ جو شخص اپنے رب کی نصیحت سے اعراض کرے گا اور شیطان کے پیچھے لگے گا اس کی دنیا تنگ کر دی جائے گی اور آخرت میں اس حالت میں پیش ہوگا کہ اپنے رب کے حضور کوئی حجت پیش نہیں کر سکے گا۔ ایسے لوگوں کو دنیا میں عذاب سے دوچار کیا جائے تو کہتے ہیں کہ کاش ہمارے پاس رسول آتا۔ ہم اس کی پیروی کر کے ذلت سے بچ جاتے۔ اے رسول ﷺ آپ تو ان میں موجود ہیں لیکن پھر بھی یہ ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ انہیں فرما دیں کہ تم اپنی جگہ اپنے انجام کا انتظار کرو میں اپنے مقام پر اپنے کام کے انجام کا منتظر ہوں۔ اس میں نبی ﷺ اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ تمہارا دشمن فرعون سے زیادہ باوسائل اور طاقتور نہیں اور تم حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں سے بڑھ کر کمزور اور مظلوم نہیں ہو۔ لہٰذا پورے حوصلے سے اپنا کام جاری رکھو۔ فتح تمہاری ہوگی کیونکہ انجام کار متقی حضرات کے لیے ہے۔

سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّة — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رکوعاتہا: ۸ — آیاتہا: ۱۳۵

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے

طٰهٰ ①	مَآ اَنْزَلْنَا	عَلَيْكَ	الْقُرْاٰنَ	لِتَشْقٰٓى ②	اِلَّا	تَذْكِرَةً	
طٰہٰ	نہیں نازل کیا ہم نے	آپ پر	قرآن	تاکہ آپ مشقت میں پڑیں	مگر	نصیحت	

لِّمَنْ	يَّخْشٰى ③
اس شخص کے واسطے	وہ ڈرتا ہے

''طٰہٰ۔(۱) ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا ہے کہ آپ مصیبت میں پڑ جائیں۔(۲) یہ نصیحت ہے ہر اس شخص کے لیے جو ڈرنے والا ہے۔''(۳)

فہم القرآن

سورۃ طٰہٰ مکہ معظمہ میں اس وقت نازل ہوئی جب کفارِ مکہ کا جور و استبداد اپنے عروج پر تھا۔ مسلمانوں کے حوصلے پست ہونے کے قریب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی کشمکش کا قدرے تفصیل سے تذکرہ فرمایا ہے تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی کن مشکلات میں دین کا کام کرتے رہے۔

لفظ طٰہٰ بھی حروف مقطعات ہیں۔ حسب عادت کچھ اہل علم نے اس کے بھی مفہوم نقل کیے ہیں۔ جو علمی موشگافیوں کے سوا کچھ نہیں کیونکہ بالآخر وہ بھی ثقہ اہل علم کی طرح یہ لکھنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ اس کا حقیقی مفہوم صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشکل اور سخت ترین حالات میں پوری جان سوزی اور اخلاص کے ساتھ تبلیغ دین کا فریضہ ادا فرما رہے تھے۔ آپ رات کی تاریکیوں میں تہجد کی نماز میں لوگوں کی ہدایت کے لیے رو رو کر دعائیں کرتے۔ دن کے وقت تندہی کے ساتھ اصلاحِ احوال کی کوشش میں مصروف رہتے۔ لیکن مشرکین نا صرف دن بدن کفر و شرک میں آگے ہی بڑھے جا رہے تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔ جس پر آپ کا دل پسیج جاتا اور آپ غمگین رہتے۔ اس صورتِ حال میں یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی۔ جس کی ابتدا میں آپ کو تسلّی دیتے ہوئے ارشاد ہوا کہ اے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے رب نے قرآن مجید اس لیے تو نہیں اتارا کہ آپ اپنی استعداد سے بڑھ کر مشقت میں پڑ جائیں۔ دوسرے مقام پر فرمایا کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے تو آپ اپنی جان کو ہلاک کر لیں گے۔ الشعراء آیت: ۳ بے شک قرآن مجید سراپا نصیحت ہے۔ یقین رکھو قرآن مسائل بڑھانے نہیں کم کرنے کے لیے نازل ہوا ہے۔ لیکن اس سے نعمت سے وہی شخص مستفید ہوتا ہے جو اپنے رب کا خوف اور برے انجام سے ڈرنے والا ہے۔ یہی بات قرآن مجید کی پہلی آیت میں کہی گئی ہے۔

یہ کتاب ہدایت ہے۔ مگر ان لوگوں کے لیے جو گناہوں سے بچنے اور اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں۔

تَنْزِيْلًا	مِّمَّنْ	خَلَقَ	الْاَرْضَ	وَالسَّمٰوٰتِ	الْعُلٰى ؕ ۝
نازل کرنا	جس نے	اس نے پیدا کیا	زمین	آسمانوں	بلند

اَلرَّحْمٰنُ	عَلَى	الْعَرْشِ	اسْتَوٰى ۝	لَهٗ	مَا	فِي	السَّمٰوٰتِ
رحمٰن	پر	عرش	مستوی ہے	اسی کے لیے	جو کچھ	میں	آسمانوں

وَمَا	فِي	الْاَرْضِ	وَمَا	بَيْنَهُمَا	وَمَا	تَحْتَ	الثَّرٰى ۝
اور جو	میں	زمین	اور جو	ان دونوں کے درمیان	اور جو	نیچے	نمناک زمین

وَاِنْ	تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ	فَاِنَّهٗ	يَعْلَمُ	السِّرَّ	وَاَخْفٰى ۝
اور اگر	آپ بلند آواز سے بات کریں	تو بلاشبہ وہ	وہ جانتا ہے	پوشیدہ	اور پوشیدہ تر بات

''نازل کی گئی ہے اس ذات کی طرف سے جس نے پیدا کیا ہے زمین اور بلند آسمانوں کو۔(۴) وہ رحمان عرش پر مستوی ہے۔(۵) مالک ہے ان سب چیزوں کا جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور جو زمین و آسمان کے درمیان ہیں اور جو زمین کے نیچے ہیں۔(۶) تم بلند آواز سے بات کرو یا چپکے سے۔ وہ خفیہ سے خفیہ کی ہوئی بات کو یقیناً جانتا ہے۔''(۷)

فہم القرآن

ربط کلام: جس ذاتِ کبریا نے یہ قرآن نازل کیا ہے اس کا تعارف۔

قرآن مجید اس ذاتِ کبریا نے نازل کیا ہے جس نے زمین اور بلند و بالا آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ زمین و آسمان کو پیدا کرنے کے بعد الرحمٰن عرش پر مستوی ہوا۔ جس طرح اس کی شایانِ شان ہے۔ زمین و آسمانوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے سب کا سب اسی مالک کی ملکیت ہے۔ لہٰذا آپ اونچی آواز سے بات کریں یا آہستہ انداز میں دل ہی دل میں کہیں وہ خفیہ اور آہستہ سے آہستہ آواز کو سُنتا ہی نہیں بلکہ دل میں پیدا ہونے والے خیالات اور احساسات کو جانتا ہے۔ یہاں پہلے یہ بات سمجھائی ہے کہ اے پیغمبر آپ کفار کے ظلم اور تسلّط کے بارے میں یہ نہ سوچیں کہ یہ ہمیشہ رہے گا۔ ہرگز نہیں کیونکہ زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے یہاں تک کہ جو کچھ زمین کے نیچے ہے سب کا سب اسی مالک کی ملک اور اس کے تابع فرمان ہیں اسی نے یہ قرآن نازل کیا ہے۔ لہٰذا نہ آپ کے مخالفین کی کوئی بات اور ظلم اس سے پوشیدہ ہے اور نہ آپ اور آپ کے ساتھیوں کی آہ زاریاں تمھارے رب سے اوجھل ہیں۔ عنقریب وقت آنے والا ہے۔ جب کفار کی گردنیں نیچی ہونگی اور ظلم کی چکی میں پسنے والے مظلوم سر بلند ہوں گے۔ یہاں ذات کبریا نے اپنا نام الرحمٰن لا کر آپ کو تسلی دی ہے کہ آپ اپنا کام کرتے جائیں آپ کا رب الرحمٰن ہے۔ وہ ضرور آپ پر رحم و کرم فرمائے گا۔ آپ کی دعائیں مستجاب اور آپ کی محنتیں ثمر آور ہوں گی۔ وہ عرش پر جلوہ گر ہے۔ جس طرح اس کی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عرش پر جلوہ نما ہونے کے بارے میں بحث کرنا کہ ربِ ذوالجلال کس حالت اور کس انداز میں جلوہ نما ہے ہمارا کام نہیں۔ ایسی سوچ پیدا ہونے پر لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھنا چاہیے۔ آسمانوں کی بلندی کا ذکر فرما

کر اشارہ دیا کہ عنقریب سرفرازی اور بلندی آپ اور آپ کے ساتھیوں کو نصیب ہوگی اور کفار کے لیے پستی ہوگی۔

((عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ قَالَ اِنِّیْ كُنْتُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذْجَاءَهٗ قَوْمٌ مِّنْ بَنِیْ تَمِيْمٍ فَقَالَ اقْبَلُوْاالْبُشْرٰی يَا بَنِیْ تَمِيْمٍ قَالُوْا بَشَّرْتَنَا فَاَعْطِنَا فَدَخَلَ نَاسٌ مِّنْ اَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ اقْبَلُوْا الْبُشْرٰی يَا اَهْلَ الْيَمَنِ اِذْ لَمْ يَقْبَلْهَا بَنُوْ تَمِيْمٍ قَالُوْا قَبِلْنَاجِئْنَاكَ لِنَتَفَقَّهَ فِی الدِّيْنِ وَلِنَسْاَلَكَ عَنْ اَوَّلِ هٰذَا الْاَمْرِ مَا كَانَ قَالَ كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَیْءٌ قَبْلَهٗ وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَاءِ ثُمَّ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ وَكَتَبَ فِی الذِّكْرِ كُلَّ شَیْءٍ ثُمَّ اَتَانِیْ رَجُلٌ فَقَالَ يَاعِمْرَانُ اَدْرِكْ نَاقَتَكَ فَقَدْ ذَهَبَتْ فَانْطَلَقْتُ اَطْلُبُهَا وَاَيْمُ اللّٰهِ لَوَدِدْتُ اَنَّهَا قَدْ ذَهَبَتْ وَلَمْ اَقُمْ)) [رواه البخاری:باب قَوْلِهٖ(**وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ**)]

’’حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا جب آپ کے پاس بنوتمیم کے کچھ لوگ آئے۔آپ نے فرمایا‘اے بنوتمیم! خوشخبری قبول کروانہوں نے کہا آپ نے ہمیں خوشخبری تو دے دی‘ ہمیں کچھ عطا بھی کریں۔ان کے بعد اہل یمن کے کچھ لوگ آئے آپ نے فرمایا کہ اے اہل یمن! خوشخبری قبول کرو‘آپ سے پہلے بنوتمیم نے اسے قبول نہیں کیا۔انہوں نے کہا ہم قبول کرتے ہیں آپ کی خدمت میں ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں تاکہ ہم دین کی سمجھ حاصل کریں اور ہم آپ سے کائنات کی ابتداء کے بارے میں پوچھنا چاہیں گے کہ سب سے پہلے کیا چیز تھی؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تھا‘اوراس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی اس کا عرش پانی پر تھااس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اورزمینوں کو پیدا فرمایا۔پھرلوح محفوظ میں تمام امور لکھے۔عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اتنے میں ایک شخص میرے پاس آیااوراس نے کہا،اے عمران!اپنی اونٹنی کا پتا کروہ وہ بھاگ گئی ہے میں اسے ڈھونڈنے لگا۔اللہ تعالیٰ کی قسم مجھے یہ پسند تھا کہ اونٹنی بے شک چلی جاتی‘لیکن میں آپ کی مجلس سے نہ اٹھتا۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ عرش پر جلوہ نما ہے جس طرح اس کی شان ہے۔۲۔ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے سب اللہ کی ملکیت ہے۔
۳۔ انسان کوئی بات دل میں کہے یااس کااظہار کرے اللہ تعالیٰ ہر بات سے باخبر رہتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ظاہراور پوشیدہ ہر بات اور چیز کو جانتا ہے:

۱۔ کیاوہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ظاہراور پوشیدہ کوجانتا ہے۔(البقرۃ:۷۷)
۲۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں اورزمین کی ظاہراور پوشیدہ چیز کو جانتا ہے۔(الانعام:۳)
۳۔ کیاوہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدہ سرگوشیوں کوبھی جانتا ہے۔(التوبۃ:۷۸)
۴۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جوتم چھپاتے اور جوتم ظاہر کرتے ہو۔(النحل:۱۹)
۵۔ اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ اللہ تعالیٰ پوشیدہ اور آہستہ کہی ہوئی بات جانتا ہے۔(طٰهٰ:۷)

اچھے	سب نام	اسی کے لیے	وہی	مگر	کوئی معبود	نہیں	اللہ
الْحُسْنٰى ۝	الْاَسْمَآءُ	لَهُ	هُوَ	اِلَّا	اِلٰهَ	لَآ	اَللّٰهُ

''وہ اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے بہترین نام ہیں۔''(٨)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کی مزید صفات اور اسمائے گرامی۔

ہر چیز کا خالق، پوشیدہ اور ظاہر باتوں کو جاننے والا صرف ایک ''اللہ'' ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ لہٰذا وہی ایک عبادت کے لائق ہے۔ اس کے تمام نام بہترین اور بابرکت ہیں۔ اسے ''اللہ'' کے نام سے پکارا جائے یا الرحمٰن کے نام سے۔ اس کے تو سارے نام ہی بہترین اور بابرکت ہیں۔ یاد رہے کہ کفارِ مکہ اللہ تعالیٰ کے اسم پاک الرحمٰن سے چڑتے اور کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے رحمٰن کون ہے اس وجہ سے نبی معظم ﷺ کو طعنہ دیتے کہ آپ ہمیں تو کسی دوسرے کو ''اللہ'' کا شریک بنانے سے منع کرتے ہیں۔ خود الرحمٰن کو اس کا شریک بناتے ہیں۔ اس چڑ کی وجہ سے وہ آپ کی اور مخالفت کرتے تھے سورۃ الفرقان، آیت: ٦٠۔ میں عرض کیا گیا ہے کہ ''الٰہ'' اللہ تعالیٰ کا متبادل نام بھی ہے اور یہ اس کی ایسی صفت ہے جس میں اس کی بڑی بڑی تمام صفات شامل ہیں۔ الٰہ کا پہلا معنیٰ یہ ہے وہ ذات جس سے سب سے زیادہ محبت کی جائے ضرورت اور عاجزی کے ساتھ اس کی عبادت کی جائے۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کے بہترین نام ہیں۔ ٢۔ ''اللہ'' کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

٣۔ ''اللہ'' ہی حاجت روا، مشکل کشا ہے۔

تفسیر بالقرآن

''اللہ'' کی صفت الٰہ کی ایک جھلک:

١۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ برحق نہیں۔(النساء: ٨٧) ٢۔ الٰہ حقیقی صرف اللہ ہے۔(النساء: ١٧١)

٣۔ کون ہے جو لاچار کی فریاد رسی کرتا ہے اور اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے؟(النمل: ٦٢)

٤۔ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں اللہ کے سوا کون رہنمائی کرتا ہے کیا کوئی اور بھی اس کے ساتھ الٰہ ہے۔(النمل: ٦٣)

٥۔ آپ فرمادیں سوائے ایک الٰہ کے آسمان و زمین کے غیب کو کوئی نہیں جانتا۔(النمل: ٦٥)

٦۔ بس اس ایک الٰہ کے سوا کسی دوسرے الٰہ کو نہ پکارو۔(القصص: ٨٨)

٧۔ تمھارا الٰہ ایک ہی ہے وہ الرحمٰن اور الرحیم ہے۔(البقرۃ: ١٦٣)

وَهَلْ	اَتٰىكَ	حَدِيْثُ	مُوْسٰى ﴿٩﴾	اِذْ	رَا	نَارًا
اور کیا	آئی ہے آپ کے پاس	بات	موسیٰ؟	جب	اس نے دیکھی	آگ
فَقَالَ	لِاَهْلِهِ	امْكُثُوْٓا	اِنِّيْٓ	اٰنَسْتُ	نَارًا	لَّعَلِّيْٓ
تو اس نے کہا	اپنے گھر والوں سے	ٹھہرو	بلاشبہ میں	دیکھی	آگ	شاید
اٰتِيْكُمْ	مِّنْهَا	بِقَبَسٍ	اَوْ	اَجِدُ	عَلَى النَّارِ	
لے آؤں تمھارے پاس	اس سے	کوئی انگارا	یا	میں پاؤں	آگ کے پاس	
هُدًى ﴿١٠﴾	فَلَمَّآ	اَتٰىهَا	نُوْدِيَ	يٰمُوْسٰى ﴿١١﴾	اِنِّيْٓ اَنَا	
راہنمائی	پس جب	وہ آیا اس کے پاس	آواز دیا گیا	اے موسیٰ!	بے شک میں	
رَبُّكَ	فَاخْلَعْ	نَعْلَيْكَ	اِنَّكَ	بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٢﴾		
تیرا رب	سو تو اتار دے	اپنی جوتیاں	بلاشبہ تو	وادی مقدس طویٰ		

’’کیا آپ کو موسیٰ کے بارے میں کوئی بات معلوم ہے کہ جب اس نے آگ دیکھی اور اپنے گھر والوں سے کہا کہ ذرا ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید تمہارے لیے آگ کا انگارہ لے آؤں۔(٩) یا اس روشنی سے مجھے کوئی رہنمائی مل جائے۔(١٠) موسیٰ وہاں پہنچے تو آواز دی گئی اے موسیٰ۔(١١) میں ہی تیرا رب ہوں اپنے جوتے اتار دے تو مقدس وادی طوی میں پہنچ چکا ہے۔‘‘(١٢)

فہم القرآن

ربط کلام: اے نبی ﷺ آپ جس ایک اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دیتے ہیں یہی دعوت موسیٰ علیہ السلام دیا کرتے تھے۔ اس لیے آپ کو ان کے حالات سے آگاہ کیا جاتا ہے۔

رسول محترم ﷺ کو پوری طرح متوجہ فرمانے کے لیے یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ کیا آپ کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی خبر نہیں پہنچی؟ لو اب سماعت فرمائیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے فرمایا ٹھہریں میں آپ کے تاپنے کے لیے آگ کا انگارہ لاتا ہوں یا پھر اس روشنی سے راستے کا پتہ معلوم کرتا ہوں۔ جب موسیٰ علیہ السلام آگ کے قریب آئے تو انھیں آواز دی گئی۔ اے موسیٰ میں آپ کا رب ہوں آپ مقدس وادی میں پہنچ چکے ہیں۔ اس لیے اپنے جوتے اتار دیں، یہ بات پہلے معلوم ہونا چاہیے کہ بے مثال جدوجہد اور لوگوں کی مخالفت کے لحاظ سے نبی اکرم ﷺ سب سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کے قریب ہیں اس لیے قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جدوجہد اور فرعون کی مخالفت کا تفصیلی بیان ہوا ہے۔ یہاں اس بات کا جوں آغاز فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کی خبر آپ کو نہیں پہنچی؟ شاید اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اے نبی ﷺ آپ تو مکہ میں محترم اور قابل اعتماد

وَاَنَا	اخۡتَرۡتُكَ	فَاسۡتَمِعۡ	لِمَا	يُوۡحٰى ﴿١٣﴾	اِنَّنِىۡۤ اَنَا اللّٰهُ
اور میں	تجھے پسند کرلیا	پس غور سے سن	جو	وحی کی جاتی ہے	بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں

لَاۤ	اِلٰهَ	اِلَّاۤ	اَنَا	فَاعۡبُدۡنِىۡ ۙ	وَاَقِمِ	الصَّلٰوةَ	لِذِكۡرِىۡ ﴿١٤﴾
نہیں	کوئی معبود	مگر	میں ہی	سوتو میری ہی عبادت کر	اور قائم کر	نماز	میرے ذکر کے لیے

''اور میں نے تجھ کو چن لیا ہے جو کچھ وحی کی جاتی ہے توجہ سے سنو۔(١٣) میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔پس میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔''(١٤)

ہیں تبھی تو لوگ آپ کو صادق اور امین کہتے ہیں تھوڑے ہی سہی لیکن آپ کے جانثار ساتھی بھی موجود ہیں۔لہٰذا آپ کو تو دل چھوٹا اور آپ کے ساتھیوں کو حوصلہ نہیں ہارنا چاہیے۔موسیٰ علیہ السلام کے حالات جانیں کہ کن حالات میں پیدا ہوئے۔اس کی والدہ نے اپنے رب کے حکم پر عمل کرتے ہوئے کس دل گردے کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کو دریا کی لہروں کے سپرد کیا۔موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح اس کے جانی دشمن فرعون کے گھر پالا۔جب موسیٰ علیہ السلام بڑے ہوئے تو ان کے ہاتھوں غیر ارادی طور پر ایک شخص قتل ہوا۔موسیٰ علیہ السلام خوف کے مارے مدین کی طرف بھاگ گئے۔وہاں آٹھ،دس سال رہنے کے بعد اپنی اہلیہ کے ساتھ اپنے وطن مصر واپس آرہے تھے کہ انھوں نے آگ جلتی ہوئی دیکھی۔راستہ معلوم کرنے اور سردی کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام آگ کی طرف گئے۔اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ آپ مقدس زمین پر پہنچ گئے ہیں۔لہٰذا جوتے اتار دیں اور جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا جاتا ہے اُسے توجہ سے سنیں۔اس خوف اور کسمپرسی کے عالم میں موسیٰ علیہ السلام مصر واپس پہنچ کر اپنے کام کا آغاز کرتے ہیں۔موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں اپنے حالات پر غور فرمائیں کہ وہ کتنے آسان اور سازگار ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بحکم خداوندی جوتا اُتار کر وادیٔ مقدس میں آگے بڑھے تو آواز آئی اے موسیٰ علیہ السلام! میں نے تجھے اپنی ذات اور کام کے لیے پسند کرلیا ہے۔جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اُسے پوری توجہ کے ساتھ سنو۔یقین کرو کہ میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔بس میری ہی عبادت کرنا اور مجھے یاد رکھنے کے لے نماز ادا کرتے رہنا۔بیسویں پارہ میں اس واقعہ کی یوں تفصیل بیان ہوئی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام،حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس معاہدہ کے تحت اپنی مدت پوری کر چکے تو وہ اپنی اہلیہ کو لے کر اپنے وطن مصر کی طرف چل پڑے۔راستہ میں موسیٰ علیہ السلام نے طور پہاڑ کے دائیں جانب ایک روشنی دیکھی۔موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہلیہ کو فرمایا آپ یہاں ٹھہریں،میں اُس روشنی کے پاس جا کر آپ کے تاپنے کے لیے آگ لاتا ہوں یا راستہ کے بارے میں معلومات لاؤں گا۔جب موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ کے قریب اس کے دائیں جانب پہنچے تو ایک درخت تجلیات اور اللہ کی برکات کا مرکز بنا ہوا تھا۔موسیٰ علیہ السلام نے آواز سنی جس میں یہ پیغام تھا کہ میں ہی رب العالمین ہوں۔

﴿فَلَمَّا قَضٰى مُوۡسَى الۡاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهۡلِهٖۤ اٰنَسَ مِنۡ جَانِبِ الطُّوۡرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهۡلِهِ امۡكُثُوۡۤا اِنِّىۡۤ اٰنَسۡتُ

نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ٥ فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [القصص:۲۹،۳۰]

''پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے مقرر مدت پوری کر دی اور وہاں سے اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر چلے تو طور کے ایک جانب آگ دیکھی موسیٰ نے اپنے اہل خانہ سے کہا تم ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے میں وہاں جاتا ہوں شاید میں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا آگ کی کوئی چنگاری لاؤں تاکہ تم اسے تاپ سکو۔ جب موسیٰ وہاں گئے تو وادی کے دائیں کنارہ سے اس بابرکت مقام میں ایک درخت سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! بلاشبہ میں ہی اللہ رب العالمین ہوں۔''

یہاں موسیٰ علیہ السلام کو یہ ارشاد ہوا کہ میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ''اِلٰہ'' کے بارے میں کئی مرتبہ بیان ہو چکا ہے۔ اس موقعہ پر مختصر مفہوم جاننے کے لیے درج ذیل تفسیر بالقرآن ملاحظہ فرمائیں۔ یاد رہے کہ عقیدۂ توحید کے بعد انسان پر جو سب سے پہلا فرض عائد ہوتا ہے وہ پانچ وقت کی نماز ہے۔ یہ ایسی عبادت اور ذکر ہے جس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو کوئی عبادت اور ذکر محبوب نہیں۔

((عن عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ قَالَ الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَاقَالَ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قَالَ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ))[رواه البخاری:کتاب مواقیت الصلوٰة]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز وقت پر ادا کرنا۔ پھر پوچھا تو فرمایا: والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ اس کے بعد پوچھنے پر آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔''

تفسیر بالقرآن

اِلٰہ کے چیدہ چیدہ مرکزی معانی:

۱۔ تمہارا اِلٰہ ایک ہی ہے اس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں وہ رحمٰن و رحیم ہے (البقرۃ۔۱۶۳)

۲۔ یقیناً اللہ ایک ہی الٰہ ہے وہ اولاد سے پاک ہے آسمان و زمین کی ہر چیز اسی کے لیے ہے (النساء۔۱۷۱)

۳۔ اسکے سوا کوئی الٰہ نہیں مگر وہ اکیلا ہی ہے (المائدۃ:۷۳)

۴۔ فرما دیجیے کہ اللہ ایک ہی الٰہ ہے اور میں تمہارے شرک سے بری ہوں۔ (الانعام:۱۹)

۵۔ اللہ نے فرمایا دو الٰہ نہ بناؤ یقیناً الٰہ ایک ہی ہے۔ (النحل:۵۱)

اِنَّ	السَّاعَةَ	اٰتِيَةٌ	اَكَادُ	اُخْفِيْهَا	لِتُجْزٰى	كُلُّ
بلاشبہ	قیامت	آنے والی	قریب ہے کہ	میں اس کو چھپاؤں	تاکہ بدلہ دیا جائے	ہر
نَفْسٍۢ	بِمَا	تَسْعٰى ﴿۱۵﴾	فَلَا	يَصُدَّنَّكَ	عَنْهَا	مَنْ
جان کو	اس کا جو	وہ کوشش کرتی ہے	پس نہ	وہ روکے تجھ کو	اس سے	وہ شخص جو
لَّا	يُؤْمِنُ	بِهَا	وَاتَّبَعَ	هَوٰىهُ	فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾	
نہیں	وہ ایمان رکھتا	اس کے ساتھ	اور اس نے پیروی کی	اپنی خواہش	پس تو ہلاک ہو جائے گا	

قیامت کا وقت ہرصورت آنے والا ہے میں اس وقت کو مخفی رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر کوئی اپنی کوشش کے مطابق بدلہ پائے۔(۱۵) پس جو شخص اس پر ایمان نہیں لاتا اور وہ اپنی خواہش کا بندہ بن گیا ہے وہ آپ کو قیامت کی سوچ سے نہ روک دے۔ ورنہ آپ ہلاکت میں پڑ جائیں گے۔"(۱۶)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی پہلی وحی میں دین کے تیسرے بنیادی عقیدہ کا یوں تعارف کروایا گیا ہے کہ اے موسیٰ علیہ السلام! قیامت ہرصورت برپا ہونے والی ہے لیکن اُس کے وقت کو میں نے چھپا رکھا ہے۔ قیامت کا برپا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تا کہ ہر شخص کو اُس کی اچھی بری کوشش کا بدلہ چکایا جائے۔ اے موسیٰ! وہ شخص یعنی فرعون جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا تجھے نبوت کے کام سے نہ روک دے کیونکہ اُس نے اپنے آپ کو اپنی خواہشات کا بندہ بنالیا ہے۔ اگر آپ توحید کی دعوت دینے اور نبوت کے کام سے رُک گئے تو آپ ہلاک ہو جائیں گے۔

یہ بات پہلے بھی عرض ہو چکی ہے کہ دین کے اعتقادات میں توحید، رسالت اور آخرت کا عقیدہ بنیادی اور مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ باقی اُمور انہی کے متعلقات اور ان کا عملی تقاضا ہیں۔ یہاں موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کرتے ہوئے عقیدہ توحید کا پہلا تقاضا یہ بتلایا ہے کہ اللہ کی بندگی کی جائے۔ اُس کے بعد قیامت برپا کرنے کا مقصد بیان کیا ہے تا کہ ہر انسان اپنے اچھے برے اعمال کی جزا اور سزا پائے۔ یاد رہے کہ جو شخص عقیدۂ توحید کا دعویٰ کرتا ہے اُسے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قیامت کے قیام اور اُس کی جزا، سزا پر بھی ایمان لانا ہوگا۔ ان میں کسی ایک بات کا انکار کرنا پوری کی پوری دعوت کا انکار کرنا ہے۔ اس فرمان سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ کسی ظالم کے خوف کی وجہ سے اللہ کی توحید کو نہ ماننا اور اس کا پرچار نہ کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

وَمَا	تِلْكَ	بِيَمِيْنِكَ	يٰمُوْسٰى ⑰	قَالَ	هِيَ	عَصَايَ ج
اور کیا	یہ	تیرے دائیں ہاتھ میں؟	اے موسیٰ!	اس نے کہا	یہ	میرا عصا

اَتَوَكَّؤُا	عَلَيْهَا	وَاَهُشُّ	بِهَا	عَلٰى	غَنَمِيْ	وَلِيَ
میں ٹیک لگا تا ہوں	اس پر	اور پتے جھاڑتا ہوں	اس کے ساتھ	پر	اپنی بکریوں	اور میرے لیے

فِيْهَا	مَاٰرِبُ	اُخْرٰى ⑱
اس میں	اور بھی فائدے ہیں	

''اے موسیٰ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ (۱۷) موسیٰ نے جواب دیا یہ میری لاٹھی ہے اس پر ٹیک لگا تا ہوں اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں۔ اس سے اور بھی کام لیتا ہوں۔'' (۱۸)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فکرِ آخرت کا سبق دے کر یہ بات سمجھائی گئی کہ اے موسیٰ علیہ السلام! جو شخص آخرت پر ایمان نہیں رکھتا اس کے پیچھے لگنے اور اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

فرعون پرلے درجے کا نافرمان، باغی اور ظالم انسان تھا جس وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو پہلی وحی کے وقت بتلایا اور سمجھایا گیا کہ اے موسیٰ علیہ السلام! بے شک فرعون حد سے بڑھا ہوا ظالم اور نافرمان ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کے خوف کی وجہ سے آپ کو اس کی کسی بات کو نہیں ماننا چاہیے۔ اگر آپ خوف یا کسی وجہ سے حق بات کہنے سے رک گئے یا خوف کی وجہ سے اس کے سامنے جھک گئے تو یاد رکھیں آپ بھی ہلاک ہونے والوں میں شامل ہوں گے۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو از راہِ محبت اور ان کی تربیت کی خاطر یہ سوال کیا کہ اے موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا میرے رب میرے ہاتھ میں لاٹھی ہے میں اس کے ساتھ بھیڑ بکریوں کے لیے درختوں سے پتے جھاڑتا ہوں جب تھک جاؤں تو اس کا سہارا لیتا ہوں میرے لیے اس میں اور بھی کئی فائدے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صرف اتنا ہی استفسار فرمایا تھا کہ اے موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ لیکن موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی قربت اور محبت کی وجہ سے ایک سوال کے جواب میں تین جوابات عرض کیے جس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ بندے کو دعا اور اللہ کی عبادت کرتے ہوئے جب اس کی رحمت اور قرب کی لذت محسوس ہوتی ہے تو پھر اس پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اگر قیام میں ہو تو اللہ تعالیٰ کو اس قدر یاد کرتا ہے کہ اسے اپنے قیام کی طوالت کا احساس نہیں رہتا۔ اگر رکوع اور سجود میں اللہ تعالیٰ کی قربت کا احساس ہو جائے تو دیر تک رکوع میں جھکا اور سجدے میں پڑا رہتا ہے۔ اسی قرب اور لذت کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر طویل قیام کرتے کہ آپ کے پاؤں پر سوجن پڑ جاتی تھی۔ اسی سبب ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک استفسار کے بدلے تین جواب عرض کیے تاکہ میں اپنے رب کے ساتھ دیر تک محوِ گفتگو رہ سکوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ میرے ہاتھ میں لاٹھی ہے اور اللہ تعالیٰ سے بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ مگر اس کے

قَالَ	اَلْقِهَا	يٰمُوْسٰى ⑲	فَاَلْقٰىهَا	فَاِذَا	هِيَ	حَيَّةٌ	تَسْعٰى ⑳
فرمایا	اسے ڈال دے	اے موسیٰ!	پس جب اس نے ڈالا اس کو	تو نا گہاں	وہ	سانپ	دوڑتا ہوا
قَالَ	خُذْهَا	وَلَا	تَخَفْ	سَنُعِيْدُهَا	سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ㉑		
فرمایا	تو پکڑ لے اسے	اور مت	ڈر تو	ہم ابھی اسے لوٹا دیں گے	اس کی پہلی حالت		

''فرمایا اے موسیٰ اسے پھینک دے۔(١٩)اس نے پھینک دیا اور یکا یک عصا ایک سانپ بن کر دوڑنے لگا۔(٢٠)فرمایا اسے پکڑ لے اور ڈرنا نہیں ہم اسے پہلے کی طرح عصا بنا دیں گے۔''(٢١)

باوجود موسیٰ علیہ السلام کو ذہنی طور پر تیار کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ! تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی محبت کے سرور میں آکر پے در پے کئی جواب عرض کیے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی بات پوری ہوئی اور ان کی کامل توجہ اپنی لاٹھی کی طرف مرکوز ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ! اپنی لاٹھی کو زمین پر پھینکیں جونہی موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے لاٹھی پھینکی تو وہ بہت بڑا اژدھا بن کر لہرانے لگا۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس اژدھا سے ڈرنے کی ضرورت نہیں آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیں یہ پہلے کی طرح پھر لاٹھی بن جائے گا۔ یاد رہے کہ سیرت کا معنٰی ہے حالت اور کیفیت سیرت طیبہ سے مراد پاکیزہ زندگی اور عمدہ کردار۔ اس کے اوّلین اور کامل ترین مصداق سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو پوری امّت کے لیے اسوہ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔

مسائل

١۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی محبت اور قربت محسوس کرتے ہوئے ایک سوال کے کئی جواب عرض کیے۔
٢۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو چوکنا کرنے کے لیے ان کے عصا کے بارے میں سوال کیا۔

تفسیر بالقرآن

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا تذکرہ:

حضرت موسیٰ کے عصا کا تذکرہ قرآن میں ١٠ بار آیا ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہے۔

البقرۃ،٦٠، الاعراف:١٠٨، ١١٨، ١٦٠، الشعراء:٣٣، ٤٥، ٦٣ النمل:١٠، القصص:٣١، طٰہٰ:١٨

١۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے جب پانی طلب کیا تو موسیٰ کو اپنا عصا پتھر پر مارنے کا حکم دیا گیا۔(البقرۃ:٦٠)
٢۔ جب فرعون لاؤ لشکر سمیت بنی اسرائیل کے خلاف چڑھ دوڑا تو موسیٰ کو اپنا عصا دریا پر مارنے کا حکم ہوا۔(الشعراء:٦٣)
٣۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ میرا عصا ہے۔(طٰہٰ:١٧، ١٨)
٤۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو جب زمین پر پھینکا تو وہ بہت بڑا اژدھا بن گیا۔(النمل:١٠)
٥۔ موسیٰ علیہ السلام عصا کو سانپ بنتا ہوا دیکھ کر ڈر کے مارے بھاگ کھڑے ہوئے۔(القصص:٣١)

وَاضْمُمْ	يَدَكَ	اِلٰى جَنَاحِكَ	تَخْرُجْ	بَيْضَآءَ	مِنْ
اور ملا تو	اپنا ہاتھ	اپنی بغل کے ساتھ	وہ نکلے گا	چمکتا ہوا	سے
غَيْرِ	سُوْٓءٍ	اٰيَةً	اُخْرٰى ﴿۲۲﴾	لِنُرِيَكَ	مِنْ	اٰيٰتِنَا
بغیر	بیماری	نشانی	دوسری	تاکہ ہم دکھائیں تجھے	سے	کچھ نشانیاں
الْكُبْرٰى ﴿۲۳﴾	اِذْهَبْ	اِلٰى	فِرْعَوْنَ	اِنَّهٗ	طَغٰى ﴿۲۴﴾
بڑی	تو جا	طرف	فرعون	بے شک وہ	اس نے سرکشی کی

''اور اب اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبا کر نکال وہ کسی بغیر تکلیف چمکتا ہوا نکلے گا یہ دوسری نشانی ہے۔ (۲۲) ہم آپ کو اپنی بڑی نشانیاں دکھانے والے ہیں۔ (۲۳) اب سرکش فرعون کے پاس جا۔'' (۲۴)

فہم القرآن

ربط کلام: موسیٰ علیہ السلام کو اژدھا کا معجزہ دکھلانے کے بعد دوسرا معجزہ عطا کیا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب پوری طرح اطمینان ہوا کہ یہ وہی لاٹھی ہے جو میرے ہاتھ میں تھی جس سے میں مذکورہ بالا کام لیا کرتا ہوں تو اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنا ہاتھ اپنی بغل میں رکھیں جب اُسے بغل سے نکالیں گے تو وہ کسی تکلیف اور نقص کے بغیر تیرے سامنے چمک رہا ہوگا۔ اس طرح موسیٰ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو عظیم معجزے عنایت کیے گئے جن کے بعد موسیٰ کو حکم ہوا کہ اب فرعون کی طرف جائیں کیونکہ وہ بڑا ہی باغی اور نافرمان شخص ہے۔ اسی سورۃ کی چند آیات کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون کو یہ اطمینان بھی دلایا گیا کہ دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تمھارا رب ہوں تمھارے ساتھ ہوں گا اور تم میری نگاہوں کے سامنے ہو گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کے بارے میں مفسرین نے لکھا کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبا کر باہر نکالتے تو سورج کی روشنی بھی اس کے سامنے چندھیائی ہوئی نظر آتی تھی۔

مسائل

۱۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے سامنے دعوتِ توحید پیش کرنے کے لیے دو عظیم معجزات دیئے گئے۔

۲۔ لاٹھی کا اژدھا بننا اور ہاتھ سورج کی مانند چمکنا۔ ۳۔ فرعون بڑا ہی ظالم اور خدا کا نافرمان تھا۔

تفسیر بالقرآن

فرعون کے مظالم اور اس کی بغاوت:

۱۔ فرعون نے اپنی قوم میں طبقاتی کشمکش پیدا کر رکھی تھی۔ (القصص: ۴)

۲۔ فرعون نے لوگوں پر ظلم کرنے کے لیے میخیں تیار کی ہوئی تھیں۔ (الفجر: ۱۰)

۳۔ بنی اسرائیل قتل و غارت کے عذاب میں دو مرتبہ مبتلا کیے گئے۔ (الاعراف: ۱۲۷ تا ۱۲۹)

قَالَ	رَبِّ	اشْرَحْ	لِيْ	صَدْرِيْ ﴿٢٥﴾	وَيَسِّرْلِيْٓ	اَمْرِيْ ﴿٢٦﴾
اس نے کہا	اے رب!	کھول دے	میرے لیے	میرا سینہ	اور آسان کر دے میرے لیے	میرا کام
وَاحْلُلْ	عُقْدَةً	مِّنْ	لِّسَانِيْ ﴿٢٧﴾	يَفْقَهُوْا	قَوْلِيْ ﴿٢٨﴾	
اور کھول دے	گرہ	سے	میری زبان	وہ سمجھ سکیں	میری بات	

''موسیٰ نے پروردگار سے دعا کی کہ میرا سینہ کھول دے۔(۲۵) اور میرے کام کو میرے لیے آسان فرما دے۔(۲۶) اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔(۲۷) تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔''(۲۸)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے پاس جانے سے پہلے اپنے رب کے حضور دو التجائیں۔

دعوتِ توحید کا کام ہر دور میں مشکل رہا ہے لیکن کچھ انبیائے کرام علیہم السلام کو یہ کام بالکل ہی غیر معمولی اور انتہائی مشکل حالات میں کرنا پڑا۔ جن میں چار انبیائے کرام علیہم السلام سرفہرست ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے جن حالات میں دعوتِ توحید کا کام کیا وہ تاریخ عالم میں مشکل ترین ادوار سمجھے جاتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال محنت فرمائی بالآخر دعا کی کہ الٰہی اب تو کفار کا ایک گھر بھی باقی نہیں رہنا چاہیے۔(نوح:۲۶) حضرت ابراہیم علیہ السلام نبوت ملنے کے باوجود انشراحِ صدر اور اطمینان قلب کے لیے ایک مشاہدہ کی درخواست کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے منظور کرتے ہوئے ان کے ہاتھوں چار پرندے ذبح کروانے کے بعد ان کے سامنے زندہ کیا۔ تفصیل کے لیے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۶۰ ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے سے پہلے دو عظیم معجزے عنایت کیے گئے لیکن اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے حضور مزید التجائیں کرتے ہیں۔ جہاں تک سرورِ دو عالم نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے آپ کو جونہی توحید کی دعوت دینے کا حکم ہوا آپ نے حالات کی پرواہ کیے بغیر اپنے کام کا آغاز کر دیا حالانکہ اقتدار کے سوا فرعون اور ابوجہل کے درمیان خاص فرق نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے بدر کے موقعہ پر ابوجہل کی لاش کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ میری امت کا فرعون تھا۔(سیرت ابن ہشام)

موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور یہ درخواست کی کہ میرے رب میرا سینہ کھول دے میرے لیے میرا کام آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ میرے مخاطب میری بات کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ یاد رہے کہ جب تک انسان کو اپنے کام کے بارے میں انشراحِ صدر نہ ہو وہ کام انسان اطمینان اور پوری یکسوئی سے نہیں کر پاتا۔ توحید کی دعوت ایسا کام ہے جس کے لیے انتہا درجے کا انشراح ضروری ہے بصورت دیگر انسان میں وہ ہمت یا داعیہ پیدا نہیں ہوتا، جو اس اہم اور مشکل ترین کام کے لیے ضروری ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس عظیم دعوت کے مقابلہ میں اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا اور

فرعون کے جورواستبداد کا اچھی طرح علم تھا اس لیے انھوں نے یہ بھی دعا کی کہ اے رب! اس مشکل کام کو میرے لیے آسان بنا دے اس کے ساتھ ہی انھوں نے اپنی قوتِ گویائی کے بارے میں دعا کی کہ بارے الٰہا! میری زبان پوری طرح واضح نہیں ہے اس کی گرہ بھی کھول دیجیے تا کہ میں مؤثر اور واضح انداز میں گفتگو کر سکوں زبان کی گرہ کے بارے میں مفسرین نے دو آراء کا اظہار کیا ہے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ زبان کی گرہ سے مراد یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام دس سال تک مدین میں ٹھہرے رہے تھے جس وجہ سے انھیں اپنی زبان بالخصوص اعلیٰ طبقہ کے انداز کے مطابق بات کرنے میں وہ روانی حاصل نہیں تھی جو دعوتِ توحید کا تقاضا تھا۔ دوسرے اہل علم کا خیال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب چھوٹی عمر میں فرعون کے ہاں پرورش پا رہے تھے تو ایک دن انھوں نے معصومانہ ہاتھوں کے ساتھ فرعون کی داڑھی نوچ لی جس سے فرعون کو شک گزرا کہ یہ وہی بچہ ہے جو بڑا ہو کر میرے اقتدار کو چیلنج کرے گا۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا تو اس کی بیوی نے کہا کہ یہ معصوم ہے اسے کیا خبر کہ کس چیز کو پکڑنا ہے اور کس کو ہاتھ نہیں لگانا۔ جس پر آزمانے کے لیے موسیٰ کے سامنے ایک طرف چمکتے ہوئے ہیرے اور دوسری طرف آگ کے انگارے رکھ دیے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے آگ کے انگارے پکڑ کر منہ میں ڈال لیے جس وجہ سے ان کی زبان میں کچھ لکنت پیدا ہو گئی تھی اس کے لیے انھوں نے یہ دعا کی تھی۔ واللہ اعلم۔

مسائل

۱۔ عقیدۂ توحید اور نیکی کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے انشراحِ صدر کی دعا کرنی چاہیے۔

۲۔ ہر مشکل کے لیے اللہ تعالیٰ سے آسانی طلب کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

حق ماننے اور اس کی اتّباع کے لیے انشراحِ صدر ضروری ہے:

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انشراحِ صدر کی دعا کی۔ (طٰہٰ:۲۵)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حق سمجھنے اور سمجھانے کے لیے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ کھول دیا۔ (الم نشرح:۱)

۳۔ اللہ تعالیٰ حق بات کے لیے جس کا سینا کھول دے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور بصیرت ہو جاتا ہے۔ (الزمر:۲۲)

۴۔ حق جاننے اور اسے کما حقہ لوگوں تک پہنچانے کے لیے۔ (رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا) پڑھنا چاہیے۔ (طٰہٰ:۱۱۴)

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿٢٩﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿٣٠﴾

اور تو بنادے | میرے لیے | وزیر | سے | میرا اہل | ہارون | میرا بھائی

اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿٣١﴾ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿٣٢﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ

تو مضبوط کردے | اس کیساتھ | میری پشت | اور اسے شریک کردے | میں | میرا کام | تاکہ | ہم تیری تسبیح بیان کریں

كَثِيْرًا ﴿٣٣﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٤﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿٣٥﴾

کثرت | اور ہم تجھے یاد کریں | زیادہ | بلاشبہ تو ہی | ہمیں | خوب دیکھنے والا

''اور میرے لیے میرے اپنے گھروالوں سے ایک وزیر بنادے۔(۲۹) ہارون کو جو میرا بھائی ہے۔(۳۰) اس کے ساتھ میری کمر مضبوط کردے۔(۳۱) اور اس کو میرے کام میں شریک فرمادے۔(۳۲) تاکہ ہم خوب تیری پاکی بیان کریں۔(۳۳) اور خوب تیرا ذکر کریں۔(۳۴) بے شک تو ہمیں دیکھنے والا ہے۔''(۳۵)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنے رب کے حضور دوسری التجا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب کے حضور یہ التجا بھی کی کہ میرے رب میرے اہل میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دیجیے میرے بھائی کے ساتھ میری کمر کو مضبوط کیجئے اور اسے میرے کام میں شریک بنادیں تاکہ ہم کثرت کے ساتھ تیری حمد اور ذکر کریں بلاشبہ تو ہمیں اچھی طرح دیکھنے والا ہے۔

حضرت ہارون موسیٰ علیہ السلام سے تقریباً تین سال بڑے تھے فرعون کے مظالم اور حالات کی سنگینی کے باعث حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پشتی بانی اور کام میں وسعت پیدا کرنے کے لیے اپنے رب کے حضور یہ دعا کی کہ میرے رب میرے بھائی کو میرے کام میں شریک بنادے تاکہ ہم تیری حمد، اور ذکر زیادہ سے زیادہ کرسکیں تو ہر حال میں ہمیں دیکھنے والا ہے۔حمد سے مراد زبانی اور جسمانی طور پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف اور اس کا شکر ادا کرنا ہے ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا، نصیحت حاصل کرنا اور اللہ کی توحید بیان کرنا ہے ذکر کی وُسعت کا ذکر کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا:

رمی اور طواف بھی اللہ کے ذکر کے لیے:

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا عَنِ النَّبِيِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّمَاجُعِلَ رَمْیُ الْجِمَارِ وَالسَّعْیُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِإِقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ قَالَ أَبُو عِيسَى وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ)) [رواہ الترمذی:باب مَا جاءَ كَيْفَ تُرْمَى الْجِمَارُ]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتی ہیں آپ نے فرمایا رمی جمار اور صفا مروہ کی سعی کو اللہ تعالیٰ کے ذکر

کے لیے مقرر کیا گیا۔“

((عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ))[رواہ البخاری: باب فَضْلِ ذِکْرِ اللَّہِ عَزَّ وَجَلَّ]

”حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان بیان کرتے ہیں کہ اپنے رب کا ذکر کرنے والے کی مثال زندہ اور نہ کرنے والے کی مثال مردہ شخص کی سی ہے۔“

((عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَذْکُرُ اللَّہَ عَلَی کُلِّ أَحْیَانِہِ)) [رواہ مسلم: باب ذِکْرِ اللَّہِ تَعَالَی فِی حَالِ الْجَنَابَۃِ وَغَیْرِھَا]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔“

((اَللّٰھُمَّ أَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِ کَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ))[رواہ ابوداؤد:کتاب الصلاۃ]

”الٰہی! اپنے ذکر، شکر اور اچھی طرح عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔“

مسائل

١۔ نیکی کے کام میں ایک دوسرے کی پشتی بانی کرنا چاہیے۔ ٢۔ دین کا داعی اپنے ساتھیوں کے ساتھ تقویّت محسوس کرتا ہے۔

٣۔ توحید کا پرچار کرنا سب سے بڑا ذکر ہے۔ ٤۔ آدمی کو ہر حال اللہ کی حمد وثنا اور اس کا ذکر کرنا چاہیے۔

٥۔ آدمی کسی حالت میں بھی ہو اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ذکر کے معانی، اس کا حکم اور فضیلت:

١۔ اللہ کا ذکر صبح اور شام کثرت سے کرو۔ (آل عمران:٤١)

٢۔ نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد زمین میں نکل جاؤ اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ (الجمعۃ:١٠)

٣۔ ایام تشریق میں اللہ کو زیادہ یاد کرو۔ (البقرۃ:٢٠٣) ٤۔ جب حج کے مناسک ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو۔ (البقرۃ:٢٠٠)

٥۔ جنگ کے دوران۔ اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (الانفال:٤٥)

٦۔ اے ایمان والو! اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ (الاحزاب:٤١)

٧۔ جب نماز ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو۔ (النساء:١٠٣)

٨۔ اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والوں کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ (الاحزاب:٣٥)

٩۔ اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے کامیاب ہوں گے۔ (الجمعہ:١٠)

قَالَ	قَدْ	اُوْتِيْتَ	سُؤْلَكَ	يٰمُوْسٰى ﴿٣٦﴾	وَلَقَدْ	مَنَنَّا
فرمایا	تحقیق	دے دیا گیا	تیرا سوال	اے موسیٰ!	اور البتہ تحقیق	ہم احسان کر چکے
عَلَيْكَ	مَرَّةً	اُخْرٰٓى ﴿٣٧﴾	اِذْ	اَوْحَيْنَآ	اِلٰٓى	اُمِّكَ
تجھ پر	مرتبہ	دوسری	جب	ہم نے الہام کیا	طرف	تیرے ماں
مَا يُوْحٰٓى ﴿٣٨﴾	اَنِ	اقْذِفِيْهِ	فِى	التَّابُوْتِ	فَاقْذِفِ	
جو وحی کی جاتی ہے	یہ کہ	تو ڈال دے اس کو	میں	صندوق	پھر ڈال دے	
فِيْهِ	فِى	الْيَمِّ	فَلْيُلْقِهِ	الْيَمُّ	بِالسَّاحِلِ	يَاْخُذْهُ
اس میں	میں	دریا	پس لگا دے گا اس کو	دریا	ساحل پر	پکڑے اس کو

''فرمایا اے موسیٰ تو نے جو مانگا تجھے دیا جاتا ہے۔(۳۶) ہم نے پھر ایک مرتبہ تم پر احسان کیا۔(۳۷) وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تیری ماں کو وحی کی تھی۔(۳۸) کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ دے اور صندوق کو دریا میں ڈال دے۔ دریا اسے ساحل پر لگا دے گا۔

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دونوں دعائیں قبول ہونے کا اعلان

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے دونوں مطالبے منظور کر لیے جس کے صلہ میں ان کی زبان کی گرہ کھل گئی اور وہ پیغمبرانہ شان کے ساتھ کلام اور خطاب کرنے لگے۔ اس کے ساتھ ان کے بھائی حضرت ہارون کو نبوت کے منصب سے سرفراز کیا گیا جو ہر کام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی اور تائید کرتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے دونوں سوال پورے کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ ہم نے یہ دوسری مرتبہ تجھ پر احسان فرمایا ہے پہلا احسان یہ تھا کہ جب تیری والدہ کو ہم نے الہام کیا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی جان کا خطرہ محسوس ہو تو اسے صندوق میں ڈال کر دریا کے حوالے کر دے تاکہ اسے میرا اور موسیٰ علیہ السلام کا دشمن پکڑ لے دشمن سے مراد فرعون ہے جو سرکشی اور بغاوت کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے اپنے آپ کو ''اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى'' سمجھا اور لوگوں سے کہلوایا اور اس نے محض نجومیوں کے کہنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے بنی اسرائیل کے ہزاروں بچوں کو قتل کروا دیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے ہاتھوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کروائی۔ موسیٰ علیہ السلام نا صرف فرعون کے گھر پرورش پاتے ہیں بلکہ ان کی والدہ ہی ان کی داعیہ اور مربیہ ٹھہرتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں صندوق دریا کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اے امِ موسیٰ فکر نہ کرنا ہم اسے تیرے پاس لے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم جان کر اس نے موسیٰ علیہ السلام کو دریا کے حوالے کر دیا۔ لیکن جب ماں کی ممتا تڑپ اُٹھی تو ماں نے اپنی بیٹی یعنی موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو بھیجا کہ بیٹی دریا کے کنارے کنارے جاؤ اور دیکھو تیرے بھائی کا صندوق کہاں پہنچتا ہے اور اسے کون پکڑتا ہے۔ دریا کی لہریں

عَدُوٌّ لِّيْ	وَ	عَدُوٌّ لَّهٗ ؕ	وَاَلْقَيْتُ	عَلَيْكَ	مَحَبَّةً
میرا دشمن	اور	دشمن اس کا	اور میں نے ڈال دی	تجھ پر	محبت
مِّنِّيْ ۚ	وَلِتُصْنَعَ	عَلٰى	عَيْنِيْ ﴿۳۹﴾	اِذْ	تَمْشِيْٓ	اُخْتُكَ
اپنی طرف سے	اور تاکہ تو پرورش کیا جائے	پر	میری آنکھوں	جب	وہ چلتی تھی	تیری بہن
فَتَقُوْلُ	هَلْ	اَدُلُّكُمْ	عَلٰى	مَنْ	يَّكْفُلُهٗ ؕ	فَرَجَعْنٰكَ
پس وہ کہتی تھی	کیا	میں رہنمائی کروں تمھاری	پر	جو	اس کی کفالت کرے؟	پھر ہم نے تجھے لوٹایا
اِلٰٓى	اُمِّكَ	كَيْ	تَقَرَّ	عَيْنُهَا	وَلَا	تَحْزَنَ ۚ
طرف	تیری ماں	تاکہ	ٹھنڈی ہو	اس کی آنکھ	اور نہ	غم کھائے وہ

اور اسے میرا دشمن اور موسیٰ کا دشمن اٹھا لے گا۔ میں نے اپنی طرف سے تجھ پر محبت طاری کر دی اور ایسا انتظام کیا تاکہ تو میری نگرانی میں پرورش پائے۔(۳۹) جب تیری بہن چل رہی تھی تو اس نے جا کر کہا کہ میں تمہیں پتہ دوں جو اس بچے کی اچھی طرح پرورش کرے؟ اس طرح ہم نے تجھے پھر تیری ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی رہے۔ اور وہ رنجیدہ نہ ہوا

موسیٰ علیہ السلام کو لوریاں دیتے ہوئے فرعون کے محل تک پہنچا دیتی ہیں۔ دریا میں اٹکیلیاں کھاتا ہوا صندوق دیکھ کر فرعون کے خدام نے اسے پکڑ لیا۔ جب صندوق کھولا تو اس میں موسیٰ علیہ السلام اپنے معصوم اور پرنور چہرے کے ساتھ مسکراتے ہوئے پائے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر اپنی رحمت کا پرتو اس طرح ڈال رکھا تھا کہ جو بھی انھیں دیکھتا فریفتہ ہو جاتا۔ یہی حالت فرعون اور اس کی بیوی آسیہ کی تھی۔ جونہی فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے چہرے پر نظر ڈالی تو دل ہار بیٹھا۔ اسے یہ احساس اور خیال تک نہ رہا کہ اس طرح دریا میں تیرتا ہوا۔ جو بچہ میں نے پکڑا ہے ہوسکتا ہے کہ یہ وہی بچہ ہو جس کی وجہ سے میں نے ہزاروں بچوں کو قتل کیا ہے۔ وہ ایسا کیوں نہ سوچ سکا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے موسیٰ میں نے تجھ پر اپنی محبت ڈال دی تاکہ تو میری آنکھوں کے سامنے پرورش پائے۔

حضرت موسیٰ کی والدہ کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد:

((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلُ الَّذِيْنَ يَغْزُوْنَ مِنْ اُمَّتِيْ وَيَأْخُذُوْنَ الْجُعْلَ يَتَقَوَّوْنَ عَلٰى عَدُوِّهِمْ مِثْلُ اُمِّ مُوْسٰى تُرْضِعُ وَلَدَهَا وَتَاْخُذُ اَجْرَهَا))

[سنن الکبری للبیہقی]

’’حضرت عبدالرحمن بن جبیر بن نفیر اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے غازیوں کی مثال جو مال غنیمت لیتے ہیں اور اپنے دشمن پر جھپٹتے ہیں موسیٰ کی ماں کی طرح ہے جس نے اپنے بچے کو دودھ پلایا اور اجرت حاصل کی۔‘‘

وَقَتَلْتَ	نَفْسًا	فَنَجَّيْنٰكَ	مِنَ	الْغَمِّ	وَفَتَنّٰكَ
اورتو نے قتل کیا	ایک نفس	تو ہم نے تجھے نجات دی	سے	غم	اور ہم نے تجھے آزمایا
فُتُوْنًا ۟ۥ	فَلَبِثْتَ	سِنِيْنَ	فِيْٓ	اَهْلِ	مَدْيَنَ ۟ۥ
خوب آزمانا	پس تو ٹھہرا رہا	سال	میں	اہل	مدین
ثُمَّ	جِئْتَ	عَلٰي	قَدَرٍ	يّٰمُوْسٰى ۝	وَاصْطَنَعْتُكَ	لِنَفْسِيْ ۝
پھر	تو آیا	پر	مقررہ وقت	اے موسیٰ!	اور میں نے تجھے خاص کرلیا	اپنے لیے

اور تو نے ایک شخص کو قتل کر دیا ہم نے اس آزمائش سے نکالا اور تجھے مختلف آزمائشوں سے گزارا اور تو مدین کے لوگوں میں کئی سال ٹھہرا رہا۔ اے موسیٰ پھر تو ٹھیک وقت پر آ گیا۔ (۴۰) میں نے تجھ کو اپنے کام کے لیے منتخب کیا ہے۔'' (۴۱)

موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا دوسرا احسانِ عظیم:

بیسویں پارہ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب بڑے ہوئے تو ایک دن دوپہر کے وقت انھوں نے دو آدمیوں کو باہم جھگڑتے ہوئے پایا جن میں ایک کا تعلق موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا اور دوسرا موسیٰ علیہ السلام کے دشمن فرعون کی قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی نے اپنے دشمن کے مقابلے میں ان سے مدد چاہی موسیٰ علیہ السلام نے اس کے دشمن کو پیچھے دھکیلنے کے لیے دھکا دیا تو اس کے ساتھ ہی اس کی جان نکل گئی۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے انتہائی افسوس اور غم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا یہ تو شیطان کی طرف سے ایسا ہوا ہے۔ بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن اور گمراہ کرنے والا ہے۔ اس کے ساتھ ہی موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے رب میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے تو مجھے معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو معاف کر دیا کیونکہ وہ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے عرض کی اے اللہ تو نے مجھ پر بہت کرم فرمایا ہے۔ آئندہ میں کسی مجرم کی مدد نہیں کروں گا۔ (القصص: ۱۴ تا ۱۷)

اسی واقعہ کو یہاں مختصر یوں بیان فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام تجھ پر اللہ تعالیٰ نے اس وقت بھی احسان فرمایا جب تو نے ایک شخص کو قتل کیا تھا ہم نے تجھے اس کے ساتھ اچھی طرح آزمایا اور نجات دی پھر تو کئی سال تک مدین میں ٹھہرا رہا پھر ہم اپنے فیصلہ کے مطابق تجھے بروقت مصر لے آئے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی محبت ڈال دی۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ کے ہاں لوٹا دیا۔
۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آٹھ سے دس سال تک مدین میں قیام پذیر رہے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے لیے منتخب فرمالیا۔

اِذْهَبْ	اَنْتَ	وَاَخُوْكَ	بِاٰيٰتِیْ	وَلَا	تَنِيَا	فِیْ
تو جا	تو	اور تیرا بھائی	میری نشانیوں کے ساتھ	اور نہ	سستی کرنا دونوں	میں
ذِكْرِیْ ﴿۴۲﴾	اِذْهَبَآ	اِلٰى	فِرْعَوْنَ	اِنَّهٗ	طَغٰى ﴿۴۳﴾	فَقُوْلَا
میری یاد	تم دونوں جاؤ!	طرف	فرعون	بلاشبہ وہ	وہ سرکش ہے	پس دونوں کہو
لَهٗ	قَوْلًا	لَّيِّنًا	لَّعَلَّهٗ	يَتَذَكَّرُ	اَوْ	يَخْشٰى ﴿۴۴﴾
اس سے	بات	نرم	شاید کہ وہ	نصیحت پکڑے	یا	ڈر جائے

''موسیٰ تو اور تیرا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور میری یاد سے غافل نہ ہونا۔(۴۲) دونوں فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ وہ سرکش ہے۔(۴۳) اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا ہوسکتا ہے کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔''(۴۴)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ نے جس کام کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو منتخب کیا تھا اس کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو پہلا حکم۔

انبیاء علیہم السلام میں موسیٰ علیہ السلام پہلے پیغمبر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا کرنے کے ساتھ ہی دو عظیم معجزے عنایت فرمائے۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی بغل میں ہاتھ دبا کر باہر نکالتے تو وہ سورج سے زیادہ روشن دکھائی دیتا اپنا عصا پھینکتے تو اللہ کے حکم سے وہ اژدھا بن جاتا اس کے ساتھ کئی کام لیتے اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بھائی ہارون کو نبوت دینے اور اپنی زبان کی لکنت دور کرنے کی درخواست کی دونوں درخواستوں کو من وعن قبول کرلیا گیا۔ اب موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تو اور تیرا بھائی دلائل اور معجزات کے ساتھ فرعون کے پاس جاؤ۔ لیکن کسی لمحہ میری یاد سے سستی نہ کرنا۔ فرعون کے پاس جاؤ مگر یاد رکھنا وہ بڑا ہی باغی اور سرکش ہے۔ اس کے باوجود اس کے ساتھ نہایت ہی نرم لب ولہجہ کے ساتھ بات کرنا۔ ممکن ہے کہ وہ اس پر غور کرے یا اپنے رب سے ڈر جائے۔ اس موقع پر موسیٰ علیہ السلام کو بالخصوص دو نصیحتیں کی گئیں۔

۱۔ فرعون کی طرف جاتے ہوئے اور اس سے گفتگو کے دوران اپنے رب کو مسلسل یاد کرتے رہنا۔ کیونکہ رب کی یاد ہی انسان کو دشمن کے خوف اور ہر قسم کی گھبراہٹ سے محفوظ رکھتی ہے۔ اس لیے قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ لوگو! اللہ کا ذکر دلوں کے لیے اطمینان اور تسکین کا باعث ہے۔ (الرعد:۲۸)

۲۔ فرعون کو توحید کی دعوت دیتے ہوئے سخت لب ولہجہ اور ترش الفاظ استعمال کرنے کی بجائے نرم انداز اور الفاظ میں سمجھانا کیونکہ جو بات اچھے انداز میں کی جائے اس کا بہتر نتیجہ نکلنے کی امید ہوتی ہے اگر اچھی بات برے انداز اور تلخ لہجہ میں کی جائے تو اس کا نتیجہ اکثر منفی نکلتا ہے۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تلقین کی گئی کہ وہ فرعون کی تلخی کا جواب تلخی سے دینے

کے بجائے نرمی اختیار کریں۔

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ﴾ [النحل: ۱۲۵]

''اے پیغمبر لوگوں کو دانش اور اچھی نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ۔ بہت ہی اچھے طریق سے ان سے بحث کرو۔ جو اس کے رستے سے بھٹک گیا تمہارا پروردگار اسے خوب جانتا ہے اور جو راستے پر چلنے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے۔''

﴿وَلاَ تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلاَ السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ﴾ [حم السجدة: ۳۴]

''اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی۔ ایسے طریق سے جواب دو جو بہت اچھا ہو۔ ایسا کرنے سے تم دیکھو گے کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے۔''

مسائل

۱۔ مخالف کس قدر ہی مغرور اور متکبر کیوں نہ ہو دعوت کے دوران اسے بھی نرمی کے ساتھ سمجھانا چاہیے۔

۲۔ فرعون پرلے درجے کا باغی اور اپنے رب کا نافرمان تھا۔

۳۔ مبلغ کو اپنے رب کے ذکر سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔

۴۔ اللہ کو بہت زیادہ یاد کیا کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

تفسیر بالقرآن

ذکر کے مختصر دینی اور دنیوی فوائد:

۱۔ اللہ کا ذکر دلوں کے لیے سکون واطمینان کا باعث ہے۔ (الرعد: ۲۸)

۲۔ اپنے رب کی حمد و تسبیح بیان کرو اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ (الحجر: ۹۸)

۳۔ اللہ کے ذکر سے غافل لوگ گھاٹے میں رہتے ہیں۔ (المنافقون: ۹)

۴۔ اللہ کے ذکر سے اعراض کرنا اس کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔ (الجن: ۱۷)

۵۔ اللہ کو کثرت کے ساتھ یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (الجمعة: ۱۰)

۶۔ اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والوں کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ (الاحزاب: ۳۵)

۷۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ (البقرة: ۱۵۲)

قَالَا	رَبَّنَآ	اِنَّنَا	نَخَافُ	اَنْ	يَّفْرُطَ	عَلَيْنَآ
ان دونوں نے کہا	ہمارے رب	بلاشبہ ہم	ہم ڈرتے ہیں	یہ کہ	وہ زیادتی کرے گا	ہم پر
اَوْ	اَنْ	يَّطْغٰى ﴿٤٥﴾	قَالَ	لَا	تَخَافَآ	اِنَّنِىْ
یا	یہ کہ	وہ سرکشی کرے	فرمایا	مت	ڈرو تم دونوں	بلاشبہ میں
مَعَكُمَآ	اَسْمَعُ	وَاَرٰى ﴿٤٦﴾				
تم دونوں کے ساتھ ہوں	میں سنتا ہوں	اور میں دیکھتا ہوں				

''موسیٰ اور ہارون نے عرض کی پروردگار ہمیں ڈر ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا ہم پر حملہ آور ہوگا۔(٤٥) فرمایا ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں سب کچھ سن رہا ہوں اور سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔''(٤٦)

فہم القرآن

ربط کلام: گزشتہ سے پیوستہ عظیم معجزات پانے کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے خوفزدہ ہونا۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجنے سے پہلے بتلا دیا گیا تھا کہ فرعون بغاوت اور نافرمانی میں تمام حدیں پھلانگ چکا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ہاں پرورش پائی تھی وہ اسے بہت قریب سے جانتے تھے کہ فرعون بڑا ہی ظالم اور سفاک انسان ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر کو اس لیے چھوڑا تھا کہ وہاں ان کے ہاتھوں حکمران پارٹی کا سہوًا ایک آدمی قتل ہو گیا تھا۔ ان وجوہات کی بنا پر حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے اپنے رب کے حضور اپنے دل کی کیفیت عرض کرتے ہوئے فریاد کی کہ اے ہمارے رب ہمیں شدید خطرہ ہے کہ فرعون ہم پر زیادتی کرے گا۔ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے اطمینان دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ دونوں کو فرعون سے ڈرنے کی ضرورت نہیں یقین رکھو کہ میں تمھاری باتیں سن رہا ہوں گا اور ہر لحہ تمھاری دستگیری کروں گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر کسی کی بات سنتا ہے اور ہر چیز اس کے سامنے ہے لیکن یہاں یہ الفاظ استعمال فرما کر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو بالخصوص یہ تسلی دی گئی ہے کہ فرعون سے ڈرنے اور دبنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میری معیت اور نگرانی ہر وقت تمھارے ساتھ ہوگی۔ جس کو اللہ تعالیٰ کی معیت اور خصوصی توجہ نصیب ہو جائے وہ اپنے دشمن سے کبھی مرعوب نہیں ہوتا۔ اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ وقت کا نبی بھی چند لمحوں کے لیے کسی دشمن سے خوفزدہ ہو سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو اس بات کی تسلی دینے کے بعد حکم فرمایا کہ اب فرعون کے پاس جاؤ اور اُسے

فَأْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ

سودونوں جاؤاس کے پاس اور دونوں کہو بے شک ہم رسول تیرا رب پس تو بھیج دے

مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰیَةٍ

ہمارے ساتھ بنی اسرائیل اور نہ تکلیف دے انھیں تحقیق ہم تیرے پاس لائے ہیں نشانی

مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی ﴿۴۷﴾

سے تیرے رب اور سلامتی پر جس نے اس نے پیروی کی ہدایت

اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی

بے شک ہم تحقیق وحی کی گئی ہے ہماری طرف کہ بے شک عذاب پر

مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴿۴۸﴾

جس اس نے تکذیب کی اور اس نے منہ پھیرا

’’جاؤاس کے پاس اور کہو کہ ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کے لیے آزاد کردے اور ان کو تکلیف نہ دے۔ہم تیرے پاس تیرے رب کی نشانی لے کر آئے ہیں سلامتی ہے اس کے لیے جو راہ ہدایت کی پیروی کرے گا(۴۷) ہم کو وحی کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ جو اسے جھٹلائے اور منہ موڑے گا اس کے لیے عذاب ہے۔‘‘(۴۸)

بتلاؤ کہ ہمیں ہمارے رب نے رسول منتخب کیا ہے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دو اور ان پر ظلم کرنے سے باز آجاؤ۔ ہم تیرے پاس تیرے رب کی نشانیوں کے ساتھ آئے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت کی اتباع کرے گا وہ سلامت رہے گا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی بتلایا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو جھٹلایا اور اُس سے منہ پھیر لیا اُسے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی پہلی ملاقات میں فرعون کو دین کے تین بنیادی امور سے آگاہ فرمایا اور بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا۔

۱۔ رسول کا معنٰی ہے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے اور اس پر عمل کر کے دکھلانے والا۔

۲۔ رب کا معنٰی ہے کائنات کا خالق، مالک اور ہر کسی کی ضرورت پوری کرنے والا۔

۳۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو ٹھکرائے گا وہ قیامت کے دن عذاب میں مبتلا ہوگا۔

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کی آزادی کا بھی مطالبہ کیا کیونکہ آزاد قوم ہی فکر و عمل کے حوالے سے اسلامی اقدار پر عمل اور انقلاب برپا کر سکتی ہے۔

گویا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا خطاب عقیدہ توحید، نبوت کے اغراض و مقاصد، فکرِ آخرت اور قوم کی آزادی کے مطالبہ پر مشتمل تھا۔ یہی دین کے بنیادی عناصر ہیں باقی مسائل انہی کی تشریح اور تقاضے ہیں۔

مسائل

۱۔ جب اللہ کی معیت حاصل ہو تو کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

۱۔ جو شخص ہدایت کی اتباع کرے گا اس کے لیے دنیا اور آخرت میں سلامتی ہوگی۔

۲۔ جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے انحراف کرے گا وہ دنیا میں پریشان اور آخرت میں عذاب میں مبتلا ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

اتّباعِ ہدایت کے دنیا اور آخرت میں فوائد:

۱۔ اللہ کی ہدایت پر عمل کرنے والا بے خوف ہوگا۔(البقرۃ:۳۸)

۲۔ امت کو قرآن کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے قرآن و سنت کو چھوڑ کر دوسرے کی اتباع نہیں کرنی چاہیے (الاعراف:۳)

۳۔ میں تو اسی بات کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی گئی ہے۔(یونس:۱۵۔الاعراف:۲۰۳)

۴۔ اپنے رب کی ہدایت پر چلنے والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔(لقمان:۵،البقرۃ:۵)

۵۔ اے ایمان والو! اگر تم ہدایت پر رہو تو گمراہوں کی گمراہی تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔(المائدۃ:۱۰۵)

۶۔ قرآنِ مجید سراپا رحمت اور کتابِ ہدایت ہے۔(لقمان:۳)

۷۔ اللہ کے لیے خرچ کرنے والے کو کوئی خوف نہیں۔(البقرۃ:۲۶۲)

۸۔ نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے والے کو کوئی خوف نہیں۔(البقرۃ:۲۷۷)

۹۔ ایمان پر استقامت دکھلانے والوں کو کوئی خوف نہیں۔(الاحقاف:۱۳)

۱۰۔ اللہ کے دوستوں کو کوئی خوف نہیں۔(یونس:۶۲)

قَالَ	فَمَنْ	رَّبُّكُمَا	يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾	قَالَ	رَبُّنَا	الَّذِيْٓ
اس نے کہا	پھر کون ہے	دونوں کا رب؟	اے موسیٰ!	اس نے کہا	ہمارا رب	وہ
اَعْطٰى	كُلَّ	شَيْءٍ	خَلْقَهٗ	ثُمَّ	هَدٰى ﴿۵۰﴾	قَالَ
اس نے دی	ہر	چیز	اس نے اسے پیدا کیا	پھر	راہنمائی کی	اس نے کہا
فَمَا	بَالُ	الْقُرُوْنِ	الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾	قَالَ	عِلْمُهَا	عِنْدَ
پس کیا	حال ہے	امتیں	پہلی	اس نے کہا	اس کا علم	پاس
رَبِّيْ	فِيْ	كِتٰبٍ	لَا يَضِلُّ	رَبِّيْ	وَلَا	يَنْسَى ﴿۵۲﴾
میرے رب	میں	لوح محفوظ	نہیں وہ بھٹکتا	میرا رب	اور نہ	وہ بھولتا

"فرعون نے کہا اے موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے؟ (۴۹) موسیٰ نے جواب دیا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی پھر اس کی راہنمائی فرمائی۔ (۵۰) فرعون نے کہا جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کا کیا ہوگا؟ (۵۱) موسیٰ نے کہا اس کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں محفوظ ہے میرا رب نہ چوکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔" (۵۲)

فہم القرآن

ربط کلام: فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تکرار۔

فرعون نے حقیقت تسلیم کرنے کی بجائے موسیٰ علیہ السلام کو الجھانے اور حواریوں کے سامنے اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے دو سوال کیے۔ پہلا سوال یہ تھا اے موسیٰ! تمھارا رب کون ہے؟ فرعون اس بات سے یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ میں لوگوں کی ضرورتیں پوری کرتا ہوں اس لیے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ میرے سوا کسی کو رب مانے اور اس کا حکم تسلیم کرے۔ اسی سوچ کی وجہ سے فرعون نے اپنی عوام میں "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى" کا نظریہ پیش کیا اور اسے تسلیم کروانے کے لیے لوگوں پر جبر کرتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے موقعہ کی نزاکت اور اس کے سوال کی حقیقت جانتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی دو ایسی صفات کا ذکر فرمایا جس کا انکار کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے حقیقی وجود اور اس کی صحیح شکل و صورت کے ساتھ پیدا فرما کر اس کی راہنمائی کا بندوبست فرمایا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ بطخ کا بچہ انڈے سے نکل کر پانی کی طرف جاتا ہے۔ مرغی کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی مرغی کے قدموں کی طرف لپکتا ہے۔ انسان پیدا ہوتے ہی ماں کی چھاتی کے ساتھ چمٹتا ہے۔ اس طرح ہر نومولود کو نہ صرف اپنے جنم دینے والی کا علم ہوتا ہے بلکہ وہ اپنی ماما کی بولی سمجھنے کے ساتھ خود بخود اس ماحول کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے۔ جس میں رہنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے یہاں ہدایت سے پہلی

مراد فطری رہنمائی ہے جس بنا پر گونگا بہرا بچہ بھی چہرے کے اُتار اور چڑھاؤ اور آنکھوں کے اشارے سے ماں کو اپنی ضرورتوں سے آگاہ کر لیتا ہے۔ فرعون کا دوسرا سوال یہ تھا کہ جو لوگ توحید و رسالت اور آخرت کی جزا، سزا کے قائل نہ تھے اور اس دنیا سے چل بسے ان کا انجام کیا ہوگا؟ فرعون کا خیال تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اس کا جواب یہ دے گا کہ وہ سب کے سب جہنم میں جائیں گے۔ جس سے فائدہ اٹھا کر میں لوگوں کو اس کے خلاف بھڑکاؤں گا کہ یہ شخص کس قدر گستاخ اور ظالم ہے کہ ہمارے فوت شدہ بزرگوں کو گمراہ اور جہنمی قرار دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سوال کا پس منظر سمجھ چکے تھے۔ لہٰذا پیغمبرانہ بصیرت سے کام لیتے ہوئے فرمایا ان کا حال رب جانتا ہے جو نہ بھولتا ہے اور نہ اس کے احاطۂ علم سے کوئی چیز غائب ہوتی ہے یہاں تک کہ اس نے ہر چیز کے بارے میں سب کچھ لوحِ محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔

﴿سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَ سَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۝ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَ اِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ﴾ [الرعد: ۱۰۔۱۱]

”کوئی تم سے چپکے سے بات کہے یا پکار کر یا رات کو کہیں چھپ جائے یا دن کی روشنی میں کھلم کھلا چلے پھرے اس کے نزدیک برابر ہے۔ اس کے آگے اور پیچھے اللہ کے چوکیدار ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں اللہ اُس نعمت کو جو کسی قوم کو حاصل ہے نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت کو نہ بدلے اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو پھر وہ پھر نہیں سکتی۔“

مسائل

۱۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ وہ نہ بھولتا ہے نہ ہی اس سے بے خبر ہوتا ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے بارے میں لوحِ محفوظ میں سب کچھ لکھ رکھا ہے۔
۳۔ مبلغ کو سوال کا جواب خداداد بصیرت کے ساتھ دینا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

ہر چیز اللہ تعالیٰ کے احاطہ علم میں ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ وسیع علم والا ہے۔ (البقرۃ:۱۱۵) ۲۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ (البقرۃ:۲۹)
۳۔ ہمارے رب کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ (الاعراف:۸۹) ۴۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم میں ہے۔ (الطلاق:۱۲)
۵۔ بے شک اللہ لوگوں کے اعمال کا احاطہ کرنے والا ہے۔ (آل عمران:۱۲۰)
۶۔ یقیناً اللہ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔ (حم السجدۃ:۵۴) ۷۔ اللہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے۔ (النساء:۱۲۶)

الَّذِیْ	جَعَلَ	لَكُمُ	الْاَرْضَ	مَهْدًا	وَّسَلَكَ	لَكُمْ
وہ ذات	اس نے بنایا	تمھارے لیے	زمین	بچھونا	اوراس نے بنادیے	تمھارے لیے
فِیْهَا	سُبُلًا	وَّاَنْزَلَ	مِنَ	السَّمَآءِ	مَآءً ؕ	فَاَخْرَجْنَا
اس میں	راستے	اوراس نے نازل کیا	سے	آسمان	پانی	پھر ہم نے نکالا
بِهٖۤ	اَزْوَاجًا	مِّنْ	نَّبَاتٍ	شَتّٰى ۝٥٣	كُلُوْا	وَارْعَوْا
اس کے ساتھ	کئی اقسام	سے	نباتات	مختلف	کھاؤ	اور چراؤ
اَنْعَامَكُمْ ؕ	اِنَّ	فِیْ	ذٰلِكَ	لَاٰیٰتٍ	لِّاُولِی	النُّهٰى ۝٥٤ ع
اپنے چوپاؤے	بے شک	میں	اس	البتہ نشانیاں	کے لیے	عقلمند

''وہی ذات ہے جس نے تمہارے لیے زمین کوفرش بنایا اور اس میں تمہارے چلنے کو راستے بنائے اور اوپر سے پانی برسایا پھر اسؔ کے ساتھ مختلف اقسام کی پیداوار نکالی۔ (۵۳) کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ یقیناً اس میں عقل والوں کے لیے بہت سے دلائل ہیں۔'' (۵۴)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کی صفات کا مزید تذکرہ۔

فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو کا ایک حصہ بیان کرنے کے بعد یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے بہترین اسلوب بیان اور کلام کے موقع محل کے مطابق اپنی توحید کے دلائل دیتے ہوئے انسان کو سمجھایا ہے کہ اے انسان اللہ وہ ذات ہے جس نے تمھارے لیے زمین کوفرش بنایا۔ پھر اس میں آمد و رفت کے لیے تمھارے لیے راستے بنائے۔ وہی آسمان سے بارش برساتا ہے اور پھر اس بارش کے ساتھ مختلف قسم کے نباتات پیدا کرتا ہے۔ ان کو اُگانے کا مقصد یہ ہے کہ خود کھاؤ اور اپنے جانوروں کو کھلاؤ۔ اگر تم عقل سے کام لو تو ان میں تمھارے لیے اپنے رب کو پہچاننے کے بہت سے دلائل ہیں۔ اس فرمان میں توحید کے اس قدر ٹھوس اور سادہ دلائل دیے گئے ہیں جن کا متعصب آدمی کے سوا کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ کیونکہ زمین کوفرش بنانے، اس میں راستے نکالنے، آسمان سے بارش برسانے اور اس سے نباتات اُگانے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا عمل دخل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام پر قربان جائیں یہاں اس لیے یہ دلائل دیے گئے ہیں کیونکہ فرعون نے خاص وعوام کا عقیدہ بنا رکھا تھا کہ ملک کی شادابی، خوشحالی اور ترقی میرے وجود کی برکت اور منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے۔ اسی بنا پر اس نے اپنی قوم کو باطل عقیدہ پر پختہ رکھنے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو ناکام کرنے کے لیے کہا تھا ''اے میری قوم! کیا میں مصر کا

بلاشرکتِ غیرے حکمران نہیں ہوں؟ اور میں نے اپنے پاؤں تلے بھی نہریں جاری کر رکھی ہیں تمھیں اس پر غور کرنا چاہیے۔ فرعون کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے شہروں میں زیرزمین (Water System) زراعت کے لیے آبپاشی کا منفرد نظام قائم کر رکھا تھا بے شک میں موسیٰ کے مقابلہ میں ہر اعتبار سے بہتر ہوں۔ موسیٰ تو نہ کوئی عزت رکھتا ہے اور نہ ہی صاف گفتگو کر سکتا ہے۔ (الزخرف:۵۲) یاد رہے یہاں عقل کے لیے ''نُھٰی'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا معنی ہے ''روکنے والی چیز۔'' کیونکہ عقلِ سلیم انسان کو برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے اس لیے اس کے لیے ''النُّھٰی'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ لفظ استعمال فرما کر فرعون اور اس کے ساتھیوں کو بتلایا کہ اگر تمہاری عقل کام کرتی ہے تو تمہیں اپنے باطل عقیدہ اور ظالمانہ رویے سے باز آ جانا چاہیے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہی لوگوں کے لیے زمین کو فرش بنایا اور راستوں کی رہنمائی کی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے بارش برسا کر مختلف قسم کی نباتات پیدا کرتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے نباتات، فصلیں اور ہر قسم کا اناج اور پھل اس لیے پیدا کیا تاکہ انسان خود کھائے اور اپنے جانوروں کو کھلائے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کے لیے نباتات میں اس کی قدرت کے بے شمار دلائل ہیں۔

۵۔ عقلِ سلیم وہ ہے جو انسان کو ہر قسم کی برائی اور نقصان سے روکے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کس طرح اناج، پھل اور نباتات کو پیدا کرتا ہے:

۱۔ اللہ پانی سے تمہارے لیے کھیتی، زیتون، کھجور اور انگور اگاتا ہے۔ (النحل:۱۱)

۲۔ اللہ نے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ (المومنون:۱۹)

۳۔ اللہ نے زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ (یٰس:۳۴)

۴۔ اللہ نے پانی سے ہر قسم کی نباتات کو پیدا کیا۔ (الانعام:۹۹)

۵۔ اللہ نے باغات، کھجور کے درخت اور کھیتی پیدا کی جو ذائقہ کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ (الانعام:۱۴۱)

۶۔ تمہارے لیے مسخر کیا نباتات کو زمین پر پھیلا کر، ان کی اقسام مختلف ہیں۔ (النحل:۱۳)

۷۔ انہوں نے کھیتی اور مویشیوں میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا ہے جو اللہ ہی نے پیدا فرمائے ہیں۔ (الانعام:۱۳۶)

مِنْهَا	خَلَقْنٰكُمْ	وَ	فِيْهَا	نُعِيْدُكُمْ	وَمِنْهَا
اس سے	ہم نے تمھیں پیدا کیا	اور	اس میں	ہم تمھیں لوٹائیں گے	اور اس سے
نُخْرِجُكُمْ	تَارَةً	اُخْرٰى ﴿۵۵﴾	وَلَقَدْ	اَرَيْنٰهُ	اٰيٰتِنَا
ہم تمھیں نکالیں گے	مرتبہ	دوسری	اور البتہ تحقیق	ہم نے اس کو دکھائیں	اپنی نشانیاں
كُلَّهَا	فَكَذَّبَ	وَاَبٰى ﴿۵۶﴾			
تمام	پھر بھی اس نے جھٹلایا	اور انکار کیا			

’’اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے، اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔(۵۵) ہم نے فرعون کو اپنی تمام نشانیاں دکھائیں مگر وہ جھٹلاتا چلا گیا اور انکار کرتا رہا۔‘‘(۵۶)

فہم القرآن

ربط کلام: جس زمین کو فرش بنایا گیا ہے اسی سے نباتات اُگتی ہیں اور اُسی سے انسان کو پیدا کیا گیا۔ اسی میں انسان نے جانا ہے اور اسی سے دوسری مرتبہ اسے نکالا جائے گا۔

اے لوگو! یہ حقیقت ہمیشہ یاد رکھو کہ جو زمین تمھارے لیے فرش بنائی گئی اور جس کو تم اپنے پاؤں تلے روندتے ہو۔ اسی زمین سے تمھیں پیدا کیا گیا ہے اسی میں تم نے دفن ہونا ہے اسی سے تمھیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ گویا کہ انسان کی پوری زندگی کو تین مراحل میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ جس سے بڑے سے بڑے باغی اور فرعون کو بھی مفرّ حاصل نہیں تھا۔ زمین سے نباتات اُگانے کا حوالہ دے کر ثابت کیا ہے کہ جس طرح زمین میں پڑا بیج اپنے وقت پر اللہ کے حکم سے اُگتا ہے اسی طرح اس زمین سے لوگوں کو قیامت کے دن نکال لیا جائے گا۔

پہلا مرحلہ: حضرت آدم علیہ السلام کا مٹی سے پیدا کیا جانا اور اس کی تمام ضروریات کا تعلق مٹی سے قائم کیا جانا ہے۔ بے شک اس کی کوئی بھی صورت ہو بالآخر اس کا تعلق مٹی سے ہی جڑتا ہے۔ جہاں تک جمادات، معدنیات، نباتات حتی کہ انسان جو کچھ کھاتا، پیتا اور پہنتا ہے اس کا تعلق بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ زمین سے ہی ہوتا ہے۔

دوسرا مرحلہ: انسان کی موت جس صورت میں ہو بے شک وہ پانی میں ڈوب کر مرے یا اسے جلا دیا جائے بالآخر اس نے خاک کے ساتھ ملنا ہے۔

تیسرا مرحلہ: کوئی مر کر جی اُٹھنے پر یقین کرے یا اس کا انکار کرے اسے ہر صورت دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اس لیے ارشاد ہوا ہے کہ اے پیغمبر ﷺ! آخرت کے منکروں کو خبردار کر دو کہ تم لوہا بن جاؤ، پتھر یا تمھارے دل میں جو آتا ہے اس کے

مطابق بن جاؤ اللہ تعالیٰ تمھیں پہلے کی طرح ضرور زندہ کرے گا۔(بنی اسرائیل،:۴۹،۵۰،۵۱)

اس آیت سے یہ استدلال کرنے کی گنجائش بھی موجود ہے۔جس کی بعض ضعیف روایات سے تائید بھی ہوتی ہے کہ انسان جس مٹی سے پیدا کیا گیا اسی خطۂ زمین ہی میں دفن کیا جائے گا۔(واللہ اعلم)

((عَنْ عائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ خُلِقَتِ الْمَلَا ئِكَةُ مِنْ نُورٍ وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ))[رواہ مسلم: باب فِي أَحَادِيثَ مُتَفَرِّقَةٍ]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ملائکہ کو نور سے پیدا کیا گیا ہے اور جنوں کو بھڑکتی ہوئی آگ سے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔“

مسائل

۱۔ انسان مٹی سے ہی پیدا کیا گیا ہے۔اسی میں اس نے جانا ہے اور اسی سے ہی دوسری مرتبہ اُٹھایا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

انسانی تخلیق کے مختلف مراحل:

۱۔ تخلیق انسان کے مختلف مراحل۔(المؤمنون:۱۲تا۱۴)

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے۔(آل عمران:۵۹)

۳۔ ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔(المومنون:۱۲)

۴۔ یقیناً ہم نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔(الحجر:۲۶)

۵۔ کیا تو اس ذات کا کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا فرمایا۔(الکہف:۳۷)

۶۔ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا۔(الروم:۲۰)

۷۔ اللہ نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا۔(النحل:۴)

۸۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اسے نطفہ بنایا، پھر اس سے خون کا لوتھڑا، پھر اس سے بوٹی بنا کر انسان بنایا۔(الحج:۵)

۹۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ، پھر لوتھڑا بنا کر تمہیں پیدا کرتا ہے کہ تم بچے ہوتے ہو۔(المومن:۶۷)

۱۰۔ حضرت حوا حضرت آدم سے پیدا ہوئی۔(النساء:۱)

۱۱۔ ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔(الدھر:۲)

۱۲۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تمہارے جوڑے جوڑے بنائے۔(فاطر:۱۱)

قَالَ اَجِئۡتَنَا لِتُخۡرِجَنَا مِنۡ اَرۡضِنَا بِسِحۡرِكَ

اس نے کہا کیا تو ہمارے پاس آیا ہے تا کہ تو ہمیں نکال دے سے ہماری زمین اپنے جادو کے ذریعے

يٰمُوۡسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاۡتِيَنَّكَ بِسِحۡرٍ مِّثۡلِهٖ فَاجۡعَلۡ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكَ

اے موسیٰ؟ ہم ضرور لائیں گے تیرے پاس جادو اس جیسا ہی پس تو مقرر کر ہمارے درمیان اور اپنے درمیان

مَوۡعِدًا لَّا نُخۡلِفُهٗ نَحۡنُ وَلَاۤ اَنۡتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾

وعدے کا وقت نہ خلاف کریں ہم اس کے ہم اور نہ تو جگہ ہموار

قَالَ مَوۡعِدُكُمۡ يَوۡمُ الزِّيۡنَةِ وَاَنۡ يُّحۡشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾

اس نے کہا تمھارا وعدہ دن زینت اور یہ کہ اکٹھے کیے جائیں لوگ چاشت کے وقت

”کہنے لگا اے موسیٰ کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکال دے؟ (۵۷) اچھا ہم بھی تیرے مقابلے میں ایسا ہی جادو لاتے ہیں۔ طے کر لے کب اور کہاں مقابلہ کرنا ہے نہ ہم اس سے پھریں گے نہ تم پھرو۔ چٹیل میدان میں مقابلے کے لیے آ جاؤ۔ (۵۸) موسیٰ نے کہا جشن کا دن طے ہوا اور سورج چڑھے ہی لوگ جمع ہو جائیں۔“ (۵۹)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان کشمکش کا دوسرا مرحلہ۔

فرعون نے اقتدار کے نشہ میں آ کر موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے پیش کیے ہوئے تمام دلائل اور بڑے بڑے معجزات ٹھکرا دیئے۔ اقتدار بچانے، عوام اور لیڈروں کو ساتھ رکھنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام پر الزام لگایا کہ یہ رسول ہونے کی بجائے جادوگر ہیں اور جادو کے زور پر ہمارے اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد ہے کہ ہمیں ملک سے نکال کر یوسف علیہ السلام کی طرح بنی اسرائیل کو مصر میں برسر اقتدار لائیں۔ فرعون جانتا تھا کہ جادو میں اس طرح کی طاقت نہیں ہوتی کہ کوئی اس کے زور پر اقتدار یا کسی کی چیز پر قبضہ کر سکے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو چیلنج کیا ہم اس طرح اقتدار چھوڑنے والے نہیں بلکہ ہم تمھارے جادو کا مقابلہ جادو کے ساتھ کریں گے۔ بس ہمارے اور تمھارے درمیان ایک معاہدہ طے پانا چاہیے جس کی نہ ہم مخالفت کریں گے اور نہ تمھیں مخالفت کرنا چاہیے۔ گویا کہ دونوں فریقوں کو اس کی پوری پوری پاسداری کرنا ہوگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بالکل ایسا ہی ہونا چاہیے۔ لیکن قومی تہوار کا دن مقرر کیا جائے اور وقت بھی سورج نکلنے کے بعد کا ہو۔ تا کہ لوگ کثیر تعداد میں جمع ہو کر دن کی روشنی میں کھلی آنکھوں کے ساتھ دیکھ سکیں کہ حقیقت کیا ہے۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کے دل کی مراد تھی کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اتنا بڑا اجتماع کرنے کے وسائل اور اثر رسوخ کہاں رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ

نے فرعون کے ہاتھوں ہی یہ کام کر دکھایا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا چرچا اور ان کا پیغام پوری قوم تک پہنچ جائے۔ یاد رہے بڑے بڑے انبیاء کرام علیہم السلام پر ان کی قوم نے یہی الزام لگایا کہ یہ جادوگر ہے۔ اس الزام کا بنیادی سبب یہ ہے کہ لوگ انبیاء علیہم السلام کی صورت وسیرت اور ان کی دعوت کی طرف متوجہ ہو جایا کرتے تھے جس بنا پر ان کے مخالف ان پر جادوگر ہونے کا الزام لگایا کرتے تھے۔ حالانکہ جادو کرنا، کروانا کفر ہے جس کا انبیاء علیہم السلام کے بارے میں تصور نہیں کیا جاسکتا۔

((لَیْسَ مِنَّا مَنْ تَطَیَّرَ اَوْتُطُیِّرَلَهٗ اَوْتَکَهَّنَ اَوْتُکُهِّنَ لَهٗ اَوْ سَحَرَ اَوْ سُحِرَ لَهٗ وَمَنْ اَتیٰ کَاهِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا یَقُوْلُ فَقَدْ کَفَرَ بِمَااُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ)) (الترغیب والترھیب)

”جو شخص فال نکالے یا اس کے لیے فال نکالی جائے‘ کوئی غیب کی خبریں دے یا اس کے لیے کوئی دوسرا ایسی خبر دے ایسے ہی کوئی خود جادوگر ہو یا دوسرا شخص اس کے لیے جادو کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جو کوئی ایسے شخص کے پاس جائے اور اسکی باتوں کی تصدیق کرے اس نے ہر اس بات کا انکار کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔“

مسائل

۱۔ انبیاء کے معجزات کو کفار جادو تصور کرتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء علیہم السلام پر الزام اور جادو کی حقیقت:

۱۔ آل فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جادوگر ہونے کا الزام لگایا۔ (القصص:۳۶)

۲۔ کفار نے تمام انبیاء علیہم السلام کو جادوگر اور دیوانہ قرار دیا۔ (الذاریات:۵۲)

۳۔ کفار کے پاس حق بات آئی تو انھوں نے اسے جادو قرار دیا۔ (سباء:۴۳)

۴۔ جب لوگوں کے پاس حق آیا تو انھوں نے کہا یہ تو جادو ہے ہم اسے نہیں مانتے۔ (الزخرف:۳۰)

۵۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ نے جادوگر کہا۔ (الصّف:۶)

۶۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جادو زدہ کہا گیا۔ (الفرقان:۸۔ بنی اسرائیل:۴۷)

۷۔ قرآن جادو ہے کیا تم غور نہیں کرتے۔ (الطور:۱۵)

۸۔ جادو کفر ہے۔ (البقرۃ:۱۰۲) ۹۔ جادو کی اصلیت نہیں ہوتی۔ (الاعراف:۱۱۶)

۱۰۔ جادو شیاطین کے ذریعے ہوتا ہے۔ (البقرۃ:۱۰۲) ۱۱۔ جادوگر کامیاب نہیں ہوتا۔ (طٰہٰ:۶۹)

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿٦٠﴾

پس لوٹا | فرعون | اور اس نے جمع کیا | اپنا مکر | پھر | وہ آیا

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ

اس نے کہا | ان کے لیے | موسیٰ نے | تم پر افسوس | نہ | تم باندھو | پر | اللہ

كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ج وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾

جھوٹ | وہ تمھیں تباہ کر دے گا | عذاب کے ساتھ | اور تحقیق | وہ ناکام ہوا | جس نے | جھوٹ باندھا

''فرعون نے پلٹ کر اپنے سارے ہتھکنڈے جمع کیے اور مقابلے میں آ گیا۔(٦٠) موسیٰ نے انہیں فرمایا کہ افسوس تم پر نہ باندھو اللہ پر جھوٹ ورنہ اللہ تعالیٰ عذاب سے تمہیں تباہ کر دے گا جس نے جھوٹ گھڑا وہ ناکام ہوا۔''(٦١)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے معاہدہ طے پانے کے بعد فرعون نے لوگوں کو اکٹھا کرنے کے لیے اپنی حکومت کے تمام وسائل جھونک دیے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ مصر کے قومی دن کے موقع پر پہلے ہی ملک کے دارالحکومت میں بہت بڑا اجتماع ہوتا تھا۔ جس میں مختلف قسم کے پروگرام پیش کیے جاتے اور پورے ملک میں جشن کا عالم ہوتا تھا۔ لیکن اس مرتبہ حکومت نے بہت بڑے اجتماع کو اپنے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ بنا لیا اور ایسا اجتماع منعقد کیا جس کی مثال مصر کی تاریخ میں پہلے سے موجود نہ تھی جب کثیر تعداد میں لوگ جمع ہو گئے۔ فرعون پورے شان و شکوہ اور دبدبہ کے ساتھ انتظامیہ اور پورے ملک کے جادوگروں کے ساتھ اجتماع میں نمودار ہوا۔ لوگوں کے جذبات انتہائی مشتعل تھے۔ ایک طرف جادوگروں کی فوج اور دوسری طرف صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے بھائی ہارون علیہ السلام تھے۔ مگر اس تنہائی اور کسمپرسی کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام بڑے اعتماد کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ جونہی ماحول قدرے پرسکون ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں اور حکمرانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم پر نہایت افسوس کہ تم اللہ تعالیٰ پر کذب بیانی کرتے ہو۔ اگر تم اپنی ضد پر قائم رہے تو وہ تمھیں تباہ و برباد کر دے گا۔ یاد رکھو جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا وہ ناکام ہوا۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے سے مراد موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرنا اور ان کے معجزات کو جادو قرار دینا تھا۔ رسول اپنے رب کی طرف سے بات کرتا ہے اس لیے رسول کو جھٹلانا اللہ تعالیٰ کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ یہاں فرعون کی کوشش اور اسباب کے لیے کَیْدَ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا معنیٰ مکروفریب ہوتا ہے۔ کیونکہ فرعون نے حقیقت جاننے کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت میں سب کچھ کیا تھا اس لیے اسے فریب قرار دیا گیا ہے۔

مسائل

١۔ رسول کو جھٹلانا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کے مترادف ہے۔ ٢۔ جھوٹ بولنے والا بالآخر نامراد ہوتا ہے۔

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ۝٦٢ قَالُوْٓا اِنْ

پس انھوں نے جھگڑا کیا اپنے معاملے میں آپس میں اور انھوں نے چپکے چپکے سرگوشی انھوں نے کہا بلاشبہ

هٰذٰىنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا

یہ دونوں البتہ جادوگر ہیں دونوں چاہتے ہیں یہ کہ تمھیں نکال دیں سے تمہاری زمین اپنے جادو سے

وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ۝٦٣ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ

اور لے جائیں تمھارا طریقہ عمدہ لہٰذا تم پختہ کرلو اپنی تدبیریں پھر

ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ۝٦٤

تم آجاؤ صف باندھ کر اور تحقیق کامیاب ٹھہرا آج کے دن جو غالب آیا

”موسیٰ کا خطاب سن کر ان کے درمیان اختلاف رائے ہوگیا اور وہ چپکے چپکے باہم مشورہ کرنے لگے۔(۶۲) آخر کار کچھ لوگوں نے کہا یہ جادوگر ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہاری ملک سے بے دخل کر دیں اور تمہارے مثالی طرز زندگی کا خاتمہ کردیں۔(۶۳) اپنی ساری تدبیریں آج اکٹھی کرلو اور متحد ہوکر کے میدان میں آؤ بس یہ سمجھ لو کہ آج جو غالب رہا وہ کامیاب ہوگا۔“(۶۴)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خطاب کا اثر۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو اس قدر موثر انداز میں خطاب فرمایا کہ وہ یہ بات سوچنے پر مجبور ہوئے کہ فی الواقع ہم باطل پر ہیں۔ قریب تھا کہ وہ دھڑوں میں تقسیم ہوجاتے لیکن بالآخر فرعون اور اس کے حواری جادوگر غالب رہے انھوں نے یہ کہہ کر عام وخاص کو مطمئن کیا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے ذریعے تمہیں ملک سے نکلنے پر مجبور کردیں اور تمہاری تہذیب، شاندار ترقی اور ملک کے نظام کو بدل ڈالیں۔ اس لیے لازم ہوگیا ہے کہ تم آخری معرکہ سمجھ کر پوری طرح صلاحیتوں اور اسباب کو مجتمع کرتے ہوئے منظم طریقے کے ساتھ صف بندی کرو۔ یاد رکھو کہ جو آج غالب رہا وہی کامیاب سمجھا جائیگا۔ فرعون نے اپنی پارٹی کو متحد رکھنے کے لیے دو حربے استعمال کیے تھے جو ہمیشہ سے برسرِ اقتدار لوگ حق والوں کے خلاف استعمال کیا کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر ہوسِ اقتدار کا الزام لگایا اور اپنے ساتھیوں کو اقتدار کی محرومی سے ڈرایا۔

۲۔ باطل حکمران ہمیشہ سے عوام میں یہ تاثر پیدا کرتے ہیں کہ ہمیں اقتدار سے الگ کردیا گیا تو ملک کی ترقی رُک جائے گی اور قوم کی تہذیب وتمدن کو بڑا نقصان ہوگا۔ ان کی تہذیب وتمدن سے مراد وہ عیاشی اور فحاشی ہوتی ہے جس میں قوم کو مبتلا کرکے یہ لوگ اپنے اقتدار کو طول دیا کرتے ہیں۔

مسائل

۱۔ ہر باطل حکمران اپنے آپ کو ناگزیر سمجھتا ہے۔ ۲۔ بُرے لوگ اپنی تہذیب وتمدن کو مثالی قرار دیتے ہیں۔

۳۔ حق کی جدوجہد میں ایک وقت ضرور آتا ہے کہ جب لوگ حقیقت جاننے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ

انھوں نے کہا | اے موسیٰ! | یا | یہ کہ | تو ڈالے | اور | یا | یہ کہ | ہم ہوں

اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا

پہلے | جو | ڈالیں؟ | اس نے کہا | بلکہ | تم ہی ڈالو | تو ناگہاں

حِبَالُهُمْ وَ عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ

ان کی رسیاں | اور | ان کی لاٹھیاں | وہ خیال میں | اس کی طرف | سے | ان کا جادو

اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿٦٧﴾

کہ بے شک وہ | دوڑ رہی | تو محسوس کیا | میں | اپنے نفس | خوف | موسیٰ

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿٦٨﴾

ہم نے کہا | مت | ڈر | بلاشبہ | تو ہی | غالب

’’جادوگر بولے موسیٰ تم پھینکتے ہو یا پہلے ہم پھینکیں؟ (٦٥) موسیٰ نے کہا تم ہی پھینکو اچانک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے موسیٰ کو دوڑتی ہوئی دکھائی دینے لگیں۔ (٦٦) اور موسیٰ اپنے دل میں ڈر گئے۔ (٦٧) ہم نے کہا مت ڈر تو ہی غالب رہے گا۔‘‘ (٦٨)

فہم القرآن

ربط کلام: معرکہ آرائی کا آخری مرحلہ۔

ملک بھر کے جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے بھائی کے خلاف صف آراء ہوئے تو انھوں نے بڑے غرور میں آکر موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تم لاٹھی پھینکتے ہو یا ہم اپنی چیزیں پھینکیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑے اعتماد اور پُر وقار لہجے میں فرمایا کہ تمھیں ہی پہل کرنا چاہیے۔ جب انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں میدان میں پھینکیں تو موسیٰ علیہ السلام کو یوں لگا کہ جیسے رسیاں اور لاٹھیاں چھوٹے بڑے سانپ بن کر ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں۔ رسیاں اور لاٹھیاں میدان میں پھینکتے ہی جادوگروں نے چلا چلا کر فرعون زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے کہا کہ آج ہم ہی کامیاب ٹھہریں گے۔ (الشعراء:٤٤)

جادوگروں کے نعروں کے ساتھ ہی لاکھوں کا مجمع، فرعون اور اس کی انتظامیہ نعرہ زن ہوئی۔ یک دم ایسا ماحول بنا کہ جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی خوفزدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ قریب تھا کہ موسیٰ علیہ السلام خوف کے مارے پیچھے ہٹ جاتے۔ لیکن اللہ

تعالیٰ نے انہیں یہ کہہ کر حوصلہ بخشا کہ اے موسیٰ علیہ السلام ڈرنے کی ضرورت نہیں یقیناً آپ ہی غالب آئیں گے یہی بات موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت کہی گئی تھی جب آپ کو مدین سے واپس ہوتے ہوئے سفر کے دوران نبوت عطا کی گئی تھی۔

﴿وَاَلْقِ عَصَاکَ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَىَّ الْمُرْسَلُوْنَ﴾ [النمل: ۱۰]

''اور پھینک اپنی لاٹھی موسیٰ نے دیکھا کہ لاٹھی سانپ کی طرح بل کھا رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگا اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا، اے موسیٰ ڈرو نہیں میرے حضور رسول ڈرا نہیں کرتے۔''

مسائل

۱۔ معرکہ حق و باطل میں بالآخر حق والے ہی غالب آیا کرتے ہیں۔

۲۔ جادوگر جادو کے ذریعے آنکھوں پر اثرانداز ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے دشمن کے مقابلے میں رسولوں کو غالب فرمایا:

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے مقابلے میں غالب ہوئے۔ (ہود: ۴۸)

۲۔ تمہارا رب جلد ہی تمہارے دشمن کو ہلاک کردے اور ان کے بعد تم کو خلیفہ بنائے گا۔ (الاعراف: ۱۲۹)

۳۔ اللہ تمھاری مدد کرے تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ (آل عمران: ۱۶۰)

۴۔ مومن اللہ کا لشکر ہیں اور وہ غالب رہیں گے۔ (المجادلۃ: ۲۲)

۵۔ غم نہ کرو تم ہی غالب آؤ گے اگر تم ایماندار ہو۔ (آل عمران: ۱۳۹)

۶۔ ہم نے ان کی مدد کی سو وہ غالب آگئے۔ (الصّٰفّٰت: ۱۱۶)

۷۔ بہت سی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ: ۲۴۹)

وَاَلْقِ	مَا	فِيْ	يَمِيْنِكَ	تَلْقَفْ	مَا صَنَعُوْا ؕ
اور تو ڈال	جو	میں	تیرا دائیں ہاتھ	وہ نگل جائے گی	اس کو جو کچھ انھوں نے بنایا

اِنَّمَا	صَنَعُوْا	كَيْدُ	سٰحِرٍ ؕ	وَلَا	يُفْلِحُ	السَّاحِرُ
بلاشبہ جو کچھ	انھوں نے بنایا	فریب	جادوگر	اور نہیں	وہ کامیاب ہوتا	جادوگر

حَيْثُ	اَتٰى ﴿٦٩﴾	فَاُلْقِيَ	السَّحَرَةُ	سُجَّدًا	قَالُوْٓا	اٰمَنَّا
جس جگہ بھی	آئے	پھر گرادیے گئے	جادوگر	سجدہ	انھوں نے کہا	ہم ایمان لائے

بِرَبِّ	هٰرُوْنَ	وَمُوْسٰى ﴿٧٠﴾
رب پر	ہارون	اور موسیٰ

’’پھینک جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے ابھی ان کے کیے کرائے کو نگل جائے گا یہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے یہ تو جادوگر کا کرتب ہے اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتا خواہ کسی صورت میں آئے۔ (٦٩) سارے جادوگر سجدے میں گرا دیے گئے اور وہ پکار اٹھے مان لیا ہم نے۔ لہٰذا ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔‘‘ (٧٠)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی لاٹھی میدان میں پھینکنے کا حکم۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اطمینان اور کامیابی کا یقین دلانے کے بعد حکم فرمایا آپ کے دائیں ہاتھ میں لاٹھی ہے اِسے فی الفور میدان میں پھینک دیں۔ جونہی آپ اسے میدان میں پھینکیں گے تو آپ کی لاٹھی اُن کے کیے دھرے کو نگل جائے گی۔ یقین رکھو جادوگر جہاں کہیں ہوں اور جس قدر جادو کا مظاہرہ کریں وہ کامیاب نہیں ہوتے۔ جونہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی کو زمین پر پھینکا تو وہ بہت بڑا اژدھا بن کر میدان میں کودنے والے سانپوں کو نگل گیا۔ یہ منظر اس قدر ہیبت ناک اور عجیب تھا کہ دیکھنے والے لوگ دنگ رہ گئے۔ جادوگروں نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا اژدھا جدھر جاتا ہے ہر چیز ہضم کیے جاتا ہے تو وہ اس حقیقت کو دل کی اتھاہ گہرائی سے سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام اور اُن کا بھائی جادوگر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ کیونکہ وہ جادو کی حقیقت کو سمجھتے تھے کہ جادو کے ذریعے بڑی بڑی لاٹھیوں اور رسیوں کے وجود کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ جادو تو انسان کی آنکھوں اور اس کے دل و دماغ پر اثر انداز ہوتا ہے جس سے وہ چیز عارضی طور پر دیکھنے میں بدل جاتی ہے کچھ اہل علم نے ’’صَنَعُوْا‘‘ کے لفظ کا یہ مفہوم لینے کی کوشش کی ہے کہ جونہی موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدھا کی شکل میں کسی لاٹھی یا رسی کے قریب

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ

اس نے کہا | تم ایمان لائے | اس پر | پہلے | اس سے | میں اجازت دیتا | تمہیں | بلاشبہ وہ

لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ

ضرور تمھارا بڑا | جس | تمھیں سکھایا | جادو | لہٰذا میں ضرور کاٹوں گا | تمہارے ہاتھ

وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ

اور تمھارے پاؤں | سے | ایک دوسرے کے مخالف | اور | میں تمھیں ضرور سولی دوں گا | میں | تنے

النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ۝۷۱

کھجور | یقیناً تم جان لو گے | کہ کون ہم میں سے | زیادہ سخت ہے | عذاب | اور باقی رہنے والا؟

''فرعون نے کہا تم اس پر ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اس کی اجازت دیتا؟ معلوم ہوا کہ یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ اب میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواتا ہوں اور کھجور کے تنوں پر تمہیں پھانسی چڑھاتا ہوں پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔'' (۷۱)

پہنچتا تو اُس پر اثر انداز ہونے والا جادو ختم ہو جاتا اور دیکھنے والوں کی نظر میں وہ رسی اور لاٹھی ہی رہ جاتی یہاں کسی حد تک یہ مفہوم لینے کی گنجائش ہے۔ لیکن قرآن مجید نے دوسرے مقام پر ''صَنَعُوْا'' کی بجائے ''تَلْقَفُ'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو نگل جانا۔ (الشعراء: ۴۵)

لہٰذا اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا، رسیوں، بڑے بڑے بانسوں اور لاٹھیوں کو کھا گیا۔ جونہی رسیاں اور لاٹھیاں ختم ہوئیں تو جادوگر یہ کہتے ہوئے سجدہ میں گر گئے کہ ہم موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لاتے ہیں۔ اگر وہ اس موقعہ پر اپنے رب یا رب العالمین کا لفظ استعمال کرتے تو فرعون لوگوں کو یہ کہہ کر دھوکہ دے سکتا تھا کہ جادوگر مجھے ہی رب العالمین سمجھ کر سجدہ کر رہے ہیں۔ لیکن جادوگروں نے بڑی بصیرت سے کام لیتے ہوئے یہ کہہ کر اپنے ایمان کا اعلان کیا کہ ہم حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لاتے ہیں تاکہ کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے۔ یہی سچے اور خالص ایمان کی نشانی ہے کہ اس میں کسی قسم کی کھوٹ اور شرک کی آمیزش نہیں ہوتی۔ جادوگر اس لیے بھی سجدہ ریز ہوئے تاکہ دیکھنے والوں کو معلوم ہو کہ جادوگروں نے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ اور اپنی ناکامی دیکھ کر جادوگر سجدہ میں گر گئے۔ جس کے لئے گرا دینے کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ گویا کہ جادوگر اس قدر مغلوب ہوئے کہ بے ساختہ سجدہ میں گر پڑے۔

جونہی فرعون نے دیکھا کہ جادوگر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لا چکے ہیں تو اس نے اپنی

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ

انھوں نے کہا ہرگزنہیں ہم ترجیح دیں گے تجھے ان پر جو آئے ہمارے پاس سے دلائل

وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا

اور پر جس نے ہمیں پیدا کیا چنانچہ تو کرلے جو تو کرسکتا ہے صرف

تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝۷۲ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا

تو فیصلہ کرسکتا ہے اس زندگی دنیا بلاشبہ ہم ایمان لاچکے اپنے رب کیساتھ

لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ

تاکہ وہ بخش دے ہمارے لیے ہماری خطائیں اور جو تو نے ہمیں مجبور کیا اس پر سے جادو

وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝۷۳

اور اللہ بہت بہتر اور بہت باقی رہنے والا

’’جادوگروں نے جواب دیا قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہے یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ ہم واضح نشانیاں آ جانے کے بعد بھی تجھے ترجیح دیں تو جو کچھ کرنا چاہتا ہے کرلے۔ تو بس اسی دنیا کی زندگی کا فیصلہ کرسکتا ہے۔ (۷۲) ہم تو اپنے رب پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہماری خطائیں اور اس جادو کو معاف کردے جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا اللہ ہی بہتر ہے اور وہی ہمیشہ رہنے والا ہے۔‘‘ (۷۳)

خفت مٹانے اور عوام پر کنٹرول رکھنے کے لیے یہ کہہ کر اعلان کیا کہ تم میری اجازت کے بغیر ایمان لائے ہو جو میرے خلاف بہت بڑی سازش ہے۔ یقیناً موسیٰ تمھارا بڑا استاد ہے جس نے تمھیں جادو سکھلایا ہے۔ اس جرم کے بدلے میں تمھارے مخالف سمت پر ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا اور کھجور کے تنوں پر تمھیں پھانسی دی جائے گی۔ تمھیں اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کس کا عذاب سخت اور دیرپا ہے۔

اندازہ فرمائیں کہ فرعون کس قدر کذّاب اور سفاک انسان تھا کہ خود ہی جادوگروں کو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔ جب جادوگر اپنی شکست تسلیم کرکے اپنے حقیقی رب پر ایمان لاچکے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ فرعون اور اس کے وزیر، مشیر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کرکے اپنے حقیقی رب پر ایمان لے آتے لیکن اس کے برعکس فرعون نے جور و استبداد کا رویہ اختیار کیا اور کہا تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ سزا دینے میں کس کا عذاب دیرپا اور سخت ہے۔ فرعون نے یہ الفاظ اس لیے استعمال کیے کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ جادوگر قیامت کے عذاب سے خوفزدہ ہوکر اپنے حقیقی رب پر ایمان لائے ہیں۔ اس لیے

اُس نے یہ دھمکی دی کہ میں مخالف سمت پر تمھارے ہاتھ پاؤں کاٹتے ہوئے تمھیں کھجوروں کے تنوں پر پھانسی پر لٹکاؤں گا ۔ پھر تمہیں معلوم ہوگا کہ کس کا عذاب دیرپا اور سخت ہے کیونکہ اس زمانے میں بڑے بڑے مجرموں کو اس طرح ہی موت کے گھاٹ اتارا جاتا تھا۔ اور کئی کئی دن کھجور کے تنوں پر اُن کی لاشیں لٹکتی رہتی تھیں تاکہ عوام پر حکمرانوں کا رعب اور دبدبہ قائم ہوجائے۔

جادوگروں کے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پر سرعام ایمان لانے کی وجہ سے فرعون اس قدر بدحواس ہوا کہ اُس نے سب کے سامنے جادوگروں کو عبرت ناک انجام کی دھمکیاں دیں لیکن ایمان لانے والے حضرات نے یہ کہہ کر اُس کی دھمکیوں کو مسترد کیا کہ اے فرعون ہم تیری مرضی اور حکم کی کیونکر پرواہ کریں۔ جبکہ ہمارے پاس ہمارے رب کی طرف سے روشن دلائل آچکے ہیں۔ لہٰذا جو کچھ ہمارے ساتھ کرنا چاہتا ہے کر گزر۔ لیکن یہ حقیقت یاد رکھنا کہ تیری سزائیں اُس وقت تک ہیں جب تک ہمارے جسم میں جان ہے۔ ہم ہر قسم کا خوف اور مفادات کو چھوڑ کر اپنے رب پر ایمان لائے ہیں۔ ہماری آرزو ہے کہ ہمارے سابقہ گناہوں اور ہم نے مجبوری کے عالم میں موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں جادو کا مظاہرہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کردے۔ ہاں تو اور تیرا اقتدار تو عارضی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی جزا اور اس کی ذات ہمیشہ رہنے والی ہے۔ جادوگر پہلے ہی سمجھ گئے تھے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام حقیقتاً اللہ کے رسول ہیں ہمیں ان کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن فرعون کے مجبور کرنے پر موسیٰ علیہ السلام کے مدمقابل آکھڑے ہوئے تھے۔ جونہی انھوں نے کھلی آنکھوں کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا معجزہ دیکھا تو وہ اپنے رب پر ایمان لے آئے کیونکہ وہ دل کی سچائی کے ساتھ ایمان لائے تھے۔ اس لیے حقیقی ایمان نے انھیں جرأت واستقامت کے اس مقام پر پہنچا دیا۔ جس کا رسمی یا نسلی طور پر ایمان لانے والا شخص تصور نہیں کرسکتا۔ حقیقی ایمان کی یہی نشانی ہے کہ وہ آدمی کو چند لمحوں میں کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔

مسائل

۱۔ اہل ایمان حق کے مقابلہ میں کسی مفاد اور ظلم کی پرواہ نہیں کرتے۔

۲۔ ایماندار شخص کو اپنے رب سے ہر قسم کے گناہوں کی معافی مانگتے رہنا چاہیے۔

۳۔ مومن کے لیے جنت کی خوشخبری ہر چیز سے افضل ہوتی ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کے حوالے سے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اسے کسی اعتبار سے بھی ضعف اور فنا نہیں ہے۔

اِنَّهٗ	مَنْ	يَّاْتِ	رَبَّهٗ	مُجْرِمًا	فَاِنَّ	لَهٗ
بے شک	جوشخص	آئے گا	اپنے رب	مجرم بن کر	تو بلاشبہ	اس کے لیے
جَهَنَّمَ	لَا	يَمُوْتُ	فِيْهَا	وَلَا	يَحْيٰى ۞	وَمَنْ
جہنم	نہ	وہ مرے گا	اس میں	اور نہ	جیے گا	اور جوشخص
يَّاْتِهٖ	مُؤْمِنًا	قَدْ	عَمِلَ	الصّٰلِحٰتِ	فَاُولٰٓئِكَ	لَهُمُ
آئے گا اس کے پاس	مومن ہوکر	تحقیق	اس نے عمل کیے	نیک	تو یہ لوگ	ان کے لیے
الدَّرَجٰتُ	الْعُلٰى ۞	جَنّٰتُ	عَدْنٍ	تَجْرِيْ	مِنْ	تَحْتِهَا
درجے	بلند	باغات	ہمیشگی	بہتی ہیں	سے	اس کے نیچے
الْاَنْهٰرُ	خٰلِدِيْنَ	فِيْهَا ؕ	وَذٰلِكَ	جَزٰٓؤُا	مَنْ	تَزَكّٰى ۞
نہریں	وہ ہمیشہ رہیں گے	اس میں	اور یہ	جزا	جو	پاک بنا

’’حقیقت یہ ہے کہ جو مجرم بن کر اپنے رب کے حضور پیش ہوگا اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ موت ہے اور نہ زندگی۔ (۷۴) اور جو اس کے حضور مومن بن کر حاضر ہوگا اور جس نے نیک عمل کیے ہوں گے ان لوگوں کے لیے اعلیٰ درجات ہیں۔ (۷۵) سدا بہار باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ جزا اس شخص کی ہے جو پاکیزگی اختیار کرے گا۔‘‘ (۷٦)

فہم القرآن

ربط کلام: جس طرح ذاتِ کبریا نے باقی رہنا ہے اسی طرح ہی اس کے فیصلے باقی رہیں گے۔

ایمان لانے والے حضرات فرعون کے سامنے یہ کہہ کر ڈٹ گئے کہ تیری سزائیں صرف دنیا تک ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور اجر عطا فرمانے میں سب سے بہتر اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ ایمانداروں کی اس گفتگو کو قرآن مجید حسب دستور نصیحت کے طور پر یوں بیان کرتا ہے۔ جو شخص اپنے رب کی بارگاہ میں مجرم بن کر پیش ہوا۔ اُس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ موت ہوگی اور نہ ہی زندگی گویا کہ وہ موت و حیات کی کشمکش میں رہے گا۔ جو خوش نصیب سچے ایمان اور پاکیزہ کردار کے ساتھ اپنے رب کے حضور حاضر ہوا اُس کے لیے اعلیٰ درجات اور ہمیشہ ہمیش رہنے والے باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جنتی لوگ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اُس شخص کا صلہ ہے جس نے اپنے آپ کو کفر و شرک اور بُرے کاموں سے بچائے رکھا۔

’’عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا' جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو موت کو (مینڈھے کی شکل میں) لایا جائے گا' یہاں تک کہ اسے جنت اور دوزخ کے درمیان لٹا کر

ذبح کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد منادی کرنیوالا اعلان کرے گا‘ اے جنت والو! اب موت نہیں آئے گی اے دوزخ والو! اب تمہیں بھی موت نہیں ہے اس اعلان سے اہل جنت کی خوشیوں میں مزید اضافہ ہوگا۔ اور اہل دوزخ کے غموں میں بے پناہ اضافہ ہوگا۔“ [رواہ البخاری: باب صِفَةِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ]

”حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے سے بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن متکبر لوگ چیونٹیوں کی صورت میں لائے جائیں گے انہیں ہر طرف سے ذلت ڈھانپے ہوئے ہوگی اور انہیں بولس نامی جہنم کی جیل میں لے جایا جائے گا ان پر آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہوں گے اور انہیں جہنمیوں کی زخموں کی پیپ پلائی جائے گی۔“ [رواہ الترمذی: کتاب صفة القيامة والرقائق والورع، باب منه]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں پہلا گروہ جنت میں چودھویں رات کے چاند کی صورت میں داخل ہوگا ان کے بعد کے لوگ آسمان میں چمکدار اور حسین ستارے کی مانند ہوں گے ان کے دل ایک ہی آدمی کے دل کی طرح ہوں گے ان کے درمیان نہ کوئی بغض ہوگا اور نہ ہی حسد۔ جنتی کے لیے حور العین میں سے دو بیویاں ہوں گی جن کی ہڈیوں کا گودا، گوشت اور ہڈیوں کے درمیان سے نظر آئے گا۔“ [رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق، باب ماجاء في صفة الجنة وأنهامخلوقة]

مسائل

۱۔ کافر اور مشرک ہمیشہ جہنم میں موت و حیات کی کشمکش میں رہیں گے۔

۲۔ مومنوں کے لیے اپنے رب کے ہاں اعلیٰ درجات ہوں گے۔

۳۔ مومن جنت میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔

تفسیر بالقرآن

جہنمیوں کا بدترین انجام:

۱۔ اس دن ہم ان کا مال جہنم کی آگ میں گرم کریں گے اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں، کروٹوں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ (التوبہ: ۳۵)

۲۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جب وہ ہلکی ہونے لگے گی تو ہم اسے مزید بھڑکا دیں گے۔ (بنی اسرائیل: ۹۷)

۳۔ تھور کا درخت گنہگاروں کا کھانا ہوگا۔ (الدخان: ۴۳)

۴۔ اس میں وہ کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور اس طرح پئیں گے جس طرح پیاسا اونٹ پیتا ہے۔ (الواقعہ: ۵۴تا۵۵)

۵۔ ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کی ہے جو انہیں گھیرے ہوئے ہوگی اور انہیں پانی کی جگہ پگھلا ہوا تانبا دیا جائے گا جو ان کے چہروں کو جلا دے گا۔ (الکھف: ۲۹)

وَلَقَدْ	اَوْحَيْنَآ	اِلٰى	مُوْسٰٓى ۥ	اَنْ	اَسْرِ	بِعِبَادِىْ
اور البتہ تحقیق	ہم نے وحی کی	طرف	موسیٰ	یہ کہ	رات کو لے جا	میرے بندے
فَاضْرِبْ	لَهُمْ	طَرِيْقًا	فِى	الْبَحْرِ	يَبَسًا ۙ	لَّا
پھر تو بنا	ان کے لیے	راستہ	میں	سمندر	خشک	نہ
تَخٰفُ	دَرَكًا	وَّلَا	تَخْشٰى ۝	فَاَتْبَعَهُمْ	فِرْعَوْنُ	
تجھے خوف ہوگا	پکڑے جانے کا	اور نہ	تجھے ڈر ہوگا	پس ان کے پیچھے لگا	فرعون	
بِجُنُوْدِهٖ	فَغَشِيَهُمْ	مِّنَ	الْيَمِّ	مَا	غَشِيَهُمْ ۝	
اپنے لشکروں سمیت	تو انھیں ڈھانپ لیا	سے	سمندر	جو	انھیں ڈھانپ لیا	
وَاَضَلَّ	فِرْعَوْنُ	قَوْمَهٗ	وَمَا	هَدٰى ۝		
اور گمراہ کیا	فرعون	اپنی قوم	اور نہ	راہ بتائی		

''ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ اور ان کے لیے سمندر میں سے خشک راستہ بناؤ۔ تجھے فرعون کے پیچھے آنے کا ڈر اور خوف نہیں ہونا چاہیے۔(۷۷) فرعون اپنے لشکر لے کر پیچھے پہنچا اور سمندر ان پر چھا گیا جیسا کہ چھانا چاہیے تھا۔(۷۸) فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا تھا اور اس نے ان کی صحیح رہنمائی نہیں تھی۔''(۷۹)

فہم القرآن

ربط کلام: فرعون کے مظالم کی انتہا اور بنی اسرائیل کا مصر سے ہجرت کرنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مؤثر ترین خطاب اور اُن کے عظیم معجزہ کی وجہ سے ہزاروں لوگ ایمان لائے۔ جس بناء پر فرعون نے مظالم کا نیا سلسلہ شروع کیا۔ جس کے نتیجہ میں بنی اسرائیل کے مردوں کو قتل کیا جاتا اور ان کی عورتوں کو باقی رہنے دیا جاتا۔ مظالم کا یہ دور اس قدر اذّیت ناک اور سنگین تھا کہ مظلوم لوگ موسیٰ علیہ السلام سے ان الفاظ میں فریاد کرتے ہیں کہ اے موسیٰ علیہ السلام! آپ کی نبوت سے پہلے بھی ہم پر مظالم کیے گئے اور آپ کے نبی بننے کے بعد بھی ہم پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے جارہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا عنقریب تمھارا رب تمھارے دشمن کو ہلاک کرے گا اور تمھیں زمین پر حکمرانی دے گا۔ پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسا کردار پیش کرتے ہو۔(الاعراف:۱۲۹) جب موسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی کا وقت آن پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ میرے بندوں کو رات کے وقت لے کر مصر سے نکل جاؤ۔ جب تم دریا کے کنارے پہنچو تو پانی

پر لاٹھی مارنا جس سے دریا عبور کرنے کے لیے تمھارے لیے خشک راستے بنائے جائیں گے۔ ہاں فرعون اور اُس کے لشکر تمھارا پیچھا کریں گے۔ لیکن اُن سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ فرعون اور اس کے لشکر و سپاہ کو غرق کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوری رازداری کے ساتھ اپنے ساتھیوں کو نا صرف ہجرت سے آگاہ فرمایا بلکہ انھیں یہ بھی بتلا دیا کہ ہم فلاں وقت اور فلاں مقام پر دریا عبور کریں گے۔

موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کا تعاقب کرتے ہوئے فرعون بھی اس مقام پر پہنچ گیا۔ جہاں بنی اسرائیل دریا عبور کر رہے تھے۔ نامعلوم فرعون نے اپنے ساتھیوں کو کیا کچھ کہہ کر دریا میں اترنے کا حکم دیا ہوگا۔ جونہی فرعون کی قیادت میں لشکر دریا میں داخل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دریا کی موجوں نے انھیں آلیا اور انھیں ڈبکیاں دے دے کر مار ڈالا۔ فرعون نے بار بار اس بات کی دہائی دی کہ میں موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے رب پر ایمان لاتا ہوں لیکن اس کے ایمان کو یہ کہہ کر مسترد کیا گیا۔ تیرے ایمان لانے کا تجھے کیا فائدہ؟ اب تیرے وجود کو عبرت کے طور پر رہتی دنیا کے لوگوں کے لیے باقی رکھا جائے گا۔ (یونس: ۹۲) اس موقع پر قرآن مجید صرف یہ بیان کرتا ہے کہ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور اس نے کسی صورت بھی قوم کو راہِ راست پر نہ آنے دیا۔ جس وجہ سے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ غرق ہوا۔

مسائل

۱۔ فرعون خود بھی گمراہ تھا اور اُس نے اپنی قوم کو بھی گمراہ کیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اُس کے لاؤ لشکر کو غرق کر دیا۔

تفسیر بالقرآن

فرعون اور اس کے حواریوں کا انجام:

۱۔ آج ہم تیرے جسم کو بچائیں گے تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے نشان عبرت بنایا جائے۔ (یونس: ۹۲)

۲۔ ہم نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔ (الاعراف: ۱۶۴)

۳۔ ہم نے فرعونیوں سے انتقام لیا اور انہیں سمندر میں غرق کر دیا۔ (الزخرف: ۵۵)

۴۔ ہم نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو غرق کر دیا۔ (بنی اسرائیل: ۱۰۳)

۵۔ ہم نے موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو نجات دی اور آل فرعون کو غرق کر دیا۔ (الشعراء: ٦٦)

٦۔ قیامت کے دن (فرعون) اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور وہ انہیں دوزخ میں لے جائے گا۔ (ہود: ۹۸)

يٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ

اے بنی اسرائیل! تحقیق ہم نے تمھیں نجات دی سے تمھارا دشمن اور

وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ

ہم نے تم سے وعدہ کیا جانب طور دائیں اور ہم نے نازل کیا تم پر

الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ

من اور سلویٰ کھاؤ سے پاکیزہ جو ہم نے تمھیں رزق دیا

وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ

اور نہ تم سرکشی کرو اس میں کہ اترے تم پر میرا غضب اور جو شخص

''اے بنی اسرائیل ہم نے تمھیں تمھارے دشمن سے بچایا اور طور کے دائیں جانب تمھاری حاضری کے لیے وقت مقرر کیا اور تم پر من سلویٰ اتارا۔(۸۰) ہمارا دیا ہوا پاک رزق کھاؤ اور سرکشی نہ کرو۔ ورنہ تم پر میرا غضب ٹوٹ پڑے گا

فہم القرآن

ربط کلام: فرعون اور اس کے ساتھیوں کی غرقابی کے بعد بنی اسرائیل کے احوال کا ذکر۔

اللہ تعالیٰ نے آل فرعون کو غرق کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو ارشاد فرمایا کہ ہم نے تمہارے دشمن سے تمہیں نجات دی اور اور پر اپنی طرف سے من اور سلویٰ نازل کرنے کے بعد تمھیں حکم دیا کہ جو کچھ ہم نے تمھیں حلال طیب عطا فرمایا ہے۔ اُسے کھاؤ اور حد سے گزرنے کی کوشش نہ کرو۔ اگر تم حد سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو گے تو میرا غضب تم پر نازل ہوگا۔ جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ ہلاک ہوگیا۔ پہلی آیت میں نہایت اختصار کے ساتھ تین واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۱۔ بنی اسرائیل کو اُن کے دشمن فرعون اور اس کے ساتھیوں سے نجات دلانا۔ دیگر مقامات پر اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اے بنی اسرائیل! اپنے رب کے اُس احسان کو یاد کرو جب اُس نے تمھیں فرعون اور اُس کے ساتھیوں کے مظالم سے نجات دی۔ فرعون تمھیں بدترین سزائیں دینے کے ساتھ تمھارے بیٹوں کو قتل کرتا اور تمھاری بیٹیوں کو باقی رہنے دیتا تھا۔ یہ تمھارے لیے بہت بڑی آزمائش تھی۔ ہم نے تمھارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا تا کہ تم سلامتی کے ساتھ اس سے گزر جاؤ اور تمھارے سامنے فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو غرق کر دیا۔ (البقرۃ:۴۹۔۵۰)

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ بیت المقدس میں داخل ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کی فتح تمھارے مقدر میں لکھ دی ہے۔ لیکن تم نے یہ کہہ کر انکار کیا کہ ہم بیت المقدس میں داخل نہیں ہوں گے کیونکہ وہاں بڑے طاقتور لوگ رہتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تمہیں بار بار سمجھایا لیکن تم نے اُن کا حکم ماننے کی بجائے اس حد تک گستاخی کی کہ اے موسیٰ تو اور تیرا خدا جا کر لڑو

لَغَفَّارٌ	وَاِنِّیْ	هَوٰی ؈	فَقَدْ	غَضَبِیْ	عَلَيْهِ	يَّحْلِلْ
بہت بخشنے والا ہوں	اور بلاشبہ میں	وہ تباہ ہوگیا	تو یقیناً	میرا غضب	اس پر	اترے

اهْتَدٰی ؉	ثُمَّ	صَالِحًا	وَعَمِلَ	وَاٰمَنَ	تَابَ	لِّمَنْ
وہ راہ راست پر رہا	پھر	نیک	اور عمل کیے	اور ایمان لایا	توبہ کی	جس نے

اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ برباد ہوگیا۔(۸۱) ہاں جو توبہ کرلے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر سیدھا چلتا رہے میں اسے معاف کرنے والا ہوں۔“(۸۲)

ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے۔ تفصیل کے لیے المائدۃ:۲۰ تا ۲۴ آیات کی تلاوت کریں۔

لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تم پر من وسلویٰ نازل کیا اور حکم فرمایا اللہ کے دیے ہوئے حلال وطیب کو کھاؤ اور سرکشی اختیار نہ کرنا۔ جس نے سرکشی اختیار کی اُس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا اور جس پر اس کا غضب نازل ہوا وہ دنیا میں برباد ہوا اور آخرت میں اُسے اذیّت ناک عذاب ہوگا۔ جس نے تائب ہوکر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کی اور صالح اعمال کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ اُسے معاف کرتے ہوئے ہدایت سے سرفراز کرے گا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اے موسیٰ! طور پہاڑ کی دائیں جانب فلاں جگہ پر پہنچ جاؤ تاکہ تمھیں تورات عنایت کی جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی ذمہ داری دے کر کوہِ طور کے دامن میں مقررہ وقت اور مقام پر پہنچے تو ان کے پیچھے بنی اسرائیل نے بچھڑے کی عبادت شروع کردی۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دی۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر من وسلویٰ نازل کیا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور کے دامن میں تورات عطا فرمائی۔

۴۔ اللہ کے باغیوں کے لیے دنیا میں بربادی اور آخرت میں ذلت ہوگی۔ ۵۔ جو اپنے رب کے حضور تائب ہوگا وہ مزید ہدایت پائے گا۔

تفسیر بالقرآن

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کی ایک جھلک:

۱۔ اے بنی اسرائیل میری نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمائیں۔(البقرۃ:۴۷)

۲۔ بنی اسرائیل کو ساری دنیا پر فضیلت دی گئی۔(البقرۃ:۴۷) ۳۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو آل فرعون سے نجات دی۔(البقرۃ:۴۹)

۴۔ بنی اسرائیل کے لیے سمندر کو پھاڑا گیا۔(البقرۃ:۵۰) ۵۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر من وسلویٰ نازل کیا۔(طٰہٰ:۸۶)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے بارہ چشمے جاری فرمائے۔(الاعراف:۱۶۰)

وَمَآ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمۡ

اور کیا چیز تجھے جلدی لے آئی سے تیری قوم اے موسیٰ! اس نے کہا وہ

اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىۡ وَعَجِلۡتُ اِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى ﴿۸۴﴾

لوگ پر میرے پیچھے اور میں نے جلدی کی آپ کی طرف میرے رب! تاکہ تو راضی ہو جائے

قَالَ فَاِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۡۢ بَعۡدِكَ

فرمایا بے شک ہم نے یقیناً آزمائش میں ڈال دیا تیری قوم سے تیرے بعد

وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ﴿۸۵﴾

اور انھیں گمراہ کر دیا سامری نے

''اے موسیٰ تجھے کس بات نے اپنی قوم کے پاس سے جلدی آنے پر آمادہ کیا؟ (۸۳) موسیٰ نے عرض کی وہ میرے پیچھے ہی آ رہے ہیں۔ میں جلد آپ کے حضور آ گیا اے میرے رب تاکہ آپ مجھ سے خوش ہو جائیں۔ (۸۴) فرمایا یقیناً ہم نے تیرے بعد تیری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا۔'' (۸۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہِ طور کی طرف جانا اور اُن کی عدم موجودگی میں اُن کی قوم کا گمراہ ہونا۔

موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کوہِ طور کی دائیں جانب فلاں مقام پر فلاں وقت حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت ہارون علیہ السلام کو ہدایت فرمائی کہ وہ اُن کی نیابت کرتے ہوئے بنی اسرائیل کی اصلاح کا فریضہ انجام دیتے رہیں یہ کہہ کر موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لیے کوہِ طور کی دائیں جانب پہنچ کر عبادت میں مصروف ہو گئے۔ جونہی موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو چھوڑ کر کوہِ طور کے دامن میں معتکف ہوئے تو پیچھے سے اُن کی قوم کے لوگوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو استفسار فرمایا کہ اے موسیٰ! آپ نے اس قدر یہاں آنے کی کیوں جلدی کی؟ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے میرے رب آپ کی ملاقات کی خواہش نے مجھے بے تاب کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے موسیٰ! ہم نے آپ کے بعد آپ کی قوم کی آزمائش کی جنہیں سامری نے گمراہ کر دیا ہے۔ ثابت ہوا کہ بنی اسرائیل بڑے ہی متلون مزاج اور طوطا چشم لوگ تھے۔ کیونکہ جب دریا عبور کرنے کے بعد بیت المقدس کی طرف سفر کر رہے تھے تو راستے میں انھوں نے ایسی قوم دیکھی جو اپنے بتوں کے سامنے اعتکاف کر رہی تھی۔ انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کر ڈالا کہ اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایسے خدا بنا دیجیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم بڑے جاہل لوگ ہو۔

﴿وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤی اَصْنَامٍ لَّهُمْ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ○ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْكُمْ اِلٰهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴾ [الاعراف: ۱۳۸]

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اتارا۔ وہ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جو اپنے بتوں پر جمے بیٹھے تھے کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لیے بھی کوئی معبود بنا دے، جیسے ان کے معبود ہیں! اس نے کہا تم تو جاہل لوگ ہو۔ بے شک یہ لوگ جس کام میں لگے ہوئے ہیں وہ تباہ کیا جانے والا ہے اور جو کچھ کرتے آرہے ہیں وہ باطل ہے۔ کیا میں اللہ کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود تلاش کروں؟ حالانکہ اس نے تمہیں پوری دنیا پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔''

بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے دیگر احسانات کے ساتھ یہ احسان بھی فراموش کر دیا اور لمحہ بھر سوچنے کی زحمت نہ کی کہ ابھی تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمن سے نجات دی ہے اور ہمارے دشمن کو ذلیل و خوار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

سامری کے بارے میں اہل قلم نے لکھا ہے کہ اس کا تعلق سامرہ قبیلہ کے ساتھ تھا۔ جس کی وجہ سے اُسے سامری کہا گیا ہے۔ اس کا تعلق سامرہ شہر کے ساتھ نہیں تھا۔ جو بہت مدّت بعد فلسطین کا دارالحکومت بنا تھا۔

مسائل

۱۔ رب کی رضا حاصل کرنے کے لیے جلدی کرنا چاہیے۔
۲۔ بنی اسرائیل کو سامری نے راہ راست سے بھٹکا دیا۔

تفسیر بالقرآن

بنی اسرائیل کی جلد بازیاں:

۱۔ بنی اسرائیل نے کھانے کی چیزیں طلب کرنے میں جلد بازی سے کام لیا۔ (البقرۃ:۶۱)
۲۔ بنی اسرائیل نے اپنے رب کے حکم میں جلدی کی اور بچھڑے کی عبادت شروع کر دی۔ (الاعراف:۱۵۰)
۳۔ بنی اسرائیل نے جلد بازی میں مطالبہ کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ (البقرۃ:۵۵)
۴۔ بنی اسرائیل سوالات کرنے میں بڑے جلد باز تھے۔ (البقرۃ:۶۸ تا ۷۰)
۵۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پامال کرنے میں بنی اسرائیل جلد باز تھے۔ (الاعراف:۱۶۶)

فَرَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ

تو لوٹا موسیٰ طرف اپنی قوم غضبناک پریشان فرمایا

يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ ۭ

اے میری قوم! کیا نہیں تم سے وعدہ کیا تھا تمھارے رب وعدہ اچھا؟

اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ

کیا پھر لمبا ہو گیا تم پر عہد یا تم نے چاہا یہ کہ اترے

عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾

تم پر غضب سے تمھارا رب تم نے خلاف ورزی کی میرے وعدے

''موسیٰ سخت غصے اور پریشانی کے عالم میں اپنی قوم کی طرف پلٹے اور فرمایا اے میری قوم کیا تمہارے رب نے تم سے بہت اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا یہ وعدہ طویل ہو گیا تھا؟ یا تم اپنے رب کا غضب چاہتے تھے پس تم نے میرے ساتھ وعدہ خلافی کی ہے۔'' (٨٦)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی اطلاع پا کر کہ قوم گمراہ ہو چکی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فوری طور پر اپنی قوم کی طرف پلٹنا۔

مدّت پوری ہوتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام فی الفور اپنی قوم کی طرف آئے اور غضب ناک ہو کر پے در پے ان سے تین سوال کیے۔ کیا تمھارے رب نے تمھاری ہدایت اور بھلائی کے لیے مجھے تورات دینے کے لیے طور پہاڑ پر نہیں بلایا تھا اور میں تمھیں بتلا کر نہیں گیا تھا؟ کیا میرے جانے کی مدت بہت طویل ہو گئی تھی؟ یا پھر تم نے دانستہ طور پر چاہا کہ تم پر اللہ کا غضب نازل ہو؟ بہر حال تم نے میرے ساتھ وعدہ خلافی کی ہے۔ گمراہ ہونے والے لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھا تھا۔ کلمہ کا معنیٰ ہی یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس وقت کے مطابق موسیٰ اللہ کے رسول تھے۔ رسول کا معنیٰ ہے جس کی پوری یکسوئی کے ساتھ تابعداری کی جائے۔ اس کے باوجود بنی اسرائیل کی غالب اکثریت نے موسیٰ علیہ السلام کی صرف چالیس دن کی غیر حاضری پر اس عہد کو توڑ دیا حالانکہ ان کی رہنمائی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو چھوڑ گئے تھے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاون اور نبی تھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی سر توڑ کوشش کے باوجود یہ لوگ گمراہ ہو گئے۔

مسائل

١۔ بنی اسرائیل بہت ہی تھوڑی مدت میں گمراہ ہو گئے۔ ٢۔ بنی اسرائیل نہایت احسان فراموش اور جلد باز قوم ہے۔

قَالُوْا	مَآ	اَخْلَفْنَا	مَوْعِدَكَ	بِمَلْكِنَا	وَلٰكِنَّا
انھوں نے کہا	نہیں	ہم نے خلاف ورزی کی	تیرے وعدے	اپنے اختیار سے	لیکن

حُمِّلْنَآ	اَوْزَارًا	مِّنْ	زِيْنَةِ	الْقَوْمِ	فَقَذَفْنٰهَا
ہم اُٹھوائے گئے تھے	بوجھ	سے	زیورات	قوم	ہم نے وہ پھینک دیے

فَكَذٰلِكَ	اَلْقَى	السَّامِرِيُّ ۝٨٧	فَاَخْرَجَ	لَهُمْ	عِجْلًا	جَسَدًا
اور اسی طرح	ڈالا	سامری نے	پھر اس نے نکالا	ان کے لیے	بچھڑا	جسم

لَّهٗ	خُوَارٌ	فَقَالُوْا	هٰذَآ	اِلٰهُكُمْ	وَاِلٰهُ	مُوْسٰى ڏ	فَنَسِيَ ۝٨٨
اس کی	آواز تھی گائے کی	تو انھوں نے کہا	یہ	تمھارا معبود ہے	اور معبود	موسیٰ کا	پس وہ بھول گیا

''انہوں نے جواب دیا ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے ساتھ وعدہ خلافی نہیں کی۔ دراصل لوگوں کے زیورات کے بوجھ سے ہم لد گئے تھے اور ہم نے ان کو پھینک دیا۔ (۸۷) اسی طرح سامری نے بھی کچھ ڈالا اور ایک بچھڑے کی صورت بنا کر ہمارے سامنے لایا جس سے گائے جیسی آواز نکلتی تھی لوگ کہنے لگے یہی ہے تمہارا اور موسیٰ کا الٰہ بس موسیٰ اس الٰہ کو بھول گیا ہے۔'' (۸۸)

فہم القرآن

ربط کلام: قوم کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بے ہودہ جواب۔

چاہیے تو یہ تھا بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے معذرت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرتے لیکن انھوں نے حسب عادت بہانہ سازی سے کام لیتے ہوئے یہ عذر لنگ پیش کیا کہ اے موسیٰ دراصل ہم اپنی مرضی سے اس سنگین جرم کے مرتکب نہیں ہوئے۔ اے موسیٰ ہوا یوں کہ ہمارے پاس لوگوں کے زیورات تھے وہ ہمارے لیے بوجھ بن چکے تھے۔ ہم نے سوچا ان سے جان چھڑائی جائے ہم نے انھیں پھینک دیا۔ ہمارے ساتھ سامری نے بھی اپنا زیور پھینک دیا۔ پھر سامری نے انھیں آگ میں ڈال کر ایک ایسا بچھڑا بنایا۔ جس کے منہ سے عجب آوازیں آنے لگیں۔ سامری نے ہمیں کہا یہی تو تمہارا اور موسیٰ کا رب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اسی کی تلاش میں کوہِ طور کی جانب گئے ہیں۔ ہمارا رب تو خود بخود ہمارے پاس چل کر پہنچا ہے۔ ہم اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے لہٰذا ہم نے مجبور ہو کر اس کی پرستش شروع کی ہے اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟

''حضرت موسیٰ علیہ السلام تو کوہ طور پر تشریف لے گئے آپ کی غیر حاضری کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے بنی اسرائیل کی غالب اکثریت نے اللہ تعالیٰ کی توحید سے ہی منہ موڑ لیا، جس خالق نے فرعون کی غلامی سے ان کو آزادی دی۔ جس کی قدرت سے

سمندر کی موجوں نے سمٹ کر ان کے لیے راستے بنا دیئے تھے، جس مالک نے ان کے سامنے ان کے دشمن کو ذلیل کر کے مارا اس وحدہ لاشریک کو بھول گئے۔ اس محسنِ حقیقی سے بندگی کا رشتہ توڑ کر ایک بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ ان کی عقلیں اتنی اندھی تھیں کہ الٰہ بنانے کے لیے ان کی نظرِ انتخاب جس چیز پر پڑی وہ دھات کی بنی ہوئی بچھڑے کی مورتی تھی جو نہ بول سکتی تھی اور نہ کچھ سن سکتی تھی یہ اس کے سامنے شور وغل مچاتے ہیں اس کے منہ سے ایک بے معنی آواز کے بغیر کچھ سنائی نہ دیتا۔ جس قوم نے ہر قدم پر آیات الٰہی کا مشاہدہ کیا تھا اس نے یہ کیسے باور کر لیا کہ یہ ہمارا الٰہ ہے جس کا ڈھانچہ ان کے سامنے سامری نے تیار کیا تھا؟۔ اس کی توجیہہ بجز اس کے اور کیا کی جا سکتی ہے کہ غلامانہ زندگی کا طویل عرصہ جو انہوں نے سرزمین مصر میں بسر کیا تھا۔ وہاں وہ اپنے قبطی آقاؤں کو گائے کی پوجا کرتے ہوئے اور اُن کی مورتیوں کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا کرتے تھے۔ اس چیز نے گائے کے تقدس کا ایسا نقشہ اُن کو لوحِ ذہن پر کندہ کر دیا تھا کہ جہاں گائے یا بچھڑے کی کوئی مورتی نظر آئی وہاں وہ بے ساختہ اُس کے سامنے بچھتے چلے گئے۔ اور عقل وفہم کے تمام تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اُس کو الٰہ تسلیم کر لیا۔ موجودہ تورات میں بچھڑا بنانے کا الزام حضرت ہارون علیہ السلام پر لگایا گیا ہے لیکن قرآن جو تمام سابقہ انبیاء کی صداقت اور اُن کی عظمت و پاکیزگی کا نقیب ہے۔ اُس نے ہمیں صراحت سے بتا دیا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا دامن اس الزام سے بالکل پاک ہے یہ کارستانی سامری کی تھی جس نے بنی اسرائیل سے سونے کے زیور جمع کیے انہیں گلایا اور اس سے بچھڑے کا ڈھانچہ تیار کر لیا اور اپنی فنی مہارت سے اس میں یہ بات پیدا کر دی کہ جب اس میں ہوا کا گزر ہوتا تو ایک بے معنی سی بیں بیں کی آواز نکلتی اور یہ کوئی مشکل نہیں آج ہم بیسیوں کھلونے ایسے دیکھتے ہیں جو بے جان ہوتے ہوئے طرح طرح کی حرکتیں کرتے ہیں اور مختلف نوعیت کی آوازیں نکالتے ہیں۔'' (ماخوذ از ضیاء القرآن)

مسائل

١۔ بنی اسرائیل احسان فراموش اور جلد باز قوم ہے۔ ٢۔ بنی اسرائیل کی وجہ سے دنیا میں گائے پرستی کا شرک پھیلا۔

تفسیر بالقرآن

الٰہ کے اوصاف:

١۔ الٰہ کا معنٰی معبود وہ ایک ہی ہے۔ (البقرۃ:١٦٣) ٢۔ الٰہ کا معنٰی مشکل کشا، حاجت روا۔ (المؤمن:٦٥)

٣۔ اللہ تمھارا رب ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہی ہر چیز کا خالق ہے۔ (الانعام:١٠٢)

٤۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دو الٰہ نہ بناؤ الٰہ ایک ہی ہے (النحل:٥١) ٥۔ الٰہ تمھارا ایک اللہ ہی ہے۔ (طٰہٰ:٩٨)

٦۔ کیا اللہ کے سوا کوئی الٰہ ہے؟ اللہ تعالیٰ شراکت داری سے پاک ہے۔ (الطّور:٤٣)

اَفَلَا	يَرَوْنَ	اَلَّا	يَرْجِعُ	اِلَيْهِمْ	قَوْلًا ۙ	وَّلَا
کیا پھر نہیں	وہ دیکھتے	کہ بلاشبہ نہیں	وہ لوٹاتا	ان کی طرف	کوئی بات	اور نہیں

يَمْلِكُ	لَهُمْ	ضَرًّا	وَّلَا	نَفْعًا ﴿٨٩﴾
وہ اختیار رکھتا	ان کے لیے	نقصان	اور نہ	نفع؟

ع ١١

''کیا وہ دیکھتے نہ تھے کہ بچھڑا ان کی بات کا نہ جواب دیتا ہے اور نہ انہیں نفع اور نقصان پہنچا سکتا ہے؟'' (۸۹)

فہم القرآن

ربط کلام: بنی اسرائیل کے بے ہودہ بہانے کا جواب۔

بنی اسرائیل کی خدافراموشی اور جہالت کا اندازہ لگائیں کہ انہیں کے زیورات سے ایک شخص بچھڑا بنا کر کہتا ہے کہ یہ ہے وہ الٰہ جس کی تلاش کے لیے موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر گئے ہیں۔ جاہل قوم نے یہ سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہ کی کہ یہ تو سامری کے کرتب کا کرشمہ ہے اور اس نے ہمارے زیورات سے اسے بنایا ہے۔ انھوں نے آنکھیں بند کر کے اس کی پوجا شروع کر دی۔ درحقیقت گمراہ اقوام کا ابتدا ہی سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ سوچا ہی نہیں کرتے کہ ہمارے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بت اور ہم نے جن بزرگوں کو غسل دے کر اپنے ہاتھوں قبر میں اتارا ہے۔ دفن ہونے کے بعد اب کس طرح مدد کر سکتے ہیں۔ اگر وہ اس قابل ہوتے تو خود غسل کر کے اپنے قدموں پر چل کر قبر میں جا کر لیٹ جاتے۔ اسی طرح بت پرستوں کا معاملہ ہے جن بتوں اور مجسموں کو اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہیں۔ ان کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں کہ مدفون بزرگوں کی روح ان میں حلول کر گئی ہے جس وجہ سے ان کے سامنے ہاتھ جوڑتے، اعتکاف اور سجدہ کرتے اور نذرانے پیش کرتے ہیں۔ کہاں سے ثابت ہوا کہ ان میں بزرگوں کی روح حلول کر گئی ہے۔ اور پھر رُوحوں کے بارے میں کیا ثبوت ہے کہ یہ سنتے اور مدد کرتے ہیں؟ سب کچھ جاننے اور دیکھنے کے باوجود لوگ انھیں داتا، دستگیر، حاجت روا، مشکل کشا کہتے اور مانتے ہیں۔ افسوس کس قدر جہالت کی انتہا ہے۔ اسی جہالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ بچھڑے کی پوجا کرنے والوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ یہ نہ ان کی بات کا جواب دیتا ہے نہ انھیں نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی فائدہ دے سکتا ہے۔ پھر یہ کیسا معبود ہے؟ افسوس جب انسان شرک میں مبتلا ہو جائے تو اس کی عقل کام نہیں کرتی اسی حقیقت کی قرآن مجید نے نشاندہی فرمائی ہے۔

''کیا اُن کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں یا اُن کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں یا اُن کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں کیا اُن کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں؟ اے پیغمبر ﷺ فرما دیجیے تم اپنے شرکاء کو بلاؤ اور میرے بارے میں تدبیر کرو اور مجھے مہلت نہ دو'' [الاعراف: ۱۹۵]

مسائل

۱۔ بت اور مدفون بزرگ کسی بات کا جواب نہیں دے سکتے ہیں اور نہ قیامت تک جواب دے سکیں گے۔

۲۔ بت اور مدفون بزرگ کسی کے نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ
اور البتہ تحقیق اس نے کہا ان کے لیے ہارون سے پہلے اے میری قوم!
اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ
صرف تم آزمائے گئے ہو ساتھ اس کے اور بلاشبہ تمھارا رب نہایت مہربان لہٰذا تم میری پیروی کرو
وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝٩٠ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ
اور تم اطاعت کرو میرا حکم انھوں نے کہا ہم تو ہمیشہ رہیں گے اس پر اعتکاف کرنے والے
حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ۝٩١ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا
یہاں تک لوٹ آئے ہماری طرف موسیٰ اس نے کہا اے ہارون! کس چیز نے

''ہارون پہلے ہی انہیں سمجھا چکے تھے کہ لوگو! تم اس کی وجہ سے فتنے میں پڑ گئے ہو تمہارا رب تو رحمٰن ہے پس تم میری پیروی کرو اور میری بات مانو۔(۹۰) مگر انہوں نے اس سے کہہ دیا کہ ہم تو اسی کی پرستش کرتے رہیں گے جب تک کہ موسیٰ ہمارے ہاں واپس نہ آ جائے۔ (۹۱) موسیٰ نے فرمایا اے ہارون کس بات نے

فہم القرآن

ربط کلام: بنی اسرائیل کے جھوٹے معبود کی حقیقت بتلانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ تلخی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم اور اُن کے نمائندوں کو انتباہ کرنے کے بعد فارغ ہوئے تو انھوں نے توحید کی غیرت میں آ کر اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بالوں کو کھینچتے ہوئے کہا اے ہارون! جب یہ لوگ آپ کے سامنے شرک کر رہے تھے تو آپ کو کس بات نے منع کیا تھا کہ ان کو شرک کرنے سے نہ روکے اور تجھے کون سی رکاوٹ پیش آئی کہ نیابت کرنے کی بجائے میری نافرمانی کرے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا اے میرے مادر زاد بھائی! میری داڑھی اور سر کے بال چھوڑ کر میری بات سنیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اس بات سے ڈر گیا کہ آپ یہ نہ کہیں کہ میں نے آپ کا انتظار کرنے کی بجائے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ پیدا کر دیا ہے۔ میں نے اپنی حد تک انھیں بچھڑے کی پوجا سے بہت روکا مگر یہ رکنے کی بجائے اور زیادہ بڑھ گئے۔ قریب تھا کہ یہ مجھے جان سے مار ڈالتے۔ لہٰذا آپ یہ انداز اختیار کر کے مجھے ظالموں کے ساتھ شریک نہ کریں اور نہ ہی دشمنوں کو مجھ پر خوش ہونے کا موقع دیں۔ بعض لوگوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کے اس فرمان کہ میں اس بات سے ڈر گیا کہ قوم میں تفرقہ پیدا نہ ہو سے یہ استدلال کرنے کی کوشش کی ہے کہ قوم کے اتحاد کی خاطر کچھ عرصہ کے لیے شرک بھی گوارا کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایسا استدلال ہے کہ جس سے پورے دین کی بنیاد منہدم اور نبوت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا

مَنَعَكَ	اِذْ	رَاَيْتَهُمْ	ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾	اَلَّا	تَتَّبِعَنِ ؕ	اَفَعَصَيْتَ
تجھے منع کیا	جب	تونے انھیں دیکھا	گمراہ ہوگئے	کیوں نہیں	تو میری پیروی کی؟	کیا تونے نافرمانی کی
اَمْرِيْ ﴿٩٣﴾	قَالَ	يَبْنَؤُمَّ	لَا	تَاْخُذْ	بِلِحْيَتِيْ	
میرا حکم	اس نے کہا	اے میری ماں جائے!	نہ	تو پکڑ	میری داڑھی	
وَلَا	بِرَاْسِيْ ۚ	اِنِّيْ	خَشِيْتُ	اَنْ	تَقُوْلَ	فَرَّقْتَ
اور نہ	میرا سر	بے شک میں	ڈر گیا	یہ کہ	تو کہے گا	تونے تفرقہ ڈال دیا
بَيْنَ	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	وَلَمْ	تَرْقُبْ	قَوْلِيْ ﴿٩٤﴾		
درمیان	بنی اسرائیل	اور نہ	انتظار کیا تونے	میری بات		

جب آپ نے دیکھا تو انہیں منع کیوں نہ کیا؟(۹۲) کس چیز نے تمہیں روکا تھا کہ میرے طریقے پر عمل نہ کرو؟ کیا تو نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی؟(۹۳) ہارون نے جواب دیا اے میری ماں کے بیٹے میری داڑھی اور میرے سر کے بال نہ کھینچو مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ آپ آ کر کہیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا پاس نہ کیا۔"(۹۴)

ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری کا مقصد اللہ تعالیٰ کی توحید کا ابلاغ کرنا اور لوگوں کو شرک سے روکنا تھا اسی لیے قرآن مجید میں اتحاد کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: کہ اللہ کی رسّی کے ساتھ چمٹے رہو گویا توحید ہی اتحاد کی بنیاد ہے۔ سب کے سب انبیاء علیہم السلام اسی غرض کے لیے مبعوث کیے گئے اور یہی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ لوگوں کا بنیادی اختلاف تھا۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُوْلٍ إِلَّا نُوْحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ [الانبیاء:۲۵]

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی الٰہ نہیں میرے سوا بس میری عبادت کیا کرو۔"

یہاں تفرقہ سے مراد عام قسم کے اختلافات اور فرقہ بندی نہیں بلکہ قتل و غارت ہے۔ جس سے حضرت ہارون علیہ السلام خوفزدہ ہوئے اور انھوں نے سوچا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چند دنوں کے لیے کوہِ طور سے واپس آجائیں گے۔ جونہی واپس تشریف لائیں گے تو ہم مل کر ان لوگوں کو شرک سے روکیں گے۔ چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے تو انھوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! تمھارا بچھڑے کو معبود بنانا بہت بڑا ظلم ہے۔ جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سزا ہے کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو۔ تمھارے لیے تمھارے رب کے ہاں یہی توبہ ہے۔ اس پر عمل کرو یہی تمھارے رب کے نزدیک بہتر ہے۔ (البقرۃ:۵۴)

قَالَ	فَمَا	خَطْبُكَ	يٰسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾	قَالَ	بَصُرْتُ
اس نے کہا	چنانچہ کیا	معاملہ ہے تیرا	اے سامری؟	اس نے کہا	میں نے دیکھی
بِمَا	لَمْ	يَبْصُرُوْا	بِهٖ	فَقَبَضْتُ	قَبْضَةً مِّنْ
چیز	نہ	دیکھا تھا ان لوگوں نے	ساتھ اس کے	تو میں نے بھر لی	ایک مٹھی سے
اَثَرِ الرَّسُوْلِ	فَنَبَذْتُهَا	وَكَذٰلِكَ	سَوَّلَتْ	لِيْ	نَفْسِيْ ﴿٩٦﴾
نقش قدم رسول	پھر میں نے اس کو پھینکا	اور اسی طرح	مزین کیا	میرے لیے	میرا نفس

''موسیٰ نے کہا اور سامری تیرا کیا معاملہ ہے۔(۹۵) اس نے جواب دیا میں نے وہ چیز دیکھی جو ان لوگوں کو نظر نہ آئی پس میں نے رسول کے نقشِ قدم سے ایک مٹھی اٹھائی اور اس کو ڈال دیا۔ میرے نفس نے مجھے ایسا ہی سمجھایا۔''(۹٦)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت ہارون علیہ السلام سے وضاحت طلب کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا سامری کو مخاطب کرنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ یہ سامری نے جرم کیا ہے۔ انھوں نے بڑے جلال میں آکر سامری سے استفسار فرمایا کہ اے سامری! تو نے بنی اسرائیل کو کیوں گمراہ کیا؟ سامری نے کہا میں نے ایک ایسی چیز دیکھی جسے لوگ نہ دیکھ پائے۔ میں نے وہاں سے ایک مٹھی بھر مٹی اُٹھائی اور اُسے پگھلے ہوئے زیورات میں ڈال کر بچھڑا بنایا اور یہ سب کچھ میرے اپنے دل و دماغ کا کیا دھرا ہے۔ سامری کے الفاظ اور انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جلال سے ڈر کر اس بات کا اعتراف کیا کہ اس جرم میں کسی اور کا کوئی حصہ نہیں بلکہ یہ میرے ہی نفس کی شرارت ہے۔ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے مفسرین نے بڑی معرکہ آراء بحث کی ہے۔ ایک طبقہ کا خیال ہے ''اَثَرِ الرَّسُوْلِ'' سے مراد حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے نقش قدم ہیں۔ جب انھوں نے ڈوبتے ہوئے فرعون کے منہ میں مٹی ڈالی تھی تو جبرئیل امین علیہ السلام کی سواری جہاں قدم رکھتی وہاں سبزہ اُگ آتا۔ سامری نے یہ منظر دیکھ کر وہ مٹی اُٹھائی اور بعد ازاں بنی اسرائیل کے زیورات کو پگھلا کر ایک بچھڑا بنایا جس کے منہ میں یہ مٹی ڈالی تو وہ بولنے لگا۔ دوسرا طبقہ اس معاملے میں اِس حد تک آگے گزر گیا کہ انھوں نے اسرائیلی روایات کو بنیاد بنا کر حضرت ہارون کو اس کام میں ملوث کر ڈالا حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ بنی اسرائیل کے زیورات سے سامری نے بچھڑا بنایا اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے جبرئیل امین علیہ السلام کے ساتھ اُس مٹی کی نسبت جوڑی جس کو اُس نے بچھڑے کے منہ میں ڈالا تھا۔ اس میں مٹی کا کوئی کمال نہ تھا یہ سامری کی فنکاری کا نتیجہ تھا کہ اُس نے زیورات کو ڈھال کر اس تکنیک کے ساتھ بچھڑے کا پتلا تیار کیا کہ جب اُس کی ناک کی طرف سے ہوا داخل ہوتی تو اُس کے منہ سے مختلف قسم کی آوازیں آتی۔ جس سے متاثر ہو کر جاہل اور ضعیف الاعتقاد لوگوں نے اُسے معبود سمجھ لیا۔

قَالَ	فَاذْهَبْ	فَاِنَّ	لَكَ	فِي	الْحَيٰوةِ	اَنْ
اس نے کہا	چنانچہ تو جا	پس بے شک	تیرے لیے ہے	میں	زندگی	یہ کہ
تَقُوْلَ	لَا	مِسَاسَ ۪	وَاِنَّ	لَكَ	مَوْعِدًا	لَّنْ
تو کہتا رہے	نہ	ہاتھ لگانا	اور بلاشبہ	تیرے لیے	وعدے کا وقت	کہ ہرگز نہیں
تُخْلَفَهٗ ۚ	وَانْظُرْ	اِلٰٓى	اِلٰهِكَ	الَّذِيْ	ظَلْتَ	عَلَيْهِ
خلاف کیا جائے گا تیرے حق میں	تو دیکھ	طرف	اپنے معبود	وہ جو	تو ہو گیا	اس پر
عَاكِفًا ؕ	لَنُحَرِّقَنَّهٗ	ثُمَّ	لَنَنْسِفَنَّهٗ	فِي	الْيَمِّ	نَسْفًا ۝٩٧
بیٹھنے والا	البتہ ہم اسے ضرور جلائیں گے	پھر	ہم ضرور اس کو اُڑائیں گے	میں	سمندر	اُڑانا

''موسیٰ نے کہا اچھا تو جا اب زندگی بھر یہی کہتا رہے گا کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا اور تیرے لیے باز پرس کا ایک وقت مقرر ہے جو تجھ سے ٹلنے والا نہیں اور دیکھ اپنے اس خدا کو جس پر تو جم کر بیٹھا ہوا تھا اب ہم اسے جلا ڈالیں گے اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے سمندر میں پھینک دیں گے۔'' (٩٧)

فہم القرآن

ربط کلام: سامری اور اُس کے بنائے ہوئے بچھڑے کا انجام۔

جب سامری نے اعتراف جرم کر لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُسے بددعا دی کہ تو زندگی بھر یہ کہتا پھرے گا۔ کہ لوگو! میرے قریب نہ آنا۔ اس کے ساتھ ہی موسیٰ علیہ السلام نے اُسے آخرت کے عذاب کی تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ایسا دن اور ایسا عذاب ہوگا جو ٹلنے والا نہیں پھر اُسے کہا کہ اب اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے اپنے معبود کی طرف دیکھ جس کے سامنے تو اعتکاف کرتا تھا۔ ہم اسے ہر صورت جلا کر راکھ بنا دیں گے اور پھر اُس راکھ کو تیرے سامنے سمندر میں پھینک دیا جائے گا۔ جہاں تک سامری کی سزا کا تعلق ہے موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے اُس کی یہ حالت ہو گئی کہ پہلے تو کوئی شخص اس کے قریب نہیں جاتا تھا اگر کوئی بھول کر اُس کے قریب جاتا تو سامری چیخ چیخ کر کہتا کہ خدارا میرے قریب نہ آنا کیونکہ تیرے قریب آنے سے میری اذیت میں اضافہ ہو جاتا ہے بالآخر سامری اسی اذیت ناک تکلیف میں مرا۔ قیامت کے دن جہنم میں پھینکا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اُس نے مشرک کو کبھی معاف نہیں کرنا۔

مسائل

١۔ سامری اور اس کے پیروکار بچھڑے کے سامنے اعتکاف کی شکل میں بیٹھتے تھے اور شروع سے مشرکین کا یہی طریقہ رہا ہے۔

٢۔ جھوٹے اِلٰہ کو جب نیست و نابود کیا گیا تو وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا۔

اِنَّمَآ	اِلٰهُكُمُ	اللّٰهُ	الَّذِىْ	لَآ	اِلٰهَ	اِلَّا
یقیناً	تمھارا معبود	اللہ	وہ ہے	نہیں	کوئی معبود	سوائے
هُوَ ؕ	وَسِعَ	كُلَّ	شَىْءٍ	عِلْمًا ۹۸	كَذٰلِكَ	نَقُصُّ
اس کے	اس نے گھیر رکھا ہے	ہر	چیز	علم	اسی طرح	ہم بیان کرتے ہیں
عَلَيْكَ	مِنْ	اَنْۢبَآءِ	مَا	قَدْ سَبَقَ ۚ	وَقَدْ	اٰتَيْنٰكَ
آپ پر	کچھ	خبریں	وہ جو	پہلے گزر چکی ہیں	اور تحقیق	ہم نے آپ کو دیا
مِنْ	لَّدُنَّا	ذِكْرًا ۹۹	مَنْ	اَعْرَضَ	عَنْهُ	فَاِنَّهٗ
سے	اپنے پاس	ذکر	جس نے	اعراض کیا	اس سے	تو بلا شبہ

''لوگو تمھارا معبود تو بس ایک ہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے جس کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔(۹۸) اے نبی اس طرح ہم گزرے ہوئے حالات کی خبریں آپ کو سناتے ہیں اور ہم نے اپنی طرف سے آپ کو ایک ''ذکر'' عطا کیا ہے۔(۹۹) جو کوئی اس سے منہ موڑے گا۔

فہم القرآن

ربط کلام: معبودِ باطل کی حیثیت بتلانے اور اُس کا انجام دکھلانے کے بعد سچے معبود کا تعارف کروایا گیا ہے۔

یہ کتنی عظیم حقیقت ہے کہ قرآن مجید میں کوئی ایک واقعہ بھی داستان گوئی کے طور پر بیان نہیں کیا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے سوا باقی تمام واقعات کو اجزاء کی شکل میں مختلف مقامات پر بیان کرتے ہوئے موقع اور مضمون کی مناسبت سے ایسی نصیحت کی جاتی ہے جو انسان کے دل پر اثر کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اسی اصول کے پیش نظر یہاں پہلے معبودِ باطل یعنی بچھڑے کے بارے میں بتلایا کہ ناعاقبت اندیش لوگوں نے یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ بچھڑے کا مجسمہ نہ ان کی بات کا جواب دیتا ہے اور نہ ہی نفع و نقصان کا مالک ہے۔ جس کے ثبوت کے لیے یہ بھی وضاحت کر دی گئی کہ اُسے موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے سامنے ہی ریزہ ریزہ کرتے ہوئے سمندر میں پھینک دیا۔ جسے لوگ حاجت روا، مشکل کشا سمجھ کر پکار رہے تھے وہ اپنا وجود بھی نہ بچا سکا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا تعارف کرواتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ لوگو! اللہ ہی تمھارا حقیقی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اے پیغمبر! یہ گزرے ہوئے واقعات ہم آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں کیونکہ اس میں نصیحت ہے اور اس نصیحت کو قرآن مجید کی صورت میں ہم نے آپ پر نازل کیا ہے۔ جس نے اس نصیحت سے اعراض کیا وہ قیامت کے دن اس گناہ کا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہوگا۔ یہ لوگ ہمیشہ اپنے گناہوں کا بوجھ اُٹھائے ہوئے بدترین سزاؤں میں مبتلا ہوں گے۔ یاد رہے کہ یہاں ذکر سے پہلی مراد عقیدہ توحید ہے جو قرآن مجید کی اولین بنیادی نصیحت ہے۔ باقی نصیحتیں اور اعمال اسی کی تفصیل اور تقاضے ہیں

يَّحْمِلُ	يَوْمَ	الْقِيٰمَةِ	وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾	خٰلِدِيْنَ	فِيْهِ
وہ اُٹھائے گا	دن	قیامت کے	ایک بوجھ	وہ ہمیشہ رہیں گے	اس میں
وَسَآءَ	لَهُمْ	يَوْمَ	الْقِيٰمَةِ	حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾	
اور برا ہوگا	ان کے لیے	دن	قیامت کے	بوجھ اُٹھانا	

وہ قیامت کے دن بھاری بوجھ اٹھائے گا۔(۱۰۰) اور ایسے سب لوگ ہمیشہ اس کے وبال میں گرفتار رہیں گے اور قیامت کے دن ان کے لیے بڑا تکلیف دہ بوجھ ہوگا۔''(۱۰۱)

((وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَعَلَیْهِ ثَوْبٌ اَبْیَضُ وَهُوَ نَائِمٌ ثُمَّ اَتَیْتُهُ وَقَدِ اسْتَیْقَظَ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰی ذٰلِكَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرٍّ وَكَانَ اَبُوْ ذَرٍّ اِذَا حَدَّثَ بِهٰذَا قَالَ وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِیْ ذَرٍّ)) [رواه البخاری: باب الثیاب البیض]

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس وقت سفید چادر لیے ہوئے آرام فرما رہے تھے۔ میں دوبارہ حاضر ہوا تو آپ جاگ چکے تھے۔ ارشاد ہوا جس شخص نے لا الہ الا اللہ پڑھا اور پھر اسی عقیدے پر فوت ہوا وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے عرض کیا چاہے وہ چور ہو یا زانی؟ فرمایا ہاں چور ہو یا بدکار۔ میں نے دوبارہ تعجب سے پوچھا اگر وہ چور اور بدکار ہو تب بھی؟ فرمایا اگرچہ وہ زانی اور چور ہو تب بھی میرے تیسری دفعہ پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں الفاظ کا اعادہ کرتے ہوئے یہ محاورہ استعمال فرمایا۔ اگرچہ ابوذر کی ناک خاک آلود ہو۔ توحید والا تو ضرور جنت میں داخل ہوگا)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جب بھی آپ کا فرمان نقل کرتے تو اعزاز کے طور پر یہ الفاظ دہرایا کرتے تھے کہ اگرچہ ابوذر کی ناک خاک آلود ہو جائے۔''

مسائل

۱۔ اللہ کے سوا کوئی معبودِ حق نہیں۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ذکر اور نصیحت کے طور پر نازل فرمایا ہے۔
۴۔ جس نے اس ذکر سے انحراف کیا وہ اس جرم کی قیامت کے دن سزا پائے گا۔

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ

دن | پھونک ماری جائے گی | میں | صور | اور ہم اکٹھا کریں گے | مجرم

يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿١٠٢﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا

اس دن | وہ نیلی آنکھوں والے | وہ چپکے چپکے کہتے ہوں گے | آپس میں | نہیں | تم ٹھہرے | مگر

عَشْرًا ﴿١٠٣﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ

صرف دس دن | ہم | خوب جانتے ہیں | جو کچھ | وہ کہیں گے | جس وقت | کہے گا

اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾

ان کا بہترین | باعتبار رائے کے | کہ نہیں | ٹھہرے تم | مگر | ایک ہی دن

’’اس دن صور پھونکا جائے گا اور ہم مجرموں کو اس حال میں گھیر لائیں گے کہ ان کی آنکھیں پتھرائی ہوئی ہوں گی۔(١٠٢) آپس میں چپکے چپکے کہیں گے کہ دنیا میں تم نے کوئی دس دن گزارے ہوں گے۔(١٠٣) ہمیں خوب معلوم ہے کہ وہ کیا باتیں کر رہے ہوں گے۔اس وقت ان میں سے سے پختہ یقین کے ساتھ کہنے والا کہے گا کہ تمہاری دنیا کی زندگی صرف ایک دن کی تھی۔‘‘(١٠٤)

فہم القرآن

ربط کلام: جس دن مجرموں نے اپنے اعمال کا بوجھ اُٹھانا ہے اس دن کے برپا ہونے کی کیفیت اور مجرموں کا حال۔

مجرموں کے لیے قیامت کا دن اس قدر سخت اور بھاری ہوگا کہ اُس دن ان کی آنکھوں کی سفیدی نیلی ہو جائے گی۔اور ان کے ڈیلے پتھرا جائیں گے وہ سرگوشی اور گنگناہٹ کے انداز میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم دس دن سے زیادہ نہیں رہے تھے۔جو اُن میں سب سے زیادہ اعتماد کے ساتھ بات کرے گا وہ دوسروں کو کہے گا کہ ہم صرف ایک ہی دن دنیا میں ٹھہرے تھے۔جو کچھ وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ ان کی ہر بات کو اچھی طرح جانتا ہے۔

قیامت کا آغاز صور میں پھونک مارنے سے ہوگا جونہی اسرافیل علیہ السلام فرشتہ صور میں پھونک مارے گا تو لوگ جہاں جہاں دفن اور دبے ہوئے ہوں گے اپنی اپنی جگہ سے اُٹھ کر محشر کے میدان کی طرف اس طرح دوڑیں گے جس طرح شکاری اپنے شکار کی طرف دوڑتا ہے۔(یٰس:۵۱) جب لوگ محشر کے میدان میں اکٹھے کیے جائیں گے تو رب ذوالجلال کی جلالت اور تمکنت کے خوف کی وجہ سے مجرموں کی آنکھیں نیلی ہونے کے ساتھ پتھرا جائیں گی۔مجرم اپنے اپنے گناہوں کے مطابق اپنے پسینے میں ڈبکیاں لے رہے ہوں گے۔اس حالت میں نہ صرف وہ دنیا کی عیش وعشرت کو بھول جائیں گے بلکہ انھیں یہ بھی یاد نہیں ہوگا کہ وہ دنیا میں کتنی مدت ٹھہرے ہیں۔خوف کی حالت میں سرگوشی اور گنگناہٹ کے انداز میں ایک دوسرے سے

کہیں گے ہم دنیا میں دس دن ٹھہرے ہونگے لیکن ان میں جس کی بات قابل اعتماد سمجھی جائے گی وہ کہے گا کہ دس دن کی بجائے ہم صرف ایک دن ٹھہرے ہیں۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ يُحْشَرُ النَّا سُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ جَمِيْعًا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اَلْاَمْرُ اَشَدُّ مِنْ اَنْ يَّنْظُرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ)) [رواه البخاری:کتاب الرقاق، باب كَيْفَ الْحَشْرِ]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسولِ معظم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لوگ قیامت کے دن ننگے پاؤں' ننگے بدن اور بلا ختنہ اٹھائے جائیں گے۔میں نے کہا اے اللہ کے رسول کیا مرد اور عورتیں اکٹھے ہوں گے وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں گے نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس دن معاملہ اس کے برعکس ہوگا کہ کوئی ایک دوسرے کی طرف دیکھ نہیں سکے گا۔''

مسائل

۱۔ محشر کے دن کی سختی کی وجہ سے مجرموں کی آنکھیں نیلی اور پتھرا جائیں گی۔

۲۔ مجرم خوف کی حالت میں نہایت ہی آہستہ آواز میں کہیں گے ہم دنیا میں دس دن یا صرف ایک ہی دن ٹھہرے تھے۔

تفسیر بالقرآن

محشر کے دن کی ہولناکیاں:

۱۔ جب واقعہ ہوگی واقعہ ہونے والی۔(الواقعۃ:۱)

۲۔ جب زمین کو ہلا دیا جائے گا پوری طرح ہلا دینا۔(الزلزال:۱)

۳۔ قیامت زمین وآسمانوں پر بھاری ہوگی۔(الاعراف:۱۸۷)

۴۔ لوگو! اپنے رب سے ڈر جاؤ قیامت کا زلزلہ بہت سخت ہے۔(الحج:۱)

۵۔ قیامت کے دن لوگ اڑتے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے۔(القارعۃ:۴)

۶۔ قیامت کے دن پہاڑ اون کی طرح ہوں گے۔(القارعۃ:۵)

۷۔ قیامت کا دن انتہائی دردناک ہوگا۔(ھود:۲۶)

۸۔ زمین کو ہلا کر تہہ وبالا کر دیا جائے گا۔(واقعۃ:۳،۴)

۹۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی طرح ہو جائیں گے۔(الواقعۃ:۵،۶)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿١٠٥﴾

اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں سے پہاڑوں کی تو آپ کہہ دیجیے ان کو اُڑا دے گا میرا رب اُڑا دینا

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿١٠٧﴾

پھر وہ اس کو کر چھوڑے گا میدان چٹیل نہ آپ دیکھیں گے اس میں کوئی کجی اور نہ کوئی ٹیلہ

”یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ یہ پہاڑ کہاں چلے جائیں گے فرما دیں کہ میرا رب ان کو دھول بنا کر اڑا دے گا۔(١٠٥) اور زمین کو چٹیل میدان بنا دے گا۔(١٠٦) اس میں تم کوئی اونچ نیچ نہ دیکھ پاؤ گے۔“(١٠٧)

فہم القرآن

ربط کلام: منکرین قیامت کی غلط فہمی کا ازالہ۔

رسول کریم ﷺ نے کفار کے سامنے حشر کی ہولناکیوں کا تذکرہ کیا تو انھوں نے سوال اُٹھایا۔ بتائیں کہ پہاڑوں کا لامتناہی سلسلہ اور جن کی بلندیاں آسمان کو چھو رہی ہیں۔ اتنے بڑے، بڑے پہاڑوں کا کیا بنے گا؟ جس کا جواب دینے کے لیے آپ ﷺ کو ارشاد ہوا کہ آپ انھیں فرمائیں کہ میرا رب انھیں دھول کی طرح اُڑا دے گا اور زمین کو اس طرح ہموار اور چٹیل میدان بنائے گا کہ اس میں کوئی نشیب و فراز نہیں دیکھ پاؤ گے۔ قرآن مجید نے یہ حقیقت کئی مقامات پر بیان فرمائی ہے کہ یہ پہاڑ ٹوٹ پھوٹ جائیں گے، اور یہ روئی کے گالوں کی طرح ہوا میں اُڑنا شروع کر دیں گے۔ (القارعة: ٥) اس دن اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کو بدل ڈالیں گے اور ہر کسی کو اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہوگا۔ (ابراہیم: ٤٨)

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پہاڑوں کو ریت کے ذرات بنا کر اُڑا دے گا۔ ٢۔ زمین چٹیل میدان بنا دی جائے گی۔

٣۔ دیکھنے والا زمین میں کوئی نشیب و فراز نہیں دیکھ پائے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن پہاڑوں کی کیفیت:

١۔ اس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور زمین چٹیل میدان ہوگی اور ہم تمام لوگوں کو جمع کریں گے اور کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔ (الکھف: ٤٧)

٢۔ اس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی طرح ہو جائیں گے۔ (المزمل: ١٤)

٣۔ اس دن آنکھیں چندھیا جائیں گی اور چاند گہنا دیا جائے گا اور سورج چاند کو جمع کر دیا جائے گا۔ (القیامة: ٦ تا ٨)

٤۔ جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔ تارے بے نور ہو جائیں گے۔ پہاڑ چلائے جائیں گے۔ (التکویر: ١ تا ٣)

يَوْمَئِذٍ	يَّتَّبِعُوْنَ	الدَّاعِيَ	لَا عِوَجَ	لَهٗ ۚ	وَ	خَشَعَتِ
اس دن	وہ پیچھے چلیں گے	بلانے والا	نہیں کجی ہوگی	اس کے لیے		اور پست ہو جائیں گی
الْاَصْوَاتُ	لِلرَّحْمٰنِ	فَلَا	تَسْمَعُ	اِلَّا	هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾	يَوْمَئِذٍ
آوازیں	رحمٰن کے سامنے	چنانچہ نہ	آپ سنیں گے	سوائے	آہٹ کے	اس دن
لَّا تَنْفَعُ	الشَّفَاعَةُ	اِلَّا	مَنْ	اَذِنَ	لَهُ	الرَّحْمٰنُ
نہیں نفع دے گی	کوئی سفارش	مگر	جس کو	اجازت دے گا	اسے	رحمٰن
وَرَضِيَ	لَهٗ	قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾	يَعْلَمُ	مَا بَيْنَ	اَيْدِيْهِمْ	وَمَا
اور پسند کرے گا	اس کے لیے	بات کرنا	وہ جانتا ہے	جو کچھ ان	کے سامنے ہے	اور جو کچھ
خَلْفَهُمْ	وَلَا	يُحِيْطُوْنَ	بِهٖ	عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾		
ان کے پیچھے ہے	اور نہیں	احاطہ کر سکتے	ساتھ اس کے	علم		

”اس دن سب لوگ منادی کی پکار پر چلے آئیں گے کوئی اکڑ نہ دکھا سکے گا۔ رحمان کے آگے آوازیں دب جائیں گی ایک سرسراہٹ کے سوا تم کچھ نہ سنو گے۔ (۱۰۸) اس دن سفارش کارگر نہ ہوگی الاّ یہ کہ کسی کو رحمان سفارش کی اجازت دے اور اس کی بات سننا پسند کرے۔ (۱۰۹) وہ لوگوں کا اگلا پچھلا حال جانتا ہے اور دوسروں کو اس کا علم نہیں۔“ (۱۱۰)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ محشر کے دن لوگوں کی حالت۔

جونہی اسرافیل صور میں پھونک مارے گا تو جن وانس اس آواز کی طرف بھاگے جا رہے ہوں گے۔ اُس آواز میں اس قدر کشش اور خوف ہوگا کہ کوئی شخص دائیں، بائیں جانے اور اِدھر اُدھر دیکھنے کی بجائے صرف اس آواز کی طرف ہی سرپٹ چلا جا رہا ہوگا۔ لوگوں پر محشر کا خوف اس قدر حاوی ہوگا کہ کوئی بھی رب رحمان کے سامنے اونچی بولنے کی سکت نہیں کر پائے گا۔ لوگ اس قدر خوفزدہ ہوں گے کہ ان کے چلنے اور بولنے کی آواز ایک سرسراہٹ کے سوا کچھ نہیں ہوگی۔ اُس دن مشرک اور کافر کو کسی کی سفارش کچھ فائدہ نہیں دے گی اور نہ کوئی ان کے حق میں سفارش کر سکے گا۔ البتہ ایسے لوگوں کے لیے سفارش کرنے والے کی سفارش مفید ثابت ہوگی جن سے بتقاضائے بشریت چھوٹے بڑے گناہ ہوئے ہوں گے مگر ان کے لیے بھی وہی شخص سفارش کر پائے گا جس کو رب رحمان اجازت دے گا اور سفارشی وہی انداز اور الفاظ اختیار کرے گا۔ جیسے اللہ تعالیٰ سننا پسند فرمائیں گے۔ اس فرمان میں ایک طرف یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اے لوگو! آج تم داعی حق کی بات سننے اور قبول کرنے

کے لیے تیار نہیں ہو۔لیکن ایسا وقت آنے والا ہے کہ جب تم ایک داعی کی آواز پر بے چوں وچراں اپنے رب کے حضور دوڑے چلے آؤ گے۔لیکن مجرموں کو اُس دن داعی کی دعوت قبول کرنے کا عذاب کے سوا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ یہاں مجرموں کے اس عقیدہ کی نفی بھی کر دی گئی ہے۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ قیامت کے دن ہمارے معبود اور بزرگ ہمیں اللہ کی گرفت سے بچالیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی سفارش کو مسترد نہیں کر پائے گا۔ان کی نفی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، بزرگ ہو یا اللہ کا رسول۔کوئی بھی رب رحمان کی اجازت کے بغیر اُس کے حضور سفارش کرنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔سفارش وہی کر سکے گا جسے رحمان اپنے کرم سے اجازت عطا فرمائے گا۔اجازت ملنے کے باوجود سفارش کرنے والا اُسی کے حق میں سفارش کر پائے گا جس کے لیے اللہ تعالیٰ اجازت مرحمت فرمائے گا۔اس کے لیے یہ شرط بھی لازم ہوگی کہ وہ وہی الفاظ اور انداز اختیار کرے جو انداز اور الفاظ آدابِ خداوندی کے مطابق ہوں گے۔کسی کو سفارش کرنے کی اجازت دینے کا یہ معنیٰ نہیں کہ اللہ تعالیٰ مجرم کے حالات سے بے خبر ہوگا۔وہ تو لوگوں کے ماضی،حال اور مستقبل کو پوری طرح جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کا کوئی بھی احاطہ نہیں کر سکتا۔غلط سفارش کی نفی کرتے ہوئے قرآن مجید نے گفتگو کا ایسا پُر جلال اور دوٹوک انداز اختیار فرمایا ہے جس میں ابہام کا دور دور تک تصور نہیں پایا جاتا۔اس نفی میں اس قدر انتباہ اور خوف کا انداز پایا جاتا ہے کہ جس کے دل میں کھوٹ اور اس کے سامنے کوئی مفاد نہیں وہ اس عقیدہ کے خلاف زبان کھولنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

آئیں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے ان پر ایمانداری کے ساتھ غور کریں۔

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ [البقرۃ:٢٥٥]

کون ہے جو اسکی جناب میں اسکی اجازت کے بغیر سفارش کرے۔

﴿یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا۝﴾ [طٰہٰ: ١٠٩]

”اس روز شفاعت فائدہ مند نہ ہوگی، اِلا یہ کہ کسی کو رحمان اس کی اجازت دے اور اسکی بات سننا پسند کرے۔“

﴿یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا۝ ذٰلِكَ الْیَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ مَاٰبًا۝﴾ [النبا:٣٨تا ٣٩]

”جس دن جبریل اور ملائکہ صف بستہ کھڑے ہونگے کوئی نہ بولے گا سوائے اس کے جسے رحمان اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے۔وہ دن برحق ہے اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف پلٹنے کا راستہ اختیار کرے۔“

﴿یَوْمَئِذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَهٗ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۝ یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا۝﴾ [طٰہٰ: ١٠٨،١٠٩]

”اس روز سب لوگ منادی کی پکار پر سیدھے چلے آئیں گے کوئی ذرا اکڑ نہ دکھا سکے گا اور آوازیں رحمان کے آگے دب جائیں گی ایک سرسراہٹ کے سوا تم کچھ نہ سنو گے۔اس روز شفاعت فائدہ مند نہ ہوگی اِلا یہ کہ کسی کو رحمان

اسکی اجازت دے اور اسکی بات سننا پسند کرے۔“

﴿اَ یُشْرِکُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْأً وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ ٭ وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ٭ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَی الْهُدٰی لَا یَتَّبِعُوْکُمْ سَوَآءٌ عَلَیْکُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ٭ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ٭﴾ [الاعراف: ۱۹۱تا۱۹٤]

”کیسے نادان ہیں یہ لوگ کہ ان کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔ جو نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی مدد ہی پر قادر ہیں۔ اگر تم انہیں سیدھی راہ پر آنے کی دعوت دو تو وہ تمہارے پیچھے نہ آئیں تم خواہ انہیں پکارو یا خاموش رہو دونوں صورتوں میں تمہارے لیے یکساں ہی ہے۔ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جنہیں پکارتے ہو وہ تو محض بندے ہیں جیسے تم بندے ہو۔ ان سے مانگ کر دیکھو یہ تمہاری دعاؤں کا جواب دیں اگر ان کے بارے میں تمہارے خیالات صحیح ہیں۔“

روز محشر نیک لوگوں کی سفارش گنہگاروں کے بارے میں سو فیصد برحق ہے۔ شفاعت کا انکار کرنا کسی صاحب علم کے لیے ممکن نہیں مگر کچھ علما یہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے شعوری یا غیر شعوری طور پر ان اصولوں کو فراموش کر دیتے ہیں حالانکہ سفارش کرنے والا بال برابر بھی ان سے انحراف نہیں کر سکے گا۔

مسائل

۱۔ قیامت کے دن لوگ داعی کی آواز پر بے چوں وچراں اکٹھے ہوں گے۔

۲۔ کوئی شخص رب رحمان کے سامنے اونچی آواز سے بولنے کی سکت نہیں پائے گا۔

۳۔ قیامت کے دن کوئی بھی رب رحمان کی اجازت کے بغیر سفارش نہیں کر سکے گا۔

۴۔ سفارش کرنے والا رب رحمان کی اجازت کے مطابق ہی سفارش کرے گا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے علم کا کوئی بھی احاطہ نہیں کر سکتا۔

تفسیر بالقرآن

سفارش کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ضابطے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر سفارش نہیں ہو سکے گی۔ (البقرۃ:۲۵۵)

۲۔ سفارش بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوگی۔ (النبا:۳۸)

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنی پسند کی بات ہی قبول فرمائیں گے۔ (طٰہٰ:۱۰۹)

وَعَنَتِ	الْوُجُوْهُ	لِلْحَيِّ	الْقَيُّوْمِ	وَقَدْ	خَابَ	مَنْ
اور جھک جائیں گے	چہرے	زندہ رہنے والا	قائم	اور تحقیق	وہ ناکام ہوا	جس نے
حَمَلَ	ظُلْمًا ﴿١١١﴾	وَمَنْ	يَّعْمَلْ	مِنَ	الصّٰلِحٰتِ	وَهُوَ
اس نے بوجھ اُٹھایا	ظلم	اور جو شخص	وہ عمل کرے گا	سے	نیک	جب کہ وہ
مُؤْمِنٌ	فَلَا	يَخٰفُ	ظُلْمًا	وَّلَا	هَضْمًا ﴿١١٢﴾	
مومن ہو	تو نہیں	وہ ڈرے گا	ناانصافی سے	اور نہ	حق تلفی سے	

''لوگوں کے چہرے اس ہمیشہ زندہ اور ہمیشہ قائم رہنے والے کے آگے جھک جائیں گے یقیناً وہ شخص ناکام ہوگا جو ظلم کا بار اٹھائے ہوئے ہوگا۔(١١١)اور اس شخص کو کسی ظلم یا حق تلفی کا خطرہ نہیں ہوگا جو نیک عمل کرے اور وہ مومن ہو۔''(١١٢)

فہم القرآن

ربط کلام: محشر کے دن لوگوں کی جسمانی کیفیت۔

حشر کے دن نا صرف لوگوں کی آواز پست ہوگی بلکہ ہر کوئی ''رَبِّ نَفْسِیْ ،رَبِّ نَفْسِیْ'' کہتا ہوا رب ذوالجلال کے سامنے جھکا جا رہا ہوگا۔ لیکن اس وقت جھکنے اور معافی مانگنے کا ظالم کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی دو صفات کا ذکر فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ لوگو! تم قیامت کا انکار کرو یا اقرار۔ بہر صورت تمھیں اُس رب کے حضور پیش ہونا ہے جو ہمیشہ سے زندہ اور قائم رہنے والا ہے۔ اُس کی ذات ،صفات اور اقتدار میں کبھی کمزوری واقع ہوئی اور نہ ہوگی۔ بالآخر تمھیں اسی ذات کے سامنے جھکنا اور پیش ہونا ہے۔ لیکن یاد رکھو جو شخص دنیا میں اس کی ذات اور حکم کے سامنے نہ جھکا اسے قیامت کے دن جھکنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ہر ظالم اپنے گناہوں کا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہوگا۔ ہاں جس شخص نے حقیقی ایمان کے ساتھ صالح اعمال اختیار کیے اُسے کسی ظلم یا حق تلفی کا خطرہ نہیں ہوگا۔ گویا کہ ظالم کو اس کے ظلم کی سزا اور نیک کو اس کی نیکی کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ یہاں ظلم سے پہلی مراد کفر اور شرک ہے جو کسی صورت بھی معاف نہیں ہوگا۔ اسی بات کو قرآن مجید نے اس طرح بھی بیان فرمایا کہ جس نے ذرہ برابر نیکی کی وہ اسے پائے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی وہ بھی اُسے اپنے سامنے پائے گا۔(الزلزال:٧۔٨)

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ اور قائم ودائم ہے اور وہ ہمیشہ زندہ اور قائم دائم رہے گا۔

٢۔ جس نے ظلم کیا وہ نامراد ہوگا۔

٣۔ جس نے حقیقی ایمان کے ساتھ نیک اعمال کیے اسے کسی زیادتی یا حق تلفی کا اندیشہ نہیں ہوگا۔

وَكَذٰلِكَ	اَنْزَلْنٰهُ	قُرْاٰنًا	عَرَبِيًّا	وَّصَرَّفْنَا	فِيْهِ	مِنَ
اوراسی طرح	ہم نے اس کونازل کیا	قرآن	عربی	اورہم نے پھیر کر بیان کیں	اس میں	سے
الْوَعِيْدِ	لَعَلَّهُمْ	يَتَّقُوْنَ	اَوْ	يُحْدِثُ	لَهُمْ	ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾
وعیدیں	تاکہ وہ	وہ تقویٰ اختیار کریں	یا	پیدا کردے	ان کے لیے	نصیحت
فَتَعٰلَى	اللّٰهُ	الْمَلِكُ	الْحَقُّ ج	وَلَا	تَعْجَلْ	بِالْقُرْاٰنِ
پس بلند تر	اللہ	بادشاہ	برحق	اور نہ	آپ جلدی کریں	قرآن میں
مِنْ	قَبْلِ	اَنْ	يُّقْضٰٓى	اِلَيْكَ	وَحْيُهٗ ز	وَقُلْ
سے	پہلے	یہ کہ	پوری کی جائے	آپ کی طرف	اس کی وحی	اور کہیں
رَّبِّ	زِدْنِىْ	عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾				
اے میرے رب!	مجھے زیادہ کر	علم میں				

”اورا ے نبی ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے اوراس میں طرح طرح کی تنبیہات کی ہیں شاید یہ لوگ کج روی سے باز آئیں یاان میں ہوش سے کام لیں۔(۱۱۳) اللہ بادشاہ حقیقی بلند وبالا ہے۔قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کرو جب تک کہ آپ کی طرف اس کی وحی مکمل نہ ہو جائے اوردعا کرو کہ اے پروردگار مجھے مزید علم عطا فرما۔“(۱۱۴)

فہم القرآن

ربط کلام: اس خطاب کے آخر میں نزولِ قرآن کا مقصد بیان کرتے ہوئے رسول محترم ﷺ کو حصولِ علم کے آداب اور ایک دعا سکھائی گئی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے براہِ راست اوراوّلین مخاطب عرب تھے جن کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا۔نزول قرآن کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کر کے کفر وشرک اور ہر قسم کے گناہ سے بچنے کی کوشش کریں۔معلوم ہونا چاہیے کہ لوگ جس رب کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں وہ کسی نسبت اورحوالے سے بھی اللہ تعالیٰ کے شریک نہیں ہو سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ مقام، شان، ذات اوراپنی صفات کے لحاظ سے اعلیٰ وارفع ہے۔وہی بادشاہِ حقیقی ہے اس کی مِلک اور حکمرانی میں نہ کائنات میں کوئی شریک کار ہے اورنہ آخرت میں کوئی شریک ہوگا۔اس حقیقت کے باوجود اگر لوگ اللہ تعالیٰ کو بلاشرکت غیرالٰہ نہیں مانتے تو آپ کو نزول قرآن کے بارے میں عجلت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کو اپنی حکمت کے ساتھ وقفہ وقفہ کے ساتھ نازل کر رہا ہے تاکہ آپ کو اس کے ابلاغ اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے میں کوئی دِقت پیش نہ آئے۔ عجلت سے کام لینے کی بجائے آپ کو اپنے رب کے حضور مسلسل دعا کرنی چاہیے۔ اے میرے پروردگار! میرے علم میں مزید اضافہ فرما۔ نزولِ قرآن کے بارے میں آپ کی طرف سے جلدی کرنے کا دوسرا مطلب مفسرین نے یہ لیا ہے کہ نزول قرآن کے ابتدائی دور میں آپ ﷺ اس غرض کے ساتھ جلدی جلدی تلاوت کرتے کہ کہیں وحی کا کوئی حصہ عدم ضبط کا شکار نہ ہو جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو "رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا" کی دعا سکھلانے کے ساتھ یہ بھی ہدایت فرمائی کہ ضبط قرآن کی فکر میں اپنی زبان کو جلدی جلدی حرکت دینے کی ضرورت نہیں۔ آپ غور سے سنتے جائیں آپ کو قرآن مجید ضبط کروانا اور آپ کی زبان اطہر سے اس کا ابلاغ کروانا ہماری ذمہ داری ہے۔ (القیٰمۃ:۱۷) سورہ اعلیٰ میں فرمایا۔ ہم آپ پر قرآن پڑھیں گے اور آپ بھول نہیں پائیں گے۔ [اعلیٰ:٦]

((حَدَّثَنَا أَبُو مُصْعَبٍ الْمَدَنِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمُھَیْمِنِ بْنُ عَبَّاسِ بْنِ سَھْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِیِّ عَنْ أَبِیهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اَلْأَنَاةُ مِنَ اللَّهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّیْطَانِ)) [رواہ الترمذی: باب ماجاء فی التانی]

"حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا بردباری اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔"

مسائل

۱۔ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے عربی زبان میں نازل فرمایا۔ ۲۔ قرآن مجید میں لوگوں کو ان کی برائیوں پر تنبیہات کی گئی ہیں۔

۳۔ قرآن مجید باعث نصیحت ہے۔ ۴۔ اللہ ذات اور صفات کے اعتبار سے سب سے بلند و بالا ہے۔

۵۔ کسی کام میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔ ٦۔ علم کے اضافے کے لیے رب کے حضور مسلسل دعا کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

علم اور اہل علم کی فضیلت:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو لکھنا سکھایا۔ (العلق:۴) ۲۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بولنا اور بیان کرنا سکھلایا۔ (الرحمٰن:۴)

۳۔ انسان کو رحمان نے قرآن سکھایا۔ (الرحمٰن:۲) ۴۔ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا۔ (البقرۃ:۳۱)

۵۔ فرشتوں نے بھی سب کچھ اللہ تعالیٰ سے سیکھا۔ (البقرۃ:۳۲)

٦۔ سدھائے ہوئے جانوروں کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ (المائدۃ:۴)

۷۔ اللہ نے اہل علم کے درجات کو بلند فرمایا ہے۔ (المجادلۃ:۱۱)

۸۔ کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں۔ (الزمر:۹)

قَبْلُ فَنَسِيَ	مِنْ	اٰدَمَ	اِلٰٓى	عَهِدْنَآ	وَلَقَدْ
پھر وہ بھول گیا / پہلے	سے	آدم	طرف	ہم نے عہد لیا	اور البتہ تحقیق

عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ع	نَجِدْ لَهٗ	وَلَمْ
عزم	ہم نے پایا اس میں	اور نہ

ع ٦ ١١ ١٥

”ہم نے اس سے پہلے آدم کو حکم دیا تھا مگر وہ بھول گیا اور ہم نے اس کے ارادے میں پختگی نہ پائی۔“(١١٥)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سے پہلے نبی ﷺ کو جلد بازی سے منع کیا گیا ہے۔ اب آدم علیہ السلام کے حوالے سے جلد بازی کی مثال اور اس کا نقصان ذکر کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں داخل کرتے وقت عہد لیا تھا کہ اے آدم علیہ السلام! تو اور تیری بیوی جنت میں قیام کرو۔ تمھیں اس بات کی کھلی اجازت ہے جہاں سے چاہو اور جو چاہو کھاؤ اور پیو۔ لیکن جس درخت کی نشاندہی کی گئی ہے اُس کے قریب نہیں جانا۔ اگر تم اس درخت کے قریب جاؤ گے تو ظالموں میں شمار ہوگے۔ (البقرۃ:٣٥) لیکن آدم علیہ السلام اس عہد کو بھول گئے اور اس پر استقامت نہ دکھا سکے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ موقع کی مناسبت سے قرآن مجید کے کئی مقامات پر بیان ہوا ہے۔ لیکن قرآن مجید کا حسنِ اسلوب ہے کہ کہیں بھی الفاظ اور انداز کا تکرار نہیں پایا جاتا۔ جہاں بھی یہ واقعہ بیان ہوا ہے اس کے الفاظ، انداز میں نمایاں فرق ہونے کے ساتھ ساتھ استدلال کی نئی شکل میں انسان کو رہنمائی کے لیے ایک الگ سبق دیا گیا ہے۔ جس کی اس موقع پر واضح مثال یہ ہے کہ قرآن مجید کے کسی دوسرے مقام پر حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں یہ بیان نہیں ہوا کہ آدم علیہ السلام نے درخت کے قریب جانے کی غلطی عزم بالجزم کے ساتھ کی تھی۔ صرف یہاں قرآن مجید نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ آدم علیہ السلام نے یہ خطا بھول کر کی تھی اور وہ اپنے کیے ہوئے عہد پر عزم دکھلانے میں ناکام رہے۔ کیونکہ آدم علیہ السلام بھول گئے ان کی اولاد بھی بھول جائے گی۔ [رواہ الترمذی: کتاب تفسیر القران ، باب ومن سورۃ المعوذتین]

مسائل

١۔ حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے اور بھول جانا انسان کی فطرت ہے۔ ٢۔ حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد پر قائم نہ رہ سکے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ کہاں کہاں بیان ہوا ہے:

١۔ حضرت آدم کی تخلیق کا اور ان کی خلافت کا اعلان۔ (البقرۃ:٣٠) ٢۔ حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ (نوح:١٧)
٣۔ حضرت آدم بدبودار مٹی سے پیدا کیے گئے۔ (الحجر:٢٦) ٤۔ انسان یعنی آدم علیہ السلام کو بجنے والی مٹی سے پیدا کیا۔ (الرحمٰن:١٤)
٥۔ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے۔ (آلِ عمران:٥٩)

وَ اِذْ	قُلْنَا	لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ	اسْجُدُوْا	لِاٰدَمَ	فَسَجَدُوْٓا
اور جب	ہم نے کہا	فرشتوں کے لیے	تم سجدہ کرو	آدم کے لیے	تو انھوں نے سجدہ کیا
اِلَّآ	اِبْلِیْسَ ؕ	اَبٰى ﴿۱۱۶﴾	فَقُلْنَا	یٰٓاٰدَمُ	اِنَّ هٰذَا
سوائے	ابلیس	اس نے انکار کیا	پس ہم نے کہا	اے آدم!	بلاشبہ یہ
عَدُوٌّ	لَّكَ	وَلِزَوْجِكَ	فَلَا	یُخْرِجَنَّكُمَا	مِنَ الْجَنَّةِ
دشمن ہے	تیرا	اور تیری بیوی کا	سو نہ	وہ تم دونوں کو نکلوا دے	سے جنت
فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾	اِنَّ	لَكَ	اَلَّا	تَجُوْعَ	فِیْهَا وَلَا
کہ تو مشقت میں پڑ جائے	بلاشبہ	تیرے لیے	یہ کہ نہ	تو بھوکا ہوگا	اس میں اور نہ
تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾	وَ اَنَّكَ	لَا	تَظْمَؤُا	فِیْهَا	وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾
تو ننگا ہوگا	اور بے شک تو	نہ	پیاسا ہوگا	اس میں	اور نہ تجھے دھوپ لگے گی

''یاد کرو وہ وقت جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کر دیا۔(۱۱۶) ہم نے آدم سے کہا کہ دیکھو کہ شیطان تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں جنت سے نکلوا دے اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔(۱۱۷) نہ تم بھوکے ننگے رہو گے۔(۱۱۸) نہ تمہیں پیاس اور دھوپ ستائے گی۔''(۱۱۹)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت آدم علیہ السلام کا اپنے عہد پر عزم بالجزم کے ساتھ قائم نہ رہنا شیطان کی وجہ سے تھا اور شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ شیطان کی دشمنی کی ابتداء اُس وقت ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر تمام ملائکہ جن میں ابلیس بھی شامل تھا حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ لیکن ابلیس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کھلے الفاظ میں بتلایا کہ اے آدم! شیطان تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے۔ خیال رکھنا کہیں وہ تم دونوں کو اس جنت سے نکلوا کر تمھیں دنیا کی مشقت میں نہ ڈال دے۔ بلاشبہ اس جنت میں نہ تو بھوکا رہے گا اور نہ ہی ننگا ہوگا اور اس جنت میں نہ تمھیں پیاس لگی اور نہ ہی تم پر دھوپ آئے گی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت بھی عیاں فرما دی کہ جنت میں تمھارے لیے ہر قسم کا آرام اور نعمتیں موجود ہیں۔ تمھیں صرف ایک درخت کے قریب جانے سے روکا گیا ہے اگر تم اس کے قریب جاؤ گے تو تمھیں جنت سے نکال باہر کیا جائے گا۔ جنت کے بعد تمھارا ٹھکانہ ایک مدت تک دنیا میں رہنا ہے۔ یہاں جنت کی

نعمتوں کا ذکر فرما کر دنیا کی مشقت کے بارے میں بتلا دیا گیا کہ دنیا میں بھوک، پیاس، دھوپ ہر قسم کی تلخی اور مشقت کا تمھیں سامنا کرنا پڑے گا۔ چنانچہ دنیا کی یہی حقیقت ہے کہ یہاں مومن کے لیے دکھ زیادہ اور سکھ تھوڑے ہیں۔ جنت میں صرف ایک پابندی تھی کہ درخت کے قریب نہیں جانا۔ دنیا میں مومن کے لیے بے شمار پابندیاں ہیں جن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے یوں فرمایا تھا۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَّ النَّبِيُّ ﷺ مُرَبَّعًا وَخَطَّ خَطًّا فِي الْوَسْطِ خَارِجًا مِّنْهُ وَخَطَّ خُطَطًا صِغَارًا إِلٰى هٰذَا الَّذِيْ فِي الْوَسْطِ مِنْ جَانِبِهِ الَّذِيْ فِي الْوَسْطِ وَقَالَ هٰذَا الْإِنْسَانُ وَهٰذَا أَجَلُهُ مُحِيْطٌ بِهِ أَوْ قَدْ أَحَاطَ بِهِ وَهٰذَا الَّذِيْ هُوَ خَارِجٌ أَمَلُهُ وَهٰذِهِ الْخُطَطُ الصِّغَارُ الْأَعْرَاضُ فَإِنْ أَخْطَأَهُ هٰذَا نَهَشَهُ هٰذَا وَإِنْ أَخْطَأَهُ هٰذَا نَهَشَهُ هٰذَا)) [رواه البخاری: کتاب الرقاق، باب فی الأمل وطوله]

”حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے ایک مربع نما لکیر کھینچی اور اس کے درمیان باہر تک لکیر لگائی پھر اس درمیانی لکیر کے اردگرد چھوٹی چھوٹی لکیریں کھینچیں اور فرمایا یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے اور جو اس خانے سے باہر لکیر ہے یہ اس کی خواہشات ہیں اور یہ چھوٹی لکیریں آفات ہیں اگر ایک سے بچتا ہے تو دوسری اسے دبوچ لیتی ہے۔ اس سے بچتا ہے تو کوئی اور اسے آلیتی ہے۔“

مسائل

١۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ ٢۔ شیطان آدم، حوا اور ان کی اولاد کا ازلی دشمن ہے۔
٣۔ جنت میں بھوک، پیاس، دھوپ، مشقت نہیں ہوگی اور نہ کوئی شخص بے لباس ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

جنت کی نعمتوں کی ایک جھلک:

١۔ ہم ان کے دلوں سے کینہ نکال دیں گے اور سب ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے۔ انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے۔ (الحجر: ۴۷۔۴۸)
٢۔ جس جنت کا مومنوں کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اور اس کے پھل اور سائے ہمیشہ کے لیے ہوں گے۔ (الرعد: ۳۵)
٣۔ جنت میں بے خار بیریاں، تہہ بہ تہہ کیلے، لمبے سائے، چلتا ہوا پانی، اور کثرت سے میوے ہوں گے۔ (الواقعۃ: ۲۸ تا ۳۰)
٤۔ جنت کے میوے جھک رہے ہوں گے۔ (الحاقۃ: ۲۳)
٥۔ جنت میں نیچی نگاہ رکھنے والی حوریں ہوں گی جنہیں کسی جن وانس نے چھوا تک نہیں ہوگا۔ (الرحمٰن: ۵۶)
٦۔ جنت میں محبت کرنے والی ہم عمر حوریں ہوں گی۔ (الواقعہ: ۳۷)

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ
پھر وسوسہ ڈالا اس کی طرف شیطان اس نے کہا اے آدم! کیا میں تجھے بتلاؤں

عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿١٢٠﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا
پر درخت ہمیشگی کے اور ایسی بادشاہی پر جو ختم نہ ہو؟ چنانچہ ان دونوں نے کھایا اس میں سے

فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا
تو ظاہر ہوگئیں ان کے لیے ان دونوں کی شرمگاہیں اور وہ شروع ہوئے چپکانے اپنے آپ پر

مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿١٢١﴾
سے پتے جنت کے اور نافرمانی کی آدم نے اپنے رب کی بس وہ بھٹک گیا

”شیطان اس کے دل میں ولولہ پیدا کرتے ہوئے کہنے لگا اے آدم کیا بتاؤں تمہیں وہ درخت جس سے ابدی زندگی اور لازوال سلطنت حاصل ہوتی ہے؟ (١٢٠) پس دونوں میاں بیوی نے اس درخت کا پھل کھالیا فوراً ہی وہ ایک دوسرے کے سامنے ننگے ہو گئے اور دونوں اپنے آپ کو جنت کے پتوں سے ڈھانپنے لگے آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہ راست سے بھٹک گیا۔“ (١٢١)

فہم القرآن

ربط کلام: شیطان کا حضرت آدم علیہ السلام کو پھسلانے میں کامیاب ہونا۔

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام بڑے آرام و سکون کے ساتھ جنت میں رہ رہے تھے۔ جہاں چاہتے، جو چاہتے، کھاتے پیتے اور ہر جگہ ملائکہ انہیں آداب و سلام پیش کرتے۔ شیطان سے یہ منظر دیکھا نہیں جاتا تھا۔ اُس نے اپنے خبث باطن اور ازلی دشمنی کی بنا پر حضرت آدم علیہ السلام کو یہ کہہ کر ورغلانا شروع کیا کہ جناب آدم! بے شک آپ جنت میں عیش وعشرت کے ساتھ رہ رہے ہیں لیکن یہ چار دن کی بات ہے بالآخر تجھے اس سے نکال باہر کیا جائے گا۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اُس درخت کے متعلق بتلاؤں جسے کھا کر آپ ایسی بادشاہی پائیں گے جسے کبھی زوال نہ ہوگا۔ مگر حضرت آدم علیہ السلام شیطان کی باتوں میں آنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ نامعلوم کتنا عرصہ شیطان کس کس انداز کے ساتھ انھیں ورغلانے کی کوشش کرتا رہا۔ بالآخر ایک دن آدم علیہ السلام کو یہ کہہ کر ورغلانے میں کامیاب ہوا کہ اے آدم علیہ السلام! مجھے اپنے رب کی قسم ہے کہ میں مخالفت کی بجائے آپ کو اخلاص اور خیر خواہی کے ساتھ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ اس درخت کا پھل کھائیں تاکہ ہمیشہ ہمیش کے لیے جنت کے وارث بن جائیں۔ حضرت آدم علیہ السلام شیطان کی قسموں پر یقین کر بیٹھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو فراموش کر دیا جس کی پاداش میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کا جنتی لباس اُتر گیا اور وہ برہنہ ہوگئے۔ جونہی وہ برہنہ ہوئے جنت کے پتے توڑ کر اپنی

شرمگاہوں کو چھپانے لگے۔ جب جنت کے پتوں سے اپنی شرمگاہوں کو ڈھانپتے ہوئے گھبراہٹ کے عالم میں اِدھر اُدھر بھاگے پھر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں آواز دی کہ اے آدم علیہ السلام کیا میں نے تمھیں اس درخت کے قریب جانے سے نہیں روکا تھا؟ اور کیا میں نے تمھیں نہیں بتلایا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان سنتے ہی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام اپنے رب سے یہ کہہ کر معافی مانگنے لگے:

﴿قَالَ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [الاعراف: ۲۳]

کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے اگر تو نے ہم کو معاف نہ کیا اور رحم نہ فرمایا تو ہم ہر صورت نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ شیطان نے پہلے حضرت حوا علیہا السلام کو ورغلایا تھا اور حضرت حوا علیہا السلام نے حضرت حضرت آدم علیہ السلام کو پھسلایا۔ قرآن مجید اس کی تائید کرنے کی بجائے کھلے الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ شیطان نے براہِ راست حضرت آدم علیہ السلام کو ورغلایا تھا۔

مسائل

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام کو شیطان پھسلانے میں کامیاب ہوگیا۔
۲۔ جونہی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام نے ممنوعہ درخت کا پھل کھایا تو ان کا لباس اُتر گیا۔
۳۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام شرم کے مارے اپنی شرمگاہوں کو جنت کے پتوں سے ڈھانپنے لگے۔

تفسیر بالقرآن

شیطان انسان کا ابدی دشمن ہے:

۱۔ شیطان نے آدم اور حوا کو پھسلا دیا۔ (البقرۃ: ۳۶)
۲۔ شیطان نے قیدی کو حضرت یوسف کا تذکرہ کرنا بھلا دیا۔ (یوسف: ۴۲)
۳۔ شیطان نے حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کے درمیان اختلاف ڈلوا دیا۔ (یوسف: ۱۰۰)
۴۔ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ (یوسف: ۵)
۵۔ شیطان کو اپنا دشمن سمجھ کر اس کی شیطنت سے بچنا چاہیے۔ (فاطر: ۶)

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿١٢٢﴾ قَالَ

پھر اسے برگزیدہ کیا اس کے رب نے اور توجہ کی اس پر اور اسے ہدایت دی فرمایا

اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا

تم دونوں اتر جاؤ اس سے اکٹھے تمھارا بعض ایک دوسرے کے لیے دشمن چنانچہ اگر

يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا

آئے تمھارے پاس میری طرف سے ہدایت تو جس شخص نے پیروی کی میری ہدایت کی سو نہ

يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿١٢٣﴾

وہ گمراہ ہوگا اور نہ وہ مشقت میں پڑے گا

''پھر اس کے رب نے اسے برگزیدہ کیا اور اس کی توبہ قبول کرلی اور اس کی راہنمائی فرمائی۔ (١٢٢) اور فرمایا تم یہاں سے اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو جب میری طرف سے تمھیں کوئی ہدایت پہنچے۔ جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا نہ بدبخت ہوگا۔'' (١٢٣)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت آدم کے بارے میں گفتگو جاری ہے چنانچہ حضرت حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہو جانے کے باوجود انھیں زمین پر اتر جانے کا حکم۔

پہلی آیات میں بیان ہوا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو شیطان نے ورغلایا تھا مگر آدم علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور توبہ کی اُاللہ تعالیٰ نے اُس کی توبہ قبول کی اور اپنی ہدایت سے نوازا۔ حضرت حوا علیہا السلام، حضرت آدم علیہ السلام کے ماتحت تھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام سے خطا کروانے والا ابلیس تھا۔ اس لیے تینوں کو حکم ہوا کہ تم زمین پر اُتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ تاہم آدم علیہ السلام کو فرمایا کہ جب تمھارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے جس نے میری ہدایت کی پیروی کی نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ ہی قیامت کے دن اُسے کوئی تکلیف پہنچے گی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری توبہ قبول ہوئی لیکن آسمان سے اترنا تمہارا یقینی ہے لہٰذا جنت سے نکل جاؤ اور تم زمین پر جا کر شیطان کی سازشوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داریاں احسن طریقہ سے نبھانے کی کوشش کرو۔ یاد رکھنا تمہارا زمین پر جانے کا یہ معنٰی نہیں کہ تم شتر بے مہار کی طرح جدھر چاہو نکل کھڑے ہو بلکہ تمہیں ایک دستورِ حیات اور مسلسل ہدایات دی جائیں گی۔

جس نے اس نصیحت اور دستور حیات سے منہ پھیر لیا اُس کے لیے اس کی زندگی تنگ کر دوں گا اور اُسے قیامت کے دن

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا

اور جس نے اعراض کیا | سے | میری یاد سے | تو بلاشبہ | اس کے لیے | گزران ہوگی | تنگ

وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿١٢٤﴾

اور ہم اسے اُٹھائیں گے | دن | قیامت | اندھا

''اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔'' (۱۲۴)

اندھا کر کے اُٹھائیں گے۔ اعراض سے مراد کفر و شرک اور کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنا ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں کشادہ دست ہونے کے باوجود پریشان رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے رزق سے برکت اُٹھالیتا ہے۔ سب کچھ ہونے کے باوجود یہ دنیا کے حصول کے لیے ہلکان رہتے ہیں۔ انھیں دل کی تونگری حاصل نہیں ہوتی۔ جس کی وجہ سے بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی ان کے مال کی ہوس دن بدن بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ قبر کنارے پہنچ جاتے ہیں۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَیْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ ، وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ))
[رواه البخاری: باب الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تونگری دولت کی بہتات سے نہیں بلکہ دل کے غنٰی سے حاصل ہوتی ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی نصیحت سے منہ پھیرنے والے ہمیشہ تنگ رہتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ دنیا پرست لوگوں کو قیامت کے دن اندھا کر کے اُٹھائے گا۔

تفسیر بالقرآن

ذکر کا مفہوم اور اُس کے فائدے:

۱۔ قرآن ذکر ہے۔ (الحجر:۹) ۲۔ نماز ذکر ہے۔ (العنکبوت:۴۵)

۳۔ اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ (الرعد:۲۸) ۴۔ نصیحت ذکر ہے۔ (طٰہٰ:۱۴۴)

۵۔ اللہ کے ذکر سے غافل لوگوں پر شیطان کا تسلط ہوتا ہے۔ (الزخرف:۳۶)

۶۔ صبح اور شام کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو۔ (آل عمران:۴۱) ۷۔ اے ایمان والو! کثرت سے اللہ کو یاد کرو۔ (الاحزاب:۴۱)

۸۔ اللہ کو کثرت کے ساتھ یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (الجمعۃ:۱۰)

۹۔ اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والوں کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ (الاحزاب:۳۵)

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيٓ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿١٢٥﴾

اس نے کہا اے میرے رب! کیوں تو نے مجھے اُٹھایا اندھا اور تحقیق میں تھا دیکھنے والا؟

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ

اس نے کہا اسی طرح تیرے پاس آئی تھی ہماری نشانیاں تو تو انھیں بھول گیا تھا اور اسی طرح

الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿١٢٦﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ

آج کے دن تو بھی بھلا دیا جائے گا اور اسی طرح ہم سزا دیں گے اس شخص کو جو وہ حد سے بڑھ گیا اور نہ

يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿١٢٧﴾

وہ ایمان لایا آیتوں پر اپنے رب کی اور عذاب آخرت کا زیادہ سخت ہے اور زیادہ باقی رہنے والا

”وہ کہے گا پروردگار دنیا میں تو میں دیکھتا تھا اب مجھے اندھا کیوں اٹھایا ہے؟ (١٢٥) اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں اس لیے کہ جب ہماری آیات تیرے پاس آئی تھیں تو نے بھلا دیا تھا۔ (١٢٦) اسی طرح آج تو بھلایا جا رہا ہے ہم حد سے گزرنے والے اور اپنے رب کی آیات نہ ماننے والے کو اسی طرح سزا دیتے ہیں اور آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ دیر پا ہے۔“ (١٢٧)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ میرے ذکر کو نہ بھولنا جس نے اپنے رب کے ذکر اور نصیحت کو بھولا دیا اس کی سزا یہ ہوگی کہ اُسے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھایا جائے گا اور وہ اپنے رب سے ان الفاظ میں فریاد کرے گا۔

جس شخص کو قیامت کے دن اندھا کر کے اُٹھایا جائے گا وہ اپنے رب کے حضور التجا کی صورت میں سوال کرے گا کہ میرے رب مجھے آج اندھا کر کے کیوں اُٹھایا گیا ہے۔ جبکہ دنیا میں میں سب کچھ دیکھا کرتا تھا۔ رب ذوالجلال کی طرف سے اسے جواب دیا جائے گا کہ یہ سزا تجھے اس لیے دی گئی ہے کیونکہ تو نے ہماری آیات کو بھلا دیا تھا۔ اس لیے آج تمھیں بھی بھلا دیا گیا ہے۔ یہ اُس شخص کی سزا ہے جس نے حدود سے تجاوز کیا اور اپنے رب کے احکام کو ماننے سے انکار کر دیا۔ آخرت کا عذاب بہت سخت اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ پہلی آیت میں اس شخص کی سزا دنیا کی تنگی کے حوالے سے بیان ہوئی۔ اُس کے مقابلے میں یہاں فرمایا کہ دنیا کے مقابلے میں آخرت کی تنگی اذیت ناک عذاب کی صورت میں ہوگی جو ہمیشہ رہنے والا ہوگا۔ دوسرا اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُسے یہ بتلایا جائے گا کہ تو اندھا ہونے پر پریشانی کا اظہار کر رہا ہے۔ یہ تو تیری پریشانی کی ابتداء ہے۔ اس کے بعد جو تجھے سزا ملنے والی ہے وہ بڑی ہی سخت اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ سے جب فریاد کریں گے تو انھیں یہ کہہ کر ٹھکرا دیا جائے گا کہ آج تمھیں اس طرح ہی فراموش کیا جاتا ہے۔ جس طرح تم نے دنیا میں اپنے رب اور اس کے احکام کو فراموش کیا تھا۔

مسائل

١۔ اللہ اور اس کے احکام کو فراموش کرنے والے کو قیامت کے دن فراموش کر دیا جائے گا۔

٢۔ اللہ کو فراموش کرنے والے کو قیامت کے دن اندھا کر کے اُٹھایا جائے گا۔

اَفَلَمْ	يَهْدِ	لَهُمْ	كَمْ	اَهْلَكْنَا	قَبْلَهُمْ
کیا پھر نہیں	رہنمائی کی	ان کی	کتنی	ہم نے ہلاک کیں	ان سے پہلے
مِّنَ	الْقُرُوْنِ	يَمْشُوْنَ	فِيْ	مَسٰكِنِهِمْ ؕ	اِنَّ فِيْ
سے	قومیں	وہ لوگ چلتے ہیں	میں	ان کے مکانوں؟	بے شک میں
ذٰلِكَ	لَاٰيٰتٍ	لِّاُولِي	النُّهٰى ۝١٢٨ ع	وَلَوْلَا كَلِمَةٌ	سَبَقَتْ
اس	البتہ نشانیاں ہیں	کے لیے اہل	عقل	اور اگر نہ ہوتی ایک بات	جو پہلے ہو چکی ہے
مِنْ	رَّبِّكَ	لَكَانَ	لِزَامًا	وَّ اَجَلٌ	مُّسَمًّى ۝١٢٩ ؕ
سے	آپ کے رب کی طرف	تو ہو جاتا	چمٹنے والا	اور میعاد	مقرر

ع ۱

”کیا ان لوگوں کو کوئی راہنمائی حاصل نہ ہوئی کہ ان سے پہلے ہم کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کی بستیوں میں آج یہ چلتے پھرتے ہیں؟ درحقیقت اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھنے والے ہیں۔ (۱۲۸) اگر تیرے رب کی طرف سے پہلے ایک بات طے نہ کر دی گئی ہوتی اور مہلت کی ایک مدت مقرر نہ کی جا چکی ہوتی تو ضرور ان کا بھی فیصلہ چکا دیا جاتا۔“ (۱۲۹)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کے احکام سے انحراف کرنے والوں کو نا صرف آخرت میں عذاب ہوگا بلکہ انھیں دنیا میں بھی کسی نہ کسی صورت عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

مشرکین مکہ کے سامنے جب آخرت کے عذاب اور پہلی قوموں کی تباہی کا ذکر کیا جاتا تو وہ نبی اکرم ﷺ کو چیلنج کے انداز میں کہتے کہ جس عذاب سے آپ ہمیں ڈراتے ہیں۔ اُس کے آنے میں کیا رکاوٹ ہے؟ اس پر انہیں سمجھایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہر کام کا وقت مقرر کر رکھا ہے اسی طرح ہی مجرم کی گرفت اور عذاب کا وقت متعین کیا ہوا ہے۔ اس میں آگا پیچھا نہیں ہوتا۔ اگر یہ وقت مقرر نہ کیا ہوتا تو ان لوگوں پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہوتا۔ کیونکہ ان کے اعمال ان لوگوں جیسے ہو چکے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے عذاب نازل کیا تھا۔ کیا ان لوگوں کے لیے یہ دلیل کافی نہیں کہ ان سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بہت سی قوموں کو ہلاک کیا۔ جن کے رہنے سہنے کی جگہوں پر یہ چلتے پھرتے ہیں۔ اگر یہ عقل سے کام لیں تو ان کے لیے رہنمائی کے دلائل موجود ہیں۔ ”قَرْنٌ“ کی جمع ”قُرُوْنَ“ ہے۔ ”قَرْنَ“ کے بارے میں اہل علم کے تین خیالات ہیں۔

۱۔ قرنُ سے مراد ”ایک سو سال“ ۲۔ ”انسانوں کی ایک نسل“ ۳۔ کسی قوم کا مخصوص دور۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کا وقت مقرر کر رکھا ہے۔ ۲۔ افراد اور قوموں کی تباہی کا وقت بھی متعین ہے۔

۳۔ اگر عقل سے کام لیا جائے انسان کی ہدایت کے لیے تاریخ اور جغرافیہ کے حوالے کافی ہیں۔

فَاصۡبِرۡ عَلٰى مَا يَقُوۡلُوۡنَ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ
چنانچہ صبر کیجیے پر جو وہ کہتے ہیں اور تسبیح کیجیے حمد کیساتھ اپنے رب کی

قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ غُرُوۡبِهَا ۚ وَمِنۡ اٰنَآئِ
پہلے طلوع آفتاب سے اور پہلے اس کے غروب ہونے سے اور سے کچھ اوقات

الَّيۡلِ فَسَبِّحۡ وَاَطۡرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرۡضٰى ﴿۱۳۰﴾
رات کے پس تسبیح کیجیے اور حصوں میں دن کے تاکہ آپ راضی ہو جائیں

''پس اے نبی جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں ان پر صبر کرو اور اپنے رب کی حمد وثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہو۔ سورج نکلنے سے پہلے اور غروب سے قبل اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو اور دن کے کناروں میں بھی تاکہ تم راضی ہو جاؤ۔'' (۱۳۰)

فہم القرآن

ربط کلام: مخالفین کے عذاب کے مطالبہ پر رسول محترم ﷺ کو نماز پڑھنے اور صبر کرنے کی تلقین۔

قرآن مجید کی تلاوت اور سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ رسول کریم ﷺ بے انتہا جانفشانی، خلوص اور پرسوز طریقے کے ساتھ لوگوں کی ہدایت کے لیے دن رات ایک کیے ہوئے تھے۔ لیکن مخالفین کی حالت یہ تھی کہ وہ آپ کی پرخلوص کوششوں کا بدتر سے بدترین جواب دیتے۔ یہاں تک کہ وہ آپ سے بار بار مطالبہ کرتے کہ جس عذاب کی ہمیں دھمکی دی جاتی ہے۔ اُس کے آنے میں کیا رکاوٹ ہے؟ انسان ہونے کے ناطے سے آپ ﷺ کو اس صورت حال سے رنج پہنچتا جس سے آپ دل گرفتہ ہو جاتے۔ ان حالات میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا کہ اے محبوب! ہمت ہارنے اور دل چھوٹا کرنے کی بجائے صبر وحوصلہ سے کام لیں۔ دل کے سکون اور اپنے رب کی مدد کے حصول کے لیے نماز پڑھتے رہیں۔ کیونکہ نماز پڑھنے اور صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی مدد نازل ہوتی ہے۔ بالخصوص سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے کے وقت، رات کی ابتداء اور دن کے اطراف کے وقت اللہ کی یاد کے لیے نماز قائم کیجیے تاکہ آپ خوش ہو جائیں۔ خوش ہونے سے مراد طبیعت کا سکون اور دل کا اطمینان حاصل ہونا ہے اس کے ساتھ ہی آپ کو تابناک مستقبل کی پیشگوئی کی گئی ہے۔ سورۃ والضحیٰ میں آفتاب کی روشنی اور رات کی تاریکی کی قسم اٹھا کر اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ اے پیغمبر آپ کے رب نے نہ تو آپ کو چھوڑا ہے اور نہ ہی آپ سے ناراض ہوا ہے۔ آپ کی آخرت دنیا کی زندگی سے کہیں زیادہ بہتر ہے وہ آپ کو دنیا اور آخرت میں اس قدر عطا فرمائے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔ (الضحیٰ: ۱ تا ۷) یہاں تہجد اور اشراق کی نماز کے اوقات کے ساتھ پنجگانہ فرض نماز کے اوقات کا تعین کر دیا گیا ہے۔

اوقاتِ نماز:

صبح کی نماز سورج نکلنے سے پہلے، عصر کی نماز غروب آفتاب سے قبل، عشاء اور مغرب کی نماز رات کی ابتدائی گھڑیوں میں، فجر اور ظہر کی نماز دن کے اطراف میں۔ طَرَفَ کی جمع اَطْرَافَ ہے۔ جس کا معنی ہے کسی چیز کا کنارہ۔ ''اَطْرَافُ النَّهَارَ'' کا معنی ہے صبح اور دوپہر کا وقت۔ دوپہر کا وقت دن کا کنارہ اس لیے شمار کیا جاتا ہے کہ آفتاب صبح سے لحظہ بہ لحظہ اُوپر چڑھتا ہے اور نصف النہار کے بعد اُترنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس سے مراد عصر کا وقت بھی ہو سکتا ہے۔

''حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول محترم ﷺ سے نماز کے اوقات کے بارے میں سوال کیا۔ آپ فرماتے ہیں تم ہمارے ساتھ دو دن نمازیں ادا کرو۔ پہلے دن جب سورج ڈھلا ہی تھا تو بلال کو اذان کا حکم دیا۔ اس کے بعد اقامتِ ظہر ہوئی پھر بلال رضی اللہ عنہ کو نماز عصر کی اقامت کا حکم فرمایا جبکہ سورج کافی بلند اور دھوپ تیز تھی پھر سورج غروب ہوتے ہی مغرب کی نماز کھڑی فرمائی ابھی سورج کی سرخی ختم ہونے ہی پائی تھی تو عشاء کی نماز قائم کرنے کا حکم فرمایا۔ پھر صبح کی نماز کا حکم دیا جبکہ فجر ابھی نمودار ہی ہوئی تھی۔ جب دوسرا دن ہوا تو بلال رضی اللہ عنہ کو نماز ظہر ٹھنڈی کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اس نے ٹھنڈے وقت میں اذان کہی۔ نماز عصر تاخیر سے ادا فرمائی اسے پہلے دن سے قدرے مؤخر کیا لیکن سورج ابھی بلندی پر تھا۔ نماز مغرب سورج کی روشنی کے آثار ختم ہونے سے پہلے ادا کی۔ جب رات کا تیسرا حصہ گزر گیا تو نمازِ عشا ادا کی گئی، نماز فجر اس وقت ادا کی جب صبح کی روشنی خوب پھیل چکی تھی۔ اب ارشاد ہوا کہ نمازوں کے اوقات پوچھنے والا کہاں ہے؟ وہ عرض کرتا ہے کہ اللہ کے رسول میں حاضر ہوں۔ فرمایا کہ تمہاری نمازوں کے وقت ان اوقات کے درمیان ہیں۔'' [رواہ البخاری: کتاب مواقیت الصلوٰۃ]

مسائل

۱۔ دین کے لیے لوگوں کے طعن و تشنیع پر صبر کرنا چاہیے۔ ۲۔ اللہ کی رضامندی کے لیے نماز قائم کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

نماز اور ذکر کے فوائد:

۱۔ وہ لوگ جو کتاب اللہ پر کاربند رہتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں ہم ان کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے۔ (الاعراف: ۱۷۰)

۲۔ اگر کفار توبہ کریں اور نماز قائم کریں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔ (التوبہ: ۵)

۳۔ بے شک نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔ (العنکبوت: ۴۵)

۴۔ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اور نماز قائم کی انہیں کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا۔ (البقرۃ: ۲۷۷)

۵۔ اے ایمان والو! نماز اور صبر کے ساتھ مدد طلب کرو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ: ۱۵۳)

وَلَا	تَمُدَّنَّ	عَيْنَيْكَ	اِلٰى مَا	مَتَّعْنَا	بِهٖٓ	اَزْوَاجًا
اور نہ	دراز کریں آپ	اپنی آنکھیں	ان کی طرف کہ	ہم نے فائدہ دیا	ساتھ اس کے	کئی قسم کے لوگ
مِّنْهُمْ	زَهْرَةَ	الْحَيٰوةِ	الدُّنْيَا ۙ	لِنَفْتِنَهُمْ	فِيْهِ ؕ	
ان میں سے	رونق کا	زندگانی	دنیا کی	تاکہ ہم انھیں آزمائیں	اسی میں	
وَرِزْقُ	رَبِّكَ	خَيْرٌ	وَّ اَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾			
اور رزق	آپ کے رب کا	بہت بہتر ہے	اور دیرپا ہے			

''اور نہ دراز کریں اپنی نگاہ کو دینوی زندگی کی شان وشوکت کی طرف جو ہم نے ان میں سے کئی قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے ہم نے انہیں آزمانے کے لیے دنیادی ہے اور آپ کے رب کا دیا ہوا رزق ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔'' (۱۳۱)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔ نبی اکرم ﷺ کو تیسری تلقین۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو فطری اور طبعی طور پر مستغنی طبیعت پیدا فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے یتیمی اور انتہائی غربت کا دور دیکھا لیکن کسی کے سامنے دستِ سوال نہیں پھیلایا۔ نبوت کے دور میں بھی ایسے مواقع آئے کہ کئی کئی دن تک گھر میں چولہا نہیں جلتا تھا۔ اس کے باوجود اپنے اور بیگانے سے کچھ مانگنا تو درکنار کبھی کسی سے اپنی تنگدستی کا اشارتاً بھی ذکر نہیں کیا۔ اسی لیے مفسرین نے اس آیت کا یہ مفہوم لیا ہے کہ آپ کو ان الفاظ سے مخاطب کرنے کا معنٰی یہ ہے کہ آپ مالدار طبقے کے بارے میں ایک حد سے زیادہ اُمید نہ رکھیں کہ یہ لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں انواع واقسام کی نعمتیں اور دنیا کی زیب وزینت اس لیے دی ہے تاکہ ان کو اچھی طرح آزمایا جائے۔ تیرے رب کا بہتر اور حقیقی رزق وہ ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔ عام طور پر رزق کا معنٰی کھانے پینے والی چیز لیا جاتا ہے۔ لیکن اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے پیدا فرمائی ہے۔ یہاں ''رِزْقُ رَبِّکَ'' کے الفاظ استعمال فرما کر آپ ﷺ کو اور آپ کے ذریعے یہ بات سمجھائی ہے کہ حقیقی رزق وہ ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے بندوں کو عنایت فرمائے گا۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنُ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا بُرَيْدَةَ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ يَخْطُبُنَا إِذْ جَاءَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ عَلَيْهِمَا قَمِيصَانِ أَحْمَرَانِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ فَنَزَلَ رَسُولُ اللّٰهِ مِنَ الْمِنْبَرِ فَحَمَلَهُمَا وَوَضَعَهُمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ صَدَقَ اللّٰهُ (**إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ**) فَنَظَرْتُ إِلَى هَذَيْنِ الصَّبِيَّيْنِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ فَلَمْ أَصْبِرْ حَتَّى قَطَعْتُ حَدِيثِي وَرَفَعْتُهُمَا)) [رواه الترمذی: باب

مَنَاقِبِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ]

''حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے باپ بریدہ کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو واعظ کر رہے تھے اچانک حسن اور حسین رضی اللہ عنہما آئے انہوں نے چھوٹی چھوٹی سرخ قمیض پہن رکھی تھیں وہ چلتے ہوئے گر رہے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے اترے اور ان کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر فرمایا۔ اللہ نے سچ کہا ہے (کہ بے شک تمہارے مال و اولاد تمہارے لیے فتنہ ہیں) میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ وہ گرتے گراتے آ رہے تھے تو میں ضبط نہ کر سکا میں نے اپنی بات کاٹ کر انہیں اُٹھالیا۔''

((عَنْ مُطَرِّفَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيرِ يُحَدِّثُ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِى صلى الله عليه وسلم قَالَ كَانَ بِالْكُوفَةِ أَمِيرٌ قَالَ فَخَطَبَ يَوْماً فَقَالَ إِنَّ فِى إِعْطَاءِ هٰذَا الْمَالِ فِتْنَةً وَفِى إِمْسَاكِهِ فِتْنَةً وَبِذٰلِكَ قَامَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِى خُطْبَتِهِ حَتّٰى فَرَغَ ثُمَّ نَزَلَ)) [رواه احمد:مسند عبدالله بن الشخير]

''مطرف بن عبداللہ بن شخیر سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کے بارے میں بیان کرتے ہیں جو کوفہ میں امیر تھے انہوں نے ایک دن اپنے خطبے میں کہا کہ مال کے عطا کیے جانے میں بھی فتنہ ہے اور اس کے روک لیے جانے میں بھی فتنہ ہے اسی بات کو بیان کرنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور بیان کرنے کے بعد نیچے اتر آئے۔'' (روک لیے جانے سے مراد غربت ہے جو انسان کے لیے بہت بڑی آزمائش ہے۔)

مسائل

۱۔ دنیا داروں کے مال و دولت کو للچائی آنکھ سے نہیں دیکھنا چاہیے۔
۲۔ دنیا کا مال ہر انسان بالخصوص کافر کے لیے بڑی آزمائش ہے۔
۳۔ حقیقی اور ہمیشہ رہنے والا رزق جنت کی نعمتیں ہیں۔

تفسیر بالقرآن

مال اور اولاد آزمائش ہیں:

۱۔ مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی زینت ہیں۔ (الکہف:۴۶)
۲۔ مال اور اولاد تمہارے لیے فتنہ ہے۔ (التغابن:۱۵)
۳۔ مال و اولاد انسان کے لیے آزمائش ہے اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔ (التغابن:۱۵)
۴۔ یقیناً مال اور اولاد تمہارے لیے فتنہ ہیں اور اللہ کے ہاں ہی بہتر اجر ہے۔ (الانفال:۲۸)
۵۔ اے ایمان والو! تمہیں تمہارے مال اور اولاد ہلاکت میں مبتلا نہ کر دیں۔ (المنافقون:۹)

وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔــلُكَ

اور حکم دیجیے | اپنے گھر والوں کو | نماز کا | اور ثابت رہیے | اس پر | نہیں ہم آپ سے سوال کرتے

رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ؁

رزق کا | ہم ہی | آپ کو رزق دیتے ہیں | اور | انجام | تقویٰ ہی کا ہے

''اپنے اہل وعیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کی پابندی کرو ہم تم سے کوئی رزق نہیں چاہتے رزق ہم تمہیں دیتے ہیں اور انجام کی بہتری تقویٰ میں ہے۔'' (۱۳۲)

فہم القرآن

ربط کلام : اس سے پہلے نبی اکرم ﷺ کو نماز کی تلقین کی گئی اور اس آیت میں آپ ﷺ کو ارشاد ہوا کہ اپنے گھر والوں کو بھی نماز پڑھنے کا حکم دیں۔

ہر مسلمان بالخصوص ایک راہنما کے بنیادی فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اپنی اصلاح کے ساتھ اپنے اہل وعیال کی اصلاح کے لیے بھی کوشش کرتا رہے تاکہ اس کی اور اس کے اہل خانہ کی ذات معاشرے کے لیے ایک مثال ثابت ہو۔ رسول اکرم ﷺ کو اپنی امت اور پوری دنیا کے لیے نمونہ کے طور پر مبعوث کیا گیا ہے۔ اس لیے پہلے آپ ﷺ کو ارشاد ہوا کہ آپ ﷺ پانچ وقت نماز قائم کریں۔ اب حکم ہوا کہ اپنے گھر والوں کو بھی حکم فرمائیں کہ وہ نماز پر قائم رہیں جہاں تک رزق کا معاملہ ہے اللہ تعالیٰ تم سے رزق کا مطالبہ نہیں کرتا۔ بلکہ وہ تمہیں روزی دینے والا ہے۔ بالآخر پرہیزگاری اختیار کرنے والوں کا انجام بہتر ہوگا۔

((عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ أَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُرُوْا أَوْلَادَکُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِیْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَیْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ وَفَرِّقُوْا بَیْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ)) [رواہ ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃ]

''حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو اور دس سال کی عمر میں انہیں نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے سزا دو۔ اور ان کے بستر الگ کردو۔''

مسائل

۱۔ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دینا چاہیے۔ ۲۔ نماز پر ہمیشگی ہونی چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز کا محتاج نہیں بلکہ کائنات اُس کی محتاج ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رزق دینے والا نہیں۔

وَ قَالُوْا	لَوْ لَا	يَأْتِيْنَا	بِاٰيَةٍ	مِّنْ	رَّبِّهٖ	اَوَلَمْ
اور انھوں نے کہا	کیوں نہیں	لاتا وہ ہمارے پاس	کوئی نشانی	سے	اپنے رب کی طرف؟	کیا نہیں

تَاْتِهِمْ	بَيِّنَةُ	مَا	فِي	الصُّحُفِ	الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾
آئی ان کے پاس	دلیل	جو کچھ	میں	صحیفوں	پہلے

''وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص اپنے رب کی طرف سے کوئی دلیل کیوں نہیں لاتا؟ اور کیا ان کے پاس پہلے صحیفوں کا بیان واضح طور پر نہیں آیا۔'' (١٣٣)

فہم القرآن

ربط کلام: تقویٰ اختیار کرنے والوں کے مقابلے میں دنیا دار لوگوں کی روش اور ان کا انجام۔

کفار کی عادت تھی اور ہے کہ وہ بار بار ایک ہی بات دھراتے جاتے ہیں۔ اسی بری عادت اور نبی اکرم ﷺ کو پریشان کرنے کی خاطر کفار وقفے، وقفے کے بعد مطالبہ کرتے کہ اگر آپ واقعی سچے نبی ہیں تو کوئی ایسی دلیل اور معجزہ پیش کریں جس سے ہم مجبور ہو جائیں کہ آپ واقعی ہی نبی ہیں۔ قرآن مجید میں اس کے کئی جواب دیے گئے ہیں۔ لیکن اس موقعہ پر صرف اتنا کہنا ہی کافی سمجھا گیا کہ کیا آپ کی نبوت کے ثبوت تورات، انجیل، زبور میں نہیں پائے جاتے۔

مثال کے طور پر توراۃ اور انجیل کے حسبِ ذیل مقامات ملاحظہ ہوں جہاں حضرت محمد ﷺ کی آمد کے متعلق صاف اشارات موجود ہیں: استثناء، باب ١٨، آیت ١٥ تا ١٩۔ متی، باب ٢١، آیت ٣٣ تا ٤٦۔ یوحنا، باب، آیت ١٩ تا ٢١۔ یوحنا، باب ١٤، آیت ١٥ تا ١٧ اور آیت ٢٥ تا ٣٠، یوحنا، باب ١٥، آیت ٢٥ تا ٢٦۔ یوحنا، باب ١٦، آیت ٧ تا ١٥۔

مسائل

١۔ کفار آپ سے نت نئے معجزات طلب کرتے۔ ٢۔ آپ کا تذکرہ پہلی کتابوں میں موجود ہے۔

تفسیر بالقرآن

نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے ثبوت:

١۔ رسول اللہ ﷺ پوری دنیا کے رسول ہیں۔ (الاعراف: ١٥٨) ٢۔ رسول اللہ ﷺ سب کے رسول ہیں۔ (سباء: ٢٨)

٣۔ رسول اللہ ﷺ مبشر اور نذیر ہیں۔ (الاحزاب: ٤٥)

٤۔ رسول اللہ ﷺ رحمتِ عالم ہیں۔ (الانبیاء: ١٠٧)

٥۔ رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ (الاحزاب: ٤٠)

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا

اور اگر | بے شک ہم | ہلاک کر دیتے ان کو | کسی عذاب کے ساتھ | سے | پہلے ہی | تو ضرور وہ کہتے

رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ

اے ہمارے رب! | کیوں نہیں | بھیجا تو نے | ہماری طرف | کوئی رسول | چنانچہ ہم پیروی کرتے | تیری آیات کی

مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ كُلٌّ

سے | پہلے | کہ | ہم ذلیل ہوتے | اور | رسوا ہوتے؟ | آپ کہہ دیجیے | ہر ایک

مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ

انتظار کرنے والا ہے | سو تم بھی انتظار کرو | عنقریب تم جان لو گے | کون | ساتھی | راہِ

السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾ ع

سیدھی | اور کس نے | ہدایت کو اپنایا؟

ع ۸ ۱۷

''اگر ہم اس کے (قرآن) آنے سے پہلے ان کو کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو پھر یہ لوگ کہتے کہ اے پروردگار تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے ہم تیری آیات کی پیروی اختیار کر لیتے؟ (۱۳۴) اے نبی ان سے فرما دیں کہ ہر ایک انجام کار کے انتظار میں ہے تم بھی منتظر رہو۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون سیدھے راستے پر چلنے والے ہیں اور کون ہدایت پانے والے ہیں۔'' (۱۳۵)

فہم القرآن

ربط کلام: نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی ضرورت اور اس کی دلیل۔

اللہ تعالیٰ نے از راہِ کرم یہ ضابطہ اپنے لیے طے کر رکھا ہے کہ اس وقت تک لوگوں کو ہلاک نہ کیا جائے جب تک ان پر اتمامِ حجت نہ ہو جائے۔ اسی لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا اور یہی نبی اکرم ﷺ کو آخری نبی کے طور پر مبعوث کرنے کا مقصد ہے تاکہ اہل کتاب اور قیامت تک کے لیے پیدا ہونے والے لوگوں پر حجت قائم ہو جائے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو لوگ بہانہ بناتے اور کہتے کہ اے رب ہمارے پاس کوئی سمجھانے والا آتا تو ہم اس کی بات مان کر اس ذلّت اور عذاب سے بچ جاتے۔ کیونکہ اب نبی آخر الزمان ﷺ مبعوث ہو چکے ہیں۔ لہٰذا نبی اکرم ﷺ کی نبوت اور دعوت کو ماننا تمام لوگوں کا فرض ہے۔ اگر آپ کی بے پناہ کوشش کے باوجود لوگ حق بات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو نبی اکرم ﷺ کو ارشاد ہوا کہ

آپ ان لوگوں پر مزید وقت صرف کرنے کی بجائے صرف یہ ارشاد فرمائیں کہ حق کا انکار کرنے والو! مجھ سے مزید الجھنے کی بجائے آخری فیصلے کا انتظار کرو۔ میں بھی اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کرتا ہوں۔ عنقریب تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ کون صراط مستقیم اور ہدایت پر ہے۔

﴿مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَاوَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾[بنی اسرائیل: ۱۵]

''جس نے ہدایت پائی اس نے اپنے ہی لیے ہدایت پائی اور جو گمراہ ہوا اس کا وبال اسی پر ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہم پیغام پہنچانے سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیتے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو آخری نبی کے طور پر اس لیے مبعوث فرمایا تاکہ لوگوں پر حجّت تمام ہو جائے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر حجّت قائم کیے بغیر عذاب نہیں کرتا۔
۳۔ دنیا کی ذلّت اور آخرت کے عذاب سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ لوگ نبی آخرالزمان کی اتباع کریں۔
۴۔ منکرینِ حق کے ساتھ ہر وقت بحث و تقرار کرنے کی بجائے معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

داعی کو کفار کے ساتھ کیا رویّہ اختیار کرنا چاہیے:

۱۔ داعی اور قائد کو ہمدرد ہونا چاہیے۔ (التوبۃ:۱۲۸)
۲۔ اللہ کے دین کی طرف لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلانا چاہیے۔ (النحل:۱۲۵)
۳۔ فرما دیجیے یہ میرا راستہ ہے میں اس کی طرف بصیرت کے ساتھ بلاتا ہوں۔ (یوسف:۱۰۸)
۴۔ انہیں آپ کے ساتھ جھگڑا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ آپ ان کو اپنے پروردگار کی طرف بلاتے ہیں۔ (الحج:۶۷)
۵۔ جب اللہ کے احکام آپ پر نازل ہوں تو آپ ان کی طرف لوگوں کو بلائیں۔ (القصص:۸۷)
۶۔ آپ انہیں دین حق کی طرف بلائیں اور اللہ کے حکم پر قائم رہیں۔ (الشوریٰ:۱۵)
۷۔ برائی کا بدلہ اچھائی سے دینا چاہیے۔ (حمٓ السجدۃ:۳۴)

سورۃ الانبیاء کا تعارف

ربط سورۃ: سورہ طٰہٰ ان الفاظ پر ختم ہوئی ہے کہ اگر یہ لوگ حقائق ماننے کے لیے تیار نہیں تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ انہیں فرمادیں کہ میں بھی انتظار کرتا ہوں اور تم بھی انتظار کرو کہ کون سیدھے راستے پر ہے اور کس کا انجام اچھا ہوتا اور کون ''اللہ'' کی گرفت میں آتا ہے۔ سورۃ الانبیاء کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے کہ یہ لوگ بُرے انجام کے منتظر ہیں تو انہیں فرمادیں کہ ممکن ہے کہ دنیا میں تمہیں پوری زندگی ڈھیل مل جائے لیکن قیامت تو قریب آن پہنچی ہے مگر ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے حساب وکتاب کے بارے میں غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

سورۃ الانبیاء مکی سورۃ ہے اس کے 7 رکوع اور 112 آیات ہیں۔ اس سورۃ مبارکہ میں بڑے بڑے انبیاء کا ذکر ہوا ہے اس لیے اس کا نام سورۃ الانبیاء رکھا گیا ہے ان کے پاس جب بھی کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو یہ اسے شغل کے طور پر لیتے اور کہتے ہیں یہ تو پراگندہ خیالات ہیں جنہیں جوڑ جاڑ کر ایک عنوان اور کہانی کی شکل دی جاتی ہے۔ بلکہ یہ شاعرانہ تخیّلات ہیں، جسے ہمارے جیسا آدمی بنا کر پیش کرتا ہے۔ بھلا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انسان، رب ذوالجلال جیسی ہستی سے ہم کلام ہوا۔ ان کی غلط فہمی اور کج بحثی کا جواب یہ کہہ کر دیا گیا ہے۔ جن لوگوں سے تم مختلف قسم کے اعتراض سیکھتے ہو انہی سے پوچھ لو کہ پہلے انبیاء کرام انسان تھے یا کوئی اور مخلوق تھے؟ وہ تو کھانے پینے والے انسان تھے ان کے مخالفوں نے بشریت کی بنا پر انبیاء کی تکذیب کی جس کے نتیجہ میں انہیں گلی کے تنکوں سے بھی حقیر کر دیا گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو کھیل تماشا کے طور پر پیدا کیا ہے۔ کیا انہیں ہوش نہیں کہ اگر ہم دنیا کو کھیل تماشا اور اپنی دل لگی کے لیے پیدا کرتے تو یہ تماشا ہمیں اپنے پاس کرنا چاہیے تھا یا زمین پر؟ انہیں پیدا کرنے اور انبیاء بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں پر حق واضح کر دیا جائے۔ سب سے بڑا حق یہ ہے کہ ''اللہ'' اکیلا ہی معبودِ برحق ہے اس کے سوا کوئی خالق ومالک، رازق اور عبادت کے لائق نہیں اگر اس کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہوتا تو ان کا آپس میں دنگا وفساد ہوجاتا۔ اس کے بعد زمین وآسمانوں کی تخلیق اور لیل ونہار کی گردش کے حوالے سے ''اللہ'' نے اپنے وحدہ لاشریک ہونے کے ثبوت دیئے ہیں۔ اے نبی آپ کے رب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول منتخب کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو بتلائیں اور سمجھائیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق، حاجت روا اور مشکل کشا نہیں۔ اس کا فرمان ہے کہ صرف میری ہی عبادت کی جائے۔ اسی ذات نے زمین وآسمانوں کو ایک دوسرے سے الگ کیا جو پہلے باہم ملے ہوئے تھے اور اسی نے ہر جاندار کی زندگی کا دارومدار پانی پر قائم فرمایا۔ اسی نے ہر نفس کے لیے موت کا ایک وقت مقرر کیا ہے اس نے کسی بشر کو ہمیشہ رہنے کے لیے پیدا نہیں کیا۔ کیا آپ کو موت آئے گی اور آپ کے مخالف ہمیشہ رہیں گے؟ ہرگز نہیں بلکہ ہر شخص نے اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے اور وہی اس کا حساب لے گا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے جس کے ردعمل میں انہیں آگ میں جھونکا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آگ کو گلزار بنا

دیا۔ نہ صرف ان کے لیے آگ جائے آرام اور پناہ بن گئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ظالموں سے بچا کر بابرکت زمین یعنی فلسطین میں قیام اور مقام عنایت فرمایا اور ان کی دعوت میں برکت دی۔ انہیں اسحاق اور یعقوب علیہما السلام جیسی عظیم المرتبت اولاد سے سرفراز فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی مشکلات کا ذکر کیا جو بالآخر اپنے رب کی مدد سے منکرینِ حق پر غالب آئے۔ ان کے بعد حضرت داؤد حضرت سلیمان علیہما السلام کے اقتدار اور اختیار کا ذکر کیا گیا جس میں یہ اشارہ ہے کہ اقتدار اور اختیار حاصل ہونے کے باوجود کوئی آدمی کسی کے دل میں ہدایت داخل نہیں کرسکتا۔ ورنہ ان کی وفات کے بعد جنّات بغاوت نہ کرتے۔ پھر حضرت ایوب علیہ السلام کی جسمانی تکلیف کا ذکر کیا ہے تاکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلّی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت اور جسمانی توانائی سے نوازا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام نہ صرف جسمانی تکلیف میں مبتلا تھے بلکہ مال، اولاد ختم ہونے کی وجہ سے انتہا درجے کی روحانی پریشانی سے بھی مدت تک آزمائے گئے مگر انہوں نے صبر کیا جس کے صلہ میں انہیں دنیا میں ہی نعمتوں سے نوازا گیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت ذالکفل علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکرگرامی ہوا۔ ان سب کو ایک امّت قرار دیا گیا ہے جو صرف ایک ہی رب کی عبادت کرنے والے اور اُسی کی طرف بُلانے والے تھے۔ اس سورۃ کے آخر میں قربِ قیامت اور اس کے برپا ہونے کے وقت زمینوں و آسمانوں کی جو حالت ہوگی اس کا ہلکا سا ایک منظر پیش کیا ہے۔ دوسرے انبیاء کے ذکر کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کے حوالے سے فرمایا ہے کہ ہم نے زبور میں لکھ دیا تھا کہ زمین میں اقتدار صالح لوگوں کو دیا جائے گا۔ سورۃ کے آخر میں نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ العالمین کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ اور آپ کو یہ تعلیم دی گئی کہ لوگوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ ہی آپ کی مدد کرنے والا ہے۔ لہٰذا اسی پر توکل رکھو۔

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاۤءِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعَاتُهَا: ٧ اٰيَاتُهَا: ١١٢

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے

اِقْتَرَبَ	لِلنَّاسِ	حِسَابُهُمْ	وَهُمْ	فِيْ	غَفْلَةٍ	مُّعْرِضُوْنَ ۝١
قریب آگیا	لوگوں کے لیے	ان کا حساب	اور وہ	میں	غفلت	اعراض کرنے والے
مَا	يَاْتِيْهِمْ	مِّنْ	ذِكْرٍ	مِّنْ	رَّبِّهِمْ	مُّحْدَثٍ
نہیں	آتا ان کے پاس	سے	ذکر	سے	ان کے رب	نیا
اِلَّا	اسْتَمَعُوْهُ	وَهُمْ	يَلْعَبُوْنَ ۝٢			
مگر	وہ اس کو سنتے ہیں	اور وہ	وہ کھیل رہے ہوتے ہیں			

”لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا ہے اور وہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں۔(١) ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو نصیحت آتی ہے اس کو مشکل سے سنتے ہیں اور کھیل کود میں پڑے رہتے ہیں۔“(٢)

فہم القرآن

ربط کلام: سورۃ طٰہٰ کا اختتام اس بات پر ہوا تھا۔ اے لوگو! جس عذاب کا تم مطالبہ کرتے ہو اس کا انتظار کرو۔ میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ سورۃ الانبیاء کی ابتداء اس بات سے ہو رہی ہے کہ منکرینِ حق جس عذاب کا انتظار کر رہے ہیں وہ تو قریب آن پہنچا ہے۔

احتساب اور عذاب کا دن قریب آ پہنچا ہے۔ لیکن منکرینِ حق غفلت کی بناء پر اس سے اعراض کیے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جب بھی کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو اُسے شغل کے طور پر لیتے اور سنتے ہیں۔ انھیں متنبہ کیا جا رہا ہے کہ جس عذاب کا تم مطالبہ کرتے ہو قیامت کے دن تم اُس میں مبتلا کیے جاؤ گے۔ منکرینِ حق کے لیے یہ انتقام اور سخت عذاب کا دن ہوگا جو قریب ہی آن پہنچا ہے۔ اس فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت پہلے لوگوں کی نسبت تمھارے زیادہ قریب آ چکی ہے قیامت سے مراد قیامتِ کبریٰ بھی ہے اور ہر انسان کی موت بھی جو اس کے لیے قیامت ہی ہوا کرتی ہے۔ اگر انسان اپنی زندگی پر غور کرے تو ہر آنے والا دن اسے موت کے قریب کر رہا ہے۔ اس طرح ہر شخص دن بدن قیامت کے قریب تر ہوا جا رہا ہے لیکن لوگ غفلت کی بنا پر اُس سے لاپرواہی کیے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں کو جب بھی نصیحت کی جائے تو وہ اسے شغل کے طور پر سنتے ہیں۔ یہی حالت نبی اکرم ﷺ کے مخاطبین کی تھی کہ جب بھی اُن کے سامنے نازل ہونے والی نئی آیات

پڑھی جاتی ہیں تو وہ اس سے یہ کہہ کر اعراض کرتے ہیں کہ یہ تو اس شخص کا روز مرّہ کا کام ہے اور یہ نئی سے نئی پیشگوئی اور دھمکی دیتا ہے۔اس پر انھیں انتباہ کیا گیا کہ وہ وقت دور نہیں کہ جب تمہاری یاوہ گوئی کا حساب چکا دیا جائے گا۔

((مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ))[لسلسلة الضعيفة و الموضوعة]

''جو شخص مر گیا اس پر قیامت قائم ہوگئی''

((عَنْ شُعْبَةَ رحمہ اللہ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بُعِثْتُ اَنَاوَ السَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ قَالَ شُعْبَةُ وَسَمِعْتُ قَتَادَةَيَقُوْلُ فِيْ قَصَصِهٖ كَفَضْلِ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَلَا اَدْرِيْ اَذَكَرَهُ عَنْ اَنَسٍ اَوْ قَالَهُ قَتَادَةُ))[رواه البخاری :کتاب الرقاق]

حضرت شعبہ،قتادہ رحمہ اللہ سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی طرح بھیجا گیا ہے شعبہ کہتے ہیں میں نے قتادہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سُنا جیسا کہ ان دونوں انگلیوں میں سے ایک کو دوسری پر برتری حاصل ہے شعبہ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے یا قتادہ کا قول نقل ہے۔'' (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت کے دن کے درمیان کوئی اور نبی نہیں آنا)

مسائل

۱۔ قیامت ہر شخص کے قریب سے قریب تر ہو رہی ہے۔ ۲۔ قیامت کے دن ہر شخص کا حساب چکا دیا جائے گا۔
۳۔ لوگ قیامت کے بارے میں غفلت کا ردّیہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔۴۔ حق کے منکر حق بات کو بھی شغل کے طور پر لیتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

منکرین کا حق کے ساتھ رویہّ:

۱۔ منکرین کے پاس جب نصیحت آتی ہے تو اسے ہنسی کھیل کے طور پر لیتے ہیں۔(الانبیاء:۲)
۲۔ جب ان کے پاس حق آتا ہے تو کہتے ہیں یہ سراسر جادو ہے۔(یونس:۷۶)
۳۔ منکرین نے حق کی تکذیب کی اور یہ لوگ بے بنیاد بات پر جمے ہوئے ہیں۔(ق:۵)
۴۔ منکرین حق کے مقابلہ میں ظن کی پیروی کرتے ہیں اور ظن حق کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔(النجم:۲۸)
۵۔ جب اُن کے پاس حق آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ جادو ہے ہم اس کو نہیں مانتے۔(الزخرف:۳۰)
۶۔ جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا تو کہنے لگے کاش کہ ہمیں بھی وہ چیز عطا کی جاتی جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی گئی۔(القصص:۴۸)

لَاهِيَةً	قُلُوْبُهُمْ	وَاَسَرُّوا	النَّجْوَى	الَّذِيْنَ	ظَلَمُوْا	هَلْ	
غافل	ان کے دل	اورانہوں نے چپکے چپکے	مشورہ	وہ لوگ	ظلم کیا انہوں نے	نہیں ہے	
هٰذَآ	اِلَّا	بَشَرٌ	مِّثْلُكُمْ	اَفَتَاْتُوْنَ	السِّحْرَ	وَاَنْتُمْ	تُبْصِرُوْنَ ۝۳
یہ	مگر	بشر	تمہاری مثل	کیا پھر تم آتے ہو	جادو	جبکہ تم	دیکھ رہے ہو؟
قٰلَ	رَبِّيْ	يَعْلَمُ	الْقَوْلَ	فِي	السَّمَآءِ	وَالْاَرْضِ	
اس نے کہا	میرا رب	جانتا ہے	ہر بات	میں	آسمان	اور زمین	
وَهُوَ	السَّمِيْعُ	الْعَلِيْمُ ۝۴					
اور وہ	خوب سننے والا	خوب جاننے والا ہے					

”ان کے دل غافل ہیں اور ظالم آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں کہ یہ شخص تو تم جیسا ایک بشر ہے پھر کیا تم آنکھوں دیکھے جادو میں پھنس جاؤ گے؟ (۳) رسول نے کہا میرا رب ہر اس بات کو جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں کہی جائے وہ سنتا اور ہر بات کو جاننے والا ہے۔“ (۴)

فہم القرآن

ربط کلام: قیامت کے بارے میں لاپرواہی اور حق بات کو شغل کے طور پر لینے کا بنیادی سبب دل کی غفلت ہے۔

انسان کا دل، حق بات کے بارے میں غفلت کا شکار ہو جائے تو مؤثر ترین بات بھی اس پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ یہی حالت سرور دو عالم ﷺ کے مخالفین کی تھی۔ جس کا ”قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ“ کہہ کر برملا اعتراف کرتے تھے۔ (البقرۃ:۸۸) کہ ہمارے دل پردہ میں ہیں۔ اسی بناء پر انھوں نے اپنی خفیہ مجالس میں پوری راز داری کے ساتھ ایک منظّم پراپیگنڈہ کا فیصلہ کیا جس کے پیش نظر وہ لوگوں کو کہتے کہ محمد یوں ہی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ حالانکہ ہمارے جیسا انسان ہے اس میں کوئی خاص خوبی نہیں ہے۔ وہ یہ کہہ کر بھی لوگوں کو متنفر کرتے کہ لوگو! کیا تم جیتے جاگتے اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے اس کے جادو میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ جادوگر پیٹ کے دھندے کی خاطر نہ صرف اُلٹے سیدھے کرتب دکھاتا ہے بلکہ اُسے جادو کرنے کے لیے دانستہ طور پر گندا اور ناپاک رہنا پڑتا ہے۔ اس کے بغیر جادوگر کامیاب نہیں ہوسکتا۔ نبی محترم ﷺ میں ایسی کوئی کمزوری موجود نہ تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ آپ کو جادوگر کہتے کیونکہ آپ کی ذات اور دعوت میں اس قدر تاثیر تھی کہ آپ پر ایمان نہ لانے والے لوگ بھی آپ ﷺ کی ذات اور بات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ یہی وہ الزام ہے جو پہلے انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی لگایا جاتا تھا۔ جہاں تک آپ کے بشر ہونے کا تعلق ہے اس بات کا آپ ﷺ اور آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام برملا اعتراف کرتے تھے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم تمھارے جیسے انسان ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا کہ ہمیں اپنے کام کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ (ابراہیم:۱۱) اس اعتراف کے باوجود مخالفین آپ

کے بشر ہونے کو بہانہ بنا کر لوگوں کو دین سے دور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ بے شک آپ بشر تھے لیکن پوری بنی نوع سے اعلیٰ اور افضل تھے، مگر پھر بھی مشرکین مکہ آپ کو جادوگر کے طور پر پیش کرتے تھے۔ جس کا یہ کہہ کر جواب دیا گیا کہ میرا رب نہ صرف زمین پر ہونے والی باتوں کو جانتا ہے بلکہ وہ زمین و آسمان کی ہر بات کو سننے اور جاننے والا ہے۔

جادو کیا ہے؟

((اَلسِّحْرُ ھُوَ عَقْدٌ وَرُقًی وَکَلَامٌ یَتَکَلَّمُ بِہٖ اَوْ یَکْتُبُہٗ اَوْیَعْمَلُ شَیْئًا یُؤَثِّرُ فِیْ بَدَنِ الْمَسْحُوْرِ اَوْ قَلْبِہٖ اَوْ عَقْلِہٖ)) [المغنی ابن قدامہ]

''جادو، دم گرہیں، دم اور ایسی تحریر یا حرکات پر مشتمل ہوتا ہے۔ جس کے ذریعے دوسرے کے وجود اور دل و دماغ پر اثر انداز ہوا جاتا ہے۔''

((وَالسِّحْرُھُوَ مُرَکَّبٌ مِّنْ تَأْثِیْرَاتِ الْاَرْوَاحِ الْخَبِیْثَۃِ وَانْفِعَالِ الْقُوٰی الطَّبِیْعِیَّۃِ عَنْھَا)) [زاد المعاد]

''جادو خبیث جنات کے ذریعے کیا جاتا ہے جس سے لوگوں پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔''

جادو کوئی مستقل اور مستند علم نہیں کہ جس کو کرنے کے لیے کوئی خاص طریقہ متعین کیا گیا ہو کیونکہ جادو تصنّع بازی کا نام ہے اس لیے ہر دور میں اس کی کرشمہ سازی اور اثر انگیزی میں اضافہ کرنے کے لیے نئے نئے طریقے ایجاد کیے گئے۔

۱۔ کفریہ، شرکیہ الفاظ کے ہیر پھیر کے ذریعے جادو کرنا۔ ۲۔ خبیث جنّات اور شیاطین کے ذریعے کسی پر اثر انداز ہونا۔

۳۔ علم نجوم کے ذریعے غیب کی خبریں دینا اور دوسرے کو متاثر کرنا۔ ۴۔ توجہ، مسمریزم کی مخصوص حرکات، (ہپناٹیزم) کیساتھ حواس خمسہ کو قابو کرنا۔

تفصیل کے لیے البقرۃ آیت 103 کی تفسیر دیکھیں۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید کی تاثیر سے مرعوب ہو کر کفار اسے جادو قرار دیتے تھے۔

۲۔ کفار آپ ﷺ کے خلاف منظّم پراپیگنڈہ کیا کرتے کہ آپ ایک عام انسان اور جادوگر ہیں۔

۳۔ نبی اکرم ﷺ بنی نوع کے اعتبار سے انسان تھے مگر پوری کائنات سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے:

۱۔ اللہ دلوں کے راز جانتا ہے۔ (ہود: ۵) ۲۔ جو اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ (البقرہ: ۲۱۶)

۳۔ اللہ کا علم فرشتے بھی نہیں جانتے۔ (البقرہ: ۳۰) ۴۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید جانتا ہے۔ (المائدۃ: ۷)

۵۔ اللہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے۔ (المومن: ۱۹) ۶۔ اللہ خشکی اور تری کی پوشیدہ چیزوں سے واقف ہے۔ (الانعام: ۵۹)

۷۔ کیا آپ نہیں جانتے اللہ آسمان و زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے۔ (الحج: ۷۰)

۸۔ اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (النحل: ۷۴)

۹۔ اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ اللہ تمہارے دلوں میں پرورش پانے والے خیالوں سے بھی واقف ہے۔ (البقرۃ: ۲۳۵)

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ

بلکہ انھوں نے کہا پراگندہ خیالات بلکہ اس نے گھڑا ہے اسے بلکہ وہ

شَاعِرٌ ۚۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۵ مَآ

شاعر ہے لہٰذا وہ ہمارے پاس لائے کوئی نشانی جیسا کہ بھیجے گئے پہلے نہیں

اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶

ایمان لائی ان سے پہلے سے بستی ہم نے ہلاک کیا اُسے کیا پھر وہ ایمان لے آئیں گے؟

”بلکہ وہ کہتے ہیں یہ پراگندہ خواب ہیں، بلکہ یہ اس کا اپنا بنایا ہوا ہے۔ بلکہ یہ شخص شاعر ہے ورنہ یہ کوئی نشانی لاتا جس طرح پہلے رسول نشانیوں کے ساتھ بھیجے گئے تھے۔(۵) ان سے پہلے کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم نے ہلاک کیا کہ وہ ایمان لائی ہو کیا یہ ایمان لائیں گے؟“(۶)

فہم القرآن

ربط کلام: نبی اکرم ﷺ کی ذات پر کفار کا دوسرا اور تیسرا الزام۔

سرورِ دو عالم ﷺ کی مخالفت میں کفار اس حد تک بدحواس ہو چکے تھے کہ وہ قرآن مجید کی تاثیر اور اس کی فصاحت و بلاغت ماننے کے باوجود لوگوں کے سامنے یہ پراپیگنڈہ کرتے کہ یہ تو خواب میں دیکھے جانے والے پراگندہ خیالات ہیں۔ جنھیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جو سراسر جھوٹ ہے۔ کبھی کہتے یہ شخص تو شاعر ہے۔ اگر یہ واقعی ہی رسول ہوتا تو جس طرح پہلے انبیاء علیہم السلام معجزات کے ساتھ بھیجے گئے یہ بھی کوئی معجزہ پیش کرتا۔ یہاں ان الزامات کا فقط یہ جواب دیا گیا ہے کہ جنھیں ہم نے ہلاک کیا تھا۔ وہ بھی معجزات دیکھنے کے باوجود اپنے انبیاء پر ایمان نہیں لائے تھے اگر ان کے پاس ان کا منہ مانگا معجزہ آجائے تو کیا پھر یہ ایمان لے آئیں گے؟ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے چاند کا دو ٹکڑے، ہونا، معراج کے موقعہ پر مسجد اقصیٰ کا نبی علیہ السلام کے سامنے لایا جانا اور اس کو دیکھ دیکھ کر کفار کو ٹھیک ٹھیک مسجد اقصیٰ کی نشانیاں بتلانا، پتھروں کا آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت دینا۔ اس طرح کے کئی معجزات کفار کے مطالبات پر ظاہر ہو چکے تھے۔ مگر اس کے باوجود اہل مکہ کی غالب اکثریت فتح مکہ سے پہلے ایمان نہیں لائی تھی۔ جس بناء پر ارشاد ہوا کہ اگر ان کا منہ مانگا معجزہ بھی انھیں دکھلا دیا جائے تو پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ جہاں تک آپ پر شاعر ہونے کا الزام ہے۔ اس کا جواب یوں دیا گیا کہ ”شاعر کے دماغ میں شیطان اِدھر اُدھر کی باتیں ڈالتا ہے اور وہ اکثر جھوٹ ہوتی ہیں اور شاعروں کی پیروی کرنے والے اکثر لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔“ (نبی ﷺ پر شاعر ہونے کا الزام لگانے والو! غور کرو) کہ شاعر تو ہر وادی میں سرگرداں پھرتے ہیں اور وہ باتیں کہتے ہیں جن پر اُن کا عمل نہیں ہوتا۔ (الشعراء: ۲۲۳ تا ۲۲۶) قرآن مجید کے دوسرے مقام پر اس الزام کا یہ بھی جواب دیا گیا

ہے۔’’ہم نے اپنے پیغمبر کو شاعری نہیں سکھلائی اور نہ ہی اس کی شایانِ شان ہے۔ وہ شعر کہیں جس بات کو یہ شاعری کہتے ہیں یہ تو نصیحت اور واقع ہی قرآن مجید ہے۔(یٰس:۹٦) ستائیسویں پارہ میں اس الزام کا اس طرح جواب دیا ہے: کفار کہتے ہیں کہ یہ تو شاعر ہے۔ اس لیے ہم اس کے متعلق حادثاتِ زمانہ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان سے فرمادئیں کہ انتظار کرو میں بھی تمہارے بارے میں منتظر ہوں۔(الطّور:۲۹۔۳۰)

اچھے شعر قابلِ تعریف ہیں:

((وَعَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ أَصْدَقُ کَلِمَۃٍ قَالَھَا الشَّاعِرُ کَلِمَۃُ لَبِیْدٍ أَلَاکُلُّ شَیْءٍ مَاخَلَا اللّٰہَ بَاطِلُ))[رواہ البخاری: باب مَا یَجُوزُ مِنَ الشِّعْرِ وَالرَّجزِ وَالْحُدَاءِ وَمَا یُکْرَہُ مِنْہُ]

’’حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم ﷺ نے فرمایا‘ سب سے زیادہ درست بات، جو کسی شاعر نے کہی وہ لبید کی بات ہے کہ’’سنو! اللہ کے علاوہ تمام چیزیں فنا ہونے والی ہیں۔‘‘

((وَعَنْ أُبَیِّ ابْنِ کَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکْمَۃً۔)) [رواہ البخاری: باب مَا یَجُوزُ مِنَ الشِّعْرِ وَالرَّجزِ وَالْحُدَاءِ وَمَا یُکْرَہُ مِنْہُ]

’’حضرت ابی بن کعب ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ مکرم ﷺ نے فرمایا‘ بلاشبہ بعض اشعار حکمت سے لبریز ہوتے ہیں۔‘‘

مسائل

۱۔ کفار قرآن مجید کو خواب کی باتیں قرار دیتے تھے۔

۲۔ کفار نبی اکرم ﷺ کو شاعر کہتے تھے۔

۳۔ کفار آپ ﷺ سے نئے سے نیا معجزہ مانگتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

شعر اور شاعر کی حقیقت:

۱۔ ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھلائے اور نہ ہی یہ آپ کے لیے لائق ہے۔(یٰس:٦۹)

۲۔ شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں وہ ہر وادی میں گھومتے ہیں اور وہ کچھ کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں (الشعراء:۲۲۴تا۲۲٦)

۳۔ قرآن مجید کسی شاعر کا کلام نہیں مگر تھوڑے ہی لوگ ایمان لاتے ہیں۔(الحاقۃ:۴۱)

۴۔ آپ اپنے رب کے فضل وکرم سے شاعر اور مجنون نہیں ہیں۔(القلم:۲)

شعر اور شعراء کے بارے میں سورۃ الشعراء کی آیت ۲۲۵ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ
اورنہیں ہم نے بھیجے آپ سے پہلے مگر مرد ہم وحی کرتے ان کی طرف

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝
پس تم پوچھ لو اہل ذکر اگر ہوتم نہیں تم جانتے

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا
اورنہیں بنائے ہم نے ان کے ایسے جسم نہ وہ کھاتے ہوں کھانا اور نہ

كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝
تھے وہ ہمیشہ رہنے والے

''اور اے نبی آپ سے پہلے ہم نے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا اور ان پر ہم وحی کی تھی ۔اگر تمہیں علم نہیں تو اہل کتاب سے پوچھ لو۔(٧) ان رسولوں کو ہم نے ایسا جسم نہیں دیا تھا کہ وہ کھاتے نہ ہوں اور نہ ہی وہ ہمیشہ زندہ رہنے والے تھے۔''(٨)

فہم القرآن

ربط کلام: آپ ﷺ کے بشر ہونے کا ایک اور جواب ۔

قرآن مجید نے آپ ﷺ اور انبیاء علیہم السلام کے حوالے سے کئی مقامات پر اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ آپ اور پہلے انبیاء کرام علیہم السلام بشر تھے۔اور سب کے سب کھانے ، پینے والے انسان تھے۔اللہ تعالیٰ نے اُن کے جسم ایسے نہیں بنائے تھے جو کھانے پینے کی حاجت سے بے نیاز ہوں اور نہ ہی وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔یہی وجہ ہے کہ وہ اس دنیا سے انتقال کر گئے۔کہ اگر ان لوگوں کو اس بات پر پھر بھی یقین نہیں آتا تو انھیں چاہیے کہ اہل ذکر سے پوچھ لیں کہ جتنے پیغمبر بھی آپ ﷺ سے پہلے مبعوث کیے گئے ہیں وہ سب کے سب انسان تھے۔اہل ذکر سے مراد اہل علم ہیں جو شریعت کا علم رکھنے والے ہیں اور بخل و خیانت سے کام نہیں لیتے۔اہل الذکر کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایسے علماء سے مسئلہ دریافت کیا جائے۔جن کی دین کے بارے میں یادداشت اچھی ہو اور ''اللہ'' کے خوف سے سچی بات بتلانے والے ہوں۔

آپ ﷺ کا فرمان کہ میں ایک بشر ہوں:

((عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لَا أَدْرِي زَادَ أَوْ نَقَصَ فَلَمَّا سَلَّمَ قِيلَ لَهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، أَحَدَثَ فِي الصَّلَاةِ شَيْءٌ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا صَلَّيْتَ كَذَا وَكَذَا فَثَنَى رِجْلَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ ، وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ، فَلَمَّا أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ قَالَ إِنَّهُ لَوْ حَدَثَ فِي الصَّلَاةِ شَيْءٌ لَنَبَّأْتُكُمْ

بِهِ ، وَلَكِنْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ ، أَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ ، فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي ، وَإِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَتَحَرَّى الصَّوَابَ، فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ يُسَلِّمْ ، ثُمَّ يَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ))[بخاری: باب التوجه نحو القبلة]

''حضرت علقمہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی تو نماز میں کچھ کمی بیشی ہوگئی جب سلام پھیرا تو لوگوں نے عرض کیا'' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے متعلق کوئی نیا حکم آیا ہے؟ آپ نے فرمایا کیوں؟ لوگوں نے کہا آپ نے اتنی رکعت پڑھی ہیں یہ سن کر آپ واپس ہوئے پھرے قبلہ کی طرف چہرہ کیا۔ سہو کے دوسجدے کیے پھر سلام پھیرا پھر ہماری طرف چہرہ کر کے فرمایا: اگر نماز کے بارے میں کوئی نیا حکم آتا تو میں ضرور تمہیں بتا دیتا۔ لیکن بات یہ ہے کہ میں بھی تمہاری طرح آدمی ہوں جیسے تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں۔ جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو اور جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک پڑ جائے تو یقین کے مطابق اپنی نماز پوری کرے پھر سلام پھیرے اور بھول کے دوسجدے کرلے۔''

''سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اس وقت لوگ کھجور کی پیوند کاری کرتے تھے آپ نے فرمایا: یہ کیا کرتے ہو؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا ہمارا یہی طریقہ ہے آپ نے فرمایا: اگر تم یہ کام نہ کرو تو شاید بہتر ہو۔ لوگوں نے پیوند کرنا چھوڑ دیا تو کھجوریں پھل کم لائیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تو آپ نے فرمایا: میں بھی ایک بشر ہی ہوں جب میں تمہیں تمہارے دین کے بارے میں کسی بات کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو۔ جب میں کوئی بات اپنی رائے سے کہوں تو میں بھی آخر آدمی ہوں۔[مسلم، کتاب الفضائل ،باب وجوب امتثال]

مسائل

١۔ تمام کے تمام انبیائے کرام علیہم السلام انسان تھے۔ ٢۔ آدمی کو معلوم نہ ہو تو اسے اہل علم سے پوچھ لینا چاہیے۔

٣۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کھانے پینے والے انسان تھے۔ ٤۔ کسی نبی کو بھی ہمیشہ کی زندگی حاصل نہ تھی۔

تفسیر بالقرآن

تمام انبیاء کرام علیہم السلام بشر تھے:

١۔ تمام رسولوں کو ان کی قوم کے پاس انہی کی زبان میں بھیجا گیا۔(ابراہیم:٤)

٢۔ انبیاء اقرار کرتے تھے کہ ہم بشر ہیں۔(ابراہیم:١١) ٣۔ اللہ نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ آدمی تھے۔(یوسف:١٠٩)

٤۔ اللہ نے آپ سے پہلے جتنے بھی نبی بھیجے وہ بشر ہی تھے۔(النحل:٤٣)

٥۔ رسول اللہ کا اعتراف کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔(الکہف:١١٠)

٦۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے کہا نہیں ہے یہ مگر تمہارے جیسا بشر اور یہ تم پر فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے۔(المومنون:٢٤)

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَ اَهْلَكْنَا

پھر ہم نے سچا کیا ان سے وعدہ چنانچہ ہم نے انہیں نجات دی اور جنہیں ہم چاہتے اور ہم نے ہلاک کردیا

الْمُسْرِفِيْنَ ۝٩ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ

حد سے گزرنے والے البتہ تحقیق ہم نے نازل کی تمھاری طرف ایک کتاب اس میں تمھارا ذکر

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝١٠ؑ

کیا پھر نہیں تم سمجھتے؟

ع ١٠ ١

’’پھر ہم نے ان کے ساتھ اپنے وعدے پورے کیے۔ انہیں اور جس کو ہم نے چاہا بچالیا اور حد سے گزر جانے والوں کو ہلاک کردیا۔(٩) لوگو! ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب بھیجی ہے جس میں تمہارے لیے نصیحت ہے کیا تم سمجھنے کے لیے تیار ہو؟‘‘ (١٠)

فہم القرآن

ربط کلام: حق کا انکار کرنے والوں کو انبیائے کرام عذاب الٰہی کی وعید سناتے۔ جسے منکرین جھوٹ قرار دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف اقوام پر عذاب نازل کر کے انبیاء کے وعدہ کو سچ کر دکھایا۔

اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو عذاب سے نجات دی اور منکرین حق کو تباہ کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے جو کتاب نازل کی ہے اس میں عبرت کے طور پر پہلی اقوام کی بربادی اور انبیائے کرام علیہم السلام کی کامیابی کا ذکر موجود ہے بشرطیکہ لوگ عقل سے کام لیں۔ اگر لوگ عقل استعمال کریں گے تو یقیناً نصیحت پاجائیں گے۔ کچھ مفسرین نے ”ذِكْرُكُمْ“ کا یہ معنیٰ بھی لیا ہے کہ یہاں ذکر سے مراد لوگوں کے مسائل کا حل ہے تاکہ وہ قرآن مجید کی رہنمائی میں اپنے مسائل کا حل کرسکیں۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام سے اپنا وعدہ پورا فرمایا۔ ٢۔ قرآن مجید عقلمند لوگوں کے لیے نصیحت ہے۔

٣۔ قرآن مجید لوگوں کے مسائل کا حل بتلاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے نزدیک عقل وفکر کی اہمیّت:

١۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے پیغام ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں عقلمند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ (ابراہیم: ٥٢)

٢۔ نصیحت تو بس عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔ (آل عمران: ٧)

٣۔ جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر نہیں ہوسکتے عقلمند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ (الزمر: ٩)

٤۔ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی طرف نازل فرمایا ہے وہ حق ہے عقلمند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ (الرعد: ١٩)

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا

اور کتنی — ہم نے تہس نہس کردیں — سے — بستیاں — تھیں وہ — ظالم — اور ہم نے پیدا کیں

بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿١١﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا

اس کے بعد — قوم — دوسری — چنانچہ جب — انھوں نے محسوس کیا — ہمارا عذاب — تب

هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿١٢﴾ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ

وہ — ان سے — وہ بھاگتے — مت — تم بھاگو — اور تم لوٹ آؤ — ان کی طرف کہ

اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿١٣﴾ قَالُوْا

تم مال دیے گئے تھے — میں — اور اپنے مکانوں — تاکہ تم — تم پوچھے جاؤ — انھوں نے کہا

''کتنی ہی ظالم بستیاں ہیں جن کو ہم نے تہس نہس کر دیا اور ان کے بعد دوسری قوم کو اٹھایا۔(۱۱) جب ان کو ہمارا عذاب دکھائی دیا تو وہاں سے بھاگنے لگے۔(۱۲) اپنے انہی گھروں اور عیش کے سامان میں لوٹ جاؤ جن میں تم رہتے تھے تاکہ تم سے پوچھ گچھ کی جائے۔(۱۳) کہنے لگے

فہم القرآن

ربط کلام: جن لوگوں نے انبیائے کرام علیہم السلام پر الزام لگائے اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کا انکار کیا اُن کا انجام۔

اللہ تعالیٰ نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کیا جن کے رہنے والے حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بارے میں ظلم کرنے والے تھے۔ انھیں تباہ و برباد کر کے دوسری قوم کو پیدا فرمایا۔ قوموں کی تباہی اور دوسری اقوام کو لانے کے عمل کا ذکر کرتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں جمع کی ضمیر (ھُمْ) استعمال فرمائی ہے۔ جس کا مقصد جلالت و جبروت کا اظہار کرنا ہے۔ چنانچہ جب ظالم لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب کا مظاہرہ کیا اور ظالموں کو یقین ہو گیا کہ اب ہمارا بچنا مشکل ہے تو وہ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے انبیائے کرام علیہم السلام کو حکم فرمایا کہ انہیں کہو بھاگنے کی بجائے اپنے مال و دولت، عیش و عشرت اور محلات میں ٹھہرے رہو تاکہ تمھاری اچھی طرح پوچھ گچھ کی جاسکے۔ پوچھ گچھ سے مراد وہ عذاب ہے جس میں وہ مبتلا کیے گئے۔ گویا کہ انھیں ان کے مال و دولت سمیت تباہ کر دیا گیا۔ جن محلات اور مکانات میں رہتے تھے وہی ان کے لیے قبرستان بن گئے۔ جب ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تو وہ اس بات کا اقرار کرتے رہے کہ ہم پر ظلم نہیں ہوا بلکہ ہم خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے۔ اُن کے اقرار کے باوجود۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ریزہ ریزہ کر دیا جس میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہ تھی۔ اس حالت میں اُن کی کوئی

يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿١٤﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ

ہائے ہماری کم بختی! بلاشبہ ہم تھے ظالم پھر ہمیشہ یہی

دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿١٥﴾

ان کی پکار یہاں تک کہ ہم نے انھیں کردیا کٹی کھیتی بجھے ہوئے

ہائے ہماری کم بختی بے شک ہم ظالم تھے۔(١٤)اور وہ یہی پکارتے رہے یہاں تک کہ ہم نے ان کو کھلیان کردیا زندگی کی ایک رمق تک ان میں نہ رہی۔"(١٥)

مدد کرنے والا نہ تھا، باوجود اس کے وہ آہ وزاریاں کررہے تھے۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب جب کسی قوم پر نازل ہوتا تو انھیں بھاگنے کی مہلت نہیں ملتی۔

٢۔ ہلاک ہونے والے لوگ اپنے جرائم کا اعتراف کیا کرتے تھے۔

٣۔ جس قوم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو تو وہ راکھ کے ڈھیر کی مانند ہوجاتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

"اللہ" کے عذاب کے وقت ظالموں کی حالت:

١۔ کیا وہ بے فکر ہیں کہ انہیں اللہ کا عذاب یا قیامت اچانک آلے اور انہیں معلوم بھی نہ ہو۔(یوسف:١٠٧)

٢۔ ہم نے ان کو اچانک پکڑلیا اور وہ بے خبر تھے۔(الاعراف:٩٥)

٣۔ ہم ان کے پاس اچانک عذاب لے آئیں گے اور انہیں معلوم نہ ہوگا۔(العنکبوت:٥٣)

٤۔ اللہ جب مصیبت نازل کرتا ہے تو اس کے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی اور نہ کوئی اسے بچانے والا ہوتا ہے۔(الرعد:١١)

٥۔ "اللہ" کے عذاب سے ظالموں کو کوئی بچانے والا نہیں ہوتا۔(الرعد:٣٤)

٦۔ "اللہ" نے ظالموں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑلیا اور انہیں کوئی بچانے والا نہ تھا۔(المومن:٢١)

٧۔ "اللہ" کے عذاب سے کوئی نہیں بچ سکتا مگر جس پر اللہ رحم فرمائے۔(ہود:٤٣)

٨۔ "اللہ" کی گرفت بہت سخت ہوا کرتی ہے۔(البروج:١٢)

وَمَا	خَلَقْنَا	السَّمَآءَ	وَالْاَرْضَ	وَمَا	بَيْنَهُمَا	لٰعِبِيْنَ ⑯	
اورنہیں	ہم نے پیدا کیا	آسمان	اورزمین	اور جو کچھ	ان دونوں کے درمیان	کھیلنے والے	
لَوْ	اَرَدْنَآ	اَنْ	نَّتَّخِذَ	لَهْوًا	لَّاتَّخَذْنٰهُ		
اگر	ہم چاہتے	یہ کہ	ہم بنائیں	کوئی کھیل تماشہ	تو البتہ ہم اس کو بنالیتے		
مِنْ	لَّدُنَّآ	اِنْ	كُنَّا	فٰعِلِيْنَ ⑰	بَلْ	نَقْذِفُ	
سے	اپنے پاس	اگر	ہم ہوتے	کرنے والے	بلکہ	ہم مارتے ہیں	
بِالْحَقِّ	عَلَى	الْبَاطِلِ	فَيَدْمَغُهٗ	فَاِذَا	هُوَ	زَاهِقٌ ؕ	
حق کو	پر	باطل	وہ اس کا سر پھوڑ دیتا ہے	پھر یکایک	وہ	جانے والا ہوجاتا ہے	
وَلَكُمُ	الْوَيْلُ	مِمَّا	تَصِفُوْنَ ⑱				
اورتمھارے لیے	ہلاکت	بوجہ	تم بیان کرتے ہو				

”ہم نے اس آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے کوئی کھیل کے طور پر نہیں بنایا ہے۔(١٦) اگر ہم کھیل تماشا کرنا چاہتے تو اُسے اپنے ہاں کرتے۔(١٧) بلکہ ہم باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں جو اس کا سر توڑ دیتا ہے اور وہ دیکھتے ہی مٹ جاتا ہے اور یہ باتیں بنانے کی وجہ سے تمہارے لیے تباہی ہے۔“(١٨)

فہم القرآن

ربط کلام : پہلی اقوام کی تباہی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ہلاک ہونے والے سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو کھیل تماشا کے طور پر بنایا ہے اور دنیا ہمیشہ اس طرح ہی رہے گی۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا

ہلاک ہونے والے لوگ فکری یا عملی طور پر سمجھتے تھے کہ اس دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی تفریح یا محض اپنی قدرت کے اظہار کے طور پر پیدا کیا ہے۔ دنیا کی تو کوئی انتہا نہیں اور نہ اس کا انجام۔ اسی اعتقاد کی وجہ سے وہ لوگ دنیا پر اس قدر راضی اور قانع ہوئے کہ انھوں نے اپنے اور زمین وآسمان کے خالق کو نا صرف یکسر طور پر فراموش کر دیا بلکہ اس کی بغاوت کرنے میں انتہا کر دی۔ جس کے نتیجہ میں انھیں اس دنیا میں ہی عبرت کا نشانہ بننا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے اعتقاد اور کردار کی نفی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے زمین وآسمان اور ان کے درمیان جو کچھ پیدا کیا ہے اُسے کھیل تماشہ کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ اگر ہماری منشاء یہ ہوتی تو ہم یہ تماشہ اپنے پاس عرشِ معلی پر کرتے۔ اس کائنات کو بنانے اور انسان کو پیدا کرنے کا مقصد تو یہ ہے کہ سچ اور جھوٹ، کھرے اور کھوٹے، حق اور باطل میں امتیاز ہوجائے۔ اسی لیے دنیا میں حق وباطل

کے معرکے ہوئے اور قیامت تک برپا ہوتے رہیں گے۔ اس معرکہ آرائی میں حق پرست ثابت قدمی دکھائیں تو بالآخر حق کی فتح ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حق کو باطل پر غالب کرتا ہے۔ یہاں تک کہ باطل دب جاتا ہے۔ جو لوگ جھوٹ اور باطل کی حمایت کرتے ہیں اُن کا انجام خرابی اور بربادی ہی ہوا کرتا ہے۔ حق و باطل کے معرکہ میں، حق کے غالب آنے کی جو گارنٹی دی گئی ہے اس کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ بے شک باطل بظاہر کتنے کرّو فر کے ساتھ ترقی کر رہا ہو اور اس کے باوجود حق فکری عملی طور پر اپنا آپ منوا کر رہتا ہے۔ اس سلسلہ میں انبیائے کرام علیہم السلام کی مثال ہمارے سامنے ہے جو لوگ انبیاء کے جھوٹا ہونے کا پراپیگنڈہ کرتے تھے۔ نجی مجالس میں وہ بھی اُن کی سچائی اور امانت کا اقرار کرتے تھے۔ جنھوں نے حق کو دبانے کی کوشش کی وہ بھی دلائل کی بنیاد پر حق کو جھوٹ ثابت کرنے میں ناکام رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو یوں بھی بیان فرمایا ہے کہ ”اللہ نے اپنے رسول کو دین اور ہدایت کے ساتھ اس لیے بھیجا تاکہ باطل ادیان پر اُسے غالب کر دے۔ غلبہ سے حقیقی مراد دلائل کی بنیاد پر غلبہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دلیل کی بناء پر کوئی شخص دین کی کسی بات اور اصول کو ناقابل عمل یا غلط ثابت نہیں کر سکتا یہ اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے۔ بے شک کفار اور مشرکین کے لیے یہ بات کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ (الصّٰفّٰت: ٨، ٩)

جہاں تک حق کے غلبہ کا تعلق ہے تاریخ اسلام میں بدر و حنین کے معرکے اس بات کا واضح ثبوت ہیں۔ البتہ مسلمانوں کو اُسی وقت ہی غلبہ نصیب ہو گا جب وہ اخلاص کے ساتھ اجتماعی طور پر اسلام کے ساتھ عملاً وابستہ ہوں گے۔ جس کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مسلمانو! بے دل نہ ہونا اور نہ غم کرنا اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔ (آل عمران: ١٣٩)

((اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی)) [ارواء الغلیل حدیث نمبر: ١٢٦٨]

”اسلام غالب آئے گا اور اس پر کوئی غالب نہیں آئے گا۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمانوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے کھیل تماشا کے طور پر پیدا نہیں کیا۔

٢۔ اللہ تعالیٰ حق کو باطل پر غالب کرتا ہے۔ ٣۔ باطل کی حمایت کرنے والوں کے لیے بربادی ہے۔

تفسیر بالقرآن

حق غالب رہنے کے لیے آیا ہے:

١۔ حق ہمیشہ غالب رہے گا۔ (الانبیاء: ١٨) ٢۔ اللہ تعالیٰ نے حق غالب رہنے کے لیے نازل کیا ہے۔ (الصّٰفّٰت: ٩)

٣۔ اللہ تعالیٰ حق کو باطل پر مسلط کرتا ہے۔ (بنی اسرائیل: ٨١) ٤۔ مسلمان غالب ہوں گے بشرطیکہ ایماندار ہوں۔ (آل عمران: ١٣٩)

٥۔ اللہ تعالیٰ حق کو غالب کرنا چاہتا ہے۔ (الانفال: ٧) ٦۔ حق کے بعد گمراہی ہے۔ (یونس: ٣٢)

وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ

اوراسی کے لیے | جو | میں | آسمانوں | اور زمین | اور جو | اس کے پاس

لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

نہ | وہ تکبر کرتے ہیں | سے | اس کی عبادت | اور نہ | وہ تھکتے ہیں

یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾

وہ تسبیح کرتے ہیں | رات | اور | دن | نہیں وہ سستی کرتے

”زمین اور آسمانوں میں جو بھی مخلوق ہے اللہ کی ہے اور جو اس کے حضور رہتے ہیں وہ اس کی بندگی سے نہ سرتابی کرتے ہیں اور نہ ہی تھکتے ہیں۔(۱۹) شب و روز اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور سستی نہیں کرتے۔“(۲۰)

فہم القرآن

ربط کلام: اے نافرمانوں تم اپنے رب کی عبادت کرو یا نہ کرو اسے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ کائنات کی ہر چیز اپنے رب کی تابعدار اور عبادت گزار ہے۔

چند آیات پہلے اس بات کا ذکر ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی ظالم بستیوں کو نیست و نابود کیا جس کا ایک سبب یہ تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو تفریحِ طبع اور کھیل تماشا کے طور پر پیدا کیا ہے۔ جس وجہ سے انھوں نے حق بات ماننے اور ”اللہ“ کی اطاعت کرنے میں لاپرواہی کی اور ”اللہ“ کی ذات اور صفات کے بارے میں ایسی باتیں کرتے رہے جو رب تعالیٰ کی شان کے خلاف ہیں۔ اس سے پہلی آیت میں ان کا جواب یہ دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے اور جس طرح چاہے باطل پر حق کو غلبہ دیتا ہے۔ جب اس کا فیصلہ صادر ہو جائے تو کوئی اس کے فیصلہ کے سامنے دم نہیں مار سکتا کیونکہ زمین و آسمان اُسی کی ملکیت ہیں اور اُس کے پاس جو فرشتے حاضر رہتے ہیں وہ ایک لمحہ بھی اس کی عبادت سے کتراتے اور تھکتے نہیں وہ دن رات اُس کی حمد و ستائش کے گن گاتے ہیں۔ انھیں اپنے رب کی یاد اور عبادت سے ذرہ برابر تھکاوٹ اور اکتاہٹ نہیں ہوتی۔ ملائکہ سب کے سب اپنے رب کی عبادت اور اطاعت میں بلا تامّل اور بلا تعطّل مصروف رہتے ہیں کیونکہ ان کا وجود اپنے رب کی اطاعت اور عبادت کا مرہون منت ہے۔ لیکن اس فرمان میں جن ملائکہ کا ذکر ہے اُن سے مراد عرشِ معلیٰ کے قریب تر رہنے والے ملائکہ ہیں۔ جن کے بارے میں قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے کہ ”جو ملائکہ اللہ تعالیٰ کا عرش اُٹھائے ہوئے ہیں اور جو اُس کے اردگرد حلقہ باندھے ہوئے ہیں وہ اپنے رب کی شایانِ شان تسبیح پڑھتے ہیں اور پوری طرح اپنے رب کا حکم ماننے والے ہیں اور مومنوں کے حق میں اپنے رب سے بخشش مانگتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تیرے علم اور رحمت نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔ جو لوگ تیرے حضور توبہ کرتے ہیں اور تیرے راستے پر چلتے ہیں انھیں جہنم کے عذاب

سے محفوظ فرما۔ اے ہمارے رب! انھیں اپنے وعدے کے مطابق ہمیشہ رہنے والی جنت میں داخل فرما۔ ان کے ماں باپ، بیویوں اور نیک اولاد کو بھی ہمیشہ کی جنت میں داخل فرما یقیناً تو ہر چیز پر غالب اور حکمت والا ہے۔“ (المومن: ۷۔ ۸)

ملائکہ کی تعداد اور دعائیں:

((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اُتِيْتُ بِالْبُرَاقِ وَهُوَ دَآبَّةٌ اَبْيَضُ طَوِيْلٌ فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُوْنَ الْبَغْلِ يَقَعُ حَافِرُهٗ عِنْدَ مُنْتَهٰى طَرَفِهٖ فَرَكِبْتُ حَتّٰى اَتَيْتُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَرَبَطْتُهٗ بِالْحَلْقَةِ الَّتِىْ تَرْبِطُ بِهَا الْاَنْبِيَاءُ قَالَ ثُمَّ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَصَلَّيْتُ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجْتُ فَجَاءَ نِىْ جِبْرَئِيْلُ بِاِنَاءٍ مِّنْ خَمْرٍ وَّاِنَاءٍ مِّنْ لَبَنٍ فَاخْتَرْتُ اللَّبَنَ فَقَالَ جِبْرَئِيْلُ اِخْتَرْتَ الْفِطْرَةَ ثُمَّ عُرِجَ بِنَا اِلَى السَّمَاءِ ....وَقَالَ فِى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَاِذَا اَنَا بِاِبْرَاهِيْمَ مُسْنِدًا ظَهْرَهٗ اِلَى الْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ وَاِذَا هُوَ يَدْخُلُهٗ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ لَّا يَعُوْدُوْنَ اِلَيْهِ.........)) [رواہ مسلم: باب الإسراء برسول اللّٰہ ﷺ إلی السموات وفرض الصلوات]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا‘ میرے پاس ایک براق لایا گیا۔ وہ ایک سفید رنگ کا جانور تھا‘ جس کا قد لمبا اور وہ گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا۔ اس کا قدم اس کی حدِ نگاہ پر پڑتا تھا۔ میں اس پر سوار ہوا اور بیت المقدس پہنچا۔ میں نے براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا‘ جس سے انبیاء علیہم السلام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ پھر میں مسجد اقصیٰ میں داخل ہوا اور دو رکعتیں ادا کیں۔ باہر نکلا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے شراب اور ایک دودھ کا برتن پیش کیا میں نے دودھ کو پسند کیا۔ اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا‘ آپ نے فطرت کو پسند فرمایا ہے۔ پھر آسمان کی طرف ہمارا عروج شروع ہوا۔ .... مجھے ساتویں آسمان پر لے جایا گیا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے تھا۔ وہ بیت المعمور سے کمر لگائے بیٹھے تھے۔ بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور جن کی باری پھر کبھی نہیں آتی ....“

مسائل

۱۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملک اور اس کے تابع فرمان ہے۔ ۲۔ ملائکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔

۳۔ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اس کی تسبیح پڑھنے سے اکتاتے اور تھکتے نہیں۔

تفسیر بالقرآن

ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہے:

۱۔ ساتوں آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ (بنی اسرائیل: ۴۴)

۲۔ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ (الحدید: ۱) ۳۔ آسمانی برق اپنے رب کی حمد کرتی ہے۔ (الرعد: ۱۳)

۴۔ اللہ کے عرش کو اٹھانے والے فرشتے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ (المومن: ۷)

۵۔ ہم نے داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کیا اور وہ بھی صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرتے تھے۔ (الانبیاء: ۷۹)

أَمِ اتَّخَذُوٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾

کیا | انھوں نے بنالیے | معبود | سے | زمین | وہ | وہ زندہ کردیں گے

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ

اگر | ہوتے | ان دونوں میں | کئی معبود | سوا | اللہ | تو ضرور وہ دونوں ہی بگڑ جاتے | چنانچہ پاک ہے

اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْئَلُ

اللہ | رب | عرش کا | اس سے | وہ بیان کرتے ہیں | نہیں اس سے پوچھا جاسکتا

عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

اس چیز کی بابت | وہ کرتا ہے | جبکہ | وہ پوچھے جائیں گے

''کیا ان لوگوں کے بنائے ہوئے معبود زمین پر ہیں کہ جو زندہ کرسکتے ہوں؟ (۲۱) اگر آسمان وزمین میں ایک اللہ کے سوا اور بھی الٰہ ہوتے تو دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔ بس عرش کا مالک ''اللہ'' ان باتوں سے مبرّا ہے جو یہ لوگ بنارہے ہیں۔ (۲۲) وہ اپنے کاموں میں کسی کو جوابدہ نہیں ہے باقی سب سے پوچھ گچھ کی جاتی ہے۔'' (۲۳)

فہم القرآن

ربط کلام: رب کے نافرمان نہ صرف اس کی عبادت نہیں کرتے بلکہ وہ اس کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک بناتے ہیں۔

ہر دور میں ایسے لوگ ہوئے ہیں اور رہیں گے کہ جن کا عقیدہ ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کے معاون اور اس کی خدائی میں حصہ دار ہیں۔ ان میں بعض لوگوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور وہ اس کی خدائی میں شریک ہیں جس بناء پر وہ اُن کی عبادت کرتے ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا ملائکہ اور دوسروں کو معبود بناتے ہیں ان کے عقیدہ کی یہاں تین دلائل کے ساتھ نفی کی گئی ہے۔

۱۔ جنھوں نے ملائکہ اور زمین میں سے کسی کو معبود بنالیا ہے۔ کیا وہ مشرکوں کے مرنے کے بعد انہیں اُٹھانے کی سکت رکھتے ہیں ؟ ہرگز نہیں!

۲۔ اگر زمین وآسمان میں ایک کی بجائے دو الٰہ ہوتے تو ان کے درمیان ضرور تصادم ہوتا۔ جس سے زمین وآسمان کا نظام درہم برہم ہوجاتا، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں کے عقائد اور بے ہودہ باتوں سے مبرّا اور پاک ہے۔ وہ اپنی شان کے مطابق عرش پر مستوی ہے۔ چودھویں پارہ میں اس باطل عقیدہ کی یوں نفی کی گئی ہے کہ ''لوگو! تمھارے رب کا فرمان ہے کہ زمین وآسمان میں دو الٰہ سمجھنے اور بنانے کی بجائے صرف ایک ہی اِلٰہ پر ایمان لاؤ۔ کیونکہ معبودِ برحق ایک ہی ہے بس اُسی سے ڈرتے رہو۔'' (النحل: ۵۱)

پندرھویں پارہ میں ارشادفرمایا۔’’اے پیغمبر!انھیں سمجھائیں جس طرح یہ لوگ کہتے ہیں اگراللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہوتا تو دوسرا الٰہ ضرور عرش کی طرف چڑھ دوڑتا۔اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی باتوں سے مبرا، پاک اور بلند و بالا ہے۔‘‘ (بنی اسرائیل:٤٢۔٤٣)

سورۃ المومنون آیت:٩١ میں اس طرح ارشاد ہوا۔

’’اللہ‘‘ کی کوئی اولاد نہیں اور نہ ہی اُس کے ساتھ دوسرا اِلٰہ ہے۔اگر دوسرا اِلٰہ ہوتا تو وہ اپنی مخلوق کو الگ کرنے کی کوشش کرتا اور وہ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے۔‘‘

٣۔ جہاں تک ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ معبود سمجھنے یا اس کی خدائی میں شریک کرنے کا معاملہ ہے تو ان لوگوں کو اس پر سوچنا چاہیے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی باقی مخلوق کی طرح ایک مخلوق ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے محکوم اور اس کے حضور مسئول ہیں۔ان کے ذمہ جو ڈیوٹی ہوتی ہے اس کے بارے میں اُن سے پوچھ گچھ ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے حکم صادر فرماتا ہے اُس سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔

((وَقَالَ اَبُوْ ذَرٍ رضی اللہ عنہ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ مَا الْكُرْسِيُّ فِي الْعَرْشِ إِلَّا كَحَلْقَةٍ مِنْ حَدِيْدٍ أُلْقِيَتْ بَيْنَ ظَهْرِيْ فَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ))[تفسیر طبری]

’’حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔آپ نے فرمایا کرسی عرش کے مقابلے میں ایک لوہے کی انگوٹھی کی طرح ہے جو چٹیل میدان میں پڑی ہوئی ہو۔‘‘

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی زندہ کرنے والا نہیں۔٢۔ اگر دو الٰہ ہوتے تو ان کے درمیان ضرور اختلاف پیدا ہوتا۔

٣۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے باطل عقیدہ سے بلند اور ان کی بے ہودہ باتوں سے پاک ہے۔

٤۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہر کوئی مسئول ہے اور ’’اللہ‘‘ سے کوئی سوال کرنے والا نہیں ہے۔

تفسیر بالقرآن

ایک سے زیادہ معبود ہونے کی بجائے صرف ایک ہی الٰہِ حق ہے:

١۔ تمہارا الٰہ ایک ہی ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ رحمٰن ورحیم ہے (البقرۃ۔١٦٣)

٢۔ یقیناً اللہ ہی اکیلا الٰہ ہے وہ اولاد سے پاک ہے آسمان وزمین کی ہر چیز اسی کے لیے ہے (النساء۔١٧١)

٣۔ اسکے سوا کوئی الٰہ نہیں مگر وہ اکیلا ہی ہے (المائدۃ:٧٣) ٤۔اللہ کا فرمان ہے کہ دو الٰہ نہ بناؤ کیونکہ الٰہ ایک ہی ہے۔(النحل:٥١)

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ

کیا | انھوں نے بنا لیے | اس کے سوا | معبود؟ | فرما دیجیے | لاؤ تم | دلیل اپنی

هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ ؕ

یہ | ذکر | جو | میرے ساتھ | اور ذکر | جو | مجھ سے پہلے تھے

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾

بلکہ | ان کے اکثر | نہیں وہ جانتے | حق | سو وہ | اعراض کرنے والے ہیں۔

”کیا اللہ کو چھوڑ کر انہوں نے دوسروں کو معبود بنا لیا ہے؟ اے نبی ان سے فرماؤ کہ لاؤ اپنی دلیل اور یہ کتاب بھی موجود ہے جس میں میرے دور کے لوگوں کے لیے نصیحت ہے اور وہ کتابیں بھی موجود ہیں جن میں مجھ سے پہلے لوگوں کے لیے نصیحت تھی مگر ان میں سے اکثر لوگ حقیقت سے بے خبر ہیں اس لیے منہ موڑے ہوئے ہیں۔“ (۲۴)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کو کوئی پوچھنے والا نہیں وہ مختارِ کل اور قادر مطلق ہے مگر اس کے باوجود لوگوں نے اِلٰہ حقیقی کو چھوڑ کر دوسروں کو مشکل کشا بنا رکھا ہے اگر وہ مشکل کشا ہیں تو ان کے سچا ہونے کی کوئی عقلی و نقلی دلیل پیش کریں۔

جنھوں نے اِلٰہِ حق کو چھوڑ کر دوسرے اِلٰہ بنا رکھے ہیں۔ ان کے لیے کھلا چیلنج ہے کہ اگر اُن کے پاس اپنے معبودوں کے برحق ہونے کی کوئی عقلی و نقلی دلیل ہے تو وہ سامنے لائیں۔ مجھ پر اور مجھ سے پہلے جتنے انبیائے کرام ﷺ پر کتابیں نازل ہوئی ہیں ان میں عقلی و نقلی دلائل موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں ہے۔ لیکن لوگوں کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ وہ اس حقیقت سے نا آشنا اور اپنی بے علمی کی وجہ سے حق سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

یہاں ”ذکر“ کا معنیٰ نصیحت بھی ہے اور عقیدۂ توحید بھی۔ مراد یہ ہے یہی میرا، میرے ساتھیوں اور مجھ سے پہلے انبیاء ﷺ کا عقیدہ اور نصیحت ہے۔ جہاں تک اِلٰہِ حقیقی کے سوا کسی دوسرے اِلٰہ کا تعلق ہے اس کی کوئی عقلی و نقلی دلیل موجود نہیں۔ جس کا بین اور ٹھوس ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو اِلٰہ مانتا ہے اُس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں اس کا حساب اُس کے رب کے ہاں ہوگا۔ یقین جانو کہ کافر کبھی فلاح نہیں پائے گا۔ (المومنون: ۱۱۷) کافر سے مراد یہاں کلمہ نہ پڑھنے والا بھی ہے اور مشرک بھی۔ اِلٰہ کا معنیٰ ہے حاجت روا، مشکل کشا اور وہ ذات جس کے ساتھ انتہا درجے کی محبت کرتے ہوئے نہایت عاجزی کے ساتھ اس کی عبادت کی جائے۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ رِوَایَةً قَالَ لِلّٰهِ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ اِسْمًا مِائَةٌ إِلَّا وَاحِدًا لَا یَحْفَظُهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَ

الْجَنَّةَ وَھُوَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ))[رواہ البخاری: کتاب الدعوات ،باب للہ مائۃ اسم غیر واحد]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو انہیں یاد کرلے گا جنت میں داخل ہوگا اللہ ایک ہے اور ایک کو پسند کرتا ہے۔“

(یاد کرنے کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ اسمائے گرامی کے مطابق عقیدہ بھی اختیار کیا جائے۔)

مسائل

۱۔ مشرک کے پاس اپنے عقیدہ کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

۲۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ،اور پہلے انبیائے علیہم السلام کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودِ حق نہیں ہے۔

۳۔ لوگوں کی غالب اکثریت عقیدۂ توحید سے نابلد اور اس سے منہ موڑنے والی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اِلٰہ کے معانی اور اس کی عبادت کا حکم:

۱۔ اسکے سوا کوئی الٰہ نہیں مگر وہ اکیلا ہی الٰہ ہے(المائدۃ:۷۳)

۲۔ فرما دیجیے کہ اللہ ایک ہی الٰہ ہے اور میں تمہارے شریکوں سے بری ہوں۔(الانعام:۱۹)

۳۔ کون ہے جو لاچار کی فریاد سنتا اور اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے، کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے؟(النمل:۶۲)

۴۔ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں اللہ کے سوا رہنمائی کون کرتا ہے؟ کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے۔(النمل:۶۳)

۵۔ میں نے آسمان وزمین کو بغیر نمونے کے پیدا کیا، اور کون تم کو رزق دیتا ہے کیا اللہ کے علاوہ کوئی اور الٰہ ہے۔(النمل۶۴)

۶۔ تمہارا صرف ایک ہی الٰہ ہے، اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں وہی رحم کرنے والا ہے۔(البقرۃ:۱۶۳)

۷۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے جو دن ختم کر کے رات لائے؟(القصص:۷۲)

۸۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی الٰہ ہے جو رات ختم کر کے دن لائے؟(القصص:۷۱)

۹۔ اس ایک الٰہ کے سوا کسی دوسرے الٰہ کو نہ پکارو۔(القصص:۸۸)

۱۰۔ اے لوگو! آخر دم تک ایک الٰہ کی عبادت کرو۔(الحجر:۹۹)

۱۱۔ جن وانس کو اللہ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔(الذاریات:۵۶)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا

اور نہیں ہم نے بھیجا سے آپ سے پہلے سے رسول مگر

نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾

ہم نے وحی کی اس کی طرف بلاشبہ وہ نہیں کوئی معبود مگر میں ہی سو تم میری ہی عبادت کرو

''ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجے ان کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری ہی بندگی کرو۔'' (۲۵)

فہم القرآن

ربط کلام: نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد لوگوں کو ''اللہ'' کی الوہیت سے آگاہ کرنا ہے اور یہی پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت اور عقیدہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیائے کرام علیہم السلام دنیا میں مبعوث فرمائے اُن سب کو یہ حکم تھا کہ وہ لوگوں کو بتلائیں اور سمجھائیں کہ لوگو! تمھارے رب کا فرمان ہے کہ میرے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ اس ارشاد میں رسول اکرم ﷺ کو بھی یہی حکم ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو بتلائیں اور سمجھائیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ جب اس کے سوا کوئی حاجت روا، مشکل کشا اور عبادت کے لائق نہیں تو صرف اس ایک ہی کی عبادت کرنا اور اس ایک کا ہی حکم ماننا چاہیے۔ یہی دعوت پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کی تھی اور اسی سے نبی اکرم ﷺ نے اپنے کام کا آغاز فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کو یہی بات بتلانے اور سمجھانے کی کوشش کی کہ لوگو! لا الٰہ الا اللہ پڑھو اور اس کے تقاضے پورے کرو۔ دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ اسی دعوت کی خاطر آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے مکہ میں ہر قسم کے مظالم برداشت کیے اسی کے لیے آپ طائف تشریف لے گئے۔ طائف والوں نے آپ کے ساتھ بدترین سلوک کیا۔ اسی بنیاد پر بدر، اُحد، خندق، حنین، تبوک اور مکہ کا معرکہ پیش آیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح یاب فرمایا اور وہ وقت بھی آپہنچا کہ جب آپ نے اعلان فرمایا:

((عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ يَوْمًا فَصَلّٰى عَلٰى أَهْلِ أُحُدٍ صَلَاتَهُ عَلَى الْمَيِّتِ ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ إِنِّي فَرَطٌ لَكُمْ وَأَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ وَإِنِّي وَاللّٰهِ لَأَنْظُرُ إِلٰى حَوْضِيَ الْآنَ وَإِنِّي قَدْ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ أَوْ مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ وَإِنِّي وَاللّٰهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي وَلٰكِنْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَتَنَافَسُوا فِيهَا)) [رواه البخاری: باب إِثْبَاتِ حَوْضِ نَبِيِّنَا ﷺ وَصِفَاتِهِ]

''حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن گھر سے باہر نکلے آپ نے اُحد کے شہداء

پر نماز پڑھی جس طرح نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے پھر آپ ممبر کی طرف تشریف لے گئے۔آپ نے فرمایا میں تم پر خوش ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں اور اللہ کی قسم میں اِس وقت حوضِ کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عنایت کی گئی ہیں یا فرمایا مجھے زمین کی چابیاں دی گئی ہیں راوی کو شک ہے۔اللہ کی قسم میں اس بات سے نہیں ڈرتا کہ تم میرے بعد شرک کرو گے لیکن میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم دنیا میں مشغول ہو جاؤ گے۔‘‘

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی فضیلت:

((عَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ)) [رواہ مسلم: باب مَنْ لَقِیَ اللَّهَ بِالإِيمَانِ وَهُوَ غَيْرُ شَاكٍّ فِيهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَحَرُمَ عَلَى النَّارِ]

’’حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول معظم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جس نے توحید ورسالت کی گواہی دی اس پر اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ حرام کردی ہے۔

((عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہما يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ سَيُخَلِّصُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي عَلَى رُءُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ سِجِلًّا كُلُّ سِجِلٍّ مِثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَقُولُ أَتُنْكِرُ مِنْ هَذَا شَيْئًا أَظَلَمَكَ كَتَبَتِي الْحَافِظُونَ فَيَقُولُ لَا يَا رَبِّ فَيَقُولُ أَفَلَكَ عُذْرٌ فَيَقُولُ لَا يَا رَبِّ فَيَقُولُ بَلَى إِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً فَإِنَّهُ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ فَتَخْرُجُ بِطَاقَةٌ فِيهَا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَيَقُولُ احْضُرْ وَزْنَكَ فَيَقُولُ يَا رَبِّ مَا هَذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هَذِهِ السِّجِلَّاتِ فَقَالَ إِنَّكَ لَا تُظْلَمُ قَالَ فَتُوضَعُ السِّجِلَّاتُ فِي كِفَّةٍ وَالْبِطَاقَةُ فِي كِفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ فَلَا يَثْقُلُ مَعَ اسْمِ اللَّهِ شَيْءٌ)) [رواہ سنن ابن ماجه: باب مَا يُرْجَى مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ:رواه احمد:مسند عبدالله بن عمروبن العاص]

’’حضرت عبداللہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میری امت سے ایک آدمی کو ساری مخلوقات میں سے الگ فرمائیں گے اور اُس کے سامنے ننانوے دفتر کھولے جائیں گے اور ہر دفتر حدِ نگاہ تک پھیلا ہوگا۔اللہ فرمائیں گے کیا تو اِن میں سے کسی ایک کا انکار کرتا ہے یا تجھ پہ لکھنے والے میرے کاتبوں نے ظلم کیا ہے؟ وہ کہے گا اے میرے پروردگار بالکل نہیں۔اللہ فرمائیں گے کیا تیرا کوئی عذر ہے وہ کہے گا اے میرے پروردگار! نہیں۔اللہ فرمائیں گے ہاں! ہمارے ہاں تیری ایک نیکی ہے آج کے دن تجھ پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا پھر ایک کاغذ نکالا جائے گا جس میں کلمۂ شہادت ثبت ہوگا۔اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اِس کا وزن کیا جائے وہ کہے گا اتنے بڑے دفتروں کے سامنے اِس کاغذ کی کیا حیثیت ہے۔اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تجھ پر ظلم نہیں ہوگا۔وہ تمام دفتر ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں گے اور کاغذ کا ٹکڑا دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا۔گناہوں والا پلڑا اُوپر اُٹھ جائے گا اور

«لاالٰہ اِلّا اللّٰہ‘ والا پلڑا بھاری ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام سے بڑھ کر کوئی چیز وزنی نہیں ہے۔“

((عَنْ طَارِقِ بْنِ عَبْدُ اللّٰہِ الْمُحَارَبِیُّ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ مَرَّ بِسُوْقِ ذِی الْمَجَازِ وَاَنَا فِیْ بِیَاعَۃٍ لِیْ فَمَرَّ وَعَلَیْہِ حُلَّۃٌ حَمْرَاءُ فَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ یٰا اَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا وَرَجُلٌ یَتْبَعُہٗ یَرْمِیْہِ بِالْحِجَارَۃِ قَدْ اَدْمٰی کَعْبَیْہِ یَعْنِیْ اَبَا لَھَبٍ)) [السنن الکبری للبیھقی]

حضرت طارق بن عبداللہ المحاربی بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو ذی المجاز کے بازار سے گزرتے ہوئے دیکھا اور میں بھی خرید وفروخت کرنے کے لیے وہاں پر موجود تھا آپ ﷺ نے سرخ رنگ کا حلہ پہنے ہوئے تھے میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا آپ کہہ رہے تھے اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو فلاح پاؤ گے۔ایک آدمی آپ کو پیچھے سے پتھر مار رہا تھا جس سے آپ کے قدم خون آلود ہوگئے۔(پتھر مارنے والا ابولہب تھا)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے رسول مبعوث فرمائے اُن کی یہی دعوت تھی کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔

۲۔ رسولِ کریم ﷺ بھی لوگوں کو لا الٰہ الا اللہ کی دعوت دیتے تھے۔

۳۔ اِلٰہ کا پہلا معنٰی یہ ہے کہ ایسی ہستی جس کے ساتھ غایت درجے کی محبت کرتے ہوئے عاجزی کے ساتھ اس کی عبادت کی جائے۔وہ ہستی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔

تفسیر بالقرآن

تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت:

۱۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے اللہ کی وحدانیت کی دعوت دی۔(الانبیاء:۲۵)

۲۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔(ہود:۲)

۳۔ حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کو فرمایا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو۔(العنکبوت:۱۶)

۴۔ حضرت نوح نے اپنی قوم کو ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی اور فرمایا کہ شیاطین کی عبادت نہ کرو۔(المومنون:۲۳)

۵۔ حضرت شعیب نے ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا اور اس کے سوا دوسروں کی عبادت سے منع کیا۔(ہود:۸۴)

۶۔ حضرت ھود نے فرمایا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں ہے۔(ھود:۵۰)

۷۔ حضرت صالح نے اپنی قوم کو ایک رب کی عبادت کرنے کا حکم دیا اور دوسروں کی عبادت سے منع کیا۔(ھود:۶۱)

۸۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا بے شک میرا اور تمہارا پروردگار اللہ ہے اسی کی عبادت کرو۔(مریم:۳۶)

۹۔ ہم نے ہر جماعت میں رسول بھیجے انہوں نے لوگوں کو کہا صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی عبادت نہ کرو۔(النحل:۳۶)

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٢٦﴾

اور انھوں نے کہا اس نے پکڑی رحمٰن اولاد وہ اس سے پاک ہے بلکہ بندے معزز

''یہ کہتے ہیں کہ رحمان نے اولاد بنا رکھی ہے سبحان اللہ وہ تو بندے ہیں جنہیں عزت دی گئی ہے۔'' (٢٦)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں نہ اس کی اولاد ہے اور نہ ہی کوئی شخصیت اُس کی ذات کا حصہ اور نہ ہی کوئی اس کی صفات میں شریک ہے۔

مشرکین نے کئی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ الٰہ بنا رکھے ہیں۔ مشرکین میں سے ایک گروہ کا یہ عقیدہ تھا اور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اولاد کی حاجت سے مبرّا اور پاک ہے۔ ① اولاد کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ انسان اپنے سلسلہ نسب کا تسلسل چاہتا ہے۔ ② ماں باپ کی فطرت میں یہ کمزوری ہے کہ وہ اولاد چاہتے ہیں تاکہ ماں باپ کی حیثیت سے اولاد سے پیار کر سکیں۔ ③ اولاد ماں باپ کا بالخصوص بڑھاپے میں سہارا ہوتی ہے۔ ④ ماں اپنی بیٹی اور باپ اپنے بیٹے کی معاونت کا طلب گار رہتا ہے۔ ⑤ اولاد کی پیدائش کے لیے میاں بیوی کے ملاپ کا ہونا لازم ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کمزوریوں اور حاجات سے مبرّا اور پاک ہے۔ ⑥ اولاد دوسرے لوگوں سے پیاری ہوتی ہے جس بنا پر ماں، باپ سے اولاد کے بارے میں جانب داری ممکن ہے۔ ''اللہ'' عادل ہے اس کے بارے میں جانب داری کا تصور کرنا پرلے درجے کا گناہ اور کفر ہے۔ کچھ لوگ ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں۔ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو رب کا بیٹا قرار دیا۔ عیسائیوں نے اس سے آگے بڑھ کر حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا جز قرار دیا۔ کچھ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ اللہ کا بیٹا اور مریم علیہا السلام اللہ کی بیوی ہے۔ اس طرح انھوں نے تثلیث کا عقیدہ اختیار کیا۔ مسلمانوں نے ایسی لغویات اختیار نہیں کیں لیکن ایک گروہ نے یہ عقیدہ اختیار کر رکھا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے نور کا حصہ ہیں۔ جس کے لیے ''نُوْرٌ مِّنْ نُّوْرِ اللّٰهِ'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ دوسرے گروہ نے پنجتن پاک کی اصطلاح اور عقیدہ بنا رکھا ہے۔ کتنے ظلم اور بے انصافی کی بات ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے پاس اپنے عقیدہ کی نا صرف کسی آسمانی کتاب اور قرآن مجید میں سے کوئی دلیل موجود نہیں بلکہ ان کے پاس کوئی عقلی دلیل بھی نہیں ہے۔ سب کو چھوڑ کر ہم ان لوگوں کے عقیدہ کی بات کرتے ہیں جو رسول اکرم ﷺ کو ''نُوْرٌ مِّنْ نُّوْرِ اللّٰهِ'' کہتے ہیں۔ کیا انھیں معلوم نہیں؟ کہ اللہ تعالیٰ کے نور کی ایک جھلک طور پہاڑ برداشت نہ کر سکا۔ نبی علیہ السلام کے نور کی جھلک آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ عقیدہ عقل وفکر کے خلاف اور پرلے درجے کا شرک ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ان لوگوں کے پاس شرک کی حمایت میں کسی قسم کی دلیل موجود نہیں ہے۔ اس شرک کی تردید اس آیت میں یہ کہہ کر کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس لیے بھی اولاد کی ضرورت نہیں کیونکہ ساری مخلوق ہی اس کی تابع فرمان، ملائکہ، انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اس کے عاجز اور مکرم بندے ہیں۔ ظاہر

ہے کہ بندے اور ''اللہ'' میں اتنا فرق ہے کہ جس کا ہمارے ذہن اندازہ نہیں لگا سکتے۔

سنگین ترین جرم:

''کہتے ہیں رحمٰن بیٹا رکھتا ہے ایسا کہنے والو۔تم بُری بات زبان پر لاتے ہو۔قریب ہے کہ اس جھوٹ سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں۔کہ اُنہوں نے ''اللہ'' کے لیے بیٹا تجویز کیا۔حالانکہ ''اللہ'' کی شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔'' (مریم، آیت:۸۸تا۹۳)

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی كَذَّبَنِیْ ابْنُ اٰدَمَ وَلَمْ یَكُنْ لَّهُ ذٰلِكَ وَشَتَمَنِیْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهُ ذٰلِكَ فَاَمَّا تَكْذِیْبُهُ اِیَّایَ فَقَوْلُهُ لَنْ یُّعِیْدَنِیْ كَمَا بَدَاَنِیْ وَلَیْسَ اَوَّلُ الْخَلْقِ بِاَهْوَنَ عَلَیَّ مِنْ اِعَادَتِهِ وَاَمَّا شَتْمُهُ اِیَّایَ فَقَوْلُهُ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا وَّاَنَا الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ اَلِدْ وَلَمْ اُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لِّیْ كُفُوًا اَحَدٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ: ابْنِ عَبَّاسٍ وَّاَمَّا شَتْمُهُ اِیَّایَ فَقَوْلُهُ لِیْ وَلَدٌ وَسُبْحَانِیْ اَنْ اَتَّخِذَ صَاحِبَةً اَوْ وَلَدًا)) [رواه البخاری:باب وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ابنِ آدم مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ یہ اس کے لیے مناسب نہیں۔وہ میرے بارے میں زبان درازی کرتا ہے یہ اس کے لیے ہرگز جائز نہیں۔اس کا مجھے جھٹلانا ہے کہ اللہ مجھے دوبارہ پیدا نہیں کریگا جس طرح اس نے پہلی بار پیدا کیا۔کیا میرے لیے دوسری دفعہ پیدا کرنا پہلی دفعہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں ہے؟ اس کا میرے بارے میں یہ کہنا بدکلامی ہے کہ اللہ کی اولاد ہے جبکہ میں اکیلا اور بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنم دیا اور نہ مجھے کسی نے جنا ہے اور کوئی بھی میری برابری کرنے والا نہیں۔بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ الفاظ پائے جاتے ہیں کہ ابن آدم کی میرے بارے میں بدکلامی یہ ہے کہ میری اولاد ہے جبکہ میں پاک ہوں نہ میری بیوی ہے نہ اولاد۔''

مسائل

۱۔ کچھ لوگوں کا باطل عقیدہ ہے کہ اللہ کی اولاد ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ اولاد کی کمزوری سے مبرا ہے۔

۳۔ ساری مخلوق اللہ کی تابع فرمان ہے، ملائکہ، انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اس کے بندے یعنی غلام ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں:

۱۔ انہوں نے کہا اللہ نے اولاد بنا رکھی ہے اللہ اولاد سے بے نیاز ہے۔(یونس:۶۸)

۲۔ انہوں نے کہا اللہ نے اولاد بنائی ہے حالانکہ اللہ اولاد سے پاک ہے۔(البقرۃ:۱۱۶)

۳۔ مشرکین نے کہا کہ اللہ کی اولاد ہے جبکہ اللہ اولاد سے پاک ہے بلکہ سارے اسی کے بندے ہیں۔(الانبیاء:۲۶)

لَا یَسۡبِقُوۡنَهٗ بِالۡقَوۡلِ وَهُمۡ بِاَمۡرِهٖ یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۷﴾

نہیں وہ اس سے سبقت کرتے | بات | اور وہ | اسی کے حکم پر | وہ عمل کرتے ہیں

یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ وَلَا

وہ جانتا ہے | جو کچھ | درمیان | سامنے ان کے | اور جو کچھ | ان کے پیچھے | اور نہیں

یَشۡفَعُوۡنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارۡتَضٰی وَهُمۡ مِّنۡ خَشۡیَتِهٖ مُشۡفِقُوۡنَ ﴿۲۸﴾

وہ سفارش کریں گے | مگر اسی شخص کے لیے | وہ پسند کرے گا | اور وہ | سے | اس کے خوف | ڈرنے والے

وَ مَنۡ یَّقُلۡ مِنۡهُمۡ اِنِّیۡۤ اِلٰهٌ مِّنۡ دُوۡنِهٖ

اور جو کوئی | وہ کہے | ان میں سے | تحقیق میں | معبود | سے | سوا

فَذٰلِكَ نَجۡزِیۡهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۲۹﴾

ع ٢ ١٩ ٢

تو وہ شخص | ہم اسے سزادیں گے | جہنم کی | اسی طرح | ہم سزادیتے ہیں | ظالموں کو

''اس کے حضور بڑھ کر نہیں بولتے اور بس اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔(٢٧) جو کچھ ان کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے اس سے بھی وہ باخبر ہے۔ وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے سوائے اس کے جس کے حق میں سفارش سننے کو اللہ پسند کرے۔(٢٨) وہ اس کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو ان میں سے کوئی کہہ دے کہ اللہ کے سوا میں بھی ایک الٰہ ہوں۔ تو اسے ہم جہنم کی سزادیں گے ہمارے ہاں ظالموں کی یہی سزا ہے۔''(٢٩)

فہم القرآن

ربط کلام: عباد مکرمون کی عاجزی کی انتہا ملائکہ، انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے اس قدر عاجز بندے اور غلام ہیں کہ ''اللہ'' کے کسی حکم سے آگے بڑھنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

عَبۡدٌ کی جمع ''عِبَادٌ'' ہے اور اہل لغت نے اس کا معنی بندہ اور غلام لکھا ہے۔ ظاہر ہے غلام کتنا ہی قابل صد احترام کیوں نہ ہو۔ وہ اپنے آقا کا بندہ اور اس کے سامنے عاجز ہو کر ہی زندگی بسر کرتا ہے۔ اس لیے ملائکہ ہوں یا انبیاء علیہم السلام اور اولیاء وہ سب کے سب اپنے رب کے غلام ہیں۔ وہ اپنے عظیم بے مثال آقا جو صرف ان کا ہی نہیں بلکہ پوری کائنات کا آقا، خالق، رازق اور مالک ہے۔ وہی ہمہ صفت موصوف اور تمام اختیارات کا مالک اور معبودِ برحق ہے، اُس کے کسی حکم سے آگے بڑھنے کی ملائکہ اور انبیائے کرام علیہم السلام جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ یہاں ''عباد'' سے مراد ملائکہ ہیں۔ جن کے بارے میں یہ ارشاد ہے کہ ملائکہ اپنے رب کے سامنے اپنی مرضی سے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور ہر حال میں اس کے حکم پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے ماضی، حال اور مستقبل کو پوری طرح جانتا ہے وہ اُس کی ہیبت سے لرزاں وترساں رہتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی منشا کے

بغیر کسی کی اس کے حضور سفارش نہیں کر سکتے۔ اگر ان میں سے کوئی اِلٰہ ہونے کا دعویٰ کرے تو اُسے ''اللہ'' جہنم میں جھونک دے گا کیونکہ اس کا فرمان ہے کہ میں ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتا ہوں۔ اس فرمان سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ ملائکہ میں بھی یہ جرأت اور ہمت نہیں کہ وہ معبود ہونے اور حاجت روا، مشکل کشا ہونے کا دعویٰ کریں۔ بالفرض اُن میں سے کوئی بھی یہ دعویٰ کرے تو وہ جہنم میں جائے گا۔ ملائکہ کے حوالے سے یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ لوگو! تم انبیاء کو اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے سمجھ کر انہیں مشکل کشا، حاجت روا اور سجدہ کے لائق سمجھ لیتے ہو غور کرو! یہ تو اپنے رب کے بندے تھے۔ اپنا اپنا وقت گزار کر اللہ کے حضور پہنچ چکے۔ یہی حال اولیاء کا ہے۔ ان کے مقابلے میں ملائکہ وہ مخلوق ہیں جو گناہ کے تصور سے پاک اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر رہتے ہیں۔ انھیں بھی جرأت نہیں کہ حاجت روا، مشکل کشا یعنی کسی کا معبود بننے کی کوشش کریں۔ یہ بات ناممکنات میں سے ہے بافرض محال اگر ان میں سے کوئی ایسی حرکت کرے گا تو وہ بھی جہنم سے نہیں بچ سکتا۔ ان کے مقابلے میں خاکی مخلوق کی کیا مجال ہے؟ کہ وہ شرک کرے اور جہنم سے بچ سکے۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ یَبْلُغُ بِهِ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِذَا قَضَى اللَّهُ الْأَمْرَ فِی السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ كَالسِّلْسِلَةِ عَلَى صَفْوَانٍ قَالَ عَلِیٌّ وَقَالَ غَیْرُهُ صَفْوَانٍ یَنْفُذُهُمْ ذَلِكَ فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ، قَالُوا لِلَّذِی قَالَ الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیرُ)) [رواه البخاری: باب قَوْلِهِ (إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُبِینٌ)]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ جب آسمان پر کوئی فیصلہ صادر فرماتا ہے تو اللہ کے فرمان کے جلال کی وجہ سے فرشتوں کے پروں میں آواز پیدا ہوتی ہے جیسے صاف پتھر پر لوہے کی زنجیر کھینچنے سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں' تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ اُوپر والے ملائکہ اللہ کے ارشاد کا بیان کرتے اور اس کی تصدیق کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ ہے اللہ کا ارشاد جو بلند ہے اور بڑا ہے۔

مسائل

١۔ ملائکہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجاوز نہیں کرتے۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ سب کے ماضی، حال اور مستقبل کو جانتا ہے۔
٣۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی اس کے حضور سفارش نہیں کر سکتا۔
٤۔ ملائکہ میں سے کوئی الٰہ ہونے کا دعویٰ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی جہنم میں جھونک دے گا۔

تفسیر بالقرآن

جس نے ''اللہ'' کے ساتھ شریک بنایا اُسے عذاب ہوگا:

١۔ اللہ تعالیٰ جس انسان کو نبوت، کتاب اور حکومت دے اسے بھی حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں کو اپنا بندہ بنائے۔ (آل عمران: ٧٩)
٢۔ جس نے شرک کیا اس پر جنت حرام ہے۔ (المائدۃ: ٧٢)
٣۔ اگر آپ بھی شرک کرتے تو آپ کے اعمال غارت کر دیئے جاتے۔ (الزمر: ٦٥)

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

کیا نہیں دیکھا لوگ انہوں نے کفر کیا بلاشبہ آسمان اور زمین

كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ

تھے دونوں باہم ملے ہوئے پھر ہم نے ان کو الگ الگ کیا اور ہم نے بنائی سے پانی ہر

شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۰

چیز جاندار کیا پھر نہیں وہ ایمان لاتے؟

''کیا وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا غور نہیں کرتے کہ آسمان زمین باہم ملے ہوئے تھے ہم نے انہیں الگ الگ کیا اور ہر زندہ چیز پانی سے پیدا کی؟ کیا پھر بھی وہ ایمان نہیں لاتے۔'' (۳۰)

فہم القرآن

ربط کلام: جس اِلٰہ کے سامنے کوئی دَم نہیں مار سکتا اُس کی اُلوہیت کے دلائل۔

اللہ تعالیٰ کے واحد اِلٰہ ہونے کا جو لوگ انکار کرتے ہیں کیا اُنھیں معلوم نہیں کہ زمین و آسمان آپس میں خلط ملط تھے۔اللہ تعالیٰ نے انھیں جدا جدا کر دیا اور اُس نے ہر چیز کو پانی سے پیدا کیا۔ اتنے ٹھوس دلائل کے باوجود لوگ پھر بھی اُس کے واحد اِلٰہ ہونے پر یقین نہیں کرتے۔ پہلے پارے میں یہ بتلایا ہے کہ ''اللہ'' نے زمین و آسمان کو بغیر کسی نمونے کے پیدا کیا کیونکہ جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو اُسے حکم دیتا ہے کہ ''ہو جا'' وہ کام من وعن اس کی مرضی کے مطابق ہو جاتا ہے۔(البقرۃ:۱۱۷)

''رَتْقًا'' کا معنی ہے کہ آپس میں خلط ملط اور جڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو حکم دیا کہ تم اوپر نیچے سات آسمان بن جاؤ اور زمین کو حکم ہوا کہ تہہ بہ تہہ سات زمینوں کی شکل اختیار کر لے چنانچہ ایسا ہو گیا

قرآن مجید کے الفاظ سے یہ عمل بظاہر بڑا سادہ معلوم ہوتا ہے لیکن اب تک اس عمل کی جو جزیات سامنے آئی ہیں اُن پر غور کیا جائے تو آدمی کی عقل نہ صرف دنگ رہ جاتی ہے بلکہ اس عمل کا احاطہ کرنے سے پہلے ہی سوچ کی حد ختم ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اِلٰہ ہونے کا دوسرا ثبوت یہ دیا ہے کہ اُس نے ہر چیز کو پانی سے بنایا ہے۔ بعض اہل علم نے ان الفاظ کا ترجمہ کرتے ہوئے جاندار، چیزیں لکھی ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے '' كُلُّ شَيْءٍ '' کے الفاظ استعمال کیے ہیں یعنی ''ہر چیز''۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جاندار چیزیں پانی کے بغیر زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتیں اور ہر جاندار کے وجود میں پانی کی خاص مقدار کا ہونا لازم ہے ورنہ اُس کے وجود کا باقی رہنا ناممکن ہے۔ لیکن بعض جمادات کے اندر بھی پانی کی ایک مقدار موجود ہوتی ہے اور جن چیزوں کے اندر پانی کے اثرات دکھائی نہیں دیتے ہو سکتا ہے کہ ان کے میٹریل میں بھی بنیادی طور پر پانی کا

عنصر موجود ہو۔قرآن مجید نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ زمین سے پہلے اس کائنات میں پانی ہی پانی تھا اور اللہ تعالیٰ کا عرش بھی پانی پر تھا۔اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمانوں کو بنانے کا فیصلہ کیا۔اس کے حکم سے سات زمینیں اور سات آسمان موجودہ شکل میں معرضِ وجود میں آئے اور اللہ تعالیٰ آسمانوں سے اُوپر عرش پر مستوی ہوا۔(ھود:۷)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْتِي أَحَدَكُمْ فَيَقُولُ مَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فَيَقُولُ مَنْ خَلَقَ الْأَرْضَ فَيَقُولُ اللَّهُ فَيَقُولُ مَنْ خَلَقَ اللَّهَ فَإِذَا أَحَسَّ أَحَدُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ فَلْيَقُلْ آمَنْتُ بِاللَّهِ وَبِرُسُلِهِ))[رواہ احمد:مسند ابی ہریرہ]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان تم میں سے کسی ایک کے پاس آتا ہے وہ پوچھتا ہے آسمان کوکس نے پیدا کیا بندہ جواب دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے۔شیطان پھر پوچھتا ہے زمین کوکس نے پیدا کیا بندہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے۔شیطان پھر سوال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوکس نے پیدا کیا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب آدمی کے ذہن میں یہ خیال آئے تو وہ کہے۔میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا۔''

زمین وآسمانوں کی ابتدا کس طرح ہوئی:

سائنس کی تحقیقات نے ثابت کردیا ہے کہ کائنات اپنا ایک آغاز (Beginning) رکھتی ہے۔اور ایسا کرتے ہوئے اس نے خدا کی صداقت کو ثابت کردیا ہے۔کیونکہ جو چیز اپنا آغاز رکھتی ہو وہ اپنے آپ شروع نہیں ہوسکتی۔یقیناً وہ ایک محرک اول،ایک خالق،ایک خدا کی محتاج ہے۔''(The Evidence of God ,p51)چنانچہ کائنات کے وجود میں آنے کا مسلمہ جدید ترین نظریہ یہ ہے کہ ابتداً مادہ مرکوز اور مجتمع (Concertrated and condensed) حالت میں تھا۔

﴿اَوَلَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰہُمَا وَ جَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ اَفَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ﴾ [سورۃ الأنبیاء:۳۰]

''کیا کافروں نے اس بات پرغور نہیں کیا کہ ارض وسماوات آپس میں گڈمڈ تھے پھر ہم نے انھیں الگ الگ کیا اور ہر جاندار چیز کو پانی سے زندگی بخشی کیا پھر بھی یہ لوگ (اللہ تعالیٰ کی خلاّقی) پر ایمان نہیں لاتے؟''

یہ مادہ بالکل توازن کی حالت میں تھا اس میں کسی قسم کی کوئی حرکت نہ تھی پھر اچانک یہ ایک عظیم دھاکہ (Big Bang) (یہ عظیم دھاکہ ایک اندازہ کے مطابق 15 کھرب سال پہلے ہوا) سے پھٹ پڑا اور اس نے ایک عظیم گیسی بادل یا قرآن کے لفظ میں دخان ﴿ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ﴾ کی صورت اختیار کرلی۔سائنس کی یہ دریافت قرآنی بیان کی تفسیر معلوم ہوتی ہے۔یہ گیسی بادل بہت عظیم الجثہ تھا اور آہستہ آہستہ گردش کررہا تھا۔یہ عظیم سدیم (Primery Nebula) انجام کار متعدد ٹکڑوں میں بٹ گیا جن کی لمبائی چوڑائی اور مقدارِ مادہ بہت ہی زیادہ تھا۔نجمی طبیعات (Astrophysicist) کے ماہرین اس کی مقدار کا اندازہ سورج کے موجودہ مادہ کے ایک ارب سے لگا کر ایک کھرب گنا تک لگاتے ہیں۔ان اعداد

سے ابتدائی گیسی مقدار مادہ (Hydrogen and Helium) کے ان ٹکڑوں کے عظیم جثوں کا کچھ تصور ملتا ہے جن سے بعد میں عمل انجماد (Condensation) کے ذریعے کہکشائیں وجود میں آئیں۔

علمائے فلکیات کے ایک جدید اندازے کے مطابق ہر کہکشاں (Galaxy) میں دو کھرب ستارے ہیں اور اب تک معلوم کائنات میں تقریباً دو کھرب یہ کہکشائیں ہیں۔ جو کہکشاں ہم سے قریب ترین ہے وہاں سے روشنی کو ہم تک پہنچنے میں تقریباً نو لاکھ سال لگ جاتے ہیں۔ یہ کہکشاں مراۃ السلسلہ (Andromida) نامی مجمع النجوم میں واقع ہے۔ لہٰذا روشنی کو ان ستاروں سے جو معلوم سماوی جہاں کے اس سرے پر واقع ہیں ہم تک پہنچنے میں اربوں سال لگ جاتے ہیں۔ کائنات کی پہنائیاں اس قدر وسیع ہیں کہ ان کی پیمائش کے لیے خاص اکائیاں مثلاً نوری سال اور پارسک وغیرہ وضع کی گئیں ہیں۔ نوری سال یا سال نوای اس فاصلہ کو کہتے ہیں جو روشنی ایک سال میں طے کرتی ہے اور یہ تقریباً 58 کھرب ستر ارب میل کے برابر ہوتا ہے اور پارسک 3.26 نوری سال یا ایک نیل 92 کھرب میل کے لگ بھگ ہے۔ ﴿فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ﴾

مزید تفصیل کے لیے فہم القرآن جلد ۲ سورۃ الاعراف آیت ۵۴ کی تفصیل ملاحظہ کریں۔

مسائل

۱۔ زمین و آسمان پہلے آپس میں جڑے ہوئے تھے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں موجودہ شکل میں بننے کا حکم دیا اور یہ اُسی طرح ہی بن گئے جس طرح اللہ تعالیٰ کی منشا تھی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پانی سے پیدا کیا۔

تفسیر بالقرآن

زمین و آسمان کی تخلیق کے مختلف مراحل:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں و زمین کو برحق پیدا کیا ہے اللہ شرک سے بالاتر ہے۔ (النحل: ۳)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر نمونے اور میٹریل کے زمین و آسمانوں کو پیدا کیا۔ (البقرۃ: ۱۱۶)

۳۔ زمین و آسمان پہلے باہم جڑے ہوئے تھے۔ پھر اللہ نے ان کو ایک دوسرے سے الگ کیا۔ (الانبیاء: ۳۰)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے دو دن میں آسمانوں کو پیدا کیا۔ (حٰم السجدۃ: ۱۲)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو چھ دن میں بنائے۔ (الاعراف: ۵۴)

وَجَعَلۡنَا فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِہِمۡ وَجَعَلۡنَا

اور ہم نے بنائے | میں | زمین | مضبوط پہاڑ | تاکہ | وہ جھک پڑے | ساتھ ان کے | اور ہم نے بنائے

فِیۡہَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّہُمۡ یَہۡتَدُوۡنَ ﴿۳۱﴾

اس میں | کشادہ | راستے | تاکہ وہ | وہ راستہ پائیں

''اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے تاکہ زمین انہیں لے کر ڈھلک نہ جائے اور زمین میں کشادہ راہیں بنایں تاکہ لوگ اپنا راستہ معلوم کر لیں۔'' (۳۱)

فہم القرآن

ربط کلام : گذشتہ سے پیوستہ ! اللہ تعالیٰ کے اِلٰہ ہونے کا تیسرا، چوتھا اور پانچواں ثبوت۔

اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرما کر اس میں بڑے بڑے پہاڑ نصب فرمائے تاکہ زمین اپنے بوجھ کی وجہ سے ہلنے اور ایک طرف جھکنے نہ پائے۔ پھر اس میں کشادہ راہیں بنائیں تاکہ لوگوں کو ایک سے دوسرے مقام تک جانے کے لیے سہولت اور رہنمائی حاصل ہو۔

عربی زبان جاننے والا ہر شخص جانتا ہے کہ عربی لغت میں ارض کا لفظ واحد اور جمع دونوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں بھی الارض کا لفظ آیا ہے اس سے مراد تہہ بہ تہہ سات زمینیں ہیں۔ اٹھائیسویں پارہ میں زمین کے لیے بھی ''مِثْلَھُنَّ'' کا لفظ استعمال فرما کر سات زمینیں ثابت کی ہیں۔ (الطلاق:۱۲) تیسویں پارے میں زمین اور پہاڑوں کے بارے میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ: ''کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟ اور پہاڑوں کو میخوں کے طور پر زمین پر نہیں گاڑا۔ (النباء:۷) اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں پر قیمتی درخت، نباتات اور برف کی شکل میں پانی کے ذخائر جمع کیے۔ پہاڑوں کے اندر اور ان کے نیچے بے شمار قسم کی گراں قیمت معدنیات کے خزانے محفوظ فرمائے اور پہاڑوں کے درمیان راستے رکھے۔ جو نہ صرف ایک مقام سے دوسرے مقام تک جانے کے لیے راستے ہیں بلکہ پانی کی گزرگاہیں ہیں۔ جن سے دریا سیراب ہوتے ہیں اور دریاؤں سے نہروں کی شکل میں پانی مختلف علاقوں میں پہنچتا ہے۔

میخوں کی مانند پہاڑ:

ارضیات میں ''بل پڑنے'' (Folding) کا مظہر حالیہ دریافت شدہ حقیقت ہے۔ قشر ارض (Crust) یعنی پہلی تہہ میں بل پڑنے کی وجہ سے پہاڑی سلسلے وجود میں آئے ہیں۔ قشر ارض جس پر ہم رہتے ہیں، ٹھوس چھلکے کی طرح ہے، جب کہ کرۂ ارض کی اندرونی پرتیں، (Layers) نہایت گرم اور مائع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زمین کا اندرون کسی بھی قسم کی زندگی کے لیے قطعاً غیر موزوں ہے۔ آج ہمیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ پہاڑوں کی قیام پذیری (Stability) کا تعلق، قشرِ ارض میں بل پڑنے کے عمل سے بہت گہرا ہے۔

ماہرین ارضیات کا کہنا ہے کہ زمین کا رداس (Radius) یعنی نصف قطر تقریباً ۶،۰۳۵ کلومیٹر ہے اور قشرِ ارض، جس پر ہم رہتے ہیں اس کے مقابلے میں بہت پتلی ہے، جس کی موٹائی ۲ کلومیٹر سے لے کر ۳۵ کلومیٹر تک ہے۔ چونکہ قشرِ ارض بہت

پتلی ہے، لہٰذا اس کے تھرتھرانے یا ہلنے کا امکان بھی بہت قوی ہے اس میں پہاڑ خیمے کی میخوں کا کام کرتے ہیں جو قشرِ ارض کو تھام لیتی ہیں اور اسے قیام پذیری عطا کرتے ہیں قرآن پاک میں بھی عین یہی کہا گیا ہے:

﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ○ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ○﴾[النباء:٦۔٧]

''کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے زمین کو فرش بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا۔''

یہاں عربی لفظ ''اَوْتَادً'' کا مطلب بھی میخیں ہی نکلتا ہے، ویسی ہی میخیں جیسی کہ خیمے کو باندھ رکھنے کے لیے لگائی جاتی ہیں۔ارضیاتی تہوں (Folds) یا سلوٹوں کی گہری پوشیدہ بنیادیں بھی یہی ہیں۔

Earth نام کی ایک کتاب ہے جو دنیا بھر کی کئی جامعات میں ارضیات کی بنیادی حوالہ جاتی نصابی کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کتاب کے مصنفین میں ایک نام ڈاکٹر فرینک پریس کا بھی ہے، جو ۱۲ سال تک امریکہ کی اکیڈمی آف سائنسز کے سربراہ رہے ہیں۔اس کتاب میں وہ پہاڑوں کی وضاحت، کلہاڑی کے پھل جیسی شکل (Wedge Shape) سے کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ پہاڑ بذاتِ خود ایک وسیع تر وجود کا ایک چھوٹا حصہ ہوتا ہے۔جس کی جڑیں زمین میں بہت گہرائی تک اُتری ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر فرینک کے مطابق، قشرِ ارض کی پائیداری اور قیام پذیری میں پہاڑ نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

پہاڑوں کے فائدے کی وضاحت کرتے ہوئے، قرآن پاک واضح طور پر فرماتا ہے کہ انہیں اس لیے بنایا گیا ہے تاکہ یہ زمین کو لرزنے سے بچائیں:

﴿وَجَعَلْنَا فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَبِهِمْ﴾[الانبیاء:۳۱]

''اور ہم نے زمین میں پہاڑ جما دیے تاکہ وہ انہیں لے کر ڈھلک نہ جائے۔''

اسی طرح کے ارشادات سورۃ لقمان ، آیت: ۱۰ اور سورۃ النحل اور آیت ۱۵ میں بھی وارد ہوئے ہیں۔لہٰذا قرآن پاک کے فراہم کردہ بیانات جدید ارضیاتی معلومات سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہیں۔

پہاڑوں کو مضبوطی سے جما دیا گیا ہے:

سطح زمین متعدد ٹھوس ٹکڑوں، یعنی ''پلیٹوں'' میں بٹی ہوئی ہے جن کی اوسط موٹائی تقریباً ۱۰۰ کلومیٹر ہے۔ یہ پلیٹیں، جزوی طور پر پگھلے ہوئے حصے کے اوپر گویا تیر رہی ہیں، اس حصے کو (Aesthenosphere) کہا جاتا ہے۔ پہاڑ عموماً پلیٹوں کی بیرونی حدود پر پائے جاتے ہیں۔قشر ارض، سمندروں کے نیچے ۵ کلومیٹر موٹی ہوتی ہے، جب کہ خشکی پر اس کی اوسط موٹائی ۳۵ کلومیٹر تک ہوتی ہے البتہ پہاڑی سلسلوں میں قشرِ ارض کی موٹائی ۸۰ کلومیٹر تک جا پہنچتی ہے، یہی وہ مضبوط بنیادیں ہیں جن پر پہاڑ کھڑے ہیں۔

پہاڑوں میں برکات:

اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو صرف میخوں کے طور پر ہی نہیں بنایا بلکہ ان میں بے شمار فوائد رکھ دیے ہیں۔ پہاڑوں پر برف جمتی ہے جو اللہ کی طرف سے پانی ذخیرہ کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ پہاڑوں میں چشمے جاری ہوتے ہیں جو صاف شفاف

پانی کا وسیلہ ہیں۔ تقریباً تمام دریاؤں کا آغاز پہاڑوں سے ہوتا ہے۔ پہاڑوں میں سونے کے ذخائر اور بے شمار قسم کے قیمتی پتھر اور معدنیات پائی جاتی ہیں۔ جو زمین کی پیداوار سے ہزاروں گنا قیمتی ہیں۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الْأَرْضَ جَعَلَتْ تَمِيدُ فَخَلَقَ الْجِبَالَ فَأَلْقَاهَا عَلَيْهَا فَاسْتَقَرَّتْ فَتَعَجَّبَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ خَلْقِ الْجِبَالِ فَقَالَتْ يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ الْجِبَالِ قَالَ نَعَمِ الْحَدِيدُ قَالَتْ يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ الْحَدِيدِ قَالَ نَعَمِ النَّارُ قَالَتْ يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ النَّارِ قَالَ نَعَمِ الْمَاءُ قَالَتْ رَبِّ فَهَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ الْمَاءِ قَالَ نَعَمِ الرِّيحُ قَالَتْ يَا رَبِّ فَهَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ الرِّيحِ قَالَ نَعَمِ ابْنُ آدَمَ يَتَصَدَّقُ بِيَمِينِهِ يُخْفِيهَا مِنْ شِمَالِهِ)) [رواه احمد: مسند انس بن مالك] (وقال الترمذی هذا حديث غريب)

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو تخلیق فرمایا تو وہ ہلنا شروع ہوگئی تو اللہ نے پہاڑوں کو پیدا کر کے اُس پر گاڑ دیا تو وہ ٹھہر گئی فرشتوں نے پہاڑ کی تخلیق پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا اے پروردگار کیا تو نے پہاڑوں سے بڑھ کے کوئی سخت چیز پیدا کی ہے؟ اللہ نے فرمایا ہاں! لوہا، فرشتوں نے عرض کی کیا لوہے سے بڑھ کر کوئی سخت چیز تخلیق کی گئی ہے؟ اللہ نے فرمایا آگ۔ فرشتوں نے دریافت کیا، کیا آگ سے بھی سخت چیز آپ نے تخلیق فرمائی ہے؟ اللہ نے فرمایا پانی اُس سے بھی سخت تر ہے۔ اُنہوں نے عرض کی کیا پانی سے بڑھ کر بھی اے اللہ تو نے کسی چیز کو تخلیق کیا ہے؟ اللہ نے فرمایا ہوا، فرشتوں نے سوال کیا اے پروردگار کیا تو نے ہوا سے بھی بڑھ کر کوئی سخت چیز پیدا کی ہے؟ اللہ نے فرمایا ابن آدم کا اپنے دائیں ہاتھ سے صدقہ کرنا ہے جس کا بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے زمین بنا کر اس میں پہاڑ نصب فرمائے۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے درمیان راستے بنائے۔

تفسیر بالقرآن

پہاڑوں کے فوائد اور ان کی ساخت:

١۔ اللہ نے تمہارے لیے سایہ دار چیزیں بنائیں اور اسی نے تمہارے لیے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہ بنائی۔ (النحل:٨١)

٢۔ کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا۔ (النباء:٧۔٨)

٣۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کے اوپر پہاڑ گاڑ دیے۔ (النازعات:٣٢)

٤۔ تم پہاڑوں کو کھود کھود کر خوبصورت گھر بناتے ہو۔ (الشعراء:١٤٩)

٥۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں میں راستے بنائے۔ (الانبیاء:٣١)

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا

اور ہم نے بنایا آسمان چھت محفوظ اور وہ سے اس کی نشانیوں

مُعْرِضُوْنَ ۝۳۲ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ

اعراض کرنے والے اور وہی جس نے اس نے پیدا کیے رات اور دن اور سورج

وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝۳۳

اور چاند سب میں مدار تیرتے ہیں

”اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنایا مگر لوگ کائنات کی نشانیوں کی طرف توجہ نہیں کرتے۔(۳۲) اور اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن بنائے، سورج اور چاند کو پیدا کیا سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔“(۳۳)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کے اِلٰہ ہونے کا چھٹا، ساتواں اور آٹھواں ثبوت۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان کو زمین والوں کے لیے محفوظ چھت بنایا۔ اس کے باوجود لوگ اپنے رب کی نشانیوں سے اعراض کرتے ہیں۔ اُسی نے رات اور دن پیدا کیے، چاند اور سورج بنائے جو فضا میں تیر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو کسی ستون کے بغیر چھت بنایا یہ ایسی مضبوط چھت ہے کہ نامعلوم کتنے عرصہ سے قائم ہے اور اُس وقت تک قائم رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ اسے قائم رکھے گا اس میں کوئی نشیب و فراز نہیں دیکھنے والے کو بالکل ہموار، صاف اور شفاف نظر آتی ہے۔ نہ اس کا رنگ بدلا ہے اور نہ ہی اس میں کوئی دراڑ اور جھکاؤ واقع ہوا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اُس نے سات آسمان اُوپر نیچے بنائے دیکھنے والا اُس کی آفرینش میں کوئی نقص نہیں پاسکتا پھر آنکھ اُٹھا کر دیکھ۔ کیا تجھے اس میں کوئی شگاف اور دراڑ نظر آتی ہے؟ اس نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے مزین فرمایا اور اس میں ستارے بنائے جو شیاطین کے لیے کوڑوں کا کام دیتے ہیں۔ اس نے شیاطین کے لیے جلا دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔(الملک:۳۔۵)

اُسی نے رات اور دن بنائے۔ سورج اور چاند اپنے اپنے مدار میں چل رہے ہیں۔ اگر ”اللہ“ رات کو قیامت تک طویل کر دے تو اُس کے سوا کسی کے پاس طاقت نہیں کہ جو دن کی روشنی لا سکے لیکن اس کے باوجود لوگ حقیقت سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ اگر اللہ تعالیٰ دن کو قیامت تک لمبا کر دے تو اُس کے سوا کسی کے پاس قوت نہیں جو رات لے آئے جس میں تم سکون پاتے ہو لیکن لوگ غور نہیں کرتے۔(القصص:۷۱۔۷۲)

چاند اور سورج کی طرف دیکھو حقیقتاً کوئی نہیں جانتا کتنی مدت سے رواں دواں ہیں یہ اُس وقت تک طلوع اور غروب ہوتے رہیں گے جب تک ان کے بنانے والی ذات ان کو رواں دواں رہنے کا حکم دے گی۔ جونہی اُس کا حکم ہوگا کہ رُک جاؤ تو سورج بے حرارت اور

چاند بے نور ہو کر زمین پر گر پڑے گا۔ لیکن جب تک انھیں چلتے رہنے کا حکم ہے اُس وقت تک سورج میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ چاند کو پالے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے ہر کوئی اپنے مدار میں گھوم رہا ہے۔ (یٰس: ۴۰)

((عَنْ أَبِی ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لأَبِی ذَرٍّ حِینَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ تَدْرِی أَیْنَ تَذْهَبُ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهَا تَذْهَبُ حَتَّى تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ، فَتَسْتَأْذِنَ فَیُؤْذَنَ لَهَا ، وَیُوشِكُ أَنْ تَسْجُدَ فَلَا یُقْبَلَ مِنْهَا ، وَتَسْتَأْذِنَ فَلَا یُؤْذَنَ لَهَا ، یُقَالُ لَهَا ارْجِعِی مِنْ حَیْثُ جِئْتِ فَتَطْلُعُ مِنْ مَغْرِبِهَا ، فَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى **(وَالشَّمْسُ تَجْرِی لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذٰلِكَ تَقْدِیرُ الْعَزِیزِ الْعَلِیمِ**)) [رواہ البخاری: باب صِفَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ]

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ مکرم ﷺ نے فرمایا کیا تجھے معلوم ہے جب سورج غروب ہوتا ہے تو کہاں جاتا ہے؟ میں نے کہا' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو علم ہے۔ آپ نے فرمایا سورج عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور اجازت طلب کرتا ہے۔ اسے اجازت مل جاتی ہے قریب ہے کہ وہ سجدہ کرے گا اور اس کا سجدہ قبول نہ ہو وہ طلوع ہونے کی اجازت طلب کرے گا اس کو اجازت نہ ملے۔ اسے حکم ہو کہ جدھر سے آیا اسی طرف سے طلوع ہو جا چنانچہ سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورج اپنے مستقر کی طرف چلا جاتا ہے آپ نے فرمایا اس کا ٹھکانا عرش کے نیچے ہے''

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ مُكَوَّرَانِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ)) [رواہ البخاری: باب صِفَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سورج اور چاند کو لپیٹ لیا جائے گا۔''

مسائل

۱۔ ''اللہ'' نے ہی رات اور دن بنائے۔ ۲۔ ''اللہ'' نے ہی چاند اور سورج بنا کر ان کے لیے مدار قائم کیے۔

۳۔ چاند اور سورج اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

رات اور دن کا نظام:

۱۔ دن اور رات کے مختلف ہونے اور زمین و آسمان کی پیدائش میں نشانیاں ہیں۔ (یونس: ۶)

۲۔ آسمانوں و زمین کی پیدائش، دن اور رات کی گردش، سمندر میں کشتیوں کے چلنے، آسمان سے بارش نازل ہونے، بارش سے زمین کو زندہ کرنے، چوپایوں کے پھیلنے، ہواؤں کے چلنے اور بادلوں کے مسخر ہونے میں (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔ (البقرۃ: ۱۶۴)

۴۔ رات اور دن کے مختلف ہونے، آسمان سے رزق اتارنے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ (الجاثیۃ: ۵)

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ

اور نہیں کیا ہم نے بشر کے لیے سے آپ سے پہلے ہمیشہ رہنا کیا پھر اگر

مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝۳۴ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ

آپ مرجائیں تو وہ ہمیشہ رہنے والے؟ ہر نفس چکھنے والا موت

وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝۳۵

اور ہم تمھیں آزماتے ہیں برائی کے ساتھ اور اچھائی آزمانا اور ہماری طرف ہی تم لوٹائے جاؤ گے

''اور اے نبی ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کے لیے ہمیشہ رہنا نہیں بنایا اگر آپ مر گئے تو کیا یہ لوگ زندہ رہیں گے؟ (۳۴) ہر جان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور ہم اچھے اور برے حالات میں ڈال کر تم سب کی آزمائش کر رہے ہیں۔ آخر کار تمہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔'' (۳۵)

فہم القرآن

ربط کلام: جس طرح اللہ تعالیٰ نے رات کے بعد دن، چاند اور سورج کو بنایا اور ان کے لیے دائرہ کار اور وقت مقرر کیا اسی طرح ہی ہر انسان کا ایک وقت اور اُسے کچھ ذمہ داریاں تفویض کی گئی ہیں۔ جس طرح چاند غائب اور سورج غروب ہو جاتا ہے اسی طرح ہی انسان کی زندگی کا سورج غروب ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں تھے۔

پوری کائنات کا نظام صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اُس نے ایک معینہ وقت تک ہر چیز کی ایک ڈیوٹی لگا رکھی ہے۔ ہر کوئی اپنی اپنی ڈیوٹی نبھا رہا ہے۔ جس طرح ہر چیز کی ایک ذمہ داری ہے اسی طرح ہی انبیاء کرام علیہم السلام کے ذمہ ''اللہ'' کا پیغام لوگوں تک پہنچانا تھا۔ اُسی فرض کی ادائیگی کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء اور نبی آخر الزماں ﷺ کو مبعوث فرمایا تھا۔ آپ نے لوگوں کے سامنے عقیدۂ توحید اور اُس کے دلائل پیش فرمائے تو لوگوں نے اُن دلائل کی طرف توجہ دینے کی بجائے نہ صرف اعراض کیا بلکہ آپ کی جان لینے کے درپے ہو گئے۔ اس پر آپ ﷺ کو موت جیسی مسلمہ حقیقت بتلانے کے ساتھ تسلّی دی جا رہی ہے کہ اے محبوب پیغمبر! گھبرانے کی ضرورت نہیں ایک وقت آنے والا ہے کہ جب آپ بھی اس دنیا سے کوچ کریں گے اور آپ کے دشمن بھی موت کے گھاٹ اُتریں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے پیدا نہیں کیا۔

لہٰذا آپ کو بھی موت آئے گی اور آپ کے مخالفوں نے بھی یہاں ہمیشہ نہیں رہنا ہے۔ ہر انسان نے موت کے گھاٹ اُترنا ہے۔ ہم لوگوں کو نیکی اور برائی، تنگی اور کشادگی کے ساتھ آزماتے ہیں، پھر ہماری ہی طرف تمہارا لوٹ کر آنا ہے۔ موت وہ حقیقت ہے جس کا انکار کرنا کسی عقلمند کے لیے ممکن نہیں۔ یہاں تک کہ سرورِ دو عالم ﷺ کو بھی موت کی آغوش میں جانا پڑا۔

جو شخص موت کی وادی میں داخل ہوا، وہ واپس نہیں آیا اور نہ آئے گا۔ البتہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد آدمی کی روح دنیا میں واپس آ جاتی ہے۔ اس عقیدہ کو آواگون کا نام دیا گیا۔ افسوس ہندوؤں سے متاثر ہو کر کچھ مسلمانوں نے یہ عقیدہ بنایا اور پھیلایا کہ نیک لوگوں کی روحیں دنیا میں واپس آتی ہیں۔ حالانکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو خیر اور شر کے ساتھ آزماتا ہے خوش بخت ہے وہ انسان جس نے شر کے مقابلے میں خیر کا انتخاب کیا اور اپنے رب کی بارگاہ میں سرخرو ہوا۔

نبی محترم ﷺ کے آخری لمحات:

((وَعَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ اِنَّ مِنْ نِّعَمِ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیَّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تُوُفِّیَ فِیْ بَیْتِیْ وَفِیْ یَوْمِیْ وَبَیْنَ سَحْرِیْ وَنَحْرِیْ وَاَنَّ اللّٰهَ جَمَعَ بَیْنَ رِیْقِیْ وَرِیْقِهٖ عِنْدَ مَوْتِهٖ دَخَلَ عَلَیَّ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِیْ بَكْرٍ وَبِیَدِهٖ سِوَاكٌ وَّاَنَا مُسْنِدَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَرَاَیْتُهٗ یَنْظُرُ اِلَیْهِ وَعَرَفْتُ اَنَّهٗ یُحِبُّ السِّوَاكَ فَقُلْتُ اٰخُذُهٗ لَكَ فَاَشَارَ بِرَاْسِهٖ اَنْ نَّعَمْ فَتَنَاوَلْتُهٗ فَاشْتَدَّ عَلَیْهِ وَقُلْتُ اُلَیِّنُهٗ لَكَ فَاَشَارَ بِرَاْسِهٖ اَنْ نَّعَمْ فَلَیَّنْتُهٗ فَاَمَرَّهٗ وَبَیْنَ یَدَیْهِ رَكْوَةٌ فِیْهَا مَاءٌ فَجَعَلَ یُدْخِلُ یَدَیْهِ فِی الْمَاءِ فَیَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهٗ وَیَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٌ ثُمَّ نَصَبَ یَدَهٗ فَجَعَلَ یَقُوْلُ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی حَتّٰی قُبِضَ وَمَالَتْ یَدُهٗ))

[رواه البخاری: باب مَرَضِ النَّبِیِّ ﷺ وَوَفَاتِهٖ]

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مجھ پر بے پناہ انعامات میں سے ایک انعام یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ میرے گھر میں، میری باری کے دن، میرے سینے اور میری گردن کے درمیان فوت کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفات کے قریب میرے لعاب دہن اور آپ کے لعاب دہن کو جمع فرمایا وہ اس طرح کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر میرے پاس آئے اس کے ہاتھ میں مسواک تھی میں نے رسول اکرم ﷺ کو سہارا دے رکھا تھا۔ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ مسواک کی طرف متوجہ ہیں۔ میں جان گئی کہ آپ مسواک کرنا چاہ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا آپ کے لیے مسواک لوں؟ آپ نے اثبات میں سر ہلایا میں نے مسواک آپ کو دی آپ نے مسواک کرنا شروع کی لیکن وہ سخت تھی۔ پھر میں نے پوچھا، کیا میں اسے آپ کے لیے نرم کردوں؟ آپ نے اپنے سر سے اشارہ فرمایا کہ ہاں۔ چنانچہ میں نے مسواک کو آپ کے لیے نرم کیا۔ آپ نے مسواک کی اور آپ کے ہاتھوں میں پانی کا برتن تھا۔ آپ پانی میں اپنے ہاتھ ڈالتے اور اپنے چہرے پر ہاتھ ملتے اور کہتے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه بلاشبہ سکراتِ موت برحق ہیں۔ پھر اپنا ہاتھ بلند کیا اور رفیق اعلیٰ کی دعا کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی اور آپ کا دست مبارک جھک گیا۔

((وَعَنْ اَنَسٍ ؓ قَالَ لَمَّا ثَقُلَ النَّبِیُّ یَتَغَشَّاهُ الْكَرْبُ فَقَالَتْ فَاطِمَةُ وَ اكَرْبَ اَبَاهُ! فَقَالَ لَهَا لَیْسَ عَلٰی اَبِیْكَ كَرْبٌ بَعْدَ الْیَوْمِ فَلَمَّا مَاتَ قَالَتْ یَا اَبَتَاهُ اَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ یَا اَبَتَاهُ مِنْ جَنَّتِ الْفِرْدَوْسِ مَاْوَاهُ۔ یَا

اَبَتَاهُ اِلٰی جِبْرَئِیْلَ نَنْعَاهُ فَلَمَّا دُفِنَ قَالَتْ فَاطِمَۃُ یَا اَنَسُ اَطَابَتْ اَنْفُسُکُمْ اَنْ تَحْثُوْا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ التُّرَابَ۔))[رواہ البخاری: باب مَرَضِ النَّبِیِّ ﷺ وَوَفَاتِہٖ]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ شدید بیمار ہوئے۔آپ پر بیماری کی وجہ سے غشی طاری ہوئی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پکار اٹھیں'ہائے ابو جان کی تکلیف !رسول اکرم ﷺ نے فرمایا' آج کے بعد تیرے باپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔جب آپ ﷺ نے وفات پائی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہائے ابا جان! آپ نے اپنے رب کی دعوت قبول کرلی۔ابا جان! آپ کا مقام جنت ہے۔اے ابو جان ہم جبرئیل کو آپ کی موت پر مطلع کرتے ہیں۔پھر جب آپ کو دفنایا گیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا' اے انس !تم نے رسول ﷺ پر مٹی ڈالنے پر اپنے آپ کو کیسے آمادہ کرلیا؟''

تفسیر ماجدی میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی'' وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ'' کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں۔ان سب نے اپنے وقت پر دنیا کو خیر باد کہا سو یہ بھی اپنے وقت موعود پر وفات پائیں گے۔اور اس بات میں نہ کوئی بات حیرت کی ہوگی اور نہ کوئی پہلو اہانت کا نکلے گا۔رسول کا مرتبہ خوب سمجھ لیا جائے رسول محض ہوتے ہیں صاحب وحی عقیدہ حلول،مظہریت،ابدیّت وغیرہ پر ضرب لگانے کے لیے مرتبہ رسالت کی بار بار تصریح ضروری تھی۔حضور کی وفات کا حادثہ اس قدر سخت تھا کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ جیسے باوقار اور عالی ظرف صبر وضبط کھو بیٹھے اور بے اختیار ہو گئے۔

مسائل

١۔ کوئی انسان دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔ ٢۔ سرورِ دو عالم ﷺ کو بھی موت نے آلیا۔

٣۔ ہر انسان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو نیکی اور بدی کے ساتھ آزماتا ہے۔

٥۔ بالآخر ہر کسی نے اللہ تعالیٰ کے ہاں لوٹنا ہے۔

تفسیر بالقرآن

موت ایک حقیقت ہے:

١۔ موت کا وقت مقرر ہے۔(آلِ عمران:١٤٥) ٢۔ موت کی جگہ متعین ہے۔(آلِ عمران:١٥٤)

٣۔ موت کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔(آلِ عمران:١٦٨) ٤۔ موت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔(النساء:٧٨)

٥۔ سب کو موت آنی ہے۔(الانبیاء:٣٥) ٦۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر کسی نے مرنا ہے۔(الرحمٰن:٢٦،القصص:٨٨)

٧۔ ''اللہ'' نے کسی بشر کو ہمیشہ رہنے کے لیے پیدا نہیں کیا۔(الانبیاء:٣٤)

وَ اِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا

اور جب آپ کو دیکھتے ہیں لوگ انہوں نے کفر کیا نہیں وہ بناتے آپ کو مگر

هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ

مذاق کیا یہی ہے وہ جو وہ ذکر کرتا ہے تمھارے معبودوں کا؟ اور وہ ذکر

الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۳۶

رحمٰن وہ وہ انکار کرتے ہیں

''منکرین حق جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ کہتے ہیں کیا یہ شخص ہے جو تمہارے خداؤں کا تذکرہ کرتا ہے؟ اور ان کا اپنا حال یہ ہے کہ رحمان کے ذکر کے منکر ہیں۔'' (۳۶)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار کا موت سے بے پرواہ ہونے کی وجہ سے سرورِدوعالم ﷺ کے ساتھ رویہ۔

انسان جب اپنی موت کو بھول جائے اور اپنے رب کے حضور حاضر ہونے کے عقیدے کا انکار کردے تو نا صرف حق بات کو ٹھکراتا ہے بلکہ وہ حق کی دعوت دینے والے کی جان کا دشمن بن جاتا ہے۔ یہی حال سرورِدوعالم ﷺ کے مخالفین کا تھا۔ وہ ناصرف نبی علیہ السلام کی ذات اور دعوت کا مذاق اُڑاتے تھے بلکہ یہ الزام بھی لگاتے کہ یہ شخص ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے۔ حالانکہ اُن کے اپنے اخلاق کی پستی کا یہ عالم تھا کہ وہ رب رحمٰن کا انکار کرتے تھے۔ یہودی اور عیسائی اللہ تعالیٰ کو ''اَلرَّحْمٰنُ'' کے نام سے بھی پکارا کرتے تھے۔ لیکن مکہ کے لوگ اللہ تعالیٰ کے نام ''اَلرَّحْمٰنُ'' سے چڑ رکھتے تھے۔ جب رسول اکرم ﷺ نے اپنے رب کو اللہ کے ساتھ اَلرَّحْمٰنُ کے نام سے پکارانا اور متعارف کروانا شروع کیا تو مکہ والوں نے ناصرف اللہ تعالیٰ کے اس مبارک نام کا انکار کیا بلکہ وہ پہلے سے زیادہ نبی اکرم ﷺ کے یہ کہہ کر مخالف ہو گئے کہ یہ شخص ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی کسی کے خلاف ایسی زبان استعمال نہیں کی جس میں کسی کی توہین پائی جائے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے خلقِ عظیم اور اعلیٰ کردار سے سرفراز فرمایا اور یہ تعلیم دی کہ آپ اپنے ساتھیوں کو بھی تلقین فرمائیں کہ کسی کے باطل معبود کو برا نہ کہیں۔

﴿وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [الانعام: ۱۰۸]

”مشرک جن لوگوں کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہنا کہ کہیں یہ بھی اللہ کو بے ادبی اور بے سمجھے برا نہ کہیں۔“(الانعام:۱۰۸)

الرّحمٰن کی رحمتیں:

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَمَّا قَضَی اللّٰهُ الْخَلْقَ كَتَبَ عِنْدَهُ فَوْقَ عَرْشِهِ ، إِنَّ رَحْمَتِی سَبَقَتْ غَضَبِی))[رواہ البخاری: باب قَوْلِهِ تَعَالَی (**وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ**)]

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے مخلوقات کو پیدا کرنے کا فیصلہ فرمایا تو اُس وقت اللہ کے عرش پر لکھا ہوا تھا بے شک میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے جا چکی ہے۔“

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ إِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ قَسَمَ مِنْهَا رَحْمَةً بَیْنَ جَمِیعِ الْخَلَائِقِ فَبِهَا یَتَرَاحَمُونَ وَبِهَا یَتَعَاطَفُونَ وَبِهَا تَعْطِفُ الْوَحْشُ عَلَی أَوْلَادِهَا وَأَخَّرَ تِسْعَةً وَتِسْعِینَ رَحْمَةً یَرْحَمُ بِهَا عِبَادَهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ))[رواہ ابن ماجۃ: کتاب الزھد،باب مایرجی من رحمۃ اللہ یوم القیامۃ]

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ نبی معظم ﷺ نے فرمایا بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے پاس رحمت کے سو حصے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایک حصہ تمام مخلوق میں تقسیم کیا ہے۔اسی وجہ سے وہ باہم محبت وشفقت سے پیش آتے ہیں اور اسی وجہ سے ہی وحشی جانور اپنے بچوں سے محبت کرتے ہیں۔باقی ننانوے حصے اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھے ہیں جن سے وہ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔“

مسائل

۱۔ رسول کریم ﷺ کا کفار مذاق اُڑایا کرتے تھے۔

۲۔ رسول کریم ﷺ پر کفار اپنے معبودوں کی توہین کا الزام لگاتے تھے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب نام ”الرحمٰن“ کا کفار انکار کرتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی میں اسم الرحمٰن کی اہمیت:

۱۔ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن۔اللہ کے لیے اچھے نام ہیں۔(الاسراء:۱۱۰)

۲۔ اللہ کے اچھے،اچھے نام ہیں اُسے اُن ناموں کے ساتھ پکارو۔(الاعراف:۱۸۰)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام الرحمٰن ۵۷ بار اور الرحیم ۹۵ بار استعمال ہوا ہے۔

خُلِقَ	الْاِنْسَانُ	مِنْ	عَجَلٍ ط	سَاُورِيْكُمْ	اٰيٰتِيْ
پیدا کیا گیا	انسان	سے	جلد باز	عنقریب میں تمھیں دکھاؤں گا	اپنی نشانیاں
فَلَا	تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾	وَيَقُوْلُوْنَ	مَتٰى	هٰذَا	الْوَعْدُ
پس نہ	تم جلدی طلب کرو مجھ سے	اور وہ لوگ کہتے ہیں	کب	یہ	وعدہ
اِنْ	كُنْتُمْ	صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾			
اگر	ہو تم	سچے؟			

''انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے عنقریب ''اللہ'' تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا لہٰذا مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کرو۔ (۳۷) یہ لوگ کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو آخر یہ بات کب پوری ہوگی؟'' (۳۸)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار نہ صرف رسول کریم ﷺ کی ذات اور آپ کی دعوت کو مذاق کا نشانہ بناتے تھے بلکہ وہ عذاب کے بارے میں بھی جلد بازی کا مظاہرہ کرتے بلکہ اُسے بھی مذاق سمجھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے بطورِ امتحان ہر انسان میں کچھ طبعی کمزوریاں رکھی ہیں تاکہ اُس کی آزمائش کی جائے۔ ان کمزوریوں میں عُجلت پسندی بھی ہے۔ جو ہر انسان میں کسی نہ کسی حد تک پائی جاتی ہے۔ خوشی، غمی، کامیابی، ناکامی، تنگدستی اور کشادگی، اقتدار اور اختیار ملنے پر انسان کسی نہ کسی موقع پر ضرور جلد باز ہو جاتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ ایماندار خوشی کے موقع پر شکر اور غم کے موقع پر صبر کر کے اس کمزوری پر قابو پالیتا ہے۔ لیکن جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا وہ ان مواقعوں پر جلد بازی کا مظاہرہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ رسول اکرم جب کفار اور مشرکین کو ان کے کفر و شرک کے انجام سے ڈراتے تو وہ لوگ اپنے خوفناک انجام سے ڈرنے کی بجائے آپ ﷺ سے عذاب کا مطالبہ کرتے کہ جس عذاب سے ہمیں صبح و شام ڈرایا جاتا ہے اُس کے آنے میں آخر کیا رکاوٹ ہے؟ اے محمد! تم سچے ہو تو یہ وعدہ اب تک پورا کیوں نہیں ہوا؟ بسا اوقات اُن کے مظالم اور پراپیگنڈہ سے متاثر ہو کر مسلمان بھی یہ سوچتے کہ ان لوگوں پر عذاب کیوں نہیں آتا؟ یہاں مسلمانوں کو تسلّی دینے کے ساتھ کفار کو انتباہ کیا گیا ہے کہ جلد بازی کا مظاہرہ مت کرو۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تمھیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائے گا یعنی جس عذاب کا تم مطالبہ کرتے ہو بہت جلد اُسے اپنے سامنے پاؤ گے۔

((اِنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِیَّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْاَنَاةُ مِنَ اللّٰهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ)) [رواہ الترمذی: باب مَا جَاءَ فِی التَّأَنِّی وَالْعَجَلَةِ]

''حضرت سہل بن سعد اپنے باپ سے وہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تحمل مزاجی

اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے۔‘‘

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ يَهُودَ أَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ فَقَالُوا السَّامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ عَلَيْكُمْ ، وَلَعَنَكُمُ اللَّهُ ، وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ قَالَ مَهْلًا يَا عَائِشَةُ ، عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ ، وَإِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ قَالَتْ أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا قَالَ أَوَلَمْ تَسْمَعِي مَا قُلْتُ رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ ، فَيُسْتَجَابُ لِي فِيهِمْ ، وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ)) [باب لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا]

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یہودی نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے انہوں نے آپ کو مخاطب کر کے کہا السام علیکم یعنی تم پر موت واقع ہو۔ حضرت عائشہ نے جواباً کہا تم پر بھی موت واقع ہو، اللہ تعالیٰ تم پر لعنت کرے اور اپنا غضب نازل فرمائے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! نرمی اختیار کرو سختی اور بد کلامی نہ کرو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی اے اللہ کے نبی آپ نے ان کی بات نہیں سنی آپ نے فرمایا جو میں نے ان کو جواب دیا ہے آپ نے وہ نہیں سنا۔ میری بات ان کے بارے میں قبول ہوگئی ہے ان کی بات میرے بارے میں قبول نہیں ہوئی۔‘‘

مسائل

١۔ انسان بنیادی طور پر جلد باز ہے۔ ٢۔ اللہ اور آخرت کا منکر ضرور جلد باز ہوتا ہے۔

٣۔ رسول اکرم ﷺ سے کفار بار بار عذاب کا مطالبہ کرتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

انسان کی طبعی کمزوریاں:

١۔ انسان جلد باز ہے۔ (بنی اسرائیل: ١١) ٢۔ انسان فطرتاً جلد باز ہے۔ (الانبیاء: ٣٧)

٣۔ لوگ عذاب طلب کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔ (الحج: ٤٧)

٤۔ کیا وہ ہمارے عذاب کے معاملے میں جلدی کرتے ہیں۔ (الشعرا: ٢٠٤)

٥۔ میں عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا سو جلدی نہ کرو۔ (الانبیاء: ٣٧)

٦۔ اللہ کا حکم آنے والا ہے جلدی نہ کرو۔ (النحل: ١) ٧۔ یقیناً انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ (العادیات: ٦)

٨۔ اکثر انسان رب کے ناشکرے ہیں۔ (بنی اسرائیل: ٨٩) ٩۔ انسان دل کا تنگ ہے۔ (بنی اسرائیل: ١٠٠)

١٠۔ یہ لوگ عذاب الٰہی میں جلدی کرتے ہیں حالانکہ اس سے پہلے عذاب آنے کے واقعات گزر چکے ہیں۔ (الرعد: ٦)

لَوْ	يَعْلَمُ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	حِيْنَ	لَا يَكُفُّوْنَ
اگر	جان لیں	وہ لوگ	انھوں نے کفر کیا	وقت	نہیں ہٹا سکیں گے

عَنْ	وُّجُوْهِهِمُ	النَّارَ	وَلَا	عَنْ	ظُهُوْرِهِمْ	وَلَا
سے	اپنے چہروں	آگ	اور نہ	سے	اپنی پیٹھوں	اور نہ

هُمْ	يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾	بَلْ	تَأْتِيْهِمْ	بَغْتَةً	فَتَبْهَتُهُمْ
وہ	مدد ہی کیے جائیں گے	بلکہ	وہ آئے گی ان کے پاس	اچانک	تو وہ انھیں بدحواس کر دے گی

فَلَا	يَسْتَطِيْعُوْنَ	رَدَّهَا	وَلَا	هُمْ	يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾
پھر نہ	وہ استطاعت رکھیں گے	اسے ٹالنے کی	اور نہ	وہ	مہلت ہی دیے جائیں گے

’’کاش کافروں کو اس گھڑی کا کچھ علم ہو جب یہ اپنے منہ اور اپنی پیٹھیں آگ سے نہیں بچا سکیں گے اور نہ ان کو کہیں سے مدد پہنچ پائے گی۔(۳۹) وہ اچانک آئے گی اور انہیں اس طرح یک لخت دبوچ لے گی کہ یہ نہ اس کو دور کر سکیں گے اور نہ ان کو کچھ مہلت مل سکے گی۔‘‘(۴۰)

فہم القرآن

ربط کلام: جس عذاب کے لیے کفار جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہیں اس کی ہولناکیوں کی ایک جھلک۔

رسولِ معظم ﷺ سے کفار عذاب اور قیامت کا بار بار مطالبہ کرتے تھے۔عذاب کی ہولناکیوں کا ذکر کر کے کفار کو اُن کے مطالبہ سے یہ کہہ کر ڈرایا اور روکا جا رہا ہے کہ اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ رب ذوالجلال کا عتاب اور عذاب کس قدر سخت اور شدید تر ہوتا ہے تو یہ بھول کر بھی ایسا مطالبہ نہ کریں۔انھیں پتہ ہونا چاہیے کہ جب اُن پر رب ذوالجلال کا عذاب نازل ہوگا تو وہ اپنے آپ کو بچانا چاہیں تو ہرگز بچا نہیں سکیں گے۔اے پیغمبر ﷺ! آپ سے پہلے انبیاء کے ساتھ بھی مذاق ہوتا رہا لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ جب مذاق کرنے والوں کو عذاب نے آلیا تو اس وقت انھیں کوئی پناہ دینے والا نہ تھا۔جہاں تک جہنم کے عذاب کا معاملہ ہے اس کی آگ اس قدر سخت اور تیز ہوگی کہ وہ اُن کے چہروں اور پیٹھوں کو جھلس دے گی۔اُس وقت کوئی ان کی مدد کرنے والا نہیں ہوگا۔اس دن عذاب ان پر اچانک ٹوٹ پڑے گا۔ظالم بدحواس ہو جائیں گے نہ اُسے ٹالنے کی ان کے پاس طاقت ہوگی اور نہ انھیں مہلت ملے گی۔

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو اسے دیکھ کر تمام کے تمام لوگ ایمان لے آئیں گے۔لیکن اس وقت ان کے ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔جو اس سے قبل نہ ایمان لایا اور نہ اس نے نیک اعمال کیے ہوں۔دو آدمیوں نے کپڑا پھیلایا ہوگا دو کاندار کپڑے کو بیچ اور سمیٹ نہیں پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ

اور البتہ تحقیق | مذاق کیا گیا | کئی رسولوں کے ساتھ | سے | آپ سے پہلے | پھر گھیر لیا

بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع

ان لوگوں کو جو | انھوں نے مذاق کیا | ان سے | جو | تھے وہ | اس کے ساتھ | وہ مذاق کرتے

''آپ سے پہلے بھی رسولوں سے مذاق کیا گیا ہے مگر رسولوں کا مذاق اڑانے والے اسی چیز کے چکر میں آ کر رہے جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔'' (۴۱)

گی۔ دودھ دوہنے والا دودھ پی نہیں سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ حوض پر وارد ہونے والا پانی نہیں پی سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ انسان اپنے منہ میں ڈالا ہوا لقمہ کھا نہیں پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔''

[رواه البخاری:باب قَوْلِ النَّبِیِّ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ کَهَاتَیْنِ]

نبی اکرم ﷺ سے مذاق کرنے والوں کا دنیا میں انجام:

﴿اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ﴾ [الحجر: ۹۵]

''یقیناً ہم آپ سے مذاق کرنے والوں سے نپٹ لیں گے۔''

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے منافقوں میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اللہ کے رسول کی سواری کے پیچھے اس حال میں دوڑ رہا تھا کہ اس کے پاؤں زخمی ہو چکے تھے اور وہ رسول معظم ﷺ سے فریاد کر رہا تھا کہ جو باتیں آپ تک پہنچی ہیں، ہم نے محض خوش طبعی اور دل لگی کے لیے کی تھیں لیکن رسول اکرم ﷺ نے اس کے جواب میں فقط اتنا فرمایا کہ کیا تم اللہ کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کرتے تھے؟'' (تفسیر رازی: جلد ۸، سورۃ التوبہ)

مسائل

۱۔ جہنم کا عذاب مجرموں کو ہر جانب سے گھیرے ہوئے ہوگا اور اُس وقت ان کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔

۲۔ قیامت اچانک نازل ہوگی جس کو دیکھ کر ظالم بدحواس ہو جائیں گے۔

۳۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا مذاق کرنے والوں کا دنیا میں بھی بدترین انجام ہوا۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء علیہم السلام کی مخالفت اور اُن کا مذاق اُڑانے والوں کا انجام:

۱۔ آپ سے پہلے بھی انبیا سے مذاق کیا جاتا رہا تب ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا۔ (الانبیاء: ۴۱)

۲۔ کیا تم اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسولوں سے مذاق کرتے ہو۔ (التوبہ: ۶۵)

۳۔ نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر انہوں نے اس کا مذاق اُڑایا۔ (الحجر: ۱۱)

۴۔ افسوس ہے لوگوں پر جب بھی ان کے پاس کوئی رسول آیا تو انہوں نے اس کا مذاق اُڑایا۔ (یٰس: ۳۰)

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ

فرمادیجیے | کون | تمھاری نگہبانی کرتا ہے | رات | اور | دن | سے

الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾

رحمٰن؟ | بلکہ | وہ | سے | ذکر | اپنے رب کا | اعراض کرنے والے

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

کیا | ان کے لیے | معبود | جوان کو بچاتے ہیں | ہمارے | سوا؟ | نہیں وہ استطاعت رکھتے

نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾

مدد | اپنی ہی جانوں | اور نہ | وہ | ہم سے | وہ رفاقت دیے جاتے ہیں

''اے نبی ان سے فرمائیں کہ کون ہے جورات یا دن میں تمہیں رحمان سے بچا سکتا ہے؟ مگر یہ اپنے رب کی نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں۔(۴۲) کیا یہ معبود رکھتے ہیں۔جو ہمارے مقابلے میں ان کی حمایت کریں گے؟ وہ نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں اور نہ ہماری تائید ان کو حاصل ہے۔''(۴۳)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔مشرکین مکہ الرّحمٰن کے منکر تھے اس لیے یہاں الرّحمٰن کی صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔

منکرینِ حق کومختلف الفاظ اور انداز میں انتباہ کیا جا رہا ہے۔اے پیغمبر ﷺ! استہزاء کرنے والوں سے پوچھیں کہ کون ہے؟ جورات اور دن میں تمھاری نگرانی کرتا ہے، کیا الرّحمٰن کے سوا کوئی اور ہوسکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ رب رحمٰن کے سوا کوئی نہیں ہے جو اُس سے بڑھ کر تم پر نرمی اور مہربانی کرنے والا ہو۔الرّحمٰن کی مہربانی کا نتیجہ ہے کہ تمہاری گستاخیوں کے باوجود دن، رات تمہاری نگرانی اورضرورتیں پوری کرتا ہے۔اس کے باوجودلوگ رب کی ذات اوراس کے فرمان سے اعراض کرنے والے ہیں۔کیا ان کے اور بھی نگران اور حاجت روا ہیں؟ جوان کی رات اور دن میں حفاظت کرتے ہیں؟ وہ نہ اپنے آپ کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ ہماری پکڑ سے بچ سکتے ہیں۔پچھلی آیات میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ اہلِ مکہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مشفق نام ''الرحمٰن'' کے منکر تھے۔اب انھیں الرّحمٰن کا تعارف کرایا گیا ہے کہ یہ الرّحمٰن کی شفقت اور مہربانی کا نتیجہ ہے کہ تمہاری گستاخیوں کے باوجود تمھیں ڈھیل دیے ہوئے ہے ورنہ تم سے پہلے کتنے لوگ گزرے ہیں کہ ان میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ نے رات کے وقت اپنی گرفت میں لیا جو قیامت تک اسی عذاب میں مبتلا رہیں گے۔کچھ ایسے تھے جن کو دن کے وقت عذاب نے آلیا اور وہ ہمیشہ کے لیے مغضوب ٹھہرے۔نہ وہ اپنے آپ کو بچا سکے اور نہ ان کے دستگیر اور مشکل کشا کوئی مدد کر سکے۔

قرآن مجید نے اس بات کی بھی صراحت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص پر دو نگران مقرر کر رکھے ہیں۔ انسان اُس وقت تک اُن کی حفاظت میں رہتا ہے جب تک انھیں حفاظت کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ (الرعد:١١)

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما ...إِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ عَنِ التَّعَرِّي فَاسْتَحْيُوْا مِنْ مَلَآئِكَةِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ لَا يُفَارِقُوْنَكُمْ إِلَّا عِنْدَ ثَلَاثِ حَالَاتٍ اَلْغَائِطِ وَ الْجِنَابَةِ وَ الْغُسْلِ فَإِذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ بِالْعُرَاءِ فَلْيَسْتَتِرْ بِثَوْبِهِ أَوْ بِجَذْمَةِ حَائِطٍ أَوْ بِبَعِيْرِهِ)) [رواہ البزار]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں بے شک اللہ نے تمہیں ننگا ہونے سے منع کیا ہے پس تم اللہ کے فرشتوں سے شرم کرو۔ فرشتے صرف تم سے تین حالتوں میں جدا ہوتے ہیں۔ قضائے حاجت کے وقت، مباشرت اور غسل کے وقت، جب تم میں سے کوئی کھلے میدان میں غسل کرے تو اسے چاہیے کہ وہ خود کو کسی کپڑے سے یا کٹے ہوئے درخت کے تنے کے پیچھے ڈھانپے یا پھر اپنے اونٹ کی اُوٹ کر لے۔''

ہمیشہ اللہ کی رحمت کا طلب گار رہنا چاہیے:

((اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّأَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ))

[رواہ ابو داؤد:باب مایقول اذا اصبح]

''اے اللہ میں تیری رحمت کی امید رکھتا ہوں مجھے ایک لمحے کے لیے بھی میرے نفس کے حوالے نہ کرنا اور میرے تمام معاملات درست فرما دے تیرے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔''

مسائل

١۔ الرحمٰن ہی دن، رات لوگوں کی نگرانی کرتا ہے۔
٢۔ اکثر لوگ اپنے رب کی ذات اور اس کے فرمان سے اعراض کرتے ہیں۔
٣۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کوئی خود بچ سکتا ہے اور نا کوئی اُسے بچا سکتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ انسان کی نگرانی اور حفاظت کرتا ہے:

١۔ بے شک میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے۔ (ھود:٥٧) ٢۔ اللہ تم پر نگہبان ہے۔ (الشوریٰ:٦)
٣۔ اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے۔ (آل عمران:١٠٢)
٤۔ اللہ پر توکل کرو، اللہ بہترین کارساز ہے۔ (الاحزاب:٣)
٥۔ تیرا رب ہر چیز کی حفاظت کرنے والا ہے۔ (سبا:٢١)

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ

بلکہ ہم نے فائدہ دیا ان کو اور باپ دادا ان کے یہاں تک کہ طویل ہوگئیں ان پر

الْعُمُرُ ۭ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ

عمریں کیا پھر نہیں وہ دیکھتے؟ بے شک ہم ہم آتے ہیں زمین ہم کم کرتے ہیں اس کو سے

اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝۴۴

اس کے کنارے کیا پھر وہی غالب ہیں؟

''اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو اور ان کے آباؤ اجداد کو ہم زندگی کا سروسامان دیے چلے گئے یہاں تک کہ ان کی مہلت طویل ہوگئی مگر کیا انہیں نظر نہیں آتا کہ ہم زمین کو مختلف سمتوں سے گھٹاتے چلے جاتے ہیں؟ کیا یہ غالب آجائیں گے؟'' (۴۴)

فہم القرآن

ربط کلام: لوگوں کا اپنے رب کی ذات اور اُس کے فرمان سے اعراض کرنے کا بنیادی سبب۔

اللہ تعالیٰ جب کسی فرد یا قوم کو طویل مدت تک اسباب عطا کرنے کے ساتھ ڈھیل دیتا ہے تو وہ اُس کے شکر گزار بندے بننے کی بجائے یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر ناراض نہیں جس وجہ سے دنیا کے اسباب و وسائل، اقتدار اور وقار دیئے جارہا ہے۔ خاص طور پر یہ سلسلہ نسل در نسل جاری رہے تو نافرمان لوگوں کا یہ اعتقاد بن جاتا ہے کہ واقعی ہی ہم میں ایسے اوصاف ہیں جس بناء پر ہم وسائل، اقتدار اور وقار کا حق رکھتے ہیں۔ بعض دفعہ ایسے لوگوں پر اچانک بُرے حالات وارد کر دیے جاتے ہیں جن کا یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یہی صورتحال اہل مکہ کی تھی۔ وہ کئی نسلوں سے بیت اللہ کی وجہ سے دنیا میں بالعموم اور عرب میں بالخصوص نہایت وقار کی زندگی بسر کر رہے تھے اور وسائل کے اعتبار سے بھی عرب کے قبائل میں متمول سمجھے جاتے تھے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ سرورِ دو عالم ﷺ کی دعوت قبول کر کے اپنے رب کے شکر گزار بندے بن جاتے لیکن وہ آپ ﷺ کی مخالفت پر دن رات کمر بستہ ہوگئے۔ جوں جوں وہ مخالفت میں تیز ہورہے تھے اُسی رفتار سے دن بدن اسلام کا غلبہ اور مسلمانوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ بالآخر وہ وقت بھی آیا جب اُن کے لیے مکہ کی زمین تنگ ہوگئی اور انھیں اسلام کے سامنے سرنگوں ہونا پڑا۔ اسی صورتحال کو یہاں بیان کی گیا ہے کہ ہم نے انھیں اور ان کے باپ دادا کو فائدہ دیا اور پھر طویل مدت تک انھیں مہلت دی۔ یہ مدت ان کے لیے فائدہ مند ہونے کی بجائے وبال ثابت ہوئی۔ کیا انھوں نے غور نہیں کیا کہ زمین اپنی وسعتوں کے باوجود ان کے لیے تنگ ہوتی جارہی ہے حالانکہ یہ اپنے آپ کو غالب سمجھ رہے۔ ارضیات کے سائنسدانوں کی تحقیق یہ ہے کہ زمین رقبہ کے لحاظ سے بھی دن بدن تنگ

ہورہی ہے۔(اللہ اعلم)

((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِی بَکْرَۃَ عَنْ أَبِیہِ أَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُہُ وَحَسُنَ عَمَلُہُ قَالَ فَأَیُّ النَّاسِ شَرٌّ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُہُ وَسَاءَ عَمَلُہُ قَالَ أَبُو عِیسَی هَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ))[رواہ الترمذی: باب مَا جَاءَ فِی طُولِ الْعُمُرِ لِلْمُؤْمِنِ]

''حضرت عبدالرحمٰن بن ابی ابکرہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ بے شک ایک آدمی نے سوال کیا اے اللہ کے رسول ﷺ لوگوں میں سے بہترین کون ہے؟ آپ نے فرمایا جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال اچھے ہوں۔ اُس نے پھر عرض کی اللہ کے محبوب لوگوں میں سے بدترین کون ہے؟ آپ نے فرمایا جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال بُرے ہوں۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ طویل عمر اور اسباب کی کشادگی عنایت فرمائے تو نافرمان بننے کی بجائے اپنے رب کی تابعداری کرنا چاہیے۔
۲۔ طویل عمر نیک آدمی کے لیے مفید اور برے شخص کے لیے وبال کا باعث ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو زمین کی وسعتوں کو انسان کے لیے تنگ وتاریک کردے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی شخص اور قوم غالب نہیں آسکتی۔

تفسیر بالقرآن

''اللہ'' ہی غالب ہے:

۱۔ اللہ اپنے ہر کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔(یوسف:۲۱)
۲۔ اللہ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو حکم کرتا ہے۔ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔(البقرۃ:۱۱۷)
۳۔ ''اللہ'' اپنے بندوں پر غالب ہے اس نے اپنے بندوں کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر کیے ہیں۔(الانعام:۶۱)
۴۔ زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے وہ غالب، حکمت والا ہے۔(الحشر:۱)
۵۔ جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے یقیناً اللہ غالب حکمت والا ہے۔(الانفال:۴۹)
۶۔ اللہ قوی اور غالب ہے۔(المجادلۃ:۲۱)
۷۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔(البقرۃ:۲۰)

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ
فرمادیجیے صرف میں تمھیں ڈراتا ہوں وحی کے ذریعے اورنہیں وہ سنتے بہرے

الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ
پکار جب کبھی وہ ڈرائے جائیں اورالبتہ اگر چھوئے انھیں جھونکا سے

عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٤٦﴾
عذاب آپ کارب تو وہ ضرور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی! بلاشبہ ہم ہی تھے ظالم

’’ان سے فرمادو کہ میں تمہیں وحی کے ساتھ ڈراتا ہوں مگر بہرے آواز کونہیں سنا کرتے جب انہیں خبردار کیا جائے۔(۴۵)اوراگرآپ کے رب کا معمولی ساعذاب انہیں آلے توچیخ اٹھیں کہ ہائے ہم پرافسوس بے شک ہم ہی ظالم تھے۔‘‘(۴۶)

فہم القرآن

ربط کلام: ایک دفعہ پھر منکرینِ حق کوانتباہ کیا گیا ہے۔

اے پیغمبر ﷺ! ان سے فرمائیں کہ میں تمھیں اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعے ڈراتا ہوں۔لیکن کانوں سے بہرے لوگ اس وحی کو نا سُنتے ہیں اور نا ہی اس کے انتباہ سے ڈرتے ہیں۔اگر انھیں ان کے رب کی طرف سے عذاب کا معمولی جھٹکا بھی آجائے تو یہ آہ وزاری اوراپنے آپ پرافسوس کا اظہار کرنے کے ساتھ اعتراف کریں گے کہ ہم ہی ظالم تھے۔جب انسان مفاد کا بندہ اور تعصب کا غلام ہو جائے تو پھر نہ وہ حقیقت کی نگاہ سے دیکھتا ہے،نہ اچھی بات کو سننا گوارا کرتا ہے اور نہ ہی کسی بات پر غور وفکر کرتا ہے۔ایسے لوگوں کے کان سننے کے قابل،آنکھیں دیکھنے اور عقل کے دریچے اس وقت کھلتے ہیں جب ان کے سروں پر عذاب منڈلانے لگتا ہے۔ایسے لوگوں کی اسی حالت کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔لیکن اس وقت انھیں سننے اور دیکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ایسے لوگ نبی اکرم ﷺ پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ اپنی طرف سے ہمیں دھمکیاں دیتا ہے۔اس کے جواب میں آپ کو حکم دیا گیا۔کہ آپ وضاحت فرمائیں کہ میں اپنی طرف سے نہیں ’’اللہ‘‘ کی وحی کے مطابق تمہیں سمجھاتا اور تمہارے انجام سے ڈراتا ہوں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے عذاب کے وقت مجرموں کا اعتراف:

۱۔ مجرم کہیں گے ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔(الانعام:۱۳۰)

۲۔ اے ہمارے پروردگار ہماری بدبختی نے ہمیں گھیر لیا تھا اور ہم کافر ہوئے۔(المومنون:۱۰۶)

۳۔ ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں کیا یہاں سے نکلنے کا راستہ ہے۔(المومن:۱۱)

وَنَضَعُ	الْمَوَازِيْنَ	الْقِسْطَ	لِيَوْمِ	الْقِيٰمَةِ	فَلَا	تُظْلَمُ
اور ہم رکھیں	ترازو	انصاف	دن	قیامت	پھر نہ	ظلم کیا جائے گا
نَفْسٌ	شَيْـًٔا ط	وَاِنْ	كَانَ	مِثْقَالَ	حَبَّةٍ	مِّنْ	خَرْدَلٍ
کسی نفس	کچھ	اور اگر	ہو	برابر	دانہ	سے	رائی
اَتَيْنَا	بِهَا ط	وَكَفٰى	بِنَا	حٰسِبِيْنَ ﴿٤٧﴾		
لے آئیں گے	ہم اسے	اور کافی ہیں	ہم	حساب کرنے والے		

''قیامت کے دن ہم پورے انصاف کے ساتھ ترازو رکھیں گے۔ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا جس کا رائی کے دانے برابر بھی کوئی عمل ہوگا ہم اسے سامنے لے آئیں گے اور ہم حساب چکانے کے لیے کافی ہیں۔'' (٤٧)

فہم القرآن

ربط کلام: منکرین حق کو دنیا میں اُن کے جرائم کی پوری پوری سزا نہیں مل سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے قیامت کا دن مقرر کیا ہے۔ جس کے لیے ہر کسی کو اس کی نیکی، بدی کے مطابق جزا اور سزا دی جائے گی۔

قیامت کے دن حساب و کتاب کے کئی مراحل ہوں گے۔ جن میں آخری مرحلہ فیصلہ کن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے اعمال کا وزن کرنے کے لیے ترازو قائم فرمائیں گے۔ اُس دن کسی پر ذرہ برابر زیادتی نہیں ہونے پائے گی۔ اگر کسی کی نیکی یا بدی رائی کے دانے کے برابر ہوئی تو اُسے بھی اس کے سامنے لے آیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کا حساب و کتاب لینے میں کسی کی معاونت کا محتاج نہیں۔ حساب و کتاب کے انداز اور طریقہ کار کے بارے میں قرآن مجید نے بڑی تفصیل کے ساتھ یہ بات بتائی ہے کہ ہر کسی کی نیکی، بدی اُس کے سامنے پیش کی جائے گی۔ مجرم اپنا اعمال نامہ دیکھ کر پکار اُٹھے گا کہ ہائے میرے اعمال نامہ میں ہر چیز لکھی ہوئی ہے۔ اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جسے چھوڑا گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ (الکہف: ٦٩)

ہر کوئی نیکی اور بدی کو اپنی آنکھوں کے سامنے پائے گا۔ (الزلزال: ٧۔٨) جہاں تک اعمال نامے کا وزن کرنے کا معاملہ ہے۔ ماضی بعید میں کچھ لوگ اس بات پر گمراہ ہوگئے کہ نماز، روزہ اور انسان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کا وجود نہیں ہوتا تو پھر ان کا وزن کرنا کس طرح ممکن ہوگا۔ قرآن مجید نے اعمال کے حوالے سے صدیوں پہلے جس بات کا انکشاف کیا ہے آج جدید سائنس نے یہ بات عملاً ثابت کر دی ہے کہ واقعی ہی اعمال کا وزن ہو سکتا ہے اور قیامت کے دن ایسا ضرور ہوگا۔ انسان کے جسم کی حرارت، بخار کا ٹمپریچر، ہوا کا وزن اور دباؤ وزن کیا جا سکتا ہے نہ معلوم مستقبل میں کیا کیا تجربات اور مشاہدات انسان کے سامنے آجائیں گے۔ اور کس کس چیز کا وزن کر سکے گا۔ سورۃ القارعۃ میں ارشاد ہے جس کے اعمال کا وزن بھاری ہوا وہ قیامت کے دن عیش و عشرت میں ہوگا۔ اور جس کے اعمال کا وزن ہلکا نکلا اس کی جگہ ہاویہ ہے اور آپ کیا جانیں ہاویہ کیا ہے ہاویہ دہکتی آگ ہے۔

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَیْكَ وَقَالَ یَدُ اللّٰهِ مَلَأی لَا تَغِیْضُهَا نَفَقَةٌ ، سَحَّاءُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَقَالَ أَرَأَیْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمَآءَ وَالْأَرْضَ فَإِنَّهُ لَمْ یَغِضْ مَا فِیْ یَدِهِ ، وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَی الْمَاءِ ، وَبِیَدِهِ الْمِیْزَانُ یَخْفِضُ وَیَرْفَعُ)) [رواه البخاری :کتاب التفسیر، باب قوله تعالی وکان عرشه علی الماء]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل فرماتے ہیں۔انسان خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بھرے ہوئے ہیں۔اس میں سے رات دن خرچ کرنے سے کمی نہیں آتی، آپ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین بنائے ہیں کس قدر اللہ نے خرچ کیا ہوگا؟ یقیناً اس میں کسی قسم کی کمی نہیں آئی۔اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا، اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ترازو ہے وہ اسے اوپر، نیچے کرتا ہے۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم تُوضَعُ الْمَوَازِیْنُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَیُؤْتَی بِالرَّجُلِ فَیُوضَعُ فِی كَفَّةٍ فَیُوضَعُ مَا أَحْصِیَ عَلَیْهِ فَتَمَایَلَ بِهِ الْمِیزَانُ قَالَ فَیُبْعَثُ بِهِ إِلَی النَّارِقَالَ فَإِذَا أَدْبَرَ بِهِ إِذَا صَائِحٌ یَصِیحُ مِنْ عِنْدِ الرَّحْمَنِ یَقُولُ لَا تَعْجَلُوا لَا تَعْجَلُوا فَإِنَّهُ قَدْ بَقِیَ لَهُ فَیُؤْتَی بِبِطَاقَةٍ فِیهَا لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ فَتُوضَعُ مَعَ الرَّجُلِ فِی كَفَّةٍ حَتَّی یَمِیلَ بِهِ الْمِیزَانُ)) [رواہ احمد: مسند عبداللہ بن عمرو]

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ترازو قائم کیا جائیگا ایک آدمی کو ایک پلڑے میں اور اس کے اعمال کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائیگا تو گناہوں والا پلڑا جھک جائیگا آپ نے فرمایا اسے جہنم کی طرف روانہ کر دیا جائیگا جب وہ پیچھے مڑ کر دیکھے گا تو ایک چیخنے والے کو سنے گا جو رحمان کے قریب سے زور زور سے کہہ رہا ہوگا اس کے بارے میں جلدی نہ کرو ابھی اس کے کچھ اعمال باقی ہیں تو ایک کاغذ لایا جائیگا جس میں لا الہ الا اللہ لکھا ہوگا اس کو اس آدمی کے ساتھ پلڑے میں رکھ دیا جائیگا حتی کہ اس کا پلڑا بھاری ہو جائیگا۔''

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُولُ فِی بَعْضِ صَلَاتِهِ اللَّهُمَّ حَاسِبْنِی حِسَاباً یَسِیرًا فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ مَا الْحِسَابُ الْیَسِیرُ قَالَ أَنْ یَنْظُرَ فِی كِتَابِهِ فَیَتَجَاوَزَ عَنْهُ إِنَّهُ مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ یَوْمَئِذٍ یَا عَائِشَةُ هَلَكَ وَكُلُّ مَا یُصِیبُ الْمُؤْمِنَ یُكَفِّرُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهِ عَنْهُ حَتَّی الشَّوْكَةُ تَشُوكُهُ)) [روہ احمد:مسند عائشہ صدیقہ]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی نماز میں یہ الفاظ پڑھتے ہوئے سنا آپ کہتے

بارِالٰہا! میرا حساب وکتاب آسان فرمانا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کی۔ اللہ کے محبوب آسان حساب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ انسان کے نامہ اعمال کی طرف دیکھ کر اس سے چھوڑ دیا جائے۔ اس دن جس سے حساب وکتاب میں پوچھ گچھ شروع ہوگئی وہ ہلاک ہوگیا جو تکلیف مومن کو پہنچتی ہے اللہ عزوجل اس کے عوض اس کے گناہ مٹا دیتا ہے حتی کہ کانٹا لگنے سے بھی گناہ مٹا دیے جاتے ہیں۔‘‘

’’سیدہ عائشہ ؓ ایک دن جہنم کو یاد کر کے رو رہی تھی رسول اللہ ﷺ نے پوچھا اے عائشہ! تجھے کس چیز نے رلایا ہے۔ سیدہ عائشہ نے کہا جہنم کی آگ یاد آئی تو میں رو پڑی۔ کیا قیامت کے دن آپ اپنے اہل وعیال کو یاد رکھ پائیں گے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین مواقع ایسے ہیں جن میں کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا۔ ① اعمال تولے جانے کے وقت جب تلک یہ نہ پتہ چل جائے کہ اُس کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوا یا ہلکا۔ ② نامہ اعمال دیئے جانے کے وقت جب کہنے والا کہے آؤ میرے نامہ اعمال کو پڑھ کر دیکھو حتی کہ اُسے علم ہو جائے کہ اُس کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جارہا ہے یا پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں ③ جب جہنم کے اوپر پل صراط کو رکھا جائے گا۔

[رواہ ابوداؤد: باب فی ذکر المیزان]

مسائل

١۔ قیامت کے دن ہر کسی کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ ٢۔ کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

٣۔ رائی کے دانے کے برابر کی ہوئی نیکی اور برائی اس کے کرنے والے کے سامنے لائی جائے گی۔

٤۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کا حساب کرنے پر قادر ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن حساب کے مراحل:

١۔ قیامت کے دن عدل وانصاف کا ترازو قائم کیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ (الانبیاء: ٤٧)

٢۔ ہر انسان کا نامہ اعمال اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے گا اور حکم ہوگا اپنا نامہ اعمال پڑھو آج کے دن تیرا یہی حساب کافی ہے۔ (بنی اسرائیل: ١٣، ١٤)

٣۔ ہر کسی کا نامہ اعمال اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا مجرم دیکھ کر کہیں گے کہ یہ نامۂ اعمال کیسا ہے جس میں ہر چھوٹی بڑی بات درج کر دی گئی ہے۔ (الکہف: ٤٩)

٤۔ جس دن صور پھونکا جائے گا سب رشتہ داریاں ختم ہو جائیں گی اور کوئی کسی کے متعلق کچھ دریافت نہیں کرے گا جن لوگوں کا نیکیوں پلڑا بھاری ہوگیا وہی لوگ کامیاب ہیں۔ (المؤمنون: ١٠١، ١٠٢)

وَلَقَدْ	اٰتَيْنَا	مُوْسٰى	وَهٰرُوْنَ	الْفُرْقَانَ	وَضِيَآءً
اورالبتہ تحقیق	ہم نے دی	موسیٰ	اور ہارون	فیصلہ کرنے والی	اورروشنی
وَّذِكْرًا	لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾	الَّذِيْنَ	يَخْشَوْنَ	رَبَّهُمْ	بِالْغَيْبِ
اور ذکر	پرہیزگاروں کے لیے	وہ لوگ جو	وہ ڈرتے ہیں	اپنے رب	بن دیکھے
وَهُمْ	مِّنَ	السَّاعَةِ	مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾	وَهٰذَا	ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ
اوروہ	سے	قیامت	ڈرنے والے	اوریہ	ذکر برکت والا
اَنْزَلْنٰهُ	اَفَاَنْتُمْ	لَهٗ	مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾		
ہم نے اسے نازل کیا	کیا پھر تم	اس کے	منکر ہو؟		

’’پہلے ہم متقی لوگوں کی راہنمائی کے لیے موسیٰ اور ہارون کو فرقان اور روشنی اور ذکر عطا کر چکے ہیں۔(۴۸) جو بغیر دیکھے اپنے رب سے ڈریں اور جو قیامت سے ڈرنے والے ہوں۔(۴۹) اور اب یہ بابرکت ’’ذکر‘‘ ہم نے نازل کیا ہے کیا تم اسے قبول کرنے سے انکار کرتے ہو؟۔‘‘(۵۰)

فہم القرآن

ربط کلام: قیامت پر ایمان لانا اور اس کے حساب کی تیاری کرنے کے بارے میں صرف نبی اکرم ﷺ ہی لوگوں کو نہیں سمجھاتے تھے اس عقیدہ کی موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام بھی تلقین کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ بات متعدد مقامات پر عیاں فرمائی ہے کہ نہ تو نبی آخر الزماں پہلے نبی ہیں اور نہ ہی قرآن مجید کی تعلیمات انوکھی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہیں اور پہلے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ قرآن مجید اپنے سے پہلی آسمانی کتابوں کی تائید کرتا ہے۔ بالخصوص تورات اور انجیل کے بنیادی مضامین اور احکام معمولی تبدیلی کے ساتھ وہی ہیں جن کی قرآن تعلیم دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن الفاظ میں قرآن مجید کا تعارف کروایا گیا ہے۔ ان سے ملتے جلتے الفاظ میں تورات کا تعارف کروایا ہے۔ یہاں تورات کو الفرقان، روشنی اور ذکر کہا گیا ہے۔ تورات و انجیل سے ان لوگوں نے ہی فائدہ اُٹھایا تھا جو برائی سے بچنے والے، اپنے رب سے غیب میں ڈرنے والے اور قیامت سے لرزاں رہنے والے تھے۔ یہی اصول قرآن مجید کی پہلی آیت میں بتلایا گیا ہے کہ اس کتاب میں کوئی شک و شبہ نہیں یہ ان لوگوں کی رہنمائی کرتی ہے جو نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی اور غیب پر ایمان لاتے ہوئے پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں۔ اس لیے قرآن مجید کو الفرقان، ذکر اور بابرکت کہا گیا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے ہی نازل فرمایا ہے لیکن اس کے باجود اہل کتاب اور دیگر لوگ اس کا

انکار کرتے ہیں۔ دوسرے مقام پر قرآن مجید اور تورات کے نزول کا مقصد یکساں الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے نبی! اس کتاب کو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا تاکہ آپ اپنے رب کے حکم سے لوگوں کو ہر قسم کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئیں۔ (ابراہیم: ۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یوں ارشاد ہوا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر اپنی آیات نازل فرمائیں تاکہ ان کے ساتھ اپنی قوم کو ہر قسم کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لانے کی کوشش کریں۔ (ابراہیم: ۵)

قرآن مجید اور تورات کو اللہ تعالیٰ نے فرقان، روشنی اور ذکر قرار دیا ہے۔ اللہ کے ذکر یعنی اس کی نصیحت سے وہی لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں۔ قرآن مجید ذکر، نصیحت اور برکت والی کتاب ہے۔ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے مگر بے شمار لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔

مسائل

۱۔ پہلی آسمانی کتب اس دور کے متقین کے لیے باعث نصیحت تھیں۔

۲۔ مومن اپنے رب اور قیامت سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔

۳۔ قرآن مجید بڑی بابرکت کتاب ہے۔ مومن غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے اوصاف حمیدہ کی ایک جھلک:

۱۔ قرآن مجید شک وشبہ سے بالاتر کتاب ہے۔ (البقرۃ: ۲)

۲۔ قرآن مجید ایمان والوں کے لیے باعث ہدایت اور رحمت ہے۔ (النحل: ۶۴)

۳۔ قرآن کریم برہان اور نور مبین ہے۔ (النساء: ۱۸۵)

۴۔ قرآن حمید کے نزول کا مقصد لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانا ہے۔ (ابراہیم: ۱)

۵۔ قرآن مجید اللہ کی طرف سے واضح کتاب ہے۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔ (البقرۃ: ۱۸۵)

۶۔ ہم نے قرآن کو نازل کیا جو مومنوں کے لیے باعث رحمت اور شفا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۸۲)

۷۔ اس کتاب کی آیات محکم ہیں اور یہ حکیم و خبیر کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ (ھود: ۱)

۸۔ یقیناً قرآن سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۹)

۹۔ جن وانس مل کر بھی اس قرآن جیسا قرآن نہیں لا سکتے۔ (بنی اسرائیل: ۸۸)

وَلَقَدْ	اٰتَيْنَآ	اِبْرٰهِيْمَ	رُشْدَهٗ	مِنْ	قَبْلُ	وَكُنَّا
اور البتہ تحقیق	ہم نے دی	ابراہیم	اسے ہدایت	سے	پہلے	اور ہم تھے

بِهٖ	عٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾
ساتھ اس کے	خوب جاننے والے

''ہم نے پہلے سے ہی ابراہیم کو ہدایت بخشی اور ہم اس کو خوب جاننے والے تھے۔'' (۵۱)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل اور عظیم پیغمبر ہیں۔ جن کا تذکرہ یوں شروع کیا گیا ہے کہ ہم نے ابراہیم کو پہلے سے ہی ہدایت سے سرفراز فرمایا اور ہم ابراہیم کو جاننے والے ہیں۔ یہ مسلّمہ حقیقت اور ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے ماضی، حال اور مستقبل کو جاننے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جتنے پیغمبر مبعوث فرمائے ان کی ابتدا ہی سے خصوصی رہنمائی فرمائی تھی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا کہ ہم نے ابراہیم کو پہلے سے ہی ہدایت سے سرفراز فرمایا اور ہم انھیں اچھی طرح جاننے والے تھے۔ میری سمجھ میں اس تعارف کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابراہیم نے ستارہ پرستوں کو عقیدہ توحید سمجھانے کے لیے استعارہ اور تمثیل کی زبان استعمال کی تھی۔ جس وجہ سے یہ شبہہ ہوسکتا تھا کہ شاید ابراہیم علیہ السلام بھی کچھ عرصہ شرک میں مبتلا رہے ہوں۔ اس لیے ضروری سمجھا کہ ابراہیم علیہ السلام کا اس طرح تعارف کروایا جائے تاکہ ابراہیم علیہ السلام کا مشرکین کے ساتھ جو مکالمہ ہوا اس سے کسی کو شبہ نہ ہو پائے۔ ابراہیم علیہ السلام نے پہلے دن یہ کہہ کر ستارہ پرستوں کے عقیدہ پر ضرب لگائی کہ دیکھو یہ ستارہ میرا رب ہے لیکن جب وہ غائب ہوگیا تو فرمایا کہ غائب ہونے والوں کو میں پسند نہیں کرتا۔ دوسرے دن انھوں نے چمکتے ہوئے چاند کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا یہ میرا رب ہوسکتا ہے لیکن جب چاند چھپ گیا تو فرمایا کہ اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی ہوتی تو میں گمراہ ہونے والوں میں سے ہوجاتا۔ تیسرے دن جگمگاتا ہوا سورج دیکھا تو فرمایا کہ یہ میرا سب سے بڑا رب ہوسکتا ہے لیکن جب سورج غروب ہوگیا تو فرمایا کہ اے میری قوم جو تم شرک کرتے ہو میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ میں نے اپنے چہرے کو مکمل طور پر اس ذات کے حوالے کیا ہوا ہے جو زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا ہے۔ میں اپنے عقیدہ میں بالکل یکسو ہوں میرا مشرکوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ہے وہ رُشد و ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اس لیے بھی رُشد کا لفظ استعمال کیا گیا کیونکہ جس ماحول بالخصوص جس گھر میں انھوں نے تربیت پائی تھی وہ شرک کا مرکز اور اُن کا باپ شرکیہ عقیدے کا بہت بڑا ترجمان

تھا۔لیکن اس کے باوجود ابراہیم علیہ السلام شرک سے بچے رہے۔

((عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِأَبِي يَا حُصَيْنُ كَمْ تَعْبُدُ الْيَوْمَ إِلَهًا قَالَ أَبِي سَبْعَةً سِتًّا فِي الْأَرْضِ وَوَاحِدًا فِي السَّمَاءِ قَالَ فَأَيُّهُمْ تَعُدُّ لِرَغْبَتِكَ وَرَهْبَتِكَ قَالَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ قَالَ يَا حُصَيْنُ أَمَا إِنَّكَ لَوْ أَسْلَمْتَ عَلَّمْتُكَ كَلِمَتَيْنِ تَنْفَعَانِكَ قَالَ فَلَمَّا أَسْلَمَ حُصَيْنٌ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ عَلِّمْنِي الْكَلِمَتَيْنِ اللَّتَيْنِ وَعَدْتَنِي فَقَالَ قُلِ اللَّهُمَّ أَلْهِمْنِي رُشْدِي وَأَعِذْنِي مِنْ شَرِّ نَفْسِي))

[رواه الترمذی :باب جَامِعِ الدَّعَوَاتِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم]

”حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے باپ کو فرمایا اے حصین تم کتنے معبودوں کی عبادت کرتے ہو۔میرے باپ نے کہا سات کی۔چھ زمین میں ہیں اور ایک آسمان میں ہے آپ نے فرمایا خوف اور امید کے وقت کس کو پکارتا ہے۔اس نے کہا جو آسمانوں میں ہے۔آپ نے فرمایا اے حصین اگر تو اسلام لے آئے تو میں تجھے دو کلمات ایسے سکھلاؤں گا جو تیرے لیے نہایت ہی مفید ہوں گے۔جب حصین اسلام لے آئے انہوں نے عرض کی اللہ کے محبوب مجھے وہ کلمات سکھلا دیں جن کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا۔آپ نے فرمایا پڑھیں: قُلِ اللَّهُمَّ أَلْهِمْنِي رُشْدِي وَأَعِذْنِي مِنْ شَرِّ نَفْسِي

اے اللہ مجھے رشد و ہدایت عطا فرما اور مجھے میرے نفس کے شر سے محفوظ فرما“

مسائل

١۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے رُشد و ہدایت اور سمجھداری سے سرفراز فرمایا تھا۔

تفسیر بالقرآن

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت طیّبہ کی ایک جھلک:

١۔ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے ابتداء سے ہی ہدایت سے سرفراز فرمایا تھا۔(الانبیاء:٥١)

٢۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اطمینانِ قلب کی درخواست کی تھی۔(البقرۃ:٢٦٠)

٣۔ ابراہیم علیہ السلام نرم دل اور بردبار تھے۔(التوبۃ:١١٤)

٤۔ ابراہیم علیہ السلام نہایت راست باز نبی تھے۔(مریم:٤١)

٥۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام بڑے حلیم، بڑے خیر خواہ اور نرم دل تھے۔(ہود:٧٥)

٦۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے مومن بندوں میں سے تھے۔(الصّٰفّٰت:١١١)

٧۔ ابراہیم علیہ السلام معبودانِ باطل کے انکاری اور ان سے برأت کا اظہار کرتے تھے۔(الممتحنہ)

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ

جب | اس نے کہا | اپنے باپ سے | اور اپنی قوم | کیا ہیں یہ | مورتیاں | جو

اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا

ہوتم | ان کے لیے | اعتکاف کرنے والے؟ | انھوں نے کہا | ہم نے پایا | اپنے باپ دادا

لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ

ان کے لیے | عبادت کرتے | اس نے کہا | البتہ تحقیق | ہوتم | خود | اور تمھارے باپ دادا

فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ

میں | گمراہی | کھلی | انھوں نے کہا | کیا تو لایا ہے | ہمارے پاس حق | یا | تو | سے

اللّٰعِبِيْنَ ۝ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کھیل کرنے والے | اس نے کہا | بلکہ | تمھارا رب | رب | آسمانوں | اور زمین

الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰي ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

وہ جس نے | ان کو پیدا کیا | اور میں | پر | اس | سے | گواہ

”یاد کرو وہ بات جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ یہ مورتیں کیا ہیں جن کا تم اعتکاف کرتے ہو؟ (۵۲) انہوں نے جواب دیا ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔ (۵۳) اس نے کہا تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ (۵۴) انہوں نے کہا کیا تو ہمارے سامنے حقیقت پیش کر رہا ہے یا مذاق کر رہا ہے؟ (۵۵) ابراہیم نے جواب دیا نہیں حقیقت یہ کہ تمہارا رب وہی ہے جو زمین و آسمانوں کا رب اور ان کا پیدا کرنے والا ہے میں اس پر تمہارے سامنے گواہی دیتا ہوں۔“ (۵۶)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ نبوت کا پہلا اور مرکزی پیغام ”توحید“ ہے۔ جس بنا پر انہوں نے اپنے باپ اور قوم کے سامنے ”اللہ“ کی توحید پیش فرمائی اور بتوں کی بے ثباتی ثابت کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعوت کا آغاز اپنے گھر سے کیا لہٰذا سب سے پہلے باپ کے سامنے عقیدہ توحید پیش کرتے ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دیکھ رہے تھے کہ شرک کا سب سے بڑا مرکز ان کا گھر بنا ہوا ہے۔ لہٰذا حق کا تقاضا تھا کہ پیغام حق کی ابتداء اپنے گھر سے کی جاتی۔ چنانچہ مؤثر دلائل اور پوری دل سوزی کے ساتھ توحید کی دعوت پہلے باپ کی خدمت میں پیش فرمائی اور اس کے ساتھ ہی قوم کو سمجھایا کہ ان مورتیوں اور مجسموں کے سامنے کیوں جھکتے اور اعتکاف کرتے ہو؟ قوم کا پہلا جواب یہ تھا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح ہی کرتے ہوئے پایا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تم اور تمہارے آباؤ اجداد راہ راست سے

وَ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾

اور اللہ کی قسم! میں ضرور تدبیر کروں گا تمھارے بت بعد کہ تم چلے جاؤ گے پیٹھ پھیر کر

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾

پھر اس نے ان کو کر دیا ٹکڑے ٹکڑے سوائے بڑے ان کے تا کہ وہ اس کی طرف وہ رجوع کریں

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾

انھوں نے کہا کس نے اس نے کیا یہ ہمارے معبودوں کے ساتھ؟ بلاشبہ وہ البتہ سے ظالموں

''اور اللہ کی قسم میں تمہاری غیر حاضری میں ہر صورت تمہارے بتوں کی خبر لوں گا۔(۵۷) چنانچہ اس نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور صرف ان کے بڑے بت کو چھوڑا تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔(۵۸) کہنے لگے جس نے ہمارے خداؤں کا یہ حال کیا ہے وہ بڑا ہی ظالم ہے۔''(۵۹)

بھٹکے ہوئے ہو۔قوم کا دوسرا جواب یہ تھا کہ ابراہیم تم اپنی دعوت میں سنجیدہ ہو یا شغل کے طور پر ایسی باتیں کر رہے ہو۔گویا کہ قوم سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ان کے خداؤں اور آباء واجداد کے طریقہ عبادت کی کوئی شخص مخالفت کر سکتا ہے۔اسی لیے پوچھتے ہیں کہ ابراہیم اپنی بات میں سنجیدہ ہو یا شغل کے طور پر یہ بات کہہ رہے ہو؟ ابراہیم علیہ السلام پوری سنجیدگی اور جلالت کے ساتھ فرماتے ہیں کیونکہ نہیں۔جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سچ اور حق ہے۔میرا اور تمہارا وہ رب ہے جس نے زمین وآسمانوں کو پیدا فرمایا میں اسی عبادت کی دعوت دیتا ہوں۔

نا معلوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کس کس انداز اور کتنی مدت تک اپنے باپ اور قوم کو سمجھاتے رہے۔طویل عرصہ تک سمجھانے کے باوجود جب قوم سمجھنے کے لیے تیار نہ ہوئی تو آپ نے سوچا کہ اگر دلائل انکی سمجھ میں نہیں آ رہے اور یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹے ہوئے اور ان مورتیوں پر مرے جا رہے ہیں تو اب ان کے معبودوں کی عملی طور پر خبر لینا چاہیے۔تب ڈنکے کی چوٹ کہا اللہ کی قسم! اب یہ مجسمے میرے لیے نا قابل برداشت ہو گئے ہیں۔

﴿وَ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ﴾ [الأنبياء: ۵۷]

''اور اللہ کی قسم میں تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے بتوں کی ضرور خبر لوں گا۔''

﴿فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ o فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ﴾ [الصّٰفٰت ۸۸،۸۹] ''تاروں کی طرف دیکھا اور کہا میں بیمار ہوں۔''

ابراہیم علیہ السلام بڑے ذہین تھے:

جتنے بھی نبی اپنے اپنے زمانے میں تشریف لائے وہ اپنے دور کے سب سے ذہین اور فطین انسان تھے۔دیکھیے ابراہیم علیہ السلام کتنے زیرک اور فطین ہیں کہ سب بتوں کو توڑا مگر بڑے کو چھوڑ دیا۔تا کہ قوم واپس آ کر کے دیکھے گی تو اس حادثے پر غور وفکر کرتے ہوئے یقیناً اس کی طرف رجوع کرے گی۔

اگر اِلَيْهِ کی ضمیر (اشارہ) بڑے بت کی طرف ہو تو شاید یہ سوچیں کہ بڑے میاں نے کسی بات پر ناراض ہو کر چھوٹوں کا

تیا پانچہ کر دیا ہے۔ یا کم از کم ان کے دلوں میں یہ خیال ضرور آئے گا کہ واقعی ابراہیم سچ کہتا تھا کہ یہ سب بے کار ہیں بتوں نے نہ اپنے آپ کو بچایا اور نہ ہی بڑے میاں ابراہیم کا ہاتھ پکڑ سکے۔ اگر ''اِلَیْهِ'' کا اشارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہے تو معنی بالکل صاف ہے کہ جب میرے پاس آئیں گے مجھے مزید بات کرنے کا موقع مل جائے گا۔ میں کہونگا مجھ سے پوچھنے کی بجائے اپنے عقیدے کے مطابق بڑے بت سے پوچھو۔ اگر یہ بولتے ہیں تو انکا بڑا تو موجود ہے۔

''کہنے لگے ہمارے خداؤں کا یہ حال کس نے کر دیا؟ وہ بڑا ہی ظالم ہے۔ کچھ کہنے لگے ہم نے ان کے خلاف ایک ابراہیم نامی نوجوان کو چیلنج کرتے سنا ہے۔''

فتح مکہ کے موقعہ پر بتوں کو توڑا:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَكَّةَ وَحَوْلَ الْكَعْبَةِ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَّسِتُّوْنَ نُصُبًا فَجَعَلَ يَطْعَنُهَا بِعُوْدٍ فِيْ يَدِهٖ وَجَعَلَ يَقُوْلُ ﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ الآية))

[رواہ البخاری: کتاب المظالم والغصب، باب هل تكسر الدنان التي فيها الخمر]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور کعبے کے اردگرد تین سو ساٹھ بت تھے آپ انہیں اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھڑی سے گراتے اور فرماتے: ﴿حق آ چکا اور باطل بھاگ گیا﴾۔''

مسائل

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ اور قوم بتوں کے سامنے مراقبے اور اعتکاف کرتے تھے۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم کو بتوں کے سامنے مراقبے اور اعتکاف کرنے سے روکا۔

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا جواب یہ تھا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اس طرح پایا ہے۔

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑنے کی دھمکی دی اور پھر اس پر عمل کر دکھایا۔

۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھر پور جوانی میں یہ کام کیا تھا۔

تفسیر بالقرآن

دعوتِ توحید کی تحریک میں جوانوں کا کردار:

۱۔ وہ کچھ جوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے ہم نے انکی ہدایت میں اضافہ کر دیا۔ (الکہف: ۱۳)

۲۔ ہم نے ایک نوجوان کا تذکرہ سنا ہے جسے ابراہیم کہتے ہیں۔ (الانبیاء: ۶۰)

۳۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جوانی کو پہنچے تو ہم نے حکمت اور علم عطا کیا۔ (القصص: ۱۴)

۴۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو دانائی اور علم عطا کیا۔ (یوسف: ۲۲)

۵۔ حضرت موسیٰ پر نوجوانوں کے سوا کوئی شخص ایمان نہ لایا کیونکہ لوگ فرعون سے ڈرتے تھے۔ (یونس: ۸۳)

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ ؕ۝۶۰

انھوں نے کہا ہم نے سنا جوان وہ ان کا ذکر کرتا تھا کہا جاتا ہے اسے ابراہیم

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۝۶۱

انھوں نے کہا پھر تم لے آؤ اسے پر آنکھیں لوگ تاکہ وہ وہ دیکھیں

قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ؕ۝۶۲

انھوں نے کہا کیا تونے کیا ہے یہ ہمارے معبودوں کے ساتھ اے ابراہیم؟

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖۗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ

اس نے کہا بلکہ یہ کام کیا ہے بڑا ان کا یہ لہٰذا تم پوچھو ان سے اگر

’’کچھ لوگ بولے ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سنا جس کا نام ابراہیم ہے۔(٦٠) انہوں نے کہا اسے سب کے سامنے پکڑ لاؤ تاکہ لوگ اسے دیکھ لیں۔(٦١) انہوں نے پوچھا کیوں ابراہیم تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کچھ کیا ہے؟(٦٢) ابراہیم نے جواب دیا بلکہ یہ سب کچھ ان کے بڑے نے کیا ہے ان سے پوچھ لو اگر

فہم القرآن

ربط کلام: بتوں کو پاش پاش کرنے پر قوم کا ردعمل۔

قوم جب واپس پلٹی تو ان کی مسرت وشادمانی غم اور پریشانی میں تبدیل ہوگئی۔ زبردست اضطراب اور شدید ہنگامہ برپا ہوا۔ ہنگامی حالات کا اعلان ہوا اجلاس پہ اجلاس بلائے جا رہے ہیں۔ تاکہ عوام کو اپنی کارکردگی دکھا کر فوری طور پر مطمئن کیا جائے پھر دفعتاً فیصلہ سنایا جاتا ہے۔

﴿قَالُوا فَأْتُوا بِهِ عَلٰى أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ﴾ [الانبیاء:٦١]

’’انھوں نے کہا کہ اس کو لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ لوگ دیکھ لیں۔‘‘

﴿فَأَقْبَلُوْا إِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ﴾ [الصّٰفّٰت:٩٤]

’’وہ ان کی طرف دوڑتے ہوئے آئے۔‘‘

اللہ ہی کو معلوم ہے کہ لوگ کس غیظ وغضب کے ساتھ کس طرح ابراہیم علیہ السلام کو پکڑ کر لائے ہوں گے۔ کتنے آوازے کسے ہوں گے اور کتنی گستاخیاں کی ہوں گی؟ لیکن ابراہیم ہجومِ مشرکین کو زمین کے ذرات سے بھی حقیر تصور فرماتے ہوئے ایسی جرأت اور مردانگی سے جواب دیتے ہیں کہ ان کی کئی گز لمبی زبانیں اس طرح گنگ ہوگئیں، جیسے ان کو سانپ سونگھ گیا ہو۔

كَانُوْا	يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٣﴾	فَرَجَعُوْٓا	اِلٰٓى	اَنْفُسِهِمْ	فَقَالُوْٓا
ہیں وہ	وہ بولتے ؟	پھر وہ لوٹے	طرف	اپنے نفس	اور انھوں نے کہا
اِنَّكُمْ	اَنْتُمُ	الظّٰلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾	ثُمَّ	نُكِسُوْا	عَلٰى رُءُوْسِهِمْ
بلاشبہ تم	تم	ظالم	پھر	وہ الٹے کردیے گئے	پر اپنے سروں
لَقَدْ	عَلِمْتَ	مَا	هٰٓؤُلَآءِ	يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾	
البتہ تحقیق	تو جانتا ہے	نہیں	یہ	وہ بولتے	

یہ بولتے ہوں۔(۶۳) یہ سن کر وہ لوگ اپنے گریبانوں میں جھانکنے لگے اور اعتراف کیا کہ تم خود ہی ظالم ہو۔(۶۴) مگر پھر ان کی عقل الٹی ہوگئی اور کہنے لگے تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں۔''(۶۵)

ان میں نام نہاد دانش، پڑھے لکھے اور ان پڑھ ہر قسم کے لوگ موجود ہیں لیکن کوئی بولنے کی جرأت نہیں کر پاتا۔ بولیں تو کس بنیاد پر بات کریں۔ یہی تو ہمارے رب کا فرمان ہے۔

﴿وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُوْنَ﴾

[المؤمنون: ۱۱۷]

''جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی پکارتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ان کا حساب رب کے ذمہ ہے۔ یقین جانیے کافر کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔''

جرگہ ابراہیم علیہ السلام سے سوال کرتا ہے:

ابراہیم علیہ السلام کو جرگے کے سامنے پیش کیا گیا تو سردارانِ شرک وبدعت بڑے طمطراق اور رعب ودبدبہ کے ساتھ لال پیلے ہوکر پوچھتے ہیں۔

﴿قَالُوْا أَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يَا إِبْرَاهِيْمُ﴾[الأنبياء: ۶۲]

''اے ابراہیم آیا کہ تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔''

جواب:

﴿قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَاسْأَلُوْهُمْ إِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ﴾ [الانبياء: ۶۳]

''فرمانے لگے بلکہ ان کے بڑے نے یہ کاروائی کی ہوگی۔ پوچھ لیجئے! اگر یہ بات کرسکتے ہیں۔''

خاموشی ہی خاموشی ہے اور ہو کا عالم۔ اکڑی ہوئی گردنیں جھک گئیں اپنے گریبانوں میں جھانکنے لگے۔

﴿فَرَجَعُوْا إِلٰى أَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ﴾ [الانبیاء:۶۴،۶۵]

''یہ سن کر وہ لوگ اپنے ضمیر کی طرف پلٹے اور اپنے دل میں کہنے لگے واقعی ہی تم خود ظالم ہو۔ مگر پھر گردنیں جھکا کر کہنے لگے ابراہیم تو جانتا ہے! یہ تو بات نہیں کر سکتے۔''

مسائل

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔

۲۔ قوم نے بالآخر یہ اقرار کیا کہ ہمارے معبود بات نہیں کر سکتے۔

تفسیر بالقرآن

معبودانِ باطل کی بے حیثیتی:

۱۔ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمھارے جیسے انسان ہیں اگر وہ کچھ نفع ونقصان کے مالک ہیں تو انھیں پکار کر دیکھ لو۔ کیا ان کے پاس چلنے کو پاؤں، پکڑنے کو ہاتھ، دیکھنے کو آنکھیں اور سننے کو کان ہیں۔ اپنے معبودوں کو بلا لو پھر اپنی تدبیر کر لو اور مجھے ڈھیل نہ دو۔ (الاعراف:۱۹۵)

۲۔ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگر مکھی کچھ چھین کر لے جائے تو واپس نہیں لے سکتے۔ (الحج:۷۳)

۳۔ فرما دیجیے! جن کو تم اللہ کے سوا با اختیار تصور کرتے ہو وہ تم سے تکلیف دور نہیں کر سکتے۔ (بنی اسرائیل:۵۶)

۴۔ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود مخلوق ہیں مردہ ہیں زندہ نہیں انھیں تو وہ اتنا جانتے بھی نہیں کہ وہ کب اُٹھائے جائیں گے۔ (النحل:۲۰۔۲۱)

۵۔ معبودانِ باطل اپنی جانوں کے نفع ونقصان کے مالک نہیں۔ (الفرقان:۳)

۶۔ کیا تم ایسے لوگوں کو معبود مانتے ہو جو نفع ونقصان کے مالک نہیں۔ (الرعد:۱۶)

۷۔ بلاؤ اپنے معبودوں کو اگر تم سچے ہو۔ (البقرۃ:۲۳)

۸۔ اس دن ان سے کہا جائے گا بلاؤ اپنے معبودان باطل کو، وہ بلائیں گے تو انھیں جواب نہیں ملے گا۔ (القصص:۶۴)

۹۔ فرما دیجیے جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے دکھاؤ انہوں نے کون سی چیز پیدا کی ہے۔ (الاحقاف:۴)

قَالَ اَفَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنۡفَعُكُمۡ
اس نے کہا کیا پھر تم عبادت کرتے ہو سے سوا اللہ جو نہیں وہ تمھیں نفع دے سکتے

شَيۡـئًا وَّلَا يَضُرُّكُمۡؕ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمۡ وَلِمَا تَعۡبُدُوۡنَ
کچھ اور نہ تمھیں وہ نقصان دے سکتے؟ افسوس تم پر اور جن کی تم عبادت کرتے ہو

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوۡا حَرِّقُوۡهُ
کے سوا اللہ کیا پھر نہیں تم عقل کرتے؟ انھوں نے کہا جلا دو اس کو

وَانۡصُرُوۡۤا اٰلِهَتَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ﴿۶۸﴾
اور مدد کرو اپنے معبودوں کی اگر ہو تم کرنے والے

''ابراہیم نے کہا پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان دے سکتی ہیں۔(٦٦) افسوس ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو کیا تم کچھ بھی عقل نہیں رکھتے؟ (٦٧) انہوں نے کہا اسے جلا دو اور حمایت کرو اپنے خداؤں کی اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو۔'' (٦٨)

فہم القرآن

ربط کلام: قوم کے اقرارِ جرم کر لینے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انھیں ایک دفعہ پھر سمجھانا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام خداداد صلاحیت اور پوری دانشمندی کے ساتھ ایک مکالمے کے ذریعے اپنی قوم کو اُس مقام پر لے آئے کہ جب انھوں نے کھلے الفاظ میں اس بات کا اقرار کیا کہ اے ابراہیم! تو جانتا ہے یہ تو پتھر اور مٹی کے بنے ہوئے بت ہیں جو بول نہیں سکتے۔ اس حقیقت کا اقرار کروانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انھیں پوچھا کیا پھر تم اُن کے سامنے مراقبے، سجدے اور اپنی حاجات پیش کرتے ہو جو نہ تمھیں فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان دے سکتے ہیں۔ تم پر اور تمھارے معبودوں پر نہایت ہی افسوس ہے۔ حقیقت کا اعتراف کرنے کے باوجود بھی تم عقل سے کام لینے کے لیے تیار نہیں ہو۔؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انھیں دلائل، عملی مشاہدہ اور عقل وفکر کے حوالے سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس کے باوجود انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ لوگو! اگر اپنے معبودوں کو بچانا اور اُن کی مدد کرنا چاہتے ہو تو پھر ابراہیم کو جلا کر راکھ کر دو۔ اس کے بغیر اس سے تم اور تمھارے معبود نہیں بچ سکتے۔

مسائل

١۔ معبودانِ باطل اپنے آپ اور کسی کو نفع و نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے۔
٢۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عقل و دانش کے حوالے سے بھی اپنی قوم کو توحید سمجھانے کی کوشش کی۔
٣۔ قوم نے عقل سے کام لینے کی بجائے مخالفت میں آکر ابراہیم علیہ السلام کو جلا دینے کا فیصلہ کیا۔

قُلۡنَا يٰنَارُ كُوۡنِىۡ بَرۡدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ ۙ‏ ﴿۶۹﴾

ہم نے کہا اے آگ! تو ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی پر ابراہیم

وَاَرَادُوۡا بِهٖ كَيۡدًا فَجَعَلۡنٰهُمُ الۡاَخۡسَرِيۡنَ‌ ۚ‏ ﴿۷۰﴾

اور انھوں نے ارادہ کیا تھا اس کے ساتھ مکر کا تو ہم نے انھی کو کر دیا خسارہ پانے والے

''ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا۔(٦٩) وہ چاہتے تھے کہ ابراہیم کو نقصان پہنچائیں مگر ہم نے ان کو بری طرح ناکام کر دیا۔''(٧٠)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں قوم اور حکومت کا انتہائی اقدام:

ابھی خاص وعام کے ساتھ یہ کشمکش جاری تھی کہ حکومت وقت نے اس بات کا سختی سے نوٹس لیا۔ جب حاکم وقت نمرود کے پاس مکمل رپورٹ پہنچی تو وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ چنانچہ اُسے فکر لاحق ہوئی کہ ابراہیم علیہ السلام بتوں کی خدائی کا انکار کرتا ہے تو میری خدائی کب تسلیم کرتا ہوگا۔ فوراً حکم صادر کیا کہ ابراہیم جہاں کہیں ہو، اُسے فی الفور میرے حضور میں پیش کیا جائے۔ باپ، رشتہ دار، پوری قوم یہ چاہتی تھی یہ تحریک دب جائے اور اس کے داعی کو عبرت ناک سزا سے دوچار کیا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حاکم وقت کے سامنے جاتے ہیں۔ حاکمِ وقت نے حاکمانہ لب ولہجے میں پوچھا اے ابراہیم! ہمارے ہوتے ہوئے تم کسی اور کو بھی رب مانتے ہو؟

ابراہیم علیہ السلام بھرپور اعتماد سے فرمانے لگے! ہاں میں زمین وآسمان میں صرف اور صرف ایک ذات کو رب مانتا ہوں۔ اس کے بغیر سب مجبور ومحکوم ہیں۔ سب کا خالق ومالک ''اللہ'' ہے۔ تو بھی اسی طرح کا ایک انسان ہے جس طرح ہم انسان ہیں نمرود چونک اٹھا، کرسی پر اکڑتے ہوئے گردن اٹھا کر بولا۔ ہاں ہاں تو میرے بغیر بھی کسی کو خدا مانتا ہے۔ فوراً اپنے رب کے اوصاف بیان کرو ورنہ تیری ہڈیاں توڑ دی جائیں گی۔

ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کے ساتھ مکالمہ:

''کیا آپ نے اس شخص کے بارے میں غور نہیں کیا؟ جو ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑ رہا تھا۔ اس بات پر کہ ابراہیم کا رب کون ہے؟ اس وجہ کہ اللہ نے اس کو حکومت سے نوازا تھا۔ جب ابراہیم نے کہا میرا رب وہ ہے جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے۔ بادشاہ کہنے لگا زندگی اور موت میرے اختیار میں بھی ہے۔ ابراہیم نے فرمایا اچھا اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال لاؤ۔ کافر ششدر رہ گیا۔ اللہ ایسے ظالموں کو کبھی ہدایت نہیں دیا کرتا۔'' [البقرۃ:٢٥٨]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ بے وقوف بادشاہ لوگوں کے جذبات سے کھیل رہا ہے لہٰذا انہوں نے اس دلیل کی لطافت کو سمجھانے کی بجائے فوراً ایسی دلیل دی جس سے کوئی مغالطہ نہیں دیا جا سکتا تھا۔ فرمایا کہ میں اس رب کی بات کر رہا ہوں جو سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے تو اسکو مغرب سے طلوع کر کے دکھا۔ یہ سوال سنتے ہی وہ ششدر رہ گیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ بادشاہ اطاعت کے لیے اپنے آپ کو پیش کرتا۔ لیکن اس نے اپنی خفت مٹانے اور عوام کو قابو رکھنے کے لیے وہی طریقہ اختیار کیا

جو ہر دور میں ظالم اور فاسق حکمران کیا کرتے ہیں۔

امن عامہ کے تحت گرفتاری:

فوراً حکم دیا کہ امن عامہ کے تحت اسے گرفتار کرلیا جائے۔ چنانچہ آپ کو دس دن تک جیل میں رکھا گیا اور پھر اس کی کونسل نے انہیں زندہ جلا دینے کا فیصلہ کیا بالفاظ دیگر باپ، عوام اور حکمران بھی سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ اسکو زندہ نہ چھوڑا جائے بلکہ عبرتناک سزا دی جائے۔ ''اگر اپنے خداؤں کو بچانا چاہتے ہو تو فوراً اس کو زندہ جلا دو۔'' [الانبیاء:۶۸]

شاہی کونسل کا فیصلہ:

﴿قَالُوا ابْنُوْا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ﴾ [الصّٰفٰت:۹۷]

''اس کے لیے ایک بڑا گہرا قلعہ بناؤ اس کو آگ سے بھر کر اس کو دہکتے ہوئے انگاروں میں پھینک دو۔''

شاہی آرڈیننس کے تحت پوری مشینری آگ بھڑکانے میں لگی ہوئی ہے۔ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ لوگوں کے جذبات کا عالم یہ تھا کہ عورتیں نذریں مانتی تھیں۔ اگر فلاں مشکل یا بیماری رفع ہو جائے تو میں اتنی لکڑیاں آگ میں پھینکوں گی مؤرخین نے تحریر کیا ہے۔ کہ عراق کی سرزمین پر آج تک آگ کا اتنا بڑا الاؤ دیکھنے میں نہیں آیا۔ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ جب آگ میں پھینکنے کا وقت آیا تو مسئلہ پیدا ہوا کہ اتنی وسیع آگ میں کس طرح پھینکا جائے۔

شاہی کونسل کا ہنگامی اجلاس طلب کیا جاتا ہے۔ زیر غور مسئلہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں کس طرح پھینکا جائے؟ فیصلہ ہوتا ہے کہ ایسی مشین تیار کی جائے جس میں جھولا دے کر آگ کے درمیان میں پھینکا جائے لہٰذا اس طرح ہی کیا گیا۔

اُف خدایا کیسا منظر ہے جو آج تک تیرے فرشتوں نے بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ نظر اٹھائی تو جبرائیل علیہ السلام نمودار ہوئے۔ روح الامین عرض کرتے ہیں جناب میں حاضر ہوں کوئی خدمت ہو تو فرمائیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کو رب العزت کی طرف سے حکم ہے جبریل علیہ السلام جواب دیتے ہیں کہ نہیں۔ کہا پھر جاؤ مجھے آپ کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے ''حَسْبِيَ اللّٰهُ'' کہہ کر اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کیا۔ اب کارروائی زمین پر نہیں عرش پر ہوگی۔:

چنانچہ حکم ہوا کہ اے آگ ابراہیم علیہ السلام کے لیے سلامتی والی ہو جا۔ تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام چالیس دن تک آگ میں رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمایا کرتے تھے جتنا آرام میں نے چالیس دن آگ کے اندر پایا ساری زندگی اتنا آرام میسر نہیں آیا۔ یاد رہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں برہنہ کر کے پھینکا گیا تھا۔ ''وَأَوَّلُ مَنْ يُكْسٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيْمُ'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن جس خوش نصیب کو سب سے پہلے جنت کا لباس پہنایا جائے گا وہ ابراہیم علیہ السلام ہوں گے۔ [رواہ البخاری:کتاب احادیث الانبیاء،]

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کو ٹھنڈی اور سلامتی والا بنا دیا۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو انھوں نے جلا دینے کی کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں ناکام کر دیا۔

وَنَجَّيْنٰهُ	وَلُوْطًا	اِلَى	الْاَرْضِ	الَّتِيْ	بٰرَكْنَا
اور ہم نے اس کو نجات دی	اور لوط	کی طرف	اس زمین	وہ جو	ہم نے برکت دی تھی

فِيْهَا	لِلْعٰلَمِيْنَ ۞
اس میں	جہان والوں کے لیے

''اور ہم ابراہیم اور لوط کو بچا کر اس سرزمین کی طرف نکال لے گئے جس میں ہم نے لوگوں کے لیے برکات رکھیں ہیں۔''(۷۱)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ سے سلامت نکل کر ہجرت کا فیصلہ کرتے ہیں۔

﴿فَأَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِيْنَ﴾ [الصّٰفّٰت :۹۸]

''وہ چاہتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام کو ماردیں لیکن ہم نے ان کو بری طرح ذلیل کر دیا۔''

﴿وَأَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِيْنَ ﴾ [الانبیاء:۷۰]

''انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو مارنا چاہا لیکن ہم نے ان کو ناکام کر دیا۔''

اہل ایمان کے لیے اس واقعہ میں بہت سے اسباقِ عبرت ہیں۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کو اس کے باپ اور دوسرے لوگوں نے نیچا دکھانے کی کوشش کی لیکن ابراہیم علیہ السلام کامیاب اور دوسرے ناکام رہے۔حتی کہ انہوں نے آگ میں جانا قبول کر لیا۔مگر نظریہ توحید کو نہ چھوڑا۔اے اہل ایمان اگر تم بھی سچی بات پر قائم رہو تو دشمن تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

نامعلوم آگ سے نکلنے کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے کتنی مدت تک تبلیغ کا کام کیا۔ جو بات انہوں نے آگ سے نکل کر لوگوں کے سامنے رکھی قرآن کے الفاظ میں پڑھیے۔

﴿وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَوْثَانًا مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَاصِرِيْنَ ﴾ [العنکبوت:۲۵]

''ابراہیم نے ان سے کہا تم نے دنیا کی زندگی میں اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو آپس میں محبت کا ذریعہ بنالیا ہے۔مگر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے۔تمہارا ٹھکانہ آگ ہوگا اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت کرتے ہیں:

صاحب قصص القرآن نے لکھا ہے کہ آپ علیہ السلام نے دوران ہجرت پہلا قیام کلدانین میں فرمایا۔ یہاں کچھ عرصہ قیام

کرنے کے بعد آپ علیہ السلام بمعہ حضرت سارہ علیہا السلام اور لوط علیہ السلام کے حاران نامی بستی میں قیام پذیر ہوئے۔

آپ علیہ السلام کچھ عرصہ تک حاران نامی بستی میں ٹھہرے۔ یہاں بھی دین حنیف کی دعوت کا کام جاری رکھا۔ بالآخر آپ اپنی رفیقہ حیات اور بھتیجے کے ساتھ ارضِ فلسطین میں تشریف لے گئے۔

یہی وہ سرزمین ہے جسکی روحانی و مادی برکات دنیا میں مسلمہ ہیں۔ دنیا کے کسی خطے میں اتنے انبیائے کرام علیہم السلام نہیں ہوئے۔ آج بھی اس ارض فلسطین میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک اکثر انبیاء کرام علیہم السلام آرام فرما ہیں۔

فلسطین میں قیام:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بھتیجے جناب لوط علیہ السلام کو شرق اردن میں تبلیغ کے لیے مقرر فرمایا اور فلسطین کے مغربی اطراف میں خود سکونت پذیر ہوئے۔ اس زمانے میں یہ علاقہ کنعانیوں کے زیر اقتدار تھا۔ یہاں کچھ عرصہ قیام فرمانے کے بعد آپ علیہ السلام مصر کی طرف چلے گئے۔ (از قصص القرآن)

نازک ترین آزمائش:

ہجرت کے سفر میں آپ علیہ السلام کو اس آزمائش کا سامنا کرنا پڑا جس سے شاید صرف اور صرف ابراہیم علیہ السلام کو سابقہ پڑا۔ یعنی عزت و ناموس کی آزمائش۔ بادشاہ نے آپ کی حرم پاک پر دست درازی کرنے کی ناپاک کوشش کی۔ حضرت امام بخاری نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس الم ناک واقعہ کو صحیح بخاری میں نقل فرمایا۔ یہ ایسی آزمائش ہے کہ اس موقع پر بڑے بڑے لوگوں کے اوسان خطا ہو جایا کرتے ہیں لیکن خلیل خدا علیہ السلام بڑے حوصلہ کے ساتھ اپنی رفیقہ حیات کو ایک تجویز سمجھاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی رفیقہ حیات حضرت سارہ اللہ کے فضل و کرم سے سرخرو ہو کر نکلتے ہیں۔

بے حیا ظالم اور بے شرم بادشاہ اپنے آپ میں ذلیل ہوا اور ابراہیم علیہ السلام کو راضی کرنے کے لئے اپنی بیٹی آپ کے ہمراہ کر دی۔ تفصیل کے دیکھیں۔ (بخاری: باب قول اللہ تعالیٰ واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ظالم قوم سے نجات دی۔

۲۔ ابراہیم علیہ السلام بیت المقدس کی طرف ہجرت کر گئے۔

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ان کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام اور ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام نے ہجرت کی۔

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَ يَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَ كُلًّا

اور ہم نے عطا کیا | اس کو | اسحاق | اور یعقوب | مزید | اور ہر ایک کو

جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝۷۲ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا

ہم نے بنایا | صالح | اور ہم نے انھیں بنایا | امام | وہ راہنمائی کرتے تھے | ہمارے حکم کے ساتھ

وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ

اور ہم نے وحی کی | ان کی طرف | کام کرنے کی | نیک | اور قائم رکھنے کی | نماز | اور

اِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝۷۳

ادا کرنے کی | زکوٰۃ | اور وہ تھے | ہمارے لیے | عبادت گزار بندے

''اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق عطا کیا اور پوتا یعقوب بھی دیا جنہیں صالح بنایا۔(۷۲) اور ہم نے ان کو امام بنادیا وہ ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے انہیں وحی کے ذریعے نیک کاموں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت کی۔وہ ہماری عبادت کرنے والے تھے۔''(۷۳)

فہم القرآن

ربط کلام: سفر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیٹے کے لیے دعا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنا ملک، گھربار، باپ اور اپنی قوم کو چھوڑا تو اس وقت ان کو بڑی شدت کے ساتھ یہ کمی محسوس ہوئی۔ کہ اے اللہ اگر یہ قوم تیرے دین کو نہیں مانتی تو کم از کم نیک اولاد عنایت کردے۔ جو میرا سہارا اور غمخوار بننے کے ساتھ ساتھ میرے بعد تیرے دین کا پرچار کرتی رہے۔

تمام مورخین نے تحریر فرمایا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری دی گئی تو آپ علیہ السلام کی عمر سو سال اور آپ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام کی عمر نوے سال تھی۔قرآن مجید نے ولادت اسحاق علیہ السلام کے سلسلے میں متعدد مقامات پر ذکر فرمایا ہے کہ فرشتے انسانوں کی شکل میں جناب خلیل علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے۔

''جب ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس ہمارے فرشتے خوشخبری لے کر پہنچے تو فرشتوں نے عرض کیا۔اے ابراہیم آپ پر سلام ہو۔ابراہیم (علیہ السلام) نے جواب میں کہا تم پر بھی سلام ہو۔پھر کچھ دیر نہ لگائی کہ ایک بھنا ہوا بچھڑا ضیافت کے لیے لے آئے۔مگر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھتے۔تو وہ ان سے مشتبہ ہو گئے اور دل میں ان سے خوف محسوس کیا۔فرشتوں نے کہا آپ ڈریں نہیں ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔'' [ھود:۶۹،۷۰]

''اور اس کی بیوی (اس کے) پاس کھڑی تھی۔وہ یہ سن کر ہنس پڑی، پھر ہم نے اس کو اسحاق اور اسحاق کے بعد

یعقوب (علیہ السلام) کی خوشخبری سنائی۔ اس نے کہا اف! کیا اب میرے ہاں بچہ ہوگا۔ جب کہ میں نہایت بوڑھی ہو چکی ہوں۔ اور یہ میرا خاوند بھی بوڑھا ہو چکا ہے۔ یہ تو عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا۔ کیا اللہ تعالیٰ کے حکم پر تعجب کرتی ہو۔ اے ابراہیم (علیہ السلام) کے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہیں۔ یقیناً اللہ نہایت تعریف والا اور بلند شان کا مالک ہے۔" [ھود: ٧١، ٧٢، ٧٣]

حضرت اسحاق علیہ السلام:

جناب اسحاق علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام سے تیرہ یا چودہ سال چھوٹے ہیں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت سارہ علیہا السلام بطن سے پیدا ہوئے۔ جیسا کہ آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں انہی کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا۔ اور ہم نے اس (ابراہیم علیہ السلام) کو اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام عطا کیے اور اس کی نسل کو کتاب اور نبوت سے نوازا۔

تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شام میں پیدا ہوئے اور ایک سو اسی سال کی عمر میں انتقال کیا۔ مقام جرون آپ علیہ السلام کی آخری آرامگاہ ہے، جو فلسطین میں ہے۔

عظیم خانوادہ نبوت:

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔ تمام لوگوں میں اللہ کے نزدیک کس کا مرتبہ زیادہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو پرہیز گار ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ہمارا یہ مقصد نہیں پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔ خاندانی لحاظ سے سب سے بہتر اور افضل یوسف علیہ السلام جو نبی تھے۔ ان کے باپ نبی (یعقوب) تھے۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کے باپ اسحاق علیہ السلام نبی تھے۔ اور ان کے باپ ابراہیم علیہ السلام نبی خلیل اللہ تھے۔"

[رواہ البخاری: باب قول اللہ تعالیٰ واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا]

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیک وقت بیٹے اور پوتے کی خوشخبری عطا فرمائی۔

٢۔ حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام بھی اللہ کے پیغمبر تھے۔ ٣۔ حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام ہدایت کے امام تھے۔

٤۔ حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام نماز قائم کرنے والے، زکوٰۃ دینے والے اور نیکی کے کاموں میں پیش پیش تھے۔

٥۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کو عبادت گزار بندوں میں شمار فرمایا ہے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت اسحاق علیہ السلام کے اوصاف حمیدہ:

١۔ ہم نے اسحاق اور یعقوب علیہما السلام کو ہدایت سے نوازا۔ (الانعام: ٨٤)

٢۔ حضرت اسحاق و یعقوب علیہما السلام اللہ کے منتخب کردہ ہیں۔ (ص: ٤٥ تا ٤٧) ٣۔ اسحاق اور یعقوب علیہما السلام نیکوکار تھے۔ (الانبیاء: ٧٢)

٤۔ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو نیکوکار نبی اسحاق کی بشارت دی۔ (الصّٰفّٰت: ١١٢)

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ

اور لوط کو ہم نے اسے دیا حکم اور علم اور ہم نے اسے نجات دی سے بستی

الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ

جو تھی وہ کرتی ہے ناپاک کام بلاشبہ وہ تھے وہ قوم برے

فٰسِقِيْنَ ﴿74﴾ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿75﴾ ع ٥

نافرمان اور ہم نے داخل کیا اس کو میں اپنی رحمت بے شک وہ سے نیکوکار

''اور لوط کو ہم نے حکم اور علم بخشا اور اسے اس بستی سے بچا کر نکال لیا جو بدکاریاں کرتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑی ہی فاسق قوم تھی۔ (۷۴) اور لوط کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا وہ صالح لوگوں میں سے تھے۔'' (۷۵)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے اور نبی حضرت لوط علیہ السلام کا تعارف۔

حضرت لوط علیہ السلام جناب ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے آپ نے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تائید فرمائی جب عوام اور حکومت نے متفقہ فیصلہ کر کے آپ کو آگ میں جھونک دیا تھا۔ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو صحیح وسالم آگ سے نکالا تو کوئی بھی ایمان نہ لایا سوائے لوط علیہ السلام کے۔

''لوط علیہ السلام کے سوا ابراہیم علیہ السلام پر کوئی ایمان نہ لایا۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں اللہ کی طرف ہجرت کر رہا ہوں یقیناً اللہ عزیز اور حکیم ہے۔'' [العنکبوت: ۲۶]

حضرت لوط علیہ السلام عراق کے قدیم ترین شہر ''اُر'' میں پیدا ہوئے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے یہی شہر جناب خلیل علیہ السلام کا مولد ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کرنے والے لوط علیہ السلام تھے۔ آپ پہلے حاران پھر مختلف مقامات پر ٹھہرے۔ بالآخر ابراہیم علیہ السلام نے فلسطین میں قیام فرمایا اور مختلف ممالک میں تبلیغی مراکز قائم کیے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اندرون حجاز حضرت اسحاق علیہ السلام کو فلسطین وشام میں اور جناب لوط علیہ السلام کو شرق اردن کے مرکزی شہر سدوم میں تعینات فرمایا۔ یہ شہر علاقے کا مرکزی مقام تھا۔ جہاں کے رہنے والے پرلے درجے کے فاسق وفاجر مشرک، کافر، ڈاکو، چور اور انتہائی بدکردار لوگ تھے۔ جنہوں نے دنیا میں بے حیائی کا ایسا عمل اختیار کیا جو اس سے پہلے کسی قوم نے نہیں کیا تھا۔ انہوں نے اپنی نفسانی خواہش اپنی بیویوں سے پوری کرنے کے بجائے لڑکوں سے شروع کر رکھی تھی۔ گویا کہ یہ ہم جنسی کے بدترین گناہ کے مرتکب ہوئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے بار بار سمجھانے کے باوجود باز آنے پر تیار نہ ہوئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو رجم کر دینے کی دھمکی دینے کے ساتھ عذاب الٰہی کا مطالبہ کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو تباہ کیا اور حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا۔ اسی بات کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔

وَ نُوحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ

اور نوح جب اس نے پکارا تھا سے پہلے تو ہم نے قبول کی اس کے لیے

فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾ وَ نَصَرْنٰهُ

پس ہم نے اسے نجات دی اور اس کے اہل کو سے غم بہت بڑے اور ہم نے اس کی مدد کی

مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا

سے قوم وہ لوگ انھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو بلاشبہ وہ وہ تھے

قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٧٧﴾

لوگ برے تو ہم نے ان کو غرق کر دیا سبھی کو

اور ہم نے نوح کو آواز دی جب اس سے پہلے اس نے ہمیں پکارا تھا ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے اور اس کے گھر والوں کو کرب عظیم سے نجات دی۔ (٧٦) اور اس قوم کے مقابلے میں اس کی مدد کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا وہ بڑے برے لوگ تھے پس ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔'' (٧٧)

فہم القرآن

ربط کلام: جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے حضرت لوط علیہ السلام کو اس کی قوم سے نجات دی اور قوم کو نیست و نابود کیا۔ اسی طرح ''اللہ'' نے اپنی رحمت سے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو سیلاب سے بچایا۔ قوم کو غرق کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو اس وقت نبوت سے سرفراز فرمایا جب ان کی قوم کے لوگ مجسموں کے پجاری بن چکے تھے۔ سورۃ العنکبوت آیت ١٤ میں بیان کیا گیا ہے کہ نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال قوم کی اصلاح کرنے میں صرف فرمائے۔ سورۂ نوح میں یہ وضاحت فرمائی کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ فریاد کی کہ میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات اور دن ،انفرادی اور اجتماعی طور پر سمجھانے کی کوشش کی لیکن میری بھرپور کوشش کے باوجود یہ قوم شرک اور برائی میں بڑھتی ہی چلی گئی۔ قوم نہ صرف جرائم میں آگے بڑھتی گئی بلکہ اُلٹا انھوں نے نوح علیہ السلام کے خلاف گمراہ ہونے کا پراپیگنڈہ کرنے کے ساتھ ان سے بار بار مطالبہ کیا کہ اے نوح! اگر تو واقعی اللہ کا سچا نبی ہے تو ہمارے لیے عبرت ناک عذاب کی بددعا کیجیے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے نہایت ہی مجبور ہو کر ان کے لیے بددعا کی ''اے میرے رب میں ان کے مقابلے میں بالکل بے بس اور مغلوب ہو چکا ہوں بس تو میری مدد فرما۔'' (القمر: ١٠)

''حضرت نوح علیہ السلام نے بددعا کرتے ہوئے اپنے رب کے حضور یہ بھی درخواست کی کہ میرے رب اب زمین پر کافروں کا ایک شخص بھی نہیں بچنا چاہیے کیونکہ ان میں سے جو بھی پیدا ہو گا وہ فاسق اور کافر ہی پیدا ہو گا۔'' (نوح ٢٥ تا ٢٧)

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی بددعا قبول کرتے ہوئے انھیں حکم دیا کہ آپ میرے سامنے ایک کشتی بنائیں جب نوح علیہ السلام

کشتی بنا رہے تھے تو ان کی قوم نے ان کو بار بار تمسخر کا نشانہ بنایا۔ جس کے جواب میں نوح علیہ السلام فقط انھیں یہی فرماتے آج تم مجھے استہزاء کا نشانہ اور تماشا بنا رہے ہو لیکن کل تم ہمیشہ کے لیے مذاق اور عبرت کا نشان بن جاؤ گے۔ (ھود آیت ۳۷ تا ۳۹)

قوم نوح پر اللہ تعالیٰ نے پانی کا ایسا عذاب نازل فرمایا کہ جس کے بارے میں سورۃ القمر آیت ۱۱، ۱۲ اور سورۃ المؤمنون، آیت ۲۷ میں بیان ہوا ہے کہ آسمان کے دروازے کھل گئے زمین سے چشمے پھوٹ نکلے یہاں تک کہ تنور پھٹ پڑا۔ اس طرح نوح علیہ السلام کے نافرمان بیٹے سمیت ان کی قوم کو پانی میں ڈبکیاں دے دے کر ختم کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا اس قوم پر اس قدر غضب ہوا کہ جب نوح علیہ السلام کا بیٹا پانی میں ڈبکیاں لے رہا تھا تو حضرت نوح علیہ السلام کو بحیثیت باپ ترس آیا انھوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے حق میں دعا کرتے ہوئے کہا، میرے رب میرا بیٹا بھی ڈوب رہا ہے حالانکہ تیرا فرمان تھا کہ میں تیرے اہل کو بچا لوں گا۔ الٰہی تیرا وعدہ برحق ہے۔ جواب آیا اے نوح تیرا بیٹا صالح نہ ہونے کی وجہ سے تیرے اہل میں شمار نہیں۔ اب مجھ سے ایسا سوال نہ کرنا۔ ورنہ تجھے جاہلوں میں شمار کروں گا۔ اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہوئے معافی طلب کی اور درخواست کی مجھ پر مہربانی کی جائے ورنہ میں بھی نقصان پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ماننے والے سلامت اور محفوظ رہے اور باقی قوم کو غرقاب کر دیا گیا۔ کیونکہ ان کی قوم کفر و شرک میں اندھی ہو چکی تھی۔ (ھود: ۴۵ تا ۴۸)

عذاب کی کیفیت:

قومِ نوح پر چالیس دن مسلسل دن، رات بے انتہا بارش برستی رہی یہاں تک کہ جگہ جگہ زمین سے چشمے پھوٹ پڑے۔ حتیٰ کہ تنور پھٹ پڑا اللہ تعالیٰ نے طوفان کے آغاز میں حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اللہ کا نام لے کر کشتی میں سوار ہو جائیں اور اپنے ساتھ ہر جاندار کا جوڑا جوڑا یعنی نر اور مادہ دو دو کشتی میں اپنے ساتھ سوار کر لیں۔ البتہ کسی کافر اور مشرک کو کشتی میں سوار نہ کیا جائے۔ (ھود: ۴۰ تا ۴۲)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی فریاد قبول کی انھیں اور اُن کے ساتھیوں کو عظیم غم سے نجات عطا کی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی مدد فرمائی اور اُن کی قوم کو غرق کر دیا۔

تفسیر بالقرآن

نوح علیہ السلام کی قوم کی تباہی کا منظر:

۱۔ قومِ نوح نے جب رسولوں کی تکذیب کی تو ہم نے انھیں غرق کر دیا اور لوگوں کے لیے باعث عبرت بنا دیا۔ (الفرقان: ۳۷)

۲۔ ہم نے نوح علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کو نجات دی اور تکذیب کرنے والوں کو غرق کر دیا۔ (الاعراف: ۶۴)

۳۔ قوم نے نوح علیہ السلام کی بات نہ مانی تو ہم نے انھیں غرق کر دیا۔ (یونس: ۷۳)

۴۔ ہم نے نوح علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کو نجات دی اور بقیہ کو غرق کر دیا۔ (الشعراء: ۱۱۹۔ ۱۲۰)

وَدَاوٗدَ	وَ	سُلَيْمٰنَ	اِذْ يَحْكُمٰنِ	فِي	الْحَرْثِ	
اور داؤد	اور	سلیمان	جب وہ دونوں فیصلہ کررہے تھے	میں	کھیتی	
اِذْ	نَفَشَتْ	فِيْهِ	غَنَمُ	الْقَوْمِ	وَكُنَّا	لِحُكْمِهِمْ
جب	رات کو چرگئی تھیں	اس میں	بکریاں	قوم	اور ہم تھے	ان کے فیصلہ
شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾	فَفَهَّمْنٰهَا	سُلَيْمٰنَ	وَكُلًّا	اٰتَيْنَا	حُكْمًا	
حاضر	چنانچہ ہم نے سمجھادیا وہ	سلیمان	اور ہر ایک	ہم نے دیا	حکم	
وَّعِلْمًا	وَّسَخَّرْنَا	مَعَ	دَاوٗدَ	الْجِبَالَ	يُسَبِّحْنَ	وَالطَّيْرَ
اور علم	اور ہم نے مسخر کردیا	ساتھ	داؤد	پہاڑ	وہ تسبیح کرتے تھے	اور پرندے

''اور اسی نعمت سے ہم نے داؤد و سلیمان کو سرفراز کیا۔ یاد کرو وہ موقعہ جب دونوں ایک کھیت کے مقدمے کا فیصلہ کررہے تھے جس میں رات کے وقت دوسرے لوگوں کی بکریاں چرگئی تھیں۔ ہم ان کی عدالت خود دیکھ رہے تھے۔ (۷۸) اس وقت ہم نے سلیمان کو سمجھا دیا۔ حالانکہ حکم اور علم ہم نے دونوں کو عطا کیا تھا۔ داؤد کے ساتھ ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا جو اس کے ساتھ تسبیح پڑتے تھے۔

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء کو تکالیف کے ذریعے آزمایا جس میں وہ سرخرو ہوئے لیکن حضرت داؤد اور ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اقتدار اور اختیار دے کر آزمایا جس میں باپ، بیٹا کامیاب ہوئے۔ اس لیے بادشاہ انبیاء کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام

حضرت داؤد علیہ السلام کا دوسرے پارہ میں مختصر ذکر ہو چکا کہ وہ جالوت سے معرکہ آرائی میں اپنی شجاعت کا مظاہرہ کر چکے تھے جس وجہ سے بنی اسرائیل میں وہ معزز سمجھے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا ''اور خلیفۃ اللہ'' قرار دیا۔ آپ یعقوب علیہ السلام کی اولاد یہودا کی نسل سے ہیں۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ نے اپنی تاریخ میں حضرت داؤد علیہ السلام کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا ہے:۔

داؤد بن ایشا بن عوید بن عابر بن سلمون بن نخشون بن عویناذب بن ارم بن حصرون بن فرص بن یہودا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام تورات میں درج ہے کہ ایشا کے بہت سے بیٹے تھے حضرت داؤد ان میں سب سے چھوٹے تھے۔

قرآن مجید میں حضرت داؤد علیہ السلام کا اسم گرامی سولہ مقام پر آیا ہے:

البقرہ :۲۵۱ النساء:۱۶۳ المائدہ:۷۸ الانعام:۸۴ اسراء:۵۵ الانبیاء:۷۸تا۷۹

النمل:۱۵۔۱۶ السبا:۱۰۔۱۳ ص:۱۷تا۲۲۔۳۰تا۲۴ کل آیات:۱۵

وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿٧٩﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ

اور تھے ہم ہی | کرنے والے | اور ہم نے اسے سکھائی | کاریگری | لباس کی | تمھارے لیے

لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿٨٠﴾

تا کہ وہ تمھیں بچائے | سے | تمھاری لڑائی | تو کیا | تم | شکر کرنے والے ہو؟

یہ کام کے کرنے والے ہم ہی تھے۔(۷۹)اور ہم نے اس کو تمہارے فائدے کے لیے زرہ بنانے کی صنعت سکھائی تھی تا کہ تم کو ایک دوسرے کے لڑائی کے وقت مار سے بچائے پھر کیا تم شکر ادا کرتے ہو؟''(۸۰)

حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل میں ایک خاندان سے حکمران ہوتا تھا اور دوسرے خاندان میں نبوت کا سلسلہ چلتا تھا۔ یہودا کے خاندان میں نبوت کا سلسلہ تھا اور افرائیم کے خاندان میں حکومت تھی۔

حضرت داؤد علیہ السلام پہلے شخص ہیں جن میں یہ دونوں نعمتیں یکجا کر دی گئی تھیں وہ اللہ کے رسول بھی تھے اور صاحبِ تخت و تاج بھی۔

انبیاء کرام کی جماعت میں حضرت آدم علیہ السلام کے علاوہ کسی نبی کو''خلیفۃ اللہ'' کے لقب سے یاد نہیں کیا گیا۔ سوائے حضرت داؤد علیہ السلام کے وہ ایسے نبی ہیں جن کو خلیفۃ اللہ کا لقب دیا گیا۔(ص:۲٦)

داؤد علیہ السلام کا اقتدار اور اختیار:

﴿وَ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا یَشَآءُ﴾ [البقرہ : ۲۵۱]

''اور اللہ نے ان کو حکومت اور نبوت عطا کی اور جو علم چاہا وہ سکھایا۔''

﴿وَ كُلًّا اٰتَیْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا﴾ [الانبیاء : ۷۹]

اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو حکومت دی اور علم عطا کیا۔

﴿ یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنَاکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ ...... الخ ﴾ [صٓ آیت ۲٦]

''اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ لہٰذا لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ حکومت کرنا اور اپنے نفس کی پیروی نہ کرنا۔ نفس کی پیروی اللہ کی راہ سے غافل کر دے گی۔ بیشک جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے

حضرت داؤد علیہ السلام کی اپنے فیصلے پر نظر ثانی:

ایک مرتبہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں دو شخص حاضر ہوئے ان میں سے ایک نے کہا کہ میری تیار شدہ کھیتی کو اس کی بکریوں نے تباہ کر دیا ہے دوسرے نے اس کا اعتراف کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ دیا کہ مدعی کا نقصان مدعی علیہ کی بکریوں کی قیمت کے برابر ہے لہٰذا تاوان کی صورت میں پوری کی پوری بکریاں مدعی کو دے دی جائیں۔ سلیمان علیہ السلام ابھی کم عمر تھے اس وقت اپنے والد ماجد کے پاس بیٹھے تھے عرض کرنے لگے ابا جان آپ کا فیصلہ صحیح ہے مگر اس سے بھی زیادہ بہتر شکل یہ ہے کہ مدعی علیہ کی بکریاں مدعی کے سپرد کر دی جائیں وہ اس کے دودھ اور اُون سے فائدہ

اُٹھائے اور مدعی علیہ کو حکم دیا جائے کہ وہ اس عرصہ میں مدّعی کے کھیت کی خدمت انجام دے۔ جب کھیت کی پیداوار اپنی اصلی حالت پر آجائے تو کھیت مدعی کے سپرد کر کے اپنا ریوڑ واپس لے لے۔ حضرت داوٗد علیہ السلام کو بیٹے کی بات بہت پسند آئی اور اسی کے مطابق فیصلہ دیا۔

حضرت داوٗد علیہ السلام کی قناعت پسندی

حضرت داوٗد علیہ السلام کی حکومت وسلطنت بہت وسیع تھی اس کے باوجود مملکت کے مالیہ سے ایک درہم نہیں لیتے اور اپنا اور اہل وعیال کی معاش کا بوجھ بیت المال پر نہیں ڈالتے تھے اپنے ہاتھ کی کمائی سے حلال روزی حاصل کرتے تھے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کسی انسان کا بہترین رزق اُسکے ہاتھ کی محنت سے کمایا ہوا رزق ہے۔ اللہ کے نبی حضرت داوٗد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے روزی کماتے تھے۔ (بخاری: کتاب التجارۃ)

حضرت داوٗد علیہ السلام کی ٹیکنالوجی میں ترقی:

﴿..........وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْد o اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِى السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ [السباء: ۱۰-۱۱]

"..........اور ہم نے داوٗد کے لیے لوہا نرم کردیا کہ بنائیں زرہیں کشادہ جنگی آہنی لباس اور ان کے جوڑ میں مناسب انداز میں فاصلہ رکھیں اور نیک کام کریں میں خوب دیکھ رہا ہوں جو کچھ تم کر رہے ہو۔"

﴿وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ﴾ [الانبیاء: ۸۰]

"اور ہم نے داوٗد کو سکھائی زرہ بنانے کی صنعت تمہارے نفع کے لیے تاکہ تم لڑائی کے موقع پر اس سے بچاؤ حاصل کرسکو پس کیا تم شکر گزار بنتے ہو؟"

اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام کو لوہے کے استعمال پر قدرت عطا کی تھی اور خاص طور پر جنگی مقاصد کے لیے اسلحہ اور زرہ سازی کا طریقہ سکھایا تھا۔ موجودہ زمانے کی تاریخی واثری تحقیقات سے ان آیات کے معنی پر جو روشنی پڑتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ دنیا میں لوہے کے استعمال کا دور (Iron-Age) ۱۲۰۰ اور ۱۰۰۰ ق م کے درمیان شروع ہوا ہے اور یہی حضرت داوٗد علیہ السلام کا زمانہ ہے۔ اول اول شام اور ایشیائے کوچک کی حتّی قوم (Hittites) کو جس کے عروج کا زمانہ ۲۰۰۰ ق م سے ۱۲۰۰ ق م تک رہا ہے، لوہے کے پگھلانے اور تیار کرنے کا ایک پیچیدہ طریقہ معلوم ہوا۔ وہ شدت کے ساتھ اس کو دنیا بھر سے راز میں رکھے رہی۔ مگر اس طریقے سے جو لوہا تیار ہوتا تھا وہ سونے چاندی کی طرح اتنا قیمتی ہوتا تھا کہ عام استعمال میں نہ آسکتا تھا۔ بعد میں فِلستیوں نے بنی اسرائیل کو پیہم شکستیں دے کر انہیں فلسطین سے تقریباً بے دخل کر دیا تھا، بائیبل کے بیان کے مطابق اس کے وجوہ میں سے ایک اہم وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ لوہے کی رتھیں استعمال کرتے تھے اور ان کے پاس دوسرے آہنی ہتھیار بھی تھے۔ (یشوع، باب، ۱۷، آیت ۱۶، تضاۃ: باب، ۱۔ آیت، ۱۹، باب ۴ آیت، ۲۔ ۱۰۲۰-۱۰۱۳ ق م) میں جب طالوت خدا کے

حکم سے بنی اسرائیل کا فرمانروا ہوا تو اس نے پیہم شکستیں دے کر ان لوگوں سے فلسطین کا بڑا حصہ واپس لے لیا۔ اور پھر حضرت داوٗد علیہ السلام ۱۰۰۴۔۹۶۵ ق م) نے نہ صرف فلسطین و شرق اُردن، بلکہ شام کے بھی بڑے حصے پر اسرائیلی سلطنت قائم کر دی۔ اس زمانہ میں آہن سازی کا وہ راز جو حتیوں اور فلستیوں کے قبضے میں تھا بے نقاب ہو گیا اور صرف بے نقاب ہی نہ ہوا بلکہ آہن سازی کے ایسے طریقے بھی نکل آئے جن سے عام استعمال کے لیے لوہے کی سستی چیزیں تیار ہونے لگیں۔ فلسطین کے جنوب میں ادوم کا علاقہ خام لوہے (Iron ore) کی دولت سے مالا مال ہے اور حال میں آثارِ قدیمہ کی جو کھدائیاں اس علاقے میں ہوئی ہیں ان میں بکثرت ایسی جگہوں کے آثار ملے ہیں جہاں لوہا پگھلانے کی بھٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ عقبہ اور ایلہ سے متصل حضرت سلیمان کے زمانے کی بندرگاہ عصیُون جابر کے آثار قدیمہ میں جو بھٹی ملی ہے اس کے معائنے سے اندازہ کیا گیا ہے کہ اس میں بعض وہ اصول استعمال کیے جاتے تھے جو آج جدید ترین زمانے کی (BlastFurnace) میں استعمال ہوتے ہیں۔ اب یہ ایک قدرتی بات ہے کہ حضرت داوٗد علیہ السلام نے سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر اس جدید دریافت کو جنگی اغراض کے لیے استعمال کیا ہوگا۔ (تفہیم القرآن)

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں داوٗد علیہ السلام کا ذکرِ خیر:

١۔ اللہ تعالیٰ نے داوٗد علیہ السلام کو بادشاہت اور نبوت سے نوازا۔ (البقرۃ:٢٥١)

٢۔ ہم نے داوٗد علیہ السلام کو زبور عطا کی۔ (النساء:١٦٣)

٣۔ داوٗد علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی نافرمانی کی وجہ سے ان پر لعنت فرمائی۔ (المائدۃ:٧٨)

٤۔ داوٗد علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ (الانعام:٨٤)

٥۔ اے داوٗد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا کیا۔ (ص:٢٥)

٦۔ ہم نے داوٗد علیہ السلام کو زبور عطا کی۔ (بنی اسرائیل:٥٥)

٧۔ ہم نے داوٗد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو علم عطا فرمایا۔ (النمل:١٥)

٨۔ ہم نے داوٗد علیہ السلام کو فضل سے نوازا۔ (سبا:١٠)

٩۔ ہم نے داوٗد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں کو حمد و ثنا کے لیے مسخر کر دیا۔ (الانبیاء:٧٩)

١٠۔ ہم نے داوٗد علیہ السلام کی سلطنت مضبوط کی اور انہیں فیصلہ کن خطاب کا ملکہ دیا۔ (ص ٢٨)

١١۔ ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو داوٗد کے تابع کیا۔ (الانبیاء:٧٩)

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى
اور سلیمان کے لیے ہوا تند و تیز وہ چلتی تھی اس کے حکم سے طرف

الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ
زمین وہ جو ہم نے برکت دی اس میں اور ہم تھے ہر چیز

عٰلِمِيْنَ ۸۱ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ
جاننے والے اور سے کچھ شیطان جو غوطہ لگاتے تھے اس کے لیے

وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۸۲
اور وہ کرتے تھے کئی کام سوائے اس کے اور ہم تھے ان کی حفاظت کرنے والے

”اور سلیمان کے لیے ہم نے تیز ہواؤں کو مسخر کر دیا جو اس کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھیں جس میں ہم نے برکات رکھی ہیں ہم ہر اس چیز کا علم رکھنے والے ہیں۔ (۸۱) اور شیاطین میں سے ہم نے ایسے بہت کو اس کا تابع بنا دیا تھا جو اس کے لیے غوطے لگاتے اور اس کے سوا دوسرے کام کرتے تھے ہم ان سب کے نگران تھے۔“ (۸۲)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کے ہونہار صاحب زادے کا ذکر۔

﴿وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ﴾ [السباء: ۱۲]

اور سلیمان علیہ السلام کے لیے ہم نے ہوا کو مسخر کر دیا تھا ایک مہینے کی راہ تک اس کا چلنا صبح کو اور ایک مہینے کی راہ تک اُس کا چلنا شام کو۔“

مزید تفصیل سورۂ ص میں بیان فرمائی۔ ﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ﴾ [ص: ۳۶] ”پس ہم نے اس کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا جدھر وہ جانا چاہتا اس کے حکم کے مطابق بسہولت چلتی تھی۔“ بائیبل اور جدید تاریخی تحقیقات سے اس مضمون پر جو روشنی پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دورِ سلطنت میں بہت بڑے پیمانے پر بحری تجارت کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ ایک طرف عِصیون جابر سے ان کے تجارتی جہاز بحر احمر میں یمن اور دوسرے جنوبی و مشرقی ممالک کی طرف جاتے تھے اور دوسری طرف بحرِ روم کے بندرگاہوں سے ان کا بیڑہ (جسے بائیبل میں ”ترسیسی بیڑہ“ کہا گیا ہے) مغربی ممالک کی طرف جایا کرتا تھا۔ عصیون جابر میں ان کے زمانے کی جو عظیم الشان بھٹی ملی ہے اس کے مقابلے کی کوئی بھٹی مغربی ایشیا اور مشرق وسطیٰ میں ابھی تک نہیں ملی۔ آثار قدیمہ کے ماہرین کا اندازہ ہے کہ یہاں اَدوم کے علاقۂ عَرَبہ کی کانوں سے خام لوہا اور تانبا لایا جاتا تھا اور اس بھٹی میں پگھلا کر اسے دوسرے کاموں کے علاوہ جہاز سازی میں بھی استعمال کیا

جاتا تھا۔اس سے قرآن مجید کی اُس آیت کے مفہوم پر روشنی پڑتی ہے جو سورۂ سبا میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق آئی ہے کہ ﴿وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ﴾ ''اور ہم نے اس کے لیے پگھلی ہوئی دھات کا چشمہ بہادیا۔'' نیز اس تاریخی پس منظر کو نگاہ میں رکھنے سے یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ایک مہینے کی راہ تک ہوا کی رفتار کو ''مسخر'' کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اُس زمانے میں بحری سفر کا سارا انحصار بادِ موافق ملنے پر تھا۔اللہ تعالیٰ کا حضرت سلیمان علیہ السلام پر یہ کرمِ خاص تھا کہ وہ ہمیشہ اُن کے دونوں بحری بیڑوں کو ان کی مرضی کے مطابق ملتی تھی۔تاہم اگر ہوا پر حضرت سلیمان علیہ السلام کو حکم چلانے کا بھی کوئی اقتدار دیا گیا ہو جیسا کہ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ (اس کے حکم سے چلتی تھی) کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے تو یہ اللہ کی قدرت سے بعید نہیں ہے۔وہ اپنی مملکت کا آپ مالک ہے۔اپنے جس بندے کو جو اختیارات چاہے دے سکتا ہے جب وہ خود کسی کو کوئی اختیار دے تو ہمارا دل دُکھنے کی کوئی وجہ نہیں۔(تفہیم القرآن)

سیدنا سلیمان علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داوٗد علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں لہٰذا ان کا نسب بھی یہودا کے واسطے سے حضرت یعقوب علیہ السلام سے ملتا ہے۔

﴿وَ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَ نُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ﴾

[الانعام: ۸۴]

''اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق و یعقوب عطا کئے ہر ایک کو ہدایت بخشی اور نوح کو ابراہیم سے پہلے ہدایت بخشی اور ابراہیم کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان کو ہدایت عطا کی۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر مبارک سولہ مقامات پر آیا۔

ان میں سے چند مقامات پر تفصیلی ذکر ہے اور اکثر جگہ مختصر طور پر

البقرۃ:۱۰۲ النساء:۱۶۳ الانعام:۸۹ الانبیاء:۷۸۔۸۱

النمل:۱۵۔۱۶۔۱۷۔۱۸۔۸۔۳۰۔۳۶۔۴۴ السباء:۱۲ ص:۳۰۔۳۴

حضرت سلیمان علیہ السلام فطری طور پر بہت ذہین اور سمجھدار تھے۔اپنے والد داؤد علیہ السلام کی معیت میں سن شعور کو پہنچے تو اس وقت حضرت داؤد علیہ السلام کا انتقال ہوا۔اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا اور حکومت میں بھی حضرت داؤد علیہ السلام کا جانشین بنایا۔قرآن حکیم نے اسی جانشینی کو حضرت داؤد علیہ السلام کی وراثت قرار دیا ہے۔حکومت کے ساتھ ساتھ اپنے والد کی نبوت میں بھی وارث قرار پائے۔نبوت وراثت کی چیز نہیں جو لازماً اولاد کے حصے میں آئے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام پر یہ بھی فضل کیا ہے کہ ان کی اولاد کو نبوت میں بھی ان کا جانشین بنایا تھا۔حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ان انبیائے کرام میں سے ایک ہیں۔

اس کے علاوہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی خصوصیات و امتیازات سے نوازا گیا جس کی وجہ سے وہ انبیاء میں ممتاز حیثیت کے حامل ہوئے:۔

﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ﴾ [النمل : ١٦] ''اور وارث ہوئے سلیمان حضرت داؤد کے''

''اور بیشک ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا اور ان دونوں نے کہا ہر قسم کی تعریف اللہ ہی کو زیبا ہے جس نے اپنے مومن بندوں پر ہم کو فضیلت عطا کی ہے۔ سلیمان داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور انہوں نے کہا لوگو! ہم کو پرندوں کی بولیوں کا علم دیا گیا ہے اور ہم کو ہر چیز بخشی گئی ہے بیشک یہ اللہ کا بڑا فضل ہے۔'' [النمل:۱۵]

حضرت سلیمان علیہ السلام کے خصوصی امتیازات میں سے ایک امتیاز یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ''ہوا'' کو انکے زیر فرماں کر دیا تھا وہ جب اور جہاں چاہتے اس کو چلنے اور رک جانے کا حکم دیتے تھے۔ ہوائیں ان کے حکم سے نرم اور سبک رفتار ہو جاتی تھیں جب تیز روی کا حکم دیتے تو برق رفتاری کا یہ عالم ہوتا کہ اس کے دوش پر سوار ہو کر ایک ماہ کی مسافت صبح کے وقت اور ایک ماہ کی مسافت شام کے آخری لمحات میں طے کر لیتے تھے۔ ان کا تخت جہاں چاہتے ہوا پہنچا دیتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح عام قوانین قدرت کے تحت کائنات کی اشیاء کو اسباب کے ساتھ مربوط کر دیا ہے۔ اسی طرح اپنے قانون خاص کے تحت انبیاء کے ساتھ معاملہ فرمایا ہے جس کو معجزہ کہا جاتا ہے۔ ہوا کا تابع فرمان ہونا اسی قسم سے ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے زیر نگیں نہ صرف انسان تھے بلکہ جنات اور حیوانات بھی تابع فرمان تھے یہ ایسا اقتدار تھا کہ کائنات میں شاید ہی کسی اور کو عطا کیا گیا ہو۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا:

''اے پرودگار مجھے معاف فرما دے اور مجھ کو ایسی حکومت عطا کر جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو بے شک تو ہی عطا کرنے والا ہے۔'' [ص:۳۵]

معدنیات تک رسائی:

اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک عظیم احسان یہ بھی تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو تانبے کے چشمے فراہم کئے گئے جس کو تعمیرات کی مضبوطی کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا انعام خاص یہ تھا کہ اُن چشموں کو آشکارا کر دیا گیا جن سے پہلے کوئی شخص آگاہ نہیں ہوا۔ ابن کثیر نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ پگھلے ہوئے تانبے کے یہ چشمے ملک یمن میں تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر ظاہر کر دیا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۲)

شیاطین جنّات کا تابع فرماں ہونا:

''اور شیاطین میں سے ہم نے اکثر کو سلیمان کا تابع بنا دیا تھا جو ان کے لیے سمندر میں موتی نکالنے کے لیے غوطے لگاتے اور اُس کے سوا دوسرے کام بھی کرتے تھے ان سب کے نگراں ہم ہی تھے۔'' [انبیاء:۸۲]

''اور سلیمان کے لیے جن اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے تھے اور وہ پوری طرح نظم وضبط میں رکھے جاتے تھے۔'' [النمل: ۱۷]

''اور سرکش جنوں کو بھی اُن کے تابع کر دیا ہر طرح کے معمار اور غوطہ خور اور سرکش و باغی بھی جو زنجیروں میں جکڑے

رہتے تھے۔ہم نے سلیمان سے کہا یہ ہماری عطا ہے تم کو اختیار ہے جس کو چاہو دو اور جس سے چاہے روک لو کوئی حساب کتاب نہیں۔"[ص: ٣٧ تا ٣٩]

چیونٹیوں اور جانوروں پر حکمرانی:

وادیٔ نملہ:

حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ علم خاص معجزہ کے طور پر دیا گیا تھا جس طرح ایک انسان دوسرے انسان کی گفتگو بے تکلف سن لیتا ہے اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولیاں سن اور سمجھ لیا کرتے تھے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں مدّت مدید تک بارش نہ ہوئی۔سلیمان علیہ السلام لوگوں کے ساتھ صلوٰۃِ استسقاء کے لیے کھلے میدان کی طرف نکلے۔راستہ میں دیکھا کہ ایک چیونٹی اپنے اگلے پیر اُٹھائے آسمان کی طرف منہ کئے دعا کر رہی ہے:

خدایا ہم بھی تیری مخلوق اور تیرے فضل وکرم کے محتاج ہیں ہم کو بارش سے محروم رکھ کر ہلاک نہ فرما۔

سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی دعا سُنی اور اپنی قوم سے فرمایا واپس چلو ایک چیونٹی کی دعا نے ہمارا کام پورا کر دیا۔اب بارش ضرور ہوگی۔(تاریخ ابن کثیر: ج ٢)

ایک مرتبہ حضرت سلیمان جن وانس اور حیوانات کے ایک عظیم لشکر کے ساتھ کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے چلتے چلتے لشکر ایک ایسی وادی میں پہنچا جہاں چیونٹیاں بے شمار تھیں اور پوری وادی ان کا مسکن بنی ہوئی تھی چیونٹیوں کی سردار نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو دیکھ کر کہا اے چیونٹیو۔فوراً اپنی اپنی بلوں میں داخل ہو جاؤ کہیں سلیمان اور اُن کا لشکر تمہیں بے خبری میں روند نہ دے۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹیوں کی سردار کی بات سُنی تو ہنس پڑے۔(السباء: ١٨۔١٩)

ہُد ہُد اور ملکۂ سبا:

ایک مرتبہ سلیمان علیہ السلام اپنے دربار میں پورے جاہ وجلال کے ساتھ تشریف فرما تھے۔انسان، جنات، حیوانات کے نمائندے بھی موجود تھے لیکن پرندوں میں ہدہد موجود نہ تھا۔فرمایا کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو موجود نہیں پاتا؟ اگر وہ واقعی غیر حاضر ہے تو اس کو سخت سزا دوں گا یا پھر ذبح کر ڈالوں گا۔الّا یہ کہ وہ اپنی غیر حاضری کی معقول وجہ بیان کرے۔اسی غضب میں تھے کہ ہدہد حاضر ہو گیا اور حضرت سلیمان کے سوال پر کہنے لگا کہ میں ایک یقینی خبر لایا ہوں جسے آپ نہیں جانتے۔وہ یہ ہے کہ سبا کے ملک پر ایک ملکہ حکمرانی کرتی ہے۔اللہ نے اس کو سب کچھ دے رکھا ہے اور اُس کا تخت نہایت عظیم الشان ہے ملکہ اور اس کی قوم سورج کی پوجا کرتے ہیں۔وہ اللہ واحد کی عبادت نہیں کرتے شیطان نے اُن کی سورج پرستی کو ان کے لیے خوشنما بنا دیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ خبر سن کر فرمایا کہ تیری سچائی کا ابھی علم ہو جائے گا۔میرا خط لے جا اور اس کو اُن تک پہنچا اور انتظار کر کہ وہ اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔

ہدہد خط لے کر اُڑا اور خط ملکہ کے سامنے پھینک دیا ملکہ خط پڑھ کر اہل دربار سے کہنے لگی کہ ابھی ابھی یہ خط سلیمان کی

جانب سے آیا ہے۔ جو اللہ کے نام سے شروع کیا گیا ہے جو بڑا مہربان رحم فرمانے والا ہے۔'' خط کا مضمون یہ ہے کہ

تم سرکشی کا اظہار نہ کرو اور میرے پاس تابعدار ہو کر آ جاؤ۔ (النمل:۳۱)

وزیروں مشیروں نے کہا جہاں تک مرعوب ہونے کا تعلق ہے اس کی ضرورت نہیں کیونکہ ہم طاقت ور اور جنگی قوت کے مالک ہیں البتہ آخری فیصلہ آپ کے اختیار میں ہے جو مناسب سمجھیں فیصلہ فرمائیں۔

ملکہ نے کہا بیشک ہم طاقتور ہیں لیکن سلیمان کے معاملے میں ہمیں جلدی نہیں کرنا چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ پہلے اپنے نمائندے بھیجوں جو اس کی خدمت میں تحائف پیش کریں۔ اس سے اس کی شان وشوکت اور مزاج کا اندازہ لگائیں کہ وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ اگر واقعی قوت وشوکت کے مالک ہیں تو پھر اُن سے لڑنا فضول ہے۔ کیونکہ فاتح بادشاہوں کا وطیرہ ہوتا ہے کہ جب وہ کسی شہر میں فاتحانہ طور پر داخل ہوتے ہیں تو اس شہر کو برباد اور باعزت شہریوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔

تیسرا واقعہ:

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اہل دربار سے مخاطب ہو کر فرمایا، میں چاہتا ہوں کہ ملکہ سبا کے ہمارے ہاں پہنچنے سے پہلے اُس کا تخت اُٹھا کر یہاں لے آیا جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ملکہ کو ایک معجزہ دکھانا چاہتے تھے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے مرسلین کو کس طرح غیر معمولی طاقت عطا فرماتا ہے تاکہ اُسے یقین ہو جائے کہ سلیمان واقعی اللہ کا رسول ہے۔

یہ سن کر ایک دیو پیکر جن کہنے لگا یہ کام میں انجام دوں گا اور آپ کا دربار برخاست ہونے سے پہلے پہلے تخت لے آؤں گا میں طاقتور اور امانتدار ہوں۔ جن کا دعویٰ سن کر دربار کے ایک اہل علم نے کہا۔ میں آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے تخت کو پیش کرتا ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے رخ پھیرا تو تخت ان کے سامنے تھا۔ فرمانے لگے یہ میرے پروردگار کا فضل ہے وہ مجھ کو آزماتا ہے کہ میں اُس کا شکر ادا کرتا ہوں یا نافرمانی کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اللہ کا شکر گزار ہوتا ہے اپنی ذات ہی کو فائدہ دیتا ہے اور جو نافرمانی کرتا ہے اُس کا وبال اسی پر پڑتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے رب کے شکر گزار بندے اور نبی تھے۔ اس موقعہ پر اس لیے شکر یہ ادا کیا کہ میرے رب نے نہ صرف مجھے اقتدار، اختیارات اور امتیازات دیے بلکہ میرے ساتھیوں کو بھی صلاحیتوں سے نواز رکھا ہے۔

عظیم محل

حضرت سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ نبوت کا اعجاز دکھلانے کے بعد ملکہ کو دنیوی شوکت بھی دکھلا دی جائے تاکہ وہ اپنے آپ کو دنیا کے لحاظ سے بھی اپنے آپ کو کمتر سمجھے اس لیے شیش محل بنوا کر اس کے صحن میں ایک بڑا حوض بنوایا جس پر بلوری فرش بنا دیا گیا جو دیکھنے والے کو حوض ہی نظر آتا تھا جنوں کی مدد سے یہ عالی شان شیش محل آناً فاناً تیار ہو گیا جو صنعت کاری کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ تھا۔

ملکہ سبا سے کہا گیا کہ قصرِ شاہی میں قیام کریں۔ ملکہ محل کے سامنے پہنچی تو بہتا ہوا پانی پایا یہ دیکھ کر ملکہ نے اپنے پائنچے اُٹھا لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا پائنچے نہ اٹھائیں کیونکہ یہ پانی نہیں بلکہ فرش ہے جو آبگینوں سے بنایا گیا ہے۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام کی وفات:

بیت المقدس کی تعمیر کا آغاز حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا تھا وہ اپنے انتقال کی وجہ سے مکمل نہ کر پائے۔ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی تکمیل فرمائی۔

تعمیر کے مکمل ہونے کے باوجود تیاری کا کام کچھ باقی تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا وقت قریب آ پہنچا۔ سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے موت کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے سوچا کہ اگر جنات کو معلوم ہو گیا تو کام چھوڑ دینگے اور تعمیر نامکمل رہ جائیگی۔ان علیہ السلام نے یہ انتظام کیا کہ موت سے کچھ قبل شیشے کی بنی ہوئی محراب میں داخل ہو گئے۔جنّات اس کے سامنے سے گزرتے تو سلیمان علیہ السلام کو رکوع، سجدے اور قیام میں مشغول پاتے اور اپنے اپنے کام میں مصروف رہتے۔ سلیمان علیہ السلام طویل قیام کرنے کی خاطر عصا کے سہارے کھڑے عبادت کر رہے تھے تو اسی حالت میں انہیں موت نے آ لیا۔

''جب ہم نے سلیمان کی موت کا فیصلہ کیا تو جنات کو اُن کی موت کا پتہ دینے والی کوئی چیز سوائے اس زمین کے کیڑے دیمک کے سِوا نہ تھی جو اُن کے عصا کو کھا رہا تھا، جب سلیمان گر پڑے تو جنوں کو معلوم ہوا کہ اگر وہ غیب جاننے والے ہوتے تو اس ذلّت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔'' [سبا:۱۴]

کہا جاتا ہے کہ جنات پر یہ راز جب کھلا تو اس وقت تعمیر مکمل ہو چکی تھی۔اس لیے جنوں کو احساس ہوا کہ اگر وہ غیب داں ہوتے تو اس سے بہت پہلے آزاد ہو جاتے۔

اس کے علاوہ اُن گمراہ انسانوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ جنّات اور شیاطین غیب کی خبریں نہیں جانتے ہیں۔یہ جہالت ہر دور میں رہی ہے کہ جنّات غیب کی خبریں جانتے ہیں۔لیکن سلیمان علیہ السلام کی موت نے ثابت کر دیا کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔

تفسیر بالقرآن

حضرت سلیمان علیہ السلام کی فضیلت اور خصوصیات:

۱۔ حضرت سلیمان کا قرآن مجید میں ۱۷ مرتبہ تذکرہ ہوا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو غیر معمولی بادشاہت عطا فرمائی۔(الانبیاء:۷۹)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو تانبے کے چشمے عطا فرمائے۔(سبا:۱۲)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو صنعت وحرفت میں کمال عطا فرمایا۔(سبا:۱۳)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو فہم وفراست عطا کی۔(الانبیاء:۷۹)

۷۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا جو اس کے حکم سے چلتی تھی۔(الانبیاء:۸۱)

۸۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو علم عطا کیا۔(النمل:۱۵) ۹۔اللہ تعالیٰ نے جنوں کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا۔(سبا:۱۲)

۱۰۔ حضرت سلیمان کو اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی زبان سمجھنے کا فہم عطا کیا۔(النمل:۱۶)

وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ

اور ایوب جب اس نے پکارا اپنے رب بے شک مجھے پہنچی ہے تکلیف

وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝۸۳ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا

اور تو بہت رحم کرنے والا رحم کرنے والے تو ہم نے قبول کی اس کی پھر ہم نے ہٹادی

مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ

جو تھی اسے سے تکلیف اور ہم نے اسے دیا اس کا اہل اور ان کے مثل

مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝۸۴

ان کے ساتھ رحمت سے اپنی طرف اور نصیحت عبادت کرنے والوں کے لیے

''اور یاد کرو جب ایوب نے اپنے رب کو پکارا کہ میں بیمار ہو گیا ہوں اور تو ارحم الراحمین ہے۔(۸۳) ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اُسے شفا دی۔صرف اہل وعیال ہی اُسے نہیں دیے بلکہ اپنی خاص رحمت کے ساتھ اُسے ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی دیے یہ نصیحت ہے عبادت گزاروں کے لیے۔''(۸۴)

فہم القرآن

ربط کلام: دو عظیم حکمران اور پیغمبروں کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام کا بیان۔

تذکرہ سیدنا ایوب علیہ السلام

حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر مبارک چار سورتوں میں

سورۃ النساء:۱۶۳ الانعام:۸۴ الانبیاء:۸۳تا۸۴ ص:۴۱تا۴۴

سورۂ نساء اور سورۂ انعام میں صرف ان کا اسم مبارک آیا ہے سورۃ الانبیاء اور ص میں مختصر طور پر بیان ہوا کہ حضرت ایوب علیہ السلام پر سخت آزمائش آئی۔ بیماری اور مصائب ومشکلات نے اُنہیں ہر طرف سے گھیر لیا تھا مگر وہ صبر وشکر کے سوا کوئی بات زبان پر نہیں لائے۔ اللہ کے حضور نہ صرف عبدیت کا اظہار کرتے رہے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ رجوع الی اللہ میں اضافہ ہوا۔ اُن کے بارے میں فرمایا: ''وہ بہت ہی اچھا بندہ اور ہماری طرف ہی رجوع کرنے والا تھا۔''(ص:۴۴)

مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام بنی یقطان کی نسل سے ہیں اور عربی نژاد ہیں۔ اس لیے یا تو ابراہیم علیہ السلام کے ہم زمانہ ہیں یا پھر حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کے معاصر ہیں۔

محققین تورات کی اکثریت کا کہنا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام عرب تھے۔ عرب میں پیدا ہوئے اور تاریخ میں سفر ایوب کے

نام سے جس کتاب کا تذکرہ پایا جاتا ہے وہ اصلاً قدیم عربی میں تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُسے عربی سے عبرانی میں منتقل کیا ۔سفر ایوب میں ہے کہ وہ شہر عوض (مشرقی فلسطین) میں قیام پذیر تھے۔اُن کے مویشیوں پر سبا کے لوگوں نے حملہ کیا تھا۔"

امام بخاری نے کتاب الانبیاء میں انبیاء کی ترتیب قائم فرمائی ہے اس میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے کیا گیا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر:

وہ پاک باز انسان تھے اللہ تعالیٰ کے ہاں انبیاء کی جماعت میں شامل ہیں۔ دولت اور کثرت اہل وعیال کی وجہ سے بہت خوش بخت تھے مگر ایک آزمائش نے آلیا مال ومتاع، اہل وعیال، جسم وجان سب پر مصیبت آئی۔ مال ومتاع ختم ہوا اہل وعیال فوت ہوئے۔اس کے ساتھ ہی سخت بیماری نے آلیا، شکوہ وشکایت کرنے کی بجائے اپنے رب کے حضور صبر وشکر کرتے رہے۔

﴿وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ [الانبیاء: ۸۳]

"اور اس وقت کو یاد کیجئے جب ایوب نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ میں بیمار ہو گیا ہوں اور تو ارحم الراحمین ہے۔"

دعا کا انداز اس قدر لطیف اور مؤدب ہے کہ صرف اپنی تکلیف کا مختصر ذکر کرتے ہیں۔اس کے بعد یہ کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں نہ شکوہ کیا اور نہ کسی چیز کا مطالبہ کیا، ادب کا یہ عالم ہے کہ یہ نہیں کہا "تو نے مصیبت میں ڈال دیا" بلکہ بیماری کو شیطان کی جانب منسوب کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں: "شیطان نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الزہد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے۔

"حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کے دور میں ایک بار شیطان طبیب کی شکل میں آپ کی بیوی کے پاس آیا۔نیک بیوی نے علاج کرنے کے لیے کہا اس نے شرط رکھی کہ اگر تیرا خاوند صحت یاب ہو جائے تو میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہنا آپ نے میرے شوہر کو شفا دی ہے۔" میرے علاج کا یہی معاوضہ ہے۔ بیوی نے وعدہ کر لیا بعد ازاں اس کا ذکر ایوب علیہ السلام سے کیا ایوب علیہ السلام کو اس پر بہت غصہ آیا۔فرمایا کہ وہ شیطان تھا جو غلط الفاظ تم سے کہلوانا چاہتا تھا اور تو نے کہنے کا وعدہ کر لیا۔قسم کھائی کہ جب میں صحت یاب ہو جاؤں تو تجھے سو کوڑے ماروں گا۔یاد رہے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے وعدہ کیا تھا مگر یہ الفاظ نہیں کہے تھے۔

جب ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شفا دی تو قسم پوری کرنے کا سوال پیش آیا ایک طرف غم خوار اور خدمت گزار بیوی تھی دوسری طرف قسم پوری کرنے کا مسئلہ!

حضرت ایوب علیہ السلام پریشان تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے نیک بیوی کو شوہر کے ساتھ وفاداری کا یہ صلہ دیا کہ حکم ہوا کہ آپ اپنی قسم نہ توڑیں بلکہ سوتنکوں کا ایک گٹھا بنائیں اور اُس سے اپنی بیوی کو ایک ضرب لگا دیں۔ اس طرح قسم پوری ہو جائے گی۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔“

﴿وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ﴾ [صٓ: ۴۴]

”اور ہم نے انہیں حکم دیا کہ اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھا لو اور اُس سے مارا اور اپنی قسم پوری کرو بیشک ہم نے انہیں صبر کرنے والا پایا بہت ہی عاجز بندہ ہر حال میں وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا تھا۔“

حضرت ایوب کو حکمِ خداوندی:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی آہ وزاریوں کو قبول فرماتے ہوئے صحتِ کاملہ عطا فرمائی اور حکم دیا کہ اپنے پاؤں کو زمین پر ماریں جس سے ایک چشمہ جاری ہوگا۔ ٹھنڈے پانی سے غسل کریں اور اُسے پئیں حضرت ایوب علیہ السلام نے چشمہ سے غسل کیا اور اُس سے پانی پیا۔ جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے سے بھی بہتر صحت اور حسن و جمال عطا فرمایا۔ جس کا ذکر سورۃ صٓ کی آیت ۴۲ میں کیا گیا ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ بَيْنَمَا أَيُّوبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا خَرَّ عَلَيْهِ رِجْلُ جَرَادٍ مِنْ ذَهَبٍ ، فَجَعَلَ يَحْثِي فِي ثَوْبِهِ ، فَنَادَى رَبُّهُ يَا أَيُّوبُ ، أَلَمْ أَكُنْ أَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرَى قَالَ بَلَى يَا رَبِّ ، وَلَكِنْ لَا غِنَى لِي عَنْ بَرَكَتِكَ)) [رواه البخاري: كتاب الانبياء]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا حضرت ایوب غسل فرما رہے تھے: اللہ تعالیٰ نے سونے کی ٹڈیاں آسمان سے برسائیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام اُنہیں پکڑ پکڑ کر کپڑے میں ڈالنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام سے استفسار فرمایا کہ ایوب! کیا ہم نے سب کچھ دے کر تجھے غنی نہیں کر دیا؟ کہنے لگے کیوں نہیں لیکن میں تیری برکات سے لا پروا نہیں ہوسکتا۔“

تفسیر بالقرآن

حضرت ایوب علیہ السلام کے فضائل:

۱۔ حضرت ایوب کا تذکرہ قرآن مجید میں چار بار ہوا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب کی طرف وحی نازل فرمائی۔ (النساء:۱۶۳)

۳۔ حضرت ایوب محسنین میں سے تھے۔ (الانعام:۸۴)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب کو اپنی رحمت سے نوازا۔ (الانبیاء:۸۴)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے حضرت ایوب کو اہل وعیال اور مال و دولت سے نوازا۔ (صٓ:۴۳)

۶۔ حضرت ایوب علیہ السلام ہر حال میں اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ (صٓ:۴۴)

وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِدۡرِیۡسَ وَ ذَا الۡکِفۡلِ ؕ کُلٌّ مِّنَ

اور اسماعیل | اور | ادریس کو | اور | ذوالکفل | ہر ایک | سے

الصّٰبِرِیۡنَ ﴿ۚۖ۸۵﴾ وَ اَدۡخَلۡنٰہُمۡ فِیۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّہُمۡ

صبر کرنے والے | اور ہم نے انھیں داخل کیا | میں | ہماری رحمت | بے شک وہ

مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۸۶﴾

سے | صالح لوگ

”اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل سب صابر لوگ تھے۔(۸۵) اور ان کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا کیونکہ وہ صالحین میں سے تھے۔“(۸۶)

فہم القرآن

ربط کلام: انبیاء کا ذکر جاری ہے۔حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تفصیلی ذکر سورۃ مریم میں ہو چکا ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا تعارف

حضرت ادریس علیہ السلام کے نسب اور زمانہ کے بارے میں مؤرخین کی سوچ میں بڑا تضاد پایا جاتا ہے۔اس عظیم پیغمبر کے بارے میں قرآن مجید اور احادیث کی دستاویزات میں نہایت ہی مختصر ذکر ہے۔جس کسی نے ادریس علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے۔اس کی تحریر کا ماخذ بنی اسرائیل کی روایات کے سوا کچھ نہیں۔اسرائیلی روایات کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اس اصول کا پابند کیا ہے کہ ان روایات کی تصدیق یا تردید نہ کرو۔لہٰذا حرفِ آخر یہی ہے کہ ان کے بارے میں ثقہ معلومات موجود نہیں ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے موقعہ پر ادریس علیہ السلام سے ملاقات:

آپ فرماتے ہیں پھر جبریل مجھے چوتھے آسمان پر لے کر چڑھے دروازہ کھولنے کو کہا۔سوال ہوا کہ کون ہے؟ کہا: میں جبریل ہوں۔پوچھا: تمہارے ساتھ کون ہے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پوچھا گیا کیا انہیں بلوایا گیا ہے؟ جبریل نے کہا: ہاں کہا گیا: خوش آمدید جو آیا ہے کتنا ہی اچھا ہے؟ دروازہ کھول دیا گیا۔جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں ادریس علیہ السلام تھے جبریل نے کہا: یہ ادریس علیہ السلام ہیں انہیں سلام کریں۔میں نے انہیں سلام کیا۔انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا: صالح بھائی اور پیغمبر کو خوش آمدید کہتا ہوں۔[رواہ البخاری: باب المعراج]

حضرت ادریس علیہ السلام کا قرآن مجید میں تذکرہ:

۱۔ حضرت ادریس علیہ السلام کا قرآن مجید میں دوبار تذکرہ ہوا ہے۔۲۔ حضرت ادریس علیہ السلام صدیق نبی تھے۔(مریم:۵۶)

۳۔ حضرت ادریس علیہ السلام صبر کرنے والے تھے۔(الانبیاء:۸۵)(تفصیل کے لیے سورۃ مریم آیت ۵۶ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں)

سیدنا ذوالکفل علیہ السلام کا ذکر مبارک

اس آیت کریمہ میں حضرت اسماعیل، حضرت ادریس علیہما السلام کے ساتھ جس پیغمبر یا شخصیت کا ذکر ہوا ہے اُن کا نامِ نامی ذوالکفل ہے قرآن وسنت میں ان کے نام کے تذکرہ کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ البتہ اسرائیلی روایات کے حوالے سے مؤرخین نے چند معلومات فراہم کی ہیں۔ قرآن مجید نے ان کی عظمت وفضیلت کا تذکرہ یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کے ساتھ کیا ہے۔ سورۃ ص کی آیت ۴۸ میں ان کے بارے میں یوں بیان ہوا ہے۔ ''اے پیغمبر! اسماعیل اور الیاس کے ساتھ ذالکفل کا تذکرہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی رحمت سے ہمکنار کیا کیونکہ وہ اللہ کے نیک بندوں میں تھے۔

﴿وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝ وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ [الانبياء: ۸۵.۸٦]

''اور اسمٰعیل وادریس اور ذوالکفل سب صبر کرنے والے تھے ہم نے انہیں اپنی رحمت کے سایہ میں لے لیا۔ یقیناً وہ نیک بندوں میں سے تھے۔''

﴿وَاذْكُرْ إِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلٌّ مِنَ الْأَخْيَارِ﴾ [صٓ: ۴۸]

''اور یاد کرو اسمٰعیل اور الیسع اور ذوالکفل یہ سب نیکو کاروں میں سے تھے۔''

ذوالکفل کا لفظی ترجمہ ''صاحب نصیب'' ہے اخلاق اور بزرگی میں بڑا حصہ پانے والا۔ قرآن حکیم نے اُن کو اسی لقب سے یاد کیا ہے اور یہ لقب ان کے نام کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں جو ان کے بعد نبوت سے سرفراز ہوئے اور ان کا اصل نام بِشر تھا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ اہل کتاب ان کا نام ''حزقی ایل'' بتاتے ہیں جو بنی اسرائیل کی اسیری کے زمانے میں نبوت سے سرفراز ہوئے۔ بُخت نصر نے عراق میں اسرائیلی قیدیوں کی ایک نوآبادی قائم کی تھی جس کا نام تل اَبیب تھا۔ حضرت ذوالکفل اسی مقام پر ہدایت ورسالت کے منصب پر سرفراز کیے گئے اور طرح طرح کی تکالیف اُٹھائیں مگر اس کے باوجود یروشلم کے حکمرانوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے۔ جس کی وجہ سے ان کے مصائب میں مزید اضافہ ہوتا رہا۔ ممکن ہے ان کے اسی صبر وضبط کی وجہ سے انہیں ذوالکفل کا لقب دیا گیا ہو۔

مسائل

۱۔ حضرت ذوالکفل بھی اللہ کے صابر، شاکر بندوں میں سے تھے۔

۲۔ اللہ نے انھیں اپنی رحمت سے سرفراز فرمایا تھا۔

۳۔ اللہ نے انھیں اپنے صالح بندوں میں شمار فرمایا ہے۔

وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ

اور | مچھلی والے | جب | وہ چلا گیا | ناراض ہونے والا | تو اس نے گمان کیا

اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ

یہ کہ | ہرگز نہیں | ہم گرفت کریں گے | اس پر | پھر اس نے پکارا | میں | اندھیروں

اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ

یہ کہ | نہیں | کوئی معبود | مگر | تو | تو پاک | بلاشبہ میں

كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ

میں ہوں | سے | ظالم | چنانچہ ہم نے قبول کی | اس کی | اور ہم نے اسے نجات دی

مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

سے | غم | اور | اسی طرح | ہم نجات دیتے ہیں | مومنین

''اور مچھلی والے کو بھی ہم نے نوازا۔ یادکرو جب وہ ناراض ہوکر چلا گیا تھا اور سمجھا کہ ہم اس پر گرفت نہ کریں گے آخر کار اس نے تاریکیوں میں پکارا۔ کہ تو پاک ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں بے شک میں نے ظلم کیا ہے۔(٨٧) ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کو غم سے نجات دی اور ہم مومنوں کو اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔''(٨٨)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت اسماعیل، حضرت ادریس اور ذوالکفل علیہم السلام کے بعد حضرت یونس علیہ السلام کا بیان۔

سیدنا یونس علیہ السلام (صاحب الحوت)

قرآن حکیم کی چھ سورتوں میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر موجود ہے چار سورتوں میں صرف نام آیا ہے اور دو سورتوں میں ذَا النُّون اور صاحبُ الحوت کے الفاظ سے ذکر ہوا ہے۔

النساء:١٦٣ الانعام:٨٦ یونس:٩٨ الانبیاء:٨٧۔٨٨ الصافات:١٣٩تا١٤٨ القلم:٤٨تا٥٠

تعارف:

بخاری شریف میں حضرت یونس علیہ السلام کے والد کا نام متّٰی آیا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام اسرائیلی نبی تھے مگر انہیں آشور

(اسیریا) والوں کی ہدایت کے لیے عراق بھیجا گیا تھا۔اسی بنا پر آشوریوں کو قومِ یونس کہا جاتا ہے اس قوم کا مرکز اُس زمانے میں نینوی کا مشہور شہر تھا جس کے وسیع کھنڈرات آج بھی دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے موجودہ شہر موصل کے عین مقابل پائے جاتے ہیں اوراسی علاقے میں ''یونس نبی'' کے نام سے آج بھی ایک بستی مشہور ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کو نینویٰ میں مبعوث کیا گیا۔قرآن حکیم نے اس شہر کی آبادی ایک لاکھ سے زائد بتائی ہے۔(الصّٰفّٰت:۱۴۷) ترمذی کی ایک روایت میں یہ تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بیان کی گئی ہے۔

اس قوم میں شرک وکفر کی کثرت تھی حضرت یونس علیہ السلام کو ان کی ہدایت کے لیے مامور کیا گیا وہ طویل عرصہ تک قوم کو توحید کی دعوت دیتے رہے لیکن قوم ان کی دعوت پر توجہ دینے کی بجائے کفر وشرک پر قائم رہی اور پہلے لوگوں کی طرح یونس علیہ السلام کا مذاق اُڑاتے رہے ۔روایت ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنی قوم کو آگاہ کر دیں کہ تین دن میں عذاب آنے والا ہے۔حضرت یونس علیہ السلام نے قوم میں اعلان کر دیا،اس اعلان پر قوم کے بعض سرداروں کو احساس ہوا کہ یونس علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔دیکھا جائے یونس علیہ السلام رات اپنے گھر گزارتے ہیں یا ہجرت کر جاتے ہیں۔اگر وہ مقیم رہے تو سمجھ لو کہ کچھ نہیں ہوگا اگر ہجرت کر گئے تو ہم پر عذاب نازل ہوگا۔حضرت یونس علیہ السلام شہر چھوڑ کر دور نکل گئے ۔صبح ہوئی تو قوم پر سیاہ بادل منڈلانے لگے۔صورت حال دیکھ کر قوم کو یقین ہو گیا کہ اب ہم ہلاک ہونے والے ہیں۔یہ لوگ یونس علیہ السلام کی تلاش میں نکل گئے اور طے کر لیا کہ اُن پر ایمان لے آئیں گے لیکن حضرت یونس علیہ السلام کو نہ پایا۔اب اخلاص کے ساتھ توبہ واستغفار کرتے ہوئے بستی سے باہر ایک میدان میں نکل گئے عورتیں،بچے،جوان،بوڑھے سب میدان میں جمع ہو گئے اور نہایت آہ وزاری کے ساتھ توبہ کی اللہ تعالیٰ نے ان کی اجتماعی توبہ قبول فرمائی۔

﴿فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ﴾ [یونس: ۹۸]

''پھر کوئی ایسی بستی کیوں نہ ہوئی جو ایمان لائی ہو تو اس کے ایمان لانے نے اسے نفع دیا ہو،یونس کی قوم کے سوا جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے دنیا کی زندگی میں ذلّت کا عذاب دور کر دیا اور انہیں ایک وقت تک فائدہ پہنچایا۔''

اِدھر حضرت یونس علیہ السلام انتظار میں تھے کہ اب قوم پر عذاب نازل ہوگا۔جب عذاب ٹل گیا تو فکر ہوئی کہ قوم مجھے جھوٹا قرار دے گی۔حضرت یونس علیہ السلام اس پریشانی میں ہجرت کے لیے نکل پڑے۔دریائے فرات کے کنارے پہنچے تو ایک کشتی لوگوں سے بھری ہوئی تیار کھڑی تھی۔لوگوں نے یونس علیہ السلام کو دیکھا تو سوار کر لیا کشتی روانہ ہوئی جب دریا کے درمیان پہنچی تو بھنور میں پھنس گئی۔کشتی والوں نے اعلان کیا کہ کشتی میں کوئی بھاگا ہوا غلام ہے۔اسے اپنے آپ کو پیش کر دینا چاہیے تاکہ اس کی وجہ

سے سب لوگ غرق نہ ہوں۔حضرت یونس علیہ السلام نے دل میں سوچا اگر یہ دستور ہے تو بھاگا ہوا غلام میں ہی ہوں۔کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ سے ہجرت کی اجازت کے بغیر اپنی قوم کو چھوڑ دیا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت یونس علیہ السلام اس مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن تک رہے۔مچھلی ان کو پانی کی تہہ تک لے گئی اور پانی میں دور دراز پھیراتی رہی۔بعض مفسرین نے سات اور بعض نے تین دن مدت لکھی ہے (تفسیر مظہری) حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں اپنے آپ کو زندہ محسوس کیا،سجدہ میں پڑ کر ندامت کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور عفو و درگزر کی درخواست پیش کی۔

﴿لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ﴾ [الانبیاء:٨٧]

''الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں،بلاشبہ میں اپنے آپ پر ظلم کرنے والا ہوں۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی درد بھری پکار قبول فرمائی۔''اللہ'' کے حکم سے مچھلی نے یونس علیہ السلام کو دریا کے کنارے پھینک دیا۔

﴿فَلَوْلَا أَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ○ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ○ وَأَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ○ وَأَرْسَلْنٰهُ إِلٰى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيْدُوْنَ﴾ [الصّٰفّٰت: ١٤٣تا١٤٧]

''اگر یونس اللہ کی تسبیح بیان نہ کرتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔ہم نے اُسے باہر کنارے پر پھینک دیا اس حالت میں کہ وہ بیمار تھے اُس پر کدو کی بیل کو اُگا دیا اور انہیں ایک لاکھ سے زائد افراد کی طرف بھیجا۔''

یونس علیہ السلام نہایت کمزوری کے عالم میں خشکی پر ڈال دیئے گئے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اُن پر ایک بیلدار درخت اُگا دیا۔جس کے پتوں کا سایہ حضرت یونس علیہ السلام پر سائبان بن گیا۔بعد ازاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے شہر واپس آئے قوم نے دیکھا تو بے حد خوشی کا اظہار کیا اور اُن کی رہنمائی میں دنیا و آخرت کی کامرانی حاصل کی آخر کار پوری قوم حضرت یونس علیہ السلام پر ایمان لے آئی۔

حضرت یونس علیہ السلام کی وفات

حضرت یونس علیہ السلام کے مقام وفات کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں:

① نینویٰ میں مبعوث کیے گئے وہاں فوت ہوئے تھے۔

② فلسطین کے شہر الخلیل میں وفات پائی جو اکثر انبیاء کرام کا مدفن ہے۔

اہل تحقیق نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔(ماخوذ از قصص القرآن)

((عَنْ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ دَعْوَةُ ذِی النُّونِ إِذْ دَعَا وَهُوَ فِی بَطْنِ الْحُوتِ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّی كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ فَإِنَّهُ لَمْ يَدْعُ بِهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ فِی شَیْءٍ قَطُّ إِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهُ))

[رواہ الترمذی:باب دعوۃ ذالنون فی..........]

’’حضرت سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت یونس علیہ السلام کی مچھلی کے پیٹ میں کی ہوئی دعا(لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّی كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ) تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں تو پاک ہے بلاشبہ میں ظالموں میں سے ہوں۔کوئی مسلمان پڑھ کر اپنی حاجت پیش کرے تو اُس کی دعا ضرور قبول ہوگی۔‘‘

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی دعا قبول کی اور انھیں اس عظیم پریشانی سے نجات دی۔

٢۔ جوشخص بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت یونس علیہ السلام کا قرآن مجید میں تذکرہ اوران کے اوصاف حمیدہ:

١۔ حضرت یونس علیہ السلام کا قرآن مجید میں پانچ بار تذکرہ ہوا۔

٢۔ اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی۔(النساء:١٦٣)

٣۔ اللہ تعالیٰ نے اسماعیل،یسع،یونس اورلوط کو جہان والوں پرفضیلت عطا فرمائی۔(الانعام:٨٦)

٤۔ یونس علیہ السلام رسولوں میں سے تھے۔(الصٰفت:١٣٩)

٥۔ یونس علیہ السلام کی اللہ نے دعا قبول فرما کر مچھلی کے پیٹ سے نجات دی۔(الانبیاء:٨٨)

وَ زَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ

اور زکریا جب اس نے پکارا اپنے رب میرے رب! نہ چھوڑ مجھے

فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ

تنہا اور تو ہے سب سے بہتر وارث تو ہم نے قبول کی اس کے لیے

وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ اِنَّهُمْ

اور ہم نے عطا کیا اس کے لیے یحیٰی اور ہم نے درست کر دیا اس کے لیے اس کی بیوی بے شک وہ

كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا

تھے وہ وہ جلدی کرتے میں نیکی کے کام اور وہ پکارتے تھے ہمیں

رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾

رغبت کرتے ہوئے اور خوف کھاتے ہوئے اور وہ تھے ہمارے لیے عاجزی کرنے والے

''اور اس وقت کو یاد کریں جب زکریا نے اپنے رب کو پکارا کہ اے پروردگار مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو بہترین وارث ہے۔(۸۹) پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے یحیٰی عطا کیا اور اس کی بیوی کو اس کے لیے صحت مند کر دیا۔ یہ لوگ نیکی کے کاموں میں آگے بڑھنے والے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارنے والے تھے۔''(۹۰)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں اکیلے تھے اور حضرت زکریا علیہ السلام بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو اکیلا خیال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ دونوں کی دعا کو قبول فرمایا اس لیے یونس علیہ السلام کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام اور ان کے لخت جگر حضرت یحیٰی علیہ السلام کا تذکرہ کیا ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام جب بڑی ہوئیں تو انہیں حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں دیا گیا۔ اس زمانے کے مذہبی رواج کے مطابق اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف لوگ تارک الدنیا ہو کر مسجدِ اقصیٰ میں تعلیم و تربیت اور ذکر و اذکار میں مصروف رہتے تھے۔ ان میں وہ عورتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔ جنہوں نے اپنے آپ کو دنیا کے معاملات سے الگ کر لیا ہوتا تھا۔ حضرت مریم علیہا السلام انہی ذاکرات میں شامل ہو کر اپنے حجرے میں محوِ عبادت رہا کرتی تھیں۔ ان کے کھانے پینے کا انتظام ان کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد تھا۔ ایک دن زکریا علیہ السلام ان کے ہاں حجرے میں تشریف لائے تو ان کے پاس غیر موسمی عمدہ پھل دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ حیران ہو کر پوچھتے ہیں کہ بیٹی مریم یہ پھل کہاں سے آئے ہیں؟ مریم علیہا السلام نے جواب دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کا نتیجہ

ہے۔اللہ تعالیٰ جسے چاہے بلا حساب رزق سے نوازتا ہے۔یہ سنتے اور اللہ کی قدرت دیکھتے ہی حضرت زکریا علیہ السلام کے رونگٹے کھڑے ہوئے اور وجود تھر تھرّانے لگا اور بے ساختہ ہاتھ "اللہ" کے حضور اٹھے اور فریاد کرنے لگے کہ اے میرے رب! مجھے بھی اپنی جناب سے نیکو کار اولاد نصیب فرما یقیناً تو دعا سننے والا ہے زکریا علیہ السلام ابھی اسی حجرے میں نماز کی حالت میں کھڑے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ کا نزول ہوا اور انہوں نے آپ کو یہ نوید سنائی کہ اے زکریا! خوش ہو جائیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بیٹا عطا فرمائیں گے جس کا نام یحییٰ ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے کلمے کی تصدیق کرے گا اور سردار ہوگا۔نہایت ہی پاک باز، اپنے آپ کی حفاظت کرنے والا اور انبیاء میں سے ہوگا۔

بیٹے کی خوشخبری سناتے ہوئے ملائکہ نے یہ بھی کہا اس کا نام یحییٰ ہوگا اور اس سے پہلے اس نام کا کوئی شخص نہیں ہوا۔تو زکریا علیہ السلام حیرت زدہ ہو کر اللہ کے حضور عرض کرتے ہیں کہ بارِ الٰہ! مجھے کس طرح بیٹا نصیب ہوگا جب کہ میں بوڑھا اور میری بیوی جسمانی طور پر بچہ جننے کے لائق نہیں؟ ملائکہ نے خوشخبری سنائی تو تعجب کا اظہار فرمانے لگے مگر تعجب کا اظہار ملائکہ سے کرنے کے بجائے براہِ راست اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں۔کیونکہ اولاد دینے والا تو وہی ہے اور یہ خوشخبری بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی۔فرشتہ تو محض پیغام رساں ہے۔زکریا علیہ السلام کے تعجب کے جواب میں ارشاد ہوا کہ میرے بندے! اللہ اپنے کام کو خود ہی جانتا ہے اور وہ اسی طرح ہی کرتا ہے جس طرح اس کی منشا ہوا کرتی ہے۔پھر عرض کرنے لگے: اے رب! میرے لیے بیٹے کی کوئی واضح نشانی ہونی چاہیے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم تین دن تک لوگوں سے اشارے کے علاوہ کلام نہیں کر سکو گے۔ ان ایام میں خاص طور پر صبح و شام اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکریہ ادا کرتے رہو۔

سیدنا یحییٰ علیہ السلام کا ذکرِ گرامی

حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت زکریا علیہ السلام کے صاحبزادے اور ان کی پیغمبرانہ دعاؤں کا ثمرہ ہیں۔جس عمر میں اولاد کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اس عمر میں حضرت زکریا کو حضرت یحییٰ علیہ السلام عطا کیے گئے اور نام بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجویز ہوا۔جو اس سے پہلے کسی شخص کا نام نہ تھا۔

خصوصی صفات:

۱۔" حُکم یعنی قوتِ فیصلہ، معاملات میں ٹھیک، ٹھیک فیصلہ سنانے والا۔

۲۔ حَنَّانَ دل کی نرمی اور شفقت یعنی انتہائی درجے کی شفقت جو ماں کو اپنے بچے کے ساتھ ہوتی ہے جس کی بنا پر وہ بچے کی تکلیف پر تڑپ اُٹھتی ہے اس سے کہیں زیادہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے دل میں بندگانِ خدا کے لیے شفقت پیدا کی گئی تھی۔

۳۔ "حَصُوْرً" لذات و شہوات پر قابو پانے والا انتہا درجہ محتاط و متقی۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی حالاتِ زندگی:

تاریخی روایات کے مطابق حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چھ ماہ بڑے تھے، ان کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ

آپس میں حقیقی بہنیں تھیں۔ تقریباً تیس سال کی عمر میں منصب نبوت پر فائز کیے گئے۔ شرق اُردن کے علاقے میں دعوت الی اللہ کا کام شروع کیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ لوگو! توبہ کرو اور نماز، روزے کی پابندی اختیار کرو۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنے والد حضرت زکریا علیہ السلام کی طرح اولوالعزم نبی تھے تورات کی شریعت کے پابند تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو تین اوقات میں سلامتی سے نوازا۔

وقتِ ولادت وقتِ موت وقتِ حشر ونشر

یہ حقیقت ہے کہ انسان کے لیے یہ تین اوقات سب سے زیادہ نازک اور اہم ہوتے ہیں (۱) انسان ولادت کے وقت بطنِ مادر سے جدا ہو کر عالمِ دنیا میں آتا ہے۔ (۲) موت کے وقت دنیا سے رخصت ہو کر عالمِ برزخ میں پہنچتا ہے۔ (۳) عالمِ برزخ سے نکل کر میدانِ محشر میں اعمال کی جزاء وسزا کے لیے پیش ہوتا ہے۔

جس شخص کو ربِ کریم کی طرف سے ان تینوں اوقات کے لیے سلامتی کی بشارت مل جائے گویا کہ اُسے سب کچھ مل گیا۔

مسائل

۱۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور بیٹے کی دعا کی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کی بیوی کو صحت عطا فرما کر یحییٰ علیہ السلام عنایت فرمائے۔

۳۔ حضرت زکریا علیہ السلام، اُن کی بیوی اور اُن کے بیٹے یحییٰ علیہ السلام نیکی کے کاموں میں سبقت کرنے والے تھے۔

۴۔ حضرت زکریا علیہ السلام اور ان کے اہل خانہ اپوری رغبت اور خوف کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

نیکی میں سبقت کرنے کا حکم:

۱۔ نیکی کے حصول میں جلدی کرو۔ (البقرۃ:۱۴۸)

۲۔ نیکیوں میں سبقت کرنے والے سب سے اعلیٰ ہوں گے۔ (فاطر:۳۲)

۳۔ سبقت کرنے والے اللہ کے مقرب ہوں گے۔ (الواقعہ:۱۰،۱۱)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ذکر خیر ہے: آل عمران:۳۹، الانعام:۸۵، مریم:۷۔۱۲، الانبیاء:۹۰۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا تذکرہ: آل عمران:۳۷۔۳۸، الانعام:۸۵، مریم:۲۔۷، الانبیاء:۸۹

وَ الَّتِیۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا فَنَفَخۡنَا فِیۡهَا مِنۡ رُّوۡحِنَا

اور جس نے حفاظت کی اس نے اپنی شرمگاہ پھر ہم نے پھونکی اس میں سے اپنی روح

وَ جَعَلۡنٰهَا وَ ابۡنَهَاۤ اٰیَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۱﴾

اور ہم نے اسے بنایا اور اس کے بیٹے کو عظیم نشانی جہان والوں کے لیے

اور وہ عورت جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی اسے اور اس کے بیٹے کو دنیا بھر کے لیے نشانی بنا دیا۔“ (۹۱)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے خالو ہیں۔ اس لیے ان کا ذکر حضرت زکریا علیہ السلام کے بعد کیا گیا ہے۔

یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں زبان درازی کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے نا صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر لگائے جانے والے الزامات کی تردید کی بلکہ اس کے ساتھ ہی حضرت مریم علیہا السلام کی پاک دامنی، شرم و حیا اور ان کے عبادت گزار ہونے کی شہادت دی۔ قرآن مجید نے اس قدر ٹھوس دلائل اور مؤثر انداز میں حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت طیبہ کو بیان کیا ہے کہ اس کے بعد یہودیوں کا پراپیگنڈہ بے اثر ہو کر رہ گیا۔ یہ قرآن مجید کا عیسائیوں پر عظیم احسان ہے جس کا انھیں اعتراف کرنا چاہیے۔ لیکن افسوس کہ عیسائی نا صرف اس احسان کو فراموش کر چکے ہیں۔ بلکہ وہ یہودیوں کی دیکھا دیکھی اور مسلمانوں سے تعصب کی بناء پر وہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی زبان بولتے اور اس قسم کی تحریریں لکھتے ہیں جو سراسر جھوٹ کا پلندہ اور انتہا درجے کی زیادتی ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کی پاکدامنی کی گواہی دی ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی قدرت کی نشانی قرار دیا ہے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ اور اُن کی حیاتِ مبارکہ کی ایک جھلک:

حضرت مریم علیہا السلام کا قرآن مجید میں ۱۳ مرتبہ تذکرہ ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قرآن مجید میں ۲۵ مرتبہ ذکر ہوا ہے۔

۱۔ ”اللہ“ نے عیسیٰ ابن مریم کو معجزات سے نوازا اور روح القدس کے ساتھ اس کی مدد فرمائی۔ (البقرۃ: ۸۷)

۲۔ اے مریم ہم تجھے بچے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام مسیح ابن مریم ہوگا۔ (آل عمران: ۴۵)

۳۔ حضرت عیسیٰ کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام جیسی ہے۔ (آل عمران: ۵۹) ۴۔ مسیح ابن مریم اللہ کے رسول تھے۔ (النساء: ۱۷۱)

۵۔ زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس تمام کے تمام نیکوکار نبی تھے۔ (الانعام: ۸)

اِنَّ	هٰذِهٖۤ	اُمَّتُكُمْ	اُمَّةً	وَّاحِدَةً	وَّاَنَا	رَبُّكُمْ
بلاشبہ	یہ	تمھاری امت	امت	ایک ہی	اور میں	تمھارا رب ہوں
فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾	وَتَقَطَّعُوْۤا	اَمْرَهُمْ	بَيْنَهُمْ	كُلٌّ		
سوتم میری ہی عبادت کرو	اورانھوں نے ٹکڑے ٹکڑے کرلیا	اپنا کام	آپس میں	سب		
اِلَيْنَا	رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾					
ہماری ہی طرف	لوٹنے والے					

ع ۶ ۸

''یقیناً یہ تمہاری امت حقیقت میں ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس تم میری عبادت کرو۔(۹۲) مگر انہوں نے آپس میں اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا سب کو ہماری طرف پلٹنا ہے۔''(۹۳)

فہم القرآن

ربط کلام: سولہ انبیاء کرام کا ایک ہی عقیدہ اور ایک جیسا کردار ہونے کی بنا پر انہیں ایک ہی امّت کے افراد قرار دیا گیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی عظیم اور طویل ترین جدوجہد، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا اقتدار واختیار، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر اور عبادت گزاری، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ادریس اور حضرت ذالکفل علیہ السلام کا حوصلہ اور اُن کی سیرت طیبہ، حضرت یونس علیہ السلام کی آزمائش اور اپنے رب کے حضور آہ وزاریاں، حضرت زکریا علیہ السلام کی اپنے رب سے اپنے وارث کے لیے دعائیں، حضرت مریم علیہا السلام کی پاکدامنی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد تمام انسانوں کو یہ سبق یاد کروایا ہے کہ اے لوگو! یہ انبیاء اور صالحین کی جماعت تھی جو ایک ہی رب کے سامنے سرافگندہ ہونے والے تھے۔ان سب کا ایک ہی رب اور ایک ہی دین تھا۔تمہارے لیے بھی ایک ہی دین ہے میں ہی تمھارا رب ہوں لہٰذا میری ہی عبادت کرو۔

قرآن مجید کے ارشاد سے واضح ہو رہا ہے کہ تمام انبیاء عقیدہ توحید پر متحد تھے اور وہ ایک رب کی عبادت کی دعوت دینے والے تھے۔ان کے بعد ان کی امتیں شرک میں مبتلا ہوئیں، لوگ فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہوتے چلے گئے حالانکہ سب نے اپنے رب کے پاس جانا ہے اور وہ ان کے اختلافات کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرمائے گا۔فہم القرآن کے کئی مقامات پر عرض کیا ہے کہ ہر آیت بالخصوص ہر خطاب کے آخری الفاظ اس آیت اور خطاب کا خلاصہ ہوتے ہیں اسی اصول کے تحت یہاں اشارۃً فرمایا ہے کہ دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والوں بالآخر تم نے ہمارے ہی پاس آنا ہے۔اس فرمان سے ثابت ہوا کہ عقیدہ توحید وحدت اور اتحاد کی ضمانت ہے۔شرک انتشار اور خلفشار کا باعث ہے۔

عبادت کا جامع تصّور:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ٥ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ

وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ [الانعام: ۱۶۲-۱۶۳]

فرمادیجیے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں حکم ماننے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔‘‘

دین ایک ہے اور فطرت کے مطابق ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول محترم ﷺ نے فرمایا ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔اس کے والدین اس کو یہودی‘ عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جس طرح چار پائے اپنے بچے کو تام الخلقت جنم دیتے ہیں کیا تم ان میں سے کسی بچے کو کان کٹا پاتے ہو؟ پھر آپ نے آیت تلاوت کی۔’’اللہ کی فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہے یہ بالکل سیدھا اور درست دین ہے۔‘‘[رواہ البخاری:باب إِذَا أَسْلَمَ الصَّبِيُّ فَمَاتَ هَلْ يُصَلَّى عَلَيْهِ وَهَلْ يُعْرَضُ عَلَى الصَّبِيِّ الْإِسْلَامُ]

تمام انبیاء خاندانِ نبوت کے افراد اور گلدستۂ رسالت کے پھول ہیں۔رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ انبیاء رشتہ نبوت کے اعتبار سے ایک دوسرے کے بھائی ہوتے ہیں لیکن ان کی مائیں مختلف ہیں۔[رواہ البخاری:کتاب أحادیث الانبیاء]

مسائل

۱۔ شرک سے پہلے لوگ توحید کے عقیدہ پر ہونے کی وجہ سے متحد تھے۔ ۲۔ شرک کی وجہ سے لوگ گروہ در گروہ بنتے چلے گئے۔

۳۔ تمام لوگوں کا ایک ہی رب ہے سب کو اسی کی عبادت کرنا چاہیے۔ ۴۔ تمام لوگوں نے اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔

تفسیر بالقرآن

عقیدہ توحید اتحاد کی علامت،شرک انتشار کا سبب ہے:

۱۔ تمام لوگ ایک ہی امّت تھے اُنہوں نے جاننے کے باوجود آپس میں اختلاف کیا اگر اللہ کا کلمہ سبقت نہ لے چکا ہوتا تو اُن کے درمیان اب تک فیصلہ ہو چکا ہوتا۔(یونس:۱۹)

۲۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور ایمان کے بعد شرک میں مبتلا نہیں ہوئے اُن کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔(الانعام:۸۳)

۳۔ بلاشبہ یہ امّت ایک ہی ہے اور میں تمہارا رب ہوں مجھ ہی سے ڈرو۔(المؤمنون:۲۳)

۴۔ اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں تقسیم نہ ہو جاؤ۔(آل عمران:۱۰۳)

۵۔ جس نے طاغوت کے ساتھ کفر کیا اور اللہ پہ ایمان لایا اُس نے ایسے مضبوط کڑے کو تھام لیا جو ٹوٹ نہیں سکتا۔(البقرۃ:۲۵۶)

۶۔ اے اہلِ کتاب آؤ کلمہ توحید پر متحد ہو جائیں۔(آل عمران: ۶۴)

فَلَا	مُؤْمِنٌ	وَهُوَ	الصّٰلِحٰتِ	مِنَ	يَّعْمَلْ	فَمَنْ
تو نہیں	مومن	اور وہ	صالح	سے	وہ عمل کرے	چنانچہ جو

كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾	لَهٗ	وَاِنَّا	لِسَعْيِهٖ	كُفْرَانَ
لکھنے والے ہیں	اس کے لیے	اور بے شک ہم	اس کی کوشش کا	انکار کیا جائے گا

”پھر جو نیک عمل کرے گا بشرطیکہ وہ مومن ہو تو۔ اس کے عمل کی ناقدری نہیں کی جائے گی اور اسے ہم لکھ رہے ہیں۔“ (۹۴)

فہم القرآن

ربط کلام: اختلافات سے بچ کر نیک اعمال کرنے والوں کی جزا

انبیاء علیہم السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر کرنے کے بعد ہر انسان کے لیے یہ اصول واضح کر دیا گیا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنے رب کے برگزیدہ بندے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں بڑے بڑے مراتب سے سرفراز فرمایا تھا۔ لیکن جو شخص بھی عقیدہ توحید پر رہتے ہوئے نیک اعمال کرے گا اُس کے کسی نیک عمل کی ناقدری نہیں کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیک آدمی کی ہر نیکی لکھی جارہی ہے۔ لکھنے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ اُس کے ہاں مومن کی نیکی کی کتنی قدر ہے۔ سورۃ النساء آیت ۱۴۷ میں یہ فرمایا کہ لوگو! تمھیں عذاب دینے سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اگر تم اس پر صحیح صحیح ایمان لاؤ اور اس کے شکر گزار بندے بن کر رہو تو اللہ تمھارے ہر نیک عمل کی قدر کرنے والا اور اُسے پوری طرح جاننے والا ہے۔

سورۃ الزلزال میں ارشاد فرمایا۔ جس نے رائی کے برابر نیکی یا برائی کی قیامت کے دن وہ اُسے اپنے سامنے پائے گا۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ کَسْبٍ طَیِّبٍ وَلَا یَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا الطَّیِّبَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتَقَبَّلُهَا بِیَمِیْنِهٖ ثُمَّ یُرَبِّیْهَا لِصَاحِبِهَا کَمَا یُرَبِّیْ اَحَدُکُمْ فَلُوَّهٗ حَتّٰی تَکُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ)) [رواه البخاری: باب الصَّدَقَةِ مِنْ کَسْبٍ طَیِّبٍ]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ صرف حلال چیزوں سے صدقہ قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے شرفِ قبولیت بخشتا ہے اور اپنے دائیں ہاتھ میں لیتے ہوئے۔ اس کو اس طرح بڑھاتا ہے جس طرح تم بچھڑے کی پرورش کر کے اسے بڑا کرتے ہو۔ یہاں تک کہ ایک کھجور کا ثواب پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر مومن کے نیک اعمال لکھ رہا ہے۔ ۲۔ مومن کے کسی نیک عمل کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾

اور لازم | پر | بستی | ہم نے ہلاک کیا | بے شک وہ | نہیں | واپس لوٹیں گے

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَهُمْ

یہاں تک | جب | کھولے جائیں | یاجوج | اور | ماجوج | اور وہ

مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ

سے | ہر | اونچی جگہ | وہ دوڑتے ہوں گے | اور قریب آجائے گا | وعدہ | سچا

فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

پھر ناگہاں | پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی | آنکھیں | لوگ | انھوں نے کفر کیا

”یہ نہیں ہے کہ جس بستی کو ہم نے ہلاک کیا ہو کہ وہ پھر پلٹ سکے۔(۹۵) یہاں تک کہ جب یاجوج و ماجوج کھول دیے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں گے اور وعدہ پورا ہونے کا وقت قریب آجائے گا۔(۹۶) جنہوں نے کفر کیا۔ ان لوگوں کی یکا یک آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

فہم القرآن

ربط کلام: صالحِ اعمال کرنے والوں کی قدر افزائی کا تذکرہ کرنے کے بعد بُرے لوگوں کے انجام کا ذکر۔اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں بھی سزا دی اور قیامت کے دن بھی سزا پائیں گے۔

قرآن مجید نے اس حقیقت کو مختلف الفاظ اور انداز میں کئی بار واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو کوئی طاقت ٹال نہیں سکتی، اُس کی مہربانی میں کوئی شخص رکاوٹ نہیں بن سکتا اور نہ ہی اس کی گرفت سے کوئی کسی کو چھڑا سکتا ہے۔ جب وہ کسی بستی یا قوم کو تباہی کے گھاٹ اُتارتا ہے تو پھر کوئی نہیں جو اُسے دنیا میں واپس لے آئے۔ اسی حقیقت کو یہاں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے کہ جب وہ کسی بستی کو اس کے جرائم کی پاداش میں تباہ کرتا ہے تو پھر اُسے کوئی واپس نہیں لاسکتا۔ یہاں تک کہ قیامت برپا ہو جائے۔ اس کا یہ مفہوم لینے کی بھی گنجائش ہے کہ تباہ و برباد ہونے والے لوگ دین کی طرف پلٹنے اور اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے نہ تھے۔ یہاں تک کہ یاجوج اور ماجوج نکل آئیں گویا کہ قیامت قائم ہو جائے۔ یاد رہے کہ قیامت کی تین قسم کی نشانیاں قرآن و حدیث میں بیان کی گئی ہیں۔ جن میں کچھ نشانیاں وہ ہیں جو نبی علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ تک پوری ہو چکی ہیں۔ جن میں ایک نشانی چاند کا دو ٹکڑے ہونا ہے۔ ان نشانیوں کا دوسرا حصہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے بعد شروع ہوتا ہے جس کی انتہاء کا تعین کرنا ہمارے لیے مشکل ہے۔ قیامت کی نشانیوں کا تیسرا حصہ وہ ہوگا

يٰوَيۡلَنَا قَدۡ كُنَّا فِيۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا

ہائے ہماری کم بختی! تحقیق ہم تھے میں غفلت سے اس

بَلۡ كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ ﴿۹۷﴾

بلکہ ہم تھے ہی قصوروار

کہیں گے ہائے ہم پر افسوس کہ ہم غفلت میں پڑے ہوئے تھے بلکہ ہم ظالم تھے۔'' (٩٧)

جس دور میں یا جوج ماجوج نمودار ہوں گے۔ جن کی تفصیل کے لیے سورۃ الکہف کی آیت ٩٤ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔ یا جوج ماجوج ہر اونچی جگہ سے یلغار کرتے ہوئے لوگوں پر ٹوٹ پڑیں گے۔ یاجوج ماجوج کے خروج کے بعد قیامت قریب تر ہو جائے گی اور اس کا برپا ہونا برحق ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ قیامت اس قدر اچانک برپا ہوگی کہ ''اللہ'' کے منکروں اور باغیوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ قیامت کی ہولناکیاں دیکھ کر کافر اور نافرمان لوگ آہ وزاریاں کرتے ہوئے کہیں گے ہائے افسوس! ہم اپنی غفلت کی وجہ سے فسق وفجور میں مبتلا رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے۔

قیامت کا برپا ہونا:

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَإِذَا طَلَعَتْ فَرَآهَا النَّاسُ آمَنُوا أَجْمَعُونَ ، فَذَلِكَ حِينَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا ، لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ ، أَوْ كَسَبَتْ فِی إِيمَانِهَا خَيْرًا ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ نَشَرَ الرَّجُلَانِ ثَوْبَهُمَا بَيْنَهُمَا فَلَا يَتَبَايَعَانِهِ وَلَا يَطْوِيَانِهِ ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدِ انْصَرَفَ الرَّجُلُ بِلَبَنِ لِقْحَتِهِ فَلَا يَطْعَمُهُ ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَهْوَ يَلِيطُ حَوْضَهُ فَلَا يَسْقِی فِيهِ ،وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ رَفَعَ أُكْلَتَهُ إِلَى فِيهِ فَلَا يَطْعَمُهَا))

[رواہ البخاری:باب قَوْلِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے۔ جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو اسے دیکھ کر تمام کے تمام لوگ ایمان لے آئیں گے۔ لیکن اس وقت اس کے ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا جو اس سے قبل نہ ایمان لایا اور نہ اس نے نیک اعمال کیے۔ دو آدمیوں نے کپڑا پھیلایا ہوگا دوکاندار کپڑے کو بیچ اور سمیٹ نہیں پائے گا کہ قیامت برپا ہو جائے گی۔ دودھ دوہنے والا دودھ پی نہیں سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ حوض پر وارد ہونے والا پانی نہیں پی سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ انسان اپنے منہ میں ڈالا ہوا لقمہ کھا نہیں پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔''

((عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدِ الْغِفَارِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا قُعُودًا نَتَحَدَّثُ فِی ظِلِّ غُرْفَةٍ لِرَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرْنَا

السَّاعَةَ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُنَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَنْ تَكُونَ أَوْ لَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكُونَ قَبْلَهَا عَشْرُ آيَاتٍ طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَخُرُوجُ الدَّابَّةِ وَخُرُوجُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَالدَّجَّالُ وَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَالدُّخَانُ وَثَلَاثَةُ خُسُوفٍ خَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ وَخَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَآخِرُ ذٰلِكَ تَخْرُجُ نَارٌ مِنَ الْيَمَنِ مِنْ قَعْرِ عَدَنٍ تَسُوقُ النَّاسَ إِلَى الْمَحْشَرِ)[رواہ ابوداؤد ، كتاب الملاحم ،باب أمارات الساعة]

''حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی معظم ﷺ کے حجرہ مبارک کے سائے میں بیٹھے باتیں کررہے تھے دوران گفتگو ہم نے قیامت کا ذکر کیا اس کے ساتھ ہی ہماری آوازیں بلند ہوگئیں۔رسول معظم ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک اس سے پہلے دس نشانیاں نہ پوری ہوجائیں۔سورج کا مغرب سے طلوع ہونا،دابہ جانور کا نکلنا،یاجوج وماجوج کا ظاہر ہونا،دجال کا ظاہر ہونا،عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا نزول،دھواں کا ظاہر ہونا اور زمین کا تین مرتبہ دھنسنا ایک مرتبہ مغرب میں،ایک مرتبہ مشرق میں اور ایک مرتبہ جزیرۃ العرب میں اور آخری نشانی آگ یمن کے علاقہ عدن سے رونما ہوگی جو لوگوں کو محشر کے میدان میں اکٹھا کرے گی۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو موت دے یا کسی بستی تباہ کردے اُسے کوئی زندہ کرنے والا نہیں۔

٢۔ یاجوج ماجوج کے خروج کے بعد قیامت کا وقت بالکل قریب آجائے گا۔ ٣۔ یاجوج ماجوج ہر طرف دنگا وفساد کریں گے۔

٤۔ جب قیامت برپا ہوگی تو لوگ چیخ وپکار کرتے ہوئے اپنے جرائم کا اعتراف کریں گے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کی نشانیاں اور اس کی ہولنا کیوں کا ایک منظر:

١۔ سب نے اللہ کے ہاں لوٹنا ہے۔(یونس:٥٦) ٢۔قیامت کے دن لوگ مدہوش ہونگے۔(الحج:٢)

٣۔ اس دن سے ڈر جاؤ جس دن تم اللہ کے ہاں لوٹائے جاؤ گے۔(البقرۃ:٢٨١)

٤۔ قیامت آنکھ جھپکنے میں آجائے گی۔(النحل:٧٧) ٥۔ قیامت کی ہولنا کیاں بڑی سخت ہوں گی۔(الحج:١)

٦۔ قیامت کے دن مجرموں کو باہم زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا۔(ابراہیم:٤٩)

٧۔ قیامت کے دن کفار کو طوق پہنا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔(الحاقۃ:٣٠۔٣١)

٨۔ اس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور زمین چٹیل میدان ہوگی اور ہم تمام لوگوں کو جمع کریں گے اور کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔(الکھف:٤٧)

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ

بلاشبہ تم | اور وہ | تم عبادت کرتے ہو | سے | سوا | اللہ | ایندھن

جَهَنَّمَ ۖ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً

جہنم | تم | اس میں | وارد ہونے والے | اگر ہوتے | یہ | معبود

مَا وَرَدُوهَا ۖ وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٩٩﴾ لَهُمْ

نہ | وارد ہوتے اس میں | اور سب | اس میں | ہمیشہ رہیں گے | ان کے لیے

فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾

اس میں | چیخنا چلانا | اور وہ | اس میں | نہ | وہ سنیں گے

''بے شک تم اور تمہارے معبود جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں اور تم نے وہاں جانا ہے۔(۹۸) اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو جہنم میں نہ جاتے اب سب کو اسی میں ہمیشہ رہنا ہے۔(۹۹) وہاں چیخیں اور چلائیں گے اور حال یہ ہوگا کہ اس میں کان پڑی آواز نہ سنائی دے گی۔''(۱۰۰)

فہم القرآن

ربط کلام : آیت ۹۴ میں صالح اعمال لوگوں کا اجر بیان ہوا۔ اس کے بعد بُرے لوگوں کا بیان ہوا۔ بُرے لوگوں کی بُرائیوں میں سب سے بڑی بُرائی یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی عبادت کرنے کی بجائے دوسروں کی عبادت اور تابعداری کرتے تھے قیامت کے دن ایسے عابد اور معبود جہنم میں پھینکیں جائیں گے۔

سب سے بڑی بُرائی ''اللہ'' کے ساتھ دوسروں کو شریک بنانا اور قیامت کے دن کا انکار کرنا ہے۔ اس لیے سب سے پہلے کفار اور مشرکین کا معاملہ چکایا جائے گا۔ رب ذوالجلال مشرکین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمائے گا کہ آج تم اور تمھارے معبود جنہیں تم مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہوئے پکارا کرتے تھے سب کو جہنم میں جھونکا جارہا ہے۔ اگر وہ کسی قسم کا اختیار رکھنے والے ہوتے تو آج انھیں اور تمھیں جہنم میں داخل نہ ہونا پڑتا۔ یہاں معبودانِ باطل کو جہنم کا ایندھن قرار دیا ہے۔ اس سے مراد ہر قسم کے وہ بت ہیں جن کو لوگ خدا کا اوتار سمجھ کر اُن کے سامنے ہاتھ جوڑتے، رکوع اور سجود کرتے، چلہ کشی اور مراقبہ کرتے ہوئے اُن کے ذریعے مدد طلب کرتے تھے۔ ایسے معبودوں کو اللہ تعالیٰ اُن کے پجاریوں کے ساتھ جہنم میں پھینک دیں گے۔ جہاں تک اُن لوگوں کا تعلق ہے جن کی پرستش اُن کی زندگی میں یا اُن کے دیئے ہوئے ماحول کی وجہ سے ان کے مزارات پر کی جاتی رہی۔ انھیں اُن کے مریدوں اور قبر پرستوں کے ساتھ جہنم کی طرف دھکیل دیا جائے گا۔ جونہی جہنمی جہنم میں داخل ہوں

گے وہ اس قدر آہ وزاری، چیخ وپکار اور واویلا کریں گے کہ کوئی کسی کی بات نہیں سن سکے گا۔ البتہ اُن بزرگوں اور شخصیات کو جہنم سے محفوظ رکھا جائے گا جو اپنی زندگی میں لوگوں کو شرک و بدعت سے روکتے رہے۔ لیکن ان کی موت کے بعد لوگوں نے ان کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔

﴿وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا یُقْضٰی عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا كَذٰلِكَ نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ٥وَ هُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَ جَآءَكُمُ النَّذِیْرُ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ﴾
[فاطر:٣٦۔٣٧]

''اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اُن کے لیے جہنم کی آگ ہے اُس میں اُنہیں نہ موت آئے گی اور نہ اُن کے عذاب میں کمی کی جائے گی ہم ہر ناشکرے کو ایسے ہی سزا دیتے ہیں۔ وہ اُس میں چلائیں گے اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نکال دے۔ ہم دنیا جو بُرے اعمال کرتے تھے ان کی بجائے نیک اعمال کریں گے اللہ فرمائے گا کیا ہم نے تمہیں سوچ و بچار کرنے کے لیے عمر نہ دی تھی اور تمہارے پاس ڈرانے والے نہیں آئے تھے آج تم عذاب کا مزا چکھو، ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔''

﴿قَالَ اخْسَؤُا فِیْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ﴾ [المؤمنون: ١٠٨]

اللہ تعالیٰ جواب دے گا کہ جہنم میں ذلیل وخوار ہوتے رہو بس مجھ سے بات نہ کرو۔''

مسائل

١۔ معبودانِ باطل کو اُن کے پرستش کرنے والوں کے ساتھ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

٢۔ مشرک ہمیشہ جہنم میں جلتے رہیں گے۔٣۔ جہنمیوں کی چیخ وپکار سننے والا کوئی نہیں ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

جہنم میں جہنمیوں کی چیخ وپکار اور واویلا:

١۔ اے ہمارے رب ہمیں تھوڑی دیر کے لیے مہلت دے ہم تیری دعوت کو قبول اور تیرے رسول کی بات کو تسلیم کریں گے۔ (ابراہیم:٤٤)

٢۔ جہنمی کہیں گے اے اللہ ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو واپس لوٹا دے۔ (السجدۃ:١٢)

٣۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں یہاں سے نکال ہم پہلے سے نیک عمل کریں گے۔ (الفاطر:٣٧)

٤۔ اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال دوبارہ ایسا کریں تو بڑے ظالم ہوں گے۔ (المومنون:١٠٧)

اِنَّ الَّذِیۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ

بے شک وہ لوگ سبقت لے گئی ان کے لیے ہماری طرف سے نیکی وہ لوگ

عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسۡمَعُوۡنَ حَسِيۡسَهَا ۚ وَهُمۡ

اس سے دور رکھے جائیں گے نہیں وہ سنیں گے اس کی آہٹ اور وہ

فِىۡ مَا اشۡتَهَتۡ اَنۡفُسُهُمۡ خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحۡزُنُهُمُ

میں جو چاہیں گے ان کے دل ہمیشہ رہیں گے نہیں انھیں غمگین کرے گی

الۡفَزَعُ الۡاَكۡبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوۡمُكُمُ

گھبراہٹ بڑی اوران کا استقبال کریں گے فرشتے یہ تمھارا دن

الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾

وہ جو تم تھے تم وعدہ دیے جاتے

”وہ لوگ جن کے لیے پہلے سے ہماری طرف سے بھلائی کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ یقیناً جہنم سے دور رکھیں جائیں گے۔(١٠١) اس کی سرسراہٹ تک نہ سنیں گے اور ہمیشہ ہمیش اپنی من پسند چیزوں میں رہیں گے۔(١٠٢) انتہائی گھبراہٹ کے وقت انہیں پریشانی نہیں ہو گی۔ ملائکہ آگے بڑھ کر ان کا استقبال کریں گے اور کہیں گے کہ تمہارے لیے یہ وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔“(١٠٣)

فہم القرآن

ربط کلام: جہنمیوں کے مقابلے میں نیک لوگوں کا صلہ اور انعام۔

جن لوگوں کی فطرت اور کوشش کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اُن کے نصیب میں خیر اور نیکی رکھ دی ہے۔ وہ لوگ جہنم سے کوسوں دور رکھے جائیں گے۔ اس قدر جہنم سے دور اور محفوظ ہوں گے کہ نہ وہ جہنم کی آہٹ سُنیں گے اور نہ جہنم کی بدبو اُن تک پہنچ پائے گی۔ انھیں جنت میں وہ سب کچھ دیا جائے گا جس کی دل میں چاہت کریں گے۔ انھیں قیامت کی ہولناکیوں اور گھبراہٹ کے بڑے بڑے مواقع پر کوئی غم اور پریشانی نہیں ہوگی۔ ہر موقعہ اور مقام پر ملائکہ انھیں سلام کریں گے اور کہیں گے یہ ہے وہ اجر وانعام کا دن جس کا ربِ کریم نے تمھارے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ قیامت کے دن زندہ ہونے کے بعد ہر انسان کو قیامت کے مختلف مراحل سے واسطہ پڑے گا ان میں کچھ مراحل ایسے ہوں گے۔ جب انبیائے کرام ؑ بھی نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے۔ ہر کوئی اپنے گناہوں کے مطابق اپنے پسینے میں شرابور ہوگا۔ تاہم ہولناک مراحل میں اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اُس بڑی گھبراہٹ سے محفوظ رکھے گا۔ جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔

((وَعَنِ الْمِقْدَادِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ تُدْ نَی الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْخَلْقِ حَتّٰى تَكُوْنَ مِنْهُمْ كَمِقْدَارِ مِيْلٍ فَيَكُوْنُ النَّا سُ عَلٰى قَدْرِ اَعْمَالِهِمْ فِی الْعَرَ قِ فَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُوْنُ اِلٰى كَعْبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُوْنُ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُوْنُ اِلٰى حَقْوَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يُّلْجِمُهُمُ الْعَرَقُ اِلْجَامًا وَاَشَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِيَدِهٖ اِلٰى فِيْهِ))[رواہ مسلم :باب فِی صِفَةِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَعَانَنَا اللَّهُ عَلَى أَهْوَالِهَا]

”حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سرورِدو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا' آپ فرمارہے تھے قیامت کے دن سورج لوگوں سے ایک میل کی مسافت پر ہوگا۔لوگوں کا پسینہ ان کے اعمال کے مطابق ہوگا بعض کے ٹخنوں تک' بعض کے گھٹنوں تک بعض کی کمر تک اور بعض کے منہ تک پسینہ ہوگا۔یہ بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ کی طرف اشارہ کیا۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو جہنم اور اُس کی ہولنا کیوں سے محفوظ رکھے گا۔
٢۔ جنتیوں کو ہر وہ نعمت عطا کی جائے گی جس کی وہ چاہت کریں گے۔
٣۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو قیامت کی ہولنا کیوں سے محفوظ فرمائیں گے۔
٤۔ جنتیوں کو ملائکہ ہر مقام پر سلام پیش کریں گے۔

تفسیر بالقرآن

ملائکہ کا ہر مقام پر جنتیوں کا استقبال کرنا:

١۔ جب فرشتے پاکباز لوگوں کی روحیں قبض کرتے ہیں تو انھیں سلام کہتے ہیں اور جنت کی خوشخبری دیتے ہیں۔(النحل:٣٢)
٢۔ فرشتے کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو تم نے صبر کیا آخرت کا گھر بہت ہی بہتر ہے۔(الرعد:٢٤)
٣۔ داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ آج تمھارے لیے داخلے کا دن ہے۔(ق:٣٤)
٤۔ فرشتے جب جنتیوں کے پاس جائیں گے تو انہیں سلام کہیں گے۔(الزمر:٨٩)
٥۔ اللہ کی توحید پر استقامت اختیار کرنے والوں پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور وہ انہیں خوشخبری دیتے ہوئے کہتے ہیں غم وحزن میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں تمہارے لیے جنت ہے جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔(حٰم السجدۃ:٣٠)

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ط

دن | ہم لپیٹیں گے | آسمان کو | لپیٹنے کی مانند | کاغذ | لکھے ہوئے

كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ط وَعْدًا عَلَيْنَا ط

جس طرح | ہم نے آغاز کیا تھا | پہلی | پیدائش | ہم لوٹائیں گے اس کو | وعدہ | ہمارے ذمے

اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ

بلاشبہ ہم | ہم ہیں | کرنے والے | اور البتہ تحقیق | ہم نے لکھا | میں | زبور

مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ

سے | بعد | نصیحت | بے شک | زمین | اس کے وارث ہوں گے | میرے بندے

الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

نیک | بلاشبہ | میں | اس | البتہ پیغام ہے | اس قوم کے لیے | عبادت کرنے والے ہیں

”وہ دن جب آسمان کو ہم یوں لپیٹ کر رکھ دیں گے جیسے لکھے ہوئے اوراق لپیٹ دیے جاتے ہیں۔ جس طرح پہلے ہم نے تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے۔ یہ وعدہ ہمارے ذمے ہے اور یہ کام ہمیں ہر حال میں کرنا ہے۔ (۱۰۴) اور ہم زبور میں نصیحت کرنے کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے۔ (۱۰۵) عبادت گزاروں کے لیے اس میں خوشی کا پیغام ہے۔“ (۱۰۶)

فہم القرآن

ربط کلام: جس دن بُروں کو سزا اور نیک لوگوں کو جزا دی جائے گی اس کی ابتداء اس طرح ہوگی۔

جب پہلا صور پھونکا جائے گا تب قیامت برپا ہو جائے گی۔ ہر چیز فنا اور ہر نفس ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد زمین و آسمان کو بدل دیا جائے گا اور آسمان کو تحریر شدہ کاغذات کی طرح لپیٹ دیا جائے گا۔ مخلوق کو اللہ تعالیٰ اُسی حالت میں کر دیں گے جس حالت میں پہلے تھی یعنی دنیا کی ہر چیز ختم کر دی جائے۔ اللہ تعالیٰ ایسا ضرور کرے گا کیونکہ اُس کا ارشاد ہے کہ یہ وعدہ ہے جسے ہم ضرور پورا کریں گے زمین کے وارث نیک اور صالح لوگ ہوں گے۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کی گئی، کتاب زبور میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔ زبور کا اس لیے ذکر ہے کہ انبیاء کرام میں حضرت داؤد علیہ السلام پہلے نبی ہیں جو بیک وقت نبی اور باضابطہ حکمران بنائے گئے تھے۔ اس میں اُن لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو اپنے رب کی غلامی اور بندگی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ قیامت کے دن آسمان کے لپیٹے جانے کی نوعیت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ البتہ الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے جس طرح کھلے کاغذات کو لکھنے والا اپنی تحریر سے فارغ ہونے کے بعد سلیقے کے ساتھ اُوپر، نیچے رکھ کر ایک دستے کی شکل دیتا ہے۔ یا بڑے کاغذات کو رول بنا کر رکھا جاتا ہے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسی انداز میں آسمانوں کو تہہ بہ تہہ جوڑ کر ایک طرف رکھ دیں۔ اُس کے بعد نیک لوگوں کو نئی زمین یعنی جنت کا وارث بنایا جائے گا۔ کچھ جدت پسندوں نے اس آیت کا من

ساختہ مفہوم لے کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ ”صَالِحُوْنَ“ سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا میں اقتدار سنبھالنے اور مستحکم نظام چلانے کے اہل ہوتے ہیں۔ وہی اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگ ہوتے ہیں اور انہیں ہی حکمران بنایا جاتا ہے۔ یہ ایسا معنیٰ ہے جو سراسر انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت اور اُن کی جدوجہد کے خلاف ہے۔ اگر اس سے مراد دنیا کا اقتدار لیا جائے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو وقت کے حکمرانوں کے ساتھ ٹکرانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیونکہ فرعون نمرود اور قریش مکہ سے بڑھ کر کس کا نظام مستحکم ہوسکتا ہے۔ جدت پسندوں کا استدلال اس لیے بھی حقیقت کے خلاف ہے کہ دنیا میں صالح لوگوں کو اقتدار خال خال ہی نصیب ہوا ہے۔ اس آیت کا حقیقی مفہوم اس کے سیاق وسباق کے حوالے سے بالکل واضح ہے کہ جب اس دنیا کو ختم کر کے ایک نئی دنیا معرضِ وجود میں لائی جائے گی تو اللہ تعالیٰ تبدیل شدہ زمین کا وارث نیک لوگوں کو بنائے گا۔ جسے جنت قرار دیا گیا ہے اور اسی کا جنتی شکرانے کے طور پر اظہار کریں گے۔ گویا کہ وہ یہ زمین نہیں بلکہ جنت کی زمین ہوگی۔

﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَاءُ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِیْنَ﴾ [الزمر:۷۴]

”وہ کہیں گے کہ خدا کا شکر ہے جس نے اپنے وعدے کو سچا کر دیا اور ہم کو اس زمین کا وارث بنا دیا، ہم جنت میں جس مقام میں چاہیں رہیں کتنا اچھا اجر ہے نیک عمل کرنے والوں کا۔“

کچھ مفسرین نے اس کا یہ بھی مفہوم لیا کہ زمین سے مراد جنت نہیں بلکہ یہ زمین ہے۔ جس میں ہم زندگی بسر کرتے ہیں۔ کچھ مفسروں نے اس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس جنت کا قرآن ذکر کرتا ہے وہ آسمان پر نہیں بلکہ زمین میں چھپا کر رکھی گئی ہے، یہ تصور بھی قرآن اور حدیث کے خلاف ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت اور جہنم کا مشاہدہ آسمانوں پر کروایا گیا تھا نہ کہ زمین پر۔ اللہ تعالیٰ جنت کا وارث صالح لوگوں کو بنائے گا۔ اس کے لیے ۱۰۵ آیت پیش کی جاتی ہے۔ جس کا بظاہر ان آیات کے ساتھ سیاق وسباق نہیں ملتا۔ تاہم اگر کوئی اس آیت سے مراد دنیا کی خلافت لیتا ہے تو صالح سے مراد صرف توحید کے قائل اور نماز، روزہ کرنے والے نیک لوگ نہیں بلکہ اس سے مراد وہ صالح لوگ ہیں جو دین کے انفرادی تقاضے پورے کرنے کے ساتھ اس کے اجتماعی تقاضے بالخصوص جہاد اور اتحاد کے تقاضے پورے کرنے والے ہوں گے۔

مسائل

۱۔ قیامت کے دن آسمانوں کو کاغذات کی طرح لپیٹ دیا جائے گا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ قیامت برپا کرنے کا وعدہ ہر صورت پورا کرے گا۔
۳۔ جنت کے وارث صرف صالح لوگ ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

جنت میں داخل ہونے والے حضرات کے اوصاف:

۱۔ اللہ کی توحید کا اقرار کر کے اس پر ڈٹ جاتے ہیں۔ (الاحقاف:۱۴، حم السجدۃ:۳۰)
۲۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں۔ (البقرۃ:۸۲)
۳۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ (النساء:۱۳) ۴۔ اللہ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔ (الرحمٰن:۴۶)

وَمَآ	اَرْسَلْنٰكَ	اِلَّا	رَحْمَةً	لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾
اور نہیں	ہم نے آپ کو بھیجا	مگر	رحمت	جہان والوں کے لیے

''اے نبی ہم نے آپ کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔'' (۱۰۷)

فہم القرآن

ربط کلام: نیک بندوں کو اقتدار دینے کی خوشخبری سُنانے کے بعد ایک عظیم ترین خوشخبری سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔ جس کا حقیقی احترام کرنے اور اس کے تقاضے پورے کرنے کے صلہ میں مسلمان پوری دنیا میں برسر اقتدار ہوئے اور ہونگے اور آخرت میں اپنے رب کی رحمتوں کے حقدار ٹھہریں گے۔

عقیدہ توحید کے دلائل کے جواب میں رسول معظم ﷺ کی بے مثال اور پر خلوص جدوجہد سے گھبرا کر کفار پروپیگنڈا کرتے تھے کہ اس شخص نے گھر گھر اختلاف پیدا کر کے ہمیں مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ اس کی وجہ سے دن کا سکون غارت ہوا اور ہمارے لیے راتوں کی نیند حرام ہوگئی ہے۔ اس شخص کی وجہ سے ہماری پریشانیوں میں اضافہ ہوا اور پورے کا پورا نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے۔ ان کے زہریلے پروپیگنڈہ کے جواب میں نبی اکرم ﷺ کی ذات اور پیغام کو پورے عالم کے لیے نعمت قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا وجود اہل مکہ کے لیے بھی رحمت کا باعث بنایا تھا۔ ارشاد فرمایا اے نبی ﷺ! اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ توحید و رسالت کی مخالفت اور اپنے جرائم کی وجہ سے اس مقام پر آ کھڑے ہوئے ہیں کہ انھیں ایک لمحہ کی تاخیر کیے بغیر تہس نہس کر دیا جائے۔ لیکن ہم ایسا اس لیے نہیں کرتے کیونکہ آپ اور استغفار کرنے والے مسلمان مکہ میں موجود ہیں۔ (الانفال: ۳۳)

آپ ﷺ کی ذات جانوروں کے لیے بھی باعث رحمت تھی:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ رضی اللہ عنہما أَرْدَفَنِی رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ خَلْفَهُ ذَاتَ يَوْمٍ فَأَسَرَّ إِلَيَّ حَدِيثًا لَا أُحَدِّثُ بِهِ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ وَكَانَ أَحَبُّ مَا اسْتَتَرَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِحَاجَتِهِ هَدَفًا أَوْ حَائِشَ نَخْلٍ قَالَ فَدَخَلَ حَائِطًا لِرَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَإِذَا جَمَلٌ فَلَمَّا رَأَى النَّبِيَّ ﷺ حَنَّ وَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ فَأَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ فَمَسَحَ ذِفْرَاهُ فَسَكَتَ فَقَالَ مَنْ رَبُّ هَذَا الْجَمَلِ لِمَنْ هَذَا الْجَمَلُ فَجَاءَ فَتًى مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ لِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ أَفَلَا تَتَّقِي اللّٰهَ فِي هَذِهِ الْبَهِيمَةِ الَّتِي مَلَّكَكَ اللّٰهُ إِيَّاهَا فَإِنَّهُ شَكَى إِلَيَّ أَنَّكَ تُجِيعُهُ وَتُدْئِبُهُ)) [رواہ ابوداود: باب مَا يُؤْمَرُ بِهِ مِنَ الْقِيَامِ عَلَى الدَّوَابِّ وَالْبَهَائِمِ]

''حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک دن مجھے اپنے پیچھے سوار کیا اور میرے ساتھ خاص گفتگو فرمائی جو میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ آپ ﷺ پردے کو پسند فرماتے تھے۔ جب آپ قضاء حاجت

کے لیے نکلتے آپ کسی اوٹ یا درختوں کے جھنڈ کا انتخاب فرماتے۔عبداللہ بن جعفر کہتے ہیں آپ ﷺ ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے آپ کو دیکھ کر ایک اونٹ بلبلایا اوراس کی آنکھیں بہہ نکلیں نبی ﷺ اس کے قریب گئے اس کی گردن پہ پیار کیا تو وہ چپ ہوگیا۔آپ نے فرمایا اس اونٹ کا مالک کون ہے یا فرمایا یہ اونٹ کس کا ہے؟ انصاری نوجوان نے آکرعرض کی یہ میرا اونٹ ہے آپ نے فرمایا تجھے اس کے بارے میں اللہ سے ڈرنا چاہیے جس کا تجھے اللہ نے مالک بنایا ہے۔اس نے میرے سامنے شکایت کی ہے کہ تو اسے کھلاتا تھوڑا اور کام زیادہ لیتا ہے۔“

آپ ﷺ مومنوں کے لیے بالخصوص رحمت ہیں:

﴿لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ [التوبہ:۱۲۸]

”(لوگو)تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے تمہاری تکلیف اس کوگراں گزرتی ہے وہ تمہاری بھلائی کا بہت خواہشمند ہے،اور مومنوں پر نہایت ہی شفقت کرنے والا اور مہربان ہے۔“

آپ ﷺ مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہیں:

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ اُن میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا وہ اُن پر اُس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور اُن کا تزکیہ نفس ہے،اُن کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔حالانکہ وہ اِس سے پہلے واضح طور پر گمراہ ہوچکے تھے۔“[ال عمران:۱۶۴]

تفصیل کے لیے قاضی سلیمان ؒ کی کتاب رحمت العالمین کا مطالعہ کریں۔

مسائل

۱۔ سرورِ دوعالم ﷺ کا وجودِ اطہر بھی لوگوں کے لیے اللہ کی رحمت کا باعث تھا۔

۲۔ آپ ﷺ کا پیغام اور نظام اقوام عالم کے لیے رحمت کی ضمانت دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

آپ ﷺ کی ذات اور پیغام قرآن کے آئینہ میں:

۱۔ ہم نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا۔(النساء:۷۹)

۲۔ ہم نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔(البقرۃ:۱۱۹)

۳۔ ہم نے آپ ﷺ کو جہانوں کے لے رحمت بنا کر بھیجا۔(الانبیاء:۱۰۷)

۴۔ اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو شاہد،مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا۔(الاحزاب:۴۵)

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ

فرمادیجیے — صرف — وحی کی جاتی ہے — میری طرف — بلاشبہ — تمھارا معبود — معبود

وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٨﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا

ایک ہی — پھر کیا — تم — فرمانبرداری کرنے والے ہو؟ — چنانچہ اگر — وہ منہ موڑلیں

فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَ اِنْ اَدْرِيْۤ اَقَرِيْبٌ

تو فرمادیجیے — میں نے تمھیں خبردار کردیا — پر — برابری — اور نہیں — میں جانتا — آیا قریب ہے

اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿١٠٩﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ

یا — بعید — وہ جو — تم وعدہ دیے جاتے ہو؟ — بے شک وہ — وہ جانتا ہے — پکار

مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿١١٠﴾

سے — بات — اور وہ جانتا ہے — جو — تم چھپاتے ہو

''ان سے فرمادیں کہ میرے پاس جو وحی آتی ہے اس کا پیغام یہ ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے بتاؤ کیا کہ تم تسلیم کرتے ہو؟ (۱۰۸) اگر وہ منہ پھیریں تو فرمادیں کہ میں نے واضح طور پر تمہیں خبردار کردیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے قریب ہے یا دور۔ (۱۰۹) اللہ وہ باتیں بھی جانتا ہے جو بلند آواز میں کہی جاتی ہیں اور وہ بھی جو تم چھپا کر کرتے ہو۔'' (۱۱۰)

فہم القرآن

ربط کلام: رسولِ کریم ﷺ کی ذات کو رحمتِ عالم قرار دینے کے بعد آپ کی آمد کا بنیادی اور مرکزی مقصد بیان کیا گیا ہے۔

اسی سورۃ کی آیت ''۲۵'' میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سے پہلے جتنے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ انھیں یہی حکم صادر فرمایا تھا کہ وہ لوگوں کو بتلائیں اور سمجھائیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہاں نبی اکرم ﷺ کو براہِ راست یہ حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں کو بتلائیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کے ذریعے حکم دیا ہے کہ میں لوگوں کو بتلاؤں اور سمجھاؤں کہ لوگو! تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے کیا تم اس کے تابعدار ہونے کے لیے تیار ہو؟ اگر تم عقیدہ توحید ماننے اور اللہ تعالیٰ کی تابعداری سے انکار کرتے ہو تو پھر جان لو کہ میں نے تمھیں پوری طرح آگاہ کردیا ہے۔ ہاں جس عذاب اور قیامت کا تمھیں وعدہ دیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا دور۔ اللہ تعالیٰ اس کی آمد کو اچھی طرح جانتا ہے وہ یہ بھی جانتا ہے جو بات سرِ عام کرتے ہو یا جس کو تم چھپاتے ہو۔ نبی اکرم ﷺ کو رحمتِ عالم قرار دینے کے بعد عقیدہ توحید کا اس لیے ذکر کیا گیا کہ لوگوں کو یہ بتلایا جائے کہ بے شک آپ ﷺ رحمت عالم ہیں لیکن آپ کی نبوت کے

اِلٰی	وَ مَتَاعٌ	لَّكُمْ	فِتْنَةٌ	لَعَلَّهٗ	اَدْرِیْ	وَ اِنْ
تک	اور فائدہ اُٹھانا	تمھارے لیے	آزمائش	شاید کہ وہ	میں جانتا	اور نہیں

الرَّحْمٰنُ	وَرَبُّنَا	بِالْحَقِّ ؕ	اُحْكُمْ	رَبِّ	قٰلَ	حِیْنٍ ﴿۱۱۱﴾
نہایت مہربان ہے	اور ہمارا رب	حق کے ساتھ	تو فیصلہ فرما	میرے رب!	اس نے کہا	وقت

تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾	مَا	عَلٰی	الْمُسْتَعَانُ
تم بیان کرتے ہو	جو	پر	وہ جس سے مدد طلب کی جاتی ہے

ع ۱۹ نصف

’’میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ شاید یہ تمہارے لیے ایک آزمائش ہے اور تمہیں کچھ مدت مزید فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جارہا ہے۔(۱۱۱) رسول نے کہا اے میرے رب حق کے ساتھ فیصلہ کردے اور لوگو! تم باتیں بناتے ہو ان کے مقابلے میں ہمارا رب رحمان ہے اور وہ ہمارے لیے مددگار ہے۔‘‘(۱۱۲)

حوالے سے رب کریم کی رحمت کا وہی شخص مستحق ہوگا جو آپ کی دعوت یعنی عقیدہ توحید کو قبول کرکے عملاً اللہ تعالیٰ کی تابعداری کرے گا۔ آپ کی نبوت اسی باعث ہی جہانوں کے لیے حقیقی اور دائمی رحمت ہے اور یہی آپ کی نبوت کا پیغام ہے اور یہی آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی دعوت ہوا کرتی تھی۔ اسی دعوت کی کفار مخالفت کیا کرتے تھے۔ آپ نے لوگوں کو اسی بات کا احساس دلایا اگر تم نے اللہ کی توحید اور میری اطاعت کا انکار کیا تو قیامت کے دن ہر صورت پکڑے جاؤ گے۔ کفار اس بات کو مثبت انداز میں لینے کی بجائے منفی طور پر لیتے اور آپ کو طعنہ کے طور پر کہتے جس عذاب اور قیامت سے ہمیں ڈرایا جاتا ہے وہ کب آئے گی؟ اس سوال کے قرآن مجید میں مختلف جواب دیے گئے ہیں۔ یہاں فقط یہ جواب دیا ہے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ عذاب اور قیامت کب آئے گی۔ جو کچھ تم کہتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو اسے بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

یہاں تک قیامت یا عذاب کا معاملہ ہے اس کے بارے میں میں نہیں جانتا کہ قیامت یا عذاب کب آئے گا تاہم یہ حقیقت ہے کہ حق کی مخالفت میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو مہلت دے رکھی ہے وہ تمہارے لیے ایک آزمائش کی حیثیت رکھتی ہے۔ تم اس وقت تک ہی اس سے فائدہ اٹھاسکتے ہو جب تک اس کا حکم صادر نہیں ہوتا۔ اس جواب کے بعد نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے یہ دعا سکھلائی گئی کہ اے نبی آپ اور اپنے ساتھیوں کے لیے ان الفاظ میں اپنے رب کی نصرت مانگتے رہیں کہ اے ہمارے رب جو کچھ لوگ حق اور ہمارے بارے میں کہتے ہیں اس پر ہماری مدد فرما۔ ہمارے اور ہمارے مخالفوں کے درمیان حق اور سچ کے ساتھ فیصلہ فرما کیونکہ تو مظلوموں پر شفقت کرنے والا اور کمزوروں کی مدد کرنے والا ہے۔ طائف میں آپ ﷺ نے ان الفاظ میں دعا کی:

((اَللّٰھُمَّ إِلَیْكَ أَشْكُوْ ضَعْفَ قُوَّتِیْ، وَقِلَّةِ حِیْلَتِیْ، وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ، یَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ، أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ، وَأَنْتَ رَبِّیْ، إِلٰی مَنْ تَكِلُنِیْ ؟ إِلٰی بَعِیْدٍ یَتَجَھَّمُنِیْ ؟ أَمْ إِلٰی عَدُوٍّ مَلَّكْتَهٗ أَمْرِیْ ؟ إِنْ لَّمْ

یَکُنْ بِكَ عَلَیَّ غَضَب فَلَا أُبَالِیْ، وَلٰکِنْ عَافِیَتُكَ هِیَ أَوْسَعُ لِیْ، أَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتِ، وَصَلُحَ عَلَیْهِ أَمْرَ الدُّنْیَا وَالآخِرَةُ مَنْ أَنْ تُنَزِّلَ بِیْ غَضْبُكَ، أَوْ یَحِلُّ عَلَیَّ سَخَطُكَ، لَكَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بكَ))[الرحیق المختوم]

”اے اللہ میں اپنی کمزوری، وسائل کی کمی کا اور لوگوں کے مقابلے میں کمزور ہونے کی تیرے حضور فریاد کرتا ہوں۔ اے رحم کرنے والے، آپ کمزوروں کے رب ہیں اور آپ میرے بھی رب ہیں تو مجھے کس کے سپرد کرتا ہے دوری کی طرف جو مجھے غصہ میں مبتلا کردے یا دشمن کی طرف جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنایا اگر تو مجھ پر ناراض نہیں تو مجھے کسی کی پرواہ نہیں لیکن تیری عافیت مجھے درکار ہے میں پناہ چاہتا ہوں تیرے چہرے کے نور سے جس کے ساتھ تو نے اندھیروں کو جلا بخشی اور اسی کے ساتھ دنیا اور آخرت کا معاملہ درست ہوا۔ اس چیز سے کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو۔ یا تیری مجھ پر ناراضگی حلال ہو۔ تیرے ہی لیے دونوں جانب ہیں یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے تیری توفیق کے بغیر نیکی کی طاقت اور گناہوں سے بچا نہیں جا سکتا۔“

مسائل

۱۔ نبی اکرم ﷺ کی نبوت کا مقصد اللہ کی توحید سے لوگوں کو آگاہ کرنا ہے۔
۲۔ نبی کا کام لوگوں کو اچھے برے انجام سے آگاہ کرنا ہے۔
۳۔ نبی اکرم ﷺ کو بھی معلوم نہ تھا کہ قیامت کب آئے گی۔
۴۔ اللہ تعالیٰ ہر کھلی اور چھپی بات کو جانتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ غائب اور حاضر کو جانتا ہے اس کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا:

۱۔ اللہ ظاہر اور غائب کو جانتا ہے۔ (التوبۃ:۹۴)
۲۔ اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ (النحل:۱۹)
۳۔ تم اپنی بات کو پوشیدہ رکھو یا ظاہر کرو اللہ سینوں کے بھید جانتا ہے۔ (الملک:۱۳)
۴۔ اللہ کے لیے برابر ہے جو انسان چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہیں۔ (الرعد:۱۰)
۵۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ غائب اور حاضر کو جانتا ہے۔ (الحشر:۲۲)
۶۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے؟ (البقرۃ:۷۷)
۷۔ اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔ (الانعام:۵۹)
۸۔ اللہ آسمانوں وزمین کے رازوں سے واقف ہے۔ (الفرقان:۶)

سورۃ حج کا تعارف

ربط سورۃ: سورۃ الانبیاء کا اختتامی مضمون قیامت کی ہولناکیاں تھا جن سے بچنے کے لیے توحید ورسالت کے تقاضے پورے کرنا لازم ہے۔سورۃ حج میں اسی مضمون کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اس سورۃ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے حج کا اعلان ہوا جس بنا پر اس کا نام الحج ہے جو آیت ۲۷ سے لیا گیا ہے۔ اس کے 10 رکوع 78 آیات ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے اے لوگو! قیامت کے دن سے ڈرو جس دن عظیم زلزلہ برپا ہوگا۔حالت یہ ہوگی کہ لوگ مدہوش دکھائی دیں گے اور حاملہ اپنا حمل پھینک دے گی۔ حالانکہ لوگوں نے کوئی نشہ نہیں پیا ہوگا۔یہ صرف اس بنا پر ہوگا کہ اس دن ''اللہ'' کی گرفت بہت سخت ہوگی۔

جو لوگ قیامت کے دن جی اٹھنے کا انکار کرتے ہیں انہیں اس دن کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔جہاں تک جی اٹھنے کا تعلق ہے انسان اخلاص کے ساتھ اپنی پیدائش کے مختلف مراحل پر غور کرے تو اسے یقین ہو جائے گا کہ جس طرح مجھے عدم سے وجود بخشا گیا ہے اسی طرح مجھے مٹی سے نکال لیا جائے گا۔پھر انسان اپنے آس پاس پھیلی ہوئی خشک اور سخت زمین پر غور کرے کہ اللہ تعالیٰ بارش کے بعد اس میں کس طرح سبزہ پیدا کرتا ہے۔جس طرح مٹی میں پڑے ہوئے بیج کو کونپل کی شکل میں نکال لیا جاتا ہے، اسی طرح انسان کو قبر سے اٹھایا جائے گا۔

جو انسان قیامت کے دن کا انکار کرتا ہے دراصل وہ اپنے رب سے جھگڑتا ہے۔جھگڑنے کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت قائم ہوگی وہ کہتا ہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی۔ایسے لوگ محض دنیا کے فائدے کی خاطر اپنے رب کی عبادت اور نیکی کے کام کرتے ہیں۔فائدہ ہو تو رب کی عبادت میں لگے رہے اور اسلام، اسلام کہنا شروع کر دیا۔آزمائش آئی تو بھاگ کھڑے ہوئے یہ لوگ ناقابلِ تلافی نقصان پائیں گے۔یہ بھی وضاحت کر دی گئی کہ لوگ اپنے رب کی بندگی کریں یا نہ کریں۔اسے بندوں کی عبادت کی کوئی پروا نہیں کیونکہ زمین وآسمانوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ سب کے سب اپنے رب کی بندگی میں لگے ہوئے اور اس کے حضور سربسجود ہوتے ہیں۔اس کے ساتھ یہ بات بھی بتلا دی گئی کہ رب کی عبادت سے انکار کرنے والوں کو جہنم میں جھونکا جائے گا اور عبادت گزاروں کو جنت میں قیام بخشا جائے گا۔اہلِ مکہ بیت اللہ کے پڑوسی ہونے کے باوجود اپنے رب کی وحدت اور عبادت کے منکر ہیں۔انہیں سوچنا چاہیے کہ مکہ کا قیام، مقام اور آرام تو بیت اللہ کا مرہون منت ہے۔جسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کی عبادت کرنے اور اس کی وحدت کے پرچار کے لیے بنایا تھا۔اسی لیے انہوں نے اپنے رب کے حضور قربانی پیش کی تھی۔اے مکہ کے باسیو! تم دین ابراہیم کا دعویٰ کرنے کے باوجود رب کی توحید کا

انکار کرتے ہو ذرا سوچو اور غور کرو۔

اے اہلِ مکہ تمہاری حالت یہ ہے کہ تم نبی ﷺ اور مسلمانوں پر اس لیے ظلم پر ظلم کیے جا رہے ہو کہ یہ تمہیں اس گھر کے رب کی طرف بلاتے ہیں۔ تم حقیقت تسلیم کرنے کی بجائے لڑنے مرنے پر تیار ہو چکے ہو۔ لہٰذا اب مسلمانوں کو اجازت دی جاتی ہے کہ وہ تمہارے مقابلے میں قتال کے لیے کھڑے ہو جائیں یہ اجازت اس لیے دی گئی ہے کہ اگر ظالموں کے مقابلے میں مسلمانوں اور مظلوموں کو اجازت نہ دی جاتی تو دنیا کا نظام ختم ہو کر رہ جائے۔

سورۃ کے آخر میں توحید کے ٹھوس دلائل دیئے گئے ہیں اور دوٹوک انداز میں بتلایا گیا ہے کہ ہر چیز کا اللہ ہی خالق اور مالک ہے، وہی موت و حیات پر اختیار رکھنے والا ہے۔ جو لوگ اس کے سوا دوسروں کا حکم مانتے اور ان کی بندگی کرتے ہیں۔ ان کے پاس اس فکر و عمل کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ ان کا عقیدہ ظلم پر مبنی ہے جس کا یہ لوگ پرچار کرتے ہیں۔ قیامت کے دن ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ اے لوگو! تمہارے سامنے ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے پوری توجہ سے سنو۔ جنہیں تم ''اللہ'' کے سوا پکارتے ہو وہ سب کے سب جمع ہو کر ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے۔ مکھی پیدا کرنا تو درکنار اگر مکھی کوئی چیز اٹھا کر لے جائے تو یہ اس سے واپس نہیں لے سکتے۔ پکارنے والے اور جنہیں پکارا جاتا ہے سب کے سب کمزور ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کفار اور مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی اس طرح قدر نہیں کی جس طرح ''اللہ'' کی قدر کرنے کا حق تھا۔

آخر میں مومنوں کو ہدایات دی گئی ہیں کہ اپنے رب کے حضور رکوع و سجود کرو اور اس کی بندگی میں لگے رہو، اور اس کے راستے میں جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے جہاد جاری رکھو۔ اس نے تمہارے دین میں کوئی نقص نہیں چھوڑا یہی ملت ابراہیم ہے۔ ''اللہ'' نے پہلی کتب اور اس قرآن میں تمہارا نام مسلم رکھا ہے، تمہیں اور الرّسول ﷺ کو لوگوں پر گواہ ٹھہرایا ہے۔ بس نماز قائم رکھنا، زکوٰۃ ادا کرتے رہنا۔ اپنے ''اللہ'' کے ساتھ وابستہ رہنا، وہی تمہارا خیر خواہ اور کارساز ہے۔ اس سے بہتر کوئی تمہاری مدد کرنے والا اور کارساز نہیں ہوگا۔

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا:١٠ اٰيَاتُهَا:٧٨

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے

السَّاعَةِ	زَلْزَلَةَ	اِنَّ	رَبَّكُمْ ج	اتَّقُوْا	النَّاسُ	يٰاَيُّهَا
قیامت	زلزلہ	بے شک	اپنے رب سے	تم ڈرو	لوگو!	اے

عَظِيْمٌ ①	شَيْءٌ
بہت بڑی	چیز

''لوگو! اپنے رب سے ڈرو حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑا ہولناک ہے۔''(١)

فہم القرآن

ربط کلام: سورۃ الانبیاء کا اختتام قیامت کے ذکر پر ہوا اس سورۃ کی ابتداء قیامت کی ہولنا کیوں کے ذکر سے کی جا رہی ہے۔

اے لوگو! اپنے رب سے ڈر جاؤ اور یقین کرو کہ قیامت کا زلزلہ بڑا عظیم تر زلزلہ ہوگا۔ قیامت کا زلزلہ انسان کے تصورات سے ماوراء ہے لیکن اس کا ہلکا سا اندازہ کرنے کے لیے غور فرمائیں کہ اگر فضا میں اُڑنے والے دو طیارے آپس میں آمنے سامنے ٹکرا جائیں یا ریل گاڑیوں کا باہم ٹکراؤ ہو جائے تو یہ حادثہ کس قدر خوفناک اور دھما کہ خیز ہوگا۔ یہ حقیقت قریب قریب آشکارا ہو چکی ہے کہ زمین، سورج، چاند، تارے اور سیارے اپنے اپنے مدار اور فضا میں اپنی اپنی رفتار کے ساتھ چل رہے ہیں۔ صرف زمین اور چاند کی رفتار کا اب تک جو اندازہ ہوا ہے کہ چوبیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے فضا میں دوڑ رہے ہیں۔ غور فرمائیں کہ جب اسرافیل کے پہلا صور پھونکنے پر ان کے درمیان ٹکراؤ ہوگا تو زمین و آسمان پہاڑوں اور دریاؤں کی کیا کیفیت ہوگی۔ اس آیت کی تفسیر بالقرآن سے اس حادثہ کا کچھ نہ کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اس عظیم زلزلہ سے یہ کہہ کر آگاہ کیا ہے کہ لوگو! اپنے رب سے ڈر جاؤ۔ اس سے ڈرنے کا معنٰی شرک و بدعت سے بچ کر اپنے رب کی تابعداری کرنا ہے یہی انسان کی دانشمندی کی دلیل ہے۔

قیامت اس قدر اچانک اور ہولناک ہوگی اُس دن دودھ پلانے والی اپنے بچے کو پھینک دے گی اور حاملہ عورت کا حمل گر جائے گا۔ لوگ مدہوش ہوں گے حالانکہ انھوں نے کسی قسم کا نشہ نہیں کیا ہوگا۔ ماں کا بچہ پھینکنا، حاملہ کا اپنا حمل گرا دینا اور لوگوں کا مدہوش جانا اس لیے ہوگا کیونکہ اُس دن اللہ کا عذاب اور عتاب بہت سخت ہوگا۔ قیامت کے دن سورج ایک میل کے فاصلہ پر ہوگا۔ زمین تانبے کی طرح تپ رہی ہوگی۔ لوگ اپنے اپنے پسینے میں شرابور اور بعض لوگ اپنے پسینے میں ڈبکیاں لے رہے ہوں گے سب برہنہ ہوں گے۔ رب ذوالجلال کے عتاب اور عذاب کی وجہ سے کوئی ترچھی آنکھ سے بھی کسی کو دیکھنے کی جرأت نہیں کرے گا یہ دن پچاس ہزار سال پر محیط ہوگا۔ اس کا وہ مرحلہ سب سے سخت ہوگا جب رب ذوالجلال آدم علیہ السلام کو کھڑا کر کے حکم دیں گے کہ آدم اپنی اولاد میں سے نو سو ننانوے کو جہنم کے لیے الگ کر لو۔ اس وقت بڑے بڑے انبیاء کرام علیہم السلام اور صلحاء نفسی، نفسی کی صدائیں بلند کر رہے ہوں گے۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس مرحلہ کا ذکر کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بے انتہا

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ

دن تم اسے دیکھو گے بھول جائے گی ہر دودھ پلانے والی اسے اس نے دودھ پلایا تھا

وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ

اور وہ گرا دے گی ہر والی حمل اپنا حمل اور آپ دیکھیں گے لوگ

سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝

نشے میں اور نہیں وہ نشے میں اور لیکن عذاب اللہ شدید

”اس دن تم دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو پھینک دے گی ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور تمہیں لوگ مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہوگا۔“ (۲)

خوفزدہ ہوئے۔ آپ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ نوسو ننانوے تم میں سے نہیں بلکہ یاجوج ماجوج میں سے ہوں گے۔

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ بوڑھے ہوئے جا رہے ہیں آپ نے فرمایا سورۃ ھود، واقعہ، مرسلات، عم یتساءلون اور سورۃ تکویر نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔“ [رواہ الترمذی: باب وَمِنْ سُوْرَةِ الْوَاقِعَةِ]

”حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا عقل مند وہ ہے جس نے موت کے بعد کی زندگی کے لیے نیک عمل کیے اور نادان وہ ہے جس نے اپنے آپ کو اپنی خواہشات کے تابع کر لیا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے امید رکھے ہوئے ہے۔“ [رواہ الترمذی: باب الکیس من دان نفسہ]

مسائل

۱۔ قیامت کا دن بہت ہی شدید تر ہوگا۔ ۲۔ جب قیامت برپا ہوگی تو ماں اپنے بچے کو اپنی چھاتی سے چھڑا کر زمین پر پھینک دے گی۔
۳۔ حاملہ کا حمل گر جائے گا اور لوگ خوف کے مارے مدہوش دکھائی دیں گے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کی ہولناکیوں کی ایک جھلک:

۱۔ قیامت کا زلزلہ بہت بڑا ہوگا۔ (الحج: ۱)
۲۔ قیامت کے دن ہر حاملہ اپنا حمل گرا دے گی اور دودھ پلانے والی اپنا بچہ چھاتی سے پھینک دے گی۔ (الحج: ۲)
۳۔ قیامت کے دن زمین میں زلزلہ ہوگا۔ (الواقعہ: ۳) ۴۔ لوگ اڑتے ہوئے پتنگوں کی طرح ہو جائیں گے۔ (القارعۃ: ۴)
۵۔ پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑنے لگیں گے۔ (القارعۃ: ۵) ۶۔ قیامت کے دن لوگ بے ہوش دکھائی دیں گے۔ (الحج: ۲)
۷۔ اس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی طرح ہو جائیں گے۔ (المزمل: ۱۴)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ

اور سے | لوگ | جو | وہ جھگڑا کرتے ہیں | میں | اللہ | بغیر

عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝٣ كُتِبَ

علم | اور وہ اتباع کرتے ہیں | ہر | شیطان | سرکش | لکھ دیا گیا

عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَ

اس پر | کہ بے شک | جو کوئی | اس سے دوستی کرے گا | تو بے شک وہ | اس کو وہ گمراہ کردے گا | اور

يَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝٤

اس کی وہ رہنمائی کرے گا | طرف | عذاب | جہنم

''بعض لوگ ایسے ہیں جو علم کے بغیر اللہ کے بارے میں بحثیں کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔(٣) حالانکہ اس کے بارے میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ جو اسے دوست بنائے گا اسے وہ گمراہ کرکے چھوڑے گا اور عذاب جہنم کا راستہ دکھائے گا۔''(٤)

فہم القرآن

ربط کلام: لوگوں کا قیامت کے انکار اور اس کے احتساب سے نہ ڈرنے کی بڑی وجہ۔

جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات کا انکار کرتا ہے۔ تو ایسے شخص کو جس قدر سمجھایا جائے وہ اپنے کفر و شرک پر ڈٹا رہتا ہے۔ جس کی وجہ جہالت اور ہٹ دھرمی ہوا کرتی ہے۔ ایسے آدمی سے کوئی ایک گناہ سرزد نہیں ہوتا بلکہ اس سے ہر گناہ اور جرم کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی اتباع کے راستے سے ہٹ جاتا ہے۔ وہ جدھر منہ پھیرتا ہے شیطان اُسے اسی طرف ہی لیے پھرتا ہے۔ شیطان کے بارے میں یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ جس نے اُس کے ساتھ ناطہ جوڑا شطیان اُسے گمراہ کردے گا اور اُسے جہنم کی طرف دھکیل دے گا۔ اسی بات کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص رسول کی مخالفت پر اتر آئے اور مومنوں کے راستہ کو چھوڑ دے حالانکہ اُس کے لیے ہدایت واضح کردی گئی۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ اُسی طرف پھیر دیتا ہے جدھر وہ چلنا چاہتا ہے۔ اُس کے لیے جہنم تیار کی گئی ہے جو رہنے کے لیے بدترین جگہ ہے۔(النساء:١١٥)

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑنے والا شخص حقیقی علم سے تہی دامن ہوتا ہے۔

٢۔ جس شخص نے شیطان سے ناطہ جوڑا وہ گمراہ ہوا۔ شیطان اُسے جہنم رسید کر کے چھوڑے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ

اے لوگو! اگر ہو تم میں شک سے

الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ

وہ دوبارہ جی اُٹھنے بلاشبہ ہم نے تمھیں پیدا کیا سے مٹی پھر سے

نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ

نطفے پھر سے جمے ہوئے خون پھر سے گوشت کالوتھڑا

مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي

شکل وصورت والا اور غیر شکل وصورت والا تاکہ ہم واضح کریں تمھارے لیے اور ہم ٹھہراتے ہیں میں

”لوگو اگر تمہیں زندگی کے بعد موت کے بارے میں شک ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے پھر نطفے سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر گوشت سے جو بوٹی کامل اور ناقص بھی تاکہ تم پر حقیقت واضح کریں کہ ہم جس نطفے کو چاہتے ہیں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔

فہم القرآن

ربط کلام: قیامت قائم ہونے کا ثبوت آدمی کی تخلیق اور زمین سے اُگنے والی نباتات میں موجود ہے۔

قیامت کا انکار کرنے والا حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی سزا اور جزا کا انکار کرتا ہے۔ قیامت کا انکار کرنے والا فکری طور پر نادان ہوتا ہے جس بنا پر اسے احساس ہی نہیں رہتا کہ جس رب نے مجھے پہلی دفعہ پیدا کیا ہے اس کے لیے دوسری دفعہ پیدا کرنا کس طرح مشکل ہوگا ہے؟ اسی بات کو یہاں ایک ٹھوس دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اے لوگو! اگر تمھیں دوبارہ جی اُٹھنے کے بارے میں شک ہے تو غور کرو ہم نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر تمھاری تخلیق کا ایک نطفے سے آغاز کیا، پھر وہ نطفہ جما ہوا خون بنتا ہے۔ اس کے بعد گوشت کے لوتھڑے کی شکل اختیار کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اُس لوتھڑے سے انسان کا وجود اور شکل وصورت بناتا ہے اور کبھی شکل وصورت بننے سے پہلے ہی اس کا وجود ختم کر دیتا ہے۔ یہ حقیقت تمھارے لیے اس لیے بیان کی جاتی ہے تاکہ تم اپنے خالق کا اعتراف کرو۔ تم میں جس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اُسے مقررہ معیاد تک اُس کی ماں کے رحم میں رکھتا ہے۔ پھر اُسے نومولود کی صورت میں پیدا کرتا ہے۔ پھر اسے جوان کرتا ہے کچھ کو جوانی سے پہلے فوت کر لیتا ہے اور کچھ تم میں سے ارذل العمر کو پہنچ جاتے ہیں۔ جو بہت کچھ جاننے کے باوجود سب کچھ فراموش کر بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح بے آباد زمین کی مثال ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس پر بارش برساتا ہے تو وہ شاداب اور ہری بھری دکھائی دیتی ہے اور ہر چیز بارش سے نمود پاتی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات برحق اور اس کا فرمان سچا ہے۔ کہ وہ زندہ کرنے والا اور موت دینے والا ہے

الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ

رحموں جو ہم چاہتے ہیں تک ایک وقت مقررہ پھر ہم تمھیں نکالتے ہیں

طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ

بچہ پھر تاکہ تم پہنچو تم اپنی جوانی اور بعض تم میں سے جو

يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ

فوت کردیے جاتے ہیں اور تم میں سے جو وہ لوٹائے جاتے ہیں طرف ناکارہ عمر

لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَتَرَى

تاکہ نہ وہ جانے کے بعد جاننے کچھ اور آپ دیکھتے ہیں

ایک خاص وقت تک رحموں میں پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکالتے ہیں تاکہ تم جوان ہو جاؤ اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے اور کوئی ناکارہ عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر نہ جان سکے اور تم دیکھتے ہو

اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اس آیت مبارکہ میں موت کے بعد زندہ ہونے کے دو ایسے دلائل دیے گئے ہیں۔ جس سے ہر آدمی کو واسطہ پڑتا ہے۔ کسے معلوم نہیں؟ کہ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔ لوگو! تم اُسی کی اولاد ہو۔ اس لیے بنیادی طور پر تم سب مٹی کی پیداوار ہو۔ دوسری اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ انسان کی زندگی کا دارومدار مٹی کے ساتھ ہے۔ انسان کی رہائش، چلنا پھرنا، اُٹھنا، بیٹھنا لیٹنا یہاں تک کہ ہر انسان نے مٹی میں دفن ہونا ہے۔ بے شک وہ ڈوب کر مرے یا جل کر راکھ ہو جائے۔ بالآخر پانی اور راکھ بھی تو مٹی کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ جہاں تک انسان کی خوراک اور اس کی پیدائش کے مراحل ہیں اُس سے ہر شخص آگاہ ہے۔ بے آباد زمین اور بارش کی مثال دے کر یہ حقیقت ثابت کی گئی ہے کہ غور فرمائیں! کہ جس زمین اور صحرا، کے بارے میں آدمی سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ اب اسے کس طرح زندگی اور شادابی حاصل ہوگی۔ جونہی بارش ہوتی ہے تو سراب کی طرح چمکنے والا صحرا، سبزے کی چادر لپیٹ لیتا ہے اور ہر طرف قلب کو سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈا کر دینے والا منظر پیش کرتا ہے۔ نباتات میں کچھ ایسے پودے بھی ہوتے ہیں۔ جن کا بیج لمبی مدت تک زمین میں دفن رہتا ہے۔ بارش پر بارش ہونے کے باوجود اُگنے کا نام نہیں لیتا لیکن جب اُس کے اُگنے کا وقت آتا ہے تو پھر وہ معمولی بارش سے بھی زمین کی سطح پر نمودار ہو جاتا ہے۔ یہی انسان کی موت کے بعد زندہ ہونے کی مثال ہے کہ صدیوں سے مرے ہوئے انسانوں کو اللہ تعالیٰ جب اُٹھانا چاہے گا تو قیامت برپا کرنے کا حکم ہوگا اور ہر کوئی اُٹھ کر محشر کے میدان میں پہنچ جائے گا۔ کیونکہ اللہ ہی موت وحیات پر اختیار رکھنے والا ہے۔ اس کی ذات سچ اور قیامت برپا کرنے کے بارے میں اس کا فرمان برحق ہے۔ وہ لوگوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ قَدْ أَذْهَبَ اللّٰهُ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالآبَاء

الْاَرْضَ	هَامِدَةً	فَاِذَآ	اَنْزَلْنَا	عَلَيْهَا	الْمَآءَ	
زمین	خشک	پھر جب	ہم اتارتے ہیں	اس پر	پانی	
اهْتَزَّتْ	وَرَبَتْ	وَاَنْۢبَتَتْ	مِنْ	كُلِّ	زَوْجٍۭ	بَهِيْجٍ ۝
وہ لہلہاتی ہے	اور ابھرتی ہے	اور وہ اگاتی ہے	سے	ہر	قسم	خوش نما چیزیں
ذٰلِكَ	بِاَنَّ	اللّٰهَ	هُوَ	الْحَقُّ	وَاَنَّهٗ	يُحْيِ
یہ	بسبب اس کے کہ بے شک	اللہ	ہی	حق ہے	اور بلاشبہ وہی	وہ زندہ کرتا ہے
الْمَوْتٰى	وَاَنَّهٗ	عَلٰى	كُلِّ	شَيْءٍ	قَدِيْرٌ ۝	
مردوں	اور بے شک وہی	پر	ہر	چیز	خوب قادر	

کہ زمین خشک ہوتی ہے پھر ہم نے اس پر بارش برسائی کہ یکا یک وہ اُبھرتی اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم کی خوش نما نباتات اگلنی شروع کردی۔(۵) یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘(٦)

مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ وَالنَّاسُ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ))[رواہ الترمذی:باب فِي فَضْلِ الشَّأْمِ وَالْيَمَنِ]

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں جاہلیت کا تکبر اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے سے منع کیا ہے، مؤمن متقی ہوتا ہے اور فاجر بدبخت ہوتا ہے۔تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔‘‘

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ وَرَفَعَ الْحَدِيثَ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ وَكَّلَ بِالرَّحِمِ مَلَكًا فَيَقُولُ أَيْ رَبِّ نُطْفَةٌ أَيْ رَبِّ عَلَقَةٌ أَيْ رَبِّ مُضْغَةٌ فَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَقْضِيَ خَلْقًا قَالَ قَالَ الْمَلَكُ أَيْ رَبِّ ذَكَرٌ أَوْ أُنْثَى شَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ فَمَا الرِّزْقُ فَمَا الْأَجَلُ فَيُكْتَبُ كَذَلِكَ فِي بَطْنِ أُمِّهِ))[رواہ مسلم :باب كَيْفِيَّةِ الْخَلْقِ الآدَمِيِّ فِي بَطْنِ أُمِّهِ وَكِتَابَةِ رِزْقِهِ وَأَجَلِهِ وَعَمَلِهِ وَشَقَاوَتِهِ وَسَعَادَتِهِ]

’’حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے رحم میں ایک فرشتہ مقرر کیا ہے وہ کہتا ہے اے میرے رب! یہ نطفہ ہے اے میرے رب! گوشت کا لوتھڑا جب اللہ تعالیٰ کسی کی تخلیق کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے اے میرے رب مذکر یا مؤنث بدبخت یا نیک اس کا رزق کتنا اور اس کی عمر کتنی ہے۔اسی طرح سب کچھ انسان کی ماں کے پیٹ میں لکھ دیا جاتا ہے۔‘‘

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَدْعُو أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْكَسَلِ، وَأَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَعَذَابِ الْقَبْرِ، وَفِتْنَةِ الدَّجَّالِ، وَفِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ))[رواہ البخاری:باب قَوْلِهِ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ

إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ]

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے اے اللہ! میں بُخیلی، سستی، رذیل عمر، عذاب قبر، دجال کے فتنے اور زندگی اور موت کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔“

مسائل

١۔ اللہ ہی انسان کو پیدا کرنے اور اس کی شکل وصورت بنانے والا ہے۔
٢۔ اللہ ہی زمین سے انگوریاں اُگاتا ہے۔
٣۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کو اپنی منشاء کے مطابق زندگی عطا فرماتا ہے۔
٤۔ قیامت کے متعلق شک وشبہ میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

انسانی تخلیق کے مختلف مراحل:

١۔ انسان کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا۔ (آل عمران: ٥٩)
٢۔ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا۔ (الروم: ٢٠)
٣۔ کیا تو اس ذات کا انکار کرتا ہے جس نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے انسان بنایا۔ (الکھف: ٣٧)
٤۔ ہم نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ (الحجر: ٢٦)
٥۔ ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا۔ (المومنون: ١٢۔١٣)
٦۔ اے لوگو! اس رب سے ڈر جاؤ جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا۔ (النساء: ١)
٧۔ حوّا آدم سے پیدا ہوئی۔ (النساء: ١)
٨۔ ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا۔ (الدھر: ٢)
٩۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اسے نطفہ بنایا، پھر اس سے خون کا لوتھڑا، پھر اس سے بوٹی بنا کر انسان کی شکل دی۔ (الحج: ٥)
١٠۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ، پھر لوتھڑا بنا کر تمہیں پیدا کرتا ہے کہ تم بچے ہوتے ہو۔ (المومن: ٦٧)
١١۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تمہارے جوڑے جوڑے بنائے۔ (فاطر: ١١)

وَّاَنَّ	السَّاعَةَ	اٰتِيَةٌ	لَّا رَيْبَ	فِيْهَا	وَاَنَّ اللّٰهَ
اور بلاشبہ	قیامت	آنے والی ہے	نہیں کوئی شک	اس میں	اور بے شک اللہ
يَبْعَثُ	مَنْ	فِي	الْقُبُوْرِ ۞	وَمِنَ	النَّاسِ مَنْ
دوبارہ اُٹھائے گا	جو	میں	قبریں	اور سے	لوگوں جو
يُّجَادِلُ	فِي	اللّٰهِ	بِغَيْرِ	عِلْمٍ	وَّلَا هُدًى
وہ جھگڑتا ہے	میں	اللہ	بغیر	علم	اور بغیر ہدایت
وَّلَا	كِتٰبٍ	مُّنِيْرٍ ۞	ثَانِيَ	عِطْفِهٖ	لِيُضِلَّ عَنْ
اور بغیر	کتاب	روشن	وہ موڑنے والا ہے	اپنا پہلو	تاکہ وہ گمراہ کرے سے

''اور یہ کہ قیامت کی گھڑی آکر رہے گی اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں اور جو قبروں میں ہیں اللہ انہیں ضرور اٹھائے گا۔(۷) بعض لوگ ایسے ہیں جو کسی علم اور ہدایت اور واضح کتاب کے بغیر اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔(۸) تاکہ وہ ''اللہ'' کے راستے سے لوگوں کو گمراہ کریں

فہم القرآن

ربط کلام: انسان کی پیدائش اور نباتات کی تخلیق کے حوالے سے قیامت کا ثبوت پیش کرنے کے بعد یہ ثابت کر دیا ہے کہ جو شخص قیامت کا انکار کرتا ہے درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جھگڑا کرتا ہے۔

قیامت قائم کرنے کا مرکزی اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ ظالم کو اس کے ظلم کی ٹھیک ٹھیک سزا اور نیک لوگوں کو اُن کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے۔ جو شخص قیامت کا انکار کرتا ہے۔ درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کذب بیانی اور اس کے عدل وانصاف کا انکار کرتا ہے۔ ایسے شخص کے پاس کوئی عقلی اور نقلی دلیل نہیں ہوتی۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے جھوٹے موقف پر اوٹ پٹانگ باتیں کرتے ہوئے بحث وتکرار کرتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جھگڑا کرنے کے مترادف ہے۔ قیامت کا انکار کرنے والا۔ نا صرف علم سے تہی دست ہوتا ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی روشن کتاب کی رہنمائی اور ہدایت سے بھی محروم ہوتا ہے۔ ایسے شخص کے پاس دلائل نہیں ہوتے اس لیے وہ متکبرانہ انداز میں منہ موڑتے ہوئے لوگوں کو گمراہی کے راستے پر قائم رکھنے کے درپے رہتا ہے۔ اس کو دنیا میں ذلت اٹھانا پڑے گی اور آخرت میں جلا دینے والے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اس کے بارے میں دوسرے مقام پر فرمایا کہ جب ان کے جسم جل جائیں گے تو ان کے جسم بدل دیئے جائیں گے۔ اس طرح ہمیشہ ہوتا رہے گا اور وہ ہمیشہ جہنم میں جلتے رہیں گے۔ (النساء:۵۶)

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ نَارُکُمْ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِیْنَ جُزْءًا مِّنْ نَّارِ جَھَنَّمَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنْ کَانَتْ لَکَافِیَۃً قَالَ فُضِّلَتْ عَلَیْھِنَّ بِتِسْعَۃٍ وَّ سِتِّیْنَ جُزْءًا کُلُّھُنَّ مِثْلُ حَرِّھَا)) [رواہ البخاری: باب صِفَةِ النَّارِ وَأَنَّهَا مَخْلُوقَةٌ]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا تمہاری دنیا کی آگ' دوزخ کی آگ

سَبِيْلِ	اللّٰهِ ؕ	لَهٗ	فِي	الدُّنْيَا	خِزْيٌ	وَّنُذِيْقُهٗ
راہ	اللہ	اس کے لیے	میں	دنیا	رسوائی	اور ہم اسے چکھائیں گے
يَوْمَ	الْقِيٰمَةِ	عَذَابَ	الْحَرِيْقِ ⑨	ذٰلِكَ	بِمَا	قَدَّمَتْ
دن	قیامت	عذاب	جلانے والا	یہ	اس وجہ سے	آگے بھیجا
يَدٰكَ	وَاَنَّ	اللّٰهَ	لَيْسَ	بِظَلَّامٍ	لِّلْعَبِيْدِ ⑩ ع	
تیرے دونوں ہاتھوں	اور بلاشبہ	اللہ	نہیں	ظلم کرنے والا	بندوں پر	

ع ۸ / ۱۰

ایسے شخص کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن اس کو ہم آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔(۹) کہا جائے گا یہ ہے جو تیرے ہاتھوں نے تیرے لیے تیار کیا ہے۔اللہ تو اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔‘‘(۱۰)

کے ستر حصوں میں سے ایک ہے آپ سے عرض کیا گیا' اے اللہ کے رسول ﷺ جلانے کو تو یہی آگ کافی تھی۔ آپ نے فرمایا دوزخ کی آگ کو دنیا کی آگ سے انہتر ڈگری بڑھا دیا گیا ہے۔ہر ڈگری دنیا کی آگ کے برابر ہوگی۔‘‘

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم ﷺ نے فرمایا دو صور پھونکنے کا عرصہ چالیس ہوگا۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگردوں نے پوچھا چالیس دن؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا۔انہوں نے استفسار کیا چالیس ماہ؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا میں یہ نہیں کہتا۔انہوں نے پھر پوچھا چالیس سال ہیں؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں یہ بھی نہیں کہتا۔یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھول گئے کہ نبی ﷺ نے کتنی مدت بتلائی تھی اس کے بعد اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا۔لوگ یوں اُگیں گے جس طرح انگوری اگتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا،انسان کی دو مچی کے علاوہ ہر چیز بوسیدہ ہو جائے گی۔قیامت کے دن اسی سے تمام اعضاء کو جوڑا جائے گا۔‘‘ [رواہ البخاری: باب (يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَأْتُوْنَ أَفْوَاجًا)زُمَرًا] (دو مچی سے مراد اس کا کوئی خاص ذرہ ہے جو محفوظ رہتا ہے۔)

مسائل

۱۔ قیامت کو جھٹلانے والا حقیقتاً اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرتا ہے۔۲۔قیامت کو جھٹلانے والے کے پاس عقلی و نقلی دلیل نہیں ہوتی
۳۔ قیامت کو جھٹلانے اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکنے والے کے لیے جلا دینے والا عذاب ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے منکر کو عذاب:

۱۔ قیامت کو جھٹلانے اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکنے والے کے لیے جلا دینے والا عذاب ہوگا۔(الحج:۹)
۲۔ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرنے والے اور قیامت کو جھٹلانے والے عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔(الروم:۱۶)
۳۔ قیامت کو جھٹلانے والوں کے لیے آگ کا عذاب ہے۔(الفرقان:۱۱)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ

اور سے | لوگ | وہ ہے جو | وہ عبادت کرتا ہے | اللہ | پر | ایک کنارے

فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ

چنانچہ اگر | اس کو پہنچے | بھلائی | وہ مطمئن ہوجاتا ہے | اس کے ساتھ | اور اگر | اس کو پہنچے

فِتْنَةُ ِۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ

کوئی آزمائش | پھر جاتا ہے | پر | اپنے منہ کے | اس نے خسارہ پایا | دنیا | اور آخرت

ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪

یہی | وہ | خسارہ | صریح

''اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کنارے پر بیٹھ کر اللہ کی بندگی کرتا ہے اگر فائدہ ہوا تو مطمئن ہوجاتا ہے اگر نقصان ہو تو الٹا پھر جاتا ہے اس کی دنیا بھی خراب ہوگئی اور آخرت بھی یہ ہے کھلا نقصان ہے۔''(۱۱)

فہم القرآن

ربط کلام: قیامت کے دن کا انکار کرنے والا نیکی کرنے کے معاملہ میں مخلص اور مستقل مزاج نہیں ہوتا۔ انسان اخلاص کے ساتھ نیکی کرے گا تو اسے قیامت کے دن اپنے سامنے پائے گا اگر نمود و نمائش کے لیے کرے گا تو دنیا و آخرت میں نقصان پائے گا۔

مشرک، منافق اور قیامت پر یقین نہ رکھنے والے کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اُس وقت تک کرتا ہے جب تک اُسے کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ اگر اُسے فائدہ حاصل ہو تو اللہ کی عبادت میں لگا رہتا ہے۔ اگر اُسے کوئی آزمائش آجائے تو وہ اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔ ایسے لوگ دنیا اور آخرت میں نقصان اُٹھائیں گے۔ یہ ایسا کھلا اور بڑا نقصان ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔ پہلے پارے میں دین کی مثال آسمان سے نازل ہونے والی بارش کے ساتھ دی ہے۔ جس میں اندھیرے، بجلی اور کڑک ہوتی ہے۔ گویا کہ بارش میں فائدے بھی ہیں اور نقصان بھی۔ منافق کو فائدہ پہنچتا ہے تو دینی کام کرتا ہے، نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ (البقرۃ:۱۹۔۱۰) یہی حال مشرک اور قیامت کے منکر کا ہوتا ہے وہ اُس وقت تک ہی خالصتاً اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے جب تک اس کی مشکل رفع نہیں ہوتی مشکل رفع ہوجائے تو دین اور اللہ تعالیٰ پر مطمئن رہتا ہے۔ مشکل حل ہوجائے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شامل کرلیتا ہے یا پھر مزارات اور غیروں کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ ایسا عقیدہ اور کردار ہے کہ جس کا دنیا میں بھی نقصان ہوگا اور آخرت میں ایسا نقصان ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔ عربی میں ''حَرْف'' کا معنٰی کنارہ ہے اور یہ محاورہ کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح ہماری زبان میں کسی شخص کی عجلت پسندی اور غیر مستقل مزاجی کو بیان کرنے کے لیے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو چھوڑیے وہ تو بس کنارے پر بیٹھا ہوا ہے۔ یعنی اس کا کوئی اعتبار نہیں کہ

وہ اس کام کو کب چھوڑ دے۔

نفع ونقصان کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ اور فرمان:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمًا فَقَالَ يَاغُلَامُ إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ احْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَنْفَعُوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلَى أَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَضُرُّوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ))

[رواه الترمذی: کتاب صفة القيامةوالرقائق والورع]

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک دن میں سواری پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا آپ نے فرمایا: بچے! میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں۔اللہ کو یاد رکھنا وہ تجھے یاد رکھے گا، اللہ کو یاد رکھے گا تو اسے اپنے سامنے پائے گا، جب سوال کرے تو اللہ ہی سے سوال کر، جب مدد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرنا۔ یقین رکھ کہ اگر تمام لوگ تجھے کوئی فائدہ دینے کے لیے جمع ہو جائیں۔ وہ اتنا ہی فائدہ پہنچا سکتے ہیں جتنا اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ رکھا ہے اور اگر وہ تجھے نقصان دینے پہ تل جائیں۔تو تجھے اتنا ہی نقصان پہنچے گا جتنا تیرے حق میں لکھا گیا ہے، قلمیں اٹھالی گئیں ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔“

مسائل

١۔ مشرک، منافق اور قیامت کے منکر صرف مفاد کی بنیاد پر دین اور اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں۔
٢۔ ابن الوقت کو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں فائدہ پہنچے تو مطمئن ہوتا ہے۔ ورنہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔
٣۔ مشرک اور منافق کو آخرت میں ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

دنیا اور آخرت میں نقصان پانے والے لوگ:

١۔ اپنے مالوں اور اولادوں کے بارے میں سستی کرنے والے دنیا اور آخرت میں نقصان اُٹھائیں گے۔(المنافقون:٩)
٢۔ جولوگ مساجد کو برباد کرتے ہیں وہ دنیا وآخرت میں ذلّت اٹھائیں گے۔(البقرۃ:١١٤)
٣۔ جولوگ اللہ کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں وہ دنیا وآخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے۔(ہود:٢١)
٤۔ جن لوگوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی وہ دنیا وآخرت میں خسارہ پائیں گے۔(النحل:١٠٩)
٥۔ منافق دنیا وآخرت میں خسارہ پائے گا۔(الحج:١١)

يَدْعُوْا	مِنْ	دُوْنِ	اللّٰهِ	مَا لَا	يَضُرُّهٗ		وَمَا
وہ پکارتا ہے	سے	سوا	اللہ	جو نہیں	وہ نقصان پہنچا سکتا اسے		اور جو
لَا	يَنْفَعُهٗ ؕ	ذٰلِكَ	هُوَ	الضَّلٰلُ	الْبَعِيْدُ ۟ۚ ﴿۱۲﴾		يَدْعُوْا
نہیں	وہ نفع دے سکتا اسے	یہی	وہ	گمراہی	دور		وہ پکارتا ہے
لَمَنْ	ضَرُّهٗۤ	اَقْرَبُ	مِنْ	نَّفْعِهٖ ؕ	لَبِئْسَ		الْمَوْلٰى
جو شخص	اس کا نقصان	زیادہ قریب	سے	اس کے نفع	البتہ برا ہے		والی

وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾

اور البتہ برا ہے ساتھی

پھر وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارتا ہے جو نہ اس کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ فائدہ۔ یہ پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ (۱۲) وہ ان کو پکارتا ہے جن کا نقصان ان کے فائدہ سے زیادہ قریب ہے۔ بدترین ہے اس کا مولیٰ اور بدترین ہے اس کا ساتھی۔'' (۱۳)

فہم القرآن

ربط کلام: انسان جب اپنے رب کی بندگی چھوڑتا ہے تو پھر در بدر کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا اور جگہ جگہ ماتھا ٹیکتا ہے۔

مشرک اپنی مفاد پرستی کی وجہ سے مستقل مزاجی کے ساتھ اپنے رب سے مانگنے اور اُس کی عبادت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ وہ عجلت پسندی کی وجہ سے ان کو پکارتا ہے جو نفع و نقصان پہچانے پر قدرت نہیں رکھتی۔

جلد باز اور مفاد پرست طبیعت کی وجہ سے مشرک اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتا کہ جس مزار یا بت کے سامنے اپنی حاجت پیش کر رہا ہے وہ تو اُسے نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ ہی تکلیف پہنچا سکتا ہے۔ یہ فکر و عمل اس قدر گمراہ کن ہے کہ آدمی ہدایت قبول کرنا تو در کنار حق بات سننا بھی گوارا نہیں کرتا یہ عمل اس بات کی گواہی ہے کہ یہ شخص گمراہی میں بہت دور جا چکا ہے۔ ایسے شخص کو شعور نہیں ہوتا کہ جس کو پکار رہا ہے وہ تو فائدے کی بجائے اس کے لیے نقصان کا باعث بن رہا ہے کیونکہ یہ اپنے فائدے کی خاطر اسے پکارتا ہے وہ فائدہ تو پہنچا نہیں سکتے البتہ یہ فائدے کی بجائے ضرور نقصان اٹھاتا ہے۔ وہ فائدے کی بجائے اپنے آپ کا نقصان کر رہا ہوتا ہے۔ ایسے شخص کا انجام انتہائی بھیانک ہوگا۔ بہت ہی برا عقیدہ اور سہارا ہے جس کو مشرک نے اپنایا ہے۔ جس انسان کا یہ فکر و عمل ہو جائے اُس کو اللہ تعالیٰ کی بجائے دوسروں پر زیادہ اعتماد ہوتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی نفع دے سکتا ہے اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو مشکل کشا سمجھنے والا شخص فائدے کی بجائے نقصان کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ جن پر مشرک بھروسہ کرتا ہے۔ وہ برا مولیٰ وہ بُرا ساتھی ہے، مشرک ایک کی بجائے کئی مشکل کشاؤں کو پکارتا ہے، لیکن یہاں جمع کی بجائے واحد کا لفظ لایا گیا ہے۔ کیونکہ مشرک کے عقیدہ کا محرک اور سبب شیطان ہوتا ہے اس لیے بتلایا ہے۔ حقیقی خیر

خواہی کی بجائے شیطان بدترین خیر خواہی کرنے والا اور بُرا ساتھی ہے۔

((عَنْ أَبِی سَعِیدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ کَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّکُوعِ قَالَ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ أَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ أَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَکُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ اللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدّ)) [رواہ مسلم:باب مَا یَقُولُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّکُوعِ]

”حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے اپنا سر اُٹھاتے تو یہ پڑھتے، اے ہمارے رب! تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں آسمانوں وزمین خلاء کے برابر اور اس کے بعد جس قدر وسعتیں ہیں تو جس قدر چاہتا ہے، تمام تعریفات کا تو ہی لائق ہے اور بزرگی کا سب سے زیادہ تو حقدار ہے جو تعریف اور عظمت بندے بیان کرتے ہیں ہم تیرے ہی بندے ہیں اے اللہ! جو چیز تو عطاء کردے اُس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جو چیز تو روک لے اُس کو کوئی عطا کرنے والا نہیں تجھ سے بڑھ کر کسی کی عظمت نہیں، تیری عظمت سے بڑھ کر کسی کی عظمت فائدہ نہیں دے سکتی۔“

((عَنِ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہما قَالَ عَلَّمَنِی رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم کَلِمَاتٍ أَقُولُهُنَّ فِی الْوِتْرِ إِنَّكَ تَقْضِی وَلَا یُقْضٰی عَلَیْكَ وَإِنَّهُ لَا یَذِلُّ مَنْ وَالَیْتَ وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ)) [رواہ ابوداود:باب الْقُنُوتِ فِی الْوِتْرِ]

”حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اُنہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وتر میں پڑھنے کے لیے یہ دعا سکھلائی الٰہی بے شک تو فیصلہ کرتا ہے تیرے فیصلہ کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا جاتا۔ اُسے کوئی ذلیل نہیں کرسکتا جس کا تو دوست بن جائے اور جس کے ساتھ تو دشمنی رکھے اُس کو کوئی عزت نہیں دے سکتا۔“

مسائل

١۔ مشرک اُن کو پکارتا ہے جو نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں۔

٢۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یا اُس کے سوا دوسروں کو پکارنے والا پرلے درجے کا گمراہ ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نفع ونقصان کا مالک نہیں:

١۔ فرمادیجیے جن کو تم معبود تصور کرتے ہو ان کو بلا کر دیکھو کیا وہ تمہاری تکلیف دور کرنے پر اختیار رکھتے ہیں؟ (بنی اسرائیل:١٠٧)

٢۔ اللہ کے سوا ان کو پکارو جو تمہارے نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں۔ (یونس:١٠٦)

٣۔ کیا تم اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان؟ (الانبیاء:٦٦)

٤۔ فرمادیجیے میں بھی اپنے نفع ونقصان کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ (الاعراف:١٨٨، یونس:٤٩)

اِنَّ	اللّٰهَ	يُدْخِلُ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ
بے شک	اللہ	وہ داخل کرے گا	لوگ	وہ ایمان لائے	اور انھوں نے عمل کیے	نیک
جَنّٰتٍ	تَجْرِيْ	مِنْ	تَحْتِهَا	الْاَنْهٰرُ	اِنَّ	اللّٰهَ
باغات	بہتی ہیں	سے	نیچے	نہریں	بے شک	اللہ
يَفْعَلُ	مَا	يُرِيْدُ ۝١٤				
وہ کرتا ہے	جو	وہ چاہتا ہے				

''جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے یقیناً اللہ ان لوگوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''(١٤)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرک اور منافق کے مقابلے میں نیک لوگوں کا اعتقاد اور ان کا بہتر انجام۔

سچا ایمان اور صالح کردار رکھنے والے حضرات کے لیے قرآن خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں جس میں اللہ تعالیٰ انھیں داخل فرمائے گا۔اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے۔اس آیت کے آخری الفاظ درحقیقت پچھلی آیت کا جواب ہے جس میں مشرک کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ جنہیں اپنا مولا اور ساتھی سمجھ کر پکارتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ وہ نفع ونقصان کے مالک نہیں نفع ونقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔وہ جس طرح چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔کسی نیک کی نیکی اور برے کی برائی اس کے فیصلے میں حائل نہیں ہوسکتی۔

مسائل

١۔ سچے ایماندار اور صالح عمل کرنے والوں کے لیے جنت ہے۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے:

١۔ بے شک میرا اللہ جو چاہتا ہے تدبیر کرتا ہے۔(یوسف:١٠٠) ٢۔ اللہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے۔(آل عمران:١٣)

٣۔ جو تم چاہتے ہو وہ نہیں ہوتا وہ ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔(الدھر:٣٠)

٤۔ جو تم چاہتے ہو وہ نہیں ہوتا مگر وہی ہوتا ہے جو جہانوں کا رب چاہتا ہے۔(التکویر:٢٩)

٥۔ ''اللہ'' جسے چاہے معاف فرمائے جسے چاہے عذاب دے۔(آل عمران:١٢٩)

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ

جو شخص تھا وہ گمان کرتا یہ کہ ہرگز نہیں وہ مدد کرے گا اس کی اللہ

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ

میں دنیا اور آخرت تو چاہیے کہ وہ دراز کرے ایک رسی طرف آسمان

ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾

پھر کہ وہ کاٹ دے پھر وہ دیکھے کیا لے جاتی ہے اس کی تدبیر جو اس غصہ

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ

اور اسی طرح ہم نے نازل کیا اس کو آیات واضح اور بے شک اللہ وہ ہدایت دیتا ہے

مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾

جسے وہ چاہتا ہے

”جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ دنیا اور آخرت میں اس کی مدد نہیں کرے گا اسے چاہیے کہ ایک رسی کے ذریعے آسمان تک پہنچنے کی کوشش کرے پھر اسے کاٹ ڈالے پھر دیکھ لے کہ آیا اس کی تدبیر کسی ایسی چیز کو رد کر سکتی ہے جو اس کو ناگوار ہے۔(۱۵) ایسی ہی کھلی آیات کے ساتھ ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور جسے اللہ چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔“(۱۶)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرک اور منافق اپنی بے اعتمادی اور بد اعتقادی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیروں سے مدد طلب کرتا ہے۔اس لیے اسے ایک تمثیل کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

مشرک، منافق اور جو شخص بھی یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت میں مدد نہیں کرے گا۔اسے چاہیے کہ ایک رسی آسمان کی طرف لٹکائے پھر اسے کاٹ دے اور اب دیکھے کیا اس کا ایسا کرنا اس کے غصہ کو ٹال دے گا؟ اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو بالکل کھول کر بیان کرتا ہے۔ بلاشبہ وہ اُسی کو ہدایت دیتا ہے جو ہدایت کی چاہت اور ارادہ رکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ایک عملی مثال کی طرف اشارہ فرما کر یہ حقیقت سمجھائی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کفر و شرک اور بد اعتقادی کی وجہ سے یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری مدد نہیں کرے گا۔اس کی مثال تو ایسے شخص کی ہے کہ جو ایک رسی کے ذریعے چھت پر چڑھنے کی کوشش کرتا ہے مگر چڑھ نہیں سکتا وہ طیش میں آکر رسی کو کاٹ ڈالتا ہے۔اُسے اپنے آپ سے سوال کرنا چاہیے کہ ایسا کرنے سے وہ چھت پر چڑھ جائے گا؟ ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں چڑھ سکتا۔یہی مثال اس شخص کی ہے جو اپنی بد اعتقادی اور جلد بازی کی وجہ سے یہ سمجھ بیٹھتا ہے

کہ ایک عرصہ بیت چکا مجھے دعائیں کرتے ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مشکل حل نہیں کی۔ وہ دل ہی دل میں طیش کھا کر اپنے رب کو چھوڑ کر کسی اور کے در پر جھکتا اور اس سے مانگتا ہے۔ اس کے اس طرح کرنے سے کیا لازم ہے کہ اس کی مصیبت کٹ جائے؟ ظاہر ہے اس طرح اس کی مصیبت دور نہیں ہو سکتی۔ گویا کہ جس طرح رسّی کاٹنے والا اُوپر چڑھنے کی بجائے پستی پر گر پڑتا ہے۔ اسی طرح اپنے رب کو چھوڑ کر دوسروں سے مانگنے والا فکری اور عملی طور پر پستی کا شکار ہو جاتا ہے جس وجہ سے در در کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔ اس مثال کے ذریعے توحید کی رفعت اور شرک کی ذلّت بتلا کر سمجھایا گیا ہے کہ انسان کو ہر حال میں اپنے رب پر اعتماد اور اُس کی رحمت پر امید رکھنی چاہیے۔ جو انسان اپنے رب پر بھروسہ ختم کر دے اور اس کی رحمت سے ناامید ہو جائے در بدر کی ٹھوکریں کھانا یا خودکشی کے گھاٹ اترنا اس کا مقدر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی شخص کی رہنمائی کرتا ہے جو اس سے خلوصِ نیت کے ساتھ ہدایت چاہتا ہے اور مستقل مزاجی کے ساتھ اس سے مدد مانگتا ہے۔

﴿اَنْ لَّنْ یَّنْصُرَہُ اللّٰہُ﴾ [الحج:۱۵] ''کہ اللہ اس کی مدد نہیں کرے گا۔''

کچھ مفسرین نے اس کا یہ مفہوم لیا ہے کہ ''ہٗ'' کا اشارہ سرورِ دو عالم ﷺ کی طرف ہے اور اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کی مدد نہیں کرے گا اسے چاہیے کہ وہ آسمان پر چڑھ کر آپ ﷺ پر نازل ہونے والی مدد کو روک لے۔ جس طرح یہ ممکن نہیں اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی اسلام کے غلبہ کو روک سکے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِی اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾ [المجادلة:۲۱]

''اللہ نے بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر غالب آ کر رہے گے بے شک اللہ بڑا ہی قوت و غلبہ والا ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ کی مدد سے ناامید ہونے والا شخص آخری سہارا بھی کھو بیٹھتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرامین کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ لوگ راہنمائی حاصل کریں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی دنیا اور آخرت میں انسان کی مدد کرنے والا ہے:

۱۔ وہ ذات جس نے آپ ﷺ کی اور مومنوں کی مدد فرمائی۔ (الانفال:۶۲)

۲۔ اللہ کی طرف سے ہی مدد حاصل ہوتی ہے۔ (آل عمران:۱۲۶) ۳۔ اللہ حق والوں کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ (الحج:۳۹)

۴۔ اللہ اپنی مدد کے ساتھ جس کی چاہتا ہے نصرت فرماتا ہے۔ (الروم:۵)

۵۔ اے اللہ! میں مغلوب ہو گیا ہوں میری مدد فرما (نوح علیہ السلام کی دعا)۔ (القمر:۱۰)

۶۔ اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہی بہتر مدد کرنے والا ہے۔ (آل عمران:۱۵۰)

۷۔ الٰہی اپنی طرف سے میرے لیے مددگار بنا۔ (بنی اسرائیل:۸۰)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَ الَّذِيْنَ	هَادُوْا	وَالصّٰبِـِٕيْنَ
بے شک	لوگ	وہ ایمان لائے	اور جو لوگ	یہودی ہوئے	اور صابی
وَالنَّصٰرٰى	وَالْمَجُوْسَ	وَالَّذِيْنَ	اَشْرَكُوْٓا	اِنَّ	اللّٰهَ
اور نصاریٰ	اور مجوسی	اور وہ لوگ	شرک کیا انہوں نے	بے شک	اللہ
يَفْصِلُ	بَيْنَهُمْ	يَوْمَ	الْقِيٰمَةِ	اِنَّ	اللّٰهَ عَلٰى
وہ فیصلہ کرے گا	ان کے درمیان	دن	قیامت	بلاشبہ	اللہ پر
كُلِّ	شَيْءٍ	شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾			
ہر	چیز	گواہ ہے			

’’جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی اور صابی اور نصاریٰ اور مجوسی ہوئے اور جن لوگوں نے شرک کیا ان سب کے درمیان اللہ قیامت کے دن فیصلہ فرمائے گا یقیناً اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔‘‘(۱۷)

فہم القرآن

ربط کلام: اس آیت سے قبل اور مابعد توحیدِ باری تعالیٰ کا ذکر ہے اس لیے تمام مذہبی طبقات کو مخاطب کر کے انتباہ کیا گیا ہے کہ سب کے درمیان ’’اللہ‘‘ ہی فیصلہ صادر فرمائے گا۔ کہ کس کس نے ’’اللہ‘‘ کی توحید اور اس کے احکام کا انکار کیا اور کس نے اس کی توحید کو مانا اور شرک سے اجتناب کیا۔

اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کے ذکر کے ساتھ پانچ فرقوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جو دنیا کے مختلف ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ یہودی اپنے آپ کو اس لیے یہودی کہلواتے ہیں کہ وہ اپنی نسبت حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہودہ کی طرف کرتے ہیں۔ صائبین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو زرتشت کے پیروکار کہتے ہیں۔ جن کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ پیغمبر تھے۔ عرف عام میں نصاریٰ عیسائیوں کو کہا جاتا ہے تاہم عیسائیوں میں ایک مخصوص فرقہ کا نام بھی نصاریٰ ہے۔ مجوسی وہ لوگ ہیں جو آگ کی پرستش کرتے ہیں۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ زمین وآسمان کے نظام کو چلانے والے دو خدا ہیں ایک کا نام اھرمن ہے جو نقصان پہنچانے پر اختیار رکھتا ہے دوسرے کا نام یزداں ہے جو خیر و برکت کا مالک ہے۔ مشرک کا بنیادی طور پر کوئی عقیدہ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر علاقے اور زمانے کے لوگ مختلف معبودوں کی عبادت کرتے ہیں اور انہیں حاجت روا، مشکل کشا سمجھ کر ان کے سامنے رکوع و سجود کرنے کے ساتھ ساتھ نذر و نیاز پیش کرتے ہیں۔ ان مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان شدید اختلافات ہیں لیکن تمام مذاہب کے پیروکار ہمیشہ سے مسلمانوں کے خلاف متحد رہے ہیں۔

بالخصوص یہودی اور مشرک مسلمانوں کی مخالفت کرنے میں ہمیشہ سے پیش پیش ہیں۔ دنیا میں ”اللہ“ کی توحید کی مخالفت اور شرک کی حمایت میں جو چاہے اور جس طرح چاہے تاویلات کرتا پھرے بالآخر قیامت کے دن سب کے درمیان ربِ ذوالجلال ٹھیک فیصلہ کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر کسی کے نظریات اور اعمال کو پوری طرح جانتا اور باخبر ہے۔

((عَنْ اَبِی ھُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقَ إِلٰی أَھْلِھَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ، حَتّٰی یُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ)) [رواہ مسلم : کتاب البر والصلة ، باب تحریم الظلم]

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں قیامت کے دن لوگوں کے حقوق ان کے مالکوں کو ادا کرنا پڑیں گے، یہاں تک کہ جس بکری کے سینگ نہیں ہیں اس کو سینگ والی بکری سے بدلہ دلایا جائے گا۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب کے عقائد اور اعمال درمیان عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔

٢۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کی نیت اور اس کے اعمال کو اچھی طرح جانتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن لوگوں کے درمیان ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا:

١۔ بے شک تیرا رب قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ (یونس: ٩٣)

٢۔ یقیناً اللہ تمہارے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ فرمائے گا۔ (النحل: ٧٨)

٣۔ اللہ قیامت کے دن تمہارے اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا۔ (الحج: ٦٩)

٤۔ اللہ قیامت کے دن عدل وانصاف کا ترازو قائم فرمائے گا۔ (الانبیاء: ٤٧)

٥۔ اللہ عدل وانصاف کا فیصلہ فرماتا ہے۔ (المومن: ٢٠)

٦۔ یقیناً اللہ تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا جو تم اختلاف کرتے تھے۔ (الزمر: ٣)

٧۔ اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور کافر مومنوں پر برتری نہیں پائیں گے۔ (النساء: ١٤١)

٨۔ وحی کی فرمانبرداری کرو اور صبر کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ فرما دے۔ اللہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ (یونس: ١٠٩)

اَلَمْ	تَرَ	اَنَّ	اللّٰهَ	يَسْجُدُ	لَهٗ	مَنْ
کیانہیں	دیکھا آپ نے	بے شک	اللہ	وہ سجدہ کرتا ہے	اسے	جو
فِى	السَّمٰوٰتِ	وَمَنْ	فِى	الْاَرْضِ	وَالشَّمْسُ	وَالْقَمَرُ
میں	آسمانوں	اور جو	میں	زمین	اور سورج	اور چاند
وَالنُّجُوْمُ	وَالْجِبَالُ	وَالشَّجَرُ	وَالدَّوَآبُّ	وَكَثِيْرٌ		
اور ستارے	اور پہاڑ	اور درخت	اور چوپائے	اور بہت سے		
مِّنَ	النَّاسِ	وَكَثِيْرٌ	حَقَّ	عَلَيْهِ	الْعَذَابُ	وَ
سے	لوگ	اور بہت سے	ثابت ہو گیا ہے	ان پر	عذاب	اور

کیاتم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔ سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، جانور بہت سے انسان اور بہت سے وہ لوگ بھی ہیں جو عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔

فہم القرآن

ربط کلام: ''اللہ'' کی بندگی کا انکار اور اس کے حکم سے سرتابی کرنے والوں کو غور کرنا چاہیے کہ کائنات میں جو چیز پیدا کی گئی ہے، وہ اپنے رب کی عبادت کرنے کے ساتھ انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہے۔ ان میں کوئی ایک چیز ایسی نہیں جو اپنے رب کی حکم عدولی کرتی ہو۔ ہر چیز اپنے خالق کا حکم مانتی اور اس کے سامنے سربسجود ہوتی ہے اے انسان تجھے بھی اپنے خالق کے سامنے جھکنا چاہیے۔

عربی زبان میں ''تَرَیٰ'' کا معنی دیکھنا ہی نہیں ہوتا بلکہ یہ لفظ جاننا اور غور کرنے کے معنٰی میں بھی آتا ہے۔ یہاں اس کے دونوں مفہوم لیے جاسکتے ہیں۔ اس فرمان میں بالخصوص کفار اور مشرکین کو اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جس رب کو وہ نہیں مانتے اس کی جلالت و جبروت کا عالم یہ ہے کہ اس کے سامنے آسمانوں کا چپہ چپہ اور زمین کا ذرہ ذرہ، شمس و قمر، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے اور بہت سے خوش قسمت انسان سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ البتہ انسانوں میں کثیر تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو اپنے رب کے حضور سرافگندہ ہونے سے اعتقاداً یا عملاً انکار کرتے ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب لازم ہو چکا ہے۔ جس پر ''اللہ'' کا عذاب لازم ہو گیا وہ ذلیل ہو گا۔ جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے فیصلہ صادر فرماتا ہے۔ زمینوں، آسمانوں میں جو بھی مخلوق ہے اس کے بارے میں قرآن مجید نے یہ بھی بتلایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش بیان کرتی ہے۔ لیکن انسان ان کی زبان نہیں سمجھتے۔ (بنی اسرائیل: ۴۴)

نا صرف ہر چیز اپنے رب کی حمد و ثنا اور اس کے سامنے سجدہ کرتی ہے بلکہ ہر چیز کا سایہ بھی اپنے دائیں بائیں پھیل کر سجدہ ریز ہوتا ہے۔ (النحل: ۴۸) اس فضا میں سورج اور چاند بڑے سیارے میں شمار ہوتے اس لیے ان کا نام لے کر بتلایا ہے کہ وہ بھی

مَنْ	يُّهِنِ	اللّٰهُ	فَمَا	لَهٗ	مِنْ	مُّكْرِمٍ	اِنَّ
جس	ذلیل کرے	اللہ	پس نہیں	اسے	کوئی	عزت دینے والا	بے شک

اللّٰهَ	يَفْعَلُ	مَا يَشَآءُ ۩ ⑱	
اللہ	کرتا ہے	جو وہ چاہتا ہے	

السجدة ٢

اور جسے اللہ ذلیل کر دے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں ہے جو کچھ اللہ چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔‘‘(١٨)

اپنے رب کے حضور سجدہ کرتے ہیں۔(الرحمٰن:۵) یہ حقیقت بیان کر کے انسان کو باور کروایا ہے کہ اے انسان! اپنے فکر و عمل پر غور کر کہ جس زمین پر تو رہتا ہے اس کا ذرہ ذرہ، جس آسمان کے نیچے پھرتا ہے اس کا چپہ چپہ اور جس فضا میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کا لحہ لحہ اپنے خالق و مالک کی حمد و شکر میں مصروف ہے۔ ایک تو ہے جو اپنے رب کے حضور سجدہ کرنے سے انکاری اور اس کی تابعداری کرنے سے گریزاں ہے۔ مگر اے انسان یہ بات یاد رکھنا جس نے اپنے رب کی عبادت سے گریز اور اس کی تابعداری سے انکار کیا وہ ضرور ذلیل ہوگا اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا گویا کہ جسے اللہ ذلیل کر دے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔

((عَنْ أَبِی ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لِأَبِی ذَرٍّ حِینَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ تَدْرِی أَیْنَ تَذْهَبُ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهَا تَذْهَبُ حَتَّى تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ ، فَتَسْتَأْذِنَ فَيُؤْذَنَ لَهَا ، وَيُوشِكُ أَنْ تَسْجُدَ فَلَا يُقْبَلَ مِنْهَا ، وَتَسْتَأْذِنَ فَلَا يُؤْذَنَ لَهَا ، يُقَالُ لَهَا ارْجِعِی مِنْ حَيْثُ جِئْتِ فَتَطْلُعُ مِنْ مَغْرِبِهَا ، فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى (وَالشَّمْسُ تَجْرِی لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ))[رواه البخاری:باب صِفَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ]

’’حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ مکرم ﷺ نے فرمایا کیا تجھے معلوم ہے جب سورج غروب ہوتا ہے تو کہاں جاتا ہے؟ میں نے کہا' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو علم ہے۔ آپ نے فرمایا سورج عرش کے نیچے سجدہ کرتا اور اجازت طلب کرتا ہے۔ اسے اجازت مل جاتی ہے۔ قریب ہے وہ سجدہ کرے گا اور اس کا سجدہ قبول نہ ہو۔ مشرق کی جانب سے طلوع ہونے کی اجازت طلب کرے گا اس کو اجازت نہ ملے۔ حکم ہو جدھر سے آیا اسی طرف سے طلوع ہو جا۔ چنانچہ سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورج اپنے مستقر کی طرف چلا جاتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اس کا ٹھکانا عرش کے نیچے ہے‘‘

مسائل

١۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش بیان کرتی ہے۔ ٢۔ بہت سے انسان اپنے رب کے تابع فرمان اور اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔

٣۔ انسانوں میں سے بہت سے لوگ نافرمان اور اپنے رب کی یاد سے غافل ہیں۔

٤۔ جسے اللہ ذلیل کر دے اُسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ز فَالَّذِیْنَ

یہ دو جھگڑنے والے ہیں انھوں نے جھگڑا کیا میں اپنے رب چنانچہ وہ لوگ

كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ط يُصَبُّ

انہوں نے کفرکیا کاٹے جائیں گے ان کے لیے کپڑے سے آگ کے انڈیلا جائے گا

مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا

کے اوپر ان کے سر کھولتا ہوا پانی پگھلا دیا جائے گا اس کے ساتھ جو

فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾

میں ان کے پیٹ اور کھالیں اوران کے لیے ہتھوڑے سے لوہا

”یہ لوگ ہیں جن کے درمیان اپنے رب کے معاملے میں جھگڑا ہے۔ ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا ان کے لیے آگ کے لباس ہیں ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔(۱۹) جس سے ان کی کھالیں ہی نہیں پیٹ کے اندر کے حصے تک گل جائیں گے۔(۲۰) اوران کو سزا دینے کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے۔“(۲۱)

فہم القرآن

ربط کلام: عزت، ذلّت اور ہر قسم کا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے مگر پھر بھی لوگ اس کے سوا دوسروں کے سامنے جھکنے اورانہیں ”اللہ“ کی ذات اور صفات میں شریک کرتے اور ان کے حق میں جھگڑتے ہیں، ایسے لوگوں کو آگ کا لباس اور جہنم کا کھولتا ہوا پانی ان کے سروں پر ڈالا جائے گا۔

کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے خالق و مالک کی تابعداری اوراس کی حمد وثنا میں لگا ہوا ہے۔ مگر انسانوں میں کثیر تعداد ایسی ہے جو نہ صرف اپنے رب کے نافرمان اور ناقدردان ہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اوراس کی صفات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں کچھ ان میں ذاتِ کبریا کے منکر ہیں اور کچھ نے اس کی صفات میں دوسروں کو دخیل کر رکھا ہے۔ ظلم کی حد یہ ہے کہ وہ اپنے باطل عقیدہ پر اہل حق سے جھگڑتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے حضرت نوح علیہ السلام سے ساڑھے نوسو سال جھگڑا کیا۔ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بحث وتکرار کی۔ فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کشمکش سب کو معلوم ہے۔ اہل مکہ نے اسی باطل عقیدہ کی حمایت پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں پر مظالم کے پہاڑ توڑ دیے اور آپ کے خلاف بدر، اُحد اور خندق میں معرکہ آرائی کی۔ حق و باطل کی کشمکش اتنی طویل ہے کہ اس کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ یہ سلسلہ

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ

جب بھی | وہ ارادہ کریں گے | یہ کہ | وہ نکلیں | اس سے | سے | مارے غم

اُعِيْدُوْا فِيْهَا ق وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ع ﴿۲۲﴾

وہ لوٹا دیے جائیں گے | اس میں | اور چکھو | عذاب | جلانے والا

''جب گھبرا کر وہ جہنم سے نکلنے کی کوشش کریں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیے جائیں گے کہ جلا دینے ولا عذاب چکھو۔''(۲۲)

۲ ع ۱۲ ۹

قیامت تک جاری رہے گا۔ جونہی قیامت برپا ہوگی اللہ تعالیٰ حق اور سچ کے ساتھ فیصلہ فرمائیں گے۔ جو لوگ باطل کی حمایت میں جھگڑتے رہے ان کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا۔ ان کے سروں پر بے انتہا کھولتا ہوا پانی ڈالتے ہوئے انھیں اُسے پینے کا حکم دیا جائے گا۔ جس سے ان کی آنتڑیاں اور جسم گل سڑ جائیں گے۔ ان کے سروں پر لوہے کے ہتھوڑے برسائے جائیں گے۔ ٹھیک ٹھیک سزا دینے کے لیے ان کے جسم مسلسل بدلے جائیں گے۔ جب یہ لوگ جہنم سے نکلنے کی کوشش کریں گے تو فرشتے انھیں مار مار کر یہ کہتے ہوئے دھکیل دیں گے کہ اب تم نے اس جلا دینے والے عذاب میں ہمیشہ رہنا ہے۔ سر پر جہنم کا کھولتا ہوا پانی ڈالنے کی سزا کا اس لیے الگ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ شرک اور دیگر جرائم کی ابتداء بنیادی طور سوچ کی خرابی کے باعث ہوتی ہے۔

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِنَّ الْحَمِيمَ لَيُصَبُّ عَلَى رُءُ وسِهِمْ فَيَنْفُذُ الْحَمِيمُ حَتَّى يَخْلُصَ إِلَى جَوْفِهِ فَيَسْلِتَ مَا فِی جَوْفِهِ حَتَّى يَمْرُقَ مِنْ قَدَمَيْهِ وَهُوَ الصَّهْرُ ثُمَّ يُعَادُ كَمَا كَانَ))

[رواہ الترمذی:باب مَا جَاءَ فِی صِفَةِ شَرَابِ أَهْلِ النَّارِ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا بے شک گرم پانی جہنمیوں کے سروں میں ڈالا جائیگا۔ پانی ان کے سروں کو چھیدتے ہوئے انکے پیٹوں میں پہنچے گا تو ان کی آنتیں پگھل کر پاؤں کے راستے نکل جائیں گی پھر انہیں اسی طرح لوٹا دیا جائیگا۔''

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَرَأَ هَذِهِ الآيَةَ **(اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلاَ تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ)** قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْ أَنَّ قَطْرَةً مِنَ الزَّقُّومِ قُطِرَتْ فِی دَارِ الدُّنْيَا لأَفْسَدَتْ عَلَى أَهْلِ الدُّنْيَا مَعَايِشَهُمْ فَكَيْفَ بِمَنْ يَكُونُ طَعَامَهُ))[رواہ الترمذی:باب مَا جَاءَ فِی صِفَةِ شَرَابِ أَهْلِ النَّارِ]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی ''کہ اللہ سے ڈرو جس طرح اللہ سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت اسلام پر ہی آنی چاہیے'' آپ نے فرمایا اگر زقوم کا ایک قطرہ دنیا کے کسی گھر میں ڈال دیا جائے تو پوری دنیا کے لوگوں کا کھانا پینا خراب ہو جائے انکی کیا حالت ہوگی جن کا یہ کھانا ہوگا۔''

”حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔یقیناً دوزخیوں میں سب سے معمولی عذاب پانے والے کے پاؤں میں آگ کے جوتے ہوں گے۔جس کی وجہ سے اس کا دماغ ہنڈیا کی طرح کھول رہا ہوگا۔وہ خیال کرے گا کہ کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ عذاب نہیں ہورہا' حالانکہ وہ سب سے ہلکے عذاب میں مبتلا ہوگا۔“ [رواہ مسلم: کتاب الإیمان، باب أهون أهل النار عذابا]

مسائل

۱۔ جہنمیوں کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا۔ ۲۔ جہنمیوں کو جہنم کا کھولتا ہوا پانی پینے کے لیے دیا جائے گا۔
۳۔ جہنم کا کھولتا پانی جہنمیوں کے سر پر ڈالا جائے گا۔۴۔جہنمیوں کے سروں پر لوہے کے بھاری ہتھوڑے برسائے جائیں گے۔
۵۔ جہنمی جب جہنم سے نکلنے کی کوشش کریں گے تو انھیں مار مار کر واپس لوٹا دیا جائے گا۔
۶۔ جہنمیوں کے لیے جلا دینے والا ہمیشہ ہمیش کا عذاب ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

جہنمیوں کی جہنم میں مختلف سزائیں:

۱۔ اس دن ہم ان کا مال جہنم کی آگ میں گرم کریں گے اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں ،کروٹوں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔(التوبہ:۳۵)
۲۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جب آگ ہلکی ہونے لگے گی تو ہم اسے مزید بھڑکا دیں گے۔(بنی اسرائیل:۹۷)
۳۔ اس میں وہ کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور اس طرح پئیں گے جس طرح پیاسا اونٹ پیتا ہے۔(الواقعہ:۵۴تا۵۵)
۴۔ ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کی ہے جو انہیں گھیرے ہوئے ہوگی اور انہیں پانی کی جگہ پگھلا ہوا تانبا دیا جائے گا جو ان کے چہروں کو جلا دے گا۔(الکہف:۲۹)
۵۔ ان کے پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہوگا۔(الانعام:۷۰)
۶۔ کفار کے لئے اُبلتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہوگا۔(یونس:۴)
۷۔ تھور کا درخت گنہگاروں کا کھانا ہوگا۔(الدخان:۴۳)
۸۔ جہنمی گرم ہوا کی لپیٹ میں اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے۔(الواقعہ:۴۲)
۹۔ ان کے لیے کھانے کی کوئی چیز نہیں ہوگی مگر ضریع ہے۔جو نا موٹا کرے گا اور نہ بھوک میں کچھ کام آئے گا۔(الغاشیۃ:۶۔۷)
۱۰۔ کھولتے ہوئے چشمے سے انھیں پانی پلایا جائے گا۔(الغاشیۃ:۵)
۱۱۔ جہنمیوں کو پیپ اور لہو پلایا جائے گا۔(ابراہیم:۱۶)

اِنَّ	اللّٰهَ	يُدۡخِلُ	الَّذِيۡنَ	اٰمَنُوۡا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ
بے شک	اللہ	وہ داخل کرے گا	لوگ	وہ ایمان لائے	اور انھوں نے عمل کیے	نیک
جَنّٰتٍ	تَجۡرِىۡ	مِنۡ	تَحۡتِهَا	الۡاَنۡهٰرُ	يُحَلَّوۡنَ	فِيۡهَا
باغات	بہتی ہیں	سے	نیچے	نہریں	وہ پہنائے جائیں گے	اس میں
مِنۡ	اَسَاوِرَ	مِنۡ	ذَهَبٍ	وَّلُـؤۡلُـؤًا ؕ	وَلِبَاسُهُمۡ	
سے	کنگن	سے	سونے	اور موتی	اور ان کا لباس ہوگا	
فِيۡهَا	حَرِيۡرٌ ﴿۲۳﴾	وَهُدُوۡۤا	اِلَى	الطَّيِّبِ	مِنَ	الۡقَوۡلِ ۖۚ
اس میں	ریشم	اور وہ ہدایت دیے گئے	طرف	پاکیزہ	سے	بات
وَهُدُوۡۤا	اِلٰى	صِرَاطِ	الۡحَمِيۡدِ ﴿۲۴﴾			
اور ہدایت دیئے گئے	طرف	راستے	قابل تعریف			

”جولوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے ان کو اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان کے لباس ریشم کے ہوں گے۔ (۲۳) ان کو پاکیزہ بات قبول کرنے کی ہدایت بخشی گئی اور انہیں قابلِ تعریف خدا کا راستہ دکھایا گیا تھا۔“ (۲۴)

فہم القرآن

ربط کلام: جہنمیوں کی سزاؤں کے مقابلے میں جنتیوں کے انعامات۔

قاری کو اچھے اور بُرے انجام سے آگاہ کرنے کے لیے قرآن مجید اکثر مقامات پر دونوں قسم کے انجام کا بیک وقت ذکر کرتا ہے تاکہ قرآن مجید پڑھنے والا شخص موقعہ پر صحیح فیصلہ کر سکے۔ کہ اسے کونسا کردار منتخب کرنا چاہیے اس لیے جہنمیوں کی سزاؤں کے مقابلے میں جنتیوں کے انعامات کا تذکرہ ہوتا ہے۔ جولوگ اپنے رب پر حقیقی ایمان لائے اور خلوص نیت کے ساتھ صالح اعمال کرتے رہے۔ ان کا رب انھیں ہر صورت جنت میں داخل کرے گا۔ جس کے نیچے نہریں جاری ہیں انھیں سونے اور موتیوں کے کنگن اور زرق برق ریشم کا لباس پہننے کے لیے دیا جائے گا۔ یہ انعام اس لیے ہوگا کہ انھیں عقیدہ توحید سمجھنے اور سمجھانے کی توفیق حاصل ہوئی اور وہ سیدھے راستے پر گامزن رہے۔ دنیا کی زندگی میں مومن مردوں کو سونے کے کنگن اور ریشم کا لباس پہننے سے منع کیا گیا تھا۔ لیکن جنت میں یہ پابندی اٹھا دی جائے گی۔ قولِ طیب سے مراد عقیدہ توحید ہے اور صراطِ حمید کا معنیٰ ہے ایسا راستہ جو ہر خطرہ سے محفوظ اور اس پر چلنا قابل رشک اور قابلِ تعریف ہو بعض اہل علم نے ”اَلۡحَمِيۡدُ“ سے مراد ”اللہ“ کی ذات لی ہے۔ ”اللہ“ ہر اعتبار سے قابل تعریف ہے اسی لیے کائنات کی ہر چیز اس کی حمد وثنا

کرتی ہے۔ کچھ اہل دانش نے اس کا یہ مفہوم لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والا راستہ۔

((وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ غَدْوَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ رَوْحَةٌ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَافِیْهَا وَلَوْ اَنَّ امْرَاَةً مِّنْ نِّسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ اِلَی الْاَرْضِ لَاَضَاءَ تْ مَابَیْنَهُمَا وَلَمَلَاَتْ مَا بَیْنَهُمَا رِیْحًا وَّلَنَصِیْفُهَا عَلٰی رَأْسِهَا خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا۔)) [رواہ البخاری: باب الْحُوْرُ الْعِیْنُ وَصِفَتُهُنَّ]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے ارشاد فرمایا' اللہ کی راہ میں نکلنا دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے اگر اہل جنت کی عورتوں سے کوئی زمین کی طرف جھانک لے' تو مشرق ومغرب اور جوان کے درمیان ہے روشن اور معطر ہو جائے نیز اس کے سر کا دوپٹہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے قیمتی ہے۔''

((عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَوْضِعُ سَوْطٍ فِی الْجَنَّةِ خَیْرٌ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیهَا)) [رواہ البخاری :باب مَا جَاءَ فِی صِفَةِ الْجَنَّةِ وَأَنَّهَا مَخْلُوقَةٌ]

''حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے ارشاد فرمایا جنت میں ایک کوڑے کے برابر جگہ ملنا زمین کی ہر چیز سے بہتر ہے۔''

مسائل

۱۔ یقیناً مومنوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ ۲۔ جنت میں مومنوں کو سونے اور موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

۳۔ جنت میں جنتیوں کو ریشم کا زرق برق لباس پہنایا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

جنت کی نعمتوں کی ایک جھلک:

۱۔ ہم نے اس میں کھجوروں، انگوروں کے باغ بنائے ہیں اور ان میں چشمے جاری کیے ہیں۔ (یٰس:۳۴)

۲۔ یقیناً متقین باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ (الذاریات:۱۵)

۳۔ یقیناً متقی نعمتوں والی جنت میں ہوں گے۔ (الطّور:۱۷) ۴۔ جنتیوں کو شرابِ طہور دی جائے گی۔ (الدھر:۲۱)

۵۔ جنت میں سونے اور لولو کے زیور پہنائے جائیں گے۔ (فاطر:۳۳)

۶۔ جنت میں تمام پھل دو، دو قسم کے ہوں گے۔ (الرحمٰن:۵۲)

۷۔ جنتی سبز قالینوں اور مسندوں پر تکیہ لگا کر بیٹھے ہوں گے۔ (الرحمٰن:۷۶)

۸۔ ہم ان کے دلوں سے کینہ نکال دیں گے اور سب ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے۔ انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے۔ (الحجر:۴۷۔۴۸)

۹۔ جنت میں جنتیوں کو ہر وہ نعمت میسر ہوگی جس کی وہ چاہت کریں گے۔ (الانبیاء:۱۰۲)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	وَيَصُدُّوْنَ	عَنْ	سَبِيْلِ	اللّٰهِ
بے شک	لوگ	انہوں نے کفر کیا	اور وہ روکتے ہیں	سے	راہ	اللہ
وَ الْمَسْجِدِ	الْحَرَامِ	الَّذِيْ	جَعَلْنٰهُ	لِلنَّاسِ	سَوَآءَ	
اور مسجد	حرام	جو	ہم نے بنایا اسے	لوگوں کے لیے	برابر	
الْعَاكِفُ	فِيْهِ	وَ	الْبَادِ	وَمَنْ	يُّرِدْ	فِيْهِ
مقیم	اس میں	اور	باہر سے آنے والا	اور جو شخص	ارادہ کرے	اس میں
بِاِلْحَادٍ	بِظُلْمٍ	نُّذِقْهُ	مِنْ	عَذَابٍ	اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾	
کج روی کا	ظلم سے	ہم اسے چکھائیں گے	سے	عذاب	نہایت دردناک	

ع ۲ ۱۰

''جن لوگوں نے کفر کیا اور جو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس مسجد حرام کی طرف آنے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے بنایا ہے جس میں مقامی اور باہر سے آنے والوں کے حقوق برابر ہیں۔ مسجد میں جو بھی گمراہی اور ظلم کا راستہ اختیار کرے گا اسے ہم دردناک عذاب دیں گے۔'' (۲۵)

فہم القرآن

ربط کلام: جنت میں جانے والوں نے ''اللہ'' کی توحید کو قبول کیا ہے اور صراط مستقیم پر گامزن ہوئے ان کے مقابلے میں جہنمیوں کا کردار اور انجام۔

جہنم میں جانے والے کفر کے مرتکب ہوئے اور لوگوں کو اللہ کے راستے اور بیت اللہ سے روکتے تھے۔ جو لوگ دوسروں کو اللہ کے راستے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں انھیں اذّیت ناک عذاب دیا جائے گا۔ اس فرمان کے پہلے مخاطب اہل مکہ ہیں جو ناصرف لوگوں کو دین اسلام سے منع کرتے تھے بلکہ مسلمانوں کو حرم میں آنے سے روکتے تھے۔ اہل مکہ نے مسجد حرام کو ذاتی ملکیت سمجھ رکھا تھا۔ جس بنا پر وہ مسلمانوں کو بالخصوص نبی معظم ﷺ کو حرم میں پریشان کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ سجدہ کی حالت میں تھے تو انھوں نے اونٹ کی اوجڑی لاکر آپ کے سر مبارک پر رکھ دی۔ دوسری دفعہ آپ طواف کر رہے تو ایک ظالم نے آپ کا گریبان پکڑ کر جھنجوڑا اور کہا کہ کیا تو لا الہ الا اللہ کی کی دعوت دیتا ہے۔ آپ نے پوری جرأت اور اعتماد کے ساتھ فرمایا: ''نَعَمْ اَنَا اَقُوْلُ ذَالِكَ'' ہاں! میں ہی یہ دعوت دیتا ہوں۔ (ابن ہشام) اس طرح جب آپ حرم میں نماز پڑھتے تو اہل مکہ تالیاں اور سیٹیاں بجایا کرتے تھے۔ اس صورتحال میں اہل مکہ کو یہ بات یاد کروائی گئی ہے کہ حرم کی تولیّت کا حق بجا لیکن اس میں کسی کی اجارہ داری نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے پوری دنیا کے انسانوں کے لیے برابر ٹھہرا دیا ہے۔ اس کے رہنے والوں اور مسافروں کے مابین کوئی امتیاز نہیں ہے۔ جو شخص اس کی حرمت پامال کرے گا اور اس میں ظلم و تعدّی اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اذّیت ناک عذاب دے گا۔

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک فوج خانہ کعبہ پر حملہ آور ہوگی۔ جب وہ بیدا مقام میں پہنچے گی تو فوج کا اوّل وآخر زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ! فوج کے اول وآخر کو کیوں دھنسا دیا جائے گا۔ حالانکہ ان میں کاروباری بھی ہوں گے اور وہ بھی ہوں گے جوان کے ساتھی نہیں ہوں گے‘ آپ ﷺ نے فرمایا ان کے اوّل وآخر سب کو دھنسا دیا جائے گا۔ لیکن قیامت کے دن اپنی اپنی نیتوں کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔“ [رواہ البخاری:باب مَا ذُکِرَ فِی الْأَسْوَاقِ]

کیا مکہ کھلا شہر قرار دیا جا سکتا ہے؟

پاکستان میں شرک و بدعت کے دلدادہ لوگ وقفے وقفے سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ حرم سب کے لیے یکساں حیثیت رکھتا ہے اس لیے مکہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے۔ اس مطالبہ کا مقصد یہ ہے کہ جو چاہے مکہ میں جا کر شرک و بدعت کا پرچار کرے اور وہاں مستقل رہائش اختیار کرلے۔ اس مطالبہ کی حقیقت اہل توحید کے ساتھ حسد وبغض کے سوا کچھ نہیں۔ یہ سعودی حکومت کی اجارہ داری کا معاملہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا دوٹوک فیصلہ ہے کہ کوئی مشرک اور غیر مسلم حرم میں داخل نہیں ہوسکتا۔ جہاں تک بیت اللہ کے انتظامی امور کا تعلق ہے اس کا حق مسلمانوں میں اہل مکہ کا بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسولِ معظم ﷺ نے جب مکہ فتح کیا تو آپ نے اس کی تولیّت کا اس حد تک احترام فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مطالبہ کے باوجود چابی عثمان بن طلحہ کو واپس کی اور فرمایا کہ تجھ سے کوئی ظالم ہی چابی واپس لے سکتا ہے۔ حالانکہ یہ وہی عثمان بن طلحہ ہے جب آپ مکہ میں مقیم تھے ایک دن آپ ﷺ کا دل چاہا کہ میں بیت اللہ میں داخل ہو کر دو نفل نماز پڑھوں۔ آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہ سے چابی طلب فرمائی۔ اس نے کہا کہ میں تجھے چابی نہیں دوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور جسے چاہوں گا عنایت کروں گا۔ اس پر عثمان بن طلحہ نے کہا کہ کیا ہم مرچکے ہوں گے؟ فرمایا نہیں تم زندہ ہوگے۔ (ابن ہشام) الحمد اللہ آج تک بیت اللہ کے دروازے کی چابی اسی خاندان میں چلی آرہی ہے۔

((عَنْ اَبِیْ شُرَیْحٍ نِ الْعَدَوِیِّ اَنَّہُ قَالَ لِعَمْرِو ابْنِ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ وَھُوَ یَبْعَثُ الْبُعُوثَ اِلٰی مَکَّۃَ اِئْذَنْ لِیْ اَیُّھَا الْاَمِیْرُ اُحَدِّ ثُکَ قَوْلًا قَامَ بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ الْغَدَ مِنْ یَوْمِ الْفَتْحِ سَمِعَتْہُ اُذُنَایَ وَ وَعَاہُ قَلْبِیْ وَاَبْصَرَتْہُ عَیْنَایَ حِیْنَ تَکَلَّمَ بِہٖ حَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مَکَّۃَ حَرَّمَھَا اللّٰہُ وَلَمْ یُحَرِّمْھَا النَّاسُ فَلَا یَحِلُّ لِاَ مْرِ ءٍ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِاَنْ یَّسْفِکَ بِھَا دَمًا وَلَا یَعْضُدَ بِھَا شَجَرَۃً فَاِنْ اَحَدٌ تَرَخَّصَ بِقِتَالِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِیْھَا فَقُوْلُوْا لَہٗ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَذِنَ لِرَسُوْلِہٖ وَلَمْ یَاْذَنْ لَکُمْ وَاِنَّمَا اَذِنَ لِیْ فِیْھَا سَاعَۃً مِنْ نَّھَارٍ وَقَدْعَادَتْ حُرْمَتُھَا الْیَوْمَ کَحُرْمَتِھَا بِالْاَمْسِ وَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ فَقِیْلَ لِاَبِیْ شُرَیْحٍ مَا قَالَ لَکَ عَمْرٌو قَالَ اَنَا اَعْلَمُ بِذَالِکَ مِنْکَ یَا اَبَا شُرَیْحٍ اِنَّ الْحَرَمَ لَا یُعِیْذُعَاصِیاً وَلَا فَاراً بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخَرْبَۃٍ۔)) [رواہ البخاری: باب لِیُبَلِّغِ الْعِلْمَ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ]

”حضرت ابوشریح عدوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ جو مکہ مکرمہ کی طرف لشکر بھیج رہے

تھے' سے کہا' اے امیر! مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ کو رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث سناؤں۔ یہ بات آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دوسرے دن ارشاد فرمائی تھی جسے میرے دونوں کانوں نے سنا اور میرے دل نے اسے یاد رکھا۔ جب آپ ﷺ خطاب فرما رہے تھے تو میری دونوں آنکھیں آپ پر جمی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا بلاشبہ مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرمت بخشی ہے کسی شخص نے اسے حرمت نہیں دی۔ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس میں خون ریزی کرے اور حرم میں کسی درخت کو کاٹے۔ اگر کوئی اللہ کے رسول ﷺ کے مکہ مکرمہ میں قتال کو مثال بنا کر اس میں لڑائی جائز سمجھے تو اسے بتا دو۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول کو اجازت عطا فرمائی لیکن تمہیں اجازت نہیں دی گئی۔ مجھے بھی بس دن کے قلیل وقت میں اجازت دی گئی اور اب اس کی حرمت ہمیشہ کی طرح ہے۔ یہ بات غیر موجود لوگوں تک پہنچا دو۔ اس پر ابوشریح سے دریافت کیا گیا کہ پھر آپ کو عمرو نے کیا کہا؟ ابوشریح نے بتایا' اس نے جواب دیا' ابوشریح مجھے تم سے زیادہ اس بات کا علم ہے۔ حرم نہ کسی گنہگار کو پناہ دیتا ہے اور نہ ہی مفرور قاتل اور نہ خیانت کر کے بھاگنے والے کو پناہ دیتا ہے۔ اور بخاری میں الخربۃ کا معنیٰ ہے جرم کرنا۔''

مسائل

۱۔ جو شخص لوگوں کو دین اسلام اور مسجد حرام سے روکتا ہے وہ ظلم کرتا ہے۔
۲۔ مسجد حرام پر اہل مکہ اور مسافروں کو یکساں حقوق حاصل ہیں۔
۳۔ جو شخص مسجد حرام میں الحاد اور ظلم کرے اللہ تعالیٰ اسے اذیت ناک عذاب دے گا۔

تفسیر بالقرآن

مسجد حرام کا احترام:

۱۔ سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لیے بنایا گیا وہ مکہ مکرمہ میں ہے اس میں دنیا والوں کے لیے ہدایت ہے۔ (آل عمران:۹۶)
۲۔ مسجد حرام میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے روکنا بہت بڑا جرم ہے۔ (البقرۃ:۲۱۷)
۳۔ کافر اللہ کے راستہ اور مسجد حرام سے روکتے ہیں۔ (الحج:۲۵)
۴۔ تم جہاں بھی ہو نماز پڑھتے وقت اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کرو۔ (البقرۃ:۱۵۰)
۵۔ ان سے مسجد حرام کے پاس لڑائی نہ کرو۔ (البقرۃ:۱۹۱)
۶۔ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو حرمت والا گھر قرار دیا ہے۔ (المائدۃ:۹۸)

وَإِذْ	بَوَّأْنَا	لِإِبْرٰهِيْمَ	مَكَانَ	الْبَيْتِ	أَنْ لَّا
اور جب	ہم نے نشاندہی	ابراہیم کے لیے	جگہ	بیت اللہ	یہ کہ نہ
تُشْرِكْ	بِيْ	شَيْـًٔا	وَّطَهِّرْ	بَيْتِيَ	لِلطَّآئِفِيْنَ
تو شریک ٹھہرا	میرے ساتھ	کسی کو	اور تو پاک رکھ	میرا گھر	طواف کرنے والوں کے لیے
وَالْقَآئِمِيْنَ	وَالرُّكَّعِ	السُّجُوْدِ ﴿٢٦﴾			
اور قیام کرنے والوں	اور رکوع کرنے والوں	سجدہ کرنے والوں			

''وہ وقت یاد کرو جب ہم نے ابراہیم کے لیے خانہ کعبہ کی جگہ کی نشاندہی کی کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام، رکوع اور سجود کرنے والوں کے لیے اسے پاک رکھو۔'' (٢٦)

فہم القرآن

ربط کلام: بیت اللہ کی تعمیر نو اور اس کے چاروں طرف تعمیر ہونے والی مسجد حرام کے آداب اور حقوق۔

تاریخ کعبۃ اللہ

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی شرح فتح الباری میں ایک روایت ذکر کی ہے جس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ بیت اللہ کی سب سے پہلی اساس حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں رکھی گئی اور فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس جگہ کی نشاندہی کی جسے بعد ازاں طوفان نوح اور ہزاروں سال کے حوادث نے بے نشان کر دیا تھا۔ البتہ بیت اللہ کے کچھ نشان باقی تھے جن پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنیاد رکھی تھی۔ یہی وہ مقامِ بنیاد ہے جس کا تذکرہ یہاں کیا جارہا ہے:

اور یہی وہ مقام ہے جس کا ذکر حضرت خلیل علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو یہاں چھوڑتے وقت کیا تھا:

﴿رَبَّنَا إِنِّيْ أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ﴾ [ابراھیم: ٣٧]

''اے ہمارے رب! میں نے ایک بے آب وگیاہ وادی میں اپنی اولاد کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تبلیغ دین کے لیے اردن، شام اور حجاز مقدس کو پیغامِ حق کا مرکز بنایا اور گاہے گاہے ان مراکز کا دورہ کرتے اور ہدایات دیتے رہتے تھے۔ اس طرح آپ حسبِ حکمِ الٰہی ہاجرہ علیہا السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی خبر گیری کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے اسی اثناء میں تعمیر کعبہ کا حکم ہوا جس کی تفصیل نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمائی ہے:

((ثُمَّ لَبِثَ عَنْهُمْ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِكَ وَإِسْمَاعِيْلُ يُبْرِيْ نَبْلًا لَهُ تَحْتَ دَوْحَةٍ قَرِيْبًا مِنْ زَمْزَمَ فَلَمَّا رَآهُ قَامَ إِلَيْهِ فَصَنَعَا كَمَا يَصْنَعُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ ثُمَّ قَالَ يَا إِسْمَاعِيْلُ إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِيْ أَنْ أَبْنِيَ هٰهُنَا بَيْتًا وَأَشَارَ إِلٰى أَكَمَةٍ مُرْتَفِعَةٍ عَلٰى مَا حَوْلَهَا قَالَ فَعِنْدَ ذٰلِكَ رَفَعَا الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ فَجَعَلَ إِسْمَاعِيْلُ

يَأْتِي بِالْحِجَارَةِ وَ إِبْرَاهِيْمُ يَبْنِيْ حتّٰى إِذَا إِرْتَفَعَ الْبِنَاءُ جَآءَ بِهٰذَا الْحَجَرِ فَوَضَعَهٗ لَهٗ فَقَامَ عَلَيْهِ وَهُوَ يَبْنِيْ وَإِسْمَاعِيْلُ يُنَاوِلُهُ الْحِجَارَةَ))[رواه البخاري: باب(يَزِفُّوْنَ) النَّسَلَانُ فِي الْمَشْيِ]

''جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ملک (فلسطین) میں ٹھہرے رہے اس کے بعد جب اسماعیل علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تو اسماعیل علیہ السلام زمزم کے پاس ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر تیر ٹھیک کر رہے تھے۔ جب اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد محترم کو دیکھا تو اٹھ کر استقبال کیا دونوں اسطرح ملے جس طرح باپ بیٹے سے ملتا ہے ابراہیم علیہ السلام فرمانے لگے: بیٹا! مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس اونچی جگہ پر بیت اللہ تعمیر کروں اسماعیل علیہ السلام نے عرض کی میں حاضرِ خدمت ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اسی جگہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھائیں۔ اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے جا رہے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر فرما رہے تھے۔ جب دیواریں اونچی ہوگئیں یعنی زمین پر کھڑے ہو کر پتھر لگانا مشکل ہو گیا تو جبرائیل علیہ السلام پتھر لے کر آئے جس کو مقام ابراہیم کہا جاتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پتھر پر چڑھ کر کعبہ کی تکمیل فرمائی اور اسماعیل علیہ السلام معاونت کرتے رہے۔''

﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ إِسْمَاعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ [البقرة: ١٢٧]

''اور یاد کرو جب ابراہیم اور اسماعیل گھر (بیت اللہ) کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے اے ہمارے پروردگار! ہماری یہ خدمت قبول فرما۔ تو سب کی سننے اور جاننے والا ہے۔''

کعبۃ اللہ کی عظمت وفضیلت :

اس جہانِ رنگ و بو میں بے شمار خوبصورت سے خوبصورت ترین عمارات ومحلات موجود ہیں جن کے حسن و جمال میں اضافہ کرنے کے لیے لاکھوں کروڑوں روپے لگائے گئے اور مزید خرچ کیے جا رہے ہیں۔ ان کو دیکھیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ لیکن کوئی ایسی جگہ یا عمارت نہیں جس کے دیدار کو اہلِ جہاں کے لیے لازم قرار دیا گیا ہو اور جس کے لیے اتنی دنیا کے دل تڑپتے ہوں۔ یہ اکرام ومقام صرف ایک عمارت کو نصیب ہوا جس کو عام پتھروں سے اٹھایا گیا ہے، اللہ رب العزت نے اسے بیت اللہ قرار دیا ہے۔

مرکز ملت اسلامیہ:

اسے قبلہ بنا کر ملت اسلامیہ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا گیا ہے تاکہ جس طرح ان کے احساسات وجذبات کا رُخ ایک ہی طرف ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اسی طرح ان کا جسمانی زاویہ بھی ایک ہی رخ اختیار کرے تاکہ ملت کی مرکزیت قائم رہ سکے:

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾ [البقرة: ١٥٠]

''اور جہاں سے نکلیں تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیرلیں اور مسلمانو! تم جہاں بھی ہو مسجد حرام کی طرف منہ کرلو۔''

بیت اللہ میں حاضری کے آداب اور احرام کا فلسفہ:

حج اور عمرہ کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ بیت اللہ میں حاضری دینے والے اپنے روزمرہ کے لباس میں آنے کی بجائے فقیرانہ لباس میں حاضر ہوں جو کفن سے مشابہت رکھتا ہے۔ رب کریم کا کرم ہے کہ اس نے موسم اور لوگوں کی کمزوریوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے گھروں سے احرام باندھنے کا حکم دینے کی بجائے میقات یعنی حدودِ حرم مقرر فرمائے تاکہ یہاں پہنچ کر زائر روزمرہ کا لباس اتار کر اپنے اپ کو دو چادروں میں لپیٹ لے۔

وہ قیمتی لباس جس کے رنگ ڈھنگ اور ڈیزائن پر یہ اترایا کرتا تھا، وہ دستار فضیلت جس کو سر پر سجاتے ہوئے سر بلند کیا کرتا تھا، وہ کیپ جو کمانڈر انچیف ہونے کی علامت تھی، وہ تاج جو بادشاہی کی جلالت و تمکنت کا نشان تھا یکا یک اس کو اتارنے کا حکم ہوا اور اب بندہ مؤمن عاجزی کا پیکر بن چکا ہے۔

یہاں واقعتاً شاہ و گدا ایک ہی مقام اور انداز میں کھڑے ہیں، حکم ہوا کہ اس وقت تک قدم آگے نہ اٹھنے پائیں جب تک اپنی زبان سے اللہ کے حضور پیشی اور اس کی بلا شرکت غیرے بادشاہی اور اس کی نعمتوں کا برملا اعتراف نہ کر لیا جائے پھر یہ حاضری اور تلبیہ اس صدا کا جواب ہے جو ہزاروں سال پہلے معمار کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر دی تھی:

حرم کو پاک صاف رکھنے کا صرف یہ معنٰی نہیں کہ اس کو کوڑے کرکٹ سے پاک صاف رکھا جائے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اصل صفائی یہ ہے کہ اس کو شرک کی گندگی سے محفوظ رکھا جائے جیسا کہ قرآن مجید کے دوسرے مقام میں واضح ارشاد موجود ہے کہ مشرک کو حرم میں داخل نہ ہونے دیا جائے کیونکہ مشرک روحانی طور پر گندہ اور پلید ہوتا ہے۔ (التوبہ:۲۸)

نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو تمام بتوں کو مسمار کرتے ہوئے ان تصویروں کو بھی مٹادیا جو مشرکین نے دیواروں پر ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی بنا رکھی تھیں۔ (رواہ البخاری: باب أَيْنَ رَكَزَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الرَّايَةَ يَوْمَ الْفَتْحِ)

مسائل

۱۔ کعبۃ اللہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا۔ ۲۔ بیت اللہ توحید کا مرکز اور ترجمان ہے۔ اس میں شرکیہ کام نہیں ہونے چاہئیں۔

۳۔ بیت اللہ طواف، قیام، رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

بیت اللہ کے آداب:

۱۔ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھا جائے۔ (الحج:۲۶)

۲۔ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لے پاک صاف رکھیں۔ (البقرۃ:۱۲۵)

۳۔ کفار کے ساتھ مسجد حرام کے پاس لڑائی نہ کرو۔ (البقرۃ:۱۹۱) ۴۔ مشرک پلید ہے وہ مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔ (التوبہ:۲۸)

وَاَذِّنۡ	فِی	النَّاسِ	بِالۡحَجِّ	يَاۡتُوۡكَ	رِجَالًا	وَّ	عَلٰی
اوراعلان کردے	میں	لوگوں	حج کا	وہ آئیں گے تیرے پاس	پیدل	اور	پر
كُلِّ	ضَامِرٍ	يَّاۡتِيۡنَ	مِنۡ	كُلِّ	فَجٍّ	عَمِيۡقٍ ۙ﴿۲۷﴾	
ہر	دبلے پتلے اونٹ	وہ آئیں گے	سے	ہر	راستے	دور دراز	

''اورلوگوں میں حج کے لیے اعلان کروکہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار ہو کر آئیں۔'' (۲۷)

فہم القرآن

ربط کلام: تعمیر کعبہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اعلانِ حج کا حکم۔

حضرت خلیل علیہ السلام تعمیر کعبہ سے فارغ ہوئے اور ربِ جلیل کے حضور اپنی مناجات پیش کرلیں تو حکم ہوا' اے ابراہیم علیہ السلام پہاڑ پر چڑھ جاؤ اور چاروں طرف اعلان کرو کہ اے لوگو! تمہارے رب کا گھر تیار ہو چکا ہے لہٰذا اللہ کے گھر کی زیارت کے لیے حاضر ہو جاؤ۔ ابراہیم علیہ السلام عرض کرنے لگے: اے اللہ! میں کمزور ہوں' میری آواز ساری دنیا میں کس طرح پہنچے گی۔ حکم ہوا' اے ابراہیم علیہ السلام تیرا کام آواز دینا ہے ہمارا کام لوگوں تک پہنچانا ہے۔ ''عَلَيْكَ الْإِذْنُ وَعَلَيْنَا الْبَلَاغُ '' علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آپ علیہ السلام نے ابوقبیس پہاڑ پر چڑھ کر آواز دی آپ کی آواز دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچی یہاں تک کہ جن لوگوں کے مقدر میں حج تھا اور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی آواز ان کی ماؤں کے رحم تک پہنچادی ہے۔

حج عبادات کا مرقع، دین کی اصلیت اور اس کی روح کا ترجمان ہے۔ یہ اسلام کے پانچویں رکن کی ادائیگی ہے جو مقررہ ایام میں متعین اور مقدس مقامات پر ادا ہوتی ہے۔ یہ مسلمانوں کی اجتماعی تربیت اور ملت کے معاملات کا ہمہ گیر جائزہ لینے کا وسیع و عریض پلیٹ فارم ہے۔ شریعت نے امت مسلمہ کو اپنے اور دنیا بھر کے تعلقات و معاملات کا تجزیہ کرنے کے لیے سالانہ بین الاقوامی سٹیج مہیا کیا ہے تاکہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے معاملہ میں اپنی کمی بیشی کا احساس کرتے ہوئے توبہ و استغفار، ذاتی اصلاح اور اجتماعی معاملات کی درستگی کے لیے عملی اقدامات اٹھائیں۔ جہاں اپنے کردار و گفتار کا جائزہ لینا ہے وہاں ملتِ کافرہ کے حالات واقعات اور ان کے فکر و عمل پر کڑی نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ یہ احتساب و عمل کی ایسی تربیت گاہ ہے جس سے مسلمانوں کو بھرپور فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ یہی حکمت ہے جس کے لیے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ حج کے موقع پر مملکت کے گورنروں اور اعلیٰ حکام کا اجلاس منعقد کرتے اور ان علاقوں کے عمائدین سے وہاں کے حالات و واقعات اور حکام کے طرزِ عمل کے بارے میں استفسار فرماتے اور موقع پر ہدایات جاری کرتے تھے۔ حج صرف چند مناسک کی ادائیگی اور فقط بڑا اجتماع منعقد کرنے کا نام نہیں بلکہ اس میں تو افکار و اعمال کی انفرادی اور اجتماعی اصلاح کا پروگرام دیا گیا ہے اسی کے پیشِ نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حجاج کرام کو دھکم پیل اور حج کے مقصد سے ہٹتے ہوئے محسوس کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ میں کوڑا لہراتے ہوئے لوگوں سے فرماتے جا رہے تھے:

((عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ فَإِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ فِي الْإِيْضَاعِ)) [رواہ البخاری: باب أَمْرِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِالسَّكِيْنَةِ عِنْدَ الْإِفَاضَةِ]

''اے حجاجِ کرام! سنجیدگی اور وقار اختیار کیجیے، نیکی اُچھلنے کودنے کا نام نہیں۔''

حج شوکتِ اسلام کے بھرپور مظاہرے کا نام ہے۔ اس لیے اسلام کی عظمتِ رفتہ کو حاصل کرنے کے لیے امت مسلمہ کو اپنے کردار کا از سرِ نو جائزہ لینا چاہیے۔''

حجِ مبرور:

''جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ ارشاد ہوا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ پوچھنے والے نے پھر پوچھا اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ ارشاد فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ اُس نے عرض کیا جہاد کے بعد؟ آپ نے ارشاد فرمایا حج مبرور یعنی ایسا حج جو اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے جس میں فسق و فجور نہ ہو (اور سنت کے مطابق کیا جائے)۔'' [رواہ البخاری: باب فضل الحج المبرور]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی رضا کے لیے حج کیا۔ اور اس نے دورانِ حج کوئی شہوانی فعل اور فسق و فجور نہ کیا تو وہ ایسے لوٹے گا گویا اسی دن اس کی والدہ نے اُسے جنم دیا ہے۔[رواہ البخاری:باب فی فضل حج المبرور]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول کیا حج ہر سال فرض کیا گیا ہے آپ خاموش رہے آپ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا پھر تم اس پر عمل کی طاقت نہ رکھتے۔ حج ایک ہی بار فرض ہے۔'' [رواہ النسائی: باب وجوب الحج]

مسائل

۱۔ تعمیر کعبہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کا اعلان کرنے کا حکم ہوا۔

۲۔ حج اور زیارت کعبہ کے لیے قیامت تک زمین کے نشیب و فراز سے لوگ پیدل اور اپنی سواریوں پر آتے رہیں گے۔

تفسیر بالقرآن

حج کے آداب:

۱۔ ان لوگوں پر حج فرض ہے جو حج کے اخراجات اور سفر کی استطاعت رکھتے ہیں۔ (آل عمران:۹۷)

۲۔ حج کے مہینے معلوم ہیں لہٰذا حج کے ایام میں گناہ کے کام نہ کیے جائیں۔ (البقرۃ:۱۹۷)

۳۔ اللہ کے لیے حج اور عمرہ مکمل کرو۔ (البقرۃ:۱۹۶)

۴۔ حج میں ہر کسی قسم کی بے حیائی، نافرمانی اور جھگڑا کرنے سے بچنا چاہیے۔ (البقرۃ:۱۹۷)

لِّيَشۡهَدُوۡا	مَنَافِعَ	لَهُمۡ	وَيَذۡكُرُوا	اسۡمَ	اللّٰهِ	فِيۡۤ
تاکہ وہ حاضر ہوں	منافع	کے لیے	اور وہ یاد کریں	نام	اللہ	میں

اَيَّامٍ	مَّعۡلُوۡمٰتٍ	عَلٰى	مَا	رَزَقَهُمۡ	مِّنۡۢ	بَهِيۡمَةِ
ایام	معلوم ہیں	پر	جو	اس نے دیا ہے ان کو	سے	مویشیوں

الۡاَنۡعَامِ‌ۚ	فَكُلُوۡا	مِنۡهَا	وَاَطۡعِمُوا	الۡبَآئِسَ	الۡفَقِيۡرَ ۞ ۲۸
چوپائے	چنانچہ تم کھاؤ	ان میں سے	اور تم کھلاؤ	فاقہ کش	فقیر

ثُمَّ	لۡيَقۡضُوۡا	تَفَثَهُمۡ	وَلۡيُوۡفُوۡا	نُذُوۡرَهُمۡ	وَلۡيَطَّوَّفُوۡا
پھر	چاہیے کہ وہ دور کریں	اپنی میل کچیل	اور چاہیے وہ کہ پوری کریں	اپنی نذریں	اور چاہیے کہ وہ طواف کریں

بِالۡبَيۡتِ	الۡعَتِيۡقِ ۞ ۲۹
گھر کا	قدیم

''تاکہ فوائد حاصل کریں جو ان کے لیے رکھے گئے ہیں اور چند مقرر ایام میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں دیے ہیں خود بھی کھائیں اور تنگ دست لوگوں کو بھی کھلائیں۔ (۲۸) پھر اپنی میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔'' (۲۹)

فہم القرآن

ربط کلام: ایام تشریق میں کرنے کے کام۔

حج مسلمانوں کی اجتماعی تربیت گاہ اور عالم اسلام کے مسلمانوں کے درمیان ہر قسم کے رابطہ کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی منشاء یہ ہے کہ مسلمان حج سے روحانی فائدے اُٹھانے کے ساتھ، ساتھ ایک دوسرے سے معاشی فوائد بھی حاصل کریں۔ اس لیے ایام تشریق یوم عرفہ کے بعد منیٰ میں گزارنے والے دو یا تین ایام کو ایامِ تشریق کہا جاتا ہے جن میں تجارت کرنا جائز قرار دیا۔ اسلام سے پہلے عرب میں عمومی طور پر حج کرنے والے دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک گروہ وہ تھا جنھوں نے حج کو تجارتی منڈی بنانے کے ساتھ خاندانی تفاخر کا اسٹیج بنالیا تھا۔ بالخصوص ایام تشریق کے دوران کھیل تماشا، لین دین کے دھندے، داستان گوئی اور شعروشاعری کے ذریعے خاندانی تفاخر کے اظہار کے سوا کچھ نہیں کرتے تھے۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو حج کا زادِ سفر لینا گناہ اور اپنے گھر کے کپڑے پہننا دنیاداری سمجھتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ ذاتی لباس اتار کر مکہ والوں سے مانگ تانگ کر کپڑے پہنتے، جسے کپڑے نہ مل پاتے وہ برہنہ بدن حج ادا کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے برہنہ بدن حج کرنے والوں کو حکم دیا کہ وہ اچھا لباس پہن کر مسجد حرام میں آیا کریں۔ (الاعراف: ۳۱) حج ادا کرنے کے بعد کاروبار کی کھلی اجازت عنایت فرمائی تاکہ مسلمان حج کے موقعہ پر

روحانی فوائد کے ساتھ مادی طور پر ایک دوسرے سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں۔لیکن شرط یہ ہے اول وآخر نیت حج کی ہو نہ کہ تجارت کی۔ایام تشریق میں حج تمتع اور حج افراد میں قربانی کرنا لازم ہے اس لیے قربانی کے مسائل ذکر فرمائے۔پہلا مسئلہ یہ ہے کہ قربانی خالص اللہ کے لیے ہونی چاہیے۔قربانی ذبح کرتے ہوئے۔''بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' پڑھنا لازم ہے۔اسلام سے پہلے قربانی کا گوشت کھانا لوگ جائز نہیں سمجھتے تھے۔اس کی وضاحت کرتے ہوئے حکم دیا کہ قربانی کے گوشت سے خود بھی کھاؤ فاقہ کش فقیر کو بھی دو۔ان الفاظ سے استدلال کرتے ہوئے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا موقف ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کرنے چاہییں۔خود کھانا،عزیز واقرباء کو کھلانا اور غرباء میں تقسیم کرنا۔عام حالات میں اس اصول کو اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے لیکن اگر کسی معاشرے میں غرباء کی تعداد زیادہ ہو تو اس تقسیم کا خیال کرنا لازم نہیں۔حج کے مناسک ادا کرنے کے بعد حجاج کرام میل کچیل دور کریں،اپنی نذریں پوری کریں اور بیت اللہ کا طواف کریں۔یہاں بیت اللہ کو بیت العتیق کہا گیا ہے جس کا معنی ہے''قدیم ترین گھر۔''اس سے یہودیوں کے اس دعویٰ کی نفی کی گئی جو مسجد اقصیٰ کو بیت اللہ سے پہلے کی تعمیر قرار دیتے ہیں۔''اَلْعَتِيْقَ'' کا دوسرا معنی آزاد ہے بیت العتیق کا مطلب یہ ہوا کہ ایسا گھر جو کسی کی ذاتی ملکیت نہیں۔بیت العتیق کا تیسرا مفہوم یہ ہے کہ اس پر کسی ظالم اور جابر حکمران کا قبضہ نہیں ہو سکتا ہے۔

((عَنْ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّمَا سُمِيَّ الْبَيْتُ الْعَتِيْقِ لِاَنَّهُ لَمْ يُظْهَرْ عَلَيْهِ جَبَّارٌ)) [رواه الترمذی: باب ومن سورة الحج]

''حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیت العتیق کا نام اس لیے رکھا گیا کیونکہ اس پر کوئی ظالم حکمران غالب نہیں آ سکا۔''

((وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِيْ مَعْصِيَةٍ وَلَا فِيْمَا لَا يَمْلِكُ الْعَبْدُ)) [رواه مسلم: باب لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِی مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا فِيمَا لَا يَمْلِكُ الْعَبْدُ]

''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا جس کام میں نافرمانی پائی جائے اس نذر کو پورا کرنا جائز نہیں اور جو چیز انسان کی مِلک نہیں اسکی نذر نہ مانی جائے۔''

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔'' [رواه مسلم: باب فِی كَفَّارَةِ النَّذْرِ]

مسائل

١۔ حج ادا کرنے کے بعد کاروبار کیا جا سکتا ہے۔ ٢۔ نذر پوری کرنا ضروری ہے۔

٣۔ قربانی کا گوشت خود کھانے کے ساتھ عزیز واقربا اور مسکینوں کو کھلایا جائے۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ
یہی اور جو شخص تعظیم کرے حرمتیں اللہ تو وہ بہت بہتر

لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا
اس کے لیے نزدیک اس کا رب اور حلال کیے گئے ہیں تمھارے لیے چوپائے سوائے ان کے جو

يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ
پڑھے جاتے ہیں تم پر لہٰذا تم بچو ناپاکی کی بتوں

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۙ۝۳۰
اور تم بچو بات سے جھوٹی

”جو کوئی اللہ کی قائم کردہ حرمتوں کا احترام کرے۔ یہ اس کے رب کے نزدیک اور اس شخص کے لیے بھی بہتر ہے اور تمہارے لیے چوپائے حلال کیے گئے ہیں سوائے ان چیزوں کے جو تمہیں بتائی جا چکی ہیں پس بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو۔“ (۳۰)

فہم القرآن

ربط کلام: قربانی اور بیت اللہ کے طواف کے بعد اللہ کی مقرر کردہ حرمتوں کا احترام کرنے کا اشارہ۔

حج کی ادائیگی کے بعد ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حرمات کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے۔ جنھیں سورۃ البقرۃ میں شعائر اللہ کہا گیا ہے۔ ان حرمتوں میں بیت اللہ کا احترام، صفا اور مروہ، مزدلفہ میں مشعر حرام، قربانی کا جانور اور اس کا گوشت، مسلمان کا احترام و اکرام یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حرمتیں ہیں، ان کا احترام کرنے کا حکم ہے۔ اس لیے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حرمتوں کا احترام کیا۔ حرمتوں کا خیال رکھنے والے کے لیے اس کے رب کے ہاں خیر ہے۔ اس سے پہلے قربانی کا ذکر ہو رہا تھا اس لیے یہ وضاحت کر دی کہ تمھارے لیے وہی جانور حلال ہیں جن کا ذکر تمھارے سامنے کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا بتوں کی نجاست سے بچو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو۔ بتوں کو ناپاک قرار دے کر ان کے متعلقات تمام امور کو ناجائز قرار دیا گیا ہے نہ ان کے نام پر کوئی چیز ذبح کرنی چاہیے اور نہ ہی بتوں کا احترام اور ان کے وسیلے سے مانگنا چاہیے۔ اسی طرح قولِ زُور سے بھی بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ الزوّر سے مراد جھوٹ ہے بے شک اسے کتنا ہی بنا سنوار کر بولا جائے۔ غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز دینے والوں کو جب اس کام سے روکا جاتا ہے تو وہ بڑے خوبصورت الفاظ میں اپنے موقف کو جائز قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ”قَوْلَ الزُّوْرِ“ کے الفاظ لا کر یہ باور کروایا گیا ہے کہ یہ جھوٹ ہے اور جھوٹ کو جس قدر اچھے الفاظ کا جامہ پہنایا جائے وہ جھوٹ ہی رہتا ہے اس سے ہر صورت بچنا چاہیے۔ رسولِ کریم ﷺ نے جھوٹی گواہی کو بھی ”قَوْلَ الزُّوْرِ“ قرار دیا ہے۔

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْكَبَائِرُ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ

النَّفْسِ وَالْيَمِيْنُ الْغَمُوْسُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي رِوَايَةِ اَنَسٍ وَّشَهَادَةُ الزُّوْرِ بَدَلَ الْيَمِيْنِ الْغَمُوْسِ))

[رواه البخاري: باب الْيَمِينِ الْغَمُوسِ]

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ذکر کرتے ہیں رسول محترم ﷺ نے فرمایا یہ بڑے گناہ ہیں۔(۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنا (۲) والدین کی نافرمانی کرنا' (۳) ناحق کسی کو قتل کرنا (۴) اور جھوٹی قسم اٹھانا (بخاری) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں جھوٹی قسم کی جگہ جھوٹی شہادت دینے کے الفاظ ہیں۔''

مسلمانوں کا مال، جان اور عزت محترم ہے:

((عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ فَإِنَّ دِمَآءَ كُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا إِلٰى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ قَالُوْا نَعَمْ ....))

[رواه البخاري:كتاب الحج، باب الخطبة أيام منى]

''حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے حج کا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا یقیناً تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر ایسے ہی حرام ہیں جیسا کہ تمہارے لیے آج کا دن، مہینہ اور یہ شہر قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کیا میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کیوں نہیں۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حرمتوں کا احترام کرنا لازم ہے۔۲۔ وہی جانور حلال ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے۔

۳۔ بتوں وران کے متعلقات سے بچنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔۴۔ جھوٹ اور ملمع سازی سے بچنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حرمات:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو حرمت والا گھر قرار دیا ہے۔(المائدۃ:۹۷)

۲۔ اللہ کے ہاں مہینوں کی تعداد بارہ ہے ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔(التوبۃ:۳۶)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرمت والا بنایا ہے۔(النمل:۹۱)

۴۔ اے ایمان والو! حرمت والے مہینوں، حرم کو بھیجی ہوئی قربانیاں اور جن کے گلے میں علامتیں آویزاں ہیں اور ان کا مال اور آبرو جو عزت والے گھر کا قصد کر کے آئیں انھیں حلال نہ ٹھہراؤ۔(المائدۃ:۲)

۵۔ حرمت والی اشیاء کی حرمت کی پاسداری کرنے میں خیر ہے۔(الحج:۳۱)

۶۔ اللہ تعالیٰ کے شعائر کا احترام کرنے کو تقویٰ قرار دیا ہے۔(الحج:۳۲)

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ

یکسو ہو کر | اللہ ہی کے لیے | نہ | شرک کرنے والے | اس کے ساتھ | اور جو کوئی | شرک کرے

بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ

اللہ کے ساتھ | تو گویا | وہ گرا | سے | آسمان | تو اچک لے جائیں اسے | پرندے

اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾

یا | گرا دے | ساتھ اس کے | ہوا | میں | کسی جگہ | دور دراز

” یکسو ہو کر اللہ کے بندے بن جاؤ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک بنائے گا گویا وہ آسمان سے گر پڑا ۔اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا اس کو ایسی جگہ لے جا کر پھینک دے گی جہاں اس کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔“ (۳۱)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حرمات کا تقاضا تبھی پورا ہو سکتا ہے کہ انسان تمام معاملات میں اپنے رب کے لیے یکسو ہو جائے۔

حَنِیْفَ کی جمع ”حُنَفَاءَ“ ہے جس کا معنیٰ ہے کسی کام کے لیے پوری طرح یکسو ہو جانا۔ یہاں حنفاء للّٰہ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں کہ اے لوگو! تمھیں نہ صرف ہر قسم کی ناپاکی، بتوں اور جھوٹ سے بچنا ہے بلکہ پوری طرح اللہ کے بن کر رہنا ہوگا۔ تمھارے عقیدہ اور عمل میں شرک کی ذرہ برابر آمیزش نہیں ہونا چاہیے۔ جس نے اعتقاداً یا عملاً اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا گویا کہ وہ آسمان سے نیچے گرا۔ اس کے زمین پر آتے ہی پرندوں نے نوچ لیا۔ یا اسے تیز ہوا نے ایسے مقام پر جا پھینکا جس سے وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ ”سَحِیْقٍ“ پہاڑ کے درمیان ایسی کھڈ کو کہتے ہیں جس میں گرنے والا پتھروں پر لڑھکتا ہوا اس طرح نیچے گرے کہ اس کے جسم کے چیتھڑے اُڑ جائیں۔ شرک کرنے والے کی حقیقتاً یہی حالت ہوتی ہے۔ عقیدہ توحید انسان کو فکری اور عملی طور پر بلندیوں سے سرفراز کرتا ہے۔ شرک انسان کو فکری اور عملی طور پر ذلت اور زوال سے دوچار کرتا ہے۔ مواحد انسان ہر حال میں اپنی خودی کو قائم رکھتا ہے۔ اگر وہ کسی کے ساتھ تعلق جوڑتا ہے تو اس کے پیچھے مفاد کی بجائے اللہ کا حکم اور اس کی رضا مقصود ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں مشرک فکری اور عملی طور پر اس قدر گھٹیا بن جاتا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو چھوڑ کر بتوں، پتھروں اور مزاروں کے سامنے ماتھا رگڑتا ہے۔ اس کے عمل اور تعلق کے پیچھے جلد بازی اور مفاد پرستی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ وہ ”اللہ“ کی عبادت بھی صرف دنیوی فائدے کے لیے کرتا ہے۔ جس وجہ سے مشرک اپنے رب کا وفادار نہیں ہوتا جو اپنے رب کا وفادار نہیں وہ دوسروں کا کس طرح وفادار ہو سکتا ہے۔ جس طرح آسمان سے گرنے والے کا وجود ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اسی طرح مشرک فکر و عمل کے اعتبار سے ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ وہ اعتقادی طور پر منتشر اور خودداری کے حوالے سے انتہائی تہی دامن ہوتا ہے۔ اسی بات کا نتیجہ ہے کہ اچھا بھلا پڑھا لکھا انسان کبھی فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے آدمی

سے قسمت دریافت کرتا ہے، اور کبھی بت کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہوتا ہے۔ ایک قبر کے سامنے سجدہ کررہا ہے اور دوسرا قبر کے پاس بیٹھے ہوئے مجاور کے سامنے فریاد کررہا ہوتا ہے اس طرح دردر کی ٹھوکریں کھانے کو ثواب سمجھتا ہے۔ ان کے مقابلے میں مومن غریب ہو یا امیر، پڑھا ہوا ہو یا ان پڑھ وہ اپنے رب کو چھوڑ کر کہیں جانے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لِأَهْوَنِ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا لَوْ كَانَتْ لَكَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا أَكُنْتَ مُفْتَدِيًا بِهَا فَيَقُوْلُ نَعَمْ فَيَقُوْلُ قَدْ أَرَدْتُ مِنْكَ أَهْوَنَ مِنْ هٰذَا وَأَنْتَ فِيْ صُلْبِ اٰدَمَ أَنْ لَا تُشْرِكَ أَحْسَبُهُ قَالَ وَلَا أُدْخِلَكَ النَّارَ فَأَبَيْتَ إِلَّا الشِّرْكَ)) [رواہ مسلم: کتاب صفة القيامة والجنة والنار، باب طَلَبِ الْكَافِرِ الْفِدَاءَ بِمِلْءِ الْأَرْضِ ذَهَبًا]

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ جہنمیوں میں سے کم ترین عذاب پانے سے کہے گا۔ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اگر تیرے پاس ہو۔ کیا تو اسے فدیہ کے طور پر دینے کے لیے تیار ہے وہ کہے گا جی ہاں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تجھ سے اس سے بھی ہلکی بات کا مطالبہ کیا تھا جب تو آدم کی پشت میں تھا وہ یہ کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا۔ راوی کا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تجھے جہنم میں داخل نہ کرتا لیکن تو شرک سے باز نہ آیا۔“

مسائل

۱۔ مسلمان کا فکر و عمل صرف اللہ کے لیے ہوتا ہے۔

۲۔ جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ بلندیوں سے پستیوں میں گر جاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

شرک کی ذلّت اور اس کے نقصانات:

۱۔ شرک سے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ (الزمر: ۶۵)

۲۔ اللہ مشرک کو معاف نہیں کرے گا اس کے علاوہ جسے چاہے گا معاف کر دے گا۔ (النساء: ۴۸)

۳۔ شرک کرنے والا راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے۔ (النساء: ۱۱۶)

۴۔ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے گویا کہ وہ آسمان سے گر پڑا۔ (الحج: ۳۱)

۵۔ شرک کرنے والے پر جنت حرام ہے۔ (المائدۃ: ۷۲)

۶۔ اللہ اور اُس کا رسول مشرکوں سے بری الذّمہ ہے۔ (التوبۃ: ۳)

۷۔ مشرکین کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (ابراہیم: ۳۰) ۸۔ اللہ تعالیٰ نے مشرک اور زانی کو ایک جیسا قرار دیا ہے۔ (النور: ۳)

مِنْ	فَاِنَّهَا	اللّٰهِ	شَعَآئِرَ	يُّعَظِّمْ	وَمَنْ	ذٰلِكَ
سے	تو بلاشبہ یہ	اللہ	نشانیاں	تعظیم کرے	اور جو شخص	یہی ہے

الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾	تَقْوَى
دلوں	پرہیزگاری

''حقیقت یہ ہے کہ جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے تو یہ دلوں کے پرہیزگار ہونے کا ثبوت ہے۔'' (۳۲)

فہم القرآن

ربط کلام: ''اللہ'' کی توحید کے لیے یکسو ہونے اور شرک سے بچنے کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حرمات کا اعتقاداً اور عملاً احترام کیا جائے۔

''شَعَائِرَ'' ''شِعَارُ'' کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے ایسی جگہ یا نشانی۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی طرف انسان کی توجہ مبذول ہوتی ہو اور اس کا ''شعائِرَ اللّٰہ'' ہونا قرآن اور حدیث رسول سے ثابت ہو۔ اس لیے شعائر اللہ کی تعظیم کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات کا احترام کرنا اور اس کا تقویٰ اختیار کرنا ہے۔ یاد رہے کہ جو شخص بھی دل کی گہرائی کے ساتھ نیکی کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کی نیکی کو جانتا اور اس کی قدر افزائی فرمانے والا ہے۔

شعائر اللہ کا احترام اس کی تعظیم کرنا لازم ہے لیکن اس کی حقیقی تعظیم وہی شخص کرے گا جس میں اللہ کا خوف اس کی عظمت کا اعتراف اور اس کی صفات کی معرفت موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت انسان کو کفر و شرک اور دوسرے گناہ کرنے سے روکتی ہے اگر اللہ تعالیٰ کی عظمت انسان کے دل سے اُٹھ جائے تو انسان شعائر اللہ کے نام پر بھی شرک و بدعت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اپنی طرف سے بعض چیزوں اور کاموں کو شعائر اللہ بنا لیتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہندو بتوں، مسلمان مزارات اور باقی اقوام نے اپنے اپنے شعائر بنا رکھے ہیں اور وہ ان کے سامنے جھکتے، نذر و نیاز پیش کرتے ہیں اور وہاں پہنچ کر جوتے اُتار دیتے ہیں اور الٹے پاؤں واپس پلٹتے ہیں اس طرح کی بے شمار حرکتیں ہیں جو شرک و بدعت کے زمرے میں شامل ہیں۔ اس لیے یہاں شعائر اللہ کی تعظیم کا نتیجہ بتلایا ہے کہ اس کے دل میں گناہوں سے بچنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم وہی شخص کرے گا جس کے دل میں اللہ کا خوف موجزن ہوگا۔ جس دل سے خوفِ خدا نکل جائے تو اس کے دل سے شعائر اللہ کی تعظیم اُٹھ جاتی ہے اور وہ من ساختہ تعظیم کرنے کے درپے رہتا ہے۔

مسائل

۱۔ شعائر اللہ کی تعظیم کرنے والے کے دل میں اللہ کا خوف ہوتا ہے۔ ۲۔ شائر اللہ کی تعظیم کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

تقویٰ اور اس کے فوائد:

۱۔ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔ (التوبۃ:۱۲۳) ۲۔ متقین کے لیے کامیابی ہے۔ (النباء:۳۱)

۳۔ اللہ سے ڈرو اور جان لو بے شک اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ:۱۹۴)

لَكُمْ	فِيْهَا	مَنَافِعُ	اِلٰٓى	اَجَلٍ	مُّسَمًّى	ثُمَّ
تمھارے لیے	اس میں	منافع	تک	وقت	مقررہ	پھر
مَحِلُّهَآ	اِلَى	الْبَيْتِ	الْعَتِيْقِ ﴿٣٣﴾	وَلِكُلِّ	اُمَّةٍ	جَعَلْنَا
ان کے حلال ہونے کی جگہ	تک	گھر	قدیم	اور ہر	امت کے لیے	ہم نے مقرر کی
مَنْسَكًا	لِّيَذْكُرُوا	اسْمَ	اللّٰهِ	عَلٰى	مَا	رَزَقَهُمْ
قربانی	تاکہ وہ یاد کریں	نام	اللہ	پر	جو	اس نے انھیں دیے
مِّنْۢ	بَهِيْمَةِ	الْاَنْعَامِ	فَاِلٰهُكُمْ	اِلٰهٌ	وَّاحِدٌ	فَلَهٗٓ
میں سے	مویشی	چوپائے	چونکہ تمھارا معبود	معبود	ایک ہی	سو اسی کے لیے
اَسْلِمُوْا	وَبَشِّرِ	الْمُخْبِتِيْنَ ﴿٣٤﴾				
تم مطیع ہو جاؤ	اور خوشخبری سنا	عاجزی کرنے والے				

رکوع ٥

”تمہیں ایک وقت مقرر تک ان سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ قدیم گھر کے پاس ہے۔ (٣٣) ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک طریقہ مقرر کیا ہے تاکہ لوگ ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے ہیں پس تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اور اسی کے فرماں بردار ہو جاؤ۔ اور اے نبی عاجزی کرنے والوں کو بشارت دیجیے۔“ (٣٤)

فہم القرآن

ربط کلام: دل کے تقویٰ کا تقاضا ہے کہ شعاء اللہ کا احترام کیا جائے۔ شعائر اللہ کا وہی احترام کرے گا جو اپنے ”اللہ“ کے سامنے قلباً اور عملاً عاجزی کرنے والا ہوگا۔

اللہ کے حضور انسان جب کسی جانور کی قربانی پیش کرتا ہے تو اس میں نیت رضائے الٰہی کے حصول کے سوا کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ دین اسلام کی خوبیوں میں ایک خوبی یہ ہے کہ اس کے ہر کام میں آخرت کے اجر کے ساتھ دنیا کا فائدہ پایا جاتا ہے۔ پہلی امتوں میں یہ اصول تھا کہ قربانی پیش کرنے والا اس کا گوشت نہیں کھا سکتا تھا۔ لیکن ہم پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ اس نے نہ صرف ہمیں قربانی کا گوشت کھانے کی اجازت عنایت فرمائی ہے بلکہ ہم قربانی کے جانور کی اُون چمڑی اور ہڈیوں سے بھی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اسی طرح دیگر چوپاؤں میں ہمارے لیے فوائد رکھے گئے ہیں۔

جہاں تک قربانی کے واجب ہونے کا تعلق ہے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے ہر امّت کے لیے قربانی کرنا لازم قرار دیا اور انھیں ہدایت کی تھی کہ قربانی صرف اللہ کے نام پر ہونی چاہیے اسے ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام لینا فرض ہے۔

کیونکہ اسی نے تمہیں چوپائے عطا فرمائے ہیں لہٰذا وہ اکیلا ہی عبادت کے لائق ہے۔ یہاں عبادت سے پہلی مراد نذر و نیاز ہے جو صرف اور صرف ''اللہ'' ہی کے لیے ہونی چاہیے۔ لہٰذا ہر حال میں اپنے رب کے تابع فرماں رہو۔ جو لوگ اپنے رب کے حضور دل کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ مطیع ہوں گے انھیں خوشخبری کا پیغام دیا جاتا ہے۔

قربانی کی تاریخ:

جب سے حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے اسی وقت سے لے کر ''اللہ'' کی راہ میں اس کی رضا کے لیے قربانی کرنا مشروع ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں واقعہ بیان ہوا ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ [المائدۃ: ٢٧، ٢٨]

''آپ ان کو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ سنائیں۔ جب ان دونوں نے قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی قربانی قبول نہیں کی گئی۔ جس کی قربانی قبول نہ ہوئی اس نے دوسرے بھائی کو کہا کہ میں تجھے قتل کردوں گا۔ پہلے نے جواب دیا اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا کیونکہ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔''

قربانی کی فضیلت:

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ هِرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَيَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَّقَعَ الْاَرْضَ فَطِيْبُوْبِهَا نَفْسًا)) [رواه ابن ماجة: ابواب الاضاحی، باب ثواب الاضحية]

''ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قربانی کے دن اللہ تعالیٰ کو خون بہانے سے زیادہ پسند کوئی عمل نہیں۔ قربانی کا جانور اپنے سینگوں، کھروں اور بالوں سمیت حاضر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے درجات بلند فرما دیتا ہے۔ اس لیے قربانی دل کی خوشی کے ساتھ کیا کرو۔''

قربانی کا اجر:

((عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِيُّ قَالَ سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ قَالُوْا فَمَالَنَا فِيْهَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوْا فَالصُّوْفُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِّنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ)) [رواه ابن ماجة: ابواب الاضاحی، باب ثواب الاضحية]

”زید بن ارقم کا بیان ہے کہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم نے آپ سے سوال کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! قربانی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ہمیں اس میں کیا ملے گا؟ ارشاد ہوا قربانی کے بالوں کے برابر ثواب ملے گا۔ رفقائے رسول رضی اللہ عنہم پھر عرض کرتے ہیں اللہ کے نبی بھیڑ کی اون کے برابر بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بھیڑ کی اون کے ایک ایک بال کے برابر نیکیاں ملیں گی۔“

((عَنْ جُنْدُبِ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْبَجَلِي رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا اُخْرٰى وَمَنْ لَّمْ يَذْبَحْ حَتّٰى صَلَّيْنَا فَلْيَذْبَحْ عَلَى اسْمِ اللّٰهِ)) [رواه البخاري: باب قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم فليذبح على اسم الله]

”حضرت جندب بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نمازِ عید سے پہلے جانور ذبح کیا اسے اور قربانی کرنا پڑے گی جو نمازِ عید کے بعد قربانی کرے اسے اللہ کے نام پر قربانی ذبح کرنی چاہیے۔“

(حج کرنے والا قربانی کے اونٹ پر سواری کر سکتا ہے۔ البتہ جب قربانی کا وقت آئے تو اسے قربانی کرنا ہوگا۔)

مسائل

۱۔ قربانی کرنے میں دینی اور دنیاوی فوائد ہیں۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لیے قربانی مقرر کی ہے۔
۳۔ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا (بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ) لازم ہے۔
۴۔ اللہ ایک ہی معبودِ حقیقی ہے اُسی کا مطیع ہونا چاہیے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کرنے والوں کے لیے جنت کی خوشخبری ہے۔

تفسیر بالقرآن

قربانی کے مسائل:

۱۔ قربانی (ذوالحجہ) کے چند مخصوص دنوں میں کرنی چاہیے۔ (الحج: ۲۸)
۲۔ قربانی اللہ کے نام پر ذبح کرنی چاہیے۔ (الحج: ۳۴)
۳۔ اونٹ کو گھٹنا باندھ کر کھڑے کھڑے قربانی کرنا چاہیے۔ (الحج: ۳۶)
۴۔ قربانی کا گوشت خود بھی کھانا چاہیے اور فقیروں اور قناعت کرنے والوں کو بھی دینا چاہیے۔ (الحج: ۳۶)
۵۔ گوشت اور خون کی بنیاد پر قربانی قبول نہیں ہوتی قربانی تقویٰ کی بنیاد پر قبول ہوتی ہے۔ (الحج: ۳۷)
۶۔ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ (الصّٰفّٰت: ۱۰۸)

الَّذِيْنَ	اِذَا	ذُكِرَ	اللّٰهُ	وَجِلَتْ	قُلُوْبُهُمْ	وَالصّٰبِرِيْنَ
وہ لوگ	جب	ذکر کیا جاتا ہے	اللہ	ڈر جاتے ہیں	ان کے دل	اور صبر کرنے والے ہیں
عَلٰى	مَآ	اَصَابَهُمْ	وَالْمُقِيْمِي	الصَّلٰوةِ	وَمِمَّا	
پر	جو	انھیں پہنچی	اور قائم کرنے والے ہیں	نماز	اور اس میں سے جو	
رَزَقْنٰهُمْ	يُنْفِقُوْنَ ۞۳۵					
ہم نے ان کو رزق دیا	وہ خرچ کرتے ہیں					

’’جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کا فرمان سنتے ہیں تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ ان پر مصیبت آئے تو اس پر صبر کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔‘‘ (۳۵)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ کے بندے صرف جانور ذبح کرتے وقت ہی اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے بلکہ جب بھی ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا یعنی اس کی توحید اور فرمان کا تذکرہ ہو تو ان کے دل لرز جاتے ہیں۔

اللہ سے ڈرنے کے تقاضے ہیں کہ جب جانور ذبح کیا جائے تو اس پر دوسروں کا نام لینے کی بجائے صرف ’’اللہ‘‘ ہی کا نام یعنی بسم اللہ واللہ اکبر پڑھ کر ذبح کیا جائے۔ اس کا دوسرا تقاضا ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے ’’اللہ‘‘ ہی کا مال ہے اسی کے حکم اور اس کی خوشنودی کے لیے ذبح کر رہا ہوں اس میں کسی بت یا بزرگ کا کوئی حصہ نہیں۔ اللہ کے ذکر کا یہ بھی تقاضا ہے کہ صاحبِ ایمان کے سامنے جب اللہ کی ذات اور صفات کا بیان ہو تو اس کی جلالت و جبروت کے سامنے اس کا دل لرز جائے۔ دل لرزنے کا حقیقی معنی یہ ہے کہ بتوں اور مزارات کے سامنے نذر و نیاز پیش کرنے کی بجائے صرف اللہ کے حضور پیش کرے اور غیر اللہ کی اطاعت چھوڑ کر اللہ کی اطاعت میں آجائے۔ اگر اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے مشکلات پیش آئیں تو انھیں صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرے۔ صبر و تحمل کے لیے ضروری ہے کہ وہ پانچ وقت کی نماز ادا کرے اور جو کچھ اسے اس کے رب نے عطا کر رکھا ہے۔ اس میں سے دین کی بالادستی اور اللہ کے بندوں پر خرچ کرتا رہے۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ سے ڈرنے کے چار اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔

مسائل

۱۔ اللہ کے ذکر سے مومنوں کے دل نرم ہوتے ہیں۔

۲۔ مشکلات کے وقت صبر کرنا چاہیے۔ ۳۔ نماز کی پابندی کرنا چاہیے۔

۴۔ اللہ کے دیے ہوئے رزق سے صدقہ کرنا چاہیے۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ

اورقربانی کےاونٹ ہم نےانھیں بنایا تمھارے لیے سے نشانیاں اللہ تمھارے لیے

فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ

ان میں بہت بھلائی چنانچہ تم یاد کرو نام اللہ ان پر صف بستہ

فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ

پھر جب گر جائیں ان کے پہلو تو تم کھاؤ ان میں سے اور کھلاؤ قناعت کرنیوالے

وَالْمُعْتَرَّ ۗ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور مانگنے والے اسی طرح ہم نے تابع کر دیا ان کو تمھارے لیے تاکہ تم تم شکر کرو

''اونٹوں کو ہم نے تمہارے لیے شعائر اللہ بنایا ہے تمہارے لیے ان میں خیر ہے پس انہیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو اور جب ان کی پیٹھیں زمین پر ٹک جائیں تو ان میں سے خود بھی کھاؤ اور ان کو بھی کھلاؤ جو قناعت کیے بیٹھے ہیں اور ان کو بھی جو سوالی ہیں۔ ان جانوروں کو ہم نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم شکریہ ادا کرو۔''(۳۶)

فہم القرآن

ربط کلام: سلسلہ کلام کے درمیان چند نصائح فرما کر اب پھر قربانی کے مسائل اور فضائل کا ذکر کیا جاتا ہے۔

یہودیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے ذمہ یہ بات لگا رکھی ہے کہ انہوں نے اپنے آپ پر اونٹ کا گوشت حرام کر رکھا تھا اس لیے ہم اونٹ کا گوشت نہیں کھاتے اور نہ اس کی قربانی کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ یہودیوں کے نظریہ کی تردید کے لیے سورۃ آل عمران، آیت: ۹۳ میں وضاحت فرمائی کہ یعقوب علیہ السلام کے لیے سب چیزیں حلال تھیں۔ البتہ انہوں نے جو چیز بیماری کی وجہ سے پرہیز کے طور پر چھوڑ دی وہ الگ مسئلہ ہے۔ چنانچہ وہ اونٹ بھی تمھارے لیے شعائر اللہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ جنہیں نذر یا قربانی کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہو۔ اونٹ کو کھڑا کر کے اس پر اللہ کا نام لو یعنی تکبیر پڑھ کر ذبح کرو۔ جب وہ زمین پر گر پڑے تو اس کا گوشت بناؤ۔ جس میں خود کھاؤ، اس شخص کو بھی کھلاؤ جو کسی سے سوال نہیں کرتا اور اس کو بھی دو جو تم سے قربانی کا گوشت مانگتا ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے اونٹ جیسے طاقتور جانور کو تمھارے تابع کر دیا ہے۔ حالانکہ اونٹ وہ جانور ہے کہ اگر بگڑ جائے تو اسے قابو میں لانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اونٹ جس کے خلاف دل میں کینہ رکھ لے موقعہ پاتے ہی اس سے بدلہ لیتا ہے۔ چاہے طویل عرصہ کے بعد اس سے بدلہ لینا پڑے۔ اس لیے اونٹ کا کینہ ضرب المثل اختیار کر چکا ہے۔ محاورہ ہے کہ فلاں شخص شُتر کینہ ہے، یہ اللہ کے کرم کا نتیجہ ہے کہ ایک بچہ بھی اسے نکیل سے پکڑ کر جدھر چاہتا ہے لیے پھرتا

ہے۔ خیر کا لفظ بول کر یہ بھی وضاحت کردی ہے کہ اونٹ حلال ہے حرام نہیں۔ اس میں دنیوی فوائد بھی بے شمار ہیں۔ بالخصوص صحرا میں رہنے والوں کے لیے یہ بہترین سواری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اونٹ کی تخلیق اور اس کے صبر و شکر کو اپنی قدرت کی نشانی قرار دیا ہے۔ (الغاشیہ:١٣)

گائے اور اونٹ میں کتنے شریک ہوں؟

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِیْ سَفَرٍ فَحَضَرَ الْاَضْحٰی فَاشْتَرَکْنَا فِی الْبَقَرَۃِ سَبْعَۃٌ وَفِی الْبَعِیْرِ عَشَرَۃٌ)) [رواہ الترمذی: باب ماجاء فی الاشتراک فی البدنۃ والبقرۃ]

''ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے ایامِ قربانی شروع ہوگئے ہم گائے میں سات آدمی شریک ہوئے اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے۔''

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما اَنَّہٗ اَتٰی عَلٰی رَجُلٍ قَدْ اَنَاخَ بَدَنَتَہٗ یَنْحَرُھَا قَالَ ابْعَثْھَا قِیَامًا مُقَیَّدَۃً سُنَّۃَ مُحَمَّدٍ ﷺ)) [رواہ البخاری: باب نَحْرِ الْاِبِلِ مُقَیَّدَۃً]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ایک شخص کے پاس آئے جس نے اپنے اونٹ کو نحر کرنے کے لیے بٹھایا ہوا تھا۔ آپ نے اُسے ہدایت کی کہ اس کو کھڑا کر کے ذبح کرو۔ یہی آپ ﷺ کی سنت ہے۔'' (نحر کا معنیٰ: سینہ پر مارنا، یعنی ذبح کرنا ہے۔)

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جن انعام و اکرام سے نوازا ہے اس کا شکر انتہائی ضروری ہے۔ جس طرح نعمتیں مختلف شکلوں میں ہیں اسی طرح ان کے شکرانے کے لیے مختلف صورتیں مقرر کی گئی ہیں۔ جسم اور اس کی توانائی کا شکر، نماز، روزے کی صورت میں مقرر کیا گیا ہے۔ سیم و زر کے تشکر کے لیے زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی لازم قرار دی۔ جانوروں پر تصرف' گوشت' دودھ' سواری' بار برداری کا شکر زکوٰۃ و صدقات اور قربانی کرنا ہے تاکہ اظہار تشکر کے ساتھ یہ اعتراف بھی ہو کہ اس کا مالک میں نہیں اصل مالک وہ ذات ہے جس نے یہ عطا فرمائے ہیں۔ اسی کے نام پر اس کو ذبح کر رہا ہوں۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ

''ہم نے ان جانوروں کو تمہارے تابع کر دیا تاکہ اللہ کی کبریائی کا اعتراف کرو جس طرح اس نے تمہاری راہنمائی فرمائی اور خوشخبری دیجیے نیکی کرنے والوں کو۔'' [الحج:٣٧]

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے اونٹ میں بہت سے فوائد رکھے ہیں۔ ٢۔ قربانی کے اونٹ بھی شعائر اللہ میں شامل ہیں۔

٣۔ اونٹ کو کھڑا کر کے ذبح کرنا چاہیے۔ ٤۔ قربانی کا گوشت سائل کو بھی دینا چاہیے۔

٥۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ

ہرگز نہیں وہ پہنچتا اللہ ان کے گوشت اور نہ اس کا خون اور لیکن

يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ

اسے پہنچتا ہے تقویٰ تمھارا اسی طرح اس نے تابع کر دیا ہے اس کو تمھارے لیے

لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۳۷

تاکہ تم بڑائی بیان کرو اللہ اس پر کہ اس نے تمھیں ہدایت دی اور خوشخبری دیجیے نیکی کرنے والے

’’اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے نہ گوشت پہنچتے ہیں نہ خون اسے تمہاری پرہیزگاری درکار ہے اس نے جانوروں کو تمہارے لیے اس لیے مسخر کیا ہے تاکہ اس کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق اس کی بڑائی بیان کرو اور اے نبی نیک لوگوں کو خوشخبری دیجیے۔‘‘ (۳۷)

فہم القرآن

ربط کلام: قربانی کے مسائل کا بیان جاری ہے۔

عربوں میں یہ بھی جہالت پائی تھی کہ جب وہ قربانی ذبح کرتے تو اس کا خون اپنے جسم اور کپڑوں پر مَل لیتے تھے۔ جس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہوتا کہ ہماری قربانی قبول ہو چکی ہے۔ قرآن مجید نے اس رسم کی نفی کرتے ہوئے واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ کو تمھاری قربانیوں کا نہ خون پہنچتا ہے اور نہ ہی گوشت۔ اسے دلوں کا اخلاص اور تمہاری پرہیزگاری درکار ہے کہ تم کس جذبے اور نیت کے ساتھ قربانی کرتے ہو۔ جس میں پہلا جذبہ یہ درکار ہے کہ قربانی کرنے والا یہ احساس دل میں لائے کہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے وسائل اور طاقت سے یہ جانور میرے تابع ہوا ہے۔ دوسرا یہ جذبہ پیدا کرے کہ اسی کی ہدایت اور توفیق سے میں اسے ذبح کر رہا ہوں۔ اگر وہ مجھے ہدایت اور توفیق نہ بخشتا تو مجھ میں کب ہمت تھی کہ میں قربانی کرتا۔ ہدایت سے مراد وہ توفیق اور راہنمائی ہے جس بنا پر آدمی دوسروں کی بجائے صرف اور صرف اپنے رب کے حضور اور اس کی رضا کے لیے نذ و نیاز اور قربانی پیش کرتا ہے۔ جو لوگ اس اخلاص کے ساتھ قربانی ذبح کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہی کی قربانی قبول کرتا ہے اسی لیے قربانی کے وقت آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے تھے۔

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ [الانعام:۱۶۲]

’’اے پیغمبر ﷺ کہہ دیجیے! میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔‘‘

((عَنْ عَائِشَةَ ؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَ بِكَبْشٍ اَقْرَنَ يَطَأُ فِيْ سَوَادٍ وَيَبْرُكُ فِيْ سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ فَأُتِيَ بِهٖ لِيُضَحِّيَ بِهٖ قَالَ يَا عَآئِشَةُ هَلُمِّي الْمُدْيَةَ ثُمَّ قَالَ اشْحَذِيْهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلْتُ ثُمَّ اَخَذَهَا وَاَخَذَ الْكَبْشَ فَاَضْجَعَهُ ثُمَّ ذَبَحَهُ ثُمَّ قَالَ (بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ)

ثُمَّ ضَحّٰی بِہٖ))[رواہ مسلم: باب اسْتِحْبَابِ الضَّحِيَّةِ وَذَبْحِهَا مُبَاشَرَةً بِلَا تَوْكِيلٍ وَالتَّسْمِيَةِ وَالتَّكْبِيرِ]

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگوں والا مینڈھا جس کی ٹانگیں‘ پیٹ اور آنکھیں سیاہ تھیں مجھے لانے کا حکم دیا۔جب یہ جانور ذبح کے لیے لایا گیا تو آپ نے مجھے چھری لانے کے لئے فرمایا ساتھ ہی فرمایا کہ پتھر پر چھری تیز کرو۔میں نے ایسا ہی کیا آپ نے چھری پکڑی اور مینڈھے کو لٹا کر ذبح کرنے کے وقت بسم اللہ پڑھی اور یہ الفاظ ادا کیے۔الٰہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ‘ آل محمد اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی طرف سے قبول فرما۔‘‘

بعض نام نہاد دانشور اور کچھ لوگ آسمانی آفت زلزلہ‘ سیلاب‘ غربت یا جہاد کے جذبہ کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ ہر سال قربانی کرنے کے بجائے قربانی کی رقم جہاد اور فلاح و بہبود کے کاموں پر صرف ہونی چاہیے۔ایسے احباب کو یاد رکھنا چاہیے کہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے دس سالہ دور میں قربانی بھی کی اور جہاد بھی جاری رکھا۔

جہاں تک غربت کا معاملہ ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے زیادہ مسلمانوں پر کبھی بھی غربت کا دور نہیں آیا۔لہٰذا لوگوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ ہر حال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی قربانی کرتے رہیں۔کیونکہ ارشاد ہے:

’’ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قربانی کے دن اللہ تعالیٰ کو خون بہانے سے زیادہ پسند کوئی عمل نہیں۔قربانی کا جانور اپنے سینگوں‘ کھروں اور بالوں سمیت حاضر ہوگا۔اللہ تعالیٰ قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے درجات بلند فرما دیتا ہے۔اس لیے قربانی کرنے پر خوش ہوا کرو۔‘‘

(رواہ ابن ماجۃ: ابواب الاضاحی ، باب ثواب الاضحیۃ)

مسائل

۱۔ اللہ کو قربانی کا گوشت پوست اور خون نہیں پہنچتا۔ ۲۔ اللہ کو قربانی کرنے والے کا اخلاص درکار ہے۔

۳۔ قربانی پر تکبیر پڑھنا چاہیے۔بسم اللہ واللہ اکبر۔ ۴۔ اخلاص کے ساتھ قربانی دینے والے کے لیے خوشخبری ہے۔

تفسیر بالقرآن

محسنین کے اوصاف:

۱۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والے محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔(ھود:۱۱۵)

۲۔ احسان کرو یقیناً اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔(البقرۃ:۱۹۵)

۳۔ انھیں معاف کیجیے اور درگزر کیجیے یقیناً اللہ محسنین کو پسند فرماتا ہے۔(المائدۃ:۱۳)

۴۔ محسنین تنگی اور کشادگی میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں،غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کردیتے ہیں۔(آل عمران:۱۳۴)

اِنَّ	اللّٰہَ	یُدٰفِعُ	عَنِ	الَّذِیْنَ	اٰمَنُوْا	اِنَّ
بے شک	اللہ	وہ دور کرتا ہے	سے	لوگ	ایمان لائے	بے شک
لَا	یُحِبُّ	کُلَّ	خَوَّانٍ	کَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾	اُذِنَ	لِلَّذِیْنَ
نہیں	پسند کرتا	ہر	خیانت کرنے والے	ناشکرے	اجازت دی گئی ہے	ان لوگوں کے لیے
یُقٰتَلُوْنَ	بِاَنَّھُمْ	ظُلِمُوْا	وَاِنَّ	اللّٰہَ	عَلٰی	
لڑائی کیے جاتے ہیں	اس سبب سے کہ بے شک وہ	مظلوم ہیں	اور بلاشبہ	اللہ	پر	
نَصْرِھِمْ	لَقَدِیْرُ ﴿۳۹﴾					
ان کی مدد کرنے	البتہ خوب قادر ہے					

ع ۵ | ۱۲ | ۵ آیات

”یقیناً اللہ ایمان والوں کا دفاع کرتا ہے بے شک اللہ کسی خائن اور ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔ (۳۸) ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں یقیناً اللہ ان کی مدد کرنے والا ہے۔“ (۳۹)

فہم القرآن

ربط کلام: قربانی کے جذبہ کا منطقی نتیجہ ہے کہ مسلمان اپنا تن، من، دھن ”اللہ“ کی راہ میں نچھاور کر دے اس لیے قربانی کے مسائل بیان کرتے ہوئے قتال فی سبیل اللہ کی اجازت کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مکہ معظمہ میں تیرہ سال تک مسلمان ہر قسم کے مظالم برداشت کرتے رہے۔ مقابلے میں جب کبھی لڑنے کی اجازت طلب کی گئی تو مسلمانوں کو اپنا دفاع کرنے سے روک دیا گیا۔ ہجرت کے بعد یہ پہلا فرمان ہے جس میں مظلوم مسلمانوں کو نہ صرف لڑنے کی اجازت دی گئی بلکہ یقین دہانی بھی کروائی گئی کہ مسلمانوں اب تمھیں ظلم کے خلاف لڑنے کی اجازت ہے۔ یقین رکھنا کہ اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کرنے پر قادر ہے۔ بالفاظ دیگر تمہاری ضرور مدد کی جائے گی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا دفاع کرتا ہے کیونکہ وہ کسی خائن اور ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ جب کفار کے ساتھ قتال کا سلسلہ شروع ہوا تو بدر سے لے کر تبوک تک نہتے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے وہ کامیابیاں عنایت فرمائیں جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ مَّاتَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِہٖ نَفْسَہٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَۃٍ مِّنْ نِّفَاقٍ)) [رواہ مسلم: کتاب الإمارۃ، باب ذم من مات ولم یغزو ولم یحدث نفسہ بالغزو]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا: جس نے نہ جہاد کیا اور نہ ہی دل میں جہاد کا خیال لایا تو وہ منافقت کی ایک قسم پر فوت ہوا۔“

الَّذِيْنَ	اُخْرِجُوْا	مِنْ	دِيَارِهِمْ	بِغَيْرِ	حَقٍّ
وہ لوگ	نکالے گئے	سے	اپنے گھروں	بغیر	حق
اِلَّآ	اَنْ يَّقُوْلُوْا	رَبُّنَا	اللّٰهُ ؕ	وَلَوْلَا	دَفْعُ
صرف	ان کے کہنے پر	ہمارا رب	اللہ	اور اگر نہ ہوتا	دور کرنا
اللّٰهِ	النَّاسَ	بَعْضَهُمْ	بِبَعْضٍ	لَّهُدِّمَتْ	صَوَامِعُ
اللہ کا	لوگ	ان کے ایک کو	دوسرے کے ذریعے سے	تو البتہ ڈھادیے جاتے	خلوت خانے
وَبِيَعٌ	وَّصَلَوٰتٌ	وَّ	مَسٰجِدُ	يُذْكَرُ	فِيْهَا
اور گرجے	اور عبادت خانے	اور	مسجدیں	ذکر کیا جاتا ہے	ان میں

”یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب ”اللہ“ ہے اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دور نہ کرے تو خانقاہیں، گرجے، معبد خانے اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے مسمار کر دیے جائیں۔

فہم القرآن

ربط کلام: مکہ کے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے اس لیے نکلنے پر مجبور کیا گیا کیونکہ وہ اپنے رب پر ایمان لائے تھے۔

حق و باطل کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ جس دور میں بھی۔ اللہ والوں نے اپنے رب پر ایمان لانے کا اظہار کیا اور اس کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کی تو کفار اور مشرکین نے ان کا جینا حرام کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایمانداروں کو کفار اور مشرکین کے مقابلے میں لڑنے کی اجازت دی تو کفار اور مشرکین نے یہ پراپیگنڈہ شروع کیا کہ کلمہ گو لوگ جنگجو اور ظالم ہیں۔ بالخصوص اسلام کے بارے میں مخالفین کا پراپیگنڈہ ہے کہ مسلمان جہاد کے نام پر جارحیت کرتے ہیں۔ اس بات کا یہ جواب دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مظلوم لوگوں کو ظالموں کے خلاف لڑنے کی اجازت نہ دی جاتی تو دنیا میں عیسائیوں کے گرجے اور خلوت خانے یہودیوں کی عبادت گاہیں اور مسلمانوں کی مساجد جن میں کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے وہ مسمار کر دیے جاتے۔ مساجد کا آخر میں ذکر فرما کر دو اشارے دیے ہیں۔ ① اللہ تعالیٰ کی حقیقی اور سچی عبادت صرف مساجد میں ہوتی ہے۔ ② دوسری حقیقت یہ ہے کہ دوسرے معبد خانوں کی نسبت مساجد میں اللہ کا ذکر اور عبادت زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ ہندوؤں کے مندر، عیسائیوں کے گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے دیکھ لیں ان کی نسبت مساجد میں کتنی بھرپور حاضری ہوتی ہے۔ دوسرے پارے کے آخر میں فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے نہ ہٹائے تو زمین کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ (البقرۃ: ۲۵۱) زمین کے نظام کو بچانے اور چلانے کے لیے ضروری ہے کہ جب کوئی قوم ظلم و ستم کی حدود پھلانگنے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے ہٹا کر کسی دوسروں کو اقتدار دے دیتا ہے۔ جو ”اللہ“ کی مدد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ

اسۡمُ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ؕ وَلَيَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ ؕ

نام | اللہ | بکثرت | اور ضرور مدد کرے گا | اللہ | اس کی جو | مدد کرے گا اس کی

اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيۡزٌ ۝٤٠

بے شک | اللہ | البتہ بہت قوت والا ہے | خوب غالب ہے

سب مسمار کر دی جائیں اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے اللہ بہت قوت والا اور غالب ہے۔'' (۴۰)

بڑی طاقت والا اور ہر حال میں غالب رہنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کرنے سے مراد یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کا محتاج ہے اس سے مراد اس کے دین اور مظلوم لوگوں کی مدد کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے جب مسلمان متحد اور طاقتور تھے اس وقت دنیا کے کسی خطہ میں ظلم ہوا تو مسلمانوں نے آگے بڑھ کر مظلوم کی مدد کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت وحمایت سے انھیں کامیاب فرمایا۔

قتال فی سبیل اللہ جارحیت نہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَ اُمَرَاءَهٗ اَن لَّا يَقْتُلُوْا اِلَّا مَنْ قَاتَلَهُمْ))[فتح الباری]

''رسولِ اکرم ﷺ نے فوجی افسروں کو حکم دیا تھا کہ وہ ان لوگوں کے خلاف جنگ نہ کریں جو تم سے لڑنا نہیں چاہتے۔''

''بوڑھوں، کم عمر بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرو۔'' [مشکوٰۃ: باب القتال فی الجهاد]

آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اس بات کا خیال رکھا کہ نہ صرف پُر امن آبادی پر کسی قسم کی زیادتی نہ ہونے پائے بلکہ جانوروں اور کھیتوں کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچے چنانچہ جب شام پر فوج کشی کا ارادہ کیا تو فوجوں کو رخصت کرتے وقت سپہ سالار فوج کو یہ ہدایات فرمائیں:

((اِنَّكَ تَجِدُ قَوْمًا عَمُوْا اِنَّهُمْ حَبَسَ اَنْفُسَهُمُ اللّٰهُ فَذَرْهُمْ وَاِنِّى مُوْصِيْكَ بِعَشْرِ خِلَالٍ لَا تَقْتُلُوْا اِمْرَاةً وَّلَا صَبِيًّا وَّلَا كَبِيْرًا هَرِمًا وَّلَا تَقْطَعَ شَجَرًا مُثْمِرًا وَّلَا تُخَرِّبَنَّ عَامِرًا وَّلَا تَعْقِرَنَّ شَاةً وَّ لَا بَعِيْرًا اِلَّا لِمَا كِلَةٍ وَّلَا تُفَرِّقَنَّ نَخْلًا وَّلَا تُحَرِّقَنَّهٗ وَلَا تَغْلُلْ وَلَا تَجْبُنْ)) [تاريخ الخلفاء: سيوطى]

''تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر رکھا ہے ان کو چھوڑ دینا۔ میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں کسی عورت، بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، پھل دار درخت نہ کاٹنا، آبادیوں کو ویران نہ کرنا، بکری اور اونٹ کو کھانے کے سوا بے وجہ نہ مارنا، نخلستان کو نہ جلانا، مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا اور بزدلی نہ دکھانا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو دوسری کے ذریعے پسپا کرتا ہے۔ ۲۔ اگر ظالموں کو نہ ہٹایا جائے تو عبادت خانے تباہ ہو جائیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ طاقتور اور ہر چیز پر غالب ہے۔

اَلَّذِيْنَ	اِنْ	مَّكَّنّٰهُمْ	فِي	الْاَرْضِ	اَقَامُوا
وہ لوگ	اگر	ہم انھیں قدرت دیں	میں	زمین	وہ قائم کریں
الصَّلٰوةَ	وَاٰتَوُا	الزَّكٰوةَ	وَاَمَرُوْا	بِالْمَعْرُوْفِ	
نماز	اورادا کریں	زکوٰۃ	اوروہ حکم دیں	اچھے کاموں کا	
وَنَهَوْا	عَنِ	الْمُنْكَرِ	وَلِلّٰهِ	عَاقِبَةُ	الْاُمُوْرِ ﴿٤١﴾
اور روکیں	سے	برے کام	اور اللہ کے لیے	انجام	امور

’’یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔‘‘ (۴۱)

فہم القرآن

ربط کلام: مسلمانوں کا قتال اور اقتدار کشور کشائی یا ذاتی مفاد کے لیے نہیں ان کے قتال اور اقتدار کا مقصد ’’اللہ‘‘ کے دین کی سربلندی اور مظلوموں کی مدد کرنا ہے اور دنیا میں امن وامان قائم رکھنا ہے۔

برسر اقتدار لوگوں کا فرض ہے کہ وہ ہر قسم کے ظلم وزیادتی سے بچتے ہوئے اللہ کی زمین پر اللہ کا قانون نافذ کریں۔ جس میں اوّل نماز قائم کرنا اور لوگوں کو پابندِ نماز بنانا، زکوٰۃ ادا کرنا اور نظام زکوٰۃ نافذ کرنا۔ حکمران خود نیکی کے کام کریں اور لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور خود برائی سے بچیں لوگوں کو برائی سے منع کریں اور یہ عقیدہ رکھیں کہ ہر کام کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔ اس فرمان کے شروع میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو اقتدار عطا فرمائے انھیں یہ کام کرنے چاہییں۔ آخر میں فرمایا کہ انھیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہر کام کا انجام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ گویا کہ حکمرانوں کو ہر حال میں فکر آخرت۔ کے ساتھ یہ تصور بھی رکھنا چاہیے، کہ حکمرانی کے نشہ میں آکر مغرور اور متکبر نہیں بننا کیونکہ حقیقی اقتدار اور اختیار اللہ ہی کے پاس ہے۔

تمام اُمور کا انجام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں کہہ کر مسلمانوں کو یہ عقیدہ دیا گیا ہے کہ اقتدار اور اختیار اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض ہوتا ہے۔ جو ہمیشہ کسی ایک کے پاس نہیں رہتا۔ ’’اللہ‘‘ جسے چاہے اقتدار سے نوازتا ہے اور جس کو چاہے محروم کردیتا ہے۔ البتہ اس کا اصول یہ ہے کہ وہ لوگوں کے افکار اور اعمال کے مطابق اُن پر حکمران مقرر کرتا ہے جیسے لوگ ہونگے ویسے حکمران ہوں گے۔ نیک حکمران اُس سے ڈرنے والے ہوتے ہیں اور وہ اپنے فرائض میں بالخصوص نظام صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا اجتماعی طور پر نفاذ کرتے ہیں اور لوگوں کو ہر قسم کی برائی اور بے حیائی سے روکنے کے ساتھ ساتھ نیکی اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں، اگر حکمران ظالم اور بُرے ہیں تو انہیں یہ فکر کرنی چاہیے کہ بیشک دنیا میں انہیں روکنے اور ٹوکنے والا کوئی نہیں مگر ایک دن ایسا ضرور آئے گا جس دن انہیں

اپنے کیے کا حساب دینا ہوگا۔ اگر حکمران نیک ہیں تو انہیں اس سوچ کے ساتھ بلاخوف وخطر اپنی جدوجہد میں لگے رہنا چاہیے کہ ہمارا کام تو اپنی اور لوگوں کی اصلاح کرنا ہے۔ نتیجہ ہمارے رب کے ہاتھ میں ہے۔ یاد رہے کہ انفرادی اصلاح انفرادی کوشش سے ہوا کرتی ہے اور اجتماعی اصلاح اور ترقی صرف اور صرف اجتماعی کوشش سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ جس کے لیے اجتماعی جدوجہد اور نظام کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو صالح حکمران اور ان کے اچھے ساتھیوں کے بغیر ممکن نہیں اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ میرے دل کی آرزو ہے کہ میرے پاس ابوعبیدہ جیسے عمّال ہونے چاہیں۔
(ازمؤلف مولانا عبدالروف جھنڈانگری)

نظامِ صلوٰۃ

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً)) [رواه البخاري: كتاب الأذان ، باب فضل صلاة الجماعة]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس گنا زیادہ افضل ہے۔“

((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْطَبَ ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ أُخَالِفَ إِلٰى رِجَالٍ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهٗ يَجِدُ عَرْقًا سَمِيْنًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَآءَ)) [رواه البخاري: كتاب الاذان، باب وجوب صلاة الجماعة]

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں لکڑیاں اکٹھی کرنے کا حکم دوں جب اکٹھی ہو جائیں۔ میں حکم دوں کہ نماز کے لیے اذان دی جائے پھر کسی آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کی امامت کروائے اور میں جماعت سے پیچھے رہنے والوں کے گھروں کو جلا کر راکھ کر دوں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ان میں سے کوئی جانتا کہ اسے نماز کے بدلے موٹی ہڈی یا دو بہترین پائے ملیں گے تو ضرور عشاء کی نماز میں وہ حاضر ہوتا۔“

نظامِ زکوٰۃ

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَاسْتُخْلِفَ أَبُوْ بَكْرٍ بَعْدَهٗ وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ لِأَبِيْ بَكْرٍ رضی اللہ عنہ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ عَصَمَ مِنِّيْ مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ إِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ رضی اللہ عنہ وَاللّٰهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ فَإِنَّ الزَّكٰوةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِيْ عَنَاقًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهَا قَالَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ

فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ اِلَّا رَاَیْتُ اَنَّ اللّٰہَ شَرَحَ صَدْرَ اَبِیْ بَکْرٍ رضی اللہ عنہ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ اَنَّهُ الْحَقُّ۔))

[رواہ البخاری:باب اَلْاَمْرِ بِقِتَالِ النَّاسِ حَتّٰی یَقُوْلُوا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے اور آپ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا گیا اور عرب کے کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ کیسے ان لوگوں سے جنگ کریں گے جبکہ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے میں لوگوں سے اسوقت تک جنگ کروں جب تک وہ یہ گواہی نہ دے دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں جس نے اس کا اقرار کرلیا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں تو اس نے مجھ سے اپنی جان اور مال کو بچالیا البتہ اسلام کے حق کی وجہ سے اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! میں ان لوگوں سے ضرور لڑائی کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتے ہیں۔ کیونکہ زکوٰۃ مال پر فرض ہے اللہ کی قسم اگر لوگ مجھ سے بھیڑ کے بچے کو روک لیں گے جس کو وہ رسول اللہ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے تو میں اس کے روکنے پر ان سے قتال کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراف کیا کہ اللہ کی قسم! مجھے اطمینان ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سینے کو جہاد کے لیے کھول دیا ہے۔ میں نے سمجھا کہ لڑنا حق ہے۔‘‘

قتال فی سبیل اللہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا‘ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جو امیر کی اطاعت کرے گا اس نے گویا میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ بلا شبہ امام ڈھال کی طرح ہے۔ اس کے حکم سے جہاد کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ سے تحفظ حاصل کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اللہ سے ڈرنے کا حکم دے اور عدل کرے تو اُس کے لیے یہ باعثِ اجر ہوگا۔ اور اگر وہ اس کے برخلاف چلے تو اس کی سزا اس پر ہوگی۔

[رواہ البخاری: باب یُقَاتَلُ مِنْ وَرَاءِ الْاِمَامِ وَیُتَّقٰی بِهٖ]

برائی کے خلاف کوشش کرنا فرض ہے:

((عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ مَنْ رَأٰی مُنْکَرًا فَغَیَّرَهُ بِیَدِهٖ فَقَدْ بَرِءَ وَمَنْ لَمْ یَسْتَطِعْ أَنْ یُغَیِّرَهُ بِیَدِهٖ فَغَیَّرَهُ بِلِسَانِهٖ فَقَدْ بَرِءَ وَمَنْ لَمْ یَسْتَطِعْ أَنْ یُغَیِّرَهُ بِلِسَانِهٖ فَغَیَّرَهُ بِقَلْبِهٖ فَقَدْ بَرِءَ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِیْمَانِ))[رواہ النسائی: باب تَفَاضُلِ أَهْلِ الْإِیْمَانِ]

’’حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا جس شخص نے

برائی کو دیکھا تو اس نے اُسے اپنے ہاتھ سے ختم کیا تو وہ بری ہو گیا اور اگر اُس میں برائی کو ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہیں تو اُسے اپنی زبان سے تو روکے تو وہ بھی بری ہو گیا اگر اس نے زبان سے روکنے کی ہمت نہیں تو اُسے دل سے ناپسند جانے تو وہ بھی بری ہو گیا اور یہ سب سے کمتر ایمان ہے۔''

حدود اللہ کے نفاذ کی برکات:

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِقَامَةُ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنْ مَطَرِ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً فِيْ بِلَادِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ)) [رواه البخاري: كتاب الحدود، باب إقامة الحدود]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی حدود میں سے کسی ایک حد کو نافذ کرنا چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس دن مسلسل بارش کی بات نہیں بلکہ اس بارش سے مراد حسبِ ضرورت اور بروقت چالیس مرتبہ بارش کا ہونا مراد ہے جس ملک میں اس طرح بارشوں کا سلسلہ جاری رہے تو وہاں کے لوگوں کی صحت، پھلوں اور اناج کی کثرت اور برکات کا کون اندازہ کرسکتا ہے۔ اور موجودہ دور میں فی گھنٹہ بجلی کی بچت کا فائدہ اس سے الگ ہو گا جو کروڑوں روپے سے متجاوز ہے۔

مسائل

١۔ حکمرانوں کو ملک میں نماز، زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام قائم کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

صاحب اقتدار لوگوں کے فرائض:

١۔ وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔ (النور: ۵۵)

٢۔ خلافت کی ذمہ داریاں۔ (ص: ٢٦، الحج: ٤١)

٣۔ حکمرانوں کو زمین میں نماز، زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام قائم کرنا چاہیے۔ (الحج: ٤١)

٤۔ فیصلے انصاف کے ساتھ انصاف کرنا۔ (المائدہ: ٤٢)

۵۔ حضرت داؤد کو حکم کہ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرنا۔ (ص: ٢٦)

وَ اِنْ	يُّكَذِّبُوْكَ	فَقَدْ	كَذَّبَتْ	قَبْلَهُمْ
اور اگر	وہ آپ کو جھٹلائیں	تو تحقیق	جھٹلایا ہے	ان سے پہلے

قَوْمُ	نُوْحٍ	وَّ عَادٌ	وَّ ثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾	وَ قَوْمُ	اِبْرٰهِيْمَ
قوم	نوح	اور عاد	اور ثمود	اور قوم	ابراہیم

وَ قَوْمُ	لُوْطٍ ﴿۴۳﴾	وَّ اَصْحٰبُ	مَدْيَنَ	وَ كُذِّبَ	مُوْسٰى
اور قوم	لوط	اور اہل	مدین	اور جھٹلائے گئے	موسیٰ

فَاَمْلَيْتُ	لِلْكٰفِرِيْنَ	ثُمَّ	اَخَذْتُهُمْ	فَكَيْفَ
چنانچہ میں نے مہلت دی	کافروں کے لیے	پھر	میں نے ان کو پکڑ لیا	لہٰذا کیسا

”اے نبی اگر وہ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے قوم نوح اور عاد اور ثمود بھی جھٹلا چکے ہیں۔(۴۲) اور قوم ابراہیم اور قوم لوط۔(۴۳) اور اہل مدین بھی جھٹلا چکے ہیں اور موسیٰ بھی جھٹلائے جا چکے ہیں ان سب منکرین حق کو میں نے پہلے مہلت دی پھر پکڑ لیا

فہم القرآن

ربطِ کلام: جن اقوام نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا اور ”اللہ“ کے دیے ہوئے ضابطۂ حیات کو اختیار نہ کیا ان کا انجام۔

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں انبیاء اکرام کے ذریعے لوگوں کو ایک ضابطہ حیات عطا فرمایا جس کے بنیادی اصول یہ تھے کہ اللہ تعالیٰ کو بلا شرکتِ غیرے اپنا معبود اور حاکم تسلیم کریں اور اس کے دیے ہوئے نظامِ حیات کو خود اپناؤ اور اس کے بندوں پر اس کا نفاذ کریں۔ جس کے بنیادی اصولوں کا پچھلی آیت میں بیان ہو چکا ہے۔ کامل اور جامع ہدایات کے باوجود دنیا کی بڑی بڑی اقوام نے اللہ کی توحید کا انکار کیا اور اس کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کو ٹھکرایا۔ جن میں سرِ فہرست قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ ابراہیم، قوم لوط، قومِ شعیب اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم ہے، جنہوں نے اپنے رب کی توحید کا انکار کیا اور اس کے نازل کردہ دین کو ٹھکرایا، جس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی اور انہیں اس طرح نیست و نابود کیا کہ ان کی ترقی ان کے لیے وبالِ جان ثابت ہوئی۔ ان کے محلات ان کے لیے قبرستان بنا دیے گئے۔ کھیتیاں اور باغات اُجڑ گئے کنویں ناکارہ ہوئے اور بستیاں اس طرح ویران ہوئیں کہ دیکھنے والا گمان کرے کہ یہاں کبھی کوئی رہنے والا نہ تھا۔

﴿فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ [العنکبوت: ۴۰]

”آخر کار ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہوں کی وجہ سے پکڑا ان میں سے کسی پر ہم نے پتھر برسانے والی آندھی بھیجی —

كَانَ	نَكِيْرِ ﴿٤٤﴾	فَكَاَيِّنْ	مِّنْ	قَرْيَةٍ	اَهْلَكْنٰهَا
تھا	میرا عذاب؟	پھر کتنی	سے	بستیاں	ہم نے ان کو ہلاک کر دیا
وَهِيَ	ظَالِمَةٌ	فَهِيَ	خَاوِيَةٌ	عَلٰى	عُرُوْشِهَا
وہ	ظالم تھیں	چنانچہ وہ	گری پڑی ہیں	پر	اپنی چھتوں
وَبِئْرٍ	مُّعَطَّلَةٍ	وَّقَصْرٍ	مَّشِيْدٍ ﴿٤٥﴾		
اور کنویں ہیں	ناکارہ پڑے ہوئے	اور محل	مضبوط		

اب دیکھ لو میری پکڑ کیسی تھی۔(۴۴) کتنی ہی ظالم بستیاں ہیں جن کو ہم نے تباہ کیا ہے اور آج وہ اپنی چھتوں پر الٹی پڑی ہیں کتنے ہی کنوئیں بیکار اور کتنے ہی محلات کھنڈر بنے ہوئے ہیں۔'' (۴۵)

کسی کو ایک زبردست دھماکے نے آلیا، کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کسی کو ہم نے غرق کر دیا۔ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے۔''

متمول اقوام کی تباہی:

تاریخ عالم کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تباہ ہونے والی اقوام دنیا کے اعتبار سے غیر ترقی یافتہ اور پسماندہ نہ تھیں بلکہ وہ اپنے اپنے دور کی مہذب اور ترقی یافتہ اقوام تھیں۔

﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ﴾ [الانعام: ٤٤]

''پھر جب وہ اس کو بھول گئے جو انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں کے ساتھ خوش ہو گئے جو انہیں دی گئی تھیں ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا تو وہ اچانک ناامید ہو گئے۔''

تفسیر بالقرآن

''اللہ'' کی پکڑ کی مختلف شکلیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی اقوام کو تباہ کیا۔(الانعام:۶) ۲۔ جب تم سے پہلے لوگوں نے ظلم کیا تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔(یونس:۱۳)

۳۔ ثمود زوردار آواز کے ساتھ ہلاک کیے گئے۔(الحاقۃ:۵) ۴۔ عاد زبردست آندھی کے ذریعے ہلاک ہوئے۔(الحاقۃ:۶)

۵۔ قوم نوح طوفان کے ذریعے ہلاک ہوئی۔(الاعراف:۱۳۶)

۶۔ قوم لوط کو زمین سے اٹھا کر آسمان کے قریب لے جا کر الٹا دیا گیا۔(ھود:۸۲)

اَفَلَمْ	يَسِيْرُوْا	فِي	الْاَرْضِ	فَتَكُوْنَ	لَهُمْ	قُلُوْبٌ
کیا پھر نہیں	سیر کی انھوں نے	میں	زمین	کہ ہوتے	ان کے لیے	دل
يَّعْقِلُوْنَ	بِهَآ	اَوْ	اٰذَانٌ	يَّسْمَعُوْنَ	بِهَا ج	فَاِنَّهَا
وہ سمجھتے	ان کے ساتھ	یا	کان	وہ سنتے	اس کے ساتھ؟	بلاشبہ قصہ یہ ہے
لَا	تَعْمَى	الْاَبْصَارُ	وَ	لٰكِنْ	تَعْمَى	الْقُلُوْبُ
نہیں	اندھی ہوتیں	آنکھیں	اور	لیکن	اندھے ہوتے ہیں	دل
الَّتِيْ	فِي	الصُّدُوْرِ ﴿٤٦﴾				
وہ جو	میں	سینوں				

''کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے یا ان کے کان سننے والے ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔'' (٤٦)

فہم القرآن

ربط کلام: اقوام کی تباہی کی بنیادی وجہ۔

بڑی بڑی اقوام کی تباہی کا تذکرہ کرنے کے بعد اہل دنیا کو دعوتِ فکر دی ہے کہ کیا انھوں نے دنیا کا جغرافیہ نہیں دیکھا اور تاریخِ عالم کو نہیں پڑھا کہ تباہ و برباد ہونے والے لوگ زمین پر اس طرح دندناتے پھرتے تھے کہ ان کے دبدبہ کی وجہ سے مخلوق کانپتی تھی۔ ان کی زبان جنبش کرتی تو لشکر و سپاہ حرکت میں آجاتے۔ یہ لوگ اپنے محلات سے باہر نکلتے تو ہٹو بچو کی صدائیں بلند ہوتی تھیں جس راستہ سے گزرتے لوگ ان کا جاہ و جلال دیکھ کر ساکت و جامد رہ جاتے تھے۔ ان کو دیکھ کر کوئی سوچ نہیں سکتا تھا کہ یہ کبھی زوال پذیر اور تباہ ہوں گے۔ لیکن جب رب ذوالجلال کے عذاب کا کوڑا حرکت میں آیا تو اس طرح نیست و نابود کر دیے گئے کہ آج ان کے محلات میں الوؤں کے ڈیرے اور ان کی بستیاں ویرانیوں کا خوفناک منظر پیش کر رہی ہیں۔ ان میں عبرت کا سامان ہے مگر ان لوگوں کے لیے جن کے سینے میں سوچنے والے دل، جن کے کان حقیقت سننے والے اور عبرت کی نگاہ سے دیکھنے والی آنکھیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی۔ لوگوں کے دل اندھے ہوجاتے ہیں۔ جب دل اندھے ہوجائیں تو دیکھنے والی آنکھیں، سننے والے کان اور دھڑکنے والے دل کچھ کام نہیں آتے۔ جب کسی قوم کی اجتماعی صورت ایسی ہوجائے تو ان کو نہ اقتدار بچا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی سہارا کام دیتا ہے، مذکورہ بالا اقوام کا یہی حال تھا جس وجہ سے انھیں نشان عبرت بنا دیا گیا۔

مسائل

١۔ دل سوچنے، کان سننے اور آنکھیں دیکھنے کے لیے ہیں۔ ٢۔ دل اندھا ہوجائے تو انسانی اعضاء حقیقتاً بے کار ہوجاتے ہیں۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَ لَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ

اور وہ جلدی طلب کرتے ہیں آپ سے | عذاب | اور | ہرگز نہیں | خلاف کرتا | اللہ | اپنا وعدہ

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا

اور بلاشبہ | دن | نزدیک | آپ کا رب | ایک ہزار کی مانند | سال | ان سے جو

تَعُدُّوْنَ ۝٤٧ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ

تم گنتے ہو | اور کتنی | سے | بستیاں | میں نے مہلت دی | اس کے لیے | جبکہ وہ

ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَیَّ الْمَصِيْرُ ۝٤٨ ع ۶/١٣

ظالم تھیں؟ | پھر اسے | میں نے پکڑلیا | اور میری طرف | واپسی

”یہ لوگ عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں اللہ اپنے وعدے کیخلاف ہرگز نہیں کرے گا مگر آپ کے رب کے ہاں ایک دن تمہارے شمار کے ہزار برس کے برابر ہوا کرتا ہے۔(٤٧) کتنی ہی بستیاں ہیں جو ظالم تھیں میں نے ان کو مہلت دی پھر پکڑ لیا اور سب کو پلٹ کر میرے ہی پاس آنا ہے۔“(٤٨)

فہم القرآن

ربط کلام: انسان کا دل کا اندھا ہو جائے تو اچھائی کے مقابلے میں برائی اختیار کرنے پر فخر محسوس کرتا ہے۔اس لیے تباہ ہونے والی اقوام اپنے پیغمبروں سے عذاب کا مطالبہ کرتی تھیں۔

سرورِ دو عالم ﷺ مشرکین کو بار بار عقیدہ توحید کی دعوت دیتے۔لیکن وہ اس قدر دل کے اندھے ہو چکے تھے کہ دعوتِ حق قبول کرنے کی بجائے آپ سے یہ مطالبہ کرتے کہ جس قیامت یا عذاب کی آپ دھمکی دیتے ہیں وہ ہم پر کیوں نازل نہیں ہوتا؟ اس کا جواب انھیں یہ دیا گیا کہ جس عذاب کا تم بار بار مطالبہ کرتے ہو اُسے نازل کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ پیغمبر علیہ السلام کی زبان سے جس عذاب کا وعدہ کیا جاتا ہے اگر تمھارا یہی حال رہا تو وہ ضرور آ کر رہے گا اس کی ہرگز خلاف ورزی نہیں ہونے پائے گی۔البتہ اگر سمجھنا چاہو تو تاریخ کا مطالعہ کرو اور تباہ ہونے والی اقوام کے کھنڈرات دیکھو تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ظالم بستیوں کو ایک مدت تک مہلت دی۔جب انھوں نے اس مہلت سے فائدہ نہ اُٹھایا تو پھر اُن پر ایسی گرفت کی کہ وہ دنیا میں عبرت کا نشان بنا دیئے گئے۔جہاں تک قیامت کا معاملہ ہے اُس کا پہلا دن پچاس ہزار سال کا ہو گا۔اور دوسرا دن تمھارے ایک ہزار سال کی گنتی کے مطابق ہوگا۔اُس دن ہر شخص اپنے رب کی عدالت میں پیش کیا جائے گا۔

اہل مکہ کا مطالبہ:

﴿وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ [الانفال: ۳۲]

''اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ۔''

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷺ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ أَصَابَهُ ، فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَلْيَقُلِ اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي ، وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي))

[رواه البخاری :باب تَمَنِّى الْمَرِيضِ الْمَوْتَ]

حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا کسی تکلیف کی وجہ سے کوئی آدمی موت کی تمنا نہ کرے اگر وہ ایسا کرنا چاہتا ہے تو اُسے چاہیے کہ یہ دعا کریں۔اے اللہ! جب تلک میرا زندہ رہنا بہتر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب میرا فوت ہونا بہتر ہو تو مجھے فوت فرما لینا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ سے اُس کا عذاب مانگنے کی بجائے خیر مانگنا چاہیے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ خیر اور عذاب کے بارے میں کیے گئے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بہت سی ظالم بستیوں کو نیست و نابود کیا۔

تفسیر بالقرآن

عذاب میں مبتلا ہونے والی اقوام:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی اقوام کو تباہ کیا۔(الانعام:۶)

۲۔ جب تم سے پہلے لوگوں نے ظلم کیا تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔(یونس:۱۳)

۳۔ ثمود زوردار آواز کے ساتھ ہلاک کیے گئے۔(الحاقۃ:۵)

۴۔ عاد زبردست آندھی کے ذریعے ہلاک ہوئے۔(الحاقۃ:۶)

۵۔ فاسق ہلاک کر دیے گئے۔(الاحقاف:۳۵)

۶۔ قوم نوح طوفان کے ذریعے ہلاک ہوئی۔(الاعراف:۱۳۶)

۷۔ قوم لوط کو زمین سے اٹھا کر آسمان کے قریب لے جا کر الٹا دیا گیا۔(ھود:۸۲)

قُلْ	يٰٓاَيُّهَا	النَّاسُ	اِنَّمَآ	اَنَا	لَكُمْ	نَذِيْرٌ
فرما دیجیے	اے	لوگو!	صرف	میں	تمھارے لیے	ڈرانے والا
مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾	فَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	لَهُمْ	
کھلا	چنانچہ وہ لوگ	ایمان لائے	اور انھوں نے عمل کیے	نیک	ان کے لیے	
مَّغْفِرَةٌ	وَّرِزْقٌ	كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾	وَالَّذِيْنَ	سَعَوْا	فِيْٓ	اٰيٰتِنَا
مغفرت	اور رزق	عزت والا	اور وہ لوگ	انہوں نے کوشش کی	میں	ہماری آیتوں
مُعٰجِزِيْنَ	اُولٰٓئِكَ	اَصْحٰبُ	الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾			
عاجز کرنے کے لیے	وہی لوگ	والے	جہنم			

’’اے نبی اعلان کر دیں کہ لوگو! میں تمہیں کھلے الفاظ میں خبردار کر دینے والا ہوں۔(۴۹) جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں گے ان کے لیے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔(۵۰) اور جو ہمارے فرامین کو نیچا دکھانے کی کوشش کریں گے وہ جہنمی ہیں۔‘‘(۵۱)

فہم القرآن

ربط کلام: عذاب کا بار بار مطالبہ کرنے پر کفار کو دوسرا جواب۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کے بارے میں دی گئی ڈھیل پر اہل مکہ اس قدر دلیر ہوئے کہ وہ سرورِ گرامی ﷺ کو الزام دیتے کہ تم جھوٹے ہو اس لیے ہم پر عذاب نازل نہیں ہوا؟ اس پر ایک طرف سرورِ گرامی ﷺ کو آپ کے منصب کے حوالے سے سمجھایا گیا کہ عذاب نازل کرنا آپ کے اختیار میں نہیں آپ کا کام فقط یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اُن کے بُرے کردار کے نتیجہ میں بھیانک مستقبل کے بارے میں کھلے الفاظ میں ڈرائیں۔ یہ کام آپ پوری تندہی سے کر رہے ہیں جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں نا وہ ہماری آیات کو دلائل کی بنیاد پر غلط ثابت کر سکتے ہیں اور نہ ہی عذاب نازل کرنے یا اُسے ٹالنے میں ہمیں بے بس کر سکتے ہیں۔ ان کے لیے جہنم تیار کی گئی ہے جس میں انھیں داخل کیا جائے گا۔ ان کے مقابلے میں جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے صالح اعمال اختیار کیے ان سے جو کوتاہیاں سرزد ہونگی۔ اللہ تعالیٰ انھیں معاف کرتے ہوئے باعزت اور بہترین رزق عطا فرمائے گا۔ یہاں رزقِ کریم کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جس سے مراد دنیا میں حلال وطیب روزی اور آخرت میں جنت کی نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے تیار کر رکھی ہے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰى، قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلُ شَيْئًا فِيْ مَقَامِكَ، ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ قَالَ إِنِّيْ أُرِيْتُ الْجَنَّةَ، فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا

عُنْقُودًا،وَلَوْ أَخَذْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا)) [رواه البخاری: باب رفع البصر الی الامام فی الصلوٰة]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گرہن لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول! ہم نے دیکھا کہ آپ نے اس جگہ کسی چیز کو پکڑا پھر ہم نے دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹ گئے۔ آپ نے فرمایا: میں نے جنت کو دیکھا تو اس کے انگوروں کے ایک خوشے کو پکڑ لیا اور اگر میں اسے پکڑے رہتا تو تم قیامت تک اسے کھاتے رہتے۔

﴿فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ٥ وَطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ٥وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ٥وَمَاءٍ مَّسْكُوْبٍ ٥وَفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ٥لَا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ﴾ [الواقعہ: ٢٨تا٣٣]

''وہ وہاں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی، اور تہ بہ تہ کیلے ہوں گے، اور لمبا سایہ ہوگا۔ اور چلتا ہوا پانی ہو گا۔ اور کثرت سے میوے ہوں گے۔ جو نہ ختم ہوں گے۔ اور نہ اُن کی روک ٹوک ہوگی۔''

((عَنْ سَمُرَةَ ابْنِ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مِنْهُمْ مَنْ تَاْخُذُهُ النَّارُاِلٰی كَعْبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَاْخُذُهُ النَّارُاِلٰی رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَاْخُذُهُ النَّارُ اِلٰی حُجْزَتِهٖ وَمِنْهُمْ مَنْ تَاْخُذُهُ النَّارُ اِلٰی تَرْقُوَتِهٖ))

[راه مسلم:باب فی شدة حر النار]

''حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم کی آگ نے بعض لوگوں کے ٹخنوں تک، بعض کے گھٹنوں تک اور بعض کو کمر تک گھیرا ہو گا اور بعض کی گردن تک پہنچی ہوگی۔''

مسائل

١۔ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام برے لوگوں کو اُن کے برے انجام سے ڈرانا تھا۔
٢۔ کوئی زندہ یا مردہ شخصیت اللہ تعالیٰ کو کسی معاملے میں مجبور نہیں کر سکتی۔
٣۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے اور ٹھکراتے ہیں اُن کے لیے جہنم تیار کی گئی ہے۔
٤۔ صالح کردار ایمانداروں کی کوتاہیوں کو اللہ تعالیٰ معاف کرے گا اور انھیں رزقِ کریم عطا فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

کفار اور مومنوں کے انجام کا فرق:

١۔ مومن اور فاسق برابر نہیں ہیں۔ (السجدۃ:١٨) ٢۔ جنتی اور جہنمی برابر نہیں ہو سکتے۔ (الحشر:٢٠)
٣۔ سیدھا اور الٹا چلنے والا برابر نہیں ہو سکتا۔ (الملک:٢٢) ٤۔ اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتا۔ (الانعام:٥٠)
٥۔ روشنی اور اندھیرا برابر نہیں ہو سکتے۔ (فاطر:٢٠)

وَمَآ	اَرْسَلْنَا	مِنْ	قَبْلِكَ	مِنْ	رَّسُوْلٍ	وَّلَا
اور نہیں	بھیجا ہم نے	سے	آپ سے پہلے	سے	رسول	اور نہ
نَبِيٍّ	اِلَّآ	اِذَا	تَمَنّٰٓى	اَلْقَى	الشَّيْطٰنُ	فِيْٓ
کوئی نبی	مگر	جب	اس نے تمنا کی	ڈال دیتا	شیطان	میں
اُمْنِيَّتِهٖ ۚ	فَيَنْسَخُ	اللّٰهُ	مَا	يُلْقِى	الشَّيْطٰنُ	
اس کی تمنا	پھر مٹا دیتا	اللہ	جو	ڈالتا	شیطان	
ثُمَّ	يُحْكِمُ	اللّٰهُ	اٰيٰتِهٖ ۭ	وَاللّٰهُ	عَلِيْمٌ	حَكِيْمٌ ۝52
پھر	محکم کر دیتا	اللہ	اپنی آیتیں	اور اللہ	خوب جاننے والا	بڑا حکمت والا

”اور اے نبی ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نبی ایسا نہیں بھیجا ہے جب اس نے تمنا کی شیطان اس کی تمنا میں خلل انداز ہو گیا اس طرح جو بھی شیطان خلل اندازی کرتا ہے اللہ اس کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات کو مستحکم کرتا ہے اللہ علیم اور حکیم ہے۔“ (۵۲)

فہم القرآن

ربط کلام: رسولِ کریم ﷺ کو تسلی دینے کے ساتھ یہ بتلایا گیا ہے کہ شیطان اور اس کے چیلے ہمیشہ سے ہی شرارتیں کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

رسول کریم ﷺ کو مخصوص انداز میں تسلی دی گئی ہے کہ میرے رسول! آپ کو دل نہیں ہارنا۔ اس لیے کہ آپ سے پہلے جتنے نبی اور رسول مبعوث کیے گئے اُن کی ذات اور کام کے ساتھ شیطانی قوتوں نے یہی رویہ اختیار کیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ شیطان کی شیطنت کو ہمیشہ سے مٹاتا رہا ہے اور اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کو محکم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہر بات کو اچھی طرح جاننے والا ہے اور اس کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔ اس آیت میں تمنا کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اہل تفسیر نے اس کے دو مفہوم لیے ہیں۔ ایک مفہوم یہ ہے کہ ہر رسول اور نبی اس بات کی خواہش اور تمنا رکھتا تھا کہ اُس کی دعوت عام ہو جائے لیکن شیطان اور اس کے چیلے اس دعوت کو مٹانے کے درپے رہتے تھے۔ یہی معاملہ آپ ﷺ کے ساتھ ہو رہا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے شیطانی قوتوں کو مٹا کر اپنے ارشادات کو استحکام دیتا رہا ہے۔ لہٰذا اے نبی ﷺ آپ کی دعوت کو بھی پھیلاؤ اور استحکام دیا جائے گا۔ دوسرا مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ جب کسی رسول اور نبی نے اللہ تعالیٰ کے ارشادات کی تلاوت اور اس کے ابلاغ کی کوشش کی تو شیطان نے ہر پیغمبر کو الجھانے اور اُس پر نازل ہونے والی وحی کو خلط ملط کرنے کی کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کو شیطان کے اختلاط اور وسوسے سے محفوظ رکھا اور اُس پیغمبر کے ذہن میں وہی کچھ مستحضر فرمایا۔ جو اللہ

تعالیٰ نے جبرائیل امین کے ذریعے نازل فرمایا تھا۔ کچھ مفسرین نے بعض روایات سے متاثر ہو کر لکھا ہے کہ ایک موقع پر شیطان نبی اکرم ﷺ کی زبان سے خلط ، ملط الفاظ نکلوانے میں کامیاب ہوا جس وجہ سے یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ یہ ایسی بات ہے کہ اگر اس پر اعتماد کر لیا جائے تو قرآنِ مجید اور احادیث کا سارا ذخیرہ تشکیک کی نظر ہو جاتا ہے۔ ان حضرات کی اسی بات کا فائدہ اُٹھا کر دشمنانِ اسلام نے یہ پراپیگنڈہ کیا ہے کہ قرآنِ مجید کی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی پر نازل ہونے والی وحی میں کبھی نہ کبھی شیطان بھی داخل انداز ہو جایا کرتا تھا۔ حالانکہ یہ بات عقل ونقل کے حوالے سے غلط ہے۔ اس آیت میں رسول اور نبی کے منصب کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ ہر رسول نبی ضرور ہوتا تھا لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوا کرتا تھا۔ جس کی سادہ تشریح یہ ہے کہ ہر نبی اپنے سے پہلے رسول کی شریعت کی اتباع کرتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے مفسر قرآن مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ کی تحریر من وعن نقل کی جاتی ہے۔

”علماء نے نبی اور رسول میں درج ذیل فرق بیان فرمائے ہیں۔ یاد رہے یہ غالب احوال کے لیے ہیں ورنہ نبی اور رسول کو متبادل اصطلاح کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ آنے والے رسول کی بشارت پہلے سے دے دی جاتی ہے جب کہ نبی کے لیے ضروری نہیں ہے۔ رسول پر اللہ کی کتاب اور صحیفے نازل ہوتے ہیں اور وہ اپنی الگ امت تشکیل دیتا ہے جب کہ نبی اپنے سے پہلی کتاب ہی کی اتباع کرتا ہے۔ رسولوں کی حفاظت کی ذمہ داری براہ راست اللہ تعالیٰ لے لیتے ہیں۔ آپ ﷺ پر سترہ دفعہ قاتلانہ حملے ہوئے۔ اللہ نے بچایا ہے جب کہ کئی انبیاء کو ان کی قوم نے قتل کر دیا۔ ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ (تیسیر القرآن۔ جلد۳)

مسائل

١۔ شیطان نے ہر رسول اور نبی کی دعوت میں رکاوٹ پیدا کی۔

٢۔ اللہ تعالیٰ شیطان کے وسوسہ سے وحی کو محفوظ رکھتا ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی بات کو مستحکم فرمایا۔

٤۔ اللہ تعالیٰ ہر بات کا علم رکھتا ہے اور اُس کے ہر کام اور حکم میں حکمت ہوتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے:

١۔ اللہ دلوں کے راز جانتا ہے۔ (ہود:٥) ٢۔ جو اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ (البقرہ:٢١٦)

٣۔ اللہ کا علم فرشتے بھی نہیں جانتے۔ (البقرہ:٣٠) ٤۔ ہر گرنے والا پتہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ (الانعام:٥٩)

٥۔ اللہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے۔ (المومن:١٩) ٦۔ اللہ خشکی اور تری کی پوشیدہ چیزوں سے واقف ہے۔ (الانعام:٥٩)

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ

تا کہ وہ بنادے | جوڈالتا ہے | شیطان | آزمائش | ان لوگوں کے لیے | میں

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ

جن کے دلوں | بیماری | اور | سخت ہیں | ان کے دل | اور بے شک | ظالم

لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۝۵۳

میں | مخالفت | دور کی

''تا کہ شیطان کی ڈالی ہوئی خرابی کو ان لوگوں کے لیے فتنہ بنادے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں حقیقت یہ ہے کہ ظالم لوگ عناد میں بہت دور نکل گئے ہیں۔'' (۵۳)

فہم القرآن

ربط کلام: پہلی بات کا تتمہ

شیطان کو شیطنت کا اس لیے اختیار دیا گیا تا کہ جن کے دلوں میں کسی قسم کی کھوٹ اور جن کے دل حق کے بارے میں سخت ہوگئے ہیں شیطان اپنی شیطنت کے ذریعے اُن کو فتنہ میں ڈالے رکھے۔ جو لوگ شیطان کے فتنہ میں مبتلا ہوئے وہ ظالم ہیں وہ حق کی مخالفت میں بہت دور جاچکے ہیں۔ یہ بات سورۃ البقرۃ کی آیت دس کی تفسیر میں بیان ہوچکی ہے کہ جس طرح انسان کے جسم کو بیماری لاحق ہوجاتی ہے۔ اسی طرح انسان کا دل روحانی بیماریوں میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ جن میں نفاق اور دل کی سختی شامل ہے۔ دل میں منافقت پیدا ہوجائے تو آدمی حق بات کے بارے میں بھی شک کا شکار ہوجاتا ہے۔ ایسا شخص حق بات کے قریب ہونے کی بجائے ہر قدم دور ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ ان کے دل پر گمراہی کی مہر ثبت کردیتا ہے۔

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ آمَنَّا بِكَ وَبِمَا جِئْتَ بِهِ فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا قَالَ نَعَمْ إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أَصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللّٰهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ)) [رواہ الترمذی: باب مَا جَاءَ أَنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أَصْبُعَيِ الرَّحْمٰنِ]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے اے دلوں کو پھیرنے والے ''اللہ'' میرے دل کو دین پر ثابت فرما۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ ہم آپ پر ایمان لائے اور جو کچھ آپ لے کر آئے اُسے تسلیم کیا۔ کیا آپ ہمارے بارے میں خطرہ محسوس کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! بے شک دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے وہ جدھر چاہتا ہے اُسے پھیرتا ہے۔''

دل کو نیکی اور اخلاق کے حوالے سے نرم رکھنے کا طریقہ:

((عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِنِّي كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ ثَلَاثٍ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوهَا

وَلْتَزِدْكُمْ زِيَارَتُهَا خَيْرًا وَنَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِي بَعْدَ ثَلَاثٍ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَمْسِكُوا مَا شِئْتُمْ وَنَهَيْتُكُمْ عَنِ الْأَشْرِبَةِ فِي الْأَوْعِيَةِ فَاشْرَبُوا فِي أَيِّ وِعَاءٍ شِئْتُمْ وَلَا تَشْرَبُوا مُسْكِرًا))[رواہ النسائی: باب الإذن في ذلك]

''حضرت ابن بریدہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تمہیں تین چیزوں سے منع کیا تھا قبر کی زیارت سے اب اُس کی زیارت کر لیا کرو۔ بے شک اُس کی زیارت آدمی کو نیکی میں بڑھاتی ہے۔ میں نے تمہیں تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے منع کیا تھا اب کھا اور بچا لیا کرو جس قدر چاہو۔ میں نے تمہیں بعض برتنوں میں پینے سے منع کیا تھا اب جونسے برتن میں چاہو پی لو۔ البتہ کوئی نشہ آور چیز پینے کی اجازت نہیں پینی۔''

یتیم کے سر پر ہاتھ رکھنا:

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ أَنَّ رَجُلًا شَكَا إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَسْوَةَ قَلْبِهٖ فَقَالَ لَهٗ إِنْ أَرَدْتَّ تَلْيِيْنَ قَلْبِكَ فَأَطْعِمِ الْمِسْكِيْنَ وَامْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيْمِ))[مسند احمد: باب مسند أبی هريرة]

''حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے دل کی سختی کے متعلق شکایت کی آپ نے فرمایا: اگر تو اپنے دل کو نرم کرنا چاہتا ہے تو مسکین کو کھانا کھلا اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر۔''

اللہ کے ذکر سے دل نرم ہوتا ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ [الانفال: ٢]

''مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیات پڑھی جائیں تو ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔''

مسائل

١۔ جن کے دلوں میں حق کے بارے میں کھوٹ اور سختی ہو وہ شیطان کی شیطنت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

٢۔ ظالم اور منافق کا دل حق کے بارے میں سخت ہو جاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

روحانی بیماریاں:

١۔ ریاکاری روحانی بیماری ہے۔(البقرۃ:٢٦٤، الماعون:٤تا٦) ٢۔ دل کی سختی۔(المائدۃ:١٣، الزمر:٢٢)

٣۔ کفر۔(البقرۃ:١٠) ٤۔ تکبر۔(النحل:٢٢، لقمان:١٨، النساء:١٧٢)

٥۔ کجی۔(التوبۃ:١١٧، آل عمران:٧، الصف:٥)

٦۔ دل کا زنگ آلود ہونا۔(المطففین:١٤)

وَّلِيَعۡلَمَ	الَّذِيۡنَ	اُوۡتُوا	الۡعِلۡمَ	اَنَّهُ	الۡحَقُّ	مِنۡ
اور تا کہ جان لیں	وہ لوگ	دیے گئے	علم	کہ بلاشبہ یہ	حق	سے

رَّبِّكَ	فَيُؤۡمِنُوۡا	بِهٖ	فَتُخۡبِتَ	لَهٗ	قُلُوۡبُهُمۡ	وَاِنَّ
آپ کا رب	لہٰذا وہ ایمان لے آئیں	اس کے ساتھ	پھر جھک جائیں	اس کے لیے	ان کے دل	اور بے شک

اللّٰهَ	لَهَادِ	الَّذِيۡنَ	اٰمَنُوۡۤا	اِلٰى	صِرَاطٍ	مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۵۴﴾
اللہ	ہدایت دینے والا ہے	ان لوگوں کو	وہ ایمان لائے	طرف	راستے	سیدھے

''اور علم والے لوگ جان لیں کہ یہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے سُو وہ اس پر ایمان لے آئیں اور ان کے دل اس کے آگے جھک جائیں یقیناً اللہ ایمان لانے والوں کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔'' (۵۴)

فہم القرآن

ربط کلام: ظالموں کے مقابلے میں ایمانداروں کے دل اور کردار۔

اللہ تعالیٰ اس لیے شیطان کی شیطنت کو دباتا اور مٹاتا ہے تاکہ حقیقی علم رکھنے والے لوگوں کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان سچ اور حق ہے۔ حقیقی علم رکھنے والے لوگ ''اللہ'' کے فرمان پر ایمان لاتے ہیں اور ان کے دل حق بات کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی ضرور رہنمائی کرتا اور انھیں سیدھے راستے پر گامزن رہنے کی توفیق دیتا ہے۔ یہاں علم سے مراد شریعت کا وہ علم ہے جس سے ایماندار لوگ رہنمائی حاصل کر کے شیطانی قوتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ '' اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ '' سے مراد وہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو پہلے عیسائی اور یہودی تھے۔ جب ان کے سامنے قرآن وسنت پیش کیے جاتے ہیں تو انھیں یقین ہو جاتا ہے کہ یہ وہی حق ہے جس کا ذکر انھوں نے تورات، انجیل میں پڑھا تھا۔ پھر وہ حق کو قبول کرنے میں کسی قسم کا تامل نہیں کرتے۔ ''اللہ'' سے ڈرنے والے علماء اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ میں شامل ہیں۔

((عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ الْفَجْرِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْماً نَافِعاً وَعَمَلاً مُتَقَبَّلاً وَرِزْقاً طَيِّباً)) [رواہ احمد: مسند ام سلمه زوج النبی]

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بے شک نبی ﷺ فجر کی نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے (الٰہی! میں تجھ سے نفع مند علم اور قبول ہونے والا عمل اور رزقِ حلال کا طلبگار رہوں۔''

((حَدَّثَنِی عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ مَنْ أَرْبَابُ الْعِلْمِ؟ قَالَ الَّذِینَ یَعْمَلُونَ بِمَا یَعْلَمُونَ قَالَ فَمَا یَنْفِی الْعِلْمَ مِنْ صُدُورِ الرِّجَالِ؟ قَالَ الطَّمَعُ))

[رواہ دارمی:باب صِیَانَۃِ الْعِلْمِ]

''عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں بے شک عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ علم والے کون ہیں؟ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام نے جواب دیا جو علم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ حضرت عمر نے دریافت کیا لوگوں کے دلوں سے علم کو ختم کرنے والی کون سے چیز ہے؟ اُنہوں نے کہا دنیا کا لالچ۔''

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے سے پہلے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اے الٰہی! جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے رب، تو ہی زمین و آسمانوں کا پیدا کرنے اور حاضر و غائب کا علم رکھنے والا ہے اور تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان کے آپس کے اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا۔ اختلافی معاملات میں حق اور سچ کے ساتھ میری رہنمائی فرما۔ یقیناً تو جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت عطا کرتا ہے۔'' [رواہ مسلم :باب الدعاء فی الصلوۃ اللیل]

مسائل

۱۔ حقیقی علم وہ ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرے۔ ۲۔ حق کی رہنمائی پانے کے بعد ایماندار کا دل اُس کی جانب جھک جانا چاہیے۔

۳۔ جو لوگ حق کے سامنے جھکتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

صراطِ مستقیم کے سنگِ میل:

۱۔ اللہ ہی ایمان والوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔ (الحج:۵۴)

۲۔ اللہ کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ (یٰس:۶۱)

۳۔ اللہ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔ (البقرۃ:۲۱۳)

۴۔ اللہ ہی صراطِ مستقیم کی ہدایت کرتا ہے۔ (الشوریٰ:۵۲)

۵۔ اللہ میرا اور تمھارا رب ہے۔ تم اسی کی عبادت کرو یہی صراط مستقیم ہے۔ (آل عمران:۵۱، مریم:۳۶)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی جماعت کو چن لیا اور ان کو صراط مستقیم کی ہدایت دی۔ (الانعام:۸۷)

۷۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دینے والے ہیں ۔ (الشوریٰ:۵۲)

۸۔ صراطِ مستقیم کی ہی پیروی کرو۔ (الانعام:۱۵۳)

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ

اور ہمیشہ رہیں گے | لوگ | انہوں نے کفر کیا | میں | شک | اس (قرآن) سے

حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ

یہاں تک کہ آجائے ان کے پاس | قیامت | اچانک | یا | آجائے ان پر | عذاب

يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾

دن | بانجھ

’’انکار کرنے والے تو اس میں شک ہی میں رہیں گے یہاں تک کہ یا تو ان پر قیامت کی گھڑی اچانک آجائے یا اُن پر منحوس دن میں عذاب نازل ہو جائے۔‘‘ (۵۵)

فہم القرآن

ربط کلام: حق کے سامنے جھکنے والوں کے مقابلے میں انکار کرنے والوں کا رویہ۔

اس سے پہلی آیت کی تشریح میں یہ اشارہ کیا ہے کہ ’’اَلْعِلْم‘‘ سے مراد قرآن وسنت کا علم ہے اور جو لوگ قرآن وسنت کا انکار کرتے ہیں وہ حق بات کے بارے میں ہمیشہ شک کا شکار رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ قیامت برپا ہو جائے یا اُن پر منحوس دن وارد ہو جائے۔ یہاں ایک بنیادی اور اصولی بات کا ذکر فرما کر مومن اور کافر کے دل کی کیفیت کا فرق بیان کیا گیا ہے۔ مومن کے سامنے حق بات آئے تو اُس کا دل اُس کے سامنے جھک جاتا ہے۔ کافر کے سامنے حق پیش کیا جائے تو اُس کا دل مزید شک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے بارش کی مثال سامنے رکھنی چاہیے بارش پھول پر ہو تو وہ اور زیادہ خوبصورت دکھائی دیتا ہے اور اس کی مہک چارسو پھیلتی ہے۔ بارش گندگی کے ڈھیر پر برستی ہے تو اُس کے تعفن میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ حق کے انکاری کے دل کی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ وہ حق کو تسلیم کرنے کی بجائے اور دور ہو جاتا ہے۔ ’’یومِ عقیم‘‘ کا معنی ہے ’’منحوس دن‘‘۔ حقیقتاً کوئی دن اور وقت منحوس نہیں ہوتا یہ بات اس حوالے سے کہی گئی ہے کہ کفار کے لیے وہ گھڑی یا دن منحوس بنا دیا جاتا ہے۔ اسی لیے قوم عاد پر مسلسل آٹھ دن آندھی کی صورت میں عذاب نازل کیا گیا۔ اِن ایام کو اللہ تعالیٰ نے اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ جن کا معنٰی ہے منحوس دن۔ (حٰم السجدۃ:١٦)

((وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ وَ لَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْاَسَدِ۔)) [رواه البخاري:باب الْجُذَامِ]

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا‘ کوئی بھی بیماری متعدی نہیں۔ بدشگونی بھی نہیں ہے۔ نہ الو بد روح ہے اور نہ صفر کا مہینہ نحوست والا ہے۔ البتہ کوڑھے شخص سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر

سے بھاگتے ہو۔“

((وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْأَعْرَابِ يَأْتُوْنَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَيَسْئَلُوْنَهُ عَنِ السَّاعَةِ فَكَانَ يَنْظُرُ إِلَى أَصْغَرِهِمْ فَيَقُوْلُ إِنْ يَعِشْ هٰذَا لَا يُدْرِكُهُ الْهَرَمُ حَتّٰى تَقُوْمَ عَلَيْكُمْ سَاعَتُكُمْ)) [رواہ البخاری: باب سَكَرَاتِ الْمَوْتِ]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کچھ دیہاتی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے انہوں نے قیامت کے بارے میں سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے سب سے چھوٹے کی طرف دیکھا اور فرمایا‘ اگر یہ شخص زندہ رہا اس پر بڑھاپا نہیں آئے گا کہ تم پر قیامت قائم ہو جائے گی۔“

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَتَقُوْمَنَّ السَّاعَةُ وَثَوْبُهُمَا بَيْنَهُمَا لَا يَطْوِيَانِهِ وَلَا يَتَبَايَعَانِهِ وَلَتَقُوْمَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ حَلَبَ لِقْحَتَهُ لَا يَطْعَمُهُ وَلَتَقُوْمَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ رَفَعَ لُقْمَتَهُ إِلٰى فِيهِ وَلَا يَطْعَمُهَا وَلَتَقُوْمَنَّ السَّاعَةُ وَالرَّجُلُ يَلِيطُ حَوْضَهُ لَا يَسْقِي مِنْهُ)) [رواہ احمد: مسند ابی ہریرہ]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کپڑا بیچنے اور خریدنے والے ابھی سمیٹ نہیں سکیں گے کہ قیامت آجائے گی۔ ایک آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ دوہ رہا ہوگا اور وہ اس کو پی نہیں سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ کھانا کھانے والا لقمہ اپنے منہ کی طرف اٹھائے گا۔ اس کو کھا نہیں سکے گا تو قیامت قائم ہو جائے گی۔ ایک آدمی اپنا حوض ٹھیک کر رہا ہوگا وہ اس سے پانی پی نہیں سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔“

مسائل

١۔ کفر کرنے والے کا دل حق بات کے بارے میں متذبذب رہتا ہے۔

٢۔ کفر پر قائم رہنے والا دنیا میں عذاب کے وقت اور قیامت قائم ہونے کے دن حق کا اعتراف کرے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت اچانک برپا ہو جائے گی:

١۔ بے شک قیامت آنے والی ہے۔ میں اس کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر کسی کو جزا یا سزا دی جائے۔ (طٰہٰ: ١٥)

٢۔ یقیناً قیامت آنے والی ہے۔ (الحجر: ٨٥) ٣۔ یقیناً قیامت آنے والی ہے اور اللہ قبر والوں کو اٹھائے گا۔ (الحج: ٧)

٤۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت برپا ہونے میں کوئی شک نہیں۔ (الکہف: ٢١)

٥۔ اے لوگو! اللہ سے ڈر جاؤ بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑا ہے۔ (الحج: ١)

٦۔ کافر ہمیشہ شک میں رہیں گے، یہاں تک کہ قیامت اچانک آجائے۔ (الحج: ٥٥)

٧۔ ہم نے قیامت کے دن جھٹلانے والوں کے لیے آگ کا عذاب تیار کیا ہے۔ (الفرقان: ١١)

اَلْمُلْكُ	يَوْمَئِذٍ	لِّلّٰهِ ؕ	يَحْكُمُ	بَيْنَهُمْ ؕ	فَالَّذِيْنَ
بادشاہی	دن	اللہ کے لیے	وہ فیصلہ کرے گا	ان کے درمیان	چنانچہ وہ لوگ
اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	فِيْ	جَنّٰتِ	النَّعِيْمِ ۝٥٦
وہ ایمان لائے	اور انھوں نے عمل کیے	نیک	میں	باغات	نعمتوں
وَالَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	وَكَذَّبُوْا	بِاٰيٰتِنَا	فَاُولٰٓئِكَ	لَهُمْ
اور وہ لوگ	انہوں نے کفر کیا	اور جھٹلایا	ہماری آیتوں کو	تو یہ لوگ	ان کے لیے ہوگا
عَذَابٌ	مُّهِيْنٌ ۝٥٧				
عذاب	ذلیل کرنے والے				

ع ٩ ١٤

''اس دن بادشاہی اللہ کی ہوگی اور وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے گا جو ایمان رکھنے والے اور عمل صالح کرنے والے ہوں گے وہ نعمت بھری جنتوں میں ہوں گے۔ (٥٦) اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا ان کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب ہوگا۔'' (٥٧)

فہم القرآن

ربط کلام: قیامت کے دن صرف ایک اللہ کی بادشاہی ہوگی۔ اُس دن نیک وبد کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عارضی طور پر دنیا میں کچھ اختیارات دیے ہیں۔ اسی بناء پر مختلف وقتوں اور علاقوں میں کچھ لوگوں کو اقتدار دیا جاتا ہے تاکہ دنیا کا نظام اجتماعی شکل میں چلتا رہے لیکن حقیقی بادشاہی اللہ تعالیٰ کی ہے۔ وہ اپنی حکمتِ عملی کے تحت دنیا کا اقتدار ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں دیتا ہے۔ جب قیامت برپا ہوگی تو پورے کا پورا نظام ختم کر دیا جائے گا۔ ربّ ذوالجلال کے سوا کسی کے پاس کچھ اختیار نہیں ہوگا اُس دن اعلان ہوگا کہ آج صرف اللہ کے لیے بادشاہی ہے۔ ''اللہ'' صالح اعمال کرنے والے ایمانداروں کو نعمتوں والی جنت میں داخل کرے گا اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ''اللہ'' کی آیات کو جھٹلایا اُن کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب ہوگا۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقْبِضُ اللّٰهُ الْاَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَطْوِی السَّمَاءَ بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَيْنَ مُلُوْكُ الْاَرْضِ)) [رواہ البخاری باب قَوْلِهٖ (**وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ**)]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو اپنے قبضہ میں لے لے گا اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ کر فرمائے گا میں ہی بادشاہ ہوں کہاں ہیں زمین کے بادشاہ۔''

جنت کی نعمتوں کی ایک جھلک:

((وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ فِی الْجَنَّةِ شَجَرَةً یَسِیْرُ الرَّاکِبُ فِیْ ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَایَقْطَعُهَا وَلَقَابُ قَوْسِ اَحَدِکُمْ فِی الْجَنَّةِ خَیْرٌ مِّمَّا طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ اَوْتَغْرُبُ)) [رواہ البخاری: باب مَا جَاءَ فِی صِفَةِ الْجَنَّةِ وَأَنَّهَا مَخْلُوقَةٌ]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ اگر کوئی سوار اس کے سایہ میں سو سال چلتا رہے، تب بھی اس سایہ ختم نہ ہو سکے گا اور یقیناً تم میں سے کسی ایک شخص کی جنّت میں کمان کے برابر جگہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے، جن پر سورج طلوع یا غروب ہوتا ہے۔“

جہنم کا ایک منظر

((وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُؤْتٰی بِجَهَنَّمَ یَوْمَئِذٍ لَهَا سَبْعُوْنَ اَلْفَ زِمَامٍ مَعَ کُلِّ زِمَامٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ یَجُرُّوْنَهَا۔)) [رواہ مسلم: باب فِی شِدَّةِ حَرِّ نَارِ جَهَنَّمَ وَبُعْدِ قَعْرِهَا وَمَا تَأْخُذُ مِنَ الْمُعَذَّبِینَ]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن دوزخ کو لایا جائے گا اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے، جو اسے کھینچ کر لائیں گے۔

مسائل

١۔ ایمان اور صالح اعمال آپس میں لازم ملزوم ہیں۔
٢۔ صالح اعمال کرنے والے ایمانداروں کو نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے گا۔
٣۔ کفر و کِذب اختیار کرنے والوں کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

جنتیوں اور جہنمیوں کے انجام کا فرق:

١۔ کفار کے چہرے بگڑے ہوئے ہوں گے۔(الحج:٧٢) ٢۔ مومنوں کے چہرے تر و تازہ ہوں گے۔(القیامۃ:٢٢)
٣۔ جہنمیوں کو آگ کے ستونوں سے باندھ دیا جائے گا۔(ہمزہ:٩) ٤۔ جہنمیوں کو پیپ اور لہو پلایا جائے گا۔(ابراہیم:١٦)
٥۔ کھولتے ہوئے چشمے سے انھیں پانی پلایا جائے گا۔(الغاشیۃ:٥) ٦۔ جنتی جنت میں جو چاہیں گے سو پائیں گے۔(الانبیاء:١٠٢)
٧۔ دوزخیوں کے چہروں پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔(یونس:٢٧)
٨۔ ملائکہ جنتیوں کو سلام کہتے ہوئے کہیں گے کہ جنت کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ۔(الرعد:٢٣۔٢٤)

وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا
اور وہ لوگ | انہوں نے ہجرت کی | میں | راہ | اللہ | پھر | وہ قتل کیے گئے

اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ط وَ اِنَّ
یا | وہ مر گئے | البتہ ضرور ان کو رزق دے گا | اللہ | رزق | بہت اچھا | اور بلاشبہ

اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا
اللہ | وہی | بہتر | رزق دینے والا | وہ ان کو ضرور داخل کرے گا | مقام میں

يَّرْضَوْنَهٗ ط وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾
وہ اسے پسند کریں گے | اور بلاشبہ | اللہ | خوب جاننے والا ہے | نہایت بردبار

''اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر قتل کر دیے گئے یا طبعی موت مر گئے ۔ اللہ ان کو اچھا رزق دے گا اور یقیناً اللہ ہی بہترین رازق ہے۔(۵۸) وہ انہیں ایسی جگہ داخل کرے گا جہاں وہ خوش ہو جائیں گے بے شک اللہ جاننے والا اور حوصلے والا ہے۔''(۵۹)

فہم القرآن

ربط کلام: ذلیل کر دینے والے عذاب سے مامون رہنے اور جنت کی نعمتیں پانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان کفر کے ماحول کو چھوڑ دے۔

ہجرت کا لغوی معنٰی ہے کسی چیز کو ترک کرنا ، چھوڑ دینا ،لیکن شرعی اصطلاح میں جو چیز جو اللہ اور اس کے رسول کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہو اس کو چھوڑنا ہجرت کہلاتا ہے اور چھوڑنے والا مہاجر ہوگا۔ کسی قوم کا داعی حق کے مقابلے میں آجانا ہی ہجرت کا جواز پیدا نہیں کر دیتا۔ بلکہ جب تک یہ واضح نہ ہو جائے کہ اس قوم میں خیر کی آبیاری ناممکن ہوگئی ہے ایسے حالات میں نبی کو اللہ کی طرف سے ہجرت کا حکم آجایا کرتا ہے۔ مصلح اور عام داعی حق کو حکم نہیں آیا کرتا تاہم خداداد بصیرت اور قرآن وسنت کی روشنی میں ہجرت کرنے کا فیصلہ داعی کا اختیار ہوتا ہے۔ کسی قوم میں نبی کا ہجرت کر کے چلے جانا معمولی بات نہیں کہ دل اکتایا ، بوریا اٹھایا اور چل نکلے۔ ایسی بستی تو بزم ہستی کے لیے ایک بوجھ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی اس لیے اس قوم کو بہت جلد نیست و نابود یا اس پر بھاری عذاب آجاتا ہے۔ ہجرت کرنا معمولی کام نہیں کہ نبی جب چاہے ملک وملت کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلا جائے۔ نبی کو جب تک واضح حکم نہ آجائے وہ ہجرت کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔ جیسا کہ یونس علیہ السلام کا واقعہ اس بات کی واضح دلیل ہے۔

''اور مچھلی والا (یونس علیہ السلام) جب غصے ہو کر چلا گیا اور وہ سمجھا تھا شاید ہم اس کو پکڑ نہیں سکیں گے ، پھر یونس (علیہ السلام) نے اندھیروں میں پکارا اے اللہ تیرے بغیر میرا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے یقیناً میں قصوروار ہوں ، پھر ہم نے اس کی دعا قبول کی

اوراس کوغم سے نجات بخشی اسی طرح ہم مومنوں کونجات دیا کرتے ہیں۔''

ہجرت ایمان کی کسوٹی ہے:

اللہ اوراسکے رسول کی خاطر ہجرت کرنا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ یہ ایسی پل صراط ہے جس کی دھار تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے۔ ہجرت کی تکالیف ومشکلات ایمان سے خالی دل کوننگا کردیتی ہیں۔ یہ ایسا ترازو ہے جس میں ہر آدمی نہیں بیٹھ سکتا۔ اس پیمانے سے کھرے کھوٹے کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید نے مہاجرین کو اصحابِ صدق وصفا کے القاب سے نوازا ہے۔

جس نے اللہ کی رضا جوئی کے لیے ہجرت کی اگر دوران سفر آخرت کو سدھارا تو اس کے گناہ معاف اور اسے آخرت میں سرخروئی نصیب ہوگی اگر منزل مقصود تک پہنچ گیا تو دنیا میں بھی فراخی پائے گا۔

﴿وَ مَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّسَعَةً وَ مَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَی اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ [النساء:١٠٠]

''جوکوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ رہنے کے لیے زمین میں بہت جگہ پائے گا اور کھانے، پینے کے لیے فراخی ہوگی اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کے لیے نکلے لیکن راستہ میں اسکو موت آگئی اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور اللہ رحم کرنے اور معاف کردینے والا ہے۔''

((عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُهَا اَوِامْرَاَةٍ یَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰی مَا هَاجَرَ اِلَیْهِ۔)) [رواہ البخاری: باب کَیْفَ کَانَ بَدْءُ الْوَحْیِ إِلَی رَسُوْلِ اللّٰہِ]

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام اعمال کا انحصار نیت پر ہے اور آدمی اپنی نیت کے مطابق ہی صلہ پائے گا۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہجرت کی اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے جس شخص نے دنیا کے فائدے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہجرت کی اس کی ہجرت اسی کے لیے ہوگی۔''

مسائل

١۔ ہجرت کے دوران مہاجر قتل ہوجائے یا طبعی موت مرے اُس کے لیے اجر لازم ہے۔

٢۔ اللہ کے لیے ہجرت کرنے والے کو دنیا میں بھی بہترین رزق دیا جائے گا۔

٣۔ اللہ تعالیٰ بہتر رزق دینے والا ہے۔

٤۔ قیامت کے دن مہاجر کو اس کی پسند کا مقام دیا جائے گا۔

٥۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر بات کو جاننے والا اور بڑا ہی بردبار ہے۔

ذٰلِكَ ۚ	وَمَنْ	عَاقَبَ	بِمِثْلِ	مَا	عُوْقِبَ	بِهٖ	
یہی	اور جو شخص	بدلہ لے	مثل اس کے	جو	زیادتی کی گئی	اس کیساتھ	
ثُمَّ	بُغِيَ	عَلَيْهِ	لَيَنْصُرَنَّهُ	اللّٰهُ ؕ	اِنَّ	اللّٰهَ	
پھر	ظلم کیا جائے	اس پر	تو ضرور اس کی مدد کرے گا	اللہ	بلاشبہ	اللہ	
لَعَفُوٌّ	غَفُوْرٌ ﴿٦٠﴾						
نہایت معاف کرنے والا	بہت بخشنے والا						

''یہ ہے ان کا انجام اور جو بدلہ لے ویسا ہی جیسا اس کے ساتھ کیا گیا ہے اور پھر اس پر زیادتی بھی کی گئی ہو تو اللہ اس کی مدد ضرور کرے گا اللہ معاف کرنے والا اور درگزر کرنے والا ہے۔'' (٦٠)

فہم القرآن

ربط کلام : بے شک اللہ تعالیٰ حوصلے والا ہے۔ لیکن وہ اپنے مظلوم بندوں کو اختیار دیتا ہے کہ وہ بدلہ لے سکتے ہیں۔

بدلہ لینے کا بنیادی اصول یہ ہے کہ مظلوم اس قدر ہی بدلہ لے سکتا ہے جس قدر اُس پر زیادتی کی گئی ہو۔ اگر بدلہ لینے والے پر دوبارہ زیادتی کی گئی تو اللہ تعالیٰ مظلوم کی مدد فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، بخش دینے والا ہے۔ بدلہ فوجداری، دیوانی اور لسانی معاملات میں ہوگا۔ اخلاقی معاملات میں بدلہ لینے کی بجائے حدود کا نفاذ ہے یعنی اگر کسی کی بہو، بہن، بیٹی یا کسی عزیزہ کے ساتھ کوئی شخص بدکاری کرتا ہے تو اس کی شرعی سزا ہوگی نہ کہ بدکاری کرنے والے کی عزیزہ کے ساتھ بدکاری کی اجازت۔ ان معاملات میں حکومت کا فرض ہوگا کہ وہ شریعت کے مطابق مظلوم کی دادرسی کا انتظام کرے مظلوم کو بدلے کا حق دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنی دو صفات کا ذکر کیا ہے کہ اللہ معاف کرنے والا، بخش دینے والا ہے۔ جس میں واضح طور پر اشارہ دیا گیا ہے کہ لوگو! اگر اکثر معاملات میں ایک دوسرے کو معاف کر دو۔ تو اللہ تمھیں بھی معاف کر دے گا۔

ابن جریج اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت صحابہ کے اس لشکر کے بارے میں نازل ہوئی جس کی مڈ بھیڑ کفار کے ایک جتھے سے حرمت والے مہینے میں ہوئی۔ مسلمانوں نے انہیں حرمت والے مہینے کے احترام سے آگاہ کیا کہ وہ اس کا احترام کریں۔ مشرک یہ بات ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے، انہوں نے صحابہ پر حملہ کر دیا تب مسلمانوں نے اپنا دفاع کیا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور انہیں کفار پر غلبہ عطا فرمایا۔ (ابن کثیر)

مسائل

١۔ مظلوم کو ظلم کے برابر بدلہ لینے کی اجازت ہے۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ مظلوم کی ضرور مدد کرتا ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، بخش دینے والا ہے۔

ذٰلِكَ	بِاَنَّ	اللّٰهَ	يُوْلِجُ	الَّيْلَ	فِي	النَّهَارِ	وَيُوْلِجُ
يہ	كہ بے شك	اللہ	وہ داخل كرتا ہے	رات	ميں	دن	اور وہ داخل كرتا
النَّهَارَ	فِي	الَّيْلِ	وَاَنَّ	اللّٰهَ	سَمِيْعٌۢ	بَصِيْرٌ ﴿٦١﴾	
دن	ميں	رات	اور بے شك	اللہ	خوب سننے والا	خوب ديكھنے والا	
ذٰلِكَ	بِاَنَّ	اللّٰهَ	هُوَ	الْحَقُّ	وَاَنَّ	مَا	
يہ	كہ بے شك	اللہ	وہی	حق	اور بے شك	جس كو	
يَدْعُوْنَ	مِنْ	دُوْنِهٖ	هُوَ	الْبَاطِلُ	وَاَنَّ		
وہ پكارتے ہيں	سے	سوائے	وہ	باطل	اور بے شك		
اللّٰهَ	هُوَ	الْعَلِيُّ	الْكَبِيْرُ ﴿٦٢﴾				
اللہ	وہی	بلندتر	بہت بڑا				

”یہ اس لیے کہ رات سے دن اور دن سے رات نکالنے والا اللہ ہی ہے اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔(٦١) یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہ باطل ہیں جنہیں اللہ کو چھوڑ کر یہ لوگ پکارتے ہیں۔ اللہ ہی بلند و بالا اور بزرگ ہے۔“(٦٢)

فہم القرآن

ربط کلام: رات اور دن کی گردش سے بتلایا گیا ہے کہ اے رب کے راستے کے راہی تجھے دل چھوٹا نہیں کرنا چاہیے یہ تو گردشِ ایام ہے۔ جو ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ بہتر حالات پیدا کرے گا۔ کیونکہ جس رب کی خاطر تو ہجرت کر رہا ہے وہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ حق کو ضرور غلبہ دے گا کیونکہ ”اللہ“ بالا دست اور بڑا ہے۔

ہجرت کا ذکر کرنے کے بعد اس بات کا ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ یقیناً وہ ہر بات سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ لوگو! اللہ تعالیٰ ہی معبودِ حق ہے۔ اس کے سوا جن کو لوگ پکارتے ہیں وہ جھوٹ ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے بلند و بالا اور سب سے بڑا ہے۔ رات اور دن کا تذکرہ کرنے کے ساتھ فرمایا کہ اللہ ہر بات سننے اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ جس طرح رات اور دن ایک دوسرے کے ساتھ لگے ہوئے ہیں بالکل یہی کیفیت انسان کی زندگی کی ہے کہ اس کی زندگی میں دکھ اور پریشانیاں بھی ہیں اور خوشیاں اور کامیابیوں کے روشن پہلو بھی موجود ہیں۔ جو ”اللہ“ رات کی تاریکیوں کو دن کے اُجالے میں تبدیل کرتا اور دن کے اُجالے کو رات میں بدلتا ہے۔

وہی غم کو خوشی میں تبدیل کرتا ہے اور وہی خوشی کی جگہ غم نازل کرتا ہے۔ ”اللہ“ کے سوا کوئی رات کو دن اور دن کو رات، خوشی کو غم اور غم کو خوشی میں تبدیل کرنے والا نہیں۔ جب اس کے سوا کوئی ایسا نہیں کر سکتا تو پھر ”اللہ“ ہی حق ہے باقی سب باطل ہیں۔ لہٰذا ہر حال میں اسی سے مانگا کرو۔ جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ باطل اور جھوٹ پر ہیں۔ یہاں باطل کے دو مفہوم ہیں ایک تو ان کا پکارنا باطل ہے دوسرا جن کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں یہ جھوٹ اور باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں بلند و بالا ہے۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ تَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ ، وَدَرَكِ الشَّقَاءِ ، وَسُوءِ الْقَضَاءِ ، وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ))[رواه البخاری:باب مَنْ تَعَوَّذَ بِاللّٰهِ مِنْ دَرَكِ الشَّقَاءِ وَسُوءِ الْقَضَاءِ]

”حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: اللہ سے پناہ مانگا کرو حد سے زیادہ مشقت، بدبختی، بُری تقدیر سے اور دشمنوں کے خوش ہونے سے۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ ہی رات کو دن اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

٣۔ اللہ کا فرمان اور اس کی ذات برحق ہے۔ مشرک جن کو پکارتے ہیں وہ باطل اور جھوٹ ہیں۔

٤۔ اللہ تعالیٰ مشرک کے تصورات اور عقیدہ سے بلند و بالا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ حق ہے اور مشرک کا عقیدہ اور عمل باطل ہے:

١۔ ”اللہ“ ہی حق ہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کو یہ پکارتے ہیں وہ سب باطل ہیں۔ (الحج ٦٢)

٢۔ ”اللہ“ حق ہے، اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا۔ (الحج ٦)

٣۔ اللہ ہی تمہارا حقیقی پروردگار ہے اس کے علاوہ باقی سب باطل ہیں۔ (یونس ٣٢)

٤۔ ”اللہ“ ہی حقیقی مولا ہے، باقی سب باطل ہیں۔ (یونس ٣٠)

٥۔ یقیناً ”اللہ“ ہی حقیقی الٰہ ہے، وہی حق کو واضح کرنے والا ہے۔ (النور: ٢٥)

٦۔ ”اللہ“ ہی حقیقی بادشاہ ہے۔ (المومنون: ١١٦)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
کیانہیں آپ نے دیکھا کہ بے شک اللہ اس نے نازل کیا سے آسمان

مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ
پانی پھر ہو جاتی ہے زمین سرسبز؟ بلاشبہ اللہ باریک بین

خَبِيْرٌ ﴿٦٣﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
بہت باخبر اسی کے لیے جو میں آسمانوں اور جو میں

الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٦٤﴾ ع٨/١٥
زمین اور بے شک اللہ وہی بے پروا قابل تعریف

''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے۔ پانی کی بدولت زمین سرسبز ہو جاتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ لطیف وخبیر ہے۔(٦٣) اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے بے شک وہ خزانوں کا مالک اور تعریف کے لائق ہے۔''(٦٤)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کے معبودِ برحق ہونے کے مزید دلائل۔

معبودِ حق کی کبریائی اور علو مرتب جاننا چاہو تو اس بات پر غور کرو کہ وہ آسمان سے کس طرح بارش نازل کرتا ہے جس سے ویران اور مردہ زمین سبزہ کی چادر پہن لیتی ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نہایت باریک بین اور ہر بات سے باخبر ہے۔ زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہے اسی کی ملکیت ہے ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے غنی اور ہر چیز سے بے نیاز اور ہر حوالے سے قابل تعریف ہے۔ بارش اور زمین کی شادابی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نہایت باریک بین، باخبر اور ہر اعتبار سے غنی اور قابل تعریف ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے لطیف، خبیر زمین وآسمان کا مالک، غنی اور حمید کا حوالہ دے کر اپنے آپ کو معبودِ برحق ثابت کیا ہے اور مشرکوں کو یہ باور کروایا ہے کہ اس ذات کو چھوڑ کر غیروں کو پکارتے ہو ان میں اس قسم کی کوئی خوبی نہیں پائی جاتی ۔تو پھر انہیں مشکل کشا اور حاجت روا، داتا وغیرہ سمجھنے اور کہنے کا کیا جواز ہے؟ یاد رکھو تمھاری کوئی چھپی ہوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ مردہ زمین کو سرسبز وشاداب کر دیتا ہے تو تمھاری موت کے بعد تمھیں زندہ کرنا اس کے لیے کس طرح مشکل ہے؟ اس کے باوجود تم اس ذات کی پرواہ اور اس کی عبادت نہیں کرتے تو یقین جانو کہ وہ کسی کی عبادت کا محتاج اور تعریف کا طلبگار نہیں کیونکہ وہ ہر اعتبار سے بے نیاز اور لائق تعریف ہے۔

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا' اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندو! تم میں سے ہر ایک گمراہ ہے ماسوا اس کے جس کو میں ہدایت سے سرفراز کروں۔ پس تم مجھ سے ہدایت مانگو میں تمہیں ہدایت

دوں گا، تم میں سے ہر ایک بھوکا ہے سوائے اس کے جس کو میں کھلاؤں۔ پس تم مجھ سے مانگو میں تمہیں کھلاؤں گا۔ میرے بندو! تم سب ننگے ہو سوائے اس کے جس کو میں پہناؤں ۔ پس تم مجھ سے پہناوا طلب کرو میں تمہیں پہناؤں گا۔ میرے بندو! تم رات دن گناہ کرتے ہو، میں تمام گناہوں کو بخش دینے والا ہوں۔ مجھ سے بخشش طلب کرو، میں تمہیں بخش دوں گا۔ میرے بندو! تم مجھے نقصان اور نفع پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ میرے بندو! تمہارے تمام اگلے پچھلے، جن وانس سب سے زیادہ متّقی انسان کے دل کی طرح ہو جائیں تو یہ میری سلطنت میں ذرّہ بھر اضافہ نہیں کر سکتے۔ میرے بندو! تمہارے اگلے پچھلے جن وانس سب بدترین فاسق وفاجر انسان کے دل کی طرح ہو جائیں تو یہ میری حکومت میں کچھ نقص واقع نہیں کر سکتا۔ میرے بندو! تمہارے اگلے پچھلے، جن وانس کھلے میدان میں اکٹھے ہو جائیں پھر وہ مجھ سے مانگنے لگیں اور میں ہر آدمی کو اس کی منہ مانگی مرادیں دے دوں تو میرے خزانوں میں اتنی کمی بھی واقع نہیں کر سکتے جتنی سوئی کو سمندر میں ڈبونے سے ہوتی ہے۔'' [رواہ مسلم: کتاب البر والصلة والاداب، باب تحریم الظلم]

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بارش نازل نہیں کر سکتا۔ ٢۔ ''اللہ'' کے سوا کوئی زمین کو ہریالی نہیں دے سکتا۔

٣۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لطیف وخبیر نہیں ہے۔ ٤۔ اللہ تعالیٰ ہی زمین وآسمانوں کی ہر چیز کا حقیقی مالک ہے۔

٥۔ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے غنی ہے اس کے خزانوں میں کبھی کمی واقع نہیں ہو سکتی۔

٦۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس کے فیصلے قابل تعریف ہیں زمین وآسمانوں کی ہر چیز اس کی تعریف کرتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ لائق تعریف ہے اور زمین وآسمان کی ہر چیز اس کی تعریف کرتی ہے:

١۔ بے شک اللہ تعریف کے لائق اور بڑی شان والا ہے۔ (ھود: ٧٣)

٢۔ زمین وآسمان میں سبھی کچھ اللہ کا ہے اور اللہ تمام تعریفات کے لائق ہے۔ (النساء: ١٣١)

٣۔ اللہ قرآن مجید نازل کرنے والا، حکمت والا اور تعریف کے لائق ہے۔ (حم السجدۃ: ٤٢)

٤۔ زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں۔ (الحشر: ١)

٥۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو جہانوں کو پالنے والا ہے۔ (الفاتحۃ: ١)

٦۔ تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے روشنی اور اندھیروں کو پیدا کیا۔ (الانعام: ١)

٧۔ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں ہدایت سے سرفراز فرمایا۔ (الاعراف: ٤٣)

اَلَمۡ	تَرَ	اَنَّ	اللّٰهَ	سَخَّرَ	لَكُمۡ	مَّا
کیانہیں	دیکھا آپ نے	بے شک	اللہ	تابع کردیا	تمھارے لیے	جو
فِی	الۡاَرۡضِ	وَالۡفُلۡكَ	تَجۡرِیۡ	فِی	الۡبَحۡرِ	بِاَمۡرِهٖ ؕ
میں	زمین	اور کشتیوں	چلتی ہیں	میں	سمندر	اس کے حکم کیساتھ؟
وَیُمۡسِكُ	السَّمَآءَ	اَنۡ	تَقَعَ	عَلَی	الۡاَرۡضِ	اِلَّا
اور وہ تھامے ہوئے ہے	آسمانوں	اس سے کہ	وہ گر پڑے	پر	زمین	مگر
بِاِذۡنِهٖ ؕ	اِنَّ	اللّٰهَ	بِالنَّاسِ	لَرَءُوۡفٌ	رَّحِیۡمٌ ﴿۶۵﴾	
اسی کے حکم سے	بلاشبہ	اللہ	لوگوں پر	شفقت کرنے والا	رحم کرنے والا ہے	

کیاتم دیکھتے نہیں ہو کہ اس نے وہ سب کچھ تمہارے لیے مسخر کر رکھا ہے جو زمین میں ہے اور اسی نے کشتی کو ایک قاعدے کا پابند بنایا ہے کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے اور وہی آسمان کو اس طرح تھامے ہوئے ہے کہ اس کے اذن کے بغیر وہ زمین پر نہیں گر سکتا؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں کے لیے نہایت شفقت کرنے اور مہربانی فرمانے والا ہے۔" (۶۵)

فہم القرآن

ربط کلام: اگر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کا ادراک چاہتے ہو تو پھر دریاؤں میں چلنے والی کشتیوں اور آسمان کی بلندیوں پر غور کرو۔

انسان کی فطرت میں یہ کمزوری ہے کہ وہ اپنے دائیں بائیں، اوپر نیچے بے شمار چیزوں کو دیکھتا اور ان سے استفادہ کرتا ہے۔ مگر ان کی حقیقت جاننے کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ انسان کی توجہ حقائق کی طرف مبذول کرنے کے لیے قرآن مجید کئی مقامات پر اَلَمۡ تَرَ کے الفاظ استعمال کرتا ہے کہ اے انسان! کیا تو دیکھتا اور سوچتا نہیں؟ کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں چیز کو کس طرح پیدا فرمایا ہے؟ یہاں زمین و آسمان اور سمندر میں چلنے والی کشتیوں کی طرف توجہ دلا کر ارشاد فرمایا ہے کہ یقین کرو کہ اللہ لوگوں کے ساتھ نہایت ہی شفقت کرنے اور مہربانی فرمانے والا ہے۔ انسان زمین کی طرف غور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے کب سے اسے اس کے لیے مسخر کر رکھا ہے زمین پانی پر ہونے کے باوجود نہ کہیں سے جھکی اور نہ ہی کہیں سے دھنسی ہے۔ انسان کی خوراک، رہائش اور اس کی زیب و زینت کے لیے کب سے خدمت میں لگی ہوئی ہے۔ حالانکہ یہی زمین ہے کہ اس پر حکمرانی کرنے والا انسان جب اس میں دفن کیا جاتا ہے تو چند دنوں کے بعد زمین اُسے کھا جاتی ہے۔ سمندر میں چلنے والی کشتیوں پر غور کیا جائے جو پانی ایک سوئی برداشت نہیں کر سکتا وہ ہزاروں ٹن بوجھ اُٹھانے والے جہازوں کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

وَ هُوَ الَّذِيٓ اَحۡيَاكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيۡكُمۡ ؕ

اور | وہی ہے جس نے | زندہ کیا تمھیں | پھر | وہ تمھیں مارے گا | پھر | وہی تمھیں زندہ کرے گا

اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَكَفُوۡرٌ ۝

بلاشبہ | انسان | البتہ بڑا ناشکرا

’’وہی ہے جس نے تمہیں زندگی بخشی ہے وہی تم کو موت دیتا ہے اور وہی تم کو زندہ کرے گا سچ یہ ہے کہ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔‘‘(٦٦)

آسمان کی طرف دیکھیں نہ معلوم کتنی مدت سے بغیر سہارے کے کھڑا ہے۔ نہ اس میں کوئی دراڑ واقع ہوئی ہے اور نہ وہ کسی طرف سے جھکا ہے۔ یہ اللہ کے حکم کے مطابق تنا ہوا ہے اور نیچے گرنے کا نام نہیں لیتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو زمین جگہ جگہ سے پھٹ جائے، سمندر کا پانی برف بن جائے، آسمان زمین پر دھڑام آ گرے۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی شفقت و مہربانی ہے کہ وہ لوگوں کے کفر و شرک اور ہر قسم کی نافرمانی دیکھ کر بھی ہر چیز کو انسان کی خدمت میں لگائے ہوئے ہے لیکن پھر بھی انسان اس کو معبودِ برحق ماننے کے لیے تیار نہیں۔ انسان کس قدر ظالم ہے اور اللہ تعالیٰ کس قدر مشفق اور مہربان ہے۔ وہی ذات لوگوں کو زندہ کرنے والی ہے۔ پھر وہی لوگوں کو موت سے ہمکنار کرتی ہے۔ پھر وہی سب کو زندہ کرے گی۔ گویا کہ انسان کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے قبضے میں انسان نہ اپنی مرضی سے پیدا ہوتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے مر سکتا ہے۔ اتنے ٹھوس دلائل ہونے کے باوجود انسان اپنے رب کا ناقدردان اور ناشکرا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور کشتیوں کو انسان کی خدمت میں لگا رکھا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہی موت و حیات کا مالک اور دوبارہ زندہ کرنے والا ہے۔

۳۔ انسان کی نافرمانی اور ناسپاہی کے باوجود اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفقت اور مہربانی کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انسان کا اپنے رب کے بارے میں رویّہ:

۱۔ یقیناً انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔(العادیات:٦)

۲۔ جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارتا ہے اور دل سے اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جب اس کو اللہ کی طرف سے کوئی نعمت ملتی ہے تو اسے بھول جاتا ہے۔(الزمر:۸)

۳۔ جب ہم انسان کو نعمت بخشتے ہیں تو وہ اعراض کرتا ہے اور جب تکلیف پہنچے تو ناامید ہو جاتا ہے۔(بنی اسرائیل:۸۳)

۴۔ جب انسان کو ہماری طرف سے رحمت ملتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے۔(الشوریٰ:۴۸)

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ

ہرامت کے لیے ہم نے مقرر کیا طریقہ وہ اس کو بجالانیوالے نہ وہ آپ سے جھگڑا کریں

فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٦٧﴾

میں معاملے اورآپ بلائیں طرف اپنے رب بلاشبہ آپ پر ہیں راہ سیدھی

وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٨﴾

اوراگر وہ آپ سے جھگڑا کریں پس آپ فرمادیجیے اللہ خوب جانتا جو تم عمل کرتے ہو

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ

اللہ فیصلہ کرے گا تمھارے درمیان دن قیامت میں کہ تم تھے

فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٦٩﴾

اس میں تم اختلاف کرتے

”ہرامت کے لیے ہم نے عبادت کاایک طریقہ مقرر کیا ہے جس کی ہر کوئی پیروی کرتا ہے اے نبی انہیں آپ سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے آپ اپنے رب کی طرف دعوت دیں یقیناً آپ سیدھے راستے پر ہیں۔(٦٧) اوراگر وہ آپ سے جھگڑیں تو فرمادیں کہ جوکچھ تم کررہے ہواللہ کو اچھی طرح معلوم ہے۔(٦٨) اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔“(٦٩)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ نے ہرقسم کے دلائل دے کراپنی توحید سمجھا دی ہے۔اس کے باوجود کوئی شخص توحید کے تقاضے پورے نہیں کرتا تو اس کی مرضی کیونکہ ہرکسی کے لیے گمراہی اور ہدایت کا راستہ متعین ہوچکا ہے۔

یہود ونصاریٰ ہراُس بات پراعتراض اورتنقید کرتے ہیں جواُن کی شریعت کے خلاف ہے۔اس پرانھیں یہ بات سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ جہاں تک دین کے بنیادی اصولوں کا معاملہ ہے وہ توہمیشہ سے ایک رہے ہیں۔لیکن ہردور کے حالات کے مطابق شریعت یعنی دین کے کچھ اصولوں کی تشریح میں فرق رہا ہے۔جس کی حکمت یہ ہے کہ لوگوں کودین پرعمل کرنا آسان رہے۔اسی وجہ سے پہلی شریعتوں کے ساتھ شریعتِ محمدیہ کابعض معاملات میں اختلاف ہے۔جیسا کہ بعض شریعتوں میں بیک وقت دوبہنوں سے نکاح کرنا جائز تھالیکن شریعت محمدی میں حرام ہے، پہلے انبیاء پر مال غنیمت حرام تھاامت محمدی کے لیے جائز قرار پایا،پہلی امتوں کے لوگ صرف اپنے عبادت خانوں میں ہی نمازادا کرتے ان کے علاوہ کسی اورجگہ نمازنہیں پڑھ

سکتے تھے، لیکن مسلمانوں کے لیے بوقت نماز مسجد میں جانا ممکن نہ ہو جہاں چاہیں نماز ادا کرلیں۔ پہلی شریعتیں بھی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں تھیں اور شریعتِ محمدیہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ شریعتِ محمدیہ کے نزول کے بعد پہلی شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ اگر یہود و نصاریٰ اس بات کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں تو اے پیغمبر! ان لوگوں کے ساتھ جھگڑا کرنے کی بجائے انھیں ان کی حالت پر چھوڑ دیجیے اور آپ لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلاتے رہیں یقیناً آپ ہی صحیح راستے پر گامزن ہیں۔ اگر لوگ پھر بھی جھگڑا کرنے سے باز نہیں آتے تو آپ یہ فرما کر ان سے الگ ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ بڑی اچھی طرح جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ وہی قیامت کے دن تمھارے اختلافات کا فیصلہ کرے گا۔ یہاں تک کہ جانوروں کے مابین بھی فیصلہ کیا جائے گا۔

((عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقَ إِلٰی أَهْلِهَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ، حَتّٰی یُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ)) [رواہ مسلم : کتاب البر والصلة ، باب تحریم الظلم]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں قیامت کے دن لوگوں کے حقوق ان کے مالکوں کو ادا کرنا پڑیں گے، یہاں تک کہ جس بکری کے سینگ نہیں ہیں اس کو سینگ والی بکری سے بدلہ دلایا جائے گا۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لیے ایک شریعت مقرر کی تھی۔
۲۔ پہلی شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ اب شریعت محمدیہ پر عمل کرنا سب پر لازم ہے۔
۳۔ حقیقت جاننے کے باوجود لوگ حق کے بارے میں جھگڑا کریں تو انھیں ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلہ صادر فرمائیں گے:

۱۔ اللہ مردوں کو اٹھائے گا پھر اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ (الانعام: ۳۶)
۲۔ قیامت کے دن اللہ سب کو اٹھائے گا پھر ان کے اعمال کی انھیں خبر دے گا۔ (المجادلۃ: ۶ تا ۱۸)
۳۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اٹھائے گا تاکہ ان کے درمیان فیصلہ صادر فرمائے۔ (الانعام: ۶۰)
۴۔ صبر کا دامن نہ چھوڑیں یہاں تک کہ اللہ فیصلہ صادر فرمادے۔ (یونس: ۱۰۹)
۵۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے۔ (المائدۃ: ۱)
۶۔ اللہ قیامت کے دن لوگوں کے درمیان اختلافات کا فیصلہ کرے گا۔ (البقرۃ: ۱۱۳)
۷۔ قیامت کے دن آپ کا پروردگار ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ (النحل: ۱۲۴، النساء: ۱۴۱)

اَلَمْ	تَعْلَمْ	اَنَّ	اللّٰهَ	يَعْلَمُ	مَا	فِي
کیانہیں	جانتے آپ	بے شک	اللہ	وہ جانتا ہے	جو	میں
السَّمَآءِ	وَالْاَرْضِ ط	اِنَّ	ذٰلِكَ	فِيْ	كِتٰبٍ ط	اِنَّ
آسمانوں	اور زمین	بلاشبہ	یہ	میں	کتاب	بے شک
ذٰلِكَ	عَلَى	اللّٰهِ	يَسِيْرٌ ۝			
یہ	پر	اللہ	بہت آسان			

''کیاتم نہیں جانتے کہ آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے سب کچھ ایک کتاب میں درج ہے اللہ کے لیے یہ مشکل نہیں ہے۔''(۷۰)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے لیکن اس کے باوجود اس نے لوحِ محفوظ پر ہر چیز لکھ رکھی ہے۔

نبی کریم ﷺ کو جھگڑالو لوگوں کے ساتھ نہ اُلجھنے کی تلقین کرنے کے بعد یہ کہہ کر تسلی دی گئی ہے کہ اے پیغمبر! آپ کو ان کے ساتھ الجھنے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نا صرف ان لوگوں کے اعمال کو جانتا ہے بلکہ وہ تو زمین و آسمانوں کے چپہ چپہ سے واقف ہے آپ سے اختلاف کرنے والے یہ خیال نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ صرف ان کے اعمال کو جانتا ہے وہ ان کے اعمال جاننے کے باوجود ان کا ہر قول وفعل لکھ بھی رہا ہے۔ ان کے اعمال کا احاطہ کرنا اور سب کا حساب لینا اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہے مشکل نہیں، کتاب سے مراد ہر انسان کا اعمال نامہ ہے اور جو کچھ زمین وآسمانوں میں ہو چکا اور ہو گا اور جو کچھ انسان نے کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے لوحِ محفوظ پر لکھ رکھا ہے۔ جسے شریعت کی زبان میں تقدیر کہا گیا ہے۔

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيْرَ الْخَلَآئِقِ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ قَالَ وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ)) [رواہ مسلم: باب حِجَاجِ آدَمَ وَمُوْسٰی]

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوق کی تقدیریں لکھ دیں تھیں اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کی ہر چیز سے باخبر ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے اعمال لکھ رہا ہے۔

۳۔ زمین وآسمان میں جو کچھ موجود ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ	مِنْ	دُوْنِ	اللّٰهِ	مَا لَمْ	يُنَزِّلْ بِهٖ
اور وہ عبادت کرتے ہیں	سے	سوا	اللہ	جو نہیں	وہ نازل کی ساتھ اس کے
سُلْطٰنًا	وَّمَا	لَيْسَ	لَهُمْ	بِهٖ	عِلْمٌ وَمَا
دلیل	اور جو	نہیں ہے	ان کے لیے	ساتھ اس کے	کوئی علم اور نہیں
لِلظّٰلِمِيْنَ	مِنْ	نَّصِيْرٍ ﴿٧١﴾			
ظالموں کے لیے	کوئی	مددگار			

”یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کر رہے ہیں جن کے بارے میں نہ تو اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل کی ہے اور نہ یہ خود ان کے بارے میں کوئی علم رکھتے ہیں ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے۔“ (٧١)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا اور اس نے سب کچھ لکھ رکھا ہے جس میں یہ بھی تحریر ہے کہ ہر دور کے مشرک کس کس کی عبادت کریں گے۔

انسان کے اعمال نامہ اور لوحِ محفوظ کا ذکر فرما کر یہ اشارہ دیا ہے کہ اے انسان تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس طرح بھی شرک کرے گا اُسے اپنے اعمال نامہ میں درج پائے گا۔ اگر کتاب سے مراد لوحِ محفوظ لیا جائے تو اس کا معنٰی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں چھوٹی بڑی ہر بات لکھی ہے لیکن شرک کے حمایت میں کوئی بات درج نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے کوئی عقلی و نقلی دلیل شرک کی حمایت میں نازل کی ہے۔ اس لیے شرک کرنے والے کسی آسمانی کتاب سے اس کی تائید میں کوئی دلیل نہیں دے سکتے۔ دوسرے الفاظ میں اس فرمان کا معنی یہ ہے کہ شرک کرنا اور اس کی دلیل دینا سراسر جہالت پر مبنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شرک کے پرچار کے لیے اکثر جھوٹی کرامات کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اور جن قبروں کے لوگ چکر لگاتے ہیں۔ ان میں دفن ہونیوالے کا کسی کو علم نہیں۔ اکثر قبریں نقلی ہیں جن کی کرامات بیان کی جاتی ہیں۔ ان کے نام کا تاریخ میں کوئی ثبوت ہی نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا جو شخص شرک کا ارتکاب کرتا اور اُس کی حمایت میں جھگڑتا ہے وہ پرلے درجے کا ظالم ہے۔ مشرک اس لیے بھی ظالم ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں شریک ٹھہراتا ہے وہ تو کسی اعتبار سے بھی اس لائق نہیں کہ انھیں ذاتِ کبریا کا شریک بنایا جائے۔ ایسا سوچنے اور کرنے والے ظالم ہیں اور قیامت کے دن اُن کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔

سچے ہو تو شرک کے ثبوت پیش کرو:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَ كُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ

شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا﴾ [فاطر: ۴۰]

''فرما دیجئے کیا تم نے اپنے اُن معبودوں کو دیکھا ہے جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے دکھاؤ اُنہوں نے زمین میں کون سی چیز پیدا کی ہے یا آسمانوں میں اُن کی کیا شراکت ہے یا ہم نے اُن کو کتاب دی ہے وہ اُس میں سے کوئی دلیل رکھتے ہیں۔ بلکہ ظالم ایک دوسرے کے ساتھ مکر وفریب کا وعدہ کرتے ہیں۔''

﴿قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ [السبا: ۲۷]

''فرما دیجئے مجھے وہ لوگ دکھائے جنہیں تم نے اللہ کے ساتھ ملا رکھا ہے کوئی نہیں بلکہ وہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔''

مسائل

۱۔ شرک کے لیے کوئی بھی عقلی ونقلی دلیل نہیں ہے۔

۲۔ شرکیہ عقیدہ کے پیچھے علم نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔

۳۔ مشرک ظالم ہوتا ہے، ظالم کا قیامت کے دن کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

شرک کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے:

۱۔ شرکیہ عقیدے کی کوئی دلیل نہیں۔(المومنون:۱۱۷)

۲۔ شرک سے آدمی ذلیل ہو جاتا ہے۔(الحج:۳۱)

۳۔ بتوں کے الٰہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔(النجم:۲۳)

۴۔ اللہ کے سوا کوئی اور بھی الٰہ ہے تو کوئی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔(النمل:۶۴)

۵۔ انھوں نے اللہ کے علاوہ کئی معبود بنا لیے ہیں آپ فرمائیں کوئی دلیل لاؤ۔(الانبیاء:۲۴)

۶۔ اے لوگو! تمھارے پاس رب کی طرف سے دلیل آچکی ہے۔(النساء:۱۷۵)

۷۔ وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت کے لیے کوئی دلیل نازل نہیں کی گئی۔(الحج:۷۱)

۸۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہوئے تم ڈرتے نہیں حالانکہ اللہ نے شرک کی حمایت میں کوئی دلیل نازل نہیں کی۔(الانعام:۸۱)

وَ اِذَا	تُتْلٰى	عَلَيْهِمْ	اٰيٰتُنَا	بَيِّنٰتٍ	تَعْرِفُ	فِىْ
اور جب	پڑھی جاتی ہیں	ان پر	ہماری آیتیں	واضح	آپ پہچانتے ہیں	میں
وُجُوْهِ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوا	الْمُنْكَرَ ؕ	يَكَادُوْنَ	يَسْطُوْنَ	
چہرے	لوگ	انہوں نے کفر کیا	ناگواری	وہ قریب ہیں	وہ کہ حملہ کردیں	
بِالَّذِيْنَ	يَتْلُوْنَ	عَلَيْهِمْ	اٰيٰتِنَا ؕ	قُلْ	اَفَاُنَبِّئُكُمْ	
ان لوگوں پر	وہ پڑھتے ہیں	ان پر	ہماری آیتیں	آپ فرمائیں	کیا پھر میں تمھیں خبر دوں	
بِشَرٍّ	مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ	اَلنَّارُ ؕ	وَعَدَهَا	اللّٰهُ	الَّذِيْنَ	
بدتر	اس سے؟	آگ	اس کا وعدہ	اللہ	وہ لوگ	
كَفَرُوْا ؕ	وَ بِئْسَ	الْمَصِيْرُ ۝۷۲ ع				
انہوں نے کفر کیا	اور بری	پھرنے کی جگہ				

ع ۹ ۸ ۱۶

’’اور جب ان کو ہماری واضح آیات سنائی جاتی ہیں تو آپ دیکھتے ہیں کہ منکرین حق کے چہرے بگڑنے لگتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی وہ ان لوگوں پر ٹوٹ پڑیں گے جو انہیں ہماری آیات سناتے ہیں ان سے فرمائیں میں بتاؤں تمہیں کہ اس سے بدتر چیز کیا ہے؟ اللہ کی آگ ہے جس کا ان لوگوں کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے جو حق قبول کرنے سے انکار کریں ان کے لیے بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔‘‘ (۷۲)

فہم القرآن

ربط کلام: شرک کی دلیل نہ ہونے کے باوجود مشرک کا ردِّ عمل۔

مشرکانہ طبیعت کا یہ خاصہ ہے کہ جب اُس کے سامنے اللہ کی ذات، صفات اور اسی ایک کی عبادت کرنے کا ذکر کیا جائے تو اُسے ایسی بات اور واعظ اچھا نہیں لگتا۔ حتٰی کہ ایسی آیات کے ساتھ بے اعتنائی ظاہر کرتے ہیں۔ اہل مکہ کے سامنے سرورِ گرامی ﷺ توحید پر مبنی آیات کی تلاوت کرتے تو طیش میں آ کر اُن کے چہروں کے رنگ بدل جاتے یہاں تک کہ وہ آپ پر ٹوٹ پڑنے کی کوشش کرتے اور اس پر سرورِ گرامی ﷺ کو ارشاد ہوا کہ آپ انھیں فرمائیں کہ آج عقیدہ توحید کے ذکر کی وجہ سے تمھارے چہرے متغیر ہو جاتے ہیں لیکن وہ وقت یاد کرو جب تمھیں جہنم میں پھینکا جائے گا اور جہنم کی آگ تمھارے چہروں کو بگاڑ کر رکھ دے گی۔ کفار کے ساتھ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو ہر صورت پورا ہو کر رہے گا۔ جس جہنم میں تجھے پھینکا جائے گا وہ رہنے کے اعتبار سے بدترین جگہ ہے۔ اہل مکہ کو جس بات سے سب سے زیادہ چڑ تھی وہ عقیدہ توحید تھا۔ نبوت کے ابتدائی دور میں مکہ والوں نے آپ کی ذات اور آپ کے ساتھیوں پر بے انتہا مظالم

ڈھائے لیکن جب آپ کے ساتھی زیادہ ہو گئے بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو اہل مکہ نے مخالفت کرنے کے ساتھ ساتھ مصالحت کی پالیسی اختیار کی۔ انھوں نے بارہا دفعہ آپ سے مطالبہ کیا کہ کچھ آپ نرم ہو جائیں اور کچھ ہم اپنے مؤقف میں نرمی پیدا کرتے ہیں۔ (القلم: ۹) لیکن سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوٹوک انداز میں جواب دیا کہ توحید اور شرک کا آپس میں معاہدہ اور ملاپ نہیں ہو سکتا۔

"اے پیغمبر! فرما دو کہ اے کافرو! جن کو تم پوجتے ہو اُن کو میں نہیں پوجتا اور جس اللہ کی میں عبادت کرتا ہوں اُس کی تم عبادت نہیں کرتے۔ اور جن کی تم پرستش کرتے ہو اُن کی میں پرستش کرنے والا نہیں ہوں۔ اور نہ تم اُس کی بندگی کرنے والے ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین میرے لیے میرا دین ہے" [الکافرون]

مسائل

١۔ مشرک کی نشانی ہے کہ وہ توحید خالص کا تذکرہ سننا گوارا نہیں کرتا۔

٢۔ توحید کا ذکر سنتے ہی مشرک کے چہرے کا رنگ بدلنا شروع ہو جاتا ہے۔

٣۔ توحید کے ذکر کے ردِّ عمل میں مشرک مواحد پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

٤۔ مشرک کو جہنم میں پھینکا جائے گا جو رہنے کے اعتبار سے بدترین جگہ ہے۔

٥۔ اللہ تعالیٰ مشرک کو ضرور جہنم میں داخل کرے گا اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

تفسیر بالقرآن

توحید کے ردِّ عمل میں مشرک کی کیفیت:

١۔ جب مشرکین سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں تو وہ تکبر کرتے ہیں۔ (الصافات: ٣٥)

٢۔ جب ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل جل جاتے ہیں۔ (الزمر: ٤٥)

٣۔ جب تنہا ایک رب کی طرف بلایا جاتا ہے تو مشرکین اس دعوت کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ (المؤمن: ١٢)

٤۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو تو وہ انکار کرتے ہوئے مزید نفرت کرتے ہیں۔ (الفرقان: ٦٠)

٥۔ جب مشرکین سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے آباء واجداد کی پیروی کریں گے۔ (البقرۃ: ١٧٠)

٦۔ جب قرآن میں تیرے اکیلے رب کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو وہ اپنی پیٹھوں کے بل بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ (بنی اسرائیل: ٤٦)

يٰٓاَيُّهَا	النَّاسُ	ضُرِبَ	مَثَلٌ	فَاسْتَمِعُوْا	لَهٗ ؕ	اِنَّ
اے	لوگو!	بیان کی گئی	ایک مثال	لہٰذا تم غور سے سنو	اس کے لیے	بے شک
الَّذِيْنَ	تَدْعُوْنَ	مِنْ	دُوْنِ	اللّٰهِ	لَنْ	يَّخْلُقُوْا
لوگ	تم پکارتے ہو	سے	سوا	اللہ	ہرگز نہیں	وہ پیدا کر سکتے
ذُبَابًا	وَّلَوِ	اجْتَمَعُوْا	لَهٗ ؕ	وَ	اِنْ	يَّسْلُبْهُمُ
ایک مکھی	اگرچہ	وہ اکٹھے ہو جائیں	اس کے لیے	اور	اگر	ان سے چھین لے
الذُّبَابُ	شَيْـًٔا	لَّا	يَسْتَنْقِذُوْهُ	مِنْهُ ؕ	ضَعُفَ	
مکھی	کچھ	نہیں	وہ اس کو چھڑا سکتے	اس سے	کمزور ہے	

''لوگو ایک مثال دی جاتی ہے اسے غور سے سنو! اللہ کو چھوڑ کر جن معبودوں کو پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا تو نہیں کر سکتے۔ اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتے کمزور ہیں۔

فہم القرآن

ربط کلام: شرک کے ناپائیدار اور بلادلیل ہونے کی ایک اور دلیل۔

شرک کا عقیدہ اس قدر ناپائیدار اور کمزور ترین ہے کہ اگر اس پر معمولی سا غور کر لیا جائے تو اسے چھوڑنا انسان کے لیے نہایت ہی آسان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مشرک شرک کے بارے میں انتہائی جذباتی ہوتا ہے جس وجہ سے مثال بیان کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے لوگو! تمھارے سامنے ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے پوری توجہ کے ساتھ سنو۔ یعنی اس سے بدکنے کی بجائے اس پر ٹھنڈے دل کے ساتھ غور کرو۔ بے شک جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے بے شک وہ سب کے سب اس کام کے لیے اکٹھے ہو جائیں۔ مکھی پیدا کرنا تو درکنار، اگر مکھی کوئی چیز اُڑا لے جائے تو وہ اُس سے چھڑا نہیں سکتے۔ مرادیں مانگنے والا اور جن سے مرادیں مانگی جاتی ہیں سب کے سب کمزور ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں جانی جس طرح اُس کی قدر جاننے کا حق تھا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا قوت والا اور ہر چیز پر غالب ہے۔ ان الفاظ میں یہ اشارہ ہے کہ مشرک کو شرک سے بالفصل روکنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں وہ ہر قسم کی قدرت اور غلبہ رکھتا ہے لیکن اس نے اپنی حکمت کے تحت مشرک کو مہلت دے رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شرک کی بے ثباتی ثابت کرنے اور اس سے نفرت دلانے کے لیے ایسے جانور کی مثال دی ہے جس سے ہر آدمی نفرت کرتا ہے۔ عام مکھی کی مثال اس

الطَّالِبُ	وَالْمَطْلُوْبُ ﴿٧٣﴾	مَا	قَدَرُوا	اللّٰهَ	حَقَّ
طلب کرنے والا	اور وہ جس سے طلب کیا جاتا ہے	جو	انہوں نے قدر کی	اللہ	جس طرح حق
قَدْرِهٖ ؕ	اِنَّ	اللّٰهَ	لَقَوِیٌّ	عَزِیْزٌ ﴿٧٤﴾	
اس کی قدر	بے شک	اللہ	قوت والا	خوب غالب	

مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد مانگی جاتی ہے وہ بھی کمزور۔ (٧٣) ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ پہچانی جس طرح پہچاننے کا حق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ قوت اور عزت والا ہے۔'' (٧٤)

لیے دی گئی ہے کہ مکھی اس بات کا امتیاز نہیں کرتی کہ جس چیز پر وہ بیٹھ رہی ہے وہ کس قدر غلیظ اور بدبودار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک وقت وہ گندگی کے ڈھیر پر بھنبھنا رہی ہوتی ہے اور دوسرے لمحہ کھانے والی چیز پر جا بیٹھتی ہے۔ مکھی اور کتا کسی چیز سے سیر نہیں ہوتے۔ اس لیے مشرک کی مثال کتے کے ساتھ بھی دی گئی ہے۔ (الاعراف:١٧٣ تا ١٧٦) کردار کے اعتبار سے یہی مشرک کی مثال ہے کہ وہ عقیدہ توحید کی عظمت اور برکت کو چھوڑ کر جگہ جگہ ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے یہاں تک کہ ایسے لوگوں کے چرنوں میں جا بیٹھتا ہے۔ جنہیں اپنی پاکی، پلیدی کا خیال تک نہیں ہوتا۔ وہ ایسے لوگوں سے مانگتا ہے جو در بدر کی ٹھوکریں کھاتے اور مزارات پر آنے والوں کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں۔ یہ تو کلمہ گو حضرات کا حال ہے۔ جہاں تک غیر مسلموں کا تعلق ہے وہ تو شرک کرنے کی وجہ سے اس حد تک انسانیت سے گر چکے ہیں کہ ان میں کچھ لوگ جانوروں اور مجذوبوں کے نفس کی پوجا کرتے ہیں۔ درحقیقت مشرک نے اپنے رب کی قدر کو نہیں پہچانی۔ جس وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی ذلیل کر دیتا ہے۔

مشرک اپنے رب کی قدر پہچانے یا نہ پہچانے اللہ تعالیٰ ہر حال میں قوت والا اور غالب ہے۔

﴿فَاعْتَبِرُوْا یَااُولِی الْاَبْصَارِ﴾ [الحشر: ٢]

اے عقل والو! عبرت حاصل کرو۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لیے قرآن مجید میں مثالیں بیان فرماتا ہے۔

٢۔ قرآن کی امثال اور نصیحت کو غور سے سننا چاہیے۔ ٣۔ اللہ کے سوا کوئی کچھ بھی پیدا کرنے کے قابل نہیں ہے۔

٤۔ اللہ کے علاوہ سب لوگ اس قدر بے بس ہیں کہ وہ مکھی سے ایک ذرّہ بھی واپس نہیں لے سکتے۔

٥۔ مشرک ہر لحاظ سے کمزور ہوتا ہے۔ ٦۔ مشرک اللہ کی قدر نہیں پہچانتا۔

٧۔ اللہ سب سے زیادہ قوت والا اور ہر چیز پر غالب ہے۔

اَللّٰهُ	يَصْطَفِيْ	مِنَ	الْمَلٰٓئِكَةِ	رُسُلًا	وَّمِنَ	النَّاسِ ط
اللہ	چن لیتا ہے	سے	فرشتے	رسول	اور سے	لوگ
اِنَّ	اللّٰهَ	سَمِيْعٌ	بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾	يَعْلَمُ	مَا بَيْنَ	اَيْدِيْهِمْ
بلاشبہ	اللہ	خوب سننے والا	خوب دیکھنے والا	وہ جانتا ہے	جو کچھ سامنے	ان کے
وَمَا	خَلْفَهُمْ ط	وَاِلَى	اللّٰهِ	تُرْجَعُ	الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾	
اور جو کچھ	ان کے پیچھے	اور طرف	اللہ	لوٹائے جاتے ہیں	تمام امور	

”حقیقت یہ ہے کہ اللہ ملائکہ اور انسانوں میں سے پیغام رساں منتخب کرتا ہے یقیناً اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔(۷۵) جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے اسے بھی جانتا ہے اور سارے معاملات اللہ کی طرف پلٹتے ہیں۔“(۷۶)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرکوں کو یہ اعتراض تھا کہ اللہ نے محمد ﷺ کو نبی کیوں منتخب کیا ہے؟ حالانکہ دولت اور اثر رسوخ کے اعتبار سے اس سے فلاں فلاں آدمی زیادہ موزوں تھے۔ یہودیوں کو حضرت جبریل علیہ السلام پر اعتراض ہے کہ اس نے ہمارے آباواجداد پر عذاب نازل کیا ہے۔ اس لیے اس کی بجائے وحی لانے پر کسی اور فرشتے کو مامور کرنا چاہیے تھا۔

اب یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حسنِ انتخاب ہے کہ وہ ملائکہ میں جس کو چاہے اپنی وحی کے لیے منتخب فرمائے اور بندوں میں سے جس کو چاہیے نبی بنائے۔ وہ ہر بات سنتا اور ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔ یعنی اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ کون کس نیت کے ساتھ اعتراض کرتا ہے اور کس کا کیا کردار ہے؟ وہ ہر کسی کے ماضی، حال اور مستقبل کو جانتا ہے۔ ہر کام کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹایا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ کوئی اس کی توحید کا انکار کرے یا اس کے نبی کی رسالت یا جبریل امین کا بالآخر ہر کسی نے اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ اور سب کا انجام بھی اس کے ہاں لکھا ہوا ہے۔

”جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہمیں اس جیسا دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا۔ اللہ زیادہ جانتا ہے کہ رسالت کسے دے۔ جنہوں نے جرم کیے عنقریب انہیں اللہ کے ہاں ذلّت اٹھانا پڑے گی اور انہیں سخت عذاب دیا جائے گا اس وجہ سے کہ وہ مکروفریب کرتے تھے۔“(الانعام:۱۲۴)

”جو جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے وہ ”اللہ“ کا بھی دشمن ہے۔“(البقرۃ:۹۷)

مسائل

۱۔ کسی کو اپنے پیغام کے لیے منتخب کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے۔ ۲۔ سلسلہ نبوت حضرت محمد ﷺ پر ختم ہو چکا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کے ماضی، حال اور مستقبل کو جانتا ہے۔ ۴۔ سب کام اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں۔

وَاعْبُدُوْا	وَاسْجُدُوْا	ارْكَعُوْا	اٰمَنُوْا	الَّذِيْنَ	يٰاَيُّهَا
اور عبادت کرو	اور تم سجدہ کرو	تم رکوع کرو	وہ ایمان لائے	لوگو	اے

تُفْلِحُوْنَ ۩ ٧٧	لَعَلَّكُمْ	الْخَيْرَ	وَافْعَلُوا	رَبَّكُمْ
فلاح پا جاؤ	تا کہ تم	بھلائی	اور کام کرو	اپنے رب کی

''اے ایمان والو! رکوع، سجدہ اور اپنے رب کی بندگی کرو اور نیک کام کرتے رہو۔ تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔'' (٧٧)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرک اور کافر انکار کرتے ہیں تو کریں مومنوں تمہیں تو ہر صورت اپنے رب کے سامنے جھکنا اور اس کی غلامی میں زندگی بسر کرنا ہے۔

جب ہر چیز کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو ایمانداروں کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے وقف کر دیں۔ اس آیت کریمہ میں انسان کی زندگی کا مقصد نہایت مختصر الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ اس لیے انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے رب کے حضور رکوع و سجود اور اس کی بندگی کرے اور جس کام کو اللہ تعالیٰ نے اُس کے لیے خیر قرار دیا ہے اُسے بجالانے کی اخلاص کے ساتھ کوشش کرتا رہے۔ یہی دنیا و آخرت میں فلاح کا راستہ ہے۔

اسی بندگی کا جامع تصور یوں بھی بیان کیا گیا ہے۔

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o لَا شَرِیْکَ لَهٗ ج وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ o﴾ [الانعام: ١٦٢ تا ١٦٣]

''فرما دیجیے! یقیناً میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے فرمانبردار ہونے والا ہوں۔''

اس تصور کے ساتھ قرآن مجید نے عبادت کا وسیع تر تخیل پیش کیا ہے کہ آدمی منڈی اور بازار میں ہو تو امانت و دیانت کا نمونہ بن جائے، کسی کے ہاں مزدور اور خدمت گزار ہو تو وفاداری کا پیکر ہو جائے، حکمران ہو یا کوئی ذمہ داری اٹھائے تو قوم کا خادم اور مالکِ حقیقی کا غلام بن کر رہے۔ غرضیکہ زندگی کا ایک ایک لمحہ اور شعبہ رب کی غلامی اور سرافگندگی کے لیے وقف کرنے کا نام عبادت ہے۔ یہی انسان کی تخلیق کا مقصد اور اسی کے لیے انسان کا ہر عمل وقف ہونا چاہیے۔ انبیائے عظام اپنی دعوت کا آغاز اسی سے کیا کرتے تھے۔

اس تصور عبادت سے ہٹنا مقصدِ حیات کی نفی اور غیر اللہ کی عبادت کرنے کے مترادف ہے۔ جس کا آدمی کو کسی حال میں

بھی حق نہیں پہنچتا۔ ایمان، کفر اور نفاق کی بڑی بڑی نشانیاں ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بلا امتیاز تمام طبقاتِ انسانی کو عبادت کا حکم دیتے ہوئے اپنی عبادت کے استحقاق کی یہ دلیل دی ہے کہ اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں، تمہارے آباؤ اجداد اور سب لوگوں کو پیدا فرمایا۔ اسی نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کو سائبان، پھر آسمان سے پانی نازل کیا جس سے تمہارے رزق کا بندوبست فرمایا یہ سب کچھ ایک رب نے پیدا کیا لہٰذا اپنے ''اللہ'' کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ (البقرۃ:٢١۔٢٢) یہ ہیں وہ حقائق جن کو تم بھی جانتے ہو کہ تخلیقِ کائنات اور ان امور میں اللہ تعالیٰ کا دوسرا کوئی شریک اور سہیم نہیں ہے پھر ایسے رب کے ساتھ دوسروں کو شریک بنانے کی کس طرح جرأت کرتے ہو؟ جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں لہٰذا تمہیں صرف ایک اللہ کی ہی عبادت کرنا چاہیے۔ توحیدِ ربوبیت اور خالقیت کا شعور دلا کر انسان کے ضمیر کو جھنجھوڑا ہے۔ تاکہ انسان سمجھے کہ کسی غیر کی نہیں بلکہ میں اپنے خالق، رازق اور مالک کی ہی عبادت کر رہا ہوں۔

رکوع وسجود کے آداب:

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو مجھے رکوع اور سجود میں تلاوت قرآن مجید سے منع کیا گیا ہے لہٰذا تم رکوع میں رب کی عظمت اور سجدے میں کثرت سے تسبیحات پڑھا کرو۔ امید ہے تمہاری مناجات قبول کی جائیں گی۔'' [رواہ مسلم :باب النَّھْیِ عَنْ قِرَاءَۃِ الْقُرْآنِ فِی الرُّکُوعِ وَالسُّجُودِ]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ سجدہ میں اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ لہٰذا سجدہ میں کثرت کے ساتھ دعا کیا کرو۔'' [رواہ مسلم: باب مَا یُقَالُ فِی الرُّکُوعِ وَالسُّجُودِ]

مسائل

١۔ رکوع سجود کرنے سے مراد نماز کی مکمل ادائیگی ہے۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے احکام پر عمل کرنا کامیابی کی ضمانت ہے۔

تفسیر بالقرآن

رکوع وسجود کی اہمیت:

١۔ سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو، سجدہ اسے کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ (حٰم السجدۃ:٣٧)

٢۔ اللہ کی تسبیح بیان کرو اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ (الحجر:٩٨) ٣۔ ہر چیز کا سایہ بھی اللہ کو سجدہ کرتا ہے۔ (النحل:٤٥)

٤۔ اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو۔ (الحج:٧٧) ٥۔ اللہ کو سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔ (النجم:٦٢)

٦۔ اللہ کو زمین وآسمان کی ہر چیز سجدہ کرتی ہے۔ (النحل:٤٦) ٧۔ ستارے اور درخت اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ (الرحمٰن:٦)

٨۔ جو ملائکہ آپ کے رب کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے، اس کی تسبیح بیان کرتے اور اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ (الاعراف:٢٠٦)

٩۔ ''اللہ'' کو زمین وآسمانوں کی ہر چیز، سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے اور بے شمار لوگ سجدہ کرتے ہیں۔ (الحج:١٨)

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ

اور تم جہاد کرو میں اللہ جیسا حق ہے اس کے جہاد کرنے کا وہ تمھیں پسند کیا ہے

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ

اور نہیں اس نے رکھی تم پر میں دین کوئی تنگی دین

اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۵ مِنْ

اپنے باپ ابراہیم کی اسی نے تمھارا نام رکھا مسلمان سے

قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ

پہلے اور میں یہ تا کہ ہوں رسول گواہ تم پر

”اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تمہیں اپنے کام کے لیے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم ہو جاؤ۔ اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام ”مسلم“ رکھا تھا اور قرآن میں بھی تا کہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ

فہم القرآن

ربط کلام: پچھلی آیت کے آخر میں حکم ہے کہ نیکی کے کام کرتے رہو۔ اب حکم ہوا ہے کہ نیکی پوری محنت سے کرو اور نیکی ملّت ابراہیم اور نبی آخر الزّمان کے طریقہ کے مطابق ہونی چاہیے۔ اس کے لیے کوشش کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

جہاد کا لفظ ”جُهْدٌ“ سے نکلا ہے جس کے معنی ہے ”کوشش کرنا“ مسلم اور غیر مسلم کی کوشش میں بنیادی فرق یہ ہے کہ غیر مسلم کی کوشش صرف دنیا کے لیے ہوتی ہے ایسا شخص بظاہر نیکی کا کام بھی کرے تو اُس کے پیچھے بھی دنیا کا مقصد کارفرما ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں مسلم کی یہ خوبی ہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے اپنے رب کے حکم کے مطابق اور اس کی رضا کے حصول کی خاطر کرتا ہے۔ کیونکہ اس کو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے لیے کوشش کرو جس طرح کوشش کرنے کا حق ہے۔ قرآن مجید میں جہاد کا لفظ قتال فی سبیل اللہ کے لیے بھی بولا گیا ہے۔ قتال فی سبیل اللہ ہو یا عبادت اور کوئی نیکی کا کام۔ وہ صرف اور صرف اللہ کے لیے ہونا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کام کے لیے پسند کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین میں کوئی ایسا مسئلہ نہیں رکھا جو انسان کی طاقت سے باہر ہو۔ اگر کوئی کام انسان کے بس سے باہر ہو جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُس میں نرمی پیدا فرما دی ہے۔ دین کے پانچ بنیادی ارکان ہیں۔ توحید و رسالت اور آخرت کے عقیدہ میں کوئی رخصت نہیں۔ لیکن عملی کاموں میں رخصتوں سے نوازا گیا ہے۔ آدمی کھڑا ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر ادا کرے۔ بیٹھ کر نماز پڑھنا مشکل ہو تو لیٹ کر پڑھ سکتا ہے اگر ایسی تکلیف یا مجبوری ہے کہ قبلہ کی طرف منہ نہیں کر سکتا تو اجازت ہے کہ جس طرف چہرہ مڑ سکتا ہے اُس طرف موڑ لے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر طرف توجہ ہوتی ہے حج کرنے کی استعداد نہیں تو

وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

اور ہوجاؤتم | گواہ | پر | لوگ | چنانچہ تم قائم کرو | نماز

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ

اورادا کرو | زکوٰۃ | اور مضبوطی سے پکڑو | ساتھ اللہ | وہی | تمہارا والی ہے

فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾ ع

ع ۱۰ ۶ ۱۷

پس بہترین | والی | اور بہترین | مددگار

پس نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ سے وابستہ رہو وہ تمہارا مولیٰ ہے وہ بہت ہی اچھا مولیٰ اور بہت ہی اچھا مددگار ہے۔" (۷۸)

اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ زکوٰۃ دینے کے لائق نہیں تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ دائمی بیماری کے باعث رمضان کے روزے نہیں رکھ سکتا تو وہ دوسرے کو روزہ رکھوا سکتا ہے۔ غرض کہ دین کے کسی کام میں تنگی نہیں ہے۔ اس دین کے بنیادی ارکان وہی ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دین کے ماننے والوں کا نام مسلمان رکھا ہے۔ یہی دین اور نام پہلی کتابوں میں موجود ہے۔ امّت کا فرض ہے کہ وہ اپنے فکر و عمل اور گفتار کے ذریعے لوگوں پر دین حق کی شہادت قائم کریں یہی سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہے۔ قیامت کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر گواہ ہوں گے اور یہ امّت دوسری امتوں کی شہادت دے گی۔ اس شہادت کا حق تبھی پورا ہوسکتا ہے کہ امت محمد یہ کے لوگ نماز با جماعت اور زکوٰۃ کا اجتماعی نظام قائم کریں اور ہر حال میں اپنے رب پر توکل رکھتے ہوئے اس کے دین پر قائم رہیں۔ "اللہ" ہی سب کا کارساز، جو بہترین کارساز اور بہترین مددگار ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ، تبلیغ دین اور اسلام کو اپنانے اور اس کو نافذ کرنے میں کسی نقصان سے ڈرنے اور کسی سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے معاملات کا ذمہ دار اور ہر کام میں تمہارا مددگار ہے۔ یقین رکھو کہ اس سے بہتر کوئی تمہارا خیر خواہ، ذمہ دار اور مددگار نہیں ہوسکتا۔ اس سورۃ مبارکہ کی ابتدا فکرِ آخرت کے عقیدہ سے ہوئی اس کا اختتام عقیدہ توحید پر کیا جا رہا ہے۔ اس لیے سب سے زیادہ زور توحید کے ابلاغ پر ہونا چاہیے۔ یہی دین کی اساس اور سب سے بڑی شہادت ہے۔

لا الہ الا اللہ کے عقیدہ اور شہادت پر کسی جماعت کی اجارہ داری نہیں۔ یہ بندے کا اللہ تعالیٰ سے معاملہ اور حلف ہے اسے سمجھنے کے لئے ہمارا ذہن تعصب سے پاک' گروہ بندی سے بالاتر ہونا چاہیے اور سمجھنا چاہیے کہ ہمارے رب نے ہمیں کس لیے پیدا فرمایا ہے؟ اس کی ذات کو ہم نے کس طرح ماننا' اس کی صفات کو کس طرح سمجھنا اور اس کی عبادت کس طرح کرنا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کو اس کے حکم کے مطابق ماننے' سمجھنے اور اسکی خالص عبادت کرنے کا نام توحید اور یہی کلمہ کا تقاضا اور شہادت ہے اسی کے لیے تمام انبیاء کرام مبعوث کیے گئے۔

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ [الانبیاء: ۲۵]

"ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجے ان کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری ہی بندگی کرو۔"

اس عقیدہ کو یوں سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں یکتا اور تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں جس طرح اس کی ذات اور صفات میں کوئی شریک نہیں اس طرح اس کی عبادت میں بھی کسی کو شریک نہیں کرنا چاہیے۔ اگر اس عقیدہ، عمل میں نقص واقع ہو جائے تو رسول کریم ﷺ کی محبت، بزرگوں کی عقیدت اور کوئی نیک سے نیک عمل بھی اس نقصان کی تلافی نہیں کر سکتا اور نہ ہی ایسے آدمی کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نجات ہو پائے گی۔

محمد رسول اللہ کا معنٰی اور مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ محبوب رب العٰلمین، سید المرسلین، خاتم النبیین اور ہمارے راہنما اور مقتدا ہیں۔ ہمارا ہر کام آپ کی سنت اور تابعداری میں ہونا چاہیے یہی سرورِ کائنات ﷺ کی محبت کا تقاضا اور آپکی رسالت کا مقصد ہے۔ کلمہ کا یہ مفہوم سمجھنا اور اس کا تقاضا پورا کرنا ہی ایمان ہے۔ یہی ایمان مسلمان میں ایک قوت اور حرکتِ عمل پیدا کرتا ہے

”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ کیا تو نے میرا پیغام پہنچایا تھا؟ وہ جواب دیں گے ہاں پھر ان کی قوم کو بلا کر پوچھا جائے گا کیا نوح علیہ السلام نے تمہیں میرا پیغام پہنچایا۔ وہ کہیں گے ہمارے پاس تو ڈرانے والا کوئی نہیں آیا۔ نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا آپ کی گواہی کون دے گا؟ وہ کہیں گے محمد (ﷺ) اور اس کی امت۔ آپ نے فرمایا یہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ﴿اسی طرح ہم نے تمہیں امتِ وسط بنایا ہے﴾۔“ [مسند أحمد: كتاب باقي مسند المكثرين، باب: مسند أبي سعيد الخدري]

مسائل

١۔ ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر دین کے لیے کوشش کرنا چاہیے۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

٣۔ اسلام ہی ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا۔ ٤۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام امت محمدیہ کے روحانی باپ ہیں۔

٥۔ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام پر چلنے والوں کا نام مسلمان رکھا ہے۔

٦۔ سرورِ دوعالم ﷺ لوگوں پر دین حق کی شہادت قائم کرنے کے لیے مبعوث کیے گئے۔

٧۔ قیامت کے دن امت محمدیہ دوسری امتوں پر شہادت دے گی۔

٨۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ پورے دین پر عمل کی کوشش کرتا رہے۔

٩۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر مسلمانوں کا کوئی مولا اور مددگار نہیں ہو سکتا۔

تفسیر بالقرآن

دین اسلام میں کوئی تنگی نہیں:

١۔ دین میں جبر نہیں۔ (البقرۃ:٢٥٦) ٢۔ نبی کسی پر نگران نہیں ہوتا۔ (النساء:٨٠)

٣۔ نبی ﷺ کو لوگوں پر داروغہ نہیں بنایا گیا۔ (بنی اسرائیل:٥٤) ٤۔ نبی کسی کو ہدایت کے لیے مجبور نہیں کر سکتا۔ (القصص:٥٦)

تفصیل کے لیے میری کتاب پڑھیں (دین تو آسان ہے!)

سورة المؤمنوں کا تعارف

ربط سورۃ: سورۃ حج کا اختتام اس فرمان پر ہوا ہے کہ اے مسلمانوں ''اللہ'' ہی تمہارا مولیٰ ہے وہ بہترین مولیٰ، خیر خواہ اور بہترین مددگار ہے۔ اگر تم نماز، زکوٰۃ اور اخلاقی حدود کی پابندی کرو گے تو کامیابی تمہارا مقدر بن جائیگی جس کی تمہیں گارنٹی دی جاتی ہے۔

یہ سورۃ 6 رکوع 118 آیات پر مشتمل ہے اس سورۃ کا نزول مکہ معظمہ میں اس وقت ہوا جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر قسم کے مظالم کا شکار تھے اور اہل مکہ پروپیگنڈہ کررہے تھے۔ اب یہ دعوت چند دنوں کی مہمان ہے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہ کہہ کر خوشخبری دی کہ تم کامیاب ہو چکے ہو۔ بشرطیکہ تم ایمان کے تقاضے پورے کرتے رہو۔ نا صرف تم دنیا میں کامیاب ہو گے بلکہ موت کے بعد جنت الفردوس میں داخل کیے جاؤ گے۔ اُس جنت الفردوس میں جس سے آدم علیہ السلام نکالے گئے تھے۔ اس لیے تخلیق انسان کے مختلف مراحل کا ذکر فرما کر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا ثبوت دیا گیا ہے۔ اس کے بعد قدرِ تفصیل کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کی جدوجہد اور ان کی قوم کے ردّعمل کا تذکرہ فرمایا۔ پھر چند آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور فرعون کے استکبار کا ذکر کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا نہایت مختصر ذکر کیا اور فرمایا کہ تمام رُسل ایک ہی دعوت کے داعی اور ایک ہی جماعت کے ساتھ تعلق رکھتے تھے۔ ان کے بعد لوگوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہر فرقہ اپنے کیے پر نازاں ہے۔ فرقہ واریت کے پیچھے سب سے زیادہ دخل ذاتی اور جماعتی نظریات اور مفادات کا ہوتا ہے۔ اس سوچ کی یہ کہہ کر نفی کی گئی ہے کہ اگر حق کو لوگوں کی خواہشات کے تابع کر دیا جائے تو زمین و آسمان میں فساد برپا ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلّی دی گئی ہے کہ آپ غمزدہ کیوں ہوتے ہیں آپ ان سے کسی قسم کا تقاضا نہیں کرتے۔ آپ صراطِ مستقیم کے داعی کے طور پر کام کرتے جائیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اطہر سے مختلف انداز اور الفاظ میں چار دفعہ یہ بات کہلوائی ہے کہ ان سے پوچھو زمین اور جو کچھ اس میں ہے۔ ساتوں آسمان اور عرش عظیم اور ساری کائنات کس کے قبضہ میں ہے؟ کون ہے جو ان کی حفاظت کر رہا ہے۔ منکرین حق کا تمام سوالات کے جواب میں یہی کہنا تھا اور ہے کہ سب کچھ اللہ ہی پیدا کرنے والا اور وہی ان کا مالک ہے۔ ان کے اس اعتراف کے بعد یہ سمجھایا گیا ہے کہ پھر اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے سے باز کیوں نہیں آتے۔ حقیقت کا اعتراف کرنے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑتے ہیں۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہتر سے بہتر انداز میں تبلیغ کا کام جاری رکھیں۔ اگر کسی وقت شیطان آپ کو غصہ دلائے تو آپ شیطان سے بچنے کے لیے اپنے رب کی پناہ مانگا کریں۔ سورۃ کے اختتام سے پہلے کفار کو ان کے انجام سے آگاہ کیا ہے کہ وہ وقت یاد کرو جب تمہیں جہنم میں پھینکا جائے گا وہاں تم آہ زاریاں کرو گے مگر تمہاری کوئی فریاد نہیں سنی جائے گی۔ سورۃ کا اختتام اس بات پر کیا ہے کہ منکرینِ قیامت سمجھتے ہیں کہ ہم نے انہیں یوں ہی پیدا کر دیا ہے حالانکہ انہیں ان کی موت کے بعد اٹھا کر ان سے سب کچھ پوچھا جائے گا۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بے فائدہ پیدا نہیں کی اس کی ذات، بادشاہی اور فرمان حق ہے، وہ عرش کریم کا مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ جو اس کی ذات اور صفات میں کسی اور کو شریک کرتا ہے اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ایسے لوگ قیامت کے دن کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنے رب سے استغفار کریں اور اس کی رحمت کے طلبگار رہیں کیونکہ وہی بڑا ارحم الرّاحمین ہے۔

سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رُكُوعُهَا: ٦
اٰيَاتُهَا: ١١٨

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ①

یقیناً فلاح پا گیا مومن

''یقیناً مؤمن فلاح پا گئے۔''(۱)

فہم القرآن

ربط سورۃ: سورۃ حج کا اختتام اس بات پر ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ''حَقَّ جِهَادِهٖ'' کے اصول پر جہاد کرنا، لوگوں پر شہادتِ حق قائم کرنا، نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی اور ہر حال میں دین کے ساتھ وابستہ رہنے والے کا دنیا میں صلہ یہ ہے کہ ایسے مسلمانوں کی اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے اور وہی بہترین مدد کرنے والا ہے۔ ظاہر ہے جن کی اللہ تعالیٰ مدد کرے وہی دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوں گے۔

سورۃ المومنون مکہ معظمہ میں اس وقت نازل ہوئی جب کفار اور مشرکین مسلمانوں کے بارے میں یہ گمان کیے بیٹھے تھے کہ یہ لوگ حالات کی کسمپرسی کی وجہ سے بہت جلد ختم ہو جائیں گے۔ کیونکہ کفار اور مشرکین نے ہر طرف سے مسلمانوں کا گھیرا تنگ کیا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ جو مسلمان ہجرت کر کے حبشہ گئے ان میں کافی لوگ اس خوش فہمی کی بنیاد پر مکہ واپس آئے کہ قریش مسلمان ہو چکے ہیں۔ لیکن مکہ پہنچ کر صورتِ حال کا علم ہوا کہ حالات پہلے سے زیادہ بگڑ گئے ہیں۔ واپس آنے والے احباب کی خوش فہمی یا غلط فہمی کی بنیاد یہ واقعہ بنا کہ ایک دن سرور دو عالم ﷺ نے حرم میں مسلمانوں اور کفار کے سامنے سورۃ نجم کی تلاوت کی جب سجدہ کی آیت آئی تو آپ اور مسلمانوں نے سجدہ تلاوت کیا مجمع میں کچھ کافر موجود تھے وہ بھی سجدہ ریز ہو گئے۔ کچھ دنوں کے بعد یہ خبر حبشہ پہنچی کہ قریش مسلمان ہو گئے ہیں۔ مہاجرینِ حبشہ نے حالات بہتر سمجھ کر مکہ کی راہ لی مگر یہاں پہنچے تو حالات پہلے سے زیادہ دگرگوں تھے۔ ان حالات میں ایک طرف حبشہ سے واپس آنے والوں کی پریشانی میں دوگنا اضافہ ہوا۔ اور دوسری طرف کفار نے یہ پراپیگنڈہ کیا کہ مسلمان ہمارے رحم وکرم پر ہیں انہیں کوئی بھی پناہ دینے پر تیار نہیں ہے۔

غالب امکان ہے کہ ان حالات میں سورۃ المومنون نازل ہوئی۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو دوٹوک انداز میں کامیابی کی نوید دی۔ بظاہر یہ خوشخبری مستقبل کے حوالے سے ہے لیکن خطاب میں '' قَدْ'' اور '' اَفْلَحَ'' کے الفاظ بیان کیے گئے ہیں۔ ''قَدْ'' کا مطلب ہے ''یقیناً'' اور '' اَفْلَحَ'' ماضی کا صیغہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانوں یقین کرو کامیابی تمہارا مقدر ہو چکی ہے۔ کامیابی سے مراد آخرت کی سرخروئی اور دنیا میں اسلام دشمنوں کے خلاف کامیاب ہونا ہے چنانچہ تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ کامیابی کا یہ پیغام حرف بحرف پورا ہوا۔ مسلمان دنیا کے وسائل کے لحاظ سے خوشحال ہوئے اور صدیوں تک برسر اقتدار رہے۔ آخرت کے حوالے سے انہیں یہ اعزاز بخشا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہوا۔ اور وہ اپنے رب پر راضی ہو گئے یہ ایسی فلاح اور کامیابی ہے جو قیامت تک کسی جماعت کو حاصل نہ ہو پائے گی۔

مسائل

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوئے۔

خٰشِعُوْنَ ۝۲	صَلَاتِهِمْ	فِيْ	هُمْ	الَّذِيْنَ
وہ ڈرنے والے ہیں	نماز ان کی	میں	وہ	لوگ

''وہ لوگ جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔''(۲)

تفسیر بالقرآن

ربطِ کلام: کامیاب ہونے والوں کی پہلی صفت۔

سورۃ الحج کے آخر میں نماز قائم کرنے کا حکم تھا اب نماز کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز کی ادائیگی میں اس کے ظاہری ارکان کا خیال رکھنا فرض ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ آدمی اپنے رب کے حضور کھڑا ہو تو اس کا سراپا گواہی دے رہا ہو کہ وہ اپنے رب کے دربار اور اس کی بارگاہ میں ایک فقیر، بے نوا اور سب سے بڑھ کر ایک درماندہ انسان کھڑا ہے۔رکوع میں جائے تو اس سوچ اور انداز میں جھکے کہ اس نے ہر لحاظ سے اپنے آپ کو اپنے رب کے حضور سرنگوں کر لیا ہے اب وہ جان بوجھ کر سرکشی نہیں کرے گا۔سجدہ کرے تو اس نیت کے ساتھ کہ وہ ساری دنیا کے آستانوں کو چھوڑ کر اس آستانے پر گرا پڑا ہے جہاں سے کوئی سوالی نامراد نہیں لوٹتا۔پیشانی زمین پر رکھ کر ایک طرف دل کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ اپنی بے بسی اور درماندگی کا اظہار کرے اور دوسری طرف اپنے رب کی کبریائی کا اعتراف کرے۔اسی کا نام خشوع ہے اس کے حصول کے لیے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کی جائے جس طرح عبادت کرنے والا خود اپنے رب کو دیکھ رہا ہے یا پھر اس کا یہ تصور ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے

((أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ)) [رواه البخاری:کتاب الایمان]

''اپنے''اللہ'' کی عبادت اس یقین کے ساتھ کرو گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔اگر یہ تصور پیدا نہیں ہو سکتا تو کم از کم یہ خیال کرو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔''

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أُمِرْنَا أَنْ نَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ وَلَا نَكُفَّ ثَوْبًا وَلَا شَعَرًا))

[رواه البخاری:باب لَا نَكُفَّ ثَوْبًا وَلَا شَعَرًا]

''حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے ہمیں سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ہم کپڑے اور بالوں کو نماز میں نہ سنوارا کریں۔''

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؓ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ ،وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ ، فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الإِسْلَامِ ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ)) [رواه البخاری: باب **(فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ**

وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ)]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے لوگوں کے ساتھ لڑائی کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ اس بات کا اقرار کریں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں جنہوں نے یہ کام کیے تو انھوں نے اپنے خون اور اپنے مال مجھ سے محفوظ کر لیے سوائے اسلام کے حقوق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔''

((عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ عِظْنِي وَأَوْجِزْ فَقَالَ إِذَا قُمْتَ فِي صَلَاتِكَ فَصَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ وَلَا تَكَلَّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَداً وَاجْمَعِ الْإِيَاسَ مِمَّا فِي يَدَيِ النَّاسِ))

[رواہ احمد: مسند ابو ایوب انصاری]

''حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آکر عرض کی کہ مجھے نصیحت کیجیے آپ نے فرمایا جب نماز کے لیے کھڑا ہو تو اس طرح نماز ادا کرو گویا کہ الوداعی نماز پڑھ رہا ہے اور کوئی ایسی گفتگو نہ کرو۔ جس کے لیے کل کو کوئی عذر پیش کرنا پڑے اور جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اُس کی اُمید نہ کرو۔''

مسائل

۱۔ مومن اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔

۲۔ خشوع وخضوع کے بغیر نماز ادا کرنے کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

تفسیر بالقرآن

نماز کے دوران جن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے:

۱۔ نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔(الروم:۳۱) ۲۔ نماز مقررہ اوقات پر ادا کی جائے۔(النساء:۱۰۳)

۳۔ نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھی جائے۔(النساء:۴۳)

۴۔ نماز میں غفلت اور ریاکاری نہیں ہونی چاہیے۔(الماعون:۵،۶) ۵۔ پہلے وضو کیا جائے۔(المائدۃ:۶)

۶۔ نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جائے۔(البقرۃ:۴۳) ۷۔ نماز میں عاجزی ہونی چاہیے۔(البقرۃ:۲۳۸)

۸۔ نماز خشوع کے ساتھ پڑھنی چاہیے۔(المؤمنون:۲) ۹۔ اقامت صلوٰۃ کا اجر۔(العنکبوت:۴۵)

وَ	الَّذِيْنَ	هُمْ	عَنِ	اللَّغْوِ	مُعْرِضُوْنَ ۝
اور	وہ لوگ	وہ	سے	بے ہودہ	اعراض برتنے والے ہیں

”اور وہ لوگ فضولیات سے دور رہتے ہیں۔“(۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نماز بے حیائی سے بچاتی ہے اس لیے نماز کے بعد لغو سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

مومنوں کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ بے ہودہ باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ نماز انسان کو برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے(العنکبوت:۴۵)لہٰذا مومن کی یہ خوبی ہونی چاہیے کہ وہ نا صرف برائی اور بے حیائی سے اجتناب کرے بلکہ اسے لغو باتوں اور کاموں سے بھی بچنا چاہیے۔دوسرے مقام پر عباد الرحمٰن کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ بے ہودہ باتوں کے قریب نہیں جاتے جب ان کا لغو اور بے ہودہ کام کے قریب سے گزرنے کا اتفاق ہوتا ہے تو شریفانہ انداز سے گزر جاتے ہیں۔(الفرقان:۷۲)عربی لغت میں ”لغو“ بے ہودہ بات اور کام کو کہتے ہیں۔کامیاب ہونے والے مومنوں کے اوصاف میں یہ وصف ضرور ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کے لغو کام سے اجتناب کرتے ہیں۔اہل علم نے شطرنج،تاش وغیرہ کے کھیلوں کو بھی لغو شمار کیا ہے۔سرور دو عالم ﷺ نے لغو کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهُ مَا لَا یَعْنِیهِ))

[رواه ابن ماجة:باب كَفِّ اللِّسَانِ فِی الْفِتْنَةِ]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انسان کا بہترین اسلام یہ ہے کہ وہ فضول باتوں کو چھوڑ دے۔“

مسائل

۱۔ مومن بے ہودہ باتوں اور بے مقصد کاموں سے اجتناب کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

لغو اور اس سے بچنے کا حکم:

۱۔ مومن لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔(المومنون:۳)

۲۔ مومن جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور لغو باتوں میں ملوّث نہیں ہوتے۔(الفرقان:۷۲)

۳۔ جب وہ لغویات سنتے ہیں تو اُس سے اعراض کرتے ہیں۔(القصص:۵۵)

۴۔ جنت میں لغو باتوں اور جھوٹ کا نام ونشان نہیں ہوگا۔(النباء:۳۵)

وَ	الَّذِيْنَ	هُمْ	لِلزَّكٰوةِ	فٰعِلُوْنَ ۝۴
اور	وہ لوگ	وہ	زکوٰۃ کو	ادا کرنے والے ہیں

''اور وہ لوگ جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔''(۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مومنوں کی تیسری صفت۔

مومن نا صرف ذاتی طور پر لغویات سے پاک ہوتا ہے بلکہ اس کا مال بھی ہر آلائش سے پاک ہوتا ہے۔ لفظ زکوٰۃ کا معنٰی نمود اور کسی چیز کو پاک کرنا ہے۔ انسان جب اپنے مال سے زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو ایک طرف اس کا مال پاک ہو جاتا ہے اور دوسری طرف اس کا دل بخل اور بے جا حرص سے نجات پاتا ہے۔

(۱) سالانہ حساب و کتاب کا اہتمام:

اسلام بے خبری، بدنظمی اور دنیا سے عدمِ دلچسپی کا نام نہیں اسلام تو باخبر رہنے، منظم اور اپنی ذمہ داریوں کے حوالے سے معاملات میں گہری دلچسپی لینے کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ ذمہ داریاں دین کے حوالے سے ہوں یا دنیاوی امور کے متعلق، شریعت کا حکم ہے کہ آنکھیں کھول کر اپنی ذمہ داریوں کو پہچانو اور انہیں پورا کرنے کی کوشش کرو۔ خاص طور پر کاروبار کا تقاضا ہے کہ اس پر پوری محنت اور توجہ مبذول کی جائے۔ سستی اور عدم دلچسپی سے خسارہ ہی نہیں اکثر اوقات اصل سرمایہ ہی ضائع ہو جاتا ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں یہ بھی حکمت ہے کہ مسلمان زکوٰۃ کے حوالے سے ہر سال حساب و کتاب کریں تاکہ انھیں انفرادی، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر پتہ چلے کہ ان کی معیشت کس سطح پر ہے انہیں معلوم ہو کہ اس سال کیا کھویا اور کیا پایا ہے۔

(۲) ارتکازِ دولت کا خاتمہ:

نظامِ معیشت کو ناہمواری کے ناسور سے محفوظ رکھنے اور ارتکازِ دولت کے مستقل علاج کے لیے اسلامی قانونِ معیشت سے زیادہ کوئی نظام کامیاب نہیں ہو سکتا۔ صدقہ و زکوٰۃ اور وراثت کی تقسیم سے تدریجاً جاگیرداری نظام کا خاتمہ، دولت کی منصفانہ تقسیم کا جامع اور مستقل نظام جاری کیا گیا ہے تاکہ دولت چند لوگوں کے ہاتھوں جمع نہ ہو سکے۔ اور غریب کو غریب تر ہونے سے بچایا جائے۔ زکوٰۃ سے ارتکازِ دولت کا علاج بھی کیا گیا ہے۔

(۳) تزکیہ اور برکات:

نبوّت کے بنیادی عناصر اور اجزا میں اہم ترین جزیہ ہے کہ ہر اعتبار سے فرد، معاشرے اور تمام شعبہ ہائے زندگی کا تزکیہ کیا جائے۔

مال کا تزکیہ یہ ہے کہ اسے حلال طریقے سے کمایا جائے۔ سال بھر کی جمع شدہ رقم میں باقاعدہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا التزام کیا جائے۔ اس سے مال دار کا مال پاک اور معاشرے کو غربت سے نجات اور ضمیر کا تزکیہ اور دل کو تسکین اور لذت محسوس ہوتی ہے اور آدمی بخل اور دولت کے تکبر و غرور سے پاک ہو جاتا ہے۔

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰیo الَّذِیْ يُؤْتِیْ مَالَهُ يَتَزَكّٰیo وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰیo اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰیo وَلَسَوْفَ يَرْضٰیo﴾ [اللیل:۱۷ تا ۲۱]

''وہ نہایت پرہیزگار ہے جو پاک ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے۔اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔وہ تو صرف اپنے رب کی رضاجوئی کے لیے کام کرتا ہے وہ اس سے ضرور خوش ہوگا۔''

تزکیہ کے ساتھ ہی مال میں برکت پیدا ہوتی ہے کیونکہ لفظ زکوٰۃ کا معنٰی پاکیزگی اور اضافہ کے ہیں۔نبی محترم ﷺ کا ارشادگرامی ہے:

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَانَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ))[رواہ مسلم: باب الصدقة]

''حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صدقہ سے مال میں کمی نہیں ہوتی۔''

امہ کا بیت المال:

((اَلزَّكٰوةُ قَنْطَرَةُ الْاِسْلَامِ))[مشکوۃ: باب الزکوۃ]

''زکوٰۃ اسلام کا خزانہ ہے۔''

اسلام نے فرد کو ذاتی اور انفرادی آزادی دیتے ہوئے اجتماعی زندگی کا حکم دیا ہے۔انفرادی کوششیں کتنی ہی موثر اور ثمرآور ہوں لیکن اجتماعی جدوجہد اور ان کے نتائج کے برابر نہیں ہوسکتیں۔انفرادی معاملات شخصی کاوش سے حل ہوسکتے ہیں لیکن اجتماعی مسائل کا حل فرد کے بس کا روگ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

مسائل

۱۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے انسان کا دل اور مال پاک ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

زکوٰۃ کی فرضیت اور فوائد:

۱۔ حضرت ابراہیم، لوط، اسحاق ویعقوب علیہم السلام کو زکوٰۃ کا حکم۔(الانبیاء:۷۳)

۲۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا اپنے اہلِ خانہ کو زکوٰۃ کا حکم۔(مریم:۵۵)

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زکوٰۃ کا حکم۔(مریم:۳۱) ۴۔ بنی اسرائیل کو زکوٰۃ کا حکم۔(البقرۃ:۸۳)

۵۔ تمام امتوں کو زکوٰۃ کا حکم۔(البینۃ:۵) ۶۔ زکوٰۃ مال کا تزکیہ کرتی ہے۔(التوبۃ:۱۰۳)

۷۔ ایمان، نماز اور زکوٰۃ مومن کو بے خوف اور بے غم کرتی ہے۔(البقرۃ:۲۷۷)

(تفصیل کے لیے میری کتاب زکوٰۃ اور اس کے مسائل دیکھیں۔)

حٰفِظُوْنَ ۵	لِفُرُوْجِهِمْ	هُمْ	الَّذِيْنَ	وَ
حفاظت کرنے والے ہیں	اپنی شرمگاہوں کی	وہ	وہ لوگ	اور

''اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔''(۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مومنوں کی چوتھی صفت:۔

مومن صرف اپنے دل اور مال کو پاک کرنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرتے ہوئے اپنی سوچ اور کردار کو بھی پاک رکھتا ہے۔فُرُوْجَ کی واحد فَرْجَ جس معنیٰ شرم گاہ ہے۔مسلمان کو شرم گاہ کی حفاظت کے لیے بڑی لطیف اور بنیادی ہدایات دی گئی ہیں مرد اور عورت کے لیے پہلی ہدایت یہ ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں۔(النور:۳۱۔۳۲) اس ہدایت پر عمل کرنے سے بدکاری اور بے حیائی بہت حد تک ناممکن ہو جاتی ہے کیونکہ قرآن مجید کا پہلا اصول یہ ہے کہ زنا کے قریب تک نہیں جانا۔یعنی ہر وہ حرکت اور عادت جس سے بدکاری کا راستہ کھلتا ہو شریعت اس سے روکتی ہے عورت کی طرف سے نرمی نہ ہو تو مرد کے لیے بدکاری کرنا ممکن نہیں رہتا۔اس لیے قرآن حکیم نے عورت پر اس حد تک پابندی عائد فرمائی ہے کہ عورت کو غیر محرم کے ساتھ بات کرنا ناگزیر ہو تو اس کے لب ولہجہ میں نسوانہ ملائمت ہونے کی بجائے بیگانگی اور کسی حد تک آواز میں مردانگی کا تاثر ہونا چاہیے تاکہ جس کے دل میں اخلاقی گراوٹ ہو وہ اس کے بارے میں بری سوچ کا تصور نہ کر پائے۔یہ فروج کی حفاظت کا بنیادی اور ابتدائی قانون ہے کہ جس کا خیال اور احترام رکھا جائے تو معاشرہ سے بے حیائی کا قلع قمع ہوسکتا ہے۔

''حضرت سہل بن سعد رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا جو مجھے اپنی زبان اور شرمگاہ کی ضمانت دے دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔'' [رواہ البخاری: باب حفظ اللسان]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے قربانی کے دن فضل بن عباس پلان کے اُوپر بیٹھے ہوئے تھے اور فضل خوبصورت آدمی تھے نبی ﷺ لوگوں کو مسائل بتلانے کے لیے ٹھہرے تو خثعم قبیلے کی ایک عورت رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھنے لگی اور حضرت فضل نے اُس عورت کی طرف دیکھنا شروع کر دیا اور اُسے وہ بھلی لگی۔نبی ﷺ نے پیچھے مڑ کر فضل بن عباس کی طرف دیکھا کہ وہ اُس عورت کی طرف دیکھ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے فضل کی ٹھوڑی سے پکڑ کر اُس کے چہرے کو دوسری طرف کر دیا۔اُس عورت نے عرض کی اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے حج اپنے بندوں پر فرض کیا ہے میرا باپ بوڑھا ہے۔سواری پر بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتا کیا میری طرف سے حج کرنا اُسے کفایت کر جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں!'' [رواہ البخاری: باب قَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی (یَا أَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُیُوتًا)]

مسائل

۱۔ مومن مرد اور عورت اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرتے ہیں۔

اِلَّا	عَلٰٓى	اَزْوَاجِهِمْ	اَوْمَا	مَلَكَتْ	اَيْمَانُهُمْ	فَاِنَّهُمْ
مگر	پر	ان کی بیویاں	یا جو	مالک ہوئے	ان کے دائیں ہاتھ	تو بلاشبہ وہ
غَيْرُ	مَلُوْمِيْنَ ۝	فَمَنِ	ابْتَغٰى	وَرَآءَ	ذٰلِكَ	فَاُولٰٓئِكَ
نہیں	ملامت زدہ	پھر جو	تلاش کرے	سوائے	اس	تو یہی لوگ

هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝

وہ حد سے گزرنے والے

’’سوائے اپنی بیویوں کے اوران عورتوں کے جوان کی لونڈیاں ہیں ان کے بارے میں وہ قابل ملامت نہیں ہیں۔(٦) البتہ جواس کے علاوہ کچھ اور چاہیں۔ وہ زیادتی کرنے والے ہیں۔‘‘(٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنالازم ہے مگر جائز طریقہ اختیار کرنے کی اجازت ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مومن مرداورعورت اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اورانہیں ایسا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس حکم سے ایک غلط فہمی پیدا ہوسکتی تھی جس کے تدارک کے لیے یہ وضاحت کردی گئی ہے کہ اپنی بیویوں سے فطری عمل کرنا جائز ہے اگرکسی کے پاس آزادعورت کے ساتھ نکاح کرنے کے وسائل نہ ہوں تو اسے اپنی لونڈی کے ساتھ فطری عمل کرنے کی اجازت ہے۔ بیوی اورلونڈی کے ساتھ فطری عمل کرنے پرکوئی ملامت نہیں۔ جس نے اس کے بغیر کوئی طریقہ یاراستہ اختیار کیا وہ حد سے گزرنے والوں سے ہوگا۔اسلام دین فطرت ہے اس نے فطرت کا خیال رکھتے ہوئے ایک سے زائد نکاح کرنے کی اجازت دی ہے مگراس بات سے منع کیا ہے کہ کوئی شخص بلاشرعی عذرغیرازدواجی زندگی بسر کرے۔ سرور دوعالم ﷺ نے دوٹوک الفاظ میں فرمایاہے کہ نکاح کرنامیری سنت ہےاورجس نے میری سنت سے اعراض کیاوہ مجھ سے نہیں(رواہ ابن ماجہ: باب مَا جَاءَ فِی فَضْلِ النِّکَاحِ) جومرداورعورت اس فرمان کے باوجود راہب یا تارک الدنیا ہوجاتے ہیں ان کا اسلام کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔ جہاں تک لونڈی اورغلامی کا تعلق ہے اس بارے میں غیر مسلم لوگ نہایت ہی الزامی گفتگو اورمنفی پراپیگنڈہ کرتے ہیں۔ جس کی کوئی حقیقت نہیں جوشخص آزادمسلمان عورتوں سے نکاح کے اخراجات کی طاقت نہیں رکھتا وہ مسلمان لونڈیوں سے نکاح کرسکتا ہے لونڈی سے نکاح کے لیے اس کا حق مہر ادا کرنا ہوگا۔اس لونڈی کا بھی فرض ہے کہ وہ محض شہوت رانی کے بجائے مستقل نکاح کی نیت رکھتے ہوئے پاک دامنی کے ارادے سے ازدواجی بندھن میں آئے اورکسی دوسرے مرد سے پوشیدہ دوستی رکھنے سے مکمل اجتناب کرے۔

((عن أَبِی بُرْدَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ ثَلَاثَةٌ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ الرَّجُلُ تَكُونُ لَهُ

الْاَمَةُ فَيُعَلِّمُهَا فَيُحْسِنُ تَعْلِيمَهَا وَيُؤَدِّبُهَا فَيُحْسِنُ أَدَبَهَا ثُمَّ يُعْتِقُهَا فَيَتَزَوَّجُهَا فَلَهُ أَجْرَانِ وَمُؤْمِنُ أَهْلِ الْكِتَابِ الَّذِى كَانَ مُؤْمِنًا ثُمَّ اٰمَنَ بِالنَّبِيِّ ﷺ فَلَهُ أَجْرَانِ وَالْعَبْدُ الَّذِى يُؤَدِّى حَقَّ اللّٰهِ وَيَنْصَحُ لِسَيِّدِهٖ)) [رواه البخاری: کتاب الجهاد و السیر، بَاب فَضْلِ مَنْ أَسْلَمَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابَيْنِ]

''حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد گرامی سے نبی مکرم ﷺ کا فرمان سنا۔سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا تین طرح کے افراد کو دوہرا اجر عنایت کیا جائے گا۔ان میں ایک وہ ہے جس کے پاس لونڈی ہو اس نے اسے اچھی تعلیم دی اور اس کو ادب سکھایا پھر اس کو آزاد کرتے ہوئے اس سے نکاح کر لیا۔دوسرا یہود و نصاریٰ کا وہ شخص جو اپنے دین میں پکا تھا اور بعد ازاں نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آیا اس کے لیے بھی دوہرا اجر ہے۔تیسرا وہ شخص جو غلام ہے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتے ہوئے اپنے مالک کے کام اور خدمت میں اس کی خیر خواہی کرتا ہے۔''

غلامی کو جزوی طور پر کیوں برقرار رکھا گیا۔تفصیل جاننے کے لیے پانچویں پارے کی پہلی آیت کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

مسائل

۱۔ اپنی بیوی سے جائز طریقے کے ساتھ مباشرت کرنا فطرت اور سنت ہے۔

۲۔ لونڈی کے ساتھ مباشرت کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

تفسیر بالقرآن

لونڈیوں اور غلاموں کے حقوق:

۱۔ صدقات مفلسوں محتاجوں، عاملین، تالیفِ قلب، غلاموں کی آزادی، قرض داروں، اللہ کی راہ اور مسافروں کے لیے ہیں۔(التوبۃ:۶۰)

۲۔ اگر تمہیں خدشہ ہو کہ تم چار بیویوں کے درمیان عدل نہیں کر سکو گے تو ایک بیوی یا ایک لونڈی ہی کافی ہے۔(النساء:۳)

۳۔ تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو مکاتبت کرنا چاہتے ہیں تو اُن سے مکاتبت کرو۔(النور:۳۳)

۴۔ اے ایمان والو! تمہارے غلام بھی تم سے اجازت لے کر گھروں میں داخل ہوں۔(النور:۵۸)

۵۔ تم میں سے جو پاک دامن آزاد مؤمن عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کر سکتا ہو تو اُسے چاہیے کہ وہ لونڈی سے نکاح کر لے۔(النساء:۲۵)

رٰعُوْنَ ﴿٨﴾	وَعَهْدِهِمْ	لِاَمٰنٰتِهِمْ	هُمْ	وَالَّذِيْنَ
حفاظت کرنے والے ہیں	اور اپنے عہد کی	اپنی امانتوں کی	وہ	اورلوگ

''اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد و پیاں کا پاس رکھتے ہیں۔'' (٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مومنوں کی پانچویں اور چھٹی صفت:۔

مومن جس طرح اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح ان میں یہ بھی اوصاف پائے جاتے ہیں کہ وہ امانت کی حفاظت اور عہد کی پاسداری کرتے ہیں۔ امانت سے مراد صرف سونا چاندی اور کرنسی کی حفاظت نہیں بلکہ اس سے مراد ہر قسم کی امانت ہے۔ بے شک وہ کسی منصب کے حوالے سے اس پر عائد ہونے والی ذمہ داری ہو۔ سرور دو عالم ﷺ نے امانت کے تصور کو وسعت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ باضابطہ مجالس میں ہونے والی گفتگو بھی امانت ہوتی ہے۔ (رواہ ابو داؤد: باب فِی نَقْلِ الْحَدِیثِ) جس طرح ہر قسم کی امانت کا خیال رکھنا فرض اور مومن کی صفت ہے اسی طرح جائز کاموں پر کیے گئے عہد کی ذمہ داری بھی پوری کرنی چاہیے۔ عہد سے پہلی مراد عقیدہ توحید کے حوالے سے کیا ہوا وہ عہد ہے جو ہر انسان نے عالمِ ارواح میں اپنے رب کے ساتھ کیا تھا (الاعراف:١٧٢)

اس میں وہ عہد و قیود بھی شامل ہیں جو ایک انسان دوسرے کے ساتھ اور ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ کرتی ہے۔ لوگوں کے ساتھ کیے ہوئے عہد کی پاسداری کرنا۔ نا صرف آدمی کا ایمان اور اس کی صفت ہے اس کا آخرت میں اجر ملے گا بلکہ دنیا میں بھی اسے اچھی شہرت اور لوگوں کا اعتماد حاصل ہونے پر اسے سیاست، تجارت اور معاملات میں فائدہ پہنچتا ہے۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَا خَطَبَنَا نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ إِلَّا قَالَ لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ)) [رواه احمد: مسند انس بن مالك]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی معظم ﷺ نے جب بھی خطبہ دیا تو فرمایا جو بندہ امانت دار نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں اور جو وعدہ پورا نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں۔''

مسائل

١۔ مومن کی صفت اور اس کا فرض ہے کہ وہ امانت کی حفاظت کرے۔ ٢۔ مومن عہد کی حفاظت کرنے والا ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

امانت اور عہد کے بارے میں احکام:

١۔ وعدہ پورا کرنے کا حکم۔ (المائدۃ:١) ٢۔ قیامت کو عہد کی باز پرس ہوگی۔ (بنی اسرائیل:٣٤)

٣۔ عہد پورا کرنے والے متقی ہیں۔ (البقرۃ:١٧٧) ٤۔ عہد پورا کرنے والے عقل مند ہیں۔ (الرعد:١٩،٢٠)

٥۔ عہد پورا کرنے والوں کو اجرِ عظیم ملے گا۔ (الفتح:١٠) ٦۔ عہد پورا کرنے والے جنتی ہیں۔ (المومنون:١٠،١١)

وقف لازم

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۹ اُولٰٓئِكَ هُمُ

اورلوگ وہ پر ان کی نمازیں وہ حفاظت کرتے ہیں یہی لوگ وہ

الْوٰرِثُوْنَ ۝۱۰ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۱

وارث وہ وارث ہوں گے فردوس وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

’’اور جولوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔(۹) یہی لوگ جنت کے وارث ہیں۔(۱۰) اوراس میں ہمیشہ رہیں گے۔‘‘(۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مومنوں کی ساتویں صفت اوران اوصاف کے حامل حضرات کا آخرت میں صلہ:۔

یہاں مومنوں کی بیان ہونے والی صفات میں ساتویں صفت یہ ہے کہ وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔نماز کی حفاظت سے مراد پنجگانہ نماز کواول وقت پرادا کرنا اور نماز کے متعلقہ مسائل کا خیال رکھنا ہے اس میں طہارت سے لے کر نماز سے سلام پھیرنے تک کے مسائل شامل ہیں جن کا خلاصہ یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔جن لوگوں نے ان پر عمل کیا اور مذکورہ اوصاف کے ساتھ متصف ہونے کی کوشش کی ان کے لیے خوشخبری ہے کہ وہ جنت الفردوس کے مالک اوروارث ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یادرہے کہ جنت کی سومنزلیں ہیں سب سے اعلیٰ اور آخری منزل جنت الفردوس ہے جس میں تمام جنّتوں سے بڑھ کر گل وگلزاراورانعام واکرام ہوں گے۔سرورِدوعالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ لوگو!جب اللہ سے جنت کا سوال کرو تواس سے جنت الفردوس مانگا کرو۔

((عَنْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ ؓ أَنَّ أُمَّ الرُّبَيِّعِ بِنْتَ الْبَرَاءِ وَهِيَ أُمُّ حَارِثَةَ بْنِ سُرَاقَةَ أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ ، أَلَا تُحَدِّثُنِي عَنْ حَارِثَةَ وَكَانَ قُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ أَصَابَهُ سَهْمٌ غَرْبٌ ، فَإِنْ كَانَ فِي الْجَنَّةِ صَبَرْتُ، وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذٰلِكَ اجْتَهَدْتُ عَلَيْهِ فِي الْبُكَاءِ قَالَ يَا أُمَّ حَارِثَةَ ، إِنَّهَا جِنَانٌ فِي الْجَنَّةِ ، وَإِنَّ ابْنَكِ أَصَابَ الْفِرْدَوْسَ الْأَعْلَى)) [رواہ البخاری:باب مَنْ أَتَاهُ سَهْمٌ غَرْبٌ فَقَتَلَهُ]

’’حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے ام ربیع بنت براء ؓ جو حارثہ بن سراقہ کی والدہ ہیں وہ نبی ﷺ کے پاس آئی اُس نے کہا اے اللہ کے نبی ﷺ آپ مجھے حارثہ کے بارے میں کیوں نہیں بتلاتے جو جنگِ بدر میں شہید ہوگیا۔اُسے نامعلوم شخص کا تیرلگا۔وہ جنت میں ہے تو میں صبر کرتی ہوں اگر جہنم میں ہے تو میں بہت زیادہ رونے کی کوشش کروں گی ، آپ ﷺ نے فرمایا اے امِ حارثہ!جنت کے بہت سے مراتب ہیں تیرا بیٹا فردوس الاعلیٰ میں پہنچ چکا ہے۔‘‘

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ جَاهَدَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوْجَلَسَ فِیْ أَرْضِهِ الَّتِیْ وُلِدَ فِيْهَا فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَفَلَا نُبَشِّرُ النَّاسَ قَالَ : إِنَّ فِی الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِيْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَابَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْأَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهٗ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ أُرَاهُ قَالَ وَ فَوْقَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ)) [رواہ البخاری : کتاب الجھاد والسیر]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ ورسول پر ایمان لایا اس نے نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے۔اسے جنت میں داخل کرنا اللہ پر حق ہے۔اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو یا اپنی پیدائش کے علاقہ میں بیٹھا رہا۔صحابہ نے عرض کیا اللہ کے رسول! کیا ہم لوگوں کو خوشخبری نہ دیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لیے جنت میں سو درجات بنائے ہیں ہر دو درجے کا درمیانی فاصلہ زمین وآسمان کے درمیانی فاصلہ جتنا ہے۔جب تم اللہ سے جنت کا سوال کرو تو جنت الفردوس مانگا کرو کیونکہ یہ جنت کا وسط اور اعلیٰ مقام ہے۔راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے اور وہاں سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔“

مسائل

۱۔ مومن ہر حوالے سے اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔
۲۔ مومنوں کو جنت کا مالک اور وارث ٹھہرایا جائے گا۔
۳۔ مومن جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر بالقرآن

جنت اور جنت الفردوس کی ایک جھلک:

۱۔ نمازوں کی حفاظت کرنے والے جنت الفردوس میں ہوں گے۔(المومنون:۱۰-۱۱)
۲۔ ایمان دار اور عمل صالح کرنے والوں کے لیے جنت الفردوس میں مہمانی کا اہتمام ہوگا۔(الکھف:۱۰۷)
۳۔ صبر کرنے والوں کو جنت میں سلام کیا جائے گا۔(الفرقان:۷۵)
۴۔ جنت میں جنتی کو وہ کچھ حاصل ہوگا جس کا وہ خواہشمند ہوگا۔(الانبیاء:۱۰۲)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾

اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان سے جوہر سے مٹی

''اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔اور یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔''(۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر جنت میں داخل فرمایا اس لیے جنت الفردوس کے ذکر کے بعد انسان کو اس کی تخلیقی مراحل سے آگاہ فرما کر اس کے حقیقی خالق کی پہچان کروائی گئی ہے۔

انسانِ اوّل یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا۔مٹی کو مختلف مراحل سے گزار کر اس سے آدم علیہ السلام کا ڈھانچہ تیار کیا اس لیے جب حضرت آدم یا انسان کی تخلیق کا ذکر ہوتا ہے تو کبھی ایک مرحلہ سے اس کا آغاز کیا جاتا ہے اور کبھی دوسرے مرحلہ سے ابتداء کی جاتی ہے ایک جگہ فرمایا کہ انسان کو ہم نے کھڑکھڑاتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے۔دوسرے موقعہ پر فرمایا ہم نے انسان کو بدبودار مٹی سے پیدا کیا۔یہاں فرمایا کہ ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔گویا کہ موقعہ کی مناسبت سے انسان کو اس کے تخلیقی مراحل سے آگاہ کرنے کے لیے مختلف مراحل کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ انسان اپنی تخلیق کو یاد کر کے اپنے مالک اور خالق کو پہچاننے کی کوشش کرے۔یہاں انسان کا معنٰی عام انسان لیا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر انسان کی خوراک مٹی سے متعلقہ ہے اس لیے انسان کو اصلیت یاد کروائی جاتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اس بات کی اس طرح تشریح فرمائی۔

((عَنْ أَبِیْ مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبَضَهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَرْضِ فَجَاءَ بَنُو آدَمَ عَلٰى قَدْرِ الْأَرْضِ جَاءَ مِنْهُمُ الْأَحْمَرُ وَالْأَبْيَضُ وَالْأَسْوَدُ وَبَيْنَ ذٰلِكَ وَالسَّهْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ))[رواہ ابو داود: کتاب السنہ ، باب فی القدر]

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی کی ایک مٹھی سے پیدا کیا۔جو ساری زمین سے لی گئی لہٰذا آدم کی اولاد زمین کے مطابق ہے ۔ان میں سرخ،سفید،سیاہ اور ان میں درمیانی رنگت کے لوگ ہیں۔کچھ سخت اور کچھ نرم طبیعت کے لوگ ہیں اسی طرح کچھ نیک اور کچھ بد ہیں۔''

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ قَدْ أَذْهَبَ اللّٰهُ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْآبَاءِ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ وَالنَّاسُ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ))[رواہ الترمذی :باب فی فضل الشام والیمن]

''حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے تم سے جاہلیت کے فخر وغرور کو مٹادیا ہے جو تم اپنے آباء کے نام سے کیا کرتے تھے۔مومن پرہیزگار ہوتا ہے اور فاجر بدبخت ہوتا ہے۔تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے تھے۔''

ثُمَّ	جَعَلْنٰهُ	نُطْفَةً	فِيْ	قَرَارٍ	مَّكِيْنٍ ۝۱۳
پھر	ہم نے اس کو	نطفہ	میں	محفوظ	قرارگاہ

''پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا۔''(۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: آدم کی تخلیق کا دوسرا مرحلہ۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آسمان اور ستارے کی قسم کھا کر انسان کو توجہ دلائی ہے کہ انسان کو اپنی تخلیق پر غور کرنا چاہیے کہ اسے کس طرح پیدا کیا گیا ہے۔ انسان اچھل کر نکلنے والے پانی کے قطرہ سے پیدا کیا گیا ہے یہ اچھل کر نکلنے والا قطرہ کہاں سے نکلتا ہے اس کی وضاحت فرمائی کہ یہ مرد کی پشت اور عورت کی چھاتی کی ہڈیوں سے نکلتا ہے پھر عورت کے رحم میں مخصوص جگہ پہنچ کر ایک مدت تک ٹھہر جاتا ہے۔

علم الجنین (Embryology) کی رو سے یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جنین (Foetus) کے اندر اُنثیین (Testes) یعنی وہ غدود جن سے مادّۂ منویہ پیدا ہوتا ہے، ریڑھ کی ہڈی اور پسلیوں کے درمیان گردوں کے قریب ہوتے ہیں۔ جہاں سے بعد میں یہ آہستہ آہستہ فوطوں میں اُتر جاتے ہیں۔ یہ عمل ولادت سے پہلے اور بعض اوقات اس کے کچھ بعد ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی ان کے اعصاب اور رگوں کا منبع ہمیشہ وہی مقام (بَيْنَ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ) ہی رہتا ہے۔ بلکہ ان کی شریان (Artery) پیٹھ کے قریب شہ رگ (Aorta) سے نکلتی ہے اور پورے پیٹ کا سفر طے کرتی ہوئی ان کو خون مہیا کرتی ہے۔ اس طرح حقیقت میں ''اُنثیین'' پیٹھ ہی کا جز ہیں جو جسم کا زیادہ درجۂ حرارت برداشت نہ کرنے کی وجہ سے فوطوں میں منتقل کر دیے گئے ہیں۔ علاوہ بریں مادۂ منویہ اگرچہ ''انثیین'' پیدا کرتے ہیں اور وہ کیسۂ منویہ (Vesicles Seminal) میں جمع ہوجاتا ہے مگر اس کے اِخراج کا مرکزِ تحریک (بَيْنَ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ) ہی ہوتا ہے اور دماغ سے اعصابی رو جب اس مرکز کو پہنچتی ہے تب اس مرکز کی تحریک (Triger action) سے کیسۂ منویہ سکڑتا ہے اور اس سے ماءِ دافق پچکاری کی طرح نکلتا ہے۔ اس لیے قرآن کا بیان ٹھیک ٹھیک علمِ طب کی جدید تحقیقات کے مطابق ہے۔ (ماخوذ از تفہیم القرآن: تفسیر سورۃ طارق)

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً

پھر ہم نے بنایا نطفہ جماہوا خون پھر ہم نے بنایا جماہوا خون گوشت کا لوتھڑا

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ

پھر بنائیں ہم نے لوتھڑے کی ہڈیاں پھر ہم نے پہنایا ہڈیوں کو گوشت پھر

اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾

ہم نے اسے پیدا کیا مخلوق اور ہی چنانچہ بڑا بابرکت اللہ بہت ہی اچھا پیدا کرنے والا

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ

پھر بے شک تم بعد اس البتہ مرنے والے ہو پھر یقیناً تم

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

دن قیامت دوبارہ اٹھائے جاؤ گے

”پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی پھر لوتھڑے کو بوٹی بنایا۔ پھر بوٹی سے ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر اسے ایک دوسری شکل میں بنا کھڑا کیا۔ بڑا ہی بابرکت ہے اللہ سب کاریگروں سے اچھا کاریگر۔ (۱۴) پھر اس کے بعد یقیناً تم نے مرنا ہے۔ (۱۵) پھر قیامت کے دن یقیناً تم اٹھائے جاؤ گے۔“ (۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: تخلیق انسانی کے مختلف مراحل کا ذکر جاری ہے۔

”لوگو! اگر تمہیں زندگی کے بعد موت کے بارے میں شک ہے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے پھر نطفے سے پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے۔ پھر تمہاری شکل وصورت بنائی ہم جس نطفے کو چاہتے ہیں ایک خاص وقت تک رحم میں ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں کسی کو پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے اور کوئی ضعیف ترین عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر نہ جان سکے اور تم دیکھتے ہو۔ کہ زمین خشک ہوتی ہے ہم اس پر بارش برساتے ہیں۔ پھر یکایک وہ پھبک اٹھی اور پھول گئی پھر اس سے ہر قسم کی خوش منظر نباتات نکلتی ہیں۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ تم جانو کہ اللہ ہی حق ہے اور وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ قیامت کی گھڑی آکر رہے گی اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں اور جو قبروں میں ہیں اللہ ضرور ان لوگوں کو اٹھائے گا۔ (الحج :۵تا۷) مذکورہ بالا آیت کے آخر میں ”اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ“ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا اکثر مفسرین نے معنیٰ یہ کیا ہے کہ اللہ سب سے زیادہ خوبصورت بنانے والا ہے کیونکہ خالق کا معنیٰ صرف پیدا کرنے والا نہیں بلکہ اس کا معنی بنانے والا بھی ہوتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ لوگو یقیناً تم اس زندگی کے بعد مرنے والے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تمہیں ہر صورت قیامت کے دن اٹھائے

گا۔انسانی تخلیق کے مراحل پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت خود بخود عیاں ہوجاتی ہے کہ جس خالق نے باپ کی صلب اور ماں چھاتی کی ہڈیوں سے انسان کے تخم کو نکال کر پہلے جما ہوا خون بنایا پھر اسے گوشت کے لوتھڑے میں متشکل کیا اور اس کے بعد ہڈیاں بنائیں اور پھر انسان کا ڈھانچہ تیار کیا پھر چار مہینے کے بعد اس کے وجود میں روح پھونکی۔روح پھونکنے سے پہلے انسان ہر مرحلہ میں بے جان تھا اگر بے جان ڈھانچے میں روح پھونک کر زندہ کیا جاسکتا ہے؟ تو اسے دوبارہ زندہ کرنا کیونکر مشکل ہوگا۔

((عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ خُلِقَتِ الْمَلَا ئِكَةُ مِنْ نُورٍ وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ))[رواه مسلم: باب فِي أَحَادِيثَ مُتَفَرِّقَةٍ]

”حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ملائکہ کو نور سے پیدا کیا گیا ہے اور جنوں کو بھڑکتی ہوئی آگ سے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔“

((حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبَضَهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَرْضِ فَجَاءَ بَنُو آدَمَ عَلَى قَدْرِ الْأَرْضِ جَاءَ مِنْهُمُ الْأَحْمَرُ وَالْأَبْيَضُ وَالْأَسْوَدُ وَبَيْنَ ذٰلِكَ وَالسَّهْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ))[رواہ ابوداؤد:باب فِي الْقَدَرِ]

”حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی کی ایک مٹھی سے پیدا فرمایا۔اسی لیے آدم کی اولاد زمین کی رنگت کے مطابق ہے بعض اُن میں سے سرخ ہیں اور بعض سفید،اور بعض سیاہ اِن میں کچھ آرام اور سکون سے زندگی بسر کرنے والے ہیں اور کچھ غم زدہ ہیں۔کچھ بُرے اور کچھ نیک ہیں۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف مراحل سے گزار کر انسان کی تخلیق مکمل فرمائی۔

۲۔ انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل،موت کے بعد زندہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ بہتر سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انسانی تخلیق کے مختلف مراحل:

۱۔ یقیناً ہم نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔(الحجر:۲۶) ۲۔انسان کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا۔(آل عمران:۵۹)

۳۔ اللہ نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔(المومنون:۱۲)۴۔ حوا کو آدم سے پیدا فرمایا۔(النساء:۱)

۵۔ اللہ نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔(الدھر:۲)

۶۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا،پھر اسے نطفہ بنایا،پھر اس سے خون کا لوتھڑا،پھر اس سے بوٹی بنائی۔(الحج:۵)

۷۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا،پھر نطفہ،پھر لوتھڑا بنا کر تمہیں پیدا کرتا ہے پہلے تم بچے ہوتے ہو۔(المومن:۶۷)

وَلَقَدْ	خَلَقْنَا	فَوْقَكُمْ	سَبْعَ	طَرَآئِقَ ۖ	وَمَا	كُنَّا
اور البتہ تحقیق	ہم نے پیدا کیے	تم پر	سات	آسمان تہہ بہ تہہ	اور نہیں	ہیں ہم
عَنِ	الْخَلْقِ	غٰفِلِيْنَ ۝۱۷				
سے	مخلوق	غافل				

''اور یقیناً ہم نے تم پر سات آسمان بنائے ہم تخلیق کے کام سے بے خبر نہیں۔'' (۱۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: انسان کو دوبارہ زندہ ہونے پر اس لیے بھی یقین کرنا چاہیے کہ جس خالق نے اُوپر، نیچے سات آسمان بنائے اور انہیں بغیر سہارے کے کھڑا کر رکھا ہے اس کے لیے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کیونکر مشکل ہو سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کی تخلیق کا ذکر فرما کر اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ ہم نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس سے غافل نہیں ہیں اس فرمان میں آسمانوں کی بجائے ''طرائق'' کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کے بارے میں اہل علم نے تین آراء کا اظہار فرمایا ہے۔ ① ''سبع طرائق'' کا معنٰی ہے اوپر نیچے سات آسمان ② ''سبع طرائق'' سے مراد سات قرأتیں ہیں۔ ③ ''سبع طرائق'' سے مراد آسمان کے وہ دروازے ہیں جن کے ذریعے ملائکہ زمین پر آتے ہیں اور پھر آسمان پر چڑھتے ہیں۔ بہر حال ان سے مراد آسمان ہوں یا کوئی دوسری چیز اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نا صرف اپنی مخلوق سے پوری طرح باخبر ہے بلکہ وہ اپنی مخلوقات کی ہر قسم کی ضروریات کو جانتا ہے اور کماحقہ ان کی ضروریات پوری کرنے والا ہے۔ بعض مفسرین نے غافلین کا معنٰی کیا ہے کہ اس نے آسمانوں اور کسی چیز کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اُوپر، نیچے سات آسمان پیدا فرمائے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق اور اس کی ضروریات کو جانتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔

تفسیر بالقرآن

زمین و آسمان کی تخلیق کا مقصد اور اس کی مدّت:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر نمونے کے زمین و آسمان بنائے۔ (البقرۃ: ۱۱۷)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اور سات زمینیں بنائیں۔ (البقرۃ: ۲۹) ۳۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو برابر کیا۔ (البقرۃ: ۲۹)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو چھت اور زمین کو فرش بنایا۔ (البقرۃ: ۲۲) ۵۔ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمانوں کو چھ دنوں میں بنایا۔ (الاعراف: ۵۴)

وَاَنْزَلْنَا	مِنَ	السَّمَآءِ	مَآءً	بِقَدَرٍ	فَاَسْكَنّٰهُ	فِي
اور ہم نے نازل کیا	سے	آسمان	پانی	اندازے کے ساتھ	پھر ہم نے اسے ٹھہرایا	میں

الْاَرْضِ ۖ	وَاِنَّا	عَلٰى	ذَهَابٍ	بِهٖ	لَقٰدِرُوْنَ ⑱
زمین	اور بے شک ہم	پر	لے جانا	ساتھ اس کے	ضرور قادر ہیں

وقف لازم

فَاَنْشَاْنَا	لَكُمْ	بِهٖ	جَنّٰتٍ	مِّنْ	نَّخِيْلٍ	وَّ	اَعْنَابٍ
پھر ہم نے پیدا کیے	تمہارے لیے	اس کے ساتھ	باغات	سے	کھجوریں	اور	انگور

لَكُمْ	فِيْهَا	فَوَاكِهُ	كَثِيْرَةٌ	وَّمِنْهَا	تَاْكُلُوْنَ ⑲
تمہارے لیے	ان میں	پھل	بہت زیادہ	اور انہی میں سے	تم کھاتے ہو

وَ	شَجَرَةً	تَخْرُجُ	مِنْ	طُوْرِ سَيْنَآءَ	تَنْۢبُتُ
اور	درخت	وہ نکلتا ہے	سے	طور سینا	وہ نکالتا ہے

بِالدُّهْنِ	وَصِبْغٍ	لِّلْاٰكِلِيْنَ ⑳
تیل	اور سالن	کھانے والوں کے لیے

''اور آسمان سے ہم نے ٹھیک حساب کے مطابق ایک خاص مقدار میں پانی اتارااور اس کو زمین میں ٹھہرایا۔ہم اسے جس طرح چاہیں غائب کر سکتے ہیں۔(١٨) پھراس پانی کے ذریعہ ہم نے تمہارے لیے کھجوریں اور انگور کے باغ پیدا کر دیے۔تمہارے لیے ان باغوں میں سے بہت سے لذیذ پھل ہیں اور ان سے تم خوراک حاصل کرتے ہو۔(١٩) ہم نے درخت پیدا کیا جو طور سیناء سے تیل لیے ہوئے اگتا ہےاور کھانے والوں کے لیے سالن کا کام دیتا ہے۔''(٢٠)

فہم القرآن

ربطِ کلام: آسمانوں کی تخلیق کے بعد بارش کا تذکرہ اور اس کے فوائد:۔

اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے اپنے اندازے کے مطابق بارش نازل کرتا ہےاور پھر پانی کو زمین میں ذخیرہ کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ چاہےتو اس بات پر قادر ہے کہ پانی کو خشک کر دے۔یا اسے زمین میں اتنا نیچے لے جائے کہ اسے حاصل کرنا انسان کے بس سے باہر ہو۔پانی کے ساتھ باغات اور نباتات پیدا ہوتے ہیں جن کے پھل لوگ کھاتے ہیں۔اسی نے طور سیناء کے علاقے میں زیتون کا درخت پیدا کیا جس سے تیل نکلتا ہے جسے لوگ سالن کے طور پر استعمال کرتے ہیں زمین میں پانی ذخیرہ کرنے کے بارے میں سائنسدانوں کی دو آراء ہیں ① جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو بنایا تو اس وقت ہی پانی زمین میں ذخیرہ کر دیا گیا۔سائنسدانوں کے اندازہ کے مطابق دنیا میں تین حصہ پانی ہےاور ایک حصہ خشکی ہے،جس میں پہاڑ بھی شامل

ہیں۔ان کا کہنا ہے اسی پانی کے ذخیرہ سے ہی سمندر، دریا اور چشمے بہہ رہے ہیں۔ یہی پانی سورج کی تپش سے بخارات بن کر آسمان کی طرف اٹھتا ہے اور ایک مقام پر پہنچ کر برف کی شکل میں پہاڑوں پر جمتا رہتا ہے۔اسی پانی کو بخارات کی شکل میں ہوا اٹھا کر مختلف علاقوں میں بارش کی صورت میں برساتی ہے،اور پھر سورج کی گرمی سے پگھل کر آبشاروں کی شکل میں نیچے آتا ہے جس سے دریا بہتے ہیں ② پانی نازل کرنے کا یہ بھی معنٰی لیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بادلوں سے یک دم پانی برسانے کی بجائے قطرات کی شکل میں نیچے برساتا ہے تاکہ اس پانی سے باغات کے پھل، زمین میں اگنے والی انگوری اور نازک نباتات نقصان سے محفوظ رہیں۔اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو زمین میں پانی کو اس قدر گہرا کر دے کہ اسے حاصل کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہو جائے۔جس کی مثالیں پوری دنیا کے مختلف علاقوں میں پائی جاتی ہیں۔ان علاقوں میں نیچے سے پانی حاصل کرنا ناممکنات میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ وہاں مختلف ذرائع کے ذریعے پانی پہنچایا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں پانی بھی اس کی عظیم قدرت کا مظہر ہے۔ پانی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ لوگو! کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اگر اللہ تمہارے پانی کو نیچے سے نیچے لے جائے تو کون ہے تم میں سے جو اس پانی کو حاصل کر سکے (سورۃ الملک: ۳۰) کھجور اور انگور کے ساتھ ایک ایسے درخت کا ذکر فرمایا ہے جو طور سیناء کی وادی میں پایا جاتا ہے۔نباتات کے ماہرین نے اس سے مراد زیتون کا درخت لیا ہے اور زیتون کا تاریخی پس منظر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کا اصلی وطن طور سیناء کا علاقہ ہے یہ درخت اس قدر طویل العمر ہوتا ہے۔دو سے تین ہزار سال تک اپنی ہریالی قائم رکھتا ہے اس میں بعض درخت ایسے ہوتے ہیں جن کا تیل مکھن کی طرح سفید، گاڑھا اور لذیذ ہوتا ہے جسے لوگ سالن کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ زیتون، کھجور اور انگور کے بارے میں معلومات جاننے کے لیے (فہم القرآن، جلد نمبر۲ صفحہ ۳۶۰) ملاحظہ فرمائیں!

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے بارش نازل کرتا ہے۔۲۔ اللہ تعالیٰ آسمان سے اپنے اندازے کے مطابق پانی برساتا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نے نباتات، حیوانات اور انسانوں کی ضرورت کے لیے پانی ذخیرہ کر رکھا ہے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ پانی کو زمین میں گہرا کرنے پر قادر ہے۔۵۔ اللہ تعالیٰ ہی کھجور، انگور اور زیتون پیدا کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں نباتات کا تذکرہ:

۱۔ اللہ پانی سے تمہارے لیے کھیتی، زیتون، کھجور اور انگور اگاتا ہے۔(النحل:۱۱)
۲۔ اللہ نے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔(المومنون:۱۹)
۳۔ اللہ نے زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔(یٰس:۳۴)
۴۔ اللہ نے پانی سے ہر قسم کی نباتات کو پیدا کیا۔(الانعام:۹۹)
۵۔ اللہ نے باغات، کھجور کے درخت اور کھیتی پیدا کی جو ذائقہ کے لحاظ سے مختلف ہیں۔(الانعام:۱۴۱)

وَاِنَّ	لَكُمْ	فِي	الْاَنْعَامِ	لَعِبْرَةً ط	نُسْقِيْكُمْ	مِّمَّا
اور بے شک	تمہارے لیے	میں	چوپائے	ضرور عبرت	ہم تمہیں پلاتے ہیں	اس سے

فِيْ	بُطُوْنِهَا	وَلَكُمْ	فِيْهَا	مَنَافِعُ	كَثِيْرَةٌ
میں	ان کے پیٹ	اور تمہارے لیے	ان میں	منافع	بہت

ع ۲۲ ۱

وَّمِنْهَا	تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾	وَعَلَيْهَا	وَعَلَى	الْفُلْكِ	تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾
اور ان سے بعض	تم کھاتے ہو	اور ان پر	اور پر	کشتیاں	تم سوار کیے جاتے ہو

''اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے مویشیوں میں بھی ایک سبق ہے ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہے اسی میں سے ہم تمہیں دودھ پلاتے ہیں اور تمہارے لیے ان میں بہت سے دوسرے فائدے ہیں۔ (۲۱) ان کو کھاتے ہو اور ان پر سواری کرتے ہو اور کشتیوں پر سوار بھی کیے جاتے ہو۔'' (۲۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پانی اور نباتات سے چوپائے زندہ رہتے ہیں اور چوپاؤں میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے بڑے فائدے رکھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے چوپاؤں کو اپنی قدرت کی نشانی بتلا کر اس سے سبق حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔ چوپاؤں کی دس قسمیں ہیں۔ ان میں اونٹ، گائے، بھینس، بکری اور بھیڑ ایسے چوپائے ہیں جن سے انسان بہت سے فائدے حاصل کرتا ہے۔ ان کا دودھ پینے کے علاوہ مکھن، گھی، دہی اور بہت سی دوسری چیزیں بنانے کے کام آتا ہے۔ ان چوپاؤں کا گوشت کھایا جاتا ہے بکری اور بھیڑ کے سوا حلال چوپاؤں اور گدھے اور گھوڑے پر سواری کی جاتی ہے۔ جہاں تک ان چوپاؤں اور گھوڑوں کا تعلق ہے ان سے کھیتی باڑی اور سواری کا کام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح چوپاؤں کی اون، بال، چمڑی اور ہڈیوں تک استعمال ہوتی ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ نامعلوم انسان ان سے اور کتنے فائدے اٹھائے گا جس کے لیے کثیر منافع کا لفظ استعمال فرما کر مزید منفعت حاصل کرنے کا اشارہ دیا ہے۔ چوپاؤں میں انسان کے لیے یہ بھی عبرت ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں انسان کے تابع نہ کرتا تو کس کی مجال ہے کہ وہ گھوڑے، اُونٹ اور ہاتھی جیسے طاقتور حیوان کو اپنے تابع کر لیتا۔ اس لیے ان پر سوار ہوتے وقت دعا سکھلائی گئی ہے [الزخرف: ۱۳۔۱۴]

مسائل

۱۔ جانور چوپائے بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر ہیں۔ ۳۔ چوپاؤں سے انسان بہت سے فوائد حاصل کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں چوپاؤں کا ذکر:

۱۔ اللہ نے چوپایوں کو انسانی ضروریات اور زیب زیبائش کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ (النحل: ۵۔۶)

۲۔ قربانی کے ایام میں ان پر اللہ کا نام لیں چوپائے اللہ نے تمھیں عطا کیے ہیں پس تم ان میں سے کھاؤ اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ (الحج: ۲۸)

۳۔ تمہارے لیے چوپایوں میں بہت زیادہ فائدہ ہے اور انہیں تم کھاتے ہو۔ (المومنون: ۲۱)

وَلَقَدْ	اَرْسَلْنَا	نُوْحًا	اِلٰى	قَوْمِهٖ	فَقَالَ	يٰقَوْمِ
اور یقیناً	ہم نے بھیجا	نوح	طرف	اس کی قوم	اس نے کہا	اے میری قوم
اعْبُدُوا	اللّٰهَ	مَا	لَكُمْ	مِّنْ	اِلٰهٍ	غَيْرُهٗ ط
تم عبادت کرو	اللہ	نہیں	تمہارے لیے	سے	معبود	اس کے سوا
اَفَلَا	تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾					
کیا پھر نہیں	تم ڈرتے؟					

’’ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں ہے کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟‘‘ (۲۳)

فہم القرآن

ربط کلام: انسان کو اس کی تخلیق اور قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں بتلانے کے بعد ان سے سبق حاصل کرنے کی ترغیب دی گی ہے قدرت کی نشانیوں میں سب سے پہلا سبق یہ ہے کہ انسان اپنے رب کو سمجھے اور اس کی بندگی اختیار کرے۔

اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنا ہی انسان کی تخلیق کا مقصد ہے اس لیے جتنے انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے گئے انہوں نے اپنی قوم کو پہلا سبق یہی دیا کہ انسان کو صرف ایک رب کی بندگی کرنی چاہیے اس کے سوا کسی کی بندگی کرنے کی اجازت نہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام میں سے یہاں حضرت نوح علیہ السلام کا اس لیے تذکرہ کیا ہے کہ یہ ایسے نبی اور رسول ہیں جنہوں نے سب سے زیادہ طویل عرصے تک دوسرے مسائل کے ساتھ ساتھ پہلا اور بنیادی مسئلہ یہ سمجھایا کہ اے میری قوم کے لوگو! صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ کسی کی عبادت کرنا جائز نہیں کیا تم اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے سے باز نہیں آؤ گے؟

مسائل

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو صرف ایک رب کی عبارت کرنے کا حکم دیا۔

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو غیر اللہ کی عبادت کرنے سے منع کیا۔

۳۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کے نقصانات سے ڈرایا۔

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا
تو اس نے کہا سردار لوگ انہوں نے کفر کیا سے اس کی قوم نہیں

هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ
یہ مگر بشر تم جیسا وہ چاہتا ہے یہ کہ وہ برتری حاصل کرے

عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ښ مَّا
تم پر اور اگر وہ چاہتا اللہ تو نازل کرتا فرشتے نہیں

سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۚ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ
سنی ہم نے یہ میں اپنے باپ دادا پہلے نہیں یہ

اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾
مگر ایک آدمی ساتھ اس کے جنون لہٰذا تم انتظار کرو ساتھ اس کے یہاں تک وقت مقرر

”اس کی قوم کے سرداروں نے اُسے ماننے سے انکار کیا وہ کہنے لگے کہ یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر تمہارے جیسا بشر ہے دعوت کے ذریعے یہ تم پر برتری حاصل کرنا چاہتا ہے اللہ کو اگر بھیجنا ہوتا تو فرشتہ بھیجتا یہ بات تو ہم نے اپنے باپ دادا کے زمانے میں سنی ہی نہیں۔ (۲۴) اس آدمی کو جنون ہو گیا ہے کچھ مدت اور دیکھ لو شاید افاقہ ہو جائے۔“ (۲۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کے جواب میں ان کی قوم کے سرداروں نے پانچ الزام لگائے۔

۱۔ یہ تمہارے جیسا بشر ہے ۲۔ یہ تم پر برتری یعنی اقتدار چاہتا ہے۔

۳۔ اگر اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجنا ہوتا تو کسی فرشتے کو نازل کرتا۔ لہٰذا یہ جھوٹا ہے

۴۔ ہم نے ایسی بات اور دعوت اپنے آباؤاجداد سے نہیں سنی۔ ۵۔ نوح پاگل ہو گیا ہے۔

اندازہ لگائیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت کیا دی تھی؟ اور اس کے جواب میں قوم کے لیڈروں نے اپنی اپنی پارٹی اور ورکر کو قابو میں رکھنے کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں کن باتوں کا پراپیگنڈہ کیا۔ لیڈروں نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کے اثرات سے خوفزدہ ہو کر قوم کو نوح علیہ السلام کے خلاف بھڑکا دیا۔ قوم کے لیڈروں کا اس لیے نام لیا گیا ہے کہ سب سے پہلے انہیں خدشہ ہوتا ہے کہ اگر قوم کا عقیدہ صحیح ہو گیا اور قوم اپنے رب کی بندگی میں لگ گئی تو ہماری لیڈری نہیں چل سکے گی۔ اس لیے سب سے پہلے لیڈروں نے مخالفت کی اور الزام لگایا کہ نوح علیہ السلام میں کوئی خاص خوبی نہیں ہے جس بناء پر

اس کے پیچھے لگا جائے جس طرح یہ انسان ہے اس طرح تم بھی ایک انسان ہو۔ حالانکہ نوح علیہ السلام کردار اور جمال کے اعتبار سے اپنی قوم میں ممتاز اور منفرد انسان تھے۔ لیکن قوم حضرت نوح علیہ السلام اور اپنے لیڈروں کے درمیان فرق نہ کرسکی جس طرح مکہ کی غالب اکثریت ابوجہل اور سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فرق کرنے میں ناکام رہی۔

قوم کے سرداروں نے دوسرا الزام یہ لگایا کہ نوح علیہ السلام دعوت توحید اور رب کی بندگی کے بہانے تم پر عزت اور اقتدار چاہتا ہے یہی الزام اہل مکہ نے سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر لگایا تھا۔ تیسری بات قوم نے یہ کہی کہ نوح علیہ السلام خواہ مخواہ نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اگر ہماری اصلاح مقصود ہوتی تو کسی فرشتے کو نازل کرتا۔ اسی بہانے ہی اہل مکہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے چوتھی بات یہ کہی کہ یہ تو من گھڑت اور انوکھی بات ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہم نے آج تک اپنے بزرگوں سے ایسی بات نہیں سنی۔ یہی دلیل اہل مکہ نے سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی کہ جس بات کی آپ دعوت دیتے ہیں ہم نے ایسی بات اس سے پہلے آج تک نہیں سنی (ص:۷) حضرت نوح علیہ السلام پر یہ الزام بھی لگایا گیا کہ یہ پاگل ہوگیا ہے ۔ایسا الزام ہی سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر لگایا گیا (القلم:۲)

مسائل

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے جیسا انسان قرار دیا۔
۲۔ نوح علیہ السلام پر قوم نے دعوت کے بدلے اقتدار حاصل کرنے کا الزام لگایا۔
۳۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے آباؤ اجداد کی تقلید اور رسم و رواج کو ترجیح دی۔
۴۔ قوم نے حضرت نوح علیہ السلام پر پاگل ہونے کا الزام لگایا۔

تفسیر بالقرآن

قوم کے حضرت نوح علیہ السلام پر الزامات:

۱۔ قوم نے نوح کو گمراہ قرار دیا۔ (الاعراف:۶۰) ۲۔ قوم نے الزام لگایا کہ نوح پاگل ہے۔ (المومنون:۲۵)
۳۔ لیڈروں نے کہا کہ نوح تو ہم جیسا انسان ہے۔ (ہود:۲۷) ۴۔ یہ ہم پر لیڈری چمکاتا ہے۔ (المومنون:۲۴)
۵۔ ہم تو اس میں کوئی خوبی نہیں دیکھتے۔ (ہود:۲۷) ۶۔ اس کے چاہنے والے گھٹیا لوگ ہیں۔ (ہود:۲۷)
۷۔ اے نوح تجھے پتھر مار مار کر مار دیں گے۔ (الشعراء:۱۱۶) ۸۔ قوم نے نوح سے اپنے چہرے چھپا لیے۔ (نوح:۷)
۹۔ کفار نے حضرت نوح کے خلاف زبردست مکاریاں کیں۔ (نوح:۷)
۱۰۔ ہمارا تمہارا جھگڑا طویل تر ہوگیا ہے نوح تو سچا ہے تو بس عذاب لے آ۔ (ہود:۳۲)

قَالَ	رَبِّ	انْصُرْنِيْ	بِمَا	كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾	فَاَوْحَيْنَآ
اس نے کہا	اے میرے رب	تو میری مدد فرما	بوجہ اس کے	انہوں نے مجھے جھٹلایا	چنانچہ ہم نے وحی کی
اِلَيْهِ	اَنِ	اصْنَعِ	الْفُلْكَ	بِاَعْيُنِنَا	وَوَحْيِنَا
اس کی طرف	یہ کہ	تو بنا	کشتی	ہماری آنکھوں کے سامنے	اور ہماری وحی
فَاِذَا جَآءَ	اَمْرُنَا	وَفَارَ	التَّنُّوْرُ	فَاسْلُكْ	فِيْهَا
پھر جب آجائے	ہمارا حکم	اور ابل پڑے	تنور	تو سوار کر	اس میں
مِنْ	كُلٍّ	زَوْجَيْنِ	اثْنَيْنِ	وَاَهْلَكَ	اِلَّا	مَنْ
سے	ہر قسم	جوڑے	دونوں	اور اپنے گھر والے	سوائے	جو

''نوح نے کہا پروردگار ان لوگوں نے میری تکذیب کی ہے اس پر میری مدد فرما۔ (۲۶) ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے مطابق کشتی تیار کرو۔ جب ہمارا حکم آجائے اور تنور اُبل پڑے تو ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا لے کر اس میں سوار ہو جاؤ۔ اور اپنے اہل وعیال کو بھی ساتھ لے لو سوائے ان کے جن کے بارے میں

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت نوح علیہ السلام کو جب یقین ہوگیا کہ اس کی قوم نے اسے کلیتاً جھٹلا دیا ہے تب حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کے مقابلے میں اپنے رب سے مدد طلب کی۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال اپنی قوم کو سمجھایا لیکن قوم نے سمجھنے کی بجائے حضرت نوح علیہ السلام پر مختلف قسم کے الزامات لگائے اور پتھر مار مار کر جان سے ختم کرنے کی دھمکی دی۔ ساتھ ہی یہ مطالبہ کیا کہ اگر تو واقعی اللہ کا پیغمبر ہے تو ہمیں عذاب سے تباہ و برباد کردے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ کہہ کر مدد طلب کی کہ اے میرے رب میں مغلوب ہو چکا ہوں تو میری مدد فرما۔ اس صورتِ حال میں حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی گئی اے نوح علیہ السلام آپ کی قوم میں سے جس نے ایمان لانا تھا وہ لا چکا اب تیری قوم میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ لہٰذا اب ہماری ہدایت کے مطابق ہمارے سامنے ایک کشتی بناؤ جب ہمارا حکم آجائے اور تنور پھٹ پڑے تو ہر چیز کا جوڑا جوڑا کشتی پر سوار کرو۔ اس میں ان لوگوں کو سوار کرنا ہے جو اس سے پہلے ایمان لا چکے ہیں جن لوگوں نے عقیدہ توحید کا انکار اور آپ کی نافرمانی کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے ان کے بارے میں ہم سے درخواست نہ کرنا کیونکہ وہ غرق ہو کر رہیں گے۔ نوح علیہ السلام کو یہ بتلا دیا گیا کہ تیری بیوی بھی غرق ہونے والوں میں شامل ہوگی چنانچہ نوح علیہ السلام نے اپنے رب کی وحی کے مطابق ٹھیک اسی طرح کشتی تیار کی جس طرح انہیں کشتی بنانے کا حکم ہوا تھا۔ جب کشتی تیار ہوگئی تو بارش کا سلسلہ شروع ہوا جس کے بارے میں بتلایا گیا ہے کہ جگہ جگہ زمین پھٹ پڑی اور آسمان کے دروازے کھول دیے گئے۔ اب نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے آپ اور آپ کے ساتھی کشتی پر سوار ہو جائیں۔

سَبَقَ	عَلَيۡهِ	الۡقَوۡلُ	مِنۡهُمۡ ۚ	وَلَا	تُخَاطِبۡنِىۡ
وہ گزر چکا	اس پر	حکم	ان میں سے	اور نہ	بات کرنا مجھ سے

فِى	الَّذِيۡنَ	ظَلَمُوۡا ۚ	اِنَّهُمۡ	مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿۲۷﴾	فَاِذَا	اسۡتَوَيۡتَ
میں	لوگ	جنہوں نے ظلم کیا	بلاشبہ وہ	غرق کیے جائیں گے	چنانچہ جب	پوری طرح ٹھہر جائے

اَنۡتَ	وَمَنۡ	مَّعَكَ	عَلَى	الۡفُلۡكِ	فَقُلِ	الۡحَمۡدُ
تو	اور وہ جو	تیرے ساتھ	پر	کشتی	پس تو کہہ	تمام تعریفیں

لِلّٰهِ	الَّذِىۡ	نَجّٰنَا	مِنَ	الۡقَوۡمِ	الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۸﴾
اللہ کے لیے ہیں	جس نے	ہمیں نجات دی	سے	قوم	ظالم

پہلے فیصلہ ہو چکا ہے اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کرنا کیونکہ یہ غرق ہونے والے ہیں۔ (۲۷) جب اپنے ساتھیوں سمیت کشتی پر سوار ہو جاؤ تو اس اللہ کا شکر کرو جس نے تمہیں ظالموں سے نجات دی۔" (۲۸)

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی ساخت:

حضرت نوح علیہ السلام نے جو کشتی بنائی تھی اس کا طول (۲۰۰) ہاتھ، عرض (۵۰) ہاتھ، بلندی (۳۰) ہاتھ تھی اور اس میں تین طبقے تھے یعنی یہ کشتی تین سٹوری تھی۔ (بحوالہ: رحمۃ للعالمین: مصنف قاضی سلیمان منصور پوری)

مسائل

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کشتی تیار کی۔ ۲۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی میں ہر جاندار کا جوڑا جوڑا سوار کیا۔
۳۔ حضرت نوح علیہ السلام کو ظالموں کے حق میں سفارش کرنے سے روک دیا گیا۔ ۴۔ طوفان کا آغاز تنور سے ہوا۔
۵۔ کشتی پر سواری کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی دعا کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

طوفان نوح علیہ السلام کی کیفیت:

۱۔ ہم نے کہا جب ہمارا حکم آجائے اور تندور ابلنا شروع ہو جائے تو کشتی میں ہر جانور کا جوڑا جوڑا بٹھالینا اور انہیں بھی سوار کر لینا جو ایمان لائے ہیں۔ (ھود: ۴۰)
۲۔ کشتی انہیں پہاڑ جیسی موجوں کے درمیان لیے پھرتی تھی۔ (ھود: ۴۲)
۳۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی قوم پر زوردار بارش کے دہانے کھول دیے۔ (القمر: ۱۱)
۴۔ جگہ، جگہ زمین سے چشمے پھوٹ پڑے۔ (القمر: ۱۲)

وَقُلْ	رَّبِّ	اَنْزِلْنِيْ	مُنْزَلًا	مُّبٰرَكًا	وَّاَنْتَ
اور کہہ دیجیے	اے میرے رب	تو مجھے اتار	اتارنا	بابرکت	اور تو
خَيْرُ	الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾	اِنَّ	فِيْ	ذٰلِكَ	لَاٰيٰتٍ	وَّاِنْ
سب سے بہتر	اتارنے والا	بلاشبہ	میں	وہ	البتہ نشانیاں	اور بلاشبہ
كُنَّا	لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾				
ہم ہیں	البتہ آزمانے والے				

’’اور کہہ اے پروردگار مجھ کو برکت والی جگہ اتار تو بہترین اتارنے والا ہے۔ (۲۹) اس واقعہ میں بڑی نشانیاں ہیں اور ہم آزمانے والے ہیں۔‘‘ (۳۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق سلسلہ کلام جاری ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی پر بیٹھنے اور اس سے اترنے کی دعا سکھلائی گئی چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کشتی پر بیٹھے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ مسلسل دعا کرتے رہے ’’اے میرے رب مجھے بابرکت انداز میں زمین پر اتارنا تو ہی بہتر انداز میں اتارنے والا ہے‘‘

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نصیحت کے اسباق ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ ہم لوگوں کو آزماتے ہیں۔ ایمانداروں کو اللہ تعالیٰ عام طور پر مشکلات اور مصائب کے ذریعے آزماتا ہے اور ظالموں کو وسائل اور مہلت دے کر آزماتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو زمین پر اُترنے کے لیے جو دعا سکھلائی گئی اس میں ”مُنْزَلًا مُّبَارَكًا“ کے الفاظ آئے ہیں جن سے مراد خیر و عافیت کیساتھ اترنا اور کسی کی بہتر انداز میں مہمان نوازی کرنا ہے۔

مؤرخین اور مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ سیلاب چالیس دن تک رہا جس کی کیفیت یہ تھی کہ پانی سب سے بلند پہاڑ کی چوٹی سے بھی بیس فٹ اونچا بہتا رہا۔ علاقہ میں کوئی چیز زندہ نہ بچی گویا کہ زمین کو اچھی طرح شرک و کفر کی غلاظت سے دھو دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم صادر فرمایا کہ: اے زمین پانی کو جذب کر لے اور آسمان کو حکم ہوا کہ تھم جاؤ اس طرح ظالم قوم کا صفایا ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ کی چوٹی پر لنگر انداز ہوئی۔ جودی پہاڑ کردستان کے علاقہ میں جزیرۂ ابن عمر کے شمال مشرقی جانب واقع ہے۔ بائبل میں اس کشتی کے ٹھہرنے کی جگہ اراط بتائی گئی ہے جو آرمینیا کے ایک پہاڑ کا نام ہے جو ایک سلسلہ کوہستان کا نام بھی ہے۔ سلسلہ کوہستان کے معنی میں جس کو اراراط کہتے ہیں وہ آرمینیا کی سطح مرتفع سے شروع ہو کر جنوب میں کردستان تک چلتا ہے اور جبل الجودی اسی سلسلے کا ایک پہاڑ ہے جو آج بھی جودی ہی کے نام سے مشہور ہے۔ قدیم تاریخوں میں کشتی کے ٹھہرنے کی یہی جگہ بتائی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح سے ڈھائی سو برس پہلے بابل کے ایک مذہبی پیشوا بریاسس

(Berasus) نے پرانی کلدانی روایات کی بنا پر اپنے ملک کی تاریخ لکھی ہے اس میں وہ کشتی نوح کے ٹھہرنے کا مقام جودی ہی بتاتا ہے۔ ارسطو کا شاگرد ابیڈینوس (Abydenus) بھی اپنی تاریخ میں اس کی تصدیق کرتا ہے۔ نیز وہ اپنے زمانہ کا حال بیان کرتا ہے کہ عراق میں بہت سے لوگوں کے پاس اس کشتی کے ٹکڑے محفوظ ہیں جنہیں وہ گھول گھول کر بیماروں کو پلاتے ہیں۔

یہ طوفان، جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے، عالمگیر طوفان تھا یا اس خاص علاقے میں آیا تھا جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی۔ یہ ایسا سوال ہے جس کا فیصلہ آج تک نہیں ہوا۔ اسرائیلی روایات کی بنا پر عام خیال یہی ہے کہ یہ طوفان تمام روئے زمین پر آیا تھا (پیدائش ۷: ۱۸۔ ۲۴) مگر قرآن میں یہ بات نہیں کہی گئی۔ قرآن کے اشارات سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بعد کی انسانی نسلیں انہی لوگوں کی اولاد سے ہیں۔ جو طوفان نوح سے بچا لیے گئے تھے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ طوفان تمام روئے زمین پر آیا ہو، کیونکہ یہ بات اس طرح بھی صحیح ہو سکتی ہے کہ اس وقت تک بنی آدم کی آبادی اسی خطہ تک محدود ہو جہاں طوفان آیا تھا، اور طوفان کے بعد جو نسلیں پیدا ہوئی ہوں وہ بتدریج تمام دنیا میں پھیل گئی ہوں۔ اس نظریہ کی تائید دو چیزوں سے ہوتی ہے ایک یہ کہ دجلہ و فرات کی سرزمین میں تو ایک زبردست طوفان کا ثبوت نہیں ملتا جس سے کسی عالمگیر طوفان کا یقین کیا جا سکے۔ دوسری یہ کہ روئے زمین کی اکثر و بیشتر قوموں میں ایک طوفان عظیم کی روایات قدیم زمانے سے مشہور ہیں۔ حتیٰ کہ آسٹریلیا، امریکہ اور نیوگنی جیسے دور دراز علاقوں کی پرانی روایات میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ کسی وقت ان سب قوموں کے آباء و اجداد ایک ہی خطہ میں آباد ہوں گے جہاں یہ طوفان آیا تھا جب ان کی نسلیں زمین کے مختلف حصوں میں پھیلیں تو یہ روایات ان کے ساتھ پھیل گئیں۔ (تفہیم القرآن، ج: ۲) واللہ اعلم!

مسائل

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی پر بیٹھنے اور اترنے کی دعا سکھلائی گئی۔
۲۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات میں نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نصیحت کے اسباق ہیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نیک اور برے لوگوں کو مختلف طریقوں سے آزماتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے آزمانے کے مختلف طریقے:

۱۔ جنت میں داخلہ کے لیے آزمائش شرط ہے۔ (العنکبوت: ۲) ۲۔ پہلے لوگوں کو بھی آزمایا گیا۔ (العنکبوت: ۳)
۳۔ ڈر سے آزمائش۔ (البقرۃ: ۱۵۵) ۴۔ فاقوں سے آزمائش۔ (البقرۃ: ۱۵۵)
۵۔ مال و جان کی کمی کے ساتھ آزمائش۔ (البقرۃ: ۱۵۵)
۶۔ اللہ نے موت و حیات کو انسان کے لیے آزمائش بنایا ہے۔ (الملک: ۲)
۷۔ اللہ نے انسانوں کی آزمائش کے لیے بعض کو بعض پر فوقیت دی۔ (الانعام: ۱۶۶)
۸۔ مال و اولاد انسان کے لیے آزمائش ہے اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔ (التغابن: ۱۵)

ثُمَّ	اَنْشَاْنَا	مِنْۢ	بَعْدِهِمْ	قَرْنًا	اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾
پھر	ہم نے پیدا کیے	سے	ان کے بعد	لوگ	دوسرے

فَاَرْسَلْنَا	فِيْهِمْ	رَسُوْلًا	مِّنْهُمْ	اَنِ	اعْبُدُوا	اللّٰهَ
تو ہم نے بھیجا	ان میں	ایک رسول	انہی سے	یہ کہ	تم عبادت کرو	اللہ

مَا لَكُمْ	مِّنْ	اِلٰهٍ	غَيْرُهٗ ؕ	اَفَلَا	تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾
نہیں تمہارے لیے	سے	معبود	سوائے اس کے	کیا پھر نہیں	تم ڈرتے؟

ع ۲/۲

''ان کے بعد ہم نے ایک دوسری قوم پیدا کی۔(۳۱) پھر ان میں انہی سے ایک رسول بھیجا جس نے انہیں دعوت دی کہ اللہ کی بندگی کرو۔تمہارے۔لیےاس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟۔''(۳۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قوم نوح کی بربادی کے بعد دوسری قوم کا تذکرہ اور کردار:۔

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی قوم کو غرقاب کرنے کے بعد بچنے والے لوگوں کو بڑی افزائش سے سرفراز فرمایا جس کے نتیجہ میں ایک دفعہ پھر طوفان نوح کے علاقہ میں آبادی کی کثرت ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان میں ایک رسول بھیجا جس نے اپنی دعوت کا آغاز اسی بات سے کیا جس کی دعوت حضرت نوح علیہ السلام دیا کرتے تھے۔اس پیغمبر نے لوگوں کو بار بار یہ بات سمجھائی کہ اے لوگو! صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ کسی کی عبادت کرنا جائز نہیں کیا تم اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ایسا کرنے کے لیے تیار ہو؟ لیکن قوم نے اللہ تعالیٰ کو صرف ایک الٰہ ماننے سے انکار کیا۔وقت کے پیغمبر نے انہیں بہت سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے سے باز آؤ اور صرف ایک اللہ کی عبادت کرو مگر قوم نے اپنے رسول کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔پہلی آیت میں ''قَرْنَ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے تین معنٰی لیے گئے ہیں ① سو سال کا عرصہ ② ایک نسل ③ کسی قوم کا ایک پورا دور۔یہاں رسول کا نام نہیں بتلایا گیا لیکن مفسرین کا اندازہ ہے کہ اس سے مراد حضرت ھود علیہ السلام ہیں۔

عقیدۂ توحید اور عبادت کی اہمیّت:

((عَنْ مُعَاذٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰى حِمَارٍ يُقَالُ لَهٗ عُفَيْرٌ ، فَقَالَ يَا مُعَاذُ ، هَلْ تَدْرِيْ حَقَّ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا ، وَحَقَّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، أَفَلَا أُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوْا)) [رواه البخاری:باب اسْمِ الْفَرَسِ وَالْحِمَارِ]

''حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے گدھے پر سوار تھا۔ میرے اور آپ کے درمیان صرف پلان کی لکڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے معاذ! تجھے معلوم ہے کہ اللہ کا اپنے بندے پر کیا حق ہے اور بندوں کے اللہ تعالیٰ پر کیا حقوق ہیں؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ ارشاد ہوا بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ تعالیٰ پر بندوں کا حق یہ ہے جب تک وہ شرک نہیں کرتے وہ انہیں عذاب سے دوچار نہ کرے۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ خوشی کی بات میں لوگوں تک نہ پہنچاؤں؟ فرمایا کہ نہیں اس طرح وہ محنت کرنا چھوڑ دیں گے۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم أَیُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ قَالَ أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ قُلْتُ إِنَّ ذٰلِكَ لَعَظِيْمٌ ، قُلْتُ ثُمَّ أَیُّ قَالَ وَأَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ تَخَافُ أَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ قُلْتُ ثُمَّ أَیُّ قَالَ أَنْ تُزَانِیَ حَلِيْلَةَ جَارِكَ))[رواہ البخاری: کتاب التفسیر باب قَوْلُهُ تَعَالٰی (**فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ أَنْدَادًا وَّأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ**)]

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ کے ہاں سب سے بڑا گناہ کونسا ہے آپ نے فرمایا تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے۔ میں نے کہا یہ تو بہت بڑا ہے۔ اس کے بعد کونسا ہے آپ نے فرمایا کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائے گی۔ میں نے عرض کی اس کے بعد کونسا گناہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو اپنے ہمسایہ کی بیوی سے بدکاری کرے۔''

مسائل

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی خالص بندگی کرنے کی تلقین کی۔

۲۔ قوم ہود نے اللہ تعالیٰ کی خالص بندگی کرنے سے انکار کر دیا۔

تفسیر بالقرآن

تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم کہ آپ فرما دیں کہ میں تو صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔ (یونس:۱۰۴)

۲۔ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ (الرعد:۳۶) ۳۔ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔ (ہود:۲)

۴۔ اے لوگو اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ (البقرۃ:۲۱) ۵۔ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ (یوسف:۴۰)

۶۔ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے شریک نہ بناؤ (النساء:۳۶)

۷۔ حضرت نوح، ہود، صالح اور شعیب علیہم السلام نے اپنی قوم کو ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا۔ (ہود:۲۵۔۵۰۔۶۱۔۸۴)

۸۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ (بنی اسرائیل:۲۳)

وَقَالَ	الْمَلَاُ	مِنْ	قَوْمِهِ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	وَكَذَّبُوْا
اوراس نے کہا	سردار	سے	اس کی قوم	لوگوں	انہوں نے کفر کیا	اور جھٹلایا انہوں نے
بِلِقَآءِ	الْاٰخِرَةِ	وَاَتْرَفْنٰهُمْ	فِي	الْحَيٰوةِ	الدُّنْيَا	مَا
ملاقات کو	آخرت	ہم نے انہیں خوشحالی دی	میں	زندگانی	دنیا	نہیں
هٰذَآ	اِلَّا	بَشَرٌ	مِّثْلُكُمْ	يَاْكُلُ	مِمَّا	تَاْكُلُوْنَ
یہ	مگر	بشر	تمہی جیسا	وہ کھاتا ہے	اس سے کہ	تم کھاتے ہو
مِنْهُ	وَيَشْرَبُ	مِمَّا	تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾	وَلَئِنْ	اَطَعْتُمْ	
اس میں سے	اور وہ پیتا ہے	اس سے	تم پیتے ہو	اور البتہ اگر	تم نے اطاعت کی	
بَشَرًا	مِّثْلَكُمْ	اِنَّكُمْ	اِذًا	لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾		
بشر کی	تمہارے جیسا	یقیناً تم	اس وقت	ضرور نقصان پانے والے ہو گے		

''اس کی قوم سے جن سرداروں نے ماننے سے انکار کیا اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا۔ جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں آسودہ کر رکھا تھا۔ وہ کہنے لگے یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر تم جیسا بشر ہے۔ جو کچھ تم کھاتے ہو وہی کھاتا ہے اور جو کچھ تم پیتے ہو وہ پیتا ہے۔ (۳۳) اگر تم نے اپنے جیسے ایک بشر کی اطاعت قبول کر لی تو تم نقصان پاؤ گے۔'' (۳۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کا ردِّ عمل:

جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور اُن کے نمائندوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرایا اور ان پر الزامات لگائے یہی وطیرہ حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کے لیڈروں نے ان کے ساتھ اختیار کیا۔ کیونکہ لیڈر حضرات دنیوی نفع ونقصان کے حوالے سے زیادہ شعور رکھتے ہیں اور وہی مفادات اٹھانے میں پیش پیش ہوتے ہیں اس لیے دعوتِ توحید کی مخالفت میں دنیا پرست مذہبی پیشوا اور لیڈر مخالفت میں سب سے آگے ہوتے ہیں۔ اور یہی لوگ انبیائے کرام علیہم السلام اور صالح قیادت سے لوگوں کو متنفر کرتے ہیں ان کی مخالفانہ تحریک کے پیچھے دو باتیں کارفرما ہوتی ہیں۔ آخرت کا انکار اور دنیا کے وسائل پر اترانا۔ اسی وجہ سے وہ انبیائے کرام علیہم السلام کو ایک انسان سے بڑھ کر کوئی حیثیت دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اسی بناء پر حضرت ھود علیہ السلام کے بارے میں یہ بات کہی گئی کہ لوگو! اس شخص کے پیچھے نہ لگنا کیونکہ یہ تمہارے جیسا انسان ہے۔ جو تم کھاتے، پیتے ہو اس طرح ہی

یہ کھانے پینے کا محتاج ہے۔ اگر تم اپنے جیسے انسان کے پیچھے لگ گئے تو بھاری نقصان پاؤ گے۔ نقصان سے ان کی مراد یہ تھی کہ یہ شخص جس دین میں تمہیں لانا چاہتا ہے اس پر عمل کرنے سے تمہاری ترقی رُک جائے گی اور تم دنیا کے معاملات میں دوسرے لوگوں سے پیچھے رہ جاؤ گے۔ گویا کہ قوم کو دنیا کی ترقی کا جھانسہ دے کر دین سے دور رکھا گیا اور یہی شروع سے دنیا دار لیڈروں کا ہتھکنڈا رہا ہے جہاں تک پیغمبر کے کھانے پینے کا تعلق اور انسان ہونے کا معاملہ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ پیغمبر انسان ہوتا ہے اور اسے بھی بحیثیت انسان وہی حاجات درپیش ہوتی ہیں جن کی ہر انسان کو ضرورت ہوتی ہے۔

جہاں تک دنیا پر اترانے کا معاملہ ہے۔ قرآن مجید میں جن قوموں کی تباہی کا ذکر ہوا ہے ان میں اکثر اقوام دنیوی ترقی کے لحاظ سے بہت آگے تھیں یہ ترقی ہی ان کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

﴿وَ کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَرْیَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَهَا فَتِلْکَ مَسٰکِنُهُمْ لَمْ تُسْکَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِیْلًا وَ کُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِیْنَ﴾ [القصص: ۵۸]

”اور کتنی ہی ایسی بستیاں ہم تباہ کر چکے ہیں جن کے لوگ اپنی معیشت پر اترا یا کرتے تھے سو دیکھ لو وہ ان کے مسکن پڑے ہوئے ہیں جن میں ان کے بعد کم ہی کوئی بسا ہے آخر کار ہم ہی وارث ہیں۔“

﴿وَ کَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْیَتِکَ الَّتِیْۤ اَخْرَجَتْکَ اَهْلَکْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ﴾ [محمد: ۱۳]

”اور کتنی ہی بستیاں تھیں جو آپ کی اس بستی سے بڑھ کر طاقتور تھیں، جن (کے رہنے والوں) نے آپ کو نکال دیا ہے۔ ہم نے انہیں ہلاک کیا تو ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوا۔“

مسائل

۱۔ ہر پیغمبر کی مخالفت سب سے پہلے دنیا دار لیڈر ہی کرتے ہیں۔ ۲۔ سرمایہ دار طبقہ کی اکثریت دعوت حق کی مخالفت کیا کرتی ہے۔

۳۔ دنیا دار لیڈر دنیا کی ترقی کے حوالے سے قوم کو دین سے گمراہ کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

انبیائے کرام علیہم السلام انسان اور بشر ہی ہوا کرتے تھے:

۱۔ رسول انسان ہوتے ہیں۔ (ابراہیم: ۱۱) ۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر اور عبد ہیں۔ (الکہف: ۱۱۰)

۳۔ تمام رسولوں کو ان کی قوم میں انہی کی زبان میں بھیجا گیا۔ (ابراہیم: ۴)

۴۔ اللہ نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ آدمی تھے۔ (یوسف: ۱۰۹)

۵۔ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے بھی نبی بھیجے وہ بشر ہی تھے۔ (النحل: ۴۳)

۶۔ انبیاء اقرار کرتے تھے کہ ہم بشر ہیں۔ (ابراہیم: ۱۱)

اَيَعِدُكُمۡ اَنَّكُمۡ اِذَا مِتُّمۡ وَكُنۡتُمۡ تُرَابًا وَّعِظَامًا

کیاوہ تمہیں وعدہ دیتا ہے بے شک تم جب مرجاؤ گے اور ہوجاؤ گے مٹی اور ہڈیاں

اَنَّكُمۡ مُّخۡرَجُوۡنَ ۝۳۵ هَيۡهَاتَ هَيۡهَاتَ لِمَا تُوۡعَدُوۡنَ ۝۳۶

تو بلاشبہ تم نکالے جاؤ گے دور ہے دور ہے جو تم وعدہ دیے جاتے ہو

اِنۡ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنۡيَا نَمُوۡتُ وَنَحۡيَا

نہیں یہ مگر ہماری زندگی دنیا ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں

وَمَا نَحۡنُ بِمَبۡعُوۡثِيۡنَ ۝۳۷ اِنۡ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨ

اور نہیں ہم اٹھائے جائیں گے نہیں وہ مگر آدمی

افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحۡنُ لَهٗ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ۝۳۸

اس نے بنایا پر اللہ جھوٹ اور نہیں ہم اس کے لیے ایمان لانے والے

”یہ تمہیں اطلاع دیتا ہے کہ جب تم مر کر مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیوں کا پنجر بن جاؤ گے۔ اس وقت تم قبروں سے نکالے جاؤ گے۔ (۳۵) جو وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے۔ (۳۶) بہت ہی دور کی بات ہے زندگی کچھ نہیں ہے مگر بس یہی دنیا کی زندگی ہے یہیں ہم نے مرنا اور جینا ہے اور ہم ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔ (۳۷) یہ شخص اللہ کے نام پر جھوٹ بول رہا ہے اور ہم کبھی اس کی بات ماننے والے نہیں ہیں۔“ (۳۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کو جھٹلانے والے لوگوں کی فرسودہ دلیل:

قیامت کا انکار کرنے والے ہمیشہ سے یہ دلیل دیتے آئے ہیں کہ جب انسان کا جسم گل سڑ جائے گا تو پھر اسے کس طرح زندہ کیا جا سکتا ہے؟ یہی بے ہودہ اور فرسودہ دلیل حضرت ھود علیہ السلام کی قوم اور اس کے سردار دیا کرتے تھے۔ لیڈر اپنی قوم کو پھسلانے اور ورغلانے کے لیے کہتے تھے کہ ھود علیہ السلام تمہیں مرنے کے بعد زندہ ہونے کا وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مرکھپ جاؤ گے اور تمہاری ہڈیاں مٹی کے ساتھ مٹی بن جائیں گی۔ اس کے باوجود ”اللہ“ تمہیں زندہ کرے گا۔ ھود کی یہ بات عقل کے خلاف اور بعید از قیاس ہے۔ دنیا میں مرنا جینا تو رہتا ہے لیکن ہم دوبارہ کبھی نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہ شخص قیامت کا نام لے کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتا ہے۔ اس لیے ہم اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ انسان پر جب دنیا کی محبت غالب آجاتی ہے تو اس کا موت کے تصور سے ہی دل کانپتا ہے۔ اگر دل ایمان کی دولت سے خالی ہو تو کھلے بندوں قیامت کا انکار کرتا ہے۔ اس کا یہ خیال عقیدہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے جس بنا پر وہ کہتا ہے کہ ہزاروں سال گزر چکے آج تک قیامت نہیں آئی اور نہ کسی نے

دوبارہ زندہ ہو کر آخرت کے بارے میں کچھ بتلایا ہے۔اس باطل عقیدہ کی وجہ سے لوگ اس قدر دلیر ہوئے کہ انہوں نے حضرت ھود علیہ السلام کو جھوٹا قرار دیا اور یہی عقیدہ اہل مکہ کا تھا۔جن کے لیے سورۃ یٰس میں یہ دلیل دی گئی ہے ۔

''انسان ہمارے بارے میں مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا۔ کہنے لگا کہ جب ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو اُن کو کون زندہ کرے گا؟۔فرمائیں کہ اُن کو وہ زندہ کرے گا جس نے اُن کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر چیز کو پیدا کرنا جانتا ہے۔وہی جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کی۔تم اس سے آگ نکالتے ہو۔بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ اُن کو پھر ویسے ہی پیدا کر دے۔کیوں نہیں وہ تو بڑا پیدا کرنے والا اور ہر بات کا علم رکھنے والا ہے۔اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ چیز ہو جاتی ہے۔وہ پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور اُسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔(یٰس:۷۸تا۸۳)

﴿قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ٥ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا﴾ [بنی اسرائیل: ۵۰.۵۱]

'فرما دیں کہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا۔یا کوئی ایسی مخلوق جو تمھارے دلوں میں بڑی ہے عنقریب وہ کہیں گے کون ہمیں لوٹائے گا؟فرما دیں جس نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا۔وہ آپ کے سامنے اپنے سر ہلائیں گے اور کہیں گے یہ کب ہوگا؟فرما دیں امید ہے عنقریب ہوگا۔''

مسائل

۱۔ دنیادار لیڈر اور مذہبی پیشوا ہمیشہ سے قیامت کا انکار کرتے آرہے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قیامت قائم ہونے کے ثبوت:

۱۔ قیامت قریب ہے۔(الحج:۱) ۲۔ قیامت اچانک آجائے گی۔(یوسف:۱۰۷)

۳۔ قیامت پل بھر میں واقع ہو جائے گی۔(النحل:۷۷)

۴۔ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں۔(الکھف:۲۱)

۵۔ جس نے قیامت کو جھٹلایا ہم نے اس کے لیے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔(الفرقان:۱۱)

۶۔ تمہارے لیے قیامت کا دن مقرر ہے۔اس میں تقدیم وتاخیر نہیں ہوگی۔(سبا:۳۰)

قَالَ	رَبِّ	انْصُرْنِیْ	بِمَا	كَذَّبُوْنِ ۝٣٩	قَالَ	عَمَّا
اس نے کہا	اے رب	میری مدد فرما	بدلے	انہوں نے مجھے جھٹلایا	فرمایا	اس سے جو
قَلِیْلٍ	لَّیُصْبِحُنَّ	نٰدِمِیْنَ ۝٤٠	فَاَخَذَتْهُمُ	الصَّیْحَةُ	بِالْحَقِّ	
تھوڑا	یقیناً وہ ہو جائیں گے	پچھتانے والے	پھر انہیں آ پکڑا	چیخ	حق کے ساتھ	
فَجَعَلْنٰهُمْ	غُثَآءً	فَبُعْدًا	لِّلْقَوْمِ	الظّٰلِمِیْنَ ۝٤١		
ہم نے انہیں کر دیا	خس و خاشاک	پس لعنت ہے	قوم کے لیے	ظالم		

''رسول نے دعا کی پروردگار ان لوگوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے بس تو میری مدد فرما۔(۳۹) ارشاد ہوا کہ وقت قریب ہے جب یہ اپنے کیے پر پچھتائیں گے۔(۴۰) آخر کار ٹھیک حق کے مطابق بہت بڑے دھماکے نے انہیں آلیا۔ اور ہم نے ان کو خس و خاشاک بنا دیا۔ ظالموں کے لیے دوری ہے۔''(۴۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قوم کے مظالم پر حضرت ہود علیہ السلام کی اپنے رب سے مدد طلب کرنا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کے مظالم سے تنگ آ کر اپنے رب کے حضور یہ کہہ کر مدد کی درخواست کی کہ میرے رب مجھے میری قوم نے جھٹلا دیا ہے اس لیے میری مدد فرما۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ عنقریب تیری قوم کے لوگ پچھتائیں گے اور پھر یہی ہوا کہ ان کو ایک دھماکہ خیز چنگھاڑے نے آلیا۔ جس نے انہیں خس و خاشاک کی طرح ریزہ ریزہ کر ڈالا۔ اس طرح اس قوم پر اللہ کی پھٹکار ہوئی۔ یہ لوگ جسمانی اعتبار سے دراز قامت، کڑیل جوان اور قوی ہیکل تھے۔ دنیا میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ انھوں نے پہاڑ تراش، تراش کر مضبوط اور خوبصورت محلات تعمیر کر رکھے تھے۔ ان کی سرزمین نہایت سرسبز تھی جس میں ہر قسم کے باغات آراستہ تھے۔ انھیں قرآن مجید میں ''احقاف والے'' کہا گیا ہے۔ احقاف ریت کے بڑے بڑے ٹیلوں کو بھی کہا جاتا ہے جو عرب کے جنوب مغربی حصہ میں واقع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی علاقہ میں حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جو خوش اندام، کڑیل جوان اور بہترین صورت و سیرت کے حامل تھے۔

قومِ عاد کی خصوصیات اور جرائم:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد کو قومِ نوح کے بعد زمین پر اقتدار اور اختیار بخشا۔(الاعراف:۶۹)

۲۔ قومِ عاد اس قدر کڑیل اور قوی ہیکل جوان تھے کہ ان جیسا دنیا میں کوئی اور پیدا نہیں کیا گیا۔(الفجر ۶ تا ۸)

۳۔ انھیں افرادی قوت اور مویشیوں سے نوازا گیا۔(الشعراء:۱۳۳)

۴۔ یہ قوم بڑے بڑے محلات میں رہتی تھی۔ زراعت اور باغات میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ (الشعراء ۱۲۹ تا ۱۳۳)

۵۔ انھوں نے خود ساختہ معبود بنا رکھے تھے ان کے سامنے اپنی حاجات ومشکلات پیش کرتے تھے۔ (الاعراف: ۷۰)

۶۔ یہ لوگ آخرت کو جھٹلانے والے اور دنیا پر اترانے والے تھے۔ (المؤمنون: ۳۳)

۷۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اس دنیا کے سوا کوئی اور جہاں برپا نہیں ہوگا۔ (المؤمنون: ۳۷)

۸۔ یہ اپنی قوت پر اترانے والے تھے۔ (حٰم السجدۃ: ۱۵)

حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کے بارے میں مزید معلومات جاننے کے لیے سورۃ الاعراف کی آیت ۶۵ تا ۷۱ کی آیات کی تفسیر دیکھیں۔

مسائل

۱۔ حضرت ھود علیہ السلام نے اپنے رب سے مدد طلب کی اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ ھود پر پھٹکار کی۔

۳۔ قومِ ھود کو ایک دھماکہ خیز چیخ نے خس وخاشاک کر دیا۔

تفسیر بالقرآن

قومِ ھود پر عذاب کی کیفیت:

۱۔ میرے رب میری مدد فرما انھوں نے مجھے کلی طور پر جھٹلا دیا ہے۔ (حضرت ہود)۔ (المومنون: ۳۹)

۲۔ سات راتیں اور آٹھ دن زبردست آندھی اور ہوا کے بگولے چلے۔ (الحاقۃ: ۷)

۳۔ گرج چمک اور بادوباراں کا طوفان آیا۔ (الاحقاف: ۲۴)

۴۔ آندھی نے انھیں کھجور کے تنوں کی طرح پٹخ پٹخ کر دے مارا۔ (الحاقۃ: ۷)

۵۔ انھیں ریزہ ریزہ کر دیا گیا۔ (الذاریات: ۴۲)

۶۔ دنیا اور آخرت میں ان پر پھٹکار برستی رہے گی۔ (حٰم السجدۃ: ۱۶)

۷۔ قومِ ھود کو نیست ونابود کر دیا گیا۔ (الاعراف: ۷۲)

۸۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ھود اور ایمانداروں کو اس عذاب سے محفوظ رکھا۔ (ھود: ۵۸)

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ

پھر ہم نے پیدا کیے سے ان کے بعد امتیں دوسری نہیں آگے نکل سکتی

مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ

سے امت اس کا مقررہ وقت اور نہ وہ پیچھے رہ سکتے ہیں پھر

اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۭ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا

ہم نے بھیجے کئی رسول پے در پے جب بھی آیا امت اس کا رسول

كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ

انہوں نے اسے جھٹلایا چنانچہ ہم نے پیچھے لگایا ان کے بعض بعض اور ہم نے انہیں بنا دیا قصے کہانیاں

فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

پس دوری ہے قوم کے لیے جو ایمان نہیں لاتے

”پھر ہم نے ان کے بعد دوسری قومیں اٹھائیں۔ (۴۲) کوئی قوم اپنے وقت سے پہلے ختم نہیں ہوئی اور نہ اس کے بعد ٹھہر سکی۔ (۴۳) پھر ہم نے متواتر رسول بھیجے۔ جس قوم کے پاس بھی اس کا رسول آیا اس نے اسے جھٹلایا۔ ہم ایک کے بعد ایک قوم کو ہلاک کرتے چلے گئے۔ حتی کہ ان کو قصے کہانیاں بنا دیا۔ دوری ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان نہیں لاتے۔“ (۴۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قومِ ھود کے بعد دوسری قوم کا معرض وجود میں آنا اور پنپنا:۔

اللہ تعالیٰ نے قومِ ھود کے بعد ایک مدّت تک لوگوں کو پنپنے کا موقعہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف پے در پے کئی رسول بھیجے لیکن جب بھی ان کے پاس رسول آیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی۔ اس طرح ایک قوم دوسری قوم کے پیچھے چلتی رہی پھر اس پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہوئی اور اس پر عذاب نازل ہوا ان کی یاد قصہ کہانیوں کے سوا کچھ نہ رہی۔ کیونکہ یہ اپنے رب پر ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ اصول ہے کہ اس نے ہر امّت کے لیے ایک فیصلہ کر رکھا ہے جب فیصلے کا وقت آتا ہے تو وہ لوگ نہ اس وقت سے آگے نکل سکتے ہیں اور نہ پیچھے رہ سکتے ہیں ان کے لیے ﴿وَجَعَلْنَاهُمْ اَحَادِيْثَ﴾ قصہ کہانیوں کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ انہیں کوئی بھی اچھے الفاظ اور پائیدار کردار کے حوالے سے یاد رکھنے والا نہیں ہے۔

مسائل

۱۔ بعض اقوام نے پے در پے انبیاء علیہم السلام کو جھٹلایا جس کی پاداش میں انہیں نسیاً منسیاً کر دیا گیا۔

۲۔ جس قوم پر اللہ کا عذاب نازل ہوا انہیں کوئی بھی اچھے الفاظ میں یاد نہیں کرتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا ایک وقت مقرر ہے اس کے آنے پر کوئی فرد اور قوم آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔

ثُمَّ	اَرْسَلْنَا	مُوْسٰى	وَاَخَاهُ	هٰرُوْنَ ۙ	بِاٰيٰتِنَا	
پھر	ہم نے بھیجا	موسیٰ	اوراس کا بھائی	ھارون	اپنی نشانیوں کے ساتھ	
وَسُلْطٰنٍ	مُّبِيْنٍ ۙ﴿۴۵﴾	اِلٰى	فِرْعَوْنَ	وَمَلَا۟ئِهٖ	فَاسْتَكْبَرُوْا	
اور دلیل	واضح	طرف	فرعون	اوراس کے درباری	انہوں نے تکبر کیا	
وَكَانُوْا	قَوْمًا	عَالِيْنَ ۚ﴿۴۶﴾	فَقَالُوْٓا	اَنُؤْمِنُ	لِبَشَرَيْنِ	
اور وہ تھے	قوم	سرکش	چنانچہ انہوں نے کہا	کیا ہم ایمان لائیں	دوآدمیوں پر	
مِثْلِنَا	وَقَوْمُهُمَا	لَنَا	عٰبِدُوْنَ ۚ﴿۴۷﴾	فَكَذَّبُوْهُمَا	فَكَانُوْا	
جو ہم جیسے	ان دونوں کی قوم	ہمارے لیے	غلام	سوانہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا	تو وہ ہو گئے	

مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾

سے ہلاک ہونے والے

’’پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور کھلے دلائل کے ساتھ بھیجا۔(۴۵)فرعون اوراس کے سرداروں کی طرف، لیکن انہوں نے تکبر کیا اور بڑی سرکشی کی۔(۴۶) کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں؟ اور وہ جن کی قوم ہماری غلام ہے۔(۴۷) پس انہوں نے دونوں کو جھٹلا دیا اور ہلاک ہونے والوں سے ہو گئے۔‘‘(۴۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پے در پے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کو بیک وقت رسول مبعوث کیا گیا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد مختلف اقوام کی طرف پے در پے انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے تا آنکہ حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو بیک وقت عظیم معجزات اور ٹھوس دلائل کے ساتھ بھیجا گیا۔ جب دونوں بھائی فرعون اور اس کے وزیروں مشیروں کے پاس پہنچے تو انہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ مگر فرعون اور اس کے وزیروں اور مشیروں نے بڑے غرور اور تکبر کے ساتھ ان کی دعوت کو مسترد کر دیا۔ جن کی سرشت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ بڑے ہی سرکش اور متکبر لوگ تھے۔ جس طرح فرعون اپنے آپ کو ’’ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ‘‘کہتا تھا اسی طرح ہی اس کے وزیر مشیر اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے اعلیٰ سمجھتے تھے۔ خاص طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کے بارے میں ان کی سوچ اور کردار یہ تھا کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو صدیوں سے غلام بنا رکھا تھا۔ اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ

غلام قوم کے نمائندوں پر ہم کیونکر ایمان لائیں اس بناء پر انہوں نے پراپیگنڈہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام ہمارے جیسے انسان ہیں اوران کی قوم ہماری غلام ہے۔انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو جھٹلایا اور ہلاک ہونے والوں میں شامل ہوئے۔

((وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَدْخُلُ الجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَكُوْنَ ثَوْبُهُ حَسَنًا و نَعْلُهُ حَسَنًا قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى جَمِيْلٌ يُحِبُّ الجَمَالَ اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ))[رواه مسلم:باب تحريم الكبر وبيانه]

”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا‘ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا‘ وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ایک شخص نے کہا کہ بے شک ہر شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اور جوتے اچھے ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نہایت ہی خوب صورت ہے اور خوب صورتی کو پسند کرتا ہے۔تکبر حق بات کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو بڑے بڑے معجزات اور واضح دلائل دے کر بھیجا۔

۲۔ فرعون اور اس کے وزیر مشیر اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے۔

۳۔ فرعون اور اس کے حواریوں کو حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا۔

تفسیر بالقرآن

فرعون اور اس کے ساتھیوں کی ہلاکت کا ایک منظر:

۱۔ فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو اللہ تعالیٰ نے قحط سالی میں مبتلا کیا۔(الاعراف:۱۳۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو غرق کر دیا۔(البقرۃ:۵۰)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے آل فرعون کی گناہوں کی پاداش میں پکڑ فرمائی۔(آل عمران:۱۱)

۴۔ ہم نے انہیں انکے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔(الانفال:۵۴)

۵۔ قیامت کے دن آلِ فرعون کو بُرے عذاب سے دوچار کیا جائے گا۔(المومن:۴۵)

۶۔ آل فرعون کو سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔(المومن:۴۶)

۷۔ آسمان وزمین میں کوئی ان پر رونے والا نہیں تھا اور نہ وہ مہلت دیئے گئے۔(الدخان:۲۹)

۸۔ ہم نے (قارون) کو خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا اور اس کا کوئی حامی اسے نہ بچا سکا۔(القصص:۷۹)

وَلَقَدْ	اٰتَيْنَا	مُوْسَى	الْكِتٰبَ	لَعَلَّهُمْ	يَهْتَدُوْنَ ۝۴۹
اور البتہ تحقیق	ہم نے دی	موسیٰ	کتاب	تا کہ وہ	ہدایت پا جائیں

وَجَعَلْنَا	ابْنَ	مَرْيَمَ	وَاُمَّهٗٓ	اٰيَةً	وَّاٰوَيْنٰهُمَآ	اِلٰى	
اور ہم نے بنایا	ابن	مریم	اور اس کی ماں	نشانی	اور ہم نے ان کو جگہ دی	طرف	

رَبْوَةٍ	ذَاتِ	قَرَارٍ	وَّمَعِيْنٍ ۝۵۰ع
اُونچی جگہ	والی	آرام وسکون	اور چشمہ

ع ۳/۴

''اور موسیٰ کو ہم نے کتاب عطا فرمائی تا کہ لوگ اس سے رہنمائی حاصل کریں۔(۴۹) ابن مریم اور اس کی ماں کو ہم نے اپنی قدرت کی نشانی بنایا اور ان کو بلند جگہ پر رکھا جو آرام اور سکون کی جگہ تھی اس میں چشمے جاری تھے۔''(۵۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہاں مختصر طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیات کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قدرت کی نشانیاں قرار دیا گیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نا صرف معجزات دے کر بھیجا بلکہ انہیں تورات بھی عنایت کی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات اس لیے عنایت فرمائی تا کہ اپنی قوم کو ہر قسم کی تاریکیوں سے نکال کر تورات کی تعلیمات کے ذریعے یعنی نور ہدایت کی طرف لائیں (ابراہیم:۵) جس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چالیس راتیں طور پر اعتکاف کرنے کے لیے بلایا اور پھر انہیں لکھی ہوئی تختیوں کی شکل میں تورات عنایت فرمائی اور حکم دیا اے موسیٰ علیہ السلام پوری قوت کے ساتھ تورات کے ساتھ وابستہ ہو جاؤ اور اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ وہ تورات کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھیں یعنی وہ اس پر دل وجان سے عمل کریں۔ (الاعراف:۱۴۲،۱۴۵) اللہ تعالیٰ نے جس طرح موسیٰ علیہ السلام اور ان کو دیے جانے والے معجزات کو اپنی نشانیاں اور کھلی دلیل قرار دیا ہے۔ اسی طرح ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اس کی والدہ کو اپنی قدرت کی نشانیاں قرار دیا ہے۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا تفصیلی تذکرہ سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے یہاں صرف چند الفاظ میں عیسیٰ کی پیدائش کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب حضرت مریم علیہا السلام پر زچگی کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں القاء فرمایا کہ آپ مسجد اقصیٰ کے حجرہ سے نکل کر بلند جگہ پر پہنچ جائیں۔ وہاں آپ کو پینے کے لیے ٹھنڈے پانی کا چشمہ اور ہر قسم کا آرام میسر آئے گا یہاں اونچی جگہ اور جاری چشموں کا ذکر ہے سورۃ مریم میں کھجور کے درخت کا بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کو یہ بھی حکم ہوا کہ ٹھنڈا پانی پینے کے ساتھ کھجور کے درخت کی تازہ کھجور بھی تناول کرو (مریم:۲۶) حضرت مریم علیہا السلام عیسیٰ علیہ السلام کی تولیدگی کے وقت اونچی جگہ پر خلوت نشین ہو گئی تھیں۔ جب عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو کچھ دنوں کے بعد اپنی برادری میں واپس تشریف لائیں جس کی تفصیل

سورۃ مریم آیت ۱۹ تا ۳۴ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ربوہ کا لفظی معنٰی ہے اونچی اور زرخیز جگہ۔ مرزائیوں نے اسی بناء پر اپنے صدر مقام کا نام ربوہ رکھا ہے تاکہ مرزا کے بارے میں لوگوں کو مسیح موعود ہونے کا مغالطہ دیا جائے۔ جھوٹ ثابت کرنے کے لیے انہوں نے کشمیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کا ثبوت بھی پیش کیا۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کشمیر میں تشریف آوری کسی مذہبی اور تاریخی کتاب سے ثابت نہیں۔

مسائل

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عنایت کی گئی تاکہ وہ اس کے ذریعے لوگوں کی رہنمائی کریں۔

۲۔ حضرت مریم علیہا السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی قدرت کی نشانی ہیں۔

۳۔ زچگی کے وقت حضرت مریم علیہا السلام کو بلند جگہ اور ٹھنڈے چشمے کے قریب جانے کا حکم ہوا۔

تفسیر بالقرآن

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملنے والے معجزات:

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، مجاھد، عکرمہ، شعبی اور قتادہ کے قول کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی جانے والی نشانیاں یہ تھیں۔ ۱۔ یدِ بیضاء، ۲۔ عصا، ۳۔ قحط سالی، ۴۔ پھلوں کی کمی، ۵۔ طوفان، ۶۔ ٹڈی دل، ۷۔ جوئیں کھٹمل، ۸۔ مینڈک اور ۹۔ خون کے عذاب۔“ [ابن کثیر]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حقائق:

۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا۔ (آل عمران: ۴۷)

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن اور بڑھاپے میں کلام کرنا۔ (آل عمران: ۴۶)

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مٹی سے پرندہ بنانا۔ (المائدۃ: ۱۱۰)

۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو درست کرنا۔ (آلِ عمران: ۴۹)

۵۔ لوگوں کی ذخیرہ شدہ اشیاء کی خبر دینا۔ (آلِ عمران: ۴۹)

۶۔ باذن اللہ مردوں کو زندہ کرنا۔ (المائدۃ: ۱۱۰)

۷۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ قتل کیے گئے نہ سولی پر لٹکا دے گئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اُوپر اٹھالیا۔ (النساء: ۱۵۷)

۸۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا روح اور جسم سمیت آسمانوں پر اٹھایا جانا۔ (آل عمران: ۵۵)

يٰٓاَيُّهَا	الرُّسُلُ	كُلُوْا	مِنَ	الطَّيِّبٰتِ	وَاعْمَلُوْا	صَالِحًا ؕ	
اے	رسولو	کھاؤ	سے	پاکیزہ چیزیں	اور عمل کرو	نیک	
اِنِّیْ	بِمَا	تَعْمَلُوْنَ	عَلِيْمٌ ؕ﴿۵۱﴾	وَاِنَّ	هٰذِهٖٓ	اُمَّتُكُمْ	
بیشک میں	جو	تم عمل کرتے ہو	خوب جاننے والا ہوں	اور بلاشبہ	یہ	تمہاری امت	
اُمَّةً	وَّاحِدَةً	وَّاَنَا	رَبُّكُمْ	فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾			
امت	ایک	اور میں	تمہارا رب ہوں	لہٰذا تم مجھ ہی سے ڈرو			

''اے پیغمبرو! کھاؤ پاک چیزیں اور نیک عمل کرو تم جو کچھ کرتے ہو میں اس کو خوب جانتا ہوں۔(۵۱) اور تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس مجھ ہی سے تم ڈرو۔''(۵۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پچھلی آیات میں حضرت نوح علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہوا اور کچھ انبیاء کرام علیہم السلام کا نام لیے بغیر ان کی امتوں کے کردار اور انجام کی طرف اشارات کیے گئے۔ان سب کے لیے جو بنیادی احکام تھے ان کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو ایک جماعت ہونے کی بناء پر ایک ہی تعلیم دی تھی جس کا خلاصہ تین احکام میں ذکر کیا ہے ① حلال اور طیب کھاؤ۔ ② نیک اعمال کرتے رہے۔ ③ سب کا ایک ہی رب ہے اسی سے ڈرتے رہو۔وہ تمہارے اعمال کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔

یہاں اعمال کی قبولیت کے لیے تین شرائط ذکر کی گئی ہیں۔

پاک اور حلال رزق کا اہتمام کیا جائے جو شخص حلال اور طیب روزی کا خیال رکھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ صالح اعمال کرنے کی توفیق بخشتا ہے۔صالح اعمال اس وقت قبول ہوتے ہیں جب ایک رب پر ایمان لایا جائے اور اس سے ڈرتے ہوئے شرک و بدعت اور برے اعمال سے بچا جائے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا وَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا اَمَرَبِهِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ **"يَا اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا"**[پ۱۸۔رکوع ۳] وَقَالَ يَا اَيُّهَاالَّذِيْنَ آمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ يَمُدُّيَدَيْهِ اِلَى السَّمَاءِ يَارَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِیَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰی يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ))[رواہ مسلم:باب کسب الحلال والطیب وتربیتھا]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک کے علاوہ کسی چیز کو قبول نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ان باتوں کا حکم دیا ہے جن باتوں کا اس نے اپنے رسولوں کو حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔''میرے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور صالح عمل کرو۔'' اے ایمان والو! جو رزق ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔'' پھر آپ نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو لمبا سفر طے کرتا ہے پراگندہ بال ہے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھائے دعا کرتا ہے۔ یارب! یارب! جب کہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام' اس کا لباس حرام اور حرام غذا سے اس کی نشوونما ہوئی اس صورت میں اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟۔''

آپ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ حرام خور انسان دعا کی قبولیت کا استحقاق کھو بیٹھتا ہے۔

مسائل

۱۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو حلال اور طیب روزی کھانے کا حکم تھا۔

۲۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو صالح اعمال کرنے کا حکم دیا گیا۔

۳۔ تمام انبیاء علیہم السلام ایک ہی جماعت اور ایک ہی دین کے داعی تھے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کے عمل سے اچھی واقف ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ خاص مجھ ہی سے ڈرو۔ (البقرۃ:۴۱)

۲۔ اللہ سے ڈر جاؤ اے عقل مندو۔ (الطلاق:۱۰)

۳۔ اللہ سے ڈر جاؤ اے عقل مندو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (المائدۃ:۱۰۰)

۴۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صاف گوئی اختیار کرو۔ (الاحزاب:۷۰)

۵۔ اے لوگو اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا ہے۔ (النساء:۱)

۶۔ اے مومن بندو! اپنے پروردگار سے ڈرو۔ (الاحزاب:۷۰)

۷۔ اگر تم مومن ہو تو اللہ سے ڈرو۔ (المائدۃ:۵۷)

۸۔ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں ان میں صلح کرواؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (الحجرات:۱۰)

۹۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔ (آل عمران:۱۰۲)

۱۰۔ اس اللہ سے ڈرو جس کے سامنے تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔ (المائدۃ:۹۶)

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًاۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا

پھرانہوں نے ٹکڑے کرلیا اپنادین آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ہرایک گروہ اسکے ساتھ جو

لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝٥٣ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝٥٤

ان کے پاس خوش ہیں آپ ان کو چھوڑیں میں ان کی غفلت یہاں تک ایک وقت تک

''مگر بعد کے لوگوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کرلیا ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے اسی میں خوش ہے۔ (۵۳) بس چھوڑو انہیں، ایک مقررہ وقت تک غفلت میں پڑے رہیں۔'' (۵۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: تمام انبیاء علیہم السلام کی ایک ہی دعوت تھی کہ اپنے رب کی نافرمانی سے بچو۔

تمام انبیاء علیہم السلام رشتہ نبوت کے حوالے سے ایک دوسرے کے رشتہ دار تھے اور سب کے سب اپنے رب کی طرف بلانے والے تھے۔ ہر نبی اپنے زمانے میں لوگوں کو صرف اپنے رب کی طرف بُلاتا تھا۔ لیکن انبیاء کرام کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کے علمی اور روحانی ورثاء نے ذاتی اور گروہی مفادات کی وجہ سے نہ صرف ان کی امتوں کو پارہ پارہ کیا بلکہ انہوں نے اپنے پیغمبر کے لائے ہوئے دین اور شریعت کو ٹکڑوں میں تقسیم کردیا۔ انبیاء کے بعد ان کی امتوں کے علماء کے فتویٰ اور ان کی فقہ ہی اصل دین قرار پائی۔ علماء نے اپنی اپنی سوچ اور فقہ کو دین قرار دیا اور اس کے ماننے والے اپنے اپنے گروہ اور فقہ پر فخر کرنے لگے جن کے بارے میں سرور دو عالم ﷺ کو ارشاد ہوا کہ آپ ان کو اسی حالت میں چھوڑ دیں تا آنکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آپہنچے۔ دوسرے مقام میں ارشاد فرمایا ہے کہ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور فرقوں میں تقسیم ہوگئے۔ اے نبی آپ کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش ہوگا وہ انہیں بتلائے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ [الانعام: ۱۵۹]

یاد رہے کہ دین میں فرقہ واریت اور گروہ بندی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کسی مسئلہ میں غلوّ کیا جائے یا اس میں اپنی طرف سے رخصت نکالی جائے۔ جب کسی عالم کی یہ سوچ اور کردار ہوجائے تو پھر فرقہ واریت معرض وجود میں آتی ہے۔ فرقہ واریت میں جو بات سب سے زیادہ نمایاں ہوتی ہے وہ کسی عالم یا امام کی سوچ پر حد سے زیادہ اعتماد اور اس پر فخر کرنا ہے۔ اسی بنیاد پر پہلی امتیں گروہ بندی کا شکار ہوئیں اور اسی وجہ سے امت محمدیہ میں انتشار اور گروہ بندی پائی جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کو قرآن وسنت کی دعوت دی جائے۔ اسے تسلیم کرنا تو درکنار ایسے لوگ اپنی فقہ پر لڑنے مرنے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أُمَّتِي مَا أَتٰى عَلٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ

حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰی إِنْ کَانَ مِنْھُمْ مَنْ أَتٰی أُمَّہُ عَلَانِیَۃً لَکَانَ فِی أُمَّتِی مَنْ یَصْنَعُ ذٰلِکَ وَإِنَّ بَنِی إِسْرَائِیلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِینَ مِلَّۃً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِی عَلٰی ثَلَاثٍ وَسَبْعِینَ مِلَّۃً کُلُّھُمْ فِی النَّارِ إِلَّا مِلَّۃً وَاحِدَۃً قَالُوا وَمَنْ ھِیَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ قَالَ مَا أَنَا عَلَیْہِ وَأَصْحَابِی)) [رواہ الترمذی:باب ماجاء فی افتراق ھذہ الامۃ]

”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امّت میں ایسا وقت ضرور آئے گا کہ وہ بنی اسرائیل کے ساتھ بالکل اس طرح مل جائے گی جس طرح جوتا ایک دوسرے کے ساتھ ملا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے اعلانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امّت میں بھی ایسا ضرور ہوگا۔ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئی جبکہ میری امّت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ایک گروہ کے علاوہ سارے کے سارے جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ نے استفسار کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون سا گروہ ہے؟ آپ نے فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے پر عمل کرنے والا ہوگا۔

مسائل

۱۔ لوگوں نے اپنے مفاد کی خاطر دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

۲۔ ہر کوئی اپنی فقہ اور گروہ پر فخر کرتا ہے۔

۳۔ جو لوگ دین میں گروہ بندی کرتے ہیں انہیں چھوڑ دینا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اختلاف اور فرقہ پرستی کے نقصانات:

۱۔ دین پر قائم رہو جدا جدا نہ ہو جاؤ۔ (الشوریٰ:۱۳)

۲۔ کئی راستوں کی اتباع نہ کرنا وہ تمہیں سیدھے راستہ سے گمراہ کر دیں گے۔ (آل عمران:۱۵۳)

۳۔ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو جدا جدا ہو گئے اور انہوں نے آپس میں اختلاف کیا۔ (آل عمران:۱۰۵)

۴۔ اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ (آل عمران:۱۰۳)

۵۔ دین میں تفرقہ ڈالنے والوں کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ (الانعام:۱۵۹)

۶۔ مشرکین سے نہ ہو جاؤ جنھوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور کئی فرقے بن گئے۔ (الروم:۳۲)

اَيَحْسَبُوْنَ	اَنَّمَا	نُمِدُّهُمْ	بِهٖ	مِنْ	مَّالٍ	وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾
کیا وہ گمان کرتے ہیں	بے شک وہ	ہم بڑھا رہے ہیں ان کو	اسکے ساتھ	سے	مال	اور اولاد میں
نُسَارِعُ	لَهُمْ	فِي	الْخَيْرٰتِ ؕ	بَلْ	لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾	
ہم جلدی کررہے ہیں	ان کے لیے	میں	بھلائیاں	بلکہ	نہیں وہ شعور رکھتے	

''کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جوانہیں مال واولاد سے مدد دیے جارہے ہیں۔(۵۵) گویا کہ ہم انہیں فائدہ دینے میں سرگرم ہیں؟۔ درحقیقت اصل معاملے کا انہیں شعور نہیں ہے۔''(۵۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا ایک سبب دنیوی مفاد ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مذہبی اور سیاسی راہنماؤں کا ملت کو تقسیم کرنے کا ایک مقصد مال کی ہوس بھی ہے۔ یہ مال امت کو تقسیم کرنے یا دین کو نقصان پہنچانے سے حاصل ہوا ہو۔ یا اللہ نے ان کی رسی دراز کر رکھی ہو۔ بہر حال قوموں کے سنوار اور بگاڑ میں مذہبی، سیاسی اور سماجی رہنماؤں کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ جب یہ لوگ راہِ راست سے ہٹ جائیں تو دین کو اتحاد کی بجائے گروہ بندی، اخلاص کی بجائے آمدن کا ذریعہ بنالیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو مال اور اولاد میں بڑھائے دیتا ہے وہ اس غلط فہمی کا شکار ہوجاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر خوش ہے جس کی وجہ سے ہمیں مال اور افرادی قوت سے نوازا جارہا ہے ایسے لوگوں کو سوالیہ انداز میں متنبہ کیا گیا ہے کہ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ جو انہیں مال اور اولاد سے نوازا گیا ہے یہ ان کے لیے بہتر ہے۔؟

ایسا ہرگز نہیں یہ مہلت اور اسباب خیر کے طور پر دیے جانے کی بجائے آزمائش کے طور پر دیے گئے ہیں جس کی حقیقت سے یہ بے خبر ہیں۔ قرآن مجید نے دوسرے مقام پر اس بات کو یوں بیان کیا ہے کفار یہ گمان نہ کریں انہیں جو ہم مہلت دیتے ہیں وہ ان کے لیے بہتر ہے ہم انہیں اس لیے مہلت دیے ہوئے ہیں تاکہ وہ اور زیادہ سے زیادہ گناہ کرلیں ان کے لیے ذلیل کردینے والا عذاب ہے۔(آل عمران:۱۷۸)

''جو لوگ ناکردہ نیکیوں کی تعریف چاہتے ہیں ان کے بارے میں یہ خیال نہ کرنا کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے ہرگز نہیں انہیں دردناک عذاب ہوگا۔''(آل عمران:۱۸۸)

مسائل

۱۔ کفار کے لیے مال اور اولاد گناہ میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔

۲۔ بعض لوگوں کو مال و دولت خیر کی بجائے بُرے انجام کے لیے دیا جاتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے نافرمان حقیقی شعور سے تہی دامن ہوتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُونَ ﴿٥٧﴾

بے شک — وہ لوگ — وہ — سے — خوف — ان کا رب — ڈرنے والے

وَالَّذِينَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٨﴾ وَالَّذِينَ هُمْ

اور وہ لوگ — وہ — آیات کے ساتھ — ان کا رب — وہ ایمان لاتے ہیں — اور وہ لوگ — وہ

بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا

اپنے رب کے ساتھ — نہیں — وہ شریک ٹھہراتے — اور وہ لوگ — وہ دیتے ہیں — جو کچھ — وہ دیتے ہیں

وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿٦٠﴾

اور ان کے دل — ڈرنے والے ہیں — بے شک وہ — طرف — اپنے رب — لوٹنے والے ہیں

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿٦١﴾

یہی لوگ — جلدی کرتے ہیں — میں — بھلائیاں — اور وہ — ان کے لیے — سبقت کرنے والے

”حقیقت میں جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔(۵۷) وہ اپنے رب کی آیات پر ایمان لاتے ہیں۔(۵۸) اور وہ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔(۵۹) اور ان کا حال یہ ہے کہ جو کچھ بھی دیتے ہیں اور ان کے دل اس خیال سے کانپتے رہتے ہیں کہ ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔(۶۰) وہی بھلائیوں کی طرف دوڑنے والے اور سبقت کر کے انہیں پانے والے ہیں۔“(۶۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: آخرت سے غافل لوگوں کے مقابلے میں فکرِ آخرت رکھنے والے لوگوں کے اوصاف۔

اس جہان رنگ و بو میں کردار کے اعتبار سے دو قسم کے انسان ہوا کرتے ہیں ایک وہ ہیں جو اپنے رب سے بے خوف ہو کر زندگی گزارتے ہیں دوسرے وہ ہیں جو قدم قدم پر سوچتے ہیں اور ہر وقت اپنے رب سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں کیونکہ ان کا اپنے رب کی ذات اور اس کے ارشادات پر پوری طرح ایمان ہوتا ہے اور وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے۔ جب وہ صدقہ و خیرات کرتے ہیں تو ان کے دل فخر و غرور اور نمود و نمائش سے بچتے اور ڈرتے ہیں۔ کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ ہم نے ہر صورت اپنے رب کے حضور پیش ہو کر اپنے اعمال کا جواب دینا ہے یہی لوگ ہیں جو نیکی کے کاموں میں سبقت کرنے والے ہیں۔ یہاں خشیت الٰہی اور ایمان کا ذکر کرنے کے بعد نیک لوگوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے کیونکہ شرک کے پیچھے غیر اللہ پر بھروسہ کرنے کا عقیدہ کارفرما ہوتا ہے اس وجہ سے مشرک کو جس طرح اپنے رب سے

ڈرتا اور اس پر ایمان لانا چاہیے۔ نہ وہ اپنے رب پر پوری طرح ایمان رکھتا ہے اور نہ ہی اس کے دل میں کما حقہ خوفِ خدا ہوتا ہے جب یہ باتیں مفقود ہو جائیں تو انسان رضائے الٰہی کی خاطر نیکی کے کاموں میں مستعد نہیں رہتا۔ کیونکہ اپنے رب سے بے خوفی کی وجہ سے اس کا دل نیکی میں رغبت نہیں پاتا۔ ایسا آدمی جب کچھ خرچ کرتا ہے تو عام طور پر اس کے دل میں فخر و غرور ہوتا ہے۔

خشیت الٰہی کا عظیم فائدہ:

((عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ ﷜ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ أَنَّ رَجُلًا کَانَ قَبْلَکُمْ رَغَسَهُ اللّٰهُ مَالًا فَقَالَ لِبَنِیْهِ لَمَّا حُضِرَ أَیَّ أَبٍ کُنْتُ لَکُمْ قَالُوا خَیْرَ أَبٍ قَالَ فَإِنِّیْ لَمْ أَعْمَلْ خَیْرًا قَطُّ، فَإِذَا مُتُّ فَأَحْرِقُوْنِیْ ثُمَّ اسْحَقُوْنِیْ ثُمَّ ذَرُّوْنِیْ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ فَفَعَلُوْا، فَجَمَعَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ، فَقَالَ مَا حَمَلَكَ قَالَ مَخَافَتُكَ فَتَلَقَّاهُ بِرَحْمَتِهِ))

[رواه البخاری :کتاب أحادیث الأنبیاء]

’’حضرت ابوسعید ﷜ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ تم سے پہلے ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ نے مال کی فراوانی عطا کی تھی۔ جب اس کا آخری وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میں تمہارے لیے کیسا باپ ہوں؟ انہوں نے کہا بہترین! اس نے کہا کہ میں نے کبھی نیک عمل نہیں کیا۔ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا کر میری راکھ ہواؤں میں اڑا دینا انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دوبارہ زندہ کر کے دریافت فرمایا کہ تجھے ایسا کرنے پر کس بات نے ابھارا تھا؟ وہ کہنے لگا آپ کے ڈر نے! اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت میں لے لیا۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ کے نیک بندے ہمیشہ اپنے رب سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔
۲۔ نیک لوگ اپنے رب پر دل کی سچائی اور عمل کی گواہی کے ساتھ ایمان لاتے ہیں۔
۳۔ نیک لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی حوالے سے شرک نہیں کرتے۔
۴۔ صدقہ و خیرات کرتے وقت نیک لوگوں کے دل لرزاں رہتے ہیں۔
۵۔ نیک لوگ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے والے ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

نیکی کے کاموں میں سبقت کرنا چاہیے:

۱۔ اللہ کی مغفرت اور جنت کی کوشش میں سبقت کرو۔ (الحدید:۲۱) ۲۔ نیکی کے حصول میں سبقت کرو۔ (البقرۃ:۱۴۸)
۳۔ نیکیوں میں سبقت کرنے والے سب سے اعلیٰ ہوں گے۔ (فاطر:۳۲)
۴۔ سبقت کرنے والے اللہ کے مقرب ہوں گے۔ (الواقعۃ:۱۰،۱۱)

وَلَا	نُكَلِّفُ	نَفْسًا	اِلَّا	وُسْعَهَا	وَلَدَيْنَا
اور نہیں	ہم تکلیف دیتے	نفس	مگر	اس طاقت کے مطابق	اور ہمارے پاس
كِتٰبٌ	يَّنْطِقُ	بِالْحَقِّ	وَهُمْ	لَا	يُظْلَمُوْنَ ۝
کتاب	وہ بولتی ہے	حق کے ساتھ	اور وہ	نہیں	وہ ظلم کیے جائیں گے

’’ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو ٹھیک بتا دینے والی ہے اور لوگوں پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔‘‘ (۶۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے نیکی کے کاموں میں سبقت کرنے کی ترغیب اور حکم دیا ہے لیکن کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے کا حکم دیا ہے ایک دوسرے سے سبقت کرنے میں مشقت کا پہلو محسوس ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری سمجھا گیا ہے کہ مومنوں کو اس بات کی تسلی دی جائے کہ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت کرنا ہے مگر اپنے آپ پر اتنا بوجھ نہیں ڈالنا جس میں آدمی حد سے زیادہ تکلیف محسوس کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دین کے کسی کام میں انسان کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف اور بوجھ نہیں رکھا۔ انسان معمول کے مطابق نیکی کرے یا دوسرے سے سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرے وہ جس نیت اور انداز سے نیکی کرتا ہے اس کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھا جاتا ہے جسے شریعت کی زبان میں انسان کا اعمال نامہ کہا جاتا ہے۔ اعمال نامے کے بارے میں بتلایا ہے کہ وہ قیامت کے دن حق کے مطابق بولے گا اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اعمال نامے کا بولنا ایک محاورہ بھی ہے جسے ہر زبان میں یوں ادا کیا جاتا ہے۔ مجرم کا ریکارڈ اس کے سامنے رکھ کر کہا جاتا ہے کہ اپنا اعمال نامہ پڑھ اس کا ایک ایک لفظ تیری کرتوتوں کی گواہی دے رہا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حقیقتاً دوسری شہادتوں کے ساتھ انسان کے اعمال نامہ کو گویائی کی قوت دی جائے اور اس کا ایک ایک لفظ بول کر انسان کے اچھے اور بُرے اعمال کے بارے میں گواہی دے۔ اگر آج ٹیپ ریکارڈر اور ڈیجیٹل قرآن کے ذریعے الفاظ بولتے ہیں تو قیامت کے دن اعمال نامہ کیوں نہیں بول سکتا؟ انسانی اعضا بھی بول کر گواہی دیں گے۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

[حٰم السجدة: ۲۰]

’’یہاں تک کہ وہ اُس تک پہنچ ہی جائیں گے تو اُن کے کان اور ان کی آنکھیں اور اُن کے جسم اُن کے خلاف پر اُن کے اعمال کی گواہی دیں گے۔‘‘

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا امْرَأَةٌ قَالَ مَنْ هَذِهِ قَالَتْ فُلَانَةُ تَذْكُرُ مِنْ صَلَاتِهَا قَالَ مَهْ، عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيقُونَ ، فَوَاللَّهِ لَا يَمَلُّ اللَّهُ حَتَّى تَمَلُّوا وَكَانَ أَحَبَّ الدِّينِ إِلَيْهِ مَا دَامَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ))[باب أَحَبُّ الدِّينِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهُ]

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے اس وقت میرے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی آپ نے پوچھا یہ کون ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگی یہ وہی عورت ہے جس کے کثرت نماز کے تذکرہ ہوتا ہے آپ نے فرمایا بہت اچھا مگر تم پر اُتنی عبادت لازم ہے جس قدر تم طاقت رکھتی ہو۔اللہ کی قسم!اللہ تعالیٰ اجر دیتے ہوئے نہیں تھکتے تم اعمال کرتے کرتے تھک جاؤ گے۔اللہ کے ہاں وہی عمل محبوب ہے جس پر عمل کرنے والا اس پر ہمیشگی اختیار کرے۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کسی انسان کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔

۲۔ قیامت کے دن انسان کا اعمال نامہ بول بول کر گواہی دے گا۔

۳۔ قیامت کے دن کسی پر کوئی زیادتی نہیں ہونے پائے گی۔

تفسیر بالقرآن

دین میں تکلّف نہیں ہے:

۱۔ دین میں جبر نہیں۔(البقرۃ:۲۵۶)

۲۔ اللہ تعالیٰ کسی کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔(البقرۃ:۲۸۶)

۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں پر داروغہ نہیں بنایا گیا۔(بنی اسرائیل:۵۴)

۴۔ نبی کسی کو ہدایت کے لیے مجبور نہیں کرسکتا۔(القصص:۵۶)

۵۔ نبی کسی پر نگران نہیں ہوتا۔(النساء:۸۰)

۶۔ کیا آپ لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ ایمان لے آئیں۔(یونس:۹۹)

۷۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم!آپ کے ذمے صرف پیغام پہنچانا ہے منوانا نہیں۔(النحل:۸۲)

۸۔ رسول کا کام اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچانا ہے۔(العنکبوت:۱۸)

بَلْ	قُلُوْبُهُمْ	فِيْ	غَمْرَةٍ	مِّنْ	هٰذَا	وَلَهُمْ
بلکہ	ان کے دل	میں	غفلت	سے	یہ	اور انکے لیے
اَعْمَالٌ	مِّنْ	دُوْنِ	ذٰلِكَ	هُمْ	لَهَا	عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾
اعمال	سے	علاوہ	وہ	وہ	اس کے لیے	عمل کرنے والے ہیں
حَتّٰٓى	اِذَآ	اَخَذْنَا	مُتْرَفِيْهِمْ	بِالْعَذَابِ	اِذَا هُمْ	يَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾
یہاں تک	جب	ہم پکڑیں گے	ان کے مالدار	عذاب کے ساتھ	اس وقت وہ	چیخ وپکار کریں گے

''بلکہ ان لوگوں کے دل غفلت میں ہیں اور ان کے اعمال بھی مختلف ہیں۔(۶۳) یہاں تک کہ جب ہم ان کے عیاش لوگوں کو عذاب دیں گے تو اس وقت وہ چیخ وپکار کریں گے۔''(۶۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کے بندوں کے دل ہر وقت اپنے رب اور قیامت کے خوف سے لرزاں رہتے ہیں ان کے مقابلے میں مشرک اور متکبر لوگوں کے دل غفلت کا شکار ہوتے ہیں۔

انسان کے دل سے اپنے رب کا خوف اور آخرت کی جواب دہی کا تصور ختم ہو جائے تو وہ غفلت کا شکار ہو جاتا ہے۔ غفلت کا شکار شخص نیک کاموں میں دلچسپی نہیں لیتا۔ غفلت کا بنیادی سبب دنیا کی عیش وعشرت اور مال کی ہوس ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے خوف سے عاری اور فکر آخرت سے لاپرواہ طبقہ معاشرے میں ترقی اور فیشن کے نام پر ہر قسم کی برائی پھیلانے کا موجب بنتا ہے۔ اکثر اوقات یہ طبقہ اس وقت تک ہوش کے ناخن نہیں لیتا جب تک ان پر عذاب نہیں آتا یا کسی سخت مصیبت میں مبتلا نہیں ہوتا۔ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے یا یہ لوگ کسی سخت مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو پھر آہ وزاری اور چیخ وپکار کرتے ہیں۔ اس وقت زبان حال انہیں پکار پکار کر کہتی ہے۔ اب چیخو، چلاؤ لیکن اللہ تعالیٰ تمہاری مدد نہیں کرے گا اور یہی صورت حال ان کی موت کے وقت ہوتی ہے یہ دل ہی دل میں آہ وزاری کر رہے ہوتے ہیں تو موت کے فرشتے انہیں جھڑکیاں دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ آج جس طرح چاہو آہ وزاریاں کرو تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔ یہاں لوگوں کی غفلت کو ان کے اعمال نہ کرنے کی وجہ قرار دیا گیا۔ غفلت کرنے والوں میں سب سے پیش پیش ہمیشہ مال دار طبقہ ہوا کرتا ہے کیونکہ عوام میں انہی کے ذریعے عیاشی اور فحاشی اور شریعت سے دوری پیدا ہوتی ہے۔ عذاب تو سب پر آتا ہے لیکن مال دار طبقہ کو احساس دلانے کے لیے ارشاد ہوا ہے کہ ہم ان کے سرمایہ داروں کو پکڑتے ہیں۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيْئَةً نُكِتَتْ فِيْ قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ

فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهُ وَإِنْ عَادَ زِيْدَ فِيْهَا حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهُ وَهُوَ الرَّانُ الَّذِيْ ذَكَرَ اللّٰهُ ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾)) [رواہ الترمذی:کتاب تفسیر القرآن]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب بندہ کوئی غلطی کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے جب وہ گناہ چھوڑتا اور توبہ واستغفار کرتا ہے تو اس کا دل پالش ہو جاتا ہے۔ اگر وہ دوبارہ گناہ کی طرف پلٹے تو سیاہی اس کے دل پر چڑھ جاتی ہے یہی وہ زنگ ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے کہ ﴿ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے گناہوں کی وجہ سے زنگ چڑھ چکا ہے۔﴾''

مسائل

۱۔ غافل لوگ اکثر بُرے کام کرتے ہیں۔
۲۔ مال دار طبقہ کی اکثریت غفلت کی زندگی گزارتا ہے۔
۳۔ اللہ کا عذاب نازل ہو جائے تو پھر انسان کی آہ وزاری کام نہیں آتی۔
۴۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت کے وقت کوئی مددگار ثابت نہیں ہوتا۔

تفسیر بالقرآن

عذاب کے وقت کوئی مددگار نہیں ہوتا:

۱۔ بے شک وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کی تکفیر کی ان کے لیے شدید عذاب ہے۔ (آل عمران:۴)
۲۔ عذاب کے وقت کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکے گا۔ (الملک:۲۸)
۳۔ کفار کے چمڑے جب جل جائیں گے تو ہم انہیں عذاب کا مزہ چکھانے کے لیے انکے چمڑے تبدیل کر دیں گے۔ (النساء:۵۶)
۴۔ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، وہ خیر خواہ اور مددگار نہیں پائیں گے۔ (الاحزاب:۶۵)
۵۔ منافق جہنم کے نچلے گڑھے میں ہوں گے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ (النساء:۱۴۵)
۶۔ اس دن کافر لوگ جان لیں گے جب ان کے چہروں اور پشتوں سے آگ ہٹانے والا کوئی نہیں ہوگا اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے۔ (الانبیاء:۳۹)
۷۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ (المائدۃ:۷۲)
۸۔ کافروں کے چہروں پر ذلت ورسوائی چھا جائے گی انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ (یونس:۲۷)

لَا تَجْـَٔرُوا	الْيَوْمَ قف	اِنَّكُمْ	مِّنَّا	لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿٦٥﴾	قَدْ	كَانَتْ	
مت چیخو	آج	یقیناً تم	ہمارے ہاں	نہیں مدد کیے جاؤ گے	یقیناً	تھیں	
اٰيٰتِيْ	تُتْلٰى	عَلَيْكُمْ	فَكُنْتُمْ	عَلٰٓى	اَعْقَابِكُمْ	تَنْكِصُوْنَ ﴿٦٦﴾	
میری آیات	تلاوت کی جاتیں	تم پر	بس تم تھے	پر	تمہاری ایڑیاں	تم پھر جاتے ہو	
مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ	بِهٖ	سٰمِرًا	تَهْجُرُوْنَ ﴿٦٧﴾				
تکبر کرتے ہوئے	اس کے ساتھ	افسانہ گوئی	تم بیہودہ گوئی کرتے ہو				

”اب آہ زاریاں بند کرو۔ آج ہماری طرف سے تمہیں کوئی مدد نہیں ملے گی۔ (٦٥) جب میری آیات سنائی جاتی تھیں تو تم الٹے پاؤں بھاگ جاتے تھے۔ (٦٦) تکبر کی وجہ سے انہیں خاطر میں نہیں لاتے تھے اور ان کے ساتھ مذاق کرتے اور بیہودہ گوئی کرتے تھے۔ (٦٧)“

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنم میں داخل کیے جانے والے مجرموں کے جرائم۔

جہنم میں داخل کیے جانے والے لوگ چلائیں اور چیخ و پکار کریں گے لیکن ان کی کوئی مدد کرنے والا نہیں ہوگا۔ کیونکہ دنیا میں جب ان لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے فرامین پڑھے جاتے تھے تو یہ تکبر کی وجہ سے الٹے منہ پھر جاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو داستان گوئی اور بے ہودگی کے انداز میں لیتے تھے ”سامراً“ کا معنٰی ہے کہ ”رات کے وقت سوتے ہوئے قصہ کہانیاں اور داستان گوئی کرنا“ گویا کہ منکرینِ حق اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور فرامین کو قصے کہانیوں سے بڑھ کر اہمیت نہیں دیتے۔ تکبر اور یاوا گوئی کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے ارشادات سے اعراض کرتے ہیں۔

((عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ أَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ یُحْشَرُ الْمُتَکَبِّرُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ أَمْثَالَ الذَّرِّ فِیْ صُوَرِ الرِّجَالِ یَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ فَیُسَاقُوْنَ إِلٰی سِجْنٍ فِیْ جَهَنَّمَ یُسَمّٰی بُوْلَسَ تَعْلُوْهُمْ نَارُ الْأَنْیَارِ یُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ أَهْلِ النَّارِ طِیْنَةَ الْخَبَالِ)) [رواہ الترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع، باب منہ]

”حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا ؓ سے وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن متکبر لوگ چیونٹیوں کی صورت میں لائے جائیں گے انہیں ہر طرف سے ذلت ڈھانپے ہوئے ہوگی اور انہیں بولس نامی جہنم کی جیل میں لے جایا جائے گا ان پر آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہوں گے اور انہیں جہنمیوں کی زخموں کی پیپ پلائی جائے گی۔“

مسائل

١۔ مجرم لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کی وجہ سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

٢۔ مجرم لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کو بے ہودہ اور داستان گوئی کے انداز میں لیتے ہیں۔

اَفَلَمْ	يَدَّبَّرُوا	الْقَوْلَ	اَمْ	جَآءَهُمْ	مَّا لَمْ	يَاْتِ
کیا پھر نہیں	انہوں نے غور کیا	بات	یا	آیا ان کے پاس	جو نہیں	آیا
اٰبَآءَ	هُمُ	الْاَوَّلِيْنَ ۝٦٨	اَمْ	لَمْ	يَعْرِفُوْا	رَسُوْلَهُمْ
باپ دادا	وہ	پہلے	یا	نہیں	انہوں نے پہچانا	اپنے رسول
فَهُمْ	لَهٗ	مُنْكِرُوْنَ ۝٦٩	اَمْ	يَقُوْلُوْنَ	بِهٖ	جِنَّةٌ ط
پس وہ	اس کے لیے	انکار کرنے والے	یا	وہ کہتے ہیں	ساتھ اس کے	پاگل پن
بَلْ	جَآءَهُمْ	بِالْحَقِّ	وَاَكْثَرُهُمْ	لِلْحَقِّ	كٰرِهُوْنَ ۝٧٠	
بلکہ	وہ ان کے پاس لایا	حق	اور اکثر ان کے	حق کے لیے	ناپسند کرنے والے	

”تو کیا ان لوگوں نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا؟ یا رسول ایسی بات لایا ہے جو ان کے پہلے لوگوں کے پاس نہیں آئی۔ (٦٨) یا اپنے رسول سے واقف نہیں کہ اس سے بدکتے ہیں؟ (٦٩) یا یہ کہتے ہیں کہ رسول مجنون ہے؟ نہیں بلکہ وہ حق لایا ہے اور حق ان کی اکثریت کو ناگوار ہے۔“ (٧٠)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنم میں داخل کیے جانے والوں کے دیگر جرائم۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اس لیے نازل فرمایا ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور تباہ ہونے والی اقوام کے انجام سے ڈریں۔ لیکن جہنم میں داخل کیے جانے والوں کا یہ جرم ہوگا کہ وہ قرآن مجید کی آیات پر غور اور اپنے سے پہلی اقوام کے انجام سے عبرت نہیں سیکھتے تھے یہاں سوالیہ انداز میں ان سے چند استفسار کیے گئے ہیں کیا یہ لوگ قرآن مجید کو غور کے قابل نہیں سمجھتے یا جس بات پر تعجب کر رہے ہیں یہ دعوت ان کے آباؤ اجداد کو نہیں پہنچی یا پھر اپنے رسول کو نہیں پہچانتے ظاہر بات ہے کہ ان باتوں میں ان کی کوئی بات بھی سچ نہ تھی۔ اگر یہ قرآن مجید پر غور کرتے تو ہدایت پاتے کیونکہ اس طرح کی دعوت پہلے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے ان کے باپ دادا کو بھی پہنچی تھی۔ جس رسول سے انہوں نے بے اعتنائی کی وہ تو ایک جانی پہچانی مسلمہ شخصیت تھی اور ہیں عرب کے لوگ نبوت سے پہلے ہی آپ ﷺ کی دیانت وامانت، شرافت ونجابت، کردار اور اخلاق کے قائل تھے۔ اس کے باوجود کہتے ہیں کہ اسے جنون ہوگیا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ آپ میں جنون کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا بلکہ اعلانِ نبوت سے پہلے وہ آپ کی دانشمندی کا برملا اعتراف کرتے تھے۔ اب ان کے الزامات صرف اس لیے ہیں کہ

آپ ﷺ ان کے پاس حق بات لائے ہیں۔لیکن اس کے باوجود انہوں نے آپ ﷺ کی دعوت کو ٹھکرایا اور جہنم کا ایندھن بنے۔جہاں تک سرور دو عالم ﷺ کی وفات کے بعد جو لوگ دنیا میں آئے اور آئیں گے ان کے سامنے بھی اہل حق نے سرور دو عالم ﷺ کی شخصیت، کردار اور دعوت کو اس طرح کھول کر پیش کیا اور کرتے رہیں گے کہ جس میں شک کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ تھی اور نہ ہوگی لیکن پھر بھی مجرموں نے حق کو ٹھکرایا جس کے سبب وہ جہنم کا ایندھن بنتے ہیں۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید پر غور کرنا چاہیے۔
۲۔ پہلے لوگوں کے پاس بھی اسی طرح کی دعوت پہنچی تھی۔
۳۔ سرور دو عالم ﷺ کی ذات اور دعوت کا انکار کرنے والے ہر دور میں آپ کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

لوگوں کی اکثریت جاہل ہوتی ہے

۱۔ اگر ہم منکرین کے سامنے ہر چیز کو اکٹھا کر دیتے تب بھی وہ ایمان نہ لاتے کیونکہ اکثر ان میں جاہل ہیں۔(الانعام:۱۱۱)
۲۔ کیا زمین وآسمان کی تخلیق مشکل ہے یا انسان کی پیدائش مگر اکثر لوگ جاہل ہیں۔(الفاطر:۵۷)
۳۔ یہ دین صاف اور سیدھا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔(یوسف:۴۰)
۴۔ اللہ اپنے امر پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔(یوسف:۲۱)
۵۔ اللہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ جاہل ہیں۔(الروم:۶)
۶۔ وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں اور ان کی اکثریت بے عقل ہے۔(المائدۃ:۱۰۳)
۷۔ قیامت کا اللہ ہی کو علم ہے لیکن لوگوں کی اکثریت بے علم ہے۔(الاعراف:۱۸۷)
۸۔ اللہ کے احسان کو پہچانتے ہیں پھر اُس کا انکار کرتے ہیں اور اُن میں سے بیشتر لوگ ایسے ہیں جو حق کو نہیں مانتے۔(النحل:۸۳)

وَلَوِ	اتَّبَعَ	الْحَقُّ	اَهْوَآءَهُمْ	لَفَسَدَتِ	السَّمٰوٰتُ
اوراگر	پیروی کرے	حق	ان کی خواہشات کی	توضرورفساد ہوجائے	آسمانوں
وَالْاَرْضُ	وَمَنْ	فِيْهِنَّ ؕ	بَلْ	اَتَيْنٰهُمْ	بِذِكْرِهِمْ
اورزمین	اورجوبھی	ان میں ہے	بلکہ	ہم ان کے پاس لائے	ان کی نصیحت
فَهُمْ	عَنْ	ذِكْرِهِمْ	مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾		
تووہ	سے	اپنی نصیحت	اعراض کرنے والے ہیں		

’’اوراگرحق ان کی خواہشات کے پیچھے چلتا تو زمین، آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان سب کا سب تباہ ہو جاتا۔ بلکہ ہم ان کے لیے نصیحت لائے ہیں اوروہ اپنی نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں۔‘‘(۷۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حقائق جاننے کے باوجودلوگ اس لیےایمان لاتےنہیں کہ یہ حق کواپنی خواہشات کےتابع کرنا چاہتے ہیں۔

حق کے منکرلوگوں کی ہمیشہ سے یہ خواہش اورکوشش رہی ہے کہ حق کواپنے مفاداورخواہشات کے پیچھے لگایا جائے۔اسی لیے مکہ والوں نے مختلف موقعوں پرآپ سے یہ مطالبات کیے کہ کچھ آپ نرم ہوجائیں کچھ ہم بدل جاتے ہیں۔(القلم:۹) پھر انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ آپ اس قرآن کی بجائے کوئی اورقرآن لے آئیں ہم اس پرایمان لے آئیں گے۔(یونس:۱۵)

ان کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کےسوا کوئی اوربھی الٰہ ہے حالانکہ دو یا دو سے زائد الٰہ ہوتے تو وہ ایک دوسرے کے اقتدار پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے جس سے زمین وآسمان میں فساد ہونا ناگزیر ہوتا(المؤمنون:۹۱)

انہوں نے یہاں تک مطالبہ کرڈالا کہ ایک سال آپ کے رب کی عبادت کی جائے اوردوسرے سال ہمارے خداؤں کی پرستش کرنا ہوگی اسے سورۃ الکافرون میں یہ کہہ کرصرف نظرکردیا گیا

’’آپ فرمادیجیے :اے کافرو!میں اُن کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو۔اورنہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہوجس کی عبادت میں کرتا ہوں۔اورنہ میں اُن کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہےاورنہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہوجس کی عبادت میں کرتا ہوں۔تمہارے لیےتمہارادین ہےاورمیرے لیے میرادین۔‘‘(الکافرون)

اس صورت حال پرتبصرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اگرحق ان کی خواہشات کاغلام بن جائے توزمین میں فساد برپا ہوجائے حق سے مراداللہ کادین ہےاوردین کی بنیادعقیدہ توحید ہےتوحید کاپرچاراورابلاغ دنیامیں امن وامان کی ضمانت ہے، یہی سب سے بڑی نصیحت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خیرخواہی کے لیے نازل کیا ہےلیکن لوگ انہیں کی بھلائی کے لیےآنے والی

نصیحت کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔

((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی لَا یُقَالَ فِی الْاَرْضِ اَللّٰہُ اَللّٰہُ وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ عَلٰی اَحَدٍ یَقُوْلُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ۔)) [رواہ مسلم: باب ذَھَابِ الإِیمَانِ آخِرَ الزَّمَانِ]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک زمین پر اللہ اللہ کی آواز آنا ختم نہ ہو جائے گی ایک روایت میں ہے قیامت ایسے شخص پر قائم نہیں ہوگی، جو اللہ اللہ کہنے والا ہوگا۔“

((وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِہٖ)) [رواہ فی شرح السنۃ وقال النووی فی أربعینہ ھذا حدیث صحیح]

”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہیں ہو جاتی جسے میں لے کر آیا ہوں۔“

مسائل

۱۔ اگر حق لوگوں کی خواہشات کا غلام بن جائے تو زمین و آسمان میں فساد برپا ہو جائے۔

۲۔ لوگ اپنے ہی فائدہ کی خاطر نصیحت قبول نہیں کرتے۔

تفسیر بالقرآن

حق سے اعراض کرنے والے لوگ:۔

۱۔ قرآن سے اعراض کرنے والے ظالم اور گمراہ ہیں۔ (الکہف: ۵۷)

۲۔ قرآن سے منہ پھیرنے والے مجرموں سے انتقام لیا جائے گا۔ (السجدۃ: ۲۲)

۳۔ قرآن سے اعراض کرنے والے قیامت کے دن اندھے ہوں گے۔ (طٰہٰ: ۱۲۴، ۱۲۵)

۴۔ اعراض اور گناہوں کا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔ (طٰہٰ: ۱۰۰، ۱۰۱)

۵۔ قرآن کا انکار بُرے لوگ ہی کرتے ہیں۔ (البقرۃ: ۹۹)

۶۔ انہیں دنیا اور آخرت میں دُوہرا عذاب ہوگا۔ (بنی اسرائیل: ۷۵)

۷۔ اکثر لوگ حق سے اعراض کرتے ہیں۔ (الانبیاء: ۲۴)

۸۔ جو رحمٰن کے ذکر سے اعراض کرتا ہے اس پر شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے اور وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ (الزخرف: ۳۶)

اَمْ	تَسْـَٔلُهُمْ	خَرْجًا	فَخَرَاجُ	رَبِّكَ	خَيْرٌ ۖ	وَّهُوَ
یا	آپ ان سے سوال کرتے	اجر کا	چنانچہ اجر	آپ کے رب کا	بہت بہتر ہے	وہی
خَيْرُ	الرّٰزِقِيْنَ ۝	وَاِنَّكَ	لَتَدْعُوْهُمْ	اِلٰى	صِرَاطٍ	
بہترین	رزق دینے والا	اور بلاشبہ آپ	البتہ ان کو بلاتے ہیں	طرف	راستہ	
مُّسْتَقِيْمٍ ۝	وَاِنَّ	الَّذِيْنَ	لَا يُؤْمِنُوْنَ	بِالْاٰخِرَةِ	عَنِ	
سیدھا	اور بلاشبہ	وہ لوگ	نہیں وہ ایمان لاتے	آخرت کے ساتھ	سے	
الصِّرَاطِ	لَنٰكِبُوْنَ ۝					
راہ	انحراف کرنے والے ہیں					

”کیا آپ ان سے کچھ مانگ رہے ہیں ؟ آپ کے لیے آپ کے رب کا دیا بہت بہتر ہے اور وہ بہترین رازق ہے۔(۷۲) آپ ان کو سیدھے راستے کی طرف بلا رہے ہیں۔(۷۳) مگر جولوگ آخرت کو نہیں مانتے وہ راہ راست سے ہٹ کر چلنا چاہتے ہیں۔“(۷۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ایک استفسار کے ذریعہ حق واضح کرنے کے ساتھ آپ کو تسلی دی گئی ہے۔

اس سے پہلے کفار سے مخصوص انداز میں استفسار فرما کر ان پر حق واضح کیا گیا اب سرور دو عالم ﷺ سے ایک استفسار کے ذریعہ حق واضح کرنے کے ساتھ آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ اے پیغمبر کیا آپ دعوت کے کام پر ان سے کوئی معاوضہ طلب کرتے ہیں؟ کہ جس بنا پر انہیں آپ کی ذات اور بات بوجھ محسوس ہوتی ہے حقیقت یہ ہے کہ آپ ان سے ایک پائی کے طلبگار نہیں ہیں آپ تو محض اپنے رب کے حکم اور اس کی رضا کی خاطر دن رات ایک کیے ہوئے دکھ پر دکھ اٹھا رہے ہیں۔ اے محبوب ﷺ اطمینان خاطر رکھیے آپ کے لیے آپ کے رب کی طرف سے دیا ہوا رزق دنیا کے رزق اور فوائد سے ہزاروں گنا بہتر ہے اور آپ کا رب بہترین رزق دینے والا ہے۔ یہ بھی اطمینان رکھیں کہ آپ ان کو صراط مستقیم کی دعوت دینے والے ہیں اس کے باوجود یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو اس کا سبب یہ ہے کہ جو لوگ قیامت برپا ہونے کا یقین نہیں رکھتے وہی لوگ صراط مستقیم سے انحراف کرتے ہیں۔

مسائل

۱۔ سرور دو عالم ﷺ دعوت حق کے بدلہ میں لوگوں سے کچھ نہیں مانگتے تھے آپ کی بے مثال جدوجہد کا اجر اللہ کے ہاں محفوظ ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے۔

۳۔ قیامت کا انکار کرنے والے صراط مستقیم پر چلنا قبول نہیں کرتے۔

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا

اور اگر | ہم ان پر رحم کریں | اور ہم دور کر دیں | جو ان کو پہنچی | سے | تکلیف وہ ضرور ڈٹے رہیں

فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝٧٥ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ

میں | اپنی سرکشی | بھٹکتے ہیں | اور البتہ تحقیق | ہم نے انہیں پکڑا | عذاب کے ساتھ

فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۝٧٦ حَتّٰٓى اِذَا

تو نہ | عاجزی کی انہوں نے | اپنے رب کے سامنے | اور نہ | وہ گڑگڑاتے ہیں | یہاں تک کہ | جب

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ

ہم نے کھول دیا | ان پر | دروازہ | والا عذاب | سخت | اس وقت وہ

فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝٧٧ ع

اس میں | ناامید ہونے والے ہو گئے

ع ۴

''اگر ہم ان پر رحم کریں اور وہ تکلیف جس میں مبتلا ہیں دور کر دیں تو پھر بھی اپنی سرکشی میں ہی بھٹکے رہیں گے۔(۷۵) ان کا حال یہ ہے کہ ہم نے انہیں تکلیف میں مبتلا کیا پھر بھی یہ اپنے رب کے آگے نہ جھکتے ہیں اور نہ عاجزی اختیار کرتے ہیں۔(۷۶) ہاں جب ہم ان پر شدید عذاب کا دروازہ کھول دیں تو اس وقت خیر سے مایوس ہونگے۔''(۷۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کا انکار کرنے والوں کا کردار اور انجام۔

قیامت کا انکار کرنے والا شخص نہ صرف صراط مستقیم سے منحرف ہو جاتا ہے بلکہ اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس پر کرم فرما کر اسے کسی مصیبت سے نجات دے تو وہ اپنے رب کا مطیع اور شکر گزار ہونے کے بجائے سرکشی میں اندھا ہو جاتا ہے۔ جب وہ اپنے گناہوں اور سرکشی میں اندھا ہو جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اسے پہلے سے بڑی مصیبت میں گرفتار کرتا ہے لیکن اپنے گناہوں میں اندھا ہونے کی وجہ سے ایسا شخص اپنے رب کے حضور توبہ کرنے اور گڑگڑانے کے لیے تیار نہیں ہوتا بالآخر اللہ تعالیٰ اس پر شدید عذاب نازل کرتا ہے اس قسم کے لوگ اپنے رب سے بخشش اور رحمت طلب کرنے کی بجائے ناامید ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ اسی حالت میں انہیں موت آلیتی ہے یہ کسی انسان کی سب سے بڑی بدقسمتی اور اس پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی انتہا ہوتی ہے۔ کہ اسے مصیبت اور عذاب کے وقت بھی توبہ کی توفیق حاصل نہ ہو۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ط

اور وہ جس نے پیدا کیں تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل

قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی

تھوڑا جو تم شکر کرتے ہو اور وہ جس نے تمہیں پھیلایا میں

الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ

زمین اور اسی کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے اور وہ ذات وہ زندہ کرتا ہے

وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور وہ مارتا ہے اور اسی کے حکم سے تبدیل ہونا رات اور دن کیا پھر نہیں تم سمجھتے؟

”اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں سننے اور دیکھنے کی قوتیں عطا فرمائیں اور سوچنے کو دل عنایت کیے مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔(۷۸) وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور اسی کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔(۷۹) وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔لیل ونہار کی گردش اسی کے قبضہ قدرت میں ہے کیا تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی؟۔“(۸۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو کان، آنکھیں اور دل اس لیے دیے ہیں کہ حقائق دیکھ اور سُن کر ان کے مطابق عمل کریں تاکہ قیامت کے عذاب سے بچ جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے انسان کو کان، آنکھیں اور دل عطا کیا تاکہ حقائق دیکھ اور جان کر اپنے رب کا شکر گزار بندہ بن جائے۔اسی نے انسان کو زمین سے پیدا کر کے زمین پر پھیلایا اور بسایا اور اسی کی طرف سب نے اکٹھا ہونا ہے وہی ذات موت وحیات پر اختیار رکھتی ہے اسی کے حکم کے مطابق دن اور رات ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں لیکن پھر بھی لوگ عقل وفکر نہیں کرتے۔ان آیات میں انسان کی تخلیق، زمین میں انسان کا رہنا سہنا، زندگی گزارنا، اور مرنا رات اور دن کے اختلاف کا حوالہ دے کر انسان کو دو باتوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے پہلی بات یہ ہے کہ انسان اپنے آپ اور کائنات کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی تخلیق سمجھے اور یہ حقیقت جاننے کی کوشش کرے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے فنا اور بقا بھی اللہ کے اختیار میں ہے۔یہاں تک کہ میرے اعضاء اور جوارح بھی اس کی عطا کا نتیجہ ہیں اس لیے میرا فرض بنتا ہے کہ میں اس کا شکر ادا کروں۔انسان اس وقت تک اپنے رب کی نعمتوں پر شکر گزار نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے رب کی عنایات پر توجہ اور غور نہیں کرتا۔جسے غور وفکر کی توفیق مل جائے وہ بالیقین اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

((عَنْ صُهَيْبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ))[رواہ مسلم : كتاب الزهد والرقائق، باب الْمُؤْمِنُ أَمْرُهُ كُلُّهُ خَيْرٌ]

”حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کا معاملہ عجب ہے بے شک اس کے تمام کاموں میں بہتری ہے جو مومن کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔ مومن کو خوش کردینے والی چیز ملتی ہے تو وہ شکرادا کرتا ہے یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے یہ بھی اس کے لیے بہتر ہے۔“

((عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَخَذَ بِيَدِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ إِنِّيْ لَأُحِبُّكَ يَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَأَنَا أُحِبُّكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلَا تَدَعْ أَنْ تَقُوْلَ فِيْ كُلِّ صَلَاةٍ رَبِّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ))[سنن النسائی: باب نَوْعٌ آخَرُ مِنَ الدُّعَاءِ]

”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اے معاذ! میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ میں نے عرض کی اللہ کے رسول میں بھی آپ سے محبت کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے رہو۔ اسے کبھی نہ چھوڑنا اے میرے پروردگار! ذکر، شکر اور اچھی عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو سننے، دیکھنے اور سوچنے کے لیے اعضاء عطا فرمائے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو زمین سے پیدا کر کے زمین پر پھیلایا اور بسایا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہی موت اور زندگی کا مالک ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ ہی رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات لانے والا ہے۔

۵۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور اس کی دی ہوئی نعمتوں پر غور کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

شکر اور اس کے فضائل:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق پر اس کا شکریہ ادا کرو۔ (الانفال:۲۶)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو تمہارے تابع کیا جس سے تازہ مچھلی، زیبائش کا سامان نکلتا ہے اس پر اللہ کا شکریہ ادا کرو۔ (النحل:۱۴)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے رات کو باعثِ سکون اور دن کو کسبِ معاش کا ذریعہ بنایا ہے تاکہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔ (القصص:۷۳)

۴۔ شکر کے بارے میں حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی دعائیں۔ (ص:۳۵، النمل:۱۹)

۵۔ اللہ تعالیٰ شکر گزار لوگوں کو مزید دیتا ہے۔ (ابراہیم:۷)

بَلْ	قَالُوْا	مِثْلَ	مَا	قَالَ	الْاَوَّلُوْنَ ﴿٨١﴾	قَالُوْٓا
بلکہ	انہوں نے کہا	ویسا	جو	اس نے کہا	پہلے	انہوں نے کہا کیا

اِذَا	مِتْنَا	وَكُنَّا	تُرَابًا	وَّعِظَامًا	ءَاِنَّا	لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿٨٢﴾
جب	ہم مرجائیں گے	اور ہم ہوجائیں گے	مٹی	اور ہڈیاں	یقیناً ہم	دوبارہ اٹھائے جائیں گے

لَقَدْ	وُعِدْنَا	نَحْنُ	وَاٰبَآؤُنَا	هٰذَا	مِنْ	قَبْلُ
البتہ تحقیق	ہم وعدہ دیے گئے	ہم	اور ہمارے باپ دادا	یہی	سے	پہلے

اِنْ	هٰذَآ	اِلَّآ	اَسَاطِيْرُ	الْاَوَّلِيْنَ ﴿٨٣﴾
نہیں	یہ	مگر	کہانیاں	پہلے لوگ

”بلکہ یہ لوگ وہی کچھ کہتے ہیں جو ان کے پہلے کہہ چکے ہیں۔(٨١) یہ کہتے ہیں کیا جب ہم مرکرمٹی ہوجائیں گے اور ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہوجائیں گی تو ہمیں اٹھایا جائے گا؟(٨٢) ہم نے یہ وعدے بہت سنے ہیں اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا بھی سنتے رہے ہیں۔ یہ محض پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔“(٨٣)

فہم القرآن

ربطِ کلام: آیت ٧٠ میں فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس رسول کو پاگل پن ہوگیا ہے اس کے بعد نبی ﷺ کو تسلّی دیتے ہوئے ارشاد ہوا کہ آپ ان سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے جس کو یہ بوجھ سمجھتے ہوں لہٰذا آپ دعوت توحید کا کام جاری رکھیں یہ لوگ وہی کچھ کہہ رہیں جو ان سے پہلے لوگ کہا کرتے تھے۔

انسان موت وحیات اور لیل ونہار کی گردش پر غور کرے تو اسے خود ہی معلوم ہوجائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہر صورت انسان کو اس کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا۔ کیونکہ جو رب رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات لاتا ہے وہی انسان کو قیامت کے دن زندہ کرے گا جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں وہ وہی بات کرتے ہیں جو ان سے پہلے لوگ کیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ جب ہم مرکرمٹی ہوجائیں گے اور ہماری ہڈیاں ختم ہوجائیں گی کیا ہم پھر اٹھائے جائیں گے؟ یہ وہی وعدہ ہے جو ہمارے آباؤ واجداد کے ساتھ بھی کیا جاتا رہا۔ لیکن اب تک ان میں سے کوئی ایک بھی دوبارہ زندہ نہیں ہوا۔ درحقیقت یہ پہلے زمانے کی قصہ کہانیاں ہیں جو ہمیں بار بار سنائی جاتی ہیں۔ اسی فکر کی بنیاد پر ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کے سامنے آکر ہاتھ میں لیے ہوئے ایک بوسیدہ ہڈی مسلتے ہوئے کہتا ہے کہ اے محمد ﷺ! تم کہتے ہو کہ مردے زندہ ہونگے بتاؤ اس ہڈی سے کس طرح انسان زندہ ہوسکتا ہے؟ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ٥ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ٥ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ٥ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ﴾

[یٰسٓ: ۷۸۔ ۸۱]

''اور ہمارے بارے میں مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا۔ کہنے لگا کہ جب ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا۔ کہہ دو کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔ وہ سب کچھ پیدا کرنا جانتا ہے۔ وہی ہے جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کی پھر تم اُس (کی شاخوں کو رگڑ کر اُن) سے آگ نکالتے ہو۔ بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ ان کو پھر ویسے ہی پیدا کر دے کیوں نہیں اور وہ تو بڑا پیدا کرنے والا اور علم والا ہے۔''

مسائل

۱۔ قیامت کے منکر ہمیشہ ایک جیسی باتیں کیا کرتے ہیں۔

۲۔ قیامت کے منکر قیامت برپا ہونے کے دلائل کو قصہ کہانیاں قرار دیتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کی کیفیت اور اس کے برپا ہونے کے دلائل:

۱۔ بے شک قیامت آنے والی ہے۔ میں اس کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر کسی کو جزا یا سزا ملے۔ (طٰہٰ:۱۵)

۲۔ قیامت قریب ہے۔ (الحج:۱) ۳۔ سب نے اللہ کے ہاں لوٹنا ہے۔ (یونس:۵۶)

۴۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سوال کرے گا کہ آج کس کی بادشاہی ہے؟۔ (المومن:۱۶)

۵۔ اس دن سے ڈر جاؤ جس دن تم اللہ کے ہاں لوٹائے جاؤ گے۔ (البقرہ:۲۸۱)

۶۔ قیامت کے دن کوئی کسی کو فائدہ نہیں دے سکے گا۔ (الانفطار:۱۹)

۷۔ قیامت کے دن اللہ ہی کی بادشاہی ہوگی۔ (الفرقان:۲۶) ۸۔ قیامت آنکھ جھپکنے کی طرح آجائے گی۔ (النحل:۷۷)

۹۔ قیامت کے دن ہر کسی کو پورا پورا صلہ دیا جائے گا۔ (آل عمران:۱۸۵)

۱۰۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت برپا ہونے میں کوئی شک نہیں۔ (الکہف:۲۱)

۱۱۔ کافر ہمیشہ شک میں رہیں گے، یہاں تک کہ قیامت اچانک آجائے۔ (الحج:۵۵)

۱۲۔ ہم نے قیامت کے دن جھٹلانے والوں کے لیے آگ کا عذاب تیار کیا ہے۔ (الفرقان:۱۱)

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾

آپ فرمادیں کس کے لیے زمین اور جو اس میں اگر ہو تم جانتے؟

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ

وہ ضرور کہیں گے اللہ ہی کے لیے فرمادیں کیا پھر نہیں تم نصیحت حاصل کرتے؟ فرمادیجیے کون رب

السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ

آسمان سات اور رب عرش عظیم؟ وہ ضرور کہیں گے اللہ کے لیے

قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾

فرمادیجیے کیا پھر نہیں تم ڈرتے؟

''ان سے فرمائیں اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ زمین اور اس کی تمام چیزیں کس کی ہیں؟ (۸۴) ضرور کہیں گے اللہ کی ہیں۔ کہو پھر تم ہوش میں کیوں نہیں آتے؟ (۸۵) ان سے پوچھیں ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ (۸۶) یہ ضرور کہیں گے اللہ ہی مالک ہے فرمائیں پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟'' (۸۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: زمینی اور عقلی حقائق سے قیامت قائم ہونے کا ثبوت۔

اے پیغمبر ﷺ! جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں ان سے استفسار فرمائیں کہ جس زمین پر تم رہ رہے ہو اور جو کچھ اس میں ہے وہ کس کی تخلیق اور ملکیت ہے اس کا یہی جواب دیں گے کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اب فرمائیں کیا پھر تم حقیقت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں؟ ان سے پھر استفسار فرمائیں کہ سات آسمانوں اور عرشِ عظیم کا رب کون ہے؟ ان کا جواب یہی ہوگا کہ سب کا سب اللہ ہی کا ہے۔ آپ فرمائیں پھر تم اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے سے کیوں نہیں ڈرتے۔ یہاں اہل مکہ کا عقیدہ بتلایا جا رہا ہے کہ اہل مکہ اس بات کے قائل تھے کہ زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے وہ اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے اور وہی اس کا مالک ہے۔ اہل مکہ کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا عرش سات آسمانوں کے اوپر ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر اس طرح جلوہ افروز ہے جس طرح اس کی شان ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستویٰ ہونے کے بارے میں کسی قسم کی قیل وقال نہیں کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کے عرش پر کوئی چیز متمکن نہیں اور نہ ہی اس کے عرش میں کوئی دخیل ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ قبل از اسلام عربوں کا یہی عقیدہ تھا جس بناء پر وہ کھلے الفاظ میں ان حقائق کا اعتراف کرتے تھے کہ عرش، فرش اور آسمانوں کا ایک ہی رب ہے جس کا نام ''اللہ'' ہے۔

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں منع کیا گیا تھا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر متعلق چیزوں کے بارے میں سوال کریں۔ ہمیں یہ بات بڑی اچھی لگتی تھی کہ دیہات میں سے کوئی سمجھ دار آدمی آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرے اور ہم سنیں ایک دن ایک بدوی آیا۔ اُس نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے پاس آپ کا قاصد آیا اور اُس نے یہ بتلایا ہے کہ آپ اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اُس نے سچ کہا ہے دیہاتی نے سوال کیا کہ آسمان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ نے۔ اُس نے عرض کی زمین کو کس نے پیدا کیا اور اس پر پہاڑوں کو کس نے نصب کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے۔ اس نے کہا کیا آپ کو اللہ نے مبعوث کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! دیہاتی نے کہا آپ کے قاصد نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ ہم پر ایک دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں؟ آپ نے فرمایا اُس نے ٹھیک بتلایا۔ دیہاتی نے کہا کہ اُس کا یہ بھی کہنا ہے ہم پر سال میں رمضان کے ایک مہینہ کے روزے فرض ہیں؟ آپ نے فرمایا اُس نے سچ کہا۔ اُس دیہاتی نے کہا جس ذات نے آپ کو نبی مبعوث فرمایا ہے کیا اِن باتوں کا اس نے آپ کو حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! اُس نے کہا آپ کے قاصد کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ہم میں سے صاحبِ استطاعت پر بیت اللہ کا حج فرض ہے؟ آپ نے فرمایا اُس نے سچ کہا۔ پھر وہ واپس پلٹا اور کہنے لگا قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا نہ میں ان میں کمی کروں گا اور نہ زیادتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا ہے تو یہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔''

[رواہ مسلم:باب فِی بَیَانِ الْإِیمَانِ بِاللّٰہِ وَشَرَائِعِ الدِّینِ]

مسائل

۱۔ زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہے اس کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ عرش عظیم کا رب ہے۔

۳۔ مشرک اللہ تعالیٰ کو رب ماننے کے باوجود اس کے ساتھ شرک کرنے سے باز نہیں آتے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کے چند دلائل:

اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کے بے شمار دلائل ہیں۔ لیکن اختصار کی خاطر چند دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔(النساء:۸۷) ۲۔ معبود حقیقی صرف اللہ ہے۔(النساء:۱۷۱)

۳۔ اللہ کے علاوہ کوئی خالق نہیں۔(فاطر:۳) ۴۔ اللہ ہی رزّاق ہے۔(الذاریات:۵۸)

۵۔ اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا رب ہے۔ تم اسی کی عبادت کرو یہی صراط مستقیم ہے۔(آل عمران:۵۱،مریم:۳۶)

۶۔ اللہ سب کا رب ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہی ہر چیز کا خالق ہے۔(الانعام:۱۰۲)

۷۔ تمہارا رب ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں تم کہاں بہک گئے ہو؟(المومن:۶۲)

قُلْ	مَنْۢ	بِيَدِهٖ	مَلَكُوْتُ	كُلِّ	شَيْءٍ	وَّهُوَ
فرما دیجیے	کون	اسکے ہاتھ	بادشاہی	ہر	چیز	اور وہی
يُجِيْرُ	وَلَا	يُجَارُ	عَلَيْهِ	اِنْ	كُنْتُمْ	تَعْلَمُوْنَ ۝٨٨
پناہ دیتا ہے	اور نہیں	پناہ دی جاسکتی	اسکے مقابلہ میں	اگر	ہو تم	جانتے؟
سَيَقُوْلُوْنَ	لِلّٰهِ	قُلْ	فَاَنّٰى	تُسْحَرُوْنَ ۝٨٩	بَلْ	اَتَيْنٰهُمْ
وہ ضرور کہیں گے	اللہ ہی کے لیے ہے	فرما دیجیے	پھر کہاں	تم جادو کیے جاتے ہو؟	بلکہ	ہم ان کے پاس لائے
بِالْحَقِّ	وَاِنَّهُمْ	لَكٰذِبُوْنَ ۝٩٠				
حق کے ساتھ	اور بلاشبہ وہ	ضرور جھوٹے ہیں				

”ان سے کہو اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ ہر چیز پر کس کا اقتدار ہے؟ اور کون جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں پناہ دینے والا کوئی نہیں۔(٨٨) یہ ضرور کہیں گے کہ اقتدار اور اختیار اللہ ہی کے پاس ہے کہو پھر کہاں سے تمہیں دھوکہ لگتا ہے۔؟(٨٩) جو بات حق ہے وہ ہم ان کے سامنے لے آئے ہیں اور کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔“(٩٠)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مشرکوں سے استفسار کا سلسلہ جاری ہے۔

سرورِ دوعالم ﷺ کو پھر حکم ہوا کہ آپ مشرکین سے استفسار فرمائیں کہ کسے ہر چیز پر اختیار اور اقتدار حاصل ہے؟ جو سب کو پناہ دینے والا ہے اسے کسی کی پناہ کی ضرورت نہیں اگر اس حقیقت کو جانتے ہو تو اس کا جواب دو؟ وہ ضرور جواب دیں گے کہ ہر چیز پر صرف ایک اللہ کی بادشاہی ہے۔ انہیں فرمائیں کہ اس کے باوجود تم ”اللہ“ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہو کیا تمہیں جادو ہو گیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس عقیدہ توحید کے ٹھوس اور حقیقت پر مبنی دلائل پہنچ چکے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مشرک جھوٹ بولتے ہیں۔ عقیدہ توحید کے اس قدر ٹھوس اور مبنی بر حقیقت دلائل ہیں کہ حد درجے کا مشرک بھی ان کا اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن اس کے باوجود مشرک جھوٹے اور بے بنیاد دلائل دینے سے باز نہیں آتا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا دنیا میں سب سے بڑا جھوٹ ہے لیکن مشرک جھوٹے عقیدہ اور جھوٹ بولنے سے باز نہیں آتا۔ اس لیے ان سے کہا جاتا ہے کہ کیا تمہیں جادو ہو گیا ہے؟ جس وجہ سے عقیدہ توحید تمہیں سمجھ نہیں آتا۔ عربی زبان میں سحر کا معنٰی ہے ایسا علم یا عمل جس سے دیکھنے والے کو کوئی چیز حقیقت کے خلاف نظر آئے۔ ”مَلَكُوْتُ“ سپرڈگری کا لفظ ہے جس کا معنٰی ہے بادشاہی اور کسی چیز کا مالک ہونا گویا کہ ہر دور کا مشرک یہ ماننے پر مجبور ہے کہ سدا بہار بادشاہی اور حقیقی ملکیت

صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ وہی ہر کسی کو پناہ دینے والا ہے اسے کسی کی پناہ کی حاجت نہیں۔

((عَنِ الْبَرَآءِ ابْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اٰوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ نَامَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ قَالَ ((اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَاَلْجَاْتُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَيْكَ لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَاَ مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ)) وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَالَهُنَّ ثُمَّ مَاتَ تَحْتَ لَيْلَتِهٖ مَاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِرَجُلٍ يَا فُلَانُ اِذَا اَوَيْتَ اِلٰى فِرَاشِكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوْئَكَ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰى شِقِّكَ الْاَيْمَنِ ثُمَّ قُلِ ((اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ اِلٰى قَوْلِهٖ اَرْسَلْتَ)) وَقَالَ فَاِنْ مُتَّ مِنْ لَّيْلَتِكَ مُتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاِنْ اَصْبَحْتَ اَصَبْتَ خَيْرًا۔)) [رواه البخاري:باب اذا بات طاهرا]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے بستر پر لیٹے تو دائیں کروٹ پر لیٹ کر یہ دعا پڑھتے۔ ”ہمارے معبودِ حقیقی! تیری طرف رغبت کے ساتھ اور تجھ سے ڈرتے ہوئے میں نے اپنی جان تیرے سپرد کی، اپنا چہرہ تیری ہی طرف کرلیا، اپنے کام تیرے حوالے کیے، اور تجھ پر بھروسہ کیا“ تیری جائے پناہ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں۔ میں تیری نازل کردہ کتاب اور تیرے بھیجے ہوئے نبی پر ایمان لایا“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص یہ کلمات کہے اگر اسی رات مرجائے تو اس کی موت اسلام پر ہوگی۔ دوسری روایت میں ہے رسولِ اکرم ﷺ نے ایک شخص کا نام لے کر فرمایا جب تو اپنے بستر پر جائے تو وضو کرلے جس طرح نماز کے لیے کیا جاتا ہے پھر دائیں پہلو پر لیٹ کر یہ دعا کرو ”میں نے اپنی جان تیرے سپرد کی نبی پر ایمان لایا۔“ اگر تو اس رات مرجائے تو فطرت کی موت مرے گا اور اگر صبح کرے تو تجھے خیر و برکت حاصل ہوگی۔“

مسائل

۱۔ آسمان وزمین کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے۔

۲۔ جسے اللہ اپنی پناہ میں لے اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

۳۔ کفار بھی اللہ کی الوہیت کے اقراری تھے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کا پیغام برحق ہے۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ

نہیں بنائی اللہ سے اولاد اور نہ ہے اسکے ساتھ

مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ

سے کوئی الٰہ اس وقت ضرور لے جاتا ہر معبود جو اس پیدا کیا

وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا

اور ضرور دوڑتا بعض ان کا پر بعض پاک ہے اللہ ان سے جو

ع۵ ۱۵ ۵ يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾

وہ بیان کرتے ہیں جاننے والا غیب اور حاضر چنانچہ وہ برتر ہے ان سے جو وہ شرک کرتے ہیں

''اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا ہے اور کوئی دوسرا الٰہ اس کے ساتھ نہیں ہے اگر اور ہوتے تو ہر الٰہ اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے۔ اللہ پاک ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔(۹۱) وہ کھلے اور چھپے کو جاننے والا ہے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں ''اللہ'' اس سے بلند وبالا ہے۔'' (۹۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے اپنی بادشاہت اور اختیارات کے حوالے سے یہ ثابت کیا ہے کہ زمین و آسمان کی بادشاہت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اب اپنی ذات کے حوالے سے بتلایا اور سمجھایا ہے کہ ذات کے اعتبار سے بھی کوئی اس کا ہمسر اور شریک نہیں ہے۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس بات کی تردید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں۔ سورۃ المائدہ آیت ۷۵ میں عیسائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے ان الفاظ میں سمجھایا کہ ابن مریم علیہ السلام صرف اللہ کا رسول ہے اس سے پہلے رسول گزر چکے اس کی والدہ مریم کردار اور گفتار کے لحاظ سے صدیقہ تھی وہ ماں، بیٹا کھانا کھاتے تھے۔ توجہ فرمائیں کہ ہم ان لوگوں کے لیے اپنے دلائل کس طرح واضح کرتے ہیں تاکہ اس پر غور کریں کہ اس کے باوجود لوگ بھٹک جاتے ہیں۔ یہاں ایک اور عقلی دلیل کے ذریعے یہ بات سمجھائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنی اولاد قرار نہیں دیا اور نہ ہی زمین و آسمان میں اس کے ساتھ کوئی اور الٰہ موجود ہے۔ اگر کوئی اور دو الٰہ ہوتے تو وہ اپنی مخلوق کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کی کوشش کرتے اور ایک دوسرے پر یلغار کرتے یہی صورت حال اللہ کی اولاد ہونے کی صورت میں پیدا ہوتی۔ اس کا ایک بیٹا زیادہ سے زیادہ اختیار لینے کی کوشش کرتا اور اس کے مقابلے میں دوسرا اپنے اختیارات اور اپنی عوام میں اضافے کے درپے ہوتا۔ اس طرح یہ کائنات کئی حصوں میں

تقسیم ہو جاتی۔ کیونکہ جس کی اولاد ہوتی ہے اس کا ایک وقت پر کمزور اور ضعیف ہونا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ اولاد کی ضرورت اور ہر قسم کے تعاون سے مبرّا اور پاک ہے وہ ہر غائب اور ظاہر کو جاننے والا اور اپنی ذات، صفات اور بادشاہی کے حوالے سے بلند و بالا اور ہر قسم کی شراکت اور معاونت سے منزہ اور پاک ہے۔

مسائل

۱۔ اگر ’’اللہ‘‘ کے علاوہ اور الٰہ ہوتے تو وہ اپنی اپنی مخلوق کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے کی کوشش کرتے۔

۲۔ اگر ایک سے زیادہ الٰہ ہوتے تو وہ ایک دوسرے پر یلغار کرتے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کے لحاظ سے لوگوں کے شرکیہ اور کفریہ عقیدہ اور کلمات سے پاک ہے۔

تفسیر بالقرآن

الٰہ ایک ہی ہے:

۱۔ الٰہ ایک ہی ہے اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔ (البقرۃ:۱۶۳)

۲۔ تمھارا الٰہ ایک ہی ہے لیکن آخرت کے منکر نہیں مانتے۔ (النحل:۲۲)

۳۔ آپ ﷺ فرمادیں میں تمھاری طرح بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے تمھارا الٰہ ایک ہی الٰہ ہے۔ (الکہف:۱۱۰)

۴۔ الٰہ تمھارا ایک اللہ ہی ہے۔ (طٰہٰ:۹۸)

۵۔ آپ ﷺ فرمادیں میری طرف وحی کی جاتی ہے تمہارا الٰہ صرف ایک ہی الٰہ ہے۔ (الانبیاء:۱۰۸)

۶۔ تمھارا صرف ایک ہی الٰہ ہے اسی کے تابع ہو جاؤ۔ (الحج:۳۴)

۷۔ ہمارا الٰہ اور تمھارا الٰہ صرف ایک ہی ہے۔ ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ (العنکبوت:۴۶)

۸۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے جسے میں تلاش کروں۔ (الاعراف:۱۴۰)

۹۔ اللہ ہی الٰہ ہے وہی اکیلا ہی عبادت کے لائق ہے۔ (الانعام:۱۰۱)

۱۰۔ کوئی اور الٰہ نہ بناؤ الٰہ تو ایک ہی ہے (النحل:۵۱)

۱۱۔ اسکے سوا کوئی الٰہ نہیں مگر وہ اکیلا ہی ہے (المائدۃ:۷۳)

۱۲۔ اعلان کردیں اللہ ہی ایک الٰہ ہے اور میں تمہارے شرک سے بری ہوں۔ (الانعام:۱۹)

قُلْ	رَّبِّ	اِمَّا	تُرِيَنِّيْ	مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾	رَبِّ	فَلَا	
کہ دیجیے	ہمارے رب	اگر	تو مجھے دکھلا دے	جو وہ وعدہ دیے جاتے ہیں	اے میرے رب	پھر نہ	
تَجْعَلْنِيْ	فِي	الْقَوْمِ	الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾	وَاِنَّا	عَلٰٓي	اَنْ	
تو کرنا مجھے	میں	قوم	ظالم	اور بلاشبہ ہم	پر	یہ کہ	
نُّرِيَكَ	مَا نَعِدُهُمْ	لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾	اِدْفَعْ	بِالَّتِيْ	هِيَ		
ہم آپ کو دکھلائیں	جو ان سے وعدہ کرتے ہیں	ضرور قدرت رکھتے ہیں	ٹالیے	اس کے ساتھ	وہ		
اَحْسَنُ	السَّيِّئَةَ ؕ	نَحْنُ	اَعْلَمُ	بِمَا	يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾		
بہت اچھا	برائی	ہم	خوب جانتا	جو	وہ بیان کرتے ہیں		

”اے نبی دعا کرو کہ پروردگار جس عذاب کی ان کو دھمکی دی جارہی ہے اگر وہ میری موجودگی میں لائے۔(۹۳) تو میرے رب مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کرنا۔(۹۴)اور حقیقت یہ ہے کہ ہم تمہارے سامنے عذاب لانے کی پوری قدرت رکھتے ہیں۔(۹۵) جس کی ہم انہیں دھمکی دے رہے ہیں۔اے نبی برائی کو بہترین طریقے سے ٹالنے کی کوشش کرو۔آپ پر جو باتیں بناتے ہیں وہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہیں۔“(۹۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام:شرک کرنے کی وجہ سے پہلی اقوام پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا۔نبی اکرم ﷺ کو عذاب سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

منکرین حق نبی کریم ﷺ سے بار بار عذاب کا مطالبہ کرتے تھے کہ جس عذاب کی ہمیں دھمکی دی جاتی ہے وہ اب تک کیوں نہیں آیا؟ کفار کے اس مطالبہ کے مختلف موقعوں پر مختلف جواب دیے گئے ہیں۔یہاں نئے انداز میں اس کے تین جواب دیے گئے ہیں۔اے پیغمبر ﷺ انہیں فرمائیں جس عذاب کی تم جلدی کررہے ہو میں تو اپنے رب سے اس کی پناہ مانگتا ہوں۔میری دعا ہے کہ الٰہی اگر میری موجودگی میں تیرا عذاب نازل ہو تو مجھے ظالموں میں شریک نہ کرنا۔دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ ہم کفار کے ساتھ کیے گئے وعدہ کو پورا کرنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کی آنکھوں کے سامنے ان کو تباہ و برباد کردیں۔آپ ان کی برائی کے مقابلے میں اچھا رویہ اختیار کریں۔ہمیں اچھی طرح معلوم ہے جو کچھ آپ کے بارے میں ہرزہ سرائی کرتے ہیں۔

”اے نبی نیکی اور بدی کبھی برابر نہیں ہوسکتے آپ بُرائی کا ایسے انداز میں جواب دیں جو اچھا ہو آپ دیکھیں گے

کہ جس شخص کی آپ کے ساتھ عداوت ہے وہ آپ کا گہرا دوست بن گیا۔ یہ حوصلہ اور ہمت صرف انہیں نصیب ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ کسی بڑے نصیب والے کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ (حٰم السجدہ:۳۴،۳۵)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک یہودی عالم کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے کچھ دینار قرض تھا۔ اُس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس کا مطالبہ کیا آپ نے اُس سے فرمایا میرے پاس کچھ نہیں ہے کہ جس سے تیرا قرض ادا کروں۔ اُس نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں یہاں سے نہیں جاؤں گا یہاں تک کہ آپ مجھ کو میرا قرض ادا کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تو میرے پاس بیٹھا رہے گا اُس وقت تک میں بھی یہاں بیٹھا رہوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز پڑھائی آپ کے صحابہ نے اُسے ڈرانا اور دھمکانا چاہا تو آپ اُن کی اس حرکت پر ناراض نہیں ہوئے۔ صحابہ نے کہا اے اللہ کے رسول یہودی آپ کو روکے ہوئے ہے رسول اللہ نے فرمایا میرے رب نے مجھے نرمی کرنے والا بنایا ہے اور کسی پر ظلم کرنے سے منع کیا ہے۔ اگلے دن اس یہودی نے کلمہ پڑھ لیا اور کہا کہ میرا آدھا مال اللہ کے راستے میں وقف ہے۔ اللہ کی قسم میں نے آپ کے ساتھ یہ رویہ آپ کو جانچنے کے لیے اختیار کیا۔ تاکہ میں اُن اوصاف کو دیکھ سکوں جو اوصاف تورات میں محمد بن عبداللہ کے متعلق پائے جاتے ہیں اُس کی جائے پیدائش مکہ ہوگی اور اس کی ہجرت مدینہ میں اور اُس کی بادشاہت شام تک ہوگی نہ وہ سخت گو، نہ تند خو، نہ بازاروں میں شوروغل کرنے والا، نہ بے حیائی کرنے والا اور نہ بدکلامی کرنے والا ہوگا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں میرے اس مال کے بارے میں اللہ کے حکم کے ساتھ فیصلہ کر دیجیے یہودی مالدار آدمی تھا۔'' [رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ]

مسائل

۱۔ ''اللہ'' کے عذاب سے پناہ مانگنی چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرنے پر قادر ہے۔
۳۔ برائی کا جواب اچھائی کے ساتھ دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کا ''اللہ'' کے عتاب اور عذاب سے ڈرنا:

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ میں تم پر دردناک عذاب سے ڈرتا ہوں۔ (الاعراف:۵۹)
۲۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب ڈرتا ہوں۔ (یونس:۱۵)
۳۔ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ میں تم پر ایسے عذاب سے ڈرتا ہوں جو تم سب کو گھیر لے گا۔ (ہود:۸۴)
۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اللہ کے عذاب سے خوف کھایا کرتے تھے۔ (مریم:۴۵)

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾

اوردعا کیجئے اے میرے رب میں تیری پناہ میں آتا ہوں سے وسوسے شیاطین

وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

اور میں پناہ میں آتا ہوں تیری اے میرے رب یہ کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں

''اپنے رب سے دعا کرو کہ میں شیاطینی خیالات سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔(۹۷) میرے رب میں اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میرے پاس شیطان آئیں۔''(۹۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: برائی اور غصہ شیطان کی طرف سے ہے اس لیے نبی اکرم ﷺ کو دعا سکھلائی گئی کہ شیطان سے اپنے رب کی حفاظت طلب کیا کریں۔

شیطان داعی کو انگیخت دیتا ہے کہ وہ غصہ میں آکر برائی کا جواب برائی سے دے۔لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ داعی کو پوری کوشش کرنا چاہیے کہ وہ برائی کا جواب اچھائی کے ساتھ دے۔جہاں تک ذاتی معاملات کا تعلق ہے اس میں اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ مظلوم ظالم کے جواب میں کوئی بری بات زبان پر لے آئے۔تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔(المائدہ: آیت ۱۴۸)

لیکن تبلیغ کے میدان میں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں کہ برائی کا جواب برائی سے دیا جائے بلکہ حکم ہے کہ اگر ایسے موقع پر طیش آئے تو شیطان کی انگیخت سے اپنے رب کی پناہ مانگنی چاہیے۔کیونکہ شیطان چاہتا ہے مبلغ برائی کے مقابلے میں بری زبان استعمال کر کے ناکام ہو جائے اس نقصان سے بچانے کے لیے سرور دو عالم ﷺ کو یہ دعا سکھلائی گئی۔

((رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ))

''میں شیاطین کی اکساہٹوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں''

((عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ ؓ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ وَنَحْنُ عِنْدَهُ جُلُوْسٌ وَّاَحَدُهُمَا يَسُبُّ صَاحِبَهُ مُغْضَبًا قَدِ احْمَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ كَلِمَةً لَّوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ فَقَالُوْا لِلرَّجُلِ لَا تَسْمَعُ مَا يَقُوْلُ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ اِنِّيْ لَسْتُ بِمَجْنُوْنٍ))

[رواه البخاري:باب مَا يُنْهَى مِنَ السِّبَابِ وَاللَّعْنِ]

حضرت سلیمان بن صرد ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں دو شخص گالم گلوچ پر اتر آئے ہم بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ان میں سے ایک شخص کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔وہ اپنے ساتھی کو برا بھلا کہہ

رہا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص وہ کلمہ پڑھ لے تو اس کا غصہ دور ہو جائے وہ کلمہ یہ ہے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. اس پر صحابہ کرام ؓ نے اس کو متوجہ کیا۔ کیا نبی کریم ﷺ کا فرمان نہیں سن رہا؟ اس نے جواب دیا میں پاگل نہیں ہوں۔ اس کی مراد یہ تھی کہ میں نے سُن لیا اور اس پر عمل کرتا ہوں۔

((عَنْ أَنَسٍ ؓ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ مَعَ إِحْدَى نِسَائِهِ فَمَرَّ بِهِ رَجُلٌ فَدَعَاهُ فَجَاءَ فَقَالَ يَا فُلَانُ هَذِهِ زَوْجَتِي فُلَانَةُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ كُنْتُ أَظُنُّ بِهِ فَلَمْ أَكُنْ أَظُنُّ بِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ)) [رواہ مسلم:باب بَيَانِ أَنَّهُ يُسْتَحَبُّ لِمَنْ رُئِيَ خَالِيًا بِامْرَأَةٍ وَكَانَتْ زَوْجَةً أَوْ مَحْرَمًا لَهُ أَنْ يَقُولَ هَذِهِ فُلَانَةُ لِيَدْفَعَ ظَنَّ السَّوْءِ بِهِ]

''حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم ﷺ اپنی بیویوں میں سے کسی کے ساتھ کھڑے تھے وہاں سے ایک آدمی کا گذر ہوا آپ نے فرمایا اے فلاں آدمی یہ میری فلاں بیوی ہے اس نے عرض کی آپ کے متعلق کون ایسا گمان کرسکتا ہے اور نہ ہی میں نے ایسا سوچا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا شیطان خون کی گردش کی طرح آدمی پر اثر انداز ہوتا ہے۔''

مسائل

۱۔ شیطان انسان کا دشمن ہے اس سے بچنے کے لیے اپنے رب کی پناہ مانگنا چاہیے۔

۲۔ شیطان انسان کو غصہ دلاتا ہے۔ ۳۔ شیطان انسان کے دل میں بُرے خیالات ڈالتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

شیطان کی شیطنت اور اس سے بچنے کی دعائیں:

۱۔ شیطان نے قیدی کو حضرت یوسف کا تذکرہ کرنا بھلا دیا۔ (یوسف:۴۲)

۲۔ شیطان نے آدم اور حوا کو پھسلا دیا۔ (البقرۃ:۳۶)

۳۔ شیطان نے حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کے درمیان اختلاف ڈال ادیا۔ (یوسف:۱۰۰)

۴۔ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ (یوسف:۵) ۵۔ شیطان کو اپنا دشمن سمجھ کر اس کی شیطنت سے بچنا چاہیے۔ (فاطر:۶)

((أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ))

((وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰه))

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ

حتیٰ کہ | جب | آجائے | ان میں سے ایک کو | موت | وہ کہے گا | میرے رب

ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ

مجھے واپس لوٹا دے | تا کہ میں | عمل کرلوں | نیک | اس میں جسے | میں چھوڑ آیا | ہرگز نہیں

اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىِٕلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآىِٕهِمْ

بیشک یہ | ایک بات ہوگی | وہ | اسے کہنے والا ہوگا | اور سے | ان کے پیچھے

بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِی

پردہ | تک | دن | وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے | پھر جب | پھونکا جائے گا | میں

الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَىِٕذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

صور | تو نہ | رشتہ داریاں ہونگی | ان کے درمیان | اس دن | اور نہ | وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے

”یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجائے تو کہے گا کہ اے میرے رب مجھے دنیا میں واپس بھیج۔(۹۹) جسے میں چھوڑ آیا ہوں۔ امید ہے اب میں نیک عمل کروں گا۔ ہرگز نہیں یہ تو بس ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے۔اب ان کے پیچھے ایک برزخ حائل ہے قیامت کے دن تک(۱۰۰) پھر جونہی صور پھونک دیا گیا۔ان کے درمیان پھر کوئی رشتہ نہ رہے گا اور نہ وہ ایک دوسرے سے کچھ پوچھ سکیں گے۔“(۱۰۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: شیطان سے محفوظ رہنے کی دعا سکھلانے کے بعد اب پھر کلام کا رخ کفار کی طرف ہوتا ہے۔

منکرین حق سرور دو عالم ﷺ سے بار بار عذاب لانے کا مطالبہ کرتے تھے اس سے پہلے ان کے اس مطالبہ کا جواب دیا گیا بعد اب منکرین کو اس وقت کا احساس دلایا گیا ہے کہ جب ایسے لوگوں میں سے کسی کو موت آتی ہے تو وہ اپنے رب سے آرزو کرتا ہے کہ کاش مجھے دنیا میں دوبارہ لوٹا دیا جائے اور میں جو کچھ کرتا رہا اس کی بجائے نیک اعمال کروں گا۔ لیکن اس وقت اسے جواب دیا جاتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ وہ دل ہی دل میں روتا اور آہ وزاریاں کرتا ہے مگر اس کی آہ وزاریاں اور چیخ وپکار سوائے واویلا کی حیثیت نہیں ہوتی۔ مرنے والے کے لیے قیامت کے دن تک دنیا اور آخرت کے درمیان ایک پردہ حائل کردیا جاتا ہے۔ ان آیات میں حق کے منکر کی کیفیت ذکر کی گئی ہے قرآن مجید اور حدیث میں کافر، مشرک، منافق اور خدا کے نافرمان کی موت کے وقت جو اس کی کیفیت ہوتی ہے اس کی بہت سی تفصیلات دی گئی ہیں۔ یہاں صرف ایک، دو احادیث پیش کی جاتی ہے۔

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انصار کے کسی آدمی کے جنازہ کے لیے نکلے۔قبرستان پہنچے تو ابھی قبر تیار نہیں ہوئی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے ہم بھی آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے جیسے ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی آپ اس کے ساتھ زمین کرید رہے تھے۔آپ نے اپنا سر اٹھاتے ہوئے دو یا تین مرتبہ فرمایا قبر کے عذاب سے پناہ مانگو پھر فرمایا جب دنیا کو چھوڑ کر کافر آخرت کی طرف جارہا ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے کالے چہروں والے فرشتے آتے ہیں ان کے ہاتھ میں بد بودار بوری ہوتی ہے وہ حد نگاہ تک اس کے پاس بیٹھ جاتے ہیں پھر اس کے پاس ملک الموت آتا ہے۔ وہ اس کے سر کے قریب بیٹھ جاتا ہے۔کہتا ہے اے خبیث نفس! اللہ تعالیٰ کے غصہ اور غضب کے سامنے پیش ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اس کی روح کو اس طرح نکالتے ہیں جس طرح گرم سلائی کو روئی سے نکالا جاتا ہے ۔اس کی روح کو نکال کر جس بوری میں ڈالتے ہیں اس سے اتنی بد بو نکلتی ہے جس طرح مردہ لاش سے گندی بد بو زمین پر پھیلتی ہے۔وہ اس کو لے کر آسمانوں کی طرف بڑھتے ہیں۔فرشتوں کے جس گروہ کے پاس سے گزرتے ہیں وہ کہتے ہیں یہ خبیث روح کون ہے؟ موت کے فرشتے کہتے ہیں یہ فلاں بن فلاں ہے بُرے ناموں سے اس کا ذکر کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ آسمانِ دنیا تک پہنچتے ہیں وہ اس کا دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں مگر کھولا نہیں جاتا، پھر نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی: ''ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ سوئی کے ناکے میں اونٹ داخل ہو جائے'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے لیے زمین کی تہہ میں ٹھکانہ بناؤ۔اس کی روح کو نیچے پھینک دیا جاتا ہے۔ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی'' جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے گویا کہ وہ آسمان سے گرا اور اسے پرندے اُچک لیں یا اس کو ہوائیں کسی دور دراز مقام پر پھینک دیں۔'' پھر اس روح کو اس کے بدن میں لوٹا دیا جاتا ہے۔اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس کو بٹھاتے ہیں اور اسے کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا، پھر فرشتے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے تو وہ کہتا ہے افسوس میں نہیں جانتا، پھر فرشتے کہتے ہیں کہ یہ شخص کون ہے جو تم لوگوں میں نبی مبعوث کیا گیا؟ تو وہ کہتا ہے افسوس میں یہ بھی نہیں جانتا۔آسمانوں سے آواز دینے والا آواز دیتا ہے کہ یہ کذّاب ہے۔اس کا بچھونا آگ بنا دو اور آگ کا دروازہ اس کی طرف کھول دو۔اس کے پاس جہنم گرمی اور بد بو آتی ہے اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں اور اس کے پاس بدصورت گندے کپڑے اور بد بودار جسم کے ساتھ آدمی آتا ہے وہ کہتا ہے آج خوش ہو جا تجھے ذلیل کیا جائے گا وہ کہتا ہے کہ تم اس طرح کی شکل والے کون ہو جو اتنی بری خبر کے ساتھ آئے ہو۔وہ کہے گا میں تیرا بُرا عمل ہوں۔کافر فریاد کرتا کہ اے میرے رب قیامت نہ قائم کرنا۔'' [رواہ احمد: مسند براء بن عازب]

((عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَ هٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ

اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ قَالَتْ عَائِشَةُ أَوْ بَعْضُ أَزْوَاجِهِ إِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ قَالَ لَيْسَ ذَاكِ وَلٰكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللّٰهِ وَكَرَامَتِهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ فَأَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ وَأَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا حُضِرَ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللّٰهِ وَعُقُوبَتِهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَهَ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ وَكَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ)) [رواه البخاری:کتاب الرقاق، باب، من أحب لقاء اللّٰہ أحب اللّٰہ لقاء ہ]

''حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے کسی نے کہا کہ ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بات یہ نہیں حقیقت یہ ہے کہ جب مومن کی موت کا وقت ہوتا ہے تو اس کو اللہ کی رضامندی اور انعام و اکرام کی بشارت دی جاتی ہے۔ اس بشارت کی وجہ سے موت اسے تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اس وجہ سے وہ اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اور جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ کے عذاب کی وعید سنائی جاتی ہے۔ یہ وعید اسے اپنے سامنے چیزوں سے سب سے زیادہ ناپسند ہوتی ہے اسی وجہ سے وہ اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔''

مسائل

١۔ اللہ کا نافرمان موت کے وقت دنیا میں پلٹ جانے کی آرزو کرتا ہے۔
٢۔ موت کے بعد کسی شخص کو دنیا میں پلٹ جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔
٣۔ اللہ کے نافرمان کی آہ و بکا و واویلا کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن کوئی ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکتا:

١۔ قیامت کے دن کوئی دوست کسی کے کام نہیں آئے گا۔ (البقرۃ:٢٥٤)
٢۔ قیامت کے دن کوئی رشتہ دار کسی کو فائدہ نہیں دے گا۔ (عبس:٣٤تا٣٦)
٣۔ قیامت کے دن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آئے گا۔ (الدخان:٤١،٤٢)
٤۔ قیامت کے دن کوئی کسی کو فائدہ نہیں دے سکے گا۔ (الانفطار:١٩)
٥۔ قیامت کے دن دوستی اور سفارش کام نہ آئے گی۔ (ابراہیم:٣١)
٦۔ قیامت کے دن سفارشی کسی کو فائدہ یا نقصان نہیں دیں گے۔ (یونس:١٨)
٧۔ معبودانِ باطل اپنے پیروکاروں کے کام نہیں آئیں گے۔ (البقرۃ:١٦٦)
٨۔ اللہ کے مقابلہ میں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ (ہود:٢٠) ٩۔ اللہ کے سوا تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں۔ (العنکبوت:٢٢)

فَمَنْ	ثَقُلَتْ	مَوَازِيْنُهٗ	فَاُولٰٓئِكَ	هُمُ	الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۲
جو شخص	بھاری ہو گئے	اس کے وزن	تو وہی لوگ	وہ	فلاح پانے والے ہیں
وَمَنْ	خَفَّتْ	مَوَازِيْنُهٗ	فَاُولٰٓئِكَ	الَّذِيْنَ	خَسِرُوْٓا
اور شخص	ہلکے ہو گئے	اس کے وزن	تو وہی لوگ	جنہوں نے	خسارے میں رکھا
اَنْفُسَهُمْ	فِيْ	جَهَنَّمَ	خٰلِدُوْنَ ۝۱۰۳	تَلْفَحُ	وُجُوْهَهُمُ
اپنے آپ کو	میں	جہنم	وہ ہمیشہ رہیں گے	جھلسا دے گی	ان کے چہرے
النَّارُ	وَهُمْ	فِيْهَا	كٰلِحُوْنَ ۝۱۰۴		
آگ	اور وہ	اس میں	بدشکل ہوں گے		

''جن کے اعمال والے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پائیں گے۔(۱۰۲) اور جن کے اعمال والے پلڑے ہلکے ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال لیا۔ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔(۱۰۳) آگ ان کے چہروں کو جلا دے گی اور ان کے چہرے بدشکل ہو جائیں گے۔''(۱۰۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عالم برزخ کے بعد لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور ان کا حساب وکتاب ہوگا۔

پہلے صور پھونکے جانے کے بعد نامعلوم لوگ کتنی مدت تک عالم برزخ میں رہیں گے جب اللہ تعالیٰ اسرافیل فرشتے کو دوبارہ صور پھونکنے کا حکم دیں گے تو اس کے صور پھونکنے کے فوراً بعد لوگ برزخ سے عالمِ وجود میں آجائیں گے اور اس دن کوئی کسی کے ساتھ تعلق قائم نہیں کر سکے گا۔ حالت یہ ہوگی۔

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ﴾ [عبس:۳۴] ''آدمی اس دن اپنے بھائی سے بھاگے گا۔''

اس حالت میں لوگوں کو محشر کے میدان میں اکٹھا کیا جائے گا جب لوگ اکٹھے ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ پورے جمال اور جلال کے ساتھ جلوہ افروز ہوں گے اور اس کے بعد لوگوں کے اعمال نامے ان تک پہنچا ئیں جائیں گے ساتھ ہی ترازو رکھ دیا جائے گا۔ جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوا وہ کامیاب ٹھہرے گا اور جن کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا رہا وہ نقصان پائیں گے انہیں جہنم دھکیل دیا جائے گا جہنم کی آگ میں ان کے چہرے جھلسائے جائیں گے اور ان کی شکلیں بدل جائیں گی۔

((أَنَّ زِيَاداً مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَيَّاشِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ حَدَّثَهُمْ عَمَّنْ حَدَّثَهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ جَلَسَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ لِي مَمْلُوكَيْنِ يُكَذِّبُونَنِي وَيَخُونُونَنِي وَيَعْصُونَنِي وَأَضْرِبُهُمْ وَأَسُبُّهُمْ فَكَيْفَ أَنَا مِنْهُمْ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِحَسْبِ مَا

خَانُوكَ وَعَصَوْكَ وَيُكَذِّبُونَكَ فَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ دُونَ ذُنُوبِهِمْ كَانَ فَضْلًا لَكَ عَلَيْهِمْ وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ بِقَدْرِ ذُنُوبِهِمْ كَانَ كَفَافاً لَا لَكَ وَلَا عَلَيْكَ وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ فَوْقَ ذُنُوبِهِمُ اقْتُصَّ لَهُمْ مِنْكَ الْفَضْلُ الَّذِى بَقِيَ قِبَلَكَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَبْكِى بَيْنَ يَدَىْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَيَهْتِفُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَا لَهُ مَا يَقْرَأُ كِتَابَ اللّٰهِ (**وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئاً وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَا حَاسِبِينَ**)فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا أَجِدُ شَيْئاً خَيْراً مِنْ فِرَاقِ هَؤُلَاءِ يَعْنِى عَبِيدَهُ إِنِّى أُشْهِدُكَ أَنَّهُمْ أَحْرَارٌ كُلُّهُمْ))[رواہ احمد:مسند السیدۃ عائشۃ]

’’عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عیاش بن ابی ربیعہ کے غلام زیاد نے انہیں حدیث بیان کی اُس آدمی سے جس نے اُسے نبی ﷺ سے بیان کیا تھا۔رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک آدمی آپ کے سامنے عرض کرنے لگا اے اللہ کے رسول ﷺ میرے دو غلام ہیں جو میرے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں،خیانت کرتے اور میری نافرمانی کرتے ہیں میں اُنہیں مارتا پیٹتا ہوں اور گالیاں دیتا ہوں یہ میرا معاملہ کیسا ہے؟رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس قدر تیری خیانت ، تیری نافرمانی اور تیرے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں اگر تیری ڈانٹ ڈپٹ اُن کے غلطیوں سے کم تر ہوئی تو تجھے اجر عطا کیا جائے گا اور اگر برابر ہوئی تو معاملہ یکساں ہے اور اگر ڈانٹ اُن کی خطاؤں سے بڑھ کر ہوئی تو تیری نیکیوں میں کمی کی جائے گی یہ سن کر وہ شخص آپ ﷺ کے سامنے رویا اور آہ وزاری کرنے لگا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا اللہ کی کتاب کو نہیں پڑھتا کہ قیامت کے دن ہم عدل وانصاف کا ترازو قائم کریں گے اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔اگر نیکی اور برائی ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ہوئی ہم اُسے بھی لے آئیں گے اور ہم کافی ہیں حساب لینے والے۔وہ آدمی کہنے لگا اے اللہ کے رسول ﷺ میں اس سے بہتر کوئی چیز نہیں پاتا کہ اُن غلاموں کو آزاد کردوں اور میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں میں نے اُنہیں آزاد کر دیا۔‘‘

مسائل

۱۔ جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوا اسے جنت میں داخل کیا جائے گا جس کا برائیوں کا پلڑا بھاری ہوا اسے جہنم دھکیل دیا جائے گا۔
۲۔ جہنم میں مجرموں کے چہرے جھلس جائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

جہنمیوں کی سزا کا ہلکا سا منظر:

۱۔ جہنمیوں کے جسم بار بار بدلے جائیں گے تاکہ انہیں پوری پوری سزا دی جائے۔(النساء:۵۶)
۲۔ جہنمیوں کو آگ کے ستونوں سے باندھ دیا جائے گا۔(ہمزہ:۹۰)
۳۔ جہنمی گرم ہوا کی لپیٹ میں اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے۔(الواقعۃ:۴۲)
۴۔ جہنمیوں کو پیپ اور لہو پلایا جائے گا۔(ابراہیم:۱۶)

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا

کیا نہیں | تھیں | میری آیات | تلاوت کی جاتیں | تم پر | بس تم تھے | ان کو

تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَیْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا

تم جھٹلاتے؟ | وہ کہیں گے | اے ہمارے رب | غالب آگئی | ہم پر | ہماری بدبختی | اور ہم تھے

قَوْمًا ضَآلِّیْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا

لوگ | گمراہ | اے ہمارے رب | تو ہمیں نکال | اس سے | پھر اگر ہم دوبارہ کریں

فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَئُوْا فِیْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾

تو بلاشبہ ہم | ظالم ہیں | فرمائے گا | ذلیل وخوار پڑے رہو | اس میں | اور نہ | تم کلام کرو مجھ سے

”کیا تم وہی نہیں ہو جب میری آیات تمہیں سنائی جاتی تھیں تم انہیں جھٹلاتے تھے۔(۱۰۵) وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہماری بدبختی ہم پر غالب آگئی ہم واقعی گمراہ تھے۔(۱۰۶) اے پروردگار اب ہمیں یہاں سے نکال دے پھر ہم ایسا کریں تو ظالم ہوں گے۔(۱۰۷) اللہ تعالیٰ جواب دے گا کہ جہنم میں ذلیل وخوار ہوتے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔“(۱۰۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنمیوں کا جہنم میں واویلا اور فریادیں کرنا ان کی فریادیوں کے جواب میں ملائکہ اور رب ذوالجلال کا فرمان۔

جہنمی جہنم کے عذاب سے تنگ آکر واویلا اور آہ وزاریاں کریں گے ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کیا تمہارے پاس میرے فرامین نہیں پہنچے تھے؟ جہنمی زاروقطار روتے ہوئے عرض کریں گے ہمارے پروردگار کیوں نہیں ہمیں تیرے احکام اور ارشادات پہنچے لیکن اے ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی غالب آئی اور ہم گمراہوں میں شامل ہوگئے۔ اے ہمارے رب ہماری فریادیں قبول فرما اور ہمیں جہنم سے نجات عطا فرما۔ ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے اگر ہم پھر نافرمانی کریں تو ہم حقیقتاً ظالم ہوں گے۔ جہنمی اپنی فریادوں، آہ وزاریوں کے بعد یہ امید کیے ہوں گے کہ شاید ہمیں جہنم سے نجات مل جائے لیکن اللہ تعالیٰ بڑے غضب ناک اور پورے جاہ وجلال کے ساتھ حکم صادر فرمائے گا پلٹ جاؤ اور جہنم میں ذلیل وخوار ہوتے رہو آئندہ تمہیں میرے ساتھ کلام کرنے کی اجازت نہ ہوگی اب میرے ساتھ ہرگز کلام نہ کرنا۔

((عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یُلْقَی عَلَی أَهْلِ النَّارِ الْجُوعُ فَیَعْدِلُ مَا هُمْ فِیهِ مِنَ الْعَذَابِ فَیَسْتَغِیثُونَ فَیُغَاثُونَ بِطَعَامٍ مِنْ ضَرِیعٍ لَا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِی مِنْ جُوعٍ فَیَسْتَغِیثُونَ بِالطَّعَامِ فَیُغَاثُونَ بِطَعَامٍ ذِی غُصَّةٍ فَیَذْكُرُونَ أَنَّهُمْ كَانُوا یُجِیزُونَ الْغُصَصَ فِی الدُّنْیَا بِالشَّرَابِ فَیَسْتَغِیثُونَ بِالشَّرَابِ فَیُرْفَعُ إِلَیْهِمُ الْحَمِیمُ بِكَلَالِیبِ الْحَدِیدِ فَإِذَا دَنَتْ مِنْ وُجُوهِهِمْ شَوَتْ وُجُوهَهُمْ فَإِذَا دَخَلَتْ بُطُونَهُمْ قَطَّعَتْ مَا فِی بُطُونِهِمْ فَیَقُولُونَ ادْعُوا خَزَنَةَ جَهَنَّمَ فَیَقُولُونَ أَلَمْ تَكُ تَأْتِیكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَیِّنَاتِ قَالُوا بَلَی قَالُوا فَادْعُوا وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِینَ إِلَّا فِی ضَلَالٍ قَالَ فَیَقُولُونَ ادْعُوا مَالِكًا

فَيَقُولُونَ (يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ)قَالَ فَيُجِيبُهُمْ (إِنَّكُمْ مَاكِثُونَ)قَالَ الْأَعْمَشُ نُبِّئْتُ أَنَّ بَيْنَ دُعَائِهِمْ وَبَيْنَ إِجَابَةِ مَالِكٍ إِيَّاهُمْ أَلْفَ عَامٍ قَالَ فَيَقُولُونَ ادْعُوا رَبَّكُمْ فَلَا أَحَدَ خَيْرٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَيَقُولُونَ (رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ)قَالَ فَيُجِيبُهُمْ (اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ) قَالَ فَعِنْدَ ذَلِكَ يَئِسُوا مِنْ كُلِّ خَيْرٍ وَعِنْدَ ذَلِكَ يَأْخُذُونَ فِي الزَّفِيرِ وَالْحَسْرَةِ وَالْوَيْلِ))[رواہ الترمذی: باب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ طَعَامِ أَهْلِ النَّارِ]

”حضرت ابی درداءؓ بیان کرتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا کہ جہنمیوں پر بھوک مسلط کردی جائے گی اور وہ بھوک اُس عذاب کے برابر ہوگی جس میں وہ مبتلا ہونگے ۔کھانا طلب کریں گے تو اُنہیں کھانے میں سوکھی گھاس پیش کی جائے گی جس سے نہ تو وہ موٹے ہو پائیں گے اور نہ اُن کی بھوک دور ہوگی وہ کھانا طلب کریں گے تو اُنہیں ایسا کھانا دیا جائے گا جو اُن کے حلق میں اٹک جائے گا تو وہ کہیں گے کہ دنیا میں کھانا حلق میں پھنس جاتا تھا تو ہم پانی کے ساتھ اُسے نیچے اتارتے تھے وہ پانی طلب کریں گے تو انہیں گرم پانی لوہے کے پیالوں میں پیش کیا جائے گا۔ جب اُسے اپنے چہروں کے قریب کریں گے تو اُن کے چہرے جھلس جائیں گے جب اُسے اپنے پیٹ میں داخل کریں گے تو اُن کے پیٹ کٹ کے رہ جائیں گے وہ کہیں گے کہ جہنم کے داروغے کو بلاؤ تو اُنہیں جواب دیا جائے گا کیا تمہارے پاس رسول آیات لے کر نہیں آئے تھے جواب دیں گے ہاں! تو فرشتے کہیں گے تم چیختے چلاتے رہو تمہاری فریاد رائیگاں جائے گی۔ وہ کہیں گے مالک کو پکارو تو جہنمی مالک کو پکاریں گے کہ وہ اللہ سے کہے کہ ہمارے مرنے کا فیصلہ فرمادے۔ اُنہیں جواب دیا جائے گا تم ہمیشہ اسی میں رہو گے۔ اعمش نے کہا اُن کو مالک کی طرف سے ایک ہزار سال کے بعد جواب دیا جائے گا۔ دوزخی کہیں اپنے پروردگار کو پکارو تمہارے رب سے بہتر کوئی نہیں تو وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی اور ہم گمراہ ہو گئے اے ہمارے پروردگار ہمیں اِس جہنم سے نکال دے اگر ہم دوبارہ ایسے اعمال کریں تو ہم ظالم ہوں گے اُنہیں جواب دیا جائے گا اِسی دوزخ میں رہو اور کسی قسم کی کلام نہ کرو اس پر جہنمی ہر بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے اور وہ آہ وزاری کریں گے اور کھانے پینے پر حسرت کریں گے اور واویلا کریں گے۔“ (جہنم کو کنٹرول کرنے والے فرشتے کا نام ”مالک“ ہے۔)

مسائل

۱۔ جہنمیوں کی آہ وبقاء اور فریاد نہیں سنی جائے گی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ پورے غضب کے ساتھ جہنمیوں کو دھتکار دیں گے جہنمی اپنی بدبختی اور گمراہی پر افسوس کریں گے۔

تفسیر بالقرآن

جہنمیوں کا جہنم میں واویلا اور آہ وزاریاں:

۱۔ اے ہمارے رب ہمیں تھوڑی دیر کے لیے مہلت دے ہم تیری دعوت کو قبول اور تیرے رسول کی بات کو تسلیم کریں گے۔ (ابراہیم:۴۴)

۲۔ جہنمی کہیں گے اے اللہ ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو واپس لوٹا دے۔ (السجدۃ:۱۲)

۳۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں یہاں سے نکال ہم پہلے سے نیک عمل کریں گے۔ (الفاطر:۳۷)

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ

بے شک وہ | تھا | ایک فریق | سے | میرے بندے | وہ کہتے تھے | اے ہمارے رب

اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

ہم ایمان لائے | لہٰذا تو ہمیں بخش دے | اور ہم پر رحم فرما | اور تو | بہترین | رحم کرنے والا ہے

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ

تم کرتے تھے ان سے | مذاق | یہاں تک کہ | تم نے بھلا دیا | میرا ذکر | اور تم تھے

مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا

ان سے | مذاق کرتے | بلاشبہ میں نے | انہیں جزا دی | آج | انہوں نے صبر کیا

اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

کہ بے شک | وہ | کامیاب ہیں

”تم وہی لوگ ہو کہ میرے کچھ بندے جب کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے ہمیں معاف کردے ہم پر رحم فرما تو سب سے بڑا مہربان ہے۔(۱۰۹) تم نے ان کا مذاق اڑایا یہاں تک کہ تم نے مجھے بھی بھلا دیا اور تم انہیں مذاق کرتے تھے۔(۱۱۰) آج ان کے صبر کا میں نے انہیں یہ صلہ دیا ہے کہ وہ کامیاب ہیں۔“(۱۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: رب ذوالجلال کا جہنمیوں کو دوسرا جواب۔

جہنمیوں کو جہنم میں دھتکارتے وقت اللہ تعالیٰ یہ بھی ارشاد فرمائیں گے کہ کیا تم وہ لوگ نہیں ہو؟ جنہوں نے میرے بندوں کو اس وجہ سے تضحیک کا نشانہ بنایا کیونکہ وہ مجھ پر ایمان رکھتے تھے، مجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے اور مجھ سے رحم کی درخواست کرتے ہوئے کہتے تھے کہ اے رب تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ انہیں مذاق کرنے کی وجہ سے تم نے میری نصیحت کو فراموش کر دیا۔ اپنے بندوں کے ایمان، صبر اور دعاؤں کی وجہ سے انہیں بہترین اجر سے سرفراز کرتا ہوں۔ ان کے مقابلے میں آج تمہاری سزا یہ ہے کہ تم ہمیشہ ہمیش جہنم کی آگ میں جلتے اور چلاّتے رہو گے۔

جنتیوں کا اجر اور جہنمیوں کی سزا:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَالَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ وَّاقْرَءُ وْا اِنْ شِئْتُمْ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ)) [رواہ البخاری: باب مَا جَاءَ فِی صِفَةِ الْجَنَّةِ وَاَنَّهَا مَخْلُوقَةٌ]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں' میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں' جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کا تصور پیدا ہوا۔ اگر تمہیں پسند ہو تو اس آیت کی تلاوت کرو'' کوئی نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چیز چھپا کے رکھی گئی ہے۔''

((وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَوْضِعُ سَوْطٍ فِیْ الْجَنَّۃِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا)) [رواہ البخاری: باب مَا جَاءَ فِی صِفَۃِ الْجَنَّۃِ وَأَنَّھَا مَخْلُوقَۃٌ]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جنت میں ایک کوڑے کے برابر (گز بھر) جگہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے' اس سے بہتر ہے۔''

وَعَنْ سَمُرَۃَ بْنِ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مِنْھُمْ مَنْ تَاْخُذُہُ النَّارُاِلٰی کَعْبَیْہِ وَمِنْھُمْ مَنْ تَاْخُذُہُ النَّارُاِلٰی رُکْبَتَیْہِ وَمِنْھُمْ مَنْ تَاْخُذُہُ النَّارُ اِلٰی حُجْزَتِہٖ وَمِنْھُمْ مَنْ تَاْخُذُہُ النَّارُ اِلٰی تَرْقُوَتِہٖ))

[رواہ مسلم: باب فِی شِدَّۃِ حَرِّ نَارِ جَھَنَّمَ وَبُعْدِ قَعْرِھَا وَمَا تَأْخُذُ مِنَ الْمُعَذَّبِینَ]

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جہنم کی آگ نے بعض لوگوں کو ٹخنوں تک' بعض کے گھٹنوں تک اور بعض کو کمر تک گھیرا ہوگا اور بعض کی گردن تک پہنچی ہوگی۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا بَیْنَ مَنْکِبَیِ الْکَافِرِ فِی النَّارِ مَسِیْرَۃُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ لِلرَّاکِبِ الْمُسْرِعِ - وَفِیْ رِوَایَۃٍ ضِرْسُ الْکَافِرِ مِثْلُ اُحُدٍ وَغِلْظُ جِلْدِہٖ مَسِیْرَۃُ ثَلٰثٍ))

[رواہ مسلم:باب النَّارُ یَدْخُلُھَا الْجَبَّارُونَ وَالْجَنَّۃُ یَدْخُلُھَا الضُّعَفَاءُ]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم میں کافر کے کندھوں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہوگا کہ تیز رفتار سوار کے لیے تین دن کی مسافت ہوگی ایک اور روایت میں ہے کہ دوزخ میں کافر کی داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی اور اس کے جسم کی موٹائی تین رات کی مسافت کے برابر ہوگی۔''

مسائل

۱۔ نیک لوگوں کو مذاق کرنے کی سزا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش اور اس کا رحم مانگنا چاہیے۔
۳۔ صبر کرنے والوں کو قیامت کے دن پوری پوری جزا ملے گی۔

تفسیر بالقرآن

صبر کرنے کا صلہ:

۱۔ صبر اہم کاموں میں اہم ترین کام ہے۔(الشوریٰ:۴۳) ۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کا حکم دیا گیا۔(المعارج:۵)
۳۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔(البقرۃ:۱۵۳) ۴۔ صبر کا انجام اچھا ہوتا ہے۔(الحجرات:۵)
۵۔ صبر کرنے والے کامیاب ہوں گے۔(المومنون:۱۱۱) ۶۔ صبر کرنے والوں کا صلہ جنت ہے۔(الدھر:۱۲)

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾

فرمائے گا | کتنا | تم ٹھہرے | میں | زمین | گنتی | سال

قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّیْنَ ﴿۱۱۳﴾

وہ کہیں گے | ہم ٹھہرے | ایک دن | یا | کچھ حصہ | دن | تو پوچھ لے | گننے والے

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

فرمائے گا | نہیں | تم ٹھہرے | مگر | تھوڑا وقت | کاش بیشک تم | تھے تم | جانتے ہوتے

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾

کیا تم نے گمان کرلیا | کہ محض | ہم نے تمہیں پیدا کیا | بے مقصد | اور بیشک تم | ہماری طرف | نہیں لوٹائے جاؤ گے؟

”پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا بتاؤ زمین میں تم کتنے سال رہے؟ (۱۱۲) وہ کہیں گے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ اے اللہ آپ گنتی کرنے والوں سے پوچھ لیں۔ (۱۱۳) ارشاد ہوگا تم تھوڑی ہی دیر ٹھہرے ہونا! کاش تم نے اس کی قدر جانا ہوتی۔“ (۱۱۴) کیا تم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا اور تمہیں ہماری طرف کبھی پلٹ کر نہیں آنا۔“ (۱۱۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کا جہنمیوں سے ایک اور سوال:۔

انسان کی بغاوت اور نافرمانی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کو سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہ سمجھتا ہے مرنے کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش نہیں ہونا۔ جہنمیوں کی حسرتوں میں اضافہ کرنے اور دنیا میں دی جانے والی مہلت کا احساس دلانے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ جہنمیوں سے استفسار فرمائیں گے۔ بتاؤ کہ تم دنیا میں کتنا عرصہ ٹھہرے تھے؟ جہنمی جہنم کی ہولناکیوں سے گھبرا کر کہیں گے کہ ہم دنیا میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے۔ اس کے ساتھ ہی فریاد کریں گے کہ الٰہی ہمیں کچھ یاد نہیں کہ ہم کتنی دیر ٹھہرے رہے۔ آپ ان لوگوں سے استفسار فرمائیں جو گنتی کو جاننے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ تم ایک دن یا اس کا کچھ حصہ نہیں ٹھہرے بلکہ ایک مدت تک ٹھہرے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مدّت کو قلیل مدت قرار دیا ہے اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی زندگی اور اس کی نعمتیں آخرت کے مقابلے میں قلیل ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جہنمیوں کو یہ احساس دلایا جائے کہ تمہیں دنیا کی زندگی میں معمولی اختیارات اور تھوڑی سی مہلت دی گئی مگر تم نے پھر بھی اپنے رب کی نافرمانی کی۔ اگر تم دنیا کی زندگی کو قلیل اور عارضی جانتے اور آخرت کی حقیقت کو سمجھتے تو آج جہنم کے عذاب سے نجات پاتے۔

((وَعَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: وَاللّٰهِ مَا الدُّنْيَا فِی الْآخِرَةِ إِلَّا مِثْلُ

مَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ إِصْبَعَهٗ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ)) [رواہ مسلم :باب فَنَاءِ الدُّنْيَا وَبَيَانِ الْحَشْرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ]

''حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کرتے ہوئے سنا اللہ کی قسم! دنیا کی مثال آخرت کے مقابلے میں اتنی سی ہے' جتنا کہ تم میں سے کوئی دریا میں اپنی انگلی ڈالے۔ پھر دیکھے کہ اس کے ساتھ کتنا پانی آیا ہے؟''

((وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِبَعْضِ جَسَدِی فَقَالَ كُنْ فِی الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ أَهْلِ الْقُبُوْرِ)) [رواہ البخاری: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم كُنْ فِی الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے کو پکڑ کر فرمایا۔ دنیا میں اجنبی یا مسافر کی طرح رہو اور اپنے آپ کو اہلِ قبور میں شمار کرو۔

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن دوزخیوں میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا' جو دنیا میں سب سے زیادہ عیش و آرام کی زندگی بسر کرتا رہا۔ اُسے دوزخ میں ایک غوطہ دیا جائے گا اس کے بعد اس سے پوچھا جائے گا۔ اے آدم کے بیٹے! کیا تو نے کبھی آرام دیکھا؟ اور تجھ پر نعمتوں کا کوئی دور گزرا؟ وہ کہے گا۔ اللہ کی قسم! کبھی نہیں' اے میرے رب! میں نے کبھی آرام نہیں پایا۔ پھر جنتیوں میں سے ایسے شخص لایا جائے گا' جس نے دنیا میں سب سے زیادہ تنگ زندگی گزاری ہوگی اسے جنت کی ایک جھلک دکھا کر پوچھا جائے گا' کیا تو نے کبھی تنگی دیکھی؟ کیا تجھ پر کبھی سختی کا وقت آیا؟ وہ جواب دے گا۔ اللہ کی قسم! مجھ پر کوئی تنگی نہیں آئی اور نہ ہی میں نے کبھی بُرا دن دیکھا۔'' [رواہ مسلم:باب صَبْغِ أَنْعَمِ أَهْلِ الدُّنْيَا فِی النَّارِ وَصَبْغِ أَشَدِّهِمْ بُؤْسًا فِی الْجَنَّةِ]

مسائل

۱۔ جہنمی جہنم کے عذاب کی وجہ سے دنیا کی عیش وعشرت بھول جائیں گے۔

۲۔ جہنمی دنیا میں طویل مدت تک رہنے کے باوجود اسے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ قرار دیں گے۔

تفسیر بالقرآن

آخرت کے مقابلے میں دنیا کی حیثیت:

۱۔ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ (الاعلیٰ:۱۷) ۲۔ دنیا کھیل اور تماشا ہے۔ (الانعام:۳۲)

۳۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی عارضی ہے۔ (الرعد:۲۶) ۴۔ دنیا کی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے۔ (الحدید:۲۰)

۵۔ دنیا عارضی اور آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے۔ (المؤمن:۳۹)

فَتَعٰلَى	اللّٰهُ	الْمَلِكُ	الْحَقُّ ۚ	لَآ	اِلٰهَ
بس وہ اعلیٰ ہے	اللہ	بادشاہ	سچا	نہیں	کوئی معبود
اِلَّا	هُوَ ۚ	رَبُّ	الْعَرْشِ	الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾	
مگر	وہی	رب	عرش	کریم	

’’پس اللہ بلند و بالا اور سچا بادشاہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرش کریم کا مالک ہے۔‘‘ (۱۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: دنیا کو دائمی سمجھنا اور مرنے کے بعد جی اُٹھنے کا انکار کرنے والا شخص اپنی اور کائنات کی تخلیق کو بے مقصد سمجھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بلند و بالا اور بلا شرکت غیرے زمین و آسمان کا بادشاہ ہے۔ اس کی ذات اور فرمان برحق اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق اور حاجت روا اور مشکل کشا نہیں ہے وہ عرش کریم کا مالک ہے۔ اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے اپنی پانچ صفات کا تذکرہ کیا ہے۔ یہاں ہم اس فرمان کے سیاق کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی تین صفات کی مختصر تشریح کریں گے اللہ تعالیٰ نے اپنے اعلیٰ ہونے کی صفت بیان فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ اس کی یہ شان نہیں کہ وہ کوئی چیز عبث اور بے مقصد پیدا کرے۔ اس لیے منکرین قیامت کا یہ عقیدہ غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے مقصد پیدا کیا ہے گویا کہ قیامت کا انکار کرنے والا اپنی تخلیق اور پوری کائنات کے وجود کو بے مقصد قرار دیتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں نے کوئی چیز بے مقصد پیدا نہیں کی (آل عمران: ۱۹۱) انسان کی زندگی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے موت و حیات کو پیدا کیا تا کہ ہم لوگوں کو نیکی اور برائی کے ساتھ آزمائیں۔ (الملک: ۲)۔ ① ’’اللہ‘‘ اپنی ذات، صفات کے اعتبار سے بلند و بالا ہے ② ’’اللہ‘‘ ہی زمین و آسمانوں اور ہر چیز کا بلا شریک غیرے بادشاہ ہے ③ ’’اللہ‘‘ اپنی ذات، صفات، کام اور حکم میں برحق ہے ④ ’’اللہ‘‘ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی حاجت روا، مشکل کشا ہے۔ ⑤ ’’اللہ‘‘ عرش کریم کا مالک ہے۔

((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ وَقَالَ يَدُ اللّٰهِ مَلْاٰى لَا تَغِيْضُهَا نَفَقَةٌ، سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَقَالَ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمَآءَ وَالْأَرْضَ فَإِنَّهُ لَمْ يَغِضْ مَا فِيْ يَدِهِ، وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ، وَبِيَدِهِ الْمِيْزَانُ يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ)) [رواہ البخاری: کتاب التفسیر، باب قوله تعالى وكان عرشه على الماء]

’’حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل فرماتے ہیں انسان خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بھرے ہوئے ہیں۔ رات، دن خرچ کرنے سے اس خزانہ میں کمی نہیں آتی،

آپ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ قدر اللہ نے کتنا خرچ کیا ہوگا؟ جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین بنائے ہیں یقیناً اس کے خزانوں میں کسی قسم کی کمی نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا، اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ترازو ہے وہ اسے اوپر، نیچے کرتا ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ منکرینِ قیامت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت برپا نہیں کرنی۔

۲۔ منکرینِ قیامت کا عقیدہ اور دعویٰ ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے نہیں جانا۔

۳۔ منکرینِ قیامت کا اپنے عقیدہ اور دعویٰ میں جھوٹے ہیں اللہ تعالیٰ ہر صورت قیامت برپا کرے گا اور لوگوں کو اپنی بارگاہ میں پیش کرے گا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ بے مقصد کام کرنے اور حکم دینے اور لوگوں کے باطل عقیدہ و عمل سے پاک اور بلند و بالا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی صفات کی ایک جھلک:

۱۔ ’’اللہ‘‘ تعالیٰ ہی رب ہے۔ (لانعام:۱۰۲) ۲۔ ’’اللہ‘‘ ہر چیز کا خالق ہے۔ (الرعد:۱۶)

۳۔ ’’اللہ‘‘ ہی ازلی اور ابدی ذات ہے۔ (الحدید:۳) ۴۔ مشرق و مغرب ’’اللہ‘‘ کے لیے ہے۔ (البقرۃ:۱۴۲)

۵۔ غنی ہے تعریف کیا گیا۔ (فاطر:۳۵) ۶۔ زمین و آسمان پر ’’اللہ‘‘ کی بادشاہی ہے۔ (آلِ عمران:۱۸۹)

۷۔ قیامت کو بھی اللہ تعالیٰ ہی کی حکومت ہوگی۔ (الفرقان:۲۶)

۸۔ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے وہ ’’اللہ‘‘ کی ملکیت ہے اور ’’اللہ‘‘ ہر چیز پر قادر ہے۔ (آل عمران:۱۸۹)

۹۔ ’’اللہ‘‘ ہر چیز پر گواہ۔ (البروج:۹) ۱۰۔ کیا آپ نہیں جانتے؟ کہ زمین و آسمان کی بادشاہت ’’اللہ‘‘ کے لیے ہے۔ (البقرۃ:۱۰۷)

۱۱۔ ’’اللہ‘‘ سخت عذاب دینے والا۔ (البقرۃ:۱۶۵) ۱۲۔ ’’اللہ‘‘ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (النساء:۱۶)

۱۳۔ ’’اللہ‘‘ صراط مستقیم کی راہنمائی کرنے والا۔ (الحج:۵۴) ۱۴۔ ’’اللہ‘‘ غیب و حاضر کو جاننے والا ہے۔ (الحشر:۲۲)

۱۵۔ ’’اللہ‘‘ قوی اور غالب ہے۔ (المجادلۃ:۲۱) ۱۶۔ ’’اللہ‘‘ واحد ہے زبردست طاقت والا ہے۔ (ص ۶۵)

۱۷۔ ’’اللہ‘‘ تعالیٰ ہی زندہ کرنے والا اور موت دینے والا ہے۔ (البقرۃ:۲۵۵)

۱۸۔ ’’اللہ‘‘ تعالیٰ بندوں پر شفقت اور نرمی فرمانے والا ہے۔ (آل عمران:۳۰)

وَمَنْ	يَّدْعُ	مَعَ	اللّٰهِ	اِلٰهًا	اٰخَرَ	لَا بُرْهَانَ
اور جو کوئی	پکارے	ساتھ	اللہ	معبود	دوسرا	نہیں دلیل
لَهٗ	بِهٖ	فَاِنَّمَا	حِسَابُهٗ	عِنْدَ	رَبِّهٖ	اِنَّهٗ
اس کے لیے ساتھ اس کے		تو بس	اس کا حساب	پاس	اس کا رب	بلاشبہ وہ
لَا يُفْلِحُ	الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾	وَقُلْ	رَّبِّ	اغْفِرْ	وَارْحَمْ	
نہیں فلاح پائیں گے	کافر	اور آپ کہیں	اے میرے رب	تو بخش دے	اور تو رحم فرما	
وَاَنْتَ	خَيْرُ	الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾				
اور تو	بہترین	رحم کرنے والا ہے				

''اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے جس کے لیے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے یقیناً کافر کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔ (۱۱۷) اے نبی دعا کرو کہ میرے رب درگزر اور رحم فرما اور تو سب سے بڑا مہربان ہے۔'' (۱۱۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے بلندو بالا، پوری کائنات کا بادشاہ، عرش کریم کا رب ہونے کی بناء پر اکیلا ہی معبودِ برحق ہے۔ لیکن اس کے باوجود مشرک اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو الٰہ بناتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرنے کی بجائے مشرک دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو پکارنے کی اس کے بعد کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، شان اور صفات کے حوالے سے اکیلا اور سب سے اعلیٰ ہے۔ اس کی ذات اور صفات میں کوئی بھی شریک نہیں ہے۔ مشرک دلیل نہ ہونے کے باوجود نہ صرف شرک جیسے سنگین جرم میں ملوث ہوتا ہے بلکہ شرک کی حمایت میں بحث وتقرار بھی کرتا ہے یہاں تک مرنے مارنے پر اتر آتا ہے ایسی صورت میں ایک داعی کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ وہ مشرک سے الجھنے کی بجائے یہ کہہ کر اپنا کام کرتا جائے کہ تیرا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس عقیدہ کا انکار کرنے والے یقیناً فلاح نہیں پائیں گے۔ اے پیغمبر ﷺ آپ اپنے رب سے اس کی بخشش اور رحم مانگتے رہیں یقیناً آپ کا رب بڑا رحم کرنے والا ہے۔ سورۃ المومنون کی ابتداء ان الفاظ سے ہوئی تھی کہ مومن فلاح پا چکے اس کا اختتام اس بات پر کیا جا رہا ہے کہ ان کے مقابلے میں جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کا انکار کرتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ یہ حقیقت بتلانے کے بعد نبی کریم ﷺ اور آپ کی امت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنے رب سے اس کی بخشش اور رحمت مانگتے رہو وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا‘ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دوزخیوں میں سے سب سے ہلکا عذاب دیے جانے والے سے پوچھیں گے اگر تیرے پاس زمین کی چیزوں میں سے کوئی چیز ہوتی تو کیا تو عذاب سے چھٹکارے کے بدلے میں وہ چیز دے دیتا؟ وہ کہے گا کیوں نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے تجھ سے دنیا میں بہت ہی معمولی مطالبہ کیا تھا۔ جب تو آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا‘ لیکن تو نے انکار کیا اور میرے ساتھ شریک ٹھہراتا رہا۔“ [رواه البخاري:باب صِفَةِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ]

توبہ واستغفار کی فضیلت اور فوائد:

اللہ کی رضا کا حصول: گناہوں کی معافی کا ذریعہ، اس سے ضمیر کا بوجھ ہلکا اور پریشانیوں سے نجات ملتی ہے، دنیا میں کشادگی اور آخرت میں جنت کے باغات نصیب ہوں گے، سچی توبہ سے سیئات حسنات میں تبدیل ہو جاتی ہیں، توبہ واستغفار کرنے سے آدمی اللہ کے غضب سے محفوظ ہو جاتا ہے لہٰذا ہر دم اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ، استغفار کرتے رہیے۔

امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ابر باراں ہوئے عرصہ گزر چکا تھا وہ ہاتھ اٹھا کر بارش مانگنے کی بجائے بار بار توبہ استغفار کرتے رہے کسی نے عرض کیا کہ آپ نے بارش کی دعا کی ہی نہیں، فرمایا کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا سورۃ نوح میں اللہ تعالیٰ نے توبہ استغفار کے بدلے بارش برسانے کا وعدہ فرمایا ہے۔

﴿إِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًاo يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًاo﴾ [نوح:۱۰۔۱۱]

”اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارش برسائے گا۔“

مسائل

۱۔ مشرک کے پاس شرک کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا انکار کرنے والا فلاح نہیں پائے گا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش اور اس کی رحمت طلب کرنی چاہیے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نہ ”اللہ“ کے ساتھ کسی کو پکارا جائے اور نہ اس کے سوا کسی کو پکارا جائے:

۱۔ اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارو جو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع دے سکتا ہے۔ (یونس:۱۰۶)

۲۔ اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکاریں ورنہ آپ عذاب میں مبتلا ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (الشعراء:۲۱۳)

۳۔ مشرک سمجھتے ہیں کہ اللہ نے مدفون بزرگوں کو کچھ اختیارات دے رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس نے کسی کو کوئی اختیار نہیں دیا۔ (فاطر:۱۳)

۴۔ اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ (النساء:۳۶)

سورۃ النّور کا تعارف

ربطِ سورۃ: سورۃ المومنوں ان الفاظ پر ختم ہوئی کہ اپنے رب سے بخشش اور رحم مانگتے رہو۔ اس کا رحم اور بخشش ان لوگوں کو حاصل ہوگا جو اس کے ارشادات سے نصیحت حاصل کر کے اس پر عمل کرتے ہیں۔

یہ سورۃ 9 رکوع اور 64 آیات پر مشتمل ہے۔ عرب غیور اور خوددار ہونے کے باوجود اخلاقی بے راہ روی میں اس حد تک آگے بڑھ چکے تھے کہ بدکاری اور بے حیائی ان کے نزدیک عیب نہیں سمجھا جاتا تھا، خاندانی دشمنی کی بنا پر شاعر مجمع عام میں اپنی محبوبہ اور مخالف گروہ کی بہو، بیٹیوں پر تہمتیں لگاتے اور سننے والے ان سے لطف اندوز ہوتے، مکہ کی نسبت مدینہ کے لوگ پڑھے لکھے اور ترقی یافتہ تھے، مگر ان کی اخلاقی گراوٹ کا عالم یہ تھا کہ مدینہ میں باقاعدہ قحبہ خانے تھے۔ فاحشہ عورتوں نے ان کی مشہوری کے لیے چھتوں پر جھنڈے لہرا رکھے تھے، تاکہ برائی کے متلاشی لوگوں کو ان تک پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے، معاشرتی آداب اس قدر پامال ہو چکے تھے کہ ایک دوسرے کے گھروں میں بلا اجازت آنا، جانا بالخصوص مذہبی پوپ اور بڑے لوگ اپنا حق سمجھتے تھے، اس کا سبب تھا کہ اگر بڑے خاندان کا آدمی زنا یا کوئی جرم کرتا تو اس پر کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا تھا، غریب یا کمزور خاندان کا آدمی جُرم کرتا تو اس پر حد نافذ کی جاتی تھی۔ اخلاقی بے راہ روی اور ہر قسم کی بے حیائی ختم کرنے کے لیے یہ سورۃ مبارک نازل کی گئی۔ جس میں سوچ کی پاکیزگی اور کردار کی پختگی کے اصول بتلانے کے ساتھ ساتھ چوری، بدکاری اور تہمت کی سزا مقرر کی گئی ہے اور اس کے نفاذ پر کسی قسم کی نرمی روا رکھنے کو ایمان کی کمزوری قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح چادر اور چار دیواری کے تحفظ کو یقینی بنایا گیا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جونہی مسلمان مرد و زن نے اس سورۃ کی تعلیمات پر عمل کیا۔ معاشرہ امن و امان اور شرم و حیا کا گہوارہ ثابت ہوا۔ کیونکہ صدیوں سے جاری معاشرتی رسومات اور اطوار کا بدلنا انتہائی مشکل ہوا کرتا ہے اس لیے اس سورۃ اور اس کے احکام کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس سورۃ کو ہم نے نازل کیا ہم نے اس کے احکام کی تعمیل کو لازم قرار دیا اور ہم ہی نے اس کے ارشادات کو کھول کھول کر بیان کیا تاکہ تم انہیں یاد رکھو۔ لہٰذا غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے اسّی اسّی کوڑے ہیں۔ کوڑے مارتے ہوئے کسی قسم کی نرمی نہیں ہونا چاہیے اور اس وقت مومنوں میں کچھ لوگوں کا موجود ہونا بھی ضروری ہے۔ اب کے بعد زانی عورت کا نکاح زانی مرد کے ساتھ ہوگا، مشرکہ، مشرک کے ساتھ، بدکار عورت کا بدکار مرد سے اور مشرک کا نکاح مشرکہ کے ساتھ ہی ہوسکتا ہے۔ باکردار مسلمان مردوں پر یہ رشتے حرام ہیں۔ جو لوگ صالح کردار عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں انہیں اسّی درّے مارے جائیں اور آئندہ کے لیے ان کی شہادت قبول نہ ہوگی، ان حدود کے بیان کرنے کے بعد اس سورۃ کے شانِ نزول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سچے کردار کی گواہی دی گئی ہے۔ اور مومنوں کو سمجھایا ہے کہ کسی صالح کردار مرد و زن پر تہمت لگے تو اس کے پاکیزہ ماضی کو سامنے رکھتے ہوئے اس تہمت کی فوراً تردید کر دینی چاہیے، کیونکہ صالح انسان کا ماضی بہت حد تک اس کے مستقبل کی ضمانت ہوتا ہے، پھر

ایک دوسرے کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینا اور گھر والوں کو سلام کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔اس تعلیم کے ساتھ ہی مومن مرد اور مومن خواتین کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچے رکھا کریں ،اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں ،اس حکم کے ساتھ ان رشتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن سے پردہ کرنا عورت کے لیے ضروری نہیں۔سورۃ کے پانچویں رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو زمین و آسمانوں کا نور قرار دیا ہے پھر اپنے نور کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا،جس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور ارشادات نور کی حیثیت رکھتے ہیں جس سے معاشرے کی ہر قسم کی تاریکیاں دور ہوتی ہیں جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت کی روشنی میں نہیں آتے ان کی مثال ایسے شخص کی ہے جو گھٹا ٹوپ اندھیروں میں پھنسا ہوا ہے۔ وہ ان سے نکلنا چاہتا ہے لیکن نکل نہیں سکتا،جس کے لیے اللہ تعالیٰ روشنی نہ کرے وہ کہیں سے روشنی نہیں پا سکتا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جنہیں لین ،دین اور کاروبار ''اللہ'' کے ذکر سے غافل نہیں کرتا،وہ نماز کے وقت نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ کے وقت زکوٰۃ ادا کرتے ہیں،ان کے دل قیامت کی ہولناکیوں سے لرزاں رہتے ہیں۔ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نہ صرف پوری پوری جزا دے گا بلکہ اپنے فضل سے بہت کچھ عنایت فرمائے گا۔اللہ تعالیٰ جب دینے پر آتا ہے تو بغیر حساب وکتاب کے عطا فرماتا ہے۔

مؤمنوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہیں کہ جب بھی انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے وہ ہر قسم کی رکاوٹوں کو دور کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں آ جاتے ہیں۔سورۃ کے آخر میں اُن اوقات کا ذکر کیا گیا ہے جن اوقات میں گھریلوں ملازم اور نابالغ بچے بھی اجازت لے کر خلوت خانوں میں جایا کریں۔اس میں مومنوں کی یہ بھی صفت بتلائی گئی ہے کہ یہ لوگ جب رسول ﷺ کی خدمت میں مشاورت کے لیے بلائے جاتے ہیں تو اجازت لیے بغیر آپ کی مجلس سے نہیں جاتے۔آخر میں یہ ادب سکھلایا گیا ہے کہ مسلمان اللہ کے رسول ﷺ کو اس طرح نہ آواز دیا کریں جس طرح ایک دوسرے کو آواز دے کر بلاتے ہیں اگر لوگ رسول ﷺ کی گستاخی سے باز نہ آئے تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ بالآخر سب نے ''اللہ'' کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے وہ تمہیں بتلائے گا کہ تم کیا کچھ کر رہے تھے۔یعنی رسول ﷺ کی گستاخی کرنے پر تمہیں ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے گی۔

سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ۹ اٰيَاتُهَا: ٦٤

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

سُوْرَةٌ	اَنْزَلْنٰهَا	وَفَرَضْنٰهَا	وَاَنْزَلْنَا	فِيْهَآ	اٰيٰتٍۭ	بَيِّنٰتٍ
سورۃ	ہم نے اسے نازل کیا	اور ہم نے اس کو فرض کیا	اور ہم نے نازل کیں	اس میں	آیات	واضح

لَّعَلَّكُمْ	تَذَكَّرُوْنَ ①
تاکہ تم	نصیحت حاصل کرو

''اس سورۃ کو ہم نے نازل کیا ہے اور اسے ہم نے فرض کیا ہے اور اس میں ہم نے واضح دلائل نازل کیے شاید کہ تم نصیحت حاصل کرو۔'' (۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سورۃ المؤمنون کا اختتام اس بات پر ہوا ہے کہ جو لوگ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو پکارتے ہیں ان کے پاس اس باطل عقیدہ کی کوئی دلیل نہ ہے۔ ان کا حساب ''اللہ'' کے ذمہ ہے ''اللہ'' کی ذات اور اس کے احکام کا انکار کرنے والے کامیاب نہیں ہونگے۔ اے رسول آپ اپنے رب سے مغفرت اور اس کا رحم مانگیے۔ سورۃ النور کا آغاز ان الفاظ سے ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا فرض ہے۔ گویا کہ جو شخص اپنے رب کی بخشش اور مہربانی چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے ''اللہ'' کی توحید کا اقرار اور اس کے احکام پر عمل کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ کا نام النور رکھ کر یہ اشارہ فرمایا ہے کہ اگر مسلمان ہر قسم کی تاریکی اور جہالت سے نکل کر روشن دور میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو انہیں ذاتی اور معاشرتی طور پر اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے فرامین پر عمل کرنا ہوگا۔ اس سورۃ مبارک میں توحید و رسالت اور آخرت کا بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اخلاقی حدود و قیود کا ذکر کیا گیا ہے ان کی فرضیت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے کہ اس سورۃ کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا اس نے اس سورۃ میں بیان ہونے والی تعلیم اور قوانین کو فرض ٹھہرایا ہے اور اس میں ذکر ہونے والے احکام کو کھول کر بیان کیا ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید کا ایک ایک لفظ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے اور اس پر عمل کرنا فرض ہے اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام بالکل واضح ہیں ان میں کسی قسم کا ابہام نہیں ہے۔ اس کے باوجود سورۃ کی پہلی آیت میں پورے جلال اور دبدبے کے ساتھ فرمایا ہے کہ ہم نے اس سورۃ کو نازل کیا ہم نے اسے فرض ٹھہرایا اور ہم نے اس کے احکام کھول کھول کر بیان کیے ہیں۔ ایک آیت میں تین مرتبہ ہم کی ضمیر لا کر اپنی جلالت و جبروت کا اظہار فرمایا تاکہ مسلمانوں کو اس کی عظمت و فضیلت کا ادراک ہو اور وہ اس پر من و عن عمل کر کے برائی اور بے حیائی سے پاک معاشرہ قائم کر کے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ نور سے اپنے آپ کو منور کر سکیں یہی کتاب مبین کے نزول کا مقصد ہے۔

''یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف اس لیے اتاری ہے کہ آپ اپنے رب کے حکم سے لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں اللہ غالب اور بے نیاز کے راستے کی طرف۔'' (ابراہیم: ۱)

اَلزَّانِيَةُ	وَالزَّانِيْ	فَاجْلِدُوْا	كُلَّ	وَاحِدٍ	مِّنْهُمَا
بدکار عورت	اور بدکار مرد	پس تم مارو	ہر	ایک	ان دونوں سے
مِائَةَ	جَلْدَةٍ ص	وَّلَا	تَاْخُذْكُمْ	بِهِمَا	رَاْفَةٌ فِيْ
سو	کوڑے	اور نہ	تمہیں آئے	ان دونوں کے حق میں	شفقت میں
دِيْنِ	اللّٰهِ	اِنْ	كُنْتُمْ	تُؤْمِنُوْنَ	بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
دین	اللہ	اگر	ہو تم	تم ایمان رکھتے	اللہ کے ساتھ اور دن
الْاٰخِرِ ج	وَلْيَشْهَدْ	عَذَابَهُمَا	طَآئِفَةٌ	مِّنَ	الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲
آخرت	اور چاہیے کہ موجود ہوں	ان دونوں کی سزا	ایک گروہ	سے	مومنوں

”زانیہ عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو، سو کوڑے مارو۔ اور اللہ کے دین کے معاملے میں تمہیں ان پر ترس نہیں آنا چاہیے اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ تو ان کو سزا دیتے وقت اہل ایمان کا ایک گروہ موجود رہے۔“ (۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: غیر شادی شدہ زانی عورت اور مرد کے لیے سو، سو کوڑوں کی سزا، شادی شدہ زانی مرد اور عورت کے لیے رجم کی سزا یک دم نازل نہیں ہوئی اس سے پہلے سورۃ النساء میں بدکار لوگوں کی سزا کا اشارہ ہو چکا ہے۔

”تمہاری عورتوں میں جو بے حیائی کا کام کریں ان پر اپنے میں سے چار گواہ لاؤ۔ اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں قید رکھو یہاں تک کہ ان کی موت واقع ہو یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی راہ نکال دے تم میں سے جو دو مرد ایسا کام کریں انہیں سزا دو اگر وہ توبہ اور اصلاح کر لیں تو انہیں چھوڑ دو بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو نادانی کی وجہ سے برائی کریں اور پھر جلد ہی اس سے توبہ کریں اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا ہے۔ (النساء: ۱۵، ۱۶، ۱۷)

اگر کوئی عورت یا مرد بدکاری کرے تو اسے سو کوڑے مارے جائیں کوڑے مارتے ہوئے نہ کمی بیشی کی جائے اور نہ ہی کوڑے مارنے میں نرمی ہونا چاہیے۔ یہ اللہ کے دین کا ضابطہ ہے۔ اس پر من و عن عمل ہونا چاہیے اگر واقعی تم اللہ اور آخرت پر ایمان لانے والے ہو زانی اور زانیہ کو کوڑے مارتے وقت مومنوں کی ایک جماعت کا موجود ہونا بھی ضروری ہے۔ سزا کا حکم جاری کرتے ہوئے پہلے بدکار عورت کا ذکر کیا ہے شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ عام طور پر مرد اس وقت تک عورت سے بدکاری نہیں کر سکتا جب تک عورت کسی نہ کسی طرح یہ فعل کرنے کے لیے آمادہ نہ ہو۔ بدکاری کا اعتراف کرنے یا چار شہادتیں قائم ہونے کے بعد نہیں سو کوڑے لگائے

جائیں گے۔ بدکار مرد کو یہ سزا بھی دی جائے گی کہ اسے ایک سال کے لیے اس کے علاقہ سے جلاوطن کر دیا جائے۔ کوڑے مارتے وقت کسی قسم کی شفقت اور نرمی نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدود میں سے ایک حد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حد کا دل و جان سے احترام اور اس پر پوری طرح عمل ہونا چاہیے۔ حد کے نفاذ کو یہ کہہ کر یقینی بنایا گیا ہے کہ اگر تمہارا اللہ اور آخرت پر یقین ہے تو تمہیں حد ضرور نافذ کرنا ہوگی۔ حد کے نفاذ میں اس شرط کو بھی لازم قرار دیا ہے کہ زانی اور زانیہ پر کوڑے برساتے وقت مومنوں کی ایک جماعت کا حاضر ہونا ضروری ہے تاکہ یہ سزا دیکھ کر لوگ عبرت حاصل کریں۔ کوڑوں کی سزا غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے لیے ہوگی اگر زنا کرنے والے دونوں یا ان میں سے ایک شادی شدہ ہو تو اسے رجم کیا جائے گا۔ کیونکہ نبی معظم ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے شادی شدہ زانی اور زانیہ کو رجم کیا تھا۔ صرف اسلام میں ہی نہیں بلکہ تورات، انجیل میں بھی شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے یہی سزا مقرر ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک یہودی مرد اور عورت نے زنا کا ارتکاب کیا تھا ان کا مقدمہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ مقدمہ پیش کرنے والے یہودیوں کا مقصد یہ تھا کہ شریعت موسوی میں اس کی سزا رجم ہے۔ ہوسکتا ہے شریعت اسلامیہ میں اس کی سزا نرم ہو اس غرض سے زانی عورت اور مرد کو آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے یہودی عالم ابن صوریا کو بلا کر رجم کے بارے میں استفسار فرمایا تو اس نے کہا کہ تورایت میں اس جرم کی سزا رجم ہے اس پر نبی ﷺ نے دونوں کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ (بخاری: کتاب المحاربین، مسلم کتاب الحدود)

تفتیش میں نرمی اور سزا میں سختی:۔

بعض علماء اور سکالر حضرات غیر مسلموں کے پراپیگنڈہ سے متأثر ہو کر یہ شور مچاتے ہیں کہ اسلام میں بعض سزائیں حد سے زیادہ سخت ہیں کچھ زبان دراز غیر مسلموں کی نمائندگی کرتے ہوئے اسلامی حدود کو وحشیانہ سزائیں قرار دیتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام کس حد تک لوگوں کو حدود سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ سب سے پہلے اسلام کے تفتیشی نظام پر غور فرمائیں اس وقت تک کسی بدکار کو سنگسار کرنے اور کوڑے مانے کی اجازت نہیں۔ جب تک چار عاقل، بالغ اور عادل گواہ مکمل ثبوت کے ساتھ اپنی گواہی ثابت نہ کرسکیں۔ گواہی لیتے ہوئے جج پر لازم ہے کہ وہ پوری غیر جانبداری اور دیانتداری کے ساتھ کھلے الفاظ میں شہادت لے۔ تب جا کر مجرموں پر حدود اللہ کا نفاذ ہوگا۔ اس سلسلہ میں نبی معظم ﷺ کا انداز تفتیش ملاحظہ فرمائیں کہ اس میں کس قدر نرمی اور احتیاط برتی گئی ہے۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ادْرَءُوا الْحُدُودَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَإِنْ كَانَ لَهُ مَخْرَجٌ فَخَلُّوا سَبِيلَهُ فَإِنَّ الإِمَامَ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعَفْوِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعُقُوبَةِ)) [رواہ الترمذی: باب مَا جَاءَ فِي دَرْءِ الْحُدُودِ]

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس قدر تم کوشش کرسکتے ہو مسلمانوں کو حدود سے بچاؤ اگر ان کا بچ نکلنا ممکن ہو تو اُن کی راہ چھوڑ دو۔ بے شک حکمران کا معاف کرنے میں غلطی کرنا سزا دینے کی غلطی سے بہتر ہے۔''

ضربِ تازیانہ کی کیفیت کے متعلق پہلا اشارہ خود قرآن کے لفظ ''فَاجْلِدُوْا '' میں ملتا ہے۔ جلد کا لفظ جِلْد (یعنی کھال) سے ماخوذ ہے۔ اس سے تمام اہل لغت اور علمائے تفسیر نے یہی معنی لیے ہیں کہ مار۔ ایسی ہونی چاہیے جس کا اثر جلد تک رہے گوشت تک نہ پہنچے۔ کوڑے اس طرح نہ مارے جائیں کہ جس سے جسم کی بوٹیاں اُڑ جائیں یا کھال پھٹ کر اندر تک زخم پڑ جائے۔ ایسی ضرب لگانا قرآن کے خلاف ہے۔

مار کے لیے خواہ کوڑا استعمال کیا جائے یا بید، دونوں صورتوں میں وہ اوسط درجے کا ہونا چاہیے۔ نہ بہت موٹا اور سخت اور نہ بہت پتلا اور نرم۔ مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرب تازیانہ کے لیے کوڑا طلب کیا اور وہ کثرتِ استعمال سے بہت کمزور ہو چکا تھا۔ آپ نے فرمایا اس سے سخت لاؤ پھر ایک اور کوڑا لایا گیا جو ابھی استعمال سے نرم نہیں پڑا تھا۔ آپ نے فرمایا ایسا کوڑا لاؤ جو استعمال ہو چکا ہو۔ اس سے آپ نے ضرب لگوائی اسی مضمون سے ملتی جلتی روایت ابوعثمان النہدی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی بیان کی ہے کہ وہ اوسط درجے کا کوڑا استعمال کرتے تھے۔ (احکام القرآن جصاص، ج ۳)

رجم شدہ عورت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیالات اور اس کی نماز جنازہ کا حکم:

((أَنَّ مَاعِزَ بْنَ مَالِكٍ الْأَسْلَمِيَّ رضی اللہ عنہ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِي وَزَنَيْتُ وَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ تُطَهِّرَنِي فَرَدَّهُ فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ أَتَاهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي قَدْ زَنَيْتُ فَرَدَّهُ الثَّانِيَةَ فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَى قَوْمِهِ فَقَالَ أَتَعْلَمُونَ بِعَقْلِهِ بَأْسًا تُنْكِرُونَ مِنْهُ شَيْئًا فَقَالُوا مَا نَعْلَمُهُ إِلَّا وَفِيَّ الْعَقْلِ مِنْ صَالِحِينَا فِيمَا نُرَى فَأَتَاهُ الثَّالِثَةَ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِمْ أَيْضًا فَسَأَلَ عَنْهُ فَأَخْبَرُوهُ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ وَلَا بِعَقْلِهِ فَلَمَّا كَانَ الرَّابِعَةَ حَفَرَ لَهُ حُفْرَةً ثُمَّ أَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ قَالَ فَجَاءَتِ الْغَامِدِيَّةُ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي قَدْ زَنَيْتُ فَطَهِّرْنِي وَإِنَّهُ رَدَّهَا فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَ تَرُدُّنِي لَعَلَّكَ أَنْ تَرُدَّنِي كَمَا رَدَدْتَ مَاعِزًا فَوَاللَّهِ إِنِّي لَحُبْلَى قَالَ إِمَّا لَا فَاذْهَبِي حَتَّى تَلِدِي فَلَمَّا وَلَدَتْ أَتَتْهُ بِالصَّبِيِّ فِي خِرْقَةٍ قَالَتْ هَذَا قَدْ وَلَدْتُهُ قَالَ اذْهَبِي فَأَرْضِعِيهِ حَتَّى تَفْطِمِيهِ فَلَمَّا فَطَمَتْهُ أَتَتْهُ بِالصَّبِيِّ فِي يَدِهِ كِسْرَةُ خُبْزٍ فَقَالَتْ هَذَا يَا نَبِيَّ اللَّهِ قَدْ فَطَمْتُهُ وَقَدْ أَكَلَ الطَّعَامَ فَدَفَعَ الصَّبِيَّ إِلَى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَحُفِرَ لَهَا إِلَى صَدْرِهَا وَأَمَرَ النَّاسَ فَرَجَمُوهَا فَيُقْبِلُ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ بِحَجَرٍ فَرَمَى رَأْسَهَا فَتَنَضَّحَ الدَّمُ عَلَى وَجْهِ خَالِدٍ فَسَبَّهَا فَسَمِعَ نَبِيُّ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم سَبَّهُ إِيَّاهَا فَقَالَ مَهْلًا يَا خَالِدُ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهُ ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَصَلَّى عَلَيْهَا وَدُفِنَتْ)) [رواہ مسم: باب مَنِ اعْتَرَفَ عَلَى نَفْسِهِ بِالزِّنَا]

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ نبی گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا۔ اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کیجیے۔ آپ نے فرمایا' تجھ پر اللہ رحم کرے واپس جاؤ اللہ سے مغفرت طلب

کرو! بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ زیادہ دور نہیں گیا تھا واپس آیا اور نبی گرامی ﷺ سے وہی مطالبہ کیا جب چوتھی مرتبہ اس نے مطالبہ کیا تو آپ نے اس سے پوچھا' میں تجھے کس گناہ سے پاک کروں؟ اس نے کہا' زنا سے! نبی ﷺ نے پوچھا' کیا یہ دیوانہ ہے؟ بتایا گیا کہ دیوانہ نہیں ہے۔ آپ نے پوچھا کیا اس نے شراب پی رکھی ہے؟ اس پر ایک شخص کھڑا ہوا' اس نے اس کا منہ سونگھا' لیکن اس سے شراب کی بو نہیں آئی۔ آپ نے پوچھا کیا تو نے زنا کیا ہے؟ اس نے کہا' ہاں۔ آپ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا اور اسے رجم کر دیا گیا۔ صحابہ کرام دو یا تین دن خاموش رہے' پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا: ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے مغفرت مانگو۔ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اسے ایک جماعت پر تقسیم کیا جائے تو ان سب کو معاف کر دیا جائے۔ اس کے بعد آپ کے پاس غامدیہ قبیلہ کی عورت آئی۔ اس نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کر دیں۔ آپ نے فرمایا: تجھ پر اللہ کی رحمت ہو' چلی جا اور اللہ سے توبہ کر۔ اس نے عرض کی' آپ مجھے اسی طرح لوٹانا چاہتے ہیں جیسے آپ نے ماعز بن مالک کو واپس کیا تھا۔ میں تو زنا سے حاملہ ہو چکی ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا واقعی تو حاملہ ہے تو اس نے عرض کی' جی ہاں! آپ نے اسے فرمایا وضع حمل کے بعد آنا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ ایک انصاری نے اس کی کفالت کی جب اس نے بچہ جنم دیا تو انصاری نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا' یا رسول اللہ ﷺ! اس غامدی عورت نے بچے کو جنم دیا ہے۔ فرمایا! کیا ہم اسے اس حالت میں رجم کریں گے کہ بچے کو دودھ پلانے والی کوئی نہ ہو؟ ایک انصاری کھڑا ہوا۔ اس نے کہا' اس کی رضاعت کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ تب آپ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اسے کہا کہ چلی جا یہاں تک تو بچے کو جنم دے۔ جب بچہ پیدا ہوا تو آپ نے فرمایا جا! اسے دودھ پلا یہاں تک بچے کو دودھ پلانا چھوڑ دے۔ جب اس نے بچے کو دودھ پلانا چھوڑ دیا تو وہ بچے کو ساتھ لائی اس بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا۔ اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اسے دودھ پلانا ختم کر دیا ہے اب یہ کھانا کھانے لگا ہے۔ آپ ﷺ کے حکم سے اس کے لیے اس کی چھاتی تک گڑھا کھودا گیا۔ اور لوگوں کو رجم کا حکم دیا گیا۔ انہوں نے اسے رجم کیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک پتھر لے کر آئے اور اس کے سر پر مارا' جس سے خون کے چھینٹے خالد رضی اللہ عنہ کے چہرے پر گرے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے اسے برا بھلا کہا۔ نبی مکرم نے فرمایا! اے خالد رک جاؤ! اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے اگر ٹیکس لینے والا ایسی توبہ کرے تو اسے بھی معاف کر دیا جائے۔ پھر آپ کے حکم پر اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور اسے دفن کر دیا گیا۔

حد نافذ کرنے میں کوئی رعایت نہیں:

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ قُرَيْشًا اَهَمَّهُمْ شَانُ الْمَرْاَةِ الْمَخْزُوْمِيَّةِ الَّتِىْ سَرَقَتْ فَقَالُوْا مَنْ يُكَلِّمُ فِيْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوْا مَنْ يَّجْتَرِئُ عَلَيْهِ اِلَّا اُسَامَةُ ابْنُ زَيْدٍ رضی اللہ عنہ حِبُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَكَلَّمَهُ اُسَامَةُ رضی اللہ عنہ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَتَشْفَعُ فِىْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا اَهْلَكَ الَّذِيْنَ قَبْلَكُمْ اَنَّهُمْ

كَانُوْا اِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ وَ اِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ اَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَاَيْمُ اللّٰهِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ ﷺ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا)) [رواہ مسلم: باب قَطْعِ السَّارِقِ الشَّرِيفِ وَغَيْرِهِ وَالنَّهْيِ عَنِ الشَّفَاعَةِ فِي الْحُدُودِ]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ قریش مخزومی عورت کی حالت زار پر پریشان ہوئے جس نے چوری کی تھی۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ اس عورت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کس سے سفارش کروائی جائے انہوں نے سوچا کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نبی معظم ﷺ کے پیارے ہیں‘ ان کے سوا یہ جرأت کوئی نہیں کرسکتا۔ چنانچہ اسامہ نے آپ سے عرض کی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا‘ کیا تو حدود اللہ میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتا ہے؟ آپ کھڑے ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا‘ کہ تم سے پہلے لوگ اسی لیے ہلاک ہو گئے کہ ان میں کوئی بڑے طبقے کا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے۔ جب چھوٹے درجے کا آدمی چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کرتے۔ اللہ کی قسم! اگر محمد کی بیٹی فاطمہ چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

اسلام سزاؤں کا دین نہیں اسلام نے جرم کے اسباب اور وجوہات کو پیش نظر رکھ کر سزائیں مقرر کی ہیں۔ غیر شادی کے لیے کوڑوں کی سزا اس لیے مقرر کی گئی ہے کہ اس سے اس غلطی کا امکان ہوسکتا ہے اسی لیے صرف سو کوڑے سزا مقرر کی گئی ہے۔ لیکن اگر شادی شدہ عورت یا مرد فعل بدکاری کا ارتکاب کرے تو اس کی یہ سزا ہے کہ اُسے پتھر مار مار کر جان سے مار دیا جائے کیونکہ فطری جذبات کے لیے اسے شادی کرنے کا حکم ہے۔ اگر ایک بیوی پر گزارا نہیں تو مرد کے لیے چار شادیاں کرنے کی اجازت ہے۔

جہاں تک شادی شدہ عورت کا معاملہ ہے اسے کسی طرح بھی ایک سے زیادہ خاوند کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ اس سے سنگین قسم کی خرابیاں جنم لیتی ہیں جن کا حل ممکن نہیں ہے اور پھر چند عورتیں ہی ایسی ہوتی ہیں جن کے جذبات اپنے سے باہر ہوجائیں کیونکہ جوں جوں عورت بچے جنم دیتی ہے اور اس کی عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے تو وہ فطری عمل سے کافی حد تک بے نیاز ہوجاتی ہے اگر کوئی عورت غیر معمولی جذبات رکھتی ہو یا مرد اپنے جذبات پر قابو پانے میں مشکل محسوس کرے تو اسے روزے رکھنے کا حکم ہے اگر سنت کے مطابق بھوک رکھ کر روزہ رکھا اور افطار کیا جائے تو جذبات خود بخود ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔ اس کے باوجود شادی شدہ مرد یا عورت بدکاری کا ارتکاب کرتے ہیں تو انہیں اس لیے رجم کرنے کا حکم ہے کہ یہ نہ صرف معاشرے کے لیے ناسور ہیں بلکہ اپنی اولاد اور خاندان کے لیے بھی کلنک کا ٹیکہ ہے ایسے وجود کو عبرتناک سزا دے کر معاشرے کو پاک کرنا ضروری ہے تاکہ شرم وحیا کی حدود کا تحفظ ہو سکے۔

مسائل

۱۔ غیر شادی شدہ زانی عورت اور مرد کو سو، سو کوڑا لگایا جائے۔

۲۔ کوڑے لگانے میں کمی بیشی اور نرمی نہیں ہونا چاہیے۔

۳۔ حد نافذ کرنا اللہ کا حکم ہے۔ ۴۔ حد نافذ کرتے وقت مومنوں کی ایک جماعت کا موجود ہونا لازم ہے۔

اَلزَّانِیْ	لَا	یَنْکِحُ	اِلَّا	زَانِیَۃً	اَوْ مُشْرِکَۃً
زانی	نہیں	وہ نکاح کرے	مگر	زانیہ	یا مشرکہ عورت
وَّالزَّانِیَۃُ	لَا	یَنْکِحُھَآ	اِلَّا	زَانٍ	اَوْ مُشْرِکٌ
اور بدکار عورت	نہیں	اس سے نکاح کرے	مگر	بدکار	یا مشرک مرد
وَحُرِّمَ	ذٰلِکَ	عَلَی	الْمُؤْمِنِیْنَ ۳		
اور حرام کردیا گیا ہے	یہ	پر	مومنین		

”زانی نکاح نہ کرے مگر زانیہ کے ساتھ یا مشرکہ کے ساتھ اور زانیہ کے ساتھ نکاح نہ کرے مگر زانی یا مشرک اور یہ اہل ایمان پر حرام کر دیا گیا ہے۔“(۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بدکار آدمی اور عورت کے لیے اخلاقی اور معاشرتی سزا۔

بدکاری میں شہرت رکھنے والے شخص کا نکاح کسی پاکدامن عورت سے کرنے کی بجائے زانیہ عورت یا کسی مشرکہ سے ہو سکتا ہے اسی طرح اگر کوئی عورت بدکاری کی شہرت رکھتی ہو تو اس کا نکاح کسی زانی یا مشرک آدمی سے ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کو مومنوں پر حرام قرار دیا ہے۔

مفسرین نے اس آیت کا شان نزول اس طرح نقل کیا ہے۔ مرثد رضی اللہ عنہ بن ابی مرثد غنوی مسلمان قیدیوں کو مکہ سے نکال کر مدینہ لے جایا کرتے تھے۔ ایک رات حضرت مرثد ایک قیدی کو مکہ والوں کی قید سے نکالنے کے لیے مکہ پہنچے۔ رات کے وقت ایک دیوار کے سایہ میں چھپے بیٹھے تھے کہ عناق نامی عورت نے اسے پہچان لیا اس نے مرثد رضی اللہ عنہ کو پہلے سے آشنا ہونے کی وجہ سے اپنے ساتھ خلوت کی دعوت دی لیکن حضرت مرثد نے یہ کہہ کر انکار کیا کہ اب میرے اور تیرے درمیان اسلام رکاوٹ بن گیا ہے یہ بات سنتے ہی عناق نے شور مچایا جس کے نتیجے میں مرثد رضی اللہ عنہ وہاں سے بھاگ نکلے اور ایک پہاڑ کی غار میں چھپ گئے تلاش کرنے والوں نے انہیں تلاش کیا لیکن وہ نہ مل سکے۔ جب تلاش کرنے والے واپس چلے گئے تو مرثد رضی اللہ عنہ نے مسلمان قیدی کو جیل سے نکال کر مدینہ کی راہ لی۔ مدینہ پہنچ کر نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ عرض کیا اور آپ سے اجازت طلب کی کہ کیا میں عناق کے ساتھ نکاح کر سکتا ہوں؟ جس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ زانی شخص کسی زانیہ یا مشرکہ سے نکاح کرے اسی طرح زانیہ عورت کسی زانی یا مشرک آدمی سے نکاح کرے۔

اس آیت کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دو مختلف مفہوم لیے ہیں صحابہ کرام کی ایک جماعت کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جس عورت کے

ساتھ کسی شخص نے زنا کیا ہو اس کے ساتھ نکاح کرنا کسی صورت جائز نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دوسری جماعت کا خیال ہے اگر وہ تائب ہو جائیں تو ان کا آپس میں نکاح کرنا جائز ہوگا۔ جن صحابہ کا نقطہ نظر ہے کہ زانی اور زانیہ کا نکاح آپس میں نہیں ہوسکتا انہوں نے اس آیت کے آخری الفاظ سے دلیل لی ہے۔ جن کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ان کا آپس میں نکاح ہوسکتا ہے انہوں نے ان الفاظ کا معنٰی یہ لیا ہے کہ مومنوں کے لیے بدکاری کرنا حرام ہے۔

یہاں زانی کی مثال مشرک کے ساتھ اس لیے دی گئی ہے کہ جس طرح زانی شخص اخلاقی حدود سے تجاوز کرتا ہے اسی طرح ہی مشرک اعتقادی حدود سے تجاوز کا مرتکب ہوتا ہے جس طرح شادی شدہ زانی اپنی منکوحہ پر اکتفا نہیں کرتا اور زانیہ عورت اپنے خاوند پر مطمئن ہونے کی بجائے اس کی موجودگی میں غیروں کے ساتھ منہ کالا کرتی ہے۔ اسی طرح مشرک اور مشرکہ اپنے خالق، رازق اور مالک پر مطمئن ہونے اور اس کی خالص بندگی کرنے کی بجائے غیروں کے ساتھ ناطہ جوڑتے اور ان کے آستانے پر جاتے ہیں۔ لہٰذا زانی اور مشرک عملی طور پر ایک ہی جیسا کردار رکھتے ہیں۔ مشرک اعتقاد کے حوالے سے آوارہ مزاج ہوتا ہے اور زانی سوچ اور کردار کے اعتبار سے آوارہ کردار ہوتا ہے اس آیت میں یہ بھی بتلانا مقصود ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کو بدکاری سے بھی نفرت ہے اسی طرح ہی اُسے شرک سے بھی نفرت ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زنا کرنا قابلِ تعزیر جرم ہے۔

۲۔ مشرک اور زانی فکری اور عملی آوارگی کے اعتبار سے ایک جیسے ہوتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے زانی اور زانیہ کے آپس کے نکاح کو حرام قرار دیا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مومنوں کو مشرکوں کے ساتھ رشتہ ناطہ نہیں کرنا چاہیے:

۱۔ زانی مرد زانیہ اور مشرکہ عورت کے ساتھ ہی نکاح کرے۔ اور مومنوں کے لیے انہیں حرام قرار دیا گیا ہے۔ (النور:۳)

۲ مشرکہ عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو حتٰی کہ وہ ایمان لے آئیں۔ (البقرۃ:۲۲۱)

۳۔ اے ایمان والو! کفر کو ایمان پر ترجیح دینے والوں کے ساتھ ناطہ نہ جوڑو۔ (التوبہ:۲۳)

۴۔ اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ (المائدۃ:۵۱)

۵۔ اے ایمان والو! انہیں دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔ (المائدۃ:۵۷)

وَالَّذِيْنَ	يَرْمُوْنَ	الْمُحْصَنٰتِ	ثُمَّ	لَمْ	يَاْتُوْا
اور جولوگ	تہمت لگاتے ہیں	پاکدامن عورتیں	پھر	نہیں	وہ لاتے
بِاَرْبَعَةِ	شُهَدَآءَ	فَاجْلِدُوْهُمْ	ثَمٰنِيْنَ	جَلْدَةً	
چار	گواہ	تم انہیں مارو	اسّی (۸۰)	کوڑے	
وَّلَا	تَقْبَلُوْا	لَهُمْ	شَهَادَةً	اَبَدًا ج	وَاُولٰٓئِكَ
اور نہ	تم قبول کرو	ان کی	شہادت	کبھی	اور یہی لوگ
هُمُ	الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴﴾	اِلَّا	الَّذِيْنَ	تَابُوْا	مِنْۢ بَعْدِ
وہ	فاسق	مگر	وہ لوگ جنہوں نے	توبہ کی	سے بعد
ذٰلِكَ	وَاَصْلَحُوْا ج	فَاِنَّ	اللّٰهَ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾
یہ	اور اصلاح کرلی	تو بیشک	اللہ	بہت بخشنے والا	نہایت رحم کرنے والا ہے

”اور جولوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ پیش نہ کریں ان کو اسّی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کی جائے کیونکہ وہ فاسق ہیں۔(۴) سوائے ان لوگوں کے جو اس گناہ کے بعد توبہ اور اصلاح کرلیں یقیناً اللہ معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔“(۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بدکاری سے منع کرنے کے بعد پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا اور اس کی سزا مقرر کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک پاکدامن عورت اور نیک سیرت مرد کی عزت کا اس قدر احترام ہے کہ اس پر تہمت لگانے والے شخص پر یہ پابندی عائد کی ہے کہ اگر وہ تہمت لگانے میں سچا ہے تو اسے چار گواہ پیش کرنا ہونگے اگر اس کے پاس عاقل اور عادل چار گواہ موجود نہیں تو پھر اسے سرعام اسّی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے۔ اس سزا کے ساتھ اس پر یہ بھی پابندی عائد کردی گئی ہے کہ اس کی شہادت کبھی قبول نہ کی جائے کیونکہ بلاثبوت پاکدامن عورت اور مرد پر تہمت لگانے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فاسق شمار ہوتے ہیں۔ البتہ جولوگ سچے دل کے ساتھ توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف فرمانے اور مہربانی کرنے والا ہے۔ معاشرے کو اخلاقی بے راہ روی سے بچانے اور پاکدامن عورتوں اور مردوں کی عزت کا تحفظ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے چار گواہوں کی شرط لگا کر مسلمان معاشرے کو زبان درازی اور اخلاقی بے راہ روی سے بچانے کا قانون جاری فرمایا ہے۔ اس معاملے میں اس قدر سختی کی ہے کہ اگر چار عاقل اور راست باز گواہوں میں سے کسی ایک کی گواہی شریعت کے معیار پر پوری نہیں اترتی تو ان چاروں کی گواہی نہ صرف مسترد ہوگی بلکہ وہ سزا کے مستوجب قرار

پائیں گے اور زندگی بھر ان کی گواہی مسترد کر دی جائے گی۔ کہ اگر وہ سچی توبہ کریں اور آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کر لیں تو اس کی گواہی منظور کی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے لیکن کچھ اہل علم نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ توبہ اور اصلاح کرنے کے باوجود اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

گواہی کا معیار:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ جَاءَ هِلَالُ بْنُ أُمَيَّةَ وَهُوَ أَحَدُ الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ فَجَاءَ مِنْ أَرْضِهِ عَشِيًّا فَوَجَدَ عِنْدَ أَهْلِهِ رَجُلًا فَرَأَى بِعَيْنَيْهِ وَسَمِعَ بِأُذُنَيْهِ فَلَمْ يَهِجْهُ حَتَّى أَصْبَحَ ثُمَّ غَدَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي جِئْتُ أَهْلِي عِشَاءً فَوَجَدْتُ عِنْدَهُمْ رَجُلًا فَرَأَيْتُ بِعَيْنِي وَسَمِعْتُ بِأُذُنِي فَكَرِهَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا جَاءَ بِهِ وَاشْتَدَّ عَلَيْهِ فَنَزَلَتْ (وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ) الآيَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا فَسُرِّيَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ أَبْشِرْ يَا هِلَالُ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لَكَ فَرَجًا وَمَخْرَجًا.........)) [رواه ابو داؤد: باب فی اللعان]

”حضرت عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہلال بن امیہ اُن تین میں سے ایک ہیں جن کی اللہ نے توبہ قبول فرمائی۔ وہ اپنے کھیتوں سے عشاء کے وقت گھر آئے اُس نے اپنی بیوی کے پاس کسی آدمی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس کی آواز سُنی مگر کسی کو بتایا نہیں یہاں تک کہ صبح رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آکر کہنے لگے۔ میں اپنی بیوی کے پاس عشاء کے وقت آیا میں نے اُن کے ہاں ایک آدمی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور میرے کانوں نے دونوں کی آواز سنی رسول اللہ ﷺ نے اس خبر کو انتہائی ناپسندیدہ جانا اور آپ اُس پر ناراض ہوئے اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی (جو اپنی بیویوں پر الزام لگاتے ہیں اور اُن کے پاس اپنے سوا کوئی گواہ موجود نہیں اُس کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار قسمیں اٹھائے) یہ آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے خوش ہوتے ہوئے فرمایا اے ہلال! مبارک ہو اللہ عزوجل نے تیری پریشانی کو دور فرمایا اور اُس سے تجھے نجات عطا فرمائی..............“

مومن کی عزت بیت اللہ سے زیادہ:

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؓ قَالَ صَعِدَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لْمِنْبَرَ فَنَادَى بِصَوْتٍ رَفِيعٍ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ مَنْ قَدْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفْضِ الإِيمَانُ إِلَى قَلْبِهِ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ تَتَبَّعَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ تَتَبَّعَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ قَالَ وَنَظَرَ ابْنُ عُمَرَ يَوْمًا إِلَى الْبَيْتِ أَوْ إِلَى الْكَعْبَةِ فَقَالَ مَا أَعْظَمَكِ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ وَالْمُؤْمِنُ أَعْظَمُ حُرْمَةً عِنْدَ اللَّهِ مِنْكِ)) [رواه الترمذی:باب مَا جَاءَ فِي تَعْظِيمِ الْمُؤْمِنِ]

”حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ ممبر پر کھڑے ہوئے آپ نے اونچی آواز سے

بُلاتے ہوئے فرمایا اے جماعت تم میں سے جوزبانی کلامی اسلام لا چکا ہے اور ایمان اُس کے دل میں راسخ نہیں ہوا۔ وہ مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچائیں، نہ عار دلائیں اور نہ ان کے عیوب کے پیچھے پڑیں جو کسی مسلمان کے عیوب کے پیچھے پڑتا ہے۔ اللہ اُس کے عیوب کو آشکارا کر کے اُسے رسوا کر دیتا ہے اگر چہ اُس نے وہ گناہ چھپ چھپا کے کیا ہو راوی کہتے ہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک دن بیت اللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تیری عظمت بہت زیادہ ہے اور تیری حرمت عظیم تر ہے لیکن مومن کی عزت اور حرمت اللہ کے ہاں تجھ سے بڑھ کر ہے۔“

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْكَبَائِرُ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِيْنُ الْغَمُوْسُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي رِوَايَةِ اَنَسٍ وَّشَهَادَةُ الزُّوْرِ بَدَلَ الْيَمِيْنِ الْغَمُوْسِ))

[رواه البخاري: باب الْيَمِينِ الْغَمُوسِ]

”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ذکر کرتے ہیں رسول محترم ﷺ نے فرمایا بڑے گناہ یہ ہیں۔ (۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنا (۲) والدین کی نافرمانی کرنا‘ (۳) ناحق کسی کو قتل کرنا (۴) جھوٹی قسم اٹھانا (بخاری) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں جھوٹی قسم کی جگہ جھوٹی شہادت دینے کے الفاظ ہیں۔

مسائل

۱۔ پاکدامن عورت اور مرد پر تہمت لگانے والے کو چار گواہ پیش کرنا ہوں گے۔
۲۔ جھوٹی تہمت لگانے والے کو اسّی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے۔
۳۔ جھوٹی تہمت لگانے والے کی گواہی قابل قبول نہیں۔
۴۔ جھوٹی تہمت لگانے والے سچی توبہ کریں اور آئندہ کے لیے اصلاح کریں تو ان کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

جھوٹی گواہی دینے کا گناہ اور اس کی سزا:

۱۔ سچی گواہی دینے کا حکم۔ (المائدۃ:۸)
۲۔ سچی گواہی چھپانے کا گناہ۔ (البقرۃ:۲۸۳)
۳۔ گواہی چھپانے والے ظالم ہیں۔ (البقرۃ:۱۴۰)
۴۔ جھوٹی گواہی سے بچنے والوں کی تعریف۔ (الفرقان:۷۲)
۵۔ گواہی پر قائم رہنے والوں کی جنت میں تکریم ہوگی۔ (المعارج:۳۳)

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ

اور جولوگ تہمت لگاتے ہیں اپنی بیویوں اور نہ ہوں ان کے لیے

شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ

گواہ مگر بذاتِ خود تو گواہی ان میں سے ایک کی چار

شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۶ وَالْخَامِسَةُ

گواہیاں اللہ کی قسم کے ساتھ بیشک وہ سے سچ بولنے والے اور پانچویں

اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۷

بے شک اللہ کی لعنت ہو اس پر اگر ہو وہ سے جھوٹوں میں سے

''اور جولوگ اپنی بیویوں پر الزام لگائیں اور ان کے پاس ان کے سوا دوسرے گواہ نہ ہوں۔ ان میں سے وہ شخص چار بار اللہ کی قسم کھا کر شہادت دے کہ وہ سچا ہے۔(٦) اور وہ پانچویں بار کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔''(٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پاکدامن عورتوں اور مردوں پر جھوٹی تہمت لگانے کی سزا کے ذکر کے بعد اپنی بیویوں پر جھوٹی تہمت لگانے والوں کی سزا اور ان کے درمیان فیصلہ کرنے کا طریقہ۔

جس طرح عام مسلمان پاکدامن عورت اور مرد پر جھوٹی تہمت لگ سکتی ہے اسی طرح میاں بیوی کے درمیان تنازع پیدا ہو جانے کی شکل میں ان سے ایک دوسرے پر تہمت لگانے کا عمل سرزد ہوسکتا ہے۔ میاں بیوی کے تعلقات کو صحیح خطوط پر استوار رکھنے اور انہیں غلط فہمیوں سے بچانے کے لیے یہ قانون جاری کیا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی پر بدکاری کی تہمت لگاتا ہے اور اپنے سوا چار گواہ ثابت نہیں کرتا تو اسے چار مرتبہ ''اللہ'' کی قسم اٹھا کر شہادت دینا ہوگی کہ میں سچے لوگوں میں شامل ہوں یعنی میں سچا ہوں۔ پانچویں دفعہ اسے اس طرح قسم اٹھانا ہوگی کہ اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ اگر عورت اپنے آپ کو تہمت سے بری الذمہ قرار دیتی ہے تو اسے چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر یہ گواہی دینا ہوگی کہ اس کا خاوند جھوٹ بولتا ہے اور پانچویں مرتبہ عورت اس طرح قسم دے گی کہ اگر اس کا خاوند سچ بولتا ہے تو مجھ پر ''اللہ'' کا غضب نازل ہونا چاہیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے مسلمان معاشرے کو بے راہ روی سے بچانے کے لیے یہ سزائیں مقرر کیں اور میاں بیوی کے تعلق کو غلط فہمیوں سے بچانے کے لیے ٹھوس اور واضح طریقہ کار بتلایا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے اور اس کے ہر ارشاد اور حکم میں حکمتیں پنہاں ہوتی ہیں۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ اَنَّ هِلَالَ بْنَ اُمَيَّةَ قَذَفَ امْرَاَتَهٗ ، فَجَاءَ فَشَهِدَ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ اَنَّ

وَيَدۡرَؤُا	عَنۡهَا	الۡعَذَابَ	اَنۡ	تَشۡهَدَ	اَرۡبَعَ	شَهٰدٰتٍ
اور ٹال دے گی	اس سے	سزا	یہ کہ	عورت گواہی دے	چار	شہادتیں

بِاللّٰهِ ۙ	اِنَّهٗ	لَمِنَ	الۡكٰذِبِيۡنَ ۝۸	وَالۡخَامِسَةَ	اَنَّ
اللہ کی قسم کے ساتھ	بے شک وہ	میں سے	جھوٹ بولنے والے	اور پانچویں	بیشک

غَضَبَ اللّٰهِ	عَلَيۡهَاۤ	اِنۡ كَانَ	مِنَ	الصّٰدِقِيۡنَ ۝۹	وَلَوۡلَا
اللہ کا غضب	اس پر	اگر ہے وہ	سے	سچوں میں	اور اگر نہ ہوتا

فَضۡلُ اللّٰهِ	عَلَيۡكُمۡ	وَرَحۡمَتُهٗ	وَاَنَّ اللّٰهَ	تَوَّابٌ	حَكِيۡمٌ ۝۱۰ ع
اللہ کا فضل	تم پر	اور اس کی رحمت	اور یہ کہ یقیناً اللہ	توبہ قبول کرنے والا	بہت حکمت والا ہے

ع ۱۰ / ۱

"اور عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر شہادت دے کہ یہ شخص اپنے الزام میں جھوٹا ہے۔ (۸) اور پانچویں مرتبہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ٹوٹے اگر وہ اپنے الزام میں سچا ہو۔ (۹) تم لوگوں پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا توبہ قبول فرمانے والا اور حکیم ہے۔" (۱۰)

أَحَدُكُمَا كَاذِبٌ ، فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ ثُمَّ قَامَتْ فَشَهِدَتْ)) [رواه البخاری: باب يَبْدَأُ الرَّجُلُ بِالتَّلَاعُنِ]

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں بیشک ہلال بن امیہ نے اپنی عورت پر الزام لگایا اُنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو شہادت کے لیے لایا گیا آپ نے فرمایا یقیناً اللہ جانتا ہے کہ تم میں سے ایک جھوٹا ہے کیا تم میں سے کوئی توبہ کرنے کے لیے تیار ہے۔ پھر وہ عورت کھڑی ہوئی اُس نے قسمیں اُٹھائیں کہ ہلال جھوٹا ہے۔

"حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عویمر عجلانی عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ انصاری کے پاس آئے اور اس سے کہا کیا خیال ہے آپ کا اگر ایک آدمی اپنی عورت کے ساتھ کسی اور آدمی کو دیکھتا ہے کیا وہ اسے قتل کر دے اور اس کے بدلے میں اسے قتل کر دیا جائے گا؟ یا اس صورت حال سے کیسے نپٹا جائے؟ اے عاصم اس سلسلہ میں میرے لیے سوال کیجیے تو عاصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت فرمایا تو آپ نے اس پوچھے جانے کو ناپسند فرمایا اور اسے ڈانٹ پلائی حتیٰ کہ اس بات کو عاصم رضی اللہ عنہ نے بُرا محسوس کیا جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی تو عاصم اپنے اہل وعیال میں پلٹ آیا تو ان کے پاس حضرت عویمر تشریف لائے اور دریافت کیا کہ اس مسئلہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا ہے عاصم نے کہا میں آپ کے پاس اس کے متعلق کوئی اچھی خبر نہیں لایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کو ناپسند جانا ہے حضرت عویمر کہنے لگے اللہ کی قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے متعلق ضرور دریافت کروں گا۔ عویمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اس وقت آپ لوگوں کے درمیان بیٹھے

ہوئے تھے۔اس نے عرض کیا۔اے اللہ کے رسول ﷺ! فرمایئے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی کو پائے تو کیا اسے قتل کر دے؟ ایسی صورت میں ردعمل کے طور پر تو اس عورت کے وارث اس کو قتل کردیں گے۔ پھر اسے کیا کرنا چاہیے؟ رسول محترم ﷺ نے فرمایا تمہارے بارے میں یہ حکم نازل ہوا ہے' تم جاؤ اور اپنی بیوی کو لے آؤ۔ سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر میاں بیوی نے مسجد میں لعان کیا میں لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا۔ جب وہ لعان سے فارغ ہوئے تو عویمر نے کہا: اگر میں اس کو بیوی بنا کر رکھوں' تو میں جھوٹا ہوں اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم دینے سے پہلے ابن شہاب کہتے ہیں اس وقت سے لعان کرنے والوں کے لیے یہی طریقہ جاری ہوا۔ [رواہ البخاری :باب اللِّعَانِ وَمَنْ طَلَّقَ بَعْدَ اللِّعَان]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انتظار کرو! اگر بچہ سیاہ رنگ کا ہو' اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور گہری سیاہ ہوں اس کے سرین بڑے اور پنڈلیاں موٹی ہوئیں' تو عویمر سچا ہے اور اگر بچہ سرخ رنگ کا ہوا گویا کہ وہ کچھیرا ہے تو میرا خیال ہے کہ پھر عویمر جھوٹا ہے۔ جب بچے کو اس کی ماں نے جنا تو بچہ انہیں اوصاف پر پیدا ہوا جن پر رسول اللہ ﷺ نے عویمر کو سچا قرار دیا تھا۔اس وجہ سے بچہ باپ کی بجائے اپنی ماں کی نسبت سے بلایا جاتا تھا۔''

لعان کے بعد فریقین میں مستقل جدائی ہو جائے گی۔ بچہ اپنی ماں کی طرف منسوب ہوگا بچہ اور ماں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔لعان کے ذریعے جدائی ہونے کے بعد خاوند مہر کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

مسائل

۱۔ خاوند کے پاس اگر چار گواہ نہ ہوں تو اُسے چار قسمیں اُٹھانی ہونگی کہ وہ سچا ہے۔اور پانچویں قسم اس طرح ہوگی کہ جھوٹا ہونے کی صورت میں اُس پر اللہ کی لعنت ہو۔

۲۔ عورت کی چار قسمیں اُٹھانے کی وجہ سے کہ اُس کا شوہر جھوٹا ہے عورت سزا سے بچ جائے گی۔

۳۔ عورت کو پانچویں قسم اُٹھانی ہوگی کہ جھوٹی ہونے کی صورت میں اُس پر اللہ کا غضب ہو۔

۴۔ لعان کے بعد میاں، بیوی ہمیشہ کے لیے جُدا ہو جائیں گے۔

۵۔ اللہ اپنے بندوں پر فضل فرمانے والا ہے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور حکمت والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

میاں، بیوی کی علیحدگی کی صورتیں:

۱۔ حدود کو قائم نہ رکھ سکیں۔ (البقرۃ:۲۲۹)

۲۔ جب خاوند بیوی کی نافرمانی سے خوف کھائے۔ (النساء:۳۴)

۳۔ طلاق رجعی کے بعد ان کی مدت پوری ہو جائے تو ان کے درمیان علیحدگی ہوگی۔ (البقرۃ:۲۳۰)

اِنَّ	الَّذِيۡنَ	جَآءُوۡ	بِالۡاِفۡكِ	عُصۡبَةٌ	مِّنۡكُمۡ ؕ	لَا تَحۡسَبُوۡهُ
یقیناً	وہ لوگ	آئے ہیں	جھوٹ کے ساتھ	ایک گروہ	تم سے	نہ تم اسے گمان کرو
شَرًّا لَّـكُمۡ ؕ	بَلۡ	هُوَ	خَيۡرٌ لَّـكُمۡ ؕ	لِكُلِّ	امۡرِیۡٴٍ	
برا اپنے لیے	بلکہ	وہ	بہتر ہے تمہارے لیے	ہر ایک	شخص	
مِّنۡهُمۡ	مَّا	اكۡتَسَبَ	مِنَ	الۡاِثۡمِ ۚ	وَالَّذِىۡ	
ان سے	جو	اس نے کمایا	سے	گناہ	اور جس نے	
تَوَلّٰى	كِبۡرَهٗ	مِنۡهُمۡ	لَهٗ	عَذَابٌ	عَظِيۡمٌ ﴿۱۱﴾	
اٹھایا	بڑا بوجھ اس کا	ان سے	اس کے لیے	عذاب	بہت بڑا	

''تو جو لوگ یہ بہتان گھڑ لائے ہیں وہ تم میں سے ایک گروہ ہے اس واقعے کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے لیے بہتر ہوا ہے جس نے اس میں جتنا حصہ لیا اس نے اتنا ہی گناہ کیا اور جس شخص نے اس میں زیادہ حصہ لیا اس کے لیے عظیم عذاب ہے۔'' (۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس واقعہ کی بنا پر یہ سورت نازل ہوئی اس کی حقیقت:

یہ سورۃ مبارکہ جس واقعہ پر نازل کی گئی اب اس معاملہ کی حقیقت اور اس کی سنگینی کا ذکر کیا جاتا ہے جسکا اختصار یہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ اور سفر کے لیے تشریف لے جاتے تو اس سے پہلے اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے جس بیوی کا قرعہ نکلتا آپ اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔ غزوہ بنی مصطلق میں قرعہ میرے نام نکلا۔ میں آپ کے ساتھ سفر میں تھی واپسی پر ہم نے مدینہ سے کچھ دور رات کے پہلے پہر قیام کیا مجھے حاجت کے لیے پڑاؤ سے دور جانا پڑا۔ جب فارغ ہو کر پڑاؤ کی جگہ آنے لگی تو میرے گلے کا ہار ٹوٹ کر نیچے گر پڑا۔ میں اسے تلاش کرتی رہی جب پڑاؤ کے مقام پر پہنچی تو قافلہ جا چکا تھا۔ قافلہ والوں نے میرا ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھا اور چل دیئے۔ میرا وجود ہلکا تھا قافلہ والوں نے کوچ کی جلدی میں ہودج کے ہلکے پن کا خیال نہ کیا اور خالی ہودج کے ساتھ چل نکلے۔ میں نے ادھر ادھر تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن قافلہ دور نکل چکا تھا۔ میں یہ سوچ کر پڑاؤ کی جگہ آ کر بیٹھ گئی کہ جب شتر بانوں کو معلوم ہوگا تو واپس اسی جگہ لوٹیں گے میں اسی جگہ بیٹھی انتظار کرتی رہی۔ اسی حالت میں مجھے نیند آ گئی میں زمین پر لیٹ گئی۔ صفوان رضی اللہ عنہ بن معطل کی ڈیوٹی تھی کہ وہ قافلہ کے آخر میں رہیں تاکہ گری پڑی چیز کا خیال رکھیں۔ وہ کچھ دیر کے بعد میرے قریب پہنچے تو اس نے مجھے پہچان لیا۔ کیونکہ پردے کا حکم آنے سے پہلے اس نے مجھے دیکھا ہوا تھا۔ اس نے میرے قریب آ کر قدرے بلند آواز سے ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا

اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ " کہااس کی آواز سن کر میں اُٹھ کر بیٹھ گئی اور میں نے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا۔ اللہ کی قسم نہ اس نے مجھ سے کوئی بات کی اور نہ میں نے اس سے کلام کی۔ اس نے اپنی سواری کو میرے قریب لا کر بٹھایا تا کہ میں سوار ہو جاؤں۔ میں اونٹ پر سوار ہوئی وہ مہار تھامے ہوئے پیدل چلنے لگے۔ ہم دوپہر کے وقت قافلے کے ساتھ شامل ہو گئے اس وقت قافلہ دوپہر کے آرام کے لیے ایک جگہ ٹھہرا ہوا تھا۔ اس واقعہ کو عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے اچھالا یہاں تک کہ مسطح بن اثاثہ، حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت خواتین میں حمنہ رضی اللہ عنہا بنت جحش جو ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کی بہن تھیں انہوں نے منافقوں کی مذموم مہم میں حصہ لیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں سفر سے واپسی پر بیمار پڑ گئی مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ میرے خلاف کیا طوفان بدتمیزی برپا کیا گیا ہے۔ البتہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رویہ میرے ساتھ پہلے جیسا نہ تھا پہلے کبھی بیمار ہوتی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و مہربانی غیر معمولی ہوتی لیکن اس مرتبہ آپ میرے گھر تشریف لاتے تو فقط اتنا استفسار فرماتے کہ عائشہ آپ کیسی ہیں ایک دو جملوں کے سوا کوئی بات نہ کرتے۔ میں سمجھ گئی کہ معاملہ بدلہ ہوا ہے۔ ایک رات قضائے حاجت کے لیے گھر سے باہر گئی کیونکہ ان دنوں گھروں میں لیٹرین نہیں ہوتی تھیں۔ مسطح رضی اللہ عنہ بن اثاثہ کی والدہ ام مسطح میرے ساتھ تھیں قضائے حاجت کے بعد ہم گھر آ رہی تھیں کہ اچانک ام مسطح گر پڑیں اس کے منہ سے مسطح کے بارے میں بددعا نکلی کہ مسطح ہلاک ہو جائے۔ میں نے کہا ماں آپ نے ایسے الفاظ کیوں کہے مسطح تو بدری صحابی ہے اس نے کہا بھولی بیٹی تجھے معلوم نہیں کہ وہ آپ کے بارے میں کیا کہتا پھرتا ہے اس نے مجھے پوری بات بتلائی۔ میں گھر پہنچی تو میری طبیعت بالکل نڈھال ہو چکی تھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ نے پہلے کی طرح چند الفاظ میں میری طبیعت کے بارے میں پوچھے۔ میں نے آپ سے عرض کی کہ آپ مجھے میکے جانے کی اجازت عنایت فرمائیں آپ نے بلاتاخیر اجازت دے دی۔ میں اپنے والدین کے گھر آئی میرے گھر والوں کی پریشانی نمایاں تھی۔ میں نے دن رات روتے ہوئے گزارے اس حالت میں تقریباً ایک مہینہ گزر گیا ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے میرے پاس تشریف فرما ہو کر فرمانے لگے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اگر تو پاکباز ہے تو اللہ تعالیٰ تیری برأت فرمائے گا اگر تجھ سے غلطی ہو گئی ہے تو تجھے اپنے اللہ سے معافی مانگنی چاہیے یقیناً اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنتے سنتے میرے آنسو تھم گئے۔ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میری صفائی پیش کریں انہوں نے فرمایا کہ بیٹی میں کیا جواب دوں میں نے اپنے والد سے درخواست کی کہ ابو آپ میری صفائی دیں لیکن انہوں نے بھی فرمایا۔ واللہ میں کیا جواب دوں۔ آخر میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کہا کہ اللہ کی قسم میں جانتی ہوں کہ یہ بات آپ لوگوں کے دل میں بیٹھ گئی ہے اگر میں کہوں کہ اللہ جانتا ہے میں پاک صاف ہوں تو آپ لوگ پھر بھی یقین نہیں کریں گے اگر میں اپنے آپ پر لگنے والے الزام کو تسلیم کر لوں، تو آپ لوگ اس پر یقین کر لیں گے۔ اللہ کی قسم میرا معاملہ آپ کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کے والد جیسا ہے مجھے پریشانی کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام بھول گیا۔ اس لیے میں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام لینے کی بجائے کہا کہ میرا معاملہ حضرت یوسف علیہ السلام کے والد جیسا ہے میرے لیے صبر کرنا ہی بہتر ہے

اللہ تعالیٰ ہی میری مدد فرمانے والا ہے۔ یہ کہہ کر میں نے کروٹ بدل لی۔ مجھے یقین تھا کیونکہ میں اس الزام سے بری ہوں اللہ تعالیٰ ضرور میری برأت فرمائے گا لیکن یہ خیال نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ میری برأت قرآن مجید میں نازل فرمائے گا۔ ابھی نبی کریم ﷺ اپنی جگہ سے اٹھے نہ تھے کہ آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہوگئی سردی کے باوجود آپ کی مبارک پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگا۔ وحی ختم ہوئی تو آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا تیرے لیے خوشخبری عائشہ تیری برأت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل فرما دی ہے۔ یہ سن کر میری والدہ نے فرمایا کہ بیٹی اٹھو اور رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کرو۔ میں نے کہا اللہ کی قسم میں صرف اپنے رب کا شکر ادا کروں گی جس نے میری پاک دامنی کے لیے آیات نازل فرمائی ہیں۔ ان آیات میں پہلی بات یہ فرمائی کہ جن لوگوں نے تم میں سے یہ تہمت لگائی اور اُسے آگے پھیلایا۔ اے مسلمانوں اور نبی ﷺ کے گھر والو! اسے اپنے لیے برا خیال نہ کرو کیونکہ اس میں تمہارے لیے تمہارے رب نے بہتری رکھ دی ہے البتہ اس مذموم مہم میں جس نے جتنا حصہ لیا وہ اتنا ہی گنہگار ہوا ہے۔ جس شخص نے اس مہم کا آغاز کیا اور اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اُسے عظیم عذاب ہوگا۔ بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والوں میں عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھی تھے اس مذموم مہم میں چند مسلمان محض پراپیگنڈہ سے متاثر ہونے کی بناء پر ملوث ہوئے۔

اس واقعہ میں خیر کے چند پہلو:

① منافقوں نے سرور دو عالم ﷺ کی عزت وحرمت کو داغ دار کرنے کی کوشش کی جس میں منافق پہلے سے زیادہ حقیر اور ذلیل ہوئے۔ ② اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو گلی کے تنکوں سے ہلکا کر دیا۔ ③ رب کریم نے سرور دو عالم ﷺ کی زوجہ مطہرہ کی برأت قرآن مجید میں نازل فرمائی جس کی قیامت تک تلاوت ہوتی رہے گی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حسد وبغض رکھنے والے قیامت تک جلتے رہیں گے۔ ④ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور آپ کی لخت جگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کے شہرے قیامت تک بلند ہوتے رہیں گے۔ ⑤ مسلمانوں کو زبردست اخلاقی نظام سے سرفراز کیا گیا۔ ⑥ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اخلاقی قدروں کے حوالے سے آزمائش کی گئی تین افراد کے سوا پوری کی پوری جماعت بلند ترین اخلاقی معیار پر پوری اتری۔ ⑦ مذموم مہم میں تین افراد ملوث ہوئے جنہوں نے اسّی اسّی (۸۰) کوڑے کھا کر سمع واطاعت کی مثال پیش کی۔ اور آئندہ کے لیے سچی توبہ کی اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر اچھے اور بُرے کام کی حکمت سے واقف ہے۔

۲۔ ہر کسی کو اس کے کیے کا صلہ ملے گا۔

۳۔ سیدہ عائشہ پر تہمت لگانے والے سرغنہ کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

لَوْلَآ	اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ	ظَنَّ	الْمُؤْمِنُوْنَ	وَالْمُؤْمِنٰتُ	بِاَنْفُسِهِمْ
کیوں نہیں	جب تم نے اس کو سنا	خیال کیا	مومن مرد	اور مومنہ عورتیں	اپنے دلوں میں
خَيْرًا ۙ	وَّقَالُوْا	هٰذَآ	اِفْكٌ	مُّبِيْنٌ ⑫	
اچھا	اور کہا	یہ	جھوٹ	واضح	

''جس وقت تم لوگوں نے اسے سنا اس وقت کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے دل میں نیک گمان کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ تو کھلا بہتان ہے؟'' (۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ

اگر کسی پاکدامن عورت یا مرد پر بدکاری کی تہمت لگ جائے تو مومن مرد اور عورتوں کا فرض ہے کہ وہ پاکدامن مرد اور پاکدامن عورت کا ماضی سامنے رکھ کر کھلے الفاظ میں تردید کریں کہ یہ تہمت اور الزام ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان خطاکار ہے اور اس سے غلطی ہونے کا امکان ہے لیکن انسان کا ماضی بالخصوص بدکاری کے معاملے میں مستقبل کی ضمانت فراہم کرتا ہے کیونکہ زنا ایسا فعل ہے جو یکدم سرزد نہیں ہوتا چند ایک واقعات چھوڑ کر ہر معاشرے میں زنا سے پہلے آنکھ مچولی، قربت اور اس قسم کی حرکات کا سرزد ہونا لازمی امر ہے اس لیے قرآن مجید میں وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا (بنی اسرائیل:۳۲) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اس بنیاد پر مومن مردوں اور عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بارہ میں اچھا گمان رکھا کریں کیونکہ بدگمانی سے غیبت اور الزام تراشی کی ابتدا ہوتی ہے جس سے ایک طرف پاکدامن شخص کا کردار تار تار ہوتا ہے اور دوسری طرف معاشرے میں نفرت اور لڑائی اور بے حیائی کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔ یہ آیات صدیقہ کائنات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کے لیے نازل ہوئیں اس لیے ارشاد ہوا کہ مومنوں کا فرض تھا جونہی سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگی تو مومن بیک زبان بول اٹھتے ''هٰذَا اِفْکٌ مُّبِيْنٌ''، ''ہم اسے مسترد کرتے ہیں کیونکہ یہ تہمت اور بکواس کے سوا کچھ نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ نصر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کی آپ نے فرمایا اچھا گمان بہترین عبادت ہے۔'' [رواہ ابو داود: باب فی حسن الظن]

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُولُ مَنْ قَذَفَ مَمْلُوکَهُ وَهُوَ بَرِیءٌ مِمَّا قَالَ ، جُلِدَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ، إِلَّا أَنْ یَکُونَ کَمَا قَالَ)) [رواہ البخاری: باب قَذْفِ الْعَبِیدِ]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہیں سنا آپ نے فرمایا جو آدمی اپنے غلام پر بہتان لگاتا ہے اور غلام اُس کام سے بری ہو۔ قیامت کے دن الزام لگانے والے کو کوڑے لگائے جائیں گے یا وہ اپنا دعویٰ سچ ثابت کرے گا۔''

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَکْذَبُ الْحَدِیثِ ، وَلَا تَحَسَّسُوا ،

وَلَا تَجَسَّسُوا ، وَلَا تَحَاسَدُوا ، وَلَا تَدَابَرُوا ، وَلَا تَبَاغَضُوا ، وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا))
[رواہ البخاری:باب مَا يُنْهَى عَنِ التَّحَاسُدِ وَالتَّدَابُرِ]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی بہت بڑا جھوٹ ہے۔ کسی کی عیب جوئی، جاسوسی اور حسد نہ کرو، نہ پیٹھ پیچھے باتیں کرو نہ ہی دشمنی کرو۔ اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔“

((وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ اِسْتَأْذَنَ رَهْطٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ عَلَى النَّبِيِّ فَقَالُوْا اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ فَقُلْتُ بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فَقَالَ يَاعَائِشَةُ رضی اللہ عنہا اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِّهٖ قُلْتُ اَوَلَمْ تَسْمَعْ مَاقَالُوْا قَالَ قَدْ قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ ۔وَفِيْ رِوَايَةٍ عَلَيْكُمْ وَلَمْ يَذْكُرِ الْوَاوَ۔ (متفق علیہ)وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ۔ قَالَتْ اِنَّ الْيَهُوْدَ اَتَوُا النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالُوْا اَلسَّامُ عَلَيْكَ قَالَ وَعَلَيْكُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ رضی اللہ عنہا اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْكُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَهْلًا يَا عَائِشَةُ عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَاِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ قَالَتْ اَوَلَمْ تَسْمَعْ مَاقَالُوْا قَالَ اَوَلَمْ تَسْمَعِيْ مَا قُلْتُ رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ فَيُسْتَجَابُ لِيْ فِيْهِمْ۔ وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ))[وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ۔ قَالَ لَاتَكُوْنِيْ فَاحِشَةً فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَالتَّفَحُّشَ]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہودیوں کے ایک گروہ نے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت طلب کی اور آ کر السام علیکم کہا (کہ تم ہلاک ہو جاؤ۔) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے ان کے جواب میں کہا تم پر ہلاکت ہو! اور لعنت ہو! یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے عائشہ! بے شک اللہ تعالیٰ نرمی پسند کرنے والا ہے اور تمام کاموں میں نرمی پسند کرتا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ آپ نے سُنا نہیں، جو انہوں نے کہا؟ ارشاد فرمایا اس لیے میں نے کہہ دیا: اور تم پر ہو۔ دوسری روایت میں ہے کہ تم پر ہو۔ یعنی لفظ واؤ (اور) نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم) بخاری کی ایک روایت میں ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ یہودی نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے انہوں نے کہا السام علیکم یعنی آپ تباہ ہو جائیں۔ آپ نے جواب دیا بلکہ تم پر ایسا ہو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا' تم پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہو۔ یہ سن کر رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! نرمی اختیار کرو۔ تیز گفتگو اور بدزبانی سے اجتناب کرو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ نے ان کے کلمات نہیں سنے؟ آپ نے فرمایا: کیا تو نے میری بات نہیں سنی! میں نے ان کی بددعا کا جواب دے دیا ہے اور ان کے بارے میں میرے کلمات منظور ہوئے ہیں۔ ان کے کلمات میرے بارے میں قبول نہیں ہوئے۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ اے عائشہ! تجھے بُری گفتگو سے احتراز کرنا چاہیے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بُرے الفاظ اور فحش گوئی کو پسند نہیں کرتا۔

مسائل

۱۔ مومن مرد اور مومن عورتوں کو ایک دوسرے کے بارے میں اچھا گمان کرنا چاہیے۔

۲۔ صالح کردار آدمی پر الزام لگے تو اس کی تائید نہیں کرنا چاہیے۔

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ
کیوں نہیں لائے وہ اس پر چار گواہ پس جب نہیں

يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾
وہ لائے گواہ تو وہ لوگ اللہ کے ہاں وہ جھوٹے ہیں

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ
اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت دنیا اور آخرت

لَمَسَّكُمْ فِىْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ ۚ
ضرور تمہیں پہنچتا میں کہ تم مشغول ہوئے اس میں عذاب بہت بڑا

”وہ لوگ چار گواہ کیوں نہ لائے؟ جب وہ گواہ نہیں لائے۔ تو اللہ کے نزدیک وہ جھوٹے ہیں۔ (۱۳) اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور رحم وکرم نہ ہوتا تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے ان کی پاداش میں بڑا عذاب تمہیں آلیتا۔“ (۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گذشتہ سے پیوستہ: مسلمانوں کی اخلاقی اور قانونی ذمہ داری ہے کہ تہمت لگانے والے سے ثبوت طلب کریں۔

کسی پاکدامن مرد یا عورت پر تہمت لگ جائے تو مومنوں کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اس تہمت پر یقین کرنے اور اسے آگے بڑھانے کی بجائے تہمت لگانے والے سے چار گواہوں کا مطالبہ کریں اگر وہ شریعت کے مقرر کردہ معیار اور ضابطے کے مطابق چار گواہ پیش نہیں کرتا تو وہ شریعت کی نظر میں جھوٹا ہے۔ اس پر عدالت کی ذمہ داری ہوگی کہ ایسے شخص کو مجمع عام میں اسّی (۸۰) کوڑے لگوائے تاکہ اس کی زبان درازی کی اسے ٹھیک سزا مل سکے اور مسلمانوں کی عزت وحرمت ایک دوسرے سے محفوظ رہے۔ کیونکہ یہ واقعہ صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کے دور میں ہوا اور اس میں چند مسلمان ملوث ہوئے اور یہ پہلا واقعہ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے اگر اللہ کا تم پر دنیا اور آخرت میں فضل نہ ہوتا تو اس تہمت درازی کی وجہ سے تم پر عظیم عذاب نازل ہوتا۔ یہ اس کے فضل کا نتیجہ ہے کہ اتنے عظیم جرم میں ملوث ہونے کے باوجود اس نے تمہیں توبہ واستغفار کا موقعہ دیتے ہوئے عظیم عذاب سے محفوظ فرمایا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت:

((وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ فَیَغْزُوْ فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَیَقُوْلُوْنَ هَلْ فِیْكُمْ مَنْ صَاحَبَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیُفْتَحُ لَهُمْ ثُمَّ یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ فَیَغْزُوْ فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَیُقَالُ هَلْ فِیْكُمْ مَنْ صَاحَبَ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیُفْتَحُ لَهُمْ ثُمَّ یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ فَیَغْزُوْ فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَیُقَالُ هَلْ فِیْكُمْ مَنْ صَاحَبَ مَنْ

صَاحَبَ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيُفْتَحُ لَهُمْ (متفق عليه)۔وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ قَالَ يَاْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يُبْعَثُ مِنْهُمُ الْبَعْثُ فَيَقُوْلُوْنَ اُنْظُرُوْا هَلْ تَجِدُوْنَ فِيْكُمْ اَحَدًا مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَيُوْجَدُ الرَّجُلُ فَيُفْتَحُ لَهُمْ ثُمَّ يُبْعَثُ الْبَعْثُ الثَّانِيْ فَيَقُوْلُوْنَ هَلْ فِيْهِمْ مَنْ رَّاٰى اَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ فَيُفْتَحُ لَهُمْ ثُمَّ يُبْعَثُ الْبَعْثُ الثَّالِثُ فَيُقَالُ انْظُرُوْا هَلْ تَرَوْنَ فِيْهِمْ مَنْ رَاٰى مَنْ رَاٰى اَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ يَكُوْنُ الْبَعْثُ الرَّابِعُ فَيُقَالُ اُنْظُرُوْا هَلْ تَرَوْنَ فِيْهِمْ اَحَدًا رَاٰى مَنْ رَاٰى اَحَدًا رَاٰى اَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ فَيُوْجَدُ الرَّجُلُ فَيُفْتَحُ لَهٗ۔)) [رواه مسلم: باب فَضْلِ الصَّحَابَةِ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں پر ایسا وقت آئے گا‘ کہ ان کا ایک گروہ۔ اللہ کے راستے میں لڑائی کرے گا۔ جہاد کرنے والے پوچھیں گے‘ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی ہو؟ وہ جواب دیں گے‘ ہاں۔ چنانچہ اس صحابی کی برکت سے ان کو فتح نصیب ہوگی۔ پھر مسلمانوں پر ایسا وقت آپڑے گا کہ ان کا ایک گروہ۔ اللہ کے راستے میں لڑائی کرے گا۔ پوچھا جائے گا‘ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس کو اصحابِ رسول کی صحبت حاصل ہوئی (یعنی تابعی ہے)؟ وہ جواب دیں گے ہاں۔ تو ان کو فتح نصیب ہو جائے گی۔ پھر مسلمانوں پر ایک ایسا دور آئے گا کہ ان کی ایک جماعت جہاد فی سبیل اللہ کرے گی۔ پوچھا جائے گا کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس کو کسی اصحاب رسول کے ساتھی یعنی تابعی کی صحبت میسر آئی ہو یعنی تبع تابعی ہے؟ بتایا جائے گا‘ ہاں۔ تو وہ بھی فتح یاب ہوں گے۔ مسلم کی دوسری روایت ہے۔ مسلمانوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ مسلمانوں کا ایک لشکر بھیجا جائے گا۔ وہ کہیں گے دیکھو تم میں کوئی صحابیِ رسول ہے؟ چنانچہ وہ صحابی پائیں گے تو انہیں فتح حاصل ہوگی۔ پھر دوسرا لشکر بھیجا جائے گا تو لوگ دریافت کریں گے کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے کسی صحابی کو پایا ہو؟ چنانچہ ان کو کامیابی حاصل ہوگی۔ پھر تیسرا لشکر بھیجا جائے گا تو لوگ پوچھیں گے کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص موجود ہے جس نے کسی ایسے شخص کو دیکھا ہو جو صحابی رسول کی صحبت سے فیض یاب ہوا ہو؟ وہ ایسا شخص پائیں گے اور وہ فتح یاب ہوں گے۔ پھر چوتھا لشکر بھیجا جائے گا۔ ان سے پوچھا جائے گا‘ کیا تم میں صحابہ کرام کے شاگردوں کا کوئی شاگرد ہے؟ تو وہ ایسا شخص پائیں گے۔ تو فتح سے ہمکنار ہوں گے۔

مسائل

۱۔ تہمت لگانے والے پر لازم ہے کہ وہ چار عادل گواہ پیش کرے ورنہ اسے اسّی کوڑے لگائے جائیں گے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر خاص فضل اور خصوصی رحمت فرمائی۔

تفسیر بالقرآن

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مرتبہ و مقام:

۱۔ اللہ نے صحابہ کے ایمان کو آزمالیا۔ (الحجرات:۳) ۲۔ صحابہ کا ایمان امت کے لیے معیار ہے۔ (البقرۃ:۱۳۷)

۳۔ صحابہ اللہ کی جماعت ہیں۔ (المجادلۃ:۲۲) ۴۔ صحابہ کو برا کہنے والے بیوقوف ہیں۔ (البقرۃ:۱۳)

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ

جب تم اسے ایک دوسرے سے لیتے تھے اپنی زبانوں کیساتھ اور تم کہتے تھے اپنے مونہوں کے ساتھ جو نہیں تھا

لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ

تمہارے پاس ساتھ اس کے علم تم اسے گمان کرتے معمولی جبکہ وہ اللہ کے ہاں

عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ

بہت بڑا اور کیوں نہیں جب تم نے اسے سنا تم نے کہا نہیں ہے ہمارے لیے

اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾

یہ کہ ہم کلام کریں اس کے ساتھ تو پاک ہے یہ بہتان بہت بڑا

”جب تم ایک دوسرے کی زبان سے جھوٹ پھیلا رہے تھے اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہے جا رہے تھے۔ جس کے متعلق تمہیں کوئی علم نہ تھا تم اسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ بڑی بات تھی۔(۱۵) کیوں نہ تم نے سنتے ہی کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا سبحان اللہ یہ تو عظیم بہتان ہے۔“(۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: صحابہ پر خصوصی فضل و رحمت کا تذکرہ کرنے کے بعد انہیں مزید احساس دلایا گیا کہ جس بات کو تم نے معمولی سمجھا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ گناہ اور نتائج کے اعتبار سے بڑی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن مرد اور عورت کی عزت و حرمت بڑا مقام رکھتی ہے اس لیے ایک دفعہ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جس بات کو تم ہلکا سمجھتے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی بات ہے یعنی بہت بڑا جرم ہے کیونکہ اس سے پاکدامن مومن مرد اور عورت کی عزت و حرمت پامال ہوتی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ ہرگز برداشت نہیں کرتا۔ تمہارا اخلاقی فرض تھا کہ جونہی تم نے اس بات کو سنا تو فوراً کہہ دیتے کہ ہماری کیا مجال کہ ہم سرور دو عالم ﷺ کی زوجہ مطہرہ کے بارے میں منفی بات کریں تمہیں اس میں حصہ لینے کی بجائے صاف صاف کہنا چاہیے تھا یہ تو عظیم بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم حقیقتاً اپنے رب پر ایمان لانے والے ہو تو آئندہ اس قسم کی بات تمہاری زبان پر نہیں آنی چاہیے۔ اس نے اپنے احکام تمہارے لیے کھول کر بیان کر دیے ہیں۔ ہمیشہ یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ہر کام اور ہر بات کو جاننے والا ہے اور اس کے ہر حکم اور ارشاد میں حکمت ہوتی ہے۔

ابدًا	لِمِثْلِهٖٓ	تَعُوْدُوْا	اَنْ	اللّٰهُ	يَعِظُكُمُ
کبھی بھی	اس جیسی بات	تم دوبارہ کرو	یہ کہ	اللہ	تمہیں نصیحت کرتا ہے

لَكُمُ	اللّٰهُ	وَيُبَيِّنُ	مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾	كُنْتُمْ	اِنْ
تمہارے لیے	اللہ	اور بیان کرتا ہے	ایماندار	ہو تم	اگر

حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾	عَلِيْمٌ	وَاللّٰهُ	الْاٰيٰتِ
خوب حکمت والا ہے	خوب جاننے والا ہے	اور اللہ	آیات

اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔(۱۷) اللہ تمہیں صاف صاف ہدایات دیتا ہے اور وہ علیم وحکیم ہے۔''(۱۸)

مسائل

۱۔ مسلمان مرد اور عورت کی عزت وحرمت کے بارے میں منفی بات کرنا بڑا گناہ ہے۔

۲۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور صحابیات رضی اللہ عنہن کے بارے میں منفی گفتگو کرنا قابلِ تعزیر جرم ہے۔

۳۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ایک دوسرے کی عصمت وحرمت کے بارے میں منفی گفتگو کرنے سے اجتناب کریں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور اس کے ہر کام اور حکم میں حکمت ہوتی ہے:

۱۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔(المائدۃ:۱)

۲۔ اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کی ہر چیز کو جاننے والا ہے۔(المائدۃ:۹۸)

۳۔ جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو سب کچھ اللہ کو معلوم ہے۔(المائدۃ:۹۹)

۴۔ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے۔(المؤمن:۱۹)

۵۔ جو کچھ ہو چکا اور جو ہونے والا ہے سب اللہ کو معلوم ہے اس کے علم کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔(طٰہٰ:۱۱۰)

۶۔ اللہ سے ڈر جاؤ اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔(الحجرات:۱)

۷۔ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں وہ سننے والا جاننے والا ہے۔(الشوریٰ:۱۱)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	يُحِبُّوْنَ	اَنْ	تَشِيْعَ	الْفَاحِشَةُ
یقیناً	وہ لوگ	وہ پسند کرتے ہیں	یہ کہ	پھیلے	بے حیائی
فِي الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	لَهُمْ	عَذَابٌ	اَلِيْمٌ	
لوگوں میں	وہ ایمان لائے	ان کے لیے	عذاب	نہایت دردناک	
فِي الدُّنْيَا	وَالْاٰخِرَةِ	وَاللّٰهُ	يَعْلَمُ	وَاَنْتُمْ	لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾
دنیا میں	اور آخرت	اور اللہ	وہ جانتا ہے	اور تم	نہیں تم جانتے
وَلَوْلَا	فَضْلُ	اللّٰهِ	عَلَيْكُمْ	وَرَحْمَتُهٗ	
اور اگر نہ ہوتا	فضل	اللہ	تم پر	اور اس کی رحمت	
وَاَنَّ	اللّٰهَ	رَءُوْفٌ	رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع		
اور یقیناً	اللہ	نہایت شفقت کرنے والا	نہایت رحم کرنے والا ہے		

النصف ۲ ع ۱۰

”جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں کی جماعت میں بے حیائی پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (۱۹) اگر اللہ کا فضل اور اس کا رحم وکرم تم پر نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا شفقت کرنے اور مہربانی فرمانے والا ہے۔“ (۲۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مومنوں کو نصیحت کرنے کے بعد منافقین اور بے حیائی پھیلانے والوں کی سزا کا ذکر۔

اللہ تعالیٰ کے احکام واضح ہیں کہ کسی پاکدامن عورت اور مرد پر تہمت نہ لگائی جائے۔ کیونکہ اس سے ایک طرف انفرادی طور پر مسلمان کی بے حرمتی ہوتی ہے اور دوسری طرف معاشرے میں بے حیائی پھیلتی ہے۔ جس معاشرے میں پاکدامن مردوں اور عورتوں کی عزت محفوظ نہیں وہاں بے شرمی اور بے حیائی عام ہوجاتی ہے۔ جو لوگ بے حیائی کو پھیلاتے اور رواج دیتے ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں اذیت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پہلی ذلت یہ ہے کہ اُسے سرعام اسی کوڑے لگائے جاتے ہیں ظاہر ہے اس سے بڑھ کر اور کیا ذلت ہوسکتی ہے۔ دوسری ذلت یہ ہے کہ وہ اپنا اعتماد کھو بیٹھتا ہے جس وجہ سے اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ آخرت میں اس کے لیے عظیم عذاب کی سزا ہے۔ جس معاشرے میں بے حیائی عام ہوجائے وہاں کسی کی عزت سلامت نہیں رہتی۔ چادر اور چار دیواری کا تحفظ پامال ہوجاتا ہے اور عزت والا شخص اپنی عزت کے بارے میں ہر وقت ایک خوف محسوس کرتا ہے۔ جہاں تک بے حیائی پھیلانے والوں کا تعلق ہے وہ بھی قلبی سکون سے محروم ہوجاتے ہیں بظاہر وہ کتنے ہی فیشن ایبل اور ہشاش بشاش دکھائی دیتے ہوں۔ لیکن اندر سے کھوکھلے ہوجاتے ہیں

دل کا سکون پانے کے لیے ایسے مرد اور عورتیں شراب نوشی اور دیگر نشہ آور چیزیں استعمال کرتے ہیں بالآخر اپنی صحت بھی برباد کر لیتے ہیں اکثر اوقات ان کا دنیا میں بھی انجام عبرتناک ہوتا ہے۔ عام طور پر یہ لوگ فیشن اور آزادی کے نام پر بے حیائی پھیلاتے ہیں جنہیں پہچاننا اور ان سے بچنا قدرے مشکل ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو تنبیہ کے طور پر بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے اور مسلمانوں تم انہیں نہیں جانتے کہ وہ کس کس طریقے سے تمہارے درمیان بے حیائی پھیلاتے ہیں۔ بے حیا لوگوں کی بے حیائی سے بچنا اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

یعنی تم لوگ نہیں جانتے کہ اس طرح کی ایک ایک حرکت کے اثرات معاشرے میں کہاں کہاں تک پہنچتے ہیں، کتنے افراد کو متاثر کرتے ہیں اور مجموعی طور پر ان سے کتنا نقصان ہوتا ہے۔ اس چیز کو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ لہٰذا اللہ پر اعتماد کرو اور جن برائیوں کی نشان دہی کی جاتی ہے انہیں پوری قوت سے مٹانے اور دبانے کی کوشش کرو۔ یہ چھوٹی باتیں نہیں ہیں جن کے ساتھ روا داری برتی جائے۔ حقیقت میں یہ بڑی باتیں ہیں جن کا ارتکاب کرنے والوں کو سخت سزا ملنی چاہیے۔

مسائل

۱۔ بے حیائی پھیلانے والے لوگ دنیا میں بھی اذّیت ناک سزا میں مبتلا ہوں گے۔

۲۔ بے حیائی پھیلانے والوں کو قیامت کے دن اذّیت ناک عذاب ہوگا۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ معاف کرنے اور مہربانی فرمانے والا ہے:

۱۔ اللہ رحم کرنے والا ہے۔ (الانعام: ۱۳۳) ۲۔ مہربانی فرمانا اللہ نے اپنے آپ پر لازم کر لیا ہے۔ (الانعام: ۵۴)

۳۔ اللہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (یوسف: ٦۴)

۴۔ اے نبی! میرے بندوں کو میری طرف سے خبر کر دو کہ میں بخشنے والا، رحم کرنے والا ہوں۔ (الحجر: ۴۹)

۵۔ اللہ مومنوں کو اندھیروں سے نکالتا ہے کیونکہ وہ رحم کرنے والا ہے۔ (الاحزاب: ۴۳)

٦۔ اللہ توبہ کرنے والوں کو اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے بے شک اللہ معاف اور رحم کرنے والا ہے۔ (التوبۃ: ۹۹)

۷۔ جو سچے دل سے تائب ہو جائے ایمان کے ساتھ اعمالِ صالح کرتا رہے اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دے گا کیونکہ اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (الفرقان: ۷۰)

۸۔ گناہ گار کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ اللہ معاف کرنے والا ہے۔ (الزمر: ۵۳)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ

اے | وہ لوگ جو | وہ ایمان لائے | نہ تم پیروی کرو | قدم | شیطان

وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ

اور جوکوئی | وہ پیروی کرے | قدم | شیطان | بے شک وہ | حکم کرتا ہے

بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

بے حیائی کا | اور برے کام کا | اور اگر نہ ہوتا | اللہ کا فضل | تم پر | اور اس کی رحمت

مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ

نہ | پاک ہوتا | تم سے | ایک بھی | کبھی | اور لیکن

اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢١﴾

اللہ | وہ پاک کرتا ہے | جسے | وہ چاہتا ہے | اور اللہ | خوب سننے والا | خوب جاننے والا ہے

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو؟ شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو جو اس کی پیروی کرے گا شیطان اسے فحش اور بدکاری کا حکم دے گا اگر اللہ کا فضل اور اس کا رحم وکرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی شخص پاک نہ ہوسکتا۔ لیکن اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔'' (٢١)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کسی پر تہمت لگانا شیطانی عمل ہے اس لیے مسلمانوں کو شیطان کی پیروی سے منع کیا گیا ہے۔

شیطان کی ہر لحہ کوشش ہوتی ہے کہ انسان بالخصوص مسلمان کو برائی اور بے حیائی کے کاموں میں مبتلا کرے۔ جب انسان ایک مرتبہ برائی اور بے حیائی کا ارتکاب بیٹھتا ہے تو پھر اس کے لیے سنبھلنا مشکل ہوجاتا ہے اس لیے حکم ہے کہ شیطان کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے۔ قرآن مجید کے پہلے مخاطب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے لہٰذا تیسری مرتبہ ارشاد ہوا ہے کہ اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو ایک شخص بھی تم سے پاک نہیں رہ سکتا تھا یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے اسے ہر اعتبار سے پاک صاف رہنے کی توفیق عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ منافقین نے دیرینہ حسد وبغض کی وجہ سے سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کے لیے اس قدر گہری اور منظم مہم چلائی کہ جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بچنا بہت مشکل تھا لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ گنتی کے دو تین آدمیوں کے سوا کوئی صحابی اس مذموم فعل میں شامل نہیں ہوا جس کا اللہ تعالیٰ نے بطورِ احسان ذکر فرمایا ہے کہ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی تو تم میں سے کسی ایک کا بچنا بھی محال نہ تھا

”خُطْوَۃ“ کی جمع ”خُطُوَاتِ“ ہے۔جس کا معنٰی ہے کسی کے پیچھے قدم بقدم چلنا،”خُطُوَاتِ الشَّیْطَانُ“ کہہ کر مسلمانوں کو غیرت دلائی گئی ہے کہ کلمہ پڑھنے والوں کی یہ شان نہیں کہ وہ شیطان کی پیروی کرتے ہوئے ہرسنی سنائی بات آگے پھیلاتے جائیں۔

((عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا أَنْ یُحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ))

[رواہ مسلم: باب النَّھْیِ عَنِ الْحَدِیثِ بِکُلِّ مَا سَمِعَ]

”حضرت حفص بن عاصم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہرسنی سنائی بات بیان کرتا چلا جائے۔“

انسان جب کسی پر تہمت لگاتا ہے تو اس کے دل میں لامحالہ یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ میں اس سے نیک ہوں اور جس پر تہمت لگا رہا ہے۔وہ بُرا اور ناپاک شخص ہے۔جھوٹی تہمت کے پیچھے خود پسندی کا جذبہ بھی کارفرما ہوتا ہے اس لیے مسلمانوں کو تلقین فرمائی ہے کہ وہ اپنی پاکبازی کا دعوٰی نہ کریں کیونکہ کوئی انسان اس وقت تک حقیقتاً پاکباز نہیں ہوسکتا جب تک اللہ تعالیٰ اسے پاکبازی کی توفیق نہ دے جو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے بغیر ممکن نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا:

((أَعُوذُ بِاللّٰہِ السَّمِیعِ الْعَلِیمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیمِ مِنْ ھَمْزِہٖ وَنَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ))[رواہ ابو داود:باب مَنْ رَأَی الِاسْتِفْتَاحَ بِسُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ]

”میں شیطان مردود کے وسوسہ،پھونک اور اس کی چھیڑ چھاڑ سے پناہ طلب کرتا ہوں۔“

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو شیطان کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے۔ ۲۔ شیطان انسان کو برائی اور بے حیائی میں مبتلا کرتا ہے۔

۳۔ ہردم اللہ کا فضل اور مہربانی مانگنی چاہیے کیونکہ اس کی مہربانی کے بغیر شیطان کی پیروی سے نہیں بچا جاسکتا۔

تفسیر بالقرآن

شیطان کی پیروی نہیں کرنی چاہیے:

۱۔ شیطان آدمی کو ہرطرف سے گمراہ کرتا ہے۔(الاعراف:۱۷) ۲۔شیطان جھوٹی قسموں سے ورغلاتا ہے۔(الاعراف:۲۱)

۳۔ شیطان اپنی فریب کاری سے پھسلاتا ہے۔(الاعراف:۲۲) ۴۔شیطان بے حیائی اور برائی کا حکم دیتا ہے۔(البقرۃ:۱۶۹)

۵۔ شیطان برے اعمال کو فیشن کے طور پر پیش کرتا ہے۔(النمل:۲۴)

۶۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو گمراہ کرنے کے لیے قسمیں اٹھائیں۔(الاعراف:۲۱)

۷۔ شیطان کی پیروی کرنے سے بچنے کا حکم ہے۔(البقرۃ:۲۰۸)۸۔شیطان کی پیروی کرنا اس کی عبادت کرنا ہے۔(یٰس:۶۰)

وَلَا	يَأْتَلِ	أُولُوا الْفَضْلِ	مِنْكُمْ	وَالسَّعَةِ	اَنْ
اور نہ	قسمیں کھائیں	دولت مند	تم سے	اور وسعت والے	اس پر کہ
يُّؤْتُوْٓا	أُولِي الْقُرْبٰى	وَالْمَسٰكِيْنَ		وَالْمُهٰجِرِيْنَ	فِيْ
وہ دیں	قرابت دار	اور مسکین		اور ہجرت کرنے والے	میں
سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ	وَلْيَعْفُوْا	وَلْيَصْفَحُوْا ؕ	اَلَا	تُحِبُّوْنَ	اَنْ
اللہ کی راہ	اور چاہیے کہ وہ معاف کریں	اور چاہیے کہ وہ درگزر کریں	کیا نہیں	تم پسند کرتے	یہ کہ
يَّغْفِرَ	اللّٰهُ	لَكُمْ ؕ	وَاللّٰهُ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ﴿٢٢﴾
وہ بخش دے	اللہ	تمہیں؟	اور اللہ	نہایت بخشنے والا	نہایت رحم کرنے والا ہے

”تم میں جولوگ صاحبِ فضل اور مالدار ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ اپنے رشتہ دار، مسکین اور ہجرت کرنے والے کی مدد نہیں کریں گے انہیں معاف کر دینا اور درگزر کرنا چاہیے کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟ اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ معاف فرمانے اور رحم کرنے والا ہے۔“ (٢٢)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سورۃ النور کا مرکزی عنوان اخلاق ہے اور اخلاق کا یہ تقاضا ہے کہ اگر کسی کو غریب سمجھ کر اس کے ساتھ تعاون کیا جائے تو ذاتی رنجش کی بنیاد پر اس کے ساتھ تعاون ترک نہیں کرنا چاہیے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کے ہم زبان ہونے والے صحابہ میں حضرت مسطح رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے حضرت مسطح سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ مفلس تھے جس کی وجہ سے سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ مسلسل مالی تعاون کیا کرتے تھے۔ جب انہوں نے صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کا ساتھ دیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھائی کہ آئندہ اس شخص کے ساتھ تعاون نہیں کروں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا جن کو اللہ تعالیٰ نے وسائل کی کشادگی عطا فرمائی ہے ان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں، مسکینوں اور مہاجرین کی مدد کرنے سے انکار کریں انہیں معافی اور درگزر سے کام لینا چاہیے۔ اے مسلمانو! کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کر دے؟ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔ جونہی یہ فرمان نازل ہوا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس بات کا اظہار کیا کہ کیوں نہیں میں تو اللہ تعالیٰ کی بخشش کا طلبگار ہوں اس کے ساتھ ہی حضرت مسطح کے ساتھ تعاون جاری رکھنے کا عہد فرمایا۔

((عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ قَالَ أَفْضَلُ الْفَضَائِلِ أَنْ تَصِلَ مَنْ

قَطَعَكَ وَتُعْطِی مَنْ مَنَعَكَ وَتَصْفَحَ عَمَّنْ شَتَمَكَ))[رواه احمد: مسند سهل بن معاذ بن انس]

حضرت سہل بن معاذ بن انس اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا فضائل میں سے یہ سب سے بڑی فضیلت والی یہ بات ہے کہ تو اُس کے ساتھ صلہ رحمی کرے جو تجھ سے قطع تعلق کرتا ہے۔ تو اُسے دے جو تجھے دینے سے انکاری ہے اور اُس سے درگزر کرے جو تجھے گالی گلوچ دیتا ہے۔“

﴿الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ [آل عمران: ۱۳٤]

”وہ لوگ جو خوشحالی اور تنگی دستی میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں ایسے نیکوکاروں کو اللہ پسند کرتا ہے۔“

مسائل

۱۔ مخیّر حضرات کو ذاتی رنجش کی بناء پر مستحق لوگوں کے ساتھ تعاون ترک نہیں کرنا چاہیے۔

۲۔ رشتہ دار، مساکین اور مہاجرین کے ساتھ تعاون کرتے رہنا چاہیے۔

۳۔ مخلص مسلمان سے غلطی سرزد ہو جائے تو اسے معاف کر دینا چاہیے۔

۴۔ لوگوں کو معاف کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ معاف کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

زیادتی کرنے والوں کو معاف اور درگزر کرنا:

۱۔ اے پیغمبر ﷺ زیادتی کرنے والوں کے ساتھ درگزر کیجئے۔ (الاعراف:۱۹۹)

۲۔ اگر تم پسند کرتے ہو کہ اللہ تم کو معاف کرے تو تم بھی دوسروں کو معاف کر دیا کرو۔ (النور:۲۲)

۳۔ اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔ (آل عمران:۱۳۴)

۴۔ درگزر کرنے سے انسان کو تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ (البقرۃ:۲۳۷)

۵۔ آپ انہیں معاف کریں اور درگزر کا رویہ اختیار کریں حتیٰ کہ اللہ کا حکم آ جائے۔ (البقرۃ:۱۰۹)

۶۔ زیادتی کا بدلہ ہے جو کوئی معاف کر دے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ (الشوریٰ:۴۰)

إِنَّ	الَّذِيْنَ	يَرْمُوْنَ	الْمُحْصَنٰتِ	الْغٰفِلٰتِ	الْمُؤْمِنٰتِ
بلاشبہ	وہ لوگ	وہ تہمت لگاتے ہیں	پاک دامن	بے خبر	مومن عورتیں
لُعِنُوْا	فِي الدُّنْيَا	وَالْاٰخِرَةِ	وَلَهُمْ	عَذَابٌ	عَظِيْمٌ ﴿٢٣﴾
وہ ملعون ہیں	دنیا میں	اور آخرت	اور ان کے لیے	عذاب	بہت بڑا
يَوْمَ	تَشْهَدُ	عَلَيْهِمْ	اَلْسِنَتُهُمْ	وَاَيْدِيْهِمْ	وَاَرْجُلُهُمْ
دن	شہادت دیں گی	ان پر	ان کی زبانیں	اور ان کے ہاتھ	اور ان کے پاؤں
بِمَا	كَانُوْا	يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾	يَوْمَئِذٍ	يُّوَفِّيْهِمُ	اللّٰهُ
اس وجہ سے	وہ تھے	وہ عمل کیا کرتے	اس دن	وہ پورا دے گا انہیں	اللہ

دِيْنَهُمُ	الْحَقَّ	وَيَعْلَمُوْنَ	اَنَّ اللّٰهَ	هُوَ	الْحَقُّ	الْمُبِيْنُ ﴿٢٥﴾
ان کا بدلہ	حق	اور وہ جان لیں گے	بلاشبہ اللہ	وہ	حق	بیان کرنے والا

''جولوگ پاکدامن، بے خبر، مومن عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت برستی ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔(٢٣) وہ اس دن کو نہ بھولیں جب ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ، پاؤں ان کی کرتوتوں کی گواہی دیں گے۔(٢٤) اس دن انہیں اللہ پورا پورا بدلہ دے گا۔ جس کے وہ مستحق ہیں اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی حق ہے سچ کو سچ کر دکھانے والا۔''(٢٥)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے والوں کے لیے دنیا اور آخرت میں سزا۔

سابقہ آیات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بارے میں اچھا گمان کرتے ہوئے تہمت طرازی سے بچا کریں۔ اب تمام پاکدامن مومن عورتوں کے بارے میں اصول بیان کیا گیا ہے کہ جس نے پاکدامن، بے خبر بھولی بھالی مسلمان خواتین پر تہمت لگائی ان پر اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں لعنت کریں گے اور ان کے لیے عظیم تر عذاب ہوگا۔ ممکن ہے کہ دنیا میں یہ لوگ اپنی چرب لسانی یا کسی وجہ سے سزا سے بچ جائیں لیکن انہیں وہ دن یاد رکھنا چاہیے جس دن ان کی زبانیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے کردار کے بارے میں گواہی دیں گے۔ جس کے بارے میں دوسرے مقام پر یوں بیان کیا ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر ثبت کریں گے اور پھر ان کے ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف شہادت دیں گے۔ (یٰس: ٦٥) ایک اور مقام پر یوں بیان فرمایا ہے کہ جب مجرموں کے کان، آنکھیں اور پورا جسم ان کے خلاف گواہی دے گا تو وہ اپنے وجود سے مخاطب ہو کر کہیں گے کہ آج تمہیں ہمارے خلاف بولنے کی کس نے طاقت دی ہے۔ مجرم کے تمام اعضا پکار اٹھیں گے کہ ہمیں اس اللہ نے بولنے کی طاقت دی ہے جس نے ہر چیز کو بولنے کی

استعداد بخشی ہے (حٰم السجدہ: آیت ۲۰، ۲۱)

اس ارشاد سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ انسان کو اپنی زبان، ہاتھ اور پاؤں کو شریعت کے تابع کر دینا چاہیے۔ سرورِ دوعالم ﷺ نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مسلمان کی اس طرح تعریف فرمائی ہے

((عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ ، وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ))[رواہ البخاری:باب الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ]

’’حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ مہاجر وہ ہے جس نے اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں کو چھوڑ دیا۔‘‘

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَاهُنَّ قَالَ اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَكْلُ الرِّبٰو وَاَكْلُ مَالِ الْیَتِیْمِ وَالتَّوَلِّی یَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ))[رواہ البخاری : باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی (إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا]

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ محترم ﷺ نے فرمایا سات ہلاک کر دینے والے گناہوں سے بچتے رہو۔ آپ سے پوچھا گیا اللہ کے رسول وہ کون سے ہیں؟ فرمایا (۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنا' (۲) جادو کرنا (۳) ایسے شخص کو قتل کرنا جسے اللہ نے قتل کرنا حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ سود۔ یتیم کا مال کھانا، میدانِ جنگ سے فرار ہونا اور پاک دامن ایمان دار بھولی بھالی عورتوں پر تہمت لگانا۔‘‘

مسائل

۱۔ پاک دامن عورتوں پر الزام لگانے والے دنیا و آخرت میں لعنت کے مستحق ہیں۔ قیامت کے دن اُنہیں بڑے عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔

۲۔ قیامت کے دن مجرموں کے ہاتھ پاؤں اور زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی۔

۳۔ قیامت کے دن ہر کسی کو اس کے کیے کا پورا، پورا بدلہ دیا جائے گا۔

۴۔ قیامت کے دن سبھی کو بالخصوص مجرموں کو پتہ چل جائے گا کہ اللہ کی ذات اور اس کا فرمان حق ہے۔

تفسیر بالقرآن

انسان کے اعضاء اللہ تعالیٰ کے سامنے گواہی دیں گے

۱۔ قیامت کے دن کان، آنکھ اور دل سے سوال کیا جائے گا۔ (بنی اسرائیل: ۳۶)

۲۔ قیامت کے دن مجرموں کے خلاف ان کے کان، آنکھیں اور جسم گواہی دیں گے۔ (حٰم السجدۃ: ۲۰)

۳۔ مجرموں کے ہاتھ اور پاؤں گواہی دیں گے۔ (یٰس: ۶۵)

اَلْخَبِيْثٰتُ	لِلْخَبِيْثِيْنَ	وَالْخَبِيْثُوْنَ	لِلْخَبِيْثٰتِ ج	وَالطَّيِّبٰتُ
ناپاک عورتیں	ناپاک مردوں کے لیے	اور ناپاک مرد	ناپاک عورتوں کے لیے	اور پاکباز عورتیں
لِلطَّيِّبِيْنَ	وَالطَّيِّبُوْنَ	لِلطَّيِّبٰتِ ج	اُولٰٓئِكَ	مُبَرَّءُوْنَ
پاک مردوں کے لیے	اور پاک مرد	پاک عورتوں کے لیے	یہ لوگ	بری ہیں

مِمَّا	يَقُوْلُوْنَ ط	لَهُمْ	مَّغْفِرَةٌ	وَّرِزْقٌ	كَرِيْمٌ ﴿٢٦﴾ ع
اس سے	جو وہ کہتے ہیں	ان کے لیے	بخشش	اور رزق	عزت والا

٣ع(٢)٩

”بُری عورتیں بُرے مردوں کے لیے ہیں اور بُرے مرد بُری عورتوں کے لیے ہیں، پاکباز عورتیں پاکباز مردوں کے لیے ہیں اور پاکباز مرد پاکباز عورتوں کے لیے ہیں۔ان کا دامن ان باتوں سے پاک ہے جو بنانے والے بناتے ہیں ان کے لیے مغفرت اور رزقِ کریم ہے۔“ (٢٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام : تہمت کے بیان میں ایک اور حقیقت کی وضاحت۔خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہوتی ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے ہوتے ہیں۔

یہاں لوگوں کے طبعی رجحانات اور ان کی اچھی بُری فطرت کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ فکر وعمل کے اعتبار سے بے حیا عورتیں بے حیا مردوں کو پسند کرتی ہیں اور بے حیا مرد بے حیا عورتوں کی طرف راغب ہوتے ہیں۔فکر وعمل کے اعتبار سے پاک باز عورتیں پاک باز خاوندوں کے طور پر پسند کرتی ہیں اور پاکباز مرد پاکباز عورتوں کو بیوی بنانا پسند کرتے ہیں۔پاکباز مرد اور خواتین کا ان باتوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا بُرے لوگ جو ان کے بارے میں کہتے ہیں۔ان کی پاکبازی کی وجہ سے ان کی دیگر بشری کمزوریوں کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے ان کے لیے عمدہ اور باعزت رزق تیار کیا گیا ہے اس ارشاد میں ایک طرف سیدہ صدیقہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا صالح کردار اور ان کی پاکیزہ سوچ کی نشاندہی کی گئی ہے جس میں اشارتاً بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے لیے فکر وعمل کے اعتبار سے پاکباز بیویوں کا انتخاب کیا ہے اور یہی مسلمانوں کے لیے اصول ہے کہ وہ ازواجی تعلق قائم کرتے ہوئے اس اصول کو پیشِ نظر رکھا کریں۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اُرِيْتُكِ فِی الْمَنَامِ ثَلٰثَ لَيَالٍ يَجِیْئُ بِكِ الْمَلَكُ فِیْ سَرَقَةٍ مِّنْ حَرِيْرٍ فَقَالَ لِیْ هٰذِهٖ أَمْرَأَتُكَ فَكَشَفْتُ عَنْ وَجْهِكِ الثَّوْبَ فَاِذَا اَنْتِ هِیَ فَقُلْتُ اِنْ يَّكُنْ هٰذَا مِنْ عِنْدِاللّٰهِ يُمْضِهٖ۔ [رواه البخاری: باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَی (**إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا**)]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ تین راتیں تو مجھے خواب میں دکھائی گئی۔فرشتہ

ریشم کے ٹکڑے میں لپیٹ کر تیری تصویر لاتا رہا اور اس نے مجھے بتایا کہ یہ آپ کی بیوی ہے۔ جب میں نے تیرے چہرے سے نقاب اٹھایا تو واقعتاً ہی تھی۔ پس میں نے سوچا یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وہ وہ ایسا کرے گا۔‘‘

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ)) [رواه البخاري: كتاب النكاح، باب الأكفاء في الدين]

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت سے چار وجوہات کی بنیاد پر شادی کی جاتی ہے۔ مال کی وجہ سے، حسب ونسب کی بناء پر، اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اور اس کے دین کی بنیاد پر۔ پس تم دین دار کو پسند کر دتا کہ تم کامیاب اور خوش وخرم رہو۔ تیرے ہاتھ خاک آلودہوں۔‘‘

پاکباز عورت کا خصوصی وصف:

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ بَعْضَ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قُلْنَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَيُّنَا اَسْرَعُ بِكَ لُحُوقًا؟ قَالَ اَطْوَلُكُنَّ يَدًا فَاَخَذُوْا قَصَبَةً يَذْرَعُوْنَهَا وَكَانَتْ سَوْدَةُ اَطْوَلَهُنَّ يَدًا فَعَلِمْنَا بَعْدُ اِنَّمَا كَانَ طُوْلَ يَدِهَا الصَّدَقَةُ وَ كَانَتْ اَسْرَعَنَا لُحُوْقًا بِهٖ زَيْنَبُ وَ كَانَتْ تُحِبُّ الصَّدَقَةَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) وَ فِي رِوَايَةِ مُسْلِمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَسْرَعُكُنَّ لُحُوقًا بِيْ اَطْوَلُكُنَّ يَدًا قَالَتْ وَ كَانَتْ يَتَطَاوَلْنَ اَيَّتُهُنَّ اَطْوَلُ يَدًا قَالَتْ فَكَانَتْ اَطْوَلَنَا يَدًا زَيْنَبُ لِاَنَّهَا كَانَتْ تَعْمَلُ بِيَدِهَا وَ تَصَدَّقُ)) [رواه مسلم: باب مِنْ فَضَائِلِ زَيْنَبَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رضی اللہ عنہا]

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں بعض نے آپ سے دریافت کیا کہ ہم میں سے کون سی بیوی آپ سے جنّت میں پہلے ملے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے ہاتھ لمبے ہیں۔ انہوں نے چھڑی کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو ناپنا شروع کیا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سب سے لمبے تھے لیکن ہمیں بعد میں پتہ چلا کہ ہاتھ لمبے ہونے سے مراد زیادہ صدقہ دینا تھا۔ چنانچہ ہم سے جو پہلے آپ سے ملیں وہ حضرت زینب تھی جو صدقہ وخیرات کرنے کو بہت پسند کرتی تھی۔ (بخاری) مسلم کی روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں مجھے سب سے پہلے وہ بیوی ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کی بیویاں اندازہ لگاتی تھیں کہ کس کے ہاتھ لمبے ہیں چنانچہ ہم میں سے زینب کے ہاتھ لمبے ثابت ہوئے۔ اس لیے کہ وہ ہاتھ سے محنت کرتی اور اسے صدقہ وخیرات کردیا کرتی تھیں۔‘‘

مسائل

۱۔ خبیث مرد اور عورتیں ایک دوسرے کی طرف راغب ہوتے ہیں۔

۲۔ پاکباز مرد اور عورتیں پاکبازوں کے ساتھ ہی رشتہ قائم کرتے ہیں۔

۳۔ پاکباز مرد اور عورتوں کو بری باتوں اور بدکاری کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

یٰٓاَیُّهَا	الَّذِیْنَ	اٰمَنُوْا	لَا تَدْخُلُوْا	بُیُوْتًا	غَیْرَ
اے	لوگو	وہ ایمان لائے	نہ تم داخل ہو	گھروں	سوائے
بُیُوْتِكُمْ	حَتّٰى	تَسْتَاْنِسُوْا	وَتُسَلِّمُوْا	عَلٰٓى	اَهْلِهَا ؕ
اپنے گھر	حتیٰ کہ	تم اجازت لے لو	اور سلام کرو	پر	ان کے اہل خانہ
ذٰلِكُمْ	خَیْرٌ لَّكُمْ	لَعَلَّكُمْ	تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾	فَاِنْ	لَّمْ تَجِدُوْا
یہ	بہت بہتر ہے تمہارے لیے	تا کہ تم	نصیحت حاصل کرو	پھر اگر	نہ تم پاؤ
فِیْهَآ	اَحَدًا	فَلَا	تَدْخُلُوْهَا	حَتّٰى	یُؤْذَنَ
اس میں	کسی کو	تو نہ	داخل ہو تم ان میں	حتیٰ کہ	اجازت مل جائے
لَكُمْ ج	وَاِنْ	قِیْلَ	لَكُمُ	ارْجِعُوْا	فَارْجِعُوْا
تمہیں	اور اگر	کہا جائے	تمہیں	لوٹ جاؤ	تم لوٹ جاؤ
هُوَ اَزْكٰى	لَكُمْ ؕ	وَاللّٰهُ	بِمَا	تَعْمَلُوْنَ	عَلِیْمٌ ﴿۲۸﴾
یہ بہت اچھا ہے	تمہارے لیے	اور اللہ	اس کے ساتھ جو	تم عمل کرتے ہو	خوب جاننے والا ہے

''اے یمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو۔ جب تک کہ گھر والوں سے اجازت اور انہیں سلام کہہ لو یہ طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے تا کہ تم اسے یاد رکھو۔ (۲۷) ''پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو نہ داخل ہو جب تک کہ تمہیں اجازت نہ دی جائے اور اگر تمہیں واپس جانے کے لیے کہا جائے تو واپس ہو جاؤ۔ یہ تمہارے لیے بہتر طریقہ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔'' (۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: تہمت اور ہر قسم کی برائی سے بچانے کے لیے مسلمانوں کو معاشرتی اصول بتلائے گئے ہیں۔

اسلام سے پہلے عرب معاشرے میں ایک دوسرے کے گھر بلا اجازت جانا عیب تصور نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن اسلام نے معاشرے کو بے حیائی اور بدگمانیوں سے پاک رکھنے کے لیے ایسے اصول جاری فرمائے کہ اگر مسلمان ان اصول کی پاسداری کریں تو مسلمان معاشرہ بے شمار برائیوں اور ہر قسم کی بے حیائی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس سے پہلے زبان، ہاتھ اور پاؤں کے حوالہ سے بتلایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ گواہی دیں گے کہ انسان ان سے کیا کیا کام لیتا رہا۔ اب یہ حکم ہوا ہے کہ اے مسلمانوں اپنے گھروں میں بلا اجازت نہ جایا کرو اجازت ملنے پر گھر والوں کو سلام کہو یہ تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے اگر تم

نصیحت حاصل کرنا چاہتے ہو اگر تم کسی کے ہاں جاؤ اور اسے نہ پاؤ تو اس کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہوا کرو۔ یہاں تک کہ تمہیں اجازت دی جائے اگر تمہیں لوٹ جانے کے لیے کہا جائے تو تمہیں واپس ہو جانا چاہیے اس طرح واپس ہونا تمہارے لیے بہت ہی بہتر بات ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو پوری طرح جاننے والا ہے کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اس سے اجازت لینا ضروری ہے اور اجازت کے دو طریقے حدیثِ رسول ﷺ سے ثابت ہیں۔ ① دروازہ کھٹکھٹایا جائے اندر سے آواز آنے پر سلام کہا جائے۔ ② دروازہ کھٹکھٹانے کی بجائے اونچی آواز سے سلام کہا جائے اگر اندر جانے کی اجازت نہ ملے تو خوش دلی کے ساتھ واپس پلٹ جانا چاہیے۔ یہاں گھروں کے لیے اپنے گھر کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جس سے یہ سمجھنا مقصود ہے کہ مسلمان کو دوسرے مسلمان کے گھر اور عزّت کو اپنا گھر اور عزت سمجھنا چاہیے۔ جس طرح ہر غیور مسلمان اپنے گھر اور اہل خانہ کے بارے میں سوچتا اور چاہتا ہے دوسرے کے گھر اور اہلخانہ کے بارے میں بھی ایسے ہی خیالات ہونے چاہییں۔

((عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ سَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَسْتَأْذِنُ عَلٰى أُمِّي فَقَالَ نَعَمْ قَالَ الرَّجُلُ إِنِّي مَعَهَا فِي الْبَيْتِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا فَقَالَ الرَّجُلُ إِنِّي خَادِمُهَا فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا أَتُحِبُّ أَنْ تَرَاهَا عُرْيَانَةً قَالَ لَا قَالَ فَاسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا))

[موطا امام مالك :باب الاستئذان]

''حضرت عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک آدمی نے عرض کیا کہ کیا میں اپنی والدہ کے پاس جاتے ہوئے بھی اجازت طلب کروں، آپ نے فرمایا ہاں! آدمی کہنے لگا میں اُس کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا ہوں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اجازت طلب کرو۔ اُس نے کہا میں اُس کا خدمت گزار ہوں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر بھی اجازت طلب کرو کیا تو اُسے عریاں حالت میں دیکھنا پسند کرتا ہے اُس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا اس لیے اجازت طلب کرو۔'' (اس اجازت سے مراد ہے کہ ماں کی خلوت گاہ میں جانے سے پہلے بیٹے کو ایسا اشارہ ضرور دینا چاہیے جس سے اس کی ماں آگاہ ہو سکے۔

((وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ فِيْ دَيْنٍ كَانَ عَلٰى أَبِيْ فَدَقَقْتُ الْبَابَ فَقَالَ مَنْ ذَا فَقُلْتُ أَنَا فَقَالَ أَنَا أَنَا! كَأَنَّهُ كَرِهَهَا)) [رواه البخاري :باب إِذَا قَالَ مَنْ ذَا فَقَالَ أَنَا]

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد مقروض تھے۔ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دروازے پر دستک دی۔ آپ نے پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا' میں ہوں۔ آپ نے فرمایا' میں ہوں! میں ہوں! گویا کہ آپ نے اسے ناپسند کیا۔'' (دوسری روایت میں ہے کہ میں کہنے کی بجائے اپنا نام بتلانا چاہیے۔)

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اُن سے تین بار اجازت طلب کی پھر واپس پلٹ گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کے پیچھے ایک آدمی بھیجا اور کہا کیا بات ہے آپ اندر کیوں نہیں آئے؟ ابو

موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ تین بار اجازت طلب کی جائے اجازت مل جائے تو گھر داخل ہوا گر اجازت نہ ملے تو واپس پلٹ جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس حدیث کو کون جانتا ہے اگر شہادت نہ لایا تو میں تجھے فلاں فلاں سزا دوں گا۔ حضرت ابوموسیٰ مسجد میں انصار کی ایک مجلس میں آئے اور کہنے لگے میں نے عمر بن خطاب کو بتلایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ اجازت تین بار طلب کی جائے اگر مل جائے تو گھر میں داخل ہو اور اگر اجازت نہ ملے تو واپس پلٹ جائے عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے مجھے کہا اگر تصدیق کے طور پر میرے پاس کوئی صحابی نہ لایا میں تو تجھے فلاں فلاں سزا دوں گا۔ آپ میں سے کوئی اس حدیث کے بارے میں جانتا ہے تو میرے ساتھ چلے اُنہوں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو کہا کہ ان کے ساتھ جاؤ۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ عمر میں چھوٹے تھے اُنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے سامنے اس حدیث کی تصدیق کی حضرت عمر نے ابوموسیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں آپ کو کسی قسم کی تہمت نہیں دیتا لیکن میں خدشہ محسوس کرتا ہوں کہ لوگ نبی ﷺ کی حدیثیں بنانا نہ شروع کر دیں۔'' [موطا امام مالك :باب الاستئذان]

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ لَوْ أَنَّ امْرَأً اطَّلَعَ عَلَیْكَ بِغَیْرِ إِذْنٍ ، فَخَذَفْتَهُ بِعَصَاةٍ ، فَفَقَأْتَ عَیْنَهُ ، لَمْ یَكُنْ عَلَیْكَ جُنَاحٌ)) [رواه البخاری:باب مَنْ أَخَذَ حَقَّهُ أَوِ اقْتَصَّ دُونَ السُّلْطَانِ]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا اگر کوئی بندہ اجازت طلب کیے بغیر کسی کے گھر میں جھانکے اور گھر والا لاٹھی کے ساتھ اُس کی آنکھ پھوڑ دے تو اُس پر کوئی گناہ نہیں۔''

⑤ دروازے کے دائیں بائیں کھڑا ہونا۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَتَى بَابَ قَوْمٍ لَمْ یَسْتَقْبِلِ الْبَابَ مِنْ تِلْقَاءِ وَجْهِهِ وَلَكِنْ مِنْ رُكْنِهِ الْأَیْمَنِ أَوِ الْأَیْسَرِ وَیَقُولُ السَّلَامُ عَلَیْكُمْ السَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَذٰلِكَ أَنَّ الدُّورَ لَمْ یَكُنْ عَلَیْهَا یَوْمَئِذٍ سُتُورٌ)) [رواه ابو داؤد: باب الاستیذان]

''حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کے دروازے پر جاتے تو دروازے کے سامنے کھڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ دروازے کی دائیں جانب یا بائیں جانب کھڑا ہوتے اور سلام کہتے اس دور میں گھروں کے دروازوں پر پردے نہیں ہوتے تھے۔''

مسائل

۱۔ کسی کے گھر بلا اجازت داخل نہیں ہونا چاہیے۔

۲۔ اجازت ملنے پر پہلے سلام کہنا چاہیے۔

۳۔ گھر والا نہ ملنا چاہے تو واپس لوٹ آنا چاہیے۔

لَيْسَ	عَلَيْكُمْ	جُنَاحٌ	اَنْ	تَدْخُلُوْا	بُيُوْتًا	غَيْرَ
نہیں	تم پر	کوئی گناہ	کہ	تم داخل ہو	گھروں	نہیں
مَسْكُوْنَةٍ	فِيْهَا	مَتَاعٌ	لَّكُمْ	وَاللّٰهُ	يَعْلَمُ	مَا
سکونت	اس میں	فائدہ	تمہارے لیے	اور اللہ	وہ جانتا ہے	جو
تُبْدُوْنَ	وَمَا	تَكْتُمُوْنَ ۝۲۹				
تم ظاہر کرتے ہو	اور جو	تم چھپاتے ہو				

''البتہ تمہارے لیے اس میں کوئی حرج نہیں۔ کہ ایسے گھروں میں داخل ہو جو کسی کے رہنے کی جگہ نہیں اور جن میں تمہارے فائدے کی کوئی چیز ہو تم جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو سب کچھ اللہ جانتا ہے۔'' (۲۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: آدابِ معاشرت کے اصولوں کا بیان جاری ہے۔

جن گھروں میں کسی کی سکونت نہ ہو اور ان میں کسی آدمی کا سامان پڑا ہو تو اس گھر میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جو انسان چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔ اس آیت کے آخری الفاظ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ بلاوجہ غیر آباد گھروں میں بھی داخل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ایک طرف یہ غیر سنجیدہ حرکت ہے تو دوسری طرف اردگرد پڑوسی اس طرح داخل ہونے والے کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ اس لیے تنبیہ کے الفاظ میں ارشاد ہوا کہ لوگو! جو تم سرعام کرتے ہو یا چھپا کر اللہ تعالیٰ اس سے اچھی طرح واقف ہے البتہ ہوٹل، سرکاری دفاتر اور وہ ڈیرے جہاں لوگ سیاسی، معاشرتی اور کاروباری تبادلہ خیال کرنے کے لیے بیٹھتے ہیں ایسی جگہوں میں بلا اجازت داخل ہونا اس لیے گناہ نہیں کیونکہ یہ جگہیں سب کے لیے یکساں حیثیت رکھتی ہیں۔

مسائل

۱۔ غیر رہائشی مکانوں میں بغیر اجازت کے آیا جا سکتا ہے۔

۲۔ اللہ چھپی اور ظاہری باتوں کو جانتا ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا

فرمادیجیے | مومن مردوں کے لیے | وہ نیچی رکھیں | سے | اپنی نگاہیں | اور وہ حفاظت کریں

فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اپنی شرمگاہوں | یہ | بہت اچھا | ان کے لیے | بلاشبہ | اللہ

خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ

خوب خبردار ہے | بسبب اس کے | وہ کرتے ہیں | اور فرمادیجیے | مومن عورتوں کے لیے | اور نیچی رکھیں

مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ

سے | اپنی نگاہیں | اور وہ حفاظت کریں | اپنی شرمگاہوں کی | اور نہ وہ ظاہر کریں | اپنا بناؤ سنگھار

''اے نبی! مومن مردوں سے فرمایں کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ طریقہ ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے۔(۳۰) اور اے نبی! مومن عورتوں سے فرمایں کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کیا کریں۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: معاشرتی آداب سکھلانے کے بعد ذاتی اور انفرادی شرم وحیا کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔

اسلام جرائم کے قلع قمع کے لیے خارجی اور داخلی محرکات کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے کیونکہ برائی اور بے حیائی اس وقت تک ختم نہیں ہوسکتی جب تک خارجی اسباب اور داخلی محرکات پر قابو نہ پایا جائے۔ داخلی محرکات میں انسان کے مثبت اور منفی جذبات کا اثر اس کے فکر وعمل پر ہوتا ہے۔ دل میں کسی کے بارے میں احترام ہو تو آنکھوں میں عقیدت واحترام کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ دل میں کسی کے بارے میں غصہ یا بے حیائی ہو تو آنکھیں اس کی چغلی کھاتی ہیں گویا کہ اچھے برے جذبات کی ترجمانی کرنا انسان کے چہرے اور آنکھوں کا فطری عمل ہے۔ ظاہری طور پر بے حیائی کی ابتدا آنکھوں سے ہوتی ہے اس لیے مومن مرد اور مومن عورتوں کو ایک جیسے الفاظ میں حکم دیا ہے کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں یہ شخصی کردار اور معاشرے کے لیے انتہائی پاکیزہ انداز ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے جو کچھ لوگ کرتے ہیں۔ یہاں پہلے مومنوں کو حکم دیا گیا کیونکہ مرد کی نسبت عورت میں حیا زیادہ اور بے حیائی کے اظہار میں جرأت کم ہوتی ہے۔ مرد میں جرأت زیادہ ہونے اور عورتوں کے ساتھ فطری کشش کی بنا پر دیکھا گیا ہے کہ دیکھا دیکھی کی ابتدا مرد کی طرف سے ہوتی ہے اس لیے مومنوں کو پہلے

اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى

مگر وہ جو ظاہر ہو اس سے اور چاہیے کہ وہ ڈالے رہیں اپنی اوڑھنیاں پر

جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا

ان کے گریبان اور نہ ظاہر کریں وہ اپنا بناؤ سنگھار مگر

لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ

اپنے خاوندوں کے لیے یا اپنے باپ دادا کے لیے یا باپ دادا ان کے خاوندوں یا اپنے بیٹوں

اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ

یا بیٹوں ان کے شوہروں یا ان کے بھائیوں یا بیٹوں ان کے بھائیوں کے

مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبان پر ڈالے رکھیں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے لیے، یا اپنے باپوں، یا اپنے خاوندوں کے باپوں، یا اپنے بیٹوں، یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں، یا اپنے بھائیوں، یا اپنے بھتیجوں،

حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہی دونوں حکم عورتوں کو دیے گئے ہیں نگاہیں نیچی رکھنے سے مراد یہ نہیں کہ عورت بازار میں چلتے ہوئے ٹھوکریں کھاتی پھرے۔ نگاہیں نیچی رکھنے سے مراد کسی غیر محرم کو دانستہ طور پر دیکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ جہاں تک کسی پر اچانک نظر پڑنے کا معاملہ ہے اسے معاف کر دیا گیا ہے بشرطیکہ اس طرف دوبارہ نظر نہ اٹھائی جائے۔ عورتوں کے لیے تیسرا حکم یہ ہے کہ وہ اپنا بناؤ سنگھار دانستہ طور پر غیر محرم کے سامنے ظاہر نہ ہونے دیں۔ سوائے اس کے جو فطری اور مجبوری کی وجہ سے ظاہر ہو جائے عورت کو اپنی زینت چھپانے کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی اوڑھنیوں سے اپنے چہرے اور گریبان ڈھانپا کریں انہیں محرم رشتوں کے سوا کسی کے سامنے اپنی زیب وزینت ظاہر کرنے کی اجازت نہیں۔

((وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ حَظَّهٗ مِنَ الزِّنَا اَدْرَكَ ذٰالِكَ لَا مَحَالَةَ فَزِنَاالْعَيْنِ النَّظَرُ وَزِنَا اللِّسَانِ الْمَنْطِقُ وَالنَّفْسُ تَتَمَنّٰى وَتَشْتَهِىْ وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ وَيُكَذِّبُهُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِىْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ قَالَ كُتِبَ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ نَصِيْبُهٗ مِنَ الزِّنَا مُدْرِكٌ ذٰالِكَ لَا مَحَالَةَ الْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ وَالْاُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ وَالْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطٰى وَالْقَلْبُ يَهْوِىْ وَيَتَمَنّٰى وَيُصَدِّقُ ذَالِكَ الْفَرْجُ وَيُكَذِّبُهٗ۔)) [رواہ البخاری: باب (وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے بیٹے پر اس کے

اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ

یا بیٹوں ان کی بہنوں | یا اپنی عورتوں | یا جن کے | مالک ہوں | ان کے دائیں ہاتھ

اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ

یا ان نوکروں چاکروں | نہیں | جو | حاجت مند | مردوں میں سے

اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ

یا لڑکے | جو | نہیں | واقف | پر | چھپی ہوئی باتیں

النِّسَآءِ ۪ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ

عورتیں | نہ ماریں وہ | اپنے پاؤں | تا کہ جانا جائے | جو وہ چھپاتی ہیں سے

یا اپنے بھانجوں، یا اپنی عورتوں (کے لیے) یا (ان کے لیے) جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے ہیں۔ یا تابع رہنے والے مردوں کے لیے جو شہوت والے نہیں، یا ان لڑکوں کے لیے جو عورتوں کی پردے کی باتوں سے واقف نہیں ہوئے اور اپنے پاؤں (زمین پر) نہ ماریں، تاکہ ان کی وہ زینت معلوم ہو جو وہ چھپاتی ہیں۔

حصہ کے زنا لکھ دیا ہے وہ اس کو ضرور پالے گا۔ آنکھ کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا بولنا ہے۔ انسان کے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے وہ شہوت پر آمادہ ہوتا ہے شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ (بخاری و مسلم) مسلم کی روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا آدم کے بیٹے پر اس کے زنا کا حصہ ثبت ہے وہ لازماً طور پر اس کو پانے والا ہے۔ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، کانوں کا زنا سننا ہے اور زبان کا زنا کلام کرنا ہے۔ ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے، پاؤں کا زنا چل کر جانا ہے، دل خواہشات کو ابھارتا اور آرزوئیں پیدا کرتا ہے۔ شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔''

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ اِنِّیْ تَزَوَّجْتُ امْرَاَةً مِّنَ الْاَنْصَارِ قَالَ فَانْظُرْ اِلَیْهَا فَاِنَّ فِیْ اَعْیُنِ الْاَنْصَارِ شَیْئًا)) [رواه مسلم: باب نَدْبِ النَّظَرِ اِلَی وَجْهِ الْمَرْاَةِ وَكَفَّیْهَا لِمَنْ یُرِیدُ تَزَوُّجَهَا]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی نے حاضر ہو کر عرض کی کہ میں قبیلہ انصار کی ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اسے دیکھ لینا کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ نقص ہوتا ہے۔''

((عَنْ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَ تُتْبِعِ النَّظَرَ النَّظَرَ فَاِنَّ الْاُوْلٰی لَكَ وَلَیْسَتْ لَكَ الْاٰخِیْرَةُ)) [رواه احمد: مسند علی ابن ابی طالب]

''حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے فرمایا کہ ایک بار دیکھنے کے بعد دوسری بار مت

زِيْنَتِهِنَّ ط	وَتُوْبُوْآ	اِلَى اللّٰهِ	جَمِيْعًا	اَيُّهَ	
ان کا بناؤ سنگھار	اور تم توبہ کرو	اللہ کی طرف	سارے	اے	
الْمُؤْمِنُوْنَ	لَعَلَّكُمْ	تُفْلِحُوْنَ ﴿٣١﴾			
مومنو	تا کہ تم	فلاح پاؤ			

اور تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو اے مومنو! تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔'' (۳۱)

دیکھو پہلی نظر تجھے معاف ہے اور دوسری دفعہ دیکھنا جائز نہیں۔''

زمانۂ جاہلیت میں عورتیں سروں پر ایک طرح کے کساوے سے باندھے رکھتی تھیں جن کی گرہ جوڑے کی طرح پیچھے چوٹی پر لگائی جاتی تھی۔ سامنے گریبان کا ایک حصہ کھلا رہتا تھا جس سے گلا اور سینے کا بالائی حصہ صاف نمایاں ہوتا تھا۔ چھاتیوں پر قمیص کے سوا اور کوئی چیز نہ ہوتی تھی اور پیچھے دو دو تین تین چوٹیاں لہراتی رہتی تھیں، تفسیر کشاف جلد ۲، ابن کثیر جلد ۳ اس آیت کے نزول کے بعد مسلمان عورتوں میں دوپٹہ رائج کیا گیا جس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ آج کل کی صاحبزادیوں کی طرح بس اُسے بل دے کر گلے کا ہار بنالیا جائے۔ بلکہ یہ تھا کہ اسے اوڑھ کر سر، کمر، سینہ سب اچھی طرح ڈھانک لیے جائیں۔ اہل ایمان خواتین نے قرآن کا یہ حکم سنتے ہی فوراً جس طرح اس کی تعمیل کی اس کی تعریف کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سورۂ نور نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لوگ اپنے گھروں کی طرف پلٹے اور جا کر انہوں نے اپنی بیویوں، بیٹیوں، بہنوں کو اس کی آیات سنائیں۔ انصار کی عورتوں میں سے کوئی ایسی نہ تھی جو آیت ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ﴾ کے الفاظ سن کر اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی ہو۔ ہر ایک اُٹھی اور کسی کی چادر بنائی اور دوسرے دن صبح کی نماز کے وقت جتنی عورتیں مسجد میں حاضر ہوئیں سب چادریں اوڑھے ہوئے تھیں۔ اسی سلسلے کی ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مزید تفصیل بتاتی ہیں کہ عورتوں نے باریک کپڑے چھوڑ کر اپنے موٹے موٹے کپڑے چھانٹے اور ان کی چادریں بنائی۔ (ابن کثیر ج ۳، ابو داؤد کتاب اللباس)

مسائل

۱۔ مومن مردوں اور عورتوں کو اپنی نگاہیں جھکا کر رکھنی چاہئیں۔
۲۔ مومن مرد و عورت کو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنی چاہیے۔
۳۔ مومنہ عورتوں کے لیے لائق نہیں کہ وہ اپنی زیب و زیبائش کا اظہار غیر محرموں کے سامنے کریں۔
۴۔ سابقہ جرائم کی اللہ سے معافی مانگی چاہیے۔
۵۔ جرائم سے توبہ تائب ہونا اور نیکی کو اختیار کرنا کامیابی کی ضمانت ہے۔
۶۔ اللہ تعالیٰ سب کے اعمال سے باخبر ہے۔

عِبَادِكُمْ	مِنْ	وَالصّٰلِحِيْنَ	مِنْكُمْ	الْاَيَامٰى	وَاَنْكِحُوا
تمھارے غلام	سے	اور نیک	اپنے سے	بے نکاح	اور تم نکاح کرو

اللّٰهُ	يُغْنِهِمُ	فُقَرَآءَ	يَّكُوْنُوْا	اِنْ	اِمَآئِكُمْ ط	وَ
اللہ	انھیں غنی کردے گا	فقیر	وہ ہوں	اگر	تمھاری لونڈیوں	اور

عَلِيْمٌ ۝۳۲	وَاسِعٌ	وَاللّٰهُ	فَضْلِهٖ	مِنْ
خوب جاننے والا	بڑا وسعت والا	اور اللہ	اپنے فضل	سے

’’تم میں سے جو لوگ غیر شادی شدہ ہوں اور تمہارے لونڈی اور غلاموں میں سے جو صالح ہوں ان کے نکاح کردو۔ اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کردے گا اللہ بڑی وسعت والا اور سب کو جاننے والا ہے۔‘‘ (۳۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نظر اور شرمگاہ کو بچانے کے لیے نکاح کرنے کا حکم۔

اس سورۃ کی آیت ۲۶ میں یہ ارشاد ہوا کہ پاکباز عورتیں پاکباز مردوں کے لیے اور پاکباز مرد پاکباز عورتوں کے لیے ہیں یعنی انہیں ایک دوسرے سے نکاح کرنا چاہیے اب کھلے الفاظ میں حکم دیا ہے کہ جو لوگ غیر شادی شدہ ہیں انہیں اپنے میں سے یعنی مسلمانوں سے نکاح کرنا چاہیے اور جو تم مین نیک غلام اور لونڈیاں ہیں ان کے بھی ایک دوسرے کے ساتھ نکاح ہونے چاہئیں اگر وہ غریب ہوں تو انہیں نکاح کرنے سے نہیں ڈرنا چاہیے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ بہت وسعت والا اور ہر کام اور بات کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔ اسلام سے پہلے مختلف مذاہب میں لوگ تارک الدنیا ہونے کو سب سے بڑی نیکی سمجھتے تھے۔ جس طرح آج بھی ہندوؤں کے گرو اور پروہت، عیسائیوں کے پوپ، پادری شادی کروانے کو دنیاداری تصور کرتے ہیں۔ اسلام نے جسمانی عذر کے بغیر شادی نہ کرنے کو گناہ قرار دیا ہے ہندو، عیسائی، بدھ مت اور دیگر مذاہب کا عقیدہ ہے کہ شادی نہ کرنے والا دوسروں سے نیک ہوتا ہے لیکن اسلام کا تصور یہ ہے کہ شادی کرنے سے انسان کی آنکھوں میں حیا اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت ہوتی ہے۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا نکاح کرنا میری سنت ہے اور جو میری سنت سے انحراف کرے گا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ (ابن ماجة: باب ماجاء في فضل النكاح) جہاں تک غربت کا معاملہ ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ تسلّی دی ہے کہ تم غربت سے ڈرنے کی بجائے اپنے رب کا حکم سمجھ کر نکاح کرو۔ جب تم اس کا حکم سمجھ کر نکاح کرو گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تمہاری ضرورتیں پوری کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا نتیجہ ہے کہ آج تک کوئی شخص ایسا نہیں ہوا۔ جو شادی کرنے کی وجہ سے پہلے سے زیادہ غریب ہوا ہو۔ بشرطیکہ وہ محنت مزدوری کو عار نہ سمجھے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً اس کی روزی میں پہلے کی نسبت وسعت کردیتا ہے آدمی کے جتنے بھی بچے ہوں اللہ تعالیٰ انہیں بھی رزق عطا کرتا ہے کیونکہ وہ کشادگی کا مالک اور سب کو روزی فراہم کرنے والا ہے۔ اسی بات کو

دوسرے الفاظ میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ جو بھی ذی روح زمین پر چلنے پھرنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی روزی اپنے ذمہ لے رکھی ہے وہ انسان کی مستقل قیام گاہ اور اس کے عارضی پڑاؤ سے پوری طرح واقف ہے اس نے ہر کسی کی روزی اور اس کے حالات کو لوح محفوظ پر لکھ رکھا ہے (ھود:٦) ”ایامی ایم“ کی جمع ہے جو ہر اس مرد اور عورت کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کنوارہ ہو یا کسی وجہ سے رنڈوا ہو۔ جہاں تک رنڈوے مرد اور عورت کے نکاح کا تعلق ہے اس کے لیے یہ حکم نہیں کہ وہ دوسرا نکاح کرے اگر وہ اپنی اولاد یا کسی دوسری وجہ سے دوسرا نکاح نہیں کرنا چاہتا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ اپنی طبیعت پر ضبط رکھنے والا ہو۔

((عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنَا وَامْرَأَةٌ سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ كَهَاتَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَوْمَأَ يَزِيدُ بِالْوُسْطَى وَالسَّبَّابَةِ امْرَأَةٌ آمَتْ مِنْ زَوْجِهَا ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ حَبَسَتْ نَفْسَهَا عَلَى يَتَامَاهَا حَتَّى بَانُوا أَوْ مَاتُوا)) [رواہ ابوداود: باب فِي فَضْلِ مَنْ عَالَ يَتَامَى]

”حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اور سیاہ رخساروں والی عورت قیامت کے دن اس طرح ہوں گے۔ آپ نے سبابہ اور درمیانی انگلی کے ساتھ اشارہ فرمایا۔ ایسی عورت بھی جس کا شوہر فوت ہو گیا ہو باوجود اس کے وہ حسب ونسب اور شکل وصورت والی ہو لیکن پھر بھی اپنے شوہر کے یتیم ہونے والے بچوں کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیتی ہے حتیٰ کہ بچے گھر بار والے ہو جائیں یا فوت ہو جائیں۔“

(سیاہ رخساروں والی سے مراد وہ عورت ہے جو محنت، مزدوری اور باورچی خانے کا کام کرنے کی وجہ سے اپنا بناؤ سنگھار نہیں کر سکتی جس وجہ سے اس کے چہرے کی رنگت سیاہی میل ہو گئی ہے۔)

مسائل

۱۔ جو لوگ نکاح کرنے کے قابل ہوں انہیں نکاح کرنا چاہیے۔

۲۔ نیک غلاموں اور لونڈیوں کے بھی نکاح کرنے چاہئیں۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ غریبوں کو غنی کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے۔ (الذاریات: ۵۸) ۲۔ اللہ ہی رزق فراخ کرتا اور کم کرتا ہے۔ (السباء: ۳۹)

۳۔ اللہ تعالیٰ لوگوں سے رزق طلب نہیں کرتا وہ لوگوں کو رزق دیتا ہے۔ (طٰہٰ: ۱۳۲)

۴۔ اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۱۲) ۵۔ اللہ تعالیٰ مہاجروں کو ضرور اچھا رزق دے گا۔ (الحج: ۵۸)

۶۔ اللہ تعالیٰ چوپاؤں اور تمام انسانوں کو رزق دیتا ہے۔ (العنکبوت: ٦٠)

۷۔ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو کیونکہ اللہ تمہیں اور انھیں بھی رزق دینے والا ہے۔ (الانعام: ۱۵۲)

وَلْيَسْتَعْفِفِ	الَّذِيْنَ	لَا يَجِدُوْنَ	نِكَاحًا	حَتّٰى	يُغْنِيَهُمُ
اور چاہیے کہ دامن بچائے رکھیں	وہ لوگ	نہیں وہ پاتے	نکاح	حتی کہ	انھیں غنی کردے

اللّٰهُ	مِنْ	فَضْلِهٖ ؕ	وَالَّذِيْنَ	يَبْتَغُوْنَ	الْكِتٰبَ
اللہ	سے	اپنے فضل	اور وہ لوگ	چاہتے ہیں	تحریر لکھانا

مِمَّا	مَلَكَتْ	اَيْمَانُكُمْ	فَكَاتِبُوْهُمْ	اِنْ	عَلِمْتُمْ
میں سے	مالک ہیں	تمھارے دائیں ہاتھ	تم انھیں لکھ کردو	اگر	تم معلوم کرو

فِيْهِمْ	خَيْرًا ۖۗ	وَّ	اٰتُوْهُمْ	مِّنْ	مَّالِ	اللّٰهِ
ان میں	بھلائی	اور	تم انھیں دو	سے	مال	اللہ

”اور جو نکاح کرنے کے وسائل نہ پائیں انہیں چاہیے کہ پاک دامنی اختیار کریں یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کردے اور تمہارے غلاموں میں سے جو مکاتبت کے لیے کہیں ان سے مکاتبت کیا کرو، اگر تمہیں معلوم ہو کہ ان میں شعور ہے تو ان کو اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلے غلاموں کے نکاح کے حوالے سے ذکر ہوا، لہٰذا ضروری سمجھا گیا کہ ان کی آزادی کا ذکر بھی کیا جائے۔

اس آیت میں آزاد کنوارے مرد اور عورت، غلام اور لونڈی کو نکاح کرنے کا حکم دیا گیا ہے اگر وہ کسی شرعی عذر یا غربت کی وجہ سے ازدواجی رشتہ میں منسلک نہیں ہو سکتے تو ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے دامن کو بدکاری سے بچائے رکھیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی کردے۔ غلام کیونکہ دوسرے کا محتاج ہوتا ہے اگر وہ اپنے آقا سے مکاتبت کے ذریعے آزاد ہونا چاہے تو ان کے ساتھ مکاتبت کرنا لازم ہے اگر ان میں نیکی اور خیر کا جذبہ معلوم ہو تو حکم ہے کہ اللہ کے دیے ہوئے مال سے ان کی معاونت کرو اور کوئی شخص مال کے لالچ میں اپنی لونڈی کو بدکاری پر مجبور نہ کرے جو کوئی لونڈی کو بدکاری پہ مجبور کرے گا۔ اللہ تعالیٰ لونڈی کی مجبوری کو بخشنے والا اور اس پر رحم فرمانے والا ہے اس آیت مبارکہ میں پانچ مسائل بیان کیے گئے ہیں ① جو کسی شرعی وجہ سے نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا مرد ہو یا عورت اسے ہر صورت اپنے دامن کو بدکاری سے بچانا ہوگا۔ ② کوئی غلام مکاتبت کے ذریعے آزاد ہونا چاہے تو اسے آزاد کردینا چاہیے مکاتبت سے مراد وہ معاہدہ ہے جو غلام اپنی آزادی کے لیے اپنے آقا کے ساتھ کرتا ہے۔ باہم معاہدہ کے تحت اگر میں آپ کو رقم ادا کروں یا فلاں شرط پوری کردوں تو میں آزاد ہونگا۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ بَرِيرَةَ أَتَتْهَا وَهِيَ مُكَاتَبَةٌ قَدْ كَاتَبَهَا أَهْلُهَا عَلَى تِسْعِ أَوَاقٍ فَقَالَتْ لَهَا إِنْ شَاءَ أَهْلُكِ عَدَدْتُ لَهُمْ عَدَّةً وَاحِدَةً وَكَانَ الْوَلَاءُ لِي قَالَ فَأَتَتْ أَهْلَهَا فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَهُمْ فَأَبَوْا إِلَّا أَنْ تَشْتَرِطَ الْوَلَاءَ لَهُمْ فَذَكَرَتْ عَائِشَةُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ افْعَلِي قَالَتْ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَخَطَبَ

الَّذِیْۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ لَا تُكْرِهُوْا فَتَیٰتِكُمْ عَلَى

وہ جو | اس نے تمھیں دیا ہے | اور نہ | تم مجبور کرو | اپنی لونڈیوں کو | پر

الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَیٰوةِ

بدکاری | اگر | وہ چاہیں | بچنا | تاکہ تم تلاش کرو | سامان | زندگانی

الدُّنْیَا ؕ وَمَنْ یُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ

دنیا | اور جو کوئی | انھیں مجبور کرے گا | تو بلاشک | اللہ | سے | بعد | مجبور کیے جانے

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّمَثَلًا

بخشنے والا | رحم کرنے والا | اور البتہ تحقیق | ہم نے نازل کیں | تمھاری طرف | آیات | واضح | اور کچھ حال

مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۴﴾ ع ۸/۱۰

سے | لوگوں | گزر چکے | سے | تم پہلے | اور | نصیحت | پرہیزگاروں کے لیے

اور اپنی لونڈیوں کو اپنے دنیوی فائدوں کی خاطر قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ پاکدامن رہنا چاہتی ہوں جو کوئی ان کو مجبور کرے تو جبر کی وجہ اللہ لونڈی کو معاف کرنے اور مہربانی فرمانے والا ہے۔(۳۳) ہم نے واضح طور پر راہنمائی کے لیے آیات بھیجیں ہیں۔" اور پہلی قوموں کی عبرتناک مثالیں تمہارے سامنے بیان کردیں ہیں اور وہ نصیحتیں ہم نے کردی ہیں جو ڈرنے والوں کے لیے ہوتی ہیں۔" (۳۴)

النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِى كِتَابِ اللّٰهِ كُلُّ شَرْطٍ لَيْسَ فِى كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ كِتَابُ اللّٰهِ أَحَقُّ وَشَرْطُ اللّٰهِ أَوْثَقُ وَالْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ))[رواہ البخاری: باب المکاتب]

"نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں۔ بریرہ میرے پاس آئی اور اس نے مکاتب کی تھی اُس کے مالک نے یہ شرط عائد کی کہ اگر نو اوقیہ چاندی ادا کردے تو تو آزاد ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اُسے فرمایا اگر تیرے مالک چاہیں تو میں اِس رقم کا ایک ہی بار انتظام کیے دیتی ہوں لیکن ولاء میری ہوگی راوی کہتا ہے بریرہ اپنے مالکوں کے پاس آئی اور سیدہ عائشہ کی پیشکش کا تذکرہ کیا تو اُنہوں نے اس بات کو ماننے سے انکار کردیا اور کہا کہ ولاء ہماری ہوگی سیدہ عائشہ نے اس کا تذکرہ نبی ﷺ سے کیا۔ آپ نے فرمایا: تو اُس کی رقم ادا کردے سیدہ عائشہ فرماتی ہیں اُس کے بعد نبی ﷺ نے لوگوں میں خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے اللہ کی حمد و ثناء بیان کی اور فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ کہ وہ ایسی شرائط عائد کرتے ہیں جو کتاب اللہ میں موجود نہیں اور ہر ایسی شرط ناجائز ہے۔ جس کا کتاب اللہ میں وجود نہ ہو اگرچہ ایسی سو شرائط ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ کی کتاب برحق ہے اور اللہ کی شرائط

مستقل ہیں ولاء کا حق دار وہی ہے جو آزاد کرائے۔''

③ جو غلام اپنے آقا کے ساتھ مکاتبت کرے اس کا آقا یا کوئی دوسرا شخص اس کے ساتھ مالی معاونت کرے تاکہ اسے غلامی سے نجات حاصل ہو جائے۔ ④ اسلام سے قبل بعض لوگ اس لیے اپنی لونڈیاں پاس رکھتے تھے کہ ان کی بدکاری سے آمدن حاصل کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ظلم اور بے غیرتی سے منع فرمایا یہاں اگر وہ بدکاری سے بچنا چاہیں کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں اگر وہ بدکاری سے نہیں بچنا چاہتیں تو پھر ان کی کمائی کھائی جا سکتی ہے۔ ان الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ انہیں کسی صورت بھی بدکاری پر مجبور نہیں کرنا چاہیے۔ ⑤ اگر کوئی ظالم اور بے غیرت آقا اپنی لونڈی کو کسی کے ساتھ بدکاری کرنے پر مجبور کرتا ہے اور وہ بے چاری نہ چاہنے کے باوجود اس کام میں ملوث ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اسے معاف فرمائے گا۔

غلام کو سزا دینے کی بجائے آزاد کر دینا چاہیے:

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا لَهُ حَدًّا لَمْ یَاْتِهِ اَوْ لَطَمَهُ فَإِنَّ كَفَّارَتَهُ اَنْ یُّعْتِقَهُ)) [رواہ مسلم: کتاب الإیمان ، باب صحبة الممالیك وكفرة من لطم عبده]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ فرما رہے تھے جس شخص نے اپنے غلام کو حد لگائی حالانکہ اس نے وہ غلطی نہیں کی یا اس کو طمانچہ مارا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ مالک اسے آزاد کر دے۔''

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا......... تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں' اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے زیر دست کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کے بھائی کو اس کے ماتحت کر رکھا ہو تو وہ اسے وہی کچھ کھلائے جو خود کھاتا ہے اور اسی طرح کا پہنائے جیسے خود پہنتا ہے اور اس سے اتنا کام نہ لے جو اس کے لیے مشکل ہو۔ اگر اس سے مشکل کام لے تو اس کام میں اس کی مدد کرے۔'' [رواہ البخاری: باب ما ینهی من السب واللعن]

''حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا میں تین آدمیوں کے بارے میں جھگڑا کروں گا۔ ① ایسا آدمی جس نے میری بیعت کرنے کے بعد توڑ دی کی ② جس نے کسی آزاد آدمی کو بیچ کر اس کی قیمت حاصل کی ③ جس نے کسی آدمی کو مزدور رکھا اس سے کام پورا لیا اور اجرت نہ دی۔'' [رواہ البخاری: کتاب البیوع]

ا۔ آزاد آدمی کو غلام بنانا یا فروخت کرنا حرام ہے۔ اس بنا پر کسی باپ کو بھی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے بیٹے یا بیٹی کو فروخت کرے۔ مذکورہ بالا اختصار کے ساتھ پیش کئے گئے۔ (تفصیل کے لیے پانچویں پارے کی پہلی آیات کی تفسیر دیکھیں۔)

مسائل

۱۔ آدمی کو ہر صورت بے حیائی اور بدکاری سے بچنا چاہیے۔

۲۔ غلام اپنے آقا سے مکاتبت کرنا چاہے تو اس کے ساتھ مکاتبت کرنا لازم ہے۔

۳۔ مکاتبت کرنے والے غلام کے ساتھ مالی تعاون کرنا چاہیے۔ ۴۔ لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کرنا گناہ ہے۔

اَللّٰهُ	نُوْرُ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ ط	مَثَلُ	نُوْرِهٖ	كَمِشْكٰوةٍ
اللہ	نور	آسمان	اور زمین	مثال	اس کے نور کی	مانند طاق کے ہے
فِيْهَا	مِصْبَاحٌ	اَلْمِصْبَاحُ	فِيْ	زُجَاجَةٍ	اَلزُّجَاجَةُ	
اس میں	چراغ	چراغ	میں	شیشہ	شیشہ	
كَاَنَّهَا	كَوْكَبٌ	دُرِّيٌّ	يُّوْقَدُ	مِنْ	شَجَرَةٍ	مُّبٰرَكَةٍ
گویا کہ وہ	ستارہ	چمکتا ہوا	وہ جلایا جاتا	سے	درخت	مبارک
زَيْتُوْنَةٍ	لَّا	شَرْقِيَّةٍ	وَّلَا	غَرْبِيَّةٍ	يَّكَادُ	زَيْتُهَا
زیتون	نہیں	مشرقی	اور نہ	مغربی	قریب	اس کا تیل

”اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال یوں ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو۔ چراغ ایک فانوس میں ہو۔ فانوس موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا ہو اور چراغ زیتون کے ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا گیا ہو۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: نئے خطاب کا آغاز۔

اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال اس طرح ہے جس طرح ایک طاق میں چراغ ہو۔ چراغ شیشے کے فانوس میں رکھا ہوا ہے فانوس اس چمکتے ہوئے ستارے کی مانند ہے اس کے اندر رکھے ہوئے چراغ میں زیتون کا تیل ہے جو ایسے مبارک درخت سے لیا گیا ہے جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔ چراغ کے تیل کو آگ نہ بھی دکھلائی جائے مگر پھر بھی روشن ہو جائے۔ دیکھنے والے کو یوں لگے جیسے روشنی پر روشنی پھوٹ رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نور سے راہنمائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مثالیں اس لیے بیان کرتا ہے تاکہ انہیں بات سمجھنے اور حقیقت تک پہنچنے میں آسانی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔ اس آیت میں دی گئی مثال کو اہل علم نے تین انداز میں سمجھا ہے ① اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا نور ہے اور اسی کے نور سے ہر چیز چمک رہی ہے جسے سمجھانے کے لیے ایسے چراغ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو چراغ اپنی جگہ رکھا ہوا ہے اور اس چراغ میں زیتون کے ایسے درخت سے تیل لیا گیا ہے جو باغ کی مشرقی اور مغربی جانب ہونے کی بجائے درمیان میں ہے جس کا تیل اور پھل دوسرے پودوں سے عمدہ ہوتا ہے۔ کچھ مفسرین نے ”لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ“ کا یہ مفہوم لیا ہے کہ وہ ایسا درخت ہے جو کھلے میدان میں اپنے چاروں جانب سے روشنی اور ہوا لے رہا ہے اس کا تیل باقی زیتون کے پودوں سے زیادہ چمکدار ہوتا ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ کا نور نہ شرقی ہے نہ غربی۔ بلکہ وہ اپنی ہر جانب روشن کیے ہوئے ہے اس سے مراد ہے۔

يُضِيْٓءُ	وَلَوْ	لَمْ	تَمْسَسْهُ	نَارٌ	نُوْرٌ عَلٰى
روشن ہوجائے	اگرچہ	نہ	چھوئے اسے	آگ	نور پر

نُوْرٍ	يَهْدِي	اللّٰهُ	لِنُوْرِهٖ	مَنْ	يَّشَآءُ	وَيَضْرِبُ
نور	ہدایت دیتا	اللہ	اپنے نور کی طرف	جسے	وہ چاہتا	اور بیان کرتا

اللّٰهُ	الْاَمْثَالَ	لِلنَّاسِ	وَاللّٰهُ	بِكُلِّ	شَيْءٍ	عَلِيْمٌ ۝۳۵
اللہ	مثالیں	لوگوں کے لیے	اور اللہ	ہر	چیز	خوب جاننے والا ہے

جو نہ شرقی ہو نہ غربی جس کا تیل اپنے آپ ہی بھڑک اٹھتا ہو چاہے آگ اس کو نہ لگے اللہ جس کی چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہے رہنمائی فرماتا ہے وہ مثالوں سے لوگوں کو سمجھاتا ہے اور وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔'' (۳۵)

کہ اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہے اور اس کے نور سے ہر چیز فیض یاب ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے نور کو سمجھانے کے لیے نور کا لفظ استعمال کیا گیا ہے مراد اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کے دل میں نور ہدایت ڈالتا ہے جس کے لیے یہ مثال دی گئی ہے۔

((عَنْ أُبَيِّ كَعْبٍ فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ (**اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ**) قَالَ هُوَ الْمُؤْمِنُ الَّذِيْ جَعَلَ (اللّٰهُ) الْإِيْمَانَ وَالْقُرْآنَ فِيْ صَدْرِهٖ، فَضَرَبَ اللّٰهِ مِثْلَهٗ فَقَالَ (**اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ**) فَبَدَأَ بِنُوْرِ نَفْسِهٖ، ثُمَّ ذَكَرَ نُوْرُ الْمُؤْمِنِ فَقَالَ مِثْلَ نُوْرِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ قَالَ فَكَانَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يَقْرَؤُهَا مَثَلُ نُوْرِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ) فَهُوَ الْمُؤْمِنُ جَعَلَ الْإِيْمَانَ وَالْقُرْاٰنَ فِيْ صَدْرِهٖ وَهٰكَذَا قَالَ سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ وَقَيْسُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَرَأَهَا كَذٰلِكَ نُوْرٌ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ)) [تفسير ابن كثير : ج٦ ص٥٧]

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مومن کا سینہ ایک طاق کی طرح ہے اس میں دل کی حیثیت چراغ کی مانند ہے جس میں فطری ہدایت زیتون کے تیل کی طرح ہے جسے مومن کی فطرت میں رکھ دیا گیا ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ مومن کا دل خود بخود ہدایت کی طرف راغب رہتا ہے جو قرآن وسنت کے علم سے منور ہو کر ایک دنیا کو روشن کرتا ہے یہ فطری ہدایت پیدائش کے وقت ہر انسان میں موجود ہوتی ہے جسے لوگ باطل عقیدہ اور برے اعمال کی وجہ سے ضائع کر بیٹھتے ہیں جس کی فطرت میں ہدایت کا نور باقی رہے اللہ تعالیٰ اسے اپنے نور کی طرف آنے کی مزید توفیق دیتا ہے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا کہ آپ اس آیت کا کیا مفہوم لیتے ہیں؟ احبار مسلمان ہو چکے تھے اور تورات، انجیل پر عبور رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ زجاجۃ سے مراد رسول اکرم ﷺ کا دل ہے آپ کا سینہ طاق کی حیثیت رکھتا ہے اور مصباح سے مراد آپ کی نبوت ہے۔ (بحوالہ تفسیر طبری) یعنی دین اسلام ہے جو انسانیت نہیں بلکہ پوری مخلوق کے لیے چشمہ فیض ہے

فِیْ	بُیُوْتٍ	اَذِنَ	اللّٰہُ	اَنْ	تُرْفَعَ	وَ	یُذْکَرَ
میں	گھروں	حکم دیا ہے	اللہ	یہ کہ	بلند کیے جائیں	اور	ذکر کیا جائے

فِیْھَا	اسْمُہٗ	یُسَبِّحُ	لَہٗ	فِیْھَا	بِالْغُدُوِّ	وَ	الْاٰصَالِ ۳۶
ان میں	اس کا نام	تسبیح بیان کرتے ہیں	اس کی	ان میں	صبح	اور	شام

''ان گھروں میں پائے جاتے ہیں جنہیں بلند کرنے کا اور جن میں اپنے نام کے ذکر کا اللہ نے حکم دیا ہے ان میں ایسے لوگ جو صبح و شام اس کی تسبیح کرتے ہیں۔'' (۳۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جن لوگوں کو ''اللہ'' اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو مساجد میں اللہ تعالیٰ کا ذکر واذ کار کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو ہدایت سے نوازا ہے انہیں حکم دیا کہ وہ مساجد میں اللہ تعالیٰ کا ذکر بلند کریں اور مساجد کو آباد رکھیں اور صبح شام ان میں اللہ کا ذکر کرتے رہیں۔ ''فی بیوت'' سے مراد کسی حد تک مومنوں کے اپنے گھر بھی لیے جا سکتے ہیں جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ لوگو اپنے گھروں کو قبرستان بنانے کی بجائے وہاں ذکر واذ کار، قرآن مجید کی تلاوت اور نوافل ادا کیا کرو۔ [رواہ الترمذی: باب ماجاء فی فضل سورۃ البقرۃ وآیۃ الکرسی]

مسجدیں سکون و اطمینان کا خزینہ اور اللہ کی رحمتوں کا مرکز ہیں:

روئے زمین پر اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ جگہ اور مقام مسجد ہے جس میں ذکر، تلاوت قرآن اور اللہ کے حضور قیام، رکوع و سجود کیا جاتا ہے۔ نبی محترم ﷺ نے مسجد کے قطعہ کو اللہ کے باغوں میں سے ایک باغ قرار دیا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ لوگو! اللہ کے باغوں میں داخل ہو کر خوب سیر ہو کر کھایا کرو۔ لوگوں نے پوچھا اللہ کے باغ کون سے ہیں اور ان میں کھانا پینا کیسا؟ آپ فرماتے ہیں مسجدیں اللہ کا گھر ہیں اور ان میں ذکر واذ کار کرنا باغ سے تازہ پھل کھانے کے مترادف ہے۔ (مشکوٰۃ: باب المساجد ومواضع الصلاۃ)

جس طرح گلشن اور باغیچے کو صاف ستھرا رکھا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق مسجد روح و نفس اور جسم و جان کے لیے روحانی اور خدائی باغ ہیں۔ اس لیے انہیں ہر حال میں پاک صاف اور ستھرا رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی تعمیر کرنے والے دو پیغمبروں سے یہی وعدہ لیا تھا کہ میرے گھر کو ہر طرح سے پاک صاف رکھنا۔

تفسیر بالقرآن

مسجد کا مرتبہ و مقام:

۱۔ مسجدیں صرف اللہ کی عبادات کے لیے ہیں۔ (الجن: ۱۸) ۲۔ مسجدیں شرک سے پاک ہونا چاہییں۔ (الحج: ۲۶)

۳۔ مسجدوں کی صفائی کا خیال رکھنا چاہیے۔ (الحج: ۲۶) ۴۔ مسجدیں نماز اور اعتکاف کے لیے ہوتی ہیں۔ (البقرۃ: ۱۲۵)

۵۔ مسجدیں آباد کرنا صرف ایمانداروں کا حق ہے۔ (التوبۃ: ۱۸) ۶۔ مشرک کو بیت اللہ میں داخل ہونے کا حق نہیں ہے۔ (التوبۃ: ۲۸)

رِجَالٌ	لَّا	تُلْهِيْهِمْ	تِجَارَةٌ	وَّلَا	بَيْعٌ	عَنْ
وہ مرد	کہ نہیں	انھیں غافل کرتی	تجارت	اور نہ	خرید وفروخت	سے
ذِكْرِ	اللّٰهِ	وَ	اِقَامِ	الصَّلٰوةِ	وَاِيْتَآءِ	الزَّكٰوةِ
ذکر	اللہ	اور	قائم کرنے	نماز	اوراداکرنے	زکوٰۃ
يَخَافُوْنَ	يَوْمًا	تَتَقَلَّبُ	فِيْهِ	الْقُلُوْبُ	وَالْاَبْصَارُ ۝۳۷	
وہ ڈرتے ہیں	دن	کہ اُلٹ جائیں گے	اس میں	دل	اور آنکھیں	
لِيَجْزِيَهُمُ	اللّٰهُ	اَحْسَنَ	مَا	عَمِلُوْا	وَيَزِيْدَهُمْ	مِّنْ
تاکہ انھیں جزادے	اللہ	بہترین	جو	انھوں نے عمل کیے	اور وہ انھیں زیادہ دے	سے
فَضْلِهٖ	وَاللّٰهُ	يَرْزُقُ	مَنْ	يَّشَآءُ	بِغَيْرِ	حِسَابٍ ۝۳۸
اپنا فضل	اوراللہ	رزق دیتا ہے	جسے	چاہتا ہے	بغیر	حساب

”جنھیں اللہ کی یاد سے اوراقامتِ نماز اورزکوٰۃ کی ادائیگی سے تجارت اورخرید وفروخت غافل نہیں کرتی وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اُلٹ اور آنکھیں پتھرا جائیں گی۔(۳۷) تاکہ اللہ ان کو ان کے بہترین اعمال کی جزادے اورمزید اپنے فضل سے نوازے اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے۔“(۳۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مساجد کوآباد کرنے اوراپنے رب کا صبح شام ذکر کرنے والوں کے اوصاف۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے انسان کی روزی کا ذمہ لیا ہے لیکن اسے حکم ہے کہ وہ جائز طریقہ کے ساتھ روزی کمانے کی کوشش کرے۔ روزی کمانے کے جائز ذرائع میں بہترین ذریعہ تجارت ہے جس میں دیانت، امانت کے ساتھ محنت اختیار کی جائے تو اللہ تعالیٰ تاجر کی روزی میں وسعت وکشادگی پیدا کرتا ہے۔ تجارت کرنے سے نہ صرف انسان کوکشادہ رزق حاصل ہوتا ہے بلکہ اس میں انسان کے وقار اور تعارف میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ ہر دور میں تجارت کے بے شمار طریقے رائج رہے ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ ان میں اضافہ ہوتا رہے گا منڈی اور بازار میں دوکانداری کرنا بھی ایک تجارت ہے لیکن اس میں زیادہ محنت، وقت اور توجہ درکار ہوتی ہے گاہک کی بھیڑ یا منڈی کی مصروفیت ہو تو تاجر لالچ میں آکر نماز کی پروا نہیں کرتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی خصوصیت ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ میرے بندے ایسے بھی ہیں جنھیں تجارت اور لین دین کے معاملات میرے ذکر سے غافل نہیں کرتے۔ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ ہر کام کرتے وقت ان کے دل میں قیامت کے احتساب کا خوف رہتا ہے۔ قیامت کا دن ایسا ہے جس دن دل گھبراہٹ کا شکار ہوں گے اور آنکھیں پھٹ جائیں

گی لیکن ان اوصاف کے حامل بندوں کو نہ صرف گھبراہٹ سے مامون رکھا جائے گا بلکہ ان کو نیک اعمال کی بہترین جزا دینے کے ساتھ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے مزید مالا مال فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حدو حساب عنایت کرتا ہے۔

((عَنْ أَبِی سَعِیدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِینُ مَعَ النَّبِیِّینَ وَالصِّدِّیقِینَ وَالشُّهَدَاءِ))

[رواہ الترمذی: باب مَا جَاءَ فِی التُّجَّارِ وَتَسْمِیَةِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم إِیَّاهُمْ]

”حضرت ابی سعید رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا راست باز اور امانت دار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا“

نماز باجماعت کی اہمیّت:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَیُحْطَبَ ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَیُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَیَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ أُخَالِفَ إِلٰی رِجَالٍ فَأُحَرِّقَ عَلَیْهِمْ بُیُوْتَهُمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ یَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهٗ یَجِدُ عَرْقًا سَمِیْنًا أَوْ مِرْمَاتَیْنِ حَسَنَتَیْنِ لَشَهِدَ الْعِشَآءَ)) [رواہ البخاری:کتاب الاذان، باب وجوب صلاۃ الجماعۃ]

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں لکڑیاں اکٹھی کرنے کا حکم دوں جب اکٹھی ہو جائیں۔ میں نماز کا حکم دوں نماز کے لیے اذان دی جائے پھر میں کسی آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کی امامت کروائے اور میں نماز سے پیچھے رہ جانے والے لوگوں کے پاس جاؤں۔ ان پر ان کے گھروں کو جلا کر راکھ کردوں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ان میں سے کوئی یہ جانتا کہ اسے نماز کے بدلے موٹی ہڈی یا دو بہترین پائے ملیں گے تو ضرور وہ عشاء کی نماز میں حاضر ہوتا۔“

زکوٰۃ کی فرضیّت:

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس بات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ روز قیامت یہ مال اس کی گردن میں گنجا سانپ بنا کر ڈالے گا۔ پھر آپ نے کتاب اللہ سے اس آیت کی تلاوت کی ﴿وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِینَ یَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾.“

[رواہ الترمذی: کتاب:تفسیر القرآن،باب ومن سورۃ آلِ عمران]

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن لوگوں کے دلوں اور آنکھوں کی کیفیت:

۱۔ قیامت کے دن مجرموں کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلّت چھا رہی ہوگی۔ (المعارج:۴۴)

۲۔ اس دن آپ دیکھیں گے کہ مجرم اپنے سروں کو جھکائے پروردگار کے سامنے پیش ہوں گے۔ (السجدۃ:۱۲)

۳۔ قیامت کے دن مجرموں کی آنکھیں کھلی رہ جائیں گی۔ (ابراہیم:۴۲) ۴۔ اور اُن کے دل اُڑے جا رہے ہوں گے۔ (ابراہیم:۴۳)

۵۔ قیامت کے دن لوگ سر اُٹھائے ہوئے دوڑ رہے ہوں گے۔ اُن کی نگاہیں اُن کی طرف نہ لوٹ سکیں گی۔ (ابراہیم:۴۳)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ

وہ لوگ انہوں نے کفر کیا ان کے اعمال سراب کی طرح چٹیل میدان وہ اسے گمان کرتا ہے

الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ

پیاسا پانی یہاں تک کہ جب وہ آیا اس کے پاس نہ پایا اسے

شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ

کچھ اور اس نے پایا اللہ اپنے پاس پھر اس نے پورا دیا اسے اس کا حساب اور اللہ

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ؀

بہت جلد حساب لینے والا

”جنہوں نے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال سراب جیسی ہے جیسے پیاسا اسے پانی سمجھ رہا تھا جب وہاں پہنچا تو کچھ نہ پایا بلکہ وہاں اس نے اللہ کو موجود پایا جس نے اس کا پورا پورا حساب چکا دیا۔ اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔“ (۳۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: صالح کردار اور بہتر انجام پانے والے نیک لوگوں کے ذکر کے بعد کفار کا تذکرہ۔

جن لوگوں نے توحید و رسالت اور آخرت کا انکار کیا بے شک وہ جس قدر اچھے اخلاق اور بہتر کردار کے حامل ہوں۔ ان کے اعمال کی مثال چٹیل میدان میں سراب کی مانند ہے۔ جسے پیاسا آدمی دور سے ٹھاٹھیں مارتا ہوا پانی سمجھتا ہے جب پیاس بجھانے کے لیے اس کے پاس جاتا ہے تو تھکاوٹ اور مایوسی کے سوا اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا یہی حال قیامت کے دن کافر اور مشرک کا ہوگا، جو دنیا میں یہ سمجھ کر فلاح و بہبود کے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیتا رہا کہ اسے موت کے بعد بھی فائدہ پہنچے گا۔ لیکن عقیدہ توحید صحیح نہ ہونے، نبی آخر الزماں ﷺ کی رسالت پر ایمان نہ لانے اور آخرت کے حساب و کتاب پر یقین نہ رکھنے کی وجہ سے موت کے بعد اس کی حالت اس پیاسے شخص جیسی ہوگی جو پیاس سے تلملاتا ہوا پانی سمجھ کر سراب کی طرف گیا لیکن وہاں پہنچ کر اسے تھکاوٹ اور پریشانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ بے انتہا پیاس کی شدّت اور سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے ہے اسے اپنی موت کا یقین ہو چکا ہے اب اُسے ذاتِ کبریا کے سوا کوئی سہارا نظر نہیں آتا گویا کہ وہ ذات اس کے سامنے ہے جس کا انکار کرتا تھا، جائے تو کہاں جائے یہی حالت کفار کی ہوگی۔ جب قیامت کے دن اپنے اچھے اعمال اور صدقہ و خیرات کو رائیگاں پائیں گے جو انہوں نے خون پسینے کی کمائی سے خیراتی کاموں میں صرف کیے نہ صرف وہ رائیگاں ہوں گے بلکہ ان کے لیے عذاب میں اضافہ کا سبب ثابت ہوں گے۔ اس وقت ان کی پریشانی اور حسرت میں اضافہ کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اللہ

تعالیٰ ان کے کفر کی پوری پوری سزا دے گا۔ جو دنیا کی زندگی اور اس کے وسائل کو دائمی سمجھتے تھے انہیں ان کی موت کے بعد جلد حساب چکا دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ جلد حساب لینے کا تصور دے کر انسان کو سمجھایا گیا ہے کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی عارضی اور تھوڑی ہے۔

﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا﴾ [بنی اسرائیل: ۸٤]

”فرما دیں ہر ایک اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے تمھارا رب زیادہ جاننے والا ہے کہ کون سیدھے راستے پر ہے۔“

مسائل

۱۔ کفار کے اعمال کی مثال سراب کی طرح ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

۲۔ جس طرح سراب پر پہنچ کر پیاسے آدمی کی پریشانی اور تھکاوٹ میں اضافہ ہوتا ہے اسی طرح قیامت کے دن کفار کا حال ہوگا۔

۳۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر کسی کو اس کے اعمال کا پورا پورا حساب چکا دے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن کفار کے اعمال کی حیثیت:

۱۔ کفار کے اعمال اس طرح غارت ہو جائیں گے جیسے تیز آندھی سب کچھ اڑا کر لے جاتی ہے (ابراہیم: ۱۸)

۲۔ یہی لوگ ہیں جن کے اعمال تباہ کر دیے گئے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ (التوبۃ: ۱۷)

۳۔ یہی ہیں وہ لوگ جن کے اعمال دنیا و آخرت میں تباہ و برباد کر دیے جائیں گے۔ (التوبۃ: ٦٩)

۴۔ جو لوگ اللہ کی آیات اور اس کی ملاقات کے منکر ہیں ان کے اعمال ضائع ہوں گے۔ (الکھف: ۱۰۵)

۵۔ جو لوگ ہماری آیات کی اور آخرت میں ملاقات کی تکذیب کرتے ہیں ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ (الاعراف: ۱۴۷)

٦۔ کافر کے اعمال غارت ہو جائیں گے اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ (المائدۃ: ۵)

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ

یا | اندھیروں کے مانند | میں | سمندر | گہرے | اسے ڈھانپتی ہے | موج

مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ط ظُلُمٰتٌ

سے | اس اوپر | موج | سے | اس اوپر | بادل | اندھیرے

بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ط اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ

ان کے بعض | اوپر | بعض | جب | وہ نکالے | اپنا ہاتھ | نہیں

يَكَدْ يَرٰىهَا ط وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ

قریب | کہ وہ اس کو دیکھ سکے | اور وہ شخص | نہیں | بنایا | اللہ | اس کے لیے

نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ع (۴۰) ع ۵ ۶ ۱۱

کوئی نور | تو نہیں | اس کے لیے | سے | نور

”یا پھر اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گہرے سمندر میں اندھیرا ہے اسکے اوپر ایک موج چھائی ہوئی ہے اس پر پھر ایک موج ہے اور اس کے اوپر بادل کی تاریکی مسلّط ہے۔ وہ اپنا ہاتھ نکالے تو اسے دیکھ نہ پائے جسے اللہ روشنی عطا نہ کرے اس کے لیے روشنی کہاں سے ہوگی۔“ (۴۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار کے اعمال کے بارے میں ایک اور مثال:

کفار کے اعمال ان اندھیروں کی طرح ہیں جو گہرے سمندر کے نیچے پائے جاتے ہیں۔ جس طرح سمندر کی بڑی، بڑی موجیں ایک دوسرے کے اوپر ٹھاٹھیں مار رہی ہوتی ہیں اور ان موجوں کو رات کے وقت کالے بادلوں نے ڈھانپ رکھا ہو گویا کہ اندھیروں پہ اندھیرے چھائے ہوئے ہیں۔ ایسے سمندر کی تہہ سے کسی شخص کا نکلنا تو درکنار وہ اپنا ہاتھ اپنے سامنے کرکے دیکھنا چاہے تو اسے بھی نہ دیکھ پائے۔ یہی کفار کے اخلاق اور اعمال کی کیفیت ہے جن پر کفر و شرک کا پردہ، نبی آخر الزماں ﷺ کی نبوت کا انکار اور قیامت کے عقیدہ سے انحراف کے پردے پڑے ہوئے ہیں ایسے شخص کا اپنے اعمال کی قبولیت کا تصور کرنا اس شخص کی مانند ہے جو بادلوں کے اندھیرے، رات کی تاریکیوں اور سمندر کی تہہ در تہہ ظلمتوں کے نیچے اپنے ہاتھ کو دیکھنے کی کوشش کرتا ہے جس طرح اس کا اپنا ہاتھ دیکھنا ناممکنات میں سے ہے اسی طرح ہی کفار کے اعمال کی قبولیت بھی ناممکن ہے۔ جس طرح تاریکیوں سے نکلنے کے لیے روشنی کی ضرورت ہے اسی طرح ہی ہدایت پانے کے لیے کتاب و سنت کے نور کی

ضرورت ہے یہ اسی کو نصیب ہوتا ہے جو اس کے لیے چاہت رکھتا اور کوشش کرتا ہے۔ جو اس کی چاہت اور کوشش نہیں کرتا اسے ہدایت کا نور نصیب نہیں ہوتا اور جسے ہدایت کا نور نصیب نہ ہو وہ اس کے نور کے علاوہ کہاں سے ہدایت کا نور پائے گا؟

((اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِی قَلْبِی نُورًا وَفِی بَصَرِی نُورًا وَفِی سَمْعِی نُورًا وَعَنْ یَمِینِی نُورًا وَعَنْ یَسَارِی نُورًا وَفَوْقِی نُورًا وَتَحْتِی نُورًا وَأَمَامِی نُورًا وَخَلْفِی نُورًا وَاجْعَلْ لِیَ نُورًا)) [رواہ البخاری، کتاب الدعوات ، باب الدعا اذا انتبدہ باللیل]

”اے اللہ میرے دل میں نور پیدا فرمادے میری نگاہ میں بھی نور، میرے کانوں میں بھی نور، میرے دائیں بھی نور، میرے بائیں بھی نور، میرے اوپر بھی نور، میرے نیچے بھی نور، میرے آگے بھی نور، میرے پیچھے بھی نور، اور میرے لیے ہر جانب نور پیدا فرمادے۔“

اس لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ [البقرة: ۲۵۷]

”اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ اور کفار کے ساتھی شیاطین ہیں وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ جہنمی ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

مسائل

۱۔ کافر اور مشرک کفر و شرک کے اندھیروں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ۲۔ ہدایت نور ہے اور گمراہی اندھیرا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے نور ہدایت کے سوا کہیں سے نور حاصل نہیں ہوسکتا۔

تفسیر بالقرآن

ہدایت نور ہے اور کفر و شرک اندھیرے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا تاکہ ان کے ذریعے اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ (ابراہیم: ۵)

۲۔ یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب پہنچ چکی ہے۔ (المائدۃ: ۱۵)

۳۔ اللہ نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے جس کی چاہتا ہے۔ (النور: ۳۵) ۴۔ ہم نے تورات اتاری اس میں ہدایت اور نور ہے۔ (المائدۃ: ۴۴)

۵۔ ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لائیں۔ (ابراہیم: ۱)

اَلَمْ	تَرَ	اَنَّ	اللّٰهَ	يُسَبِّحُ	لَهٗ	مَنْ
کیانہیں	آپ نے دیکھا	بے شک	اللہ	تسبیح کرتا ہے	اس کے لیے	جو
فِي	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ	وَالطَّيْرُ	صٰٓفّٰتٍ	كُلٌّ	
میں	آسمانوں	اور زمین	اور پرندے	پر پھیلائے ہوئے؟	ہرایک	
قَدْ	عَلِمَ	صَلَاتَهٗ	وَ	تَسْبِيْحَهٗ	وَاللّٰهُ	عَلِيْمٌ
یقیناً	جان لی	اپنی نماز	اور	اپنی تسبیح	اوراللہ	خوب جانتا ہے
بِمَا	يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾	وَلِلّٰهِ	مُلْكُ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ	
جو	وہ کرتے ہیں	اوراللہ ہی کے لیے ہے	بادشاہی	آسمانوں	اور زمین کی	
وَاِلَى	اللّٰهِ	الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾				
اور طرف	اللہ	واپسی				

’’کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پرندے جو پر پھیلائے اُڑتے ہیں؟ ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتا ہے اور یہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر ہے۔(۴۱) آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔‘‘(۴۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ہدایت کو اللہ تعالیٰ نے نور قرار دیا ہے اور اس نور سے کافر محروم ہیں جبکہ اس نورِ ہدایت کے سبب ہر چیز اپنی عبادت اور ذمہ داری کو پہچانتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان بالخصوص کافر کو اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ کیا ’’اللہ‘‘ کے باغی اور منکر اس بات پر غور نہیں کرتے کہ جو زمین و آسمان میں جو کچھ ہے یہاں تک کہ پرندے جو فضا میں پر پھیلائے اڑتے ہیں۔ ہر کوئی اپنی نماز اور ذکر کو جانتا ہے اور اے لوگو! جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے بھی اچھی طرح جانتا ہے کیونکہ زمین و آسمان کی بادشاہی اسی کے لیے ہے اور ہر کسی نے اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اور پرندوں کی نماز اور تسبیح پڑھنے کے بارے میں کچھ اہل علم نے لکھا ہے کہ نماز سے مراد ہر چیز کے ذمہ جو کام لگا ہے وہ اسے ادا کرتا ہے حالانکہ یہاں نماز سے مراد ہر چیز کے عبادت کرنے کا طریقہ ہے اس میں سجدہ بھی شامل ہے اس عبادت کے ساتھ وہ ذمہ داری بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے ہر فرد کے ذمہ لگائی ہے وہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اور بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق

اس کی عبادت بھی کرتا ہے فرق یہ ہے کہ انسان کی نماز قیام، رکوع، ہجود اور تشہد پر مشتمل ہے انسان کے سوا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی عبادت کا طریقہ اس کے حسب حال مقرر کیا ہے جس کی ادائیگی انسان کے لیے سمجھنا مشکل ہے اس لیے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے کہ ہر چیز نماز پڑھتی ہے اور اپنے رب کی تسبیح کرنے میں مشغول ہے لیکن انسان اسے نہیں سمجھتے (بنی اسرائیل:۴۴)

جہاں تک انسان کے علاوہ دوسری مخلوق کی نماز کا تعلق ہے اس کے بارے میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ نہ صرف ہر چیز اپنے رب کے حضور سجدہ کرتی ہے بلکہ ان کے سائے بھی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور ان کے سجدہ کرنے کے اوقات بھی بتلا دیئے ہیں کہ وہ صبح شام اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ (الرعد:۱۵) کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اور ان پر اسی کی بادشاہی ہے پہلی آیت کی ابتدا اور آخر میں ہر انسان کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ اسے اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ جو کچھ وہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح واقف ہے اور دوسری آیت کے آخر میں یہ احساس دلایا گیا ہے کہ نہ صرف اللہ تعالیٰ ہر کسی کے اعمال سے واقف ہے بلکہ ہر کسی نے اپنے اعمال کے ساتھ اس کے حضور پیش ہونا ہے۔

مسائل

۱۔ انسان کو زمین و آسمان اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر غور کرنا چاہیے۔
۲۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق اس کے حضور نماز اور تسبیح پڑھتی ہے۔
۳۔ زمین و آسمان اور ہر چیز پر حقیقی بادشاہی صرف ایک اللہ کی ہے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے فکر و عمل کو جانتا ہے اور سب نے اسی کے حضور پلٹ کر جانا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے طریقہ کے مطابق نماز پڑھتی اور عبادت کرتی ہے۔

۱ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے وہ غالب، حکمت والا ہے۔ (الحشر:۱)
۲۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ کو سجدہ کرتی ہے۔ (الرعد:۱۵)
۳۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ کو زمین و آسمان کی ہر چیز سجدہ کرتی ہے۔ (الحج:۱۸)
۴۔ ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن انسان اس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ (بنی اسرائیل:۴۴)
۵۔ چوپائے، فرشتے اور جو کچھ زمین و آسمان میں ہے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ (النحل:۴۹)
۶۔ ستارے اور درخت اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ (الرحمٰن:۶)
۷۔ بے شک وہ لوگ جو تیرے رب کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔ (الاعراف:۲۰۶)

اَلَمْ	تَرَ	اَنَّ	اللّٰهَ	يُزْجِيْ	سَحَابًا	ثُمَّ
کیانہیں	آپ نے دیکھا	بے شک	اللہ	چلاتا	بادل	پھر

يُؤَلِّفُ	بَيْنَهٗ	ثُمَّ	يَجْعَلُهٗ	رُكَامًا	فَتَرَى	الْوَدْقَ
وہ ملاتا ہے	باہم اس کو	پھر	وہ اسے کر دیتا ہے	تہ بہ تہ؟	پھر آپ دیکھتے ہیں	بارش

يَخْرُجُ	مِنْ	خِلٰلِهٖ	وَيُنَزِّلُ	مِنَ	السَّمَآءِ	مِنْ
کہ وہ نکلتی ہے	سے	اس کے درمیان	اور وہ اتارتا ہے	سے	آسمان	سے

جِبَالٍ	فِيْهَا	مِنْۢ	بَرَدٍ	فَيُصِيْبُ	بِهٖ	مَنْ
پہاڑوں	اس میں	سے	اولے	پھر وہ پہنچاتا ہے	ساتھ اس کے	جس

”کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ بادل کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے پھر اس کے ٹکڑوں کو باہم جوڑتا ہے پھر اسے سمیٹ کر گھنے بادل بنا دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ اس میں سے بارش کے قطرے ٹپکتے ہیں جو آسمان سے پہاڑوں کی مانند ہیں ان سے اولے بھی برساتا ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کا بادشاہ ہے اس کی بادشاہی پر غور کرنے کے لیے بادلوں کی طرف توجہ کرو۔

کیا انسان اس بات پر غور نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح بادل بناتا اور اٹھاتا ہے پھر ان کو آپس میں جوڑتا ہے۔ اس کے بعد بادلوں کو ایک دوسرے پر تہہ در تہہ کر دیتا ہے اور پھر ان سے موسلا دار بارش برساتا ہے۔ جو پہاڑوں کی مانند نظر آتی ہے اس میں بسا اوقات اولے بھی برستے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے وہاں اولے برساتا ہے اور جسے چاہتا ہے اولوں سے محفوظ فرماتا ہے۔ یہی صورت حال بارش کی ہے جو کہیں برستی ہے اور کہیں سے یوں ہی بادل گزر جاتے ہیں۔ بادلوں میں اس طرح بجلی چمکتی ہے جو آنکھوں کی بینائی کو خیرہ کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ رات اور دن کو بدلتا ہے بصیرت رکھنے والوں کے لیے اس میں اللہ کی ذات اور اس کی کبریائی کو پہچاننے کے لیے اَن گنت دلائل ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں قدیم اور جدید فلکیات کا علم رکھنے والے سائنسدانوں نے ٹھیک اندازہ لگایا کہ سورج کی گرمی سے پانی بخارات کی صورت میں اوپر اٹھتا ہے اور ہوائیں بخارات کو اٹھا کر اوپر لے جاتی ہیں پھر بخارات فضا کے ایسے خطہ میں پہنچتے ہیں کہ جہاں پہنچ کر وہ بادل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ہوا بادلوں کو دھکیل کر کہیں سے کہیں لے جاتی ہے جب بخارات ایک خاص نقطہ انجماد پر پہنچتے ہیں تو بارش بن کر زمین پر برستے ہیں سائنسدانوں میں بے دین طبقہ نے اس سے آگے سوچنے کی کبھی زحمت گوارا نہیں کی جس بناء پر وہ بارش کے سارے عمل کو فطری نظام سمجھ کر صرفِ نظر کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس پورے عمل میں گہرائی کے ساتھ غور کرنے کی دعوت

يَّشَآءُ	وَيَصۡرِفُهٗ	عَنۡ	مَّنۡ	يَّشَآءُ ؕ	يَكَادُ	سَنَا بَرۡقِهٖ
وہ چاہتا ہے	اور پھیر دیتا ہے ان کو	سے	جس	وہ چاہتا ہے	قریب ہے	چمک اس کی بجلی

يَذۡهَبُ	بِالۡاَبۡصَارِ ﴿۴۳﴾	يُقَلِّبُ	اللّٰهُ	الَّيۡلَ	وَالنَّهَارَ ؕ
وہ لے جائے	بصارت	پھیرتا	اللہ	رات	اور دن کو

اِنَّ	فِىۡ	ذٰلِكَ	لَعِبۡرَةً	لِّاُولِى	الۡاَبۡصَارِ ﴿۴۴﴾
بے شک	میں	اس	البتہ عبرت	والے	نظر

پھر جسے چاہتا ہے ان سے نقصان پہنچاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ان سے بچالیتا ہے اس کی بجلی کی چمک نگاہوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔ (۴۳) اللہ ہی رات اور دن کو بدلتا ہے۔ غور سے دیکھنے والوں کے لیے اس میں نصیحت ہے۔'' (۴۴)

دی ہے کیا بارش کو فطری عمل قرار دینے والے بے دین سائنسدان اس پر غور نہیں کرتے کہ آخر ہوا میں اتنی قوت اور کشش کس نے پیدا کی ہے جو بخارات کی صورت میں لاکھوں ٹن پانی اٹھا کر اوپر لے جاتی ہے اور سورج نسبتاً قریب ہونے کے باوجود اس پانی کو اپنی حرارت کے ذریعے کیوں ختم نہیں کر دیتا؟ فضا میں وہ خطے کس نے پیدا کیے ہیں جہاں پہنچ کر بخارات بادلوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں پھر ہواؤں کا رخ موڑنے والی کونسی قوت ہے جو ہوا کو ادھر سے ادھر جانے کا حکم دیتی ہے پھر سوچیے کہ وہ کونسی طاقت ہے جو کھربوں من پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو ایک دوسرے کے اوپر ایک مناسب فاصلہ پر رکھتے ہوئے سنبھالے ہوئے ہے پھر یہی بادل کہیں موسلادھار بارش کی صورت میں برستے ہیں اور کہیں بوندا باندی کی صورت ٹپکتے ہیں۔ آخر بارش کا یہ نظام کس نے قائم کیا ہے دنیا میں کہیں بھی بادل یکدم نیچے نہیں گرتا۔ وہ قطرات کی شکل میں برستا اور اپنے وجود کو ختم کر دیتا ہے۔ اب ان برسنے والے اولوں پر غور کیجیے کہ ایک ہی بادل سے بیک وقت اس قدر اولے برستے ہیں کہ زمین کئی فٹ برف سے ڈھک جاتی ہے اور اسی زمین سے چند فٹ دور وہاں بارش میں ایک اولہ بھی نہیں پڑتا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ایک فصل کو اولوں سے تباہ کر دیتا ہے اور اس کے ساتھ کھڑی ہوئی دوسری فصل کو بارش سے نہلاتا اور اسے اولوں سے محفوظ رکھتا ہے اب اس کے درمیان چمکنے اور گرجنے والی بجلی پر غور کریں جب وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ گرجتی اور چمکتی ہے۔ تو نہ صرف ڈر کے مارے لوگ سہم جاتے ہیں بلکہ بجلی کی چکا چوند روشنی میں ان کی بصارت بھی کام نہیں دیتی اگر اس موقع پر انسان کی نظر آسمانی بجلی کی شعاعوں سے ٹکرا جائے تو آنکھوں کی بینائی ختم ہونے کا اندیشہ ہے۔ جس بجلی کی کڑک سے لوگ خوف کھاتے ہیں اس کے بارے میں ارشاد ہے کہ یہ اپنی زبان میں اپنے رب کی حمد بیان کرتی ہے۔ (الرعد: ۱۴)

یہی رب ذوالجلال رات اور دن کو بدلتا ہے آج تک کبھی نہیں ہوا اور قیامت تک نہ ہو سکے گا کہ کسی علاقہ میں رات دن کو بالکل ختم کر دے اور دوسرے علاقہ میں دن رات کو ہڑپ کر جائے۔ پورے نظام میں سوچ و بچار کرنے والوں کے لیے نصیحت حاصل کرنے اور ہدایت پانے کے لیے بہت سے شواہد و قرائن ہیں۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ أَقْبَلَتْ يَهُودُ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالُوْا يَاأَبَا الْقَاسِمِ أَخْبِرْنَا عَنِ الرَّعْدِ مَا هُوَ قَالَ مَلَكٌ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُوَكَّلٌ بِالسَّحَابِ مَعَهُ مَخَارِيْقُ مِّنْ نَارٍ يَّسُوقُ بِهَا السَّحَابَ حَيْثُ شَآءَ اللّٰهُ فَقَالُوْا فَمَا هٰذَا الصَّوْتُ الَّذِيْ نَسْمَعُ قَالَ زَجْرُهُ بِالسَّحَابِ إِذَا زَجَرَهُ حَتّٰى يَنْتَهِيَ إِلٰى حَيْثُ أُمِرَ قَالُوْا صَدَقْتَ)) [رواه الترمذی:کتاب التفسیر، باب ومن سورة الرعد وهو حديث صحيح]

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔انہوں نے کہا اے ابوالقاسم! ہمیں بجلی کی کڑک کے بارے میں بتائیں کہ یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا فرشتوں میں سے ایک فرشتہ بادلوں پر مقرر ہے۔ اس کے پاس آگ کے کوڑے ہوتے ہیں۔وہ ان کے ساتھ بادلوں کو ہانکتا ہے جہاں لے جانے کا اُسے اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے۔انہوں نے کہا ان میں آواز کیا ہے جو ہم سنتے ہیں۔آپ نے فرمایا وہ فرشتہ بادلوں کو ہانکتا ہے یہاں تک کہ وہ اس جگہ پہنچ جاتے ہیں جہاں ان کو حکم دیا جاتا ہے۔یہودیوں نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی بادلوں کو اٹھانے والا اور انہیں تہہ در تہہ فضا میں قائم رکھنے والا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے اولے برساتا ہے اور جسے چاہتا ہے اولوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

۳۔ اللہ ہی بارش برساتا ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ ہی آسمانی بجلی پر کنٹرول کرنے والا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ ہی رات اور دن کو مناسب اوقات میں تبدیل کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

بارش کے بارے میں قرآن مجید کے دلائل:

۱۔ زمین وآسمان بنانے اور بارش اتارنے والا اللہ ہے کیا اس کے ساتھ کوئی اور برسانے والا ہے؟ (النمل:۶۰)

۲۔ وہ ذات جو ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لیے بھیجتا ہے وہ ہوا بھاری بادل اٹھاتی ہیں۔(الاعراف:۵۷)

۲۔ آسمانوں وزمین کی پیدائش، دن اور رات کی گردش، سمندر میں کشتیوں کے چلنے، آسمان سے بارش نازل ہونے، بارش سے زمین کو زندہ کرنے، چوپایوں کے پھیلنے، ہواؤں کے چلنے اور بادلوں کے مسخر ہونے میں قدرت کی نشانیاں ہیں۔(البقرۃ:۱۶۴)

۳۔ قیامت برپا ہونے، بارش کے نازل ہونے، جو کچھ رحموں میں ہے اور انسان کل کیا کمائے گا اور اُسے کہاں موت آئے گی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔(لقمان:۳۴)

۴۔ تم اللہ سے مغفرت طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو۔وہ آسمان سے تمہارے لیے بارش نازل فرمائے گا اور تمہاری قوت میں اضافہ فرمائے۔(ہود:۵۲)

وَ	اللّٰهُ	خَلَقَ	كُلَّ	دَآبَّةٍ	مِّنْ	مَّآءٍ ج
اور	اللہ	اس نے پیدا کیے	ہر	چوپائے	سے	پانی
فَمِنْهُمْ	مَّنْ	يَّمْشِيْ	عَلٰى	بَطْنِهٖ ج	وَمِنْهُمْ	مَّنْ
پھر ان میں سے	جو	وہ چلتا ہے	پر	اپنے پیٹ	اور ان میں سے	جو
يَّمْشِيْ	عَلٰى	رِجْلَيْنِ ج	وَ مِنْهُمْ	مَّنْ	يَّمْشِيْ	
وہ چلتا ہے	پر	دو پاؤں	اور ان میں سے	جو	وہ چلتا ہے	
عَلٰٓى	اَرْبَعٍ ط	يَخْلُقُ	اللّٰهُ	مَا	يَشَآءُ ط	اِنَّ
پر	چار	پیدا کرتا ہے	اللہ	جو	وہ چاہتا ہے	بے شک

”اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا کوئی پیٹ کے بل چلتا ہے کوئی دو ٹانگوں پر اور کوئی چار ٹانگوں پر چلتا ہے اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: فلکیات کے ذکر کے بعد حیوانات کے بارے میں غور کرنے کی ترغیب۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چلنے پھرنے والے جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے ان میں کچھ پیٹ کے بل رینگتے ہیں کچھ دو پاؤں پہ چلتے ہیں اور کچھ ان میں چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ ہر چیز پر کامل اور اکمل قدرت رکھنے والا ہے۔ اسی نے یہ روشن آیات نازل فرمائیں اور وہی صراط مستقیم کی ہدایت دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فلکیات اور لیل ونہار کے بارے میں انسان کو غور کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی اس کا فرمان ہے کہ انسان کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے پیٹ کے بل رینگنے والے دو اور چار ٹانگوں پر چلنے والے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ان جانداروں کا رنگ، جسم، بناوٹ، قوت، رہن سہن اور کھانے پینے پر غور کریں کہ کوئی چیز بھی ان کی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ملتی۔ شیر اور چیتے کچھاروں اور غاروں میں سکون پاتے ہیں۔ کیڑے مکوڑے، سانپ اور بچھو بلوں میں رہتے ہیں۔ ہاتھی اور اس کے قریب کی جنس کے چوپائے گھنے جنگلوں میں بسیرا کرتے ہیں۔ پرندے فضا میں اڑتے اور درختوں میں گھونسلے بناتے ہیں۔ انسان بھی دو ٹانگوں پر چلنے والا ایک جاندار ہے جو سب پر حکومت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بھی پانی کی ایک بوند سے پیدا کیا ہے۔ پانی بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں ایک مخلوق ہے جسے زمینی مخلوق میں سب سے پہلے پیدا کیا ہے جس کی قرآن مجید میں ان الفاظ میں وضاحت فرمائی ہے کہ وہی ذات ہے جس نے زمین وآسمان کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا (ھود: آیت ۷) سترھویں پارے میں ارشاد ہے کہ ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے پیدا کیا ہے (الانبیاء: آیت ۳۰)

اللّٰهَ	عَلٰى	كُلِّ	شَیْءٍ	قَدِیْرٌ ۝۴۵	لَقَدْ	اَنْزَلْنَآ
اللہ	پر	ہر	چیز	قادر ہے	البتہ تحقیق	ہم نے نازل کیں
اٰیٰتٍ	مُّبَیِّنٰتٍ ؕ	وَ اللّٰهُ	یَهْدِیْ	مَنْ	یَّشَآءُ	
آیات	کھول کر	اور اللہ	وہ ہدایت دیتا ہے	جسے	چاہتا ہے	
اِلٰى	صِرَاطٍ	مُّسْتَقِیْمٍ ۝۴۶				
طرف	راستے	سیدھے				

وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(۴۵) ہم نے واضح آیات نازل کی ہیں اللہ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔"(۴۶)

اسی لیے جاندار چیزوں کی بقا کے لیے پانی بے حد ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ حقائق مدلّل طریقہ سے اس لیے بیان کیے ہیں تا کہ لوگ اس پر غور کریں اور اپنے رب پر ایمان لائیں۔اور اس کے احکام پر عمل کریں اگر لوگ نیک نیتی کے ساتھ اپنے رب کی قدرتوں پر غور کریں گے تو ہدایت پا جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو صراط مستقیم کی ہدایت نصیب کرتا ہے۔جو اس کی قدرتوں پر غور کرتے ہیں

پہلے بھی عرض ہو چکا ہے کہ ہدایت سب سے گراں قدر نعمت ہے۔یہ اُسے نصیب ہوتی ہے جو اس کی چاہت اور کوشش کرتا ہے قرآن مجید میں اسی لیے بار بار ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہے گمراہ رہنے دیتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔

تفسیر بالقرآن

پانی کی اہمیّت:

۱۔ اللہ نے پانی کے ذریعے پھلوں جیسا رزق عطا فرمایا:(البقرة:۲۲)

۲۔ پانی کے ذریعے ہی بنجر زمین زرخیز ہوتی ہے۔(النحل:۶۵)

۳۔ پانی طہارت کا ذریعہ ہے۔(النساء:۴۳)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے تمام نباتات کو پانی کے ذریعے پیدا کیا۔(طٰہٰ:۵۳)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پانی اور مٹی سے پیدا کیا۔(الطارق:۶)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برکت والا پانی نازل فرما کر اس کے ذریعے بہت سے باغات سرسبز و شاداب کر دیئے۔(ق:۹)

وَيَقُوْلُوْنَ	اٰمَنَّا	بِاللّٰهِ	وَبِالرَّسُوْلِ	وَاَطَعْنَا	ثُمَّ	
اور وہ کہتے ہیں	ہم ایمان لائے	اللہ پر	اور رسول پر	اور ہم نے اطاعت کی	پھر	
يَتَوَلّٰى	فَرِيْقٌ	مِّنْهُمْ	مِّنْۢ	بَعْدِ	ذٰلِكَ	وَمَآ
پھر جاتا ہے	ایک فریق	ان میں	سے	بعد	اس	اور نہیں
اُولٰٓئِكَ	بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾	وَ	اِذَا	دُعُوْٓا	اِلَى	اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
وہ لوگ	مومن	اور	جب	بلائے جاتے ہیں	طرف	اللہ اور اس کا رسول
لِيَحْكُمَ	بَيْنَهُمْ	اِذَا	فَرِيْقٌ	مِّنْهُمْ	مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾	
تاکہ وہ فیصلہ کرے	ان کے درمیان	اچانک	کچھ لوگ	ان میں سے	اعراض کرنے والے ہیں	

”یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت قبول کی مگر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ منہ موڑ لیتا ہے یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے۔ (۴۷) جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے باہمی تنازع کا فیصلہ کرے تو ان میں ایک فریق منہ پھیر لیتا ہے۔“ (۴۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: صراطِ مستقیم پانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے مومن یہی کچھ کرتے اور مانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ہر انسان کو حکم ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ صراط مستقیم کو جاننے کی کوشش کرے جو اخلاص کے ساتھ صراط مستقیم جاننے کی کوشش کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ صراط مستقیم کی ہدایت اور اس پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے گا۔ لیکن منافق کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ زبانی کلامی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن جب دین کے معاملہ میں آزمائش آجائے یا اسے شریعت کے خلاف چلنے پر مفاد حاصل ہو رہا ہو تو وہ اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتا ہے بالخصوص ایسے لوگوں کو کسی قضیہ کے وقت اس بات کی دعوت دی جائے کہ آؤ اس کا فیصلہ شریعت کے مطابق کر لیتے ہیں تو یہ لوگ اس بات سے منہ پھیر لیتے ہیں یہی حالت نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں منافقین کی تھی۔ تنازعہ کے وقت بلایا جاتا کہ

مسائل

۱۔ منافق محض زبان سے اپنے ایمان کا اقرار کرتا ہے۔ حقیقتاً ایماندار نہیں ہوتا۔

۲۔ منافق کی یہ بھی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے تنازع کا حل شریعت کے مطابق کروانا پسند نہیں کرتا۔

وَاِنْ	يَّكُنْ	لَّهُمُ	الْحَقُّ	يَاْتُوْٓا	اِلَيْهِ	مُذْعِنِيْنَ ﴿٤٩﴾
اور اگر	ہو	ان کے لیے	حق	آتے ہیں	اس کی طرف	فرماں بردار ہوکر

اَفِيْ	قُلُوْبِهِمْ	مَّرَضٌ	اَمِ	ارْتَابُوْٓا	اَمْ	يَخَافُوْنَ
کیا میں	ان کے دلوں	بیماری	یا	انھوں نے شک کیا	یا	وہ ڈرتے ہیں

اَنْ	يَّحِيْفَ	اللّٰهُ	عَلَيْهِمْ	وَرَسُوْلُهٗ	بَلْ	اُولٰٓئِكَ
اس سے کہ	ظلم کرے گا	اللہ	ان پر	اور اس کا رسول؟	بلکہ	یہی

ع ١٠ ١٢

هُمُ	الظّٰلِمُوْنَ ﴿٥٠﴾ ع
لوگ	ظالم ہیں

''اور اگرحق ان کی موافق ہوتو رسول کے پاس بڑے اطاعت گزار بن کرآتے ہیں۔(۴۹) کیاان کے دلوں کو منافقت کا مرض لگا ہوا ہے؟ یا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں؟ یاان کو یہ خوف ہے کہ اللہ اوراس کا رسول ان پر زیادتی کرے گا؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ خود ظالم ہیں۔''(۵۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافق کی عادات کا ذکر جاری ہے۔

منافق کی منافقت کا بنیادی سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا کے فائدے کی خاطر کبھی اسلام اور کبھی کفر کو ترجیح دیتا ہے اگر کسی قضیہ میں فیصلہ اس کے حق میں ہوجائے تو وہ اسلام، اسلام پکارتا ہے اور مسلمانوں کی تعریفیں کرتا ہے اور اگر فیصلہ اس کے حق میں نہ ہو تو وہ اسلامی نظام کے نقائص بیان کرتا ہے کیونکہ اس کے دل میں منافقت کی بیماری ہوتی ہے اس لیے وہ اسلامی نظامِ عدل سے خوف کھاتا اور سمجھتا ہے کہ اسے تسلیم کرنے سے میرا نقصان ہوگا۔ یہی حالت نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں منافقوں کی تھی۔ جب انہیں کسی معاملہ میں یہ دعوت دی جاتی کہ آؤ۔ اللہ اور اس کے رسول سے اس کا فیصلہ کرواتے ہیں تو وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ اللہ اور اس کا رسول ہمارے حق میں فیصلہ نہیں کریں گے۔ اس لیے یہاں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول کسی پر ظلم نہیں کرتے بلکہ یہ لوگ خود ہی ظالم ہیں (سورۃ البقرہ کی آیت ۱۰ کی تشریح میں لکھا ہے کہ بنیادی طور پر بیماریاں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک جسمانی اور دوسری روحانی۔ منافقت روحانی بیماریوں میں سب سے بڑی بیماری ہے جس سے روحانی بیماریاں اور اخلاقی جرائم جنم لیتے ہیں۔

﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ○ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

﴿فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ﴾ [البقرة: ۹۔۱۰]

''وہ اللہ تعالیٰ اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں مگر حقیقت میں وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور وہ شعور نہیں رکھتے۔ان کے دلوں میں بیماری ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری میں زیادہ کر دیا اور انہیں دردناک عذاب ہوگا کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔''

((عَنْ أُمِّ مَعْبَدٍ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِيْ مِنَ الرِّيَاءِ وَلِسَانِيْ مِنَ الْكَذِبِ وَعَيْنِيْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ))

[رواه البيهقى فى الدعوات الكبير]

''حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا بیان کرتیں ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا آپ دعا فرمایا کرتے تھے اے اللہ! میرے دل کو نفاق سے، میرے عمل کو ریا سے، میری زبان کو جھوٹ سے اور آنکھ کو خیانت سے پاک فرما۔ تو خیانت کرنے والی آنکھ کو جانتا ہے اور دلوں کے راز سے واقف ہے۔''

مسائل

۱۔ منافق وہی فیصلہ تسلیم کرتا ہے جس میں اس کا مفاد پایا جائے۔ ۲۔ منافق عدلِ اسلامی سے ڈرتے ہیں۔

۳۔ منافق اپنے آپ اور دوسروں پر ظلم کرنے والا ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

منافق کی عادات:

۱۔ منافق کو مسلمان کی بھلائی اچھی نہیں لگتی۔(آلِ عمران:۱۲۰)

۲۔ منافق صرف زبان سے حق کی شہادت دیتا ہے۔(المنافقون:۱) ۳۔ منافق کفار سے دوستی رکھتا ہے۔(البقرۃ:۱۴)

۴۔ منافق دنیا کے فائدے کے لیے اسلام قبول کرتا ہے۔(البقرۃ:۲۰)

۵۔ منافق اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ سنجیدہ نہیں ہوتا۔(البقرہ:۱۴)

۶۔ منافق مسلمانوں کو حقیر سمجھتا ہے۔(المنافقون:۸)

۷۔ منافق دین کی بجائے کفر کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔(آلِ عمران:۱۶۷)

۸۔ منافق ریاکار ہوتا ہے۔(النساء:۱۴۲) ۹۔ منافق جھوٹا ہوتا ہے۔(البقرہ:۱۰)

۱۰۔ منافق نماز میں جان بوجھ کر سستی کرتا ہے۔(النساء:۱۴۲)

۱۱۔ منافق اسلام اور کفر کے درمیان رہتا ہے۔(النساء:۱۴۳) ۱۲۔ منافق صحابہ کو بے وقوف سمجھتے ہیں۔(البقرۃ:۱۳)

۱۳۔ منافق جہنم کے نچلے طبقے میں ہوں گے۔(النساء:۱۴۵)

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى

صرف تھی بات مومنوں جب وہ بلائے جاتے ہیں طرف

اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا

اللہ اوراس کے رسول تاکہ وہ فیصلہ کرے ان کے درمیان یہ کہ وہ کہتے ہیں ہم نے سنا

وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵۱ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ

اورہم نے اطاعت کی اور یہی لوگ فلاح پانے والے اور جوشخص اطاعت کرے اللہ

وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝۵۲

اوراس کا رسول اورڈرے اللہ سے اوراس سے ڈرے تو یہی لوگ کامیاب

”ایمان لانے والوں کا فرض ہے کہ جب اللہ اور رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ رسول ان کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اسے تسلیم کیا یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔(۵۱) جو اللہ اور اس کے رسول کی تابع داری کریں۔ اللہ سے ڈریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں وہ فلاح پانے والے ہیں۔“(۵۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقوں کے مقابلہ میں مومنوں کا اخلاص اور کردار۔

منافق کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کی طرف بلایا جائے تو وہ اس سے انحراف کے راستے تلاش کرتا ہے اس کے مقابلہ میں مومنوں کو یہ دعوت دی جائے کہ آؤ اپنے قضیہ میں اللہ اور اس کے رسول سے فیصلہ کرواتے ہیں تو مومنوں کی اس کے سوا کوئی بات اور خواہش نہیں ہوتی کہ وہ ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول سے فیصلہ کروانے اور اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ یہی لوگ حقیقی کامیابی پانے والے ہیں۔ جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اور تہہ دل سے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور اس کی نافرمانی سے اخلاص کے ساتھ بچنے کی کوشش کرے وہ اپنی مراد کو پانے والا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہی خوبی تھی کہ وہ غم اور خوشی، عسر اور یسر، جنگ اور امن گویا کہ ہر حال میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے والے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی جس کے نتیجہ میں وہ دنیا اور آخرت میں بامراد ہوئے۔ ایمان کی تازگی کے لیے دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

”حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ اپنے ننہال یا اپنے انصاری ماموں کے پاس سکونت پذیر ہوئے آپ سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے آپ چاہتے تھے کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ ہو اور آپ نے بیت اللہ کی طرف منہ کر کے جو پہلی نماز ادا کی وہ عصر کی نماز تھی آپ کے

ساتھ صحابہ نے بھی نماز ادا کی ۔ اُن نمازیوں میں سے ایک آدمی جس نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی اُس کا گذر دوسری مسجد والوں کے پاس سے ہوا۔ وہ رکوع کی حالت میں تھے اُس نے کہا میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ کر آیا ہوں ۔ وہ نمازی اُسی حالت میں بیت اللہ کی طرف گھوم گئے ۔..........'' [رواہ البخاری:باب الصلاۃ من الایمان]

((عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ أُخْتَ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا ، فَتَرَكَهَا حَتَّى انْقَضَتْ عِدَّتُهَا ، فَخَطَبَهَا فَأَبَى مَعْقِلٌ ، فَنَزَلَتْ (**فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ**))[رواہ البخاری :باب **وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ**]

''حسن سے مروی ہے معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کو اُس کے خاوند نے طلاق دے دی اور طلاق کی عدّت بھی گزر گئی۔ اُس کے شوہر نے دوبارہ نکاح کا پیغام بھیجا تو معقل نے انکار کر دیا اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ''اگر میاں بیوی آپس میں نکاح کرنا چاہیں تو اُنہیں مت روکیں'' (حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے کہا کیوں نہیں میں اللہ کے حکم کو تسلیم کرتا ہوں ۔)

مسائل

۱۔ مومن ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے۔
۲۔ مومن دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اس کی نافرمانی سے بچتا ہے۔
۳۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اللہ کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ کامیاب ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

کامیاب ہونے والے لوگ:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے جنت کے بدلے ان کے مال وجان خرید لیے ہیں، یہ بڑی کامیابی ہے۔(التوبۃ:۱۱۱)
۲۔ جو برائی سے بچ گیا اس پر اللہ کا رحم ہوا۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔(المومن:۹)
۳۔ مومنوں کا جہنم کے عذاب سے بچنا اللہ کے فضل سے ہوگا اور یہی کامیابی ہے۔(الدخان:۵۷)
۴۔ اللہ نیک لوگوں کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یہ کھلی کامیابی ہے۔(الجاثیۃ:۳۰)
۵۔ مومنوں کے لیے ہمیشہ کی جنت ہے جس میں پاک صاف مکان ہیں۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔(الصف:۱۲)
۶۔ جس کو آگ کے عذاب سے بچا دیا گیا اور جنت کا داخلہ مل گیا وہ کامیاب ہوا ۔(آل عمران:۱۸۵)
۷۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں ، مومنات سے ہمیشہ کی جنت اور اپنی رضا مندی کا وعدہ فرمایا ہے یہ بڑی کامیابی ہے۔ (التوبۃ:۷۲،۸۹،۱۰۰)

وَاَقْسَمُوْا | بِاللّٰهِ | جَهْدَ | اَيْمَانِهِمْ | لَئِنْ | اَمَرْتَهُمْ

اور انھوں نے قسمیں کھائیں | اللہ کی | پکی | اپنی قسمیں | البتہ اگر | آپ ان کو حکم دیں

لَيَخْرُجُنَّ ط | قُلْ | لَّا | تُقْسِمُوْا ج | طَاعَةٌ | مَّعْرُوْفَةٌ ط

وہ ضرور نکلیں گے | فرما دیجیے | نہ | تم قسمیں کھاؤ | اطاعت | معروف

اِنَّ | اللّٰهَ | خَبِيْرٌۢ | بِمَا | تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ | قُلْ | اَطِيْعُوا

بلاشبہ | اللہ | خوب خبردار | اس سے جو | تم عمل کرتے ہو | فرما دیجیے | اطاعت کرو

اللّٰهَ | وَاَطِيْعُوا | الرَّسُوْلَ ج | فَاِنْ | تَوَلَّوْا | فَاِنَّمَا | عَلَيْهِ

اللہ | اور اطاعت کرو | رسول کی | پھر اگر | تم روگردانی کرو | تو بس | اس کے ذمے

”اللہ کے نام سے پختہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ آپ حکم دیں تو ہم گھروں سے نکل کھڑے ہوں۔ ان سے کہو قسمیں نہ کھاؤ تمہاری اطاعت معلوم ہے۔ تمہارے کرتوتوں سے اللہ بے خبر نہیں ہے۔ (۵۳) انہیں فرمائیں کہ اللہ کے مطیع بنو اور اس کے رسول کے تابع فرمان بن کر رہو لیکن اگر تم منہ پھیرتے ہو

فہم القرآن

ربطِ کلام: مخلص مسلمانوں کے بعد ایک دفعہ پھر منافقین کا تذکرہ۔

رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں منافقوں کی یہ بھی عادت تھی کہ جب مسلمانوں پر مشکل وقت گزر جاتا تو منافق اپنا اعتماد بحال کرنے کے لیے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر باتکرار قسمیں اٹھا کر آپ ﷺ اور مسلمانوں کو یقین دلاتے کہ آئندہ کوئی مشکل وقت آیا تو ہم ہر صورت آپ کے ساتھ ہوں گے۔ اس پر رسول اکرم ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ منافقین سے فرمائیں کہ قسمیں اٹھانے کی ضرورت نہیں تم نیکی کے کاموں میں سمع و اطاعت کرتے رہو تم جو کچھ جس نیت کے ساتھ کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے۔ ان سے یہ بھی فرمائیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے رہو اگر تم اس سے پھر جاؤ تو رسول کے ذمہ حق بات پہنچانا اور تمہارے ذمہ اس پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنا ہے اگر تم اس طرح کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔ یاد رکھو رسول کے ذمہ لوگوں تک واضح طور پر حق پہنچانا ہے قرآن مجید میں یہ بات مختلف موقعوں اور الفاظ میں واضح کی گئی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا کام لوگوں تک اخلاص اور محنت کے ساتھ حق بات پہنچانا ہے منوانا نہیں۔ سننے والوں کا فرض ہے کہ وہ اخلاصِ نیت کے ساتھ سنیں اور اپنی ہمت کے مطابق اس پر عمل کریں۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَاءَ تْ مَا حَوْلَهَا جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَآبُ الَّتِیْ تَقَعُ فِی النَّارِ یَقَعْنَ فِیْهَا وَجَعَلَ یَحْجُزُهُنَّ وَیَغْلِبْنَهُ فَیَتَقَحَّمْنَ فِیْهَا فَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَاَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا هٰذِهٖ رِوَایَةُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُهَا وَقَالَ فِیْ

مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۚ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ

جو کچھ اس پر بار رکھا گیا وہ تمھارے ذمے جو کچھ تم پر بار رکھا گیا اور اگر تم اس کی اطاعت کروگے

تَهْتَدُوْا ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

تو ہدایت پا جاؤ گے اور نہیں ذمے رسول مگر پہنچا دینا کھلم کھلا

سمجھ لو رسول پر جس فرض کا بوجھ ڈالا گیا ہے وہ اس کا ذمہ دار ہے اور تم پر جس فرض کا بار ڈالا گیا ہے اس کے ذمہ دار تم ہو۔ اس کی اطاعت کروگے ہدایت پاؤ گے ورنہ رسول کی ذمہ داری حق بات صاف صاف پہنچانا ہے۔‘‘ (۵۴)

اٰخِرِهَا قَالَ فَذَالِكَ مَثَلِيْ وَمَثَلُكُمْ اَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ فَتَغْلِبُوْنِىْ تَقَحَّمُوْنَ فِيْهَا۔)) [رواہ البخاری:باب الِانْتِهَاءِ عَنِ الْمَعَاصِی]

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا میری مثال آگ روشن کرنے والے شخص کی طرح ہے جب اس کا اردگرد روشن ہو گیا۔ تو آگ پر فریفتہ ہونے والے کیڑے پتنگے آ کر اس میں گرنے لگے۔ آگ جلانے والے نے انہیں بچانے کی کوشش کی لیکن وہ اس سے بے قابو ہو کر گرتے رہے۔ بس میں بھی تم کو آگ سے بچانے کے لیے تمہیں پیچھے سے پکڑتا ہوں لیکن تم ہو کہ اس میں گر رہے ہو۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں اور مسلم میں بھی اسی طرح ہے اس کے آخر میں ہے کہ میری اور تمہاری مثال ایسے ہے کہ میں تمہیں پیچھے سے پکڑ کر آگ سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں! میری طرف آؤ اور آگ سے بچو' لوگو! آگ کی بجائے میری طرف آؤ۔ لیکن تم مجھ سے بے قابو ہو کر آگ میں گرے جا رہے ہو۔‘‘

مسائل

۱۔ منافق قسمیں اٹھا اٹھا کر نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی سمع واطاعت کا یقین دلاتے تھے۔

۲۔ مسلمان کو اخلاص اور پوری ہمت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا چاہیے۔

۳۔ اگر لوگ اللہ تعالیٰ کا فرمان مان لیں تو ہدایت یافتہ ہو جائیں۔

تفسیر بالقرآن

سرور دو عالم ﷺ کی منصبی ذمہ داریوں میں ایک اہم ذمہ داری:

۱۔ نبوّت کے منصبی فرائض۔ (البقرۃ:۱۵۱) ۲۔ آپ ﷺ کو کتاب وحکمت کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا گیا۔ (الجمعۃ:۲)

۳۔ ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں میں ان فرائض کا تذکرہ۔ (البقرۃ:۱۲۹) ۴۔ نبوّت اللہ تعالیٰ کا مومنوں پر احسانِ عظیم ہے۔ (آلِ عمران:۱۶۴)

۵۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے بوجھ اتارنے اور غلامی سے چھڑانے کیلئے تشریف لائے۔ (الاعراف:۱۵۷)

۶۔ آپ لوگوں کو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے (الاحزاب:۴۵)

وَعَدَ	اللّٰهُ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	مِنْكُمْ	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ
وعدہ کیا	اللہ	جولوگ	وہ ایمان لائے	تم سے	اورانھوں نے عمل کیے	نیک
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ	فِي	الْاَرْضِ	كَمَا	اسْتَخْلَفَ	الَّذِيْنَ	
البتہ وہ انھیں ضرور خلافت دے گا	میں	زمین	جس طرح	اس نے خلافت دی	لوگ	
مِنْ	قَبْلِهِمْ ۖ	وَلَيُمَكِّنَنَّ	لَهُمْ	دِيْنَهُمُ	الَّذِي	ارْتَضٰى
سے	ان پہلے	اور وہ ضرور مضبوط کرے گا	ان کے لیے	ان کا دین	جو	اس نے پسند فرمایا
لَهُمْ	وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ	مِّنْ	بَعْدِ	خَوْفِهِمْ	اَمْنًا ۭ	
ان کے لیے	اور وہ انھیں ضرور بدل دے گا	سے	بعد	ان کے خوف	امن	

’’اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔ اللہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو بنا چکا ہے۔ ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط کرے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند فرمایا ہے اور ان کے خوف کو امن میں بدل دے گا۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کے لیے سیاسی اقتدار کی ضمانت۔

اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان بندوں کو خوش خبری دی گئی کہ تم ہی کامیاب ہونے والے ہو۔ کامیابی سے مراد صرف آخرت کی کامیابی نہیں بلکہ دنیا کی خلافت یعنی سیاسی اقتدار بھی اس میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پہلے بندوں کے ساتھ بھی تھا اور آئندہ آنے والے نیک لوگوں کے ساتھ بھی ہے۔ نہ صرف تابع فرمان لوگوں کو اقتدار عطا کیا جائے گا بلکہ جس دین کی وجہ سے ان کی مخالفت کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ دین کو عملی طور پر بھی نافذ کرے گا اور مسلمانوں کا خوف دور کر کے انہیں ہر اعتبار سے استحکام اور امن وامان عطا فرمائے گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ مسلمان بلا شرکتِ غیرے صرف اپنے رب کی غلامی اور بندگی کرنے والے ہو جائیں۔ جس نے اس فرمان اور وعدے کے باوجود کفر و شرک کا طریقہ اختیار کیا وہ نافرمان ہوں گے سیاسی اقتدار کے حصول کے لیے لازم ہے کہ مسلمان ہر قسم کے شرک سے بچتے رہیں اور نماز قائم کرنے کے ساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی کا نظام اپنائیں اور ہر حال میں رسول اکرم ﷺ کی اطاعت اختیار کریں۔ جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے گا جن پر ’’اللہ‘‘ کا کرم ہوا نہیں بے بس اور عاجز کرنا کفار کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ کفار کا ٹھکانہ جہنم ہے جو رہنے کی بدترین جگہ ہے۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو سیاسی اقتدار اور اپنے پسندیدہ دین کے عملی نفاذ کی یقین دہانی

يَعْبُدُوْنَنِيْ	لَا	يُشْرِكُوْنَ	بِيْ	شَيْـًٔا ؕ	وَمَنْ	كَفَرَ
وہ میری عبادت کریں گے	نہ	وہ شریک ٹھہرائیں گے	میرے ساتھ	کسی کو	اور جو کوئی	اس نے کفر کیا
بَعْدَ	ذٰلِكَ	فَاُولٰٓئِكَ	هُمُ	الْفٰسِقُوْنَ ۝۵۵		وَاَقِيْمُوا
بعد	اس کے	تو یہی	لوگ	فاسق ہیں		اور تم قائم کرو
الصَّلٰوةَ	وَاٰتُوا	الزَّكٰوةَ	وَاَطِيْعُوا	الرَّسُوْلَ		لَعَلَّكُمْ
نماز	اور تم ادا کرو	زکوٰۃ	اور تم اطاعت کرو	رسول کی		تاکہ تم
تُرْحَمُوْنَ ۝۵۶	لَا	تَحْسَبَنَّ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا		مُعْجِزِيْنَ
رحم کیے جاؤ	نہ	وہ گمان کریں آپ	وہ لوگ	انہوں نے کفر کیا		عاجز کرنے والے
فِي	الْاَرْضِ ۚ	وَمَاْوٰىهُمُ	النَّارُ ؕ	وَلَبِئْسَ		الْمَصِيْرُ ۝۵۷ ع
میں	زمین	ان کا ٹھکانہ	آگ	اور ضرور وہ بری ہے		واپسی کی جگہ

ع ۷ ۱۴

بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ فاسق ہیں۔(۵۵)''نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، اور رسول کی اطاعت کرو۔ امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔(۵۶) جو لوگ کفر کر رہے ہیں ان کے بارے میں غلط فہمی میں نہ رہو کہ وہ زمین میں اللہ کو عاجز کر دیں گے ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بڑا ہی بُرا ٹھکانا ہے۔''(۵۷)

کرائی ہے کیونکہ دین کے بارے میں واضح طور پر ارشاد ہے کہ کافر اور مشرک جس قدر چاہیں اس کی مخالفت کریں۔ اللہ اس دین کو غالب کر کے رہے گا کیونکہ وہ غالب رہنے کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ دین کے غلبہ سے پہلی مراد یہ ہے کہ یہ اپنی سچائی اور دلائل کے اعتبار سے تمام باطل ادیان پر غالب ہے اور غالب رہے گا۔ کہ دین اسلام کے کسی مسئلہ کو دلائل کی بنیاد پر غلط ثابت کرنا ناممکن ہے اس اعتبار سے دین ہمیشہ غالب رہے گا۔ جہاں تک مسلمانوں کے غلبہ کا معاملہ ہے وہ اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں دین نافذ کریں اور دشمن کے مقابلے میں پوری تیاری کے ساتھ متحد ہو جائیں تو انہیں دنیا میں خلافت و امامت کا منصب مل جائے گا۔ جس کی اس امت میں پہلی مثال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد مسلمانوں کا طویل ترین سیاسی اقتدار ہے۔

((عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رضی اللہ عنہ يَقُولُ كُنْتُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَجَاءَهُ رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا يَشْكُو الْعَيْلَةَ وَالآخَرُ يَشْكُو قَطْعَ السَّبِيلِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَمَّا قَطْعُ السَّبِيلِ فَإِنَّهُ لَا يَأْتِي عَلَيْكَ إِلَّا قَلِيلٌ حَتّٰى تَخْرُجَ الْعِيرُ إِلٰى مَكَّةَ بِغَيْرِ خَفِيرٍ وَأَمَّا الْعَيْلَةُ فَإِنَّ السَّاعَةَ لَا تَقُومُ حَتّٰى يَطُوفَ أَحَدُكُمْ بِصَدَقَتِهِ لَا

يَجِدُ مَنْ يَقْبَلُهَا مِنْهُ ، ثُمَّ لَيَقِفَنَّ أَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ حِجَابٌ وَلَا تُرْجُمَانٌ يُتَرْجِمُ لَهُ، ثُمَّ لَيَقُولَنَّ لَهُ أَلَمْ أُوتِكَ مَالًا فَلَيَقُولَنَّ بَلَى ثُمَّ لَيَقُولَنَّ أَلَمْ أُرْسِلْ إِلَيْكَ رَسُولًا فَلَيَقُولَنَّ بَلَى فَيَنْظُرُ عَنْ يَمِينِهِ فَلَا يَرَى إِلَّا النَّارَ ، ثُمَّ يَنْظُرُ عَنْ شِمَالِهِ فَلَا يَرَى إِلَّا النَّارَ ، فَلْيَتَّقِيَنَّ أَحَدُكُمُ النَّا رَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ)) [رواه البخاري: باب صدقة قبل الرد]

''حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا۔ آپ کی خدمت میں دو آدمی آئے ایک نے فقر وفاقہ کی شکایت کی اور دوسرے نے راستوں کے غیر محفوظ ہونے کی شکایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک راستوں کے غیر محفوظ ہونے کا تعلق ہے۔ بہت جلد ایسا دور آئے گا کہ ایک قافلہ مکہ سے کسی محافظ کے بغیر نکلے گا اور اُسے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ رہا فقر تو قیامت اُس وقت تک نہیں آئے گی جب تک ایک شخص اپنا صدقہ لے کر نکلے گا لیکن کوئی لینے والا نہیں ہوگا۔ پھر اللہ کے سامنے ایک آدمی اس طرح کھڑا ہوگا اُس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ اور کوئی ترجمان نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا میں نے تجھے دنیا میں مال نہیں دیا تھا وہ کہے گا کیوں نہیں۔ اللہ فرمائے گا کیا میں نے تیرے پاس پیغمبر نہیں بھیجا تھا۔ وہ کہے گا کیوں نہیں، پھر وہ اپنے دائیں اور بائیں جانب دیکھے گا تو اُسے آگ کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا۔ جہنم سے بچ جاؤ خواہ ایک کھجور کے ٹکڑے سے ہی بچا جائے اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو اچھی بات کہو۔''

((عَنْ أَبِي سُكَيْنَةَ رَجُلٌ مِنَ الْمُحَرَّرِينَ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَمَّا أَمَرَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِحَفْرِ الْخَنْدَقِ عَرَضَتْ لَهُمْ صَخْرَةٌ حَالَتْ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْحَفْرِ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَخَذَ الْمِعْوَلَ وَوَضَعَ رِدَاءَهُ نَاحِيَةَ الْخَنْدَقِ وَقَالَ (**تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ**) فَنَدَرَ ثُلُثُ الْحَجَرِ وَسَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ قَائِمٌ يَنْظُرُ فَبَرَقَ مَعَ ضَرْبَةِ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم بَرْقَةٌ ثُمَّ ضَرَبَ الثَّانِيَةَ وَقَالَ (**تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ**) فَنَدَرَ الثُّلُثُ الْآخَرُ فَبَرَقَتْ بَرْقَةٌ فَرَآهَا سَلْمَانُ ثُمَّ ضَرَبَ الثَّالِثَةَ وَقَالَ (**تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ**) فَنَدَرَ الثُّلُثُ الْبَاقِي وَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَخَذَ رِدَاءَهُ وَجَلَسَ قَالَ سَلْمَانُ يَا رَسُولَ اللَّهِ رَأَيْتُكَ حِينَ ضَرَبْتَ مَا تَضْرِبُ ضَرْبَةً إِلَّا كَانَتْ مَعَهَا بَرْقَةٌ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَا سَلْمَانُ رَأَيْتَ ذَلِكَ فَقَالَ إِي وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَإِنِّي حِينَ ضَرَبْتُ الضَّرْبَةَ الْأُولَى رُفِعَتْ لِي مَدَائِنُ كِسْرَى وَمَا حَوْلَهَا وَمَدَائِنُ كَثِيرَةٌ حَتَّى رَأَيْتُهَا بِعَيْنَيَّ قَالَ لَهُ مَنْ حَضَرَهُ مِنْ أَصْحَابِهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَفْتَحَهَا عَلَيْنَا وَيُغَنِّمَنَا دِيَارَهُمْ وَيُخَرِّبَ بِأَيْدِينَا بِلَادَهُمْ فَدَعَا رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِذَلِكَ ثُمَّ ضَرَبْتُ الضَّرْبَةَ الثَّانِيَةَ فَرُفِعَتْ لِي مَدَائِنُ

قَيْصَرَ وَمَا حَوْلَهَا حَتَّى رَأَيْتُهَا بِعَيْنَيَّ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَفْتَحَهَا عَلَيْنَا وَيُغَنِّمَنَا دِيَارَهُمْ وَيُخَرِّبَ بِأَيْدِينَا بِلَادَهُمْ فَدَعَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِذَلِكَ ثُمَّ ضَرَبْتُ الثَّالِثَةَ فَرُفِعَتْ لِي مَدَائِنُ الْحَبَشَةِ وَمَا حَوْلَهَا مِنَ الْقُرَى حَتَّى رَأَيْتُهَا بِعَيْنَيَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ ذَلِكَ دَعُوا الْحَبَشَةَ مَا وَدَعُوكُمْ وَاتْرُكُوا التُّرْكَ مَا تَرَكُوكُمْ)) [رواہ الترمذی:باب غَزْوَةِ التُّرْكِ وَالْحَبَشَةِ]

''حضرت ابی سکینہ جومحرر قبیلہ کے ایک فرد تھے نبی ﷺ کے ایک صحابی سے بیان کرتے ہیں ۔آپ نے خندق کھودنے کا حکم دیا کھودائی کے دوران ایک چٹان حائل ہوگئی رسول اللہ ﷺ ہاتھ میں کدال لیے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اوراپنی چادر مبارک خندق کے کنارے رکھی اور یہ کلمات پڑھتے ہوئے ضرب لگائی ''تیرے رب کے سچے اوراس کے ارشاد عدل پرمبنی کلمات پورے ہوئے ۔وہ سننے والا اور جاننے والا ہے'' چٹان کا تہائی حصہ ٹوٹ گیا نبی ﷺ کی ضرب لگاتے وقت سلمان فارسی اس سے چمک کو دیکھ رہے تھے آپ نے دوسری ضرب لگائی اور کہا ''تیرے رب کے سچائی اورعدل کے کلمات مکمل ہوئے ۔وہ سننے والا اور جاننے والا ہے'' چٹان کا دوسرا تہائی حصہ ٹوٹ گیا حضرت سلمان فارسی اس وقت بھی چمک کا منظر دیکھ رہے تھے ۔پھر آپ نے تیسری ضرب لگائی اور کہا ''تیرے رب کے سچائی اورعدل والے کلمات مکمل ہوگئے ۔وہ سننے والا اور جاننے والا ہے'' تو اسکا بقیہ تہائی حصہ ٹوٹ بھی گیا۔سلمان رضی اللہ عنہ فارسی اس وقت بھی پتھر سے نکلنے والی چمک کا منظر دیکھ رہے تھے ۔رسول اللہ ﷺ اپنی چادر مبارک پکڑ کر خندق سے باہر تشریف لے آئے اور بیٹھ گئے سلمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول میں نے مشاہدہ کیا کہ آپ نے جب بھی چٹان پرضرب لگائی تو اس سے چمک نمودار ہوئی ۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے سلمان کیا تو نے اس منظر کو دیکھ لیا ہے اس نے کہا ہاں !اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے آپ نے فرمایا جب میں نے پہلی ضرب لگائی تو کسریٰ کے محلات ،شہراوراس کے اردگرد کی بستیاں مجھے دکھلادی گئیں آپ کے پاس بیٹھے ہوئے صحابہ نے عرض کی ۔اللہ کے رسول دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں ان پر فتح عطا فرمائے اور ہمیں ان کے گھروں کا مالک بنادے اوران کے شہروں کو ہمارے ہاتھوں تباہ وبرباد کردے ۔رسول اللہ ﷺ نے دعا کی جب میں نے دوسری ضرب لگائی تو مجھے قیصر اوراس کے اردگرد کے شہر دکھلائے گئے صحابہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول دعا کریں کہ اللہ ان کا بھی ہمیں فاتح بنادے اوران کے گھر ہمیں مال غنیمت کے طور پر عطا فرمادے اوران کے شہروں کو ہمارے ہاتھوں تباہ وبرباد کردے ۔رسول اللہ ﷺ نے دعا کی آپ نے فرمایا جب میں نے تیسری ضرب لگائی تو مجھے حبشہ اوراس کے گردونواح کے شہر دکھلائے گئے رسول اللہ ﷺ نے اس وقت فرمایا حبشہ اورترک والوں کو چھوڑ دوجنہوں نے تمہیں چھوڑ دیا۔''

بہت جلدوہ وقت آنے والا ہے جب تم آرام سے بے خوف ہوکر مجمع عام میں بیٹھو گے اورتمہارے جسم پرکوئی ہتھیار

نہیں ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر کے اس ارشاد کی تائید فرماتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔
''اللہ نے لکھ دیا ہے ضرور بالضرور میں اور میرا رسول غالب رہیں گے یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور غالب ہے۔(المجادلۃ:۲۱)
تاریخ کی ناقابلِ تردید شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول نے جو وعدہ فرمایا تھا وہ من وعن پورا ہوا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں کے ساتھ وعدہ ہے کہ انہیں خلافت فی الارض کا منصب دے گا۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خلافت عنایت فرمائی اوران کے بعد مسلمانوں کو مدت مدید تک سیاسی اقتدار عنایت فرمایا۔
۳۔ دین کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور کسی اعتبار سے اس کے ساتھ شرک نہ کیا جائے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے کہ نماز قائم کی جائے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا نظام اپنایا جائے۔
۵۔ جولوگ ہر حال میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر شفقت اور مہربانی فرماتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فائدے:

۱۔ رسول کی اطاعت کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بن جاتا ہے۔(النساء:۸۰)
۲۔ اطاعت رسول سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔(آل عمران:۳۱)
۳۔ رسول کی اطاعت سے انسان اللہ کے اجر کا مستحق بن جاتا ہے۔(الفتح:۱۶)
۴۔ رسول کی اطاعت سے انسان کے عمل ضائع ہونے سے بچ جاتے ہیں۔(الحجرات:۱۴)
۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہدایت کا منبع ہے۔(النور:۵۴) ۶۔ رسول کی اطاعت کامیابی کا ذریعہ ہے۔(النور:۵۲)
۷۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے انعام یافتہ لوگ ہیں۔(النساء:۶۹)
۸۔ جنت میں داخلے کا معیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے۔(الفتح:۱۷)
۹۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی رسول اللہ کی اطاعت میں ہے۔(آل عمران:۱۳۲)
۱۰۔ اطاعت میں کامیابی ہے۔(الاحزاب:۷۱)
۱۱۔ جو اللہ کا رسول تمہیں دے اسے پکڑ لو اور جس سے منع کردے اس سے رُک جاؤ اور اللہ سے ڈرو یقیناً اللہ کی پکڑ بڑی سخت ہے۔(الحشر:۷)

يٰۤاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	لِيَسْتَاْذِنْكُمُ	الَّذِيْنَ	مَلَكَتْ	
اے	لوگو	وہ ایمان لائے	چاہیے کہ تم سے اجازت طلب کریں	وہ لوگ	مالک ہوئے	
اَيْمَانُكُمْ	وَالَّذِيْنَ	لَمْ	يَبْلُغُوا	الْحُلُمَ	مِنْكُمْ	ثَلٰثَ
تمھارے دائیں ہاتھ	اور وہ جو	نہیں	پہنچے	بلوغت	تم سے	تین
مَرّٰتٍ	مِنْ	قَبْلِ	صَلٰوةِ	الْفَجْرِ	وَحِيْنَ	تَضَعُوْنَ
بار	سے	پہلے	نماز	فجر	اور جس وقت	تم اتار دیتے ہو
ثِيَابَكُمْ	مِّنَ	الظَّهِيْرَةِ	وَمِنْۢ	بَعْدِ	صَلٰوةِ	الْعِشَآءِ ۣ
اپنے کپڑے	سے	دوپہر	اور سے	بعد	نماز	عشاء
ثَلٰثُ	عَوْرٰتٍ	لَّكُمْ	لَيْسَ	عَلَيْكُمْ	وَلَا	عَلَيْهِمْ
تین	پردہ	تمھارے لیے	نہیں	تم پر	اور نہ	ان پر
جُنَاحٌۢ	بَعْدَهُنَّ	طَوّٰفُوْنَ	عَلَيْكُمْ	بَعْضُكُمْ	عَلٰى	
کوئی گناہ	ان کے بعد	پھرنے والے	تم پر	بعض تمھارے	پر	

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو لازم ہے کہ تمہارے غلام اور تمہارے بچے جو ابھی بلوغت کی حد کو نہیں پہنچے ہیں۔ تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کو جب تم کپڑے اتار دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد۔ تین وقت تمہارے لیے پردے کے اوقات ہیں ان کے بعد بلا اجازت آئیں تو نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان پر۔ کیونکہ تمہیں ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا ہوتا ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: نئے خطاب کا آغاز

مومنوں کے لیے لازم ہے کہ ان کے غلام اور ان کے نابالغ بیٹے تین اوقات میں ان سے اجازت لے کر ان کی خلوت گاہوں میں داخل ہوا کریں کیونکہ یہ تین اوقات پردہ کے اوقات ہیں۔ تینوں اوقات کے علاوہ ان کے غلاموں اور نابالغ بچوں کا خلوت گاہ میں آنے پر کوئی گناہ نہیں۔ اس اجازت کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے گھریلو کام کے لیے بار بار خلوت گاہ میں آنا جانا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اصول بیان کرتا ہے تاکہ تمہاری معاشرت برائی اور بے حیائی سے محفوظ رہے اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہر کام اور بات کو پوری طرح جانتا ہے اور اس کے ہر حکم میں حکمت اور دانائی ہوتی ہے۔ ہاں جب نابالغ بچے بلوغت کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اسی طرح اجازت لینے کے پابند ہیں جس طرح تمہارے بڑے لوگوں کے لیے اجازت لینا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے

بَعْضٍ ۭ	كَذٰلِكَ	يُبَيِّنُ	اللّٰهُ	لَكُمُ	الْاٰيٰتِ ۭ
بعض	اسی طرح	وہ بیان کرتا ہے	اللہ	تمھارے لیے	آیات
وَاللّٰهُ	عَلِيْمٌ	حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾	وَاِذَا	بَلَغَ	الْاَطْفَالُ
اور اللہ	خوب جاننے والا	خوب حکمت والا	اور جب	وہ پہنچ جائیں	بچے
مِنْكُمُ	الْحُلُمَ	فَلْيَسْتَاْذِنُوْا	كَمَا	اسْتَاْذَنَ	
تم میں سے	بلوغت	تو چاہیے کہ وہ اجازت لیں	جس طرح	اجازت لیتے	
الَّذِيْنَ	مِنْ	قَبْلِهِمْ ۭ	كَذٰلِكَ	يُبَيِّنُ	اللّٰهُ
وہ لوگ	سے	ان پہلے	اسی طرح	وہ بیان کرتا ہے	اللہ
لَكُمْ	اٰيٰتِهٖ ۭ	وَاللّٰهُ	عَلِيْمٌ	حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾	
تمھارے لیے	اپنی آیات	اور اللہ	خوب جاننے والا ہے	خوب حکمت والا ہے	

اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے ارشادات کی وضاحت کرتا ہے ۔اور سب کچھ جاننے اور حکمت والا ہے۔(۵۸)اور جب تمہارے بچے بلوغت کی حد کو پہنچ جائیں ۔تو چاہیے کہ اسی طرح اجازت لے کر آیا کریں جس طرح ان کے بڑے اجازت لیتے ہیں ۔ اس طرح اللہ اپنی آیات تمہارے سامنے کھولتا ہے اور وہ علیم وحکیم ہے۔"(۵۹)

لیے اپنی آیات بیان کرتا ہے اسے خوب معلوم ہے کہ کیا حکم دینا ہے اور کیا نہیں دینا؟ کیونکہ وہ ہر کام اور بات کی حکمت جانتا ہے۔

مسائل

۱۔ صبح ،دوپہر اور عشاء کے بعد غلاموں اور چھوٹے بچوں کو بھی اجازت لے کر دوسروں کے خلوت خانہ میں جانا چاہیے۔

۲۔ جب نابالغ بچے بالغ ہو جائیں تو انہیں بھی اپنے بڑوں کی طرح اجازت لے کر دوسروں کے گھر جانا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

گھر میں داخل ہونے کے آداب۔

۱۔ اے ایمان والو ایک دوسرے کے گھروں میں اجازت طلب کیے اور سلام کہے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔(النور:۲۷)

۲۔ اہل خانہ کی عدم موجودگی میں کسی کے گھر میں داخل نہ ہوا جائے ۔(النور:۲۸)

۳۔ اہل خانہ اگر اجازت نہ دیں تو واپس آجانا چاہیے۔(النور:۲۸)

۴۔ بے آباد گھروں میں بغیر اجازت کے داخل ہوا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ وہاں جانا ناگزیر ہو۔(النور:۲۹)

وَالْقَوَاعِدُ	مِنَ	النِّسَآءِ	الّٰتِیْ	لَا	یَرْجُوْنَ	نِكَاحًا
اور بیٹھ رہنے والی	سے	عورتیں	وہ جو	نہیں	اُمید رکھتیں	نکاح
فَلَیْسَ	عَلَیْهِنَّ	جُنَاحٌ	اَنْ	یَّضَعْنَ	ثِیَابَهُنَّ	
تو نہیں	ان پر	کوئی گناہ	یہ کہ	وہ اتار دیں	اپنے کپڑے	
غَیْرَ	مُتَبَرِّجٰتٍ	بِزِیْنَةٍ ؕ	وَاَنْ	یَّسْتَعْفِفْنَ	خَیْرٌ	
جبکہ نہ	وہ ظاہر کرنے والی ہوں	زینت	اور یہ کہ	وہ بچیں	بہتر	
لَّهُنَّ ؕ	وَاللّٰهُ	سَمِیْعٌ	عَلِیْمٌ ۝۶۰			
ان کے لیے	اور اللہ	خوب سننے والا	خوب جاننے والا ہے			

”اور جو عورتیں جوانی سے گزر جائیں اور بڑھاپے کی وجہ سے نکاح کے قابل نہ ہوں وہ اپنے ڈوپٹے اتار کر رکھ دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں۔ تاہم وہ بھی حیاداری ہی اختیار کریں تو ان کے حق میں اچھا ہے۔ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔“(۶۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پردہ کے مسائل کا بیان جاری ہے۔

جو عورتیں عمر کے اس حصہ میں پہنچ چکی ہیں کہ جہاں پہنچ کر ان کے نسوانی جذبات ختم ہو چکے ہیں اور اب انہیں نکاح کی حاجت نہیں رہی۔ اگر وہ اپنا سر ننگا کر لیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ ان کا مقصد اپنی زیب و زینت ظاہر کرنا نہ ہو ہاں بہتر یہ ہے کہ وہ بھی اپنے سروں پر کپڑا رکھا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہر بات سننے اور جاننے والا ہے۔ زینت سے مراد گلے میں پہننے والا زیور، عورت کی چھاتی سر کے بال اور چہرہ ہے معمر عورت کا ان چیزوں کو ڈھانپنا اس لیے بھی بہتر ہے تاکہ اس کی بہو، بیٹیوں اور دوسری بچیوں پر اس کی سیرت و کردار کے اچھے نقوش مرتب ہو سکیں۔ اگر ایک بوڑھی عورت اپنی عمر کے برخلاف زیب و زینت اور جوانی جیسا لباس اختیار کرتی ہے تو ظاہر بات ہے کہ نہ صرف اس کے احترام میں فرق واقع ہوگا بلکہ بہو، بیٹیوں پر بھی منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ اس لیے فرمایا ہے کہ بہت بہتر ہے کہ بوڑھی عورتیں بھی اپنی زینت غیر محرموں کے سامنے نمایاں کرنے سے گریز کریں۔

مسائل

۱۔ بوڑھی عورت کسی وجہ سے غیر محرم کے سامنے سر سے دوپٹہ اتار دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

۲۔ بوڑھی عورت کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنی زیب و زینت کو ظاہر نہ کرے۔

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ

نہیں ہے پر اندھے حرج اور نہ پر لنگڑے

حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى

حرج اور نہ پر مریض حرج اور نہ پر

اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

خودتم یہ کہ تم کھاؤ سے اپنے گھر یا گھر

اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

تمہارے باپ داد یا گھروں سے اپنی ماؤں یا گھروں

اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

اپنے بھائیوں یا گھروں اپنی بہنوں یا گھروں

اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

اپنے چچاؤں یا گھروں اپنے پھوپھیوں یا گھروں

’’کوئی حرج نہیں اگر کوئی اندھا یا لنگڑا یا مریض اور نہ تم پر کوئی مضائقہ ہے کہ اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماں نانی کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے

فہم القرآن

ربطِ کلام: معاشرتی آداب اور مسائل کا ذکر جاری ہے۔

اسلامی آداب نازل ہونے سے پہلے عرب معاشرے میں یہ رواج تھا کہ لوگ ایک دوسرے کے گھر بغیر اجازت کے آتے جاتے اور بلا تکلف کھاتے پیتے تھے۔ قرآن مجید میں جب معاشرتی آداب کے احکام نازل ہوئے تو لوگوں نے محسوس کیا کہ جس طرح ہمارا ایک دوسرے کے گھر بلا اجازت جانا جائز نہیں۔ اسی طرح ہم اپنے عزیز و اقرباء کے گھر سے کھانا بھی نہیں کھا سکتے۔ اس خدشہ کو دور کرنے اور حقیقت حال کی وضاحت کے لیے یہ فرمان نازل ہوا کہ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اندھے، لنگڑے، مریض اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ بیٹھ کر کھاؤ پیو۔ خاص کر اپنے والدین، اپنے بھائیوں، اپنی بہنوں، اپنے چچاؤں، اپنی پھوپھیوں، اپنے ماموؤں، اپنی خالاؤں، اپنے دوستوں اور بھائیوں، اپنی بہنوں، اپنے چچاؤں

اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ

اپنے ماموؤں | یا | گھر | اپنی خالاؤں | یا | کہ | تم مالک ہو

مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ط لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا

ان کی چابیوں | یا | اپنے دوست | نہیں | تم پر | کوئی گناہ | یہ کہ | تم کھاؤ

جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ط فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى

اکٹھے | یا | الگ الگ | چنانچہ جب | تم داخل ہو | گھروں | تو سلام کرو | پر

اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ط

اپنے نفسوں | دعا | سے | طرف | اللہ | بابرکت | پاک

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ع (۶۱) ۸ ع ۱۴

اسی طرح | وہ بیان کرتا | اللہ | تمھارے لیے | آیات | تا کہ تم | تم سمجھو

یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی چابیاں تمہارے پاس میں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ تم لوگ مل کر کھاؤ یا الگ الگ، البتہ جب گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو، جو دعائے خیر، اللہ کی طرف سے مقرر فرمائی ہوئی ہے، بڑی بابرکت اور پاکیزہ ہے۔اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو۔'' (۶۱)

اپنی پھوپھیوں، اپنے ماموؤں، اپنی خالاؤں، اپنے دوستوں اور جن گھروں کی چابیاں تمہارے پاس ہیں ان میں بیٹھ کر کھانے پینے سے تم پر کوئی پابندی نہیں۔تمہیں اس بات کی بھی اجازت ہے کہ تم اکٹھے ہو کر کھاؤ یا الگ الگ بیٹھ کر کھاؤ۔جب اپنے گھروں میں جاؤ تو سلام کیا کرو۔یہ تمہارے رب کے ہاں بابرکت اور اچھی بات ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات اس لیے بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو۔

ان رشتہ داروں کے گھروں میں کھانے پینے کا یہ مطلب نہیں کہ جو عورتیں تمہارے لیے غیر محرم ہیں ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا پینا شروع کر دو۔اس فرمان کا فقط یہ معنٰی ہے کہ جو محرم خواتین اور مرد اکٹھے ہو کر کھانا چاہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں یہ وضاحت اس لیے کر دی گئی کہ اس زمانے میں یہودی مل بیٹھ کر کھانے کو ناجائز سمجھتے تھے۔

مسائل

۱۔ کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینا ضروری ہے۔

۲۔ گھروں میں داخل ہوتے ہوئے اہل خانہ کو سلام کہنا چاہیے۔

اِنَّمَا	الْمُؤْمِنُوْنَ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	بِاللّٰهِ	وَرَسُوْلِهٖ
صرف	مومن	وہ لوگ	ایمان لائے	ساتھ اللہ	اور اس کا رسول

وَ	اِذَا	كَانُوْا	مَعَهٗ	عَلٰٓى	اَمْرٍ	جَامِعٍ	لَّمْ
اور	جب	وہ ہوتے	اس کے ساتھ	پر	ایسے کام	جو جمع کرنے والا	تو نہیں

يَذْهَبُوْا	حَتّٰى	يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ	اِنَّ	الَّذِيْنَ	يَسْتَاْذِنُوْنَكَ
وہ جاتے	یہاں تک	وہ اس سے اجازت مانگ لیں	بلاشبہ	وہ لوگ	آپ سے اجازت مانگتے ہیں

اُولٰٓئِكَ	الَّذِيْنَ	يُؤْمِنُوْنَ	بِاللّٰهِ	وَرَسُوْلِهٖ ۚ	فَاِذَا
وہی	لوگ	ایمان لاتے ہیں	ساتھ اللہ	اور اس کے رسول پر	چنانچہ جب

''حقیقی مومن وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو دل سے مانیں اور جب کسی اجتماعی کام کے لیے رسول کے پاس ہوں تو آپ سے اجازت لیے بغیر نہ جائیں۔ اے نبی جو لوگ تم سے اجازت مانگتے ہیں وہی اللہ اور رسول کے ماننے والے ہیں۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: معاشرتی آداب کے ساتھ نبی ﷺ کے ادب کا تذکرہ۔

مومنوں کی صفت یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مومنوں میں سرفہرست صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور صحابہ کرام رسول محترم ﷺ کے اس قدر مؤدب اور تابعدار تھے کہ جب آپ انہیں کسی مشورہ اور کام کے لیے طلب فرماتے تو صحابہ فی الفور آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جاتے اور اس وقت تک آپ کی خدمت میں حاضر رہتے جب تک آپ انہیں جانے کی اجازت عنایت نہ کرتے۔ اگر کسی کو جلدی جانا ہوتا تو وہ کام کی نوعیت اور آپ کے ادب واحترام کا خیال رکھتے ہوئے عاجزی کے ساتھ آپ سے اجازت طلب کرتا۔ آپ کو یہ اختیار دیا گیا آپ جسے چاہیں اجازت عنایت فرمائیں جیسے چاہیں اپنے ہاں روکے رکھیں۔ ایسے باادب اور تابع فرمان ساتھیوں کے بارے میں آپ کو حکم ہوا کہ آپ ان کے لیے بخشش کی دعا کیا کریں یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربانی فرمانے والا ہے۔ اس آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اطاعت شعاری اور وفاداری کا تذکرہ کرنے کے بعد رسول اکرم ﷺ کو ان کے لیے بخشش کی دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۃ توبہ میں یہ بتلایا ہے کہ نبی ﷺ کی دعا صحابہ کے لیے نہایت ہی اطمینان کا باعث ہوا کرتی تھی کتنے خوش نصیب تھے۔ وہ لوگ جن کے لیے رب کریم اپنے رسول کو بخشش کی دعا کا حکم دیتا ہے اور پھر آپ کی دعا کی قبولیت

اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ

وہ آپ سے اجازت طلب کریں — کسی — اپنے کام کے لیے — تو آپ اجازت دیں — جسے — آپ چاہیں

مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٢﴾

ان میں سے — اور آپ مغفرت طلب کریں ان کے لیے — اللہ — بلاشک — اللہ — غفور — رحیم ہے

جب وہ اپنے کسی کام کے لیے اجازت مانگیں تو جسے چاہیں آپ جازت دیں اور ایسے لوگوں کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کیا کریں، اللہ یقیناً غفور ورحیم ہے۔'' (۶۲)

کو ان الفاظ کے ساتھ یقینی بنادیا کہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

((وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا يُقِيْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَّجْلِسِهٖ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيْهِ وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوْا وَ تَوَسَّعُوْا)) [رواہ البخاری:باب (**إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ وَإِذَا قِيلَ انْشِزُوا فَانْشِزُوا**)الآيَة]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص بیٹھنے کے لیے کسی دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے۔ اس کی بجائے مجلس میں وسعت اختیار کرلیا کرو۔''

مسائل

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اجازت کے بغیر نہیں اٹھا کرتے تھے۔

۲۔ مجلس کا ادب ہے کہ صاحبِ مجلس سے اجازت لے کر جایا جائے۔

۳۔ صاحبِ امر مشورہ یا کسی کام کے لیے لوگوں کو طلب کرے تو ان کا حاضر ہونا ضروری ہے۔

تفسیر بالقرآن

معاشرتی آداب:

۱۔ اے ایمان والو! تم کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لے لیا کرو۔ (النور:۲۷)

۲۔ جب تم گھروں میں داخل ہو تم گھر والوں کو سلام کہو۔ (النور:۶۱)

۳۔ اے ایمان والو! جب تمہیں مجلس میں کھل کر بیٹھنے کے لیے کہا جائے تو کھل کر بیٹھ جایا کرو، اور جب کہا جائے اُٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ جایا کرو۔ (المجادلۃ:۱۱)

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ
نہ بناؤتم بلانا رسول اپنے درمیان مانند بلانے تمھارا بعض

بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ
بعض تحقیق وہ جانتا اللہ لوگ وہ کھسک جاتے ہیں تم میں سے

لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ
چپکے سے بس چاہیے کہ ڈریں جولوگ مخالفت کرتے ہیں سے اس کا حکم یہ کہ

تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾
انھیں پہنچے کوئی آزمائش یا انھیں پہنچے عذاب دردناک

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
جانو کہ بلاشک اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ میں آسمانوں اورزمین

”مسلمانوں رسول کو اس طرح نہ بلایا کرو جس طرح ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں ایک دوسرے کا بہانہ بنا کر چپکے سے نکل جاتے ہیں۔ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے۔ (۶۳) اچھی طرح جان لو! آسمان وزمین میں جو کچھ ہے اللہ کا ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: معاشرتی آداب کے سلسلہ میں بالخصوص سرورِ گرامی ﷺ کے آداب کا خیال رکھنا فرض ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ بھی ادب سکھلایا گیا کہ رسول اکرم ﷺ سے عرض کرتے ہوئے آپ کو اس طرح نہ بلایا کریں جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو دکھلاوے کے لیے آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے ہیں پھر کسی نہ کسی بہانہ سے چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو اللہ کے رسول کی نافرمانی سے بچنا چاہیے۔ جو لوگ اللہ کے رسول کی نافرمانی کرتے ہیں ان لوگوں کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ رسول ﷺ کی نافرمانی کے نتیجہ میں انہیں کوئی بڑی مصیبت آپہنچے یا وہ عذاب الیم میں مبتلا کیے جائیں۔ اللہ کے رسول کی نافرمانی کرنے والوں کو یہ بات پوری طرح معلوم ہونا چاہیے کہ آسمانوں کا چپہ چپہ اور زمین کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہ تمہاری جلوت، خلوت، نیت اور ہر حرکت کو جانتا ہے (لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ) کے مفسرین نے تین معنٰی لیے ہیں۔ ① صحابہ کرام ﷺ کو سمجھایا گیا کہ جس طرح تم ایک دوسرے کو آواز دیتے ہو رسول معظم ﷺ کو اس طرح آواز نہ دیا کرو (الحجرات: ۳) اس آیت میں ان لوگوں کو ان الفاظ میں سرزنش کی گئی جنہوں نے رسول کریم ﷺ کے حجرے سے باہر اونچی آواز سے یہ الفاظ کہے۔

قَدۡ يَعۡلَمُ مَآ اَنۡتُمۡ عَلَيۡهِ ؕ وَيَوۡمَ يُرۡجَعُوۡنَ

تحقیق ‏ وہ جانتا ہے ‏ اس ‏ تم ‏ جس پر ‏ اور دن ‏ وہ لوٹائے جائیں گے

اِلَيۡهِ فَيُنَبِّئُهُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۶۴﴾ ع ۹ ۴ ۱۵

اس کی طرف ‏ تو وہ انھیں خبر دے گا اس کی ‏ انھوں نے عمل کیے ‏ اور اللہ ‏ ہر ‏ چیز ‏ خوب جاننے والا

تم جس روش پر بھی ہو اللہ اس کو جانتا ہے جس دن لوگ اس کی طرف پلٹائے جائیں گے وہ انہیں بتائے گا کہ وہ کیا کچھ کر کے آئے ہیں اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔'' (۶۴)

''اُخْرِجْ اِلَیْنَا یَامحَمَّدُ'' اے محمد باہر آئیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کا اس طرح آواز دینا بہت ہی ناگوار گزرا۔ جس پر فرمایا کہ جو لوگ آپ ﷺ کے حجرے سے باہر آواز دے رہے تھے ان کی اکثریت بے عقل ہے دوسری آیت میں فرمایا کہ پیغمبر کو اس طرح آواز نہ دیا کرو جس طرح تم ایک دوسرے کو آواز دیتے ہو اگر تم باز نہ آئے تو تمہارے تمام کے تمام اعمال تباہ کر دیے جائیں گے (الحجرات:۲) جو لوگ فرقہ واریت میں آکر یہ کہتے ہیں کہ ہم نے یا محمد کہنا ہے اور فلاں نے جلتے رہنا ہے یا اس طرح کے الفاظ کہتے ہیں کہ ''یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اُنْظُرْ حَالَنَا یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ اِسْمَعْ قَالَنَا'' اے رسول ہماری طرف دیکھیں اور ہماری بات سُنیں انہیں اس بات کی فکر کرنا چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس گستاخی کی وجہ سے ان کے اعمال غارت ہو جائیں۔

② **لَاتَجْعَلُوْ دُعَاءَ الرَّسُوْلِ** کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا کسی کو بلانا ہمارے ایک دوسرے کو بلانے کے برابر نہیں ہو سکتا بلکہ جب بھی آپ کسی کو آواز دیں گویا کہ جسے بلائیں تو اس فوری طور پر حاضر ہونا لازم ہے۔ ③ **لَاتَجْعَلُوْ دُعَاءَ الرَّسُوْلِ** کا تیسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی دعا کو اپنے لیے معمولی دعا نہ سمجھو بلکہ آپ کا کسی کے لیے دعا کرنا اس کے لیے نعمت گراں مایہ ہے۔ جو لوگ اللہ کے رسول کی نافرمانی کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیے کہ کہیں انہیں سخت ترین آزمائش نہ آجائے یا اذیت ناک عذاب میں مبتلا نہ کر دیے جائیں۔

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ عَلَی أُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ ؓ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَا أُبَیُّ وَهُوَ یُصَلِّی فَالْتَفَتَ أُبَیٌّ وَلَمْ یُجِبْهُ وَصَلَّی أُبَیٌّ فَخَفَّفَ ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَعَلَیْكَ السَّلَامُ مَا مَنَعَكَ یَا أُبَیُّ أَنْ تُجِیْبَنِیْ إِذْ دَعَوْتُكَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّیْ كُنْتُ فِی الصَّلَاةِ قَالَ أَفَلَمْ تَجِدْ فِیْمَآ أَوْحَی اللّٰهُ إِلَیَّ أَنْ (**اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ**) قَالَ بَلٰی وَلَآ أَعُوْدُ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ قَالَ تُحِبُّ أَنْ أُعَلِّمَكَ سُوْرَةً لَمْ یَنْزِلْ فِی التَّوْرَاةِ وَلَا فِی الْإِنْجِیْلِ وَلَا فِی الزَّبُوْرِ وَلَا فِی الْفُرْقَانِ مِثْلُهَا قَالَ نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ كَیْفَ تَقْرَأُ فِی الصَّلَاةِ قَالَ فَقَرَأَ أُمَّ الْقُرْآنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَا

أُنْزِلَتْ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الإِنْجِيْلِ وَلَا فِي الزَّبُوْرِ وَلَا فِي الْفُرْقَانِ مِثْلُهَا وَإِنَّهَا سَبْعٌ مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ أُعْطِيْتُهُ)) [رواہ الترمذی: کتاب فضائل القرآن ، باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بے شک رسول اللہ ﷺ ابی بن کعب کے ہاں تشریف لے گئے۔ آپ نے اسے آواز دی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ ابی رضی اللہ عنہ نے التفات فرمایا اور جواب نہ دیا لیکن اپنی نماز کو ہلکا کر دیا، پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ کو سلام کہا! رسول اللہ ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: ابی! کس چیز نے تجھے جواب دینے سے روکے رکھا تھا۔ ابی رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کے رسول میں نماز ادا کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تو قرآن مجید میں یہ بات نہیں پاتا کہ اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دو۔ جب وہ تمہیں بلائیں ایسی چیز کی طرف جو تمھیں زندگی بخشنے والی ہے۔ اس نے کہا کیوں نہیں ان شاء اللہ دوبارہ ایسے نہیں کروں گا۔ آپ نے فرمایا کیا تو پسند کرتا ہے کہ میں تجھے ایسی سورۃ سکھلاؤں جو تورات، انجیل، زبور اور قرآن مجید میں نہیں ہے اس نے کہا ضرور! آپ ﷺ نے دریافت کیا تو نماز میں کیا پڑھتا ہے ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ سورۃ فاتحہ پڑھتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اس جیسی سورۃ تورات، انجیل، زبور اور قرآن مجید میں نازل نہیں ہوئی اور یقیناً یہ سات آیات اور عظیم قرآن ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ کے رسول ﷺ کو دور سے آواز دینا پرلے درجے کی گستاخی ہے۔

۲۔ رسول اکرم ﷺ کی نافرمانی کرنے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔

۳۔ زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب پر اللہ کی بادشاہی ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ انسان کے فکر وعمل کو پوری طرح جانتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نبی معظم ﷺ کے ادب واحترام کا حکم:

۱۔ نبی اکرم ﷺ کو دور سے آواز نہ دی جائے۔ (الحجرات: ۴)

۲۔ آپ ﷺ کی آواز سے اونچی آواز نہ کی جائے۔ (الحجرات: ۲)

۳۔ آپ ﷺ سے آگے قدم نہ اٹھایا جائے۔ (الحجرات: ۱)

۴۔ آپ ﷺ کی مکمل اتباع کی جائے۔ (محمد: ۳۳)

۵۔ جو آپ ﷺ دیں اُسے لیا جائے جس سے آپ نے منع کیا ہے اُسے چھوڑ دیا جائے۔ (الحشر: ۷)

سورۃ الفرقان کا تعارف

ربطِ سورۃ: سورۃ النور کا اختتام اس بات پر ہوا کہ ”اللہ“ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو وہ قیامت کے دن تمہیں تمہارے اعمال کے انجام سے آگاہ کرے گا۔ بُرے انجام سے بچانے کے لیے اس نے تمہارے پاس اپنا رسول بھیجا ہے تاکہ بُرے کاموں کے بُرے انجام سے تمہیں آگاہ کرے۔

یہ سورۃ 6 رکوع 77 آیات پر مشتمل ہے۔ اس سورہ مبارکہ کا نام اس کی پہلی آیت میں موجود ہے۔ فرقان کا معنیٰ ہے سچ اور جھوٹ، حق اور باطل میں فرق واضح کرنے والی کتاب۔ سورۃ کا آغاز ”اللہ“ کی ذاتِ بابرکات کے نام سے ہوا ہے۔ جس نے قرآن نازل فرمایا۔ نزولِ قرآن کا مقصد یہ ہے کہ نبی ﷺ اس قرآن کے ذریعے حق و باطل، سچ اور جھوٹ، کھرے اور کھوٹے کے درمیان فرق واضح فرما دیں۔ اس کی ابتدا اس پیغام سے ہوئی ہے کہ یہ قرآن رسولِ عبد پر نازل کیا گیا، جس کی دعوت توحید خالص ہے، تاکہ لوگ صرف ایک ”اللہ“ کی عبادت اور غلامی اختیار کریں، مگر اس کے باوجود لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کو پکارتے ہیں جو کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ وہ کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔ یہاں تک کہ انہیں اپنی موت و حیات اور مر کے جی اٹھنے کا بھی انہیں اختیار نہ ہے۔ یہ لوگ رسول ﷺ کی عبدیت کا انکار کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کے ساتھ تو ملائکہ ہونے چاہییں تھے جو اس کا انکار کرنے والوں کو ڈراتے، یہ لوگ زبان درازی کرتے ہوئے یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ یہ رسول تو سحر زدہ ہے۔ اے نبی ﷺ توجہ فرمائیں کہ یہ لوگ کس حد تک ہدایت سے بے توفیق ہو چکے ہیں۔ انہیں اس ہرزہ سرائی کے انجام کا قیامت کے دن علم ہوگا۔ جب اپنے ہاتھوں کو کاٹتے ہوئے کہیں گے کہ کاش! ہم رسول کو چھوڑ کر ایرے غیرے کے پیچھے نہ لگتے۔ انہیں یہ بھی اعتراض ہے کہ قرآن ایک مرتبہ نازل کیوں نہیں کیا گیا۔ یہ اعتراض اٹھانا ان کی گمراہی کی انتہا ہے۔ ہم قرآن اس لیے تھوڑا تھوڑا آپ ﷺ اور ان کے مناسب حال نازل کرتے ہیں۔ تاکہ آپ کا دل مضبوط ہو اور انہیں قرآن سمجھنے اور اس پر عمل کرنا آسان ہو۔ لیکن یہ اپنی گمراہی کے سبب اس سہولت کو بھی مخالفت کا ذریعہ بنا رہے ہیں۔ ان سے پہلے بھی آلِ فرعون، قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود اور اصحاب الرّس نے اس قسم کے اعتراضات کیے اور تباہ ہوئے۔ دراصل جو شخص اپنی خواہشات کو الٰہ بنا لے اس کی آپ راہنمائی نہیں کر سکتے۔ یہ لوگ جانوروں کی مانند ہو چکے ہیں۔ جس وجہ سے یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پر غور نہیں کرتے حالانکہ ان کے سامنے سورج ”اللہ“ کی قدرت کی بہت بڑی نشانی ہے۔ رات کے آرام، دن کے وقت تازہ دم ہو کر کام کاج کرنا، ہواؤں کا بحری سفر میں ان کے موافق چلنا بارش کا نازل ہونا اور اس کے ذریعے جانوروں اور لوگوں کا فائدہ اٹھانا۔ ”اللہ“ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، انہیں دیکھنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کے باوجود یہ لوگ اپنے رب کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اسی رب نے دو سمندروں کے درمیان پردہ حائل کر رکھا ایک پانی میٹھا اور دوسرا کڑوا ہے۔ اسی نے انسان کو پانی کی ایک بوند سے پیدا کیا اور اس کے ننھیال اور سُسرال بنائے پھر بھی اس حقیقی خالق اور عظیم مالک کا انکار کیے جا رہے ہیں۔ اس کے باوجود الرّحمٰن اسے سب کچھ عنایت کیے جا رہا ہے۔ یہ اسے ماننے کی بجائے کہتے ہیں کہ ہم الرّحمٰن کو نہیں جانتے اور نہ اُسے سجدہ کریں گے۔ سورۃ کے آخر میں الرّحمٰن کو ماننے والے بندوں کی صفات کا ذکر کیا گیا۔ جو کسی قسم کی اکڑ پھکڑ نہیں کرتے رات کو اُٹھ کر اپنے رب سے معافی طلب کرتے ہیں، اس کے دیے ہوئے کو اللّوں تللّوں میں ضائع نہیں کرتے ان کی چال و افعال اور معاملات میں اعتدال ہوتا ہے وہ برائی اور لغویات سے پرہیز کرتے ہیں۔ اپنے رب کی آیات اور نشانیوں پر غور کرتے ہیں۔ اپنی بیویوں اور اولاد کا سکون مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں داخل فرمائے گا۔ جس میں ان کا شاندار استقبال کیا جائے گا اور یہ ہر قسم کا آرام پائیں گے۔

سُورَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رُكُوعُهَا: ٦ اٰيَاتُهَا: ٧٧

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے

تَبٰرَكَ	الَّذِىْ	نَزَّلَ	الْفُرْقَانَ	عَلٰى	عَبْدِهٖ	لِيَكُوْنَ
بڑی بابرکت	ذات	نازل کیا اس نے	فرقان	پر	اپنے بندے	تا کہ ہو
لِلْعٰلَمِيْنَ	نَذِيْرَا ۙ ۱					
جہانوں کے لیے	ڈرانے والا					

''نہایت بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تا کہ تمام جہان والوں کو خبردار کرے۔'' (۱)

فہم القرآن

اس سورۃ مبارکہ کی ابتدا ''تَبَارَکَ الَّذِیْ'' کے الفاظ سے ہوتی ہے جس میں جلال کے ساتھ کمال بھی پایا جاتا ہے۔ تَبَارَکَ سُپر ڈگری کا صیغہ ہے۔ جس کا معنٰی ہے ہر اعتبار سے بلند و بالا ذات جو لوگوں کی دعاؤں اور امیدوں سے بڑھ کر فائدہ پہنچانے والی ہے۔ سورۃ کی ابتدا میں قرآن مجید کے لیے دو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور دلائل اور برھان کے حوالے سے حق اور باطل، کھرے اور کھوٹے میں تمیز کر دینے والی کتاب ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت محمد ﷺ کی ذات اطہر پر نازل فرمایا تا کہ آپ مجرموں کو ان کے برے انجام سے ڈرائیں۔ قرآن مجید میں نبی آخر الزماں ﷺ کی نبوت کا تعارف کرواتے ہوئے کئی بار یہ حقیقت واضح کی ہے کہ آپ کی نبوت کا دو لفظی پیغام یہ ہے کہ آپ حقیقی ایمان اور صالح کردار رکھنے والوں کو خوشخبری دینے والے ہیں کفار، مشرکین اور جرائم پیشہ لوگوں کو ان کے انجام سے ڈرانے والے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی قرآن مجید نے یہ حقیقت بھی بار ہا دفعہ بتلائی ہے کہ آپ کی نبوت کسی خاص دور، مخصوص قوم اور قبیلہ کے لیے نہیں بلکہ آپ قیامت تک کے لیے رسول بنائے گئے ہیں جس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا پیغام پوری دنیا میں پہنچے گا۔

((عَنْ أَبِی ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أُعْطِیتُ خَمْسًا لَمْ یُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِی بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ وَجُعِلَتْ لِیَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِی وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ فَیُرْعَبُ الْعَدُوُّ وَهُوَ مِنِّی مَسِیرَةَ شَهْرٍ وَقِیلَ لِیَ سَلْ تُعْطَهْ وَاخْتَبَأْتُ دَعْوَتِی شَفَاعَةً لِأُمَّتِی فَهِیَ نَائِلَةٌ مِنْكُمْ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى مَنْ لَمْ یُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَیْئًا قَالَ الْأَعْمَشُ فَكَانَ مُجَاهِدٌ یَرٰى أَنَّ الْأَحْمَرَ الْإِنْسُ وَالْأَسْوَدَ الْجِنُّ)) [رواہ احمد: مسند ابی ذر]

”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی محترم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ ایسی چیزیں عنایت کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں۔

۱۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے ہر کالے اور گورے کے لیے رسول بنایا ہے۔

۲۔ میرے لیے ساری زمین سجدہ گاہ بنادی گئی ہے۔

۳۔ میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے جبکہ مجھ سے پہلے کسی رسول کے لیے حلال نہیں تھا۔

۴۔ میری رعب کے ذریعے مدد فرمائی گئی ہے اس وجہ سے دشمن ایک مہینہ کی مسافت پر ہونے کے باوجود مجھ سے لرزاں رہتا ہے۔

۵۔ مجھے قیامت کے دن کہا جائے گا مانگ عطا کیا جائے گا اور تیری امت کے حق میں تیری شفاعت قبول کی جائے گی۔ جس نے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیا ہوگا اس کو میری شفاعت فائدہ دے گی۔“

((لَيَبْلُغَنَّ هٰذَا الْاَمْرُ مَا بَلَغَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَلَا يَتْرُكُ اللّٰهُ بَيْتَ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ هٰذَا الدِّيْنَ))

[مسند أحمد: كتاب مسند الشاميين ،باب حديث تميم الداري]

”یہ دین ہر صورت وہاں تک پہنچے گا جہاں رات کی تاریکی اور دن کی روشنی پہنچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شہر اور بستی کے ہر گھر میں اس دین کو داخل فرمادے گا۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر اعتبار سے بابرکت ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو اپنے بندے حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔

۳۔ نبی ﷺ کفار، مشرکین اور مجرمین کو ان کے برے انجام سے ڈرانے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

آپ ﷺ کی عالمگیر نبوت کے چند دلائل:

۱۔ اے رسول اعلان فرمائیں کہ ”اللہ“ نے مجھے تمام لوگوں کے لیے رسول منتخب فرمایا ہے۔ (الاعراف: ۱۵۸)

۲۔ رسول اللہ پوری دنیا کے رسول ہیں۔ (سباء: ۲۸)

۳۔ رسول اللہ مبشر اور نذیر ہیں۔ (الاحزاب: ۴۵)

۴۔ رسول اللہ پوری دنیا کے لیے رحمتِ عالم ہیں۔ (الانبیاء: ۱۰۷)

۵۔ رسول اللہ خاتم النبیین ہیں۔ (الاحزاب: ۴۰)

اَلَّذِیْ	لَهٗ	مُلْكُ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ	وَلَمْ
وہ ذات	اسی کے لیے	بادشاہی	آسمانوں	اور زمین	اور نہیں
یَتَّخِذْ	وَلَدًا	وَّلَمْ	یَكُنْ	لَّهٗ	شَرِیْكٌ فِی
بنائی اس نے	کوئی اولاد	اور نہیں	ہے	اس کا	کوئی شریک میں
الْمُلْكِ	وَخَلَقَ	كُلَّ	شَیْءٍ	فَقَدَّرَهٗ	تَقْدِیْرًا ۲
بادشاہی	اور اس نے پیدا کی	ہر	چیز	پھر اس نے اندازہ کیا اس کا	اندازہ کرنا

"''اللہ'' ہی کے لیے زمین وآسمانوں کی بادشاہی ہے اس نے کسی کو اولاد نہیں بنایا۔ اس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی تقدیر مقرر کی فرمائی۔" (۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: آپ ﷺ نے سب سے پہلے لوگوں کو شرک کے انجام، مضمرات سے ڈرایا اور بتلایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے وحدہ لاشریک ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس لیے بھی شرک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ اکیلا ہی زمینوں آسمانوں کا مالک ہے اس کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ ہی اس کی بادشاہی میں کوئی کسی اعتبار سے سہیم اور شریک ہے۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر ٹھیک ٹھیک اس کا اندازہ مقرر فرمایا۔ اس مختصر آیت میں چار طویل ترین مضامین کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ① زمین وآسمان کی بادشاہی صرف ایک اللہ کے لیے ہے۔ زمین وآسمانوں کی بادشاہی سے مراد جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے وہ سب کا سب اللہ تعالیٰ کی مِلک ہے اور اس پر اُسی کی حکومت ہے۔ ② اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں اور نہ ہی اسے اولاد کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اولاد سے بے نیاز ہونے کے قرآن مجید میں درجنوں دلائل دیے گئے ہیں۔ اس نے جن، انس، ملائکہ اور اپنی مخلوق میں کسی کو نہ بیٹا بنایا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی بیٹی ہے۔ سورۃ اخلاص میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو نہ کسی نے پیدا کیا ہے اور نہ ہی اس سے کوئی چیز پیدا ہوئی ہے۔ ③ زمین وآسمانوں اور جو کچھ ان میں ہے ان پر صرف ایک اللہ کی بادشاہی ہے نہ کائنات کی تخلیق کے وقت کوئی اس کا شریک تھا اور نہ ہی اس نے کسی کو ان میں شریک بنایا ہے ④ اس نے نا صرف ہر چیز کو پیدا کیا ہے بلکہ ہر چیز کو پیدا کرنے کے بعد اس کی شکل وصورت، قدوقامت، خوراک اور ماحول یہاں تک کہ اس کے ذمہ وہی کام لگایا گیا ہے جو اس کے لائق تھا آپ مخلوق میں سے کسی چیز کو اس کی شکل وصورت اور قدوقامت کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیں کہ تربوز کی بیل اتنا بڑا پھل اٹھانے کی سکت نہیں رکھتی تھی اس لیے اسے زمین پر بچھا دیا گیا۔ آم کا درخت تربوز سے وزنی آم اٹھا سکتا تھا لیکن اتنا بڑا

آم اگر درخت کے نیچے بیٹھے شخص کے سر پر گر جائے تو اس کا کیا حشر ہوتا۔گھوڑے نے شاہسوار کو لیکر دوڑنا تھا اس کے مطابق ہی اس کے وجود میں سرعت اور طاقت رکھ دی گئی۔اونٹ نے صحراؤں کے اندر چلنا اور باربرداری کا کام کرنا تھا اس کے وجود کو اسی انداز کا بنایا۔تاکہ وہ کئی کئی دن بھوکا پیاسا رہ کر سفر کرتا رہے علی ھذا القیاس،اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے وہ اپنی ہیئت اور ذمہ داری کے حوالے سے ٹھیک ٹھیک پیدا کیا ہے۔پھول کو دیکھیے کہ وہ اپنے وجود میں گلدستہ کی ترتیب لیے ہوئے ہے کیا مجال ہے کہ پھول میں کوئی پتی ایک حد سے بڑھی ہوئی دکھائی دیتی ہو۔انسان اپنے آپ پر غور کرے کہ ذاتِ کبریا نے اسے پیدا فرما کر کس طرح اسے متوازن اعضاء عطا فرمائے اگر کسی انسان کے کان ہی اس کی عمر کے مطابق بڑھتے جائیں تو وہ انسان کس قدر خوفناک شکل اختیار کر جائے۔یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے کہ اس نے انسان ہی نہیں بلکہ اس نے ہر چیز کے اعضاء خوبصورت اور متوازن پیدا فرمائے ہیں۔اسی لیے فرمایا ہے کہ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر اس نے ہر چیز کا ٹھیک ٹھیک انداز مقرر فرمایا۔

① کان تو ایک طرف اگر ہاتھ کی ایک انگلی ہی انسان کی عمر کے ساتھ ساتھ لمبی ہو جائے تو نا صرف پورے کا پورا ہاتھ بیکار ہو گا بلکہ انسان کے لیے اپنا ہاتھ بند کرنا ہی ناممکن ہو جائے گا۔اسی طرح ناک کو سامنے رکھیں اگر انسان کی ناک لمبی بنا دی جاتی تو اس کی نا صرف شکل ہی خوفناک ہوتی بلکہ اس کے لیے کھانا پینا ہی مشکل ہو جاتا۔

مسائل

۱۔ صرف اللہ ہی زمین وآسمانوں کا بادشاہ ہے۔۲۔ زمین وآسمانوں کی بادشاہی میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی چیز کو اپنی اولاد نہیں بنایا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو متوازن پیدا فرمایا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور زمین وآسمانوں کو پیدا فرمایا۔(البقرۃ:۲۱۔۲۲)

۲۔ اللہ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔(الروم:۲۰)

۳۔ اللہ ہی نے انسان کو بڑی اچھی شکل وصورت میں پیدا فرمایا۔(التین:۴)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے نباتات پیدا فرمائی۔(الانعام:۱۰۰)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کے پانی کے درمیان پردہ حائل کیا۔(الفرقان:۵۳)

۸۔ اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے۔(آل عمران:۱۰۲)

وَاتَّخَذُوْا	مِنْ	دُوْنِہٖٓ	اٰلِهَةً	لَّا	يَخْلُقُوْنَ
اور بنالیے انہوں نے	سے	سوا	معبود	نہیں	وہ پیدا کرتے

شَيْـًٔا	وَّهُمْ	يُخْلَقُوْنَ	وَلَا	يَمْلِكُوْنَ	لِاَنْفُسِهِمْ
کچھ	حالانکہ وہ	پیدا کیے گئے ہیں	اور نہیں	اختیار رکھتے وہ	اپنے نفس کا

ضَرًّا	وَّلَا	نَفْعًا	وَّلَا	يَمْلِكُوْنَ	مَوْتًا	وَّلَا
نقصان	اور نہ	نفع	اور نہیں	وہ اختیار رکھتے	موت	اور نہ

حَيٰوةً	وَّلَا	نُشُوْرًا ۝۳
زندگی	اور نہ	دوبارہ اُٹھنے کا

”لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود بنالیے جنہوں نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا بلکہ خود پیدا کیے گئے ہیں وہ اپنے لیے بھی کسی نفع اور نقصان، موت اور زندگی اور نہ دوبارہ اٹھانے کا اختیار رکھتے ہیں۔“ (۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جب اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنی بادشاہی میں شریک نہیں کیا اور نہ ہی اس نے کسی کو اپنی اولاد بنایا ہے پھر دوسروں کو اس کا شریک سمجھنا اور بنانے کا کیا مقصد؟

شرک کرنے والے کے ذہن میں کسی نہ کسی حد تک یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ فلاں زندہ یا فوت شدہ شخصیت۔ اللہ کے ہاں اتنی معتبر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے احترام اور مقام کی وجہ سے اس کی بات مسترد نہیں کرسکتا۔ اسی تصور کے پیش نظر ہر دور میں لوگوں نے ملائکہ، جنات، انبیاء میں سے کچھ شخصیات کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا۔ مقصد یہ ہے کہ جس طرح باپ اپنی اولاد کی محبت اور تعلق کی بنیاد پر اولاد کی بات مسترد نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنی اولاد کی سفارش رد نہیں کرتا۔ جس طرح اولاد اپنے باپ کی جائیداد میں حصہ دار ہوتی ہے اسی طرح یہ شخصیات اللہ کے اختیارات میں شریک ہیں۔ اس عقیدہ کی ٹھوس دلائل کی بنیاد پر نفی کی گئی ہے۔ جن کو حاجت روا، مشکل کشا، داتا و دستگیر سمجھ کر بلایا اور پکارا جاتا ہے انہوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی اور نہ ہی کچھ پیدا کر سکتے ہیں وہ تو خود پیدا کیے گئے ہیں۔ مخلوق ہونے کے حوالے سے وہ اپنے رب کے سامنے بے بس اور مجبور ہیں اس حد تک بے بس اور مجبور ہیں۔ کہ وہ اپنے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ ہی اپنی موت و حیات اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی کو اس کی موت کے بعد اٹھا سکتے ہیں۔ مر کر جی اٹھنے کا علم تو بڑی دور کی بات ہے انسان کتنا ہی صالح اور نیک کیوں نہ ہو اسے گہری نیند میں اتنی بھی خبر نہیں ہوتی کہ نیند کے دوران اس کے آس پاس کیا ہوتا رہا ہے۔ جو لوگ من دون اللہ یا اللہ تعالیٰ کے سوا کے الفاظ سے مغالطہ دیتے ہیں کہ اس سے مراد بت ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بتوں کے

بارے میں کوئی آیت اور دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن پیدا کرے گا؟

نبی ﷺ کی دعا اور عقیدہ:

((عَنْ وَرَّادٍ مَوْلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ كَتَبَ مُعَاوِيَةُ رضی اللہ عنہ إِلَى الْمُغِيرَةِ اُكْتُبْ إِلَيَّ مَا سَمِعْتَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ خَلْفَ الصَّلَاةِ فَأَمْلَى عَلَيَّ الْمُغِيرَةُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ خَلْفَ الصَّلَاةِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ اللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ)) [رواه البخاري: كتاب القدر، باب لامانع لما اعطى الله]

”مغیرہ بن شعبہ کے غلام وراد کہتے ہیں معاویہ نے مغیرہ رضی اللہ عنہ کی جانب لکھا کہ مجھے لکھ کر بھیجیے۔ جو نبی اکرم ﷺ سے نماز کے بعد آپ سنا کرتے تھے۔حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے لکھوایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو نماز کے بعد یہ الفاظ کہتے ہوئے سنا۔اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں وہ ایک ہی ہے اس کا کوئی شریک نہیں اے اللہ جسے تو دینا چاہتا ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا اور جس سے تو روک لے اسے کوئی دینے والا نہیں۔ تیرے ہاں کسی بڑے کی بڑائی کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔“

مسائل

۱۔ مشرک اُنہیں معبود مانتے ہیں جنہوں نے کچھ پیدا نہیں کیا۔ ۲۔ تمام مخلوقات کو پیدا کرنے والا ”اللہ“ ہے۔

۳۔ اللہ کے سوا کوئی نفع ونقصان کا مالک نہیں۔ ۴۔ اللہ کے سوا کوئی کسی کو موت دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔

۵۔ اللہ کے سوا کوئی کسی کو زندگی نہیں دے سکتا۔ ۶۔ اللہ کے سوا کوئی کسی کو زندہ نہیں کرسکتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے کچھ پیدا نہیں کیا، اور نہ ہی کسی کو کوئی اختیار حاصل ہے:

۱۔ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ کوئی چیز پیدا نہیں کرسکتے وہ تو خود پیدا کیے گئے ہیں۔(النحل:۲۰)

۲۔ کیا تم ان کو شریک بناتے ہو؟ جنہوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی وہ تو خود پیدا کیے گئے ہیں۔(الاعراف:۱۹۱)

۳۔ انہوں نے ان کو معبود بنالیا جنہوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی تو وہ خود مخلوق ہیں۔(الفرقان:۳)

۴۔ بے شک جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ مکھی بھی نہیں پیدا کرسکتے اگرچہ سب کے سب جمع ہوجائیں۔(الحج:۷۳)

۵۔ کیا یہ لوگ بغیر کسی چیز کے پیدا ہوگئے ہیں یا اپنے آپ کو خود پیدا کرنے والے ہیں؟(الطّور:۳۵)

۶۔ تمام مخلوق اللہ کی ہے۔اللہ کے سوا کسی نے کچھ پیدا کیا ہے تو مجھے دکھاؤ۔(لقمان:۱۱)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ۨ

اوراس نے کہا | وہ لوگ | انہوں نے کفر کیا | نہیں | یہ | مگر | جھوٹ

افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ

اس نے اسے گھڑا ہے | اوراس کی مدد کی | اس پر | لوگ | دوسرے | پس تحقیق

جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا ۚ ﴿۴﴾ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ

وہ لائے | ظلم | اور | جھوٹ | اورانھوں نے کہا | قصے کہانیاں

الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً

پہلے لوگ | اس نے ان کولکھ لیا ہے | بس وہی | لکھوائی جاتی | اس کو | صبح

مُعانقہ ۱ عند المتأخرین ۱۲

”کافر کہتے ہیں کہ یہ فرقان ایک من گھڑت چیز ہے جسے اس شخص نے اپنی طرف سے بنالیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔ بڑا ظلم اور کھلا جھوٹ ہے جس پر یہ لوگ اُتر آئے ہیں۔(۴) کہتے ہیں یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی کہانیاں ہیں جو اسے صبح وشام لکھوائی جاتی ہیں۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: عقیدہ توحید کے مختصر دلائل کے بعد قرآن مجید پر اٹھنے والے اعتراضات کا مختصر جواب۔

اہلِ مکہ کی بوکھلاہٹ کا عالم یہ تھا کہ وہ ایک ہی مجلس اور موقعہ پر کئی قسم کے قرآن مجید پر اعتراض اور سوالات اٹھاتے تھے ایک لمحہ ان کا الزام تھا کہ محمد ﷺ اپنی طرف سے عبارات بنا کر قرآن کی آیات کی شکل میں ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ دوسرے لمحہ میں کہتے کہ قرآن بنانے میں اس کے اور لوگ بھی معاون ومددگار ہیں۔ تیسرے لمحہ ان کی زبان پر یہ الزام ہوتا کہ یہ قرآن تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو اسے لکھوائی جاتی ہیں اور یہ صبح وشام ہمارے سامنے پڑھ دیتا ہے۔ اہل مکہ کی دریدہ دھنی حد سے گزر چکی تھی جس وجہ سے وہ کسی ایک بات اور الزام پر اکتفا نہیں کرتے تھے۔ ان کے پراپیگنڈہ کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ کسی نہ کسی طریقہ سے قرآن مجید کے بارے میں لوگوں کا ذہن اس قدر الجھا دیا جائے کہ وہ اس کی طرف توجہ نہ کرسکیں اس لیے کبھی اسے جھوٹ کا پلندہ اور کبھی پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں قرار دیتے تھے۔ جہاں تک ان کے اس الزام کا تعلق ہے کہ چند لوگ ہیں جو آپ کی معاونت کرتے ہیں آپ لکھ کر اسے قرآن مجید کی شکل میں ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یہ ایسا الزام ہے جس میں ایک حرف کی بھی سچائی نہیں ہے کیونکہ جن لوگوں کا وہ نام لیتے تھے وہ توانہی کے زرخرید غلام اور پرلے درجے کے ان پڑھ تھے۔ سب کو معلوم تھا کہ یہ الزام برائے الزام کے سوا کچھ نہیں جہاں تک اس الزام کا تعلق ہے کہ آپ ان لوگوں سے سیکھنے کے بعد اپنے ہاتھ سے لکھ کر لوگوں سامنے قرآن بنا کر پیش کرتے ہیں۔ یہ الزام پہلے الزام سے بھی بڑھ کر دیوالیہ پن کا

وَّاَصِیۡلًا ۝۵ قُلۡ اَنۡزَلَہُ الَّذِیۡ یَعۡلَمُ السِّرَّ فِی

اور شام فرما دیجیے اس کو نازل کیا ہے ذات وہ جانتا ہے پوشیدہ میں

السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ۝۶

آسمانوں اور زمین بے شک وہ ہے بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا

اور وہ صبح وشام اسے سنائی جاتی ہیں۔(۵) اے نبی ان سے کہو کہ اسے نازل کیا ہے اس نے جو زمین وآسمانوں کا بھید جانتا ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا غفور ورحیم ہے۔"(۶)

مظہر تھا کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے زندگی بھر اپنے ہاتھ سے ایک لفظ بھی تحریر نہیں کیا۔(العنکبوت:۴۸)

اہل مکہ کی ہرزہ سرائی اور دریدہ دھنی کو درخور اعتنانہ سمجھنے کی وجہ سے صرف اتنا جواب دیا گیا ہے کہ اے پیغمبر ﷺ انہیں فرمائیں کہ اس قرآن کو اس ذاتِ کبریا نے نازل فرمایا ہے جو زمین وآسمان کے راز جانتا ہے وہ تمہاری ہرزہ سرائی اور نیّت سے خوب واقف ہے۔اس کے باوجود تمہیں مہلت دیئے جارہا ہے کہ تم غور کرو اور تائب ہو جاؤ۔یقیناً اللہ تعالیٰ ہر گناہ معاف کرنے اور مہربانی فرمانے والا ہے۔

مسائل

۱۔ اہل مکہ قرآن مجید کو جھوٹ اور پہلے لوگوں کے قصہ کہانیاں قرار دیتے تھے۔

۲۔ اہل مکہ قرآن مجید کو آپ کی خودنوشت کتاب کہتے تھے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ بار بار انسان کو توبہ کا موقعہ دیتا ہے کیونکہ وہ معاف کرنے دینے والا مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید پر کفار کے الزامات اور ان کا جواب:

۱۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ کہتے ہیں آپ کو تو ایک آدمی سکھا جاتا ہے۔(النحل:۱۰۳)

۲۔ انہوں نے کہا قرآن تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔(الفرقان:۵)

۳۔ انہوں کہا یہ تو اثر کرنے والا جادو ہے۔(المدثر:۲۴)

۴۔ فرما دیجیے جن وانس اکٹھے ہو کر اس قرآن جیسا قرآن لے آئیں۔(بنی اسرائیل:۸۸)

۵۔ فرما دیجیے دس سورتیں اس جیسی لے آؤ اور اللہ کے سوا جن کو بلا سکتے ہو بلا لو۔(ھود:۱۳)

۶۔ فرما دیجیے ایک سورۃ اس جیسی لے آؤ اور جن کو بلانا چاہتے ہو بلالو۔(یونس:۳۸)

وَقَالُوْا	مَالِ	هٰذَا	الرَّسُوْلِ	يَأْكُلُ	الطَّعَامَ
اور انھوں نے کہا	کیا ہے	اس	رسول	وہ کھاتا ہے	کھانا
وَيَمْشِيْ	فِي	الْاَسْوَاقِ ۭ	لَوْلَآ	اُنْزِلَ	اِلَيْهِ
اور وہ چلتا ہے	میں	بازار	کیوں نہیں	نازل کیا گیا	اس کی طرف
مَلَكٌ	فَيَكُوْنَ	مَعَهٗ	نَذِيْرًا ۝		
کوئی فرشتہ	کہ وہ ہوتا	اس کے ساتھ	ڈرانے والا؟		

’’ کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟ کیوں نہ اس کے لیے کوئی فرشتہ بھیجا گیا جو اس کے ساتھ رہتا اور لوگوں کو ڈراتا؟‘‘ (۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار کا قرآن مجید پر اعتراضات کرنے کے بعد سرور دو عالم ﷺ کی ذات پر اعتراضات۔

رسول اکرم ﷺ کی ذات اطہر پر اہل مکہ کو یہ بھی اعتراض تھا کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اس کے ساتھ فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ جو اس کی بات نہ ماننے والوں کو ڈرا دھما کر اس کی رسالت منواتا۔ یہاں تک ان لوگوں کا رسول اکرم ﷺ پر یہ اعتراض کہ آپ انسان ہونے کے ناطے سے کھانے پینے کے محتاج تھے اور سودا سلف کے لیے بازار جاتے یہ ایسا بوسیدہ اور قدیم ترین اعتراض ہے جو ہزاروں سال پہلے حضرت نوح علیہ السلام پر بھی کیا گیا۔ قرآن مجید نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ کیوں نہیں آپ سے پہلے جتنے پیغمبر مبعوث کئے گئے وہ سب کے سب کھانے پینے والے انسان تھے انبیاء واضح الفاظ میں اس بات کا اعتراف کرتے کہ لوگو! انسانی حاجات کے حوالے سے ہم بھی تمہارے جیسے انسان ہیں لیکن ہمارا امتیاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا اور لوگوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے ہمارا انتخاب کیا ہے (ابراہیم:۱۱)

جہاں تک دوسرے اعتراض کا تعلق ہے کہ اس کے ساتھ ایک فرشتہ ہونا چاہیے تھا جو شخص آپ کی رسالت کا انکار کرتا فرشتہ اسے ڈرا دھما کر آپ کی رسالت ماننے پر مجبور کر دیتا۔ یہ بات دو اعتبار سے غلط ہے ایک تو اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کی رسالت کو جبراً منوانا پسند نہیں فرمایا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اگر رسول کی تائید کے لیے فرشتہ بھیجا جاتا تو پھر اس قوم کو مہلت نہ دی جاتی۔ انکار کرنے پر قوم کا صفایا کر دیا جاتا ہے۔

مسائل

۱۔ رسالت مآب ﷺ پر کفار بیہودہ قسم کے اعتراضات اٹھایا کرتے تھے۔

۲۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام انسان تھے اور انسان ہونے کی وجہ سے وہ کھاتے، پیتے، بازار سے سودا سلف لاتے اور کام، کاج کرتے تھے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر کی رسالت کو جبری طور پر نہیں منوایا۔ (تمام انبیاء کرام بشر تھے اسی سورت کی آیت ۲۵ کی تفسیر بالقرآن ملاحظہ فرمائیں۔)

اَوْ	یُلْقٰۤی	اِلَیْهِ	كَنْزٌ	اَوْ	تَكُوْنُ لَهٗ
یا	ڈالا جاتا	اس کی طرف	خزانہ	یا	ہوتا اس کے لیے
جَنَّةٌ	یَّاْكُلُ	مِنْهَا ؕ	وَقَالَ	الظّٰلِمُوْنَ	اِنْ
باغ	وہ کھاتا	اس سے	اور اس نے کہا	ظالم	نہیں
تَتَّبِعُوْنَ	اِلَّا رَجُلًا	مَّسْحُوْرًا ۝۸	اُنْظُرْ	كَیْفَ	ضَرَبُوْا
تم اتباع کرتے	مگر شخص	جادو کیا گیا ہے	دیکھیے	کیسی	ان لوگوں نے بیان کیں
لَكَ	الْاَمْثَالَ	فَضَلُّوْا	فَلَا	یَسْتَطِیْعُوْنَ	سَبِیْلًا ۝۹ ع
آپ کے لیے	مثالیں؟	پس وہ گمراہ ہوگئے	لہٰذا نہیں	وہ استطاعت رکھتے	راہ

ع ۱ ۹ ۱۶

”یا اور کچھ نہیں تو اس کے لیے کوئی خزانہ ہی اتار دیا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہی ہوتا جس سے یہ روزی حاصل کرتا۔ ظالم کہتے ہیں تم لوگ تو ایک سحرزدہ شخص کے پیچھے لگے ہوئے ہو۔ (۸) دیکھو کیسی کیسی مثالیں پیش کر رہے ہیں۔ ایسے بھٹکے ہیں کہ راہِ راست کی توفیق کھو بیٹھے ہیں۔“ (۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: رسالت مآب ﷺ پر کفار کے مزید اعتراضات

رسالت مآب ﷺ کے بارے میں کفار یہ بھی ہرزہ سرائی کرتے کہ یہ تو مالی اعتبار سے غریب آدمی ہے اگر واقعی یہ اللہ کا منتخب اور پسندیدہ نبی ہوتا تو اس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہونا چاہیے تھی۔ نقدی نا سہی کم از کم اس کے پاس کوئی ایسا باغ ہوتا جس سے خود کھاتا اور اپنے بال بچوں کو کھلاتا۔ رسول معظم ﷺ کی غربت کا بہانہ بنا کر وہ لوگ آپ کی رسالت کا انکار کرتے تھے۔ قرآن مجید نے اس سوال کا جواب دینا اس لیے مناسب نہیں سمجھا کیونکہ دولت انسان کے شرف کا معیار نہیں ہے پھر کفار مسلمانوں کو یہ کہہ کر پھسلانے کی کوشش کرتے کہ یہ ایسا شخص ہے جس کو جادو ہو چکا ہے۔ جس بناء پر ایسی باتیں کرتا ہے جس کو عقل تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ کفار کی ان باتوں کا قرآن مجید نے متعدد مقامات پر جواب دیا ہے اس لیے یہاں ان کا یہی جواب مناسب سمجھا گیا ہے کہ آپ ﷺ غور فرمائیں کہ یہ لوگ آپ سے کس قسم کی توقعات اور آپ کے بارے میں کیسی باتیں کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ ایمان لانے کے لیے مخلص ہیں۔ بلکہ ان کا مقصد ہے کہ لوگوں کو آپ سے دور کر دیں۔ جس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ یہ خود گمراہ ہو چکے ہیں۔ اب ہدایت کی طرف آنے کی ان میں استعداد ختم ہو چکی ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا
بابرکت وہ اگر وہ چاہے تو وہ بنا دے آپ کے لیے بہت بہتر
مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
سے اس باغات بہتی ہوں سے نیچے
الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ⑩
نہریں اور وہ بنا دے آپ کے لیے محلات

''بڑا بابرکت ہے وہ اللہ۔ اگر چاہے تو آپ کو بہت سے باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور بڑے بڑے محلات دے سکتا ہے۔'' (۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار کے مطالبہ کا جواب۔

کفار نے محض حجت بازی کے لیے آپ ﷺ پر یہ اعتراض کیا تھا کہ اگر آپ واقعی ہی اللہ کے رسول ہیں تو پھر آپ کے لیے ایسا باغ ہونا چاہیے جو اپنے پھل سے بھرا ہوا ہو۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ بڑی بابرکت ذات ہے اگر وہ چاہے تو آپ کے لیے کفار کے مطالبہ سے کئی گنا بہتر آپ کو باغ عنایت فرمادے جس کے نیچے نہریں چل رہی ہوں یا اللہ تعالیٰ چاہے تو آپ کو اتنا مال عنایت کرے کہ جس سے آپ بڑے بڑے محلات تیار کرسکیں۔ لیکن اللہ نے آپ کے لیے یہی پسند فرمایا ہے کہ آپ لوگوں کے لیے بہترین نمونہ بنیں نہ کہ لینڈ لارڈ ور سرمایہ دار کے طور پر۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یہ اختیار دیا تھا کہ چاہیں تو بادشاہ نبی بن جائیں اگر چاہیں عبد اور اس کے رسول نبی کریم ﷺ نے حکمران نبی بننے کی بجائے اللہ کا بندہ اور رسول بننا پسند فرمایا تھا۔

''حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ ہوتے میرے پاس ایک فرشتہ آیا جس کی کمر کی لمبائی کعبہ کے برابر تھی۔ اس نے کہا کہ آپ کا رب آپ ﷺ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ عاجز انسان کی حیثیت سے نبی بننا چاہتے ہیں یا بادشاہ کی طرح۔ میں نے جبرائیل کی طرف دیکھا تو اس نے مجھے اشارہ کیا کہ اپنے آپ کو اختیار کیجیے! تو میں نے کہا کہ عاجز انسان کی حیثیت سے نبی بننا چاہتا ہوں۔ سیدہ عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھایا آپ فرمایا کرتے تھے میں عاجز آدمی کی طرح کھانا کھاتا اور بیٹھنا پسند کرتا ہوں۔'' [رواہ فی شرح السنۃ:باب تواضعہ]

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی بابرکت ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنے نبی کو باغات اور محلات عنایت فرماتا۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ

بلکہ | انھوں نے جھٹلایا | قیامت کو | اور ہم نے تیار کی | اس کے لیے جو | اس نے جھٹلایا

بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿۱۱﴾ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ

قیامت کو | بھڑکتی آگ | جب | وہ دیکھے گی ان کو | سے | جگہ

بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذَآ

دور | وہ سنیں گے | اس کی | غضب ناک آواز | اور | چلانا | اور جب

اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا

وہ ڈالے جائیں گے | اس میں سے | جگہ | کسی تنگ | زنجیروں میں جکڑے ہوئے | وہ پکاریں گے

''حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کو جھٹلاتے ہیں جو قیامت کو جھٹلائے اس کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ (۱۱) جب انہیں جہنم دور سے دیکھے گی تو جہنمی اس کے غضب اور جوش کی آوازیں سُنیں گے۔ (۱۲) جب یہ زنجیروں سے جکڑے ہوئے اس میں ایک تنگ جگہ ٹھونسے جائیں گے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار کے مطالبہ کا دوسرا جواب۔

نبی اکرم ﷺ کے سامنے کفار اس لیے مطالبات پیش کرتے تھے کہ آپ کو الجھایا اور لوگوں کے سامنے لاجواب کیا جائے۔ ان کے مطالبے کی حقیقت یوں بیان کی گئی ہے کہ اے پیغمبر ﷺ ان کے مطالبات اور اعتراضات کا یہ مقصد نہیں کہ وہ آپ پر ایمان لانا چاہتے ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ آپ کو الجھائیں اور آپ کو لوگوں کے سامنے لاجواب کریں انہوں نے یہ وطیرہ اس لیے اختیار کر رکھا ہے کہ یہ قیامت کو جھٹلاتے ہیں اگر ان کا قیامت پر ایمان ہوتا تو آپ نے جس قدر ان کو سمجھایا ہے یہ آپ پر ایمان لے آتے۔ اب تو ان کے مطالبے کا یہی جواب ہے کہ جس شخص نے قیامت کو جھٹلایا اس کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ ایسے لوگوں کو آگ دور سے دیکھے گی تو ان کو دیکھ کر آگ کے طیش اور جوش میں اضافہ ہو جائے گا جس وجہ سے آگ سے آوازیں نکلیں گی جو گدھے کی آواز کی مانند ہوں گی جہنم کی آگ کے لیے زَفِيْرًا کا لفظ استعمال کیا ہے زفیراً گدھے کی وہ آواز ہے کہ جب گدھا ہنہنانا ختم کرتا ہے تو اس کے سینے کی آواز بھی اس کے گلے کی آواز کے ساتھ شامل ہوتی ہے جو بڑی مکروہ اور خوفناک ہوتی ہے۔ جہنمی جہنم میں ڈالے جائیں گے تو انہیں آگ کی زنجیروں کے ساتھ جکڑ کر جہنم کی تنگ وادیوں سے گزارا جائے گا۔ جس سے گزرتے ہوئے ان کی ہڈیاں چکنا چور ہو جائیں گی جس کی وجہ سے وہ موت کو آواز پر آواز دینگے۔

هُنَالِكَ	ثُبُوْرًا ﴿١٣﴾	لَا	تَدْعُوا	الْيَوْمَ	ثُبُوْرًا
وہاں	ہلاکت	مت	پکاروتم	آج	ہلاکت
وَّاحِدًا	وَّادْعُوْا	ثُبُوْرًا	كَثِيْرًا ﴿١٤﴾		
ایک	بلکہ تم پکارو	ہلاکتوں	بہت زیادہ		

تو اپنی موت کو پکاریں گے۔(۱۳) کہا جائے گا آج ایک موت کو نہیں بہت سی موتوں کو پکارو۔“(۱۴)

ان کی حالت دیکھ کر جہنم کے فرشتے جھڑکیاں دیتے ہوئے انہیں کہیں گے کہ آج ایک موت نہیں بہت سی موتوں اور ہلاکتوں کو پکارو تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی اب تم نے ہمیشہ اسی حالت میں رہنا اور چلاّ نا ہے۔

مسائل

۱۔ جہنمیوں کو دیکھ کر جہنم کی آگ میں جوش پیدا ہو جائے گا۔

۲۔ جہنم کی آگ سے خوفناک قسم کی آوازیں نکلیں گی۔

۳۔ جہنمیوں کو آگ کی زنجیروں میں جکڑ کر جہنم کی تنگ وادیوں میں گھسیٹا جائے گا۔

۴۔ جہنمی موت کو آواز دیں گے لیکن انہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔

تفسیر بالقرآن

جہنمیوں کی آہ زاریاں:

۱۔ اے ہمارے رب ہمیں تھوڑی دیر کے لیے مہلت دے ہم تیری دعوت کو قبول اور تیرے رسول کی بات کو تسلیم کریں گے۔(ابراہیم:۴۴)

۲۔ جہنمی کہیں گے اے اللہ ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو واپس لوٹا دے۔(السجدۃ:۱۲)

۳۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں یہاں سے نکال ہم پہلے سے نیک عمل کریں گے۔(الفاطر:۳۷)

۴۔ اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال اگر دوبارہ ایسا کریں تو بڑے ظالم ہوں گے۔(المومنون:۱۰۷)

قُلْ	اَذٰلِكَ	خَيْرٌ	اَمْ	جَنَّةُ	الْخُلْدِ الَّتِىْ
فرمادیجیے	کیا یہ	بہتر	یا	جنت	ہمیشہ وہ جس
وُعِدَ	الْمُتَّقُوْنَ ؕ	كَانَتْ	لَهُمْ	جَزَآءً	وَّ مَصِيْرًا ۝
وعدہ دیے گئے	متقی لوگ؟	ہے	ان کے لیے	جزا	واپسی کی جگہ
لَهُمْ	فِيْهَا	مَا	يَشَآءُوْنَ	خٰلِدِيْنَ ؕ	كَانَ عَلٰى
ان کے لیے	اس میں	جو	وہ چاہیں گے	ہمیشہ رہنے والے	ہے پر
رَبِّكَ	وَعْدًا	مَّسْئُوْلًا ۝			
آپ کے رب	وعدہ	مطالبہ کیا گیا			

''ان سے پوچھو جہنم میں جانا اچھا ہے یا جنت میں ہمیشہ رہنا بہتر ہے جس کا وعدہ پرہیز گاروں کے لیے کیا گیا ہے جو ان کے عمل کی جزا اور ان کے سفر کی آخری منزل ہوگی۔(۱۵) جس میں ان کی ہر خواہش پوری ہوگی وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے جسے عطا کرنا آپ کے رب کا واجب الادا وعدہ ہے۔''(۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار کو اُن کے انجام سے آگاہ کرنے کے بعد ان سے ایک سوال کیا گیا ہے۔

کفار کو ان کا خوفناک انجام بتلانے کے بعد استفسار کے انداز میں بتلایا گیا ہے کہ اے کفر کرنے والو! بتلاؤ کہ جہنم کی سزائیں اور ہولناکیاں بہتر ہیں یا ہمیشہ رہنے والی جنت بہتر ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں کے ساتھ کر رکھا ہے جو اجر اور رہنے کے اعتبار سے بہترین مقام ہے متقین اس جنت میں جو چاہیں گے سو پائیں گے یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا ظاہر بات ہے کہ جنت ہی بہترین مقام اور رہنے کی جگہ ہے۔

جنت اور جہنم:

((وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَوَّلَ زُمْرَةٍ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ عَلٰى صُوْرَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ كَاَشَدِّ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِى السَّمَاءِ اِضَاءَةً قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ زَوْجَتَانِ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ يُرٰى مُخُّ سُوْقِهِنَّ مِنْ وَّرَاءِ الْعَظْمِ وَاللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ يُسَبِّحُوْنَ اللّٰهَ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا لَا يَسْقَمُوْنَ وَلَا يَبُوْلُوْنَ وَلَا يَتَغَوَّطُوْنَ وَلَا يَتْفُلُوْنَ وَلَا يَمْتَخِطُوْنَ اٰنِيَتُهُمُ الذَّهَبُ وَالْفِضَّةُ وَاَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ وَوُقُوْدُ مَجَامِرِهِمُ الْاَلُوَّةُ

وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ عَلٰى خَلْقِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ عَلٰى صُوْرَةِ اَبِيْهِمْ اٰدَمَ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فِي السَّمَاءِ))

[رواه البخاری: باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی (وَإِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلَائِکَةِ إِنِّی جَاعِلٌ فِی الْأَرْضِ خَلِیفَةً)]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔ پھر جوان کے بعد داخل ہونے والے، یہ آسمان پر بہت تیز چمکنے والے ستارے کی طرح ہوں گے۔ تمام جنتیوں کے دل ایک جیسے ہوں گے نہ ان کے درمیان اختلاف ہوگا اور نہ ہی ایک دوسرے سے بغض رکھیں گے۔ ان میں سے ہر شخص کے لیے حوروں میں سے دو بیویاں ہوں گی۔ جن کے حسن کی وجہ سے جن کی پنڈلیوں کا گودا ہڈی اور گوشت کے پیچھے دکھائی دے گا۔ اہل جنت صبح شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں گے نہ وہ بیمار ہوں گے اور نہ ہی پیشاب کریں گے، نہ رفع حاجت کریں گے اور نہ ہی تھوکیں گے اور نہ ہی ناک سے رطوبت بہائیں گے ان کے برتن سونے چاندی کے ہوں گے۔ ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی۔ ان کی انگیٹھیوں کا ایندھن عودِ ہندی ہوگا اور ان کا پسینہ کستوری کی طرح ہوگا۔ سب کا اخلاق ایک جیسا ہوگا نیز وہ سب شکل وصورت میں اپنے باپ آدم علیہ السلام کی طرح ہوں گے آدم کا قد ساٹھ ہاتھ لمبا تھا۔''

جہنم کی کیفیت:

((وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُؤْتٰى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لَهَا سَبْعُوْنَ أَلْفَ زِمَامٍ مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّوْنَهَا)) [رواه مسلم :باب فِی شِدَّةِ حَرِّ نَارِ جَهَنَّمَ وَبُعْدِ قَعْرِهَا وَمَا تَأْخُذُ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ]

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن دوزخ کو لایا جائے گا اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے، جو اسے کھینچ کر لائیں گے۔''

مسائل

۱۔ متقین کے رہنے کے لیے جنت بہترین مقام ہے۔ ۲۔ متقین جنت میں جو چاہیں گے پائیں گے۔

۳۔ متقین کے ساتھ جنت کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ ۴۔ جہنم ہر اعتبار سے اذیّت ناک اور بدترین جگہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

جنت اور جہنم میں فرق کی ایک جھلک:

۱۔ قیامت کے دن نیک لوگوں کے چہروں پر ذلت اور نحوست نہ ہوگی۔ وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ (یونس:۲۶)

۲۔ برے لوگوں کے چہروں پر ذلت چھائی ہوگی انہیں اللہ سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ (یونس:۲۷)

۳۔ مومنوں کے چہرے تروتازہ ہوں گے (القیامة:۲۲) ۴۔ کفار کے چہرے بگڑے ہوں ہوگے۔ (الحج:۷۲)

۵۔ مومنوں کے چہرے خوش وخرم ہوں گے (عبس:۳۸) ۶۔ کفار کے چہروں پر گردوغبار ہوگا۔ (عبس:۴۰)

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

اور دن وہ انھیں اکٹھا کرے گا اور جن وہ عبادت کرتے تھے سے سوائے

اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَ اَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ

اللہ تو وہ کہے گا کیا تم نے ہی گمراہ کیا تھا میرے بندوں کو ان

اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا

یا وہ گمراہ ہوئے تھے راہ؟ وہ کہیں گے تو پاک ہے نہیں

كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ

تھا لائق ہمارے یہ کہ ہم بنائیں سے سوائے

”یہ وہی دن ہوگا جب اللہ انہیں اوران کے معبودوں کو بھی بلائے گا۔جنہیں یہ اللہ کو چھوڑ کر پوجتے رہے ہیں۔ان سے پوچھے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا؟ یا یہ خود گمراہ ہو گئے تھے؟(۱۷) وہ عرض کریں گے آپ کی ذات پاک ہے ہم میں یہ قوت نہ تھی کہ آپ کے سوا کسی کو اپنا کارساز بنائیں۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنمیوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک سبب شرک ہے اس لیے مشرک کا انجام ذکر کیا جاتا ہے۔

شرک کرنے والا شخص حقیقی عقل کھو بیٹھتا ہے جس وجہ سے اسے اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ جس کو میں اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کے اختیارات میں شریک کر رہا ہوں اس کی اپنی حیثیت کیا ہے اس بے عقلی کی وجہ سے مشرک اللہ کے ان بندوں کو بھی رب کے اختیارات میں شریک سمجھتے ہیں جو زندگی بھر شرک کی مخالفت کرتے رہے۔ان میں سرفہرست انبیاء کرام علیہم السلام نیک علماء اور صلحاء لوگ شامل ہیں۔لیکن جب یہ لوگ دنیا سے کوچ کر گئے تو مشرکوں نے اپنے مفاد کی خاطر انہیں بھی اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا لیا۔ان کی قبروں پر عرس اور میلے لگائے،حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان کے سامنے سجدے کیے اور ان کے سامنے اپنی حاجات پیش کرتے رہے یہی کام اور باتیں عبادت کا خلاصہ ہیں۔عبادت کرنے والوں اور جن کی عبادت کی جاتی تھی انہیں قیامت کے دن اکٹھا کر کے اللہ تعالیٰ سوال کرے گا کہ کیا تم نے میرے بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود ہی راہ ہدایت سے بھٹک گئے تھے؟ انبیاء کرام علیہم السلام، نیک علماء اور صلحاء حضرات اپنے رب کے حضور میں عرض کریں گے کہ بارالٰہا آپ تو ہر قسم کے شرک سے مبرّا ہیں۔جہاں تک ہماری ذات کا معاملہ ہے ہمارے لیے یہ کیسے جائز تھا کہ ہم تیری عبادت کی طرف بلانے کے بجائے لوگوں کو اپنی یا دوسروں کی عبادت کرنے کا حکم دیتے۔آپ نے انہیں اور ان کے باپ دادا کو دنیا کی زندگی اور اس کی نعمتیں عطا

مِنْ	اَوْلِيَآءَ	وَلٰكِنْ	مَّتَّعْتَهُمْ	وَ	اٰبَآءَهُمْ
سے	کارساز	اور لیکن	تو نے فائدہ دیا انھیں	اور	ان کے باپ دادا کو بھی

حَتّٰى	نَسُوا	الذِّكْرَ ۚ	وَكَانُوْا	قَوْمًا	بُوْرًا ﴿۱۸﴾
یہاں تک کہ	وہ بھول گئے	ذکر	اور تھے	لوگ	ہلاک ہونے والے

البتہ آپ نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوب سامانِ زندگی دیا حتیٰ کہ یہ نصیحت بھول گئے اور ہلاک ہونے والوں میں ہوئے۔“(۱۸)

فرمائیں یہ لوگ شکر گزار بننے کی بجائے۔ تیری ذات اور احکام کو بھول گئے اور یہی لوگ ہلاک ہونے والے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال:

”جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم! اپنے آپ اور اپنی والدہ پر میری نعمت یاد کرو۔ جب میں نے روح پاک سے تیری مدد کی، تو گود میں اور ادھیڑ عمر میں لوگوں سے باتیں کرتا تھا۔ میں نے تجھے کتاب، حکمت، تورات اور انجیل سکھائی۔ تو میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی صورت بناتا تھا۔ پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے ایک اُڑنے والا پرندہ بن جاتا تھا۔ تو مادرزاد اندھے اور برص والے کو میرے حکم سے تندرست کرتا تھا اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے نکال کھڑا کرتا تھا۔“ [المائدہ:۱۱۱تا ۱۱۲]

”اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنالو؟ وہ کہے گا تو پاک ہے، میرے لیے جائز نہیں کہ وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں اگر میں نے کہا ہے یقیناً تو اسے جانتا ہے، تو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے نفس میں ہے۔ یقیناً تو ہی چھپی باتوں کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔“ [المائدہ: ۱۱۶]

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ مَّاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ وَقُلْتُ أَنَا مَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ)) [رواہ البخاری:کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الجنائز]

”حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا وہ جہنم میں جائے گا اور میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ بھی کہتا ہوں جس شخص نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا اور وہ اسی حال میں فوت ہوا۔ وہ جنت میں جائے گا۔“

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْكَبَائِرِ قَالَ الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ)) [رواہ البخاری :کتاب الشھادات ، باب ماقیل فی شھادۃ الزور]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا گیا کہ کبیرہ گناہ کون سے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ

تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، بے گناہ کو قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔“

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ﷛ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْمُوجِبَتَانِ مَنْ لَقِيَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئاً دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ لَقِيَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ مُشْرِكٌ دَخَلَ النَّارَ)) [رواه أحمد:مسند جابر بن عبدالله]

”حضرت جابر بن عبداللہ ﷛ نبی سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا دو چیزیں واجب کرنے والی ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کو اس حال میں ملا کہ اس نے اس کے ساتھ شرک نہ کیا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔اور جس نے شرک کیا ہوگا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔“

مسائل

۱۔ جن بزرگوں کی لوگ پوجا کرتے ہیں ان سے بھی اللہ تعالیٰ سوال کرے گا۔

۲۔ جو بزرگ اپنی زندگی میں شرک کی مذمت کرتے رہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نجات پائیں گے۔

۳۔ شرک کرنے والا ہدایت کے راستے سے گمراہ ہو جاتا ہے۔

۴۔ شرک کرنے والے قیامت کے دن ہلاکت میں مبتلا ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

شرک کے نقصانات:

۱۔ شرک بدترین گناہ ہے۔(النساء:۴۸)

۲۔ شرک ظلم عظیم ہے۔(لقمان:۱۳)

۳۔ شرک سے اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ (الزمر:۶۵)

۴۔ شرک کرنے سے آدمی ذلیل ہو جاتا ہے۔(الحج:۳۱)

۵۔مشرک پر جنت حرام ہے۔(المائدۃ:۷۲)

۶۔ شرک کے بارے میں انبیاء کو انتباہ۔(الانعام:۸۸)

۷۔ شرک سے انسان گمراہی میں مبتلا ہو کر رہ جاتا ہے۔(النساء:۱۱۶)

فَقَدْ	كَذَّبُوْكُمْ	بِمَا	تَقُوْلُوْنَ	فَمَا	تَسْتَطِيْعُوْنَ
تحقیق	انھوں نے تمھیں جھٹلادیا	جو	تم کہتے تھے	چنانچہ نہیں	تم استطاعت رکھتے
صَرْفًا	وَّلَا	نَصْرًا	وَمَنْ	يَّظْلِمْ	مِّنْكُمْ
ہٹانے	اور نہ	مدد کرنے کی	اور جو	وہ ظلم کرے گا	تم میں سے

نُذِقْهُ	عَذَابًا	كَبِيْرًا ⑲
ہم اسے چکھائیں گے	عذاب	بہت بڑا

''یوں جھٹلا دیں گے وہ تمہاری ان باتوں کو جو تم کہہ رہے ہو پھر تم نہ اپنے انجام کو بدل سکو گے نہ کہیں سے مدد پا سکو گے اور جو بھی تم میں سے ظلم کرے اسے ہم سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔'' (۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: انبیاء کرام علیہم السلام اور صلحاء کی عاجزانہ وضاحت کے بعد اللہ تعالیٰ کا اعلان۔

انبیاء کرام، نیک علماء اور صلحاء حضرات کی عاجزانہ اور معذرت خواہانہ وضاحت سننے کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ تمہاری معذرت قبول کی جاتی ہے کیونکہ تم لوگوں کو عقیدہ توحید بتلاتے اور سمجھاتے رہے لیکن انہوں نے تمہیں جھٹلا دیا لہٰذا تم میں اس بات کا کوئی اختیار نہیں رکھتا کہ تم ان کی کسی قسم کی مدد کر سکو یا ان سے عذاب ٹال سکو۔ اور نہ یہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہیں، کیونکہ میرا فیصلہ تھا اور ہے کہ تم میں جو بھی ظلم کرے گا میں اس کو زبردست عذاب میں مبتلا کروں گا لہٰذا آج شرک کرنے والوں کے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا۔ ظلم سے پہلی مراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ قَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ)) [رواہ البخاری: کتاب الایمان، باب ظلم دون ظلم]

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا إِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا ہم میں سے کون ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

﴿إِنَّهُ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾ [المائدہ:۷۲]

''بے شک جو شخص اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہراتا ہے اُس پر جنت حرام ہے۔ اُس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور ظالم

کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔“

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لِأَهْوَنِ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا لَوْ كَانَتْ لَكَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا أَكُنْتَ مُفْتَدِيًا بِهَا فَيَقُوْلُ نَعَمْ فَيَقُوْلُ قَدْ أَرَدْتُ مِنْكَ أَهْوَنَ مِنْ هٰذَا وَأَنْتَ فِيْ صُلْبِ اٰدَمَ أَنْ لَا تُشْرِكَ أَحْسَبُهُ قَالَ وَلَا أُدْخِلَكَ النَّارَ فَأَبَيْتَ إِلَّا الشِّرْكَ))[رواہ مسلم: باب طَلَبِ الْكَافِرِ الْفِدَاءَ بِمِلْءِ الْأَرْضِ ذَهَبًا]

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ جہنمیوں میں سے کم ترین عذاب والے سے کہے گا۔ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اگر تیرے لیے ہو۔ کیا تو اسے فدیہ کے طور پر دے گا وہ کہے گا جی ہاں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تجھ سے اس سے بھی ہلکی بات کا مطالبہ کیا تھا جب تو آدم کی پشت میں تھا کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا راوی کا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں تجھے جہنم میں داخل نہ کرتا لیکن تو شرک کرنے سے باز نہ آیا۔“

مسائل

۱۔ شرک کرنے والا ظالم ہوتا ہے۔

۲۔ ظالم کی قیامت کے دن کوئی بھی مدد نہیں کر سکے گا۔

۳۔ ظالم کو زبردست عذاب دیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

شرک پرلے درجے کا ظلم ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں میں اسی بات کا حکم دیا گیا ہوں نبی اکرم ﷺ کا اعلان۔(الانعام:۱۶۴)

۲۔ جو اللہ کی ملاقات چاہتا ہے وہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔(الکہف:۱۱۰)

۳۔ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا اس کے علاوہ جو چاہے گا معاف فرمادے گا۔((النساء:۴۸تا۱۱۶)

۴۔ جو بھی اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔(المائدۃ:۷۲)

۵۔ حضرت لقمان کی نصیحت کہ اے بیٹے شرک نہ کر شرک بہت بڑا ظلم ہے۔(لقمان:۱۳)

۶۔ اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔(النساء:۳۶)

وَمَآ	اَرْسَلْنَا	قَبْلَكَ	مِنَ	الْمُرْسَلِيْنَ	اِلَّآ
اور نہیں	ہم نے بھیجے	آپ سے پہلے	سے	رسول	مگر
اِنَّهُمْ	لَيَاْكُلُوْنَ	الطَّعَامَ	وَ	يَمْشُوْنَ	فِي
بلاشبہ وہ	البتہ کھاتے تھے	کھانا	اور	وہ چلتے تھے	میں
الْاَسْوَاقِ ؕ	وَجَعَلْنَا	بَعْضَكُمْ	لِبَعْضٍ	فِتْنَةً ؕ	
بازار	اور ہم نے بنایا	بعض میں سے	دوسرے کے لیے	آزمائش	
اَتَصْبِرُوْنَ ۚ	وَكَانَ	رَبُّكَ	بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع		
کیاتم صبر کرتے ہو	اور ہے	آپ کا رب	خوب دیکھنے والا		

ع ۲ ۱۱ ۱۷

”اے نبی تم سے پہلے جو رسول ہم نے بھیجے وہ سب کھانا کھانے والے اور بازاروں میں چلنے پھرنے والے تھے دراصل ہم نے تم لوگوں کو ایک دوسرے کے لیے آزمائش کا سبب بنایا ہے۔کیا تم صبر کرتے ہو؟ تمہارا رب سب کچھ دیکھتا ہے۔“ (۲۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سورۃ الفرقان کا آغاز رسول اکرم ﷺ کی رسالت اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل سے ہوا اب اس کا اختتام بھی توحید و رسالت پر کیا گیا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کا انکار کرنے والے لوگ اس بات کو بنیاد بنایا کرتے تھے کہ ہم رسول کی رسالت کا اس لیے انکار کرتے ہیں کہ یہ ہمارے جیسا کھانے، پینے اور کوچہ و بازار میں چلنے پھرنے والا انسان ہے۔نبوت عظیم ترین منصب ہے اس منصب پر کوئی مافوق الفطرت ہستی فائز ہونا چاہیے تھی۔اس اعتراض کی تائید میں کفار کبھی ملائکہ کا نام پیش کرتے اور کبھی اپنے میں سے کسی وڈیرے اور جاگیردار کا نام لیتے تھے۔دونوں باتوں کا قرآن مجید نے کئی مقامات پر مدلّل جواب دیا ہے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھی جس بناء پر صرف یہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے تم کو ایک دوسرے کے لیے آزمائش کا سبب بنایا ہے تاکہ تم حوصلہ سے کام لو اور آپ کا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے۔انبیاء اور نیک لوگوں کی آزمائش کے لیے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہم نے جنوں اور انسانوں سے شیطانوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا جو ایک دوسرے کو بری باتیں سکھلاتے ہیں (سورۃ الانعام: آیت ۱۱۲)

مقصد یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی سازشوں اور شرارتوں کے مقابلہ میں انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے متبعین صبر و شکر کا مظاہرہ

کریں تاکہ لوگوں پر حق و باطل کا معاملہ واضح ہو جائے۔ آیت کے آخر میں یہ فرما کر رسول کریم ﷺ اور آپ کے متبعین کو تسلی دی ہے کہ یہ خیال ہرگز نہ کرنا کہ حق کے مخالف جو کچھ آپ کے ساتھ کرتے ہیں وہ آپ کے رب کی نگاہ سے اوجھل ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ آپ کا رب ہر کام پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ (ابراہیم: ۴۲)

مشرکین کا عجب معاملہ ہے کہ پہلے دور کے مشرک انبیاء کرام پر اس لیے ایمان نہیں لاتے تھے کہ یہ انسان ہیں۔ موجودہ دور کے مشرک کہتے ہیں کہ نبی بشر نہیں ہو سکتا، نبی کو بشر کہنا اس کی شان میں گستاخی ہے۔

مسائل

۱۔ تمام انبیاء و رسل بشر تھے۔

۲۔ اللہ نے بعض انسانوں کو بعض کی آزمائش کا سبب بنایا ہے۔

۳۔ دین کی دعوت دینے والوں کو مصائب پر صبر کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

تمام انبیاء کرام بشر تھے:

۱۔ انبیاء نے فرمایا کہ ہم تمہاری طرح کے بشر ہیں لیکن اللہ جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے۔ (ابراہیم: ۱۱)

۲۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے کہا نہیں ہے یہ مگر تمہارے جیسا بشر اور یہ تم پر فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ (المومنون: ۲۴)

۳۔ نہیں ہے تو مگر ہمارے جیسا بشر کوئی نشانی لے کر آ اگر تو سچا ہے۔ (الشعراء: ۱۵۴)

۴۔ نہیں ہے یہ مگر تمہارے جیسا بشر جیسا تم کھاتے ہو، ویسا وہ کھاتا ہے۔ (المومنون: ۳۳)

۵۔ ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی نبی بھیجے وہ بشر تھے۔ (النحل: ۴۳)

٦۔ آپ ﷺ اعلان فرمائیں کہ میں تمہارے جیسا انسان ہوں۔ (الکہف: ۱۱۰)

۷۔ نبی آخر الزماں ﷺ کا اعتراف کہ میں تمہاری طرح کا بشر ہوں۔ (الکہف: ۱۱۰، حٰم السجدۃ: ٦)

۸۔ ہم نے آدمیوں کی طرف وحی کی۔ (یوسف: ۱۰۹)

۹۔ شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا کہ تو ہماری طرح بشر ہے اور ہم تجھے جھوٹا تصور کرتے ہیں۔ (الشعراء: ۱۸٦)

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا

اوراس نے کہا وہ نہیں وہ اُمید رکھتے ہماری ملاقات کی کیوں نہیں نازل کی گئی ہم پر

الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِىْٓ

فرشتے یا ہم دیکھتے اپنا رب تحقیق انھوں نے تکبر کیا میں

اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا

اپنے دل اورانھوں نے سرکشی کی سرکشی بہت بڑی دن وہ دیکھیں گے ملائکہ نہیں

بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾

خوشخبری دن مجرموں کے لیے اوروہ کہیں گے پناہ مانگتے پناہ مانگنا

”جولوگ ہمارے حضور پیش ہونے کی امید نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کیوں نہ فرشتے ہمارے سامنے نازل کیے گئے یا پھر ہم اپنے رب کواپنے سامنے دیکھیں۔حقیقت یہ ہے کہ لوگ اپنے آپ میں مغرور ہیں اور سرکشی میں حد سے گزر چکے ہیں۔(۲۱) جس دن فرشتوں کودیکھیں گے تووہ مجرموں کے لیے کسی خوشی کا دن نہیں ہوگا۔چیخ اٹھیں گے کہ خدا کی پناہ۔“(۲۲)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار کی ایک اور ہرزہ سرائی۔

سرورِدوعالم ﷺ کی پرخلوص اور بے مثال جدوجہد کے مقابلہ میں کفار اس حد تک لاجواب اور بوکھلاہٹ کا شکار ہوئے کہ وہ ہر روز نئے سے نیا مطالبہ کرتے۔ اس حواس باختگی میں انھیں یہ بھی خبر نہ رہی کہ ہم کس قدر متضاد اور بے مقصد اعتراضات اور سوال کرتے ہیں۔حواس باختگی کے عالم میں انھوں نے یہ بھی سوال کرڈالا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اس کے پاس فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ہمارے پاس کیوں نہیں آتے۔ہم اس پر ایمان تب لائیں گے کہ جب ہم پر براہِ راست فرشتے نازل ہوں یا پھراپنی آنکھوں کے سامنے اپنے رب کودیکھ لیں۔اس کے سوا ہم اس نبی پر ایمان لانے کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ کفار کی حواسِ باختگی کا یہاں صرف یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس قسم کے مطالبات کرنا صرف اس لیے ہے کہ ان کے دلوں میں فخر وغرور بھر چکا ہے۔جس وجہ سے یہ کسی دلیل کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔اس بنا پر بغاوت اور سرکشی میں آگے ہی بڑھتے جارہے ہیں اور فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کرتے ہیں۔جس دن فرشتے ان کے سامنے آکھڑے ہوں گے تو وہ دن خوشی کی بجائے ان کے لیے پریشانی اور تباہی کا دن ہوگا۔انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جس قوم پر فرشتے نازل کیے گئے اُسے نیست ونابود کردیا گیا، جس طرح قومِ لوط اور دیگر اقوام کا حال ان کے سامنے ہے۔ایسے لوگوں کے پاس موت کے وقت فرشتے آتے ہیں تو وہ انہیں جنت کی بجائے جہنم کی خبر دیتے ہیں۔جہنم کی خبر سُنتے ہی مجرم کہتے ہیں کہ کاش ہم اس سے بچ جائیں۔اس کا یہ بھی مفہوم لیا گیا

ہے کہ فرشتوں کو دیکھ کر کفار کہیں گے کاش! ہمیں تم سے پناہ مل جائے۔ یاد رہے کہ ہر مجرم ملائکہ کو تین بار ضرور دیکھے گا (موت کے وقت، قبر میں، محشر کے میدان میں) اور ہر بار ظالموں کے لیے ان کا دیکھنا پہلے سے زیادہ اذیت ناک ہوگا۔

((عَائِشَةَ ؓ أَنَّ يَهُودِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا ، فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ ، فَقَالَتْ لَهَا أَعَاذَكِ اللَّهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَقَالَ نَعَمْ عَذَابُ الْقَبْرِ قَالَتْ عَائِشَةُ ؓ فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعْدُ صَلَّى صَلَاةً إِلَّا تَعَوَّذَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ زَادَ غُنْدَرٌ عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ))

[رواہ البخاری: باب مَا جَاءَ فِی عَذَابِ الْقَبْرِ]

”سیدہ عائشہ ؓ کے پاس ایک یہودی عورت آئی وہ قبر کے عذاب کا تذکرہ کرتے ہوئے کہنے لگی تجھے اللہ عذابِ کے قبر سے محفوظ فرمائے۔ سیدہ عائشہ ؓ نے آپ ﷺ سے عذابِ قبر کے متعلق پوچھا آپ ﷺ نے فرمایا ہاں عذابِ قبر برحق ہے سیدہ عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے رسول اللہ ﷺ کو کوئی ایسی نماز پڑھتے نہیں دیکھا جس میں آپ نے عذابِ قبر سے پناہ نہ مانگی ہو۔ (غندر کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ عذابِ قبر برحق ہے۔“

((عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْثَالَ الذَّرِّ فِي صُوَرِ الرِّجَالِ يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَيُسَاقُوْنَ إِلٰى سِجْنٍ فِي جَهَنَّمَ يُسَمّٰى بُوْلَسَ تَعْلُوْهُمْ نَارُ الْأَنْيَارِ يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ أَهْلِ النَّارِ طِيْنَةَ الْخَبَالِ)) [رواہ الترمذی: کتاب صفة القیامة والرقائق والورع، باب منه]

”حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے باپ ؓ سے وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن متکبر لوگ چیونٹیوں کی صورت میں لائے جائیں گے انہیں ہر طرف سے ذلت ڈھانپے ہوئے ہوگی۔ انہیں بولس نامی جہنم کی جیل میں لے جایا جائے گا۔ ان پر آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہوں گے اور انہیں جہنمیوں کی زخموں کی پیپ پلائی جائے گی۔“

مسائل

۱۔ حق کے منکر فخر و غرور کی وجہ سے حق کا انکار کرتے ہیں۔ ۲۔ متکبر شخص پرلے درجے کا نافرمان ہوتا ہے۔

۳۔ مجرم لوگ ملائکہ کو دیکھ کر آہ و زاری کریں گے۔

تفسیر بالقرآن

ملائکہ کے نزول کا مطالبہ:

۱۔ کفار نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے ہیں۔ (الحجر: ۷)

۲۔ کفار اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا اللہ تعالیٰ ان کے پاس آئے۔ (الانعام: ۱۵۸)

وَقَدِمْنَآ	اِلٰى مَا	عَمِلُوْا	مِنْ	عَمَلٍ	فَجَعَلْنٰهُ	هَبَآءً
اور ہم قصد کریں گے	طرف جو	انھوں نے کیے	سے	عمل	پھر ہم ان کو بنا دیں گے	اُڑائے ہوئے
مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾	اَصْحٰبُ	الْجَنَّةِ	يَوْمَئِذٍ	خَيْرٌ	مُّسْتَقَرًّا	
ذرات	لوگ	جنتی	اس دن	بہتر	باعتبار رہنے کے	
وَّاَحْسَنُ	مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾					
اور بہت اچھے	باعتبار قیام گاہ کے					

''اور جو کچھ بھی ان کا کیا دھرا ہے اسے ہم ذرّات کی طرح اڑا دیں گے۔(۲۳) جو لوگ جنت کے مستحق ہیں اس دن بہترین جگہ میں ٹھہریں گے اور دوپہر گزارنے کو بہترین مقام پائیں گے۔''(۲۴)

فہم القرآن

ربط کلام: حق کا انکار کرنے والوں کے مقابلہ میں حق قبول کرنے والوں کا مرتبہ و مقام۔

جن لوگوں نے رب کی ذات اس کے رسول کی رسالت کا انکار کیا۔ بے شک دنیا میں وہ کتنے ہی اچھے عمل کرتے رہے۔ موت کے بعد ان کے اعمال ریت کے اُڑتے ہوئے ذرّات کی طرح ہو جائیں گے۔ یعنی وزن اور قدر کے اعتبار سے ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی کیونکہ ان کے اعمال کے پیچھے عقیدہ توحید کا اقرار نبی آخر الزّمان کی رسالت پر ایمان اور قیامت کے حساب و کتاب پر یقین نہیں ہوگا۔ اس لیے ان کے اعمال اُڑتے ہوئے ریت کے ذرّات کی مانند ہوں گے۔ نیک عمل کی قبولیت کے لیے تین بنیادی شرائط ہیں۔ ان میں کوئی ایک شرط مفقود ہو۔ تو انسان کے بڑے سے بڑے عمل کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ اس کے مقابلہ میں جن لوگوں نے اپنے اعمال کو ان شرائط کے مطابق کیا ان کے اعمال کی نہ صرف قدر و قیمت ہوگی بلکہ رب کریم اپنے کرم سے ان کے اعمال میں برکات فرما کر انھیں بہترین مقام بالخصوص حشر کی کڑکڑاتی دھوپ میں سکون سے ہمکنار فرمائے گا۔ مَقِيْلًا یا قَيْلُوْلَةٌ دوپہر کو آرام کرنے کی جگہ۔ قیامت کا دن طوالت کے اعتبار سے پچاس ہزار سال کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے عرش کے نیچے جگہ عنایت فرمائے گا اور پینے کے لیے حوض کوثر کا پانی دے گا۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ابْنُ جُدْعَانَ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَصِلُ الرَّحِمَ وَيُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ فَهَلْ ذَاكَ نَافِعُهُ قَالَ لَا يَنْفَعُهُ إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيْئَتِي يَوْمَ الدِّيْنِ))

[رواہ مسلم:باب لدلیل علی ان من مات علی الکفر لاینفعہ عمل]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن جدعان جاہلیت میں صلہ رحمی کیا کرتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا کیا اُس کے اعمال اُسے نفع دیں گے آپ نے فرمایا نہیں اس لیے کہ اُس

نے کبھی یہ بات نہیں کہی تھی کہ اے اللہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف کر دینا۔‘‘

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم سَبْعَۃٌ یُظِلُّھُمُ اللّٰہُ فِیْ ظِلِّہٖ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّہٗ اِمَامٌ عَادِلٌ وَّشَابٌّ نَشَأَ فِیْ عِبَادَۃِ اللّٰہِ وَرَجُلٌ قَلْبُہٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْہُ حَتّٰی یَعُوْدَ اِلَیْہِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰہِ اجْتَمَعَا عَلَیْہِ وَتَفَرَّقَا عَلَیْہِ وَرَجُلٌ ذَکَرَاللّٰہَ خَالِیًا فَفَاضَتْ عَیْنَاہُ وَرَجُلٌ دَعَتْہُ امْرَاَۃٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَّجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَۃٍ فَاَخْفَاھَا حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُہٗ مَا تُنْفِقُ یَمِیْنُہٗ)) [رواہ البخاری:باب من جلس فی المسجد]

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذکر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سات آدمیوں کو اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے جس دن کوئی چیز سایہ فگن نہ ہوگی۔(١) عدل کرنے والا حکمران (٢) اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ذوق وشوق رکھنے والا جوان (٣) وہ شخص جس کا دل مسجد کے ساتھ منسلک رہے جب وہ مسجد سے باہر جاتا ہے تو واپس مسجد میں آنے کے لیے فکرمند رہتا ہے (٤) دو آدمی جو باہم اللہ کے لیے محبت رکھتے ہیں اور اسی بنیاد پر ہی ایک دوسرے سے میل جول رکھتے اور الگ ہوتے ہیں (٥) جس آدمی نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے (٦) ایسا شخص جس کو ایک خاندانی حسین وجمیل عورت نے گناہ کی دعوت دی مگر اس نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو بچائے رکھا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور (٧) جس نے صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو پائی کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

مسائل

١۔ کفار اور مشرکین کے اعمال ریت کے اُڑتے ہوئے ذرّات کی طرح ہوں گے۔
٢۔ کفار اور مشرکین کے مقابلہ میں عباد الرحمٰن کو جنت میں داخلہ اور دوپہر کا آرام نصیب ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

وزن کے اعتبار سے کفار، مشرکین اور مومنین کے اعمال میں فرق:

١۔ متقین کے نیک اعمال والا پلڑا بھاری ہوگا۔(المومنون:١٠٢)
٢۔ خسارہ پانے والے لوگوں کا برائیوں والا پلڑا بھاری ہوگا۔(المومنون:١٠٣)
٣۔ کفار کے اعمال مٹی کے اڑتے ہوئے ذرّات کی طرح ہونگے۔(الفرقان:٢٣)
٤۔ آخرت کے منکرین کے اعمال کا وزن تک نہیں کیا جائے گا۔(الکہف:١٠٥)

وَيَوْمَ	تَشَقَّقُ	السَّمَآءُ	بِالْغَمَامِ	وَنُزِّلَ	الْمَلٰٓئِكَةُ
اور جس دن	پھٹ جائے گا	آسمان	بادلوں کے ساتھ	اور نازل کیے جائیں گے	فرشتے

تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾	اَلْمُلْكُ	يَوْمَئِذِ	الْحَقُّ	لِلرَّحْمٰنِ	وَكَانَ	يَوْمًا
نازل کیا جانا	بادشاہی	دن	حقیقی	رحمٰن ہی کے لیے	اور ہوگا	دن

عَلَى	الْكٰفِرِيْنَ	عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾
پر	کافر	بہت سخت

''اس دن آسمان کو چیرتا ہوا ایک بادل ظاہر ہوگا اور فرشتے گروہ درگروہ اتار دیے جائیں گے۔(۲۵) اس دن حقیقی بادشاہی صرف الرحمان کی ہوگی وہ دن منکرین کے لیے بڑا سخت ہوگا۔''(۲۶)

فہم القرآن

ربط کلام: جس دن کفار کے عمل ریت کی طرح اُڑ رہے ہوں گے اور ان کے مقابلے میں نیک لوگوں کو بہترین قیام اور آرام دیا جائے گا۔اس دن کی ابتداء اس طرح ہوگی۔

قیامت کے دن زمین و آسمانوں کو بدل دیا جائے گا اور ان کی جگہ نئی زمین اور نیا آسمان معرض وجود میں لایا جائے گا۔ (ابراہیم: ۴۸) محشر کے میدان میں رب کبریا کی عدالت قائم ہوگی تو اس سے پہلے آسمانوں سے گروہ درگروہ ملائکہ اُتارے جائیں گے۔ جو رب ذوالجلال کے جلوہ گر ہونے سے پہلے اس کی عدالت میں قطار اندر قطار کھڑے ہوں گے۔

تمام جن وانس رب ذوالجلال کے جلوہ افروز ہونے کے منتظر ہوں گے۔ اچانک آسمان پھٹ جائے گا اور ملائکہ کا نزول شروع ہوگا ہر فرشتہ حکمِ الٰہی کے مطابق اپنی اپنی ڈیوٹی پر کھڑا ہو جائے گا۔ باقی ملائکہ قطار اندر قطار دست بستہ حاضر ہونگے۔ اسی دوران آٹھ (8) فرشتے رب ذوالجلال کا عرش اُٹھائے ہوئے نمودار ہوں گے۔(الحاقۃ: ۱۷) جونہی خالق کائنات جلوہ نما ہوں گے تو زمین بقعہ نور بن جائے گی۔ اس طرح عدالت کبریٰ کی کارروائی کا آغاز ہوگا۔ اس دن کی ہولناکیاں اور رب ذوالجلال کی جلالت وہیبت دیکھ کر انبیاء کرام علیہم السلام بھی نَفْسِیْ ،نَفْسِیْ کی درخواست کررہے ہوں گے۔ اس وقت اعلان ہوگا کہ آج صرف رب رحمٰن کی بادشاہی ہے یہ دن کفار کے لیے نہایت ہی سخت ہوگا۔ لیکن یہاں یہ نہیں فرمایا کہ قیامت کے دن ''اللہ کی'' بادشاہی ہوگی اور ''اللہ'' اس دن کا مالک ہوگا۔ ''اللہ'' کی بجائے الرحمٰن کا اسم استعمال فرمایا، تاکہ معلوم ہو کہ الرحمٰن کی طرف سے کفار پر بھی کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ یاد رہے کہ اسم ''اللہ'' میں جلال ہے اور اسمِ الرحمٰن میں رحمت اور شفقت پائی جاتی ہے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقْبِضُ اللّٰهُ الْاَرْضَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَیَطْوِی السَّمَاءَ بِیَمِیْنِهٖ ثُمَّ یَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَیْنَ مُلُوْكُ الْاَرْضِ)) [رواہ البخاری، باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی (مَلِكِ النَّاسِ)]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو اپنے قبضہ میں لے گا اور آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر فرمائے گا میں ہی بادشاہ ہوں۔ کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ أُتِیَ النَّبِیُّ ﷺ یَوْمًا بِلَحْمٍ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ یَجْمَعُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ الْأَوَّلِینَ وَالآخِرِینَ فِی صَعِیدٍ وَاحِدٍ ، فَیُسْمِعُهُمُ الدَّاعِی ، وَیُنْفِذُهُمُ الْبَصَرُ ، وَتَدْنُو الشَّمْسُ مِنْهُمْ فَذَكَرَ حَدِیثَ الشَّفَاعَةِ فَیَأْتُونَ إِبْرَاهِیمَ فَیَقُولُونَ أَنْتَ نَبِیُّ اللَّهِ وَخَلِیلُهُ مِنَ الأَرْضِ ، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ فَیَقُولُ فَذَكَرَ كَذَبَاتِهِ نَفْسِی نَفْسِی اذْهَبُوا إِلَى مُوسَى)) [رواه البخاری: باب النَّسَلَانُ فِی الْمَشْیِ]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آپ کے پاس ایک دن گوشت لایا گیا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پہلوں پچھلوں کو ایک جگہ جمع فرمائے گا ہر آدمی پکارنے والے کی آواز کو سنے گا اور اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔ سورج قریب تر ہوگا۔ اُس کے بعد آپ نے شفاعت والی حدیث کا تذکرہ کیا کہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے۔ آپ اللہ کے نبی ہیں اور زمین میں اُس کے خلیل ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کیجیے، وہ اپنے کذب کا عذر پیش کرتے ہوئے کہیں گے (نَفْسِی نَفْسِی) اے اللہ میرے نفس کو بچالے، میرے نفس کو بچالے تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔‘‘

مسائل

۱۔ قیامت کے دن صرف رب رحمٰن کی بادشاہی ہوگی۔ ۲۔ قیامت کا دن کفار کے لیے بہت بھاری ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کا دن بہت بھاری ہوگا:

۱۔ قیامت زمین وآسمانوں پر بھاری ہوگی۔ (الاعراف:۱۸۷)

۲۔ جب زمین کو ہلا دیا جائے گا پوری طرح ہلا دینا۔ (الزلزال:۱)

۳۔ جب واقعہ ہوگی واقعہ ہونے والی۔ (الواقعۃ:۱)

۴۔ لوگو! اپنے رب سے ڈر جاؤ قیامت کا زلزلہ بہت سخت ہے۔ (الحج:۱)

۵۔ قیامت کے دن لوگ اڑتے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے۔ (القارعۃ:۴)

۶۔ قیامت کے دن پہاڑ اُون کی طرح ہوں گے۔ (القارعۃ:۵)

۷۔ قیامت کا دن انتہائی خوف ناک ہوگا۔ (ھود:۲۶)

۸۔ زمین کو ہلا کر تہہ وبالا کر دیا جائے گا۔ (واقعۃ:۳،۴)

۹۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اُڑتی گرد کی طرح ہو جائیں گے۔ (الواقعۃ:۵،۶)

وَيَوْمَ	يَعَضُّ	الظَّالِمُ	عَلٰى	يَدَيْهِ	يَقُولُ	يٰلَيْتَنِي
اور دن	کاٹے گا	ظالم	پر	اپنے ہاتھ	وہ کہے گا	اے کاش!
اتَّخَذْتُ	مَعَ	الرَّسُولِ	سَبِيلًا ﴿۲۷﴾	يٰوَيْلَتٰى	لَيْتَنِي	لَمْ
میں پکڑتا	ساتھ	رسول کے	راستہ	ہائے میری کم بختی!	کاش میں	نہ
اَتَّخِذْ	فُلَانًا	خَلِيلًا ﴿۲۸﴾	لَقَدْ	اَضَلَّنِي	عَنِ	الذِّكْرِ
پکڑتا	فلاں	دوست	البتہ تحقیق	اس نے مجھے گمراہ کیا	سے	ذکر
بَعْدَ اِذْ	جَآءَنِي ط	وَكَانَ	الشَّيْطٰنُ	لِلْاِنْسَانِ	خَذُولًا ﴿۲۹﴾	
اس کے بعد کہ	وہ آیا میرے پاس	اور ہے	شیطان	انسان کے لیے	چھوڑ دینے والا	

''ظالم انسان اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا کاش میں نے رسول کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔ (۲۷) ہائے میری کم بختی۔ کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ (۲۸) اس کے بہکاوے میں آکر میں نے وہ نصیحت نہ مانی جو میرے پاس آئی تھی شیطان انسان کا بڑا ہی بے وفا ہے۔'' (۲۹)

فہم القرآن

ربط کلام: قیامت کے دن کی ہولناکیاں دیکھ کر ظالموں کا اپنے آپ پر اظہارِ افسوس۔

قیامت کا دن ظالموں کے لیے اس قدر بھاری ہوگا کہ جس سے ظالم حواس باختہ ہو جائیں گے دیکھنے والا انھیں یوں محسوس کرے گا جیسے یہ کسی نشہ کی وجہ سے مدہوش ہو چکے ہیں حالانکہ وہ کسی نشہ کی وجہ سے مدہوش نہیں ہوں گے۔ لوگ اللہ کے عذاب کی وجہ سے حواس باختہ ہوں گے۔ (الحج:۱)

ظالم اس قدر دہشت زدہ ہوں گے کہ وہ اپنے ہاتھوں کو کاٹتے ہوئے واویلا کریں گے اور اپنے آپ پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہیں گے ہائے افسوس ہم اِدھر اُدھر کے راستے اختیار کرنے کی بجائے رسول کا راستہ اختیار کرتے۔ ہائے افسوس ہم نے رسول کو چھوڑ کر فلاں فلاں کو اپنا دوست اور خیر خواہ نہ سمجھا ہوتا۔ جس نے ہمیں قرآن مجید کی نصیحت سے دور رکھا اور گمراہ کیا یہ سب کچھ شیطان نے ہم سے کروایا۔ شیطان انسان کو بھرپور امید دلانے کے بعد دھوکہ دینے والا ہے۔ ظالموں کے اس اقرار کا انہیں کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ اسی حالت میں ان کے سامنے گواہ لائے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ہر امت کا رسول اس کے سامنے لایا جائے گا اور رسول محترم ﷺ اپنے رب کے حضور شکایت کریں گے کہ اے میرے رب میری قوم نے قرآن مجید کو چھوڑ دیا تھا۔ قرآن مجید کو چھوڑ دینے کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ سرے سے قرآن مجید کا انکار کر دیا جائے یا پھر قرآن مجید پر ایمان لانے کے باوجود اس پر عمل نہ کیا جائے۔

هٰذَا	اتَّخَذُوْا	قَوْمِي	اِنَّ	يٰرَبِّ	الرَّسُوْلُ	وَقَالَ
اس	بنالیا تھا	میری قوم	بے شک	اے میرے رب!	رسول	اور اس نے کہا

مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾	الْقُرْاٰنَ
چھوڑا ہوا	قرآن

''اور رسول کہے گا کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔'' (٣٠)

شیطان کی بے وفائی کا اظہار:

''اپنے آپ کو ملامت کرو، نہ میں تمہاری فریاد رسی کرنے والا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کرنے والے ہو، یقیناً میں اس کا انکار کرتا ہوں جو تم نے مجھے شریک بنایا۔ بے شک جو لوگ ظالم ہیں اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' [ابراہیم:٢٢]

((عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ))[رواہ مسلم: کتاب الصلوٰۃ ، باب فضل من یقوم بالقراٰن]

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کتاب کے ذریعہ اللہ بہت سی قوموں کو بامِ عروج پر پہنچائے گا اور بہت سی قوموں کو قعرِ مذلّت میں گرادے گا۔''

مسائل

١۔ قیامت کے دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹتے ہوئے کہے گا کہ کاش میں رسول کا راستہ اختیار کرتا۔

٢۔ رسول اکرم ﷺ رب کی بارگاہ میں شکایت کریں گے کہ میری قوم نے قرآن مجید کو چھوڑ دیا تھا۔

٣۔ شیطان انسان کو دھوکہ دینے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کو چھوڑ دینے کے نقصانات:

١۔ قرآن سے اعراض کرنے والے ظالم اور گمراہ ہیں۔ (الکہف:٥٧)

٢۔ ظالموں کو اعراض اور گناہوں کا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔ (طٰہٰ:١٠٠،١٠١) ٣۔ قرآن کا انکار برے لوگ ہی کرتے ہیں۔ (البقرۃ:٩٩)

٤۔ قرآن سے اعراض کرنے والے قیامت کے دن اندھے ہوں گے۔ (طٰہٰ:١٢٤،١٢٥)

٥۔ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اپنے رب کی نصیحت آموز باتوں سے منہ پھیرتا ہے۔ ایسے مجرموں سے ہم انتقام لیں گے۔ (السجدۃ:٢٢)

٦۔ انہیں دنیا اور آخرت میں دوہرا عذاب ہوگا۔ (بنی اسرائیل:٧٥)

وَكَذٰلِكَ	جَعَلْنَا	لِكُلِّ	نَبِيٍّ	عَدُوًّا	مِّنَ	الْمُجْرِمِيْنَ
اور اسی طرح	ہم نے بنائے	ہر ایک کے لیے	نبی	دشمن	سے	مجرموں

وَكَفٰى	بِرَبِّكَ	هَادِيًا	وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾
اور کافی	آپ کا رب	ہدایت دینے والا	اور مدد کرنے والا

''اے نبی ہم نے اسی طرح مجرموں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے۔ آپ کے لیے آپ کا رب رہنمائی اور مدد کے لیے کافی ہے۔'' (۳۱)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآن مجید کو چھوڑنے کا بنیادی سبب

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ پر قرآن اس لیے نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں کو قرآن کی طرف بلائیں۔ لوگ اس کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں اور دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جائیں۔ لیکن نبی کے دشمن اس بات کو گوارہ نہیں کرتے کہ لوگ آپ پر ایمان لائیں۔ یہاں رسول اکرم ﷺ کو یہ کہہ کر تسلی دی گئی ہے کہ اے رسول پریشان ہونے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجرموں میں سے بڑے مجرموں کو ہر نبی کا مخالف بنایا تھا۔ تاکہ حق و باطل کی کشمکش میں نبی اور اس کی امت کا امتحان لیا جائے۔ اسی اصول کے تحت یہ مجرم لوگ آپ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ آپ کو ان کی مخالفت کی پرواہ کیے بغیر اپنا کام جاری رکھنا چاہیے۔ مجرم آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کیونکہ آپ کا رب ہر اعتبار سے آپ کے لیے کافی ہے۔ وہی راہنمائی اور مدد کرنے والا ہے۔

مسائل

۱۔ مجرم لوگ ہر دور میں انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دینے اور مدد کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی مدد فرمانے والا ہے:

۱۔ غار ثور میں نبی ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مدد فرمائی۔ (التوبۃ: ۴۰) ۲۔ بدر میں اللہ تعالیٰ نے کمزوروں کی مدد فرمائی۔ (آل عمران: ۱۲۳)
۳۔ ابرہہ کے مقابلے میں بیت اللہ کا تحفظ فرمایا۔ (الفیل: بکمل) ۴۔ غزوہ خندق میں اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی۔ (الاحزاب: ۹)
۵۔ بنی اسرائیل کے کمزوروں کی مدد فرمائی۔ (القصص: ۵) ۶۔ حنین کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی۔ (التوبہ: ۲۵)
۷۔ اللہ کی طرف سے ہی مدد حاصل ہوتی ہے۔ (آل عمران: ۱۲۶) ۸۔ فتح مکہ کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی۔ (النصر: ۱)
۹۔ اللہ اپنی مدد کے ساتھ جس کی چاہتا ہے نصرت فرماتا ہے۔ (الروم: ۵)
۱۰۔ اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہی بہتر مدد کرنے والا ہے۔ (آل عمران: ۱۵۰)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً

اور اس نے کہا — وہ لوگ — انہوں نے کفر کیا — کیوں نہیں — اتارا گیا — اس پر — قرآن — اکٹھا

وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ

ایک بار — اسی طرح — تا کہ ہم مضبوط کردیں — اس کے ساتھ — آپ کا دل — اور ہم نے پڑھا اسے

تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ

تھوڑا تھوڑا — اور نہیں — وہ لاتے آپ کے پاس کوئی مثال — مگر — ہم لاتے ہیں — حق کے ساتھ

وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾

اور بہترین — تفسیر

”منکرین کہتے ہیں اس شخص پر پورے کا پورا قرآن ایک بار کیوں نہیں اتارا گیا؟ ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا نازل کیا۔ اس لیے کیا گیا ہے تا کہ اس کو اچھی طرح ہم آپ کے ذہن نشین کرتے رہیں۔ (۳۲) اور جب بھی وہ آپ کے سامنے انوکھی بات لے کر آئے اس کا ہم نے آپ کو بروقت ٹھیک جواب دے دیا ہے اور بہترین طریقے سے بات کو کھول دیا۔“ (۳۳)

فہم القرآن

ربط کلام: مجرمانہ کردار رکھنے والوں کا رسالت مآب ﷺ پر ایک اور اعتراض۔

کفار کو رسالت مآب ﷺ پر یہ بھی اعتراض تھا کہ آپ پر پورے کا پورا قرآن ایک ہی بار کیوں نہیں نازل ہوا؟ جس کا جواب دیا گیا ہے کہ قرآن مجید کو اس لیے تھوڑا تھوڑا نازل کیا جاتا ہے تا کہ اس کے ساتھ آپ ﷺ کا دل مضبوط ہو اور قرآن اچھی طرح آپ کے ذہن پر نقش ہو جائے، اس پر عمل کرنے میں آسانی ہو۔ کفار آپ پر جو بھی اعتراض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اُس کا اتنا جامع اور مدلّل جواب دیتے کہ کفار لاجواب ہو کر رہ جاتے۔ لیکن اس کے باوجود کفار اپنی ضد سے باز آنے والے نہیں تھے اس وجہ سے وہ وقفے وقفے کے بعد مختلف الفاظ اور انداز میں سوال دہراتے رہتے تھے۔ قرآن مجید کفار کے سوالات کا کبھی مفصل جواب دیتا ہے اور کبھی اجمال کے ساتھ جواب دیا جاتا ہے۔ جہاں تک قرآن مجید کا تھوڑا، تھوڑا اور وقفے وقفے سے نازل ہونے کا تعلق ہے اس طرح قرآن نازل ہونے سے نبی ﷺ کے دل کو ڈھارس ملتی اور مسلمانوں کو عمل کرنے میں سہولت حاصل ہوتی تھی۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ؓ قَالَ غَدَوْنَا عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ رَجُلٌ قَرَأْتُ الْمُفَصَّلَ الْبَارِحَةَ فَقَالَ هَذًّا كَهَذِّ الشِّعْرِ، إِنَّا قَدْ سَمِعْنَا الْقِرَاءَةَ وَإِنِّي لَأَحْفَظُ الْقُرَنَاءَ الَّتِي كَانَ يَقْرَأُ بِهِنَّ النَّبِيُّ ﷺ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ

سُورَةً مِنَ الْمُفَصَّلِ وَسُورَتَيْنِ مِنْ آلِ حم)) [رواه البخاری:باب التَّرْتِيلِ فِي الْقِرَاءَةِ]

''حضرت ابو وائل حضرت عبداللہ کے واسطہ سے بیان کرتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چاشت کے وقت حاضر ہوئے۔ایک صاحب نے کہا کہ رات میں نے پوری کی پوری مفصل سورتیں پوری پڑھ ڈالیں۔اس پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جیسے اشعار جلدی جلدی پڑھتے ہیں ویسے پڑھ لی ہوں گی۔ہم نے قرأت سنی ہے۔مجھے (طویل اور مختصر سورتوں کی) وہ نظائر یاد ہیں۔جن کی تلاوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اٹھارہ سورتیں مفصل ہوتی اور دو سورتیں جن کے شروع میں حٰم ہے۔''

مسائل

۱۔ قرآنِ مجید اس لیے تھوڑا تھوڑا نازل کیا گیا تا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حفظ اور ضبط کرنے میں آسانی ہو۔

۲۔ قرآنِ مجید اس لیے وقفے وقفے سے نازل کیا گیا تا کہ لوگوں تک پہنچانے میں آسانی ہو۔

۳۔ قرآنِ مجید اس لیے وقفے وقفے سے نازل کیا گیا تا کہ اس پر مسلمانوں کو عمل کرنا آسان رہے۔

۴۔ قرآنِ مجید اس لیے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا تا کہ کفار کو اس کے نا سمجھنے کا بہانہ ہاتھ نہ آئے۔

تفسیر بالقرآن

قرآنِ مجید کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیے:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھیے جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے۔(الکھف:۲۷)

۲۔ ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔(بنی اسرائیل:۱۰۵)

۳۔ قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھا جائے۔(المزمل:۴)

۴۔ جن کو کتاب دی گئی وہ اس کی تلاوت اسی طرح کرتے ہیں جس طرح تلاوت کرنے کا حق ہے۔(البقرۃ:۱۲۱)

۵۔ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے خاموشی سے سنو۔(الاعراف:۲۰۴)

۶۔ ہم آپ پر تمام انبیاء کے واقعات آپ کے دل کو مضبوط کرنے کے لیے بیان کرتے ہیں۔(ہود:۱۲۰)

۷۔ قرآن بڑی شان والا ہے اور لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔(الواقعۃ:۷۷تا۷۹)

أُولٰٓئِكَ	جَهَنَّمَ	إِلٰى	وُجُوْهِهِمْ	عَلٰى	يُحْشَرُوْنَ	اَلَّذِيْنَ
یہ لوگ	جہنم	طرف	اپنے چہروں	پر	وہ اکٹھے کیے جائیں گے	وہ لوگ

سَبِيْلًا ۳۴	وَّأَضَلُّ	مَّكَانًا	شَرٌّ
راہ	سب سے زیادہ گمراہ	باعتبار رہنے کے	بدترین

ع ۳ ۱۴ ۱

”یہ لوگ پرلے درجے کے گمراہ ہیں۔اوندھے منہ جہنم میں پھینکے جائیں گے۔رہنے کے اعتبار سے جہنم بہت بُری جگہ ہے۔“(۳۴)

فہم القرآن

ربط کلام: نبی کے دشمنوں اور قرآن پر اعتراض کرنے والوں کا انجام:

جولوگ تعصب اور ہٹ دھرمی کی بناء پر رسالت مآب ﷺ پر اعتراض اور قرآنِ مجید کا انکار کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ انھیں چہروں کے بل جہنم میں اکٹھا کرے گا یہ لوگ اپنے مقام اور انجام کے لحاظ سے بدترین ہوں گے۔کیونکہ یہ پرلے درجے کے گمراہ تھے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل کیا ہے۔جوشخص اخلاص کے ساتھ قرآنِ مجید کی تلاوت کرے اور اُس پر غور کرے گا۔یقیناً اللہ تعالیٰ اُسے ہدایت سے سرفراز کرے گا۔ہاں وہ شخص کبھی ہدایت نہیں پاسکتا جو اللہ کی نازل کردہ ہدایت پر اعتراض کرے اور اس کا انکار کرتا ہو۔ایسا شخص گمراہی میں اس قدر آگے بڑھ جاتا ہے کہ اُس کے ہدایت پانے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔جولوگ قرآنِ مجید کے بارے میں اُلٹی سوچ رکھیں اور اس کے خلاف چلنا ان کا وطیرہ ہو جائے۔انھیں اوندھے منہ جہنم میں پھینکا جائے گا۔

((عَنْ قَتَادَةَ رحمہ اللہ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْشَرُ الْكَافِرُ عَلٰى وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ أَلَيْسَ الَّذِي أَمْشَاهُ عَلٰى رِجْلَيْهِ فِي الدُّنْيَا قَادِرًا عَلٰى أَنْ يُمْشِيَهُ عَلٰى وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ قَتَادَةُ بَلٰى وَعِزَّةِ رَبِّنَا)) [رواه مسلم ، كتاب القيامة والجنة والنار، باب يحشر الكافر على وجهه]

”حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ایک شخص نے استفسار کیا اے اللہ کے رسول! کافروں کو قیامت کے دن چہرے کے بل کس طرح اکٹھا کیا جائے گا۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا کیا جو ذات سب کو دنیا میں پاؤں کے بل چلانے پر قادر ہے وہ قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر قادر نہیں ہوگی۔حضرت قتادہ کہتے ہیں ہمیں اپنے رب کی عزت کی قسم ایسا ہوگا۔“

مسائل

۱۔ مجرموں کو اُلٹے منہ جہنم میں پھینکا جائے گا۔

۲۔ رسالتِ مآب ﷺ پر اعتراض اور قرآن مجید کا انکار کرنے والا حد درجے کا گمراہ ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ	اٰتَيْنَا	مُوْسَى	الْكِتٰبَ	وَجَعَلْنَا	مَعَهٗٓ	اَخَاهُ	
اور البتہ تحقیق	ہم نے دی	موسیٰ	کتاب	اور ہم نے بنایا	اس کے ساتھ	اس کے بھائی	
هٰرُوْنَ	وَزِيْرًا ۝ ۳۵	فَقُلْنَا	اذْهَبَآ	اِلَى	الْقَوْمِ	الَّذِيْنَ	
ہارون	مددگار	پھر ہم نے کہا	دونوں جاؤ	طرف	قوم	وہ لوگ	
كَذَّبُوْا	بِاٰيٰتِنَا	فَدَمَّرْنٰهُمْ	تَدْمِيْرًا ۝ ۳۶				
انہوں نے جھٹلایا	ہماری آیات	پھر ہم نے انھیں ہلاک کر دیا	ہلاک کر دینا				

''ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بھائی ہارون کو اس کا مددگار بنایا۔ (۳۵) اور ان سے فرمایا کہ جاؤ اس قوم کی طرف جس نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا ہے بالآخر ہم نے ان لوگوں کو تباہ کر دیا۔'' (۳۶)

فہم القرآن

ربط کلام: انبیاء علیہم السلام کے دشمن اور آسمانی کتابوں کا انکار کرنیوالی اقوام میں سے ایک قوم کا انجام۔

جن قوموں نے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت اور آسمانی کتابوں کا انکار کیا اُن میں سرفہرست حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لوگ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تورات عنایت فرمائی اور اُن کی درخواست پر اُن کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اُن کا معاون نامزد فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اُس قوم کی طرف جاؤ جنھوں نے ہمارے احکام اور ارشادات کو ٹھکرا دیا ہے۔ اس ارشاد کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ (۱) موسیٰ علیہ السلام سے پہلے دین ابراہیم حضرت یوسف کے دور مصر میں پہنچ چکا تھا۔ (۲) کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ فرعون اور اس کے حواری موسیٰ علیہ السلام کو تسلیم نہیں کرینگے اس لیے پہلے ہی ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جناب ہارون علیہ السلام نے ایک طویل مدت تک فرعون اور اُس کے حواریوں کو سمجھایا، بڑے بڑے معجزات پیش کیے، فرعون نے ہر میدان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا مقابلہ کیا مگر ناکام رہا۔ یہاں تک کہ پورے ملک کے جادوگروں کو اکٹھا کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔ جب جادوگروں نے حقیقت حال کو براہِ راست دیکھا اور آزمایا تو انھوں نے سرعام حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لانے کا اعلان کیا اور اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے۔ اتنی بڑی حقیقت آشکارا ہونے کے باوجود فرعون اور اُس کے ساتھی کفر و شرک پر قائم رہے تاآنکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں سمندر میں ڈبکیاں دے دے کر موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ ان آیات میں اسی بات کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے بھائی ہارون علیہما السلام کو ان کا معاون نبی نامزد فرمایا۔

۳۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے پے در پے اللہ تعالیٰ کی آیات کو ٹھکرایا جس کے نتیجہ میں اُنھیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔

وَقَوْمَ	نُوْحٍ	لَّمَّا	كَذَّبُوا	الرُّسُلَ	اَغْرَقْنٰهُمْ	وَجَعَلْنٰهُمْ
اور قوم	نوح	جب	انھوں نے جھٹلایا	رسولوں	ہم نے ان کو غرق کردیا	اور ہم نے انھیں بنادیا
لِلنَّاسِ	اٰيَةً	وَاَعْتَدْنَا	لِلظّٰلِمِيْنَ	عَذَابًا	اَلِيْمًا ﴿٣٧﴾	
لوگوں کے لیے	نشان	اور ہم نے تیار کیا	ظالموں کے لیے	عذاب	دردناک	

”یہی حال قوم نوح کا ہوا جب انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی ہم نے ان کو غرق کردیا اور انہیں دنیا والوں کے لیے نشانِ عبرت بنادیا ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔“ (٣٧)

فہم القرآن

ربط کلام: قومِ موسیٰ کی تباہی کے بعد قوم نوح کے انجام کا مختصر بیان۔

حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان ہزاروں سال کا وقفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو اس وقت نبوت سے سرفراز فرمایا جب ان کی قوم کے لوگ مجسموں کے پجاری بن چکے تھے۔ جس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگ فوت ہوگئے تو شیطان نے ان کی اولاد کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ جہاں تمھارے بزرگ بیٹھا کرتے تھے وہاں ان کے مجسمے تراش کر رکھ دیے جائیں تاکہ ان کا نام اور عقیدت باقی رہے۔ انھوں نے ایسا ہی کیا جب مجسمے رکھنے والے لوگ فوت ہوگئے تو ان کے بعد آنے والے لوگوں نے ان مجسموں کو اللہ تعالیٰ کی قربت کا وسیلہ بنانا شروع کردیا اور پھر ان کی بالواسطہ عبادت اور ان کے حضور نذرانے پیش کیے جانے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ سورۃ نوح میں ودّ، سواع، یغوث اور یعوق کے نام سے جن بتوں کا تذکرہ ہے وہ نوح علیہ السلام کی قوم کے صالح لوگوں کے نام ہیں۔ (بخاری: کتاب التفسیر)

سورۃ العنکبوت آیت ١٤ میں بیان کیا گیا ہے کہ جنابِ نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال قوم کی اصلاح کرنے میں صرف فرمائے۔ سورۂ نوح: ٥۔٦ میں یہ وضاحت فرمائی گئی ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ فریاد کی کہ میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات اور دن انفرادی اور اجتماعی طور پر سمجھانے کی کوشش کی لیکن میری سرتوڑ کوشش کے باوجود قوم شرک اور برائی میں آگے ہی بڑھتی جارہی ہے۔ قوم نہ صرف جرائم میں آگے بڑھتی گئی بلکہ اُلٹا انھوں نے نوح علیہ السلام کے خلاف گمراہ ہونے کا پراپیگنڈہ کرنے کے ساتھ بار بار مطالبہ کیا کہ اے نوح! اگر تو واقعی اللہ کا سچا نبی ہے تو ہمارے لیے عبرت ناک عذاب کی بددعا کیجیے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے نہایت مجبور ہو کر ان کے لیے بددعا کی ”اے میرے رب میں ان کے مقابلے میں بالکل بے بس اور مغلوب ہو چکا ہوں تو میری مدد فرما۔“ (القمر: ١٠)

حضرت نوح علیہ السلام نے بددعا کرتے ہوئے اپنے رب کے حضور یہ بھی درخواست کی کہ میرے رب اب زمین پر کافروں کا ایک شخص بھی نہیں بچنا چاہیے کیونکہ ان میں سے جو بھی پیدا ہوگا وہ بُرا اور کافر ہی ہوگا۔ (نوح ٢٥ تا ٢٧)

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی بددعا قبول کرتے ہوئے انھیں حکم دیا کہ آپ میرے سامنے ایک کشتی بنائیں۔ جب نوح علیہ السلام کشتی بنا رہے تھے تو ان کی قوم نے ان کو بار بار تمسخر کا نشانہ بنایا۔ جس کے جواب میں نوح علیہ السلام انھیں یہی فرماتے کہ آج تم مجھے استہزاء کا نشانہ بنا رہے ہو لیکن کل تم ہمیشہ کے لیے مذاق اور عبرت کا نشان بن جاؤ گے۔ (ھود: ۳۷ تا ۳۹)

قومِ نوح پر اللہ تعالیٰ نے پانی کا ایسا عذاب نازل فرمایا کہ جس کے بارے میں سورۃ القمر آیت ۱۱، ۱۲ میں بیان ہوا ہے کہ آسمان کے دروازے کھل گئے زمین سے چشمے پھوٹ نکلے یہاں تک کہ تنور پھٹ پڑا۔ اس طرح نوح علیہ السلام کے نافرمان بیٹے سمیت ان کی قوم کو پانی میں ڈبکیاں دے دے کر ختم کر دیا گیا۔

عذاب کی کیفیت:

قومِ نوح پر چالیس دن مسلسل دن رات بے انتہا بارش برستی رہی یہاں تک کہ جگہ جگہ زمین سے چشمے پھوٹ پڑے۔ حتیٰ کہ تنور پھٹ پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے طوفان کے آغاز میں حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اللہ کا نام لے کر کشتی میں سوار ہو جائیں اور اپنے ساتھ ہر جاندار کا جوڑا جوڑا یعنی نر اور مادہ دو دو کشتی میں اپنے ساتھ سوار کر لیں۔ البتہ کسی کافر اور مشرک کو کشتی میں سوار کرنے کی اجازت نہیں۔ (ھود: ۴۰ تا ۴۲)

مفسرین نے لکھا ہے جس کی تائید موجودہ دور کے آثار قدیمہ کے ماہرین بھی کرتے ہیں کہ طوفان نوح نے فلک بوس پہاڑوں کی چوٹیوں کو بھی ڈھانپ لیا تھا۔ بائبل میں لکھا ہے کہ سیلاب بلند ترین پہاڑوں کی چوٹیوں سے ۱۵ فٹ اوپر بہہ رہا تھا۔ امام طبری سورۃ الحاقۃ آیت ۱۱ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ سیلاب اس قدر بے انتہا تھا کہ مشرق سے مغرب تک کوئی جاندار چیز باقی نہ رہی۔

مسائل

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال قوم کو سمجھایا لیکن قوم نے اُن کی تکذیب کی۔

۱۔ قوم کے مطالبہ اور نوح علیہ السلام کی بددعا کے نتیجہ میں ان کی قوم کو سیلاب کے ذریعہ تباہ کر دیا گیا۔

۳۔ مغضوب قوموں کی تاریخ لوگوں کے لیے عبرت کا نشان ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے لیے اذیّت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے انجام کی ایک جھلک:

۱۔ نوح علیہ السلام کی قوم ظالم تھی۔ (النجم: ۵۲) ۲۔ قوم نوح طوفان کے ذریعے ہلاک ہوئی۔ (الاعراف: ۱۳۶)

۳۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو فرمایا آج کے دن اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں۔ (ھود: ۴۳)

۴۔ قومِ نوح نے جب حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں غرق کر دیا۔ (الفرقان: ۳۷)

وَلَقَدۡ	اَتَوۡا	عَلَى	الۡقَرۡيَةِ	الَّتِىۡۤ	اُمۡطِرَتۡ	مَطَرَ	السَّوۡءِ
اور البتہ تحقیق	وہ آئے	پر	اس بستی	کہ جس	برسائی گئی	بارش	بری
اَفَلَمۡ	يَكُوۡنُوۡا	يَرَوۡنَهَا ؕ	بَلۡ	كَانُوۡا	لَا يَرۡجُوۡنَ	نُشُوۡرًا ۝۴۰	
کیا پھر نہیں	ہیں وہ	وہ دیکھتے اس کو؟	بلکہ	ہیں وہ	نہیں وہ اُمید رکھتے	دوبارہ اُٹھنا	

”اور اس بستی پر ان کا گزر ہو چکا ہے جس پر بدترین بارش برسائی گئی تھی کیا انہوں نے اس کا حال نہیں دیکھا؟ مگر یہ موت کے بعد جی اٹھنے کی توقع نہیں رکھتے۔“ (۴۰)

فہم القرآن

ربط کلام: عاد، ثمود اور دیگر قوموں کی تباہی کے ذکر کے بعد قوم لوط کی تباہی کا ذکر۔

جن قوموں کی عبرت ناک تاریخ کا ذکر کیا گیا ہے ان کی اکثریت کا تعلق سرزمین عرب کے ساتھ ہے جس بناء پر عام لوگوں کے ساتھ بالخصوص اہل مکہ کو توجہ دلائی گئی ہے کہ ان اقوام کی تاریخ تمھارے سامنے ہے اور ان کے علاقے تمھاری راہ گزر پر واقع ہیں۔ یاد رہے کہ اہل مکہ کی تجارت کا عام طور پر دارومدار انہی علاقوں کی منڈیوں پر تھا جس وجہ سے وہ قافلوں کی صورت میں مغضوب قوموں کی سرزمین سے گزرتے اور ان کے آثارِ قدیمہ کو دیکھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود عبرت حاصل کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔ عبرت حاصل کرنے کے لیے بنیادی اصول یہ ہے کہ انسان موت کے بعد زندہ ہونے پر ایمان لائے اور محشر کے دن حساب اور احتساب پر یقین رکھے لیکن لوگوں کی غالب اکثریت مرنے کے بعد جی اُٹھنے پر حقیقی اور عملی ایمان نہیں رکھتی۔

قومِ لوط کا کردار:

قومِ لوط کے لوگ نفسانی خواہش اپنی بیویوں سے پوری کرنے کے بجائے لڑکوں سے پوری کرتے تھے۔ گویا کہ یہ ہم جنسی کے بدترین گناہ کے مرتکب ہوئے حضرت لوط علیہ السلام کے بار بار سمجھانے کے باوجود باز آنے پر تیار نہ ہوئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو رجم کردینے کی دھمکی دینے کے ساتھ اُن سے عذاب الٰہی کا مطالبہ کرتے رہے۔

تفسیر بالقرآن

قومِ لوط کی تباہی کا حال:

۱۔ قومِ لوط ایسی برائی کے مرتکب ہوئے جو ان سے پہلے کسی قوم نے نہیں کی۔ (الاعراف: ۸۰)

۲۔ ہم نے اس بستی کو الٹ کر ان پر پتھروں کی بارش برسائی۔ (الحجر: ۷۴)

۳۔ ان کے پاس ان کی قوم کے لوگ دوڑتے ہوئے آئے اور وہ پہلے سے ہی بدکاریاں کیا کرتے تھے۔ (ھود: ۷۸)

۴۔ لوط نے کہا کہ کاش میرے پاس طاقت ہوتی یا میں کوئی مضبوط پناہ گاہ پاتا۔ (ھود: ۸۰)

۵۔ ہم نے اوپر والی سطح کو نیچے کردیا اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسادی جو تہہ بہ تہہ تھے خاص نشان لگے ہوئے۔ (ھود: ۸۲)

وَاِذَا	رَاَوْكَ	اِنْ	يَّتَّخِذُوْنَكَ	اِلَّا	هُزُوًا	اَهٰذَا
اور جب	وہ آپ کو دیکھتے ہیں	نہیں	وہ آپ کو کرتے	مگر	مذاق	کیا یہی

الَّذِىْ	بَعَثَ	اللّٰهُ	رَسُوْلًا ۝
وہ	اس نے بھیجا	اللہ نے	رسول

''یہ لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں ہاں یہ شخص ہے جسے خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟'' (۴۱)

فہم القرآن

ربط کلام: قیامت کا انکار کرنے والوں کا رسول معظم ﷺ کے ساتھ رویّہ۔

رسول معظم ﷺ کی عظیم اور پرخلوص جدوجہد کے باوجود مکہ کے ابتدائی دور میں چند لوگوں کے سوا کوئی شخص آپ پر ایمان نہ لایا۔ ایمان لانے والوں میں ایک دو حضرات کو چھوڑ کر باقی حضرات انتہائی غریب تھے اور کچھ اُن میں مکہ والوں کے زرخرید غلام تھے۔ اِن حالات کے باوجود نبی معظم ﷺ دوٹوک اور کھلے الفاظ میں اعلان کرتے کہ لوگو! لا الہ الا اللہ پڑھو اور اس کے تقاضے پورے کرو میں تمھیں معاشی خوشحالی، سیاسی اقتدار کی کامیابی اور دنیا و آخرت کی فلاح کی ضمانت دیتا ہوں۔ اس پر اہل مکہ آپ ﷺ کا استہزاء اُڑاتے کہ یہ کس قدر ناعاقبت اندیش شخص ہے کہ خود ناکام ہونے کے باوجود لوگوں کو کامیابیوں کی ضمانت دیتا ہے۔ کفار یہ کہہ کر بھی آپ ﷺ کو مذاق کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے واقعی ہی کسی انقلاب کا ارادہ کیا ہے تو وہ انسان کی بجائے کسی مافوق الفطرۃ ہستی کو رسول منتخب کرتا۔ یا یہ حقیقتاً اللہ کا رسول ہوتا تو اسے دنیا کے وسائل سے سرفراز کیا جاتا۔ اس کی باتیں دیوانے کی بڑ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

مسائل

۱۔ قیامت کے منکر انبیاء کرام ﷩ کو استہزاء کا نشانہ بنایا کرتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

گمراہ اقوام کا انبیاء کرام کو مذاق کرنا:

۱۔ یقیناً رسولوں کے ساتھ اس سے پہلے بھی مذاق کیا گیا ہے۔ (الرعد: ۳۲)

۲۔ کیا تم اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسولوں سے مذاق کرتے ہو۔ (التوبہ: ۶۵)

۳۔ نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر انہوں نے اس کا مذاق اُڑایا۔ (الحجر: ۱۱)

۴۔ افسوس ہے لوگوں پر جب بھی ان کے پاس کوئی رسول آیا تو انہوں نے اس کا مذاق اُڑایا۔ (یٰس: ۳۰)

۵۔ نہیں آیا ان کے پاس کوئی نبی مگر وہ ان سے مذاق کرتے تھے۔ (الزخرف: ۷)

اور ظالم ہے کہ یہ نا صرف اپنے مالکِ حقیقی کی نافرمانی کرتا ہے بلکہ دوسروں کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو جانوروں سے بدتر نہ کہا جائے تو اور انھیں کس نام سے پکارا جائے؟

نفس کی پیروی کا نقصان:

عَنْ شَدَّادٌ رضی اللہ عنہ فَإِنِّی قَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ صَلَّى يُرَائِى فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِى فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِى فَقَدْ أَشْرَكَ)) [رواه احمد:مسند شداد]

حضرت شداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا جس نے دکھلاوے کی نماز پڑھی اس نے شرک کیا جس نے دکھلاوے کا روزہ رکھا اس نے شرک کیا جس نے دکھلاوے کا صدقہ دیا اس نے شرک کیا۔

((إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى أَجْسَادِكُمْ وَلَا إِلَى صُوَرِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَشَارَ بِأَصَابِعِهِ إِلَى صَدْرِهِ)) [رواه مسلم: باب تَحْرِيمِ ظُلْمِ الْمُسْلِمِ وَخَذْلِهِ وَاحْتِقَارِهِ وَدَمِهِ وَعِرْضِهِ وَمَالِهِ]

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور شکل وصورت کی طرف نہیں دیکھتا لیکن وہ تمہارے دلوں کی طرف دیکھتا ہے اور آپ نے اپنی انگلی کے ساتھ اشارہ فرمایا۔“

مسائل

۱۔ دین کے مقابلے میں اپنے نفس کی بات ماننا، نفس کو خدا بنانے کے مترادف ہے۔
۲۔ جو لوگ اپنے نفس کے پجاری بن جاتے ہیں وہ چوپاؤں سے بدتر ہوتے ہیں۔
۳۔ نفس کا پجاری انسان پرلے درجے کا گمراہ ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

چوپاؤں سے بدتر انسان:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کردی انھیں بہرے اور اندھے کر دیا ہے۔ (محمد:۲۳)
۲۔ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں وہ رجوع نہیں کرتے۔ (البقرۃ:۱۸)
۳۔ ہماری آیات کا انکار کرنے والے بہرے اور گونگے ہیں۔ (الانعام:۳۹)
۴۔ بہروں کو آپ نہیں سنا سکتے کیونکہ وہ بے عقل ہیں۔ (یونس:۴۲)
۵۔ آپ مردوں اور بہروں کو اپنی پکار نہیں سنا سکتے۔ (النمل:۸۰)
٦۔ کفار چوپاؤں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ (الاعراف:۱۷۹) ۷۔ عقل سے کام نہ لینے کا انجام۔ (الملک:۱۰)
۸۔ ہدایت کے لیے ضروری ہے کہ انسان دل، کان اور توجہ سے کام لے۔ (ق:۳۷)

اَلَمْ	تَرَ	اِلٰى	رَبِّكَ	كَيْفَ	مَدَّ	الظِّلَّ
کیا نہیں	آپ نے دیکھا	طرف	اپنے رب	کیسے	پھیلائے	سائے
وَلَوْ شَآءَ	لَجَعَلَهٗ	سَاكِنًا	ثُمَّ	جَعَلْنَا	الشَّمْسَ	عَلَيْهِ
اور اگر وہ چاہتا	البتہ اسے بنا دیتا	ساکن	پھر	ہم نے بنایا	سورج	اس پر
دَلِيْلًا ۝٤٥	ثُمَّ	قَبَضْنٰهُ	اِلَيْنَا	قَبْضًا	يَّسِيْرًا ۝٤٦	
رہنما	پھر	ہم نے اسے سمیٹ لیا	اپنی طرف	سمیٹنا	تھوڑا تھوڑا	

''آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کا رب کس طرح سایہ پھیلاتا ہے؟ اگر وہ چاہتا تو اسے ساکن کر دیتا ہم نے سورج کو اس پر دلیل بنایا۔(۴۵) ہم اُسے رفتہ رفتہ اپنی طرف سمیٹتے چلے جاتے ہیں۔''(۴۶)

فہم القرآن

ربط کلام: نفس کی پیروی کرنے والا شخص اپنے گردوپیش کو دیکھے اور اس پر غور کرے تو اپنے نفس کی پیروی کرنے کی بجائے اپنے رب کا تابعدار بن جائے گا۔

ارشاد ہوتا ہے کہ اے انسان کیا تو اس بات پر غور نہیں کرتا کہ تیرا رب سائے کو کس طرح زمین پر بچھاتا ہے؟ اگر وہ چاہتا تو سائے کو ایک ہی جگہ جامد کر دیتا۔ اُس نے سورج کو اس پر دلیل بنایا ہے وہی رب سورج کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیتا ہے۔ اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے سورج اور سائے کو اپنی قدرت کی نشانی کے طور پر پیش کیا ہے۔ سورج ایک مقررہ وقت کے مطابق طلوع ہوتا ہے اور دوپہر کے وقت اپنے شباب کو پہنچنے کے بعد آہستہ آہستہ ڈھلنا شروع ہو جاتا ہے بالآخر غروب ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں دنیا کے ایک حصہ کو رات اپنی سیاہ چادر میں لپیٹ لیتی ہے۔ سورج کی رفتار کے ساتھ ساتھ ہر چیز کا سایہ زمین پر پھیلتا ہے سورج مشرق کی جانب ہو تو سایہ مغرب کی جانب ہوتا ہے۔ سورج مغرب کی جانب ہو تو ہر چیز کا سایہ سورج کی اُلٹی جانب چلتا ہے۔ جس سائے سے انسان، چوپائے اور جانور فائدہ اُٹھاتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ سورج کا مدار اس طرح بنا دیتا کہ جس سے چیزوں کا سایہ ختم ہو جائے تو انسان اور دیگر جانوروں کا کیا حال ہوتا؟ کیونکہ اس طرح گھر سے باہر انسان کے آرام کی کوئی جگہ نہ رہتی۔ جس سے نا صرف انسان کی زندگی دوبھر ہو جاتی بلکہ دنیا کی ترقی ناممکن ہو جاتی یا سورج کی گردش اس طرح مقرر کی جاتی کہ جس سے سایہ زمین پر پھیلنے کی بجائے ایک ہی جگہ پر قائم رہتا تو اس سے فصلوں کو اور پھلوں کے پکنے کی کوئی صورت باقی نہ رہتی۔ اس کا اس قدر نقصان ہوتا کہ تلافی ناممکن ہو جاتی۔ کیونکہ بے شمار فصلیں اور پودے ایسے ہیں جو زیادہ مدت تک سائے میں نہیں رہ سکتے۔ ایک طرف سائے سے لوگوں کو فوائد پہنچ رہے ہیں اور دوسری طرف ہر چیز کا سایہ اپنے حال کے مطابق اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوتا ہے یہاں سورج کو دلیل کے طور پر بنایا گیا ہے۔ عربی زبان میں دلیل اُس

اعتبار سے یکساں ہوتے تو نا صرف انسان کے لیے مسائل پیدا ہوتے بلکہ انسان اپنی زندگی کو اپنے آپ پر بوجھ محسوس کرتا۔ اگر رات اور دن پر غور فرمائیں تو یہی انسان اور پوری کائنات کی زندگی کا نظام ہے اگر ان میں خلل واقع ہو جائے تو پورا نظام درہم برہم ہو جائے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کو اپنی قدرت کی عظیم نشانیاں قرار دیا ہے۔

﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ﴾ [یونس:٦٧]

”وہ ذات جس نے تمھارے لیے رات بنائی، تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو روشن بنایا۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو سچی بات توجہ سے سنتے ہیں۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے رات سکون کے لیے پیدا کی اور دن کو کام کاج کے لیے بنایا۔
۲۔ کائنات کا پورا نظام رات اور دن کے آنے جانے پر قائم ہے۔
۳۔ اگر رات اور دن کے نظام میں خلل واقع ہو جائے تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

رات اور دن کے فوائد کی ایک جھلک:

۱۔ رات اور دن کو اللہ نے نشانیاں بنایا ہے۔(بنی اسرائیل:۱۲)
۲۔ دن، رات، سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔(حٰمٓ السجدۃ:۳۷)
۳۔ رات دن ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ہیں۔(الاعراف:۵۴)
۴۔ رات دن کو اور دن رات کو ڈھانپ لیتا ہے۔(الزمر:۵)
۵۔ رات آرام اور دن کام کے لیے ہے۔(الفرقان:۴۷)
٦۔ آسمان اور زمین کی پیدائش، دن اور رات کے آنے جانے میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔(آل عمران:۱۹۰)
۷۔ بے شک دن اور رات کے مختلف ہونے میں اور جو کچھ اللہ نے زمین و آسمان میں پیدا کیا ہے، اُس میں لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔(یونس:٦)

وَهُوَ	الَّذِىْٓ	اَرْسَلَ	الرِّيٰحَ	بُشْرًاۢ	بَيْنَ يَدَىْ
اور وہی	جس نے	اس نے بھیجی	ہوائیں	خوشخبری دینے والی	پہلے

رَحْمَتِهٖ ۚ	وَاَنْزَلْنَا	مِنَ	السَّمَآءِ	مَآءً	طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾
اپنی رحمت	اور ہم نے نازل کیا	سے	آسمان	پانی	پاک

لِّنُحْیِۦَ	بِهٖ	بَلْدَةً	مَّيْتًا	وَّنُسْقِيَهٗ	مِمَّا	خَلَقْنَآ
تاکہ ہم زندہ کریں	اس کے ساتھ	شہر	مردہ	اور ہم پلائیں وہ	اس سے	ہم نے پیدا کیا

اَنْعَامًا	وَّاَنَاسِىَّ	كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾	وَلَقَدْ	صَرَّفْنٰهُ	بَيْنَهُمْ
مویشی	اور انسان	بہت سے	اور البتہ تحقیق	ہم نے اس کو پھیر پھیر کر بیان کیا	ان کے درمیان

لِيَذَّكَّرُوْا ۖ	فَاَبٰٓى	اَكْثَرُ	النَّاسِ	اِلَّا	كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾
تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں	پھر انکار کیا	اکثر	لوگ	مگر	کفر کرنے

”اور وہی ہے جو بارش سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے پھر آسمان سے پاکیزہ پانی نازل کرتا ہے۔(۴۸) تاکہ ہم اس پانی سے مردہ علاقے کو زندہ کریں اور اپنی مخلوق میں سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو سیراب کریں اس سلسلہ کو ہم بار باران کے سامنے لاتے ہیں۔(۴۹) تاکہ وہ سبق سیکھیں مگر اکثر لوگ کفر اور ناشکری کے سوا کوئی راستہ اختیار نہیں کرتے۔“(۵۰)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مزید دلائل۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا ہواؤں پر اختیار نہیں وہی ٹھنڈی ہوائیں چلاتا ہے جس سے لوگ بارش کی آمد آمد محسوس کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے بارش کی صورت میں پاک پانی نازل کرتا ہے، پھر بارش سے مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے جو پائے اور انسان پیدا کیے ہیں وہی بارش کے ذریعے انھیں پانی پلاتا ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں مختلف الفاظ اور انداز میں لوگوں کو نصیحت فرماتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔لیکن اس کے باوجود لوگوں کی اکثریت اپنے رب کی ذات اور اس کے فرمودات کا انکار کرتی ہے۔اس آیت میں ” اَلرِّیٰحَ “ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔اس کا واحد رِیْحٌ ہے جس کا معنی ہے ہوا ہے۔ یہاں ہوا کی بجائے ہواؤں کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اسی وجہ سے موسمیات کا علم رکھنے والے سائنس دانوں نے ہواؤں کے مختلف نام رکھے ہیں اور ان کی خصوصیات کا الگ الگ ذکر کرتے ہیں۔

ہوا اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمت ہے کہ جس کے بے شمار فوائد ہیں۔ ہوا کے بغیر کوئی جاندار زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ہوا

أَوْ أَمِيرٍ جَائِرٍ))[رواہ ابو داؤد: کتاب الملاحم،باب الأمر والنھی]

”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ افضل ترین جہاد ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔“

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ أَوَّلَ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَ الرَّجُلُ يَلْقَى الرَّجُلَ فَيَقُولُ يَا هَذَا اتَّقِ اللَّهِ وَدَعْ مَا تَصْنَعُ فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ لَكَ ثُمَّ يَلْقَاهُ مِنَ الْغَدِ فَلَا يَمْنَعُهُ ذَلِكَ أَنْ يَكُونَ أَكِيلَهُ وَشَرِيبَهُ وَقَعِيدَهُ فَلَمَّا فَعَلُوا ذَلِكَ ضَرَبَ اللَّهُ قُلُوبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ ثُمَّ قَالَ (**لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ**) إِلَى قَوْلِهِ (**فَاسِقُونَ**)ثُمَّ قَالَ كَلَّا وَاللَّهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَتَأْخُذُنَّ عَلَى يَدَيِ الظَّالِمِ وَلَتَأْطُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ أَطْرًا وَلَتَقْصُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا))[رواہ ابو داؤد: کتاب الملاحم،باب الأمر والنھی]

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل میں نقائص واقع ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ان میں سے ایک دوسرے کو برائی کرتے ہوئے دیکھتے تو اسے کہتا اللہ سے ڈرو اور اس گناہ کو چھوڑ دو یہ تیرے لیے جائز نہیں۔ اگلے دن ملتا تو برائی سے نہ روکتا بلکہ اس کے کھانے، پینے اور مجلس میں شریک ہو جاتا۔ جب انہوں نے اس طرح کرنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے انکے بعض کو بعض پر مسلط کر دیا پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی (بنی اسرائیل پر داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ ابن مریم کی زبانی لعنت کی گئی فاسقون تک) پھر فرمایا کہ مجھے اللہ کی قسم تم نیکی کا حکم دیتے رہو گے اور برائی سے روکتے رہو گے اور ظالم کا ہاتھ روکو گے حق کو حق اور ناحق کو ناحق سمجھو گے۔“

((عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ حِينَ أَنْزَلَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي الشِّعْرِ مَا أَنْزَلَ أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ أَنْزَلَ فِي الشِّعْرِ مَا قَدْ عَلِمْتَ وَكَيْفَ تَرَى فِيهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ الْمُؤْمِنَ يُجَاهِدُ بِسَيْفِهِ وَلِسَانِهِ))[رواہ احمد: مسند کعب بن مالك]

”حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے شعراء کے متعلق یہ آیت نازل کی تو کعب بن مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے شاعروں کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی ہے جس کا آپ کو علم ہے اور آپ کا اس آیت کے بارے میں کیا خیال ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک مومن اپنی تلوار اور زبان سے جہاد کرتا ہے۔“

مسائل

۱۔ دین کی سربلندی کے لیے تبلیغ کرنا جہاد کبیرا ہے۔ ۲۔ کفر و شرک کے خلاف ہر طرح کا جہاد کرنا چاہیے۔

وَهُوَ الَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا

اور وہی | جس | ملادیا | دوسمندر | یہ | میٹھا | خوب میٹھا | اور یہ

مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾

کھارا | نہایت کڑوا | اور اس نے بنادیا | ان کے درمیان | پردہ | اور آڑ | مضبوط

''اور وہی ہے جس نے دوسمندروں کوملا رکھا ہے ایک لذیذ اور میٹھا اور دوسرا تلخ اور کڑوا ہے۔ دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔ جو انہیں خلط ملط ہونے سے روکے ہوئے ہے۔'' (۵۳)

فہم القرآن

ربط کلام: رسول اکرم ﷺ کو کفر کے خلاف جہاد کبیر کرنے کا حکم دینے کے بعد اب پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرتوں کا تذکرہ کرتا ہے۔ اشارۃً یہ بھی سمجھا دیا کہ جس طرح سمندر کا پانی کڑوا اور میٹھا ہوتا ہے اور اس کے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔ اسی طرح لوگوں کا معاملہ ہے کچھ نیک ہوتے ہیں اور کچھ بُرے ہوتے ہیں۔

وہی ذاتِ کبریا ہے جس نے دوسمندروں کو باہم ملا رکھا ہے۔ ایک طرف نہایت میٹھا پانی چل رہا ہے اور اُس کے ساتھ، ساتھ نہایت کڑوا پانی بہہ رہا ہے۔ ایک ہی سمندر میں چلنے والے دونوں پانیوں کے درمیان ایک غیر مری پردہ حائل کردیا گیا ہے۔ نہ میٹھا پانی کڑوے کے ساتھ ملتا ہے اور نہ کڑوا میٹھے پانی میں دخل انداز ہوتا ہے۔ دونوں پانی اپنی اپنی رفتار کے ساتھ صدیوں سے ایک ہی جانب رواں دواں ہیں۔ کیا مجال کہ وہ آپس میں تحلیل ہوسکیں۔ ایک سائنسدان زیادہ سے زیادہ یہ توجیہ کرسکتا ہے کہ ایک پانی بھاری اجزاء پر مشتمل ہے اور دوسرا اپنے اندر ہلکے اجزاء لیے ہوئے ہے جس کی وجہ سے اِن کا آپس میں ملنا دُشوار ہے۔

کیا سائنسدانوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ ایک ہی سمندر میں چلنے والے دو پانیوں کے اجزاء میں یہ فرق قائم کرنے والی ذات کون ہے؟ پھر ہر علاقے کے سمندر میں اس بات کے بھی مشاہدات موجود ہیں کہ سمندر کے مخصوص علاقے میں دونوں پانی الگ الگ چل رہے ہیں جبکہ اُس علاقہ میں داخل ہونے سے پہلے یہی پانی اکٹھا بہہ رہا ہوتا ہے اور مخصوص علاقہ سے گزرنے کے بعد دونوں پانی پھر آپس میں تحلیل ہوجاتے ہیں جس کا مظاہرہ پاکستان میں اٹک کے قریب دریائے سندھ، بنگلہ دیش میں چٹاگانگ کے قریب دیکھا جاسکتا ہے۔

پھر یہ بھی مشاہدات ہیں سینکڑوں میل تک چلنے والا سمندر کا پانی اوپر سے کڑوا ہے اور اُس کی نچلی سطح میں بہنے والا پانی نہایت ہی میٹھا ہے۔ پہاڑی علاقوں میں اس قسم کے چشمے کئی مقامات پر پائے جاتے ہیں کہ ایک ہی پہاڑ اور زمین میں ایک جگہ سے گندھک کا چشمہ اُبل رہا ہے اور بالکل اُس کے قریب ہی پانی کا ایسا چشمہ ہے جو برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے۔ آخر وہ کون

سادستِ قدرت ہے جو دونوں پانیوں کو ایک دوسرے میں تحلیل نہیں ہونے دیتا؟ غور کیجیے! کہ کڑوے پانی میں رہنے والی مچھلی کا گوشت کڑوا نہیں ہوتا۔

وہ ایک ہی ذاتِ کبریاء ہے جس نے دو پانیوں کے درمیان ایک نہ دکھائی دینے والا پردہ حائل کر رکھا ہے۔ اگر کوئی حقیقت کی نگاہ سے دیکھنے والا ہو تو وہ اُس ذات کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا لہٰذا اسی حقیقت پر غور کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ﴾ [الرّحمٰن: ۱۹۔۲۰]

”اُسی نے دو دریا رواں کیے۔ دونوں میں ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے۔“

﴿وَ مَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَ مِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ [فاطر: ۱۲]

”اور دونوں دریا برابر نہیں ہیں ایک شیریں پیاس بجھانے والا ہے اس کا پینا آسان اور ایک شور تلخ ہے۔ ہر ایک سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو اور زیور نکالتے ہو جسے تم پہنتے ہو اور تو کشتیوں کو اس میں پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتے دیکھتا ہے تاکہ تم اس کی (دی ہوئی) روزی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر گزار رہو۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی دو پانیوں کے درمیان پردہ حائل کرنے والا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہی میٹھا اور کڑوا پانی پیدا کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

پانی کی اہمیّت اور اس کی ضرورت:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پانی سے پیدا فرمائی ہے۔ (الانبیاء: ۳۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا تاکہ تم طہارت حاصل کرو۔ (الانفال: ۱۱)

۳۔ اللہ پانی سے تمہارے لیے کھیتی، زیتون، کھجور اور انگور اگاتا ہے۔ (النحل: ۱۱)

۴۔ اللہ نے پانی سے ہر قسم کی نباتات کو پیدا کیا۔ (الانعام: ۹۹)

۵۔ اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور پھر آسمان سے پانی اتار کر باغات اگائے۔ کیا اس کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل: ۶۰)

۶۔ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا اور اس سے مختلف انواع کے پھل پیدا فرمائے۔ (فاطر: ۲۷)

۷۔ اللہ تعالیٰ پانی کو زیادہ گہرا کر دے تو کون ہے جو اسے اوپر لے آئے۔ (الملک: ۳۰)

وَهُوَ	الَّذِیْ	خَلَقَ	مِنَ	الْمَآءِ	بَشَرًا	فَجَعَلَهٗ
اور وہی	وہ	اس نے پیدا کیا	سے	پانی	انسان	پھر اسے بنایا

نَسَبًا	وَّصِهْرًا ؕ	وَكَانَ	رَبُّكَ	قَدِیْرًا ﴿۵۴﴾	
نسب	اور سسرال	اور ہے	آپ کا رب	بڑی قدرت والا	

''اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان پیدا کیا پھر اس سے نسب اور سسرال کے دو الگ الگ سلسلے چلائے تیرا رب بڑا ہی قدرت والا ہے۔''(۵۴)

فہم القرآن

ربط کلام: دو سمندروں کے مختلف پانیوں کے ذکر کے بعد اس پانی کا تذکرہ جس سے اشرف المخلوق انسان پیدا کیا گیا ہے۔

دو سمندروں کے مختلف پانی کے ذکر کے بعد جس پانی کے قطرہ سے انسان پیدا ہوتا ہے اس کا ذکر اس لیے کیا ہے کیونکہ انسان بھی بنیادی طور پر پانی کے دو قسم کے قطروں سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک قطرہ مرد کے صلب سے اور دوسرا قطرہ عورت کی چھاتی سے نکلتا ہے دونوں قطرے الگ الگ اجزاء پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جنھیں میڈیکل سائنس میں جرثومے کہا جاتا ہے۔ جرثوموں کا دستِ قدرت کے اشارے سے رحم مادر میں ملاپ ہوتا ہے اور اس کے بعد وہ مختلف شکلیں اختیار کرتے ہوئے ایک بچہ کی صورت اختیار کرتا ہے پھر زندگی کے مختلف مراحل سے گزر کر باپ کا درجہ حاصل کرتا ہے اور اس کے بعد بنیادی طور پر اس کی نسل دو خاندانوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک طرف اپنی اولاد کا باپ اور پوتے پوتیوں کا دادا بنتا ہے اور دوسری طرف سسر کے رشتہ میں منسلک ہو کر نواسوں اور نوسیوں کا نانا بن جاتا ہے۔ اسی طرح یہی آدمی ایک کا بیٹا ہوتا ہے اور دوسرے کا داماد بنتا گویا پانی کی بوند سے اکیلا پیدا ہونے والا انسان کئی رشتوں سے منسلک ہو جاتا ہے۔ کئی انسان ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان میں سے کسی ایک یا دونوں رشتہ سے محروم رہتے ہیں۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ آپ کا رب اس بات پر قدرت رکھنے والا ہے یعنی وہ چاہے تو کسی کا نسب بڑھائے اور اسے باپ دادا اور سسرال کے رشتوں کے ساتھ منسلک کرے اور نہ چاہے تو اس کا نسب اسی پر ختم ہو جائے۔

﴿فَلْیَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ o خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ o یَخْرُجُ مِنْ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ o إِنَّهٗ عَلٰی رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ﴾ [الطارق: ۵۔۸]

''انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے۔ وہ اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا ہوا ہے۔ جو پیٹھ اور سینے کے درمیان میں سے نکلتا ہے۔ بے شک اللہ اسے دوبارہ لوٹانے پر قادر ہے۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ؓ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ قَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ یُجْمَعُ خَلْقُهٗ

فِیْ بَطْنِ أُمِّہٖ أَرْبَعِیْنَ یَوْمًانُطْفَةً ثُمَّ یَکُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ یَکُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ یَبْعَثُ اللّٰهُ مَلَکًا فَیُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ کَلِمَاتٍ وَیُقَالُ لَهٗ أُکْتُبْ عَمَلَهٗ وَرِزْقَهٗ وَأَجَلَهٗ وَشَقِیٌّ أَوْ سَعِیْدٌ ثُمَّ یُنْفَخُ فِیْهِ الرُّوْحُ فَإِنَّ الرَّجُلَ مِنْکُمْ لَیَعْمَلُ حَتّٰی مَایَکُوْنُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجَنَّةِ إِلَّا ذِرَاعٌ فَیَسْبِقُ عَلَیْهِ کِتَابُهٗ فَیَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ وَیَعْمَلُ حَتّٰی مَایَکُوْنُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ النَّارِ إِلَّا ذِرَاعٌ فَیَسْبِقُ عَلَیْهِ الْکِتَابُ فَیَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ)) [رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة]

”حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں صادق ومصدوق رسولِ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر کوئی اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن ٹھہرتا ہے جو جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر چالیس دن بعد گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتے ہیں اسے آدمی کا عمل، رزق، موت اور نیک و بد ہونا لکھنے کا حکم دیتے ہیں پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔تم میں ایک بندہ عمل کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس کی تقدیر غالب آجاتی ہے وہ جہنمیوں والے کام شروع کر دیتا ہے۔ایسے ہی آدمی بُرے عمل کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو وہ جنتیوں والے اعمال شروع کر دیتا ہے۔“

تفسیر بالقرآن

انسان کی پیدائش اور اس کی زندگی کے مختلف مراحل:

۱۔ آدم علیہ السلام کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا۔(آل عمران:۵۹)

۲۔ حضرت حوا کو آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا۔(النساء:۱)

۳۔ اے انسان کیا تو اس ذات کا انکار کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا فرمایا۔(الکہف:۳۷)

۴۔ یقیناً ہم نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔(الحجر:۲۶)

۵۔ اللہ نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔(المومنون:۱۲)

۶۔ اللہ نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔(الدھر:۲)

۷۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ بنایا، پھر اس سے خون کا لوتھڑا، پھر اس سے بوٹی بنا کر انسان بنایا۔(الحج:۵)

۸۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ، پھر لوتھڑا بنا کر تمہیں پیدا کرتا ہے کہ تم بچے ہوتے ہو۔(المومن:۶۷)

۹۔ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا۔(الروم:۲۰)

۱۰۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تمہارے جوڑے جوڑے بنائے۔(فاطر:۱۱)

وَ	یَعۡبُدُوۡنَ	مِنۡ	دُوۡنِ	اللّٰہِ	مَا لَا	یَنۡفَعُہُمۡ
اور	وہ عبادت کرتے ہیں	سے	سوائے	اللہ	جو نہیں	وہ انھیں نفع دے سکتے
وَلَا	یَضُرُّہُمۡ	وَکَانَ	الۡکَافِرُ	عَلٰی	رَبِّہٖ	ظَہِیۡرًا ﴿۵۵﴾
اور نہ	انھیں نقصان پہنچا سکتے ہیں	اور ہے	کافر	پر	اپنے رب	مخالف
وَمَاۤ	اَرۡسَلۡنٰکَ	اِلَّا	مُبَشِّرًا	وَّ	نَذِیۡرًا ﴿۵۶﴾	
اور نہیں	ہم نے آپ کو بھیجا	مگر	خوشخبری دینے والا	اور	ڈرانے والا	

''اس اللہ کو چھوڑ کر لوگ ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے اور کافر اپنے رب کا مخالف بنا ہوا ہے۔(۵۵) اے نبی آپ کو ہم نے بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔''(۵٦)

فہم القرآن

ربط کلام: انسان کو اس کی تخلیق یاد کروا کے بتلایا گیا ہے کہ تیرا خالق ''اللہ'' ہے لہٰذا تجھے صرف اسی کی عبادت کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیات سے پہلی آیت میں اپنے رب ہونے کے ۸ دلائل دیے ہیں۔ ان دلائل میں اس کے خالق، رازق اور مالک ہونے کے اس قدر ٹھوس ثبوت ہیں جن میں سے کوئی ایک صفت اور ثبوت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی ذات میں نہیں پایا جاتا۔ اس حقیقت کے ناقابل تردید دلائل دینے کے بعد انسان کو اس بات کا احساس دلایا ہے کہ کچھ لوگ ایسے زبردست مالک، خالق اور رازق کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو انھیں نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ یہ لوگ حقیقتاً کافر ہیں اور کافر اپنے رب کا مخالف ہے۔ خود ساختہ حاجت رواؤں کی حمایت میں جھگڑا کرتا ہے اور رب کی توحید کے خلاف دلائل دیتا ہے۔ اے پیغمبر ﷺ! ان لوگوں کے ساتھ جھگڑا کرنے کی بجائے آپ انھیں سمجھاتے رہیں کیونکہ ہم نے آپ کو خوشخبری دینے والا اور برے کاموں سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدم کا بیٹا مجھے گالیاں دیتا ہے۔ یہ اس کے لیے لائق نہیں اور وہ میری تکذیب کرتا ہے۔ یہ بھی اس کے لیے جائز نہیں اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ میں نے اولاد بنا رکھی ہے۔ اس کا جھٹلانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ مجھے دوبارہ نہیں پیدا کیا جائے گا جس طرح مجھے پہلی بار پیدا کیا گیا۔'' [رواہ البخاری: باب مَا جَاءَ فِی قَوْلِ اللّٰہِ تَعَالَی (وَهُوَ الَّذِی یَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیدُهُ)]

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والا عملاً کافر ہوتا ہے۔ ۲۔ کافر ان کی پوجا کرتا ہے جو اسے نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

۳۔ مشرک درحقیقت اپنے رب کے مدمقابل کھڑا ہوتا ہے۔

قُلْ	مَآ	اَسْـَٔلُكُمْ	عَلَيْهِ	مِنْ	اَجْرٍ	اِلَّا
فرما دیجیے	نہیں	میں تم سے سوال کرتا	اس پر	سے	اجر	مگر
مَنْ	شَآءَ	اَنْ	يَّتَّخِذَ	اِلٰى	رَبِّهٖ	سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾
جو	وہ چاہے	یہ کہ	وہ پکڑے	طرف	اپنے رب	راستہ
وَتَوَكَّلْ	عَلَى	الْحَيِّ	الَّذِيْ	لَا يَمُوْتُ	وَسَبِّحْ	بِحَمْدِهٖ
اور توکل کیجیے	پر	زندہ	جو	نہیں مرتا	اور آپ تسبیح کریں	اس کی حمد کے ساتھ
وَكَفٰى	بِهٖ	بِذُنُوْبِ	عِبَادِهٖ	خَبِيْرًا ﴿۵۸﴾		
اور کافی ہے	ساتھ اس کے	گناہوں	اپنے بندے	خبردار ہونے والا		

”ان سے فرمادیں کہ میں اس کام پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میرا اصلہ یہی ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کا راستہ اختیار کرلے۔(۵۷) اے نبی اس اللہ پر بھروسہ رکھو۔ جو زندہ ہے اور کبھی مرنے والا نہیں۔ اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔ وہ اپنے بندوں کے گناہوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔“ (۵۸)

فہم القرآن

ربط کلام: کفار اور مشرکین کے مقابلہ میں رسول کریم ﷺ کو دو باتوں کی تلقین۔

یہ اعلانِ حق آپ ﷺ کی زبان سے کروایا گیا کہ آپ اپنی قوم کو دوٹوک انداز میں فرمادیں کہ میں نبوت کی ذمہ داریوں کے بدلے تم سے کسی قسم کا اجر اور معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ اس میں ایک طرف کفار اور مشرکین کے لیے پیغام ہے کہ سوچو اور غور کرو! کہ جس شخصیت کا نبوّت سے پہلے اس قدر احترام اور مقام تھا کہ ہر کوئی اس کا اعتراف کرتا تھا۔ لیکن اس نے اپنے مقام اور احترام کو جس مشن پر قربان کیا ہے اسے اس کے بدلے میں کیا مل رہا ہے؟ اس کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ دلگیر ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ ان سے کسی قسم کے اجر کے طالب نہیں۔ جسے بوجھ سمجھ کر یہ آپ کی مخالفت پر اُتر آئے ہیں۔ آپ تو ان کی اصلاح اور اپنے رب کی خوشنودی کے لیے مصائب اور مشکلات برداشت کر رہے ہیں۔ جب سب کچھ آپ اپنے رب کی وجہ سے کر رہے ہیں تو اس رب پر بھروسہ کیجیے جو ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے۔ اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ وہ ہمیشہ سے زندہ اور قائم و دائم ہے اور قائم و دائم رہے گا بس زندہ اور قائم و دائم رہنے والے رب کی حمد و ستائش کرتے رہیں۔ وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خوب واقف ہے۔ اس میں بھی آپ کو تسلّی دی گئی ہے کہ آپ یہ خیال نہ

فرمایں کہ آپ کا رب آپ کے مخالفوں کے جرائم سے غافل ہے ایسا ہرگز نہیں وہ لوگوں کے جرائم سے پوری طرح آگاہ ہے لیکن اس نے جبر کرنے کی بجائے لوگوں کو اختیار دے رکھا ہے کہ وہ چاہیں تو اپنے رب کا راستہ اختیار کریں، اگر نہ چاہیں تو اس کے مخالف چلتے رہیں تاہم انھیں یہ بات ہر لمحہ یاد رکھنی چاہیے کہ ان کا رب ان کے گناہوں سے پوری طرح باخبر ہے۔ ان الفاظ میں مجرموں کے لیے ایک تنبیہ ہے۔

آپ ﷺ کی دعا:

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا كَرَبَهُ أَمْرٌ قَالَ يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ))

[رواه الترمذی:باب مَا جَاءَ فِي عَقْدِ التَّسْبِيحِ بِالْيَدِ]

’’حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ کو جب بھی کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو آپ دعا کرتے اے ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والے میں تیری رحمت کا طلب گار ہوں۔‘‘

مسائل

١۔ تمام انبیاء نبوت کا کام بلا معاوضہ کیا کرتے تھے۔

٢۔ نبی اکرم ﷺ کو حکم تھا کہ آپ ہر حال میں اپنے رب کی حمد و ستائش کرتے ہیں۔

٣۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ و قائم رہنے والا ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔

٤۔ ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والے رب پر ہی توکل کرنا چاہیے۔

٥۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اچھے اور برے راستے پر چلنے کا اختیار دے رکھا ہے۔

٦۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں سے پوری طرح باخبر ہے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کرام علیہم السلام بلا معاوضہ نبوّت کا کام اور لوگوں کی خدمت کیا کرتے تھے:

١۔ حضرت نوح نے فرمایا میں تم سے تبلیغ پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ (ہود:٢٩)

٢۔ حضرت ہود نے فرمایا کہ میں تم سے تبلیغ کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ (الشعرا:١٢٧)

٣۔ حضرت صالح نے فرمایا کہ میرا اجر اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے میں تم سے کچھ نہیں مانگتا۔ (الشعرا:١٤٥)

٤۔ میرا اجر اللہ پر ہے اور وہی ہر چیز پر گواہ ہے۔ (سبا:٤٧) ٥۔ میرا اجر اللہ پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ (ہود:٥١)

٦۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں تجھ سے نہ تم سے اجر چاہتا ہوں اور نہ کسی قسم کا تکلف کرتا ہوں۔ (ص:٨٦)

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ

وہ ذات جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین اور جو کچھ دونوں کے درمیان میں چھ

اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ

دنوں پھر وہ مستوی ہوا پر عرش رحمٰن آپ پوچھ لیں اس کے ساتھ

خَبِیْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا

خبر رکھنے والا اور جب کہا جاتا ہے ان سے تم سجدہ کرو رحمٰن کے لیے وہ کہتے ہیں اور کیا (ہے)

الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾ ع السجدة

رحمٰن؟ کیا ہم سجدہ کریں اسے جس کی بابت تو ہمیں حکم دیتا ہے؟ اور اس نے انھیں زیادہ کر دیا نفرت میں

”وہی ہے جس نے چھ دنوں میں زمین وآسمانوں اور تمام چیزوں کو پیدا کیا جو آسمان وزمین کے درمیان ہیں۔ پھر خود عرش پر جلوہ افروز ہوا۔ رحمٰن کی شان جاننے والے سے پوچھو۔ (۵۹) جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اس رحمان کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں الرّحمان کون ہوتا ہے؟ کیا جسے تو کہہ دے اسی کو ہم سجدہ کرتے پھریں؟ الرّحمان کی طرف بُلایا جائے تو ان کی نفرت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔“ (۶۰)

فہم القرآن

ربط کلام : جس زندہ اور ہمیشہ قائم رہنے والی ذات پر توکل کرنے کا حکم ہے وہ بڑا ہی مہربان ہے اور اسی نے زمین و آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت اور خالقیت کے دلائل دیتے ہوئے یہ بات کئی مرتبہ بیان فرمائی ہے کہ اس نے زمینوں، آسمانوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا، زمین وآسمانوں کو پیدا کرنے کے بعد وہ عرش معلّٰی پر اپنی شان کے مطابق مستوی ہوا۔ وہی رحم وکرم کا مالک اور خالق ہے۔ اگر کسی کو شک ہو تو وہ کسی جاننے والے سے پوچھ لے۔ یہ جملہ کفارِ مکہ کے لیے بولا گیا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام الرّحمٰن کا انکار کرتے تھے۔ جب نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کو الرّحمٰن کہہ کر پکارتے تو مشرکین مکہ اعتراض کرتے کہ ہمیں ایک خدا کو پکارنے کا حکم دیتا ہے اور خود دو خداؤں کو پکارتا ہے۔ کفارِ مکہ کو کہا جاتا ہے کہ الرّحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ وہ کون ہوتا ہے۔ ”کیا ہم الرّحمٰن کو سجدہ کریں جسے ہم نہیں جانتے۔“ چاہیے تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو الرّحمٰن جان کر اس کے قریب ہوتے لیکن وہ الرّحمٰن کی دشمنی میں آکر نفرت میں مزید دور چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے نام میں جلال اور تمکنت پائی جاتی ہے اور الرّحمٰن کے لفظ اور نام میں رحم وکرم کا اظہار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر اپنا جلال اختیار فرمائے تو کوئی چیز زمین پر باقی نہ رہے۔ یہ تو الرّحمٰن کی رحمت کا نتیجہ ہے کہ جس وجہ سے وہ ہر قسم کی بغاوت اور نافرمانی کو صرفِ نظر کرتا ہے۔ الرّحمٰن

اور الرّحیم کے نام اور صفات ''اللہ'' کو اس قدر پسند ہیں کہ قرآن مجید میں الرحمٰن کا نام ۵۷ مرتبہ اور الرحیم کا ۱۱۶ مرتبہ لیا گیا ہے۔
سورۃ الاعراف آیت: ۱۸۰ میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بہترین نام ہیں تم اسے کسی نام کے ساتھ بھی پکار سکتے ہو۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ رِوَایَةً قَالَ لِلّٰهِ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ اسْمًا مِائَةٌ إِلَّا وَاحِدًا لَا یَحْفَظُهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ)) [رواه البخاری: کتاب الدعوات ،باب لله مائة اسم غیر واحد]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو کوئی انہیں یاد کرلے گا جنت میں داخل ہوگا اللہ ایک ہے اور ایک کو پسند کرتا ہے۔'' (نام یاد کرنے سے مراد ان کے مطابق عقیدہ بھی ہونا چاہیے۔)

رحمٰن فعلان کے وزن پر مبالغہ یعنی سپر ڈگری (Super Degree) اور رحیم فعیل کے وزن پر اسم صفت مشبہ کے صیغے ہیں۔ اہلِ علم کے نزدیک رحمٰن کی صفت سب کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کا رحیم ہونا صرف مومنوں کے لیے خاص ہے۔
الرحمٰن: لامتناہی اور رحمتِ مجسم کا ترجمان ہے جب کہ لفظ ''الرحیم'' کائنات پر نازل ہونے والی مسلسل اور دائمی رحمت کی ترجمانی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ معافی اور درگزر سے کام لیتا ہے کیونکہ اس نے ابتدائے آفرینش سے لکھ رکھا ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔[رواه البخاری :کتاب التوحید، باب قول الله تعالیٰ ویحذرکم الله نفسه]

مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میری رحمت وشفقت ہر آن ان کے قریب رہتی ہے۔

﴿رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ﴾ [الأعراف:۱۵۶]

''میری رحمت سب پر محیط ہے۔''

﴿کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾

[الأنعام: ۵۴] ''تمہارے رب نے اپنے آپ رحمت کو لازم کرلیا ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کا دوسرا عظیم نام الرحمٰن ہے۔ ۲۔ مکہ کے مشرک ''الرحمٰن'' کو نہیں مانتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

''الرحمٰن'' کی رحمت کا ایک منظر:

۱۔ اللہ ایک ہے بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ (البقرۃ:۱۶۳) ۲۔ اس کی رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ (الاعراف:۱۵۶)
۳۔ سب کچھ جاننے کے باوجود نہایت ہی مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ (الحشر:۲۲)
۴۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر مہربانی کرنا ازخود اپنے آپ پر لازم کرلیا ہے۔ (الانعام:۵۴)
۵۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ (الزمر:۵۳) ۶۔ اللہ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہوا کرتی ہے۔ (الاعراف:۵۶)

تَبٰرَكَ	الَّذِیْ	جَعَلَ	فِی	السَّمَآءِ	بُرُوْجًا	وَّجَعَلَ
بابرکت	وہ ذات	اس نے بنائے	میں	آسمان	برج	اوراس نے بنایا
فِیْهَا	سِرٰجًا	وَّ	قَمَرًا	مُّنِیْرًا ﴿٦١﴾	وَهُوَ	الَّذِیْ
اس میں	چراغ	اور	چاند	روشن	اوروہی	وہ
جَعَلَ	الَّیْلَ	وَالنَّهَارَ	خِلْفَةً	لِّمَنْ	اَرَادَ	اَنْ
اس نے بنایا	رات	اوردن	ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے	اس کے لیے	چاہے	یہ کہ
یَّذَّكَّرَ	اَوْ	اَرَادَ	شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾			
وہ نصیحت حاصل کرے	یا	وہ چاہے	شکر کرنا			

''بڑا برکت والا ہے وہ جس نے آسمان میں بُرج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور ایک چمکتا ہوا چاند روشن کیا۔(٦١) وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا۔ یہ نشانیاں اس شخص کے لیے ہیں جو نصیحت حاصل کرنا چاہے یا شکر گزار ہونا چاہتا ہو۔'' (٦٢)

فہم القرآن

ربط کلام: الرحمٰن کا انکار کرنے والوں کو نصیحت کرنے کے بعد اب پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرتیں یاد کرواتا ہے۔

اللہ کی ذات بڑی بابرکت ہے جس نے آسمان میں برج بنائے اُس نے آسمان میں سورج اور چمکتا ہوا چاند بنایا۔ اُسی ذاتِ کبریا نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا۔ اس کی قدرتوں میں اُس کی ذات پر ایمان لانے کے بڑے ہی ٹھوس دلائل موجود ہیں۔ بشرطیکہ کوئی شخص اُس کا شکر گزار بندہ بن کر نصیحت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ یہاں نصیحت کے لیے شکر گزار ہونے کی شرط ذکر کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نصیحت اور شکر آپس میں لازم ملزوم ہیں۔ شکر کی ابتداء اعترافِ نعمت سے ہوتی ہے جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اعتراف پیدا ہو جائے وہ اپنے رب کا شکر گزار ہونے کے ساتھ اس کی نصیحت پر عمل کرنا اپنے لیے لازم سمجھتا ہے۔ شکر کے مقابلے میں کفر اور ناشکری ہے۔ جس میں یہ بات پیدا ہو جائے وہ نصیحت حاصل کرنے کی بجائے ناشکری اور نافرمانی میں آگے ہی بڑھتا جاتا ہے۔ نصیحت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف اور اُس کا شکر کرنا واجب ہے۔ اگر انسان چاند اور سورج کے فوائد، رات اور دن کے آنے جانے کے بارے میں غور کرے تو وہ اپنے رب کی ناشکری اور اس کی نصیحتوں سے روگردانی نہیں کرسکتا۔ چاند، سورج، رات اور دن کے فوائد جاننے کے لیے اسی سورۃ کی آیت ٤٥ تا ٤٧ کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں صرف اتنا ذکر کیا جاتا ہے۔ بروج کا

ذکر قرآن مجید میں ۳ مرتبہ آیا ہے۔تیسویں پارہ میں ایک سورۃ کا نام سورہ بروج رکھا گیا ہے۔

﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِO﴾ [البروج :١]

''برجوں والے آسمان کی قسم!''

برج کی جمع بروج ہے۔مفسرین اور صاحب لغات حضرات نے اس کے کئی معانی بیان کیے ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے مشہور تابعی مجاہد رحمۃ اللہ کے حوالے سے لکھا کہ بروج سے مراد سورج اور چاند کی منازل ہیں۔جن میں وہ مقررہ رفتار سے چلتے ہیں جس سے سال کے بارہ مہینے متعین ہوتے ہیں۔

کچھ مفسرین اوراہل لغت کا خیال ہے بروج وہ مقامات ہیں جن میں چوکیدار ملائکہ مقرر ہیں۔جو آسمان کے دروازوں کے پاس جا کر ملائکہ کی جاسوسی کرنے والے شیاطین کا تعاقب کرتے ہیں۔

﴿اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِOوَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍO﴾ [الصافات:٦-٧]

''یقیناً ہم نے آسمان کو ستاروں سے مزین اور ہر سرکش شیطان سے بچاؤ کے لیے ٹکایا۔''

- سورج کا وزن دس کھرب 19889x کھرب ٹن ہے یعنی زمین سے تقریباً سوا تین لاکھ گنا زیادہ اور درجۂ حرارت تقریباً ڈیڑھ کروڑ ڈگری سینٹی گریڈ ہے۔اس میں 40 لاکھ ٹن ہائیڈروجن گیس فی سیکنڈ استعمال ہوتی ہے اور اس کی سطح کا درجہ حرارت 6000 ڈگری سینٹی گریڈ ہے۔سورج کی حرارت ابھی مزید 5 اَرب سال کے لیے کافی ہے۔

سورج کی اہمیت:

- سورج جو ہماری زندگی کا سرچشمہ ہے، اس کی حرارت اتنی زیادہ ہے کہ بڑے بڑے پہاڑ بھی اس کے سامنے جل کر راکھ ہو جائیں مگر وہ ہماری زمین سے اتنے مناسب فاصلے پر ہے کہ یہ ''کائناتی انگیٹھی'' ہمیں ہماری ضرورت سے ذرا بھی زیادہ گرمی نہ دے سکے۔اگر سورج دگنے فاصلے پر چلا جائے تو زمین پر اتنی سردی پیدا ہو جائے کہ ہم سب لوگ جم کر برف بن جائیں اور اگر وہ آدھے فاصلے پر آجائے تو زمین پر اتنی حرارت پیدا ہوگی کہ تمام جاندار اور پودے جل بھن کر خاک ہو جائیں گے۔

چاند کی حقیقت:

- چاند ہم سے تقریباً 384,400 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔اس کی بجائے اگر وہ صرف پچاس ہزار کلومیٹر دور ہوتا تو سمندروں میں مدوجزر کی لہریں اتنی بلند ہوتیں کہ تمام کرۂ ارض دن میں دو بار پانی میں ڈوب جاتا اور بڑے بڑے پہاڑ موجوں کے ٹکرانے سے رگڑ کر ختم ہو جاتے۔چاند کی اس مناسب کشش کی وجہ سے سمندروں کا پانی متحرک رہتا ہے اسی وجہ سے پانی صاف ہوتا رہتا ہے۔
- سورج اپنی غیر معمولی کشش سے ہماری زمین کو کھینچ رہا ہے اور زمین ایک مرکز گریز قوت کے ذریعے اس کی طرف کھنچ جانے

سے اپنے آپ کو روکتی ہے۔ اس طرح وہ سورج سے دور رہ کر فضا کے اندر اپنا وجود باقی رکھے ہوئے ہے۔ اگر کسی دن زمین کی یہ قوت ختم ہو جائے تو وہ تقریباً 6000 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سورج کی طرف کھنچنا شروع ہو جائے گی اور چند ہفتوں میں سورج کے اندر اس طرح جا گرے گی جیسے کسی بہت بڑے الاؤ کے اندر کوئی تنکا گر جائے۔ (بحوالہ: سائنس اور قرآن از ہارون یحییٰ)

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ مُکَوَّرَانِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ)) [رواہ البخاری: باب صِفَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سورج اور چاند کو لپیٹ لیا جائے گا۔''

((أَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ)) [رواہ أبوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب فی الإستغفار]

''الٰہی! اپنے ذکر، شکر اور بہترین طریقے سے عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کے لیے برج قائم فرمائے ہیں۔

٢۔ سورج اور چاند، رات اور دن کے آنے جانے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ٹھوس دلائل موجود ہیں۔

٣۔ نصیحت حاصل کرنے والے شکرگزار ہوتے ہیں اور شکرگزار نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

شکر کی اہمیت اور فضیلت:

١۔ اللہ کے عطا کردہ رزق پر اس کا شکریہ ادا کرو۔ (الانفال: ٢٦)

٢۔ اللہ نے سمندر کو تمہارے تابع کیا جس سے تازہ مچھلی، زیبائش کا سامان نکلتا ہے اس پر اللہ کا شکریہ ادا کرو۔ (النحل: ١٤)

٣۔ اللہ نے رات کو باعثِ سکون اور دن کو کسبِ معاش کا ذریعہ بنایا ہے تاکہ اس کا شکریہ ادا کیا جائے۔ (القصص: ٧٣)

٤۔ شکر کے بارے میں حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی دعائیں۔ (ص: ٣٥، النمل: ١٩)

٥۔ اللہ تعالیٰ شکرگزار لوگوں کو زیادہ دیتا ہے۔ (ابراہیم: ٧)

٦۔ اللہ تعالیٰ شکرگزار بندوں کا قدردان ہے۔ (النساء: ١٤٧)

٧۔ شیطان کا مقصد انسان کو ناشکرا بنانا ہے۔ (الاعراف: ١٧)

٨۔ اللہ تعالیٰ کے شکرگزار بندے تھوڑے ہی ہوا کرتے ہیں۔ (سبا: ١٣)

٩۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھ، کان اور دل اس لیے دیئے ہیں کہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔ (السجدۃ: ٩)

وَعِبَادُ	الرَّحْمٰنِ	الَّذِيْنَ	يَمْشُوْنَ	عَلَى	الْاَرْضِ
اور بندے	رحمٰن	وہ لوگ	وہ چلتے ہیں	پر	زمین
هَوْنًا	وَّاِذَا	خَاطَبَهُمُ	الْجٰهِلُوْنَ	قَالُوْا	سَلٰمًا ﴿۶۳﴾
آہستگی	اور جب	ان سے بات کرتے ہیں	جاہل	انہوں نے کہا	سلام

''رحمان کے حقیقی بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اگر جاہل ان سے جھگڑیں تو وہ ان کو سلام کہہ کر چل دیتے ہیں۔'' (۶۳)

فہم القرآن

ربط کلام: شکر گزار لوگ رحمٰن کے بندے ہوتے ہیں یہاں الرّحمٰن کے بندوں کی چند صفات کا بیان ہوتا ہے۔

اس آیت سے تین آیات پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے عظیم نام ''الرحمٰن'' کا یہ کہہ کر تعارف کروایا کہ الرّحمٰن وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔ اس کے بعد چاند اور سورج، رات اور دن کو اپنی قدرت کی نشانی قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ قدرت کی نشانیوں سے وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو اپنے رب کے شکر گزار ہوتے ہیں۔ شکر گزار ہونے کے لیے لازم ہے کہ انسان اپنے رب کی نعمتوں اور مہربانیوں کا احساس اور ادراک پیدا کرے۔ جس نے اپنے رب کی مہربانیوں کا شعور اور ادراک پالیا وہ الرّحمٰن کا بندہ بن جائے گا۔ الرّحمٰن کے بندوں کے اوصاف میں پہلا اخلاقی وصف یہ ہے کہ اُن کی چال ڈھال میں وقار اور عاجزی پائی جاتی ہے۔ اُن کی گفتار میں سنجیدگی اور اخلاق نمایاں ہوتا ہے۔ انسان کی چال ڈھال، اُس کی طبیعت اور کردار کی ترجمان ہوتی ہے۔ گفتار سے آدمی کی فہم وفراست اور اس کے نظریات کا علم ہوتا ہے، طبیعت میں عاجزی اور کردار میں پاکیزگی ہو تو انسان کی چال ڈھال میں اُس کی عاجزی اور حسن کردار کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ طبیعت میں غرور اور تکبر ہو تو چال ڈھال متکبرانہ ہو جاتی ہے۔ انسان حسنِ کردار سے تہی دامن ہوگا تو چال ڈھال میں چھچھورا پن اور آوارگی نظر آئے گی۔ ''عبادالرّحمٰن'' میں مسلمان مردوں کے ساتھ مسلم خواتین بھی شامل ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی چال ڈھال کا ایک معیار قائم فرمایا ہے۔ حکم ہے کہ اے انسان! زمین پر اکڑ اکڑ کر نہ چل، اکڑ اکڑ کر چلنے سے نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ ہی پہاڑوں کی بلندیوں کو چھو سکتا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۳۷)

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو یوں نصیحت کی تھی: بیٹا! درمیانہ چال چلو اور اپنی گفتگو میں میانہ روی اختیار کرو۔ سب سے مکروہ آواز گدھے کی آواز ہے۔ (لقمان: ۱۹)

درمیانہ چال یہ ہے کہ نہ اس میں مریضانہ اور تکلّفانہ عاجزی کا اظہار ہو اور نہ ہی اس میں فخر و غرور پایا جائے۔ خواتین کے لیے مزید اصول یہ ہے کہ وہ اپنے سنگھار بناؤ کو ایڑیاں مار مار کر ظاہر نہ کریں۔ (الاحزاب: ۳۳)

مردوں اور عورتوں کے لیے ہدایت ہے کہ وہ اپنی نگاہیں اِدھر اُدھر اُٹھانے کی بجائے نیچی رکھا کریں۔(النور:٣٠،٣١)

خواتین کی پسندیدہ چال کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی کی ان الفاظ میں تعریف کی گئی ہے کہ وہ بڑی حیا کے ساتھ چلتی ہوئی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی اور اُس نے حیادار لہجے میں کہا، میرے باپ آپ کو اپنے ہاں بلا رہے ہیں جو آپ نے ہماری خدمت کی ہے تاکہ اُس کا بدلہ دیا جائے۔(القصص:٢٥)

جہاں تک انسان کی گفتار اور آواز کا معاملہ ہے اگر وہ امام اور خطیب ہے تو اُسے اپنے مقتدی اور سامعین کی تعداد کے مطابق آواز نکالنی چاہیے۔کوئی استاد ہے تو اُسے چاہیے نہ اس قدر دھیمی آواز بات کرے کہ شاگرد کو سنائی نہ دے اور نہ اتنی بلند آواز سے بولے کہ اُس کی آواز میں کراہت محسوس کی جائے۔نبی کریم ﷺ بولنے میں اس قدر احتیاط فرماتے کہ اگر گھر میں دیر سے تشریف لے جاتے اور گھر والے سو رہے ہوں تو ایسے لہجے میں سلام کہتے۔کہ جاگنے والا سن لیتا اور سوئے ہوئے کی نیند میں خلل واقعہ نہ ہوتا۔(صحيح الادب المفرد: باب التسليم على النائم)

خواتین کو ہدایت ہے کہ غیر محرم سے بات کرتے ہوئے نسوانہ آواز میں قدرے بیگانگی کا لہجہ اختیار کریں تاکہ جس کے دل میں بے حیائی کا مرض ہو وہ کسی قسم کی امید قائم نہ کرے۔(الاحزاب:٣٢)

مرد ہو یا عورت جب کسی جاہل کے ساتھ واسطہ پڑے تو اس کے ساتھ الجھنے کی بجائے اچھی بات کہہ کر بات کا رُخ بدل دے۔جاہل کو ترکی بہ ترکی جواب دینے سے آدمی کے اپنے اخلاق میں گراوٹ پیدا ہوتی ہے اور بسا اوقات آپس میں الجھاؤ پیدا ہو جاتا ہے جس سے اجتناب کرنا چاہیے۔لغت کے اعتبار سے ''هُوْنًا'' کا معنیٰ ''عاجزی اور وقار'' ہے۔

مسائل

١۔ ''عباد الرّحمٰن'' کی چال ڈھال میں سنجیدگی اور وقار ہوتا ہے۔٢۔ ''عباد الرّحمٰن'' کی گفتگو میں اخلاق ٹپکتا ہے۔

٣۔ عباد الرّحمٰن جاہلوں سے الجھنے کی بجائے اچھی بات کہتے ہوئے چل دیتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

عباد الرّحمٰن کی چال ڈھال کی ایک جھلک:

١۔ عباد الرّحمٰن عاجزانہ چال چلتے ہیں۔(الفرقان:٦٣)

٢۔ مومن بیہودہ حرکتوں سے اعراض کرتے ہیں۔(المومنون:٣)

٣۔ مومن بیہودہ بات سنتے ہیں تو باوقار طریقہ سے گذر جاتے ہیں۔(الفرقان:٧٢)

٤۔ اللہ کے بندے میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔(الفرقان ٦٧)

وَالَّذِيْنَ	يَبِيْتُوْنَ	لِرَبِّهِمْ	سُجَّدًا	وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾	وَالَّذِيْنَ
اور وہ لوگ	وہ رات گزارتے ہیں	اپنے رب کے لیے	سجدے کرتے ہوئے	اور قیام کرتے ہوئے	اور وہ لوگ
يَقُوْلُوْنَ	رَبَّنَا	اصْرِفْ	عَنَّا	عَذَابَ	جَهَنَّمَ ۖ	اِنَّ
وہ کہتے ہیں	اے ہمارے رب!	تو پھیر دے	ہم سے	عذاب	جہنم	بلاشبہ
عَذَابَهَا	كَانَ	غَرَامًا ﴿٦٥﴾	اِنَّهَا	سَآءَتْ	مُسْتَقَرًّا	وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾
اس کا عذاب	ہے وہ	چمٹنے والا	بے شک وہ	بری	ٹھہرنے کی جگہ	اور قیام کرنے کی

”وہ لوگ اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔(٦٤) دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالے جہنم کا عذاب تو چمٹ جانے والا ہے۔(٦٥) وہ رہنے اور ٹھرنے کی بدترین جگہ ہے۔“(٦٦)

فہم القرآن

ربط کلام: عبادالرّحمٰن کے اوصاف کا تذکرہ جاری ہے۔

الرّحمٰن کے بندے پوری رات سونے کی بجائے رات کا کچھ حصہ آرام کرنے کے بعد اُٹھ کھڑتے ہوتے ہیں۔اُن کے اُٹھنے کی کیفیت قرآن مجید نے یوں بیان کی ہے کہ الرّحمٰن کے بندے اپنے بستروں سے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے رب کو اُمید اور خوف کی کیفیت میں پکارتے ہیں۔(السجدۃ:١٦) وہ رات کے وقت اپنے رب کے حضور سجدہ اور قیام کرتے ہیں اپنے رب سے فریاد پر فریاد کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں جہنم کے عذاب سے محفوظ فرمانا۔بے شک جہنم کا عذاب چمٹ جانے والا ہے یقیناً جہنم ٹھہرنے اور قیام کے اعتبار سے بدترین جگہ ہے۔

سحری کا وقت حاجات ومناجات اور سکون واطمینان کے لیے ایسا وقت ہے کہ لیل ونہار کا کوئی لمحہ ان لمحات کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔زمین وآسمان کی وسعتیں نورانی کیفیت سے لبریز دکھائی دیتی ہیں۔ہر طرف سکون وسکوت انسان کی فکر ونظر کو جلا بخشنے کے ساتھ خالقِ حقیقی کی طرف متوجہ کررہا ہوتا ہے۔ایک طرف رات اپنے سیاہ فام دامن میں لے کر ہر ذی روح کو سلائے ہوئے ہے اور دوسری طرف بندۂ مومن اپنے خالقِ حقیقی کی بارگاہ میں پیش ہونے کے لیے کروٹیں بدلتا ہوا اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔کہیں نیند کی غفلت میں یہ پُرنور لمحات گذرنہ جائیں۔وہ ٹھنڈی راتوں میں یخ پانی سے وضو کرکے رات کی تاریکیوں میں لرزتے ہوئے وجود اور کانپتی ہوئی آواز کے ساتھ شکروحمد اور فقر وحاجت کے جذبات میں زاروقطار روتا ہوا فریاد کناں ہوتا ہے۔وہ آنسوؤں کے قطروں سے اس طرح اپنی ردائے عمل کو دھوڈالتا ہے کہ اس کا دامن گناہوں کی آلودگی سے پاک اور وجود دنیا کی تھکن سے ہلکا ہوجاتا ہے۔کیونکہ طویل ترین قیام اور دیر تک رکوع وسجود میں پڑا رہنے سے تہجد بندۂ مومن کو ذہنی اور جسمانی طور پر طاقت وتوانائی سے ہمکنار کردیتی ہے اگر خوردونوش میں مسنون طریقوں کو اپنائے تو اس کو کسی قسم کی سیروسیاحت

حتیٰ کہ معمولی ورزش کی حاجت بھی نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تہجد کا اس طرح تذکرہ فرماتے ہیں:

﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝﴾ [السجدة: ١٦]

''وہ اپنے بستروں سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے اور جو ہم نے انہیں دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔''

﴿اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلاً ۝﴾ [المزمل: ٦]

''حقیقتاً رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے اور قرآن پاک پڑھنے کے لیے موزوں ترین وقت ہے۔''

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۝ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝﴾ [الذاريات: ١٥تا١٧]

''یقیناً متقی لوگ اس دن باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ جو کچھ ان کا رب انہیں عطا کرے گا وہ بڑی خوشی کے ساتھ لے رہے ہوں گے۔ کیونکہ وہ اس دن کے قائم ہونے سے پہلے نیک اعمال کیا کرتے تھے۔ راتوں کو کم ہی سویا کرتے تھے اور رات کے پچھلے حصے میں اللہ کے حضور توبہ واستغفار کرتے تھے۔''

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ فِیْ جَوْفِ اللَّيْلِ))

[مشکوٰة: باب صيام النطوع]

''جناب ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا فرض نماز کے بعد افضل ترین نماز درمیانی رات کی نماز ہے۔''

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ يَقُوْلُ مَنْ يَدْعُوْنِیْ فَاَسْتَجِيْبَ لَهٗ مَنْ يَّسْاَلُنِیْ فَاُعْطِيَهٗ مَنْ يَّسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرُ لَهٗ)) [مشكوة: باب التحريض على قيام الليل]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رب تعالیٰ رات کے آخری حصے میں آسمانِ دنیا پر تشریف لا کر فرماتے ہیں کون ہے مجھے پکارنے والا کہ میں اس کی دعا قبول کروں اور کون ہے مجھ سے طلب کرنے والا میں اسکو عطا کروں اور کون ہے جو مجھ سے بخشش اور مغفرت چاہے میں اس کو بخشتا چلا جاؤں۔''

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ اِفْتَتَحَ الصَّلٰوةَ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ))

[مشکوٰة: باب صلاة الليل]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول پاک ﷺ جب رات کو نماز تہجد کے لیے کھڑے ہوتے تو پہلے دو رکعتیں ہلکی پڑھا کرتے تھے۔''

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ بَعْدَ التَّشَهُّدِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ)) [رواه ا بوداؤد:باب مایقول بعد التشهد]

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ تشہد کے بعد یہ دعا کیا کرتے تھے اے اللہ میں عذاب جہنم، عذاب قبر، دجال کے فتنہ، زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ اَوْصَانِیْ خَلِیْلِیْ بِثَلٰثٍ صِیَامِ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَیِ الضُّحٰی وَاَنْ اُوْتِرَ قَبْلَ اَنْ اَنَامَ)) [رواه البخاری: باب صِیَامِ أَیَّامِ الْبِیضِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے محبوب یعنی نبی معظم ﷺ نے تین کاموں کی وصیت فرمائی کہ ہر ماہ میں تین روزے رکھنا اور چاشت کے وقت دو نفل ادا کرنا اور رات کو سونے سے پہلے وتر ادا کرنا۔''

((عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَّامَ عَنْ حِزْبِهٖ اَوْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ فَقَرَاَهٗ فِیْمَا بَیْنَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهٗ كَاَنَّمَا قَرَاَهٗ مِنَ اللَّیْلِ)) [رواه مسلم:باب جَامِعِ صَلَاةِ اللَّیْلِ وَمَنْ نَامَ عَنْهُ أَوْ مَرِضَ]

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آپ ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص رات کی نیند کی وجہ سے اپنا وظیفہ یا اس کا کچھ حصہ مکمل نہ کر سکے اسے فجر اور ظہر کے درمیان مکمل کر لینا چاہیے۔ اس کے لیے ایسے ہی لکھا جائے گا جیسے اس نے رات کے وقت قیام کیا ہو۔''

مسائل

١۔ ''الرحمٰن'' کے بندے رات کے وقت اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام کرتے ہیں۔
٢۔ ''الرحمٰن'' کے بندے اپنے رب سے جہنم کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں۔
٣۔ جہنم کا عذاب جہنمیوں کے ساتھ چمٹ جانے والا ہوگا۔ ٤۔ جہنم رہنے کے اعتبار سے بدترین جگہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

جہنّم کے عذاب کا ایک منظر:

١۔ آنتوں اور کھالوں کا بار بار جلائے جانا۔ (النساء:٥٦) ٢۔ دوزخیوں کی کھال کا بار بار بدلنا۔ (الحج:٢٠)
٣۔ کانٹے دار جھاڑیوں کا کھانا دیا جانا۔ (الغاشیۃ:٦) ٤۔ لوہے کے ہتھوڑوں سے سزا پانا۔ (الحج:٢١،٢٢)
٥۔ کھانا گلے میں اٹک جانا۔ (المزمل:١٣) ٦۔ دوزخیوں کو کھولتا ہوا پانی دیا جانا۔ (الانعام:٧٠)
٧۔ دوزخیوں کو پیپ پلایا جانا۔ (النبا:٢٥) ٨۔ آگ کا لباس پہنایا جانا۔ (الحج:١٩)

وَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا

اور وہ لوگ کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں نہیں وہ بے جا خرچ کرتے اور نہ وہ کنجوسی کرتے ہیں

وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

اور ہوتا ہے درمیان کے وہ معتدل

”جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی سے کام لیتے ہیں ان کے خرچ کرنے کا طریقہ میانہ روی کے ساتھ ہوتا ہے۔“ (٦٧)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ ”عباد الرحمٰن“ کے اوصاف۔

اس سے پہلے ”عباد الرحمٰن“ کی چال ڈھال، گفتار اور رات کے وقت ان کی اپنے رب کے حضور آہ وزاریوں کا تذکرہ ہوا۔ اب مالی معاملات میں اُن کے کردار کا ذکر ہوتا ہے۔ ”الرحمٰن“ کے بندے جس طرح گفتار اور رفتار میں اعلیٰ معیار رکھتے ہیں اسی طرح ہی وہ خرچ میں میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ خرچ کرتے وقت نہ وہ بے جا خرچ کرتے ہیں اور نہ وہ بخل کا مظاہرہ کرتے ہیں بلکہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ دین اسلام کی یہ بھی خوبی ہے کہ دین عبادات اور معاملات دونوں میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔ اس لیے حکم ہوا ہے کہ فضول خرچی سے بچنے کے ساتھ بخیلی سے بھی مکمل اجتناب کیا جائے۔ کیونکہ یہ معیشت کو متوازن رکھنے کا بنیادی اصول ہے اسی اہمیت کے پیش نظر رسول مکرم ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے کہ (اپنا ہاتھ نہ گردن کے ساتھ لٹکائیں اور نہ اسے کلی طور پر کھول دیں اگر آپ اپنا ہاتھ پورے کا پورا کھول دیں گے تو ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جائیں گے۔ اس کے ساتھ یہ رہنمائی بھی کی گئی کہ اگر آپ کے پاس دینے کے لیے کچھ نہ ہو۔ تو سائل کو نرمی کے ساتھ جواب دیں۔)

﴿وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّیْسُوْرًا﴾ [بنی اسرائیل: ٢٨]
اور اگر آپ اپنے رب کی رحمت کی تلاش میں جس کی آپ امید رکھتے ہیں تو سائل سے بے توجہگی کرتے وقت ان سے نرم بات کریں۔“

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے میانہ روی اختیار کی وہ کنگال نہیں ہوگا“ [رواہ أحمدنمسند عبداللہ بن مسعود]

((عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتّٰی یُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمْرِهِ فِیْمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فِیْمَا أَبْلَاهُ وَمَالِهِ مِنْ أَیْنَ اکْتَسَبَهُ وَفِیْمَ أَنْفَقَهُ وَمَاذَا عَمِلَ فِیْمَا عَلِمَ))[رواہ الترمذی:باب فی القیامة]

”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا آدم کا بیٹا اس وقت تک قدم نہیں اٹھا پائیگا جب تلک پانچ سوالوں کے جواب نہ دے لے۔ اس کی عمر کے متعلق پوچھا جائیگا کہ کیسے گذاری، بالخصوص

جوانی کے متعلق سوال ہوگا کہ شباب کیسے گزارا۔ مال کے متعلق سوال ہوگا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ علم کے متعلق پوچھا جائے گا کہ اس پر کس قدر عمل کیا۔“

پورا مال صدقہ کرنا ٹھیک نہیں:

”حضرت سعد رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر سخت بیمار ہوئے۔ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میرے پاس بہت سا مال ہے ایک بیٹی کے علاوہ کوئی وارث نہیں۔ میں اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے اجازت نہ دی۔ انہوں نے نصف کی اجازت مانگی۔ آپ نے اس کی بھی اجازت نہ دی۔ اس کے بعد انہوں نے ایک تہائی کی اجازت مانگی۔ آپ نے یہ فرما کر اجازت دی کہ یہ بھی زیادہ ہے۔ اپنی اولاد کو مالدار چھوڑنا ان کو محتاج چھوڑنے سے بہتر ہے۔“ [رواہ البخاری: کتاب الفرائض، میراث البنات]

کنجوسی کی مذمت:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَثَلُ الْبَخِیْلِ وَالْمُتَصَدِّقِ کَمَثَلِ رَجُلَیْنِ عَلَیْهِمَا جُنَّتَانِ مِنْ حَدِیْدٍ قَدِ اضْطُرَّتْ اَیْدِیْهِمَا اِلٰی ثُدِیِّهِمَا وَتَرَاقِیْهِمَا فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ کُلَّمَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ انْبَسَطَتْ عَنْهُ وَجَعَلَ الْبَخِیْلُ کُلَّمَا هَمَّ بِصَدَقَةٍ قَلَصَتْ وَاَخَذَتْ کُلُّ حَلْقَةٍ بِمَکَانِهَا)) [رواہ البخاری: باب مَثَلِ الْمُتَصَدِّقِ وَالْبَخِیْلِ]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخیل اور صدقہ کرنے والے کی مثال ان دو آدمیوں کی طرح ہے جنہوں نے زرہ پہن رکھی ہو۔ اس کے ہاتھوں کو اس کی چھاتیوں اور سینے کے ساتھ جکڑ دیا گیا ہو۔ صدقہ دینے والا جب صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو زرہ کشادہ ہو جاتی ہے اور بخیل جب صدقہ کرنے کا خیال کرتا ہے تو زرہ سمٹ جاتی اور ہر کڑی اپنی اپنی جگہ کس جاتی ہے۔“

مسائل

۱۔ ”الرحمٰن“ کے بندے فضول خرچی اور بخیلی سے اجتناب کرتے ہیں۔

۲۔ الرحمٰن کے بندے خرچ اخراجات میں اعتدال کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

صدقہ کرنے اور بخیلی سے بچنے کا حکم:

۱۔ صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کو قرض دینا ہے۔ (الحدید: ۱۱)

۲۔ اللہ تعالیٰ صدقہ کو دوگنا تین گنا کر کے واپس کرے گا۔ (التغابن: ۱۷)

۳۔ اللہ تعالیٰ صدقہ کو سات سو گنا تک بڑھا دیتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۶۱)

۴۔ رحمٰن کے بندے جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخیلی اختیار کرتے ہیں۔ بلکہ درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں۔ (الفرقان: ۶۷)

وَالَّذِيْنَ	لَا	يَدْعُوْنَ	مَعَ	اللّٰهِ	اِلٰهًا	اٰخَرَ
اور وہ لوگ	نہیں	وہ پکارتے	ساتھ	اللہ	معبود	دوسرا
وَلَا	يَقْتُلُوْنَ	النَّفْسَ	الَّتِيْ	حَرَّمَ	اللّٰهُ	اِلَّا
اور نہیں	وہ قتل کرتے	جان	جسے	حرام کیا ہے	اللہ نے	مگر
بِالْحَقِّ	وَلَا	يَزْنُوْنَ ۚ	وَمَنْ	يَّفْعَلْ	ذٰلِكَ	يَلْقَ
حق کے ساتھ	اور نہیں	وہ زنا کرتے	اور جو کوئی	وہ کرے گا	یہ	وہ پائے گا
اَثَامًا ﴿۶۸﴾	يُّضٰعَفْ	لَهُ	الْعَذَابُ	يَوْمَ	الْقِيٰمَةِ	وَيَخْلُدْ
گناہ	دوگنا کیا جائے گا	اس کے لیے	عذاب	دن	قیامت	اور وہ ہمیشہ رہے گا

فِيْهٖ	مُهَانًا ﴿۶۹﴾
اس میں	ذلیل ہوکر

''وہ اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے ، اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں جو یہ کام کرے گا وہ اپنے گناہ کی سزا پائے گا ۔(۶۸) قیامت کے دن اسے دوگنا عذاب دیا جائے گا اور وہ ہمیشہ ذلت کے ساتھ اس میں رہے گا۔'' (۶۹)

فہم القرآن

ربط کلام: الرحمٰن کے بندوں کے مزید اوصاف۔

الرحمٰن کے بندے کسی حال میں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو اِلٰہ نہیں سمجھتے ۔ الٰہ کا معنی ہے ۔ جس کی عبادت کی جائے ۔ انسان کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرے ۔ عبادت کی تین اقسام ہیں جن کا ہر نمازی تشہد میں بیٹھ کر اقرار کرتا ہے:

((اَلتَّحِیَاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّیِّبَاتُ)) [رواہ البخاری: باب التشھد فی الاخرۃ]

قولی، مالی اور بدنی عبادات اللہ کے لیے ہے۔

انسان کو حکم ہے کہ وہ نہ ''اللہ'' کے سوا کسی کی عبادت کرے اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے ۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کرے یا اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک بنائے وہ شرک کا ارتکاب کرتا ہے شرک اتنا بڑا گناہ ہے کہ جس سے انسان کے تمام نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں ۔ شرک سے نہ صرف نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں بلکہ انسان اللہ

تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا مجرم قرار پاتا ہے۔انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا سب سے پہلا اور بڑا مقصد یہ تھا اور ہے کہ وہ لوگوں کو شرک سے روکیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلائیں۔

((عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ أَوْصَانِی خَلِیلِی صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ شَيْئًا وَإِنْ قُطِّعْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُكْ صَلَاةً مَكْتُوبَةً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ))[رواه ابن ماجة:باب الصَّبْرِ عَلَى الْبَلَاءِ]

’’حضرت ابی درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اگرچہ تیرے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا تجھے جلا دیا جائے۔فرض نماز کو جان بوجھ کر نہیں چھوڑنا۔جس نے جان بوجھ کر نماز کو ترک کیا۔وہ اللہ کے ذمہ سے بری ہو گیا اور شراب نہ پینا کیونکہ یہ برائی کی چابی ہے۔‘‘

عباد الرحمٰن کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے:

اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان کی جان اس قدر عزیز اور محترم ہے کہ اس کا ارشاد ہے کہ جس نے ایک انسان کو قتل کیا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے ایک جان کی حفاظت کی اس نے تمام لوگوں کی حفاظت کی۔(المائدۃ:۳۲)

یہاں قتل ناحق سے روکا گیا ہے کیونکہ چار وجوہات کی بنا پر کسی انسان کو قتل کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ قتل کے بدلے قتل کرنا۔

۲۔ شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا۔

۳۔ مرتد کو قتل کرنا۔

۴۔ اسلامی حکومت کی بغاوت کرنے والا بھی واجب القتل ہے۔

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ فِي الدِّمَاءِ))[رواه البخاری: كتاب الديات]

’’حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون کا فیصلہ کیا جائے گا۔‘‘

عباد الرحمٰن زنا کا ارتکاب نہیں کرتے:

اس آیت میں عباد الرحمٰن کے شخصی کردار کے حوالہ سے ان کی یہ خوبی بیان کی گئی ہے کہ وہ زنا کار نہیں ہوتے۔جس نے زنا کا ارتکاب کیا وہ بھاری گناہ میں ملوث ہوا۔زنا کا عمل بظاہر دو افراد پر مشتمل ہوتا ہے لیکن اس کے منفی اور برے اثرات سے دو خاندان بھی متاثر ہوتے ہیں۔یہ فعل صرف اخلاقی گراوٹ کی انتہا ہی نہیں بلکہ اس میں عام طور پر مال بھی ضائع ہوتا ہے جو شخص ایک مرتبہ زنا کرتا ہے۔حیا کا پردہ چاک ہونے کی بنا پر دوبارہ بدکاری کرنے سے نہیں چوکتا۔اس لیے قرآن مجید نے زنا کرنا تو درکنار اس کے لوازمات کے قریب جانے سے بھی منع کیا ہے۔(بنی اسرائیل:۳۲)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، کسی جان کو ناحق قتل کرنا اور زنا میں ملوث ہونا بالخصوص یہ تین گناہ ایسے ہیں جن کے اثرات دوسرے لوگوں پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ اس لیے ان گناہوں کے مرتکب شخص کو دوگنا سزا کی وعید سنائی گئی ہے۔ اس شخص کو اپنے گناہ کی سزا بھی ملے گی اور اس کی وجہ سے جو لوگ ان گناہوں میں ملوث ہونگے ان کے گناہوں کی سزا بھی اس شخص کو ملے گی۔ یہ لوگ جہنم میں ذلیل ہوتے رہیں گے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ؓ قَالَ سَأَلْتُ أَوْ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَيُّ الذَّنْبِ عِنْدَ اللّٰهِ أَكْبَرُ قَالَ أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ))[رواہ البخاری :کتاب التفسیر، باب قولہ الذین لایدعون مع اللہ ....]

”حضرت عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اللہ کے نزدیک کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں نے پھر سوال کیا اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا کہ اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔ میں نے پھر عرض کی اس کے بعد کونسا گناہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرے۔“

مسائل

١۔ عبادالرحمٰن اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو معبود نہیں بناتے۔

٢۔ عبادالرحمٰن کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے۔

٣۔ عبادالرحمٰن زنا کا ارتکاب نہیں کرتے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت کرنے کا گناہ:

١۔ اللہ کے ساتھ کسی اور الٰہ کو پکارنے والا ذلیل ورسوا ہوگا۔ (بنی اسرائیل:٢٢)

٢۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو پکارنے والا عذاب میں مبتلا ہوگا۔ (الشعراء:٢١٣)

٣۔ اللہ کے ساتھ کسی اور الٰہ کو پکارنے والا جہنم میں پھینک دیا جائیگا۔ (بنی اسرائیل:٣٩)

٤۔ غیر اللہ کو پکارنے والا فلاح نہیں پائیگا۔ (المومنون:١١٧)

٥۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے پر جنت حرام، اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (المائدۃ:٧٢)

٦۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا گویا کہ وہ آسمان سے گر پڑا۔ (الحج:٣١)

٧۔ اللہ تعالیٰ مشرک کو معاف نہیں کرے گا۔ (النساء:٤٨)

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا

مگر | جس نے | اس نے توبہ کی | اور وہ ایمان لایا | اور اس نے عمل کیا | عمل | صالح

فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمۡ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

تو یہ لوگ | وہ بدل دے گا | اللہ | ان کی برائیاں | نیکیاں | اور ہے | اللہ

غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۝۷۰ وَمَنۡ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ

بہت بخشنے والا | نہایت رحم کرنے والا | اور جو کوئی | وہ توبہ کرے | اور عمل کرے | نیک | تو بلاشبہ وہ

يَتُوۡبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝۷۱

وہ رجوع کرتا ہے | طرف | اللہ | رجوع کرنا

''ہاں جو توبہ کرے اور ایمان لا کر صالح عمل کرے ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا کیونکہ اللہ غفورّ رحیم ہے۔(۷۰) جو شخص توبہ اور نیک عمل اختیار کرتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پلٹ کر آتا ہے جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے۔''(۷۱)

فہم القرآن

ربط کلام: اس میں کوئی شک نہیں کہ جن گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ اپنی نوعیت اور سزا کے اعتبار سے بہت بڑے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، کسی کو ناحق جان سے مارڈالنا اور بدکاری کی شکل میں حیا کا پردہ چاک کرنا بڑے گناہ اور بھاری جرائم ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے نہ صرف توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے بلکہ اپنے محبوب پیغمبر کے ذریعے یہ کہہ کر اعلان کروایا ہے کہ اے پیغمبر! انھیں بتلاؤ اور اطمینان دلاؤ کہ میرے بندو! جنھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے میری رحمت سے مایوس نہ ہونا یقیناً میں معاف کرنے اور رحم کرنے والا ہوں۔(الزمر:۵۳)

توبہ کی شرائط:

۱۔ اپنے کیے پر نادم ہونا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنا۔

۳۔ آئندہ گناہ سے بچنے کا عزم بالجزم کرنا۔

۴۔ اپنی ذات اور معاشرے پر مرتب ہونے والے بُرے اثرات کی اصلاح کرنے کی کوشش کرنا۔

جو شخص سچے دل کے ساتھ مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ توبہ کرے اور نیک اعمال کرے گا وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کو توبہ

قبول کرنے والا پائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ اُس کی برائیوں کونیکیوں میں تبدیل فرمادے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت ہی بخشنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ تْنِیْ اِمْرَأَةٌ فَقَالَتْ هَلْ لِیْ مِنْ تَوْبَةٍ؟ إِنِّیْ زَنَیْتُ وَوَلَدْتُ وَقَتَلْتُهُ فَقُلْتُ لَا وَلَا نَعِمَتِ الْعَیْنُ وَلَا كَرَامَةُ فَقَامَتْ وَهِیَ تَدْعُوْ بِالْحَسْرَةِ ثُمَّ صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم الصُّبْحَ، فَقَصَصْتُ عَلَیْهِ مَا قَالَتِ الْمَرْأَةُ وَمَا قُلْتُ لَهَا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِئْسَمَا قُلْتَ أَمَا كُنْتَ تَقْرَأُ هٰذِهِ الْآیَةَ (**وَالَّذِینَ لَا یَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ**) إِلٰی قَوْلِهِ (**إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ یُبَدِّلُ اللَّهُ سَیِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِیمًا**) فَقَرَأْتُهَا عَلَیْهَا فَخَرَّتْ سَاجِدَةً وَقَالَتْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ لِیْ مَخْرَجًا)) [تفسیر طبری: جلد ۱۹]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میرے پاس آ کر ایک عورت کہنے لگی کیا میرے لیے توبہ ہے میں نے زنا کیا ہے ناجائز حمل سے بچہ پیدا ہوا اور میں نے اسے قتل کر ڈالا ہے میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ میرا گناہ معاف ہونے کی کوئی صورت ہے؟ میں نے کہا ہرگز نہیں وہ بڑی حسرت کے ساتھ آہیں بھرتی ہوئی واپس چلی گئی۔ اگلے دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کا قصہ عرض کیا آپ نے فرمایا تو نے غلط جواب دیا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قرآن میں یہ آیت تم نے نہیں پڑھی ﴿**وَالَّذِینَ لَا یَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ**﴾ إِلٰی قَوْلِهِ (**إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ یُبَدِّلُ اللَّهُ سَیِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِیمًا**﴾ "(اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الٰہ کو نہیں پکارتے) اس فرمان تک (مگر جس نے توبہ کی اور نیک اعمال کیے یہی وہ لوگ ہیں اللہ تعالیٰ جن کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سن کر میں نکلا اور اس عورت کو تلاش کرنا شروع کیا، وہ مجھے عشاء ہی کے وقت ملی میں نے اسے بشارت دی اور بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے سوال کا جواب یہ دیا ہے عورت سنتے ہی سجدے میں گر گئی اور کہنے لگی شکر ہے اُس خدائے پاک کا جس نے میرے لیے معافی کا دروازہ کھولا اور میرے لیے نجات کی راہ بنائی۔"

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ)) [رواہ ابن ماجة: کتاب الزهد، باب ذکرا لتوبة]

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہی پاک ہو جاتا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔"

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَا أَیُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا إِلَی اللّٰهِ فَإِنِّیْ أَتُوْبُ فِی الْیَوْمِ إِلَیْهِ مِائَةَ مَرَّةٍ)) [رواہ مسلم: کتاب الذکر والدعاء والتوبة، باب اسْتِحْبَابِ الِاسْتِغْفَارِ وَالِاسْتِكْثَارِ مِنْهُ]

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرو۔ بلاشبہ میں ہر روز سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔''

((عَنْ عَآئِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اعْتَرَفَ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ))

[رواه البخاری:باب تعدیل النساء بعضهن بعضا]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی بندہ گناہ کا اعتراف کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔''

مسائل

۱۔ جو شخص گناہ کے بعد توبہ اور نیک عمل کرے اللہ تعالیٰ یقیناً اُسے معاف فرمائے گا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ صرف گناہ معاف ہی نہیں کرتا بلکہ گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔

۳۔ توبہ کرنے والے کو آئندہ کے لیے نیک اعمال کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

توبہ استغفار کے فضائل:

۱۔ حضرت یونس کی قوم کے سوا کسی قوم کو عذاب کے وقت ایمان لانے کا فائدہ نہ ہوا۔(یونس:۹۸)

۲۔ اللہ سے بخشش طلب کیجیے یقیناً وہ معاف کرنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔(النساء:۱۰۶)

۳۔ اگر استغفار کرو تو اللہ تمہیں اس کا بہتر صلہ دے گا۔(ہود:۳)

۴۔ تم اللہ سے مغفرت طلب کرو اور اس کے حضور توبہ کرو اللہ آسمان سے تمہارے لیے بارش نازل فرمائے گا اور تمہاری قوت میں اضافہ فرما دے گا۔(ہود:۵۲)

۵۔ اللہ سے استغفار کرو اور اس کی طرف رجوع کرو میرا رب رحم کرنے اور شفقت فرمانے والا ہے۔(ہود:۹۰)

۶۔ اللہ سے بخشش طلب کرو۔ وہ معاف کردے گا اور بارش نازل فرمائے گا اور تمہارے مال و اولاد میں اضافہ فرمائے گا۔(نوح:۱۰۔۱۲)

۷۔ اللہ سے استغفار کرو یقیناً وہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔(المزمل:۲۰)

۸۔ جب تک لوگ اللہ سے بخشش طلب کرتے رہیں گے اللہ انہیں عذاب نہیں دے گا۔(الانفال:۳۳)

۹۔ اپنے رب کی تعریف و تسبیح بیان کرو اور اس سے مغفرت طلب کرو یقیناً وہ معاف کرنے والا ہے۔(النصر:۳)

۱۰۔ اپنے آپ پر ظلم کرنے والو! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا یقیناً ''اللہ'' تمام گناہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔(الزمر:۵۳)

بِاللَّغْوِ	مَرُّوْا	وَاِذَا	الزُّوْرَ	لَا يَشْهَدُوْنَ	وَالَّذِيْنَ
لغوکاموں کے پاس	وہ گزرتے ہیں	اور جب	جھوٹی	نہیں وہ گواہی دیتے	اور وہ لوگ

كِرَامًا ﴿٧٢﴾	مَرُّوْا
عزت ووقار	گزرتے ہیں

''اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور کسی بے ہودہ کام سے گزر ہو تو شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔'' (۷۲)

فہم القرآن

ربط کلام: ''عبادالرّحمٰن'' کے اوصاف کا مزید تذکرہ۔

''عبادالرّحمٰن'' اس قدر حق گو اور کردار کے سچے ہوتے ہیں کہ جب انھیں کسی معاملہ میں گواہی دینا ہو تو وہ کبھی جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ ان کا واسطہ کسی بے مقصد یا بے ہودہ بات یا کام سے پڑے تو یہ بڑے وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

زُور کا معنٰی:

زُور کا معنی ہے جھوٹ، باطل، اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، گانے بجانے کی مجالس۔

لغو کا معنٰی بے ہودہ۔ بے مقصد کام یا گفتگو

لغو میں جھوٹ بھی شامل ہے جس کی تشریح اوپر کی جاچکی ہے اور اس کے ساتھ تمام فضول، لایعنی اور بے فائدہ باتیں اور کام بھی اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ اللہ کے بندوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جان بوجھ کر اس طرح کی چیزیں دیکھنے، سننے یا ان میں حصہ نہیں لیتے۔ اگر ان کے راستے میں ایسی چیز آجائے تو نگاہ ڈالے بغیر اُس سے اس طرح گزر جاتے ہیں جس طرح ایک نفیس آدمی گندگی کے ڈھیر سے گزر جاتا ہے۔ کیونکہ گندگی سے انسان کو طبعاً نفرت ہوتی ہے۔ اس لیے اس کے قریب کھڑا ہونا تو درکنار آدمی ارادتاً اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ یہی کیفیت مومن کی ہوتی ہے۔ وہ بُرے کام اور بُری بات سے کراہت محسوس کرتا ہے اگر اس سے واسطہ پڑجائے تو وہ مکمل کراہت کے ساتھ اس سے گزر جاتا ہے۔

((عَنْ أَنَسٍ ؓ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ ﷺ عَنِ الْكَبَائِرِ قَالَ الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ)) [رواه البخاری: کتاب الشهادات، باب ماقیل فی شهادة الزور]

''حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے کبیرہ گناہوں کے بارے میں پوچھا گیا، آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی جان کو قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔''

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ ؓ أَنَّ رَجُلًا شَتَمَ أَبَا بَكْرٍ وَالنَّبِیُّ ﷺ جَالِسٌ فَجَعَلَ النَّبِیُّ ﷺ يَعْجَبُ وَيَتَبَسَّمُ

فَلَمَّا أَكْثَرَ رَدَّ عَلَيْهِ بَعْضَ قَوْلِهِ فَغَضِبَ النَّبِی ﷺ وَقَامَ فَلَحِقَهُ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَانَ يَشْتُمُنِی وَأَنْتَ جَالِسٌ فَلَمَّا رَدَدْتُ عَلَيْهِ بَعْضَ قَوْلِهِ غَضِبْتَ وَقُمْتَ قَالَ إِنَّهُ كَانَ مَعَكَ مَلَكٌ يَرُدُّ عَنْكَ فَلَمَّا رَدَدْتَ عَلَيْهِ بَعْضَ قَوْلِهِ وَقَعَ الشَّيْطَانُ فَلَمْ أَكُنْ لَأقْعُدَ مَعَ الشَّيْطَانِ))[رواہ احمد: مسند ابی ہریرہ]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بے شک ایک آدمی نے حضرت ابوبکر کو گالیاں دیں ۔ان کے قریب نبی ﷺ تشریف فرما تھے نبی ﷺ اُس کی دیدہ دلیری پر تعجب کرتے ہوئے تبسم فرما رہے تھے جب اُس کی گالیوں کا سلسلہ بڑھ گیا تو حضرت ابوبکر نے بھی جواب دینا شروع کیا نبی ﷺ اِس بات پر ناراض ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کے پیچھے جا کر عرض کی اے اللہ کے رسول جب مجھے گالیاں دے رہا تھا آپ تشریف فرما رہے میں نے جواب دیا تو آپ ناراض ہو کر اُٹھ آئے۔آپ نے فرمایا آپ کی طرف سے فرشتہ اُس کی گالیوں کا جواب دے رہا تھا۔جب آپ نے جواب دیا تو شیطان آ گیا میں شیطان کے لیے بیٹھنے والا نہیں۔''

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ))

[رواہ الترمذی: کتاب الزھد]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ فضول یعنی لا حاصل باتوں کو چھوڑ دے۔''

مسائل

۱۔ ''عبادالرحمٰن'' کبھی جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

۲۔ عبادالرحمٰن لغویات کو پسند نہیں کرتے۔

تفسیر بالقرآن

لغویات اور اُن سے بچنے کا حکم:

۱۔ اللہ کے بندے لغو باتیں سنتے ہیں تو اُن سے اعراض کرتے ہیں۔(القصص:۵۵)

۲۔ مومن لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔(المومنون:۳)

۳۔ اللہ کے بندے جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور لغو باتوں سے کنارہ کشی کرتے ہوئے گذر جاتے ہیں۔(الفرقان:۷۲)

۴۔ جنت میں لغو باتوں اور بے ہودہ گفتگو کا شائبہ تک نہیں ہوگا۔(الواقعہ:۲۵)

وَالَّذِيْنَ	اِذَا	ذُكِّرُوْا	بِاٰيٰتِ	رَبِّهِمْ	لَمْ	يَخِرُّوْا
اور وہ لوگ	جب	نصیحت کیے جاتے ہیں	آیات کے ساتھ	ان کا رب	نہیں	وہ گر پڑتے

عَلَيْهَا	صُمًّا	وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾
ان پر	بہرے	اور اندھے

”انہیں ان کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں گر پڑتے ۔“(۷۳)

فہم القرآن

ربط کلام: عبادالرحمٰن صرف عقیدہ، اخلاق، معاملات اور کردار کے اعتبار سے نیک نہیں ہوتے بلکہ وہ فہم وفراست میں بھی لوگوں سے آگے ہوتے ہیں۔ مفسرین نے اس آیت کا شان نزول یوں بیان فرمایا ہے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَرَأَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم النَّجْمَ بِمَكَّةَ فَسَجَدَ فِيهَا ، وَسَجَدَ مَنْ مَعَهُ ، غَيْرَ شَيْخٍ أَخَذَ كَفًّا مِنْ حَصًى أَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهُ إِلَى جَبْهَتِهِ وَقَالَ يَكْفِينِي هَذَا فَرَأَيْتُهُ بَعْدَ ذَلِكَ قُتِلَ كَافِرًا)) [رواہ البخاری: باب مَا جَاءَ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ وَسُنَّتِهَا]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ نجم کی تلاوت کرتے ہوئے سجدہ کیا۔ جو لوگ اس وقت موجود تھے وہ بھی سجدہ ریز ہوگئے قریش کے ایک بوڑھے آدمی کے اس نے زمین سے کنکریاں یا مٹی اٹھا کر اپنے ماتھے پر لگاتے ہوئے کہا کہ بس میرا یہی سجدہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اسے دیکھا کہ وہ کفر کی حالت میں قتل ہوا۔ امام بخاری نے اس کا نام امیہ بن خلف لکھا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور بات منوانے کے لیے جبر کا وطیرہ اختیار نہیں کیا۔ جبر اختیار کرنے کی بجائے دلائل کے ساتھ انسان کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ انسان کے سامنے نہ صرف اپنی ذات اور احکام کے بارے میں دلائل دیے ہیں بلکہ بار بار دلائل پر فکر و تدبر کرنے کی دعوت دی ہے اور اُن بندوں کی تعریف کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور قدرتوں پر غور وفکر کرتے ہیں۔ اسی بناء پر عبادالرحمٰن کی یہ خوبی بیان کی جارہی ہے کہ جب اُن کے سامنے اُن کے رب کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ بہرے اور گونگے بن کر نہیں گرتے۔ بلکہ اپنے رب کے احکام پوری توجہ سے سنتے ہیں اور ”عَلٰى وَجْهِ الْبَصِيْرَة“ ان پر عمل کرتے ہیں۔ یادر ہے تدبر کے بغیر انسان میں دین کی فہم اور اس پر عمل کرنے کی تحریک پیدا نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس کے احکام اور قدرتوں پر غور کرنے سے انسان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ	يَقُوْلُوْنَ	رَبَّنَا	هَبْ	لَنَا	مِنْ	اَزْوَاجِنَا
اور وہ لوگ	وہ کہتے ہیں	اے ہمارے رب!	عطا کر	ہمارے لیے	سے	ہماری بیویوں

وَذُرِّيّٰتِنَا	قُرَّةَ	اَعْيُنٍ	وَّ	اجْعَلْنَا	لِلْمُتَّقِيْنَ	اِمَامًا ۝
اور ہماری اولاد	ٹھنڈک	آنکھیں	اور	بنا ہمیں	متقیوں کا	امام

''اے ہمارے رب ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب فرما اور ہم کو پرہیز گاروں کا امام بنادے۔'' (۷۴)

فہم القرآن

ربط کلام: الرّحمٰن کے بندے اس حد تک صاحب بصیرت اور ذمہ دار ہوتے ہیں کہ اپنی اصلاح کے ساتھ اپنے اہل وعیال اور پورے معاشرے کی اصلاح کے لیے دعا گو اور کوشاں رہتے ہیں۔

الرّحمٰن کے بندے نہ صرف صاحبِ بصیرت اور ذمہ دار ہوتے ہیں بلکہ اپنی اور دوسروں کی اصلاح کے لیے بھی فکر مند رہتے ہیں۔ اصلاح کا بنیادی اصول یہ ہے کہ انسان اپنی اور اپنے اہل وعیال کی اصلاح کے ساتھ ساتھ پورے معاشرے کی اصلاح کی جدوجہد کرتا رہے کیونکہ یہی اصلاح کا مؤثر ذریعہ اور امّت کا اجتماعی فرض ہے۔

الرّحمٰن کے بندے نہ صرف اپنے اہل وعیال کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں بلکہ اپنے رب کی بارگاہ میں رو رو کر دعائیں کرتے ہیں کہ ہمارے رب ہمیں دنیا اور آخرت کے حوالے سے ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب فرما اور ہمیں اخلاق اور کردار کے اعتبار سے اس قابل بنا کہ ہم متقی لوگوں کی قیادت کرسکیں۔ بیوی یا اولاد نیک نہ ہو تو آدمی کا گھر جہنم کا گڑھا بن جاتا ہے۔ اہل خانہ نیک اور تابع دار ہوں تو بڑی سے بڑی مصیبت اور غربت محسوس نہیں ہوتی۔ اس لیے نیک لوگ دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں ایسی بیویاں اور ایسی اولاد عطا فرما جنھیں دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور دل مسرور ہوں اور ہمیں متقی حضرات کی امامت کے منصب پر فائز فرما۔

یعنی ہم تقویٰ اور اطاعت میں سب سے بڑھ جائیں بھلائی اور نیکی میں سب سے آگے نکل جائیں۔ محض نیک ہی نہ ہوں بلکہ نیکوں کے پیشوا ہوں اور ہماری بدولت دنیا بھر میں نیکی پھیلے۔ اس بات کا ذکر یہ بتانے کے لیے کیا گیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو مال و دولت اور شوکت وحشمت میں نہیں بلکہ نیکی و پرہیز گاری میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر ہمارے زمانے میں کچھ اللہ کے بندے ایسے ہیں جنھوں نے اس آیت کو بھی امامت کی امیدواری اور ریاست کی طلب کے لیے دلیل جواز کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اُن کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ ''یا اللہ متقی لوگوں کو ہماری رعیت اور ہم کو ان کا حکمراں بنادے۔'' اس سخن فہمی کی داد ''امیدواروں'' کے سوا اور کون دے سکتا ہے۔ (ماخوذ از تفہیم القرآن)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے بارے میں دعا:

﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ

ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ﴾ [ابراهيم: ٣٧]

''اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی اولاد کو اس وادی کو بسایا ہے، جو کسی کھیتی باڑی کے لائق نہیں، تیرے حرمت والے گھر کے پاس، اے ہمارے رب! تا کہ نماز قائم کریں۔ بس لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اورانہیں پھلوں سے رزق عطا فرما، تا کہ وہ شکر کریں۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنی اولاد کے بارے میں فکرمندی:

''ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی کہ اے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند فرمایا لیا ہے تمہیں موت مسلمان ہونے کی حالت میں آنی چاہیے۔ کیا تم یعقوب کی موت کے وقت موجود تھے۔ جب اس نے اپنی اولاد کو فرمایا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ سب نے جواب دیا کہ تیرے معبود کی اور تیرے آباء ابراہیم، اسماعیل، اوراسحاق کے معبود کی جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے۔'' [البقرة: ١٣٢،١٣٣]

حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحتیں:

''یاد کرو جب لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا تو اس نے کہا بیٹا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا سچی بات یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ ⑬ بیٹا زمین و آسمانوں اور صحراء و بیابان میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ ہو۔ ⑭ بیٹا نماز قائم کرو۔ نیکی کی تبلیغ کرو اور لوگوں کو برائیوں سے روکتے رہو۔ ⑮ اس کام جو پریشانی آئے اُسے برداشت کرو یہ عظیم کام ہیں۔ ⑯ بیٹا لوگوں سے نفرت اور تکبر نہ کرو اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ⑱ بیٹا چال اور گفتار میں میانہ روی اختیار کرو۔ آوازوں میں مکروہ آواز گدھے کی آواز ہے۔'' [لقمٰن: ١٣ تا ١٨]

سرور دو عالم ﷺ کی اپنی بیٹی اور خاندان کو نصیحت:

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ﴾ قَالَ يَامَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا اشْتَرُوْا أَنْفُسَكُمْ لَاأُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَابَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ لَاأُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَاعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَاأُغْنِيْ عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَاصَفِيَّةُ عَمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَاأُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَافَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَلِيْنِيْ مَاشِئْتِ مِنْ مَالِيْ لَاأُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا)) [رواه البخاري: كتاب الوصايا، باب هل يدخل النساء والولد فى الأقارب]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب یہ آیت ﴿اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے قریش کے لوگو! اپنے لیے کچھ کرلو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کوئی فائدہ نہیں دے سکوں گا۔ اے بنی عبد مناف میں تمہیں اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکوں گا۔ اے

عباس بن عبدالمطلب! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ فائدہ نہیں دے سکوں گا۔ اے صفیہ! رسول کی پھوپھی! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ فائدہ نہیں دے سکوں گا۔ اے فاطمہ بنتِ محمد! میرے مال سے جو چاہتی ہے مانگ لے میں مگر تجھے اللہ کے عذاب سے نہیں بچاسکوں گا۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا:

((وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ)) [النمل: ١٩]

"اے میرے رب مجھے قابو میں رکھ کہ میں تیرے اس احسان کا شکرادا کرتا رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا ہے اور ایسا عمل صالح کروں جو تجھے پسند آئے اور اپنی رحمت سے مجھ کو اپنے نیک بندوں میں داخل کر۔"

نیک بیوی کی حیثیت:

((وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ)) [رواہ مسلم: باب خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی محترم ﷺ نے فرمایا دنیا ساری کی ساری زیست کا سامان ہے۔ لیکن دنیا کی بہترین نعمت نیک بیوی ہے۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع کردیے جاتے ہیں مگر صرف تین ذرائع سے اسے اجر ملتا رہتا ہے۔ (۱) صدقہ جاریہ۔ (۲) ایسا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔ (۳) نیک اولاد جو اس کے لیے دعائیں کرے۔" [رواہ مسلم: بَابُ مَا يَلْحَقُ الْإِنْسَانَ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَ وَفَاتِهِ]

مسائل

۱۔ الرحمٰن کے بندے اپنے رب سے اپنی بیویوں اور اولاد کی اصلاح کی دعا کرتے ہیں۔

۲۔ الرحمٰن کے بندے اپنے رب سے اپنی بیویوں اور اولاد کا سکون مانگتے ہیں۔ ۳۔ الرحمٰن کے بندے متقین کے امام بنتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اولاد کے بارے میں انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں:

۱۔ اے میرے پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو نماز کا پابند بنا۔ (ابراہیم: ۴۰)

۲۔ حضرت زکریا نے اپنے پروردگار سے عرض کی کہ الٰہی مجھے نیک اولاد عطا فرما۔ (آل عمران: ۳۸)

۳۔ میں تجھے لوگوں کا امام بنا رہا ہوں ابراہیم نے کہا میری اولاد کو بھی بنائیں۔ (البقرۃ: ۱۲۴)

۴۔ اے ہمارے پروردگار! ہماری اولاد میں ایک جماعت اپنی تابعدار بنا۔ (البقرۃ: ۱۲۸)

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ

یہ لوگ جزا دیے جائیں گے بالاخانے ساتھ اس کے انھوں نے صبر کیا اور وہ استقبال کیے جائیں گے

فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ﴿٧٥﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٧٦﴾

اس میں دعا اور سلام وہ ہمیشہ رہیں گے اس میں اچھی قرار گاہ اور رہنے کی جگہ

''ان لوگوں کو بالا خانوں میں ٹھہرایا جائے گا اس لیے کہ یہ مصائب پر صبر کرنے والے تھے ہر مقام پر ان کا آداب وتسلیمات سے ان کا استقبال کیا جائے گا۔(۷۵) یہ ہمیشہ ہمیش بالا خانوں میں رہیں گے کیا ہی اچھی ہے رہنے اور ٹھہرنے کی جگہ۔''(۷۶)

فہم القرآن

ربط کلام: الرحمٰن کے بندوں کا آخرت میں مرتبہ ومقام۔

الرحمٰن کے بندے نہ صرف دنیا میں صالح کردار ہوتے ہیں بلکہ وہ نیکی کے کاموں میں قوموں کے پیشوا بنتے ہیں۔ایسے نیکو کاروں کو آخرت میں بھی بلند مرتبہ اور اعلیٰ مقام دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ دکھ اور سکھ، کامیابی اور ناکامی، عسر اور یُسر میں اپنے رب کی رضا پر راضی اور اس کے دین کے پابند رہے۔موت سے لے کر جنت میں داخل ہونے تک ان کا شاندار استقبال کیا جائے گا اور ملائکہ ہر مقام پر انھیں دعا دیں گے، اور سلام پیش کریں گے۔ یہ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جو رہنے کے اعتبار سے نہایت ہی پرسکون اور بہترین قیام گاہ ہے۔

مسائل

۱۔ عباد الرحمٰن جنت کے بالا خانوں میں قیام کریں گے۔ ۲۔ عباد الرحمٰن کو ملائکہ ہر مقام پر سلام پیش کریں گے۔

۳۔ عباد الرحمٰن ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ ۴۔ جنت پرسکون قیام گاہ اور بہترین قرار گاہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

جنت کی نعمتوں اور اس کے اعلیٰ مقامات کا ذکر:

۱۔ ہم جنتیوں کے دلوں سے کینہ نکال دیں گے سب ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے۔انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے۔ (الحجر:۴۷۔۴۸)

۲۔ جس جنت کا مومنوں کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔اس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اس کے پھل اور سائے ہمیشہ کے لیے ہوں گے۔(الرعد:۳۵)

۳۔ جنت میں بے خار بیریاں، تہہ بہ تہہ کیلے، لمبا سایہ، چلتا ہوا پانی، اور کثرت سے میوے ہوں گے۔(الواقعۃ:۲۸تا۳۰)

۴۔جنت کے میوے ٹپک رہے ہوں گے۔(الحاقۃ:۲۳)۵۔جنت میں سب کچھ ہوگا جس کی جنتی خواہش کریں گے۔(حٰم السجدۃ:۳۱)

قُلْ	مَا	يَعْبَؤُا	بِكُمْ	رَبِّيْ	لَوْلَا	دُعَآؤُكُمْ ج	فَقَدْ
فرما دیجیے	نہیں	پرواہ کرتا	تمھاری	میرا رب	اگر نہ ہوتا	تمھارا دعا کرنا	پھر تحقیق
كَذَّبْتُمْ	فَسَوْفَ	يَكُوْنُ	لِزَامًا ﴿۷۷﴾ ع				
تم نے جھٹلایا	عنقریب	ہوگی	لازم				

’’اے نبی لوگوں سے فرمادیں کہ اگر تم رب کو نہ پکارو تو میرے رب کو تمھاری کوئی پرواہ نہیں ہے جب تم نے جھٹلا دیا ہے عن قریب سزا پاؤ گے کہ جس سے جان چھڑانی محال ہوگی۔‘‘ (۷۷)

فہم القرآن

ربط کلام: عبادالرحمٰن کے اوصاف اوران کے اجروثواب کا ذکر کرنے کے بعد نافرمان لوگوں سے بیزاری کا اعلان۔

سورۃ الفرقان میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بے مثال اور لازوال قدرت کے بار بار نا قابل تردید دلائل دیئے ہیں۔اس کے بعد اپنے بندوں کے اوصاف کا تذکرہ کیا، پھران کی دعاؤں اور بہترین انجام کا ذکر فرمایا ہے۔جس میں کفار،مشرکین اور نافرمانوں کے لیے نصیحت ہے اے لوگو!اگر تم اپنے رب کی توحید کا اقرار، نبی آخرالزماں پر ایمان اور صالح کردار اختیار کرو۔تو تم بھی الرحمٰن کے بندے بن جاؤ گے اوراس کے انعامات کے حق دار ٹھہروگے۔جس سے تمھاری دنیا بھی بہتر ہوگی اور آخرت بھی سنور جائے گی۔اگر تم اپنی اصلاح کرنے اور الرحمٰن کی مہربانیوں سے سرفراز نہیں ہونا چاہتے تو تمھاری مرضی۔لیکن یاد رکھنا تمھارے کفروشرک اور نافرمانیوں کی ’’اللہ‘‘ کو کوئی پروا نہیں۔اے نبی اس بے نیاز ’’اللہ‘‘ کی طرف سے یہ اعلان فرماؤ کہ اگر تم اس کی ذات اور بات کی تکذیب کرتے ہو تو پھر عنقریب تمھیں ہر صورت سزا سے دوچار ہونا پڑے گا۔

((عَنْ أَبِی ذَرٍّ ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ فِیمَا رَوَى عَنِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَّهُ قَالَ یَا عِبَادِی إِنِّی حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِی وَجَعَلْتُهُ بَیْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوا یَا عِبَادِی كُلُّكُمْ ضَالٌّ إِلَّا مَنْ هَدَیْتُهُ فَاسْتَهْدُونِی أَهْدِكُمْ یَا عِبَادِی كُلُّكُمْ جَائِعٌ إِلَّا مَنْ أَطْعَمْتُهُ فَاسْتَطْعِمُونِی أُطْعِمْكُمْ یَا عِبَادِی كُلُّكُمْ عَارٍ إِلَّا مَنْ كَسَوْتُهُ فَاسْتَكْسُونِی أَكْسُكُمْ یَا عِبَادِی إِنَّكُمْ تُخْطِئُونَ بِاللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَأَنَا أَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِیعًا فَاسْتَغْفِرُونِی أَغْفِرْ لَكُمْ یَا عِبَادِی إِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوا ضَرِّی فَتَضُرُّونِی وَلَنْ تَبْلُغُوا نَفْعِی فَتَنْفَعُونِی یَا عِبَادِی لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ ذَلِكَ فِی مُلْكِی شَیْئًا یَا عِبَادِی لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِی شَیْئًا یَا عِبَادِی لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوا فِی صَعِیدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلُونِی فَأَعْطَیْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَسْأَلَتَهُ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِمَّا عِنْدِی إِلَّا كَمَا یَنْقُصُ الْمِخْیَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ یَا عِبَادِی إِنَّمَا هِیَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِیهَا لَكُمْ ثُمَّ أُوَفِّیكُمْ إِیَّاهَا فَمَنْ

وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ قَالَ سَعِيدٌ كَانَ أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ إِذَا حَدَّثَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ جَثَا عَلٰى رُكْبَتَيْهِ)) [رواه مسلم: كتاب البر والصلة و الآداب، باب تحريم الظلم]

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا' اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندو! تم میں سے ہرایک گمراہ ہے سوائے اس کے جس کو میں ہدایت سے سرفراز کروں۔ بس تم مجھ سے ہدایت مانگو میں تمہیں ہدایت دوں گا' تم میں سے ہر ایک بھوکا ہے سوائے اس کے جس کو میں کھلاؤں۔ پس تم مجھ سے مانگو میں تمہیں کھلاؤں گا۔ میرے بندو! تم سب ننگے ہو سوائے اس کے جس کو میں پہناؤں۔ پس تم مجھ سے پہناوا طلب کرو۔ میں تمہیں پہناؤں گا۔ میرے بندو! تم رات دن گناہ کرتے ہو' میں تمام گناہوں کو بخش دینے والا ہوں۔ مجھ سے بخشش طلب کرو' میں تمہیں بخش دوں گا۔ میرے بندو! تم مجھے نقصان اور نفع پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ میرے بندو! تمہارے تمام اگلے پچھلے' جن وانس سب سے زیادہ متّقی انسان کے دل کی طرح ہو جائیں تو یہ میری سلطنت میں ذرّہ بھر اضافہ نہیں کر سکتے۔ میرے بندو! تمہارے اگلے پچھلے جن وانس بدترین فاسق وفاجر انسان کی طرح ہو جائیں تو یہ میری حکومت میں کوئی نقص واقع نہیں کر سکتے۔ میرے بندو! تمہارے اگلے پچھلے' جن وانس اگر سب کھلے میدان میں اکٹھے ہو جائیں پھر وہ مجھ سے مانگنے لگیں اور میں ہر کسی کی منہ مانگی مرادیں پوری کردوں تو میرے خزانوں میں اتنی کمی بھی واقع نہیں کر سکتے جتنی سوئی سمندر میں ڈبونے سے ہوتی ہے۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کو کفر وشرک اور کسی کی نافرمانی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

٢۔ اللہ اور اس کے رسول کی بات جھٹلانے والوں کو ہر صورت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مجرموں کو کوئی نہیں بچا سکتا۔

١۔ ''اللہ'' کا عذاب برحق ہے اور تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ (یونس:٥٣)

٢۔ کفار کے چہروں پر ذلّت چھا جائے گی انہیں اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ (یونس:٢٧)

٣۔ اس دن وہ پیٹھیں پھیر کر بھاگیں گے اللہ کی پکڑ سے انہیں کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ (المومن:٣٣)

٤۔ اگر اللہ کسی کو تکلیف دے تو کون ہے جو اُسے اس سے بچا سکے۔ (الاحزاب:١٧)

٥۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو فرمایا آج کے دن اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں۔ (ہود:٤٣)

٦۔ جسے اللہ رُسوا کرے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔ (الحج:١٨)

سورۃ الشعرآء کا تعارف

ربط سورۃ: سورۃ الفرقان کی آخری آیت میں ارشاد ہے کہ جو لوگ ''اللہ'' کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں ''اللہ'' کو ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ الشعرآء کے آغاز میں ارشاد ہے کہ اگر یہ لوگ ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہیں تو اے نبی ﷺ آپ کو ان پر دل گرفتہ نہیں ہونا چاہیے۔

یہ سورۃ 11 رکوع اور 227 آیات پر مشتمل ہے۔ اس سورۃ کا نام آیت 224 میں موجود ہے۔ سورۃ کا زیادہ حصہ مکہ میں نازل ہوا، لیکن آخری آیات مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ جیسا کہ اس سورۃ کی ابتدائی آیات کی تفسیر میں ذکر ہوگا کہ نبی کریم ﷺ کی خواہش اور کوشش تھی کہ اہل مکہ بالخصوص آپ کے رشتہ دار ہر صورت حلقہ اسلام میں داخل ہو جائیں لیکن وہ لوگ کسی صورت بھی مسلمان ہونے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ بلکہ آپ کی جان کے دشمن ہو گئے۔ اس صورت حال پر آپ کا دل پسیج جاتا اور آپ رات کو اُٹھ اُٹھ کر اپنے رب کے حضور سر بسجود ہو کر زار و قطار روتے اور فریاد پر فریاد کرتے کہ بار الٰہا انہیں ہدایت سے سرفراز فرما دے۔ بسا اوقات آپ کی طبیعت پر یہ بات اس قدر گراں بار ہوتی کہ قریب تھا کہ آپ کی صحت بگڑ جائے۔ جس پر آپ کو تسلّی کے طور اور حقیقت حال سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ کیا اپنے آپ کو بیمار کر لیں گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے، اگر اللہ تعالیٰ انہیں جبراً مسلمان کرنا چاہتا تو اس کے لیے یہ مشکل نہ تھا کہ وہ اپنی قدرت کی ایسی نشانی ظاہر کرتا کہ ان کی گردنیں اس کے سامنے جھکے بغیر نہ رہ سکتی تھیں۔ لیکن اس کا ضابطہ نہیں کہ لوگوں کو جبراً ایمان لانے پر مجبور کرے۔ اس نے ہر قسم کے دلائل دے کر لوگوں کو کھلا چھوڑ دیا ہے کہ وہ مانیں یا اس کا انکار کریں۔ لہٰذا آپ ﷺ کو ''اللہ'' کی حکمت اور مشیت کو مدِ نگاہ رکھنا چاہیے۔ آپ کو تسلّی دینے اور ہدایت کے بارے میں بنیادی اصول بیان کرنے کے بعد۔ سات عظیم المرتبت انبیاء کرام کی جدوجہد ان کی دعوت کا انداز اور ان کی اقوام کے عقائد، جرائم اور ان کے بدترین ردِّعمل کا ذکر کیا ہے۔ تاکہ آپ ﷺ اور آپ کے متبعین کے سامنے حق و باطل کی معرکہ آرائی اور اس کے انجام کا پورا نقشہ آ جائے۔

آخر میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اس قرآن کو رب العالمین نے روح الامین کے ذریعے آپ کے قلبِ سلیم پر نازل کیا ہے۔ اس کے نزول میں شیاطین کا ذرہ برابر بھی عمل دخل نہ ہے، اور نہ ہی یہ شاعرانہ کلام ہے۔ شعراء اور ان کی پیروی کرنے والوں کی غالب اکثریت گمراہ ہوا کرتی ہے۔ شاعر تو فکر و خیال کی ہر وادی میں منہ ماری کرتے ہیں۔ جب کہ قرآن مجید میں کسی قسم کی یاوہ گوئی اور فکری پراگندگی کی کوئی مثال موجود نہیں ہے۔ بس آپ ﷺ اپنے آپ کو ایماندار ساتھیوں کے ساتھ وابستہ رکھیں ان کے لیے تواضع کا مظاہرہ فرمائیں۔ اپنے رب کے ساتھ یا اس کے سوا کسی اور کے سامنے فریاد کناں ہونے سے بچتے رہیں۔ اگر آپ نے اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو پکارا تو آپ بھی اس کے عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔ ظالمو! کو بہت جلد اپنے انجام کا علم ہو جائے گا۔

سُورَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعُهَا: ۱۱ — اٰيَاتُهَا: ۲۲۷

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے

طٰسٓمّٓ ①	تِلْكَ	اٰيٰتُ	الْكِتٰبِ	الْمُبِيْنِ ②	لَعَلَّكَ	بَاخِعٌ
طٰسٓمّٓ.	یہ	آیات	کتاب	واضح	شاید کہ آپ	ہلاک کرڈالیں
نَّفْسَكَ	اَلَّا	يَكُوْنُوْا	مُؤْمِنِيْنَ ③			
اپنے آپ	اس لیے کہ نہیں	ہوتے وہ	ایمان لانے والے			

”طٰسٓمّٓ۔(۱) یہ واضح کتاب کی آیات ہیں۔(۲) اے نبی شاید آپ اس غم میں اپنی جان کھودیں گے اس لیے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔“(۳)

فہم القرآن

ربط سورۃ: سورہ الفرقان کا اختتام اس بات پر ہوا کہ اے پیغمبر ﷺ انہیں واضح کردیں کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کرے گا، بہت جلد اپنا انجام پالے گا۔ اگر انہیں یقین نہیں آتا تو انہیں تکذیب کرنے والی اقوام کے واقعات سنائیں کہ ان کا کیا انجام ہوا، جس میں سرفہرست فرعون کی قوم ہے۔

طٰسٓمّٓ۔ حروفِ مقطعات ہیں۔ جن کا معنٰی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس سورۃ کا آغاز کتابِ مبین کے تعارف سے شروع ہوا ہے۔ ”اَلْمُبِيْنِ“ کا معنٰی ہے ایسی کتاب جس کے ارشادات، احکام، ٹھوس دلائل اور حقائق پر مبنی ہیں۔ جن میں کسی قسم کا تضاد اور الجھاؤ نہیں پایا جاتا۔ یہ کتاب اپنا مدّعا اس انداز اور دلنشیں پیرائے میں بیان کرتی ہے۔ کہ جس سے حق و باطل، کھرے اور کھوٹے، جائز اور ناجائز میں کھلا فرق دکھائی دیتا ہے۔ اس کتاب کی نہ پہلے کوئی نظیر موجود ہے اور نہ ہی قیامت تک اس کی کوئی مثال پیش کرسکتا ہے۔ جس طرح یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے۔ اسی طرح ہی جس ذاتِ گرامی پر یہ نازل کی گئی وہ بھی کائنات میں اپنی نظیر اور مثال نہیں رکھتے۔ نبی آخر الزمان ﷺ نے اس کتابِ مبین کو جس پرخلوص انداز اور جانفشانی کے ساتھ لوگوں تک پہنچایا وہ آپ ہی کا کام تھا۔ آپ کے خلوص اور انتھک جدوجہد کے باوجود کفار نے نا صرف اس کا انکار کیا بلکہ وہ آپ پر مختلف الزام لگاتے اور ظلم ڈھاتے رہے۔ اس کے باوجود آپ کی خواہش تھی کہ یہ لوگ مسلمان ہوجائیں۔ بسا اوقات یہ آرزو آپ کے لیے اس قدر گراں صورت اختیار کر جاتی کہ قریب تھا کہ آپ کو جسمانی تکلیف لاحق ہوجائے۔ اس کیفیت کو دوسرے مقام پر یوں بیان کیا گیا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کا سینہ کھول نہیں دیا اور آپ کا بوجھ ہلکا نہیں فرمایا؟ قریب تھا کہ اس بوجھ سے آپ کی کمر ٹوٹ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو بلند فرمایا یقین کرو کہ تنگی کے بعد آسانی آیا کرتی ہے۔ (الانشراح:۱تا۶)

سورۃ طٰہٰ میں آپ ﷺ کو یوں تسلّی دی گئی:

”طٰہٰ۔ ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا ہے کہ آپ مصیبت میں پڑ جائیں۔ یہ تو نصیحت ہے ہر اس شخص

کے لیے جوڑنے والا ہے۔ یہ کتاب اس ذات کی طرف سے نازل کی گئی ہے جس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا ہے۔“

اس بوجھ کو اُتارنے اور غم کو ہلکا کرنے کے لیے اس سورۃ کی ابتداء میں نبی کریم ﷺ کو یہ بات سمجھائی گئی کہ کیا یہ لوگ مسلمان نہیں ہوتے تو آپ اپنے آپ کو ہلاک کرلیں گے؟ آپ کا کام بار بار سمجھانا ہے۔ جو اعلیٰ اخلاق اور کمال جانفشانی کے ساتھ آپ سرانجام دے رہے ہیں۔

((عَنْ عَائِشَةَ ؓ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا قَالَتْ أَوَّلُ مَا بُدِءَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ ....فَقَالَ لِخَدِيجَةَ وَأَخْبَرَهَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي فَقَالَتْ خَدِيجَةُ كَلَّا وَاللَّهِ مَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا ، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ))[رواه البخاري:باب بدء الوحي]

”حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول محترم ﷺ کو وحی کی ابتدا نیند میں سچے خوابوں سے ہوئی۔...... ......پھر آپ نے حضرت خدیجہ ؓ کو سارا ماجرا کہہ سنایا اور فرمایا، مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ انہوں نے تسلی دی کہ ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، دوسروں کے بوجھ اٹھاتے ہیں محتاج کی خبرگیری کرتے ہیں، مہمان کو کھانا کھلاتے ہیں مصیبت زدہ کی مدد کرتے ہیں۔“

مسائل

۱۔ قرآن مجید روشن اور ایک واضح کتاب ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تسلی اور اطمینان سے نوازا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی محنت کو بے انتہا خراج تحسین سے سرفراز فرمایا۔

تفسیر بالقرآن

نبی اکرم ﷺ لوگوں پر چوکیدار نہیں بنائے گئے:

۱۔ (پیغمبروں نے کہا) ہمارے ذمہ دین کی تبلیغ کرنا ہے۔ (یٰس:۱۷)

۲۔ آپ ﷺ تو ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز پر کارساز ہے۔ (ہود:۱۲)

۳۔ آپ کا کام تبلیغ کرنا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔ (الرعد:۴۰)

۴۔ رسولوں کا کام صرف تبلیغ کرنا ہے۔ (النحل:۳۵)

۵۔ آپ کو ان پر نگران نہیں بنایا گیا آپ کا کام تبلیغ کرنا ہے۔ (الشوریٰ:۴۸)

۶۔ آپ نصیحت کریں آپ کا کام بس نصیحت کرنا ہے، آپ کو کوتوال نہیں بنایا گیا۔ (الغاشیۃ:۲۱۔۲۲)

اِنْ	نَّشَاْ	نُنَزِّلْ	عَلَيْهِمْ	مِّنَ	السَّمَآءِ	اٰيَةً
اگر	ہم چاہیں	نازل کردیں	ان پر	سے	آسمان	نشانی
فَظَلَّتْ	اَعْنَاقُهُمْ	لَهَا	خٰضِعِيْنَ ④	وَمَا	يَاْتِيْهِمْ	
پھر ہو جائیں	ان کی گردنیں	اس کے لیے	جھکنے والی	اور نہیں	وہ آتی ان کے پاس	
مِّنْ	ذِكْرٍ	مِّنَ	الرَّحْمٰنِ	مُحْدَثٍ	اِلَّا	كَانُوْا
سے	نصیحت	سے	رحمٰن	نئی	مگر	وہ ہوتے ہیں
عَنْهُ	مُعْرِضِيْنَ ⑤					
اس سے	اعراض کرنے والے					

''ہم چاہیں تو آسمان سے ایسی نشانی نازل کردیں کہ جس سے ان کی گردنیں اس کے سامنے جھک جائیں۔(۴) ان لوگوں کے پاس رحمان کی طرف سے جو نصیحت آتی ہے یہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔''(۵)

فہم القرآن

ربط کلام: کتابِ مبین کی واضح آیات اور ٹھوس دلائل کے باوجود لوگ ایمان نہیں لاتے۔

رسولِ محترم ﷺ کی بے مثال جدو جہد اور قرآنِ مجید کے ٹھوس اور بیّن دلائل کے باوجود۔ کفار آپ ﷺ سے ایک سے ایک بڑھ کر معجزہ لانے کا مطالبہ کرتے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ایسا معجزہ نازل کریں جس کے سامنے ان کی گردنیں جھک جائیں۔ اور یہ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے کہ وہ لوگوں کو جبراً ایمان لانے پر مجبور کرے۔ اُس نے لوگوں کے سامنے کتاب مبین رکھ دی ہے۔ جس کی تلاوت کرنے سے حق اور باطل واضح ہو جاتا ہے۔ اب یہ لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی رغبت سے حق قبول کرتے ہیں یا نخوت سے اُسے مسترد کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب بھی منکرین حق کے سامنے کوئی نئی دلیل پیش کی جاتی ہے تو وہ اسے استہزاء کا نشانہ بناتے ہیں۔ اگر ان کا یہی وطیرہ رہا تو وقت دور نہیں جب اُن پر ایسے حالات وارد ہوں گے۔ جن سے حق کی تکذیب اور اُسے استہزاء کا نشانہ بنانے والوں کو نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔

مسائل

۱۔ لوگوں کی اکثریت ہمیشہ حق بات سے اعراض کرتی رہی ہے۔

۲۔ انبیاء علیہم السلام کو مذاق کرنے والوں کا ہمیشہ سے بُرا انجام ہوا ہے۔

فَقَدۡ كَذَّبُوۡا فَسَيَاۡتِيۡهِمۡ اَنۡۢبٰٓؤُا مَا كَانُوۡا بِهٖ

چنانچہ تحقیق انھوں نے جھٹلایا لہٰذا عنقریب ان کے پاس آئیں گی خبریں جو تھے وہ ساتھ اس کے

يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿٦﴾ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اِلَى الۡاَرۡضِ كَمۡ اَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا

وہ استہزاء کرتے کیا نہیں انھوں نے دیکھا طرف زمین کتنی ہم نے اُگائیں اس میں

مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍ كَرِيۡمٍ ﴿٧﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ

سے ہر چیزیں عمدہ؟ بے شک میں اس

لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿٨﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ

البتہ نشانی اور نہیں ہیں ان کے اکثر ایمان لانے والے اور بلاشبہ آپ کا رب

لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ﴿٩﴾ ع

١ ع ٩ ٥

البتہ وہ نہایت غالب بہت رحم کرنے والا

”عن قریب ان کو اس چیز کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ (٦) کیا انہوں نے کبھی زمین پر غور کیا کہ ہم نے کتنی کثیر تعداد میں عمدہ نباتات اس میں پیدا کی ہیں؟ (٧) یقیناً اس میں ایک نشانی ہے مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں۔ (٨) حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست اور مہربان ہے۔“ (٩)

فہم القرآن

ربط کلام: نئی نشانیاں اور معجزات کا مطالبہ کرنے والوں کو جواب۔

رسولِ کریم ﷺ سے نئی نئی نشانیاں اور معجزات کا مطالبہ کرنے والوں کو سمجھایا گیا کہ اگر تم حقیقتاً ہدایت کے طالب ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی ذات اور قدرت کو پہچاننے کے لیے کیا کافی نہیں کہ جس دھرتی پر تم رہتے ہو اس پر غور کرو؟ اگر تم اخلاص کی نظر سے دیکھو اور غور کرو گے تو تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے فائدے کے لیے زمین میں کس قدر عمدہ چیزیں پیدا فرمائی ہیں غور کرنے والے کے لیے یقیناً اس میں عظیم نشانی ہے۔ لیکن لوگوں کی اکثریت ایمان لانے کے لیے تیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر غالب ہے کہ وہ حقائق ٹھکرانے والوں کو تہس نہس کر دے لیکن وہ اپنی شفقت و مہربانی کی وجہ سے انہیں مہلت پر مہلت دیے جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حقائق جاننے اور ہدایت پانے کے لیے نباتات پر غور کرنے کا حکم دیا ہے کہ کیا انسان اس بات پر غور نہیں کرتا کہ ایک ہی قسم کی زمین ہوتی ہے ایک جیسی آب و ہوا اور ایک ہی پانی سے سیراب ہوتی ہے؟

زمین کے ایک دوسرے سے ملے ہوئے مختلف طبقات اور قطعات ہیں جنہیں ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کی فصلوں اور پھلوں کو ایک دوسرے پر لذت، رنگت اور فوائد کے اعتبار سے فوقیت حاصل ہے۔ جس طرح جاندار چیزوں کے جوڑے ہیں ویسے ہی پودوں، درختوں اور پوری نباتات کے جوڑے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے پھلوں کے بھی جوڑے پیدا کیے گئے ہیں۔ ایک ہی قسم کا پھل ہونے کے باوجود کوئی میٹھا ہے، کوئی کڑوا، کوئی ترش اور کوئی پھیکا ہے ایک ناقص ہے دوسرا اعلیٰ قسم کا نہایت قیمتی اور مفید ہے۔

پرانے زمانے کے انسان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ پودوں میں بھی جانوروں کی طرح نر اور مادہ ہوتے ہیں۔ آج نباتات کا جدید علم بتاتا ہے کہ ہر پودے کی نر اور مادہ صنف ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ پودے جو یک صنفی (Unisexual) ہوتے ہیں ان میں بھی نر اور مادہ کے امتیازی اجزا ایکجا ہوتے ہیں۔

مسائل

١۔ انسان کو نباتات پر غور کرنا چاہیے۔

٢۔ دلائل جاننے کے باوجود لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لایا کرتی۔

٣۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہونے کے باوجود شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ نباتات کی ایک جھلک:

١۔ اللہ نے پانی سے ہر قسم کی نباتات کو پیدا کیا۔ (الانعام:٩٩)

٢۔ اللہ پانی سے تمہارے لیے کھیتی، زیتون، کھجور اور انگور اگاتا ہے۔ (النحل:١١)

٣۔ اللہ نے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ (المومنون:١٩)

٤۔ اللہ نے زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ (یٰس:٣٤)

٥۔ اللہ نے باغات، کھجور کے درخت اور کھیتی پیدا کی جو ذائقہ کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ (الانعام:١٤١)

٦۔ تمہارے لیے نباتات کو زمین پر پھیلا کر مسخر کیا، ان کی اقسام مختلف ہیں۔ (النحل:١٣)

٧۔ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا اور اس سے مختلف انواع کے پھل پیدا فرمائے۔ (فاطر:٢٧)

٨۔ اللہ زمین سے کھیتی نکالتا ہے جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ (الزمر:٢١)

وَاِذْ	نَادٰى	رَبُّكَ	مُوْسٰٓى	اَنِ	ائْتِ	الْقَوْمَ
اور جب	اس نے پکارا	آپ کا رب	موسیٰ	یہ کہ	تو جا	قوم
الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰	قَوْمَ	فِرْعَوْنَ ؕ	اَلَا	يَتَّقُوْنَ ۝۱۱	قَالَ	
ظالم	یعنی قوم	فرعون	کیا نہیں	وہ ڈرتے؟	اس نے کہا	
رَبِّ	اِنِّىْٓ	اَخَافُ	اَنْ	يُّكَذِّبُوْنِ ۝۱۲	وَيَضِيْقُ	صَدْرِىْ
اے میرے رب!	بے شک میں	میں ڈرتا ہوں	یہ کہ	وہ مجھے جھٹلائیں	اور تنگ ہے	میرا سینہ
وَلَا	يَنْطَلِقُ	لِسَانِىْ	فَاَرْسِلْ	اِلٰى	هٰرُوْنَ ۝۱۳	
اور نہیں	چلتی	میری زبان	لہٰذا تو بھیج	طرف	ہارون	
وَلَهُمْ	عَلَىَّ	ذَنْۢبٌ	فَاَخَافُ	اَنْ	يَّقْتُلُوْنِ ۝۱۴	
اور ان کے لیے	میرے ذمے	گناہ	لہٰذا میں ڈرتا ہوں	یہ کہ	وہ مجھے قتل کردیں	

''انہیں اس وقت کا واقعہ سناؤ جب آپ کے رب نے موسیٰ کو فرمایا کہ ظالم قوم کے پاس جاؤ۔(۱۰) فرعون کی قوم تقویٰ اختیار نہیں کرتی (۱۱) موسیٰ نے عرض کی اے میرے رب مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔(۱۲) میرا سینہ گھٹتا ہے اور میری زبان واضح نہیں ہے۔ آپ ہارون کی طرف رسالت بھیجیں۔(۱۳) مجھ پر ایک الزام بھی ہے اس لیے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کردیں گے۔''(۱۴)

فہم القرآن

ربط کلام: چھٹی آیت میں بتایا گیا ہے کہ عنقریب ان کے پاس وہ خبریں یعنی واقعات بیان کیے جائیں گے، کہ جن قوموں نے توحید کے دلائل اور اپنے رسول کو جھٹلایا ان کا انجام کیا ہوا۔ لہٰذا سُنیں ان میں سرفہرست فرعون اور اس کے ساتھی تھے جنہیں موسیٰ نے ان الفاظ میں سمجھایا اور ڈرایا تھا۔

اے پیغمبر ﷺ! وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام کو آپ کے رب نے یہ حکم دیا کہ ظالم قوم کے پاس جاؤ۔ جو فرعون کی قوم ہے اُنھیں سمجھاؤ کہ وہ اپنے رب سے ڈر جائیں۔ اس موقعہ پر موسیٰ نے یہ عذر پیش کیا الٰہی مجھ سے ان کا بندہ قتل ہوگیا اس لیے مجھے ڈر لگتا ہے کہ وہ مجھے قتل کردیں گے واقعہ یوں ہے کہ حضرت موسیٰ سے فرعون کی قوم کا ایک شخص غیر ارادی طور پر قتل ہوا۔ گرفتاری کے ڈر سے حضرت موسیٰ مصر سے بھاگ نکلے دس (۱۰) سال حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس مدین میں رہے حضرت شعیب علیہ السلام نے انھیں اپنی دامادی کا شرف بخشا۔ مدین میں دس (۱۰) سال رہنے کے بعد جب موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ کے ساتھ مصر آرہے تھے تو راستہ میں ایک جگہ انھوں نے روشنی دیکھی اپنی اہلیہ کو یہ بات کہہ کر اس روشنی کی طرف بڑھے کہ آپ یہاں ٹھہریں میں وہاں سے راستہ پوچھتا ہوں یا آپ کے تاپنے کے لیے آگ لاتا ہوں۔ موسیٰ اس روشنی کے قریب ہوئے تو آواز آئی کہ اپنا جوتا اتار دیں۔ آپ پاک سرزمین پر قدم رکھ چکے ہیں اور میں آپ کا رب ہوں۔ اس کی تفسیر سورۃ القصص، آیت: ۲۹ تا ۳۵ میں بیان کی جائے گی۔ (ان شاء اللہ)

یہاں موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کرنے کے ساتھ دو عظیم معجزے دیے گئے اور حکم ہوا کہ فرعون اور اُس کی قوم کے پاس جاؤ۔ اُنھیں اُن کے انجام سے ڈراؤ وہ بڑے ظالم لوگ ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس موقع پر تین عذر پیش کیے تھے۔

۱۔ میری زبان پوری طرح رواں نہیں ہے اور میرا سینہ تنگی محسوس کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی ان کا سینہ کھول دیا گیا اور اُن کی قوتِ گویائی ٹھیک کر دی۔ (طٰہٰ: ۲۵ تا ۲۸)

۲۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فریاد کی کہ میرے بھائی ہارون کے ساتھ مجھے مضبوط کیجیے وہ میرے کام میں شریک رہے اور اُسے میرا وزیر بنا دیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا بھی قبول کی گئی۔ (طٰہٰ: ۲۹ تا ۳۶)

۳۔ موسیٰ علیہ السلام نے تیسرا عذر یہ پیش کیا کہ میرے رب میرے ذمہ اُن کا ایک جرم ہے مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔ جرم سے مراد وہی جرم ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی ہجرت کرنے کا سبب بنا تھا جس کا ابھی ذکر ہوا ہے جس وجہ سے وہ خوف محسوس کرتے ہیں کہ انھیں قتل کر دیا جائے گا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ ہمارے دیے ہوئے معجزات کے ساتھ دونوں جاؤ یقیناً ہم تمھارے ساتھ ہیں اور تمھاری فرعون کے ساتھ ہونے والی گفتگو سن رہے ہوں گے۔ سورۃ طٰہٰ آیت ۴۵۔۴٦ میں یہ بھی ذکر ہے کہ موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے عرض کی ہمارے رب! ہم خوف محسوس کرتے ہیں کہ فرعون ہم پر زیادتی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو تسلی دی کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں میں سب کچھ دیکھ اور سن رہا ہوں گا۔ ان تسلیوں اور معجزات کے ساتھ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام فرعون کی طرف بھیجے گئے۔ اس میں ''إِذْ'' کا لفظ بول کر نبی علیہ السلام کو یہ بات باور کروائی ہے کہ اے پیغمبر! موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ پر غور فرمائیں کہ وہ کتنے کٹھن حالات میں فرعون کی طرف بھیجے گئے تھے۔ فرعون پرلے درجے کا سرکش اور اپنے آپ کو ''اَنَا رَبُّکُمُ الاَعْلٰی'' کہلوانے والا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے خوف سے بنی اسرائیل پر مسلسل ظلم کر رہا تھا۔ اُس کی قوم، اُس کے مظالم میں برابر کی شریک ہو چکی تھی۔ غور فرمائیں کہ آپ کے مقابلے میں فرعون جیسی قوت رکھنے والا کوئی شخص نہیں ہے۔ بے شک آپ کی قوم آپ اور آپ کے ساتھیوں پر زیادتی کرنے والی ہے۔ لیکن ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو آپ پر سب کچھ نچھاور کر رہے ہیں۔ اس لحاظ سے آپ کو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں بہتر حالات میں کام کرنے کا موقع دیا گیا ہے لہٰذا آپ کو موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو اپنی معیت کا یقین دلایا تھا۔ آپ بھی یقین رکھیں کہ آپ کے رب کی مدد ہر وقت آپ کے ساتھ رہے گی۔

مسائل

۱۔ فرعون اور اُس کی قوم ظلم کرنے والے تھے۔ ۲۔ موسیٰ علیہ السلام کی تینوں درخواستوں کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ اپنے اِقتدار، اختیار اور علم کی بناء پر آدمی کے ساتھ ہوتا ہے:

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ ثور میں ابوبکر کو فرمایا کہ ''اللہ'' ہمارے ساتھ ہے۔ (التوبہ: ۴۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ انسان کی شاہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ (ق: ۱٦، الواقعہ: ۸۵)

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے اقتدار اور اختیار کے اعتبار سے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ (المجادلۃ: ۷)

قَالَ	كَلَّا	فَاذْهَبَا	بِاٰيٰتِنَآ	اِنَّا	مَعَكُمْ
اس نے کہا	ہرگزنہیں	چنانچہ تم دونوں جاؤ	ہماری نشانیوں کے ساتھ	یقیناً ہم	تمھارے ساتھ
مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾	فَاْتِيَا	فِرْعَوْنَ	فَقُوْلَآ	اِنَّا	رَسُوْلُ
سننے والے	چنانچہ دونوں جاؤ	فرعون	پھر کہو	بلاشبہ ہم	رسول
رَبِّ	الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾	اَنْ	اَرْسِلْ	مَعَنَا	بَنِيْٓ
رب	جہانوں	یہ کہ	بھیج دے	ہمارے ساتھ	بنی
اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۷﴾	قَالَ	اَلَمْ	نُرَبِّكَ	فِيْنَا	وَلِيْدًا
اسرائیل	اس نے کہا	کیانہیں	ہم نے پرورش کی تیری	اپنے ہاں	بچہ

’’فرمایا ہرگز نہیں ہماری نشانیاں لے کر تم دونوں جاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور سب کچھ سن رہے ہونگے۔(۱۵) فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو ہمیں رب العالمین نے اس لیے بھیجا ہے۔(۱۶) کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے۔(۱۷) فرعون نے کہا کیا ہم نے اپنے ہاں تیری پرورش نہیں کی تھی؟

فہم القرآن

ربط کلام: موسیٰ علیہ السلام کو ہر قسم کی تسلی دینے کے بعد فرعون کی طرف جانے کا حکم ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام فرعون کے پاس پہنچے اور اُسے یہ کہہ کر اپنی رسالت اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی کہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔فرعون اپنے آپ کو ’’رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی‘‘ کہتا تھا۔اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُسے توحید کا یہ پہلو پیش فرمایا کہ رب العالمین ایک ہے اُس کے سوا کوئی اور رب نہیں۔اس کے ساتھ ہی اپنی قوم کی آزادی کا مطالبہ کیا۔کیونکہ آزاد قوم ہی اپنے نفع ونقصان کا ٹھیک طور پر فیصلہ کرسکتی ہے۔فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور مطالبہ پر بات کرنے کی بجائے کم ظرفی اور عیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُن پر دو اعتراضات کیے تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو خوفزدہ کیا جاسکے۔

فرعون نے بڑے طمطراق سے کہا ’’کیا ہم نے بچپن میں تجھے نہیں پالا اور تو ہمارے پاس کئی سال تک نہیں ٹھہرا رہا؟ پھر تو نے وہ کام کیا جو تو جانتا ہے۔اے موسیٰ تو ناشکرا اور ناقدر شناس انسان ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی قسم کی تاویل کرنے کی بجائے پیغمبرانہ انداز کے ساتھ کھلے الفاظ میں اعتراف کیا کہ واقعی ہی مجھ سے وہ کام ہوا جس کی طرف تو اشارہ کررہا ہے۔لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ شخص معمولی مُکّہ سے مرجائے گا، اس کے مرنے کے سبب اور تمھارے خوف کی وجہ سے میں یہاں سے بھاگ نکلا اس دوران اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔اس وضاحت کے ساتھ ہی انھوں نے فرعون کے سامنے یہ سوال رکھا۔کیا مجھ پر احسان کرنے کا یہ بدلہ ہونا چاہیے کہ میری پوری قوم کو غلام بنا کر رکھا جائے؟

وَلَبِثْتَ	فِيْنَا	مِنْ	عُمُرِكَ	سِنِيْنَ ﴿١٨﴾	وَفَعَلْتَ	
اور تو ٹھہرا رہا	ہمارے ہاں	سے	اپنی عمر	کئی سال؟	اور تو نے کیا	
فَعْلَتَكَ	الَّتِيْ	فَعَلْتَ	وَاَنْتَ	مِنَ	الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩﴾	
اپنا کام	وہ جو	تو نے کیا	اور تو	سے	ناشکرے	
قَالَ	فَعَلْتُهَآ	اِذًا	وَّاَنَا	مِنَ	الضَّآلِّيْنَ ﴿٢٠﴾	فَفَرَرْتُ
اس نے کہا	میں نے وہ کیا	اس وقت	جبکہ میں	سے	بھٹکے ہوئے لوگوں میں تھا	پھر میں بھاگ گیا
مِنْكُمْ	لَمَّا	خِفْتُكُمْ	فَوَهَبَ	لِيْ	رَبِّيْ	حُكْمًا
تم سے	جب	میں تم سے ڈرا	پھر عطا کیا	مجھے	میرے رب نے	حکم

تو نے اپنے عمر کے کئی سال ہمارے ہاں گزارے۔(۱۸) اور اس کے بعد تو نے جو کچھ کیا کر گیا تو بڑا احسان فراموش ہے۔(۱۹) ''موسیٰ نے جواب دیا اس وقت میں نے وہ کام نادانستگی میں کیا تھا پھر میں تمہارے خوف سے بھاگ گیا۔(۲۰) اس کے بعد میرے رب نے مجھ کو حکم دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب کی صورت میں ایسا سوال اُٹھایا جس کا فرعون کوئی جواب نہ دے سکا۔ یہاں تک کہ اُس نے موسیٰ علیہ السلام سے سرزد ہونے والے قتل کا معاملہ اٹھانے کی بھی جرأت نہ کی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ آپ کے خلاف فرعون کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا۔ جہاں تک موسیٰ علیہ السلام کا اپنے بارے میں ''ضَالٌّ'' کا لفظ استعمال کرنے کا تعلق ہے۔ ''ضَآلین'' کا واحد ''ضَالٌّ'' ہے جس کے کئی معانی ہیں اِن معنوں میں ایک یہ معنیٰ ہے ''کسی معاملے میں بے علم اور بے خبر ہونا۔'' جس بنیاد پر موسیٰ علیہ السلام نے یہ وضاحت فرمائی کہ بے شک وہ آدمی میرے ہاتھ سے مرا ہے لیکن میرا اُسے قتل کرنے کا ارادہ نہ تھا۔ یہ جو کچھ ہوا ہے غیر ارادی طور پر ہوا تھا۔

((عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ قَالَ فَقَرَأَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَ مِرَارٍ قَالَ أَبُوْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ خَابُوْا وَخَسِرُوْا مَنْ هُمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ))

[رواہ مسلم:کتاب الإيمان،باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية]

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا قیامت کے دن تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ نہ کلام کرے گا نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا اور نہ ہی ان کو گناہوں سے پاک کرے گا۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ وہ تو ناکام و نامراد ہوگئے۔ آپ نے فرمایا: ① اپنا ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا ② احسان جتلانے والا ③ جھوٹی قسمیں اٹھا کر اپنا مال فروخت کرنے والا۔''

وَّجَعَلَنِیْ	مِنَ	الْمُرْسَلِیْنَ ﴿٢١﴾	وَتِلْكَ	نِعْمَةٌ
اوراس نے مجھے بنایا	سے	رسولوں	اوروہ	احسان
تَمُنُّهَا	عَلَیَّ	اَنْ	عَبَّدْتَّ	بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿٢٢﴾
تو احسان جتلاتا ہے	مجھ پر	یہ کہ	تو نے غلام بنا رکھا ہے	بنی اسرائیل

اور مجھے رسولوں میں شامل فرمالیا۔(٢١) رہا تیرا احسان جو تو نے مجھ پر جتایا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔‘‘(٢٢)

مسائل

١۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے فرعون کے سامنے توحید کی دعوت دی اور اپنی قوم کی آزادی کا مطالبہ کیا۔

٢۔ فرعون نے کمینگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کی ذات پر اعتراضات اُٹھائے۔

٣۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھلے الفاظ میں اپنے ہاتھوں ہونے والے قتل کا اقرار کیا۔

٤۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ذات پر احسان کا جواب دیتے ہوئے ایسا سوال کیا کہ جس سے فرعون لاجواب ہو گیا۔

٥۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت کے سرفراز فرمایا۔ ٦۔ احسان کر کے احسان جتلانا نہیں چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت اور معجزات عطا فرمائے:

١۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر ان کے بھائی ہارون کو نبی بنایا۔(طٰہٰ:٢٩۔٣٠)

٢۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کرتے ہوئے ان کی زبان اور سینہ کھول دیا۔(طٰہٰ:٢٥تا٢٨)

٣۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ،فرعون اور اس کے حواریوں کے پاس معجزات لے کر آئے مگر انہوں نے تکبر کیا۔ (العنکبوت:٣٩)

٤۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور حق وباطل میں فرق کرنے والے معجزے عطا کیے۔(البقرۃ:٥٣)

٥۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو حق وباطل میں فرق کرنے والی کتاب عنایت فرمائی۔(الانبیاء:٤٨)

٦۔ اللہ نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا مگر انہوں نے تکبر کیا۔(یونس:٧٥)

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ

اس نے کہا فرعون اور کیا رب العالمین؟ اس نے کہا رب آسمانوں کا

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ

اور زمین اور جو ان دونوں کے درمیان اگر ہو تم یقین کرنے والے اس نے کہا ان سے

حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾

اس کے ارد گرد کیا نہیں تم سنتے؟ اس نے کہا تمھارا رب اور رب تمھارے باپ داد پہلے

”فرعون نے کہا رب العالمین کون ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا آسمانوں اور زمین کا رب۔(۲۳) اور ان سب چیزوں کا رب جو آسمانوں وزمین کے درمیان ہیں اگر تم یقین لانے والے ہو۔(۲۴) فرعون نے اپنے گرد وپیش کے لوگوں سے کہا سنتے ہو؟(۲۵) موسیٰ کہتا ہے کہ تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد جو گزر چکے ہیں ان کا رب زمین وآسمانوں کا رب ہے“(۲٦)

فہم القرآن

ربط کلام: فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان مکالمہ۔

فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام پر احسان جتلانے اور ان کی قوم کو غلام بنانے کے معاملے میں لاجواب ہوا۔ تو اس نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا کہ تم کس رب العالمین کی بات کرتے ہو۔ جس کا معنٰی تھا کہ میرے سوا کون رب ہوسکتا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا تفصیلی جواب دینے کی بجائے سادہ اور جامع جواب دیا کہ میں اس رب کا رسول ہوں۔ جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے۔ اگر تم اس پر یقین کرنے کے لیے تیار ہو۔ یاد رہے کہ رب کا معنی خالق، رازق، مالک اور بادشاہ ہے۔ فرعون نے اپنا سکہ جمانے اور اپنے وزیروں، مشیروں پر اثر ڈالنے کے لیے کہا جو کچھ موسیٰ علیہ السلام کہہ رہا ہے اسے سن رہے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ فرعون اپنے وزیروں اور مشیروں سے اپنی ہاں میں ہاں ملوانا چاہتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وزیروں، مشیروں کو بولنے کا موقعہ دیے بغیر فرمایا کہ ہاں میں اس رب کی بات کرتا ہوں جس نے تمھیں اور تمھارے آباؤ اجداد کو پیدا کیا۔ ہوسکتا ہے فرعون یہ مغالطہ دینے میں کامیاب ہوجاتا کہ میں بھی اپنے ملک میں رہنے والوں کی ضروریات پوری کررہا ہوں اس لیے مجھے رب کہلوانے کا حق پہنچتا ہے۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام نے یہ دلیل دے کر ثابت کیا میری مراد وہ رب ہے کہ جس نے تمھیں اور تمھارے آباؤ اجداد کو پیدا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کچھ پیدا نہیں کرسکتا۔ اس لیے فرعون سے اس سوال کا جواب بھی نہ بن سکا۔ جس سے اس کی خفت میں مزید اضافہ ہوا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا رب ہے۔ ۲۔ سرکش قسم کے لوگ دلائل کو نہیں مانتے۔

قَالَ	اِنَّ	رَسُوْلَكُمُ	الَّذِيْٓ	اُرْسِلَ	اِلَيْكُمْ	لَمَجْنُوْنٌ ﴿٢٧﴾
اس نے کہا	بلاشبہ	تمھارا رسول	وہ جو	بھیجا گیا	تمھاری طرف	یقیناً دیوانہ ہے
قَالَ	رَبُّ	الْمَشْرِقِ	وَالْمَغْرِبِ	وَمَا	بَيْنَهُمَا ؕ	اِنْ
اس نے کہا	رب	مشرق	اور مغرب	اور جو	ان دونوں کے درمیان	اگر
كُنْتُمْ	تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾					
ہو تم	تم عقل رکھتے					

''فرعون نے کہا جو تمہاری طرف رسول بھیجا گیا ہے وہ تو پاگل ہے۔(٢٧) موسیٰ نے کہا مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ایک ہے اگر تم لوگ کچھ عقل رکھتے ہو۔'' (٢٨)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان مکالمہ جاری ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوسری دلیل یہ دی کہ میں اس رب کی طرف سے رسول بنایا گیا ہوں۔ جو تمھارا اور تمھارے باپ دادا کا رب ہے۔ اس دلیل کا صاف مطلب تھا کہ ''اے فرعون! میں تجھے رب ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔'' جس کا دوسرا مطلب یہ تھا کہ تو مصر کے لوگوں کا رب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کا کیا جواب ہے کہ تجھے اور تیرے آباء واجداد کو کس نے پیدا کیا؟ ظاہر ہے کہ نہ تو نے اپنے آپ کو پیدا کیا اور نہ ہی پہلے لوگوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ فرعون اس دلیل کی وجہ سے جھنجھلاہٹ میں آکر اپنے درباریوں سے کہنے لگا کہ تمھاری طرف جو رسول بھیجا گیا وہ تو پاگل ہے۔ فرعون یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کہ کوئی شخص اتنی بے باکی کے ساتھ میرے سامنے بات کر سکتا اور مجھے ترکی بہ ترکی جواب دے سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تیسری دلیل دیتے ہوئے فرمایا کہ میں اس رب کی بات کر رہا ہوں جو مشرق سے مغرب تک اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا خالق، مالک، رازق اور بادشاہ ہے۔ اس میں یہ بتانا مقصود ہے تو تو ایک ملک کا حکمران ہے یہ بتا مشرق سے لے کر مغرب تک کس کی بادشاہی ہے اگر تم عقل سے کام لینے والے ہو۔ گویا کہ اس میں یہ جواب مضمر تھا مجھے پاگل کہنے والے! حقیقتاً تو خود پاگل ہیں۔ کفار اور مشرکین کا شروع سے طریقہ چلا آرہا ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے خلاف جرأت سے بات کرنے والے کو پاگل کہتے ہیں۔ یہی وہ پہلا الزام ہے جو ہر پیغمبر کی ذاتِ اقدس پر لگایا گیا۔ انبیاء کو پاگل کہنے کی چند وجوہات

① ۔ اس شخص کی معاشرے میں بڑی تکریم تھی لیکن اس نے صرف اس دعوت کے بدلے اپنا احترام و مقام کھو دیا ہے۔

②۔ یہ پاگل ہے کہ صرف توحید، توحید کی رٹ لگائے جا رہا ہے۔

③ دعوتِ توحید کے مقابلے میں انبیاء کرام کو بڑی بڑی مراعات پیش کی گئیں مگر انہوں نے سب کو ٹھکرا دیا جس بنا پر لوگ انہیں پاگل کہتے تھے۔

④ انبیاء کرام نے دنیا کی عزت کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دی جس وجہ سے دنیا دار انہیں پاگل کہتے ہیں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ پہلے، موجود اور آنے والے لوگوں کا رب ہے۔

۲۔ لوگ انبیائے کرام علیہم السلام کو پاگل ہونے کا طعنہ دیتے تھے۔

۳۔ عقل کی بات یہ ہے کہ عقیدہ توحید سمجھا جائے اور اس پر ایمان لایا جائے۔

تفسیر بالقرآن

''اللہ'' ہی سب کا رب ہے:

۱۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو جہانوں کو پالنے والا ہے۔ (الفاتحۃ:۱)

۲۔ اللہ تمھارا رب ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہی ہر چیز کا خالق ہے۔ (الانعام:۱۰۲)

۳۔ اللہ تعالیٰ میرا اور تمھارا رب ہے۔ تم اسی کی عبادت کرو یہی صراط مستقیم ہے۔ (آل عمران:۵۱، مریم:۳۶)

۴۔ اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے جو تمھیں زمین و آسمان میں رزق دیتا ہے؟ (الفاطر:۲)

۵۔ اللہ ہی تمھارا رب ہے کیا اس کے سوا کوئی دوسرا خالق ہے؟ (غافر:۶۲)

۶۔ ہر چیز اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ (یٰسٓ:۸۳)

۷۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ تمہارا اور تمہارے آباء واجداد کا رب ہے۔ (الدخان:۸)

۸۔ حضرت ہود نے فرمایا میں نے اپنے اللہ پر توکل کیا ہے جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ (ہود:۵۶)

۹۔ اللہ ہی مشرق و مغرب کا رب ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اسی کو کارساز سمجھو۔ (المزمل:۹)

قَالَ	لَئِنِ	اتَّخَذْتَ	اِلٰهًا	غَيْرِىْ	لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ
اس نے کہا	البتہ اگر	تونے پکڑا	کوئی معبود	میرے سوا	میں ضرور تجھے بنادوں گا سے
الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾	قَالَ	اَوَلَوْ	جِئْتُكَ	بِشَىْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾	قَالَ
قیدیوں	اس نے کہا	کیااوراگرچہ	میں تیرے پاس لاؤں	کوئی چیز واضح	اس نے کہا
فَاْتِ بِهٖۤ	اِنْ	كُنْتَ	مِنَ	الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾	فَاَلْقٰى
تولے آوہ چیز	اگر	تو ہے	سے	سچے	چنانچہ اس نے ڈالا
عَصَاهُ	فَاِذَا	هِىَ	ثُعْبَانٌ	مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾	وَّنَزَعَ يَدَهٗ
اپنا عصا	تو ناگہاں	وہ تھا	اژدھا	کھلا	اوراس نے نکالا اپناہاتھ

”فرعون نے کہا اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود مانا تو تجھے بھی ان لوگوں کے ساتھ قیدی بنادوں گا جو قید خانوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ (۲۹) موسیٰ نے کہا اگرچہ میں تیرے سامنے واضح دلیل لے آؤں۔ (۳۰) فرعون نے کہا اچھا اگر تو سچا ہے تو لاؤ دلیل۔ (۳۱) موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا وہ یکا یک بڑا اژدہا بن گیا۔ (۳۲)“ پھر اپنا ہاتھ نکالا۔

فہم القرآن

ربط کلام: فرعون نے اپنے اقتدار کے لیے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو چیلنج سمجھا اس لیے اس نے موسیٰ علیہ السلام کو قید و بند کی دھمکی دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑے حوصلہ اور دانش مندی کے ساتھ فرعون کو لاجواب کر دیا۔ فرعون نے ذلت محسوس کرتے ہوئے دلائل کا جواب دلائل سے دینے کی بجائے نہ صرف موسیٰ علیہ السلام کو بھرے دربار میں پاگل بلکہ جیل کی سلاخوں میں بند کرنے کی دھمکی دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کمال ذہانت اور بُردباری سے فرعون کو پھر دلائل کے میدان میں کھینچ لائے۔ ارشاد فرمایا کیا میں اپنے دعویٰ کے جواب میں کھلے دلائل پیش کروں تو پھر بھی آپ اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں گے؟ فرعون نے مجبور ہو کر کہا کیوں نہیں اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو دلیل پیش کر۔ یہی موسیٰ علیہ السلام چاہتے تھے جونہی فرعون نے نشانی کا مطالبہ کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر دے مارا۔ عصا زمین پر گرتے ہی بڑے اژدھا کی طرح پھنکارنے لگا ظاہر بات ہے کہ فرعون اور اس کے حواریوں کے حواس باختہ ہو گئے اور انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ برائے کرم اس اژدھا کو قابو کیجیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے اژدھا کو ہاتھ ڈالا تو وہ پہلے کی طرح عصا بن گیا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اپنی بغل میں کر نکالا تو وہ اس طرح روشن ہوا کہ فرعون اور اس کے درباریوں کی آنکھوں چندھیا گئیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ

ع ٢

فَاِذَا	هِيَ	بَيْضَآءُ	لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿٣٣﴾	قَالَ	لِلْمَلَاِ	حَوْلَهٗٓ
تو ناگہاں	وہ تھا	سفید	دیکھنے والوں کے لیے	اس نے کہا	سرداروں کے لیے	اس کے اردگرد

اِنَّ	هٰذَا	لَسٰحِرٌ	عَلِيْمٌ ﴿٣٤﴾
بلاشبہ	یہ	البتہ جادوگر	خوب جاننے والا

اور وہ دیکھنے والوں کے سامنے چمک رہا تھا۔ (٣٣) فرعون اپنے اردگرد پیش کے سرداروں سے بولا یہ شخص یقیناً ایک ماہر جادوگر ہے۔'' (٣٤)

فرعون اور اس کے درباری حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتے۔ لیکن فرعون نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے پوری مکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا یہ تو بہت بڑا جادوگر ہے۔

مسائل

١۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑی دانش مندی کے ساتھ فرعون کو دلائل کے میدان میں لے آئے۔

٢۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ید بیضا اور عصا کے عظیم معجزے دکھائے۔

٣۔ فرعون نے ایمان لانے کی بجائے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جادوگر ہونے کا الزام لگایا۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کرام علیہم السلام پر جادوگر ہونے کا الزام:

١۔ آل فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جادوگر ہونے کا الزام لگایا۔ (القصص: ٣٦)

٢۔ کفار نے تمام انبیاء علیہم السلام کو جادوگر اور دیوانہ قرار دیا۔ (الذاریات: ٥٢)

٣۔ کفار کے پاس حق بات آئی تو انھوں نے اسے جادو قرار دیا۔ (سباء: ٤٣)

٤۔ حضرت صالح اور حضرت شعیب کو جادو زدہ کہا گیا۔ (الشعرآء: ١٥٣۔ ١٨٥)

٥۔ جب لوگوں کے پاس حق آیا تو انھوں نے کہا یہ تو جادو ہے۔ ہم اسے نہیں مانتے۔ (الزخرف: ٣٠)

٦۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ نے جادوگر کہا۔ (الصّٰفّٰت: ٦)

٧۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جادو زدہ کہا گیا۔ (الفرقان: ٨۔ بنی اسرائیل: ٤٧)

٨۔ کیا قرآن جادو ہے یا تم غور نہیں کرتے۔ (الطّور: ١٥)

یُّرِیْدُ	اَنْ	یُّخْرِجَكُمْ	مِّنْ	اَرْضِكُمْ	بِسِحْرِهٖ ۖ	فَمَاذَا
وہ چاہتا ہے	یہ کہ	وہ نکال دے تمھیں	سے	تمھاری زمین	اپنے جادو کے ساتھ	تو کیا

تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾	قَالُوْۤا	اَرْجِهْ	وَاَخَاهُ	وَابْعَثْ	فِی	الْمَدَآئِنِ
مشورہ دیتے ہو تم؟	انھوں نے کہا	اسے مہلت دے	اور اس کے بھائی	اور تو بھیج	میں	شہروں

حٰشِرِیْنَ ﴿۳۶﴾	یَاْتُوْكَ	بِكُلِّ	سَحَّارٍ	عَلِیْمٍ ﴿۳۷﴾	فَجُمِعَ
اکٹھا کرنے والے	وہ تیرے پاس لے آئیں	سب	جادوگر	علم رکھنے والے	پس جمع کیے گئے

السَّحَرَةُ	لِمِیْقَاتِ	یَوْمٍ	مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾	وَّقِیْلَ	لِلنَّاسِ	هَلْ
جادوگر	وقت پر	دن	معین	اور کہا گیا	لوگوں کے لیے	کیا

اَنْتُمْ	مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾	لَعَلَّنَا	نَتَّبِعُ	السَّحَرَةَ	اِنْ	كَانُوْا	هُمُ
تم	جمع ہوگے	تا کہ ہم	اتباع کریں	جادوگروں	اگر	ہوں	وہی

”چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال دے اب بتاؤ تمہارا کیا فیصلہ ہے؟ (۳۵) انہوں نے کہا اسے اور اس کے بھائی کو روک لیجیے اور شہروں میں ہرکارے بھجیں۔ (۳۶) جو ہر ماہر جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں۔ (۳۷) چنانچہ ایک دن مقرر وقت پر جادوگر اکٹھے کر لیے گئے۔ (۳۸) اور لوگوں سے کہا گیا کہ تم اجتماع میں شرکت کرو؟ (۳۹) تا کہ ہم ان جادوگروں کی پیروی کریں۔ اگر جادوگر

فہم القرآن

ربط کلام: فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگروں کے ساتھ مقابلہ کا چیلنج دیا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت اور جدوجہد کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن مجید نے یہ بات واضح فرمائی ہے کہ جب بھی انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی تو سب سے پہلے انھیں پاگل اور جادوگر کہا گیا تھا۔ یہی الزام موسیٰ علیہ السلام پر لگے کہ یہ بہت بڑا جادوگر ہے۔ حالانکہ فرعون جانتا تھا کہ جادوگر اس سیرت کے حامل لوگ نہیں ہوتے۔ جس سیرت سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو سرفراز فرمایا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہہ کر فرعون نے سیاسی حربہ استعمال کرتے ہوئے اپنے وزیروں، مشیروں کو کہا کہ یہ اپنے جادو کے ذریعے تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے۔ بتاؤ تمھارا کیا فیصلہ ہے؟ وزیروں، مشیروں نے بیک زباں ہو کر کہا کہ اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دیجیے اور آپ اہل کاروں کو بھیجیں کہ وہ ملک بھر سے آپ کے پاس بڑے بڑے جادوگروں کو حاضر کریں ہاں مقابلے کے لیے ایک خاص دن متعین ہونا چاہیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل کی مراد پوری ہوئی۔

الْغٰلِبِيْنَ ۝	فَلَمَّا	جَآءَ	السَّحَرَةُ	قَالُوْا	لِفِرْعَوْنَ
غالب	پھر جب	وہ آئے	جادوگر	انھوں نے کہا	فرعون سے
اَئِنَّ	لَنَا	لَاَجْرًا	اِنْ	كُنَّا	نَحْنُ	الْغٰلِبِيْنَ ۝
کیا بلاشبہ	ہمارے لیے	البتہ معاوضہ	اگر	ہوں	ہم	غالب
قَالَ	نَعَمْ	وَاِنَّكُمْ	اِذًا	لَّمِنَ	الْمُقَرَّبِيْنَ ۝
اس نے کہا	ہاں	اور بلاشبہ تم	اس وقت	البتہ سے ہونگے	مقرب بین میں سے

غالب رہے۔(۴۰) جب جادوگر میدان میں آئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہم غالب آگئے تو ہمیں کیا انعام ملے گا۔؟(۴۱) اس نے کہاہاں تم مقربین میں شامل ہو جاؤ گے۔''(۴۲)

اس لیے فوراً مان گئے اور فرمایا کہ یہ دن عام نہیں بلکہ قومی تہوار کا دن ہونا چاہیے۔اس کے ساتھ ہی فرعون نے کہا کہ ہم میں سے کسی کو وعدہ خلافی نہیں کرنا چاہیے۔(طٰہٰ:۵۸،۵۹)

موسیٰ علیہ السلام کو اپنی دعوت پیش کرنے کر لیے عظیم موقعہ ہاتھ آرہا تھا، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام تو اتنا بڑا اجتماع منعقد نہیں کر سکتے تھے۔جب لوگ متعین دن میں صبح کے وقت ایک کھلے میدان میں جمع ہو گئے تو فرعون نے اس بات کی تسلّی کی۔کیا مطلوبہ تعداد میں لوگ جمع ہو گئے ہیں؟ اعلیٰ حکام نے رپورٹ پیش کی کہ ہاں،لوگ کثیر تعداد میں جمع ہو چکے ہیں۔اس اطمینان کے بعد فرعون اپنے وزیروں،مشیروں کے ساتھ یہ کہہ کر اجتماع کی طرف نکلا کہ آؤ اگر جادوگر غالب آتے ہیں تو ہم ان کی اتباع کریں۔جب جادوگر اکٹھے ہوئے تو انھوں نے فرعون سے مطالبہ کیا اگر ہم غالب آجائیں تو ہمارا کیا معاوضہ ہوگا؟

فرعون نے انھیں اطمینان دلایا کہ نقد انعام کے ساتھ میں تمھیں اپنا مقرب بناؤں گا۔یہاں سے یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ حکمرانوں کے قریب عام طور پر مفاد پرست اور محض سرکاری درباری لوگ ہوتے ہیں۔جن کا مقصد مالی مفاد اور اعلیٰ سے اعلیٰ منصب حاصل کرنا ہوتا ہے اس لیے یہ لوگ اُس وقت تک ایک قدم بھی نہیں اُٹھاتے جب تک انھیں منصب اور مراعات ملنے کا یقین نہ ہو جائے۔یہی جادوگروں کا مطلوب اور مقصود تھا۔جہاں تک فرعون کے اس جملے کا تعلق ہے کہ اگر جادوگر غالب آئے تو ہم اُن کی اتباع کریں گے۔اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی لیا گیا ہے کہ اس نے بھری مجلس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم غالب آگئے تو ہم آپ کی اتّباع کریں گے لیکن جب موسیٰ علیہ السلام غالب آئے تو فرعون اور اُس کے ساتھی اپنے وعدے پر قائم نہ رہ سکے۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾

اس نے کہا | ان سے | موسیٰ | تم ڈالو | جو کچھ | تم | ڈالنے والے ہو

فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ

تو انھوں نے ڈالیں | اپنی رسیاں | اور اپنی لاٹھیاں | اور انھوں نے کہا | قسم | فرعون کی

اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

بلاشبہ ہم | البتہ ہم | غالب

''موسیٰ نے کہا پھینکو جو تم پھینکنا چاہتے ہو۔(۴۳) انھوں نے فوراً اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں اور نعرہ لگایا کہ فرعون کی عزت کی قسم ہم ہی غالب رہیں گے۔''(۴۴)

فہم القرآن

ربط کلام: جادوگروں اور موسیٰ علیہ السلام کا آپس میں آمنا سامنا۔

سورۃ طٰہٰ آیت ۶۱ تا ۶۵ میں قدرے تفصیل موجود ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ جادوگروں کے سامنے تشریف لائے تو موسیٰ علیہ السلام نے اُنھیں سمجھایا کہ افسوس تم پر کہ تمھیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔ اگر تم اپنے مفاد کی خاطر اس بات پر ڈٹے رہے تو تمھیں اللہ کا عذاب رسوا کر دے گا۔ جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا وہ ناکام ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قدر دل سوز اور مؤثر انداز میں اُنھیں خطاب فرمایا کہ وہ سوچنے پر مجبور ہوئے اور قریب تھا کہ اُن کے درمیان موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے میں اختلاف واقعہ ہو۔ وہ آہستہ آہستہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے بالآخر وہ اس بات پر متفق ہوئے کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام جادوگر ہیں۔ وہ تمھیں جادو کے ذریعے تمھارے ملک سے نکالنا چاہتے ہیں اور تمھارے مذہب کو بدلنا چاہتے ہیں۔ بس اپنی منصوبہ بندی کریں اور قطار اندر قطار کھڑے ہو کر ان کا مقابلہ کرو جو آج کامیاب ہوا وہی سربلند ہوگا۔ اس کے بعد انھوں نے کہا اے موسیٰ! آپ اپنا عصا میدان میں پھینکیں گے یا ہم اپنی لاٹھیاں پھینکیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں فرمایا کہ جو کچھ پھینکنا چاہتے ہو وہ پھینکو۔ جوں ہی انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینکیں اور اس کے ساتھ ہی نفسیاتی دباؤ بڑھاتے ہوئے فرعون زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ سورۃ الاعراف، آیت:۱۱۶ میں بیان ہوا ہے کہ انھوں نے لوگوں کی آنکھوں پر زبردست جادو کر دیا۔ جادو کا مظاہرہ اس قدر بڑا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دل ہی دل میں گھبرا گئے۔ اس حال میں اللہ تعالیٰ نے فوراً وحی فرمائی کہ اے موسیٰ! گھبرائیے نہیں، آپ ہی سربلند رہیں گے۔ (طٰہٰ:۶۷۔۶۸)

فَاَلْقٰى	مُوْسٰى	عَصَاهُ	فَاِذَا	هِيَ	تَلْقَفُ	مَا
پھر ڈالا	موسیٰ	اپنا عصا	تو ناگہاں	وہ	نگلتا تھا	جو کچھ

يَاْفِكُوْنَ ﴿٤٥﴾	فَاُلْقِيَ	السَّحَرَةُ	سٰجِدِيْنَ ﴿٤٦﴾	قَالُوْٓا	اٰمَنَّا
وہ جھوٹ باندھتے	چنانچہ گرادیے گئے	جادوگر	سجدہ کرتے ہوئے	انھوں نے کہا	ہم ایمان لائے

بِرَبِّ	الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾	رَبِّ	مُوْسٰى	وَهٰرُوْنَ ﴿٤٨﴾
رب کے ساتھ	جہانوں	رب	موسیٰ	اور ہارون کا

’’پھر موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا وہ یکا یک ان کی رسیوں اور لاٹھیوں کو ہڑپ کرگیا۔(۴۵) اس پر تمام جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے۔(۴۶) اور بول اٹھے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے۔(۴۷) ہاں موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لاتے ہیں۔‘‘(۴۸)

فہم القرآن

ربط کلام: جادوگروں کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا میدان میں پھینکنا۔

جونہی موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر پھینکا تو دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے اُن کی رسیوں اور لاٹھیوں کو نگلنا شروع کیا چند لمحوں میں عصا نے میدان اس طرح صاف کر دیا کہ کوئی رسی اور لاٹھی باقی نہ تھی۔ اژدھا اس قدر، پھرتیلا اور بڑا تھا کہ جدھر منہ کرتا یوں دکھائی دیتا تھا جیسے رسیاں اور لاٹھیاں خود بخود اس کے منہ میں پڑ رہی ہیں۔ جادوگروں نے یہ حیرت ناک منظر دیکھا تو یہ کہتے ہوئے سجدے میں گر پڑے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لاتے ہیں۔ قرآن مجید نے جادوگروں کے سجدہ میں گرنے کے بارے میں فرمایا کہ انہیں گرادیا گیا یعنی سجدہ ریز ہونے اور ایمان لانے کے سوا ان کے لیے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ انھوں نے یہ بھی وضاحت کی کہ ہم موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لا رہے ہیں۔ گویا کہ جادوگروں نے اپنی شکست کا اعتراف اور اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہوئے بیک وقت تین کام کیے۔

۱۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کیا۔

۲۔ انھوں نے فرعون کی بجائے رب العالمین کہہ کر اپنے ایمان کا اظہار کیا۔

۳۔ مزید وضاحت کے لیے انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے رب کا نام لیا۔ تاکہ ان کے ایمان پر کسی قسم کا شک نہ رہے اور فرعون عوام کو کسی قسم کا مغالطہ نہ دے سکے۔

قَالَ	اٰمَنْتُمْ	لَهٗ	قَبْلَ	اَنْ	اٰذَنَ	لَكُمْ ج
اس نے کہا	کیا تم ایمان لے آئے	اس کے لیے	پہلے	اس سے کہ	میں اجازت دیتا	تمہارے لیے

اِنَّهٗ	لَكَبِیْرُ	كُمُ	الَّذِیْ	عَلَّمَكُمُ	السِّحْرَ ج	فَلَسَوْفَ
بلا شبہ وہ	البتہ بڑا	تمھارا	جس نے	تمھیں سکھایا	جادو	لہٰذا یقیناً عنقریب

تَعْلَمُوْنَ ؕ	لَاُقَطِّعَنَّ	اَیْدِیَكُمْ	وَاَرْجُلَكُمْ	مِّنْ	خِلَافٍ
تم جان لوگے	البتہ میں ضرور کاٹوں گا	تمھارے ہاتھ	اور تمھارے پاؤں	سے	مخالف سمت

وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ	اَجْمَعِیْنَ ج ﴿۴۹﴾
اور میں تمھیں ضرور سولی پر لٹکاؤں گا	سب

''فرعون نے کہا تم میری اجازت سے پہلے ہی موسیٰ پر ایمان لے آئے ہو؟ ضرور یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ اچھا، ابھی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ جب تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواؤں گا اور سب کو سُولی چڑھادوں گا۔'' (۴۹)

فہم القرآن

ربط کلام: جادوگروں کے ایمان لانے کا اعلان سُن کر فرعون کا الزام اور اُس کی دھمکیاں۔

چاہیے تو یہ تھا کہ فرعون اور اُس کے درباری حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لاتے۔ لیکن فرعون نے لوگوں کو اپنے ساتھ ملائے رکھنے کے لیے شاطرانہ انداز میں اعلان کیا کہ دراصل موسیٰ تمہارا بڑا استاد ہے۔ اُسی نے تمھیں جادو سکھایا اور تمھارے ساتھ مل کر سازش کی ہے۔ جس بنا پر تم میری اجازت کے بغیر ایمان لائے ہو۔ لہٰذا تمھیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ میں تمھارا کیا حشر کرتا ہوں، یاد رکھو کہ میں تمھارے ہاتھ پاؤں مخالف سمت پر کاٹ ڈالوں گا اور ہر صورت تمھیں سولی پر لٹکاؤں گا۔

فرعون نے یہ بھی اعلان کیا کہ میں تمھیں کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا۔ اُس وقت تمھیں معلوم ہوگا کہ کس کی سزا سخت اور دیرپا ہے۔ (طٰہٰ:۷۱)

تفسیر بالقرآن

انبیاء کرام علیہم السلام اور مومنوں کو کفار کی دھمکیاں:

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے کہا اگر تو باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر دوں گا اور گھر سے نکال دوں گا۔ (ابراہیم:۴۶)

۲۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دھمکی دی کہ اگر تو اس دعوت سے باز نہ آیا تو تجھے قید کروادوں گا۔ (الشعرآء:۲۹)

۳۔ حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم نے دھمکی دی کہ اگر تو باز نہ آیا تو تجھے رجم کر دیا جائے گا۔ (الشعرآء:۱۱۶)

قَالُوْا	لَا	ضَيْرَ	اِنَّآ	اِلٰى	رَبِّنَا	مُنْقَلِبُوْنَ ﴿٥٠﴾
انھوں نے کہا	نہیں	کوئی حرج	بے شک ہم	طرف	اپنے رب	لوٹنے والے
اِنَّا	نَطْمَعُ	اَنْ	يَّغْفِرَ	لَنَا	رَبُّنَا	خَطٰيٰنَآ
بلاشبہ ہم	ہم اُمید رکھتے ہیں	یہ کہ	وہ بخش دے گا	ہمارے لیے	ہمارا رب	ہماری خطائیں
اَنْ	كُنَّآ	اَوَّلَ	الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥١﴾			
کہ	ہم ہیں	پہلے	ایمان لانے والے			

ع ۳ / ۱۸ / ۷

''انہوں نے جواب دیا کچھ پرواہ نہیں ہم اپنے رب کے حضور پہنچ جائیں گے۔(۵۰)اور ہمیں توقع ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہ معاف کردے گا ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔''(۵۱)

فہم القرآن

ربط کلام: جادوگردوں کی طرف سے فرعون کی دھمکیوں کا جواب۔

ایمان لانے والے جادوگروں نے فرعون کی دھمکیوں کے جواب میں اعلان کیا کہ تمھاری دھمکیوں اور سزا کی ہمیں کوئی پرواہ نہیں کیونکہ مرنے کے بعد ہم اپنے رب کے پاس پہنچ جائیں گے۔ہم اپنے رب سے اُمید رکھتے ہیں کہ وہ ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے گا۔کیونکہ ہم اُس پر پہلے ایمان لانے والے ہیں۔اس کے ساتھ ہی ایمان لانے والے جادوگروں نے فرعون کو یہ بھی کہا کہ ہم اپنے پیدا کرنے والے رب اور اس کے دلائل پر تجھے ہرگز ترجیح نہیں دے سکتے۔لہٰذا ہمارے ساتھ جو سلوک کرنا چاہتا ہے کرلے۔تیری سزا اس دنیا کی زندگی تک ہے ہم اپنے رب پر ایمان لائے ہیں تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو معاف فرمادے اور جو ہم سے جبراً جادو کروایا گیا ہے ہم اُس کی بھی معافی مانگتے ہیں۔ہمارے لیے ہر حال میں اللہ ہی بہتر ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔(طٰہٰ:۷۲۔۷۳) سچے ایمان کی یہی نشانی ہے کہ یہ انسان کو چند لمحوں میں اس کے رب کے اتنا قریب کر دیتا ہے کہ انسان نہ سزا کی پرواہ کرتا ہے اور نہ کسی مفاد کو خاطر میں لاتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کے خوف سے مرعوب ہوتا ہے۔

((وَعَنْ سُفْيَانَ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ الثَّقَفِىِّ ؓ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قُلْ لِّىْ فِى الْاِسْلَامِ قَوْلًا لَّا اَسْاَلُ عَنْهُ اَحَدًا بَعْدَكَ وَفِىْ رِوَايَةٍ غَيْرَكَ قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ))[رواہ مسلم: باب جامع أوصاف الإسلام]

''حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی ؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول محترم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا مجھے اسلام کے بارے میں ایسی بات ارشاد فرمائیں کہ آپ ﷺ کے بعد کسی سے سوال کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے دوسری روایت

میں ہے آپ کے علاوہ کسی سے پوچھنے کی حاجت نہ رہے۔ فرمایا اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس پر ڈٹ جاؤ۔“

”جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر ڈٹ گئے ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کھاؤ اور اس جنت کی خوشی سنو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔“ (حٰم السجدۃ: ٣٠)

ارادی اور غیر ارادی گناہوں کی معافی مانگنا:

((عَنْ فَرْوَةَ بْنِ نَوْفَلٍ الْاَشْجَعِیِّ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ ؓ عَمَّا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدْعُوْ بِهِ اللّٰهَ قَالَتْ كَانَ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ أَعْمَلْ)) [رواہ مسلم: باب التَّعَوُّذِ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلَ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ يَعْمَلْ]

”حضرت فروہ بن نوفل اشجعی بیان کرتے ہیں میں نے سیدہ عائشہ ؓ سے اُس دعا کے متعلق سوال کیا جو آپ ﷺ مانگا کرتے تھے آپ دعا کرتے اے اللہ میں تجھ سے اُن لغزشوں کی معافی مانگتا ہوں جو میں نے کی ہیں اور اُن سے بھی جو میں نے نہیں کیں۔“

”اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں تو ہماری گرفت نہ فرما۔“ [البقرۃ: ٢٨٦]

مسائل

١۔ سچے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی دھمکیوں اور ہر قسم کی سزا کی پرواہ نہ کرے۔

٢۔ انسان نے بالآخر اپنے رب کی طرف ہی پلٹ کر جانا ہے۔

٣۔ آدمی کو اپنے رب سے گناہوں کی معافی مانگتے رہنا چاہیے۔

٤۔ کسی کے مجبور کرنے پر بھی اگر گناہ کیا ہو تو اُس کی معافی مانگنا بھی لازم ہے۔

٥۔ حقیقت آشکارہ ہونے پر آدمی کو اسے تسلیم کرنے میں پہل کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

مومن ہر حال میں اپنے رب سے معافی طلب کرتے ہیں:

١۔ اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرو، اسی کی طرف متوجہ رہو۔ وہ تم پر بارش برسائے گا اور تمہاری قوت میں اضافہ کرے گا۔ (ھود: ٥٢)

٢۔ اللہ تعالیٰ استغفار کرنے والوں کو عذاب نہیں دیتا۔ (الانفال: ٣٣)

٣۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو۔ بے شک اللہ معاف کرنے اور رحم کرنے والا ہے۔ (المزمل: ٢٠)

٤۔ اللہ سے معافی طلب کرو اور اسی کی طرف متوجہ رہو۔ بے شک میرا رب نرمی کرنے اور شفقت فرمانے والا ہے۔ (ھود: ٩٠)

٥۔ اللہ سے مغفرت طلب کرو یقیناً وہ معاف کرنے والا ہے۔ (نوح: ١٠)

وَاَوْحَيْنَآ	اِلٰى	مُوْسٰٓى	اَنْ	اَسْرِ	بِعِبَادِيْٓ	اِنَّكُمْ
اور ہم نے وحی کی	طرف	موسیٰ	یہ کہ	لے جا رات کو	میرے بندے	بلاشبہ تم
مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾	فَاَرْسَلَ	فِرْعَوْنُ	فِي	الْمَدَآئِنِ	حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾	
پیچھا کیے جاؤ گے	پھر بھیجے	فرعون	میں	شہروں	اکٹھا کرنے والے	
اِنَّ	هٰٓؤُلَآءِ	لَشِرْذِمَةٌ	قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾	وَاِنَّهُمْ	لَنَا	
بلاشبہ	یہ لوگ	البتہ ایک جماعت	تھوڑی	اور بلاشبہ وہ	ہمیں	
لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾	وَ	اِنَّا	لَجَمِيْعٌ	حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾		
یقیناً غصہ دلانے والے	اور	بلاشبہ ہم	البتہ سب	خطرہ محسوس کرتے		

”ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔(۵۲) فرعون نے شہروں میں ہرکارے بھیجے۔(۵۳) اور کہلا بھیجا کہ یہ مٹھی بھر لوگ ہیں۔(۵۴) جنہوں نے ہمیں بہت غصہ چڑھا دیا ہے۔(۵۵) اور ہم ایک ایسی جماعت ہیں جس کا شیوہ ہر وقت چوکس رہنا ہے۔“(۵۶)

فہم القرآن

ربط کلام : جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور انھوں نے فرعون کی دھمکیوں کے مقابلہ میں پوری استقامت کا مظاہرہ کیا جس پر فرعون کے مظالم میں انتہا درجہ کی تیزی آئی جس وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو ہجرت کا حکم ہوا۔

جادوگروں کے ایمان لانے کے بعد نہ معلوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کتنی مدت تک شب و روز دعوت کے کام میں مصروف رہے لیکن حالات دن بدن دگرگوں ہوتے گئے۔ جن کا ہولناک منظر قرآن مجید کی آیات کے حوالہ سے ملاحظہ فرمائیں۔

”جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی جو تمہیں بدترین عذاب دیتے تھے۔ وہ تمہارے لڑکوں کو مار ڈالتے اور تمہاری لڑکیوں کو چھوڑ دیتے تھے اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔“(البقرۃ:۴۹)

انہوں نے کہا اے موسیٰ تیرے آنے سے پہلے ہمیں تکلیف پہنچائی گئی اور تیرے آنے کے بعد بھی۔ موسیٰ نے کہا قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کرے گا اور تمہیں زمین میں جانشین بنائے گا، پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟“(الاعراف:۱۲۹)

”ہم نے موسیٰ اور اسکے بھائی کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں کچھ گھروں کو منتخب کرلو اور اپنے گھروں کو

قبلہ رخ بنالو۔ نماز قائم کرو اور ایمان والوں کو خوشخبری دو۔'' (یونس: ۸۷)

''فرعون اور اس کے سرداروں کے خوف اور ان کے فتنہ میں مبتلا کرنے کی وجہ سے موسیٰ پر اس کی قوم کے کچھ نوجوانوں کے سوا کوئی شخص ایمان نہ لایا۔ بلاشبہ فرعون زمین میں سرکش اور حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا۔'' (یونس: ۸۳)

''فرعون بولا مجھے چھوڑ و میں موسیٰ کو قتل کردوں۔ وہ اپنے رب کو بلالے مجھے خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ کہیں وہ تمہارے دین کو بدل نہ دے یا ملک میں فساد برپا نہ کرے۔'' (المومن: ۲۶)

''موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں اپنے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کرو۔'' (الدخان: ۲۰)

''فرعون نے کہا ہامان میرے لیے ایک محل بنوا تاکہ میں اُس پر چڑھ کر آسمان تک پہنچ جاؤں۔'' (المومن: ۳۶-۳۷)

ان حالات کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ رات کے وقت میرے بندوں کو لے کر مصر سے نکل جاؤ۔ لیکن یادرکھنا کہ فرعون تمھارا پیچھا کرے گا۔ جونہی فرعون کو معلوم ہوا تو اُس نے انتظامیہ اور اپنے بڑے بڑے لوگوں کو اکٹھا کیا اور انھیں کہا کہ بنی اسرائیل تھوڑے سے لوگ ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے ہمیں غضبناک کردیا ہے اور ہم ان سے خطرہ محسوس کرتے ہیں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھیوں کو لے کر ہجرت کرانے کا حکم دیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو آگاہ فرمایا کہ فرعون اور اس کے لشکر تمھارا پیچھا کریں گے۔

۳۔ فرعون اور اُس کے لشکروں نے پورے جوش و خروش کے ساتھ بنی اسرائیل کا تعاقب کیا۔

تفسیر بالقرآن

انبیائے کرام علیہم السلام کی ہجرت:

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔ (العنکبوت: ۲۶)

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم سے بنی اسرائیل کے ساتھ ہجرت کی۔ (الدخان: ۲۳)

۳۔ کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت پر مجبور کردیا (التوبۃ: ۴۰)

۴۔ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والے اس کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ (البقرۃ: ۲۱۸)

۵۔ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو بہترین ٹھکانہ میسر آئے گا۔ (النحل: ۴۱)

۶۔ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو بہترین رزق عطا کیا جائے گا۔ (الحج: ۵۸)

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ

چنانچہ ہم نے انھیں نکالا — سے — باغات — اور — چشموں — اور خزانوں

وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾

اور قیام گاہوں — عمدہ — اسی طرح — اور — ہم نے ان کا وارث بنایا — بنی اسرائیل کو

''اس طرح ہم انہیں ان کے باغوں اور چشموں ۔(۵۷) اور خزانوں اور ان کی بہترین قیام گاہوں سے نکال لائے ۔(۵۸) دوسری طرف بنی اسرائیل کو ہم نے ان سب چیزوں کا وارث بنا دیا۔''(۵۹)

فہم القرآن

ربط کلام: فرعون اور اُس کے ذمہ دار لوگ بنی اسرائیل کے تعاقب میں

فرعون کے حکم کے مطابق انتظامیہ کے لوگ اور بڑے بڑے لیڈر اپنے گھروں سے نکل کر اجتماعی شکل میں بنی اسرائیل کا تعاقب کرتے ہیں ۔ اُن کے نکلنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم نے اُنھیں اُن کے باغات ،چشموں ،خزانوں اور عمدہ مکانوں سے نکالا اور اس طرح ہم نے بنی اسرائیل کو ان چیزوں کا وارث بنایا۔فرعون نے بنی اسرائیل کا تعاقب کرتے وقت سرکاری طور پر جو اعلان کیا تھا اُس کے الفاظ یہ تھے کہ لوگو! اپنے اپنے شہروں سے باہر نکلو بے شک بنی اسرائیل تھوڑے ہیں لیکن ان کا پوری طرح تعاقب کرو یہ لوگ جانے نہ پائیں ۔انتظامی نقطہ نظر سے چاہیے تو یہ تھا کہ فوج کے چند دستے اور سول انتظامیہ کی بھاری نفری بھیج کر قلیل اور نہتے اسرائیلیوں کو گرفتار کر لیا جاتا یا پھر مار مار کر ملک کی سرحد سے باہر نکال دیا جاتا۔لیکن فرعون نے طیش میں آکر سول انتظامیہ اور فوج کے ساتھ وزیروں ،مشیروں اور ملک بھر سے بڑے بڑے پارٹی لیڈروں کو اکٹھا کر کے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا۔اُن کے اس طرح نکلنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرما کر ثابت کیا ہے کہ یہ ہماری منشاء کے مطابق ہوا تاکہ ہم انھیں اُن کے باغات ،چشموں ،خزانوں اور ان کے محلات سے بے دخل کریں اور بنی اسرائیل کو ان کی تمام چیزوں کا وارث بنائیں۔

﴿كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ○ وَزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ○ وَنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ○ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِيْنَ○ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ○ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ○مِنْ فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِنَ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ [الدخان : ۲۵تا۳۱]

وہ لوگ بہت سے باغ ،چشمے ،کھیتیاں اور عمدہ مکانات چھوڑ گئے اور آرام کی چیزیں جن میں عیش کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ہوا،ہم نے دوسرے لوگوں کو اُن کا مالک بنا دیا۔پھر اُن پر نہ تو آسمان اور زمین کو رونا آیا اور نہ اُن کو مہلت ہی دی گئی۔اور ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت کے عذاب سے نجات دی۔بیشک فرعون سرکش اور حد سے نکلا ہوا تھا۔''

اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ فرعون اور اس کے لشکر غرق کیے جانے کے بعد بنی اسرائیل اُن کے محلات اور باغات کے مالک ہوئے ۔ کیونکہ تاریخ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ اُن کا فرمان ہے کہ جب بنی اسرائیل نے سمندر عبور کرنے کے بعد چالیس سال وادیٔ سینا میں گزارے تو پھر انھیں فلسطین کے علاقے کا اقتدار ملا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی برکات سے نوازا ہوا تھا۔ وہاں بنی اسرائیل کو ساری نعمتیں میسر آئیں جو مصر میں آلِ فرعون کو حاصل تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بنی اسرائیل فلسطین اور اس کے ملحقہ علاقوں پر قابض ہوئے۔

حقیقت کیا ہے:

بے شک تاریخ سے بنی اسرائیل کا آلِ فرعون کے محلات اور باغات کا مالک ہونا ثابت نہیں۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ قرآن مجید یہاں کھلے الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ ہم نے آل فرعون کو غرق کیا اور بنی اسرائیل کو ان کے باغوں، چشموں اور محلّات کا مالک بنایا۔ اس وضاحت کے بعد تاریخ کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ جب کہ تاریخی ریکارڈ تسلسل کے ساتھ دنیا میں موجود نہیں ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل فلسطین کے ساتھ مصر کے بھی مالک ہوئے اور انہیں وہ سب کچھ ملا جو آلِ فرعون کے پاس ہوا کرتا تھا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے کسی قوم کو اُن کے باغوں اور مکانوں سے بے دخل کر دے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان تمام چیزیں کا مالک بنایا جو آلِ فرعون کے قبضہ میں تھیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی ایک قوم کے بعد دوسری قوم کو وارث بنانے والا ہے:

۱۔ اللہ نے حق کی تکذیب کرنے والوں کو انکے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر کے دوسری قوم کو وارث بنایا۔ (الانعام:۶)

۲۔ اے ایمان والو! اگر تم دین سے مرتد ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ تمھارے جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا۔ (المائدۃ:۵۴)

۳۔ اگر اللہ چاہے تو تمہیں فنا کر دے اور نئی مخلوق لے آئے۔ یہ اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ (ابراہیم:۱۹۔۲۰)

۴۔ اگر اللہ چاہے تو تم کو فنا کر کے دوسری مخلوق لے آئے یہ اللہ کے لیے مشکل نہیں۔ (فاطر:۱۶۔۱۷)

۵۔ اگر اللہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے۔ (النساء:۱۳۳)

۶۔ اگر اللہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہارے بعد جسے چاہے لے آئے۔ (الانعام:۱۳۳)

فَاَتْبَعُوْهُمْ	مُّشْرِقِيْنَ ﴿٦٠﴾	فَلَمَّا	تَرَآءَ	الْجَمْعٰنِ	قَالَ
چنانچہ وہ پیچھے لگے ان کے	سورج نکلتے وقت	پھر جب	دیکھا	دونوں جماعتیں	اس نے کہا
اَصْحٰبُ	مُوْسٰٓى	اِنَّا	لَمُدْرَكُوْنَ ﴿٦١﴾	قَالَ	كَلَّا	اِنَّ
اصحابِ	موسیٰ	یقیناً ہم	تو پکڑے گئے	اس نے کہا	ہرگز نہیں!	بلاشبہ
مَعِيَ	رَبِّيْ	سَيَهْدِيْنِ ﴿٦٢﴾	فَاَوْحَيْنَآ	اِلٰى	مُوْسٰٓى	اَنِ
میرے ساتھ	میرا رب	وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا	تو ہم نے وحی کی	طرف	موسیٰ	یہ کہ
اضْرِبْ	بِّعَصَاكَ	الْبَحْرَ	فَانْفَلَقَ	فَكَانَ	كُلُّ	فِرْقٍ
مار	اپنا عصا	سمندر	تو وہ پھٹ گیا	پھر ہو گیا	ہر ایک	ٹکڑا

”صبح ہوتے ہی یہ لوگ ان کے تعاقب میں چل پڑے۔(٦٠) جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو موسیٰ کے ساتھی چیخ اٹھے کہ ہم تو پکڑے گئے۔(٦١) موسیٰ نے فرمایا ہرگز نہیں میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا۔(٦٢) ہم نے موسیٰ کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ سمندر پر اپنا عصا مار تو یکا یک سمندر پھٹ گیا۔

فہم القرآن

ربط کلام: فرعون اور اُس کے لشکروں کا بنی اسرائیل کا تعاقب کرنا۔

فرعون نے اپنے لوگوں کی قیادت کرتے ہوئے صبح کے وقت بنی اسرائیل کا تعاقب شروع کیا اور تیز رفتاری کے ساتھ چلتے ہوئے بنی اسرائیل کو پالیا۔ بنی اسرائیل نے فرعون اور اُس کے لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے۔ اے موسیٰ علیہ السلام! ہم تو گھیرے گئے۔ سامنے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور پیچھے سے فرعون نے آلیا ہے۔ جائیں تو کدھر جائیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پورے اعتماد کے ساتھ فرمایا گھبراؤ نہیں فرعون ہمارے قریب نہیں پھڑک سکتا۔ یقیناً میرا رب میرے ساتھ ہے وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنا خطاب ختم کر چکے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں وحی فرمائی کہ اے موسیٰ علیہ السلام! اپنا عصا سمندر پر ماریے۔ جونہی موسیٰ علیہ السلام نے عصا پانی پر مارا تو سمندر کا پانی دونوں طرف پہاڑ کی طرح تھم گیا۔ اس طرح سمندر میں بارہ راستے بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کو نجات دی۔ فرعون نے یہ صورتحال دیکھی تو اُس نے لشکر کو سمندر میں آگے بڑھنے کا حکم دیا لیکن جونہی اس کے لشکر کا آخری آدمی سمندر میں داخل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ڈبکیاں دے دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ دوسرے مقام پر یہ وضاحت موجود ہے کہ جونہی موسیٰ علیہ السلام اور اس کے ساتھی سمندر عبور کر چکے اور فرعون پورے لشکر کے ساتھ سمندر میں داخل ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پانی پر مارا۔ تھمی ہوئی موجیں آپس میں مل گئیں اور آلِ فرعون ڈبکیاں لیتے ہوئے موت کے گھاٹ اتر گئے۔ (القصص:٦٣)

كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿٦٣﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَ

جیسے پہاڑ — بہت بڑا — اور ہم نے قریب کر دیا — وہاں پھر — دوسرے — اور

اَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا

ہم نے نجات دی — موسیٰ — اور جو — اس کے ساتھ — تمام — پھر — ہم نے غرق کر دیا

الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ

دوسروں — بلاشبہ — میں — اس — البتہ نشانی — اور نہیں — تھے

اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٦٨﴾ ع

ان کے اکثر — ایمان لانے والے — اور بلاشبہ — آپ کا رب — البتہ وہ — نہایت غالب — بہت رحم کرنے والا

ع ١٧ / ٨

اور اس کی ہر لہر بہت بڑے پہاڑ کی طرح ہوگئی۔(٦٣) اسی جگہ ہم دوسرے گروہ کو بھی لے آئے۔(٦٤) ہم نے موسیٰ اور اس کے تمام ساتھیوں کو بچالیا۔(٦٥) اور دوسروں کو غرق کر دیا۔(٦٦) اس واقعہ میں ایک نشانی ہے مگر لوگوں کی اکثریت ماننے والی نہیں۔(٦٧) حقیقت ہے کہ تیرا رب زبردست ہے اور رحم کرنے والا بھی۔"(٦٨)

فرعون کے بارے میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اُس نے ڈبکیاں لیتے ہوئے بار بار اس بات کی دہائی دی کہ میں موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے رب پر ایمان لاتا ہوں لیکن اس کے ایمان کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا گیا۔

"ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کیا تو فرعون اور اسکے لشکروں نے سرکشی اور زیادتی کرتے ہوئے ان کا تعاقب کیا، یہاں تک کہ جب غرق ہونے لگا تو اس نے کہا کہ میں ایمان لایا۔ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں سچ یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں فرمانبرداروں میں شامل ہوتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اسے جواب ملا کہ کیا اب؟ حالانکہ تو نافرمان تھا اور تو فساد کرنیوالوں میں سے تھا۔" (یونس: ٩٠-٩١)

فرعون اور اس کے لاؤلشکر کو غرق کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس میں قدرت کی عظیم نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر اور نہایت ہی مہربان ہے۔ نشانی اور العزیز کا لفظ استعمال فرما کر اہل مکہ اور ظالموں کو متنبہ فرمایا ہے کہ تم فرعون اور اس کے لشکروں سے طاقتور نہیں یہ تو "اللہ" کی حکمت ہے کہ وقتِ معین تک ظالموں کو مہلت دیے جاتا ہے۔ جب گرفت کرنے پر آئے تو دنیا کے اسباب ووسائل اور لاؤلشکر کسی ظالم کو پناہ نہیں دے سکتے۔ "الرحیم" کی صفت کے حوالے سے بے بسوں اور مظلوم مسلمانوں کو تسلی دی ہے کہ گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ نہایت ہی مشفق اور مہربان ہے۔ وہ دنیا میں تمہارا بدلہ لے گا اور آخرت میں تمہیں اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ چنانچہ ہجرتِ مکہ کا واقعہ یاد کریں کہ جب مکہ والے غارِ ثور کے دہانے پر پہنچ گئے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو گھبرا کر عرض کرنے لگے اے اللہ کے رسول کفار تو غار

کے منہ پر پہنچ چکے ہیں اس موقعہ پر آپ نے جوفرمایا اس کا تذکرہ قرآن اس طرح کرتا ہے۔

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ [التوبہ:۴۰]

”اگر تم اس کی مدد نہ کرو تو بلاشبہ اللہ نے اس کی مدد کی جب اسے کفار نے نکال دیا، جب وہ دو میں دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے اور اپنے ساتھی سے فرمار ہے تھے غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اللہ نے اس پر اپنی سکینت اتاردی اور انہیں ایسے لشکروں کے ساتھ مدد فراہم کی جو تم نے نہیں دیکھے۔ کفار کا منصوبہ ناکام ہوا اور اللہ کا فیصلہ غالب رہا۔ اللہ سب پر غالب اور خوب حکمت والا ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ کے پیغمبر ہر حال میں اپنے رب پر بھروسہ کرتے تھے۔ ۲۔ اللہ ہی انسان کی رہنمائی کرنے والا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور اس کے تمام ساتھیوں کو نجات دی اور آلِ فرعون کو ڈبکیاں دے دے کر موت کے گھاٹ اتاردیا گیا۔

۴۔ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی کشمکش میں عبرت کے اسباق ہیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ ہر کام پر غالب اور اپنے بندوں کی مدد کرنے والا، نہایت ہی مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

فرعون اور اُن کے ساتھیوں کے مظالم:

۱۔ فرعون نے اپنی قوم میں طبقاتی کشمکش پیدا کی۔(القصص:۴)

۲۔ بنی اسرائیل قتل وغارت کے عذاب میں دو مرتبہ مبتلا کئے گئے۔(الاعراف:۱۲۹)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اقتدار بخشا تاکہ فرعون کو اپنی قدرت دکھلائے۔(القصص:۶)

۴۔ فرعون نے ظلم کرنے کے لیے میخیں تیار کی ہوئی تھیں۔(الفجر:۱۰)

۵۔ فرعون نے اپنی بیوی پر اس لیے ظلم کیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی۔(التحریم:۱۱)

۶۔ فرعون قومِ موسیٰ کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔(البقرۃ:۴۹)

۷۔ فرعون مومنوں کو کئی طرح کے اذیّتوں میں مبتلا کرتا تھا۔(الاعراف:۱۴۱)

۸۔ فرعون نے موحدین کو پاؤں اور ہاتھ کاٹنے کی دھمکی دی۔(الاعراف:۱۲۴)

۹۔ فرعون نے اللہ پر ایمان لانے والوں کو ہاتھ پاؤں کاٹنے اور کھجور کے تنوں پر پھانسی دینے کی دھمکی دی۔(طٰہٰ:۷۱)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ

اور تلاوت کیجیے ان پر خبر ابراہیم جب اس نے کہا اپنے باپ کے لیے اور اپنی قوم

مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا

کس چیز کی تم عبادت کرتے ہو؟ انھوں نے کہا ہم عبادت کرتے ہیں بتوں اور ہم ہمیشہ رہیں گے ان کے لیے

عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ

اعتکاف کرنے والے اس نے کہا کیا وہ تمھاری سنتے ہیں جب تم پکارتے ہو؟ یا وہ تمھیں نفع دیتے ہیں

اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٤﴾

یا وہ نقصان دیتے ہیں؟ انھوں نے کہا بلکہ ہم نے پایا اپنے باپ دادا اسی طرح وہ کرتے

”اور انہیں ابراہیم کے حالات سناؤ۔(٦٩) جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا کہ یہ کیا ہیں؟ جن کی تم عبادت کرتے ہو؟(٧٠) انہوں نے جواب دیا یہ بت ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں اور ہمیشہ انہی کے سامنے اعتکاف کرتے ہیں۔(٧١) ابراہیم نے پوچھا جب تم انہیں پکارتے ہو تو یہ تمہاری سنتے ہیں؟(٧٢) یا یہ تمہیں کچھ نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں؟(٧٣) انہوں نے جواب دیا نہیں ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے۔“(٧٤)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی قوم کے درمیان ہونے والی کشمکش کا مختصر بیان۔

اہل مکہ اپنے آپ کو ملتِ ابراہیم علیہ السلام کے وارث سمجھتے تھے۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں جابجا ابراہیم علیہ السلام کی سیرت اور اُن کی بے مثال اور لازوال جدوجہد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم کو مشترکہ خطاب کرتے ہوئے استفسار فرمایا کہ آخر تم ان چیزوں کی کیوں عبادت کرتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور ہمیشہ ان کے سامنے اعتکاف اور ان کی تعظیم کرتے رہیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پے درپے ان سے تین سوال کیے۔ جب تم ان کے سامنے فریاد کرتے ہو کیا یہ تمہاری فریادیں سنتے ہیں؟ کیا تمھیں فائدہ پہنچاتے ہیں؟ کیا کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ ظاہر ہے بت پتھر کے ہوں یا کسی اور چیز کے۔ وہ سن نہیں سکتے اور نہ ہی آج تک کسی بت نے اپنی پوجا پاٹ کرنے والے کو کبھی جواب دیا ہے۔ وہ تو ایک جگہ سے دوسری جگہ جا نہیں سکتے اور نہ اُن میں جان اور حرکت پائی جاتی ہے وہ دوسرے کو کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ جہاں تک ان کا کسی کو نقصان پہنچانے کا معاملہ ہے جن کو تراش اور توڑ، جوڑ کر بنایا جائے جو اپنا دفاع نہیں کر سکتے وہ کسی کو کیا نفع اور نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ یہ حقیقت اُن کے سامنے تھی جس بناء پر ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اس لیے انھوں نے کہا ہم نے اپنے باپ دادا کو اس طرح

قَالَ اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ۞75 اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُكُمُ

اس نے کہا کیا پھر تم نے دیکھا جس ہو تم تم عبادت کرتے تم اور تمھارے باپ دادا

الۡاَقۡدَمُوۡنَ ۞76 فَاِنَّهُمۡ عَدُوٌّ لِّىۡۤ اِلَّا رَبَّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۞77

پہلے؟ چنانچہ بلاشبہ وہ دشمن میرے لیے سوائے رب جہانوں

''اس پر ابراہیم نے کہا کبھی تم نے ان چیزوں پر غور کیا ہے کہ جن کی بندگی۔(۷۵) تم اور تمھارے پہلے باپ دادا کرتے رہے؟(۷٦) رب العالمین کے سوا میرے تو یہ سب دشمن ہیں۔''(۷۷)

عبادت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ان کی وجہ سے ہم بھی اس طرح ہی ان کی عبادت اور اعتکاف کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ یاد رہے کوئی قوم بنیادی طور پر یہ عقیدہ نہیں رکھتی کہ بت سنتے ہیں اور نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ بتوں کی عبادت کے پیچھے یہ عقیدہ ہوتا ہے یہ کہ ہمارے بزرگوں کی شبیہات ہیں اور بزرگوں کی ارواح ان میں حلول کر چکی ہیں۔ لہٰذا ہم بتوں کی عبادت نہیں کرتے بلکہ ان کے توسط سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ اس بنا پر اکثر لوگ بتوں کی عبادت سے انکار کرتے ہیں ابراہیم علیہ السلام کا باپ اور ان کی قوم اس حد تک شرک میں آگے بڑھ چکی تھی کہ انھوں نے کھلے الفاظ میں اس بات کا اقرار کیا کہ ہم ان کی عبادت کرتے ہیں اور ہمیشہ ان کے سامنے اعتکاف اور ان کی تعظیم کرتے رہیں گے۔ کوئی اقرار کرے یا انکار کرے۔ قرآن مجید نے اس طریقہ عبادت کو غیر اللہ کی عبادت قرار دیا ہے۔ بے شک وہ بتوں، مزارات یا کسی اور چیز کو سامنے رکھ کر کی جائے۔ قرآن کے ارشاد کے مطابق یہ غیر اللہ کی عبادت کرنا ہے۔ اسی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام لوگوں کو روکتے رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انھیں ایک دفعہ پھر توجہ دلائی۔ سوچو اور غور کرو۔ جب یہ نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی نفع و نقصان کے مالک ہیں تو پھر تم ان کی کیوں عبادت کرتے ہو؟ یقین جانو رب العالمین کے سوا یہ سب میرے دشمن ہیں۔ دشمن سے مراد یہ نہیں کہ بت کسی کی دشمنی کر سکتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ میں غیر اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی ہے ان سب سے بیزار اور ان سے نفرت کرتا ہوں۔ اسی بات کو امّت مسلمہ کے لیے نمونہ قرار دیا گیا ہے۔

''تمھارے لیے ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے رفقاء کے کردار میں نمونہ ہے جب اُنھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور اُن بتوں سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور تمھارے معبودوں کے کبھی قائل نہیں ہو سکتے اور جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ ہمارے اور تمھارے درمیان کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی (الممتحنۃ: ۴)

یہی بات سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ سال کی عمر میں ایک پادری کو کہی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل از نبوت شرک سے شدید نفرت تھی:

آپ کی عمر مبارک بارہ سال دو مہینے دس دن ہوگئی۔ جنابِ ابو طالب آپ کو ساتھ لے کر تجارت کے لیے ملکِ شام کے سفر پر نکلے اور بُصریٰ پہنچے بُصریٰ شام کا مرکزی شہر تھا۔ اس شہر میں جرجیس نامی ایک راہب رہتا تھا، جو بُحیرا کے لقب سے

معروف تھا۔ جب قافلے نے وہاں پڑاؤ ڈالا تو راہب اپنے گرجا سے نکل کر قافلے کے پاس آیا اور اس کی میز بانی کی۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ گرجے سے نہیں نکلتا تھا۔ اس نے آپ کے اوصاف کی بنا پر پہنچان لیا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: یہ سید العالمین ہیں۔ اللہ نے اسے رحمۃ العالمین بنا کر بھیجا ہے۔ ابو طالب نے کہا آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ اس نے کہا ”تم لوگ جب گھاٹی کے اس جانب نمودار ہوئے تو کوئی بھی درخت یا پتھر ایسا نہیں تھا جو سجدہ کے لیے جھک نہ گیا ہو۔ یہ چیزیں نبی کے علاوہ کسی اور انسان کو سجدہ نہیں کرتیں۔ پھر میں اسے مہر نبوت سے پہچانتا ہوں جو کندھے کے نیچے نرم ہڈی کے پاس سیب کی طرح ہے اور ہم اسے اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔ اس کے بعد بحیرا نے ابو طالب سے کہا کہ انہیں واپس کر دو ملک شام نہ لے جاؤ۔ کیونکہ یہود سے خطرہ ہے اس پر ابو طالب نے بعض غلاموں کے ساتھ آپ کو مکہ واپس بھیج دیا۔ (الرحیق المختوم) سیرت ابن ہشام میں ہے کہ بحیرا نے آپ سے کہا کہ میں تجھ سے لات اور عزیٰ کا واسطہ دے کر کچھ سوال کروں گا جونہی اس نے لات اور عزیٰ کے واسطے کی بات کی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے لات اور عزیٰ کا واسطہ دے کر سوال نہ کرنا۔

((قَامَ إِلَيْهِ بَحِيرَى ، فَقَالَ لَهُ يَا غُلَامُ أَسْأَلُكَ بِحَقِّ اللَّاتِي وَالْعُزَّى إِلَّا مَا أَخْبَرْتَنِي عَمَّا أَسْأَلُكَ عَنْهُ وَإِنَّمَا قَالَ لَهُ بَحِيرَى ذَلِكَ لِأَنَّهُ سَمِعَ قَوْمَهُ يَحْلِفُونَ بِهِمَا فَزَعَمُوا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ (لَهُ) لَا تَسْأَلْنِي بِاللَّاتِي وَالْعُزَّى ، فَوَاللّٰهِ مَا أَبْغَضْتُ شَيْئًا قَطُّ بُغْضَهُمَا)) [سیرۃ ابن ھشام]

”جب آپ ﷺ کھانے سے فارغ ہوئے تو بحیرہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے بچے میں تجھ سے لات وعزیٰ کا واسطہ دے کر کچھ سوال کروں گا۔ تو مجھے اِن کے صحیح صحیح جواب دینا۔ بحیرا نے لات وعزیٰ کا واسطہ اس لیے دیا تھا کہ اُس نے قافلے کے لوگوں کو لات وعزیٰ کی قسمیں اُٹھاتے ہوئے سنا تھا اور اس سے اس نے تصور کیا کہ شاید آپ بھی اُن کی قسمیں اُٹھاتے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے اُسے فرمایا مجھ سے لات وعزیٰ کے نام نہ سوال کرنا۔ اللہ کی قسم میرے نزدیک اُن دونوں سے زیادہ کوئی چیز قابلِ نفرت نہیں۔“

”اللہ تعالیٰ نے نبوت کی نشانی کے طور اور نبوت عطا کرنے کے بعد معجزہ کے طور پر کچھ چیزوں کو نبی ﷺ کے سامنے جھکایا تھا۔ ورنہ مشرکوں کے سوا ہر چیز صرف اپنے رب کو سجدہ کرتی ہے۔“ (الحج: ۱۸)

مسائل

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد اور اس کی قوم بتوں کے سامنے اعتکاف، رکوع، سجدے اور نذرانے پیش کرتے تھے۔
۲۔ بت نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی نفع ونقصان کے مالک ہیں۔
۳۔ ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے تقلید آباء کو اپنی تائید کے طور پر پیش کیا۔
۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے غیر اللہ کے ساتھ دشمنی کا اعلان فرمایا۔

الَّذِیْ	خَلَقَنِیْ	فَھُوَ	یَھْدِیْنِ ۝ۙ٧٨		وَالَّذِیْ	ھُوَ
وہ جس نے	مجھے اس نے پیدا کیا	پس وہی	میری رہنمائی کرتا ہے		اور وہ جو	وہ
یُطْعِمُنِیْ	وَ	یَسْقِیْنِ ۝ۙ٧٩	وَاِذَا	مَرِضْتُ	فَھُوَ	یَشْفِیْنِ ۝ۙ٨٠
وہ مجھے کھلاتا ہے	اور	وہ مجھے پلاتا ہے	اور جب	میں بیمار ہوتا ہوں	پھر وہی	مجھے شفا دیتا ہے
وَالَّذِیْ	یُمِیْتُنِیْ	ثُمَّ	یُحْیِیْنِ ۝ۙ٨١	وَالَّذِیْٓ	اَطْمَعُ	اَنْ
اور وہ جو	مجھے مارے گا	پھر	مجھے زندہ کرے گا	اور جس	میں اُمید رکھتا ہوں	کہ
یَّغْفِرَ	لِیْ	خَطِیْٓــَٔتِیْ	یَوْمَ	الدِّیْنِ ۝ؕ٨٢		
وہ بخش دے گا	مجھے	میری خطائیں	دن	جزا کے		

”جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی میری رہنمائی کرتا ہے۔(٧٨)وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔(٧٩)اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔(٨٠)وہی موت دے گا اور پھر دوبارہ زندہ کرے گا۔(٨١)اور اسی سے میں امید رکھتا ہوں کہ روزِ جزا میری خطائیں معاف فرمائے گا۔“(٨٢)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام بتوں کی نفی کرنے کے بعد رب العالمین کا تعارف کرواتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب العالمین کا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور میری رہنمائی فرمائی وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ میں جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔ وہی مجھے مارے گا اور وہی مجھے دوبارہ زندہ کرے گا۔ اُس سے امید رکھتا ہوں کہ وہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف فرمائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس موقع پر رب العالمین کی نو صفات کا ذکر فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذاتِ باری تعالیٰ کے احترام کے پیش نظر بیماری کو اپنی طرف منسوب کیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ موحّد کے لیے مؤدب ہونا ازبس ضروری ہے۔

مسائل

١۔ اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے۔ ٢۔ اللہ ہی راہنمائی کرنے والا ہے۔

٣۔ اللہ ہی کھلاتا ہے۔ ٤۔ اللہ ہی پلانے والا ہے۔

٥۔ اللہ ہی بیمار کرتا ہے ٦۔ اللہ ہی شفا دینے والا ہے۔

٧۔ اللہ ہی موت دینے والا ہے۔ ٨۔ اللہ ہی دوبارہ زندہ کرنے والا ہے۔

رَبِّ هَبۡ لِيۡ حُكۡمًا وَّاَلۡحِقۡنِيۡ بِالصّٰلِحِيۡنَ ﴿۸۳﴾

اے میرے رب! عطا کر میرے لیے حکمت اور مجھے ملادے صالح لوگوں کے ساتھ

وَاجۡعَلۡ لِّيۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِي الۡاٰخِرِيۡنَ ﴿۸۴﴾

اورتو بنادے میرے لیے زبان سچی میں پچھلے لوگوں

وَاجۡعَلۡنِيۡ مِنۡ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيۡمِ ﴿۸۵﴾ وَاغۡفِرۡ لِاَبِيۡۤ اِنَّهٗ

اور بنادے مجھے سے وارث جنت نعمتوں والی اورتو بخش دے میرے باپ کے لیے بلاشبہ وہ

كَانَ مِنَ الضَّآلِّيۡنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخۡزِنِيۡ يَوۡمَ يُبۡعَثُوۡنَ ﴿۸۷﴾

تھا سے گمراہ اور نہ تو مجھے رسوا کرنا اس دن کہ وہ دوبارہ اُٹھائے جائیں گے

''اے میرے رب مجھے حکم عطا کر اور مجھے صالح لوگوں کا ساتھ نصیب فرما۔(۸۳)اور میرے بعد آنے والوں میں مجھے سچی شہرت عطا فرما۔(۸۴)اور مجھے جنت نعیم کے وارثوں میں شامل فرما۔(۸۵)اور میرے باپ کو معاف کر دے کہ بے شک وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔(۸۶)اور مجھے اس دن رسوا نہ کرنا جب سب لوگ اٹھائے جائیں گے۔''(۸۷)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے رب کے حضور فریادیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی میں بہت سی دعائیں کی ہیں۔جن میں انسان کی بڑی بڑی حاجات کا ذکر ہے انہیں درج ذیل آیات میں ملاحظہ فرمائیں (البقرۃ:۱۲۶،۱۲۷،۱۲۸،۱۲۹)(سورۃ ابراہیم:۳۷تا۴۱)(الصافات:۱۰۱)۔

یہاں ان کی چھ دعاؤں کا تذکرہ ہے جن میں ایک دعا کے سوا باقی تمام دعائیں شرفِ قبولیت سے ہمکنار ہوئیں۔

۱۔ میرے رب مجھے حکمت اور قوتِ فیصلہ عنایت فرما۔ ۲۔ میرے رب مجھے آخرت میں نیک لوگوں کی رفاقت نصیب فرما۔

۳۔ میرے رب میرے بعد میرا ذکرِ خیر جاری رکھنا۔ ۴۔ میرے رب مجھے نعمتوں والی جنت کا وارث بنانا۔

۵۔ میرے رب میرا باپ گمراہ ہو چکا ہے اسے معاف فرما۔ ۶۔ میرے رب مجھے قیامت کے دن رسوائی سے بچانا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا انجام:

اللہ تعالیٰ نے ان کے باپ کو نہ صرف معاف نہیں کیا بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آئندہ دعا کرنے سے روک دیا اور ان کے بعد ہمیشہ کے لیے اصول جاری فرمایا۔

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ يَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ وَ لَوۡ كَانُوۡۤا اُولِيۡ قُرۡبٰى مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُمۡ اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ ○ وَ مَا كَانَ اسۡتِغۡفَارُ اِبۡرٰهِيۡمَ لِاَبِيۡهِ اِلَّا عَنۡ مَّوۡعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنۡهُ ؕ اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيۡمٌ﴾ [التوبہ:۱۱۳۔۱۱۴]

”نبی اوران لوگوں کے لیے جوایمان لائے ہیں جائز نہیں اس کے بعد کہ ان پر واضح ہو گیا کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعا کریں، خواہ وہ رشتہ دار ہوں، بلاشبہ وہ جہنمی ہیں۔اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش طلب کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو وہ اپنے باپ سے کر چکے تھے پھر جب اس کے لیے واضح ہو گیا کہ اس کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔ بے شک ابراہیم بہت آہ زاری کرنے والے اور حوصلہ مند تھے۔“

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ یَلْقٰی إِبْرَاهِیْمُ أَبَاهُ آزَرَیَوْمَ الْقِیَامَةِ وَعَلٰی وَجْهِ آزَرَ قَتَرَةٌوَغَبَرَةٌ فَیَقُوْلُ لَهٗ إِبْرَاهِیْمُ أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ لَا تَعْصِنِیْ فَیَقُوْلُ أَبُوْهُ فَالْیَوْمَ لَاأَعْصِیْكَ فَیَقُوْلُ إِبْرَاهِیْمُ یَارَبِّ إِنَّكَ وَعَدْتَّنِیْ أَنْ لَّا تُخْزِیَنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ فَأَیُّ خِزْیٍ أَخْزٰی مِنْ أَبِی الْأَبْعَدِفَیَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی إِنِّیْ حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِیْنَ ثُمَّ یُقَالُ یَآ إِبْرَاهِیْمُ مَا تَحْتَ رِجْلَیْكَ فَیَنْظُرُ فَإِذَا هُوَ بِذِیْخٍ مُتَلَطِّخٍ فَیُؤْخَذُ بِقَوَآئِمِهٖ فَیُلْقٰی فِی النَّارِ))[رواہ البخاری:کتاب أحادیث الأنبیاء،باب قول اللّٰہ تعالیٰ واتخذ اللّٰہ ابراھیم خلیلا]

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی گرامی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے باپ آزر سے ملیں گے اس کے چہرے پر سیاہی اور گردوغبار ہو گا۔ابراہیم علیہ السلام اسے کہیں گے میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کر وان کا باپ کہے گا آج میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔ابراہیم علیہ السلام فریاد کریں گے اے میرے رب آپ نے مجھ سے قیامت کے دن رسوانہ کرنے کا وعدہ فرمایا۔میرے باپ کے معاملہ سے زیادہ بڑھ کر اور کونسی رسوائی ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے۔پھر کہا جائے گا ابراہیم اپنے پاؤں کی طرف دیکھو۔دیکھیں گے توان کا باپ کیچڑ میں لتھڑا ہوا بجو بن چکا ہو گا۔جسے ٹانگوں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا منفرد اعزاز:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری دعا یہ تھی کہ میرے رب میرے بعد بھی میرا ذکر خیر ہونا چاہیے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا اور انہیں پوری دنیا کا امام بنایا۔(البقرۃ:۱۲۴) اور لوگوں کے دلوں میں ان کا احترام پیدا کیا جس وجہ سے دنیا میں ہر مذہب کے لوگ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور انہیں اپنا پیشوا مانتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کی جو دعائیں قبول نہ ہوئیں:

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹے کے بارے میں دعا قبول نہیں ہوئی۔(ہود:۴۶)

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ کے بارے میں دعا مستجاب نہ ہوئی۔(التوبہ:۱۱۴)

۳۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے چچا ابو طالب کے بارے میں دعا شرف قبولیت نہ پاسکی۔(القصص:۲۶)

۴۔ عبداللہ بن ابی منافق کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول نہیں ہوئی۔(التوبہ:۸۰)

يَوْمَ	لَا يَنْفَعُ	مَالٌ	وَّلَا	بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾	اِلَّا	مَنْ
جس دن	نہیں نفع دے گا	مال	اور نہ	بیٹے	مگر	جو
اَتَى	اللّٰهَ	بِقَلْبٍ	سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾	وَ اُزْلِفَتِ		الْجَنَّةُ
آیا	اللہ	قلب کے ساتھ	سلیم	اور قریب کی جائے گی		جنت
لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾	وَ بُرِّزَتِ	الْجَحِيْمُ	لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾			
پرہیز گاروں کے لیے	اور ظاہر کی جائے گی	جہنم	گمراہوں کے لیے			

”جب نہ مال فائدہ دے گا اور نہ اولاد۔(۸۸) سوائے اس کے کہ جو شخص قلب سلیم کے ساتھ اللہ کے حضور حاضر ہوا۔(۸۹) اس دن جنت پرہیز گاروں کے قریب لائی جائے گی۔(۹۰) اور دوزخ گمراہ لوگوں کے سامنے کھڑی کی جائے گی۔“(۹۱)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا کے آخر میں اپنے رب کے حضور یہ عرض کی کہ قیامت کے دن مجھے رسوائی سے محفوظ فرمانا۔ اب قیامت کے بارے میں ذکر شروع ہوتا ہے۔

مفسرین کی ان الفاظ کے بارے میں دو قسم کی سوچ ہے ایک طبقہ کا خیال ہے کہ یہ بھی ابراہیم علیہ السلام کے الفاظ ہیں۔ جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ دوسری جماعت کا نقطہ نظر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے بعد یہ اللہ تعالیٰ کا خطاب ہے کہ قیامت کے دن مالدار کو اس کے مال کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا اور نہ ہی اولاد اپنے باپ کی مدد کر سکے گی۔ وہی انسان ذلّت سے محفوظ رہے گا جو قلب سلیم کے ساتھ اپنے رب کے حضور حاضر ہوگا۔ قلبِ سلیم سے مراد وہ دل ہے جو کفر و شرک اور ”اللہ“ کی بغاوت سے پاک ہوگا۔ یہاں قلبِ سلیم کا اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے نیکی اور بدی کا داعیہ دل میں پیدا ہوتا ہے۔ دل کفر و شرک اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے پاک ہوگا تو انسان اپنے رب کی فرمانبرداری میں رہے گا۔ جو آدمی قلبِ سلیم سے محروم ہوا تو وہ صحیح عقیدہ اور نیک عمل سے محروم رہے گا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جس دل میں شرک، نمود و نمائش کی کھوٹ ہوگی۔ بے شک وہ کتنا بڑا نیکی کا کام کرے دل کی کھوٹ کی وجہ سے اس کا عمل قبول نہیں ہوگا۔ ایسے شخص نے کروڑوں روپے لوگوں کی فلاح و بہبود پر لگائے ہوں اور بے شک اس کی اولاد کتنی صالح کیوں نہ ہو اسے قیامت کے دن کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ جس کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں دی جا چکی ہے۔ قلبِ سلیم رکھنے والا شخص ہی متقی ہوتا ہے اور متقی لوگوں کے سامنے جنت اس وقت پیش کی جائے گی جب وہ حساب و کتاب کے مرحلہ سے گزر رہے ہوں گے۔ انھیں اس وقت ہی معلوم ہو جائے گا کہ جس جنت کو ہمارے قریب لایا گیا۔ یہی ہماری قیام گاہ ہوگی۔ جو قلبِ سلیم سے محروم ہوا وہ گمراہوں میں شامل ہوگا۔ حساب و کتاب کے وقت ہی گمراہ لوگوں کے سامنے جہنم کھڑی کی جائے گی۔ جس کی آواز گدھے کی آواز کی

طرح ہوگی۔ گمراہوں کو یقین ہو جائے گا کہ ہمارا ٹھکانہ جہنم ہے اور ہمیں ہمیشہ یہاں رہنا ہوگا۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُءُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا وَإِنَّ رِيحَهَا لَتُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا))

[رواہ مسلم. باب النَّارُ يَدْخُلُهَا الْجَبَّارُونَ وَالْجَنَّةُ يَدْخُلُهَا الضُّعَفَاءُ]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا' دو گروہ ایسے ہیں جنہیں میں نے ابھی تک نہیں دیکھا ہے (۱) ایک گروہ جن کے ہاتھوں میں بیل کی دموں کی مانند کوڑے ہوں گے وہ ان کوڑوں کے ساتھ بلا جواز لوگوں کو ماریں گے۔ (۲) دوسرا گروہ عورتوں کا ہے جنہوں نے بظاہر لباس پہنا ہوا ہوگا۔ لیکن درحقیقت ان کے بدن ننگے ہوں گے وہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے مٹک مٹک کر چلیں گی۔ ان کے سر لمبی گردنوں والے اونٹوں کے کوہانوں کی طرح اٹھے ہوئے ہوں گے وہ جنت میں داخل نہ ہوں گی۔ بلکہ جنت کی خوشبو کو بھی نہ پا سکیں گی۔ جبکہ جنت کی خوشبو اتنے اور اتنے فاصلے سے محسوس کی جائے گی۔

((وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُؤْتٰى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لَهَا سَبْعُوْنَ أَلْفَ زِمَامٍ مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّوْنَهَا۔)) [رواہ مسلم:باب فِي شِدَّةِ حَرِّ نَارِ جَهَنَّمَ وَبُعْدِ قَعْرِهَا وَمَا تَأْخُذُ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ]

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن دوزخ کو لایا جائے گا اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی۔ ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے' جو اسے کھینچ کر لائیں گے۔''

مسائل

۱۔ قیامت کے دن مجرم کو اس کا مال اور اولاد کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔

۲۔ قیامت کے دن قلب سلیم رکھنے والا شخص ہی کامیاب ہوگا۔

۳۔ جنت جنتیوں کے قریب اور جہنم جہنمیوں کے سامنے لائی جائے گی۔

تفسیر بالقرآن

جہنمی کو اس کا مال اور اولاد کچھ فائدہ نہیں دے سکیں گے:

۱۔ کافر زمین کے برابر سونا دے کر بھی جہنم سے نجات نہیں پا سکتے۔ (آل عمران:۹۱)

۲۔ قیامت کے دن ان کا کوئی سفارشی نہیں ہوگا۔ (الانعام:۵۱)

۳۔ کافر بغیر حساب کے جہنم میں دھکیل دیے جائیں گے۔ (الکہف:۱۰۵)

۴۔ کافروں کو ان کی جمعیت اور تکبر کام نہ آسکے گا۔ (الاعراف:۴۸)

۵۔ کفار کے مال و اولاد ہرگز ان کے کام نہ آسکیں گے۔ (آل عمران:۱۰)

وَقِيلَ	لَهُمْ	اَيْنَمَا	كُنتُمْ	تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾	مِنْ	دُوْنِ
اور کہا گیا	ان کے لیے	کہاں ہیں وہ	تم تھے	تم عبادت کرتے	سے	سوائے
اللّٰهِ	هَلْ	يَنصُرُوْنَكُمْ	اَوْ	يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾	فَكُبْكِبُوْا	
اللہ؟	کیا	وہ تمھاری مدد کر سکتے ہیں؟	یا	وہ بدلہ لے سکتے ہیں؟	پھر وہ اوندھے منہ ڈالے جائیں گے	
فِيهَا	هُمْ	وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾	وَجُنُوْدُ	اِبْلِيسَ	اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾	
اس میں	وہ	اور گمراہ	اور لشکر	ابلیس	سب کے سب	

’’اوران سے پوچھا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے؟ (۹۲) کیا وہ تمہاری کچھ مدد کر رہے ہیں یا اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں؟ (۹۳) پھر گمراہ لوگ اُندھے منہ میں پھینکیں جائیں گے۔ (۹۴) اور ابلیس کے تمام لشکر جہنم میں اوپر تلے جمع کیے جائیں گے۔‘‘ (۹۵)

فہم القرآن

ربط کلام : گمراہ لوگوں سے قیامت کے دن سوال۔

حساب وکتاب کا فیصلہ ہو جانے کے بعد گمراہ لوگوں سے سوال کیا جائے گا کہ جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے آج وہ کہاں ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا وہ تمھاری مدد کر سکتے ہیں یا کسی قسم کا بدلہ لے سکتے ہیں؟

قیامت کے دن گمراہ پیر اوران کے مرید، عابد اور معبود لیڈر اوران کے ورکروں کو ایک دوسرے کے سامنے کھڑا کر کے کہا جائے گا کہ ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہو تو کرو۔ لیکن کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا پھر عابد اور معبود تمام کو اُوندھے منہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ جن کے ہاتھ پاؤں چومے جاتے تھے جن کے قول وعمل کو سند مانا جاتا تھا، جن کے حضور نذریں پیش کی جاتی تھیں۔ جب قیامت کے دن حقیقت سامنے آئے گی، ہر پیروی کرنے والوں کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ ہمارے رہبر ہمیں کہاں لے آئے ہیں۔ ورکر اور مرید بدکردار پیروں اور لیڈروں کو مجرم ٹھہرائیں گے اوران پر لعنت بھیجیں گے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ عالم آخرت کا یہ عبرت ناک نقشہ کھینچا گیا ہے تا کہ اندھی تقلید کرنے والے دنیا میں آنکھیں کھولیں اور کسی کے پیچھے چلنے سے پہلے دیکھ لیں کہ وہ ٹھیک بھی جا رہا ہے یا نہیں۔

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ﴾ [حٰم السجدہ: ۲۹]

’’کافر اس وقت کہیں گے کہ اے پروردگار ان جنوں اور انسانوں کو ہمارے سامنے لا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا تا کہ ہم انہیں پاؤں تلے روند ڈالیں وہ ذلیل ہو کر رہیں۔‘‘

﴿وَ قَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ٥ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَ الْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا﴾ [الاحزاب: ۶۷-۶۸]

’’وہ کہیں گے اے رب ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی اورانہوں نے ہم کو سیدھے راستے سے بھٹکا دیا۔اے رب ان کو دوگنا عذاب دے اوران پرلعنت برسا۔‘‘

﴿كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا حَتّٰى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ﴾ [الاعراف: ٣٨]

’’ہر گروہ جب جہنم میں داخل ہوگا تو اپنے سے پہلے لوگوں پرلعنت کرے گا یہاں تک کہ جب سب وہاں جمع ہو جائیں گے تو بعد میں آنے والا گروہ پہلے گروہ کے متعلق کہے گا کہ اے ہمارے رب !یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔انہیں آگ کا دوہرا عذاب دیا جائے۔رب تعالیٰ فرمائے گا سب کے لیے دوہرا عذاب ہے مگر تم جانتے نہیں ہو۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن غیروں کی عبادت کرنے والوں کوسوال کریں گے۔

۲۔ کیا اللہ کے سوا کوئی تمھاری مدد کرسکتا ہے یا بدلہ لے سکتا ہے۔

۳۔ گمراہ لوگوں کوشیطان اوران کے معبودوں سمیت جہنم میں اوندھے منہ پھینکا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن گمراہ پیروں اورمریدوں،لیڈروں اورورکروں،مقتدی اوربُرے علماء کا آپس میں تکرار کرنا:

۱۔ جہنم میں مرید،پیروں،ورکر،لیڈروں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے کیا تم اللہ کے عذاب کا کچھ حصہ دور کرسکتے ہو۔(ابراہیم:۲۱)

۲۔ جب جہنمی اپنے سے پہلے لوگوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا انہیں دوگنا عذاب دیا جائے۔(الاعراف:۳۸)

۳۔ قیامت کے دن وہ ایک دوسرے کا انکار کریں گےاور ایک دوسرے پر پھٹکار کریں گے۔(العنکبوت:۲۵)

۴۔ کاش آپ ظالموں کواس وقت دیکھیں جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونگے تو ایک دوسرے کے سامنے تکرار کرتے ہوئے کمزوراپنے بڑوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے جب کہ ان کے بڑے اس سے انکاری ہونگے (سبا:۳۲۔۳۱)

۵۔ قیامت کے دن پیروکار کہیں گے اگر دنیا میں جانا ہمارے لیے ممکن ہوتو ہم تم سے براءت کا اظہار کریں گے (البقرۃ:۱۶۵)

۶۔ قیامت کے دن پیشوا اپنے پیروکاروں سے براءت کا اظہار کریں گے۔(البقرۃ:۱۶۶)

۷۔ جہنم میں چھوٹے،بڑوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے کیا تم ہمارے عذاب سے کچھ کم کرسکتے ہو۔بڑے کہیں گے کہ ہم سب جہنم میں رہیں گے۔(المومن:۴۷۔۴۸)

قَالُوْا	وَهُمْ	فِيْهَا	يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٩٦﴾	تَاللّٰهِ	اِنْ
انہوں نے کہا	جب وہ	اس میں	وہ جھگڑتے ہوں گے	اللہ کی قسم	بلاشبہ
كُنَّا	لَفِيْ	ضَلٰلٍ	مُّبِيْنٍ ﴿٩٧﴾	اِذْ	نُسَوِّيْكُمْ
ہم تھے	البتہ میں	گمراہی	صریح	جب کہ	ہم تمھیں برابر ٹھہراتے تھے
بِرَبِّ	الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٨﴾				
رب کے ساتھ	جہانوں				

”جہنمی آپس میں جھگڑیں گے۔(٩٦)اور مشرک اپنے معبودوں سے کہیں گے کہ اللہ کی قسم ہم تو کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔(٩٧) جب تمہیں رب العالمین کی برابر سمجھتے تھے۔“(٩٨)

فہم القرآن

ربط کلام: جہنمیوں کا آپس میں جھگڑا کرنا۔

جہنمی جب جہنم میں داخل کیے جائیں گے تو ان کی ذلت ورسوائی میں اضافہ کرنے اور ایک حقیقت کا اعتراف کروانے اور ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑنے کے لیے انہیں آمنے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔مرید اپنے پیروں سے، ورکر اپنے لیڈروں سے، مقتدی اپنے اماموں سے قسمیں اُٹھا اُٹھا کر کہیں گے کہ ہم تمھاری وجہ سے گمراہ ہوئے کیونکہ ہم تمھیں رب العالمین کے برابر سمجھ بیٹھے تھے۔اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھنے کی کئی صورتیں ہیں بڑوں کے سامنے جھکنا،سجدہ کرنا دینوی مفاد کی خاطر ان کے غیر شرعی حکم ماننا اور عقیدت میں ان کی ایسی تعظیم کرنا جس سے شریعت نے منع کر رکھا ہے۔جہنمی کھلے الفاظ میں ان باتوں کا اقرار کرینگے اس کے ساتھ ہی وہ اپنے رب سے فریاد کریں گے کہ اے رب! ہمارے بڑوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔جہنمیوں کا سب سے بڑا اقرار شرک کے بارے میں ہوگا جو دنیا میں اپنے بڑوں کے بارے میں عقیدہ رکھتے تھے اور ان کے بڑے بھی انھیں کہا کرتے تھے کہ ہم تمھیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچالیں گے۔جہنمی صاف طور پر اعتراف کریں گے کہ ہم اپنے معبودوں کو رب العالمین کے برابر سمجھا کرتے تھے۔جس بنا پر وہ کسی کو داتا کہتے اور سمجھتے تھے، کسی کو دستگیر کہتے، کسی کو حاجت روا مشکل کشا جان کر اس کے حضور نذرانے پیش کرتے یہاں تک کہ فوت شدگان کے ساتھ بھی وہ اس قسم کا عقیدہ اور عقیدت رکھتے تھے۔

مسائل

١۔ جہنم میں جہنمی ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے۔٢۔جہنمی قسمیں اُٹھا اُٹھا کر کہیں گے کہ ہمارے بڑوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔

٣۔ مشرک اس بات کا اقرار کریں گے کہ ہم زندہ اور مردہ بزرگوں کو رب العالمین کے برابر سمجھتے تھے۔

وَمَآ	اَضَلَّنَآ	اِلَّا	الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾	فَمَا	لَنَا	مِنْ
اورنہیں	ہمیں گمراہ کیا	مگر	مجرم	چنانچہ نہیں	ہمارے لیے	سے
شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾	وَلَا	صَدِيْقٍ	حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾	فَلَوْ	اَنَّ	لَنَا
سفارشی	اور نہ	کوئی دوست	مخلص	پھر کاش	بے شک	ہمارے لیے
كَرَّةً	فَنَكُوْنَ	مِنَ	الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾	اِنَّ	فِيْ	ذٰلِكَ
لوٹنا	تو ہوں گے ہم	سے	مومن	بلاشبہ	میں	اس
لَاٰيَةً	وَمَا	كَانَ	اَكْثَرُهُمْ	مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾	وَاِنَّ	رَبَّكَ
البتہ نشانی	اورنہیں	ہیں	ان کے اکثر	ایمان لانے والے	اور بلاشبہ	آپ کا رب
	لَهُوَ	الْعَزِيْزُ	الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾			
	البتہ وہ	نہایت غالب	بہت رحم کرنے والا			

ع ۵ ۲۶ ۹

”مجرموں نے ہمیں گمراہ کیا۔(۹۹) اب نہ ہمارا کوئی سفارشی ہے۔(۱۰۰) اور نہ کوئی مخلص دوست۔(۱۰۱) کاش ہمیں ایک دفعہ پھر دنیا میں جانے کا موقع مل جائے تو ہم مومن بن جائیں گے۔(۱۰۲) یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے مگران میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔(۱۰۳) اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور مہربان بھی۔“(۱۰۴)

فہم القرآن

ربط کلام: جہنمیوں کا انتہائی مایوسی کے عالم میں دنیا میں پلٹ جانے کا مطالبہ کرنا:

جہنمی جب جہنم میں اپنے بڑوں اور معبودوں کے ساتھ جھگڑا کریں گے تو وہ یہ کہہ کر جان چھڑائیں گے کہ خواہ مخواہ ہم پہ الزام لگاتے ہو تم تو خود گمراہ تھے۔(الصّٰفّٰت:۳۲)

بُرے مرید، ورکر اور مقتدی حسرت کے ساتھ اس بات کا اظہار کریں گے کہ ہائے افسوس! جن کو ہم سفارشی سمجھتے رہے آج ہمارے لیے سفارش کرنے کے لیے تیار نہیں۔ جن کو ہم اپنا بہی خواہ اور مخلص سمجھتے تھے آج کوئی خیر خواہی اور بھائی چارہ کرنے کے لیے آمادہ نہیں۔ کاش! ہمیں ایک بار دنیا میں واپس جانے کا موقع مل جائے تو ہم سب کو چھوڑ کر ایک رب پر ایمان لانے کے ساتھ اس کے تابعدار بندے بن جائیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے، باپ قوم اور مجرموں ہونے والی گفتگو میں بہت ہی عبرت موجود ہے لیکن پھر بھی اکثر لوگ حقیقت تسلیم نہیں کرتے۔ اے پیغمبر ﷺ! یقیناً آپ کا رب ہر بات پر غالب اور بڑا رحم وکرم فرمانے والا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے لیے عبرت ہے کہ جس

طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ اوران کی قوم کے پاس سوائے پہلے لوگوں کی تقلید کرنے کے شرک کی کوئی دلیل نہ تھی اسی طرح ہردور کے مشرک کے پاس شرک کی دلیل نہیں ہوتی۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے مشرک باپ کو فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے اسی طرح مشرک اور مجرم ایک دوسرے کو فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے، نہ ہی ان کا کوئی سفارشی اور کوئی خیر خواہ ہوگا۔

مسائل

١۔ قیامت کے دن مجرم اپنے جرائم کا اعتراف کریں گے۔

٢۔ قیامت کے دن مجرموں کا کوئی سفارشی نہ ہوگا۔

٣۔ قیامت کے دن کسی کی دوستی کام نہیں آئے گی۔

٤۔ قیامت کے دن مجرم دنیا میں واپس آنے کی التجا کریں گے۔

٥۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہونے کے باوجود رحم فرمانے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن کافر، مشرک اور مجرم کی کوئی سفارش نہیں کر سکے گا:

١۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر سفارش نہیں ہو سکے گی۔ (البقرۃ:٢٥٥)

٢۔ سفارش اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوگی۔ (النبا:٣٨)

٣۔ اللہ تعالیٰ اپنی پسند کی بات ہی قبول فرمائیں گے۔ (طٰہٰ:١٠٩)

٤۔ کافر زمین کے برابر سونا دے کر بھی جہنم سے نجات نہیں پا سکتے۔ (آلِ عمران:٩١)

٥۔ قیامت کے دن ان کا کوئی سفارشی نہیں ہوگا۔ (الانعام:٥١)

٦۔ کافروں کو ان کی جمعیت اور تکبر کام نہ آسکے گا۔ (الاعراف:٤٨)

٧۔ کفار کے مال واولاد ان کے کام نہ آسکیں گے۔ (آلِ عمران:١٠)

٨۔ کافر قیامت کے دن سفارشی تلاش کریں گے۔ (الاعراف:٥٣)

٩۔ قیامت کے دن سفارشی کسی کو فائدہ یا نقصان نہیں دے سکیں گے۔ (یونس:١٨)

١٠۔ قیامت کے دن رشتہ دار بھاگ جائیں گے۔ (عبس:٣٤تا٣٦)

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝١٠٥ اِذْ قَالَ

اس نے جھٹلایا قوم نوح رسول جب اس نے کہا

لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝١٠٦ اِنِّيْ لَكُمْ

ان کے لیے ان کے بھائی نوح کیانہیں تم ڈرتے بلاشبہ میں تمھارے لیے

رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝١٠٧ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝١٠٨ وَمَآ

رسول امانت دار پس تم ڈرو اللہ اور میری اطاعت کرو اور نہیں

اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي

میں تم سے مانگتا اس پر کوئی اجر نہیں اجر میرا مگر پر

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٠٩ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝١١٠

رب جہانوں لہٰذا تم ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو

قومِ نوح نے رسولوں کو جھٹلایا۔(۱۰۵) یاد کرو جب ان کے بھائی نوح نے ان سے فرمایا تم ڈرتے کیوں نہیں؟(۱۰۶) میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔(۱۰۷) لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔(۱۰۸) میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔میرا اجر رب العالمین کے ذمہ ہے۔(۱۰۹) پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“(۱۱۰)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا ردِّعمل بیان کرنے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اور ان کی قوم کا ردِّعمل بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا جب ان کے بھائی حضرت نوح علیہ السلام نے انھیں سمجھایا کہ اپنے عقیدہ اور عمل کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ یقین جانو کہ میں تمھارے لیے امانت دار رسول ہوں بس تمھیں اللہ سے ڈر کر میری اطاعت کرنا چاہیے۔ میں منصب نبوت کے حوالے سے تم سے کسی معاوضہ کا طلب گار نہیں۔ میرا اجر میرے رب نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ لوط اور قومِ شعیب کے بارے میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ انھوں نے مرسلین کی تکذیب کی حالانکہ ان قوموں کا واسطہ اپنے اپنے رسول سے پڑا تھا اور انھوں نے اپنے اپنے رسول کی ہی تکذیب کی تھی۔ اس کے باوجود حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے رسولوں کی تکذیب

کی۔اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ دین کی تعلیم یہ ہے کہ وقت کے رسول پر ایمان لانے کے ساتھ پہلے رسولوں پر بھی ایمان لایا جائے کہ وہ واقعی اپنے اپنے دور میں ''اللہ'' کے مبعوث کیے ہوئے رسول تھے۔جو شخص اس اصول کی پاسداری نہیں کرتا گویا کہ وہ تمام انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرتا ہے۔دوسری وجہ یہ سمجھ آتی ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا مرکزی نقطہ ''اللہ'' کی توحید تھا۔ان قوموں نے اپنے اپنے دور میں نہ صرف توحیدِ خالص کا انکار کیا بلکہ اپنے اپنے نبی کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اس طرح فکر وعمل کے اعتبار سے یہ قومیں ایک جیسا رویہ رکھتی تھیں۔جس بنا پر ان اقوام کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی۔حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اوّل آخر سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے باطل عقیدہ اور بُرے کردار سے تائب ہو کر میری اتباع کرو۔رسول کی آمد کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کی اطاعت کریں چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام بار بار قوم کو اپنی اطاعت کے بارے میں ارشاد فرماتے رہے۔انھوں نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں نبوت کے کام پر تم سے کسی معاوضے کا طلب گار نہیں ہوں۔جس کا دوسرا معنٰی یہ ہے کہ سوچو اور غور کرو۔جس کی خاطر اس قدر مصائب اور دکھ اُٹھا رہا ہوں اس کے پیچھے میری کوئی غرض مضمر نہیں۔وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذمّے نبوت کی ذمہ داری لگائی ہے تاکہ اسے امانت و دیانت کے ساتھ سرانجام دیتا رہوں۔یہی میرے منصب کا تقاضا ہے جسے شب وروز پورا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے لیے رسول امین کا لفظ بول کر یہ بھی واضح کیا کہ نبوت کا دعویٰ کرنے اور اس کا پیغام پہنچانے میں پوری ذمہ دار اور امانت دار ہوں اور تم بھی مجھے کردار اور امانت کے حوالے سے امین تسلیم کرتے ہو۔یہی انبیاء کرام علیہم السلام کا کردار ہے کہ وہ نبوت سے پہلے بھی اپنی قوم میں صادق اور امین سمجھے جاتے تھے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پہاڑی پر اپنی دعوت پیش کرنے سے پہلے لوگوں سے استفسار فرمایا کہ اگر میں کہوں اس کے پہاڑ کے عقب سے کوئی لشکر تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم یقین کرو گے؟ لوگوں نے بیک زبان کہا تھا۔''مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ اِلَّا صِدْقًا'' ہم نے ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا پایا۔(سیرت ابن ہشام)

تقویٰ کا مفہوم:

((وَقَدْ قِيْلَ اَنَّ عُمَرَبْنِ الْخَطَّاب رضی اللہ عنہ سَأَلَ اُبَیَّ بْنَ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ عَنِ التَّقْوٰى ،فَقَالَ لَهٗ اَمَا سَلَكْتَ طَرِيْقًا ذَاشَوْكٍ؟ قَالَ بَلٰى قَالَ فَمَا عَمِلْتَ؟ قَالَ شَمَّرْتُ وَاجْتَهَدْتُ ،قَالَ فَذٰلِكَ التَّقْوٰى))[تفسیر ابن کثیر: جلد ۱]

''روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے حضرت اُبی رضی اللہ عنہ بن کعب سے تقویٰ کے متعلق سوال کیا تو کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا آپ کبھی خاردار راستے پر نہیں گزرے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ کیوں نہیں حضرت اُبی کہنے لگے تو اُس وقت آپ کیا کرتے ہیں حضرت عمر کہنے لگے میں کپڑے سمیٹ کر اور کانٹوں سے بچتے ہوئے اس راستہ سے گزرتا ہوں۔حضرت اُبی نے کہا یہی تقویٰ ہے۔''

((عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ هُ فَقَالَ أَوْصِنِيْ فَقَالَ سَأَلْتَ عَمَّا سَأَلْتُ عَنْهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ قَبْلِكَ أُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ فَإِنَّهُ رَأْسُ كُلِّ شَيْءٍ .....)) [مسند احمد: كتاب باقي مسند المكثرين ، باب مسند أبى سعيد الخدرى]

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک آدمی نے آکر کہا: مجھے نصیحت کیجئے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: تو نے مجھ سے اس چیز کا سوال کیا ہے جس کے متعلق میں نے تجھ سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ میں تجھے اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ تقویٰ ہر خیر کا سرچشمہ ہے۔''

مسائل

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ سے ڈرنے کی تلقین فرمائی۔

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کی تکذیب کی۔

۳۔ حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم امین سمجھتی تھی۔

۴۔ حضرت نوح علیہ السلام اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام بلا معاوضہ دین اور قوم کی خدمت کیا کرتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

تقویٰ اور اس کے تقاضے:

۱۔ مصیبتوں میں صبر اختیار کرنا اور سچ بولنا تقویٰ ہے۔ (البقرۃ: ۱۷۷)

۲۔ حلال روزی کھانا، اللہ پر ایمان لانا اور اس سے ڈرنا تقویٰ ہے۔ (المائدۃ: ۸۸)

۳۔ اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم دینا اور اس پر قائم رہنا تقویٰ ہے۔ (طٰہٰ: ۱۳۲)

۴۔ شعائر اللہ کا احترام کرنا تقویٰ ہے۔ (الحج: ۳۲)

۵۔ حج کے سفر میں زادِ راہ لینا تقویٰ ہے۔ (البقرۃ: ۱۹۷)

۶۔ متقین کے لیے کامیابی ہے۔ (النساء: ۳۱ تا ۳۳)

۷۔ متقی کی خطائیں معاف اور ان کے لیے بڑا اجر ہوگا۔ (الطلاق: ۴ تا ۵)

۸۔ متقین کے لیے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنت ہے۔ (القلم: ۳۴)

۹۔ متقین اولیاء اللہ ہیں جو قیامت کے دن بے خوف ہوں گے۔ (یونس: ۶۱ تا ۶۴)

قَالُوْٓا	اَنُؤْمِنُ	لَكَ	وَاتَّبَعَكَ	الْاَرْذَلُوْنَ ﴿١١١﴾		قَالَ
انھوں نے کہا	کیا ہم ایمان لائیں	تجھ پر	حالانکہ تیری پیروی کی	رذیل لوگ		اس نے کہا
وَمَا عِلْمِیْ	بِمَا	كَانُوْا	يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٢﴾	اِنْ		حِسَابُهُمْ
اور مجھے کیا علم	بسبب اس کے	تھے وہ	وہ عمل کرتے؟	نہیں		ان کا حساب
اِلَّا	عَلٰى	رَبِّیْ	لَوْ	تَشْعُرُوْنَ ﴿١١٣﴾	وَمَآ	اَنَا
مگر	پر	میرے رب	کاش	تم سمجھ رکھتے	اور نہیں	میں
بِطَارِدِ	الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٤﴾	اِنْ	اَنَا	اِلَّا	نَذِيْرٌ	مُّبِيْنٌ ﴿١١٥﴾
دور کرنے والا	ایمان والے	نہیں	میں	مگر	ڈرانے والا	کھلم کھلا

''انھوں نے جواب دیا کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں حالانکہ تیری پیروی کرنے والے رذیل لوگ ہیں (۱۱۱) نوح نے کہا مجھے کیا معلوم کہ ان کے عمل کیسے ہیں ان کا حساب میرے رب کے ذمہ ہے۔(۱۱۲) کاش تم سمجھ سے کام لو۔(۱۱۳) میرا یہ کام نہیں کہ جو ایمان لائیں انہیں اپنے آپ سے دور کردوں۔(۱۱۴) میں واضح طور پر متنبہ کردینے والا ہوں۔'' (۱۱۵)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت نوح علیہ السلام کے بار بار سمجھانے اوران کی امانت کا اعتراف کرنے کے باوجود قوم کا جواب۔

قوم کا جواب یہ تھا کہ اے نوح کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں؟ جبکہ تجھ پر ایمان لانے والے معاشی اعتبار سے غریب سماجی حوالے سے گھٹیا لوگ ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جواباً ارشاد فرمایا مجھے کیا معلوم کہ کون کیا پیشہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ ان کا حساب میرے رب کے ذمہ ہے کاش تم شعور سے کام لو۔ میں ان کے پیشہ کی وجہ سے انھیں اپنے آپ سے دور نہیں کرسکتا کیونکہ میرے ذمہ لوگوں کوان کے بُرے انجام سے ڈرانا ہے۔ دین کی تاریخ یہ ہے کہ اس کے ماننے والے۔ ابتداً غریب لوگ ہوا کرتے ہیں جنہیں معاشرے کے کھاتے پیتے لوگ حقیر سمجھتے ہیں اور بڑے لوگ ان کے ساتھ بیٹھنا، اُٹھنا اپنی توہین جانتے ہیں۔ اس وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بڑے لوگوں نے یہ کہہ کر حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی اور کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم آپ کی اطاعت کریں اوران لوگوں کے ساتھ بیٹھا کریں جو ہم میں نیچ ہمارے نوکر چاکر ہیں۔ حقیقتاً وہ حضرت نوح علیہ السلام کے اطاعت گزار بننے میں اپنی توہین سمجھتے تھے لیکن حضرت نوح علیہ السلام ظاہری جمال وکمال کے اعتبار سے ان سے اعلیٰ تھے اس لیے انھوں نے یہ بہانہ بنایا کہ ہم آپ پر اس لیے ایمان نہیں لاتے کہ آپ کے ساتھی کمتر لوگ ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے کیا علم کہ پیشے کے اعتبار سے کون کیا کرتا ہے۔ مالی لحاظ سے کوئی کیا حیثیت رکھتا ہے میرا کام لوگوں کا پیشہ بدلنا

نہیں میرا فرض تو یہ ہے کہ میں لوگوں کو برے کاموں سے بچنے کا حکم دوں اور بُرے انجام سے لوگوں کو ڈراؤں۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کا حساب ان کے رب کے ذمہ ہے۔ کاش تم اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان پیشے اور مال کے حوالے سے معزز نہیں ہوتا معزز وہ ہے جو عقیدہ و عمل کے اعتبار سے بہتر ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾

''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور ایک دوسرے کی پہچان کے لیے تمہارے قبیلے اور برادریاں بنائیں۔ تم میں سے سب سے زیادہ اللہ کے ہاں عزت والا وہ ہے جو متقی ہے۔ بے شک اللہ جاننے والا خبر رکھنے والا ہے۔''

((يَآ أَيُّهَا النَّاسُ! أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى أَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلٰى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلٰى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى)) [مسند أحمد: كتاب مسند الأنصار، باب حديث رجل من أصحاب النبي ﷺ]

''اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ! یقیناً تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ بھی ایک ہے خبردار! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سرخ کو کالے پر اور کسی کالے کو سرخ پر تقویٰ کے سوا کوئی برتری حاصل نہیں۔''

مسائل

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے یہ کہہ کر ان کی نبوت کا انکار کیا کہ تجھ پر ایمان لانے والے لوگ سماجی اعتبار سے گھٹیا لوگ ہیں۔

۲۔ الداعی کو غربت کی بنا پر نیک لوگوں کو اپنے آپ سے دور نہیں کرنا چاہیے اس کا کام لوگوں کو بُرے اعمال اور اس کے انجام سے ڈرانا ہے۔

تفسیر بالقرآن

صحیح عقیدہ اور صالح اعمال کرنے والوں کا مرتبہ و مقام:

۱۔ ایماندار صالح اعمال کرنے والوں کو اللہ اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ (الجاثیۃ: ۳۰)

۲۔ ایمان کے ساتھ صالح اعمال کرنے والوں کے لیے مغفرت ہے۔ (الحج: ۵۰)

۳۔ موت کے بعد نیک لوگوں کی رفاقت نصیب ہوگی۔ (آلِ عمران: ۱۹۳)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا ہے۔ (الانبیاء: ۸۶)

۵۔ اللہ نیک لوگوں کو ان کے اعمال کا بہترین صلہ دے گا۔ (التوبۃ: ۱۲۱)

۶۔ قیامت کے دن نیک لوگوں کے چہروں پر ذلت اور نحوست نہ ہوگی اور وہ جنت میں رہیں گے۔ (یونس: ۲۶)

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ

انھوں نے کہا البتہ اگر نہ توباز آیا اس سے اے نوح! توضرور ہوجائے گا سے

الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾

سنگسار کیے ہوئے اس نے کہا اے میرے رب! بے شک میری قوم مجھے جھٹلا دیا

فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ

پس تو فیصلہ فرما میرے درمیان اوران کے درمیان واضح فیصلہ اور تو نجات دے مجھے اوران لوگوں کو جو

مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

میرے ساتھ سے ایمان والوں

''انہوں نے کہا اے نوح اگر تو باز نہ آیا تو رجم ہونے والوں میں شامل ہو کر رہے گا۔(۱۱۶) نوح نے دعا کی اے میرے رب میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔(۱۱۷) اب میرے اور ان کے درمیان دوٹوک فیصلہ فرما دے۔ مجھے اور جو مومن میرے ساتھ ہیں ان کو نجات عطا فرما۔'' (۱۱۸)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت نوح علیہ السلام کو قوم کی دھمکی۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نوسو سال سمجھایا۔(العنکبوت:۱۴) لیکن قوم نے انھیں بدتر سے بدترین جواب دیا یہاں تک کہ انھوں نے کہا اے نوح! اگر تو عقیدہ توحید کی دعوت سے باز نہ آیا تو ہم پتھر مار مار کر تجھے جان سے مار دیں گے۔

''نوح نے عرض کی اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کو دن رات دعوت دی لیکن میری دعوت دینے سے وہ اور زیادہ دوری اختیار کرتے گئے۔ جب بھی میں نے اُنہیں بلایا تاکہ تو اُنہیں معاف کر دے تو اُنہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے آپ پر کپڑے ڈال لیے۔ ہٹ دھرمی اور تکبر اختیار کیا پھر میں نے اُنہیں سر عام دعوت دی اور اعلانیہ اور پوشیدہ طریقے سے بھی سمجھایا۔'' (نوح :۵ تا ۹)

''اس کے بعد نوح نے عرض کی کہ میرے پروردگار! یہ لوگ میرے کہنے پر نہیں چلے۔ یہ اُن کے تابع ہوئے ہیں جن کو اُن کے مال اور اولاد نے نقصان کے سوا کچھ فائدہ نہیں دیا۔ اور وہ بڑی بڑی چالیں چلے۔ اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا۔ میرے رب اُنہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے تو تُو اُن کو اور گمراہ کر دے۔'' (نوح :۲۱ تا ۲۴)

حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بھی دعا کی اے ربِ کریم! قوم نے مجھے کلیتاً ٹھکرا دیا ہے۔ میری درخواست ہے کہ آپ میرے اور میری قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیں۔ فیصلہ سے مراد اللہ کا عذاب ہے مجھے اور میرے ایماندار ساتھیوں کو اس سے بچائے رکھنا۔

﴿وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ○ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ○ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا﴾ [نوح: ۲٦ تا ۲۸]

''اور پھر نوح علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ میرے پروردگار کسی کافر کو روئے زمین پر نہ رہنے دے۔ اگر تو اُن کو رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کرینگے اور اُن سے جو اولاد ہوگی وہ بھی بدکار اور ناشکری ہوگی۔ اے میرے پروردگار مجھے اور میرے ماں باپ کو اور جو ایمان لا کر میرے گھر میں آئے اُس کو اور تمام ایمان دار مردوں اور ایمان دار خواتین کو معاف فرما! ظالم لوگوں کے لیے اور زیادہ تباہی بڑھا۔

مسائل

۱۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے دعوتِ حق قبول کرنے کی بجائے نوح علیہ السلام کو سنگسار کرنے کی دھمکی دی۔
۲۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے عذاب کا مطالبہ کیا۔
۲۔ نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے فیصلہ کن عذاب کی درخواست کی۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء علیہم السلام اور صلحاء کی نافرمان قوم کے لیے بددعائیں:

۱۔ اے ہمارے پروردگار! ان کے اموال کو نیست و نابود کردے اور ان کے دلوں کو سخت فرما۔ (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا)۔ (یونس: ۸۸)
۲۔ نوح نے بدعا کی کہ الٰہی زمین پر ایک کافر بھی نہ چھوڑنا۔ (نوح: ۲٦)
۳۔ اے اللہ! فساد کرنے والی قوم کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔ لوط علیہ السلام کی بددعا (العنکبوت: ۳۰)
۴۔ اے ہمارے رب! تو ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے (حضرت شعیب علیہ السلام کی بددعا)۔ (الاعراف: ۸۹)

فَاَنْجَیْنٰهُ	وَمَنْ	مَّعَهٗ	فِی	الْفُلْكِ	الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾
چنانچہ ہم نے نجات دی اسے	اور جو	اس کے ساتھ	میں	کشتی	بھری ہوئی

ثُمَّ	اَغْرَقْنَا	بَعْدُ	الْبٰقِیْنَ ﴿۱۲۰﴾	اِنَّ	فِیْ	ذٰلِكَ
پھر	ہم نے غرق کردیا	اس کے بعد	باقی	بلاشبہ	میں	اس

لَاٰیَةً	وَمَا	كَانَ	اَكْثَرُهُمْ	مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾	وَاِنَّ	رَبَّكَ
البتہ نشانی	اورنہیں	تھے	ان کے اکثر	ایمان لانے والے	اور بلاشبہ	آپ کا رب

لَهُوَ	الْعَزِیْزُ	الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۲﴾
البتہ وہ	نہایت غالب	بہت رحم کرنے والا

''آخرکار ہم نے نوح اور اس کے ساتھیوں کو ایک بھری ہوئی کشتی میں بچالیا۔(۱۱۹)اوراس کے بعد باقی لوگوں کوغرق کردیا۔(۱۲۰)یقیناً اس میں ایک عبرت ہے مگران میں سے اکثر لوگ ماننے والے نہیں۔(۱۲۱)اور حقیقت یہ ہے کہ تیرارب غالب بھی ہےاور مہربان بھی۔''(۱۲۲)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت نوح علیہ السلام نے فیصلہ کن عذاب کی بددعا کی اللہ تعالیٰ نے انھیں اوران کے مومن ساتھیوں کوعذاب سے محفوظ رکھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو واضح طور پر بتلادیا کہ اے نوح علیہ السلام! تیری قوم سے جن لوگوں نے ایمان لاناتھالاچکا۔ اب کوئی شخص ایمان نہیں لائے گا لہٰذا ہمارے حکم کے مطابق ہمارے سامنے ایک کشتی تیار کیجیے اوراب میرے حضور ظالموں کے حق میں فریاد نہ کرنا کیونکہ یہ غرق ہوکر رہیں گے۔(ہود:۳۶۔۳۷)

''نوح نے کشتی بنانی شروع کردی۔اور جب اُن کی قوم کے سرداراُن کے قریب سے گزرتے تو اُن سے تمسخر کرتے نوح جواب دیتے کہ جس طرح تم ہم سے تمسخر کرتے ہواسی طرح ایک وقت ہم بھی تم سے تمسخر کرینگے۔اور تمہیں جلد معلوم ہوجائے گا کہ کس پرعذاب آتا ہے جو اُسے رسوا کردے گا۔یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے نوح کوحکم دیا کہ ہرقسم کے جانداروں میں سے جوڑا جوڑا یعنی دودو جانور ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ لے لو اور جس شخص کی نسبت حکم ہوچکا ہے کہ ہلاک ہوجائے گا اس کو چھوڑ کر اپنے گھر والوں کو اور جو ایمان لایا ہو اس کو کشتی میں سوار کرلو اور اُن کے ساتھ ایمان بہت ہی کم لوگ لائے تھے۔(نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر سوار ہوجاؤ۔اللہ کے ہاتھ میں ہے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے بیشک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔

کشتی اُن کو لے کر طوفان کی لہروں میں چلنے لگی لہریں کیا تھیں گویا پہاڑ تھے اس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو کہا جو کشتی سے الگ تھا۔ بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ ہو۔ اس نے کہا کہ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا اور وہ مجھے پانی سے بچالے گا۔ نوح نے کہا کہ آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں مگر جس پر اللہ رحم کرے اتنے میں دونوں کے درمیان لہر آ حائل ہوئی اور وہ ڈوب گیا۔ (ھود: ٣٨ تا ٤٣)

”(نوح نے) اپنے پروردگار سے دعا کی کہ بارِالٰہا میں ان کے مقابلے میں کمزور ہوں تو میری مدد فرما۔ تو ہم نے اُن پر موسلا دھار بارش کے آسمان سے دروازے کھول دیئے۔ اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے۔ سارا پانی مل گیا ایسے کام کے لیے جس کا فیصلہ ہو چکا تھا، اور ہم نے نوح علیہ السلام کو ایک کشتی پر جو تختوں اور میخوں سے تیار کی گئی تھی سوار کر لیا۔ وہ ہماری نگرانی میں چلتی تھی یہ سب کچھ اس شخص کے انتقام کے لیے کیا گیا جس کو کافر مانتے نہ تھے۔ اور ہم نے اُس کو ایک عبرت بنا چھوڑا تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے۔ سو دیکھ لو کہ میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟۔ (القمر: ١٠ تا ١٦)

اس سارے واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ” آنے والے لوگوں کے لیے اس میں ایک سبق ہے لیکن لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لایا کرتی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا رب پوری طرح غالب اور نہایت ہی مہربان ہے۔“ اس میں یہ بات بتلا دی گئی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال انفرادی اور اجتماعی طور پر دن رات لوگوں کو سمجھاتے رہے لیکن قوم میں چند آدمیوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا۔ اے میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ اور آپ کے ساتھیوں کو دعوت دیتے ہوئے ابھی چند سال گزرے ہیں آپ کو دل چھوٹا کرنے کی بجائے حضرت نوح علیہ السلام کی طویل اور صبر آزما جدوجہد کو سامنے رکھنا چاہیے۔

جہاں تک آپ کے دشمنوں کا معاملہ ہے اللہ تعالیٰ اس بات پر پوری طرح غالب اور قادر ہے کہ جب چاہے وہ ان کو کسی اذّیت ناک عذاب میں مبتلا کر دے۔ لیکن وہ اپنے بندوں کو بار بار موقعہ دیتا ہے تاکہ وہ سنبھل جائیں کیونکہ وہ نہایت ہی مہربانی کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا انجام:

١۔ قوم نوح طوفان کے ذریعے ہلاک ہوئی۔ (الفرقان: ٣٧)

٢۔ حضرت نوح نے اپنے بیٹے سے فرمایا آج کے دن اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں۔ (ھود: ٤٣)

٣۔ نوح نے بددعا کی کہ الٰہی زمین پر ایک بھی کافر نہ چھوڑیے۔ (نوح: ٢٦)

٤۔ حضرت نوح کا بیٹا بھی غرق ہوا۔ (ھود: ٤٣)

كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوْهُمْ

اس نے جھٹلایا عاد رسول جب اس نے کہا ان سے ان کے بھائی

هُوْدٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٢٤﴾ إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ﴿١٢٥﴾

ہود کیا نہیں ڈرتے تم بے شک میں تمھارے لیے رسول امانت دار

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ أَطِيْعُوْنِ ﴿١٢٦﴾ وَمَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ

لہٰذا تم ڈرو اللہ اور میری اطاعت کرو اور نہیں میں تم سے مانگتا اس پر

مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢٧﴾

کوئی اجر نہیں میرا اجر مگر پر رب جہانوں

”قوم عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔(۱۲۳) یاد کرو جب ان کے بھائی ہود نے ان سے فرمایا تھا تم ڈرتے کیوں نہیں؟(۱۲۴) میں تمھارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔(۱۲۵) لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔(۱۲۶) میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طلب گار نہیں ہوں۔ میرا اجر رب العالمین کے ذمہ ہے۔“(۱۲۷)

فہم القرآن

ربط کلام: قوم نوح کی غرقابی کے بعد قوم عاد کا کردار اور انجام۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ہود کی قوم کا تذکرہ شروع ہوتا ہے نہ معلوم حضرت ہود نے اپنی قوم کو کتنا عرصہ کس کس انداز سے سمجھایا۔ ان کے سمجھانے کا انداز بھی وہی تھا جو حضرت نوح علیہ السلام نے اختیار فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی قوم کا بھائی قرار دیا کیونکہ وہ حسب ونسب کے اعتبار سے اپنی قوم کے فرد تھے۔ لیکن قومِ عاد نے انھیں اسی طرح ٹھکرایا جس طرح قومِ نوح نے حضرت نوح علیہ السلام کو ٹھکرایا تھا۔

حالانکہ حضرت ہود علیہ السلام نے انھیں بار بار نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ کفر و شرک اور برے کاموں کو چھوڑ دو اور میرے پیچھے چلو۔ میں پوری دیانت وامانت کے ساتھ تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارے لیے رسول منتخب کیا گیا ہوں۔ اس خدمت پر میں آپ سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا، میرا اجر رب العالمین کے ذمہ ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے انھیں سمجھایا کہ تم ہر اونچی جگہ پر یادگاریں بناتے ہو اور تم بے جا بڑے بڑے محلات تعمیر کرتے ہو جیسے تم نے دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔ تم میں یہ برائی بھی موجود ہے کہ جب کسی پر گرفت کرتے ہو تو تمھارا رویّہ ظالموں اور خدا کے باغیوں جیسا ہوتا ہے۔ میں تمھیں پھر سمجھاتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو میں اس کا رسول ہوں اور میری تابعداری کرو۔

حضرت ہود علیہ السلام کا تعلق عرب کے عاد قبیلے سے تھا جن کی رہائش موجودہ جغرافیے کے مطابق عمان اور یمن کے علاقے

اَتَبۡنُوۡنَ	بِكُلِّ	رِيۡعٍ	اٰيَةً	تَعۡبَثُوۡنَ ۝١٢٨
کیا تم بناتے ہو	ہر	اونچی جگہ	نشانی	کھیلتے ہوئے؟

وَتَتَّخِذُوۡنَ	مَصَانِعَ	لَعَلَّكُمۡ	تَخۡلُدُوۡنَ ۝١٢٩	وَ	اِذَا
اور تم بناتے ہو	مضبوط محل	شاید کہ تم	تم ہمیشہ رہو گے؟	اور	جب

بَطَشۡتُمۡ	بَطَشۡتُمۡ	جَبَّارِيۡنَ ۝١٣٠	فَاتَّقُوا	اللّٰهَ	وَ	اَطِيۡعُوۡنِ ۝١٣١
تم پکڑتے ہو	پکڑتے ہو	ظالم	لہٰذا تم ڈرو	اللہ	اور	میری اطاعت کرو

''میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔(١٢٨) اور تم بڑے بڑے محل تعمیر کرتے ہو گویا کہ تمہیں ہمیشہ رہنا ہے۔(١٢٩) اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو ظالم بن کر ڈالتے ہو۔(١٣٠) پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔''(١٣١)

حضرموت کے درمیان تھی۔ یہ علاقہ سمندر کے کنارے پر واقع تھا۔ یہاں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے اور بلند و بالا پہاڑ تھے۔

قومِ عاد جسمانی اعتبار سے دراز قامت، کڑیل جوان اور قوی ہیکل تھے۔ دنیا میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہوا۔ انھوں نے پہاڑ تراش، تراش کر خوبصورت محلات تعمیر کر رکھے تھے۔ ان کی سرزمین نہایت سرسبز تھی جس میں ہر قسم کے باغات آراستہ تھے انھیں قرآن مجید میں ''احقاف والے'' بھی کہا گیا ہے۔ احقاف ریت کے بڑے بڑے ٹیلوں کو کہا جاتا ہے جو عرب کے جنوب مغربی حصہ میں واقع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی علاقہ میں حضرت ھود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جو خوش اندام کڑیل جوان اور بہترین صورت و سیرت کے حامل تھے۔

مسائل

١۔ حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین فرمائی۔

٢۔ حضرت ھود علیہ السلام نے بار بار اپنی قوم کو فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور میں تم سے اس خدمت کا کوئی معاوضہ وصول نہیں کروں گا۔

٣۔ حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو شان و شوکت کے اظہار اور تفریح طبع کے لیے بڑی بڑی یادگاریں بنانے سے منع کیا۔

٤۔ حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ انسان نے دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا۔

٥۔ قومِ عاد کے لوگ بڑے ظالم اور سفاک تھے وہ اپنے مخالف پر مظالم ڈھایا کرتے تھے۔

وَاتَّقُوا	الَّذِيٓ	اَمَدَّكُمْ	بِمَا	تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾	اَمَدَّكُمْ
اور ڈرو	وہ	تمھیں بڑھایا	اس کے ساتھ	تم جانتے ہو	اس نے تمھیں بڑھایا

بِاَنْعَامٍ	وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾	وَّجَنّٰتٍ	وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾	اِنِّيْٓ	اَخَافُ
مویشیوں کے ساتھ	اور بیٹوں	اور باغات	اور چشمے	بے شک میں	میں ڈرتا ہوں

عَلَيْكُمْ	عَذَابَ	يَوْمٍ	عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾
تم پر	عذاب	دن	بڑے

''ڈرو اس سے جس نے تمھیں وہ کچھ دیا ہے جس کا تم اعتراف کرتے ہو۔(۱۳۲) تمہیں جانور دیے، بیٹے عطا فرمائے۔(۱۳۳) باغ دیے اور چشمے دیے۔(۱۳۴) میں تمہارے بارے میں عظیم دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔''(۱۳۵)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت ھود علیہ السلام کا بار بار قوم کو خطاب کرنا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد کروانا۔

حضرت ھود علیہ السلام نے بار بار اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احساس دلایا اور انھیں اللہ سے ڈرنے کی تلقین فرمائی۔اے میری قوم! اپنے ماضی پر غور کرو۔تم افرادی قوت کے اعتبار سے تھوڑے تھے۔اللہ تعالیٰ نے تمھیں کثیر افزائش سے نوازا۔جس کے نتیجے میں تم افرادی قوت کے اعتبار سے اپنے مخالفوں پر برتر ہوئے۔اُس نے تمھیں مال، مویشی کے اعتبار سے بھی برکت عنایت فرمائی تم بڑے بڑے باغات اور چشموں کے مالک بنے۔لیکن تمھاری حالت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے اُس کے نافرمان اور لوگوں پر ظالم بن چکے ہو۔مجھے ڈر ہے کہ اگر تم اپنے رب کی ناشکری کرتے اور لوگوں پر مظالم ڈھاتے رہے تو کسی دن تمھیں عظیم عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

چاہیے تو یہ تھا کہ قوم حضرت ھود علیہ السلام کے ارشادات اور ان کی ہمدردانہ دعوت پر غور کرتی اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاتی۔لیکن انھوں نے اپنی افرادی قوت اور دنیا کی ترقی پر اتراتے ہوئے حضرت ھود علیہ السلام کو کھلے انداز میں کہا کہ آپ ہمیں نصیحت کریں یا نہ کریں آپ کی باتوں کا ہم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔پہلے لوگ بھی اس طرح کی وعظ ونصیحت کیا کرتے تھے۔ہم کسی قسم کے عذاب میں مبتلا نہیں ہوں گے۔اس طرح انھوں نے حضرت ھود علیہ السلام کو یکسر طور پر جھٹلا دیا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انھیں ہلاک کیا۔بے شک اس میں بڑی عبرت ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لایا کرتے۔یقین جانو کہ آپ کا رب بڑے سے بڑے ظالموں پر غالب ہے لیکن وہ اُنھیں بھی بار بار تائب ہونے کا موقع دیتا ہے کیونکہ وہ بڑا ہی مشفق اور مہربان ہے۔

قَالُوْا	سَوَآءٌ	عَلَيْنَآ	اَوَعَظْتَ	اَمْ لَمْ	تَكُنْ	مِّنَ
انھوں نے کہا	برابر	ہم پر	خواہ تو نصیحت کرے	یا نہ	ہو تو	سے

الْوٰعِظِيْنَ ﴿١٣٦﴾	اِنْ	هٰذَآ	اِلَّا	خُلُقُ	الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣٧﴾	وَمَا
نصیحت کرنے والوں میں	نہیں	یہ	مگر	عادت	پہلے لوگ	اور نہیں

نَحْنُ	بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿١٣٨﴾	فَكَذَّبُوْهُ	فَاَهْلَكْنٰهُمْ	اِنَّ	فِيْ	ذٰلِكَ
ہم	عذاب دیے جائیں گے	پھر انھوں نے اسے جھٹلایا	تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا	بے شک	میں	اس

لَاٰيَةً	وَمَا	كَانَ	اَكْثَرُهُمْ	مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾	وَاِنَّ	رَبَّكَ
البتہ نشانی	اور نہیں	تھے	ان کے اکثر	ایمان لانے والے	اور بلاشبہ	آپ کا رب

لَهُوَ	الْعَزِيْزُ	الرَّحِيْمُ ﴿١٤٠﴾
البتہ وہ	نہایت غالب	بہت رحم کرنے والا

ع ۸ / ۱۱

''انہوں نے جواب دیا تیرا ہمیں سمجھانا یا نہ سمجھانا برابر ہے۔(۱۳۶) یہ باتیں تو پہلے سے چلی آ رہی ہیں۔(۱۳۷) ہم عذاب میں مبتلا ہونے والے نہیں ہیں۔(۱۳۸) آخرکار انہوں نے اسے جھٹلا دیا اور ہم نے ان کو ہلاک کر دیا یقیناً اس میں عبرت ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ ماننے والے نہیں۔(۱۳۹) حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست اور مہربانی کرنے والا ہے۔''(۱۴۰)

حضرت ہود کے خطبات کا خلاصہ:

حضرت ھود علیہ السلام نے دنیا کے عذاب کے ساتھ آخرت کے عذاب سے یہ کہہ کر اپنی قوم کو ڈرایا کہ قیامت کا دن رُعب، دبدبہ اپنی طوالت اور عدالت کے اعتبار سے بڑا دن ہوگا جس میں ظالموں کو ٹھیک ٹھیک سزائیں سنائی جائیں گی۔

۱۔ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود اور مشکل کشا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے اور اس کی نافرمانیوں سے بچتے رہو۔ میں تمھارا خیر خواہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پوری امانت داری سے پہنچا رہا ہوں۔ سورۃ ھود میں ان کے خطاب کے اقتباسات یوں ذکر کیے گئے ہیں۔

۲۔ اے میری قوم اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے تمھیں اپنے رب کا پیغام پوری خیر خواہی اور دیانت داری کے ساتھ پہنچا دیا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو وہ تمھیں مزید طاقت ور اور مال دار بنائے گا۔ ہاں یاد رکھو تمھاری اصلاح اور فلاح پر میں تم سے کسی صلہ اور اجر کا خواہش مند نہیں ہوں۔ میرا اجر میرے رب کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا

فرمایا ہے۔(ھود ٥٠تا٥٢)

قوم کا ردِ عمل:

١۔ قوم نے حضرت ھود علیہ السلام کو بے وقوف قرار دیا۔(الاعراف:٦٦)

٢۔ ھود علیہ السلام ہماری طرح ہی طرح کھانے، پینے والا انسان ہے۔(المؤمنون:٣٣)

٣۔ انھوں نے کہا اے ھود تو اللہ پر جھوٹ بولتا ہے۔(المؤمنون:٣٨)

٤۔ تیرے کہنے پر ہم اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ محض پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔(الشعراء:١٣٧)

٥۔ تم ہمیں سمجھاؤ یا نہ سمجھاؤ ہم نہیں مانیں گے۔(شعراء:١٣٦)

٦۔ ہمارے معبودوں کی تجھے بددعا لگ گئی ہے۔(ھود:٥٤)

٧۔ ہم پر کوئی عذاب آنے والا نہیں تو جھوٹ بولتا ہے۔(الشعراء:١٣٨تا١٣٩)

٨۔ اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ہم پر عذاب لے آ۔(الاحقاف:٢٢)

مسائل

١۔ قومِ عاد جسمانی طاقت اور افرادی قوت کے اعتبار سے دنیا میں منفرد قوم تھی۔

٢۔ قومِ عاد مال، مویشی اور افرادی قوت رکھنے والی قوم تھی۔

٣۔ قومِ عاد نے زراعت اور باغبانی میں بڑی ترقی کی تھی۔

تفسیر بالقرآن

قومِ عاد کی دنیاوی ترقی کی ایک جھلک:

١۔ قومِ عاد نے زمین میں تکبر کیا اور کہا کہ ہم سے طاقت میں کون زیادہ ہوگا۔(حٰم السجدۃ:١٥)

٢۔ قومِ عاد اس قدر کڑیل اور قوی ہیکل جوان تھے کہ ان جیسا دنیا میں کوئی اور پیدا نہیں کیا گیا۔(الفجر٦ تا ٨)

٣۔ قومِ عاد بڑے بڑے محلات میں رہتی تھی۔ کھیتی باڑی اور باغبانی میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔(الشعراء١٢٩تا١٣٣)

٤۔ قومِ عاد بڑے سفاک اور ظالم لوگ تھے۔(النجم:٥٢)

٥۔ قومِ عاد کو تند و تیز ہوا کے ساتھ ہلاک کر دیا گیا۔(الحاقۃ:٦)

كَذَّبَتْ	ثَمُوْدُ	الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾	اِذْ	قَالَ	لَهُمْ
اس نے جھٹلایا	ثمود	رسول	جب	اس نے کہا	ان کے لیے
اَخُوْهُمْ	صٰلِحٌ	اَلَا	تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾	اِنِّیْ لَكُمْ	رَسُوْلٌ
ان کے بھائی	صالح	کیا نہیں	تم ڈرتے	بلاشبہ میں تمھارے لیے	رسول
اَمِیْنٌ ﴿۱۴۳﴾	فَاتَّقُوا	اللّٰهَ	وَ	اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾	وَمَآ
امانت دار	لہٰذا تم ڈرو	اللہ	اور	میری اطاعت کرو	اور نہیں
اَسْئَلُكُمْ	عَلَیْهِ	مِنْ	اَجْرٍ	اِنْ اَجْرِیَ	اِلَّا
میں تم سے مانگتا	اس پر	کوئی	اجر	نہیں میرا اجر	مگر

’’قوم ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا۔(۱۴۱) یاد کرو جب ان کے بھائی صالح نے ان سے فرمایا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟(۱۴۲) میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔(۱۴۳) بس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔(۱۴۴) میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔

فہم القرآن

ربط کلام: قوم عاد کی تباہی کے بعد قوم ثمود کا دور اور اُس کا انجام۔

قوم ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث فرمائے گئے۔ انھوں نے بھی وہی انداز اختیار فرمایا جو ان سے پہلے انبیاء کرام نے اختیار کیا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرایا اور بار بار سمجھایا کہ میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جو امانت میرے ذمہ لگائی ہے اُسے نہایت ذمہ داری اور دیانتداری کے ساتھ من وعن تم تک پہنچا رہا ہوں اور تم میری امانت و دیانت سے واقف ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رسول ہونے کی حیثیت سے میری تابعداری کرو۔ میں اپنی تابعداری اور نبوت کے کام پر تم سے کسی اجر کا طلب گار نہیں ہوں۔ میرا صلہ میرے رب کے ذمہ ہے۔ میں تمھیں اس بات سے متنبہ کرتا ہوں کہ جس کردار کو تم اختیار کیے ہوئے ہو اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا یہ امن اور سلامتی کا راستہ نہیں اگر تم تائب نہ ہوئے تو یاد رکھو۔ لہلہاتے ہوئے باغ، جاری چشمے، سبز و شاداب کھیتیاں، کھجوروں سے لدے ہوئے باغ، پہاڑوں کو تراش کر بنائے ہوئے محلات تمہیں ربّ ذوالجلال کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے ڈر کر میری اطاعت کرو۔ اس قوم کو اصحاب الحجر بھی کہا گیا ہے۔

اصحاب الحجر سے مراد وہ قوم اور علاقہ ہے جو مدینہ سے تبوک جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے۔ یہ علاقہ جغرافیائی اعتبار سے خلیج اربعہ کے مشرق میں اور شہر مدین کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ قوم ثمود اس قدر ٹیکنالوجی اور تعمیرات کے معاملے میں ترقی

عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا

پر رب جہانوں کیا تم چھوڑ دیے جاؤ گے میں جو

هٰهُنَآ اٰمِنِیْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّ زُرُوْعٍ

یہاں ہیں امن والے میں باغات اور چشمے اور کھیت

وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ

اور کھجوریں جن کے شگوفے نرم و نازک اور تم تراشتے ہو سے پہاڑوں

بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾

گھر اِتراتے ہوئے چنانچہ تم ڈرو اللہ اور میری اطاعت کرو

میرا اجر رب العالمین کے ذمہ ہے۔(۱۴۵) کیا تم ان نعمتوں میں ہمیشہ رہنے دیے جاؤ گے؟(۱۴۶) ان باغوں اور چشموں میں۔(۱۴۷) ان کھیتوں اور کھجوروں میں جن کے خوشے رس بھرے ہیں؟(۱۴۸) تم پہاڑوں سے فخریہ طور پر محلات بناتے ہو۔(۱۴۹) اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔"(۱۵۰)

یافتہ تھی کہ انہوں نے پہاڑوں کو تراش تراش کر مکانات اور محلات تعمیر کیے تھے تاکہ کوئی زلزلہ اور طوفان انہیں نقصان نہ پہنچا سکے۔

مسائل

۱۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بار بار اللہ کا خوف دلایا۔

۲۔ حضرت صالح علیہ السلام نے تمام انبیاء علیہم السلام کی طرح بلا معاوضہ اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور لوگوں کی خدمت کی۔

۳۔ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ صالح کردار کے سوا۔ دنیا کے اسباب و وسائل مجرموں کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتے۔

۴۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم زراعت، باغات اور صنعت و حرفت کے اعتبار سے اپنے زمانے کی ترقی یافتہ قوم تھی۔

تفسیر بالقرآن

قوم ثمود کی ترقی کی ایک جھلک:

۱۔ یہ قوم بڑے بڑے محلات میں رہتی تھی۔ کھیتی باڑی اور باغات میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔(الشعراء ۱۲۹ تا ۱۳۳)

۲۔ بڑے بڑے محلات تعمیر کیا کرتے تھے۔(الاعراف: ۷۴)

وَلَا	تُطِيْعُوْٓا	اَمْرَ	الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٥١﴾		الَّذِيْنَ	يُفْسِدُوْنَ
اور نہ	تم اطاعت کرو	حکم	حد سے بڑھنے والے		وہ لوگ	وہ فساد کرتے ہیں
فِي	الْاَرْضِ	وَلَا	يُصْلِحُوْنَ ﴿١٥٢﴾	قَالُوْٓا	اِنَّمَآ	اَنْتَ
میں	زمین	اور نہیں	وہ اصلاح کرتے	انھوں نے کہا	یقیناً	تو
مِنَ	الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٥٣﴾	مَآ	اَنْتَ	اِلَّا	بَشَرٌ	مِّثْلُنَا ۚ
سے	سحر زدہ لوگ	نہیں	تو	مگر	بشر	ہم جیسا
فَاْتِ	بِاٰيَةٍ	اِنْ	كُنْتَ	مِنَ	الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٥٤﴾	
تو لے آ	کوئی نشانی	اگر	تو ہے	سے	سچا	

”حد سے بڑھنے والوں کے پیچھے نہ لگو۔(١٥١) جو زمین میں اصلاح کے بجائے فساد برپا کرتے ہیں۔(١٥٢) انہوں نے جواب دیا تو جادو کیا گیا شخص ہے۔(١٥٣) ہمارے جیسا انسان ہونے کے سوا تیری کوئی حیثیت نہیں ہے؟ اگر تو سچا ہے تو کوئی نشانی لے آ۔“(١٥٤)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت صالح علیہ السلام کی اپنی قوم کو مزید نصیحتیں اور ان کی قوم کا ردِّ عمل۔

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو بار بار سمجھانے کی کوشش کی کہ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اخلاقی حدود سے آگے نہ بڑھو تم اصلاح کرنے کی بجائے زمین پر فساد کرنے والے ہو۔ قوم نے اس کا مثبت جواب دینے کی بجائے کہا کہ اے صالح! تم اس طرح کی باتیں کرتے ہو جس طرح سحر زدہ لوگ باتیں کرتے ہیں۔ جس طرح کے ہم انسان ہیں تو بھی ہمارے جیسا انسان ہے اگر تو دعویٰ نبوت میں سچا ہے تو کوئی معجزہ ہمارے سامنے پیش کرو۔ یاد رہے کہ ہمیشہ سے نافرمان لوگوں کا وطیرہ رہا ہے کہ جب بھی کسی پیغمبر اور مصلح نے انھیں سمجھایا تو انھوں نے مصلح پر یہی الزام لگایا اور اعتراض کیا کہ تجھے تو جادو ہو گیا ہے اس لیے پاگلوں جیسی بات کرتا ہے۔ اس کے ساتھ منکرین کا یہ بھی اعتراض ہوتا ہے کہ نبی مافوق الفطرت ہستی کو ہونا چاہیے یہ تو ہماری طرح انسان ہیں۔ یہی قوم ثمود نے حضرت صالح پر الزام لگایا اور ان سے معجزہ کا مطالبہ کیا۔

مسائل

١۔ قوم ثمود اخلاقی حدیں پھلانگ چکی تھی۔ ٢۔ قومِ ثمود کی پالیسیاں اور طرزِ عمل زمین میں فساد کا موجب تھا۔
٣۔ قومِ ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو بشر کہہ کر مسترد کر دیا۔ ٤۔ قومِ ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو سحر زدہ قرار دیا۔
٥۔ قومِ ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ کا مطالبہ کیا۔ ٦۔ قومِ ثمود ہر بُرے لیڈر کے پیچھے چلا کرتی تھی

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ

اس نے کہا | یہ | اونٹنی | اس کے لیے | پینے کی باری | اور تمھارے لیے | پینے کی باری

يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿١٥٥﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ

ایک دن | مقرر | اور نہ | تم اسے ہاتھ لگانا | برائی سے | پس تمھیں آ پکڑے گا

عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥٦﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا

عذاب | دن | بڑے | انھوں نے اس کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں | پھر وہ ہو گئے

نٰدِمِيْنَ ﴿١٥٧﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ

نادم | بالآخر آ پکڑا ان کو | عذاب | بے شک | میں | اس | البتہ نشانی

”صالح نے فرمایا یہ اونٹنی ہے ایک دن کنویں سے یہ پانی پیا کرے گی اور دوسرے دن تم لوگ پانی لیا کرو گے۔(١٥٥) اس کو چھیڑنا نہیں ورنہ ایک بڑے دن کا عذاب تمہیں دبوچ لے گا۔(١٥٦) لیکن انھوں نے اس کی کوچیں کاٹ دیں اور آخر کار پچھتائے۔(١٥٧) بالآخر عذاب نے انہیں آلیا یقیناً اس میں عبرت ہے۔

فہم القرآن

ربط کلام: قوم کے معجزہ طلب کرنے پر اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو اونٹنی کا معجزہ عطا فرمایا۔

اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ قوم نے حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا تھا کہ ہمارے سامنے اس پہاڑ سے ایک اونٹنی نمودار ہو اور اس کے پیچھے اس کا دودھ پیتا بچہ بھی ہونا چاہیے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی تائید میں اور قوم کے مطالبہ کے عین مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے اونٹنی اور اس کا بچہ کو نمودار کیا۔ جب اونٹنی اپنے بچہ کے ساتھ قوم کے سامنے آچکی تو حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو سمجھایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے ایک دن یہ پانی پیا کرے گی اور دوسرے دن تم اور تمہارے جانور پانی پئیں گے۔ خبردار! اسے تکلیف دینے کی نیت سے ہاتھ نہ لگانا۔ اگر تم نے اس کو تکلیف پہنچائی تو اللہ کا عذاب تمھیں دبوچ لے گا۔ اس انتباہ کے باوجود انھوں نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں جس کے نتیجہ میں ان کو عذاب نے آ پکڑا پھر وہ ذلیل و خوار ہوئے۔

اس واقعہ میں عبرت کا سبق یہ ہے کہ جو قوم اپنے نبی سے معجزہ طلب کرے اور پھر اس کا انکار کرے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی قوم کی دنیوی ترقی اور اس کے بڑے بڑے مضبوط قلعے اور محلات کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ قوم ثمود کی نافرمانیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں اس لیے بار بار مہلت دی کیونکہ اللہ تعالیٰ مہربانی فرمانے والا ہے۔ تاکہ لوگ اس کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کریں۔

رَبَّكَ	اِنَّ	وَ	مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۵۸	اَكْثَرُهُمْ	كَانَ	وَمَا
آپ کا رب	بلاشبہ	اور	ایمان لانے والے	ان کے اکثر	تھے	اور نہیں

الرَّحِيْمُ ۝۱۵۹	الْعَزِيْزُ	لَهُوَ
بہت رحم کرنے والا	نہایت غالب	البتہ وہ

ع ۸ ۱۹ ۱۲

مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ (۱۵۸) اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبروست بھی ہے اور مہربان بھی۔" (۱۵۹)

مسائل

۱۔ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے اونٹنی کا معجزہ طلب کیا اونٹنی ان کے سامنے پہاڑ سے نمودار ہوئی۔

۲۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک دن اونٹنی پانی پیئے گی اور دوسرے دن تم لوگ پانی لیا کرو گے۔

۳۔ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو سمجھایا کہ تکلیف دینے کی غرض سے اونٹنی کو ہاتھ نہ لگانا ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔

تفسیر بالقرآن

قوم ثمود کی تباہی کا ہولناک منظر:

۱۔ صالح کی قوم نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو صالح علیہ السلام نے قوم کو فرمایا تین دن فائدہ اٹھالو، یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہو گا۔ (ھود: ۶۴، ۶۵)

۲۔ انھوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور وہ نادم ہونے والوں میں سے ہو گئے۔ (الشعراء: ۱۵۷)

۳۔ حضرت صالح اور حضرت شعیب کو جادو زدہ کہا گیا۔ (الشعراء: ۱۵۳۔۱۸۵)

۴۔ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے عذاب کا مطالبہ کیا۔ (الاعراف: ۷۷)

۵۔ قوم ثمود کے بدبختوں نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ الشمس: ۱۴)

۶۔ ثمود زوردار آواز کے ساتھ ہلاک کیے گئے۔ (الحاقۃ: ۵)

۷۔ قوم عاد و ثمود کے اعمال بد کو شیطان نے ان کے لیے فیشن بنا دیا تھا۔ (العنکبوت: ۳۸)

۸۔ قوم ثمود کو زلزلے نے آپکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ (الاعراف: ۷۸)

۹۔ قوم ثمود کو چیخ نے آپکڑا۔ وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ (ھود: ۶۷)

۱۰۔ قوم ثمود کی راہنمائی کی گئی لیکن انہوں نے گمراہی کو ترجیح دی تو انہیں ہولناک آواز نے آلیا۔ (حٰم السجدۃ: ۱۷)

كَذَّبَتْ	قَوْمُ	لُوْطٍ	الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٦٠﴾		اِذْ	قَالَ
انہوں نے جھٹلایا	قوم	لوط	رسول		جب	اس نے کہا
لَهُمْ	اَخُوْهُمْ	لُوْطٌ	اَلَا	تَتَّقُوْنَ ﴿١٦١﴾	اِنِّيْ	لَكُمْ
ان سے	ان کے بھائی	لوط	کیا نہیں	تم ڈرتے	بلاشبہ میں ہوں	تمھارے لیے
رَسُوْلٌ	اَمِيْنٌ ﴿١٦٢﴾	فَاتَّقُوا	اللّٰهَ	وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٦٣﴾		وَمَآ
رسول	امین	لہٰذا تم ڈرو	اللہ	اور میری اطاعت کرو		اور نہیں
اَسْئَلُكُمْ	عَلَيْهِ	مِنْ	اَجْرٍ	اِنْ	اَجْرِيَ	اِلَّا
میں تم سے مانگتا	اس پر	سے	اجر	نہیں	میرا اجر	مگر
عَلٰى	رَبِّ	الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٤﴾				
پر	رب	جہانوں				

''لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلا دیا۔(١٦٠) یاد کرو جب ان کے بھائی لوط نے ان سے فرمایا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟(١٦١) میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔(١٦٢) لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔(١٦٣) میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔''(١٦٤)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت صالح علیہ السلام کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کی تشریف آوری اوران کا اپنی قوم کو سمجھنا۔

حضرت لوط علیہ السلام کو بھی ان کی قوم کا بھائی قرار دیا گیا ہے کیونکہ نسلِ انسانی کے ناطے سے تمام انسان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔انھوں نے انہی الفاظ اور انداز سے اپنی دعوت کا آغاز کیا جس طرح ان کے پیش روانبیاء کرام علیہم السلام نے کیا تھا۔انھوں نے بار بار قوم کو اپنے رب سے ڈرایا اور فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھاری طرف رسول منتخب کیا گیا ہوں۔میں رب کے پیغام تم تک پوری دیانت وامانت کے ساتھ پہنچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری تابعداری کرو۔کفر وشرک اور بدکاری کو چھوڑ دو، یاد رکھو! میں فریضہ نبوت کی انجام دہی اور تمھاری خدمت کرنے پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا۔

حضرت لوط علیہ السلام:

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔جنھوں نے عراق کی سرزمین سے ہجرت کر کے غور زغر کے علاقہ

اَتَاْتُوْنَ	الذُّكْرَانَ	مِنَ	الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۵﴾	وَ	تَذَرُوْنَ
کیاتم آتے ہو	مردوں	سے	جہاں	اور	تم چھوڑ دیتے ہو

مَا	خَلَقَ	لَكُمْ	رَبُّكُمْ	مِّنْ	اَزْوَاجِكُمْ ط	بَلْ	اَنْتُمْ
جنھیں	اس نے پیدا کیا	تمھارے لیے	تمھارے رب	سے	تمھاری بیویوں	بلکہ	تم

قَوْمٌ	عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾	قَالُوْا	لَئِنْ	لَّمْ	تَنْتَهِ	يٰلُوْطُ
لوگ ہو	حد سے بڑھنے والے	انھوں نے کہا	البتہ اگر	نہ	باز آیا تو	اے لوط!

لَتَكُوْنَنَّ	مِنَ	الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾
یقیناً تو ہو جائے گا	سے	نکالے ہوئے

”کیا تم دنیا کی مخلوق میں سے مَردوں کے ساتھ بدکاری کرتے ہو۔(۱۶۵)اور تمہاری بیویوں کو تمہارے رب نے جس لیے پیدا کیا ہے انہیں چھوڑ دیتے ہو؟ تم لوگ تو حد سے ہی گزر گئے ہو۔(۱۶۶) انہوں نے کہا اے لوط اگر ان باتوں سے باز نہ آیا تو جو لوگ ہماری بستیوں سے نکالے گئے ہیں ان میں تو بھی شامل ہو کر رہے گا۔“(۱۶۷)

سدوم شہر میں رہائش اختیار کی یہ شہر علاقے کا مرکزی مقام تھا۔ جہاں کے رہنے والے پرلے درجے کے فاسق وفاجر مشرک، کافر، ڈاکو، چور اور انتہائی بدکردار لوگ تھے۔ جنھوں نے دنیا میں بے حیائی کا ایسا عمل اختیار کیا جو اس سے پہلے کسی قوم نے نہیں کیا تھا۔

حضرت لوط نے عقیدہ توحید کی دعوت دینے کے ساتھ اس برائی کو ختم کرنے پر خصوصی توجہ فرمائی۔ آپ نے اپنی قوم کو بار بار فرمایا کہ اے میری قوم! تم اپنی بیویوں سے صحبت کرنے کی بجائے لڑکوں کے ساتھ بدمعاشی کرتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری بیویوں کو ازدواجی تعلقات کے لیے پیدا فرمایا ہے لیکن تم ان کی بجائے لونڈے بازی اور ہم جنسی کا ارتکاب کرتے ہو تم اخلاقی حدوں کو توڑ رہے ہو۔ تمھیں اللہ سے ڈر کر اس سے باز آنا چاہیے۔ قوم نے کہا کہ اے لوط! اگر تو ہمیں اس کام سے روکنے سے باز نہ آیا تو ہم تمھیں اپنے شہر سے نکال باہر کریں گے۔

مسائل

۱۔ حضرت لوط علیہ السلام حسب ونسب کے لحاظ سے اپنی قوم کے بھائی تھے۔

۲۔ حضرت لوط علیہ السلام نے بار بار اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرایا اور فرمایا کہ کفر و شرک اور بدکاری چھوڑ کر میری تابعداری کرو۔

۳۔ حضرت لوط علیہ السلام بھی پہلے انبیاء علیہم السلام کی طرح بلا معاوضہ نبوت کا کام کرتے تھے۔

۴۔ لوط علیہ السلام کی قوم لونڈے بازی کا غیر فطری عمل کرتے تھے۔ ۵۔ حضرت لوط علیہ السلام نے بار بار اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرایا۔

۶۔ حضرت لوط علیہ السلام نبوت کے کام اور لوگوں کی خدمت کرنے کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے۔

قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِکُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ نَجِّنِیْ

اس نے کہا | بے شک میں | تمھارے کام | سے | ناپسند کرنے والے | اے میرے رب! | تو نجات دے مجھے

وَاَھْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّیْنٰہُ وَاَھْلَہٗٓ

اور میرے گھر والے | اس سے | وہ کرتے ہیں | چنانچہ ہم نے نجات دی اسے | اور اس کے اہل کو

اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۷۲﴾

سب | سوائے | بڑھیا | میں | وہ تھی پیچھے رہنے والے | پھر | ہم نے ہلاک کردیئے | دوسرے

وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْھِمْ مَّطَرًا ج فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۱۷۳﴾

اور | ہم نے بارش برسائی | ان پر | بارش | چنانچہ بری | بارش | ان لوگوں کو جو ڈرائے گئے

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ط وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ

بلاشبہ | میں | اس | نشانی | اور نہیں | تھے | ان کے اکثر

مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۷۵﴾ ۹ ع ۱۶ ۱۲

ایمان لانے والے | اور بلاشبہ | آپ کا رب | ضرور وہ | نہایت غالب | بہت رحم کرنے والا

"لوط نے فرمایا کہ میں تمہارے کام کا سخت مخالف ہوں۔(۱۶۸) اے پروردگار مجھے اور میرے اہل وعیال کو ان کے برے کاموں سے نجات دے۔(۱۶۹) ہم نے لوط اور اس کے اہل وعیال کو بچالیا۔(۱۷۰) سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی۔(۱۷۱) باقی لوگوں کو ہم نے تباہ کردیا۔(۱۷۲) اوران پر پتھروں کی بُری برسات بارش برسائی۔ جوڈرائے جانے والوں پر برسی۔(۱۷۳) یقیناً اس میں عبرت ہے مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں۔(۱۷۴) حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور مہربان بھی۔"(۱۷۵)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

قوم کا جواب: کہنے لگے کہ اے لوط اگر تم باز نہ آؤ گے تو شہر بدر کردیے جاؤ گے۔ اے لوط اگر تم واقعی ہی سچے ہو تو ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آؤ۔(العنکبوت:۲۹)

قرآن مجید نے بتلایا ہے کہ جب فرشتے (لڑکوں) کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں تشریف لائے۔ تو بدمعاش قوم ان سے بے حیائی کرنے کی نیت سے حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں دوڑتے ہوئے آئی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے نہایت عاجزی کے ساتھ انھیں سمجھایا کہ اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں ہیں جو تمھارے لیے حلال ہیں۔ یعنی تم ان کے ساتھ نکاح کرسکتے ہو۔ اللہ

تعالیٰ سے ڈرو اور مہمانوں میں مجھے بے آبرو نہ کرو۔ جب وہ بھاگم بھاگ ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہے تھے لوط نے یہ بھی فرمایا کیا تم میں کوئی بھی شریف آدمی نہیں ہے؟ (ہود: ۷۸)

بے حیا کہنے لگے کہ ہمیں تمھاری بیٹیوں سے کیا سروکار، تو جانتا ہے کہ ہم کس ارادہ سے آئے ہیں۔ ان حالات میں لوط کہنے لگے آج کا دن میرے لیے بڑا بھاری ہے۔ کاش تمھارے مقابلے میں میرا کوئی حمایتی ہوتا یا کوئی پناہ گاہ جہاں میں تم سے بچ نکلتا۔ (ہود: ۷۹، ۸۰)

ملائکہ اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہوئے حضرت لوط علیہ السلام کو تسلّی دیتے ہیں:

عذاب کے فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو تسلی دی کہ اے اللہ کے نبی دل چھوٹا نہ کرو۔ یہ بے حیا تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ بس آپ اہل ایمان کو لے کر رات کے پچھلے پہر ہجرت کر جائیں۔ ہاں یاد رہے کہ آپ اپنی بیوی کو ساتھ نہیں لے جا سکتے کیونکہ اُسے بھی وہی عذاب پہنچنے والا جس میں دوسرے لوگ مبتلا ہوں گے اور یہ عذاب ٹھیک صبح کے وقت نازل ہوگا۔ لوط علیہ السلام گھبراہٹ کے عالم میں پوچھتے ہیں کہ صبح کب ہوگی؟ ملائکہ نے مزید تسلی دیتے ہوئے کہا کہ اے اللہ کے رسول صبح تو ہونے ہی والی ہے چنانچہ صبح کے وقت رب ذوالجلال کا حکم صادر ہوا تو اس دھرتی کو اُٹھا کر نیچے پٹخ دیا گیا پھر ان پر مسلسل نامزد پتھروں کی بارش کی گئی۔ (ھود: ۶۹ تا ۸۳)

سورۃ القمر: آیت، ۳۷ تا ۳۸ میں فرمایا کہ ظالموں نے لوط علیہ السلام کے مہمانوں پر زیادتی کرنا چاہی تو ہم نے اُن کی آنکھوں کو مسخ کر دیا۔ سورۃ الصافات: آیت، ۱۳۷ تا ۱۳۸ میں ارشاد ہوا یقیناً لوط علیہ السلام مرسلین میں سے تھے جب ہم نے انھیں اور اس کے اہل کو نجات دی ہاں ایک بڑھیا کو پیچھے رہنے دیا پھر ہم نے باقی کو ہلاک کر دیا۔ اے اہل مکہ تم صبح شام ان بستیوں سے گزرتے ہو لیکن اس کے باوجود عقل نہیں کرتے۔ (الصّٰفّٰت: ۱۳۵ تا ۱۳۸)

﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّکَ وَ مَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ﴾ [ھود: ۸۲، ۸۳]

”پھر جب ہم نے حکم نافذ کیا تو ہم نے اس بستی کو اوپر نیچے (تہس نہس) کر دیا اور تابڑ توڑ پکی مٹی کے پتھر برسائے۔ تیرے رب کی طرف سے ہر پتھر پر نشان (نام) لکھا ہوا تھا اور ظالموں سے یہ سزا دور نہیں ہے۔“

دنیا کے موجودہ جغرافیے میں یہ بحر مردار اردن کی سرزمین میں واقع ہے۔ پچاس میل لمبا، گیارہ میل چوڑا ہے اسکی سطح کا کل رقبہ ۳۵۱ مربع میل ہے۔ اسکی زیادہ سے زیادہ گہرائی تیرہ سوفٹ پیمائش کی گئی ہے۔ یہ اسرائیل اور اردن کی سرحد پر واقع ہے۔ اور اس کا کسی بڑے سمندر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ گویا کہ یہ ایک بہت بڑی جھیل بن چکی ہے۔ اس کی نمکیات اور کیمیائی اجزاء عام سمندروں سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کے قریب ترین سمندر بحر روم ہے۔ جدید محققین نے اسی جگہ پر لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کی نشاندہی کی ہے۔ جو کسی زمانے میں یہاں صدوم عمود کے نام سے بڑے شہر آباد تھے۔ مصر کے محقق عبدالوہاب

البخار نے بھرپور دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ عذاب لوط علیہ السلام سے پہلے اس جگہ پر کوئی سمندر نہیں تھا۔ اللہ کے عذاب کی وجہ سے اس علاقے کو الٹ دیا گیا تو یہ ایک چھوٹے سے سمندر کی شکل اختیار کر گیا۔“

۱۔ اس کے پانی کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں نمکیات کا تناسب پچیس فیصد قرار دیا گیا ہے۔ جب کہ دنیا کے تمام سمندروں میں نمکیات کا تناسب چار سے چھ فیصد ریکارڈ کیا گیا ہے۔

۲۔ اسکے کنارے نہ کوئی درخت ہے اور نہ ہی اس میں کوئی جانور زندہ رہ سکتا ہے حتی کہ سیلاب کے موقع پر دریائے اردن سے آنیوالی مچھلیاں اس میں داخل ہوتے ہی تڑپ تڑپ کر مر جاتی ہیں۔ اہل عرب اسکو بحیرہ لوط بھی کہتے ہیں۔

مسائل

۱۔ قوم نے حضرت لوط علیہ السلام کو شہر سے نکال دینے کی دھمکی دی۔

۲۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے رب سے اپنے اور گھر والوں کے لیے نجات کی دعا کی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کی بیوی کو ان کی قوم کے ساتھ عذاب میں مبتلا کیا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ لوط پر پتھروں کی بارش فرمائی۔

تفسیر بالقرآن

لوط علیہ السلام کی قوم کا بدترین کردار اور انجام:

۱۔ ہم جنسی کی ابتدا قومِ لوط نے کی۔ (الاعراف:۸۰)

۲۔ قومِ لوط کی تباہی کا سبب اغلام بازی کرنا تھا۔ (الاعراف:۸۱)

۳۔ ان کے پاس ان کی قوم کے لوگ دوڑتے ہوئے آئے اور وہ پہلے ہی بدکاریاں کیا کرتے تھے۔ (ھود:۷۸)

۴۔ لوط نے کہا کہ کاش میرے پاس طاقت ہوتی یا میں کوئی مضبوط پناہ گاہ پاتا۔ (ھود:۸۰)

۵۔ ہم نے اس بستی کو الٹ کر اس پر پتھروں کی بارش برسائی۔ (الحجر:۷۴)

۶۔ ہم نے اوپر والی سطح کو نیچے کر دیا اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسادی جو تہہ بہ تہہ تھے خاص نشان لگے ہوئے۔ (ھود:۸۲)

۷۔ ہم جنسی کی سزا۔ (الاعراف:۸۴)

كَذَّبَ	اَصۡحٰبُ	لۡـَٔيۡكَةِ	الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝۱۷۶	اِذۡ	قَالَ	لَهُمۡ
اس نے جھٹلایا	والے	ایکہ	رسول	جب	اس نے کہا	ان کے لیے
شُعَيۡبٌ	اَلَا	تَتَّقُوۡنَ ۝۱۷۷	اِنِّىۡ	لَكُمۡ	رَسُوۡلٌ	اَمِيۡنٌ ۝۱۷۸
شعیب	کیا نہیں	تم ڈرتے	بلاشبہ میں	تمھارے لیے	رسول	امین
فَاتَّقُوا	اللّٰهَ	وَاَطِيۡعُوۡنِ ۝۱۷۹	وَمَاۤ	اَسۡـَٔلُكُمۡ	عَلَيۡهِ	مِنۡ
لہٰذا تم ڈرو	اللہ	اور میری اطاعت کرو	اور نہیں	میں تم سے مانگتا	اس پر	سے
اَجۡرٍ	اِنۡ	اَجۡرِىَ	اِلَّا	عَلٰى	رَبِّ	الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۱۸۰
اجر	نہیں	میرا اجرا	مگر	پر	رب	جہانوں

’’اصحاب الایکہ نے رسولوں کو جھٹلایا۔(۱۷٦) یاد کرو جب شعیب نے ان سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ (۱۷۷) میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔(۱۷۸) لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔(۱۷۹) میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طلبگار نہیں ہوں۔میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔‘‘(۱۸۰)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت لوط علیہ السلام کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر، قومِ شعیب کفر وشرک میں ملوّث ہونے کے ساتھ لین دین میں بدترین خیانت کرتی تھی۔

حضرت شعیب علیہ السلام:

حضرت شعیب علیہ السلام کو مؤرخین اور سیرت نگاروں نے خطیب الانبیاء کے نام سے یاد کیا ہے۔آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ’’مدیان‘‘ کی اولاد سے تعلق رکھتے ہیں جس بنا پر ان کی قوم کو قومِ مدین کہا جاتا ہے۔اس قوم کا سب سے بڑا شہر ان کے قومی نام مدین سے ہی معروف تھا۔اس لیے قرآن مجید نے انھیں اہل مدین کے نام سے پکارا ہے۔حضرت شعیب کو ان کی قوم میں ہی رسول مبعوث کیا گیا تاکہ آپ اپنی قوم کو راہ راست پر لانے کی جدوجہد فرمائیں۔اہل مدین کو قرآن میں اصحاب الایکہ بھی کہا گیا ہے۔(الشعراء:۱۷٦)

مدین کا اصل علاقہ حجاز کے شمال مغرب اور فلسطین کے جنوب میں بحر احمر اور خلیج عقبہ کے کنارے واقع تھا مگر جزیرہ نمائے سینا کے مشرقی ساحل پر بھی اس کا کچھ سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔یہ ایک بڑی تجارت پیشہ قوم تھی۔قدیم زمانہ میں جو تجارتی شاہراہ بحرِ احمر کے کنارے یمن سے مکہ اور ینبوع ہوتی ہوئی شام تک جاتی تھی، اور ایک دوسری تجارتی شاہراہ جو عراق سے مصر

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا

پورادو | ماپ | اورنہ | ہوتم | سے | نقصان دینے والے | اورتولو

بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿۱۸۲﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ

ترازو کے ساتھ | سیدھی | اورنہ | تم کم دو | لوگ | ان کی چیزیں

وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ وَاتَّقُوا الَّذِىْ

اورنہ | تم دوڑو | میں | زمین | فساد کرتے ہوئے | اورتم ڈرو | وہ ذات

خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۸۴﴾

جس نے تمھیں پیدا کیا | اورمخلوق | پہلی

''پیمانے پورے دو اور کسی کو کم نہ دو۔ (۱۸۱) صحیح ترازو سے تولو۔ (۱۸۲) اور لوگوں کو ان کا سودا کم نہ دو۔ اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ (۱۸۳) اور اس ذات کا خوف کرو جس نے تمہیں اور پہلے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔'' (۱۸۴)

کی طرف جاتی تھی اس کے عین چوراہے پر اس قوم کی بستیاں واقع تھیں۔ اسی بنا پر عرب کا بچہ بچہ مدین سے واقف تھا۔ اس کے مٹ جانے کے بعد بھی عرب میں اس کی شہرت اور کھنڈرات کافی حد تک برقرار تھے۔ عربوں کے تجارتی قافلے مصر اور شام کی طرف جاتے ہوئے رات دن ان کے آثارِ قدیمہ کے درمیان سے گزرتے تھے۔

''اللہ'' ہی بہتر جانتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو کس کس انداز میں کتنا عرصہ سمجھایا ہوگا۔ لیکن قوم سُدھرنے کی بجائے بگڑتی ہی چلی گئی۔ حتیٰ کہ انہوں نے شعیب علیہ السلام سے کہا کہ اے شعیب کیا تیری نمازیں تجھے یہی کہتی ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقۂ عبادت کو چھوڑ دیں اور اپنے کاروبار کو اپنے طریقہ کے مطابق نہ کریں؟ ھود، آیت: ۸۷۔ تم پر اے شعیب علیہ السلام کسی نے جادو کر دیا ہے۔ (الشعراء: ۱۸۵)

اے شعیب! تیری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم تمھیں اپنے آپ میں کمزور دیکھتے ہیں، اگر تیری برادری نہ ہوتی تو ہم تجھے پتھر مار مار کر رجم کر دیتے تو ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکتا۔ (ھود، آیت: ۹۱)

حضرت شعیب علیہ السلام کا ارشاد:

میری قوم کیا تم اللہ تعالیٰ سے میری برادری کو بڑا سمجھتے ہو۔ تم اللہ کی نافرمانی سے باز نہیں آتے۔ تم اپنا کام کرو اور مجھے اپنا کام کرنے دو۔ عنقریب تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا کون ہے اور کس پر ذلیل کر دینے والا عذاب نازل ہوتا ہے۔ (ھود: ۹۰ تا ۹۵)

قوم حضرت شعیب علیہ السلام سے عذاب کا مطالبہ کرتی ہے:

اے شعیب تو ہمارے جیسا انسان ہے اور ہم تجھے کذّاب سمجھتے ہیں اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا

گرا دے۔(الشعراء:١٨٥تا١٨٧)

((قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اکْتَالُوا حَتّٰی تَسْتَوْفُوا))[رواہ البخاری:باب الکیل علی البائع والمعطی]

’’نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب ناپ تول کروتو اسے پورا کرو۔‘‘

ماپ تول میں کمی کرنے کی سزا:

((مَا طَفِفَ قَوْمُ الْمِیْزَانَ إِلَّا أَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِالسِّنِیْنَ))[السلسلة الصحیحة:١٠٧]

’’جو بھی قوم تولنے میں کمی کرتی ہے اللہ تعالیٰ ان پر قحط سالی مسلط فرما دیتا ہے۔‘‘

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا وَالْمَكْرُ وَالْخِدَاعُ فِی النَّارِ))[اخرجه ابن حبان :هذاحدیث حسن]

’’عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے دھوکہ کیا وہ ہم میں سے نہیں ،مکرو فریب کرنے اور دھوکہ دینے والا آگ میں جائے گا۔‘‘

مسائل

١۔قوم شعیب ناپ تول میں کمی بیشی کیا کرتے تھے۔٢۔ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو ماپ تول پورا کرنے کا حکم دیتے تھے۔
٣۔ انسان کو ہر حال میں خالقِ کائنات سے ڈرتے رہنا چاہیے۔٤۔ پہلوں اور بعد والوں کو اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ناپ تول میں کمی نہیں کرنی چاہیے:

١۔ ماپ تول کو پورا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دو۔(الاعراف:٨٥)

٢۔ ماپ تول کو انصاف سے پورا کرو۔(الانعام:٥٢)

٣۔ ماپ ،تول پورا رکھنے کا حکم۔(الاسراء:٣٥)

٤۔ ماپ تول میں کمی نہ کرو۔(ھود:٨٤)

٥۔ ماپ کو پورا کرو اور کمی کرنے والے نہ بنو۔(الشعراء:١٨١)

٦۔ ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔(المطففین:١)

قَالُوْٓا	اِنَّمَآ	اَنْتَ	مِنَ	الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٨٥﴾	وَمَآ	اَنْتَ
انھوں نے کہا	صرف	تو	سے	سحرزدہ لوگ	اور نہیں	تو
اِلَّا	بَشَرٌ	مِّثْلُنَا	وَاِنْ	نَّظُنُّكَ	لَمِنَ	الْكٰذِبِيْنَ ﴿١٨٦﴾
مگر	بشر	ہم جیسا	اور بلاشبہ	ہم تجھے گمان کرتے ہیں	البتہ سے	جھوٹے
فَاَسْقِطْ	عَلَيْنَا	كِسَفًا	مِّنَ	السَّمَآءِ	اِنْ	كُنْتَ
پس تو گرادے	ہم پر	ٹکڑا	سے	آسمان	اگر	ہے تو
مِنَ	الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٨٧﴾	قَالَ	رَبِّيْٓ	اَعْلَمُ	بِمَا	تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨٨﴾
سے	سچے	اس نے کہا	میرا رب	خوب جانتا ہے	اس کو جو	تم کرتے ہو

''انھوں نے کہا اے شعیب سحرزدہ آدمی ہے۔(۱۸۵) اور تو کچھ بھی نہیں مگر ہم جیسا انسان ہے ہم تجھے جھوٹے لوگوں میں سمجھتے ہیں۔ (۱۸۶) اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادے۔(۱۸۷) شعیب نے فرمایا میرا رب جانتا ہے جو کچھ تم کررہے ہو۔'' (۱۸۸)

فہم القرآن

ربط کلام: قوم کا حضرت شعیب علیہ السلام کو جواب اور عذاب کا مطالبہ۔

شعیب علیہ السلام کی قوم نے وہی زبان اور انداز اختیار کیا جو قومِ نوح، قومِ ثمود نے اختیار کیا تھا۔ انھوں نے بھی اپنے انبیاء کو سحرزدہ قرار دیا اور عذاب لانے کا مطالبہ کیا یہی انداز قومِ شعیب نے اختیار کیا اور کہا اے شعیب (علیہ السلام)! تجھ پر جادو ہوگیا ہے اس وجہ سے بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ جہاں تک تیرے نبی ہونے کا دعویٰ ہے تو ہمارے جیسا انسان ہے۔ تجھ میں کوئی ایسی خوبی نہیں دکھائی دیتی جس بنیاد پر تجھے نبی تسلیم کرلیا جائے ہم تجھے کذّاب انسان سمجھتے ہیں۔

قومِ شعیب سمجھتی تھی کہ نبی بشر نہیں ہوسکتا نبی تو کوئی نورانی مخلوق ہونا چاہیے تھا انھوں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے یہ بھی مطالبہ کیا اگر تو دعویٰ نبوت میں سچا ہے تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرادے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا یہ تو میرا رب جانتا ہے کہ اُس نے کس وقت تک تمھیں ڈھیل دینا ہے اگر اُس نے تمھیں عذاب میں گرفتار کرنا ہے تو وہ کس قسم کا عذاب ہوگا۔

قومِ شعیب پر اللہ تعالیٰ کا عذاب:

قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا تو ان پر بلاشبہ عذاب عظیم نازل ہوا۔ (الشعراء:۱۸۹)

ظالموں کو ایک کڑک نے آلیا وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے۔ ان کے گھر ایسے ویران ہوئے جیسے ان میں کوئی بسا ہی نہ ہو۔ یاد رکھو اہل مدین پر ایسی ہی پھٹکار ہوئی جس طرح قومِ ثمود پر پھٹکار کی گئی تھی۔ مفسرین نے لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ ثمود پر سات راتیں اور آٹھ دن گرمی اور حبس کا ایسا عذاب مسلط کیا کہ وہ نہ تہہ خانوں میں آرام کرسکتے تھے اور نہ

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ

انھوں نے اسے جھٹلایا — تو پکڑ لیا ان کو — عذاب — دن — سائے والے — بلاشبہ وہ — تھا — عذاب

يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٨٩﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ

دن — بڑا — بلاشبہ — میں — اس — البتہ نشانی — اور نہیں — تھے

اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٠﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٩١﴾ ع ١٠ ١٦ ١٤

ان کے اکثر — ایمان لانے والے — اور بلاشبہ — آپ کا رب — البتہ وہ — نہایت غالب — بہت رحم کرنے والا

''انہوں نے شعیب کو جھٹلا دیا۔ آخر کار سائبان والے دن کا عذاب ان پر آپڑا اور وہ بڑے ہی خوف ناک دن کا عذاب تھا۔(۱۸۹) یقیناً اس میں عبرت ہے مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں۔(۱۹۰) اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست ہے اور مہربان بھی۔''(۱۹۱)

ہی کسی درخت کے سائے تلے ٹھہر سکتے تھے۔ انتہائی کرب کے عالم میں اپنے گھروں سے باہر نکلے تو ایک بادل ان پر سایہ افگن ہوا۔ جب سب کے سب بادل تلے جمع ہو گئے تو بادل سے آگ کے شعلے برسنے لگے۔ زمین زلزلہ سے لرزنے لگی اور پھر ایسی دھماکہ خیز چنگھاڑ گونجی کہ ان کے کلیجے پھٹ گئے اور اوندھے منہ تڑپ تڑپ کر ذلیل ہو کر مرے۔

یہاں قومِ شعیب کے واقعہ کا اختتام بھی اُنہی الفاظ سے ہو رہا ہے جن الفاظ سے پہلی چھ قوموں کا ہوا ہے۔ گویا کہ سات انبیاء علیہم السلام کی جدوجہد اور ان کی اقوام کا ردِّعمل اور انجام کا ذکر کرنے کے بعد یہ ارشاد ہوا کہ اے پیغمبر! آپ کا رب ہر بات پر غالب اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔ سمجھانا مقصود یہ ہے کہ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ بھی ان کی اقوام نے معاندانہ رویہ اختیار کیا جس کی وجہ سے اُنھیں نیست و نابود کر دیا گیا۔ مال، افرادی قوت، صنعت و حرفت، چوپائے اور بھیڑ بکریاں بڑے بڑے محلات اور سیاسی اقتدار، دنیا کی شان و شوکت اللہ کے غضب کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔

اُنھیں بھی اللہ تعالیٰ نے وقت معین تک مہلت دے رکھی اگر آپ کی قوم کو ان کے جرائم کے باوجود مہلت دی جا رہی ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ آپ کا رب نہایت ہی رحیم و کریم ہے جس وجہ سے وہ چاہتا ہے کہ لوگوں کو بار بار موقعہ دیا جائے تاکہ توبہ و استغفار کر سکیں۔

قومِ شعیب کے جرائم:

۱۔ اہل مدین بھی اپنے پیش رو اقوام کی طرح شرک جیسے غلیظ اور بدترین عقیدہ میں مبتلا تھے۔ شرک وہ بیماری ہے ام الامراض کہنا چاہیے۔ قوم مدین میں وہ تمام اخلاقی اور اعتقادی بیماریوں نے جنم لیا، جن میں قوم نوح سے لے کر قومِ لوط کے لوگ ملوث چلے آرہے تھے۔ ام الامراض یعنی شرک کی جڑ کاٹنے کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام اپنی دعوت کا آغاز دعوتِ توحید

سے کرتے ہیں۔ (الاعراف:۸۵)

۲۔ قومِ مدین نہ صرف عقیدہ کی خیانت میں مرتکب ہوئی بلکہ گاہک سے پوری قیمت وصول کرنے کے باوجود ماپ تول میں کمی بیشی کرتے تھے۔ ادائیگی کے وقت چیز مقررہ وزن اور پیمائش سے کم دیتے لیتے ہوئے طے شدہ وزن سے زیادہ لینے کی مجرمانہ کوشش کرتے۔ (الاعراف:۸۵)

۳۔ یہ لوگ پیشہ ور ڈاکو تھے ان کے علاقے سے گزرنے والے مسافروں کی عزت وآبرو اور مال وجان محفوظ نہیں تھے۔ (الاعراف:۸۶، ہود:۸۵)

۴۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی زبردست مخالفت اور نافرمانی کرنے والے تھے۔ (ہود:۸۹)

مسائل

۱۔ قومِ شعیب نے حضرت شعیب علیہ السلام کو سحر زدہ شخص قرار دیا۔

۲۔ قومِ شعیب نے حضرت شعیب علیہ السلام کے بشر ہونے کی وجہ سے اُن کی نبوت کا انکار کیا۔

۳۔ حضرت شعیب علیہ السلام سے قوم نے آسمان کا ٹکڑا گرا دینے کا مطالبہ کیا۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کرام علیہم السلام پر ان کی اقوام کے الزامات:

۱۔ اگر ہم ان کے لیے آسمان سے کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ اس میں سے چڑھ جائیں تو کہیں گے ہماری آنکھیں بند کر دی گئی ہیں۔ بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ (الحجر:۱۴۔۱۵)

۲۔ آلِ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام پر جادو کا الزام لگایا۔ (القصص:۳۶)

۳۔ کفار تمام انبیاء کو جادوگر اور دیوانہ قرار دیتے تھے۔ (الذاریات:۵۲)

۴۔ کفار نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر قرار دیا۔ (الصف:۶)

۵۔ کفار نے قرآن کو جادو قرار دیا۔ (سبا:۴۳)

۶۔ کفار نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سحر زدہ یعنی جس پر جادو کر دیا گیا ہو بھی قرار دیا۔ (الفرقان:۸)

۷۔ حضرت نوح کو ان کی قوم نے کہا کہ ہم تمہیں جھوٹا تصور کرتے ہیں۔ (ہود:۲۷)

۸۔ کفار آپ کو شاعر قرار دیتے تھے۔ (الطور:۳۰)

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ

اور بلاشبہ وہ | البتہ نازل کیا | رب | العالمین | اترا | ساتھ اس کے | روح

الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

الامین | پر | آپ کا دل | تاکہ آپ ہوں | سے | ڈرانے والے

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾

زبان | عربی | فصیح | اور بلاشبہ وہ | میں | کتابیں | پہلی

اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا

کیا نہیں | ہے | ان کے لیے | نشانی | یہ کہ | جانتے ہیں اس کو | علماء

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾

بنی اسرائیل

”یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے۔(۱۹۲) اِسے لے کر امانت دار فرشتہ آیا اور اس نے تیرے دل پر اُتارا ہے۔(۱۹۳) تاکہ آپ ان لوگوں میں شامل ہوں جو ڈرانے والے ہیں۔(۱۹۴) یہ قرآن واضح عربی زبان میں ہے۔(۱۹۵) اور پہلی کتابوں میں بھی موجود ہے۔(۱۹۶) کیا ان لوگوں کے لیے کوئی نشانی نہیں ہے۔ کہ اسے بنی اسرائیل کے علماء بھی جانتے ہیں؟“(۱۹۷)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سے پہلے سات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی اقوام کے انجام کا ذکر کیا گیا ہے۔ ساتوں اقوام کا بنیادی جرم یہ تھا کہ انھوں نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کی جس کے سبب اُنھیں تباہی کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔

سرورِ دوعالم ﷺ کے مخالفین کو سات قوموں کی تباہی کے واقعات سُنانے کے بعد سمجھایا گیا کہ تم محمد ﷺ کی نبوت اور آپ پر نازل ہونے والے قرآن مجید کی تکذیب کرتے ہو حالانکہ اس قرآن کو رب العالمین نے جبرئیل امین کے ذریعے آپ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل فرمایا ہے جو فصیح عربی زبان میں ہے۔ یقیناً اس نبی اور قرآن مجید کا ذکر پہلی کتابوں میں موجود ہے۔ اس کے نزول کا مقصد یہ ہے تاکہ آپ ﷺ بُرے لوگوں کو ان کے انجام سے ڈرائیں۔ اگر اہل مکہ قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں تو یہ بنی اسرائیل کے منصف مزاج علماء سے پوچھ لیں۔ کیا قرآن مجید اور صاحبِ قرآن کا تذکرہ توراۃ، انجیل اور زبور میں موجود نہیں ہے؟

یقیناً اہل کتاب کے حق گو علماء اس کی تصدیق کرتے ہیں اور کریں گے کہ واقعی قرآن مجید اور صاحبِ قرآن کا تذکرہ تورات، انجیل اور زبور میں پایا جاتا ہے۔ علماء بنی اسرائیل سے بالخصوص وہ حضرات مقصود ہیں جو سرورِ دوعالم ﷺ کے دور میں آپ پر ایمان لائے۔ یقیناً بنی اسرائیل میں ایسے اہل علم ہر دور میں موجود رہیں گے جو قرآن مجید کی تائید اور تصدیق کرتے

رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ملائکہ کے سردار جبرئیل امین علیہ السلام کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر نازل فرمایا۔ دل پر اس لیے اُتارا گیا کہ جو بات دل پر اُتر جائے دل اس کی تصدیق کرتا ہے اور ہمیشہ کے لیے وہ بات دل پر ثبت ہو جاتی ہے۔ جو بات انسان کے دل پر ثبت ہو جائے انسان اُسی کے مطابق سوچتا، بولتا اور عمل کرتا ہے یہی وجہ ہے۔ کہ اہل علم نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجسم کہا ہے اس بات کی تائید اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ جب ایک صحابی نے اُن سے سوال کیا کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کیسا تھا؟ اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کیا آپ نے قرآنِ مجید نہیں پڑھا؟ سائل نے کہا کیوں نہیں قرآنِ مجید کی تلاوت کرتا ہوں۔ اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا جو کچھ قرآنِ مجید میں موجود ہے وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق تھا۔ (رواہ احمد: مسند سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے کی کیفیت ہے اُس کی کئی صورتیں تھیں۔

جن میں سے ایک صورت وحی جلی کی ہے یہ وحی کی سب سے معروف صورت ہے۔ قرآن کریم سارے کا سارا وحی جلی کی صورت میں نازل ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ساری وحی قرآن کریم میں محصور ہے بلکہ کئی احادیث کے الفاظ بھی وحی کے ذریعے آپ پر نازل کیے گئے۔ وحی جلی کی صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق عالم دنیا سے کٹ کر عالم بالا سے جڑ جاتا تھا۔

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہ آپ پر وحی کیسے آتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کبھی تو ایسے آتی ہے جیسے گھنٹی کی آواز ہوتی ہے اور یہ وحی مجھ پر بہت گراں گزرتی ہے جب فرشتے کا کہا ہوا مجھے یاد ہو جاتا ہے تو یہ حالت ختم ہو جاتی ہے اور کبھی فرشتہ انسان کی صورت میں میرے پاس آتا ہے میرے سامنے پڑھتا ہے میں اس کا پڑھا ہوا یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ کو اس حال میں دیکھا کہ سخت سردی کے دن میں آپ پر وحی نازل ہوتی جب ختم ہو جاتی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہوتا۔“

[رواه البخاري: باب كيف بدء الوحي]

مسائل

١۔ قرآنِ مجید رب العالمین کی طرف سے جبرئیل امین علیہ السلام کے ذریعے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر نازل کیا گیا ہے۔
٢۔ قرآنِ مجید فصیح عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔
٣۔ اہل کتاب کے منصف مزاج علماء ہر دور میں قرآن مجید کی تصدیق کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کے نام اور القاب:

١۔ قرآن مجید کو روح الامین (جبریل) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا ہے۔ (الشعراء: ١٩٣)
٢۔ روح الامین (جبریل علیہ السلام) ملائکہ کے سردار ہیں۔ (التکویر: ٢١)
٣۔ شب قدر کی رات فرشتے اور جبریل اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں۔ (القدر: ٤)
٤۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی روح القدس (جبریل علیہ السلام) سے مدد فرمائی۔ (البقرۃ: ٨٧)

وَلَوْ	نَزَّلْنٰهُ	عَلٰى	بَعْضِ	الْاَعْجَمِيْنَ ﴿١٩٨﴾	فَقَرَاَهٗ
اور اگر	ہم اس کو نازل کرتے	پر	بعض	عجمی	پھر وہ اسے پڑھتا
عَلَيْهِمْ	مَّا	كَانُوْا	بِهٖ	مُؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٩﴾	كَذٰلِكَ	سَلَكْنٰهُ
ان پر	نہ	ہوتے وہ	ساتھ اس کے	ایمان لانے والے	اسی طرح	ہم نے اس کو داخل کیا
فِيْ	قُلُوْبِ	الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٢٠٠﴾	لَا يُؤْمِنُوْنَ	بِهٖ	حَتّٰى
میں	دل	مجرم	نہیں وہ ایمان لائیں گے	اس کے ساتھ	حتی کہ
يَرَوُا	الْعَذَابَ	الْاَلِيْمَ ﴿٢٠١﴾			
وہ دیکھ لیں	عذاب	دردناک			

”اگر ہم قرآن کو کسی عجمی پر نازل کردیتے۔ (١٩٨) اور وہ ان کو پڑھ کرسناتا۔ تب بھی یہ ایمان نہ لاتے۔ (١٩٩) اسی طرح ہم نے اس کو مجرموں کے دلوں میں داخل کیا ہے۔ (٢٠٠) وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ عذابِ الیم نہ دیکھ لیں۔“ (٢٠١)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآنِ مجید من جانب اللہ ہونے کے مزید دلائل۔

اہل مکہ ذہنی بوکھلاہٹ کا شکار ہونے کی وجہ سے قرآن مجید کے بارے میں ایک سے ایک بڑھ کر بہکی ہوئی بات کرتے تھے۔ ایک موقعہ پر اعتراض کرتے محمد ﷺ کسی عربی سے سیکھ کر پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں پڑھ کر ہمیں سنائے دیتا ہے۔ (النحل:١٠٣) دوسرے موقع پر خود مطالبہ کرتے یہ قرآن کسی عجمی پر نازل ہونا چاہیے تھا۔

یہ مطالبہ بذاتِ خود اُن کی حماقت کی دلیل تھا کیونکہ قرآن مجید عجمی زبان میں ہوتا تو اس کے سمجھنے میں اُنھیں کس قدر دشواری کا سامنا کرنا پڑتا بالخصوص نزولِ قرآن کے وقت چند لوگوں کو چھوڑ کر باقی عرب اَن پڑھ تھے۔ یہاں ان کی بات کا یہ جواب دیا گیا اگر کسی عجمی پر قرآن نازل کیا جاتا اور وہ اُنھیں قرآن پڑھ کر سناتا تو پھر بھی یہ ایمان لانے والے نہیں تھے۔

دراصل قرآن مجید کا انکار کرنے والے مجرم ہیں یہ قرآنِ مجید پر اُس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک اذّیت ناک عذاب میں مبتلا نہ ہوجائیں۔ قرآنِ مجید کے لیے ”سَلَکْنٰہُ“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا دوسرا مفہوم یہ بھی لیا گیا ہے کہ قرآن مجید اپنی تاثیر کے اعتبار سے مجرموں کے دل میں گھر کرچکا تھا۔ جس وجہ سے وہ علیحدگی میں اس کی تصدیق کرتے لیکن لوگوں کے سامنے اس کا انکار کرتے تھے۔ یعنی کلامِ پاک کی صداقت تمہارے رگ و پے میں سرایت کرگئی ہے۔ تمہارے دل مان چکے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے بعض اہلِ علم نے اس کا یہ بھی مفہوم لیا ہے کہ قرآن کی مخالفت کفار کے دل میں رچ بس گئی ہے۔

((وَحَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمِ بْنِ شِهَابِ الزَّهْرِیِّ أَنَّهُ حُدِّثَ أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ ، وَأَبَا جَهْلِ بْنَ هِشَامٍ ، وَالْأَخْنَسَ بْنَ شَرِيقِ بْنِ عَمْرِو بْنِ وَهْبِ الثَّقَفِیِّ ، حَلِيفَ بَنِی زُهْرَةَ خَرَجُوا لَيْلَةً لِيَسْتَمِعُوا مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّی مِنَ اللَّيْلِ فِی بَيْتِهِ فَأَخَذَ كُلُّ رَجُلٍ مِنْهُمْ مَجْلِسًا يَسْتَمِعُ فِيهِ وَكُلٌّ لَا يَعْلَمُ بِمَكَانِ صَاحِبِهِ فَبَاتُوا يَسْتَمِعُونَ لَهُ حَتَّى إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ تَفَرَّقُوافَجَمَعَهُمْ الطَّرِيقُ فَتَلَاوَمُوا ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ لَا تَعُودُوا ، فَلَوْ رَآكُمْ بَعْضُ سُفَهَائِكُمْ لَأَوْقَعْتُمْ فِی نَفْسِهِ شَيْئًا ، ثُمَّ انْصَرَفُوا حَتَّى إِذَا كَانَتْ اللَّيْلَةُ الثَّانِيَةُ عَادَ كُلُّ رَجُلٍ مِنْهُمْ إِلَى مَجْلِسِهِ فَبَاتُوا يَسْتَمِعُونَ لَهُ حَتَّى إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ تَفَرَّقُوا ، فَجَمَعَهُمْ الطَّرِيقُ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ مِثْلَ مَا قَالُوا أَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ انْصَرَفُوا حَتَّى إِذَا كَانَتْ اللَّيْلَةُ الثَّالِثَةُ أَخَذَ كُلُّ رَجُلٍ مِنْهُمْ مَجْلِسَهُ فَبَاتُوا يَسْتَمِعُونَ لَهُ حَتَّى إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ تَفَرَّقُوا ، فَجَمَعَهُمْ الطَّرِيقُ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ لَا نَبْرَحُ حَتَّى نَتَعَاهَدَ أَلَا نَعُودَ فَتَعَاهَدُوا عَلَى ذَلِكَ ثُمَّ تَفَرَّقُوا)) [سیرت ابن ہشام: قِصَّةُ اسْتِمَاعِ قُرَيْشٍ إِلَى قِرَاءَةِ النَّبِیِّ ﷺ]

”محمد بن مسلم شہاب زہری بیان کرتے ہیں اُن تک یہ بات پہنچی ہے کہ ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام، اخنس بن شریق بن عمر بن وہب الثقفی، حلیف بن زہرہ ایک رات رسول اللہ ﷺ کا قرآن سننے کے لیے نکلے اور آپ رات کو اپنے گھر میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ اُن میں سے ہر ایک چھپ کر رسول اللہ ﷺ کا قرآن سننے لگا اُن میں کوئی دوسرے کو نہیں جانتا تھا۔ وہ رات بھر قرآن سنتے رہے جب وہ واپس ہوئے تو ان کی آپس میں ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے ایک دوسرے کو ملامت کی اور عہد کیا کہ آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اگر تمہارے بیوقوفوں نے تمہیں دیکھ لیا تو اُن کے دل میں خرابی واقع ہوگی۔ پھر وہ وہاں سے چل دیے جب دوسری رات ہوئی تو کل کی طرح ہر بندہ اپنی اپنی جگہ پر قرآن سننے کے لیے موجود تھا جب فجر طلوع ہوئی تو جاتے ہوئے راستے میں اُن کی پھر ملاقات ہوگئی تو انہوں نے آج بھی ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہوئے وہی باتیں کہیں جو پہلے دن کہہ چکے تھے پھر وہاں سے چل دیے جب تیسری رات ہوئی تو اُن میں سے ہر ایک قرآن سننے کے لیے پھر اُسی جگہ آ پہنچا جب فجر طلوع ہوئی تو سب نے اپنے گھر کی راہ لی راستے میں اُن کی پھر ملاقات ہوگئی تو بعض نے بعض کو کہا ہم قرآن سننے سے باز نہیں آسکتے یہاں تک کہ ہم آپس میں معاہدہ کرلیں کہ ہم دوبارہ کبھی قرآن نہیں سنیں گے۔ تو انہوں نے آپس میں معاہدہ کیا اور گھر کی راہ لی۔“

مسائل

١۔ ہٹ دھرم آدمی کسی صورت حقائق کا اقرار نہیں کرتا۔

٢۔ قرآن مجید کا انکار کرنے والے لوگ اس پر بیہودہ قسم کے اعتراض اُٹھایا کرتے ہیں۔

٣۔ قرآنِ مجید کے منکر اذیت ناک عذاب دیکھے بغیر قرآن کی تصدیق نہیں کرتے۔

فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا

چنانچہ وہ ان کے پاس آئے گا اچانک جبکہ وہ نہ وہ شعور رکھتے ہوں گے وہ کہیں گے

هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ اَ فَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

کیا ہم مہلت دیے جائیں کیا پھر ہمارے عذاب وہ جلدی کرتے ہیں؟

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا

کیا پس آپ نے دیکھا اگر ہم ان کو فائدہ دیں کئی سال؟ پھر آجائے ان کے پاس جس کا

كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾

تھے وہ وعدہ دیے جاتے نہیں کفایت کریں گی ان سے جو تھے وہ فائدہ پہنچائے جاتے

”جب ان پر اچانک عذاب آپڑے گا۔(۲۰۲) اس وقت وہ کہیں گے کہ کیا ہمیں کچھ مہلت مل سکتی ہے؟(۲۰۳) پھر بھی یہ لوگ ہمارے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں؟(۲۰۴) آپ نے غور نہیں کیا اگر ہم انہیں کئی سال تک عیش کرنے کی مہلت دے دیں۔(۲۰۵) پھر بھی ان پر وہی چیز آئے گی جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔(۲۰۶) جو فائدے اٹھا رہے ہیں یہ ان کے کس کام آئیں گے؟(۲۰۷)

فہم القرآن

ربط کلام: منکرینِ قرآن جس عذاب کا انتظار یا مطالبہ کرتے ہیں وہ عنقریب اُن پر نازل ہوگا۔

منکرین قرآن ایمان لانے کی بجائے نبی کریم ﷺ سے یہ مطالبہ کرتے کہ جس عذاب سے ہمیں ڈراتے رہتے ہو وہ اب تک ہم پر کیوں نازل نہیں ہوا؟

اس کے اُنھیں کئی جواب دیئے گئے ہیں جن میں سے ایک جواب یہ بھی ہے کہ جس عذاب کا تم مطالبہ کرتے ہو وہ اچانک اور ایسے وقت تم پر نازل ہوگا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اُس وقت تمھاری کیفیت یہ ہوگی کہ تم پکار پکار کر کہہ رہے ہوگے کہ کاش ہمیں مہلت دی گئی ہوتی۔ کیا اس عذاب کے بارے میں تم جلدی کا مظاہرہ کرتے ہو؟

اے نبی! غور فرمائیں کہ اگر ہم اُنھیں مدت مدید مہلت دیئے جائیں اور پھر اپنے وعدے کے مطابق ان پر عذاب لے آئیں تو جس دنیا کے مال واسباب اور ترقی پر یہ ناز کرتے ہیں وہ انھیں عذاب سے بچا نہیں سکتے۔ ہم نے کسی بستی کو اُس وقت تک عذاب میں مبتلا نہیں کیا جب تک اُن کے پاس ڈرانے والے نہیں بھیجے۔ ڈرانے والوں سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام ہیں یا پھر اُن کے جانشین۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی ہدایات اور اس میں بیان ہونے والے اقوام کے واقعات۔ لوگوں کے لیے

وَمَآ	اَهۡلَكۡنَا	مِنۡ	قَرۡيَةٍ	اِلَّا	لَهَا
اورنہیں	ہم نے ہلاک کی	سے	بستی	مگر	اس کے لیے

مُنۡذِرُوۡنَ ۞۲۰۸	ذِكۡرٰى	وَمَا	كُنَّا	ظٰلِمِيۡنَ ۞۲۰۹
تھے ڈرانے والے	نصیحت	اورنہیں	ہیں ہم	ظلم کرنے والے

ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کے لیے نصیحت والے موجود تھے۔(۲۰۸)اور ہم ظلم کرنے والے نہیں۔"(۲۰۹)

نصیحت ہیں لیکن پھر بھی لوگ باطل عقیدہ اور بُرے کاموں سے باز نہیں آتے جس کی وجہ سے اُنھیں تباہی کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا لوگ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔

مسائل

۱۔ اللہ کا عذاب اچانک نازل ہوتا ہے۔
۲۔ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے تو لوگ مہلت کی تمنا کرتے ہیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مقابلہ میں دنیا کی ترقی اور مال واسباب کام نہیں دیتے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید نصیحت کا سرچشمہ ہے:

۱۔ قرآن مجید متقین کے لیے نصیحت ہے۔(النور:۳۴)
۲۔ قرآن مومنین کے لیے رحمت اور نصیحت ہے۔(العنکبوت:۵۱)
۳۔ قرآن پاک نصیحت کا منبع ہے۔(آل عمران:۵۸)
۴۔ قرآن مجید تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔(یوسف:۱۰۴)
۵۔ قران مجید نصیحت آمیز کتاب ہے۔(ص:۱)
۶۔ قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات سچے ہیں ان میں اہل ایمان کے لیے نصیحت ہے۔(ھود:۱۲۰)
۷۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔(آل عمران:۱۳۸)
۸۔ ہم نے قرآن میں طرح طرح کے دلائل دیے ہیں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔(بنی اسرائیل:۴۱)

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢١٠﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ

اورنہیں لےکراترے ساتھ اس کے شیاطین اورنہیں لائق ان کے لیے

وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٢١١﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿٢١٢﴾

اور نہ وہ استطاعت رکھتے ہیں بلاشبہ وہ سے سننے البتہ دور رکھے گئے

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ

چنانچہ نہ پکاریں آپ ساتھ اللہ معبود کوئی اور ورنہ آپ ہو جائیں گے

مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿٢١٣﴾

سے ان لوگوں میں جو عذاب دیے گئے

''اس قرآن کو شیاطین لے کر نہیں اترے۔(۲۱۰) نہ یہ کام ان کو لائق ہے اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں۔(۲۱۱) وہ تو اس کو سننے سے بھی دور کر دیئے گئے ہیں۔(۲۱۲) اے نبی اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو۔ ورنہ تم بھی عذاب پانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔''(۲۱۳)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآنِ مجید کے بارے میں کفار کی ہرزہ سرائی اور اُس کا جواب۔

کفار ہرزہ سرائی کرتے ہوئے رسول محترم ﷺ پر یہ الزام بھی لگاتے کہ اس پر فرشتہ نازل ہونے کی بجائے کوئی شیطان مسلط ہو چکا ہے۔ جو اس کے دل میں مختلف قسم کے خیالات ڈالتا ہے۔ جسے یہ خاص انداز میں ہمارے سامنے بیان کرتا ہے۔ اس الزام کی تردید کرتے ہوئے یہ دلیل دی گئی ہے کہ نہ آپ پر شیاطین کوئی بات نازل کرتے ہیں اور نہ ہی شیطان ایسا کر سکتے ہیں اور نہ اُن میں ایسا کرنے کی طاقت اور صلاحیت ہے۔ وحی کا سلسلہ اس قدر مضبوط اور محفوظ ہے کہ شیطان اس سے کوسوں میل دُور رکھے جاتے ہیں۔

شیطان کا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرواتا ہے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کی دعوت کا لب لباب اور مرکزی پیغام ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو کسی انداز میں بھی شریک نہ بنایا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرک ایسا جرم ہے اگر نبی بھی ''اللہ'' کے ساتھ کسی کو شریک بنائے یا کسی کو اُس کی عبادت میں شریک کرے تو وہ بھی اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتا۔

وحی کی حفاظت کا انتظام اور جنّات کا اعتراف:

کیونکہ شیطان جنسی اعتبار سے جنات میں سے ہیں۔ اس لیے سورۃ جن میں انہی کے زبان سے اس بات کی وضاحت

پیش کی گئی ہے۔

’’یہ کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے سخت پہرداروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا۔ ہم سننے کے لیے آسمان کے کچھ ٹھکانوں میں بیٹھا کرتے تھے مگر اب جو سننے کو کان لگائے تو وہ اپنے لیے ایک شہاب کو تاک لگائے ہوئے پاتا ہے۔‘‘(جن:٨۔٩)

شرک کی سنگینی:

﴿ذٰلِکَ هُدَی اللّٰهِ یَهۡدِیۡ بِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ وَ لَوۡ اَشۡرَکُوۡا لَحَبِطَ عَنۡهُمۡ مَّا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ﴾

[الانعام: ٨٨]

’’یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس پر چلاتا ہے اور اگر یہ لوگ شریک بناتے تو جو عمل وہ کیا کرتے تھے ان کے ضائع ہو جاتے۔‘‘

﴿هُوَ الۡحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ﴾ [الزمر: ٦٥]

’’وہ زندہ ہے اُس کے سوا کوئی الٰہ نہیں سو خالصتاً اُسی کو پکارو تمام تعریفیں جہانوں کے رب کے لیے ہیں۔‘‘

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو پکارنے کا گناہ اور سزا:

١۔ شرک سے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔(الزمر:٦٥)

٢۔ شرک کرنے والا راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے۔(النساء:١١٦)

٣۔ اللہ مشرک کو معاف نہیں کرے گا اس کے علاوہ جسے چاہے گا معاف کر دے گا۔(النساء:٤٨)

٤۔ اٹھارہ انبیاء کے ذکر کے بعد ارشاد ہوا۔ اگر یہ بھی شرک کرتے تو ان کے اعمال ضائع کر دیئے جاتے۔(الانعام:٨٤تا٨٨)

٥ اے نبی ﷺ اگر آپ بھی شرک کریں گے تو آپ کے اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے۔(الزمر:٦٥)

٦۔ اگر آپ ﷺ شرک کریں تو آپ کو بھی عذاب ہوگا۔(الشعراء:٢١٣)

٧۔ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے گویا کہ وہ آسمان سے گر پڑا۔(الحج:٣١)

٨۔ شرک کرنے والے پر جنت حرام ہے۔(المائدۃ:٧٢)

٩۔ مشرکین کا ٹھکانہ جہنم ہے۔(ابراہیم:٣٠)

١٠۔ اللہ اور اُس کا رسول مشرکوں سے بری الذّمہ ہے۔(التوبۃ:٣)

١١۔ شرک کرنے والا بہت بڑی گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔(النساء:١١٦)

جَنَاحَكَ	وَاخْفِضْ	الْاَقْرَبِيْنَ ﴿٢١٤﴾	عَشِيْرَتَكَ	وَاَنْذِرْ
اپنا بازو	اور جھکا دیجیے	قریبی لوگ	اپنے قبیلے	اور آپ ڈرائیں

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢١٥﴾	مِنَ	اتَّبَعَكَ	لِمَنِ
مومن	سے	آپ کی پیروی کی	ان کے لیے

”اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرائیں۔(٢١٤) اور ایمان لانے والوں کے لیے تواضع اختیار کریں۔“(٢١٥)

فہم القرآن

ربط کلام: نبی اکرم ﷺ کو حکم ہوا کہ وہ اپنے عزیز و اقرباء کو توحید کی دعوت دیں، اور شرک سے ڈرائیں۔

نبوت کا پہلا کام اور پیغام لوگوں کو اللہ کی خالص عبادت کرنے کی دعوت دینا ہے۔ دعوت کا فطری اور صحیح طریقہ ہے کہ داعی عقیدہ توحید پر ایمان رکھتے ہوئے سب سے پہلے اپنے عزیز و اقرباء کو عقیدہ توحید کی دعوت دے اور جو اس دعوت کو قبول کرے اُن کے ساتھ شفقت اور محبت کے ساتھ پیش آئے۔ اس حکم کی اتباع میں آپ ﷺ نے اپنے عزیز و اقرباء کو بار بار اس بات کی دعوت دی اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے اُن سے آپ خصوصی طور پر شفقت و مہربانی فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی شفقت و مہربانی کی قرآنِ مجید نے اس طرح ترجمانی فرمائی ہے۔

”یقیناً تمھارے پاس تم میں سے ایک رسول آیا ہے جسے تمہاری تکلیف بہت شاق گزرتی ہے، تمھاری بھلائی کے بارے میں بہت چاہت رکھنے والا ہے، ایمان والوں پر بہت شفقت کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔“ (التوبہ:١٢٨)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ کھڑے ہو کر فرمانے لگے۔ اے قریش کے لوگو تم اپنی جانیں بچالو۔ میں اللہ کے سامنے کسی کے کام نہ آسکوں گا۔ اے بنو عبد مناف میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ اے میری پھوپھی صفیہ میں اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ میرے مال سے جو چاہو مانگ لو لیکن اللہ کے سامنے میں تمہارے کسی کام نہ آؤں گا۔“

[رواہ البخاری: کتاب الوصایا، باب هل یدخل النساء والولد فی الأقارب]

تفسیر بالقرآن

دعوت کا فطری انداز:

١۔ اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ (التحریم:٦)

٢۔ اے پیغمبر! اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔ (الشعراء:٢١٤) ٣۔ نرم انداز میں گفتگو کرنی چاہیے۔ (طٰہٰ:٤٤)

٤۔ وعظ میں مؤثر انداز اختیار کرنے کا حکم (النساء:٦٣) ٥۔ جھگڑے کی بجائے احسن انداز اختیار کرنے کا حکم۔ (النحل:١٢٥)

٦۔ اگر آپ نرم خو نہ ہوتے تو یہ لوگ آپ سے دور بھاگ جاتے لہٰذا معاف اور درگزر کرتے رہیں۔ (آل عمران:١٥٩)

فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّىْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢١٦﴾

پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو فرما دیجیے بلاشبہ میں بری ہوں اس سے جو تم عمل کرتے ہو

وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ﴿٢١٧﴾ الَّذِیْ یَرٰىكَ

اور توکل کیجیے پر خوب غالب نہایت رحم کرنے والا وہ آپ کو دیکھتا ہے

حِیْنَ تَقُوْمُ ﴿٢١٨﴾ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ﴿٢١٩﴾ اِنَّهٗ

جب آپ کھڑے ہوئے اور آپ کے پھرنے میں سجدہ کرنے والے بلاشبہ وہ

هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿٢٢٠﴾

وہی خوب سننے والا خوب جاننے والا

''اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو ان سے فرما دو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے میں بری الذمہ ہوں۔(٢١٦) اللہ غالب اور مہربان پر توکل کرو۔(٢١٧) وہ آپ کو دیکھ رہا ہوتا ہے جب آپ اٹھتے ہیں۔(٢١٨) اور سجدہ گزار لوگوں کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں۔(٢١٩) اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔'' (٢٢٠)

فہم القرآن

ربط کلام: الدّاعی کا کام بار بار دعوت دینا ہے اگر لوگ نہیں مانتے تو اُسے اپنے رب کے ساتھ نماز میں رابطہ رکھنا اور اسی پر توکل کرنا چاہیے کیونکہ وہ ہر بات پر غالب اور مہربان ہے۔

اکرمﷺ رات کی تاریکیوں میں رو، رو کر دعائیں کرتے کہ بارِالٰہا! ان لوگوں کو ہدایت سے سرفراز فرمادے۔ لوگ ہدایت حاصل کرنے کی بجائے گمراہی میں آگے بڑھتے جارہے تھے، جس پر آپ کو انتہائی غم ہوتا، اس صورت حال کے پیش نظر آپ کو دو طرح سے تسلی دی گئی۔ ان لوگوں سے کھلے الفاظ میں کہہ دیں کہ میں تمہارے اعمال کا ذمہ دار نہیں ہوں اور نہ میں تم سے ڈرتا ہوں۔ کیونکہ میرا بھروسہ ''اللہ'' پر ہے وہی مجھے کافی ہے۔ چاہے گا تو حق کو غلبہ عطا فرمائے گا وہ نہایت ہی مہربان ہے اور وہ مجھے ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔

الدّاعی کا کام لوگوں کو سمجھانا ہے اگر اُس کے مخاطب سمجھنے کے لیے تیار نہ ہوں تو اُسے دل گرفتہ ہونے اور لوگوں کے ساتھ اُلجھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہر کسی نے اپنے عمل کا جواب دینا ہے۔ یہی بات سرورِ دو عالمﷺ کو سمجھائی گئی کہ ایمان نہ لانے والوں کو یہ بتلائیں کہ میں تمہارے اعمال سے بریُ الذمہ ہوں۔ مجھے حکم ہے میں اپنے رب پر بھروسہ کروں۔ جو ہر بات پر غالب اور نہایت مہربان ہے۔ اس کا یہ بھی فرمان ہے کہ جب میں کھڑا ہوں یا چلتا پھرتا یا اس کے حضور سجدہ کر رہا ہوں۔ وہ مجھے ہر حال میں دیکھ رہا ہوتا ہے اور میری دعا کو سنتا اور اسے اچھی طرح جانتا ہے۔ اس سے پہلے آپ کو حکم دیا گیا ہے اللہ پر توکل کرتے ہوئے آپ ان لوگوں کے فکر و عمل سے برأت کا اعلان کریں پھر آپ کو اطمینان دلایا گیا کہ آپ نماز میں کھڑے ہوں یا بازار میں چلتے پھرتے ہوں یا اپنے رب کے حضور سجدہ کر رہے ہوں

آپ کا رب آپ کو ہر حال میں جانتا اور آپ کی ہر بات کو سننے والا ہے۔ اسی بات کو گیارھویں پارے میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

''اے نبی تم جس حال میں بھی ہوتے ہو، اور قرآن سے جو بھی سناتے ہو اور (لوگو) جو کام بھی تم کر رہے ہوتے ہو، ہم ہر وقت تمہارے سامنے موجود ہوتے ہیں جبکہ تم اس میں مشغول ہوتے ہو، زمین اور آسمان میں کوئی ذرہ برابر چیز بھی ایسی نہیں جو آپ کے رب سے چھپی ہو۔ ذرہ سے بھی چھوٹی یا اس سے بڑی کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو لوح محفوظ میں درج نہ ہو۔'' (یونس:۶۱)

''حضرت موسیٰ اور ہارون کو حکم ہوا کہ فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہے۔ اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔ دونوں نے عرض کی پروردگار ہمیں ڈر ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا ہم پر ٹوٹ پڑے گا۔ فرمایا ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں سب کچھ سن رہا ہوں اور سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔'' (طٰہٰ:۴۳تا۴۶)

عبادات میں سب سے افضل عبادت فرض نماز ہے۔ فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز تہجد کی نماز ہے۔ جسے نفل نماز قرار دیا گیا ہے۔ نفل کا معنٰی ہوتا ہے ''زائد'' رسول محترم نے نوافل کا فائدہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن فرض نماز کی کمی، بیشی نفل نماز سے پوری کی جائے گی۔ بعض اہل علم کے نزدیک پہلے آپ ﷺ پر تہجد فرض تھی۔ بعد ازاں اسے نفل قرار دے دیا گیا۔ تہجد کا لفظ ''جہد'' سے نکلا ہے۔ جس کا مطلب ہے۔ ''نیند کے بعد بیدار ہونا'' ظاہر ہے یہ کام ہمت اور کوشش کے بغیر نہیں ہوتا۔ اس لیے کچھ اہل علم ضروری سمجھتے ہیں کہ تہجد کچھ دیر سونے کے بعد اٹھ کر پڑھنی چاہیے۔ ان کے بقول سونے سے پہلے پڑھے جانے والے عام نوافل ہوں گے یہ تہجد شمار نہیں ہوتے۔ لیکن احادیث سے ثابت ہے کہ آدمی اپنی صحت اور فرصت کے مطابق رات کے کسی پہر میں تہجد پڑھ سکتا ہے۔ البتہ تہجد کے لیے افضل ترین وقت آدھی رات کے بعد ہے۔

﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ [السجدة: ١٦]

''وہ اپنے بستروں سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو ہم نے انہیں دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔''

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رب تعالیٰ رات کے آخری حصے میں آسمانِ دنیا پر تشریف لا کر فرماتا ہے: کون ہے مجھ سے طلب کرے میں اسکو عطا کروں اور کون ہے جو مجھ سے بخشش اور مغفرت چاہے میں اسکو بخش دوں۔'' [رواه البخاري: باب التحريض على قيام الليل]

مسائل

۱۔ کوئی شخص دوسرے کے اعمال کا ذمہ دار نہیں ہے۔ ۲۔ رسولِ کریم ﷺ ہر وقت اپنے رب کی نگرانی میں ہوا کرتے تھے۔

۳۔ آدمی کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہیے وہ ہر بات پر غالب اور مہربان ہے۔

۴۔ انسان جس حالت میں ہو، اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا، جانتا اور اس کی ہر بات کو سنتا ہے۔

هَلْ	اُنَبِّئُكُمْ	عَلٰى	مَنْ	تَنَزَّلُ	الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢٢١﴾	تَنَزَّلُ
کیا	میں تمھیں خبر دوں	پر	کس	نازل ہوتے ہیں	شیطان؟	نازل ہوتے ہیں
عَلٰى	كُلِّ	اَفَّاكٍ	اَثِيْمٍ ﴿٢٢٢﴾	يُّلْقُوْنَ	السَّمْعَ	
پر	ہر	جھوٹ بنانے والا	گناہ گار	وہ لگاتے ہیں	کان	
وَ اَكْثَرُهُمْ	كٰذِبُوْنَ ﴿٢٢٣﴾					
اوران کے اکثر	جھوٹے ہیں					

''لوگو! کیا میں تمھیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترا کرتے ہیں؟ (۲۲۱) وہ ہر جھوٹے اور گنہگار پر اترتے ہیں۔ (۲۲۲) جو سنی سنائی باتیں لوگوں کے کانوں میں ڈالتے ہیں ان میں اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔'' (۲۲۳)

فہم القرآن

ربط کلام: اہل مکہ کا رسالت مآب ﷺ پر یہ الزام تھا کہ آپ پر شیطان نازل ہوتا ہے جو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں آپ پر پڑھتا ہے۔

اسی سورۃ ۲۱۰ تا ۲۱۲ میں کفار کے الزام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ پر شیطان نہیں اُترتے نہ ان میں ایسا کرنے کی طاقت ہے۔ اس کے بعد نبی ﷺ کو دعوت اور اس کا طریقہ کار بتلایا گیا ہے۔ اب کفار کے الزام کا دوسرے انداز میں جواب دیا گیا ہے۔ میرے نبی ﷺ پر نزولِ شیطان کا الزام لگانے والو! سنو میں تمھیں بتلاؤں کہ شیطان کن لوگوں پر نازل ہوتے ہیں ہر جھوٹے اور گناہ گار پر شیطان نازل ہوتے ہیں۔ وہی شیطان کی باتیں غور سے سنتے ہیں اور ان کی اکثریت جھوٹے لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ''هَلْ اُنَبِّئُكُمْ '''' کیا میں تمھیں بتاؤں؟'' کے الفاظ استعمال فرما کر ایک طرف کفار کے الزام کا جواب دیا اور دوسری طرف سرورِ دو عالم ﷺ کی سیرت طیبہ کی طرف کھلا اشارہ ہے کہ جس ذات پر تم شیاطین کے نزول کا الزام لگاتے ہو وہ تو اس قدر گفتار اور کردار کے لحاظ سے پاکیزہ ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے بھی تم اسے الصادق اور الامین کہتے تھے سوچو اور غور کرو! کیا ایسی ذات جھوٹ بولنا یا سننا اور اسے آگے پھیلانا پسند کرسکتی ہے۔ جبکہ شیاطین تو انسان کو جھوٹ فریب کے سوا کوئی چیز القاء نہیں کرتے شیاطین تو فاسق و فاجر شخص پر ڈیرے ڈالتے ہیں۔ اس بات کو یوں بھی بیان کیا گیا ہے۔

''ہم نے ہر نبی کے لیے انسانوں اور شیطانوں کو دشمن بنا دیا یہ ایک دوسرے کی طرف دھوکا دینے کے لیے بناوٹی باتیں دل میں ڈالتے ہیں اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے، پس انہیں ان کے جھوٹ کے

حوالے کیجیے۔'' (الانعام:١١٢)

﴿وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِيْنٌ﴾ [الزخرف: ٣٦]

''جو اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے اس پر شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے اور وہ اُس کا ساتھی بن جاتا ہے۔''

((عَنْ حَفْصَةَ ؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَتٰى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلٰوةُ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً)) [رواہ مسلم: باب تَحْرِيمِ الْكِهَانَةِ وَإِتْيَانِ الْكُهَّانِ]

''حضرت حفصہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسولِ محترم ﷺ نے فرمایا' جو شخص گم شدہ یا چوری کا پتا بتانے والے کے پاس جائے اور اس سے کسی چیز کے بارے میں دریافت کرے اس کی چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہوتی۔''

مسائل

١۔ نبی اکرم ﷺ پر کفار بے ہودہ الزام لگایا کرتے تھے۔

٢۔ جھوٹے اور فاسق شخص پر شیطان اُترتا ہوتا ہے۔

٣۔ شیطان لوگوں کے دل میں جھوٹی اور مکروفریب کی باتیں القاء کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

شیطان کن لوگوں پر مسلّط ہوتا ہے:

١۔ سود کھانے والے کو شیطان بدحواس کر دیتا ہے۔ (البقرۃ:٢٧٥)

٢۔ منافقین کو اُن کے برے اعمال کے سبب شیطان نے پھسلا دیا۔ (آل عمران:١٥٥)

٣۔ جو لوگ اپنے فیصلے اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ کسی دوسرے کے سامنے لے جاتے ہیں شیطان ان کو گمراہ کر دیتا ہے۔ (النساء:٦٠)

٤۔ جو شخص اللہ کے ذکر سے غافل ہو جائے تو اس پر شیطان مسلّط ہو جاتا ہے۔ (الزخرف:٣٦)

٥۔ شیطان مشرکین پر مسلّط ہو کر ان کو سیدھے راستے کی طرف آنے سے روکتا ہے۔ (النمل:٢٤)

٦۔ شیطان کی دوستی اختیار کرنے والوں پر گمراہی مسلط کر دی جاتی ہے۔ (الاعراف:٣٠)

٧۔ شیطان ہر انسان پر حاوی ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ (بنی اسرائیل:٥٣)

وَالشُّعَرَآءُ	يَتَّبِعُهُمُ	الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾	اَلَمْ	تَرَ	اَنَّهُمْ
اور شاعر	ان کی پیروی کرتے ہیں	گمراہ لوگ	کیا نہیں	آپ نے دیکھا	کہ بلاشبہ وہ
فِیْ كُلِّ	وَادٍ	يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾	وَاَنَّهُمْ	يَقُوْلُوْنَ	
میں ہر	وادی	وہ سرگرداں پھرتے ہیں؟	اور بلاشبہ وہ	وہ کہتے ہیں	
مَا	لَا	يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾			
جو	نہیں	وہ کرتے			

''شعراء کے پیچھے تو گمراہ لوگ چلا کرتے ہیں۔(۲۲۴) کیا آپ دیکھتے نہیں کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔(۲۲۵) ایسی باتیں کہتے ہیں جن پر خود عمل نہیں کرتے۔''(۲۲۶)

فہم القرآن

ربط کلام: نبی اکرم ﷺ پر کفار کا تیسرا الزام، اور اس کا جواب:

سورۃ الشعراء کا اختتام کفار کے الزامات اور ان کے جوابات پر ہوتا ہے۔ اہل مکہ بڑے تکرار اور صرار کے ساتھ یہ الزام لگاتے کہ آپ شاعر ہیں یہ الزام لگانے کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو قرآن مجید کے الفاظ، آیات کا اختتامی انداز جس میں بعض آیات کا ردیف قافیہ اس طرح بنتا ہے جس میں خود بخود ایک دُھن پیدا ہو جاتی ہے اور پھر پورے قرآن میں غضب کی تاثیر پائی جاتی ہے۔ جس سے کوئی بھی آدمی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس لیے کبھی وہ آپ کو شاعر قرار دیتے اور کبھی جادوگر کہتے تھے۔ آپ کو شاعر قرار دینے کی دوسری وجہ یہ تھی کیونکہ قرآن مجید میں انتہا درجہ بلاغت اور تخیل کی بلندی پائی جاتی ہے۔ جس وجہ سے اس پر شاعرانہ کلام کا الزام لگانا آسان تھا۔ اس لیے مکہ کے لوگ آپ ﷺ کو شاعر کہتے تھے۔ کیونکہ شعراء کے بارے میں اکثر لوگ جانتے ہیں کہ یہ باتونی ہوتے ہیں ان کے کام اور کلام میں حقیقت بہت کم ہوا کرتی ہے، ان کی اکثریت گمراہ ہوتی ہے اور وہ ہر اچھا برا کلام پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ لیکن ان کی اپنی حالت یہ ہوتی ہے کہ بھلی بات کی بہترین اور مؤثر ترجمانی کرنے کے باوجود خود اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ اس لیے یہ وضاحت کی گئی ہے کہ شعراء اور ان کے پیچھے لگنے والے اکثر لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔ اور اکثر شعراء ہر وادی میں سرگراں پھرتے ہیں جبکہ رسول کریم ﷺ قرآن مجید کے ہر حکم پر عمل کرنے والے اور لوگوں کے سامنے اکمل اور بہترین نمونہ تھے۔

((وَعَنْ أَبِی سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِیِّ ؓ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ نَسِيْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِالْعَرْجِ اِذْ عَرَضَ شَاعِرٌ يُنْشِدُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خُذُو الشَّيْطَانَ اَوْاَمْسِكُوا الشَّيْطَانَ، لَاَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ رَجُلٍ قَيْحًا خَيْرٌ لَهٗ مِنْ اَنْ يَمْتَلِئَ شِعْرًا)) [رواہ مسلم: باب، الشعر]

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرج کے علاقے میں سفر کر رہے تھے کہ اچانک ایک شاعر نے آکر شعر کہنے شروع کر دیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اس شیطان کو پکڑو یا فرمایا کہ شیطان کو دور کرو۔ کہ اگر کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھرا ہو تو وہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ اشعار سے بھرا ہوا ہو۔''

اشعار کے نفع ونقصان کے بارے میں سورہ یٰسین کی آیت کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

متحدہ ہندوستان کے دور میں مولانا الطاف حسین حالی اُن چند شعراء میں شامل ہیں جن کا اس زمانہ میں طوطی بولتا تھا وہ اپنی کتاب مقدمہ شعر وشاعری میں لکھتے ہیں۔ شاعری کا ماحول عام طور پر جہالت کے دور میں زیادہ پنپتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے یونان کے مشہور فلسفی اور مفکر ارسطو کا حوالہ دیا کہ جب اس نے پہلی مرتبہ یونان کا دستور مرتب کیا تو ہر طبقہ کی اس نے ضرورت محسوس کی لیکن شاعروں کے طبقہ کو اس لیے درغور اعتنا نہ سمجھا کیونکہ بقول ان کے شاعر لوگ عام طور پر باتیں جوڑنے اور بنانے کے سوا کسی کام کے نہیں ہوتے۔ ارسطو کے قول کے بارے میں نہ معلوم ہر دور کے دانشوروں کی کیا رائے ہوگی تاہم یہ بات مسلمہ ہے کہ شعر وشاعری کے ماحول میں علم اور عقل کی بات کو ترجیح نہیں دی جاتی۔ میں نے زندگی میں ان گنت عوامی اجتماعات میں شرکت کی اور سُنے ہیں۔ جس اجتماع میں کوئی خطیب شعر یا ترنم کے ساتھ بات نہیں کرتا بیشک وہ کتنا ہی اچھا خطیب اور عالم کیوں نہ ہو لوگ اس کی بات سننے کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ جس معاشرے اور جماعت میں ایسا ماحول پیدا ہو جائے وہاں علم اور علماء کی قدر اُٹھ جاتی ہے۔ ان حقائق کے پیشِ نظر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ شعر وشاعری کے فوائد کم اور وقتی اس کے نقصانات گہرے اور دیرپا ہوتے ہیں۔

مسائل

۱۔ شعراء کے کلام میں اچھی بری ہر قسم کی بات پائی جاتی ہے۔

۲۔ اکثر شعراء اچھی باتیں کہنے کے باوجود خود اس پر عمل نہیں کرتے۔

۳۔ شعراء کے پیچھے لگنے والے اکثر لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر شاعری کا الزام اور اس کی تردید:

۱۔ کفار آپ کو شاعر کہتے تھے۔ (الطّور: ۳۰)

۲۔ کفار نے کہا کیا ہم اپنے معبودوں کو شاعر و مجنوں کی خاطر چھوڑ دیں؟ (الصّٰفٰت: ۳۶)

۳۔ شعراء کے پیچھے تو بھٹکے ہوئے لوگ چلتے ہیں۔ (الشعراء: ۲۲۴)

۴۔ ہم نے آپ کو شعر شاعری نہیں سکھلائی اور نہ ہی یہ آپ کے لیے زیبا تھا۔ (یٰس: ۶۹)

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا

مگر وہ لوگ وہ ایمان لائے اور انھوں نے عمل کیے نیک اور انھوں نے یاد کیا

اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا

اللہ بہت زیادہ اور انھوں نے بدلہ لیا سے بعد کہ وہ ظلم کیے گئے تھے

ع ١١ ٢٦ ١٥ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ ع

اور عنقریب وہ جان لیں گے وہ لوگ انہوں نے ظلم کیا کونسی لوٹنے کی جگہ وہ لوٹیں گے؟

’’سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا۔ جب ان پر ظلم کیا جاتا ہے تو صرف اس کا بدلہ لیتے ہیں۔ ظلم کرنے والوں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس انجام سے دوچار ہوتے ہیں۔‘‘ (۲۲۷)

فہم القرآن

ربط کلام: اکثر شعراء اوٹ پٹانگ باتیں کرتے ہیں اگر ان کے کلام میں کوئی اچھی بات پائی جائے تو اس پر خود عمل پیرا نہیں ہوتے سوائے ان شاعروں کے جو صحیح العقیدہ اور صالح کردار ہوتے ہیں۔

شعراء اور ان کے متبعین کی گمراہی کا ذکر کرنے کے بعد ان لوگوں کو اس گروہ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے جو صحیح العقیدہ اور نیک اعمال کرنے کے ساتھ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے والے ہیں۔ آیات کے سیاق وسباق کے حوالے سے ایمان والوں سے مراد یہاں سب سے پہلے صحیح العقیدہ اور صالح کردار شاعر ہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے بے عمل اور بیہودہ شاعروں کا تذکرہ ہے اس لیے یہاں پہلے مخاطب نیک شعراء ہیں۔ نیک شاعر اور عقیدہ توحید پر پختہ اور صالح اعمال کرنے والے مسلمان۔ اللہ تعالیٰ کو کثرت کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ اگر ان پر ظلم کیا جائے تو وہ اتنا ہی بدلہ لیتے ہیں جتنا ان پر ظلم کیا گیا ہو۔ جہاں تک ظالموں کا تعلق ہے انھیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ وہ کن بھول بھلیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

یہاں بُرے شعراء سے اُن شعراء کرام کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو چار خصوصیات کے حامل ہوں:

۱۔ مومن ہوں، یعنی اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتابوں کو سچے دل سے مانتے ہوں اور آخرت پر یقین رکھتے ہوں۔

۲۔ عملی زندگی میں صالح ہوں، بدکار اور فاسق وفاجر نہ ہوں، اخلاقی بندشوں سے آزاد ہو کر ہر جگہ جھک مارنے والے نہ ہوں۔ یعنی ان کا کلام بے دینی اور بے حیائی سے پاک ہو۔

۳۔ اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہوں۔

۴۔ ذاتی اغراض کے لیے کسی کی ہجو نہ کریں نہ ذاتی، نسلی اور قومی عصبیتوں کی خاطر انتقام کی آگ بھڑکائیں، مگر جب ظالموں کے مقابلے میں حق کی حمایت کے لیے ضرورت پیش آئے تو پھر زبان سے وہی کام لیں جو مجاہد تلوار، تیر سے

لیتا ہے۔اسی بنا پر کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے آپ نے فرمایا:(قَالَ اهْجُوا قُرَيْشًا فَإِنَّهُ أَشَدُّ عَلَيْهَا مِنْ رَشْقٍ بِالنَّبْلِ) ”ان کی ہجو کہو کیونکہ اس رب کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تمہارا شعر ان کے حق میں تیر سے زیادہ تیز ہے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا:(إِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ لَا يَزَالُ يُؤَيِّدُكَ مَا نَافَحْتَ عَنِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ)”ان کی خبر لو“شعر کہو روح القدس تیرے ساتھ ہے۔“ (رواہ مسلم:باب فضائل حسان بن ثابت)

”ذکر ایسی عبادت ہے کہ جسے کثرت کے ساتھ کرنے کا حکم ہوا ہے۔نماز بذاتِ خود بہت بڑا ذکر ہے۔لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں دو مقامات پر نماز کی ادائیگی کے بعد مزید کثرت کے ساتھ یادِ الٰہی میں مصروف رہنے کا حکم فرمایا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آپ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے تھے۔“ [رواہ البخاری: کتاب الأذان]

((عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ حِينَ أَنْزَلَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي الشِّعْرِ مَا أَنْزَلَ أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ أَنْزَلَ فِي الشِّعْرِ مَا قَدْ عَلِمْتَ وَكَيْفَ تَرَى فِيهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ الْمُؤْمِنَ يُجَاهِدُ بِسَيْفِهِ وَلِسَانِهِ))[رواہ احمد: مسند کعب بن مالک]

”حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے شعراء کے متعلق یہ آیت نازل کی تو کعب بن مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے شعروں کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی ہے جس کا آپ کو علم ہے آپ کا اس آیت کے بارے میں کیا خیال ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک مؤمن اپنی تلوار اور زبان سے جہاد کرتا ہے۔“

مسائل

۱۔ صحیح العقیدہ لوگ نیک اعمال کرنے کے ساتھ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔

۲۔ مظلوم کو ظالم سے بدلہ لینے کی اجازت ہے۔

تفسیر بالقرآن

ذکرِ الٰہی کا حکم اور فضیلت:

۱۔ اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے۔(العنکبوت:۴۵) ۲۔ اللہ کا ذکر کرنے کا حکم۔(البقرۃ:۱۵۲)

۳۔ اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔(الانفال:۴۵) ۴۔ اللہ کو گڑ گڑا کر صبح و شام آہستہ یاد کرو۔(الأعراف:۲۰۵)

۵۔ اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔(الرعد:۲۸)

۶۔ اللہ کے ذکر سے غافل لوگوں پر شیطان کا تسلط ہوتا ہے۔(الزخرف:۳۶)

۷۔ اللہ کے ذکر سے غافل لوگ گھاٹے میں ہیں۔(المنافقون:۹)

سورۃ النّمل کا تعارف

ربط سورۃ: الشعرآء کے آخر میں ایمانداروں کی صفت بیان ہوئی کہ وہ ''اللہ'' کو بہت یاد کرتے ہیں۔النّمل کی ابتدا میں بتایا ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے قرآن مجید ہدایت اور خوشخبری کا پیغام ہے۔

یہ سورۃ 7 رکوع اور 93 آیات پر مشتمل ہے۔النّمل کا لفظ اس سورۃ کی اٹھارویں آیت میں استعمال ہوا ہے۔

سورۃ کی ابتدا میں قرآن مجید کا تعارف کروایا گیا ہے کہ قرآن اپنے مدعا اور دلائل کے حوالے سے واضح اور مدلّل کتاب ہے۔ یہ ایسے لوگوں کے لیے خوشخبری کا پیغام ہے جو حقیقی معنوں میں ایمان لاتے ہیں، نماز قائم، زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرتے اور آخرت پر یقین کامل رکھتے ہیں، ان کے مقابلے میں جو آخرت کی جواب دہی پر یقین نہیں رکھتے۔اُن کے لیے اُن کے بُرے اعمال خوبصورت بنا دیئے گئے ہیں اور وہ اپنی روش میں اندھے ہو چکے ہیں۔انہیں آخرت میں بدترین عذاب ہو گا اور یہی لوگ آخرت میں دائمی نقصان پانے والے ہیں۔بنیادی ہدایات کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا ابتدائی واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔کہ ''اللہ'' نے انہیں سفر میں کس طرح نبوت اور عظیم معجزے عطا فرمائے،اس کے بعد حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے اقتدار اور اختیارات کا ذکر فرما کر ملکہ بلقیس کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سفارت اور ملاقات کے مثبت نتائج کا تذکرہ کیا ہے۔ جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی قدم،قدم پر ذہانت نمایاں ہے اور ملکہ بلقیس ہر قدم پر اپنی بے علمی کا اعتراف کرتے ہوئے بالآخر مسلمان ہو جاتی ہے۔پھر صالح علیہ السلام کی قوم اور لوط علیہ السلام کی قوم کے کردار اور انجام پر تبصرہ کیا گیا ہے،حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے کردار اور انجام سے اہل مکہ کو متنبہ کیا ہے۔کہ تم جو کچھ بھی ہو لیکن فرعون اور اس کے ساتھیوں سے تمہاری طاقت اور بغاوت زیادہ نہیں۔جب فرعون اور اس کے لشکر حق کے مقابلے میں ٹھہر نہ سکے تو تم کس باغ کی مولی ہو لہٰذا سمجھ جاؤ ورنہ تمہارا انجام بھی آل فرعون جیسا ہو گا۔حضرت سلیمان اور ملکہ بلقیس کا واقعہ ذکر کر کے یہ سمجھایا ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ اقتدار بخشے اُسے کس طرح دوسرے کو توحید کی دعوت دینا ہے اور جس تک توحید کی دعوت پہنچے اسے تسلیم کا رویہ اختیار کرنا چاہیے النّمل کے آخر میں سوالات کی صورت میں توحید سمجھائی گئی اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے ثبوت دیئے گئے ہیں پھر نبی ﷺ کو حکم دیا کہ اہل مکہ پر واضح کر دیں جس رب نے مکہ کو حرمت والا بنایا ہے۔میں اسی رب کی توحید کی دعوت دیتا اور اسی کی عبادت کرتا ہوں۔جس نے قرآن مجید کی ہدایت کو قبول کیا اس کا اسے ہی فائدہ پہنچے گا جو اپنے انکار پر قائم رہا میرا کام تو اسے سمجھانا اور برے انجام سے ڈرانا ہے۔

سورۃ کا اختتام ان الفاظ میں ہوا کہ آپ ﷺ ہر حال میں اپنے رب کا شکر ادا کرتے رہیں،وہ عنقریب اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلائے گا۔جنہیں دیکھ کر منکرین کو یقین ہو جائے گا،کہ جو کچھ آپ فرما رہے ہیں وہ حق اور سچ ہے یاد رکھیں کہ آپ کا رب ان کے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

سُورَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعُهَا: ۷ اٰيَاتُهَا: ۹۳

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے

طٰسٓ قف	تِلْكَ	اٰيٰتُ	الْقُرْاٰنِ	وَكِتَابٍ	مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾
طٰسٓ	یہ	آیات	قرآن	اور کتاب	واضح
هُدًى	وَّبُشْرٰى	لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾	الَّذِيْنَ	يُقِيْمُوْنَ	الصَّلٰوةَ
ہدایت	اور خوشخبری	مومنوں کے لیے	وہ جو	قائم رکھتے ہیں	نماز
وَيُؤْتُوْنَ	الزَّكٰوةَ	وَهُمْ	بِالْاٰخِرَةِ	هُمْ	يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾
اور ادا کرتے ہیں	زکوٰۃ	اور وہ	آخرت کے ساتھ	وہ	یقین رکھتے ہیں

”طٰسٓ یہ آیات ہیں قرآن اور کتاب مبین کی۔(۱) ہدایت اور خوشخبری ہے ایمان والوں کے لیے۔(۲) جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔“(۳)

فہم القرآن

ربط سورة: الشعراء کا اختتام کفار کے الزامات کے جواب پر ہوا ہے اور سورۃ النمل کا آغاز قرآن مجید کے تعارف سے کیا گیا ہے۔ تاکہ الزام لگانے والوں کو معلوم ہو کہ اس کتاب کو نبی کریم ﷺ نے اپنی طرف سے نہیں بنایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔

یہ قرآن مجید کی آیات ہیں جو اپنے الفاظ، انداز اور مدعا کے اعتبار سے واضح ہیں۔ اس کتابِ مبین میں نہ کوئی ابہام ہے اور نہ اس کے مضامین اور مسائل میں کوئی الجھاؤ ہے۔ یہ حق اور باطل کے درمیان حدِّ فاصل قائم کرتی ہے۔ بشرطیکہ کوئی انسان ایمان اور ایقان کے ساتھ اس کی تلاوت کرے۔ یہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو میں اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ جو لوگ اس کی رہنمائی پر یقین اور عمل کریں گے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں خوشخبری ہے۔ اس پر ایمان لانے والوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

خوشخبری کا پیغام:

((عن عمر رضی اللہ عنہ قال قَالَ رسول اللّٰه ﷺ إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ))

[رواہ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین]

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ ”اللہ“ اس کتاب کے ساتھ اقوام کو بلند کرے گا اور دوسروں کو پست کردے گا۔“

مسائل

۱۔ قرآن مجید کی آیات اپنا مدعا بیان کرنے میں بالکل واضح ہیں۔ ۲۔ قرآن مجید پر ایمان لانے والوں کے لیے کامیابی کی نوید ہے۔

اِنَّ	الَّذِيْنَ	لَا يُؤْمِنُوْنَ	بِالْاٰخِرَةِ	زَيَّنَّا	لَهُمْ	اَعْمَالَهُمْ
بلاشبہ	وہ لوگ	نہیں وہ ایمان لاتے	آخرت کے ساتھ	ہم نے خوبصورت کردیے	ان کے لیے	ان کے اعمال
فَهُمْ	يَعْمَهُوْنَ ۝	اُولٰٓئِكَ	الَّذِيْنَ	لَهُمْ	سُوْٓءُ	الْعَذَابِ
لہٰذا وہ	سرگرداں پھرتے ہیں	یہ	وہ لوگ	جن کے لیے	برا	عذاب
وَهُمْ	فِي	الْاٰخِرَةِ	هُمُ	الْاَخْسَرُوْنَ ۝		
اور وہ	میں	آخرت	وہی	بہت نقصان پانے والے ہیں		

”حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے ان کے لیے ہم نے ان کے کردار کو خوشنما بنادیا ہے اس لیے وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔(۴) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے بدترین عذاب ہے اور آخرت میں سب سے زیادہ نقصان پانے والے ہیں۔“(۵)

فہم القرآن

ربط کلام: یقین اور ایمان سے محروم لوگوں کی دنیا میں سزا اور آخرت میں انتہا درجہ کا نقصان۔

جو لوگ ایمان وایقان کی دولت سے محروم ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں ان کے اعمال کے حوالہ کردیتا ہے۔ وہ اپنے گناہوں میں سرگرداں رہتے ہیں۔ انسان جب گمراہی کے آخری درجہ میں پہنچ جاتا ہے تو پھر وہ گناہ کو گناہ نہیں سمجھتا بلکہ اسے تہذیب و تمدن، معاشرتی روایات، فیشن اور ترقی کا زینہ سمجھتا ہے۔ ایسے شخص کا دل پریشانیوں کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ دل کے سکون کے لیے کبھی نشہ کرتا ہے اور کبھی مزید عیاشی کا سامان ڈھونڈتا ہے۔ لیکن دل میں اطمینان اور سکون پیدا ہونے کی بجائے مزید پریشانیاں بڑھ جاتی ہیں۔ ان لوگوں کے لیے دنیا میں بے چینی اور بے سکونی کی سزا ہے اور آخرت میں انھیں بدترین عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ ان کے لیے ایسا نقصان ہوگا جس کا وہ دنیا میں تصور بھی نہیں کرسکتے۔ کتابِ مبین میں شک کرنے والے، نماز کے تارک، زکوٰۃ کے منکر اور آخرت پر یقین نہ رکھنے والے لوگوں کے اعمال اللہ تعالیٰ ان کے لیے خوبصورت بنادیتا ہے۔ یہی بات قرآن مجید میں کئی مرتبہ یوں بیان کی گئی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے نافرمانوں کے اعمال شیطان خوبصورت بنا دیتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی پر چل کر جن رسومات، تہذیب وتمدّن اور اعمال کو یہ لوگ اپنے لیے مفید اور باعثِ عزت سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کے اعمال کے حوالہ کردیتا ہے۔ یہ دنیا میں پریشان رہیں گے اور آخرت میں بدترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُنِ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾ [الحج:١١]

’’اورلوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کنارے پر رہ کر اللہ کی بندگی کرتا ہے اگر فائدہ ہوا تو مطمئن ہو جاتا ہے اگر مصیبت آ گئی تو الٹا پھر جاتا ہے اس کی دنیا بھی خراب ہوگئی اور آخرت بھی۔ یہ ہے کھلا نقصان۔‘‘

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا وَ رَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ﴾ [یونس: ۷]

’’بے شک جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر خوش ہوئے اور اس پر مطمئن ہو گئے وہ ہماری آیات سے غافل ہیں۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان اور قیامت کے منکروں کے اعمال خوبصورت بنا دیے جاتے ہیں۔

۲۔ جو لوگ بُرے اعمال کو اچھا سمجھتے ہیں ان کے لیے دنیا میں پریشانی اور آخرت میں بدترین عذاب ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

دنیا اور آخرت میں نقصان پانے والے لوگ:

۱۔ اے پیغمبر کیا میں تمہیں ایسے لوگوں کے متعلق نہ بتاؤں جو اپنے اعمال میں نقصان پانے والے ہیں۔ (الکہف:۱۰۳)

۲۔ اسلام کا انکار کرنے والے نقصان پائیں گے۔ (البقرۃ:۱۲۱)

۳۔ اسلام کے بغیر دین تلاش کرنے والے نقصان پائیں گے۔ (آل عمران:۸۵)

۴۔ شیطان کی تابعداری کرنے والے نقصان پائیں گے۔ (المجادلۃ:۱۹)

۵۔ مشرک نقصان پائیں گے۔ (الزمر:۶۵) ۶۔ کافر نقصان پائیں گے۔ (النحل:۱۰۹)

۷۔ زمین میں فساد کرنے والے لوگ خسارہ اٹھائیں گے۔ (البقرۃ:۲۷)

۸۔ اللہ کفار کے اعمال دنیا میں تباہ کرے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پائیں گے۔ (التوبۃ:۶۹)

۹۔ جس نے اللہ کے سوا شیطان کو دوست بنایا اس نے بہت نقصان پایا۔ (النساء:۱۱۹)

۱۰۔ ان لوگوں نے نقصان پایا جنہوں نے اللہ کی ملاقات کی تکذیب کی۔ (الانعام:۳۱)

۱۱۔ اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم نقصان پانے والے ہوں گے۔ (حضرت آدم علیہ السلام کی دعا) (الاعراف:۲۳)

علیم ﴿٦﴾	حکیم	لدن	من	القرآن	لتلقی	وانک
علیم	حکیم	پاس	سے	قرآن	سکھلائے جاتے ہیں	اور بلاشبہ آپ

''اور اے نبی بلاشبہ یہ قرآن آپ پر اللہ حکیم و علیم کی طرف سے نازل ہو رہا ہے۔'' (٦)

فہم القرآن

ربط کلام: جس قرآن کو مومنوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری کے طور اتارا گیا ہے یہ من جانب اللہ ہے۔

سرورِ دو عالم ﷺ کے ساتھ مکہ والوں کو ایک یہ بھی اختلاف تھا کہ یہ نبی قرآن مجید کو خود بنا لیتا ہے اس الزام کی اس سے پہلے مختلف الفاظ اور پیرائے میں تردید کی گئی ہے۔ یہاں اس بات کو یوں بیان فرمایا ہے کہ قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے میں کسی شک کی ہرگز گنجائش نہیں کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑا حکیم اور ہر بات کو جاننے والا ہے۔ ان الفاظ میں کفار کی تردید کرنے کے ساتھ سرورِ دو عالم ﷺ کے لیے تسلی ہے کہ اے پیغمبر ﷺ! اس بات کا کبھی خیال نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کی مخالفت کرنے والوں کا علم نہیں۔ یقین رکھو کہ ہر بات اس کے علم میں ہے لیکن وہ اپنی حکمت کے ساتھ حق و باطل میں کشمکش پیدا کرتا ہے تاکہ کھرے اور کھوٹے میں امتیاز ہو جائے۔

وحی کا معنٰی:

لغوی لحاظ سے وحی میں مندرجہ ذیل مفہوم پائے جاتے ہیں۔

۱۔ الہام:

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّ مُوسَى أَنْ أَرْضِعِيهِ﴾ [القصص: ۷]

''ہم نے امّ موسیٰ کی طرف وحی کی کہ تم موسیٰ کو دودھ پلاؤ۔''

۲۔ شہد کی مکھی کو الہام:

﴿وَ اَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ﴾ [النحل: ٦٨]

''تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی کہ تو پہاڑوں، درختوں اور چھپروں میں گھر بنا لے۔''

۳۔ وحی کا معنٰی اشارہ۔ جس طرح زکریا علیہ السلام کو اشارہ ہوا۔

﴿فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِیًّا﴾ [مریم: ١١]

''وہ محراب سے نکل کے قوم کے پاس آئے اور انہیں اشارہ کیا کہ صبح و شام سبحان اللہ کہو۔''

۴۔ شیطان کا وسوسہ پیدا کرنا اور برائی کو انسان کے لیے مزین کرنا۔

﴿وَ اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰۤی اَوْلِیٰٓـِٕهِمْ لِیُجَادِلُوْكُمْ﴾ [انعام: ١٢١]

''بیشک شیطان اپنے دوستوں کواشارہ کرتے ہیں تا کہ وہ تمہارے ساتھ جھگڑیں۔''

﴿وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ [انعام: ۱۱۲]

''ہم ہر نبی کے لیے انسانی اور جناتی شیاطین میں سے دشمن بناتے ہیں جو ایک دوسرے کو چکنی چپڑی دھوکا دینے والی باتیں بتاتے ہیں۔''

۵۔ اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو کسی کام کے کرنے کا حکم۔

﴿ اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَةِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ [الانفال: ۱۲]

''جب تیرے رب نے فرشتوں کی طرف وحی کی بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ۔''

۶۔ انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی بھیجنا۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَکَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِیْ إِلَیْھِمْ﴾[الانبیاء: ۷]

''ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے سبھی مردوں میں سے تھے اور ہم نے اُن کی طرف وحی کی۔''

مسائل

۱۔ قرآن مجید نبی اکرم ﷺ کے دل و دماغ کا اختراع نہیں بلکہ اسے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔

۲۔ ''اللہ'' کے ہر کام اور حکم میں حکمت پائی جاتی ہے۔

۳۔ ''اللہ'' لوگوں کے اعمال اور ان کے دلوں کی حالت جانتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے:

۱۔ قرآن رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے۔(الشعراء: ۱۹۲)

۲۔ ''اللہ'' ہی قرآن مجید نازل کرنے والا، حکمت والا اور تعریف کے لائق ہے۔(حٰم السجدۃ: ۴۲)

۳۔ ہم ہی قرآن مجید کو نازل کرنے والے ہیں اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔(الحجر: ۹)

۴۔ ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی تا کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لائیں۔(ابراہیم: ۱)

اِذْ	قَالَ	مُوْسٰى	لِاَهْلِهٖٓ	اِنِّيْٓ	اٰنَسْتُ	نَارًا ۭ
جب	اس نے کہا	موسیٰ	اپنی اہلیہ کے لیے	بے شک میں نے	دیکھی ہے	آگ

سَاٰتِيْكُمْ	مِّنْهَا	بِخَبَرٍ	اَوْ	اٰتِيْكُمْ	بِشِهَابٍ
ابھی لاتا ہوں تمھارے لیے	اس سے	کوئی خبر	یا	میں لاؤں گا تمھارے پاس	شعلہ

قَبَسٍ	لَّعَلَّكُمْ	تَصْطَلُوْنَ ۝	فَلَمَّا	جَاۗءَهَا	نُوْدِيَ
سلگتا ہوا	تا کہ تم	تم تاپو	پھر جب	اس کے پاس آئے	آواز دیے گئے

اَنْۢ	بُوْرِكَ	مَنْ	فِي	النَّارِ	وَمَنْ	حَوْلَهَا ۭ
کہ	مبارک	وہ جو	میں	آگ	اور جو	اس کے اردگرد

''جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے ابھی وہاں سے کوئی خبر لے کر آتا ہوں یا کوئی انگارا لاتا ہوں تا کہ آپ تاپ سکیں۔(۷) موسیٰ وہاں پہنچے تو آواز آئی جو اس آگ میں ہے وہ مبارک ہے اور جو اس کے آس پاس ہے وہ بھی مبارک ہے۔

فہم القرآن

ربط کلام: پچھلی آیات میں قرآن مجید کے بارے میں شک کرنے اور سرورِ دو عالم ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کا انجام ذکر ہوا۔اب جو انہیں دنیا اور آخرت میں ہوگا اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

یہ بات سورۃ مزمل آیت ۱۵ کے حوالہ سے بتلائی جا چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان بہت سی مماثلتیں قائم کی ہیں۔اس لیے موقع محل کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مشکلات اور ان کی قوم کی مخالفت کا ذکر کیا جاتا ہے۔جس کی یہاں اس طرح ابتداء کی ہے کہ اے نبی! موسیٰ علیہ السلام کے سفر پر غور فرمائیں۔جب وہ دس سالہ غریب الوطنی کی زندگی گزار کر اپنی اہلیہ کے ساتھ مصر کی طرف آرہے تھے۔راستے میں انھوں نے بھڑکتی ہوئی آگ دیکھی اور اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ آپ یہاں ٹھہریں وہ آگ دکھائی دے رہی ہے میں وہاں سے راستے کی معلومات حاصل کرتا ہوں یا آپ کے لیے آگ کا انگارہ لاتا ہوں تا کہ آپ اسے تاپ سکیں۔یہ کہہ کر موسیٰ علیہ السلام آگ کی طرف بڑھے۔جب اس کے قریب پہنچے تو انھیں آواز دی گئی کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! جسے تم آگ سمجھ رہے ہو وہ آگ نہیں بلکہ اللہ کا مبارک نور ہے۔جس سے اس کے آس پاس کا ماحول روشن اور بابرکت ہو چکا ہے۔اے موسیٰ (علیہ السلام)! اللہ تعالیٰ ہر عیب اور کمزوری سے پاک ہے۔وہی رب العالمین ہے۔موسیٰ علیہ السلام کو پھر یقین دلایا گیا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! تجھے آواز دینے والا ''اللہ'' ہے جو ہر بات پر غالب اور حکمت والا ہے۔مفسرین نے سبحان اللہ کا یہاں یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! یہ بات ہرگز نہ سمجھنا کہ میں درخت میں حلول کر

وَ	سُبۡحٰنَ	اللّٰہِ	رَبِّ	الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۸﴾	یٰمُوۡسٰۤی	اِنَّہٗۤ
اور	پاک	اللہ	رب	جہانوں	اے موسیٰ!	بلاشبہ وہ

اَنَا	اللّٰہُ	الۡعَزِیۡزُ	الۡحَکِیۡمُ ﴿۹﴾
میں ہوں	اللہ	نہایت غالب	خوب حکمت والا

پاک ہے اللہ سب جہانوں کا پالنے والا۔(۸) اے موسیٰ میں ہوں اللہ زبردست اور حکمت والا۔‘‘(۹)

چکا ہوں یا میرا نور اتنا محدود ہے کہ جس نے صرف محدود حلقہ کو گھیر رکھا ہے۔اے موسیٰ (علیہ السلام)! نہ میری ذات محدود ہے اور نہ میرا جمال اور کوئی صفت محدود ہے۔میں تو رب العالمین ہوں۔میں اس بات پر اختیار رکھتا ہوں کہ اپنی ذات کا پرتو اور اپنے حسن و جمال کی ایک جھلک کو کسی درخت پر مرکوز کر دوں۔درخت پر تجلی مرکوز کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ہمہ تن گوش ہو کر اس پر توجہ دے سکیں۔یقین رکھیں کہ آپ کا رب اپنا ہر فیصلہ نافذ کرنے پر غالب ہے اور اس کا حکم حکمت سے بھرپور ہوتا ہے۔ان الفاظ میں موسیٰ علیہ السلام کو مستقبل کے حوالے سے کامیابی کی نوید دی گئی ہے۔

((عَنْ اَبِیْ مَالِكِ الْاَشْعَرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَاُ الْمِیْزَانَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَاٰنِ اَوْ تَمْلَاُ مَا بَیْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالصَّلٰوةُ نُوْرٌ وَّالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ وَّالصَّبْرُ ضِیَآءٌ وَّالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْ عَلَیْكَ كُلُّ النَّاسِ یَغْدُوْا فَبَآئِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا۔)) [رواہ :مسلم :باب فضل الوضوء]

’’حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذکر کرتے ہیں کہ پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے’’الحمد للہ‘‘ کے الفاظ میزان کو بھر دیتے ہیں۔’’سبحان اللہ‘‘ اور ’’الحمد للہ‘‘ دونوں کلمے زمین و آسمان کو بھر دیتے ہیں۔نماز روشنی ہے، صدقہ دلیل ہے، صبر بھی نور ہے۔قرآن مجید تیرے حق میں یا تیرے خلاف حجت ہے۔صبح کو اٹھنے والا ہر شخص اپنے نفس کا سودا کیے ہوتا ہے چاہے تو آزادی حاصل کرے یا چاہے تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دے۔‘‘

مسائل

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین سے واپسی پر راستے میں ایک درخت پر اللہ تعالیٰ کی تجلی دیکھی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے پہلے موسیٰ علیہ السلام اس روشنی کو آگ سمجھتے رہے تھے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پہلی وحی میں بتلا دیا کہ میں ہر کمزوری سے پاک ہوں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو رب العالمین، العزیز اور الحکیم کہہ کر اپنا تعارف کروایا۔

وَاَلْقِ	عَصَاكَ	فَلَمَّا	رَاٰهَا	تَهْتَزُّ	كَاَنَّهَا	جَآنٌّ
اورڈال	اپنا عصا	پھر جب	اس نے دیکھا	وہ حرکت کررہا	گویا کہ وہ	سانپ ہے
وَّلّٰى	مُدْبِرًا	وَّلَمْ	يُعَقِّبْ ط	يٰمُوْسٰى	لَا تَخَفْ قف	
وہ لوٹا	پیٹھ پھیر کر	اور نہ	اس نے مڑکر دیکھا	اے موسیٰ!	مت ڈرو تم	
اِنِّيْ	لَا يَخَافُ	لَدَيَّ	الْمُرْسَلُوْنَ ﴿١٠﴾	اِلَّا	مَنْ	ظَلَمَ
بلاشبہ میں	نہیں ڈرتے	میرے حضور	رسول	مگر	جس نے	ظلم کیا
ثُمَّ	بَدَّلَ	حُسْنًا	بَعْدَ	سُوْٓءٍ	فَاِنِّيْ	غَفُوْرٌ
پھر	اس نے بدلہ	نیکی	بعد	برائی	تو بلاشبہ میں	بڑا بخشنے والا

"اور اپنی لاٹھی پھینک دو موسیٰ نے دیکھا کہ لاٹھی سانپ کی طرح بل کھا رہی ہے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا، اے موسیٰ ڈرو نہیں کیونکہ رسول میرے حضور ڈرا نہیں کرتے۔(١٠) الا یہ کہ کسی نے قصور کیا ہو۔ اگر اس نے برائی کے بعد نیکی کی تو میں معاف کرنے والا ہوں۔

فہم القرآن

ربط کلام: پہلی وحی کے موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا کرنے کے ساتھ دو عظیم معجزات سے سرفراز کیا گیا۔

جب موسیٰ علیہ السلام کو دل کی اَتھاہ گہرائیوں سے یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا رسول منتخب فرمالیا ہے تو اُنھیں حکم ہوا کہ اے موسیٰ! اپنا عصا زمین پر پھینکئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جونہی عصا زمین پر پھینکا تو وہ بہت بڑا اژدھا بن کر اپنا پھن پھیلاتے ہوئے لہرانے لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ڈر کر اُس سے دور بھاگے اور انھوں نے پلٹ کر دیکھنے کی ہمت نہ کی۔ جب موسیٰ علیہ السلام پیچھے کی طرف بھاگ رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! ڈریے نہیں کیونکہ میرے حضور رسول ڈرا نہیں کرتے۔ میری بارگاہ میں پیشی سے وہ لوگ ڈرا کرتے ہیں جنھوں نے ظلم کیا ہوتا ہے۔ ہاں جو برائی کو بھلائی سے بدلتے ہیں انہیں معاف کرنے والا اور مہربان ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے پلٹ کر اژدھا کو پکڑا تو وہ پہلے کی طرح عصا بن گیا۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر نکالو وہ بغیر کسی بیماری کے چمکتا ہوا نکلے گا۔ یہ نو نشانیوں میں سے دو ہیں جن کے ساتھ تجھے فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا جا رہا ہے۔ ہاں یہ بات ذہن میں رکھنا کہ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں

آلِ فرعون انتہائی ظالم لوگ تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا مجھے رب العالمین کی طرف سے رسول بنایا گیا ہے اور میں وہی بات کہوں گا جس کے کہنے کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے میں تمھارے پاس اپنے رب کی ربوبیت اور وحدت کے ٹھوس اور واضح دلائل لایا ہوں۔ اس لیے تمھیں اپنی خدائی چھوڑ کر صرف اور صرف ایک اللہ کو اپنا رب

رَّحِيْمٌ ⑪	وَاَدْخِلْ	يَدَكَ	فِيْ	جَيْبِكَ	تَخْرُجْ
نہایت رحم کرنے والا	اور تو داخل کر	اپنا ہاتھ	میں	اپنے گریبان	وہ نکلے گا

بَيْضَآءَ	مِنْ	غَيْرِ	سُوْٓءٍ قف	فِيْ	تِسْعِ	اٰيٰتٍ
سفید	سے	بغیر	کسی عیب	میں	نو	نشانیوں سے

اِلٰى	فِرْعَوْنَ	وَقَوْمِهٖ ط	اِنَّهُمْ	كَانُوْا	قَوْمًا	فٰسِقِيْنَ ⑫
طرف	فرعون	اور اس کی قوم کی طرف	بے شک وہ	ہیں	لوگ	نافرمان

مہربان ہوں۔(۱۱) اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر نکالو وہ بغیر کسی تکلیف کے چمکتا ہوا نکلے گا یہ نو نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں فرعون اور اس کی قوم کی طرف لے جانے کے لیے وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔"(۱۲)

ماننا چاہیے اس کے ساتھ میرا یہ مطالبہ ہے کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دیا جائے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا جواب دیتے ہوئے کہا اگر تو واقعی اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو کوئی معجزہ پیش کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فی الفور اپنا عصا زمین پر پھینکا جو بہت بڑا اژدہا بن کر لہرانے لگا۔ جس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ اتنا بڑا اژدہا بن کر سامنے آیا کہ یوں لگتا تھا جیسے سب کو نگل لے گا۔ یہ دیکھتے ہی فرعون اور اس کے درباری اپنی جان بچانے کے لیے دوڑتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام سے فریادیں کرنے لگے کہ ہمیں اس سے بچائیں۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو پکڑا تو وہ پہلے کی طرح عصا بن گیا۔ پھر اپنی بغل میں ہاتھ دبا کر باہر نکالا تو اس کے سامنے تمام روشنائیاں ماند پڑ گئیں۔ ہاتھ دیکھنے والے حیران اور ششدر رہ گئے کہ یہ تو سورج اور چاند سے زیادہ روشن ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کے سامنے سورج کی روشنی ماند پڑتی دکھائی دیتی تھی۔ (روح المعانی وجامع البیان)

((قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَمُجَاهِدٌ، وَعِكْرَمَةُ وَالشَّعْبِيُّ، وَقَتَادَةُ هِيَ يَدُهُ، وَعَصَاهُ، وَالسِّنِيْنُ، وَنَقْصُ الثَّمَرَاتِ، وَالطُّوْفَانُ، وَالْجَرَادُ، وَالْقُمَّلُ، وَالضَّفَادِعُ، وَالدَّمُ)) [ابن كثير]

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مجاہد، عکرمہ، شعبی اور قتادہ کے قول کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی جانے والی نو نشانیاں یہ تھیں۔ ۱۔ عصا، ۲۔ ید بیضاء، ۳۔ قحط سالی، ۴۔ پھلوں کی کمی، ۵۔ طوفان، ۶۔ ٹڈی دل، ۷۔ جوؤں کا عذاب، کھٹمل، ۸۔ مینڈک ۹۔ اور خون کا عذاب۔"

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے گناہ معاف کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نو نشانیاں دے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا۔

فَلَمَّا	جَآءَتْهُمْ	اٰيٰتُنَا	مُبْصِرَةً	قَالُوْا	هٰذَا	سِحْرٌ	
پھر جب	ان کے پاس آئے	ہمارے معجزات	روشن	انھوں نے کہا	یہ	جادو	
مُّبِيْنٌ ﴿١٣﴾	وَجَحَدُوْا	بِهَا	وَاسْتَيْقَنَتْهَآ	اَنْفُسُهُمْ	ظُلْمًا		
کھلا	اور انھوں نے انکار کیا	ساتھ اس کے	جب کہ ان کا یقین کر گئے	ان کے دل	ظلم		
وَّعُلُوًّا ۭ	فَانْظُرْ	كَيْفَ	كَانَ	عَاقِبَةُ	الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٤﴾		
اور تکبر	پھر دیکھیے	کیسا	ہوا	انجام	فساد کرنے والے		

ع ١٤/١ ١٦

’’مگر جب ہماری روشن نشانیاں ان لوگوں کے سامنے آئیں تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔(١٣) انہوں نے ظلم اور غرور کی بنا پر نشانیوں کا انکار کیا حالانکہ ان کے دل قائل ہو چکے تھے۔ دیکھ لیں کہ فساد کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا۔‘‘ (١٤)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے پاس جانا۔ فرعون اور اس کے حواریوں کا ردِ عمل۔

سورۃ طٰہٰ میں یہ وضاحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دو عظیم معجزات دے کر فرعون کی طرف بھیجا تو انھیں دو نصیحتیں فرمائیں۔۔ اے موسیٰ تو اور تیرا بھائی ان معجزات کے ساتھ جاؤ۔ لیکن دو باتوں کا خیال رکھنا میرے ذکر سے غافل نہ ہونا اور جب فرعون سے گفتگو کرو تو اس میں سختی کی بجائے نرمی ہونی چاہیے۔ (طٰہٰ: ٤٢ تا ٤٤)

جب موسیٰ علیہ السلام معجزات کے ساتھ فرعون اور اس کے وزیروں، مشیروں کے پاس پہنچے تو انھوں نے دلائل سننے اور عظیم معجزات دیکھنے کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر قرار دیا اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے صاف انکار کر دیا۔ حالانکہ اُن کے دل مان چکے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔ لیکن پھر بھی انھوں نے زیادتی اور تکبّر کا رویہ اختیار کیا جس کے نتیجہ میں انھیں سمندر میں ڈوبکیاں دے دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ جن کے بارے میں فرمایا ہے کہ دیکھو اور غور کرو کہ فساد کرنے والوں کا کس قدر بدترین انجام ہوا۔ ایمان کے لیے تین شرائط ہیں ان میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہو تو وہ ایمان قبول نہیں کیا جاتا۔ تصدیق بالقلب، اقرار باللّسان اور عمل بالجوارح۔

مسائل

١۔ عظیم معجزات دیکھنے کے باوجود فرعون اور اس کے ساتھیوں نے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر قرار دیا۔

٢۔ فرعون و راس کے ساتھی اپنے دلوں میں موسیٰ علیہ السلام کی سچائی تسلیم کر چکے تھے۔ تسلیم کر لینے کے باوجود انھوں نے تکبر اور ظلم کا راستہ اختیار کیا جس کی وجہ سے وہ ذلیل و خوار ہوئے۔

وَلَقَدْ | اٰتَيْنَا | دَاوٗدَ | وَسُلَيْمٰنَ | عِلْمًا ج | وَقَالَا
اور البتہ تحقیق | ہم نے دیا | داؤد | اور سلیمان | علم | اور ان دونوں نے کہا

الْحَمْدُ | لِلّٰهِ | الَّذِيْ | فَضَّلَنَا | عَلٰى | كَثِيْرٍ | مِّنْ
تمام تعریفیں | اللہ ہی کے لیے | جس نے | ہمیں فضیلت دی | پر | بہت | سے

عِبَادِهِ | الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾
اپنے بندوں | مومن

’’ہم نے داؤد وسلیمان کو علم عطا کیا اور انھوں نے کہا کہ شکر ہے اللہ کا، جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی۔‘‘ (۱۵)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے والد حضرت داؤد علیہ السلام کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے اور انھوں نے اپنی نبوت اور اقتدار کے بارے میں لوگوں کو ان الفاظ میں آگاہ فرمایا۔

قرآن مجید کے الفاظ سے یوں لگتا ہے کہ جیسے حضرت داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام کا اپنی قوم کو یہ پہلا خطاب تھا۔ جس میں انھوں نے اپنی نبوت، اقتدار اور اختیار کے بارے میں عوام کو آگاہ فرماتے ہوئے اس بات کا اعتراف کیا کہ جو کچھ ہمیں ملا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا عظیم فضل ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پرندوں سے لے کر چیونٹیوں تک کی زبان اور عادات کا علم عنایت کیا تھا۔ یہ علم ان کے والد گرامی حضرت داؤد علیہ السلام کو حاصل نہ تھا۔ اس لیے انھوں نے اپنے خطاب میں اسے خاص طور پر ذکر کیا۔ جہاں تک وراثت کا تعلق ہے حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے باپ حضرت داؤد علیہ السلام کی مسندِ اقتدار اور ان کے علم اور روایات کے وارث ہوئے۔ لیکن نبوت ایسا منصب ہے جو وراثت اور محنت سے حاصل نہیں ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا انتخاب۔ جسے چاہتا ہے اپنا رسول منتخب کرتا ہے۔ اب سلسلہ نبوت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ختم کر دیا ہے۔ لہٰذا قیامت تک کوئی رسول اور نبی نہیں آئے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا ہے۔ جہاں تک حضرت سلیمان علیہ السلام کا اپنے باپ حضرت داؤد علیہ السلام کا وارث بننا ہے وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ذاتی مال کے وارث نہ تھے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی وفات کے وقت کسی قسم کی جائیداد اور مال نہیں چھوڑتے۔ یہ انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت ہے لیکن کسی امتی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی پوری کی پوری جائیداد فی سبیل اللہ وقف کر دے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے باپ کی مسندِ اقتدار پر بٹھائے گئے تھے۔ جس بنا پر فرمایا گیا کہ وہ اپنے باپ کے وارث بنے اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہت بُری چیز نہیں بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق کی جائے کیونکہ اسلام میں حکومت کرنے کا ہر وہ طریقہ جائز ہے جس میں نظامِ حکومت شریعت کے مطابق چلایا اور لوگوں کے

وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ

اور وارث بنا سلیمان داؤد اوراس نے کہا اے لوگو!

عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

ہمیں سکھلائی گئی بولی پرندے اور ہمیں دی گئی سے ہر چیز

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

بلاشبہ یہ البتہ یہ فضل ظاہر

”اور داؤد کا وارث سلیمان بنا اور اس نے کہا اے لوگو ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی ہیں اور ہمیں ہر طرح کی چیزیں دی گئی ہیں بے شک یہ اللہ کا بڑا فضل ہے۔“ (۱۶)

حقوق کا خیال رکھا جائے۔ جس شخص کو دنیا میں حکمرانی اور دین مل جائے اس پر اللہ تعالیٰ کا فضلِ عظیم ہوتا ہے۔

مسائل

۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے باپ کے اقتدار اور علم کے وارث بنے۔
۲۔ اقتدار اور نبوت اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے۔ جس پر اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

علم والوں کے فضائل:

۱۔ جہاد کے ساتھ ساتھ دین کا فہم حاصل کرنا لازم ہے۔ (التوبۃ:۱۲۲)
۲۔ صاحب علم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے۔ (الزمر:۹) ۳۔ یقیناً اللہ سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔ (فاطر:۲۸)
۴۔ اللہ تعالیٰ ایمانداروں اور علم والوں کے درجات بلند فرماتا ہے۔ (المجادلۃ:۱۱)
۵۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا۔ (النمل:۱۵)
۶۔ جو مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں عالم لوگ ہی ان کو سمجھتے ہیں۔ (العنکبوت:۴۳)
۷۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خود علم عطا فرمایا۔ (البقرۃ:۳۱)
۸۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی علم کے بارے میں نازل ہوئی۔ (العلق:۱تا۵)
۹۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو قرآن، حکمت اور آداب سکھلانے کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔ (الجمعۃ:۲)

وَحُشِرَ	لِسُلَيْمٰنَ	جُنُوْدُهٗ	مِنَ	الْجِنِّ	وَ	الْاِنْسِ
اور حاضر کیے گئے	سلیمان کے لیے	اس کے لشکر	سے	جن	اور	انسان
وَالطَّيْرِ	فَهُمْ	يُوْزَعُوْنَ ۞				
اور پرندے	پھر وہ	الگ الگ تقسیم کیے جاتے				

”سلیمان کے لیے جنوں، انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کیے جاتے تھے اور ان کی تقسیم کار کی جاتی تھی۔“ (۱۷)

فہم القرآن

ربط کلام : حضرت سلیمان علیہ السلام کو نہ صرف پرندوں کی بولیوں کا علم دیا گیا بلکہ انھیں جنوں، انسانوں اور پرندوں پر حکومت کرنے کا اختیار بھی عطا ہوا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پہلے پیغمبر اور حکمران ہیں جو بیک وقت جنوں، انسانوں اور پرندوں پر عملاً حکمران بنائے گئے۔ اس کے لیے ” حُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ “ کے الفاظ لا کر ثابت کیا گیا کہ جن وانس اور پرندوں کو مسخر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا ورنہ ایسا کرنا سلیمان علیہ السلام کے بس کی بات نہ تھی۔ سلیمان علیہ السلام نے اپنے اقتدار کی معاونت اور عوام کی خدمت کے لیے جنوں، انسانوں اور پرندوں کو الگ الگ منظم کیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ معجزاتی اختیارات دیے گئے تھے۔ معجزہ کسی پیغمبر کے بس کی بات نہیں ہوتی یہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی عنایت ہوتی ہے۔ معجزہ کا معنیٰ ہے لوگوں کو عاجز کر دینے والا، یعنی عام انسان اور کوئی مخلوق ایسا کام نہیں کر سکتی جو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر سے کرواتا ہے۔ معجزہ انسان کی عقل کو دنگ کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگوں کی عقل اس قدر ماؤف ہو جاتی ہے کہ وہ معجزات کا انکار کرتے ہیں یا پھر ان کی تاویلات کے درپے ہوتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے جن معجزات کا یہاں ذکر ہے کچھ لوگوں نے ان کی ناقابل فہم تاویلات کی ہیں۔ جن کا ذکر کرنا بے سود ہے۔

مسائل

۱۔ سلیمان علیہ السلام کو جنات، انسانوں اور پرندوں پر حکمرانی عطا کی گئی۔ ۲۔ سلیمان علیہ السلام نے تینوں طبقات کو الگ الگ منظم کر رکھا تھا۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں جنات کا تذکرہ:

۱۔ جن اور انسان اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ (الذاریات: ۵۶) ۲۔ جنات غیب نہیں جانتے۔ (سبا: ۱۴)

۳۔ جن اور انسان مل کر اس جیسا قرآن بنا لاؤ۔ (بنی اسرائیل: ۸۸)

۴۔ جن وانس مل کر قیامت تک ایک سورۃ بھی اس جیسی نہیں بنا سکتے۔ (البقرۃ: ۲۳۔۲۴)

۵۔ اے انسانوں اور جنوں اگر تم خدا کی خدائی سے نکل سکتے ہو نکل جاؤ۔ (الرحمٰن: ۳۳)

حَتّٰٓی	اِذَآ	اَتَوْا	عَلٰی	وَادِ	النَّمْلِ ۙ	قَالَتْ
حتی کہ	جب	وہ آئے	پر	وادی	چیونٹیاں	اس نے کہا
نَمْلَۃٌ	یّٰٓاَیُّھَا	النَّمْلُ	ادْخُلُوْا	مَسٰکِنَکُمْ ج	لَا یَحْطِمَنَّکُمْ	
چیونٹی	اے	چیونٹیو!	تم داخل ہو جاؤ	اپنے بلوں	نہ وہ تمھیں کچل ڈالیں	
سُلَیْمٰنُ	وَجُنُوْدُہٗ ۙ	وَھُمْ	لَا	یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾		
سلیمان	اور اس کے لشکر	جب کہ	نہ	وہ شعور رکھتے		

''یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔'' (۱۸)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت سلیمان علیہ السلام صرف جن وانس اور پرندوں کی بولیاں نہیں جانتے تھے بلکہ وہ حشرات الارض کی بولیاں بھی سمجھتے تھے اس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

قرآن مجید نے یہ نہیں بتلایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکروں کے ساتھ کس طرف اور کس قوم کے خلاف پیش قدمی کر رہے تھے۔ صرف یہ بات بتلائی گئی ہے کہ جب وہ اپنے لشکروں کے ساتھ ایک ایسی وادی سے گزرنے والے تھے جہاں چیونٹیوں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ چیونٹیوں کی سردار کو سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکروں کی آمد کا علم ہوا تو اُس نے چیونٹیوں کو آواز پر آواز دی کہ اے چیونٹیو! اپنی اپنی بلوں میں داخل ہو جاؤ کہیں سلیمان علیہ السلام اور اُس کے لشکر غیر شعوری طور پر تمہیں کچل نہ دیں۔ یہ آواز حضرت سلیمان علیہ السلام نے سنی تو مسکرائے اور اپنے رب کا شکر ادا کیا۔ بعض مفسرین نے غیر مستند روایات کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی آواز تین میل دور سے سُن لی تھی۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ۔ بہر حال یہ ظاہر ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے چیونٹیوں کے پڑاؤ پر پہنچنے سے پہلے یہ آواز سنی تھی جس پر وہ خوشی اور شکرانے کے طور پر مسکرائے تھے۔

چیونٹیوں کے بارے میں معلومات:

اللہ تعالیٰ نے چینٹوں کو بھی انسان کی طرح عقل دی ہے جو چیزوں کا اِدراک کر لیتی ہے۔ انسانوں کی طرح مختلف قبائل اور خاندانوں میں بٹی ہوتی ہیں۔ ہر کام کے لیے الگ الگ چیونٹیاں متعین ہوتی ہیں۔ مثلاً خوراک کی بہم رسانی کے لیے الگ ہوتی ہیں۔ اپنے پڑاؤ کی نگہبانی اور دفاع کے لیے الگ ہوتی ہیں۔ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے ان کا علیحدہ لشکر ہوتا ہے جو

مختلف حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ان کی نگرانی کے لیے علیحدہ علیحدہ جرنیل متعین ہوتے ہیں۔نیز جب وہ گندم وغیرہ کے دانے اپنے گوداموں میں ذخیرہ کرتی ہیں تو ان کو کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیتی ہیں تا کہ انہیں نمی پہنچے تو وہ اُگ نہ پڑیں۔لیکن جب وہ مسور اور دھنیا کا ذخیرہ کرتی ہیں تو ان کے چار چار ٹکڑے کرتی ہیں۔کیونکہ ان کا نصف حصہ بھی اُگ پڑتا ہے۔

حضرت سلیمان کے دور میں چیونٹی کی بارش کے لیے دعا:

((عَنْ اَبِی الصِّدِیْقِ النَّاجِی اَنَّ سُلَیْمَانَ بْنِ دَاوٗدَ خَرَجَ بِالنَّاسِ یَسْتَسْقِیْ فَمَرِ عَلٰی نَمْلَةِ مُسْتَلْقِیَةِ عَلٰی قَفَاهَا رَافِعَةٌ قَوَائِمَهَا اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ تَقُوْلُ، اَللّٰهُمَّ اِنَّا خَلَقَ مِنْ خَلْقِكَ لَیْسَ لَنَاغِنًی رَزِقِكَ، فَاَمَا اَنْ تَسْقِیْنَا وَاِمَا اَنْ تَهْلِكُنَا، فَقَالَ سُلَیْمَانُ لِلنَّاسِ اِرْجِعُوا فَقَدْ سَقِیْتُمْ بِدَعْوَةِ غَیْرِكُمْ))

[مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۷، ص ۷۷]

''حضرت ابی صدیق ناجی بیان کرتے ہیں بے شک سلیمان بن داؤد علیہ السلام ایک دن لوگوں کے ساتھ بارش طلب کرنے کے لیے باہر نکلے تو اُن کا گذر ایک چیونٹی کے پاس سے ہوا جو اپنی گدی کے بل لیٹی ہوئی ٹانگیں آسمان کی طرف اُٹھائے ہوئے یہ دعا کر رہی تھی (اے اللہ ہم بھی تیری مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں اور ہم تیرے رزق سے مستغنی نہیں ہیں۔اے مالک ہم پر بارش برساؤ گرنہ ہم ہلاک ہو جائیں گی۔) سلیمان علیہ السلام نے لوگوں کو کہا واپس پلٹ چلو ایک اور مخلوق کی دعا سے بارش ہو جائے گی۔''

مسائل

۱۔ چیونٹیوں کی سردار نے قبل از وقت خطرے سے اپنی قوم کو آگاہ کیا۔

۲۔ قوم کے سربراہ کا فرض ہے کہ وہ اپنی قوم کو خطرات سے بچانے کی کوشش کرے۔

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنۡ قَوۡلِهَا وَ قَالَ رَبِّ

پھر وہ ہنس پڑا مسکرا کر سے اس کی بات اور اس نے کہا میرے رب!

اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡکُرَ نِعۡمَتَکَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ

تو مجھے توفیق دے کہ میں شکر کروں تیری نعمت وہ جو تو نے انعام کی

عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰىهُ

مجھ پر اور پر میرے والدین اور یہ کہ میں عمل کروں نیک کہ تو اسے پسند کرے

وَ اَدۡخِلۡنِیۡ بِرَحۡمَتِکَ فِیۡ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۹﴾

اور تو مجھے داخل کر اپنی رحمت کے ساتھ میں اپنے بندوں نیک

”سلیمان اس کی بات پر مسکراتے ہوئے ہنس پڑے اور کہا اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیرے احسان کا شکر ادا کرتا رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا ہے اور ایسے نیک کام کروں جو تجھے پسند آئیں اور اپنی رحمت سے مجھ کو اپنے نیک بندوں میں شامل فرما۔“ (۱۹)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت سلیمان علیہ السلام انتہائی خوشی کے عالم میں بھی اللہ تعالیٰ کے انعام کا اعتراف کرتے ہوئے اُس کا شکر ادا کرتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی آواز سنی تو مسکرائے اور سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کس قدر علم اور اقتدار عطا فرمایا ہے کہ میں ایک چیونٹی کی آواز کو سنتا اور سمجھتا ہوں۔ اتنے بڑے اقبال اور اقتدار کے مالک ہونے کے باوجود اتراتے نہیں بلکہ اپنے رب کا ان الفاظ میں شکر ادا کرتے ہیں۔ الٰہی! جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر احسانات فرمائے ہیں میں اُن کا اعتراف کرتا ہوں اور شکر گزار ہوں۔ الٰہی! مجھے اپنے انعامات کے نتیجہ میں ایسے اعمال کرنے کی توفیق نصیب فرما جن اعمال کو تو پسند کرتا ہے۔ مجھے اپنی خاص رحمت کے ساتھ اپنے نیک بندوں میں شامل فرما! حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دعا میں ”اَوۡزِعۡنِیۡ“ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنٰی ہے کہ مجھے اس طرح پابند کیجیے جس بناء پر میں وہی کام کروں جنھیں تو پسند کرتا ہے۔ جن کا عام الفاظ میں یہ معنٰی ہے کہ میرے رب مجھے اُن کاموں کی ہمت اور طاقت نصیب نہ کرنا جن کاموں کو تو پسند نہیں کرتا۔ کسی آدمی کے صالح فکر اور نیک ہونے کی پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرے اور اُس کا شکر بجالانے کی پوری کوشش کرتا رہے۔

اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اظہار اور اس کی نعمتوں کا اعتراف کرنا پریشانیوں سے محفوظ رہنے کا طریقہ ہے، مزید ملنے کی گارنٹی اور زوالِ نعمت سے مامون رہنے کی ضمانت ہے یہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں نہایت پسندیدہ عمل ہے۔ شکر کے مقابلہ میں ناشکری ہے جو کفر کے مترادف ہے۔

﴿بَلِ اللّٰهَ فَاعۡبُدۡ وَ كُنۡ مِّنَ الشّٰكِرِيۡنَ﴾ [الزمر:٦٦]

”پس اللہ کی عبادت کرتے ہوئے شکر گزار بندوں میں شامل ہو جایئے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی عبادت اور دین کے کسی عمل کے بارے میں بیک وقت یہ نہیں فرمایا کہ اس کے کرنے سے تم عذاب

سے محفوظ ہونے کے ساتھ مزید ملنے کے حقدار بن جاؤ گے۔صرف شکر ایسا عمل ہے جس کے بارے میں یہ واضح کر دیا گیا کہ اس کی گرفت سے بچنے کے ساتھ مزید عطاؤں کا سلسلہ جاری رہے گا۔اس دوہرے انعام کی وجہ سے شیطان نے سرکشی اور بغاوت کی حدود پھلانگتے ہوئے کہا تھا۔

﴿وَلَاتَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ﴾ [الاعراف:١٧]

''اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔''

نبی اکرم ﷺ کی دعائیں:

((عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَخَذَ بِيَدِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ إِنِّيْ لَأُحِبُّكَ يَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَأَنَا أُحِبُّكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلَا تَدَعْ أَنْ تَقُوْلَ فِيْ كُلِّ صَلَاةٍ رَبِّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ)) [سنن النسائی: باب نَوْعٌ آخَرُ مِنَ الدُّعَآءِ]

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اے معاذ! میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔میں نے عرض کی اللہ کے رسول میں بھی آپ سے محبت کرتا ہوں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز کے بعد اس دعا کو ضرور پڑھا کرو۔اے میرے پروردگار ذکر، شکر اور اچھی عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔''

((عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوُدَ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ إِنِّی أَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِی يُبَلِّغُنِی حُبَّكَ اللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ إِلَیَّ مِنْ نَفْسِی وَأَهْلِی وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ)) [رواه الترمذی: باب مَا جَاءَ فِی عَقْدِ التَّسْبِيحِ بِالْيَدِ]

''حضرت ابی درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ داؤد علیہ السلام کی دعا دوہرایا کرتے تھے اور کہتے۔اے اللہ میں تم سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور اس کی محبت جو تم سے محبت رکھتا ہے اور ایسے عمل کی محبت جو مجھے تمھاری محبت کے قریب کر دے۔اور ایسے عمل کا سوال کرتا ہوں جو مجھے تیری محبت کا حق دار بنا دے اے اللہ! میرے لیے اپنی محبت میرے نفس، اہل اور ٹھنڈے پانی سے بھی بڑھ کر عزیز بنا دے۔''

مسائل

١۔سلیمان علیہ السلام ہر حال میں اپنے رب کا شکر ادا کرتے تھے۔٢۔سلیمان علیہ السلام اپنے رب سے صالح اعمال کرنے کی توفیق مانگتے تھے۔
٣۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دنیا کے ساتھ اپنے رب سے جنت میں نیک لوگوں کی رفاقت کی دعا کی۔

تفسیر بالقرآن

شکر کی اہمیّت اور اس کی فضیلت:

١۔ اللہ نے تمہارے لیے سماعت، بصارت اور دل بنایا تا کہ تم شکر کرو۔(النحل:٧٨)
٢۔ اگر تم شکر کرو گے تو اللہ تمہیں زیادہ دے گا۔(ابراہیم:٧) ٣۔ اگر تم اللہ کا شکر کرو تو وہ تم سے خوش ہوگا۔(الزمر:٧)
٤۔ اگر تم اللہ کا شکر ادا کرو اور اس پر ایمان لاؤ تو تمہیں عذاب کرنے کا اسے کیا فائدہ؟(النساء:١٤٧)

وَ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ

اور اس نے تفتیش کی پرندے اس نے کہا کیا مجھے کہ میں نہیں دیکھتا ہدہد

اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿٢٠﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا

یا ہے سے غائب ہونے والے میں اسے ضرور سزا دوں گا سزا سخت

اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢١﴾

یا میں اسے ضرور ذبح کردوں گا یا وہ لائے میرے پاس کوئی ثبوت واضح

”سلیمان نے پرندوں کا جائزہ لیا اور کہا کیا بات ہے کہ میں ہُد ہُد کو نہیں دیکھتا؟ کیا وہ کہیں غائب ہوگیا ہے؟ (٢٠) میں اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح کردوں گا ورنہ اسے میرے سامنے اپنی غیر حاضری کا ٹھوس ثبوت پیش کرنا ہوگا۔“ (٢١)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت سلیمان علیہ السلام کا اپنے لشکر کا جائزہ لینا اور ہدہد کے بارے میں رپورٹ طلب کرنا۔

آیت ١٧ میں بیان ہوا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں، انسانوں اور پرندوں کو الگ الگ منظم کر رکھا تھا۔ اسی اصول کے پیش نظر انھوں نے ایک علاقہ کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے سفر کے دوران ایک مقام پر پہنچ کر اپنے لشکر کا جائزہ لیا تو انھوں نے ہدہد پرندے کو لشکر میں غائب پایا۔ غضبناک ہو کر فرمایا کیا وجہ ہے ہدہد نظر نہیں آیا۔ کیا وہ غیر حاضر ہے؟ اگر اُس نے غیر حاضری کی معقول وجہ نہ بتلائی تو میں اُسے سخت سزا دوں گا یا پھر اُسے ذبح کر ڈالوں گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے رویّہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص کو کتنا بڑا اقتدار اور فضیلت حاصل ہو۔ اُسے بھی کسی کو سزا دینے سے پہلے صفائی کا موقعہ دینا چاہیے۔

اس مقام پر بھی بعض عقل پرستوں نے اپنی عقل کے خوب گھوڑے دوڑائے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہاں ہدہد سے مراد پرندہ نہیں بلکہ کسی انسان کا لقب یا نام ہے شاید انہی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ خود نہیں بدلتے قرآن کو بدل دیتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جس ہدہد کو خط دے کر بھیجا اسے یعنور کہا جاتا تھا، علامہ دمیری نے حضرت ابن عباس کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس پرندے سے پانی کی تلاش کا کام لیا کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ صلاحیت بخشی ہے کہ یہ زمین کے اندر پانی کو اس طرح دیکھ لیتا ہے جس طرح آدمی برتن میں پڑے ہوئے پانی کو دیکھتا ہے۔

مسائل

١۔ حضرت سلیمان علیہ السلام مختلف موقعوں پر اپنے لشکروں کا جائزہ لیا کرتے تھے۔

٢۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نہ صرف پیغمبر تھے بلکہ بیدار مغز حکمران بھی تھے۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ

پھر وہ ٹھہرا تھوڑی دیر اور اس نے کہا میں نے معلوم کیا ہے وہ جو نہیں معلوم آپ کو

بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّيْ

ساتھ اس کے اور میں آپ کے پاس لایا ہوں سے سبا ایک خبر یقینی بلاشبہ میں نے

وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ

پائی ایک عورت جو اُن پر حکومت کرتی ہے اور وہ دی گئی سے ہر

شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾

چیز اس کے لیے تخت عظیم الشان

''تھوڑی دیر گزری تھی کہ ہُد ہُد نے آ کر کہا میں ایسی معلومات لایا ہوں جو آپ کے علم میں نہیں ہیں۔ میں سَبا کے متعلق قابلِ یقین معلومات لے کر آیا ہوں۔ (۲۲) میں نے سبا میں ایک عورت دیکھی جو اس قوم کی حکمران ہے اس کو ہر طرح کا سروسامان دیا گیا ہے اس کا تخت بڑا عظیم الشان ہے۔'' (۲۳)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کے لشکر کے جائزہ سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ان کی خدمت میں ہدہد پیش ہوا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام ہدہد کی غیر حاضری کے بارے میں ابھی طیش کے عالم میں تھے کہ ہدہد اُن کے حضور پیش ہو کر اپنی غیر حاضری کی ان الفاظ میں وجہ عرض کرتا ہے۔ پیش ہوتے ہی معذرت خواہانہ انداز میں عرض کرتا ہے۔ جناب میں ملکِ سبا سے ایک ایسی مستند خبر آپ کے حضور پیش کرتا ہوں جو آپ کے علم میں نہیں ہے۔ میں نے وہاں ایک عورت کو حکمران پایا۔ جس کے پاس نہ صرف ہر قسم کے وسائل موجود ہیں بلکہ وہ ایک عظیم تخت پر جلوہ افروز ہوتی ہے۔ ہدہد نے مختصر مگر جامع رپورٹ پیش کرتے ہوئے ملکِ سبا کی حکمرانی اور اُس کی مملکت کی ترقی کے بارے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو آگاہ کیا۔ قرآن اور حدیث میں ملکِ سبا کی حکمران کا نام موجود نہیں تاہم مؤرخین اور مفسرین نے اس کا بلقیس بتلایا ہے۔

سبا جنوبی عرب کی مشہور تجارت پیشہ قوم تھی جس کا دارالحکومت مارِب موجودہ یمن کے دارالحکومت صنعاء سے ۵۵ میل دور شمال مشرق میں واقع تھا۔ اس کا زمانہ عروج مَعین کی سلطنت کے زوال کے بعد تقریباً ۱۱۰۰ ق م سے شروع ہوا اور ایک ہزار سال تک یہ عرب میں اپنی عظمت کے ڈنکے بجاتی رہی۔ پھر ۱۱۵ ق م میں جنوبی عرب کی دوسری مشہور قوم حمیر نے اس کی جگہ لے لی۔ عرب میں یمن اور حضرموت اور افریقہ میں حبش کے علاقے پر اس کا قبضہ تھا، مشرقی افریقہ، ہندوستان، مشرق بعید اور خود عرب کی جتنی تجارت مصر و شام اور یونان و روم کے ساتھ ہوتی تھی وہ زیادہ تر انہی سبائیوں کے ہاتھ میں تھی۔ اسی وجہ سے یہ

قوم قدیم زمانہ میں اپنی دولت کے حوالے سے مشہور تھی۔ بلکہ یونانی مؤرخین اسے دنیا کی سب سے زیادہ مالدار قوم کہتے ہیں۔ تجارت کے علاوہ ان کی خوشحالی کا بڑا سبب یہ تھا کہ انہوں نے اپنے ملک میں جگہ جگہ بند باندھ کرایک بہترین نظامِ آب پاشی قائم کر رکھا تھا جس سے اُن کا پورا علاقہ جنت نظیر بنا ہوا تھا۔ اُن کے ملک کی اس غیر معمولی شادابی کا ذکر یونانی مؤرخین نے بھی کیا ہے اور سورہ سبا کے دوسرے رکوع میں قرآن مجید بھی اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ (ماخوذ از تفہیم القرآن جلد،۳)

عورت کی حکمرانی:

بعض نام نہاد دانشور غیر مسلموں سے متاثر ہو کرنا صرف اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ عورت کو مرد کے کندھے سے کندھا ملا کر چلنا چاہیے بلکہ وہ مغربی جمہوریت کی پیروی میں عورت کو ملک کا سربراہ بنانے میں حرج نہیں سمجھتے۔ اس کے لیے ''سورۃ النمل'' سے ملکہ سبا کی حکومت کا حوالہ دیتے ہیں۔ ایسے دانشور یہ حقیقت بھول جاتے ہیں کہ مملکت سبا کی ملکہ بلقیس اس وقت تک ہی اپنے ملک کی حکمران رہی تھی جب تک وہ کافرہ تھی۔ جونہی وہ اپنے وقت کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایمان لائی تو اس نے اپنے آپ کو ان کے تابع کر دیا اس کے بعد اس کی حکمرانی کا تاریخ میں ثبوت نہیں ملتا۔ کچھ لوگ جنگِ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سربراہی کا حوالہ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات بھی انصاف کے ترازو پر پوری نہیں اُترتی۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زندگی بھر کبھی مسلمانوں کی خلیفہ بننے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔ وہ شدید ہنگامی حالات میں مسلمانوں کے درمیان صلح کی غرض سے نکلی تھیں لیکن حالات کی پیچیدگی میں پھنس کر رہ گئیں۔ اس لیے وہ زندگی بھر اپنے اس اقدام پر پریشان اور پشیمان رہیں۔ جب بھی قرآنِ مجید کی اس آیت ﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ﴾ [الاحزاب:۳۳] کی تلاوت کرتیں تو زارو قطار رویا کرتی تھیں۔ [طبقات ابن سعد]

((عَنْ أَبِی بَکْرَةَ قَالَ لَقَدْ نَفَعَنِی اللَّهُ بِکَلِمَةٍ سَمِعْتُهَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَيَّامَ الْجَمَلِ، بَعْدَ مَا كِدْتُ أَنْ أَلْحَقَ بِأَصْحَابِ الْجَمَلِ فَأُقَاتِلَ مَعَهُمْ قَالَ لَمَّا بَلَغَ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّ أَهْلَ فَارِسَ قَدْ مَلَّكُوا عَلَيْهِمْ بِنْتَ كِسْرَى قَالَ لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً)) [رواه البخاری: باب کِتَابِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَی کِسْرَی وَقَیْصَرَ]

''حضرت ابی بکرہ بیان کرتے ہیں مجھے اُن کلمات نے بہت فائدہ دیا جو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایام جمل میں سنے جب میں اصحاب جمل کے ساتھ مل کر لڑائی کر رہا تھا جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی کہ فارس والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو حکمران بنالیا ہے تو آپ نے فرمایا: وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پاسکتی جس نے اپنی حکومت عورت کے سپرد کر دی۔''

مسائل

۱۔ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے اپنی غیر حاضری کی معقول وجہ پیش کی۔

۲۔ ہدہد نے ملکِ سبا کی ترقی اور اس کی حکمران کے بارے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو ٹھوس معلومات پیش کیں۔

۳۔ ملزم کو صفائی کا موقعہ دیئے بغیر سزا نہیں دی جاسکتی۔

دُوْنِ	مِنْ	لِلشَّمْسِ	يَسْجُدُوْنَ	وَقَوْمَهَا	وَجَدْتُّهَا
سوائے	سے	سورج کو	کہ وہ سجدہ کرتے ہیں	اوراس کی قوم	میں نے اسے پایا

فَصَدَّهُمْ	اَعْمَالَهُمْ	الشَّيْطٰنُ	لَهُمُ	وَزَيَّنَ	اللّٰهِ
پھراس نے ان کوروک رکھا ہے	ان کے عمل	شیطان نے	ان کے لیے	اورمزین کردیے	اللہ

يَهْتَدُوْنَ ﴿٢٤﴾	لَا	فَهُمْ	السَّبِيْلِ	عَنِ
وہ ہدایت پاتے	نہیں	چنانچہ وہ	راہ	سے

”میں نے دیکھا کہ وہ اوراس کی قوم اللہ کے بجائے سورج کے سامنے سجدہ کرتی ہے شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال خوشنما بنادیے اورانہیں ہدایت کے راستہ سے روک دیا۔اس وجہ سے وہ سیدھا راستہ نہیں پاتے۔“(٢٤)

فہم القرآن

ربط کلام: ہدہد کی رپورٹ کا مذہبی حصہ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ہدہد نے اپنے چشم دید مشاہدات میں یہ بات بھی عرض کی کہ میں نے ملکِ سبا کی حکمران اوراُس کی قوم کواس حالت میں دیکھا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور یہ کام شیطان نے اُن کے لیے خوبصورت بنادیا ہے۔

ملکہ سبا:

شیطان نے نہ صرف شرک کواُن کے لیے خوبصورت بنا کے پیش کیا ہے بلکہ اُس نے اُنھیں صراطِ مستقیم سے روک رکھا ہے جس بنا پر وہ صراطِ مستقیم سمجھنے اوراُس پر گامزن ہونے کے لیے تیار نہیں تھے۔یہ بات فہم القرآن میں کئی مرتبہ عرض ہوچکی ہے کہ شیطان شرک اور برے اعمال کواس طرح خوبصورت کر کے پیش کرتا ہے کہ لوگ شرک اور دیگر جرائم کو گناہ سمجھنے کی بجائے اپنی تہذیب کا حصہ،معاشرتی روایات اور نیکی سمجھتے ہیں۔جس بناء پراُنھیں اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ ہم نیکی کی بجائے گناہ کر رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ شرک اور دیگر گناہوں کو چھوڑنا تو درکنار ایسے لوگ اُن کے خلاف کوئی بات سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے۔یہ کسی فرد یا قوم کی گمراہی کی انتہا ہوتی ہے کہ وہ حق قبول کرنے کی بجائے گمراہی میں آگے بڑھتی جائے۔اوراُسے مذہب اور ثقافت کے نام پر کرتی رہے۔

ہدہد کی رپورٹ اورقرآن مجید کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک ایسا غلیظ عمل ہے جس سے پرندے بھی نفرت کرتے ہیں۔ہدہد کے بیان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی جبلت میں عقیدہ توحید سمودیا ہے اسی طرح ہی جانوروں کی فطرت میں عقیدہ توحید کا شعور رکھا ہے۔جس بناء پر ہدہد نے شرک سے نفرت کرتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں یہ عرض کی کہ سبا کی ملکہ اوراُس کی قوم کتنی ناعاقبت اندیش ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ نہیں

اَلَّا	یَسْجُدُوْا	لِلّٰهِ	الَّذِیْ	یُخْرِجُ	الْخَبْءَ	فِی
یہ کہ نہیں	وہ سجدہ کرتے	اللہ	وہ جو	نکالتا ہے	چھپی چیزیں	میں
السَّمٰوٰتِ	وَ	الْاَرْضِ	وَیَعْلَمُ	مَا	تُخْفُوْنَ	وَمَا
آسمانوں	اور	زمین	اور وہ جانتا ہے	جو	تم چھپاتے ہو	اور جو
تُعْلِنُوْنَ ۲۵	اَللّٰهُ	لَآ اِلٰهَ	اِلَّا هُوَ	رَبُّ	الْعَرْشِ	الْعَظِیْمِ ۲۶ السجدۃ
تم ظاہر کرتے ہو	اللہ	نہیں کوئی معبود	مگر وہی	رب	عرش	عظیم

”یہ کہ نہیں وہ اللہ کو سجدہ کرتے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں نکالتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے جسے تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو۔(۲۵) اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو عرشِ عظیم کا مالک ہے۔“(۲۶)

کرتے حالانکہ اللہ وہ ذات ہے جو زمینوں آسمانوں کی چھپی ہوئی چیزوں کو نکالتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جو لوگ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی عرشِ عظیم کا رب ہے۔

اس آیت اور قرآن مجید کے دیگر مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ پرندے اور دیگر مخلوق بھی اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتے ہیں اور اُنھیں پوری طرح اپنے معبودِ حقیقی کی الوہیت اور اُس کی عبادت کرنے کا شعور بخشا گیا ہے۔ مشرک ”اللہ“ کے سِوا دوسروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ مومنوں کو حکم ہے کہ جب ان آیات کی تلاوت کرتے ہوئے **”رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ“** کے الفاظ تک پہنچیں تو وہ اللہ کے حضور سجدہ کریں۔

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ [حٰم السجدة: ۳۷]

”رات اور دن، سورج اور چاند اللہ کی نشانیاں ہیں۔ سورج چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اس ذاتِ کبریاء کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے اگر واقعتاً تم اسی کی عبادت کرنے والے ہو۔“

((عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَّهُمْ فَقُلْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ أَحَقُّ أَنْ يُّسْجَدَ لَهُ قَالَ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْتُ إِنِّيْ أَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَّهُمْ فَأَنْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَحَقُّ أَنْ نَّسْجُدَ لَكَ قَالَ أَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِيْ أَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهُ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَّسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ النِّسَآءَ أَنْ يَّسْجُدْنَ لِأَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنَ الْحَقِّ)) [رواه أبوداؤد: كتاب النكاح، باب فی حق الزوج علی المرأة]

”حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حیرہ گیا تو میں نے وہاں کے لوگوں کو بادشاہ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے کہا: اللہ کے رسول سجدے کے زیادہ لائق ہیں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کی: میں نے حیرہ میں دیکھا کہ لوگ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول! آپ زیادہ حقدار ہیں کہ

ہم آپ کو سجدہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بتلایئے! اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرو تو کیا اسے سجدہ کرو گے؟ میں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ایسے نہ کرو اگر میں نے کسی کو کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دینا ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے مردوں کا عورتوں پر جو حق رکھا اس وجہ سے عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کے سامنے سجدہ کیا کریں۔“

”جب فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی وسعتِ علم اور اپنے عجز کا اعتراف کرلیا تو پروردگارِ عالم نے انہیں حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سجدہ کا لغوی معنی ہے تذلّل اور خضوع اور شریعت میں اس کا معنٰی ہے ”وضع الجبهة على الأرض“ پیشانی کا زمین پر رکھنا۔ بعض علماء کے نزدیک یہاں سجدہ کا لغوی معنٰی مراد ہے کہ فرشتوں کو ادب واحترام کرنے کا حکم دیا گیا لیکن جمہور علماء کے نزدیک شرعی معنیٰ مراد ہے۔ یعنی فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے پیشانی رکھ دیں۔ اب اس سجدہ کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ پیشانی جھکانے والا یہ اعتقاد کرے کہ جس کے سامنے میں پیشانی جھکا رہا ہوں وہ خدا ہے تو یہ عبادت ہے اور یہ بھی کسی نبی کی شریعت میں جائز نہیں بلکہ انبیاء کی بعثت کا مقصدِ اولین تھا ہی یہی کہ وہ انسانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیں اور دوسروں کی عبادت سے منع کریں تو یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ جس چیز سے روکنے کے لیے انبیاء تشریف لائے اس فعل کا ارتکاب خود کریں یا کسی کو اجازت دیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس کے سامنے سجدہ کیا جارہا ہے اس کی عزت واحترام کے لیے ہو عبادت کے لیے نہ ہو تو اس کو سجدہ تحیہ کہتے ہیں۔ یہ پہلے انبیاء کرام کی شریعتوں میں جائز تھا لیکن حضور کریم ﷺ نے اس سے بھی منع فرما دیا۔ اب تعظیمی سجدہ بھی ہماری شریعت میں حرام ہے۔“ [ضیاء القرآن، جلد اول» البقرہ: ٣٤]

خب کی تعریف:

”پوشیدہ چیزوں کو آسمان و زمین سے نکالنا مثلاً پانی کو آسمان سے نباتات کو زمین سے۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔ ٢۔ غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے پرندے بھی نفرت کرتے ہیں۔
٣۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ ٤۔ اللہ ہی معبودِ حق ہے اُس کے سوا کسی کی عبادت کرنا جائز نہیں۔

تفسیر بالقرآن

شیطان کن لوگوں کے لیے ان کے اعمال خوبصورت بناتا ہے:

١۔ شیطان نے اکثر مشرکین کے لیے قتلِ اولاد کا عمل مزّین کردیا۔ (الانعام: ١٣٧)

٢۔ قوم عاد و ثمود کے اعمالِ بد کو شیطان نے مزّین کردیا۔ (العنکبوت: ٣٨)

٣۔ ہر گروہ کے بد اعمال کو شیطان نے ان کے لیے مزّین کردیا ہے۔ (الانعام: ١٠٩)

٤۔ ظالموں کے دل سخت ہوگئے اور شیطان ان کے اعمال کو مزین کر دکھاتا ہے۔ (الانعام: ٤٣)

٥۔ اللہ کے علاوہ سورج کو سجدہ کرنے والوں کے بُرے اعمال کو شیطان نے ان کے لیے مزین کردیا۔ (النمل: ٢٤)

قَالَ سَنَنْظُرُ اَ صَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾

اس نے کہا | عنقریب ہم دیکھیں گے | کیا | تو نے سچ کہا | یا | تو | سے | جھوٹوں؟

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ

لے جا | میرا خط | یہ | تو اسے ڈال | ان کی طرف | پھر | تو ہٹ جا

عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

ان سے | پھر دیکھ | کیا | وہ لوٹاتے ہیں

''سلیمان نے کہا ابھی ہم دیکھ لیتے ہیں کہ تو نے سچ کہا ہے یا جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔(۲۷) یہ میرا خط لے جا اور اسے ان لوگوں کی سامنے ڈال دے۔ پھر دور ہو کر دیکھ کہ وہ کیا ردِ عمل ظاہر کرتے ہیں۔''(۲۸)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت سلیمان علیہ السلام نے نہایت توجہ کے ساتھ ہد ہد کی رپورٹ سماعت فرمائی اور حکم صادر فرمایا کہ فوری طور پر میرا خط لے کر ملکہ سبا تک پہنچاؤ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُد ہُد کو ارشاد فرمایا کہ عنقریب ہم ایک حکم کے ذریعے جاننا چاہیں گے کہ تو نے ہمارے سامنے سچ بولا ہے یا تو جھوٹ بولنے والوں میں شامل ہے۔ تیرے لیے حکم یہ ہے کہ ہمارا مراسلہ لے کر فوری طور پر ملکہ سبا کی طرف جاؤ اور ان کے سامنے ہمارا مراسلہ ڈال کر پیچھے ہٹ کر جائزہ لو کہ وہ ہمارے مراسلہ کا کیا ردِ عمل ظاہر کرتے ہیں۔ ہد ہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا مراسلہ پوری ذمہ داری کے ساتھ ملکہ بلقیس کے سامنے ڈالا اور ٹھیک طریقے سے ملکہ اور اُس کے درباریوں کے ردِ عمل کا جائزہ لیا۔ قرآنِ مجید نے اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ ہد ہد نے واپس آکر سلیمان علیہ السلام کو کیا رپورٹ پیش کی تاہم قرآنِ مجید کے سیاق وسباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے واپس آکر یقینی طور پر خط کے ردِ عمل سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو آگاہ کیا ہوگا۔ کیونکہ اُسے حکم تھا کہ وہ خط پہنچانے کے بعد کچھ دیر وہاں ٹھہر کر اس کے ردِ عمل کا جائزہ لے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہُد ہُد سکھلایا ہوا جانور تھا۔ جس بنا پر ملکہ اور اس کے ساتھیوں کی حرکات کا جائزہ لے سکتا تھا۔ تبھی تو سلیمان علیہ السلام نے اُسے حکم دیا تھا کہ خط ان کے سامنے پھینک کر ان کے ردِّ عمل کا جائزہ بھی لینا ہوگا۔

مسائل

۱۔ مجاز اتھارٹی کو پیش آمدہ مسئلہ کی غیر جانبدارانہ انکوائری کرنا چاہیے۔ ۲۔ مجاز اتھارٹی کے لیے اپنے حکم کی تعمیل کا جائزہ لینا لازم ہے۔
۳۔ حکمران کو دین اور ملک دشمن کی کارروائیوں سے آگاہ رہنا چاہیے۔ ۴۔ مسلمان حکمران کا فرض ہے کہ وہ شرک کے خلاف اقدامات کرے۔

قَالَتْ	يٰٓاَيُّهَا	الْمَلَؤُا	اِنِّيْٓ	اُلْقِيَ	اِلَيَّ	كِتٰبٌ
اس نے کہا	اے	سردارو	بلاشبہ میں	ڈالا گیا	میری طرف	ایک خط
كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾	اِنَّهٗ	مِنْ	سُلَيْمٰنَ	وَاِنَّهٗ		بِسْمِ
عزت والا	یقیناً وہ	سے	سلیمان	اور وہ یقیناً		نام سے
اللّٰهِ	الرَّحْمٰنِ	الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾	اَلَّا	تَعْلُوْا		عَلَيَّ
اللہ	جو بڑا مہربان	نہایت رحم کرنے والا	یہ کہ نہ	تم سرکشی کرو		مجھ پر
وَاْتُوْنِيْ	مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ ع					
اور تم آؤ میرے پاس	فرمانبردار					

ع ۲ / ۱۷ / ۱۷

’’ملکہ نے کہا اے وزراء میری طرف سلیمان کی طرف سے ایک اہم خط بھیجا گیا ہے۔(۲۹) جو اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع کیا گیا ہے۔(۳۰) جس کا مضمون ہے کہ میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور مسلم ہو کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ۔‘‘(۳۱)

فہم القرآن

ربط کلام: خط موصول ہوتے ہی ملکہ سبا نے اپنے وزیروں، مشیروں کا اجلاس بُلایا اور انہیں کو خط پڑھ کر سنایا۔

ملکہ سبا نے خط موصول ہوتے ہی اُسے اپنے وزیروں اور مشیروں کے سامنے پیش کیا اور اُس پر مثبت ردِّ عمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اے وزراء کرام! میرے پاس سلیمان علیہ السلام کا قابلِ احترام خط پہنچا ہے جس کی ابتداء اللہ مہربان اور رحم کرنے والے کے نام سے کی گئی ہے۔ اس میں ہمیں مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ میرے مقابلے میں سرکشی کرنے کی بجائے تابعدار ہو کر میرے حضور پیش ہو جاؤ۔

مشرک ہونے کے باوجود ملکہ نے خط کی ابتداء یعنی ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ“ سے اندازہ لگا لیا تھا کہ خط لکھنے والے کے نظریات کیا ہیں۔ اس لیے اُس نے اس سرکاری مراسلے کو تکریم کے ساتھ قوم کے زعماء کے سامنے پیش کیا۔ جس سے ملکہ بلقیس کی ذہانت اور شرافت کا پتہ چلتا ہے کیونکہ قدیم زمانے سے یہ اصول چلا آرہا ہے کہ سفارت کا کوئی بھی انداز ہو اُس کا پورا پورا احترام کیا جانا چاہیے۔ حالانکہ خط میں بھی انتباہ تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنا نام خط کے مضمون کے بعد لکھنے کی بجائے پہلے لکھا تھا حالانکہ اس زمانے میں بڑے لوگ اپنا نام خط سے پہلے اور ان کی رعایا کے لوگ اپنا نام خط کے مضمون کے بعد لکھتے تھے۔ ملکہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے رُعب کی وجہ سے دونوں باتوں کو حرفِ نظر کر دیا۔ مرسل الیہ سے پہلے خط پر

اپنا نام لکھنا انبیاء کرام علیہم السلام کا طریقہ ہے تاہم کسی بڑی شخصیت کو خط لکھتے وقت اپنا نام خط کے آخر میں لکھا جائے تو اہل علم کے نزدیک یہ بھی جائز ہے۔ خط اور تحریر سے پہلے " بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ " لکھنا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ کی فضیلت اور اہمیت:

رسولِ کریم ﷺ کے حکم کے مطابق ہر کام کی ابتدا بسم اللہ سے کرنا چاہیے۔ آپ ﷺ کی سنت مبارکہ اور ارشادات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر کام کی ابتدا بسم اللہ سے کرنے سے مراد ہر موقعہ پر بسم اللہ کے الفاظ پڑھنا نہیں۔ بلکہ کام اور موقع کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور اس کا نام لینا ہے تاکہ اسمِ مبارک سے ابتدا کرتے ہوئے کام اور موقعہ کا احساس آدمی کو رب کریم کے قریب کر دے جیسا کہ سونے اور نیند سے بیدار ہونے کے وقت دعا کے الفاظ احساس دلاتے ہیں۔ ہر آدمی کو ایسے ہی مرنا اور اٹھنا ہوگا۔ جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینے سے تصور ابھرتا ہے کہ بڑائی اور کبریائی اللہ کی ذات کو زیبا ہے۔ یہ اللہ کا مال ہے اس پر کسی غیر کا نام لینے کی بجائے مالکِ حقیقی کا نام ہی لینا چاہیے۔ سواری پر براجمان ہوتے ہوئے لفظ "سُبْحَانَ الَّذِیْ" سے دعا کرنے سے یہ خیال آنا چاہیے کہ جس مالک نے اس کو میرے تابع کیا ہے مجھے بھی اس ذاتِ کبریا کا تابع فرمان ہونا چاہیے۔ سواری کو حاصل اور مطیع کرنا میرے بس کا روگ نہیں تھا۔ قرآنِ مجید کی تلاوت سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝﴾ [النحل:۹۸]

''جب قرآنِ مجید کی تلاوت شروع کرو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگو۔''

گویا کہ موقعہ کی مناسبت سے ہر کام کا آغاز ربِ کریم کے مبارک نام سے ہونا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد میں یہ فلسفہ پایا جاتا ہے کہ جب کوئی کام شروع کیا جائے تو اس پر اللہ کا نام لیتے ہوئے احساس پیدا ہو کہ جو کام کرنا چاہتا ہوں وہ میرے لیے جائز بھی ہے یا نہیں۔ اگر کام حرام اور ناجائز ہو تو مومن کو اللہ کے نام کی لاج رکھتے ہوئے اس کام سے باز آنا چاہیے۔ جائز کام کی ابتدا میں بسم اللہ پڑھنے سے آدمی کا عقیدہ تازہ اور پختہ ہو جائے گا کہ اس کام کی ابتدا رحمٰن و رحیم کی مہربانی کا نتیجہ ہے اور اس کی تکمیل بھی اسی کے کرم سے ہوگی۔

((کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَا یُفْتَحُ بِذِکْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَهُوَ اَبْتَرُ اَوْقَالَ اَقْطَعُ)) [مسند احمد :کتاب باقی مسند المکثرین]

''جس کام کی ابتدا اللہ کے ذکر سے نہ کی جائے وہ بے برکت اور نامکمل ہے۔''

قَالَتْ	يٰٓاَيُّهَا	الْمَلَؤُا	اَفْتُوْنِيْ	فِيْٓ	اَمْرِيْ ۚ	مَا
اس نے کہا	اے	سردارو	مجھے مشورہ دو	میں	میرے معاملے	نہیں
كُنْتُ	قَاطِعَةً	اَمْرًا	حَتّٰى	تَشْهَدُوْنِ ۝	قَالُوْا	
ہوں میں	فیصلہ کرتی	کام	حتی کہ	تم حاضر ہو	انھوں نے کہا	
نَحْنُ	اُولُوْا	قُوَّةٍ	وَّاُولُوْا بَاْسٍ	شَدِيْدٍ ۵	وَّالْاَمْرُ	
ہم	والے	قوت	اور جنگجو ہیں	سخت	اور تمام اختیار	
اِلَيْكِ	فَانْظُرِيْ	مَاذَا	تَاْمُرِيْنَ ۝	قَالَتْ	اِنَّ	الْمُلُوْكَ
تیرے پاس ہے	سوتو سوچ لے	تو کیا	حکم دیتی ہے؟	اس نے کہا	بلاشبہ	بادشاہ
اِذَا	دَخَلُوْا	قَرْيَةً	اَفْسَدُوْهَا	وَ	جَعَلُوْٓا	اَعِزَّةَ
جب	وہ داخل ہوتے ہیں	بستی	اس کو خراب کر دیتے ہیں	اور	وہ کر دیتے ہیں	اس کے معزز

’’ملکہ نے کہا اے سردارانِ قوم! میرے معاملے میں مجھے مشورہ دو کیونکہ میں تمہارے بغیر کسی معاملہ کا فیصلہ نہیں کرتی۔ (۳۲) وزیروں نے جواب دیا ہم طاقت ور اور جنگ جو لوگ ہیں تاہم فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے آپ دیکھ لیں کہ آپ کو کیا حکم دینا چاہیے۔ (۳۳) ملکہ نے کہا کہ بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اسے برباد اور اس کے عزت والوں کو

فہم القرآن

ربط کلام: ملکہ بلقیس کا اپنی قوم کے زُعماء کے سامنے خط پڑھ کر مشورہ لینا اس پر قوم کا ردِّعمل۔

قرآنِ مجید کے الفاظ سے یہ بات عیاں ہو رہی ہے کہ ملکہ اور اس کا اندازِ حکمرانی کیا تھا۔ اُس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط پڑھنے کے بعد قوم کے نمائندوں سے کہا کہ مجھے اس معاملہ میں مشورہ دیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ میں تمھارے مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتی۔ انھوں نے خط کا مضمون سن کر فوری ردِّعمل دیا کہ ہم طاقت ور اور شدید لڑائی لڑنے والی جنگجو قوم ہیں اس لیے ہمیں ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ تاہم آپ ہماری حکمران ہیں آپ کو ہر قسم کے آئینی اختیارات ہیں۔ لہٰذا غور و فکر کر کے فرمائیں کہ ہمارے لیے کیا حکم ہے۔ ملکہ نے قوم کے نمائندوں کے حوصلہ اور جرأت دیکھنے کے باوجود ٹھنڈے دل اور نرم لب و لہجہ سے اُنھیں سمجھایا کہ یاد رکھو حکمرانوں کی تاریخ یہ ہے کہ جب وہ کسی بستی اور علاقہ پر یلغار کرتے ہیں تو اُسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ جنھوں نے ہمیں خط لکھا ہے اگر

اَهۡلِهَاۤ	اَذِلَّةً ۚ	وَكَذٰلِكَ	يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳۴﴾	وَاِنِّىۡ	مُرۡسِلَةٌ
رہنے والے	ذلیل	اوراسی طرح	وہ کریں گے	اور بے شک میں	بھیجتی ہوں
اِلَيۡهِمۡ	بِهَدِيَّةٍ	فَنٰظِرَةٌۢ	بِمَ	يَرۡجِعُ	الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۳۵﴾
ان کی طرف	کچھ ہدیہ	پھر دیکھتی ہوں	کس چیز کے ساتھ	لوٹتے ہیں	قاصد؟

ذلیل کر دیتے ہیں یہی کچھ وہ کریں گے۔ (۳۴) میں ان لوگوں کی طرف ایک ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ میرے سفیر کیا جواب لے کر پلٹتے ہیں۔'' (۳۵)

وہ کامیاب ہوئے تو ہمارے ساتھ یہی سلوک کریں گے۔ اس کی بجائے میں ان کی طرف کچھ تحائف بھیجتی ہوں اور پھر دیکھتے ہیں کہ وہ ہمارے نمائندوں کا کیا جواب دیتے ہیں۔ ملکہ سبا نے خط کے مضمون اور دیگر ذرائع سے معلوم کر لیا تھا کہ ہماری مضبوط حکومت کو جو شخص انتباہ اور ہمیں اپنی تابعداری کا حکم دے رہا ہے وہ کوئی معمولی حکمران نہیں اس لیے اس نے کہا کہ جنگ کرنے سے پہلے تحائف بھیجے جائیں۔ تحائف بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر سلیمان علیہ السلام نے تحائف قبول کر لیے اور خیر سگالی کا مظاہرہ کیا تو پھر ہمیں ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ دنیا پرست حکمران کو مذاکرات کے ذریعے رام کرنا آسان ہوگا۔

مسائل

۱۔ ظالم بادشاہ دوسروں کی عزت کا خیال نہیں کیا کرتے۔

۲۔ کسی کو جانچنے کے لیے تحفے تحائف کا تبادلہ کیا جا سکتا ہے۔

فَلَمَّا	جَآءَ	سُلَيْمٰنَ	قَالَ	اَ	تُمِدُّوْنَنِ	بِمَالٍ
چنانچہ جب	آئے	سلیمان	تو اس نے کہا	کیا	تم میری مدد کرتے ہو	مال کے ساتھ؟

فَمَآ	اٰتٰىنِۦَ	اللّٰهُ	خَيْرٌ	مِّمَّآ	اٰتٰىكُمْ ج	بَلْ
جو کچھ	مجھے دیا ہے	اللہ	بہتر ہے	اس سے	اس نے تمھیں دیا ہے	بلکہ

اَنْتُمْ	بِهَدِيَّتِكُمْ	تَفْرَحُوْنَ ﴿٣٦﴾	اِرْجِعْ	اِلَيْهِمْ	فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ
تم	اپنے ہدیے سے	تم خوش ہو	لوٹ جا	ان کی طرف	چنانچہ ہم ضرور آئیں گے ان کی طرف

بِجُنُوْدٍ	لَّا قِبَلَ	لَهُمْ	بِهَا	وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ	مِّنْهَآ
لشکروں کے ساتھ	نہیں طاقت ہوگی	ان کو	ان سے	اور ہم انھیں ضرور نکال دیں گے	اس سے

اَذِلَّةً	وَّهُمْ	صٰغِرُوْنَ ﴿٣٧﴾
ذلیل کر کے	اور وہ	رسوا ہوں گے

”ملکہ کا وفد سلیمان کے ہاں پہنچا تو اس نے کہا کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ جو کچھ اللہ نے مجھے دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تمہیں دیا گیا ہے تمہارا ہدیہ تمہارے ہی لیے ہے۔(۳۶) اپنے بھیجنے والوں کی طرف واپس جاؤ ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کا وہ مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اور ہم انہیں ایسی ذلت کے ساتھ وہاں سے نکالیں گے کہ وہ رسوا ہو کر رہ جائیں گے۔“ (۳۷)

فہم القرآن

ربط کلام: تحائف پہنچنے پر حضرت سلیمان علیہ السلام کا ردِ عمل۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملکہ بلقیس کے تحائف پہنچے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے نمائندوں کو فرمایا کہ جن تحائف کے ساتھ مجھے خوش کرنا چاہتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے زیادہ اور بہترین مال عطا فرما رکھا ہے۔ اس لیے تم اپنے تحائف کے ساتھ خوش رہو اور واپس لے جاؤ۔ ہم اپنے لشکروں کے ساتھ تم پر ضرور پیش قدمی کریں گے جن کا مقابلہ کرنے کی تم طاقت نہیں رکھتے اور ہم مقابلہ میں آنے والوں کو زیر اور ذلیل کریں گے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مشرک ملکہ کے تحائف کو قبول کرنے سے اس لیے انکار کیا کہ اس طرح ان کے خلاف کارروائی کرنے کا جواز کمزور ہو جاتا۔ اس سے ظاہر ہوتا کہ مراسلہ بھیجنے والا حکمران کسی نظریہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ کشور کشائی اور دنیا کے مال کا حریص ہے وہ اس کمزوری یا مروت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ مشرکانہ عقیدہ پر قائم رہتے۔ جو سلیمان علیہ السلام کے لیے گوارا نہ تھا۔ کیونکہ شرک ایسا جرم اور گناہ ہے کہ جسے مواحد

حکمران برداشت نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ کے کچھ عرصہ بعد جب طائف کے سردار مسلمان ہونے کے لیے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دو شرائط پیش کیں ایک تو ہم نماز نہیں پڑھیں گے۔ جس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا وہ دین ہی کیا جس میں نماز نہیں۔ طائف کے لوگ مان گئے ہم نماز پڑھا کریں گے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ کچھ عرصہ کے لیے طائف کے بت کو نہ چھیڑا جائے۔ نبی معظم ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں بلکہ ہم اُسے فی الفور مسمار کریں گے۔ بالآخر انہوں نے یہ شرط پیش کی کہ آپ اپنے آدمیوں کے ذریعے یہ کارروائی کریں۔ نبی ﷺ نے یہ شرط تسلیم فرمائی اور چند صحابہ کو طائف بھیجا جنہوں نے بت خانے کو بنیادوں سے اکھاڑ پھینکا۔ تفصیل کے لیے سیرت ابن ہشام کا مطالعہ فرمائیں۔

عام حالات میں مشرک کا تحفہ قبول کرنا جائز ہے:

((قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ هَاجَرَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِسَارَةَ فَدَخَلَ قَرْيَةً فِيهَا مَلِكٌ أَوْ جَبَّارٌ فَقَالَ أَعْطُوهَا آجَرَ وَأُهْدِيَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ شَاةٌ فِيهَا سُمٌّ وَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ أَهْدَى مَلِكُ أَيْلَةَ لِلنَّبِيِّ ﷺ بَغْلَةً بَيْضَاءَ ، وَكَسَاهُ بُرْدًا ، وَكَتَبَ لَهُ بِبَحْرِهِمْ)) [رواه البخاری:باب قَبُولِ الْهَدِيَّةِ مِنَ الْمُشْرِكِينَ]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں ابراہیم علیہ السلام نے سارہ علیہا السلام کے ساتھ ہجرت کی تو آپ کا گزر ایسی بستی سے ہوا جہاں جابر حکمران رہتا تھا اُس نے کہا ابراہیم کو ہاجرہ تحفہ میں دو۔ نبی ﷺ کو زہر ملی ہوئی بکری تحفے میں دی گئی امام بخاری کے استاد ابوحمید بیان کرتے ہیں نبی ﷺ کو ایلہ کے بادشاہ نے سفید خچر، چادر تحفے میں دیے اور ان کے لیے بحری سفر کا پروانہ تحریر کروایا۔“

((عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي مُسْلِمٍ عَبْدِ اللَّهِ الْخُرَاسَانِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَصَافَحُوا يَذْهَبِ الْغِلُّ وَتَهَادَوْا تَحَابُّوا وَتَذْهَبِ الشَّحْنَاءُ)) [مؤطاامام مالك :كتاب الجامع، باب ماجاء فى المهاجرة]

”عطاء بن ابی مسلم عبداللہ خراسانی سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تحائف کے بارے میں فرمایا کہ مسلمانو! ایک دوسرے کو تحفہ دیا کرو کیونکہ اس سے باہمی محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔“

قَالَ	يٰۤاَيُّهَا	الْمَلَؤُا	اَيُّكُمْ	يَاْتِيْنِيْ	بِعَرْشِهَا
اس نے کہا	اے	اہل دربار!	تم سے کون	لائے گا میرے پاس	اس کا تخت
قَبْلَ	اَنْ	يَّاْتُوْنِيْ	مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾	قَالَ	عِفْرِيْتٌ	مِّنَ
اس سے پہلے	کہ	وہ میرے پاس آئیں	مسلمان	اس نے کہا	ایک دیو	سے
الْجِنِّ	اَنَا	اٰتِيْكَ	بِهٖ	قَبْلَ	اَنْ	تَقُوْمَ	مِنْ
جنوں	میں	آپ کے پاس لاؤں گا	اس کے ساتھ	پہلے	کہ	آپ اُٹھیں	سے
مَّقَامِكَ ۚ	وَاِنِّيْ	عَلَيْهِ	لَقَوِيٌّ	اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾
اپنی جگہ	اور بلاشبہ میں	اس پر	نہایت طاقتور	امین

سلیمان نے کہا اے سردار وتم میں سے کون ملکہ کا تخت میرے پاس لائے گا قبل اس کے کہ وہ مطیع ہوکر میرے پاس حاضر ہوجائے؟ (۳۸) جنوں میں سے ایک قوی ہیکل نے عرض کیا کہ میں اسے لاؤنگا قبل اس کے کہ آپ اپنی نشست گاہ سے اُٹھیں۔ میں اس کی طاقت رکھتاہوں اور امانتدار ہوں۔'' (۳۹)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملکہ بلقیس کے خلاف پہلا اقدام۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کے تحائف واپس کرتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا کہ ہم ضرور تم پر یلغار کریں گے۔ ملکہ بلقیس کو اس کے نمائندوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جمال وکمال اور ان کے اسباب و وسائل کے بارے میں آگاہ کیا تو ملکہ کو یقین ہوگیا کہ ہم اس قدر طاقتور حکمران اور صاحب کردار شخص کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے اس نے اپنے وزیروں، مشیروں کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ مجھے خود ان کی خدمت میں پیش ہونا چاہیے تاکہ ہماری عزت اور ملک سلامت رہے۔ جونہی ملکہ اپنے قوم کے نمائندوں کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف چلی۔ ابھی راستے میں تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے وزیروں اور مشیروں سے پوچھا کہ کون ملکہ کے پہنچنے سے پہلے اس کا یہاں تخت لائے گا؟ جنوں میں سے ایک دیوہیکل جن نے کہا کہ میں یہ نشست ختم ہونے سے پہلے آپ کی خدمت میں اس کے تخت کو پیش کرتا ہوں۔ میں امانتدار ہونے کے ساتھ ایسا کرنے کی طاقت رکھتا ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ حکم اس لیے دیا تاکہ ملکہ کو اپنی آمد سے پہلے سلیمان علیہ السلام کی طاقت کا علم ہوجائے جس سے اس کی رعونت کا خاتمہ ہو اور وہ شرک سے تائب ہوکر مسلمان ہوجائے۔

مسائل

۱۔ مسلمان حکمران کو غیر مسلموں پر اپنا رُعب قائم کرنا چاہیے۔ ۲۔ اہل کار باصلاحیت اور امانت دار ہونے چاہئیں۔

قَالَ	الَّذِیْ	عِنْدَهٗ	عِلْمٌ	مِّنَ	الْكِتٰبِ	اَنَا
اس نے کہا	وہ	جس کے پاس	علم	سے	کتاب	میں
اٰتِیْكَ	بِهٖ	قَبْلَ	اَنْ	یَّرْتَدَّ	اِلَیْكَ	طَرْفُكَ ؕ
آپ کے پاس لاتا ہوں	ساتھ اس کے	پہلے	کہ	جھپکے	آپ کی طرف	آپ کی آنکھ
فَلَمَّا	رَاٰهُ	مُسْتَقِرًّا	عِنْدَهٗ	قَالَ	هٰذَا	مِنْ
پھر جب	اس نے اسے دیکھا	رکھا ہوا	اپنے پاس	اس نے کہا	یہ	سے
فَضْلِ	رَبِّیْ ۖ قف	لِیَبْلُوَنِیْ	ءَ	اَشْكُرُ	اَمْ	اَكْفُرُ ؕ
فضل	میرا رب	تاکہ وہ مجھے آزمائے	کیا	میں شکر کرتا ہوں	یا	ناشکری کرتا ہوں

''جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا وہ بولا میں آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے اس کا تخت لے آتا ہوں جونہی سلیمان نے ملکہ کا تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا۔تو پکار اٹھے یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں۔

فہم القرآن

ربط کلام : دیوہیکل جن کے اظہار خیال کے بعد ایک صاحبِ علم کا ردِ عمل اور اس کی پیشکش۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے قریبی لوگوں میں ایک شخص اُٹھا جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا کہ میں آپ کے آنکھ جھپکنے سے پہلے آپ کے سامنے ملکہ کا تخت پیش کرتا ہوں۔ یہ کہتے ہی اس نے ملکہ کا تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کے حضور پیش کر دیا۔تخت دیکھتے ہی حضرت سلیمان علیہ السلام نے عاجزانہ اور تشکرانہ انداز میں کہا یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا نہ شکری کرتا ہوں جو شکر ادا کرتا ہے اس کے شکر کا اسے ہی فائدہ پہنچتا ہے جو ناشکری کرتا ہے بلاشبہ میرے رب کو اس کی ناشکری کی کوئی پرواہ نہیں کیونکہ وہ نہایت کریم ہے۔آدمی کو ہر وقت اپنے رب کا شکر ادا کرنا چاہیے لیکن اس موقعہ پر حضرت سلیمان نے اپنے رب کا اس لیے بھی شکریہ ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کیسے ذہین اور لائق فائق ساتھی دیے ہیں جو آنکھ جھپکنے سے پہلے اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دے سکتے ہیں۔شکریہ کلمات کے ساتھ ہی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے وزیروں کو کہا کہ ملکہ کے تخت میں کچھ تبدیلیاں کر دی جائیں۔کیونکہ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ اسے پہچانتی ہے یا نہیں۔تخت میں تبدیلی کروانے کا مقصد یہ تھا کہ اس کی ذہانت کا اندازہ کیا جا سکے تاکہ معلوم ہو کہ وہ اپنے تخت کو پہچانتی ہے یا نہیں پہچان پاتی۔ان الفاظ میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ اگر وہ اپنے تبدیل شدہ تخت کو پہچان گئی تو یقین کیا جا سکتا ہے کہ وہ عقیدہ توحید کو جان کر مسلمان ہو جائے گی۔ جہاں تک تخت کے لانے والے اور اس کے اس کارنامے کا معاملہ ہے اس کے بارے میں

وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ

اور جوکوئی شکر کرتا ہے تو بس وہ شکر کرتا ہے اپنی ذات کے لیے اور جوکوئی ناشکری کرتا توبلاشبہ

رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌ ﴿۴۰﴾ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا

میرارب بے پروا بزرگ اس نے کہا بدل دو اس کے لیے اس کا تخت

نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ

ہم دیکھیں گے کیا وہ راہ پاتی یا وہ ہے سے وہ لوگوں

لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾

نہیں وہ راہ پاتے؟

اور جوکوئی شکر کرتا ہے اس کے شکر کا اسے ہی فائدہ ہے اور جوکوئی ناشکری کرے تو میرارب بے نیاز اور بزرگ ہے۔(۴۰) سلیمان نے کہا اس کا تخت بدل دو دیکھیں وہ حقیقت تک پہنچتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو حقیقت تک نہیں پہنچتے۔‘‘(۴۱)

مفسرین کی مختلف آراء ہیں۔ امام رازی رحمہ اللہ کا اصرار ہے کہ اس شخص سے مراد حضرت سلیمان علیہ السلام خود ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے زبور کا علم اور یہ معجزہ عطا فرمایا تھا۔ دوسرے مفسرین اس بات کے ساتھ اختلاف کرتے ہوئے یہ دلیل دیتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ کام خود نہیں کیا بلکہ ان کے کسی ساتھی نے کیا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے ایسا علم عطا فرمایا تھا۔ جس کے بارے میں مفسرین کا خیال ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کا علم تھا جس کے واسطے سے سوال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ ہر صورت اسے پورا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی پر اپنا فضل کرتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو آزمانا چاہتا ہے کہ وہ اس کا شکر گزار ہوتا ہے یا باغی اور ناشکرا بنتا ہے۔ جو اپنے رب کی ناشکری کرے گا اللہ تعالیٰ کو اس کی ناشکری سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تفسیر بالقرآن

شکر کے فائدے اور کفر کے نقصانات:

۱۔ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا۔(ابراہیم:۷) ۲۔ اللہ شکر گزار بندوں کا قدردان ہے(النساء:۱۴۷)

۳۔ اگر تم اس کا شکریہ ادا کرو تو وہ تم پر خوش ہوگا۔(الزمر:۷) ۴۔ اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔(آل عمران:۱۴۴)

۵۔ جو شخص شکر کرتا ہے اس کا فائدہ اسی کو ہے اور جو ناشکری کرتا ہے میرا رب اس سے بے پرواہ ہے۔(النمل:۴۰)

۶۔ اگر تم اس کی ناشکری کرو تو اللہ بے پرواہ اور تعریف والا ہے۔(ابراہیم:۸)

فَلَمَّا	جَآءَتْ	قِيْلَ	اَهٰكَذَا	عَرْشُكِ ؕ	قَالَتْ
پھر جب	وہ آئی	کہا گیا	کیا اسی طرح کا ہے	آپ کا تخت؟	اس نے کہا
كَاَنَّهٗ	هُوَ ۚ	وَ	اُوْتِيْنَا	الْعِلْمَ	مِنْ قَبْلِهَا
گویا یہ	وہی	اور	ہم دیے گئے تھے	علم	سے پہلے اس
وَ كُنَّا	مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾	وَصَدَّهَا	مَا	كَانَتْ	تَّعْبُدُ مِنْ
اور تھے ہم	مسلمان	اور اسے روکا تھا	جو	تھی وہ	عبادت کرتی سے
دُوْنِ	اللّٰهِ ؕ	اِنَّهَا	كَانَتْ	مِنْ	قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾
سوائے	اللہ	اس لیے وہ	تھی	سے	قوم کافر

''ملکہ جب حاضر ہوئی تو اُسے کہا گیا کیا یہ آپ کا تخت ہے؟ وہ کہنے لگی یہ تو وہی ہے ہم تو پہلے ہی جان گئے تھے اور ہم مسلم ہو چکے ہیں۔(۴۲) اس کو ایمان لانے سے جس چیز نے روک رکھا تھا وہ ان معبودوں کی عبادت تھی جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتی تھی کیونکہ وہ کافر قوم سے تھی۔'' (۴۳)

فہم القرآن

ربط کلام: تخت کے بارے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملکہ کو سوال اور اس کا جواب۔

جونہی ملکہ اپنے وزیروں اور مشیروں کے ساتھ شاہانہ انداز میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے تخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے استفسار فرمایا۔ ''کیا آپ کا تخت اس طرح کا ہے؟'' اس نے کہا جی ہاں! کیوں نہیں یہ وہی ہے ہمیں تو آپ کے بارہ میں سب کچھ پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے۔ اس لیے ہم تابعدار ہو کر آئے ہیں۔ تخت کی پہچان اور ملکہ کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑی ہی دانا عورت تھی۔ جس نے سفارتی نمائندوں کے ذریعے حضرت سلیمان علیہ السلام کے کردار اور اقتدار کو سمجھ لیا اور فیصلہ کیا کہ اپنی قوم کو رسوا اور ملک کو تباہ کرنے کی بجائے۔ اس حکمران کے پاس پہنچ کر براہِ راست مذاکرات کرنے چاہییں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچنے کے بعد اس نے اپنے تبدیل شدہ تخت کو پہچان لیا جس سے اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت کا مزید اندازہ ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل و صورت اور پیغمبرانہ گفتگو اور حیادارانداز دیکھا تو اسے یقین ہو گیا یہ کوئی دنیا دار حکمران نہیں کہ جس نے محض کشور کشائی کے لیے مجھے دھمکی دی ہے یہ تو اللہ کا خاص بندہ ہے جو میری اور میری قوم کی ہدایت کے لیے کوشاں ہے۔ اس لیے ملکہ نے شاہانہ انداز کی بجائے عاجزانہ انداز میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی شخصیت اور ان کی دعوت کا اعتراف کیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اظہار

فرمایا۔قرآن مجید نے اس کے بارہ میں فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے سوا سورج کی عبادت کرتی تھی کیونکہ اس نے کافر قوم میں پرورش پائی تھی۔ جونہی اس کا ماحول تبدیل ہوا اور اسے عقیدہ توحید کی دعوت دی گئی تو اس نے اپنی بادشاہت کی پرواہ کیے بغیر مسلمان ہونے کا فیصلہ کیا۔

ماحول کے اثرات:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ كَمَثَلِ الْبَهِيمَةِ تُنْتَجُ الْبَهِيمَةَ هَلْ تَرٰى فِيهَا جَدْعَاءَ)) [رواه البخاري: كتاب الجنائز، باب ماقيل في أولاد المشركين]

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہر نومولود فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جس طرح جانور اپنے بچے کو جنم دیتا ہے تو کیا تم ان میں کسی کو مقطوع الاعضا پاتے ہو؟

((عَنْ أَبِي مُوسٰى رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالسُّوْءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيرِ فَحَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً وَنَافِخُ الْكِيرِ إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيحًا خَبِيثَةً)) [رواه البخاري: كتاب الذبائح والصيد، باب المسك]

”حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اچھے اور برے ساتھی کی مثال کستوری بیچنے والے اور بھٹی پھونکنے والے کی طرح ہے۔ کستوری بیچنے والا یا تو تجھے تحفہ دے گا یا تو اس سے خرید لے گا یا تو اس سے اچھی خوشبو پائے گا۔ بھٹی پھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑوں کو جلا دے گا یا تو اس سے دھواں کی بو محسوس کرے گا۔“

مسائل

١۔ انسان کی ہدایت اور گمراہی میں ماحول کا بڑا اثر ہوتا ہے۔
٢۔ ذہین اور عقلمند وہ شخص ہے جو حق کو پہچانے اور اسے تسلیم کرنے میں تاخیر نہ کرے۔
٣۔ عقلمند کے لیے ایمان کے مقابلہ میں دنیا کے اقتدار اور اختیارات کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔
٤۔ مشرکانہ ماحول عقیدہ توحید سمجھنے اور ماننے میں بہت بڑی رکاوٹ ہوتا ہے۔

قِيْلَ	لَهَا	ادْخُلِي	الصَّرْحَ ج	فَلَمَّا	رَاَتْهُ	حَسِبَتْهُ
کہا گیا	اسے	داخل ہو	محل	پھر جب	اس نے اسے دیکھا	تو اسے سمجھی

لُجَّةً	وَّكَشَفَتْ	عَنْ	سَاقَيْهَا ط	قَالَ	اِنَّهٗ	صَرْحٌ
گہرا پانی	اور اس نے کھول دیں	سے	دونوں پنڈلیاں	اس نے کہا	بلاشبہ یہ	محل

مُّمَرَّدٌ	مِّنْ	قَوَارِيْرَ ط	قَالَتْ	رَبِّ	اِنِّيْ	ظَلَمْتُ
جڑا ہوا	سے	شیشے	اس نے کہا	میرے رب!	بے شک	میں نے ظلم کیا

نَفْسِيْ	وَاَسْلَمْتُ	مَعَ	سُلَيْمٰنَ	لِلّٰهِ	رَبِّ	الْعٰلَمِيْنَ ع ﴿۴۴﴾
اپنی جان پر	اور میں مطیع ہوگئی	ساتھ	سلیمان	اللہ کے لیے	رب	جہانوں

۳ ع ۱۲ ۱۸

اس سے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو جاؤ۔ اس نے دیکھا تو سمجھی کہ یہ پانی کا حوض ہے اور اترنے کے لیے اس نے اپنے پائنچے اٹھا لیے سلیمان نے فرمایا یہ شیشے کا بنا ہوا فرش ہے۔ وہ پکار اٹھی اے میرے رب میں اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی اور میں ایمان لائی ہوں سلیمان کے ساتھ اللہ پر جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔'' (۴۴)

فہم القرآن

ربط کلام: ملکہ بلقیس کو حقیقت کا مزید ادراک کرانے کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک اور حکیمانہ کوشش۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کے تحائف مسترد کیے اور اسے ان الفاظ میں دھمکی دی کہ اگر تم نے تابعداری اختیار نہ کی تو ہم تمھیں رسوا کر ڈالیں گے لیکن جونہی ملکہ بلقیس اپنے وزیروں اور مشیروں کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی تو انھوں نے اسے مسلمان کرنے کے لیے جبر کی بجائے حکمت کا انداز اختیار فرمایا۔ پہلے اس کے تخت میں تبدیلیاں کروائیں، پھر ملکہ سے اس تخت کے بارے میں استفسار فرمایا۔ ملکہ نے بغیر کسی دقت کے اپنا تخت پہچان لیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے تھے اسے کھل کر سابقہ عقیدہ کے باطل ہونے کا ادراک ہو جائے۔ اس لیے انھوں نے ملکہ اور اس کے وفد کو ایسے محل میں ٹھہرنے کا حکم دیا کہ جس کے مین دروازے کے سامنے شیشے کا فرش لگا ہوا تھا۔ ملکہ نے پانی سمجھ کر اپنی پنڈلیوں سے پائنچے اُوپر کر لیے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے توجہ دلائی کہ پانی نہیں بلوری فرش ہے۔ اس بات سے اس کے دماغ پر ٹھوکر لگی اور فوراً کہہ اُٹھی اے میرے رب میں نے تیرے ساتھ شرک کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اس رب کی تابع ہوئی جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے شیشے کے فرش کے ذریعے یہ حقیقت باور کروائی کہ شرک ایک واہمہ ہے۔ اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ دانا عورت تھی اشارہ سمجھ کر فوراً توحید باری تعالیٰ کا اعتراف کرتی ہے اور مسلمان ہوگئی۔ بعض مفسرین نے اسرائیلی روایات کے تحت لکھا ہے کہ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُسے اپنے حرم میں شامل کر لیا۔ (اللہ اعلم)

البتہ یہ حقیقت ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد تاریخ سے اس کی حکمرانی ثابت نہیں ہوتی۔

وَلَقَدْ	اَرْسَلْنَآ	اِلٰى	ثَمُوْدَ	اَخَاهُمْ	صٰلِحًا
اور البتہ تحقیق	ہم نے بھیجا	طرف	ثمود	ان کے بھائی	صالح
اَنِ	اعْبُدُوا	اللّٰهَ	فَاِذَا	هُمْ	فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾
یہ کہ	تم عبادت کرو	اللہ کی	پھر جب	وہ	دو فریق وہ باہم جھگڑتے تھے
قَالَ	يٰقَوْمِ	لِمَ	تَسْتَعْجِلُوْنَ	بِالسَّيِّئَةِ	قَبْلَ
اس نے کہا	اے میری قوم!	کیوں	تم جلدی کرتے ہو	برائی کو	پہلے
الْحَسَنَةِ	لَوْلَا	تَسْتَغْفِرُوْنَ	اللّٰهَ	لَعَلَّكُمْ	تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾
بھلائی سے؟	کیوں نہیں	تم مغفرت طلب کرتے	اللہ	تاکہ تم	رحم کیے جاؤ؟

''اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ اس نے کہا کہ اللہ کی بندگی کرو بس پھر وہ دو متحارب گروپ بن گئے۔ (۴۵) صالح نے فرمایا اے میری قوم کے لوگو۔ نیکی کی بجائے برائی کے لیے کیوں جلدی کرتے ہو۔ کیوں نہیں اللہ سے مغفرت طلب کرتے؟ شاید تم پر رحم کیا جائے۔'' (۴۶)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اور اُن کی قوم کا ذکر۔

جونہی حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دیا تو اُن کی قوم دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ توحید خالص کا انکار کرنے والے لوگ حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں سے جھگڑنے لگے۔

جوں ہی صالح علیہ السلام نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تو ان کی قوم دو گروہوں میں بٹ گئی ایک گروہ ایمان لانے والوں کا اور دوسرا گروہ انکار کرنے والوں کا تھا۔ دونوں گروہوں کے درمیان زبردست کش مکش شروع ہوگئی جس طرح قرآن مجید نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے:

﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ○ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ [الاعراف: ۷۵۔۷۶]

''اس کی قوم میں سے جو سردار اپنی بڑائی پر فخر کرتے تھے انہوں نے اُن لوگوں سے کہا جو کمزور بنائے گئے تھے کیا واقعی تم جانتے ہو کہ صالح علیہ السلام اپنے رب کا رسول ہے؟ ایمان والوں نے جواب دیا ہم اس دعوت پر ایمان رکھتے

ہیں جس کے ساتھ حضرت صالح علیہ السلام بھیجے گئے ہیں۔متکبرین نے کہا جس چیز پر تم ایمان لائے ہو اس کا ہم تو انکار کرتے ہیں۔‘‘(الاعراف:۷۵۔۷۶)

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم بغاوت میں یہاں تک آگے بڑھی کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگنے کی بجائے صالح علیہ السلام سے بار بار یہ مطالبہ کیا اگر آپ واقعی اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب نازل ہونا چاہیے۔حضرت صالح علیہ السلام نے بھی انہیں بار بار پھر سمجھایا کہ اے میری قوم تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ کہ تم اللہ تعالیٰ کا کرم مانگنے کی بجائے اُس کا عذاب مانگ کر رہے ہو؟ اللہ تعالیٰ کی بخشش کیوں نہیں مانگتے؟ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

’’اَلْحَسَنَةُ‘‘ اس چیز کو کہا جاتا ہے جو انتہائی خوبصورت ہو اور اس کی طرف انسان کا دل مائل ہو۔یہ دنیا کی کوئی بھی نعمت ہو سکتی ہے اور یہ لفظ نیکی اور خیر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے کیونکہ نیکی سے بڑھ کر نیک آدمی کو کوئی چیز مرغوب نہیں ہوتی۔

اس کے مقابلہ میں السیـــــئة کا لفظ آتا ہے اس سے مراد دنیا کا ہر قسم کا نقصان ہے خواہ وہ بیماری کی شکل میں ہو یا مالی خسارے کی صورت میں اس کے لیے اَلسَّیِئَةُ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔چھوٹے بڑے گناہ کو بھی سَیِئَة کہا جاتا ہے۔

مسائل

۱۔ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو توحیدِ خالص کی دعوت دی تو اُن کی قوم دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

۲۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے بار بار ان سے عذاب کا مطالبہ کیا۔

۳۔ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو توبہ واستغفار کے لیے کہا لیکن وہ اپنے کفر وشرک پر قائم رہے۔

تفسیر بالقرآن

توبہ واستغفار کے فائدے:

۱۔ اپنے پروردگار سے توبہ کرو اور اس کی طرف رجوع کرو وہ تمہیں خوشی وعیش دے گا۔(ہود:۳)

۲۔ اپنے رب سے بخشش طلب کرو وہ آسمان سے بارش نازل فرمائے گا اور تمہاری قوت میں اضافہ کرے گا۔(ہود:۵۲)

۳۔ تم اللہ سے بخشش طلب کرو میرا رب تمہاری توبہ قبول کرے گا۔(ہود:۶۱)

۴۔ اپنے رب سے بخشش طلب کرو وہ تمہیں معاف کر دے گا اور بارش، مال اور اولاد سے نوازے گا۔(نوح:۱۰۔۱۲)

۵۔ اللہ سے بخشش طلب کرو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔(المزمل:۲۰)

۶۔ جب تک لوگ بخشش طلب کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم انہیں عذاب نہیں دیں گے۔(الانفال:۳۳)

قَالَ	مَّعَكَ ؕ	وَبِمَنْ	بِكَ	اطَّيَّرْنَا	قَالُوا
اس نے کہا	تیرے ساتھی ہیں	اوران لوگوں کے ساتھ جو	تیرے ساتھ	ہم بدشگونی لیتے ہیں	انھوں نے کہا

تُفْتَنُوْنَ ۝	قَوْمٌ	اَنْتُمْ	بَلْ	اللّٰهِ	عِنْدَ	طٰٓئِرُكُمْ
آزمائش میں ڈالے گئے	لوگ	تم	بلکہ	اللہ	پاس	تمھاری بدشگونی

''انہوں نے کہا تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔ صالح نے جواب دیا تمہاری بدشگونی کا معاملہ اللہ کو معلوم ہے حقیقت یہ ہے کہ تمہاری آزمائش کی جارہی ہے۔'' (۴۷)

فہم القرآن

ربط کلام: قوم کا حضرت صالح علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کے خلاف پراو پیگنڈا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اُن کے خلاف زور وشور کے ساتھ پراو پیگنڈہ کیا کہ جب سے صالح علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں نے یہ کام شروع کیا ہے قوم کا اتحاد ختم ہوا اور گھر گھر اختلاف پیدا کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ ملک کی ترقی میں رکاوٹیں پیدا ہوگئی ہیں۔ ہمارا دن رات کا سکون لٹ گیا ہے شعیب اور اسکے ساتھیوں کی نحوست کی وجہ سے یہ ہوا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انھیں سمجھایا کہ یہ نحوست ہماری وجہ سے نہیں بلکہ تمھاری وجہ سے ہے۔ تمھیں اپنے فکر وعمل پر غور کرتے ہوئے یہ بات سوچنی چاہیے کہ تم بہت بڑی آزمائش میں مبتلا کیے گئے ہو۔ آزمائش سے مراد حق و باطل کی آویزش اور اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔ جس سے صالح علیہ السلام نے انھیں یہ کہہ کر آگاہ کیا تھا۔ اگر تم نے توبہ استغفار نہ کیا تو ٹھیک تین دن کے بعد تم پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ لَا طِیَرَةَ وَخَیْرُهَا الْفَالُ قَالُوْا وَمَا الْفَالُ قَالَ الْکَلِمَةُ الصَّالِحَةُ یَسْمَعُهَا اَحَدُکُمْ۔)) [رواہ البخاری: باب الجذام]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ نے فرمایا بدشگونی جائز نہیں البتہ فال بہتر ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ فال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا' اچھا کلمہ جو تمہیں سنائی دے۔

مسائل

۱۔ قوم نے حضرت صالح علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کو منحوس قرار دیا۔ ۲۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو آزمائش سے آگاہ فرمایا تھا۔

تفسیر بالقرآن

آزمائش کی شکلیں اور انبیاء پر منحوس ہونے کا الزام:

۱۔ پہلے لوگوں کو بھی آزمایا گیا۔ (العنکبوت: ۳) ۲۔ ڈر سے آزمائش۔ (البقرۃ: ۱۵۵)

۳۔ فاقوں سے آزمائش۔ (البقرۃ: ۱۵۵) ۴۔ مال وجان کی کمی کے ساتھ آزمائش۔ (البقرۃ: ۱۵۵)

۵۔ آل فرعون نے کہا موسیٰ اور اس کے ساتھی منحوس ہیں۔ (الاعراف: ۱۳۱) ۶۔ قوم نے تین پیغمبروں کو منحوس قرار دیا۔ (یٰس: ۱۸۔۱۹)

وَكَانَ	فِي الْمَدِينَةِ	تِسْعَةُ	رَهْطٍ	يُّفْسِدُونَ
اور تھے	میں شہر	نو	سرغنے	وہ فساد کرتے تھے

فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿۴۸﴾ قَالُوا تَقَاسَمُوا

میں زمین اور نہیں وہ اصلاح کرتے انھوں نے کہا تم آپس میں قسم کھاؤ

بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ

اللہ کی ہم ضرور اس پر شب خون ماریں گے اور اس کے اہل پھر ہم ضرور کہہ دیں گے

لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُونَ ﴿۴۹﴾

اس کے وارث نہیں ہم حاضر ہلاکت کے وقت اس کے اہل اور بلاشبہ ہم ضرور سچے ہیں

وَمَكَرُوا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۵۰﴾

اور انھوں نے سازش کی ایک سازش اور ہم نے بھی چلی ایک چال اور وہ نہیں وہ شعور رکھتے تھے

”اس شہر میں نو جتھے دار تھے جو ملک میں اصلاح کی بجائے فساد پھیلاتے تھے۔(۴۸) انہوں نے آپس میں کہا اللہ کی قسم کھا کر عہد کرو کہ ہم صالح اور اس کے گھر والوں پر شبخون ماریں گے اور پھر اس کے وارثوں سے کہیں گے کہ ہم اس کے خاندان کی ہلاکت کے موقع پر موجود نہیں تھے اور ہم بالکل سچ کہتے ہیں۔(۴۹) انہوں نے یہ سازش کی اور ہم نے بھی ایک چال چلی جس کی انہیں خبر نہ تھی۔“(۵۰)

فہم القرآن

ربط کلام : قوم کے نمائندوں کا حضرت صالح علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کے خلاف مذموم منصوبہ۔

صالح علیہ السلام کی قوم کا مسکن شمال مغربی عرب کا وہ علاقہ تھا جو آج بھی الحجر کے نام سے موسوم ہے جو مدینہ اور تبوک کے درمیان واقع ہے جسے مدائن صالح کہتے ہیں یہی ثمود کا صدر مقام تھا اور قدیم زمانہ میں حجر کہلاتا تھا۔ وسیع رقبے میں ان کی عمارتوں کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں۔ جن کو قوم ثمود نے پہاڑ تراش تراش کر بنایا تھا ان کھنڈرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں اس کی آبادی لاکھوں افراد پر مشتمل ہوگی اس شہر کی آبادی چار پانچ لاکھ سے کم نہ ہوگی۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے نو بڑے سردار تھے۔ جنھوں نے مل بیٹھ کر منصوبہ بنایا کہ حضرت صالح علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کو قتل کر دینا چاہیے۔ اس بات کو صیغہ راز میں رکھنے کے لیے انھوں نے آپس میں قسمیں اُٹھائیں اور یہ بھی طے کیا کہ اگر صالح علیہ السلام کا کوئی وارث اس کیس کو اُٹھانا چاہے تو ہم کہیں گے کہ اس کام میں ہم کسی طرح بھی ملوث نہیں ہیں۔ سب کو یہی بات کہنا چاہیے تاکہ ہم سچے ثابت ہوں۔ اس کے بعد انھوں نے رات کے وقت صالح علیہ السلام اور اُن کے ایمان والے ساتھیوں

پر یکبارگی حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ انھیں معلوم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ بھی حضرت صالح علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کو بچانے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ لفظ مکر کے بارے میں سورۃ آل عمران کی آیت ۵۴ کی تفسیر میں ذکر ہو چکا ہے کہ مکر کا لفظ لوگوں کی طرف منسوب ہو تو اس کا معنیٰ مکر و فریب اور سازش ہوتا ہے اگر یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اس کا معنی اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور اس کا فیصلہ ہوتا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے نو نمائندے تھے گویا کہ نو قبائل یا نو پارٹیاں تھیں۔ جو سب کے سب اس بات پر متفق تھے کہ صالح علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کو قتل کر دینا چاہیے۔ جس طرح انھوں نے صالح علیہ السلام کے خلاف منصوبہ بندی کی اور اس کے نتیجہ میں تباہ و برباد ہوئے۔ اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اہل مکہ نے منصوبہ بندی کی اور ذلیل ہوئے۔

﴿وَ اِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَ یَمْکُرُوْنَ وَ یَمْکُرُ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ﴾ [الانفال: ۳۰]

”اور جب کفر کرنے والے لوگ آپ کے خلاف تدبیریں کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو ملک بدر کر دیں وہ سازش کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔“

مسائل

۱۔ قوم کے نو لیڈروں نے حضرت صالح علیہ السلام کے خلاف مذموم منصوبہ بنایا۔
۲۔ قوم کے نمائندوں نے حضرت صالح علیہ السلام اور اُن کے ایماندار ساتھیوں کو قتل کرنے کی قسمیں اُٹھائیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مذموم منصوبہ کو نا صرف ناکام کیا بلکہ انھیں تباہ و برباد کر دیا۔

تفسیر بالقرآن

انبیائے کرام علیہم السلام کے خلاف سازشیں:

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ان کو جلانے کی کوشش کی۔ (الانبیاء: ۶۸)
۲۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے ان کو ملک بدر کرنے کی دھمکی دی۔ (الاعراف: ۸۸)
۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ۔ (المؤمن: ۲۸)
۴۔ آپ غمزدہ نہ ہوں اور کفار کے مکر و فریب سے تنگی محسوس نہ کریں۔ (النحل: ۱۲۷)
۵۔ نبی کریم کو حق سے پھیر دینے کے لیے کافروں نے سازش کی۔ (البقرۃ: ۱۰۹)
۶۔ کفار نے نبی اکرم کو قتل کرنے اور ملک بدر کرنے کی سازش کی۔ (الانفال: ۳۰)

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ

پھر آپ دیکھیں کیسا ہوا انجام ان کی سازش بے شک ہم نے ان کو ہلاک کر دیا

وَ قَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥١﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا

اوران کی قوم سب چنانچہ یہ ان کے گھر ہیں خالی بوجہ اس کے کہ

ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٥٢﴾

انھوں نے ظلم کیا بلاشبہ میں اس البتہ عظیم نشانی ان لوگوں کے لیے وہ علم رکھتے ہیں

وَ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٥٣﴾

اور ہم نے نجات دی جو وہ ایمان لائے اور تھے وہ وہ ڈرتے

”آپ دیکھ لیں کہ ان کی سازش کا انجام کیا ہوا ہم نے تباہ کر کے رکھ دیا ان کو اور ان کی پوری قوم کو۔(۵۱) ان کے گھر خالی پڑے ہیں اُس ظلم کی پاداش میں جو وہ کرتے تھے۔اس میں نشان عبرت ہے ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔(۵۲) اور بچالیا ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور وہ پرہیز گار تھے۔“(۵۳)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا انجام۔

۱۔ قوم ثمود کو تین دن کی مہلت دی گئی۔(ھود:۶۵)

۲۔قوم ثمود کو صبح کے وقت ہولناک دھماکے نے آلیا اوران کی ترقی ان کے کچھ کام نہ آئی۔(الحجر ۸۳۔۸۴)

۳۔ ہم نے ان پر ہولناک چیخ نازل کی وہ ایسے ہو گئے جیسے بوسیدہ اور سوکھی ہوئی باڑ ہوتی ہے۔(القمر:۳۱)

صالح علیہ السلام کی قوم کے انجام میں لوگوں کے لیے درسِ عبرت ہے کہ اللہ کے مقابلے میں کسی کی چال کارگر نہیں ہوتی جو بھی مکروفریب سے کام لے گا۔اللہ تعالیٰ اُسے صالح علیہ السلام کی قوم کی طرح نشانِ عبرت بنا دے گا اور اُن کی بستیاں آج بھی اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ لَمَّا مَرَّ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِالْحِجْرِ قَالَ لَا تَدْخُلُوا مَسَاكِنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ أَنْ يُصِيبَكُمْ مَا أَصَابَهُمْ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ ثُمَّ قَنَّعَ رَأْسَهُ وَأَسْرَعَ السَّيْرَ حَتَّى أَجَازَ الْوَادِيَ))

[رواہ البخاری ، کتاب المغازی ، باب نزول النبی الحجر]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجر کے مقام سے گزرے تو آپ نے فرمایا ان

لوگوں کے مقام سے نہ گزرا کرو۔ جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا کہیں تم پر وہ آفت نہ آن پڑے جو ان پر آن پڑی تھی۔ اگر گزرنا ناگزیر ہو تو روتے ہوئے گزرا کرو۔ پھر آپ نے اپنا سر جھکایا اور سواری کو تیز کیا یہاں تک کہ اس وادی سے گزر گئے۔“

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا نَزَلَ الْحِجْرَ فِی غَزْوَۃِ تَبُوكَ أَمَرَھُمْ أَنْ لَا یَشْرَبُوا مِنْ بِئْرِھَا ، وَلَا یَسْتَقُوا مِنْھَا فَقَالُوا قَدْ عَجَنَّا مِنْھَا وَاسْتَقَیْنَا فَأَمَرَھُمْ أَنْ یَطْرَحُوا ذٰلِكَ الْعَجِینَ وَیُھَرِیقُوا ذٰلِكَ الْمَاءَ وَیُرْوَی عَنْ سَبْرَۃَ بْنِ مَعْبَدٍ وَأَبِی الشُّمُوسِ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِإِلْقَاءِ الطَّعَامِ وَقَالَ أَبُو ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ اعْتَجَنَ بِمَائِهِ)) [رواہ البخاری: باب قَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی (**وَإِلٰی ثَمُودَ أَخَاھُمْ صَالِحًا**)]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس آتے ہوئے حجر میں اترے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ اس کنواں سے نہ پانی پئیں اور نہ اس سے پلائیں اُنہوں نے کہا ہم نے تو اُس سے آٹا گوندھ لیا ہے اور پانی بھر لیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آٹے کو پھینک دو اور پانی بہا دو۔ حضرت سبرۃ بن معبد اور ابی الشموس بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا گرانے کا حکم دیا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آپ نے کھانا گرانے کا اُنہیں حکم دیا تھا جنہوں نے اُس پانی سے آٹا گوندھا تھا۔“

مسائل

۱۔ تباہ شدہ اقوام کی تاریخ اور اُن کے آثارات کو عبرت کی نگاہ سے پڑھنا اور دیکھنا چاہیے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کو عذاب سے محفوظ رکھا۔

تفسیر بالقرآن

تقویٰ اور اس کے دنیا و آخرت میں فوائد:

۱۔ صبر کرو متقین کا بہتر انجام ہے۔ (ہود: ۴۹) ۲۔ متقین کے لیے جنت ہے۔ (الحجر: ۴۵)

۳۔ قیامت کے دن متقین کے چہرے ہشاش بشاش ہوں گے۔ (یونس: ۲۶)

۴۔ متقین کے لیے کامیابی ہے۔ (الانبیاء: ۳۱ تا ۳۳)

۵۔ متقین اولیاء اللہ ہیں جو بے خوف ہوں گے۔ (یونس: ۶۲)

۶۔ متقین کے لیے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنت ہے۔ (القلم: ۳۴)

۷۔ متقی کے کام آسان اور اس کی سب خطائیں معاف اور ان کے لیے بڑا اجر ہوگا۔ (الطلاق: ۴ تا ۵)

۸۔ اللہ تعالیٰ نے متقین کے ساتھ جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔ (الرعد: ۳۵)

وَلُوْطًا	اِذْ	قَالَ	لِقَوْمِهٖٓ	اَتَاْتُوْنَ	الْفَاحِشَةَ
اور لوط	جب	اس نے کہا	اپنی قوم سے	کیا تم آتے ہو	بے حیائی
وَاَنْتُمْ	تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾	اَىِٕنَّكُمْ	لَتَاْتُوْنَ	الرِّجَالَ	شَهْوَةً
جبکہ تم	دیکھتے ہو؟	کیا بے شک تم	البتہ آتے ہو	مردوں کے پاس	شہوت رانی
مِّنْ	دُوْنِ	النِّسَآءِ	بَلْ	اَنْتُمْ	قَوْمٌ	تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾
سے	سوائے	عورتیں	بلکہ	تم	لوگ	تم جاہل
فَمَا	كَانَ	جَوَابَ	قَوْمِهٖٓ	اِلَّآ	اَنْ	قَالُوْٓا
پھر نہ	تھا	جواب	اس کی قوم	مگر	یہ کہ	انھوں نے کہا
اَخْرِجُوْٓا	اٰلَ	لُوْطٍ	مِّنْ	قَرْيَتِكُمْ	اِنَّهُمْ	اُنَاسٌ
نکال دو	آل	لوط	سے	اپنی بستی	بے شک وہ	لوگ

”اور لوط کو ہم نے بھیجا یاد کرو وہ وقت جب اس نے اپنی قوم سے کہا تم سرِ عام بدکاری کرتے ہو؟۔(۵۴) تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ انتہا درجے کی جہالت کا کام کرتے ہو۔(۵۵) اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ لوط کے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت صالح علیہ السلام کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا انجام۔

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ جنھوں نے عراق کی سرزمین سے ہجرت کر کے غور زغر کے علاقہ سدوم شہر میں رہائش اختیار کی یہ شہر علاقے کا مرکزی مقام تھا۔ نہ معلوم انہوں نے کتنی مدت تک قوم کو سمجھایا لیکن قوم نے سمجھنے کی بجائے ان سے بار بار عذاب لانے کا مطالبہ کیا، جس کے نتیجے میں انہیں نیست و نابود کر دیا گیا۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کی، تم لڑکوں سے بدکاری کرتے ہو۔ مسافروں پر ڈاکہ ڈالتے ہو اور ہر قسم کی برائی کرتے ہو۔(العنکبوت:۲۹)

قوم کا جواب:

اسے اور اس کے ساتھیوں کو شہر سے نکال دیا جائے۔ اے لوط اگر تم واقعی ہی سچے ہو تو ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آؤ۔(العنکبوت:۲۹)

قوم کے مطالبے پر اللہ کا عذاب:

”پھر جب ہم نے حکم نافذ کیا ہم نے اس بستی کو اوپر نیچے (تہس نہس) کر دیا اور اس پر تابڑ توڑ پکی مٹی کے پتھر

يَتَطَهَّرُوْنَ ۝٥٦ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ قَدَّرْنٰهَا

پاکباز بنتے ہیں | پھر ہم نے نجات دی اس کو | اس کی اہل | سوائے | اس کی بیوی | ہم نے اس کا فیصلہ کیا

مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝٥٧ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ

سے | پیچھے رہنے والے | اور | ہم نے برسائی | ان پر | بارش | بس بری

مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝٥٨ ع

بارش | ڈرائے گئے

ع ۱۴/۴ ۱۹

بڑے پاک باز بنتے ہیں۔(۵۶) آخر کار ہم نے بچالیا اس کو اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی بیوی کے جس کا پیچھے رہ جانا ہم نے طے کر رکھا تھا۔(۵۷) نازل کی ان لوگوں پر بارش بہت ہی بری بارش تھی ان لوگوں کے لیے جنہیں متنبہ کیا گیا تھا۔"(۵۸)

برسائے۔تیرے رب کی طرف سے ہر پتھر پر نشان (نام) زدہ تھا اور ظالموں سے یہ سزا دور نہیں ہے۔"[ھود:۸۲،۸۳]

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ وَجَدْتُمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهٖ))[رواہ ابوداؤد: باب فِیْمَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ]

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی کو قومِ لوط والا فعل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔"

مسائل

۱۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جنس پرستی کا شکار تھی۔ ۲۔ قوم نے حضرت لوط علیہ السلام کو علاقہ سے نکال دینے کی دھمکی دی۔

۳۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اُن کی قوم کے ساتھ عذاب میں مبتلا ہوئی۔

۴۔ حضرت لوط علیہ السلام اور اُن کے ایماندار ساتھیوں کو عذاب سے بچالیا گیا۔

تفسیر بالقرآن

اقوام کی تباہی کا ایک منظر:

۱۔ قومِ نوح کی ہلاکت کا سبب بتوں کی پرستش تھی۔(نوح:۲۳) ۲۔ قومِ لوط کی تباہی کا سبب ہم جنسی کرنا تھی۔(الاعراف:۸۱)

۳۔ شعیب علیہ السلام کی قوم کی تباہی کا سبب ماپ تول میں کمی تھی۔(ھود:۸۴،۸۵)

۴۔ قومِ عاد کی تباہی کا سبب رسولوں کی نافرمانی تھی۔(ھود:۵۹)

۵۔ قومِ ثمود نے اونٹنی کا معجزہ مانگا اور پھر اس کی کونچیں کاٹ دیں۔(ھود:۶۴،۶۵)

قُلِ	الۡحَمۡدُ	لِلّٰهِ	وَسَلٰمٌ	عَلٰى	عِبَادِهِ	الَّذِيۡنَ
فرما دیجیے	تمام تعریفیں	اللہ ہی کے لیے	اور سلام	پر	اس کے بندے	وہ لوگ

اصۡطَفٰى ؕ	آٰللّٰهُ	خَيۡرٌ	اَمَّا	يُشۡرِكُوۡنَ ۞ ﴿۵۹﴾
اس نے چن لیا	کیا اللہ	بہتر ہے	یا وہ جنھیں	وہ شریک ٹھہراتے ہیں؟

''اے نبی فرما دیں کہ تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں اور ''اللہ'' کے ان بندوں پر سلام ہو جنہیں اس نے منتخب فرما لیا۔ اللہ بہتر ہے یا وہ معبود جنہیں وہ اس کا شریک بنا رہے ہیں۔'' (۵۹)

فہم القرآن

ربط کلام: بڑی بڑی اقوام کی تباہی کا ذکر کرنے کے بعد سورہ کا اختتام ان الفاظ پر کیا جا رہا ہے کہ تمام تعریفات ''اللہ'' کے لیے ہیں اور اُولوالعزم انبیاء پر ان کے رب کی طرف سے سلام ہو۔ اس موقعہ پر رب ذوالجلال نے اپنی تعریف کے الفاظ اس لیے استعمال فرمائے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی ایسی طاقت تھی اور نہ ہے جو متکبر اور باغی اقوام کے وجود سے زمین کو پاک کر سکے۔ اقوام کی انتہا درجے کی مخالفت کے باوجود انبیاء نے اپنے کام کا حق ادا کیا جس پر اللہ کی رحمت کے حق دار قرار پائے لہٰذا ہمیشہ ہمیش کے لیے ان پر ''اللہ'' کی رحمتوں کا نزول ہوتا رہے گا۔

سورۃ کے آخر میں قومِ صالح اور قومِ لوط کی تباہی کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں اور سلام ہے ان لوگوں پر جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کام کے لیے منتخب فرمایا اس کے بعد مشرکین سے استفسار فرمایا ہے کہ بتاؤ ہر حال میں اللہ بہتر ہے یا جن کو شریک بناتے ہو وہ بہتر ہیں؟ قوموں کی تباہی کے بعد نبی اکرم ﷺ کو الحمد للہ کہنے کا اس لیے حکم فرمایا ہے کہ اللہ کا شکر ادا کیجیے کہ اس نے اپنے منتخب بندوں یعنی انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے ساتھیوں کو کفار اور مشرکین کے مقابلے میں کامیابی عنایت فرمائی۔ دنیا کو ظلم وستم اور کفر وشرک کی غلاظت سے پاک کیا۔ اس میں سرورِ دوعالم ﷺ اور آپ کے مخالفوں کے لیے پیغام ہے کہ بالآخر آپ اور آپ کے ساتھی کامیاب ہوں گے۔ کفار اور مشرکین ناکام اور نامراد ٹھہریں گے۔ اس کے ساتھ ہی انہیں توجہ دلائی ہے کہ سوچو اور غور کرو! کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھ کر پکارتے تھے جب ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تو انھیں کوئی بچانے اور چھڑانے والا تھا؟ ہرگز نہیں۔ لہٰذا پھر سوچ لو! تمھارے لیے ہر حال میں اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا جن کو اس کا شریک بناتے ہو وہ بہتر ہیں؟ اس کے ساتھ اس بات پر بھی غور کرو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری میں بہتری ہے یا بغاوت کی زندگی بہتر ہے۔ یہاں سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ خطبہ اور تقریر سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام پر درود وسلام پڑھنے کے ساتھ نیک لوگوں کے لیے دعائے خیر کرنی چاہیے۔

اَمَّنْ	خَلَقَ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضَ	وَاَنْزَلَ	لَكُمْ	مِّنَ
کیا جس نے	پیدا کیا	آسمانوں	اور زمین	اور اتارا	تمھارے لیے	سے
السَّمَآءِ	مَآءً	فَاَنْۢبَتْنَا	بِهٖ	حَدَآئِقَ	ذَاتَ بَهْجَةٍ	
آسمان	پانی	پھر ہم نے اُگائے	اس سے	باغات	پُررونق	
مَا	كَانَ	لَكُمْ	اَنْ	تُنْۢبِتُوْا	شَجَرَهَا	ءَاِلٰهٌ
نہیں	تھی	تمھارے لیے	یہ کہ	تم اُگاتے	ان کے درخت	کیا کوئی معبود ہے
مَّعَ	اللّٰهِ	بَلْ	هُمْ	قَوْمٌ	يَّعْدِلُوْنَ ۝٦٠	
ساتھ	اللہ؟	بلکہ	وہ	ایسے لوگ ہیں	جو برابر ٹھہراتے ہیں	

”بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا پھر اس نے اس کے ذریعہ سبز وشاداب باغ اُگائے جن کا اُگانا تمہارے بس میں نہیں تھا کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے؟ بلکہ یہی لوگ حق سے ہٹ کر پھرنے والے ہیں۔“ (٦٠)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرکوں سے کیے گئے سوال کا تفصیلی جواب۔

انیسویں پارے کا اختتام اس سوال پر ہوا کہ اے لوگو! بتلاؤ کہ انسان کے لیے ہر حال میں ”اللہ“ بہتر ہے یا اس کے سوا دوسرے؟ اب اس کا تفصیلی جواب دیا جاتا ہے۔

بتاؤ زمین وآسمانوں کو کس نے پیدا کیا، کون آسمان سے بارش برساتا ہے اور کون اس کے ساتھ سبز وشاداب اور لہلہاتے ہوئے باغ پیدا کرتا ہے جن کے اُگانے کی تم قدرت نہیں رکھتے۔ کیا ”اللہ“ کے ساتھ کوئی اور بھی یہ کام کرنے والا ہے؟ جس نے یہ کام کیے ہوں یا وہ کرسکتا ہو۔ ہر دور کے مشرک اس حقیقت کو مانتے اور مانتے رہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی نے زمین وآسمان پیدا کیے ہیں نہ کوئی بارش برساسکتا ہے اور نہ ہی باغات اُگا سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود مشرک اپنے معبودوں کو ”اللہ“ کے شریک ٹھہراتے ہیں۔ ”یَعْدِلُوْنَ“ کا لفظ عدل سے نکلا ہے عدل کا معنٰی ہے انصاف کرنا، کسی کو کسی کے برابر ٹھہرانا اور ظلم کرنا۔ عدل ایسا لفظ ہے جس کا معنٰی اس کے سیاق وسباق سے متعین ہوتا ہے یہاں عدل کا معنٰی زیادتی کرنا اور کسی کو ”اللہ“ کے برابر ٹھہرانا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت کے دلائل اور توحید کے ثبوت مختلف الفاظ اور انداز میں انسان کے ذہن نشین کراتے ہیں۔ تاکہ انسان اپنے خالق کی پہچان حاصل کرے اور اس کے ساتھ شرک کرنے سے باز آجائے۔ گویا کہ ربوبیت کے دلائل دینے کا

مقصد الوہیت ثابت کرنا ہے۔ ''اللہ'' کی الوہیت کو بلاشرکتِ غیرے مانے بغیر کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ کیا ایک درخت بھی اللہ کے علاوہ کوئی اور پیدا کرسکتا ہے؟ صرف ایک درخت کے لیے سب سے پہلے تو ایسی زمین ہونی چاہیے جس میں روئیدگی کی قوت ہو جہاں درخت اپنی جڑیں پھیلا سکے۔ پھر اس کے لیے بارش کی ضرورت ہے پھر روشنی اور اندھیرے کی ضرورت ہے پھر ہوا کی ضرورت ہے نہ معلوم ایک بیج کو نئے بیج تک پہنچنے کے لیے کس کس چیز کی ضرورت ہے۔ ''اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی جانتا ہے اور نہ ہی اس کی ضرورتوں کو پورا کرسکتا ہے۔

مسائل

۱۔ زمین وآسمانوں کو ''اللہ'' ہی نے پیدا فرمایا ہے۔

۲۔ ''اللہ'' ہی آسمان سے بارش نازل کرتا ہے۔

۳۔ ''اللہ'' ہی زمین میں باغ وبہار پیدا کرتا ہے۔

۴۔ ان کاموں میں ''اللہ'' کا نہ کوئی شریک تھا نہ ہے اور نہ کوئی ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود مشرک اپنے رب کے ساتھ شریک بناتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

زمین وآسمان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا:

۱۔ ''اللہ'' بارش نازل کرتا ہے۔ (النور:۴۳)

۲۔ ''اللہ'' ہی پانی کے ذریعے باغات اور نباتات اُگاتا ہے۔ (الانعام:۱۰۰)

۳۔ ''اللہ'' نے بغیر نمونے کے زمین وآسمان بنائے۔ (البقرۃ:۱۱۷)

۴۔ ''اللہ'' نے سات آسمان اور سات زمینیں بنائیں۔ (البقرۃ:۲۹)

۵۔ ''اللہ'' نے آسمان وزمین کو برابر کیا۔ (البقرۃ:۲۹)

۶۔ ''اللہ'' نے آسمان کو چھت اور زمین کو فرش بنایا۔ (البقرۃ:۲۲)

۷۔ ''اللہ'' نے زمین وآسمانوں کو چھ دنوں میں بنایا۔ (الاعراف:۵۴)

اَمَّنۡ	جَعَلَ	الۡاَرۡضَ	قَرَارًا	وَّجَعَلَ	خِلٰلَهَاۤ	اَنۡهٰرًا
یا جس نے	بنایا	زمین	ٹھہرنے کے لائق	اور بنا دیں	اس کے درمیان	نہریں
وَّجَعَلَ	لَهَا	رَوَاسِىَ	وَجَعَلَ	بَيۡنَ	الۡبَحۡرَيۡنِ	
اور بنائے	اس کے لیے	پہاڑ	اور بنائے	درمیان	دو سمندروں	
حَاجِزًا ؕ	ءَاِلٰهٌ	مَّعَ	اللّٰهِ ؕ	بَلۡ	اَكۡثَرُهُمۡ	لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ ﴿٦١﴾
پردہ؟	کیا کوئی معبود ہے	ساتھ	اللہ	بلکہ	ان کے اکثر	نہیں علم رکھتے

''اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس میں دریا چلائے اور اس میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں اور دو دریاؤں کے درمیان پردہ حائل کر دیا۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے؟ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔''(٦١)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔

لوگو! بتاؤ کہ کس نے زمین میں ٹھہراؤ پیدا کیا، اس میں دریا اور نہریں چلائیں، کس نے بلند و بالا اور مضبوط پہاڑ بنائے اور کس نے دو سمندروں کے درمیان ایک پردہ بنایا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بنانے والا ہے؟ جس نے یہ کام کیے ہوں۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے یہ کام نہیں کیے۔ دلائل جاننے کے باوجود لوگوں کی اکثریت توحید کے علم سے نابلد ہے۔ سوالات کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے اپنی تین عظیم قدرتوں کا ذکر کیا ہے۔

قرار کے لفظ پر آپ جتنا غور کریں گے اُتنے ہی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی شانِ ربوبیت کے کرشمے آپ کو یہاں نظر آئیں گے۔ انسانی زندگی کی بقا اور نشو نما کے لیے زمین میں کس کس خاصیت کا پایا جانا ضروری ہے اور کون کون سی ایسی چیزیں ہیں جو زمین میں موجود نہ ہوں تو انسانی زندگی اپنی رعنائیوں اور مسرتوں سے یکسر خالی ہو جائے، جس سے اب اس کا دامن معمور ہے۔ کون کون سی چیزیں ہیں اگر ان کا سراغ نہ لگایا جائے تو بے پناہ قوّتیں جو زمین کی فطرت میں مضمر ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بے کار پڑی رہیں۔ قرار کے لفظ پر آپ جتنا غور کرتے چلے جائیں گے معارف و معانی کا ایک لامتناہی سلسلہ آپ کے سامنے بے نقاب ہوتا چلا جائے گا یہاں نیو یارک سائنس اکیڈمی کے پریذیڈنٹ اے سی موریسن کے مضمون کا مختصر اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

''زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چکر کاٹ رہی ہے اگر اس کی رفتار ایک ہزار میل کی بجائے ایک سو میل ہوتی تو دن اتنے لمبے ہوتے کہ سورج کی تپش تمام کھیتوں کو بھون کر رکھ دیتی اور راتیں اتنی لمبی اور سرد ہوتیں کہ زندگی کی اگر کچھ رمق سورج کی تپش سے بچ جاتی تو رات کی سردی اسے منجمد کر کے رکھ دیتی۔ سورج کا درجۂ حرارت بارہ ہزار ڈگری

فارن ہیٹ ہے لیکن زمین کو اس سے اتنی مناسب دوری پر رکھ دیا گیا ہے کہ وہاں سورج کی حرارت اس قدر ہی پہنچتی ہے جو حیات بخش ہے۔ اگر اٹھارہ ہزار ڈگری ہوتا تو ساری زمین اس کی تمازت سے جل کر راکھ ہو جاتی۔ زمین کا جھکاؤ تیئس درجے کا زاویہ بناتا ہے اور اسی جھکاؤ سے ہمارے موجودہ موسم مناسب وقفوں کے بعد باری باری آتے ہیں۔ اگر اس میں یہ جھکاؤ نہ ہوتا تو سمندر سے اٹھنے والے بخارات جنوب اور شمال میں حرکت کرتے اور اتنی زور سے برف باری ہوتی کہ ساری زمین ڈھک جاتی۔ اگر چاند کی دوری زمین سے اتنی نہ ہوتی جتنی اب ہے بلکہ صرف پچاس ہزار میل ہوتی تو سمندروں میں مدجزر اس شدت سے آتا کہ پہاڑوں تک کو بھی بہا کر لے جاتا۔ اگر زمین کی سطح موجودہ سطح سے صرف دس فٹ زیادہ موٹی ہوتی تو یہاں آکسیجن ہی نہ ہوتی اور کوئی جانور زندہ نہ رہتا اور اگر سمندر چند فٹ اور گہرے ہوتے تو ساری کاربن ڈائی اکسائیڈ اور آکسیجن صرف ہو جاتی اور روئے زمین پر کوئی سبز پتہ نظر نہ آتا۔ اس حکیمانہ نظام پر غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کارخانۂ ہستی اتفاقاً معرض وجود میں نہیں آیا بلکہ ایک حکیم ودانا خالق نے اس کی تخلیق فرمائی ورنہ زندگی کا کوئی امکان نہ تھا۔ (بحوالہ: ضیاء القرآن)

جدید سائنس نے دریافت کیا ہے کہ ساحل کے نزدیکی مقامات پر جہاں دریا کا تازہ میٹھا اور (سمندر کا) نمکین پانی آپس میں ملتے ہیں وہاں کی کیفیت اُن مقامات سے قدرے مختلف ہوتی ہے۔ جہاں دو سمندروں کے نمکین پانی آپس میں ملتے ہیں یہ دریافت ہوا ہے کہ کھاڑیوں (Estuaries) میں تازہ پانی کو کھاری پانی سے جو چیز جدا کرتی ہے وہ ''پکنو اکلائن زون'' (Pycnocline Zone) ہے جس کی کثافت غیر مسلسل ہوتی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے جو کھاری اور تازہ پانی کی مختلف پرتوں (Layers) کو ایک دوسرے سے الگ رکھتی ہے۔ اس رکاوٹ (یعنی علاقۂ امتیاز) کے پانی میں نمک کا تناسب (شوریت) تازہ پانی اور کھاری پانی دونوں ہی سے مختلف ہوتا ہے۔ اس مظہر کا مشاہدہ بھی متعدد مقامات پر کیا گیا ہے۔ جن میں مصر بطور خاص قابل ذکر ہے کہ جہاں دریائے نیل، بحیرہ روم میں گرتا ہے۔

ارضیات میں ''بل پڑنے'' (Folding) کا مظہر حالیہ دریافت شدہ حقیقت ہے۔ قشر ارض (Crust) میں بل پڑنے کی وجہ سے پہاڑی سلسلے وجود میں آئے ہیں۔ قشر ارض جس پر ہم رہتے ہیں، کسی ٹھوس چھلکے کی طرح ہے، جب کہ کرۂ ارض کی اندرونی پرتیں، (Layers) نہایت گرم اور مائع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زمین کا اندرون کسی بھی قسم کی زندگی کے لیے قطعاً غیر موزوں ہے۔ آج ہمیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ پہاڑوں کی قیام پذیری (Stability) کا تعلق، قشرِ ارض میں بل پڑنے کے عمل سے بہت گہرا ہے۔

ماہرین ارضیات کا کہنا ہے کہ زمین کا رداس (Radius) یعنی نصف قطر تقریباً ۶،۰۳۵ کلومیٹر ہے اور قشرِ ارض، جس پر ہم رہتے ہیں، اس کے مقابلے میں بہت پتلی ہے، جس کی موٹائی ۲ کلومیٹر سے لے کر ۳۵ کلومیٹر تک ہے۔ چونکہ قشرِ ارض بہت پتلی ہے، لہٰذا اس کے تھرتھرانے یا ہلنے کا امکان بھی بہت قوی ہے، اس میں پہاڑ خیمے کی میخوں کا کام کرتے ہیں جو قشرِ ارض کو تھام لیتی ہیں اور اسے قیام پذیری عطا کرتے ہیں۔ یہی بات قرآن پاک میں ارشاد ہوئی:

﴿اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا ۝ وَّالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا ۝﴾ [النباء:٦۔٧]

''کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے زمین کوفرش بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا۔''

Earth نام کی ایک کتاب ہے جو دنیا بھر کی کئی جامعات میں ارضیات کی بنیادی حوالہ جاتی نصابی کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کتاب کے مصنفین میں ایک نام ڈاکٹر فرینک پریس کا بھی ہے، جو ١٢ سال تک امریکہ کی اکیڈمی آف سائنسز کے سربراہ رہے ہیں۔ اس کتاب میں وہ پہاڑوں کی وضاحت، کلہاڑی کے پھل جیسی شکل (Wedge Shape) سے کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ پہاڑ بذاتِ خود ایک وسیع تر وجود کا ایک چھوٹا حصہ ہوتا ہے۔ جس کی جڑیں زمین میں بہت گہرائی تک اُتری ہوتی ہیں۔ (ملاحظہ ہو: Earth از: پریس اور سلور

ڈاکٹر فرینک پریس کے مطابق قشرِ ارض کی پائیداری اور قیام پذیری میں پہاڑ نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

پہاڑوں کے فائدے کی وضاحت کرتے ہوئے، قرآن پاک واضح طور پر یہ فرماتا ہے کہ انہیں اس لیے بنایا گیا ہے تاکہ یہ زمین کو لرزتے رہنے سے بچائیں:

﴿وَجَعَلۡنَا فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَبِهِمۡ﴾ [الانبیاء:٣١]

''اور ہم نے زمین میں پہاڑ جما دیے تاکہ وہ انہیں لے کر ڈھلک نہ جائے۔''

مسائل

ان چار سوالوں کا مشرک کے پاس کوئی جواب نہیں۔

١۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں ٹھہراو پیدا کیا۔

٢۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں دریا اور نہریں چلائیں۔

٣۔ اللہ تعالیٰ نے ہی فلک بوس پہاڑ بنائے۔

٤۔ اللہ تعالیٰ نے ہی دو سمندروں کے درمیان ایک رکاوٹ پیدا فرمائی۔

٥۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان چیزوں کو بنانے والا نہیں۔ لیکن لوگ عقیدہ توحید کا علم جاننے کی کوشش نہیں کرتے۔

اَمَّنۡ	يُّجِيۡبُ	الۡمُضۡطَرَّ	اِذَا	دَعَاهُ	وَيَكۡشِفُ	السُّوۡٓءَ
یا وہ جو	قبول کرتا	مجبور	جب	وہ اسے پکارتا ہے	اور وہ دور کرتا ہے	برائی
وَيَجۡعَلُكُمۡ	خُلَفَآءَ	الۡاَرۡضِ	ءَاِلٰهٌ	مَّعَ	اللّٰهِ	
اور وہ تمھیں بناتا ہے	جانشین	زمین ؟	کیا کوئی معبود ہے	ساتھ	اللہ؟	
قَلِيۡلًا مَّا	تَذَكَّرُوۡنَ ؕ ۶۲					
بہت ہی کم	تم نصیحت حاصل کرتے ہو					

’’کون ہے جو مجبور کی دعا سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور کون مجبور کی تکلیف دور کرتا ہے؟ اور کون ہے جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بنانے والا ہے بہت تھوڑے لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں‘‘۔ (۶۲)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ مزید سوال اور جواب۔

ان آیات میں مشرکین کو سوال و جواب کی صورت میں عقیدہ توحید سمجھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مشرک کی عادت ہوتی ہے کہ وہ خوشی اور کامیابی کے وقت خالقِ حقیقی کو بھول جاتا ہے لیکن جب ہر طرف سے مایوس اور لاچار ہو جائے تو پھر اپنے رب کو آواز پر آواز دیتا ہے۔ انسان انتہائی مجبوری اور بے انتہا معذوری کے وقت اپنے رب کو پکارتا ہے تو ربِ کریم اسے ٹھکرانے اور مایوس کرنے کی بجائے اسے اطمینان اور تسلی دیتے ہوئے آواز دیتا ہے:

﴿قُلۡ يَا عِبَادِيَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِيۡعًا اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ۝﴾ [الزمر:۵۳]

’’اے نبی! بتلا دیں کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیے ہیں اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کرنے والا ہے غفور الرّحیم ہے۔‘‘

جب ’’اللہ‘‘ ہی لاچار کی دعا سنتا اور وہی اُس کی دادرسی کرتا ہے تو پھر انسان کا فرض ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پکارا کرے۔ لیکن مشرک اس قدر ناعاقبت اندیش ہوتا ہے کہ وہ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے زندہ یا مردہ معبودوں کو پکارتا ہے حالانکہ اس کی مشکل کشائی میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا عمل دخل نہیں ہوتا۔ لیکن بہت ہی کم لوگ ہیں جو اس حقیقت کو پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مشرک اس بات پر بھی غور نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو لوگوں کو ایک دوسرے کا جانشین بناتا ہے۔ جس طرح ہر انسان اپنے بڑوں کے بعد ان کی وراثت اور دیگر امور کا جانشین بنتا ہے اسی اصول پر پوری دنیا کا نظام چل رہا ہے۔ آج ایک قوم پوری دنیا پر حکومت کرنے کا خواب دیکھتی ہے۔ کل اس کی جگہ پر دوسری

قوم کا پھریرا لہرا رہا ہوتا ہے۔

یہی صورت حال مختلف ممالک کی ہے کل کسی اور جماعت کی حکومت تھی آج دوسری پارٹی اقتدار سنبھالے ہوئے ہے۔ کون چاہتا ہے کہ میں سب کو چھوڑ چھاڑ کر رختِ سفر باندھوں؟ کوئی نہیں سوچتا کہ میں اپنا اقتدار اور اختیار دوسرے کے حوالے کردوں لیکن اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کو ایک دوسرے کا اچھا یا برا جانشین بناتا ہے۔ بالفاظ دیگر سدا اقتدار اور اختیار صرف اُسی کو زیبا ہے لیکن اقتدار اور اختیار کو سب کچھ سمجھنے والے انقلابِ زمانہ سے نصیحت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

مسائل

مشرک ان تین سوالات کا بھی جواب نہیں دے سکتا۔

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی لاچار اور مجبور کی دعاؤں کو سننے والا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہی تکلیف کو دور کرنے والا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کو ایک دوسرے کا جانشین بناتا ہے۔

۴۔ عقیدہ توحید کھلی حقیقت ہونے کے باوجود لوگوں کی اکثریت اسے قبول نہیں کرتی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں:

۱۔ اللہ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اور پھر آسمان سے پانی اتار کر باغات اُگائے کیا اس کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل:۶۰)

۲۔ اللہ نے زمین کو جائے قرار بنایا اس میں پہاڑ اور دو سمندروں کے درمیان پردہ بنایا کیا اس کے ساتھ اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل:۶۱)

۳۔ کون ہے جو لاچار کی فریاد رسی کرتا ہے اور اس کی تکلیف دور کرتا ہے کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل:۶۲)

۴۔ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں اللہ کے سوا کون رہنمائی کرتا ہے کیا کوئی اور بھی اس کے ساتھ الٰہ ہے۔ (النمل:۶۳)

۵۔ پہلے اور دوبارہ پیدا کرنا اور زمین وآسمان سے تمہارے لیے روزی کا بندوبست کرنے والا اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے؟ (النمل:۶۴)

۶۔ آپ فرما دیں سوائے ایک الٰہ کے آسمان وزمین کے غیب کو کوئی نہیں جانتا۔ (النمل:۶۵)

۷۔ کیا اللہ کے سوا کوئی الٰہ ہے جو رات ختم کر کے دن لائے؟ (القصص:۷۱)

۸۔ کیا کوئی ہے اس الٰہ کے علاوہ کوئی اور الٰہ جو دن ختم کر کے رات لائے؟ (القصص:۷۲)

۹۔ بس اس ایک الٰہ کے سوا کوئی دوسرے الٰہ کو نہ پکارو۔ (القصص:۸۸)

۱۰۔ تمھارا الٰہ ایک ہی ہے وہ رحمٰن، رحیم ہے۔ (البقرۃ:۱۶۳) ۱۱۔ وہی اکیلا ہی زمین وآسمانوں کا الٰہ ہے۔ (الزخرف:۸۴)

اَمَّنۡ	یَّهۡدِیۡكُمۡ	فِیۡ	ظُلُمٰتِ	الۡبَرِّ	وَ الۡبَحۡرِ
یا جو	تمھیں راہ دکھاتا ہے	میں	اندھیروں	خشکی	اور

وَمَنۡ	یُّرۡسِلُ	الرِّیٰحَ	بُشۡرًاۢ	بَیۡنَ یَدَیۡ	رَحۡمَتِهٖ ؕ
اور وہ جو	بھیجتا ہے	ہوائیں	خوشخبری دینے والیاں	پہلے	اپنی رحمت

ءَاِلٰهٌ	مَّعَ	اللّٰهِ ؕ	تَعٰلَى	اللّٰهُ	عَمَّا	یُشۡرِكُوۡنَ ﴿۶۳﴾
کیا کوئی معبود ہے	ساتھ	اللہ	برتر	اللہ	اس سے جو	وہ شریک ٹھہراتے ہیں

''اور کون ہے جو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں تمہیں راستہ دکھاتا ہے اور کون بارش سے پہلے خوش خبری دینے کے لیے ہوائیں چلاتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ ہے؟ ''اللہ'' بلند و بالا کے ساتھ لوگ شریک بناتے ہیں۔'' (٦٣)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کے اِلٰہ حق ہونے پر بحر و بر اور ہواؤں کے حوالے سے دلائل۔

اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اُلوہیت کے تین دلائل دیے ہیں جن میں سے دو کے ساتھ ہر شخص کا واسطہ پڑتا ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں جسے تھوڑے بہت سفر کے ساتھ واسطہ نہیں پڑتا۔ یہی صورت بارش کی ہے جس سے پہلے ہر ملک اور علاقہ میں ہوائیں چلتی ہیں۔ خاص طور پر شدید گرمی کے موسم میں جب لوگ بارش کی ایک ایک بوند کے لیے ترس رہے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ لوگوں کی دعاؤں کو مستجاب کرتے ہوئے بادل نمودار کرتا ہے۔ بادلوں سے پہلے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آتے ہیں جس سے طبیعت بہلتی اور جسم و جان کو راحت ملتی ہے۔ ظاہر ہے ٹھنڈی ہوائیں چلانا، بحر و بر کے سفر میں مسافروں کی رہنمائی کرنا صرف ''اللہ تعالیٰ'' کا کام ہے۔ جو الٰہِ حق ہے۔ ان آیات میں الٰہ کا مفہوم سمجھایا جا رہا ہے گویا کہ ''اللہ'' کی ربوبیت کے دلائل سے اس کی الوہیت ثابت کی جا رہی ہے۔

استفسار کیا ہے کہ اے مسافرو اور ٹھنڈی ہواؤں سے لطف اندوز ہونے والو! بتاؤ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا یا اُس کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے جو بحر و بر کے سفر میں تمھاری رہنمائی کرے اور ٹھنڈی ہوائیں چلا کر تمھارے جسم و جان کو راحت پہنچائے؟ زمین و آسمانوں میں کوئی ہستی ایسی نہیں جو اِن میں سے کوئی ایک کام کر سکے۔ اللہ تعالیٰ مشرکین کے مشرکانہ تصورات اور اعمال سے بلند و بالا ہے۔ لیکن مشرک اپنی ذہنی پستی کی بناء پر شجر و حجر، شمس و قمر، بتوں اور قبروں میں مدفون لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

الٰہ حقیقی نے ہی ستاروں کے ذریعہ سے ایسا انتظام کیا ہے کہ لوگ رات کے اندھیرے میں بھی اپنا راستہ تلاش کرتے ہیں

اسی اللہ نے بحری اور بری سفروں میں انسان کی رہنمائی کے لیے ایسے ذرائع رکھے ہیں جن سے مسافر اپنی سمتِ سفر اور منزلِ مقصود کی راہنمائی پاتا ہے۔ دن کے وقت زمین کی مختلف علامتیں اور آفتاب کے طلوع وغروب کی سمتیں اس کی مدد کرتی ہیں اور تاریک راتوں میں تارے اس کی رہنمائی کرتے ہیں۔

مسائل

دو سوال جن کا مشرک کے پاس جواب نہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی بحر و بر میں مسافروں کی رہنمائی کرتا ہے:

۲۔ اللہ تعالیٰ ٹھنڈی ہوائیں چلا کر بارش کی خوشخبری دیتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ مشرکوں کے عقائد اور کردار سے بلند و بالا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی بحر و بر میں لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے:

۱۔ بحر و بر میں رہنمائی کرنے والا ”اللہ“ ہے اس کا انکار کیوں؟ (النمل:۶۳)

۲۔ ”اللہ“ ہی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جنھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ بحر و بر کی ہر چیز کو جانتا ہے۔ (الانعام:۵۹)

۳۔ ”اللہ“ وہ ذات ہے جو تمہیں بحر و بر میں چلاتی ہے۔ (یونس:۲۲)

۴۔ ”اللہ“ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے دریاؤں کو مسخر کر دیا تاکہ تم اُس سے تر و تازہ گوشت حاصل کرو۔ (النحل:۱۴)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین کی ہر چیز مسخر کر دی، دریاؤں میں کشتیاں اُسی کے حکم سے چلتی ہیں۔ (الحج:۶۵)

۶۔ ”اللہ“ وہ ذات ہے جو تمہیں بحر و بر کے اندھیروں سے نجات دیتا ہے۔ (الانعام:۶۳)

۷۔ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو کہ ”اللہ“ تمہیں دریا کے کنارے زمین میں دھنسا دے اور تم پر تند و تیز آندھی بھیج دے۔ (بنی اسرائیل:۶۸)

اَمَّنْ	يَّبۡدَؤُا	الۡخَلۡقَ	ثُمَّ	يُعِيۡدُهٗ	وَمَنۡ	يَّرۡزُقُكُمۡ
یا وہ جو	پہلی بار پیدا کرتا ہے	مخلوق	پھر	وہ لوٹائے گا اسے	اور وہ	تمھیں رزق دیتا ہے
مِّنَ	السَّمَآءِ	وَالۡاَرۡضِ	ءَاِلٰهٌ	مَّعَ	اللّٰهِ	قُلۡ
سے	آسمان	اور زمین	کیا کوئی معبود ہے	ساتھ	اللہ؟	فرما دیجیے
هَاتُوۡا	بُرۡهَانَكُمۡ	اِنۡ	كُنۡتُمۡ	صٰدِقِيۡنَ ﴿۶۴﴾		
تم لے آؤ	اپنی دلیل	اگر	ہو تم	سچے؟		

''اور وہ کون ہے جس نے مخلوق کی ابتدا کی اور پھر اسے لوٹائے گا اور کون تمہیں کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے؟ فرمائیں کہ لاؤ اگر تم سچے ہو۔'' (۶۴)

فہم القرآن

ربط کلام : توحد کے دلائل جاری ہیں۔ مخلوق کو پہلی بار پیدا کرنا اور پھر اُسے اپنی طرف لوٹانا، لوگوں کو زمین و آسمان سے رزق مہیا کرنے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی اور شریک اور سہیم نہیں ہے۔

سورۃ البقرۃ آیت ۱۱۷ میں ارشاد ہے کہ ''اللہ'' وہ ذات ہے، جس نے زمینوں، آسمانوں کو بغیر کسی نقشے اور پہلے سے موجود میٹریل کے پیدا فرمایا۔ جب وہ کسی کام کے کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو اُسے صرف ''کُن'' فرماتا ہے اور وہ چیز اللہ تعالیٰ کی مرضی کے عین مطابق معرضِ وجود میں آجاتی ہے۔ سورۃ الانعام آیت ۱۰۱ میں یہ الفاظ استعمال فرمائے کہ اللہ ہی ذاتِ واحد ہے جس نے کائنات کو عدم سے وجود بخشا ہے۔ نہ اُس کی بیوی ہے اور نہ اُس کی اولاد، اُس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے وہ ہر چیز کے ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں کامل اور اکمل علم رکھتا ہے اور وہی ابتداء سے ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر ایک کو اپنی بارگاہ میں حاضر کرے گا۔ نہ صرف اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے بلکہ وہ ہر چیز کو اُس کی ضروریات بھی فراہم کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی پرورش کا بندوبست ایسے مضبوط نظام کے ساتھ فرمایا ہے کہ ہر چیز کو زندگی اور بقا کے لیے جو کچھ اور جس قدر چاہیے اُسے اسی حالت اور مقام پر پہنچایا جا رہا ہے۔ پتھر کا کیڑا چاروں طرف بند چٹان کے اندر اپنی خوراک لے رہا ہے، مرغی کا بچہ انڈے میں پل رہا ہے، مچھلیاں دریا میں، پرندے ہواؤں میں، ستارے فضا میں، اور درندے صحرا میں اپنی اپنی خوراک اور ماحول میں مطمئن اور خوش و خرم دکھائی دیتے ہیں۔ دانہ اپنی آغوش میں زندگی اور بیج اپنے سینے میں نشو و نما کا سامان لیے ہوئے ہے۔ زندگی کے لیے ہوا اور پانی اس قدر لازمی عناصر ہیں کہ ان کے بغیر زندگی لمحوں کی مہمان ہوتی ہے۔ یہ اتنے ارزاں اور وافر ہیں کہ اس کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تک کہ پھول کی کلی کو جس ہوا اور فضا کی ضرورت ہے اسے مہیا کی جا رہی ہے۔ اس لیے قرآن نے اللہ کی ہستی اور اس کے نظامِ ربوبیت سے بات کا آغاز کیا ہے تاکہ انسان کا وجدان پکار اٹھے کہ مجھے اس ہستی کا شکر ادا کرنا اور اسی کے تابع فرمان رہنا ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ یہ نظام اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کسی منتظم کے بغیر جاری اور قائم نہیں رہ سکتا۔ ایک زندہ ضمیر شخص جب اپنے چاروں طرف رب کی ربوبیت کے اثرات

ونشانات دیکھتا ہے تو اس کے دل کا ایک ایک گوشہ پکار اٹھتا ہے.

﴿فَتَبَارَکَ اللّٰهُ أَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ ۝﴾ [المؤمنون :١٤]

''اللہ تعالیٰ برکت والا اور بہترین پیدا کرنے والا ہے۔''

ان حقائق اور دلائل کے بعد مشرکین سے یہ استفسار کیا گیا ہے کہ بتائیں موت وحیات کا مالک اور مخلوق کی ضروریات پوری کرنے والا کون ہے؟ اگر تمہارے ۔ مدہ یا مردہ، جاندار یا غیر جاندار معبودوں میں کسی ایک نے یا سب نے مل کر کوئی ایک کام کیا ہے یا کسی کی روزی کا ذمہ لے رکھا ہے تو دلیل پیش کرو۔

''کتنے ہی ایسے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے اللہ انہیں رزق دیتا ہے اور تم کو بھی وہی دیتا ہے۔ وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ارض وسماوات کو کس نے پیدا کیا ہے۔ سورج اور چاند کو کس نے مسخر کر رکھا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے پھر یہ کہاں سے دھوکہ کھاتے ہیں۔ اللہ اپنے بندوں سے جس کے لیے چاہے رزق وسیع کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے کم کر دیتا ہے۔ وہ یقیناً ہر بات سے خوب واقف ہے۔ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان سے پانی کس نے برسایا پھر اس پانی سے مردہ زمین کو کس نے زندہ کیا؟ تو ضرور کہیں گے کہ ''اللہ نے'' کہیے پھر ہر طرح کی حمد بھی اللہ ہی کے لیے ہے مگر اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔'' [العنکبوت:٦٠ تا ٦٣]

مسائل

دوسوال مشرک ان کا جواب دینے سے قاصر ہیں۔

١۔ اللہ تعالیٰ نے ہی مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا فرمایا۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کو اپنی طرف لوٹانے والا ہے۔

٣۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی رازق ہے اُس کے بغیر کوئی رزق دینے والا نہیں۔

٤۔ مشرکین کے پاس شرک کی کوئی عقلی اور نقلی دلیل موجود نہیں۔ ٥۔ مشرک اپنے عقیدہ اور مؤقف میں سراسر جھوٹا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مشرکین کا اقرار:

١۔ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ارض وسماوات کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کر رکھا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے پھر یہ کہاں سے دھوکہ کھاتے ہیں۔ (العنکبوت:٦١)

٢۔ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو یقیناً کہیں گے کہ انہیں زبردست اور سب کچھ جاننے والے نے ''اللہ'' پیدا کیا ہے۔ (لزخرف:٩)

٣۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ ہر چیز پر بادشاہت کس کی ہے؟ جواب دیتے ہیں اللہ کی ہے۔ (المومنون:٨٨۔٨٩)

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

فرمادیجیے | نہیں | وہ جانتا | کوئی | میں | آسمانوں | اورزمین میں

الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾

غیب | سوائے | اللہ کے | اورنہیں | وہ شعور رکھتے | کہ کب | وہ اُٹھائے جائیں گے؟

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ

بلکہ | ختم ہوگیا ہے | ان کا علم | میں | آخرت | بلکہ | وہ

فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع

میں | شک | اس سے | بلکہ | وہ | اس سے | اندھے ہیں

۵ ع ۸ ۱

’’ان سے فرمائیں کہ اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین کا کوئی غیب نہیں جانتا۔ فوت ہونے والے نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔(۶۵) بلکہ آخرت کا علم ہی ان لوگوں سے گم ہوگیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں بلکہ یہ اس کے متعلق اندھے ہیں۔‘‘(۶۶)

فہم القرآن

ربط کلام: توحید کے دلائل کا تسلسل۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف ہر چیز کا خالق اور رازق ہے بلکہ وہ اپنی مخلوق کے ماضی، حال اور مستقبل کو پوری طرح جانتا ہے

یہ حقیقت سچائی کی انتہا کو پہنچ چکی اور اس کے خلاف کوئی عقلی اور نقلی دلیل موجود نہیں ہے۔ جس بناء پر ہر دور کا مشرک یہ حقائق تسلیم کرتا رہا اور کرتا رہے گا کہ واقعی اللہ تعالیٰ کے سوا زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا، آسمان سے بارش اُتارنے والا، بارش سے نباتات اُگانے والا، زمین کو ٹھہرانے اور جمانے والا، زمین میں نہریں جاری کرنے والا، زمین پر مضبوط پہاڑ ٹھہرانے والا، دو سمندروں کے درمیان پردہ حائل کرنے والا، معذور اور مجبور کی دعا میں قبول فرمانے والا، بیماری اور مصیبت کو دور کرنے والا، لوگوں کو دوسرے کا جانشین بنانے والا، بحر و بر میں مسافروں کی رہنمائی کرنے والا، بارش سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلانے والا، مخلوق کو فی البدیع پیدا کرنے والا موت کے بعد اپنی طرف لوٹانے والا اور ذی روح کو رزق دینے والا۔ ایک ’’اللہ‘‘ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اسی طرح زمین و آسمان کے غیب کو جاننے والا اُس کے سوا کوئی نہیں۔ تو پھر کسی زندہ یا مردہ بزرگ کو اس کی خدائی میں شریک کرنے کا کیا معنیٰ؟ مشرک جن کو داتا، حاجت روا اور مشکل کشاء، دستگیر، غریب نواز کہتے ہیں اِن کو یہ بھی خبر نہیں کہ انھیں کب اُٹھایا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا انکار کرنے والوں کا علم ختم ہو چکا ہے یعنی ان کے پاس علم ہے ہی نہیں۔ حقیقت ہے کہ مشرک

آخرت کا منکر ہوتا اگر اسے یقین ہو کہ قیامت کو اس سے شرک کے بارے میں سوال ہوگا تو کبھی شرک نہ کرے، مگر اس کے باوجود آخرت کے منکر شک میں مبتلا ہیں جس بنا پر قیامت پر یقین کرنے کے بارے میں اندھے ہو چکے ہیں۔ جنہیں "اللہ" کے سوا یا اس کے ساتھ پکارتے ہیں انھیں علم نہیں کہ وہ کب اُٹھائے جائیں گے؟

اللہ کے ہاں یہ درست نہیں کہ وہ ہر کسی کو اپنی تقدیر یعنی امورِ غائب سے مطلع کرتا رہے۔ ایک تو اس لیے کہ ہر شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے بھید پانے اور برداشت کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے غیب کی اطلاع کے لیے پیغمبروں کو منتخب کر رکھا ہے۔ ان میں بھی جس پیغمبر کو جتنا چاہا امورِ غیب سے آگاہ فرمایا۔ لوگوں کا فرض ہے کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائیں اگر کافر اور منافق بھی اخلاص کے ساتھ ایمان لائیں تو مخلص ایمانداروں کی طرح یہ بھی اجرِ عظیم پائیں گے۔ بعض لوگ پیروں، فقیروں اور علماء کے حوالے سے ایسے واقعات لکھتے اور بیان کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ بھی غیب کے واقعات جانتے تھے۔ یہاں دوٹوک الفاظ میں اس عقیدے کی نفی کی گئی ہے۔ جہاں تک انبیاء کا معاملہ ہے ان کے بھی درجنوں واقعات ہیں کہ وہ غیب کا علم نہیں جانتے تھے۔ اس کے باوجود بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کرنے کی کوشش کی ہے کہ انبیاءِ کرام خود تو غیب کا علم نہیں جانتے تھے لیکن انہیں عطائی علم غیب ضرور تھا۔ عطائی کا معنٰی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بتلایا ہوا اور عطا کردہ علم۔ علم غیب کی یہ تعریف بذات خود مضحکہ خیز ہے۔ جب اللہ تعالیٰ انبیاء یا کسی کو کوئی بات بتلا دے تو وہ غیب کس طرح رہا۔ یہ بات علم غیب کی تعریف میں نہیں آتی اس لیے رسولِ کریم ﷺ کی زبانِ اطہر سے کئی بار یہ اعلان کروایا گیا کہ آپ از خود یہ اعلان فرمائیں کہ میں غیب کا علم نہیں جانتا۔

مسائل

۱۔ زمینوں، آسمانوں کا غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ۲۔ مدفون بزرگوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ وہ کب اُٹھائے جائیں گے۔
۳۔ عقیدۂ توحید اور آخرت کے بارے میں مشرک اندھے پن کا ثبوت دیتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا غیب کا علم کوئی نہیں جانتا:

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں غیب نہیں جانتا۔ (ھود: ۳۱) ۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں کے متعلق علم نہ ہو سکا۔ (ھود: ۶۹)
۳۔ حضرت لوط علیہ السلام فرشتوں کو نہ پہچان سکے۔ (ھود: ۷۷) ۴۔ اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔ (الانعام: ۵۹)
۵۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سی بھلائیاں جمع کر لیتا۔ (الاعراف: ۱۸۸)
۶۔ آپ فرما دیں کہ غیب کا علم اللہ ہی کو ہے۔ (یونس: ۲۰)
۷۔ آپ فرما دیں کہ زمین اور آسمانوں کے غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (النمل: ۶۵)
۸۔ اللہ کے خزانوں اور زمین و آسمان کے غائب کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (الانعام: ۵۰)

وَقَالَ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْٓا	ءَ	اِذَا	كُنَّا	تُرٰبًا
اور اس نے کہا	وہ لوگ	انہوں نے کفر کیا	کیا	جب	ہم ہو جائیں گے	مٹی
وَّ اٰبَآؤُنَآ	اَىِٕنَّا	لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾	لَقَدْ	وُعِدْنَا	هٰذَا	
اور ہمارے باپ دادا	تو کیا ہم	نکالے جائیں گے؟	البتہ تحقیق	ہم وعدہ دیے گئے	یہ	
نَحْنُ	وَاٰبَآؤُنَا	مِنْ	قَبْلُ	اِنْ	هٰذَآ	اِلَّآ
ہم	اور ہمارے باپ دادا	سے	پہلے	نہیں	یہ	مگر
اَسَاطِيْرُ	الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾	قُلْ	سِيْرُوْا	فِى	الْاَرْضِ	
کہانیاں	پہلے لوگ	فرما دیجیے	تم سیر کرو	میں	زمین	

”کافر کہتے ہیں کیا ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو چکے ہوں گے تو ہمیں قبروں سے نکالا جائے گا؟ (٦٧) یہ وعدہ ہمیں اور ہم سے پہلے ہمارے آباؤ اجداد کو بھی دیئے جاتے رہے ہیں یہ کہانیوں کے سوا کچھ نہیں مدت سے سنتے آرہے ہیں۔ (٦٨) فرمائیں ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو

فہم القرآن

ربط کلام: آخرت کے منکر اپنی بے علمی اور متشکک طبیعت کی وجہ سے اندھے ہو چکے ہیں، اُن کے اندھاپن کی دلیل۔

منکرینِ آخرت اپنے مؤقف کے حق میں سب سے بڑی دلیل یہ دیتے ہیں ”کیا ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائیں گے تو پھر ہم دوبارہ اُٹھائے جائیں گے؟“ یہ ایسی بات ہے جس کا ہمارے باپ دادا اور ہم سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے آج تک کوئی زندہ نہیں ہوا اور نہ ہم زندہ کیے جائیں گے۔ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ ان میں کوئی حقیقت نہیں۔ قرآن مجید نے مختلف الفاظ اور انداز میں اس کے کئی جواب دیے ہیں۔ یہاں صرف اس جواب پر اکتفا کیا ہے کہ اے پیغمبر ﷺ! انھیں فرمائیں دنیا کی تاریخ پڑھو اور زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ قیامت کے منکروں اور اللہ کے باغیوں کا کیا انجام ہوا؟ بار بار دلائل دینے اور سمجھانے کے باوجود یہ لوگ نہیں مانتے تو اے رسول ﷺ آپ کو ان کے انکار اور شرارتوں پر دل گرفتہ نہیں ہونا چاہیے۔

یہاں آخرت کے منکروں کے لیے مجرم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جو اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ جب آدمی یہ عقیدہ بنالیتا ہے کہ مجھے اپنے اعمال کا مرنے کے بعد کسی کو جواب نہیں دینا ایسا شخص ظلم اور جرم کرتے ہوئے کوئی خوف محسوس نہیں کرتا۔ بالخصوص وہ شخص جو کسی نہ کسی طرح لوگوں کی گرفت اور سزا سے بچنے کے اسباب رکھتا ہے۔ ایسا شخص انسانیت کی حدود سے نکل کر درندوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ آخرت کا انکار جرائم کا سب سے بڑا سبب ہے انسان کو آخرت کی جوابدہی کا فکر ہو

فَانْظُرُوْا	كَيْفَ	كَانَ	عَاقِبَةُ	الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾	وَلَا	تَحْزَنْ
پھر دیکھو	کیسا	ہوا	انجام	مجرموں کا؟	اور نہ	آپ غم کریں

عَلَيْهِمْ	وَلَا	تَكُنْ	فِيْ	ضَيْقٍ	مِّمَّا	يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾
ان پر	اور نہ	آپ ہوں	میں	تنگی	ان سے جو	وہ سازشیں کرتے ہیں

کہ مجرموں کا کیا انجام ہو چکا ہے۔(۶۹) اے نبی ان کے حال پر غم نہ کرو اور نہ ان کی شراتوں پر دل گرفتہ ہوں۔“(۷۰)

تو وہ اقتدار اور اختیار رکھنے کے باوجود ظلم کرنے سے بچتا ہے۔ کیونکہ اُس کا عقیدہ ہوتا ہے اگر میں کسی سبب قانون اور لوگوں سے بچ نکلا تو قیامت کے دن ضرور پکڑا جاؤں گا۔

مسائل

۱۔ منکرینِ آخرت کے پاس آخرت کے انکار کی کوئی حقیقی دلیل موجود نہیں ہے۔
۲۔ آخرت کا انکار کرنے والوں کا دنیا میں بھی بدترین انجام ہوا۔
۳۔ لوگوں کو تاریخ کا مطالعہ اور زمین پر چل پھر کر مجرموں کا انجام دیکھنا چاہیے۔
۴۔ الدَّاعِیْ کو لوگوں کے کفر و شرک پر حد سے زیادہ پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

مرنے کے بعد زندہ ہونے کے فکری اور عملی ثبوت:

۱۔ اس بات پر تعجب ہے یہ کہتے ہیں کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔(الرعد:۵)
۲۔ مُردوں کو اللہ تعالیٰ اٹھائے گا پھر اس کی طرف ہی لوٹائیں جائیں گے۔(الانعام:۳۶)
۳۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام کو اٹھائے گا اور ہر کسی کو اس کے اعمال کے متعلق بتلائے گا۔(المجادلۃ:۶)
۴۔ وہ کہتے ہیں ہمیں کون دوبارہ زندہ کرے گا؟ فرما دیجیے جس نے پہلی بار پیدا کیا تھا۔(بنی اسرائیل:۵۱)
۵۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کے ہاتھوں مردوں کو زندہ کیا۔(المائدۃ:۱۱۰)
۶۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چار پرندے ذبح کروا کر انہیں زندہ کیا۔(البقرۃ:۲۶۰)
۷۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر اور اس کے گدھے کو سو سال مردہ کرنے کے بعد زندہ کیا۔(البقرۃ:۲۵۹)
۸۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ہزاروں لوگوں کو موت کے بعد دوبارہ زندہ فرمایا۔(البقرۃ:۲۴۳)
۹۔ کیا اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو 309 سال بعد نہیں اٹھایا تھا۔(الکھف:۲۵)

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞۷۱

اور وہ کہتے ہیں کب یہ وعدہ اگر ہو تم سچے؟

قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ

فرما دیجیے ہو سکتا ہے یہ قریب آلگا ہو تمھارے لیے بعض

الَّذِىْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۞۷۲ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى

وہ جسے تم جلدی طلب کر رہے ہو اور بلاشبہ آپ کا رب البتہ فضل والا ہے پر

النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۞۷۳ وَاِنَّ رَبَّكَ

لوگوں اور لیکن ان کے اکثر نہیں شکر کرتے اور بلاشبہ آپ کا رب

''وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو عذاب کا وعدہ کب پورا ہو گا؟ (۷۱) فرمادیں کیا عجب کہ جس عذاب کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو اس کا کچھ حصہ تمہارے قریب ہی آچکا ہے۔ (۷۲) حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ (۷۳) بلاشبہ تیرا رب

فہم القرآن

ربط کلام: منکرینِ آخرت کو ایک اور انداز میں جواب۔

مکہ کے مشرک اس حد تک ہدایت سے بے توفیق ہوئے کہ اُن میں ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آکر کسی مردہ کی بوسیدہ ہڈی اپنے ہاتھ سے مسلتے ہوئے بڑے غرور اور تمرد میں آکر کہتا ہے کہ اے محمد بتاؤ کہ اسے کون زندہ کرے گا؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''وہ ہمارے سامنے دلیل دیتا ہے اور اپنی تخلیق بھول گیا ہے۔ کہتا ہے کہ بوسیدہ ہڈیاں کون زندہ کرے گا؟ فرما دیجیے کہ وہی زندہ کرے گا جس نے اسے پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ پیدا کرنا جانتا ہے۔'' (یٰسٓ: ۷۸۔۷۹ کا)

اس واضح حقیقت اور ٹھوس دلیل کے باوجود پھر بھی وہ لوگ کہتے تھے کہ محمد ﷺ سچے ہو تو قیامت لاؤ یا عذاب کا وعدہ پورا کرو؟ اے پیغمبر! فرمادیجیے کہ جس کی تم جلدی کرتے ہو اُمید ہے کہ وہ قریب ہی آن پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اپنے فضل وکرم کی بناء پر ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ تائب ہو جائیں مگر لوگ ڈھیل سے فائدہ اُٹھانے اور مزید مہلت ملنے پر اپنے رب کا شکر ادا کرنے کی بجائے عذاب کے بارے میں جلدی کرتے ہیں۔ حالانکہ جو کچھ لوگ چھپاتے ہیں اور جو وہ اعلانیہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُس سے پوری طرح واقف ہے نہ صرف وہ زمینوں، آسمانوں کے غیب سے واقف ہے بلکہ اُس نے ایک کھلی کتاب میں ہر چیز لکھ رکھی ہے۔

لَيَعْلَمُ	مَا	تُكِنُّ	صُدُوْرُهُمْ	وَمَا يُعْلِنُوْنَ﴿۷۴﴾
البتہ جانتا ہے	جو	چھپاتے ہیں	ان کے سینے	اورجو وہ ظاہر کرتے ہیں

وَمَا	مِنْ	غَآئِبَةٍ	فِي	السَّمَآءِ	وَالْاَرْضِ	اِلَّا
اورنہیں	کوئی	پوشیدہ چیز	میں	آسمان	اورزمین	مگر

فِيْ	كِتٰبٍ	مُّبِيْنٍ﴿۷۵﴾
میں	کتاب	واضح

اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینے اپنے اندر چھپائے ہوئے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔(۷۴) آسمان وزمین کی کوئی ایسی چیز پوشیدہ نہیں جو ایک واضح کتاب میں لکھی ہوئی موجود نہ ہو۔(۷۵)

گناہ چھپانے یا اعلانیہ کرنے کا ذکر فرما کر لوگوں کو بتلایا ہے کہ عذاب نازل نا کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ ”اللہ تعالیٰ تمہارے جرائم سے ناواقف ہے ہرگز نہیں! جو کچھ تم لوگوں سے چھپاتے ہو یا جو تم سرِ عام کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح واقف ہے، کیونکہ زمین وآسمانوں میں کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے، نا صرف کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں بلکہ سب کچھ اس نے اپنے ہاں کھلی کتاب میں لکھ رکھا ہے۔ اس خطاب میں عسٰی کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا معنیٰ ”اُمید“ ہے۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کسی سے اُمید ہے۔ اللہ تعالیٰ کے منکر اس لفظ کی غلط توجیہ کر سکتے تھے۔ اس لیے اسے ”قُلْ“ کہہ کر نبی کریم ﷺ کی زبان سے کہلوایا گیا ہے کہ آپ کہیں کہ مجھے اُمید ہے جس عذاب کی تم جلدی کرتے ہو وہ تمھاری بداعمالیوں کی وجہ سے قریب ہی آن پہنچا ہے۔ چنانچہ یہی کچھ ہوا کہ اہل مکہ بہت جلد ہر قسم کی ذلّت اور عذاب سے دوچار ہوئے۔

مسائل

۱۔ دلائل سننے اور جاننے کے باوجود منکرین آخرت کہتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی؟

۲۔ لوگ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ڈھیل سے فائدہ اُٹھانے کی بجائے اس کے عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر اس لیے فضل کرتا ہے تا کہ لوگ اُس کا شکر ادا کریں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ دِلوں کے بھید اور لوگوں کے اعمال کو پوری طرح جانتا ہے۔

۵۔ زمینوں، آسمانوں میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ ہو۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بات لوحِ محفوظ پر درج کر رکھی ہے۔

اِنَّ	هٰذَا	الْقُرْاٰنَ	يَقُصُّ	عَلٰى	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
بلاشبہ	یہ	قرآن	وہ بیان کرتا ہے	پر	بنی اسرائیل
اَكْثَرَ	الَّذِيْ	هُمْ	فِيْهِ	يَخْتَلِفُوْنَ ۝۷۶	وَاِنَّهٗ لَهُدًى
اکثر	وہ کہ	وہ	اس میں	اختلاف کرتے ہیں	اور بلاشبہ یہ البتہ ہدایت
وَّرَحْمَةٌ	لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۷۷	اِنَّ	رَبَّكَ	يَقْضِيْ	بَيْنَهُمْ
اور رحمت	مومنوں کے لیے	بے شک	آپ کا رب	فیصلہ کرے گا	ان کے درمیان
بِحُكْمِهٖ	وَهُوَ	الْعَزِيْزُ	الْعَلِيْمُ ۝۷۸	فَتَوَكَّلْ	عَلَى
اپنے حکم سے	اور وہی	غالب	جاننے والا	بس آپ توکل کریں	پر
اللّٰهِ	اِنَّكَ	عَلَى	الْحَقِّ	الْمُبِيْنِ ۝۷۹	
اللہ	بلاشبہ آپ	پر	حق	واضح	

یہ حقیقت ہے کہ یہ قرآن بنی اسرائیل کو اکثر ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہے جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں۔(۷۶) اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے(۷۷) یقیناً آپ کا رب ان لوگوں کے درمیان اپنے حکم کے ساتھ فیصلہ کر دے گا۔ وہ زبردست اور سب کچھ جاننے والا ہے۔(۷۸) پس اے نبی اللہ پر بھروسہ کیجیے یقیناً آپ واضح طور حق پر ہیں۔''(۷۹)

فہم القرآن

ربط کلام: اہل مکہ کی غالب اکثریت اَن پڑھ تھی جس بناء پر وہ مدینہ کے یہودیوں سے پوچھتے کہ ہمیں علمی لحاظ سے محمد ﷺ پر کیا کیا اعتراض اُٹھانے چاہییں۔ یہودی مکہ والوں کو مختلف قسم کے سوال کرنے کی تعلیم دیتے۔ اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ مکہ والوں کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھی مخاطب کیا جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوا یہ قرآن مجید اُن مسائل کی نشاندہی بھی کرتا ہے جن کی حقیقت جاننے کے باوجود بنی اسرائیل ان کو نہیں مانتے۔ بنی اسرائیل کے خطاب میں مجموعی طور پر یہودی اور عیسائی شامل ہیں۔ تاہم کبھی کبھی یہ لفظ صرف یہودیوں یا عیسائیوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے یہودیوں نے تورات کے برخلاف یہ عقیدہ بنایا کہ عزیر علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے۔ قرآن مجید نے دوٹوک انداز میں اس کی وضاحت فرمائی کہ عزیر علیہ السلام اللہ کا بیٹا نہیں بلکہ اُس کا بندہ اور نبی تھا۔

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کو اللہ کا جزو قرار دیا۔ قرآنِ مجید نے اس کی بھی نفی کی ہے اس طرح دوٹوک انداز میں فیصلہ کیا کہ حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بنی اسرائیل کے عقائد حقیقت پر مبنی نہیں ہیں۔ قرآنِ

مجید ہر اُس شخص کے لیے ہدایت کا سرچشمہ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جو اِس پر ایمان لاتا ہے۔ جس طرح بنی اسرائیل کے اختلاف میں حق واضح کیا گیا ہے اسی طرح ہی اے نبی آپ کا رب آپ کے مخالفوں کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ کیونکہ وہ ہر حال میں غالب ہے اور ہر معاملے کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔ آپ اللہ پر بھروسہ کریں اور یقین رکھیں کہ آپ واضح طور پر حق پر گامزن ہیں۔ اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے العزیز کی صفت لا کر اپنے پیغمبر کو مخصوص انداز میں مستقبل کی کامیابی کی خوشخبری دی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہجرت مکہ کے بعد دو صورتوں میں پورا فرمایا۔ نبی معظم ﷺ کے بڑے بڑے دشمن آپ کے ہاتھوں ذلت کی موت مرے، باقی حلقہ اسلام میں داخل ہوئے یہودیوں کو ذلیل ہو کر مدینہ چھوڑنا پڑا۔ عیسائیوں کی سب سے بڑی حکومت آپ کے سامنے کھڑے ہونے کی تاب نہ لا سکی اس طرح پوری دنیا میں اسلام کی عظمت اور نبی ﷺ کی صداقت کا پھریرا بلند ہوا۔

مسائل

۱۔ قرآنِ مجید لوگوں کے اختلافات کے درمیان فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔

۲۔ ایمان لانے والوں کے لیے قرآنِ مجید ہدایت اور رحمت کا سرچشمہ ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرے گا۔

۴۔ ایمان والوں کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

ایمان داروں کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا حکم:

۱۔ رسول کریم کو اللہ پر توکل کرنے کی ہدایت۔ (النمل:۷۹)

۲۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا حکم۔ (المجادلۃ:۱۰)

۳۔ انبیاء اور نیک لوگ اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ (یوسف:۶۷)

۴۔ اللہ پر ایمان لانے والوں اور توکل کرنے والوں کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ (الشوریٰ:۳۶)

۵۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے کیونکہ وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ (التوبۃ:۱۲۹)

۶۔ اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (آل عمران:۱۵۹)

۷۔ اللہ صبر کرنے والوں اور توکل کرنے والوں کو بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ (العنکبوت:۵۹)

۸۔ جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اسے کافی ہو جاتا ہے۔ (الطلاق:۳)

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ

یقیناً آپ نہیں سنا سکتے مُردے اور نہیں سنا سکتے آپ بہروں

الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِی

پکار جب وہ پھر جائیں پیٹھ پھیرنے والے اور نہیں آپ ہدایت پرلانے والے

الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ

اندھوں سے ان کی گمراہی نہیں آپ سنا سکتے مگر جو

يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨١﴾

وہ ایمان لاتا ہے ہماری آیات کے ساتھ تو وہی ہیں فرمانبردار

”آپ مردوں کونہیں سنا سکتے نہ ان بہروں تک اپنی آواز پہنچا سکتے جو پیٹھ پھیر کر بھاگ رہے ہوں۔(٨٠) اور نہ اندھوں کو ہدایت پر لا سکتے ہو آپ اپنی بات انہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں اور تابعداری اختیار کرتے ہیں۔“(٨١)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کی طرف سے رہنمائی ہے لیکن اس سے روحانی طور پر زندہ لوگ ہی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

قرآنِ مجید نے حق اور باطل کے درمیان واضح طور پر ایک امتیاز قائم کر دیا ہے۔ جس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ رسول معظم ﷺ حق بات پر گامزن اور واضح طور پر حق کی دعوت دینے والے تھے۔ لیکن اس کے باوجود لوگ آپ ﷺ کی تکذیب اور قرآن مجید کا انکار کرتے تھے، اور کرتے ہیں۔ جس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ آپ کے مخالفین روحانی طور پر مردہ ہو گئے تھے اور ہیں۔ اس لیے نہ صرف وہ حق بات سننے کے بارے میں گونگے، بہرے ہو چکے ہیں بلکہ جب اُن کے سامنے حق بیان کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔ اس صورتحال میں نبی اکرم ﷺ کو اپنے رب پر توکل کرنے کی ہدایت کی گئی اور آپ کو تسلی دیتے ہوئے وضاحت فرمائی کہ اے نبی! آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور اُن لوگوں کو بھی نہیں سنا سکتے جو بہرے ہونے کے ساتھ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔ اس طرح آپ اندھو کو بھی ہدایت کے راستے پر نہیں چلا سکتے آپ تو صرف ان لوگوں کو سنا اور سمجھا سکتے ہیں جو اپنے دماغ سے سوچتے ہیں اور کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، ہماری آیات پر ایمان لاتے ہوئے تابعداری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ہدایت پانے کے لیے لازم ہے کہ انسان کی روح زندہ ہو اور حق بات سے دور بھاگنے کی بجائے اُسے توجہ کے ساتھ سننے کے لیے تیار ہو۔ جو شخص روحانی طور پر مردہ کانوں سے بہرہ اور

آنکھوں سے اندھا ہو مزید یہ کہ حق بات سے دور بھاگنے والا ہو، اُسے ہدایت کس طرح نصیب ہو سکتی ہے؟ ہدایت تو وہی شخص پائے گا جو حق بات کو توجہ کے ساتھ سننے اور اُسے تسلیم کرنے کا مصمم ارادہ کرے اور اللہ سے اس کی توفیق طلب کرے۔

عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ إِنَّمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّهُمْ لَيَعْلَمُونَ الآنَ أَنَّ مَا كُنْتُ أَقُولُ حَقٌّ وَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى) [رواہ البخاری:باب ما جاء فی عذاب القبر]

''سیدہ عائشہ ؓ بیان فرماتی ہیں کہ کنویں کے کنارے کھڑے ہو کر آپ ﷺ کا مشرکین کے مقتولوں کو مخاطب کرنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس وقت یقیناً جانتے ہیں کہ جو کچھ میں نے انہیں کہا وہ برحق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے)''

﴿وَ مَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ○ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ﴾ [فاطر: ۲۲۔۲۳]

''زندہ اور مردہ برابر نہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے سنتا ہے آپ قبروں والوں کو ہرگز نہیں سنا سکتے۔ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔''

مسائل

۱۔ نبی اکرم ﷺ اندھے، بہرے اور اُلٹے منہ بھاگنے والوں کو نہیں سنا سکتے تھے۔

۲۔ نبی اکرم ﷺ دل کے اندھے کو گمراہی سے نہیں نکال سکتے تھے۔

۳۔ ہدایت وہ شخص پا سکتا ہے جو حق بات کو توجہ اور تسلیم کرنے کی نیت سے سنے۔

تفسیر بالقرآن

ہدایت پانے کی چند بنیادی شرائط:

۱۔ اللہ کی راہنمائی کے بغیر کوئی ہدایت نہیں پا سکتا۔ (الاعراف:۴۳)

۲۔ کسی کا ہدایت پانا اللہ کا احسان ہے۔ (الحجرات:۱۷)

۳۔ رسول اکرم ﷺ کی تابعداری ہدایت کی ضمانت ہے۔ (النور:۵۴)

۴۔ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ (البقرۃ:۲۱۳)

۵۔ ہدایت جبری نہیں اختیاری چیز ہے۔ (الدھر:۳)

۶۔ ایماندار لوگ اپنے رب سے ہدایت اور آسانی مانگتے ہیں۔ (الکھف:۱۰)

۷۔ ہدایت پر استقامت کی دعا کرنا چاہیے۔ (آل عمران:۸)

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً

اور جب | واقع ہوگا | فرمان | ان پر | ہم نکالیں گے | ان کے لیے | ایک جانور

مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ۝۸۲ ع ۶ / ۱۶ / ۲

سے | زمین | وہ ان سے کلام کرے گا | بے شک | لوگ | تھے وہ | ہماری آیات پر | نہیں وہ یقین رکھتے

''اور جب ہمارے فرمان کے پورا ہونے کا وقت آجائے گا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا جو ہماری آیات پر یقین نہیں کرتے تھے۔''(۸۲)

فہم القرآن

ربط کلام: اندھے، بہرے اور حق سے بھاگنے والے لوگ قیامت سے پہلے حق بات کا اعتراف نہیں کریں گے۔

اندھے، بہرے اور حق بات سے دور بھاگنے والے قیامت سے پہلے حق بات قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوں گے۔ قرآن وحدیث میں قیامت کی تین قسم کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو نبی کریم ﷺ کے دور میں مکمل ہو چکی ہیں۔ دوسری وہ ہیں جو قربِ قیامت سے پہلے نمودار ہوں گی۔ تیسری نشانیاں وہ ہیں جو قیامت کی شروعات میں شمار ہوتی ہیں وہ اس طرح نمودار ہوں گی جیسے تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ جائے تو تسبیح کے دانے ایک دوسرے پر گرتے چلے جاتے ہیں۔ آخر میں تین نشانیاں وہ ظاہر ہوں گی جب توبہ کا دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ ان نشانیوں میں سے ایک نشانی دَابَّةُ الْأَرْضِ ہے۔ یہ ایسا جانور ہوگا جو قیامت پر یقین نہ رکھنے والوں سے کلام کرے گا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ جانور اس وقت ظاہر ہوگا جب زمین میں کوئی نیکی کا حکم کرنے والا اور بدی سے روکنے والا باقی نہ رہے گا۔ ابن مردویہ نے ایک حدیث ابوسعید خدری سے نقل کی ہے جس میں فرماتے ہیں کہ یہی بات انہوں نے خود نبی ﷺ سے سنی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دیں گے تو قیامت سے پہلے اللہ تعالیٰ ایک جانور کے ساتھ آخری حجت قائم فرمائے گا، یہ بات واضح نہیں ہے کہ یہ ایک ہی جانور ہوگا یا اس کی جنس کے لاکھوں، کروڑوں جانور ہونگے۔ " دَابَّةٌ مِنَ الْاَرْضِ " کے الفاظ میں دونوں معنوں کا احتمال ہے بہر حال وہ لوگوں سے کلام کرے گا۔

اس جانور کے نکلنے کا وقت کونسا ہوگا؟ اس کے متعلق نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا اور دن دہاڑے یہ جانور نکل آئے گا۔ ان میں سے جو نشانی بھی پہلے ہو۔ بہر حال دوسری نشانی اس کے قریب تر ہوگی۔ (مسلم)

رہا کسی جانور کا انسانوں سے کلام کرنا یہ اللہ کی قدرت کا ایک کرشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہے نطق کی طاقت عطا کرے۔ قیامت سے پہلے تو وہ ایک جانور کو ہی نطق بخشے گا۔ مگر جب قیامت قائم ہو جائے گی تو اللہ کی عدالت میں انسان کی آنکھ اور

کان اور اس کے جسم کی کھال تک بول اٹھے گی۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺقَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺثَلَاثٌ إِذَا خَرَجْنَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَالدَّجَّالُ وَدَابَّةُ الْأَرْضِ))

[رواہ مسلم: باب بَيَانِ الزَّمَنِ الَّذِي لَا يُقْبَلُ فِيهِ الإِيمَانُ]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تین باتیں جب ظاہر ہو جائیں اس وقت کسی کو ایمان لانے کا کچھ فائدہ نہ ہوگا الا یہ کہ وہ پہلے سے ایمان لا چکا ہو اور نیک اعمال کرتا رہا ہو۔ ① سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، ② دجال کا نکلنا ③ دابۃ الارض کا ظاہر ہونا۔“

مسائل

۱۔ قربِ قیامت زمین سے ایک جانور نمودار ہوگا جو لوگوں سے کلام کرے گا۔

۲۔ قیامت کا انکار کرنے والوں کو یقین ہو جائے گا کہ اب قیامت آہی چکی ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کی چند بڑی بڑی نشانیاں:

۱۔ جب واقعہ ہوگی واقعہ ہونے والی۔ (الواقعۃ:۱)

۲۔ جب زمین کو ہلا دیا جائے گا پوری طرح ہلا دینا۔ (الزلزال:۱)

۳۔ لوگو! اپنے رب سے ڈر جاؤ قیامت کا زلزلہ بہت سخت ہے۔ (الحج:۱)

۴۔ قیامت زمین و آسمانوں پر بھاری ہوگی۔ (الاعراف:۱۸۷)

۵۔ قیامت کے دن لوگ اڑتے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے۔ (القارعۃ:۴)

۶۔ قیامت کے دن پہاڑ اُون کی طرح ہوں گے۔ (القارعۃ:۵)

۷۔ قیامت کا دن انتہائی دردناک ہوگا۔ (ھود:۲۶) ۸۔ زمین کو ہلا کر تہہ و بالا کر دیا جائے گا۔ (واقعۃ:۳،۴)

۹۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر پراگندہ غبار کی طرح ہو جائیں گے۔ (الواقعۃ:۵،۶)

۱۰۔ زمین چٹیل میدان بنا دی جائے گی۔ (الواقعہ:۴)

۱۱۔ زمین و آسمانوں کو تبدیل کر دیا جائے گا۔ (ابراہیم:۴۸)

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ

اور دن | ہم اکٹھا کریں گے | سے | ہر | امت | ایک گروہ | ان لوگوں سے جو

يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ

وہ جھٹلاتے تھے | ہماری آیات کو | پھر وہ | روکے جائیں گے | یہاں تک کہ | جب | وہ آجائیں گے

قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا

فرمائے | کیا تم نے جھٹلایا تھا | میری آیات کو | جبکہ نہیں | تم نے احاطہ کیا تھا | ساتھ اس کے | علم سے

اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ

یا کیا | تھے تم | تم عمل کرتے | اور واقع ہو جائے گا | فرمان | ان پر

بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾

بوجہ اس کے | انھوں نے ظلم کیا | پھر وہ | نہیں | وہ بول سکیں گے

''اور جب ہم ہر امت میں سے اس دن ایک فوج ان لوگوں کی گھیر لائیں گے جو ہماری آیات کو جھٹلایا کرتے تھے۔ پھر ان کو روک لیا جائے گا۔(۸۳) یہاں تک کہ جب سب آجائیں گے تو ان کا رب ان سے پوچھے گا کہ تم نے میری آیات کو جھٹلایا تھا؟ تم نے انہیں جاننے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ اگر یہ نہیں تو اور تم کیا کر رہے تھے۔(۸۴) ان کے ظلم کی وجہ سے عذاب کا وعدہ ان پر پورا ہو جائے گا۔ تب وہ بول نہیں سکیں گے۔''(۸۵)

فہم القرآن

ربط کلام: قیامت برپا ہونے کے ایک مدت بعد اللہ تعالیٰ لوگوں کو محشر کے میدان میں جمع کرے گا۔

قیامت برپا ہونے کے ایک مدت بعد ربِّ ذوالجلال کے حکم سے اسرافیل علیہ السلام دوسری مرتبہ صور میں پھونک مارے گا۔ اُس کی پھونک سے لوگ اپنی اپنی جگہ سے اُٹھ کر محشر کے میدان کی طرف بھاگنا شروع ہو جائیں گے۔ محشر میں ہر نبی کی اُمت سے مجرموں کو الگ کر دیا جائے گا۔ اہل علم نے لکھا ہے کہ صرف مجرموں کو نیک لوگوں سے جدا ہی نہیں کیا جائے گا بلکہ مجرموں کے درمیان بھی اُن کے گناہوں کے حساب سے اُن کی درجہ بندی کی جائے گی۔ انہیں اللہ کی بارگاہ میں کھڑا کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اُنھیں سوال کرے گا ''کیا تم لوگ ہو جنھوں نے میری آیات کو جھٹلایا؟'' حالانکہ انہیں کو جھٹلانے کے لیے تمھارے پاس کوئی علمی دلیل نہ تھی؟ کیا تم وہی ہو جو جہالت پر عمل کرتے رہے ہو؟

اس طرح اُن پر حق بات ثابت کر دی جائے گی اور وہ اُس کے خلاف کوئی بات نہیں کر سکیں گے کیونکہ وہ اپنے آپ پر ظلم

کرنے والے ہوں گے۔

((وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ فَيَمْكُثُ اَرْبَعِيْنَ لَا اَدْرِیْ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا اَوْ شَهْرًا اَوْ عَامًا فَيَبْعَثُ اللّٰهُ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ كَاَنَّهٗ عُرْوَةُ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَيَطْلُبُهٗ فَيُهْلِكُهٗ ثُمَّ يَمْكُثُ فِی النَّاسِ سَبْعَ سِنِيْنَ لَيْسَ بَيْنَ اثْنَيْنِ عَدَاوَةٌ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ رِيْحًا بَارِدَةً مِنْ قِبَلِ الشَّامِ فَلَا يَبْقٰى عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ اَحَدٌ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ اَوْ اِيْمَانٍ اِلَّا قَبَضَتْهُ حَتّٰى لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ دَخَلَ فِیْ كَبِدِ جَبَلٍ لَدَخَلَتْهُ عَلَيْهِ حَتّٰى تَقْبِضَهٗ قَالَ فَيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ فِیْ خِفَّةِ الطَّيْرِ وَاَحْلَامِ السِّبَاعِ لَا يَعْرِفُوْنَ مَعْرُوْفًا وَلَا يُنْكِرُوْنَ مُنْكَرًا فَيَتَمَثَّلُ لَهُمُ الشَّيْطَانُ فَيَقُوْلُ اَلَا تَسْتَحْيُوْنَ فَيَقُوْلُوْنَ فَمَا تَاْمُرُنَا فَيَاْمُرُهُمْ بِعِبَادَةِ الْاَوْثَانِ وَهُوَ فِیْ ذَالِكَ دَارٌّ رِزْقُهُمْ حَسَنٌ عَيْشُهُمْ ثُمَّ يُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَلَا يَسْمَعُهٗ اَحَدٌ اِلَّا اَصْغٰى لِيْتًا وَرَفَعَ لِيْتًا قَالَ فَاَوَّلُ مَنْ يَسْمَعُهٗ رَجُلٌ يَلُوْطُ حَوْضَ اِبِلِهٖ فَيَصْعَقُ وَيَصْعَقُ النَّاسُ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ مَطَرًا كَاَنَّهُ الطَّلُّ فَيَنْبُتُ مِنْهُ اَجْسَادُ النَّاسِ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا قِيَامٌ يَنْظُرُوْنَ ثُمَّ يُقَالُ يَااَيُّهَاالنَّاسُ هَلُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ قِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ فَيُقَالُ اَخْرِجُوْا بَعْثَ النَّارِ فَيُقَالُ مِنْ كَمْ كَمْ فَيُقَالُ مِنْ كُلِّ اَلْفٍ تِسْعَ مِائَةٍ وَّتِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ قَالَ فَذَالِكَ يَوْمٌ يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا وَذَالِكَ يَوْمٌ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ۔)) [رواہ مسلم :باب فِی خُرُوجِ الدَّجَّالِ وَمُكْثِهٖ ....]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول مکرم ﷺ نے فرمایا دجال نکلے گا اور چالیس تک رہے گا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں مجھے نہیں معلوم چالیس دن' چالیس ماہ یا چالیس سال پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کو نازل کریں گے گویا کہ وہ عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ دجال کو تلاش کریں گے اور اسے ہلاک کر دیں گے اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام سات سال تک دنیا میں رہیں گے ہر دو انسانوں کے درمیان کوئی عداوت نہیں رہے گی پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ٹھنڈی ہوا بھیجے گا اور زمین پر کوئی بھی ایسا نہیں رہے گا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا' یہاں تک کہ اگر کوئی پہاڑ کے اندر بھی داخل ہوا تو وہ اس تک پہنچ جائے گی اور اس کی جان قبض کر لے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کے بعد بدترین لوگ رہ جائیں گے جو پرندوں کی مانند تیز طرار اور درندوں کی طرح سخت ہوں گے۔ نہ وہ بھلائی کو جانتے ہوں گے اور نہ برائی کو برا جانیں گے۔ شیطان ان کے پاس انسانی شکل میں جا کر کہے گا کیا تمہیں شرم نہیں آتی؟ وہ کہیں گے تو ہمیں کیا حکم دیتا ہے؟ شیطان انہیں بتوں کی عبادت کرنے کے لیے کہے گا۔ اس حالت میں بھی انہیں بکثرت رزق مل رہا ہوگا۔ ان کی زندگی عیش و عشرت والی ہوگی پھر صور پھونکا جائے گا جو بھی اس کی آواز سنے گا اپنے سر کو ایک طرف جھکا دے گا دوسری طرف اونچا کرے گا آپ نے فرمایا' صور کی آواز سننے والا پہلا شخص وہ ہوگا جو اپنے اونٹوں کے لیے حوض لیپ رہا ہوگا وہ بے ہوش ہو جائے گا سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ شبنم کی طرح بارش بھیجے گا۔ اس سے لوگوں کے جسم نمودار ہوں گے۔ پھر دوبارہ صور

پھونکا جائے گا' تو سب لوگ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ پھر منادی کی جائے گی کہ اے لوگو! اپنے رب کے پاس جلدی پہنچو فرشتوں سے کہا جائیگا ''انہیں روک لو ان سے سوالات کیے جائیں گے'' حکم ہوگا جہنم کی طرف جانے والوں کو نکالو پوچھا جائے گا ان میں کتنے جہنمی ہیں؟ حکم ہوگا۔ ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنمی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ ایسا دن ہوگا' جو بچوں کو بوڑھا کر دیگا'' اور ایسا دن ہوگا جس دن اللہ اپنی پنڈلی سے کپڑا ہٹائیں گے۔''

((عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ إِنَّ الصَّادِقَ الْمَصْدُوقَ ﷺ حَدَّثَنِي أَنَّ النَّاسَ يُحْشَرُونَ ثَلَاثَةَ أَفْوَاجٍ فَوْجٌ رَاكِبِينَ طَاعِمِينَ كَاسِينَ وَفَوْجٌ تَسْحَبُهُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلَى وُجُوهِهِمْ وَتَحْشُرُهُمُ النَّارُ وَفَوْجٌ يَمْشُونَ وَيَسْعَوْنَ يُلْقِي اللَّهُ الآفَةَ عَلَى الظَّهْرِ فَلَا يَبْقَى حَتَّى إِنَّ الرَّجُلَ لَتَكُونُ لَهُ الْحَدِيقَةُ يُعْطِيهَا بِذَاتِ الْقَتَبِ لَا يَقْدِرُ عَلَيْهَا)) [رواہ النسائی: باب البعث]

حضرت حذیفہ بن اسید حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں بے شک کائنات میں سب سے سچے انسان نے مجھے خبر دی ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو تین طریقہ سے جمع کیا جائیگا۔ ان میں سے ایک جماعت کے لوگ سوار، کھانا کھاتے ہوئے، کپڑے پہنے ہوئے ہوگی، اور ایک جماعت کو فرشتے چہروں کے بل گھسیٹیں گے اور آگ ان کو اکٹھا کرے گی۔ ایک جماعت بھاگ دوڑ میں مصروف ہوگی اللہ تعالیٰ ان پر آفت مسلط فرمائیں گے اس سے کوئی بھی بچ نہیں پائے گا حتیٰ کہ ایک آدمی کا باغ ہوگا وہ اس باغ کو ایسی سواری کے بدلے دیدے گا جس پر اسے کچھ اختیار نہ ہوگا۔

مسائل

۱۔ محشر کے میدان میں مجرموں کی صف بندی کی جائے گی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ محشر کے دن مجرموں سے سوال کرے گا۔

۳۔ محشر کے دن مجرموں کے جرائم کے مطابق عذاب دیا کیا جائے گا۔

۴۔ مجرم جرم ثابت ہونے کے بعد کوئی بات نہیں کر سکیں گے۔

تفسیر بالقرآن

محشر کے میدان میں مجرموں سے سوال وجواب:

۱۔ مجرم اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کے لیے اپنے برے اعمال کا کلیتاً انکار کریں گے۔ (الانعام: ۲۳۔۲۴)

۲۔ مجرم اپنی جان بچانے کے لیے اپنے گناہوں کی ذمہ داری دوسرں پر ڈالیں گے۔ (الاحزاب: ٦٦۔٦٨)

۳۔ مجرموں سے سوال کیا جائیگا کہ تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ (الصّٰفّٰت: ۲۲)

۴۔ ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹیں گے اور کہیں گے کاش! میں نے رسول کو سمجھا ہوتا۔ (الفرقان: ۲۷۔۳۰)

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ

کیا نہیں انھوں نے دیکھا بے شک ہم نے بنائی رات تاکہ وہ آرام کریں اس میں اور دن

مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٨٦﴾

روشن بلاشبہ میں اس ضرور نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے ایمان لاتے ہیں

”کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے رات کو ان کے لیے سکون کا باعث بنایا اور دن کو روشن کیا اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔“ (۸۶)

فہم القرآن

ربط کلام: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات اور قیامت کو جھٹلاتے ہیں اُن کے غور و فکر کے لیے رات اور دن میں دلائل۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی پہچان اور قیامت پر ایمان لانے کے لیے اپنی قدرتوں پر غور کرنے کا بار بار حکم دیا ہے اِن میں اکثر نشانیاں ایسی ہیں جن سے ہر شخص کو صبح و شام واسطہ پڑتا ہے اِن نشانیوں میں سے قرآن مجید نے رات اور دن کو کئی مرتبہ نشانی اور دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہاں رات کے بارے میں فرمایا ہے کہ رات اس لیے بنائی گئی ہے تاکہ لوگ اس میں سکون پائیں اور دن کو روشن بنایا تاکہ لوگ اپنا کام کاج اور ضرورتیں پوری کر سکیں۔ کیا لوگوں نے رات اور دن کے بارے میں نہیں سوچا کہ اِن میں کون کون سے فوائد رکھے گئے ہیں؟ اگر رات اور دن کے بارے میں لوگ غور کریں تو یقیناً ان میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانے کے لیے بے شمار دلائل ہیں۔ یہاں رات اور دن کو قیامت کی نشانیوں کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس طرح رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کا آنا یقینی ہے اسی طرح ہی زندگی کے بعد موت اور موت کے بعد جی اُٹھنا یقینی بات ہے۔ رات کو انسان اور ہر جاندار چیز نیند کی آغوش میں چلی جاتی ہے جو موت کے مترادف ہے۔ دن کے طلوع ہونے کے ساتھ ہر جاندار اپنے اپنے کام میں لگ جاتا ہے۔ رات کے بعد دن کو اٹھنا اور دن کے بعد رات کو سونا ہر ذی روح کے لیے لازم ہے، اسی طرح قیامت کے بعد اٹھنا بھی لازم ہے۔ جس طرح کوئی جاندار ہمیشہ سویا نہیں رہ سکتا اسی طرح مرنے کے بعد کسی نے ہمیشہ مردہ نہیں رہنا اسے ہر حال میں اٹھایا جائے گا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے رات کو سکون کے لیے بنایا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے دن کو لوگوں کی ضروریات کے لیے روشن بنایا ہے۔

۳۔ ایمان لانے والوں کے لیے رات اور دن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں موجود ہیں۔

تفسیر بالقرآن

رات اور دن کے فوائد:

۱۔ رات دن ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ہیں۔ (الاعراف: ۵۴) ۲۔ رات دن کو اور دن رات کو ڈھانپ لیتا ہے۔ (الزمر: ۵)

۳۔ رات اور دن کا بڑھنا، گھٹنا۔ (الحدید: ۶) ۴۔ رات آرام اور دن کام کے لیے ہے۔ (الفرقان: ۴۷)

وَيَوْمَ	يُنْفَخُ	فِي	الصُّوْرِ	فَفَزِعَ	مَنْ	فِي
اور جس دن	پھونکا جائے گا	میں	صور	تو گھبرا جائے گا	جو	میں
السَّمٰوٰتِ	وَمَنْ	فِي	الْاَرْضِ	اِلَّا	مَنْ	شَآءَ
آسمانوں	اور جو	میں	زمین	سوائے	جسے	وہ چاہے
اللّٰهُ ؕ	وَكُلٌّ	اَتَوْهُ	دٰخِرِيْنَ ﴿٨٧﴾			
اللہ	اور سب	آئیں گے اس کے پاس	ذلیل ہونے والے			

”جس دن صور پھونکا جائے گا اور گھبرا جائیں گے وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ اس گھبراہٹ سے بچانا چاہے گا اور ”اللہ“ کے حضور سب کے سب عاجزی کے ساتھ حاضر ہو جائیں گے۔“ (۸۷)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سے پہلی آیت سے قبل قیامت برپا ہونے کا تذکرہ ہو رہا تھا اب قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر ہوتا ہے۔

اسرافیل علیہ السلام فرشتہ قیامت سے پہلے صور پھونکے گا تو زمینوں، آسمانوں میں جو کچھ موجود ہے ہر چیز لرز جائے گی اور ہر جاندار گھبرا جائے گا سوائے اُس کے جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے محفوظ فرمائے گا اور ہر کوئی اپنے رب کے سامنے عاجزی اور درماندگی کی حالت میں پیش ہوگا۔ قرآن مجید نے دوسرے نفخہ کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔

”آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ یہ کب واقع ہوگی؟ فرمادیں اس کا علم میرے رب کے پاس ہے اسے اس کے وقت پر اللہ کے سوا کوئی ظاہر نہیں کرے گا وہ آسمانوں اور زمین پر بھاری واقع ہوگی تم پر اچانک ہی آئے گی آپ سے یوں پوچھتے ہیں جیسے آپ اس کی خوب تحقیق کر چکے ہوں۔ فرمادیں اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔“ (الاعراف ۱۸۷)

”جس دن جبرائیل اور باقی فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ رحمٰن سے وہی بات کر سکے گا۔ جسے وہ خود اجازت دے اور وہ درست بات کرے۔ یہ دن ایک حقیقت ہے اب جو چاہے اپنے رب کی طرف واپس جانے کی راہ اختیار کرے۔ ہم نے تمہیں اس عذاب سے ڈرایا ہے جو قریب آ پہنچا ہے۔ اس دن آدمی وہ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور کافر کہے گا کاش! میں مٹی بن جاتا۔“ (النبا: ۳۸ تا ۴۰)

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ أُتِیَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمًا بِلَحْمٍ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ يَجْمَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْأَوَّلِينَ وَالآخِرِينَ فِی صَعِيدٍ وَاحِدٍ ، فَيُسْمِعُهُمُ الدَّاعِی ، وَيُنْفِذُهُمُ الْبَصَرُ ، وَتَدْنُو الشَّمْسُ مِنْهُمْ فَذَكَرَ حَدِيثَ الشَّفَاعَةِ فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُونَ أَنْتَ نَبِیُّ اللَّهِ وَخَلِيلُهُ مِنَ الأَرْضِ ، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ

فَيَقُولُ فَذَكَرَ كَذَبَاتِهِ نَفْسِي نَفْسِي اذْهَبُوا إِلَى مُوسَى)) [رواه البخاري: باب النَّسَلَانُ فِي الْمَشْيِ]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آپ کے پاس ایک دن گوشت لایا گیا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پہلوں اور پچھلوں کو ایک ہی جگہ جمع فرمایا گا۔ لوگ پکارنے والے کی آواز سُنیں گے اور اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور سورج قریب تر ہوگا اُس کے بعد آپ نے شفاعت والی حدیث کا تذکرہ کیا کہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے آپ اللہ کے نبی ہیں اور زمین میں اُس کے خلیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کیجیے، تو وہ اپنے جھوٹوں کا بہانہ پیش کرتے ہوئے کہیں گے (نَفْسِي نَفْسِي) اے اللہ میرے نفس کو بچا لے، میرے نفس کو بچا لے تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔‘‘

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ يَهُودِيٌّ بِسُوقِ الْمَدِينَةِ لَا وَالَّذِي اصْطَفَى مُوسَى عَلَى الْبَشَرِ قَالَ فَرَفَعَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يَدَهُ فَصَكَّ بِهَا وَجْهَهُ قَالَ تَقُولُ هَذَا وَفِينَا نَبِيُّ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم (وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ) فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ رَفَعَ رَأْسَهُ فَإِذَا مُوسَى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ فَلَا أَدْرِي أَرَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلِي أَوْ كَانَ مِمَّنِ اسْتَثْنَى اللَّهُ وَمَنْ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى فَقَدْ كَذَبَ))

[رواه الترمذي: باب وَمِنْ سُورَةِ الزُّمَرِ]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینے کے بازار میں ایک یہودی نے قسم اُٹھاتے ہوئے کہا قسم ہے اُس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو بشریت پہ فضیلت عطا فرمائی۔ ایک انصاری اُٹھا اور اُس نے اُس کے چہرے پہ تھپڑ مارتے ہوئے کہا تو اس طرح کہتا ہے جب کہ اللہ کے نبی ہم میں موجود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صور پھونکا جائے گا آسمان اور زمین کی ہر چیز بے ہوش ہو جائے گی مگر وہی بچے گا جسے اللہ چاہے، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تمام لوگ رب کے روبرو کھڑے ہو جائیں گے۔ میں سب سے پہلے سر اُٹھاؤں گا موسیٰ علیہ السلام کو عرش کا پایہ تھامے ہوئے پاؤں گا۔ میں نہیں جانتا اُس نے مجھ سے پہلے سر اُٹھایا یا وہ اُن لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ کی طرف سے استثنا حاصل ہے۔ جس نے میرے متعلق کہا میں یونس بن متی سے بہتر ہوں اُس نے جھوٹ بولا۔‘‘

مسائل

١۔ اسرافیل کے صور پھونکنے سے زمین و آسمان کی ہر چیز لرز جائے گی۔

٢۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب لوگ انتہائی درماندگی کی حالت میں پیش ہوں گے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو گھبراہٹ سے محفوظ رکھے گا۔

وَتَرَى	الْجِبَالَ	تَحْسَبُهَا	جَامِدَةً	وَّهِيَ		تَمُرُّ
اور آپ دیکھیں گے	پہاڑوں	آپ ان کو گمان کریں گے	جمے ہوئے	جبکہ وہ		چل رہے ہوں گے
مَرَّ السَّحَابِ	صُنْعَ	اللّٰهِ	الَّذِيْٓ	اَتْقَنَ		كُلَّ
بادلوں کے چلنے	کاری گری	اللہ	جس نے	مضبوط بنائی		ہر
شَيْءٍ	اِنَّهٗ	خَبِيْرٌۢ	بِمَا	تَفْعَلُوْنَ ۝۸۸		
چیز	بلاشبہ وہ	خبردار	ساتھ جو	تم کرتے ہو		

”آپ پہاڑوں کو دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ خوب جمے ہوئے ہیں مگر قیامت کے دن یہ بادلوں کی طرح اُڑ رہے ہوں گے یہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہوگا جس نے ہر چیز کو حکمت کے ساتھ بنایا ہے وہ خوب جانتا ہے جو تم لوگ کرتے ہو۔“ (۸۸)

فہم القرآن

ربط کلام: قیامت کے دن کی کیفیت چنانچہ جس دن صور پھونکا جائے گا انسان تو درکنار فلک بوس پہاڑ بھی اپنی جگہ پر قائم نہیں رہ سکیں گے۔

اہل مکہ کی غالب اکثریت قیامت کی منکر تھی اس لیے انھوں نے سرورِ دو عالم ﷺ سے سوال کیا کہ سینکڑوں، ہزاروں میلوں میں پھیلے ہوئے فلک بوس پہاڑوں کا کیا بنے گا؟

”یہ لوگ آپ پوچھتے ہیں کہ یہ پہاڑ کہاں چلے جائیں گے فرما دیں کہ میرا رب ان کو دھول بنا کر اڑا دے گا۔ اور زمین کو چٹیل میدان بنا دے گا۔ (طٰہٰ:۱۰۵تا۱۰۶)

اسی بات کو یہاں اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ اے پیغمبر ﷺ آپ اور ہر دیکھنے والا دیکھے گا کہ جن پہاڑوں کو آپ جامد دیکھتے ہیں وہ ریزہ ریزہ ہو کر یوں اُڑ رہے ہوں گے۔ جیسے بارش کے موقع پر بادل فضا میں اُڑتے اور تیرتے ہیں۔ انھیں وہی ذات چلائے اور اُڑائے گی جس نے ہر چیز کو ایک مدت تک استحکام اور قیام بخشا تھا۔ وہ ذات لوگوں کے ہر قسم کے اعمال سے باخبر ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن پہاڑوں کی حالت:

۱۔ اس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے زمین چٹیل میدان ہوگی اور ہم تمام لوگوں کو جمع کریں گے۔ کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔ (الکھف:۴۷)

۲۔ اس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے، پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی طرح ہو جائیں گے۔ (المزمّل:۱۴)

۳۔ اس دن آنکھیں چندھیا جائیں گی، چاند گہنا دیا جائے گا اور سورج چاند کو جمع کر دیا جائے گا۔ (القیامۃ:۶تا۸)

۴۔ جب سورج لپیٹ لیا جائے گا، تارے بے نور ہو جائیں گے، پہاڑ چلائے جائیں گے۔ (التکویر:۱تا۳)

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ

جوشخص | وہ لایا | نیکی | تو اس کے لیے | بہتر | اس سے | اور وہ لوگ

مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿٨٩﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ

سے | گھبراہٹ | اس دن | بے خوف ہوں گے | اور جوشخص | وہ لایا | برائی

فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا

تو اوندھے کر دیے جائیں گے | ان کے چہرے | میں | آگ | نہیں | تم سزا دیے جاؤ گے | مگر

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٠﴾

جو | تھے تم | تم عمل کرتے

''جوشخص بھلائی لے کر آئے گا وہ اس کا بہتر صلہ پائے گا اور یہ لوگ قیامت کی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے۔(٨٩) جو برائی لے کر آئیں گے وہ اوندھے منہ آگ میں پھینکے جائیں گے کیا تم اس کے سوا کوئی اور جزا پا سکتے ہو کہ جیسا کرو ویسا بھرو؟''(٩٠)

فہم القرآن

ربط کلام: قیامت کے دن اعمال کی بنیاد پر لوگ دو قسم کے ہونگے ،ذلت اور درماندگی سے محفوظ رہنے والے حضرات اور اِن کے مقابلے میں ذلیل ہونے والے لوگ۔

آیت ٨٧ میں ذکر ہوا ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا تو زمینوں،آسمانوں اور اِن کے درمیان جو چیز ہے وہ لرز اور گھبرا جائے گی سوائے اُن لوگوں کے جنھیں اللہ تعالیٰ اِس ذلت اور گھبراہٹ سے محفوظ رکھے گا۔اب ذلّت سے محفوظ اور اُس سے دوچار ہونے والے لوگوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

جس شخص نے نیک کاموں میں زندگی بسر کی اُس کے لیے بہترین بدلہ ہوگا اور اُس دن اُن کو گھبراہٹ سے محفوظ رکھا جائے گا۔جس شخص نے برائی کے کاموں میں زندگی گزار دی اُسے آگ میں اُلٹے منہ ڈالا جائے گا اور اعلان ہوگا کہ تمھیں صرف تمھارے برے اعمال کی سزا دی جائے گی۔

یعنی وہ اس لحاظ سے بھی بہتر ہوگا کہ جتنی نیکی اس سے زیادہ انعام اسے دیا جائے گا اور اس لحاظ سے بھی کہ اس کی نیکی تو وقتی تھی اور اس کے اثرات بھی دنیا میں ایک محدود زمانے کے لیے تھے مگر اس کا اجر دائمی اور ابدی ہوگا۔یہ اللہ تعالیٰ کا نیک لوگوں پر احسان ہوگا۔فرمان الٰہی ہے:''جو کوئی نیکی کرے گا تو اس کے لیے دس گناہ اجر ہے اور جو برائی کرے تو اسے صرف اسی کی سزا ملے گی۔(الانعام:١٦٠)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سات آدمیوں کو اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے جس دن کوئی چیز سایہ فگن نہ ہوگی۔ (۱) انصاف کرنے والا حکمران (۲) اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ذوق وشوق رکھنے والا جوان (۳) وہ شخص جس کا دل مسجد کے ساتھ منسلک رہے جب مسجد سے باہر جاتا ہے تو واپس مسجد میں جانے کے لیے فکرمند رہتا ہے (۴) دو آدمی جو اللہ کے لیے محبت رکھتے ہیں اور اسی بنا پر ایک دوسرے سے میل جول رکھتے اور الگ ہوتے ہیں (۵) جس آدمی نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے (۶) ایسا شخص جس کو ایک خاندانی حسین وجمیل عورت نے گناہ کی دعوت دی مگر اس نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو بچائے رکھا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور (۷) وہ آدمی جس نے صدقہ کیا اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو پائی کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔'' (رواہ البخاری : باب الصَّدَقَةِ بِالْيَمِينِ)

((وَعَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ کَیْفَ یُحْشَرُ الْکَافِرُ عَلٰی وَجْھِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ قَالَ اَلَیْسَ الَّذِیْ اَمْشَاہُ عَلَی الرِّجْلَیْنِ فِی الدُّنْیَا قَادِرٌ عَلٰی اَنْ یُّمْشِیَہٗ عَلٰی وَجْھِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ (متفق علیہ)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا۔ اے اللہ کے رسول! قیامت کے دن کافر کس طرح منہ کے بل چل کر میدان محشر کی طرف جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ ذات اس بات پر قدرت نہیں رکھتی جس نے دنیا میں ان کو پاؤں پر چلنے کی طاقت دی قیامت کے دن ان کو منہ کے بل چلائے۔''

مسائل

۱۔ قیامت کے دن نیک لوگوں کو ان کی نیکیوں کی جزا دی جائے گی۔
۲۔ نیک لوگوں کو قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ رکھا جائے گا۔
۳۔ بُرے لوگوں کو جہنم میں اُلٹے منہ پھینکا جائے گا۔
۴۔ برے لوگوں کو اُن کی برائی کے برابر سزا دی جائے گی۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن نیک اور بُرے لوگوں کے درمیان فرق:

۱۔ قیامت کے دن نیک لوگوں کے چہروں پر ذلّت اور نحوست نہیں ہوگی اور وہ جنت میں قیام کریں گے۔ (یونس:۲۶)
۲۔ برے لوگوں کے چہروں پر ذلت چھائی ہوگی انہیں اللہ سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ (یونس:۲۷)
۳۔ مومنوں کے چہرے تروتازہ ہوں گے (القیامۃ:۲۲) ۴۔ کفار کے چہرے بگڑے ہوئے ہوں گے۔ (الحج:۷۳)
۵۔ مومنوں کے چہرے خوش وخرم ہوں گے (عبس:۳۸) ۶۔ کفار کے چہروں پر گردوغبار ہوگا۔ (عبس:۴۰)
۷۔ مومنوں کا استقبال ہوگا۔ (الزمر:۷۳) ۸۔ ''اللہ'' کے باغیوں پر پھٹکار ہوگی۔ (یونس:۲۷)

اِنَّمَآ	اُمِرْتُ	اَنْ	اَعْبُدَ	رَبَّ	هٰذِهِ	الْبَلْدَةِ
صرف	میں حکم دیا گیا ہوں	یہ کہ	میں عبادت کروں	رب کی	اس	شہر کے
الَّذِیْ	حَرَّمَهَا	وَلَهٗ	كُلُّ	شَیْءٍ ز	وَّاُمِرْتُ	
وہ جس نے	اس کو حرمت دی	اور اسی کے لیے ہے	ہر	چیز	اور میں حکم دیا گیا ہوں	
اَنْ	اَكُوْنَ	مِنَ	الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۱﴾			
یہ کہ	میں ہو جاؤں	سے	مسلمانوں			

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت بخشی اور ہر چیز اسی کے لیے ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مسلم بن کر رہوں۔'' (۹۱)

فہم القرآن

ربط کلام: قیامت کے دن نجات اخلاص پر مبنی اعمال پر ہوگی لہٰذا تمام نیکیوں کی بنیاد ''اللہ'' کی خالص عبادت کرنا ہے۔ جس کا نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ سب سے پہلے اس پر عمل کریں۔

اہل مکہ کی عزت و تکریم پوری دنیا میں بالعموم اور حجاز میں بالخصوص اس بناء پر کی جاتی تھی کہ یہ لوگ مکہ کے مکین اور بیت اللہ کے متولّی ہیں۔ اس بناء پر نہ صرف اِن کی تکریم ہوتی تھی بلکہ انھیں تجارتی فوائد کے ساتھ بڑے بڑے تحائف بھی موصول ہوتے تھے۔ بیت اللہ کی وجہ سے اُنھیں اَمن حاصل تھا۔ سفر کے دوران لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ اِس قافلے میں قریشی اور ہاشمی لوگ موجود ہیں تو لوٹ گھسوٹ کرنے والے قبائل اُس قافلے پر ہاتھ اُٹھانے سے پرہیز کرتے تھے۔ لیکن قریش کی اپنی حالت یہ تھی کہ جس بیت اللہ کی وجہ سے اُنھیں عزت و احترام اور اَمن و امان حاصل تھا۔ انھوں نے کعبہ کے رب کی عبادت کرنے کی بجائے اس میں (۳۶۰) تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ سرورِ دو عالم ﷺ کی دعوت کا خلاصہ یہ تھا اور ہے کہ صرف کعبہ کے رب کی ہی عبادت کی جائے اور اسی سے مدد مانگی جائے۔ مکہ کے لوگ نہ صرف اِس بات کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے بلکہ وہ اِس بات پر نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے جانی دشمن بن چکے تھے۔

اس صورت حال میں نبی اکرم ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ برملا یہ بات فرمائیں اور اس پر قائم رہیں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں شہرِ مکہ کے رب کی عبادت کروں جس نے اپنے گھر کی وجہ سے مکہ کو حرمت عطا فرمائی ہے، ہر چیز اُسی رب کی ملکیت ہے۔ لہٰذا ہر انسان کو اسی رب کا فرماں بردار ہونا چاہیے یہی حکم نبی ﷺ کو دیا گیا ہے کہ آپ سب سے پہلے ''اللہ'' کے تابعدار بن جائیں۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ خُزَاعَةَ قَتَلُوا رَجُلًا مِنْ بَنِی لَیْثٍ عَامَ فَتْحِ مَكَّةَ بِقَتِیلٍ مِنْهُمْ قَتَلُوهُ، فَأُخْبِرَ بِذَلِكَ النَّبِیُّ ﷺ فَرَكِبَ رَاحِلَتَهُ، فَخَطَبَ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْقَتْلَ أَوِ الْفِیلَ شَكَّ أَبُو عَبْدِ

اللّٰهِ وَسَلَّطَ عَلَيْهِمْ رَسُولَ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنِينَ ، أَلا وَإِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لَأَحَدٍ قَبْلِي ، وَلَا تَحِلُّ لَأَحَدٍ بَعْدِي أَلا وَإِنَّهَا حَلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ.........)) [رواه البخاری:باب كِتَابَةِ الْعِلْمِ]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بیشک خزاعہ قبیلے کے لوگوں نے فتح مکہ کے سال بنی لیث کا ایک آدمی قتل کردیا۔اس واقعہ کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی آپ سواری پر سوار ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا۔یقیناً اللہ نے مکہ میں قتل وغارت کوممنوع قرار دیا ہے۔یا آپ نے فیل کے لفظ استعمال فرمائے راوی کوشک ہے۔اللہ تعالیٰ نے کفار پر اپنے رسول اور مومنوں کومسلط فرمایا خبردار مجھ سے پہلے کسی کے لیے مکہ کی حرمت کو پامال کرنا جائز نہ تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے جائز ہوگا۔میرے لیے کچھ وقت کے لیے ہی اس میں لڑائی کو جائز قرار دیا گیا۔‘‘

’’حضرت واقد بن محمد کہتے ہیں میں نے اپنے باپ سے سنا وہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا کیا تم جانتے ہو حرمت کے لحاظ سے عظیم مہینہ کون سا ہے۔صحابہ نے کہا یہ مہینہ۔ آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو حرمت کے لحاظ سے عظیم شہر کون سا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا مکہ۔آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو حرمت کے لحاظ سے عظیم دن کون سا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا آج کا دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزت کو محترم قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ جس طرح اس دن تمہارے اس شہر اور مہینے کی کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ آپ نے تین بار یہ کلمات دھرائے۔سب نے کہا کیوں نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افسوس ہو تم پر یا ویل ہو میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگ جاؤ۔‘‘

[رواہ البخاری : کتاب الحدود ،باب ظهر المو من حمى الا فى حداو حق]

مسائل

١۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تھا کہ وہ مکہ کے رب یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔

٢۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو تکریم اور امن وسکون سے نوازا ہے۔

٣۔ ہر چیز پر اللہ کی بادشاہی ہے۔ ٤۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے رب کے تابعدار تھے۔

تفسیر بالقرآن

بیت اللہ اور مکہ معظّمہ کی عظمت وحرمت :

١۔ قسم ہے اس شہر کی۔(البلد:١) ٢۔ بیت اللہ دنیا میں پہلا گھر ہے جو بابرکت اور ہدایت کا مرکز ہے۔(آلِ عمران:٩٦)

٣۔ بیت اللہ امن کا گہوارہ ہے۔(البقرۃ:١٢٥) ٤۔ بیت اللہ کے باسیوں سے محبت کی جاتی ہے(القریش:١)

٥۔ بیت اللہ کے طواف کا حکم ہوا ہے۔(الحج:٢٩) ٦۔ پیدل اور سوار دور سے اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔(الحج:٢٧)

٧۔ اے میرے رب اس گھر کو امن والا بنانا۔(ابراہیم:٣٥) ٨۔ قسم ہے اس امن والے شہر کی۔(التین:٣)

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا
اور یہ کہ میں تلاوت کروں قرآن کی چنانچہ جس نے ہدایت پائی تو صرف

يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا
وہ ہدایت پائے گا اپنی ہی ذات کے لیے اور جو شخص گمراہ ہوا تو فرما دیجیے تو صرف میں

مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ
سے ڈرانے والوں میں ہوں اور فرما دیجیے تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے عنقریب وہ تمھیں دکھائے گا

اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع
اپنی نشانیاں تو تم ان کو پہچان لوگے اور نہیں ہے آپ کا رب غافل اس سے جو تم عمل کرتے ہو

ع ۱۱ / ۳

''اور یہ قرآن پڑھ کر سناؤں جو ہدایت اختیار کرے گا وہ اپنے ہی بھلے کے لیے اختیار کرے گا اور جو گمراہ ہو۔ اس سے کہہ دو کہ میں تو بس خبردار کر دینے والا ہوں۔ (۹۲) ان سے کہو اللہ ہی کے لیے تعریف ہے عن قریب وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھا دے گا اور تم انہیں پہچان لو گے اور تیرا رب لوگوں کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔'' (۹۳)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآنِ مجید کا پہلا حکم اور پیغام یہ ہے کہ ایک ہی رب کی عبادت کی جائے مکہ والوں کو اس سے سخت اختلاف تھا جس بنا پر ان کا مطالبہ تھا کہ یہ قرآن نہ پڑھا جائے۔

مکہ والوں کی آپ کے ساتھ دشمنی کی بنیاد محض قرآن مجید تھا۔ قرآنِ مجید میں بھی اُن کو بالخصوص اُن آیات کے ساتھ شدید اختلاف تھا جن میں مکہ والوں کے کفر و شرک کی مذمت کرتے ہوئے انہیں توحیدِ خالص کی دعوت دی گئی ہے۔ نبوت کے ابتدائی سالوں میں اہلِ مکہ کلی طور پر قرآنِ مجید کے خلاف تھے لیکن جوں جوں نبی اکرم ﷺ کی دعوت پھیلنے لگی آپ اور آپ کے ساتھیوں نے اِس دعوت پر پوری طرح استقامت کا مظاہرہ کیا تو مکہ والوں نے فکری پسپائی اختیار کرتے ہوئے بالآخر یہ مطالبہ کیا کہ آپ قرآنِ مجید میں کچھ تبدیلیاں کریں۔ آپ اپنے مؤقف میں نرمی کا مظاہرہ کریں گے، ہم بھی اپنے مؤقف سے پیچھے ہٹنے کے لیے تیار ہیں۔ اِس بات کے اور بھی جواب دیئے گئے اُن میں سے ایک جواب یہ ہے کہ مکہ کے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کے سامنے قرآنِ مجید کی تلاوت کرتا رہوں۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب ہے کہ مجھے حکم ہے کہ میں کعبے کے رب کی توحید بیان کرتا جاؤں۔ جس نے ہدایت پائی اس کا اُسے ہی فائدہ پہنچے گا جو شخص گمراہ ہوا اس کا اُسے ہی نقصان ہوگا۔ میں اپنے رب کے فرمان کے مطابق لوگوں کو برے عقائد اور کردار کے انجام سے ڈرانے والا ہوں۔

سورۃ النمل کی آخری آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے حوالے سے تیرہ (۱۳) سوالات کیے جن کا جواب دینے میں ہر دَور کا مشرک لاجواب رہا ہے اور قیامت تک کوئی مشرک اِن سوالات کا اُلٹا جواب نہیں دے سکتا۔

یہی قرآنِ مجید کی عظمت اور سچائی ہے کہ کوئی شخص نہ اس کا توڑ پیش کرسکتا ہے اور نہ ہی قرآنِ مجید کی کسی آیت جیسی آیت پیش کرسکتا ہے۔ اس لیے اس سورۃ کا اختتام اِس بات پر کیا جارہا ہے کہ اے پیغمبر ﷺ! آپ اس پر اپنے رب کا شکرادا کریں کہ لوگ نہ آپ کی دعوت کی صداقت کو جھوٹا ثابت کرسکتے ہیں اور نہ ہی توحید کے دلائل کا جواب دے سکتے ہیں۔ اِن حقائق کے باوجود اگر یہ لوگ ایمان لانے کے لیے تیار نہیں تو عنقریب اللہ تعالیٰ انھیں اپنی قدرت کے ایسے معجزات دکھائے گا کہ یہ اُن کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔ آپ کا رب اِن لوگوں کے اعمال سے غافل نہیں ہے۔ نشانیوں سے مراد دونوں قسم کی نشانیاں ہوسکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کرے گا کہ ان میں بڑے بڑے لوگ اسلام کی عظمت اور مسلمانوں کی کامیابی دیکھ کر حلقۂ اسلام میں داخل ہوجائیں، جو لوگ تسلیم کا روّیہ اختیار نہیں کریں گے وہ دنیا میں ذلیل اور آخرت میں رسوا ہوں گے۔ آپ اپنا کام صبر وشکر کے ساتھ جاری رکھیں یہ لوگ جو کچھ کررہے ہیں آپ کا رب اُس سے غافل نہیں ہے۔

مسائل

۱۔ آپ ﷺ کو حکم تھا کہ آپ لوگوں کے سامنے قرآنِ مجید کے احکام پڑھ کر سنائیں۔

۲۔ جس نے ہدایت پائی اُس ہدایت کا اُسے ہی فائدہ پہنچے گا۔ ۳۔ جس نے گمراہی اختیار کی وہ گمراہی کا خمیازہ بھگتے گا۔

۴۔ نبی اکرم ﷺ کا نبوت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ آپ لوگوں کو برے انجام سے ڈرائیں۔

تفسیر بالقرآن

نبوت کے مرکزی مقاصد:

۱۔ آپ ﷺ لوگوں کے سامنے بیان کریں جو کچھ ان کی طرف بھیجا گیا ہے۔ (النحل:۴۴)

۲۔ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو آیات دے کر بھیجا تاکہ وہ اپنی قوم کے لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لائیں۔ (ابراہیم:۵)

۳۔ ہم نے آپ ﷺ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے ان کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ لہٰذا میری عبادت کرو۔ (الانبیاء:۲۵)

۴۔ ہم نے آپ ﷺ کو خوشخبری دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (الاحزاب:۵۶)

۵۔ اللہ نے ان پڑھ لوگوں میں رسول مبعوث فرمایا۔ جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے، انہیں تعلیم دیتا ہے اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔ (الجمعہ:۲)

۶۔ آپ ﷺ پر قرآن اس لیے نازل کیا گیا ہے تاکہ آپ ﷺ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائیں۔ (ابراہیم:۱)

سورۃ القصص کا تعارف

ربط سورۃ: النمل کے آخر میں ارشاد ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت سے سرفراز فرمائے اور ہر قسم کی گمراہی سے محفوظ رکھے اسے اپنے رب کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ القصص کے آغاز میں ارشاد ہے کہ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائے گا یہ اس کی قدرت کی نشانی ہے کہ اس نے فرعون جیسے ظالم حکمران کو عبرتناک سزا سے دوچار کیا اور موسیٰ علیہ السلام جیسے بے وسائل شخص کو کامیاب فرمایا۔ جس کی تفصیل القصص میں بیان ہوئی ہے۔

سورۃ القصص کی 88 آیات اور 9 رکوع ہیں۔ مکہ شریف میں نازل ہوئی اس کا نام اس لیے القصص نہیں رکھا گیا کہ اس میں بہت سے انبیاء اکرام کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کا نام اس لیے القصص رکھا گیا ہے کہ اس میں موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے اہم ترین واقعات کو ترتیب کے ساتھ یکجا کر دیا گیا ہے۔

یہ سورۃ بھی حروف مقطعات اور قرآن مجید کے تعارف سے شروع ہوئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے قرآن سننے اور پڑھنے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کے سامنے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان رونما ہونے والی کشمکش کو ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں۔ جس کا صاف معنیٰ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان واقعات کو پہلے سے نہیں جانتے تھے۔ ہوا یہ کہ فرعون اپنے ملک میں بڑا بن بیٹھا تھا، جس کے لیے اس نے اپنی قوم میں طبقاتی کشمکش پیدا کر رکھی تھی جس کے نتیجے میں ایک فریق پر ظلم پر ظلم کرتا رہا اور دوسرے فریق کو مراعات سے نوازتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر لیا کہ اب مظلوموں کی مدد کی جائے۔ جس کے لیے اپنی قدرت کا عظیم معجزہ دکھایا کہ جس بچے کی خاطر مخالف فریق کے بچے قتل کروائے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی قوم کا بچہ فرعون کے گھر پہنچایا اور جسے وہ لاعلمی میں پورے ناز و نخرے کے ساتھ پالتا رہا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام بڑے ہوئے تو ان کے ہاتھوں ناگہانی طور پر سرکاری پارٹی کا ایک بندہ قتل ہو گیا۔ جس کی تفتیش کیے بغیر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اس بات کی خبر فرعون کے ایک ساتھی نے دی۔ خبر ملتے ہی موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے مدین کا رُخ کیا۔ وہاں حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں آٹھ یا دس سال ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد اپنی اہلیہ جو حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی تھی۔ اس کے ساتھ وطن واپس آ رہے تھے کہ سفر کے دوران ایک جگہ روشنی دیکھی راستہ پوچھنے کے لیے آگ کی طرف گئے تو آواز دی گئی کہ اے موسیٰ علیہ السلام! تو مقدس وادی میں داخل ہو چکا ہے۔ لہٰذا اپنے جوتے اتار دیں اور میری بات توجہ کے ساتھ سُنیں میں تمہارا رب ہوں۔ تمہیں یدِ بیضا اور تیرے عصا کو معجزہ کے طور پر دیا جاتا ہے۔ انہیں لے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف جاؤ۔ وہ بڑے نافرمان ہو چکے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام فریاد کرتے ہیں کہ میرے رب میرے بھائی ہارون کو میرا معاون بنا دیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی درخواست قبول کر لی گئی۔ موسیٰ اپنے بھائی ہارون علیہما السلام اور معجزوں کے ساتھ فرعون کے پاس گئے۔ جس نے انہیں نبی تسلیم کرنے اور اللہ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ جس کے نتیجہ

میں اسے اور اس کے لاؤ ولشکر کو غرق کر دیا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی کشمکش کا تفصیل کے ساتھ اس لیے ذکر ہوا ہے کہ اہلِ مکہ نبی ﷺ سے یہ بھی مطالبہ کرتے تھے کہ ہمیں وہ معجزات کیوں نہیں دکھائے جاتے جو موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے۔ اس کے جواب میں ارشاد ہوا کیا یہ نہیں جانتے کہ فرعون اور اس کے ساتھیوں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیے جانے والے تمام معجزات کا انکار کیا تھا پھر اس کا کیا انجام ہوا۔ اس کے ساتھ ہی نبی علیہ السلام کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ آپ کو ایک حد سے زیادہ فکر مند نہیں ہونا چاہیے اگر یہ لوگ ایمان لانے کو تیار نہیں تو اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی خواہشات کے بندے بن چکے ہیں۔ جس بنا پر کہتے ہیں کہ اگر ہم اس نبی پر ایمان لائیں گے تو لوگ ہمیں اُچک لیں گے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حرم کو جائے امن اور رزق کی فراوانی کا ذریعہ بنایا ہے۔ اسی کے سبب پوری دنیا سے مختلف قسم کے پھل اور اناج مکہ معظمہ میں چلا آتا ہے۔ اس کے بعد لیل ونہار کی گردش کے حوالے سے توحید کے ٹھوس اور واضح دلائل دیے گئے ہیں جن کا جواب قیامت تک دنیا کا کوئی مشرک نہیں دے سکتا۔ مکہ کے لوگ معاشی بدحالی کے خود ساختہ خوف کی وجہ سے کفر اختیار کیے ہوئے تھے اس لیے سورۃ کے آخر میں قارون کا واقعہ بیان کیا گیا ہے تاکہ مسلمانوں کی نظر اس کے انجام پر رہے اور کفار کو معلوم ہو کہ کسی مجرم کو دنیا کے اسباب ووسائل۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچا سکتے اور آخرت میں ایسے لوگوں کا انجام بدترین ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے تیار کیا ہے جو دنیا میں حق اور لوگوں کے ساتھ تکبر کا رویّہ اختیار نہیں کرتے۔ ''اللہ'' کی نافرمانی سے اجتناب اور لوگوں سے تواضع اختیار کرنے والوں کا یقیناً انجام بہتر ہوگا۔ جو پرخلوص نیکی کے ساتھ اپنے رب کے حضور حاضر ہوا اس کے لیے دس گناہ اجر ہوگا۔ اور جو بُرائی کے ساتھ پیش ہوا اسے اس کی برائی کے برابر سزا دی جائے گی۔

کفار عقیدہ توحید اور آخرت کے انکار کی وجہ سے نبی ﷺ پر الزام لگاتے تھے کہ اس نے قرآن اپنی طرف سے بنا لیا ہے۔ اس کے کئی جواب دیے گئے ہیں۔ یہاں صرف اتنا فرمایا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ اس بات کا خیال بھی نہیں کر سکتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ قرآن نازل کرے گا یہ تو تیرے رب کی رحمت ہے کہ اس نے تجھے اپنے پیغام کے لیے منتخب فرمالیا ہے اور آپ پر قرآن نازل فرمایا ہے۔ لہٰذا نہ مشرکوں کی طرف جھکیں اور نہ ہی اپنے رب کے سوا کسی دوسرے کو پکاریں۔ پکارنے کے لائق ایک ہی الٰہ ہے۔ اس نے ہمیشہ رہنا ہے۔ اس کے سوا سب نے ہلاک ہونا اور ہر کسی نے اس کے حضور پیش ہونا ہے۔ اسی کا حکم چلتا ہے اور چلتا رہے گا۔

سُورَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعُهَا: ۹ اٰيَاتُهَا: ۸۸

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے

طٰسٓمّٓ ۞ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ نَتْلُوْا عَلَيْكَ

طسمٓ — یہ — آیتیں — کتاب — واضح — ہم پڑھتے ہیں — آپ پر

مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۞

سے — خبریں — موسیٰ — اور فرعون — حق کے ساتھ — ان لوگوں کے لیے — وہ ایمان لاتے ہیں

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا

بے شک — فرعون — اس نے سرکشی — میں — زمین — اور اس نے بنادیا — اس کے رہنے والوں

”ط۔س۔م۔(۱) یہ کتاب مبین کی آیات ہیں۔(۲) ہم آپ کے سامنے موسیٰ اور فرعون کے کچھ حالات ٹھیک بیان کرتے ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لائیں۔(۳) حقیقت یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے رہنے والوں کو

فہم القرآن

ربط کلام: سورۃ نمل کا اختتام ان الفاظ میں ہوا کہ اے لوگو! عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی نشانیاں دکھلائے گا، کیونکہ آپ کا رب کسی کے اچھے اور بُرے عمل سے غافل نہیں ہے۔ ”اللہ“ کی نشانیوں میں یہ بھی اس کی قدرت کی نشانی ہے کہ اس نے بنی اسرائیل جیسی مظلوم قوم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے وسائل کے لحاظ سے کمزور شخص کو فرعون جیسے ظالم شخص سے نجات دی اور بنی اسرائیل کو پوری دنیا میں معزز بنایا۔

حضرت موسیٰ اور فرعون کی کشمکش کا تذکرہ پایا جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اہل مکہ اور آل فرعون کے کردار میں بڑی مماثلت پائی جاتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا مقصد:

”اے موسیٰ! تو اور تیرا بھائی میرے معجزات لے کر دونوں فرعون کے ہاں جاؤ وہ بڑا سرکش ہوگیا ہے۔ ہاں میرے ذکر میں کوتاہی نہ کرنا اور دیکھو اُسے نرمی سے سمجھانا کہنا شاید وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔ انھوں نے عرض کی اے پروردگار ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا مزید سرکشی اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ڈرنے کی ضرورت نہیں میں تمھارے ساتھ ہوں سب کچھ سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں لہٰذا اُس کے پاس جاؤ اور

شِيَعًا	يَّسْتَضْعِفُ	طَآئِفَةً	مِّنْهُمْ	يُذَبِّحُ	اَبْنَآءَهُمْ	وَيَسْتَحْيٖ
کئی گروہ	اس نے کمزور کر رکھا تھا	گروہ	ان میں سے	وہ ذبح کرتا تھا	ان کے بیٹے	اور زندہ رکھتا تھا

نِسَآءَهُمْ	اِنَّهٗ	كَانَ	مِنَ	الْمُفْسِدِيْنَ ۝۴
ان کی عورتیں	بلاشبہ وہ	تھا	سے	فساد کرنے والے

گروہوں میں تقسیم کر دیا ان میں سے ایک گروہ کو ذلیل کرتا تھا اس کے لڑکوں کو قتل کرتا اور اس کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ حقیقت یہ کہ وہ فساد کرنے والوں میں تھا۔'' (۴)

اُسے کہنا ہم تیرے رب کے رسول ہیں۔ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کے لیے آزاد کر دے اور انھیں کسی قسم کی تکلیف نہ دے۔ ہم تیرے پاس تیرے پروردگار کی نشانی لے کر آئے ہیں۔ اُس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی اختیار کرتا ہے۔'' [طٰہٰ:۴۲۔۴۷]

اہلِ تاریخ بنی اسرائیل پر فرعون کے بدترین مظالم کی دو وجوہات تحریر کرتے ہیں۔ ایک جماعت کا نقطۂ نظر ہے کہ نجومیوں نے فرعون کو اس بات کی خبر دی کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے جو بڑا ہو کر تیرے اقتدار کو چیلنج کرے گا۔ دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل کی بڑھتی ہوئی افرادی قوت کے خوف سے فرعون نے ان کے بچوں کو قتل کرنے اور عورتوں کو باقی رکھنے کا حکم جاری کیا تھا۔

یاد رہے بنی اسرائیل کے جوانوں کا قتل عام اور ان کی بیٹیوں کو باقی رکھنے کا معاملہ دو مرتبہ ہوا۔ ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت اور دوسری مرتبہ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بعد۔ (المؤمن:۲۳)

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمتوں کا احساس، آخرت کا خوف اور ان کے ماضی کے الم ناک دور کا حوالہ دیتے ہوئے سمجھایا ہے کہ آج تم کمزور اور بے خانماں مسلمانوں کے خلاف مکہ والوں کی حمایت کر رہے ہو۔ تمہیں وہ وقت بھی یاد رکھنا چاہیے۔ جب فرعون تمہارے جوانوں اور نونہالوں کو سرعام ذبح کرتا تھا۔ تمہاری ماؤں اور بہو بیٹیوں کو باقی رہنے دیتا تھا۔ قرآنِ مجید نے اسے بلائے عظیم قرار دے کر ان مضمرات کی طرف اشارہ کیا ہے جو مظلوم اور غلام قوم کو پیش آیا کرتے ہیں۔ ظالم مظلوم کی بہو بیٹیوں کے ساتھ وہ سلوک روا رکھتے ہیں جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اے بنی اسرائیل! اللہ تعالیٰ نے تم پر احسانِ عظیم کرتے ہوئے بدترین مظالم سے تمہیں نجات دلائی اور تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہارے دشمن کو ذلّت کی موت مارتے ہوئے اسے ہمیشہ کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا۔ اس سے دنیا میں تمہاری عظمت وسچائی اور بزرگی کی دھوم مچ گئی کہ بنی اسرئیل کے لیے دریا تھم گیا اور ان کی آنکھوں کے سامنے دنیا کا بدترین مغرور، سفّاک، خدائی اور مشکل کشائی کا دعویٰ کرنے والا ڈبکیاں لیتے ہوئے دہائی دیتا رہا کہ لوگو! میں موسیٰ علیہ السلام اور اس کے رب پر ایمان لاتا ہوں۔ لیکن آواز آئی کہ

تیرا ایمان ہرگز قبول نہیں ہوگا۔ اب تجھے آئندہ نسلوں کے لیے نشانِ عبرت بنادیا جائے گا۔

﴿قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَ لَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَ جٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَ جُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّ عَدْوًا حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ﴾[یونس: ۸۹تا۹۲]

”فرمایا بلاشبہ تم دونوں کی دعا قبول کرلی گئی ہے، پس دونوں ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کے راستے کی پیروی نہ کرنا جو نہیں جانتے اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کیا تو فرعون اور اسکے لشکروں نے سرکشی اور زیادتی کرتے ہوئے ان کا تعاقب کیا، یہاں تک کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو کہا کہ میں ایمان لایا یقیناً سچ یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرمانبرداروں سے ہوں۔“

مسائل

۱۔ قرآنِ مجید کی آیات اور احکام بالکل واضح ہیں۔
۲۔ قرآنِ مجید میں بیان کردہ واقعات افراط، تفریط اور ہر قسم کے نقص سے پاک ہیں۔
۳۔ فرعون نے طبقاتی کشمکش کے ذریعے اپنے اقتدار کو مضبوط کر رکھا تھا۔
۴۔ فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرتا اور اُن کی عورتوں کو زندہ چھوڑتا تھا۔
۵۔ فرعون فساد کرنے والوں میں سب سے بڑا فسادی تھا۔

تفسیر بالقرآن

فرعون کے مظالم اور اُس کا بدترین کردار:

۱۔ فرعون نے اپنی قوم میں طبقاتی کشمکش پیدا کی۔ (القصص:۴)
۲۔ بنی اسرائیل قتل وغارت کے عذاب میں دو مرتبہ مبتلا کیے گئے۔ (الاعراف:۱۲۷تا۱۲۹)
۳۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اقتدار بخشا تاکہ فرعون کو اپنی قدرت دکھلائے۔ (القصص:۵،۶)
۴۔ فرعون نے ظلم کرنے کے لیے میخیں تیار کی ہوئی تھیں۔ (الفجر:۱۰)
۵۔ فرعون نے اپنی بیوی پر اس لیے ظلم کیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھی۔ (التحریم:۱۱)

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي

اور ہم چاہتے تھے یہ کہ ہم احسان کریں پر لوگ کمزور کردیے گئے میں

الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵ وَنُمَكِّنَ

زمین اور ہم ان کو بنائیں پیشوا اور ہم انھیں بنائیں وارث اور ہم اقتدار دیں

لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا

ان کو میں زمین اور ہم دکھائیں فرعون اور ہامان اور ان دونوں کے لشکروں کو

مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝۶

ان سے جس سے تھے وہ ڈرتے

”اور ہم نے ارادہ کیا کہ ان لوگوں پر مہربانی کریں جو زمین میں کمزور کر دیئے گئے تھے۔انہیں پیشوا بنائیں اور انہیں ملک کا وارث بنادیں۔(۵) اور زمین میں انہیں اقتدار بخشیں۔فرعون وہامان اور ان کے لشکروں کو دکھلا دیں جس کا انہیں ڈر تھا۔“(۶)

فہم القرآن

ربط کلام: گذشتہ سے پیوستہ۔فرعون اس کے ساتھیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ۔

بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں مصر میں برسر اقتدار آئے اور مدت دراز تک انہیں اقتدار اور اختیار حاصل رہا لیکن اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے نہ صرف اقتدار سے محروم ہوئے بلکہ مصر میں انھیں حقیر ترین شہری بنا دیا گیا۔وہ مدّت تک فرعون کے مظالم سہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔جنابِ موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی بے مثال جدوجہد سے بنی اسرائیل کو مصر سے نکلنے میں کامیابی نصیب ہوئی اور ان کے لیے شام اور فلسطین کی فتح کا دروازہ کھول دیا گیا۔جس سرزمین کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے مشرق سے لے کر مغرب تک اللہ تعالیٰ نے برکات و ثمرات کے خزانے رکھے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اس طرح بنی اسرائیل کے ساتھ کیے ہوئے وعدے پورے فرمائے اور انھیں آزادی جیسی نعمت سے سرفراز فرمایا۔فرعون اور اس کی قوم جو کچھ کرتی تھی اسے نیست و نابود کر دیا گیا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کو ایک دوسرے کا وارث اور خلیفہ بناتا ہے:

۱۔ اللہ چاہے تو تمھیں اٹھالے اور تمھارے بعد جس کو چاہے خلیفہ بنائے۔(الانعام:۱۳۳)

۲۔ تمھارا رب جلد ہی تمھارے دشمن کو ہلاک کر دے اور ان کے بعد تم کو خلیفہ بنائے گا۔(الاعراف:۱۲۹)

۳۔ ”اللہ“ ہی اقتدار اور اختیار دینے والا ہے۔(آل عمران:۲۶) ۴۔”اللہ“ ہی ذلت اور عزت دینے والا۔(البقرۃ:۲۶)

وَ	اَوۡحَیۡنَاۤ	اِلٰۤی	اُمِّ	مُوۡسٰۤی	اَنۡ	اَرۡضِعِیۡهِ ۚ
اور	ہم نے الہام کیا	طرف	ماں	موسیٰ	یہ کہ	تو دودھ پلا اس کو

فَاِذَا	خِفۡتِ	عَلَیۡهِ	فَاَلۡقِیۡهِ	فِی	الۡیَمِّ	وَلَا
پھر جب	تو ڈرے	اس پر	تو اسے ڈال دے	میں	دریا	اور نہ

تَخَافِیۡ	وَلَا	تَحۡزَنِیۡ ۚ	اِنَّا	رَآدُّوۡهُ	اِلَیۡكِ	وَجَاعِلُوۡهُ
تو ڈر	اور نہ	تو غم کھا	یقیناً ہم	اسے لوٹانے والے ہیں	تیری طرف	اور اسے بنانے والے ہیں

مِنَ	الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۝
سے	رسولوں میں

''ہم نے موسیٰ کی والدہ کو وحی کی کہ وہ موسیٰ کو دودھ پلائے۔ جب تجھے موسیٰ کی جان کا خطرہ محسوس ہو تو اسے دریا میں ڈال دے۔ خوف اور غم نہ کر ہم موسیٰ تیرے پاس لے آئیں گے اور اس کو پیغمبروں میں شامل فرمائیں گے۔'' (۷)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت اُن کی والدہ کا خوفزدہ ہونا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں تسلّی دیے جانا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام یوکابد تھا اور والد کا نام عمران بن قامت بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام تھا۔ عمران کے گھر میں موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ایسے وقت میں ہوئی جب فرعون اسرائیلی لڑکوں کے قتل کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس لیے ان کی والدہ اور اہل خانہ ان کی ولادت کے وقت سخت پریشان تھے کہ بچے کو قاتلوں کی نگاہ سے کس طرح محفوظ رکھیں؟ بہر حال جوں توں کر کے تین مہینہ تک ان کو ہر ایک کی نگاہ سے اوجھل رکھا اور ان کی پیدائش کے مطلق کسی کو خبر نہ ہونے دی لیکن جاسوسوں کی دیکھ بھال اور حالات کی نزاکت کی وجہ سے زیادہ دیر تک اس واقعہ کے پوشیدہ رہنے کی توقع نہ ہو سکی اور اس لیے ان کی والدہ سخت پریشان رہنے لگی۔

اس نازک وقت میں آخر اللہ نے مدد کی اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں یہ القا کیا کہ ایک تابوت بناؤ۔ اس صندوق کو نیل کے بہاؤ پر چھوڑ دو۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایسا ہی کیا مگر ساتھ ہی ماں کی مامتا فکر مند ہو گئی۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ کو کہا کہ وہ دریا کے کنارے کنارے چل کر صندوق پر نظر رکھے اور دیکھے۔

اے موسیٰ ہم نے یہ دوسری مرتبہ تجھ پر احسان فرمایا ہے پہلا احسان یہ تھا کہ جب تیری والدہ کو ہم نے الہام کیا کہ جب

موسیٰ علیہ السلام کی جان کے بارے میں خطرہ محسوس کرے تو اسے صندوق میں ڈال کر دریا کے حوالے کر دینا تاکہ اسے میرا اور موسیٰ علیہ السلام کا دشمن پکڑ لے دشمن سے مراد فرعون ہے جو سرکشی اور بغاوت کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے اپنے آپ کو"اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" سمجھا اور لوگوں سے کہلوایا اور اس نے محض نجومیوں کے کہنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے بنی اسرائیل کے ہزاروں بچوں کو قتل کروا دیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کروائی۔ موسیٰ علیہ السلام نا صرف فرعون کے گھر پرورش پاتے ہیں بلکہ ان کی والدہ ہی ان کی دایہ اور مربیہ ٹھہرتی ہیں اللہ تعالیٰ نے انھیں صندوق دریا کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اے اُمِ موسیٰ فکر و غم نہ کرنا ہم اسے تیرے پاس لے آئیں گے۔ موسیٰ کی والدہ نے اللہ تعالیٰ کا حکم جان کر موسیٰ علیہ السلام کو دریا کے حوالے کر دیا۔ لیکن جب ماں کی ممتا تڑپ اُٹھی تو موسیٰ کی بہن کو بھیجا کہ بیٹی دریا کے کنارے کنارے جاؤ اور دیکھو تیرے بھائی کا صندوق کہاں پہنچتا اور اسے کون پکڑتا ہے۔ دریا کی لہریں موسیٰ علیہ السلام کو لوریاں دیتے ہوئے فرعون کے محل تک پہنچا دیتی ہیں۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور جانوروں کو بھی اِلہام کرتا ہے۔
٢۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے موسیٰ علیہ السلام کو دریا برد کیا۔
٣۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی والدہ کے پاس لوٹایا۔
٤۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو رسول منتخب فرمایا۔

تفسیر بالقرآن

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رسول منتخب کیا اور اُنھیں معجزات عنایت فرمائے:

١۔ جب موسیٰ علیہ السلام جوان ہوئے تو ہم نے اُسے حکمت اور علم عطا کیا۔ (القصص:١٤)
٢۔ حضرت موسیٰ کے معجزے برہان تھے۔ (القصص:٣٢)
٣۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور حق و باطل میں فرق کرنے والے معجزے عطا کیے۔ (البقرۃ:٥٣)
٤۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو حق و باطل میں فرق کرنے والی روشن کتاب عنایت فرمائی۔ (الانبیاء:٤٨)

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ
تو اسے اُٹھالیا گھر والے فرعون تا کہ ہو ان کے لیے دشمن اور غم

اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ ۝۸
بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر وہ تھے گناہ گار

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ
اور اس نے کہا بیوی فرعون ٹھنڈک آنکھوں میرے لیے اور تیرے لیے

لَا تَقْتُلُوْهُ ۖۗ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا
نہ تم قتل کرواسے اُمید ہے یہ کہ ہمیں فائدہ دے یا ہم بنالیں اسے بیٹا

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى
اور وہ نہیں وہ شعور رکھتے اور ہو گیا دل ماں موسیٰ

’’فرعون کے گھر والوں نے موسیٰ کو نکال لیا تا کہ وہ ان کا دشمن اور ان کے لیے غم کا باعث بنے۔ واقعی فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر بڑے غلط کار تھے۔(۸) فرعون کی بیوی نے کہا یہ میرے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو۔ ہوسکتا ہے یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو یا ہم اسے بیٹا ہی بنالیں اور وہ انجام سے بے خبر تھے۔(۹) ادھر موسیٰ کی ماں کا دل اُڑا جا رہا تھا

فہم القرآن

ربط کلام: موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا موسیٰ علیہ السلام کو دریا برد کرنا اور صندوق کا فرعون کے ہاتھ لگنا۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اِلہام کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام کو دریا بُرد کرنے کا حکم دیتے ہوئے یقین دلایا کہ موسیٰ علیہ السلام کی جان کے بارے میں ڈرنے اور خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ اے اُمِّ موسیٰ! تیرے ساتھ تیرے رب کا وعدہ ہے کہ نہ صرف موسیٰ علیہ السلام کو تیرے پاس لوٹائے گا بلکہ اُسے رسول منتخب کرے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اپنے رب کے حکم پر موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں ڈال کر دریا کی لہروں کے حوالے کیا اور اپنی بیٹی یعنی موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو ہدایت کی کہ وہ دریا کے کنارے پوری احتیاط کے ساتھ صندوق کے ساتھ ساتھ چلے اور دیکھنے البتہ چلنے کا انداز ایسا ہو کہ آلِ فرعون محسوس نہ کر پائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن اِسی احتیاط اور سمجھداری کے ساتھ دریا کے کنارے چلتی رہی تا آنکہ فرعون کے ملازموں نے محل کے قریب دریا میں تیرتے ہوئے صندوق کو پکڑ کر فرعون کے سامنے پیش کیا۔ اس طرح جس کی دشمنی وجہ سے فرعون نے ہزاروں بچے قتل کروائے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کے دشمن کو اُسی کے اہلکاروں کے ہاتھوں اُس کے گھر پہنچایا۔ تا کہ موسیٰ علیہ السلام

فٰرِغًا	اِنْ	كَادَتْ	لَتُبْدِيْ	بِهٖ	لَوْلَآ	اَنْ
خالی	بلاشبہ	قریب تھی	البتہ وہ ظاہر کردے	ساتھ اس کے	اگر نہ ہوتی	یہ کہ
رَّبَطْنَا	عَلٰى	قَلْبِهَا	لِتَكُوْنَ	مِنَ	الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٠	
ہم نے مضبوط کردیا	پر	اس کا دل	تا کہ وہ ہو	سے	ایمان لانے والے	
وَ	قَالَتْ	لِاُخْتِهٖ	قُصِّيْهِ	فَبَصُرَتْ	بِهٖ	عَنْ
اور	اس نے کہا	اس کی بہن	اس کے پیچھے پیچھے جا	وہ دیکھتی رہی	ساتھ اس کے	سے
جُنُبٍ	وَّهُمْ	لَا يَشْعُرُوْنَ ۝١١				
دور	جبکہ وہ	نہیں وہ شعور رکھتے				

تو قریب تھا کہ وہ اس کا راز فاش کر بیٹھتی۔ اگر ہم اس کی ڈھارس نہ بندھا دیتے۔ تا کہ وہ ایمان لانے والوں میں سے ہو۔(۱۰) موسیٰ کی والدہ نے موسیٰ کی بہن سے کہا اس کے پیچھے پیچھے جاؤ۔ چنانچہ وہ دور سے موسیٰ کو اس طرح دیکھتی رہی تا کہ انہیں معلوم نہ ہو۔‘‘(۱۱)

اُس کے گھر پرورش پا کر جوان ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اُنھیں نبوت عطا فرمائے۔ اس کی وجہ سے فرعون، ہامان اور اُس کے لشکر کیفر کردار تک پہنچیں کیونکہ وہ بڑے ظالم اور خطا کار تھے۔

جب موسیٰ علیہ السلام کا صندوق کھولا گیا تو فرعون کی بیوی نے موسیٰ کا معصوم اور پھول جیسا چہرہ دیکھا اُس نے فرعون کو کہا اُسے قتل نہ کیا جائے۔ درخواست کے انداز میں کہا کہ ہوسکتا ہے یہ بچہ ہمیں بہت ہی فائدہ پہنچائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو۔ ہم اُسے اپنا بیٹا بنالیں۔ فرعون نے قتل کرنے سے ہاتھ روک لیا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ہونے والے اپنے انجام کو نہیں سمجھتے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اللہ تعالیٰ کے اِلہامی حکم کی بناء پر موسیٰ علیہ السلام کو دریا کے حوالے کیا لیکن رات کے بعد جب صبح ہوئی تو اُس کے دل میں یہ خوف پیدا ہوا کہ میرا لختِ جگر دشمن کے ہاتھ لگ چکا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اُسے قتل کر ڈالے۔ ماں کی مامتا تڑپ اُٹھی قریب تھا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ معصوم بیٹے کے فراق میں حوصلہ ہار بیٹھتی اور انتہائی غم کی حالت میں اُڑوس پڑوس میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کر بیٹھتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل کو مضبوط کیا اور حوصلہ بخشا تا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے پر اُس کا ایمان پکا رہ سکے۔

دریا میں اٹکیلیاں کھاتا ہوا صندوق دیکھ کر فرعون کے خدام نے اسے پکڑ لیا صندوق کھولا گیا تو اس میں موسیٰ علیہ السلام کو معصوم اور پرنور چہرے کے ساتھ مسکراتا ہوا پایا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر اپنی رحمت کا پرتو اس طرح ڈال رکھا تھا کہ جو بھی انھیں دیکھتا

فریفتہ ہو جاتا۔ یہی حالت فرعون اور اس کی بیوی آسیہ کی تھی جونہی فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے چہرے پر نظر ڈالی تو دل ہار بیٹھا اسے یہ احساس اور خیال تک نہ رہا کہ اس طرح دریا میں تیرتے ہوئے جس بچے کو میں نے پکڑا ہے ہو سکتا ہے کہ یہ وہی ہو جس کی خاطر میں نے ہزاروں معصوم بچوں کا قتل کیا ہے۔ فرعون ایسا کیوں نہ سوچ سکا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے موسیٰ میں نے تجھ پر اپنی محبت ڈال دی تاکہ تو میری آنکھوں کے سامنے پرورش پائے۔

﴿وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَلِتُصْنَعَ عَلَى عَيْنِي﴾ [طٰہٰ:۳۹]

''اے موسیٰ میں نے تجھ پر اپنی محبت طاری کر دی اور ایسا انتظام کیا تاکہ تو میری نگرانی میں پرورش پائے۔''

مسائل

۱۔ فرعون، ہامان اور اُن کے ساتھی جس بچے سے ڈرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اُس بچے کو فرعون کے گھر پہنچا دیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم قدرت سے موسیٰ علیہ السلام کی پرورش اُس کے دشمن کے ہاتھوں کروائی۔

۳۔ جادو اور علم نجوم کا دعویٰ رکھنے والے یہ نہ جان سکے کہ ہم اپنے دشمن کی پرورش کر رہے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل کو مضبوط کیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر قائم رہی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی دِلوں کو تسکین دینے والا ہے:

۱۔ اللہ نے تمہارے گھر تمہارے لیے سکون کا باعث بنائے ہیں۔ (النحل:۸۰)

۲۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے رات کو بنایا تاکہ تم سکون حاصل کرو۔ (یونس:۶۷)

۳۔ اللہ کی رحمت کا نتیجہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے دن اور رات بنائے تاکہ تم تسکین حاصل کرو۔ (القصص:۸۲)

۴۔ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہاری جانوں میں سے تمہارے لیے بیویاں پیدا فرمائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو۔ (الروم:۲۱)

۵۔ آپ ﷺ ان کے لیے دعا کیجئے آپ کی دعا ان کے لیے باعث تسکین ہے۔ (التوبۃ:۱۰۳)

۶۔ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ (الرعد:۲۸)

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ

اور ہم نے حرام کر دیا اس پر دائیاں سے پہلے چنانچہ اس نے کہا کیا

اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ

میں تمھیں بتاؤں پر کسی اہل خانہ اس کی پرورش کریں تمھارے لیے اور وہ

لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝۱۲ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ

اس کے خیر خواہ ہوں پھر ہم نے اس کو لوٹا دیا طرف اس کی ماں تاکہ ٹھنڈی ہوں

عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ

اس کی آنکھیں اور نہ وہ غم کھائے اور تاکہ وہ جان لے بے شک وعدہ اللہ

حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳ ع

سچا اور لیکن ان کے اکثر نہیں وہ جانتے

''اور ہم نے پہلے ہی موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کر دیا۔ موسیٰ کی بہن نے ان سے کہا میں تمہیں ایسے گھر کا پتہ بتاتی ہوں جو اس کی پرورش کا ذمہ لیں اور خیر خواہی کے ساتھ اسے رکھیں۔ (۱۲) اس طرح ہم موسیٰ کو اس کی ماں کے پاس لے آئے تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ پریشان نہ ہو اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا تھا مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔'' (۱۳)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دائیوں کا دودھ پینے سے انکار۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ کے سوا دوسری عورتوں کا دودھ نہ پیا۔ جس کا سبب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر دوسری دائیوں کا دودھ پینا حرام کر دیا تھا۔ دودھ پلانے والی عورتوں نے بہت جتن کیے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کی چھاتی کو منہ لگانے کے لیے تیار نہ ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے ساتھ اِلہام کے ذریعے وعدہ کیا تھا کہ اے اُمّ موسیٰ! غم کرنے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ تیرے لختِ جگر کو نہ صرف تیرے پاس لائے گا بلکہ وقت آنے پر اُسے الرّسول بنایا جائے گا۔

رب کریم نے اپنے وعدے کو اس طرح پورا فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے دودھ کے سوا کسی کا دودھ پینے کے لیے تیار ہی نہ ہوئے۔ دوسری طرف فرعون کی بیوی کا حال یہ تھا کہ وہ بچے کو بھوکا دیکھ کر بے قرار ہوئے جا رہی تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اُس کی بیوی کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت ڈال دی تھی اس لیے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بیزاری کا

اظہار کرنے کی بجائے اِس فکر میں تڑپنے لگے کہ اگر بچے نے دودھ نہ پیا تو اس کی زندگی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ اس صورتحال میں ایک بی بی نے کہا جس کے بارے میں مفسرین کی غالب اکثریت کا کہنا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن تھی جس نے کہا کہ میں تمھیں ایسے گھر کی نشاندہی کرتی ہوں جو اس بچے کی کفالت بڑی خیر خواہی اور ہمدردی کے ساتھ کریں گے۔

چنانچہ اِس طرح اُن کا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے رابطہ ہوا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اُس کی والدہ کے پاس لوٹا دیا تا کہ اُس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور موسیٰ علیہ السلام کی جدائی کا غم دور ہو جائے اور اُسے یہ بھی معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچ اور برحق ہوتا ہے لیکن اکثر لوگ اس سے بے علم ہوتے ہیں۔ بے علم سے مراد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کیے ہوئے وعدوں پر یقین نہیں رکھتے جس کی وجہ سے وہ دنیا کی خاطر اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَیْرِ بْنِ نُفَیْرٍ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَثَلُ الَّذِیْنَ یَغْزُوْنَ مِنْ اُمَّتِیْ وَیَاْخُذُوْنَ اَلْجُعْلَ یَتَقَوَّوْنَ عَلٰی عَدُوِّھِمْ مِثْلِ اُمِّ مُوْسٰی تَرْضَعُ وَلَدَھَا وَتَاخُذُ اَجْرَھَا))

[سنن الکبری للبیہقی]

”حضرت عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے غازیوں کی مثال جو اپنی مزدوری لیتے ہیں اور اپنے دشمن پہ جھپٹتے ہیں۔ موسیٰ کی ماں کی طرح ہے جس نے اپنے بچے کو دودھ پلایا اور اجرت حاصل کی۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دوسری عورتوں کا دودھ حرام قرار دیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی ماں کے ہاں لوٹا دیا۔

تفسیر بالقرآن

”اللہ“ کے وعدے پکے اور سچے ہوتے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ سچ فرماتا ہے۔ (الاحزاب:۴) ۲۔ جان لو اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے۔ (القصص:۱۳)

۳۔ اللہ تعالیٰ سے بات کرنے کے لحاظ سے کون زیادہ سچا ہے۔ (النساء:۸۷)

۴۔ کفار عذاب کے بارے میں جلدی کر رہے ہیں اللہ اپنے وعدے کے ہرگز خلاف نہیں کرے گا۔ (الحج:۴۷)

۵۔ اللہ کے قول سے بڑھ کر کس کا قول سچا ہو سکتا ہے۔ (النساء:۱۲۲)

۶۔ فرما دیجئے کیا تم نے اللہ سے عہد لیا ہے تو اللہ اپنے عہد کے خلاف نہیں کرے گا۔ (البقرۃ:۸۰)

۷۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے تمھیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے۔ (لقمان:۳۳)

وَلَمَّا	بَلَغَ	اَشُدَّهٗ	وَاسْتَوٰٓى	اٰتَيْنٰهُ	حُكْمًا	وَّعِلْمًا ؕ	
اور جب	وہ پہنچا	اپنی جوانی	اور وہ طاقت ور ہو گیا	تو ہم نے اس کو دیا	حکم	اور علم	
وَكَذٰلِكَ	نَجْزِى	الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾					
اور اسی طرح	ہم جزا دیتے ہیں	نیکی کرنے والے					

”جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچ گیا اور اس کی پرورش مکمل ہو گئی تو ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا۔ ہم نیک لوگوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔“ (۱۴)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ہاں جوان ہونا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُنھیں علم و حکمت عطا کیا جانا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت فرعون کے ہاں پہنچایا۔ جس میں بڑی بڑی تین حکمتیں پنہاں تھیں۔

۱۔ لوگوں کو معلوم ہو کہ علم نجوم کی کوئی حیثیت نہیں اور اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی غیب کا علم نہیں جانتا۔ اگر علم نجوم کی کوئی حقیقت ہوتی تو فرعون کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ یہ وہی بچہ ہے جس کے لیے میں ہزاروں بچوں کا قتل عام کروا چکا ہوں۔ ظاہر ہے کہ معلوم ہونے کی صورت میں وہ موسیٰ علیہ السلام کو فوری طور پر قتل کر دیتا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے یہ ثابت کر دکھایا کہ اس نے فرعون جیسے قاتل اور ظالم کے ہاں اُس کے دشمن کی پرورش کروا سکتا ہے۔

۳۔ موسیٰ علیہ السلام کی اس لیے فرعون کے ہاں پرورش کروائی گئی تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو اُمورِ سلطنت چلانے کی تربیت دی جائے۔

اِس لیے ارشاد فرمایا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام بھرپور جوانی کو پہنچے اور اُن کی صلاحیتوں میں شباب آیا تو اللہ تعالیٰ نے اُنھیں حکم اور علم سے سرفراز فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس طرح ہی نیکی کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔ اگر حکم اور علم سے مراد نبوت ہے تو وہ اُنھیں مدین سے واپسی پر عطا کی گئی تھی۔ یہاں اس کا تذکرہ کرنے سے مراد بات کی تکمیل کرنا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی والدہ کے ہاں نہیں لوٹایا بلکہ اُنھیں علم نبوت اور بنی اسرائیل پر حکمران بھی بنایا تھا۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ بُعِثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِاَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَمَكَثَ بِمَكَّةَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ سَنَةً يُوْحٰى اِلَيْهِ ثُمَّ اُمِرَ بِالْهِجْرَةِ فَهَاجَرَ عَشْرَ سِنِيْنَ وَمَاتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَّسِتِّيْنَ سَنَةً)) [رواہ البخاری: باب مَبْعَثِ النَّبِیِّ]

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ اس کے بعد آپ تیرہ سال مکہ معظمہ میں رہے اور آپ کی طرف وحی کی جاتی رہی۔ پھر آپ کو ہجرت کا حکم ہوا اور وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال بسر کیے۔ تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔“

وَ	دَخَلَ	الْمَدِيْنَةَ	عَلٰى	حِيْنِ	غَفْلَةٍ	مِّنْ
اور	وہ داخل ہوا	شہر	پر	وقت	غفلت	سے
اَهْلِهَا	فَوَجَدَ	فِيْهَا	رَجُلَيْنِ	يَقْتَتِلٰنِ ۡ	هٰذَا	
باشندے	تو اس نے پایا	اس میں	دو آدمی	جو لڑ رہے تھے	یہ	
مِنْ	شِيْعَتِهٖ	وَهٰذَا	مِنْ	عَدُوِّهٖ ۚ	فَاسْتَغَاثَهُ	
سے	اس کا گروہ	اور یہ	سے	اس کا دشمن	چنانچہ مدد مانگی اس سے	
الَّذِيْ	مِنْ	شِيْعَتِهٖ	عَلَى	الَّذِيْ	مِنْ	عَدُوِّهٖ ۙ
جو	سے	اس کا گروہ	خلاف	جو	سے	اس کا دشمن

''وہ شہر میں ایسے وقت داخل ہوا جب شہر کے لوگ سوئے ہوئے تھے وہاں اس نے دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں۔ایک اس کی قوم کا تھا اور دوسرا اس کی دشمن قوم سے تعلق رکھتا تھا اس کی قوم کے آدمی نے دشمن قوم

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہجرت کا سبب۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک طرف اپنی والدہ ماجدہ کی مبارک گود میں پرورش پائی اور دوسری طرف فرعون کے ہاں رہ کر اُمورِ سلطنت سے آگاہی حاصل کی۔لیکن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو صرف بنی اسرائیل کا سیاسی رہنما ہی نہیں بنایا تھا بلکہ اُنھیں نبوت سے سرفراز فرمایا۔اس لیے اُنھیں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس بھیجا تاکہ ان کی تربیت میں رہ کر پیغمبرانہ آداب سیکھ جائیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس ماحول میں پرورش پائی تھی اس میں تواضع اور انکساری کی بجائے جلال کا پہلو غالب تھا، پیغمبرانہ آداب سیکھنے کا یہ معنٰی ہرگز نہیں کہ پیغمبری کسی سے سیکھنے سے حاصل ہوتی ہے، یہ تو خالصتاً اللہ تعالیٰ کا اپنا انتخاب ہوتا ہے، جسے چاہتا ہے نبوت کے کام کے لیے منتخب کرتا ہے۔ہوا یہ کہ ایک دن دوپہر کے وقت موسیٰ علیہ السلام محل سے باہر نکلے تو دیکھا کہ دو آدمی آپس میں گتھم گتھا ہیں۔ان میں ایک آدمی اسرائیلی تھا اس نے موسیٰ علیہ السلام سے مدد چاہی موسیٰ علیہ السلام نے آگے بڑھ کر فرعون کے آدمی کو پیچھے ہٹانے کے لیے دھکا دیا تو ہاتھ لگتے ہی اس کی جان نکل گئی۔موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے یہ تو شیطان کا کام ہے جو انسان کا کھلا دشمن ہے موسیٰ علیہ السلام نے اس واقعہ کو اس لیے شیطان کی طرف منسوب کیا کیونکہ لوگوں کو لڑانا شیطان کا کام ہوتا ہے،

فَوَكَزَهٗ	مُوْسٰى	فَقَضٰى	عَلَيْهِ	قَالَ	هٰذَا	مِنْ
گھونسا مارا اس کو	موسیٰ	تو کام تمام کر دیا	اس پر	اس نے کہا	یہ	سے

عَمَلِ	الشَّيْطٰنِ	اِنَّهٗ	عَدُوٌّ	مُّضِلٌّ	مُّبِيْنٌ ۝١٥
عمل	شیطان	بلاشبہ وہ	دشمن	گمراہ کرنے والا	کھلا

والے کے خلاف اسے مدد کے لیے پکارا موسیٰ نے اس کو ایک مُکّہ مارا اور اس کا کام تمام کر دیا موسیٰ نے کہا یہ شیطان کی کاروائی ہے وہ انسان کا دشمن اور وہ واضح طور پر گمراہ ہے۔" (۱۵)

موسیٰ علیہ السلام نے قتل کرنے کے ارادے سے اس شخص کو دھکا نہیں مارا تھا، وہ تو دونوں کو چھڑانا چاہتے تھے۔ مگر وہ شخص جان ہار بیٹھا۔

مسائل

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادۃً فرعون کے آدمی کو قتل نہیں کیا تھا۔
۲۔ مظلوم کی مدد کرنا انبیاء کرام علیہم السلام کا شیوہ اور مشن ہے۔
۳۔ ہر برا کام شیطان کی شیطنت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

شیطان انسان کا ابدی اور ازلی دشمن ہے۔

۱۔ شیطان نے کہا تھا کہ میں انسان کو گمراہ کرنے کے لیے دائیں بائیں آگے پیچھے سے حملہ آور ہوں گا۔ (الاعراف: ۱۷)
۲۔ یقیناً شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (الاعراف: ۲۲)
۳۔ یقیناً شیطان انسان کا واضح دشمن ہے۔ (یوسف: ۵)
۴۔ یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے اسے دشمن ہی سمجھو۔ (فاطر: ۶)
۵۔ یقیناً شیطان انسان کے ساتھ واضح دشمنی کرنے والا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۵۳)
۶۔ شیطان انسان کو رسوا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ (الفرقان: ۲۹)
۷۔ شیطان لوگوں کے درمیان دشمنی ڈالنا چاہتا ہے۔ (المائدۃ: ۹۱)
۸۔ شیطان نے آدم اور حوا کو پھسلا دیا، وہ انسانوں کا کھلا دشمن ہے۔ (الاعراف: ۲۲)

قَالَ	رَبِّ	إِنِّي	ظَلَمْتُ	نَفْسِي	فَاغْفِرْ	لِي
اس نے کہا	اے میرے رب!	بے شک میں	میں نے ظلم کیا	اپنے نفس	تو بخش دے	مجھے
فَغَفَرَ	لَهُ ؕ	إِنَّهُ	هُوَ	الْغَفُورُ	الرَّحِيمُ ﴿۱۶﴾	
تو اس نے بخش دیا	اس کے لیے	بلاشبہ وہ	وہی	بخشنے والا	رحم کرنے والا	
قَالَ	رَبِّ	بِمَا	أَنْعَمْتَ	عَلَيَّ	فَلَنْ	أَكُونَ
اس نے کہا	اے میرے رب!	بسبب اس	تو نے انعام کیا	مجھ پر	لہٰذا ہرگز نہیں	میں ہوں گا
ظَهِيرًا	لِّلْمُجْرِمِينَ ﴿۱۷﴾					
مددگار	مجرم					

''موسیٰ کہنے لگے اے میرے رب میں نے اپنے آپ پرظلم کیا ہے مجھے معاف فرمادے چنانچہ اللہ نے اسے معاف کر دیا وہ بخشنے والا مہربان ہے۔(۱۶) موسیٰ نے عہد کیا کہ اے میرے رب جو آپ نے احسان مجھ پر کیا ہے اس کے بعد میں کبھی مجرموں کا مددگار نہیں ہوں گا۔''(۱۷)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قتلِ خطا پر اپنے رب سے معافی مانگنا۔

باوجود اس کے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے آدمی کو ارادتاً قتل نہیں کیا تھا۔ لیکن پھر بھی قتل آخر قتل تھا جس بناء پر موسیٰ علیہ السلام کو انتہائی پریشانی لاحق ہوئی۔ بے شک یہ قتل غیر ارادی طور پر ہوا تھا لیکن موسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ مجھ سے زیادتی ہوئی ہے اس پر انھوں نے نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا کی اور اِس بات کا اظہار کیا کہ اے میرے رب! یہ تیرے کرم کا نتیجہ ہے کہ تو نے نہ صرف بچپن میں میری جان بچائی بلکہ مجھے فرعون کے ہاں رہنے کا موقع عنایت فرمایا۔ میں تیری بارگاہ میں عہد کرتا ہوں کہ میں مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی معذرت قبول کی اور اُنھیں معاف کر دیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔ جہاں تک موسیٰ علیہ السلام کا مجرم کی مدد کرنے کا تعلق ہے اس کی وضاحت اگلی آیات میں موجود ہے۔

انسان سے غلطی اِرادۃً ہو یا غیر ارادی طور پر ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا لازم ہے:

((عَنْ فَرْوَةَ بْنِ نَوْفَلٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ عَمَّا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَدْعُو بِهِ قَالَتْ كَانَ يَقُولُ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ أَعْمَلْ)) [رواہ ابو داؤد: باب فِي الِاسْتِعَاذَةِ]

''حضرت فروہ بن نوفل الاشجعی بیان کرتے ہیں میں نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے متعلق سوال

کیا کہ آپ کیا دعا کیا کرتے تھے تو سیدہ عائشہ نے فرمایا آپ دعا کیا کرتے تھے اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اُن برے اعمال سے جو مجھ سے سرزد ہوئے اور جو سرزد نہیں ہوئے۔“

مومنوں کو تعلیم:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَ اغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [البقرۃ:۲۸۶]

”اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں تو ہماری گرفت نہ کرنا۔ اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈالنا جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا گیا تھا۔ اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو، ہم سے درگزر فرما اور ہمیں معاف فرما دے اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہی ہمارا مالک ہے، ہمیں کفار پر غلبہ عطا فرما۔“

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب بندہ کوئی غلطی کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے جب وہ گناہ چھوڑ دے اور توبہ واستغفار کرے تو اس کا دل پالش ہو جاتا ہے۔ اگر وہ دوبارہ گناہ کی طرف پلٹے تو سیاہی اس کے دل پر چڑھ جاتی ہے یہی وہ زنگ ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے کہ ﴿ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے گناہوں کی وجہ سے زنگ چڑھ چکا ہے۔﴾“

[رواہ الترمذی:کتاب تفسیر القرآن]

مسائل

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غیر ارادی طور پر ہونے والے قتل پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی خطا کو معاف کر دیا۔ ۳۔ آدمی کو کسی صورت میں مجرم کی حمایت نہیں کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ انسان کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے:

۱۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا۔ اللہ گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔ (الزمر:۵۳)

۲۔ اللہ کی رحمت دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے۔ (الزخرف:۳۲) ۳۔ اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہوتی ہے۔ (الاعراف:۵۶)

۴۔ اللہ کی رحمت سے گمراہ لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔ (الحجر:۵۶)

۵۔ ”اللہ“ کی رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔ (الاعراف:۱۵۶) ۶۔ تیرا پروردگار بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (الکہف:۵۸)

۷۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (البقرۃ:۲۱۸)

۸۔ اے رب ہمیں معاف کر دے اور ہم پر رحم فرما تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (المومنون:۱۰۹)

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا
پھر اس نے صبح کی میں شہر ڈرتے ڈرتے انتظار کرتے ہوئے تو ناگہاں

الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ
جس نے اس سے مدد مانگی کل وہی فریاد کر رہا تھا اس سے اس نے کہا

لَهٗ مُوْسٰۤى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ
اس کے لیے موسیٰ بلاشبہ تو البتہ گمراہ کھلا چنانچہ جب اس نے کیا

اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ
ارادہ یہ کہ وہ پکڑے جو تھا دشمن دونوں کا

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ
اس نے کہا اے موسیٰ! کیا تو چاہتا ہے یہ کہ تو مجھے قتل کرے جس طرح تو نے قتل کیا

نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖۗ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ
ایک شخص کل؟ نہیں تو چاہتا مگر یہ کہ تو ہو

''دوسرے دن صبح سویرے موسیٰ ڈرتے اور ہر طرف سے خطرہ محسوس کرتے ہوئے شہر میں جا رہے تھے کہ یکا یک دیکھتے ہیں کہ وہی شخص جس نے کل اسے مدد کے لیے پکارا تھا آج پھر اسے پکار رہا ہے موسیٰ نے کہا تو بڑا ہی بہکا ہوا آدمی ہے۔(۱۸) جب موسیٰ نے ارادہ کیا کہ دشمن قوم کے آدمی پر حملہ کریں تو وہ پکار اٹھا اے موسیٰ کیا آج تو مجھے اسی طرح قتل کرنے لگا ہے جس طرح کل ایک شخص کو قتل کر چکا ہے۔

فہم القرآن

ربط کلام: ناعاقبت اندیش اور نام نہاد مظلوم کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو وطن چھوڑنا پڑا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے قتلِ خطا کی معافی مانگتے ہوئے یہ بھی عرض کی تھی کہ بار الٰہ! میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ میں مجرم کی حمایت نہیں کروں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جس شخص کی حمایت کی تھی وہ کتنا ناعاقبت اندیش اور بدفطرت تھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام اگلی صبح کل کے واقعہ کی وجہ سے ڈرتے ہوئے گھر سے باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہی شخص آج پھر موسیٰ علیہ السلام کو اپنی مدد کے لیے پکار رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طیش میں آکر فرمایا تو تو بڑا ظالم اور بُرا شخص ہے۔ یہ کہتے ہوئے موسیٰ نے ارادہ کیا کہ دشمن قوم کے آدمی کو پکڑیں تو جس کی کل حمایت کی تھی وہ کہنے لگا کہ اے موسیٰ کیا آج تو مجھے اسی طرح قتل کرنے لگا ہے جس طرح کل ایک شخص کو قتل کر چکا ہے تو اس ملک میں جبّار بن کر رہنا چاہتا ہے اصلاح کرنا نہیں چاہتا۔ یہ بھی ہو سکتا

جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ
ظالم میں زمین اور نہیں تو چاہتا یہ کہ تو ہو سے

الْمُصْلِحِينَ ﴿١٩﴾ وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ
اصلاح کرنے والوں میں اور آیا ایک آدمی سے کنارے شہر دوڑتا ہوا

قَالَ يَٰمُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ
اس نے کہا اے موسیٰ! بلاشبہ سردار مشورہ کر رہے ہیں تیرے خلاف تاکہ وہ تجھے قتل کر دیں تو نکل جا

إِنِّي لَكَ مِنَ النَّٰصِحِينَ ﴿٢٠﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا
بے شک میں تیرا سے خیر خواہ پھر وہ نکلا اس سے ڈرتا سہمتا

يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّٰلِمِينَ ﴿٢١﴾
انتظار کرتا ہوا اُس نے کہا میرے رب! تو نجات دے مجھے سے قوم ظالم

۲ ع ۸ ۵

تو ملک میں اصلاح کرنے کی بجائے ظالم بن کر رہنا چاہتا ہے۔(۱۹) اس کے بعد ایک آدمی شہر کے دوسرے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا موسیٰ سردار آپ کے قتل کے مشورہ ہو رہے ہیں یہاں سے نکل جائیں آپ کا خیر خواہ ہوں۔(۲۰) یہ خبر سنتے ہی موسیٰ ڈرتے اور سہمے ہوئے نکل کھڑے ہوئے اور موسیٰ نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھے ظالموں سے بچائے رکھنا۔'' (۲۱)

ہے موسیٰ ﷺ کل والے شخص کو پیچھے ہٹانا چاہتے ہوں جب آگے بڑھے تو اس نے شور مچا دیا کہ اے موسیٰ تو مجھے بھی کل کی طرح قتل کرنا چاہتا ہے۔

بنی اسرائیل اور فرعون کی قوم کے درمیان ظالم اور مظلوم کشمکش تھی۔ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے تھے۔ نہ معلوم اس وجہ سے فرعون کی قوم میں موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کس قدر خدشات پائے جاتے تھے؟ فرعون کی قوم بالخصوص برسر اقتدار لوگوں کے لیے موسیٰ علیہ السلام کا وجود بالیقین ناقابل برداشت تھا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ جوان فرعون کی آنکھوں کا تارا ہے اور فرعون کے بعد اسے ہی اقتدار حاصل ہوگا۔ بالخصوص اُنھیں اس لیے بھی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رقابت تھی کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص اقتدار کے ایوانوں میں اس قدر کیوں مقبول ہو چکا ہے۔ جونہی اُنھیں معلوم ہوا کل کے مقتول کو موسیٰ علیہ السلام نے قتل کیا ہے تو اُن کا حسد و بغض اپنی انتہا کو پہنچا اور اُنھوں نے قتل کے محرکات جانے اور موسیٰ علیہ السلام کا موقف سنے بغیر ہی فیصلہ کر لیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو فی الفور قتل کر دینا چاہیے۔

اُنہی میں سے ایک شخص صبح کے وقت دوڑتا ہوا موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا اور سرداران فرعون کا فیصلہ سناتے ہوئے عرض کی۔

''اے موسیٰ (علیہ السلام)! فرعون کے وزیروں، مشیروں نے آپ کو قتل کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ میں آپ کو خیر خواہانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ فوری طور پر یہاں سے نکل جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ خبر سنتے ہی ڈرتے ہوئے بھاگ نکلے کہ کہیں میرا تعاقب نہ ہو جائے۔ اس کے ساتھ ہی موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے فریاد کرنے لگے ''اے میرے رب! مجھے ظالم قوم سے نجات عطا فرما۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو وجہ سے قومِ فرعون کو ظالم قرار دیا تھا۔ ایک یہ کہ قتل کے اسباب جاننے اور مؤقف سنے بغیر انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سہواً ایک آدمی قتل ہوا تھا لیکن انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ہزاروں آدمی اور معصوم بچوں کو قتل کیا تھا اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے اِنھیں ظالم قوم قرار دیا۔

مسائل

۱۔ ناعاقبت اندیش اور ظالم کی مدد نہیں کرنی چاہیے۔
۲۔ نادان دوست انسان کو کسی بھی آزمائش میں مبتلا کرسکتا ہے۔
۳۔ موسیٰ علیہ السلام نے مشکل کے وقت صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی۔
۴۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مشکل حل کرنے والا نہیں۔

تفسیر بالقرآن

دشمن کے مقابلے میں انبیاء علیہم السلام کا اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا:

۱۔ نوح نے بدعا کی کہ الٰہی زمین پر ایک بھی کافر نہ چھوڑیے۔(نوح:۲۶)
۲۔ اے اللہ! فساد کرنے والی قوم کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔(حضرت لوط علیہ السلام کی دعا)(العنکبوت:۳۰)
۳۔ اے ہمارے رب! تو ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے(حضرت شعیب علیہ السلام کی دعا)۔ (الاعراف:۸۹)
۴۔ اے ہمارے پروردگار! ان کے اموال کو ختم کردے اور ان کے دلوں کو سخت فرما۔(حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا)۔ (یونس:۸۸)
۵۔ اللہ کے سوا کوئی مدد نہیں کرسکتا۔(الانفال:۱۰) ۶۔ اللہ ہی سے مدد مانگنا چاہیے۔(البقرۃ:۴۵)
۷۔ اللہ ہی بہترین مولا اور بہترین مددگار ہے۔(حج:۷۸)

وَلَمَّا	تَوَجَّهَ	تِلْقَآءَ	مَدْيَنَ	قَالَ	عَسٰى	رَبِّيْٓ
اور جب	وہ متوجہ ہوا	طرف	مدین	اُس نے کہا	اُمید ہے	میرا رب
اَنْ	يَّهْدِيَنِيْ	سَوَآءَ	السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾	وَلَمَّا	وَرَدَ	مَآءَ
یہ کہ	وہ مجھے ہدایت دے	سیدھا	راستہ	اور جب	وہ پہنچا	پانی
مَدْيَنَ	وَجَدَ	عَلَيْهِ	اُمَّةً	مِّنَ	النَّاسِ	يَسْقُوْنَ ۵
مدین	اس نے پایا	اس پر	ایک گروہ	سے	لوگ	وہ پانی پلا رہے تھے
وَ	وَجَدَ	مِنْ	دُوْنِهِمُ	امْرَاَتَيْنِ	تَذُوْدٰنِ	قَالَ
اور	اس نے پایا	سے	الگ	دو عورتیں	وہ روکے کھڑی تھیں	اس نے کہا

''موسیٰ نے مدین کا رخ کیا تو کہا امید ہے کہ میرا رب مجھے ٹھیک راستے پر ڈال دے گا۔(۲۲) اور جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور ان سے الگ ایک طرف دو عورتیں اپنے جانوروں کو روکے ہوئے ہیں۔

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملک مدین کی طرف ہجرت اور راستے کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر میں پیدائش پائی اور اُن کی تربیت بھی مصر شہر میں ہوئی تھی۔ ملکِ مصر سے باہر موسیٰ علیہ السلام کا یہ پہلا سفر تھا وہ بھی انتہائی غم اور پریشانی کے عالم میں اچانک پیش آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہیں جانتے تھے کہ مدین کی طرف کون سا راستہ جاتا ہے۔ معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادۂ مدین کا سفر اختیار کیا یا اللہ تعالیٰ نے اُنھیں القاء فرمایا کیونکہ ابھی تک موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا نہیں کی گئی تھی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مدین مصر کے قریب تر ہو۔ بہر حال یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ مدین مصر میں شامل نہ تھا۔ جس وجہ سے فرعون کی وہاں تک رسائی نہ تھی۔ اِن وجوہات کے پیش نظر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کی طرف رُخ کیا اور راستے میں مسلسل دعا کرتے رہے کہ میرے رب! مجھے صحیح راستے کی رہنمائی فرما۔ جب موسیٰ علیہ السلام مدین کے قریب پہنچے تو انھوں نے ایک گروہ کو اپنی بھیڑ بکریوں کو کنویں سے پانی پلاتے ہوئے پایا۔ جب وہ کنویں کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ دونو جوان لڑکیاں پانی کے انتظار میں کنویں سے ذرا ہٹ کر کھڑی ہوئی ہیں۔ لوگ ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر اپنے جانوروں کو پانی پلائے جا رہے ہیں۔ کسی نے خیال نہ کیا کہ ہم بچیوں کو جانوروں کو پانی پلانے کا موقع دیں۔ اس سے مدین کے معاشرے کی اخلاقی گراوٹ کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ صورتحال دیکھی تو بے قرار ہو کر لڑکیوں کی طرف

مَا	خَطْبُكُمَا ط	قَالَتَا	لَا	نَسْقِيْ	حَتّٰى	يُصْدِرَ
کیا	حال ہے تمھارا؟	ان دونوں نے کہا	نہیں	ہم پانی پلاتیں	یہاں تک کہ	واپس لے جائیں

الرِّعَآءُ سکتۃ	وَاَبُوْنَا	شَيْخٌ	كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾	فَسَقٰى	لَهُمَا
چرواہے	اور ہمارے باپ	بوڑھے	بڑی عمر	چنانچہ اس نے پانی پلایا	اس دونوں کے لیے

ثُمَّ	تَوَلّٰٓى	اِلَى	الظِّلِّ	فَقَالَ	رَبِّ	اِنِّيْ
پھر	پیچھے ہٹ آیا	طرف	سائے	اور کہا	میرے رب!	بے شک میں

لِمَآ	اَنْزَلْتَ	اِلَيَّ	مِنْ	خَيْرٍ	فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾
جو	نازل کی	طرف	سے	بھلائی	محتاج

موسیٰ نے ان عورتوں سے پوچھا تمہارا کیا مسئلہ ہے انہوں نے کہا ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلاسکتیں جب تک یہ چرواہے اپنے جانور نہ لے جائیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے آدمی ہیں۔(۲۳) یہ سن کر موسیٰ نے ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا پھر ایک سائے کی جگہ جا کر بیٹھ گئے اور دعا کی پروردگار جو خیر بھی تو مجھ پر نازل کرے میں اس کا محتاج ہوں۔''(۲۴)

گئے، پوچھا کہ آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں؟ انھوں نے حیادار لہجے میں کہا کہ ہمارے باپ بوڑھے ہیں ہم اکیلی ہیں اور اُس وقت تک اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلاسکتیں جب تک یہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر فارغ نہیں ہو پاتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کنویں کی طرف بڑھے اور لوگوں کو پیچھے ہٹا کر لڑکیوں کی بکریوں کو پانی پلایا خود پیچھے ہٹ کر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ کر دعا کرنے لگے۔ میرے رب! میں ایک پردیسی اور بھوکا آدمی ہوں تو جو بھی مجھ پر خیر نازل کرے گا میں اس کا محتاج اور طلب گار ہوں۔ یعنی میرے پاس کچھ بھی نہیں اس لیے ہر چیز کا محتاج ہوں۔

دوسروں کی خدمت کرنے والوں کا اجر:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِيْهِ وَمَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَّلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ بِهٖ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ وَ مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَيْتٍ مِّنْۢ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ وَمَنْ بَطَّاَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ [رواہ مسلم:باب فَضْلِ الاِجْتِمَاعِ عَلٰى تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَعَلَى الذِّكْرِ]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں جس نے کسی مومن کو دنیا کی پریشانی سے نجات

دلائی' اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کی مشکلات سے نجات عطا فرمائے گا۔ جس نے کسی تنگ دست کے لیے آسانی پیدا کی اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیاو آخرت میں آسانی پیدا فرمائے گا جو کسی مسلمان کی عیب پوشی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کے عیوب پر پردہ ڈالے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد فرماتا ہے جب تک بندہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرتا ہے۔ جو حصول علم کے لیے سفر اختیار کرتا ہے ربِ کریم اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کرتے ہیں۔ جب بھی لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر یعنی مسجد میں جمع ہو کر قرآن مجید کی تلاوت اور آپس میں تعلیم و تعلّم کا سلسلہ جاری کرتے ہیں تو ان پر سکون اور اللہ کی رحمت سایہ فگن ہوتی ہے ملائکہ انہیں اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے مقرب فرشتوں میں ان کا ذکر فرماتے ہیں جو شخص اپنے کردار کی وجہ سے پیچھے رہ گیا اس کا حسب نسب اُس کو آگے نہیں کر سکے گا۔''

((عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِی رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لِيَسْأَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ حَتَّى يَسْأَلَهُ الْمِلْحَ وَحَتَّى يَسْأَلَهُ شِسْعَ نَعْلِهِ إِذَا انْقَطَعَ)) [رواہ الترمذی :باب لیسئل احدکم ربہ]

''حضرت ثابت بنانی بیان کرتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہیں اپنی ضرورت کی ہر چیز رب سے مانگنی چاہیے، حتیٰ کہ نمک، اور جوتے کا ٹوٹا ہوا تسمہ بھی۔''

مسائل

۱۔ مجبور لوگوں کی مدد کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔
۲۔ مجبوری کے عالم میں شریعت کی حدود میں رہ کر عورت محنت مزدوری کر سکتی ہے۔
۳۔ انسان کو اپنی ہر حاجت اپنے رب کے حضور پیش کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنے رب سے مانگنا:

۱۔ یعقوب علیہ السلام نے کہا میں اپنی بے قراری اور غم کی شکایت صرف اللہ کے حضور پیش کرتا ہوں۔ (یوسف:۸۶)
۲۔ آدم علیہ السلام نے کہا ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اگر تو ہمیں معاف نہیں کرے گا اور رحم نہیں فرمائے گا تو ہم یقیناً نقصان اٹھائیں گے۔ (الاعراف:۲۳)
۳۔ ایوب علیہ السلام نے دعا کی اے میرے پروردگار! مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ (الانبیاء:۸۳)
۴۔ یونس علیہ السلام نے اندھیروں میں اللہ تعالیٰ کو پکارا۔ تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں تو پاک ہے اور میں ہی قصور وار ہوں۔ (الانبیاء:۸۷)
۵۔ زکریا علیہ السلام نے کہا اے میرے پروردگار! مجھے تنہا نہ چھوڑ اور تو ہی بہترین وارث ہے۔ (الانبیاء:۸۹)

فَجَآءَتْهُ	اِحْدٰىهُمَا	تَمْشِيْ	عَلَى	اسْتِحْيَآءٍ	قَالَتْ
پھر آئی اس کے پاس	ایک دونوں میں سے	وہ چلتی ہوئی	سے	حیاء	اس نے کہا
اِنَّ اَبِيْ	يَدْعُوْكَ	لِيَجْزِيَكَ	اَجْرَ	مَا	سَقَيْتَ
بے شک میرے والد	آپ کو بلاتے ہیں	تا کہ وہ آپ کو دیں	مزدوری	جو	آپ نے پانی پلایا
لَنَا ؕ	فَلَمَّا	جَآءَهٗ	وَقَصَّ	عَلَيْهِ	الْقَصَصَ ۙ
ہماری خاطر	چنانچہ جب	وہ آئے اس کے پاس	اورانہوں نے بیان کیا	اس پر	قصہ
قَالَ	لَا تَخَفْ ٚ	نَجَوْتَ	مِنَ	الْقَوْمِ	الظّٰلِمِيْنَ ۝۲۵
اس نے کہا	مت ڈرتو	تو نے نجات پائی	سے	قوم	ظالم

''ان دونوں عورتوں میں سے ایک شرم وحیا کے ساتھ چلتی ہوئی۔ موسیٰ کے پاس آئی اور کہنے لگی میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں۔ آپ نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا ہے۔ اس کا اجر دیں موسیٰ جب اس کے پاس پہنچے اور اپنا قصہ سنایا تو اس نے کہا کسی قسم کا خوف نہ کر اب آپ ظالم لوگوں سے بچ نکلے ہیں۔'' (۲۵)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا مستجاب ہوئی جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انھیں بہترین ٹھکانہ عنایت فرمایا۔

اِدھر موسیٰ علیہ السلام دعا کر رہے تھے اُدھر لڑکیوں نے گھر جا کر اپنے والد گرامی حضرت شعیب علیہ السلام کو واقعہ عرض کیا کہ آج اس لیے ہم جلد واپس آ گئی ہیں ایک مسافر نے ہمارے ساتھ یہ تعاون کیا ہے۔ ظاہر ہے لڑکیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیاء اور بھیڑ میں پانی پلانے کے واقعے کی قدرے تفصیل بیان کی ہوگی۔ جس سے متاثر ہو کر حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی ایک بیٹی کو بھیجا کہ وہ اُس مسافر کو بلا لائے تا کہ اُس کی اس خدمت کا بدلہ اور شکریہ ادا کیا جائے۔ پیغمبر کی صاحبزادی اس چال ڈھال کے ساتھ چلی کہ قرآن مجید نے قیامت تک اس کی حیادار چال کا نقشہ محفوظ فرما دیا۔ جس کا تذکرہ قرآنِ مجید اِن الفاظ میں پیش کرتا ہے کہ دونوں میں سے ایک لڑکی حیادار چال، ڈھال کے ساتھ چلتی ہوئی موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچی اور آ کر کہا کہ میرے والدِ محترم آپ کو اپنے ہاں بلا رہے ہیں تا کہ جو آپ نے ہمارے ساتھ بکریوں کو پانی پلانے میں جو تعاون کیا ہے اُس کا صلہ دیا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھوکے اور پردیسی تھے اُنھیں کھانے اور ٹھکانے کی ضرورت تھی۔ لڑکی کی بات سنتے ہی چل پڑے اور لڑکی سے کہا کہ میں آگے چلتا ہوں آپ میرے پیچھے پیچھے آئیں اور مجھے گھر کی نشاندہی کرتے جائیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ انھوں نے یہ کام اس لیے کیا تا کہ لڑکی کو اپنا پردہ سنبھالنے میں آسانی رہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے تو

اپنی ہجرت کا سبب اور مصر کے حالات تفصیل کے ساتھ اُن کے سامنے بیان کیے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو تسلی اور حوصلہ دیا کہ آپ بالکل بے فکر ہو کر یہاں ٹھہریں۔ آپ ظالموں سے نجات پا چکے ہیں یہاں آپ کو کوئی خوف وخطرہ نہیں ہوگا۔

حیا کی اہمیت:

((عَنْ عُقْبَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ))

[رواه البخاری: كتاب احاديث الأنبياء ، باب حديث الغار]

''حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ لوگوں نے نبوت کے کلام سے جو چیز حاصل کی اس میں یہ ہے کہ جب تجھ میں شرم وحیاء نہ رہے تو پھر جو مرضی کرتا رہ۔''

((عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَهُوَ يَعِظُ أَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ دَعْهُ فَإِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الإِيمَانِ)) [رواه البخاری: باب الْحَيَاءُ مِنَ الإِيمَانِ]

''حضرت سالم بن عبداللہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ ﷺ کا ایک انصاری آدمی کے پاس سے گزر ہوا وہ اپنے بھائی کو حیا کے متعلق نصیحت کر رہا تھا آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو بے شک حیا ایمان کا حصہ ہے۔''

''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حیا میں خیر ہی خیر ہے بشیر بن کعب نے کہا حکمت کی کتاب میں بھی یہ بات درج ہے کہ بے شک حیا کی وجہ سے وقار آتا ہے اور حیا کی وجہ سے تسکین ملتی ہے عمران بن حصین بشیر بن کعب سے کہنے لگے کہ میں تجھے رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنا رہا ہوں اور تو مجھے اپنے صحیفہ کے متعلق بتا رہا ہے۔'' [رواه البخاری: باب الْحَيَاءِ]

مسائل

۱۔ غمزدہ اور پریشان حال شخص کی مدد کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ ۲۔ آدمی کوشش کرے تو اللہ تعالیٰ نجات کا راستہ پیدا کر دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی ظالموں سے نجات دینے والا ہے۔

۱۔ حضرت نوح اور ان کے پیروکاروں کی دعا تمام تعریفات اس ذات کے لیے ہیں جس نے ہمیں ظالموں سے نجات دی۔ (المومنون:۲۸)

۲۔ بنی اسرائیل نے کہا اے اللہ ہمیں ظالم قوم کی آزمائش سے بچانا۔ (یونس:۸۵)

۳۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کی التجا اے میرے رب مجھے ظالم قوم سے نجات دے۔ (تحریم:۱۱)

۴۔ آپ ﷺ کی دعا اے میرے رب مجھے ظالم قوم سے بچا۔ (المومنون:۹۴)

۵۔ اصحاب الاعراف قیامت کے دن کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں ظالم قوم میں شامل نہ فرمانا۔ (الاعراف:۴۷)

قَالَتْ	اِحْدٰىهُمَا	يٰٓاَبَتِ	اسْتَاْجِرْهُ ز	اِنَّ	خَيْرَ	
کہا	ایک نے ان دونوں سے	اے والد!	اسے اجرت پر رکھ لیں	بلاشبہ	بہترین	
مَنِ	اسْتَاْجَرْتَ	الْقَوِيُّ	الْاَمِيْنُ ﴿٢٦﴾	قَالَ	اِنِّيْٓ	اُرِيْدُ	اَنْ
شخص	اجرت پر رکھیں		امانت دار	اس نے کہا	بلاشبہ میں	میں چاہتا ہوں	یہ کہ
اُنْكِحَكَ	اِحْدَى	ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ	عَلٰٓي	اَنْ	تَاْجُرَنِيْ	
نکاح کردوں تجھ سے	ایک کا	اپنی ان دو بیٹیوں سے	پر	کہ	میری نوکری کرو	
ثَمٰنِيَ	حِجَجٍ ج	فَاِنْ	اَتْمَمْتَ	عَشْرًا	فَمِنْ	عِنْدِكَ ج
آٹھ	سال	پھر اگر	تو پورے کرے	دس سال	تو سے	وہ تیری طرف

”ان دونوں لڑکیوں سے ایک نے اپنے باپ سے عرض کی ابا جان اس شخص کونوکر رکھ لیجیے بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں یہ طاقت ور اور امانتدار ہے۔(٢٦) اس کے باپ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کردوں بشرطیکہ آپ آٹھ سال تک میرے ہاں ملازمت کریں اور اگر دس سال پورے کردیں تو یہ آپ کی مرضی ہے۔

فہم القرآن

ربط کلام: موسیٰ علیہ السلام کا شعیب علیہ السلام کے گھر جانا اور شعیب علیہ السلام کا انہیں گھر داماد بنانا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نہایت بوڑھے اور ضعیف ہو چکے تھے جس بناء پر اُن کی بچیاں اُن کی بھیڑ بکریوں کی نگرانی کرتی تھیں۔ اُن کی برادری میں کوئی ایسا حیادار جوان نہ تھا جس پر اعتماد کیا جاسکے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت شعیب مالی لحاظ سے کمزور ہوں جس وجہ سے ملازم رکھنے کی گنجائش نہ ہو۔ جونہی موسیٰ علیہ السلام کی صورت میں اُنھیں ایک جوان میسر آیا جو خود بھی ضرورت مند تھا اس لیے اُسے گھریلو ملازم رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کی آمد کا اشارہ مل چکا ہو۔ تاہم بظاہر واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیا اور اُن کی طاقت کا اِس بات سے اندازہ کیا کہ کنویں کا ڈول جسے کئی آدمی مل کر کھینچتے تھے، موسیٰ علیہ السلام نے اکیلے ہی کھینچ کر ان کی بکریوں کو پانی پلایا۔ اس بات سے اندازہ کرتے ہوئے دو بیٹیوں میں سے ایک بیٹی نے والد سے درخواست کی کہ ہمیں صالح کردار ایک ملازم کی ضرورت ہے کیوں نہ ہو اَبا جان اس شخص کو اپنے ہاں ملازم رکھ لیا جائے یہ شرم وحیا کے اعتبار سے امانتدار اور صحت کے لحاظ سے طاقتور ہے۔ قرآن مجید نے بچیوں کی عِفت اور حیا کے پیش نظر وضاحت نہیں فرمائی کہ موسیٰ علیہ السلام کو گھر ملازم رکھنے کے لیے کس بچی نے سفارش کی تھی حالانکہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات اس بچی نے کہی ہوگی جو موسیٰ علیہ السلام کو بلانے گئی تھی۔ حضرت شعیب نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا میں چاہتا ہوں دو میں سے ایک بیٹی کا آپ سے نکاح کردیا جائے لیکن شرط یہ ہے کہ حق مہر کے طور پر تو

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ

اورنہیں چاہتامیں یہ کہ سختی کروں آپ پر یقیناً آپ مجھے پائیں گے اگر

شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ

اس نے چاہا اللہ سے نیک لوگ اس نے کہا یہ میرے درمیان

وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ

اورآپ کے درمیان جونسی دومدتیں میں پوری کروں نہیں ہو زیادتی

عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ ع

مجھ پر اوراللہ پر جو ہم کہہ رہے ہیں نگران

ع ۳ / ۷ / ۲

میں آپ پر سختی نہیں کرنا چاہتا آپ ان شاءاللہ مجھے نیک آدمی پائیں گے۔(۲۷) موسیٰ نے جواب دیا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے پا گئی۔ دونوں مدتوں میں سے جو بھی میں پوری کردوں اس کے بعد پھر کوئی زیادتی مجھ پر نہ ہواور جو قول وقرار ہم کررہے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے۔"(۲۸)

آٹھ یا دس سال میرے ہاں ملازمت کرے میں تجھ پر کوئی سختی نہیں کروں گا۔ان شاءاللہ تو میرا رویہ انتہائی صالح لوگوں جیسا پائے گا۔موسیٰ علیہ السلام پہلے ہی چاہتے تھے کہ مجھے کوئی اچھا ٹھکانہ مل جائے اس لیے انھوں نے کہا کہ مجھے یہ بات منظور ہے البتہ یہ میری مرضی پر منحصر ہوگا کہ میں آٹھ سال کے بعد مزید دوسال آپ کی خدمت میں رہوں یا آٹھ سال پورے ہونے پر آپ سے فراغت چاہوں۔ ہاں! اگلے سال مدّت کے معاملہ میں مجھ پر کوئی جبر نہیں ہونا چاہیے۔ جو میرے اور آپ کے درمیان معاہدہ طے پایا ہے اللہ ہی اِس پر نگران ہے۔ لہٰذا وقت کے پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام اور مستقبل کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان یہ معاہدہ طے پایا۔اس طرح موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ذمہ داری کا آغاز کیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سُسر حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں کچھ لوگوں کا اصرار ہے کہ وہ نبی نہیں تھے، حالانکہ ان کے پاس اس بات کی نفی کرنے کے لیے کوئی ٹھوس دلائل موجود نہیں۔ گو اس معاملہ میں دونوں طرف سے قطعی دلائل نہیں پائے جاتے تاہم یہ بات قابلِ غور ہے۔جس شخصیت کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کی طرف نبی بنا کر بھیجنا تھا اسے عام آدم کی بجائے خاص شخصیت کے ہاں رکھنا کہیں بہتر تھا۔

قرآنِ مجید کے الفاظ سے واضح طور پر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اس معاہدہ کے ساتھ یا کچھ دنوں کے بعد ہی حضرت شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا تاکہ وہ گھر کے فرد کی حیثیت سے رہیں اور پردہ کے معاملہ میں کوئی دقّت پیش نہ آئے۔اس بات سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے جونہی بیٹی کے لیے نیک رشتہ میسر ہو تو آدمی کو اِس فرض سے سبکدوش ہونے کی جلد کوشش کرنی چاہیے۔ باحیا نوجوان کو خود رشتہ کی پیشکش کرنے میں بھی کوئی حرج اور غیرت کے منافی بات نہیں ہے۔اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ضروری نہیں کہ حق مہر جائیداد یا روپے کی شکل میں ہو۔تاہم حق مہر میں داماد کی مالی حیثیت کا

خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔

حق مہر کی حیثیت:

رسول اللہ ﷺ چند صحابہ رضی اللہ عنہم میں تشریف فرما تھے ایک عورت نے (اپنے حالات سے مجبور ہو کر) اپنے آپ کو نکاح کے لیے آپ کی خدمت میں پیش کیا آپ ﷺ خاموش رہے۔ اتنے میں ایک شخص عرض کرنے لگا اگر آپ آمادہ نہیں تو میں اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے کے لیے تیار ہوں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تیرے پاس حق مہر کے لیے کچھ ہے؟ اس نے عرض کیا یہ چادر جو میں نے لپیٹ رکھی ہے اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں۔ فرمایا کہ چادر اپنے پاس رکھو اور حق مہر کے لیے لوہے کی انگوٹھی ہی لے آؤ۔ کوشش کے باوجود اسے انگوٹھی بھی میسر نہ ہو سکی وہ خالی ہاتھ واپس آیا۔ آپ پوچھتے ہیں کہ تجھے قرآنِ مجید یاد ہے؟ تو اس نے عرض کی کہ مجھے فلاں فلاں سورتیں یاد ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ سورتیں حق مہر کے طور پر اپنی بیوی کو یاد کروا دینا۔ [بخاری: کتاب النکاح]

تین کاموں میں جلدی کرنا چاہیے:

((عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِی طَالِبٍ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَهُ يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا الصَّلَاةُ إِذَا آنَتْ وَالْجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ وَالْأَيِّمُ إِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفْؤًا))[رواه الترمذی: باب مَا جَاءَ فِي الْوَقْتِ الْأَوَّلِ مِنَ الْفَضْلِ]

''حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ بے شک نبی کریم ﷺ نے اُسے کہا اے علی تین کاموں میں تاخیر نہیں کرنی۔ جب نماز کا وقت ہو جائے، جب جنازہ حاضر ہو اور جب ہم پلہ رشتہ میسر آ جائے۔''

مسائل

۱۔ ملازم پر سختی نہیں کرنا چاہیے۔ ۲۔ معاہدہ کی پاسداری کرنا فریقین پر فرض ہے۔

۳۔ سُسر کو داماد اور داماد کو سُسر کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی کارساز ہے اسی پر توکل کرنا چاہیے:

۱۔ اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے، بس تم اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے۔ (الانعام:۱۰۲)

۲۔ بے شک آپ ﷺ ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہی ہر چیز کا کارساز ہے۔ (ہود:۱۲)

۳۔ اللہ ہر چیز کا قادر ہے اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے۔ (الزمر:۴۱)

۴۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے اور وہی کافی ہے کارساز۔ (النساء:۱۳۲)

۵۔ میرے بندوں پر شیطان کا داؤ پیچ نہیں چلے گا۔ اللہ اپنے بندوں کے لیے کارساز ہے۔ (بنی اسرائیل:۶۵)

۶۔ وہ مشرق و مغرب کا رب ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اسی کو کارساز مانو۔ (المزمل:۹)

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ
پھر جب اس نے پوری کرلی موسیٰ مدت اور چلے اپنی بیوی کے ساتھ

اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ
اس نے دیکھی سے جانب طور آگ اس نے کہا اپنی بیوی سے

امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا
تم ٹھہرو بے شک میں نے دیکھی ہے آگ شاید کہ میں تمھارے پاس لے آؤں اس سے

بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾
کوئی خبر یا کوئی انگارا سے آگ تا کہ تم تم تاپو

''جب موسیٰ نے مدت پوری کردی اور وہ اپنے اہل وعیال کو لے کر واپس چلے تو طور کی جانب اُسے آگ نظر آئی۔ اس نے اپنے گھروالوں سے کہا ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں وہاں سے کوئی خبر لے آؤں یا اس آگ سے کوئی انگارہ ہی اٹھالاؤں۔ جسے آپ تاپیں۔'' (۲۹)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی اہلیہ کے ساتھ اپنے وطن واپس آنا۔

قرآنِ مجید اور حدیث مبارکہ میں اس بات کی وضاحت موجود نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معاہدہ کے مطابق آٹھ سال پورے کیے یا اختیاری مدت کے مطابق دس (۱۰) سال مدین میں گزارے

قرآنِ مجید کا ارشاد ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے مدّت پوری کر لی تو حضرت شعیب علیہ السلام سے اجازت لے کر اپنی اہلیہ کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں طور پہاڑ کے دامن میں انھوں نے جلتی ہوئی آگ دیکھی۔ اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ تم ٹھہرو میں وہ آگ دیکھ رہا ہوں وہاں سے راستہ کی معلومات حاصل کروں یا آگ کے کچھ انگارے لاؤں تاکہ تم تاپ سکو۔ جب موسیٰ علیہ السلام اُس آگ کے قریب پہنچے تو اُنھیں اُس وادی کے دائیں جانب سے بابرکت جگہ میں ایک درخت سے آواز دی گئی اے موسیٰ (علیہ السلام)! یقیناً میں اللہ ہوں سب جہانوں کا رب ہوں۔

''موسیٰ وہاں پہنچے تو پکارا گیا اے موسیٰ۔ میں ہی تیرا رب ہوں تو اپنے جوتے اتار دے تو وادی مقدس طویٰ میں پہنچ چکا ہے اور میں نے تجھ کو چن لیا ہے جو کچھ وحی کی جاتی ہے توجہ سے سنو۔ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری بندگی کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔'' (طٰہٰ: ۱۱ تا ۱۴)

فَلَمَّآ	اَتٰىهَا	نُوْدِيَ	مِنْ	شَاطِئِ	الْوَادِ الْاَيْمَنِ
پھر جب	وہ اس کے پاس آیا	وہ آواز دیا گیا	سے	کنارے	وادی دائیں
فِي	الْبُقْعَةِ	الْمُبٰرَكَةِ	مِنَ	الشَّجَرَةِ	اَنْ يّٰمُوْسٰٓى
میں	جگہ	بابرکت	سے	درخت	کہ اے موسیٰ!
اِنِّيْٓ	اَنَا	اللّٰهُ	رَبُّ	الْعٰلَمِيْنَ ۝ ٣٠	
بلاشبہ	میں	اللہ	رب	سب جہاں	

''موسیٰ وہاں پہنچے تو وادی کے دائیں کنارے مبارک مقام پر میں ایک درخت سے بُلائے گئے اے موسیٰ میں ہی اللہ ہوں سارے جہانوں والوں کا مالک۔'' (٣٠)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہلیہ کے لیے جمع کی ضمیر استعمال فرمائی۔ ''اُمْکُثُوْا ، تم ٹھہرو'' ہوسکتا ہے کہ جس طرح اُردو زبان میں ہم واحد مخاطب کے لیے جمع مخاطب کی ضمیر استعمال کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بناء پر جمع کی ضمیر استعمال کی ہو۔ البتہ تورات میں موجود ہے کہ مدین میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں دو بچے پیدا ہو چکے تھے۔ جو سفر میں ان کے ساتھ تھے جس وجہ سے اُنھوں نے جمع کی ضمیر استعمال فرمائی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ انھوں نے جمع کی ضمیر اس لیے استعمال کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اُن کی اہلیہ، بیٹا اور ایک خادم بھی تھا۔ جس بناء پر انھوں نے اپنی اہلیہ کے لیے واحد مخاطب کی ضمیر استعمال کرنے کی بجائے جمع مخاطب کی ضمیر استعمال کی۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام اپنے گھر والوں کو وہاں ٹھہرا کر طور کے دامن کے قریب پہنچے تو اُنھیں اِن الفاظ سے مخاطب کیا گیا کہ اے موسیٰ! آپ مبارک اور مقدس جگہ پر پہنچ چکے ہیں لہٰذا اپنا جوتا اتار دیں اور جو کچھ آپ کو کہا جا رہا ہے اُسے پوری توجہ کے ساتھ سنو اور یقین کرو۔ میں اللہ ہی جہانوں کو پیدا کرنے والا اور اُنھیں رزق دینے والا ہوں۔ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں لہٰذا صرف میری ہی عبادت کرو۔ میری یاد کے لیے میرے حضور نماز ادا کرتے رہو۔ (طٰہٰ: ١٤)

موسیٰ علیہ السلام کو پوری طرح یقین ہو گیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے ساتھ سرفراز فرمایا ہے اور واقعی ہی میرے ساتھ کائنات کا رب کلام فرما رہا ہے اور میرے رب نے مجھے نبوت سے سرفراز کر دیا ہے تو اُس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو عظیم معجزے عنایت کیے گئے۔ میرے مطالعہ کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے پیغمبر ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے سفر کے دوران نبوت عطا فرمائی اور اعلانِ نبوت کے ساتھ ہی دو عظیم معجزات عطا کیے۔

''اے موسیٰ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ (١٧) موسیٰ نے جواب دیا یہ میری لاٹھی ہے اس پر ٹیک لگا کر چلتا ہوں، اس

سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور بھی بہت سے کام ہیں جو اس سے لیتا ہوں۔ (۱۸)

''فرمایا اے موسیٰ اپنا عصا پھینک دیکا یک عصا سانپ بن کر دوڑنے لگا۔ فرمایا پکڑ لے اس کو ڈرنا نہیں ہم اسے پھر ویسا ہی کر دیں گے جیسے پہلے تھا۔ اور اب اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبا کر نکال جو بغیر کسی تکلیف کے چمکتا ہوا نکلے گا یہ دوسری نشانی ہے۔ کیونکہ ہم آپ کو اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھانے والے ہیں۔ اب سرکش فرعون کے پاس جا۔ موسیٰ نے کہا پروردگار میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو میرے لیے آسان فرمادے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ پائیں۔ میرے لیے میرے گھر والوں سے ایک وزیر مقرر کر دے۔ ہارون کو جو میرا بھائی ہے اس کے ساتھ میری پشت مضبوط کر دے اور اس کو میرے کام میں شریک فرمادے تاکہ ہم خوب تیری پاکی بیان کریں۔'' (طٰہٰ:۱۷تا۳۳)

''اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو وہ چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے۔ فرعون اور اس کی قوم کی طرف لے جانے کے لیے یہ دو نشانیاں نو نشانیوں میں سے ہیں کیونکہ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔'' (النمل:۱۲)

مسائل

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سفر کے دوران کوہِ طور کے دامن میں مقدس وادی میں ایک درخت پر آگ دیکھی۔

۲۔ آگ سے آواز آئی کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! میں اللہ ہوں اور رب العالمین ہوں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ''رب'' کے معانی

۱۔ سب کو پالنے والا۔ (الفاتحۃ:۱) ۲۔ ساری کائنات کا خالق۔ (الانعام:۱۰۲)

۳۔ کائنات کا مالک۔ (یونس:۳۱) ۴۔ کائنات کا نظام چلانے والا۔ (فاطر:۱۳)

۵۔ حاکم مطلق۔ (یوسف:۴۰) ۶۔ پیدا کرنے والا۔ (النساء)

۷۔ عطا کرنے والا۔ (سبا:۱۵)

وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا

اور یہ کہ ڈال اپنی لاٹھی پھر جب اس نے اس کو دیکھا وہ حرکت کر رہی ہے گویا کہ وہ

جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ

سانپ وہ پیچھے ہٹا پیٹھ پھیر اور نہ پیچھے مڑ کر دیکھا اے موسیٰ! آگے بڑھ

وَلَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ يَدَكَ فِىْ

اور نہ تو ڈر بلاشبہ تو سے امن والے داخل کرو اپنا ہاتھ میں

جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ

گریبان وہ نکلے گا سفید چمکتا ہوا سے بغیر تکلیف اور ملا لے

اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ

طرف اپنا بازو سے خوف دونوں دلائل سے آپ کا رب

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

طرف فرعون اور اس کے سردار بے شک وہ ہیں لوگ نافرمان

’’اپنی لاٹھی پھینک دیں جونہی موسیٰ نے دیکھا کہ لاٹھی سانپ کی طرح بل کھا رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور موسیٰ نے مڑ کر بھی نہ دیکھا اے موسیٰ پلٹ آؤ خوف نہ کرو تو بالکل محفوظ ہے۔ (۳۱) اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالیے چمکتا ہوا نکلے گا۔ خوف سے بچنے کے لیے اپنا بازو بھینچ لیں۔ یہ دو روشن نشانیاں ہیں آپ کے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے۔ فرعون اس کے ساتھی بڑے نافرمان ہیں۔‘‘ (۳۲)

فہم القرآن

ربط کلام: عظیم معجزات ملنے کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے خوفزدہ ہونا۔

جوں ہی موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر پھینکا تو وہ بہت بڑا اژدھا بن کر زمین پر رینگنے لگا۔ اتنا بڑا سانپ دیکھ کر حضرت موسیٰ ڈر کر بھاگنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا موسیٰ ڈرو نہیں بلکہ آگے ہو کر پکڑ لو۔ یہ پہلے کی طرح لاٹھی بن جائے گا اور آپ مامون رہیں گے۔ اپنا ہاتھ بغل میں دبا کر نکال یہ بغیر کسی تکلیف کے چمکتا ہوا ظاہر ہوگا خوف کے وقت ہاتھ کو بغل میں دبا لینا۔

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ

اس نے کہا — میرے رب! — بے شک میں — قتل کیا — ان سے — ایک شخص — لہٰذا میں ڈرتا ہوں

اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝۳۳ وَاَخِىْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّىْ

یہ کہ — وہ مجھے قتل کردیں گے — اور میرا بھائی — ہارون — وہ — زیادہ فصیح ہے — مجھ سے

لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِىَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِىْٓ اِنِّىْٓ اَخَافُ

زبان — چنانچہ بھیج اسے — میرے ساتھ — مددگار — وہ میری تصدیق کرے — بے شک میں — ڈرتا ہوں

اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝۳۴ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ

اس سے کہ — وہ مجھے جھٹلائیں — فرمایا — عنقریب ہم مضبوط کردیں گے — آپ کا بازو — آپ کے بھائی کے ساتھ

وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ

اور ہم کردیں گے — تم دونوں کے لیے — غلبہ — پھر نہیں — وہ پہنچ سکیں — تم دونوں کی طرف

بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ۝۳۵

ہماری نشانیوں کے ساتھ — تم دونوں — اور جس نے — تمہاری پیروی کی — غالب رہو گے

معانقہ ۱۱ عند المتأخرین ۱۲

''موسیٰ نے عرض کیا میرے رب میں ان کا ایک آدمی قتل کر چکا ہوں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ (۳۳) اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح زبان رکھنے والا ہے اسے میرے ساتھ مددگار کے طور پر بھیجیں تاکہ میری تائید کرے مجھے خوف ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے۔ (۳۴) فرمایا ہم آپ کے بھائی کے ذریعے سے آپ کا ہاتھ مضبوط کریں گے اور تم دونوں کو ایسی قوت دینگے کہ وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے ہماری نشانیوں کے ذریعے تمہارا اور تمہارے پیروؤں کا ہی غلبہ ہوگا۔'' (۳۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر چھوڑ کر مدین اس لیے گئے تھے کہ اُن سے سہواً ایک شخص قتل ہو گیا تھا۔ فرعون اور اُس کے ساتھیوں نے موسیٰ علیہ السلام کا مؤقف سنے بغیر فیصلہ کر لیا تھا کہ اِسے قتل کر دیا جائے اِس بناء پر موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے درخواست کی کہ میرے رب مجھ سے اُن کا ایک شخص قتل ہو گیا تھا اس لیے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی عرض کی کہ میرا بھائی ہارون علیہ السلام گفتگو کے اعتبار سے زیادہ فصیح زبان رکھتا ہے۔ اس لیے اُسے میرا معاون بنائیں تاکہ وہ میری تصدیق کرے کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی التجاء قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ عنقریب ہم آپ کے بھائی کے ساتھ آپ کو مضبوط کریں گے۔ آپ دونوں کامیاب ہونگے فرعون اور

اس کے ساتھی ہمارے معجزات کی وجہ سے تمھارے قریب بھی نہیں آسکیں گے۔ آپ اور آپ کے تابعدار فرعون اور اُس کے درباریوں پر غالب رہیں گے۔

بائیبل میں یدِ بیضاء کی ایک اور ہی تعبیر کی گئی ہے جو وہاں سے نکل کر ہمارے ہاں کی تفسیروں میں بھی رواج پا گئی، وہ یہ کہ حضرت موسیٰ نے جب بغل میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالا تو پورا ہاتھ برص کے مریض کی طرح سفید تھا، پھر جب دوبارہ اُسے بغل میں رکھا تو وہ اصلی حالت پر آ گیا۔ یہی تعبیر اس معجزے کی تلمود میں بھی بیان کی گئی ہے اور اس کی حکمت یہ بتائی گئی ہے کہ فرعون کو برص کی بیماری تھی جسے وہ چھپائے ہوئے تھا اس لیے اس کے سامنے یہ معجزہ پیش کیا گیا کہ دیکھ۔ یوں آناً فاناً برص کا مرض پیدا ہوتا ہے اور کافور ہو جاتا ہے۔ لیکن اوّل تو ذوقِ سلیم اس کا انکار کرتا ہے کہ کسی نبی کو برص کا معجزہ دے کر ایک بادشاہ کے دربار میں بھیجا جائے۔ دوسرے اگر فرعون کو مخفی طور پر برص کی بیماری تھی تو یدِ بیضا صرف اُس کی ذات کے لیے معجزہ ہوسکتا تھا اس کے درباریوں پر اس معجزے کا کیا رُعب طاری ہوتا۔ لہٰذا صحیح بات وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی کہ اس ہاتھ میں سورج کی سی چمک پیدا ہو جاتی تھی۔ جسے دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتیں۔ قدیم مفسرین میں سے بھی بہتوں نے اس کے یہی معنی لیے ہیں۔ (تفہیم القرآن)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا کرنے کے ساتھ ہی لاٹھی کا معجزہ عطا فرمایا اور ید بیضا بھی عطا کیا گیا۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون اور اُس کے سرداروں کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔

۳۔ فرعون اور اس کے سردار سرکش لوگ تھے۔

تفسیر بالقرآن

غلبہ حاصل کرنے والے لوگ:

۱۔ مومن ہی ہر حال میں بلند رہیں گے۔ (آل عمران:۱۳۹)

۲۔ مومن اللہ کا لشکر ہیں اور غالب رہیں گے۔ (المجادلۃ:۲۲)

۳۔ اگر اللہ تمھاری مدد کرے تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ (آل عمران:۱۶۰)

۴۔ ہم نے ان کی مدد کی سو وہ غالب آ گئے۔ (الصّٰفّٰت:۱۱۶)

۵۔ بہت سی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آ جاتی ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ:۲۴۹)

فَلَمَّا	جَآءَهُمْ	مُّوْسٰى	بِاٰيٰتِنَا	بَيِّنٰتٍ	قَالُوْا
پھر جب	آیا ان کے پاس	موسیٰ	ہماری نشانیوں کے ساتھ	واضح	انھوں نے کہا
مَا	هٰذَآ	اِلَّا	سِحْرٌ	مُّفْتَرًى	وَّمَا	سَمِعْنَا
نہیں	یہ	مگر	جادو	بنایا ہوا	اور نہیں	ہم نے سنیں
بِهٰذَا	فِيْٓ	اٰبَآئِنَا	الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۶	وَقَالَ	مُوْسٰى
یہ	میں	اپنے باپ دادا	پہلے	اور اس نے کہا	موسیٰ
رَبِّيْٓ	اَعْلَمُ	بِمَنْ	جَآءَ	بِالْهُدٰى	مِنْ	عِنْدِهٖ
میرا رب	خوب جانتا	جو	آیا	ہدایت کے ساتھ	سے	اس کی طرف

”جب موسیٰ ان لوگوں کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لے کر پہنچا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو صرف بنایا ہوا جادو ہے۔ یہ باتیں تو ہم نے اپنے باپ دادا کے زمانے میں کبھی نہیں سنیں۔ (۳۶) موسیٰ نے جواب دیا۔ میرا رب اس شخص کے حال سے خوب واقف ہے جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے۔

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ضمانت اور عطا کیے ہوئے معجزات کی وجہ سے فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو سفر کے دوران دو عظیم معجزات عنایت فرمائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے معجزات ملنے کے بعد اپنے رب کے حضور دو التجائیں پیش کیں: بارِ الٰہ! میرے بھائی ہارون کو میرا پشتی بان بنا اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔ موسیٰ علیہ السلام کی دونوں گزارشات منظور کر لی گئیں۔ مصر واپس آ کر موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو لے کر۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ معجزات اور ٹھوس دلائل کے ساتھ فرعون اور اُس کے حواریوں کے پاس پہنچے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے ٹھوس اور واضح دلائل کی طرف توجہ کرنے کی بجائے معجزات کا مطالبہ کیا۔ جونہی اس کی زبان سے یہ مطالبہ ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنا دستِ مبارک اپنی بغل میں دبا کر ان کے سامنے کیا۔ جس سے فرعون کے ایوان میں روشن قمقمے اور مختلف قسم کی قندیلوں کی روشنی ٹمٹماتے دِیوں کی طرح ماند پڑ گئے۔ ید بیضا دیکھ کر فرعون اور اس کے حواریوں کی آنکھیں چکا چوند رہ گئیں۔ اتنا واضح معجزہ دیکھنے کے باوجود فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو نبی ماننے سے انکار کر دیا۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر پھینکا وہ خوفناک اژدھا کی صورت اختیار کر کے اپنے جبڑے کھول کر فرعون کے ایوان میں رینگنے لگا۔ اژدھا جس طرف منہ کرتا فرعون اور اس کے درباری چیخیں مارتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوتے۔ بالآخر مجبور ہو کر اُنھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اس اژدھا کو قابو کریں تاکہ ہم آپ کی بات سننے کے قابل ہو سکیں۔ جونہی موسیٰ علیہ السلام نے اژدھا کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا تو وہ پہلے کی طرح عصا بن گیا۔ دلائل سننے اور معجزات

وَمَنْ	تَكُوْنُ	لَهٗ	عَاقِبَةُ	الدَّارِ	اِنَّهٗ	لَا
اوراس شخص کو کہ	ہوگا	اس کے لیے	انجام	آخرت	بلاشبہ	نہیں

يُفْلِحُ	الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾
فلاح پاتے	ظالم

اور وہی بہتر جانتا ہے کہ انجام کس کا اچھا ہونا ہے حق یہ ہے کہ ظالم کبھی فلاح نہیں پاتے۔“(۳۷)

دیکھنے کے باوجود فرعون اور اس کے ساتھی کہنے لگے ”اے موسیٰ! یہ خدائی معجزات نہیں بلکہ آپ کے بنائے ہوئے جادو کی کرشمہ سازیاں ہیں جہاں تک آپ کی باتوں اور دلائل کا معاملہ ہے یہ ایسی باتیں ہیں جو نہ صرف ہم نے نہیں سنیں بلکہ پہلے لوگوں سے بھی ان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔“ موسیٰ علیہ السلام نے ان کی ہٹ دھرمی دیکھ کر اس موقع پر فقط اتنا ارشاد فرمایا کہ میرا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے اور وہ اس شخص کے حال سے بھی خوب واقف ہے جس کا آخرت میں ٹھکانہ بہتر ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ظالم کبھی فلاح نہیں پاتے۔ فرعون اور اس کے ساتھیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو پہلا الزام لگایا وہ یہ تھا کہ ”اے موسیٰ! تم جادوگر ہو۔“ یہ ایسا الزام ہے جو بڑے بڑے انبیاء کرام علیہم السلام پر لگایا گیا۔ جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت میں انتہا درجہ کی کشش اور ان کے معجزے ناقابل تمثیل ہوتے تھے۔ جن کا اثر زائل کرنے کے لیے آسان ترین الزام یہی تھا کہ ان کو جادوگر قرار دیا جائے۔ حالانکہ جادوگر گھٹیا کردار، افکار کے گندے اور پیٹ کے پجاری ہوتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام اس قسم کی گراوٹ سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔ نبی اور جادوگر کے درمیان فرق سمجھنے کے لیے فہم القرآن جلد: 1 کا صفحہ ۶۸ ملاحظہ فرمائیں۔

مسائل

۱۔ فرعون اور اس کے ساتھیوں نے موسیٰ علیہ السلام کے ٹھوس دلائل اور کھلے معجزات کو جادو قرار دیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ اور گمراہ شخص کو خوب جانتا ہے۔

۳۔ حقائق کو جھٹلانے والا ظالم ہوتا ہے ظالم کبھی فلاں نہیں پائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

جادو کا انجام:

۱۔ جادو کفر ہے۔(البقرۃ:۱۰۲) ۲۔ جادو کی اصلیت نہیں ہوتی۔(الاعراف:۱۱۶)

۳۔ جادو شیاطین کے ذریعے :وتا ہے۔(البقرۃ:۱۰۲) ۴۔ جادوگر کامیاب نہیں ہوتا۔(طٰہٰ:۶۹)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ

اور اس نے کہا | فرعون | اے | سردارو! | نہیں | میں جانتا | تمھارے لیے

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى

کوئی | معبود | سوائے اپنے | لہٰذا تو آگ جلا | میرے لیے | اے ہامان! | پر

الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى

مٹی | پھر تو بنا | میرے لیے | محل | تاکہ | میں دیکھوں | طرف

اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۳۸

اِلٰہ | موسیٰ | اور بلاشبہ میں | البتہ اس کو خیال کرتا ہوں | سے | جھوٹوں

''اور فرعون نے کہا اے اہل دربار! میں تو اپنے سوا تمہارا کسی کو الٰہ نہیں جانتا۔ اے ہامان اینٹیں پکوا کر میرے لیے ایک اونچی عمارت بنوا۔ تاکہ اس پر چڑھ کر میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکوں۔ کیونکہ میں موسیٰ کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔'' (۳۸)

فہم القرآن

ربط کلام: فرعون کے ظالمانہ رویہ کی انتہا۔

قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کے دلائل کے مقابلہ میں فرعون اپنے آپ کو بے بس محسوس کرنے لگا تو اس نے دیوانے کے بھڑ مارنے کی مانند بھڑ مارتے ہوئے اپنے وزیروں، مشیروں کو کہا کہ میں یہ بات کسی حال میں تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ کہ میرے سوا بھی تمھارا کوئی الٰہ ہوسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور بھڑ مارتے ہوئے اپنے دستِ راست وزیر ہامان کو کہا اے ہامان! ملک بھر کے بھٹوں میں فی الفور پکی اینٹیں کثیر تعداد میں تیار کروائی ایک فلک بوس ٹاور تیار کیا جائے۔ تاکہ بلند و بالا عمارت پر چڑھ کر دیکھوں کہ موسیٰ علیہ السلام کا خدا کہاں رہتا ہے۔ کیونکہ مصر میں موسیٰ علیہ السلام کے خدا کا وجود مجھے نظر نہیں آتا۔ اگر وہ آسمان پر ہے تو میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ یہ سب کچھ لوگوں کی تسلی کے لیے ہے ورنہ مجھے یقین ہے کہ موسیٰ کذاب انسان ہے۔ اس قسم کی گفتگو اور ظالمانہ اقدامات کے سبب فرعون اور اس کا لشکر ملک میں بڑے بن بیٹھتے تھے۔ جس کا انھیں کسی صورت استحقاق نہ تھا۔ وہ ظلم اور فخر وغرور میں اس قدر آگے بڑھ چکے تھے کہ ان کو یقین ہو چلا تھا کہ وہ ربِّ ذوالجلال کے حضور کبھی جواب دہ نہ ہوں گے۔

فرعون اور اس کے آباؤ اجداد کئی پشتوں سے قانونی اور سیاسی اختیارات میں اپنے آپ سے کسی کو برتر نہیں سمجھتے تھے۔

وَاسْتَكْبَرَ	هُوَ	وَجُنُوْدُهٗ	فِي	الْاَرْضِ	بِغَيْرِ
اور تکبر کیا	وہ	اور اس کے لشکر	میں	زمین	نا

الْحَقِّ	وَظَنُّوْٓا	اَنَّهُمْ	اِلَيْنَا	لَا	يُرْجَعُوْنَ ۝۳۹
حق	اور انھوں نے گمان کیا	کہ بے شک وہ	ہماری طرف	نہیں	لوٹائے جائیں گے

''فرعون نے اور اس کے لشکروں نے زمین میں کسی حق کے بغیر تکبر کیا اور سمجھے کہ انہیں کبھی ہماری طرف پلٹنا نہیں ہے۔''(۳۹)

اس کے ساتھ ہی لوگ اس کے سامنے جھکتے اور سجدہ کرتے تھے جیسا کہ بڑے لوگوں کے سامنے لوگ جھکا کرتے ہیں۔اسی بات کو ان کی خدائی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فرعون کی طرح متکبرانہ بات ماضی قریب کی نام نہاد سپر پاور روس نے کہی تھی۔روس کے خلا باز جب خلا (Space) میں چاند سے ہو کر آئے تو کہنے لگے کہ ہمیں تو کہیں مسلمانوں کا خدا نہیں ملا۔یہ کائنات کتنی بڑی ہے؟ اصل حقیقت تو خالق کائنات ہی جانتا ہے۔درج ذیل معلومات سے اندازہ ہونے میں مدد ملے گی۔کائنات میں فاصلوں کی پیمائش کے لیے جو اکائی استعمال کی جاتی ہے اسے نوری سال (Light Year) کہتے ہیں یہ وہ فاصلہ ہے جو روشنی ایک سال میں طے کرتی ہے اس کی مقدار (9.46X10 ,12KM) ہے۔

جس کہکشاں میں ہمارا نظام شمسی (Solar System) واقع ہے اسے (Milky Way Galaxy) کہتے ہیں۔اس کا قطر ایک لاکھ نوری سال (10000 Light years) ہے اس میں لگ بھگ ایک سو بلین ستارے دریافت ہو چکے ہیں۔Milky way سے اگلی کہکشاں 8لاکھ نوری سال (800000 Light years) کے فاصلے پہ واقع ہے ابھی تک بیسیوں ملین کہکشائیں (Tens of Millions Galaxies) دریافت ہو چکی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں موجود ستاروں (Stars) کی تعداد کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا تاہم ان کی تعداد بلین بلین (Billion (Billion=1024) سے زیادہ ہے۔

The Guinness Encyclopedia of Science

یہ بے وقوف ایک نوری سال کے بھی کئی ہزارویں حصے کا فاصلہ طے کر آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔یہ متکبرانہ اور گستاخانہ بات کرنے والے فرعون کو اللہ تعالیٰ نے سمندر میں ڈبو کر اس کی لاش کو دنیا کے لیے نشانِ عبرت بنا چھوڑا۔دور جدید کے متکبرانہ نظام روس کو بھی اللہ تعالیٰ نے تمام جدید ترین ٹیکنالوجی کی دسترس کے باوجود ٹکڑے ٹکڑے کر کے دنیا کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا ہے۔(ماخوذ از ضیاء القرآن)

﴿فَاعْتَبِرُوْا يٰاُولِي الْاَبْصَارِ﴾ [الحشر:۲]

''اے دانا و بینا نصیحت حاصل کرو۔''

مسائل

۱۔ فرعون نے ہر حوالہ سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت کو چیلنج کر رکھا تھا۔

۲۔ فرعون کے بعد ہامان سب سے بڑا باغی اور متکبر شخص تھا۔

۳۔ فرعون اور اس کے ساتھی اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی پیشی کو یکسر بھول چکے تھے۔

تفسیر بالقرآن

اِلٰہ حقیقی کا مختصر تعارف:

۱۔ تمہارا الٰہ ایک ہی ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ رحمٰن ورحیم ہے (البقرۃ۔۱۶۳)

۲۔ یقیناً اللہ ایک ہی الٰہ ہے وہ اولاد سے پاک ہے آسمان و زمین کی ہر چیز اسی کے لیے ہے (النساء۔۱۷۱)

۳۔ اسکے سوا کوئی الٰہ نہیں مگر وہ اکیلا ہی ہے (المائدۃ:۷۳)

۴۔ فرما دیجیے اللہ ایک ہی الٰہ ہے اور میں تمہارے شرک سے بری ہوں۔ (الانعام:۱۹)

۵۔ اللہ نے فرمایا دو الٰہ نہ بناؤ یقیناً الٰہ ایک ہی ہے۔ (النحل:۵۱)

۶۔ اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور پھر آسمان سے پانی اتار کر باغات اگائے کیا اس کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل:۶۰)

۷۔ اللہ نے زمین کو جائے قرار بنایا اس میں پہاڑ اور دو سمندروں کے درمیان پردہ بنایا کیا اس کے ساتھ اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل:۶۱)

۸۔ کون ہے جو لاچار کی فریاد رسی کرتا ہے اور اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل:۶۲)

۹۔ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں اللہ کے سوا کون رہنمائی کرتا ہے کیا کوئی اور بھی اس کے ساتھ الٰہ ہے۔ (النمل:۶۳)

۱۰۔ پہلے اور دوبارہ پیدا کرنا اور زمین و آسمان سے تمہارے لیے روزی کا بندوبست کرنے والا اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے؟ (النمل:۶۴)

۱۱۔ آپ فرما دیں سوائے ایک الٰہ کے آسمان و زمین کے غیب کو کوئی نہیں جانتا۔ (النمل:۶۵)

۱۲۔ کیا کوئی ہے اس الٰہ کے سوا ہے جو رات ختم کر کے دن لائے؟ (القصص:۷۱)

۱۳۔ کیا کوئی ہے اس الٰہ کے علاوہ کوئی اور الٰہ ہے جو دن ختم کر کے رات لائے؟ (القصص:۷۲)

۱۴۔ اگر دو الٰہ ہوتے تو فساد ہو جاتا۔ (الانبیاء:۲۲))

۱۵۔ بس اس ایک الٰہ کے سوا کوئی دوسرے الٰہ کو نہ پکارو۔ (القصص:۸۸)

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ ۚ فَانْظُرْ

چنانچہ ہم نے اسے پکڑ لیا — اس کے لشکر — پھر ہم نے ان کو پھینک دیا — میں — دریا — پھر آپ دیکھیں

كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً

کیسا — ہوا — انجام — ظالم؟ — اور ہم نے ان کو بنایا — پیشوا

یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾

وہ بلاتے تھے — طرف — آگ — اور دن — قیامت — نہیں — وہ مدد کیے جائیں گے

وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ وَیَوْمَ

اور ہم نے ان کے پیچھے لگا دی — میں — اس — دنیا — لعنت — اور دن

الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ﴿۴۲﴾ ع — ع ۱۴ / ۷

قیامت — وہ — سے — بدحال

’’آخر کار ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا دیکھ لو ظالموں کا کیسا انجام ہوا۔(۴۰) ہم نے انہیں جہنم کی طرف بلانے والے بنایا۔ قیامت کے دن کوئی مدد نہیں پائیں گے۔(۴۱) ہم نے اس دنیا میں ان پر لعنت ڈال دی اور قیامت کے دن بڑی ذلت سے دوچار ہوں گے۔‘‘(۴۲)

فہم القرآن

ربط کلام: فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کا دنیا و آخرت میں انجام۔

فرعون کو اپنے اقتدار اور اختیارات پر بڑا ناز تھا اس نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل پر اس قدر مظالم کا بازار گرم رکھا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی انتہائی کرب کے عالم میں بلبلا کر ان الفاظ میں فریاد کرنے لگے۔

’’انہوں نے کہا موسیٰ آپ کے ہمارے ہاں آنے سے پہلے ہمیں تکلیف پہنچائی گئی اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔ موسیٰ نے فرمایا قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں زمین میں جانشین بنائے، پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟‘‘ [الاعراف:۱۲۹]

’’ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ اس پر فرعون نے شہروں میں نقیب بھیج دیے۔ اور اعلان کروایا کہ یہ مٹھی بھر لوگ ہیں اور انہوں نے ہم کو بہت غصہ چڑھا دیا ہے۔ اور ہم

ایک ایسی جماعت ہیں جس کا شیوہ ہر وقت چوکس رہنا ہے۔اس طرح ہم انہیں ان کے باغوں، چشموں، خزانوں اور ان کی بہترین قیام گاہوں سے نکال لائے۔ یہ تو ہوا ان کے ساتھ اور دوسری طرف بنی اسرائیل کو ہم نے ان سب چیزوں کا وارث کر دیا۔صبح ہوتے آل فرعون بنی اسرائیل کے تعاقب میں چل پڑے۔ جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو موسیٰ کے ساتھی چیخ اٹھے کہ ہم تو پکڑے گئے۔ موسیٰ نے کہا ہر گز نہیں۔ میرے ساتھ میرا رب ہے۔وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا۔ہم نے موسیٰ کو وحی کے ذریعہ سے حکم دیا کہ سمندر پر اپنا عصا مار۔ یکا یک سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک بہت بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا۔اسی جگہ ہم دوسرے گروہ کو بھی قریب لے آئے۔ موسیٰ اور ان سب لوگوں کو جو اس کے ساتھ تھے ہم نے بچا لیا اور دوسروں کو غرق کر دیا۔اس واقعہ میں ایک نشانی ہے مگر لوگوں میں اکثر ماننے والے نہیں ہیں حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور مہربان بھی۔“(الشعراء:۵۲تا۶۸)

مسائل

۱۔ انسان کو ظالموں کے انجام پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ ۲۔ جہنم میں جاتے ہوئے فرعون اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لشکروں کو سمندر میں ڈبکیاں دے دے کر مارا۔

۴۔ فرعون اور اس کے ساتھیوں پر ہمیشہ ہمیش پھٹکار برستی رہے گی۔

تفسیر بالقرآن

کن لوگوں پر ہمیشہ لعنت برستی رہے گی:

۱۔ بے گناہ مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے پر لعنت ہے اور اللہ کا عذاب ہوگا۔(النساء:۹۳)

۲۔ کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے اور انہیں جہنم کا عذاب ہوگا۔(الاحزاب:۶۴)

۳۔ اللہ اور رسول کو ایذا پہنچانے والوں پر لعنت برستی ہے۔(الاحزاب:۵۷)

۴۔ ظالموں کے لیے جہنم کا عذاب اور لعنت ہے۔(حٰم السجدۃ:۵۲)

۵۔ یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔(المائدۃ:۶۴)

۶۔ جہنمی ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔(الاعراف:۳۸)

۷۔ منافقین پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور جہنم کا عذاب ہوگا۔(الفتح:۶)

وَلَقَدْ	اٰتَيْنَا	مُوْسَى	الْكِتٰبَ	مِنْۢ بَعْدِ	مَآ	اَهْلَكْنَا
اور البتہ تحقیق	ہم نے دی	موسیٰ	کتاب	بعد	اس کے کہ	ہم نے ہلاک کیں
الْقُرُوْنَ	الْاُوْلٰى	بَصَآئِرَ	لِلنَّاسِ	وَهُدًى	وَّرَحْمَةً	
اُمتیں	پہلی	بصیرتیں	لوگ	اور ہدایت	اور رحمت	
لَّعَلَّهُمْ	يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾	وَمَا	كُنْتَ	بِجَانِبِ	الْغَرْبِيِّ	
تا کہ وہ	وہ نصیحت حاصل کریں	اور نہیں	تھے آپ	جانب	مغربی	
اِذْ	قَضَيْنَآ	اِلٰى	مُوْسَى	الْاَمْرَ	وَمَا	كُنْتَ
جب	ہم نے وحی کی	طرف	موسیٰ	معاملہ	اور نہیں	تھے آپ
مِنَ	الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾					
سے	دیکھنے والے					

”پچھلی نسلوں کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی جو لوگوں کے لیے بصیرت، ہدایت اور باعثِ رحمت تھی تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ (۴۳) اس وقت آپ مغربی کنارے میں موجود نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ کو فرمان شریعت عطا کیا اور نہ آپ شاہدین میں شامل تھے۔“ (۴۴)

فہم القرآن

ربط کلام: فرعون اور اس کے لاؤ لشکر غرق کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تختیوں کی شکل میں تورات عطا کی گئی۔

ربِ ذوالجلال نے فرعون اور اُس کے لشکر کو بحر قلزم میں ڈبکیاں دے دے کر غرق کیا۔ موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کو باسلامت بحر قلزم عبور کروایا اور پوری دنیا میں اُن کی عزت کو دوبالا فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر وادیِ طی میں پڑاؤ ڈالتے ہیں۔ یہاں کئی اہم واقعات بھی رونما ہوئے۔ جن میں سب سے بڑا اور اہم واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عنایت فرمائی جس میں بنی اسرائیل کے لیے نصیحت وعبرت کے واقعات، پہلی اقوام کی تباہی کے اسباب اور اس تورات کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت اور رحمت کا باعث قرار دیا۔ تا کہ بنی اسرائیل اِس سے رہنمائی حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق قرار پائیں۔ نزولِ تورات کا ذکر کرنے کے ساتھ یہ بھی وضاحت فرمادی گئی کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ اُس وقت بھی موجود نہ تھے جب اللہ تعالیٰ نے طور کے مغربی پہلو میں موسیٰ علیہ السلام

کو نبوت اور دو عظیم معجزے عطا فرمائے تھے۔ طور کے مغربی پہلو میں آپ ﷺ کے موجود نہ ہونے سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے جس واقعے کی تفصیلات بتائی جا رہی ہیں وہ کسی سے سنی سنائی اور پڑھی پڑھائی باتیں نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی ہے جو قرآنِ مجید کی صورت میں حضرت محمد ﷺ پر نازل کی جا رہی ہے۔ بصیرت کی جمع بصائر، ہے جس سے مراد ایسے حقائق ہیں جن کو انسان ہدایت کی نیت سے پڑھے تو یقیناً ہدایت سے سرفراز ہوگا۔ قرن کی جمع ''قرون'' ہے جو تین میں سے کسی ایک معنٰی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ ایک نسل۔ ۲۔ کسی قوم کا ایک دور۔ ۳۔ بعض اہل علم نے ایک صدی کو ایک قرن قرار دیا ہے۔

تورات اور قرآن کی تعلیم کے بارے میں فرمان:

﴿الٓرٰ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ﴾ [ابراهیم: ۱]

''الر۔ ایک کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے، تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لائیں، ان کے رب کے حکم سے اور اس کے راستے کی طرف جو سب پر غالب، بہت تعریف والا ہے۔''

﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَکَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَ ذَکِّرْهُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰهِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ﴾ [ابراهیم: ۵]

''اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا تاکہ وہ اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے اور انہیں اللہ کے دن یاد دلائے، بلاشبہ اس میں ہر شخص کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو صبر اور شکر کرنے والا ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تورات کو لوگوں کی ہدایت اور رحمت کے طور پر نازل فرمایا تھا۔

۲۔ جب موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور کے دائیں جانب نبوت عطا کی گئی تو نبی آخر الزماں ﷺ اُس وقت موجود نہ تھے۔

تفسیر بالقرآن

نبی اکرم ﷺ ہر جگہ حاضر، ناظر نہ تھے اور نہ ہیں:

۱۔ مریم علیہا السلام کی کفالت کے وقت رسول اللہ ﷺ حاضر نہ تھے۔ (آل عمران: ۴۴)

۲۔ اخوانِ یوسف کے مکر کے وقت رسول اللہ ﷺ موجود نہ تھے۔ (یوسف: ۱۰۲)

۳۔ یہ غیب کی خبریں ہیں نہ آپ اس کے متعلق جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔ (ہود: ۴۹)

۴۔ آپ طور کی مغربی جانب اس وقت موجود نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نبوت کے منصب پر سرفراز کیا۔ (القصص: ۴۴)

وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ

لیکن ہم نے | پیدا کیں | اُمتیں | پھر لمبی ہو گئیں | ان پر | عمریں

وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا

اور نہیں | تھے آپ | مقیم | میں | اہل | مدین | آپ تلاوت کرتے

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَمَا كُنْتَ

ان پر | ہماری آیات | اور لیکن ہم | ہیں | بھیجنے والے | اور نہیں | تھے آپ

بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ

کی جانب | طور | جب | ہم نے آواز دی | اور لیکن | رحمت | سے

’’اس کے بعد ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں اور ان پر طویل زمانہ گزر چکا ہے۔ آپ اہل مدین کے درمیان موجود نہ تھے کہ ان کو ہماری آیات سنا رہے ہوتے ہم ہی رسول بھیجنے والے ہیں۔ (٤٥) اور آپ طور کے دامن میں اس وقت موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو پہلی مرتبہ پکارا تھا مگر یہ تمہارے رب کی رحمت ہے۔

فہم القرآن

ربط کلام: طور اور مدین میں آپ ﷺ کی غیر حاضری کے ثبوت سے آپ کی نبوت کے دو مزید دلائل دیے گئے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے نکل کر مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں آٹھ یا دس (١٠) سال گزارے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اُنھیں اپنی دامادی کے شرف سے مشرف فرمایا۔ طے شدہ مدت کے بعد موسیٰ علیہ السلام اپنی رفیقہ حیات کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں اُنھیں طور کی دائیں جانب روشنی نظر آئی۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ کو یہ کہہ کر اُس روشنی کی طرف بڑھے کہ آپ یہاں ٹھہریں میں وہاں سے تاپنے کے لیے آگ کا انگارہ لاتا ہوں یا پھر اگلے سفر کی رہنمائی حاصل کرتا ہوں۔ اِن واقعات کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوا کہ اے نبی ﷺ! آپ اِن مقامات پر موجود نہ تھے یہ تو آپ پر آپ کے رب کا کرم ہے کہ آپ اِن لوگوں کے سامنے قرآنِ مجید کی آیات تلاوت کرتے ہیں۔ جس میں ہزاروں سال پہلے ہونے والے واقعات کو اِس انداز میں بیان کیا جاتا ہے کہ جیسے بیان کرنے والا خود موجود ہو۔ یہ واقعات بیان کرنے کا مقصد یہ ہے تاکہ آپ ﷺ اُس قوم کو اُن کے برے انجام سے آگاہ فرمائیں۔ جس کے پاس اِس سے پہلے براہِ راست کوئی پیغام دینے والا پیغمبر نہیں آیا۔ یہ نبی اکرم ﷺ کی نبوت کا تیسرا ثبوت ہے کہ مکہ اور مدینہ کی سرزمین پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد اور آپ ﷺ سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا۔ اس سے پہلے جو رسول آئے وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے

رَّبِّكَ	لِتُنْذِرَ	قَوْمًا	مَّآ	اَتٰىهُمْ	مِّنْ	نَّذِيْرٍ
آپ کا رب	تا کہ آپ ڈرائیں	قوم	نہیں	آیا ان کے پاس	سے	ڈرانے والا
مِّنْ	قَبْلِكَ	لَعَلَّهُمْ	يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۴۶			
سے	پہلے	شاید کہ وہ	نصیحت حاصل کریں			

تا کہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا شاید وہ نصیحت حاصل کریں۔‘‘(۴۶)

نبی اکرم ﷺ پہلے اور آخری رسول ہیں۔ اِن کے بعد قیامت تک کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ یہاں تک کہ حجاز میں رہنے والے پہلے لوگوں کا تعلق ہے اُن کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب ضرور مہیا فرمائے تھے جن سے اُنھیں نسل در نسل دین ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات پہنچتی رہیں یہی وجہ ہے کہ مکہ میں ایک گروہ ایسا تھا جو اپنے آپ کو ملتِ ابراہیم کا پیروکار کہتا اور سمجھتا تھا اور اِسی بناء پر ہی دین ابراہیم علیہ السلام کی کئی باتیں بگڑی ہوئی شکل میں موجود تھیں۔

((عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ إِذَا رَأَيْتَ اللَّهَ يُعْطِى الْعَبْدَ مِنَ الدُّنْيَا عَلَى مَعَاصِيهِ مَا يُحِبُّ فَإِنَّمَا هُوَ اسْتِدْرَاجٌ ثُمَّ تَلَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ (**فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَىْءٍ حَتَّى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ**))[رواه احمد: مسند عقبة بن عامر]

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں جب اللہ بندے کو اُس کی نافرمانیوں کے باوجود اسے عطا کرتا جائے جس کا وہ خواہش مند ہوتا ہے۔ یہی وہ مہلت ہے جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی (جب اُن چیزوں کو بھول گئے جن کی ہم نے اُنہیں نصیحت کی تھی ہم نے اُن کے لیے ہر چیز کے دروازے کھول دیے یہاں تک کے جب وہ اُس پہ خوش ہو گئے تو اچانک ہم نے اُنہیں پکڑ لیا اور وہ اُس وقت مایوس ہو کے رہ گئے۔‘‘

مسائل

۱۔ نبی علیہ السلام کی بعثت کا مقصد لوگوں کو ان کے برے کاموں سے ڈرانا ہے۔

۲۔ نبی اکرم ﷺ سے پہلے مکہ اور مدینہ کی سرزمین پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں کیا گیا۔

وَلَوْلَآ	اَنْ	تُصِيْبَهُمْ	مُّصِيْبَةٌۢ	بِمَا	قَدَّمَتْ
اوراگرنہ ہوتی	یہ کہ	ان کو پہنچتی	کوئی مصیبت	بوجہ اس کے	آگے بھیجا
اَيْدِيْهِمْ	فَيَقُوْلُوْا	رَبَّنَا	لَوْلَآ	اَرْسَلْتَ	اِلَيْنَا
ان کے ہاتھ	تو وہ کہتے	اے ہمارے رب!	کیوں نہیں	تو نے بھیجا	ہماری طرف
رَسُوْلًا	فَنَتَّبِعَ	اٰيٰتِكَ	وَنَكُوْنَ	مِنَ	الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾
کوئی رسول	ہم پیروی کرتے	تیری آیات	اور ہم ہوتے	سے	مومن

”کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے اپنے کیے کی بدولت کوئی مصیبت ان پر آئے تو وہ کہیں۔ اے پروردگار تو نے کیوں نہ ہماری طرف کوئی رسول بھیجا ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اور ایمان دار ہوتے۔“ (۴۷)

فہم القرآن

ربط کلام: مجرم لوگ اس وقت تک نصیحت حاصل نہیں کرتے جب تک ان کی گرفت نہ کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو اس لیے قرآنِ مجید کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔ لیکن آپ ﷺ کے مخاطب نصیحت حاصل کرنے کی بجائے آپ کی مخالفت میں کمربستہ ہو گئے۔ آپ کو تسلی دینے اور مجرموں کو انتباہ کرنے کے لیے ارشاد ہوا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا یہ اصول نہ ہوتا کہ وہ مجرموں کو دنیا میں ہلکی پھلکی سزا دے تو لوگ کبھی بھی اپنے رب کے حضور جھکنے کے لیے تیار نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ جب لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے انھیں پکڑتا ہے تو اس وقت وہ پکار اُٹھتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کیوں نہ اپنا رسول مبعوث فرمایا؟ تاکہ ہم اُس کی اتباع کرتے اور مومن بن جاتے۔ اِس ارشاد میں بین السطور رسول معظم ﷺ کے مخالفوں کو سمجھایا گیا ہے کہ اگر تم نے تسلیمات کا رویہ اختیار نہ کیا تو ایک وقت آئے گا جب تم اپنے رب کی بارگاہ میں اِس حسرت کا اظہار کرو گے کہ کاش ہم اپنے رسول کی اتباع کرتے اور آج عذاب سے بچ جاتے۔

قیامت کے دن مجرموں کا اقرار کرنا:

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا﴾ [الفرقان: ۲۷]

”اُس دن ظالم لوگ اپنے ہاتھوں پر کاٹتے ہوئے کہیں گے۔ کاش ہم نے رسول کی راہ اختیار کی ہوتی۔“

مسائل

۱۔ مجرم عذاب آنے سے پہلے نصیحت کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔

۲۔ ”اللہ“ کے رسول آچکے لیکن مجرم ماننے کے لیے تیار نہیں۔

فَلَمَّا	جَآءَهُمُ	الْحَقُّ	مِنْ	عِنْدِنَا	قَالُوْا	لَوْلَآ
پھر جب	آیاان کے پاس	حق	سے	ہماری طرف سے	انھوں نے کہا	کیوں نہیں
اُوْتِيَ	مِثْلَ	مَآ	اُوْتِيَ	مُوْسٰىؕ	اَوَلَمْ	يَكْفُرُوْا
دیا گیا	مثل	جو	دیے گئے	موسیٰ؟	کیانہیں	انکار کیاانھوں نے
بِمَآ	اُوْتِيَ	مُوْسٰى	مِنْ	قَبْلُۚ	قَالُوْا	سِحْرٰنِ
جو	دیے گئے	موسیٰ	سے	پہلے؟	انھوں نے کہا تھا	دونوں جادوگر ہیں
تَظٰهَرَا ۛ	وَقَالُوْٓا	اِنَّا	بِكُلٍّ	كٰفِرُوْنَ ۝۴۸		
ایک دوسرے کے مددگار	اورانھوں نے کہا	بلاشبہ ہم	ہرایک کے	انکاری ہیں		

”مگر جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق آپہنچا تو کہنے لگے کیوں نہ دیا گیا اس کو جو کچھ موسیٰ کو دیا گیا تھا۔کیا یہ لوگ اس کا انکار نہیں کر چکے ہیں جو اس سے پہلے موسیٰ کو دیا گیا تھا۔انہوں نے کہا موسیٰ اور جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔اور کہا ہم کسی کو نہیں مانتے۔“(۴۸)

فہم القرآن

ربط کلام: مصیبت کے وقت رسول اور ہدایت کا مطالبہ کرنے والوں کے پاس جب رسول ﷺ قرآن لے آکر آئے تو ان کا ردعمل کیا تھا۔

کفار مختلف بہانوں سے قرآن مجید کا انکار کرتے تھے۔ان کا ایک بہانہ اور عذر لنگ یہ بھی تھا کہ یہ عجب نبی ہے کہ اس کے پاس نہ مال، نہ کوئی جاگیر اور نہ ہی موسیٰ علیہ السلام جیسے معجزات ہیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام ہر وقت اپنے پاس عصا رکھتے جو مخالفوں کے سامنے اژدھا بن جاتا اور وہ ید بیضا رکھتے تھے جو لوگوں کی آنکھیں چندھیا دیتا تھا۔اس نبی کے پاس قرآن کی آیات سنانے اور اس میں ہمارے بزرگوں کی تردید کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ہم اس کی اتباع کریں تو کس بنیاد پر؟ ہاں اگر یہ موسیٰ علیہ السلام جیسے معجزات دیا جائے تو ہم اس کی اتباع کرنے پر غور کر سکتے ہیں۔کفار کے بہانوں کا یہاں صرف یہ جواب دیا گیا ہے کہ جن یہودیوں کے پڑھانے سے یہ لوگ ایسے بہانے پیش کرتے ہیں کیا انھیں معلوم نہیں کہ جب ان کے پاس موسیٰ علیہ السلام ہماری طرف سے حق اور معجزات لے کر آئے تو انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو جادوگر قرار نہیں دیا تھا۔اور کیا ان میں ایسے لوگ موجود نہیں جو کہتے ہیں کہ نہ ہم موسیٰ علیہ السلام کی تورات کو مانتے ہیں اور نہ اس قرآن پر ایمان لانے کے لیے تیار ہیں؟ ایسے لوگوں کو ہدایت نصیب ہو تو کس طرح؟

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ اَوْتُطُيِّرَلَهٗ اَوْتَكَهَّنَ اَوْتُكُهِّنَ لَهٗ اَوْ سَحَرَ اَوْ سُحِرَ لَهٗ وَمَنْ اَتیٰ كَا هِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَااُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ)) [الترغيب والترهيب]

''جو شخص فال نکالے یا اس کے لیے فال نکالی جائے‘ کوئی غیب کی خبریں دے یا اس کے لیے کوئی دوسرا ایسی خبر دے ایسے ہی کوئی خود جادوگر ہو یا دوسرا شخص اس کے لیے جادو کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جو کوئی ایسے شخص کے پاس جائے اور اسکی باتوں کی تصدیق کرے اس نے ہر اس بات کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔''

غلط وظائف‘ بھرپور شعبدہ بازی اور فنی مہارت کے باوجود جادوگر اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی کسی حلال کردہ چیز کو اپنے لیے حرام قرار نہ دے۔ اس کے ساتھ ہی اسے خاص قسم کی غلاظت اور بدترین قسم کا گناہ کرنا پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے جادوگر مرد ہو یا عورت اس سے خاص قسم کی بدبو آیا کرتی ہے۔ یہ لوگ جسمانی طور پر جس قدر گندے ہونگے اسی رفتار سے ان کے شیطانی عمل دوسروں پر اثرانداز ہوں گے یہی وجہ ہے کہ ایک جادوگر اپنے شاگرد کو اپنا پیشاب پینے کا سبق دیتا ہے اور دوسرا پاخانہ کھانے کا حکم دیتا ہے اور کوئی غسل واجب سے منع کرتا ہے۔ گویا کہ کوئی نہ کوئی غلاظت اختیار کرنا جادوگر کے لیے ضروری ہے۔ البتہ یہ لوگ اس قسم کی باتیں دوسرے لوگوں سے ضرور چھپاتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے بغیر جادو اثرانداز نہیں ہوتا۔

مسائل

۱۔ کفار مختلف بہانوں سے حق کا انکار کرتے ہیں۔

۲۔ یہودیوں نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو جادوگر قرار دیا تھا۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کرام علیہم السلام پر جادوگر ہونے کا الزام:

۱۔ جب موسیٰ علیہ السلام کھلے دلائل لے کر آئے تو قوم نے ان پر جادوگر ہونے کا الزام لگایا۔ (القصص: ۳۶)

۲۔ کفار کے سامنے جب حق آیا تو انھوں نے کہا یہ تو جادو ہے۔ (سباء: ۴۳)

۳۔ فرعون کے سرداروں نے کہا یہ تو جادو ہے۔ (الاعراف: ۱۰۹)

۴۔ جب کفار کے پاس حق بات آئی تو انھوں نے رسول اکرم ﷺ پر جادوگر ہونے کا الزام لگایا۔ (یونس: ۷۶)

۵۔ کفار نے کہا یہ نبی نہیں جادوگر ہے۔ (یونس: ۲) ۶۔ کفار نے کہا یہ نبی جھوٹا اور جادوگر ہے۔ (ص: ۴)

۷۔ ظالموں نے کہا کیا ہم جادوگر کی اتباع کریں؟ (الفرقان: ۸)

۸۔ آپ ﷺ سے پہلے جو بھی نبی آیا اسے جادوگر کہا گیا۔ (الذاریات: ۵۲)

قُلْ فَأْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ

فرمادیجیے | تم لے آؤ | کتاب | سے | کے پاس | اللہ | وہ

اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٩﴾ فَاِنْ

زیادہ ہدایت والی | ان دونوں سے | میں اس کی پیروی کروں گا | اگر | ہوتم | سچے؟ | پھر اگر

لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ط

نہ | قبول کی انھوں نے | آپ کے لیے | توجان لیجیے | بس | وہ پیروی کررہے ہیں | اپنی خواہشات

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى

اورکون | زیادہ گمراہ | اس سے جو | پیروی کرے | اپنی خواہش | بغیر | ہدایت

مِّنَ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٠﴾ ع

سے | اللہ | بے شک | اللہ | نہیں | وہ ہدایت دیتا | قوم | ظالم

النصف

۵
۸
ع

”اے نبی ان سے فرمادیں۔ اگر تم سچے ہو تو لاؤ اللہ کی طرف سے کوئی کتاب جس میں ان دونوں سے زیادہ راہنمائی پائی جاتی ہو اگر تم سچے ہو۔ میں اس کی پیروی کروں گا۔ (۴۹) اگر وہ تمہارا مطالبہ پورا نہیں کرتے تو سمجھ لو کہ یہ اپنی خواہشات کے پیروکار ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کے مقابلہ میں اپنی خواہشات کی پیروی کرے۔ اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ (۵۰)

فہم القرآن

ربط کلام: نبی اکرم ﷺ کو جادوگر اور قرآن مجید کو من ساختہ کتاب قرار دینے والوں کو چیلنج۔

نبی اکرم ﷺ کے سچا رسول اور قرآن مجید کے من جانب اللہ ہونے کے ثبوت میں قرآن مجید نے منکرین کو بار بار چیلنج کیا ہے کہ اگر تمھیں رسول کے سچا اور قرآن مجید کے کتاب الٰہی ہونے میں شک ہے تو تم بھی ایسی کتاب لے آؤ۔ ہاں تمھیں یہ بھی اختیار دیا جاتا ہے کہ پورا قرآن نہیں بنا سکتے تو ایک سورۃ ہی اس کی سورۃ جیسی بنا کر لے آؤ۔ بے شک اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا جس سے مدد لے سکتے ہو اس سے مدد حاصل کرو لیکن یاد رکھو نہ تم نے آج تک یہ کام کیا ہے اور نہ قیامت تک کر سکو گے۔ قرآنِ مجید بنانا تو درکنار اس کی سورۃ جیسی ایک سورۃ بھی نہیں بنا سکتے اس لیے تمھیں اس آگ سے بچنا چاہیے جس کا ایندھن نافرمان لوگ اور پتھر ہوں گے۔ اس چیلنج کو یہاں ان الفاظ میں دوہرایا گیا کہ اگر سمجھتے ہو کہ تمھاری رہنمائی کے لیے کوئی اور کتاب بہتر ہو سکتی ہے تو اُسے پیش کرو! اگر تم اپنے الزام اور دعویٰ میں سچے ہو۔ کفار کو چیلنج دینے کے ساتھ ہی نبی ﷺ اور آپ

کے ماننے والوں کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر یہ لوگ اس چیلنج کا سامنا نہیں کر پا رہے تو یاد رکھو یہ لوگ محض اپنی خواہشات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ یعنی ان کے پاس کوئی معقول دلیل اور عذر نہیں۔ اور محض تعصب کی بنیاد پر مخالفت کر رہے ہیں۔ درحقیقت اس شخص سے بڑھ کر کوئی شخص گمراہ نہیں ہوتا جو اپنی خواہشات کا غلام ہو چکا ہے۔ نہ اس کے پاس ہدایت کا کوئی ذریعہ ہے اور نہ ہی اللہ کی طرف سے دیا ہوا علم ہے۔ جب کہ ہدایت کی بنیاد ''اللہ کا علم ہے جو صرف سرورِ دو عالم ﷺ پر وحی کی صورت میں نازل ہوا ہے۔ جو شخص سچے قرآن کو جھٹلاتا ہے وہ پرلے درجے کا ظالم ہے ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کبھی ہدایت نہیں دیتا۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ)) [رواه فی شرح السنة]

''عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنی خواہشات کو میری لائی ہوئی تعلیمات کے تابع نہ کر دے۔''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ○ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ○ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ [النجم: ۲۷ تا ۲۹]

''جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو عورتوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں اس کا انہیں کچھ بھی علم نہیں وہ محض ظن کی اتباع کرتے ہیں اور ظن حق کے مقابلہ میں کچھ بھی کام نہیں آتا۔ لہٰذا جو شخص ہماری یاد سے منہ موڑتا ہے اور دنیا کی زندگی کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا آپ اس کی پرواہ نہ کیجیے۔''

مسائل

۱۔ آدمی کو اپنی خواہشات کی بجائے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت کی اتباع کرنا چاہیے۔

۲۔ اپنی خواہش کے پیچھے لگنے والا پرلے درجے کا ظالم ہوتا ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ ظالم کو ہدایت نہیں دیتا۔

تفسیر بالقرآن

قرآنِ مجید کے چیلنجز:

۱۔ جن اور انسان مل کر اس جیسا قرآن بنا لاؤ۔ (بنی اسرائیل: ۸۸) ۲۔ کوئی دس سورتیں بنا لاؤ۔ (ھود: ۱۳)

۳۔ کوئی اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ۔ (یونس: ۳۸) ۴۔ قیامت تک نہیں بنا سکتے۔ (البقرۃ: ۲۳)

وَلَقَدْ	وَصَّلْنَا	لَهُمُ	الْقَوْلَ	لَعَلَّهُمْ	يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾
اور البتہ تحقیق	ہم نے مسلسل بھیجا	ان کے لیے	کلام	تا کہ وہ	نصیحت حاصل کریں

اَلَّذِيْنَ	اٰتَيْنٰهُمُ	الْكِتٰبَ	مِنْ	قَبْلِهٖ	هُمْ بِهٖ
وہ لوگ	ہم نے ان کو دی	کتاب	سے	پہلے	وہ ساتھ اس کے

يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾	وَاِذَا	يُتْلٰى	عَلَيْهِمْ	قَالُوْٓا	اٰمَنَّا بِهٖٓ
وہ ایمان لاتے ہیں	اور جب	تلاوت کیا جاتا	ان پر	انہوں نے کہا	ہم ایمان لائے ساتھ اس کے

اِنَّهُ	الْحَقُّ	مِنْ	رَّبِّنَآ	اِنَّا	كُنَّا مِنْ
بے شک یہ	حق	سے	ہمارے رب	بلاشبہ ہم	تھے سے

قَبْلِهٖ	مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾
پہلے ہی	مسلمان

”ہم اپنا فرمان پے در پے انہیں پہنچا چکے ہیں تا کہ وہ نصیحت پائیں۔(۵۱) جن لوگوں کو اس پہلے ہم نے کتاب دی وہ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔(۵۲) اور جب قرآن انہیں سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یہ واقعی حق ہے ہمارے رب کی طرف سے نازل کردہ ہے، ہم تو پہلے ہی سے تسلیم کرنے والے ہیں۔“ (۵۳)

فہم القرآن

ربط کلام: بے شک حق آجانے کے باوجود لوگ اپنی خواہشات کے بندے بنے رہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ لوگوں کی خیر خواہی اور ہدایت کی خاطر مسلسل ان کی رہنمائی کا بندوبست کرتا رہا۔ جس بنا پر ہر دور میں کچھ نہ کچھ لوگ ہدایت قبول کرنے والے ضرور موجود رہے ہیں۔

رب کریم نے لوگوں کی رہنمائی کے لیے ہمیشہ اور مسلسل رہنمائی کا بندوبست فرمایا ہے۔ راہنمائی انبیاء کرام ﷥ کے ذریعے ہو یا ان کے جانشینوں کے واسطے سے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی رہنمائی کا ہمیشہ سے بندوبست کر رکھا ہے جو نبی ﷺ کے جانشینوں کی طرف سے قیامت تک جاری رہے گا۔ تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں اور اپنی دنیا اور آخرت کو بہتر بنالیں۔ جو لوگ صدقِ دل کے ساتھ پہلی کتابوں پر ایمان لائے اور اپنے دور کے نبی کی پیروی کرتے رہے ان کی حالت یہ ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے تو بہانہ سازی کی بجائے وہ قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور اس بات

کا اظہار کرتے ہیں کہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے ہم اس کے تابع فرمان ہوتے ہیں۔

پہلے دن سے ہدایت کا بندوبست:

﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ [البقرة:٣٨]

”ہم نے حکم دیا تم سب یہاں سے اتر جاؤ جب تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے، تو جنہوں نے میری ہدایت کی تابعداری کی ان پر کوئی خوف وغم نہیں ہوگا۔“

ایمان لانے والے تمام مسلم تھے اور ہیں:

﴿وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ [الحج: ٧٨]

”اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تمہیں اپنے کام کے لیے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم ہو جاؤ۔ اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام ”مسلم“ رکھا تھا اور اس قرآن میں بھی تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ پس نماز قائم کرو زکوٰۃ دو اور اللہ سے وابستہ رہو جو تمہارا مولیٰ ہے بہت ہی اچھا ہے وہ مولیٰ اور بہت ہی اچھا ہے وہ مددگار۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے ہمیشہ سے رہنمائی کا بندوبست کر رکھا ہے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اس لیے نازل کیا کہ لوگ اس سے ہدایت پائیں۔

٣۔ پہلی کتابوں پر سچے دل سے ایمان لانے والے قرآن مجید پر بھی ایمان لاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ سے لوگوں کی راہنمائی کا بندوبست فرمایا:

١۔ ہدایت وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت قرار دے۔ (البقرۃ: ١٢٠) ٢۔ ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔ (القصص: ٥٦)

٣۔ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ (البقرۃ: ٢١٣) ٤۔ اللہ تعالیٰ کی راہنمائی کے بغیر کوئی ہدایت نہیں پا سکتا۔ (الاعراف: ٤٣)

٥۔ ہدایت جبری نہیں اختیاری چیز ہے۔ (الدھر: ٣) ٦۔ نبی اکرم ﷺ بھی کسی کو (جبراً) ہدایت نہیں دے سکتے تھے۔ (القصص: ٥٦)

اُولٰٓئِكَ	يُؤْتَوْنَ	اَجْرَهُمْ	مَّرَّتَيْنِ	بِمَا	صَبَرُوْا
یہ لوگ	دیے جائیں گے	اپنا اجر	دو مرتبہ	بوجہ اس کے	انھوں نے صبر کیا
وَيَدْرَءُوْنَ	بِالْحَسَنَةِ	السَّيِّئَةَ	وَمِمَّا	رَزَقْنٰهُمْ	يُنْفِقُوْنَ ۝٥٤
وہ دور کرتے ہیں	بھلائی کے ساتھ	برائی	اور جو	ہم نے ان کو رزق دیا	وہ خرچ کرتے ہیں

”یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دوبار دیا جائے گا اس ثابت قدمی کے بدلے جو انہوں نے دکھائی وہ برائی کو بھلائی سے رفع کرتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔“ (٥٤)

فہم القرآن

ربط کلام : پہلی کتب پر ایمان لانے اور عمل کرنے والے جب قرآن مجید کو آخری کتاب مانیں اور اس پر عمل کریں گے تو انھیں دوہرا صلہ دیا جائے گا۔

دینِ اسلام کے امتیازات میں یہ بات طرۂ امتیاز کی حیثیت رکھتی ہے کہ دینِ اسلام نہ صرف پہلی کتب اور انبیاء کرام علیہم السلام کو تسلیم کرنے کا حکم دیتا ہے بلکہ جو شخص پہلے یہودی یا عیسائی تھا اب وہ نبی اکرم ﷺ کو آخری نبی تسلیم کرتے ہوئے آپ کی شریعت پر خلوص دل کے ساتھ ایمان لایا اور عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو قرآن اس کے لیے کھلے الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ ایسے شخص کا دوہرا صلہ ہوگا۔ کیونکہ یہ پہلی شریعت پر بھی عمل کرتا رہا اور اب قرآن کو من جانب اللہ اور نبی آخر الزّمان کو سچا نبی جان کر آپ پر ایمان لایا اور اس پر ثابت قدمی کے ساتھ قائم رہا اس کے لیے دوہرا اجر ہوگا۔ حقیقت یہ ہے یہ لوگ برائیوں کو چھوڑنے اور نیکیوں کو اپنانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انھیں عطا کر رکھا ہے اس میں اللہ کے بندوں پر خرچ کرتے رہتے ہیں۔

پہلے ادیان پر اڑے رہنا اور دین اسلام کا انکار کرنا پرلے درجے کا گناہ اور برائی ہے۔ اللہ کے نیک بندے پہلے دین پر قائم رہنے کی بجائے دین اسلام کو قبول کر کے اپنی ضد کو چھوڑ کر دین حق پر گامزن ہوتے ہیں۔ جو برائی کو نیکی میں تبدیل کرنے کے مترادف ہے۔ جو لوگ بھی سچے دل کے ساتھ حلقۂ اسلام میں داخل ہوتے ہیں ان کی خوبی یہ ہے کہ وہ گناہوں کو چھوڑنے اور نیکیوں کو اختیار کرنے والے ہوتے ہیں۔

((أَبُو بُرْدَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ ثَلَاثَةٌ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ الرَّجُلُ تَكُونُ لَهُ الْأَمَةُ فَيُعَلِّمُهَا فَيُحْسِنُ تَعْلِيمَهَا ، وَيُؤَدِّبُهَا فَيُحْسِنُ أَدَبَهَا ، ثُمَّ يُعْتِقُهَا فَيَتَزَوَّجُهَا ، فَلَهُ أَجْرَانِ ، وَمُؤْمِنُ أَهْلِ الْكِتَابِ الَّذِي كَانَ مُؤْمِنًا ، ثُمَّ آمَنَ بِالنَّبِيِّ ﷺ فَلَهُ أَجْرَانِ ، وَالْعَبْدُ الَّذِي يُؤَدِّي حَقَّ اللَّهِ وَيَنْصَحُ لِسَيِّدِهِ)) [رواه البخاری:باب فَضْلِ مَنْ أَسْلَمَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابَيْنِ]

’’حضرت ابو بردہ بیان کرتے ہیں اُنہوں نے اپنے باپ سے سنا وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا تین قسم کے لوگوں کو دوہرا اجر عطا کیا جائے گا، ایک وہ آدمی جس کے پاس لونڈی ہو وہ اُسے بہترین تعلیم دیتا اور بہترین آداب سکھلاتا ہے پھر اُسے آزاد کر دیتا ہے اور اُس سے شادی کر لیتا ہے اُس کے لیے دوہرا اجر ہے۔ دوسرا اہل کتاب کا مؤمن آدمی جو اپنے نبی پر ایمان لایا پھر نبی ﷺ پر بھی ایمان لایا اُس کے لیے بھی دوہرا اجر ہے۔ تیسرا وہ آدمی جو کسی کا غلام تھا اُس نے اللہ کے حقوق بھی ادا کیے اور اپنے مالک کی بھی خیر خواہی کرتا رہا اُس کے لیے بھی دوہرا اجر ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ غیر مسلم مسلمان ہو جائے تو اس کے لیے دوہرا صلہ ہوگا۔
۲۔ اللہ کے بندے برائی پر اَڑنے کی بجائے نیکی کی طرف سبقت کرتے ہیں۔
۳۔ اللہ کے بندے اللہ کے دیے میں سے خرچ کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کے بندے دین اسلام قبول کرتے ہیں اور اس پر ثابت قدمی کی دعا کرتے ہیں:

۱۔ جب سنا انہوں نے جو رسول کی طرف نازل کیا گیا ہے آپ دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ پڑتی ہیں کیونکہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے سو ہمیں شہادت دینے والوں کے ساتھ شامل فرمالے۔ (المائدہ:۸۳)
۲۔ جادوگروں کی ایمان کے بعد صبر اور ثابت قدمی کی دعا۔ (الاعراف:۱۲۰تا۱۲۶)
۳۔ جب طالوت اور جالوت کے لشکر بالمقابل ہوئے تو انھوں نے کہا اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر نازل فرما اور ہمیں ثابت قدم فرما اور کافروں کی قوم پر ہماری مدد فرما۔ (البقرۃ:۲۵۰)
۴۔ آزمائش میں ثابت قدمی کے بعد اللہ کی مدد یقینی اور قریب ہوا کرتی ہے۔ (البقرۃ:۲۱۴)
۵۔ ہمارے رب ہم نے ایمان کی دعوت قبول کی تو ہماری خطاؤں کو معاف فرما۔ (آل عمران:۱۹۳تا۱۹۴)
۶۔ اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے مومن بھائیوں کو معاف فرما۔ (الحشر:۱۰)
۷۔ اے ہمارے رب بے شک ہم ایمان لائے ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔ (آل عمران:۱۶)

وَإِذَا	سَمِعُوا	اللَّغْوَ	أَعْرَضُوا	عَنْهُ	وَقَالُوا
اور جب	وہ سنتے ہیں	لغو	وہ اعراض کرتے ہیں	اس سے	اور وہ کہتے ہیں
لَنَآ	أَعْمَالُنَا	وَلَكُمْ	أَعْمَالُكُمْ ۡ	سَلٰمٌ	عَلَيْكُمْ ۡ
ہمارے لیے	ہمارے اعمال	اور تمھارے لیے	تمھارے اعمال	سلام	تم پر
لَا	نَبْتَغِي	الْجٰهِلِيْنَ ﴿٥٥﴾			
نہیں	ہم چاہتے	جاہل			

''اور جب وہ بے ہودہ بات سنتے ہیں تو یہ کہہ کراس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ تمہیں سلام ہو ہم جاہلوں کا سا طریقہ اختیار کرنا نہیں چاہتے۔'' (۵۵)

فہم القرآن

ربط کلام: حق قبول کرنے والوں کی چوتھی خوبی۔

مفسرین نے اس آیت کا شان نزول لکھتے ہوئے وضاحت فرمائی ہے کہ جب عیسائیوں کے ایک وفد نے اسلام قبول کیا تو مشرکین مکہ نے انھیں طعنہ دیا کہ تم عجب لوگ ہو کہ تمھارے پچھلے لوگوں نے تمھیں حقیقت حال جاننے کے لیے بھیجا ہے اور تم انھیں اطلاع دیے اوران سے مشورہ کیے بغیر اپنا دین چھوڑ رہے ہو یہ تمھاری کیسی جہالت ہے اس موقعہ پر مسلمان ہونے والوں نے جو جواب دیا اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔

''اللہ'' کے نیک بندے اور نصیحت قبول کرنے والوں کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ باطل دین اور اپنی ضد پر اڑے نہیں رہتے بلکہ جوں ہی ان کے سامنے حق بات واضح ہوتی ہے تو وہ بلا تردد حق بات قبول کرتے ہوئے اس پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ یہ ہر برائی چھوڑنے کی کوشش کرتے ہیں اور حق بات پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ انفاق فی سبیل اللہ کرتے ہیں۔ ان کی چوتھی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ بے ہودہ اور بے مقصد باتوں اور کاموں سے پرہیز کرتے ہیں کوئی انھیں بے ہودہ کام یا بات کی طرف بلائے تو یہ پوری ایمانی قوت کے ساتھ اس کا انکار کرتے ہیں۔ اگر ان کے ساتھ کوئی برائی کے معاملہ میں اصرار کرے تو یہ کہہ کر اپنا دامن بچا لیتے ہیں کہ تمھارے عمل تمھارے لیے، ہمارے اعمال ہمارے لیے، تمھیں سلام ہو ہم جاہلوں سے الجھنے اُن جیسا کردار اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ دوسرے مقام پر انھیں الرحمٰن کے بندے قرار دے کر ان کے اوصاف کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا گیا ہے۔

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا ـــ

سَلٰمًا ﴾ [الفرقان: ٦٣]

”رحمان کے حقیقی بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں جاہل ان سے جھگڑیں تو وہ ان کو سلام کہہ دیتے ہیں۔“

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ o الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ o وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ o وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ o وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ﴾ [المومنون: ١ تا ٥]

”یقیناً مومن فلاح پا گئے۔ وہ لوگ جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ فضولیات سے دور رہتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔“

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا یَعْنِیهِ))

[رواه الترمذی: کتاب الزهد]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ آدمی کے بہترین اسلام کی تعریف یہ ہے کہ وہ لاحاصل باتوں کو چھوڑ دے۔“

مسائل

۱۔ ”اللہ“ کے بندے لغو سے اجتناب کرتے ہیں۔

۲۔ ”اللہ“ کے بندے جاہلوں سے نہیں الجھتے۔

۳۔ بُروں کے لیے بُرے اعمال اور نیکوں کے لیے نیک اعمال ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

جاہلوں سے اعراض کرنا چاہیے:

۱۔ نبی محترم کو جاہلوں سے اعراض کی ہدایت تھی۔ (اعراف: ۱۹۹)

۲۔ موسیٰ علیہ السلام نے جہالت سے پناہ مانگی۔ (البقرۃ: ٦٧)

۳۔ حضرت نوح کو جہالت سے بچنے کا حکم۔ (ہود: ۴٦)

۴۔ جاہلوں سے بحث کی بجائے اجتناب اور اعراض کرنا چاہیے۔ (الفرقان: ٦۳)

۵۔ اگر اللہ چاہتا تو انہیں ہدایت پر جمع فرما دیتا پس آپ جاہلوں میں سے نہ ہوں۔ (الانعام: ۳۵)

اِنَّكَ	لَا	تَهۡدِیۡ	مَنۡ	اَحۡبَبۡتَ	وَلٰكِنَّ	اللّٰهَ
بلاشبہ آپ	نہیں	ہدایت دے سکتے	جسے	آپ چاہیں	اور لیکن	اللہ
یَهۡدِیۡ	مَنۡ	یَّشَآءُ ۚ	وَهُوَ	اَعۡلَمُ	بِالۡمُهۡتَدِیۡنَ ۝٥٦	
ہدایت دیتا ہے	جس کو	وہ چاہتا ہے	اور وہ	خوب جانتا ہے	ہدایت پانے والے	

اے نبی آپ جیسے چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے وہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔" (٥٦)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سے پہلی آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ جاہلوں سے الجھنے سے پرہیز کریں۔ یہ بھی جہالت کی بدترین قسم ہے کہ انسان جاننے کے باوجود حقیقت قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔

اکثر مفسرین نے اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ جنابِ ابوطالب کی موت کا وقت قریب آیا تو نبی کریم ﷺ ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ ان کی خدمت میں پہنچ کر فرمایا کہ چچا **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** پڑھ لیں تاکہ قیامت کے دن میں اپنے رب کے حضور آپ کی سفارش کرسکوں۔ لیکن انھوں نے کلمہ پڑھنے سے انکار کردیا اور کفر کی حالت میں دنیا سے چل بسے۔ نبی کریم ﷺ بڑے دل آزردہ ہوکر وہاں سے اُٹھے اور کئی دن تک آپ کی طبیعت پر اس واقعہ کا اثر رہا۔ ربِ کریم نے آپ کے دل کو ڈھارس دی اور یہ اصول بیان فرمایا کہ اے نبی بے شک آپ کسی کی ہدایت کے بارے میں کتنے ہی خواہش مند کیوں نہ ہوں لیکن ہدایت دینا "اللہ" کا کام ہے جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ کون ہدایت کا طالب ہے جو ہدایت کا طالب ہوگا اللہ تعالیٰ اُسے ضرور ہدایت عطا فرمائے گا۔ یہاں ہدایت سے مراد نیکی کی طرف رہنمائی نہیں بلکہ ہدایت قبول کرنا اور اس پر چلنے کی توفیق ہے۔

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِعَمِّهِ عِنْدَ الْمَوْتِ قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ أَشْهَدُ لَكَ بِهَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَأَبٰى فَأَنْزَلَ اللّٰهُ "**إِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ أَحْبَبْتَ......الْآیَةَ**")) [رواہ مسلم: کتاب الایمان]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کو موت کے وقت فرمایا کہ لا الہ الا اللہ کہہ دو! میں قیامت کے دن اس بات کی گواہی دوں گا لیکن اس نے انکار کردیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: آپ اسے ہدایت نہیں دے سکتے جس کے لیے آپ ہدایت پسند کریں۔"

((عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِیَّ ﷺ وَذُکِرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ فَقَالَ لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، فَیُجْعَلُ فِیْ ضَحْضَاحٍ مِنَ النَّارِ، یَبْلُغُ کَعْبَیْهِ، یَغْلِیْ مِنْهُ دِمَاغُهُ)) [رواہ البخاری: کتاب

المناقب ، باب قصة ابی طالب]

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے چچا ابوطالب کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا شاید اسے میری شفاعت قیامت کے دن فائدہ دے۔ اسے آگ پر کھڑا کیا جائے گا۔ وہ آگ اس کے ٹخنوں تک پہنچتی ہوگی جس سے اس کا دماغ کھولے گا۔''

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُكْثِرُ أَنْ يَقُوْلَ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! اٰمَنَّا بِكَ وَبِمَا جِئْتَ بِهٖ فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا قَالَ نَعَمْ إِنَّ الْقُلُوْبَ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللّٰهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَآءُ)) [رواه الترمذی: کتاب القدر ،باب ماجاء أن القلوب ...]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر دعا کرتے۔ اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھنا۔ میں نے کہا: اللہ کے رسول! ہم آپ پر اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان لائے۔ کیا آپ ہمارے بارے میں خطرہ محسوس کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ اللہ انہیں جس طرف چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر از حد حریص تھے کہ سب لوگ اسلام کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوں اور اللہ تعالیٰ کے سارے بندے اس کی بارگاہ میں سرِ نیاز جھکائیں بالخصوص اپنے قبیلے اور رشتہ داروں کے متعلق نبی کریم کی انتہائی آرزو تھی کہ ان میں سے کوئی بھی نعمت ایمان سے محروم نہ رہے، اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اے حبیب! ہدایت دینا آپ کا کام نہیں کہ جس کو چاہے ہدایت دے دے کیونکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ کون اس قابل ہے کہ اس کے دل میں ایمان کی شمع فروزاں کی جائے کس میں اس نعمت جلیلہ کو قبول کرنے کی استعداد ہے۔ (ماخوذ از ضیاء القرآن: جلد سوئم)

مسائل

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرضی سے کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے تھے۔

۲۔ جو ہدایت کا طالب ہوتا ہے ''اللہ'' اُسے ہدایت سے سرفراز کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

''اللہ'' ہی ہدایت دینے والا ہے:

۱۔ ہدایت وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت قرار دے۔ (البقرۃ:۱۲۰) ۲۔ ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔ (القصص:۵۶)

۳۔ ''اللہ'' جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ (البقرۃ:۲۱۳) ۴۔ اللہ تعالیٰ کی راہنمائی کے بغیر کوئی ہدایت نہیں پا سکتا۔ (الاعراف:۴۳)

۵۔ ہدایت جبری نہیں اختیاری چیز ہے۔ (الدھر:۳) ۶۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے۔ (القصص:۵۶)

وَقَالُوْٓا	اِنْ	نَّتَّبِعِ	الْهُدٰى	مَعَكَ	نُتَخَطَّفْ
اور انہوں نے کہا	اگر	ہم پیروی کریں	ہدایت	تیرے ساتھ	ہم اچک لیے جائیں گے

مِنْ	اَرْضِنَا ؕ	اَوَ	لَمْ	نُمَكِّنْ	لَّهُمْ	حَرَمًا	اٰمِنًا
سے	اپنی زمین	کیا	نہیں	ہم نے جگہ دی	انھیں	حرم	امن والا ہے

يُّجْبٰٓى	اِلَيْهِ	ثَمَرٰتُ	كُلِّ	شَيْءٍ	رِّزْقًا	مِّنْ
لائے جاتے ہیں	اس کی طرف	پھل	ہر	چیز	رزق	سے

لَّدُنَّا	وَ	لٰكِنَّ	اَكْثَرَهُمْ	لَا	يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾
ہماری طرف	اور	لیکن	ان کے اکثر	نہیں	وہ جانتے

''وہ کہتے ہیں اگر ہم تیرے ساتھ اس ہدایت کی پیروی اختیار کریں تو ہم اپنی زمین سے اچک لیے جائیں گے۔کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے امن والے حرم کو ان کے لیے جائے قیام بنایا ہے۔جس میں ہماری طرف سے رزق کے طور پر ہر طرح کے پھل چلے آتے ہیں مگر ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''(۵۷)

فہم القرآن

ربط کلام: مکہ والوں کا ہدایت قبول نہ کرنے کا عذر لنگ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی رفیقہ حیات حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس وقت مکہ میں چھوڑا جب بیت اللہ کی بنیادیں تھیں مگر عمارت موجود نہ تھی اور مکہ شہر کا نام ونشان تک نہ تھا۔اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور ان الفاظ میں دعا کی۔

''اے میرے رب میں اپنے اہل وعیال کو بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑے جارہا ہوں تاکہ وہ نماز قائم کریں اور اے اللہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کردے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما تاکہ تیرا شکر ادا کریں۔''[ابراھیم:۳۷]

مکہ والے یہ بہانہ بناتے تھے کہ اگر ہم نے محمد ﷺ کے کہنے کہنے پر عقیدہ توحید قبول کرلیا تو لوگ ہمارے مخالف ہو جائیں گے جس سے ہمارا روزگار بند ہوجائے گا۔اللہ تعالیٰ نے ان کی غلط فہمی دور کرنے اور ان کی زر پرستی کو ضرب لگاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ کیا انھیں معلوم نہیں؟ کہ ہم نے کتنی قومیں اور بستیاں تباہ کیں جنھیں اپنے محلات،کاروبار اور دنیا کی ترقی پر بڑا ناز تھا۔جب ہم نے ان پر عذاب نازل کیا تو ان کے گھر اس طرح برباد ہوگئے جیسے یہاں کبھی کوئی آباد نہ ہوا ہو۔ہم ہی ان کے وارث ہوئے۔قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جن قوموں کو اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکشی کی وجہ سے تباہ کیا وہ

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ

اور کتنی | ہم نے ہلاک کردیں | سے | بستیاں | اِتراتی | اپنی معیشت

فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا

چنانچہ یہ | ان کے گھر | نہیں | آباد کیے گئے | ان کے بعد | مگر

قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵۸

تھوڑے | اور ہیں | ہم | وارث

’’اور کتنی ہی ایسی بستیاں ہم تباہ کر چکے ہیں جن کے لوگ اپنی معیشت پر اترآیا کرتے تھے سو دیکھ لو وہ ان کے مسکن پڑے ہوئے ہیں جن میں ان کے بعد کم ہی کوئی بسا ہے آخرکار ہم ہی وارث ہیں۔‘‘ (۵۸)

دنیا کے لحاظ سے بہت ترقی یافتہ تھیں۔ کیونکہ امیر لوگ ہی فیشن اور ترقی کے نام پر ہر قسم کی بُرائی اور بے حیائی کے موجد ہوتے ہیں۔ اے مکہ والو! جن بستیوں کو ہم نے تباہ کیا وہ تمھاری بستی سے کئی گنا طاقت ور تھیں۔

﴿وَ كَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ﴾ [محمد:۱۳]
اور کتنی ہی بستیاں جو اس بستی سے بڑھ کے طاقت ور تھیں، ہم نے اُنہیں ہلاک کردیا اُن کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حرم کو امن والا بنایا ہے۔ ۲۔ ’’اللہ‘‘ کے فضل سے دنیا بھر کے پھل مکہ میں چلے آتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حرم کو مکہ والوں کے رزق، امن اور عزت کا ذریعہ بنایا ہے۔

۴۔ نافرمان قوم کو دنیا کی ترقی ’’اللہ‘‘ کے عذاب سے نہیں بچا سکتی۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ نے کتنی نافرمان ترقی یافتہ اقوام کو تباہ برباد کیا۔

۶۔ انسان کو دنیا کی ترقی پر اترانا نہیں چاہیے۔ ۷۔ اول آخر ’’اللہ‘‘ ہی دنیا کا مالک ہے۔

تفسیر بالقرآن

لوگوں کی اکثریت حقیقت کا علم نہیں رکھتی:

۱۔ اگر ہم منکرین کے سامنے ہر چیز کو اکٹھا کردیتے تب بھی وہ ایمان نہ لاتے کیونکہ اکثر ان میں جاہل ہیں۔ (الانعام:۱۱۱)

۲۔ کیا زمین و آسمان کی تخلیق مشکل ہے یا انسان کی پیدائش مگر اکثر لوگ جاہل ہیں۔ (الفاطر:۵۷)

۳۔ یہ دین صاف اور سیدھا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف:۴۰)

۴۔ اللہ اپنے امر پر غالب ہے لیکن لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف:۲۱)

۵۔ اللہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ جاہل ہیں۔ (الروم:۶)

وَمَا	كَانَ	رَبُّكَ	مُهْلِكَ	الْقُرٰى	حَتّٰى	يَبْعَثَ
اور نہیں	ہے	آپ کا رب	ہلاک کرنے والا	بستیاں	یہاں تک کہ	وہ بھیجتا ہے
فِيْٓ	اُمِّهَا	رَسُوْلًا	يَّتْلُوْا	عَلَيْهِمْ	اٰيٰتِنَا ۚ	وَمَا
میں	ان میں سے بڑی بستی	رسول	وہ پڑھتا ہے	ان پر	ہماری آیات	اور نہیں
كُنَّا	مُهْلِكِي	الْقُرٰٓى	اِلَّا	وَ	اَهْلُهَا	ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾
ہیں ہم	ہلاک کرنے والے	بستیاں	مگر	کہ	ان کے باشندے	ظالم ہوں

’’اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہ تھا۔ جب تک کہ ان کے مرکز میں ایک رسول نہ بھیج دیتا جو انہیں ہماری آیات سناتا اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے رہنے والے ظلم کرنے والے نہ ہوں۔‘‘ (۵۹)

فہم القرآن

ربط کلام: بستیوں کو تباہ کرنے کی وجہ۔

اس سے پہلے ذکر ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ترقی یافتہ اور کئی مال دار بستیوں کو تباہ کیا۔ اب وضاحت کی جا رہی ہے کہ جن بستیوں کو تباہ کیا گیا ان پر آپ کے رب نے کوئی ظلم نہیں کیا۔ کیونکہ اُس کا اصول ہے کہ اُس وقت تک کسی قوم کو عذاب نہ دیا جائے جب تک اُس تک رب تعالیٰ کا پیغام نہ پہنچ جائے۔ اِسی اصول کے پیش نظر ہر تباہ کی جانے والی قوم کے مرکزی شہر یا علاقہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول بھیجے جو اُن کے سامنے اس کے فرامین بیان کرتے تھے اور اُنھیں بار بار بتلاتے اور سمجھاتے کہ اگر تم اپنے رب کی نافرمانی سے باز نہ آئے تو اس کا عذاب تم پر نازل ہوگا۔ جب لوگوں نے رسول کی ذات یا اُس کی تعلیمات کو کلی طور پر جھٹلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُس قوم پر عذاب نازل کیا۔ اُس کا عذاب ہمیشہ ظالم قوم پر ہی نازل ہوتا ہے۔ مرکزی شہر میں رسول بھیجنے کا مقصد یہ ہے تاکہ آسانی کے ساتھ لوگوں تک حق بات پہنچ جائے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ چھوٹے شہر، قصبات اور دیہات بڑے شہروں سے ہی متاثر ہوا کرتے ہیں۔ جس طرح غریب لوگ امیروں سے اور چھوٹے طبقات بڑے طبقہ سے متاثر ہوتے ہیں۔

ظلم سے پہلی مراد شرک ہے جسے اللہ تعالیٰ زیادہ دیر تک گوارہ نہیں کرتا اُس لیے اُس نے قومِ نوح، ثمود، عاد اور دیگر قوموں کو نیست و نابود کیا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنا پیغام پہنچانے سے پہلے کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے تباہ ہونے والے اقوام کے مرکزی مقامات پر اپنے رسول مبعوث فرمائے۔

۳۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا کام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام سے آگاہ کرنا ہوتا ہے۔

وَمَآ	اُوْتِيْتُمْ	مِّنْ	شَيْءٍ	فَمَتَاعُ	الْحَيٰوةِ
اور جو	تم دیے گئے	کوئی	چیز	سامان	زندگی
الدُّنْيَا	وَزِيْنَتُهَا ج	وَمَا	عِنْدَ	اللّٰهِ	خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ط
دنیا	اور اس کی زینت	اور جو	پاس	اللہ	بہتر اور دیرپا
اَفَلَا	تَعْقِلُوْنَ ع ۝۶۰	اَفَمَنْ	وَّعَدْنٰهُ	وَعْدًا	حَسَنًا
کیا پھر نہیں	تم عقل رکھتے ؟	کیا پھر وہ شخص	ہم نے اس سے وعدہ کیا	وعدہ	اچھا
فَهُوَ	لَاقِيْهِ	كَمَنْ	مَّتَّعْنٰهُ	مَتَاعَ	الْحَيٰوةِ
پھر وہ	پانے والا اس کو	اس شخص جیسا	جسے ہم نے فائدہ دیا	فائدہ	زندگی
الدُّنْيَا	ثُمَّ	هُوَ يَوْمَ	الْقِيٰمَةِ	مِنَ	الْمُحْضَرِيْنَ ۝۶۱
دنیا	پھر	وہ دن	قیامت	سے	حاضر کردہ لوگ

ع ٦ ٩

”تم لوگوں کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس سے بہتر اور باقی رہنے والا ہے کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ۔(۶۰) بھلا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہو اور وہ اسے پانے والا ہو اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے۔ جسے ہم نے صرف دنیا کی زندگی کا سامان دیا ہے پھر وہ قیامت کے دن سزا کے لیے پیش کیا جانے والا ہے۔“(۶۱)

فہم القرآن

ربط کلام: دنیادار لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ دین پر عمل کرنے سے اُن کا نقصان ہوگا۔ اس فرمان میں اُن کے اس ذہن کی نفی کی گئی ہے۔

اہلِ مکہ کا خیال تھا کہ اگر ہم عقیدہ توحید اپنائیں اور دین اسلام کو قبول کریں گے تو لوگ ہمارے مخالف ہو جائیں گے جس سے ہمیں کاروباری لحاظ سے نقصان پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اِس ذہن کی نفی کرتے ہوئے وضاحت فرمائی ہے کہ اے لوگو! تم اپنے محدود علم کی بنیاد پر یہ سوچتے ہو کہ اگر تم نے توحید خالص کو اپنایا اور دین اسلام کو اختیار کیا تو تمھیں دنیا کے حوالے سے نقصان پہنچے گا۔ یاد رکھو! یہ دنیا عارضی اور اُس کی زیب و زینت ناپائیدار ہے اگر تمھیں اللہ کے راستے پر چلنے سے کوئی نقصان پہنچتا ہے تو وہ نقصان آخرت کے مقابلے میں عارضی اور قابل تلافی ہے۔ جو کچھ تمھارے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں تیار کر رکھا ہے وہ لامحدود اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اگر تم حقیقی عقل رکھنے والے ہو تو سوچو اور غور کرو! تمھیں ہمیشہ ہمیش رہنے والی نعمتوں کے لیے کام کرنا ہے یا فنا ہونے والی دنیا کو ترجیح دینا ہے۔ جس نے دنیا کے مقابلے میں آخرت کو مقدم جانا اُس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا بہترین وعدہ ہے جسے وہ اپنے سامنے پائے گا۔ اس لیے سوچ لو کہ جسے ہم صرف دنیا کا فائدہ دیتے ہیں وہ

بہتر ہے یا آخرت کی لامحدود اور ہمیشہ ہمیش رہنے والی زندگی اور اس کی نعمتیں۔ اس حقیقت کے باوجود جس نے دنیا کو آخرت کے مقابلے میں مقدم سمجھا وہ آخرت میں ضرور ذلیل ہوگا۔

((وَلَوْ اَنَّ اِمْرَاَةً مِّنْ نِّسَآءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ اِلَى الْاَرْضِ لَاَضَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَاَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيْحًا وَلَنَصِيْفُهَا يَعْنِى الْخِمَارَ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا)) [رواه البخاری :کتاب الرقاق ،باب صفة الجنة والنار]

''اگر اہل جنت کی عورتوں سے کوئی زمین کی طرف جھانک لے تو مشرق ومغرب اور جو کچھ اس میں ہے روشن اور معطر ہو جائے۔ نیز اس کے سر کا دوپٹہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے قیمتی ہے۔''

((عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَوْضِعُ سَوْطٍ فِى الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا)) [رواه البخاری :باب مَا جَاءَ فِی صِفَةِ الْجَنَّةِ وَأَنَّهَا مَخْلُوقَةٌ]

''حضرت سہل بن سعد الساعدی ؓ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے ارشاد فرمایا جنت میں ایک کوڑے کے برابر جگہ ملنا جو کچھ زمین میں ہے اس سے بہتر ہے۔''

مسائل

۱۔ دنیا کی زندگی اور اس کے اسباب عارضی ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جو کچھ تیار کر رکھا ہے وہ دنیا و مافیھا سے بہتر اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے اور اچھے ہیں جن کا صلہ ہر مومن اپنے سامنے پائے گا۔

۴۔ جس نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کو مقدم جانا وہ آخرت میں ذلیل ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

دنیا کے مقابلے میں آخرت بہتر ہے:

۱۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔(الرعد:۲۶)

۲۔ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں نہایت مختصر ہے۔(التوبۃ:۳۸) ۳۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی عارضی ہے۔(الرعد:۲۶)

۴۔ دنیا کی زندگی تھوڑی ہے اور آخرت متقین کے لیے بہتر ہے۔(النساء:۷۷)

۵۔ یقیناً دنیا کی زندگی عارضی فائدہ ہے اور آخرت کا گھر ہی اصل رہنے کی جگہ ہے۔(المومن:۴۳)

۶۔ دنیا عارضی اور آخرت پائیدار ہے۔(المومن:۳۹) ۷۔ دنیا کی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے۔(الحدید:۲۰)

۸۔ دنیا کے مقابلے میں آخرت بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔(الاعلیٰ:۱۷)

۹۔ دنیا کھیل اور تماشا ہے۔(الانعام:۳۲)

وَيَوْمَ	يُنَادِيْهِمْ	فَيَقُوْلُ	اَيْنَ	شُرَكَآءِيَ	الَّذِيْنَ
اور دن	وہ انھیں بلائے گا	تو کہے گا	کہاں ہیں	میرے شریک	وہ جن

كُنْتُمْ	تَزْعُمُوْنَ ﴿٦٢﴾	قَالَ	الَّذِيْنَ	حَقَّ	عَلَيْهِمُ	الْقَوْلُ
تم تھے	تم گمان کرتے؟	اس نے کہا	وہ لوگ کہ	ثابت ہو چکا	ان پر	فرمان

رَبَّنَا	هٰٓؤُلَآءِ	الَّذِيْنَ	اَغْوَيْنَا ج	اَغْوَيْنٰهُمْ	كَمَا	غَوَيْنَا ج
اے ہمارے رب!	یہی ہیں	وہ لوگ	ہم نے گمراہ کیا	ہم نے انھیں گمراہ کیا	جس طرح	ہم گمراہ ہوئے

تَبَرَّاْنَآ	اِلَيْكَ ز	مَا	كَانُوْٓا	اِيَّانَا	يَعْبُدُوْنَ ﴿٦٣﴾	وَقِيْلَ
ہم برأت کرتے ہیں	تیرے سامنے	نہیں	تھے وہ	خاص ہماری ہی	عبادت کرتے	اور کہا جائے گا

''اور قیامت کے دن جب اللہ ان کو پکارے گا اور پوچھے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تم گمان رکھتے تھے۔ (٦٢) جن پر یہ فرمان ثابت ہوگا وہ کہیں گے اے ہمارے رب بے شک یہی لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا۔ انہیں ایسا گمراہ کیا جیسے ہم خود گمراہ تھے۔ ہم آپ کے سامنے براءت کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ صرف ہماری بندگی نہیں کرتے تھے۔ (٦٣) پھر ان سے کہا جائے گا

فہم القرآن

ربط کلام: آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دینے والوں کا انجام۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مشرکوں کے سامنے شرک کی حیثیت واضح کرنے اور انھیں ایک دوسرے کے سامنے ذلیل کرنے کے لیے حکم صادر فرمائے گا کہ میری ذات اور صفات میں شریک کرنے والو! وہ لوگ کہاں ہیں جن کو تم سفارشی اور حاجت روا، مشکل کشا سمجھ کر میرے شریک بنایا کرتے تھے؟ اُس وقت حقیقت واضح ہو چکی ہوگی کہ آج ہم ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکتے۔ اس لیے مریدوں سے پہلے پیر، عابد سے پہلے معبود پکار اُٹھیں گے اے ہمارے رب! بے شک یہی لوگ ہیں جنہیں ہم نے گمراہ کیا۔ یہ اسی طرح گمراہ ہوئے جس طرح ہم گمراہ تھے۔ پھر مریدوں کو موقعہ دیا جائے گا کہ بلاؤ اپنی مدد کے لیے جن کو دنیا میں تم مشکل کشا اور سفارشی سمجھتے تھے۔ جب غلط پیروں کو ان کے مرید مدد کے لیے پکاریں گے تو وہ ''اللہ'' کا عذاب دیکھتے ہی اپنی برأت کا اظہار کرتے ہوئے کہیں گے کہ اے اللہ یہ صرف ہماری عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ جگہ جگہ ٹکریں مارتے پھرتے تھے۔ دنیا میں مشرک کی یہی حالت ہوتی ہے کہ وہ بیک وقت کئی مزاروں کے چکر کاٹتا اور در در کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔ مجرم اس بات کا بھی اظہار کریں گے کہ کاش ہم ہدایت یافتہ ہوتے۔

بخاری شریف میں کئی مقامات پر رسولِ معظم ﷺ کا فرمان درج ہے جس میں آپ نے توحید کی برکات کا یوں ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ محشر کے میدان میں اعلان فرمائیں گے جو دنیا میں کسی کی عبادت کرتا تھا وہ اس کے پاس چلا جائے۔ مشرک

اُدْعُوْا	شُرَكَآءَكُمْ	فَدَعَوْهُمْ	فَلَمْ	يَسْتَجِيْبُوْا	لَهُمْ
تم بلاؤ	اپنے شریک	پھر وہ ان کو پکاریں گے	تو نہیں	وہ جواب دیں گے	انھیں

وَ	رَاَوُا	الْعَذَابَ	لَوْ	اَنَّهُمْ	كَانُوْا	يَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾
اور	وہ دیکھ لیں گے	عذاب	کاش کہ	بے شک وہ	ہوتے	ہدایت والے

کہ پکارو اب اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو انہیں پکاریں گے مگر وہ ان کو کوئی جواب نہیں دیں گے اور یہ لوگ عذاب دیکھ لیں گے کاش ہدایت اختیار کرنے والے ہوتے۔" (۶۴)

اپنے اپنے پیروں اور معبودوں کے پاس چلے جائیں گے لیکن کچھ لوگ کھڑے رہیں گے۔ جن میں فاسق لوگ بھی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے سوال فرمائیں گے کہ تم کیوں نہیں جاتے؟ وہ عرض کریں گے کہ ہم دنیا میں تیرے ساتھ کسی کو مشکل کشا، حاجت روا، دستگیر اور آپ کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک نہیں گردانتے تھے اب بھی تیری ذاتِ کبریا کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ چنانچہ شرک سے اجتناب کرنے اور توحید کے صلہ میں انہیں معاف کر دیا جائے گا۔ [رواہ البخاری تفسیر سورۃ النساء]

مسائل

۱۔ قیامت کے دن پیروں اور مریدوں کو ایک دوسرے کی مدد کرنے کا موقعہ دیا جائے گا۔
۲۔ غلط پیر مریدوں کے بولنے سے پہلے مریدوں کو گمراہ کرنے کا اعتراف کریں گے۔
۳۔ "اللہ" کا عذاب دیکھ کر قیامت کے دن پیر، مرید اپنی گمراہی پر افسوس کا اظہار کریں گے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن گمراہ پیروں اور مریدوں کا آپس میں جھگڑنا:

۱۔ قیامت کے دن پیر مرید ایک دوسرے کا انکار کریں گے اور ایک دوسرے پر پھٹکار کریں گے۔ (العنکبوت: ۲۵)
۲۔ قیامت کے دن پیشوا اپنے پیروکاروں سے براءت کا اظہار کریں گے۔ (البقرۃ: ۱۶۶)
۳۔ قیامت کے دن گمراہ پیروں اور لیڈروں کے پیچھے لگنے والے کہیں گے اگر دنیا میں جانا ہمارے لیے ممکن ہو تو ہم تم سے علیحدگی اختیار کریں گے۔ (البقرۃ: ۱۶۵)
۴۔ کمزور بڑوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے۔ (سبا: ۳۲۔۳۱)
۵۔ قیامت کے دن مجرم دوزخ میں جھگڑیں گے تو چھوٹے لوگ اپنے بڑوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے۔ (المومن: ۴۸)
۶۔ قیامت کے دن جہنمیوں کا آپس میں جھگڑنا یقینی ہے۔ (ص: ۶۴)

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾

اور دن | وہ ان کو آواز دے گا | تو وہ کہے گا | کیا | جواب دیا تھا تم نے | رسول

فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾

پھر اندھی ہو جائیں گی | ان پر | خبریں | اس دن | چنانچہ وہ | نہ سوال تک کر سکیں گے ایک دوسرے سے

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

چنانچہ | شخص | اس نے توبہ کی | اور | وہ ایمان لایا | اور اس نے عمل کیے | نیک

فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾

تو اُمید ہے | یہ کہ | وہ ہوگا | سے | فلاح پانے والوں

’’اور جس دن اللہ ان کو پکارے گا اور پوچھے گا کہ جو رسول بھیجے گئے تھے انہیں تم نے کیا جواب دیا تھا۔ (۶۵) اس وقت کوئی جواب ان کو نہ سوجھے گا اور نہ یہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ سکیں گے۔ (۶۶) البتہ جس نے آج توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے وہ امید رکھے کہ وہاں فلاح پانے والوں میں ہوگا۔‘‘ (۶۷)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرکوں سے دوسرا سوال۔

مشرکوں سے دوسرا سوال یہ کیا جائے گا کہ کیا تمھارے پاس رسول آئے اور اُنھوں نے میری ذات کا تعارف کروایا اور میرے ارشادات تم تک پہنچائے تھے؟ بتاؤ تم نے انبیاء کرام علیہم السلام کو کیا جواب دیا تھا۔ رب ذوالجلال کے جلال اور اپنے گناہوں کی وجہ سے رسولوں کے منکر کوئی جواب نہیں دے پائیں گے اور نہ ہی انھیں ایک دوسرے سے پوچھنے کی ہمت ہوگی۔ مجرم حواس باختی کی وجہ سے سب کچھ بھول جائیں گے۔ اس طرح ان پر گمراہی کی شہادت پوری ثابت ہو جائے گی۔ البتہ جن لوگوں نے شرک سے توبہ کی اور رسول اکرم ﷺ کی پیروی کرتے رہے یقیناً وہ کامیابی پائیں گے۔

رسول کے نافرمان کا قیامت کے دن حسرت کا اظہار:

’’ظالم انسان اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا کاش میں نے رسول کی اتباع کی ہوتی۔ ہائے میری کم بختی کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس کے بہکائے میں آکر میں نے وہ نصیحت نہ مانی جو میرے پاس آئی تھی شیطان انسان کے لیے بڑا ہی دھوکہ باز۔ اور رسول اکرم ﷺ کہیں گے کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو مذاق بنالیا تھا۔‘‘ (الفرقان: ۲۷تا۳۰)

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ط مَا كَانَ

اورآپ کارب | وہ پیدا کرتا ہے | جو | وہ چاہتا ہے | اوروہ پسند کرتا ہے | نہیں | ہے

لَهُمُ الْخِيَرَةُ ط سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٨﴾

ان کے لیے | کوئی اختیار | پاک | اللہ | اور برتر | ان سے | وہ شریک ٹھہراتے ہیں

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٦٩﴾

اورآپ کارب | وہ جانتا | جو | وہ چھپاتے ہیں | ان کے سینے | اورجو | وہ ظاہر کرتے ہیں

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط لَهُ الْحَمْدُ فِى

اور وہی ہے | اللہ | نہیں | کوئی اِلٰہ | مگر | وہی | اسی کے لیے ہے | تمام حمد | میں

الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ز وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٧٠﴾

دنیا | اور | آخرت میں | اوراسی کا ہے | حکم | اوراسی کی طرف | تم لوٹائے جاؤ گے

”آپ کارب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور منتخب کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔اس انتخاب کا لوگوں کو کوئی اختیار نہیں ہے۔اللہ پاک ہے اور بہت بلند وبالاتر ہے شرک سے جولوگ کرتے ہیں۔(٦٨) آپ کارب جانتا ہے جو کچھ لوگ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔(٦٩) وہی ایک اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔اسی کے لیے حمد ہے دنیا میں اور آخرت میں ہے۔فرماں روائی اسی کی ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جانے والے ہو۔“(٧٠)

فہم القرآن

ربط کلام: گمراہ اور ہدایت یافتہ لوگوں کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور اختیارات کا تذکرہ کرتا ہے۔

یہاں شرک کی نفی ایک خاص انداز میں کی گئی ہے۔مقصود یہ بتلانا ہے کہ اگر لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات کو بھول کر دوسروں کو اپنا معبود اور مشکل کشا بنا لیتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مشرک اللہ تعالیٰ کے اختیار سے باہر ہیں ایسا ہرگز نہ ہے۔بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمتِ کاملہ کا نتیجہ ہے کہ اس نے لوگوں کو ہدایت اور گمراہی کے بارے میں اختیار دے رکھا ہے۔کہ دونوں میں سے جس کا چاہیں انتخاب کر لیں۔کیونکہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو جس فطرت پر چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔اسے معلوم ہے کہ کس کو کس قسم کی صلاحیتیں دینی چاہئیں۔جسے چاہتا ہے اپنے کام کے لیے منتخب کر لیتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کے اختیارات میں کوئی بھی مداخلت نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس نے کسی مردہ یا زندہ بزرگ کو اپنی خدائی میں شریک بنایا ہے۔وہ ہر قسم کی شراکت داری سے مبرّا اور مشرکوں کے تصورات سے بلند وبالا ہے۔وہ لوگوں کے دلوں کے حال جانتا ہے کہ لوگ کس نیت اور مفاد کی خاطر اس کی ذات اور صفات میں

دوسروں کوشریک کرتے ہیں۔ وہی ''اللہ'' ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور نہ ہی کوئی کسی کی حاجت روائی کرنے والا ہے۔ اس کی ذات اور کام ہر لحاظ سے تعریف کے لائق ہیں۔ لہٰذا پہلے اور بعد، اوّل اور آخر وہی تعریف کے لائق ہے اور اسی کی تعریف کرنا چاہیے۔ کیونکہ سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور ہر کسی پر اسی کا حکم کارفرما ہے۔

((عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ قُلُوبَ بَنِی آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ يُصَرِّفُهُ حَيْثُ يَشَاءُ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم اللَّهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلَى طَاعَتِكَ)) [رواه مسلم:باب تصريف الله القلوب حيث يشاء]

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک بنی آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی طرح ہیں۔ وہ ان کو پھیرتا ہے جیسے چاہتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی۔ اے اللہ دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی فرمانبرداری کی طرف پھیرے رکھنا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے پیدا کرے اور جسے چاہے اپنے کام کے لیے منتخب فرماتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شرک سے پاک ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ مشرکوں کے شرک اور خیالات سے بلند و بالا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے خیالات کو جاننے والا ہے۔ ۵۔ ہر کسی نے ''اللہ'' کے ہاں ہی لوٹ کر جانا ہے۔

۶۔ ''اللہ'' کے سوا کوئی عبادت کے لائق اور اس کے سوا کوئی مشکل کشا اور حاجت روا نہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے:

۱۔ اللہ ہر ایک کی نماز اور تسبیح جانتا ہے۔ (النور:۴۱)

۲۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید جانتا ہے۔ (المائدۃ:۷)

۳۔ اللہ پر بھروسا کیجیے کیونکہ وہ سنتا اور جانتا ہے۔ (الانفال:۶۱)

۴۔ اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (النور:۱۸)

۵۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ (الحجرات:۱۶)

۶۔ جو اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ (البقرہ:۲۱۶)

۷۔ اللہ تعالیٰ تمہارے نفسوں کی خباثت کو جانتا ہے۔ (البقرۃ:۱۸۷)

۸۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے باطن اور ظاہر کو جانتا ہے وہی غیوب کا جاننے والا ہے۔ (التوبۃ:۷۸)

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمُ الَّيۡلَ

فرمادیجیے کیاتم نہیں دیکھتے اگر کردے اللہ تم پر رات

سَرۡمَدًا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَنۡ اِلٰهٌ غَيۡرُ

ہمیشہ کے لیے تک دن قیامت کون ہے الٰہ سوائے

اللّٰهِ يَاۡتِيۡكُمۡ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسۡمَعُوۡنَ ۝۷۱ قُلۡ

اللہ کے جولے آئے تمھارے پاس روشنی کیا پھر نہیں تم سنتے؟ فرمادیجیے

اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمُ النَّهَارَ

کیاتم غورنہیں کرتے اگر کردے اللہ تم پر دن

”اے نبی ان سے کہو کبھی تم نے غور کیا ہے کہ اگر اللہ قیامت تک رات طاری کردے تو اللہ کے سوا کونسا معبود ہے جو تمہیں روشنی لادے کیاتم سنتے نہیں ہو؟ (۷۱) ان سے پوچھو تم نے غور کیا کہ اگر اللہ قیامت تک تم پر دن چڑھائے رکھے۔

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ صرف مخلوق کو پیدا کرنے والا ہی نہیں بلکہ پوری کائنات کا نظام بھی چلا رہا ہے۔ جس میں مشرکوں کے بنائے ہوئے شریکوں کا ذرابرابر بھی عمل دخل نہ تھا نہ ہے اور نہ ہوگا۔

کائنات کے نظام میں لیل ونہار کی گردش کا بڑا عمل دخل ہے۔ اگر رات اور دن کا سلسلہ نہ ہوتا یا اسے ختم کردیا جائے تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے یہ رنگینیاں، چہل پہل اور انسان کی ترقی لیل ونہار کے نظام کی وجہ سے ہے۔ دن کی اہمیت اور کی ضرورت واضح ہے، رات کو لیجیے۔ اگر رات اور اس کی نیند نہ ہوتی تو انسان کب تک کام کاج کرسکتا تھا۔ یہ رات ہی کا فائدہ ہے کہ آدمی دن کا تھکا ماندہ سوتا ہے۔ لیکن صبح اُٹھتا ہے تو ذہن تازہ، جسم توانا اور ہر شخص اپنا اپنا کام کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رات کو اس طرح بنایا ہے کہ دنیا کا ایک وسیع وعریض حصہ آرام کررہا ہوتا ہے۔ جبکہ لوگوں کا دوسرا حصہ دنیا کا نظام چلا رہا ہوتا ہے۔ یہاں رات ہوتی ہے وہاں انسان ہی نہیں اس وسیع وعریض علاقے کے درندے، پرندے، کیڑے مکوڑے یہاں تک کہ چوپائے بھی آرام کرلیتے ہیں تاکہ صبح تازہ دم ہوکر انسانوں کی خدمت میں لگ جائیں۔

لیل ونہار کی گردش اور آنا جانا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایسی دلیل ہے کہ مشرکوں، خدا کے باغیوں اور کفار کے پاس اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ قیامت تک تم پر رات مسلط کردے تو بتاؤ۔ اس کے سوا کوئی ہے جو تمھارے لیے دن کی روشنی لے آئے لیکن پھر بھی تم اس کی قدرت پر توجہ نہیں دیتے۔ اگر اللہ تعالیٰ دن کو قیامت تک کے لیے طویل کردے تو بتاؤ کوئی ہے جس رات میں تم سکون پاتے ہو اسے دن میں تبدیل کردے۔ لیکن پھر بھی تم نگاہِ عبرت کے ساتھ اپنے رب کو پہچاننے اور اس کی قدرتوں کو دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہو۔ پھر دیکھو اور غور کرو کہ تمھارے رب کا تم پر کتنا کرم ہے اس

سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ

ہمیشہ کے لیے تک دن قیامت کے کون ہے الٰہ سوائے

اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾

اللہ کے جو لے آئے تمھارے پاس رات کو تم آرام کرلو اس میں؟ کیا پھر نہیں تم دیکھتے؟

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ

اور سے اپنی رحمت اس نے بنایا تمھارے لیے رات کو اور دن کو

لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

تاکہ تم آرام کرلو اس میں اور تاکہ تم تلاش کرو سے اس کا فضل اور تاکہ تم تم شکر کرو

تو اللہ کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہارے لیے رات لائے گا تاکہ تم اس میں سکون حاصل کر سکو کیا تم دیکھتے نہیں۔(۷۲) یہ اسی کی رحمت ہے کہ اس نے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ تم رات میں سکون حاصل کرو اور دن کو اپنے رب کا فضل تلاش کرو اس لیے کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔‘‘(۷۳)

نے رات کو تمھارے سکون کے لیے اور دن کو تمھارے کام، کاج کے لیے بنایا۔ تاکہ تم اس کی ذات پر ایمان اور اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر کے شکر گزار بن جاؤ۔ شکر گزار ہی اپنے رب کے تابعدار ہوا کرتے ہیں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی رات کو دن اور دن کو رات میں تبدیل کرتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے رات کو سکون اور دن کو کام کاج کے لیے بنایا۔

۳۔ ’’اللہ‘‘ کی قدرتوں پر غور کرنا اس پر ایمان لانا اور اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

رات اور دن ’’اللہ‘‘ کی عظیم نشانیاں ہیں:

۱۔ اللہ نے رات اور دن کو اپنی قدرت کی نشانیاں بنایا ہے۔(بنی اسرائیل:۱۲)

۲۔ دن، رات، سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔(حٰم السجدۃ:۳۷)

۳۔ آسمان اور زمین کی پیدائش، دن اور رات کے آنے جانے میں عقلمندوں کے لیے اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔(آل عمران:۱۹۰)

۴۔ بے شک دن اور رات کے مختلف ہونے میں اور جو کچھ اللہ نے زمین و آسمان میں پیدا کیا ہے، اُس میں لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔(یونس:۶)

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ

اور جس دن وہ انھیں بُلائے گا تو وہ فرمائے گا کہاں ہیں میرے شریک وہ جنہیں

كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٧٤﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا

تم تھے تم گمان کرتے؟ اور ہم نکالیں گے سے ہر اُمت ایک گواہ

فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ

پھر ہم کہیں گے لاؤ اپنی دلیل تو وہ جان لیں گے بلاشبہ سچی بات اللہ کی

وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٧٥﴾ ع

اور گم ہو جائے گا ان سے جو کچھ تھے وہ وہ جھوٹ باندھتے

ع ١٥/٧ ١٠

’’جس دن اللہ انہیں پکارے گا اور پوچھے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کو کا تم گمان کرتے تھے۔؟ (٧٤) اور ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے پھر کہیں گے کہ لاؤ اپنے شرک کی دلیل اس وقت انہیں معلوم ہو جائے گا کہ حق اللہ ہی کے لیے ہے اور ناپید ہو جائیں گے ان کے سارے جھوٹ جو انہوں نے گھڑ رکھے تھے۔‘‘ (٧٥)

فہم القرآن

ربط کلام : ’’اللہ‘‘ کی قدرتوں اور لیل ونہار کی گردش میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا تو پھر ذاتِ کبریا کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے کا کیا جواز ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں جس بات کی سب سے زیادہ تردید اور مذمت کی ہے وہ شرک ہے۔ شرک کرنے والا جن کو ’’اللہ‘‘ کے ساتھ یا اس کے سوا پکارتا ہے وہ کسی نہ کسی درجہ میں انہیں اللہ تعالیٰ کے برابر ٹھہراتا یا کم از کم اس کے اختیارات میں شریک سمجھتا ہے۔ مشرکوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سوال کرے گا بتاؤ جنھیں تم میرا شریک بناتے تھے کہاں ہیں؟ اگر ہیں تو انھیں سامنے لاؤ تاکہ وہ اپنی اور تمھاری مدد کر سکیں۔ جو بزرگ دنیا میں لوگوں کو شرک سے منع کرتے رہے۔ وہ رب ذوالجلال کے حضور اپنی صفائی پیش کریں گے کہ اے ہمارے رب! ہم نے ان لوگوں کو شرک کی نہ تعلیم اور نہ ہی ترغیب دی تھی۔ ہمارے بعد اُنھوں نے خود ہی ہمیں آپ کا شریک بنالیا تھا۔ جو لوگ بزرگی اور پیری فقیری کے چکر میں شرک کی تبلیغ اور ترغیب دیتے رہے۔ وہ ربّ ذوالجلال کے سامنے آنے کی جرأت نہیں کر سکیں گے ملائکہ انھیں مجرموں کی صورت میں رب تعالیٰ کے حضور پیش کریں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ ہر اُمت سے ایک دوسرے پر لوگوں کو گواہ کے طور پر پیش کریں گے تاکہ مشرکوں کو عملاً معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان سچ تھا کہ نہ اس کا کوئی شریک تھا اور نہ ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے مشرک سب کچھ بھول

جائیں گے اور نہ ہی شرک کی حمایت میں کوئی دلیل پیش کر سکیں گے۔

انبیاء کرام کی گواہی:

((عَنْ أَبِي سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُدْعٰى نُوْحٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ لَهٗ هَلْ بَلَّغْتَ فَيَقُوْلُ نَعَمْ فَيُدْعٰى قَوْمُهٗ فَيُقَالُ لَهُمْ هَلْ بَلَّغَكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ مَآ أَتَانَا مِنْ نَّذِيْرٍ أَوْ مَآ أَتَانَا مِنْ أَحَدٍ قَالَ فَيُقَالُ لِنُوْحٍ مَنْ يَّشْهَدُ لَكَ فَيَقُوْلُ مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهٗ قَالَ فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا﴾)) [مسند أحمد: كتاب باقي مسند المكثرين، باب: مسند أبي سعيد الخدري]

”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن نوح علیہ السلام کو پوچھا جائے گا کہ کیا تو نے میرا پیغام پہنچایا تھا؟ وہ جواب دیں گے ہاں پھر ان کی قوم کو بلا کر پوچھا جائے گا کیا انہوں نے تمہیں تبلیغ کی اور میرا پیغام پہنچایا۔ وہ کہیں گے ہمارے پاس تو ڈرانے والا کوئی نہیں آیا۔ حضرت نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا آپ کی گواہی کون دے گا؟ وہ کہیں گے محمد ﷺ اور اس کی امت۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ (اسی طرح ہم نے تمہیں امتِ وسط بنایا ہے)۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مشرک سے ان کے شرک کے بارے میں سوال کرے گا۔

۲۔ مشرک اپنے شرک کا کوئی جواز پیش نہیں کر سکیں گے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے پر گواہ کے طور پر پیش کرے گا۔ ۴۔ ہر نبی اپنی امت پر گواہ ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن شہادتیں:

۱۔ اس دن تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا اور وہ پیشی کا دن ہوگا۔ (ھود:۱۰۳)

۲۔ افترا پردازی کرنے والوں کے خلاف شہادتیں پیش کی جائیں گی۔ (ھود:۱۸)

۳۔ قیامت کے دن مجرم کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اس کے ہاتھ اور پاؤں اس کے خلاف گواہی دیں گے۔ (یٰس:۶۵)

۴۔ قیامت کے دن ہاتھ، پاؤں اور زبان مجرم کے خلاف شہادت دیں گے۔ (النور:۲۴)

۵۔ قیامت کے دن مجرم کے خلاف اس کے کان، آنکھیں اور جسم گواہی دے گا۔ (حٰم السجدۃ:۲۰)

۶۔ سب کا حساب کتاب لکھا ہوا ہے اور فرشتے ان پر گواہی دیں گے۔ (المطففین:۲۰۔۲۱)

۷۔ انبیاء کرام اپنی اپنی امت کے بارے میں گواہی دینگے۔ (النساء:۴۱)

اِنَّ	قَارُوْنَ	كَانَ	مِنْ	قَوْمِ	مُوْسٰى	فَبَغٰى	
بلاشبہ	قارون	تھا	سے	قوم	موسیٰ	اس نے ظلم کیا	
عَلَيْهِمْ ۪	وَاٰتَيْنٰهُ	مِنَ	الْكُنُوْزِ	مَآ	اِنَّ	مَفَاتِحَهٗ	
ان پر	اور ہم نے اسے دیئے	سے	خزانے	اس قدر کہ	بلاشبہ	اس کی چابیاں	
لَتَنُوْٓاُ	بِالْعُصْبَةِ	اُولِي الْقُوَّةِ ۗ	اِذْ	قَالَ	لَهٗ		
بھاری تھیں	ایک جماعت پر	طاقت والی	جب	اس نے کہا	اس کے لیے		
قَوْمُهٗ	لَا	تَفْرَحْ	اِنَّ	اللّٰهَ	لَا	يُحِبُّ	الْفَرِحِيْنَ ۝۷۶
اس کی قوم	نہ	فخر کرتو	بلاشبہ	اللہ	نہیں	وہ پسند کرتا	اترانیوالے

''یقیناً قارون موسیٰ کی قوم کا ایک فرد تھا پھر وہ اپنی قوم کے خلاف ہوگیا اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ ان کی چابیاں ایک طاقت ور جماعت اٹھایا کرتی تھی۔ایک دفعہ جب اس کی قوم کے لوگوں نے اس سے کہا فخر نہ کرو۔ کیونکہ اللہ فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''(۷۶)

فہم القرآن

ربط کلام : اِس سورۃ مبارکہ کی آیت ۵۷ میں اہل مکہ کے عذر لنگ کا ذکر کیا گیا ہے اُن کا کہنا تھا کہ اگر ہم اس نبی کی اتباع کریں تو ہمارے کاروبار تباہ ہوجائیں گے۔سورت کے اختتام میں اہل مکہ اور دنیا پرست لوگوں کے سامنے ایک سرمایہ دار کے انجام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اہلِ علم نے توراۃ اور تاریخ کے حوالے سے یہ بات تحریر کی ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا۔جس نے موسیٰ علیہ السلام کی بغاوت اور اپنی قوم کے ساتھ غداری کی۔جس کے معاوضہ میں فرعون نے اُسے اپنے ہاں ایک خاص مقام دیا۔ حکومتی خزانے کے بعد ملک بھر میں سب سے زیادہ دولت اس کے پاس تھی۔جس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ سینکڑوں خچر اور اُونٹ اُس کے خزانے کی چابیاں اُٹھایا کرتے تھے۔قرآنِ مجید نے قارون کے بارے میں فقط اِتنا بتلایا ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم یعنی بنی اسرائیل سے تعلق رکھتا تھا۔وہ اپنی قوم کے برخلاف چلا۔اللہ تعالیٰ نے اس کی رسی دراز کی اور اُسے اِس قدر مال دیا جس کی چابیاں ایک طاقت ور جماعت بھی مشکل سے اُٹھایا کرتی تھی۔قارون اپنے مال پر اترانے والا اور یتیموں، مسکینوں کے حقوق سلب کرنے والا تھا۔اُس کی قوم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہت سمجھایا کہ اپنے مال پر اکڑ پھکڑ کا اظہار نہ کر۔کیونکہ اللہ تعالیٰ اکڑ پھکڑ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔فخر وغرور کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تجھے دے رکھا ہے۔اُس سے آخرت کا گھر بنانے کی کوشش اور مال سے ذاتی طور پر فائدہ اُٹھانے کے ساتھ ساتھ غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کی خدمت کر۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر احسان فرمایا ہے اِس لیے تجھے بھی کمزور لوگوں پر احسان کرنا چاہیے۔

وَابْتَغِ	فِيْمَآ	اٰتٰىكَ	اللّٰهُ	الدَّارَ	الْاٰخِرَةَ
اور تو تلاش کر	اس میں	تجھے دیا	اللہ	گھر	آخرت
وَلَا	تَنْسَ	نَصِيْبَكَ	مِنَ	الدُّنْيَا	وَاَحْسِنْ
اور نہ	تو بھول	اپنا حصہ	سے	دنیا	اور تو احسان کر

كَمَآ	اَحْسَنَ	اللّٰهُ	اِلَيْكَ	وَلَا	تَبْغِ	الْفَسَادَ
جس طرح کہ	اس نے احسان کیا	اللہ	تجھ پر	اور نہ	تو کوشش کر	فساد
فِي	الْاَرْضِ	اِنَّ	اللّٰهَ	لَا	يُحِبُّ	الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾
میں	زمین	بے شک	اللہ	نہیں	وہ پسند کرتا	فساد کرنے والے

”جو تجھے اللہ نے مال دیا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر اور دنیا میں سے اپنا حصہ فراموش نہ کر۔ اور لوگوں پر احسان کر جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کر۔ اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“ (۷۷)

کمزوروں کی مدد نہ کرنا، یتیموں، مسکینوں کے حقوق ادا کرنے سے اجتناب کرنا اور اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال پر تکبر کا اظہار کرنا زمین میں فساد کرنے کے مترادف ہے۔ یاد رکھیے کہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

مسائل

۱۔ قارون اپنی قوم کا غدار اور فرعون کا دستِ راز تھا۔ ۲۔ قارون اپنے مال پر اترانے والا تھا۔

۳۔ اُس کی قوم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُسے بہت سمجھایا لیکن وہ فخر و غرور میں آگے ہی بڑھتا گیا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ فخر و غرور اور فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ۵۔ جس پر اللہ تعالیٰ احسان فرمائے اُسے لوگوں پر احسان کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو پسند نہیں کرتا؟

۱ اللہ تعالیٰ فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (النساء: ۳۶) ۲۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (النساء: ۱۰۷)

۳۔ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (المائدۃ: ۶۴) ۴۔ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (الانعام: ۱۴۲)

۵۔ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (النحل: ۲۳) ۶۔ اللہ تعالیٰ کفر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (الروم: ۴۵)

۷۔ اللہ تعالیٰ بے حیائی کو پسند نہیں کرتا۔ (النساء: ۲۲) ۸۔ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (الشوریٰ: ۴۰)

۹۔ اسراف کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ (الانعام: ۱۴۱)

قَالَ	اِنَّمَآ	اُوْتِيْتُهٗ	عَلٰى	عِلْمٍ	عِنْدِيْ ؕ	اَوَ
اس نے کہا	یقیناً	میں وہ دیا گیا ہوں	پر	علم	میرے پاس	کیا اور
لَمْ	يَعْلَمْ	اَنَّ	اللّٰهَ	قَدْ	اَهْلَكَ	مِنْ قَبْلِهٖ
نہیں	جانا اس نے	کہ بے شک	اللہ	تحقیق	ہلاک کیے	سے پہلے اس
مِنَ	الْقُرُوْنِ	مَنْ	هُوَ	اَشَدُّ	مِنْهُ	قُوَّةً وَّ
سے	امتیں	وہ		بہت زیادہ	اس سے	قوت اور
اَكْثَرُ	جَمْعًا ؕ	وَلَا	يُسْئَلُ	عَنْ	ذُنُوْبِهِمُ	الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾
بہت زیادہ تھے	جمعیت	اور نہیں	پوچھے جاتے	سے	اپنے گناہوں	مجرم لوگ

’’تو اس نے کہا یہ سب کچھ مجھے اس علم کی بنا پر دیا گیا ہے جو مجھے حاصل ہے۔ کیا اسے معلوم نہیں تھا کہ اللہ اس سے پہلے بہت سے ایسے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے جو اس سے زیادہ قوت اور جمعیت رکھتے تھے۔ مجرموں سے تو ان کے گناہ نہیں پوچھے جاتے۔‘‘ (۷۸)

فہم القرآن

ربط کلام: قوم اور موسیٰ علیہ السلام کے سمجھانے کے باوجود قارون کا طرزِ عمل۔

قوم کے معزّز اور صالح لوگوں نے قارون کو بہت سمجھایا کہ تجھے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوتے ہوئے غریبوں، مسکینوں پر مال خرچ کرنا چاہیے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت سے باز آنا چاہیے۔ معزز لوگوں کی بات سمجھنے کی بجائے قارون کہنے لگا کہ اس مال میں کسی دوسرے کا کوئی حق نہیں بنتا کیونکہ یہ میری قابلیت اور محنت کا نتیجہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اِن لوگوں کو خوشحال کرنا ہوتا تو وہ ضرور اُنھیں مال دیتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اِن کی یہی حالت منظور ہے اس لیے میں اپاہج اور نکمے لوگوں پر اپنا مال ضائع نہیں کر سکتا۔ یہی بات اہل مکہ کے کچھ لوگ کہا کرتے تھے۔ جب اُنھیں سمجھایا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے جو تمھیں رزق دے رکھا ہے اُس میں سے غریبوں، مسکینوں پر خرچ کرو۔ وہ کہتے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اِن کو ضرور کھلاتا پلاتا۔ (سورۃ یٰس: ۴۷)

گویا کہ مشرکین مکہ نہ صرف فرعون اور قارون کی طرح اپنے نبی کے نافرمان تھے بلکہ فکری اور عملی طور پر قارون کے ساتھی بن چکے تھے اس لیے قارون کا واقعہ ذکر فرما کر اُنھیں نبی اکرم ﷺ کی بغاوت اور دنیا کے مال واسباب پر فخر وغرور کرنے سے روکا گیا ہے۔ لیکن یہ لوگ قارون کی طرح فخر وغرور میں آگے ہی بڑھتے گئے۔ جس طرح قارون بھول چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ اُس

سے پہلے بہت سے ایسے لوگوں کو تباہ کر چکا ہے جو جسمانی قوت اور مال و دولت کے لحاظ سے اِس سے کہیں بڑھ کر تھے۔ اللہ تعالیٰ جب مجرموں کی گرفت کرتا ہے تو پھر اُن سے یہ نہیں پوچھتا کہ تم کیا کر رہے تھے۔ اس لیے کہ وہ ہمیشہ سے باخبر ہے کہ کون کیا عمل کر رہا ہے۔ بالفاظ دیگر عذاب کے وقت مجرموں کو مہلت نہیں دی جاتی۔

((مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ)) [رواه البخاری: کتاب الأذان، باب الذکر بعد الصلوة]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں نہ ہی اُس کا کوئی شریک ہے تمام کی تمام بادشاہت اُسی کے لیے ہے اور وہ ہی سب تعریفوں کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! جو چیز تو دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو چیز تو نہ دے اسے کوئی دینے والا نہیں۔ تجھ سے بڑھ کر کوئی عظمت والا نفع نہیں دے سکتا''

مسائل

۱۔ کسی انسان کو دنیا کا مال صرف اُس کی لیاقت کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتا ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے نافرمان طاقتور اور مالداروں کو ہلاک کیا ہے۔
۳۔ ہلاک کرتے وقت اللہ تعالیٰ مجرم کے جرائم کے بارے میں سوال نہیں کرتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے بہت سے مجرموں کو دنیا میں تباہ و برباد کیا:

۱۔ تمہارے پروردگار کا حکم آچکا کہ ان پر نہ ٹلنے والا عذاب آنے والا ہے۔ (ھود:۷۶)
۲۔ ہم نے تم سے پہلے بستیوں والوں کو ہلاک کیا جب انہوں نے ظلم کیا۔ (یونس:۱۳)
۳۔ کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کیں اور وہ اپنے آپ پر ظلم کرنے والی تھیں۔ (الحج:۴۵)
۴۔ اللہ نے انبیاء کی طرف وحی کی کہ ہم ضرور ظالموں کو ہلاک کریں گے۔ (ابراہیم:۱۳)
۵۔ اللہ ظالم لوگوں کو ہلاک کرتا ہے۔ (الانعام:۴۷)
۶۔ نہیں ہم نے ہلاک کیں بستیاں مگر ان کے رہنے والے ظالم تھے۔ (القصص:۵۹)
۷۔ جس نے ہماری آیات سے اعراض کیا وہ ظالم ہے اور ہم مجرموں سے بدلہ لیا کرتے ہیں۔ (السجدہ:۲۲)

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ
پھر وہ نکلا پر اپنی قوم میں اپنی زینت اس نے کہا وہ لوگ

یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ
وہ چاہتے تھے زندگی دنیا اے کاش! ہمارے لیے مثل جو

اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ
دیا گیا قارون بلاشبہ وہ نصیب والا بڑے اور اس نے کہا

الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ
وہ لوگ دیے گئے تھے علم افسوس تم پر ثواب اللہ بہتر ہے

''ایک دن قارون اپنی قوم کے سامنے پوری ٹھاٹھ، باٹھ کے ساتھ نکلا اسے دیکھ کر دنیا کی زندگی کے طالب کہنے لگے کاش ہمیں بھی وہی کچھ ملتا جو قارون کو دیا گیا ہے یہ تو بڑے نصیب والا ہے۔(۷۹) مگر جولوگ علم رکھنے والے تھے وہ کہنے لگے افسوس تمہارے حال پر اللہ کا اجر بہتر ہے۔

فہم القرآن

ربط کلام: قارون کا عملاً فخر وغرور کا اظہار کرنا اور اُس کا بدترین انجام ہونا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک دن قارون لباسِ فاخرہ پہنے ہوئے نوکروں، چاکروں اور اپنے دوست واحباب کے ساتھ پورے جاہ وجلال کے ساتھ بڑے جلوس کی شکل میں نکلا۔ تاکہ جاہ وحشمت اور اپنی دولت وثروت کی لوگوں پر دھاک بٹھا سکے۔ وہ اِس جاہ وجلال اور شوکت وحشمت کے ساتھ نکلا کہ کمزور ایمان والے لوگ اِس قدر مرعوب ہوئے کہ بے ساختہ پکار اُٹھے کہ کاش! ہمیں بھی اس طرح کا مال اور اسباب دیئے جاتے جس طرح قارون کو دیئے گئے ہیں۔ یہ تو بڑا ہی خوش بخت اور اچھے نصیب والا ہے۔ لوگوں کی مرعوبیت دُور کرنے اور ان کی حقیقی نعمتوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے صاحب علم یعنی صالح کردار لوگوں نے اُنھیں سمجھایا کہ تم پر افسوس ہو کہ دنیا کے مال اور شان وشوکت سے مرعوب ہوئے جارہے ہو۔ دیکھو اور غور کرو! کہ حقیقی اور ہمیشہ رہنے والی اللہ کے ہاں دولت وہ اجر ہے جو صاحبِ ایمان اور صالح کردار لوگوں کو حاصل ہوگا۔ اُس اجر کو وہی لوگ پا سکیں گے جو سچے ایمان اور صالح کردار پر ثابت قدم رہیں گے۔ صاحبِ علم لوگ ابھی کمزور ایمان والوں کو سمجھا ہی رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قارون کو اُس کے تکبر کی وجہ سے اُسکے مال اور محلات سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ جب وہ اپنے

لِّمَنْ	اٰمَنَ	وَعَمِلَ	صَالِحًا ۚ	وَلَا	يُلَقّٰهَآ
اس کے لیے	وہ ایمان لایا	اور اس نے عمل کیے	نیک	اور نہیں	سکھلائی جاتی اسے بات
اِلَّا	الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾	فَخَسَفْنَا	بِهٖ	وَبِدَارِهِ	الْاَرْضَ قف
مگر	صبر کرنے والوں	چنانچہ ہم نے دھنسا دیا	ساتھ اس کے	اور اس کا گھر	زمین
فَمَا	كَانَ	لَهٗ	مِنْ	فِئَةٍ	يَّنْصُرُوْنَهٗ	مِنْ
پھر نہ	ہوئی	اس کے لیے	سے	جماعت	جو اس کی مدد کرتی	سے
دُوْنِ	اللّٰهِ ۗ	وَمَا	كَانَ	مِنَ	الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾
سوائے	اللہ	اور نہ	ہوا	سے	بدلہ لینے والے

اس شخص کے لیے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صبر کرنے والوں کو۔(۸۰) آخر کار ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا پھر کوئی اس کی مدد کرنے والا نہ تھا جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتا اور نہ وہ اپنی مدد آپ کر سکا۔''(۸۱)

مال واسباب کے ساتھ زمین میں دھنس رہا تھا تو اُس کے حواری اور نوکر چاکر اس کی کوئی مدد نہ کر سکے جو کل اُس پر رشک کر رہے تھے آج اپنے آپ پر افسوس کرنے لگے اور بے ساختہ کہہ اُٹھے کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے رزق کی کشادگی سے سرفراز کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے رزق تنگ رکھتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی قارون کے ساتھ دھنسا دیا جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے باغیوں اور منکروں کو حقیقی کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔

صبر واستقامت کی اہمیّت:

صبر بے بسی کا نام نہیں صبر قوت برداشت' قوت مدافعت بحال رکھنے اور طبیعت کو شریعت کا پابند بنانے کا نام ہے۔ دشمن کے مقابلے میں بہادری اور مستقل مزاجی کے ساتھ پریشانیوں پر حوصلہ رکھنے کا نام صبر ہے اور صبر کرنے والے کو آخرت میں بغیر حساب جنت میں داخلہ نصیب ہوگا اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رفاقت و دستگیری حاصل ہوگی۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ﴾ [البقرة:۱۵۲]

''اللہ کی رفاقت اور دستگیری صبر کرنیوالوں کے لیے ہے۔''

﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ [البقرة:۱۵۲]

''صبر اور نماز کے ذریعے اللہ کی مدد طلب کیجیے۔''

﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [الزمر:۱۰]

وَ اَصۡبَحَ الَّذِیۡنَ تَمَنَّوۡا مَکَانَہٗ بِالۡاَمۡسِ یَقُوۡلُوۡنَ

اور ہو گئے وہ | وہ لوگ | تمنا کی تھی انہوں نے | اس کا مقام | کل | وہ کہتے ہیں

وَیۡکَاَنَّ اللّٰہَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ

افسوس کیا نہیں کہ | اللہ | وہ کشادہ کرتا ہے | رزق | جس کے لیے | وہ چاہتا ہے | سے

عِبَادِہٖ وَ یَقۡدِرُ ۚ لَوۡ لَاۤ اَنۡ مَّنَّ اللّٰہُ عَلَیۡنَا

اپنے بندوں | اور وہی تنگ کرتا ہے | اگر نہ ہوتا | یہ کہ | احسان | اللہ | ہم پر

لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَیۡکَاَنَّہٗ لَا یُفۡلِحُ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۸۲﴾ ع

تو البتہ وہ دھنسا دیتا | ہمیں | افسوس اُس پر | نہیں | وہ فلاح پاتے | کافر

ع ۸ / ۱۱

''اب وہی لوگ جو کل اس کے مقام کی تمنا کر رہے تھے کہنے لگے افسوس ہم بھول گئے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کا رزق چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے کم کر دیتا ہے۔ اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیا جاتا۔ افسوس کہ ہمیں یاد نہ رہا کہ کافر فلاح نہیں پایا کرتے۔'' (۸۲)

''صبر کرنیوالوں کی جزاء حساب وکتاب کے بغیر جنت کا داخلہ ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے وہ شخص زندگی کے حقائق سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا۔ جس میں صبر واستقامت کا فقدان ہو۔ (سیرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ)

((قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ)) [رواہ البخاری: کتاب الایمان]

''اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرو اور پھر اس پہ ڈٹ جاؤ۔''

تفسیر بالقرآن

صبر کا مفہوم اور اس کا صلہ:

۱۔ جو لوگ صبر اور نیک عمل کرتے ہیں ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔ (ہود: ۱۱)

۲۔ صبر بڑے کاموں میں سے ایک کام ہے۔ (الاحقاف: ۳۵)

۳۔ صبر کرنے والوں کا انجام بہترین ہوتا ہے۔ (الحجرات: ۵)

۴۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ: ۱۵۳) ۵۔ صبر کرنے والے کامیاب ہوں گے۔ (المومنون: ۱۱۱)

۶۔ صبر کرنے والے بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ (الزمر: ۱۰)

تِلۡكَ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ نَجۡعَلُهَا لِلَّذِيۡنَ لَا يُرِيۡدُوۡنَ

یہ دار آخرت ہم اس کو کرتے ہیں لوگوں کے لیے نہیں وہ چاہتے

عُلُوًّا فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فَسَادًا‌ ؕ وَالۡعَاقِبَةُ

بڑائی میں زمین اور نہ فساد اورانجام

لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۸۳﴾ مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيۡرٌ مِّنۡهَا‌ ۚ

متقین کے لیے جو نیکی لائے گا تو اس کے لیے بہتر اس سے

وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجۡزَى الَّذِيۡنَ

اور جو کوئی برائی لائے تو نہیں بدلہ دیے جائیں گے وہ لوگ

عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۴﴾

انہوں نے عمل کیے بُرے مگر جو تھے وہ عمل کرتے

''آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے خاص کریں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرتے ہیں اور انجام کار متقین کے لیے ہے۔(۸۳) جو کوئی نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے اس سے بہتر بدلہ ہوگا اور جو برائی کے ساتھ آیا۔ برائی کرنے والوں کو ویسا ہی بدلہ ملے گا جیسے وہ عمل کرتے تھے۔''(۸۴)

فہم القرآن

ربط کلام: قارون کی بربادی فخر وغرور کی وجہ سے ہوئی، اس لیے غرور اور تکبر سے اجتناب کرنے والوں کے اجر کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قارون کو دنیا کے مال و اسباب سے نوازا تھا۔ لیکن اُس نے شکر اور عاجزی اختیار کرنے کی بجائے کفر اور تکبر کا رویہ اختیار کیا۔ جس کے نتیجہ میں اُسے اس کی دولت سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ قارون کے انجام سے لوگوں کو بتلا دیا گیا ہے کہ تکبر کرنے والوں کا بالآخر یہ انجام ہوگا۔ جو لوگ اللہ کی نافرمانی اور فخر وغرور سے بچیں اور زمین میں دنگا و فساد کرنے سے اجتناب کریں گے۔ اُن کے لیے آخرت کا بہتر گھر ہوگا اِس کے ساتھ ہی یہ اصول بھی بتلا دیا گیا کہ امیر ہو یا غریب، دنیا کے لحاظ سے چھوٹا ہو یا بڑا جو بھی شریعت کے مطابق نیکی کرے گا اُسے اُس کی نیکی سے بڑھ کر ثواب دیا جائے گا اور جو اپنے رب کے حضور برائی کے ساتھ آئے گا اُسے اُس کی برائی کے برابر ہی سزا دی جائے گی۔

نیکی کی بہتر جزا:

﴿مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا‌ وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجۡزٰۤى اِلَّا مِثۡلَهَا وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ﴾ [الانعام: ١٦٠]

’’جو نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے دس گنا ثواب ہوگا اور جو برائی لے کر آئے گا سوائے اس کے برابر سزا دی جائے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔‘‘

﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍؕ وَ اللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ﴾ [البقرۃ: ۲۶۱]

’’جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اللہ تعالیٰ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، خوب جاننے والا ہے۔‘‘

اہل علم نے ’’عُلُوًّا‘‘ کا معنیٰ ’’زیادتی، فخر و غرور‘‘ بیان کرنے کے ساتھ دوسروں کو نیچا دکھانا لکھا ہے۔ سورہ قصص کی ابتداء فرعون کے ظلم و زیادتی کے ذکر سے ہوئی۔ سورہ کا اختتام فرعون کے قریبی ساتھی ہامان کے انجام سے کیا گیا ہے۔ فرعون نے اقتدار کے نشہ میں ’’اللہ‘‘ کی توحید کو ٹھکرا دیا اور قارون نے دولت کے نشے میں آ کر اللہ کے بندوں پر تکبر کا اظہار کیا۔ دونوں کا انجام بدترین ہوا۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَجُرُّ اِزَارَهٗ مِنَ الْخُیَلَاءِ خُسِفَ بِهٖ فَهُوَ یَتَجَلْجَلُ فِی الْاَرْضِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ)) [رواه البخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء]

’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک دفعہ ایک شخص تکبر کے ساتھ چادر گھسیٹ کر چل رہا تھا تو اسے زمین میں دھنسا دیا گیا۔ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا جائے گا۔‘‘

مسائل

۱۔ جو لوگ فخر و غرور اور فساد فی الارض سے بچتے ہیں اُن کے لیے آخرت کا بہترین گھر ہوگا۔

۲۔ متقین کا بالآخر انجام بہتر ہوگا۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ نیکی کی بہتر جزا دے گا اور بُرے کو اس کی برائی کے برابر سزا دے گا۔

تفسیر بالقرآن

نیکی اور برائی کا بدلہ:

۱۔ جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔ جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اس کو دیکھ لے گا۔ (الزلزال: ۷تا۸)

۲۔ جو ایک نیکی کرے گا اس کو دس گُنا کا بدلہ ملے گا جو برائی کرے گا اس کی سزا صرف اتنی ہی ہوگی۔ (الانعام: ۱۶۰)

۳۔ برائی کا بدلہ اس کی مثل ہی ہوگا۔ (القصص: ۸۴) ۴۔ نافرمانوں کو ہمیشہ کے عذاب کی سزا دی جائے گی۔ (یونس: ۵۲)

۵۔ جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اس کا بدلہ جہنم ہے۔ (النازعات: ۳۷)

۶۔ صبر کرنے والوں کے لیے جنت ہے۔ (الدھر: ۱۲) ۷۔ تکبر کرنے والوں کو ذلّت آمیز سزا دی جائے گی۔ (احقاف: ۲۰)

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى

بلاشبہ | جس نے | فرض کیا | آپ پر | قرآن | وہ لوٹانے والا ہے آپ کو | طرف

مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى

لوٹنے کی جگہ | فرمادیجیے | میرا رب | خوب جانتا ہے | جو | آیا | ساتھ ہدایت کے

وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٨٥﴾ وَمَا كُنْتَ

اور جو | وہ | میں | گمراہی | ظاہر | اور نہیں | تھے آپ

تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً

اُمید رکھتے | یہ کہ | القاء کی جائے گی | آپ کی طرف | کتاب | مگر | رحمت

مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾

سے | آپ کا رب | لہٰذا نہ | ہوں آپ | مددگار | کافروں کے لیے

اے نبی یقین جانو کہ جس نے یہ قرآن تم پر فرض کیا ہے وہ تمہیں بہترین مقام تک پہنچانے والا ہے۔ ان لوگوں سے فرما دو کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ ہدایت کے ساتھ کون آیا ہے اور کھلی گمراہی میں کون مبتلا ہے۔ (٨٥) آپ اس بات کے ہرگز امیدوار نہ تھے کہ آپ پر کتاب نازل کی جائے گی یہ آپ کے رب کی مہربانی کا نتیجہ ہے پس آپ کافروں کے مددگار نہ ہونا۔" (٨٦)

فہم القرآن

ربط کلام: اہل مکہ کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کا اختلاف قرآنِ مجید کی تلاوت اور اس کی مرکزی دعوت توحید سے ہوا۔ اس لیے آخر میں آپ کی نبوت کے بارے میں وضاحت اور توحید کی مخالفت کرنے والوں کا انجام ذکر کیا گیا ہے۔

نبی محترم ﷺ کو تسلی دینے اور کفار کے الزام کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے۔ اے رسول ﷺ! حالات جیسے بھی ہوں قرآن مجید کو لوگوں تک من وعن پہنچانا ہم نے آپ پر فرض قرار دیا ہے۔ اِس سے پہلے آپ کے ذہن میں وہم وگمان بھی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر قرآن نازل کرے گا اور اپنے کام کے لیے آپ کو منتخب فرمائے گا۔ آپ حوصلے اور جوانمردی کے ساتھ اپنے رب کا پیغام لوگوں کے سامنے پڑھیں اور کھول کھول کر اُس کی توحید بیان فرمائیں، کسی اعتبار سے بھی کفار کے ساتھ معاونت نہ کریں یہ قرآن آپ پر آپ کے رب کی طرف سے رحمت بن کر نازل ہوا ہے اِس لیے اللہ تعالیٰ آپ کے مقام کو سب سے اعلیٰ اور بہتر بنائے گا، آپ کی کامیابی کا پھریرا بلند ہوگا اور آخرت میں آپ حوضِ کوثر کے مالک ہوں گے۔ آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون شخص گمراہ ہے اور اسے خوب معلوم ہے کہ آپ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور جہاں تک کفار کے

اس الزام کا تعلق ہے کہ یہ قرآن آپ اپنی طرف سے بنا لیتے ہیں یہ سراسر جھوٹ ہے کیونکہ آپ کو بالکل خبر نہ تھی کہ آپ کا رب آپ پر قرآن نازل کرے گا۔ یہ محض اس کی رحمت ہے کہ اس نے آپ کو اپنے پیغام اور کام کے لیے منتخب فرما لیا ہے۔ ”مَعَادْ“ کا معنی لوٹنے کی جگہ ہے جس کا معنی آخرت میں جنت اور دنیا میں کامیابی کے ساتھ مکہ معظمہ کی طرف لوٹنا ہے۔ مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا یہی مفہوم لیا ہے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ (لَرَادُّكَ إِلَى مَعَادٍ) قَالَ إِلَى مَكَّةَ))[رواہ البخاری : باب (إِنَّ الَّذِی فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ) الآيَةَ]

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد آپ کا مکہ کی طرف لوٹنا ہے۔“

مسائل

١۔ توحید کا پرچار، قرآنِ مجید کا ابلاغ کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

٢۔ توحید کی سمجھ اور قرآن کا فہم ”اللہ“ کی رحمت ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ ہدایت پانے والے اور گمراہ شخص کو اچھی طرح جانتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نزولِ وحی سے پہلے نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے:

١۔ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں آپ اس وقت موجود نہ تھے۔ (یوسف:١٢)

٢۔ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں۔ (الانعام:٥٠)

٣۔ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو اپنے لیے ساری بھلائیاں جمع کر لیتا۔ (الاعراف:١٨٨)

٤۔ اللہ تعالیٰ کے سوا آسمانوں وزمین کا غیب کوئی نہیں جانتا۔ (النمل:٦٥)

٥۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو غیب پر مطلع نہیں کرتا۔ (آل عمران:١٧٩)

٦۔ اللہ کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اللہ کے علاوہ انھیں کوئی نہیں جانتا۔ (الانعام:٥٩)

٧۔ کہہ دیجیے غیب اللہ کے لیے ہے تم انتظار کرو میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ (یونس:٢٠)

٨۔ اللہ ہی غیب کو جاننے والا ہے اور وہ کسی پر غیب ظاہر نہیں ہوتا۔ (الجن:٢٦)

وَلَا	يَصُدُّنَّكَ	عَنْ	اٰيٰتِ	اللّٰهِ	بَعْدَ	اِذْ
اور نہ	روک دیں آپ کو وہ	سے	آیات	اللہ	بعد	جب
اُنْزِلَتْ	اِلَيْكَ	وَادْعُ	اِلٰى	رَبِّكَ	وَلَا	تَكُوْنَنَّ
وہ نازل کی گئیں	آپ کی طرف	اور آپ بلائیں	طرف	اپنے رب	اور نہ	ہوں آپ
مِنَ	الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ ج	وَلَا	تَدْعُ	مَعَ	اللّٰهِ	اِلٰهًا
سے	مشرکوں میں	اور نہیں	پکاریں آپ	ساتھ	اللہ	الٰہ
اٰخَرَ	لَآ	اِلٰهَ	اِلَّا	هُوَ قف	كُلُّ	شَيْءٍ
دوسرے	نہیں	الٰہ	مگر	وہی	ہر	چیز
هَالِكٌ	اِلَّا	وَجْهَهٗ ط	لَهُ	الْحُكْمُ	وَاِلَيْهِ	تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾ ع
ہلاک ہونے والی ہے	سوائے	اس کا چہرہ	اسی کے لیے	حکم	اور اسی کی طرف	تم لوٹائے جاؤ گے

السنۃ وقفۂ لازم

''اور ایسا کبھی نہ ہونے پائے کہ جب آپ پر اللہ کی آیات نازل ہوں تو کفار آپ کو ان سے باز رکھیں۔ اپنے رب کی طرف دعوت دیں اور مشرکوں میں شامل نہیں ہونا۔(۸۷) اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے حکمرانی اسی کی ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جانے والے ہو۔''(۸۸)

فہم القرآن

ربط کلام: نبی اکرم ﷺ کو مزید ہدایات:

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام ؑ اور نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔ اے نبی ﷺ! آپ سے پہلے جتنے پیغمبر مبعوث کیے گئے ہم نے اُن کی طرف یہی پیغام بھیجا کہ وہ لوگوں کو بتلائیں اور سمجھائیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ اس لیے اُس کا حکم ہے کہ اُسی کی عبادت کی جائے۔(الانبیاء:۲۵) نبی آخر الزماں ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے بھی یہی ارشاد فرمایا کہ آپ لوگوں میں اس بات کا اعلان فرمائیں کہ میں بنی نوع انسان کے لیے اللہ کا رسول ہوں۔ مجھے اُس ذات نے اپنا رسول منتخب فرمایا ہے جو زمین و آسمانوں کا بادشاہ ہے اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی موت و حیات پر اختیار رکھنے والا ہے اُس کا حکم ہے کہ لوگو! اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ۔(الاعراف:۱۵۸)

یہ وہ دعوت ہے جس کی ہر زمانے میں مشرکوں اور خدا کے باغیوں نے مخالفت کی ہے۔ اس کی پاداش میں کچھ انبیاء کرام ؑ کو شہید کیا گیا، کچھ کو اُن کے گھر بار اور وطن سے نکالا گیا۔ باقی انبیاء کرام ؑ کو اذیت ناک تکلیفیں دی گئیں۔ انہی

تکالیف اور مصائب کا نبی ﷺ اور آپ کے رفقاء کرام کو سامنا کرنا پڑا۔ جس قدر آپ خلوص اور محنت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید کا پرچار کرتے اُسی قدر آپ کو تکالیف دی جاتیں۔ نماز کی حالت میں آپ کی گردن پر غلاظت سے بھری ہوئی اونٹ کی اوجڑی رکھی گئی۔ حرم کے اندر آپ کے گریبان کو پکڑا گیا۔ آپ کے ساتھ رشتے ناطے توڑے گئے، مکہ کے بھرے بازار میں آپ کو لہولہان کیا گیا، آپ کے ساتھیوں کو سرعام پیٹا گیا اس کے باوجود آپ قرآن کے ابلاغ اور توحید کے پرچار سے پیچھے نہ ہٹے۔ اِن حالات میں آپ کے دل کی ڈھارس اور فریضہ تبلیغ کی فرضیت کا مزید احساس پیدا کرنے کے لیے یہ حکم نازل ہوا۔ اے نبی ﷺ! حالات کی نزاکت اور لوگوں کی مخالفت کے باوجود آپ نے مشرکین کے سامنے قرآن کی تلاوت کرنا اور توحید کی دعوت دینا ہے۔ اِنھیں بار بار بتلاؤ کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور عبادت کے لائق اور مشکل کشا، حاجت روانہیں، اس لیے اُس کے سوا نہ کسی کے سامنے جھکنا ہے اور نہ کسی کے حضور ہاتھ پھیلانے ہیں۔ اُسی کا حکم جاری ہے اور ہر کسی نے مر کر اُسی کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ لہٰذا مشرکوں کی مخالفت آپ کو دعوتِ حق سے نہ روک دے اور نہ ہی اپنے رب کے ساتھ کسی کی عبادت کرنا، آپ کا رب ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ قائم دائم رہنے والا ہے، اوّل، آخر اسی کا حکم چلنا ہے اور آپ سب نے اسی کے حضور پیش ہونا ہے۔

”حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بات ارشاد فرمائی اور میں نے دوسری بات کہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس حال میں فوت ہوگیا کہ وہ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتا رہا وہ جہنم میں داخل ہوگا اور میں نے کہا جو بندہ اس حال میں فوت ہوا کہ اس نے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔“

[رواہ البخاری :کتاب التفسیر، باب قَوْلِہٖ (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا)]

مسائل

۱۔ داعیِ حق کو مشرکین کی مخالفت کی پروا کیے بغیر قرآن کی تبلیغ اور توحید کی دعوت کا فریضہ سرانجام دیتے رہنا چاہیے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود نہیں اِس لیے کسی دوسرے کو پکارنا شرک ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کبھی معاف نہیں کرنا۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر کسی نے مرنا ہے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ سے ہے اور رہے گی۔
۴۔ مرنے کے بعد ہر کسی نے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے اُس کا حکم ہر حال میں جاری ہے اور جاری رہے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کے ساتھ یا اس کے سوا کسی کو پکارنے کی سزا:

۱۔ جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کو معبود مانتا ہے اسے جہنم میں ذلیل ورسوا کر کے ڈالا جائے گا۔ (بنی اسرائیل:۳۹)
۲۔ اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ نہ سمجھو ورنہ ذلیل ہو جاؤ گے۔ (بنی اسرائیل:۲۲)
۳۔ اللہ کے ساتھ کسی اور کو نا پکارو گرنہ عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ (الشعرآء:۲۱۳)
۴۔ شرک سے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ (الزمر:۶۵) ۵۔ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے گویا کہ وہ آسمان سے گر پڑا۔ (الحج:۳۱)

سورۃ العنکبوت کا تعارف

ربط سورۃ: القصص کا اختتام اس بات پر ہوا ہے کہ حالات جیسے بھی ہوں ''اللہ'' کے ساتھ کسی کو نہیں پکارنا، حکم اللہ کا چلتا ہے لہٰذا اس کا حکم ہے کہ توحید کی دعوت کو عام کرو۔ العنکبوت کی ابتدا میں ارشاد ہے کہ اس راستہ میں آزمائشیں ضرور آئیں گی۔ تم سے پہلے لوگ بھی آزمائے گئے اور تمہیں بھی ضرور بضرور آزمایا جائے گا تا کہ لوگوں کو کھرے اور کھوٹے کا فرق معلوم ہو جائے۔

سورۃ کا نام آیت 41 سے لیا گیا ہے۔ یہ سورۃ مبارکہ مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی۔ 7 رکوع اور 69 آیات پر مشتمل ہے۔

اس سے پہلی سورۃ القصص ہے جس کا اختتام اس فرمان پر ہوا ہے کہ ''اللہ'' کے سوا کوئی اور معبود نہیں اس لیے اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرنا جائز نہیں۔ اس سورۃ کی ابتدا میں یہ حقیقت کھول دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے لوگوں کو بھی مختلف انداز میں آزمایا تھا اور ہر صورت میں وہ تمہیں بھی آزمائے گا۔ آزمائش کا مطلب محض تکلیف دینا نہیں بلکہ سچ اور جھوٹ کے درمیان امتیاز پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے جو امتحان کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ ہی منکرینِ حق کو بتلایا گیا ہے کہ تم کسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے باہر نہیں ہو۔ یہ تو اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ تمہیں مہلت پر مہلت دے رہا ہے۔ تمہیں اس مہلت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے رب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہر بات سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ کسی کے اس کی طرف متوجہ ہونے سے ''اللہ'' کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا کیونکہ وہ ہر اعتبار سے اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے جو اپنے رب کی طرف رجوع کرے گا وہ اس کا ضرور فائدہ پائے گا۔

اس سورۃ کا مرکزی مضمون شرک کی نفی اور ''اللہ'' کی توحید کا اثبات کرنا ہے۔ شرک کو مکڑی کے گھر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار چیز کو یہ شعور بخشا ہے کہ وہ اپنے آرام اور رات گزارنے کے لیے اپنا گھر بناتی ہے۔ دنیا کے گھروں میں سب سے کمزور اور ناپائیدار گھر مکڑی کا گھر ہوتا ہے۔ جسے مکڑی اپنے لیے محفوظ سمجھتی ہے۔ حالانکہ نہ اس سے گرمی میں بچا جا سکتا ہے نہ سردی میں اس میں سکون ملتا ہے۔ اس کی ناپائیداری کا عالم یہ ہے کہ ہوا کا معمولی جھونکا بھی اس کا وجود ختم کر دیتا ہے۔ یہی مشرک کے عقیدہ کی کیفیت ہوتی ہے وہ جنہیں دکھ اور مصیبت کے وقت پکارتا ہے جونہی مشرک کو معلوم ہو کہ فلاں شخص بڑا پہنچا ہوا ہے تو وہ سب کو چھوڑ کر اس کی طرف بھاگ جاتا ہے۔

جس طرح مکڑی تانے بانے کو اپنے لیے محفوظ سمجھتی ہے یہی حالت مشرک کی ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے مضبوط سہارے کو چھوڑ کر فوت شدہ لوگوں اور اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں یہاں تک کہ درختوں اور پتھروں کو بھی نفع ونقصان کا مالک سمجھتا ہے۔ جس طرح ہوا کا معمولی جھونکا مکڑی کے گروندے کو ختم کر دیتا ہے اسی طرح معمولی پریشانی سے

مشرک کا اپنے مشکل کشاؤں سے اعتماد اُٹھ جاتا ہے۔ شرک کے عقیدہ کو تارِ عنکبوت کے ساتھ تشبیہ دینے کے بعد مشرکین سے چند سوال کیے گئے ہیں۔

① بتاؤ کہ زمین وآسمانوں کو کس نے پیدا کیا اور کس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے؟

② ''اللہ'' ہی رزق زیادہ اور کم کرنے والا ہے کیا اس کے سوا کوئی ایسا کر سکتا ہے؟

③ بتاؤ آسمان سے بارش کون نازل کرتا ہے۔ اور کون بارش کے ساتھ مردہ زمین کو ہریالی عطا کرتا ہے؟

ہر دور کے مشرک کا ایک ہی جواب ہے اور ہوگا کہ یہ کام تو صرف ''اللہ'' ہی کرتا ہے۔

فرمایا کہ تمام تعریفات ''اللہ'' کے لیے ہیں اس نے اپنی توحید سمجھانے کے لیے ایسے دلائل دیے اور مثالیں بیان فرمائی ہیں کہ ہر دور کے مشرک لاجواب ہوتے رہیں گے۔ لیکن اس کے باوجود مشرک توحید سمجھنے اور اس کے تقاضے پورے کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

مشرک جب کسی ناگہانی مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو باطل معبودوں کو چھوڑ کر صرف ''اللہ'' کو مخلص ہو کر پکارتے ہیں۔ جب ناگہانی مصیبت بالخصوص سمندر کے بھنور سے ان کی کشتی سلامت نکل آتی ہے تو خشکی پر پہنچ کر پھر شرک کرنے لگتے ہیں۔ عقیدہ شرک اختیار کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹ لگانا اور اس کے ارشادات کی تکذیب کرنا ہے۔ کیونکہ شرکیہ عقیدہ کی بنیاد جھوٹی کہانیوں اور من گھڑت کرامات پر قائم ہوتی ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹی بات لگائیں گے اور اس کے ارشادات کا انکار کرینگے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جو رہنے کے اعتبار سے بدترین اور اذّیت ناک جگہ ہے۔ ہاں جن لوگوں نے دین اور عقیدہ توحید کو پانے کی کوشش کی اللہ تعالیٰ ضرور ان کی۔ راہنمائی فرمائے گا کیونکہ وہ اخلاص کے ساتھ نیکی کرنے والوں کی دستگیری کرتا ہے۔

سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رُكُوعُهَا: ۷
اٰيَاتُهَا: ۶۹

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے

الٓمّٓ ۚ ①	اَحَسِبَ	النَّاسُ	اَنْ	يُّتْرَكُوْٓا	اَنْ
الٓمّ	کیا سمجھ لیا	لوگوں نے	یہ کہ	وہ چھوڑ دیے جائیں گے	یہ کہ
يَّقُوْلُوْٓا	اٰمَنَّا	وَهُمْ	لَا	يُفْتَنُوْنَ ②	وَلَقَدْ
کہتے ہیں	ہم ایمان لائے	اور وہ	نہیں	آزمائے جائیں گے؟	اور یقیناً
فَتَنَّا	الَّذِيْنَ	مِنْ	قَبْلِهِمْ	فَلَيَعْلَمَنَّ	اللّٰهُ
ہم نے آزمایا	وہ لوگ	سے	پہلے	بس ضرور جان لے گا	اللہ
الَّذِيْنَ	صَدَقُوْا	وَلَيَعْلَمَنَّ	الْكٰذِبِيْنَ ③		
ان کو	انہوں نے سچ بولا	اور یقیناً وہ ضرور جان لے گا	جھوٹے		

”الف۔لام۔میم۔(۱) کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے ہیں اور ان کو آزمایا نہیں جائے گا۔(۲) حالانکہ ہم ان سے پہلے لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں۔ اللہ ضرور دیکھے گا کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں۔“(۳)

فہم القرآن

ربط سورۃ: سورۃ القصص کا اختتام توحید کے مرکزی نقطہ پر ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو معبود نہیں بنانا۔ چاہے حالات کتنے ہی ناگفتہ بہ ہو جائیں ایک داعی اور موحد کو ہر حال میں عقیدہ توحید پر قائم رہنا ہے۔ سورۃ العنکبوت کی ابتداء اِس بات سے ہوئی کہ توحید کی دعوت دینے اور اِس پر قائم رہنے پر مشکلات اور مصائب کا آنا ناگزیر ہے۔

الٓمّٓ۔ حروف مقطعات ہیں جن کے بارے میں تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ اِن کا معنیٰ اور مفہوم حدیث مبارکہ سے ثابت نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کا معنیٰ جانے بغیر ہی تلاوت کیا کرتے تھے۔ حروف مقطعات کے بعد ارشاد ہوتا ہے کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم ”اللہ“ اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے سے آزمائش میں نہیں ڈالے جائیں گے؟ اُنھیں یہ خیال چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اِن سے پہلے ایماندار لوگوں کو بھی چھوٹی، بڑی آزمائشوں کے ساتھ آزمایا اور تمہیں بھی ضرور آزمائے گا تاکہ وہ جان لے کہ ایمان کے دعویٰ میں کون سچا اور کون جھوٹا ہے دین اسلام کے اوصاف میں ایک وصف یہ بھی ہے کہ دین اپنے ماننے والوں کو ہر حال میں خوشخبری نہیں سناتا بلکہ اِس راستے میں آنے والی مشکلات اور مصائب سے بھی آگاہ کرتا ہے تاکہ دینِ اسلام کو قبول کرنے والا شخص ذہنی طور پر مشکلات کے لیے تیار ہو کر اسے قبول کرے۔ اس لیے یہاں بار

بار تاکید کے الفاظ استعمال فرما کر اللہ تعالیٰ نے ایمانداروں کی ذہن سازی فرمائی ہے کہ میں تمھیں ضرور بضرور آزماؤں گا۔ گھبرانے کی بات نہیں تم سے پہلے لوگوں کو بھی آزمایا گیا کیونکہ سچے اور جھوٹے میں پرکھ کے لیے لازم ہے کہ تمھیں بھی آزمایا جائے مقصد یہ ہے کہ تمھارا رب خوب جان لے کہ کون دعویٰ ایمان میں سچا اور پکا ہے اور کون ایمان میں کچا اور جھوٹا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے جاننے کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ کسی بات اور حقیقت سے بے خبر ہے اس کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ وہ دنیا میں بھی لوگوں کے سامنے ثابت کریں کہ سچے اور جھوٹے کے درمیان کیا فرق ہوتا ہے۔ تاکہ مسلمان جھوٹے لوگوں کے ساتھ اُسی انداز میں رہیں جس کا شریعت نے اُنھیں حکم دیا ہے۔ جہاں تک ایمان لانے کے بعد آزمائش کا تعلق ہے قرآنِ مجید نے دوسرے موقع پر یہاں تک فرمایا ہے کہ اے مسلمانو! کیا تم نے سمجھ لیا ہے کہ تم یونہی جنت میں داخل کیے جاؤ گے؟ حالانکہ تمھیں اُن حالات سے واسطہ نہیں پڑا جن حالات سے تم سے پہلے لوگوں کو واسطہ پڑا تھا اُنھیں ہر قسم کی تنگی اور تکلیف پہنچی اور وہ خوب ہلائے گئے یہاں تک کہ رسول اور اُس کے ساتھی پکار اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ تب جا کر اللہ تعالیٰ نے انھیں خوشخبری سنائی کہ اللہ کی مدد تو آہی پہنچی ہے۔ (البقرۃ:۲۱۴)

((عَنْ خَبَّابِ بْنِ الْأَرَتِّ رضی اللہ عنہ قَالَ شَكَوْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً لَهُ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ ، قُلْنَا لَهُ أَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا أَلَا تَدْعُو اللَّهَ لَنَا قَالَ كَانَ الرَّجُلُ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهِ ، فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ ، فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَتَيْنِ ، وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ ، وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ ، مَا دُونَ لَحْمِهِ مِنْ عَظْمٍ أَوْ عَصَبٍ ، وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ ، وَاللَّهِ لَيُتِمَّنَّ هَذَا الْأَمْرَ حَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلَى حَضْرَمَوْتَ ، لَا يَخَافُ إِلَّا اللَّهَ أَوِ الذِّئْبَ عَلَى غَنَمِهِ ، وَلَكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ)) [رواه البخاري:باب علامات النبوة]

”حضرت خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس وقت شکایت کی جب آپ ﷺ کعبہ کے سایہ میں چادر لپیٹ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے عرض کی آپ اللہ سے ہمارے لیے دعا کیوں نہیں کرتے ہیں کہ وہ ہماری مدد فرمائے۔ آپ اپنے چہرے سے چادر ہٹا کر بیٹھ گئے اور فرمایا اللہ کی قسم تم سے پہلے لوگوں کو پکڑا جاتا اور اُن کو ایک گھڑھے میں گاڑ کر اُس کے سر پر آرا رکھ کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا۔ وہ پھر بھی اپنے دین پر قائم رہتا اُس کا گوشت لوہے کی کنگھیوں سے نوچ لیا جاتا لیکن پھر بھی دین سے منحرف نہ ہوتا، اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب فرمائے گا کہ ایک سوار صنعا سے لے کر حضر موت تک تن تنہا سفر کرے گا۔ اُسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوگا اُسے صرف اپنی بکریوں کے متعلق بھیڑیے کا خوف ہوگا لیکن تم عجلت کا مظاہرہ کر رہے ہو۔“

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَاللَّهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ فَقَالَ انْظُرْ مَاذَا تَقُولُ قَالَ وَاللَّهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ فَقَالَ انْظُرْ مَاذَا تَقُولُ قَالَ وَاللَّهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ إِنْ

كُنتَ تُحِبُّنِي فَأَعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافًا فَإِنَّ الْفَقْرَ أَسْرَعُ إِلَى مَنْ يُحِبُّنِي مِنَ السَّيْلِ إِلَى مُنْتَهَاهُ))

[رواه الترمذی:باب ماجاء فی فضل اللفقر]

''حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول میں آپ سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا اپنے دعویٰ پر غور کر کیا کہہ رہے ہو۔اس نے کہا اللہ کی قسم میں آپ سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا پھر غور کرو کہ کیا کہہ رہے ہو اس نے عرض کی اللہ کی قسم میں آپ سے محبت کرتا ہوں اس نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی آپ نے فرمایا اگر تو مجھ سے محبت کرتا ہے تو فقر و فاقہ کے لیے تیار ہو جا۔اس لیے کہ جو مجھ سے پیار کرتا ہے اس کی طرف فقر و فاقہ سیلاب سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ آتا ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ضرور آزماتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی اُمتوں کو بھی آزمایا تھا۔

۳۔ آزمانے کا مقصد جھوٹے اور سچے، کھرے اور کھوٹے کے درمیان فرق کرنا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کرام علیہم السلام اور مومنوں کی آزمائش کی چند مثالیں:

۱۔ سخت آزمائش کے وقت رسولوں اور ایماندار لوگوں نے گھبرا کر کہا کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔(البقرۃ:۲۱۴)

۲۔ اللہ کی طرف سے مومن کی خوف، بھوک، مال و جان کے نقصان سے آزمائش ضرور کی جاتی ہے۔صابر مومن کے لیے خوشخبری ہے۔(البقرۃ:۱۵۵)

۳۔ پہلے لوگوں کو بڑی بڑی آزمائشوں سے دوچار کیا گیا تا کہ پتہ چل جائے کہ سچا کون اور جھوٹا کون ہے۔(العنکبوت:۳)

۴۔(ابرہیم علیہ السلام کا اسماعیل علیہ السلام کو قربانی کے لیے پیش کرنا) بہت بڑا امتحان تھا۔(الصّٰفّٰت:۱۰۶)

۵۔ابراہیم علیہ السلام کو توحید کی خاطر آگ میں پھینکا جانا بڑی آزمائش تھی۔(الانبیاء:۶۸)

۶۔ابراہیم علیہ السلام کا اپنی بیوی اور نومولود بچے کو بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ کر جانا بہت بڑی آزمائش تھا۔(ابرہیم:۳۷)

۷۔ ہم نے کھرے اور کھوٹے کی پہچان کرنے کے لیے پہلے لوگوں کو آزمایا۔(العنکبوت:۲)

۸۔ہم نے زندگی اور موت کو آزمائش بنایا تا کہ دیکھیں تم میں سے کون نیک عمل کرتا ہے۔(الملک:۲)

اَمْ	حَسِبَ	الَّذِيْنَ	يَعْمَلُوْنَ	السَّيِّاٰتِ	اَنْ
کیا	گمان کیا ہے	وہ لوگ	وہ عمل کرتے ہیں	بُرے	یہ کہ
يَّسْبِقُوْنَا ؕ	سَآءَ	مَا	يَحْكُمُوْنَ ﴿۴﴾	مَنْ	كَانَ
وہ بچ کر نکل جائیں گے ہم سے؟	بُرا	جو	وہ فیصلہ کرتے ہیں	جو شخص	ہے
يَرْجُوْا	لِقَآءَ	اللّٰهِ	فَاِنَّ	اَجَلَ	اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ
وہ اُمید رکھتا	ملاقات	اللہ	تو بلاشبہ	وعدہ	اللہ ضرور آنے والا
وَهُوَ	السَّمِيْعُ	الْعَلِيْمُ ﴿۵﴾			
اور وہ	خوب سننے والا	خوب جاننے والا			

”اور کیا وہ لوگ جو بُرے کام کررہے ہیں وہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ ہم سے بازی لے جائیں گے وہ بہت ہی غلط سمجھ بیٹھے ہیں۔(۴) جو کوئی اللہ سے ملاقات کی توقع رکھتا ہے اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آنے ہی والا ہے۔ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔“(۵)

فہم القرآن

ربط کلام: مومنوں کو آزمائشوں سے آگاہ کرنے کے بعد ظالموں کو انتباہ۔

جولوگ بلاوجہ مومنوں کو تنگ کرتے ہیں اُن کے بارے میں وہی الفاظ اور انداز اختیار کیا ہے جس انداز اور الفاظ میں مومنوں کو آزمائش کے بارے میں آگاہ کیا گیا ہے۔ اس سے مومنوں کو تسلّی دی گئی ہے کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو یونہی چھوڑے رکھے گا اور نہ ہی یہ اس کی دسترس سے باہر ہیں۔ بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اِن کی رسی دراز کر رکھی ہے جب پکڑنے پہ آئے گا تو ظالموں کو کوئی چھڑانے والا نہ ہوگا۔ اس کے باوجود اگر یہ سوچتے ہیں کہ ہمیں کھلا چھوڑ دیا جائے گا تو یہ اِن کی بدترین غلط فہمی اور غلطی ہے جس کے بارے میں وقت آنے پر انھیں سب کچھ معلوم ہوجائے گا۔ ہاں جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی توقع رکھتا ہے۔ اپنے عمل کے مطابق سزا اور جزا پر یقین رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جب وقت آئے گا تو لمحہ بھر کی تاخیر نہ ہوگی اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور ہر بات کو جاننے والا ہے۔

مسائل

۱۔ ظالم اللہ تعالیٰ کی دسترس سے باہر نہیں ہوتا۔

۲۔ جسے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا یقین ہے اُسے جزا اور سزا پر یقین رکھنا چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔

وَمَنْ	جَاهَدَ	فَإِنَّمَا	يُجَاهِدُ	لِنَفْسِهٖ	إِنَّ
اور جو شخص	وہ جہاد کرے	تو صرف	وہ جہاد کرتا ہے	اپنی ذات کے لیے	بے شک
اللّٰهَ	لَغَنِيٌّ	عَنِ	الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦﴾	وَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا
اللہ	ضرور بے نیاز	سے	جہان والے	اور وہ جو	وہ ایمان لائے
وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	لَنُكَفِّرَنَّ	عَنْهُمْ	سَيِّاٰتِهِمْ	
انھوں نے عمل کیے	نیک	ہم ضرور مٹادیں گے	ان سے	ان کی برائیاں	
وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ	أَحْسَنَ	الَّذِيْ	كَانُوْا	يَعْمَلُوْنَ ﴿٧﴾	
اور ہم ضرور جزادیں گے انھیں	بہترین	جو	تھے وہ	وہ عمل کرتے	

”جو شخص کوشش کرتا ہے دراصل وہ اپنے ہی لیے کرتا ہے۔ یقیناً اللہ دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔(٦) جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ہم ان کی برائیاں ان سے دور کردیں گے اور ان کے بہترین اعمال کی انہیں جزادیں گے۔“(٧)

فہم القرآن

ربط کلام: انسان دنیا میں رہ کر جو کچھ بھی کرے گا اُس کا نفع ونقصان اُسی کو پہنچے گا۔

اس فرمان میں بھی ظالموں کو ایک طرح کا انتباہ کیا گیا ہے کہ ہر شخص اچھا ہو یا برا، جو بھی کام کرتا ہے اُس کا نفع ونقصان اُسی کو ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کی نیکی کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا اور اگر کوئی زندگی بھر گناہ کرتا رہے تو رب کی ذات اور اس کی بادشاہی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ وہ ہر کمزوری سے مبرّا اور ہر قسم کی ضرورت سے بے نیاز ہے۔ یہ بات موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اِن الفاظ میں سمجھائی تھی۔ اے میری قوم! تم اور جو کوئی زمین میں بسنے والا ہے سب کے سب کفر پر جم جاؤ پھر بھی اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی بادشاہی کو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ ”غنی“ اور تعریف کے لائق ہے۔(ابراہیم:٨)

اِسی بات کو نبی آخر الزماں ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں یوں بیان فرمایا:

((يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا)) [رواہ مسلم: باب تَحْرِيمِ الظُّلْمِ]

”اے میرے بندو اگر تمھارے پہلے، پچھلے جن وانس سارے کے سارے فاجر انسان کی طرح ہو جائیں تو بھی میری بادشاہت میں کسی چیز کی کمی واقع نہیں ہوسکتی۔“

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ﴾

قَالَ یَامَعْشَرَ قُرَیْشٍ أَوْ کَلِمَةً نَحْوَھَا اشْتَرُوْا أَنْفُسَکُمْ لَآأُغْنِيْ عَنْکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا یَابَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ لَآأُغْنِيْ عَنْکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا یَاعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَآأُغْنِيْ عَنْكَ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا وَیَاصَفِیَّةُ عَمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَآأُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا وَیَافَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَلِیْنِيْ مَاشِئْتِ مِنْ مَالِيْ لَآأُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا)) [رواہ البخاری: کتاب الوصایا، باب ھل یدخل النساء والولد فی الأقارب]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب یہ آیت ﴿اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے قریش کے لوگو! اپنے لیے کچھ کرلو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کوئی فائدہ نہیں دے سکوں گا، اے بنی عبد مناف میں تمہیں اللہ کے عذاب سے بچانہیں سکوں گا' اے عباس بن عبدالمطلب! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ فائدہ نہیں دے سکوں گا، اور اے صفیہ! رسول کی پھوپھی! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے بچانہیں سکوں گا اور اے فاطمہ بنتِ محمد! میرے مال سے جو چاہتی ہے مانگ لے میں تجھے اللہ کے عذاب سے نہیں بچاسکوں گا۔''

مسائل

١۔ نیکی یا بدی کرنے کا انسان کو ہی فائدہ یا نقصان ہوگا۔

٣۔ حقیقی ایمان رکھنے اور صالح اعمال کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بہترین جزا دے گا۔

٤۔ نیک لوگوں سے بتقاضاء بشریت جو غلطیاں ہوں گی اللہ تعالیٰ اُنھیں ضرور معاف کرے گا۔

٢۔ اللہ تعالیٰ جہان والوں سے ہر لحاظ سے بے نیاز ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہر انسان اپنے اچھے، برے اعمال کا ذمہ دار ہے:

١۔ کوئی کسی کے اعمال کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ (فاطر: ٤٣)

٢۔ قیامت کے دن کسی پر ظلم نہیں کیا جائیگا اور ہر کسی کو اس کے اعمال کا صلہ دیا جائیگا۔ یٰسٓ: ٥٤)

٣۔ جو شخص نیک اعمال کرتا ہے اس کا صلہ اسی کے لیے ہے اور جو برے اعمال کرے گا اس کا وبال اسی پر ہوگا آپ کا رب اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرے گا۔ (حٰمٓ السجدۃ: ٤٦)

٤۔ ہر شخص اپنے معاملات کا خود ذمہ دار ہے۔ (البقرہ: ١٤١)

٥۔ مجرم اپنی جان بچانے کے لیے اپنے گناہوں کی ذمہ داری دوسروں پر ڈالیں گے۔ (الاحزاب: ٦٦۔٦٨)

٦۔ قیامت کے دن کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ (النجم: ٣٨)

وَوَصَّيْنَا	الْإِنْسَانَ	بِوَالِدَيْهِ	حُسْنًا ؕ	وَإِنْ
اور ہم نے وصیت کی	انسان	اپنے والدین کے ساتھ	نیکی	اور اگر

جَاهَدٰكَ	لِتُشْرِكَ	بِیْ	مَا	لَیْسَ	لَكَ	بِهٖ
وہ کوشش کریں تیرے ساتھ	کہ تو شریک ٹھہرائے	میرے ساتھ	جو	نہیں	تجھے	ساتھ اس کے

عِلْمٌ	فَلَا	تُطِعْهُمَا ؕ	اِلَیَّ	مَرْجِعُكُمْ	فَاُنَبِّئُكُمْ
علم	بس نہ	اطاعت کر ان دونوں کی	میری طرف	تمھارا پلٹنا ہے	چنانچہ میں تمھیں خبر دوں گا

بِمَا	كُنْتُمْ	تَعْمَلُوْنَ ۞	وَالَّذِیْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا
جو	تھے تم	عمل کرتے	اور وہ لوگ جو	ایمان لائے	اور انھوں نے عمل کیے

الصّٰلِحٰتِ	لَنُدْخِلَنَّهُمْ	فِی	الصّٰلِحِیْنَ ۞
نیک	البتہ ہم انھیں ضرور داخل کریں گے	میں	صالح لوگ

’’ہم نے انسان کو ہدایت کی ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے اگر وہ مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے جسے تو نہیں جانتا۔ تو ان کی اطاعت نہیں کرنا۔ میری طرف ہی تم نے پلٹ کر آنا ہے میں تمہیں بتاؤں گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔(۸) اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کو ہم ضرور صالحین میں شامل کریں گے۔‘‘(۹)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سے پہلی آیت میں نیک اعمال کا ذکر ہوا۔ یہاں یہ بتلایا کہ اچھے اعمال میں بہترین عمل والدین کے ساتھ بھلائی کرنا اور شرک سے اجتناب کرنا ہے۔

صالح اعمال میں سب سے بڑا عمل۔ اللہ تعالیٰ کو ہر اعتبار سے وحدہٗ لاشریک سمجھنا اور اُس کی خالص عبادت کرنا ہے۔ اس کے بعد دوسرا صالح عمل والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا ہے۔ قرآنِ مجید کے کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد انسان کو جو حکم دیا کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرے۔ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیتے ہوئے ’’احسان‘‘ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ لفظ عبادت کے بارے میں استعمال ہو تو اس کا معنٰی ہے کہ کامل توجہ کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنا۔ جب یہ لفظ لوگوں کے بارے میں استعمال کیا جائے تو اس کا معنٰی بھلائی اور دوسرے کے ساتھ احسان کرنا۔ بالخصوص والدین کے بارے میں یہ لفظ بار بار اس لیے استعمال کیا گیا ہے۔ کہ والدین کے ساتھ نیکی کرتے ہوئے اُن کی کمزوریوں کو پیش نظر رکھے بغیر اُن کے ساتھ احسان کا رویّہ اختیار کرنا فرض ہے۔ انسان جب اپنے آپ کو کسی کا احسان مند

سمجھتا ہے تو وہ اُس کی دل و جان سے قدر اور تابعداری کرتا ہے۔ اس لیے یہاں اِس بات کی وضاحت کردی گئی کہ اگر والدین اولاد کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے پر مجبور کریں تو اولاد شرک کرنے سے انکار کردے۔ کیونکہ شرک کی بنیاد حقیقی علم اور کسی ٹھوس دلیل پر نہیں ہے۔ جب شرک کی بنیاد حقیقی علم اور ٹھوس دلیل پر نہیں تو اس سے بچنا لازم ہے۔ بے شک والدین ہی شرک کا حکم دینے والے کیوں نہ ہوں۔ یہاں اولاد کے ساتھ مشرک والدین کو بھی متنبہ کیا گیا ہے کہ یاد رکھو کہ بالآخر تم سب نے میری طرف ہی لوٹنا ہے۔ میں تمھیں بتلاؤں گا کہ تم کیا عمل کرتے رہے ہو۔ اولاد ہو یا ماں باپ، جو بھی سچا ایمان لائے اور صالح اعمال کرے گا اُسے اللہ تعالیٰ ضرور نیک لوگوں میں شامل فرمائے گا۔

((عن عَبْدِ اللّٰهِ ﷛ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ قَالَ الصَّلَاةُ عَلٰى وَقْتِهَا قَالَ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قَالَ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي بِهِنَّ وَلَوْ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي))

[رواه البخاري: كتاب الأدب، باب قول الله تعالى ووصينا الانسان بوالدين احسانا]

”حضرت عبداللہ ﷛ بیان کرتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے استفسار کیا کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔ میں نے پوچھا پھر کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا والدین کے ساتھ نیکی کرنا۔ میں نے پوچھا پھر کون سا عمل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ حضرت عبداللہ ﷛ فرماتے ہیں یہ باتیں نبی اکرم ﷺ نے بتائیں اگر میں مزید پوچھتا تو آپ مجھے اور بھی بتاتے۔“

((عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ مُصْعَبَ بْنَ سَعْدٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ سَعْدٍ قَالَ أُنْزِلَتْ فِيَّ أَرْبَعُ آيَاتٍ فَذَكَرَ قِصَّةً فَقَالَتْ أُمُّ سَعْدٍ أَلَيْسَ قَدْ أَمَرَ اللّٰهُ بِالْبِرِّ وَاللّٰهِ لَا أَطْعَمُ طَعَامًا وَلَا أَشْرَبُ شَرَابًا حَتّٰى أَمُوتَ أَوْ تَكْفُرَ قَالَ فَكَانُوا إِذَا أَرَادُوا أَنْ يُطْعِمُوهَا شَجَرُوا فَاهَا فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا﴾ الْآيَةَ)) [رواه الترمذي:باب وَمِنْ سُورَةِ الْعَنْكَبُوتِ]

حضرت سماک بن حرب بیان کرتے ہیں میں نے مصعب بن سعد ﷛ سے سنا وہ اپنے باپ سعد ﷛ سے بیان کرتے ہیں کہ میرے متعلق چار آیات نازل ہوئی اُنہوں نے اپنی والدہ کا قصہ بیان کیا سعد کی والدہ کہنے لگی کیا اللہ نے ماں کے ساتھ نیکی کا حکم نہیں دیا۔ اللہ کی قسم اُس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گی اور نہ پانی پیوں گی یہاں تک کہ میں مر جاؤں یا تو محمد ﷺ کا انکار کرے۔ راوی کہتے ہیں کہ جب سعد اپنی ماں کو کھانا کھلانا چاہتے تو وہ اپنا منہ بند کرلیتی۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی (اور ہم نے انسان کو تاکیدی حکم دیا کہ وہ اپنے والدین سے نیک سلوک کرے اور اگر وہ اس بات پر زور دیں کہ تو کسی کو میرا شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کی اطاعت نہ کرنا۔ میری طرف ہی تمہیں لوٹ کر آنا ہے۔ میں تمہیں بتلادوں گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔)

((عِنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ ﷛ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ رواه

فی شرح السنة))[مشکوۃ المصابیح: باب کتاب الامارۃ والقضاء]

''حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مخلوق کی اطاعت میں اللہ کی نافرمانی جائز نہیں۔''

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللَّهَ فَلَا يَعْصِهِ))[رواہ الترمذی: باب مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ فَلْيُطِعْهُ]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نذر مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا تو اُسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔اور جس نے نذر مانی کہ وہ اللہ کی نافرمانی کرے گا تو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔''

مسائل

۱۔ والدین کے ساتھ اولاد کو''احسان''کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔
۲۔ والدین اولاد کو شرک پر آمادہ کریں تو اولاد کا فرض ہے کہ وہ شرک کرنے سے انکار کردے۔
۳۔ بالآخر ہر کسی نے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے وہ ہر ایک کو اُس کے اعمال کے بارے میں بتائے گا۔
۴۔ سچا ایمان رکھنے اور نیک اعمال کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ صالح لوگوں میں شامل فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

والدین کے بارے میں ہدایات:

۱۔ بنی اسرائیل سے والدین کے ساتھ احسان کرنے کا عہد لیا گیا۔(البقرۃ:۸۳)
۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم ہوا۔(مریم:۳۲)
۳۔ والدین کو اُف کہنا اور جھڑکنا جائز نہیں۔(بنی اسرائیل:۲۳)
۴۔ والدین کے سامنے عاجزی سے رہنا اور ان کے لیے دعا کرنی چاہیے۔(بنی اسرائیل:۲۴)
۵۔ غیر مسلم والدین کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا چاہیے۔(لقمان:۱۵)
۶۔ والدین سے نیکی کرنے کا حکم۔(بنی اسرائیل:۲۳)
۷۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو وصیت کی ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ احسان کرے۔(الاحقاف:۱۰)
۸۔ اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ نیکی کرو۔(النساء:۳۶)
۹۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔(الانعام:۱۵۱)

وَمِنَ	النَّاسِ	مَنْ	يَّقُوْلُ	اٰمَنَّا	بِاللّٰهِ	فَاِذَآ
اور سے	لوگ	جو	وہ کہتا ہے	ہم ایمان لائے	اللہ پر	پھر جب
اُوْذِیَ	فِی	اللّٰهِ	جَعَلَ	فِتْنَةَ	النَّاسِ	كَعَذَابِ
وہ ایذا دیا جاتا ہے	میں	اللہ	وہ بناتا ہے	ایذا	لوگ	عذاب کی مانند
اللّٰهِ ؕ	وَلَئِنْ	جَآءَ	نَصْرٌ	مِّنْ	رَّبِّكَ	لَيَقُوْلُنَّ
اللہ	اور البتہ اگر	آجائے	مدد	سے	آپ کا رب	تو وہ ضرور کہیں گے
اِنَّا	كُنَّا	مَعَكُمْ ؕ	اَوَ	لَيْسَ	اللّٰهُ	بِاَعْلَمَ
بلاشبہ ہم تو	تھے	تمھارے ساتھ	کیا اور	نہیں	اللہ	خوب جاننے والا

''بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے۔ جب اُن کو ''اللہ'' کی راہ میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لوگوں کی ایذاء کو اللہ کے عذاب کی طرح سمجھتے ہیں۔ اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے مدد پہنچے تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ کیا اللہ لوگوں کے سینوں میں پیدا ہونے والے خیالات سے آگاہ نہیں؟''

فہم القرآن

ربطِ کلام : اس سورتِ مبارکہ کی ابتداء میں مومنوں کی آزمائش اور ظالموں کی گرفت کے بارے میں فرمایا۔ اب منافقوں کے کردار کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

منافق کا لفظ نفق سے نکلا ہے جس کا معنٰی ہے چوہے کی ایسی بل جس کے دو منہ ہوں ایک منہ بند کیا جائے تو چوہا دوسری طرف سے نکل جاتا ہے۔ جب تک دونوں طرف سے بل بند نہ کی جائے چوہا قابو نہیں آتا۔ یہی منافق کا کردار ہوتا ہے کہ اسے اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے فائدہ ہو تو وہ اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرتے ہوئے اسلام کی خوبیاں ذکر کرتا ہے۔ اگر اسے اسلام کے راستے میں کوئی آزمائش آئے تو وہ کفار کی طرف رُخ موڑ لیتا ہے۔ منافق کی اسی کیفیت کا یہاں ذکر کیا گیا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے لیکن جب انھیں اللہ کے راستے میں تکلیف پہنچتی ہے۔ یعنی اسلام دشمن قوتوں سے واسطہ پڑتا ہے تو وہ کفار کی طرف سے ملنے والی تکلیف کو۔ اللہ کا عذاب سمجھ کر اسلام اور مسلمانوں سے دو رہو جاتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مدد اور نصرت حاصل ہوتی ہے اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے فائدہ پہنچتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھی ہیں۔ کیا منافق بھول جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کے حال سے پوری طرح واقف نہیں ہے؟ خبردار انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ منافقوں اور مومنوں کے درمیان ضرور فرق واضح کرے گا۔ یہ فرق

بِمَا	فِيْ	صُدُوْرِ	الْعٰلَمِيْنَ ⑩	وَلَيَعْلَمَنَّ	اللّٰهُ
جو	میں	سینے	جہان والے؟	اورضرور جان لے گا	اللہ

الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَلَيَعْلَمَنَّ	الْمُنٰفِقِيْنَ ⑪
جولوگ	وہ ایمان لائے	اور وہ ضرور جان لے گا	منافق

کیا لوگوں کے دلوں کا حال اللہ کو بخوبی معلوم نہیں ہے۔(۱۰) اور اللہ کو ضرور دیکھنا ہی ہے کہ ایمان لانے والے کون ہیں اور منافق کون ہیں"۔(۱۱)

آخرت میں تو ہر صورت واضح ہو کر رہے گا اگر مسلمان آپس میں متحد اور اسلام پر ثابت رہیں تو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی یہ فرق کر کے دکھلائے گا جس کے نتیجہ میں نبی اکرم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں منافق رسوا ہوئے۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تَعِيْرُ إِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً وَ إِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً)) [رواہ مسلم: کتاب صفات المنافقین وأحکامھم]

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان پھرتی ہے کبھی ایک ریوڑ کی طرف جاتی ہے کبھی دوسرے کی طرف۔"

مسائل

۱۔ منافق اسلام کے راستے میں آنے والی آزمائش کو اللہ کا عذاب سمجھتا ہے۔

۲۔ اسلام سے فائدہ حاصل ہو تو منافق اسلام، اسلام کرتا ہے اگر آزمائش آجائے تو منافق کفار کے ساتھ جا ملتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے حال جاننے والا ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ منافقوں اور مومنوں کے درمیان ضرور فرق واضح کرے گا۔

تفسیر بالقرآن

منافق کا کردار اور اس کا انجام:

۱۔ منافق دغا باز، ریاکار ہونے کے ساتھ بے توجہگی کے ساتھ نماز پڑھتا ہے۔(النساء:۱۴۲)

۲۔ منافق کے کلمہ پر اعتبار نہیں کیونکہ وہ جھوٹا ہوتا ہے۔(المنافقون:۱)

۳۔ منافق کی قسم پر اعتبار نہیں کیونکہ وہ اسے ڈھال کے طور پر استعمال کرتا ہے۔(المنافقون:۲)

۴۔ منافق کفار سے دوستی رکھتا ہے۔(البقرۃ:۱۴)

۵۔ منافق جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔(النساء:۱۴۵)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا

اور اس کہا | وہ لوگ | انہوں نے کفر کیا | ان لوگوں کے لیے | وہ ایمان | تم پیروی کرو

سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ

ہمارے راستہ | اور چاہیے کہ ہم اُٹھالیں | تمھارے گناہ | اور نہیں | وہ | اُٹھانے والے

مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑫ وَلَيَحْمِلُنَّ

سے | ان کے گناہوں | سے | چیز | بلاشبہ وہ | ضرور جھوٹے ہیں | اور وہ ضرور اُٹھائیں گے

اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وَلَيُسْـَٔــلُنَّ

اپنے بوجھ | اور کئی بوجھ | کے ساتھ | اپنے بوجھ | اور وہ ضرور پوچھے جائیں گے

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ⑬ ع

دن | قیامت | بابت جو | تھے وہ | افتراء باندھتے

”ایمان لانے والوں سے کافر کہتے ہیں کہ تم ہمارے طریقے کی پیروی کرو۔ تمہارے گناہوں کا ہم ذمہ لے لیں گے حالانکہ ان کے گناہوں سے کچھ بھی اپنے ذمہ لینے والے نہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں۔(۱۲) ہاں وہ اپنے بوجھ ضرور اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ دوسرے بہت سے بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہوں گے اور قیامت کے دن یقیناً ان سے ان کی افتراپردازیوں کی پوچھ گچھ ہوگی۔“(۱۳)

فہم القرآن

ربط کلام: مسلمانوں کو پھسلانے کے لیے کفار اور منافقوں کے مختلف ہتھکنڈے، اور قیامت کے دن ان کی پوچھ کے بارے میں انتباہ

کفار اور منافقوں کی ہر وقت کوشش تھی اور رہتی ہے کہ مسلمانوں کو ان کے دین سے پھسلا دیا جائے۔ اسی کے پیش نظر نبی اکرم ﷺ کے دور میں مسلمانوں کو پھسلانے اور بہکانے کے لیے کفار اور منافقوں نے مسلمانوں کو یہ بھی کہا کہ اگر تم دینِ اسلام کو چھوڑ دو۔ تو تمھارے اسلام چھوڑنے کا گناہ ہم اپنے ذمہ لے لیں گے ۔ اس طرح انھوں نے مسلمانوں کو پھسلانے اور ان کے دلوں سے اسلام کی محبت کم کرنے کی کوشش کی۔ جس کا جواب دیا گیا ہے کہ کفار اور منافقوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ قیامت کے دن کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا لہٰذا یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ البتہ وہ لوگ ضرور اپنا اور دوسروں کا بوجھ اُٹھائیں گے جنھوں نے خود گناہ کیے اور دوسروں کو گناہوں پر آمادہ کرتے رہے۔ ایسے لوگون کے جھوٹ اور گناہوں کے بارے میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ضرور باز پُرس کرے گا۔ یاد رہے کہ آخرت کے دن کا بنیادی اصول یہ ہے کہ کوئی دوسرے

کا بوجھ نہیں اُٹھا سکے گا۔ ہاں جس شخص نے کسی کو بالواسطہ یا بلاواسطہ گمراہ یا کسی کو گناہ پر آمادہ کیا اسے اپنا اور دوسرے کا بوجھ بھی اُٹھانا ہوگا۔ اس سے گناہ کرنے والے کا بوجھ ہلکا نہیں ہوگا۔ اسی اصول کی بنیاد پر قرآنِ مجید میں یہ اصول بیان ہوا ہے کہ ایسے لوگوں کو دوگنا عذاب دیا جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس اصول کی یوں وضاحت فرمائی ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا)) [رواہ مسلم:باب مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً أَوْ سَيِّئَةً وَمَنْ دَعَا إِلَى هُدًى أَوْ ضَلَالَةٍ]

”حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ہدایت کی طرف بلایا اُسے عمل کرنے والے کے اجر کے مطابق اجر ملے گا جنہوں نے اُس کی تابعداری کی۔ اُن کے اجر میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہوگی اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا اُس کو گناہ کرنے والے کے برابر گناہ ملے گا جو گمراہ شخص کی تابعداری کرتے ہوئے گمراہی کے راستے پر چلے تھے۔ اور ان کے گناہ میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جائے گی۔“

مسائل

۱۔ کوئی شخص دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اُٹھا سکے گا۔

۲۔ جس نے کسی کو گمراہ یا گناہ پر آمادہ کیا وہ اپنا اور دوسرے کا بوجھ بھی اُٹھائے گا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جھوٹ بولنے والے اور گمراہ کرنے والے کو ضرور پوچھے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا اور نہ ہی مجرم کو چھڑا سکے گا:

۱۔ ہر ایک کو اس کے اپنے اعمال کام آئیں گے۔ (البقرۃ:۱۳۴)

۲۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ (الانعام:۱۶۴)

۳۔ کوئی کسی کے اعمال کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ (فاطر:۴۳)

۴۔ کسی کے گناہ کے متعلق کسی دوسرے سے نہیں پوچھا جائے گا۔ (الرحمٰن:۳۹)

۵۔ کوئی نفس کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ (الانعام:۱۶۴)

۶۔ ہر ایک اپنے معاملے کا خود ذمہ دار ہے۔ (البقرہ:۱۴۱)

۷۔ روزِ محشر دوست کام نہ آئیں گے۔ (البقرہ:۲۵۴)

۸۔ قیامت کے دن مجرم کو اس کے ماں باپ، قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں گے۔ (عبس:۳۴۔۳۶)

وَلَقَدْ	اَرْسَلْنَا	نُوْحًا	اِلٰى	قَوْمِهٖ	فَلَبِثَ	فِيْهِمْ
اور تحقیق	ہم نے بھیجا	نوح	طرف	اس کی قوم	وہ ٹھہرا رہا	ان میں
اَلْفَ	سَنَةٍ	اِلَّا	خَمْسِيْنَ	عَامًا	فَاَخَذَهُمُ	
ہزار	سال	مگر	پچاس	سال	پھر ان کو پکڑ لیا	
الطُّوْفَانُ	وَهُمْ	ظٰلِمُوْنَ ⑭	فَاَنْجَيْنٰهُ	وَ	اَصْحٰبَ	
طوفان	اور وہ	ظالم	پھر ہم نے نجات دی اس کو	اور	والے	
السَّفِيْنَةِ	وَجَعَلْنٰهَآ	اٰيَةً	لِّلْعٰلَمِيْنَ ⑮			
کشتی	اور ہم نے اس کو بنا دیا	نشانی	دنیا والوں کے لیے			

''ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ پچاس کم ایک ہزار سال ان کے درمیان رہا۔ آخر کار ان لوگوں کو طوفان نے آلیا کیونکہ وہ ظالم تھے۔ (۱۴) نوح اور کشتی والوں کو ہم نے بچالیا اور اسے دنیا والوں کے لیے نشانِ عبرت بنا کر رکھ دیا۔'' (۱۵)

فہم القرآن

ربط کلام: آخرت میں ہی نہیں دنیا میں بھی اللہ کی پکڑ سے کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کے لیے مبعوث کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام اُنھیں ساڑھے نو سو سال سمجھاتے رہے، قوم نے سمجھنے کی بجائے نوح علیہ السلام کو بار بار یہ کہا کہ ہم تیرے کہنے پر ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو نہیں چھوڑ سکتے۔ (نوح: ۲۴) یاد رہے یہ اس قوم کے سب سے بڑے بت تھے۔ یہ قوم نوح کے فوت شدہ بزرگوں کے تخیلاتی مجسمے تھے جو انہوں نے اپنے فوت شدہ بزرگوں کی یاد میں بنائے ہوئے تھے۔ قوم نے نوح علیہ السلام کو یہ بھی دھمکی دی کہ اگر تو باز نہ آیا تو ہم پتھر مار مار کر تجھے مار ڈالیں گے۔ (الشعراء: ۱۱۶) اس کے ساتھ ہی یہ کہنے لگے کہ اے نوح (علیہ السلام)! تیرے اور ہمارے درمیان یہ جھگڑا طول پکڑ گیا ہے اس لیے جس عذاب کا تو ہم سے وعدہ کرتا ہے اسے لے آ، اگر تو واقعی ہی سچا ہے۔ (ہود: ۳۲)

تب جا کر اللہ تعالیٰ نے ظالموں پر گرفت فرمائی اور انھیں ڈبکیاں دے دے کر غرق کیا۔ البتہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو ایک کشتی کے ذریعے بچالیا گیا۔ کشتی اور ڈوبنے والوں کو لوگوں کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کو مختصر بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اے کفار اور منافقو! غور کرو! کہ جب نوح علیہ السلام کے دور میں طوفان آیا تو کوئی کافر ایک دوسرے کو نہیں بچا سکا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنے کافر بیٹے اور بیوی کو نہ بچا سکے۔ (ہود: ۴۶) تمھاری کیا

حیثیت اور طاقت ہے کہ تم قیامت کے دن ایک دوسروں کا بوجھ اُٹھا سکو؟ (التحریم: ۱۵)

یہاں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کی طرف اس لیے بھی اشارہ کیا گیا ہے تاکہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے رفقاء کو تسلی دی جائے کہ آپ لوگوں کو مظالم سہتے ہوئے ابھی بہت تھوڑا عرصہ گزار رہے ہیں۔ غور فرماؤ کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے کس قدر دین حق کے راستے میں محنت کی اور کتنی طویل مدت تک ظالموں کے ظلم برداشت کرتے رہے۔

مسائل

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال اپنی قوم کو سمجھایا۔

۲۔ جب قوم نے سمجھنے سے انکار کیا تو انھیں غرق کر دیا گیا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو کشتی کے ذریعے بچالیا۔

۴۔ کشتی اور قوم کو آئندہ نسلوں کے لیے نشانِ عبرت بنایا۔

تفسیر بالقرآن

قومِ نوح پر آنے والے عذاب کی چند جھلکیاں:

۱۔ قوم نوح طوفان کے ذریعے ہلاک ہوئی۔ (الاعراف: ۱۳۶)

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو فرمایا آج کے دن اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔ (ہود: ۴۳)

۳۔ قومِ نوح کو تباہ کرنے کے لیے آسمان سے موسلا دھار بارش کے دھانے کھول دیئے گئے۔ (القمر: ۱۱)

۴۔ قومِ نوح پر عذاب کے وقت تندور نے اُبلنا شروع کر دیا۔ (ہود: ۴۰)

۵۔ قومِ نوح پر عذاب کی صورت میں آسمان سے پانی برسا اور زمین سے جگہ جگہ چشمے اُبل پڑے۔ (ہود: ۴۴)

۶۔ اللہ نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کرنے والوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ (الشعراء: ۱۲۰)

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ

اورابراہیم | جب | فرمایا | اپنی قوم سے | تم عبادت کرو | اللہ کی | اورتم اس سے ڈرو

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا

یہ | بہتر | تمھارے لیے | اگر | ہوتم | تم جانتے | صرف

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۚ اِنَّ

تم عبادت کرتے ہو | سے | سوائے | اللہ | بتوں | اورتم بناتے ہو | جھوٹ | بلاشبہ

الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ

جن | تم عبادت کرتے ہو | سے | سوائے | اللہ | نہیں | وہ اختیار رکھتے | تمھارے لیے

''اور ابراہیم نے جب اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اگر تم حقیقت سمجھتے ہو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔(۱۶) تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ تو محض بت ہیں اور تم جھوٹ گھڑ رہے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ تمہیں رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔''

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں دوسرے حقائق کے ساتھ یہ بھی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ جب نوح علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا تو نہ وہ خود ایک دوسرے کو بچا سکے۔ اور نہ ہی ان کے مشکل کشا انہیں بچا سکے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خطاب سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ مشرک جن بتوں اور معبودوں کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھتے ہیں اپنے چاہنے والوں کو نہ نقصان سے بچا سکتے ہیں اور نہ ہی کچھ فائدہ دے سکتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم سے بیک وقت یہ استفسار کیا تھا کہ اے والد گرامی اور میری قوم کے لوگو! بتلاؤ جن پتھر اور مٹی کی بنی ہوئی مورتیوں کے سامنے تم مراقبے، اور جن سے مانگتے ہو ان کی حقیقت اور حیثیت کیا ہے؟ اُن کا جواب تھا کہ ہم نے اپنے آباء واجداد کو اس طرح ہی عبادت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُنھیں باور کروایا کہ تم واضح طور پر بہک چکے ہو۔ (الانبیاء: ۵۱تا۵۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ بھی سمجھایا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور اُسی سے ڈرتے رہو یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم حقیقت جانتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم بتوں کی عبادت کرتے ہو اور پھر اُن کے بارے میں جھوٹا پراپیگنڈہ کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ تمھیں کسی قسم کا رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ صرف ایک اللہ سے رزق مانگو اُسی ایک کی عبادت کرو اور اُسی کا شکریہ ادا کرو۔ کیونکہ تم سب نے اُسی کی

رِزۡقًا	فَابۡتَغُوۡا	عِنۡدَ	اللّٰهِ	الرِّزۡقَ	وَاعۡبُدُوۡهُ	وَاشۡكُرُوۡا
رزق	بس تم تلاش کرو	ہاں	اللہ	رزق	اور تم اس کی عبادت کرو	اور تم شکر کرو

لَهٗ	اِلَيۡهِ	تُرۡجَعُوۡنَ ۝۱۷	وَاِنۡ	تُكَذِّبُوۡا	فَقَدۡ
اس کا	اسی کی طرف	تم لوٹائے جاؤ گے	اور اگر	تم جھٹلاؤ	تو تحقیق

كَذَّبَ	اُمَمٌ	مِّنۡ	قَبۡلِكُمۡ	وَمَا	عَلَى	الرَّسُوۡلِ
جھٹلایا	اُمتیں	سے	تم پہلے	اور نہیں	پر	رسول

اِلَّا	الۡبَلٰغُ	الۡمُبِيۡنُ ۝۱۸
مگر	پہنچا دینا	واضح طور پر

اللہ سے رزق مانگو اور اسی کی بندگی کرو اور اسی کا شکر ادا کرو۔ اسی کی طرف تم پلٹ کر جانے والے ہو۔(۱۷) اور اگر تم جھٹلا دو تو تم سے پہلے بہت سی قومیں جھٹلا چکی ہیں اور رسول پر واضح طور پر پیغام پہنچا دینا ہے۔''(۱۸)

طرف پلٹ کر جانا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اُس سے ڈرنے کی تلقین کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن بتوں اور مورتیوں سے مانگتے اور ان کے سامنے جھکتے اور سجدہ کرتے ہو اُن کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور نہ ہی وہ تمھارے نفع اور نقصان کے مالک ہیں۔ اُن کو خود ہی تم بناتے، سجاتے ہو اور پھر لوگوں کو اُن کا گرویدہ بنانے کے لیے جھوٹی کہانیاں تراشتے ہو حالانکہ وہ تمھیں ایک دانہ بھی نہیں دے سکتے۔

مشرکین کی شروع سے یہ عادت رہی ہے کہ اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے مزارات، بت اور مورتیوں کے بارے میں ذاتی اور جماعتی مفاد کی خاطر داستانیں پھیلاتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں مزار پر گیا تو اُسے نرینہ اولاد مل گئی۔ وہ شخص فلاں مقام پر پہنچا تو اُس کی مشکل حل ہوگئی۔ فلاں فوت شدہ بزرگ نے فلاں جگہ پہنچ کر فلاں شخص کی مدد کی۔ یہ صاحب قبر اس مشکل کا تریاق رکھتا ہے اور وہ قبر والا فلاں پریشانی کو دور کرتا ہے۔ یہ اقتدار اور اقبال عنایت کرتا اور وہ گنج بخش اور شکر گنج ہے اور اپنے ماننے والوں کی روزی میں اضافہ کرتا ہے۔ اس طرح کی کہانیاں ہر دور کے مشرک بالخصوص متولی، مجاور اور یہ عقیدہ رکھنے والے علماء بناتے اور بتاتے رہتے ہیں۔ رزق کی کشادگی کی خواہش انسانی فطرت کی کمزوری ہے اس لیے نام نہاد مذہبی لوگ مزارات پر اور کافر بتوں کے سامنے نذر و نیاز پیش کرتے ہیں تاکہ اُن کی روزی اور وسائل میں اضافہ ہو جائے۔ یہی عقیدہ ہزاروں سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا تھا جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو منع کیا اسی وجہ سے اُنھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا۔ جب ابراہیم علیہ السلام آگ سے سلامت نکلے تو پھر قوم، حکومت اور ان کے باپ نے بالاتفاق ابراہیم علیہ السلام کو

وطن چھوڑنے پر مجبور کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور اس کے ردِعمل کی طرف توجہ دلا کر نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو بتلایا ہے کہ آپ کے جدّ امجد کو کن کن مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جس طرح وہ اور ان کے ساتھی ثابت قدم رہے آپ اور آپ کے ساتھیوں کو بھی استقامت اور صبر واستقلال کا مظاہر کرنا ہوگا۔ جس طرح آپ کو جھٹلایا جا رہا ہے اسی طرح پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلایا گیا۔ حالات جیسے بھی ہوں رسول پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے کھول کھول کر عقیدہ توحید بیان کرے اور پوری جُرت واستقلال کے ساتھ شرک کی تردید کرتا رہے۔

مسائل

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اسی سے ڈرنے کی تلقین کی۔
۲۔ اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرنا اور اس سے ڈر کر زندگی گزارنا بہترین طرزِ زندگی ہے۔
۳۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبات کرتے ہیں وہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ان کے نام پر جھوٹے قصہ کہانیاں اور کرامات بیان کرتے ہیں۔
۴۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رزق دینے والا نہیں اس لیے اسی سے رزق مانگنا، اسی کی عبادت کرنا اور اسی کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔
۵۔ رسولِ اکرم ﷺ کا کام کھلے الفاظ میں لوگوں تک حق پہنچانا تھا۔ جو آپ نے کما حقہ لوگوں تک پہنچایا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نفع ونقصان کا مالک اور رزق دینے والا نہیں:

۱۔ اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارو جو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع دے سکتا ہے۔ (یونس:۱۰۶)
۲۔ اللہ کے سوا کوئی ذرہ بھر بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں۔ (الانبیاء:۶۶)
۳۔ اے نبی ﷺ آپ اعلان فرمادیں کہ میں اپنے بارے میں بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں (الاعراف:۱۸۸)
۴۔ کیا تم انکی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نفع ونقصان نہیں پہچا سکتے۔ (الانبیاء:۶۶)
۵۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی رزق کو فراخ اور تنگ کرتا ہے۔ (الزمر:۵۲)
۶۔ زمین میں ہر قسم کے چوپاؤں کا رزق اللہ کے ذمّہ ہے۔ (ھود:۲)
۷۔ بے شک اللہ ہی رزق دینے والا ہے۔ (الذّاریات:۵۸)
۸۔ ہم نے اس زمین میں تمہارے لیے معاش کا سامان بنایا اور ان کے لیے بھی جنہیں تم روزی نہیں دیتے۔ (الحجر:۲۰)

اَوَ	لَمْ	يَرَوْا	كَيْفَ	يُبْدِئُ	اللّٰهُ	الْخَلْقَ
کیا	نہیں	انھوں نے دیکھا	کیسے	وہ پہلی بار پیدا کرتا	اللہ	مخلوق کو؟
ثُمَّ	يُعِيْدُهٗ	اِنَّ	ذٰلِكَ	عَلَى	اللّٰهِ	يَسِيْرٌ ⑲
پھر	وہی اس کو لوٹائے گا	بلاشبہ	یہ	پر	اللہ	بہت آسان
قُلْ	سِيْرُوْا	فِي	الْاَرْضِ	فَانْظُرُوْا	كَيْفَ	بَدَاَ
فرما دیجیے	تم سیر کرو	میں	زمین	پھر تم دیکھو	کس طرح	اس نے پہلی بار پیدا کی
الْخَلْقَ	ثُمَّ	اللّٰهُ	يُنْشِئُ	النَّشْاَةَ	الْاٰخِرَةَ	
مخلوق	پھر	اللہ	وہ پیدا کرے گا	پیدا کرنا	دوسری بار	
اِنَّ	اللّٰهَ	عَلٰى	كُلِّ	شَيْءٍ	قَدِيْرٌ ⑳	
بلاشبہ	اللہ	پر	ہر	چیز	خوب قادر	

”کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا کہ اللہ کس طرح مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے یقیناً دوبارہ پیدا کرنا اللہ کے لیے آسان تر ہے۔(۱۹) ان سے فرمائیں کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ اللہ نے کس طرح مخلوق کی ابتداء کی ہے پھر اللہ دوسری بار پیدا کرے گا یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“(۲۰)

فہم القرآن

ربط کلام: انبیاء کرام اور نبی آخر الزّماں نے لوگوں تک کھلے الفاظ میں توحید اور حق بات پہنچائی اب لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اللہ کی توحید پر ایمان لائیں اور حق بات قبول کریں۔

عقیدہ توحید سمجھنے کے لیے پہلی بات یہ ہے کہ انسان ”اللہ“ کی قدرتوں پر غور کرے اور پھر سچے دل کے ساتھ ایمان لائے کہ ساری مخلوق پیدا کرنے والا صرف ایک ”اللہ“ ہے جب انسان یہ حقیقت سمجھ جائے اور اس پر خلوصِ نیت کے ساتھ ایمان لے آئے تو وہ ایک ”اللہ“ کی عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ ہر قسم کے شرک سے بچ جائے گا۔ اس لیے حکم ہوا ہے کہ لوگو! کیا تم نے غور نہیں کیا؟ کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو پہلی بار کس طرح پیدا کرتا ہے اور پھر اسے زندہ کرے گا یہی بات انسان کو اپنے بارے میں سوچنا چاہیے کہ جس ”اللہ“ نے انسان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اس کے لیے بہت ہی آسان ہے کہ وہ اسے دوبارہ پیدا کرے۔ اگر انسان کو مر کر جی اٹھنے پر اعتبار نہیں تو وہ زمین پر چل کر دیکھے خاص طور پر کسی صحرا میں جا کر ملاحظہ کرے کہ موسمِ خزاں میں جو جڑی بوٹیاں گل سڑ گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کس طرح دوبارہ پیدا فرمایا ہے۔ اسی طرح لوگوں کو دوبارہ پیدا کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر کام کرنے پر کامل اور اکمل قدرت رکھتا ہے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا بَیْنَ النَّفْخَتَیْنِ اَرْبَعُوْنَ قَالُوْ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ اَرْبَعُوْنَ یَوْمًا

قَالَ اَبَیْتُ قَالُوْا اَرْبَعُوْنَ شَهْرًا قَالَ اَبَیْتُ قَالُوْا اَرْبَعُوْنَ سَنَةً قَالَ اَبَیْتُ ثُمَّ یُنْزِلُ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَیُنْبَتُوْنَ كَمَا یَنْبُتُ الْبَقْلُ قَالَ وَلَیْسَ مِنَ الْاِنْسَانِ شَیْءٌ لَا یَبْلٰی اِلَّا عَظْمًا وَاحِدًا وَّهُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ وَمِنْهُ یُرَكَّبُ الْخَلْقُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ)) [متفق علیه] وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ كُلُّ ابْنِ اٰدَمَ یَاكُلُهُ التُّرَابُ اِلَّا عَجْبَ الذَّنَبِ مِنْهُ خُلِقَ وَفِیْهِ یُرَكَّبُ [متفق علیه]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوسرا صور پھونکنے کا عرصہ چالیس ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگردوں نے پوچھا چالیس دن؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں جانتا۔ انہوں نے استفسار کیا چالیس ماہ؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا میرا کوئی جواب نہیں۔ انہوں نے پھر پوچھا چالیس سال ہیں؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں یہ بھی نہیں کہتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا۔ لوگ یوں اُگیں گے جس طرح انگوری اگتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انسان کی دمچی کے علاوہ ہر چیز مٹی ہو جائے گی۔ قیامت کے دن اسی سے تمام اعضاء کو جوڑا جائے گا۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم میں ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کے تمام اعضاء کو مٹی کھا جائے گی۔ سوائے دمچی کے انسان اسی سے پیدا کیا جائے گا اور جوڑا جائے گا۔“

اللہ تعالیٰ کے لیے پہلی مرتبہ پیدا کرنا یا اس کا اعادہ کرنا بالکل سہل ہے سوائے انسان کو سمجھانے کے لیے ذکر فرمایا ہے کہ پہلی دفعہ پیدا کرنے سے دوسری مرتبہ پیدا کرنا بہر حال آسان ہے۔

مسائل

اللہ ہی انسان کو پیدا کرنے والا اور وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کے لیے انسان یا کسی دوسری چیز کو دوبارہ پیدا کرنا آسان ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی پہلی اور دوسری مرتبہ پیدا کرنے والا ہے:

١۔ اللہ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ (آل عمران: ١٥٦)

٢۔ اللہ تعالیٰ مارنے کے بعد زندہ کرے گا۔ (البقرۃ: ٧٣)

٣۔ اللہ تعالیٰ مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کرتا ہے۔ (آلِ عمران: ٢٧)

٤۔ اللہ ہی موت و حیات کا خالق ہے۔ (الملک: ٢)

٥۔ بے شک زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ (التوبۃ: ١١٦)

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ

وہ عذاب دے گا جس وہ چاہے گا اور وہ رحم کرے گا جس وہ چاہے گا اور اسی کی طرف

تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا

تم پھیرے جاؤ گے اور نہیں تم عاجز کرنے والے میں زمین اور نہ

فِي السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

میں آسمان اور نہیں تمھارے لیے سے سوائے اللہ

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ ع وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ

ع ۲ ۹ ۱۴

سے دوست اور نہ مددگار اور وہ لوگ انہوں نے کفر کیا آیات کے ساتھ

اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ

اللہ اور اس کی ملاقات یہ لوگ نا اُمید ہیں سے میری رحمت

وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾

اور یہ لوگ انہی کے لیے عذاب دردناک

اللہ جسے چاہے سزا دے اور جس پر چاہے رحم فرمائے اسی کی طرف تم پھیرے جانے والے ہو۔ (۲۱) تم اللہ کو زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو اور نہ ہی آسمان میں عاجز کر سکتے ہو کوئی خیر خواہ اور مددگار تمہیں اللہ سے بچانے والا نہیں ہوگا۔ (۲۲) جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا انکار کیا ہے وہ میری رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' (۲۳)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ انسان کو صرف زندہ ہی نہیں کرے گا بلکہ اپنی بارگاہ میں حاضر فرما کر صحیح عقیدہ اور نیک عمل کرنے والوں پر رحم فرمائے اور بُرے لوگوں کو سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی مہربانی اور بخشش کے اصول بتلا دیے ہیں اور اپنی گرفت اور سزا کا بھی قانون واضح کیا ہے۔ بخشش اور عذاب کے اصول بتلانے کے باوجود اسے کامل اختیار حاصل ہے کہ جسے چاہے معاف فرمائے اور جسے چاہے عذاب میں مبتلا کرے۔ اللہ تعالیٰ کو زمین و آسمانوں میں کوئی عاجز اور بے بس کرنے والا نہیں ہے۔ تاہم اس کا فرمان ہے کہ مشرک اور کافر کے علاوہ جسے چاہے گا معاف فرما دے گا اور ہر کسی نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہی زمینوں، آسمانوں کا

مالک ہے اس کی مرضی کے بغیر کوئی کسی کی خیر خواہی اور نہ کسی قسم کی کوئی مدد کر سکتا ہے۔ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کی آیات کا انکار کیا وہ اس کی رحمت سے مایوس ہو گئے اور ان کے لیے اذیت ناک عذاب ہو گا۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے عذاب دے گا اور جس پر چاہے رحم فرمائے گا۔
٢۔ ہر کسی نے اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔
٣۔ دنیا اور آخرت میں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو مجبور نہیں کر سکتا۔
٤۔ اللہ کی مرضی کے خلاف نہ کوئی خیر خواہی کر سکتا ہے اور نہ ہی مدد دے سکتا ہے۔
٥۔ اللہ کی آیات اور اس کی ملاقات کے منکر اس کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں۔
٦۔ آیات ربانی کا انکار کرنے والے اذیت ناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف انسان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا:

١۔ مدد تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے یقیناً اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (الانفال: ١٠)
٢۔ جنہیں تم اللہ کے سوا معبود مانتے ہو کیا وہ تمہاری یا اپنی مدد کر سکتے ہیں؟۔ (الشعراء: ٩٣)
٣۔ کیا ان کے پاس ہمارے سوا معبود ہیں جو ان کی حفاظت کریں؟ وہ تو خود اپنی مدد کی قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہمارے مقابلے میں ان کا ساتھ دیا جا سکتا ہے۔ (الانبیاء: ٤٣)
٤۔ کیا وہ ان کو ہمارا شریک ٹھہراتے ہیں؟ جنہوں نے کچھ پیدا نہیں کیا اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور وہ انہیں کسی قسم کی مدد بھی نہیں دے سکتے بلکہ وہ اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ (الاعراف: ١٩١۔١٩٢)
٥۔ اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو نہ تو وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی۔ (الاعراف: ١٩٧)
٦۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا اگر میں انہیں دھتکار دوں تو اللہ کے مقابلہ میری مدد کون کرے گا؟۔ (ھود: ٣٠)
٧۔ مومن بندے نے (فرعون کے روبرو پوری قوم کو مخاطب کر کے کہا تھا) اگر اللہ کا عذاب آجائے تو ہماری مدد کون کرے گا۔ (مومن: ٢٩)
٨۔ انہوں نے اللہ کے سوا معبود بنا لیے تاکہ وہ ان کے مددگار رہوں حالانکہ وہ ان کی کچھ مدد نہیں کر سکتے۔ (یٰس: ٧٤۔٧٥)

فَمَا	كَانَ	جَوَابَ	قَوْمِهٖٓ	اِلَّآ	اَنْ	قَالُوا
پھر نہ	تھا	جواب	اس کی قوم	مگر	یہ کہ	انھوں نے کہا
اقْتُلُوْهُ	اَوْ	حَرِّقُوْهُ	فَاَنْجٰىهُ	اللّٰهُ	مِنَ	النَّارِ
تم اسے قتل کردو	یا	تم اسے جلادو	پھر اس کو نجات دی	اللہ نے	سے	آگ
اِنَّ	فِيْ	ذٰلِكَ	لَاٰيٰتٍ	لِّقَوْمٍ	يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾	
بلاشبہ	میں	اس	البتہ نشانیاں ہیں	ان لوگوں کے لیے	وہ ایمان لاتے ہیں	

''پھر ابراہیم کی قوم کا جواب اس کے سوانہیں تھا کہ انہوں نے کہا ابراہیم کو قتل کردو یا اسے جلادو۔ اللہ نے ابراہیم کو آگ سے بچالیا یقیناً اس میں عبرتیں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لانے والے ہیں۔'' (۲۴)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے جو خطاب کیا اس کا تذکرہ آیت سولہ اور سترہ میں ہو چکا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے خالق ہونے کے دلائل دیے گئے جو لوگ عقیدہ توحید کا انکار کرتے ہیں ان کی سزا بیان کی گئی۔ یہ وضاحت بھی کردی گئی کہ کفار اپنے عقیدہ کی وجہ سے اپنے رب کی رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا رد عمل بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کے جواب میں قوم کا ردعمل تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں یا پھر اسے آگ میں جلادیا جائے۔

﴿قَالُوا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِيْنَ﴾ [الانبیاء:۶۸]

''اگر اپنے خداؤں کو بچانا چاہتے ہو تو اس کو زندہ جلادو۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امن عامہ کے تحت گرفتاری:

حکمرانوں نے نے فیصلہ کیا کہ امن عامہ کے تحت ابراہیم علیہ السلام گرفتار کرلیا جائے۔ چنانچہ آپ کو دس دن تک جیل میں رکھا گیا اور پھر بادشاہ کی کونسل نے انہیں زندہ جلادینے کا فیصلہ کیا اس طرح عوام اور حکمران سب کے سب اس بات پر متفق ہو چکے کہ ابراہیم علیہ السلام کو زندہ نہ چھوڑا جائے بلکہ عبرتناک سزادی جائے۔

عوامی مطالبہ:

﴿قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ﴾ [الصّٰفٰت:۹۷]

''اس کے لیے ایک بڑا گہرا گڑھا بناؤ اور اس کو آگ سے بھر کر ابراہیم کو دہکتے ہوئے انگاروں میں پھینک دو۔''

شاہی آرڈیننس کے تحت پوری مشینری آگ کو بھڑکانے میں لگی ہوئی ہے۔ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ لوگوں کے جذبات کا عالم یہ تھا کہ عورتیں نذریں مانتی تھی۔ اگر فلاں مشکل یا بیماری رفع ہو جائے تو میں اتنی لکڑیاں آگ میں ڈالوں گی مؤرخین نے تحریر کیا ہے کہ آج تک آگ کا اتنا بڑا الاؤ دیکھنے میں نہیں آیا۔ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ آگ میں پھینکنے کا وقت آیا تو مسئلہ پیدا ہوا کہ اس قدر پھیلی ہوئی آگ میں ابراہیم کو کس طرح پھینکا جائے۔

شاہی کونسل کا ہنگامی اجلاس طلب کیا جاتا ہے۔ زیر غور مسئلہ یہ ہے کہ ابراہیم کو آگ میں کس طرح پھینکا جائے؟ فیصلہ ہوتا ہے کہ ایسی مشین تیار کی جائے جس میں جھولا دے کر آگ کے درمیان میں پھینکا جائے لہٰذا اس طرح کیا گیا تجویز دینے والے کو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت زمین میں دھنسا دیا اور قیامت تک وہ زمین میں دھنستا جائے گا۔ (ابن کثیر)

مسائل

۱۔ قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے بچا لیا۔

تفسیر بالقرآن

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور اس کا رد عمل:

۱۔ حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کو فرمایا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو۔ (العنکبوت:۱۶)

۲۔ حضرت ابراہیم نے کہا اے میری قوم! میں تمہارے شرک سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ (الانعام:۷۸)

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو تبلیغ کرتے ہوئے کہا اے ابا جان آپ اُن کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نفع و نقصان کے مالک نہیں۔ (مریم:۴۲)

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشرکوں کو چیلنج۔ (الممتحنة:۴)

۵۔ ابراہیم علیہ السلام کے خلاف انہوں نے سازش کی۔ اللہ نے انہیں خائب و خاسر کر دیا۔ (الانبیاء:۷۰)

۶۔ مشرکین نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کا الاؤ جلایا اور اُنہیں آگ میں ڈال دیا۔ (الصّٰفّٰت:۹۷)

۷۔ ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے کہا اگر تو باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر دوں گا تجھے گھر سے نکال دوں گا۔ (مریم:۴۶)

وَقَالَ	اِنَّمَا	اتَّخَذْتُمْ	مِّنْ	دُوْنِ	اللّٰهِ	اَوْثَانًا ۙ
اوراس نے کہا	صرف	تم توٹھہرایا ہے	سے	سوائے	اللہ	بت
مَّوَدَّةَ	بَيْنِكُمْ	فِي	الْحَيٰوةِ	الدُّنْيَا ۚ	ثُمَّ	يَوْمَ
دوستی	درمیان اپنے	میں	زندگی	دنیا	پھر	دن
الْقِيٰمَةِ	يَكْفُرُ	بَعْضُكُمْ	بِبَعْضٍ	وَّيَلْعَنُ	بَعْضُكُمْ	
قیامت	وہ کفر کرے گا	بعض تمھارا	بعض کا	اورلعنت کرے گا	بعض تمھارا	
بَعْضًا ۡ	وَّ مَاْوٰىكُمُ	النَّارُ	وَمَا	لَكُمْ	مِّنْ	نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾
بعض	اور تمھاراٹھکانا	آگ	اورنہیں	تمھارے لیے	سے	مددگار

''ابراہیم نے فرمایا کہ تم نے دنیا کی زندگی میں اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو اپنے درمیان محبت کا ذریعہ بنالیا ہے مگر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار اور ایک دوسرے پر لعنت کروگے۔ آگ تمہارا ٹھکانہ ہوگی اور کوئی تمہارا مددگار نہیں ہوگا۔'' (۲۵)

فہم القرآن

ربط کلام: آگ سے بسلامت نکلنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو آخری خطاب۔

قوم اور حکومت نے اپنی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زندہ جلا ڈالا تھا۔ لیکن رب جلیل نے اپنے خلیل علیہ السلام کو اتنے دن آگ میں پڑے رہنے کے باوجود آنچ نہ آنے دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بسلامت آگ سے نکل کر قوم کے سامنے آئے تو لوگ اللہ کی قدرت کا معجزہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔

قرآن مجید کے خطاب اور الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آگ سے نکلنے کے بعد حضرت کا قوم سے یہ پہلا خطاب تھا۔ اس لیے انھوں نے بتوں کی تردید کرنے کے ساتھ اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دنیا کی زندگی یعنی اس کے مفاد اور میری مخالفت کے لیے تم آپس میں اکٹھے ہو چکے ہو۔ لیکن یاد رکھو قیامت کے دن نہ صرف تم ایک دوسرے سے لاتعلق اور بتوں کی عبادت کا انکار کروگے بلکہ ایک دوسرے پر لعنت بھی کروگے۔ اب تو کفر وشرک پر ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہو لیکن قیامت کے دن تم ایک دوسرے کی قطعاً مدد نہیں کر سکو گے۔

((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ نَارُكُمْ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا مِّنْ نَّارِ جَهَنَّمَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنْ كَانَتْ لَكَافِيَةً قَالَ فُضِّلَتْ عَلَيْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَّتِسْعِيْنَ جُزْءًا كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا))

[رواه البخاری: کتاب بدء الخلق ، باب صفة النار وأنها مخلوقة]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں یقیناً اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تمہاری یہ آگ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔عرض کیا گیا اللہ کے رسول! یہی آگ جلانے کے لیے کافی تھی۔آپ ﷺ نے فرمایا اس آگ سے وہ ننانوے حصے زیادہ ہے ان میں سے ہر حصے کی گرمی دنیا کی آگ جیسی ہے۔“

((عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْثَالَ الذَّرِّ فِيْ صُوَرِ الرِّجَالِ يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَيُسَاقُوْنَ إِلٰى سِجْنٍ فِيْ جَهَنَّمَ يُسَمّٰى بُوْلَسَ تَعْلُوْهُمْ نَارُ الْأَنْيَارِ يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ أَهْلِ النَّارِ طِيْنَةَ الْخَبَالِ))[رواہ الترمذی: کتاب صفة القيامة والرقائق والورع، باب منه]

”حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہم سے وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن متکبر لوگ چیونٹیوں کی صورت میں لائے جائیں گے انہیں ہر طرف سے ذلت ڈھانپے ہوئے ہوگی اور انہیں بولس نامی جہنم میں ڈالا جائے گا ان پر آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہوں گے اور انہیں جہنمیوں کی زخموں کے پیپ پلائی جائے گی۔“

مسائل

۱۔ قیامت کے دن مشرک ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکیں گے۔
۲۔ قیامت کے دن عابد اور معبود ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن عابد اور معبود ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کریں گے:

۱۔ عابد و معبود ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے۔(یونس:۲۸تا۳۰)
۲۔ جب مشرک اپنے معبودوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے یہی ہیں وہ جن کی ہم اللہ کے سوا پکارتے تھے۔معبود کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔(النحل:۸۶)
۳۔ اگر تم انہیں پکارو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے۔اگر سن بھی لیں تو جواب نہیں دے سکتے۔قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کریں گے۔(فاطر:۱۴)
۴۔ جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو معبود ان کے دشمن ہوں گے اور اپنی پرستش سے انکار کریں گے۔(الاحقاف:۶)
۵۔ ان کے شریکوں میں سے کوئی ان کا سفارشی نہ ہوگا اور وہ اپنے شریکوں کے انکاری ہو جائیں گے۔(الروم:۱۳)
۶۔ جن کو وہ پکارا کرتے تھے۔وہ سب ان سے غائب ہوں گے۔(حم السجدہ:۴۸)

فَاٰمَنَ	لَهٗ	لُوْطٌ م	وَقَالَ	اِنِّیْ	مُهَاجِرٌ	اِلٰی
بس ایمان لایا	اس پر	لوط	اوراس نے کہا	بے شک میں	ہجرت کرنے والا ہوں	طرف
رَبِّیْ ط	اِنَّهٗ	هُوَ	الْعَزِیْزُ	الْحَكِیْمُ ﴿۲۶﴾		
میرا رب	بلاشبہ وہ	وہی	غالب	حکمت والا		

”صرف لوط ابراہیم پر ایمان لائے، ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں وہی غالب ہے اور حکیم ہے۔“ (۲۶)

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پرخلوص اور طویل جدوجہد کے باوجود حضرت لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکومتِ وقت اور ان کی قوم نے آگ میں پھینکا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بسلامت آگ سے نکال لیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت اور بزرگی دیکھ کر قوم بالاتفاق ان پر ایمان لے آتی لیکن حکومت کے رعب اور ذاتی مفادات کی خاطر کوئی شخص حضرت پر ایمان نہ لایا۔ صرف آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام ایمان لائے۔ جن کے بارے میں مفسرین نے وضاحت فرمائی ہے کہ لوط علیہ السلام کے ایمان لانے کا یہ معنٰی نہیں کہ وہ پہلے مشرک یا مشرکوں کے حمایتی تھے۔ ایسا ہرگز نہیں تھا کیونکہ جس شخصیت کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنانا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے ابتدا ہی سے شرک و رسومات سے محفوظ رکھتا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے ایمان لانے سے مراد ان کا اپنے ایمان کا اعلان کرنا ہے۔ عین ممکن ہے کہ لوط علیہ السلام ایمان پہلے لا چکے ہوں لیکن اس موقعہ پر انھوں نے اپنے ایمان کا برملا اعلان کیا ہو۔ یہی جوان ہے جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حمایت اور ایمان کی خاطر اپنا گھر اور عزیز و اقرباء کو چھوڑا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق کی سرزمین چھوڑتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنے رب کے لیے سب کچھ چھوڑ رہا ہوں۔ میرا رب بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔ یعنی اگر میری دعوت یہاں نہیں پھیلی تو اس میں بھی میرے رب کی حکمت پنہاں ہے تاہم مجھے یقین ہے کہ دنیا میں میری دعوت پھیل کر رہے گی کیوں کہ میرا رب غالب اور حکمت والا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ارشاد سے یہ بھی ثابت ہوا کہ انسان کو ہجرت بھی اپنے رب کی رضا کے لیے کرنی ہے۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوٰی فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُهَا اَوِامْرَاَةٍ یَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰی مَا هَاجَرَ اِلَیْهِ)) [رواہ البخاری: باب بدء الوحی]

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے۔ آدمی اپنی نیت کے مطابق ہی صلہ پائے گا۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہجرت کی اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے۔ جس نے دنیا کے فائدے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہجرت کی اس کی ہجرت اسی کے لیے ہوگی۔“

وَوَهَبْنَا	لَهٗٓ	اِسْحٰقَ	وَيَعْقُوْبَ	وَجَعَلْنَا	فِيْ
اور ہم نے عطا کیے	اس کے لیے	اسحاق	اور یعقوب	اور ہم نے رکھ دی	میں
ذُرِّيَّتِهِ	النُّبُوَّةَ	وَالْكِتٰبَ	وَاٰتَيْنٰهُ	اَجْرَهٗ	فِي
اس کی اولاد	نبوت	اور کتاب	اور ہم نے اس کو دیا	اس کا اجر	میں
الدُّنْيَا ج	وَاِنَّهٗ	فِي	الْاٰخِرَةِ	لَمِنَ	الصّٰلِحِيْنَ ۝۲۰
دنیا	اور بلاشبہ وہ	میں	آخرت	البتہ سے	نیک لوگوں

''اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عنایت فرمائے اور اس کی نسل کو نبوت اور کتاب دی اور ابراہیم کو دنیا میں اس کا اجر عطا کیا۔ آخرت میں وہ یقیناً صالحین میں سے ہوگا۔'' (۲۷)

فہم القرآن

ربط کلام: ہجرت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارتوں سے نوازا جانا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی بیوی حضرت سارہ اور لوط علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی تو اس وقت ان کی عمر مبارک تقریباً اسی سال کے قریب ہو چکی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کے وقت جو دعائیں کیں ان میں ایک دعا یہ تھی کہ میرے رب مجھے نیک بیٹا عطا فرما۔ ہجرت کے دوران ایک ظالم حکمران نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رفیقہ حیات حضرت سارہ کے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش اللہ تعالیٰ نے اسے معجزانہ طور پر ناکام کیا۔ اس سے متاثر ہو کر اس نے اپنی بیٹی ہاجرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عقد میں دی۔ حضرت ابراہیم حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ کو لے کر فلسطین کی سرزمین میں آباد ہوئے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت کو پہلے حضرت اسماعیل عنایت کیا اور پھر حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کی بشارت دی گئی۔ بیٹے اور پوتے کی خوشخبری کے ساتھ یہ بھی خوشخبری دی گئی کہ ابراہیم تیری اولاد میں نبوت اور کتاب کا سلسلہ جاری کر دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں عظیم صلہ دینے کے ساتھ قیامت کے دن صالحین میں شامل فرما لیا۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث کیے وہ حضرت اسحاق کی اولاد میں تھے۔ حضرت اسماعیل کی پوری نسل میں صرف نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ہی مبعوث کیے گئے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعلق جس دور سے ہے۔ اس دور کو معاشی تاریخ میں گلہ بانی کا دور شمار کیا جاتا ہے۔ اس وقت کی سب سے بڑی دولت بھیڑ بکریاں تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اتنا مال تھا کہ بڑے سے بڑا جنگل بھی تنگی داماں کی شکایت کرتا دکھائی دیتا تھا اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین و دنیا کی تمام نعمتوں سے مالا مال کر رکھا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا منفرد اعزاز:

﴿وَ اِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰہٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّہُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَہۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ﴾ [البقرۃ:۱۲۴]

”جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور انہوں نے ان کو پورا کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم میں تجھے لوگوں کا امام بناؤں گا۔ ابراہیم نے عرض کی کہ میری اولاد کو بھی۔ فرمایا میرا وعدہ ظالموں سے نہیں ہے۔“

تمام مؤرخین نے تحریر فرمایا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری دی گئی تو آپ علیہ السلام کی عمر سو سال اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام کی عمر نوّے سال تھی۔ قرآن مجید نے ولادتِ اسحاق علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ فرشتے انسانوں کی شکل میں جناب خلیل علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے تو آپ ان کی ضیافت کے لیے ایک بچھڑا بھون لائے لیکن انسانی شکل میں آنے والے ملائکہ کھانے کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ تب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ میں ایک خوف محسوس کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ کیفیت دیکھ کر فرشتوں نے فوراً اصل حقائق سامنے رکھ دیئے ساتھ ہی جناب اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری دی اور اسکے ساتھ ہی پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری بھی سنا دی۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہجرت کے بعد اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام اور پوتا یعقوب علیہ السلام عطا فرمائے۔

۲۔ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں نبوت کا سلسلہ جاری فرمایا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں بھی بلند مقام عطا فرمایا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آخرت میں صالح لوگوں میں شامل فرمالیا۔

تفسیر بالقرآن

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتیازات:

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نرم دل اور بردبار تھے۔ (التوبۃ:۱۱۴) ۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت راست باز نبی تھے۔ (مریم:۴۱)

۳۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام بڑے حلیم، بڑے خیر خواہ اور نرم دل تھے۔ (ہود:۷۵)

۴۔ ابراہیم علیہ السلام ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ (الصّٰفّٰت:۱۱۱) ۵۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو پوری دنیا کا پیشوا بنایا۔ (البقرۃ:۱۲۴)

۶۔ ابراہیم علیہ السلام معبودان باطل کے انکاری اور براءت کا اظہار کرتے تھے۔ (الممتحنۃ:۴)

۷۔ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے ابتداء سے ہی ہدایت سے سرفراز فرمایا تھا۔ (الانبیاء:۵۱)

وَ	لُوْطًا	اِذْ	قَالَ	لِقَوْمِهٖٓ	اِنَّكُمْ	لَتَاْتُوْنَ
اور	لوط	جب	اس نے کہا	اپنی قوم	بلاشبہ تم	البتہ تم آتے ہو
الْفَاحِشَةَ ؗ	مَا	سَبَقَكُمْ	بِهَا	مِنْ	اَحَدٍ	مِّنَ
بے حیائی	نہیں	تم سے پہلے	ساتھ اس کے	سے	کسی	سے
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾	اَئِنَّكُمْ	لَتَاْتُوْنَ	الرِّجَالَ	وَتَقْطَعُوْنَ		
جہان	کیا بے شک تم	البتہ آتے ہو	مردوں	اور تم کاٹتے ہو		
السَّبِيْلَ ۙ	وَتَاْتُوْنَ	فِيْ	نَادِيْكُمُ	الْمُنْكَرَ ؕ	فَمَا	
راستے	اور تم کرتے ہو	میں	اپنی مجلس	برے کام؟	پھر نہ	

”اور ہم نے لوط کو بھیجا اس نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو دنیا میں تم سے پہلے کسی نے نہیں کی۔(۲۸) تمہارا حال یہ ہے کہ مردوں کے پاس جاتے رہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں بُرے کام کرتے ہو اس کی

فہم القرآن

ربط کلام: حضرت لوط علیہ السلام اور اس کی قوم کا مختصر ذکر۔

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ جنھوں نے عراق کی سرزمین سے ہجرت کر کے غور زغر کے علاقہ سدوم شہر میں رہائش اختیار کی۔ یہ شہر علاقے کا مرکزی مقام تھا۔ جہاں کے رہنے والے پرلے درجے کے فاسق و فاجر مشرک، کافر، ڈاکو، چور اور انتہائی بدکردار لوگ تھے۔ جنھوں نے دنیا میں بے حیائی کا ایسا عمل اختیار کیا جو اس سے پہلے کسی قوم نے نہیں کیا تھا۔

قومِ لوط کا کردار:

انھوں نے اپنی نفسانی خواہش اپنی بیویوں سے پوری کرنے کے بجائے لڑکوں سے شروع کر رکھی تھی۔ گویا کہ یہ ہم جنسی کے بدترین گناہ کے مرتکب ہوئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے بار بار سمجھانے کے باوجود باز آنے کی بجائے حضرت لوط علیہ السلام کو رجم کر دینے کی دھمکی دینے کے ساتھ عذاب الٰہی کا مطالبہ کرتے رہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کا سمجھانا:

قومِ لوط نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کہ تم کیوں نہیں ڈرتے؟ میں تمھارے لیے امانت دار پیغمبر ہوں، اس لیے اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا، میرا اجر رب العالمین کے ذمے

كَانَ	جَوَابَ	قَوۡمِهٖٓ	اِلَّآ	اَنۡ	قَالُوا	ائۡتِنَا
تھا	جواب	اس کی قوم	مگر	یہ کہ	انھوں نے کہا	لے آ ہم پر
بِعَذَابِ	اللّٰهِ	اِنۡ	كُنۡتَ	مِنَ	الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۲۹﴾	
عذاب	اللہ کا	اگر	ہے تو	سے	سچوں سے؟	

قوم کے پاس اس کے کوئی جواب نہ تھا سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا اللہ کا عذاب لے آ اگر تو سچا ہے۔‘‘(۲۹)

ہے۔کیا تم لڑکوں پر مائل ہوتے ہو اور تمھارے پروردگار نے تمھارے لیے بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے نکل جانے والے ہو۔(الشعراء:۱۶۰تا۱۶۶)

قوم کا جواب:

﴿قَالُوْا لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ يٰلُوۡطُ لَتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُخۡرَجِيۡنَ ۝ قَالَ اِنِّىۡ لِعَمَلِكُمۡ مِّنَ الۡقَالِيۡنَ ﴾ [الشعراء: ۱۶۷تا ۱۶۸]

’’کہنے لگے کہ اے لوط اگر تم باز نہ آئے تو شہر بدر کردیے جاؤ گے۔لوط علیہ السلام نے کہا میں تمھارے کام کا سخت مخالف ہوں۔‘‘

’’لوط علیہ السلام نے اس وقت اپنی قوم سے کہا تم یہ بے حیائی کیوں کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کی۔‘‘(الاعراف:۸۰)

’’ان کی قوم سے اس کے سوا کوئی جواب نہ بن پڑا وہ کہنے لگے ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاک بنتے ہیں۔‘‘(الاعراف:۸۰تا۸۲)

قوم کا جواب:

’’اے لوط اگر تم واقعی ہی سچے ہو تو ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آؤ۔‘‘(العنکبوت:۲۹)

تفسیر بالقرآن

ظالم اقوام کا اپنے انبیاء سے عذاب کا مطالبہ:

۱۔ حضرت نوح کو قوم نے کہا کہ جو ہمارے ساتھ عذاب کا وعدہ کرتا ہے وہ لے آ۔(ہود:۳۲)

۲۔ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے عذاب کا مطالبہ کیا۔(الاعراف:۷۷)

۳۔ مدین والوں نے شعیب علیہ السلام سے عذاب نازل کرنے کا مطالبہ کیا۔(الشعرا:۱۸۷)

۴۔ قوم عاد نے ہود سے عذاب کا مطالبہ کیا۔(الاحقاف:۲۲)

۵۔ کفار نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تو ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرادے۔(بنی اسرائیل:۹۲)

۳ ع ۸ ۱۵

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِىْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۳۰ ع

اس نے کہا میرے رب! میری مدد فرما خلاف لوگ فسادی

”لوط نے دعا کی اے میرے رب فساد کرنے والوں کے مقابلے میں میری مدد فرما۔“ (۳۰)

فہم القرآن

ربط کلام: قوم کے مجبور کرنے پر حضرت لوط علیہ السلام کی اللہ کے حضور فریاد۔ اے میرے رب اس مفسد قوم کے مقابلے میں میری مدد فرما۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بددعا قبول ہوئی جس کے نتیجہ میں قوم لوط پر عذاب نازل کرنے والے فرشتے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے۔ انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے اور پوتے کی خوشخبری دی۔ جس پر ان کی بیوی نے تعجب کا اظہار کیا۔ لیکن ملائکہ نے ان کو تسلّی دی کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ رحمت فرمادی ہے۔ اس لیے اس میں کسی قسم کا تعجب نہیں کرنا چاہیے خوشخبری دینے کے بعد ملائکہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ذکر کیا کہ ہم قومِ لوط پر عذاب نازل کرنے والے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ملائکہ سے اصرار کرنے لگے کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نہایت ہی حوصلہ منداور نرم خو تھے۔ ملائکہ نے انھیں عرض کی اس بات کو جانے دیجیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم صادر ہو چکا ہے لہٰذا اس عذاب کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ (ہود: ۶۹ تا ۷۶) اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط کی قوم پر عذاب نازل کیا اور انہیں عبرت کا نشان بنادیا گیا۔

مسائل

۱۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ہم جنسی کے جرم میں ملّوث تھی۔

تفسیر بالقرآن

قومِ لوط کا انجام:

۱۔ ان کے پاس ان کی قوم کے لوگ دوڑتے ہوئے آئے اور وہ پہلے سے ہی بدکاری کے عادی تھے۔ (ھود: ۷۸)

۲۔ لوط علیہ السلام نے کہا کہ کاش میرے پاس طاقت ہوتی یا میں کوئی مضبوط پناہ گاہ پاتا۔ (ھود: ۸۰)

۳۔ ہم نے اوپر والی سطح کو نیچے کر دیا اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسائی جو تہہ بہ تہہ تھے خاص نشان لگے ہوئے۔ (ھود: ۸۲)

۴۔ ہم نے اس بستی کو الٹ دیا اور ان پر پتھروں کی بارش برسائی۔ (الحجر: ۷۴)

وَلَمَّا	جَآءَتْ	رُسُلُنَآ	اِبْرٰهِيْمَ	بِالْبُشْرٰى	قَالُوْٓا
اور جب	آئے	ہمارے فرشتے	ابراہیم	خوشخبری کے ساتھ	انھوں نے کہا

اِنَّا	مُهْلِكُوْٓا	اَهْلِ	هٰذِهِ	الْقَرْيَةِ ۚ	اِنَّ	اَهْلَهَا
یقیناً ہم	ہلاک کرنے والے ہیں	رہنے والے	یہ	بستی	بلاشبہ	اس کے رہنے والے

كَانُوْا	ظٰلِمِيْنَ ۝۳۱	قَالَ	اِنَّ	فِيْهَا	لُوْطًا ۭ	قَالُوْا
ہیں	ظالم	اس نے کہا	بے شک	اس میں	لوط	انھوں نے کہا

نَحْنُ	اَعْلَمُ	بِمَنْ	فِيْهَا ڭ	لَنُنَجِّيَنَّهٗ	وَ	اَهْلَهٗٓ
ہم	خوب جانتے ہیں	اس کو جو	اس میں	ہم ضرور نجات دیں گے	اور	اس کے گھر والے

اِلَّا	امْرَاَتَهٗ ڭ	كَانَتْ	مِنَ	الْغٰبِرِيْنَ ۝۳۲
سوائے	اس کی بیوی	وہ ہوگی	سے	پیچھے رہنے والے

''اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے۔انہوں نے ابراہیم سے کہا ہم اس بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے والے ہیں کیونکہ یہاں کے لوگ بڑے ظالم ہیں۔(۳۱) ابراہیم نے فرمایا کہ وہاں تو لوط ہے انہوں نے کہا ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہاں کون کون ہے،ہم لوط اور اس کے گھر والوں کو بچالیں گے اس کی بیوی پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگی۔'' (۳۲)

فہم القرآن

ربط کلام: قومِ لوط کو تباہ کرنے والے ملائکہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تکرار۔

قومِ لوط کو تباہ کرنے سے پہلے یہی ملائکہ حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی خوشخبری دینے کے لیے ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے۔جس کا تذکرہ سورۃ ھود،آیت:۶۹ تا ۷۳ میں اس طرح ہوا ہے۔ملائکہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے اور پوتے کی خوشخبری دے کر رخصت ہونے لگے تو انھوں نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو بتایا کہ ہم قومِ لوط کو تباہ کرنے کے لیے بھی بھیجے گئے،اس لیے اب ہم اس بستی کی طرف جارہے ہیں تاکہ اسے نیست و نابود کر دیا جائے کیونکہ اس میں رہنے والے بڑے ظالم لوگ ہیں۔حضرت ابراہیم (علیہ السلام) فرمانے لگے کہ ان میں لوط (علیہ السلام) بھی موجود ہیں۔ملائکہ نے فرمایا کہ ہاں ہمیں معلوم ہے کہ اس بستی میں لوط بھی موجود ہیں۔لیکن ہم لوط (علیہ السلام) اور اس کے ایمان دار ساتھیوں کو وہاں سے نکلنے کا موقعہ دیں گے۔البتہ لوط (علیہ السلام) کی بیوی تباہ ہونے والوں میں شامل ہوگی۔

وَ لَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ

اور جب یہ کہ آئے ہمارے قاصد لوط وہ پریشان ہوا ان کے ساتھ

وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالُوْا لَا تَخَفْ

اور تنگ ہوا ان کی وجہ سے سینہ اور انھوں نے کہا نہ تو خوف کھا

وَلَا تَحْزَنْ قف اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَ اَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ

اور نہ پریشان بلاشبہ ہم آپکو نجات دینے والے ہیں اور آپکے گھر والے سوائے آپ کی بیوی

كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ

ہوگی سے پیچھے رہنے والے بے شک ہم نازل کرنے والے ہیں پر رہنے والے

”پھر جب ہمارے فرشتے لوط کے ہاں پہنچے ان کی آمد پر لوط سخت پریشان اور دل گرفتہ ہوئے۔ ملائکہ نے کہا ڈرو اور نہ غم کھاؤ ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بچالیں گے۔ سوائے آپ کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔ (۳۳) ہم اس بستی کے لوگوں پر

فہم القرآن

ربط کلام: قوم لوط تباہی کے دہانے پر۔ عذاب لانے والے فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی خدمت میں

قرآن مجید بتلا رہا ہے کہ جب یہ فرشتے لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں تشریف لائے تو بدمعاش قوم ان سے بے حیائی کرنے کی نیت سے ان کے ہاں دوڑی ہوئی آئی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے نہایت عاجزی کے ساتھ انھیں سمجھایا کہ اے میری قوم یہ میری بیٹیاں ہیں جو تمھارے لیے حلال ہیں۔ (یعنی تم ان کے ساتھ نکاح کر سکتے ہو) اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مہمانوں میں مجھے بے آبرو نہ کرو۔ جب وہ بھاگم بھاگ ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کیا تم میں کوئی بھی شریف آدمی نہیں ہے؟ (ہود: ۷۸)

بے حیا کہنے لگے کہ ہمیں تمھاری بیٹیوں سے کیا سروکار، تو جانتا ہے کہ ہم کس ارادہ سے آئے ہیں اس مشکل ترین وقت میں حضرت لوط علیہ السلام کہنے لگے کہ آج کا دن میرے لیے بڑا بھاری دن ہے۔ کاش تمھارے مقابلے میں میرا کوئی حمایتی ہوتا یا کوئی پناہ گاہ جہاں میں تم سے بچ نکلتا۔ (ہود: ۷۹، ۸۰)

ملائکہ اپنے آپ کو ظاہر کر کے حضرت لوط علیہ السلام کو تسلی دیتے ہیں:

عذاب کے فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو تسلی دی کہ اے اللہ کے نبی دل چھوٹا نہ کریں۔ یہ بے حیا تمھارا کچھ نہیں بگاڑ

هٰذِهِ	الْقَرْيَةِ	رِجْزًا	مِّنَ	السَّمَآءِ	بِمَا
اس	بستی	عذاب	سے	آسمان	وجہ سے اس
كَانُوْا	يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾	وَلَقَدْ	تَّرَكْنَا	مِنْهَآ	اٰيَةًۢ
تھے وہ	وہ نافرمان	اور تحقیق	ہم نے چھوڑی	اس میں	ایک نشانی
	بَيِّنَةً	لِّقَوْمٍ	يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾		
	واضح	ان لوگوں کے لیے	وہ عقل رکھتے ہیں		

آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں اس جرم کی وجہ سے جو یہ کرتے ہیں۔ (۳۴) اور ہم نے اس بستی میں کھلی نشانی چھوڑ دی، ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں"۔ (۳۵)

سکیں گے۔ بس آپ اہل ایمان کو لے کر رات کے پچھلے پہر ہجرت کر جائیں۔ ہاں یاد رہے کہ آپ اپنی بیوی کو ساتھ نہیں لے جا سکیں گے کیونکہ اُسے بھی وہی عذاب پہنچنے والا ہے جس میں دوسرے لوگ مبتلا ہوں گے اور یہ عذاب ٹھیک صبح کے وقت نازل ہوگا۔ حضرت لوط علیہ السلام گھبراہٹ کے عالم میں فرمانے لگے کہ صبح کب ہوگی؟ ملائکہ نے مزید تسلی دیتے ہوئے کہا کہ اے اللہ کے رسول صبح تو ہونے ہی والی ہے چنانچہ صبح کے وقت رب ذوالجلال کا حکم صادر ہوا تو ملائکہ نے اس دھرتی کو اُٹھا کر نیچے پٹخ دیا گیا، پھر ان پر مسلسل نامزد پتھروں کی بارش کی گئی۔ (ھود:۶۹ تا ۸۳)

سورۃ القمر ۳۷ تا ۳۸ میں فرمایا کہ ظالموں نے لوط علیہ السلام کے مہمانوں پر زیادتی کرنا چاہی تو ہم نے اُن کی آنکھوں کو مسخ کر دیا۔

یقیناً لوط علیہ السلام مرسلین میں سے تھے ہم نے انھیں اور اس کے اہل کو نجات دی۔ البتہ ایک بڑھیا کو پیچھے رہنے دیا باقی سب کو ہم نے ہلاک کیا۔ اے اہل مکہ تم صبح شام ان بستیوں سے گزرتے ہو لیکن اس کے باوجود عقل نہیں کرتے۔ (الصّٰفّٰت:۱۳۵ تا ۱۳۸)

﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ وَ مَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ﴾ [ھود:۸۲،۸۳]

"پھر جب ہم نے حکم نافذ کیا تو ہم نے اس بستی کو اوپر نیچے (تہس نہس) کر دیا۔ پھر تابڑ توڑ پکی مٹی کے پتھر برسائے۔ تیرے رب کی طرف سے ہر پتھر پر نشان (نام) لکھا ہوا تھا یہ سزا ظالموں سے دور نہیں ہے۔"

بحر مردار (میت):

بحر مردار کے بارے میں پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے البتہ عبرت کی خاطر پھر تحریر کیا جاتا ہے۔

دنیا کے موجودہ جغرافیے میں یہ بحر مردار اردن کی سرزمین میں واقع ہے۔ پچاس میل لمبا، گیارہ میل چوڑا ہے اسکی سطح کا

کل رقبہ۳۵۱ مربع میل ہے۔اسکی زیادہ سے زیادہ گہرائی تیرہ سوفٹ پیائش کی گئی ہے۔یہ اسرائیل اوراردن کی سرحد پرواقع ہے۔اوراس کا کسی بڑے سمندر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔گویا کہ یہ ایک بہت بڑی جھیل بن چکی ہے۔اس کی نمکیات اور کیمیائی اجزاء عام سمندروں سے کہیں زیادہ ہے۔اس کے قریب ترین سمندر بحر روم ہے۔جدید محققین نے اسی جگہ پر لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کی نشاندہی کی ہے۔جو کسی زمانے میں یہاں صدوم عمود کے نام سے بڑے شہر آباد تھے۔مصر کے محقق عبدالوہاب البخار نے بھرپور دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ عذاب لوط علیہ السلام سے پہلے اس جگہ پر کوئی سمندر نہیں تھا۔اللہ کے عذاب کی وجہ سے جب اس علاقے کو الٹ دیا گیا تو یہ ایک چھوٹے سے سمندر کی شکل اختیار کر گیا۔“

مسائل

۱۔ حضرت لوط علیہ السلام ملائکہ کو نہ پہچان سکے۔(کیونکہ وہ لڑکوں کی شکل میں آئے تھے)

۲۔ حضرت لوط علیہ السلام قوم کے کردار کی وجہ سے اپنے مہمانوں سے خوفزدہ اور پریشان ہو گئے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ لوط اوران کی بستی کو تباہ و برباد کر دیا۔

۴۔ قومِ لوط اوران کی بستی کو نشانِ عبرت بنادیا گیا۔

تفسیر بالقرآن

قومِ لوط کی تباہی کا منظر:

۱۔ ہم نے اس بستی کو الٹ کر ان پر پتھروں کی بارش برسائی۔ (الحجر:۷۴)

۲۔ لوط علیہ السلام کے پاس ان کی قوم کے لوگ دوڑتے ہوئے آئے اور وہ پہلے سے ہی بدکار تھے۔(ھود:۷۸)

۳۔ لوط نے کہا کہ کاش میرے پاس طاقت ہوتی یا میں کوئی مضبوط پناہ گاہ پاتا۔(ھود:۸۰)

۴۔ ہم نے اوپر والی سطح کو نیچے کر دیا پھر ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسادی جو تہہ بہ تہہ اور نشان زدہ۔(ھود:۸۲)

وَ اِلٰی	مَدْیَنَ	اَخَاھُمْ	شُعَیْبًا ۙ	فَقَالَ	یٰقَوْمِ	
اور طرف	مدین	ان کا بھائی	شعیب	اس نے کہا	اے میری قوم!	
اعْبُدُوا	اللّٰهَ	وَارْجُوا	الْیَوْمَ	الْاٰخِرَ	وَلَا	تَعْثَوْا
عبادت کرو	اللہ کی	اور تم اُمید رکھو	دن	آخرت	اور نہ	تم پھرو
فِی	الْاَرْضِ	مُفْسِدِیْنَ ﴿٣٦﴾	فَكَذَّبُوْهُ	فَاَخَذَتْهُمُ	الرَّجْفَةُ	
میں	زمین	فساد کرنے والے	انھوں نے اسے جھٹلایا	انھیں پکڑ لیا	زلزلہ	
فَاَصْبَحُوْا	فِیْ	دَارِهِمْ	جٰثِمِیْنَ ﴿٣٧﴾			
وہ ہو گئے	میں	اپنے گھر	گھٹنوں کے بل گرے ہوئے			

''اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا اس نے فرمایا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اور آخرت کے دن کی امید رکھو اور زمین میں فسادی بن کر نہ رہو۔(٣٦) لیکن انہوں نے شعیب کو جھٹلا دیا آخر کار ایک سخت زلزلے نے انہیں آلیا اور وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے۔''(٣٧)

فہم القرآن

ربط کلام: قوم لوط کی تباہی کے بعد قوم مدین کی تباہی کا تذکرہ۔

١۔ اہل مدین بھی اپنے پیش رو اقوام کی طرح شرک جیسے غلیظ اور بدترین عقیدہ میں مبتلا تھی۔ شرک وہ بیماری ہے جسے امّ الامراض کہنا چاہیے۔ قوم مِدین کے اندر وہ تمام اخلاقی اور اعتقادی بیماریوں نے جنم لیا۔ جن میں قوم نوح سے لے کر قوم لوط کے لوگ ملوث چلے آرہے تھے۔ اس امّ الامراض کی جڑ کاٹنے کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام اپنی دعوت کا آغاز دعوتِ توحید سے کرتے ہیں۔(الاعراف، آیت: ٨٥)

٢۔ قوم مدین نہ صرف عقیدہ کی خیانت میں مرتکب ہوئی بلکہ گاہک سے پوری قیمت وصول کرنے کے باوجود ماپ تول میں کمی بیشی کرتے تھے۔ ادائیگی کے وقت چیز مقررہ وزن اور پیمائش سے کم دیتے۔ دوسروں سے لیتے تو طے شدہ وزن سے زیادہ لینے کی مجرمانہ کوشش کرتے۔(الاعراف، آیت: ٨٥)

٣۔ یہ لوگ پیشہ ور ڈاکو تھے ان کے علاقے سے گزرنے والے مسافروں کی عزت و آبرو اور مال و جان محفوظ نہیں تھے۔(الاعراف: ٨٦، ھود: ٨٥)

٤۔ یہ لوگ حضرت شعیب علیہ السلام کی زبردست مخالفت اور نافرمانی کرنے والے تھے۔(ھود: ٨٩)

حضرت شعیب علیہ السلام کی نصیحتیں:

ا۔ اے میری قوم ایک اللہ کی عبادت کرو، ماپ تول میں کمی ڈاکہ زنی اور فساد فی الارض سے توبہ کرو۔ اگر میری بات مان جاؤ تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ہر لحاظ سے تھوڑے اور کم تر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں کثرت سے نوازا۔ (الاعراف:۸۶،۸۵)

''اے میری قوم اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور میری بات مانو۔ میں پوری ایمانداری کے ساتھ تمھیں اللہ کا پیغام پہنچا رہا ہوں اور اس پر میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر میرے رب کے ذمہ ہے۔'' (الشعراء:۱۷۶تا۱۸۰)

قوم کا حضرت شعیب علیہ السلام کو جواب:

اے شعیب کیا تیری نمازیں تجھے یہی کہتی ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقۂ عبادت کو چھوڑ دیں اور اپنے کاروبار کو اپنے طریقہ کے مطابق نہ کریں؟ ھود:۸۷۔ تم پر اے شعیب (علیہ السلام) کسی نے جادو کر دیا ہے۔ (الشعراء:۱۸۵)

حضرت شعیب علیہ السلام کی مزید نصیحت:

''اے میری قوم میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے وافر رزق عطا فرمایا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ میں وہی کچھ کروں جس سے تمھیں منع کرتا ہوں۔ میں اللہ کی توفیق سے صرف اصلاح کی غرض سے یہ بات کہتا ہوں۔ میرا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے اور میں ہر حال میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔'' (ھود:۸۸)

قوم کا جواب:

''اے شعیب! تیری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم تمھیں اپنے آپ میں کمزور دیکھتے ہیں، اگر تیری برادری نہ ہوتی تو ہم تجھے پتھر مار مار کر رجم کر دیتے تو ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکتا۔'' (ھود، آیت:۹۱)

حضرت شعیب علیہ السلام کا ارشاد:

''میری قوم کیا تم اللہ تعالیٰ سے میری برادری کو بڑا سمجھتے ہو اور تم بُرے اعمال سے باز نہیں آتے۔ لہٰذا تم اپنا کام کرو اور مجھے اپنا کام کرنے دو اور عنقریب تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا کون ہے اور کس پر ذلیل کر دینے والا عذاب نازل ہوتا ہے۔'' (ھود:۹۰تا۹۵)

قوم حضرت شعیب علیہ السلام سے عذاب کا مطالبہ کرتی ہے:

''اے شعیب تو ہمارے جیسا انسان ہے اور ہم تجھے کذّاب سمجھتے ہیں بس تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دے اگر تو سچا ہے۔'' (الشعراء:۱۸۵تا۱۸۷)

قوم شعیب پر اللہ تعالیٰ کا عذاب:

قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا تو ان پر بلاشبہ عذاب عظیم نازل ہوا۔ (الشعراء:۱۸۹)

ظالموں کو ایک کڑک نے آلیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے۔ ان کے گھر ایسے ویران ہوئے جیسے ان میں کوئی بسا ہی نہ ہو۔ یادرکھو اہل مدین پر ایسی ہی پھٹکار ہوئی جس طرح قومِ ثمود پر پھٹکاری کی گئی۔ مفسرین نے لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر سات راتیں، آٹھ دن گرمی اور حبس کا ایسا عذاب مسلط کیا کہ نہ وہ تہہ خانوں میں آرام کر سکتے تھے اور نہ ہی کسی درخت کے سائے تلے سکون پا سکتے تھے۔ وہ انتہائی کرب کے عالم میں اپنے گھروں سے باہر نکلے تو ایک بادل ان پر سایہ فگن ہوا۔ جب سب کے سب لوگ بادل تلے جمع ہو گئے تو بادل سے آگ کے شعلے برسنے لگے۔ زمین زلزلہ سے لرزنے لگی اور پھر ایسی دھماکا خیز چنگھاڑ گونجی کہ ان کے کلیجے پھٹ گئے اور اوندھے منہ تڑپ تڑپ کر ذلیل ہو کر مرے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا لاشوں کو خطاب:

﴿فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ﴾ [الاعراف: ۹۳]

حضرت شعیب علیہ السلام ان سے مخاطب ہوتے ہیں۔ اے میری قوم میں نے نہایت خیر خواہی کے ساتھ اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ لہٰذا اللہ کے نافرمانوں پر مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔

مسائل

۱۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ”اللہ“ کی عبادت اور آخرت کی جوابدہی کی تلقین فرمائی۔

تفسیر بالقرآن

قوم مدین کی تباہی کے اسباب:

۱۔ قومِ مدین شرک جیسے سنگین جرم میں ملوث تھی۔ (ھود:۸۴) ۲۔ ناپ تول میں کمی وبیشی کرنے والے لوگ تھے۔ (ھود:۸۵)

۳۔ ڈاکو اور راہ زن تھے۔ (الاعراف: ۸۵) ۴۔ ایمان والوں کو کفر پر مجبور کرتے تھے۔ (الاعراف:۸۹)

۵۔ حضرت شعیب پر جھوٹا ہونے کا الزام لگایا۔ (الشعراء:۱۸۶) ۶۔ حضرت شعیب کو سحر زدہ قرار دیا۔ (الشعراء:۱۸۵)

۷۔ حضرت شعیب کی پیروی کو نقصان کا باعث قرار دیا۔ (الاعراف:۹۰)

۸۔ حضرت شعیب کی نماز کو ان کے لیے طعنہ بنایا۔ (ھود:۸۷)

۹۔ شعیب علیہ السلام کی قوم مخالفت برائے مخالفت کرتی تھی۔ (ھود:۸۹)

۱۰۔ شعیب علیہ السلام کو سنگسار کرنے کی دھمکیاں دیں۔ (ھود:۹۱)

۱۱۔ اے شعیب تو ہمارے جیسا انسان ہے اور ہم تجھے کذّاب سمجھتے ہیں بس اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دے۔ (الشعراء:۱۸۵تا۱۸۷)

وَعَادًا	وَّثَمُوْدَاۡ	وَقَدْ	تَّبَيَّنَ	لَكُمْ	مِّنْ
اور عاد	اور ثمود	اور تحقیق	واضح ہو چکی	تم پر	سے
مَّسٰكِنِهِمْ ۗ	وَزَيَّنَ	لَهُمُ	الشَّيْطٰنُ	اَعْمَالَهُمْ	
ان کے گھر	اور خوبصورت بنادیے	ان کے لیے	شیطان نے	ان کے عمل	
فَصَدَّهُمْ	عَنِ	السَّبِيْلِ	وَ	كَانُوْا	مُسْتَبْصِرِيْنَ ۝۳۸
اس نے انھیں روک دیا	سے	راہ	حالانکہ	وہ تھے	ہوشیار لوگ

''اور عاد وثمود کو ہم نے ہلاک کیا جہاں وہ رہتے تھے تم وہ مقامات دیکھ چکے ہو۔ ان کے اعمال کو شیطان نے ان کے لیے فیشن بنادیا تھا اور انہیں راہ راست سے گمراہ کردیا حالانکہ وہ ہوش گوش رکھنے والے تھے۔'' (۳۸)

فہم القرآن

ربط کلام: قوم مدین کی تباہی کے بعد قوم عاد کی تباہی کا بیان۔

عرب کے جن علاقوں میں یہ دونوں قومیں آباد تھیں ان سے عرب کا بچہ بچہ واقف تھا۔ جنوبی عرب کا پورا علاقہ اب جو احقاف، یمن اور حضرت موت کے نام سے معروف ہے، قدیم زمانہ میں عاد کا مسکن تھا اہل عرب اس کو اچھی طرح جانتے تھے، حجاز کی شمالی حصہ میں رابغ سے عقبہ تک اور مدینہ وخیبر سے تیما اور تبوک تک کا سارا علاقہ آج بھی ثمود کے آثار سے بھرا ہوا ہے اور نزول قرآن کے زمانہ میں یہ آثار زیادہ نمایاں تھے۔

قومِ عاد اور قومِ ثمود کے بارے میں بتلایا گیا ہے کہ دنیوی اعتبار سے بڑے ترقی یافتہ اور سیاسی لوگ تھے۔ مگر ان کی ترقی اور سیاسی سوجھ بوجھ ان کے کسی کام نہ آئی ان کی عیاسی اور عیش وعشرت ہی ان کے لیے تباہی کا سبب بنی۔

حضرت ھود علیہ السلام کی بد دعا اور قومِ عاد کا انجام:

۱۔ میرے رب میری مدد فرما انھوں نے مجھے کلی طور پر جھٹلا دیا ہے۔ (المؤمنون:۳۹)

۲۔ سات راتیں اور آٹھ دن زبردست آندھی اور ہوا کے بگولے چلے۔ (الحاقۃ:۷۔ الشعراء:۲۰)

۳۔ گرج چمک اور بادوباراں کا طوفان آیا۔ (الاحقاف:۲۴)

۴۔ آندھیوں نے انھیں کھجور کے تنوں کی طرح پٹخ پٹخ کر دے مارا۔ (الحاقۃ:۷)

۵۔ انھیں ریزہ ریزہ کردیا گیا۔ (الذاریات:۴۱،۴۲)

۶۔ دنیا اور آخرت میں ان پر پھٹکار برستی رہے گی۔ دنیا میں ذلیل وخوار ہوئے اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوں

گے۔(السجدۃ:۱۶،ھود:۵۹)

۷۔ قومِ ھود کو نیست و نابود کر دیا گیا۔(الاعراف:۷۲)

۸۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ھود اور ایمانداروں کو اس عذاب سے محفوظ رکھا۔(ھود:۵۸)

مسائل

۱۔ قوم عاد اور ثمود کے لیے شیطان نے ان کے اعمال کو خوبصورت بنا دیا تھا۔

۲۔ قومِ عاد کے گھروں کو عبرت گاہ بنا دیا گیا۔

۳۔ قوم عاد کے لوگ ترقی یافتہ اور بڑے ہوشیار لوگ تھے۔

تفسیر بالقرآن

قومِ ثمود اور قومِ عاد کی تباہی:

۱۔ ثمود زوردار آواز کے ساتھ ہلاک کیے گئے۔(الحاقۃ:۵)

۲۔ قوم ثمود کے لیے دوری ہے۔(ھود:۶۸)

۳۔ مدین والوں کا نام ونشان مٹ گیا۔قوم ثمود کی طرح مدین والوں کے لیے دوری ہے۔(ھود:۹۵)

۴۔ قوم ثمود کو زلزلے نے آپکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔(الاعراف:۷۸)

۵۔ قومِ ثمود کو چیخ نے آپکڑا۔وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔(ھود:۶۷)

۶۔ قومِ ثمود نے ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو ترجیح دی تو اُنہیں رُسوا کر دینے والی آواز نے آلیا۔(حٰم السجدۃ:۱۸)

۷۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ ثمود میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑا۔(النجم:۵۱)

۸۔ قومِ ثمود کو اُن کی سرکشی کی وجہ سے ہلاک کیا گیا۔(الحاقۃ:۵)

۹۔ عاد زبردست آندھی کے ذریعے ہلاک ہوئے۔(الحاقۃ:۶)

۱۰۔ قوم عاد نے جھٹلایا تو اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا۔(الشعراء:۱۳۹)

۱۱۔ قوم عاد کو تند و تیز ہوا کے ساتھ ہلاک کر دیا گیا۔(الحاقۃ:۶)

وَ قَارُوْنَ	وَ فِرْعَوْنَ	وَ	هَامٰنَ قف	وَ لَقَدْ
اور قارون	اور فرعون	اور	ہامان	اور یقیناً
جَآءَهُمْ	مُّوْسٰى	بِالْبَيِّنٰتِ	فَاسْتَكْبَرُوْا	فِي
آئے تھے ان کے پاس	موسیٰ	واضح دلائل کے ساتھ	انھوں نے تکبر کیا	میں
الْاَرْضِ	وَمَا	كَانُوْا	سٰبِقِيْنَ ۚ۳۹	
زمین	اور نہ	تھے وہ	آگے نکل جانے والے	

اور قارون وفرعون وہامان کو ہم نے ہلاک کیا موسیٰ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تھے مگر وہ زمین میں متکبر ہو چکے تھے حالانکہ وہ اللہ کی گرفت سے بچ نکلنے والے نہ تھے۔" (۳۹)

فہم القرآن

ربط کلام: قومِ نوح، قومِ ابراہیم، قومِ لوط، قومِ عاد، قومِ ثمود کی طرح آل فرعون نے بھی موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت اور حق کے خلاف تکبر اختیار کیا۔

پہلی اقوام کے کردار اور اُن کی تباہی کا ذکر کرنے کے بعد نہایت مختصر الفاظ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تین افراد کا نام لیا ہے جو پوری قوم کی تباہی کا باعث بنے اِن میں قارون نے اپنی دولت کی بنیاد پر فرعون اپنے اقتدار کی خاطر اور ہامان نے اپنی سیاست کی بناء پر حقائق کو جھٹلایا اور تکبر کرنے کی انتہاء کر دی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اِن پر گرفت کی۔ تو قارون کی دولت، فرعون کا اقتدار اور ہامان کی سیاست اُسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچا سکی۔

((اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ)) [رواہ مسلم: کتاب الایمان]

"تکبر حق بات کو چھپانا اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام ہے۔"

مسائل

۱۔ قارون، فرعون اور ہامان نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی اور اپنی قوم کو گمراہ کیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے تکبر کی وجہ سے نیست ونابود کر دیا۔

تفسیر بالقرآن

متکبّرین کا انجام:

۱۔ سب سے پہلے شیطان نے تکبر کیا۔ (ص:۷۴) ۲۔ تکبر کرنا فرعون اور اللہ کے باغیوں کا طریقہ ہے۔ (القصص:۳۹)

۳۔ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ (المؤمن:۳۵) ۴۔ متکبر کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ (النحل:۲۳)

۵۔ تکبر کرنے والے جہنم میں جائیں گے۔ (المؤمن:۷۶)

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا

ہرایک ہم نے پکڑا اس کے گناہوں کی وجہ سے ان میں سے وہ ہے کہ ہم نے بھیجی

عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ

اس پر پتھروں والی آندھی اور کوئی ان میں سے وہ پکڑا اسے چیخ

وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ

اوران میں سے وہ ہم نے دھنسادیا ساتھ اس کے زمین اوران میں سے

مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ

وہ ہم نے غرق کردیا اورنہیں تھا اللہ ان پر ظلم کرتا اور لیکن

كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۴۰

وہ تھے اپنے آپ پر وہ ظلم کرتے

”آخر کار ہرایک کو ہم نے اس کے گناہوں کی وجہ سے پکڑا۔ان میں سے کسی پر ہم نے پتھر برسانے والی آندھی بھیجی اور کسی کو ایک زبردست دھماکے نے آلیا اور کسی کو ہم نے زمین میں دھنسادیا اور کسی کو ہم نے غرق کردیا۔اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے۔“(۴۰)

فہم القرآن

ربط کلام: متکبرین کو مختلف قسم کے عذاب میں مبتلا کیا گیا ان میں سے کسی ایک کو بھی ”اللہ“ کی گرفت سے کوئی نہ بچاسکا۔

قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط اور فرعون اور اس کے ساتھیوں کے دوسرے جرائم کے ساتھ سب سے بڑا جرم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا تھا۔

قومِ عاد کو شدید ترین آندھی کے ساتھ پٹخ پٹخ کر زمین پردے مارا۔قوم ثمود کو کلیجہ پھاڑ دینے والی دھماکہ خیز آواز اور شدید زلزلے نے آلیا اور پھران پر نامزد پتھر برسائے گئے۔قارون کو اس کی دولت سمیت زمین میں دھنسادیا گیا۔قوم نوح کو طوفانِ بادو باراں اور ہولناک سیلاب کے ساتھ تباہ کیا گیا۔فرعون اور اس لشکر کو بحر قلزم میں ڈبکیاں دے دے کر غرق کیا گیا۔سب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا اُنھوں نے اپنے آپ پر خود ہی ظلم کیا تھا۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَمَّا قَضَى اللَّهُ الْخَلْقَ كَتَبَ عِنْدَهُ فَوْقَ عَرْشِهِ ، إِنَّ

رَحْمَتِی سَبَقَتْ غَضَبِی)) [رواہ البخاری: باب قَوْلِہِ تَعَالَی (وَلَقَدْ سَبَقَتْ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِینَ)]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ نے مخلوقات کو پیدا کرنے کا فیصلہ فرمایا تو اُس وقت اللہ کے عرش پر لکھا ہوا تھا بے شک میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے جا چکی ہے۔''

((عَنْ أَبِی ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِیمَا رَوَی عَنِ اللَّہِ تَبَارَکَ وَتَعَالَی أَنَّہُ قَالَ یَا عِبَادِی إِنِّی حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَی نَفْسِی وَجَعَلْتُہُ بَیْنَکُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوا.................)) [رواہ البخاری:باب تحریم الظلم]

''حضرت ابوذر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث قدسی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے بندو! میں نے اپنے آپ پر ظلم حرام قرار دیا ہے اور تم بھی، آپس میں ظلم نہ کیا کرو۔''

﴿مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ إِنْ شَکَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَکَانَ اللّٰہُ شَاکِرًا عَلِیمًا﴾ [النساء: ۱۴۷]

اللہ تعالیٰ کو تمہیں سزا دینے سے کیا فائدہ اگر تم شکر گزار ہو جاؤ اور ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ بہت قدر کرنے والا اور علم رکھنے والا ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ۲۔ لوگ اپنے ظلم کی وجہ سے ہی پکڑے جاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

پہلی اقوام پر مختلف قسم کے عذابوں کا نزول:

۱۔ کیا وہ لوگ بے فکر ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے؟ (النحل: ۴۵)

۲۔ قوم ثمود کو چیخ نے آپکڑا۔ وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ (ھود: ۶۷)

۳۔ قوم عاد کو تیز و تند ہوا نے ہلاک کیا۔ (الحاقۃ: ۶)

۴۔ قوم لوط کی بستی کو الٹا کر دیا اور ان پر کھنگر والے پتھر برسائے گئے۔ (الحجر: ۷۴)

۵۔ آلِ فرعون کو غرق کر دیا گیا۔ (البقرۃ: ۵۰)

۶۔ بنی اسرائیل کو اللہ نے ذلیل بندر بنا دیا۔ (البقرۃ: ۶۵)

۷۔ ان کے گناہ کی پاداش میں پکڑ لیا کسی پر تند ہوا بھیجی، کسی کو ہولناک آواز نے آلیا، کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کچھ کو غرق کر دیا۔ (العنکبوت: ۴۰)

مَثَلُ	الَّذِيْنَ	اتَّخَذُوْا	مِنْ	دُوْنِ	اللّٰهِ	اَوْلِيَآءَ
مثال	وہ لوگ	انہوں نے بنایا	سے	سوائے	اللہ	کارساز
كَمَثَلِ	الْعَنْكَبُوْتِ	اِتَّخَذَتْ	بَيْتًا	وَاِنَّ	اَوْهَنَ	
جیسے مثال	مکڑی کی	اس نے بنایا	ایک گھر	اور بلاشبہ	زیادہ کمزور	
الْبُيُوْتِ	لَبَيْتُ	الْعَنْكَبُوْتِ	لَوْ	كَانُوْا	يَعْلَمُوْنَ ۝۴۱	
گھروں	البتہ گھر	مکڑی	کاش	وہ ہوتے	جانتے	

’’جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرست بنا لیے ہیں ان کی مثال مکڑی جیسی ہے جو اپنا گھر الگ بناتی ہے حالانکہ تمام گھروں سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا گھر ہوتا ہے کاش یہ لوگ حقیقت جانتے۔‘‘ (۴۱)

فہم القرآن

ربط کلام: غیر اللہ سے مدد طلب کرنے والے شخص کے عقیدہ کی مثال۔

تباہ ہونے والی اقوام نے اللہ تعالیٰ کے سوا فوت شدہ بزرگوں، پتھر اور مٹی کی مورتیوں اور دنیا کے مختلف اسباب کو ’’اللہ‘‘ کا درجہ دے رکھا تھا۔ یہ اقوام سمجھتی تھیں کہ ہمارے بزرگ اور اسباب ہمیں اللہ کے عذاب سے بچا لیں گے۔ اس لیے انہوں نے انبیاء کی دعوت کو قابلِ توجہ نہ جانا اس جرم کی وجہ سے اُن پر رب ذوالجلال کا عذاب آیا تو اُن کو بچانے والا کوئی نہ تھا۔ حالانکہ یہ لوگ اپنے خداؤں اور بزرگوں کو مشکل کشا اور دستگیر سمجھتے تھے۔ اُن کے مشرکانہ عقیدے کو مکڑی کے جالے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو دنیا کے گھروں میں سب سے کمزور ترین گھر ہوتا ہے۔ جس طرح مکڑی مضبوط چھت کے نیچے جالا بُن کر اپنے لیے الگ گھر تیار کرتی ہے اور اس وہم کا شکار ہوتی ہے کہ وہ اس گھر میں وہ ہر طرح سے محفوظ ہے۔ لیکن ہوا کا معمولی جھونکا یا کوئی تنکا لگنے کی وجہ سے مکڑی کا گھر ختم ہو جاتا ہے یہی حال مشرک کے عقیدے کا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی گرفت آتی ہے تو مشرک نے جس، جس کو سہارا بنایا ہوتا ہے وہ ’’اللہ‘‘ کی گرفت کے مقابلے میں مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ ناپائیدار ثابت ہوتے ہیں جس طرح مکڑی کا گھر تباہ ہوتا ہے اور مکڑی اپنے بنائے ہوئے تانے بانے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے یہی حال مشرک کا ہے کہ اُس نے بھی اپنے لیے ایک تانا بانا بنا رکھا ہوتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ مشکل کے وقت مجھے فلاں اور فلاں بچا لے گا۔ باطل عقیدہ کی بنا پر جب مشرک پر ’’اللہ‘‘ کی گرفت آتی ہے تو اُسے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اُسے بہت جلد اس بات کا احساس ہو جاتا ہے کہ اس کے تصوّرات اور جھوٹے عقیدہ پر مبنی خیالات کی کوئی حیثیت نہ ہے۔

باالفاظ دیگر شرک کی بنیاد کسی عقلی اور نقلی دلیل پر نہیں ہوتی۔ شرک کی بے ثباتی اور ناپائیداری کے باوجود مشرک اِسے چھوڑنے

کے لیے تیار نہیں ہوتا کیونکہ وہ حقیقی علم سے نا آشنا ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے شریک کی تائید کے لیے کوئی دلیل نازل نہیں کی جب ”اللہ تعالیٰ“ نے شرک کے تائید کے لیے کوئی دلیل نازل نہیں کی تو اسے ثابت کس طرح کیا جا سکتا ہے۔

﴿قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ﴾ [الاعراف: ۷۱]

”اس نے کہا یقیناً تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غضب آپڑا ہے کیا تم مجھ سے ان ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے خود رکھ لیے ہیں جن کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی۔ انتظار کرو بے شک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔“

مسائل

۱۔ مشرکانہ عقیدہ مکڑی کے جالے کی مانند ناپائیدار ہوتا ہے۔

۲۔ دنیا کے گھروں میں سب سے ناپائیدار ٹھکانہ مکڑی کا ہوتا ہے۔

۳۔ مشرک حقیقی علم سے نا آشنا ہوتا ہے۔

۴۔ مشرکانہ عقیدہ کی علمی اور فکری بنیاد نہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بچانے والا نہیں:

۱۔ حضرت نوح نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ آج کے دن اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ (ھود: ۴۳)

۲۔ کافروں کے چہروں پر ذلّت و رسوائی چھا جائے گی انہیں اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔ (یونس: ۲۷)

۳۔ اس دن تم پیٹھیں پھیر کر بھاگو گے لیکن تمہیں اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ (المومن: ۳۳)

۴۔ اگر آپ ﷺ ان کی خواہشات کی پیروی کریں گے تو آپ کا نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی اللہ سے بچانے والا ہوگا۔ (الرعد: ۳۷)

۵۔ جب اللہ نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں پکڑا تو انہیں کوئی بچانے والا نہ تھا۔ (المومن: ۲۱)

۶۔ فرما دیجیے کون ہے جو تمہیں اللہ کے عذاب سے بچائے گا اگر وہ تمہیں عذاب میں مبتلا کرنا چاہے۔ (الاحزاب: ۱۷)

۷۔ اگر آپ اس کے لیے ستر بار بھی بخشش طلب کریں اللہ نے اسے معاف نہیں کرنا۔ (التوبۃ: ۸۰)

اِنَّ	اللّٰهَ	یَعۡلَمُ	مَا	یَدۡعُوۡنَ	مِنۡ دُوۡنِهٖ
یقیناً	اللہ	وہ جانتا ہے	جو	وہ پکارتے ہیں	سے سوا اس
مِنۡ	شَیۡءٍ	وَهُوَ	الۡعَزِیۡزُ	الۡحَكِیۡمُ ﴿۴۲﴾	وَتِلۡكَ
سے	چیز	اور وہ	نہایت غالب	خوب حکمت والا	اور یہ
الۡاَمۡثَالُ	نَضۡرِبُهَا	لِلنَّاسِ	وَمَا	یَعۡقِلُهَاۤ	اِلَّا
مثالیں	ہم اسے بیان کرتے ہیں	لوگوں کے لیے	اور نہیں	وہ سمجھتے اسے	مگر
الۡعٰلِمُوۡنَ ﴿۴۳﴾	خَلَقَ	اللّٰهُ	السَّمٰوٰتِ	وَالۡاَرۡضَ	بِالۡحَقِّ
علم والے	اس نے پیدا کیا	اللہ	آسمانوں	اور زمین	حق کے ساتھ
اِنَّ	فِیۡ	ذٰلِكَ	لَاٰیَةً	لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۴۴﴾	
بلاشبہ	میں	یہ	ضرور نشانی	مومنوں کے لیے	

ع ۱۴ / ۱۶

”اللہ کو چھوڑ کر جن کو وہ پکارتے ہیں۔ اللہ انہیں خوب جانتا ہے کیونکہ وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔ (۴۲) ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں لیکن انہیں وہی لوگ سمجھتے ہیں جو حقیقی علم رکھنے والے ہیں۔ (۴۳) اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے یقیناً اہل ایمان کے لیے اس میں ایک نشانی ہے۔“ (۴۴)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرکین کو ان کے شرک کے بارے میں سمجھایا جائے تو وہ شرک کا انکار کرتے ہیں اس لیے ارشاد ہوا ہے کہ اللہ جانتا ہے کہ اُس کے سوا وہ جس جس کو پکارتے ہیں۔

مشرک اقوام کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مشرک قوم دو چار خداؤں پر مطمئن نہیں ہوتی۔ اہل مکہ نے بیت اللہ میں تین سو ساٹھ جھوٹے خدا سجا رکھے تھے۔ ہندوستان کی مذہبی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اس قوم کے خداؤں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے کچھ تاریخ دانوں نے لکھا ہے کہ ان کے خداؤں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد بنتی ہے۔ عیسائیوں نے مستقل طور پر تین خدا بنائے ہوئے ہیں۔ یہودیوں نے حضرت عزیز کو ”اللہ“ کا بیٹا ٹھہرایا ہوا ہے اور ایرانیوں نے یزداں اور ابرہمن کو خدا بنایا ہوا تھا یہی حال دوسری اقوام کا ہے کہ اِن کے خداؤں کو شمار کرنا مشکل ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا ہے کہ ”اللہ“ جانتا ہے کہ مشرک اُس کے سوا کس کس کو پکارتے اور کس کس کی عبادت کرتے ہیں۔ حالانکہ مشرکانہ عقیدہ مکڑی کے تانے بانے

سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اِن لوگوں کو شرک سے زبردستی روک دے کیونکہ وہ ہر بات پر غالب ہے۔ لیکن اُس کی حکمت یہ ہے کہ لوگ عقل وفکر سے کام لے کر شرک سے اجتناب کریں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں مختلف اَمثال کے ساتھ عقیدہ توحید سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے لیکن اہل دانش اور حقیقی علم رکھنے والوں کے سوا دوسرے لوگ شرک کی بے ثباتی کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور آسمانوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اِن کی تخلیق اور وجود میں اس کی قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں لیکن علم رکھنے والے لوگ ہی اِن سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ علم سے مراد حقیقی علم ہے۔ عقیدہ توحید اختیار کرنا اور اس کے تقاضے پورا کرنا علم اور عقل مندی کی دلیل ہے۔ اس کے مقابلے میں شرک پرلے درجے کی بیوقوفی اور جہالت ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ مشرکوں کے شرک کو اچھی طرح جانتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

۳۔ قرآنِ مجید کے دلائل اور اَمثال سے صاحبِ دانش اور علم والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

عقیدہ توحید سمجھانے کے لیے قرآنِ مجید کی اَمثال:

۱۔ ایک غلام کے دو مالک ہوں تو؟۔ (الزمر:۲۹)

۲۔ ناکارہ اور باصلاحیت غلام میں فرق۔ (النحل:۷۶)

۳۔ مشرک کی تباہی کی مثال۔ (الحج:۳۱)

۴۔ باطل معبودوں اور مکھی کی مثال۔ (الحج:۷۳)

۵۔ دھوپ اور سایہ کی مثال۔ (فاطر:۲۱)

۶۔ اندھیرے اور روشنی کی مثال۔ (فاطر:۲۰)

۷۔ اندھے بہرے، دیدے اور سننے والے کی مثال۔ (ھود:۲۴)

۸۔ علم اور بے علم کی مثال۔ (الزمر:۹)

فہم القرآن

جلد پنجم

میاں محمد جمیل

پرنسپل ابوہریرہ شریعہ کالج لاہور

ابوہریرہ اکیڈمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہم القرآن

میاں محمد جمیل ایم۔اے
فاضل اُردو۔علوم اسلامیہ

جلد پنجم

ابوہریرہ اکیڈمی
۳۷۔کمرشل کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

فہم القرآن

حقوق بحق مصنف

از قلم	میاں محمد جمیل
جلد پنجم	پارہ 21 تا پارہ 25
اشاعت اول	اگست 2011ء
اشاعتِ دوم	مارچ 2016ء
قیمت	

مطبع
ثوبان نعمان پرنٹنگ پریس، لاہور
0300-8661763

ملنے کے پتے

مکتبہ اسلامیہ
لاہور: بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور 042-37244973 - 37232369
فیصل آباد: بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد 041-2631204 - 2641204

نعمانی کتب خانہ۔ مکتبہ دارالسلام۔ مکتبہ سلفیہ۔ مکتبہ رحمانیہ۔ اردو بازار، لاہور

ناشر
ابوہریرہ اکیڈمی
37-کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور
0423-5417233

جلد پنجم

فہم القرآن

پارہ:21

سورۃ العنکبوت آیت45 تا آخر: سورۃ الرّوم: سورۃ لقمان: سورۃ السجدۃ: سورۃ الاحزاب آیت 1 تا30

پارہ:22

سورۃ الاحزاب آیت 31 تا آخر: سورۃ سبا: سورۃ فاطر: سورۃ یٰس آیت 1 تا 21

پارہ:23

سورۃ یٰس آیت۲۲ تا آخر: سورۃ الصّٰفّٰت: سورۃ ص: سورۃ الزّمر آیت 1 تا 31

پارہ:24

سورۃ الزّمر 32 تا آخر: سورۃ المؤمن: سورۃ حٰم السجدۃ 1 تا 46

پارہ:25

سورۃ حٰم السجدۃ: 47 تا 54: سورۃ الشوریٰ: سورۃ الزخرف: سورۃ الدخان: سورۃ الجاثیہ مکمل

أعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

تفسیر فہم القرآن کا تعارف

رسولِ محترم ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں مرکزی مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ لوگوں کے سامنے عملی نمونہ پیش کریں اور اپنی زبانِ اطہر سے قرآن مجید کی تشریح اور تفسیر فرمائیں۔ جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے براہِ راست سیکھا، سمجھا اور اس پر عمل کیا۔ جہاں تک تفسیر قرآن کا تعلق ہے آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو قرآن فہمی کی دعا سے سرفراز فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اولاد اور شاگردوں کو قرآن پڑھایا اور سمجھایا۔ اس طرح قرآنِ مجید کی تعلیم تحریر، تقریر اور تدریس کے ذریعے نسل در نسل جاری رہی تا آنکہ 270 ہجری میں علامہ ابوجعفر ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے چالیس سال کی جدوجہد سے مسوّدات اور مختلف اہلِ علم سے استفادہ فرما کر تیس جلدوں پر محیط تفسیر جامع البیان لکھی جو تفسیر ابن جریر کے نام سے معروف ہے۔ ان کے بعد حافظ عمادالدین ابوالفداء اسمٰعیل بن کثیر رحمہ اللہ المعروف امام ابن کثیر نے تفسیر ابن کثیر رقم فرمائی جو تمام مسالک کے نزدیک ممتاز اور منفرد تفسیر سمجھی جاتی ہے۔ بعدازاں ہر دور اور ہر زبان میں قرآن مجید کی تفاسیر لکھی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ برصغیر میں انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کی ابتدا میں تراجم اور تفاسیر کا بے شمار ذخیرہ اردو زبان میں پیش کیا گیا جو علمی اور اسنادی اعتبار سے عربی کے سوا تمام زبانوں میں لکھی جانے والی تفاسیر پر حاوی ہے۔ ماضی قریب میں تفہیم القرآن، تدبر قرآن، معارف القرآن، تفسیر ثنائی، تیسیر القرآن، ضیاء القرآن کے مؤلفین نے اپنے اپنے انداز اور نقطۂ نگاہ سے فرقانِ حمید کی تفسیریں لکھیں جو اردو زبان میں ممتاز تفاسیر شمار ہوتی ہیں۔

فہم القرآن اور اعترافِ حقیقت

تفسیر کا نام سورۃ الانبیاء کی آیت 79 {فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ} سے لیا گیا ہے۔ میں اس سچائی کا محض روایتی اور عاجزانہ نہیں بلکہ حقیقت پسندانہ اعتراف کرتا ہوں کہ خدمتِ قرآن کی چودہ سو سالہ تاریخ میں مجھ سے کم علم آدمی کوئی نہیں گزرا ہوگا کہ جس نے قرآن مجید کے کسی پہلو پر قلم اٹھایا ہو۔ میں نے بزرگوں کی خوشہ چینی کے سوا کچھ نہیں کیا۔ میرے کام میں حسن وخوبی کا کوئی پہلو دکھائی دے تو وہ اللہ کے فضل وکرم کا نتیجہ اور متقدمین کی پر خلوص کوششوں کا ثمرہ ہے۔ کوتاہی اور کمزوری کو میری کم علمی اور کوتاہ فہمی تصور کرتے ہوئے آگاہ کیا جائے تاکہ اس کی تصحیح کی جائے۔ اپنے مختصر تدریسی تجربہ اور تفاسیر کا مطالعہ کرتے ہوئے چند باتوں کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ضروری سمجھا کہ اگر درج ذیل باتیں تفسیر میں جمع کردی جائیں تو عوام الناس، طلبہ اور مبتدی خطباء کے لیے نہایت مفید اور بہتر ہوگا۔

فہم القرآن کی خصوصیات

(۱) بامحاورہ کے ساتھ لفظی ترجمہ (۲) آیات اور سورتوں کا باہمی ربط (۳) ہر آیت کے الگ الگ مسائل کی نشاندہی
(۴) تفسیر بالقرآن کے حوالے سے ہر آیت کے مرکزی مضمون سے متعلقہ چند آیات کا حوالہ۔

آپ کی خدمت میں

قاری حضرات سے گزارش ہے کہ لفظی ترجمہ کی بجائے رواں ترجمہ سے استفادہ کریں کیونکہ لفظی ترجمہ میں باہم ربط نہ ہونے کی وجہ سے کہیں الجھن پیش آسکتی ہے۔ لفظی ترجمہ ان حضرات کے لیے زیادہ مفید ہے جو تعلیم وتعلم سے وابستہ ہیں۔

مفسّر کا تعارف

میاں محمد جمیل بن میاں محمد ابراہیم گوہڑ چک 8 پتوکی (قصور) اپریل 1947ء آرائیں فیملی میں پیدا ہوئے۔ حفظِ قرآن اور سکول کی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ اس کے بعد تجوید قرآن جامعہ محمدیہ اور درسِ نظامی کی تعلیم جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ سے پائی بعد ازاں وفاق المدارس کیا اور دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ایم۔اے اسلامیات اور فاضل اردو کی ڈگریاں حاصل کیں۔ فراغتِ تعلیم کے بعد لاہور میں کاروبار کرنے کے ساتھ ساتھ جون 1986ء میں جامع مسجد ابوہریرہ کریم بلاک اقبال ٹاؤن کی بنیاد رکھی اور اعزازی خطابت کی ذمہ داری سنبھالی۔

ابوہریرہ ؓ شریعہ کالج

1997ء میں ابوہریرہ ؓ شریعہ کالج کی بنیاد رکھی۔ اب تک (2016ء) ملک میں واحد ادارہ ہے جس میں میٹرک پاس طلبہ کو چار سال میں درسِ نظامی اور بی۔اے (Compulsoy) کروایا جاتا ہے۔ ابوہریرہ شریعہ کالج سے فارغ التحصیل طلبہ مساجد اور مدارس میں تبلیغِ دین کی خدمت سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ فوج، پولیس، میڈیا، ایجوکیشن اور ایل ایل بی کرنے کے بعد ہائی کورٹ میں پریکٹس (Practice) کر رہے ہیں۔

جماعتی زندگی

1987ء میں مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان کے سیکرٹری اطلاعات اور 1996ء سے لے کر 2002 تک مرکزی جمعیت اہلحدیث کے سیکرٹری جنرل رہے۔ سیکرٹری شپ کا دوسرا دور ختم ہونے پر آئندہ ذمہ داری سنبھالنے سے معذرت کی اور اپنے آپ کو تعلیم وتصنیف کے ساتھ وابستہ کیا۔ دیگر کتب تالیف کرنے کے بعد 2005ء عیدالاضحیٰ کے بعد تفسیر فہم القرآن کا آغاز کیا اس کی تکمیل سوا سات سال میں ہوئی جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبولیت کے شرف سے سرفراز فرمائے اور اس کام میں معاون بننے والے حضرات کے لیے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین یارب العلمین۔

تحریک دعوتِ توحید پاکستان

خلافت کی تحریک ہو یا جہاد فی سبیل اللہ، شانِ صحابہ ہو یا وطن عزیز کی سالمیت اور حقوقِ انسانیت کا تحفظ۔ سب کی افادیت درجہ بہ درجہ لیکن تحریک دعوتِ "توحید" کی عظمت وبرکات کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ تحریک دعوتِ توحید کا آغاز 2006ء کے رمضان المبارک کے بعد کیا گیا۔ تحریک کا مقصد اللہ کی رضا، رسالتِ مآب ﷺ سے وفا اور بندوں کو اللہ تعالیٰ کی خالص بندگی پر آمادہ کرنا ہے۔ اسی کے لیے انبیاء کرام دنیا میں تشریف لائے اور یہی قرآن مجید کی دعوت کی مرکزی اساس ہے اسی پر آدمی کی نجات کا دارومدار ہے لہٰذا توحید سمجھیں، اسے آگے پھیلائیں اور اس کے تقاضے پورے کریں تاکہ ہمارے اخلاق، اعمال سنور جائیں اور ہم جنت کے وارث قرار پائیں۔ یہ کوئی الگ اور مستقل جماعت نہیں اس لیے آپ اپنی اپنی جماعتوں اور منصب پر رہتے ہوئے اس کے ساتھ اخلاقی، علمی اور تبلیغی تعاون فرمائیں تاکہ لوگ شرک اور اس کے نقصانات سے بچیں اور دنیا اور آخرت میں توحید کی برکات سے سرفراز ہو سکیں۔

میاں محمد جمیل

کنوینر تحریک دعوتِ توحید پاکستان

عنوانات جلد پنجم

پارہ......(۲۱)

پارہ......(۲۲)

پارہ......(۲۴)

پارہ......(۲۵)

مضامینِ جلد ششم

پارہ......(۲۱)

پارہ......(۲۴)

اُتْلُ	مَآ	اُوْحِيَ	اِلَيْكَ	مِنَ	الْكِتٰبِ	وَ اَقِمِ
تلاوت کیجیے	جو	وحی کی گئی	آپ کی طرف	سے	کتاب	اور قائم کیجیے
الصَّلٰوةَ ؕ	اِنَّ	الصَّلٰوةَ	تَنْهٰى	عَنِ	الْفَحْشَآءِ	وَ الْمُنْكَرِ ؕ
نماز	بلاشک	نماز	وہ روکتی ہے	سے	بے حیائی	اور بُرے کام
وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ	اَكْبَرُ ؕ	وَاللّٰهُ	يَعْلَمُ	مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۴۵		
اور اللہ کا ذکر	زیادہ بڑا ہے	اور اللہ	جانتا ہے	جو کچھ تم کرتے ہو		

''اے نبی جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اس کتاب کی تلاوت کرو اور نماز قائم کرو، یقیناً نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر اس سے بھی بڑی چیز ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔'' (۴۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عقیدہ توحید سمجھانے کے بعد نبی ﷺ کی نبوت کے عقلی اور تاریخی دلائل۔

نبی معظم ﷺ کے ساتھ مشرکین کا سب سے بڑا اختلاف عقیدہ توحید پر تھا، اُن کا آخری مطالبہ یہ تھا کہ قرآن مجید کی اُن آیات کو خارج اَز قرآن کیا جائے جن میں ہمارے معبودوں کی نفی کی گئی ہے۔ اس پر آپ ﷺ کو حکم ہوا آپ لوگوں کے سامنے قرآن مجید کی تبلیغ کرتے رہیں اور یاد رکھیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔''

''اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ'' کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اے رسول ﷺ! آپ پر قرآن کی صورت میں جو بھی وحی کی جارہی ہے اس کی تلاوت کیا کریں۔ قرآن مجید کی تلاوت کرنے سے ایمان میں اضافہ اور مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔ ایمان میں مضبوط شخص ہی مشکلات کا مقابلہ کرسکتا ہے اور نماز قائم کریں بے شک نماز انسان کو بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور یہ اللہ کا بہت بڑا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ یہاں ''اللہ'' کے ذکر کو سب سے بڑا عمل قرار دیا گیا ہے جس کے اہلِ علم نے تین مفہوم لیے ہیں۔

① نماز سب سے بڑا ذکر ہے۔ ② نماز سب سے بڑی عبادت اور یادِ الٰہی ہے۔

③ اللہ تعالیٰ کا کسی کو یاد کرنا سب سے بڑی بات ہے۔

اب تینوں باتوں کو قدرِ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے جہاں تک نماز کا تعلق ہے یہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی یاد کا سب سے مؤثر اور قریب ترین ذریعہ ہے۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ اے موسیٰ! میری یاد کے لیے نماز قائم رکھنا۔ (طٰہٰ: ۱۴) نماز کے بے شمار فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ اگر نماز کے تقاضے پورے کیے جائیں تو یقیناً یہ انسان کو بے حیائی سے بچاتی ہے اس حقیقت کو جاننے کے لیے چند اشارے کافی ہیں۔

نماز میں انسان اپنے رب کی بارگاہ میں ہاتھ جوڑ کر قیام کرتا ہے اس کے بعد رکوع اور پھر سجدہ بجا لاتا ہے اگر انسان پوری توجہ کے ساتھ یہ ارکان ادا کرے تو نمازی میں غرور اور تکبر پیدا نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ پانچ وقت عاجزی کا اظہار کرتا ہے اور بار، بار اللہ اکبر کہہ کر اپنے رب کی کبریائی کا اعتراف کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اخلاص کے ساتھ کبریا ماننے والا شخص متکبر نہیں ہوسکتا، نماز میں آدمی کو نگاہیں نیچی اور سجدہ کی جگہ پر مرکوز رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مسجد سے باہر اسے حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچی اور کنٹرول میں رکھے جس سے نہ صرف آدمی کی نگاہیں پاک اور اُس کا دل بے حیائی سے محفوظ رہتا ہے بلکہ معاشرے میں بے حیائی ختم کرنے کا یہ مؤثر ترین طریقہ ہے، نماز میں انسان تمام مسلمانوں کے لیے خیر اور سلامتی کی دعائیں کرتا ہے اگر ان جذبات کا نماز کے بعد بھی خیال رکھا جائے تو مسلمان ایک دوسرے کی شر سے محفوظ رہ سکتے ہیں اور معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ نماز کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ نماز سے انسان کو روحانی سکون ملتا ہے۔ جس سے انسان کو جسمانی اور روحانی بیماریوں سے نجات ملتی ہے اس لیے اس موقع پر یہ حکم نازل ہوا کہ قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ نماز قائم کریں تاکہ مخالفوں کی مخالفت سے پریشان ہونے کی بجائے آپ پُرسکون رہیں اور یقین رکھیں کہ جو کچھ تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔

نماز دل کا سکون ہے:

«یَابِلَالُ !اَرِحْنَا بِالصَّلَاۃِ» (مسند أحمد: کتاب باقی مسند الانصار [صحیح])

”نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ ”اے بلال! نماز کے ذریعے ہمیں سکون پہنچاؤ۔“

نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا:

«عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ صَلَاۃُ الْجَمَاعَۃِ تَفْضُلُ صَلَاۃَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ دَرَجَۃً» (رواہ البخاری: کتاب الأذان، باب فضل صلاۃ الجماعۃ)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس گنا افضل ہے۔“

«عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِیَّ ﷺ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی قَالَ الصَّلٰوۃُ لِوَقْتِھَا قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ ؟ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ حَدَّثَنِیْ بِھِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُّہٗ لَزَادَنِیْ» (رواہ البخاری: کتاب مواقیت الصلاۃ، باب فضل الصلاۃ لوقتھا)

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی محترم ﷺ سے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کو اعمال میں کون سا عمل زیادہ پسند ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ فرض نماز اس کے وقت پر ادا کرنا، میں نے عرض کی اس کے بعد کون سا عمل بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: والدین کے ساتھ بہتر سلوک کرنا، میں نے پھر عرض کی اس کے بعد کون

سا عمل بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اگر میں اس موقعہ پر مزید سوال کرتا تو آپ اس کا بھی جواب عنایت فرماتے۔''

تلاوتِ قرآن کی برکت:

((يَقُوْلُ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ وَذِكْرِيْ عَنْ مَسْأَلَتِيْ اَعْطَيْتُهُ اَفْضَلَ مَآ اُعْطِيَ السَّآئِلِيْنَ)) (رواہ الترمذی: باب ماجاء کیف کانت قراءۃ النبی [قال الالبانی ضعیف])

''اللہ رب العزت فرماتے ہیں جسے قرآن پاک کی تلاوت اور میرے ذکر نے مجھ سے مانگنے سے روکے رکھا میں اسے مانگنے والوں سے زیادہ عطا کروں گا۔''

((عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ)) (رواہ مسلم: کتاب الصلوٰۃ، باب فضل من یقوم بالقران)

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کتاب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بہت سی قوموں کو جو اس پر عمل کریں گی بامِ عروج پر پہنچائے گا اور بہت سی قوموں کو جو اس کو چھوڑ دیں گی انہیں ذلیل کر دے گا۔''

ذکر کی فضیلت:

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰي أَنَا مَعَ عَبْدِيْ حَيْثُمَا ذَكَرَنِيْ وَتَحَرَّكَتْ بِيْ شَفَتَاهُ)) (رواہ البخاری: کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ لا تحرک بہ لسانک الخ)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں، وہ جہاں کہیں بھی میرا ذکر کرے اور جب اس کے ہونٹ میرے ذکر میں حرکت کریں۔''

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيْئَةً نُكِتَتْ فِيْ قَلْبِهٖ نُكْتَةٌ سَوْدَآءُ فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ صُقِلَ قَلْبُهٗ وَإِنْ عَادَ زِيْدَ فِيْهَا حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهٗ وَهُوَ الرَّانُ الَّذِيْ ذَكَرَ اللّٰهُ {كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ})) (رواہ الترمذی: کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ (ویل للمطففین) [حسن])

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: آدمی جب بھی کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک کالا نکتہ لگا دیا جاتا ہے جب وہ بے چین ہو کر توبہ واستغفار کرتا ہے تو اس کے دل کو پالش کر دیا جاتا ہے اور اگر پھر وہ گناہ کرتا ہے تو وہ نکتہ بڑھا دیا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ پورے دل پر غالب آجاتا ہے اور یہی وہ زنگ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ (ہرگز نہیں بلکہ جو وہ کرتے ہیں اس کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے)۔''

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ إِنَّ لِكُلِّ شَيْئٍ صِقَالَةً وَإِنَّ صِقَالَةَ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا مِنْ شَيْئٍ أَنْجَي مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ»

(صحیح الترغیب للألبانی:١٤٩٥ [حسن])

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ فرمایا: کرتے تھے ہر چیز کی پالش ہوتی ہے دلوں کی پالش اللہ کا ذکر ہے اور اللہ کے ذکر سے زیادہ کوئی چیز اللہ کے عذاب سے نجات دینے والی نہیں ہے۔''

نبی کریم ﷺ کی دعا:

«أَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ»

(رواہ أبو داؤد: کتاب الصلاۃ، باب فی الإستغفار [صحیح])

''الٰہی! اپنے ذکر، شکر اور بہترین طریقے سے عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔''

مسائل

١۔ مسلمان کو قرآن مجید کی تلاوت کا اہتمام کرنا چاہیے۔ ٢۔ نماز کو اس کے آداب اور تقاضوں کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

٣۔ نماز انسان کو برائی اور بے حیائی سے بچاتی ہے۔ ٤۔ نماز اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا ذکر ہے۔

٥۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو لوگ عمل کرتے ہیں۔ ٦۔ ''اللہ'' کا ذکر بڑی نیکی ہے۔

تفسیر بالقرآن

نماز کے فوائد:

١۔ وہ لوگ جو کتاب اللہ پر کاربند رہتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں ہم ان کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے۔ (الاعراف:١٧٠)

٢۔ اگر لوگ توبہ کریں اور نماز قائم کریں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔ (التوبہ:٥)

٣۔ بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ (العنکبوت:٤٥)

٤۔ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اور نماز قائم کی ان پر کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا۔ (البقرۃ:٢٧٧)

٥۔ اے ایمان والو! نماز اور صبر کے ساتھ مدد طلب کرو یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ:١٥٣)

٦۔ اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے جنت کے وارث ہوں گے۔ (المومنون:٩۔١٠)

٧۔ جو لوگ اللہ کی خوشنودی کیلئے صبر کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں ہم ان کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ (الرعد:٢٢)

وَ لَا	تُجَادِلُوْٓا	اَهْلَ الْكِتٰبِ	اِلَّا	بِالَّتِیْ	هِیَ
اور نہ	تم جھگڑو	اہل کتاب سے	مگر	ساتھ اس کے	جو

اَحْسَنُ ۖۗ	اِلَّا	الَّذِیْنَ	ظَلَمُوْا	مِنْهُمْ	وَ قُوْلُوْٓا	اٰمَنَّا
بہت بہتر ہے	مگر	وہ لوگ	جنھوں نے ظلم کیا	ان میں سے	اور تم کہو	ہم ایمان لائے

بِالَّذِیْٓ	اُنْزِلَ	اِلَیْنَا	وَ اُنْزِلَ	اِلَیْكُمْ	وَ اِلٰهُنَا	وَ اِلٰهُكُمْ
ساتھ اس کے	نازل کی گئی	ہماری طرف	اور نازل کی گئی	تمہاری طرف	اور ہمارا معبود	اور تمہارا معبود

وَاحِدٌ	وَّ نَحْنُ	لَهٗ	مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾
ایک ہے	اور ہم	اسی کے لیے	فرماں بردار ہیں

”اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر نہایت عمدہ طریقہ کے ساتھ سوائے اُن لوگوں کے جو اُن میں ظالم ہیں اور اُن سے کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اُس چیز پر جو ہماری طرف بھیجی گئی ہے اور اُس چیز پر جو تمہاری طرف بھیجی گئی، ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اُسی کے فرمانبردار ہیں۔“ (۴۶)

فہم القرآن

ربط کلام : کفّار اور مشرکینِ مکہ کے ساتھ اکثر اہل کتاب بھی نبی ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرنے پر اتر آتے۔ اس لیے اہل کتاب کے بارے میں آپ ﷺ کو خصوصی ہدایت دی گئی ہے۔

اے نبی ﷺ اور مسلمانو! اگر تمہارے ساتھ اہل کتاب بحث و تکرار اور جھگڑا کرنے پر اُتر آئیں تو تمہیں ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے کہ ان سے بحث و تکرار سے بچا جائے اگر تکرار کی صورت ناگزیر ہو تو دلائل کی روشنی میں اچھے انداز میں بحث کرو، کیونکہ اہل کتاب جنھوں نے کفر و شرک کا روّیہ اختیار کر رکھا ہے وہ بحث و تکرار کے ذریعے تمہیں الجھانا چاہتے ہیں درحقیقت یہ لوگ اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں، انہیں یہی کہنا کافی ہے کہ تم مانو یا نہ مانو ہم تو اُس پر ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو تمہاری طرف نازل ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا اللہ اور تمہارا اللہ ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں یعنی جو کچھ ہم کہتے اور کرتے ہیں وہ اسی اللہ کے حکم کے مطابق ہے، سمجھانا مقصود یہ ہے کہ جب ہم سب ایک اللہ کے ماننے والے ہیں تو ہمیں آپس میں جھگڑنا نہیں چاہیے اسی بات کی دوسرے انداز میں اہل کتاب کو یوں دعوت دی گئی ہے تاکہ شرک کے مقابلے میں توحید کے ماننے والے ایک ہو جائیں۔

{ قُلْ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْـًٔا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ } (آل عمران: ۶۴)

”آپ فرمادیں کہ اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے نہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت کریں اور نہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ اور نہ اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو رب بنائیں پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو آپ فرمادیں کہ گواہ رہنا ہم تو ماننے والے ہیں۔“

{وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾} (البقرۃ:۱۶۳)

”تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے‘ اس رحم کرنے والے اور بڑے مہربان کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔

مسائل

۱۔ اہل کتاب سے بحث کرنا ناگزیر ہو تو اچھے انداز میں بحث کرنا چاہیے۔

۲۔ مسلمان وہ ہے جو قرآن مجید اور پہلی آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتا ہے۔

۳۔ مسلمانوں اور اہلِ کتاب کا حقیقتاً ایک ہی ”الٰہ“ ہے جس کی سب کو تابعداری کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

سب کا ایک ہی ”الٰہ“ ہے:

۱۔ ”الٰہ“ ایک ہی ہے اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔ (البقرۃ:۱۶۳)

۲۔ ”الٰہ“ تمہارا ایک ہے لیکن آخرت کے منکر نہیں مانتے۔ (النحل:۲۲)

۳۔ آپ ﷺ فرمادیں میں تمہاری طرح بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا الٰہ ایک ہی الٰہ ہے۔ (الکہف:۱۱۰)

۴۔ آپ ﷺ فرمادیں میری طرف وحی کی جاتی ہے تمہارا الٰہ صرف ایک ہی ہے۔ (الانبیاء:۱۰۸)

۵۔ تمہارا صرف ایک ہی الٰہ ہے اسی کے تابع ہو جاؤ۔ (الحج:۳۴)

۶۔ ہمارا الٰہ اور تمہارا الٰہ صرف ایک ہی ہے، ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ (العنکبوت:۴۶)

۷۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے جو میں تلاش کروں۔ (الاعراف:۱۴۰)

۸۔ یقیناً ”اللہ“ ہی ایک الٰہ ہے وہ اولاد سے پاک ہے آسمان وزمین کی ہر چیز اسی کے لیے ہے (النساء۔۱۷۱)

۹۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور وہ اکیلا ہے۔ (المائدۃ:۷۳)

۱۰۔ تمہارا الٰہ ایک ہی الٰہ ہے وہ بڑا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ (البقرۃ:۱۶۳)

وَ كَذٰلِكَ	اَنْزَلْنَآ	اِلَيْكَ	الْكِتٰبَ ؕ	فَالَّذِيْنَ	اٰتَيْنٰهُمُ	الْكِتٰبَ
اور اسی طرح	ہم نے نازل کی	آپ کی طرف	کتاب	پس وہ لوگ	ہم نے دی انہیں	کتاب
يُؤْمِنُوْنَ	بِهٖ ۚ	وَ مِنْ	هٰۤؤُلَآءِ	مَنْ	يُّؤْمِنُ	بِهٖ ؕ
وہ ایمان لاتے ہیں	اس کے ساتھ	اور بعض	ان سے	جو	ایمان لاتے ہیں	اس کے ساتھ
وَ مَا يَجْحَدُ	بِاٰيٰتِنَآ	اِلَّا	الْكٰفِرُوْنَ ۝۴۷			
اور نہیں انکار کرتے	ہماری آیات کا	مگر	کافر لوگ			

''ہم نے اسی طرح آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے، جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور اِن لوگوں میں سے بھی بعض لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہماری آیات کا انکار صرف کافر ہی کرتے ہیں۔'' (۴۷)

فہم القرآن

ربط کلام: جس طرح اللہ تعالیٰ نے تورات، انجیل، زبور اور صحفِ ابراہیم نازل کیے اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر قرآن مجید نازل فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صحفِ ابراہیم، تورات، زبور اور انجیل میں یہ بات بھی بیان فرمائی کہ تمام انبیاء کے آخر میں حضرت محمد ﷺ خاتم المرسلین کے طور پر مبعوث کیے جائیں گے اور ان پر قرآن نازل کیا جائے گا۔ جس کا تذکرہ یوں کیا جا رہا ہے کہ اسی طرح ہم نے آپ ﷺ کی طرف قرآن مجید نازل کیا جن لوگوں کو ہم نے آپ سے پہلے کتاب دی وہ اُس پر سچا ایمان رکھتے ہیں اور وہی لوگ قرآن مجید پر ایمان لاتے ہیں اور اہل مکہ میں بھی قرآن مجید پر ایمان لانے والے ہیں۔ حقائق جاننے اور ٹھوس دلائل آنے کے باوجود ہماری آیات کے ساتھ صرف کافر لوگ ہی جھگڑا کیا کرتے ہیں۔ پہلی کتابوں پر ایمان لانے کا معنٰی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہیں انہیں تسلیم کرنے کے باوجود سب کے لیے قابلِ اتباع صرف قرآن مجید ہے کیونکہ یہ سب سے آخری آسمانی کتاب ہے۔

ایمان کی مبادیات اور ان کا مرکزی تقاضا:

«عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ؓ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرٰى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتّٰى جَلَسَ إِلَي النَّبِيِّ ﷺ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَي رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الإِيمَانِ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ» (رواہ مسلم: باب مَعْرِفَةِ الإِيمَانِ وَالإِسْلَامِ)

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک آدمی سفید کپڑوں میں ملبوس سیاہ بالوں والا جس پر سفر کے کوئی آثار نہیں تھے اور ہم سے کوئی اُسے پہچانتا نہیں تھا وہ آکر نبی ﷺ کے سامنے دوزانوں ہوکر بیٹھ گیا اور اپنی ہتھیلیوں کو اپنی رانوں پر رکھتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ مجھے ایمان کے متعلق بتائیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اُس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر، اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائے۔“

«عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ، حَتّٰی یَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَہٗ لَمْ یَکُنْ لِیُخْطِئَہٗ، وَأَنَّ مَا أَخْطَأَہٗ لَمْ یَکُنْ لِیُصِیْبَہٗ»

(رواہ سنن ترمذی: بَابُ مَا جَاءَ فِی الْإِیمَانِ بِالْقَدَرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ [صحیح])

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: کسی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک وہ اچھی اور بری تقدیر پر ایمان نہیں لاتا اور اس بات پر یقین نہیں کرلیتا کہ جو اس کے مقدر میں لکھا جاچکا ہے اس سے وہ چوکنے والا نہیں ہے اور جو اس کے نصیب میں نہیں لکھا گیا وہ اسے کسی طرح سے بھی حاصل نہیں کرسکتا۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح آسمانی کتابیں نازل فرمائیں اسی طرح نبی اکرم ﷺ پر قرآن نازل کیا ہے۔

٢۔ پہلی کتابوں پر صحیح ایمان رکھنے والے لوگ قرآن مجید پر بھی ایمان لاتے ہیں۔

٣۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ صرف کافر ہی جھگڑا کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

پہلی آسمانی کتابوں اور قرآن مجید پر ایمان لانا فرض ہے:

١۔ قرآنِ مجید اور پہلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانا چاہیے۔ (البقرۃ: ٤)

٢۔ اللہ اور کتب سماوی پر ایمان لانا فرض ہے۔ (البقرۃ: ١٣٦)

٣۔ اللہ، ملائکہ، اللہ کی کتابوں، اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کا نام مسلمان ہے۔ (البقرۃ: ٢٨٥)

وَمَا كُنْتَ	تَتْلُوْا	مِنْ قَبْلِهٖ	مِنْ	كِتٰبٍ	وَّلَا	تَخُطُّهٗ
اور نہیں تھے آپ	پڑھتے	اس سے پہلے	سے	کتاب	اور نہ	آپ اسے لکھتے تھے
بِيَمِيْنِكَ	اِذًا	لَّارْتَابَ	الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾	بَلْ	هُوَ	
اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ	تب	البتہ شک کرتے	باطل پرست	بلکہ	وہ	
اٰيٰتٌۢ	بَيِّنٰتٌ	فِيْ	صُدُوْرِ	الَّذِيْنَ	اُوْتُوا	الْعِلْمَ ۭ
آیات ہیں	واضح	میں	سینوں	جو لوگ	دیے گئے	علم
وَمَا	يَجْحَدُ	بِاٰيٰتِنَآ	اِلَّا	الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾		
اور نہیں	انکار کرتے	ہماری آیات کا	مگر	ظالم		

''اس سے پہلے آپ کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ جاتے۔ (۴۸) یہ تو روشن دلائل ہیں اُن لوگوں کے دلوں کے لیے جنہیں علم دیا گیا ہے اور ہماری آیات کا انکار صرف ظالم ہی کیا کرتے ہیں۔'' (۴۹)

فہم القرآن

ربط کلام: قرآن مجید کی صداقت اور نبی اکرم ﷺ کی نبوّت کے مزید ثبوت۔

سب سے پہلے قرآن مجید کا انکار کرنے والے اہل مکہ تھے، جن کا ایک الزام یہ تھا کہ محمد ﷺ اپنی طرف سے آیات بنا کر اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگاتا ہے جس کی درجنوں دلائل کے ساتھ نفی کی گئی ہے جن میں دو دلائل یہ ہیں کہ سوچو اور غور کرو کہ محمد ﷺ اس سے پہلے نہ پڑھنا جانتے تھے اور نہ ہی اپنے دائیں ہاتھ سے لکھ سکتے تھے اگر محمد ﷺ پہلے سے لکھنا پڑھنا جانتے ہوتے تو پھر تمہیں اس کی نبوّت میں ضرور شک ہو سکتا تھا کہ پڑھا لکھا انسان تھا اپنی صلاحیّت کی بنیاد پر ایک کتاب بنا لایا ہے۔ نبی ﷺ کی حالت یہ ہے کہ نہ آپ نے کسی کے سامنے زانوائے تلمذ طے کیے اور نہ ہی آپ ﷺ نے کسی سے لکھنا سیکھا پھر لوگوں کو کس بنیاد پر شک ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے قرآن مجید کسی سے پڑھ لیا ہے یا اپنی طرف سے لکھ لیا ہے؟ یہاں اس بات کا بھی اشارہ دیا گیا ہے کہ انسان کو بائیں کی بجائے دائیں ہاتھ کے ساتھ لکھنا چاہیے۔ دائیں ہاتھ کا اس لئے نام لیا ہے کہ اکثر لوگ دائیں ہاتھ کے ساتھ لکھتے ہیں۔

حقیقتاً اس ارشاد کا روئے سخن منکرینِ قرآن کی طرف ہے لیکن بات کی اہمیت کے پیشِ نظر اور نبی اکرم ﷺ کو تسلی دینے کے لیے آپ کو مخاطب کیا گیا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ اے نبی ﷺ آپ کو غمگین اور دلبرداشتہ نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی آپ کی توجہ ان کے بے ہودہ الزام کی طرف ہونی چاہیے کیونکہ آپ تو اس سے پہلے نہ پڑھ سکتے تھے اور نہ ہی

اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے۔ باطل پرست لوگ کسی دلیل کی بنیاد پر الزام نہیں لگاتے بلکہ حقیقت میں یہ ظالم اور بے انصاف لوگ ہیں جو بلا دلیل اور خواہ مخواہ ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں ان کے مقابلہ میں ہماری آیات پر وہ لوگ ضرور ایمان لاتے ہیں جن کو حقیقی علم سے آگہی بخشی گئی ہے۔

’’حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم ﷺ نے ذوالقعدہ میں عمرہ ادا کرنا چاہا، لیکن مکہ والوں نے آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا بالآخران سے طے ہوا کہ آپ آئندہ سال آئیں گے اور مکہ مکرمہ میں صرف تین دن قیام کریں گے۔ جب کفّار نے صلح نامہ تحریر کرنا چاہا تو آپ نے یوں تحریر لکھوائی، کہ یہ معاہدہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہے۔ ((فَقَالُوا لَوْ نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ مَا مَنَعْنَاكَ، لٰكِنْ أَنْتَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ، وَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثُمَّ قَالَ لِعَلِيٍّ امْحُ رَسُولُ اللّٰهِ، قَالَ لَا وَاللّٰهِ لَا أَمْحُوكَ أَبَدًا، فَأَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْكِتَابَ، فَكَتَبَ هٰذَا مَا قَاضَي عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ)) انہوں نے اعتراض کیا کہ ہم آپ کی رسالت تسلیم نہیں کرتے اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول تسلیم کرتے تو آپ کو بیت اللہ سے نہ روکتے آپ تو بس محمد بن عبداللہ ہیں کہ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ رسول اللہ کے الفاظ مٹا دے انہوں نے عرض کی نہیں اللہ کی قسم! میں ہرگز ان الفاظ کو نہیں مٹاؤں گا۔ رسولِ معظم ﷺ نے قلم پکڑا، جبکہ آپ بہتر انداز میں لکھ نہیں سکتے تھے۔ آپ ﷺ نے یہ تحریر کیا کہ یہ معاہدہ محمد بن عبداللہ نے کیا ہے۔‘‘ (رواہ البخاری: باب كَيْفَ يُكْتَبُ هٰذَا مَا صَالَحَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ)

مسائل

۱۔ نبی اکرم ﷺ لکھنا، پڑھنا نہیں جانتے تھے۔

۲۔ باطل پرست اور ظالم لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔

۳۔ علم کی حقیقت سے آشنا لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان لاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

’’اللہ‘‘ کی آیات کا کون لوگ انکار کرتے ہیں:

۱۔ فاسق لوگ ’’اللہ‘‘ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔ (البقرۃ:۹۹)

۲۔ قرآن مجید میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثال بیان کی گئی مگر ناشکرے لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔ (الکھف: ۵۴)

۳۔ ’’اللہ‘‘ کی آیات کا انکار کرنے کا بدلہ آخرت میں آگ کا گھر ہے۔ (حٰم السجدۃ:۲۸)

۴۔ کیا تم باطل کے ساتھ ایمان لاتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہو؟ (النحل: ۷۲)

وَقَالُوْا	لَوْلَآ	اُنْزِلَ	عَلَيْهِ	اٰيٰتٌ	مِّنْ	رَّبِّهٖ ؕ
اور کہا انہوں نے	کیوں نہیں	اتارے گئے	اس پر	معجزے	سے	اس کے رب کی طرف
قُلْ	اِنَّمَا الْاٰيٰتُ	عِنْدَ اللّٰهِ ؕ	وَاِنَّمَآ اَنَا	نَذِيْرٌ	مُّبِيْنٌ ۝۵۰	
فرما دیجیے	معجزے تو صرف	اللہ کے پاس ہیں	اور میں تو صرف	ڈرانے والا ہوں	واضح	
اَوَلَمْ	يَكْفِهِمْ	اَنَّآ	اَنْزَلْنَا	عَلَيْكَ	الْكِتٰبَ	يُتْلٰى
کیا نہیں	کافی ہے انہیں	کہ بے شک ہم	نے نازل کی	آپ پر	کتاب	وہ پڑھی جاتی ہے
عَلَيْهِمْ ؕ	اِنَّ	فِيْ ذٰلِكَ	لَرَحْمَةً	وَّذِكْرٰى	لِقَوْمٍ	يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۱ ع
ان پر	یقیناً	اس میں	ضرور رحمت	اور نصیحت ہے	ایسی قوم کے لیے	جو ایمان لاتی ہے

ع ۵ ۷ ۱

”وہ کہتے ہیں کہ اس کے رب کی طرف سے اس پر نشانیاں کیوں نہیں اتاری گئیں۔ فرما دیں کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور میں تو صرف واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔ (۵۰) کیا ان لوگوں کے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں ان لوگوں کے لیے رحمت اور نصیحت ہے جو ایمان لاتے ہیں۔“ (۵۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قرآن مجید عظیم ترین کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں کے لیے رحمت اور نصیحت بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو درجنوں معجزات عنایت فرمائے لیکن ظالم لوگ معجزات دیکھنے کے باوجود یہی کہتے اور مطالبہ کرتے رہے کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے نشانی کیوں نازل نہیں کی جاتی۔ اس کا اس موقع پر صرف یہ جواب دیا گیا کہ اے نبی ﷺ بے انصاف لوگوں کو یہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس تو لاتعداد نشانیاں اور معجزات موجود ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر سوال کے جواب میں نشانی پیش کرنے کے لیے نہیں بھیجا اور نہ ہی میرے پاس یہ اختیار ہے کہ جب چاہوں تمہارے سامنے کوئی معجزہ پیش کر دوں، نشانی اور معجزہ دینے اور دکھلانے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ جب چاہتا ہے مجھے عطا فرماتا ہے۔ مجھے مبعوث فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ میں لوگوں کو واضح انداز اور کھلے الفاظ میں ان کی برائیوں کے انجام سے آگاہ کروں۔ حق کے مخالف لوگ آئے روز نئے سے نئے معجزے کا مطالبہ کرتے ہیں کیا ان کو قرآن مجید کی صورت میں معجزہ کافی نہیں ہے جس کی آیات ان کے سامنے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان میں جو حقائق بیان اور پیشین گوئیاں کی جاتی ہیں ان میں کچھ پوری ہو چکی ہیں باقی ان کی زندگی اور آخرت میں پوری ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید ایسا معجزہ ہے جس کی کوئی نظیر پیش نہیں کر سکتا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور نصیحت ہے مگر ان لوگوں کے لیے جو اس کی نصیحت پر ایمان لاتے ہیں۔

’’حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:تم میں سے جوکوئی غم وحزن میں مبتلا ہووہ کہے (اللّٰهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ أَمَتِكَ نَاصِيَتِي بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَداً مِنْ خَلْقِكَ أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيعَ قَلْبِي وَنُورَ صَدْرِي وَجَلَاءَ حُزْنِي وَذَهَابَ هَمِّي) (رواہ احمد: مسند عبداللہ بن مسعود [حسن لغیرہ]) اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں تیرے بندے کا بیٹا ہوں تیری بندی کا بیٹا ہوں میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے تیرا حکم مجھ پر نافذ ہوتا ہے تیرے فیصلوں میں عدل وانصاف پایا جاتا ہے میں تیرے ہراُس نام کے ساتھ سوال کرتا ہوں جوتو نے اپنے لیے خاص کیے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کوسکھلائے یا اپنی کتاب میں نازل فرمائے یا علمِ غیب کے مطابق اُن کا انتخاب فرمایا: اے اللہ! قرآن کو میرے دل کی بہار اور سینے کی روشنی اور غموں اور پریشانیوں کودور کرنے کا سبب بنا دے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اُس کے غم اور پریشانیاں ختم کر دیتا ہے اور اُسے اُن سے نجات عطا کرتا ہے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہم اِسے سیکھ نہ لیں آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں ہر سننے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اِسے یاد کرے۔‘‘

مسائل

١۔ نبی اکرم ﷺ بُرے لوگوں کوان کی بُرائی کے انجام سے ڈرانے والے تھے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید عظیم اور بے نظیر معجزہ ہے۔

٣۔ ایمان لانے والوں کے لیے قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نصیحت ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے اوصافِ حمیدہ کی ایک جھلک:

١۔ قرآن مجید لاریب کتاب ہے۔(البقرۃ:٢) ٢۔ قرآن مجید کی آیات محکم ہیں۔(ھود:١)

٣۔ قرآن مجید برہان اور نور مبین ہے۔(النساء:١٧٤) ٤۔قرآن کریم لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔(البقرۃ:١٨٥)

٥۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔(آل عمران:١٣٨) ٦۔قرآن مجید کی آیات واضح ہیں۔(یوسف:١)

٧۔ جن وانس مل کر قرآن کی ایک سورۃ بھی نہیں بنا سکتے۔(بنی اسرائیل:٨٨) ٨۔قرآن مجید دلوں کے لیے شفا ہے۔(یونس:٥٧)

٩۔ ہم نے قرآن کو نازل کیا جو مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔(بنی اسرائیل:٨٢)

١٠۔ ہم ہی قرآن مجید کو نازل کرنے والے ہیں اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔(الحجر:٩)

قُلْ	كَفٰى	بِاللّٰهِ	بَيْنِيْ	وَ بَيْنَكُمْ	شَهِيْدًا ۚ
فرما دیجیے	کافی ہے	اللہ	میرے درمیان	اور تمہارے درمیان	گواہ
يَعْلَمُ	مَا	فِي	السَّمٰوٰتِ	وَ الْاَرْضِ ؕ	وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وہ جانتا ہے	جو ہے	میں	آسمانوں	اور زمین	اور وہ لوگ جو ایمان لائے
بِالْبَاطِلِ	وَ كَفَرُوْا	بِاللّٰهِ ۙ	اُولٰٓئِكَ هُمُ	الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾	
باطل پر	اور انہوں نے کفر کیا	اللہ کے ساتھ	وہی لوگ	خسارہ پانے والے ہیں	

''فرما دیں کہ میرے اور تمہارے درمیان ''اللہ'' ہی گواہ کافی ہے وہ جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے جو لوگ باطل کو مانتے ہیں اور اللہ سے کفر کرتے ہیں وہی نقصان پانے والے ہیں۔'' (۵۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منکرینِ نبوّت کو ایک اور جواب۔

منکرینِ نبوّت کے پے در پے مطالبات پورے کر دیئے گئے اور ان کے ہر سوال کا مُدلل جواب دیا گیا اور وہ اس کے مقابلے میں لاجواب ہوئے مگر اس کے باوجود مطالبہ کرتے کہ اے نبی ﷺ آپ کی نبوت کی تائید میں فلاں قسم کا معجزہ نازل کیوں نہیں ہوتا ایسے لوگوں کو بالآخر یہ جواب دیا گیا کہ تمہارے پاس دیگر معجزات کے ساتھ قرآن مجید جیسا عظیم اور زندہ جاوید معجزہ آچکا ہے لیکن پھر بھی تم ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہو۔ اب میرے اور تمہارے درمیان ''اللہ'' ہی گواہ ہے اور وہ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے جو نہ صرف تمہاری نیتوں کو جانتا ہے بلکہ زمین و آسمانوں کی ہر چیز سے اچھی طرح واقف ہے۔ اس کا فرمان ہے کہ جو باطل کو مانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کا انکار کرتے ہیں وہ بالآخر نقصان پائیں گے۔ اس فرمان میں باطل پرستوں کو دائمی اور لامحدود نقصان سے آگاہ کرنے کے ساتھ یہ سمجھایا ہے کہ اگر تم ٹھوس دلائل اور واضح حقائق کو نہیں مانتے تو میرے ساتھ الجھنے کی بجائے تم اپنا کام کرو میری تائید کے لیے میرے رب کی گواہی کافی ہے۔ ایسے موقعہ پر آپ ﷺ کو درج ذیل آیت پڑھنے اور اس پر مضبوط عقیدہ رکھنے کی تلقین فرمائی گئی کیونکہ جسے ''اللہ'' کا سہارا حاصل ہو جائے وہی کامیاب ہوگا، ہر مبلغ اور مسلمان کے لیے یہی آخری سہارہ اور بیش بہا سرمایہ ہے۔

{فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾}

(التوبہ: ۱۲۹)

''پھر اگر وہ منہ موڑیں تو فرما دیں مجھے اللہ ہی کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔''

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ	بِالْعَذَابِ ۭ	وَلَوْلَآ	اَجَلٌ مُّسَمًّى	لَّجَاۗءَهُمُ	الْعَذَابُ ۭ
اور وہ جلدی مانگتے ہیں	آپ سے عذاب کو	اور اگر نہ ہوتا	وقتِ مقرر	ضرور آجاتا ان کے پاس	عذاب

وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ	بَغْتَةً	وَّهُمْ	لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾	يَسْتَعْجِلُوْنَكَ
اور وہ ضرور ان کے پاس آئے گا	اچانک	حالانکہ وہ	شعور نہیں رکھتے	وہ جلدی مانگتے ہیں آپ سے

بِالْعَذَابِ ۭ	وَاِنَّ	جَهَنَّمَ	لَمُحِيْطَةٌۢ	بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ۙ	يَوْمَ
عذاب کو	اور بلاشبہ	جہنم	ضرور گھیرنے والی ہے	کافروں کو	اس دن

يَغْشٰىهُمُ	الْعَذَابُ	مِنْ	فَوْقِهِمْ	وَمِنْ	تَحْتِ
ان کو ڈھانپ لے گا	عذاب	سے	ان کے اوپر	اور سے	نیچے

اَرْجُلِهِمْ	وَيَقُوْلُ	ذُوْقُوْا	مَا كُنْتُمْ	تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾
ان کے پاؤں کے	اور وہ فرمائے گا	چکھو تم	جو تم تھے	عمل کرتے

”یہ آپ سے جلد عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں اگر عذاب کا ایک وقت مقرر نہ کیا گیا ہوتا تو ان پر عذاب آچکا ہوتا عذاب یقیناً اپنے وقت پر اچانک آئے گا جس کی انہیں خبر نہیں ہوگی۔ (۵۳) یہ آپ سے عذاب جلدی لانے کا مطالبہ کرتے ہیں حالانکہ جہنم کافروں کو گھیرے میں لے لے گی۔ (۵۴) اُس دن عذاب انہیں اوپر، نیچے سے ڈھانپ لے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب اپنے ان اعمال کا مزہ چکھو جو تم کیا کرتے تھے۔“ (۵۵)

فہم القرآن

ربط کلام: نبی معظم ﷺ سے دیگر معجزات مانگنے کے ساتھ کفار یہ بھی مطالبہ کرتے تھے کہ جس عذاب سے تم ہمیں ڈراتے اور دھمکاتے رہتے ہو وہ آتا کیوں نہیں؟

جواباً فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ سے عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں لیکن انہیں بتلائیں کہ عذاب کا ایک وقت مقرر ہے وہ کسی کے جلدی کرنے سے اپنے وقت سے پہلے نازل نہیں ہوتا البتہ جب نازل ہوتا ہے تو اس قدر اچانک نازل ہوتا ہے کہ کوئی بھاگنا چاہے تو بھاگ نہ سکے اور کوئی بچنا چاہے تو اس سے بچ نہیں سکتا۔

جس عذاب کا یہ لوگ بار بار مطالبہ کرتے ہیں انہیں بتلائیں کہ ”اللہ تعالیٰ“ چاہے گا تو اس کا عذاب تمہیں دنیا میں ہی آلے گا اگر انہیں یقین نہیں آرہا تو عاد، ثمود اور قومِ لوط کی بستیاں دیکھیں کہ عذاب کا مطالبہ کرنے والوں کا کیا حشر ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی رسّی دنیا میں ڈھیلی کر رکھی ہے لیکن جہنم تو بہر حال کفار کا انتظار کر رہی ہے جو ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہوگی اور اُوپر سے جہنّم کے ملائکہ انہیں جھڑکیاں دیتے ہوئے کہیں گے کہ جس عذاب کا تم مطالبہ کیا کرتے تھے یہ وہی ہے لہٰذا اس کا مزہ

چکھواب اس سے کبھی نکل نہیں پاؤ گے، انہیں جان لینا چاہیے کہ جہنم کا عذاب ان سے زیادہ دور نہیں ہے۔

{ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۝ } (الزمر:١٦)

''اُن کے اُوپر اور نیچے سے آگ چھائی ہوگی یہ وہ انجام ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے پس اے میرے بندو میرے عذاب سے بچو۔''

{ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝ }

(ھمزہ:٦تا٩)

''اللہ'' کی آگ خوب بھڑکائی ہوئی ہے جو دلوں پر چڑھ جائے گی وہ اُن پر ہر طرف سے بند کردی جائے گی اور اونچے ستونوں میں ہوگی۔''

((عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مِنْهُمْ مَنْ تَأْخُذُهُ النَّارُ اِلٰی كَعْبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَأْخُذُهُ النَّارُ اِلٰی رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَأْخُذُهُ النَّارُ اِلٰی حُجْزَتِهٖ وَمِنْهُمْ مَنْ تَأْخُذُهُ النَّارُ اِلٰی تَرْقُوَتِهٖ)) (رواہ مسلم: باب فی شدۃ حر النار)

''حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم کی آگ نے بعض لوگوں کو ٹخنوں تک، بعض کو گھٹنوں تک اور بعض کو کمر تک گھیرا ہوگا اور بعض کی گردنوں تک پہنچی ہوگی۔''

مسائل

١۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار بار بار عذاب لانے کا مطالبہ کرتے تھے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب جب آتا ہے تو اچانک آیا کرتا ہے۔ ٣۔ جہنم کفار کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوگی۔

٤۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی گرفت اور عذاب کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جو اپنے وقت سے پہلے نازل نہیں ہوتا۔

تفسیر بالقرآن

جہنّم کے عذاب کا ایک منظر:

١۔ جہنم کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔(البقرۃ:٢٤) ٢۔ جہنم پر سخت گیر فرشتوں کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے۔(التحریم:٦)

٣۔ مجرم جہنم کے گرجنے برسنے کی آوازیں سنیں گے۔(الفرقان:١٢) ٤۔ جہنم کی آگ بہت زیادہ تیز ہوگی۔(التوبۃ:٨١)

٥۔ جہنم بھرنے کا نام نہیں لے گی۔(ق:٣٠) ٦۔ جہنم کے شعلے بڑے بڑے مکانوں کی طرح بلند ہوں گے۔(المرسلٰت:٣٢)

يٰعِبَادِيَ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْٓا	اِنَّ	اَرْضِيْ	وَاسِعَةٌ
اے میرے بندو	جو لوگ	وہ ایمان لائے	بلاشبہ	میری زمین	وسیع ہے
فَاِيَّايَ	فَاعْبُدُوْنِ ۝۵۶	كُلُّ	نَفْسٍ	ذَآىِٕقَةُ	الْمَوْتِ ۣ
لٰہذا میری ہی	تم عبادت کرو	ہر	نفس	چکھنے والا ہے	موت
ثُمَّ	اِلَيْنَا	تُرْجَعُوْنَ ۝۵۷			
پھر	ہماری ہی طرف	تم لوٹائے جاؤ گے			

''اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو میری زمین بہت وسیع ہے پس تم میری ہی عبادت کرتے رہو۔ (۵۶) ہر شخص کو موت کا مزا چکھنا ہے پھر ہماری طرف ہی لوٹائے جاؤ گے۔'' (۵۷)

فہم القرآن

ربط کلام: کفّار کو جہنّم کے عذاب کا نقشہ پیش کرنے کے بعد مومنوں کو ہجرت کا حکم دیا گیا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ مومنوں دنیا کی تکلیفیں تو معمولی اور عارضی ہیں اگر جہنّم کی تکلیفوں سے بچنا چاہتے ہو تو اپنا ایمان بچا کر ہجرت کر جاؤ۔

ہجرت کرنے والوں کو یہ حکم دیتے ہوئے تسلّی دی گئی ہے کہ یہ نہ سوچو کہ گھر بار چھوڑ کر جائیں تو کدھر جائیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ ''اللہ'' کی زمین بڑی وسیع ہے تمہاری زندگی کا مقصد ''اللہ'' کی عبادت اور اس کی غلامی کرنا ہے۔ اس لیے اپنے مقصدِ حیات کو سامنے رکھو اور اس کے لیے ہجرت کر جاؤ اور اپنے رب کی غلامی میں زندگی بسر کرو۔ اگر تمہیں کسی قسم کے نقصان کا خطرہ ہے تو اس بات پر غور کرو کہ بالآخر تمہاری زندگی نے بھی ایک دن ختم ہونا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر نفس کی موت کا وقت مقرر کر رکھا ہے۔ نیک ہو یا بد موت سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا سب نے ہمارے حضور پیش ہونا ہے۔ یہاں ظالموں کو ان کے ظلم کی پوری سزا دی جائے گی اور نیکو کاروں کو ان کی نیکیوں اور قربانیوں کا پورا پورا صلہ دیا جائے گا۔

«عن عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ ابْسُطْ يَمِينَكَ فَلْأُبَايِعْكَ فَبَسَطَ يَمِينَهُ قَالَ فَقَبَضْتُ يَدِي قَالَ مَا لَكَ يَا عَمْرُو قَالَ قُلْتُ أَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ بِمَاذَا قُلْتُ أَنْ يُغْفَرَ لِي قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ» (رواہ مسلم: باب قول اللہ تعالیٰ وانذر عشیرتک الاقربین)

''حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اپنا دایاں ہاتھ آگے کیجیے تاکہ میں آپ کی بیعت کروں جب آپ نے اپنا دایاں ہاتھ آگے فرمایا تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا آپ پوچھتے ہیں اے عمرو! کیا ہوا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ایک شرط کے ساتھ بیعت کرتا ہوں ارشاد ہوا کہ وہ کونسی شرط ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرے گناہ معاف کر دیے جائیں۔ فرمایا عمرو تو نہیں جانتا

اسلام یقیناً پہلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے؟ اسی طرح ہجرت کرنے سے پہلے کے گناہ ختم ہو جاتے ہیں اور یقیناً حج سے بھی سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

«عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ﷛ قَالَ: خَطَّ النَّبِيُّ ﷺ خَطًّامُرَبَّعًا وَخَطَّ خَطًّا فِي الْوَسَطِ خَارِجًا مِنْهُ وَخَطَّ خُطَطًا صِغَارًا إِلَي هٰذَا الَّذِيْ فِي الْوَسَطِ مِنْ جَانِبِهِ الَّذِيْ فِي الْوَسَطِ فَقَالَ هٰذَا الْإِنْسَانُ وَهٰذَا أَجَلُهُ مُحِيْطٌ بِهِ وَهٰذَا الَّذِيْ هُوَ خَارِجٌ اَمَلُهُ وَهٰذِهِ الْخُطُوْطُ الصِّغَارُ الْاَعْرَاضُ فَإِنْ اَخْطَأَهُ هٰذَا نَهَسَهُ هٰذَا وَإِنْ اَخْطَأَهُ هٰذَا نَهَسَهُ هٰذَا»

(رواه البخاري: باب في الامل وطوله)

”حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک دفعہ ایک چوکور خط کھینچا اور وسطی خط کے درمیان سے کچھ لکیریں کھینچی ایک لکیر درمیان سے مربع شکل سے باہر نکلنے والی کھینچی اور فرمایا: یہ انسان ہے اور یہ مربع اس کی موت ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے اور جو لکیر باہر نکل رہی ہے، وہ اس کی حرص ہے یہ چھوٹی چھوٹی لکیریں آفات و بیماریاں ہیں اگر ایک سے محفوظ رہا تو دوسری اسے آلے گی اگر یہ بھی خطا کر جائے“ تو تیسری آفت اسے نشانہ بنالے گی۔“

مسائل

۱۔ جہاں ایمان بچانا مشکل ہو وہاں سے ہجرت کر جانا چاہیے۔ ۲۔ ”اللہ“ کی زمین بہت ہی وسیع و عریض ہے۔

۳۔ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ ۴۔ ہر نفس نے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہر کسی کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے:

۱۔ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ (الانبیاء: ۳۵) ۲۔ موت کا وقت مقرر ہے۔ (آلِ عمران: ۱۴۵)

۳۔ موت کی جگہ متعین ہے۔ (آلِ عمران: ۱۵۴) ۴۔ موت کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ (آلِ عمران: ۱۶۸)

۵۔ موت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ (النساء: ۷۸) ۶۔ قلعہ بند ہونے والے کو بھی موت آئے گی۔ (النساء: ۷۸)

۷۔ اے نبی آپ کو بھی موت آنا ہے اور آپ کے مخالفوں نے بھی مرنا ہے۔ (الزمر: ۳۰)

۸۔ اللہ تعالیٰ کے سوا سب نے فنا ہو جانا ہے۔ (الرحمٰن: ۲۶)

وَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	لَنُبَوِّئَنَّهُمْ	مِّنَ الْجَنَّةِ
اور وہ لوگ	جو ایمان لائے	اور انہوں نے عمل کیے	نیک	ہم انہیں ضرور جگہ دیں گے	جنّت سے
غُرَفًا	تَجْرِيْ	مِنْ تَحْتِهَا	الْاَنْهٰرُ	خٰلِدِيْنَ	فِيْهَا ۭ نِعْمَ
بالاخانے	بہتی ہوں گی	ان کے نیچے سے	نہریں	وہ ہمیشہ رہیں گے	اس میں بہت اچھا
اَجْرُ	الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾	الَّذِيْنَ	صَبَرُوْا	وَعَلٰي	رَبِّهِمْ	يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾
اجر ہے	عمل کرنے والوں کا	وہ لوگ	جنہوں نے صبر کیا	اور پر	اپنے رب	وہ توکل کرتے ہیں

’’جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے انہیں ہم جنت کے بلند و بالا محلات میں رکھیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے عمل کرنے والوں کے لیے یہ بہترا جر ہے۔(۵۸) وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اور جو اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔‘‘(۵۹)

فہم القرآن

ربط کلام: موت کا معنٰی کلیتاً ملیا میٹ ہونا نہیں یہ تو ’’اللہ‘‘ کے حضور پیش ہونے کا ذریعہ ہے وہاں نیک لوگوں کو بڑے، بڑے انعامات سے نوازا جائے گا۔

موت ہر کسی کو آنی ہے لیکن جو اپنے ایمان کی خاطر کسی چیز کو خاطر میں نہ لایا اور صالح عمل کرتا رہا، اللہ تعالیٰ اسے ضرور، ضرور جنت کے محلّات میں داخل فرمائے گا، جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی، جنّتی جنت میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے ان کے لیے بہترین اجر ہوگا کیونکہ وہ دنیا کے نقصانات اور ہر قسم کی تکالیف پر صبر کرتے ہوئے اپنے رب پر اعتماد کرتے رہے۔ صبر کا معنٰی تکلیف کے وقت حوصلہ کرنا اور مستقل مزاجی کے ساتھ حق بات پر قائم رہنا ہے۔ توکل کا معنٰی ہے کہ مشکل ترین حالات میں اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور اس کی مدد پر بھروسہ کرنا ہے۔

جنّت کی ایک جھلک:

«وَلَوْ اَنَّ اِمْرَاَةً مِّنْ نِّسَآءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ اِلَي الْاَرْضِ لَاَضَآءَتْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَأَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيْحًا وَلَنَصِيْفُهَا يَعْنِي الْخِمَارَ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا»

(رواہ البخاری: باب صفۃ الجنۃ والنار)

’’اگر اہل جنت کی عورتوں سے کوئی زمین کی طرف جھانک لے تو مشرق و مغرب اور جو کچھ اس میں ہے وہ روشن اور معطر ہو جائے۔ اس کے سر کا دوپٹہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے قیمتی ہے۔‘‘

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهِ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَامَ

رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ جَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ أَوْجَلَسَ فِيْ أَرْضِهِ الَّتِيْ وُلِدَ فِيْهَا فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ ! أَفَلَا نُبَشِّرُ النَّاسَ قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللهُ لِلْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ مَابَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللهَ فَاسْأَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ أُرَاهُ قَالَ وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ» (رواه البخاری: کتاب الجهاد والسیر)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ ورسول پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے اسے جنت میں داخل کرنا اللہ پر حق ہے اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو یا اپنی جنم دھرتی میں بیٹھا رہا۔ صحابہ نے عرض کی اللہ کے رسول! کیا ہم لوگوں کو خوشخبری نہ دیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لیے جنت میں سو درجات بنائے ہیں ہر دو درجے کا درمیانی فاصلہ زمین وآسمان کے درمیانی فاصلہ جتنا ہے جب تم اللہ سے جنت کا سوال کرو تو جنت الفردوس مانگا کرو کیونکہ یہ جنت کا وسط اور اعلیٰ مقام ہے راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے اور وہاں سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔‘‘

«عَنْ صُهَيْبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ» (رواہ مسلم: کتاب الزھد والرقائق، باب المؤمن أمرہ کلہ خیر)

’’حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کے معاملات عجیب ہیں اس کے تمام معاملات میں خیر ہے اور یہ صرف مومن کے لیے ہے اگر اس کو آسانی ملتی ہے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے یہ اسکے لیے بہتر ہے اگر اسے تکلیف آتی ہے تو صبر کرتا ہے یہ بھی اس کے لیے بہتر ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ سچا ایمان لانے اور صالح اعمال کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ جنت عنایت فرمائے گا۔
۲۔ نیک لوگ مشکل کے وقت صبر اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

صبر کا حکم اور اجر:

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کا حکم دیا گیا۔ (المعارج: ۵) ۲۔ صبر اہم کاموں میں سے اہم ترین کام ہے۔ (الاحقاف: ۳۵)
۳۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ: ۱۵۳) ۴۔ صبر کا انجام اچھا ہوتا ہے۔ (الحجرات: ۵)
۵۔ صبر کرنے والے کامیاب ہوں گے۔ (المومنون: ۱۱۱) ۶۔ صبر کرنے والے بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونگے۔ (الزمر: ۱۰)

وَكَاَيِّنْ	مِّنْ دَآبَّةٍ	لَّا	تَحْمِلُ	رِزْقَهَا ۖ	اللّٰهُ	يَرْزُقُهَا
اور کتنے ہی	جانوروں سے	نہیں	وہ اٹھائے پھرتے	اپنا رزق	اللہ	انہیں رزق دیتا ہے

وَاِيَّاكُمْ ۖ	وَهُوَ	السَّمِيْعُ	الْعَلِيْمُ ۝۶۰
اور تمہیں بھی	اور وہی	خوب سننے والا	خوب جاننے والا ہے

”کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق نہیں اُٹھائے پھرتے، اللہ ہی انہیں اور تمہیں رزق دیتا ہے وہ سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔“ (۶۰)

فہم القرآن

ربط کلام: ہجرت کے وقت تین باتیں انسان کو پریشان کرتی ہیں۔

① ۔ جائیں تو کہاں جائیں ② ۔ مال، جان کے نقصان کا اندیشہ ③ ۔ روزی کا فکر

ہجرت کے لیے کدھر جائیں اس کا جواب دیا کہ ”اللہ“ کی زمین بہت وسیع ہے، مالی اور جانی نقصان کے بارے میں ارشاد فرمایا: کہ بالآخر ہر کسی کو موت آنی ہے اور سب کچھ چھوڑ کر آخرت کو سدھارنا ہے، اب روزی کے بارے میں تسلّی دی جا رہی ہے کہ ہر انسان بالخصوص ہجرت کرنے والا غور کرے کہ کتنے جانور ہیں جو اپنا رزق جمع نہیں کرتے مگر انہیں بھی ”اللہ تعالیٰ“ رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی عطا کرتا ہے، وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے یعنی وہ تمہارے وطن میں ہی نہیں بلکہ تم جہاں بھی ہوتے ہو تمہارا حال جانتا ہے اور تمہاری دعاؤں کو سنتا ہے۔ رزق کی فراہمی کے بارے اپنے رب کا یہ اصول یاد رکھو کہ زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کا رزق ”اللہ“ کے ذمہ ہے وہ سب کے رہنے سہنے کی جگہ کو جانتا ہے اور ان کے مرنے کی جگہ بھی اس کے علم میں ہے اس نے سب کچھ کھلی کتاب یعنی لوح محفوظ میں درج کر رکھا ہے۔

{ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ } (ھود:۶)

”اور زمین میں کوئی چلنے والا جاندار نہیں مگر اس کا رزق اللہ ہی کے ذمہ ہے اور وہ اس کی قرار گاہ اور اس کے دفن کیے جانے کی جگہ کو جانتا ہے سب کچھ ایک کھلی کتاب میں درج ہے۔“

«عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرُزِقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا»

(رواہ الترمذی: باب فِی التَّوَکُّلِ عَلَی اللّٰہِ [صحیح])

”حضرت عمر بن خطاب ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تمہیں اسی طرح رزق دیا جائے جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ وہ خالی پیٹوں کے ساتھ

صبح کرتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹوں کے ساتھ لوٹتے ہیں۔‘‘

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَعْقِلُهَا وَأَتَوَكَّلُ أَوْ أُطْلِقُهَا وَأَتَوَكَّلُ قَالَ اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ)) (رواہ الترمذی: باب اعقل وتوکل [حسن])

’’حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول! میں سواری کو باندھوں اور توکل کروں یا اسے کھلا چھوڑ دوں اور توکل کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پہلے اونٹ کا گھٹنا باندھو پھر اللہ پر توکل کرو۔‘‘

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَمَّا تَجَلَّى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِمُوْسىٰ علیہ السلام كَانَ يَبْصُرُ النَّمْلَةَ عَلَى الصَّفَا فِي اللَّيْلَةِ الظُّلْمَاءِ مَسِيْرَةَ عَشْرَةِ فَرَاسِخٍ)) (کتاب الشفا بأحوال المصطفى، للقاضی عیاض)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: جب اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے تجلی فرمائی تو اُس وقت وہ اندھیری رات میں دس فرسخ کے فاصلے سے پتھر پر چلنے والی چیونٹی کو دیکھ رہا تھا۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ سب کو روزی دینے والا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ سب کو روزی دینے والا ہے:

۱۔ ہم نے زمین میں تمہارے لیے معاش کا سامان بنایا اور ان کے لیے بھی جنہیں تم روزی نہیں دیتے۔ (الحجر: ۲۰)

۲۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی رزق کو فراخ اور تنگ کرتا ہے۔ (الزمر: ۵۲)

۳۔ زمین میں ہر قسم کے چوپاؤں کا رزق ’’اللہ‘‘ کے ذمہ ہے۔ (ھود: ٦)

۴۔ بے شک اللہ ہی رزق دینے والا ہے۔ (الذاریات: ۵۸) ۵۔ اللہ ہی رزق فراخ کرتا اور کم کرتا ہے۔ (سبا: ۳۹)

٦۔ کیا اللہ کے علاوہ بھی کوئی خالق ہے جو تمہیں روزی دیتا ہے۔ (فاطر: ۳)

۷۔ اللہ تعالیٰ لوگوں سے رزق نہیں مانگتا بلکہ وہ لوگوں کو رزق دیتا ہے۔ (طٰہٰ: ۱۳۲)

۸۔ اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۱۲) ۹۔ اللہ تعالیٰ مہاجروں کو ضرور اچھا رزق دے گا۔ (الحج: ۵۸)

۱۰۔ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو کیونکہ ’’اللہ‘‘ تمہیں اور انہیں بھی رزق دینے والا ہے۔ (الانعام: ۱۵۱)

۱۱۔ مشرک سے سوال کیا جائے کہ آسمان و زمین سے رزق کون دیتا ہے تو کہتا ہے کہ ’’اللہ‘‘ ہی رزق دیتا ہے۔ (یونس: ۳۱)

وَلَئِنْ	سَاَلْتَهُمْ	مَّنْ	خَلَقَ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضَ
اور اگر	آپ ان سے پوچھیں	کس نے	پیدا کیا	آسمانوں	اور زمین کو
وَسَخَّرَ	الشَّمْسَ		وَالْقَمَرَ	لَيَقُوْلُنَّ	اللّٰهُ ۚ
اور مسخر کیا ہے	سورج		اور چاند کو	تو وہ ضرور کہیں گے	اللہ (نے)
فَاَنّٰى	يُؤْفَكُوْنَ ﴿٦١﴾	اَللّٰهُ	يَبْسُطُ	الرِّزْقَ	لِمَنْ
پھر کہاں	وہ پھیرے جاتے ہیں؟	اللہ	وہ کشادہ کرتا ہے	رزق	جس کے لیے
يَّشَآءُ	مِنْ	عِبَادِهٖ	وَيَقْدِرُ	لَهٗ ۭ	اِنَّ
وہ چاہتا ہے	سے	اپنے بندوں	اور وہی تنگ کرتا ہے	اس کے لیے	بلاشبہ
اللّٰهَ	بِكُلِّ	شَيْءٍ	عَلِيْمٌ ﴿٦٢﴾		
اللہ	ہر	چیز کو	خوب جاننے والا ہے		

”اگر آپ ان لوگوں سے پوچھیں کہ زمین اور آسمانوں کو کس نے پیدا کیا اور چاند اور سورج کو کس نے مسخر کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے پھر یہ کہاں سے دھوکا کھا رہے ہیں۔ (٦١) اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کا چاہے تنگ کرتا ہے یقیناً اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔“ (٦٢)

فہم القرآن

ربط کلام : اے ہجرت کرنے والو! اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو مشرکین سے پوچھ لو کہ رزق دینے والا کون ہے؟ اس کے ساتھ ہی مشرکین سے مزید سوال۔

قرآن مجید لوگوں کو صرف دلائل کی بنیاد پر عقیدہ توحید اور حقائق تسلیم کرنے پر زور نہیں دیتا بلکہ وہ لوگوں کا ضمیر بیدار کرنے کے لیے ان سے استفسار کرتا ہے کہ زمین و آسمانوں کو کس نے پیدا کیا اور چاند و سورج کو کس نے تمہاری خدمت میں لگا رکھا ہے؟ قرآن مجید مکہ میں نازل ہوا تھا اس لیے سب سے پہلے انہی سے سوال کیا گیا کہ اللہ کی ذات اور اس کی صفات میں دوسروں کو شریک بنانے والوں! بتاؤ کہ زمین و آسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے اور تمہارے لیے شمس و قمر کو کس نے مسخر کر رکھا ہے؟ توحید انسان کی فطرت کی آواز ہے اور یہ ٹھوس حقائق پر مبنی ہے اس لیے مشرکین مکہ بے ساختہ جواب دیتے کہ انہیں صرف ایک ”اللہ“ ہی نے پیدا کیا ہے اس اقرار پر انہیں جھنجھوڑا گیا ہے کہ پھر ایک اللہ کو چھوڑ کر کیوں در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ نے صرف زمین و آسمانوں اور شمس و قمر کو پیدا ہی نہیں کیا بلکہ وہ تمہیں کھلاتا اور پلاتا بھی ہے۔ جس طرح زمین و آسمانوں اور شمس و قمر کو کسی اور نے پیدا نہیں کیا اسی طرح اللہ کے سوا تمہیں کوئی رزق دینے والا نہیں۔ نہ صرف کوئی رزق

دینے والا نہیں بلکہ تمہارے رزق میں کوئی ایک دانے کے برابر بھی کمی و بیشی نہیں کر سکتا۔ ''اللہ'' ہی اپنی حکمت کے تحت اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے لیکن سب کچھ جاننے کے باوجود مشرک اپنے رب کو چھوڑ کر در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نزولِ وحی سے پہلے نبی اکرم ﷺ اسفل بلدح مقام کی نچلی جانب زید بن عمرو بن نفیل سے ملے نبی کریم ﷺ کو دستر خوان پر کھانا پیش کیا گیا آپ نے کھانے سے انکار کر دیا اور زید بن عمرو نے بھی کہا کہ میں اس چیز کو نہیں کھاؤں گا جس کو تم اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہو اور نہ ہی وہ چیز کھاؤں گا جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کی گئی ہو۔ زید بن عمرو کے الفاظ

«وَأَنَّ زَيْدَ بْنَ عَمْرٍو كَانَ يَعِيبُ عَلَى قُرَيْشٍ ذَبَائِحَهُمْ، وَيَقُولُ الشَّاةُ خَلَقَهَا اللهُ، وَأَنْزَلَ لَهَا مِنَ السَّمَاءِ الْمَاءَ، وَأَنْبَتَ لَهَا مِنَ الْأَرْضِ، ثُمَّ تَذْبَحُونَهَا عَلَى غَيْرِ اسْمِ اللهِ إِنْكَارًا لِذَلِكَ وَإِعْظَامًا لَهُ» (رواہ البخاری: باب حَدِیثُ زَیْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَیْلٍ)

''زید بن عمرو قریش کے ذبیحوں پر تعجب کرتے اور کہتے کہ بکری کو اللہ نے پیدا کیا ہے، اسی نے آسمان سے پانی نازل کیا ہے اور اس کے ذریعے نباتات اگائی ہیں پھر تم اس کا انکار اور غیر اللہ کی تعظیم کرتے ہوئے ان چیزوں کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہو؟''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی نے زمین و آسمانوں کو پیدا کیا اور شمس و قمر کو مسخر فرمایا۔
۲۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کا رزق زیادہ اور کم کرنے والا ہے۔ ۳۔ ''اللہ'' ہی ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔
۴۔ حقائق تسلیم کرنے کے باوجود مشرک اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

''اللہ'' ہی نے زمین و آسمانوں اور شمس و قمر کو پیدا فرمایا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور زمین و آسمانوں کو پیدا فرمایا ہے۔ (البقرۃ: ۲۲)
۲۔ وہ ذات جس نے ستاروں کو اندھیروں میں تمہاری رہنمائی کے لیے پیدا فرمایا۔ (الانعام: ۹۷)
۳۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان میں چاند کو روشنی کا باعث اور سورج کو روشن چراغ بنایا۔ (نوح: ۱۶)
۴۔ یقیناً اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، تو فرمائیں پھر کہاں سے بہکائے جا رہے ہیں؟ (العنکبوت: ۶۱)

وَلَئِنْ	سَاَلْتَهُمْ	مَّنْ	نَّزَّلَ	مِنَ	السَّمَآءِ	مَآءً
اور البتہ اگر	آپ ان سے پوچھیں	کس نے	اتارا	سے	آسمان	پانی
فَاَحْيَا	بِهِ	الْاَرْضَ	مِنْ	بَعْدِ مَوْتِهَا		لَيَقُوْلُنَّ
پھر اس نے زندہ کیا	اس کے ساتھ	زمین کو	سے	اس کی موت کے بعد		البتہ وہ ضرور کہیں گے
اللّٰهُ	قُلِ	الْحَمْدُ	لِلّٰهِ	بَلْ	اَكْثَرُهُمْ	لَا يَعْقِلُوْنَ ؏ ﴿۶۳﴾
اللہ نے	آپ فرما دیجیے	تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں		بلکہ	ان کے اکثر	نہیں وہ عقل رکھتے
وَمَا	هٰذِهِ	الْحَيٰوةُ	الدُّنْيَآ	اِلَّا	لَهْوٌ وَّلَعِبٌ	وَاِنَّ
اور نہیں	یہ	زندگی	دنیا والی	مگر	کھیل اور تماشہ	اور بلاشبہ
الدَّارَ الْاٰخِرَةَ	لَهِيَ	الْحَيَوَانُ	لَوْ	كَانُوْا	يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾	
آخرت کا گھر	البتہ وہی	زندگی ہے	کاش	ہوتے	وہ جانتے	

ع ۱۲ ۲ وقف لازم

”اور اگر آپ ان سے پوچھیں کس نے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے ذریعہ مُردہ زمین کو زندہ کیا؟ وہ ضرور کہیں گے اللہ نے، کہیے الحمدللہ مگر ان کے اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ (۶۳) اور یہ دنیا کی زندگی کھیل اور دل کے بہلاوے کے علاوہ کچھ نہیں ہے اصل گھر تو آخرت کا گھر ہے کاش یہ لوگ جان جائیں۔“ (۶۴)

فہم القرآن

ربط کلام: مشرکین سے ایک اور سوال اور دنیا کی حیثیت۔

اے پیغمبر ﷺ ان سے سوال کریں کہ آسمان سے کون بارش برساتا ہے اور اس بارش کے ساتھ مردہ زمین کو کون زندگی عطا کرتا ہے؟ لامحالہ ان کا جواب ہوگا کہ بارش برسانے والا اور اس کے ساتھ نباتات اگانے والا صرف ایک ”اللہ“ ہے۔ انہیں فرمائیں کہ تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں لیکن لوگوں کی اکثریت ماننے کے لیے تیار نہیں جس دنیا کی خاطر یہ لوگ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے ہیں یہ دنیا کھیل تماشا کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتی یقیناً آخرت کا گھر ہمیشہ کے لیے ہے کاش لوگ یہ حقیقت پا جائیں کفار کے اعتراف کے جواب میں اس لیے اللہ کا شکر ادا کرنا ہے کہ توحید کا عقیدہ ٹھوس دلائل اور حقائق پر مبنی ہے جس کا انکار کرنا پرلے درجے کے مشرک کے لیے بھی ممکن نہیں لیکن اس کے لیے عقل سے کام لینا ضروری ہے جو شخص اپنے ضمیر سے کام لے اور تعصب سے بچے وہ توحید کا اقرار اور شرک سے اجتناب کیے بغیر نہیں رہ سکتا، جہاں تک شرک کا تعلق ہے اس کی بنیاد کے بارے میں غور کیا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس کے پیچھے جلد بازی دنیوی مفاد اور بے عقلی کے سوا کچھ نہیں ہوتا، اس لیے ارشاد ہوا ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کھیل تماشا کے سوا کچھ نہیں جس طرح کھیل تماشا سے وقتی اور عارضی طور پر لطف اٹھایا جاتا ہے اسی طرح ہی دنیا کا معاملہ ہے جس کی نعمتیں

ناپائیدار اوران کا لطف عارضی ہے اور آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے۔

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ نَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى حَصِيْرٍ فَقَامَ وَقَدْ أَثَّرَ فِيْ جَنْبِهٖ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوِ اتَّخَذْنَا لَكَ وِطَاءً فَقَالَ مَا لِيْ وَمَا لِلدُّنْيَا مَا أَنَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا» (رواه الترمذی: باب ما جاء فی أخذ المال [صحیح])

''حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک چٹائی پر سوئے تو آپ کے پہلو پر نشان پڑ گئے۔ہم نے عرض کی اللہ کے رسول! آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے لیے اچھا سا بستر تیار کر دیں؟ آپ نے فرمایا: میرا دنیا کے ساتھ ایک مسافر جیسا تعلق ہے جو کسی درخت کے نیچے تھوڑا سا آرام کرتا ہے پھر اسے چھوڑ کر آگے چل دیتا ہے۔''

«وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِبَعْضِ جَسَدِيْ فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ أَهْلِ الْقُبُوْرِ»

(رواه البخاری: باب قول النبی ﷺ کُنْ فِی الدُّنْیَا)

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے میرے کندھے کو پکڑ کر فرمایا: دنیا میں اجنبی یا مسافر کی طرح رہو اور اپنے آپ کو اہلِ قبور میں شمار کرو۔''

مسائل

۱۔ اللہ ہی آسمان سے بارش برساتا اور اس کے ساتھ زمین کو زندہ کرتا ہے۔

۲۔ مشرک توحید کے دلائل کا اقرار کرنے کے باوجود عقل سے کام نہیں لیتا۔

۳۔ موحد کو عقیدہ توحید سمجھنے اور اسے اپنانے پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

۴۔ آخرت کے مقابلہ میں پوری کی پوری دنیا عارضی اور تھوڑی ہے۔

تفسیر بالقرآن

لوگوں کی اکثریت کا حال:

۱۔ اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے لیکن لوگوں کی اکثریت شکر گزار نہیں ہوتی۔(البقرۃ:۲۴۳)

۲۔ اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے مگر لوگوں کی اکثریت اس حقیقت کو نہیں مانتی۔(الاعراف:۱۸۷)

۳۔ قرآن آپ کے رب کی طرف سے حق ہے لیکن لوگوں کی اکثریت نہیں مانتی۔(ھود:۱۷)

۴۔ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے تھوڑے ہی ہوا کرتے ہیں۔(سبا:۱۳)

۵۔ اگر آپ ﷺ اکثریت کے پیچھے چلیں گے تو یہ آپ کو گمراہ کر دیں گے۔(البقرۃ:۱۴۵)

فَإِذَا	رَكِبُوا	فِي	الْفُلْكِ	دَعَوُا	اللَّهَ
پھر جب	وہ سوار ہوتے ہیں	میں	کشتی	وہ پکارتے ہیں	اللہ کو
مُخْلِصِينَ	لَهُ	الدِّينَ ۚ	فَلَمَّا	نَجَّاهُمْ	إِلَى
خالص کرنے والے	اس کے لیے	دین کو	پھر جب	وہ ان کو نجات دے دیتا ہے	طرف
الْبَرِّ	إِذَا هُمْ	يُشْرِكُونَ ﴿٦٥﴾	لِيَكْفُرُوا	بِمَا	آتَيْنَاهُمْ ۚ
خشکی کی	تو ناگہاں وہ	شرک کرتے ہیں	تاکہ وہ کفر کریں	اس کے ساتھ جو	ہم نے ان کو دی
وَلِيَتَمَتَّعُوا ۖ وقفۃ	فَسَوْفَ	يَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾			
اور تاکہ وہ فائدہ اٹھائیں	پھر عنقریب	وہ جان لیں گے			

”جب کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اُس سے مانگتے ہیں۔ جب اللہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو یکایک شرک کرنے لگتے ہیں۔ (٦٥) تاکہ اللہ کی دی ہوئی نجات پر اُس کی ناشکری کریں اور مزے لوٹیں عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔“ (٦٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مشکل وقت پر مشرکوں کا ”اللہ“ کی ذات کا اقرار کرنا، اور صرف اسے پکارنا۔

موحّد اور مشرک کے عقیدہ کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ موحّد ہر حال میں ایک ”اللہ“ کو پکارتا ہے اور مشرک صرف مصیبت کے وقت ایک ”اللہ“ کو پکارتا ہے یہی حال مشرکین مکہ کا تھا وہ عام حالات میں صرف ایک ”اللہ“ کو پکارنے کی بجائے دوسروں کو بھی شامل کرتے اور انہیں پکارتے تھے حالانکہ قرآن مجید نے بار بار اس بات سے منع کیا ہے کہ نہ ”اللہ“ کے سوا کسی کو پکارا جائے اور نہ اس کے ساتھ کسی کو پکارا جائے۔ لیکن نہ مکہ کے مشرک اس بات سے رکتے تھے اور نہ آج کے مشرک اس سے باز آتے ہیں، جب کہ ہر دور میں مشرک کی یہ حالت رہی ہے اور رہے گی کہ بڑی مصیبت کے وقت سب کو بھول کر صرف ایک اللہ کو پکارتے ہیں یہی مکہ والے کرتے تھے جب کشتی بھنور میں پھنس جاتی تو صرف ایک ”اللہ“ کو پکارتے جب کشتی بھنور سے نکل جاتی تو کہتے کشتی فلاں بزرگ یا بت کی مدد سے بھنور سے نکلی ہے۔ یہاں شرک کو کفر قرار دیا اور فرمایا کہ اللہ چاہے تو کشتی کو غرقاب کر دے لیکن وہ مشرک کو اس لیے مہلت دیتا ہے تاکہ اپنے رب کی نعمتوں سے مزید فائدہ اٹھالے۔ مفسرین نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے عکرمہ بن ابوجہل کا واقعہ نقل کیا ہے جب مکہ فتح ہوا تو عکرمہ یہ سوچ کر بھاگ نکلا کہ مجھے کسی صورت بھی معافی نہیں مل سکتی جدہ کی بندرگاہ پر پہنچا اور بیڑے میں سوار ہوا اللہ کی قدرت کہ جوں ہی بیڑے نے ساحل چھوڑا تو اتنے شدید بھنور میں پھنسا کہ ملّاح اور مسافروں کو یقین ہو گیا کہ اب نجات کی کوئی صورت باقی نہیں ہے، ملّاح نے مسافروں سے کہا کہ جب بیڑے کو ایسے طوفان کا واسطہ پڑتا ہے تو کسی اور کی بجائے صرف ایک اللہ کو

پکارا جاتا ہے اس لیے صرف ایک اللہ کے حضور فریاد کرو۔ اس کے سوا کوئی بیڑا پار لگانے والا نہیں یہ بات عکرمہ کے دل پر اثر کر گئی اور اس نے سوچا کہ یہی تو محمد ﷺ دعوت دیتا ہے اگر یہاں سے بچ نکلا تو میں حلقہ اسلام میں داخل ہو جاؤں گا چنانچہ عکرمہ رضی اللہ عنہ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے اور باقی زندگی اسلام اور رسول محترم کے ساتھ اخلاص کے ساتھ گزاری اور جنت کے وارث بنے۔ تفصیل کے لیے سیرت کی کسی مستند کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

یہاں ’’اَلدِّیْنَ‘‘ کا معنٰی تابعداری ہے۔ یعنی پوری تابع داری کے ساتھ صرف ایک ’’اللہ‘‘ کو پکارتے ہیں گویا کہ وہ شرک چھوڑ کر وقتی طور پر عقیدہ توحید قبول کر لیتے ہیں۔

لیکن افسوس اس تاریخی حقیقت اور قرآن مجید کے منع کرنے کے باوجود آج کا مشرک کشتی ڈوبنے کے وقت بھی صرف ایک ’’اللہ‘‘ کو پکارنے کے لیے تیار نہیں ہوتا وہ بے جھجک کہتا ہے۔

یا معین الدین چشتی — پار لگا دے کشتی

یا بھاء الحق بیڑا دھك

یا پیر عبدالقادر شیأاللہ

مسائل

۱۔ مشرک صرف سخت مصیبت کے وقت ایک ’’اللہ‘‘ کو پکارتا ہے موحد ہر حال میں ایک ’’اللہ‘‘ کو پکارتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہر حال میں صرف ایک اللہ کو پکارنا چاہیے:

۱۔ مشرک جب کسی مشکل میں گھر جاتے ہیں تو خالصتاً اللہ کو پکارتے ہیں۔ (یونس: ۲۲)

۲۔ لوگو! اللہ کی خالص عبادت کرو۔ (الزمر: ۳) ۳۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی خالص عبادت کروں۔ (الزمر: ۱۱)

۴۔ جب مشرکین کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو ’’اللہ‘‘ کو خالصتاً پکارتے ہیں۔ (العنکبوت: ۶۵)

۵۔ مومنو! اللہ تعالیٰ کو اخلاص کے ساتھ پکارو اگرچہ کفار کے لیے یہ ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔ (المومن: ۱۴)

۶۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں صرف اسی کو پکارو (المومن: ۶۵)

۷۔ ہر کسی کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کو پکارا جائے۔ (البینۃ: ۵)

۸۔ اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کی پکار کو سننے اور قبول فرمانے والا ہے۔ (النمل: ۶۲)

اَوَ لَمْ	يَرَوْا	اَنَّا	جَعَلْنَا	حَرَمًا	اٰمِنًا	وَّ يُتَخَطَّفُ
کیانہیں	انہوں نے دیکھا	بے شک ہم	نے بنایا	حرم	امن والا	جبکہ اچک لیے جاتے ہیں
النَّاسُ	مِنْ	حَوْلِهِمْ ؕ	اَفَبِالْبَاطِلِ	يُؤْمِنُوْنَ	وَبِنِعْمَةِ	
لوگ	سے	ان کے آس پاس	کیا پھر باطل پر	وہ ایمان لاتے ہیں	اور نعمت کے ساتھ	
اللّٰهِ	يَكْفُرُوْنَ ﴿٦٧﴾	وَمَنْ	اَظْلَمُ	مِمَّنِ	افْتَرٰى	
اللہ کی	وہ کفر کرتے ہیں	اور کون	زیادہ ظالم ہے	اس سے	جس نے باندھا	
عَلَى	اللّٰهِ	كَذِبًا	اَوْ كَذَّبَ	بِالْحَقِّ	لَمَّا	جَآءَهٗ ؕ
پر	اللہ	جھوٹ	یا اس نے جھٹلایا	حق کو	جب	آ گیا وہ اس کے پاس
اَلَيْسَ	فِيْ	جَهَنَّمَ	مَثْوًى	لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾		
کیا نہیں	میں	جہنم	ٹھکانا	کافروں کے لیے		

''کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم نے حرم کو پُرامن بنا دیا ہے حالانکہ ان کے گرد وپیش لوگ اُچک لیے جاتے ہیں۔ کیا پھر بھی وہ باطل پر ایمان لاتے اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔ (٦٧) اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا حق کو جھٹلائے۔ حالانکہ حق اس کے سامنے آچکا ہے کیا کافروں کا ٹھکانا جہنم ہی نہیں ہے؟'' (٦٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مشرکین کا ضمیر جھنجھوڑنے کے بعد انہیں ایک احسان یاد کروا کر سمجھایا گیا ہے۔

مشرکین مکہ کو جو بھی مقام حاصل تھا، اس کا پہلا اور بڑا سبب بیت اللہ کی تولیت اور مکہ معظّمہ کا باسی ہونا تھا، اسی وجہ سے دنیا بھر کے پھل اور اناج مکہ میں پہنچتے ہیں، اسی بنا پر لوگ مکہ والوں کا احترام کرتے اور اسی سبب سے ہی انہیں ہر طرح کا امن حاصل تھا اور ہے حالانکہ اس زمانے میں حجاز کے علاقہ میں دن دہاڑے سفر کرنا انتہائی مشکل تھا قافلوں کی صورت میں سفر کرنے کے باوجود لوگ حفاظتی گارڈ اپنے ساتھ رکھتے تھے، اس کے باوجود ڈاکوؤں، قذاقوں سے بچ نکلنا ایک معجزہ سے کم نہ تھا، اس بدامنی اور اَنارکی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے انہیں احساس دلایا گیا کہ غور کرو! کہ جو احترام اور امن تمہیں حاصل ہے وہ کعبہ کی بدولت اور اس کے رب کے کرم کا نتیجہ ہے، چاہیے تو یہ تھا کہ تم کعبہ کے رب پر ایمان لاتے اور اس کا شکر ادا کرتے لیکن تم کعبہ کے رب کے منکر ہو اور بتوں کے بارے میں کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کچھ اختیارات دے رکھے ہیں حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا ہے، یاد رکھو! جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے یا اس کی طرف سے آئے ہوئے حق کو جھٹلائے اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہوسکتا، ظالموں کے لیے سوائے جہنم کے کوئی اور ٹھکانہ نہیں ہوگا۔

((عَنْ صُفَيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَخْطُبُ عَامَ الْفَتْحِ فَقَالَ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فَهِيَ حَرَامٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا وَلَا يَأْخُذُ لُقْطَتَهَا إِلَّا مُنْشِدٌ فَقَالَ الْعَبَّاسُ إِلَّا الْإِذْخِرَ فَإِنَّهُ لِلْبُيُوْتِ وَالْقُبُوْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَّا الْإِذْخِرَ)) (رواہ ابن ماجہ: باب فضل مکۃ [صحیح])

''حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماتے ہوئے سنا آپ فرما رہے تھے کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق سے لے کر قیامت کے دن تک مکہ کو حرمت والا بنایا ہے۔ اس کے درخت نہ کاٹے جائیں اور اس کے شکار کو نہ بھگایا جائے، گری ہوئی چیز یہاں سے وہی اٹھا سکتا ہے جو اعلان کروانے کی غرض سے اٹھائے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اذخر بوٹی گھروں اور قبروں میں استعمال ہوتی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذخر بوٹی کاٹنے کی اجازت دے دی۔''

''حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ مقامِ عَیر سے ثور تک حرمت والا ہے اس کے درخت نہ کاٹے جائیں اور نہ اس میں کسی بدعتی کو جگہ دی جائے۔ جس نے کوئی بدعت رائج کی اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت برستی رہے گی۔'' (رواہ البخاری: باب حرم المدینۃ)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو امن والا شہر بنایا ہے۔ ۲۔ مشرک اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی بجائے غیر اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کسی فرد یا قوم کو امن نصیب فرمائے تو اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

۴۔ شرکیہ عقیدہ رکھنا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کے مترادف ہے۔ ۵۔ مشرک سب سے بڑا ظالم ہوتا ہے اور ظالموں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

تفسیر بالقرآن

بیت اللہ اور مکہ کی عظمت:

۱۔ بیت اللہ دنیا میں پہلا گھر ہے جو بابرکت اور ہدایت کا مرکز ہے۔ (آل عمران: ۹۶)

۲۔ بیت اللہ امن کا گہوارہ ہے۔ (البقرۃ: ۱۲۵) ۳۔ بیت اللہ کے باسیوں سے محبت کی جاتی ہے (القریش: ۱)

۴۔ بیت اللہ کے طواف کا حکم۔ (الحج: ۲۹) ۵۔ قسم ہے اس امن والے شہر کی۔ (التین: ۳)

۶۔ صاحبِ استطاعت لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض قرار دیا گیا ہے۔ (آل عمران: ۹۷)

۷۔ بیت اللہ میں مقامِ ابراہیم ہے۔ (آل عمران: ۹۷)

۸۔ لوگ بیت اللہ کی زیارت کے لیے پیدل، سوار اور دور سے آتے ہیں۔ (الحج: ۲۷)

سُبُلَنَا	لَنَهْدِيَنَّهُمْ	فِيْنَا	جَاهَدُوْا	وَالَّذِيْنَ
اپنے راستوں کی	ہم انہیں ضرور ہدایت دیں گے	ہماری راہ میں	جنہوں نے جہاد کیا	اور وہ لوگ

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٦٩﴾	لَمَعَ	اللّٰهَ	وَاِنَّ
نیکی کرنے والوں کے	یقیناً ساتھ ہے	اللہ	اور بلاشبہ

ع ۶ / ۲

”جولوگ ہمارے لیے محنت کریں گے ہم انہیں اپنے راستے ضرور دکھائیں گے اور یقیناً اللہ نیک لوگوں کے ساتھ ہے۔“ (۶۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: شرک اور ظلم جتنا بھی بڑھ جائے حق کے متلاشی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حق پا ہی لیا کرتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ اخلاص کے ساتھ کوشش کریں۔

سورۃ العنکبوت کا آغاز اس بات سے ہوا ہے کہ جولوگ ایمان لائے ہیں وہ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ انہیں اس راستے میں کوئی آزمائش نہیں آئے گی ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ایمان داروں کو بھی آزمایا تھا، اور تمہیں بھی آزمائے گا تاکہ حق والے اور باطل پرست آپس میں ممتاز ہو جائیں۔ سورۃ کا اختتام اس بات سے کیا جاتا ہے کہ حالات جیسے بھی ہوں اگر کوئی حق کی جستجو اور آزمائشوں کا مقابلہ کرے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اس کیلئے راستے ہموار کر دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کی دستگیری کرتا ہے۔ ”سبیل“ کی جمع ”سُبُلٌ“ اور اس کے ساتھ جمع کی ضمیر استعمال فرمائی ہے جمع کی ضمیر میں رعب اور دبدبہ پایا جاتا ہے۔ ”سُبُلٌ“ کے ساتھ جمع کی ضمیر لا کر یقین دلایا ہے کہ انسان کا کام خلوص نیت کے ساتھ کوشش کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایسے شخص کے لیے حق تک پہنچنا آسان کر دے گا اور اپنے راستوں میں کوئی نہ کوئی آسانی کا راستہ ضرور نکال دے گا۔ احسان کا معنٰی پورے خلوص کے ساتھ نیکی کرنا اور بُرائی کے بدلے حسنِ سلوک کرنا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کوشش کرنے والوں کے لیے حق کا راستہ ہموار کر دیتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کن لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ:۱۵۳) ۲۔ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔ (التوبۃ:۳۶)

۳۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے۔ (النساء:۱۴۶) ۴۔ اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنیوالوں کے ساتھ ہے۔ (النحل:۱۲۸)

۵۔ اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو بے شک اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ:۱۹۴)

سورۃ الرّ وم کا تعارف

اس سورۃ کا نام الرّ وم ہے جو اس کی دوسری آیت میں موجود ہے یہ سورۃ مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی یہ چھ رکوعات اور ساٹھ آیات پر مشتمل ہے۔

ربطِ سورۃ: سورۃ العنکبوت کا اختتام اس فرمان پر ہوا کہ جو لوگ اللہ کے راستے میں کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کی ضرور رہنمائی کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اچھے لوگوں کے ساتھ ہے سورۃ الرّ وم میں اس بات کی عملی شہادت پیش کی گئی ہے کہ ایرانیوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے رومیوں کی مدد فرمائی کیونکہ ایرانیوں کے مقابلے میں رومی اعتقادی اور عملی لحاظ سے اچھے لوگ تھے۔ اور انہی ایام میں بدر کے میدان میں اللہ تعالیٰ نے مکہ والوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی مدد فرمائی۔

اسلام کے ابتدائی دور میں دنیا کے ممالک دو بلاکوں میں منسلک تھے ایک بلاک سلطنتِ رومہ کے زیر اثر تھا اور دوسرا بلاک فارس کے ماتحت سمجھا جاتا تھا روم اور فارس کی آپس میں ایک عرصہ سے کشمکش جاری تھی۔ اسلام کے ابتدائی دور میں فارس روم پر غالب آیا۔ فارس کے لوگ آتش پرست تھے اور رومی اہلِ کتاب تھے کیونکہ رومی بظاہر انجیل اور عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے تھے جونہی فارس کے لوگ روم پر غالب آئے تو اہلِ مکہ نے مشرک ہونے کے ناطے خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ جس طرح عیسائیوں پر فارسی غالب آئے ہیں اسی طرح ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے ساتھیوں پر ہم غالب رہیں گے۔ اس صورت حال میں سورۃ الرّ وم کا نزول ہوا جس کی ابتدائی آیات میں دوٹوک الفاظ میں مسلمانوں کو خوشخبری دی گئی کہ ٹھیک دس سال کے اندر ''اللہ'' کی مدد کے ساتھ رومی فارسیوں پر غالب آجائیں گے اور اس سے مسلمانوں کو بھی خوشی محسوس ہو گی، لوگ ظاہری حالات کے مطابق سوچتے ہیں وہ اس وجہ سے رومیوں کی فتح کے بارے میں یقین نہیں کرتے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی بھی کام مشکل نہیں کیونکہ وہی مخلوق کی ابتدا کرنے والا ہے اور سب نے اسی کی طرف ہی پلٹ کر جانا ہے یعنی اوّل وآخر پوری مخلوق اس کے کنٹرول میں ہے جو لوگ سچے دل کے ساتھ ایمان لائیں گے اور صالح اعمال اختیار کریں گے وہ جنت میں خوش وخرم رہیں گے اور جنہوں نے کفر اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ کے ارشادات کی تکذیب کی انہیں جہنم کے عذاب میں جھونکا جائے گا۔ اس بیان کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش، میاں بیوی کے تعلقات، لیل ونہار کا اختلاف، لوگوں کی زبانوں اور رنگت کا فرق، رات اور دن کے فوائد، بارش کے ثمرات، آسمان اور زمین کا ٹھہراؤ اور قیامت کے دن لوگوں کو ان کی قبروں سے نکالنے کا ذکر فرما کر اپنی قدرتوں کی نشاندہی کی ہے پھر ایک غلام کی مثال دے کر اپنی توحید سمجھائی اور حکم دیا کہ ''اللہ'' کی توحید پر قائم رہو یہی دین کی بنیاد ہے اس کے بعد حقوق العباد کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ قریبی رشتہ داروں، مساکین اور مسافر کے حقوق کا

خیال رکھو۔ اس کے بعد سود کے بے برکت ہونے کا ذکر کیا اور اشارۃً بتلایا ہے کہ بحر و بر میں فساد برپا ہونے کا بنیادی سبب یہ ہے کہ لوگ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال نہیں رکھتے ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ گاہے گاہے جھنجھوڑتا ہے تاکہ یہ اس کی طرف پلٹ آئیں مگر پھر بھی لوگوں کی اکثریت اس کی طرف رجوع کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی ان لوگوں کو زمین پر چل پھر کر دیکھنا چاہیے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو سہارا بنایا اور اس کے بندوں کے حقوق غصب کیے ان کا انجام کیا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے انتقام لے کر اپنے رسولوں اور مومن بندوں کی مدد فرمائی کیونکہ ایمانداروں کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔

الرّوم کے آخری رکوع کی ابتدا میں ارشاد فرمایا کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہیں ضُعف کی حالت میں پیدا فرمایا اور پھر ضُعف کے بعد قوت عطا کرتا ہے پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپے میں مبتلا کر دیتا ہے وہ جس طرح چاہتا ہے مخلوق کو پیدا کرتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز کو جانتا اور ہر کام کرنے کی قدرت رکھتا ہے وہ اپنی قدرتِ کاملہ سے قیامت قائم کرے گا اس دن مجرموں کی درجہ بندی کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ قیامت پر ایمان نہ لانے والوں کو یاد کروائیں گے کہ یہ وہی دن ہے جس کا تم انکار کیا کرتے تھے، اس دن مجرم معذرت پر معذرت کریں گے لیکن ان کی معذرت اور درخواست قبول نہیں کی جائے گی۔

سورۃ کے آخر میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ مُردوں اور بہروں کو اپنی دعوت نہیں سنا سکتے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار اور اس کے ارشادات کو ٹھکراتے ہیں قیامت کے دن انہیں کوئی بھی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا اور نہ ہی ان کی فریادیں سنی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں پر مہر ثبت کر دیتا ہے جس وجہ سے یہ لوگ حقائق سننے اور انہیں تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ سورۃ کا اختتام اس بات پر کیا گیا کہ اے رسول آپ اللہ تعالیٰ کے وعدے پر یقین رکھیں یقیناً وہ آپ کی دعوت کو کامیاب فرمائے گا جو لوگ آپ کی دعوت پر یقین نہیں رکھتے ان کے رویے اور مخالفت کی وجہ سے آپ کو جذباتی پن کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔

سُوْرَۃُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعَاتُهَا ۶ — اٰيَاتُهَا ۶۰

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے

الٓمّٓ ۚ ﴿۱﴾	غُلِبَتِ	الرُّوْمُ ۙ ﴿۲﴾	فِيْٓ	اَدْنَى	الْاَرْضِ	وَهُمْ
الف لام میم	مغلوب ہو گئے	رومی	میں	قریب ترین	زمین	اور وہ
مِّنْۢ	بَعْدِ	غَلَبِهِمْ	سَيَغْلِبُوْنَ ۙ ﴿۳﴾	فِيْ	بِضْعِ	سِنِيْنَ ۬
سے	بعد	اپنے مغلوب ہونے	عنقریب غالب ہوں گے	میں	چند	سال
لِلّٰهِ	الْاَمْرُ	مِنْ	قَبْلُ	وَمِنْۢ	بَعْدُ ۭ	وَيَوْمَىِٕذٍ
اللہ ہی کے لیے اختیار تھا		سے	پہلے	اور سے	بعد	اور اس دن
يَّفْرَحُ	الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ ﴿۴﴾	بِنَصْرِ	اللّٰهِ ۭ	يَنْصُرُ	مَنْ	
خوش ہوں گے	مومن	مدد سے	اللہ کی	وہ مدد دیتا ہے	جسے	
يَّشَاۗءُ ۭ	وَهُوَ	الْعَزِيْزُ	الرَّحِيْمُ ۙ ﴿۵﴾			
وہ چاہتا ہے	اور وہ	نہایت غالب	بہت رحم کرنے والا ہے			

’’الف لام میم۔(۱) رومی مغلوب ہو گئے۔(۲) قریب ترین زمین میں وہ مغلوب ہونے کے بعد چند سالوں میں غالب ہو جائیں گے۔(۳) اللہ کا ہی اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی اور اس دن اللہ کی دی ہوئی فتح پر مسلمان خوش ہوں گے۔(۴) اللہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، اور وہ زبردست اور رحم کرنے والا ہے۔‘‘(۵)

فہم القرآن

سورۃ العنکبوت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ جو لوگ کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے لیے راستے ہموار کر دیتا ہے جو دنیا کے لیے کوشش کرے گا وہ اپنا مقدر پا لے گا اگر آخرت کے لیے کوشاں ہو گا تو آخرت میں اپنا حصہ پائے گا۔ اب اسی بات کا حوالہ دے کر مسلمانوں کو روشن مستقبل کی خوشخبری سنائی جاتی ہے۔

دنیا میں ’’اللہ‘‘ کی مدد کی ایک عظیم مثال ملاحظہ فرمائیں ایک وقت تھا کہ جب ایرانیوں کے مقابلے میں رومی شکست فاش سے دوچار ہوئے اور مسلمان کفار کے ہاتھوں مار کھا رہے تھے، ان نازک ترین اور ناقابل یقین حالات میں اعلان ہوتا ہے کہ عنقریب رومی غالب ہونگے۔ شکست میں بھی ’’اللہ‘‘ کا حکم کارفرما تھا اور فتح بھی ’’اللہ‘‘ کے حکم سے ہوگی ’’اللہ‘‘ کی مدد سے اس دن مومن خوش ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے کیونکہ وہ ہر اعتبار سے غالب اور مہربان ہے۔ جس کو وہ زیر

کرنا چاہے وہ دم نہیں مار سکتا جس پر رحم فرمائے وہ زیر نہیں ہو سکتا وہی کامیابی اور شکست دینے پر اختیار رکھتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی نبوّت سے آٹھ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ روم میں محلاتی سازشوں کی وجہ سے ایک خونی انقلاب برپا ہوا جس میں روم کے بادشاہ ماریس اور اس کے خاندان کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد فوکاس نامی سردار سلطنتِ روم پر قابض ہوا، حالات کی نزاکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایران کے بادشاہ خسرو پرویز نے روم پر حملہ کیا اور یہ جواز بنایا کہ روم کا بادشاہ ماریس میرا محسن تھا کیونکہ ایران میں اقتدار سنبھالنے کے لیے اس نے خسرو پرویز کی مدد کی تھی۔ اس بات کو بہانہ بناتے ہوئے خسرو نے مسلسل پیش قدمی کر کے روم کا بیشتر علاقہ اپنے قبضہ میں لے لیا یہاں تک کہ روم کے بادشاہ کو اپنی جان بچانی مشکل ہوگئی۔ دوسری طرف حجاز کے مرکز مکّہ معظّمہ میں عقیدہ توحید کی بنیاد پر زبردست کشمکش برپا تھی۔ اس اثناء میں مسلمانوں کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ مکہ سے نکل جائیں حالات سے مجبور ہو کر کچھ مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی جو روم کے زیر اثر عیسائی حکومت تھی۔ اس عالمی کشمکش میں قرآن اعلان کرتا ہے کہ ٹھیک دس سال میں ایرانیوں پر رومی غالب آئیں گے اور اس دن مسلمانوں کو بھی خوشی نصیب ہوگی۔ یاد رہے کہ "بِضْعَ سِنِيْنَ" کا ہندسہ ایک سے دس تک بولا جاتا ہے۔ اس دور کے تجزیہ نگار اور سیاست دان خاص کر اہل مکہ اس اعلان کو دیوانے کی بڑ سمجھتے تھے لیکن وہی ہوا جو قرآن مجید نے اعلان کیا تھا۔ صورت حال یہ تھی کہ مسلمانوں کی ہمدردیاں ایران کے مقابلے میں رومیوں کے ساتھ تھیں کیونکہ رومی اہل کتاب تھے گو ان کی مذہبی حالت بگڑ چکی تھی مگر اس کے باوجود عیسائی اپنے آپ کو توحید کے دعوے دار اور آخرت پر ایمان لانے والے سمجھتے تھے، ان کے مقابلے میں ایرانیوں نے یزدان اور اہرمن کے نام پر دو خدا بنا رکھے تھے وہ ان کی عبادت کرتے تھے اس کے ساتھ ایرانیوں کی غالب اکثریت آگ کی پوجا بھی کرتی تھی۔ اسی بنا پر مشرکین کی ہمدردیاں خسرو پرویز کے ساتھ تھیں اور مسلمانوں کے جذبات رومیوں کے ساتھ تھے رومیوں کو شکست ہوئی تو مکہ والوں نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ اسی طرح تم بھی ہمارے مقابلے میں ناکام ہو جاؤ گے۔

ان حالات میں سورۃ روم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں دوٹوک انداز میں مسلمانوں کو خوشخبری دی گئی کہ بے شک تمہارے قریب اور ابھی، ابھی رومی شکست کھا گئے ہیں لیکن ٹھیک دس سال میں یہ ایرانیوں پر فتحیاب ہوں گے اور اس سے مسلمان خوش ہو جائیں گے، اس کے ساتھ مسلمانوں کو بھی اللہ کی مدد حاصل ہوگی ٹھیک اسی دن بدر کے میدان میں مسلمان مکہ والوں پر غالب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی کبھی خلاف ورزی نہیں کرتا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس بات کا کفار کی ایک مجلس میں ذکر کیا جس کا کفار نے خوب مذاق اڑایا، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تکرار ابی بن خلف سے ہوئی تو بات اس نقطہ پر پہنچی کہ اگر رومی غالب ہوئے تو ابی بن خلف دس اونٹ ابوبکر صدیق کے حوالے کرے گا اگر ایرانیوں نے فتح پائی تو دس اونٹ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اُبی بن خلف کو دیں گے۔ اس گفتگو کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آکر اپنی شرط کی تفصیل بتائی۔

«أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ لأَبِي بَكْرٍ فِي مُنَاحَبَةٍ (الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ) أَلاَّ احْتَطْتَ يَا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّ الْبِضْعَ مَا بَيْنَ الثَّلاَثِ إِلَي التِّسْعِ» (رواہ الترمذی: باب و من سورۃ الروم [ضعیف])

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''بِضع'' کا لفظ ایک سے دس تک کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے اُبی کے پاس جا کر تین سال کی بجائے دس سال کی شرط لگائیں، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس طرح ہی کیا لیکن اس مرتبہ دس اونٹوں کی بجائے سو اونٹ قرار پائے، یاد رہے کہ بعد ازاں شریعت میں اس طرح کی شرط لگانے سے منع کر دیا گیا ہے۔

«النَّبِيُّ ﷺ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللّٰہِ كُلُّ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰہِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ كِتَابُ اللّٰہِ أَحَقُّ وَشَرْطُ اللّٰہِ أَوْثَقُ وَالْوَلاَءُ لِمَنْ أَعْتَقَ»

(رواہ البخاری: باب استعانۃ المکاتب وسئوالہ الناس)

''نبی ﷺ نے لوگوں میں خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے اللہ کی حمد و ثناء بیان کی اور فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ کہ وہ ایسی شرائط عائد کرتے ہیں جو کتاب اللہ میں موجود نہیں اور ہر ایسی شرط ناجائز ہے جس کا کتاب اللہ میں وجود نہ ہو اگرچہ ایسی سو شرائط ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ کی کتاب برحق ہے اور اللہ کی شرائط مستقل ہیں ولاء کا حق دار وہی ہے جو غلام کو آزاد کرائے۔''

مسائل

۱۔ قرآن مجید کی پیشین گوئی کے مطابق رومی ٹھیک ۹ سال کے اندر ایرانیوں پر فتح یاب ہوئے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے رومیوں کی فتح کے ساتھ ہی مسلمانوں کو بدر کے مقام پر زبردست فتح عطا فرمائی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے کیونکہ وہ غالب اور مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی مدد سے کمزور بھی فتح پا جاتے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کے مقابلے میں بیت اللہ کی ابابیل کے ذریعے حفاظت فرمائی۔ (الفیل: مکمل)

۲۔ بدر میں اللہ تعالیٰ نے کمزوروں کی مدد فرمائی۔ (آل عمران: ۱۲۳)

۳۔ غار ثور میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مدد فرمائی۔ (التوبۃ: ۴۰)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے کمزوروں کی مدد فرمائی۔ (القصص: ۵)

۵۔ ''اللہ'' کی مدد سے قلیل جماعتیں کثیر جماعتوں پر غالب آئیں۔ (البقرۃ: ۲۴۹)

وَعْدَ	اللهِ	لَا يُخْلِفُ	اللهُ	وَعْدَهٗ	وَلٰكِنَّ	اَكْثَرَ
وعدہ	اللہ کا	نہیں خلاف ورزی کرتا	اللہ	اپنے وعدے کی	اور لیکن	اکثر

النَّاسِ	لَا يَعْلَمُوْنَ ۞	يَعْلَمُوْنَ	ظَاهِرًا	مِّنَ	الْحَيٰوةِ	الدُّنْيَا
لوگ	وہ نہیں جانتے	وہ جانتے ہیں	ظاہر	سے	زندگی	دنیاوالی

وَهُمْ	عَنِ	الْاٰخِرَةِ	هُمْ	غٰفِلُوْنَ ۞
اور وہ	سے	آخرت	وہ	غافل ہیں

”اللہ کا وعدہ ہے، اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔(٦) لوگ دنیا کی زندگی کو ظاہری طور پر جانتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں۔(٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام: رومیوں کا غالب آنا اور مسلمانوں کا کامیاب ہونا یقینی بات ہے کیونکہ یہ ”اللہ“ کا وعدہ ہے جو ہر صورت پورا ہو کر رہے گا۔

وعدہ سے مراد ایک تو یہ وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے مسلمانوں سے فرمایا کہ رومی غالب اور فارسی مغلوب ہوں گے جس سے مسلمانوں کو خوشی ہوگی۔ رومیوں کا فتح یاب ہونا اور مسلمانوں کا مشرکین پر غالب آنا بظاہر اس قدر ناممکن تھا کہ اس پر یقین کرنا مشکل تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے خوشخبری کے الفاظ استعمال کرنے کی بجائے مسلمانوں کے ساتھ ”**وَعْدَهٗ**“ کا لفظ استعمال کیا ہے تاکہ کمزور اور مظلوم مسلمانوں کو یقین اور اطمینان ہو جائے کہ اب مشکلات کا آسانیوں میں تبدیل ہونا یقینی ہو چکا ہے۔ رومیوں اور مسلمانوں کے حالات اس قدر ناگفتہ بہ تھے کہ لوگوں کو یقین آنا مشکل تھا اس لیے ارشاد فرمایا کہ اکثر لوگ اپنے محدود علم کی وجہ سے حقائق کو نہیں سمجھتے اور لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ دنیا کے ظاہری اسباب پر یقین رکھتے ہیں اور اُن سے مرعوب ہوتے یا اُن پر فریفتہ ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ آخرت سے لاپرواہ ہوتے ہیں انسان کی کمزوری ہے کہ وہ ظاہری اسباب پر توجہ رکھتا ہے اور اسی کی بنیاد پر نتیجہ اَخذ کرتا ہے اس وجہ سے وہ سینکڑوں حقائق سے تغافل اختیار کرتا ہے لیکن عقل مند شخص وہ ہے جو دنیا میں رہ کر آخرت اور حقائق پر نظر رکھے۔

”**وَعْدَهٗ**“ سے مراد آخرت کا وعدہ بھی ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ دنیا کی کامیابی اور ناکامی عارضی چیز ہے اصل تو آخرت ہے جس کی کامیابی ہمیشہ کی کامیابی ہے جو وہاں ناکام ہوا وہ ہمیشہ کے لیے ناکام اور نقصان پائے گا وہاں فاتح اور مفتوح، ظالم اور مظلوم، نیک اور بد کا حساب ہوگا۔ اس سے غافل رہنے کی بجائے ہر انسان کو اس کی تیاری کرنی چاہیے۔

«عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ ﷛ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ

وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللهِ قَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ))

(رواہ الترمذی: باب الکیس من دان نفسہ [ضعیف])

”حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دانا وہ ہے جس نے اپنے آپ کو عقل مند بنالیا اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کیے اور نادان وہ ہے جس نے اپنے آپ کو خواہشات کے تابع کرلیا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھے ہوئے ہے۔“

رومیوں کی کامیابی اور بدر میں مسلمانوں کی عظیم فتح

مستند سیرت نگار اور مؤرخین نے لکھا ہے کہ ۶۲۴ء کو جس دن بدر میں مسلمان فتح یاب ہوئے اسی دن یا اُسی سال رومیوں نے فارس پر غلبہ حاصل کیا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

۲۔ انسان دنیا کی زیب و زینت پر فریفتہ ہو کر آخرت کی جوابدہی سے تغافل کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا فرمان اور وعدہ سچا ہوتا ہے:

۱۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور وہ حاکموں کا حاکم ہے۔(ھود:۴۵) ۲۔اللہ کا فرمان سچ ہے۔(الاحزاب:۴)

۳۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔(القصص:۱۳) ۴۔اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔(الروم:۶)

۵۔ اللہ کا وعدہ حق ہے اور اللہ سے بات کرنے میں کون زیادہ سچا ہوسکتا ہے؟(النساء:۱۲۲)

۶۔ خبردار اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔(یونس:۵۵) ۷۔صبر کرو اللہ کا وعدہ سچا ہے۔(الروم:۶۰)

۸۔ قیامت کے دن شیطان کہے گا یقیناً اللہ نے تمہارے ساتھ سچا وعدہ کیا تھا(ابراہیم:۲۲)

۹۔ جنتی کہیں گے پاک ہے ہمارا رب یقیناً اس کا وعدہ پورا ہوا۔(بنی اسرائیل:۱۰۸)

۱۰۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے۔(لقمان:۳۳)

۱۱۔ اللہ نے تمہارے ساتھ اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جب تم کفار کو اس کے حکم سے کاٹ رہے تھے۔(آل عمران:۱۵۲)

۱۲۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں مبتلا نہ کرے۔(فاطر:۵)

اَوَلَمْ	يَتَفَكَّرُوْا	فِيْٓ	اَنْفُسِهِمْ ۛ قف	مَا	خَلَقَ	اللّٰهُ	السَّمٰوٰتِ
کیانہیں	انہوں نے غوروفکر کیا	میں	اپنے دلوں	نہیں	پیدا کیا	اللہ نے	آسمانوں
وَالْاَرْضَ	وَمَا	بَيْنَهُمَآ		اِلَّا	بِالْحَقِّ		وَاَجَلٍ
اور زمین کو	اور جو کچھ	ان دونوں کے درمیان ہے		مگر	حق کے ساتھ		اور وقت
مُّسَمًّى ۭ	وَاِنَّ	كَثِيْرًا		مِّنَ	النَّاسِ		بِلِقَاۗئِ
مقرر	اور بلاشبہ	بہت زیادہ		سے	لوگوں		ملاقات کے ساتھ
رَبِّهِمْ	لَكٰفِرُوْنَ ۝	اَوَلَمْ	يَسِيْرُوْا	فِي	الْاَرْضِ		فَيَنْظُرُوْا
اپنے رب کی	البتہ کافر ہیں	کیانہیں	وہ پھرے	میں	زمین		پھر وہ دیکھتے
كَيْفَ	كَانَ	عَاقِبَةُ	الَّذِيْنَ		مِنْ		قَبْلِهِمْ ۭ
کیسا	ہوا	انجام	ان لوگوں کا جو		سے		اُن سے پہلے

”کیا انہوں نے اپنے آپ پر غور نہیں کیا اور یہ نہیں سوچا کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں کو اور اُن چیزوں کو جو اُن کے درمیان ہیں بامقصد اور ایک مقرر مدّت کے لیے پیدا کیا ہے مگر بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات کے انکاری ہیں۔ (٨) اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ انہیں اُن لوگوں کا انجام نظر آئے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔

فہم القرآن

ربطِ کلام : انسان کی غفلت کا ایک سبب اسے دنیا میں ملنے والی مہلت ہے جس کی طرف انسان کو توجہ دلائی جا رہی ہے کہ اسے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اپنے انجام کا خیال رکھنا چاہیے۔

انسان دنیا کی سہولیات اور زیب و زینت پر فریفتہ ہو کر آخرت کے احتساب کو بھول جاتا ہے۔ خاص طور پر جب کافر اور مشرک کی دنیا میں گرفت نہیں ہوتی تو وہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ شائد مرنے کے بعد بھی مجھے یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا۔ ایسے لوگوں کو بالخصوص ارشاد فرمایا ہے کہ لوگو! اپنے آپ اور زمین آسمان اور جو کچھ ان میں موجود ہے اُس پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کس طرح اور کیونکر پیدا کیا ہے۔ اس نے کوئی چیز بھی بے فائدہ پیدا نہیں کی بلکہ ہر چیز کے پیدا کرنے کا ایک مقصد ہے اور وہ اپنے مقصد کو پورا کر رہی ہے۔ اُس نے ہر چیز کی بقاء اور فنا کا وقت مقرر کر رکھا ہے اس میں انسان بھی شامل ہے انسان کو پیدا کرنے کا مقصد زمین میں خلافت کی ذمہ داری پوری کرنا اور اپنے رب کی بندگی کرنا ہے۔ جس کی تشریح نزولِ آدم کے وقت کر دی گئی تھی کہ اے آدم زمین پر اُتر جاؤ۔ اور ایک مدت تک تمہارا وہاں رہنا اور فائدہ اٹھانا ہے یاد رکھو کہ اپنے رب کی راہنمائی کے مطابق زندگی گزارو گے تو دنیا اور آخرت میں اجر پاؤ گے اگر نافرمانی کا راستہ اختیار کرو گے تو سزا سے دوچار ہو گے۔

كَانُوْٓا	اَشَدَّ	مِنْهُمْ	قُوَّةً	وَّ اَثَارُوا	الْاَرْضَ	وَ عَمَرُوْهَآ
وہ تھے	بہت زیادہ سخت	ان سے	قوت میں	اورانہوں نے پھاڑا	زمین کو	اورانہوں نے آباد کیا
اَكْثَرَ	مِمَّا	عَمَرُوْهَا	وَجَآءَتْهُمْ	رُسُلُهُمْ	بِالْبَيِّنٰتِ ط	فَمَا
بہت زیادہ	اس سے جو	انہوں نے آباد کیا	اورلائے ان کے پاس	ان کے رسول	واضح دلائل	پھر نہیں
كَانَ	اللّٰهُ	لِيَظْلِمَهُمْ	وَلٰكِنْ	كَانُوْٓا	اَنْفُسَهُمْ	يَظْلِمُوْنَ ط ۹
تھا	اللہ	کہ وہ ظلم کرتا ان پر	اورلیکن	تھے وہ	اپنے آپ پر	ظلم کرتے
ثُمَّ	كَانَ	عَاقِبَةَ	الَّذِيْنَ	اَسَآءُوا	السُّوْٓاٰى	اَنْ
پھر	ہوا	انجام	جولوگ	برا کیا تھا	براہی	یہ کہ
كَذَّبُوْا	بِاٰيٰتِ	اللّٰهِ	وَكَانُوْا	بِهَا	يَسْتَهْزِءُوْنَ ۱۰ ع	
انہوں نے جھٹلایا	آیات کو	اللہ کی	اوروہ تھے	ساتھ اس کے	وہ مذاق اڑاتے	

ع ۱ ۱۰ ۴

وہ ان سے زیادہ طاقت رکھتے تھے، اُنہوں نے زمین کو خوب آباد کیا تھا اور اُسے اتنا آباد کیا تھا جتنا اِنہوں نے نہیں کیا تھا۔ اُن کے پاس اُن کے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے۔ اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا مگر وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔(۹) جن لوگوں نے برائیاں کی تھیں ان کا انجام بہت بُرا ہوا اس لیے کہ اُنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا تھا اور وہ اُن کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے۔“(۱۰)

اس فرض کی ادائیگی کے لیے انسان کو ایک مہلت دی گئی ہے مگر اس کے باوجود انسان اپنے خالق کو بھول جاتا ہے ایسے انسانوں کی ہر دور میں اکثریت رہی ہے، جن میں مکہ کے مشرک سرفہرست تھے، اس لیے انہیں براہ راست کہا گیا کہ کیا انہوں نے دنیا کی تاریخ پر غور نہیں کیا؟ کہ ان سے پہلے کتنے لوگ گزر چکے ہیں جو طاقت اور عمر کے حوالے سے ان سے بڑھ کر تھے اور انہوں نے ان سے زیادہ زمین پر ترقی کی اور اپنے اثرات چھوڑے ہیں۔ ان کے پاس واضح دلائل اور کھلے معجزات کے ساتھ رسول بھیجے گئے لیکن انہوں نے اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا اور انبیاء کی اطاعت کرنے کی بجائے ظلم اور نافرمانی کا راستہ اختیار کیا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں تہس نہس کر دیا کیونکہ یہ لوگ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے، ظلم سے مراد شرک اور آپس کے مظالم بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا، انہوں نے ”اللہ“ کی آیات کو جھٹلایا اور مذاق کیا جس کے نتیجہ میں بُرا انجام پایا، ان کی غفلت کا بنیادی سبب دنیا کے وسائل پر اترانا اور آخرت کی جوابدہی کو بھول جانا تھا۔

ظلم کا انجام:

«عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ يَقُوْلُ فِيْ بَعْضِ صَلَاتِهِ اللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا

يَسِيرًا فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ مَا الْحِسَابُ الْيَسِيرُ قَالَ أَنْ يَنْظُرَ فِي كِتَابِهِ فَيَتَجَاوَزَ عَنْهُ إِنَّهُ مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ يَوْمَئِذٍ يَا عَائِشَةُ هَلَكَ وَكُلُّ مَا يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ يُكَفِّرُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهِ عَنْهُ حَتَّى الشَّوْكَةُ تَشُوكُهُ» (رواہ احمد: مسند عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا [صحیح])

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے نبی ﷺ کو بعض نمازوں میں یہ الفاظ پڑھتے ہوئے سنا آپ فرماتے اے بارِ الٰہا! میرا حساب و کتاب آسان فرمانا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کی اللہ کے پیغمبر حساب یسیر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ انسان کے نامہ اعمال کی طرف دیکھ کر اُسے چھوڑ دیا جائے۔ اس دن جس سے حساب و کتاب میں پوچھ گچھ شروع ہوگئی وہ ہلاک ہوگیا اور ہر وہ تکلیف جو مومن کو پہنچتی ہے اللہ عز وجل اس کے عوض اس کے گناہ مٹا دیتا ہے حتیٰ کہ کانٹا چبھنے سے بھی گناہ مٹ جاتے ہیں۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمانوں میں کوئی چیز بے مقصد پیدا نہیں کی۔

٢۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک وقت تک مہلت دی ہے جس سے انسان غلط فائدہ اٹھا کر اپنے رب کو بھول جاتا ہے۔

٣۔ اللہ کے نافرمانوں کو غور کرنا چاہیے کہ ان سے پہلے کتنے ترقی یافتہ اور طاقت ور لوگ تباہ کر دیئے گئے۔

٤۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ ٥۔ بُرے لوگوں کا انجام بُرا ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

دنیا میں نافرمان لوگوں کا انجام:

١۔ دیکھیں فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ (الاعراف: ١٠٣) ٢۔ دیکھیں ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔ (یونس: ٣٩)

٣۔ زمین میں چل کر دیکھیں مجرموں کا انجام کیسا ہوا۔ (النمل: ٦٩)

٤۔ آپ ﷺ دیکھیں جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔ (الزخرف: ٢٥)

٥۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ نے ان سے پہلے بستیوں کو ہلاک کیا جو طاقت، قوت اور مال کے لحاظ سے مکہ والوں سے بڑھ کر تھے۔ (القصص: ٧٨)

٦۔ قومِ نوح نے جب حضرت نوح کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں غرق کر دیا۔ (الفرقان: ٣٧)

٧۔ ثمود زوردار آواز کے ساتھ ہلاک کیے گئے۔ (الحاقہ: ٥) ٨۔ قوم عاد نے جھٹلایا تو اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ (الشعراء: ١٣٩)

٩۔ جب قوم لوط پر ہمارا عذاب آیا تو ہم نے ان پر ان کی بستی کو اُلٹا کر پتھروں کی بارش کی۔ (ھود: ٨٢)

١٠۔ ہم نے آلِ فرعون سے انتقام لیا اور انہیں دریا میں غرق کر دیا۔ (الاعراف: ١٣٦)

ثُمَّ	يُعِيْدُهٗ	ثُمَّ	الْخَلْقَ	يَبْدَؤُا	اَللّٰهُ
پھر	وہ اسے دوبارہ پیدا کرے گا	پھر	مخلوق	پہلی بار وہ پیدا کرتا ہے	اللہ

تُرْجَعُوْنَ ⑪	اِلَيْهِ
تم لوٹائے جاؤ گے	اسی کی طرف

’’اللہ ہی مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا پھر اسی کی طرف تم لُٹائے جاؤ گے۔‘‘ (۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام : کفار کی نافرمانی کا ایک سبب یہ ہے کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو یوں ہی پیدا کیا ہے اس لیے مرنے کے بعد ہم نے دوبارہ پیدا نہیں ہونا، یہاں ان کے باطل عقیدہ کا جواب دیا گیا ہے۔

جس ’’اللہ‘‘ نے انسان کو پہلے سے تیار شدہ نمونے کے بغیر پیدا کیا ہے دوسری مرتبہ اُسے پیدا کرنا اس کے لیے کیسے مشکل ہوگا؟ ہر انسان کو نہ صرف دوبارہ پیدا کیا جائے گا بلکہ سب نے اپنے رب کی بارگاہ میں پیش بھی ہونا ہے جب یہ دن قائم ہوگا تو اس دن مجرم بکے بکے رہ جائیں گے، نہ صرف بکے بکے ہوں گے بلکہ ہر طرف سے مایوس ہوں گے۔ پہلے بھی عرض کی جا چکی ہے کہ قرآن مجید کا تیسرا بڑا عنوان قیامِ قیامت اور اس میں حساب و کتاب کا مسئلہ ہے جس کا منکرینِ قیامت بلا دلیل انکار کرتے ہیں قیامت برپا ہونے کے قرآن مجید مختلف دلائل دیتا ہے یہاں انسان کی اپنی تخلیق کا حوالہ دیتے ہوئے قیامت قائم ہونے کا ثبوت دیا ہے کہ اے انسان اپنی طرف دیکھ اور اس پر غور کر جس رب نے تجھے پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے کیا اُس کے لیے تجھے دوبارہ پیدا کرنا مشکل ہے؟ کیوں نہیں نہ صرف وہ تجھے دوبارہ پیدا کرے گا بلکہ تو نے اس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا اور نیکی کی جزا اور بُرائی کی سزا پانا ہے۔

تفسیر بالقرآن

جس رب نے انسان کو پہلی دفعہ پیدا کیا ہے وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا:

۱۔ پہلے اور دوبارہ پیدا کرنے والا اور زمین و آسمان سے تمہارے لیے روزی کا بندوبست کرنے والا ’’اللہ‘‘ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے؟ (النمل: ۶۴)

۲۔ آپ ﷺ فرما دیں اللہ ہی نے مخلوق کی ابتداء کی اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا پھر تم کہاں بہک گئے ہو؟ (یونس: ۳۴)

۳۔ ’’اللہ‘‘ ہی نے مخلوق کو پیدا کیا پھر وہ اسے دوبارہ پیدا کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (الروم: ۱۱)

۴۔ وہ کہتے ہیں ہمیں کون دوبارہ زندہ کرے گا؟ فرما دیجیے جس نے پہلی بار پیدا کیا تھا وہی پیدا کرے گا۔ (بنی اسرائیل: ۵۱)

۵۔ ہم نے زمین سے تمہیں پیدا کیا اسی میں لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ اٹھائیں گے۔ (طٰہٰ: ۵۵)

وَ يَوْمَ	تَقُوْمُ	السَّاعَةُ	يُبْلِسُ	الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾	وَ لَمْ	يَكُنْ
اور جس دن	قائم ہوگی	قیامت	مایوس ہوجائیں گے	مجرم	اور نہیں	ہوں گے

لَّهُمْ	مِّنْ	شُرَكَآىِٕهِمْ	شُفَعٰٓؤُا	وَ كَانُوْا	بِشُرَكَآىِٕهِمْ	كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾
ان کے لیے	سے	ان کے شریکوں	کوئی شفارشی	اور ہوجائیں گے	اپنے شریکوں کا	انکار کرنے والے

''اور جس دن قیامت برپا ہوگی تو اس دن مجرم مایوس ہوجائیں گے۔(۱۲) ان کے بنائے ہوئے شریکوں میں سے نہ صرف کوئی ان کا سفارشی ہوگا بلکہ وہ خود اپنے بنائے ہوئے شریکوں کا انکار کریں گے۔''(۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار جس دن کا انکار کرتے ہیں اس دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو اپنے حضور پیش کرے گا اور اس دن مشرکین کی یہ حالت ہوگی۔

قیامت کے بارے میں مشرک اس لیے لا پرواہی کرتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ جن کو میں رب تعالیٰ کا مقرب سمجھ کر پوجتا ہوں اور ان کے سامنے نذر و نیاز پیش کرتا ہوں وہ قیامت کے دن مجھے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچا لیں گے کیونکہ یہ اس کے پیارے اور مقرب ہیں اسے لیے ان کی سفارش مسترد نہیں ہوگی، حالانکہ اس دن صورتِ حال اس قدر ہولناک ہوگی کہ جو لوگ دنیا میں یہ دعویٰ کرتے تھے کہ مرشد کے بغیر قیامت کے دن نجات نہیں ہوگی اور مرید ہمارے جھنڈے تلے ہوں گے۔ جوں ہی اپنے مریدوں کو دیکھیں گے تو وہ ان سے برأت کا اعلان کردیں گے مرید اپنے پیروں سے کہیں گے کہ تم تو ہماری بخشش کے دعوے کیا کرتے تھے اور تمہی نے ہمیں گمراہ کیا تھا جواب میں پیر کہیں گے کہ ہم نے تمہیں گمراہ نہیں کیا تم تو خود ہی گمراہی کو پسند کرتے تھے لہٰذا آج ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتے جونہی مرید اپنے پیروں، ورکر اپنے لیڈروں اور عابد اپنے معبودوں سے مایوس ہوں گے تو مرید بھی اُن سے کہیں گے ہم بھی تمہیں بڑا نہیں مانتے لیکن اس وقت اس انکار کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

معبودوں کا اپنی عبادت سے انکار کرنا:

۱۔ قیامت کے دن معبود اپنی عبادت کا انکار کردیں گے۔(یونس:۲۸)

۲۔ قیامت کے دن مشرک اپنے شرکاء کو دیکھ کر کہیں گے کہ ہم ان کی عبادت کرتے تھے مگر انکے معبود انکار کردینگے۔(النحل:۸۶)

۳۔ قیامت کے دن مشرک اپنے معبودوں کو دیکھ کر کہیں گے یہ لوگ ہمیں گمراہ کرنے والے تھے۔(القصص:۶۳)

۴۔ قیامت کے دن پیر اپنے مریدوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔(البقرۃ:۱۶۶)

۵۔ قیامت کے دن مشرکوں سے کہا جائے گا اپنے معبودوں کو پکارو لیکن ان کے معبود ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دیں گے۔(الکہف:۵۲)

وَيَوْمَ	تَقُوْمُ	السَّاعَةُ	يَوْمَئِذٍ	يَّتَفَرَّقُوْنَ ⑭	فَاَمَّا	الَّذِيْنَ
اور جس دن	قائم ہوگی	قیامت	اس دن	وہ الگ الگ ہو جائیں گے	لیکن	جو لوگ
اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	فَهُمْ	فِيْ	رَوْضَةٍ	
وہ ایمان لائے	اور انہوں نے عمل کیے	نیک	تو وہ	میں	باغ	
يُّحْبَرُوْنَ ⑮	وَاَمَّا	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	وَكَذَّبُوْا	بِاٰيٰتِنَا	
خوش وخرم کیے جائیں گے	اور لیکن	جو لوگ	انہوں نے کفر کیا	اور انہوں نے جھٹلایا	ہماری آیتوں کو	
وَلِقَآئِ	الْاٰخِرَةِ	فَاُولٰٓئِكَ	فِي	الْعَذَابِ	مُحْضَرُوْنَ ⑯	
اور ملاقات کو	آخرت کی	تو یہی لوگ	میں	عذاب	حاضر کیے جائیں گے	

''جس دن قیامت برپا ہوگی اس دن لوگ الگ گروہوں میں بٹ جائیں گے۔(۱۴) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں انہیں جنت میں خوش وخرم رکھا جائے گا۔(۱۵) اور جنہوں نے کفر کیا ہے اور ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا وہ عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔''(۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کے دن نہ صرف عابد اپنے معبودوں کی عبادت کے انکاری ہوں گے بلکہ وہ ان سے اپنا دامن بھی بچالیں گے۔

قیامت کے دن عابد اپنے معبودوں سے الگ ہو جائیں گے ان الفاظ کے دو مفہوم لیے جا سکتے ہیں دونوں کا ثبوت قرآن مجید میں موجود ہے۔

① دنیا میں مشرک اپنے معبودوں کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر تعظیم کرتے ہیں اس تعظیم میں ان کے سامنے مؤدّب ہو کر کھڑے ہونا، ہاتھ جوڑنا جھکنا، سجدہ کرنا اور نذر و نیاز پیش کرنا شامل ہے یہی تو عبادت ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہونی چاہیے مگر اکثر مشرک اسے بزرگوں کی تعظیم کے طور پر کرتے ہیں اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب پانے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ قرآن مجید نے اس سے بار بار منع کیا اور اسے شرک قرار دیا ہے۔ اس کے باوجود مشرک ان کو ''اللہ'' کے لئے وسیلہ بناتے ہیں زندگی بھر ان کے ساتھ چمٹے رہتے ہیں۔ قیامت کے دن عابد اور معبود، طالب اور مطلوب، ساجد اور مسجود کو الگ الگ کر دیا جائے گا اور کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔

② مجرموں کو ان کے گناہوں اور جرائم کے اعتبار سے الگ الگ کر دیا جائے گا جو لوگ سچے دل سے ایمان لائے اور صالح اعمال کرتے رہے انہیں جنت کے باغوں میں داخل کیا جائے گا اور وہاں وہ ہر طرح خوش وخرم ہوں گے، جنہوں نے کفر کیا اور اللہ جل جلالہ کے ارشادات کی تکذیب کی اور قیامت کے دن کی ملاقات کو جھٹلایا وہ عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔

{ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾ } (الانعام:۲۳)

’’پھران کا کہنا اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ کہیں گے اللہ کی قسم! اے ہمارے رب! ہم شریک بنانے والے نہ تھے۔‘‘

مسائل

۱۔ کافر اور مشرک کی کوئی بھی سفارش نہیں کر پائے گا۔ ۲۔ قیامت کی ہولناکیاں دیکھ کر مشرک اپنے معبودوں کا انکار کر دیں گے۔

۳۔ قیامت کے دن مجرموں سے مومنوں کو ممتاز کیا جائے گا اور مجرموں کی درجہ بندی کی جائے گی۔

۴۔ خالص عقیدہ رکھنے اور نیک اعمال کرنے والے جنت میں خوش وخرم ہوں گے۔

۵۔ اللہ کی آیات اور اس کی ملاقات کو جھٹلانے والے جہنم میں ذلیل وخوار ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

جنتیوں کے انعامات:

۱۔ ہم ان کے دلوں سے کینہ نکال دیں گے اور سب ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے۔ (الحجر: ۴۷۔۴۸)

۲۔ جس جنت کا مومنوں کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے اس کے نیچے نہریں جاری ہیں اور اس کے پھل اور سائے ہمیشہ کے لیے ہوں گے۔ (الرعد: ۳۵)

۳۔ جنت میں بے خار بیریاں، تہہ بہ تہہ کیلے، لمبا سایہ، چلتا ہوا پانی اور کثرت سے میوے ہوں گے۔ (الواقعۃ: ۲۸ تا ۳۰)

۴۔ جنت کے میوے ٹپک رہے ہوں گے۔ (الحاقۃ: ۲۳) ۵۔ جنتیوں کو ملائکہ سلام کریں گے۔ (الزمر: ۸۹)

۵۔ جنت میں وہ سب کچھ ہوگا جس کی جنتی خواہش کرے گا۔ (حٰم السجدۃ: ۳۱)

جہنمیوں کی سزائیں:

۱۔ قیامت کے دن مجرموں کو باہم زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا۔ (ابراہیم: ۴۹)

۲۔ قیامت کے دن کفار کو طوق پہنا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (الحاقۃ: ۳۰۔۳۱)

۳۔ قیامت کے دن مجرموں کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوگی۔ (المعارج: ۴۴)

۴۔ قیامت کے دن مجرموں کے اُبرو پاؤں کے انگوٹھے کے بالوں سے باندھ دیے جائیں گے۔ (الرحمٰن: ۴۱)

۵۔ بے شک مشرک ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہیں گے۔ (الزخرف: ۷۴)

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿١٧﴾ وَلَهُ

پس تسبیح کرو اللہ کی جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو اور اسی کے لیے

الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿١٨﴾

تمام تعریفیں ہیں میں آسمانوں اور زمین اور سہ پہر اور جب تم ظہر کرو

”پس اللہ کی تسبیح کرو جب شام کرتے ہو اور جب صبح کرتے ہو۔(۱۷) آسمانوں اور زمین میں اُسی کے لیے حمد ہے اور تیسرے پہر اور جب تم پر ظہر کا وقت آتا ہے۔“(۱۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنت کے حصول اور جہنم سے بچنے کا مؤثر ترین ذریعہ ”رب“ کے حضور نماز پڑھنا اور اس کا ثناخواں رہنا ہے۔

کفار ”اللہ“ کی ذات کے منکر اور اس کے احکام اور ملاقات کو قولاً اور فعلاً جھٹلانے والے ہیں جس وجہ سے جہنم میں جھونکے جائیں گے جہنم سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ پر سچا ایمان لایا جائے اور اس کے احکام کی تعمیل کی جائے جس کا عملی مظاہرہ یہ ہے کہ آدمی صبح، شام، سہ پہر اور ظہر کے وقت اپنے رب کو یاد کرے یہ اس لیے بھی لازم ہے کہ زمین کا ذرہ ذرہ اور آسمانوں کا چپہ چپہ اپنے رب کی حمد بیان کرنے میں لگا ہوا ہے گویا کہ انسان کے گردو پیش اور اوپر نیچے کا ماحول اپنے رب کا ثناخواں ہے جس سے انسان پر یہ بات لازم ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اوقات میں بالخصوص اُسے یاد کرے۔ اکثر مفسرین نے ان اوقات میں اللہ کو یاد کرنے سے مراد پنجگانہ نماز لی ہے اسی لیے پنجگانہ نماز فرض قرار دی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کی یاد کا بہترین ذریعہ اور طریقہ ہے ظاہر ہے یہ کام وہی شخص کرے گا جو اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان، اس کے احکام کی تعمیل اور قیامت کے دن کی ملاقات پر یقین رکھتا ہے، قرآن مجید میں اکثر مقامات پر نماز کے لیے ”اَقِيْمُوْا“ کا لفظ آیا ہے سورہ کوثر میں ”فَصَلِّ“ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا صاف معنٰی ہے کہ نماز اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کو یاد کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، جاہل صوفی اور حدیثِ رسول کے منکر یہ کہہ کر نماز کا انکار کرتے ہیں کہ اصل چیز اللہ کو یاد کرنا ہے اگر مسنون طریقہ کے ساتھ نماز نہ پڑھی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ حالانکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صبح و شام، ظہر اور عصر کے وقت تسبیح پڑھنے سے مراد فجر، ظہر، عصر اور مغرب کی نماز لی ہے۔ اس آیتِ مبارکہ کی روشنی میں رسول اکرم ﷺ نے نماز کے اوقات مقرر فرمائے ہیں۔

”حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول ﷺ سے نماز کے اوقات کے بارے میں سوال کیا آپ نے فرمایا: تم ہمارے ساتھ دو دن نمازیں ادا کرو۔ پہلے دن جب سورج ڈھلا ہی تھا تو بلال کو اذان کا حکم دیا اس کے بعد اقامتِ ظہر ہوئی پھر بلال رضی اللہ عنہ کو نماز عصر کی اقامت کا حکم فرمایا جبکہ سورج کافی بلند اور ابھی دھوپ تیز تھی پھر سورج غروب ہوتے ہی مغرب کی نماز کھڑی فرمائی ابھی سورج کی سرخی ختم ہونے ہی پائی تھی تو عشاء کی نماز قائم کرنے

کا حکم فرمایا پھر صبح کی نماز کا حکم دیا جبکہ فجر ابھی نمودار ہوئی تھی جب دوسرا دن ہوا تو بلال رضی اللہ عنہ کو نماز ظہر ٹھنڈی کرنے کا حکم صادر فرمایا اس نے خوب ٹھنڈے وقت میں اذان کہی، نماز عصر تاخیر سے ادا فرمائی لیکن سورج ابھی بلندی پر تھا، نماز مغرب سورج کی روشنی کے آثار ختم ہونے سے پہلے ادا کی، جب رات کا تیسرا حصہ گزر گیا تو نمازِ عشا ادا کی، نماز فجر اس وقت ادا کی جب صبح کی روشنی خوب پھیل چکی تھی اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ نمازوں کے اوقات پوچھنے والا کہاں ہے؟ وہ عرض کرتا ہے کہ اللہ کے رسول میں حاضر ہوں فرمایا تمہاری نمازوں کے وقت ان اوقات کے درمیان ہیں۔'' (رواہ البخاری: کتاب مواقیت الصلوٰۃ)

تسبیح کی فضیلت:

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ إِلَي الرَّحْمَنِ ، خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ»

(رواہ البخاری: کتاب التوحید)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: دو کلمے رحمان کو بڑے پسند ہیں زبان سے ادا کرنے میں آسان اور وزن کے لحاظ سے بھاری ہیں۔

مسائل

۱۔ نماز ''اللہ'' کی تسبیح کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ ۲۔ زمین وآسماں اور ہر چیز اپنے رب کی حمد بیان کرتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن میں نماز کے اوقات:

۱۔ نماز قائم کرو سورج کے ڈھلنے سے لیکر رات تک اور فجر کے وقت قرآن پڑھا کرو۔ (بنی اسرائیل: ۷۸)

۲۔ دن کے دونوں سروں یعنی صبح شام اور رات کی ساعات میں نماز پڑھا کرو۔ (ھود: ۱۱۴)

۳۔ اللہ کی تسبیح صبح شام بیان کرو اور تیسرے پہر بھی اور جب دوپہر ہو تب بھی۔ (الروم: ۱۷۔ ۱۸)

۴۔ سورج طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے اللہ کی تسبیح بیان کریں رات کے کچھ اوقات میں اور نماز کے بعد بھی۔ (قٓ: ۳۹۔ ۴۰)

۵۔ سورج نکلنے اور غروب ہونے سے پہلے اور رات کے اوقات میں اور دن کے اطراف میں تسبیح وتحمید بیان کریں۔ (طٰہٰ: ۱۳۰) یاد رہے کہ یہاں تسبیح سے مراد بھی نماز ہے۔

يُخْرِجُ	الْحَيَّ	مِنَ	الْمَيِّتِ	وَيُخْرِجُ	الْمَيِّتَ	مِنَ
وہ نکالتا ہے	زندہ کو	سے	مردہ	اور وہ نکالتا ہے	مردہ کو	سے

الْحَيِّ	وَيُحْيِ	الْاَرْضَ	بَعْدَ	مَوْتِهَا ط	وَكَذٰلِكَ	تُخْرَجُوْنَ ۝۱۹ ع
زندہ	اور وہ زندہ کرتا ہے	زمین کو	بعد	اس کی موت کے	اور اسی طرح	تم نکالے جاؤ گے

وَمِنْ	اٰيٰتِهٖٓ	اَنْ	خَلَقَكُمْ	مِّنْ	تُرَابٍ	ثُمَّ
اور سے	اس کی نشانیوں	یہ کہ	اس نے تمہیں پیدا کیا	سے	مٹی	پھر

اِذَآ	اَنْتُمْ	بَشَرٌ	تَنْتَشِرُوْنَ ۝۲۰
ناگہاں	تم	انسان	پھیل رہے ہو

٢٩ ع ٥

”وہ زندہ کو مُردے سے نکالتا ہے اور مُردے کو زندہ سے نکالتا ہے اور زمین کو اس کی مُردگی کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ اسی طرح تم بھی نکال لیے جاؤ گے۔ (۱۹) یہ اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تم پھیلتے چلے جا رہے ہو۔“ (۲۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا اور اس کے حضور نماز پڑھنا اس لیے ضروری ہے کیونکہ وہی زندہ سے مردہ اور مردے سے زندہ پیدا کرتا ہے اور اسی نے انسان کو مٹی سے پیدا فرمایا اور زمین میں بکھیر دیا۔

اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا اور اس کے حضور اس لیے جھکنا ہے کیونکہ وہی زندہ سے مُردہ اور مُردہ سے زندہ پیدا کرتا ہے جس کا ایک واضح ثبوت یہ دھرتی ہے جس کا انسان پوری زندگی مشاہدہ کرتا اور اس پر بسیرہ کرتا ہے بالخصوص صحرا میں رہنے والے لوگ جانتے ہیں کہ جب بارش نہ ہو تو وہاں بسنے والے لوگ اس قدر مایوس ہو جاتے ہیں کہ انہیں ہجرت کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔ جونہی بارش ہوتی ہے تو وہی صحرا اس قدر شاداب ہو جاتا ہے کہ اس کا سہانا اور دلکش منظر دیکھنے کے لیے لوگ دور دور کے شہروں سے آکر کئی کئی روز وہاں تفریح کے طور پر قیام کرتے ہیں۔ جس طرح زمین بارش سے زندہ ہو جاتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مردہ زمین سے مردہ انسانوں کو زندہ کرے گا اور اسی مُردہ زمین سے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اس کے بعد نسل در نسل تخلیقِ انسانی کا سلسلہ جاری فرمایا۔ انسان کی خوراک رہنا سہنا اور مرنا جینا بھی مٹی کے ساتھ وابستہ ہے۔ انسان اپنی پیدائش پر غور کرے تو اسے علم نہیں یقین ہو جائے گا کہ اس کی اپنی پیدائش بھی مردہ سے ہوئی ہے۔ انسانِ اوّل یعنی آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے جو آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت بھی بے حس و حرکت یعنی مردہ تھی اور آج بھی حس و حرکت سے محروم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو عزرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین سے مٹی اٹھا لاؤ۔ عزرائیل علیہ السلام مٹی اٹھا لائے تو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے انسان کا ڈھانچہ بنایا پھر اس میں روح پھونکی تو مردہ زمین سے

چلنے، پھرنے، اٹھنے، بیٹھنے اور کھانے، پینے والا زندہ انسان معرضِ وجود میں آیا۔ اس کے بعد آدم علیہ السلام سے اس کی بیوی کو پیدا کیا پھر اس کی افزائش کا سلسلہ شروع فرمایا جو قیامت تک جاری رہے گا ہر انسان اپنی تخلیق پر غور کرے کہ اس کی پیدائش پانی کی بوند سے ہوتی ہے جو لاتعداد جرثوموں پر مشتمل ہوتی ہے۔ خالق کی تخلیق پر غور فرمائیں کہ اس نے اس بوند سے خون کا لوتھڑا بنایا اور پھر لوتھڑے سے انسان کا بہترین وجود بنایا اور اس کے بعد اس میں روح پھونکی اور بطنِ مادر میں ہی اس کے مستقبل کے معاملات طے فرما دیئے۔ انسان ہر دور میں چیزیں ایجاد کرتے اور بناتے رہے ہیں اور بناتے رہیں گے لیکن کوئی انسان پانی کے ایک قطرے کے ایک حقیر سے جرثومے سے کوئی چیز ایجاد نہیں کر سکا اور نہ کر سکے گا۔ بالخصوص کوئی جاندار چیز تو کبھی نہیں بنا سکے گا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ اس نے پانی کی ایک بوند سے بہترین شکل وصورت والا انسان پیدا کیا اس لیے اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی تخلیق کے بارے میں بار بار غور کرنے کا حکم دیتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے کہ اس نے انسان کو مٹی سے بنایا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہی انسان کی نسل چلانے اور پھیلانے والا ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ کرتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح ہی قیامت کے دن لوگوں کو پیدا کرے گا۔

تفسیر بالقرآن

تخلیقِ انسان کے مراحل:

۱۔ یقیناً ہم نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ (الحجر: ۲۶)

۲۔ اللہ نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔ (الدھر: ۲)

۳۔ اللہ نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ (المومنون: ۱۲)

۴۔ حوا کو حضرت آدم سے پیدا فرمایا۔ (النساء: ۱)

۵۔ کیا تو اس ذات کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا فرمایا۔ (الکھف: ۳۷)

۶۔ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا۔ (الروم: ۲۰)

۷۔ "اللہ" نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ، پھر لوتھڑا بنا کر تمہیں پیدا کرتا ہے پھر تم بچے ہوتے ہو۔ (المومن: ۶۷)

۸۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تمہارے جوڑے جوڑے بنائے۔ (فاطر: ۱۱)

۹۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اسے نطفہ بنایا، پھر اس سے خون کا لوتھڑا، پھر اس سے بوٹی بنا کر جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ (الحج: ۵)

وَمِنْ	اٰيٰتِهٖٓ	اَنْ	خَلَقَ	لَكُمْ	مِّنْ	اَنْفُسِكُمْ
اور سے	اس کی نشانیوں	یہ کہ	اس نے پیدا کیا	تمہارے لیے	سے	تمہارے نفسوں
اَزْوَاجًا	لِّتَسْكُنُوْٓا	اِلَيْهَا	وَجَعَلَ	بَيْنَكُمْ	مَّوَدَّةً	
بیویاں	تاکہ تم سکون حاصل کرو	ان کی طرف	اور اس نے پیدا کر دی	تمہارے درمیان	محبت	
وَّرَحْمَةً	اِنَّ	فِيْ	ذٰلِكَ	لَاٰيٰتٍ	لِّقَوْمٍ	يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١﴾
اور مہربانی	بلاشبہ	میں	اس	البتہ نشانیاں ہیں	اس قوم کے لیے	جو غور وفکر کرتے ہیں

’’اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ایک نشانی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم اُن سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور شفقت پیدا فرما دی۔ یقیناً اس میں اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔‘‘ (٢١)

فہم القرآن

ربطِ کلام: تخلیقِ انسانی کا دارومدار میاں بیوی کے ملاپ پر ہے اس لیے اب میاں بیوی کے تعلقات کا ذکر ہوتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا اس کی تسکین اور نسل کو جاری رکھنے کے لیے اسی سے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا کیا۔ اور اس کے بعد میاں، بیوی کا رشتہ قائم فرمایا۔ اس رشتہ کے تین بنیادی تقاضے ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی ناپید ہو جائے تو ازدواجی زندگی بے لطف، بے قراری اور ناہمواری کا شکار ہو جاتی ہے ① میاں بیوی کے درمیان پُرسکون ماحول ہونا چاہیے جو باہمی اعتماد کے بغیر ممکن نہیں۔ ② اتحاد اور اعتماد باہمی محبت کے بغیر قائم نہیں ہوتا۔ ③ باہمی محبت و احترام کے لیے لازم ہے کہ ایک دوسرے کیساتھ شفقت و مہربانی کا روّیہ اختیار کیا جائے جس کے نتیجہ میں ایک دوسرے کی کوتاہی کو معاف کیا جانا چاہیے۔

میاں، بیوی کا رشتہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نتیجہ ہے یہ تعلق جتنا بہتر ہوگا اتنا ہی اچھا اولاد کی تربیت پر اثر پڑے گا میاں بیوی معاشرے کا بنیادی یونٹ ہیں اس یونٹ کو مضبوط اور بہتر سے بہترین ہونا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں وہ شخص بہتر ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ بہتر سلوک کرتا ہے۔ میاں، بیوی کے رشتہ میں اللہ کی قدرت ملاحظہ فرمائیں کہ کتنے جوڑے ہیں جو نکاح سے پہلے ایک دوسرے کو جانتے تک نہیں بلکہ ان کے خاندان بھی ایک دوسرے کے واقف نہیں ہوتے۔ یہ جوڑا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہوتا ہے۔ اس لیے محاورہ ہے کہ ’’رشتے زمین پر نہیں آسمانوں پر طے ہوتے ہیں۔‘‘ جونہی میاں، بیوی کا رشتہ قائم ہوتا ہے تو دونوں خاندانوں میں بھائی چارہ اور میاں، بیوی کے درمیان اس قدر گہرا تعلق قائم ہو جاتا ہے کہ جو بیٹی والدین کے گھر سے باہر ایک رات رہنے کا سوچ نہیں سکتی۔ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد

والدین کے گھر آئے تو واپس جانے کے لیے بیتاب ہوتی ہے۔ جوں جوں اولاد ہوتی ہے توں توں والدین سے تعلق کم ہوتا چلا جاتا ہے یہ اللہ کی قدرت نہیں تو اور کیا ہے؟ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اپنی بیویوں کی قدر کیا کرو کیونکہ ''اللہ'' کے حکم سے ان کا وجود اور عزت و ناموس تمہارے لیے جائز قرار پایا ہے۔

((عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰه))

(رواہ مسلم: باب حَجَّةِ النَّبِیِّ ﷺ)

''جعفر بن محمد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اللہ کے حکم سے تمہاری بیویوں کی شرم گاہیں تمہارے لیے حلال قرار پائی ہیں۔''

((خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِأَهْلِهٖ وَأَنَا خَیْرُکُمْ لِأَهْلِیْ)) (رواہ الترمذی: کتاب المناقب عن رسول اللہ [صحیح])

''وہی شخص اعلیٰ اخلاق کا مالک ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے لیے بہتر ہے اور میں تم سے اپنے گھر والوں کے بارے میں بہت بہتر ہوں۔''

((عَنْ حَکِیْمِ بْنِ مُعَاوِیَةَ الْقُشَیْرِیِّ عَنْ أَبِیْهِ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ !مَا حَقُّ زَوْجَةِ أَحَدِنَا عَلَیْهِ قَالَ أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ وَتَکْسُوَهَا إِذَا اکْتَسَیْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِی الْبَیْتِ)) (رواہ أبو داؤد: کتاب النکاح، باب فی حق المرأة علی زوجها [حسن صحیح])

''حضرت حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم پر ہماری بیویوں کے کیا حقوق ہیں؟ آپ نے فرمایا: جب کھانا کھائے تو اسے بھی کھلائے جب کپڑے پہنے تو اسے بھی پہنائے، اسکے منہ پر نہ مارے اور نہ ہی اسے گالی دے اور اسے نہ چھوڑ مگر گھر میں۔''

مسائل

۱۔ میاں، بیوی کا رشتہ ''اللہ'' کی قدرت کی نشانی ہے۔ ۲۔ میاں، بیوی کے درمیان محبت و مہربانی کا معاملہ ہونا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

میاں، بیوی کا تعلق اور حقوق:

۱۔ میاں، بیوی آپس میں لباس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (البقرۃ: ۱۸۷) ۲۔ بیوی نسلِ انسانی کا ذریعہ ہے۔ (النساء: ۱)

۳۔ بیوی سکون کا باعث ہے۔ (الروم: ۲۱) ۴۔ بیوی خاوند کی نائب ہے اور خاوند گھر کا منتظم ہے۔ (النساء: ۳۴)

۵۔ نبھا نہ ہونے کی صورت میں بیوی کو بہتر طریقے سے رکھنا چاہیے اور اچھے طریقے سے ہی چھوڑنا چاہیے۔ (البقرۃ: ۲۳۱)

وَمِنْ	اٰيٰتِهٖ	خَلْقُ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ	وَاخْتِلَافُ	اَلْسِنَتِكُمْ
اور سے	اس کی نشانیاں	پیدا کرنا	آسمانوں	اور زمین کا	اور مختلف ہونا	تمہاری زبانوں
وَاَلْوَانِكُمْ ؕ	اِنَّ	فِيْ	ذٰلِكَ	لَاٰيٰتٍ	لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾	
اور تمہارے رنگوں کا	بلاشبہ	میں	اس	البتہ نشانیاں ہیں	علم والوں کے لیے	

’’آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ’’اللہ‘‘ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ یقیناً جاننے والوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔‘‘ (۲۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ کی قدرت کی پانچویں اور چھٹی نشانی۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظیم نشانیوں میں عظیم تر نشانیاں یہ ہیں کہ اس نے آسمانوں کو ٹھوس صورت میں پیدا کیا اور بغیر ستونوں کے ٹھہرایا اور آسمانِ دنیا کو ستاروں سے خوبصورت بنایا اور شہابِ ثاقب کے ذریعے اس کی حفاظت فرمائی۔ آسمان کو اس طرح قائم فرمایا ہے کہ آج تک نہ کسی طرف جھکا ہے اور نہ ہی کہیں سے اس میں دراڑ واقع ہوئی ہے یہ ابد سے ازل تک جوں کا توں کھڑا ہے اور لوگوں کو دکھائی دیتا رہے گا، زمین پر غور فرمائیں کہ اسے تہہ بہ تہہ سات زمینوں میں تقسیم کیا اور پوری کی پوری زمین پانی پر بچھائی اور ٹھہرائی ہے۔ زمین اپنی وسعت اور وجود کے اعتبار سے اتنی بھاری اور بوجھل ہے کہ اس کے بوجھ کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا پھر اس پر جمادات، نباتات، حیوانات ٹھہرائے اور اس پر انسان بسائے لیکن اس کے باوجود کروڑوں سالوں سے پانی پر ٹھہری ہوئی ہے۔ نہ کہیں سے دھنسی ہے اور نہ ہی اس میں کوئی دراڑ پیدا ہوئی ہے۔ اسی طرح غور فرمائیں کہ ایک ہی آب و ہوا، ایک جیسی خوراک اور ایک ہی علاقے میں رہنے والے لاکھوں، کروڑوں انسان ایک ہی جیسی زبان (TONGUE) اور آب و ہوا رکھتے ہیں مگر بولیاں الگ الگ ہیں۔

اب تک دنیا میں تقریباً 6900 زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ویب سائٹ کی معلومات کے مطابق اب تک 60 فی صد لوگ جو زبانیں بولتے ہیں ان کی تعداد تیس ہے۔ جن میں مشہور یہ زبانیں ہیں۔

دنیا میں مشہور زبانوں کے نام اور ان کے بولنے والوں کی تعداد:

۱۔ چینی: 882 ملین ۲۔ ہسپانوی: 325 ملین ۳۔ انگریزی:- 312380 ملین

۴۔ عربی: 206-422 ملین ۵۔ ہندی: 181 ملین ۶۔ پُرتگالی: 178 ملین

۷۔ بنگالی: 173 ملین ۸۔ روسی: 146 ملین ۹۔ جاپانی: 128 ملین ۱۰۔ جرمن: 96 ملین

۱۱۔ اُردو بولنے والے اور سمجھنے والے تقریباً پچاس کروڑ سے زائد ہیں۔

وَمِنْ	اٰيٰتِهٖ	مَنَامُكُمْ	بِالَّيْلِ	وَالنَّهَارِ	وَابْتِغَآؤُكُمْ	مِّنْ
اور سے	اس کی نشانیوں	تمہارا سونا	رات	اور دن میں	اور تمہارا تلاش کرنا	سے
فَضْلِهٖ ؕ	اِنَّ	فِيْ	ذٰلِكَ	لَاٰيٰتٍ	لِّقَوْمٍ	يَّسْمَعُوْنَ ۝۲۳
اس کے فضل	بلاشبہ	میں	اس	البتہ نشانیاں	ان لوگوں کے لیے	وہ سنتے ہیں

''اور اُس کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن کو سونا اور دن کے وقت تمہارا اُس کے فضل کو تلاش کرنا ہے یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو توجہ سے بات سنتے ہیں۔'' (۲۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ساتویں اور آٹھویں نشانی۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں بے شمار اور اَن گنت ہیں لیکن اس کی قدرت کی کچھ ایسی نشانیاں اور نعمتیں ہیں جن سے استفادہ کیے بغیر کوئی آدمی رہ نہیں سکتا ان میں نیند بھی شامل ہے۔ نیک ہو یا بد، چھوٹا ہو یا بڑا، کافر ہو یا مسلمان، نیند ایسی نعمت ہے جسے انسان کی جبلّت میں رکھ دیا گیا ہے کوئی چاہے یا نہ چاہے، نیند کی آغوش میں جانا ہر ایک کی فطری ضرورت اور مجبوری ہے۔ اس فطری ضرورت میں انسان کی زندگی مضمر ہے جوں ہی آدمی نیند کی آغوش میں جاتا ہے تو اس کی جسمانی تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے یہاں تک کہ انسان کا غم بھی ہلکا ہو جاتا ہے۔ بالخصوص رات کی نیند انتہائی مفید بنا دی گئی ہے اگر انسان کو دو، تین دن نیند نہ آئے تو اس کا وجود اکڑ جاتا ہے اور وہ چلنے، پھرنے یہاں تک کہ سوچنے، سمجھنے کے قابل نہیں رہتا۔ میڈیکل سائنس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ روشنی کی بجائے آدمی کو اندھیرے میں سونا چاہیے کیونکہ اندھیرے میں سونے سے نہ صرف نیند گہری آتی ہے بلکہ اس سے سکون میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ گہری اور پُرسکون نیند کے ذریعے انسان کی دن بھر میں استعمال کی ہوئی انرجی بحال ہو جاتی ہے اور تھکا ماندہ انسان تازہ دم ہو کر صبح کو اپنے کام کے لیے نکل کھڑا ہوتا ہے۔ رات کی نیند کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد آدمی کو جلد سونا اور صبح جلد اٹھنا چاہیے۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ میڈیکل سائنس اس حقیقت تک پہنچ چکی ہے کہ پہلی رات کی نیند رات کے پچھلے پہر کی نیند سے کہیں بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی زندگی کو رات اور دن میں تقسیم کیا ہے۔ رات آرام اور سکون کے لیے ہے، دن کام اور دیگر مصروفیات کے لیے بنایا گیا ہے جس میں انسان اپنے رب کا فضل تلاش کرتا ہے۔ فضل سے مراد خوراک اور دیگر وسائل ہیں۔ رات اور دن میں سے کسی ایک کا وجود نہ ہو یا ان میں کوئی خلل واقع ہو جائے تو انسان ہی نہیں بلکہ پوری کائنات کا نظام ختم ہو جائے جو لوگ اپنے رب کے ارشادات توجہ سے سنتے اور ان پر غور کرتے ہیں یقیناً وہ ہدایت پاتے ہیں۔

''ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور بعد میں باتیں کرنے کو ناپسند

کرتے تھے۔‘‘(رواہ البخاری: باب مَایکْرَہُ مِنَ النَّوْمِ قبلَ الْعِشَاءِ)

سونے کی دعا:

نبی اکرم ﷺ سونے سے پہلے بہت سی دعائیں پڑھا کرتے تھے یہاں صرف چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

’’حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نبی مکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں جو شخص اپنے بستر پر لیٹتے ہوئے تین مرتبہ یہ کلمات کہتا ہے۔

’’أَسْتَغْفِرُ اللهَ الْعَظِيمَ الَّذِی لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ‘‘اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اگر چہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں، اگر چہ درختوں کے پتوں کی تعداد کے برابر ہوں، بیشک صحرا کی ریت کے ذروں کے برابر بھی ہوں، اگر چہ دنیا کے دنوں کی تعداد کے برابر ہوں۔‘‘(رواہ الترمذی: کتاب الدعوات[ضعیف])

سونے کے آداب:

① وضو کرنا۔ ② بسم اللہ پڑھ کر بستر پر جانا۔ ③ لیٹنے سے پہلے بستر کو اچھی طرح جھاڑنا۔ ④ دائیں کروٹ لیٹنا۔ ⑤ دایاں ہاتھ دایاں رخسار کے نیچے رکھ کر قبلہ رُخ ہو کر سونا۔ ⑥ مسنون دعائیں پڑھنا۔ ⑦ آیۃ الکرسی، سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیات، سورۃ السجدہ اور سورۃ الملک کی تلاوت کرنا ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھنا سنت نبوی ہے۔ اس کے بعد

«اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا» (رواہ البخاری: باب وَضعِ الْيَدِ الْيُمْنٰى تحتَ الخدِ الأيْمَنِ)

’’اے اللہ میں تیرے نام سے ہی مرتا ہوں اور تیرے نام سے ہی جیتا ہوں۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور عظیم نعمتوں میں نیند بہت بڑی نعمت ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے رات آرام اور دن کام کاج کے لیے بنایا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے ارشادات کو غور سے سننے والے ہی ہدایت پاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

رات اور دن کے فائدے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے رات کو باعثِ سکون اور دن کو کسبِ معاش کا ذریعہ بنایا ہے تا کہ اس کا شکریہ ادا کیا جائے۔(القصص: ۷۳)

۲۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تا کہ تم سکون حاصل کرو۔(یونس: ۶۷)

۳۔ اللہ کی رحمت کا نتیجہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے دن اور رات بنائے تا کہ تم تسکین حاصل کرو۔(القصص: ۸۲)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کو نشانیاں بنایا ہے۔(بنی اسرائیل: ۱۲)

۵۔ دن، رات، سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔(حٰم السجدۃ: ۳۷)

وَمِنْ	اٰيٰتِهٖ	يُرِيْكُمُ	الْبَرْقَ	خَوْفًا	وَّ طَمَعًا
اور سے	اس کی نشانیوں	وہ تمہیں دکھاتا ہے	بجلی	ڈرانے	اور امید دلانے کے

وَّيُنَزِّلُ	مِنَ السَّمَآءِ	مَآءً	فَيُحْيٖ	بِهِ	الْاَرْضَ	بَعْدَ
اور وہی نازل کرتا ہے	آسمان سے	پانی	پھر وہ زندہ کرتا ہے	ساتھ اس کے	زمین کو	بعد

مَوْتِهَا	اِنَّ	فِيْ	ذٰلِكَ	لَاٰيٰتٍ	لِّقَوْمٍ	يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾
اس کی موت کے	بلاشبہ	میں	اس	البتہ نشانیاں ہیں	ان لوگوں کے لیے	جو عقل رکھتے ہیں

”اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تمہیں برق دکھاتا ہے۔ جو خوف اور امید لیے ہوتی ہے، اور آسمان سے پانی برساتا ہے۔ پھر اس کے ذریعے زمین کو اُس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔“ (۲۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نویں، دسویں اور گیارہویں نشانی۔

انسان کی زندگی اور اس کے رزق کا دار و مدار پانی پر ہے اور پانی کا سب سے بڑا ذریعہ بارش ہے اگر ایک مدّت تک بارش نہ ہو تو نہ صرف پہاڑوں میں پھوٹنے والے چشمے خشک ہوجاتے ہیں بلکہ زمین کا پانی بھی اتنا نیچے چلا جاتا ہے کہ اس کا حاصل کرنا لوگوں کے لیے ناممکن بن جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ سمندر سے بخارات اٹھتے ہیں ہوائیں انہیں اٹھا کر فضا میں کہاں سے کہاں لے جاتی ہیں بخارات بادلوں کی شکل اختیار کرتے ہیں فرشتہ انہیں ہانک کر وہاں لے جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ انہیں برسنے کا حکم صادر فرماتا ہے۔ بارش سے مردہ زمین زندہ ہوجاتی ہے اور اس کے سینے میں چھپے ہوئے بیج اس کی چھاتی پر لہلہانے لگتے ہیں جس میں عقل والوں کے لیے پہلا سبق یہ ہے کہ اسی طرح ہی اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ فرما کر اپنے حضور کھڑا کرے گا۔ اس آیت میں آسمانی بجلی کے بارے میں خوف اور امید کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ آسمانی بجلی جب زمین پر گرتی ہے تو ہر چیز کو خاکستر کر دیتی ہے جب اوپر چڑھتی ہے تو اس کی آواز اس قدر گرج دار اور خوف ناک ہوتی ہے کہ سننے والوں کے کلیجے دھک دھک کرنے لگتے ہیں اور کئی فصلیں ایسی ہیں بالخصوص چنے کی فصل جو البرق کی چمک سے جل کر راکھ ہوجاتی ہے۔ جہاں زمین پر بجلی کے گرنے کے نقصانات ہیں وہاں اس کی وجہ سے ایسی گیسیں زمین پر اترتی ہیں جن میں بے شمار کیمیائی فوائد ہوتے ہیں۔ بجلی کی گرج اور چمک سے خوف کے ساتھ ساتھ بارش برسنے کی امید بڑھ جاتی ہے۔ اس طرح اس میں اُمید اور خوف دونوں پائے جاتے ہیں۔

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ أَقْبَلَتْ يَهُودُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوا يَا أَبَا الْقَاسِمِ أَخْبِرْنَا عَنِ الرَّعْدِ مَا هُوَ قَالَ مَلَكٌ مِنَ الْمَلاَئِكَةِ مُوَكَّلٌ بِالسَّحَابِ مَعَهُ مَخَارِيقُ مِنْ نَارٍ يَسُوقُ بِهَا السَّحَابَ

حَيْثُ شَآءَ اللهُ فَقَالُوْا فَمَا هٰذَا الصَّوْتُ الَّذِیْ نَسْمَعُ قَالَ زَجْرُهٗ بِالسَّحَابِ إِذَا زَجَرَهٗ حَتّٰى يَنْتَهِيَ إِلٰی حَيْثُ أُمِرَ قَالُوْا صَدَقْتَ»

(رواہ الترمذی: کتاب التفسیر، باب و من سورۃ الرعد [وھو حدیث صحیح])

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کچھ یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے انہوں نے کہا اے ابوالقاسم! ہمیں بجلی کی کڑک کے بارے میں بتائیں کہ یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: فرشتوں میں سے ایک فرشتہ بادلوں پر مقرر ہے اس کے پاس آگ کے کوڑے ہوتے ہیں وہ ان کے ساتھ بادلوں کو ہانکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے جہاں لے جانے کا حکم دیتا ہے۔ انہوں نے کہا ان میں آواز کیا ہے جو ہم سنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: فرشتہ بادلوں کو ہانکتا ہے یہاں تک کہ وہ اس جگہ پہنچ جاتے ہیں جہاں ان کو حکم دیا جاتا ہے۔ یہودیوں نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔''

{ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ } (الرعد: ۱۳)

''اور بجلی اس کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے۔''

مسائل

۱۔ آسمانی بجلی بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر ہے۔ ۲۔ البرق میں خوف اور امید دونوں موجود ہوتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں سے بارش برساتا ہے اور اس کے ساتھ مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے۔

۴۔ جس طرح ایک مدت کے بعد بارش کے ساتھ زمین سے بیج اُگتے ہیں اسی طرح ہی قیامت کے دن مردوں کو زندہ کیا جائے گا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کی ہر قدرت میں عقل مندوں کے لیے نصیحت کا سبق موجود ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

بارش کا نزول اور اس کے فوائد:

۱۔ زمین و آسمان بنانے اور بارش اتارنے والا ''اللہ'' ہے کیا اس کے ساتھ دوسرا الٰہ ہے؟ (النمل: ۶۰)

۲۔ آسمانوں و زمین کی پیدائش، دن اور رات کی گردش، سمندر میں کشتیوں کے چلنے، آسمان سے بارش نازل ہونے، بارش سے زمین کو زندہ کرنے، چوپایوں کے پھیلنے، ہواؤں کے چلنے اور بادلوں کے مسخر ہونے میں ''اللہ'' کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ (البقرۃ: ۱۶۴)

۳۔ قیامت، بارش کا نازل ہونا اور جو کچھ رحموں میں ہے اور انسان کل کیا کمائے گا اور اُسے کہاں موت آئے گی انہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (لقمان: ۳۴) ۴۔ برق اپنے رب کی تسبیح پڑھتی ہے۔ (الرعد: ۱۳)

وَمِنْ	اٰيٰتِهٖٓ	اَنْ	تَقُوْمَ	السَّمَآءُ	وَالْاَرْضُ
اور سے	اس کی نشانیوں	یہ کہ	قائم ہے	آسمان	اور زمین
بِاَمْرِهٖ ۭ	ثُمَّ	اِذَا	دَعَاكُمْ	دَعْوَةً ڰ	مِّنَ
اس کے حکم کے ساتھ	پھر	جب	وہ تمہیں پکارے گا	ایک بار پکارنا	سے
الْاَرْضِ ڰ	اِذَآ	اَنْتُمْ	تَخْرُجُوْنَ ۝٢٥	وَلَهٗ	مَنْ
زمین	تو ناگہاں	تم سب	نکل آؤ گے	اور اسی کے لیے ہے	جو ہے
فِي	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ ۭ	كُلٌّ	لَّهٗ	قٰنِتُوْنَ ۝٢٦
میں	آسمانوں	اور زمین	سب	اسی کے لیے	فرماں بردار ہیں

''اور اُسی کی نشانیاں ہیں کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر جب تمہیں زمین سے پکارے گا، بس ایک ہی پکار سے تم نکل کھڑے ہو گے۔ (۲۵) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کچھ اُسی کا ہے اور سب اسی کے تابع فرمان ہیں۔'' (۲۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بارہویں نشانی۔

اللہ تعالیٰ کی ذات جس طرح عظیم المرتبت ہے اسی طرح اس کی قدرت اور کام عظیم اور عدیم المثال ہیں۔ زمین وآسمان پر غور فرمائیں کہ آسمان کسی سہارے کے بغیر قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا، زمین پانی پر بچھائی گئی ہے اس کے باوجود نہ اس میں جھول ہے اور نہ ہی کسی مقام سے پانی میں غرق ہوئی ہے۔ زمین وآسمان صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم ہیں اور اس کے حکمِ ثانی تک قائم رہیں گے۔ قیامت کے دن زمین وآسمان کو بدل دیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل کو صور میں پھونک مارنے کا حکم دے گا اسرافیل کے صور پھونکنے کے ساتھ ہی لوگ اپنے اپنے مدفن سے نکل کھڑے ہوں گے کوئی اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کر پائے گا کیونکہ زمین وآسمانوں میں ہر چیز ''اللہ'' کی مِلک اور اس کے تابعِ فرمان ہے۔ اسی نے مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اور وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے بالکل آسان ہے کیونکہ وہی زمین وآسمان پر غالب اور بلند وبالا ہے اس کے ہر کام اور حکم میں حکمت پنہاں ہوتی ہے۔

اس فرمان میں یہ واضح پیغام دیا گیا ہے کہ اے انسان غور کر کہ جس زمین پر تیرا ٹھکانہ ہے اور جس آسمان تلے تو زندگی گزارتا ہے وہ اور ان کی ہر چیز اپنے رب کی تابع فرمان ہے مگر تو اس کی نافرمانی ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ شریک بنانے میں بھی شرم محسوس نہیں کرتا حالانکہ تو نے مر کر اپنے رب کے حضور حاضر ہونا ہے۔

وَهُوَ	الَّذِیْ	یَبْدَؤُا	الْخَلْقَ	ثُمَّ	یُعِیْدُہٗ	وَھُوَ
اور وہی	جو	پہلی بار پیدا کرتا ہے	مخلوق کو	پھر	وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا	اور وہ
اَھْوَنُ	عَلَیْہِ ط	وَلَہُ	الْمَثَلُ	الْاَعْلٰی	فِی	السَّمٰوٰتِ
زیادہ آسان ہے	اس پر	اور اسی کے لیے ہے	مثال	اعلیٰ	میں	آسمانوں
وَالْاَرْضِ ج	وَھُوَ	الْعَزِیْزُ	الْحَکِیْمُ ﴿٢٧﴾ ع			
اور زمین	اور وہ	بڑا زبردست	خوب حکمت والا ہے			

''وہی تخلیق کی ابتداء کرتا ہے، پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اُس کے لیے آسان تر ہے اسی کی شان ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین میں سب سے برتر ہے، غالب اور حکمت والا ہے۔'' (٢٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس ذاتِ کبریا کی مذکورہ بالا صفات اور قدرتیں ہیں اس کی یہ بھی صفت اور قدرت ہے کہ وہی دوبارہ پیدا کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق، زمین وآسمان کی پیدائش، لیل ونہار کی گردش اور اپنی دوسری قدرتوں کا تذکرہ اور شمار کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ جس ذات نے یہ سب کچھ پیدا کیا اسی نے پوری مخلوق اور انسان کو پہلی دفعہ پیدا فرمایا اور وہی اسے دوبارہ زندہ کرنے کے بعد اپنے حضور حاضر کرے گا۔ انسان کو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے بالکل آسان کام ہے وہ اپنی ذات اور تخلیق کے حوالے سے اعلیٰ اور بے مثال ہے۔ زمین وآسمانوں میں اس کی ذات اور صفات کی نہ کوئی مثال ہے اور نہ ہوگی وہ ہر اعتبار سے غلبہ رکھنے والا ہے اور اس کے ہر کام میں لا تعداد حکمتیں پائی جاتی ہیں۔ دوسرے مقام پر مخلوق کو دوبارہ پیدا کرنے کے بارے میں یہ بھی الفاظ استعمال فرمائے ہیں کہ سوچو اور غور کرو کیا پہلی دفعہ مخلوق کو پیدا کرنا مشکل ہے یا دوسری مرتبہ۔ (العنکبوت: ١٩، ٢٠)

''**اَلْعَزِیْزُ**'' کی صفت لاکر اشارہ کیا کہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، بادشاہ ہو یا فقیر، نیک ہو یا بد، ڈوب کر مرا ہو یا جل کر جس حالت میں مرا ہو اللہ تعالیٰ غالب ہے کہ اسے دوبارہ زندہ کرے دوبارہ پیدا کرنے میں ''**اَلْحَکِیْمُ**'' کی حکمت یہ ہے کہ وہ ظالم کو سزا دے اور نیک کو جزا دے۔

مسائل

اللہ تعالیٰ نے اس رکوع میں کائنات کی تخلیق کے حوالے سے اپنی قدرت کی ١٦ نشانیوں کا ذکر کیا ہے۔

١۔ ''اللہ'' ہی نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ ٢۔ اسی نے لوگوں کو زمین پر پھیلایا اور بسایا ہے۔

٣۔ ''اللہ'' ہی نے مَردوں سے ان کی بیویوں کو پیدا کیا ہے۔

۴۔ اسی نے میاں بیوی کے درمیان محبت اور مہربانی کا جذبہ پیدا فرمایا ہے۔
۵۔ ''اللہ'' نے ہی زمین وآسمان کو پیدا کیا ہے۔ ۶۔ اسی نے لوگوں کی مختلف زبانیں اور رنگتیں بنائی ہیں۔
۷۔ ''اللہ'' ہی نے رات کو باعثِ سکون بنایا ہے۔ ۸۔ اسی نے لوگوں کے لیے دن کو کام کاج کے لیے بنایا ہے۔
۹۔ ''اللہ'' ہی آسمانی بجلی سے لوگوں کو خوف زدہ کرتا اور امید دلاتا ہے۔
۱۰۔ وہی آسمان سے بارش کے ذریعے مردہ زمین کو شاداب کرتا ہے۔ ۱۱۔ ''اللہ'' ہی زمین وآسمانوں کو قائم رکھے ہوئے ہے۔
۱۲۔ وہی لوگوں کو قیامت کے دن زمین سے نکلنے کا حکم دے گا اور لوگ اس کے حکم کے ساتھ ہی نکل کر اس کے حضور کھڑے ہوجائیں گے۔
۱۳۔ زمین وآسمان اسی کی مِلک ہیں اور ہر چیز اس کے حکم کے تابع ہے۔
۱۴۔ ''اللہ'' ہی نے مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اور وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا، دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے بالکل آسان ہے۔
۱۵۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور تخلیق کے حوالے سے پوری کائنات میں اعلیٰ اور بے مثال ہے۔
۱۶۔ وہی زمین وآسمان میں سب پر غالب اور بڑا حکمت والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

''اللہ تعالیٰ'' اعلیٰ اور بے مثال ہے:

۱۔ ''اللہ'' تعالیٰ ہی رب ہے۔ (الانعام: ۱۰۲) ۲۔ ''اللہ'' ہر چیز کا خالق ہے۔ (الرعد: ۱۶)
۳۔ ''اللہ'' ہی کی ذات ازلی اور ابدی ہے۔ (الحدید: ۳) ۴۔ مشرق ومغرب ''اللہ'' کے لیے ہے۔ (البقرۃ: ۱۴۲)
۵۔ غنی ہے اور تعریف کیا گیا۔ (فاطر: ۳۵) ۶۔ زمین وآسمان پر ''اللہ'' کی بادشاہی ہے۔ (آلِ عمران: ۱۸۹)
۷۔ قیامت کو بھی اللہ تعالیٰ ہی کی حکومت ہوگی۔ (الفرقان: ۲۶) ۸۔ ''اللہ'' ہر چیز پر گواہ ہے۔ (البروج: ۹)
۹۔ جو کچھ آسمان وزمین میں ہے وہ ''اللہ'' کی ملکیت ہے اور ''اللہ'' ہر چیز پر قادر ہے۔ (آل عمران: ۱۸۹)
۱۰۔ کیا آپ نہیں جانتے؟ کہ زمین وآسمان کی بادشاہت ''اللہ'' کے لیے ہے۔ (البقرۃ: ۱۰۷)
۱۱۔ ''اللہ'' سخت عذاب دینے والا ہے۔ (البقرۃ: ۱۶۵) ۱۲۔ اس نے ہمیشہ رہنا اور باقی نے فنا ہوجانا ہے۔ (الرحمٰن: ۲۶)
۱۳۔ کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے وہ ہر بات سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ (الشوریٰ: ۱۱)

ضَرَبَ	لَكُمْ	مَّثَلًا	مِّنْ	اَنْفُسِكُمْ ؕ	هَلْ	لَّكُمْ
اس نے بیان کی	تمہارے لیے	ایک مثال	سے	تمہارے نفسوں	کیا	تمہارے لیے ہیں
مِّنْ مَّا	مَلَكَتْ	اَيْمَانُكُمْ	مِّنْ	شُرَكَآءَ	فِيْ	مَا	رَزَقْنٰكُمْ
اس سے جو	مالک بنے	تمہارے دائیں ہاتھ	سے	شریک	اس میں	جو	ہم نے تم کو رزق دیا
فَاَنْتُمْ	فِيْهِ	سَوَآءٌ	تَخَافُوْنَهُمْ	كَخِيْفَتِكُمْ	اَنْفُسَكُمْ ؕ	
کہ تم	اس میں	برابر ہو	تم ان سے ڈرتے ہو	ڈرنے کی طرح	اپنے نفسوں سے	

''وہ تمہیں تمہاری ذات سے مثال دیتا ہے کیا تمہارے اُن غلاموں میں سے جو تمہاری ملکیت میں ہیں کچھ غلام ایسے ہیں جو ہمارے دیے ہوئے مال میں تمہارے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ تم اس معاملہ میں ان سے اُس طرح ڈرتے ہو جس طرح آپس میں اپنے شریکوں سے ڈرتے ہو۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلی آیات میں توحید کے ایسے دلائل دیے گئے ہیں جس سے ہر انسان کو واسطہ پڑتا ہے اور وہ ان چیزوں سے مستفیذ ہوتا ہے۔ اب انسان کے ضمیر کو بیدار کرنے کے لیے اس کی نفسانی کیفیت کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

اے لوگو! تمہارے لیے تمہارے نفس کی ایک کیفیت پیش کی جاتی ہے اس پر توجہ کرو اور اسے سمجھنے کے لیے اپنی عقل سے کام لو وہ کیفیت اور مثال یہ ہے کہ جن غلاموں کے تم مالک ہو اور جو رزق اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں کیا تم اپنے زرخرید غلاموں کو برابر کے شریک کرنے کے لیے تیار ہو؟ تمہارے دلوں کی کیفیت تو یہ ہے کہ تم اپنے مال میں غلاموں کی شراکت کے تصور سے اس طرح کانپتے ہو جس طرح تم پہلے سے وراثت میں شریک رشتہ داروں سے ڈرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں خودداری اور آزادی پیدا کی ہے جس بناء پر انسان زیادہ سے زیادہ اختیارات چاہتا اور اپنے معاملات میں دوسروں کی شراکت اور عمل داری قبول نہیں کرتا۔ یہ تو انسان کی طبیعت کی کمزوری اور ضرورت ہے کہ اسے چاروناچار اپنے معاملات میں دوسروں کو شریک کرنا پڑتا ہے اگر انسان تمام معاملات کو بلاشرکت غیرے چلانے کی صلاحیت رکھتا ہو تو وہ ایک لمحہ کے لیے بھی پسند نہیں کرتا کہ اس کے معاملات میں کوئی دخل اندازی کرے۔ اس کی طبیعت اور کیفیت کا حوالہ دینے کے بعد اسے احساس دلایا گیا ہے کہ اے انسان تو کمزور اور ضرورت مند ہونے کے باوجود اپنے محدود اور عارضی اختیارات میں کسی کی شرکت پسند نہیں کرتا۔ غور کر! کہ اللہ تعالیٰ خالق، مالک اور بلاشرکت غیرے مخلوق کا بادشاہ ہے وہ کس طرح دوسرے کو گوارا کرسکتا ہے؟ یہ مثال بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگو! اس مثال پر انصاف کے ساتھ غور کرو کہ جن کو تم اللہ کے شریک بناتے ہو وہ کس طرح اللہ کے شریک ہوسکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں کس طرح گوارا کرسکتا ہے؟ وہ تو بڑا بے نیاز اور غیور ہے اللہ تعالیٰ

كَذٰلِكَ	نُفَصِّلُ	الْاٰيٰتِ	لِقَوْمٍ	يَّعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾	بَلِ	اتَّبَعَ
اسی طرح	ہم مفصل بیان کرتے ہیں	آیتیں	ان لوگوں کے لیے	جو عقل رکھتے ہیں	بلکہ	اتباع کی
الَّذِيْنَ	ظَلَمُوْٓا	اَهْوَآءَهُمْ	بِغَيْرِ	عِلْمٍ ۚ	فَمَنْ	يَّهْدِيْ
ان لوگوں نے	جنہوں نے ظلم کیا	اپنی خواہشات کی	بغیر	علم کے	پھر کون	ہدایت دے
مَنْ	اَضَلَّ	اللّٰهُ ۭ	وَمَا	لَهُمْ	مِّنْ	نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٩﴾
جسے	گمراہ کردیا	اللہ نے	اور نہیں ہے	ان کے لیے	کوئی	مددگار

اس طرح ہم آیات کھول کر پیش کرتے ہیں اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔(٢٨) مگر ظالم جہالت کی بنا پر اپنے تخیلات کے پیچھے چل پڑے ہیں۔ ایسے شخص کو کون راستہ دکھا سکتا ہے جسے اللہ نے بھٹکا دیا ہو؟ ایسے لوگوں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔“(٢٩)

مثال اور دلائل دے کر اپنی توحید سمجھاتا ہے تاکہ لوگ عقل وفکر کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں لیکن جو لوگ سمجھ سے کام نہیں لیتے وہ بغیر حقیقت جانے اپنے تصوّرات، خواہشات اور مفادات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگ جان بوجھ کر گمراہ ہو چکے ہیں اور عقل سے کام نہیں لیتے اگر یہ عقل سلیم سے کام لیں تو کبھی شرک کا ارتکاب نہ کریں لیکن یہ حقیقت جاننے کے باوجود اُسے سمجھنے کے لیے تیار نہیں جس وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نہیں دیتا۔ مشرکین کا عقیدہ ہے کہ یہ بزرگ قیامت کے دن بھی ہماری مدد کریں گے حالانکہ قیامت کے دن ان کی کوئی بھی مدد نہیں کر سکے گا۔ یہ بات فہم القرآن کے کئی مقامات پر عرض ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی کو گمراہ کرنے کا صرف اتنا مفہوم ہے کہ جو شخص گمراہی کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی رسّی دراز کر دیتا ہے جس وجہ سے وہ گمراہی میں آگے ہی بڑھتا جاتا ہے ایسے گمراہ شخص کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

مسائل

١۔ ہر انسان طبعی طور پر اپنے معاملات میں کسی کی شراکت اور دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔

٢۔ انسان عقل سلیم کے ساتھ سوچے تو کبھی شرک نہ کرے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ عقیدہ توحید اور حقائق کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ لوگ سمجھنے کی کوشش کریں۔

٤۔ مشرک اور ظالم اپنی جہالت کی بنیاد پر اپنی خواہشات اور تصوّرات کی پیروی کرتے ہیں۔

٥۔ قیامت کے دن ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ

چنانچہ آپ قائم رکھیں | اپنا چہرہ دین کی طرف | یک سو | فطرت | اللہ کی | وہ جو

فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ

اس نے پیدا کیے | لوگوں کو | اس پر | نہیں ہے تبدیل کرنا | اللہ کی مخلوق کو | یہی | دین ہے

الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞۳۰ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ

سیدھا | اور لیکن | اکثر | لوگ | نہیں | وہ جانتے | رجوع کرنے والے | اسی کی طرف

وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۞۳۱

اور تم اسی سے ڈرو | اور تم قائم رکھو | نماز | اور نہ | تم ہو | سے | مشرکوں

''پس اے نبی یک سو ہو کر اپنا رُخ اس دین پر قائم رکھو، یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جاسکتی، یہی مستقل دین ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔(۳۰) اللہ کی طرف رجوع کرو، اور اُس سے ڈرو۔ نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔''(۳۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلے ایک مثال کے ذریعے انسان کی فطرت کو بیدار کرتے ہوئے شرک سے نفرت دلائی اور عقیدہ توحید سمجھایا۔ اس آیت میں یہ باور کروایا ہے کہ توحید فطرت کی آواز ہے اور انسان کو اپنی حقیقی فطرت پر قائم رہنا چاہیے۔

حکم ہوا کہ اپنے آپ کو دین حنیف پر قائم رکھیں یہی فطرت ہے اور اسی فطرت پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ اس کا علم نہیں رکھتے۔ ''اللہ'' سے ڈرتے ہوئے اسی کی طرف متوجہ رہو اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں نہ ہو جاؤ۔ اہل علم نے ان الفاظ کے تین مفہوم بیان کیے ہیں۔

① مشرکین میں نہ ہو جاؤ کا تعلق نماز سے نہیں یہ دونوں حکم الگ، الگ ہیں۔ ② نماز قائم کرو یعنی اخلاص سے نماز پڑھو اور ریاکاری سے بچو کیونکہ ریاکاری کرنا شرک ہے۔

«لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ غَيْرَ اللّٰهِ فِي الصَّلَاةِ وَالْعِبَادَةِ، أَيْ لَا تُصَلُّوْا لِغَيْرِ اللّٰهِ وَلَا تَعْبُدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ» (تفسیر ماتریدی)

''نماز اور دیگر تمام تر عبادات صرف اللہ کی ذات کے لیے خاص ہیں ان میں غیر اللہ کو شامل کر کے مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔''

③ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ان مشرکین میں نہ ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا عملی ثبوت نماز ہے جس کے بارے میں پہلے پارے میں ارشاد ہوا کہ ''نماز قائم کرنا مشکل کام ہے سوائے ان لوگوں کے جو ڈرنے والے ہیں۔'' (البقرۃ:۴۵) ''اَلدِّيْنُ'' سے پہلی مراد اللہ کی توحید ہے اس لیے اس کی

اشاعت اور تقاضے پورے کرنے پر پوری توجہ مرکوز رکھیں۔اللہ تعالیٰ نے اسی پر لوگوں کو پیدا کیا ہے اگر عقیدہ توحید ٹھیک ہوا اور اس کے تقاضے پورے ہوئے تو سارے کا سارا دین اور نظام ٹھیک رہے گا ''اَلدِّیْنُ'' سے دوسری مراد پورا دین ہے یعنی پورے کے پورے دین پر قائم رہو اور اسے قائم کرو دین ٹھوس دلائل پر قائم ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں یہ ہر اعتبار سے کامل اور اکمل ہے دین کی بنیاد توحید ہے۔اگر اس میں ذرا سی کھوٹ پیدا ہوگئی تو سارے کا سارا دین مسترد کر دیا جائے گا۔اس کا اوّلین تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اسی کی اطاعت کا پورا خیال رکھو۔اس کا دوسرا تقاضا ہے کہ نماز قائم کی جائے اور تیسرا تقاضا زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرنا ہے اور کسی صورت بھی عقیدہ وعمل میں مشرکوں کے ساتھ نہیں ملنا۔بعض مفکرین کا خیال ہے کہ انسان نے رفتہ رفتہ اپنے رب کو پہچانا ہے حالانکہ قرآن مجید کا واضح ارشاد ہے کہ ''توحید انسانی فطرت کی آواز ہے اور اسی پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے''(الاعراف:۱۷۲تا۱۷۴)

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ أَخَذَ اللهُ الْمِيثَاقَ مِنْ ظَهْرِ آدَمَ بِنَعْمَانَ يَعْنِي عَرَفَةَ فَأَخْرَجَ مِنْ صُلْبِهِ كُلَّ ذُرِّيَّةٍ ذَرَأَهَا فَنَثَرَهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ كَالذَّرِّ ثُمَّ كَلَّمَهُمْ قُبُلًا قَالَ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلٰى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ»

(رواہ احمد:مسند عبداللہ بن عباس[صحیح])

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:اللہ تعالیٰ نے عرفہ کے مقام پر آدم علیہ السلام کی پشت سے اس کی تمام اولاد نکالی اور انھیں اپنے سامنے چیونٹیوں کی طرح پھیلایا پھر ان سے کلام فرمایا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟انہوں نے کہا کیوں نہیں ہم اس کی گواہی دیتے ہیں ارشاد فرمایا کہ کہیں قیامت کے دن یہ نہ کہنا کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے یا تم کہو کہ شرک تو ہمارے آباؤاجداد نے کیا تھا اور ہم ان کی اولاد تھے کیا تو ہمیں باطل کام کرنے والوں کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ كَمَثَلِ الْبَهِيمَةِ تُنْتَجُ الْبَهِيمَةَ هَلْ تَرَى فِيهَا جَدْعَاءَ»

(رواہ البخاری:باب ماقیل فی أولاد المشرکین)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا:ہر نومولود فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس کے والدین اسے یہودی،عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔جس طرح جانور بچے کو جنم دیتا ہے تو کیا تم ان میں کسی کو مقطوع الاعضا پاتے ہو؟''

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ جنت والے جنت اور جہنم والے جہنم میں داخل کیے جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ہر اُس آدمی کو آگ سے نکال لیا جائے جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے۔فرشتے آگ سے لوگوں کو نکالیں گے جو جل کر سیاہ ہو چکے ہوں گے۔انہیں نہر حیات میں غسل دیا جائے گا وہ ایسے نمو پائیں گے جس طرح سیلاب کے بعد دانہ اُگتا ہے۔''(رواہ البخاری:کتاب الایمان)

نماز کی فضیلت:

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کیا جائے تو پانچ نمازیں اور جمعہ سے جمعہ گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔“(رواہ مسلم: باب الصلواۃ الخمس والجمعۃ...)

”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا رضی اللہ عنہ إِلَي الْيَمَنِ فَقَالَ أُدْعُهُمْ إِلٰي شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِيْ أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ“

(رواہ البخاری: کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ)

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجتے ہوئے فرمایا کہ یمن والوں کو سمجھاؤ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یقیناً میں اللہ کا رسول ہوں اگر وہ آپ کی بات مان لیں تو انہیں بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے اموال میں زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے امیروں سے لے کر ان کے غریبوں میں تقسیم کی جائے گی۔“

مسائل

۱۔ ہر حال میں اپنے آپ کو عقیدہ توحید پر قائم رکھیں۔ ۲۔ ہر حال میں دین حنیف پر قائم رہیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دین حنیف پر پیدا کیا ہے۔ ۴۔ اللہ کے دین میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں۔
۵۔ دین حنیف ٹھوس دلائل پر قائم ہے۔ ۶۔ لوگوں کی اکثریت عقیدہ توحید اور دین حنیف سے بے شعور ہے۔
۷۔ ”اللہ“ سے ڈرتے رہیں نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیتے رہیں۔ ۸۔ مسلمان کو مشرکوں سے نہیں ہونا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

”اَلدِّیْنُ“ کی اہمیّت اور اس کے معانی۔

۱۔ دین کا معنٰی قانون ہے۔(یوسف:۷۶) ۲۔ عبادت کا نام دین ہے۔(الزمر:۳)
۳۔ دین کا معنٰی فرمانبرداری۔(المومن:۱۴) ۴۔ الدین بمعنٰی نظامِ حکومت۔(المومن:۲۵)
۵۔ الدین بمعنٰی دین۔(التوبۃ:۲۹) ۶۔ الدین کا معنٰی تابع بنانا اور تابع ہونا ہے۔(البقرۃ:۱۳۱)
۷۔ دین سے مراد جزاوسزا کا دن ہے۔(الفاتحہ:۴) ۸۔ دین کا معنٰی شریعت ہے۔(النساء:۱۲۵)
۹۔ دین کا معنٰی روزِ قیامت۔(الذٰریات:۱۲، الانفطار:۱۵، ۱۷، ۱۸)

شِيَعًا	وَ كَانُوْا	دِيْنَهُمْ	فَرَّقُوْا	الَّذِيْنَ	مِنَ
گروہ	اوروہ ہوگئے	اپنادین	ٹکڑے ٹکڑے کردیا اُنہوں نے	ان لوگوں	سے

فَرِحُوْنَ ﴿٣٢﴾	لَدَيْهِمْ	بِمَا	حِزْبٍۢ	كُلُّ
خوش ہیں	ان کے پاس ہے	اس کے ساتھ جو	گروہ	ہر

’’جنہوں نے اپنے دین کوٹکڑے ٹکڑے کرلیا ہے اورفرقوں میں تقسیم ہوگئے، ہرفرقے کے پاس جو ہے وہ اس پر خوش ہے۔‘‘(۳۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ کا ’’اَلدِّیْنُ ‘‘ ایک تھا اور ہے لیکن لوگوں نے ’’اَلدِّیْنُ ‘‘ کو تقسیم کیا اس وجہ سے فرقہ واریّت میں مبتلا ہوگئے۔

عقیدہ توحید وحدتِ فکر دیتا ہے اس کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ جس طرح تمہارا اللہ ایک ہے اسی طرح تمہیں بھی ایک ہونا چاہیے یہی پورے دین کی فکر ہے لیکن جن لوگوں نے عقیدہ توحید میں ملاوٹ کی اور ’’اَلدِّیْنُ ‘‘ کوٹکڑے ٹکڑے کیا اور گروہ بندی کا شکار ہوگئے توحید میں شرک کی آمیزش کرنے اور الدّین کوٹکڑوں میں تقسیم کرنے کی وجہ سے لوگ توحید کی وحدت اور ’’اَلدِّیْنُ ‘‘ سے دور ہوئے انہیں اس پر افسوس کی بجائے اپنی گروہ بندی پر فخر ہے اور اسی کو اصل دین سمجھتے ہیں ہر کوئی اس پر شاداں اور فرحاں دکھائی دیتا ہے۔

«عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَخَطَّ خَطًّا وَخَطَّ خَطَّيْنِ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَخَطَّ خَطَّيْنِ عَنْ يَّسَارِهٖ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهٗ فِي الْخَطِّ الْأَوْسَطِ فَقَالَ هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ ﴿وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾»

(رواہ ابن ماجۃ:باب اتباع سنۃ [صحیح])

’’حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی ﷺ کے پاس تھے آپ نے ایک سیدھی لکیر کھینچی پھر اس کے دائیں اور بائیں مختلف لکیریں کھینچی پھر آپ نے اپنا دست مبارک درمیان کی لکیر پر رکھتے ہوئے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے اور یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی ﴿وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾‘‘

’’حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہودی اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے ان کے ستر فرقے جہنم میں جائیں گے اور ایک جنّت میں جائے گا عیسائی بہتر فرقوں میں بٹ گئے۔ ان کے اکہتر جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں داخل ہوگا۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ان میں سے بہتر جہنمی ہوں گے اور ایک جنّتی ہوگا۔ صحابہ نے عرض کی جنت میں جانے والے کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر چلنے والے

ہیں۔‘‘(رواہ ابن ماجة: باب افتراقِ الأُمَم[صحیح])

«یَآ أَیُّهَا النَّاسُ! أَلَآ إِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاکُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی أَعْجَمِیٍّ وَلَا لِأَعْجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلٰٓی أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلٰی أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوٰی»

(مسند أحمد: کتاب مسند الأنصار، باب حدیث رجل من أصحاب النبی ﷺ[صحیح])

’’اے لوگو! خبردار یقیناً تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے خبردار! کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر ،سرخ کو کالے پر اور کالے کو سرخ پر تقویٰ کے سوا کوئی فضیلت حاصل نہیں۔‘‘

’’حضرت مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک ان کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اس کے نبی کی سنت۔‘‘(موطا امام مالک: باب النَّهیِ عَنِ الْقَوْلِ بِالْقَدَرِ[حسن])

سب سے پہلے امت میں افتراق اور دین میں اختلاف جھوٹی نبوت کے دعویدار مسیلمہ کذاب نے پیدا کرنے کی کوشش کی کیونکہ اس کا امت کے ساتھ کوئی ناطہ نہ تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی علیہ السلام کے تربیت یافتہ تھے اس لیے انہوں نے نہ صرف دلائل کی بنیاد پر اس فتنے کا تدارک کیا بلکہ قتال فی سبیل اللہ کے ذریعے اس کا قلع قمع کر دیا اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں خارجی فرقہ پیدا ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا مقابلہ کیا جس بنا پر یہ فتنہ زیادہ مدت تک نہ چل سکا۔ اس کے بعد علاقائی طور پر خلقِ قرآن اور جبری طلاق جیسے فتنے پیدا ہوئے مگر اس دور کے آئمہ کرام نے ان فتنوں کو دبا دیا اس دوران سیاسی اختلافات رونما ہوئے اور خلافتِ راشدہ کئی حصوں میں تقسیم ہوئی مگر اعتقادی اور فکری اعتبار سے امت چارسو سال متحد رہی۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اہل علم کی تحقیق کے مطابق چوتھی صدی ہجری کے آخر میں امت فکری طور پر چار حصوں میں تقسیم ہوئی۔ آئمہ کرام کے نام پر مستقل طور پر چار فرقے معرضِ وجود میں آئے جو حنفی، مالکی، حنبلی اور شافعی کہلائے۔ ہر کوئی اپنی فقہ اور امام کو حرف آخر سمجھتا ہے۔ اس فرقہ واریت کے باوجود ہر دور میں ایک جماعت توحید و سنت پر قائم رہی اور وہ قیامت تک قائم رہے گی۔

مسائل

۱۔ جن لوگوں نے شرک و بدعت اختیار کیے وہ فرقہ فرقہ ہو گئے۔ ۲۔ ہر گروہ اپنی رسومات اور فقہ پر خوش ہے۔

تفسیر بالقرآن

اتحاد کا حکم:

۱۔ اتحاد اللہ کی عظیم نعمت ہے۔ (آلِ عمران: ۱۰۳) ۲۔ اتحاد اللہ کی توفیق کا نتیجہ ہے۔ (الانفال: ۶۳)

۳۔ باہمی اختلاف اللہ کا عذاب ہوتا ہے۔ (الانعام: ۶۵) ۴۔ کتاب اللہ کا رشتہ نہ ٹوٹنے والا ہے۔ (البقرۃ: ۲۵۶)

۵۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور فرقوں میں نہ بٹ جاؤ۔ (آلِ عمران: ۱۰۳)

وَاِذَا	مَسَّ	النَّاسَ	ضُرٌّ	دَعَوْا	رَبَّهُمْ	مُّنِيْبِيْنَ
اور جب	پہنچتی	لوگوں کو	تکلیف	وہ پکارتے ہیں	اپنے رب کو	رجوع کرنے والے

اِلَيْهِ	ثُمَّ	اِذَآ	اَذَاقَهُمْ	مِّنْهُ	رَحْمَةً	اِذَا
اسی کی طرف	پھر	جب	وہ چکھاتا ہے انہیں	اپنی طرف سے	رحمت	ناگہاں

فَرِيْقٌ	مِّنْهُمْ	بِرَبِّهِمْ	يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾	لِيَكْفُرُوْا	بِمَآ	اٰتَيْنٰهُمْ
کچھ لوگ	ان میں سے	اپنے رب کے ساتھ	شرک کرتے ہیں	تاکہ وہ انکار کریں	اس کا جو	ہم نے انہیں دی

فَتَمَتَّعُوْا	فَسَوْفَ	تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾	اَمْ	اَنْزَلْنَا	عَلَيْهِمْ	سُلْطٰنًا
پس تم فائدہ اٹھالو	پھر عنقریب	تم جان لوگے	کیا	ہم نے نازل کی	ان پر	کوئی دلیل

فَهُوَ	يَتَكَلَّمُ	بِمَا	كَانُوْا	بِهٖ	يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾
کہ وہ	بتلاتی ہو	ساتھ اس کے	وہ ہیں	اس کے ساتھ	شریک ٹھہراتے

''جب لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور صرف اسے پکارتے ہیں، جب ''اللہ'' اپنی رحمت سے عطا کرتا ہے تو یکایک ان میں کچھ لوگ شرک کرنے لگتے ہیں۔ (۳۳) تاکہ ہمارے کیے ہوئے احسان کی ناشکری کریں۔ بس فائدہ اٹھاؤ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ (۳۴) کیا ہم نے انہیں کوئی دلیل عطا کی ہے جو شہادت دیتی ہو اُس شرک کی صداقت پر جو یہ کر رہے ہیں۔'' (۳۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو لوگ مفاد اور تعصّبات کی خاطر دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے اور اس پر خوش ہوتے ہیں ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ انہیں معمولی تکلیف پہنچے تو وہ مخلص ہو کر اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بات ماننے کے دل میں وعدے بھی کرتے ہیں۔ ایک رب کو ماننا اور ہر حال میں اسی کو پکارنا ہی انسان کی فطرت ہے اور ہونی چاہیے۔

اکثر انسانوں کی فطرت ہے کہ جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں اور گڑ گڑا کر دعائیں کرتے ہیں کہ الٰہی میری مشکل حل فرما اور مجھے اس تکلیف سے نجات دے دے۔ جب تکلیف رفع ہو جاتی ہے تو اپنے رب سے اس طرح لاتعلق ہو جاتے ہیں جیسے انہوں نے اپنے رب کو پکارا ہی نہیں تھا ان میں سے جو لوگ مشرکانہ عقیدہ رکھتے ہیں انکی حالت اس سے بھی بدتر ہوتی ہے وہ نہ صرف اپنے رب کو بھول جاتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بھی کرتے ہیں پہلے زمانے کے مشرک اکثر ایسا کیا کرتے تھے لیکن آج کلمہ پڑھنے والے بہت سے مشرکوں کا حال یہ ہے کہ انتہائی تکلیف کے وقت بھی اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو شریک

رکھتے ہیں۔ ان کو سمجھایا جائے تو اوٹ پٹانگ باتیں بناتے ہیں حالانکہ ان کی باتیں بحث برائے بحث کے سوا کچھ نہیں ہوتیں کیونکہ ان کے پیچھے کوئی معقول دلیل نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے اس شرک کو کفر قرار دیتے ہوئے انتباہ کیا ہے کہ جو کچھ ہم نے تمہیں مہلت اور فائدہ دے رکھا ہے اس سے فائدہ اٹھالو تاہم بہت جلد تمہیں اپنے کفر و شرک کے انجام کا علم ہو جائے گا۔

آخر میں سوالیہ انداز میں فرمایا ہے کہ کیا ہم نے شرک کی کوئی دلیل نازل کی ہے کہ جس کے ساتھ مشرک اپنے شرک کے بارے میں بحث و تکرار کرتے ہیں ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شرک کی حمایت اور تائید میں کوئی دلیل نازل نہیں کی لہٰذا مشرک خواہ مخواہ حجت بازی کرتے ہیں۔

مسائل

۱۔ ہر انسان مصیبت کے وقت اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے۔

۲۔ اکثر لوگ مصیبت ٹل جانے کے بعد اپنے رب کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

۳۔ کفر و شرک کرنے والوں کو بہت جلد ان کے انجام کا علم ہو جائے گا۔

۴۔ مشرک کے پاس شرک کرنے کی معقول دلیل نہیں ہوتی۔

تفسیر بالقرآن

شرک کی کوئی دلیل نہیں لیکن مشرک پھر بھی شرک کرتے ہیں :

۱۔ جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی غیر کو پکارتا ہے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ (المؤمنون : ۱۱۷)

۲۔ انہوں نے اللہ کے علاوہ کئی معبود بنا لیے ہیں آپ فرمائیں کوئی دلیل لاؤ۔ (الانبیاء : ۲۴)

۳۔ اس کے سوا کوئی اور بھی الٰہ ہے اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل لاؤ۔ (النمل : ۶۴)

۴۔ وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت کے لیے کوئی دلیل نازل نہیں کی گئی۔ (الحج : ۷۱)

۵۔ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہوئے نہیں ڈرتے جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ (الانعام : ۸۱)

۶۔ بتوں کے الٰہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ (النجم : ۲۳)

۷۔ اے لوگو! تمہارے پاس رب کی طرف سے دلیل آچکی ہے۔ (النساء : ۱۷۵)

وَاِذَآ	اَذَقْنَا	النَّاسَ	رَحْمَةً	فَرِحُوْا	بِهَا ؕ	وَاِنْ	تُصِبْهُمْ
اور جب	ہم چکھاتے ہیں	لوگوں کو	رحمت	تو وہ خوش ہوتے ہیں	اس کے ساتھ	اور اگر	انہیں پہنچے
سَيِّئَةٌۢ	بِمَا	قَدَّمَتْ	اَيْدِيْهِمْ	اِذَا	هُمْ	يَقْنَطُوْنَ ۝۳۶	
کوئی مصیبت	بوجہ اس کے جو	آگے بھیجا	ان کے ہاتھوں نے	ناگہاں	وہ	ناامید ہوجاتے ہیں	
اَوَ	لَمْ	يَرَوْا	اَنَّ	اللّٰهَ	يَبْسُطُ	الرِّزْقَ	لِمَنْ يَّشَآءُ
کیا	نہیں	انہوں نے دیکھا	کہ بے شک	اللہ	وہ کشادہ کرتا ہے	رزق	جس کے لیے وہ چاہتا ہے
وَيَقْدِرُ ؕ	اِنَّ	فِيْ	ذٰلِكَ	لَاٰيٰتٍ	لِّقَوْمٍ	يُّؤْمِنُوْنَ ۝۳۷	
اور وہی تنگ کرتا ہے	بلاشبہ	میں	اس	البتہ نشانیاں ہیں	ان لوگوں کے لیے	جو ایمان لاتے ہیں	

”جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو وہ اس پر پھُول جاتے ہیں اور جب ان کے اپنے کیے کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یکا یک مایوس ہونے لگتے ہیں۔(۳۶) کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ جس کا اللہ چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کرتا ہے۔ یقیناً اس میں عبرت کا سبق ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔“(۳۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو رب انسان کو خوشی سے سرفراز اور غم سے دوچار کرتا ہے وہی اس کے رزق پر اختیار رکھتا ہے انسان ان باتوں پر غور کرے تو وہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے سے باز آجائے۔

اکثر لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ انہیں کسی معاملے میں اللہ تعالیٰ خود کفیل کرتا ہے تو وہ اس کا شکر ادا کرنے کی بجائے اترانے لگتے ہیں اگر انہیں کسی غلطی یا کمزوری کی وجہ سے تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کی رحمت سے مایوس ہوجاتے ہیں بالخصوص رزق کے معاملے میں اکثر لوگوں کا یہی وطیرہ ہوتا ہے کہ مال کی فراوانی ہو تو اتراتے ہیں اور مال اللہ کی نافرمانی کے کاموں پر خرچ کرتے ہیں سمجھایا جائے تو ان کے روّیے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مال کے نشے میں اپنے آپ سے باہر ہوئے جا رہے ہیں۔ کاروبار میں نقصان ہو تو ان کی بے بسی دیکھنے والی ہوتی ہے اور اکثر دفعہ ایسی گفتگو کرتے ہیں کہ سننے والا محسوس کرتا ہے کہ یہ اپنے رب کی رحمت سے مایوس ہو چکا ہے حالانکہ جو رب تکلیف کے بعد راحت دینے والا ہے وہی رزق کو کشادہ اور کم کرنے والا ہے۔ رزق کا معاملہ چلنے والی ٹریفک کے مانند ہوتا ہے جس میں کبھی تیزی آتی ہے اور کبھی ٹھہراؤ آجاتا ہے اس لیے انسان کو ہر حال میں اپنے رب سے تعلق مضبوط رکھنا چاہیے یہی مسلمان کی شان ہے کیونکہ تکلیف کے بعد سہولت اور سہولت کے بعد تکلیف، کشادگی کے بعد تنگی اور تنگی کے بعد کشادگی اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت عمل میں آتی ہے ایمان دار لوگ اس حکمت سے نصیحت حاصل کرتے ہیں اور اپنے رب کے اور قریب ہوجاتے ہیں۔

جہاں تک رزق کے بڑھنے اور کم ہونے کا معاملہ ہے دنیا میں کوئی ایسا انسان ہوا ہے اور نہ ہوگا جسے ایک ہی مقدار اور رفتار کے ساتھ رزق مل رہا ہوا گر کوئی زمیندار ہے تو بے شک وہ کتنی ہی محنت اور فصل کی نگرانی کر لے۔ ہر سال اس کی فصل ایک جیسی نہیں ہوتی اگر کاروباری آدمی ہے اور بے شک وہ ارب پتی ہی کیوں نہ ہو اس کے کاروبار میں بھی اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے حالانکہ کاروباری آدمی کی ہر وقت سوچ اور کوشش ہوتی ہے کہ اس کے کاروبار میں نقصان کی بجائے منافع ہی ہوتا چلا جائے، اسی طرح ایک مزدور اور غریب آدمی کے ساتھ بھی یہی معاملہ رہتا ہے کہ کبھی وہ اس قدر تنگ دست ہو جاتا ہے کہ پیٹ پالنے کے لیے مزدوری بھی نہیں ملتی اور کبھی مسلسل مزدوری ملنے کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو ایک حد تک آسودہ دیکھتا ہے۔ رزق میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور بعض دفعہ انسان کو معلوم نہیں ہوتا کہ میرے رزق میں کمی بیشی کا سبب کیا ہے امیر ہو یا غریب اسے ہر حال میں یہ سوچنا اور عقیدہ اپنانا چاہیے کہ رزق کی کمی بیشی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں وہی ذات ہے جو ہر کسی کے رزق میں کمی بیشی کرتی ہے اسی عقیدہ کے پیشِ نظر نبی ﷺ دعا کیا کرتے تھے:

«قُلِ اللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ»

(رواہ الترمذی: باب فی دعاء النبی ﷺ [حسن])

''الٰہی مجھے ہمیشہ حرام سے بچا کر حلال کے ساتھ میری ضرورتیں پوری فرما اور مجھے اپنے خاص فضل کے ساتھ اپنے سوا دوسروں سے بے نیاز کر دے۔''

مسائل

۱۔ اکثر لوگ سہولت کے وقت اتراتے ہیں اور تکلیف کے وقت مایوس ہو جاتے ہیں۔

۲۔ اللہ ہی رزق کشادہ اور کم کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انسان کی مختلف حالتیں:

۱۔ انسان ناشکرا ہے۔ (العادیات:۶) ۲۔ انسان جلد باز ہے۔ (بنی اسرائیل:۱۱)

۳۔ اگر انسان کو اللہ اپنی رحمت دے کر چھین لے تو انسان مایوس اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔ (ہود:۹)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں دیا ہے اس پر نہ اتراؤ کیونکہ اللہ فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (الحدید:۲۳)

۵۔ جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارتا ہے اور دل سے اس کی طرف رجوع کرتا ہے جب اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت ملتی ہے تو اسے بھول جاتا ہے۔ (الزمر:۸)

فَاٰتِ	ذَاالْقُرْبٰى	حَقَّهٗ	وَالْمِسْكِيْنَ	وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ	ذٰلِكَ
آپ دیں	قرابت دار کو	اس کا حق	اور مسکین	اور مسافر کو	یہ
خَيْرٌ	لِّلَّذِيْنَ	يُرِيْدُوْنَ	وَجْهَ اللّٰهِ ۫	وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ	الْمُفْلِحُوْنَ ۝٣٨
بہتر ہے	ان لوگوں کے لیے	جو چاہتے ہیں	اللہ کا چہرہ	اور یہی لوگ	فلاح پانے والے ہیں

”اپنے رشتہ دار اور مسکین و مسافر کو اس کا حق دے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں اُن لوگوں کے لیے یہ بہتر ہے اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔“ (۳۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: رزق کی کمی، بیشی کا سبب بیان کرنے کے بعد مال داروں کو مال کے معاملہ میں ان کے فرض سے آگاہ کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید بات سے بات نکال کر انسان کی تربیت کا اہتمام کرتا ہے پچھلی آیت میں رزق کی کشادگی اور تنگی کا ذکر ہوا ہے اب ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے رزق کی کشادگی سے نوازے اس کا فرض بنتا ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے مال سے لوگوں پر خرچ کرے یہ اس کا غریبوں پر احسان نہیں بلکہ یہ غریبوں کا حق ہے جو اللہ کے دیئے ہوئے مال سے لٹاتا ہے۔ مال دار اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خرچ کرے جس کی ترتیب بیان فرمائی کہ پہلے قریبی لوگوں سے ابتدا کرے اس کے ساتھ حکم دیا کہ اللہ کی رضا اور اس کے حکم کے مطابق خرچ ہونا چاہیے یقیناً ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو کسی پر احسان جتلانے یا نمود و نمائش کے لیے خرچ نہیں کرتے بلکہ محض اللہ کی خوشنودی کے لیے خرچ کرتے ہیں یہی لوگ فلاح پائیں گے۔ ان کے لیے غریبوں کی دعائیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اس سے مال میں برکت اور معاشرہ میں اخوت و ہمدردی پیدا ہوتی ہے اور آخرت میں جنت عطا ہوگی۔

«عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِبْغُوْنِیْ الضُّعَفَآءَ فَاِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ وَتُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَائِكُمْ» (رواہ ابو داؤد: باب فی الانتصار برذل الخیل والضعفة [صحیح])

”ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا آپ نے فرمایا: مجھے بھی اپنے کمزوروں میں شمار کرو کیونکہ تمہاری مدد اور تمہیں رزق تمہارے کمزوروں کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔“

«عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ السَّاعِیْ عَلَى الْأَرْمِلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوِ الْقَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ»

(رواہ البخاری: کتاب النفقات، باب فضل النفقة علی الأهل)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیوہ اور مسکین کے ساتھ تعاون کرنے والا اللہ کی راہ میں مجاہد کی طرح ہے یا رات کو قیام اور دن کو روزہ رکھنے والے کی طرح ہے۔“

صدقہ کرنے کی ترتیب:

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انصار میں سب سے زیادہ کھجوروں کے مالک تھے انکے باغات میں بیرحاء نامی باغ ان کا سب سے بہترین مال تھا جو مسجد کے سامنے تھا نبی ﷺ اس میں جاتے اور وہاں سے پانی پیا کرتے تھے جب آیت {لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ} نازل ہوئی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسولِ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب تک تم اپنی محبوب ترین چیز خرچ نہ کرو کبھی نیکی تک نہ پہنچ سکو گے۔ میرے پاس ''بیرحاء'' کا باغ ہے جو میری پوری جائیداد میں میرے نزدیک قیمتی اور عزیز ہے میں اس کے بدلے اللہ کے ہاں نیکی اور آخرت کے خزانے کا خواہشمند ہوں لہٰذا آپ اسے جہاں چاہیں استعمال کریں۔ آپ نے ان کے جذبے کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا: یہ مال بڑا نفع بخش ہے یہ مال بڑا فائدہ مند ہے جو آپ نے کہا میں نے سن لیا۔ تم اسے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کردو چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے باغ اپنے چچازاد بھائیوں اور عزیزوں میں تقسیم کردیا۔''

(رواہ البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون)

مسائل

۱۔ اللہ کے دیے ہوئے مال سے خرچ کرنا چاہیے۔ ۳۔ صدقہ کرتے وقت قرآن کی ترتیب کا خیال رکھنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

صدقہ کرنے کا حکم اور اس کا اجر:

۱۔ اللہ کو قرضِ حسنہ دینے کا حکم۔ (المزمل: ۲۰) ۲۔ اللہ اسے سات سو گناہ سے بھی زیادہ بڑھائے گا۔ (البقرہ: ۲۶۱)

۳۔ صدقہ صرف اللہ کی رضا کے لیے دینا چاہیے۔ (البقرۃ: ۲۶۵) ۴۔ صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کو قرض دینا ہے۔ (الحدید: ۱۱)

۵۔ اللہ تعالیٰ اسے دگنا تگنا کر کے واپس کرے گا۔ (التغابن: ۱۷)

۶۔ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔ (یوسف: ۸۸) ۷۔ مومن اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے۔ (التوبۃ: ۹۹)

۸۔ مسلمان تنگدستی اور خوشحالی میں خرچ کرتے ہیں۔ (آل عمران: ۱۳۴)

۹۔ جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ تمھیں اس سے زیادہ دے گا۔ (سبا: ۳۹)

۱۰۔ مومنین اللہ کے راستے میں خفیہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں۔ (الرعد: ۲۲)

۱۱۔ مسلمان کو اس کے دیئے ہوئے صدقہ پر سات سو گنا ثواب دیا جائے گا۔ (البقرۃ: ۲۶۱)

وَمَآ	اٰتَيْتُمْ	مِّنْ	رِّبًا	لِّيَرْبُوَاْ	فِيْٓ	اَمْوَالِ	النَّاسِ
اور جو کچھ	تم دو	سے	سود	تا کہ وہ بڑھتا رہے	میں	مالوں	لوگوں کے

فَلَا	يَرْبُوْا	عِنْدَ	اللّٰهِ ۚ	وَمَآ	اٰتَيْتُمْ	مِّنْ	زَكٰوةٍ
تو نہیں	وہ بڑھتا	ہاں	اللہ کے	اور جو کچھ	تم دو	سے	زکوٰۃ

تُرِيْدُوْنَ	وَجْهَ	اللّٰهِ	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾
تم چاہتے ہو	چہرہ	اللہ کا	تو یہی لوگ	بڑھانے والے ہیں

''جو تم سود دیتے ہو تا کہ لوگوں کے اموال میں شامل ہو کر وہ بڑھ جائے، اللہ کے نزدیک وہ نہیں بڑھتا، اور جو تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے زکوٰۃ دیتے ہو اس کے دینے والے حقیقت میں اپنے مال بڑھاتے ہیں۔'' (۳۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلی آیت میں صدقہ کرنے کا حکم دیا، اب صدقہ کرنے میں جو چیز رکاوٹ بنتی اور انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کرتی ہے اس کے بارے میں پہلا حکم۔

اسلامی نظامِ معیشت جن بنیادوں پر قائم ہے اس میں سود کی روک تھام اور زکوٰۃ وصدقات کی ترویج کی بڑی اہمیت ہے۔ مسلمانوں کی معیشت کی ترقی اور اس کا استحکام اسی میں ہے کہ وہ ہر قسم کے معاشی استحصال بالخصوص سود کے لین دین سے پاک ہو سودی معیشت کے پیچھے صرف ایک ہی اصول کارفرما ہوتا ہے کہ مال دینے والے کے مال میں اضافہ ہوتا چلا جائے بے شک دوسرا کنگال سے کنگال ہی کیوں نہ ہو جائے۔ اس فرمان میں اس سوچ کی نفی کرتے ہوئے سود خوروں کو سمجھایا ہے کہ جو مال تم اضافہ کے لیے دیتے ہوئے اللہ کے ہاں اس میں اضافہ نہیں ہوتا۔ قرآن کے الفاظ کا یہ بھی مفہوم لیا جا سکتا ہے کہ جو تم لوگوں کی معاشی ترقی کے لیے سود دیتے ہو اس سے ان کے مال میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ وہ اور کنگال ہو جاتے ہیں۔ سود کے مقابلے جو تم اللہ کی رضا کی خاطر زکوٰۃ دیتے ہو اس سے غریبوں کے اور تمہارے مال میں اضافہ ہوتا ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا گیا کہ جن برائیوں میں لوگ بُری طرح پھنس چکے ہیں ان سے نکالنے کے لیے پہلے لوگوں کی فکر میں تبدیلی لائی جائے اور پھر تدریجی عمل کے ذریعے ان کو ان برائیوں سے نکالا جائے۔ اسی اصول کے پیش نظر سود کی حرمت سے پہلے سود خوروں کو سمجھایا گیا کہ جو مال تم سود پر دیتے ہو بظاہر تمہیں اس میں بڑھوتری نظر آتی ہے لیکن اس سے برکت اٹھالی جاتی ہے اس لیے سودی نظامِ معیشت ترقی کرنے کی بجائے بالآخر خسارے پر منتج ہوتا ہے۔ جہاں تک سود لینے اور دینے والے کا معاملہ ہے سود لینے والا بظاہر یہ سمجھتا ہے کہ اس سے میری مشکل حل ہو جائے گی لیکن بالآخر وہ پہلے سے بھی زیادہ مقروض اور خستہ حال ہو جاتا ہے جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سودی معیشت میں برکت نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ سود کو ختم کرنا چاہتا ہے اور صدقات کو فروغ دینا چاہتا ہے (البقرہ: ۲۷۶)

جہاں تک زکوٰۃ اور صدقہ دینے کا تعلق ہے اس سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہونی چاہیے۔ زکوٰۃ اور صدقہ سے ایک طرف اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور دوسری طرف جس کو زکوٰۃ یا صدقہ دیا جاتا ہے اس کی مالی معاونت ہونے کے ساتھ اور صدقہ کرنے والے کے مال میں برکت ہوتی ہے جہاں تک قیامت کا اجر ہے وہ سات سو گنا ہی نہیں۔ دینے والے کے اخلاص اور حلال مال کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ جس قدر چاہے گا اضافہ فرمائے گا۔

«عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا نَقَصَ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ» (رواہ مسلم: باب استحباب العفو والتواضع)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا جو بندہ درگزر کرتا ہے اللہ اُسے عزت دیتا ہے اور جو اللہ کی رضا کے لیے عاجزی اور انکساری اختیار کرتا ہے اللہ اُسے بلند کرتا ہے۔“

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے، کھلانے اور گواہی دینے والوں پر لعنت کی اور فرمایا کہ یہ سب برابر ہیں۔“ (رواہ مسلم: کتاب المساقاۃ، باب لعن آکل الربوا و موکلہ)

سود خور کی پہلی سزا یہ ہوگی کہ قبر سے اٹھتے ہی یہ ایسی حرکات کرے گا کہ لوگ اُسے پہچان جائیں گے کہ یہ وہ اللہ کا باغی اور قومی مجرم ہے جو دنیا میں سود کھایا کرتا تھا اس کی حواس باختگی کو شیطان کے خبط کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اندازہ کیجیے جس شخص پر شیطان مسلط ہو جائے کیا اس سے کسی بھلے کام کی توقع کی جاسکتی ہے؟۔ اس پر یہ سزا اس لیے مسلط کی جائے گی کہ یہ دنیا میں کہا کرتا تھا کہ تجارت اور سود میں کوئی فرق نہیں حالانکہ تجارت اور سود میں مماثلت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ (البقرۃ: ۲۵۷)

(سود اور تجارت میں فرق سمجھنے کے لیے البقرۃ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔)

مسائل

۱۔ سود سے مال میں اضافہ نہیں ہوتا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ سودی معیشت سے برکت اٹھا لیتا ہے۔

۳۔ زکوٰۃ اور صدقہ محض اللہ کی رضا کی خاطر دینے چاہیے۔

۴۔ زکوٰۃ اور صدقہ سے لینے اور دینے والے کے مال میں اضافہ ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

سود کی حرمت کے بارے میں احکام:

۱۔ سود حرام ہے۔ (البقرۃ: ۲۷۵، آلِ عمران: ۱۳۰) ۲۔ سود خور اللہ اور اسکے رسول سے جنگ کرتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۷۹)

۳۔ اللہ سود کو مٹانا چاہتا ہے۔ (الروم: ۳۹) ۴۔ سود کی حرمت کے بعد سود کھانے کی سخت سزا ہے۔ (البقرۃ: ۲۷۵)

اَللّٰهُ	الَّذِیْ	خَلَقَكُمْ	ثُمَّ	رَزَقَكُمْ	ثُمَّ	یُمِیْتُكُمْ
اللہ	وہ ذات ہے	جس نے پیدا کیا تمہیں	پھر	اس نے رزق دیا تمہیں	پھر	وہ مارے گا تمہیں
ثُمَّ	یُحْیِیْكُمْ ؕ	هَلْ	مِنْ	شُرَكَآىِٕكُمْ	مَّنْ	یَّفْعَلُ
پھر	وہ زندہ کرے گا تمہیں	کیا ہے	سے	تمہارے شریکوں	جو	وہ کر سکے
مِنْ	ذٰلِكُمْ	مِّنْ شَیْءٍ ؕ	سُبْحٰنَهٗ	وَ تَعٰلٰى	عَمَّا	یُشْرِكُوْنَ ۝۴۰
سے	اس طرح	کچھ بھی	وہ پاک ہے	اور وہ برتر ہے	اس سے جو	وہ شرک کرتے ہیں

”اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیتا ہے پھر تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا کیا تمہارے بنائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو ان میں سے کوئی کام بھی کر سکتا ہو؟ اللہ مشرکوں کے شرک سے پاک اور بہت بلند و بالا ہے۔“ (۴۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سورۃ الرّوم کی پہلی دس آیات کے بعد مختلف انداز میں مسلسل اللہ کی توحید کے دلائل دیے گئے ہیں اب پھر اسی عنوان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

سابقہ آیات میں یہ بتلایا گیا ہے جب مشرک کو مصیبت پڑتی ہے تو وہ اپنے رب کو پکارتا ہے مصیبت ٹل جائے تو مشرک اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتا ہے حالانکہ اسے معلوم ہے کہ اللہ ہی نے سب کو پیدا کیا ہے وہی سب کی ضرورتیں پوری کرتا ہے، وہی موت دینے والا ہے اور وہی موت کے بعد سب کو زندہ کرے گا کیا کوئی ہے جو ان کاموں میں اس کا شریک ہو؟ یہ ایسے حقائق ہیں جن کا ہر دور کے مشرک اعتراف کرتے آرہے ہیں اور قیامت تک اعتراف کرنے پر مجبور ہوں گے جب ان کاموں میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی مخلوق میں کوئی بھی اس کا شریک نہ تھا نہ ہے اور نہ ہوگا تو پھر مشرک کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ ”اللہ“ ہر قسم کے شرک سے پاک اور اپنی ذات اور صفات کے حوالے سے تمام مخلوقات سے اعلیٰ اور بے مثال ہے۔

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أُرَاهُ يَقُولُ اللهُ شَتَمَنِيْ ابْنُ آدَمَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهُ أَنْ يَشْتِمَنِيْ وَكَذَّبَنِيْ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهُ. أَمَّا شَتْمُهُ فَقَوْلُهُ إِنَّ لِيْ وَلَدًا وَأَمَّا تَكْذِيْبُهُ فَقَوْلُهُ لَيْسَ يُعِيْدُنِيْ كَمَا بَدَأَنِيْ» (رواہ البخاری: باب مَا جَاءَ فِي قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى [وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ])

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدم کا بیٹا مجھے گالیاں دیتا ہے اور یہ اس کے لیے لائق نہیں وہ میری تکذیب کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے لائق نہیں اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے میں نے اولاد بنا رکھی ہے اس کا جھٹلانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ مجھے دوبارہ پیدا نہیں کیا جائے گا جس

طرح مجھے پہلی بار پیدا کیا گیا ہے۔‘‘

مشرک کا گناہ:

{ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِیْمًا ﴿۴۸﴾ } (النساء:۴۸)

’’یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کرنے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دے گا اور جو اللہ کے ساتھ شریک بنائے گا اس نے بہتان باندھا اور بہت بڑا گناہ کیا۔‘‘

مسائل

۱۔ ’’اللہ‘‘ ہی سب کو پیدا کرتا ہے اور وہی سب کی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔

۲۔ ’’اللہ‘‘ ہی موت دینے والا اور وہی دوبارہ زندہ کرنے والا ہے۔

۳۔ ’’اللہ تعالیٰ‘‘ مشرکوں کے شرکاء اور ان کے بدترین عقیدہ سے پاک اور بلند و بالا ہے۔

تفسیر بالقرآن

’’اللہ‘‘ ہی خالق، مالک، رازق اور وہی موت وحیات کا مالک ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہی تمام انسانوں اور زمین و آسمانوں کو پیدا فرمایا ہے۔ (البقرۃ:۲۲)

۲۔ ’’اللہ‘‘ ہی نے انسان کو بڑی اچھی شکل و صورت میں پیدا فرمایا ہے۔ (التین:۴)

۳۔ ’’اللہ‘‘ نے انسان کو ایک نطفے سے پیدا کیا۔ (الدھر:۲) ۴۔ اللہ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ (الروم:۲۰)

۵۔ ’’اللہ‘‘ نے ایک ہی جان سے سب انسانوں کو پیدا کیا۔ (الاعراف:۱۸۹)

۶۔ ’’اللہ‘‘ ہی پیدا کرنے والا ہے اور اس کا ہی حکم چلنا چاہیے۔ (الاعراف:۵۴)

۷۔ لوگو! اس رب سے ڈر جاؤ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ (النساء:۱)

۸۔ اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے۔ (الذاریات:۵۸) ۹۔ اللہ ہی رزق زیادہ اور کم کرتا ہے۔ (سبا:۳۹)

۱۰۔ اللہ تعالیٰ لوگوں سے رزق طلب نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کو رزق دیتا ہے۔ (طٰہٰ:۱۳۲)

۱۱۔ ’’اللہ‘‘ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔ (البقرۃ:۲۱۲) ۱۲۔ اللہ تعالیٰ مارنے کے بعد زندہ کرے گا۔ (البقرۃ:۷۳)

۱۳۔ اللہ تعالیٰ چوپاؤں اور تمام انسانوں کو رزق دیتا ہے۔ (العنکبوت:۶۰)

۱۴۔ اللہ ہی مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کرتا ہے۔ (آلِ عمران:۲۷)

ظَهَرَ	الْفَسَادُ	فِي	الْبَرِّ	وَالْبَحْرِ	بِمَا كَسَبَتْ
برپا ہوا	فساد	میں	خشکی	اور سمندر	بوجہ جو کمایا
اَيْدِي	النَّاسِ	لِيُذِيْقَهُمْ	بَعْضَ	الَّذِيْ	عَمِلُوْا
ہاتھوں نے	لوگوں کے	تاکہ وہ چکھائے انہیں	بعض	اس کا جو	انہوں نے عمل کیے
لَعَلَّهُمْ	يَرْجِعُوْنَ ﴿٤١﴾	قُلْ	سِيْرُوْا	فِي	الْاَرْضِ
شاید کہ وہ	رجوع کریں	فرما دیجیے	تم سیر کرو	میں	زمین
فَانْظُرُوْا	كَيْفَ	كَانَ	عَاقِبَةُ	الَّذِيْنَ	مِنْ قَبْلُ ؕ
پھر تم دیکھو	کیسا	ہوا	انجام	جو لوگ	سے پہلے
كَانَ	اَكْثَرُهُمْ	مُّشْرِكِيْنَ ﴿٤٢﴾			
تھے	ان میں سے اکثر	مشرک			

”لوگوں کے اپنے ہاتھوں کے کیے کی وجہ سے خشکی اور سمندر میں فساد برپا ہوگیا ہے تاکہ اُن کو اُن کے بعض اعمال کا مزا چکھایا جائے شاید کہ وہ باز آجائیں۔(۴۱) اے نبی ان سے کہو کہ زمین میں چل کر دیکھو پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا کیا انجام ہوا ہے، ان میں سے اکثر مشرک تھے۔“(۴۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سابقہ آیات میں صدقہ کرنے کا حکم دینے کے ساتھ سودخوری اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے سے منع کیا گیا ہے اب ان کے نقصانات سے آگاہ کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید نے انسان کو بار ہا دفعہ یہ حقیقت بتلائی اور سمجھائی ہے کہ اے انسان تیرا خالق، رازق، مالک اور بادشاہ صرف ایک ”اللہ“ ہے۔ جس کا پہلا اور بنیادی تقاضا ہے کہ تم بلا شرکت غیرے میری بندگی کرو اور آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو لیکن انسانوں کی غالب اکثریت نے اپنے رب کی ذات اور اس کے احکام کو فراموش کیا اور ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی کی بالخصوص مالی استحصال کیا جس کا نتیجہ نکلا کہ دنیا امن و امان کی بجائے فتنہ وفساد کا گہوارہ بن گئی یہاں تک کہ بحر و برّ میں فساد برپا ہوا، بھائی نے بھائی کا گلا کاٹا، بیٹا باپ کا دشمن بنا میاں اور بیوی کے درمیان تفریق پیدا ہوئی، ماں نے اپنے معصوم بچوں کا گلا گھونٹا، رشتوں کا تقدس پامال ہوا، لوگوں کی عزتیں تار تار ہوئیں، بڑوں کا دل چھوٹوں کی محبت سے خالی ہوا اور چھوٹے بڑوں کے گستاخ ٹھہرے، ایک ملک نے دوسرے پر چڑھائی کی، طاقتور نے کمزور کو پیوند خاک کیا، گھر ویران ہوئے بستیاں اجڑ گئیں، ملک تباہ ہوئے۔ اس طرح انسان کا اپنا ہی کیا اس کے سامنے آیا۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں لوگوں کو ان کے

کیے کا انجام اس لیے دکھاتا ہے تاکہ وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوجائیں لیکن انسان ہے جو سب کچھ دیکھنے اور پانے کے باوجود اپنے رب کی طرف پلٹنے کا نام نہیں لیتا اس کا پہلا اور بنیادی سبب یہ ہے کہ انسان صرف ایک اللہ سے ڈرنے کی بجائے دوسروں سے ڈرتا ہے اس پر توکل کرنے کی بجائے دوسروں پر بھروسہ کرتا ہے اس کے حضور جھکنے کی بجائے خود ساختہ معبودوں کے سامنے سر جھکاتا ہے۔اس کا حکم ماننے کی بجائے دوسروں کا حکم مانتا ہے یہی شرک ہے اور اسی کے سبب انسان، انسان بننے کی بجائے حیوان اور درندہ بن جاتا ہے اسی سے نظام بگڑتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے ہلاک کیا اگر یقین نہیں آتا تو انسان دنیا کی تاریخ پڑھے اور چل پھر کر نگاہِ عبرت سے قوموں کے کھنڈرات دیکھے تو اسے معلوم ہوجائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے کفر وشرک اور ظلم وستم کرنے والوں کو کس طرح تباہ کیا۔اس فرمان کے پہلے مخاطب عرب تھے جنہوں نے ایک دوسرے کا جینا حرام کررکھا تھا، دوسرے مخاطب ایرانی اور رومی تھے جنہوں نے اس وقت کی دنیا کا امن تہہ بالا کردیا تھا۔اللہ تعالیٰ لوگوں کو دنیا میں اس لیے ان کے اعمال کا کچھ نہ کچھ انجام دکھلاتا ہے تاکہ لوگ اپنے رب کے حضور توبہ کریں اور آخرت کے عذاب سے بچ جائیں۔

مسائل

۱۔ بحر وبر میں فساد برپا ہونے کا بنیادی سبب ''اللہ'' کی بغاوت اور اس کے ساتھ شرک کرنا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے بُرے اعمال کا انجام دکھاتا ہے تاکہ لوگ تائب ہوجائیں۔

۳۔ دنیا کا جغرافیہ اور تاریخ اقوام کی تباہی پر گواہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

فساد فی الارض کے بنیادی اسباب:

۱۔ فساد بپا کرنے اور بُرے انجام سے دوچار ہونے والوں کی اکثریت مشرک تھی۔(الروم:۴۱،۴۲)

۲۔ فرعون فساد کرنے والا تھا۔(یونس:۹۱)

۳۔ زمین میں فساد برپا ہونا لوگوں کے اعمال کا نتیجہ ہے(الروم:۴۱)

۴۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا لین دین میں کمی کے ذریعے زمین میں فساد کرنے کا باعث نہ بنو۔(الاعراف:۸۵)

۵۔ انبیاء کی تکذیب کی وجہ سے کفار اللہ کے غضب کے مستحق قرار پائے:(آل عمران:۱۱۲)

۶۔ منافق فسادی ہیں۔(البقرۃ:۱۱) ۷۔ یاجوج وماجوج فسادی ہوں گے۔(الکھف:۹۴)

۸۔ یہودی فساد پھیلانے والے ہیں۔(المائدۃ:۶۴) ۹۔ بچوں کو قتل کرنا فساد کرنے کے مترادف ہے۔(القصص:۴)

۱۰۔ فسادیوں کی سزا۔(المائدۃ:۳۳)

فَاَقِمْ	وَجْهَكَ	لِلدِّيْنِ	الْقَيِّمِ	مِنْ	قَبْلِ	اَنْ
پس آپ سیدھا رکھیں	اپنا چہرہ	دین کے لیے	سیدھے	اس سے	پہلے	کہ
يَّاْتِيَ	يَوْمٌ	لَّا	مَرَدَّ	لَهٗ	مِنَ	اللّٰهِ	يَوْمَىِٕذٍ
آجائے	وہ دن	کہ نہیں	ٹلنا	اس کے لیے	سے	اللہ	اس دن
يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾	مَنْ	كَفَرَ	فَعَلَيْهِ	كُفْرُهٗ ۚ	وَمَنْ	
وہ جدا جدا ہوں گے	جس نے	کفر کیا	تو اسی پر ہے	اس کا کفر	اور جس نے	
عَمِلَ	صَالِحًا	فَلِاَنْفُسِهِمْ	يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾	لِيَجْزِيَ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا
عمل کیے	صالح	تو وہ اپنے ہی لیے	وہ کمائی کرتے ہیں	تا کہ وہ جزا دے	ان لوگوں کو جو	ایمان لائے
وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	مِنْ	فَضْلِهٖ ؕ	اِنَّهٗ	لَا	يُحِبُّ	الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾
اور انہوں نے عمل کیے	نیک	سے	اپنے فضل	بلاشبہ وہ	نہیں	پسند کرتا	کفار کو

”اے نبی اپنا رخ مضبوط دین پر قائم رکھو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس کے ٹل جانے کی اللہ کی طرف سے کوئی صورت نہیں اُس دن لوگ جُدا جُدا ہو جائیں گے۔(۴۳) جس نے کفر کیا اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے اور جو لوگ نیک عمل کرتے ہیں وہ اپنے ہی لیے کرتے ہیں۔(۴۴) اللہ ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے والوں کو اپنے فضل سے جزا دے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔“(۴۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: دنیا کے فساد اور بُرے انجام سے بچنے کے لیے لازم ہے کہ انسان اپنے چہرے کو اللہ ہی کی طرف متوجہ رکھے۔ اسی بنیاد پر ہی انسان دنیا اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

عقیدہ توحید اور دین کی اہمیّت اور اس کی فضیلت کے پیش نظر براہ راست سرورِ دو عالم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ مشرک جس قدر چاہیں عقیدہ توحید اور دین اسلام کو ناپسند کریں اور اس کی مخالفت کرتے رہیں آپ کو ہر حال میں اپنے چہرے کو اپنے رب کی طرف رکھنا اور دین اسلام پر قائم رہنا چاہیے۔ اس دن سے پہلے جو ہر صورت آ کر رہے گا جو کسی کے انکار یا اقرار سے ٹل نہیں سکتا۔ اس دن سب لوگ جدا جدا ہوں گے کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا جس نے کفر کیا اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا اور جس نے عقیدہ توحید اپنانے کے ساتھ نیک عمل کیے اس کا فائدہ اُسی کو ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس دن ایمان دار اور صالح عمل کرنے والوں کو اپنی طرف سے مزید فضل و کرم سے نوازے گا۔ کفار اور مشرکین کو یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کسی صورت بھی انہیں پسند نہیں کرتا جسے اللہ تعالیٰ پسند نہ کرے اس کا انجام کس طرح اچھا ہو سکتا ہے۔ پہلے بھی عرض کیا ہے کہ ”اَلدِّیْن“ سے مراد عقیدہ توحید اور پورا دین ہے۔ اس میں دو اشارے پائے جاتے ہیں کہ ہر آدمی کو مرتے دم تک عقیدہ توحید اور دین پر قائم رہنا

چاہیے اور دوسرا اشارہ یہ ہے کہ ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کا عقیدہ اور دین اسلام قیامت تک باقی رہے گا۔

جس طرح قیامت کسی کے ٹالنے سے ٹل نہیں سکتی اسی طرح مخالفوں کی مخالفت کے باوجود دینِ اسلام قیامت تک قائم رہے گا جس کا سرفہرست عنوان عقیدہ توحید ہے جو اس کا انکار کریں گے وہ سزا پائیں گے اور جو اس کا اقرار کریں گے وہ بہترین جزا پائیں گے۔ اہل علم نے لکھا ہے کہ ''یَمْهَدُوْنَ'' ''مَهَدَ'' سے ہے جس کا معنٰی ہے بستر بچھانا اور راستہ ہموار کرنا بھی ہے مفہوم یہ ہوا کہ ایماندار لوگ صالح اعمال کے ساتھ دنیا میں رہتے ہوئے جنت کا راستہ ہموار کر رہے ہیں بالفاظ دیگر جنت میں اپنا بستر بچھا رہے ہیں کسی چیز پر چہرہ جمانے سے مراد اس کی طرف کامل توجہ کرنا اور اپنے آپ کو اس کے لئے وقف کرنا ہے۔

''حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا مجھے اسلام کے بارے میں ایسی بات ارشاد فرمائیں کہ آپ کے بعد کسی سے سوال کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے دوسری روایت میں ہے ''آپ کے علاوہ'' کسی سے پوچھنے کی حاجت نہ رہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس پر قائم ہو جاؤ۔'' (رواہ مسلم: باب جَامِعِ أَوْصَافِ الإِسْلَامِ)

«عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالَ فِي الْأَرْضِ اللّٰهُ، اللّٰهُ»

(رواہ مسلم: کتاب الایمان)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہنے والے لوگ موجود ہوں گے۔''

تفسیر بالقرآن

عقیدہ توحید اور دین اسلام پر ہمیشہ قائم رہنے کا حکم:

١۔ آج کے دن تمہارے لیے تمہارا دین مکمل ہوا، میں نے اپنی نعمت تم پر تمام کی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کرلیا ہے۔ (المائدۃ: ٣)

٢۔ اللہ کے ہاں دین اسلام ہی ہے۔ (آل عمران: ١٩) ٣۔ اپنے چہرے کو دین حنیف پر سیدھا رکھتے ہوئے چلتے جاؤ۔ (الروم: ٣٠)

٤۔ اللہ نے تمہارے لیے دین کو چن لیا ہے لہٰذا تمہیں اسلام پر ہی موت آنی چاہیے۔ (البقرۃ: ١٣٢)

٥۔ مجھے اسلام پر موت دے اور نیک لوگوں سے ملا دے۔ یوسف علیہ السلام کی دعا۔ (یوسف: ١٠١)

٦۔ کیا وہ اللہ کے دین کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرتے ہیں۔ (آل عمران: ٨٣)

٧۔ جو شخص اسلام کے علاوہ اور دین تلاش کرتا ہے اس کا دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ (آل عمران: ٨٥)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ	اَنْ	يُّرْسِلَ	الرِّيَاحَ	مُبَشِّرٰتٍ	وَّلِيُذِيْقَكُمْ
اوراس کی نشانیوں سے	یہ کہ	وہ بھیجتا ہے	ہوائیں	خوشخبری دینے والیاں	اور تا کہ وہ تمہیں چکھائے
مِّنْ	رَّحْمَتِهٖ	وَلِتَجْرِيَ	الْفُلْكُ	بِاَمْرِهٖ	وَلِتَبْتَغُوْا
سے	اپنی رحمت	اور تا کہ چلیں	کشتیاں	اس کے حکم سے	اور تا کہ تم تلاش کرو
مِنْ	فَضْلِهٖ	وَلَعَلَّكُمْ	تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾		
سے	اس کے فضل	اور تا کہ تم	شکر کرو		

”اُس کی نشانیوں میں سے یہ بھی نشانی ہے کہ وہ خوشخبری دینے کے لیے ہوائیں بھیجتا ہے تا کہ تمہیں اپنی رحمت سے ہمکنار کرے اور اس کے حکم سے کشتیاں چلتی ہیں تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرواور تم اس کے شکر گزار ہو جاؤ۔“ (۴۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کفار کو اس لیے پسند نہیں کرتا کہ وہ اس کی ذات کے منکر اور اس کی نعمتوں کے ناشکرے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو ان کے اعمال کے بدلے جزا دینے کے ساتھ اپنے فضل سے مزید نوازے گا اور وہ کفار کو پسند نہیں کرتا جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مومن اللہ کی ذات پر بلا شرکتِ غیرے ایمان لانے کے ساتھ اس کے احکام مانتے ہوئے اس کی نعمتوں پر شکر گزار رہتا ہے، اس کے مقابلے میں کافر اللہ کی ذات اور اس کی صفات کا انکار کرنے کے ساتھ اس کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے حالانکہ ”اللہ“ کی پہچان کے لیے، اس کی قدرت کی نشانیاں اور اس کی رحمتیں اس قدر ہمہ گیر اور ہمیشہ سے جاری ہیں کہ جس سے سب فائدہ اٹھاتے ہیں، ٹھنڈی ہواؤں پر غور کریں کہ جوں ہی موسم گرما میں چلتی ہیں تو اس سے کافر اور مومن دونوں مسرور ہوتے ہوئے کہتے ہیں کہ اب بارش برسنے ہی والی ہے بارش ہوتی ہے تو انسان ہی نہیں بلکہ درند پرند یہاں تک کہ کیڑے مکوڑے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اسی طرح بحری سفر کرنے والے کافر ہوں یا مومن سب کے سب مستفید ہوتے ہیں بادِ موافق سے ان کے سفر کی رفتار تیز ہو جاتی ہے اور وہ بڑے اطمینان کے ساتھ بحری سفر کرتے ہوئے اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ جاتے ہیں۔ سفری سہولتیں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کا نتیجہ ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ سمندر میں طلاطم پیدا کر دے اور ہواؤں کو مخالف سمت پر چلا دے تو بادبانی کشتیاں تو درکنار ہزاروں ہارس پاور (HORSE POWER) انجنوں سے چلنے والے جہاز بھی کئی کئی دن تک اپنی جگہ پر ٹھہرے رہتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی عطائیں اس لیے ہیں کہ لوگ اس کا شکر بجالائیں لیکن کافر کفر اور مشرک اپنے رب کے ساتھ شرک کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اس کا شکر کرو گے تو وہ تمہیں اور زیادہ عنایت کرے گا۔

{وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝} (ابراھیم:۷)

”اور جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ تم شکر کرو گے تو میں ضرور تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو بلاشبہ

میرا عذاب بہت سخت ہے۔‘‘

«عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَخَذَ بِيَدِهِ وَقَالَ يَا مُعَاذُ وَاللهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ وَاللهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ فَقَالَ أُوصِيكَ يَا مُعَاذُ لاَ تَدَعَنَّ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلاَةٍ تَقُولُ «اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ»» (رواه أبو داؤد: باب فی الإستغفار [صحيح])

’’حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور دو مرتبہ فرمایا: اے معاذ! اللہ کی قسم میں تجھ سے محبت کرتا ہوں پھر فرمایا: اے معاذ! میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ہر فرض نماز کے بعد یہ کلمات پڑھنے نہ چھوڑنا: الٰہی! اپنے ذکر، شکر اور بہترین طریقے سے عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔‘‘

مسائل

۱۔ ہوائیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی رحمت کی نشانیاں ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہی سمندروں میں کشتیاں اور جہاز چلانے والا ہے۔ ۳۔ انسان کو اپنے رب کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

شکر کرنے کا حکم اور اس کے فائدے:

۱۔ لوگو! اللہ کو یاد کرو اللہ تمھیں یاد کرے گا اور اس کا شکر ادا کرو کفر نہ کرو۔ (البقرۃ: ۱۵۲)

۲۔ لوگو! تم اللہ کا شکر ادا کرو اور ایمان لاؤ اللہ بہت ہی قدردان ہے۔ (النساء: ۱۴۷)

۳۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو وہ تمہیں مزید عطا فرمائے گا۔ (ابراہیم: ۷)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں دل، آنکھیں اور کان دیے تاکہ تم شکر کرو۔ (السجدۃ: ۹)

۵۔ اللہ تعالیٰ کی پاکیزہ نعمتیں کھا کر اس کا شکر ادا کرو۔ (البقرۃ: ۱۷۲)

۶۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کرو۔ (العنکبوت: ۱۷)

۷۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں تمہارے لیے سامانِ زندگی بنائے تاکہ تم شکر ادا کرو۔ (الاعراف: ۱۰)

۸۔ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کیا تاکہ تم شکر کرو۔ (الحج: ۳۶)

۹۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے شکر گزار بندوں میں شامل ہو جاؤ۔ (الزمر: ۶۶)

۱۰۔ میرا اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کرتے رہو بالآخر تم نے میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔ (لقمان: ۱۴)

۱۱۔ لوگوں میں بہت کم لوگ شکر ادا کرنے والے ہوتے ہیں۔ (سبا: ۱۳)

وَ لَقَدْ	اَرْسَلْنَا	مِنْ	قَبْلِكَ	رُسُلًا	اِلٰى	قَوْمِهِمْ
اور البتہ تحقیق	ہم نے بھیجے	سے	آپ سے پہلے	کئی رسول	طرف	ان کی قوم کی
فَجَآءُوْهُمْ	بِالْبَيِّنٰتِ	فَانْتَقَمْنَا	مِنَ	الَّذِيْنَ	اَجْرَمُوْا	
چنانچہ وہ لائے ان کے پاس	واضح دلائل	تو ہم نے انتقام لیا	سے	لوگوں جنہوں نے جرم کیے		
وَ كَانَ	حَقًّا	عَلَيْنَا	نَصْرُ	الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٧﴾		
اور ہے	حق	ہم پر	مدد کرنا	مومنوں کی		

''اور ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا اور وہ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے جنہوں نے جُرم کیا ہم نے اُن سے انتقام لیا اور مومنوں کی مدد کرنا ہم پر حق تھا۔'' (٤٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیاں بتلانے اور توحید کا سبق سکھلانے کے لیے اپنے رسول بھیجے۔

پہلے ابرِکرم کا ذکر کیا اب رحمتِ نبوت کا ذکر کیا جاتا ہے جس طرح بارش سب کے لیے ہوتی ہے اسی طرح نبوت کی دعوت بھی عام اور سب کے لیے ہے۔ جس طرح لوگوں کی اکثریت اپنے رب کی شکر گزار نہیں ہوتی اسی طرح لوگوں کی اکثریت نبوت کی ناقدری کرتی ہے۔

جس طرح بارش سب کے لئے ہوتی ہے اسی طرح نبوت کا فیض بھی سب کے لیے ہوتا ہے جس سے مومن فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی دنیا اور آخرت بہتر بناتے ہیں کافر اس کی مخالفت کر کے دنیا اور آخرت میں نقصان پاتے ہیں حالانکہ ان کے سامنے انبیاء کرام علیہم السلام ٹھوس دلائل اور کھلے معجزات پیش کرتے ہیں لیکن کافر نہ صرف ان کا انکار کرتے ہیں بلکہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے ساتھیوں پر ظلم ڈھاتے ہیں جب لوگ ظلم کی حدود پھلانگ جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ظالموں سے ان کے ظلم کا بدلہ لے کر انبیاء اور مومنوں کو ممتاز کر دیتا ہے ایسا کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔

''یقین جانو کہ ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد دنیا کی زندگی میں بھی کرتے ہیں اور آخرت میں بھی کریں گے جس دن گواہ کھڑے کیے جائیں گے۔'' (المومن: ٥١)

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے نوح، ابراہیم، ہود، صالح، شعیب، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام اور نبی ﷺ کی مدد فرمائی:

١۔ (البقرۃ: ٢٥٣۔ التوبۃ: ٤٠۔ البقرۃ: ٨٧۔ الشعراء: ٦٥۔ یوسف: ٣٤۔ الاعراف: ٦٤۔ ہود: ٩٤۔ الاعراف: ٨٣)

اَللّٰهُ	الَّذِیْ	یُرْسِلُ	الرِّیٰحَ	فَتُثِیْرُ	سَحَابًا	فَیَبْسُطُهٗ
اللہ	وہ ذات ہے	جو بھیجتا ہے	ہوائیں	تو وہ اٹھاتی ہیں	بادل	پھر وہ اس کو پھیلاتا ہے
فِی السَّمَآءِ	كَیْفَ	یَشَآءُ	وَ یَجْعَلُهٗ	كِسَفًا	فَتَرَی	الْوَدْقَ
آسمان میں	جس طرح	وہ چاہتا ہے	اور وہ کردیتا ہے اس کو	ٹکڑے ٹکڑے	پھر آپ دیکھتے ہیں	بارش
یَخْرُجُ	مِنْ	خِلٰلِهٖ ۚ	فَاِذَآ	اَصَابَ	بِهٖ	مَنْ یَّشَآءُ
وہ نکلتی ہے	سے	اس کے درمیان	پھر جب	وہ پہنچاتا ہے	ساتھ اس کے	جس پر وہ چاہتا ہے
مِنْ	عِبَادِهٖٓ	اِذَا هُمْ	یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ ۚ	وَ اِنْ	كَانُوْا	مِنْ
سے	اپنے بندوں	اس وقت وہ	وہ خوش ہوجاتے ہیں	اور بلاشبہ	وہ تھے	اس سے
قَبْلِ	اَنْ	یُّنَزَّلَ	عَلَیْهِمْ	مِّنْ	قَبْلِهٖ	لَمُبْلِسِیْنَ ﴿۴۹﴾
پہلے	کہ	وہ نازل ہو	ان پر	سے	اس سے پہلے ہی	البتہ ناامید

’’اللہ‘‘ ہی ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ بھاری بادل اُٹھاتی ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے بادلوں کو آسمان میں پھیلاتا ہے اور انہیں ٹکڑوں میں تقسیم کرتا ہے، پھر تو دیکھتا ہے کہ بارش کے قطرے بادل میں سے ٹپکے چلے آتے ہیں۔ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے بارش برساتا ہے تو وہ اس وقت خوش ہوجاتے ہیں۔ (۴۸) حالانکہ اُس کے برسنے سے پہلے وہ مایوس ہورہے تھے۔‘‘ (۴۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبوّت کے بیان کے بعد توحید کے دلائل دیئے جاتے ہیں۔

البقرہ میں نبوت کی مثال بارش کے ساتھ دی گئی ہے اس لئے یہاں نبوت کے ذکر کے بعد بارش کا ذکر کیا جارہا ہے بارش کائنات کے وجود کے لئے باعث رحمت ہے اور نبوت لوگوں کے وجود اور روح کے لئے باعث رحمت بنائی گئی ہے جس ’’اللہ‘‘ نے اپنی پہچان کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے وہی ہوائیں چلاتا ہے جو ابر کرم کو اٹھاتی، فضا میں پھیلاتی اور برساتی ہیں اللہ تعالیٰ بادلوں کو ٹکڑیوں کی صورت میں تقسیم کرتا ہے پھر اسی کے حکم سے بادلوں سے بارش برستی ہے۔ بارش برسنے سے پہلے لوگ مایوسی کا اظہار کررہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جنہیں چاہتا ہے بارش سے سیراب کرتا ہے جن پر بارش برستی ہے وہ خوش ہوجاتے ہیں۔ بارش اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک بہت بڑی نشانی ہے اس پر انسان سوچے تو اسے معلوم ہوجائے کہ لوگوں کو سیراب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کس طرح بارش کا انتظام کرتا ہے۔ جہاں بارش برستی ہے غور فرمائیں سمندر اس مقام سے کتنی دور ہوتا ہے سمندر کا پانی سورج کی تپش سے بخارات کی صورت میں اُٹھتا ہے جسے ہوائیں اٹھ کر ایک خاص بلندی پر لے جا کر کہاں سے کہاں لے جاتی ہیں نہ سورج کی تپش سے پانی خشک ہوتا اور نہ ہی ہوا کی گرفت

سے نکل کر نیچے گرتا ہے۔ بادلوں کی شکل میں لاکھوں، کروڑوں ٹن پانی ہوائیں اِدھر اُدھر لیے پھرتی ہیں کیا مجال کہ کوئی بادل جوں کا توں کہیں گر جائے بادل وہاں برستا ہے جہاں اسے اللہ تعالیٰ برسنے کا حکم دیتا ہے۔ اب بارش برسنے کے انداز اور رفتار پر غور فرمائیں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کہیں بادل یکدم اپنا پانی بہا دے اگر ایسا ہوتا تو بستیوں کی بستیاں غرقاب ہو جاتیں اور زمین پر کوئی چیز باقی نہ رہتی کیا بخارات کا بنانا، ہواؤں کا اٹھانا، بادلوں کو فضا میں اِدھر اُدھر لیے پھرنا، قطرہ قطرہ کر کے پانی برسنا اور اس سے ساری کی ساری فضا اور درختوں کے پتوں کو غسل دینا کیڑے مکوڑوں سے لے کر پرندوں تک پانی پہنچانا کسی حکومت کے بس کا کام ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں (بارش کے بارے میں نبی ﷺ سے یہودیوں کا سوال اور آپ کا جواب اس سورۃ کی آیت ۲۴ کی تفسیر میں دیکھیں۔)

«عَنْ أَنَسٍ ؓ قَالَ قَالَ أَنَسٌ أَصَابَنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَطَرٌ قَالَ فَحَسَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ثَوْبَهُ حَتَّى أَصَابَهُ مِنَ الْمَطَرِ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ لِمَ صَنَعْتَ هَذَا قَالَ لأَنَّهُ حَدِيثُ عَهْدٍ بِرَبِّهِ تَعَالَى» (رواہ مسلم: باب الدُّعَاءِ فِی الاِسْتِسْقَاءِ)

”حضرت انس ؓ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول ﷺ کے ساتھ تھے بارش ہوئی تو آپ نے اپنے جسم سے کپڑا ہٹایا یا بارش کا پانی آپ کے جسم مبارک کو لگا ہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا میں نے ایسے اس لیے کیا کیونکہ بارش اپنے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔“

«عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ ؓ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا اسْتَسْقَى قَالَ اللَّهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهَائِمَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَأَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ» (رواہ ابو داؤد: باب رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِی الاِسْتِسْقَاءِ [حسن])

”حضرت عمرو بن شعیب ؓ بیان کرتے ہیں بلاشبہ رسول ﷺ جب بارش کے لیے دعا کرتے تو یوں کرتے: اللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَأَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ ”اے اللہ اپنے بندوں اور جانوروں کو بارش کے ذریعے پانی پلا اور اپنی رحمت کو پھیلاتے ہوئے مردہ زمین کو زندہ کر دے“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی ہواؤں کے ذریعے بادل اٹھاتا اور پھر اپنے حکم سے لوگوں کو پانی پلاتا ہے۔

۲۔ لوگ بارش برسنے سے خوش ہو جاتے ہیں۔ ۳۔ بارش برسنے سے پہلے انسان کے چہرے پر ناامیدی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں بارش کا ذکر:

(النمل: ۶۰) (الاعراف: ۵۷) (البقرۃ: ۱۶۴) (لقمان: ۳۴) (ھود: ۵۲) (النحل: ۲۲) (نوح: ۱۰-۱۲) (النور: ۴۳)

فَانْظُرْ	اِلٰٓى	اٰثٰرِ	رَحْمَتِ	اللّٰهِ	كَيْفَ	يُحْيِ	الْاَرْضَ
چنانچہ آپ دیکھیں طرف		آثار کی	رحمت کے	اللہ کی	کیسے	وہ زندہ کرتا ہے	زمین کو
بَعْدَ	مَوْتِهَا	اِنَّ	ذٰلِكَ	لَمُحْيِ	الْمَوْتٰى	وَهُوَ	
بعد	اس کی موت کے	بلاشبہ	وہ	یقیناً زندہ کرنے والا ہے	مُردوں کو	اور وہ	
عَلٰى	كُلِّ	شَيْءٍ	قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾	وَلَئِنْ	اَرْسَلْنَا	رِيْحًا	
پر	ہر	چیز	قادر ہے	اور البتہ اگر	ہم بھیج دیں	ایسی ہوا	
فَرَاَوْهُ	مُصْفَرًّا	لَّظَلُّوْا	مِنْۢ بَعْدِهٖ	يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾			
کہ وہ دیکھیں اس کو	زرد پڑنے والی	تو البتہ وہ ہو جائیں	اس کے بعد سے	ناشکری کرنے والے			

''اللہ'' کی رحمت کے اثرات دیکھو کہ وہ مُردہ زمین کو کس طرح زندہ کرتا ہے یقیناً وہی مُردوں کو زندگی عطا کرنے والا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۵۰) اور اگر ہم ایسی ہوا بھیج دیں جس کی تلخی سے وہ اپنی کھیتی کو زرد پائیں تو وہ کفر کرنے والے ہو جائیں۔'' (۵۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام : بارش پر مزید غور کرنے کا حکم۔

پھر اللہ کی رحمت پر غور کریں کہ اللہ تعالیٰ بارش کے بعد مردہ زمین کو کس طرح زندہ کرتا ہے جو ''اللہ'' مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے جس سے کئی قسم کی نباتات اور کیڑے مکوڑے نکلتے ہیں وہی مُردوں کو زندہ فرمائے گا کیونکہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ جن ہواؤں کے ذریعے بارش برساتا ہے اگر انہی ہواؤں کو بادِ صرصر بنا دے جو ہر چیز کو جلا کر رکھ دیں تو انسان ناشکری کرنے کے سوا کیا کر سکتے ہیں؟ قرآن مجید نے کئی مقامات پر بارش سے نباتات اور دیگر چیزوں کی تخلیق کا حوالہ دے کر ثابت کیا ہے کہ جو ذاتِ کبریا بارش کے ذریعے زمین میں پڑی ہوئی مردہ چیزوں کو زندہ کرتی ہے کیا وہ مردہ انسانوں کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتی؟ اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی قادر ہے کہ جن ہواؤں کے ذریعے بارش برساتا ہے انہیں ہواؤں کے ذریعے لہلہاتی کھیتیوں کو جلا کر خاکستر کر دے اُس کے سوا نہ کوئی بادِ رحمت چلا سکتا ہے اور نہ ہی بادِ صرصر کو روک سکتا ہے گویا کہ اسے مخلوق کی فنا اور بقا پر پورا پورا اختیار حاصل ہے۔

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَا هَبَّتْ رِيْحٌ قَطُّ إِلَّا جَثَا النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَّلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحًا وَّلَا تَجْعَلْهَا رِيْحًا»

(رواہ البیہقی: باب ذکر مسألۃ اللہ عز و جل [ضعیف الاسناد])

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب بھی تیز ہوا چلتی تو آپ ﷺ گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے اور دعا

کرتے۔اے اللہ! اسے رحمت بنانا، عذاب نہ بنانا۔اے اللہ! اسے رحمت والی ہوا بنانا، عذاب والی آندھی نہ بنانا۔‘‘

((عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ رضی اللہ عنہ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا اسْتَسْقٰى قَالَ اللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهَائِمَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَأَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ))

(رواہ ابوداؤد: باب رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِی الاِسْتِسْقَاءِ [صحیح])

’’حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ رسول اللہ ﷺ بارش کے لیے دعا کرتے تو کہتے: (اللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهَائِمَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَأَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ) ’’اے اللہ اپنے بندوں اور جانوروں کو پانی پلا اور اپنی رحمت پھیلاتے ہوئے مردہ زمین کو زندہ فرما۔‘‘

مسائل

۱۔ بارش اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جب برستی ہے تو اس پر غور کرنا چاہیے۔

۲۔ جس طرح بارش سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مُردوں کو زندہ کرے گا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

بارش اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے:

۱۔ تم ’’اللہ‘‘ سے مغفرت طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو وہ آسمان سے تمہارے لیے بارش نازل فرمائے گا اور تمہاری قوت میں اضافہ کردے گا۔ (ہود: ۵۲)

۲۔ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو وہ معاف کرے گا، بارش نازل فرمائے گا اور تمہارے مال اور اولاد میں اضافہ فرمائے گا۔ (نوح: ۱۰۔ ۱۲)

۳۔ آسمانوں وزمین کی پیدائش، دن اور رات کی گردش، سمندر میں کشتیوں کے چلنے، آسمان سے بارش نازل ہونے، بارش سے زمین کو زندہ کرنے، چوپایوں کے پھیلنے، ہواؤں کے چلنے اور بادلوں کے مسخر کرنے میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ (البقرۃ: ۱۶۴)

۴۔ اللہ تعالیٰ پانی سے تمہارے لیے کھیتی، زیتون، کھجور اور انگور اُگاتا ہے۔ (النحل: ۱۱)

۵۔ اللہ تعالیٰ پانی سے ہر قسم کی نباتات پیدا کرتا ہے۔ (الانعام: ۹۹)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا تاکہ تم طہارت حاصل کرو۔ (الانفال: ۱۱)

۷۔ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اور پھر آسمان سے پانی اتار کر باغات اُگائے کیا اس کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل: ۶۰)

فَاِنَّكَ	لَا	تُسْمِعُ	الْمَوْتٰى	وَ	لَا	تُسْمِعُ	الصُّمَّ
پس بلاشبہ آپ	نہیں	سنا سکتے	مُردوں کو	اور	نہیں	آپ سنا سکتے	بہروں کو

الدُّعَآءَ	اِذَا	وَلَّوْا	مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾	وَمَآ	اَنْتَ	بِهٰدِ
پکار	جب	وہ لوٹ جائیں	پیٹھ پھیر کر	اور نہیں ہیں	آپ	ہدایت دینے والے

الْعُمْيِ	عَنْ	ضَلٰلَتِهِمْ ؕ	اِنْ	تُسْمِعُ	اِلَّا	مَنْ
اندھوں کو	سے	ان کی گمراہی	نہیں	آپ سنا سکتے	مگر	جو

يُّؤْمِنُ	بِاٰيٰتِنَا	فَهُمْ	مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع
ایمان لاتے ہیں	ہماری آیات پر	وہی ہیں	فرماں بردار

ع ۵ / ۱۳ / ۸

''اے نبی آپ مُردوں کو نہیں سُنا سکتے نہ بہروں کو اپنی بات سنا سکتے ہیں جو پیٹھ پھیرے چلے جا رہے ہیں۔ (۵۲) اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے نکال کر راہِ راست پر لا سکتے ہیں۔ آپ صرف انہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں اور انہیں مانتے ہیں۔'' (۵۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں پوری کائنات میں پھیلا رکھی ہیں اور اس نے اپنی توحید کے دلائل کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں لیکن اندھے اور بہرے لوگ اس کی نشانیوں کو غور سے دیکھنے اور دلائل کو توجہ کے ساتھ سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

سرورِ دو عالم ﷺ لوگوں کو دن، رات اللہ کی توحید اور اس کے دین کی دعوت دیتے لیکن کافر اور مشرک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے باوجود اس کی ذات کو بلاشرکتِ غیرے ماننے اور اس کی توحید کے دلائل سننے کے لیے تیار نہ تھے۔ ایسے لوگوں کی حقیقت بتلانے اور آپ کو تسلی دینے کے لیے فرمایا کہ اے رسول آپ نے اپنے کام میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اگر یہ لوگ حقائق دیکھنے سے اندھے اور سچ سننے سے بہرے ہو چکے ہیں تو آپ کو دلبر داشتہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ آپ ایسے اندھوں کو ہدایت دینے والے نہیں ہیں جو ہدایت سے دور بھاگنے والے ہیں، آپ ان لوگوں کی راہنمائی کر سکتے ہیں جو ہمارے ارشادات پر ایمان لانے والے ہیں حقیقتاً یہی لوگ ہماری فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔ یہاں اندھے اور بہروں سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہدایت کے بارے میں دل کے اندھے اور سچ سننے سے بہرے ہو چکے ہیں۔

{ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ } (القصص:۵۶)

''اے نبی آپ جسے چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے وہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔''

یہاں اس بات کی نفی کی گئی ہے کہ مُردے نہیں سُنتے بیشک یہاں مُردوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو روحانی طور پر مُردہ ہو

چکے ہیں حالانکہ ان کے کان، آنکھیں اور دل موجود ہیں جو (PHYSICALLY) طور پر اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔ روحانی حیثیت کھو چکے ہیں اس لیے وہ مردے سن نہیں سکتے۔

مردے نہیں سنتے:

جب کوئی شخص موت کی آغوش میں چلا جائے تو پھر کس طرح سُن، دیکھ اور سوچ سکتا ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے کفار کو مردہ قرار دیا ہے کیونکہ مردے نہیں سنتے۔

{ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ } (الاعراف:۱۹۵)

''کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑ سکتے ہیں، یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں، یا ان کے کان ہیں جن سے سنتے ہیں فرما دیں اپنے سب شرکاء کو بلا لو، پھر میرے خلاف تدبیر کرو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو یقیناً میرا مددگار اللہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک بندوں کی مدد کرتا ہے، اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے ہیں۔''

یہ حال صرف بتوں کا نہیں بلکہ قبروں میں مدفون بزرگ کا بھی ہے۔

{ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ } (النحل:۲۰،۲۱)

''اور جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے، وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ مردے ہیں زندہ نہیں، انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔''

{ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ } (فاطر:۲۲)

''زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ جسے چاہتا ہے سنا سکتا ہے آپ قبروں والوں کو نہیں سنا سکتے۔''

{ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ } (النمل:۸۰)

''آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے نہ ان بہروں تک اپنی آواز پہنچا سکتے جو پیٹھ پھیر کر بھاگ رہے ہوں۔''

مسائل

۱۔ نبی اکرم ﷺ مردوں اور بہروں کو نہیں سنا سکتے تھے۔

۲۔ نبی اکرم ﷺ دل کے اندھوں اور ایمان نہ لانے والوں کو ہدایت نہیں دے سکتے تھے۔

۳۔ ہدایت وہی لوگ پاتے ہیں جو دل سے اللہ تعالیٰ کے ارشادات پر ایمان لاتے ہیں۔

اَللّٰهُ	الَّذِیْ	خَلَقَكُمْ	مِّنْ	ضُعْفٍ	ثُمَّ جَعَلَ
اللہ	وہ ذات ہے	جس نے پیدا کیا تمہیں	سے	کمزوری	پھر / اس نے بنادی
مِنْۢ	بَعْدِ	ضُعْفٍ	قُوَّةً	ثُمَّ	جَعَلَ / مِنْۢ
سے	بعد	کمزوری کے	قوت	پھر	اس نے بنادی / سے
بَعْدِ	قُوَّةٍ	ضُعْفًا	وَّشَيْبَةً	يَخْلُقُ	مَا / يَشَآءُ
بعد	قوت کے	کمزوری	اور بڑھاپا	وہ پیدا کرتا ہے	جو / وہ چاہتا ہے
	وَهُوَ	الْعَلِيْمُ	الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾		
	اور وہ	خوب جاننے والا	بڑا قدرت والا ہے		

''اللہ وہ ذات ہے جس نے ضعف سے تمہاری پیدائش کی ابتداء کی پھر اس ضعف کے بعد تمہیں قوت بخشی، پھر اس قوت کے بعد تمہیں کمزور اور بوڑھا کردیا، جو وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔'' (۵۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو ''رب'' بارش برستا اور ہوائیں چلاتا ہے اس کی مزید صفات ملاحظہ فرمائیں۔

''اللہ'' ہی وہ ذات ہے جس نے تمہیں کمزور حالت میں پیدا کیا پھر کمزوری کے بعد تمہیں قوت عطا فرمائی اور قوت دینے کے بعد پھر تمہیں کمزوری اور بڑھاپے میں مبتلا کرتا ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ ہر بات کا علم رکھنے والا اور ہر چیز پر قادر ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی زندگی کے تین مرحلوں کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو پیدائش کے وقت انتہائی کمزور پیدا کرتا ہے۔ انسان اعضاء کے اعتبار سے اس قدر چھوٹا اور کمزور ہوتا ہے کہ وہ نہ چل سکتا ہے نہ اپنے آپ بیٹھ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی چیز اپنے ہاتھ سے کھا، پی سکتا ہے یہاں تک کہ ابتدائی ایام میں وہ کروٹ بھی نہیں بدل سکتا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اسے اس کی ماں کے ذریعے کھلاتا پلاتا ہے۔ پھر انسان پر ایسا وقت آتا ہے کہ جب یہ اپنی قدوقامت، جسمانی قوت اور فکری صلاحیت کے اعتبار سے عالمِ شباب کو پہنچ جاتا ہے پھر اسی انسان کو اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ بڑھاپے میں مبتلا کر دیتا ہے جس کا کوئی علاج نہیں اس فرمان میں انسان کو اس کے تخلیقی مراحل یاد کروائے گئے ہیں تاکہ وہ اپنے خالق کو پہچانے اور اسی کے سامنے سرفگندہ رہنے کی کوشش کرے اور اسی کا قانون تسلیم کرے اور ہر وقت اس کا ذہن رہے کہ میں جو کچھ بھی ہوں اور جو کر رہا ہوں وہ سب کا سب میرے رب کا عطا کردہ ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے اور وہ ہر چیز پر مکمل اختیار رکھتا ہے، میری زندگی کا ہر مرحلہ اس کے قبضے میں ہے اور وہ جب چاہے مجھے پکڑ سکتا ہے۔

{ وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ۚ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلۡنٰہُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ ۪﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَۃَ مُضۡغَۃً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ٭ ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰہُ خَلۡقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ ﴿ؕ۱۴﴾ } (المؤمنون:۱۲تا۱۴)

''یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا پھر اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ ٹھہرایا پھر نطفہ کو ہم نے جما ہوا خون بنایا، پھر اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کے ٹکڑے میں تبدیل کیا پھر گوشت کے ٹکڑے کو ہڈیاں بنایا پھر ہڈیوں کو ہم نے گوشت پہنایا پھر ایک شکل وصورت میں اسے پیدا کیا وہ اللہ برکت والا ہے اور سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی انسان کو پیدا کرتا پھر جوان کرتا اور اس کے بعد ضعیف اور بوڑھا کرتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہر بات کو جاننے والا اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انسانی زندگی کے مختلف مراحل:

۱۔ یقیناً ہم نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔(الحجر:۲۶)

۲۔ اللہ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔(آل عمران:۵۹)

۳۔ اللہ نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔(المومنون:۱۲)

۴۔ حوا کو آدم سے پیدا فرمایا۔(النساء:۱) ۵۔ اللہ نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔(الدھر:۲)

۶۔ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا۔(الروم:۲۰)

۷۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تمہارے جوڑے جوڑے بنائے۔(فاطر:۱۱)

۸۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اسے نطفہ بنایا، پھر اس سے خون کا لوتھڑا، پھر اس سے بوٹی بنا کر انسان پیدا کیا۔(الحج:۵)

۹۔ کیا تو اس ذات کا کفر کرتا ہے جس نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے تجھے آدمی بنایا۔(الکھف:۳۷)

۱۰۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ، پھر لوتھڑا بنا کر تمہیں پیدا کرتا ہے کہ تم بچے ہوتے ہو۔ پھر تمہیں بوڑھا کرتا اور کچھ تم میں بڑھاپے سے پہلے فوت ہو جاتے ہیں اور کچھ اپنی عمر کو پہنچ جاتے ہیں کیا پھر بھی تم عقل نہیں کرتے۔(المومن:۶۷)

وَيَوْمَ	تَقُوْمُ	السَّاعَةُ	يُقْسِمُ	الْمُجْرِمُوْنَ	مَا	لَبِثُوْا
اور جس دن	قائم ہوگی	قیامت	قسمیں کھائیں گے	مجرم	کہ نہیں	وہ ٹھہرے
غَيْرَ	سَاعَةٍ	كَذٰلِكَ	كَانُوْا	يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾	وَقَالَ	الَّذِيْنَ
سوائے	ایک گھڑی کے	اسی طرح	تھے	وہ بہکائے جاتے	اور کہا	ان لوگوں نے
اُوْتُوا	الْعِلْمَ	وَالْاِيْمَانَ	لَقَدْ	لَبِثْتُمْ	فِيْ	كِتٰبِ اللّٰهِ
جو دیے گئے	علم	اور ایمان	البتہ تحقیق	تم ٹھہرے تھے	میں	کتاب اللہ کی

''اور جب قیامت برپا ہوگی تو مجرم قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے ہیں، اسی طرح وہ دھوکا کھایا کرتے تھے۔ (۵۵) مگر جو علم اور ایمان والے تھے وہ کہیں گے کہ اللہ کی کتاب میں تو

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو''اللہ''انسان کو پیدا کرنے، جوان اور بوڑھا کرنے پر قادر ہے وہی قیامت کے دن انسان کو پیدا کرنے پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ قیامت برپا کرنے کے بعد لوگوں کو زندہ کرکے اپنی بارگاہ میں پیش کرے گا۔ مجرم قیامت کی سختی اور اللہ تعالیٰ کا جلال دیکھ کر قسمیں اٹھا اٹھا کر ایک دوسرے سے کہیں گے کہ ہم دنیا میں ایک لمحہ سے زیادہ نہیں ٹھہرے تھے۔ انہیں بتلایا جائے گا جس طرح تم دنیا میں رہنے کی مدت کو بھول چکے ہو اسی طرح تم قیامت کو فراموش کر چکے تھے جس بنا پر تم سوچتے نہیں تھے کہ کل ہمیں اپنے عقائد اور اعمال کا جواب دینا ہے۔ جب مجرم ایک دوسرے کے سامنے قسمیں کھا رہے ہوں گے تو قیامت پر ایمان والے حضرات لوگ انہیں کہیں گے تم اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی جو اس نے لوحِ محفوظ میں لکھ رکھا ہے اس کے مطابق دنیا میں رہے یہاں تک کہ قیامت قائم ہوگئی یہی وہ دن ہے جس کا تم انکار کرتے تھے۔ اس دن وہ معذرت پر معذرت کریں گے لیکن ان کی معذرت اور آہ زاریاں قبول نہیں کی جائیں گی۔

{ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾ } (الزخرف:۷۷)

''وہ پکاریں گے اے مالک تیرا رب ہمیں موت دے دے مالک جواب دے گا اب یونہی پڑے رہو گے۔''

{ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾ } (المؤمنون:۶تا۸)

''سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جوان کی لونڈیاں ہیں ان کے بارے میں وہ قابل ملامت نہیں ہیں۔ البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں۔ وہ زیادتی کرنے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں۔''

مسائل

۱۔ قیامت کے دن مجرم دنیا میں رہنے کی مدت کو بھول جائیں گے۔

اِلٰی	یَوْمِ	الْبَعْثِ ۫	فَھٰذَا	یَوْمُ	الْبَعْثِ	وَلٰكِنَّكُمْ
طرف	دن کی	دوبارہ اٹھنے کے	سو یہی ہے	دن	دوبارہ اٹھنے کا	لیکن تم

كُنْتُمْ	لَا	تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾	فَیَوْمَئِذٍ	لَّا	یَنْفَعُ	الَّذِیْنَ
تھے تم	نہیں	جانتے	چنانچہ اس دن	نہیں	فائدہ دے گی	ان لوگوں کو

ظَلَمُوْا	مَعْذِرَتُھُمْ	وَلَا	ھُمْ	یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾
جنہوں نے ظلم کیا	ان کی معذرت	اور نہ	ان سے	توبہ قبول کی جائے گی

تم حشر کے دن تک پڑے رہے ہو، سو یہی حشر کا دن ہے لیکن تم جانتے نہیں تھے۔(۵۶) چنانچہ اس دن ظالموں کی معذرت انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی اور نہ ان کی توبہ قبول کی جائے گی۔''(۵۷)

۲۔ صاحبِ ایمان لوگ مجرموں کو یاد کروائیں گے یہی قیامت ہے جس کا تم انکار کرتے تھے۔

۳۔ قیامت کے دن مجرموں کو معذرت کرنے کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

۴۔ قیامت کے دن مجرموں کی توبہ قبول نہ کی جائے گی۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن مجرمین کی حسرتیں اور التجائیں:

۱۔ اسلام کا انکار کرنا منکرین کے لیے حسرت کا باعث ہوگا۔(الحاقۃ:۵۰)

۲۔ مشرکین قیامت کے دن حسرت کا اظہار کریں گے۔(البقرۃ:۱۶۷)

۳۔ قیامت کے دن منکر حسرت وافسوس کریں گے۔(الانعام:۳۱)

۴۔ قیامت کے دن مجرم بُری دوستی پر افسوس کا اظہار کریں گے۔(الفرقان:۲۷تا۲۹)

۵۔ مجرم مٹی کے ساتھ مٹی ہو جانے کی خواہش کریں گے۔(النساء:۴۲،النباء:۴۰)

۶۔ مجرم دنیا میں لوٹنے اور نیک عمل کرنے کی تمنا کریں گے۔(السجدۃ:۱۲)

۷۔ مجرم افسوس کا اظہار کریں گے کاش میں فلاں کو دوست نہ بناتا۔(الفرقان:۲۸)

۸۔ جہنم کے داروغہ سے درخواستیں کریں گے۔(الزخرف:۷۷)

۹۔ اپنے مرشدوں اور لیڈروں کو دگنی سزا دینے کا مطالبہ کریں گے۔(الاحزاب:۶۸)

۱۰۔ مرید اپنے مرشدوں کو اپنے پاؤں تلے روندنے کا مطالبہ کریں گے۔(السجدۃ:۲۹)

وَلَقَدْ	ضَرَبْنَا	لِلنَّاسِ	فِیْ	هٰذَا	الْقُرْاٰنِ	مِنْ	كُلِّ
اور البتہ تحقیق ہم نے	بیان کردی	لوگوں کے لیے	میں	اس	قرآن	سے	ہر ایک
مَثَلٍ ؕ	وَلَئِنْ	جِئْتَهُمْ	بِاٰیَةٍ	لَّیَقُوْلَنَّ	الَّذِیْنَ		
مثال	اور البتہ اگر	آپ لے آئیں ان کے پاس	کوئی نشانی	البتہ ضرور کہیں گے	وہ لوگ		
كَفَرُوْٓا	اِنْ	اَنْتُمْ	اِلَّا	مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾	كَذٰلِكَ	یَطْبَعُ	
جنہوں نے کفر کیا	نہیں ہو	تم	مگر	باطل پرست	اسی طرح	مہر لگاتا ہے	
اللّٰهُ	عَلٰی	قُلُوْبِ	الَّذِیْنَ	لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾	فَاصْبِرْ	اِنَّ	
اللہ	پر	دلوں	ان لوگوں کے جو	نہیں جانتے	پس آپ صبر کریں	بلاشبہ	
وَعْدَ	اللّٰهِ	حَقٌّ	وَّلَا	یَسْتَخِفَّنَّكَ	الَّذِیْنَ	لَا	یُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع
وعدہ	اللہ کا	سچا ہے	اور نہ	ہلکا بنا دیں آپ کو	وہ لوگ جو	نہیں	یقین رکھتے

”ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو ہر طرح سے سمجھایا۔ جن لوگوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ تم کوئی نشانی لے آؤ، وہ کہیں گے کہ تم جھوٹ پر ہو۔(۵۸) اللہ اسی طرح اُن لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جو بےعلم ہیں۔(۵۹) پس اے نبی صبر کرو یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے اور آپ کو ہرگز ہلکا نہ کر دیں وہ لوگ جو یقین نہیں کرتے۔“(۶۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام : مجرموں کی معذرتیں اس لیے قبول نہیں ہوں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دین اور اپنی توحید سمجھانے کے لیے قرآن مجید میں ہر طرح کی مثالیں دے کر انہیں سمجھایا ہے لیکن وہ پھر بھی سمجھنے کے لئے تیار نہ تھے۔

اس فرمان کے دو مطالب ہیں ایک طرف قبل از وقت مجرموں کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم نے کفر و شرک پر تکرار جاری رکھا تو یاد رکھو وہ دن دور نہیں جب تم اپنے کیے پر معذرتیں کرو گے لیکن تمہاری معذرتوں کو درخوراعتنا نہیں سمجھا جائے گا لہٰذا سنبھلنا چاہتے ہو تو آج موقعہ ہے سنبھل جاؤ ورنہ پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ دوسری طرف نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر آپ ان کے سامنے مزید دلائل اور معجزے پیش کریں تو پھر بھی یہ آپ پر جھوٹ کا الزام لگائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ حقیقت کا علم نہیں جاننا چاہتے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں پر مہر ثبت کر دیتا ہے جس وجہ سے ان کا ہدایت قبول کرنا ممکن نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے وہ انہیں ان کے کیے کی ضرور سزا دے گا ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ آپ کو ہلکا کر دیں اس لیے آپ کو صبر کرنا چاہیے۔

”وَلَا یَسْتَخِفَّنَّكَ“ کا دوسرا معنٰی یہ بھی کیا گیا ہے کہ یہ لوگ آپ کی ذات اور کام کو ہلکا بنانا چاہتے ہیں جس میں یہ کامیاب نہیں ہو سکتے یعنی دشمن تم کو ایسا کمزور نہ کر پائیں کہ ان کے شور و غوغا سے تم دب جاؤ یا ان کی بہتان و افتراء کی مہم

سے مرعوب ہو جاؤ یا ان کی پھبتیوں اور طعنوں اور تضحیک و استہزاء سے تم پست ہمت ہو جاؤ یا ان کی دھمکیوں اور طاقت کے مظاہروں اور ظلم و ستم سے تم ڈر جاؤ یا ان کے دیے ہوئے لالچوں سے تم پھسل جاؤ یا قومی مفاد کے نام پر جو اپیلیں وہ تم سے کر رہے ہیں ان کی بنا پر تم ان کے ساتھ مصالحت کر لینے پر اتر آؤ۔ اس کی بجائے وہ تم کو اپنے مقصد کے شعور میں اتنا ہوشمند اور اپنے یقین و ایمان میں اتنا پختہ اور اس عزم میں اتنا راسخ اور اپنے کیرکٹر میں اتنا مضبوط پائیں کہ نہ کسی خوف سے تمہیں ڈرایا جا سکے، نہ کسی قیمت پر تمہیں خریدا جا سکے، نہ کسی فریب سے تم کو پھسلایا جا سکے، نہ کوئی خطرہ یا نقصان یا تکلیف تمہیں اپنی راہ سے ہٹا سکے اور نہ دین میں کسی لین دین کا سودا تم سے چکایا جا سکے یہ سارا مضمون اللہ تعالیٰ کے کلام کی بلاغت نے اس ذرا سے فقرے میں سمیٹ دیا ہے کہ یہ بے یقین لوگ تم کو ہلکا نہ پائیں۔ اب اس بات کا ثبوت تاریخ کی بے لاگ شہادت دیتی ہے کہ نبی ﷺ دنیا پر ویسے، ہی بھاری ثابت ہوئے جیسا کہ اللہ اپنے آخری نبی ﷺ کو بھری بھر کم دیکھنا چاہتا تھا۔ آپ ﷺ سے جس نے جس میدان میں بھی زور آزمائی کی۔ اس نے اسی میدان میں مات کھائی اور آخر اس شخصیت عظمٰی نے وہ انقلاب برپا کر دکھایا جسے روکنے کے لیے عرب کے کفر و شرک نے اپنی ساری طاقت صَرف کر دی اور اپنے سارے حربے استعمال کر ڈالے۔ (تفہیم القرآن جلد ۳)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دین اور اپنی توحید سمجھانے کے لیے کئی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے منکروں کے دلوں پر گمراہی کی مہر لگا دیتا ہے۔

۳۔ قیامت ہر صورت برپا ہو کر رہے گی۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

نبی اکرم ﷺ کو صبر کرنے کی تلقین:

۱۔ نبی ﷺ کو صبر کا حکم دیا گیا۔ (المعارج: ۵)

۲۔ اگر یہ لوگ آپ سے منہ موڑ لیں تو آپ "اللہ" پر بھروسہ کریں اسکے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ (التوبہ: ۱۲۹)

۳۔ اپنے رب کے حکم کے مطابق صبر کیجیے۔ (الدھر: ۲۴)

۴۔ تکلیف پر صبر کیجیے یقیناً یہ بڑے کاموں میں سے ہے۔ (لقمان: ۱۷) ۵۔ صبر کیجیے اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ (الحج: ۵۵)

۶۔ اے نبی ﷺ! کفار کی باتوں پر صبر کیجیے اور صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے رہیں۔ (طٰہٰ: ۱۳۰)

سورۃ لقمان کا تعارف

یہ سورت مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی اس کا نام لقمان ہے یہ نام آیت ۱۲ اور ۱۳ میں آیا ہے اس کے چار رکوع اور چونتیس آیات ہیں۔

ربطِ سورۃ: سورۃ الرّوم کا اختتام اس بات پر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے قرآنِ مجید میں ہر قسم کی مثال بیان فرمائی ہے لیکن اس کے باوجود کفار قرآن کو من جانب اللہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ اُن کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر ثبت کر دی ہے ایسے لوگوں کے رویے کے معاملے میں جذباتی ہونے کی بجائے صبر سے کام لینا چاہیے۔ سورت لقمان کا آغاز اس فرمان سے ہوا کہ قرآنِ مجید پُرحکمت کتاب ہے اور یہ نیک لوگوں کے لیے رحمت اور ہدایت کا سرچشمہ ہے، نیک لوگوں کے بنیادی اوصاف یہ ہیں کہ وہ نماز قائم کرتے، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اُن کا آخرت پر مکمل یقین ہے کہ ایک دن آنے والا ہے جب انہیں اپنے کیے کا پورا، پورا حساب دینا ہوگا۔

اس سورۃ کا مرکزی مضمون حضرت لقمان کی وصیتوں پر مشتمل ہے سورت کی ابتداء میں قرآنِ مجید کو کتابِ حکیم کہا گیا ہے جس میں لطیف اشارہ ہے کہ اس سورۃ میں جس شخص کی وصیتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ اپنے دور کا عظیم دانشور تھا۔ کتاب الحکیم کے دو معانی ہیں پُرحکمت کتاب اور ایسی کتاب جس کے ارشادات محکم اور فیصلہ کُن ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآنِ حکیم ہدایت اور اس کی رحمت کا سرچشمہ ہے مگر اُن لوگوں کے لیے جو نیک بننا چاہتے ہیں نیک لوگوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ توحید ورسالت پر ایمان رکھنے کے ساتھ نماز قائم کرتے، زکوٰۃ ادا کرتے اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ اس سورۃ کے پہلے رکوع میں بتلایا ہے جو فحاشی اور بے حیائی کے ذریعے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتا ہے اُسے ذلیل کر دینے والا عذاب ہوگا۔ اس کے مقابلے جو لوگ ایمان لانے کے بعد صالح اعمال کریں گے ان کے لیے جنتِ نعیم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو اپنا ہر وعدہ پورا کرنے پر قدرت رکھتا ہے لہٰذا وہ اپنے وعدے پورے کرے گا اس کی قدرت کا اندازہ کریں کہ اس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے ٹھہرایا ہوا ہے اور زمین میں پہاڑ گاڑ دیے ہیں پھر اس زمین پر ہر قسم کے چوپاؤں کو پھیلا دیا ہے وہی آسمان سے بارش نازل کرتا ہے اور اس کے ساتھ نباتات پیدا کرتا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اس کے بغیر کوئی بھی کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتا۔

لیکن اس کے باوجود مشرک ''اللہ'' کو ایک الٰہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں جس کی وجہ سے وہ کھلی گمراہی میں بھٹک رہے ہیں۔ سورۃ کے دوسرے رکوع میں حضرت لقمان کی گیارہ وصیتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

① ۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اس کا فائدہ اُسے ہی ہوگا۔

② ۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کیونکہ وہ غنی اور لائقِ حمد ہے۔

③۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو یہ بھی وصیت کی کہ بیٹا ''اللہ'' کے ساتھ شرک نہ کرنا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔
④۔ میرے بیٹا! جو کچھ زمین و آسمانوں اور صحرا میں موجود ہے وہ اللہ سے پوشیدہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نہایت ہی باریک بین اور ہر چیز سے باخبر ہے۔
⑤۔ میرے بیٹا! اللہ تعالیٰ رائی کے دانے کو بھی جانتا ہے۔
⑥۔ بیٹا! نماز قائم کرو۔
⑦۔ بیٹا! لوگوں کو نیکی کا حکم دو اور برائی سے بچے رہو۔
⑧۔ بیٹا! مصیبت میں صبر کرو کیونکہ مصیبت میں صبر کرنا عظیم کاموں میں سے ایک کام ہے۔
⑨۔ بیٹا! تکبر کی وجہ سے لوگوں سے منہ نہ پھیرو اور نہ ہی زمین پر اکڑ کر چلو کیونکہ اللہ تعالیٰ کو فخر اور تکبر کرنے والا شخص پسند نہیں ہے۔
⑩۔ بیٹا! چلنے میں میانہ روی اختیار کرو۔
⑪۔ بیٹا! اپنی آواز کو بلا وجہ بلند نہ کرنا کیونکہ سب سے بُری آواز گدھے کی آواز ہے۔

تیسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تسخیر اور تخلیق کا حوالہ دے کر ارشاد فرمایا ہے کہ اگر درختوں کی قلمیں بنالی جائیں اور سات سمندر سیاہی میں تبدیل کر دیئے جائیں تب بھی اللہ کی تعریفات ختم نہیں ہو سکتیں، سورت کے آخر میں لوگوں کو سمجھایا ہے کہ لوگو! اپنے رب سے ڈر جاؤ قیامت کے دن ماں باپ اپنی اولاد کو اور اولاد اپنے ماں باپ کو کوئی فائدہ نہیں دے سکیں گے اور یاد رکھو کہ پانچ چیزوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جو سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔

①۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب برپا ہوگی۔
②۔ اللہ تعالیٰ ہی بارش برسانے والا ہے۔
③۔ ''اللہ'' ہی جانتا ہے جو کہ کچھ ماؤں کے رحموں میں ہوتا ہے۔
④۔ کوئی نہیں جانتا کہ اُس نے کل کیا کرنا ہے۔
⑤۔ کسی نفس کو معلوم نہیں کہ اس کی موت کہاں اور کب واقع ہوگی۔

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا ـ ٤ اٰيَاتُهَا ـ ٣٤

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

الٓمّٓ ①	تِلْكَ	اٰيٰتُ	الْكِتٰبِ	الْحَكِيْمِ ②	هُدًى
الف لام میم	یہ	آیات ہیں	کتاب کی	حکمت والی	ہدایت
وَّ رَحْمَةً	لِّلْمُحْسِنِيْنَ ③	الَّذِيْنَ	يُقِيْمُوْنَ	الصَّلٰوةَ	وَيُؤْتُوْنَ
اور رحمت ہے	نیکی کرنے والوں کے لیے	جو لوگ	وہ قائم کرتے ہیں	نماز	اور وہ دیتے ہیں
الزَّكٰوةَ	وَهُمْ	بِالْاٰخِرَةِ	هُمْ	يُوْقِنُوْنَ ④	اُولٰٓئِكَ	عَلٰى
زکوٰۃ	اور وہ	آخرت کے ساتھ	وہ	یقین رکھتے ہیں	یہی لوگ	پر
هُدًى	مِّنْ	رَّبِّهِمْ	وَ اُولٰٓئِكَ	هُمُ	الْمُفْلِحُوْنَ ⑤
ہدایت	سے	اپنے رب کی طرف	اور یہی لوگ	وہ	فلاح پانے والے ہیں

”الف، لام، میم۔(۱) یہ کتابِ حکیم کی آیات ہیں۔(۲) نیکی کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔(۳) جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔(۴) یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔“(۵)

فہم القرآن

سورۃ الرّوم کا اختتام اس فرمان پر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں لوگوں کی راہنمائی کے لیے ہر طرح کی مثالیں بیان کی ہیں مگر قرآن کا انکار کرنے والے کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے اس لیے ہم نہیں مانیں گے۔ ان کے انکار کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ اے رسول ﷺ! اس پر صبر کیجیے کہ آپ کے مخالف آپ میں ہلکا پن پیدا نہ کر دیں۔ سورۃ لقمان کی ابتداء قرآن مجید کے تعارف سے ہوتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت کا سرچشمہ بنایا ہے گویا کہ یہی قرآن کچھ لوگوں کی گمراہی کا سبب بنتا ہے اور کچھ کے لیے باعثِ ہدایت ثابت ہوتا ہے ہدایت یافتہ لوگ ہی کامیاب ہوں گے۔

الف، لام، میم حروفِ مقطعات ہیں جن کے بارے میں عرض ہو چکا ہے کہ ان کا معنیٰ نبی ﷺ سے ثابت نہیں لہٰذا انہیں اسی طرح ہی پڑھنا چاہیے۔ یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں جو نیکی کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہیں ایسے لوگ نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں انہیں آخرت کے قائم ہونے پر پورا یقین ہے کہ یہ برپا ہو کر رہے گی اور اس

میں نیکی کی جزااور بدی کی سزا دی جائے گی یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ مجید کے بے شمار اوصاف جمیلہ کا ذکر کیا ہے ان میں مرکزی اور بنیادی وصف دو ہیں۔ ① قرآن مجید پڑھنے، اس پر غور کرنے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے سے انسان اپنے رب کی رحمت کا مستحق ٹھہرتا ہے اور دنیا اور آخرت کی کامیابیوں سے ہمکنار ہوتا ہے قرآن مجید کے بنیادی مضامین میں توحید و رسالت کے بعد تین مضامین ہیں جن کی بار بار تاکید کی جاتی ہے۔ نماز کو اس کے تقاضوں کے مطابق ادا کرنا، زکوٰۃ کو اس کے اصولوں کے تحت خرچ کرنا اور آخرت پر یقین رکھنا ہے۔ ② یقین کا معنٰی ہے کہ آدمی زبان سے اقرار اور اس کے مطابق عمل کرتے ہوئے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے تسلیم کرے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں ایک دن اس کا حساب دینا ہے اسی تصور کے پیش نظر قرآن مجید آخرت کے بارے میں اکثر مقامات پر ایمان کی بجائے یقین کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ انسان کا آخرت پر ایمان وایقان جس قدر مضبوط ہوگا اسی قدر اس کے اخلاق اور اعمال میں نکھار اور سنوار پیدا ہوگا۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید پُر حکمت، ہدایت اور رحمت کا مرقع ہے۔
۲۔ قرآن مجید سے وہی لوگ مستفید ہو سکتے ہیں جو نیکی کے طالب ہوں گے۔
۳۔ تمام نیکیوں کا انحصار نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور آخرت پر یقین رکھنے میں ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے اوصاف حمیدہ اور فلاح پانے والے حضرات:

۱۔ قرآن مجید لاریب کتاب ہے۔ (البقرۃ: ۲) ۲۔ قرآن مجید کی آیات واضح ہیں۔ (یوسف: ۱)
۳۔ قرآن مجید کی آیات محکم ہیں۔ (ھود: ۱) ۴۔ قرآن مجید برہان اور نور مبین ہے۔ (النساء: ۱۷۴)
۵۔ قرآن کریم لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔ (البقرۃ: ۱۸۵) ۶۔ قرآن مجید دلوں کے لیے شفا ہے۔ (یونس: ۵۷)
۷۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔ (آل عمران: ۱۳۸)
۸۔ قرآن مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔ (بنی اسرائیل: ۸۲)
۹۔ جن وانس مل کر اس جیسا قرآن نہیں لا سکتے۔ (بنی اسرائیل: ۸۸) ۱۰۔ ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ (القدر: ۱)
۱۱۔ ہم ہی قرآن مجید کو نازل کرنے والے ہیں اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (الحجر: ۹)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ

اور سے | لوگوں | جو | خرید تا ہے | فضول | باتیں | تا کہ وہ گمراہ کرے

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا

سے | راہ | اللہ کی | بغیر | علم کے | اور وہ اس کو بنا تا ہے | مذاق

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ

یہ لوگ | ان کے لیے | عذاب ہے | ذلیل کرنے والا | اور جب | تلاوت کی جاتی ہیں | اس پر

اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ

ہماری آیتیں | وہ پھر جاتا ہے | تکبر کرتے ہوئے | گویا کہ | اس نے وہ سنیں ہی نہیں | گویا کہ | میں

اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

اس کے کانوں | ڈاٹ ہے | اسے خوشخبری دے دیجیے | عذاب کے ساتھ | دردناک

’’اور لوگوں میں سے ایسا شخص بھی ہے جو بے ہودہ کلام خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکے اور جہالت کے ساتھ گمراہ کرے اور اس دعوتِ حق کو مذاق بنائے۔ ایسے لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔(۶) اُسے ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ بڑے گھمنڈ کے ساتھ اس طرح رُخ پھیر لیتا ہے گویا کہ اس نے انہیں سنا ہی نہیں، یا اس طرح کہ اس کے کان بہرے ہیں بس اسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنائیں۔‘‘(۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قرآن مجید ہدایت کی کتاب ہے مگر اس کی ہدایت سے وہی شخص مستفید ہو سکتا ہے جو لغویات سے اجتناب کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی راہنمائی کے لیے قرآن مجید نازل کیا ہے لیکن لوگوں میں بے شمار ایسے لوگ ہیں جو اچھائی کے مقابلہ میں برائی، نیکی کی بجائے گمراہی کے طلبگار اور پرستار بن جاتے ہیں ایسے لوگوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ لوگوں میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو برائی کے خریدار ہوتے ہیں اور اپنی جہالت کی بنا پر نا صرف خود گمراہ ہوتے ہیں بلکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے ہٹانے اور گمراہ کرنے میں اپنا مال اور صلاحیتیں صرف کرتے ہیں پھر عملاً یا قولاً اللہ کی آیات کو استہزاء کا نشانہ بناتے ہیں ان کے لیے رسوا کر دینے والا عذاب ہوگا۔ اس آیت کا پس منظر ذکر کرتے ہوئے مفسّرین نے لکھا ہے کہ نضر بن حارث نے ایران اور روم سے ایسا لٹریچر درآمد کیا جس میں فحاشی اور بے حیائی کو داستان گوئی کے انداز میں بیان کیا گیا تھا۔ اس نے مکہ معظّمہ میں اسے قرآن مجید کے مقابلے میں عام کرنے کی کوشش کی تاکہ لوگ قرآن مجید کے مقابلے میں ان باتوں اور کاموں میں مصروف رہیں۔ اس کے بارے میں یہاں تک لکھا گیا ہے کہ اس نے فاحشہ عورتوں کی

ڈیوٹی لگا رکھی تھی کہ وہ نوجوان نسل کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کریں اس کے ساتھ ہی وہ سرور گرامی علیہ السلام کی ذاتِ اطہر اور قرآن مجید کی مقدس آیات کو استہزاء کا نشانہ بناتا اور لوگوں کے سامنے آیات ربانی کو حقیر بنا کر پیش کرتا۔ اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ لوگوں میں ایسا بیہودہ شخص بھی ہے جو اپنا مال خرچ کر کے بے حیائی خریدتا ہے اور جہالت کی بنیاد پر لوگوں کو اللہ کے راستے سے گمراہ کرتا ہے۔

نضر بن حارث خود حیرہ گیا وہاں سے بادشاہوں کے حالات اور رستم واسفند یار کے قصّے سیکھے۔ آپ ﷺ جہاں کہیں بھی جا کر اپنا پیغام سناتے، ابولہب کی طرح پیچھا کرتے ہوئے نضر بن حارث بھی وہاں پہنچ کر یہ قصّے سناتا پھر لوگوں سے پوچھتا کہ آخر کس بنا پر محمد ﷺ کا کلام مجھ سے بہتر ہے؟ علاوہ ازیں اس نے چند لونڈیاں بھی خرید رکھی تھیں جب کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی طرف مائل ہونے لگتا تو وہ کسی لونڈی کو اس پر مسلّط کر دیتا مقصد یہ تھا کہ لونڈی اسے کھلائے پلائے اور اس کی سوچ کا رخ موڑ دے اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (سیرت ابنِ ہشام: جلد ١)

نیکی کو چھوڑ کر بُرائی اختیار کرنے والا شخص کتنا ہی پڑھا لکھا اور سمجھدار کیوں نہ ہو حقیقت میں وہ جاہل ہی ہوتا ہے کیونکہ وہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دیتا ہے، اسے ذلیل کرنے والے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اس شخص کا کردار پیش فرما کر ایک پورے کلچر کی نفی کی گئی ہے۔ افسوس! مسلمان حکومتوں میں شاید ہی کوئی حکومت اور معاشرہ ایسا ہو جو بے حیائی خریدنے اور اسے پھیلانے کے لیے کروڑوں، اربوں ڈالر صرف نہ کر رہے ہوں جسے کلچر، ثقافت اور تفریح کا نام دیا گیا ہے۔ کفار کو چھوڑیں صرف مسلمان ملکوں میں نئی نسل کو اخلاقی اور عملی طور پر تباہ کرنے کے لیے سینکڑوں ٹی وی چینل چل رہے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں بے ہودہ رسائل چھپ رہے ہیں۔ قرآن مجید نے "لَهْوَ الْحَدِيْثِ" کے لیے "اِشْتَرٰ" کا لفظ استعمال کیا ہے "اِشْتَرٰ" عربی زبان میں صرف خرید و فروخت کے لیے استعمال نہیں ہوتا بلکہ یہ کسی چیز کو بدلے میں لینے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے "لَهْوَ" کا لفظ بیہودہ اور بے حیائی کے لیے استعمال ہوتا ہے قرآن مجید نے بے مقصد کام اور بات کو بھی "لَهْوَ" قرار دیا ہے جو شخص لغویات کا عادی ہو جائے اس کے لیے نیکی کی بات سننا بوجھ بن جاتا ہے اور وہ بیہودہ کاموں پر خوش ہوتا ہے یہی حالت اہل مکہ کی تھی انہیں قرآن مجید کی طرف دعوت دی جاتی تو غرور اور تعصب کی بناء پر یوں پیٹھ پھیر جاتے جیسا کہ انہوں نے قرآن سنا ہی نہیں یا ان کے کانوں میں سکہ پڑ چکا ہے ایسے لوگوں کے لیے صرف یہی پیغام ہے کہ انہیں اذّیت ناک عذاب کی خوشخبری سنائی جائے۔

لَهْوَ الْحَدِيْثِ:

«عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ اللهَ تَعَالٰي بَعَثَنِيْ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ وَهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ وَأَمَرَنِيْ رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِيْرِ وَالْأَوْثَانِ وَالصُّلُبِ وَأَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ» (رواہ احمد: باب مسند ابی امامۃ [صحیح])

''سیّدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمۃ اللعالمین اور ھدی اللعالمین بنا کر بھیجا ہے اور میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں باجوں گاجوں، ساز و مضراب، بتوں، صلیبوں اور جاہلیت کے کاموں کو ختم کردوں۔''

«أَبُو مَالِكٍ الْأَشْعَرِيُّ رضی اللہ عنہ وَاللّٰهِ مَا كَذَبَنِيْ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ لَيَكُوْنَنَّ مِنْ أُمَّتِيْ أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّوْنَ الْخِزَّ وَالْحَرِيْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ»

(رواہ البخاری: کتاب الاشربۃ: باب مَا جَاءَ فِيْمَنْ يَسْتَحِلُّ الْخَمْرَ وَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ)

''ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور معازف یعنی آلاتِ موسیقی اور گانے بجانے کو جائز کہیں گے۔''

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيْهِ»

(رواہ الترمذی: کتاب الزھد [صحیح])

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ آدمی کے اسلام کی اچھائی یہ ہے کہ وہ فضول باتوں کو چھوڑ دے۔''

مسائل

۱۔ جو لوگ اللہ کی آیات سے مذاق کرتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۲۔ جب کفار کو قرآن کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ اس طرح دکھائی دیتے ہیں جیسے انہوں نے سنا ہی نہیں۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید سے اعراض کرنے کا نتیجہ:

۱۔ قرآن سے اعراض کرنے والے ظالم اور گمراہ ہیں۔ (الکھف: ۵۷)

۲۔ قرآن سے اعراض کرنے والے قیامت کے دن اندھے ہوں گے۔ (طٰہٰ: ۱۲۴، ۱۲۵)

۳۔ اعراض کرنے والوں کو اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔ (طٰہٰ: ۱۰۰، ۱۰۱)

۴۔ قرآن کا انکار برے لوگ ہی کیا کرتے ہیں۔ (البقرۃ: ۹۹) ۵۔ قرآن سے منہ پھیرنے والوں کی سزا۔ (السجدۃ: ۲۲)

۶۔ قرآن سے اعراض کرنے والوں کو آخرت میں دوہرا عذاب ہوگا۔ (بنی اسرائیل: ۷۵)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	لَهُمْ جَنّٰتُ
بے شک	جولوگ	وہ ایمان لائے	اورانہوں نے عمل کیے	نیک	ان کے لیے باغات ہیں
النَّعِيْمِ ۙ﴿۸﴾	خٰلِدِيْنَ	فِيْهَا ؕ	وَعْدَ	اللّٰهِ	حَقًّا ؕ
نعمت کے	وہ ہمیشہ رہیں گے	اس میں	وعدہ	اللہ کا	سچا ہے
	وَهُوَ	الْعَزِيْزُ	الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾		
	اور وہ	غالب	حکمت والا ہے		

’’یقیناً جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے نیک عمل کیے، اُن کے لیے نعمت والی جنتیں ہیں۔(۸) جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔‘‘(۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ’’عَذَابٌ مُّهِيْنٌ‘‘ پانے والوں کے بعد’’جَنّٰتُ النَّعِيْمِ‘‘ کا انعام پانے والوں کا ذکرِ خیر۔

فہم القرآن میں کئی مقامات پر وضاحت ہوچکی ہے کہ قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ اکثر مقام پر جنّت اور جہنم کا بیک مقام ذکر کرتا ہے تاکہ قاریٔ قرآن کے سامنے بیک وقت دونوں قسم کے انجام آجائیں اور وہ غور کرے کہ مجھے کس قسم کے اعمال اختیار کرنے چاہئیں تاکہ میں دنیا وآخرت کی ذلّت سے بچ جاؤں اور اپنے رب کے انعامات کا حقدار ہوجاؤں ایسے لوگوں کو خوشخبری سنائی جارہی ہے جو اپنے رب پر بلا شرکتِ غیرے ایمان لائے اور اس کے بتلائے ہوئے نیک اعمال کرتے رہے وہ نعمتوں والی جنت میں داخل ہوں گے اور اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ان کے ساتھ ’’اللہ‘‘ کا سچا وعدہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنا ہر وعدہ پورا کرنے پر غالب اور اس کے ہر حکم اور فیصلے میں اَن گنت حکمتیں ہوتی ہیں۔

جنت کے حسن وجمال کی ایک جھلک:

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْجَنَّةُ مَا بِنَاؤُهَا قَالَ لَبِنَةٌ مِنْ فِضَّةٍ وَلَبِنَةٌ مِنْ ذَهَبٍ وَمِلَاطُهَا الْمِسْكُ الْأَذْفَرُ وَحَصْبَاؤُهَا اللُّؤْلُؤُ وَالْيَاقُوتُ وَتُرْبَتُهَا الزَّعْفَرَانُ مَنْ يَّدْخُلُهَا يَنْعَمُ وَلَا يَبْأَسُ وَيُخَلَّدُ وَلَا يَمُوْتُ لَا تَبْلَى ثِيَابُهُمْ وَلَا يَفْنٰى شَبَابُهُمْ»

(رواہ الترمذی: کتاب صفة الجنة[صحیح])

’’حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنّت اس طرح بنائی گئی ہے کہ اس کی ایک اینٹ چاندی کی اور دوسری سونے کی ہے اور اس کا گارا خوشبودار کستوری کا ہے۔اس کے کنکر لؤلؤ اور یاقوت کے ہیں اور اس کی مٹی زعفران کی ہے جو اس میں داخل ہوگا وہ خوش وخرم رہے گا۔اسے کوئی تکلیف نہ ہوگی وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اسے موت نہیں آئے گی نہ اس کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ ہی وہ بوڑھا ہوگا۔‘‘

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَآ اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ وَّاقْرَءُ وْا إِنْ شِئْتُمْ {فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ}»

(رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی صفة الجنة وأنها مخلوقة)

''حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار کی ہیں، جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی ان کے متعلق کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال پیدا ہوا۔ اگر چاہو تو اس آیت کی تلاوت کرو {کوئی نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چیز چھپا کے رکھی گئی ہے}۔''

مسائل

۱۔ صاحب ایمان اور صالح اعمال کرنے والوں کے لیے نعمتوں والی جنت ہوگی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہوتے ہیں۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ حکیم اور غالب ہے۔

تفسیر بالقرآن

جنّت کی نعمتوں کی ایک جھلک:

۱۔ ہم ان کے دلوں سے کینہ نکال دیں گے اور سب ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے۔ (الحجر: ۴۷۔۴۸)

۲۔ جس جنت کا مومنوں کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے اس کے نیچے نہریں جاری ہیں اور اس کے پھل اور سائے ہمیشہ کے لیے ہوں گے۔ (الرعد: ۳۵)

۳۔ جنت میں بے خار بیریاں، تہہ بہ تہہ کیلے، لمبا سایہ، چلتا ہوا پانی اور کثرت سے میوے ہوں گے۔ (الواقعۃ: ۲۸ تا ۳۰)

۴۔ جنت کے میوے ٹپک رہے ہوں گے۔ (الحاقۃ: ۲۳)

۵۔ جنت میں وہ سب کچھ ہوگا جس کی جنتی خواہش کرے گا۔ (حٰم السجدۃ: ۳۱)

۶۔ مومنوں کے ساتھ جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس میں چار قسم کی نہریں ہوں گی۔ (محمد: ۱۰)

۷۔ جنت میں نیچی نگاہ رکھنے والی حوریں ہوں گی جنہیں کسی جن وانس نے چھوا تک نہیں ہوگا۔ (الرحمٰن: ۵۶)

۸۔ جنت میں محبت کرنے والی ہم عمر حوریں ہوں گی۔ (الواقعہ: ۳۷)

خَلَقَ	السَّمٰوٰتِ	بِغَيۡرِ	عَمَدٍ	تَرَوۡنَهَا	وَ اَلۡقٰى فِى
اس نے پیدا کیے	آسمان (جمع)	بغیر	ستون کے	تم ان کو دیکھتے ہو	اور اس نے گاڑ دیے میں
الۡاَرۡضِ	رَوَاسِىَ	اَنۡ	تَمِيۡدَ	بِكُمۡ	وَبَثَّ فِيۡهَا
زمین	پہاڑ	تا کہ	جھک پڑے وہ	تمہارے ساتھ	اور اس نے پھیلائے اس میں
مِنۡ كُلِّ	دَآبَّةٍ	وَ اَنۡزَلۡنَا	مِنَ	السَّمَآءِ	مَآءً
ہر قسم سے	چوپائے	اور ہم نے اتارا	سے	آسمان	پانی
فَاَنۡۢبَتۡنَا	فِيۡهَا	مِنۡ	كُلِّ	زَوۡجٍ	كَرِيۡمٍ ۝۱۰
پھر ہم نے اگائی	اس میں	سے	ہر	قسم	عمدہ

''اس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بنایا جو تمہیں نظر آتے ہیں، اس نے زمین میں پہاڑ جما دیے تا کہ وہ تمہیں لے کر ڈھلک نہ جائے، اس نے ہر طرح کے جانور زمین میں پھیلا دیے اور آسمان سے پانی برسایا اور زمین میں قسما قسم کی چیزیں اُگائیں۔'' (۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو ''اللہ'' کفار کو عذابِ الیم دے گا اور ایمان داروں کو جنت عطا فرمائے گا اس کی شان یہ ہے کہ اس نے بغیر ستونوں کے آسمان ٹھہرائے اور بلند و بالا پہاڑ بنائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی دو عظیم قدرتوں اور دو بڑی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ وہ ہے جس نے بغیر ستونوں کے ایک دوسرے پر آسمان کھڑے کیے ہیں۔ جن کے بارے میں اب تک سائنسدانوں کا خیال ہے کہ صرف ایک ہی آسمان ہے اور وہ بھی ٹھوس میٹریل سے نہیں بنا بلکہ اکثر سائنسدان کہتے ہیں کہ حدِ نظر کا نام آسمان ہے۔ کچھ سائنسدانوں کا نقطہ نظر ہے کہ آسمان موجود ہے لیکن یہ ٹھوس چھت ہونے کی بجائے ایک دھواں ہے جس تک ہماری نظر نہیں پہنچ سکتی حالانکہ حدیث میں اس بات کی وضاحت ہے کہ آسمان ایک دوسرے کے اوپر ہیں ان کے درمیان فاصلے ہیں اور ان میں دروازے ہیں جن سے ملائکہ زمین پر آتے جاتے ہیں۔ کچھ اہل علم نے یہ بھی ترجمہ اور مفہوم لکھا ہے کہ آسمان کے نیچے ستون ہیں لیکن انسان انہیں دیکھ نہیں سکتے۔ پہاڑوں کے بارے میں جدید تحقیقات جاننے کے لیے فہم القرآن کی جلد ۳ سورۃ الرّعد آیت: ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے بارش نازل کرتا ہے اور اس کے ذریعے ہر قسم کے پھل پیدا کرتا ہے یہاں "زَوۡجٍ كَرِيۡمٍ" کے الفاظ استعمال کیے ہیں قرآن مجید نے دنیا کو پہلی بار اس حقیقت سے آگاہ فرمایا کہ جاندار چیزوں کے نر اور مادہ کی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے جوڑے بنائے ہیں جس طرح کھجور کے درخت میں نر اور مادہ ہوتے ہیں اسی طرح دوسرے

درختوں میں بھی نر اور مادہ ہوتے ہیں۔

”حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا جب آپ کے پاس بنوتمیم کے کچھ لوگ آئے آپ نے فرمایا، اے بنوتمیم! خوشخبری قبول کرو۔ انہوں نے کہا آپ ہمیں خوشخبری دیتے ہیں، لیکن کچھ ہمیں عطا بھی کریں۔ ان کے بعد اہلِ یمن کے کچھ لوگ آئے آپ نے فرمایا کہ اے اہل یمن! خوشخبری قبول کرو، آپ سے پہلے بنوتمیم نے اسے قبول نہیں کیا انہوں نے کہا ہم قبول کرتے ہیں آپ کی خدمت میں ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں تاکہ ہم دین کی سمجھ حاصل کریں اور ہم آپ سے کائنات کی ابتداء کے بارے میں پوچھیں کہ سب سے پہلے کیا چیز تھی؟ آپ نے فرمایا کہ ”اللہ“ تھا اور اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی اس کا عرش پانی پر تھا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا پھر لوحِ محفوظ میں تمام امور لکھے۔ عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پھر ایک شخص میرے پاس آیا، اس نے کہا، اے عمران! اپنی اونٹنی تلاش کرو وہ بھاگ گئی ہے میں اسے ڈھونڈنے نکلا اللہ کی قسم مجھے یہ زیادہ پسند تھا کہ اونٹنی چلی جاتی، لیکن میں نہ اٹھتا۔“ (رواہ البخاری: باب قَوْلِہٖ [وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ])

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر ستونوں کے آسمان کھڑے کیے۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر پہاڑ گاڑ دیئے ہیں۔

٣۔ اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے بارش برساتا ہے۔ ٤۔ اللہ تعالیٰ نباتات، پھل اور ہر قسم کا اناج پیدا کرتا ہے۔

٥۔ اللہ تعالیٰ نے نباتات کے بھی جوڑے پیدا کیے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں پہاڑوں کا ذکر:

١۔ اللہ نے تمہارے لیے سایہ دار چیزیں بنائیں اور اسی نے تمہارے لیے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہ بنائی ہے۔ (النحل: ٨١)

٢۔ کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا؟ (النباء: ٦، ٧)

٣۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں پہاڑ گاڑ دیے۔ (النازعات: ٣٢) ٤۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں میں راستے بنائے ہیں۔ (الانبیاء: ٣١)

٥۔ تم پہاڑوں کو کھود کھود کر خوبصورت گھر بناتے ہو۔ (الشعراء: ١٤٩)

٦۔ اللہ نے زمین کو جائے قرار بنایا اس میں پہاڑ اور دو سمندروں کے درمیان پردہ بنایا۔ (النمل: ٦١)

٧۔ ہم نے داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کیا اور وہ اسکے ساتھ صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرتے تھے۔ (الانبیاء: ٧٩)

٨۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ کہ زمین و آسمان کی ہر چیز، چاند، سورج اور ستارے، پہاڑ، درخت اور چوپائے اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ (الحج: ١٨)

هٰذَا	خَلْقُ	اللّٰهِ	فَاَرُوْنِيْ	مَاذَا	خَلَقَ	الَّذِيْنَ
یہ	مخلوق ہے	اللہ کی	پس تم مجھے دکھاؤ	کیا	پیدا کیا ہے	ان لوگوں نے جو
مِنْ دُوْنِهٖ ؕ	بَلِ	الظّٰلِمُوْنَ	فِيْ	ضَلٰلٍ	مُّبِيْنٍ ۝۱۱ ع	
اس کے سوا ہیں	بلکہ	ظالم ہیں	میں	گمراہی	واضح	

ع ۱۱ / ۱۰

''یہ ہے اللہ کی تخلیق، مجھے دکھاؤ کہ دوسروں نے کیا پیدا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ ظالم لوگ واضح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔'' (۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عظیم نشانیوں اور نعمتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد مشرکین سے سوال۔

ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر ستونوں کے آسمان پیدا کیے اور زمین پر پہاڑ گاڑ دیئے۔ وہی آسمان سے بارش نازل کرتا اور اس کے ساتھ بے شمار عمدہ اناج اور نباتات پیدا کرتا ہے بتاؤ کہ تمہارے خداؤں نے کیا پیدا کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ خالقِ حقیقی کے ساتھ دوسروں کو معبود بنانے اور مشکل کشا، حاجت روا سمجھنے والے ظالم ہیں اور یہ ظالم کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں دوسرے مقام پر ظالموں سے درج ذیل سوالات کیے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ہر دور کے مشرکوں کے پاس اس کے سوا نہ کوئی جواب ہے اور نہ ہوگا حقیقت یہ ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے، وہی خالق اور مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شرک کرنے والوں کو کئی مرتبہ ظالم قرار دیا ہے اس لیے کہ یہ اللہ کی صفات دوسروں میں سمجھتے اور بیان کرتے ہیں ظلم کا معنٰی ہے کہ کسی چیز کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھا جائے۔

مسائل

۱۔ ساری کی ساری مخلوق اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی نے کچھ بھی نہیں پیدا کیا۔
۳۔ مشرک کھلی گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مشرکین سے سوالات:

۱۔ مشرک سے سوال کیا جائے کہ آسمان وزمین سے تمہیں رزق کون دیتا ہے کہتے ہیں اللہ ہی رزق دیتا ہے۔ (یونس: ۳۱)
۲۔ مشرکین سے پوچھا جائے مخلوق کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ جواب دیتے ہیں اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے۔ (یونس: ۳۴)
۳۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ زمین وآسمان کا خالق کون ہے؟ کہتے ہیں اللہ ہی ہے۔ (الزمر: ۳۸)
۴۔ مشرکوں سے پوچھا جائے سات آسمانوں اور عرشِ عظیم کا مالک کون؟ جواباً کہتے ہیں، اللہ ہی ہے۔ (المومنون: ۸۶۔۸۷)
۵۔ مزید حوالوں کے لیے دیکھیں۔ (المومنون: ۸۸۔۸۹) (العنکبوت: ۶۱) (لقمان: ۲۵)

وَ لَقَدْ	اٰتَیْنَا	لُقْمٰنَ	الْحِكْمَةَ	اَنِ	اشْكُرْ لِلّٰهِ	وَمَنْ
اور البتہ تحقیق	ہم نے دی	لقمان کو	حکمت	یہ کہ	توشکر کر اللہ کا	اور جو کوئی
یَّشْكُرْ	فَاِنَّمَا	یَشْكُرُ	لِنَفْسِهٖ ج		وَمَنْ	كَفَرَ
شکر کرتا ہے	توصرف	وہ شکر کرتا ہے	اپنے ہی لیے		اور جس	نے ناشکری کی
فَاِنَّ	اللّٰهَ	غَنِیٌّ	حَمِیْدٌ ﴿١٢﴾			
تو بلاشبہ	اللہ	بے پروا	قابلِ تعریف ہے			

’’ہم نے لقمان کو دانائی عطا کی تھی تا کہ اللہ کا شکر ادا کرے، جو شکر کرے گا اُس کے شکر کا اُسے ہی فائدہ پہنچے گا۔اور جو کفر کرے گا بلاشبہ اللہ اس سے بے پرواہ ہے کیونکہ وہ لائقِ تعریف ہے۔‘‘(۱۲)

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور ہر قسم کے چوپائے پیدا کیے اور پھر اسی سے انسان کے رزق کا بندوبست فرمایا جس پر ہر انسان کو اپنے رب کا شکر گزار ہونا چاہیے اور یہی عقل مندی ہے اب ایک عقل مند شخص کا عقیدہ اور اس کی دانائی پر مبنی نصیحتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

عرب کی تاریخ میں حضرت لقمان ایک جانی پہچانی شخصیت سمجھے جاتے تھے ان کے بارے میں مشہور مؤرّخ لکھتے ہیں کہ یہ نسب کے اعتبار سے خالص عربی تھے بعض مؤرّخین نے انہیں افریقی نسل قرار دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ عربی النسل تھے۔ان کا قد چھوٹا، رنگ کالا اور بدن بھاری تھا ظاہری طور پر پُرکشش شخصیت نہ ہونے کے باوجود اپنی دانشمندی کی وجہ سے اس زمانے کی پوری دنیا پر ان کے اقوال حوالے کے طور پر پیش کیے جاتے تھے۔ان کی دانائی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے اس وقت ’’اللہ‘‘ کی توحید کو سمجھا اور اس کا پرچار کیا جب دنیا کفر و شرک کے اندھیرے میں بھٹک رہی تھی۔اہلِ عرب بالخصوص مکہ کے لوگ ان کی دانائی کے بڑے معترف تھے جس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے نام پر یہ سورت نازل فرمائی اور ان کے نصائح میں سب سے پہلے یہ نصیحت ذکر فرمائی کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو نصیحتیں کرتے ہوئے سب سے زیادہ جس بات پر زور دیا وہ عقیدہ توحید تھا۔

شکر وہ جذبہ ہے جس سے انسان اپنے محسن کو پہچانتا ہے انسان کا سب سے بڑا محسن اس کا خالق ہے۔اس لیے، حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو اللہ تعالیٰ کا شکر گزار رہنے کی نصیحت فرمائی یہی انسان کے دانشمند ہونے کی پہلی دلیل ہے شکر کے بے شمار فوائد ہیں جن میں چند ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا، مزید ملنے کی گارنٹی اور زوال نعمت سے مامون رہنے کی ضمانت ہے اور یہ رب کی بارگاہ میں نہایت پسندیدہ عمل ہے۔اس کے مقابلے میں ناشکری کفر کے مترادف ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی

کسی عبادت اور دین کے کسی عمل کے بارے میں بیک وقت یہ نہیں فرمایا کہ اس کے کرنے سے تم عذاب سے محفوظ رہو گے اور مزید نعمتیں پانے کے حقدار بن جاؤ گے۔ صرف شکر ایسا عمل ہے جس کے بارے میں فرمایا کہ اگر شکر کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں مزید عطا فرمائے گا (ابراھیم: ۷) اس دوہرے انعام کی وجہ سے شیطان نے سرکشی اور بغاوت کی حدود پھلانگتے ہوئے کہا تھا۔ {وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ} (الاعراف: ۱۷) ''اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔''

شکر ایسا جذبہ اور عمل ہے جس سے انسان کی طبیعت خود بخود اپنے محسن کے ادب و احترام اور اس کی سمع و اطاعت کے لیے آمادہ ہوتی ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ والہانہ لگاؤ اور محبت کے جذبات میں اضافہ ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ذات باری تعالیٰ کے شکریے کو ہر محسن کے شکریے کے ساتھ منسلک فرمایا ہے ((مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ)) ''جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ ''اللہ'' کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔''

آپ ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص اپنے جیسے انسانوں کے چھوٹے چھوٹے احسانات کا شکریہ نہیں ادا کرتا وہ خالق کائنات کے پہاڑوں جیسے اور ان گنت احسانات کا شکریہ کس طرح ادا کرسکتا ہے۔

آپ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

((اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ)) (رواہ ابو داؤد: کتاب الصلاۃ [صحیح])

''اے اللہ اپنے شکر اور بہترین انداز سے عبادت کرنے کی توفیق نصیب فرما۔''

''حضرت ابو سعید مقبری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب سے یہ دعا رسول اللہ ﷺ سے یاد کی اس اس وقت سے اسے نہیں چھوڑا۔ (اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي أُعْظِمُ شُكْرَكَ وَأُكْثِرُ ذِكْرَكَ وَأَتَّبِعُ نَصِيحَتَكَ وَأَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ) اے اللہ مجھے سب سے زیادہ شکر گذار، کثرت سے ذکر کرنے، ہدایت کی پیروی کرنے اور نصیحت کی حفاظت کرنے والا بنا دے۔'' (رواہ الترمذی: باب فی الاستعاذۃ [ضعیف])

مسائل

۱۔ عقیدہ توحید اپنانا اور اس کا پرچار کرنا بہت بڑی دانائی ہے۔ ۲۔ شرک بہت بڑی ناشکری ہے۔
۳۔ شکر کا فائدہ انسان ہی کو ہوتا ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کے کفر کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔
۵۔ اللہ تعالیٰ غنی اور صاحبِ تعریف ہے۔

تفسیر بالقرآن

شکر کرنے کا حکم:

۱۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ (البقرۃ: ۱۷۲) ۲۔ اللہ تعالیٰ شکر کرنے والے لوگوں کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔ (الاعراف: ۵۸)
۳۔ اللہ تعالیٰ شکر کرنے والے کو زیادہ عطا کرتا ہے۔ (ابراھیم: ۷) ۴۔ اللہ کے تھوڑے بندے ہی شکر گزار ہوتے ہیں۔ (سباء ۱۳)

وَقْفُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

وَ اِذْ	قَالَ	لُقْمٰنُ	لِابْنِهٖ	وَهُوَ	يَعِظُهٗ	يٰبُنَيَّ
اور جب	کہا	لقمان نے	اپنے بیٹے کے لیے	اور وہ	اسے نصیحت کر رہا تھا	اے میرے بیٹے
لَا	تُشْرِكْ	بِاللّٰهِ ۣ	اِنَّ	الشِّرْكَ	لَظُلْمٌ	عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾
نہ	تو شریک ٹھہرا	اللہ کے ساتھ	بلاشبہ	شرک	یقیناً ظلم ہے	بہت بڑا

’’یاد کرو جب لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا حقیقت یہ ہے کہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔‘‘ (۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سب سے بڑی حکمت کی بات یہ ہے کہ انسان اپنے رب پر بلاشرکت غیرے ایمان لائے اور اس کا شکریہ ادا کرے۔ جس نے نعمتوں کا اعتراف کیا اور اپنے رب کا شکر ادا کیا یقیناً وہ شرک سے بچ جائے گا اور یہی سب سے بڑی دانائی ہے۔

حضرت لقمان کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مفسرین کی غالب اکثریت کی رائے ہے کہ وہ نبی نہیں تھے بلکہ صرف نیک اور انتہائی دانشور انسان تھے۔ اہل عرب نہ صرف ان کی دانشمندی کے قائل تھے بلکہ بوقتِ ضرورت ان کے اقوال کا حوالہ بھی دیا کرتے تھے۔ قرآن مجید نے اس لیے حضرت لقمان کے ارشادات کا ذکر کیا ہے تاکہ مشرکین مکہ کو معلوم ہو کہ جس توحید کی دعوت سے تم بھاگتے ہو اسی کی تبلیغ حضرت لقمان کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے لختِ جگر کو جو نصیحتیں اور وصیتیں کیں ان میں سرفہرست یہ وصیّت تھی کہ میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ بیٹا یقین جان! کہ سب سے بڑا ظلم اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات میں کسی کو شریک کرنا ہے ظلم کی تعریف کرتے ہوئے اہل لغت نے لکھا ہے۔

"وَضْعُ الشَّیْءِ غَیْرَ مَحَلِّہٖ" ’’کسی چیز کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا دینا۔‘‘

حضرتِ لقمان کی وصیتوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے کہ ہم نے لقمان کو یہ حکمت عطا فرمائی تھی جس سے ثابت ہوا کہ دنیا میں سب سے بڑی حکمت اور عقل کی بات اللہ تعالیٰ کی توحید کو سمجھنا، اس پر پکے رہنا اور اس کا پرچار کرنا ہے۔ عقیدہ توحید کے برخلاف نظریہ رکھنا صرف کفر و شرک کی بات نہیں بلکہ سب سے بڑا ظلم ہے۔

حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی اپنی اولاد کو یہی وصیت فرمائی:

{ وَ وَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ } (البقرۃ: ۱۳۲، ۱۳۳)

’’جب ابراہیم کے رب نے اسے فرمایا کہ فرمانبردار ہو جا اس نے عرض کی میں نے اپنے آپ کو ربّ العالمین کے

سامنے جھکا دیا ہے ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند فرما لیا ہے تمہیں موت مسلمان ہونے کی حالت میں آنی چاہیے۔''

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا فَقَالَ يَاغُلَامُ إِنِّيْ أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ احْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ احْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰٓى أَنْ يَنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰٓى أَنْ يَضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ»

(رواه الترمذي: كتاب صفة القيامة والرقائق والورع، باب منه [صحيح])

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک دن میں رسول ﷺ کے پیچھے سوار تھا آپ نے فرمایا: بچے! میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں اللہ کو یاد رکھنا وہ تجھے یاد رکھے گا، جب تو اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے گا تو اسے اپنے سامنے پائے گا، جب تو سوال کرے تو اللہ ہی سے سوال کر، جب تو مدد طلب کرے تو اللہ ہی سے مدد طلب کر اور یقین رکھ کہ اگر پوری مخلوق تجھے نفع دینے کے لیے جمع ہو جائے تو وہ اتنا ہی نفع دے سکتی ہے جتنا اللہ نے تیرے لیے لکھ رکھا ہے اور اگر وہ تجھے نقصان پہنچانے پر تل جائے تو تجھے اتنا ہی نقصان پہنچے گا جتنا تیرے حق میں لکھا گیا ہے، قلمیں اٹھا لی گئیں ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔''

مسائل

۱۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیّت کی کہ ''بیٹا'' اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ ۲۔ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔

تفسیر بالقرآن

شرک کی قباحتیں:

۱۔ شرک کی ممانعت۔ (البقرۃ: ۲۲) ۲۔ شرک بڑا ظلم ہے۔ (لقمان: ۱۳)

۳۔ مشرک ناپاک ہے۔ (التوبۃ: ۲۸) ۴۔ مشرکوں کے اعمال برباد ہو جائیں گے۔ (الانعام: ۸۸)

۵۔ مشرکوں پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ (الفتح: ۶) ۶۔ مشرکوں پر جنت حرام ہے۔ (المائدۃ: ۷۲)

۷۔ شرک معاف نہیں ہوگا۔ (النساء: ۴۸) ۸۔ شرکیہ عقیدے کی کوئی دلیل نہیں۔ (المومنون: ۱۱۷)

۹۔ شرک سے آدمی ذلیل ہو جاتا ہے۔ (الحج: ۳۱) ۱۰۔ بتوں کے الٰہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ (النجم: ۲۳)

۱۱۔ اٹھارہ جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ کر کے فرمایا اگر یہ شرک کرتے تو ان کے اعمال برباد ہو جاتے۔ (الانعام: ۸۸)

وَوَصَّيْنَا	الْاِنْسَانَ	بِوَالِدَيْهِ ۚ	حَمَلَتْهُ	اُمُّهٗ	وَهْنًا
اور ہم نے وصیت کی	انسان کو	اس کے والدین کی	اٹھائے رکھا اسے	اس کی ماں نے	کمزوری

عَلٰى	وَهْنٍ	وَّفِصٰلُهٗ	فِيْ	عَامَيْنِ	اَنِ	اشْكُرْ لِيْ
پر	کمزوری	اور اس کا دودھ چھڑانا ہے	میں	دو سال	یہ کہ	تو شکر کر میرا

وَلِوَالِدَيْكَ ؕ	اِلَيَّ	الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾
اور اپنے والدین کا	میری طرف ہی	لوٹ کر آنا ہے

’’ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں نصیحت کی ہے اُس کی ماں نے اسے اپنے بطن میں کمزوری میں اٹھائے رکھا اور دو سال اُسے دودھ پلاتی رہی۔ اے انسان! میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرنا۔ تجھے میری طرف ہی پلٹ کر آنا ہے۔‘‘(۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حقوق اللہ کے بعد سب سے پہلے والدین کے حقوق ہیں اس لیے ان کے بارے میں نصیحت کی جارہی ہے۔

اردو زبان میں وصیّت سے مراد وہ بات ہے جو فوت ہونے والا اپنے ورثاء کو نصیحت کرتا ہے لیکن عربی زبان میں ہر نصیحت کے لیے وصیّت اور نصیحت کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی بندگی کے بعد انسان پر سب سے زیادہ حق اس کے والدین کا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں آٹھ (۸) مقامات پر توحید باری تعالیٰ کے ذکر کے بعد والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ والدین میں جس شخصیت کا حق فائق ہے وہ انسان کی ماں ہے کیونکہ ماں اپنے بچے کے لیے بڑی مشقت برداشت کرتی ہے صاحبِ امید ہونے کے بعد بچے کو جنم دینے تک ہر آنے والا دن ماں کے لیے بھاری ہوتا ہے۔ ماں کے لیے بچے کو جنم دینے کا دورانیہ موت وحیات کے مترادف ہوتا ہے۔ اس کے بعد ماں اپنے نونہال کو دو سال تک دودھ پلاتی ہے جس دوران ماں ایسی خوراک نہیں کھاسکتی جس کا بچے کی افزائش پر منفی اثر پڑنے کا اندیشہ ہو۔ اس طرح ماں پہلے دن سے لے کر بچے کا دودھ چھڑانے تک آزمائش کے دور سے گزرتی ہے۔ اسی لیے احادیث کی مقدس دستاویزات میں باپ سے زیادہ ماں کے حقوق کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اے انسان ہر دم میرا شکر ادا کرنے کے ساتھ اپنے والدین بالخصوص اپنی ماں کا شکر گزار رہنا کیونکہ اس نے تجھے بڑی تکلیف کے ساتھ جنم دیا اور تجھے دو سال دودھ پلایا ہے اور یاد رکھنا بالآخر تجھے میری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے آخرت کی یاد دلا کر آدمی کو ایک انتباہ کیا گیا ہے تاکہ اولاد اپنے والدین کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھے، شکر وہ جذبہ ہے جس سے انسان اپنے محسن کی قدر جاننے کے ساتھ اس کی فرمانبرداری میں لذت محسوس کرتا ہے اس لیے شکر گزار ہی نیک ہوتے ہیں۔

’’ابتدائی دور میں بے شمار ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جن کی مشرکوں کے ساتھ قریبی رشتہ داریاں تھیں۔ مالدار

صحابہ قبل از ایمان مشرک رشتہ داروں کے ساتھ تعاون کرتے تھے لیکن کلمہ پڑھنے کے بعد انہوں نے مشرک رشتہ داروں کے ساتھ تعاون کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ جس پر یہ فرمان نازل ہوا جس میں وضاحت فرمائی ہے کہ جو کچھ بھی تم اللہ کی رضا کے لیے غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کرو گے اس کا پورا پورا اجر عطا کیا جائے گا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ اپنی بیٹی اسماء رضی اللہ عنہا سے، تعاون حاصل کرنے کے لیے مکہ سے مدینہ آئی جس پر اسماء رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھتی ہیں کہ میری والدہ مجھ سے مالی تعاون کی امید رکھتی ہے کیا میں مشرکہ والدہ کے ساتھ تعاون کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: تمہیں اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔‘‘

(رواہ البخاری: کتاب الھبة و فضلھا، باب الھدیة للمشرکین)

«عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مَنْ أَبَرُّ قَالَ أُمَّكَ ثُمَّ أُمَّكَ ثُمَّ أُمَّكَ ثُمَّ أَبَاكَ ثُمَّ الأَقْرَبَ فَالأَقْرَبَ» (رواہ ابو داؤد: کتاب الأدب، باب فی بر الوالدین [صحیح])

’’بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں کس سے اچھا سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا: اپنی ماں سے، پھر اپنی ماں سے، پھر اپنی ماں سے، پھر اپنے باپ سے اور پھر قریبی رشتہ داروں سے۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اس کے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔

۲۔ والدین میں والدہ کے حقوق فائق ہیں۔ ۳۔ بچے کی رضاعت کی مدت دو سال ہے۔

تفسیر بالقرآن

والدین کے بارے میں اولاد کو قرآن مجید کی ہدایات:

۱۔ بنی اسرائیل سے والدین کے ساتھ احسان کا عہد لیا گیا۔ (البقرۃ: ۸۳)

۲۔ والدین کے سامنے عاجزی سے رہنا اور ان کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ (بنی اسرائیل: ۲۴)

۳۔ غیر مسلم والدین کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا چاہیے۔ (لقمان: ۱۵)

۴۔ عیسیٰ علیہ السلام کو والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم۔ (مریم: ۳۲)

۵۔ والدین سے نیکی کرنے کا حکم۔ (بنی اسرائیل: ۲۳) ۶۔ والدین کو اُف کہنا اور جھڑکنا جائز نہیں۔ (بنی اسرائیل: ۲۳)

وَ	اِنْ	جَاهَدٰكَ	عَلٰٓى	اَنْ	تُشْرِكَ	بِىْ	مَا	
اور	اگر	دونوں تیرے لیے کوشش کریں	پر	یہ کہ	تو شریک ٹھہرائے	میرے ساتھ	جو	
لَيْسَ	لَكَ	بِهٖ	عِلْمٌ ۙ	فَلَا	تُطِعْهُمَا	وَصَاحِبْهُمَا	فِى	
نہیں ہے	تجھے	ساتھ اس کے	کوئی علم	تو نہ	تو اطاعت کر دونوں کی	اور ساتھی رہ دونوں کا	میں	
الدُّنْيَا	مَعْرُوْفًا ۫	وَّاتَّبِعْ	سَبِيْلَ	مَنْ	اَنَابَ	اِلَيَّ ۚ		
دنیا	معروف طریقے سے	اور تو اتباع کر	راستہ کی	جس نے	رجوع کیا	میری طرف		
ثُمَّ	اِلَيَّ	مَرْجِعُكُمْ	فَاُنَبِّئُكُمْ	بِمَا	كُنْتُمْ	تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾		
پھر	میری طرف	تمہاری واپسی ہے	تو میں تمہیں بتاؤں گا	ساتھ اس کے جو	تم تھے	عمل کرتے		

''والدین تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ ماننا۔ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کر مگر پیروی اُس شخص کے راستے کی کرنا جس نے میری طرف رجوع کیا ہے پھر تم سب کو میری طرف ہی پلٹنا ہے، میں تمہیں بتادوں گا کہ تم کیا عمل کرتے رہے ہو۔'' (۱۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: والدین کی فرمانبرداری کی حدود۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جنم اور احسانات کے حوالے سے انسان پر اس کے والدین کا بہت زیادہ حقوق ہیں لیکن انسان کا حقیقی خالق اور مالک ''اللہ'' ہے۔ اس نے انسانی پیدائش اور افزائش کے لیے والدین کو اپنی تخلیق کا ذریعہ بنایا ہے اس لیے اس نے اپنی بندگی کے بعد ماں باپ کی سمع و اطاعت کا حکم دیا ہے لیکن والدین کی اطاعت کی بھی ایک حد مقرر فرمائی ہے بیشک والدین یہودی، عیسائی یا کسی بھی دین پر ہوں ان کی سمع و اطاعت کرنے کا حکم ہے۔ اس وقت تک جب تک وہ کفر و شرک کا حکم نہ دیں اگر وہ کفر و شرک، اور بدعات کا حکم دیں تو ان کا حکم ماننا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفر و شرک کی تائید میں کوئی دلیل نازل نہیں کی لہٰذا دنیا کے اچھے معاملات میں والدین کی تابعداری کرنی ہے مگر دین کے معاملہ میں پیروی اس شخص کی کرنی ہے جو ''اللہ'' کے راستے کی طرف بلانے والا ہو بالآخر سب کو ''اللہ'' کی طرف پلٹ کر جانا ہے وہ بتائے گا کہ تم کیا عمل کرتے رہے ہو۔

((عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ)) (شرح السنة للبغوی: باب الطاعة فی المعروف)

''حضرت نواس بن سمعان ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے مخلوق کی اطاعت کرنا جائز نہیں۔''

’’حضرت سماک بن حرب بیان کرتے ہیں میں نے مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ سے سنا وہ اپنے باپ سعد رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ میرے متعلق چار آیات نازل ہوئی ہیں پھر اُنھوں نے اپنی والدہ کا قصہ بیان کیا سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ کہنے لگی کیا اللہ نے ماں کے ساتھ نیکی کا حکم نہیں دیا؟ اللہ کی قسم اُس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گی اور نہ پانی پیوں گی حتی کہ میں مر جاؤں تو جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ کرے راوی کہتے ہیں جب سعد اپنی ماں کو کھانا کھلانا چاہتے تو وہ منہ بند کر لیتی۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی (اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے والدین سے نیک سلوک کرے اور اگر وہ اس بات کا مطالبہ کریں کہ تو کسی کو میرا شریک ٹھہرائے جسکا تجھے علم نہیں تو ان کی اطاعت نہیں کرنا میری طرف ہی تمہیں لوٹ کر آنا ہے میں تمہیں بتلادوں گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔))

(رواہ الترمذی:باب وَمِنْ سورَۃِ الْعَنْکَبُوتِ [صحیح])

اس آیت میں ارشاد ہوا کہ کسی کو ’’اللہ‘‘ کا شریک اس لیے نہیں بنانا کیونکہ تجھے اس کا علم نہیں۔ علم اور معرفت کسی چیز کو جاننے کا نام ہے، جس کی بنیاد ٹھوس اور واضح دلیل پر ہونی چاہیے کیونکہ شرک کی واضح اور ٹھوس دلیل نہیں ہوتی اس لیے فرمایا ہے کہ جس کا تو علم نہیں رکھتا اسے اپنے رب کا شریک نہ بنانا اسی بنیاد پر فرمایا گیا ہے کہ اندھیرا اور روشنی برابر نہیں ہو سکتے، عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے۔ (فاطر:۲۰)

مسائل

۱۔ کفر و شرک میں کسی کی تابعداری کرنا جائز نہیں۔ ۲۔ کافر اور مشرک والدین کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا لازم ہے۔
۳۔ جو شخص اللہ کے راستے کی طرف بلائے اس کی بات ماننا چاہیے۔
۴۔ سب نے ’’اللہ‘‘ کی طرف پلٹنا ہے وہی لوگوں کو ان کے اعمال کی خبر دیگا۔

تفسیر بالقرآن

شرک کی کوئی دلیل نہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جو کسی کو پکارتا ہے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ (المؤمنون:۱۱۷)
۲۔ انھوں نے اللہ کے علاوہ کئی معبود بنالیے ہیں آپ فرمائیں کوئی دلیل لاؤ۔ (الانبیاء:۲۴)
۳۔ اس کے سوا کوئی اور بھی الٰہ ہے اگر تم سچے ہو تو دلیل لاؤ۔ (النمل:۶۴)
۴۔ کچھ لوگ ’’اللہ‘‘ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت کے لیے کوئی دلیل نازل نہیں کی گئی۔ (الحج:۷۱)
۵۔ لوگو! تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہوئے نہیں ڈرتے حالانکہ اللہ نے شرک کی کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ (الانعام:۸۱)
۶۔ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے اس کی توحید کی دلیل آچکی ہے۔ (النساء:۱۷۵)

يٰبُنَيَّ	اِنَّهَآ	اِنْ	تَكُ	مِثْقَالَ	حَبَّةٍ
اے میرے بیٹے	بلاشبہ وہ	اگر	ہو	برابر	دانہ کے
مِّنْ	خَرْدَلٍ	فَتَكُنْ	فِيْ	صَخْرَةٍ	اَوْ	فِي
سے	رائی	پھر وہ ہو	میں	چٹان	یا	میں
السَّمٰوٰتِ	اَوْ	فِي	الْاَرْضِ	يَاْتِ	بِهَا	اللّٰهُ
آسمانوں	یا	میں	زمین	لے آئے گا	اس کو	اللہ
اِنَّ	اللّٰهَ	لَطِيْفٌ	خَبِيْرٌ ۝۱۶		
بلاشبہ	اللہ	نہایت باریک بین	خوب باخبر ہے		

''بیٹا کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر۔ کسی چٹان یا آسمانوں یا زمین میں چھپی ہوئی ہو اللہ تعالیٰ اُسے بھی حاضر کرے گا کیونکہ وہ نہایت باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے۔''(۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو دوسری وصیّت۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو آخرت کی جوابدہی کا احساس دلاتے ہوئے فرمایا کہ بیٹا انسان چھپ کر گناہ کرے یا اعلانیہ، رات کو کرے یا دن کی روشنی میں، گناہ بڑا ہو یا چھوٹا، بے شک وہ رائی کے دانے کے برابر ہی کیوں نہ ہو وہ زمین کی گہرائیوں میں ہو یا پہاڑ کی چوٹی پر یہاں تک کہ آسمانوں میں چھپا ہوا ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں ضرور حاضر کرے گا کیونکہ وہ باریک سے باریک چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔

جس شخص کا یہ ذہن بن جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر چیز کو دیکھ رہا ہے وہ جب چاہے مجھے پکڑ سکتا ہے اس نے پکڑ لیا تو اس کی پکڑ سے کوئی مجھے چھڑا نہیں سکتا وہ شخص گناہ نہیں کر سکتا اگر بتقاضا بشریت اس سے گناہ سرزد ہو جائے تو وہ زیادہ دیر تک توبہ کے بغیر نہیں رہ سکتا اس لیے قرآن مجید انسان کو یہ عقیدہ اور ذہن دیتا ہے کہ اے انسان تو جہاں کہیں ہو تیرا رب اپنے علم اور اقتدار کے حوالے سے تیرے ساتھ ہوتا ہے۔

''کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کو اللہ جانتا ہے جب تین آدمی سرگوشی کرتے ہیں اللہ ان کے ساتھ چوتھا ہوتا ہے اور جب پانچ آدمی سرگوشی کرتے ہیں تو اللہ ان کے ساتھ چھٹا ہوتا ہے اس سے کم یا زیادہ ہوں تو اللہ ضرور ان کے ساتھ ہوتا ہے وہ کہیں بھی ہوں۔ پھر قیامت کے دن جو کام انہوں نے کیے ہیں ان کی ان کو خبر دے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔''(المجادلہ:۷)

اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے نہیں اپنے علم، اقتدار اور اختیارات کے حوالے سے ہر جگہ موجود ہوتا ہے۔

{ وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَ يَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ } (الانعام:۵۹)

''اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں انہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی تر اور خشک دانہ نہیں مگر وہ ایک واضح کتاب میں لکھا ہوا ہے۔''

((عَنْ أَبِیْ سَعِيْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّ رَجُلاً کَانَ قَبْلَکُمْ رَغَسَهُ اللّٰهُ مَالاً فَقَالَ لِبَنِيْهِ لَمَّا حُضِرَ أَیَّ أَبٍ کُنْتُ لَکُمْ قَالُوْا خَيْرَ أَبٍ قَالَ فَإِنِّیْ لَمْ أَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ. فَإِذَا مُتُّ فَأَحْرِقُوْنِیْ ثُمَّ اسْحَقُوْنِیْ ثُمَّ ذَرُّوْنِیْ فِیْ يَوْمٍ عَاصِفٍ فَفَعَلُوْا، فَجَمَعَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ. فَقَالَ مَا حَمَلَکَ قَالَ مَخَافَتُكَ فَتَلَقَّاهُ بِرَحْمَتِهِ)) (رواہ البخاری: باب حدثنا ابو الیمان)

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ تم سے پہلے ایک آدمی گزرا ہے جسے اللہ نے مال کی فراوانی عطا کی تھی اس نے موت کے وقت اپنے بیٹوں کو کہا میں نے کبھی نیک عمل نہیں کیا جب میں مرجاؤں تو مجھے جلا کر میری راکھ کو ہواؤں میں اُڑا دینا، انہوں نے ایسا ہی کیا اللہ عزوجل نے اُسے زندہ کیا، اور پوچھا کہ تجھے اس کام پر کس چیز نے اُبھارا تھا؟ وہ کہنے لگا کہ آپ کے ڈر نے اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی رحمت میں لے لیا۔''

مسائل

۱۔ انسان جہاں کہیں ہو وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ باریک سے باریک چیز کو جانتا ہے۔
۳۔ قیامت کے دن انسان کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے راز جانتا ہے۔(ہود:۵) ۲۔ جو اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔(البقرہ:۲۱۶)
۳۔ اللہ تعالیٰ کا علم فرشتے بھی نہیں جانتے۔(البقرہ:۳۰) ۴۔ اللہ تعالیٰ خشکی اور تری کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے۔(الانعام:۵۹)
۵۔ ہر گرنے والا پتہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔(الانعام:۵۹) ۶۔ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے۔(المومن:۱۹)
۷۔ اللہ تعالیٰ کے لیے یکساں ہے جو لوگ چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں۔(الرعد:۱۰)
۸۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے راز جانتا ہے۔(الملک:۱۳)

يٰبُنَيَّ	اَقِمِ	الصَّلٰوةَ	وَاْمُرْ	بِالْمَعْرُوْفِ	وَانْهَ
اے میرے بیٹے	تو قائم کر	نماز کو	اور حکم کر	نیکی کا	اور تو روک
عَنِ	الْمُنْكَرِ	وَاصْبِرْ	عَلٰى	مَآ	اَصَابَكَ
سے	بُرے کاموں	اور تو صبر کر	اس پر	جو	تجھے پہنچے
اِنَّ	ذٰلِكَ	مِنْ	عَزْمِ	الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾	
بلاشبہ	یہ	سے	ہمت	والے کاموں	

''بیٹا نماز قائم کرنا، نیکی کا حکم دینا، بُرائی سے منع کرنا، اور جو مصیبت آئے اس پر صبر کرنا یقیناً یہ کام بڑے اہم ہیں۔'' (۱۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو تیسری، چوتھی، پانچویں اور چھٹی وصیت۔

عظیم باپ اپنے لختِ جگر کو نصیحت پر نصیحت کرتے ہوئے فرماتا ہے اے بیٹا آخرت کی فکر کرو، فکرِ آخرت کا تقاضا ہے کہ انسان نیک بن جائے۔ عقیدہ توحید پر کار بند ہونے کے بعد سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ انسان اپنے رب کے حضور نماز پڑھے نماز نہ صرف اللہ تعالیٰ کی محبوب عبادت ہے بلکہ یہ عظیم ترین نیکی ہونے کے ساتھ نمازی کو برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔ (العنکبوت: ۴۵) بشرطیکہ اس کو اس کے تقاضوں کے ساتھ ادا کیا جائے۔ نمازی بننے کے ساتھ لوگوں کو نیکی کی تلقین کرنا اور برائی سے منع کرتے رہنا اسی بات کو ''قرآن مجید'' نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نام دیا ہے اگر یہ کام روایتی اور پیشہ کے طور پر نہ کیا جائے تو اس راستے میں مشکلات کا آنا یقینی امر ہے۔ اس پر تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے ساتھیوں کی تاریخ گواہ ہے اس لیے حضرت لقمان فرماتے ہیں بیٹا صبر کے ساتھ مصائب و آلام کو برداشت کرنا یہ بڑے عزم کا کام ہے۔

مسائل

۱۔ نماز قائم کرنا، لوگوں کو اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔

۲۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے راستے میں مصائب پر صبر کرنا بڑے عزم کی بات ہے۔

تفسیر بالقرآن

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت:

۱۔ مؤمن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ (آلِ عمران: ۱۱۴)

۲۔ اے ایمان والو! اپنے آپ اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ (التحریم: ۶)

۳۔ تم بہترین امت ہو اس لیے کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ (آلِ عمران: ۱۱۰)

وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ

اور نہ تو پھیر اپنا رخ لوگوں کے لیے اور نہ تو چل

فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

میں زمین اکڑ کر بلاشبہ اللہ نہیں وہ پسند کرتا

كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۚ﴿۱۸﴾ وَ اقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَ اغْضُضْ

ہر متکبر شیخی کرنے والے کو اور تو میانہ روی اختیار کر میں اپنی چال اور تو پست رکھ

مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾ ع

سے اپنی آواز بلاشبہ بدترین آوازوں میں سے البتہ آواز ہے گدھے کی

''اورلوگوں سے منہ نہ پھیرنا نہ زمین میں اکڑ کر چلنا ''اللہ'' متکبر اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔(۱۸) اپنی چال میں اعتدال اختیار کرنا اور اپنی آواز ذرا پست رکھنا، تمام آوازوں سے بُری آواز گدھے کی آواز ہوتی ہے۔''(۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو مزید چار وصیتیں۔

ایک اچھے مسلمان اور بہترین مبلّغ کے لیے لازم ہے کہ وہ ان باتوں کا خیال کرے جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو ارشاد فرمائی ہیں۔ اپنے دور کے عظیم دانشور بیٹے کو اخلاق اور کردار کے حوالے سے سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لوگوں سے تکبر اور لاپرواہی سے اپنے چہرہ کو نہ پھیرنا، زمین پر اکڑ کر نہ چلنا، یقیناً یہ فخر و غرور کا انداز ہے یاد رکھنا کہ رب ذوالجلال کو فخر و غرور کرنے والے لوگ پسند نہیں جو شخص ان باتوں کا خیال نہیں رکھتا بے شک وہ علمی، مالی، سماجی اور سیاسی لحاظ سے کتنا بڑا کیوں نہ ہو بالآخر لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں اکثر دیکھا گیا ہے کہ متکبر شخص کے سامنے لوگوں کی گردنیں جھکی ہوئی ہوتی ہیں مگر ان کے دل اور زبان اس سے شدید نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔

«وَعَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ اِذَا صَافَحَ الرَّجُلَ لَمْ يَنْزِعْ يَدَهٗ مِنْ يَدِهٖ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ الَّذِیْ يَنْزِعُ يَدَهٗ وَلَا يَصْرِفُ وَجْهَهٗ عَنْ وَجْهِهٖ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ الَّذِیْ يَصْرِفُ وَجْهَهٗ عَنْ وَجْهِهٖ وَلَمْ يُرَ مُقَدِّمًا رُكْبَتَيْهِ بَيْنَ يَدَیْ جَلِيْسٍ لَهٗ» (شرح السنة للبغوی [حسن])

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی آدمی سے ہاتھ ملاتے تو آپ اُس کے ہاتھ پیچھے ہٹانے سے پہلے اپنے ہاتھ کو الگ نہ کرتے اور نہ ہی آپ اپنے چہرے کو اُس کے چہرے سے پھیرتے جب تلک وہ اپنے چہرے کو خود نہ پھیر لیتا۔ چلنا، اکڑ کر اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس میں بیٹھے ہوئے اپنے گھٹنوں کو کبھی دراز کیا۔''

چال ڈھال میں میانہ روی:

حضرت لقمان اپنے بیٹے کو یہ وصیّت بھی کرتے ہیں کہ بیٹا اکڑ کر نہ چلنا اکڑ کر نہ چلنے کا یہ معنیٰ نہیں کہ آدمی بیماروں کی طرح چلے اس کا مفہوم یہ ہے کہ درمیانے انداز اور رفتار میں چلنا چاہیے جس میں تندرستی کے اظہار کے ساتھ تواضع بھی ہونی چاہیے اس میں پیدل چلنا ہی شامل نہیں بلکہ سواری کی رفتار بھی اسی انداز کی ہونی چاہیے بعض لوگ گاڑی ڈرائیو کر رہے ہوں تو اس سپیڈ کے ساتھ گزرتے ہیں کہ پیدل چلنے والے کا کلیجہ کانپ جاتا ہے راستے میں پانی ہو تو راہگیروں کے کپڑے گندے ہو جاتے ہیں ایسے آدمی کو لوگ بد دعائیں ہی دیا کرتے ہیں۔ دنیا بھر میں یہ اصول مسلمہ ہے کہ تیز رفتاری سے ایکسیڈنٹ زیادہ ہوتے ہیں اس لیے آدمی پیدل ہو یا سوار اسے میانہ روی کا خیال رکھنا چاہیے۔

زمین پر اکڑ کر چلنے سے انسان بڑا نہیں ہو جاتا انسان بڑا ہوتا ہے تواضع اور انکساری کے ساتھ۔ جس قدر لوگوں کے ساتھ تواضع اختیار کرے گا اسی قدر ہی ان میں بڑا بنتا جائے گا قرآن مجید میں اکڑ کر چلنے کی یوں مذمت کی گئی ہے۔

{ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ } (بنی اسرائیل:۳۷)

''اور زمین میں اکڑ کر نہ چل، بے شک تو نہ زمین کو پھاڑ سکے گا اور نہ اونچائی میں پہاڑوں تک پہنچ پائے گا۔''

«عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ مَارَاَیْتُ شَیْئًا اَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِیْ فِیْ وَجْهِهٖ وَمَا رَاَیْتُ اَحَدًا اَسْرَعَ فِیْ مَشْیِهٖ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَاَنَّمَا الْاَرْضُ تُطْوٰی لَهٗ اِنَّا لَنُجْهِدُ اَنْفُسَنَا وَاِنَّهٗ لَغَیْرُ مُكْتَرِثٍ» (رواہ الترمذی: باب فی صفة النبی ﷺ [ضعیف])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی کو حسین نہیں دیکھا گویا کہ سورج آپ کے چہرے میں رواں دواں ہو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ تیز چلنے والا کسی کو نہیں دیکھا اس طرح دکھائی دیتا تھا گویا کہ آپ کے لیے زمین سکڑ گئی ہے کسی تکلف کے بغیر چلتے تھے ہمیں آپ کے ساتھ ملنے کے لیے تیز چلنا پڑتا تھا۔''

«كَانَ عَلِیٌّ رضی اللہ عنہ اِذَا وَصَفَ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ...اِذَا مَشٰی تَقَلَّعَ كَاَنَّمَا یَمْشِیْ فِیْ صَبَبٍ»

(رواہ الترمذی: باب مَا جَاءَ فِی صِفَةِ النَّبِیِّ ﷺ [ضعیف])

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی ﷺ قدرے جھک کر چلتے جیسے ڈھلوان سے نیچے اتر رہے ہوں۔'' (یعنی گردن اکڑا اکڑا کر نہیں چلتے بلکہ ہلکا سا جھکاؤ لیے ہوئے چلا کرتے ہیں۔)

گفتگو میں میانہ روی رکھیں:

حضرت لقمان اپنے بیٹے کو پے در پے نصیحتیں کرتے ہوئے سمجھاتے ہیں کہ میرے لخت جگر اپنی آواز بھی بلاضرورت بلند نہ کرو۔ خواہ مخواہ اور بلاوجہ اونچی آواز سے بولنا گدھے کی طرح بولنا ہے عقل مندی اور سنجیدگی کا تقاضا ہے کہ آدمی ماحول اور ضرورت کا خیال رکھتے ہوئے آواز بلند کرے، چاہے وہ کتنا بڑا خطیب کیوں نہ ہو۔ اسے ہمیشہ خیال رکھنا چاہیے کہ کہیں میری آواز اور لب

ولہجہ میں تصنّع اور کراہت تو نہیں پائی جاتی یہی اصول نماز میں ہونا چاہیے لاؤڈ اسپیکر کی آواز کا تو بالخصوص خیال رکھنا چاہیے۔

{ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝ } (لقمان:۱۹)

''اپنی چال میں اعتدال اختیار کرنا اور اپنی آواز ذرا پست رکھنا، تمام آوازوں سے بُری آواز گدھے کی آواز ہوتی ہے۔''

«عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا سَمِعْتُمْ صِيَاحَ الدِّيَكَةِ فَسَلُوْا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنَّهَا رَأَتْ مَلَكًا وَاِذَا سَمِعْتُمْ نَهِيْقَ الْحِمَارِ فَتَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ فَاِنَّهٗ رَاٰى شَيْطَانًا» (رواہ البخاری:باب خیر مال المسلم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب تم مرغ کی اذان سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگا کرو۔ کیونکہ وہ فرشتے کو دیکھتا ہے اور جب گدھے کا ہینگنا سنو تو "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" پڑھو کیونکہ گدھا شیطان کو دیکھ کر ہینگتا ہے۔''

مسائل

۱۔ لوگوں کے ساتھ متکبرانہ انداز اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ ۲۔ چال، ڈھال اور بولنے میں میانہ روی ہونی چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ متکبر اور مغرور آدمی کو پسند نہیں کرتا۔ ۴۔ سب سے مکروہ آواز گدھے کی آواز ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ متکبر اور مغرور آدمی کو پسند نہیں کرتا۔

۱۔ متکبر کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ (النحل:۲۳)

۲۔ اللہ تعالیٰ اترانے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (القصص:۷۶)

۳۔ زمین میں اکڑ کر نہ چل! نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ پہاڑوں کی بلندیوں کو پہنچ سکتا ہے۔ (بنی اسرائیل:۳۷)

۴۔ اللہ تکبر اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ (لقمان:۱۸)

۵۔ یقیناً اللہ تکبر اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ (النساء:۳۶)

۶۔ جو کچھ اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے، اس پر اتراؤ نہیں کیونکہ اللہ فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (الحدید:۲۳)

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي

کیا نہیں | تم نے دیکھا | کہ بے شک | اللہ نے | مسخر کر دیا ہے | تمہارے لیے | جو | میں

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ

آسمانوں | اور جو | میں | زمین | اور اس نے پوری کر دیں | تم پر | اپنی نعمتیں

ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ

ظاہری | اور باطنی | اور سے | لوگوں | جو | جھگڑتے ہیں | میں | اللہ

بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۲۰

بغیر | علم کے | اور نہیں | ہدایت | اور نہیں | کتاب | روشن

”کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین وآسمانوں کی تمام چیزیں تمہارے لیے مسخر کر رکھی ہیں، اور اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں اس کے باوجود کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ ان کے پاس کوئی علم، ہدایت یا کوئی روشنی دکھانے والی کتاب نہیں۔“ (۲۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت لقمان کی وصیتوں میں سرفہرست وصیّت ”اللہ“ کی توحید ہے توحید سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر غور کرے۔

کیا انسان اس حقیقت پر غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمانوں اور ہر چیز کو ان کی خدمت میں لگا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنی نعمتیں عطا کر رکھی ہیں کہ ان کا شکر ادا کرنا تو درکنار انہیں شمار کرنا بھی مشکل ہے۔ انسان اپنے رب کی شکر گزاری اور تابعداری کرنے کی بجائے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے کافر اپنے رب کی ذات کا انکار کرتا ہے اور مشرک اس کی ذات اور صفات میں دوسروں کو شریک بنا کر جھگڑا کرتا ہے اگر انہیں سمجھایا جائے تو یہ اپنے رب کی ذات اور صفات کے خلاف من گھڑت دلیلیں ہی نہیں دیتے بلکہ وہ لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں حالانکہ کافر اور مشرک کے پاس اپنے باطل عقیدہ کی تائید میں کوئی دلیل نہیں ہوتی یہ لوگ کسی حقیقی علم، آسمانی ہدایت اور کتاب الٰہی کی دلیل کے بغیر جھگڑتے ہیں یہاں تک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تعلق ہے ان میں کھلی نعمتیں تو انسان کے سامنے ہیں آج کے کچھ مدت پہلے انسان جن نعمتوں کا تصور نہیں کر سکتا تھا وہ بھی ظاہر کی جا رہی ہیں کیا آج سے کچھ عرصہ پہلے کا انسان گیس، بجلی، ہوائی جہاز، ٹرانسپورٹ اور بے شمار موجودہ ایجادات کو جانتا تھا؟ کیا ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آنے والے انسانوں کو، کونسی نعمتوں سے نوازنے والا ہے ان نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت دینِ اسلام ہے جو ہمارے رب نے ہم پر مکمل کر دیا ہے۔ ”آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا ہے اور میں نے پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔“ (المائدۃ: ۳)

وَ	اِذَا	قِيْلَ	لَهُمُ	اتَّبِعُوْا	مَآ	اَنْزَلَ اللّٰهُ
اور	جب	کہا جاتا ہے	ان کے لیے	تم پیروی کرو	جو	نازل کیا اللہ نے

قَالُوْا	بَلْ	نَتَّبِعُ	مَا	وَجَدْنَا	عَلَيْهِ	اٰبَآءَنَا	اَوَ
وہ کہتے ہیں	بلکہ	ہم پیروی کریں گے	جو	ہم نے پایا	اس پر	اپنے باپ دادا کو	کیا

لَوْ	كَانَ	الشَّيْطٰنُ	يَدْعُوْهُمْ	اِلٰى	عَذَابِ	السَّعِيْرِ ۲۱
اگر	تھا	شیطان	وہ بلاتا ان کو	طرف	عذاب کی	جہنم کے

''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اُس چیز کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کی ہے کہتے ہیں کہ ہم تو اُس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، کیا یہ اُنہی کی پیروی کریں گے خواہ شیطان اُن کو بھڑکتی ہوئی آگ ہی کی طرف کیوں نہ بلاتا رہا ہو۔'' (۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: انسان کا اپنے رب کے ساتھ جھگڑنے کا ایک انداز۔

انسان کا حقائق ٹھکرانے اور اپنے رب کے ساتھ جھگڑنے کا یہ بھی انداز ہے کہ جب اسے یہ بات کہی جاتی ہے کہ صرف اس چیز کی اتباع کرو جو اللہ نے نازل فرمائی ہے تو وہ لوگ کہتے ہیں ہم تو اسی کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے گویا کہ یہ اپنے آباء واجداد کی رسومات کو دین سمجھتے ہیں۔ جس کے بارے میں سورۃ البقرہ آیت ۱۷۰ میں یہ ارشاد ہوا کہ ''کیا ان کے باپ دادا دین کے بارے میں کوئی سمجھ اور رہنمائی نہیں رکھتے تھے اس کے باوجود یہ ان کی پیروی کریں گے۔ ایسے لوگوں کی مثال اس شخص کی ہے جو شخص چلّانے کی آواز کے سوا کچھ نہیں سمجھتا یہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ (البقرۃ: ۱۷۱) یہاں یہ ارشاد ہوا ہے کیا ان کے باپ دادا کو شیطان جہنم کے عذاب کی طرف بلاتا رہا اور وہ جہنم کے راستے پر ہی چلتے رہے اس کے باوجود یہ لوگ اپنے باپ، دادا کے طریقے پر چلتے رہیں گے؟ اس فرمان میں سمجھانا مقصود یہ ہے کہ دانشمندی کا تقاضا اور جہنم سے بچنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ رہنمائی کے مطابق زندگی بسر کرے اور کسی دوسرے کے پیچھے نہ چلے۔

مسائل

۱۔ اکثر لوگ بلا دلیل اپنے آباء واجداد کی پیروی کرتے ہیں۔ ۲۔ شیطان انسان کو جہنم کے راستے کی دعوت دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

منکرینِ حق کے بہانے:

۱۔ (الانبیاء: ۲) (یونس: ۷۶) (ق: ۵) (النجم: ۲۸) (الزخرف: ۳۰) (القصص: ۴۸)

وَ	مَنْ	يُّسْلِمْ	وَجْهَهٗٓ	اِلَى	اللّٰهِ	وَهُوَ
اور	جو شخص	وہ مطیع کر دے	اپنا چہرہ	طرف	اللہ کی	اور وہ

مُحْسِنٌ	فَقَدِ	اسْتَمْسَكَ	بِالْعُرْوَةِ	الْوُثْقٰى ؕ
نیکوکار ہو	تو تحقیق	اس نے پکڑ لیا	مضبوط	کڑا

وَاِلَى	اللّٰهِ	عَاقِبَةُ	الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾
اور طرف	اللہ کی	انجام ہے	سب کاموں کا

”جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دے اور عملاً نیک ہو اس نے یقیناً مضبوط کڑے کو تھام لیا ہے اور تمام معاملات کا انجام اللہ کے پاس ہے۔“(۲۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام : آباؤ اجداد کی تقلید اور اِدھر اُدھر پھرنے کی بجائے آدمی کو اپنے رب کا فرمانبردار ہونا چاہیے۔

قرآن وسنت کے دلائل سے بے اعتنائی کرنا، رسومات اور آباء واجداد کی تقلید کرنا حقیقت میں شیطان کی پیروی کرنا ہے۔ شیطان انسان کو جہنم میں لے جانا چاہتا ہے جہنم سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے چہرے کو اللہ کے حوالے کرے اور نیک کام کرتا رہے جس نے اس فکر وعمل کو اپنا لیا گویا کہ اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جس کا ٹوٹنا ناممکن ہے۔ انسان کو یقین رکھنا چاہیے کہ تمام کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اس بات کو یوں بھی بیان کیا گیا ہے کہ اے صاحب ایمان لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس طرح اس سے ڈرنا چاہیے یہاں تک کہ تمہیں موت بھی اس کی تابعداری میں آئے سب مل کر اللہ کی رسی کو تھامے رکھو اور آپس میں تفریق پیدا نہ کرو۔ (البقرہ:۱۰۲، ۱۰۳)

”الْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى“ کا معنٰی مضبوط کڑا ہے جسے حدیث میں ”حَبْلُ اللّٰہ“ کہا گیا ہے (البقرۃ:۲۵۶) آدمی جب گرنے یا ڈوبنے لگتا ہے تو وہ کسی نہ کسی چیز کو تھامنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ گرنے اور ڈوبنے سے بچ جائے اگر اس کا ہاتھ مضبوط کڑے (Ring) کو پڑ جائے تو اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ وہ گرنے سے بچ جائے گا۔ یہی حقیقی ایمان کا فائدہ ہے۔ کہ جس آدمی کا اپنے رب پر سچا اور پکا ایمان ہو وہ کسی صورت بھی کفر وشرک کے گڑھے میں نہیں گرتا اس فرمان سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو اپنا ایمان اللہ تعالیٰ پر مضبوط سے مضبوط رکھنا چاہیے ایسا شخص ہر حال میں اپنے رب پر راضی رہتا اور اس سے اجر پاتا ہے۔ اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھنے یا حوالے کرنے کا معنٰی پوری طرح اس کی تابعداری کرنا ہے کیونکہ انسان جب کسی راستے پر چلتا ہے تو اس کے چہرے کا رخ بھی اسی طرف ہوتا ہے نبی ﷺ کو اسی بات کا حکم دیا گیا۔

{ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ } (الروم:۳۰)

’’اے نبی یک سو ہو کر اپنا رُخ اس دین پر قائم رکھو، یہی فطرت ہے جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی فطرت بدلی نہیں جاسکتی، یہی مستقل دین ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔‘‘

((کِتَابُ اللّٰهِ هُوَحَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَآءِ إِلَي الْأَرْضِ)) (جامع الصغیر للألبانی)

’’اللہ کی کتاب ہی اللہ کی رسّی ہے جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکائی گئی ہے۔‘‘

((عَنْ صُهَيْبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهٗ كُلَّهٗ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ)) (رواہ مسلم: کتاب الزہد والرقائق، باب المؤمن أمرہ کلہ خیر)

’’حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کے معاملات عجیب ہیں اس کے تمام معاملات میں خیر ہے اور یہ صرف مومن کے لیے ہے اگر اس کو آسانی ملتی ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے یہ اسکے لیے بہتر ہے اور اگر اسے تکلیف آتی ہے تو صبر کرتا ہے یہ بھی اس کے لیے بہتر ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ انسان کو ہر حال میں اپنی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف رکھنی چاہیے۔ ۲۔انسان کو ہر حال میں نیکی کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۳۔ کتاب اللہ کے ساتھ تمسّک کرنے والا ہی آخرت میں کامیاب رہے گا۔

تفسیر بالقرآن

محسن کے اوصاف:

۱۔ جس نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کردیا وہ مُحسن ہے اسے کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا۔(البقرۃ:۱۱۲)

۲۔ اللہ کے سامنے جھک جانے والا محسن ہے۔(لقمان:۲۲)

۳۔ بے شک اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔(یوسف:۹۰)

۴۔ صبر کرو اللہ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔(ھود:۱۱۵)

۵۔ اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہوا کرتی ہے۔(الاعراف:۵۶)

۶۔ احسان کرو یقیناً اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔(البقرۃ:۱۹۵)

۷۔ انہیں معاف کیجیے اور درگزر کیجیے یقیناً اللہ محسنین کو پسند فرماتا ہے۔(المائدۃ:۱۳)

۸۔ ہم تمہارے گناہ مٹا دیں گے اور عنقریب ہم محسنین کو زیادہ عطا کریں گے۔(البقرۃ:۵۸)

وَ مَنْ	كَفَرَ	فَلَا	يَحْزُنْكَ	كُفْرُهٗ	اِلَيْنَا	مَرْجِعُهُمْ
اور جس نے	کفر کیا	تو نہ	غمناک کرے آپ کو	اس کا کفر	ہماری ہی طرف	ان کا لوٹ کر آنا ہے

فَنُنَبِّئُهُمْ	بِمَا عَمِلُوْا	اِنَّ	اللّٰهَ	عَلِيْمٌۢ	بِذَاتِ	الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾
پھر ہم ان کو خبر دیں گے	اس کی جو انہوں نے کیا	بے شک	اللہ	خوب جانتا ہے	راز	سینوں کے

نُمَتِّعُهُمْ	قَلِيْلًا	ثُمَّ	نَضْطَرُّهُمْ	اِلٰى	عَذَابٍ	غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾
ہم فائدہ دیتے ہیں ان کو	تھوڑا	پھر	ہم ان کو دھکیل دیں گے	طرف	عذاب کی	سخت

’’جو کفر کرتا ہے اُس کا کفر آپ کو غمناک نہ کرے انہیں ہماری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے ہم اُنہیں بتائیں گے کہ وہ کیا کر کے آئے ہیں اللہ یقیناً دلوں کے راز جانتا ہے۔(۲۳) ہم انہیں تھوڑی مدّت کے لیے فائدہ دے رہے ہیں، بالآخر انہیں سخت عذاب کی طرف دھکیل دیں گے۔‘‘(۲۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس نے کتاب اللہ کے ساتھ تمسک کرنے سے انکار کیا اس کا انجام بدترین ہوگا۔

سرورِ دو عالم ﷺ صبح و شام اس فکر اور کوشش میں رہتے تھے کہ لوگ ہدایت پر گامزن ہو کر اپنے آپ کو جہنم کی ہولناکیوں سے بچالیں لیکن لوگ ہدایت کی طرف آنے کی بجائے گمراہی کی طرف سرپٹ دوڑے جاتے تھے۔ جس پر آپ دل گرفتہ ہو جاتے آپ کو تسلی اور ڈھارس دینے کے لیے ارشاد ہوا کہ ان کے کفر و شرک پر جمے رہنے سے آپ دل گرفتہ نہ ہوں آپ کا کام حق بات پہنچانا ہے جس کا آپ حق ادا کر رہے ہیں انہیں منوانا آپ کا کام نہیں۔

جو لوگ حق کا انکار کرتے ہیں بالآخر انہیں ہماری طرف لوٹنا ہے دنیا میں ہم ان کو فائدہ دیں گے اور پھر انہیں شدید عذاب کی طرف مجبور کر دیں گے آخرت کے مقابلے میں دنیا کا فائدہ مدّت اور حیثیت کے اعتبار سے بالکل ہی تھوڑا ہے۔ جہنم کی طرف مجبور کرنے کا معنٰی یہ ہے کہ جہنمی جہنم کو دیکھ کر آہ وزاریاں کریں گے مگر ملائکہ ان کو ہانک کر اور کسی کو چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیں گے۔

مسائل

۱۔ داعی کو لوگوں کے کفر و شرک پر دل گرفتہ ہونے کی بجائے اپنا کام جاری رکھنا چاہیے۔
۲۔ ہر کسی نے اپنے رب کے حضور پیش ہونا اور اپنے اعمال کا سامنا کرنا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال ہی نہیں بلکہ ان کے دلوں کی حالت بھی جانتا ہیں۔
۴۔ ہر کسی نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

وَ لَئِنْ	سَاَلْتَهُمْ	مَّنْ	خَلَقَ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضَ
اور البتہ اگر	آپ پوچھیں ان سے	کس نے	پیدا کیا	آسمانوں	اور زمین کو
لَيَقُوْلُنَّ	اللّٰهُ ؕ	قُلِ	الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ	بَلْ	اَكْثَرُهُمْ
تو وہ ضرور کہیں گے	اللہ نے	فرمادیجیے	سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں	بلکہ	اکثر ان کے
لَا	يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾	لِلّٰهِ	مَا	فِي	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ ؕ
نہیں	جانتے	اللہ ہی کے لیے ہے	جو	میں	آسمانوں	اور زمین
اِنَّ	اللّٰهَ	هُوَ	الْغَنِيُّ	الْحَمِيْدُ ﴿٢٦﴾
بے شک	اللہ	وہ	بے پرواہے	قابلِ تعریف ہے

”اگر آپ ان سے پوچھیں کہ زمین وآسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے پیدا کیے ہیں۔ آپ اس پر ”اللہ“ کا شکر ادا کریں پھر بھی اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (٢٥) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ کا ہے بے شک اللہ بے نیاز اور تعریف والا ہے۔“ (٢٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفر وشرک اختیار کرنے والوں سے ایک سوال۔

جو لوگ دنیا کی مختصر مدت اور قلیل فائدے کی خاطر کفر وشرک اختیار کرتے ہیں۔ اس حقیقت کا وہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ جن کو ہم اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں ان کا زمین وآسمانوں کی تخلیق میں کوئی حصہ نہیں یہ ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف نبی اکرم ﷺ کے بدترین دشمن بھی کیا کرتے تھے۔ اس لیے آپ کو حکم ہوا کہ ان سے استفسار فرمائیں کہ بتاؤ کہ زمین و آسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ کفارِ مکہ کا جواب تھا کہ انہیں تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس طرح وہ ”اللہ“ کے خالق ہونے کا اقرار کرنے پر مجبور تھے۔ اس پر ارشاد ہوا کہ اے نبی! اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ مشرکوں کے پاس حقیقت تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں مگر اس کے باوجود ان کی اکثریت جہالت کا اظہار کرتی ہے حالانکہ انہیں اسی خالق کی عبادت کرنی چاہیے۔ انہیں یہ بھی بتلائیں کہ زمین وآسمانوں کے درمیان جو کچھ ہے وہ سب کا سب ”اللہ“ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور حمد وستائش کے لائق ہے اگر تمام کے تمام انسان کفر وشرک پر تل جائیں تو اس کی بادشاہی اور حمد وستائش میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

«يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا» (رواہ مسلم: باب تحریم الظلم)

”اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے، آخری اور تمام انسان اور جن ایک متقی انسان کے دل کی طرح ہو جائیں تو

میری بادشاہت میں کچھ اضافہ نہیں کر سکتے ،اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور بعد والے،تمام انسان اور جن ایک فاجر شخص کے دل کی طرح ہو جائیں تو بھی میری بادشاہت میں ذرا برابر کمی نہیں کر سکتے۔“

غنی کا معنیٰ دولتمند، مالدار، مستغنی اور حمید کا معنیٰ تعریف کرنے والا ،تعریف کیا ہوا ہے۔

مسائل

١۔ ہر دور کے کافر اور مشرک اقرار کرتے ہیں کہ زمین وآسمانوں کا خالق ”اللہ“ ہے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ حمد وستائش کے لائق اور بے نیاز ہے۔

تفسیر بالقرآن

کفّار اور مشرکین کا توحید باری تعالیٰ کا اعتراف کرنا:

١۔ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ارض وسماوات کو کس نے پیدا کیا ،سورج اور چاند کو کس نے مسخر کر رکھا ہے مشرک ضرور کہیں گے کہ اللہ نے پھر یہ کہاں سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔(العنکبوت:٦١)

٢۔ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو یقیناً کہیں گے کہ انہیں زبردست اور سب کچھ جاننے والے ”اللہ“ نے پیدا کیا ہے۔(الزخرف:٩)

٣۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ ہر چیز پر کس کی بادشاہت ہے؟ جواب دیتے ہیں ”اللہ“ کی بادشاہت ہے۔(المومنون:٨٨۔٨٩)

٤۔ اگر آپ ﷺ ان سے زمین وآسمان کی تخلیق کے بارے میں سوال کریں گے تو اللہ ہی کا نام لیں گے۔(لقمان:٢٥)

٥۔ مشرکین سے پوچھا جائے مخلوق کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ جواب دیتے ہیں ”اللہ“ ہی پیدا کرنے والا ہے۔(النمل:٦٤)

٦۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ زمین وآسمان کا خالق کون ہے؟ تو کہتے ہیں ”اللہ“ ہی خالق ہے۔(الزمر:٣٨)

٧۔ فرمادیں کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یا کون ہے جو تمہارے کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟ اور کون زندہ کو مردہ سے نکالتا اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور کون ہے جو ہر کام کی تدبیر کرتا ہے؟ وہ کہیں گے ”اللہ“ تو فرمادیں پھر کیا تم ڈرتے نہیں؟ (یونس:٣١)

٨۔ مشرکین سے پوچھا جائے مخلوق کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ جواب دیتے ہیں ”اللہ“ ہی پیدا کرنے والا ہے۔(یونس:٣٤)

٩۔ مشرکوں سے پوچھا جائے سات آسمانوں اور عرشِ عظیم کا مالک کون؟ جواباً کہتے ہیں، اللہ ہی مالک ہے۔(المومنون:٨٦۔٨٧)

١٠۔ مشرکین بھی مشکل کے وقت خالصتاً اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے۔(یونس:٢٢)

وَ	لَوْ	اَنَّ	مَا	فِي	الْاَرْضِ	مِنْ	شَجَرَةٍ
اور	اگر	بے شک	جو	میں	زمین	سے	درخت

اَقْلَامٌ	وَّ الْبَحْرُ	يَمُدُّهٗ	مِنْۢ	بَعْدِهٖ	سَبْعَةُ	اَبْحُرٍ
قلمیں ہوں	اور سمندر	اس کو زیادہ کریں	سے	اس کے بعد	سات	سمندر

مَّا	نَفِدَتْ	كَلِمٰتُ	اللّٰهِ ؕ	اِنَّ	اللّٰهَ	عَزِيْزٌ	حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾
نہ	ختم ہوں گے	کلمات	اللہ کے	بے شک	اللہ	نہایت غالب	خوب حکمت والا ہے

”زمین میں جتنے درخت ہیں اگران کی قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائے پھر مزید سات سمندر سیاہی بن جائیں تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے، یقیناً اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔“ (۲۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام : جو”اللہ“ زمین وآسمانوں کا مالک ہر قسم کی تعریف کے لائق ہے کہ اس کی حمد وستائش کی انتہا نہیں۔

اس سے پہلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ حمد وثنا کے لائق ہے اگر کافر اور مشرک اللہ کی حمد وثنا نہیں کرتے تو اسے اس کی کوئی پروا نہیں کیونکہ وہ اس قدر اَن گنت تعریفات کا مالک اور حق دار ہے کہ اگر کائنات کے تمام درختوں کی قلمیں بنالی جائیں اور سات سمندر سیاہی بنا دیئے جائیں، جن وانس، ملائکہ اور ہر جاندار اپنے رب کی حمد لکھنے بیٹھ جائیں تو ساتوں سمندر ختم ہو جائیں، قلمیں گھس گھس کر اپنا وجود کھو بیٹھیں سب کو سات گنا اور بڑھا لیا جائے تو پھر بھی آپ کے رب کی حمد وثنا ختم نہ ہو پائے گی کیونکہ اس کی نعمتوں کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ (ابراہیم: ۳۴) اور نہ ہی اس کی مخلوق کا احاطہ کیا جاسکتا ہے۔ (المدثر: ۳۱) غور فرمائیں کہ کون ہے جو زمین کے ذرّات اور حشرات، سمندر کے قطرات اور اس کی مخلوقات، پہاڑوں کے سنگرات، زمین وآسمانوں کے ملائکہ کا شمار کر سکے جب ہم خالق کی نعمتوں اور مخلوقات کا شمار نہیں کر سکتے تو حمد وثنا کا احاطہ اور شمار کس طرح کر سکتے ہیں نہ ہی خالق کی تخلیق کے اوصاف، فوائد اور اس کے حسن وجمال کا احاطہ کیا جاسکتا ہے۔ جب انسان اپنے خالق کے سامنے اس قدر بے بس اور اس کا خالق اس قدر تعریفات کے لائق اور اختیارات رکھنے والا ہے تو پھر دوسروں کو اس کا شریک بنانے اور اپنے خالق کی نافرمانی کرنے کا کیا معنٰی؟

(عَنْ عَائِشَةَ ؓقَالَتْ فَقَدْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةً مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِي عَلَى بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوبَتَانِ وَهُوَ يَقُولُ اللَّهُمَّ أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لاَ أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ) (رواہ مسلم: باب مَایقَالُ فِی الرُّکوعِ وَالسُّجودِ)

”حضرت عائشہ ؓ بیان فرماتی ہیں آپ ﷺ دعا کر رہے تھے۔“اے اللہ! میں تیری ناراضگی کی بجائے تیری رضا کا طلب گار ہوں، سزا کی بجائے معافی کا خواست گار ہوں اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ مجھ میں تیری شایان شان تعریف کرنے کی طاقت وصلاحیتیں نہیں۔“

مَا	خَلْقُكُمْ	وَلَا	بَعْثُكُمْ	اِلَّا	كَنَفْسٍ	وَّاحِدَةٍ ؕ
نہیں ہے	تمہارا پیدا کرنا	اور نہ	تمہارا دوبارہ اٹھانا	مگر	جان کی مانند	ایک
اِنَّ	اللّٰهَ	سَمِيْعٌ ۢ	بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾			
بے شک	اللہ	سننے والا	دیکھنے والا ہے			

''تمہیں پیدا کرنا اور پھر تم کو اُٹھانا ''اللہ'' کے لیے ایسا ہے جیسے ایک شخص کو پیدا کرنا اور اُٹھانا ہے حقیقت یہ ہے کہ ''اللہ'' سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔'' (۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس اللہ نے زمین وآسمانوں کو پیدا کیا وہی پوری کائنات کا مالک اور بادشاہ ہے اس کی تعریفات ختم ہونے والی نہیں، وہی دوبارہ پیدا کرنے اور مارنے والا ہے۔

قرآن مجید نے تخلیقِ انسان کا بڑی تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا اور بتایا ہے کہ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا فرما کر بے شمار مرد اور عورتیں پھیلا دیے۔ اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔ [النساء:۱] کفار اعتراض کرتے تھے کہ انسان مر کر مٹی کے ساتھ مٹی ہو جاتا ہے تو پھر اسے کس طرح پیدا کیا جا سکتا ہے قرآن مجید نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں یہاں یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تمام انسانوں کو پیدا کرنا اور ان کی موت کے بعد اٹھانا ایک انسان کو پیدا کرنے اور اس کو اٹھانے کی طرح ہے کیونکہ وہ کسی کام کے لیے صرف '' کُنْ '' کہتا ہے اور وہ کام بالکل اس کے حکم کے مطابق ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر بات سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے لیے تمام لوگوں کو پیدا کرنا ایک انسان کے پیدا کرنے کے برابر ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہر بات سننے اور ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

موت کے بعد جی اٹھنے کے ثبوت:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے مقتول کو زندہ فرمایا۔ (البقرۃ:۷۳) ۲۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو زندہ فرمایا۔ (البقرۃ:۲۵۹)

۳۔ چار پرندوں کو زندہ فرمایا۔ (البقرۃ:۲۶۰) ۴۔ اصحابِ کہف کو تین سو سال کے بعد اٹھایا۔ (الکہف:۲۵)

۵۔ مزید حوالوں کے لیے دیکھیں: (البقرۃ:۲۴۳) (الاعراف:۱۵۵) (المائدۃ:۱۱۰)

اَلَمْ	تَرَ	اَنَّ	اللّٰهَ	يُوْلِجُ	الَّيْلَ	فِي
کیانہیں	آپ نے دیکھا	بے شک	اللہ	وہ داخل کرتا	رات کو	میں
النَّهَارِ	وَيُوْلِجُ	النَّهَارَ	فِي	الَّيْلِ	وَسَخَّرَ	
دن	اور وہ داخل کرتا ہے	دن کو	میں	رات	اور اس نے مسخر کیا	
الشَّمْسَ	وَالْقَمَرَ	كُلٌّ	يَّجْرِيْٓ	اِلٰٓى	اَجَلٍ	مُّسَمًّى
سورج	اور چاند کو	ہر ایک	وہ چل رہا ہے	طرف	وقت	مقرر
وَّاَنَّ	اللّٰهَ	بِمَا	تَعْمَلُوْنَ	خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾		
اور بے شک	اللہ	ساتھ اس کے جو	تم عمل کرتے ہو	خوب خبردار ہے		

''کیا دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے، ہر کوئی ایک وقت مقرر تک چلا جا رہا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔'' (۲۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام : جو ''اللہ'' رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا اور نکالتا ہے کیا وہ انسان کو مٹی سے دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا؟

اللہ تعالیٰ انسان کو بار بار اپنی قدرتوں کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ اے انسان دیکھ اور غور کر کہ جس زمین پر تیرا بسیرا اور جس آسمان کے نیچے تیرا ڈیرہ ہے، جس لیل و نہار پر تیری زندگی کا انحصار ہے اور جس شمس و قمر کے آنے جانے پر تیری زندگی کے رات دن بنتے ہیں، غور کر کہ کبھی رات کا کچھ حصہ دن میں ضم ہو جاتا ہے اور کبھی دن رات میں کئی کئی گھنٹے گم ہو جاتی ہے، سورج کو دیکھ کہاں سے نکلتا ہے اور کہاں غروب ہوتا ہوا نظر آتا ہے، اب چاند پر توجہ کر کہ وہ پندرہ راتیں کہاں غائب رہتا ہے جب نکلتا ہے تو کس قدر باریک ہوتا ہے اور جب غائب ہونے کو آتا ہے تو چودھویں رات کو کس طرح تاباں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوقات مقرر کر رکھے ہیں یہ اسی طرح اپنی ڈیوٹی دیتے رہیں گے یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گا جو دن سے رات اور رات سے دن نکالتا ہے وہی ''اللہ'' تمہارا حقیقی خالق اور معبود ہے اور وہی تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا اور اپنے حضور پیش کرے گا بس ہر حال میں اسی کو پکارو، اسی کی بندگی کرو اور اس کی غلامی میں آجاؤ اس کے سوا جنہیں تم پکارتے اور جن کے سامنے نذر و نیاز پیش کرتے اور جن کے حضور سجدے کرتے ہو وہ سب کے سب باطل ہیں اور معبود نہیں ہیں۔ اللہ تمہارے شرکیہ تصورّات اور اعمال سے بلند و بالا ہے ہاں یہ بھی یاد رکھو جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس کی اچھی طرح خبر رکھنے والا ہے۔

ذٰلِكَ	بِاَنَّ	اللّٰهَ	هُوَ	الْحَقُّ	وَ اَنَّ	مَا
یہ	کہ بے شک	اللہ	وہ	حق ہے	اور بے شک	جن کو
يَدْعُوْنَ	مِنْ	دُوْنِهِ	الْبَاطِلُ	وَ اَنَّ	اللّٰهَ
وہ پکارتے ہیں	سے	اس کے سوا	باطل ہیں	اور بلاشبہ	اللہ
هُوَ	الْعَلِيُّ	الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾			
وہ	بہت بلند	بہت بڑا ہے			

”یہ اس لیے ہے یقیناً اللہ ہی حق ہے اور اُسے چھوڑ کر جن کو لوگ پکارتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور یقیناً اللہ ہی بلند و بالا بڑا ہے۔“(۳۰)

{ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ } (یونس:۳۲)

”سو اللہ ہی تمہارا سچا رب ہے۔ پھر سچ کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ بس تم کہاں پھیرے جاتے ہو۔“

مسائل

۱۔ ”اللہ“ ہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا اور نکالتا ہے۔

۲۔ ”اللہ“ ہی نے سورج اور چاند کو پیدا کیا اور وہی انہیں مقررہ وقت تک چلائے جا رہا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام معبود باطل ہیں۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ مشرکوں کے شرک سے بلند و بالا اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مشرک جن معبودوں کو پکارتے ہیں ان کی حقیقت:

۱۔ کیا تم ان کو معبود مانتے ہو جو نفع و نقصان کے مالک نہیں؟ (الرعد:۱۶)

۲۔ کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں؟ (المائدۃ:۷۶)

۳۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں نقصان میں مبتلا کرے تو کون تمہیں بچائے گا؟ (الفتح:۱۱)

۴۔ معبودانِ باطل اپنی جانوں کے نفع و نقصان کے مالک نہیں۔ (الفرقان:۳)

۵۔ کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے نفع و نقصان کے مالک نہیں؟ (المائدۃ:۸۶)

۶۔ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (الاعراف:۱۹۷)

۷۔ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ (الحج:۷۳)

۸۔ اللہ ہی تمہارا ”حقیقی رب“ ہے اس کے بعد کونسا حق ہو گا پھر کہاں بہکے پھر رہے ہو۔ (یونس:۳۲)

اَلَمْ	تَرَ	اَنَّ	الْفُلْكَ	تَجْرِیْ	فِی	الْبَحْرِ
کیا نہیں	آپ نے دیکھا	بے شک	کشتی	وہ چلتی ہے	میں	سمندر
بِنِعْمَتِ	اللّٰهِ	لِیُرِیَكُمْ	مِّنْ	اٰیٰتِهٖ	اِنَّ	فِیْ
نعمت کے ساتھ	اللہ کے	تاکہ وہ تمہیں دکھائے	سے	اپنی نشانیوں	بے شک	میں
ذٰلِكَ	لَاٰیٰتٍ	لِّكُلِّ	صَبَّارٍ	شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾		
اس	البتہ نشانیاں ہیں	ہر واسطے	بڑے صابر	شکر کرنے والا		

”کیا دیکھتے نہیں ہو کہ کشتی سمندر میں اللہ کے فضل سے چلتی ہے تاکہ اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے درحقیقت اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لیے جو صبر اور شکر کرنے والا ہے۔(۳۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک اور بڑی دلیل جس سے فائدہ اٹھانے کے باوجود لوگ شرک سے توبہ نہیں کرتے۔

قرآن مجید اس بات کی طرف کئی بار توجہ دلاتا ہے کہ سمندروں میں سفر کرنے والے مسافرو! اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دیکھو اور غور کرو کہ تمہارے رب کا کتنا عظیم فضل ہے کہ تم سمندروں میں اس طرح سفر کرتے ہو جیسے خشکی پر غور کرو گے تو تمہیں احساس ہوگا کہ سمندر کا سفر تمہارے پیدل چلنے سے بھی آسان بنا دیا گیا ہے۔ تم بحری جہازوں پر اس طرح بیٹھے سمندر کا نظارہ کرتے اور آپس میں خوش گپیاں مار رہے ہوتے ہو جیسے اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہوتے ہو پھر غور کرو! جس سمندر پر ایک قدم رکھو تو ڈوب جاؤ وہ نہ صرف تمہیں اٹھائے ہوئے ہے بلکہ ٹنوں من بوجھ بھی اپنے آپ پر لادے ہوئے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں تمہارا خادم بنا ہوا ہے۔ ایک دفعہ پھر توجہ کرو! جو پانی ایک سوئی کا بوجھ برداشت نہیں کرسکتا وہ تمہارے سمیت پورے بیڑے کا بوجھ کس طرح اٹھاتا ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں تمہیں اس لیے دکھاتا ہے تاکہ تم ان پر غور وخوض کرو یقیناً مشکلات پر صبر کرنے اور نعمتوں پر شکر کرنے والے لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں، یعنی صابر لوگ ہر حال میں اپنے رب کا حکم مانتے اور ہر مصیبت پر صبر کرتے ہیں اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں صبر وشکر نہ کرنے والوں کی عادت ہے کہ جب انہیں سائبانوں کی طرح موجیں گھیر لیتی ہیں تو وہ اپنے مشکل کشاؤں کو چھوڑ کر صرف ایک ”اللہ“ کو پکارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب انہیں نجات دے کر خشکی پر لاتا ہے تو پھر اپنے کفر وشرک پر تکرار اور اصرار کرتے ہیں یہی لوگ عہد توڑنے والے اور ناشکرے ہیں۔ عہد سے مراد ازلی عہد بھی ہے اور وہ عہد بھی جو بھنور میں پھنسے لوگ اپنے رب سے کرتے ہیں کہ اگر یہاں سے بچ گئے تو اپنے رب کی اطاعت کریں گے۔

لغت کے اعتبار سے مخلص کا معنیٰ چُن لینے یا منتخب کرنے والا، ریاکاری یا دکھلاوا نہ کرنے والا، بات کو کھوٹ سے خالی رکھنے والا ہے۔

وَ اِذَا	غَشِيَهُمْ	مَّوْجٌ	كَالظُّلَلِ	دَعَوُا	اللّٰهَ
اور جب	انہیں ڈھانپ لیتی ہے	موج	سائبانوں کی مانند	وہ پکارتے ہیں	اللہ کو
مُخْلِصِيْنَ	لَهُ	الدِّيْنَ ۚ	فَلَمَّا	نَجّٰىهُمْ	اِلَى
خالص کرنے والے	اس کے لیے	پکار کو	پھر جب	وہ ان کو نجات دے دیتا ہے	طرف
الْبَرِّ	فَمِنْهُمْ	مُّقْتَصِدٌ ؕ	وَمَا	يَجْحَدُ	بِاٰيٰتِنَآ
خشکی کی	تو ان سے کوئی ہی	عہد پر قائم رہتا	اور نہیں	انکار کرتا	ہماری آیات کا
	اِلَّا	كُلُّ	خَتَّارٍ	كَفُوْرٍ ۳۲	
	مگر	ہر	عہد توڑنے والا	ناشکرا	

اور جب ان لوگوں پر موج سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہے تو اللہ کو پکارتے ہیں اور اپنی اطاعت اُسی کے لیے خالص کر لیتے ہیں، جب اللہ انہیں بچا کر خشکی تک پہنچا دیتا ہے تو ان میں سے کوئی ہی عہد پر قائم رہتا اور ہماری نشانیوں کا انکار نہیں کرتا مگر ہر وہ شخص جو وعدہ خلافی کرنے والا اور ناشکرا ہے۔" (۳۲)

مسائل

۱۔ سمندر میں چلنے والے بحری جہاز اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے چلتے ہیں۔

۲۔ سمندر کے سینے پر چلنے والے جہاز اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے۔

۳۔ مصائب پر صبر اور نعمتوں پر شکر کرنے والے لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

۴۔ مشرک مصیبت کے وقت صرف ایک "اللہ" کو پکارتا ہے۔ ۵۔ مشرک عہد شکنی کرتا ہے۔

۶۔ مشرک مشکل سے نجات پانے کے بعد اپنے شرک پر اصرار کرتا ہے۔ ۷۔ مشرک اپنے رب کا ناشکرا ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اخلاص کا حکم اور مخلصین کا مقام:

۱۔ نبی ﷺ کو اخلاص کا حکم۔ (الزمر:۱۱) ۲۔ تمام امتوں کو اخلاص کا حکم۔ (الاعراف:۲۹)

۳۔ اخلاص والے مومن ہیں۔ (النساء:۱۴۶) ۴۔ مخلص بندوں پر شیطان قابو نہیں پا سکتا۔ (ص:۸۳)

۵۔ پہلے لوگوں کو اخلاص کا حکم۔ (البینۃ:۵) ۶۔ سب کو خالص اللہ کی عبادت کرنے کا حکم۔ (المومن:۶۵)

۷۔ نبی کریم ﷺ کو مخلص لوگوں کے ساتھ رہنے کی ہدایت۔ (الکھف:۲۸)

یٰۤاَیُّهَا	النَّاسُ	اتَّقُوْا	رَبَّكُمْ	وَاخْشَوْا	یَوْمًا	لَّا
اے	لوگو!	تم ڈرو	اپنے رب سے	اور ڈرو تم	اس دن سے	نہیں
یَجْزِیْ	وَالِدٌ	عَنْ	وَّلَدِهٖ ۫	وَلَا	مَوْلُوْدٌ	هُوَ
کام آئے گا	باپ	سے	اپنے بیٹے کے	اور نہ	کوئی بیٹا	وہ
جَازٍ	عَنْ	وَّالِدِهٖ	شَیْـًٔا ؕ	اِنَّ	وَعْدَ	اللّٰهِ
کام آنے والا	سے	اپنے باپ کے	کچھ بھی	بے شک	وعدہ	اللہ کا
حَقٌّ	فَلَا	تَغُرَّنَّكُمُ	الْحَیٰوةُ	الدُّنْیَا ٚ	وَلَا	
سچا ہے	چنانچہ نہ	دھوکے میں ڈال دے تمہیں	زندگی	دنیا والی	اور نہ	
یَغُرَّنَّكُمْ	بِاللّٰهِ	الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾				
دھوکے میں ڈالے تمہیں	اللہ کی بابت	بہت بڑا دغا باز				

”اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے اور اس دن سے ڈرو جب باپ اپنے بیٹے کے کام نہیں آئے گا اور بیٹا اپنے باپ کے کام نہیں آئے گا یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔ اور نہ دھوکہ باز تم کو اللہ کے معاملے میں دھوکا دے۔“ (۳۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو شخص اللہ تعالیٰ کی آیات کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے دراصل وہ اپنے رب سے جھگڑتا ہے انسان کو اپنے رب سے جھگڑنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور قیامت کے عذاب سے بچنا چاہیے۔

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے خوف کھاؤ جس دن باپ اپنے بیٹے کے اور بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام نہیں آئے گا اس دن کو برپا کرنا اور لوگوں سے ان کے اعمال کا حساب لینا اللہ کے ذمہ ہے۔ تمہیں اس دن کے بارے میں دنیا کی زندگی دھوکے میں مبتلا نہ کرے اور نہ ہی شیطان تمہارے رب کے بارے میں تمہیں کسی فریب میں مبتلا کرے۔ قرآن مجید نے یہ بات بار بار کھول کر بیان کی ہے کہ قیامت کے دن نہ سفارش چلے گی نہ فدیہ قبول ہوگا اور نہ ہی کسی قسم کا اثر ورسوخ کام آئے گا۔ حالت یہ ہوگی کہ جونہی کسی مجرم کی گرفتاری عمل میں آئے گی تو اس کے عزیز واقرباء اس سے دور بھاگ جائیں گے یہاں تک کہ بھائی اپنے بھائی سے اور ماں، باپ اپنی اولاد سے دور بھاگ جائیں گے۔ (عبس: ۳۳تا۳۶) یہ صورتحال دیکھ کر مجرم خواہش کرے گا کہ کاش مجھ سے میری اولاد، میری بیوی، میرے بھائی اور میرے خاندان کے افراد اور زمین کے برابر سونا لے کر مجھے چھوڑ دیا جائے۔ (المعارج: ۱۱ تا ۱۴) جس دنیا کی خاطر انسان اللہ اور آخرت کو بھول جاتا

ہے اس دن اس کی کوئی چیز کام نہیں آئے گی اس لیے فرمایا کہ اے لوگو تمہیں دنیا کی زندگی اور شیطان تمہارے رب سے تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔

قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بے بسی:

«عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَلْقٰى إِبْرَاهِيْمُ أَبَاهُ آزَرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلٰى وَجْهِ آزَرَ قَتَرَةٌ وَغَبَرَةٌ فَيَقُوْلُ لَهٗ إِبْرَاهِيْمُ أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ لَا تَعْصِنِیْ فَيَقُوْلُ أَبُوْهُ فَالْيَوْمَ لَا أَعْصِيْكَ فَيَقُوْلُ إِبْرَاهِيْمُ يَا رَبِّ إِنَّكَ وَعَدْتَنِیْ أَنْ لَّا تُخْزِيَنِیْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ فَأَیُّ خِزْیٍ أَخْزٰى مِنْ أَبِی الْأَبْعَدِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی إِنِّیْ حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِيْنَ ثُمَّ يُقَالُ يَا إِبْرَاهِيْمُ مَا تَحْتَ رِجْلَيْكَ فَيَنْظُرُ فَإِذَا هُوَ بِذِيْخٍ مُتَلَطِّخٍ فَيُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهٖ فَيُلْقٰى فِی النَّارِ»

(رواہ البخاری: باب قول اللہ تعالیٰ [واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا])

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے باپ آزر سے ملیں گے اس کے چہرے پر سیاہی اور گردوغبار ہوگا ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے کہیں گے میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کرو؟ وہ کہے گا کہ آج میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام فریاد کریں گے کہ اے میرے رب آپ نے قیامت کے دن مجھے ذلیل نا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا میرے باپ سے زیادہ بڑھ کر اور کونسی میرے لئے ذلت ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے کافروں پر جنت حرام کردی ہے۔ کہا جائے گا ابراہیم اپنے پاؤں کی طرف دیکھو۔ دیکھیں گے تو ان کا باپ کیچڑ میں لتھڑا ہوا بجو بن چکا ہوگا جسے ٹانگوں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔“

لفظ غرور کے دو معانی ہیں۔ ① اگر ”غین“ پر زبر پڑھیں تو اس کا معنٰی شیطان کا دھوکہ ہوگا۔ جیسے قرآن مجید میں ہے ”وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ“ کہ شیطان تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ نہ دے۔ ② دوسرا معنٰی ہے دھوکہ، فراڈ۔

مسائل

۱۔ انسان کو اپنے رب سے ڈر کر زندگی بسر کرنی چاہیے۔ ۲۔ انسان کو دنیا کی زیب وزینت پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن مجرم کو کوئی چیز فائدہ نہیں دے گی:

۱۔ کافر زمین کے برابر سونا دے کر بھی جہنم سے نجات نہیں پاسکے گا۔ (آل عمران: ۹۱)

۲۔ قیامت کے دن مجرم کا کوئی سفارشی نہیں ہوگا۔ (الانعام: ۵۱)

۳۔ کافر بغیر حساب کے جہنم میں دھکیل دیے جائیں گے۔ (الکھف: ۱۰۵)

۴۔ کافروں کو ان کی جمعیت اور تکبر کام نہیں آئے گا۔ (الاعراف: ۴۸)

اِنَّ	اللّٰهَ	عِنْدَهٗ	عِلْمُ	السَّاعَةِ ج	وَيُنَزِّلُ	الْغَيْثَ ج
بے شک	اللہ	اس کے پاس	علم ہے	قیامت کا	اور وہی نازل کرتا ہے	بارش
وَيَعْلَمُ	مَا	فِي	الْاَرْحَامِ ط	وَمَا	تَدْرِيْ	نَفْسٌ
اور وہی جانتا ہے	جو کچھ	میں ہے	رحموں	اور نہیں	جانتا	کوئی نفس

مَّاذَا	تَكْسِبُ	غَدًا ط	وَمَا	تَدْرِيْ	نَفْسٌۢ
کہ کیا	وہ کمائے گا	کل	اور نہیں	جانتا	کوئی نفس

بِاَيِّ	اَرْضٍ	تَمُوْتُ ط	اِنَّ	اللّٰهَ	عَلِيْمٌ	خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ ع
کہ کس	زمین میں	وہ مرے گا	بے شک	اللہ	خوب جاننے والا	خوب خبردار ہے

"قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہی بارش برساتا ہے، وہی جانتا ہے کہ جو ماؤں کے پیٹوں میں ہے۔ کوئی نفس نہیں جانتا کہ کل کیا کرنے والا ہے۔ اور نہ کسی شخص کو یہ خبر ہے کہ اس کو موت کس سرزمین میں آئے گی اللہ سب کچھ جانتا ہے اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔" (۳۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس دن سے لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔

یقیناً اللہ ہی جانتا ہے کہ قیامت کب برپا ہوگی وہی بارش نازل کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ ماں کے رحم میں کیا ہے کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا کسی کو معلوم نہیں کہ اس کی موت کس جگہ واقع ہوگی۔ یقیناً اللہ ہی سب کچھ جانتا ہے اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ انہیں حتمی طور پر کوئی بھی نہیں جانتا۔

قیامت کا علم:

کتبِ حدیث میں قیامت کے بارے میں بہت سی نشانیوں کا ذکر موجود ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہاں تک ارشاد فرما دیا ہے کہ قیامت جمعہ کے دن واقع ہوگی اور جن لوگوں پر قیامت برپا ہوگی وہ بدترین لوگ ہوں گے۔ قیامت کا آغاز اچانک ہوگا۔ واضح نشانیاں بتلانے کے باوجود قیامت کے برپا ہونے کا سال، مہینہ اور دن کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کون سے سال اور مہینے کا کونسا جمعہ ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ نے جبریل امین علیہ السلام کے ایک سوال کے جواب میں یہی فرمایا تھا کہ جس طرح آپ کو معلوم نہیں اسی طرح مجھے بھی خبر نہیں کہ قیامت کب برپا ہوگی۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ بَارِزًا يَوْمًا لِلنَّاسِ فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ......فَقَالَ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ))

(رواہ البخاری: کتاب الایمان باب سؤال جبریل)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دن نبی ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انسان کی شکل میں جبرائیل علیہ السلام آئے .... انہوں نے آپ سے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ نبی ﷺ نے فرمایا جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔''؟

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَثَوْبُهُمَا بَيْنَهُمَا لَا يَطْوِيَانِهِ وَلَا يَتَبَايَعَانِهِ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ حَلَبَ لِقْحَتَهُ لَا يَطْعَمُهُ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ رَفَعَ لُقْمَتَهُ إِلَى فِيهِ وَلَا يَطْعَمُهَا وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَالرَّجُلُ يَلِيطُ حَوْضَهُ لَا يَسْقِي مِنْهُ»

(رواہ احمد: مسند ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ [صحیح])

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا: کپڑا بیچنے اور خریدنے والا کپڑا سمیٹ نہیں سکیں گے کہ قیامت آجائے گی، ایک آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ دھو رہا ہوگا وہ اسے پی نہیں سکے گا کہ قیامت قائم ہوجائے گی، کھانا کھانے والا لقمہ اپنے منہ میں نہیں ڈال سکے گا کہ قیامت قائم ہوجائے گی، ایک آدمی اپنا حوض ٹھیک کررہا ہوگا وہ اس سے پانی نہیں پی سکے گا کہ قیامت قائم ہوجائے گی۔''

«عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا عَلَى شِرَارِ النَّاسِ»

(رواہ مسلم: کتاب الفتن واشراط الساعۃ باب قرب الساعۃ)

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی معظم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ قیامت صرف بُرے لوگوں پر قائم ہوگی۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيهِ أُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ»

(رواہ مسلم: باب فَضْلِ یَوْمِ الْجُمُعَةِ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: دنوں میں سے بہترین دن جمعہ کا دن ہے جمعہ کے دن آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا، جمعہ کے دن ان کو جنت میں داخل کیا گیا اس دن ان کو جنت سے نکالا گیا اور قیامت بھی جمعہ کے دن برپا ہوگی۔''

رحمِ مادر:

دوسرا شخص تو کجا جنم دینے والی ماں کو علم نہیں ہوتا کہ وہ بیٹا جنم دے گی یا اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوگی کیونکہ ابتدائی ایام میں بیٹی بیٹے کا قطعاً کسی کو علم نہیں ہوتا۔ جہاں تک الٹراساؤنڈ یا ایکسرے کا تعلق ہے اس سے اس وقت ہی معلوم ہوسکتا ہے جب مادہ منویہ لوتھڑے کی شکل اختیار کرتا ہے کیونکہ اس وقت لوتھڑے میں کچھ آثار پیدا ہوجاتے ہیں جس سے کافی حد تک معلوم ہوجاتا ہے کہ پیدا ہونے والا بیٹا ہوگا یا بیٹی تاہم الٹراساؤنڈ یا دیگر طریقوں سے رحم کی حالت پوری معلوم کرنا مشکل

ہے بے شک میڈیکل سائنس اپنے عروج پر ہے لیکن اس کے باوجود الٹرا ساؤنڈ اور ایکسرے کے ذریعے معلوم ہونے والی رحمِ مادر کی کیفیت سو فیصد ٹھیک (Perfect) معلوم نہیں ہوتی اس لیے کئی واقعات ایسے ہوئے ہیں اور ہوں گے کہ نتیجہ الٹرا ساؤنڈ کے رزلٹ کے خلاف نکلتا ہے۔ اس طرح یہ حقیقت بھی سو فیصد مسلمہ ہے کہ کسی مشین کے ذریعے معلوم نہیں ہو سکے گا کہ پیدا ہونے والا بچہ نیک ہوگا یا بد، غریب ہوگا یا امیر۔

بارش کب ہوگی:

اس میں کوئی شک نہیں بارش ہونے سے پہلے ہوا کا درجہ حرارت ایک خاص ڈگری تک پہنچنا ضروری ہے جب ہوا کی کیفیت نقطہ انجماد کے قریب پہنچتی ہے تو بارش ہونے کے امکانات غالب دکھائی دیتے ہیں لیکن دنیا میں کتنے واقعات ہیں کہ محکمہ موسمیات نے اپنے طور پر یقینی خبر دی کہ فلاں علاقہ میں فلاں وقت بارش ہوگی مگر وقت آنے پر بارش کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ پھر بارش کا کچھ اندازہ کرلیا جاتا ہے کہ فلاں علاقہ میں اتنی سینٹی میٹر بارش ہوئی لیکن بارش کے قطرات شمار کرنا اور پانی کی مقدار کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانا ناممکن ہے اس لیے بارش کے بارے میں پوری معلومات صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

کوئی نہیں جانتا کہ کل اس کے ساتھ کیا ہوگا:

انسان نے علم وہنر میں بے انتہا ترقی کی ہے اس نے دریاؤں کے رخ موڑ دیئے سمندروں پر گزرگاہیں بنالیں چاند پر کمندیں ڈالیں ہر ایجاد کی گارنٹی دے ڈالی مگر اسے اپنے بارے میں معلوم نہیں کہ کل اس کے ساتھ کیا واقعات پیش آنے والے ہیں اسے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کل کی رات اپنے بستر پر لیٹوں گا یا قبر کی لحد میں اتر جاؤں گا۔ انسان کی بے خبری اور بے بسی کا اندازہ لگائیں کہ مستقبل کے اندازے لگانے والا آنے والے کل کے بارے میں نہیں جانتا اس لیے پوری طرح نفی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ انسان نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔

موت کہاں واقع ہوگی:

یہ تو معلوم ہے کہ ہر انسان کا ایک وقت مقرر ہے وقت آنے پر ہر انسان موت کے گھاٹ اتر جائے گا حکیم اور ڈاکٹر کسی حد تک اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس شخص کی موت فلاں بیماری کی وجہ سے ہوگی اور مریض اتنے دن تک زندہ رہ سکے گا لیکن ڈاکٹر قطعی طور پر نہیں بتا سکتے کہ اس کی موت کس دن اور کس وقت واقع ہوگی۔ اسی طرح آج تک نہ کسی کو معلوم ہوا ہے اور نہ ہوگا کہ انسان کی موت کہاں واقع ہوگی اور اسے کس جگہ سپردِ خاک کیا جائے گا یہ ایسی حقیقت ہے جسے نہ کوئی شخص پا سکا ہے اور نہ ہی پا سکے گا۔ قیامت کے آثار کے بارے میں کتاب وسنت میں کافی حد تک معلومات فراہم کردی گئی ہیں، بارش ہونے کے آثار بھی کافی حد تک واضح ہوتے ہیں، رحم مادر کے بارے میں بھی کسی حد تک آثار ظاہر ہوجاتے ہیں اس لئے ان تین باتوں کے بارے میں کلیتاً نفی کے الفاظ استعمال نہیں فرمائے۔ انسان کے ساتھ کل کیا ہونے والا ہے اور اس کی موت کہاں واقع ہو

گی ان کے بارے میں حتمی طور پر نفی کی گئی ہے حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص ان پانچ باتوں کے بارے میں سو فیصد آگاہی کا دعویٰ نہیں کرسکتا ان کے بارے میں کامل اور اکمل علم صرف ''اللہ'' کی ذات کے پاس ہے اس لیے فرمایا کہ اس کے سوا ان کے بارے میں کوئی قطعی اور یقینی علم نہیں رکھتا۔

مسائل

۱۔ ① قیامت، ② بارش، ③ رحم مادر، ④ کل کیا ہوگا، ⑤ موت کہاں واقع ہوگی۔ ان سب کے بارے میں قطعی علم ''اللہ'' ہی کے پاس ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہر بات کو جاننے والا، ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں:

۱۔ اللہ ہی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (الانعام: ۵۹)

۲۔ آپ فرمادیں کہ غیب ''اللہ'' ہی کے پاس ہے۔ (یونس: ۲۰)

۳۔ آپ فرمادیں کہ زمین اور آسمانوں کے غیب ''اللہ'' کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (النمل: ۶۵)

۴۔ نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ ہی میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں۔ (ھود: ۳۱)

۵۔ آپ فرمادیں میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں۔ (الانعام: ۵۰)

۶۔ (نبی ﷺ) اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں اپنے لیے بہت سی بھلائیاں جمع کر لیتا۔ (الاعراف: ۱۸۸)

۷۔ حضرت ابراہیم کو فرشتوں کے متعلق علم نہ ہو سکا۔ (ھود: ۶۹)

۸۔ حضرت لوط فرشتوں کو نہ پہچان سکے۔ (ھود: ۷۷)

۹۔ حضرت یعقوب علیہ السلام ایک طویل مدّت تک یوسف علیہ السلام کے بارے میں بے خبر رہے۔ (یوسف: ۸۴ تا ۸۷)

۱۰۔ جنات غیب نہیں جانتے۔ (سبا: ۱۴)

۱۱۔ اللہ ہی غیب کا جاننے والا ہے۔ (الجن: ۲۶)

۱۲۔ کیا لوگوں کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے۔ (التوبۃ: ۷۸)

۱۳۔ قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہی بارش برساتا ہے، وہی جانتا ہے کہ جو ماؤں کے پیٹوں میں ہے۔ کوئی نفس نہیں جانتا کہ کل کیا کرنے والا ہے۔ اور نہ کسی شخص کو یہ خبر ہے کہ اس کو موت کس سرزمین میں آئے گی اللہ سب کچھ جانتا ہے اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔'' (لقمان: ۳۴)

سورۃ السّجدۃ کا تعارف

اس سورۃ کا نام السّجدہ ہے یہ نام اس کی پندرہویں آیت میں موجود ہے اس کے تین رکوع اورتیس آیات ہیں۔یہ مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی۔

ربطِ سورۃ: سورۃ لقمان کی آخری آیت میں پانچ باتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ان میں سرفہرست قیامت کا ذکر ہے سورۃ السجدۃ میں قرآن مجید کا تعارف کروانے کے بعد قیامت کے بارے میں بتلایا ہے کہ قیامت کا ایک دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اور اس دن اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کی خیر خواہی کرنے والا اور سفارشی نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا تعارف کروانے کے بعد بتلایا ہے کہ زمین وآسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے چھ دن میں پیدا کیا گیا ہے، زمین وآسمانوں کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہوا اور وہی زمین وآسمانوں کا نظام چلا رہا ہے، بالآخر قیامت برپا کرے گا جس کا دورانیہ پچاس ہزار سال ہوگا قیامت کا ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا۔اسی نے مٹی سے انسان کا وجود بنایا جس میں کان، آنکھ اور دل بنائے۔اس کے بعد اس میں روح پھونکی وہی لوگوں کو موت دے گا اور سب نے اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔جنہوں نے اس کی نافرمانی کی وہ اس کے حضور سر جھکائے فریادیں کریں گے کہ ایک دفعہ ہمیں دنیا میں واپس بھیجا جائے ہم قیامت پر یقین کرتے ہوئے نیک اعمال کریں گے لیکن ان کی فریاد قبول نہیں ہوگی انہیں جہنم میں داخل ہونے کا حکم ہوگا جس میں انہیں ہمیشہ ہمیش کا عذاب دیا جائے گا، ان کے مقابلے میں صاحبِ ایمان اور صالح اعمال کرنے والوں کا اجروثواب ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ جنت میں اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے، جہنمیوں اور جنتیوں کے اعمال اور انجام کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ مومن اور نافرمان برابر نہیں ہوسکتے۔جنتی جنت میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور جہنمی جہنم میں ہمیشہ رہیں گے جہنمی جہنم سے نکلنے کی کوشش کریں گے تو انہیں پھر جہنم میں دھکیل دیا جائے گا یہ سزا ان کی اس لیے ہوگی کہ وہ اپنے رب کی ذات اور اس کے ارشادات سے اعراض کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ مجرموں سے اس طرح ہی انتقام لیا کرتا ہے۔ان مجرموں میں آلِ فرعون بھی شامل ہیں جن سے دنیا میں بھی انتقام لیا گیا اور یہ آخرت میں ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

سورت کے آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مختصر ذکر فرما کر بتلایا ہے کہ ہم نے آلِ فرعون اور ان سے پہلے کتنے لوگ ہلاک کردیے جن کے واقعات میں اُن لوگوں کے لیے عبرت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارشادات کو توجہ کے ساتھ سنتے اور اس پر عمل کرتے ہیں جو لوگ حق بات سننا اور اسے قبول نہیں کرتے اُن سے کہہ کر الگ ہوجانا چاہیے کہ تم اپنے انجام کا انتظار کرو اور ہم اپنے نتائج کا انتظار کرتے ہیں۔

سُوْرَةُ السَّجْدَة مَكِّيَّة | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعَهَا - ٣ اٰيَاتُهَا - ٣٠

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

الٓمّٓ ﴿١﴾	تَنْزِيْلُ	الْكِتٰبِ	لَا	رَيْبَ	فِيْهِ	مِنْ
الف لام میم	اتارنا	کتاب کا	نہیں	کوئی شک	اس میں	سے
رَّبِّ	الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢﴾	اَمْ	يَقُوْلُوْنَ	افْتَرٰىهُ	بَلْ	هُوَ
رب	تمام جہانوں کے	کیا	وہ کہتے ہیں	اس نے خود اسے گھڑلیا ہے	بلکہ	وہ
الْحَقُّ	مِنْ	رَّبِّكَ	لِتُنْذِرَ	قَوْمًا	مَّآ	اَتٰىهُمْ
حق ہے	سے	آپ کے رب	تاکہ آپ ڈرائیں	ان لوگوں کو	نہیں	آیا ان کے پاس
مِّنْ نَّذِيْرٍ	مِّنْ قَبْلِكَ	لَعَلَّهُمْ	يَهْتَدُوْنَ ﴿٣﴾			
کوئی ڈرانے والا	آپ سے پہلے	شاید کہ وہ	راہ پائیں			

''الف، لام، میم ۔(۱) بلاشبہ یہ کتاب رب العامین کی طرف سے نازل شدہ ہے۔(۲) کیا کہتے ہیں کہ اس شخص نے اِسے خود بنالیا ہے نہیں بلکہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ ایسی قوم کو متنبہ کریں جس کے پاس آپ سے پہلے کوئی متنبہ کرنے والا نہیں آیا، شاید کہ وہ ہدایت پائیں۔'' (۳)

فہم القرآن

سورہ لقمان کے آخر میں ارشاد ہوا کہ قیامت، بارش، ماں کے رحم، انسان نے کل جو کرنا ہے اور جہاں اس نے مرنا ہے ان سب امور کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کیونکہ وہ علیم اور خبیر ہے جس طرح لوگوں کو معلوم ہے کہ حقیقی اور قطعی علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، انہیں یہ بھی یقین کرنا چاہیے کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے ہی نازل کیا ہے جس کی تنزیل اور تعلیمات میں کوئی شریک نہیں لہٰذا لوگوں کو اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں کرنا چاہیے۔

الف، لام، میم کے بارے میں وضاحت ہوچکی کہ یہ حروفِ مقطعات میں سے ہیں۔ اہل مکہ کا الزام تھا کہ محمد ﷺ نے یہ قرآن اپنی طرف سے بنالیا ہے اس الزام کے کئی جواب دیے گئے ہیں یہاں اس کا پہلا جواب یہ دیا ہے کہ یہ قرآن جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کے ''منزل من اللہ'' ہونے میں ذرہ برابر شک کی گنجائش نہیں ہے گویا کہ یہ شاہی اعلان اور فرمان ہے اسے تسلیم کرو، دوسرا جواب یہ ہے کہ تم کہتے ہو کہ یہ قرآن اس نے اپنی طرف سے بنالیا ہے ایسا ہرگز نہیں۔ یہ تو آپ ﷺ کے رب کی طرف سے حق نازل ہوا ہے حق سے مراد یہ ہے کہ کفار اپنے الزامات میں جھوٹے ہیں اور

تیرے رب کا فرمان حق اور سچ ہے کہ اس قرآن کو جہانوں کے رب نے نازل فرمایا ہے حق کا یہ بھی معنٰی ہے کہ ''قرآن'' میں جو کچھ بیان ہوا اس میں کسی قسم کی غلط بیانی نہیں اور نہ اس کے کیے ہوئے اعلان کبھی جھوٹ ثابت ہوں گے اس میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ دنیا اور آخرت میں جوں کا توں پورا ہو گا اور اس پر عمل کرنے والا کبھی نقصان نہیں پائے گا۔ نزول قرآن کا مقصد یہ ہے کہ ان لوگوں کو برے انجام سے ڈرائیں جن کے پاس مدّت دراز سے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ یہ لوگ ہدایت پائیں۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب میں حضرت ھود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے ان کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام مکہ میں مبعوث کئے گئے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد نبی آخر الزماں ﷺ ہی مکہ میں مبعوث کیے گئے قرآن مجید کے پہلے مخاطب اہلِ مکہ تھے اس لیے حکم ہوا کہ انہیں ڈرائیں کیونکہ ان کے پاس اس سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، ڈرانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ بُرے عقائد اور کام چھوڑ کر صراطِ مستقیم پر آجائیں۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید رب العالمین نے نازل فرمایا ہے۔

۲۔ نزولِ قرآن کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس سے رہنمائی حاصل کریں، اور اپنے رب کی نافرمانی سے بچ جائیں۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے اوصاف حمیدہ کا اختصار:

۱۔ قرآن مجید لاریب کتاب ہے۔ (البقرۃ:۲) ۲۔ قرآن مجید کی آیات واضح ہیں۔ (یوسف:۱)

۳۔ قرآن مجید کی آیات محکم ہیں۔ (ھود:۱) ۴۔ قرآن مجید برہان اور نور مبین ہے۔ (النساء:۱۷۴)

۵۔ قرآن کریم لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔ (البقرۃ:۱۸۵) ۶۔ قرآن مجید دلوں کے لیے شفا ہے۔ (یونس:۵۷)

۷۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔ (آل عمران:۱۳۸)

۸۔ ہم نے قرآن کو نازل کیا جو مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔ (بنی اسرائیل:۸۲)

۹۔ ہم ہی قرآن مجید کو نازل کرنے والے ہیں اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (الحجر:۹)

۱۰۔ جن وانس مل کر اس قرآن جیسا قرآن نہیں لا سکتے۔ (بنی اسرائیل:۸۸)

۱۱۔ قرآن مجید رمضان المبارک میں نازل ہوا۔ (البقرۃ:۱۸۵) ۱۲۔ قرآن مجید لیلۃ القدر میں نازل ہوا۔ (القدر:۱)

اَللّٰهُ	الَّذِیْ	خَلَقَ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضَ	وَمَا	بَیْنَهُمَا
اللہ	وہ ہے	جس نے پیدا کیا	آسمانوں کو	اور زمین کو	اور جو	ان دونوں کے درمیان ہے
فِیْ	سِتَّةِ	اَیَّامٍ	ثُمَّ	اسْتَوٰی	عَلَی	الْعَرْشِ ؕ
میں	چھ	دنوں	پھر	وہ مستوی ہوگیا	پر	عرش
مَا	لَكُمْ	مِّنْ	دُوْنِهٖ	مِنْ وَّلِیٍّ	وَّلَا	شَفِیْعٍ ؕ
نہیں	تمہارے لیے	سے	اس کے سوا	کوئی دوست	اور نہ	کوئی سفارشی
اَفَلَا	تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۴					
کیا پھر نہیں	تم نصیحت حاصل کرتے					

”اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے اُسے چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور اس کے بعد عرش پر جلوہ نما ہوا، اُس کے سوا نہ تمہارا کوئی مددگار ہے اور نہ کوئی اُس کے آگے سفارش کرنے والا، پھر کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔“ (۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قرآنِ مجید اُس ذاتِ کبریا نے نازل کیا ہے جس نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے اُسے چھ دن میں پیدا کیا اور پھر عرشِ بریں پر مستوی ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمانوں اور جو کچھ ان میں ہے اسے چھ دن میں پیدا فرمایا پھر جس طرح اس کی شان ہے عرش معلیٰ پر متمکن ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے عرش کے بارہ میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اس ذات نے زمین و آسمانوں کو چھ دن میں پیدا کیا اور ان کی تخلیق سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا۔ (ھود: ۷) جہاں تک زمین و آسمانوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اے پیغمبر ﷺ انہیں فرمائیں کیا تم اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمینوں کو دو دن میں پیدا کیا پھر زمین پر پہاڑ گاڑے اور زمین میں ہر قسم کا رہنے سہنے کا سامان بنایا اور اس میں برکت پیدا فرمائی۔ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو دھواں کی صورت میں تھا ان کو دو دنوں میں سات آسمان بنایا پھر ہر آسمان کو اس کے متعلقہ امور کا حکم دیا اس کے بعد پہلے آسمان کو ستاروں کے ساتھ خوبصورت بنایا اور اس کی حفاظت کا بندوبست کیا یہ کام اس ذاتِ کبریا نے کئے ہیں جو ہر چیز کو جاننے والا اور ہر کام کرنے پر غالب ہے (حٰم السجدہ: ۹ تا ۱۳) اس کے سوا نہ تمہارا کوئی خیر خواہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی کوئی سفارش کرنے والا ہوگا۔ کیا پھر بھی تم سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہو؟ قرآن مجید یہ حقیقت مختلف الفاظ اور انداز میں بیان کرتا ہے کہ لوگو! تم اپنے رب کی خالص عبادت کرو اور کسی اور کو اس کی عبادت میں شریک نہ بناؤ تم دوسروں کو اس لیے اس کی عبادت میں شریک کرتے ہو کہ قیامت کے دن وہ تمہاری سفارش اور مدد کریں

گے ایسا ہرگز نہیں ہوگا کیونکہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی انداز میں بھی کفر وشرک کیا اس کی کوئی سفارش اور خیر خواہی کرنے والا نہیں ہوگا کیا تم اتنی آسان اور کھلی حقیقت سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہو؟

{ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۝۳۳ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝۳۴ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ ۝۳۵ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ ۝۳۶ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝۳۷ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝۳۸ } (عبس: ۳۳تا۳۸)

''جب کان بہرے کر دینے والی آواز آئے گی۔ اس دن آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ اس دن ہر شخص پر ایسا وقت آپڑے گا کہ اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہیں ہوگا۔ اس دن کچھ چہرے دَمک رہے ہوں گے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمانوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق عرش بریں پر متمکن ہے۔
۳۔ قیامت کے دن کافر اور مشرک کی کوئی خیر خواہی اور سفارش نہیں کر سکے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی سفارش اور خیر خواہی نہیں کر سکے گا:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر سفارش نہیں ہو سکے گی۔ (البقرۃ: ۲۵۵)
۲۔ سفارش بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوگی۔ (النبا: ۳۸)
۳۔ اللہ تعالیٰ اپنی پسند کی بات ہی قبول فرمائیں گے۔ (طٰہٰ: ۱۰۹)
۴۔ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کا حقدار نہیں ہوگا۔ (یونس: ۳)
۵۔ سفارش کا اختیار اسی کو ہوگا جسے الرّحمٰن اجازت دے گا۔ (مریم: ۸۷)
۶۔ اگر الرّحمٰن نقصان پہنچانا چاہے تو کسی کی سفارش کچھ کام نہیں آئے گی۔ (یٰس: ۲۳)
۷۔ سفارشیوں کی سفارش ان کے کسی کام نہیں آئے گی۔ (المدثر: ۴۸)

يُدَبِّرُ	الْاَمْرَ	مِنَ	السَّمَآءِ	اِلَى	الْاَرْضِ	ثُمَّ
وہ تدبیر کرتا ہے	معاملے کی	سے	آسمان	طرف	زمین کی	پھر
يَعْرُجُ	اِلَيْهِ	فِيْ	يَوْمٍ	كَانَ	مِقْدَارُهٗٓ	
وہ چڑھتا ہے	اس کی طرف	میں	دن	ہے	اس کی مقدار	
اَلْفَ	سَنَةٍ	مِّمَّا	تَعُدُّوْنَ ۝۵	ذٰلِكَ	عٰلِمُ	الْغَيْبِ
ایک ہزار	سال	اس سے جو	تم شمار کرتے ہو	وہ	جاننے والا ہے	پوشیدہ کو
وَالشَّهَادَةِ	الْعَزِيْزُ	الرَّحِيْمُ ۝۶				
اور ظاہر کو	نہایت غالب	خوب رحم کرنے والا ہے				

''وہ آسمان سے زمین تک سب معاملات کی تدبیر کرتا ہے اور اس تدبیر کا نتیجہ اُس کے حضور پیش کیا جاتا ہے ایسے دن میں جسکی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال ہے۔(۵) وہی ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا، زبردست اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔''(۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام : اللہ تعالیٰ عرش بریں پر متمکن ہونے کے باوجود پوری کائنات کا مالک اور اس کا نظام چلا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ عرش بریں پر متمکن ہو کر کائنات کے نظام سے لاتعلق نہیں ہوا اور نہ ہی اس نے کائنات کا نظام چلانے کے لیے کچھ ذمہ داریاں دوسروں کو سونپی ہیں ایسا عقیدہ رکھنا بدترین شرک ہے اس کی نفی کے لیے ارشاد ہوا کہ وہ آسمان سے لے کر زمین تک بلاشرکت غیرے پورے کا پورا نظام چلا رہا ہے۔

جو ہستی اتنی زبردست ہے کہ پوری کائنات کو عدم سے وجود میں لائی ہے اور اس کا نظام بلاشرکتِ غیرے چلا رہی ہے اس کے مقابلہ میں تمہارے معبود جنہیں تم سرپرست اور سفارشی سمجھ بیٹھے ہو وہ تمہارے کس کام آسکتے ہیں کیا تمہیں اتنی موٹی حقیقت بھی سمجھ نہیں آتی ؟ اُسے کسی کی مشاورت اور معاونت کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز کو جانتا ہے اور ہر اعتبار سے غالب ہے، سب پر غالب ہونے کے باوجود نہایت مہربان ہے۔ پہلی آیت میں تدبیرِ کائنات کے بارے میں ارشاد ہوا کہ جو تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال بنتا ہے تمہارا ہزار سال اس کے ہاں ایک دن کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہونے کا حقیقی معنٰی کیا ہے اس کے بارے میں اہل تفسیر نے پانچ آراء کا اظہار فرمایا ہے۔

① دنیا میں جو کام ایک ہزار سال کی مدت میں پورے ہونے والے ہوتے ہیں اس کے ہاں یہ مدت ایک دن کے برابر ہے۔

② اللہ تعالیٰ کچھ کام ملائکہ کے حوالے کرتے ہیں۔ جب ہزار سالہ منصوبہ مکمل ہو جاتا ہے تو ملائکہ اس کی رپورٹ اپنے رب کے حضور پیش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اگلے ایک ہزار سال کا منصوبہ ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔

④ اس سے مراد قیامت کا ایک دن ہے جو دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔اس طرح قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا۔

④ قرآن پاک نے یہ بات کفار کو بتلائی کہ اگر تم اپنے فکر وعمل سے باز نہ آئے تو تم پر عذاب نازل ہوگا ڈرنے کی بجائے کفار نے اس دن کا مذاق اُڑایا اور مطالبہ کیا کہ اب تک عذاب نازل کیوں نہیں ہوا؟ اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ جس مدت کو تم ایک ہزار سال سمجھتے ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ایک دن کے برابر ہے۔(الحج: ۴۷)

⑤ مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کو متشابہات میں شمار کرتے تھے ان کا فرمان تھا کہ ہمیں اس دن کے بارے میں قیل وقال کرنے کی بجائے خاموشی اختیار کرنا چاہیے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی پوری کائنات کے نظام کو چلا رہا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ظاہر اور باطن کو جانتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہونے کے باوجود نہایت مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی کائنات کو بنانے اور اس کے نظام کو چلانے والا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ سب کو پیدا کرنے والا ہے۔(النساء)

۲۔ اللہ تعالیٰ سب کو پالنے والا ہے۔(الفاتحہ:۱)

۳۔ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق ہے۔(الانعام:۱۰۲)

۴۔ اللہ تعالیٰ کائنات کا مالک ہے۔(یونس:۳۱)

۵۔ اللہ ہی کائنات کا نظام چلانے والا ہے۔(فاطر:۱۳)

۶۔ اللہ تعالیٰ حاکمِ مطلق ہے۔(یوسف:۴۰)

۷۔ اللہ تعالیٰ ہی عطا کرنے والا ہے۔(سبا:۱۵)

۸۔ اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے اور اس کا ہی حکم چلنا چاہیے۔(الاعراف:۵۴)

۹۔ تمہارا رب ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں پھر تم کہاں بہک گئے ہو؟(المومن:۶۲)

۱۰۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے۔(آل عمران:۱۰۲)

۱۱۔ اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی اسے دوبارہ لوٹائے گا۔(یونس:۴)

الَّذِیْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ

جس نے اچھا بنایا ہر چیز کو جسے اس نے پیدا کیا اور اس نے شروع کی پیدائش انسان کی

مِنْ طِیْنٍ ۚ﴿۷﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ

سے گارا پھر اس نے بنایا اس کی نسل سے نطفے سے پانی

مَّهِیْنٍ ۚ﴿۸﴾ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ

حقیر پھر اس نے درست کیا اس کو اور اس نے پھونکا اس میں سے اپنی روح

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۹﴾

اور اس نے بنائے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل تھوڑے ہی ہو جو تم شکر کرتے ہو

''جو چیز بھی اس نے پیدا کی بہت اچھی پیدا فرمائی، اُس نے گارے سے انسان کی تخلیق کی ابتدا کی۔(۷) پھر اس کی نسل ایک ایسے جوہر سے چلائی جو حقیر پانی ہے۔(۸) پھر اس کو درست کیا اور اس میں اپنی روح پھونک دی اور تمہیں کان دیئے، آنکھیں دیں اور دل دیئے تم تھوڑے ہی شکر گزار ہوتے ہو۔''(۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس ''اللہ'' نے زمین و آسمان اور ہر چیز بنائی اور پورے کے پورے نظام کو بلا شرکتِ غیرے چلا رہا ہے اسی نے انسان کو مٹی سے بنایا اور ہر چیز کو نہایت خوبصورت پیدا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی بنائی اور پیدا کی ہے اسے نہایت ہی خوبصورت اور متوازن بنایا ہے۔ پھول کی پتیوں کو دیکھیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کس قدر بھولی بھالی، پیاری، پیاری اور نہایت ہی دلکش ہوتی ہے پتیوں کی تراش، خراش دیکھو تو یوں لگتا ہے کہ کسی خاص ڈائی سے نکالی ہوئی ہیں رنگت پر نظر پڑتی ہے تو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایک ہی پتی پر رنگ کے کئی شیڈ ہیں، گلاب کی پتی کا ابتدائی حصہ سفیدی لئے ہوئے ہے اوپر کا حصہ نہایت ہی سرخ رنگ سے مزّین ہے، درندوں کو دیکھو شیر کا چہرہ کس قدر بارعب اور جسم کتنا پھرتیلا ہے۔ بلی کے بچے کو دیکھو کتنا بھولہ بھالا لگتا ہے یہاں تک کتے کا بچہ بھی پیارا لگتا ہے غرض کہ جو چیز بنائی خوب سے خوب تر بنائی۔ ہر کسی کو اس کی طبع کے مطابق ماحول دیا اور اس کی خوراک کا بندوبست فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر پانی کے ایک قطرہ سے مرد، زن کا سلسلہ چلایا ہر انسان کی ابتدا پانی کے ایک قطرہ سے شروع ہوتی ہے جو عورت کے رحم میں پہنچ کر خون بنتا ہے اس کے بعد لوتھڑے کی شکل اختیار کرتا ہے پھر اسے ایک وجود بخشا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے پھر اسے سننے کے لیے کان، دیکھنے کے لیے آنکھیں اور سوچنے کے لیے دل دیا تاکہ سچائی کو سنے، حقیقت کو دیکھے اور دل کے ساتھ سوچے کہ میں نے کس کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرنی ہے اور کس کا سب سے زیادہ شکر گزار رہنا ہے لیکن انسانوں کی اکثریت اپنے خالق اور مالک کی ناقدری اور ناشکری کرتے ہیں۔ کان، آنکھیں اور

دل اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو دیے ہیں مگر ان کی اور انسان کی سماعت، بصارت اور سوچ میں بے انتہا فرق ہے اس لیے انسان سے شکر گزار رہنے کا مطالبہ کیا ہے شکر کا جذبہ محسن کی قدر کرنے کا احساس دلاتا ہے اور شکر گزار ہی تابعدار ہوا کرتے ہیں۔

((حَدَّثَنَا أَبُوْ مُوْسَى الأَشْعَرِيُّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبَضَهَا مِنْ جَمِيْعِ الأَرْضِ فَجَاءَ بَنُوْ آدَمَ عَلَى قَدْرِ الأَرْضِ جَاءَ مِنْهُمُ الأَحْمَرُ وَالأَبْيَضُ وَالأَسْوَدُ وَبَيْنَ ذٰلِكَ وَالسَّهْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ))

(رواہ ابوداؤد: باب فِي الْقَدَرِ [صحيح])

”حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی کی ایک مٹھی سے پیدا فرمایا اسی لیے آدم کی اولاد زمین کی رنگت کے مطابق ہے بعض اُن میں سے سرخ ہیں اور بعض سفید، اور بعض سیاہ اور ان میں کچھ آرام اور سکون سے زندگی بسر کرنے والے ہیں اور کچھ غم زدہ اور کچھ خبیث النفس اور کچھ نیک ہوتے ہیں۔“

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ وَرَفَعَ الْحَدِيْثَ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ وَكَّلَ بِالرَّحِمِ مَلَكًا فَيَقُوْلُ أَيْ رَبِّ نُطْفَةٌ أَيْ رَبِّ عَلَقَةٌ أَيْ رَبِّ مُضْغَةٌ فَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يَقْضِيَ خَلْقًا قَالَ قَالَ الْمَلَكُ أَيْ رَبِّ ذَكَرٌ أَوْ أُنْثَى شَقِيٌّ أَوْ سَعِيْدٌ فَمَا الرِّزْقُ فَمَا الأَجَلُ فَيُكْتَبُ كَذٰلِكَ فِي بَطْنِ أُمِّهِ)) (رواہ مسلم: باب كَيْفِيَّةِ الخَلْقِ الآدَمِيِّ فِي بَطْنِ أُمِّهِ وَكِتَابَةِ رِزْقِهِ وَأَجَلِهِ وَعَمَلِهِ وَشَقَاوَتِهِ وَسَعَادَتِهِ)

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حدیث کو مرفوع بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے رحم میں ایک فرشتہ مقرر کیا ہے وہ پوچھتا ہے اے میرے رب! یہ نطفہ ہے، اے میرے رب یہ خون کی پھٹکی ہے۔ اے میرے رب! یہ گوشت کا لوتھڑا ہے آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی کی تخلیق کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے اے میرے رب مذکر یا مؤنث، بدبخت یا خوش بخت، اِس کا رزق کتنا ہے، اِس کی عمر کتنی ہے اِسی طرح اس کا نیک اور بد ہونا اس کی ماں کے پیٹ میں لکھ دیا جاتا ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ جو چیز پیدا فرماتا ہے نہایت خوبصورت پیدا کرتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی افزائش کا انتظام اسی کے وجود کے ذریعے سے فرمایا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آنکھ، کان اور دل عنایت کیے تاکہ وہ اس کا شکر ادا کرتا رہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا فرمایا بہت ہی اچھا پیدا کیا:

(البقرۃ: ۲۲) (الروم: ۲۰) (التین: ۴) (الدھر: ۲) (الاعراف: ۱۸۹) (الاعراف: ۵۴) (النساء: ۱)

وَقَالُوْٓا	ءَاِذَا	ضَلَلْنَا	فِي	الْاَرْضِ	ءَاِنَّا لَفِيْ
اور انہوں نے کہا	کیا جب	ہم مٹ جائیں گے	میں	زمین	کیا بے شک ہم البتہ میں
خَلْقٍ	جَدِيْدٍ ؕ	بَلْ	هُمْ	بِلِقَآئِ	رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ⑩
پیدائش	نئی	بلکہ	وہ	ملاقات کے ساتھ	اپنے رب کی انکار کرنے والے ہیں
قُلْ	يَتَوَفّٰىكُمْ	مَّلَكُ	الْمَوْتِ	الَّذِيْ	وُكِّلَ بِكُمْ
فرما دیجیے	تمہیں فوت کرے گا	فرشتہ	موت کا	جو	مقرر کیا گیا ہے تم پر
ثُمَّ	اِلٰى	رَبِّكُمْ	تُرْجَعُوْنَ ⑪ ع		
پھر	طرف	اپنے رب کی	تم لوٹائے جاؤ گے		

ع ۱۱/۱۴

''اور وہ لوگ کہتے ہیں جب ہم مٹی میں رل مل جائیں گے تو پھر ہم نئے سرے سے پیدا کیے جائیں گے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ اپنے رب کی ملاقات کے انکاری ہیں۔ (۱۰) انہیں بتلائیں کہ جو موت کا فرشتہ تم پر مقرر کیا گیا ہے وہ پوری طرح تمہیں اپنے قبضے میں لے لے گا اور پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' (۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین شکل وصورت اور صلاحیتوں کے ساتھ پیدا فرمایا ہے تاکہ یہ اپنے رب کو پہچانے اور اس کا تابعدار اور شکرگزار رہے۔

لیکن انسان کی ناقدری اور ناشکری کی انتہاء ہے کہ قیامت کے منکر کہتے ہیں کہ کیا ہم مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائیں گے تو از سرنو پیدا کیے جائیں گے؟ ایسا کہنے والے دراصل اپنے رب کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں انہیں بتلائیں کہ ہاں جو فرشتہ تم پر مقرر کیا گیا ہے وہ تمہیں موت دے گا پھر تم اپنے رب کے حضور پیش کیے جاؤ گے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ اَرْبَعُوْنَ قَالُوْ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا قَالَ اَبَيْتُ قَالُوْا اَرْبَعُوْنَ شَهْرًا قَالَ اَبَيْتُ قَالُوْا اَرْبَعُوْنَ سَنَةً قَالَ اَبَيْتُ ثُمَّ يُنْزِلُ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا يَنْبُتُ الْبَقْلُ قَالَ وَلَيْسَ مِنَ الْاِنْسَانِ شَيْءٌ لَا يَبْلٰي اِلَّا عَظْمًا وَاحِدًا وَّهُوَ عَجْبُ الذَّنْبِ وَمِنْهُ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) متفق علیہ وَفِیْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ كُلُّ ابْنِ اٰدَمَ يَاكُلُهُ التُّرَابُ اِلَّا عَجْبَ الذَّنْبِ مِنْهُ خُلِقَ وَفِيْهِ يُرَكَّبُ))

(رواہ البخاری: کتاب التفسیر، باب یوم ینفخ فی الصور فتاتون افواجا)

''حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: دوسرا صور پھونکنے کا عرصہ ''چالیس'' ہوگا۔ حضرت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگردوں نے پوچھا چالیس دن؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں جانتا۔ انہوں نے استفسار کیا چالیس ماہ؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا کوئی جواب نہیں، انہوں نے پھر پوچھا ''چالیس'' سال ہیں؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں یہ بھی نہیں کہتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا لوگ یوں اُگیں گے جس طرح انگوری اگتی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کی دُمچی کے علاوہ ہر چیز مٹی ہو جائے گی قیامت کے دن اسی سے تمام اعضاء کو جوڑا جائے گا۔ (بخاری و مسلم) مسلم میں ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کے تمام اعضاء کو مٹی کھا جائے گی سوائے دُمچی کے انسان اسی سے پیدا ہوا ہے اور اسی سے جوڑا جائے گا۔''

مسائل

۱۔ قیامت کا انکار کرنا کفر ہے۔ ۲۔ ہر کسی کو موت آنی ہے اور اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے۔

تفسیر بالقرآن

موت کے بعد جی اٹھنے کے دلائل:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے مقتول کو زندہ فرمایا۔ (البقرۃ: ۷۳)

۲۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو سو سال کے بعد زندہ فرمایا۔ (البقرۃ: ۲۵۹)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے سامنے ان کے ذبح کیے ہوئے چار پرندوں کو زندہ فرمایا۔ (البقرۃ: ۲۶۰)

۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ (آل عمران: ۴۹، المائدۃ: ۱۱۰)

۵۔ اصحابِ کہف کو تین سو سال کے بعد اٹھایا۔ (الکہف: ۲۵)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ہزاروں لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا۔ (البقرۃ: ۲۴۳)

۷۔ پہلے اور دوبارہ پیدا کرنا اور زمین و آسمان سے تمہارے لیے روزی کا بندوبست کرنے والا اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے؟ (النمل: ۶۴)

۸۔ آپ فرمادیں ''اللہ'' ہی نے تخلیق کی ابتداء کی پھر دوبارہ پیدا کرے گا پھر تم کہاں بہک گئے ہو؟ (یونس: ۳۴)

۹۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کو دوبارہ لوٹائے گا تاکہ نیک و بد کو جزا و سزا مل سکے۔ (یونس: ۴)

۱۰۔ تعجب کے قابل ان کی یہ بات ہے کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ (الرعد: ۵)

۱۱۔ مردوں کو اللہ تعالیٰ اٹھائے گا پھر اس کی طرف ہی لوٹائیں جائیں گے۔ (الانعام: ۳۶)

۱۲۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام کو اٹھائے گا اور ہر کسی کو اس کے اعمال کے متعلق بتلائے گا۔ (المجادلۃ: ۶)

وَ لَوْ	تَرٰٓی	اِذِ	الْمُجْرِمُوْنَ	نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ
اوراگر	آپ دیکھیں	جب	مجرم	وہ جھکائے ہوں گے اپنے سروں کو
عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ	رَبَّنَآ	اَبْصَرْنَا	وَ سَمِعْنَا	فَارْجِعْنَا
اپنے رب کے سامنے	اے ہمارے رب!	ہم نے دیکھ لیا	اور ہم نے سن لیا	تو ہمیں واپس بھیج
نَعْمَلْ	صَالِحًا	اِنَّا	مُوْقِنُوْنَ ⑫	
ہم عمل کریں گے	نیک	بے شک ہم	یقین کرنے والے ہیں	

''کاش آپ دیکھیں جب مجرم سر جھکائے اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں گے کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے اچھی طرح دیکھ لیا اور سُن لیا، اب ہمیں واپس بھیج دے تاکہ ہم نیک عمل کریں، یقیناً ہمیں یقین آ گیا ہے۔''(۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو لوگ مر کر جی اٹھنے کا انکار کرتے ہیں قیامت کے دن ان کی حالت دیدنی ہوگی۔

سرور دو عالم ﷺ سے منکرینِ قیامت اس بات پر جھگڑا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد کسی نے زندہ نہیں ہونا حالانکہ قرآن مجید نے مرنے کے بعد جی اٹھنے کے درجنوں دلائل دیئے ہیں جن میں ثبوت کے طور پر عزیر علیہ السلام اور ان کے گدھے کا زندہ کیا جانا، ابراہیم علیہ السلام کے سامنے چار پرندوں کا دوبارہ زندہ ہونا، اصحاب کہف کا (۳۰۹) تین سو نو سال بعد جی اٹھنا، موسیٰ علیہ السلام کے سامنے مقتول کا زندہ ہونا بنی اسرائیل کے ہزاروں لوگوں کا مرنے کے بعد زندہ کیا جانا۔(البقرہ:۲۵۹) عیسیٰ علیہ السلام کا مُردوں کو زندہ کرنا۔(المائدہ:۱۱۰)

اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر صورت لوگوں کو دوبارہ پیدا فرما کر اپنی بارگاہ میں حاضر کرے گا جب منکرین قیامت اس کی بارگاہ میں پیش ہوں گے تو وہ ذلت اور خوف کی وجہ سے اپنے رب کے سامنے گردنیں جھکائے ہوئے فریاد پر فریاد کریں گے۔ اے ہمارے رب! ہم نے اپنی آنکھوں سے قیامت دیکھ لی اور سب کچھ اپنے کانوں سے سن لیا ہے اب ہمیں واپس جانے دیجیے تاکہ ہم نیک عمل کریں کیونکہ اب ہمیں یقین ہو چکا ہے کہ قیامت برحق ہے۔

مسائل

۱۔ قیامت کے دن ذلّت اور خوف کی وجہ سے مجرم سر جھکائے ہوئے ہوں گے۔ ۲۔ مجرم دنیا میں واپس لوٹنے کی فریاد کریں گے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن مجرمین کی فریادیں:

۱۔ جہنمی کہیں گے اے اللہ ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو واپس لوٹا دے۔(السجدۃ:۱۲)

۲۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں یہاں سے نکال ہم پہلے سے نیک عمل کریں گے۔(الفاطر:۳۷۔ المومنون:۱۰۷)

هُدٰىهَا	نَفْسٍ	كُلَّ	لَاٰتَيْنَا	شِئْنَا	وَلَوْ
اس کی ہدایت	نفس کو	ہر	تو ہم دے دیتے	ہم چاہتے	اور اگر

جَهَنَّمَ	لَاَمْلَئَنَّ	مِنِّيْ	الْقَوْلُ	حَقَّ	وَلٰكِنْ
جہنم	کہ میں ضرور بھروں گا	میری طرف سے	قول	ثابت ہو گیا	اور لیکن

بِمَا	فَذُوْقُوْا	اَجْمَعِيْنَ ﴿١٣﴾	وَالنَّاسِ	الْجِنَّةِ	مِنَ
بوجہ اس کے جو	چنانچہ تم چکھو	سب	اور انسانوں سے	جنوں	سے

نَسِيْنٰكُمْ	اِنَّا	يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ	لِقَآءَ	نَسِيْتُمْ
نے تم کو بھلا دیا	بے شک ہم	تمہارا اس دن کی	ملاقات کو	تم نے بھلائے رکھا

تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾	كُنْتُمْ	بِمَا	الْخُلْدِ	عَذَابَ	وَذُوْقُوْا
عمل کرتے	تم تھے	بہ سبب اس کے جو	ہمیشہ کا	عذاب	اور تم چکھو

’’ارشاد ہو گا اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دے دیتے، مگر ہمارا فرمان سچ ثابت ہوا کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھروں گا۔(۱۳) بس اب مزا چکھو اپنی اس حرکت کا جو تم نے اس دن کی ملاقات کو فراموش کیا تھا۔ ہم نے بھی تمہیں فراموش کر دیا ہے۔ اب اپنے اعمال کے بدلے میں ہمیشہ کے عذاب کا مزا چکھتے رہو۔‘‘(۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مجرموں کی درخواست کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا فرمان۔

مجرموں کو مزید احساس دلانے اور ذلیل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دے دیتے لیکن میرا فرمان سچ ثابت ہوا کہ میں جہنم کو بہت سے جنوں اور انسانوں سے بھروں گا لہٰذا اب جہنم کا عذاب چکھو اس لیے کہ تم میری ملاقات کو فراموش کر چکے تھے لہٰذا ہم نے بھی تمہیں فراموش کر دیا ہے بس اب تم اپنے کیے کے بدلے میں ہمیشہ کا عذاب سہتے رہو۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے تین ارشادات فرمائے ہیں۔

① اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام جنّوں اور انسانوں کو ہدایت سے سرفراز کر دیتا۔ چاہنے سے مراد جبراً ہدایت دینا ہے اللہ تعالیٰ نے جن وانس کو اچھائی اور برائی کا شعور دے کر یہ اختیار بخشا ہے کہ وہ اچھائی کریں یا برائی کریں۔ جہنم میں داخل ہونے والوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشادات کو فراموش کیا اور دنیا کو مقدم سمجھا جس وجہ سے انہیں جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

② یہاں مجرمین کے لیے ’’اَجْمَعِيْنَ‘‘ کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے مراد تمام کے تمام نافرمان جنّ اور انسان ہیں۔

③ اللہ تعالیٰ کا کسی کو فراموش کرنے کا یہ معنیٰ نہیں کہ خاکم بدھن کہ اللہ تعالیٰ بھی بھول جاتا ہے فراموش کرنے کا معنیٰ ہے کہ

اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور ان پر نظر کرم نہیں فرمائے گا۔

«عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُلْقَى عَلَى أَهْلِ النَّارِ الْجُوْعُ فَيَعْدِلُ مَا هُمْ فِيْهِ مِنَ الْعَذَابِ فَيَسْتَغِيْثُوْنَ فَيُغَاثُوْنَ بِطَعَامٍ مِنْ ضَرِيْعٍ لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ فَيَسْتَغِيْثُوْنَ بِالطَّعَامِ فَيُغَاثُوْنَ بِطَعَامٍ ذِيْ غُصَّةٍ فَيَذْكُرُوْنَ أَنَّهُمْ كَانُوْا يُجِيْزُوْنَ الْغُصَصَ فِي الدُّنْيَا بِالشَّرَابِ فَيَسْتَغِيْثُوْنَ بِالشَّرَابِ فَيُرْفَعُ إِلَيْهِمُ الْحَمِيْمُ بِكَلَالِيْبِ الْحَدِيْدِ فَإِذَا دَنَتْ مِنْ وُجُوْهِهِمْ شَوَتْ وُجُوْهَهُمْ فَإِذَا دَخَلَتْ بُطُوْنَهُمْ قَطَّعَتْ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ فَيَقُوْلُوْنَ ادْعُوْا خَزَنَةَ جَهَنَّمَ فَيَقُوْلُوْنَ أَلَمْ تَكُ تَأْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوْا بَلٰى قَالُوْا فَادْعُوْا وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِيْنَ إِلَّا فِيْ ضَلَالٍ قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ ادْعُوْا مَالِكًا فَيَقُوْلُوْنَ (يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ) قَالَ فَيُجِيْبُهُمْ (إِنَّكُمْ مَاكِثُوْنَ) قَالَ الْأَعْمَشُ نُبِّئْتُ أَنَّ بَيْنَ دُعَائِهِمْ وَبَيْنَ إِجَابَةِ مَالِكٍ إِيَّاهُمْ أَلْفَ عَامٍ قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ فَلَا أَحَدَ خَيْرٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ (رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّيْنَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُوْنَ) قَالَ فَيُجِيْبُهُمْ (اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ) قَالَ فَعِنْدَ ذٰلِكَ يَئِسُوْا مِنْ كُلِّ خَيْرٍ وَعِنْدَ ذٰلِكَ يَأْخُذُوْنَ فِي الزَّفِيْرِ وَالْحَسْرَةِ وَالْوَيْلِ» (رواه الترمذی: باب ما جاء فی صفة طعام أهل النار [ضعيف])

''حضرت ابودرداء ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جہنمیوں پر بھوک مسلط کر دی جائے گی اور وہ بھوک اُس عذاب کے برابر ہوگی جس میں وہ مبتلا ہوں گے وہ کھانا طلب کریں گے تو اُنہیں کھانے میں سوکھی گھاس دی جائے گی جس سے نہ موٹے ہونگے اور نہ اُن کی بھوک دور ہوگی وہ کھانا طلب کریں گے تو اُنہیں ایسا کھانا دیا جائے گا جو اُن کے حلق میں اٹک جائے گا وہ کہیں گے کہ دنیا میں جب کھانا حلق میں اٹک جاتا تھا تو ہم پانی کے ساتھ اُسے نیچے اتارتے تھے پانی طلب کریں گے تو انہیں گرم پانی لوہے کے برتنوں میں دیا جائے گا جب اپنے چہروں کے قریب کریں گے تو اُن کے چہرے جھلس جائیں گے اور جب اُسے اپنے پیٹ میں داخل کریں گے تو اُن کے پیٹ کٹ کے رہ جائیں گے وہ جہنم کے داروغے سے فریاد کریں گے اُنہیں جواب دیا جائے گا کیا تمہارے پاس رسول آیات لے کر نہیں آئے تھے؟ جہنمی جواب دیں گے ہاں! فرشتے کہیں گے تم چیختے چلاتے رہو تمہاری فریاد رائیگاں جائے گی۔ وہ کہیں گے 'مالک'' کو پکارو تو جہنمی مالک کو پکاریں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کہے کہ ہمارے مرنے کا فیصلہ فرمادے اُنہیں جواب دیا جائے گا تم ہمیشہ اِسی میں رہو گے حدیث بیان کرنے والے اعمش نے کہا اُن کو جہنم کے کنٹرولر فرشتے مالک کی طرف سے ایک ہزار سال کے بعد جواب دیا جائے گا دوزخی آپس میں کہیں گے کہ اپنے پروردگار کو پکارو تمہارے رب سے بہتر کوئی نہیں وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی

اور ہم گمراہ ہو گئے اے ہمارے پروردگار ہمیں جہنم سے نکال دے اگر ہم دوبارہ ایسے اعمال کریں تو ظالم ہوں گے اُنہیں جواب دیا جائے گا اِسی دوزخ میں رہو اور ہم سے کوئی بات نہ کرو اب وہ ہر بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے اور آہ وزاریاں کریں گے اور کھانے پینے پر حسرت کا اظہار کریں گے اور واویلا کرتے رہیں گے۔‘‘

مسائل

۱۔ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو جبراً ہدایت دینا چاہتا تو کوئی شخص گمراہ نہ ہوتا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نافرمان جنوں اور انسانوں کو جہنم میں داخل کرے گا۔

۳۔ جو لوگ قیامت کو فراموش کریں گے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں فراموش کر دے گا۔

۴۔ کفار اور مشرکین ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

تفسیر بالقرآن

جہنمیوں کی جہنّم میں آہ زاریاں:

۱۔ اے ہمارے رب ہمیں تھوڑی دیر کے لیے مہلت دے ہم تیری دعوت قبول اور تیرے رسول کی بات کو تسلیم کریں گے۔(ابراہیم:۴۴)

۲۔ جہنّمی کہیں گے اے اللہ ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو واپس لوٹا دے۔(السجدۃ:۱۲)

۳۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں یہاں سے نکال ہم پہلے سے نیک عمل کریں گے۔(الفاطر:۳۷)

۴۔ اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال اگر دوبارہ ایسا کریں تو بڑے ظالم ہوں گے۔(المومنون:۱۰۷)

۵۔ جب بھی جہنم سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو دوبارہ لوٹائے جائیں گے۔(السجدۃ:۲۰)

۶۔ ہر جہنمی کی خواہش ہوگی کہ اُسے دنیا میں واپس بھیج دیا جائے۔(الانعام:۲۷ تا ۲۸)

۷۔ اے رب ہمارے! ہمیں یہاں سے نکال ہم پہلے سے نیک عمل کریں گے۔(الفاطر:۳۷)

۸۔ جب بھی ارادہ کریں گے کہ ہم نکلیں جہنم سے تو اس میں واپس لوٹا دیئے جائیں گے۔(الحج:۲۲)

۹۔ جہنم سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔(البقرۃ:۱۶۷)

۱۰۔ وہ پکاریں گے اے مالک تیرا رب ہمیں موت دے دے مالک جواب دے گا اب یونہی پڑے رہو گے۔(الزخرف:۷۷)

۱۱۔ ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹیں گے اور کہیں گے کاش! میں نے رسول کو سمجھا ہوتا۔(الفرقان:۲۷۔۳۰)

۱۲۔ جب یہ زنجیروں سے جکڑے ہوئے اس میں ایک تنگ جگہ ٹھونسے جائیں گے تو اپنی موت کو پکاریں گے۔(الفرقان:۱۳)

اِنَّمَا	يُؤْمِنُ	بِاٰيٰتِنَا	الَّذِيْنَ	اِذَا	ذُكِّرُوْا
صرف	ایمان لاتے ہیں	ہماری آیات پر	وہ لوگ	جب	وہ نصیحت کیے جاتے
بِهَا	خَرُّوْا	سُجَّدًا	وَّسَبَّحُوْا	بِحَمْدِ	رَبِّهِمْ
ان کے ساتھ	وہ گر پڑتے ہیں	سجدہ کرتے ہوئے	اور وہ پاکی بیان کرتے ہیں	حمد کے ساتھ	اپنے رب کی
وَهُمْ	لَا	يَسْتَكْبِرُوْنَ ⑮ السجدۃ			
اور وہ	نہیں	تکبر کرتے			

السجدۃ ١/٩٤

''ہماری آیات پر تو صرف وہ لوگ ایمان لاتے ہیں جنہیں آیات کے ساتھ نصیحت کی جاتی ہے تو سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔''(١٥)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ''اللہ'' کے احکام اور قیامت کو فراموش کر دینے والوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے اور قیامت پر یقین رکھنے والوں کا کردار۔

''اللہ'' کے باغیوں اور قیامت کے منکروں کے سامنے بار بار نصیحت پیش کرنے کا کچھ اثر نہیں ہوتا ان کے مقابلے میں جو لوگ اپنے رب پر ایمان رکھتے ہیں اور قیامت کے دن پر یقین کرتے ہیں ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جب بھی انہیں دین کی کوئی بات سمجھائی جائے یا ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا حکم آئے تو وہ قولاً اور عملاً اطاعت کا اظہار کرتے ہیں اپنے رب کے حضور سجدے میں پڑ کر اس کی حمد وثناء کرتے ہیں جس طرح اللہ کی حمد کرنے کا حکم دیا گیا ہے ایسے لوگ کسی حال میں بھی تکبر کرنے والے نہیں ہوتے ان میں یہ بات بدرجہ اتم پائی جاتی ہے کہ جب انہیں نماز کے لیے بلایا جائے تو وہ اپنے رب کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے اس کی بارگاہ میں قیام وسجود کرنے کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔

تکبر کا معنیٰ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے تاہم موقع کی مناسبت سے پھر تحریر کیا جاتا ہے۔

«اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ» (رواہ مسلم: کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانہ)

''تکبر حق بات کو چھپانا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔''

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تَنْزِيلَ السَّجْدَةِ وَهَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِنَ الدَّهْرِ» (رواہ ابوداؤد: باب مَا يقرأُ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ يَوْمَ الجمُعَةِ [صحيح])

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورہ سجدہ اور سورہ دھر کی تلاوت کیا کرتے تھے۔''

نبی محترم ﷺ مشکل ترین وقت میں اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر اس کی مدد کے طلب گار ہوتے تھے غزوہ بدر کے

موقعہ پر اللہ کے حضور ان الفاظ میں عرض گزار ہوئے۔

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ بَدْرٍ اللَّهُمَّ أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ، اللَّهُمَّ إِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ فَأَخَذَ أَبُو بَكْرٍ بِيَدِهِ فَقَالَ حَسْبُكَ فَخَرَجَ وَهُوَ يَقُولُ (سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ)» (رواہ البخاری: کتاب المغازی)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بدر کے دن دعا کی۔ ''اے اللہ میں تیرے عہد اور وعدے کا تجھے واسطہ دیتا ہوں اے اللہ اگر تو چاہتا ہے کہ تیری عبادت نہ کی جائے۔'' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ بس کیجیے۔ آپ یہ کہتے ہوئے نکلے کہ عنقریب لشکروں کو شکست دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔'' [رواہ البخاری: باب قصۃ غزوۃ بدر]

حالات کا دباؤ اس قدر تھا کہ آپ ﷺ سجدے میں پڑے روتے ہوئے یہ دعا مانگ رہے ہیں کہ اے ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والے اللہ ہماری نصرت فرما۔

سجدہ تلاوت کی دعا:

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ فَتَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ»

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم [صحیح])

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ قیام اللیل میں سجدہ تلاوت کے وقت یہ دعا کرتے تھے۔ میرا چہرہ اس ذات کا مطیع ہوا جس نے اپنی قدرت سے اسے بنا کر کان اور آنکھیں عطا کیے۔ اللہ تعالیٰ بہترین پیدا کرنے والا ہے۔''

مسائل

۱۔ ایمان دار لوگ متکبر نہیں ہوتے۔

۲۔ ایمان داروں کے سامنے سجدہ کی آیات پڑھی جائیں تو وہ اپنے رب کے حضور سر بسجود ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

تکبر سے بچنے کا حکم:

۱۔ سب سے پہلے شیطان نے تکبر کیا۔ (ص:۷۴) ۲۔ تکبر کرنا فرعون اور اللہ کے باغیوں کا طریقہ ہے۔ (القصص:۳۹)

۳۔ تکبر کرنے والے کے دل پر اللہ مہر لگا دیتا ہے۔ (المومن:۳۵) ۴۔ متکبر کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ (النحل:۲۳)

۵۔ اللہ تعالیٰ فخر و غرور کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔ (النساء:۳۶) ۶۔ تکبر کرنے والے جہنم میں جائیں گے۔ (المومن:۷۶)

۷۔ اللہ نے جو تمہیں دیا ہے اس پر اتراؤ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (الحدید:۲۳)

تَتَجَافٰى	جُنُوْبُهُمْ	عَنِ	الْمَضَاجِعِ	يَدْعُوْنَ	رَبَّهُمْ	خَوْفًا
الگ ہوتے ہیں	ان کے پہلو	سے	خواب گاہوں	وہ پکارتے ہیں	اپنے رب کو	خوف

وَّطَمَعًا	وَّمِمَّا	رَزَقْنٰهُمْ	يُنْفِقُوْنَ ﴿١٦﴾	فَلَا	تَعْلَمُ
اورامید کرتے ہوئے	اوراس میں سے جو	ہم نے انہیں رزق دیا	وہ خرچ کرتے ہیں	پس نہیں	جانتا

نَفْسٌ	مَّآ	اُخْفِيَ	لَهُمْ	مِّنْ	قُرَّةِ	اَعْيُنٍ
کوئی نفس	جو	چھپارکھی گئی	ان کے لیے	سے	ٹھنڈک	آنکھوں کی

جَزَآءًۢ	بِمَا	كَانُوْا	يَعْمَلُوْنَ ﴿١٧﴾
بدلہ ہے	بسبب اس کے جو	وہ تھے	عمل کرتے

''اُن کی کروٹیں بستروں سے الگ رہتی ہیں وہ اپنے رب کو خوف اور لالچ کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (١٦) اور جو کچھ اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے چھپا رکھا ہے اسے کوئی نہیں جانتا یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے۔'' (١٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنے والے لوگ رات کے وقت اٹھ کر بھی اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

نیک لوگوں کے اوصاف حمیدہ میں یہ وصف ضرور شامل ہوتا ہے کہ وہ ساری رات خراٹے لے کر نہیں سُوتے جونہی سحری کا وقت قریب ہوتا ہے وہ نیند سے اچاٹ ہوتے ہیں اور اپنے نرم ونازک اور آرام دہ بستروں سے اٹھ کر اپنے رب کے حضور خوف وطمع کی حالت میں فریادیں کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کے قرار اور آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے وہ کچھ تیار کر رکھا جس کا کسی کے دل میں خیال بھی پیدا نہیں ہوسکتا یہ ان کے اچھے اعمال کا بدلہ ہوگا یہاں مومن کے دل کی کیفیت کا ذکر خوف اور طمع کے حوالے سے کیا گیا ہے مومن کی یہی حالت ہوتی ہے کہ جب وہ اپنے اعمال کی طرف نگاہ کرتا ہے تو اسے ''اللہ'' کی پکڑ کا خیال آتا ہے جس پر لرزاں و ترساں ہوتا ہے۔ جب اس کا خیال اللہ تعالیٰ کی بے کراں رحمت کی طرف جاتا ہے تو اس کی امید اپنے رب پر مضبوط ہوجاتی ہے اس کیفیت کی وجہ سے مومن عسر، یسر میں عزیز واقرباء اور مساکین پر خرچ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی انتہاء دیکھیں مومن اپنی ضرورت کے لئے اپنے رب کو پکارتا ہے تو پھر بھی اسے ثواب دیا جاتا ہے۔

«عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ؓ اِشْتَكٰى فَدَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ يَعُوْدُهٗ فَقَالَ كَيْفَ تَجِدُكَ يَا عُمَرُ؟ فَقَالَ أَرْجُوْ وَأَخَافُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اجْتَمَعَ الرَّجَاءُ

وَالْخَوْفُ فِيْ قَلْبِ مُؤْمِنٍ إِلَّا أَعْطَاهُ اللهُ الرَّجَاءَ وَأَمِنَهُ الْخَوْفَ»

(رواه البیهقی: باب فی الرجاء من الله تعالی [ضعیف])

''سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انکی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ نے پوچھا اے عمر! اپنے آپ کو کیسے محسوس کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا مجھے اُمید بھی ہے اور خوف بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کے دل میں امید اور خوف دونوں حالتیں جمع نہیں ہوتیں مگر اللہ تعالیٰ اس کی امید پوری کر دیتے ہیں اور اسے خوف سے محفوظ فرما لیتے ہیں۔''

«عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِيْنَ مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَآ اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ وَّاقْرَءُ وْٓا اِنْ شِئْتُمْ {فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ}» (رواہ البخاری: باب ما جاء فی صفة الجنة)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں، جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ان کے بارے میں کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال پیدا ہوا اگر پسند کرو تو اس آیت کی تلاوت کرو ''کوئی نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چیز چھپا کے رکھی گئی ہے۔''

نمازِ تہجد کی فضیلت:

عبادات میں سب سے افضل عبادت فرض نماز ہے فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز تہجد کی نماز ہے۔ جسے نفل نماز قرار دیا گیا ہے نفل کا معنیٰ ہوتا ہے ''زائد چیز''۔ رسول محترم نے نوافل کا فائدہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن فرض نماز کی کمی نفل نماز سے پوری کی جائے گی۔ تہجد کا لفظ ''جہد'' سے نکلا ہے۔ جس کا معنیٰ محنت اور کوشش کرنا ہے مراد ''نیند کے بعد بیدار ہونا ہے'' ظاہر ہے یہ کام ہمت اور کوشش کے بغیر نہیں ہوتا اس لیے جہد کا لفظ استعمال ہوا ہے کچھ اہل علم ضروری سمجھتے ہیں کہ تہجد کچھ دیر سونے کے بعد اٹھ کر پڑھنی چاہیے ان کے بقول سونے سے پہلے پڑھے جانے والے نوافل تہجد شمار نہیں ہوتے لیکن احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آدمی اپنی صحت اور فرصت کے پیش نظر رات کے کسی پہر میں تہجد پڑھ سکتا ہے البتہ تہجد کے لیے افضل ترین وقت آدھی رات کے بعد شروع ہوتا ہے۔

سحری کا وقت حاجات و مناجات اور سکون و اطمینان کے لیے وقت ہے کہ لیل و نہار کا کوئی لمحہ ان لمحات کا مقابلہ نہیں کر سکتا زمین و آسمان کی وسعتیں نورانی کیفیت سے لبریز دکھائی دیتی ہیں ہر طرف سکون و سکوت انسان کی فکر و نظر کو جلا بخشنے کے ساتھ خالقِ حقیقی کی طرف متوجہ کر رہا ہوتا ہے ایک طرف رات اپنے سیاہ فام دامن میں ہر ذی روح کو سلائے ہوئے ہے اور دوسری طرف بندۂ مومن اپنے خالقِ حقیقی کی بارگاہ میں پیش ہونے کے لیے

کروٹیں بدلتا ہوا اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ کہیں نیند کی غفلت میں پرنور لمحات گذر نہ جائیں وہ ٹھنڈی راتوں میں یخ پانی سے وضو کرکے رات کی تاریکیوں میں لرزتے ہوئے وجود اور کانپتی ہوئی آواز کے ساتھ شکر وحمد اور فقر وحاجت کے جذبات میں زار وقطار روتا ہوا فریاد کناں ہوتا ہے، وہ آنسوؤں سے اس طرح اپنی ردائے حیات کو دھوڑالتا ہے کہ اس کا دامن گناہوں کی آلودگی سے پاک اور وجود دنیا کی تھکن سے ہلکا ہوجاتا ہے۔طویل ترین قیام اور دیر تک رکوع وسجود میں پڑا رہنے سے تہجد بندۂ مومن کو ذہنی اور جسمانی طور پر طاقت وتوانائی سے ہمکنار کرتی ہے اگر تہجد گزار خورد ونوش میں مسنون طریقوں کو اپنائے تو اس کو کسی قسم کی سیر وسیاحت حتیٰ کہ معمولی ورزش کی بھی حاجت نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ تہجد گزار بندوں کی اس طرح تعریف کرتا ہے۔

{ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ }

(السجدة:۱۶)

’’وہ اپنے بستروں سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو ہم نے انہیں دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔‘‘

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰي كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَي السَّمَآءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ يَقُوْلُ مَنْ يَدْعُوْنِيْ فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ مَنْ يَسْاَلُنِيْ فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِيْ فَأَغْفِرَ لَهُ)) (رواہ البخاری: باب التحريض على قيام الليل)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رب تعالیٰ رات کے آخری حصے میں آسمانِ دنیا پر تشریف لاکر فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے طلب کرے کہ میں اسکو عطا کروں اور کون ہے جو مجھ سے بخشش اور مغفرت چاہے میں اسکو بخش دوں۔‘‘

تفصیل کے لیے دیکھئے: (میری کتاب آپ ﷺ کا تہذیب وتمدن اور فہم القرآن جلد ۳ صفحہ:۹۲۹۔۹۳۰)

صدقہ کی فضیلت:

((اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السَّوْءِ))

(رواہ الترمذی: باب ماجآء فی الصدقة [ضعيف])

’’صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے۔‘‘

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے پاکیزہ کمائی سے ایک کھجور کے برابر بھی صدقہ کیا اور اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ چیز ہی قبول فرماتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیتے ہیں پھر اس کو صدقہ کرنے والے کے لیے بڑھاتے رہتے ہیں جس طرح تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے یہاں

تک کہ آدمی کا کیا ہوا صدقہ پہاڑ کی مانند ہوجاتا ہے۔‘‘ (رواہ البخاری: باب الصدقة من کسب طیب)

«مَامِنْ مُّسْلِمٍ غَرَسَ غَرْسًا فَأَكَلَ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ دَآبَّةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ»

(رواہ البخاری: کتاب الأدب)

’’جس مسلمان کے کھیت سے کسی انسان یا جانور نے دانہ کھایا اسے بھی صدقہ کا ثواب ملے گا۔‘‘

«كُلُّ سُلَامِي عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ يُعِينُ الرَّجُلَ فِي دَابَّتِهِ يُحَامِلُهُ عَلَيْهَا أَوْ يَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ وَكُلُّ خُطْوَةٍ يَمْشِيهَا إِلَي الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَدَلُّ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ» (رواہ البخاری: کتاب الجهاد والسیر)

’’روزانہ ہر جوڑ پر صدقہ ہے کسی آدمی کو سواری دینا یا کسی کے سامان کو سواری پر رکھ لینا صدقہ ہے اور اچھی بات کہنا صدقہ ہے نماز کے لیے جاتے ہوئے ہر قدم کا بدلہ صدقہ ہے اور کسی کو راستہ بتلانا صدقہ ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ کے بندے اپنے رب کے خوف اور اس کی رحمت کی طلب میں رات کے وقت اپنے بستروں سے اٹھ کر اپنے رب کے حضور قیام کرتے ہیں۔

۲۔ اللہ کے بندے اپنے رب سے ڈرتے بھی ہیں اور اس کی رحمت کی امید بھی رکھتے ہیں۔

۳۔ اللہ کے بندے عسر، یسر میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جس کا خیال کسی کے دل میں نہیں آسکتا۔

تفسیر بالقرآن

نماز اور صدقہ کی فضیلت کے چند حوالے:

۱۔ نماز کی پابندی کیجئے دن کے دونوں کناروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں بھی بے شک نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ (العنکبوت: ۴۵)

۲۔ صدقہ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ دُگنا تگنا کر کے واپس کرے گا۔ (التغابن: ۱۷)

۳۔ اللہ تعالیٰ سات سو گنا تک بڑھا دیتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۶۱) ۴۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب کی کوئی حد نہیں ہے۔ (البقرۃ: ۲۶۱)

۵۔ صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کو قرض دینا ہے۔ (الحدید: ۱۱) ۶۔ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔ (یوسف: ۸۸)

۷۔ جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ تمھیں اس سے زیادہ دے گا۔ (سبا: ۳۹)

۸۔ مومنین اللہ کے راستے میں خفیہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں۔ (الرعد: ۲۲)

وقف غفران

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ⑱

کیا پھر جو	ہے	مومن	اس جیسا ہوسکتا ہے جو	ہے	فاسق	نہیں	وہ برابر ہو سکتے

اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ

لیکن	جولوگ	وہ ایمان لائے	اورانہوں نے عمل کیے	نیک	توان کے لیے ہیں	باغات

الْمَاْوٰی ۫ نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑲

رہنے کے	بطورِ مہمانی	بدلے میں جو	تھے	وہ عمل کرتے

''کیا یہ ہوسکتا ہے کہ جوشخص مومن ہو وہ اس شخص کی طرح ہو جائے جو فاسق ہو یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ (۱۸) جولوگ ایمان لائے ہیں اورانہوں نے نیک عمل کیے ہیں اُن کے اعمال کے بدلے اُن کی ضیافت کے لیے جنّتوں کی قیام گاہیں ہیں۔ (۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام : آیت ۱۰ تا ۱۷ میں تابعدار اور نافرمانوں کے کردار اور انجام کا ذکر ہوا ہے اب کھلے الفاظ میں اعلان ہوتا ہے کہ تابعدار اور نافرمان برابر نہیں ہو سکتے۔

اس سے پہلی آیات میں نافرمانوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے بنا کر اس کو کان، آنکھیں اور دل دیا تاکہ یہ اپنے وجود پر غور کر کے اور ''اللہ'' کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر اس کا شکر گزار بننے کی کوشش کرتا رہے اللہ تعالیٰ کے شکر کی حقیقی صورت یہ ہے کہ انسان اپنے رب کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرے اور آخرت میں کامیاب ٹھہرے لیکن نافرمان اور قیامت کے منکر کہتے ہیں کیا ہمیں مرنے کے بعد پھر اٹھایا جائے گا؟ ایسے لوگوں کے انجام کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا کہ ہاں! نہ صرف انہیں اٹھایا جائے گا بلکہ جہنم میں بھی جھونکا جائے گا، ان کے مقابلے میں صاحبِ ایمان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جونہی ان کے سامنے ان کے رب کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو یہ تکبر کرنے کی بجائے اپنے رب کے حضور سر بسجود ہوتے ہیں رات کو اٹھ اٹھ کر اپنے رب کے حضور خوف اور امید کے جذبات کے ساتھ دعائیں کرتے ہیں اور جو کچھ انہیں عطا کیا گیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے ایسی نعمتیں تیار کی گئی ہیں جن کے بارے میں کسی انسان کے دل میں تصور بھی پیدا نہیں ہوسکتا۔ اس تقابل کے بعد اعلان ہوتا ہے کہ مومن اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے ایمان دار اور صاحب کردار لوگوں کے لیے جنت ہے جس میں ان کی مہمان نوازی کی جائے گی اور ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دیا جائے گا جو نافرمان ٹھہرے ان کے رہنے کی جگہ جہنم کی دہکتی ہوئی آگ ہے وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو ملائکہ انہیں مارتے اور جھڑکیاں دیتے ہوئے جہنم میں دور تک پیچھے دھکیل دیں گے ان کی اذیّت اور غم میں اضافہ

کُلَّمَآ					
وَ اَمَّا	الَّذِیْنَ	فَسَقُوْا	فَمَاْوٰىهُمُ	النَّارُ	کُلَّمَآ	اَرَادُوْٓا

وَ اَمَّا	الَّذِیْنَ	فَسَقُوْا	فَمَاْوٰىهُمُ	النَّارُ	کُلَّمَآ	اَرَادُوْٓا
اور لیکن	جن لوگوں نے	فسق کیا	توان کا ٹھکانا	آگ ہے	جب بھی	وہ ارادہ کریں گے
اَنْ	یَّخْرُجُوْا	مِنْهَآ	اُعِیْدُوْا	فِیْهَا	وَ قِیْلَ	لَهُمْ
یہ کہ	وہ نکلیں	اس سے	لوٹا دیے جائیں گے	اسی میں	اور کہا جائے گا	ان کے لیے
ذُوْقُوْا	عَذَابَ	النَّارِ	الَّذِیْ	كُنْتُمْ	بِهٖ	تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٠﴾
تم چکھو	عذاب	آگ کا	وہ جو	تم تھے	جس کو	تم جھٹلاتے

اور جنہوں نے نافرمانی اختیار کی ہے اُن کا ٹھکانا آگ ہے، جب اس سے نکلنا چاہیں گے اُسی میں دھکیل دیے جائیں گے، اور ان سے کہا جائے گا کہ اب آگ کے عذاب کا مزا چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔" (٢٠)

کرنے کے لیے فرشتے اعلان کریں گے کہ بس تم جہنم کی آگ میں جلتے رہو کیونکہ تم قیامت اور جہنم کو جھٹلایا کرتے تھے۔

مسائل

١۔ مومن اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے۔

٢۔ مومنوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور انہیں ان کے اعمال کی بہترین جزا دی جائے گی۔

٣۔ فاسقوں کا ٹھکانہ جہنم ہوگا انہیں کہا جائے گا کہ ہمیشہ آگ کے عذاب میں مبتلا رہو۔

تفسیر بالقرآن

جنتیوں کی جزا اور جہنمیوں کی سزا:

١۔ جنت میں جنتیوں کو ہر نعمت میسر ہوگی جس کی وہ چاہت کریں گے۔ (الانبیاء:١٠٢)

٢۔ جنت کے میوے ٹپک رہے ہوں گے۔ (الحاقۃ:٢٣) ٣۔ یقیناً متقی نعمتوں والی جنت میں ہوں گے۔ (الطور:١٧)

٤۔ جنت میں سونے اور لؤلو کے زیور پہنائے جائیں گے۔ (فاطر:٣٣)

٥۔ جنتی سبز قالینوں اور مسندوں پر تکیہ لگا کر بیٹھے ہوں گے۔ (الرحمٰن:٧٦)

٦۔ جنتیوں کو شرابِ طہور دی جائے گی۔ (الدھر:٢١) ٧۔ جہنمیوں کو پیپ اور لہو پلایا جائے گا۔ (ابراہیم:١٦)

٨۔ جہنمیوں کو آگ کے ستونوں سے باندھ دیا جائے گا۔ (الھمزۃ:٩٠)

٩۔ جہنمیوں کے جسم بار بار بدلے جائیں گے تاکہ انہیں پوری پوری سزا دی جا سکے۔ (النساء:٥٦)

دُوْنَ	الْاَدْنٰى	الْعَذَابِ	مِّنَ	وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ
پہلے	کمتر	عذاب	سے	اور ہم ضرور چکھائیں گے انہیں

يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾	لَعَلَّهُمْ	الْاَكْبَرِ	الْعَذَابِ
لوٹیں	تاکہ وہ	بڑے	عذاب

’’بڑے عذاب سے پہلے ہم انہیں دنیا میں چھوٹے عذاب کا مزا چکھاتے رہیں گے، شاید وہ اپنی روش سے باز آجائیں۔‘‘ (۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرنے والوں کی آخرت سے پہلے دنیا میں سزا۔

جو لوگ اپنے رب کے احکام کا انکار کرتے ہیں اور قیامت کے حساب وکتاب کو جھٹلاتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ نصیحت کی جاتی ہے تو یہ ان سے اعراض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی آیات سے اعراض کرنے والا شخص بڑا ظالم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ مجرموں سے انتقام لیں گے قیامت کو انہیں بڑا عذاب ہوگا لیکن دنیا میں بھی چھوٹے چھوٹے عذابوں کے ساتھ ان سے انتقام لیا جاتا ہے۔ کافر اور مشرک آخرت کے عذاب سے چھٹکارا نہیں پائیں گے لیکن دنیا کے چھوٹے عذاب سے انہیں اکثر اوقات اس لیے نجات دی جاتی ہے تاکہ یہ اپنے رب کی طرف لوٹ آئیں۔ آخرت اور دنیا کے عذاب میں یہ فرق ہے کہ آخرت کا عذاب کافر، مشرک پر ہلکا نہیں ہوگا۔ لیکن دنیا کے عذاب میں سزا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی شامل ہوتی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے عذاب سے نجات پانے کے لیے اس کی طرف رجوع کریں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگیں تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرما کر قیامت کے بڑے عذاب سے بچا لے اس طرح دنیا کے عذاب میں شفقت کا پہلو بھی موجود ہوتا ہے۔ بڑے عذاب سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔

مسائل

۱۔ جو شخص اللہ کی آیات کو جھٹلاتا ہے وہ بڑا ظالم ہے۔ ۲۔ ظالموں سے اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی انتقام لیتا ہے۔

۳۔ دنیا میں سزا دینے کا ایک مقصد یہ بھی ہے تاکہ بندہ اپنے رب سے معافی مانگ لے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے چھوٹے عذاب دیتا ہے تاکہ لوگ اپنے رب کی طرف رجوع کریں۔

۵۔ دنیا کے عذاب میں اللہ تعالیٰ کی شفقت پنہاں ہوتی ہے۔

وَمَنْ	اَظْلَمُ	مِمَّنْ	ذُكِّرَ	بِاٰيٰتِ	رَبِّهٖ	ثُمَّ
اور کون	زیادہ ظالم ہے	اس شخص سے	اسے نصیحت کی گئی	آیات کے ساتھ	اس کے رب کی	پھر

اَعْرَضَ	عَنْهَا	اِنَّا	مِنَ	الْمُجْرِمِيْنَ	مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع
اس نے اعراض کیا	اس سے	بلاشبہ ہم	سے	مجرموں	انتقام لینے والے ہیں

ع ۲ ۱۱ 15

''اور اُس سے بڑا ظالم کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ساتھ سمجھایا جائے اور وہ ان سے منہ پھیر لے، ایسے مجرموں سے ہم انتقام لیں گے۔'' (۲۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ لوگوں کو دنیا میں ہلکے پھلکے عذاب اس لیے دیتا ہے تاکہ لوگ اس کی طرف رجوع کریں اور اس کی رحمت کے حقدار بن جائیں مگر ظالم لوگ پھر بھی اعراض کیے رکھتے ہیں۔

اس سے پہلی آیت میں ارشاد ہوا کہ ہم لوگوں کو بڑا عذاب دینے سے پہلے اس لیے چھوٹے، چھوٹے عذاب دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جائیں لیکن ظالم لوگ نہ نصیحت قبول کرتے ہیں اور نہ ہی وہ چھوٹے، چھوٹے عذابوں سے ڈرتے ہیں جب لوگوں کی یہ حالت ہو جائے تو پھر ظالموں سے انتقام لیا جاتا ہے اور ایک طرف ان کے گناہوں کی سزا دی جاتی اور دوسری طرف مظلوموں کا بدلہ چکایا جاتا ہے تاکہ دنیا کا نظام درہم برہم ہونے سے بچ جائے اور مظلوموں کو ریلیف دیا جائے۔ اسی اصول کے پیشِ نظر قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ مدین، آلِ فرعون اور دیگر اقوام پر عذاب نازل ہوئے اور انہیں نیست و نابود کر کے دوسری اقوام کو کردار ادا کرنے کا موقعہ دیا گیا۔

مسائل

۱۔ جو قوم مسلسل اعراض کا (روّیہ) اختیار کرے اس پر بڑا عذاب نازل کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ظالموں سے دنیا میں بھی انتقام لیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ظالم اقوام پر نازل ہونے والے عذاب:

۱۔ قومِ نوح طوفان کے ذریعے ہلاک ہوئی۔ (الاعراف: ۱۳۶) ۲۔ عاد زبردست آندھی کے ذریعے ہلاک ہوئے۔ (الحاقۃ: ۶)

۳۔ قومِ عاد کو تند و تیز آندھی کے ساتھ ہلاک کر دیا گیا۔ (الحاقۃ: ۶) ۴۔ ثمود زوردار دھماکے کے ساتھ ہلاک کیے گئے۔ (الحاقۃ: ۵)

۵۔ قومِ لوط کی بستی کو الٹ کر ان پر پتھروں کی بارش برسائی گئی۔ (الحجر: ۷۴)

۶۔ ہم نے اوپر والی سطح کو نیچے کر دیا اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسادی جو تہہ بہ تہہ تھے خاص نشان لگے ہوئے۔ (ھود: ۸۲)

وَلَقَدْ	اٰتَيْنَا	مُوْسَى	الْكِتٰبَ	فَلَا	تَكُنْ	فِيْ
اور البتہ تحقیق	ہم نے دی	موسیٰ کو	کتاب	لہٰذا نہ	آپ ہوں	میں
مِرْيَةٍ	مِّنْ	لِّقَآئِهٖ	وَجَعَلْنٰهُ	هُدًى	لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝۲۳	
شک	سے	اس کی ملاقات	اور ہم نے بنایا اس کو	ہدایت	بنی اسرائیل کے لیے	
وَجَعَلْنَا	مِنْهُمْ	اَئِمَّةً	يَّهْدُوْنَ	بِاَمْرِنَا	لَمَّا	صَبَرُوْا
اور ہم نے بنائے	ان میں سے	پیشوا	وہ رہنمائی کرتے	ہمارے حکم سے	جب	انہوں نے صبر کیا
وَكَانُوْا	بِاٰيٰتِنَا	يُوْقِنُوْنَ ۝۲۴	اِنَّ	رَبَّكَ	هُوَ	يَفْصِلُ
اور تھے وہ	ہماری آیتوں پر	یقین رکھتے	بلاشبہ	آپ کا رب	وہ	فیصلہ کرے گا
بَيْنَهُمْ	يَوْمَ	الْقِيٰمَةِ	فِيْمَا	كَانُوْا	فِيْهِ	يَخْتَلِفُوْنَ ۝۲۵
ان کے درمیان	دن	قیامت کے	اس میں جو	وہ تھے	اس میں	اختلاف کرتے

”یقیناً ہم موسیٰ کو کتاب دے چکے ہیں لہٰذا اُس کے ملنے پر تمہیں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے، اُس کتاب کو ہم نے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا تھا۔ (۲۳) اور جب انہوں نے صبر کیا تو ہم نے ان میں سے ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے اور وہ ہمارے ارشادات پر یقین رکھتے تھے۔ (۲۴) یقیناً آپ کا رب قیامت کے دن اُن باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے۔“ (۲۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں سے انتقام لیا ان میں آلِ فرعون بھی شامل ہیں اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مختصر ذکر کرنے کے بعد آلِ فرعون کے انجام کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی جس میں بنی اسرائیل کے لیے راہنمائی تھی اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں ایسے راہنما مقرر فرمائے جو اس کے حکم کے مطابق لوگوں کی راہنمائی کرتے مگر لوگوں نے ان کی راہنمائی قبول کرنے کی بجائے ان کی مخالفت کی اور انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دیں جس پر راہنماؤں نے صبر سے کام کیا کیونکہ وہ اپنے رب کے ارشادات پر یقین رکھنے والے تھے کہ انہیں تکلیفوں کے بدلے ضرور اجر سے نوازا جائے گا جن لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقرر کردہ راہنماؤں سے اختلاف کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا، بنی اسرائیل میں ائمہ مقرر کرنے سے مراد انبیاء عظام علیہم السلام ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث کیے اور ان سے مراد وہ بارہ رہنما بھی ہو سکتے ہیں جنہیں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے

نائب کے طور پر بارہ قبیلوں کا نقیب مقرر کیا تھا یہاں پہلی آیت میں {فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ} کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جس کا ایک معنٰی یہ ہے کہ کفار اپنے رب کی ملاقات یعنی قیامت کے دن کے بارے میں شک میں ہیں لیکن اے نبی ﷺ آپ کو اپنے رب کی ملاقات پر کامل یقین رہنا چاہیے کہ اس دن آپ کے اور آپ کے مخالفوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ سنا دیا جائے گا۔ بعض اہل علم نے ان الفاظ کا یہ بھی معنٰی لیا ہے کہ اس ملاقات سے مراد نبی اکرم ﷺ کی معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہونے والی ملاقات ہے۔

«عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ اِنَّ اُنَاسًا مِّنَ الْاَنْصَارِ سَاَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَعْطَاهُمْ حَتّٰى نَفِدَ مَا عِنْدَهٗ فَقَالَ مَا يَكُوْنُ عِنْدِيْ مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ اَدَّخِرَهٗ عَنْكُمْ وَمَنْ يَّسْتَعِفَّ يُعِفَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ وَمَنْ يَّتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ وَمَا اُعْطِيَ اَحَدٌ عَطَآءً هُوَ خَيْرٌ وَّاَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ» (رواہ البخاری: باب الصبر عن محارم اللہ)

”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انصار کے کچھ لوگوں نے رسول ﷺ سے مال کیلئے سوال کیا آپ ﷺ نے ان کو مال دیا حتیٰ کہ جو مال آپ کے پاس تھا ختم ہوگیا پھر آپ نے فرمایا: میرے پاس جتنا مال ہو میں دینے سے انکار نہیں کروں گا لیکن جو شخص سوال کرنے سے خود کو بچائے اللہ تعالیٰ بھی اسے بچائے گا اور جو بے نیازی اختیار کریگا اللہ تعالیٰ اس کو غنی کر دیگا جو شخص صبر کرے گا اللہ تعالیٰ اسے صبر عنایت فرمائے گا کوئی شخص صبر سے بہتر اور فراخی والے تحفہ سے بڑھ کر کوئی عطیہ نہیں دیا گیا۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی جو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کا سرچشمہ تھی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لیے دینی رہنما مبعوث فرمائے۔ ۳۔ قوم کے راہنما کو صابر ہونا چاہیے۔

۴۔ رہنما کو اللہ تعالیٰ پر یقین ہونا چاہیے کہ اُسے ضرور بہترین بدلہ دیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

صبر کے فوائد:

۱۔ اللہ کی رفاقت اور دستگیری صبر کرنے والوں کے لیے ہے۔ (البقرۃ: ۱۵۲)

۲۔ صبر اور نماز کے ذریعے اللہ کی مدد طلب کرو۔ (البقرۃ: ۱۵۲) ۳۔ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔ (الزمر: ۱۰)

۴۔ بے شک جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا انہیں کوئی خوف اور حزن وملال نہیں ہوگا۔ (الاحقاف: ۱۳)

اَوَ	لَمْ	يَهْدِ	لَهُمْ	كَمْ	اَهْلَكْنَا
کیا	نہیں	واضح ہوا	ان کے لیے	کتنی	ہم نے ہلاک کردیا
مِنْ قَبْلِهِمْ	مِّنَ	الْقُرُوْنِ	يَمْشُوْنَ	فِيْ	مَسٰكِنِهِمْ ؕ
ان سے پہلے	سے	امتوں	وہ چلتے پھرتے تھے	میں	ان کے گھروں
اِنَّ	فِيْ	ذٰلِكَ	لَاٰيٰتٍ ؕ	اَفَلَا	يَسْمَعُوْنَ ٢٦
بے شک	میں	اس	البتہ نشانیاں ہیں	کیا پھر نہیں	وہ سنتے

''اور کیا ان پر واضح نہیں ہوا کہ ان سے پہلے ہم کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کے رہنے کی جگہوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں اس میں ضرور نشانیاں ہیں کیا پھر بھی یہ توجہ سے نہیں سنتے۔'' (٢٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حق اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اختلاف کرنے والوں کا انجام۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اختلاف کرنے والے فرعون، ہامان، قارون اور ان کے ساتھیوں کا جو انجام ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد آنے والے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جن لوگوں نے اختلاف کیا ان کا حشر دیکھنا چاہو تو دنیا کی تاریخ پڑھو اور چل پھر کر ان کے مقامات دیکھو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ جن کے اقتدار کا پھریرا چار سو لہرا رہا تھا۔ ربِ ذوالجلال کا حکم نازل ہوا تو ان کا نام ونشان مٹا دیا گیا۔ قومِ عاد، قومِ صالح اور قومِ مدین عرب کے علاقہ میں بستیں تھیں مکہ والے تجارت کے لیے سفر کرتے تو ان کے کھنڈرات سے گزرتے تھے۔ ان کے واقعات میں عبرت کے بہت سے اسباق ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے اور نصیحت پانے کے لیے سنتے ہیں۔ قرن سے مراد کسی قوم کے اقتدار کا دورانیا، ایک نسل یا ایک صدی شمار کیا جاتا ہے۔

مسائل

١۔ تباہ ہونے والی اقوام اپنے سے بعد والی اقوام کے لیے نشان عبرت ہیں۔ ٢۔ قوموں کے انجام میں عبرت پائی جاتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اقوام کی تباہی:

١۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی اقوام کو تباہ کیا۔ (الانعام: ٦) ٢۔ جب تم سے پہلے لوگوں نے ظلم کیا تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔ (یونس: ١٣)

٣۔ قوم نوح طوفان کے ذریعے ہلاک ہوئی۔ (الاعراف: ١٣٦) ٤۔ ثمود زوردار آواز کے ساتھ ہلاک کیے گئے۔ (الحاقۃ: ٥)

٥۔ عاد زبردست آندھی کے ذریعے ہلاک ہوئے۔ (الحاقۃ: ٦) ٦۔ آل فرعون کو سمند میں ڈبو دیا گیا۔ (یونس: ٩٠)

اَوَ	لَمْ	يَرَوْا	اَنَّا	نَسُوْقُ	الْمَآءَ	اِلَى	الْاَرْضِ
کیا	نہیں	انہوں نے دیکھا	بے شک ہم	چلاتے ہیں	پانی کو	طرف	زمین کی
الْجُرُزِ	فَنُخْرِجُ	بِهٖ	زَرْعًا	تَاْكُلُ	مِنْهُ	اَنْعَامُهُمْ	
چٹیل	پھر ہم نکالتے ہیں	ساتھ اس کے	کھیتی	کھاتے ہیں	اس سے	ان کے چوپائے	
وَاَنْفُسُهُمْ	اَفَلَا	يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾	وَيَقُوْلُوْنَ	مَتٰى	هٰذَا	الْفَتْحُ	
اور ان کے نفس	کیا پھر نہیں	وہ دیکھتے	اور وہ کہتے ہیں	کب ہوگا	یہ	فیصلہ	

''اور کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم ایک بے آب وگیاہ زمین کی طرف پانی بہالے جاتے ہیں اور پھر زمین سے فصل اُگاتے ہیں۔ جس سے ان کی جانوروں کو بھی چارہ ملتا ہے اور یہ خود بھی کھاتے ہیں کیا انہیں کچھ نہیں سمجھ آتا۔ (۲۷) یہ لوگ کہتے ہیں کہ فیصلہ کب ہوگا۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلی اقوام کے جرائم میں ایک جرم یہ بھی تھا کہ وہ قیامت کے دن زندہ ہونے کا انکار کرتے تھے یہاں تاریخی اور جغرافیائی نشانیوں کی نشاندہی کرنے کے بعد بارش سے سبق حاصل کرنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پہلی آیت میں اقوام کے تباہ شدہ کھنڈرات سے عبرت حاصل کرنے کی طرف اشارہ ہے اور اب بارش اور اس کے پانی سے اُگنے والی نباتات پر غور کرنے کی طرف دعوت دی گئی ہے دیکھو اور غور کرو کہ اللہ تعالیٰ کس طرح بارش نازل کرتا ہے اور پھر اس پانی سے زمین کو سیراب کرتا اور فصلیں اگاتا ہے اس سے تمہارے چوپائے بھی کھاتے اور تم بھی اپنی خوراک حاصل کرتے ہو لیکن پھر بھی تم عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے!

بارش بذات خود اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ اور اس کی رحمت کا سرچشمہ ہے اس سے کیڑے مکوڑے، درند، پرند، چوپائے اپنے حسب حال اور ضرورت کے مطابق مستفید ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے نباتات، انگوریاں اور فصلیں پیدا کرتا ہے جس سے دوسری مخلوق کے ساتھ چوپائے اور انسان اپنی روزی حاصل کرتے ہیں۔ بارش کے فوائد ذکر کرنے کے ساتھ یہ بتانا مقصود ہے کہ بارش کی وجہ سے زمین سے نباتات اُگتی ہے اسی طرح ایک دن آئے گا جب تمہاری موت کے بعد تمہیں بھی اٹھالیا جائے گا یہ لوگ سب کچھ سُننے اور دیکھنے کے باوجود آپ سے سوال کرتے ہیں کہ فیصلے کا دن کب آئے گا؟ اس سوال کے پہلے بھی جواب دیئے گئے ہیں یہاں صرف یہ بتلایا ہے کہ آپ انہیں فرمادیں کہ جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں یہ قیامت دیکھنے کے بعد ایمان لائیں گے لیکن ان کا ایمان اس دن انہیں فائدہ نہیں دے گا اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی اگر یہ لوگ اس پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہیں تو آپ ان کا خیال چھوڑ دیں آپ بھی انتظار فرمائیں اور یہ بھی انتظار کریں۔

اِنْ	كُنْتُمْ	صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾	قُلْ	يَوْمَ	الْفَتْحِ	لَا	يَنْفَعُ
اگر	ہوتم	سچے	فرما دیجیے	دن	فیصلے کا	نہیں	نفع دے گا

الَّذِيْنَ	كَفَرُوْٓا	اِيْمَانُهُمْ	وَلَا	هُمْ	يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾
ان لوگوں کو	جنہوں نے کفر کیا	ان کا ایمان لانا	اور نہ ہی	وہ	مہلت دیے جائیں گے

فَاَعْرِضْ	عَنْهُمْ	وَانْتَظِرْ	اِنَّهُمْ	مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع
آپ اعراض کریں	ان سے	اور آپ انتظار کریں	بلاشبہ وہ	منتظر ہیں

۳ ع ۸ ۱۶

اگر تم سچے ہو۔(۲۸) انہیں بتلائیں کہ فیصلے کے دن ایمان لانا اُن کے لیے سودمند نہیں ہوگا جنہوں نے کفر کیا ہے اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔(۲۹) بس انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو اور انتظار کرو یہ بھی انتظار کریں۔" (۳۰)

اللہ تعالیٰ چاہے گا تو دنیا میں ان کی پکڑ کرے گا ورنہ قیامت کے دن ان سے ضرور پوچھا جائے گا۔

مسائل

۱۔ قیامت کے دن کفار کا ایمان لانا انہیں کچھ فائدہ نہیں دے گا۔

۲۔ ضدی لوگوں کے ساتھ الجھنے کی بجائے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

ہٹ دھرم اور جاہلوں سے اعراض کرنے کا حکم:

۱۔ نبی ﷺ کو جاہلوں سے اعراض کی ہدایت تھی۔(اعراف:۱۹۹)

۲۔ موسیٰ علیہ السلام نے جہالت سے پناہ مانگی۔(البقرۃ:۶۷)

۳۔ حضرت نوح کو جہالت سے بچنے کا حکم۔(ھود:۴۶)

۴۔ جاہلوں سے بحث کی بجائے اجتناب اور اعراض کرنا چاہیے۔(الفرقان:۶۳)

۵۔ اگر اللہ چاہتا تو انہیں ہدایت پر جمع فرما دیتا پس آپ جاہلوں میں سے نہ ہوں۔(الانعام:۳۵)

۶۔ آپ ﷺ جاہلوں سے اعراض کریں اور اللہ پر بھروسہ کریں کیونکہ اللہ ہی نگہبان ہے۔(النساء:۸۱)

۷۔ جہالت کے بارے میں حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی۔(ھود:۴۷)

سورۃ الاحزاب کا تعارف

الاحزاب کا لفظ اس سورت کی بیسویں آیت میں آیا ہے اس کے نو رکوع اور تہتر آیات ہیں یہ سورۃ مدینہ طیبہ اور اس کے گردونواح میں نازل ہوئی ہے اس سورۃ کے مرکزی مضامین یہ ہیں۔

ربطِ سورۃ: سورۃ السّجدہ کے اختتام میں فرمایا کہ منکرینِ حق سے بحث وتکرار کرنے کی بجائے ان سے الگ ہو جانا چاہیے۔ الاحزاب کے آغاز میں بتلایا ہے کہ کفار اور منافقین کے پیچھے چلنے کی بجائے صرف اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا اور اس سے ڈرنا چاہیے۔

اس سورۃ کا نام الاحزاب ہے جو ''حِزْبٌ'' کی جمع ہے حزب کا معنی ہے گروہ۔ غزوۂ خندق میں مکہ والوں کے ساتھ اور بھی بہت سے گروہ شامل تھے اس لیے اس سورت کا نام الاحزب رکھا گیا۔

اہلِ مکہ کسی صورت بھی مسلمانوں کا وجود تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ غزوہ احد کے بعد ان کی یہ حالت ہو چکی تھی کہ وہ دن رات سوچتے تھے کہ مسلمانوں کو کس طرح ملیا میٹ کیا جائے۔ اُحد کی جزوی کامیابی کے بعد ان کے حوصلے بڑھ گئے اس لیے انہوں نے مکہ کے اردگرد رہنے والے قبائل کو یکجا کیا اور اس کے ساتھ مدینے کے یہودیوں اور منافقوں سے ساز باز کی اور طے کیا کہ سب مل کر مدینہ پر اس طرح حملہ کریں کہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے ختم کر دیا جائے۔ اس کے لیے دس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں۔ نبی معظم ﷺ کو جونہی اس صورتحال کا علم ہوا تو آپ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی تجویز پر باہمی مشورے سے مدینہ کی خالی جانب خندق کھودنے کا انتظام کیا۔

① ۔ نبی علیہ السلام کے حوالے سے آپ اور تمام مسلمانوں کو یہ بات سمجھائی گئی کہ کفار اور منافقین کے پیچھے لگنے کی بجائے صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع کرنا اور ہر حال میں ''اللہ'' پر بھروسہ کرنا ہے۔

② ۔ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں بنائے اس نے ہر انسان کے سینے میں ایک ہی دل بنایا ہے۔ جس میں بیک وقت ایک ہی خوف اور فکر سما سکتی ہے اگر تم واقعی اپنے دلوں میں ایک ہی رب کی اطاعت کا جذبہ لیے ہوئے ہو تو یاد رکھو اپنی خواہشات کے پیچھے لگنے کی بجائے صرف اپنے رب کے حکم کے پیچھے لگو اور اس سے ڈرو اس کا حکم ہے کہ تمہارے کہنے پر تمہاری بیویاں تمہاری مائیں نہیں بن جاتیں اور نہ ہی تمہارے متبنّٰی بیٹے تمہارے حقیقی بیٹے بن سکتے ہیں اس لیے انہیں ان کے باپوں کے نام سے ہی پکارا کرو۔

③ ۔ مرتبہ اور محبت کے اعتبار سے ''اللہ'' کا نبی مومنوں کے نزدیک ان کی جانوں سے زیادہ محترم اور محبوب ہے اور ہونا چاہیے اسی بنا پر صرف نبی ﷺ کی شان ہے کہ اس کی بیویاں عام عورتوں کی طرح نہیں بلکہ وہ تمہاری ماں کا درجہ رکھتی ہیں۔

④ ۔ غزوۂ احزاب کی کیفیت اور اس کے حالات کا تفصیلی ذکر کرنے کے بعد حکم دیا کہ اللہ کا رسول ہر حال میں تمہارے

لیے اسوۂ حسنہ بنایا گیا ہے لہٰذا ہر حال میں تمہیں اس اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنی چاہیے۔

⑤۔ نبی ﷺ کی بیویوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم عام عورتوں جیسی نہیں ہو اس لیے تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہوئے مسلمان عورتوں کے لیے نمونہ بننا چاہیے جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرے گا وہ اپنے رب سے بڑا اجر پائے گا بڑا اجر پانے کے لیے ضروری ہے کہ مومن مرد اور مومن عورتیں اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کو آخری فیصلہ تصور کریں جس نے اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کو آخری فیصلہ تسلیم نہ کیا وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہوگا۔

⑥۔اس سورۃ کے پانچویں رکوع کے آخر میں حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کا ذکر ہوا ہے جن کا آپس میں نباہ نہ ہو سکا۔ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی عدت پوری ہونے پر اللہ تعالیٰ نے ایک اور رسم کا خاتمہ کرنے کے لیے زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی علیہ السلام کے ساتھ کر دیا اور ساتھ ہی اس بات کی وضاحت فرمائی کہ محمد ﷺ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں جب آپ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں تو زید رضی اللہ عنہ کی بیوی آپ کی بہو کس طرح ہو سکتی ہے؟ نبی علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم النبیین کا اعزاز اور مقام دے کر نبوت کے سلسلے کو ہمیشہ کے لیے مکمل کر دیا ہے۔ آپ ﷺ کی ذمہ داری ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے والے ہیں اور ہدایت کے چمکتے ہوئے سورج ہیں۔

⑦۔اس سورۃ کے چھٹے اور ساتویں رکوع میں ان رشتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کے ساتھ آدمی نکاح کر سکتا ہے اور آٹھویں رکوع میں ازواجِ مطہرات اور مومن عورتوں کو پردہ کرنے کا طریقہ اور اس کا فائدہ ذکر کیا ہے۔

سورۃ الاحزاب کے اختتام میں خلافت کی امانت کا ذکر کیا ہے جس کو اٹھانے سے زمین وآسمان اور پہاڑوں نے بھی معذرت کر لی تھی مگر انسان نے اپنی جہالت کی وجہ سے اسے اٹھا لیا اور اس جہالت کا نتیجہ ہے کہ کچھ لوگ منافق ہوئے اور کچھ مشرک ٹھہرے۔ اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن عذاب دے گا اور جن مومن بندوں اور عورتوں نے اس امانت کا حق ادا کرنے کی کوشش کی مگر بتقاضائے بشریت ان سے خطائیں سرزد ہو گئیں اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے گا کیونکہ وہ معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔

سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ مَدَنِیَّۃٌ | بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | رُکُوْعُھَا ـ ۹ اٰیَاتُھَا ـ ۷۳

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

یٰۤاَیُّھَا	النَّبِیُّ	اتَّقِ	اللّٰہَ	وَلَا	تُطِعِ	الْکٰفِرِیْنَ
اے	نبی	آپ ڈریں	اللہ سے	اور نہ	آپ اطاعت کریں	کافروں
وَالْمُنٰفِقِیْنَ	اِنَّ	اللّٰہَ	کَانَ	عَلِیْمًا	حَکِیْمًا ۝۱	وَّاتَّبِعْ
اور منافقوں کی	بلاشبہ	اللہ	ہے	خوب جاننے والا	بڑا حکمت والا	اور آپ پیروی کریں
مَا	یُوْحٰۤی	اِلَیْکَ	مِنْ	رَّبِّکَ	اِنَّ	اللّٰہَ کَانَ
جو	وہ وحی کی جاتی ہے	آپ کی طرف	سے	آپ کے رب	بے شک	اللہ ہے
بِمَا	تَعْمَلُوْنَ	خَبِیْرًا ۝۲	وَّتَوَکَّلْ	عَلَی	اللّٰہِ	
ساتھ اس کے جو	تم کرتے ہو	خبردار	اور آپ توکل کیجیے	پر	اللہ	
وَکَفٰی	بِاللّٰہِ	وَکِیْلًا ۝۳				
اور کافی ہے	اللہ	کارساز				

"اے نبی "اللہ" سے ڈرو، کفار اور منافقین کی اطاعت نہیں کرنا حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہر بات جاننے والا اور حکیم ہے۔(۱) اُس بات کی پیروی کرو جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر وحی کی جاتی ہے جو تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔(۲) اللہ پر توکل کرو وہ پوری طرح کارساز ہے۔"(۳)

فہم القرآن

سورۃ السّجدۃ کا اختتام اس فرمان پر ہوا کہ ہٹ دھرم لوگوں سے اعراض کرنا چاہیے الاحزاب کا آغاز اس بات سے کیا کہ ہٹ دھرم اور جاہلوں سے صرف اعراض ہی نہیں کرنا بلکہ ان کی مخالفت کو بھی خاطر میں نہیں لانا اس لیے اے نبی ﷺ آپ کو ہر حال میں وحی الٰہی کی اتباع کرنا ہے۔

مکہ معظّمہ میں آپ کے مخالف مشرکین تھے مدینہ تشریف آوری کے بعد آپ ﷺ کا واسطہ، یہود اور منافقوں سے پڑا جو صبح وشام آپ کے خلاف سازشیں کرتے اور نئے سے نیا الزام لگاتے اور اسے پھیلاتے رہتے تھے مفسرین نے لکھا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے متبنّٰی بیٹے زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کے ساتھ کیا تاکہ مسلم معاشرے میں طبقاتی اونچ نیچ ختم کی جاسکے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ذہنی طور پر حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کرنے کے حق میں نہ تھی مگر اللہ

کے نبی ﷺ کا حکم سمجھ کر آمادہ ہوگئیں لیکن معاشرتی امتیاز اور طبیعتیں نہ ملنے کی وجہ سے نباہ مشکل ہوا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ گاہے گاہے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں گھریلو حالات عرض کرتے نبی ﷺ پیار اور محبت سے سمجھاتے کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکتا ہے نباہ کرنا چاہیے اس کوشش کے باوجود رشتہ ٹوٹ جاتا ہے جونہی یہ رشتہ منقطع ہوا ''اللہ'' کا حکم ہوا کہ اے نبی ﷺ آپ زینب کو اپنے حرم میں شامل کر لیں تاکہ زینب کی دلجوئی کے ساتھ ایک اور رسم کا خاتمہ ہو سکے اس زمانے میں لوگ متبنّٰی بیٹے کی بیوی کو حقیقی بہو کا درجہ دیتے تھے متبنّٰی کی مطلقہ کے ساتھ نکاح کرنا آپ ﷺ کے لیے بڑی آزمائش اور مخالفوں کے لیے پراپیگنڈہ کا ایسا بہانہ تھا جس کا دفاع کرنا اس وقت کے حالات کے مطابق انتہائی مشکل تھا اس لیے اس سورۃ کی ابتدا ہی ان الفاظ سے ہوئی کہ اے نبی ﷺ کفار اور مشرکین کے پیچھے لگنے کی بجائے آپ کو صرف ''اللہ تعالیٰ'' سے ڈرنا چاہیے اللہ تعالیٰ ہر قسم کے حالات کو اچھی طرح جانتا ہے اور اس کے ہر حکم میں حکمت پائی جاتی ہے اس لیے آپ کو اپنے رب کی وحی کی پیروی کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال اور معاملات سے اچھی طرح باخبر ہے اسی پر بھروسہ کریں وہ ہر معاملے میں آپ کو کافی ہے یعنی اسے معلوم ہے کہ میں نے اپنے بندے کا دفاع کس طرح کرنا ہے جب وہ کسی کی حفاظت اور دفاع کا فیصلہ کرتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کا بال برابر بھی نقصان نہیں کرسکتی۔

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زید بن حارثہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شکایت لے کر آئے آپ نے حضرت زید کو فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو نہ چھوڑو۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں رسول اللہ ﷺ اگر کسی چیز کو چھپانے والے ہوتے تو آپ اس بات کو چھپاتے راوی بیان کرتے ہیں سیدہ زینت رضی اللہ عنہا اسی بنیاد پر نبی ﷺ کی دوسری ازواج مطہرات پر فخر کیا کرتی تھیں کہ تمہارے نکاح تمہارے اہل وعیال نے کیے لیکن میرے نکاح کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر فرمایا ہے۔'' (رواہ البخاری: باب وکان عرشہ علی الماء)

مسائل

۱۔ مسلمان کو صرف ایک ''اللہ'' سے ڈرنا اور اسی کے حکم کی اتباع کرنا چاہیے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال سے اچھی طرح باخبر ہے۔

۳۔ اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے جو اس پر بھروسہ کرتا ہے ''وہ'' اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نبی علیہ السلام اور تمام انسانوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم:

''اے نبی ''اللہ'' سے ڈرو۔ (الاحزاب:۱) ۱۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ خاص مجھ ہی سے ڈرو۔ (البقرۃ:۴۱) (الطلاق:۱۰) (المائدۃ:۱۰۰) (الاحزاب:۷۰) (النساء:۱) (المائدۃ:۵۷) (الحجرات:۱۰) (آل عمران:۱۰۲) (المائدۃ:۹۶)

مَا	جَعَلَ	اللّٰهُ	لِرَجُلٍ	مِّنْ	قَلْبَيْنِ	فِيْ	جَوْفِهٖ ج
نہیں	بنائے	اللہ نے	کسی انسان کے لیے	سے	دو دلوں	میں	اس کے سینے
وَمَا	جَعَلَ	اَزْوَاجَكُمُ	الّٰٓـِٔيْ	تُظٰهِرُوْنَ	مِنْهُنَّ	اُمَّهٰتِكُمْ ج	
اور نہیں	اس نے بنایا	تمہاری بیویوں کو	وہ جو	تم ظہار کرتے ہو	ان سے	تمہاری مائیں	
وَمَا	جَعَلَ	اَدْعِيَآءَكُمْ	اَبْنَآءَكُمْ ط	ذٰلِكُمْ	قَوْلُكُمْ		
اور نہیں	اس نے بنایا	تمہارے لے پالک	بیٹے تمہارے	یہ	تمہارا کہنا		
بِاَفْوَاهِكُمْ ط	وَاللّٰهُ	يَقُوْلُ	الْحَقَّ	وَهُوَ يَهْدِي	السَّبِيْلَ ۝۴		
اپنی زبانوں سے	اور اللہ	وہ کہتا ہے	حق	اور وہی ہدایت دیتا ہے	راستے کی		

''اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں رکھے، نہ اس نے تمہاری اُن بیویوں کو مائیں بنایا ہے جن سے تم ظہار کرتے ہو اور نہ اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا بنایا ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو تم اپنی زبان سے نکال دیتے ہو، مگر اللہ وہ فرماتا ہے جو حقیقت پر مبنی ہوتا ہے اور وہی صحیح راستے کی رہنمائی کرتا ہے۔ (۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی اکرم ﷺ کو ''اللہ'' پر توکل کرنے کی تلقین کرنے کے بعد مسلم معاشرے سے رسومات کو ختم کرنے کا اعلان اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والے ہی لوگوں کی مخالفت کی پرواہ کیے بغیر رسومات کا خاتمہ کیا کرتے ہیں۔

عرب معاشرہ میں متبنّٰی بیٹے کو حقیقی بیٹے کا درجہ دینا اور جذبات میں آکر اپنی بیوی کو ماں کہہ بیٹھنا حرفِ آخر سمجھا جاتا تھا ان الفاظ اور رسومات کے خلاف کرنا اس طرح تھا جیسے کوئی شخص خودکشی کرنے کا اعلان کردے۔ لوگوں کے دلوں سے ان رسومات کو کھرچ ڈالنے کے لیے ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے کہ ایک دل میں اپنے رب کا خوف رکھے اور دوسرے دل میں لوگوں کا خوف سمایا رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کے سینے میں ایک ہی دل رکھا ہے تو اس کے دل میں ایک ہی ذات کا خوف اور اس کے حکم کا احترام ہونا چاہیے لہٰذا حکم دیا جاتا ہے کہ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھتے ہیں انہیں سن لینا چاہیے کہ اس طرح ان کی بیویاں ان کی مائیں نہیں بن جاتیں اور جن لے پالکوں کو تم اپنا بیٹا قرار دیتے ہو وہ تمہارے حقیقی بیٹوں کا درجہ نہیں حاصل کرسکتے یہ تمہارے منہ کی باتیں ہیں یعنی تمہارے اپنے الفاظ اور محبت کے جذبات ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جو فرماتا ہے وہی سچ ہے اور وہ ہر معاملے میں سیدھے راستے کی رہنمائی کرنے والا ہے۔ اس کا حکم ہے کہ تم اپنے لے پالک بچوں کو ان کے حقیقی باپوں کے نام سے پکارا کرو۔ ''اللہ'' کے نزدیک یہی انصاف کی بات ہے اگر تمہیں ان کے باپوں کا نام معلوم نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں اس

اُدْعُوْهُمْ	لِاٰبَآئِهِمْ	هُوَ	اَقْسَطُ	عِنْدَ	اللّٰهِ ۚ
تم انہیں پکارو	ان کے باپوں کے لئے	وہ	زیادہ انصاف والا ہے	نزدیک	اللہ کے
فَاِنْ	لَّمْ	تَعْلَمُوْٓا	اٰبَآءَهُمْ	فَاِخْوَانُكُمْ	فِي
پھر اگر	نہ	تم جانو	ان کے باپ	تو وہ تمہارے بھائی ہیں	میں
الدِّيْنِ	وَمَوَالِيْكُمْ ۭ	وَلَيْسَ	عَلَيْكُمْ	جُنَاحٌ	فِيْمَآ
دین	اور تمہارے دوست	اور نہیں	تم پر	کوئی گناہ	اس میں جو
اَخْطَاْتُمْ	بِهٖ ۙ	وَلٰكِنْ	مَّا	تَعَمَّدَتْ	قُلُوْبُكُمْ ۭ
تم چوک جاؤ	ساتھ اس کے	اور لیکن	وہ جو	ارادہ کیا	تمہارے دلوں نے
وَكَانَ	اللّٰهُ	غَفُوْرًا	رَّحِيْمًا ۵		
اور ہے	اللہ	بڑا بخشنے والا	نہایت رحم کرنے والا		

منہ بولے بیٹوں کو اُن کے باپوں کے نام سے پکارا کرو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے، اور اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ اُن کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور ساتھی ہیں تم جو بات نادانستہ طور پر کہو اس پر کوئی گرفت نہیں، لیکن اس بات پر ضرور گرفت ہے۔ جسے تم دلی طور پر کرتے ہو اللہ درگزر کرنے والا مہربان ہے۔'' (۵)

معاملے میں جو تم سے پہلے غلطی ہوگئی اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے اگر تم دانستہ طور پر غلطی کرو گے تو اس پر مواخذہ کیا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں یہ فرمان نازل ہونے سے پہلے لوگ نبی ﷺ کے متبنّٰی زید کو زید بن محمد کہتے تھے (رواہ البخاری: کتاب السیف) جونہی یہ حکم نازل ہوا تو ہم اسے زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کے نام سے پکارنے لگے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فارس کے رہنے والے اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روم کے رہنے والے تھے جس وجہ سے رومی کہلائے چھوٹی عمر میں دشمن کے ہاتھ چڑھ گئے انہیں خود بھی معلوم نہ تھا کہ ان کے باپوں کے نام کیا ہیں۔ (بخاری: کتاب المناقب) لوگوں کو اس بات پر الجھن ہوتی تھی کہ ضرورت کے وقت انہیں کس کا بیٹا کہہ کر پکارا جائے اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ جن کے باپ تمہیں معلوم نہیں وہ دینی اعتبار سے تمہارے بھائی اور دوست ہیں آپ انہیں بھائی اور دوست کہہ کر پکار سکتے ہیں، اسی طرح کسی کو پیار سے بھائی اور بیٹا بھی کہا جاسکتا ہے لیکن وہ حقیقی بھائیوں اور بیٹوں کا درجہ نہیں پا سکتے۔

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنِ ادَّعٰى إِلٰي غَيْرِ أَبِيْهِ أَوِ انْتَمٰى إِلٰي غَيْرِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ الْمُتَتَابِعَةُ إِلٰي يَوْمِ الْقِيَامَةِ»

(رواہ أبو داؤد: باب فی الرجل ینتمی الخ [صحیح])

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے باپ کو اپنا باپ بنانے کا دعویٰ کیا یا کسی نے اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کے آقا کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا اس پر قیامت کے دن تک ''اللہ'' کی لعنت برستی رہے گی۔''

((عَنْ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ مَنِ ادَّعٰی إِلٰی غَیْرِ أَبِیْهِ، وَهُوَ یَعْلَمُ أَنَّهُ غَیْرُ أَبِیْهِ، فَالْجَنَّةُ عَلَیْهِ حَرَامٌ)) (رواہ البخاری: باب مَنِ ادَّعٰی إِلٰی غَیْرِ أَبِیْهِ)

''حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اپنے باپ کا علم ہونے کے باوجود کسی دوسرے شخص کی طرف اپنی نسبت کی اس پر جنت حرام ہے۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔ ٢۔ بیوی کو ماں کہنے سے وہ اپنے خاوند کی ماں نہیں بن جاتی۔

٣۔ متبنّٰی تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بن سکتے۔ ٤۔ اللہ کا ہر فرمان سچ ہے اور وہ سیدھے راستے کی رہنمائی کرتا ہے۔

٥۔ اپنے لے پالکوں کو ان کے باپوں کے نام سے پکارا کرو۔

٦۔ جن کے باپ کا نام تم نہیں جانتے وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔

٧۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا نہایت ہی مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ راہنمائی فرمانے والا ہے:

١۔ اللہ تعالیٰ کی راہنمائی کے بغیر کوئی ہدایت نہیں پا سکتا۔ (الاعراف: ٤٣)

٢۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کی صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ (الانعام: ١٦١)

٣۔ اللہ تعالیٰ صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے۔ (الحج: ٥٤)

٤۔ ہم نے قوم ثمود کی راہنمائی کی مگر انہوں نے ہدایت کے بدلے جہالت پسند کی۔ (حٰم السجدۃ: ١٧)

٥۔ ہدایت وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت قرار دے۔ (البقرۃ: ١٢٠)

٦۔ ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔ (القصص: ٥٦)

٧۔ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ (البقرۃ: ٢١٣)

٨۔ کسی کا ہدایت پانا اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ (الحجرات: ١٧)

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ

نبی زیادہ حق دار ہے مومنوں کا سے ان کے نفسوں اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں

وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ

اور رشتے دار بعض ان کے زیادہ حق دار ہیں بعض کے میں کتاب

اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا

اللہ کی سے مومنوں اور مہاجروں مگر یہ کہ تم کرو

اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝٦

طرف اپنے دوستوں کے کوئی بھلائی ہے یہ میں کتاب لکھا ہوا

''بلا شبہ نبی اہلِ ایمان کے لیے اُن کی اپنی ذات پر مقدم ہے اور نبی کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں، مگر ''اللہ'' کی کتاب کے مطابق عام مومنین ومہاجرین کی نسبت ان کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں، البتہ اپنے رفیقوں کے ساتھ کوئی بھلائی کرنا چاہو تو کر سکتے ہو یہ حکم قرآن میں لکھا ہوا ہے۔''(٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلے نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو کسی کو اپنا بیٹا قرار دینے سے منع کیا گیا ہے اب نبی اکرم ﷺ کا امت کے ساتھ رشتہ اور مسلمانوں کے آپس میں رشتے کی وضاحت کی گئی ہے۔

اس فرمان میں یہ بتلایا ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ کا اپنی امت کے ساتھ اور امت کا اپنے نبی ﷺ کے ساتھ کیا رشتہ ہے یہ ایسا رشتہ ہے جو تمام رشتوں سے زیادہ مقدس اور مقدم ہے اور ہونا چاہیے۔ سرورِ دو عالم ﷺ اپنے ساتھیوں کے لیے خود ان کی جانوں سے زیادہ خیر خواہ ہیں لہٰذا مومنوں کے لیے بھی نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ محبوب اور مقدم ہونے چاہییں۔

اس خصوصیت کے ساتھ نبی ﷺ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ کی بیویاں اسی طرح مومنوں کے لیے حرام ہیں جس طرح ان کی اپنی مائیں ان پر حرام ہیں یہ معاملہ نبی کریم ﷺ کے سوا دنیا میں اور کسی کے ساتھ نہیں ہے اس سلسلہ میں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ ازواجِ مطہرات صرف اسی معنٰی میں امہات المومنین ہیں کہ ان کی تعظیم وتکریم مسلمانوں پر واجب ہے اور ان کے ساتھ کسی مسلمان کا نکاح نہیں ہوسکتا تھا باقی احکام میں وہ ماں کی طرح نہیں ہیں مثلاً ان کے حقیقی رشتہ داروں کے سوا باقی سب مسلمان اُن کے لیے غیر محرم تھے جن سے پردہ واجب تھا ان کی صاحبزادیاں مسلمانوں کے لیے بہنیں نہیں تھیں ورنہ ان سے بھی مسلمانوں کا نکاح حرام ہوتا ان کے بھائی اور بہنیں مسلمانوں کے لیے خالہ اور ماموں کے حکم میں نہ تھے۔ ان سے کسی غیر رشتہ دار مسلمان کو وہ میراث نہیں پہنچتی تھی جو ایک شخص کو اپنی ماں سے پہنچتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قرآن مجید کی رو سے یہ مرتبہ تمام ازواج نبی ﷺ کو حاصل ہے جن میں لامحالہ حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں لیکن ایک گروہ نے جب حضرت علی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد کو مرکز دین بنا کر سارا نظام دین انہی کے گرد گھما دیا اور اس بنا پر دوسرے بہت سے صحابہ کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی ہدفِ لعن وطعن بنایا، تو ان کی راہ میں قرآن مجید کی یہ آیت حائل ہوگئی جس کی رو سے ہر اس شخص کو انہیں اپنی ماں تسلیم کرنا پڑتا ہے جو ایمان کا مدعی ہو آخر کار اس مشکل کو رفع کرنے کے لیے یہ عجیب وغریب دعویٰ کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ اختیار دے دیا تھا کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات میں سے جس کو چاہیں آپ کی زوجیت میں باقی رکھیں اور جسے چاہیں آپ کی طرف سے طلاق دے دیں۔ ابومنصور احمد بن ابوطالب طبرسی نے کتاب الاحتجاج میں یہ بات لکھی ہے اور سلیمان بن عبداللہ البحرانی نے اسے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((یَااَبَا الْحَسَنِ اَنَّ هٰذَا الشَّرَفَ بَاقٍ مَادُمْنَا عَلٰی طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی فَاَیَّتُهُنَّ عَصَتِ اللّٰهَ تَعَالٰی بَعْدِیْ بِالْخُرُوْجِ عَلَیْكَ فَطَلِّقْهَا مِنَ الْاَزْوَاجِ وَاسْتَقِطْهَا مِنْ شَرَفِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ))

''اے ابوالحسن! یہ شرف تو اسی وقت تک باقی ہے جب تک ہم لوگ اللہ کی اطاعت پر قائم رہیں لہٰذا میری بیویوں میں سے جو بھی میرے بعد تیرے خلاف خروج کر کے اللہ کی نافرمانی کرے اسے طلاق دے دیجیو اور اس کو امہات المومنین کے شرف سے ساقط کر دیجیو۔''

اصولِ روایت کے اعتبار سے تو یہ روایت سراسر بے اصل ہے اگر آدمی اسی سورۂ احزاب کی آیت ۲۸۔ ۲۹ اور ۵۱۔ ۵۲ پر غور کرے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ روایت قرآن کے بھی خلاف پڑتی ہے کیونکہ آیت ''تخییر'' کے بعد جن ازواجِ مطہرات نے ہر حال میں رسول اللہ ﷺ ہی کی رفاقت کو اپنے لیے پسند کیا تھا انہیں طلاق دینے کا اختیار حضور ﷺ کو باقی نہ رہا تھا۔

علاوہ بریں ایک غیر متعصب آدمی اگر محض عقل ہی سے کام لے کر اس روایت کے مضمون پر غور کرے تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ انتہائی لغو اور رسول پاک ﷺ کے حق میں سخت توہین آمیز افترا ہے رسول کا مقام تو بہت بالاتر و برتر ہے ایک معمولی شریف آدمی سے بھی یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنی وفات کے بعد اپنی بیوی کو طلاق دینے کی فکر کرے گا اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے داماد کو یہ اختیار دے جائے گا کہ اگر کبھی تیرا اس کے ساتھ جھگڑا ہو تو میری طرف سے تو اسے طلاق دے دیجیو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اہل بیت کی محبت کے مدعی ہیں ان کے دلوں میں صاحب البیت کی عزت و ناموس کا پاس کتنا کچھ ہے اور اس سے بھی گزر کر خود اللہ تعالیٰ کے ارشادات کا وہ کتنا احترام کرتے ہیں۔ (تفہیم القرآن: جلد ۴)

نبی کریم ﷺ کا امت کے ساتھ تعلق اور محبت:

{ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ }

(التوبة: ۱۲۸)

''بلاشبہ یقیناً تمہارے پاس تم میں سے ایک رسول آیا ہے جس پر تمہارا مشقت میں پڑنا بہت شاق گزرتا ہے، تمہاری بھلائی کے بارے میں بہت خواہش رکھتا ہے، ایمان والوں پر بہت شفقت کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔''

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ»

(رواہ البخاری: کتاب الایمان)

’’تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اپنے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہوجاؤں۔‘‘

مواخاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم:

ہجرت کے بعد مہاجروں کی آبادکاری کا مسئلہ بہت اہم تھا نبی اکرم ﷺ نے اس مسئلہ کو یوں حل فرمایا آپ ﷺ نے انس رضی اللہ عنہ کے گھر مہاجر اور انصار کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا یہ رشتہ اس قدر مضبوط اور محترم ہوا کہ مواخاتی بھائی ایک دوسرے کی وراثت میں حصہ دار بن گئے جب مسلمانوں کی حالت بہتر ہوگئی تو اس قانون کو ختم کردیا گیا اور حکم ہوا کہ کتاب اللہ میں جن وارثوں کی تفصیل دی گئی وہی رشتہ دار ہی ایک دوسرے کی وراثت میں حقدار ہوں گے البتہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون ہوسکتا ہے اور کسی کے حق میں اپنے مال سے تیسرے حصہ تک وصیت کی جاسکتی ہے البتہ جو وراثت میں حصہ دار ہے اس کے لیے مال والا وصیت نہیں کرسکتا۔

«عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِي خُطْبَتِهٖ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی قَدْ أَعْطٰی لِكُلِّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ، فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ»

(رواہ الترمذی: باب إِذَا نَزَلَ الْعَدُوُّ عَلٰی حُكْمِ رَجُلٍ [صحیح])

’’حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کا حق مقرر فرمادیا ہے اس لیے اب کسی وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں۔‘‘

مسائل

۱۔ نبی اکرم ﷺ مسلمانوں کے لیے ان کی ذات سے مقدم ہیں۔ ۲۔ ازواج مطہرات امّت کی مائیں ہیں۔

۳۔ مومن ایک دوسرے سے ان کے غیر مسلم رشتہ داروں سے زیادہ قریب ہیں اور ہونے چاہئیں۔

تفسیر بالقرآن

نبی ﷺ کا امّت کے ساتھ رشتہ اور تعلق:

۱۔ بلاشبہ نبی اہلِ ایمان کے لیے اُن کی اپنی ذات پر مقدّم ہے اور نبی کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں، مگر ’’اللہ‘‘ کی کتاب کے مطابق عام مومنین و مہاجرین کی نسبت ان کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں، البتہ اپنے رفیقوں کے ساتھ کوئی بھلائی کرنا چاہو تو کرسکتے ہو یہ حکم قرآن میں لکھا ہوا ہے۔ (الاحزاب: ٦)

وَاِذْ	اَخَذْنَا	مِنَ	النَّبِيّٖنَ	مِيْثَاقَهُمْ	وَمِنْكَ	وَمِنْ
اور جب	ہم نے لیا	سے	انبیاء	ان سے عہد	اور آپ سے	اور سے
نُّوْحٍ	وَّاِبْرٰهِيْمَ	وَمُوْسٰى	وَعِيْسَى	ابْنِ	مَرْيَمَ	وَاَخَذْنَا
نوح	اور ابراہیم	اور موسیٰ	اور عیسیٰ	بیٹے	مریم کے	اور ہم نے لیا
مِنْهُمْ	مِّيْثَاقًا	غَلِيْظًا ﴿۷﴾	لِّيَسْـَٔلَ	الصّٰدِقِيْنَ	عَنْ	صِدْقِهِمْ
ان سے	عہد	بڑا پختہ	تاکہ پوچھے	سچے لوگوں کو	کے متعلق	ان کی سچائی
وَاَعَدَّ	لِلْكٰفِرِيْنَ	عَذَابًا	اَلِيْمًا ﴿۸﴾			
اور اس نے تیار کیا	کافروں کے لیے	عذاب	دردناک			

''اور جب ہم نے سب انبیاء سے پختہ عہد لیا تھا۔ آپ سے بھی اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی (۷) تاکہ سچے لوگوں سے ان کا رب ان کی سچائی کے بارے میں سوال کرے اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سابقہ آیات میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ حالات جیسے بھی ہوں اور مخالفت کرنے والے جس قدر چاہیں حق کی مخالفت کرنے پر تل جائیں اے پیغمبر ﷺ آپ نے لوگوں تک حق پہنچانا اور ہر حال میں حق پر قائم رہنا ہے اس حوالے سے آپ کے سامنے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ارشاد ہوا کہ ہم نے انبیاء کرام، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام اور آپ ﷺ سے عہد لیا ہے کہ ہر حال میں لوگوں تک حق پہنچانا اور اس پر قائم رہنا ہے اس بارے میں آپ اور دوسرے انبیاء سے سوال کیا جائے گا لہٰذا لوگوں کے حق کے بارے میں جذبات کچھ بھی ہوں لیکن آپ کو حق کا پیغام پہنچانا ہوگا جو لوگ سچائی کا انکار کریں گے ان کے لیے اذّیت ناک عذاب تیار کیا گیا ہے۔ یہاں سچائی سے مراد ہر قسم کی سچائی ہے جس میں پہلی سچائی جس کا عہد لیا گیا وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا اور اس کا پرچار کرنا ہے دوسری سچائی اور عہد یہ ہے کہ ہر نبی اپنے سے پہلے نبی کی تائید کرے گا اور لوگوں تک حق بات پہنچائے۔

{ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿۷﴾ }

(الاعراف: ۶، ۷)

''جن کی طرف رسول بھیجے گئے ہم ان سے ضرور پوچھیں گے اور رسولوں سے بھی ضرور سوال کریں گے۔ پھر ان کے سامنے علم کے ساتھ بیان کریں گے اور ہم غائب نہ تھے۔''

((عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُدْعٰی نُوْحٌ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَیُقَالُ لَهٗ

هَلْ بَلَّغْتَ فَيَقُوْلُ نَعَمْ فَيُدْعٰى قَوْمُهٗ فَيُقَالُ لَهُمْ هَلْ بَلَّغَكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ مَا اَتَانَا مِنْ نَّذِيْرٍ أَوْ مَآ أَتَانَا مِنْ أَحَدٍ قَالَ فَيُقَالُ لِنُوْحٍ مَنْ يَّشْهَدُ لَكَ فَيَقُوْلُ مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهٗ قَالَ فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ **{وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا كُمْ أُمَّةً وَّسَطًا}**»[مسند أحمد: مسند أبي سعيد الخدري [صحيح]]

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن نوح علیہ السلام کو بلا کر پوچھا جائے گا کہ کیا تو نے میرا پیغام پہنچایا تھا؟ وہ جواب دیں گے ہاں پھر ان کی قوم کو بلا کر پوچھا جائے گا کیا نوح علیہ السلام نے میرا پیغام پہنچایا تھا وہ کہیں گے ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ آپ کی گواہی کون دے گا؟ وہ کہیں گے، محمد ﷺ اور اس کی امت۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ {اسی طرح ہم نے تمہیں امتِ وسط بنایا ہے}۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے عہد لیا کہ وہ حق پر قائم اور حق کا پرچار کرتا رہے گا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ سچ پر قائم رہنے والوں سے سوال کرے گا اور سچ کا انکار کرنے والوں کو سزا دے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا انبیاء کرام علیہم السلام سے جواب طلب فرمانا اور کفّار کو سزا دینا:

۱۔ ہم ان لوگوں سے ضرور سوال کریں گے جنکی طرف رسول بھیجے گئے اور رسول سے بھی جواب طلب کیا جائیگا۔ (الاعراف:٦)

۲۔ اللہ تعالیٰ سچوں سے ان کی سچائی کے متعلق ضرور سوال کرے گا۔ (الاحزاب:۸)

۳۔ کفار کے لیے دنیا میں تھوڑا سا فائدہ ہے پھر انکا ہماری طرف لوٹنا ہوگا پھر ہم انہیں سخت عذاب میں مبتلا کریں گے۔ (یونس:۷۰)

۴۔ ہم ان کی کہی ہوئی بات لکھ لیں گے اور ان کے عذاب کو بڑھا دیا جائے گا۔ (مریم:۷۹)

۵۔ وہ لوگ جو دین کو کھیل تماشا بناتے ہیں اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا، قیامت کے دن ہم ان کو بھلا دیں گے۔ (الاعراف:۵۱)

٦۔ قیامت کے دن ہم انہیں فراموش کر دیں گے جس طرح وہ قیامت کی ملاقات کو بھول گئے کیونکہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے۔ (الاعراف:۵۱)

۷۔ ان کے کفر کی وجہ سے ہم انہیں شدید ترین عذاب چکھائیں گے۔ (یونس:۷۰)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

اے لوگو جو! ایمان لائے ہو تم یاد کرو احسان اللہ کا تم پر

اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ

جب آئے تھے تم پر لشکر تو ہم نے بھیجی ان پر آندھی اور ایسے لشکر نہیں تم نے دیکھا ان کو

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝۹

اور ہے اللہ ساتھ اس کے جو تم کر رہے تھے خوب دیکھنے والا

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ یاد کرو اللہ کے احسان کو جو اُس نے تم پر کیا ہے جب تم پر لشکر چڑھ آئے تو ہم نے اُن پر ایک سخت آندھی بھیج دی اور ایسی فوجیں روانہ کیں جو تمہیں نظر نہیں آتی تھیں، جو تم اس وقت کر رہے تھے اللہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔(۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اصولی اور بنیادی ہدایات دینے کے بعد اب اس سورۃ کے عنوان اور واقعات پر خطاب شروع ہوتا ہے۔

قرآن مجید تاریخ کی کتاب نہیں کہ جس میں واقعات کو انہی ترتیب کے ساتھ بیان کیا جائے جس طرح وہ رونما ہوئے ہوں۔ قرآن مجید بنیادی طور پر ہدایت کی کتاب ہے جس میں انسان کی زندگی کے بارے میں کامل اور اکمل ہدایات کا انتظام کیا گیا ہے یہی وجہ ہے قرآن کسی واقعے کو محض واقعاتی انداز میں بیان نہیں کرتا اس لیے غزوہ احزاب کا خلاصہ بیان کرنے سے پہلے بنیادی ہدایات دی گئیں اور مسلمانوں کو یہ احساس دلایا گیا کہ دشمن کے اس قدر ہمہ جہت حملہ کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کامیابی عنایت فرمائی۔ یہ ”اس“ کا انعام تھا جس کو تمہیں یاد رکھنا چاہیے لہٰذا وہ وقت یاد کرو کہ جب تمہارا دشمن ہر جانب سے تم پر حملہ آور ہو چکا تھا جس سے تمہاری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور کلیجے منہ کو آچکے تھے تم میں کچھ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں مختلف قسم کے گمان کیے اور اس موقعہ پر مومنوں کو پوری طرح ہلایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دشمن کو سخت آندھی میں پھنسایا اور ایسے لشکروں کے ساتھ پسپا کیا جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے یاد رکھو کہ جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے پوری طرح دیکھنے والا ہے۔

غزوہ خندق میں کفار کے لشکر کی کیفیت:

حزب کی جمع احزاب ہے جو مختلف قسم کے لوگوں اور لشکر پر بولا جاتا ہے اس جنگ میں مشرکین مکہ، یہودیوں کے مختلف گروہ اور دیگر قبائل نے حصہ لیا اس لیے اسے غزوہ احزاب کہا جاتا ہے مدینہ کے منافقین سامنے آنے کی جرأت نہ کر سکے لیکن انہوں نے دشمن کے ساتھ ساز باز کرتے ہوئے مسلمانوں کو ہر طرح سے نقصان پہنچانے کی کوشش کی اس لشکر کی تیاری کے لیے مشرکین مکہ اور عرب کے یہودیوں نے آپس میں مل کر دیگر قبائل کو اکسایا اور اپنے ساتھ ملایا اس طرح دس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے رسول معظم ﷺ بھی حالات پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے اس لیے آپ نے دشمن کے حملہ آور ہونے سے پہلے مدینہ کے دفاع کا بندوبست فرما لیا۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ	مِّنْ	فَوْقِكُمْ	وَمِنْ	اَسْفَلَ	مِنْكُمْ	وَاِذْ زَاغَتِ
جب وہ آئے تھے تم پر	سے	تمہارے اوپر	اور سے	نیچے	تم سے	اور جب پھر گئی تھیں
الْاَبْصَارُ	وَبَلَغَتِ	الْقُلُوْبُ	الْحَنَاجِرَ	وَتَظُنُّوْنَ	بِاللّٰهِ	الظُّنُوْنَا ۝۱۰
آنکھیں	اور پہنچ گئے تھے	دل	حلقوں تک	اور تم گمان کرتے تھے	اللہ کے بارے میں	گمان کرنا
هُنَالِكَ	ابْتُلِيَ	الْمُؤْمِنُوْنَ	وَزُلْزِلُوْا	زِلْزَالًا	شَدِيْدًا ۝۱۱	
وہاں	آزمائے گئے	مومن (جمع)	اور وہ ہلائے گئے	ہلایا جانا	نہایت سخت	

جب دشمن اوپر سے اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آ گئے، اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرتے تھے۔ (۱۰) اُس وقت ایمان لانے والے خوب آزمائے گئے اور پوری طرح ہلا دیے گئے۔'' (۱۱)

خندق کی کھدائی:

آپ ﷺ نے اپنے رفقاء کرام سے مشورہ کیا کہ مدینہ کا دفاع کس طرح کیا جائے؟ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی تجویز پر اتفاق کیا گیا نبی ﷺ نے مدینہ کی خالی جانب خندق کی کھدائی کا کام شروع کیا دس، دس آدمیوں کا گروپ بنا کر انہیں چالیس، چالیس ہاتھ خندق کھودنے پر مامور کیا جو کھدائی آپ ﷺ کے حصہ میں آئی آپ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کی کھدائی میں مصروف ہو گئے سخت ترین حالات کے باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم خندق کھودتے ہوئے درج ذیل شعر پڑھ رہے تھے۔

((نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدًا)) (رواہ البخاری: باب التَّحْرِيضِ عَلَى الْقِتَالِ)

''ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے موت تک محمد ﷺ کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کی۔

جس کے جواب میں نبی اکرم ﷺ آخرت کی بھلائی اور دنیا کی کامیابی کی دعا دیتے۔

((اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الآخِرَةِ، فَاغْفِرْ لِلْمُهَاجِرِينَ وَالأَنْصَارِ))

(رواہ البخاری: باب التَّحْرِيضِ عَلَى الْقِتَالِ)

''اے اللہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے مہاجرین اور انصار کو معاف فرما۔''

اس دوران کئی واقعات پیش آئے جن میں سرفہرست دو واقعات ہیں:

آپ ﷺ کا اپنے پیٹ پر پتھر باندھنا:

معاشی تنگی کا حال یہ تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کئی افراد ایسے تھے جو کئی کئی دن بھوکے رہ کر خندق کی کھدائی میں مصروف تھے ایک صحابی رضی اللہ عنہ بھوک سے مجبور ہو کر رسول مکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھا کر عرض کرتا ہے کہ بھوک کی وجہ سے اس نے اپنی کمر کو سیدھا رکھنے کے لیے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا ہوا ہے نبی کریم ﷺ نے اس کے اطمینان کی خاطر اپنے پیٹ سے قمیض اٹھائی، صحابہ رضی اللہ عنہم یہ دیکھ کر حیران اور غمزدہ ہو گئے کہ سرور دو عالم ﷺ نے اپنے پیٹ پر

دو پتھر باندھے ہوئے ہیں اس کے باوجود لوگوں سے بڑھ کر خندق کی کھدائی میں مصروف ہیں۔ (رواہ الترمذی: باب مَا جَاءَ فِیْ مَعِیْشَةِ أَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ [ضعیف])

چٹان کا واقعہ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک دستہ کے حصہ میں خندق کا جو ٹکڑا آیا جس میں ایسا پتھر تھا جسے دس صحابہ مل کر بھی نہ توڑ سکے صحابہ رضی اللہ عنہم مایوس ہو کر آپ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں۔ آپ اپنا کدال لے کر خندق کے اس حصہ میں اترے اور اس زور سے پے در پے تین دفعہ کدال مارا جس سے چنگاریاں نکلیں اور چٹان کئی حصوں میں تقسیم ہوگئی۔

آپ ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خوشخبری سنانا:

”آپ ﷺ نے ”اللہ اکبر“ کہتے ہوئے فرمایا: مجھے ملک شام کی چابیاں دے دی گئی ہیں اور میں یہاں کھڑے ہو کر ملک شام کے سرخ محلات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے پھر اللہ کا نام لیتے ہوئے پتھر پر ضرب لگائی جس سے وہ مزید ٹوٹ گیا اور آپ نے اللہ اکبر کہتے ہوئے فرمایا: مجھے ملکِ فارس کی کنجیاں عطا کر دی گئی ہیں اور اللہ کی قسم میں یہاں کھڑے ہو کر مدائن اور اس کے سفید محلات کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے تیسری بار اللہ کا نام لیکر ضرب لگائی اور پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا آپ ﷺ نے اللہ اکبر کے کلمات کہتے ہوئے فرمایا: مجھے ملک یمن کی چابیاں عنایت کر دی گئی ہیں اور اللہ کی قسم میں صنعاء کے دروازوں کو یہاں کھڑے ہو کر دیکھ رہا ہوں۔“ (رواہ احمد: مسند براء بن عازب [ضعیف])

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے غزوہ احزاب کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کی تیز آندھی اور غیر مرئی لشکر کے ساتھ مدد فرمائی۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے غزوہ احزاب کے موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو بڑی شدید آزمائش سے آزمایا۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفّار کے مقابلہ میں کامیاب فرمایا:

۱۔ بدر میں مشرکین پسپا ہوئے اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ (آل عمران: ۱۲۳ تا ۱۲۷)
۲۔ اُحد میں پہلے مسلمان غالب رہے۔ (آل عمران: ۱۵۲) ۳۔ تبوک میں مسلمان کامیاب ٹھہرے۔ (التوبہ: ۸۸)
۴۔ ۸ ہجری کو اہلِ مکہ مغلوب ہوئے اور مسلمان کامیاب ہوئے۔ (الفتح: ۱)
۵۔ غزوۂ حنین میں مشرک شکست کھا گئے اور مسلمان امن میں رہے۔ (التوبۃ: ۲۶)
۶۔ جنگِ خندق میں اہل مکہ اور دیگر قبائل کو شکست ہوئی۔ (الاحزاب: ۲۵ تا ۲۷)

وَاِذۡ	يَقُوۡلُ	الۡمُنٰفِقُوۡنَ	وَالَّذِيۡنَ	فِىۡ	قُلُوۡبِهِمۡ	مَّرَضٌ
اور جب	کہہ رہے تھے	منافق (جمع)	اور جو لوگ	میں	اُن کے دلوں	روگ ہے

مَّا	وَعَدَنَا	اللّٰهُ	وَرَسُوۡلُهٗۤ	اِلَّا	غُرُوۡرًا ﴿۱۲﴾	وَاِذۡ	قَالَتۡ
نہیں	ہم سے وعدہ کیا	اللہ	اور اس کے رسول نے	مگر	فریب	اور جب	کہا

طَّآئِفَةٌ	مِّنۡهُمۡ	يٰۤاَهۡلَ يَثۡرِبَ	لَا	مُقَامَ	لَـكُمۡ	فَارۡجِعُوۡا ۚ
ایک گروہ نے	ان میں سے	اے مدینہ والو!	نہیں	ٹھہرنے کی جگہ	تمہارے لیے	لہٰذا تم لوٹ جاؤ

وَيَسۡتَاۡذِنُ	فَرِيۡقٌ	مِّنۡهُمُ	النَّبِىَّ	يَقُوۡلُوۡنَ	اِنَّ	بُيُوۡتَنَا
اور اجازت مانگتا تھا	ایک فریق	ان میں سے	نبی سے	وہ کہتے تھے	بے شک	ہمارے گھر

عَوۡرَةٌ ۛؕ	وَمَا	هِىَ	بِعَوۡرَةٍ ۚۛ	اِنۡ	يُّرِيۡدُوۡنَ	اِلَّا	فِرَارًا ﴿۱۳﴾
غیر محفوظ ہیں	اور نہیں	وہ	غیر محفوظ	نہیں	وہ چاہتے تھے	مگر	بھاگنے کا

مع ١٠

''اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری تھی وہ کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اُس کے رسول نے ہم سے جو وعدے کیے تھے وہ فریب کے سوا کچھ نہیں تھے۔(۱۲) جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اے یثرب کے لوگو! اب ٹھہرنے کا تمہیں کوئی فائدہ نہیں۔ پلٹ چلو، مگر ان کا ایک فریق نبی سے یہ کہہ کر رخصت مانگ رہا تھا کہ ہمارے گھر خطرے میں ہیں۔ حالانکہ ان کے گھر خطرے میں نہیں تھے مگر وہ تو بھاگنا چاہتے تھے۔(۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: غزوہ احزاب میں منافقوں کا کردار۔

منافقت دل کی بیماری ہے جس کے اثرات انسان کے اخلاق اور کردار پر مرتب ہوتے ہیں بالخصوص اسلام اور مسلمانوں پر مشکل وقت آئے تو منافق کی منافقت ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی ایسے موقعہ پر منافق کی ہمدردیاں کفار اور مشرکین کے ساتھ ہوا کرتی ہیں، غزوہ احد کے موقع پر منافقوں نے نبی اکرم ﷺ کا اس وقت ساتھ چھوڑا جب کفار اُحد کے مقام پر پڑاؤ ڈال چکے تھے غزوہ احزاب کے موقع پر بھی منافقوں کی ہمدردیاں مدینہ کے یہودیوں اور اہل مکہ کے ساتھ تھیں منافقوں نے دیکھا کہ مدینہ پر دس ہزار کا لشکر اُمڈ آیا ہے اور مسلمان اپنے بچاؤ کے لیے خندق کھودنے پر مجبور ہو گئے ہیں، مدینہ کے یہودی بھی نبی اکرم ﷺ سے کیے ہوئے عہد کو توڑ چکے ہیں تو منافقوں نے مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے اور انہیں محاذ سے واپس لانے کے لیے یہ کہنا شروع کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے تم سے جو فتح کا وعدہ کیا ہے وہ سراسر دھوکہ اور فراڈ ہے۔ منافق مسلمانوں کو یہ بھی کہتے کہ خندق چھوڑ دو اور اپنے گھروں کو واپس لوٹ چلو، دکھلاوے کے طور پر جو

وَلَوۡ	دُخِلَتۡ	عَلَيۡهِمۡ	مِّنۡ	اَقۡطَارِهَا	ثُمَّ	سُئِلُوا
اوراگر	داخل کردیے جاتے	ان پر	سے	اس کے اطراف	پھر	وہ مطالبہ کئے جاتے

الۡفِتۡنَةَ	لَاٰتَوۡهَا	وَمَا	تَلَبَّثُوۡا	بِهَآ	اِلَّا	يَسِيۡرًا ﴿١٤﴾
فتنے کا	تو وہ ضرور اسے اپنا لیتے	اور نہ	توقف کرتے	ساتھ اس کے	مگر	معمولی

وَلَقَدۡ	كَانُوۡا	عَاهَدُوا	اللّٰهَ	مِنۡ	قَبۡلُ	لَا يُوَلُّوۡنَ
اور البتہ تحقیق	وہ تھے	انہوں نے عہد کیا	اللہ سے	اس سے	پہلے	نہیں وہ پھیریں گے

الۡاَدۡبَارَ	وَكَانَ	عَهۡدُ	اللّٰهِ	مَسۡئُوۡلًا ﴿١٥﴾
پیٹھیں	اور ہے	عہد	اللہ کا	باز پرس کیا جانے والا

اگر شہر کے اطراف سے دشمن گھس آئے ہوتے اور اُس وقت انہیں فتنے کی طرف دعوت دی جاتی تو یہ اُس میں جا پڑتے اور مشکل ہی سے وہ فتنہ میں شریک ہونے سے تامّل کرتے۔ (١٤) ان لوگوں نے اس سے پہلے اللہ سے عہد کیا تھا کہ یہ پیٹھ نہیں پھیریں گے، اور اللہ سے کیے ہوئے عہد کی پوچھ گچھ ہوگی۔'' (١٥)

منافق نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے ان کی حالت یہ تھی کہ وہ ٹولیوں کی صورت میں آپ ﷺ کی خدمت میں درخواست کر رہے تھے کہ ہمیں میدان جنگ سے واپس جانے دیں کیونکہ مدینہ میں ہمارے گھروں کو شدید خطرہ ہے حالانکہ ان کے گھروں کو کوئی خطرہ نہیں تھا وہ صرف جنگ سے فرار چاہتے تھے یاد رہے کہ نبی معظم ﷺ نے مدینہ میں سب کے گھروں کی حفاظت پر کچھ لوگ مامور کر رکھے تھے۔ اس کے باوجود منافق اپنے گھر غیر محفوظ ہونے کا بہانہ بنا کر آپ سے اجازت لیتے رہے ان کے دل کی کیفیت یہ تھی کہ اگر دشمن کی فوج مدینہ میں گھس کر ان سے تعاون چاہتی تو معمولی توقف کے بعد منافق ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے پر تیار ہو جائے۔ انہیں وارننگ دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بدعہدی کے بارے میں تم سے ضرور باز پرس کرے گا۔

((عَنۡ أَبِي هُرَيۡرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ آيَةُ الۡمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخۡلَفَ، وَإِذَا اؤۡتُمِنَ خَانَ)) (رواه البخاری: باب علامة المنافق)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو خیانت کرتا ہے۔'' (رواه البخاری: باب علامة المنافق)

((عَنِ ابۡنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَثَلُ الۡمُنَافِقِ كَمَثَلِ الشَّاةِ الۡعَائِرَةِ بَيۡنَ الۡغَنَمَيۡنِ تَعِيرُ إِلَى هٰذِهِ مَرَّةً وَإِلَى هٰذِهِ مَرَّةً)) (رواه مسلم: كتاب صفات المنافقين وأحكامهم)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان پھرتی ہے کبھی ایک ریوڑ کی طرف جاتی ہے کبھی دوسرے کی طرف۔“

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون سے گناہ ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق کسی جان کو قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور پاکدامن، مومن، بے خبر عورتوں پر تہمت لگانا۔“ (رواہ البخاری: باب قول اللہ تعالی إن الذین یأکلون أموال الیتامی ظلما)

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَّا قَالَ لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَّآ أَمَانَةَ لَہٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَہٗ)) (رواہ احمد: مسند أنس بن مالک)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے تو اکثر فرماتے کہ جو امانت دار نہیں وہ ایمان دار نہیں اور جو بدعہد ہے وہ دین دار نہیں۔“

((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَآءٌ عِنْدَ اِسْتِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَآءٌ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُرْفَعُ لَہٗ بِقَدْرِ غَدْرِہٖ اَلَا وَلَا غَادِرَ اَعْظَمُ غَدْرًا مِّنْ اَمِیْرِ عَامَّۃٍ))

(رواہ مسلم: باب تحریم الغدر)

”حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ہر عہد شکن انسان کی دُبر کے نزدیک جھنڈا ہوگا دوسری روایت میں ہے ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن جھنڈا ہوگا جو اس کی عہد شکنی کے مطابق بلند کیا جائے گا، خبردار! سربراہِ مملکت سے بڑھ کر کسی کی عہد شکنی بڑی نہیں ہوتی۔“

مسائل

۱۔ منافق جھوٹے بہانے بنا کر مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ ۲۔ منافق مسلمانوں میں انتشار اور بددلی پیدا کرتا ہے۔
۳۔ منافق وعدہ خلافی کرتا ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کرنے والے کو ضرور پوچھے گا۔

تفسیر بالقرآن

عہد کو پورا کرنے کا حکم:

۱۔ اللہ کے بندے وعدہ ایفاء کرتے ہیں۔ (البقرۃ: ۱۷۷) ۲۔ اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو پورا کرو۔ (الانعام: ۱۵۲)
۳۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایماندار اپنا عہد پورا کرتے ہیں۔ (الرعد: ۲۰) ۴۔ اللہ کے عہد کا ایفاء ضروری ہے۔ (النحل: ۹۱)
۵۔ قیامت کے دن ایفائے عہد کے بارے میں سوال ہوگا۔ (الاسراء: ۳۴) ۶۔ اے ایمان والو! عہد پورے کرو۔ (المائدۃ: ۱)
۷۔ جو اللہ کا وعدہ پورا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ (البقرۃ: ۴۰)

قُلْ	لَّنْ	يَّنْفَعَكُمُ	الْفِرَارُ	اِنْ	فَرَرْتُمْ	مِّنَ	الْمَوْتِ
فرما دیجیے	ہرگز نہیں	نفع دے گا تمہیں	بھاگنا	اگر	تم بھاگو	سے	موت
اَوِ	الْقَتْلِ	وَاِذًا	لَّا	تُمَتَّعُوْنَ	اِلَّا	قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾	قُلْ
یا	قتل سے	اور تب	نہیں	تم فائدہ پہنچائے جاؤ گے	مگر	تھوڑا	فرما دیجیے
مَنْ	ذَا	الَّذِيْ	يَعْصِمُكُمْ	مِّنَ	اللّٰهِ	اِنْ	اَرَادَ
کون ہے	وہ	جو	بچائے گا تمہیں	سے	اللہ	اگر	وہ ارادہ کرے
بِكُمْ	سُوْٓءًا	اَوْ	اَرَادَ	بِكُمْ	رَحْمَةً	وَلَا يَجِدُوْنَ	
تمہارے ساتھ	برائی کا	یا	وہ ارادہ کرے	تمہارے ساتھ	رحمت کا	اور نہیں وہ پائیں گے	

''اے نبی انہیں فرماؤ اگر تم موت یا قتل سے بھاگنا چاہو تو تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا اس کے بعد تمہیں زندگی کا فائدہ اٹھانے کا تھوڑا ہی موقع مل سکے گا۔(۱۶) ان سے فرمائیں کہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکتا ہے اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے یا وہ تم پر مہربانی کرنا چاہے تو کون اس کی رحمت کو روک سکتا ہے

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقین کو مزید دو چیلنج۔

اس سے پہلے منافقین کو یہ وارننگ دی گئی کہ تمہاری وعدہ خلافی کے بارے میں اللہ تعالیٰ تم سے ضرور باز پرس کرے گا اب ان کے بارے میں نبی ﷺ کو فرمایا ہے کہ ان سے فرما دیجیے اگر تم موت یا میدانِ جنگ میں مارے جانے سے ڈرتے ہو تو اس بھاگنے کا تمہیں معمولی فائدہ ہوگا کیونکہ بالآخر تم موت سے بچ نہیں پاؤ گے۔ انہیں یہ بھی فرما دیجیے کہ جس نقصان سے بچنے کے لیے تم جنگ سے فرار اور بدعہدی کرتے ہو اگر اللہ تعالیٰ تمہیں نقصان پہنچانے کا فیصلہ کر لے تو دنیا کی کونسی طاقت تمہیں اس سے بچا سکتی ہے اگر تم پر اپنی رحمت فرمانا چاہے تو کون اس کی رحمت کو ہٹا سکتا ہے یہ لوگ نقصان کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہیں پا سکتے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تعلق ہے وہ مومنوں کے لیے خاص ہے۔ منافق منافقت سے توبہ کیے بغیر اللہ کی رحمت کا حقدار نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ منافقوں کو خوب جانتا ہے جو مسلمانوں کو جہاد سے روکتے ہیں اور خود بھی جہاد کے لیے نہیں نکلتے۔

نبی کریم ﷺ کی ابن عباس کو نصیحت:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا فَقَالَ يَاغُلَامُ إِنِّیْ أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ احْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ احْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ

لَهُمْ	مِّنْ	دُوْنِ	اللّٰهِ	وَلِيًّا	وَّلَا	نَصِيْرًا ⑰	قَدْ
اپنے لیے	سے	سوا	اللہ کے	دوست	اور نہ	کوئی مددگار	تحقیق
يَعْلَمُ	اللّٰهُ	الْمُعَوِّقِيْنَ	مِنْكُمْ	وَالْقَآئِلِيْنَ	لِاِخْوَانِهِمْ		
جانتا ہے	اللہ	روکنے والوں کو	تم میں سے	اور کہنے والوں کو	اپنے بھائیوں سے		
هَلُمَّ	اِلَيْنَا ۚ	وَ	لَا	يَاْتُوْنَ	الْبَاْسَ	اِلَّا	قَلِيْلًا ⑱ لا
آؤ	ہماری طرف	اور	نہیں	وہ آتے	لڑائی کو	مگر	تھوڑی دیر

اللہ کے مقابلے میں وہ کوئی حامی و مددگار نہیں پا سکتے۔(۱۷) یقیناً اللہ تم میں سے اُن کو خوب جانتا ہے جو رُکاوٹیں ڈالنے والے ہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ آؤ ہماری طرف جو لڑائی میں حصہ لیتے بھی ہیں تو بس نام گنانے کے لیے۔''(۱۸)

فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ))

(رواه الترمذی: کتاب صفة القيامة والرقائق والورع، باب منه [صحيح])

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک دن میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا آپ نے فرمایا: بچے! میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں۔ اللہ کو یاد رکھنا وہ تجھے یاد رکھے گا، جب تو اللہ کو یاد کرے گا تو اسے اپنے سامنے پائے گا، جب سوال کرے تو اللہ ہی سے سوال کر، جب مدد طلب کرے تو اللہ ہی سے مدد طلب کر اور یقین رکھ کہ اگر پوری مخلوق تجھے کچھ نفع دینے کے لیے جمع ہو جائے تو وہ اتنا ہی نفع دے سکتی ہے جتنا اللہ نے تیرے لیے لکھ رکھا ہے اور اگر وہ تجھے نقصان پہنچانے پر تل جائے تو تجھے اتنا ہی نقصان پہنچے گا جتنا تیرے حق میں لکھا گیا ہے، قلمیں اٹھالی گئیں ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔''

مسائل

۱۔ طبعی یا غیر طبعی موت کا ایک دن مقرر ہے۔ ۲۔ ''اللہ'' کی پکڑ سے کوئی طاقت بچا اور چھڑا نہیں سکتی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کسی پر اپنی رحمت فرمانا چاہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے سوا انسان کا کوئی مددگار اور خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مدد کرنے والا نہیں:

(البقرۃ:۱۰۷) (الاحزاب:۱۷) (ھود:۱۳) (التوبۃ:۷۴) (السجدۃ:۴) (التوبۃ:۴۰) (آل عمران:۱۶۰) (الکھف:۴۳)

اَشِحَّةً	عَلَيْكُمْ ۚ	فَاِذَا	جَآءَ	الْخَوْفُ	رَاَيْتَهُمْ	يَنْظُرُوْنَ	
بخیل	تم پر	پھر جب	آتا ہے	خوف	تو آپ دیکھتے ہیں ان کو	وہ دیکھتے ہیں	
اِلَيْكَ	تَدُوْرُ	اَعْيُنُهُمْ	كَالَّذِيْ	يُغْشٰى	عَلَيْهِ	مِنَ	
آپ کی طرف	گھومتی ہیں	ان کی آنکھیں	مانند اس کے	غشی طاری ہو	اس پر	سے	
الْمَوْتِ ۚ	فَاِذَا	ذَهَبَ	الْخَوْفُ	سَلَقُوْكُمْ	بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ		
موت	پھر جب	دور ہو جاتا ہے	خوف	تو تم پر چڑھ چڑھ کر بولتے ہیں	تیز زبانوں سے		
اَشِحَّةً	عَلَى	الْخَيْرِ ۭ	اُولٰٓئِكَ	لَمْ	يُؤْمِنُوْا	فَاَحْبَطَ اللّٰهُ	
وہ حریص	پر	مال	یہی لوگ ہیں	نہیں	وہ ایمان لائے	چنانچہ اللہ نے ضائع کر دیے	
اَعْمَالَهُمْ ۭ	وَكَانَ	ذٰلِكَ	عَلَى	اللّٰهِ	يَسِيْرًا ⑲		
ان کے عمل	اور ہے	یہ	پر	اللہ	بہت آسان		

”جو بخل سے کام لیتے ہیں خطرہ درپیش ہو تو آنکھیں پھیر پھیر کر آپ کی طرف دیکھتے ہیں جیسے کسی مرنے والے پر غشی طاری ہو رہی ہو۔ جب خطرہ ٹل جاتا ہے تو یہی لوگ فائدے کی خاطر قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبانیں لیے آپ کے پاس آتے ہیں یہ لوگ ہرگز ایمان والے نہیں اسی لیے اللہ نے ان کے سارے اعمال ضائع کر دیے اور اللہ کے لیے ایسا کرنا بہت آسان ہے۔(۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافق کی ایک اور بُری عادت اور اس کے بزدل ہونے کی انتہاء۔

منافق ابن الوقت اور مفاد کا بندہ ہوتا ہے اس لیے کسی اچھے کام پر مال خرچ کرنے کا حوصلہ نہیں پاتا نہ صرف خود بخیل ہوتا ہے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی بخل پر آمادہ کرتا ہے یہی حالت منافقین مدینہ کی تھی وہ اپنے رشتہ دار مخلص مسلمانوں کو جہاد پر مال خرچ کرنے سے روکتے تھے مال کی محبت کی وجہ سے انسان بخل کرتا ہے اور بخیل آدمی دوسروں کی نسبت موت سے زیادہ ڈرتا ہے یہی حال مدینہ کے منافقین کا تھا۔ جن کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو فرمایا گیا کہ ان کی طرف دیکھو اور غور کرو کہ جب انہیں تم جہاد کے لیے کہتے ہو تو ان کی آنکھیں پھٹ جاتی ہیں جیسے مرنے والا ایک ہی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ جب جہاد کا خوف جاتا رہتا ہے تو پھر ان کی زبانیں قینچی کی طرح چلتی ہیں اور یہ مال غنیمت لینے کے لیے ایک دوسرے سے بڑھ کر مطالبہ کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے۔ اللہ تعالیٰ پر کوئی مشکل نہیں کہ ان کے اعمال ضائع کر دے۔ منافق اس حد تک بزدل ہو چکے ہیں کہ اپنے گھروں میں جانے کے باوجود خیال کرتے ہیں کہ ابھی تک کفار کے لشکر واپس نہیں گئے اگر کفار کے لشکر واپس آجائیں تو ان کی خواہش ہو گی کہ وہ مدینہ چھوڑ کر دیہاتوں میں نکل جائیں اور وہاں جا کر

يَحۡسَبُوۡنَ	الۡاَحۡزَابَ	لَمۡ	يَذۡهَبُوۡا ۚ	وَاِنۡ	يَّاۡتِ	الۡاَحۡزَابُ
وہ گمان کرتے ہیں	لشکروں کو	نہیں	وہ گئے	اور اگر	آ جائیں	لشکر (جمع)

يَوَدُّوۡا	لَوۡ	اَنَّهُمۡ	بَادُوۡنَ	فِى	الۡاَعۡرَابِ	يَسۡاَلُوۡنَ
تو وہ خواہش کریں گے	کاش	بے شک وہ	صحرانشین ہوں	میں	دیہاتیوں	وہ پوچھتے ہیں

۲ ع۱۲ ۱۸

عَنۡ	اَنۡۢبَآٮِٕكُمۡ ؕ	وَلَوۡ	كَانُوۡا	فِيۡكُمۡ	مَّا	قٰتَلُوۡۤا	اِلَّا	قَلِيۡلًا ؑ ۲۰
سے	تمہاری خبروں	اور اگر	وہ ہوتے	تم میں	نہ	وہ لڑتے	مگر	تھوڑا

وہ سمجھ رہے ہیں کہ حملہ آور لشکر ابھی نہیں گئے، اور اگر حملہ آور پھر آ جائیں تو ان کا جی چاہتا ہے کہ اس موقع پر یہ کہیں صحرا میں بدوؤں کے درمیان جا بیٹھیں اور وہیں سے تمہارے حالات پوچھتے رہیں، اگر یہ تمہارے درمیان رہیں بھی تو لڑائی میں مشکل ہی حصہ لیں گے۔" (۲۰)

تمہارے بارے میں معلومات لیتے رہیں کیونکہ یہ تمہارے ساتھ رہ کر لڑنے کے لیے تیار نہیں "اَشِحَّةً" کی جمع "شیح" ہے جس کا معنیٰ بہت زیادہ بخل کرنا اور لوگوں کو خیر کے کاموں سے روکنا ہے۔

مسائل

۱۔ منافق بزدل اور بخیل ہوتا ہے۔ ۲۔ منافق کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ ۳۔ حقیقت میں منافق جہاد سے تہی دامن ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی کام مشکل نہیں ہے:

۱۔ اگر اللہ چاہے تو تمہیں فنا کر دے اور نئی مخلوق لے آئے یہ اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ (ابراہیم: ۱۹۔۲۰)

۲۔ اگر اللہ چاہے تو تم کو فنا کر کے دوسری مخلوق لے آئے یہ اللہ کے لیے مشکل نہیں۔ (فاطر: ۱۶۔۱۷)

۳۔ اگر اللہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے۔ (النساء: ۱۳۳)

۴۔ اگر اللہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہارے بعد جسے چاہے لے آئے۔ (الانعام: ۱۳۳)

۵۔ اے ایمان والو! اگر تم دین سے پھر جاؤ تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا۔ (المائدۃ: ۵۴)

۶۔ زمینوں، آسمانوں کی بادشاہی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ (آل عمران: ۱۸۹)

۷۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (البقرہ: ۲۰) ۸۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (البروج: ۱۶)

۹۔ ہر کام کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔ (الحج: ۴۱) ۱۰۔ ہر کام اللہ کے سپرد کرنا چاہیے۔ (البقرۃ: ۲۱۰)

۱۱۔ اللہ ہی کے لیے زمین و آسمان کی بادشاہی ہے۔ (الشوریٰ: ۴۹)

۱۲۔ اللہ ہی کے لیے زمین و آسمان کی ملکیت ہے وہ جسے چاہے معاف کرے گا۔ (الفتح: ۱۴)

لَقَدْ	كَانَ	لَكُمْ	فِيْ	رَسُوْلِ	اللّٰهِ	اُسْوَةٌ
البتہ تحقیق	ہے	تمہارے لیے	میں	رسول	اللہ کے	نمونہ

حَسَنَةٌ	لِّمَنْ	كَانَ	يَرْجُوا	اللّٰهَ	وَالْيَوْمَ
بہترین	اس کے لیے جو	ہے	وہ امید رکھتا	اللہ کی	اور دن

الْاٰخِرَ	وَذَكَرَ	اللّٰهَ	كَثِيْرًا ﴿٢١﴾
آخرت والے کی	اور اس نے یاد کیا	اللہ کو	بہت زیادہ

''حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے اللہ کے رسول کی زندگی بہترین نمونہ ہے، بشرطیکہ جو شخص اللہ اور یومِ آخرت کے بارے میں امید رکھتا ہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والا ہو۔'' (٢١)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مسلمانو! حالات جیسے بھی ہوں تمہارے لیے رسول ﷺ کی ذات ہی اسوہ حسنہ ہے اور ہونی چاہیے۔

اس فرمان کی اہمیت اور فرضیت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ سابقہ آیات کا خلاصہ ذہن میں رکھا جائے تاکہ اس فرمان کی اہمیت اور فرضیت کا تصور پوری طرح اجاگر ہو جائے اس تصور سے ہی ایک مسلمان کی زندگی اسلام کے سانچے میں ڈھل سکتی ہے غزوہ احزاب جسے تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں غزوہ خندق لکھا جاتا ہے اس کے خوف ناک اور بھیانک منظر کی تصویر ملاحظہ فرمائیں۔

١۔ موسم نقطہ انجماد سے نیچے گر چکا ہے جس وجہ سے سردی اس قدر زیادہ اور ناقابل برداشت ہے کہ خیموں میں بیٹھے ہوئے مجاہدوں کی بغلیں بج رہی ہیں۔ خیمے سے باہر نکلنے کے خیال ہی سے جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔

٢۔ سرورِ دو عالم ﷺ نے بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر دو پتھر باندھے ہوئے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم روٹی کے خشک ٹکڑے اور بوسیدہ گوشت کھانے پر مجبور ہیں اور کچھ نے کمر سیدھی رکھنے کے لیے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے ہیں۔

٣۔ مدینہ میں منافقین کی سازشیں اپنے عروج پر ہیں۔

٤۔ یہودیوں نے آپ ﷺ کے ساتھ کیا ہوا بقائے باہمی کا معاہدہ توڑ کر حملہ آوروں کے ساتھ ساز باز کر لی ہے۔ اور عورتوں کے کیمپ پر دھاوا بولنے کے لیے تیاری کر چکے ہیں۔

٥۔ مدینہ میں چند مسلمان رہ گئے ہیں باقی مسلمان خندق کی حفاظت اور اپنے دفاع میں رات دن مصروف ہیں۔

٦۔ دشمن پوری قوت کے ساتھ بار بار خندق عبور کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

٧۔ مسلمانوں کی دفاعی پوزیشن اس قدر کمزور ہے کہ آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اِدھر اُدھر توجہ نہیں کر سکتے جس وجہ سے سرورِ دو عالم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں آدھی رات کے وقت پڑھنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

۸۔ پچیس دن سے دشمن دس ہزار سورماؤں کے ساتھ مدینے کی چھوٹی سی ریاست کا محاصرہ کیے ہوئے ہے مدینہ میں کسی چیز کا آنا ناممکن ہو چکا ہے جس وجہ سے بچے بھوک سے بلک بلک کر روتے ہیں۔

۹۔ خوف وہراس اور دشمن کے دباؤ کی وجہ سے مسلمانوں کے کلیجے منہ کی طرف آچکے ہیں جس کا نقشہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

{ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ } (الاحزاب:۱۰)

''جب آنکھیں پتھرا گئیں اور دل گلے میں اٹک گئے۔''

حالات کے اس تناظر میں حکم ہوتا ہے کہ اے مسلمانو! اللہ کا رسول ﷺ تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ خاص طور پر اس شخص کے لیے نمونہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے کی امید، آخرت کے حساب وکتاب پر یقین اور ہر حال میں کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والا ہے۔ اس فرمان میں اُسوہ حسنہ سے مراد رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کا کوئی خاص پہلو مراد نہیں بلکہ آپ ﷺ کی پوری حیات مبارکہ امّت کے لیے عظیم اور حسین نمونہ ہے جس میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ حالات کتنے پرفتن ہوں مسائل اور مصائب کا طوفان سر سے گزر چکا ہو مشکلات پہاڑوں کی مانند سامنے کھڑی ہوں، کلیجہ حلق میں آکے اٹک چکا ہو بادِ مخالف طوفان کی شکل اختیار کر جائے غربت اپنی انتہاء کو پہنچ جائے، موت آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سامنے کھڑی ہو ان حالات میں بھی مسلمان کے لیے اسوہ رسول ﷺ سے بڑھ کر کوئی اسوہ قابل عمل نہیں ہو سکتا البتہ اس پر وہی شخص ایمان لائے گا اور عمل کرے گا جو اپنے رب کی ملاقات کی امید، آخرت پر یقین اور اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد کرنے والا ہے ''اللہ'' کی یاد دل اور زبان سے بھی ہو اور مسلمان کا عمل بھی اس کی شہادت دیتا ہو۔

مسائل

۱۔ رسول ﷺ مسلمانوں کے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ ۲۔ ہر حال میں اللہ کی ذات اور اس کے فرمان کو یاد رکھنا چاہیے۔

۳۔ جو شخص اللہ، آخرت پر یقین رکھتا ہے وہ ہر صورت رسول اللہ ﷺ کو اپنا اُسوہ بنائے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کو کثرت کے ساتھ یاد کرنے کے فائدے:

۱۔ اللہ کا ذکر صبح اور شام کثرت سے کرو۔ (آل عمران:۴۱)

۲۔ نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد زمین میں نکل جاؤ اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ (الجمعۃ:۱۰)

۳۔ ایام تشریق میں اللہ کو زیادہ یاد کرو۔ (البقرۃ:۲۰۲) ۴۔ جب حج کے مناسک ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو۔ (البقرۃ:۱۹۸)

۵۔ جنگ کے دوران اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (الانفال:۴۵)

۶۔ اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والوں کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ (الاحزاب:۳۵)

۷۔ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ (البقرۃ:۱۵۲)

وَلَمَّا	رَاَ	الْمُؤْمِنُوْنَ	الْاَحْزَابَ	قَالُوْا	هٰذَا	مَا
اور جب	دیکھا	مومنوں نے	جماعتوں کو	انہوں نے کہا	یہ ہے	جس کا
وَعَدَنَا	اللّٰهُ	وَرَسُوْلُهٗ	وَصَدَقَ	اللّٰهُ	وَرَسُوْلُهٗ	وَمَا
وعدہ کیا ہم سے	اللہ	اور اس کے رسول نے	اور سچ کہا	اللہ	اور اس کے رسول نے	اور نہیں
زَادَهُمْ	اِلَّآ	اِيْمَانًا	وَّتَسْلِيْمًا ؕ﴿۲۲﴾	مِنَ	الْمُؤْمِنِيْنَ	
زیادہ کیا ان کو	مگر	ایمان	اور فرماں برداری میں	سے	مومنوں	
رِجَالٌ	صَدَقُوْا	مَا	عَاهَدُوا	اللّٰهَ	عَلَيْهِ ۚ	
وہ مرد	انہوں نے سچا کر دیا	جو	انہوں نے عہد کیا تھا	اللہ سے	اس پر	

''اور سچے مومنوں نے جب حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو پکار اُٹھے کہ یہ وہی بات ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اللہ اور اس کے رسول کی بات سچی ہے'' اللہ نے اُن کے ایمان اور ان کی اطاعت کو مزید بڑھا دیا۔ (۲۲) ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدہ کو سچا کر دکھایا ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: رسول اکرم ﷺ کا نمونہ پیش کرنے اور اس کی اہمیت اجاگر کرنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کردار پیش کیا جاتا ہے۔

"**الْمُؤْمِنُوْنَ**" سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے جنہوں نے موسم کی شدت، افراد کی قلت، انتہائی غربت، دشمن کا خوف، داخلی، خارجی مصائب اور مسائل کے باوجود اللہ کے رسول ﷺ کا اس یقین کے ساتھ ساتھ دیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جو بھی ہمارے ساتھ وعدہ کیا وہ سچ ثابت ہوا اور ہوگا۔ مصائب اور مسائل نے ان کے ایمان میں کمزوری پیدا کرنے کی بجائے اضافہ ہی کیا ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے مال و جان کی قربانی دے کر اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو پورا کر دیا ہے جو باقی ہیں وہ اپنے عہد پر قائم رہتے ہوئے شہادت کا انتظار کر رہے ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ قول و فعل میں سچے لوگوں کو ان کی سچائی کی جزا دے گا اور منافقت پر قائم رہنے والوں کو سزا دے گا اگر منافق اپنی منافقت سے باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان پر مہربانی فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

آپ ﷺ ہر حال میں سب مسلمانوں کے لیے واجب الاتّباع نمونہ ہیں:

جنگ کی سب سے زیادہ ذمہ داری سپہ سالار پر ہوتی ہے غزوہ خندق میں مسلمانوں کے سپہ سالار رسول معظم ﷺ تھے۔ دشمن کی کثرت مسلمانوں کی تعداد اور خوراک کی قلت، حالات کی سنگینی نبی ﷺ کے پائے ثبات میں ذرہ بھر بھی لغزش

فَمِنْهُمْ	مَّنْ	قَضٰى	نَحْبَهٗ	وَمِنْهُمْ	مَّنْ	يَّنْتَظِرُ ۖ	وَمَا
چنانچہ کچھ ان میں سے	جس نے	پوری کر دی	اپنی نذر	اور کچھ ان میں سے	جو	وہ انتظار کر رہے ہیں	اور نہیں
بَدَّلُوْا	تَبْدِيْلًا ۝۲۳	لِّيَجْزِيَ	اللّٰهُ	الصّٰدِقِيْنَ	بِصِدْقِهِمْ		
انہوں نے تبدیلی کی	تبدیلی کرنا	تاکہ بدلہ دے	اللہ	سچے لوگوں کو	ان کی سچائی کا		
وَيُعَذِّبَ	الْمُنٰفِقِيْنَ	اِنْ شَآءَ	اَوْ يَتُوْبَ	عَلَيْهِمْ ۭ	اِنَّ	اللّٰهَ	
اور وہ عذاب دے	منافقوں کو	اگر وہ چاہے	یا وہ توجہ کرے	ان پر	بے شک	اللہ	
كَانَ	غَفُوْرًا	رَّحِيْمًا ۝۲۴					
ہے	بہت بخشنے والا	نہایت رحم کرنے والا					

ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی اس کا انتظار کر رہا ہے اور انہوں نے اپنے روّیے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔(۲۳) تاکہ اللہ سچے لوگوں کو اُن کی سچائی کی جزا دے وہ چاہے تو منافقوں کو سزا دے اور چاہے تو اُن کی توبہ قبول فرمائے، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''(۲۴)

پیدا نہ کر سکی۔ اس لئے حکم ہوا کہ مسلمانو! تمہارا کردار بھی ایسا ہی ہونا چاہیے اور تمہیں رسول اللہ ﷺ کی ذات کو بطور نمونہ اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ جنگ میں ہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر پہلو میں رسول کی ذات تمہارے لیے نمونہ ہونی چاہیے اس مختصر جملہ میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کو تمام مسلمانوں پر لازم اور واجب قرار دیا گیا ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا نام میرے چچا انس بن نضر کے نام پر رکھا گیا تھا وہ جنگ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حاضر نہ ہو سکے اور یہ بات ان پر بہت شاق گزرتی تھی اور اس نے کہا کہ اللہ کی قسم! اب اگر آپ ﷺ کے ساتھ حاضر ہونے کا موقع آیا تو اللہ تعالیٰ دیکھ لے گا کہ میں کیا کچھ کرتا ہوں۔ راوی کہتا ہے کہ پھر وہ ڈر گئے اور ان الفاظ کے علاوہ کچھ اور لفظ کہنا مناسب نہ تھا جب اگلے سال احد کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حاضر ہوئے تو انہیں راستے میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ملے انہوں نے پوچھا ابو عمرو کہاں جاتے ہو؟ انس رضی اللہ عنہ کہنے لگے ''واہ میں تو احد کی دوسری طرف سے جنت کی خوشبو پا رہا ہوں چنانچہ وہ بڑی جرأت سے لڑے حتیٰ کہ شہید ہو گئے اور ان کے جسم پر ضربوں، نیزوں اور تیروں کے اسّی (۸۰) سے زیادہ زخم پائے گئے۔ میری پھوپھی ربیع بنت نضر نے کہا کہ ''میں اپنے بھائی کی نعش کو صرف اس کے پوروں سے پہچان سکی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (رواہ ترمذی: ابواب التفسیر [صحیح])

حُیی بن اخطب نے بنوقریظہ کو کس طرح بدعہدی پر آمادہ کیا:

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ایسی مدد فرمائی کہ عام لڑائی کی نوبت ہی نہ آنے دی اور کفار کے محاصرہ کو اٹھانے کے لیے یخ

بستہ ہوااور فرشتے بھیج دیئے یہوداور مکہ کے اتحادیوں میں پھوٹ ڈال دی نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن بدحواس ہوکر بھاگ کھڑا ہوا۔ بھلا اللہ کی زبردست قوت کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے؟

بنوقینقاع اور بنی نضیر کی جلاوطنی کے بعد مدینہ میں بنوقریظہ کا قبیلہ ہی باقی رہ گیا تھا یہ قبیلہ دوسروں کی نسبت قدرے شریف اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والا تھا۔ جب بنونضیر کو خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا گیا اور جنگِ احزاب کی تیاریاں شروع ہوگئیں تو بنو نضیر کا رئیس حُیی بن اخطب رات کی تاریکیوں میں بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا کعب کو اندازہ ہوگیا تھا کہ حُیی مجھے مسلمانوں سے عہد شکنی پر آمادہ کرنے کے لیے آیا ہے لہٰذا اس نے دروازہ ہی نہ کھولا حُیی نے اس سے کچھ چکنی چپڑی باتیں کیں تو آخر اس نے دروازہ کھول دیا حُیی کہنے لگا کعب میں تمہارے پاس زمانے کی عزت اور چڑھتا ہوا سمندر لے کر آیا ہوں مکہ والوں نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ وہ محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کا صفایا کیے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے اس کے جواب میں جو کچھ کعب نے کہا وہ سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔ اس نے کہا حُیی واللہ تم میرے پاس زمانے کی ذلت اور برسا ہوا بادل لے کر آئے ہو جو صرف گرج چمک رہا ہے تم پر افسوس مجھے میرے حال پر چھوڑ دو میں نے محمد ﷺ میں صدق وصفا کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ (ابن ہشام) مگر حُیی نے کعب کو سبز باغ دکھا دکھا کر بالآخر بدعہدی پر مجبور کر لیا وہ کہنے لگا اگر قریش محمد ﷺ کا خاتمہ کیے بغیر ہی واپس چلے گئے تو میں بھی تمہارے ساتھ قلعہ بند ہو جاؤں گا اور واپس نہیں جاؤں گا جو انجام تمہارا ہوگا وہی میرا ہوگا اس شرط پر کعب بھی اتحادیوں میں شامل ہوگیا۔

یہود کا انجام اور ان کے متعلق سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ:

یہودیوں کے پاس وافر مقدار میں راشن موجود تھا اور انہوں نے مسلمانوں سے بچاؤ کے لیے ڈیڑھ ہزار تلواریں، دو ہزار نیزے تین سو زرہیں اور پانچ سو ڈھالیں بھی تیار کر رکھی تھیں مگر وقت پر کوئی چیز بھی ان کے کام نہ آئی انہوں نے صرف ۲۵ دن کے محاصرہ کے بعد اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ ان کے حق میں جو بھی فیصلہ ان کے حلیف سعد بن معاذ کریں گے وہ انہیں منظور ہوگا حالانکہ ان کے پاس قلعہ میں اس قدر راشن موجود تھا کہ اگر وہ چاہتے تو پورا سال قلعہ بند رہ کر آسانی سے گزارا کر سکتے تھے مگر ان کے خوف زدہ ضمیر نے انہیں جلد ہی بے چین کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا تھا۔

بنوقریظہ کا انجام:

«عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ بَنُو قُرَيْظَةَ عَلَى حُكْمِ سَعْدٍ هُوَ ابْنُ مُعَاذٍ، بَعَثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَكَانَ قَرِيبًا مِنْهُ، فَجَاءَ عَلَى حِمَارٍ، فَلَمَّا دَنَا قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قُومُوا إِلَي سَيِّدِكُمْ فَجَاءَ، فَجَلَسَ إِلَي رَسُولِ اللهِ ﷺ. فَقَالَ لَهُ إِنَّ هَؤُلَاءِ نَزَلُوا عَلَى حُكْمِكَ، قَالَ فَإِنِّي

أَحْكُمُ أَنْ تُقْتَلَ الْمُقَاتِلَةُ، وَأَنْ تُسْبَى الذُّرِّيَّةُ، قَالَ لَقَدْ حَكَمْتَ فِيهِمْ بِحُكْمِ الْمَلِكِ»

(رواہ البخاری: باب إِذَا نَزَلَ الْعَدُوُّ عَلٰی حُکْمِ رَجُلٍ)

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب بنو قریظہ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنا ثالث تسلیم کرنے کا فیصلہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو اپنے پاس بلایا، وہ گدھے پر سوار ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ آگے بڑھ کر اپنے سردار کا استقبال کرو، سعد آئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو کر بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد سے فرمایا کہ بنو قریظہ کے لوگ آپ کو اپنا فیصل تسلیم کرتے ہیں۔ اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا فیصلہ ہے کہ ان کے جنگجو لوگوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کے بچوں کو غلام بنا لیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سعد تم نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا فیصلہ دیا ہے۔''

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو جنگِ احزاب میں کاری زخم لگا تھا جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ظاہر ہے۔

مسائل

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہر حال میں اپنے رب سے کیے ہوئے وعدے پورے کیے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اپنے قول و فعل میں سچے مسلمانوں کو جزائے خیر دے گا۔

۳۔ منافقت سے تائب ہونے والے کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے کیونکہ وہ مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

سچائی اور اس کی جزا:

۱۔ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی وہی سچے ہیں۔ (الحشر: ۸)

۲۔ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے گا۔ (الاحزاب: ۲۴)

۳۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ نبیوں، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا۔ (النساء: ۶۹)

۴۔ قیامت کے دن سچے لوگوں کو ان کی سچائی کا صلہ دیا جائے گا۔ (المائدۃ: ۱۱۹)

۵۔ سچے مومن وہ ہیں جو اپنے مال اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ (الحجرات: ۱۵)

۶۔ اے ایمان والو سچے لوگوں کا ساتھ دو۔ (التوبۃ: ۱۱۹)

وَرَدَّ	اللّٰهُ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	بِغَيْظِهِمْ	لَمْ	يَنَالُوْا	خَيْرًا ؕ
اور لوٹا دیا	اللہ نے	ان لوگوں کو	جنہوں نے کفر کیا	ساتھ ان کے غصے کے	نہیں	انہوں نے حاصل کی	کوئی بھلائی

وَكَفَى	اللّٰهُ	الْمُؤْمِنِيْنَ	الْقِتَالَ ؕ	وَكَانَ	اللّٰهُ	قَوِيًّا	عَزِيْزًا ۚ﴿۲۵﴾
اور کافی ہے	اللہ	مومنوں کو	لڑائی میں	اور ہے	اللہ	بڑا طاقتور	نہایت غالب

’’اللہ نے کفار کا منہ پھیر دیا وہ کوئی فائدہ حاصل کیے بغیر اور اپنے دل میں جلن لیے ہوئے واپس پلٹ گئے، اور مومنوں کی طرف سے اللہ ہی لڑنے کے لیے کافی ہو گیا۔ اللہ زبردست بڑی قوت والا ہے۔ (۲۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: رسول معظم ﷺ کے اُسوہ کی اہمیت اور صحابہ کرام ؓ کا کردار بیان کرنے کے بعد احزاب میں شریک ہونے والے کفار کی ہزیمت کا ذکر۔

کفار، یہود اور ان کے حلیف اس نیت کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے کہ مدینہ کی ننھی منی ریاست کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے اور مسلمانوں کو تہس نہس کر دیا جائے گا، اس کے لیے انہوں نے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ بھی ساز باز کر لی۔ اہل مکہ نے تقریباً ایک مہینہ تک مدینہ کا محاصرہ کیے رکھا اور بار بار خندق عبور کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن ناکام رہے اس کے باوجود انہوں نے مسلمانوں پر اس قدر دباؤ قائم رکھا کہ ایک دن نبی علیہ السلام اور آپ کے رفقاء کو ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز بروقت پڑھنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ آپ ﷺ نے چاروں نمازیں نصف رات کے قریب بالترتیب ادا کیں بالآخر اللہ تعالیٰ نے بادوباراں کے شدید ترین طوفان کے ذریعے مسلمانوں کی مدد فرمائی جس سے کفار کے خیمے اُکھڑ گئے یہاں تک کہ چولہوں پر پڑی ہنڈیاں اُلٹ گئیں اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی کمک بھیجی جنہوں نے کفار کو بھاگنے پر مجبور کر دیا اس طرح کفار پوری دنیا میں ذلیل ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دُو بدو جنگ کرنے سے بچا لیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نہایت طاقتور اور زبردست ہے۔ غزوہ احزاب کی واپسی کے موقعہ پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

«اَلْآنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَنَا نَحْنُ نَسِيْرُ إِلَيْهِمْ» (رواہ البخاری: باب غَزْوَةُ الْخَنْدَقِ)

’’اب ہم کفار پر یلغار کریں گے وہ ہم پر یلغار نہیں کر سکیں گے ہم ہی ان کی طرف پیش قدمی کریں گے۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے غزوہ احزاب کے موقع پر نبی ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کی مدد فرمائی اور کفار کو ذلیل کیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور اور ہر اعتبار سے غالب ہے۔

وَ اَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ
اور اس نے اتارا ان لوگوں کو ان کی مدد کی تھی جنہوں نے سے اہل کتاب سے

صَیَاصِیْهِمْ وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ
ان کے قلعوں اور اس نے ڈال دیا میں ان کے دلوں رعب ایک گروہ تم قتل کرتے تھے

وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا ﴿۲۶﴾ وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِیَارَهُمْ
اور تم قید کرتے تھے ایک گروہ کو اور اس نے وارث بنا دیا تمہیں ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا

وَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ
اور ان کے مال کا اور زمین نہیں تم نے روندا اس کو اور ہے اللہ

عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ﴿۲۷﴾
پر ہر چیز قادر

۳۷ ع ۱۹

اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے حملہ آوروں کا ساتھ دیا تھا، اللہ انہیں اُن کے قلعوں سے اُتار لایا اور اُن کے دلوں میں رعب ڈال دیا ان میں ایک گروہ کو تم قتل کر رہے تھے اور دوسرے گروہ کو قید کر رہے تھے۔ (۲۶) اللہ نے تمہیں اُن کی زمین اور اُن کے گھروں اور اُن کے اموال کا وارث بنا دیا اور وہ علاقہ تمہیں عطا کیا جسے تم نے پامال نہیں کیا، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (۲۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: غزوہ خندق کا نتیجہ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت وسطوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کا یہودیوں پر رعب اور دبدبہ ڈال دیا۔ نبی علیہ السلام نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو آپ نے مدینہ کے یہودیوں سے بقائے باہمی کی بنیاد پر امن کا معاہدہ کیا جس میں ایک شرط یہ تھی کہ اگر کوئی مدینہ پر حملہ آور ہوگا تو ہم مل کر اس کا دفاع کریں گے لیکن یہودی اس معاہدے پر قائم نہ رہے اور ان کی ہمدردیاں ہمیشہ اہلِ مکہ کے ساتھ رہیں اور خفیہ طور پر اہلِ مکہ کو مسلمانوں کے حالات بتلاتے رہے۔ غزوہ خندق کے موقع پر انہوں نے باضابطہ طور پر مکہ والوں کے ساتھ خفیہ معاہدہ کیا اور ان میں کچھ لوگوں نے مسلمان خواتین کو پریشان کرنے کی کوشش کی۔ رسول اکرم ﷺ غزوہ خندق سے ظہر کے وقت مدینہ پہنچے اور آپ ﷺ اپنی بیوی حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں غسل فرما رہے تھے کہ جبریلِ امین تشریف لائے اور فرمایا۔ اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں لیکن ملائکہ نے ابھی تک نہیں ڈالے آپ ہتھیار پہنیں اور بنو قریظہ کے قلعوں کا محاصرہ کریں نبی علیہ السلام نے غسل سے فارغ ہوتے ہی یہودیوں کے قلعوں کا محاصرہ کا اعلان کیا اور تین ہزار صحابہ کے ساتھ یہودیوں کے علاقہ کی ناکہ بندی کر لی یہودیوں نے کچھ

دن قلعہ بند ہو کر گزارے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر مسلمانوں کا رعب ڈال دیا آپ نے یہودیوں کے سامنے تین تجاویز پیش کیں۔لیکن انہوں نے کوئی تجویز قبول نہ کی بالآخر یہودیوں نے آپ ﷺ کے سامنے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے کہ جو فیصلہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کریں گے ہمیں قبول ہوگا آپ نے سعد کو فیصل تسلیم فرمایا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں کو قیدی بنالیا جائے لہٰذا جن لوگوں نے عہد شکنی کی تھی انہیں قتل کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کی زمینوں اور گھروں کا مالک بنا دیا جس کے بارے میں ارشاد ہوا کہ جن یہودیوں نے عہد شکنی کی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر رعب ڈال دیا تم نے ان میں کچھ کو قیدی بنایا اور کچھ کو قتل کر دیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کے گھروں اور زمینوں کا مالک بنایا حالانکہ تم نے اس زمین پر قدم بھی نہیں رکھا تھا ایسا اس لیے کیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔(تفصیل کے لیے سیرت کی کتب کا مطالعہ فرمائیں)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بنو قریضہ کے بارے میں یہ فیصلہ سنایا کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے ،عورتوں اور بچوں کو قید میں رکھا جائے اور ان کی جائیداد کو تقسیم کر دینا چاہیے۔نبی ﷺ نے سعد کے فیصلہ کے مطابق عملدرآمد کروایا۔

جب سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلے والوں کے درمیان فیصلہ کیا تو آپ ﷺ نے ان کے فیصلے کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ تو نے بادشاہوں جیسا فیصلہ کیا ہے۔(رواہ البخاری: باب اذا نزل العدوّ علی حکمِ رجل)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ ۲۔مسلمانوں نے کچھ یہودیوں کو قتل کر دیا اور باقی کو قیدی بنالیا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہودیوں کے قلعوں اور زمینوں کا وارث بنا دیا۔ ۴۔اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے(البقرۃ:۲۰)

۲۔ اللہ آسمانوں وزمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(آل عمران:۲۹)

۳۔ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی اور نکلتی ہے۔(الحدید:۴)

۴۔ اللہ تعالیٰ آسمانون وزمین کی ہر چیز کو جانتا ہے۔(المجادلۃ:۷)

۵۔ اللہ تعالیٰ حاضر اور غیب کو جاننے والا ہے۔(الرعد:۹)

۶۔ تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تمہیں قیامت کے دن جمع فرمائیگا وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(البقرۃ:۱۴۸)

يٰٓاَيُّهَا	النَّبِىُّ	قُلْ	لِّاَزْوَاجِكَ	اِنْ	كُنْتُنَّ	تُرِدْنَ
اے	نبی	فرما دیجیے	اپنی بیویوں کو	اگر	ہوتم	تم چاہتی

الْحَيٰوةَ	الدُّنْيَا	وَزِيْنَتَهَا	فَتَعَالَيْنَ	اُمَتِّعْكُنَّ	وَاُسَرِّحْكُنَّ
زندگی	دنیاوالی	اوراس کی زیب وزینت	توآؤ	میں تمہیں کچھ سامان دوں	اورتمہیں رخصت کروں

سَرَاحًا	جَمِيْلًا ۲۸	وَاِنْ	كُنْتُنَّ	تُرِدْنَ	اللّٰهَ	وَرَسُوْلَهٗ	وَالدَّارَ
رخصت کرنا	اچھا	اوراگر	ہوتم	چاہتی	اللہ	اوراس کے رسول کو	اورگھر

الْاٰخِرَةَ	فَاِنَّ	اللّٰهَ	اَعَدَّ	لِلْمُحْسِنٰتِ	مِنْكُنَّ	اَجْرًا	عَظِيْمًا ۲۹
آخرت والا	توبلاشبہ	اللہ نے	تیارکیاہے	نیکی کرنے والیوں کے لیے	تم میں سے	اجر	بہت بڑا

”اے نبی! اپنی بیویوں سے فرمادیں، اگرتم دنیااوراس کی زینت چاہتی ہوتو آؤ میں تمہیں کچھ دے کراچھے طریقے سے رُخصت کرتا ہوں۔(۲۸) اگرتم اللہ اوراس کے رسول اوردارِآخرت کو چاہتی ہوتو جان لوکہ اللہ نے نیکوکاروں کے لیے بڑا اجر تیار کررکھا ہے۔“(۲۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: آیت ۲۱ میں نبی کریم ﷺ کوامت کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا ہےاس کے بعد غزوہ احزاب کااختتام اور انجام بیان کیااب اہل بیت کےحوالے سے نبی کریم کا اُسوہ بیان کیا جاتا ہے۔

اے نبی ﷺ اپنی بیویوں سے فرماؤ کہ اگرتم دنیااوراسکی آرائش وزیبائش چاہتی ہوتو آؤ میں تمہیں حسب توفیق دے کر اچھے طریقے کے ساتھ رخصت کرتا ہوں اگرتم اللہ اوراس کے رسول اورآخرت کے گھر کو پسند کرتی ہوتو یقین کروکہ اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کے لیے بہترین اجر تیار کررکھا ہے۔ نبی کریم ﷺ اپنی امّت کے باپ تھےاورازواج مطہرات گھریلو خواتین تھیں انہیں کیا معلوم کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاشی حالات کیسے ہیں یہ بھی حقیقت ہے کہ ایک سربراہ کواپنے ساتھیوں اورآئندہ نسلوں کے لیےنمونہ بننا ہوتا ہے، چندآیات پہلے یہ حقیقت بیان ہوچکی ہے کہ رسول اکرم ﷺ تمام مسلمانوں کے لیے بہترین نمونہ بنائے گئے ہیں ظاہر بات ہے کہ نمونہ کامل اوراکمل تو وہی ذات ہوسکتی ہے جس کا ظاہر، باطن، گھریلو اورپبلک زندگی کاایک ایک لمحہ امّت کے لیے مثال ہو۔ امّہات المومنین نے جب آپ سے کئی بار مال کا مطالبہ کیا توآپ کو یہ بات اس قدر ناگوار گزری کہ آپ ایک مہینہ کے لیےان سے الگ تھلگ ہوگئے۔ یہاں تک کہ یہ بات مشہور ہوگئی کہ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کوطلاق دے دی ہے۔

(عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَآءَ هَا حِيْنَ اَمَرَ اللّٰهُ اَنْ يُّخَيِّرَ اَزْوَاجَهٗ فَبَدَاَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنِّيْ ذَاكِرٌ لَّكِ اَمْرًا فَلَا عَلَيْكِ اَنْ تَسْتَعْجِلِيْ حَتّٰى

تَسْتَأْمِرِیْ اَبَوَیْكِ وَقَدْ عَلِمَ اَنَّ اَبَوَیَّ لَمْ یَكُوْنَا یَأْمُرَانِیْ بِفِرَاقِهٖ قَالَتْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ قَالَ یَآیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ اِلٰی تَمَامِ الْاٰیَتَیْنِ فَقُلْتُ لَهٗ فَفِیْ اَیِّ هٰذَا اَسْتَأْمِرُ اَبَوَیَّ فَاِنِّیْ اُرِیْدُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ» (رواہ البخاری: کتاب التفسیر باب قولہ یاایھاالنبی قل لازواجک)

''سیدہ عائشہ ؓبیان کرتی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنی بیویوں کو اختیار دے دیں تو آپ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا میں تیرے سامنے ایک معاملہ رکھنے لگا ہوں اس میں جلدی نہ کرنا یہاں تک کہ اپنے والدین سے مشورہ کرلو۔ سیدہ عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ آپ کو علم تھا کہ میرے والدین مجھے آپ سے جدا ہونے کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے، پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دیں دو آیات تلاوت کیں میں نے عرض کی کہ کیا اس بارے میں، میں اپنے والدین سے مشوہ کروں؟ میں تو اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو ترجیح دیتی ہوں۔''

مسائل

۱۔ نبی اکرم ﷺ اپنی ذات اور اپنے گھر والوں کے لیے دنیا کی زیبائش پسند نہیں کرتے تھے۔

۲۔ میاں، بیوی کے درمیان علیحدگی احسن طریقہ سے ہونی چاہیے۔

۳۔ نیک بیوی کے لیے لازم ہے کہ وہ دنیا کی بجائے آخرت کو پسند کرے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے کن لوگوں کے لیے بہترین اجر تیار کر رکھا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو ان کے اعمال کا بہترین صلہ دے گا۔ (التوبۃ:۱۲۱)

۲۔ اللہ تعالیٰ صابر لوگوں کو ان کے صبر کی بہترین جزا دے گا۔ (النحل:۹۶)

۳۔ اللہ تعالیٰ نیکوں کو ان کے اعمال سے بہتر جزا دے گا۔ (العنکبوت:۷)

۴۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مزید اجر عطا کرے گا۔ (النور:۳۸)

۵۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کے اعمال سے بہتر صلہ عطا کریں گے۔ (النحل:۹۷)

۶۔ اللہ صبر کرنے والوں اور توکل کرنے والوں کو بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ (العنکبوت:۵۹)

۷۔ ایمان لانے والوں، نماز قائم کرنے والوں اور زکوٰۃ دینے والوں کے لیے اللہ کے ہاں بڑا اجر ہے۔ (البقرۃ:۲۷۷)

۸۔ اللہ پر ایمان لانے والوں اور توکل کرنے والوں کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ (الشوریٰ:۳۶)

۹۔ صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کے اجر دیا جائے گا۔ (الزمر:۱۰)

۱۰۔ ہم ایمان لانے والوں کو ان کا اجر دیں گے۔ (الحدید:۲۷)

یٰنِسَآءَ	النَّبِیِّ	مَنۡ	یَّاۡتِ	مِنۡکُنَّ	بِفَاحِشَۃٍ
اے بیویو!	نبی کی	جو	آئے گی	تم میں سے	بری حرکت کو
مُّبَیِّنَۃٍ	یُّضٰعَفۡ	لَہَا	الۡعَذَابُ	ضِعۡفَیۡنِ ؕ	وَ کَانَ
صریح	دوگنا دیا جائے گا	اس کے لیے	عذاب	دوگنا	اور ہے
	ذٰلِکَ	عَلَی	اللّٰہِ	یَسِیۡرًا ﴿۳۰﴾	
	یہ	پر	اللہ	بہت آسان	

''اے نبی کی بیویو! تم میں سے جس کسی نے فحش حرکت کی اُسے دوہرا عذاب دیا جائے گا۔ ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔''(۳۰)

فہم القــــرآن

ربطِ کلام : نبی مکرم ﷺ کے ساتھ آپ کی ازواج کا کردار امت کی عورتوں کے لیے نمونہ ہونا چاہیے اس لیے آپ کی ازواج کو حکم ہوا۔

سادگی اور شرم وحیاء کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ کی ازواج کو براہِ راست مخاطب کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کا مقام عام عورتوں جیسا نہیں وہ تو امہات المومنین ہیں اس لحاظ سے امّہات المؤمنین تمام عورتوں سے افضل اور اعلیٰ ہیں لہٰذا ان کا کردار بھی اعلیٰ ہونا چاہیے تھا۔ یہاں یہ مفہوم لینے کی ہرگز اجازت نہیں کہ نبی کریم ﷺ کی کسی بیوی سے کردار اور حیا کے حوالے سے کسی گراوٹ کا خدشہ تھا ایسا سوچنا بھی گناہ ہے بتلانا مقصود یہ ہے کہ جس طرح نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کو سادگی میں مسلمان عورتوں کے لیے نمونہ بننا ہے اسی طرح انہیں کردار اور حیا میں بھی نمونہ بننا ہے کیونکہ اولاد اپنی ماں سے زیادہ متاثر ہوتی ہے بالخصوص بیٹیاں ماں کے نقش قدم پر چلتی ہیں اس لیے امّہات المؤمنین کو اپنی روحانی اولاد کے لیے نمونہ بننا چاہیے اس کے ساتھ یہ بھی بیان کردیا گیا کہ اگر نبی ﷺ کی ازواج سے کسی اخلاقی گراوٹ کا اظہار ہوگا تو انہیں سزا بھی دوگنی ہوگی انہیں عذاب دینا اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں جس کا معنٰی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی عظمت اور حرمت تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا نہیں سکے گی۔ اس سے یہ مسئلہ خود بخود نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کی حرمت اور واسطے کا کوئی بوجھ نہیں ہے ہاں ازواج مطہرات میں سے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تابعداری اور نیک عمل کرے گی ان کے لیے اجر بھی دوگنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بہترین رزق تیار کر رکھا ہے اس فرمان میں یہ اصول اشارۃً بتلایا گیا ہے کہ معاشرے کے بڑے لوگ اور قوموں کے راہنماؤں کی وجہ سے لوگ بگڑتے اور سنورتے ہیں اس لیے انہیں اپنی اور دوسروں کی سزا بھی بھگتنا پڑے گی اگر یہ نیک ہوں گے تو ان کی وجہ سے لوگوں میں سنوار پیدا ہوگا ہے اگر یہ برے ہوں گے تو قوم میں برائی پیدا ہوگی اس لئے انہیں قوم کے لئے نمونہ بننا چاہیے اس میں ماں، باپ، استاد اور مذہبی رہنما بھی شامل ہیں۔ اسی بات کو نبی ﷺ نے اپنے ایک خط میں یوں تحریر فرمایا تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد دنیا کے اکثر حکمرانوں کو خطوط لکھے جن میں انہیں اسلام کی دعوت دی ان میں ایک خط روم کے بادشاہ ہرقل کو لکھا جس میں اسلام کی دعوت دینے کے بعد تحریر کروایا کہ اگر تو مسلمان نہ ہوا تو

«فَإِنِّيْ أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ وَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ الْأَرِيسِيِّينَ» (رواہ البخاری: باب دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى الإِسْلَامِ وَالنُّبُوَّةِ)

''میں آپ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام قبول کرو تو سلامت رہو گے اور اللہ تعالیٰ آپ کو دوہرا اجر عطا کرے گا اگر آپ نے اعراض کیا تو آپ کی رعایا کا گناہ بھی آپ پر ہوگا۔''

روم کی اکثر آبادی زراعت پیشہ تھی اس لیے آپ ﷺ نے ہرقل کی عوام کے لیے ''اَلْاَرِيسِيِّيْنَ'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

مسائل

١۔ بڑے لوگوں کو دوگنا عذاب ہوگا۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کسی بڑے کو عذاب دینا مشکل نہیں۔

٣۔ جو بڑے لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تابعداری کریں گے انہیں دوگنے اجر سے نوازا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

بڑے مجرموں کو دوگنا عذاب ہوگا:

١۔ جہنم میں داخل ہونے والے اپنے سے پہلوں کو دیکھ کر کہیں گے ہمیں گمراہ کرنے والے یہی لوگ تھے انہیں دوگنا عذاب دیا جائے اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ایک کے لیے دوگنا ہے لیکن تم نہیں جانتے۔ (الاعراف: ٣٨۔ ٣٩)

٢۔ اے ہمارے پروردگار ان کو دوگنا عذاب دے اور ان کو لعنت سے دوچار کر۔ (الاحزاب: ٦٨)

٣۔ انہیں دنیا اور آخرت میں دوہرا عذاب ہوگا۔ (بنی اسرائیل: ٧٥)

٤۔ مجرموں کے لیے دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب کے سوا کچھ نہیں۔ (البقرۃ: ٨٥)

٣۔ کفار کے لیے دنیا میں ذلت اور آخرت میں برا عذاب ہے۔ (البقرۃ: ١١٤)

٤۔ کافروں کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ (المائدۃ: ٤١)

٥۔ کفار کے لیے دنیا میں ذلت و رسوائی ہے اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کو سخت عذاب دے گا۔ (الحج: ٩)

وَتَعْمَلْ	وَرَسُوْلِهٖ	لِلّٰهِ	مِنْكُنَّ	يَّقْنُتْ	وَمَنْ
اور وہ عمل کرے	اور اس کے رسول کی	اللہ	تم میں سے	اطاعت کرے	اور جو
وَاَعْتَدْنَا	مَرَّتَيْنِ ۙ	اَجْرَهَا	نُّؤْتِهَآ		صَالِحًا
اور ہم نے تیار کیا ہے	دو مرتبہ	اس کا اجر	ہم دیں گے اسے		نیک
	كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾	رِزْقًا	لَهَا		
	عزت والا	رزق	اس کے لیے		

''اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور نیک عمل کرے گی ہم اسے دوگنا صلہ دیں گے اور ہم نے اس کے لیے رزقِ کریم تیار کر رکھا ہے۔'' (۳۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ازواجِ مطہرات کا مقام اور اجر وثواب۔

اکیسویں پارے کا اختتام اس فرمان پر ہوا کہ اے نبی کی ازواج! اگر تم میں سے کسی نے بے حیائی کا ارتکاب کیا تو اسے دوگنی سزا دی جائے گی ہاں جو تم میں ''اللہ'' اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اسے دوہرا ثواب اور بہترین رزق دیا جائے گا کیونکہ تمہارا مقام عام مسلمان عورتوں جیسا نہیں بلکہ تم ان سے ممتاز مقام کی حامل ہو۔ اس لئے کہ تمہارے گھروں میں ''اللہ'' کی آیات کا نزول ہوتا ہے اور اس کے رسول شب وروز تمہارے گھروں میں تشریف فرما ہوتے ہیں لہٰذا تمہیں ہر حال میں ''اللہ'' اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا اور مسلمان عورتوں کے لیے نمونہ بننا چاہیے۔

دین اسلام کی اشاعت اور اس کی ترقی پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح دکھائی دیتی ہے کہ دین کا بیشتر حصہ بالخصوص نبی کی ازدواجی اور گھریلو زندگی کے مسائل امہات المومنین کے ذریعے ہی امت تک پہنچے ہیں اسی لیے نبی کریم ﷺ کو چار بیویوں کی قید سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ازواجِ مطہرات کو معلوم تھا کہ ہمارے فرائض مسلمان خواتین سے بہت زیادہ ہیں اس لیے نبی ﷺ کی ہر بیوی نے اپنے خاندان میں تبلیغِ دین کے لیے محنت فرمائی اور اپنے عزیز واقرباء کو آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی سے آگاہ کیا جس کے نتیجہ میں اُن کے خاندان کے لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس طرح نبی کریم ﷺ کی ازدواجی زندگی اسلام کی ہمہ جہت ترقی میں بہترین ذریعہ ثابت ہوئی۔ قرآن مجید نے امہات المومنین کے حوالے سے یہ اصول واضح فرمایا ہے کہ جس شخص کی ذمہ داری زیادہ ہوتی ہے اگر وہ دین کی اشاعت میں محنت کرے گا تو اس کا اجر بھی دوگنا ہوگا۔ اسی اصول کے پیشِ نظر نبی معظم ﷺ نے ''ہرقل'' کو یہ تحریر فرمایا تھا۔

«فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الإِسْلَامِ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ، وَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ الأَرِيسِيِّينَ» (رواہ البخاری: باب دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى الإِسْلَامِ وَالنُّبُوَّةِ)

''میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کر لے تو سلامت رہے گا اور اللہ تعالیٰ تجھے دوہرا اجر عطا کرے گا اگر تو نے اعراض کیا تو تیری رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا۔''

((عَنْ جَرِيْرٍ ﷛ قَالَ كُنَّا فِي صَدْرِ النَّهَارِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّنْقَصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّنْقَصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ)) (رواه مسلم: باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة او كلمة طيبة وانها حجاب من النار)

''حضرت جریر ﷛ فرماتے ہیں کہ ہم دن کے پہلے پہر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جس نے اسلام میں نیکی کی ابتدا کی جب تک لوگ اس پر عمل کرتے رہیں گے اسے اپنا اور دوسروں کے برابر ثواب ملتا رہے گا جبکہ لوگوں کے اجر میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کسی برے کام کی بنیاد رکھی اس کو اپنا بھی اور اس پر عمل کرنے والوں کا بھی گناہ ہوتا رہے گا اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔''

((عَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ ﷛ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَاهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ ثَلَاثَةٌ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ الرَّجُلُ تَكُوْنُ لَهُ الْاَمَةُ، فَيُعَلِّمُهَا فَيُحْسِنُ تَعْلِيْمَهَا، وَيُؤَدِّبُهَا فَيُحْسِنُ اَدَبَهَا، ثُمَّ يُعْتِقُهَا فَيَتَزَوَّجُهَا فَلَهُ اَجْرَانِ، وَمُؤْمِنُ اَهْلِ الْكِتَابِ، الَّذِيْ كَانَ مُؤْمِنًا، ثُمَّ آمَنَ بِالنَّبِيِّ ﷺ، فَلَهُ اَجْرَانِ، وَالْعَبْدُ الَّذِيْ يُؤَدِّيْ حَقَّ اللّٰهِ، وَيَنْصَحُ لِسَيِّدِهٖ)) (رواه البخاری: باب فَضْلِ مَنْ أَسْلَمَ مِنْ أَہْلِ الْکِتَابَیْنِ)

''حضرت ابو بردہ ﷛ نے اپنے والد گرامی کو نبی مکرم ﷺ کا فرمان بیان کرتے ہوئے سنا سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: تین طرح کے افراد کو دوہرا اجر عطا کیا جائے گا ان میں سے ایک وہ ہوگا جس کے پاس لونڈی ہو اس نے اسے اچھی طرح تعلیم دی اور اس کو ادب سکھایا اچھے انداز سے اس کی تربیت کی پھر وہ اس کو آزاد کردے اور اس سے نکاح کر لے دوسرا یہود و نصاریٰ کا وہ شخص جو اپنے دین میں پکا تھا اور بعد ازاں نبی ﷺ پر ایمان لے آیا اس کے لیے بھی دوہرا اجر ہے تیسرا وہ شخص جو غلام ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتے ہوئے اپنے مالک کے کام اور خدمت میں بھی اس کا خیر خواہ رہتا ہے۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ ازواجِ مطہرات کو دوگنا اجر عنایت فرمائے گا۔

٢۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ازواجِ مطہرات کو رزقِ کریم سے سرفراز کرے گا۔

٣۔ ازواجِ مطہرات کا مقام اور مرتبہ امت کی خواتین سے بلند و بالا ہے۔

يٰنِسَآءَ	النَّبِيِّ	لَسْتُنَّ	كَاَحَدٍ	مِّنَ	النِّسَآءِ	اِنِ
اے بیویو!	نبی کی	تم نہیں ہو	کسی ایک کی مانند	سے	عورتوں	اگر
اتَّقَيْتُنَّ	فَلَا	تَخْضَعْنَ	بِالْقَوْلِ	فَيَطْمَعَ	الَّذِيْ	فِيْ
تم تقویٰ اختیار کرو	تو نہ	تم نزاکت اختیار کرو	بات چیت میں	کہ طمع کرنے لگے	وہ جو	میں
قَلْبِهٖ	مَرَضٌ	وَّقُلْنَ	قَوْلًا	مَّعْرُوْفًا ﴿٣٢﴾		وَقَرْنَ
اس کے دل	روگ	اور تم کہو	بات	معقول		اور تم ٹھہری رہو
فِيْ	بُيُوْتِكُنَّ	وَلَا	تَبَرَّجْنَ	تَبَرُّجَ	الْجَاهِلِيَّةِ	الْاُوْلٰى
میں	اپنے گھروں	اور نہ	تم زیب وزینت ظاہر کرو	زینت ظاہر کرنا	جاہلیت کی	پہلی

”اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو۔ کہ جو شخص دل کی خرابی میں مبتلا ہو وہ اُمید لگا بیٹھے۔ صاف سیدھی بات کیا کرو۔ (٣٢) اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور دورِ جاہلیت کی طرح سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔

فہم القرآن

ربط کلام : بے حیائی سے بچنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ عورت غیر محرم سے بات کرتے ہوئے اپنی زبان میں نزاکت لانے کی بجائے اخلاق کے اندر رہ کر بے اعتنائی کا اظہار کرے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دین اسلام اخلاق اور اچھی گفتگو کرنے کا حکم دیتا ہے لیکن عورت کا غیر محرم کے ساتھ اخلاق یہ ہے کہ وہ اس سے بات کرتے ہوئے اپنی زبان میں نسبتاً بے اعتنائی کا اظہار کرے تاکہ جس شخص کے دل میں بے حیائی کا مرض ہے وہ غلط توقعات وابستہ نہ کرے تاہم اس ہدایت کا یہ معنیٰ نہیں کہ عورت غیر محرم سے بات کرتے ہوئے سخت الفاظ استعمال کرے یا ایسا انداز اختیار کرے جس میں بدخلقی پائی جائے اس کی اجازت نہیں ہے۔ مسلمان عورتوں کو بے حیائی سے بچنے اور مسئلہ کی اہمیّت جتلانے کے لیے امہات المؤمنین کو مخاطب کیا گیا ہے تاکہ مسلمان عورتوں کو احساس ہو کہ اہم ضرورت کے وقت ہم نے غیر محرم سے کس طرح بات کرنی ہے عورتوں کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلیں کیونکہ عورت بازارِ حسن یا مارکیٹ کا مال نہیں بلکہ گھر کی محافظ، وقار اور ملکہ ہے اگر عورت صحیح معنوں میں گھر کی ذمہ داری نبھائے تو اسے سخت مجبوری کے سوا گھر سے نکلنے کی فرصت کہاں ملتی ہے۔ پابندی کا یہ مطلب نہیں کہ عورت رشتہ داروں اور اپنی سہیلیوں کے ہاں نہیں جاسکتی یا مجبوری کے تحت کوئی کاروبار نہیں کرسکتی۔

عورت پر ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنے پر پابندی نہیں، پابندی اس بات پر ہے کہ جب گھر سے نکلنا پڑے تو حسن وجمال کی نمائش کرتے ہوئے نہ نکلے۔ اسے قرآن مجید نے دورِ جاہلیت کا نکلنا قرار دیا ہے۔

وَ اَقِمْنَ	الصَّلٰوةَ	وَ اٰتِيْنَ	الزَّكٰوةَ	وَ اَطِعْنَ	اللّٰهَ
اور تم قائم کرو	نماز	اور تم ادا کرو	زکوٰۃ	اور تم اطاعت کرو	اللہ
وَ رَسُوْلَهٗ	اِنَّمَا	يُرِيْدُ	اللّٰهُ	لِيُذْهِبَ	عَنْكُمُ
اور اس کے رسول کی	صرف	چاہتا ہے	اللہ	کہ وہ دور کر دے	تم سے
الرِّجْسَ	اَهْلَ	الْبَيْتِ	وَ يُطَهِّرَكُمْ	تَطْهِيْرًا ۳۳	
ناپاکی	اے والو	گھر	اور وہ پاک کر دے تمہیں	پاک کرنا	

نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو" اللہ" چاہتا ہے کہ نبی کے گھر والوں سے ہر قسم کی غلاظت کو دور کرے اور تمہیں پوری طرح پاک کر دے۔" (۳۳)

حدیث شریف میں عورت کو یہاں تک ہدایت کی گئی ہے کہ اگر وہ با جماعت نماز ادا کر رہی ہو تو امام کے بھولنے کی صورت میں کوئی مرد لقمہ نہ دے پائے تو عورت لقمہ دینے کی بجائے اپنے الٹے ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مار کر امام کو اس کی غلطی سے متنبہ کرے۔ (رواہ البخاری: باب التصفیق للنساء) اس سے اندازہ فرمائیں کہ دین غیر محرم عورت اور مرد کے اختلاط کو کس قدر ناپسند کرتا ہے چہ جائیکہ عورت ٹی وی، ریڈیو، کیبل اور اخبارات میں آ کر پورے ناز نخرے کے ساتھ لوگوں کے سامنے اپنے انگ انگ کی نمائش کرے۔ قرآن مجید کی ہدایت ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں باوقار طریقے کے ساتھ رہیں جس کے لیے "وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جس کا معنٰی قرار اور وقار کیا گیا ہے یعنی اپنے گھر میں قرار پکڑو اور وقار کے ساتھ رہو اور نماز پڑھو، زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اسکے رسول کی تابعداری میں لگی رہو۔

"تَبَرُّجٌ" کا معنی بے پردگی اور خوبصورتی کا اظہار کرنا ہے اسی طرح "تَبَرُّجٌ" کا معنٰی ابھار اور نمایاں ہونا ہے۔

اہل بیت اور ان کا مقام

پاکستان میں شیعہ اور بریلوی حضرات فکر و عمل کے اعتبار سے ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہیں ان کی اصلاح کے لئے مولانا پیر کرم شاہ صاحب بریلوی کی تفسیر سے من وعن اقتباس تحریر کیا جاتا ہے:

اس آیت کا سیاق وسباق دیکھنے کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آیت کے اس جملہ (اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ) میں بھی وہی مخاطب ہیں جن سے پہلے اور بعد میں خطاب ہو رہا ہے اور وہ ازواجِ مطہرات ہیں اور اہلِ بیت سے بھی ازواج مراد ہیں۔

فرقہ وارانہ تعصب سے بلند اور خالی الذہن ہو کر اگر ان آیات کا مطالعہ کیا جائے تو ان آیات کا یہی مفہوم ہے جو بلا تکلّف سمجھ آتا ہے یعنی خدا نہ بھلا کرے فرقہ ورانہ تعصّبات کا کہ وہ حق فہمی کی راہ میں پہاڑ بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں شیعہ حضرات کو اس بات پر اصرار ہے کہ اہلِ بیت میں ازواجِ مطہرات داخل نہیں اس سے مراد فقط حضراتِ خمسہ ہیں یعنی امام المرسلین ﷺ،

امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدہ فاطمہ طاہرہ اور حضرت حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اپنے اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے جو دلائل انہوں نے پیش کیے ہیں وہ پیشِ خدمت ہیں انہیں پڑھیے! سنجیدگی سے ان پر غور کیجیے اور از روئے انصاف یہ فیصلہ کیجیے کہ راہِ حق سے کون بہک گیا ہے وہ فرماتے ہیں:

(۱) اس جملہ میں ضمیریں مذکر ذکر کی گئی ہیں "عَنْكُمُ" اور "يُطَهِّرَكُمْ" اگر ان کا مرجع ازواجِ مطہرات ہوتیں تو مؤنث کی ضمیریں ذکر کی جاتیں۔ "عَنْكُمُ" کی بجائے "عَنْكُنَّ" آجاتا اور "يُطَهِّرَكُمْ" کی بجائے "يُطَهِّرُكُنَّ" ہوتا۔

(۲) آیت کے اس حصہ میں "بَيْتِ" واحد مذکور ہے یہ چیز ازواج کی نفی کرتی ہے کیونکہ جہاں ان کے گھروں کا ذکر ہے وہاں بیت کی جمع بیوت مذکور ہے جیسے "وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ" اور "وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ" ہیں۔

(۳) اس سلسہ میں جو بڑی وزنی بات انہوں نے کہی ہے کہ "اِنَّمَا" حصر کے لیے آتا ہے یعنی جو چیز اس کے بعد مذکور ہے اس کے لیے یہ فعل ثابت ہے اور جو مذکور نہیں اس سے یہ فعل منفی ہے نیز ارادہ کی دو قسمیں ہیں وہ ارادہ جس کی مراد کا پایا جانا یا نہ پایا جانا مستلزم نہیں، دوسرا وہ ارادہ جس کے ساتھ مراد کا پایا جانا ضروری ہے یعنی ایسا ارادہ جس پر "تَطْهِيْرًا" اور "اَذْهَابِ رِجْسَ" ضرور مرتب ہوگا اس مقام پر ارادہ "محضہ" نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا ارادہ تو ہر مومن کے لیے ہے کہ وہ ہر ناپاکی سے منزہ ہو، ظاہری اور باطنی نجاستوں سے اس کا دامنِ حیات پاک ہو۔ اہلِ بیت کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں حالانکہ یہ مقام مدحِ اہلِ بیت کا ہے یہاں تو کسی ایسی چیز کا ذکر ہونا چاہیے جو ان کے ساتھ مخصوص ہو اور وہ ارادہ کا دوسرا معنٰی ہے جس سے ان حضرات کی عصمت ثابت ہوتی ہے لیکن ازواجِ مطہرات کی عصمت کا کوئی بھی قائل نہیں یہاں وہی لوگ مراد ہوں گے جن کی عصمت ثابت ہے اور وہ حضرات خمسہ ہیں اس لیے ثابت ہوا کہ یہاں اہلِ بیت سے مراد ازواج نہیں ہیں امید ہے کہ یہ دلیل پیچ در پیچ آپ نے سمجھ لی ہوگی۔

(۴) کتبِ اہلِ سنت میں بھی ایسی احادیث بکثرت موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ بیت سے مراد ازواج نہیں بلکہ حضراتِ خمسہ ہیں شیخ الطائفہ طوسی نے التبیان میں اور شیخ طبرسی نے مجمع البیان میں اور اسی فرقہ کے دوسرے مفسرین نے اپنی تفاسیر میں یہی دلائل پیش کیے ہیں آیئے! ان دلائل کا بنظرِ انصاف جائزہ لیں۔

ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ اگر ازواج مراد ہوتیں تو ضمیریں مؤنث کی ذکر کی جاتیں اسکے لیے گزارش ہے کہ آیت کے اس حصہ میں اہلِ بیت کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ لفظ مذکر ہے اگرچہ معنٰی مؤنث ہے اور عربی زبان میں بسا اوقات معنٰی کا لحاظ نہیں رکھا جاتا صرف لفظ کے مطابق ضمیر ذکر کی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں سورۃ ہود کی آیت ۷۱، ۷۲، ۷۳ ملاحظہ فرمایئے! جہاں فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہیں حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کا مژدہ سنا رہے ہیں پاس ہی حضرت سارہ علیہا السلام کھڑی ہیں آپ وفورِ مسرت سے ہنس پڑی ہیں ساتھ ہی اظہارِ تعجب کرتے ہوئے فرماتی ہیں۔ (يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ) یعنی میں بوڑھی اور میرا خاوند بھی بوڑھا ہے کیا میرے ہاں بچہ پیدا ہوگا؟ بڑی عجیب و غریب بات ہے فرشتے حضرت سارہ علیہا السلام کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں (قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ) اے حضرت خلیل علیہ السلام کی

رفیقہ حیات ! کیا تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر تعجب کر رہی ہو اے اہلِ بیت !تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔ "تَعْجَبِيْنَ "مؤنث کا صیغہ ہے لیکن بعد میں اہلِ بیت کے لفظ کے پیشِ نظر "عَلَيْكُمْ "میں مذکر کی ضمیر استعمال ہوئی ہے۔ آپ دور کیوں جاتے ہیں اسی صفحہ کی پہلی آیت میں "مَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ" پر غور کیجیے۔ "يَّقْنُتْ" مذکر کا صیغہ ہے لیکن بلااختلاف اس سے مراد ازواج ہیں چاہیے تو یہ تھا کہ "مَنْ تَقْنُتْ" ہوتا لیکن "مَنْ" کے لفظ کو ملحوظ رکھتے ہوئے "يَّقْنُتْ" فرمایا گیا۔ اس لیے شیعہ حضرات کا یہ استدلال کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

دوسری دلیل کے بارے میں عرض ہے کہ ازواجِ مطہرات کے حجروں کی دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت تو یہ ہے کہ امّہات المومنین کی قیام گاہیں ہیں دوسری حیثیت یہ ہے کہ ان حجروں میں نبی اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات اقامت گزیں ہیں جب ان حجروں کا ذکر ازواج کی قیام گاہوں سے ہوتو انہیں جمع ذکر کیا جاتا اور جب آپ ﷺ کی نسبت سے ہوتو واحد "وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ" میں ہر زوجہ محترمہ کو حکم ہے کہ وہ اپنے اپنے حجرہ میں ٹھہرے اسی طرح "مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ" میں بھی ہر بی بی کا حجرہ مراد ہے کیونکہ وحی کا نزول مختلف حجرات میں ہوتا تھا لیکن اہلِ البیت میں "بَيْتِ" سے مراد آپ ﷺ کی قیام گاہ ہے اس لیے اس کو واحد ذکر کیا گیا۔

تیسرا استدلال بھی بڑا انوکھا ہے آپ کی دلیل کا دارومدار اس بات پر ہے کہ یہ مقام مدح اہلِ بیت ہے۔ حالانکہ یہ مقام مقامِ مدح نہیں بلکہ مقامِ موعظت وارشاد ہے جو باتیں اور جو خوبیاں اہلِ بیت کو اپنانی چاہئیں اور جس ضابطہ حیات کی انہیں پابندی کرنا چاہیے اس کا تفصیلی ذکر ہو رہا ہے اس لیے اس دلیل کی بنیاد ہی درست نہیں نیز عصمت انبیاء کا عقیدہ تو متفقہ عقیدہ ہے لیکن دوسرے حضرات کی عِصمت آپ کا اپنا مفروضہ ہے اس پر دلیل کی عمارت کیسے تعمیر کی جاسکتی ہے نیز اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہاں سے عدمِ عِصمت ثابت ہوتی ہے ورنہ تحصیل لاحاصل لازم آئے گی یعنی جو ہستیاں پہلے ہی معصوم اور ہر طرح کے رِجس سے منزّہ اور مبرّہ ہیں ان کے متعلق یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ ان کو پاک اور طاہر کرنا چاہتا ہے اس کا کوئی مطلب نہیں، اس کے علاوہ اگر اہلِ سنت کی عِصمت کا ذکر ہی بطور مدح کرنا مقصود ہوتا تو آیت یوں ہونی چاہیے تھی۔ "اِنَّمَا اَرَادَ اللّٰهُ اَذْهَبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَطَهَّرَكُمْ تَطْهِيْرًا"۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ آیت اس طرح نہیں ہے۔

ان صاحبان نے چوتھی دلیل یہ پیش کی ہے کہ اہلسنت کی کتب میں بھی بکثرت ایسی احادیث ہیں جو اکابر صحابہ ابو سعید خدری، انس بن مالک، واثلہ بن اسقع، امّ المومنین عائشہ اور امّ المومنین امّ سلمہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ بیت سے مراد حضراتِ خمسہ ہیں اور ازواج اہلِ بیت میں داخل نہیں اس کے متعلق گزارش ہے کہ وہ احادیث جن میں یہ مذکور ہے کہ یہ آیت فقط ان حضراتِ قدسی صفات کے حق میں نازل ہوئی ان کے راوی مجروح اور ساقط الاعتبار ہیں جن کی تفصیل ذیل میں پیش کی جارہی ہے اور جن کے راوی ثقہ اور قابلِ اعتماد ہیں ان میں کوئی تخصیص مذکور نہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ امّہات المومنین اور یہ حضرات سب اہلِ بیت میں شامل ہیں اور یہی حق ہے اور اسی پر ہمارا ایمان ہے۔

کچھ لوگوں نے اہلِ بیت کے لفظ کو نبی علیہ السلام کی ازواج کے لیے مخصوص کر دیا ہے حالانکہ حدیث کی روشنی میں اہلِ بیت

میں ازواجِ مطہرات کے ساتھ حضرت علی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں۔

((عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ فِيْ بَيْتِيْ اُنْزِلَتْ (اِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا) قَالَتْ فَاَرْسَلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِلٰى فَاطِمَةَ وَعَلِيٍّ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ فَقَالَ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا اَنَا مِنْ اَهْلِ الْبَيْتِ قَالَ بَلٰى اِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالٰى)) (رواہ البیهقی: باب الدلیل علی ان ازواجه ﷺ من اهل بیته فی الصلوة علیهن [صحیح])

''حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت میرے گھر میں نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ، حضرت علی اور حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا کہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ حضرت امّ سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا میں اہلِ بیت میں شامل نہیں ہوں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں ان شاء اللہ تعالیٰ!''

مخصوص نظریہ رکھنے والے ایک فرقہ کی ستم ظریفی مولانا مودودی رحمہ اللہ کا ارشاد:

مولانا مرحوم کی کتاب خلافت ملوکیت کے حوالے سے کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ مولانا صاحب کا رجحان اہل تشیع کی طرف ہے اس لیے ان کی تحریر پیش خدمت ہے۔

ایک گروہ نے اس آیت کی تفسیر میں صرف اتنا ہی ستم نہیں کیا کہ ازواجِ مطہرات کو ''اہلِ بیت'' سے خارج کر کے صرف حضرت علی، فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد کے لیے اس لفظ کو خاص کر دیا بلکہ اس پر مزید ستم یہ کیا کہ اس کے الفاظ ''اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کرے اور تمہیں پوری طرح پاک کر دے'' سے یہ نتیجہ نکال لیا کہ حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح معصوم ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ "رِجْسٌ" سے مراد خطا اور گناہ ہے اور ارشادِ الٰہی کی رو سے یہ "اَهْلَ الْبَيْتِ" اس سے پاک کر دیئے گئے ہیں حالانکہ آیت کے الفاظ یہ نہیں ہیں کہ تم سے گندگی دور کر دی گئی اور تم بالکل پاک کر دیئے گئے بلکہ الفاظ یہ ہیں کہ اللہ تم سے گندگی کو دور کرنا اور تمہیں پاک کر دینا چاہتا ہے سیاق وسباق بھی نہیں بتاتا کہ یہاں مناقبِ اہلِ بیت بیان کرنے مقصود ہیں بلکہ یہاں تو اہلِ بیت کو نصیحت کی گئی ہے کہ تم فلاں کام کرو اور فلاں کام نہ کرو اس لیے کہ اللہ تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے بالفاظِ دیگر مطلب یہ ہے کہ تم فلاں رویہ اختیار کرو گے تو پاکیزگی کی نعمت تمہیں نصیب ہوگی ورنہ نہیں تاہم اگر "يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا" کا مطلب یہ لے لیا جائے کہ اللہ نے ان کو معصوم کر دیا تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ وضو، غسل اور تیمم کرنے والے سب مسلمانوں کو معصوم نہ مان لیا جائے کیونکہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ" ''مگر اللہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر تمام کردے (المائدۃ:٦) (تفہیم القرآن: جلد ۴)

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فِيْ حَجَّتِهٖ يَوْمَ عَرَفَةَ وَهُوَ عَلٰى نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءِ يَخْطُبُ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا إِنْ أَخَذْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِيْ أَهْلَ بَيْتِيْ)) (رواہ الترمذی: بَابُ مَنَاقِبِ أَہْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ ﷺ [صحیح])

’’حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو حجۃ الوداع کے موقعہ خطبہ دیتے ہوئے سُنا آپ ﷺ فرما رہے تھے: اے لوگو! میں تمہارے لیے ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم ان کو تھامے رکھو گے تو یقیناً تم گمراہی سے محفوظ رہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسرا میرے اہل بیت کی عزت وتکریم۔‘‘

«عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي أَحَدُهُمَا أَعْظَمُ مِنَ الآخَرِ كِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَمْدُودٌ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الأَرْضِ وَعِتْرَتِي أَهْلُ بَيْتِي، وَلَنْ يَتَفَرَّقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الحَوْضَ فَانْظُرُوا كَيْفَ تَخْلُفُونِي فِيهِمَا»

(رواہ الترمذی: باب مَنَاقِبِ أَہْلِ بَیْتِ النَّبِیِّ ﷺ [صحیح])

’’حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! میں تمہارے لیے ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم ان کو تھامے رکھو گے تو تمہیں کوئی چیز گمراہ نہیں کر سکے گی۔ ایک اللہ کی کتاب جس کا ایک سرا آسمانوں میں ہے اور دوسرا زمین پر۔ دوسرا میرے اہل بیت کی عزت وتکریم یہ دونوں قیامت کے دن میرے پاس حوضِ کوثر پر پہلے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے، اب غور کرنا میرے بعد ان دونوں کے ساتھ تم کیا سلوک کرتے ہو۔‘‘

مسائل

۱۔ نبی کریم ﷺ کی تمام ازواج مطہرات کا مقام ومرتبہ کے اعتبار سے امّت کی تمام عورتوں اعلیٰ ہیں۔

۲۔ نبی ﷺ کی بیویوں کو حکم دیا گیا کہ اپنی آواز میں لطافت پیدا کرنے سے پرہیز کریں۔

۳۔ نبی ﷺ کی بیویوں کو اپنی زیب وزینت ظاہر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

۴۔ نبی ﷺ کی بیویوں کو نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو پاک کرتا ہے:

۱۔ پاک وہی ہے جسے اللہ پاک کرے۔ (النساء: ۴۹) ۲۔ حضرت یوسف کی پاک دامنی کا انتظام فرمایا۔ (یوسف: ۳۱)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہود کے الزام سے پاک کیا۔ (الاحزاب: ۶۹)

۴۔ عیسیٰ نے گود میں اپنی والدہ کی پاکدامنی کا اعلان فرمایا۔ (مریم: ۳۰)

۵۔ اللہ تعالیٰ پاک صاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (التوبۃ: ۱۰۸)

۶۔ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو لڑکپن میں دانائی عطا فرمائی تھی اور اپنی جناب سے پاکیزگی اور شفقت عطا فرمائی تھی وہ پرہیزگار تھے اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے، سرکش اور نافرمان نہیں تھے۔ (مریم: ۱۲ تا ۱۴)

۷۔ جس نے اپنے آپ کو پاک کر لیا وہ فلاح پا گیا۔ (الاعلیٰ: ۱۴)

وَاذْكُرْنَ	مَا	يُتْلٰى	فِيْ	بُيُوْتِكُنَّ	مِنْ
اور تم یاد کرو	جو	پڑھی جاتی ہیں	میں	تمہارے گھروں	سے
اٰيٰتِ	اللّٰهِ	وَالْحِكْمَةِ ۭ		اِنَّ	اللّٰهَ
آیات	اللہ کی	اور حکمت		بے شک	اللہ
كَانَ		لَطِيْفًا	خَبِيْرًا ۝٣٤		
ہے		نہایت باریک بین	بڑا باخبر		

ع ٧ ١

جو تمہارے گھروں میں ''اللہ'' کی آیات اور حکمت کی باتیں پڑھی جاتی ہیں ان کو یاد رکھا کرو یقیناً اللہ باریک بین اور ہر چیز سے باخبر ہے۔'' (٣٤)

فہم القرآن

ربط کلام : نبی اکرم ﷺ کے گھر کا ماحول۔

آیت ٢٨ سے لے کر مختلف انداز میں نبی اکرم ﷺ کے گھر والوں کو خطاب کیا جا رہا ہے اس موقعہ پر آخری حکم ہوا کہ پاک صاف ماحول میں رہتے ہوئے ''اللہ'' کی آیات اور حکمت کی باتیں جو تمہارے گھروں میں وحی کی صورت میں پڑھی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو اور ان کی تلاوت کیا کرو، ہمیشہ عقیدہ اپناؤ کہ اللہ تعالیٰ نہایت مہربان اور ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے اس فرمان میں یہ بات کھل گئی ہے کہ اہلِ بیت میں نبی اکرم ﷺ کی ازواج بدرجہ اولیٰ شامل ہیں کیونکہ وحی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں نازل نہیں ہوتی تھی جب آپ ﷺ گھر میں ہوتے تو وحی امّہات المؤمنین کے حجروں میں ہی نازل ہوا کرتی تھی۔

اکثر اہل علم اور مفسرین نے حکمت کے معانی فہم و فراست، علم و حلم، عدل و انصاف، حقیقت اور سچائی تک پہنچنا اور دین کی سمجھ حاصل کرنا بیان کیے ہیں اس کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ ضَمَّنِي النَّبِيُّ ﷺ إِلَي صَدْرِهِ وَقَالَ اللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ))

(رواہ البخاری: باب ذِکْرِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے مجھے اپنے گلے لگایا اور میرے لیے دعا کی کہ اے اللہ! اسے قرآن کا فہم عطا فرما۔''

((عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا تُؤْذِينِي فِي عَائِشَةَ، فَوَاللّٰهِ مَا مِنْكُنَّ اِمْرَأَةٌ يَنْزِلُ عَلَيَّ الْوَحْيُ وَأَنَا فِي لِحَافِهَا لَيْسَ عَائِشَةَ قُلْتُ لَا جَرَمَ، وَاللّٰهِ لَا أُؤْذِيكَ فِيهَا أَبَدًا))

(مسند ابی یعلی الموصلی [حسن])

''ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے عائشہ کے بارے میں پریشان نہ کرنا۔ اللہ کی قسم!

عائشہ کے علاوہ تم میں سے کوئی ایسی بیوی نہیں جس کے بستر میں مجھ پر وحی نازل ہوتی ہو۔ میں نے کہا کوئی شک نہیں اللہ کی قسم! میں عائشہ کے بارے میں آپ کو کبھی پریشان نہیں کروں گی۔''

گھر میں نماز اور تلاوت کرنے کا حکم:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لاَ تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ))

(رواه مسلم: باب استِحْبَابِ صَلاَةِ النَّافِلَةِ فِي بَيْتِهِ وَجَوَازِهَا فِي المسجِدِ)

''حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، جس گھر میں سورۃ البقرۃ پڑھی جاتی ہے اس گھر سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔''

((عَنْ سَعْدِ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَتَى مَسْجِدَ بَنِي عَبْدِ الأَشْهَلِ فَصَلَّى فِيهِ الْمَغْرِبَ فَلَمَّا قَضَوْا صَلاَتَهُمْ رَآهُمْ يُسَبِّحُونَ بَعْدَهَا فَقَالَ هَذِهِ صَلاَةُ الْبُيُوتِ)) (رواه ابو داؤد: باب رَكْعَتَيِ المغرِبِ أَيْنَ تُصَلَّيَانِ [حسن])

''سعد بن اسحاق بن کعب بن عجرہ اپنے باپ اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ بنو عبدالاشہل کی مسجد میں تشریف لائے۔ وہاں آپ نے مغرب کی نماز پڑھی۔ جب انہوں نے فرض نماز مکمل کی تو آپ ﷺ نے انہیں نفل پڑھتے ہوئے دیکھا آپ نے فرمایا: یہ گھروں میں پڑھی جانے والی نماز ہے، یعنی نفلی نماز گھر میں پڑھنی زیادہ افضل ہے۔''

مسائل

۱۔ گھر میں قرآن مجید کی تلاوت اور حدیث شریف کا تذکرہ کرنا چاہیے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نہایت مہربان اور ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

تلاوتِ قرآن اور اس کی حکمت:

۱۔ قرآن کی تلاوت کا حق ادا کرنا چاہیے۔ (البقرۃ:۱۲۱) ۲۔ قرآن کی تلاوت کے وقت تدبر کرنا چاہیے۔ (النساء:۸۲)
۳۔ سحری کے وقت تلاوت کرنا افضل ہے۔ (الاسراء:۷۸)
۴۔ اللہ کے بندے رات کو اٹھ اٹھ کر قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ (آل عمران:۱۱۳)
۵۔ ایمانداروں کے دل اللہ کے ذکر سے سہم جاتے ہیں جب ان کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ (الانفال:۲)
۶۔ جن کو کتاب دی گئی وہ اس کی تلاوت اسی طرح کرتے ہیں جس طرح تلاوت کرنے کا حق ہے۔ (البقرۃ:۱۲۱)

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد

وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ

اور فرمانبردار عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں

وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ

اور ڈرنے والے مرد اور ڈرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزے دار مرد

''یقیناً مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، ڈرنے والے مرد اور ڈرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزے دار مرد

فہم القرآن

ربط کلام: اللہ تعالیٰ کی آیات کو یاد کرنے اور اس کی نازل کردہ حکمت کا تقاضا ہے کہ مسلمان مرد اور خواتین میں درج ذیل اوصاف کا ہونا ضروری ہے جن حضرات میں یہ اوصاف ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کی کوتاہیوں کو معاف فرمائے گا اور انہیں اجرِ عظیم عطا کرے گا۔

اس آیت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے مفسّرین نے لکھا ہے کہ امّہات المؤمنین میں سے حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! قرآن مجید میں بار بار مردوں کو ہی مخاطب کیا گیا ہے عورتوں کو مخاطب کیوں نہیں کیا جاتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں مومن مردوں اور عورتوں کو نہ صرف یکساں طور پر مخاطب کیا گیا ہے بلکہ اس میں ایک سچے اور پکے مسلمان مرد اور عورت کے کردار کا خاکہ بھی پیش کیا گیا ہے ان اوصاف کا حامل مرد ہو یا عورت، جوان ہو یا بوڑھا، امیر ہو یا غریب، عربی ہو یا عجمی، گورا ہو یا کالا، حکمران ہو یا محکوم جس میں بھی یہ اوصاف ہوں گے اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں کو معاف فرمائے گا اور اسے اجرِ عظیم سے نوازے گا۔

(۱) مسلمان:

اسلام کا معنیٰ سلامتی اور تابعداری ہے اسلام کا جامع تصور یہ ہے۔

''ابراہیم کو اس کے رب نے فرمایا کہ فرمانبردار ہو جا اس نے عرض کی کہ میں نے اپنے آپ کو رب العالمین کے سامنے جھکا دیا ہے۔ (البقرۃ:۱۳۱) ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی کہ اے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند فرمالیا ہے تمہیں موت اسلام کی حالت میں آنی چاہیے۔'' (البقرہ:۱۳۲)

(۲) مومن:

مومن کا معنیٰ ہے ایمان دار کچھ اہل علم نے مسلم اور مومن کے الفاظ کو ایک دوسرے کا مترادف قرار دیا ہے۔

وَالصّٰٓئِمٰتِ	وَالْحٰفِظِيْنَ	فُرُوْجَهُمْ	وَالْحٰفِظٰتِ
اور روزے دار عورتیں	اور حفاظت کرنے والے مرد	اپنی شرمگاہوں کی	اور حفاظت کرنے والی عورتیں

وَالذّٰكِرِيْنَ	اللّٰهَ	كَثِيْرًا	وَّالذّٰكِرٰتِ	اَعَدَّ	اللّٰهُ
اور ذکر کرنے والے مرد	اللہ کا	کثرت سے	اور ذکر کرنے والی عورتیں	تیار کی ہے	اللہ نے

لَهُمْ	مَّغْفِرَةً	وَّاَجْرًا	عَظِيْمًا ﴿٣٥﴾
ان کے لیے	مغفرت	اور اجر	بہت بڑا

اور روزے دار عورتیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں ان کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کیا ہے۔'' (۳۵)

حقیقت یہ ہے کہ ایک مسلم اور مومن کے درمیان درجہ بندی کے لحاظ سے بڑا فرق ہے مسلمان وہ ہے جو اسلام کے ظاہری ارکان پر واجبی طور پر عمل کرتا ہے مومن وہ ہے جو ارکانِ اسلام پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ ایک تڑپ اور لگن کے ساتھ نیکی کے معاملات میں دوسروں سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے مومن کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ چھوٹی سے چھوٹی نیکی سے بھی محروم نہ رہے گویا کہ وہ اسلام کے ہر پہلو پر پوری طرح عمل کرنے کی فکر میں رہتا ہے اسی لیے قرآن مجید نے عام مسلمانوں کو یوں خطاب فرمایا:

''دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لاچکے ہیں اے پیغمبر! انہیں فرمادیں کہ تم ہرگز ایمان نہیں لائے۔ ہاں یہ کہو کہ ہم مسلمان ہیں ایمان تو ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروگے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کمی نہیں کرے گا کیونکہ اللہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ ایمان دار تو وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے رسول کی رسالت پر ایمان لاتے ہیں پھر اس میں شک نہیں کرتے اور اپنے مالوں اور نفسوں کے ذریعے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں یہی لوگ مومن ہیں۔'' (الحجرات: آیت ۱۴۔۱۵)

③ قَانِتٌ:

مرد کے لیے قَانِتِيْنَ اور عورت کے لیے قَانِتٰتِ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جس سے مراد وہ شخص اور عورت ہے جو دل کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ قولاً اور فعلاً اللہ تعالیٰ کی تابعداری کرتے ہوئے طبیعت میں سکون محسوس کرے نماز کے بارے میں بالخصوص یہ حکم دیا گیا ہے

{ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿٢٣٨﴾ } (البقرة: ٢٣٨) ''اللہ کے سامنے عاجزی سے کھڑے ہوا کرو۔''

④ اَلصَّادِقُ:

ہر حال میں ''اَلصِّدْق'' اختیار کرنے والے کو اَلصَّادِقُ کہا جاتا ہے یعنی ایسا مسلمان جو اپنے قول اور فعل کے ساتھ

اسلام کی صداقت کا ترجمان ہو ایک مسلمان کو قولاً اور فعلاً اسلام کا ترجمان بنتے ہوئے اس بات کا بھی التزام کرنے کا حکم ہے کہ وہ ہمیشہ سچے لوگوں کا ساتھ دے۔

{ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١١٩﴾ } (التوبہ:١١٩)

''اے مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچے لوگوں کا ساتھ دیا کرو۔''

⑤ صَابِرٌ:

صبر بے بسی اور بے کسی کا نام نہیں صبر قوت برداشت، قوتِ مدافعت کو بحال رکھنے اور طبیعت کو شریعت کا پابند بنانے کا نام ہے۔ دشمن کے مقابلے میں جرات، بہادری دکھانا بھی صبر میں شامل ہے صابر کو آخرت میں بغیر حساب کے جنت میں داخلہ نصیب ہوگا اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رفاقت ودستگیری حاصل ہوگی۔

{ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٥٣﴾ } (البقرۃ:١٥٣)

''اللہ کی رفاقت اور دستگیری صبر کرنیوالوں کے لیے ہے۔''

⑥ خَاشِعِيْنَ:

''خَاشِعِيْنَ'' ''خَاشِعٌ'' کی جمع ہے مسلمان کی کوئی عبادت ایسی نہیں جس میں خشیت الٰہی نہ پائی جائے۔ خشیت دل کی اس کیفیت کا نام ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے رب کی نافرمانی اور اس کی گرفت سے ڈرتا رہتا ہے جس میں یہ صفت ہوگی وہ مسلمان ہر وقت اپنے اخلاق اور اعمال کا محاسبہ کرے گا ان لوگوں کی یوں تعریف کی گئی ہے۔

{ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿٢﴾ } (المومنون:٢)

''مومن اپنی نماز میں خشیت اختیار کرتے ہیں۔''

⑦ مُتَصَدِّقٌ:

''مُتَصَدِّقٌ'' حقیقت میں وہ شخص ہوتا ہے جو عسر اور یسر میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتا رہتا ہے کیونکہ صحیح معنوں میں مسلمان وہ ہے جو اپنے سے کمزور مسلمان کے ساتھ تعاون کرے قرآن مجید نے اس بات کو متقین کی ایک صفت کے طور پر ہی نہیں لیا بلکہ اسے ایمان کی مبادیات میں شامل کیا ہے۔

{ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣٤﴾ } (آل عمران:١٣٤)

''متقین عُسر، یُسر میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے۔''

{ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٣﴾ } (البقرۃ:٣)

''جو لوگ غیب پر ایمان لاتے، نماز قائم کرتے اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

⑧ اَلصَّوْم:

"اَلصَّوْم" کا مطلب سحری سے لے کر مغرب تک روزہ رکھنا ہے روزہ اس بات کا بالفعل احساس دلاتا ہے کہ بھوک اور تنگ دستی کی سختیاں غریب کی زندگی پر کیا اثرات مرتب کرتی ہیں روزے سے گناہ معاف ہونے کے ساتھ دوسرے سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَة رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلّ الصَّوْمُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ،يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَأَكْلَهُ وَشُرْبَهُ مِنْ أَجْلِي،وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ،وَلِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ حِينَ يُفْطِرُ، وَفَرْحَةٌ حِينَ يَلْقَى رَبَّهُ،وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ المِسْكِ»

(رواہ البخاری: بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى ﴿يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللهِ﴾)

”حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا بندہ میرے لیے روزہ رکھتا ہے، محض میری خاطر اپنی خواہشات کو قربان کرتا ہے اور اپنا کھانا، پینا چھوڑتا ہے اس لیے اس کی جزا بھی میں خود دوں گا۔ روزہ دار کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو خوشیاں نصیب ہوتی ہیں۔ ایک خوشی روزہ افطار کرتے وقت اور دوسری خوشی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے وقت نصیب ہوگی اور روزے دار کے منہ کی بُو اللہ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔“

⑨ عفت و عصمت کی حفاظت کرنے والے:

قرآن مجید میں ایسے احکام نازل ہوئے ہیں اگر مسلمان ان کی پاسداری کریں تو مسلم معاشرہ میں ہر کسی کی عزت و عفت محفوظ رہ سکتی ہے۔ تفصیل سے بیان کرنے کی بجائے یہاں صرف دو حوالے پیش کیے جاتے ہیں جس سے ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ اسلام کس طرح لوگوں کی عفت کی حفاظت کرتا ہے۔

”اے پیغمبر ﷺ! مومنوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں یہ ان کے حق میں زیادہ بہتر ہے اللہ کو ان کے سب کاموں کی خبر ہے۔ اے پیغمبر مومن عورتوں سے بھی کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کو بچا کر رکھیں اور اپنی سج دھج کو ظاہر نہ کیا کریں۔“ (النور: ٣٠، ٣١)

”زنا کے قریب بھی نہ جاؤ کیونکہ یہ برائی اور بہت بُرا راستہ ہے۔ (بنی اسرائیل: ٣٢)

”سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھے اپنی زبان اور شرمگاہ کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔“ (رواہ البخاری: باب حِفْظِ اللِّسَانِ)

⑩ اَلذّٰاكِرِيْن:

"الذّٰكِرِيْنَ وَّ الذّٰكِرٰتِ" سے مراد مخصوص لوگ نہیں جو مجالس پڑھنے کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔ "الذّٰكِرِيْنَ وَّ الذّٰكِرٰتِ" سے مراد وہ خوش قسمت اور بانصیب لوگ ہیں جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہتے ہیں۔

ذکر کے بارے میں فہم القرآن جلد ١ آیت ١٥٢ میں قدرے تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے

کہ ذکر سے مراد اللہ کا نام، صفات اور ذات کا ذکر کرنا اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہونا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ذکر کے تصور کو اس قدر وسعت سے بیان فرمایا ہے۔

«اِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَرَمْيُ الْجِمَارِ لِإِقَامَةِ ذِكْرِ اللهِ»

(رواہ أبو داؤد: کتاب المناسک، باب فی الرمل [ضعیف])

''یقیناً! بیت اللہ کا طواف' صفا و مروہ کی سعی اور شیاطین کو کنکریاں مارنا ''اللہ'' کا ذکر بلند کرنے کے لیے ہیں۔''

«عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَذْكُرُ اللهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ» (رواہ مسلم: باب ذِکرِ اللہ تعالٰی فِی حَالٍ)

''حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ ہر حال میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔''

«عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَثَلُ الَّذِيْ يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِيْ لَا يَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ» (رواہ البخاری: باب فَضلِ ذِکرِ اللہ عَزَّ وَجَلَّ)

''حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ رسول اللہ ﷺ کا فرمان بیان کرتے ہیں کہ اپنے ''رب'' کا ذکر کرنے والے کی مثال زندہ اور نہ کرنے والے کی مثال مردہ شخص کی ہے۔''

مسائل

١۔ صالح اعمال کے حوالے سے مسلمان مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

٢۔ اللہ تعالیٰ نے صالح مردوں اور عورتوں کے لیے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخشنے والا اور اجرِ عظیم عطا فرمانے والا ہے:

١۔ اللہ ہی کے لیے زمین و آسمان کی ملکیت ہے وہ جسے چاہے معاف کرے گا۔ (الفتح: ١٤)

٢۔ اللہ توبہ کرنے والوں کو اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے بے شک اللہ معاف کرتا اور رحم فرماتا ہے۔ (التوبۃ: ٩٩)

٣۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمھیں معاف کر دے؟ وہ غفور اور رحیم ہے۔ (النور: ٢٢)

٤۔ جو سچے دل سے تائب ہو جائے ایمان کے ساتھ اعمال صالح کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دے گا کیونکہ اللہ معاف کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ (الفرقان: ٧٠)

٥۔ جو توبہ کرے اور اصلاح کرے تیرا رب بڑا غفور اور رحیم ہے۔ (النحل: ١١٩)

٦۔ اللہ جلد پکڑنے والا غفور اور رحیم ہے۔ (الانعام: ١٦٥)

٧۔ گناہ گار کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ (الزمر: ٥٣)

٨۔ اللہ ان کو ان کے اعمال سے بہتر صلہ عطا فرمائے گا۔ (الزمر: ٣٥)

وَمَا	كَانَ	لِمُؤْمِنٍ	وَّلَا مُؤْمِنَةٍ	اِذَا	قَضَى
اور نہیں	ہے	مومن کے لیے	اور نہ مومنہ کے لئے	جب	فیصلہ کر دے
اللّٰهُ	وَرَسُوْلُهٗٓ	اَمْرًا	اَنْ	يَّكُوْنَ	لَهُمُ
اللہ	اور اس کا رسول	کسی معاملے کا	یہ کہ	ہو	ان کے لیے
الْخِيَرَةُ	مِنْ	اَمْرِهِمْ	وَمَنْ	يَّعْصِ	اللّٰهَ
اختیار	سے	ان کے معاملے	اور جو کوئی	نافرمانی کرے گا	اللہ کی
وَرَسُوْلَهٗ	فَقَدْ	ضَلَّ	ضَلٰلًا	مُّبِيْنًا ﴿٣٦﴾	
اور اس کے رسول کی	تو تحقیق	وہ گمراہ ہوگیا	گمراہ	واضح	

”کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کر دیں تو پھر اُسے اس معاملے میں فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔“(٣٦)

فہم القرآن

ربط کلام: اس سے پہلی آیت میں مذکور اوصافِ حمیدہ کا تقاضا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن کہلوانے کا حق نہیں رکھتا جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کو اپنے لیے قطعی اور آخری فیصلہ تسلیم نہیں کرتا۔

نبی علیہ السلام نے معاشرے میں سماجی اونچ نیچ ختم کرنے کے لیے اپنے متبنّٰی بیٹے زید کے لیے حضرت زینب کا رشتہ طلب کیا زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے قریبی رشتہ داروں نے اسے ناپسند جانا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم قریش کے رؤسا ہیں اور زید ایک آزاد کردہ غلام ہے۔ حضرت زینب آپ کی پھوپھی اُمیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھی انہوں نے نکاح کے پیغام کے ردِعمل میں یہ الفاظ کہے کہ ”اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ نَسَبًا“ میں زید سے نسب کے لحاظ سے اعلیٰ ہوں اس پر یہ فرمان نازل ہوا۔

کہ کسی مومن مرد اور عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کریں تو پھر اسے اس معاملے میں فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہے جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہوگا جونہی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی حضرت زینب اور اس کے رشتہ داروں نے اسے سُنا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر اپنی آمادگی کا اظہار کر دیا۔ اس کے بعد نبی علیہ السلام نے حضرت زید کا نکاح حضرت زینب سے کر دیا تاہم ان کا آپس میں نباہ نہ ہو سکا جس کا ذکر اگلی آیت میں کیا گیا ہے۔

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا ازواجی زندگی میں عجب واقعہ:

((عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ زَوَّجَ أُخْتَهٗ رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

فَكَانَتْ عِنْدَهُ مَاكَانَتْ ثُمَّ طَلَّقَهَا تَطْلِيْقَةً لَمْ يُرَاجِعْهَا حَتَّى انْقَضَتِ الْعِدَّةُ فَهَوِيَهَا وَهَوِيَتْهُ ثُمَّ خَطَبَهَا مَعَ الْخُطَّابِ فَقَالَ لَهُ يَا لُكَعُ أَكْرَمْتُكَ بِهَا وَزَوَّجْتُكَهَا فَطَلَّقْتَهَا وَاللهِ لَا تُرَاجِعُ إِلَيْكَ أَبَدًا آخِرُ مَا عَلَيْكَ قَالَ فَعَلِمَ اللهُ حَاجَتَهُ إِلَيْهَا وَحَاجَتَهَا إِلَى بَعْلِهَا فَأَنْزَلَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى {وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ} إِلَى قَوْلِهِ {وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ} فَلَمَّا سَمِعَهَا مَعْقِلٌ قَالَ سَمْعًا لِرَبِّيْ وَطَاعَةً ثُمَّ دَعَاهُ فَقَالَ أُزَوِّجُكَ وَأُكْرِمُكَ»

(رواہ الترمذی: کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ البقرۃ [صحیح])

''حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مسلمانوں میں سے ایک آدمی کے ساتھ اپنی بہن کی شادی کی وہ اس کے ہاں کچھ عرصہ رہی پھر اس کے خاوند نے اسے ایک طلاق دی اور عدت گزر گئی لیکن رجوع نہ کیا کچھ عرصہ بعد میاں بیوی ایک دوسرے کو چاہنے لگے اس آدمی نے نکاح کے لیے آدمی بھیجا تو معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے کہا، کمینے! میں نے تیری عزت کرتے ہوئے اپنی بہن کے ساتھ شادی کی اور تو نے اسے طلاق دے دی۔ اللہ کی قسم! اب یہ کبھی بھی تیرے پاس نہیں لوٹے گی یہ آخری بار تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں میاں بیوی کی خواہش کے پیش نظر آیت نازل فرمائی {وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ} جب معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنی تو فرمایا میں نے اپنے رب کی بات سنی اور اسے مان لیا۔ انہوں نے اس آدمی کو بلایا اور کہا میں تیرا نکاح کرتا ہوں اور تیری عزت بھی کروں گا۔''

مسائل

۱۔ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے بعد کسی مومن مرد اور عورت کا اختیار باقی نہیں رہتا۔

۲۔ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والا واضح طور پر بھٹک جاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہر مؤمن اور مؤمنہ پر فرض ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم تسلیم کرے:

۱۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ (الانفال: ۴۶)

۲۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (آل عمران: ۱۳۲)

۳۔ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔ (محمد: ۳۳)

۴۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور نافرمانی سے بچو۔ (المائدۃ: ۹۲)

۵۔ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول اور صاحب امر کی اطاعت کرو۔ (النساء: ۵۹)

وَ اِذْ	تَقُوْلُ	لِلَّذِيْٓ	اَنْعَمَ	اللّٰهُ	عَلَيْهِ	وَ اَنْعَمْتَ
اور جب	آپ فرمادیں	اس کے لیے جو	انعام کیا	اللہ نے	اس پر	اور تو نے انعام کیا
عَلَيْهِ	اَمْسِكْ	عَلَيْكَ	زَوْجَكَ	وَاتَّقِ	اللّٰهَ	
اس پر	کہ تو روکے رکھ	اپنے ہاں	اپنی بیوی کو	اور تو ڈر	اللہ سے	
وَ تُخْفِيْ	فِيْ	نَفْسِكَ	مَا	اللّٰهُ	مُبْدِيْهِ	وَ تَخْشَى
اور آپ چھپا رہے تھے	میں	اپنے دل	جو	اللہ	ظاہر کرنے والا تھا اسے	اور آپ ڈر رہے تھے
النَّاسَ ۚ	وَاللّٰهُ	اَحَقُّ	اَنْ	تَخْشٰىهُ ؕ		
لوگوں سے	اور اللہ	زیادہ حق دار	یہ کہ	آپ ڈریں اس سے		

''اور جب آپ اس شخص سے فرمارہے تھے کہ جس پر اللہ نے اور آپ نے احسان کیا تھا کہ ''اللہ سے ڈرا اور اپنی بیوی کو نہ چھوڑ'' اس وقت آپ اپنے دل میں ایک بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھولنا چاہتا تھا، آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔

فہم القرآن

ربط کلام : پہلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اب بتلایا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے تابع رہ کر میاں اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے جس کی مثال حضرت زینب اور حضرت زید کے حوالے سے پیش کی گئی ہے۔

اس سورۃ مبارکہ کی آیت پانچ کی تشریح میں عرض کیا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ نبی کریم ﷺ کے غلام تھے جسے آپ نے آزاد فرما کر اپنا متبنّٰی بنالیا تھا زید بن حارثہ کا تعلق قبیلہ کلب سے تھا جب آٹھ سال کے ہوئے تو ان کی والدہ انہیں ننھال لے گئی وہاں دشمن قبیلے نے ان کے ننھال پر حملہ کر دیا۔ دشمن دوسرے آدمیوں کے ساتھ زید بن حارثہ کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے طائف کے قریب عکاظ کی منڈی میں اسے فروخت کر دیا خریدنے والے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ تھے انہوں نے زید کو اپنی پھوپھی خدیجہ کو دے دیا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی اکرم ﷺ سے ہوا تو انہوں نے زید کو آپ کی خدمت میں پیش کیا اس طرح زید رضی اللہ عنہ کے بخت جاگ اٹھے اور زید اس ہستی کے غلام ٹھہرے جس کی غلامی پر آزادی بھی ناز کرتی ہے اور جس کی غلامی پر پوری دنیا قربان کی جاسکتی ہے۔

زید رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً پندرہ سال کی ہو چکی تھی جب اس کے والد اور چچا کو معلوم ہوا کہ ہمارا بچہ مکہ میں ہے وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اس وقت تک آپ ختمِ نبوت کے تاج سے سرفراز نہیں ہوئے تھے گویا کہ آپ محمد بن عبداللہ کے نام سے

فَلَمَّا	قَضٰى	زَيْدٌ	مِّنْهَا	وَطَرًا	زَوَّجْنٰكَهَا	لِكَيْ
پھر جب	پوری کرلی	زید نے	اس سے	حاجت	ہم نے آپ کا نکاح کردیا اس سے	تاکہ

لَا يَكُوْنَ	عَلَى	الْمُؤْمِنِيْنَ	حَرَجٌ	فِيْٓ	اَزْوَاجِ	اَدْعِيَآئِهِمْ
نہ ہو	پر	مومنوں	کوئی حرج	میں	بیویوں	منہ بولے بیٹوں کی

اِذَا	قَضَوْا	مِنْهُنَّ	وَطَرًا ۭ	وَكَانَ	اَمْرُ	اللّٰهِ	مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾
جب	وہ پوری کرلیں	ان سے	حاجت	اور ہے	حکم	اللہ کا	کیا ہوا

پھر جب زید نے اپنی بیوی سے حاجت پوری کرلی تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کردیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے۔ جب ان سے وہ اپنی حاجت پوری کرچکے ہوں، اور اللہ کے حکم پر عمل ہونا چاہیے تھا۔'' (۳۷)

پہچانے جاتے تھے۔ زید کے والد اور چچا نے آپ سے پورا ماجرہ عرض کیا اور نہایت عاجزی سے درخواست کی کہ اسکی والدہ اس کی جدائی میں نڈھال ہوچکی ہے آپ جو قیمت لینا چاہتے ہیں ہم سے وصول کرلیں اور ہمارا بچہ ہمارے حوالے کردیں آپ نے فرمایا کہ زید کو بلا کر پوچھتا ہوں اگر وہ آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہے تو میں آپ سے اس کے عوض ایک دمڑی بھی لینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ زید کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ زید ان بزرگوں کو جانتے ہو؟ زید نے عرض کی کہ ہاں یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا ہیں آپ نے فرمایا کہ زید یہ تجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں اگر تم جانا چاہتے ہو تو میں تجھے خوشی سے اجازت دیتا ہوں زید نے ایک مرتبہ اپنے باپ اور چچا کو دیکھا اور پھر نبی کریم ﷺ کے چہرہ مبارک پر نظر ڈالی اور عرض کی کہ آقا میں آپ کا دامن چھوڑ کر کہیں نہیں جانا چاہتا، نہ معلوم زید کے والد اور چچا نے کس کس انداز میں ان کو سمجھایا ہوگا جس کا اندازہ کرنا ہمارے لیے مشکل ہے۔

زید کی وفا شعاری اور فداکاری کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے حرم مکہ میں جاکر زید کی نہ صرف آزادی کا اعلان کیا بلکہ قریش کے معززین کے سامنے یہ بھی اعلان فرمایا کہ گواہ رہنا زید میرا بیٹا ہے۔ اس کے بعد زید کو زید بن محمد کے نام سے بلایا جاتا تھا یہ واقعہ نبوت سے تقریباً پندرہ سال پہلے کا ہے جب آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا تو اس وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ کی عمر تیس سال تھی۔ نبوت کی تصدیق کرنے والوں میں زید رضی اللہ عنہ کا چوتھا نام ہے۔ پہلی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دوسرے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تیسرے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

معاشرے میں اونچ نیچ ختم کرنے کے لیے نبوت کے چوتھے سال نبی اکرم ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کردیا حق مہر بھی اپنی طرف سے ادا فرمایا اور کچھ گھریلو سامان بھی دیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور جناب زید رضی اللہ عنہ کے درمیان وہ ہم آہنگی اور یگانگت پیدا نہ ہوسکی جو ازواجی زندگی کا جزوِ لازم ہے چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے

زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کو اشارہ ہو چکا تھا کہ جب زید رضی اللہ عنہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے اور زینب رضی اللہ عنہا اپنی عدت پوری کر لے تو آپ نے اس سے نکاح کرنا ہوگا۔ جس کے بارے ارشاد ہوا کہ ہم نے اس سے آپ کا نکاح کر دیا تاکہ منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی قدغن نہ رہے۔ وضاحت کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نہ تمہارے منہ بولے لڑکے تمہارے حقیقی بیٹے بن سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی بیویاں تمہاری حقیقی بہو ہو سکتی ہیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے سے پہلے آپ ﷺ اس بات سے خوف زدہ تھے کہ اگر میں نے زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا تو منافق اور یہود و نصاریٰ بد تمیزی کا طوفان برپا کر دیں گے کہ محمد ﷺ نے اپنی بہو کو اپنے نکاح میں لے لیا ہے۔ اس کے متعلق ارشاد ہوا کہ آپ کو حق بات پر عمل کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے کیونکہ وہی حقدار ہے کہ بندہ اسی سے ڈرتا رہے۔

جہاں تک حضرت زید رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ کے انعام کا تعلق ہے اس سے بڑا انعام کیا ہو سکتا ہے کہ جو در بدر کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے خاص فضل سے اسے سرورِ دو عالم کی چوکھٹ کا خادم ہونے کا شرف بخشا اور نبی کے خاندان کا داماد بنایا۔

مسائل

۱۔ اچھے خاندان سے ازدواجی تعلق قائم ہونا اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہوتا ہے۔

۲۔ حق کے بارے میں آدمی کو لوگوں سے ڈرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے ہی ڈرنا چاہیے۔

۳۔ متبنّٰی کی بہو سے نکاح کرنا جائز ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم عمل کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

آدمی کو صرف ''اللہ تعالیٰ'' سے ڈرنا چاہیے:

۱۔ اے عقل مند و اللہ سے ڈر جاؤ۔ (الطلاق: ۱۰) ۲۔ اللہ سے ڈر جاؤ اے عقل مند و تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (المائدۃ: ۱۰۰)

۳۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صاف گوئی اختیار کرو۔ (الاحزاب: ۷۰)

۴۔ اے لوگو اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا ہے۔ (النساء: ۱)

۵۔ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں ان میں صلح کروا دو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (الحجرات: ۱۰)

۷۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔ (آل عمران: ۱۰۲)

۸۔ اللہ سے ڈرو اور اس کی اطاعت کرو۔ (التغابن: ۱۶)

۹۔ اور تم صرف مجھ ہی سے ڈرو۔ (البقرۃ: ۴۰)

مَا	كَانَ	عَلَى	النَّبِيِّ	مِنْ حَرَجٍ	فِيْمَا
نہیں	ہے	پر	نبی	کوئی حرج	اس بات میں جو

فَرَضَ	اللّٰهُ	لَهٗ	سُنَّةَ	اللّٰهِ	فِي	الَّذِيْنَ
فرض کیا	اللہ نے	اس کے لیے	دستور	اللہ کا	میں	ان لوگوں جو

خَلَوْا	مِنْ قَبْلُ	وَ	كَانَ		اَمْرُ	اللّٰهِ
گزر گئے	اس سے پہلے	اور	ہے		حکم	اللہ کا

’’نبی پر کسی ایسے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہو، یہی تمام انبیاء کے معاملہ میں اللہ کا طریقہ رہا ہے جو پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ کا حکم

فہم القرآن

ربطِ کلام : پہلے فرمان کا تتمہ۔

اللہ تعالیٰ کا ہر حکم تعمیل کے لیے ہوتا ہے جس بنا پر سب سے پہلے اس پر نبی عمل کرتا ہے لہٰذا کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم پر عمل کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس کرے۔ اللہ تعالیٰ کا پہلے انبیاء کے بارے میں بھی یہی طریقہ رہا ہے۔ اس کا حکم قطعی ہوا کرتا ہے یعنی اس میں کسی قسم کا ابہام نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں پس وپیش کی کوئی گنجائش باقی رہتی ہے۔ یہی پیغمبروں کی شان ہے کہ ان پر جو احکام نازل ہوئے انہوں نے لوگوں کی ملامت اور طعن وتشنیع کی پروا کیے بغیر انہیں من وعن اپنی امتوں تک پہنچایا اور اس پر عمل کر کے دکھلایا۔ اے نبی ﷺ آپ کو بھی اسی طرح کرنا چاہیے۔ یہاں تک لوگوں کی مخالفت کا تعلق ہے آپ اس سے بے پروا ہو جائیں اللہ تعالیٰ آپ کو ہر حال میں کافی ہوگا۔

قرآن مجید کے دوسرے مقام پر آپ ﷺ کو یوں مخاطب فرمایا گیا ہے۔

> ’’اے پیغمبر! جو آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے لوگوں تک پہنچا دیجیے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا ’’اللہ‘‘ ہی تجھے لوگوں کی تکلیف سے محفوظ رکھے گا۔ وہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔‘‘ (المائدہ: ٦٧)

حضرت حسن بصری کی والدہ حضرت ام المومنین امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی کنیز تھیں حسن بصری رحمہ اللہ نے حضرت ام المومنین امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پرورش پائی وہ اس آیت کی تصریح میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ عہد اللہ تعالیٰ نے بالواسطہ امت محمدیہ کے علماء سے بھی لیا ہے کہ وہ حق کو چھپانے کی بجائے اسے ہر حال میں بیان کرتے رہیں۔ حسن بصری رحمہ اللہ کا اپنا کردار یہ تھا کہ وہ حجاج بن یوسف پر سرِ عام تنقید کرتے ایک دن حجاج نے انہیں بلا کر تلوار لہراتے ہوئے پوچھا کہ آپ میرے بارے میں یہ

قَدَرًا	مَّقْدُوْرَا ﴿۳۸﴾	الَّذِيْنَ	يُبَلِّغُوْنَ	رِسٰلٰتِ	اللّٰهِ
اندازہ	مقرر کیا ہوا	جو لوگ	پہنچاتے ہیں	پیغامات	اللہ کے
وَيَخْشَوْنَهٗ	وَلَا	يَخْشَوْنَ	اَحَدًا	اِلَّا	اللّٰهَ
اور وہ ڈرتے ہیں اس سے	اور نہیں	وہ ڈرتے	کسی سے	سوائے	اللہ کے
	وَكَفٰى	بِاللّٰهِ	حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾		
	اور کافی ہے	اللہ	حساب لینے والا		

قطعی فیصلہ ہوتا ہے۔(۳۸) یہ اُن لوگوں کے لیے اللہ کا طریقہ ہے جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اُسی سے ڈرتے ہیں اور ''اللہ'' کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔''(۳۹)

یہ باتیں کرتے ہیں؟ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے وہی باتیں حجاج کے روبرو کہتے ہوئے فرمایا کہ ہاں جب تک تم ان جرائم سے باز نہیں آؤ گے میں تمہیں ٹوکتا رہوں گا۔ اس کے بعد انہوں نے مذکورہ آیات کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے سچ بولنے کا وعدہ لیا ہے جس کی پاسداری کرنا ہمارا فرض ہے۔(تفسیر رازی)

مسائل

۱۔''اللہ'' کے پیغمبر صرف ''اللہ'' ہی سے ڈرتے تھے۔

۲۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر حال میں اپنے بندے کے لیے کافی ہے۔

۱۔ جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اسے کافی ہوتا ہے۔(الطلاق:۳)

۲۔ احد کے غازیوں نے کہا ہم اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اور وہی ہمیں کافی ہے۔(آل عمران:۱۷۳)

۳۔ میرے بندوں پر شیطان کی کوئی دلیل کارگر نہیں ہوگی اور تیرا رب تجھے کافی ہے۔(بنی اسرائیل:۶۵)

۴۔ اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے، اللہ ولی اور مددگار کافی ہے۔(النساء:۴۵)

۵۔ ان سے اعراض کیجیے اور اللہ پر توکل کیجیے اللہ کارساز کافی ہے۔(النساء:۸۱)

۶۔ اللہ ہی کے لیے آسمان و زمین کی بادشاہت ہے اور اللہ کارساز کافی ہے۔(النساء:۱۷۱)

۷۔ اللہ پر توکل کیجیے، وہ کارساز کافی ہے۔(الاحزاب:۳)

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ

نہیں ہیں محمد باپ کسی کے سے تمہارے مردوں اور لیکن ہیں

رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝٤٠ ع

رسول اللہ کے اور خاتم النبیین اور ہے اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا

ع ٥/٦ ٢

''لوگو! محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کا رسول اور خاتم النبیین ہے اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔'' (۴۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبوت سے متعلقہ مسائل بیان کرنے اور نبی ﷺ کے فرضِ منصبی کا ذکر کرنے کے بعد اب مردوں سے نبی ﷺ کا تعلق اور آپ کی رفعتِ شان اور مقام کا بیان ہوتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات مومنوں کی مائیں تھیں ان میں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے آپ ﷺ کی چار بیٹیاں ہوئیں جن کے اسمائے گرامی زینب، رقیہ، امّ کلثوم، فاطمہ رضی اللہ عنہن ہیں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے تین بیٹے ہوئے جن کے اسمائے گرامی قاسم، ابراہیم، طیب ہیں۔

آپ ﷺ کے تینوں بیٹے اس آیتِ کریمہ کے نازل ہونے سے پہلے فوت ہو چکے تھے ان کے بعد آپ کے ہاں کوئی بیٹا پیدا نہیں ہوا۔ اس لیے ارشاد ہوا کہ محمد ﷺ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں آپ ''اللہ'' کے رسول اور خاتم المرسلین ہیں اللہ تعالیٰ ہر بات اور کام کو اچھی طرح جانتا ہے۔ ① اللہ تعالیٰ اس حکمت کو جانتا ہے کہ اس نے آپ ﷺ کے بیٹوں کو کیوں حیات نہیں رکھا۔ ② اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت محمد ﷺ خاتم المرسلین ہیں جو بہت بڑا مقام اور مرتبہ ہے مگر تم نبی ﷺ کی شوکت وعظمت کو پوری طرح نہیں جانتے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس کے نبی کا کیا مقام ہے۔ ③ جب حضرت محمد ﷺ تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں تو زید کی بیوی آپ کی بہو کیسے بن گئی۔ ④ خاتم المرسلین ہونے کی حیثیت سے آپ کا فرض ہے کہ آپ ہر چیز کی حلّت اور حرمت واضح کریں۔

آپ ﷺ سے پہلے سلسلہ نبوت اس لیے جاری رکھا گیا کہ درج ذیل ضرورتوں میں سے کوئی ایک ضرورت باقی رہتی تھی آپ کی تشریف آوری کے بعد اب کسی بات اور نبی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

اب کیوں نبی کی ضرورت نہیں؟

① پہلے نبی کو کلی طور پر جھٹلا دیا جائے تو اس کی تائید کے لیے دوسرے نبی کی ضرورت ہوتی ہے:

بے شک کچھ لوگوں نے نبی ﷺ کو جھٹلا دیا لیکن آپ ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے مکی دور سے لے کر اب تک رہے ہیں

اور قیامت تک رہیں گے۔آپ ﷺ کی امت قیامت کے دن تمام امتوں سے زیادہ ہوگی۔

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں امید کرتا ہوں کہ جنتیوں میں چوتھائی تعداد تمہاری ہوگی ہم نے اللہ اکبر کہا پھر آپ نے فرمایا: میں امید کرتا ہوں کہ جنتیوں میں تمہاری تعداد تیسرا حصہ ہوگی ہم نے اللہ اکبر کہا پھر آپ نے فرمایا: میں امید کرتا ہوں کہ تم جنت والوں میں نصف ہوگے ہم نے اللہ اکبر کہا آپ نے فرمایا: تمہارا تناسب لوگوں میں ایک سیاہ بال کی طرح ہے جو سفید رنگ کے بیل پر ہو یا سفید بال کی مانند جو سیاہ رنگ کے بیل پر ہو۔'' (رواہ البخاری: باب قصة يأجوج ومأجوج)

② پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتیں نامکمل تھیں آپ کا دین کامل اور اکمل ہے اس لیے آپ کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں ہے:

{ اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَرَضِيۡتُ لَكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا } (المائدة:٣)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا''

③ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی لائی ہوئی کتب مسخ ہوگئیں، اس لیے ایک کتاب اور نبی کی ضرورت تھی لہٰذا آپ مبعوث کیے گئے:

پہلے انبیاء کی شریعتیں نہ مکمل تھیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک کے بعد دوسرا نبی مبعوث فرمایا۔قرآن مجید اپنی زبر، زیر کے ساتھ محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا یہاں تک کہ آپ ﷺ کی احادیث اور ان کے بیان کرنے والے راویوں کے نام اور کوائف بھی محفوظ کر لئے گئے ہیں۔اس لئے اب کسی نبی کی ضرورت نہیں۔

{ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝ } (الحجر:٩)

''یقیناً ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

{ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ ۝ } (النحل:٤٤)

''اور ہم نے آپ کی طرف نصیحت اتاری، تاکہ آپ لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کریں جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ غور وفکر کریں۔''

④ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام مخصوص قوم اور زمانے کے لیے مبعوث کیے گئے تھے لیکن آپ کو ﷺ قیامت تک کے لیے تمام انسانوں کے لیے رسول بنایا گیا ہے اس لیے اب کسی نبی کی ضرورت نہیں:

{ قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعَا } (الاعراف:١٥٨)

”فرمادیں اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔“

«عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي، كَانَ كُلُّ نَبِيٍّ يُبْعَثُ إِلَي قَوْمِهِ خَاصَّةً،وَبُعِثْتُ إِلَي كُلِّ أَحْمَرَ وَأَسْوَدَ،وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَلَمْ تُحَلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي،وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَيِّبَةً طَهُورًا وَمَسْجِدًا، فَأَيُّمَا رَجُلٍ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ صَلَّي حَيْثُ كَانَ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ بَيْنَ يَدَيْ مَسِيرَةِ شَهْرٍ،وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ» (رواه مسلم: كِتَابُ المَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاةِ)

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں۔ ①۔ پہلے انبیاء کو ان کی مخصوص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کالے اور گورے کے لیے رسول بنایا ہے۔ ②۔ میرے لیے مالِ غنیمت حلال کیا گیا ہے جبکہ مجھ سے پہلے کسی رسول کے لیے حلال نہیں تھا۔ ③۔ میرے لیے ساری زمین مسجد بنا دی گئی ہے، اب جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے اُسی جگہ نماز ادا کی جاسکتی ہے۔ ④۔ ایک مہینے کی مسافت پر ہونے کے باوجود دشمن مجھ سے لرزاں رہتا ہے۔ ⑤۔ مجھے قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کا حق دیا جائے گا۔“

مسائل

١۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ ٢۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم المرسلین ہیں۔

٣۔ آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔

تفسیر بالقرآن

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر نبوت کے چند دلائل:

١۔ اے رسول اعلان فرمائیں کہ ”اللہ“ نے مجھے تمام لوگوں کے لیے رسول منتخب فرمایا ہے۔ (الاعراف:١٥٨)

٢۔ رسول اللہ پوری دنیا کے رسول ہیں۔ (سباء:٢٨) ٣۔ رسول اللہ مبشر اور نذیر ہیں۔ (الاحزاب:٤٥)

٤۔ رسول اللہ پوری دنیا کے لیے رحمت ہیں۔ (الانبیاء:١٠٧)

٥۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت اور حکمت عنایت فرمائی۔ (الجمعہ:٢)

٦۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے۔ (آلِ عمران:١٦٤)

٧۔ رسول اللہ خاتم النبیین ہیں۔ (الاحزاب:٤٠)

٨۔ رسول اللہ پوری انسانیت کے لئے بشیر و نذیر ہیں۔ (سبا:٢٨)

ذِكْرًا	اللّٰهَ	اذْكُرُوا	اٰمَنُوا	الَّذِيْنَ	يٰٓاَيُّهَا
یاد کرنا	اللہ کو	تم یاد کرو	جو ایمان لائے	لوگو	اے

وَّاَصِيْلًا ﴿٤٢﴾	بُكْرَةً	وَّسَبِّحُوْهُ	كَثِيْرًا ﴿٤١﴾
اور شام	صبح	اور تم اس کی تسبیح بیان کرو	بہت زیادہ

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ (۴۱) اور صبح وشام اس کی تسبیح پڑھتے رہو۔'' (۴۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے امّتِ محمدیہ کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ اس کو نبی کریم ﷺ جیسا عظیم الشان، عدیم المثال رحمتِ عالم اور ختم المرسلین نبی عطا فرمایا جس پر امّت کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے شکر کا تقاضا ہے ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے۔

ذکر ایسی عبادت ہے جس کے بارے میں حکم ہوا ہے کہ اسے کثرت کے ساتھ کیا کرو یہاں ذکر کے دو مخصوص اوقات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ صبح اور شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو کیونکہ ہر انسان کی زندگی صبح وشام سے ہی عبارت ہے۔ ہر انسان ہر صبح اپنی زندگی کا آغاز کرتا ہے اور شام کو اس کی دن بھر کی سرگرمیوں کا اختتام ہوتا ہے اس لحاظ سے دونوں اوقات بڑے اہم ہیں ان اوقات میں ''اللہ'' کے ذکر کی خاص اہمیت اور فضیلت ہے۔ نبی اکرم ﷺ خاص طور پر صبح وشام اذکار کیا کرتے تھے۔ حدیث کی مقدس دستاویزات میں آپ ﷺ کے اذکار موجود ہیں جن کو یاد کرنا اور پڑھنا چاہیے یہاں صرف ذکر کی فضیلت کے بارے میں آپ کے تین ارشادات لکھے جاتے ہیں۔

«أَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ» (رواه أبو داود: كتاب الصلاة [صحيح])

''الٰہی! اپنے ذکر، شکر اور بہترین طریقے سے عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔''

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اللهُ تَعَالٰي أَنَا مَعَ عَبْدِيْ حَيْثُمَا ذَكَرَنِيْ وَتَحَرَّكَتْ بِيْ شَفَتَاهُ» (رواه البخاري: كتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ لا تحرك به لسانك الخ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں، وہ جہاں بھی میرا ذکر کرے اور جب بھی اس کے ہونٹ میرے ذکر میں حرکت کریں۔''

«عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَثَلُ الَّذِيْ يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِيْ لَا يَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ» (رواه البخاري: باب فضل ذكر الله عز وجل)

''حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان بیان کرتے ہیں کہ اپنے رب کا ذکر کرنے والے کی مثال زندہ شخص کی ہے اور نہ ذکر کرنے والے کی مثال مُردہ کی ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرنا چاہیے۔ ۲۔ اللہ کا ذکر بالخصوص صبح وشام کرنا لازم ہے۔

هُوَ الَّذِىْ	يُصَلِّىْ	عَلَيْكُمْ	وَمَلٰٓئِكَتُهٗ	لِيُخْرِجَكُمْ	مِّنَ	
وہی	رحمت بھیجتا ہے	تم پر	اور اس کے فرشتے	تاکہ وہ نکالے تمہیں	سے	
الظُّلُمٰتِ	اِلَى	النُّوْرِ ؕ	وَكَانَ	بِالْمُؤْمِنِيْنَ	رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾	تَحِيَّتُهُمْ
اندھیروں	طرف	روشنی کی	اور ہے	مومنوں پر	بہت رحم کرنے والا	ان کی دعا ہوگی
يَوْمَ	يَلْقَوْنَهٗ	سَلٰمٌ ۚۖ	وَاَعَدَّ	لَهُمْ	اَجْرًا	كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾
جس دن	وہ ملیں گے اس کو	سلام	اور اس نے تیار کیا	ان کے لیے	اجر	عزت والا

”وہی تم پر رحمت فرماتا ہے اور اس کے ملائکہ تمہارے لیے دعا کرتے ہیں تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئے اللہ مومنوں پر بہت مہربان ہے۔ (۴۳) جس دن اس سے ملیں گے تو اُن کا استقبال سلام سے کیا جائے گا اور اُن کے لیے اللہ نے بڑا باعزت اجر تیار کر رکھا ہے۔“ (۴۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام : ”اللہ“ کا ذکر لازم ہے اور اس کے بے شمار فوائد ہیں جن میں سے چھ فوائد کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول:

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مَلاَئِكَةً فُضُلاً يَتَّبِعُونَ مَجَالِسَ الذِّكْرِ يَجْتَمِعُونَ عِنْدَ الذِّكْرِ فَإِذَا مَرُّوا بِمَجْلِسٍ عَلاَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ حَتَّى يَبْلُغُوا الْعَرْشَ فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ مِنْ أَيْنَ جِئْتُمْ فَيَقُولُونَ مِنْ عِنْدِ عَبِيدٍ لَكَ يَسْأَلُونَكَ الْجَنَّةَ وَيَتَعَوَّذُونَ بِكَ مِنَ النَّارِ وَيَسْتَغْفِرُونَكَ فَيَقُولُ يَسْأَلُونِي جَنَّتِي هَلْ رَأَوْهَا فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا وَيَتَعَوَّذُونَ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا فَإِنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ فَيَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّ فِيهِمْ عَبْدَكَ الْخَطَّاءَ فُلاَناً مَرَّ بِهِمْ لِحَاجَةٍ لَهُ فَجَلَسَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أُولَئِكَ الْجُلَسَاءُ لاَ يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ» (رواه مسلم: باب فَضْلِ مجالسِ الذِّكْرِ)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو ذکر کی مجالس کے متلاشی رہتے ہیں جہاں ذکر ہوتا ہے ملائکہ وہاں جمع ہوتے ہیں جب اُن کا کسی ایسی مجلس کے پاس گذر ہوتا ہے تو فرشتے ایک دوسرے کے اوپر کھڑے ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ عرش تک پہنچ جاتے ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں تم کہاں سے آئے ہو حالانکہ اللہ کو علم ہے کہ وہ کہاں سے آئے ہیں فرشتے عرض کرتے ہیں۔ ”اللہ“ تیرے بندوں کے ہاں سے آئے ہیں، وہ تجھ سے تیری جنت کے طلب گار ہیں اور تیری جہنم سے پناہ مانگتے

ہیں اور تجھ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتے ہیں وہ مجھ سے جنت مانگ رہے تھے کیا اُنہوں نے جنت کو دیکھا ہے اگر وہ جنت کو دیکھ لیں تو اُن کی کیفیت کیا ہو؟ اور وہ جہنم سے پناہ مانگ رہے ہیں اگر وہ جہنم کو دیکھ لیں تو اُن کی حالت کیا ہو؟ میں نے اُنہیں معاف کر دیا ہے فرشتے عرض کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار! اُن میں ایک فلاں گناہگار بھی ہے جو اپنی ضرورت کے تحت آیا اور وہاں بیٹھ گیا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ اِس مجلس میں بیٹھنے والے ایسے نیک بخت ہیں کہ اُن کی وجہ سے اِسے رحمت سے محروم نہیں کیا جاتا۔''

ملائکہ کی دعائیں:

جب کوئی شخص اپنے رب کا ذکر کرتا ہے تو نہ صرف اس پر ربِ کریم کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے بلکہ اس دورانیہ میں ملائکہ اسکے لیے دعا گو رہتے ہیں۔

ذکر کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے اور ملائکہ اس کے لیے خیر و برکت کی دعائیں کرتے ہیں، ذکر کرنے سے انسان شیطان کے تسلط سے نجات پاتا ہے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اسے ہر ظلمت سے نکال کر نورِ بصیرت اور نورِ شریعت عطا کرتا ہے۔

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، شیطان انسان کے دل کے ساتھ چمٹا رہتا ہے جب آدمی اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے جب انسان اللہ کے ذکر سے غافل ہوتا ہے تو شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔'' (رواہ البخاری: تعلیقا)

ذکر کا یہ معنیٰ نہیں کہ انسان زبان سے ''اللہ، اللہ'' کرتا رہے اور عمل کی دنیا میں جو چاہے کرتا پھرے۔ ایسے شخص کو دنیا میں ذکر کرنے کا کچھ نہ کچھ فائدہ ہوگا لیکن قیامت کے دن اسے کچھ نہیں ملے گا ذکر کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ انسان شرک و بدعت سے اجتناب کرے اور اپنے آپ کو اپنے رب کے تابع کر دے ایسے شخص کو دنیا میں ذکر کے فوائد سے سرفراز کیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی اس کے لیے ربِ کریم نے اجرِ کریم تیار کر رکھا ہے۔

مسائل

اس آیت میں بیان ہونے والے ذکر کے چھ فوائد:

۱۔ ذکر کرنے والے پر اللہ کا فضل نازل ہوتا ہے۔ ۲۔ ذکر کرنے والے کے لیے ملائکہ دعائیں کرتے ہیں۔

۳۔ ذکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ ظلمت سے نکال کر نورِ ہدایت نصیب کرتا ہے۔

۴۔ موت کے وقت ملائکہ اسے سلام کرتے ہیں۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ ذکر کرنے والے پر اپنی رحمت نازل کرتا ہے۔

۶۔ ذکر کرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿٤٥﴾

اے | نبی | بلاشبہ ہم نے | آپ کو بھیجا ہے | گواہی دینے والا | اور خوشخبری سنانے والا | اور ڈرانے والا

وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿٤٦﴾

اور بلانے والا | طرف | اللہ کی | اس کے حکم سے | اور چراغ | روشن

وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا

اور آپ خوشخبری دیں | مومنوں کو | بے شک | ان کے لیے | سے | اللہ | فضل

كَبِيْرًا ﴿٤٧﴾ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ دَعْ

بہت بڑا | اور نہ | آپ اطاعت کریں | کافروں | اور منافقوں کی | اور نظرانداز کر دیجیے

اَذٰىهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٤٨﴾

ان کی ایذارسانی | اور آپ توکل کریں | پر | اللہ | اور کافی ہے | اللہ | کارساز

''اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے، بشارت دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔(۴۵) اللہ کے حکم کے مطابق اُس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنایا ہے۔(۴۶) جو لوگ آپ پر ایمان لائیں اُن کو بشارت دیں کہ اُن کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے۔(۴۷) کفار اور منافقین کے پیچھے نہ چلیں اور ان کی ایذا کو نظر انداز کر دیں اور اللہ پر بھروسہ کریں وہ ہر اعتبار سے کافی ہے۔''(۴۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی آخر الزمان ﷺ لوگوں کو ''اللہ'' کی یاد دلانے اور اس کی توحید کی شہادت دینے کے لیے مبعوث کیے گئے۔

نبی معظم ﷺ کو اس لیے مبعوث فرمایا گیا تاکہ آپ لوگوں کو ''اللہ'' کے حکم کے مطابق ''اللہ'' کی طرف بلائیں اور ''اللہ'' کی توحید کی دعوت اور شہادت دیں اور لوگوں کو ''اللہ'' کی یاد کی تلقین کریں جو لوگ اس دعوت کو قبول کریں انہیں دنیا و آخرت میں کامیابی اور اللہ تعالیٰ کے عظیم فضل کی خوشخبری سنائیں جو اس دعوت کا انکار کریں انہیں ان کے بُرے انجام سے ڈرائیں اور جو لوگ دعوت کے راستے میں رکاوٹ بنیں وہ کافر ہوں یا منافق انہیں انکے حال پر چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنا مشن جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مشن کو کامیاب فرمائے گا کیوں کہ وہ ہر اعتبار سے اپنے بندے کے لیے کافی ہے۔ یہاں نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کو سراجِ منیر قرار دیا گیا ہے یعنی ہدایت کا چمکتا ہوا سورج۔ جس سے کفر و شرک کی تاریکیاں چھٹ گئیں اور نورِ ہدایت سے فضا منور ہو گئی گویا کہ آپ نورِ ہدایت تھے نورِ مجسم نہیں تھے اس حقیقت کے باوجود کچھ علماء نے اپنے باطل عقیدہ کی بناء پر نبی اکرم ﷺ کو نورِ مجسم لکھا ہے حالانکہ نوعِ ذات کے اعتبار سے آپ انسان تھے اور حضرت آدم کی اولاد میں شامل ہیں جو شخص آپکے پیکرِ خاکی کو نورِ مجسم کہتا ہے وہ کفر و شرک کی بات کرتا ہے کیونکہ قرآن مجید نے

بار بار آپ ﷺ کو بشر کہا ہے:

{ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ۝۱۱۰ } (الکہف: ۱۱۰)

''اے نبی فرمادیں میں تو تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور عبادت میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔''

کچھ مفسرین نے اس جہالت کا مظاہرہ کیا ہے کہ انسان جو بھی عمل کرتا ہے نبی اکرم ﷺ اس کے عمل پر گواہ ہوتے ہیں اور قیامت کے دن لوگوں کے ہر عمل پر شہادت دیں گے حالانکہ عقل ونقل کے لحاظ سے یہ بات سو فیصد غلط ہے یہ ایسا عقیدہ اور بات ہے کہ جس کا کوئی صحابی رضی اللہ عنہ بھی قائل نہیں تھا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو توحید کی شہادت اور حق کی گواہی دینے والا بنا کر مبعوث فرمایا۔

۲۔ آپ ﷺ مومنوں کو خوشخبری دینے والے اور کفار اور منافقوں کو انتباہ کرنے والے تھے۔

۳۔ آپ ﷺ نورِ مجسم نہیں بلکہ نورِ ہدایت تھے۔ ۴۔ آپ ﷺ لوگوں کو اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والے تھے۔

۵۔ کفار اور منافقوں کی مخالفت کو خاطر میں نہیں لانا چاہیے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنے فضلِ عظیم کی بشارت دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نبی اکرم ﷺ کی عظمت وشان:

۱۔ نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کافر ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (البقرۃ: ۱۰۴)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ (الفتح: ۸)

۳۔ آپ ﷺ کا منصب لوگوں پر شہادت قائم کرنا ہے۔ (المزمل: ۱۵)

۴۔ آپ ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امت کے بارے میں گواہی دیں گے۔ (النساء: ۴۱)

۵۔ رسول کریم ﷺ شاہد اور مبشر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ (الاحزاب: ۴۵)

نبی اکرم ﷺ بشر تھے:

۱۔ آپ ﷺ اعلان فرمائیں کہ میں تمھارے جیسا انسان ہوں۔ (الکہف: ۱۱۰)

۲۔ نبی آخر الزماں ﷺ کا اعتراف کہ میں تمہاری طرح کا بشر ہوں۔ (الکہف: ۱۱۰، حم السجدۃ: ۶)

۳۔ نہیں ہے یہ مگر تمہارے جیسا بشر جیسا تم کھاتے ہو، ویسا وہ کھاتا ہے۔ (المومنون: ۳۳)

يٰۤاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْۤا	اِذَا	نَكَحْتُمُ	الْمُؤْمِنٰتِ
اے	لوگو جو	ایمان لائے	جب	تم نکاح کرو	مومن عورتوں سے
ثُمَّ	طَلَّقْتُمُوْهُنَّ	مِنْ قَبْلِ		اَنْ	تَمَسُّوْهُنَّ
پھر	تم طلاق دے دو ان کو	اس سے پہلے		کہ	تم چھوؤ ان کو
فَمَا	لَكُمْ	عَلَيْهِنَّ	مِنْ عِدَّةٍ		تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ
تو نہیں	تمہارے لیے	ان پر	کوئی عدت		کہ تم شمار کرو اس کو
فَمَتِّعُوْهُنَّ	وَسَرِّحُوْهُنَّ	سَرَاحًا	جَمِيْلًا ۝٤٩		
بس تم فائدہ دو ان کو	اور رخصت کر دو ان کو	رخصت کرنا	اچھا		

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دو تو تمہاری طرف سے ان پر کوئی عدت نہیں ہے جسے تم شمار کرتے ہو انہیں کچھ فائدہ پہنچاؤ اور اچھے طریقے سے رخصت کر دو۔'' (۴۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام : اس سے پہلے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس لیے مبعوث فرمایا ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں۔ اس لئے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ کفار اور مشرکین کی بات ماننے کی بجائے اللہ اور اس کے رسول کی بات مانیں اس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ اگر تم اپنی بیویوں کو چھوئے بغیر طلاق دے دو تو انہیں رخصت کرتے ہوئے بہترین سلوک کرو گویا کہ گھریلو معاملات میں بھی نبی کریم ﷺ کا حکم ماننا فرض ہے۔

ارشاد ہوا کہ اے صاحبِ ایمان لوگو! تم مومن عورتوں سے نکاح کرو اگر انہیں چھونے سے پہلے طلاق کی نوبت پیش آجائے تو تمہاری بیویوں پر عدّت گذارنے کی کوئی پابندی نہیں۔ وہ جب چاہیں طلاق کے بعد آگے نکاح کر سکتی ہیں البتہ خاوندوں پر لازم ہے کہ جب انہیں رخصت کریں تو بہتر سے بہتر طریقے سے رخصت کیا کریں بہتر طریقے سے رخصت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ رخصت کرتے وقت اپنی استعداد کے مطابق کچھ نہ کچھ ضرور دیں تاکہ ان کی دلجوئی ہونے کے ساتھ جس اعتماد اور تعلق کی بناء پر رشتہ قائم ہوا تھا اسے کم سے کم نقصان پہنچے۔

یہاں "مَسّ" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے مراد بیوی سے خلوت کرنا ہے خاوند اپنی منکوحہ سے جماع کرلے تو طلاق دینے کی صورت میں پورے کا پورا حق مہر ادا کرنا ہوگا اور اگر مباشرت یعنی جماع نہیں کیا تو آدھا حق مہر ادا کرنا ہوگا بشرطیکہ حق مہر مقرر ہو چکا ہو یعنی واضح ہونا چاہیے کہ کتنا ادا کرنا ہے جماع سے پہلے طلاق دی جائے تو حق مہر نہ مقرر ہونے کی صورت میں

کچھ نہ کچھ دے کر بیوی کو رخصت کرنا چاہیے، اچھے طریقے سے رخصت کرنے کا یہ بھی معنیٰ ہے کہ بیوی پر الزام نہیں لگانا چاہیے اگر مباشرت سے پہلے خاوند فوت ہو جائے تو عورت پر کوئی عدت نہیں ہوگی۔

«عَنْ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رضی اللہ عنہ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلَ يُفْضِي إِلَي امْرَأَتِهِ وَتُفْضِي إِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا» (رواہ مسلم: باب تحریم إِفْشَاءِ سِرِّ المرْأَةِ)

''عبدالرحمٰن بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے بدترین وہ شخص ہوگا جو اپنی بیوی کی مخصوص باتیں لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے۔''

مسائل

۱۔ نکاح کے لیے مسلمان عورت کو ترجیح دینا چاہیے۔

۲۔ جماع سے پہلے طلاق کی صورت میں عورت کے لیے عدت نہیں ایسی صورت میں رجوع نہیں ہوسکتا البتہ عقد ثانی ہوسکتا ہے۔

۳۔ حق مہر مقرر نہ ہونے کی صورت میں بیوی کو رخصت کرتے وقت کچھ نہ کچھ دینا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ معاف فرمانے اور رحم کرنے والا ہے:

۱۔ اے نبی! میرے بندوں کو بتاؤ کہ میں بخشنے اور رحم کرنے والا ہوں اور میرا عذاب بھی دردناک ہے۔ (الحجر: ۴۹ تا ۵۰)

۲۔ ''اللہ'' توبہ کرنے والوں کو اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے بے شک اللہ معاف کرتا اور رحم فرماتا ہے۔ (التوبۃ: ۹۹)

۳۔ ''اللہ'' توبہ کرنے والوں کو معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔ (التوبۃ: ۲۷)

۴۔ جو سچے دل سے تائب ہو جائے ایمان کے ساتھ اعمال صالح کرتا رہے اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دے گا کیونکہ اللہ معاف کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ (الفرقان: ۷۰)

۵۔ گناہ گار کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔ (الزمر: ۵۳)

۶۔ جو توبہ کرے اور اصلاح کرے آپ کا رب غفور اور الرّحیم ہے۔ (النحل: ۱۱۹)

۷۔ ''اللہ'' جلد پکڑنے والا اور غفور الرّحیم ہے۔ (الانعام: ۱۶۵)

۸۔ کیا تم پسند کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کر دے یقیناً وہ غفور الرّحیم ہے۔ (النور: ۲۲)

يٰٓاَيُّهَا	النَّبِيُّ	اِنَّآ	اَحْلَلْنَا	لَكَ	اَزْوَاجَكَ	الّٰتِيْٓ
اے	نبی	بے شک ہم نے	حلال کردیں	آپ کے لیے	آپ کی بیویاں	وہ جو

اٰتَيْتَ	اُجُوْرَهُنَّ	وَمَا	مَلَكَتْ	يَمِيْنُكَ	مِمَّآ
آپ نے ادا کردیے	ان کے مہر	اور جو	مالک ہوا	آپ کا دایاں ہاتھ	اس سے جو

اَفَآءَ	اللّٰهُ	عَلَيْكَ	وَبَنٰتِ	عَمِّكَ	وَبَنٰتِ
بطور غنیمت	اللہ نے	آپ پر	اور بیٹیاں	آپ کے چچا کی	اور بیٹیاں

عَمّٰتِكَ	وَبَنٰتِ	خَالِكَ	وَبَنٰتِ	خٰلٰتِكَ	الّٰتِيْ
آپ کی پھوپھیوں کی	اور بیٹیاں	آپ کے ماموؤں کی	اور بیٹیاں	آپ کی خالاؤں کی	وہ جو

هَاجَرْنَ	مَعَكَ ز	وَامْرَاَةً	مُّؤْمِنَةً	اِنْ	وَّهَبَتْ	نَفْسَهَا	لِلنَّبِيِّ
انہوں نے ہجرت کی	آپ کے ساتھ	اور عورت	مومنہ	اگر	وہ ہبہ کرے	اپنے آپ کو	نبی کے لئے

''اے نبی ہم نے آپ کے لیے آپ کی بیویاں حلال کردیں جن کے مہر آپ نے ادا کیے ہیں اور لونڈیوں میں سے جو آپ کی مِلک میں آچکی ہیں اور تمہاری چچا زاد اور پھوپھی زاد اور ماموں زاد اور خالہ زاد بہنیں جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے، اور وہ مومن عورت جس نے اپنے آپ کو نبی کے لیے ہبہ کردیا ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام : جس طرح مومنوں کو حکم ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرتے ہوئے اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں اسی طرح سرورِ دوعالم ﷺ کے لیے بھی ضروری ہے کہ آپ بھی اپنی بیویوں کے حقوق کا خیال رکھیں تاہم آپ کو اپنی بیویوں کے بارے میں کچھ رعایت دی گئی ہے تاکہ فریضہ نبوت کی ادائیگی میں گھریلو حالات رکاوٹ نہ بن جائیں۔ (الاحزاب: ۲۸، ۲۹، ۵۱)

① مسئلہ کی اہمیّت کے پیشِ نظر اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کی ذات کو مخاطب کرتے ہوئے ازواجی مسائل ذکر کیے گئے ہیں جس میں ازواجی زندگی میں نبی ﷺ کے امتیازات کا ذکر کیا گیا ہے اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کو حق مہر کی پابندی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اس لیے پہلے وضاحت فرمادی کہ آپ ﷺ کے لیے وہ عورتیں بھی حلال ہیں جن کا آپ حق مہر ادا کردیں اور آپ کے لیے مالِ غنیمت میں آنے والی لونڈیاں بھی حلال ہیں۔

حضرت زینب ؓ نبی اکرم ﷺ کی پھوپھی زاد بہن۔ جیسے حضرت زید ؓ نے طلاق دی نبی اکرم ﷺ نے وحی آنے

اِنْ	اَرَادَ	النَّبِيُّ	اَنْ	يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ	خَالِصَةً
اگر	ارادہ کرے	نبی	یہ کہ	وہ اسے اپنے نکاح میں لے آئے	خاص
لَّكَ	مِنْ	دُوْنِ	الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ	قَدْ	عَلِمْنَا
آپ کے لیے ہے	سے	سوائے	مومنوں کے	تحقیق	ہم نے جان لیا
مَا	فَرَضْنَا	عَلَيْهِمْ	فِيْۤ	اَزْوَاجِهِمْ	وَمَا
جو	ہم نے فرض کیا	ان پر	میں	ان کی بیویوں کے بارے	اور جو
مَلَكَتْ	اَيْمَانُهُمْ	لِكَيْلَا	يَكُوْنَ	عَلَيْكَ	حَرَجٌ ؕ
مالک ہوئے	ان کے دائیں ہاتھ	تا کہ نہ	ہو	آپ پر	کوئی تنگی
وَكَانَ	اللّٰهُ	غَفُوْرًا	رَّحِيْمًا ۝٥٠		
اور ہے	اللہ	بہت بخشنے والا	نہایت رحم کرنے والا		

اگر نبی اسے نکاح میں لینا چاہے یہ رعایت خالصتاً آپ کے لیے ہے، دوسرے مومنوں کے لیے نہیں، ہم کو معلوم ہے کہ عام مومنوں پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں ہم نے کیا حدود مقرر کی ہیں، آپ کو مستثنیٰ کیا تا کہ آپ کو تنگی نہ ہو اور اللہ غفور و رحیم ہے۔'' (۵۰)

پر ان سے نکاح کیا لیکن رسومات کے پجاریوں نے اسے پراپیگنڈہ کا ذریعہ بنا کر آپ کے خلاف ہرزہ سرائی کی حالانکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے حرم میں داخل فرمایا تھا جس کا ذکر اسی سورۃ کی آیت ۳۷ میں ہو چکا ہے اب پھر ضروری سمجھا گیا کہ ایک دفعہ پھر وضاحت کر دی جائے جس طرح دوسرے مردوں کے لیے یہ رشتے حلال ہیں اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی یہ رشتے حلال ہیں۔

چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لیے آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں حلال ہیں اور وہ مومن عورت بھی آپ کے لیے حلال ہے جو اپنے آپ کو آپ کے لیے وقف کرتی ہے بشرطیکہ آپ اس سے نکاح کرنے کے لیے تیار ہوں یہ آپ کے لیے خصوصی رعایت ہے کہ آپ حق مہر کے بغیر کسی مومنہ سے نکاح کر سکتے ہیں۔ البتہ کوئی مومن حق مہر مقرر کیے بغیر نکاح نہیں کر سکتا اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ مومنوں پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں کیا چیز فرض قرار دی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حق مہر سے اس لیے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے تا کہ آپ کو کسی قسم کا مالی بوجھ نہ اٹھانا پڑے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق مہر کی رخصت کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام بیویوں کا حسبِ استطاعت حق مہر ادا فرمایا۔ آیتِ مبارکہ میں

حلال رشتوں کی وضاحت کرتے ہوئے آپ ﷺ پر یہ شرط عائد فرمائی گئی کہ بے شک یہ عورتیں آپ کے لیے حلال قرار دی گئی ہیں لیکن آپ ان عورتوں کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کی ہے بے شک انہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو یا آپ کے بعد۔

اس آیت میں یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ چار بیویوں کی پابندی صرف مومنوں کے لیے ہے نبی اکرم ﷺ کو اس تعداد سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ اس کی یہ وجہ نہیں کہ آپ ﷺ کو جسمانی اور نفسیاتی طور پر چار سے زیادہ بیویوں کی ضرورت تھی سبب یہ ہے کہ آپ کے ذمے جو مشن لگایا گیا تھا اس کا تقاضا تھا کہ آپ کے ذاتی اور خاندانی تعلقات وسیع تر ہوں تا کہ دین کی دعوت تھوڑے عرصے میں زیادہ سے زیادہ پھیل سکے چنانچہ یہی کچھ ہوا کہ آپ کے ازواجی رشتوں کی بنا پر عرب کے بڑے بڑے قبائل میں دین بڑی سرعت سے پھیل گیا۔

مسائل

۱۔ نبی اکرم ﷺ پر حق مہر کی پابندی نہ تھی۔
۲۔ نبی اکرم ﷺ چار بیویوں کی پابندی سے مستثنیٰ تھے۔
۳۔ مخصوص حالات میں شریعت کی پابندیوں کے ساتھ لونڈی رکھنا جائز ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں بیویوں کے حقوق:

۱۔ عورتوں کو ان کا حق مہر خوشی سے ادا کیا جائے۔(النساء:۴) ۲۔ بیویوں پر بے جا سختی نہ کی جائے۔(النساء:۱۹)
۳۔ بیویوں کو تکلیف نہ دی جائے۔(الطلاق:٦) ۴۔ حقِ زوجیت ادا کیا جائے۔(النساء:۳)
۵۔ حق مہر واپس نہیں لینا چاہیے۔(النساء:۲۰) ٦۔ بچے کی وجہ سے ماں کو تکلیف نہ دی جائے۔(البقرۃ:۲۳۳)
۷۔ اگر تمہیں خدشہ ہو کہ تم چار بیویوں کے درمیان عدل نہیں کر سکو گے تو ایک بیوی یا ایک لونڈی ہی کافی ہے۔(النساء:۳)
۸۔ اگر ایک سے زیادہ بیویاں نکاح میں ہوں تو سب کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیا جائے۔(النساء:۱۲۹)
۹۔ طلاق دینے کے بعد جب مدت پوری ہو جائے تو بیوی کو اچھے طریقے سے رخصت کیا جائے یا اچھے انداز سے رکھا جائے۔(البقرۃ:۲۳۱)

تُرْجِيْ	مَنْ	تَشَآءُ	مِنْهُنَّ	وَتُـْٔوِيْٓ	اِلَيْكَ
آپ موقوف کردیں	جس کو	آپ چاہیں	ان میں سے	اور آپ جگہ دیں	اپنے پاس
مَنْ	تَشَآءُ ؕ	وَمَنِ	ابْتَغَيْتَ	مِمَّنْ	عَزَلْتَ
جس کو	آپ چاہیں	اور جسے	آپ چاہیں	ان سے جس کو	آپ نے علیحدہ کردیا تھا
فَلَا	جُنَاحَ	عَلَيْكَ ؕ	ذٰلِكَ	اَدْنٰٓى	اَنْ	تَقَرَّ
تونہیں	کوئی گناہ	آپ پر	یہ	زیادہ قریب ہے	یہ کہ	ٹھنڈی ہوں
اَعْيُنُهُنَّ	وَلَا	يَحْزَنَّ	وَيَرْضَيْنَ	بِمَآ	اٰتَيْتَهُنَّ
ان کی آنکھیں	اور نہ	وہ غمگین ہوں	اور وہ راضی ہوں	اس پر جو	آپ انہیں دیں
كُلُّهُنَّ ؕ	وَاللّٰهُ	يَعْلَمُ	مَا	فِيْ	قُلُوْبِكُمْ ؕ
سب کی سب	اور اللہ	وہ جانتا ہے	جو کچھ ہے	میں	تمہارے دلوں

”آپ کو اختیار دیا جاتا ہے کہ اپنی بیویوں میں سے جسے چاہیں اپنے آپ سے الگ کردیں جسے چاہیں اپنے پاس رکھیں اور جسے چاہیں الگ رکھنے کے بعد اپنے پاس بلائیں۔اس معاملہ میں آپ پر کوئی گناہ نہیں ہے، ہوسکتا ہے اس طرح اُن کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ رنجیدہ خاطر نہ ہوں اور جو کچھ بھی آپ اُنہیں دیں گے اس پر وہ راضی رہیں گی اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: ازواج مطہرات کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کو مزید اختیارات۔

نبوت کے فرائض کی انجام دہی کے لیے نبی معظم ﷺ کو حق مہر اور بعض ازواجی پابندیوں سے آزاد کردیا گیا تاکہ آپ ایک حد تک گھریلو ماحول سے آزاد ہوکر دعوت کا کام جاری رکھ سکیں، آپ کو یہ بھی اختیار دیا گیا کہ جس بیوی کو چاہیں اسے اپنے سے الگ رکھیں اور جسے چاہیں اپنے ساتھ رکھیں اور جس کو چاہیں الگ رکھنے کے بعد اپنے پاس بلالیں گویا کہ جس بیوی سے جیسا برتاؤ کرنا چاہیں کریں آپ پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔اس کا مقصد یہ تھا کہ بفرض محال اگر کسی بیوی کے ساتھ کوئی کمی، بیشی ہوجاتی ہے تو وہ اسے محسوس نہ کرے اس طرح ہر بیوی یہ سوچ کر مطمئن رہے گی کہ یہ نبی کریم ﷺ کا احسان ہے کہ آپ نے مجھے اپنے حرم میں رکھا ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ ہر کسی کی حالت سے واقف ہے اور سب کو جاننے کے باوجود حوصلے والا ہے۔اس رعایت کا یہ بھی مقصد تھا کہ آپ ﷺ اپنی بیویوں کی باہمی رقابت سے بے نیاز ہو جائیں اس رعایت کے باوجود نبی کریم ﷺ نے ازراہِ شفقت ہر بیوی کے لیے باری مقرر کی اور اسکی پابندی فرمائی۔یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ آخری بیماری میں مبتلا ہوئے تو آپ نے اپنی بیویوں سے اجازت طلب فرمائی کہ مجھے عائشہ

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿٥١﴾ لَا يَحِلُّ لَكَ

اور ہے | اللہ | خوب جاننے والا | نہایت بُرد بار | نہیں | حلال | آپ کے لیے

النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ

عورتیں | اس کے بعد | اور نہ | یہ کہ | آپ بدل لیں | ان کے مقابلے

مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا

سے | بیویوں | اگرچہ | آپ کو اچھا لگے | ان کا حسن | مگر | جو

مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿٥٢﴾ ع ٦/١٢/٢

مالک ہوا | آپ کا دایاں ہاتھ | اور ہے | اللہ | پر | ہر | چیز | خوب نگران

اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور حوصلے والا ہے۔ (۵۱) اس کے بعد آپ کے لیے دوسری عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ اس کی اجازت ہے کہ ان کی جگہ اور بیویاں کرلیں خواہ اُن کا حسن آپ کو کتنا ہی اچھا لگے البتہ لونڈیاں رکھنے کی آپ کو اجازت ہے، اللہ ہر چیز پر نگراں ہے۔'' (۵۲)

کے گھر میں رہنے کی اجازت ہونی چاہیے تمام ازواجِ مطہرات نے خوشی سے اجازت دی کیونکہ وہ آپ ﷺ کی خوشی کو اپنی خوشی سے مقدم جانتی تھیں اور یہ بات اچھی طرح سمجھتی تھیں کہ آپ ﷺ کا ہمیں اپنے حرم میں شامل فرمانا ہم پر ایسا احسان ہے جس کا بدلہ چکانا ہم میں سے کسی کے بس کا روگ نہیں یہی وجہ ہے ایلاء کے موقع پر جب آپ ﷺ نے ازواجِ مطہرات کو دو باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا موقعہ دیا تو تمام ازواج نے بیک زبان عرض کی کہ ہم دنیا کے مال ومتاع کے مقابلے میں آپ ﷺ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دیتی ہیں۔

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ آلَي رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ نِسَائِهِ وَكَانَتِ انْفَكَّتْ رِجْلُهُ فَأَقَامَ فِي مَشْرُبَةٍ تِسْعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً، ثُمَّ نَزَلَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ آلَيْتَ شَهْرًا فَقَالَ إِنَّ الشَّهْرَ يَكُونُ تِسْعًا وَعِشْرِينَ)) (رواه البخاری: باب قَوْلِ النَّبِي ﷺ إِذَا رَأَيْتُم الْهِلَالَ فَصُومُوا وَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَأَفْطِرُوا)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں سے ایک ماہ کے لیے ایلاء کیا آپ کے پاؤں کو موچ آئی اور آپ نے بالا خانے میں انتیس راتیں بسر کیں پھر آپ نیچے تشریف لائے۔ صحابہ نے عرض کی اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے ایک مہینہ کے لیے ایلاء کیا تھا۔ آپ نے جواب دیا کہ مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔''

نبی معظم ﷺ نے اپنی بیویوں کو اپنے ساتھ رہنے یا الگ ہونے کا کلّی اختیار دیا تو ازواجِ مطہرات نے آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کو ترجیح دی کسی ایک بیوی نے بھی آپ ﷺ سے الگ ہونا گوارہ نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس محبت

اور تعلق کو نبی ﷺ کے حق میں قبول فرمایا اور نبی کریم ﷺ کو پابند کیا کہ اے نبی ﷺ آپ نے اپنی بیویوں کے ایثار، اخلاص اور اپنے ساتھ پُرخلوص تعلق کو جانچ لیا ہے لہٰذا اس کے بعد آپ کو اختیار نہیں کہ آپ کسی ایک بیوی کو طلاق دے کر اس کی جگہ کوئی اور بیوی لے آئیں بے شک وہ کتنی ہی حسین کیوں نہ ہو۔ البتہ لونڈیاں رکھنے کی آپ کو اجازت ہے، ہمیشہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی نگرانی کرنے والا ہے۔

مسائل

١۔ نبی ﷺ کو اپنے بیویوں کے بارے میں کلّی اختیار حاصل تھا۔

٢۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگران ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر بات کو جاننے والا اور ہر چیز پر نگران ہے:

١۔ جو بھی تم عمل کرتے ہو وہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ (یونس: ٦١)

٢۔ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو جاننے والا ہے۔ (یٰس: ٧٩)

٣۔ جو لوگ جہالت کی وجہ سے برائی کرتے ہیں، پھر جلدی سے توبہ کر لیتے ہیں اللہ ان کی توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے اور حکمت والا ہے۔ (النساء: ١٧)

٤۔ اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو یقیناً اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ (النساء: ٣٢)

٥۔ جو کچھ تم اللہ کے دیے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہو اللہ اُس کو جاننے والا ہے۔ (النساء: ٣٩)

٦۔ قیامت کا، بارش کے نازل ہونے کا، اور جو کچھ رحموں میں ہے اور انسان کل کیا کمائے گا اور اُسے کہاں موت آئے گی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ (لقمان: ٣٤)

٧۔ اللہ تعالیٰ بحر و بر اور ہر گرنے والے پتے کو جانتا ہے۔ (الانعام: ٥٩)

٨۔ فرشتوں نے کہا تو پاک ہے ہمیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھلایا ہے اور تو جاننے والا، حکمت والا ہے۔ (البقرۃ: ٣٢)

٩۔ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ عرض کریں گے جب تو نے مجھے فوت کر لیا تو تو ہی ان پر نگران تھا اور تو ہر ایک پر گواہ ہے۔ (المائدۃ: ١١٧)

١٠۔ بے شک میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے۔ (ھود: ٥٧) ١١۔ اللہ تم پر نگہبان ہے۔ (الشوریٰ: ٦)

١٢۔ اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے۔ (آل عمران: ١٠٢)

١٣۔ اللہ پر توکل کرو، اللہ بہترین کارساز ہے۔ (الاحزاب: ٣) ١٤۔ تیرا رب ہر چیز کی حفاظت کرنے والا ہے۔ (سبا: ٢١)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ تم داخل ہو گھروں میں نبی کے مگر

اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ

یہ کہ اجازت دی جائے تمہارے لیے طرف کھانے کی نہ دیکھنے والے اس کے برتن

وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا

اور لیکن جب تم بلائے جاؤ پس داخل ہو جاؤ پھر جب تم کھا چکو تو تم منتشر ہو جاؤ

وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ

اور نہ دل لگا کے بیٹھے رہو بات کے لیے بلاشبہ تمہاری یہ بات ہے ایذا دیتی نبی کو

فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ؗ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ

پس وہ حیا کرتا ہے تم سے اور اللہ نہیں وہ شرم کرتا سے حق

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو نبی کے گھروں میں بلا اجازت داخل نہ ہوا کرو نہ کھانے کے وقت کا انتظار کیا کرو، ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ، مگر جب کھانا کھالو تو اُٹھ جایا کرو باتیں کرنے میں نہ لگے رہا کرو۔ تمہاری یہ حرکت نبی کو تکلیف دیتی ہے مگر وہ حیا کی وجہ سے تمہیں کچھ نہیں کہتے اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: ازواجی زندگی کے اصول بتلانے کے ساتھ مسلمانوں کو آدابِ معاشرت سمجھائے گئے ہیں یہاں دورِ جاہلیت کی ایک اور رسم کے خاتمے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس فرمان کے نازل ہونے سے پہلے کچھ مسلمان نبی کریم ﷺ کے گھر میں بلا اجازت داخل ہو جاتے اور بن بلائے مہمان بن جایا کرتے تھے۔ نبی ﷺ اپنی حیا کے پیشِ نظر انہیں کچھ نہیں کہتے تھے اس پر یہ فرمان نازل ہوا کہ اے صاحب ایمان لوگو! نبی کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہوا کرو اور نہ ہی بن بلائے مہمان بننے کی کوشش کیا کرو۔ جب تمہیں کھانے کی دعوت دی جائے تو جاؤ اور جب کھانا کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو اٹھ جایا کرو۔ خواہ مخواہ باتیں کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کے گھر میں بیٹھے رہنے سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے آپ اپنی حیا کی وجہ سے تمہیں اٹھنے کے لیے نہیں کہتے جبکہ اللہ تعالیٰ حق بات بتلانے میں حیا نہیں کرتا۔

جب نبی اکرم ﷺ کے اہلِ خانہ سے کوئی چیز لینا مقصود ہو تو ان سے پردہ میں رہ کر مانگا کرو یہ تمہارے لیے نہایت پاکیزہ طریقہ ہے اور نبی اکرم ﷺ کے اہلِ خانہ کے لیے بھی بہتر ہے۔ اے مسلمانو! ایسی ہر حرکت سے اجتناب کرو جس سے نبی کریم ﷺ کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو، رسول ﷺ کی بیویاں تمہارے لیے محترم ہیں جن کے ساتھ تمہارا کبھی نکاح نہیں ہوسکتا۔ نبی اکرم ﷺ

وَاِذَا	سَاَلْتُمُوْهُنَّ	مَتَاعًا	فَسْـَٔلُوْهُنَّ	مِنْ	وَّرَآءِ	حِجَابٍ ؕ
اور جب	تم سوال کرو ان سے	چیز کا	پس تم سوال کرو ان سے	سے	پیچھے	پردے کے
ذٰلِكُمْ	اَطْهَرُ	لِقُلُوْبِكُمْ	وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ	وَمَا	كَانَ	
یہ	زیادہ پاکیزہ ہے	تمہارے دلوں کے لیے	اور ان کے دلوں کے لیے	اور نہیں	ہے	
لَكُمْ	اَنْ	تُؤْذُوْا	رَسُوْلَ	اللّٰهِ	وَلَآ	اَنْ	تَنْكِحُوْٓا
تمہارے لیے	یہ کہ	تم ایذا دو	رسول کو	اللہ کے	اور نہ	یہ کہ	تم نکاح کرو
اَزْوَاجَهٗ	مِنْ	بَعْدِهٖٓ	اَبَدًا ؕ	اِنَّ	ذٰلِكُمْ	كَانَ
اس کی بیویوں سے	سے	اس کے بعد	کبھی بھی	بے شک	تمہارا یہ	ہوگا
عِنْدَ	اللّٰهِ	عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾	اِنْ	تُبْدُوْا	شَيْـًٔا	اَوْ
نزدیک	اللہ کے	بڑا گناہ	اگر	تم ظاہر کرو	کوئی چیز	یا
تُخْفُوْهُ	فَاِنَّ	اللّٰهَ	كَانَ	بِكُلِّ	شَيْءٍ	عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾
تم چھپاؤ اسے	تو بلاشبہ	اللہ	ہے	ہر	چیز کو	خوب جاننے والا

اگر نبی کی بیویوں سے تمہیں کوئی چیز مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے رہ کر مانگا کرو، یہ تمہارے اور اُن کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے زیادہ بہتر طریقہ ہے۔ تمہارے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ کے رسول کو تکلیف دو اور یہ بھی جائز نہیں کہ نبی کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ (۵۳) تم کوئی بات ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ کو ہر بات کا علم ہوتا ہے۔" (۵۴)

کے ساتھ امت کے رشتے کا ذکر کرتے ہوئے اسی سورت کی آیت ۶ میں ارشاد ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بیویاں تمہاری مائیں ہیں ظاہر ہے کہ ماں کے ساتھ کسی صورت میں بھی بیٹا نکاح نہیں کر سکتا ایسا سوچنا بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔

امّت کے لوگوں کو مزید انتباہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم کوئی بات ظاہر کرو یا چھپائے رکھو اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اس آیتِ کریمہ میں نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے مسلمانوں کو معاشرت کے عظیم اور بہترین آداب سکھلائے گئے ہیں اگر مسلمان معاشرہ میں ان آداب کا خیال رکھا جائے تو بہت سی اخلاقی بیماریوں کا از خود قلع قمع ہو سکتا ہے۔ اس حکم کے مطابق غیر محرم عورتوں سے ہر سطح پر ہر قسم کا اختلاط ناجائز ہے افسوس! اس کے باوجود آج کے نام ونہاد دانشور سکولوں، کالجز، یونیورسٹیوں اور دفاتر میں مرد وزن کا اختلاط جائز قرار دیتے ہیں حالانکہ اس کے مضمرات نے معاشرے کو اخلاقی طور پر تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔

«عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيِّ ﷺ قَالَ كَانَ مِنَ الأَنْصَارِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ أَبُو شُعَيْبٍ، وَكَانَ لَهُ غُلَامٌ لَحَّامٌ فَقَالَ اصْنَعْ لِي طَعَامًا أَدْعُو رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ خَامِسَ خَمْسَةٍ، فَدَعَا رَسُولَ

اللهِ ﷺ خَامِسَ خَمْسَةٍ، فَتَبِعَهُمْ رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّكَ دَعَوْتَنَا خَامِسَ خَمْسَةٍ وَهَذَا رَجُلٌ قَدْ تَبِعَنَا، فَإِنْ شِئْتَ أَذِنْتَ لَهُ، وَإِنْ شِئْتَ تَرَكْتَهُ قَالَ بَلْ أَذِنْتُ لَهُ»

(رواه البخاری: باب الرَّجُلِ يَتَكَلَّفُ الطَّعَامَ لِإِخْوَانِهِ)

''ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک انصاری جس کا نام ابوشعیب تھا اس کا ایک غلام قصاب تھا ابوشعیب نے اپنے غلام کو کہا میرے لیے کھانا تیار کرو تاکہ میں نبی اکرم ﷺ اور پانچ آدمیوں کو دعوت دوں ابوشعیب رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سمیت پانچ آدمیوں کو دعوت دی نبی علیہ السلام کے ساتھ ایک اور آدمی چل پڑا۔ آپ ﷺ نے ابوشعیب کو فرمایا کہ آپ نے پانچ آدمیوں کو دعوت پر بلایا ہے لیکن یہ آدمی اپنے طور پر آ گیا ہے اگر چاہتا ہے تو اسکو اجازت دے اور اگر نہیں چاہتا ہے تو اسے واپس کردے ابوشعیب نے کہا کہ میں اسے اجازت دیتا ہوں۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ لَوْ أَنَّ امْرَأً اطَّلَعَ عَلَيْكَ بِغَيْرِ إِذْنٍ، فَخَذَفْتَهُ بِعَصَاةٍ، فَفَقَأْتَ عَيْنَهُ، لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ جُنَاحٌ»

(رواه البخاری: باب مَنْ أَخَذَ حَقَّهُ أَوِ اقْتَصَّ دُونَ السُّلْطَانِ)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی بندہ اجازت طلب کیے بغیر کسی کے گھر میں جھانکے اور گھر والا لکڑی کے ساتھ اُس کی آنکھ پھوڑ دے تو لکڑی مارنے والے پر کوئی گناہ نہیں۔''

مسائل

۱۔ کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا گناہ ہے۔ ۲۔ کسی کے ہاں بن بلائے مہمان بن بیٹھنا جائز نہیں۔
۳۔ دعوت کھانے کے بعد خواہ مخواہ میزبان کے گھر بیٹھے رہنا ادب کے منافی ہے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا۔ ۵۔ غیر محرم عورتوں سے اختلاط حرام ہے۔
۶۔ کسی کے اہلِ خانہ سے کوئی چیز لینا مطلوب ہو تو اسے پردے میں رہ کر سوال کرنا چاہیے۔
۷۔ امہات المومنین کے بارے میں ہرزہ سرائی کرنا اور ان کے بارے میں بدکلامی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔
۸۔ ازواجِ مطہرات امت کی مائیں تھیں اس لیے ان کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں تھا۔

تفسیر بالقرآن

نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اہلِ خانہ کا احترام فرض ہے:

۱۔ آپ ﷺ کو دور سے آواز نہ دی جائے۔ (الحجرات: ۴) ۲۔ آپ ﷺ کی آواز سے اونچی آواز نہ کی جائے۔ (الحجرات: ۲)
۳۔ آپ ﷺ سے آگے قدم نہ اٹھایا جائے۔ (الحجرات: ۱) ۴۔ آپ ﷺ کی مکمل اتباع کی جائے۔ (محمد: ۳۳)
۵۔ نبی معظم ﷺ کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہیں ہونا چاہیے۔ (الاحزاب: ۵۳)

لَا	جُنَاحَ	عَلَيۡهِنَّ	فِىۡۤ	اٰبَآئِهِنَّ	وَلَاۤ	اَبۡنَآئِهِنَّ
نہیں	کوئی گناہ	ان عورتوں پر	میں	اپنے باپوں	اور نہ	اپنے بیٹوں میں

وَلَاۤ	اِخۡوَانِهِنَّ	وَلَاۤ	اَبۡنَآءِ	اِخۡوَانِهِنَّ	وَلَاۤ	اَبۡنَآءِ	اَخَوٰتِهِنَّ
اور نہ	اپنے بھائیوں میں	اور نہ	بیٹوں میں	اپنے بھائیوں کے	اور نہ	بیٹوں میں	اپنی بہنوں میں

وَلَا	نِسَآئِهِنَّ	وَلَا	مَا	مَلَكَتۡ	اَيۡمَانُهُنَّ ۚ	وَاتَّقِيۡنَ	اللّٰهَ ؕ
اور نہ	اپنی عورتوں میں	اور نہ	جو	مالک ہوئے	ان کے دائیں ہاتھ	اور تم ڈرو	اللہ سے

اِنَّ	اللّٰهَ	كَانَ	عَلٰى	كُلِّ	شَىۡءٍ	شَهِيۡدًا ﴿۵۵﴾
بے شک	اللہ	ہے	پر	ہر	چیز	گواہ

''ازواجِ نبی کے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ان کے باپ ان کے بیٹے، ان کے بھائی، ان کے بھتیجے، ان کے بھانجے، ان کی میل جول کی عورتیں اور ان کے غلام گھروں میں آئیں، اے عورتو! تمہیں اللہ کی نافرمانی سے پرہیز کرنا چاہیے اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھتا ہے۔'' (۵۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلی آیت میں پردے کا ذکر ہوا، اب ان رشتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے پردہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس سے پہلی آیت میں ازواجِ مطہرات کے حوالے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ پردے میں رہ کر ان سے سوال کیا کریں بظاہر یہ حکم امہات المومنین کے متعلق دکھائی دیتا ہے لیکن حقیقت میں امت کی ماؤں کو مخاطب کر کے پوری امت کی عورتوں کو پردے کا حکم دیا گیا ہے جس میں یہ وضاحت موجود نہ تھی کہ کون سے مردوں سے پردہ نہیں کرنا چاہیے۔ اب ان رشتوں کی وضاحت کی جاتی ہے جن سے پردہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے یاد رہے کہ اگر خاوند، باپ اور بھائی کے علاوہ ہر کسی سے پردہ کرنا عورت کے لیے واجب ہوتا تو اس سے عورت ایک طرح کی قیدی بن کر رہ جاتی اسلام نے جائز حد تک عورت کو آزادی عطا فرمائی ہے اس لیے یہ حکم نازل ہوا کہ عورتوں پر اپنے باپوں اپنے بیٹوں، اپنے بھائیوں، اپنے بھتیجوں، اپنے بھانجوں، اپنی عورتوں اور غلاموں سے کوئی پردہ نہیں عورتوں کو ہر حال میں اللہ سے ڈرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگران ہے۔

"وَلَا نِسَآئِهِنَّ" کے بارے میں اہل علم کے تین موقف ہیں۔ ① عورت کو عورت سے پردہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ② مسلمان عورت کو غیر رشتہ دار عورتوں سے پردہ کرنا چاہیے۔ ③ مسلمان عورتوں کو ان عورتوں سے بھی پردہ کرنا چاہیے جو معاشرے میں بے حیائی پھیلاتی ہیں تاکہ ان کے ساتھ نفرت کا اظہار کرنے کے ساتھ ان کے شر سے بچا جا سکے۔

«كَتَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضي الله عنه إِلَى أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ رضي الله عنه أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ نِسَاءً مِنْ نِسَاءِ الْمُسْلِمِينَ يَدْخُلْنَ الْحَمَّامَاتِ وَمَعَهُنَّ نِسَاءُ أَهْلِ الْكِتَابِ فَامْنَعْ ذٰلِكَ......»

(رواہ البیھقی: باب مَا جَاءَ فِی إِبْدَاءِ المسلِمَةِ زِينَتَهَا لِنِسَائِهَا دُونَ الكَافِرَاتِ قَالَ اللهُ جَلَّ ثَنَاؤهُ [أَوْ نِسَآئِهِنَّ]

[موقوف عن علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب])

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ایک خط میں لکھا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ مسلمان عورتیں اہلِ کتاب کی عورتوں کے ساتھ حمام میں اکٹھی غسل کرتی ہیں لہٰذا میں اس سے منع کرتا ہوں۔''

پردہ کی اہمیت:

«عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ»

(رواہ الترمذی: باب مَا جَاءَ فِی كَرَاهِيَةِ الدُّخُولِ عَلَى المُغِيبَاتِ [صحیح])

''جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی عورت بے پردہ باہر نکلتی ہے تو شیطان صفت لوگ اس کو اپنی نظروں کا نشانہ بناتے ہیں۔''

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوگروہ ایسے ہیں جنہیں میں نے ابھی تک نہیں دیکھا ہے ایک گروہ وہ ہے جن کے ہاتھوں میں بیل کی دموں کی مانند کوڑے ہوں گے اور وہ ان کوڑوں کے ساتھ بلا جواز لوگوں کو ماریں گے، اور دوسرا گروہ اُن عورتوں کا ہے جنہوں نے بظاہر لباس پہنا ہوا ہوگا لیکن حقیقت میں ان کے بدن ننگے ہوں گے وہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی اور مٹک مٹک کر چلنے والی ہوں گی ان کے سر لمبی گردنوں والے اونٹوں کی کوہانوں کی طرح اٹھے ہوئے ہوں گے وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی بلکہ جنت کی خوشبو کو بھی نہ پاسکیں گی جبکہ جنت کی خوشبو اتنے اور اتنے فاصلے سے محسوس کی جائے گی۔''

(رواہ مسلم: باب النَّارُ يَدْخُلُهَا الجَبَّارُونَ وَالجَنَّةُ يَدْخُلُهَا الضُّعَفَاءُ)

مسائل

۱۔ عورت کو باپ، بیٹے، بھائی، بھتیجے، اور بھانجے سے پردہ نہیں۔

۲۔ جس طرح نسبی رشتوں سے پردہ کرنے کی ضرورت نہیں اسی طرح رضاعی رشتوں سے بھی پردہ نہ کرنے کی اجازت ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ" (رواہ البخاری: باب مَا يَحِلُّ مِنَ الدُّخُولِ وَالنَّظَرِ... ''رضاعت سے وہ رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو نسب کے لحاظ سے حرام ہیں۔

اِنَّ	اللّٰهَ	وَمَلٰٓئِكَتَهٗ	يُصَلُّوْنَ	عَلَى	النَّبِيِّ ؕ
بلاشبہ	اللہ	اور اس کے فرشتے	وہ رحمت بھیجتے ہیں	پر	نبی

يٰٓاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	صَلُّوْا	عَلَيْهِ	وَسَلِّمُوْا	تَسْلِيْمًا ﴿٥٦﴾
اے	لوگو جو	ایمان لائے ہو	تم درود بھیجو	اس پر	اور تم سلام بھیجو	سلام بھیجنا

”اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو تم بھی نبی پر درود و سلام بھیجو۔“ (٥٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام : آیت ٥٤ میں نبی علیہ السلام کو آپ کی ذات اور ازواج مطہرات کے حوالے سے ایذاء پہنچانے سے منع کیا گیا ہے یہاں بین السطور یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ نبی کی ذات اقدس کو کسی اعتبار سے معمولی نہ سمجھو، آپ ﷺ کی ذات اس قدر اعلیٰ مقام کی حامل اور واجب الاحترام ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی آپ پر درود بھیجتے ہیں اس لیے نبی کو تکلیف دینے سے باز آؤ اور آپ کے لیے درود پڑھا کرو۔

سرورِ دو عالم ﷺ کے مخالفین آپ کو ہر وقت اذّیت پہنچانے کے درپے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے مراتب کو بلند کرنے اور آپ کے مخالفین کو رسوا کرنے کے لیے آپ کو ایسا اعزاز بخشا جو کسی نبی کو عطا نہیں کیا گیا وہ یہ کہ ربِّ کریم اور ملائکہ آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ یہی حکم مومنوں کو دیا گیا ہے کہ وہ بھی اللہ کے نبی ﷺ پر درود بھیجا کریں یہ اعزاز آپ کو اس وقت عطا کیا گیا جب آپ کی عظمت اور دین کی سر بلندی دیکھ کر منافق اور یہود و نصاریٰ ہر قسم کی ہرزہ سرائی کرنے کے ساتھ آپ کے خلاف کئی قسم کی سازشیں کر رہے تھے۔ ① اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ پر درود پڑھنے کا یہ معنٰی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ذاتِ اقدس پر لگاتار اپنی رحمتوں کا نزول فرماتا ہے۔ ② ملائکہ کے درود کا معنٰی یہ ہے کہ وہ ہر وقت اپنے رب کے حضور التجائیں اور دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس پر مسلسل اپنی رحمت فرما اور آپ کی دعوت کو کامیاب فرما۔ ③ مومنوں کے درود کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے رب سے دعائیں کرتے رہیں کہ بارِ الٰہا نبی کریم کی ذاتِ اقدس پر ہر وقت اپنی رحمتوں کا نزول فرمانے کے ساتھ آپ کی دعوت کو ترقی عطا فرما۔

درود آپ ﷺ کے احسانات کا اعتراف، آپ کی قربت و محبت کا وسیلہ، غموں اور پریشانیوں سے نجات کا ذریعہ، گناہوں کی معافی، بلندیٔ درجات اور روزِ محشر آپ کی سفارش کا ذریعہ ہے مگر شرط یہ ہے کہ درود کے الفاظ وہ ہونے چاہییں جو آپ ﷺ نے اپنی ذاتِ اقدس کے لیے پسند فرمائے ہیں۔

جامع اور بہترین درود التحیات میں پڑھا جانے والا درودِ ابراہیم ہے جس پر پوری امت کا اتفاق ہے ایسا درود جس میں الفاظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ ہو وہ درود کہلوانے کا حقدار نہیں ہوسکتا آج کل درود ہزاری 'لکھّی' اور بے شمار مصنوعی

درود تیار کیے گئے ہیں جو نبی محترم ﷺ کی ذات کے شایانِ شان نہیں اور من گھڑت ہیں ان سے پرہیز لازم ہے۔

درود پڑھو! ضرور پڑھو! مگر مسنون پڑھو

آپ ﷺ کے شرف وکمال کی انتہا ہے کہ خالق کائنات نے کسی کام کا حکم اس نسبت کے ساتھ نہیں دیا کہ یہ کام میری ذاتِ عظیم بھی کر رہی ہے، لہٰذا مسلمانوں کو بھی کرنا چاہیے۔ یہ آپ ﷺ کی صفت اور شان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درود پاک کا حکم دیتے ہوئے اس عمل کا آغاز اپنی ذات سے فرمایا ہے۔

درود پڑھنے کی فضیلت اور نہ پڑھنے والے کی مذمت:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ صَلَّي عَلَيَّ وَاحِدَۃً صَلَّي اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا)) (مسلم: باب الصلوۃ علی النبی)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالی اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔''

((عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ الْبَخِيْلُ الَّذِي مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ)) (رواہ الترمذی: باب فی فضل التوبة والاستغفار وما ذکر من رحمة اللہ بعبادہ [صحیح])

''حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ شخص بخیل ہے جس کے سامنے میرا نام لیا جائے لیکن وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔''

صلوٰۃ کا معنی رحمت، دعا اور تعریف وتوصیف کرنا ہے اور سلام کا معنی سلامتی ہے مفہوم یہ ہوا کہ ہمیشہ آپ ﷺ کا نام اور کام سلامت رہے پھر بھی سلام اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی میں سے ایک نام ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی خیر و عافیت اور سلامتی کا اہتمام قیامت تک کر دیا گیا ہے درود پاک سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کے مخالف آپ کے کام اور نام کو نیچا نہیں دکھا سکیں گے کیونکہ آپ کا تذکرہ آسمانوں سے اوپر عرش معلیٰ پر خالق کائنات فرما رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ ﷺ دنیا اور آخرت میں عزت وعظمت کی ان بلندیوں پر فائز ہوں گے جو کائنات میں کسی کے نصیب اور حصہ میں نہیں آسکتیں۔

مسائل

۱۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ پر درود بھیجتا ہے۔ ۲۔ تمام ملائکہ اللہ کے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔

۳۔ ایمانداروں کو بھی آپ ﷺ پر درود بھیجنا چاہئے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے درود بھیجنے کا معنی اس کا اپنی رحمتوں کا نزول فرمانا ہے۔

۵۔ ملائکہ اور ایمانداروں کا درود اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنا ہے کہ وہ نبی آخر الزمان ﷺ پر اپنی رحمتوں کا مسلسل نزول فرماتا رہے۔

اِنَّ	الَّذِيْنَ	يُؤْذُوْنَ	اللّٰهَ	وَرَسُوْلَهٗ	لَعَنَهُمُ
بلاشبہ	جولوگ	ایذا پہنچاتے ہیں	اللہ	اوراس کے رسول کو	ان پرلعنت کی
اللّٰهُ	فِي	الدُّنْيَا	وَالْاٰخِرَةِ	وَاَعَدَّ	لَهُمْ
اللہ نے	میں	دنیا	اورآخرت	اوراس نے تیار کیا ہے	ان کے لیے
عَذَابًا	مُّهِيْنًا ﴿٥٧﴾	وَالَّذِيْنَ	يُؤْذُوْنَ	الْمُؤْمِنِيْنَ	
عذاب	رسوا کرنے والا	اور جولوگ	ایذا پہنچاتے ہیں	مومن مردوں	
وَالْمُؤْمِنٰتِ	بِغَيْرِ	مَا	اكْتَسَبُوْا	فَقَدِ	احْتَمَلُوْا
اورمومن عورتوں کو	بغیراس کے	جو	انہوں نے کمایا	تو یقیناً	انہوں نے اٹھایا
بُهْتَانًا	وَّاِثْمًا	مُّبِيْنًا ﴿٥٨﴾ع			
بہتان	اور گناہ	کھلا			

''جولوگ اللہ اوراس کے رسول کواذیت دیتے ہیں اللہ نے ان پر دنیااورآخرت میں لعنت کی ہے، اوران کے لیے ذلیل کردینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔(٥٧) اور جولوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر ان کی غلطی کے تکلیف دیتے ہیں انہوں نے بڑے بہتان اور کھلے گناہ کا وبال اپنے آپ پر لیا ہے۔''(٥٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام : اللہ تعالیٰ ایک طرف اپنے محبوب پیغمبر ﷺ پر درود وسلام بھیجتا ہےاور دوسری جانب ان لوگوں پر پھٹکار کرتا ہے جو نبی اکرم ﷺ کی گستاخیاں کرتے ہیں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اللہ تعالیٰ بلا وجہ تکلیف دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس فرمان میں سب سے پہلے اپنی ذاتِ کبریاء کے بارے میں فرمایا کہ جولوگ ''اللہ'' کو تکلیف دیتے ہیں ''اللہ'' ان پر لعنت پھٹکار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ''فِيْ نَفْسِهٖ'' کوئی چیز تکلیف نہیں دے سکتی بالفرض کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی باغی اور سرکش ہوجائے تو رائی کے دانے سے ہزاروں گنا کم بھی اللہ تعالیٰ کو تکلیف نہیں پہنچا سکتے وہ کائنات کی خیر وشر سے کامل اور اکمل طور پر بے نیاز اور بے پرواہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تکلیف دینے سے مراد اس کے رسول اور مومن بندوں اور بندیوں کو تکلیف دینا ہے۔

گستاخوں کی گستاخی اور بدفطرت لوگوں کی خباثت واضح اور ان کے جرم کی سنگینی بتلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی اذیت کو اپنے ساتھ منسوب فرمایا ہے تاکہ گستاخ لوگ جرم کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے نبی ﷺ کی گستاخی کرنے سے باز

آ جائیں۔ جہاں تک نبی ﷺ کو تکلیف پہنچانے کا تعلق ہے کفار، مشرکین، منافق اور یہود ونصاریٰ نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن اس کے باوجود نبی ﷺ پورے حوصلے کے ساتھ اپنی دعوت کو پھیلاتے رہے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں وہ کامیابی اور شہرتِ دوام عنایت فرمائی جو آپ ﷺ سے پہلے اور آپ کے بعد قیامت تک کسی کو حاصل نہیں ہوگی۔

جس طرح دینِ اسلام کے مخالفوں نے نبی ﷺ کو اذیتیں پہنچائیں اسی طرح ہی انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم اور صحابیات رضی اللہ عنہن کو ہر قسم کی تکالیف دیں حالانکہ صحابہ اور صحابیات کا کوئی گناہ نہیں تھا جس بناء پر دشمن انہیں تکلیف دیتے۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ طاہرہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دامنِ پاک پر دھبہ لگانے کی کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دامن کو پاک صاف رکھا۔ جن لوگوں نے حضرت عائشہ پر الزام لگایا اور نبی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مومن خواتین وحضرات کو اذیت پہنچائی۔ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان پر لعنت برساتا ہے اور آخرت میں انہیں ذلیل کر دینے والا عذاب دے گا۔

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِنَّ اللهَ قَالَ مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ» (رواہ البخاری: باب التواضع)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے میرے دوست سے دشمنی کی میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔''

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ وَمَاهُنَّ قَالَ اَلشِّرْكُ بِاللهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِيْ حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَكْلُ الرِّبَا وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ وَالتَّوَلِّيْ يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ»

(رواہ البخاری: کتاب الوصایا)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچ جاؤ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ گناہ کون کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق کسی جان کو قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور پاکدامن، مومن، بے خبر عورتوں پر تہمت لگانا۔''

مسائل

١۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی گستاخیاں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کرتا ہے۔

٢۔ جو لوگ پاک دامن مومن خواتین وحضرات کو تکلیف دیتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کر دینے والا عذاب دے گا۔

٣۔ پاک دامن مومن خواتین وحضرات کو اذیت اور تکلیف پہنچانا مومنانہ شیوہ نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا	النَّبِيُّ	قُلْ	لِّاَزْوَاجِكَ	وَبَنٰتِكَ	وَنِسَآءِ
اے	نبی	فرما دیجیے	اپنی بیویوں کے لیے	اور اپنی بیٹیوں	اور عورتوں
الْمُؤْمِنِيْنَ	يُدْنِيْنَ	عَلَيْهِنَّ	مِنْ	جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ	ذٰلِكَ اَدْنٰۤى
مومنوں کی	وہ لٹکا لیا کریں	اپنے اوپر	سے	اپنی چادروں	یہ زیادہ قریب ہے
اَنْ	يُّعْرَفْنَ	فَلَا	يُؤْذَيْنَ ؕ	وَكَانَ	اللّٰهُ غَفُوْرًا
اس کے کہ	وہ پہچان لی جائیں	تو نہ	وہ ایذا دی جائیں	اور ہے	اللہ بہت بخشنے والا
رَّحِيْمًا ۝٥٩	لَئِنْ	لَّمْ	يَنْتَهِ	الْمُنٰفِقُوْنَ	وَالَّذِيْنَ
نہایت رحم کرنے والا	البتہ اگر	نہ	باز آئیں اس سے	منافق (جمع)	اور وہ لوگ

اے نبی اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے فرماؤ کہ اپنی چادروں کے پلو اپنے اوپر لٹکایا کریں، یہ نہایت مناسب ہے تاکہ وہ پہچانی نہ جائیں اور نہ ستائی جائیں، اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور نہایت مہربانی فرمانے والا ہے۔(۵۹) اگر منافقین اور وہ لوگ

فہم القرآن

ربطِ کلام: مومن عورتوں کو اوباش لوگوں کی شرارتوں سے بچانے کے لیے پردے کا حکم اور اس کا طریقہ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مکہ کے مشرکین اللہ کے رسول ﷺ کے انتہا درجہ کے مخالف تھے اور انہوں نے آپ ﷺ کی مخالفت میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی تھی لیکن اس کے باوجود وہ خاندانی روایات کا خیال رکھتے ہوئے کسی حد تک اخلاقی اقدار کا احترام کرتے تھے یہ اخلاقی پاسداری کا نتیجہ تھا کہ ہجرت کے موقع پر انہوں نے رات بھر آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کیے رکھا لیکن دیواریں پھلانگ کر آپ کے گھر داخل نہ ہوئے کہ اس طرح خواتینِ خانہ کی بے حرمتی ہوگی اور عرب میں ہماری بدنامی ہو گی، ان کے مقابلے میں مدینہ کے یہود اور منافقین کی اخلاقی گراوٹ کا یہ حال تھا کہ انہیں جونہی موقعہ ملتا وہ مسلمان عورتوں کو پریشان کرنے کی کوشش کرتے۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر اور مسلمان خواتین کی ناموس کو بچانے کے لیے ہمیشہ کے لیے یہ قانون جاری ہوا کہ اے پیغمبر ﷺ! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مومن خواتین کو حکم دیں کہ جب وہ گھروں سے باہر نکلیں تو اپنے چہروں پر چادریں لٹکا کر گھونگھٹ نکال لیا کریں اس طرح وہ عام عورتوں سے ممتاز ہوں گی اور اوباش آدمی ان پر دست درازی کرنے سے گھبرائے گا۔ اس سے پہلے پردہ کے بارے میں جو کوتاہی سرزد ہوگئی اللہ تعالیٰ اسے معاف کرے گا کیونکہ وہ انتہائی شفقت فرمانیوالا ہے۔ اس کے باوجود منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں شرارت اور بے حیائی کا مرض ہے اگر وہ تہمت طرازی اور بے حیائی پھیلانے سے باز نہ آئیں تو ہم مسلمانوں کو ان پر مسلط کردیں گے پھر وہ تھوڑی مدت ہی مدینہ میں ٹھہر سکیں گے۔ وہ جہاں بھی ہوں گے ان پر پھٹکار ہوگی اور جہاں پائے جائیں گے قتل کردیئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ان

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ

میں ان کے دلوں روگ ہے اور جھوٹی افواہیں اڑانے والے میں مدینے ہم آپ کو ضرور مسلط کردیں گے

بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝٦٠

ان پر پھر نہیں وہ آپ کے پاس رہ سکیں گے اس میں مگر تھوڑی

مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝٦١

پھٹکارے ہوئے جہاں بھی وہ پائے جائیں وہ پکڑ لیے جائیں اور قتل کردیے جائیں قتل کیا جانا

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ

طریقہ اللہ کا میں ان لوگوں جو گزر گئے اس سے پہلے

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝٦٢

اور ہرگز نہیں آپ پائیں گے طریقہ کے لیے اللہ کے تبدیلی

جن کے دلوں میں خرابی ہے اور جو مدینہ میں سنسنی خیز افواہیں پھیلاتے ہیں، اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم ان کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے تمہیں اُٹھائیں گے پھر وہ اس شہر میں تمہارے ساتھ مشکل سے رہ سکیں گے۔(٦٠) ان پر ہر طرف سے لعنت کی بوچھاڑ ہوگی جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور بُری طرح قتل کیے جائیں گے۔(٦١) یہ اللہ کا طریقہ ہے پہلے سے ایسے لوگوں کے معاملے میں چلا آرہا ہے اور آپ اللہ کے طریقہ میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔"(٦٢)

سے پہلے مجرموں کے ساتھ یہی سلوک اور قانون تھا۔ اے نبی ﷺ آپ "اللہ" کے قانون میں کبھی تبدیلی نہیں پائیں گے۔

پردے کے بارے میں اس سورۃ کی آیت ۵۳ میں اور سورۃ نور کی آیت ۳۱ میں تفصیلی احکام گزر چکے ہیں یہاں صرف یہ بات عرض کی جائے گی کہ قرآن مجید نے پردہ کے لیے جلابیب کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنٰی اہلِ علم نے گھونگھٹ کیا ہے جو لوگ چہرے کے پردے کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے کیونکہ انسان کا چہرہ ہی اس کی پہچان، اس کے حسن و جمال اور جذبات کا ترجمان ہوتا ہے اگر کسی عورت کا چہرہ ناپسند ہو تو کوئی آدمی اس عورت کی طرف راغب نہیں ہوتا اس لیے عورت کے لیے چہرے کا پردہ کرنا فرض ہے نبی اکرم ﷺ کا طریقہ تھا کہ سفر کے دوران جب کوچ کرتے تو ایک آدمی کو پیچھے چھوڑتے تاکہ قافلے کی گری پڑی چیز کو اٹھائے اور اس کے مالک تک پہنچائے۔ حضرت عائشہ ؓ اپنا واقعہ بیان فرماتی ہیں کہ غزوہ تبوک سے واپسی پر "صفوان بن معطل ؓ لشکر کے پیچھے تھے۔ وہ صبح کے وقت میرے ٹھکانہ پر پہنچ گئے انہوں نے مجھے سوئے ہوئے دیکھا اور پہچان لیا کیونکہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا ہوا تھا۔ صفوان ؓ نے مجھے دیکھ کر افسوس کا اظہار کیا میں نے اُٹھ کر فوراً اپنا چہرہ چادر کے ساتھ ڈھانپ لیا۔ معلوم ہوا کہ اس آیت کا

معانقۃ ۱۲ الربع

یہی مفہوم امہات المومنین سمجھتی تھیں۔ ان کا فرمان ہے کہ اللہ کی قسم! میں نے صفوان رضی اللہ عنہ سے افسوس کے کلمات کے علاوہ ان سے کوئی بات نہیں سنی۔'' (رواہ البخاری: باب حدیث الافک)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمل سے ثابت ہوا کہ چہرے کا پردہ لازم ہے۔ اس کے باوجود جو لوگ چہرے کے پردے کی مخالفت کرتے ہیں انہیں غور کرنا چاہیے کہ اگر عورت نے چہرے کا پردہ نہیں کرنا تو پھر مرد اور عورت کے لباس میں کیا فرق رہ جاتا ہے کیونکہ ہر دور میں مرد تہبند اور قمیص پہننے کے ساتھ اپنے سر پر دستار یا ٹوپی پہنتے آرہے ہیں۔

اگر عورت نے پوری سنجیدگی کے ساتھ شرعی پردہ کیا ہو اور اس کی چال ڈھال میں شرافت اور متانت ہو تو اوباش آدمی اس کی طرف بڑھنے سے گھبراتا ہے کیونکہ پردہ میں اللہ تعالیٰ نے عورت کے لیے ایک رعب اور وقار رکھا ہے جو لوگ باحیا اور پردہ نشین عورتوں کے بارے میں تہمت درازی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر پھٹکار کرتا ہے یاد رہے کہ مسلمان معاشرے میں اخلاقی قدریں اتنی بلند ہونی چاہیے کہ اوباش آدمی جہاں جائے اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھا جانا چاہیے۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ اوباش لوگوں کو گرفتار کرے اور انہیں قرار واقعی سزا دے ہجرت کے بعد اور مدینہ کے ابتدائی دور میں کچھ غیر مسلم اوباش بازار میں چلتے وقت مسلمان عورتوں کو تنگ کرنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لاَ تَبْدَءُ وا الْيَهُودَ وَلاَ النَّصَارَى بِالسَّلاَمِ فَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي طَرِيقٍ فَاضْطَرُّوهُ إِلَى أَضْيَقِهِ»

(رواہ مسلم: باب النہی عن ابتداء اہل الکتاب بالسلام و کیف یرد علیہم)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہودیوں اور عیسائیوں کو سلام میں پہل نہ کرو! جب ان میں سے کوئی راستے میں ملے تو اس کو تنگ راستے کی طرف مجبور کیا کرو!''

مسائل

۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں اور بیٹیوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کو بھی پردے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۔ پردہ مومن عورتوں کی پہچان اور شان ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

عورتوں کو پردے اور حیا کا حکم:

۱۔ اے نبی! مومن مردوں سے فرمائیں کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ طریقہ ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے۔ (النور: ۳۰،۶۰)

۲۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو''اللہ'' چاہتا ہے کہ نبی کے گھر والوں سے ہر قسم کی غلاظت کو دور کرے اور تمہیں پوری طرح پاک کردے۔ (الاحزاب: ۳۳)

يَسْـَٔلُكَ	النَّاسُ	عَنِ	السَّاعَةِ ؕ	قُلْ	اِنَّمَا	عِلْمُهَا
آپ سے پوچھتے ہیں	لوگ	متعلق	قیامت کے	فرمادیجیے	صرف	اس کا علم
عِنْدَ	اللّٰهِ ؕ	وَمَا	يُدْرِيْكَ		لَعَلَّ	السَّاعَةَ
پاس	اللہ کے	اور کیا	آپ کو بتلاتی ہے		شاید کہ	قیامت
تَكُوْنُ	قَرِيْبًا ۝٦٣	اِنَّ	اللّٰهَ		لَعَنَ	الْكٰفِرِيْنَ
وہ ہو	قریب	بلاشبہ	اللہ نے		لعنت کی	کافروں پر
وَاَعَدَّ	لَهُمْ	سَعِيْرًا ۝٦٤	خٰلِدِيْنَ		فِيْهَآ	اَبَدًا ۚ
اور اس نے تیار کی	ان کے لیے	بھڑکتی ہوئی آگ	وہ ہمیشہ رہیں گے		اس میں	ہمیشہ
	لَا يَجِدُوْنَ		وَلِيًّا	وَّلَا نَصِيْرًا ۝٦٥		
	نہیں وہ پائیں گے		کوئی دوست	اور نہ کوئی مددگار		

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کی گھڑی کب آئے گی؟ فرمائیں اسے صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ تمہیں کیا خبر شاید کہ وہ قریب آ چکی ہو۔ (٦٣) اللہ نے یقیناً کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی گئی ہے۔ (٦٤) جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، وہ کسی کو حامی اور مددگار نہیں پائیں گے۔'' (٦٥)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جن لوگوں کے دلوں میں منافقت اور بے حیائی کی بیماری ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ قیامت پر یقین نہیں رکھتے۔ اگر ان کا قیامت پر یقین ہو تو وہ بے حیائی اور منافقت سے باز آ جائیں۔

اگر منافقین کا قیامت پر سچا ایمان ہو تو وہ ایسی حرکات سے اجتناب کریں۔ ان کا قیامت پر یقین نہیں ہے اس لیے یہ لوگ معاشرے میں بے حیائی پھیلاتے ہیں رسول کریم ﷺ سے بار بار سوال کرتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی اس پر آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ دلائل کے تکرار کی بجائے آپ اس موقعہ پر بس اتنا فرمائیں کہ قیامت کے برپا ہونے کا دن صرف اللہ ہی جانتا ہے، انہیں یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ تمہیں کیا خبر! کہ قیامت قریب ہی آ پہنچی ہو جس طرح منافقوں اور بے حیاؤں پر دنیا میں اللہ کی لعنت برستی ہے اسی طرح ہی ان پر قیامت کے دن پھٹکار ہوگی اور ان کے لیے جہنم کی آگ تیار کی گئی یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہاں نہ ان کے دوست کام آئیں گے اور نہ ہی ان کی کوئی مدد کرنے والا ہوگا۔

قیامت قریب آ چکی ہے یہ زمین و آسمانوں پر بھاری ہوگی:

{ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝١ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ

اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ } (الانبیاء:١،٢)

”لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا ہے اور وہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو نصیحت آتی ہے اس کو مشکل سے سنتے ہیں اور کھیل کود میں پڑے رہتے ہیں۔“

{ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ } (الاعراف:١٨٧)

”آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ یہ کب واقع ہوگی؟ فرمادیں اس کا علم میرے رب کے پاس ہے اسے اس کے وقت پر اس کے سوا کوئی ظاہر نہیں کرے گا وہ آسمانوں اور زمین پر بھاری ہوگئی ہے اور تم پر اچانک آئے گی۔“

جہنم کی آگ:

{ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ } (الھمزہ:٩) ”لمبے لمبے ستونوں میں۔“

{ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ } (المرسلات:٣٣) ”گویا کہ وہ طاقتور اونٹ ہیں۔“

مسائل

١۔ منافقین کو قیامت کے قائم ہونے پر یقین نہیں۔ ٢۔ قیامت ہر صورت برپا ہو کر رہے گی۔

٣۔ قیامت کے منکروں پر اللہ کی لعنت برستی ہے۔ ٤۔ منکرینِ قیامت کے لیے جہنم کی آگ بھڑکائی جا چکی ہے۔

٥۔ جہنم میں ان کا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے برپا ہونے کے دلائل:

١۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سوال کرے گا کہ آج کس کی بادشاہی ہے؟۔(المومن:١٦)

٢۔ قیامت کے دن اللہ ہی کی بادشاہی ہوگی۔(الفرقان:٢٦)

٣۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کو دوبارہ لوٹائے گا تاکہ نیک و بد کو جزا و سزا مل سکے۔(یونس:٤)

٤۔ اللہ تعالیٰ کا قیامت قائم کرنے کا وعدہ برحق ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔(النحل:٣٨)

٥۔ اے لوگو! اللہ سے ڈر جاؤ بے شک قیامت کا زلزلہ بہت ہی سخت ہوگا۔(الحج:١)

٦۔ قیامت کے دن اللہ ہی فیصلے صادر فرمائے گا۔(الحج:٥٦) ٧۔ قیامت کے دن کوئی کسی کو فائدہ نہیں دے سکے گا۔(الانفطار:١٩)

يَوْمَ	تُقَلَّبُ	وُجُوْهُهُمْ	فِي	النَّارِ	يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ
جس دن	الٹ پلٹ کیے جائیں گے	ان کے چہرے	میں	آگ	وہ کہیں گے اے کاش!
اَطَعْنَا	اللّٰهَ	وَ اَطَعْنَا	الرَّسُوْلَا ۞	وَقَالُوْا	رَبَّنَآ
ہم نے اطاعت کی ہوتی	اللہ کی	اور ہم نے اطاعت کی ہوتی	رسول کی	اور وہ کہیں گے	اے ہمارے رب
اِنَّآ	اَطَعْنَا	سَادَتَنَا	وَكُبَرَآءَنَا	فَاَضَلُّوْنَا	
بے شک ہم نے	اطاعت کی	اپنے سرداروں کی	اور اپنے بڑوں کی	توانہوں نے گمراہ کیا ہمیں	
السَّبِيْلَا ۞	رَبَّنَآ	اٰتِهِمْ	ضِعْفَيْنِ	مِنَ	الْعَذَابِ
رستے سے	اے ہمارے رب!	تو دے ان کو	دُگنا	سے	عذاب
وَالْعَنْهُمْ	لَعْنًا	كَبِيْرًا ۞			
اور لعنت کر ان پر	لعنت	بہت بڑی			

ع ۵ ۱۰ ۸

”جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے اُس وقت وہ کہیں گے کہ کاش ہم نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی ہوتی۔(٦٦) وہ آہ زاریاں کرتے ہوئے کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی اور انہوں نے ہمیں سیدھے راستے سے گمراہ کر دیا۔(٦٧) اے ہمارے رب ان کو دوہرا عذاب دے اور ان پر سخت لعنت کر۔“(٦٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام : جہنمیوں کی جہنم میں حالت اور فریادیں۔

جہنمیوں کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا جہنمی جہنم کی آگ سے منہ باہر نکال کر آہ وزاریاں کرتے ہوئے کہیں گے ہائے کاش! ہم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے سرداروں اور بڑوں کی پیروی کی اور گمراہ ہوئے۔اے ہمارے رب ہماری درخواست ہے کہ ہمارے سیاسی اور مذہبی پیشواؤں کو دوگنا عذاب دیں اور ان پر بڑی سے بڑی پھٹکار کریں۔

قرآن مجید کے دوسرے مقام پر یہ وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی فریاد کے جواب میں فرمائے گا کہ تم سب کو دوگنا عذاب ہے لیکن تمہیں معلوم نہیں۔(الاحزاب:۳۸)

فہم القرآن جلد دوم سورۃ الاعراف کی آیت ۳۸ میں وضاحت موجود ہے کہ انہیں دوگنا عذاب کیوں دیا جائے گا۔کیونکہ یہ لوگ خود بھی گمراہ تھے اور اپنی اولاد اور آنے والی نسلوں کی گمراہی کا سبب بھی بنے اس لیے حکم ہوگا کہ سب کے لیے دوگنا عذاب ہے اور تم سب کے سب جہنم میں جلتے رہو گے۔اب تمہاری کوئی بھی مدد نہیں کر سکے گا یہاں تک کہ شیطان بھی انہیں کہہ

دے گا کہ آج میں تمہارا کچھ نہیں کرسکتا۔ (ابراہیم: ۲۲)

((عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ مَنْ أَحْيَا سُنَّةً مِنْ سُنَّتِي قَدْ أُمِيتَتْ بَعْدِي فَإِنَّ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلَ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةَ ضَلَالَةٍ لَا يَرْضَاهَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أَوْزَارِ النَّاسِ شَيْئًا))

(رواہ الترمذی: بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَخْذِ بِالسُّنَّةِ وَاجْتِنَابِ الْبِدَعِ [ضعیف])

''حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری سنت کو اس کے مٹ جانے کے بعد زندہ کیا اسے اس نیکی کا اجر بھی اور بعد میں عمل کرنے والوں کے برابر بھی اجر ملے گا لیکن ان کے اجر میں سے کچھ کم نہیں کیا جائے گا۔ جس نے ایسا طریقہ رائج کیا جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند نہیں اسے اس کا گناہ ہوگا اور بعد میں اس کا ارتکاب کرنے والوں کا گناہ بھی اسے ملے گا ان کے گناہوں سے کچھ کم نہیں کیا جائے گا۔''

مسائل

۱۔ جہنمی جہنم میں آہ وزاریاں کرتے ہوئے اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے۔

۲۔ جہنمی اپنے بڑوں پر پھٹکار بھیجیں گے۔ ۳۔ گناہ کرنے والوں کو اپنے اور دوسروں کے گناہوں کی بھی سزا ملے گی۔

تفسیر بالقرآن

جہنمیوں کا ایک دوسرے پر پھٹکار کرنا:

۱۔ اللہ تعالیٰ اس دن انہیں جمع کرے گا اور وہ خیال کریں گے گویا کہ وہ دنیا میں دن کی ایک گھڑی ہی ٹھہرے ہیں اور وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔ (یونس: ۴۵)

۲۔ جب سارے جہنم میں جمع ہو جائیں گے تو پچھلے پہلوں کے بارے میں کہیں گے انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ (الاعراف: ۳۸)

۳۔ تم پر اللہ کی مار تمہاری وجہ سے اس مصیبت کا ہمیں سامنا کرنا پڑا ہے۔ (ص: ۶۰)

۴۔ اے کاش آپ ظالموں کو دیکھتے جب وہ اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے کی بات کا جواب دیں گے۔ (سبا: ۳۱)

۵۔ جب وہ جہنم میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو کمزور بڑوں کو کہیں گے کہ یقیناً ہم تو تمہارے پیچھے چلنے والے تھے، تو کیا ہم سے آگ کا کچھ حصہ ہٹا سکتے ہو؟'' (المومن: ۴۷)

يٰٓاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	لَا	تَكُوْنُوْا	كَالَّذِيْنَ
اے	لوگو جو	ایمان لائے ہو	نہ	تم ہو جانا	ان لوگوں کی طرح
اٰذَوْا	مُوْسٰى	فَبَرَّاَهُ	اللّٰهُ	مِمَّا	قَالُوْا
جنہوں نے ایذا دی	موسیٰ کو	پھر اس کو بری کر دیا	اللہ نے	اس سے جو	انہوں نے کہا
	وَكَانَ	عِنْدَ	اللّٰهِ	وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾	
	اور تھا	نزدیک	اللہ کے	بڑے رتبے والا	

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو اذیت دی تھی اللہ نے ان کی کہی ہوئی باتوں سے موسیٰ کی برأت فرمائی اور موسیٰ اللہ کے ہاں بڑے معزز تھے۔'' (۶۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام : اس خطاب کا آغاز آیت ۵۳ سے ہوا تھا جس میں مسلمانوں کو تعلیم دی گئی کہ اے مسلمانو! نبی اکرم ﷺ کے ہاں بن بلائے مہمان نہ بنا کرو اس طرح مہمان بننے سے نبی ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے۔ اب اس خطاب کا اختتام مومنوں کو آداب سکھلانے پر کیا جا رہا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ اے ایمان والو! کہیں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں جیسا کردار اختیار نہ کرنا انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچائی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر کرم فرمایا انہیں ان لوگوں کی یاوہ گوئی سے بچا لیا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے ہاں بڑے وجیہہ تھے وجیہ کا معنٰی ہے جمال اور جلال رکھنے والا اور بڑی عزت کا مالک۔

((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كَانَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ يَغْتَسِلُوْنَ عُرَاةً يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ وَكَانَ مُوْسٰى علیہ السلام يَغْتَسِلُ وَحْدَهٗ فَقَالُوْا وَاللّٰهِ مَا يَمْنَعُ مُوْسٰى أَنْ يَّغْتَسِلَ مَعَنَا إِلَّا أَنَّهٗ آدَرُ فَذَهَبَ مَرَّةً يَغْتَسِلُ فَوَضَعَ ثَوْبَهٗ عَلٰى حَجَرٍ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهٖ فَخَرَجَ مُوْسٰى فِیْ إِثْرِهٖ يَقُوْلُ ثَوْبِیْ يَا حَجَرُ حَتّٰى نَظَرَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ إِلٰى مُوْسٰى فَقَالُوْا وَاللّٰهِ مَا بِمُوْسٰى مِنْ بَأْسٍ وَأَخَذَ ثَوْبَهٗ فَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا)) (رواہ البخاری: کتاب الغسل، باب من اغتسل عریانا وحدہ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: بنی اسرائیل کے لوگ ننگے نہاتے اور ایک دوسرے کو دیکھا کرتے تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام اکیلے ہی غسل کرتے تھے یہودیوں نے کہا اللہ کی قسم موسیٰ ہمارے ساتھ اس وجہ سے نہیں نہاتے کیونکہ ان کے خصیتین میں بیماری ہے۔ ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام اپنے کپڑے پتھر پر رکھ کر غسل کر رہے تھے تو پتھر کپڑے لے کر چل نکلا موسیٰ علیہ السلام پتھر کے پیچھے یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ اے پتھر! میرے

کپڑے دے دے یہاں تک کہ بنی اسرائیل کے لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو برہنہ حالت میں دیکھ کر کہا: اللہ کی قسم! موسیٰ علیہ السلام کو کوئی تکلیف نہیں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے پکڑ کر پتھر کو مارنا شروع کر دیا۔"

موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کے منفی کردار کا حوالہ دے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی سے روکا گیا ہے اور اسے کفر قرار دیا گیا ہے۔

مسلمانوں کو حکم:

{ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ }

(البقرة:۱۰۴)

"اے ایمان والو! تم "رَاعِنَا" نہ کہو بلکہ "اُنْظُرْنَا" کہو اور سنو! کافروں کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ سَبَّ نَبِيًّا قُتِلَ وَمَنْ سَبَّ اَصْحَابَهُ جُلِدَ))

(رواه الطبرانی فی الصغیر صفحہ ۲۳۶ جلد ۱ [حسن])

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو نبی کو گالی دے اسے قتل کیا جائے اور جو صحابہ کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں۔"

(تفصیل جاننے کے لیے البقرۃ آیت ۱۰۴ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو لوگوں کی ایذا سے محفوظ فرمایا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی برأت کا اہتمام کیا۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے ہی صاحبِ جمال اور کمال پیغمبر تھے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کرام علیہم السلام کے مرتبہ و مقام کی ایک جھلک:

۱۔ آدم علیہ السلام کو اللہ نے خلیفہ بنایا۔ (البقرۃ:۳۰)

۲۔ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے اپنا خلیل بنایا۔ (النّساء:۱۲۵)

۳۔ سلیمان علیہ السلام کو اللہ نے سب سے بڑا حکمران بنایا۔ (ص:۳۵)

۴۔ داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں خلیفہ بنایا۔ (ص:۲۶)

۵۔ داؤد علیہ السلام کو اللہ نے دانائی عطا فرمائی۔ (ص:۲۰) ۶۔ یعقوب علیہ السلام کو اللہ نے صبر جمیل عطا فرمایا۔ (یوسف:۸۳)

۷۔ یوسف علیہ السلام کو اللہ نے حکمرانی اور پاک دامنی عطا فرمائی۔ (یوسف:۳۱)

۸۔ ادریس علیہ السلام کو اللہ نے مقامِ علیا سے سرفراز کیا۔ (مریم:۵۷) ۹۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ العالمین ہیں۔ (الانبیاء:۱۰۷)

۱۰۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے ہم کلامی کا شرف بخشا۔ (طٰہٰ:۱۲ تا ۱۴) ۱۱۔ عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلمہ قرار دیا۔ (النّساء:۱۷۱)

يٰٓاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوا	اتَّقُوا	اللّٰهَ	وَقُوْلُوْا	قَوْلًا
اے	لوگو جو	ایمان لائے ہو	تم ڈرو	اللہ سے	اور تم کہو	بات
سَدِيْدًا ۙ﴿٧٠﴾	يُّصْلِحْ	لَكُمْ	اَعْمَالَكُمْ		وَيَغْفِرْ	لَكُمْ
سیدھی	وہ درست کر دے گا	تمہارے لیے	تمہارے عمل (جمع)		اور وہ بخش دے گا	تمہارے لیے
ذُنُوْبَكُمْ ۭ	وَمَنْ	يُّطِعِ	اللّٰهَ		وَرَسُوْلَهٗ	فَقَدْ
تمہارے گناہ	اور جو کوئی	وہ اطاعت کرے	اللہ کی		اور اس کے رسول کی	تو یقیناً
	فَازَ	فَوْزًا	عَظِيْمًا ﴿٧١﴾			
	وہ کامیاب ہوا	کامیاب ہونا	بہت بڑا			

”اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور بات ٹھیک کیا کرو۔ (٧٠) اللہ تمہارے اعمال درست کرے گا اور تمہاری غلطیوں سے درگزر فرمائے گا، جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“ (٧١)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جاری خطاب کی ابتدا میں مومنوں کو ایک دوسرے کو اذیت دینے سے منع کیا گیا ہے۔ یہاں اسی فرمان کا تتمہ ہو رہا ہے۔

اے مومنو! ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ایک دوسرے سے ہمیشہ صاف اور سیدھی بات کیا کرو۔ اگر تم صاف اور سیدھی بات کا طریقہ اپناؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے کردار کی اصلاح فرمائے گا جس کے بدلے تمہارے گناہ معاف کیے جائیں گے تمہارے رب کی طرف سے یہ کھلی اور عام دعوت ہے کہ جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ بڑی کامیابی پائے گا یہ آیات ان آیات میں شامل ہیں جنہیں نبی اکرم ﷺ خطبہ نکاح میں پڑھا کرتے تھے ان میں تین ہدایات دی گئی ہیں۔

① انسان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ ② ہمیشہ صاف اور سیدھی بات کرنی چاہیے۔

③ ہر حال میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا فرض ہے۔ اور اسی میں کامیابی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ سے ڈرنے کا حکم اور اس کے فائدے:

١۔ لوگ اللہ سے ڈرنے کے بجائے لوگوں سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ (النساء: ٧٧)

٢۔ اللہ سے خلوت میں ڈرنے والے کے لیے جنت کی خوشخبری ہے۔ (یٰسین: ١١)

٣۔ لوگوں سے ڈرنے کے بجائے اللہ سے ہی ڈرنا چاہیے۔ (آلِ عمران: ١٧٥)

(البقرہ: ١٨٩۔ الاحزاب: ٧٠۔ المائدۃ: ١٠٠۔ الحجرات: ١٠۔ النساء: ١)

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ

بلاشبہ ہم نے پیش کیا اس امانت کو پر آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں

فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا

توانہوں نے انکار کر دیا یہ کہ وہ اُٹھائیں اس کو اور وہ ڈر گئے اس سے اور اس کو اٹھالیا

الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿٧٢﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ

انسان نے یقیناً وہ ہے بڑا ظالم بہت بڑا جاہل تا کہ عذاب دے اللہ

الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ

منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو اور رجوع فرمائے اللہ

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٣﴾ ع ٩

پر مومن مردوں اور مومن عورتوں اور ہے اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا

''ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا وہ اس سے ڈر گئے، اور اُسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے مگر انسان نے اُسے اٹھا لیا، بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔(۷۲) اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے گا اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اللہ درگزر کرنے والا اور مہربانی فرمانے والا ہے۔''(۷۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس نے اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کی وہ کامیابی پائے گا اور وہی امانت کا حق ادا کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے اس امانت کو آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن انہوں نے اسے اٹھانے سے معذرت کی کیونکہ وہ احساس ذمہ داری سے ڈر گئے لیکن انسان نے اسے اٹھا لیا بے شک انسان بڑا ظالم اور جاہل ہے۔ اہلِ علم کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ "اَلْاَمَانَةَ" سے مراد خلافت کی ذمہ داریاں ہیں یہ ایسا اختیار اور ذمہ داری ہے کہ آسمانوں نے اپنی وسعت و بلندی، زمین نے اپنی جسامت اور کشادگی، پہاڑوں نے اپنی بلندیوں اور مضبوطی کے باوجود عرض کی کہ بارِ الٰہا ہم یہ اختیار لینے سے آپ کے حضور معذرت کرتے ہیں ہم تو صرف آپ کی سمع و اطاعت کرتے رہیں گے جب یہ امانت انسان کے سامنے پیش کی گئی تو اس نے کمزور ہونے کے باوجود اسے اٹھا لیا جس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں اپنی حد سے آگے بڑھنا، بلا سوچے سمجھے کئی کام کر گزرنا

اور منصب کے شوق میں ذمہ داری پر ذمہ داری اٹھانے کی حرص موجود ہے یہ جہالت اور ظلم کی ایک قسم ہے اسی سبب انسان اپنے آپ اور دوسروں پر ظلم اور جہالت کا ارتکاب کرتا ہے جب کسی کو کچھ اختیار ملتے ہیں تو وہ یہ سوچنے کی زحمت گوارہ نہیں کرتا کہ میں اس منصب کا حق ادا کرسکوں گا یا نہیں۔ بے شمار انسان منصب، شہرت، مفادات اور اختیارات کے شوق میں ذمہ داری پر ذمہ داری اٹھائے جاتے ہیں اس طرح ذمہ داری اٹھانے والا ایک طرف اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے اور دوسری طرف اپنے اقتدار اور اختیار سے تجاوز کر کے دوسروں پر ظلم ڈھاتا ہے اور اپنے رب کا باغی بن جاتا ہے یہ انسان کی بہت جہالت اور بڑا ظلم ہے۔

جن لوگوں نے اپنے رب کے عطا کردہ اختیارات سے تجاوز یا جان بوجھ کر تساہل کیا اور جن لوگوں نے منافقت کی یا اپنے رب کی ذات اور اسکی صفات میں کسی کو شریک ٹھہرایا وہ مرد ہو یا عورت اللہ تعالیٰ انہیں سزا دے گا۔ جنہوں نے خدائی اختیارات کو امانت و دیانت اور پوری ذمہ داری کے ساتھ ادا کیا اللہ تعالیٰ ان کی کوتاہیوں کو معاف فرمائے گا کیونکہ وہ نہایت مہربانی کرنے والا ہے۔

«عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ أَلَا تَسْتَعْمِلُنِي ؟ قَالَ فَضَرَبَ بِيَدِهِ عَلَى مَنْكِبِي، ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّكَ ضَعِيفٌ، وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ، وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا، وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا» (رواہ مسلم: بَابُ كَرَاهَةِ الْإِمَارَةِ بِغَيْرِ ضَرُورَةٍ)

”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھے کوئی عہدہ نہیں دیتے؟ آپ نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر مارتے ہوئے فرمایا: اے ابوذر! یقیناً تو کمزور آدمی ہے اور یہ عہدہ امانت ہے جو بلاشبہ قیامت کے دن رسوائی اور ذلت کا باعث ہوگا سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے حق کو سوچ سمجھ کر استعمال کیا اور ذمہ داریوں کو صحیح طور پر نبھایا۔“

«عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ وَلِيَ ثَلَاثَةً لَقِيَ اللهَ مَغْلُولَةً يَمِينُهُ فَكَّهُ عَدْلُهُ أَوْ غَلَّهُ جَوْرُهُ» (مسند شامیین [ضعیف جداً])

”حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو تین افراد پر امیر مقرر کیا گیا اور اس نے عدل وانصاف کی بجائے ظلم وستم سے کام لیا تو قیامت کے دن اس کا دایاں ہاتھ بندھا ہوا ہوگا۔“

«عَنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَرَجُلَانِ مِنْ قَوْمِي فَقَالَ أَحَدُ الرَّجُلَيْنِ أَمِّرْنَا يَارَسُولَ اللهِ ﷺ وَقَالَ الْآخَرُ مِثْلَهُ فَقَالَ إِنَّا لَا نُوَلِّي هَذَا مَنْ سَأَلَهُ وَلَا مَنْ حَرَصَ عَلَيْهِ»

(رواہ البخاری: کتاب الأحکام، باب مایکرہ من الحرص علی الإمارۃ)

”حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے قبیلے کے دو آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوئے دونوں میں سے ایک نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی عہدہ دیجیے اور دوسرے نے بھی ایسا ہی مطالبہ کیا آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً ہم ایسے شخص کو عہدہ نہیں دیتے جو عہدہ طلب کرے اور نہ ہی ایسے شخص کو عہدہ دیتے ہیں جو عہدے کا حریص ہوتا ہے۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ)) (رواہ البخاری: کتاب الجمعة، باب جمعة فی القری والمدن)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر کوئی ذمہ دار ہے اور وہ اپنی ذمہ داری کا جواب دہ ہے۔''

مسائل

۱۔ اَلْاَمَانَةُ سے مراد خلافت کی ذمہ داری ہے۔

۲۔ انسان اختیارات کے بارے میں بڑا ظالم اور جاہل واقع ہوا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انسان کی فطرتی کمزوریاں:

۱۔ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔(النساء:۲۸) ۲۔ انسان جلد باز ہے۔(بنی اسرائیل:۱۱)

۳۔ انسان فطرتاً جلد باز ہے۔(الانبیاء:۳۷) ۴۔ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔(بنی اسرائیل:۱۰۰)

۵۔ یقیناً انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔(العادیات:۶) ۶۔ بے شک انسان بڑا ظالم اور ناشکرا ہے۔(ابراہیم:۳۴)

سورۃ سبا کا تعارف

سورۃ سبا مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس کا نام اس کی آیت پندرہ میں موجود ہے اس کے چھ رکوع اور چون (۵۴) آیات ہیں۔

ربطِ سورۃ: سورۃ احزاب کا اختتام اس ارشاد پر ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں، مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے گا، مومن مردوں اور مومن عورتوں کو معاف فرمائے گا کیونکہ وہ معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔ سورۃ سبا کا آغاز ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' سے ہو رہا ہے جس میں مومنوں کو کھلا اشارہ دیا ہے کہ گناہوں کی معافی پر انہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اس لیے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مِلک ہے اور ہر چیز اُسی کی تعریف کرتی ہے کیونکہ وہ حکیم اور خبیر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ حقیقت بتلانے کے بعد فرمایا ہے کہ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہو رہا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان کی طرف چڑھتا ہے اور جو کچھ اس سے اترتا ہے، زمین و آسمان کی ہر چیز اس کے تابع فرمان ہے اور وہ ہر چیز کی حرکات و سکنات سے آگاہ ہوتا ہے، سب کچھ دیکھنے اور جاننے کے باوجود لوگوں کو معاف کرتا اور ان پر مہربانی فرماتا ہے۔ اس کی مہربانی سے حقیقی اور دائمی فائدہ اُٹھانے کی بجائے لوگ کفر کرتے ہیں اور کفار کہتے ہیں کہ قیامت قائم نہیں ہوگی اور نہ ہی ہم نے کسی کے سامنے پیش ہونا ہے ان کا عقیدہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد مٹی کے ساتھ مٹی ہو جاتا ہے اور پھر اسے بنانا اور اٹھانا ناممکن ہے۔

حالانکہ قیامت کا قائم ہونا لازم ہے تاکہ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو ان کی نیکی کی جزا دے اور بُرے لوگوں کو اُن کی بُرائی کی سزا دے یہ بیان کرنے کے بعد دو عظیم پیغمبروں کے اقتدار اور اختیار کا ذکر کیا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بڑی مضبوط حکومت عطا فرمائی تھی جس پر انہوں نے اپنے رب کا شکر ادا کیا یہاں تک سلیمان علیہ السلام موت کے وقت بھی اپنے رب کے حضور دست بستہ کھڑے تھے کہ اجل نے انہیں آلیا، پھر قوم سبا کی خوشحالی اور ترقی کا ذکر فرمایا لیکن قومِ سبا اپنے رب کی شکر گزار ہونے کی بجائے ناشکری ثابت ہوئی جس کے نتیجے میں اُن کی ہر چیز تباہ کر دی گئی اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے انہیں کوئی نہ بچا سکا۔

اللہ تعالیٰ نے قومِ سبا کے ذکر کے بعد مشرکوں کو چیلنج دیا ہے کہ جنہیں تم حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہو وہ زمین و آسمانوں میں ایک ذرّہ کے مالک نہیں اور نہ ہی زمین و آسمانوں کی تخلیق میں اُن کی شراکت تھی اور نہ ہے۔ اُن کی بے بسی کا عالم یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس کے حضور کسی کی سفارش بھی نہیں کر سکتے اُن کا اپنا یہ حال ہوگا کہ وہ خوف کے مارے ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟ اس حقیقت سے آگاہ ہونے کے باوجود مشرک عقیدۂ توحید سمجھنے کے لیے تیار نہیں تو ان سے پوچھو کہ تمہارے شریکوں نے اب تک کیا پیدا کیا ہے؟

جولوگ قیامت پر یقین نہیں کرتے ان کا یہ بھی حال ہوگا کہ وہ قیامت کے دن ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے مگر اُن کا آپس میں جھگڑنا انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف عابد اور معبود، چھوٹے اور بڑے مجرم کو سوال کرے گا بلکہ ملائکہ سے بھی استفسار فرمائے گا کیا یہی لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ ملائکہ عرض پیش کریں گے۔ ہمارے رب! آپ تو ہر قسم کے شرک سے پاک ہیں درحقیقت یہ لوگ ہمارا نام لے کر جنات کی عبادت کرتے تھے اور یہ جنات کو ہی اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے۔ سورت کے آخر میں نبی علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنے مخاطبین کو کھلے الفاظ میں فرمائیں کہ تم اکیلے اکیلے یا آپس میں مل کر سوچو اور بتاؤ کہ کیا مجھے کسی قسم کا جنون ہوا ہے؟ میں تو تمہیں شدید عذاب سے ڈرانے والا ہوں ایک مرتبہ پھر سوچو کہ کیا میں اس دعوت پر تم سے کسی قسم کا مطالبہ کرتا ہوں جس بنا پر تم میری مخالفت کیے جارہے ہو۔ میرا اجر میرے رب کے ذمہ ہے اور وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے، انہیں کھلے الفاظ میں بتلائیں کہ اللہ تعالیٰ باطل پر حق کو غالب کرتا ہے اور وہ ہر صورت حق کو غالب فرمائے گا۔

اگر اس کے باوجود نہیں مانتے تو وقت آئے گا آپ دیکھیں گے کہ قیامت کے دن یہ ایمان لانے کا اظہار کریں گے مگر اس وقت انہیں ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

وہ بھاگنے کی کوشش کریں گے لیکن فی الفور گرفتار کر لیے جائیں گے وہ اپنے ایمان کا اظہار کریں گے اور یہ توقع لیے ہوئے ہوں گے شاید انہیں جہنم سے نجات مل جائے لیکن ان کے اور ان کی تمناؤں کے درمیان جہنم کی آگ حائل کر دی جائے گی جس طرح ان سے پہلے جہنمیوں کے درمیان حائل ہو چکی ہو گی کیونکہ یہ لوگ دنیا میں ایمان لانے کے بارے میں شک کا شکار رہتے تھے۔

سُوْرَةُ سَبَاٍ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعَهَا - ٦ اٰيَاتُهَا - ٥٤

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے

اَلْحَمْدُ	لِلّٰهِ	الَّذِيْ	لَهٗ	مَا	فِي	السَّمٰوٰتِ
سب تعریفیں	اللہ کے لیے ہیں	وہ ذات	اسی کے لیے ہے	جو کچھ	میں	آسمانوں
وَمَا	فِي	الْاَرْضِ	وَلَهُ	الْحَمْدُ	فِي	الْاٰخِرَةِ
اور جو کچھ	میں	زمین	اور اسی کے لیے ہیں	سب تعریفیں	میں	آخرت
وَهُوَ	الْحَكِيْمُ	الْخَبِيْرُ ١				
اور وہ	نہایت حکمت والا	خوب خبردار ہے				

”تمام تعریفیں اس ”اللہ“ کے لیے ہیں جو زمین وآسمانوں کی ہر چیز کا مالک ہے اور آخرت میں بھی اُسی کی حمد ہوگی بڑا حکمت والا اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔“ (١)

فہم القرآن

”اَلْاَحْزَابِ“ کے آخر میں فرمایا کہ منافقین اور مشرکین کو ان کے کیے کی ٹھیک ٹھیک سزا دینا اور ایمانداروں کی کمزوریوں کو معاف کرتے ہوئے ان پر اپنا کرم فرمانا اللہ کی بخشش اور مہربانی کا نتیجہ ہے۔ سورۃ سبا کا آغاز اس ارشاد سے ہو رہا ہے کہ مومنوں کو ہر حال میں اپنے رب کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

عربی زبان میں ”ال“ کا لفظ کئی معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جن میں استغراق بھی شامل ہے استغراق کا معنٰی ہے جس میں ہر چیز کا احاطہ کر لیا جائے گویا کہ ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ“ کا معنٰی یہ ہے کہ ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے۔ تعریف بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ۔ مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پھول کے حسن و جمال کی تعریف کرتا ہے تو دراصل یہ اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے کیونکہ پھول کو حسن و جمال دینے والا صرف ”اللہ“ ہے، کیونکہ جو خوبی اور صفت مخلوق میں پائی جاتی ہے حقیقت میں وہ اللہ کی عطا کردہ ہے۔ اس لیے اس کی ذات کو کوئی مانے یا نہ مانے، ہر شخص شعوری یا غیر شعوری طور پر نہ صرف اللہ تعالیٰ کو تسلیم کرتا ہے بلکہ اس کی تعریف بھی کرتا ہے فرق یہ ہے کہ شعوری طور پر اپنے رب کو مان کر اس کی تعریف کرنے والا اجر پائے گا اور جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور عادتاً اس کی تعریف کرتا ہے وہ آخرت کے اجر سے محروم ہوگا۔

حمد کے لفظ میں شکر اور تعریف دونوں کا تصور پایا جاتا ہے اس لحاظ سے یہاں الحمد کا معنٰی ہے کہ تمام تعریفات اس ”اللہ“ کے لیے ہیں جو زمین وآسمانوں کی ہر چیز کا خالق اور مالک ہے۔ دنیا میں بھی تعریف اس کے لیے ہے اور آخرت میں بھی اسی کی تعریف کی جائے گی۔ اس نے جو چیز بھی پیدا فرمائی اور جو بھی حکم دیا اس میں لاتعداد حکمتیں ہیں وہ انسان کے ایک

ایک لمحے سے واقف اور اپنی مخلوق کے تمام حالات سے ہر وقت باخبر رہتا ہے۔

حمد کی فضیلت:

«عَنْ صُهَيْبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ» (رواہ مسلم: کتاب الزہد والرقائق، باب المؤمن أمرہ کلہ خیر)

''حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کے معاملات عجیب ہیں اس کے تمام معاملات میں خیر ہے اور یہ صرف مومن کے لیے ہے اگر اسے آسانی ملتی ہے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے یہ اسکے لیے بہتر ہے اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے یہ بھی اس کے لیے بہتر ہے۔''

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ، خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ»

(رواہ البخاری: کتاب التوحید)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: دو کلمے رحمان کو بڑے پسند ہیں، زبان سے ادا کرنے میں آسان اور وزن کے لحاظ سے بھاری ہیں۔ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ"

''حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ذکر کرتے ہیں کہ پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے، ''الحمد للہ'' کے الفاظ میزان کو بھر دیتے ہیں۔'' (رواہ مسلم: باب فَضْلِ الْوُضُوءِ)

مسائل

۱۔ ہر قسم کی حمد وستائش اللہ کے لیے ہے جو زمین وآسمانوں کی ہر چیز کا مالک ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی ہر چیز حمد وثنا بیان کرتی ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں حکمت مضمر ہوتی ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتی ہے:

۱۔ تمام تعریفیں جہانوں کو پالنے والے ''رب'' کے لیے ہیں۔ (الانعام: ۴۵)

۲۔ اللہ کی حمد وثنا بیان کرنا مومنوں کی صفت ہے۔ (التوبہ: ۱۱۲) ۳۔ زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ (الحدید: ۱)

۴۔ بجلی کی کڑک اور فرشتے بھی اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں۔ (الرعد: ۱۳)

۵۔ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں۔ (بنی اسرائیل: ۴۴)

۶۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد بیان کرتے ہیں اور مومنوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ (الشوریٰ: ۵)

يَعْلَمُ	مَا يَلِجُ	فِي	الْاَرْضِ	وَمَا	يَخْرُجُ
وہ جانتا ہے	جو داخل ہوتا ہے	میں	زمین	اور جو	وہ نکلتا ہے
مِنْهَا	وَمَا	يَنْزِلُ	مِنَ	السَّمَآءِ	وَمَا	يَعْرُجُ
اس سے	اور جو	جو اترتا ہے	سے	آسمان	اور جو	چڑھتا ہے
فِيْهَا	وَهُوَ	الرَّحِيْمُ	الْغَفُوْرُ ②		
اس میں	اور وہ	نہایت رحم کرنے والا	بہت بخشنے والا ہے		

''جو زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اُترتا ہے اور جو کچھ اُس کی طرف چڑھتا ہے ہر چیز کو ''اللہ'' جانتا ہے اور وہ رحیم اور غفور ہے۔'' (٢)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کے باخبر ہونے کی انتہا۔

اس سے پہلی آیت کے ابتدائی الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات کا ذکر ہوا ہے ایک یہ کہ ہر چیز اس کی حمد وثنا میں رطب اللّسان ہے اور دوسری یہ کہ وہ ہر چیز کا مالک ہے۔ مالک کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ اپنی مملوک کی زبان کو جانتا ہو اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ کونسی چیز کہاں اور کس حالت میں ہے۔ یہاں انسان کو یہ حقیقت سمجھانے کے لیے بتلایا گیا ہے کہ ''اللہ'' وہ ہے جو سب کچھ جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ آسمان سے کیا نازل ہوتا ہے اور کیا اوپر جاتا ہے، یہ بات بتلا کر انسان کو یہ عقیدہ سمجھایا ہے کہ اے انسان جس طرح ہر چیز اپنے خالق کی حمد وشکر میں لگی ہوئی ہے تجھے بھی اپنے رب کی حمد وشکر میں رطب اللّسان رہنا چاہیے۔ اے انسان! تجھے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ تیرا رب جانتا ہے جو تو زبان سے کہتا ہے اور جو تیرے اعضاء سے صادر ہوتا ہے یہ اس کی مہربانی ہے کہ وہ تیری خطاؤں اور گناہوں کو معاف کرتا رہتا ہے کیونکہ وہ نہایت رحم فرمانے والا اور معاف کرنے والا ہے۔

{ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ⑧ } (الرعد:٨)

''اللہ جانتا ہے جو ہر مادہ اٹھائے ہوئے ہے اور رحم جو کچھ کم کرتے ہیں اور جو زیادہ کرتے ہیں اور اس کے ہاں ہر چیز کا اندازہ مقرر ہے۔''

''میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔ میں اسے ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔'' (الاعراف:١٥٦)

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو زمین سے باہر نکلتا ہے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس کی طرف چڑھتا ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ بہت رحم کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔

وَقَالَ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	لَا	تَاْتِيْنَا	السَّاعَةُ
اور کہا	ان لوگوں نے	جنہوں نے کفر کیا	نہیں	آئے گی ہم پر	قیامت
قُلْ	بَلٰى	وَرَبِّيْ	لَتَاْتِيَنَّكُمْ	عٰلِمِ	الْغَيْبِ
فرمادیجیے	کیوں نہیں	میرے رب کی قسم	وہ تم پر ضرور آئے گی	جو جاننے والا ہے	غیب کو
لَا يَعْزُبُ	عَنْهُ	مِثْقَالُ	ذَرَّةٍ	فِي	السَّمٰوٰتِ
نہیں پوشیدہ رہتی	اس سے	برابر	ذرّہ کے	میں	آسمانوں

وَلَا	فِي	الْاَرْضِ	وَلَآ	اَصْغَرُ	مِنْ ذٰلِكَ	وَلَآ	اَكْبَرُ
اور نہ	میں	زمین	اور نہ	چھوٹی	اس سے	اور نہ	بڑی

''منکرین کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی؟ فرمادیں کہ قسم ہے میرے رب کی جو عالم الغیب ہے قیامت تم پر آکر رہے گی ''اللہ'' سے کوئی ذرّہ برابر چیز نہ آسمانوں میں چھپی ہوئی ہے نہ زمین میں، نہ ذرّے سے بڑی اور نہ اُس سے چھوٹی

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح صرف ''اللہ'' ہی جانتا ہے کہ جو کچھ زمین سے نکلتا ہے اور جو اس میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اُوپر چڑھتا ہے۔ قیامت کب قائم ہوگی یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے لوگوں کو ایک وقت تک مہلت دے رکھی جس سے منکرینِ قیامت غلط فائدہ اٹھا کر اپنی ہٹ دھرمی سے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب انسان مر کر مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائے گا تو اسے کس طرح اٹھایا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ آپ انہیں اپنے رب کی قسم اٹھا کر بتلائیں کہ مجھے اپنے رب کی قسم ہے کہ قیامت ہر صورت برپا ہو کر رہے گی یہ اعلان اس رب کی طرف سے ہے جس سے زمین وآسمانوں میں ذرہ برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے وہ ہر چھوٹی، بڑی چیز کو جانتا ہے اور اس نے ہر چیز کو لوحِ محفوظ میں درج کر رکھا ہے۔ کفار کا خیال تھا اور ہے کہ آج تک کروڑوں، اربوں انسان مر کر مٹی کے ساتھ مٹی ہو چکے ہیں ان میں آگ میں جل کر مرنے والے بھی ہیں اور پانی میں ڈوب کر جان دینے والے بھی جنہیں مچھلیوں نے کھالیا ان سب کو کیسے زندہ کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سوال کے اور بھی جواب دیے ہیں۔

یہاں قیامت کے قیام کی ایک عقلی دلیل دی ہے کہ قیامت برپا کرنا اس لیے ضروری ہے تاکہ اللہ تعالیٰ صاحب کردار ایمانداروں کو بہترین جزا دے اور ان کی خطائیں معاف کرے اور ان کو بہترین نعمتوں سے نوازے۔ ان کے مقابلے میں جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشادات کو حقیر جانا اور ان کے مقابلے میں اپنے آپ کو بڑا سمجھا انہیں اذیت ناک عذاب دیا جائے گا۔

اِلَّا	فِيْ	كِتٰبٍ	مُّبِيْنٍ ﴿٣﴾	لِّيَجْزِيَ	الَّذِيْنَ
مگر	میں	کتاب	واضح	تاکہ وہ بدلہ دے	ان لوگوں کو جو
اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	اُولٰٓئِكَ	لَهُمْ	مَّغْفِرَةٌ
ایمان لائے	اورانہوں نے عمل کیے	نیک	یہی لوگ	ان کے لیے	مغفرت ہے
وَّرِزْقٌ	كَرِيْمٌ ﴿٤﴾	وَالَّذِيْنَ	سَعَوْ	فِيْٓ	اٰيٰتِنَا
اوررزق ہے	اچھا	اور جولوگ	انہوں نے کوشش کی	میں	ہماری آیات
مُعٰجِزِيْنَ	اُولٰٓئِكَ	لَهُمْ	عَذَابٌ	مِّنْ	رِّجْزٍ	اَلِيْمٌ ﴿٥﴾
عاجز کرنے والے	یہ لوگ	ان کے لیے ہے	عذاب	سے	رسوائی	دردناک

سب کچھ کھلی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔(٣) قیامت اس لیے آئے گی کہ اللہ ان لوگوں کو جزا دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان کے لیے مغفرت اور رزقِ کریم ہے۔(٤) اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو نیچا دکھانے کی کوشش کی ان کے لیے بدترین اور اذیت ناک عذاب ہوگا۔''(٥)

منکرینِ قیامت ہمیشہ سے یہی دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب انسان مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائے گا تو دوبارہ کس طرح زندہ کیا جائے گا۔قرآن مجید نے مختلف مقامات پر اس بات کی تردید اور قیامت برپا ہونے کے درجنوں ثبوت دینے کے ساتھ ساتھ انبیاء کے ذریعے اس کے عملی تجربے پیش کیے ہیں۔مثال کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں چار پرندوں کو ذبح کروانے کے بعد انہیں زندہ کرنا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے ایک مقتول کا زندہ ہو کر اپنے قاتلوں کا نام بتلانا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے ہزاروں لوگوں کو زندہ کیا جانا، حضرت عزیر علیہ السلام اور ان کا گدھا سو سال کے بعد زندہ کیے گئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کیا۔اتنے ٹھوس دلائل اور واضح حقائق پیش کرنے کے باوجود جو لوگ قیامِ قیامت کو نہیں مانتے انہیں دردناک عذاب دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ سے زمین وآسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے:

{ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٥٩﴾ } (الانعام:٥٩)

''اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں انہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی تر اور خشک دانہ نہیں مگر وہ ایک واضح کتاب میں لکھا ہوا ہے۔''

{ يٰبُنَيَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ } (لقمان:۱۶)

’’بیٹا کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو، کسی چٹان یا آسمانوں یا زمین میں کہیں چھپی ہوئی ہو اللہ تعالیٰ اُسے لے آئے گا کیونکہ وہ نہایت باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ کی قسم! قیامت ہر صورت برپا ہوگی۔ ۲۔ زمین وآسمانوں میں کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں۔

۳۔ قیامت اس لیے برپا کی جائے گی تاکہ ایمان داروں کو جزا ملے اور انکار کرنے والوں کو سزا دی جائے۔

تفسیر بالقرآن

مرنے کے بعد زندہ ہونے کے ثبوت:

۱۔ آپ فرمادیں کہ تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ (التغابن:۷)

۲۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اٹھائے گا تاکہ ان کے درمیان فیصلہ صادر فرمائے۔ (الانعام:۶۰)

۳۔ ’’اللہ‘‘ مردوں کو اٹھائے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (الانعام:۳۶)

۴۔ قیامت کے دن ’’اللہ‘‘ سب کو اٹھائے گا پھر ان کے اعمال کی انہیں خبر دے گا۔ (المجادلۃ:۶ تا ۱۸)

۵۔ موت کے بعد تمہیں ضرور اٹھایا جائے گا۔ (ھود:۷)

۶۔ یقیناً قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہیں جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں۔ (الانعام:۱۲)

۷۔ آپ فرمادیں تمہارے پہلے اور پچھلوں کو ضرور اکٹھا کیا جائے گا۔ (الواقعۃ:۴۷ تا ۵۰)

۸۔ پھر ہم تمہیں تمہاری موت کے بعد اٹھائیں گے۔ (البقرۃ:۵۶)

۹۔ جس دن تم سب کو جمع ہونے والے دن میں اللہ تعالیٰ جمع کرے گا۔ (التغابن:۹)

۱۰۔ جس دن اللہ رسولوں کو جمع کرے گا۔ (المائدۃ:۱۰۹)

۱۱۔ یہ فیصلہ کا دن ہے ہم نے تم کو اور تم سے پہلوں کو بھی جمع کرلیا ہے۔ (المرسلات:۳۸)

وَيَرَى	الَّذِيْنَ	اُوْتُوا	الْعِلْمَ	الَّذِيْٓ	اُنْزِلَ
اور دیکھتے ہیں	وہ لوگ جو	دیے گئے	علم	وہ جو	نازل کیا گیا
اِلَيْكَ	مِنْ	رَّبِّكَ	هُوَ	الْحَقَّ ۙ	وَيَهْدِيْٓ
آپ کی طرف	سے	آپ کے رب	وہ	حق ہے	اور وہ ہدایت کرتا ہے
اِلٰى	صِرَاطِ	الْعَزِيْزِ	الْحَمِيْدِ ۝		
طرف	راستے کی	نہایت غالب	لائق حمد وثنا کے		

’’اے نبی صاحبِ علم جانتے ہیں کہ جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ بالکل حق ہے اور قرآن غالب اور تعریف والے رب کا راستہ دکھاتا ہے۔‘‘(٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت برپا ہونے کے بارے میں ایک اور ثبوت۔

کسی بھی حقیقت کو جاننے کے لیے دنیا میں جو ثبوت اور دلائل پائے جاتے ہیں ان میں یہ بات ہمیشہ سے مسلّمہ رہی ہے کہ پیش آمدہ مذہبی مسئلہ کے بارے اس دور کے منصف مزاج اہلِ علم کا نقطۂ نظر کیا ہے اگر صحیح اور ٹھوس علم رکھنے والے لوگ اس بات کی تائید کریں تو سمجھ دار لوگ اسے تسلیم کر لیتے ہیں۔ جہاں تک قیامت برپا ہونے کا عقیدہ ہے اس کے بارے میں ہر دور کے دانش ور اور اہلِ علم یہ عقیدہ رکھتے ہیں اور رکھیں گے کہ قیامت ہر صورت برپا ہوگی کیونکہ عقل کا بھی یہ تقاضا ہے کہ قیامت قائم ہونی چاہیے تاکہ ہر کسی کو اس کے کیے کی جزا یا سزا مل سکے۔

قرآن مجید نے اسی فکر کی بنیاد پر منکرینِ قیامت کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اگر تمہیں قیامت کے برپا ہونے کے بارے میں شک ہے تو اپنے دور کے اہلِ علم سے استفسار کیجیے وہ یقیناً تمہیں بتلائیں گے کہ جس قرآن سے تمہیں قیامت برپا ہونے کے دلائل دیئے جاتے ہیں وہ حقیقتاً آپ کے رب کی طرف سے سچ اور حق بن کر نازل ہوا ہے قرآن کو نازل کرنے والا کائنات کی ہر چیز پر غالب اور ہر لحاظ سے تعریف کے لائق ہے۔ اور قرآن صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے۔

اہلِ علم سے مراد صحابہ ؓ اور وہ حضرات ہیں جو اہلِ کتاب کے نیک علماء ہیں اور جن پر ان کے ہم عصر اور ہم مکتب لوگ اعتماد کرتے تھے۔ عبداللہ بن سلام ؓ یہود کے ممتاز علماء میں سے تھے اور حقیقت پسند تھے جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور عبداللہ بن سلام نے آپ میں وہ نشانیاں دیکھیں جو تورات میں نبی آخر الزماں کی بتلائی گئی ہیں آپ سے چند سوالات پوچھنے کے بعد وہ اسلام لے آئے اور رسول محترم ﷺ کو یہود کی سرشت سے آگاہ کیا، جس پر یہود ان کے دشمن بن گئے بعد ازاں زنا کے ایک مقدمہ میں یہود نے تورات سے رجم کی آیت کو چھپانا چاہا تو

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی نشاندہی کر کے یہود کو شرمندہ کیا۔

(رواہ ابوداؤد: کتاب الحدود، باب فی رجم الیہودیین [صحیح])

«عَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ رَأَيْتُ قَالَ رُؤْيَا عَلَى عَهْدِ النَّبِي ﷺ فَقَصَصْتُهَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ قَال فَأَنْتَ عَلَى الإِسْلاَمِ حَتَّى تَمُوتَ» (رواہ البخاری: کتاب المناقب، باب مناقب عبداللہ بن سلام)

”قیس بن عباد بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو ایک خواب آیا جس کی تعبیر رسول اللہ ﷺ نے یہ بتلائی کہ عبداللہ بن سلام آخر دم تک اسلام پر ثابت قدم رہیں گے۔“

مسائل

١۔ ہر دور کے اہلِ علم قیامت آنے کی تصدیق کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

٢۔ اہلِ علم سے مراد وہ لوگ ہیں جو تورات، انجیل اور قرآن مجید کو تسلیم کرتے ہیں۔

٣۔ ”اللہ“ ہی ہدایت دینے والا ہے۔ ٤۔ قیامت ہر صورت قائم ہو کر رہے گی۔

تفسیر بالقرآن

”اللہ“ ہی ہدایت دینے والا ہے:

١۔ ہدایت وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت قرار دے۔(البقرۃ:١٢٠) ٢۔ ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔(القصص:٥٦)

٣۔ ”اللہ“ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔(البقرۃ:٢١٣) ٤۔ ہدایت پر چلانا انبیاء کی ذمہ داری نہیں۔(البقرۃ:٢٧٢)

٥۔ اللہ تعالیٰ کی راہنمائی کے بغیر کوئی ہدایت نہیں پا سکتا۔(الاعراف:٤٣)

٦۔ جس کو اللہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔(الرعد:٣٣)

٧۔ کسی کا ہدایت پانا اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔(الحجرات:١٧) ٨۔ جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے۔(الکہف:١٧)

٩۔ اللہ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔(البقرۃ:١٤٢) ١٠۔ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔(ابراہیم:٤)

١١۔ جسے اللہ گمراہ کر دے کوئی اسے ہدایت نہیں دے سکتا۔(الاعراف:١٨٦)

١٢۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور (ہدایت دینے والا) ہے۔(النور:٣٥)

١٣۔ اللہ ہی اندھیرے اور روشنی پیدا کرنے والا ہے۔(الانعام:١)

وَقَالَ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	هَلْ	نَدُلُّكُمْ	عَلٰى
اور کہا	ان لوگوں نے	جنہوں نے کفر کیا	کیا	ہم رہنمائی کریں تمہاری	پر
رَجُلٍ	يُّنَبِّئُكُمْ	اِذَا	مُزِّقْتُمْ	كُلَّ مُمَزَّقٍ	اِنَّكُمْ
آدمی	وہ تمہیں خبر دیتا ہے	جب	تم ریزہ، ریزہ کر دیے جاؤ گے	بالکل ریزہ، ریزہ کیے جانا	یقیناً تم
لَفِيْ	خَلْقٍ	جَدِيْدٍ ۷	اَفْتَرٰى	عَلَى	اللّٰهِ	كَذِبًا
البتہ میں	پیدائش	نئی	کیا اس نے باندھا ہے	پر	اللہ	جھوٹ
اَمْ	بِهٖ	جِنَّةٌ	بَلِ	الَّذِيْنَ	لَا	يُؤْمِنُوْنَ
یا	اس کو	جنون ہے	بلکہ	جو لوگ	نہیں	ایمان رکھتے
بِالْاٰخِرَةِ	فِي	الْعَذَابِ	وَالضَّلٰلِ	الْبَعِيْدِ ۸		
آخرت پر	میں	عذاب	اور گمراہی میں	دور والی		

''منکرینِ قیامت کہتے ہیں ہم تمہیں اس شخص کے متعلق بتائیں جو خبر دیتا ہے کہ جب تمہارے جسم کا ریزہ ریزہ ہو چکا ہو گا اس وقت تم ازسرِنو پیدا کیے جاؤ گے۔ (۷) یہ شخص اللہ کے نام پر جھوٹ بولتا ہے یا دیوانہ ہو گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے وہ عذاب میں مبتلا ہونے والے ہیں اور پرلے درجے کے گمراہ ہیں۔'' (۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منکرینِ قیامت کی سب سے بڑی دلیل اور اس کا ردّ۔

منکرینِ قیامت ہمیشہ سے یہ دلیل دیتے آئے ہیں کہ جب انسان مر کر مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائے گا تو اسے دوبارہ کس طرح زندہ کیا جائے گا۔ نبی آخر الزمان ﷺ کے سامنے یہی دلیل ایک شخص نے دی جس نے اپنے ہاتھ پر ایک مردہ انسان کی بوسیدہ ہڈی رکھ کر اسے مسلتے ہوئے کہا کہ اے محمد ﷺ اس خاک میں کون جان پیدا کرے گا؟ جس کا تفصیلی جواب سورۃ یٰس کی آخری پانچ آیات میں دیا گیا ہے لیکن پھر بھی منکرینِ قیامت لوگوں کو اپنا ہم فکر رکھنے کے لیے کہا کرتے تھے کہ ہم تمہیں ایسا شخص نہ دکھلائیں جو اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ جب تم مر کر ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو تمہیں ازسرِنو پیدا کر لیا جائے گا ہمارے خیال کے مطابق یہ شخص اللہ پر جھوٹ بولتا ہے یا پھر اسے پاگل پن کا مرض لاحق ہو چکا ہے۔

کفار کے بے ہودہ الفاظ اور پراپیگنڈہ کے جواب میں یہاں صرف اتنی بات کہی گئی ہے کہ جو لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں وہ پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہیں اور انہیں ہر صورت عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ دنیا میں ان کے لیے عذاب یہ ہے کہ بعض بھلے کام کرنے کے باوجود ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر پانے سے مایوس ہوتے

ہیں، ان کی صرف یہی سزا نہیں بلکہ آخرت کے منکر ہونے کی وجہ سے یہ موت سے بھی ڈرتے ہیں اگر ان کا مقابلہ مجاہدینِ اسلام سے ہو تو آخرت کے انکار کی وجہ سے یہ بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ جہاں تک آخرت کے عذاب کا معاملہ ہے یہ لوگ ہمیشہ جہنم میں رکھے جائیں گے۔ ایسے لوگوں کی گمراہی کو اس دور کی گمراہی کہا گیا ہے کہ انسان بنیادی طور پر دو ہی وجہ سے ہدایت کی جستجو کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا خوف اور آخرت میں اپنے اعمال کی جوابدہی کا تصور یہی دو سبب انسان کو حقیقت پر غور کرنے کے لیے مجبور کرتے ہیں۔ منکرینِ قیامت کا ذہن ان دونوں باتوں سے خالی ہوتا ہے جس وجہ سے ان کا ہدایت پانا بعید از قیاس قرار دیا گیا ہے۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوسرا صور پھونکنے کا عرصہ چالیس ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگردوں نے پوچھا چالیس دن؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں جانتا۔ انہوں نے استفسار کیا چالیس ماہ؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا میرا کوئی جواب نہیں۔ انہوں نے پھر پوچھا چالیس سال ہیں؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں یہ بھی نہیں کہتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا۔ لوگ یوں اُگیں گے جس طرح انگوری اگتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کی دُمچی کے علاوہ ہر چیز مٹی ہو جائے گی۔ قیامت کے دن اسی سے تمام اعضاء کو جوڑا جائے گا۔'' (رواہ مسلم: باب مَابَینَ النَّفۡخَتَینِ)

مسائل

۱۔ منکرینِ قیامت دنیا اور آخرت میں سزا پائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

گمراہ لوگ:

۱۔ جو ایمان کو کفر کے ساتھ بدل دے وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا۔ (البقرۃ: ۱۰۸)

۲۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ دور کی گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے۔ (النساء: ۱۱۶)

۳۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس نے کفر کیا وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ (النساء: ۱۳۶)

۴۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ گمراہ ہو گیا۔ (الاحزاب: ۳۶)

۵۔ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ مثال کے ساتھ فاسق ہی گمراہ ہوتے ہیں۔ (البقرۃ: ۲۶)

۶۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو پامال کرنے والا سیدھے راستہ سے بھٹک جاتا ہے۔ (المائدۃ: ۱۲)

۷۔ کفار سے دلی دوستی رکھنے والا سیدھی راہ سے دور چلا جاتا ہے۔ (الممتحنۃ: ۱)

۸۔ دین کے معاملات میں غلو کرنے والا سیدھی راہ سے گمراہ ہو جاتا ہے۔ (المائدۃ: ۷۷)

۹۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرانے والا سیدھے راستہ سے بھٹک جاتا ہے۔ (ابراہیم: ۳۰)

اَفَلَمْ	یَرَوْا	اِلٰی	مَا	بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ	وَمَا خَلْفَهُمْ
کیا پھر نہیں	انہوں نے دیکھا	طرف	جو	ان کے سامنے ہے	اور جو ان کے پیچھے ہے
مِّنَ	السَّمَآءِ	وَالْاَرْضِ ؕ	اِنْ	نَّشَاْ	نَخْسِفْ بِهِمُ
سے	آسمان	اور زمین	اگر	ہم چاہیں	ہم دھنسا دیں ان کو
الْاَرْضَ	اَوْ	نُسْقِطْ	عَلَیْهِمْ	كِسَفًا	مِّنَ السَّمَآءِ ؕ
زمین میں	یا	ہم گرا دیں	ان پر	ٹکڑے	سے آسمان
اِنَّ	فِیْ	ذٰلِكَ	لَاٰیَةً	لِّكُلِّ	عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۹ ع
بے شک	میں	اس	البتہ نشانی ہے	ہر کے لیے	بندے رجوع کرنے والے

ع ۹ ۷

''کیا انہوں نے آسمان اور زمین کو نہیں دیکھا جو انہیں آگے اور پیچھے سے گھیرے ہوئے ہے، ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا آسمان کا ایک ٹکڑا ان پر گرا دیں درحقیقت اس دھمکی میں ہر اُس بندے کے لیے سبق ہے جو ''اللہ'' کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔''(۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام : گمراہ لوگوں کو انتباہ۔

یہاں منکرینِ قیامت کو اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کیا یہ لوگ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ انہیں اوپر نیچے اور آگے پیچھے سے زمین و آسمان نے گھیر رکھا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے کفر کی وجہ سے انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر آسمان کا ایک ٹکرا گرا کر انہیں تہس نہس کر دے اگر یہ غور کریں تو اس انتباہ میں ان کے لیے بڑی عبرت ہے۔ لیکن اس انتباہ سے وہی لوگ متنبہ ہوتے ہیں جو اپنے رب کی طرف رجوع کرنیوالے ہیں۔

آسمان کے حوالے سے ڈراتے ہوئے انہیں بتایا ہے کہ جس آسمان کی چھت کے تلے تم اللہ تعالیٰ کی بغاوت کرتے اور اپنی موت کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرتے ہو اگر یہی تم پر ٹوٹ پڑے تو تم اس سے بچ نہیں سکتے گویا کہ تم ہر وقت مقیّد ہو اور تم کسی اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت سے باہر نہیں ہو اس لیے اس سے ڈرو اور حقائق کو تسلیم کر کے اپنے آپ کو اسکی گرفت سے بچاؤ اگر تم نصیحت حاصل کرنا چاہتے ہو۔

{ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ ۸۱ } (القصص: ۸۱)

''آخر کار ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا پھر کوئی اس کی مدد کرنے والا نہ تھا جو اللہ کے مقابلہ میں

اس کی مدد کرتا اور نہ وہ اپنی مدد آپ کر سکا۔‘‘

«عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَجُرُّ إِزَارَهٗ مِنَ الْخُيَلَاءِ خُسِفَ بِهٖ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِي الْأَرْضِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ» (رواه البخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء)

’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ایک دفعہ ایک شخص تکبر کے ساتھ چادر گھسیٹ کر چل رہا تھا تو اسے زمین میں دھنسا دیا گیا وہ قیامت تک زمین میں دھنستا جائے گا۔‘‘

مسائل

۱۔ انسان زمین وآسمان کے درمیان مقیّد ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ انسان کو زمین میں دھنسانے اور اس پر آسمان کا ٹکڑا گرانے پر قادر ہیں۔

۳۔ عبرت حاصل کرنے والے کے لیے زمین وآسمان میں بے شمار عبرت کے آثار موجود ہے۔

تفسیر بالقرآن

زمین میں دھنسائے جانا اور آسمان سے آفت آنا:

۱۔ کیا وہ لوگ بے فکر ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے؟ (النحل: ۴۵)

۲۔ اگر اللہ کا ہم پہ احسان نہ ہوتا تو ہم زمین میں دھنسا دیے جاتے۔ (القصص: ۸۲)

۳۔ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تمہیں دریا کے کنارے زمین میں دھنسا دے یا تم پر تند و تیز آندھی بھیج دے۔ (بنی اسرائیل: ۶۸)

۴۔ ان کے گناہ کی پاداش میں پکڑ لیا کسی پر تند ہوا بھیجی، کسی کو ہولناک آواز نے آلیا، کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کچھ کو غرق کر دیا۔ (العنکبوت: ۴۰)

۵۔ کیا بستیوں والے بے فکر ہو گئے ہیں کہ اللہ کا عذاب رات کے وقت اپنی لپیٹ میں لے لے اور وہ سوئے ہوئے ہوں۔ (الاعراف: ۹۵)

۶۔ جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے ان کی بستی کو الٹا دیا اور ان پر پتھروں کی بارش برسادی۔ (ھود: ۸۲)

۷۔ قومِ لوط کو ایک سخت آواز نے پکڑ لیا۔ (الحجر: ۷۳) ۸۔ قومِ لوط پر کنکر کے پتھر برسائے گئے۔ (الذاریات: ۳۳)

۹۔ ہم نے قومِ لوط پر پتھروں کی بارش نازل کی دیکھیے مجرموں کا انجام کیسے ہوا۔ (الاعراف: ۸۴)

❁❁❁

وَ لَقَدْ	اٰتَيْنَا	دَاوٗدَ	مِنَّا	فَضْلًا	يٰجِبَالُ	
اور البتہ تحقیق	ہم نے عطا کی	داؤد کو	اپنی طرف سے	فضیلت	اے پہاڑو!	
اَوِّبِيْ	مَعَهٗ	وَالطَّيْرَ	وَ اَلَنَّا	لَهُ	الْحَدِيْدَ ⑩	اَنِ
تم تسبیح دہراؤ	اس کے ساتھ	اور پرندے	اور ہم نے نرم کر دیا	اس کے لیے	لوہا	یہ کہ
اعْمَلْ	سٰبِغٰتٍ	وَّ قَدِّرْ	فِي	السَّرْدِ	وَاعْمَلُوْا	صَالِحًا
بنا تو	کشادہ	اور اندازہ کر	میں	کڑیاں ملانے	اور تم سب عمل کرو	نیک
اِنِّيْ	بِمَا	تَعْمَلُوْنَ	بَصِيْرٌ ⑪			
بے شک میں	ساتھ اس کے جو	تم کرتے ہو	خوب دیکھنے والا ہوں			

''اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑا فضل عطا کیا تھا اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو حکم دیا کہ داؤد کے ساتھ تسبیح پڑھا کریں ہم نے اس کے لیے لوہے کو نرم کر دیا۔(۱۰) اور ہدایت کی کہ زِرہیں بناؤ اور ان کے حلقے ٹھیک ٹھیک انداز سے جوڑو۔ اے آل داؤد نیک عمل کرو جو کچھ تم کرتے ہو اس کو میں یقیناً دیکھ رہا ہوں۔''(۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام : ''اللہ'' کی طرف رجوع کرنے والے بندے کے لیے زمین و آسمان میں بہت سے نشانِ عبرت ہیں ''اللہ'' کی طرف رجوع کرنے والوں میں حضرت داؤد علیہ السلام سرفہرست ہیں اس لیے اس موقعہ پر ان کا تذکرہ ضروری سمجھا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو بہت سی نعمتوں سے نوازا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام بیت اللحم کے رہنے والے قبیلہ یہودہ کے ایک نوجوان تھے فلسطینیوں کے خلاف ایک معرکے میں جالوت جیسے کڑیل اور جری دشمن کو قتل کیا جس بنا پر بنی اسرائیل میں مقبول ہوئے اور طالوت کی وفات کے بعد پہلے موجودہ الخلیل میں یہودیوں کے حکمران بنائے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد بنی اسرائیل نے مل کر ان کو اپنا بادشاہ منتخب کیا اور انہوں نے یروشلم کو فتح کر کے اسے اسرائیل کا دارالحکومت بنایا ان کوششوں سے پہلی مرتبہ ایک فلسطین میں اسلامی سلطنت قائم ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک سپاہی کے درجے سے اٹھا کر نہ صرف ملک کا حکمران بنایا بلکہ تاجِ نبوت اور زبور جیسی پُرتاثیر کتاب عطا فرمائی جس کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام زبور کی تلاوت کرتے تو نہ صرف پرندے مسحور ہو جاتے بلکہ جہاں تک ان کے پڑھنے کی آواز جاتی پہاڑ بھی جھوم اٹھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر اپنا فضل ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو حکم دے رکھا تھا کہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ مل کر اپنے رب کی تسبیح بیان کیا کرو اور ہم نے اس کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تا کہ داؤد علیہ السلام ایسی زرہیں

بنائیں جن کی کڑیاں مضبوط ہونے کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی ہوں اور پہننے والے کوکسی قسم کی الجھن محسوس نہ ہو۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ بھی حکم دیا گیا کہ اقتدار اور طاقت کے نشہ سے بچتے ہوئے صالح اعمال کرتے رہنا اور ہر دم یاد رکھنا کہ تمہارا رب تمہیں ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں کا نغمہ سرا ہونا، پرندوں کا جھوم اٹھنا اور انکے ہاتھ میں لوہے کا نرم ہوجانا، یہ ان کے معجزاتی عمل تھے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ صرف پہاڑوں اور پرندوں پر یہ کیفیت نہ ہوتی بلکہ ہر چیز پر یہی حالت طاری ہوجاتی تھی۔ (تفسیر کبیر)

«عَنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَهُ: يَا أَبَا مُوسَى لَقَدْ أُوتِيتَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ» (رواہ البخاری: کتاب فضائل القران: باب حُسْنِ الصَّوْتِ بِالقِرَاءَةِ لِلْقُرْآنِ)

"حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے ابوموسی تمہاری آواز اس قدر سریلی اور خوبصورت ہے گویا کہ تمہیں لحنِ داؤد علیہ السلام عطا کیا گیا ہے۔"

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو صنعت وحرفت میں ترقی کرنا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے لوہے میں طاقت اور برکت رکھی ہے۔

۳۔ اقتدار اور قوت حاصل ہوجانے کے بعد آدمی کو نیک اعمال سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت داؤد علیہ السلام کی خصوصیت اور قرآن مجید میں ان کا تذکرہ:

۱۔ داؤد علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ (الانعام: ۸۴)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو بادشاہت اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔ (البقرۃ: ۲۵۱)

۳۔ ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور عطا کی۔ (النساء: ۱۶۳) ۴۔ اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا۔ (ص: ۲۶)

۵۔ ہم نے داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو علم عطا فرمایا۔ (النمل: ۱۵) ۶۔ ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنے فضل سے نوازا۔ (سبا: ۱۰)

۷۔ ہم نے داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں کو حمد وثنا کے لیے مسخر کر دیا۔ (الانبیاء: ۷۹)

۸۔ ہم نے داؤد علیہ السلام کی سلطنت مضبوط کی اور انہیں فیصلہ کن خطاب کا ملکہ دیا۔ (ص: ۲۰)

وَلِسُلَیْمٰنَ	الرِّیْحَ	غُدُوُّهَا	شَهْرٌ	وَّرَوَاحُهَا	شَهْرٌ ۚ
اور سلیمان کے لیے	ہوا کو	اس کا صبح کا چلنا	ایک ماہ تھا	اور اس کا شام کا چلنا	ایک ماہ تھا
وَاَسَلْنَا	لَهٗ	عَیْنَ الْقِطْرِ ؕ	وَمِنَ	الْجِنِّ	مَنْ
اور ہم نے بہادیا	اس کے لیے	پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ	اور سے	جن	جو
یَّعْمَلُ	بَیْنَ یَدَیْهِ	بِاِذْنِ	رَبِّهٖ ؕ	وَمَنْ	یَّزِغْ
کام کرتے تھے	اس کے سامنے	حکم سے	اس کے رب	اور جو	سرکشی کرے گا
مِنْهُمْ	عَنْ	اَمْرِنَا	نُذِقْهُ	مِنْ	عَذَابِ السَّعِیْرِ ۝۱۲
ان میں سے	سے	ہمارے حکم	ہم اس کو چکھائیں گے	سے	عذاب بھڑکتی آگ کے

”اور ہم نے ہوا کو سلیمان کے لیے مسخر کر دیا صبح کے وقت اس کا چلنا ایک مہینے کی مسافت تک اور شام کے وقت اس کا چلنا ایک مہینے کی مسافت تھا اور ہم نے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ اس کے لیے بہا دیا اور جن اُس کے تابع کر دیے جو اپنے رب کے حکم سے اس کے سامنے کام کرتے تھے ان میں سے جو ہمارے حکم سے سرتابی کرے گا اس کو ہم بھڑکتی ہوئی آگ کا مزہ چکھائیں گے۔“ (۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت اور اقتدار عطا فرمایا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ کے حضور یہ درخواست پیش کی۔ ”اے میرے رب! مجھے ایسا اقتدار عطا فرما کہ اس جیسا اقتدار میرے بعد کسی شخص کو حاصل نہ ہو۔“ (صٓ:۳۵)

اس دعا کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوا پر اختیار دیا کہ وہ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک دو مہینوں کی مسافت طے کر لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تانبے کا چشمہ جاری کیا اور جنات کو ان کے تابع فرمادیا۔ جو اللہ کے حکم کے مطابق ان کی خدمت میں لگے رہتے تھے اگر کوئی جن اس کی حکم عدولی کرتا تو اسے آگ کا عذاب دیا جاتا۔ ہوا پر اختیار دینے کا مفہوم بیان کرتے ہوئے مفسرین نے دو طرح کی تشریح کی ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایسی تکنیک سکھلائی گئی جس کی بنیاد پر وہ ہوا پر کنٹرول کرتے تھے اس وجہ سے ان کے بحری بیڑے ہر موسم میں اس قدر تیز رفتاری سے سمندر میں چلتے کہ وہ صبح سے شام تک اتنی منزلیں عبور کر جاتے جتنا سفر ایک سُبک رفتار گھوڑا مہینے میں طے کرتا ہے۔ گویا کہ موسم کی ناہمواری دن کی تپش اور رات کے اندھیرے ان کے بحری بیڑوں کے سامنے رکاوٹ نہیں بن سکتے تھے۔ دوسرے مفسرین کا خیال ہے کہ انہوں نے ایسا تخت تیار کیا تھا کہ

جس پر بیٹھ کر وہ صبح وشام دومہینوں کی مسافت طے کر جایا کرتے تھے جس کے بارے میں یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ضرور ایسا ہوائی جہاز تیار کیا ہوگا جسے صبح وشام اتنی مسافت عبور کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آتی تھی۔ جہاں تک ان کے لیے تانبے کا چشمہ جاری کرنے کا معاملہ ہے عین ممکن ہے کہ انہیں زمین سے معدنیات کے نکالنے کا علم اور طریقہ بھی سکھلایا گیا ہو۔ان کے ملک میں جو معدنیات کے ذخائر نکلے ان میں تانبے کی معدنیات سرفہرست تھی۔

تانبا وہ معدنی قوت ہے جو ایٹم بم میں بھی استعمال ہوتا ہے زمین سے تانبا نکالنے اور پھر اس سے مختلف قسم کی مصنوعات تیار کرنے کے لیے جنات کو ان کے تابع کر دیا گیا تھا اگر کوئی جنّ اپنی ڈیوٹی سے کوتاہی کرتا تو اسے آگ کے کوڑوں سے سزا دی جاتی آگ کے کوڑے انسانوں پر برسانا ہماری شریعت میں حرام قرار دیا گیا لیکن جنات کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے اس لیے انہیں آگ کے کوڑوں سے سزا دی جاتی تھی۔

''حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئے آپ قضائے حاجت کے لیے علیحدہ ہوئے اچانک ہمیں ایک فاختہ اور اس کے دو بچے نظر آئے ہم نے اس کے بچوں کو پکڑ لیا فاختہ نے پھڑ پھڑانا شروع کر دیا رسول اللہ ﷺ واپس آئے اور آپ نے فاختہ کو پریشان دیکھ کر پوچھا کہ اس کو اس کے بچوں کی وجہ سے کس نے پریشان کیا ہے اس کے بچوں کو چھوڑ دو۔ اسی طرح آپ ﷺ نے کچھ چیونٹیوں کو جلا ہوا دیکھ کر پوچھا کہ ان کو کس نے جلایا ہے ہم نے عرض کیا کہ ہم نے جلایا ہے۔آپ نے فرمایا: آگ کا عذاب اللہ رب العزت کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا۔''

(رواہ ابوداؤد: باب فِی کَرَاہِیَۃِ حَرْقِ الْعَدُوِّ بِالنَّارِ [صحیح])

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ نے جنات کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا۔

٣۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو تانبے کی معدنیات عطا فرمائیں۔

تفسیر بالقرآن

حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیات:

١۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو غیر معمولی بادشاہت عطا فرمائی۔ (الانبیاء: ٧٩)

٢۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو تانبے کے چشمے عطا فرمائے۔ (سبا: ١٢)

٣۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو صنعت وحرفت میں کمال عطا فرمایا۔ (سبا: ١٣)

٤۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو فہم وفراست عطا کی۔ (الانبیاء: ٧٩)

٥۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا۔ (الانبیاء: ٨١)

وَ تَمَاثِيْلَ	مِنْ مَّحَارِيْبَ	يَشَآءُ	مَا	لَهٗ	يَعْمَلُوْنَ
اور مجسمے	عالیشان عمارتوں سے	وہ چاہتا	جو	اس کے لیے	وہ بناتے تھے

دَاوٗدَ	اٰلَ	اِعْمَلُوْٓا	رّٰسِيٰتٍ	وَ قُدُوْرٍ	كَالْجَوَابِ	وَ جِفَانٍ
داؤد	اے آل	تم عمل کرو	ایک جگہ پر جمی ہوئیں	اور دیگیں	حوضوں جیسے	اور لگن

الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾	عِبَادِیَ	مِّنْ	وَ قَلِيْلٌ	شُكْرًا
شکر گزار ہیں	میرے بندوں	سے	اور بہت تھوڑے	شکر کرتے ہوئے

''سلیمان کے لیے جو کچھ وہ چاہتا محلات، تصویریں، بڑے بڑے لگن جیسے حوض اور اپنی جگہ سے نہ ہلنے والی بھاری دیگیں بناتے تھے اے آل داؤد نیک عمل اور شکر ادا کرو، میرے بندوں میں بہت کم شکر گزار ہیں۔'' (۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام : گزشتہ سے پیوستہ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جو کام جنات کرتے ان میں بڑے بڑے حفاظتی قلعے بھی تعمیر کیا کرتے تھے جن پر بہترین قسم کے نقش ونگار بنائے جاتے اور ایسی دیگیں بنائی جاتیں جنہیں ایک جگہ نصب کر کے بیک وقت ہزاروں لوگوں کا کھانا تیار کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر قسم کی خوشحالی اور عروج واقبال سے نوازتے ہوئے یہ حکم دیا اے داؤد اور اس کے گھر والو! تمہیں ان انعامات پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے، یاد رکھو! کہ اللہ کے شکر گزار بندے تھوڑے ہی ہوا کرتے ہیں۔

قلعے: قرآن مجید سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ دفاع کے طور پر وسیع قلعے تعمیر کرنے کی ابتداء حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں ہوئی۔

تَمَاثِيْلَ : ''تِمْثَالٌ'' کی جمع ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل معانی ہیں۔ ① ''تِمْثَالٌ'' عربی زبان میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی قدرتی شے کے مشابہ بنائی جائے۔ ② ''تِمْثَالٌ'' نام ہے ہر اس مصنوعی چیز کا جو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیز کے مانند بنائی گئی ہو۔ ③ ''تِمْثَالٌ'' ہر اس تصور کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کی صورت کے مماثل ہو خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان۔

طشت اور دیگیں :

حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی رعایا پر بڑے مہربان اور فیاض تھے، انہوں نے پورے ملک میں معذوروں، مسافروں اور غریبوں کے لیے ریسٹورنٹ بنائے ہوئے تھے جہاں صبح وشام بڑے بڑے عوامی دسترخوان بچھائے جاتے جن پر ہزاروں لوگ کھانا کھایا کرتے تھے۔ اس لیے کھانا پکانے کے لیے غیر معمولی قسم کی دیگیں اور اچھے خاصے تالاب کی مانند طشت تیار کیے

جاتے تھے تا کہ لوگوں کے لیے بروقت اور وافر کھانا تیار ہو سکے اور وہ پوری آزادی کے ساتھ کھا سکیں۔

تصویر کشی حرام ہے:

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ قَتَلَهُ نَبِيٌّ أَوْ قَتَلَ نَبِيًّا وَإِمَامُ ضَلَالَةٍ وَمُمَثِّلٌ مِنَ الْمُمَثِّلِيْنَ»

(مسند احمد: باب مسند عبداللہ بن مسعود [حسن])

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سخت ترین عذاب اس شخص کو ہوگا جس کو نبی نے قتل کیا یا اس نے نبی کو قتل کیا اور گمراہ امام اور تصویریں بنانے والے کو عذاب ہوگا۔“

«عَنْ أَبِي الْهَيَّاجِ الْأَسَدِيِّ قَالَ قَالَ لِي عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ أَلَا أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ»

(رواہ مسلم: کتاب الجنائز)

”ابوالھیاج اسدی کہتے ہیں مجھے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میں تجھے اس کام پر نہ بھیجوں؟ جس پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا جاؤ ہر تصویر کو مٹا دو اور جو اونچی قبر نظر آئے اسے برابر کر دو۔“

کون سی تصویر جائز ہے؟

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ يَجْعَلُ لَهُ بِكُلِّ صُوْرَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسًا فَتُعَذِّبُهُ فِي جَهَنَّمَ وَقَالَ إِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَاصْنَعِ الشَّجَرَ وَمَا لَا نَفْسَ لَهُ» (رواہ مسلم: باب لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُوْرَةٌ)

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہر تصویر بنانے والا آگ میں جلے گا ہر تصویر کو ایک نفس کی شکل دی جائے گی اور تصویر بنانے والے کو اس کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اگر تو ضرور تصویر بنانا چاہتا ہے تو درخت یا اس چیز کی تصویر بنا جس میں جان نہ ہو۔“

مسائل

۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جنات بڑے بڑے قلعے، طشت اور دیگیں تیار کیا کرتے تھے۔

۲۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی رعایا پر بڑے مہربان اور فیاض تھے۔

۳۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے اہل و عیال اپنے رب کا شکر ادا کرنے والے تھے۔

فَلَمَّا	قَضَيْنَا	عَلَيْهِ	الْمَوْتَ	مَا	دَلَّهُمْ	عَلٰى
پھر جب	ہم نے فیصلہ کر دیا	اس پر	موت کا	نہیں	بتلائی ان کو	پر
مَوْتِهٖٓ	اِلَّا	دَآبَّةُ الْاَرْضِ	تَاْكُلُ	مِنْسَاَتَهٗ ۚ	فَلَمَّا	
اس کی موت	مگر	زمین کا کیڑا	وہ کھا رہا تھا	اس کی لاٹھی	پھر جب	
خَرَّ	تَبَيَّنَتِ	الْجِنُّ	اَنْ	لَّوْ	كَانُوْا	يَعْلَمُوْنَ
وہ گر پڑا	جان لیا	جنوں نے	یہ کہ	اگر	وہ ہوتے	وہ جانتے
الْغَيْبَ	مَا	لَبِثُوْا	فِي	الْعَذَابِ	الْمُهِيْنِ ۝۱۴	
غیب	نہ	وہ پڑے رہتے	میں	عذاب	ذلیل کرنے والے	

''پھر ہم نے سلیمان کی موت کا فیصلہ کیا جنوں کو اس کی موت کی خبر دینے والی گھن کے سوا کوئی چیز نہ تھی جو اس کے عصا کو کھا رہا تھا۔ جب سلیمان گر پڑا تو جنوں پر یہ بات واضح ہوئی کہ اگر وہ غیب کے جاننے والے ہوتے تو ذلت آمیز عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔'' (۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام : دنیا کے عظیم حکمران اور اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا واقعہ۔

دنیا میں جو شخص آیا ہے اسے بالآخر یہاں سے جانا ہے بے شک وہ بادشاہ ہو یا فقیر، نیک ہو یا بد یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب پیغمبر بھی دنیا سے کوچ کر گئے مفسرین نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری دور میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر شروع کروائی جسے یہودی ہیکل سلیمانی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مسجد اقصیٰ کی تعمیر جاری تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتلایا گیا کہ آپ کی موت کا وقت قریب آپہنچا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام حجرے میں جا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو گئے طویل قیام کے لیے لاٹھی کے سہارے پر کھڑے تھے کہ ان کی روح قبض کر لی گئی جس کے متعلق بتلایا جا رہا ہے کہ جب ہم نے ان کی موت کا فیصلہ کیا یعنی حضرت سیمان علیہ السلام فوت ہو گئے تو فوت ہونے کے باوجود جنات کو انکی موت کی خبر نہ ہو پائی وہ اسی طرح ہی تعمیر اور مشکل کاموں میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ جس لاٹھی کے سہارے پر کھڑے ہو کر سلیمان علیہ السلام عبادت کر رہے تھے اسے دیمک نے چاٹ لیا اور حضرت کا جسد اطہر زمین پر گر پڑا۔ اب جنوں کو پتہ چلا کہ ہمارا بادشاہ تو فوت ہو چکا ہے۔ جنات کی فطرت کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ اگر جنّات کو پہلے سے معلوم ہو جاتا تو وہ کبھی بھی مشکل کام میں مصروف نہ رہتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ جنات بھی غیب نہیں جانتے۔ سلیمان علیہ السلام کا وجودِ اطہر کتنا عرصہ جوں کا توں کھڑا رہا اسکے بارے میں غیر مستند حوالوں سے لکھا گیا ہے کہ انکا وجود چار مہینے یا ایک سال تک کھڑا رہا (واللہ اعلم) جس میں اللہ تعالیٰ کی یہ بھی حکمت تھی

کہ مسجد اقصیٰ کی تکمیل ہو جائے۔

((عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا قَالَتْ لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَدِينَةَ وُعِكَ أَبُو بَكْرٍ وَبِلَالٌ رضی اللہ عنہما قَالَت فَدَخَلْتُ عَلَيْهِمَا فَقُلْتُ يَا أَبَتِ كَيْفَ تَجِدُكَ وَيَا بِلَالُ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَتْ فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ إِذَا أَخَذَتْهُ الْحُمَّى يَقُولُ كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ وَالْمَوْتُ أَدْنَى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ)) (رواه البخاری: باب ما جاء في وباء المدينة)

''ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی ﷺ مدینہ آئے تو حضرت ابوبکر اور بلال رضی اللہ عنہما کو شدید بخار ہو گیا حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں ان کے ہاں گئی اور ان کی تیمارداری کی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہر انسان اپنے گھر میں صبح کرتا ہے اور موت جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔''

((عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَّ النَّبِيُّ ﷺ خَطًّا مُرَبَّعًا، وَخَطَّ خَطًّا فِي الْوَسَطِ خَارِجًا مِنْهُ، وَخَطَّ خُطُطًا صِغَارًا إِلَى هَذَا الَّذِي فِي الْوَسَطِ، مِنْ جَانِبِهِ الَّذِي فِي الْوَسَطِ وَقَالَ هَذَا الإِنْسَانُ، وَهَذَا أَجَلُهُ مُحِيطٌ بِهِ أَوْ قَدْ أَحَاطَ بِهِ وَهَذَا الَّذِي هُوَ خَارِجٌ أَمَلُهُ، وَهَذِهِ الْخُطُطُ الصِّغَارُ الأَعْرَاضُ، فَإِنْ أَخْطَأَهُ هَذَا نَهَشَهُ هَذَا، وَإِنْ أَخْطَأَهُ هَذَا نَهَشَهُ هَذَا))

(رواه البخاری: باب في الأمل وطوله)

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے چوکور خط کھینچا اور ایک خط اُس کے درمیان میں سے کھینچا جو چوکور خط سے باہر نکلا ہوا تھا اور اُس کے ارد گرد چھوٹے چھوٹے اور خط کھینچے آپ نے فرمایا: درمیان والا خط انسان ہے اور چاروں طرف سے اُس کی اجل اُسے گھیرے ہوئے ہے اور یہ جو خط باہر نکل رہا ہے یہ اُس کی حرص ہے اور جو چھوٹے چھوٹے خطوط ہیں یہ اُس کی خواہشات ہیں اگر ایک سے بچتا تو دوسری خواہش اس کا دامن تھام لیتی ہے۔''

مسائل

۱۔ موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے کوئی بچ پایا اور نہ بچ پائے گا۔ ۲۔ جنات غیب نہیں جانتے۔

تفسیر بالقرآن

موت ہر ذی روح کا مقدر ہے:

۱۔ ہر شے فنا ہو جائے گی۔ (الرحمٰن: ۲۶، القصص: ۸۸) ۲۔ قلعہ بند ہونے کے باوجود موت کسی کو نہیں چھوڑتی۔ (النساء: ۷۸)

۳۔ موت کی جگہ اور وقت مقرر ہے۔ (الاعراف: ۳۴) ۴۔ سب کو موت آنی ہے۔ (الانبیاء: ۳۵)

۵۔ پہلے انبیاء فوت ہوئے۔ (آل عمران: ۱۴۴) ۶۔ رسول اللہ ﷺ بھی موت سے ہمکنار ہوئے۔ (الزمر: ۳۰)

لَقَدۡ	كَانَ	لِسَبَاٍ	فِىۡ	مَسۡكَنِهِمۡ	اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ
البتہ تحقیق	تھی	سبا کے لیے	میں	ان کی بستی	ایک نشانی / دو باغ
عَنۡ	يَّمِيۡنٍ	وَّشِمَالٍ ؕ	كُلُوۡا	مِنۡ	رِّزۡقِ رَبِّكُمۡ
طرف سے	دائیں	اور بائیں	تم کھاؤ	سے	رزق / اپنے رب کے
وَاشۡكُرُوۡا	لَهٗ ؕ	بَلۡدَةٌ	طَيِّبَةٌ	وَّرَبٌّ	
اور تم شکر کرو	اس کے لیے	شہر ہے	پاکیزہ	اور رب ہے	
غَفُوۡرٌ ﴿۱۵﴾	فَاَعۡرَضُوۡا	فَاَرۡسَلۡنَا	عَلَيۡهِمۡ	سَيۡلَ	الۡعَرِمِ
بڑا بخشنے والا	پھر انہوں نے اعراض کیا	تو ہم نے بھیج دیا	ان پر	سیلاب	بند

"سبا کیلئے اُن کے اپنے مسکن ہی میں ایک نشانی موجود تھی دو باغ دائیں اور بائیں تھے اپنے رب کا رزق کھاؤ اور شکر بجالاؤ اسی کیلئے عمدہ و پاکیزہ شہر اور پروردگار ہے بخشش فرمانے والا۔ (۱۵) مگر وہ منہ موڑ گئے آخر کار ہم نے اُن پر بند توڑ سیلاب بھیج دیا

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت سلیمان علیہ السلام بے پناہ وسائل کے حامل، زبردست حکمران اور انتہائی ترقی یافتہ مملکت کے سربراہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے تھے یہاں تک کہ موت کے وقت بھی اپنے رب کا شکر کرنے میں مشغول تھے ان کے بعد ایک نافرمان ترقی یافتہ قوم کا کردار۔

قومِ سبا کا علاقہ موجودہ یمن کی سرزمین تھی سبا ایک شخص کا نام تھا جس کے دس بیٹے تھے اس سے دس قبیلے معرضِ وجود میں آئے اس قوم کے عروج وزوال کا دور صدیوں پر محیط ہے، ایک وقت تھا کہ اقتدار اور اختیار اور تہذیب وتمدن کے حوالے سے اس قوم کا طوطی بولتا تھا اور روم اور یونان کی تہذیبیں ان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھیں اس قوم کا آب پاشی کا نظام نہایت ہی مربوط اور منظم تھا اس قوم نے بارش کا پانی ذخیرہ کرنے کے لیے بند بنار کھے تھے، ان کا دار الخلافہ مآرب تھا۔ سب سے مضبوط بند اسی جگہ تعمیر کیا گیا جو سدِ مآرب کے نام سے معروف تھا ان کی مملکت میں اکثر راستوں کے دونوں طرف باغات کا لامتناہی سلسلہ پھیلا ہوا تھا سفر کرنے والے کو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ باغات کی سیر کررہا ہے۔

آبپاشی کا نظام اور قوم کی مسلسل محنت کی وجہ سے ہزاروں میلوں پر پھیلا ہوا علاقہ حسن وجمال کا پیکر دکھائی دیتا تھا اس ملک کی فصلوں میں انگور، کھجور، دارچینی اور بخارات کے درخت کثرت سے پائے جاتے تھے صبح اور شام کے وقت باغات کی بھینی بھینی خوشبو پورے علاقے کو معطر کر دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو "بَلۡدَةٌ طَيِّبَةٌ" قرار دیا ہے، رزق کی فراوانی اور وسائل کی بہتات کی وجہ سے یہاں کے لوگ عیش وعشرت کی زندگی میں اس قدر مست ہوئے کہ انہوں نے خالقِ حقیقی کو اس

وَّ اَثْلٍ	ذَوَاتَىْ اُكُلٍ خَمْطٍ	جَنَّتَيْنِ	بِجَنَّتَيْهِمْ	وَ بَدَّلْنٰهُمْ
اور کچھ جھاؤ کے درخت	کسیلے میوے والے	دو باغ	ان کے دو باغوں کے عوض	اور ہم نے بدلے میں دیے ان کو

جَزَيْنٰهُمْ	ذٰلِكَ	قَلِيْلٍ ⑯	سِدْرٍ	مِّنْ	وَّ شَيْءٍ
ہم نے سزا دی ان کو	یہ	تھوڑے	بیری	سے	اور کچھ

الْكَفُوْرَ ⑰	اِلَّا	نُجٰزِيْٓ	وَهَلْ	كَفَرُوْا	بِمَا
ناشکرے کو	مگر	ہم سزا دیتے	اور نہیں	انہوں نے کفر کیا	بہ سبب اس کے جو

اور ان کے پچھلے دو باغوں کی جگہ دو اور باغ انہیں دیے جن میں کڑوے کسیلے پھل اور جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ تھوڑی سی بیریاں۔(۱۶) یہ ان کے کفر کا بدلہ تھا جو اُن کو ہم نے دیا اور ناشکرے انسان کے سوا ایسا بدلہ ہم اور کسی کو نہیں دیتے۔" (۱۷)

طرح فراموش کر دیا جیسے ان کا کوئی خالق ہی نہ ہو۔ اہل علم نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث کیا مگر اس قوم نے فخر وغرور کی بناء پر انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کو مسترد کر دیا۔ جس مآرب نامی مضبوط ڈیم پر قوم فخر کرتی اور اس کے بل بوتے پر ترقی کر رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر بارشوں کا ایسا سلسلہ جاری کیا کہ ڈیم پانی کو برداشت نہ کر سکا اور وہ اس طرح پھٹ پڑا جیسے خربوزہ پھٹ جاتا ہے، اوپر سے بارشیں اور نیچے سے بند ٹوٹنے کی وجہ سے اس قدر تباہ کن سیلاب آیا کہ جس کا قوم تصور بھی نہیں کر سکتی تھی فصلیں تباہ ہو گئیں ملک کا وسیع علاقہ ریت اور بھل کی وجہ سے دلدل بن گیا اور آبپاشی کا نظام درہم برہم ہو گیا، بڑے بڑے محلات میں ناقابل مرمت دراڑیں واقع ہو گئیں جن کی تعمیر نو کی کوئی صورت کارگر ثابت نہ ہوئی جس سرزمین پر باغات مہکتے تھے اور فصلیں لہلہایا کرتی تھیں وہاں خاردار جھاڑیاں اور اس طرح کی جڑی بوٹیاں پیدا ہوئیں کہ ملک ایک بھیانک جنگل کا منظر پیش کرنے لگا خاردار جھاڑیوں میں کہیں کہیں خودرو بیریوں کے درخت اُگ پڑے۔ ان بیروں پر یہ قوم ایک عرصہ تک اپنا پیٹ بھرنے پر مجبور ہوئی۔

جو ملک اپنی ترقی کے حوالے سے دوسری اقوام کے لیے ایک نمونہ تھا وہی عبرت کا مجسمہ بنا جس کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ قوم سبا کو یہ سزا ان کی ناشکری کی وجہ سے دی گئی جو صرف ان کے لیے مخصوص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہر ناشکرے کو ایسی ہی سزا دیا کرتا ہے۔

«عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى الْمِنْبَرِ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ الْقَلِيلَ لَمْ يَشْكُرِ الْكَثِيرَ وَمَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَالتَّحَدُّثُ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ شُكْرٌ وَتَرْكُهَا كُفْرٌ وَالْجَمَاعَةُ رَحْمَةٌ وَالْفُرْقَةُ عَذَابٌ» (رواہ احمد: مسند نعمان بن بشیر [حسن صحیح])

"حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا: جس نے

چھوٹی نعمت پر اللہ کا شکر ادا نہ کیا وہ بڑی نعمت پر شکر ادا نہیں کر سکتا اور جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرنا اس کا شکر کرنے کے مترادف ہے اور جس نے ان نعمتوں کو استعمال نہ کیا گویا اس نے ناشکری کی جماعت اللہ کی رحمت کا باعث ہے اور تفرقہ بازی اللہ کا عذاب ہے۔''

نبی کریم ﷺ کی شکر کی دعا:

«اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ» (رواہ ابو داؤد: کتاب الصلاۃ [صحیح])

''الٰہی! اپنے ذکر، شکر اور اچھی طرح عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔''

مسائل

۱۔ قومِ سبا کو ان کی ناشکری کی وجہ سے تباہ کر دیا گیا۔ ۲۔ قومِ سبا کا بڑا ڈیم ہی ان کی تباہی کا سبب ثابت ہوئے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ناشکرے لوگوں کو دنیا اور آخرت میں سزا دے گا۔

تفسیر بالقرآن

ناشکری اور کفر کے نقصانات:

۱۔ اگر تم اس کی ناشکری کرو گے تو اللہ تعالیٰ غنی اور لائقِ تعریف ہے۔ (ابراہیم: ۸)

۲۔ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اگر ناشکری کرو تو اس کا عذاب بڑا سخت ہے۔ (ابراہیم: ۷)

۳۔ اللہ تمہیں عذاب نہیں دے گا اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ۔ (النساء: ۱۴۷)

۴۔ بستی والوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان پر بھوک اور خوف مسلّط کر دیا۔ (النحل: ۱۱۲)

۵۔ جو شخص شکر کرتا ہے اس کا فائدہ اسی کو ہے اور جو ناشکری کرتا ہے میرا رب اس سے بے پرواہ ہے۔ (النمل: ۴۰)

۶۔ اگر انسان پر اس کے کرتوتوں کی وجہ سے مصیبت آجائے تو ناشکری کرتا ہے۔ (الشوریٰ: ۴۸)

۷۔ بے شک انسان بڑا ہی ظالم اور ناشکرا ہے۔ (ابراہیم: ۳۴) ۸۔ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۱۰۰)

۹۔ اللہ تعالیٰ انسانوں پر فضل فرماتا ہے لیکن ان کی اکثریت شکر ادا نہیں کرتی۔ (یونس: ۶۰)

۱۰۔ اگر انسان کو اللہ رحمت دے کر چھین لے تو یہ مایوس اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔ (ہود: ۹)

وَجَعَلْنَا	بَيْنَهُمْ	وَبَيْنَ	الْقُرَى	الَّتِي	بٰرَكْنَا
اور ہم نے بنادیں	ان کے درمیان	اور درمیان	بستیوں کے	جو	ہم نے برکت رکھی تھی
فِيهَا	قُرًى	ظَاهِرَةً	وَّقَدَّرْنَا	فِيهَا	السَّيْرَ
اس میں	کچھ بستیاں	ظاہر	اور ہم نے مقرر کر دیا	اس میں	چلنے کو
سِيرُوْا	فِيهَا	لَيَالِيَ	وَاَيَّامًا	اٰمِنِيْنَ ⑱	
تم چلو	اس میں	راتوں	اور دن کو	امن سے	

’’اور ہم نے اُن کے اور اُن بستیوں کے درمیان جنہیں ہم نے برکت عطا کی تھی، نمایاں اور بستیاں بسا دیں اور اُن میں سفر کی مسافتیں ایک اندازے پر رکھ دی تھیں کہ ان راستوں پر تم رات دن پورے امن کے ساتھ چلو پھرو۔(۱۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام : قوم سبا کا تمدّن۔

قومِ سبا اپنے دور میں نظامِ آبپاشی اور زراعت میں ہی خود کفیل اور ترقی یافتہ نہ تھی بلکہ تہذیب وتمدّن کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ اور باکمال تھی۔ اس کے اکثر شہر اور بستیاں شاہراؤں پر واقع تھے جس سے سفر آسان، محفوظ اور مسافروں کو کھانے پینے اور قیام میں کوئی دقت پیش نہیں آیا کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تعمیر وترقی کی ایسی صلاحیتیں عطا فرمائیں تھیں جنہیں بروئے کار لاتے ہوئے انہوں نے ٹھیک منصوبہ بندی کے ساتھ تعمیراتی کام کیے اور شہروں کے بہترین نقشے بنائے جس سے عوام کو ہر قسم کی سہولت میسر تھی عوام پُرسکون اور عیش کی زندگی بسر کر رہے تھے، چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ پُرسکون زندگی اور ملک کی ترقی پر اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہوتے لیکن انہوں نے شکر کی بجائے ناشکری کا رویہ اختیار کیا اور اس قدر بغاوت کی اور کہنے لگے اے ہمارے رب! ہمارے شہروں کے درمیان مسافت پیدا کر دے۔

اس طرح انہوں نے آبادی کی کثرت اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اپنے لیے بوجھ جانا اور انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی ترقی اور خوشحالی کو ان کے لیے وبال بنایا اور شدید سیلاب کے ذریعے انہیں تہس نہس کر دیا جو طویل عرصہ تک اپنے بعد آنیوالی اقوام کے لیے عبرت کا باعث بن گئے۔ قومِ سبا کی تاریخ اور آثار اس شخص کے لیے سامانِ عبرت ہیں جو مشکلات پر صبر اور خوشحالی پر اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے۔

ضروری نہیں ہے کہ انہوں نے زبان ہی سے یہ دعا کی ہو کہ ’’اللہ‘‘ ہماری بستیوں کو ایک دوسرے سے دور کر دے دراصل جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے وہ زبانِ حال اور اپنے بُرے کردار کے ذریعے یہ ثابت کرتا ہے کہ الٰہی میں ان نعمتوں کا مستحق نہیں ہوں۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل نے من وسلویٰ کے بارے میں اکتاہٹ کا اظہار کیا اور پیاز وغیرہ کا مطالبہ کیا تھا اسی طرح ہی قومِ سبا نے یہ مطالبہ کیا تھا یا پھر وہ تکبر کے طور پر کہنے لگے کہ ہمارے باغات تباہ

فَقَالُوْا	رَبَّنَا	بٰعِدْ	بَيْنَ	اَسْفَارِنَا	وَظَلَمُوْٓا	
پس انہوں نے کہا	اے ہمارے رب!	دوری پیدا کردے	درمیان	ہمارے سفر کے	اور انہوں نے ظلم	
اَنْفُسَهُمْ	فَجَعَلْنٰهُمْ	اَحَادِيْثَ	وَمَزَّقْنٰهُمْ	كُلَّ مُمَزَّقٍ		
اپنے آپ پر	ہم نے انہیں بنادیا	افسانے	اور ہم نے ٹکڑے ٹکڑے کردیا ان کو	پوری طرح ٹکڑے ٹکڑے کرنا		
اِنَّ	فِيْ ذٰلِكَ	لَاٰيٰتٍ	لِّكُلِّ	صَبَّارٍ	شَكُوْرٍ ⑲	
بلاشبہ	اس میں	البتہ نشانیاں ہیں	ہر ایک کے لئے	صبر کرنے والے	شکر کرنے والے	

مگر انہوں نے کہا اے ہمارے رب ہمارے سفر کی مسافتیں لمبی کردے انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہم نے انہیں افسانہ بنا کر رکھ دیا اور انہیں بالکل تتر بتر کرڈالا، یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لیے جو صبر اور شکر کرنے والا ہے۔"(١٩)

نہیں ہو سکتے اور ہمارے سفر مشکل نہیں تکبر کے نتیجے میں ہی ان کا سب کچھ تباہ کردیا گیا۔(اللہ اعلم)

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ سبا کو بہت سی برکات سے نوازا تھا۔

٢۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ سبا کو سفر و حضر میں ہر قسم کی سہولت عنایت فرمائی تھی۔

٣۔ قومِ سبا نے شکر کی بجائے کفر کا راستہ اختیار کیا جس وجہ سے انہیں تہس نہس کردیا گیا۔

تفسیر بالقرآن

نشاناتِ عبرت سے سبق سیکھنے والے لوگ:

١۔ حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں پوچھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔(یوسف:٧)

٢۔ انبیاء کے قصے برحق ہیں مومنین کے لیے اس میں نصیحت ہے۔(ھود:١٢٠)

٣۔ یہ قصے برحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔(آل عمران:٦٢)

٤۔ حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کے قصے میں عقل مندوں کے لیے عبرت ہے۔(یوسف:١١١)

٥۔ انبیاء کے واقعات میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے تابع داروں کے لیے تسلی کا سامان ہے۔(ھود:١٢٠)

٦۔ رات اور دن کے مختلف ہونے، آسمان سے رزق اتارنے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔(الجاثیۃ:٥)

٧۔ بے شک دن اور رات کے مختلف ہونے میں اور جو کچھ اللہ نے زمین و آسمان میں پیدا کیا ہے، اُس میں ڈرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔(یونس:٦)

وَلَقَدۡ	صَدَّقَ	عَلَيۡهِمۡ	اِبۡلِيۡسُ	ظَنَّهٗ	فَاتَّبَعُوۡهُ
اور البتہ تحقیق	سچ کر دکھایا	ان پر	ابلیس نے	اپنا خیال	انہوں نے پیروی کی اس کی

اِلَّا	فَرِيۡقًا	مِّنَ	الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۰﴾	وَمَا	كَانَ	لَهٗ
سوائے	ایک فریق	سے	مومنوں	اور نہیں	تھا	اس کے لیے

عَلَيۡهِمۡ	مِّنۡ سُلۡطٰنٍ	اِلَّا	لِنَعۡلَمَ	مَنۡ	يُّؤۡمِنُ
ان پر	کوئی زور	مگر	تا کہ ہم جان لیں	کون	ایمان رکھتا ہے

بِالۡاٰخِرَةِ	مِمَّنۡ	هُوَ	مِنۡهَا	فِىۡ	شَكٍّ ؕ	وَرَبُّكَ
آخرت پر	اس سے کون	وہ	اس سے ہے	میں	شک	اور آپ کا رب

عَلٰى	كُلِّ	شَىۡءٍ	حَفِيۡظٌ ﴿۲۱﴾ ع
پر	ہر	چیز کے	خوب نگران ہے

''اُن کے معاملہ میں ابلیس نے اپنا گمان صحیح پایا اور مومنوں کی جماعت کے سوا سب نے ابلیس کی پیروی کی۔(۲۰) ابلیس کو اُن پر کوئی اختیار نہیں تھا مگر یہ اس لیے ہوا کہ ہم دیکھنا چاہتے تھے کہ کون آخرت کو ماننے والا ہے اور کون اس کے بارے میں شک میں پڑا ہوا ہے، آپ کا رب ہر چیز پر نگران ہے۔'' (۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو مصیبت پر صبر نہیں کرتا اور اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ شیطان کی بات کو سچ کر دکھاتا ہے۔ ایسے لوگوں کی ہمیشہ اکثریت رہی ہے۔

ابلیس غیب کا علم نہیں جانتا تھا لیکن وہ سمجھتا تھا کہ جن عناصر پر حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق کیا گیا ہے وہ باہم متصادم ہیں جس بنا پر آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کو گمراہ کرنا آسان ہوگا اس کے علاوہ ابلیس جنّات کو بھی دیکھ چکا تھا کہ ان کی اکثریت گمراہ ہو چکی ہے۔ ابلیس کے اسی گمان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ابلیس نے اپنے گمان کو سچ کر دکھایا کہ مومنوں کی جماعت کے علاوہ باقی سب لوگ اس کی پیروی کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایسا اختیار نہیں دیا جس سے وہ اپنی طاقت کے زور پر لوگوں کو گمراہ کر سکے شیطان کو صرف یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے جھوٹے وعدوں، مکروفریب اور برے اعمال کو فیشن کے طور پر پیش کر کے لوگوں کو گمراہ کر سکے، اسی بنیاد پر شیطان سچے اور پکے ایمان داروں کے سوا دوسرے لوگوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اتنا اختیار اس لیے دیا ہے کہ شیطان کے ذریعے امتیاز ہو سکے کہ کون شخص آخرت پر سچا اور پکا ایمان

رکھتا ہے اور کون آخرت کے بارے میں شک کا شکار ہوتا ہے۔ اے پیغمبر ﷺ! آپ کا رب ہر چیز پر نگران ہے۔ آخرت پر ایمان کا اس لیے حوالہ دیا ہے کہ آخرت پر یقین رکھنے والا شخص بالآخر سیدھے راستے پر آجاتا ہے کیونکہ اسے احساس ہوتا ہے کہ میں نے اپنے اعمال کا اپنے رب کے حضور جواب دینا ہے۔

نگران کی صفت بیان فرما کر یہ واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا محافظ اور نگہبان ہے یعنی اس سے کوئی بات اور چیز پوشیدہ نہیں لیکن اس کے باوجود لوگوں کی آزمائش کرنے اور مومنوں سے گمراہوں کو جدا کرنے کے لیے اس نے شیطان کو ایک حد تک اختیار دے رکھا ہے جس بنا پر وہ ایسے لوگوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے جن کا آخرت پر سچا اور پکا ایمان نہیں ہوتا۔ جس آدمی کا جس قدر آخرت کی جوابدہی کے بارے میں سچا اور پکا ایمان ہوگا وہ اسی قدر ہی شیطان کے پھندوں سے محفوظ رہے گا کیونکہ شیطان کو اس طرح کا اختیار اور غلبہ نہیں دیا گیا کہ جس بنا پر وہ لوگوں کو گمراہ کر سکے اس لیے قیامت کے دن جہنمیوں کے سامنے شیطان اپنے بارے میں اس بات کا اظہار کرے گا کہ جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا تھا وہ سچ تھا اور جو وعدہ میں تمہارے ساتھ کیا کرتا تھا وہ جھوٹا تھا اور میرا تم پر کوئی زور نہ تھا بس میں نے تمہیں گمراہی کی دعوت دی جسے تم نے قبول کر لیا اب مجھے ملامت کرنے کی بجائے اپنے آپ کو ملامت کرو نہ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں اور نہ ہی تم میری مدد کر سکتے ہو۔ دنیا میں جو تم مجھے اللہ کا شریک بناتے رہے ہو میں اس کا انکار کرتا ہوں یقیناً ظالموں کے لے اذیت ناک عذاب ہے (ابراہیم: ۲۲)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ہر وعدہ سچا ہے اور شیطان کے تمام وعدے جھوٹے ہیں۔

۲۔ قیامت کے دن شیطان لوگوں کے ہر قسم کے شرک سے انکار کر دے گا۔

۳۔ انسان کو گمراہ کرنے کے لے اللہ تعالیٰ نے شیطان کو کوئی تسلّط نہیں دیا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے لیے اذیّت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا ہر وعدہ سچا ہے اور شیطان کے تمام وعدے جھوٹے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی بات سے کسی کی بات سچی نہیں ہو سکتی۔ (النساء: ۸۷) ۲۔ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (آل عمران: ۹)

۳۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے کہ تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے۔ (لقمان: ۳۳)

۴۔ جو اللہ کا وعدہ پورا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ (البقرۃ: ۴۰)

۵۔ شیطان کا وعدہ فریب ہے۔ (بنی اسرائیل: ۶۴) ۶۔ شیطان مفلسی سے ڈراتا اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۶۸)

۷۔ شیطان بُرے اعمال فیشن بنا دیتا ہے۔ (النحل: ۶۳) ۸۔ لوگو! شیطان تمہارا دشمن ہے اسے اپنا دشمن سمجھو۔ (فاطر: ۶)

قُلِ	ادْعُوا	الَّذِيْنَ	زَعَمْتُمْ	مِّنْ	دُوْنِ	اللّٰهِ ۚ	لَا
آپ فرمادیں	تم بلاؤ	ان لوگوں کو	تم نے گمان کیا	سے	سوا	اللہ کے	نہیں
يَمْلِكُوْنَ	مِثْقَالَ	ذَرَّةٍ	فِي	السَّمٰوٰتِ	وَلَا	فِي	الْاَرْضِ
وہ اختیار رکھتے	برابر	ذرّہ کے	میں	آسمانوں	اور نہ	میں	زمین
وَمَا	لَهُمْ	فِيْهِمَا	مِنْ شِرْكٍ	وَّمَا	لَهٗ		
اور نہیں	ان کے لیے	ان دونوں میں	کوئی حصہ	اور نہیں	اس کے لیے		
مِنْهُمْ	مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿٢٢﴾	وَلَا	تَنْفَعُ	الشَّفَاعَةُ			
ان سے	کوئی مددگار	اور نہیں	نفع دے گی	کوئی سفارش			

”اے نبی مشرکین سے فرمائیں کہ مشرکو! اپنے اُن معبودوں کو بلاؤ جنہیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود سمجھتے ہو، وہ زمین وآسمانوں میں ذرہ برابر چیز کے مالک نہیں نہ وہ آسمان وزمین کی ملکیت میں شریک ہیں اور نہ ہی اُن میں کوئی اللہ کا مددگار ہے۔(٢٢) اور اللہ کے حضور کوئی شفاعت بھی کسی کے لیے نافع نہیں ہوسکتی۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: شیطان کا سب سے بڑا حربہ یہ ہے کہ وہ انسان سے شرک کروائے، مشرک یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بزرگوں کو اپنی خدائی میں شریک کر رکھا ہے جس کی تردید کی گئی ہے۔

اے پیغمبر ﷺ! ان لوگوں کو فرمائیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے اور پکارتے ہیں کہ وہ انہیں اپنی مدد کے لیے بلائیں، انہیں معلوم ہوجائے گا کہ وہ زمین وآسمان میں ایک ذرہ کے برابر بھی کسی چیز کے مالک نہیں اور نہ ہی ان میں کسی چیز میں حصہ دار ہیں اور نہ ہی ان میں کوئی اللہ تعالیٰ کا معاون اور مددگار تھا اور ہے اور نہ ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ کی خدائی میں رائی کے دانے کے برابر بھی حصہ دار نہیں تو وہ اس کے حضور سفارش کرنے کا اختیار بھی نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور وہی سفارش کر پائے گا جسے وہ اجازت عنایت کرے گا۔ ہر دور کے مشرکوں کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کی عبادت اور ریاضت سے خوش ہوکر انہیں کچھ اختیارات دے رکھے ہیں اس لیے اگر بزرگ کسی کے حق میں سفارش کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش کو مسترد نہیں کر پاتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو ایسا اختیار نہیں دیا البتہ جن بزرگوں کو اللہ تعالیٰ سفارش کا حق دے گا وہ بھی کسی کے حق میں اتنی ہی سفارش کریں گے جتنی اللہ تعالیٰ اجازت دے گا۔

سفارش کرنے والے اور جن کے حق میں سفارش کی جائے گی وہ ڈر کے مارے بڑی آہستہ آواز اور چپکے سے وہ ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ رب ذوالجلال نے اس سفارش کا کیا جواب دیا ہے؟ سفارش کرنے والا اور جس کے حق میں

عِنْدَهٗٓ	اِلَّا	لِمَنْ	اَذِنَ	لَهٗ ؕ	حَتّٰٓى	اِذَا
اس کے پاس	سوائے	اس شخص کے لیے	اجازت دے	اسے (اللہ)	یہاں تک کہ	جب

فُزِّعَ	عَنْ	قُلُوْبِهِمْ	قَالُوْا	مَاذَا ۙ	قَالَ	
گھبراہٹ دور کردی جاتی	سے	ان کے دلوں	انہوں نے کہا	کیا	کہا	

رَبُّكُمْ ؕ	قَالُوا	الْحَقَّ ۚ	وَهُوَ	الْعَلِيُّ	الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾	
تمہارے رب نے	انہوں نے کہا	حق	اور وہ	بہت بلند	بہت بڑا ہے	

سوائے اُس شخص کے جس کے لیے اللہ نے سفارش کی اجازت دی ہو۔ حتیٰ کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوگی تو وہ سفارش کرنے والے سے پوچھیں گے کہ تمہارے رب نے کیا جواب دیا وہ کہیں گے کہ ٹھیک جواب ملا ہے اور وہی بزرگ و برتر ہے۔'' (۲۳)

سفارش کی جائے گی وہ خوف کے مارے ایک دوسرے سے کہیں گے کہ ہمارا رب جو حکم صادر فرمائے گا وہ ہر حال میں حق اور عدل پر مبنی ہوگا کیونکہ وہ ظلم کرنے سے مبرا اور ہر قسم کے شرک سے بلند و بالا ہے۔ بعض مفسرین نے اس گفتگو کو ملائکہ کی طرف منسوب کیا ہے کہ ملائکہ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہر اعتبار سے حق اور سچ ہے یہاں دونوں مفہوم لینے کی گنجائش پائی جاتی ہے۔

مسائل

۱۔ کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک اور معاون نہ تھا اور نہ ہے اور نہ ہوگا۔

۲۔ مشرک اللہ تعالیٰ کے سوا یا اس کے ساتھ جس کو پکارتے ہیں وہ ذرہ برابر بھی کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔

۳۔ مشرک جن کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور کوئی سفارش کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے حضور صرف وہی سفارش کر سکے گا جسے اللہ تعالیٰ اجازت عطا فرمائے گا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے مشرکوں کے تصورات سے بلند و بالا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش کرنے کے آداب:

۱۔ کون ہے جو اللہ کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔ (البقرۃ: ۲۵۵) ۲۔ قیامت کے دن سفارش کام نہ آئے گی۔ (البقرۃ: ۲۵۴)

۳۔ کافر اور مشرک کو کوئی سفارش فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ (المدثر: ۴۸) ۴۔ کافروں کا کوئی سفارشی نہیں ہوگا۔ (انعام: ۵۱)

۵۔ ظالموں کا کوئی دوست ہوگا اور نہ سفارشی۔ (المومن: ۱۸) ۶۔ بزرگ اور سردار بھی سفارش نہیں کریں گے۔ (الروم: ۱۳)

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ

پوچھیں کون تم کورزق دیتا ہے سے آسمانوں اورزمین فرمادیجیے

اللّٰهُ ۙ وَ اِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ

اللہ اور بلاشبہ ہم یا تم البتہ ہدایت پر ہیں یا میں

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا

گمراہی واضح فرمادیجیے نہیں تم پوچھے جاؤ گے اس کی بابت جو ہم نے جرم کیا

وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا

اور نہ ہم پوچھے جائیں گے اس کی بابت جو تم عمل کرتے ہو فرمادیجیے جمع کرے گا ہم سب کو ہمارارب

”اے نبی ان سے پوچھیں کون تمہیں آسمانوں اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کہو”اللہ“ ہی رزق دیتا ہے اب یقیناً ہم سے اور تم میں سے کوئی ایک ہی ہدایت پر ہے یا کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔ (۲۴) ان سے فرمادیں جو گناہ ہم نے کیے اس کی جواب طلبی تم سے نہیں ہو گی اور جو کچھ تم کررہے ہو اس کی جواب طلبی ہم سے نہیں کی جائے گی۔ (۲۵) فرمادیں کہ ہمارارب ہم سب کو جمع کرے گا۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: مشرک کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جن بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے کچھ اختیار دے رکھے ہیں وہ ان کے رزق کے بارے میں بھی اختیار رکھتے ہیں۔

مشرک کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جب تک کسی بت یا قبر پر نذرانہ پیش نہ کیا جائے اس وقت تک ہمارے رزق میں اضافہ نہیں ہوسکتا اس لیے مشرک سمجھتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ اسے مل رہا ہے وہ ان بزرگوں کی طفیل ملتا ہے۔ اسی بناء پر بت پرست بتوں کے سامنے، فوت شدگان کے مزارات پر جھکنے والے اور حضرت خضر کو حاجت روا سمجھنے والے دریاؤں اور سمندروں میں نذرانے ڈالتے ہیں۔ یہاں تک کہ کلمہ پڑھنے والوں کی ایک اچھی خاصی تعداد یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ اگر ہم نے پیر عبدالقادر جیلانی کے نام پر گیارہویں پیش نہ کی تو وہ ناراض ہو کر ہمارے رزق میں کمی کردیں گے۔ قرآن مجید نے ایسے لوگوں سے کئی مرتبہ سوال کیا ہے کہ بتلاؤ اللہ تعالیٰ کے سوا کون رزق دینے اور اس میں کمی کرنے والا ہے؟

اس کے جواب میں ہر دور کے مشرک یہ اقرار کرتے آرہے ہیں کہ رزق دینا اور اس میں کمی بیشی کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اس اقرار کے باوجود مشرک اپنے عقیدہ سے تائب ہونے اور شرک کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتے یہی مشرکینِ مکہ کی کیفیت تھی جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کو ارشاد ہوا کہ آپ ان سے سوال کریں کہ تمہیں زمین و آسمان سے رزق کون دیتا ہے؟ کون تمہارے کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟ کون زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ

ثُمَّ	یَفۡتَحُ	بَیۡنَنَا	بِالۡحَقِّ	وَهُوَ الۡفَتَّاحُ	الۡعَلِیۡمُ ۝۲۶
پھر	وہ فیصلہ کرے گا	ہمارے درمیان	حق کے ساتھ	اور وہی ہے خوب فیصلہ کرنے والا	خوب جاننے والا
قُلۡ	اَرُوۡنِیَ	الَّذِیۡنَ	اَلۡحَقۡتُمۡ	بِهٖ	شُرَكَآءَ
فرمادیجیے	دکھاؤ مجھے	ان کو جنہیں	تم نے ملادیا	اس کے ساتھ	شریکوں کو
كَلَّا	بَلۡ	هُوَ	اللّٰهُ	الۡعَزِیۡزُ	الۡحَكِیۡمُ ۝۲۷
ہرگز نہیں	بلکہ	وہی	اللہ	خوب غالب	نہایت حکمت والا ہے

پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرمائے گا وہ زبردست حاکم ہے سب کچھ جانتا ہے۔(۲۶) ان سے فرمادیں کہ مجھے وکھاؤ تو سہی وہ کون ہیں جنہیں تم نے اللہ کے ساتھ شریک بنا رکھا ہے۔''اللہ'' کا ہرگز کوئی شریک نہیں وہ زبردست اور دانا ہے۔'' (۲۷)

پیدا کرتا ہے؟ کون پوری کائنات کو چلا رہا ہے۔(یونس:۳۱)

ان کا جواب تھا کہ اللہ ہی ہر چیز کا مالک ہے اور سارے کام چلا رہا ہے۔ ان سے فرمائیں کہ پھر تم شرک سے باز کیوں نہیں آتے؟ حالانکہ اللہ ہی تمہارا سچا رب ہے۔ اس کے باوجود تم کیوں بھٹکے جا رہے ہو؟ دراصل آپ کے رب کا فرمان نافرمانوں کے بارے میں سچ ثابت ہوا کہ وہ سب کچھ سمجھنے کے بعد ایمان نہیں لائیں گے۔(یونس:۳۱تا۳۳)

پھر ارشاد ہوا کہ مشرکین سے استفسار کریں کہ بتاؤ کون مخلوق کو پہلی بار پیدا کرنے والا ہے اور پھر اسے اپنی طرف لوٹائے گا اور کون آسمان اور زمین سے تمہیں رزق دیتا ہے کیا ''اللہ'' کیساتھ کوئی اور بھی شامل ہے؟ اگر تم سچے ہو تو اس کی دلیل پیش کرو۔(النمل:۶۴)

سورت روم میں اس مسئلے کو یوں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ہستی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیتا ہے، پھر تمہیں موت دے گا موت کے بعد پھر تمہیں زندہ کرے گا، کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو ان کاموں میں کوئی کام کر کے دکھائے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے مشرکانہ عقیدہ سے مبرّا اور باطل تصورات سے بالاتر ہے۔ کیونکہ ہر دور کا مشرک اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے، لہٰذا اس مقام پر فرمایا کہ آپ خود ہی جواب دیں کہ ''اللہ'' ہی زمین و آسمان سے رزق دینے والا ہے۔ اب ان سے پوچھیں کہ بتلاؤ ہم میں سے کون سیدھے راستے پر ہے اور کون گمراہ ہو چکا ہے، یہ جانتے ہیں کہ ہم بھٹکے ہوئے ہیں مگر اس کے باوجود یہ لوگ حقائق تسلیم نہیں کرتے لہٰذا انہیں فرمادیں کہ ہمارے گناہوں پر تمہیں پکڑ نہیں ہوگی اور نہ تمہارے جرائم کے بارے میں ہم سے سوال نہیں ہوگا۔ انہیں پھر فرمادیں کہ جس قیامت کا تم انکار کرتے ہو ہمارا رب اس دن سب کو جمع فرما کر ہمارے اور تمہارے درمیان حق اور عدل کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا یقیناً وہ بہترین فیصلہ کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

ایک مرتبہ پھران سے مطالبہ کریں کہ مجھے وہ لوگ دکھاؤ جن کو تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے ظاہر ہے کہ یہ انہیں کبھی پیش نہیں کر سکتے حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اور اس کے کاموں میں کوئی شریک نہیں ہے اور نہ ہوگا۔ وہی ہر چیز پر غالب ہے اور اس کے ہر فرمان اور کام میں حکمت ہوتی ہے۔

مسائل

۱۔ ہر دور کا مشرک اس بات کا اقرار کرتا رہا اور کرتا رہے گا کہ صرف ''اللہ'' ہی رزق دینے والا ہے۔

۲۔ ہر شخص اپنے عقیدہ وعمل کا ذمہ دار ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب کو اپنے حضور جمع فرما کر حق اور عدل کے ساتھ فیصلہ فرمادے گا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ بہترین فیصلہ کرنیوالا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

۵۔ ہر دور کا مشرک کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ثابت کر سکا ہے اور نہ ہی کبھی ثابت کر سکے گا۔

۶۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے اور اس کے ہر فرمان اور کام میں حکمت ہوتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہر دور کے مشرک سے سوالات:

۱۔ مشرک سے سوال کیا جائے کہ آسمان وزمین سے کون رزق دیتا ہے کہتے ہیں اللہ ہی رزق دیتا ہے۔ (یونس:۳۱)

۲۔ مشرکین سے پوچھا جائے مخلوق کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ جواب دیتے ہیں اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے۔ (یونس: ۳۴)

۳۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ زمین وآسمان کا خالق کون ہے؟ کہتے ہیں اللہ ہی خالق ہے۔ (الزمر: ۳۸)

۴۔ مشرکوں سے پوچھا جائے سات آسمانوں اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟ جواب میں کہتے ہیں کہ اللہ ہی مالک ہے۔ (المومنون: ۸۶۔۸۷)

۵۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ ہر چیز پر بادشاہت کس کی ہے؟ جواب دیتے ہیں اللہ کی بادشاہی ہے۔ (المومنون: ۸۸۔۸۹)

۶۔ اگر تو ان سے پوچھیں کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور کس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے مسخر کیے ہیں فرمائیں کہ پھر کہاں سے بہکائے جارہے ہیں۔ (العنکبوت: ۶۱)

وَمَآ	اَرۡسَلۡنٰكَ	اِلَّا	كَآفَّةً	لِّلنَّاسِ	بَشِيۡرًا
اور نہیں	ہم نے بھیجا آپ کو	مگر	تمام	انسانوں کے لیے	خوشخبری دینے والا
وَّنَذِيۡرًا	وَّلٰكِنَّ	اَكۡثَرَ	النَّاسِ	لَا	يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸﴾
اور ڈرانے والا	اور لیکن	اکثر	لوگ	نہیں	جانتے

''اور اے نبی ہم نے آپ کو لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' (۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اگر مشرکین ''اللہ'' کی توحید قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تو اے نبی ﷺ! آپ اپنا کام کرتے جائیں کیونکہ آپ صرف مکہ والوں کے لیے نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لیے رسول بنائے گئے ہیں۔

اس فرمان میں ایک طرف نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر آپ کے مخاطبین آپ کی دعوت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تو آپ کو دل برداشتہ ہونے کی بجائے اپنا کام جاری رکھنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کسی ایک بستی، قوم یا نسل کے لیے رسول منتخب نہیں کیا۔ آپ ہر دور کے تمام انسانوں کے لیے رسول منتخب کیے گئے ہیں مقصد یہ ہے کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو ان پر وقت آئے گا کہ ان کی اولادیں ایمان لائیں گی اگر وہ بھی ایمان قبول نہیں کرتیں تو اللہ تعالیٰ دوسرے لوگوں کو ہدایت سے سرفراز فرما دے گا آپ کی دعوت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو اس پر ایمان لائیں گے وہ دنیا میں کامیاب اور آخرت میں سرخرو ہوں گے۔ جنہوں نے اس کا انکار کیا وہ دنیا میں نقصان اٹھائیں گے اور آخرت میں اذیت ناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ آپ کی دعوت سراسر لوگوں کی خیر خواہی کے لیے ہے لیکن اس کے باوجود لوگوں کی غالب اکثریت اسے جاننے اور ماننے کے لیے تیار نہیں۔ نبی اکرم ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیاء مبعوث کیے گئے وہ محدود علاقے اور مخصوص وقت کے لیے نبی بنائے گئے تھے۔ صرف آپ ﷺ کی ذات ایسی ہے جسے قیامت تک کے لیے ہر علاقے اور نسل کے لیے رسول منتخب کیا گیا ہے۔

''اے پیغمبر اعلان فرما دیں کہ اے لوگو! میں تم سب کے لیے اللہ کا رسول بنایا گیا ہوں۔'' (الاعراف: ۱۵۸)

((بُعِثْتُ إِلَي النَّاسِ كَافَّةً الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ)) (رواہ احمد [صحیح])

''میں کالے اور گورے سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔''

تفسیر بالقرآن

نبی علیہ السلام کی عالمگیر نبوت:

۱۔ رسول اللہ ﷺ پوری دنیا کے رسول ہیں۔ (الاعراف: ۱۵۸) ۲۔ نبی علیہ السلام سب کے رسول ہیں۔ (سباء: ۲۸)

۳۔ رسول اللہ ﷺ مبشر اور نذیر ہیں۔ (الاحزاب: ۴۵) ۴۔ آپ ﷺ رحمتِ دو عالم ہیں۔ (الانبیاء: ۱۰۷)

۵۔ رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ (الاحزاب: ۴۰)

وَيَقُوْلُوْنَ	مَتٰى	هٰذَا	الْوَعْدُ	اِنْ	كُنْتُمْ	صٰدِقِيْنَ ﴿٢٩﴾
اور وہ کہتے ہیں	کب ہے	یہ	وعدہ	اگر	ہوتم	سچے
قُلْ	لَّكُمْ	مِّيْعَادُ	يَوْمٍ	لَّا	تَسْتَاْخِرُوْنَ	عَنْهُ
فرمادیجیے	تمہارے لیے	وعدہ	دن کا	نہ	تم پیچھے رہ سکو گے	اس سے
سَاعَةً	وَّلَا	تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٣٠﴾ ع				
ایک گھڑی	اور نہ	تم آگے بڑھ سکو گے				

النصف

”یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا۔(۲۹) فرمادیں کہ تمہارے لیے ایک ایسے دن کا وعدہ ہے جسے تم نہ پیچھے کر سکتے ہو اور نہ اُسے ایک گھڑی پہلے لا سکتے ہو۔“(۳۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بشیر اور نذیر بنا کر مبعوث فرمایا آپ لوگوں کو آخرت کے عذاب سے ڈراتے تو کفار اس بات کا مذاق اُڑاتے اور کہتے ہیں بتاؤ کہ قیامت کب آئے گی؟

سرورِ دو عالم ﷺ نے قرآن مجید کی روشنی میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ قیامت ہر صورت قائم ہو کر رہے گی۔ لیکن منکرینِ قیامت ہر قسم کے دلائل کو مسترد کرتے ہوئے بار بار مطالبہ کرتے تھے کہ جس قیامت کے برپا ہونے کا آپ تذکرہ کرتے ہیں اور اسے اپنے رب کا وعدہ قرار دیتے ہیں اگر آپ سچے ہیں تو بتائیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ کیونکہ اس سوال کے متعدد جواب دیئے جا چکے ہیں اس لیے اس موقعہ پر آپ ﷺ کو فقط یہ حکم ہوا کہ آپ انہیں یہ فرمائیں کہ قیامت کا دن متعین ہے جب وہ دن آئے گا تو نہ تم اسے ٹال سکو گے اور نہ تم اسے پہلے لا سکتے ہو۔ بالفاظ دیگر قیامت کا برپا کرنا اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے جس کا اس نے ایک دن مقرر کر رکھا ہے کسی کے ٹالنے سے وہ دن ٹل نہیں سکتا اور کسی کے مطالبے پر وہ پہلے نہیں آ سکتا البتہ جس دن کے لیے تم عجلت کا مظاہرہ کرتے ہو وہ زمین و آسمان پر بھاری ہوگا۔(الاعراف:۱۸۷)

تفسیر بالقرآن

قیامت کا ایک دن مقرر ہے:

۱۔ یقیناً قیامت کے دن اللہ تمھیں جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں۔(الانعام:۱۲)

۲۔ آپ فرمادیں تمھارے پہلے اور آخر والے ضرور اکٹھے کیے جائیں گے۔(الواقعۃ:۴۷ تا ۵۰)

۳۔ جس دن ”اللہ“ رسولوں کو جمع کرے گا۔(المائدۃ:۱۰۹) ۴۔ آپ فرمادیں کہ تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔(التغابن:۷)

۵۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب کو اٹھائے گا پھر ان کے اعمال کی انہیں خبر دے گا۔(المجادلۃ:۶ تا ۱۸)

وَقَالَ	الَّذِیْنَ	کَفَرُوْا	لَنْ	نُّؤْمِنَ	بِهٰذَا	الْقُرْاٰنِ
اور کہا	ان لوگوں نے	جنہوں نے کفر کیا	ہرگز نہیں	ہم ایمان لائیں گے	ساتھ اس	قرآن کے
وَلَا	بِالَّذِیْ	بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ	وَلَوْ	تَرٰۤی	اِذِ الظّٰلِمُوْنَ	
اور نہ	اس کے ساتھ جو	اس سے پہلے ہے	اور اگر	آپ دیکھیں	جب ظالم لوگ	
مَوْقُوْفُوْنَ	عِنْدَ	رَبِّهِمْ ۖۚ	یَرْجِعُ	بَعْضُهُمْ	اِلٰی	
کھڑے کیے جائیں گے	پاس	اپنے رب کے	وہ لوٹا رہا ہوگا	ان کا بعض	طرف	
بَعْضِ	اِلْقَوْلَ ۚ	یَقُوْلُ	الَّذِیْنَ	اسْتُضْعِفُوْا	لِلَّذِیْنَ	اسْتَكْبَرُوْا
بعض کی	بات کو	کہیں گے	وہ لوگ	جو کمزور سمجھے جاتے تھے	ان لوگوں کے لیے جو	انہوں نے تکبر کیا

”کافر کہتے ہیں کہ ہم اس قرآن کو ہرگز نہیں مانیں گے اور نہ اس سے پہلے آئی ہوئی کسی کتاب کو تسلیم کریں گے کاش تم ان کا حال اُس وقت دیکھو جب ظالم اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں گے تو اُس وقت ایک دوسرے پر الزام لگائیں گے جو لوگ دنیا میں کمزور تھے وہ بڑوں سے کہیں گے

فہم القرآن

ربطِ کلام: منکرینِ قیامت کی ہٹ دھرمی کی انتہا اور اس کا جواب۔

توحید و رسالت اور قیامت کے دلائل سُننے اور ان کے سامنے جھکنے کی بجائے منکرین قیامت اپنی ہٹ دھرمی کی بنیاد پر کہا کرتے ہیں کہ ہم نہ اس قرآن کو ماننے کے لیے تیار ہیں اور نہ ہی اس سے پہلی کتابوں کو تسلیم کرتے ہیں ظاہر ہے جو شخص کسی دلیل کو ماننے اور کھلی حقیقت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہو تو اسے سمجھانا اور منوانا مشکل ہو جاتا ہے یہی کیفیت منکرین قیامت کی تھی اس لیے ان کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اے پیغمبر ﷺ! اب تو یہ لوگ پوری ڈھٹائی کے ساتھ انکار کیے جاتے ہیں، کاش! آپ اس وقت ان کا حال دیکھیں جب ظالم اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے اس وقت یہ لوگ اپنے کفر کو ایک دوسرے کے ذمے لگائیں گے ماتحت لوگ اپنے بڑوں سے کہیں گے کہ اگر تم رکاوٹ نہ بنتے تو ہم ضرور ایمان لانے والوں میں شامل ہوتے۔

گویا کہ مرید اپنے پیروں، ورکر اپنے لیڈروں اور ماتحت اپنے حاکموں کو مَورِدِ الزام ٹھہراتے ہوئے اپنے آپ کو بری الذّمہ قرار دینے کی کوشش کریں گے۔ اس کے جواب میں پیر، لیڈر اور حاکم اپنے ماتحتوں سے کہیں گے کیا ہم نے تمہیں اس ہدایت سے روکا تھا جو تمہارے پاس آئی تھی؟ ایسا ہرگز نہیں تم تو خود ہی مجرم تھے یعنی تم پہلے سے ہی دین کے باغی اور قیامت کے منکر بنے ہوئے تھے۔

لَوْ	لَآ	اَنْتُمْ	لَكُنَّا	مُؤْمِنِيْنَ ۝٣١	قَالَ	الَّذِيْنَ
اگر	نہ ہوتے	تم	تو یقیناً ہم ہوتے	مومن	کہا	ان لوگوں نے
اسْتَكْبَرُوْا	لِلَّذِيْنَ	اسْتُضْعِفُوْٓا	اَنَحْنُ	صَدَدْنٰكُمْ	عَنِ	
جنہوں نے تکبر کیا	ان سے جو	کمزور سمجھے جاتے تھے	کیا ہم نے	روک دیا تھا تمہیں	سے	
الْهُدٰى	بَعْدَ	اِذْ	جَآءَكُمْ	بَلْ	كُنْتُمْ	مُّجْرِمِيْنَ ۝٣٢
ہدایت	بعد اس کے	جب	وہ تمہارے پاس آ گئی تھی	بلکہ	تم تھے	مجرم

کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے۔(۳۱) بڑے کمزوروں کو جواب دیں گے کیا ہم نے تمہیں اُس ہدایت سے روکا تھا؟ جو تمہارے پاس آئی تھی تم تو خود ہی مجرم تھے۔‘‘(۳۲)

مسائل

۱۔ ہٹ دھرم لوگ کسی دلیل کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

۲۔ حق کا انکار کرنیوالے لوگ ایک دوسرے کو مجرم ٹھہرائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

جہنّمیوں کا آپس میں تکرار کرنا:

۱۔ جہنم میں مرید، پیروں اور ورکر، لیڈروں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے کیا تم اللہ کے عذاب کا کچھ حصہ دور کر سکتے ہو؟ (ابراہیم:۲۱)

۲۔ جب جہنمی اپنے سے پہلے لوگوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا انہیں دوگنا عذاب دیا جائے۔(الاعراف:۳۸)

۳۔ قیامت کے دن وہ ایک دوسرے کا انکار کریں گے اور ایک دوسرے پر پھٹکار کریں گے۔(العنکبوت:۲۵)

۴۔ وہ آہ زاریاں کریں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی بات مانی اور انہوں نے ہمیں سیدھے راستے سے گمراہ کر دیا۔(الاحزاب:۶۷)

۵۔ اے رب ان کو دوہرا عذاب دیں اور ان پر سخت لعنت کریں۔(الاحزاب:۶۸)

۶۔ قیامت کے دن پیروکار کہیں گے اگر دنیا میں جانا ہمارے لیے ممکن ہو تو ہم تم سے براءت کا اظہار کریں گے۔(البقرۃ:۱۶۷)

وَقَالَ	الَّذِيْنَ	اسْتُضْعِفُوْا	لِلَّذِيْنَ	اسْتَكْبَرُوْا	بَلْ	مَكْرُ	
اور کہا	ان لوگوں نے	کمزور سمجھے جاتے تھے	ان سے جو	بڑے بنتے تھے	بلکہ	چال	
الَّيْلِ	وَالنَّهَارِ	اِذْ	تَاْمُرُوْنَنَآ	اَنْ	نَّكْفُرَ	بِاللّٰهِ	
رات	اور دن کی	جب	تم ہمیں حکم دیتے تھے	یہ کہ	ہم کفر کریں	اللہ کے ساتھ	
وَنَجْعَلَ	لَهٗٓ	اَنْدَادًا	وَاَسَرُّوا	النَّدَامَةَ	لَمَّا		
اور ہم ٹھہرائیں	اس کے لیے	شریک	اور وہ چھپائیں گے	ندامت	جب		
رَاَوُا	الْعَذَابَ	وَجَعَلْنَا	الْاَغْلٰلَ	فِيْٓ	اَعْنَاقِ	الَّذِيْنَ	
وہ دیکھیں گے	عذاب	اور ہم ڈال دیں گے	طوق	میں	گردنوں	ان لوگوں کی	
كَفَرُوْا	هَلْ	يُجْزَوْنَ	اِلَّا	مَا	كَانُوْا	يَعْمَلُوْنَ ﴿٣٣﴾	
جنہوں نے کفر کیا	نہیں	وہ بدلہ دیے جائیں گے	مگر	اسی کا جو	وہ تھے	عمل کرتے	

''کمزور لوگ بڑوں سے کہیں گے کہ ہماری گمراہی کا سبب تمہاری شب و روز کی چالاکی تھی جو تم ہم سے کیا کرتے تھے تاکہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھہرائیں، یہ لوگ عذاب دیکھیں گے تو اپنے دلوں میں پچھتائیں گے اور ہم منکرین کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے وہ نہیں بدلہ دیئے جائیں گے مگر اپنے اعمال کے مطابق۔'' (٣٣)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کے دن مجرموں کا آپس میں تکرار اور کمزور لوگوں کا بڑے لوگوں کو جواب۔

تابع لوگ اپنے مطاع لوگوں کی بات کو رد کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہرگز نہیں! بلکہ تمہاری صبح و شام کی چالاکیاں تھیں کہ تم نے اپنے مکر و فریب سے ہمیں ایسے راستے پر چلایا کہ ہم اللہ کیساتھ کفر کرتے اور دوسروں کو اس کا شریک بناتے رہے۔ صبح و شام کے مکر و فریب سے مراد پیروں کے گورکھ دندھے، لیڈروں کی چالبازیاں اور علمائے سوء کی بدعات و رسومات ہیں جن کے لیے سیاست دان سیاست اور مذہبی پیشوا مذہب کے نام پر عوام کو قابو رکھتے ہیں۔ اس طرح ماتحت لوگ اپنے کفر و شرک کو بڑوں کے ذمے لگائیں گے اور خود اپنی براءت کا اظہار کریں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ سیاسی رہنما عوام کو کفر اور بے دینی کے کاموں میں مبتلا کرتے ہیں، بُرے علماء اور پیر بظاہر کفریہ حرکات کی دعوت نہیں دیتے لیکن دین کے نام پر بنائی ہوئی رسومات اور بدعات سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور جھوٹی کرامات سنا، سنا کر مریدوں سے کفر و شرک کے کام کرواتے اور نذرانے وصول کرتے ہیں۔

جب بڑے اور چھوٹے، حاکم اور محکوم، پیر اور مرید، علماء اور مقتدی جہنم کا عذاب دیکھیں گے تو ان کے چہروں پر پریشانی عیاں ہوگی بڑے لوگ اس لیے پریشان ہوں گے کہ دنیا میں جو ہم لوگوں سے وعدے کیا کرتے تھے وہ جھوٹے ثابت ہوئے چھوٹے اس لیے پریشان ہوں گے کہ ہم نے اپنی حماقت کی بنیاد پر ان پر بھروسہ کیا جبکہ آج یہ ہماری طرح ہی مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے ہیں۔ بڑے اور چھوٹے اسی سوچ و بچار میں مبتلا ہوں گے تو اچانک ملائکہ ان کی گردنوں میں طوق پہنا دیں گے اور ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالتے ہوئے کہیں گے کہ یہ تمہارے کفر وشرک کا بدلہ ہے اس حالت میں گھسیٹ کر انہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

مسائل

۱۔ قیامت کے دن جہنمی اپنی گمراہی کو ایک دوسرے کے ذمہ لگائیں۔
۲۔ جہنمیوں کو محشر کے میدان میں طوق اور بیڑیاں پہنائی جائیں گی۔
۳۔ جہنمیوں کو ان کے کفر وشرک کی پوری پوری سزا دی جائے گی۔

تفسیر بالقرآن

جہنمیوں کو زنجیروں میں جکڑ کر جہنم میں پھینکا جائے گا:

۱۔ قیامت کے دن مجرموں کو باہم زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا۔(ابراہیم:۴۹)
۲۔ قیامت کے دن کفار کو طوق پہنا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔(الحاقۃ:۳۰۔۳۱)
۳۔ بدترین لوگوں کو منہ کے بل جہنم میں پھینکا جائے گا۔(الفرقان:۳۴)
۴۔ قیامت کے دن مجرموں کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوگی۔(المعارج:۴۴)
۵۔ قیامت کے دن مجرموں کو دھکتی ہوئی آگ میں داخل کیا جائے گا۔(الغاشیۃ:۴)
۶۔ جہنمیوں کو آگ کا لباس پہنا کر آگ میں پھینک دیا جائے گا۔(الحج:۱۹)
۷۔ جو شخص برے اعمال کے ساتھ آیا اسے اوندھے منہ جہنم میں پھینکا جائے گا۔(النمل:۹۰)
۸۔ اللہ کے ساتھ کسی اور الٰہ کو پکارنے والا جہنم میں پھینک دیا جائیگا۔(بنی اسرائیل:۳۹)
۹۔ منافق جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت و پھٹکار پڑتی رہے گی۔(التوبۃ:۶۸)

وَ	مَآ	اَرۡسَلۡنَا	فِيۡ	قَرۡيَةٍ	مِّنۡ	نَّذِيۡرٍ	اِلَّا
اور	نہیں	ہم نے بھیجا	میں	کسی بستی	کوئی	ڈرانے والا	مگر

قَالَ	مُتۡرَفُوۡهَآ ۙ	اِنَّا	بِمَآ	اُرۡسِلۡتُمۡ	بِهٖ
کہا	اس کے خوشحال لوگوں نے	بلاشبہ ہم	ساتھ اس کے جو	تم بھیجے گئے ہو	اس کے ساتھ

كٰفِرُوۡنَ ۝٣٤	وَقَالُوۡا	نَحۡنُ	اَكۡثَرُ	اَمۡوَالًا	وَّاَوۡلَادًا ۙ
انکار کرنے والے	اور انہوں نے کہا	ہم	زیادہ ہیں	مال کے لحاظ سے	اور اولاد کے لحاظ سے

وَّمَا	نَحۡنُ	بِمُعَذَّبِيۡنَ ۝٣٥
اور نہیں	ہم	عذاب دیے جائیں گے

”کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں ایک خبردار کرنے والا بھیجا ہو اور اس بستی کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ جو دعوت تم لے کر آئے ہو اس کو ہم نہیں مانتے۔ (٣٤) انہوں نے یہی کہا کہ ہم تم سے زیادہ مال اور اولاد رکھتے ہیں اور ہم ہرگز سزا پانے والے نہیں ہیں۔“ (٣٥)

فہم القرآن

ربطِ کلام : لوگوں کی گمراہی میں مال دار طبقہ کا کردار۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے جس بستی میں بھی لوگوں کو ان کے بُرے انجام سے ڈرانے والا بھیجا وہاں کے مال دار طبقے نے ہمیشہ انہیں کہا کہ جس دعوت کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے انکار کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھتے اور کہتے تھے کہ ہم اس ڈرانے والے اور اس کی اتباع کرنے والوں سے مال اور افرادی قوت میں زیادہ ہیں اور ہم کسی صورت عذاب میں مبتلا نہیں ہوں گے، یہی سوچ اور کردار مکہ والوں کا تھا وہ اپنی افرادی قوت اور مال پر اتراتے ہوئے نبی علیہ السلام کو طعنہ دیا کرتے تھے کہ اگر تم واقعی اللہ کے رسول ہو اور تیری پیروی کرنے والے حق پر ہیں تو پھر تمہیں دنیا کا مال و دولت کیوں نہیں دیا گیا؟ تمہارے بقول اگر ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بُرے اور مغضوب ہیں تو ہم پر عذاب نازل کیوں نہیں ہوتا؟ تمہارے بار بار اعلان کرنے کے باوجود ہم پر عذاب نازل نہیں ہوا تو اس کا صاف مطلب ہے کہ اللہ ہم پر راضی ہے اس لیے اس نے ہمیں مال و دولت، وقار اور اقتدار دے رکھا ہے اور قیامت کے دن بھی ہمیں سزا نہیں دی جائے گی۔

((عَنۡ جَابِرِ بۡنِ عَبۡدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ بِالسُّوۡقِ دَاخِلًا مِنۡ بَعۡضِ الۡعَالِيَةِ وَالنَّاسُ كَنَفَتُهُ فَمَرَّ بِجَدۡيٍ أَسَكَّ مَيِّتٍ فَتَنَاوَلَهُ فَأَخَذَ بِأُذُنِهِ ثُمَّ قَالَ أَيُّكُمۡ يُحِبُّ أَنَّ هٰذَا لَهُ بِدِرۡهَمٍ فَقَالُوۡا مَا نُحِبُّ أَنَّهُ لَنَا بِشَيۡءٍ وَمَا نَصۡنَعُ بِهِ قَالَ أَتُحِبُّوۡنَ أَنَّهُ لَكُمۡ قَالُوۡا وَاللّٰهِ لَوۡ كَانَ

حَيًّا كَانَ عَيْبًا فِيْهِ لِأَنَّهُ أَسَكُّ فَكَيْفَ وَهُوَ مَيِّتٌ فَقَالَ فَوَاللّٰهِ لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ»(رواہ مسلم: کتاب الزھد والرقائق)

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جانب سے بازار میں داخل ہوئے آپ کے ساتھ کچھ لوگ بھی تھے آپ ایک مردہ بکری کے بچے کے پاس سے گزرے آپ نے اس کے ایک کان کو پکڑ کر پوچھا کون اسے ایک درہم کے بدلے لینا پسند کرے گا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ہم تو اسے کسی چیز کے بدلے بھی لینا نہیں چاہتے اس کا ہم کیا کریں گے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم اسے پسند کرتے ہو کہ یہ بکری کا بچہ تمہارا ہوتا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ کی قسم! اگر یہ زندہ بھی ہوتا تو کان چھوٹے ہونے کی وجہ سے اسے قبول نہ کیا جاتا۔ اب تو یہ مُردہ ہے اس لیے ہم اسے کیسے پسند کریں آپ نے فرمایا: جیسے تمہارے نزدیک یہ بکری کا مردہ بچہ بڑا ہی حقیر ہے، اللہ کی قسم! اللہ کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ حقیر ہے۔''

مسائل

۱۔ مال دار طبقہ کی اکثریت نے ہمیشہ انبیائے کرام کی دعوت کو ٹھکرایا ہے۔

۲۔ مال دار لوگوں کی اکثریت اپنے مال اور افرادی قوت پر اترایا کرتی ہے۔

۳۔ بے دین اور مال دار لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم پر گرفت نہیں ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

مال دار لوگوں کا کردار اور مال کی حقیقت:

۱۔ جو کچھ زمین میں ہے وہ باعثِ آزمائش ہے۔(الکھف:۷)

۲۔ دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے میں قلیل اور حقیر ہے۔(التوبۃ:۳۸)

۳۔ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا ہے۔(العنکبوت:۶۴) ۴۔ دنیا کی زندگی دھوکے کا سامان ہے۔(آل عمران:۱۸۵)

۵۔ لوگ دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی معمولی فائدہ ہے۔(الرعد:۲۶)

۶۔ دنیا کی زندگی کھیل تماشا ہے۔(الحدید:۲۰)

۷۔ دنیا کی زندگی کی مثال آسمان سے نازل ہونے والی بارش کی طرح ہے۔(یونس:۲۴)

۸۔ مالدار بخل کو اپنے لیے اچھا خیال کرتے ہیں حالانکہ وہ ان کے لیے بُرا ہے۔(آل عمران:۱۸۰)

۹۔ اللہ کی آیات کے مقابلے میں پوری دنیا حقیر ہے۔(البقرۃ:۱۷۴)

قُلْ	اِنَّ	رَبِّيْ	يَبْسُطُ	الرِّزْقَ	لِمَنْ	يَّشَآءُ
فرمادیجیے	بلاشبہ	میرارب	وہ کشادہ کرتا ہے	رزق	جس کے لیے	وہ چاہتا ہے
وَيَقْدِرُ	وَلٰكِنَّ	اَكْثَرَ	النَّاسِ	لَا	يَعْلَمُوْنَ ع ۳۶	وَمَآ
اوروہ تنگ کرتا ہے	اورلیکن	اکثر	لوگ	نہیں	جانتے	اورنہیں
اَمْوَالُكُمْ	وَلَآ	اَوْلَادُكُمْ	بِالَّتِيْ	تُقَرِّبُكُمْ	عِنْدَنَا	زُلْفٰٓى
تمہارے مال	اورنہ	تمہاری اولاد	جو	تمہیں قریب کردے	ہمارے پاس	درجے میں
اِلَّا	مَنْ	اٰمَنَ	وَعَمِلَ	صَالِحًا	فَاُولٰٓئِكَ	لَهُمْ
مگر	جو	ایمان لایا	اس نے عمل کیے	نیک	تو یہی لوگ	ان کے لیے

”اے نبی ان سے فرمادیں کہ میرارب جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے کم کردیتا ہے مگر اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔(۳۶) نہیں ہے تمہاری دولت اور تمہاری اولاد جو تمہیں ہم سے قریب کرتی ہو، ہاں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے یہی لوگ ہیں جن کے لیے

فہم القرآن

ربط کلام : بے دین مال دار طبقہ کا جواب اور دنیا کے رزق کی حقیقت۔

مال دار آدمی کا آہستہ آہستہ یہ ذہن بن جاتا ہے کہ مال کی فراوانی میری محنت اور ذہانت کا نتیجہ ہے بالخصوص وہ مال دار طبقہ جنہیں کئی نسلوں سے مال کی کشادگی حاصل ہو اور وہ من مانی کی زندگی گزار رہے ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی رسی دراز کردی جاتی ہے تو وہ یقین کر بیٹھتے ہیں کہ یہ مال ہماری اور ہمارے بڑوں کی محنت اور ذہانت کا صلہ ہے، انہیں یہ حقیقت باور کروانے کے لیے نبی علیہ السلام کو ارشاد ہوا کہ آپ انہیں بتلائیں کہ رزق کی کشادگی اور اس کا کم کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے۔ انسان کو صرف محنت اور ذہانت کی بنیاد پر رزق کی کشادگی حاصل نہیں ہوتی یہ تو اللہ کی حکمت ہے کہ جسے چاہے رزق کی فراخی سے سرفراز کرے اور جس کا چاہے رزق کم کردے لیکن لوگوں کی اکثریت اس حقیقت سے لاعلم ہوتی ہے یعنی اس پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔

لوگو! مال اور اولاد پر اترانے کی بجائے اپنے رب کا شکر ادا کرو اور اس کی فرمانبرداری میں زندگی بسر کرو جس مال پر اتراتے ہو یہ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہونے کی نشانی نہیں۔ مال اور اولاد اکثر دفعہ انسان کو اپنے رب سے دور کردیتے ہیں ہاں وہ شخص اللہ تعالیٰ کے ضرور قریب ہوگا بے شک وہ مال دار ہو یا غریب جو حقیقی طور پر ایمان لائے اور صالح اعمال کرتا رہے، ایسے لوگوں کے لیے ان کے اعمال کا دوگنا بدلہ ہوگا اور وہ جنت کے بالا خانوں میں پُرسکون رہیں گے۔ سکون کا ذکر فرما کر

جَزَآءُ الضِّعْفِ	بِمَا	عَمِلُوْا	وَهُمْ	فِي	الْغُرُفٰتِ
دوگنابدلہ ہے	بہ سبب اس کے جو	انہوں نے عمل کیے	اور وہ	میں	بالاخانوں

اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾	وَالَّذِيْنَ	يَسْعَوْنَ	فِيْٓ	اٰيٰتِنَا	مُعٰجِزِيْنَ
امن والے ہوں گے	اور جولوگ	کوشش کرتے ہیں	میں	ہماری آیتوں	عاجز کرنے کی

اُولٰٓئِكَ	فِي	الْعَذَابِ	مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾
یہی لوگ	میں	عذاب	حاضر کیے جائیں گے

اُن کے عمل کا دوہرا ثواب ہے اور وہ بلند وبالا محلات میں سکون سے رہیں گے۔ (۳۷) اور جولوگ ہماری آیات کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔'' (۳۸)

اشارہ کیا ہے کہ ضروری نہیں کہ دنیا کا مال اور اولاد انسان کے لیے سکون کا باعث ہو اکثر دفعہ مال اور اولاد بے سکونی کا باعث ہوتے ہیں جولوگ اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور احکام کو حقیر سمجھتے ہیں ان کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے کیونکہ انہیں جہنم کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا جس میں یہ ناقابلِ برداشت اذیت پائیں گے۔

مسائل

۱۔ قیامت کے دن نیک اور بدلوگوں کوان کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا ملے گی۔

۲۔ نیک لوگ جنت میں امن وسلامتی کے ساتھ رہیں گے۔ ۳۔ کفار جہنم میں ہمیشہ رسوا ہوتے رہیں گے۔

تفسیر بالقرآن

مال اور اولاد آزمائش ہیں:

۱۔ مال اور اولاد دنیا کی نمائش ہیں باقی رہنے والے نیک اعمال ہیں۔ (الکہف: ۴۶)

۲۔ قیامت کے دن مال اور اولاد کام نہیں آئیں گے۔ (الشعراء: ۸۸)

۳۔ جان لو کہ مال اور اولاد تمہارے لیے فتنہ ہیں۔ (الانفال: ۲۸)

۴۔ اے ایمان والو تمہیں مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں۔ (المنافقون: ۹)

۵۔ مال اور اولاد تمہارے لیے آزمائش ہیں اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔ (التغابن: ۱۵)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کے مال اور جان کے بدلے جنت کا وعدہ کیا ہے۔ (التوبۃ: ۱۱۱)

قُلْ	اِنَّ	رَبِّيْ	يَبْسُطُ	الرِّزْقَ	لِمَنْ	يَّشَآءُ
فرما دیجیے	بے شک	میرا رب	وہ کشادہ کرتا ہے	رزق	جس کے لیے	وہ چاہتا ہے
مِنْ	عِبَادِهٖ	وَيَقْدِرُ	لَهٗ	وَمَآ	اَنْفَقْتُمْ	
سے	اپنے بندوں	اور وہ تنگ کرتا ہے	اس کے لیے	اور جو	تم خرچ کرو گے	
مِّنْ شَيْءٍ	فَهُوَ	يُخْلِفُهٗ ج	وَهُوَ	خَيْرُ	الرّٰزِقِيْنَ ﴿٣٩﴾	
کوئی چیز	تو وہ	بدلہ دے گا اس کا	اور وہ	سب سے بہتر	رزق دینے والا ہے	

”اے نبی انہیں بتلائیں کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسے کھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے تھوڑا دیتا ہے جو تم خرچ کرو گے وہ اس کا بدلہ دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔“ (٣٩)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بے دین مالداروں کا انجام بتلانے کے بعد اب پھر مال کی حقیقت بتلائی جارہی ہے۔

دنیا پرست لوگوں کے دلوں میں یہ بات سما جاتی ہے کہ مال و اسباب اور اقتدار ہماری محنت اور ذہانت کا نتیجہ ہے یہ لوگ اس غلط فہمی کا بھی شکار ہو جاتے ہیں کہ کسی کو مال اور اقتدار کا ملنا اللہ تعالیٰ کے خوش ہونے کا نتیجہ ہے حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ جسے چاہے رزق کشادہ عطا فرمائے اور جس کا چاہے رزق تنگ کر دے یہ اس کی اپنی حکمت ہے کہ دنیا میں اقتدار اور اسباب اکثر ان لوگوں کے پاس رہے ہیں جو اس کے نافرمان اور اس کے بندوں پر ظلم کرنے والے تھے اور ہیں، ان کے مقابلے میں جو لوگ اپنے رب سے ڈر ڈر کر زندگی گزارنے والے ہوتے ہیں نہ صرف اکثر اُن کی گزران تنگ ہوتی ہے بلکہ ہمیشہ ظالموں کے ظلم کا شکار رہتے ہیں۔ ظالموں کے رزق کو بڑھانا اور نیک لوگوں کا رزق کم رکھنا یہ منعمِ حقیقی کی مشیّت پر منحصر ہے وہ جس کا چاہے رزق کم کرے اور جس کا چاہے بڑھاتا چلا جائے یہ اس کی مرضی ہے اس میں کسی کا عمل دخل نہیں اور نہ ہی اس کے ہاں یہ کسی کے اچھا اور بُرا ہونے کا معیار ہے البتہ جو نیک لوگ اس کی رضا کے لیے خرچ کریں گے وہ اس کا بدلہ پائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا بلاشبہ اللہ تعالیٰ صرف حلال چیزوں سے صدقہ قبول فرماتا ہے تو اللہ اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیتے ہوئے شرف قبولیت بخشتے ہیں پھر اس کو اس طرح بڑھاتے ہیں جس طرح کہ تم اپنے بچھڑے کی پرورش کر کے اسے بڑا کرتے ہو۔ یہاں تک کہ ایک کھجور کا ثواب پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔“

(رواہ البخاری: باب الصَّدَقَةِ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ)

وَيَوْمَ	يَحْشُرُهُمْ	جَمِيعًا	ثُمَّ	يَقُوْلُ	لِلْمَلٰٓئِكَةِ	اَهٰٓؤُلَآءِ
اور جس دن	وہ اکٹھا کرے گا	ان سب کو	پھر	وہ کہے گا	فرشتوں کے لیے	کیا یہی لوگ ہیں
اِيَّاكُمْ	كَانُوْا	يَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾	قَالُوْا	سُبْحٰنَكَ	اَنْتَ	وَلِيُّنَا
خاص تمہاری	جو تھے	وہ عبادت کرتے	وہ کہیں گے	تو پاک ہے	تو ہی	ہمارا کارساز ہے
مِنْ دُوْنِهِمْ ج	بَلْ	كَانُوْا	يَعْبُدُوْنَ	الْجِنَّ ج	اَكْثَرُهُمْ	
ان کے ماسوا	بلکہ	وہ تو تھے	وہ عبادت کرتے	جنوں کی	ان میں سے اکثر	

''اور جس دن ''اللہ'' تمام انسانوں کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے۔؟ (۴۰) ملائکہ جواب دیں گے کہ تو پاک ہے ہمارا تعلق ان سے نہیں آپ سے ہے یہ ہماری نہیں بلکہ جنوں کی عبادت کرتے تھے، ان میں سے اکثر

فہم القرآن

ربطِ کلام : سابقہ آیات میں مال کو کفر وشرک کا ایک سبب قرار دیا ہے جس پر اترا کر لوگ کفر وشرک کا ارتکاب کرتے ہیں اس کے بعد مال کا انجام ذکر کیا اور اس کے ساتھ ہی نیکو کار مخیر حضرات کا تذکرہ فرمایا کہ وہ جو خرچ کرتے ہیں انہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ اب ان مشرکوں کا عقیدہ اور انجام ذکر کیا جاتا ہے جو ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں۔

مشرکین میں ہمیشہ سے ایک طبقہ ایسا رہا ہے جو ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتا اور ان سے مدد طلب کرتا ہے ان کا کہنا ہے کہ قیامت کے دن ملائکہ ہماری سفارش کریں گے قیامت کے دن ان لوگوں کے سامنے ملائکہ کو کھڑا کر کے سوال کیا جائے گا کہ بتلاؤ یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے اور تمہارا ان کے ساتھ کیا واسطہ تھا؟ ملائکہ دست بستہ ہو کر عرض کریں گے کہ بارالٰہا آپ تو ہر قسم کے شرک سے پاک اور مبرّا ہیں جہاں تک ہمارا معاملہ ہے۔ ہمارا مشرکوں سے کیا واسطہ، ہمارے مالک تو آپ ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ہمارے نام پر جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے اور انکا جنات پر ہی ایمان تھا ملائکہ کی برأت کے بعد رب ذوالجلال اعلان فرمائیں گے کہ آج تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو نفع اور نقصان دینے کا اختیار نہیں رکھتا اس کے بعد حکم صادر ہوگا کہ انہیں جہنم کے دہکتے ہوئے انگاروں میں جھونک دیا جائے کیونکہ یہ جہنم کو جھٹلایا کرتے تھے۔

یاد رہے کہ ملائکہ کو ''اللہ'' کی بیٹیاں قرار دینے اور ان کی عبادت کرنے والے صرف مکہ اور عرب کے مشرک ہی نہ تھے بلکہ آج بھی جاپان، فرانس اور دیگر ممالک میں کروڑوں لوگ ایسے ہیں جو ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھ کر ان کی عبادت کرتے اور ان سے مدد مانگتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن ملائکہ ہمارے سفارشی ہوں گے۔

بِهِمْ	مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾	فَالْيَوْمَ	لَا	يَمْلِكُ	بَعْضُكُمْ	لِبَعْضٍ
انہی پر	ایمان رکھتے تھے	پس آج	نہیں	اختیار رکھتا	تمہارا بعض	بعض کے لیے
نَّفْعًا	وَّلَا	ضَرًّا	وَنَقُوْلُ	لِلَّذِيْنَ	ظَلَمُوْا	
نفع کا	اور نہ	نقصان کا	اور ہم کہیں گے	ان لوگوں کے لیے	جنہوں نے ظلم کیا	
ذُوْقُوْا	عَذَابَ	النَّارِ	الَّتِيْ	كُنْتُمْ	بِهَا	تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾
تم چکھو	عذاب	آگ کا	وہ جو	تم تھے	اسے	جھٹلاتے

انہی پر ایمان لائے ہوئے تھے۔ (۴۱) اس وقت ہم کہیں گے کہ آج تم میں سے کوئی کسی کو نہ فائدہ پہنچانے اور نقصان دینے کا اختیار نہیں رکھتا اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ جہنم کے عذاب کا مزہ چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔'' (۴۲)

«كَانُوْا إِذَا نَزَلُوْا الْوَادِيَ قَالُوْا نَعُوْذُ بِسَيِّدِ هٰذَا الْوَادِيْ مِنْ شَرِّ مَا فِيْهِ، فَتَقُوْلُ الْجِنُّ مَا نَمْلِكُ لَكُمْ وَلَا لِأَنْفُسِنَا ضَرًّا وَلَا نَفْعاً» (تفسیر الطبری: سورۃ الجن)

''عرب لوگ جاہلیت میں جب کسی جنگل یا وادی میں سفر کرتے تو آوازیں دیتے کہ ہم اس جنگل کی چیزوں کے شر سے سردار جن سے پناہ مانگتے ہیں۔ جن آگے سے جواب دیتے کہ ہم نہ تمہارے اور نہ اپنے نفع ونقصان کا اختیار رکھتے ہیں۔''

مسائل

۱۔ مشرکوں میں ایک طبقہ ہمیشہ سے ملائکہ اور جنّات کی عبادت کرتا آرہا ہے۔
۲۔ قیامت کے دن ملائکہ اپنے ساتھ کیے گئے شرک سے برأت کا اظہار کریں گے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شرک سے پاک اور مبرّا ہے۔ ۴۔ مشرکوں کو جہنم کی آگ میں جھونکا جائے گا۔
۵۔ اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا اور آخرت میں کوئی نفع ونقصان کا مالک نہیں۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن ملائکہ کی حالت:

۱۔ قیامت کے دن تمام فرشتے اور جبرائیل علیہ السلام اپنے رب کے روبرو قطار میں کھڑے ہوں گے۔ (النبا: ۳۸)
۲۔ قیامت کے دن فرشتے صف بنا کر اپنے رب کے سامنے حاضر ہوں گے۔ (الفجر: ۲۲)
۳۔ قیامت کے دن فرشتے جنتیوں کو سلام پیش کرتے ہوئے انہیں جنت میں داخل کریں گے۔ (الرعد: ۲۳، ۲۴)
۴۔ قیامت کے دن ملائکہ اپنے ساتھ کیے گئے شرک کا انکار کردیں گے۔ (سبا: ۴۱)

وَ	اِذَا	تُتْلٰى	عَلَيْهِمْ	اٰيٰتُنَا	بَيِّنٰتٍ	قَالُوْا
اور	جب	تلاوت کی جاتی ہیں	ان پر	ہماری آیتیں	واضح	تو وہ کہتے ہیں
مَا	هٰذَآ	اِلَّا	رَجُلٌ	يُّرِيْدُ	اَنْ	يَّصُدَّكُمْ
نہیں	یہ	مگر	ایک ایسا آدمی	وہ چاہتا ہے	یہ کہ	وہ تمہیں روک دے
عَمَّا	كَانَ	يَعْبُدُ	اٰبَآؤُكُمْ ۚ	وَقَالُوْا	مَا	
ان سے	تھے	وہ عبادت کرتے	تمہارے باپ دادا	اورانہوں نے کہا	نہیں	
هٰذَآ	اِلَّآ	اِفْكٌ	مُّفْتَرًى ؕ	وَقَالَ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا
یہ	مگر	ایک جھوٹ	گھڑا ہوا	اور کہا	ان لوگوں نے	جنہوں نے کفر کیا
لِلْحَقِّ	لَمَّا	جَآءَهُمْ ۙ	اِنْ	هٰذَآ	اِلَّا	سِحْرٌ	مُّبِيْنٌ ۝۴۳
حق کی بابت	البتہ جب	وہ آیا ان کے پاس	نہیں	یہ	مگر	جادو	واضح

''ان لوگوں کو جب ہماری واضح آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص تو بس یہ چاہتا ہے کہ تمہیں اُن معبودوں سے ہٹا دے جن کی تمہارے باپ دادا عبادت کرتے آئے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ تو ایک بنایا ہوا جھوٹ ہے۔ ان کے سامنے حق آیا تو کہنے لگے یہ تو واضح طور پر جادو ہے۔'' (۴۳)

فہم القرآن

ربط کلام : توحید کی دعوت کے مقابلے میں مشرکین کا ردِّعمل۔

اللہ تعالیٰ کی توحید کی آیات مشرکینِ مکہ کو پڑھ کر سنائی جاتیں تو ان کے کئی قسم کے ردِّعمل ہوا کرتے تھے کبھی آپ ﷺ کو مجنون اور جادوگر قرار دیتے اور کبھی جادو زدہ کہتے تھے کبھی جھوٹا ہونے کا الزام لگاتے اور لوگوں کو باور کرانے کی کوشش کرتے کہ یہ آدمی اپنی طرف سے آیات بنا بنا کر ہمیں اپنے آباء و اجداد کے طریقۂ عبادت سے ہٹانا چاہتا ہے، جب دیکھتے کہ ہمارے تمام الزامات اور ہتھکنڈوں کے باوجود لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوتے جارہیں تو یہ لوگ قرآن مجید کو کھلا جادو قرار دے دیتے ان کے جواب میں ارشاد ہوا کہ اس سے پہلے ان کی طرف نہ کوئی کتاب نازل کی گئی اور نہ ہی کوئی رسول ان کے پاس بھیجا گیا ہے اس وجہ سے یہ لوگ بلا دلیل اپنی جہالت پر قائم ہیں دراصل یہ لوگ اپنی مالداری کی بنا پر حقائق کو جھٹلائے جارہے ہیں حالانکہ انہیں پہلے لوگوں کے مقابلے میں دنیا کے مال کا عشرِ عشیر بھی نہیں دیا گیا، ان سے پہلے لوگوں نے بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کی جنہیں ہولناک عذاب نے آلیا جس سے انہیں بچانے والا کوئی نہیں تھا۔

وَمَآ	اٰتَیۡنٰهُمۡ	مِّنۡ	کُتُبٍ	یَّدۡرُسُوۡنَهَا	وَمَآ
اور نہیں	ہم نے دیں ان کو	سے	کتابوں	کہ وہ انہیں پڑھتے ہوں	اور نہیں
اَرۡسَلۡنَآ	اِلَیۡهِمۡ	قَبۡلَكَ	مِنۡ	نَّذِیۡرٍ ؕ﴿۴۴﴾	وَ كَذَّبَ الَّذِیۡنَ
ہم نے بھیجا	ان کی طرف	آپ سے پہلے	کوئی	ڈرانے والا	اور جھٹلایا ان لوگوں نے جو
مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۙ	وَمَا	بَلَغُوۡا	مِعۡشَارَ	مَآ	اٰتَیۡنٰهُمۡ
ان سے پہلے تھے	اور نہیں	وہ پہنچے	دسواں حصہ	جو	ہم نے ان کو دیا
فَكَذَّبُوۡا	رُسُلِیۡ ۟	فَكَیۡفَ	كَانَ	نَكِیۡرِ ﴿۴۵﴾ع	
پس انہوں نے جھٹلایا	میرے رسولوں کو	تو کیسا	ہوا	میرا عذاب	

نہ ہم نے ان لوگوں کو کوئی کتاب دی کہ یہ اسے پڑھتے ہوں اور نہ آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی متنبہ کرنے والا بھیجا گیا۔(۴۴) ان سے پہلے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں جو کچھ ہم نے انہیں دیا تھا اس کے عشرِ عشیر تک بھی نہیں پہنچے جب انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تو میری سزا کتنی سخت تھی۔''(۴۵)

مسائل

۱۔ اکثر لوگ حقائق کے باوجود اپنے آباءواجداد کے طریقہ پر قائم رہتے ہیں۔
۲۔ لوگ بلا دلیل انبیائے کرام علیہم السلام کو جھٹلایا کرتے تھے۔
۳۔ اہلِ مکہ کے پاس قرآن مجید اور نبی اکرم ﷺ سے پہلے کوئی کتاب اور نبی نہیں آیا تھا۔
۴۔ کسی قوم کو دنیا کے مال واسباب عذاب سے نہیں بچا سکتے۔

تفسیر بالقرآن

دنیا کے مال واسباب کی حیثیت:

۱۔ مال اور اولاد دنیا کی زینت ہیں باقی رہنے والے نیک اعمال ہیں۔(الکہف:۴۶)
۲۔ قیامت کے دن مال اور اولاد کام نہیں آئیں گے۔(الشعراء:۸۸)
۳۔ جان لو کہ مال، اولاد تمھارے لیے آزمائش ہیں۔(الانفال:۲۸)
۴۔ اے ایمان والو تمھیں مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں۔(المنافقون:۹)

قُلْ	اِنَّمَآ	اَعِظُكُمْ	بِوَاحِدَةٍ ۚ	اَنْ	تَقُوْمُوْا	لِلّٰهِ
فرمادیجیے	صرف	میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں	ایک کی	یہ کہ	تم کھڑے ہوجاؤ	اللہ کے لیے
مَثْنٰى	وَفُرَادٰى	ثُمَّ	تَتَفَكَّرُوْا ۫ قف	مَا	بِصَاحِبِكُمْ	مِّنْ
دو دو	اور ایک ایک	پھر	تم غور کرو	نہیں	تمہارے ساتھی میں	سے
جِنَّةٍ ۭ	اِنْ	هُوَ	اِلَّا	نَذِيْرٌ	لَّكُمْ	
دیوانگی	نہیں	وہ	مگر	ڈرانے والا	تمہیں	
بَيْنَ يَدَيْ	عَذَابٍ	شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾				
پہلے	عذاب سے	سخت				

”اے نبی ان سے فرمائیں کہ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کے لیے اکیلے اکیلے اور دو دو مل کر سوچو کہ تمہارے صاحب میں کوئی پاگل پن ظاہر ہوتا ہے وہ تو سخت عذاب آنے سے پہلے تمہیں متنبہ کرنے والا ہے۔“ (۴۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منکرینِ حق کو پے در پے پانچ استفسارات کرنے کے بعد سمجھایا ہے کہ عذابِ الٰہی سے بچنا چاہتے ہو تو اپنے قول و کردار پر غور کرو۔

قرآن مجید اپنی دعوت کو جبر سے منوانے کی بجائے لوگوں کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اس لیے نبی اکرم ﷺ کو ارشاد ہوا کہ آپ انہیں فرمائیں کہ اللہ کے لیے دو، دو یا اکیلے اکیلے ہو کر سوچو کہ کیا مجھے جنون ہو گیا ہے؟ میں تو تمہیں سخت عذاب سے متنبہ کر رہا ہوں کہ اگر تم اسی روش پر چلتے رہے تو شدید عذاب میں مبتلا کیے جاؤ گے اور تمہیں کوئی بھی بچانے والا نہیں ہوگا۔ نبی کریم ﷺ لوگوں کی اصلاح اور فلاح کے لیے رات دن ایک کیے ہوئے تھے مگر اس کے باوجود لوگ بالخصوص اہلِ مکہ آپ کی دعوت پر غور کرنے کی بجائے آپ کو مجنون کہتے حالانکہ آپ نے ان میں چالیس سال کا عرصہ گزارا تھا جب صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر سرِ عام دعوت پیش کی تو سب سے پہلے یہ سوال کیا تھا کہ بتاؤ میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ جواب میں لوگوں نے بیک زبان ہو کر کہا تھا کہ ہم نے آپ کو ہر اعتبار سے سچا اور امین پایا ہے۔ (سیرت ابن ہشام) مگر اس کے باوجود کبھی آپ ﷺ کو مجنون کہتے اور کبھی جادوگر قرار دیتے تھے حالانکہ بیت اللہ میں حجرِ اسود نصب کرنے کے وقت تمام لوگ آپ کی عقل و دانش کو خراجِ تحسین پیش کر چکے تھے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى صَعِدَ الصَّفَا فَجَعَلَ يُنَادِيْ يَابَنِيْ فِهْرٍ يَابَنِيْ عَدِيٍّ لِبُطُوْنِ قُرَيْشٍ حَتّٰى اجْتَمَعُوْا فَجَعَلَ

الرَّجُلُ اِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يَّخْرُجَ اَرْسَلَ رَسُوْلًا لِيَنْظُرَ مَاهُوَ فَجَاءَ اَبُوْ لَهَبٍ وَقُرَيْشٌ فَقَالَ اَرَئَيْتُمْ اِنْ اَخْبَرْتُكُمْ اَنَّ خَيْلاً تَخْرُجُ مِنْ سَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ بِالْوَادِيْ تُرِيْدُ اَنْ تُغِيْرَ عَلَيْكُمْ اَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ قَالُوْا نَعَمْ مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ اِلَّا صِدْقًا قَالَ فَاِنِّيْ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ قَالَ اَبُوْ لَهَبٍ تَبًّا لَّكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا فَنَزَلَتْ تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ» (رواہ البخاری: باب وانذر عشیر تک الاقربین)

”عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ”آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں“ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور صفا پہاڑی پر چڑھ گئے، آپ پکارنے لگے، اے بنو فہر! اے بنو عدی! اسی طرح آپ نے قریش کے تمام قبائل کو مخاطب کیا یہاں تک کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہوگئے اور جو شخص نہ آسکا تو اس نے معلوم کرنے کے لیے کہ کیا معاملہ ہے اپنا نمائندہ بھیج دیا ابولہب اور قریش کے لوگ بھی آئے۔ آپ نے فرمایا: مجھے بتاؤ، اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کی اوٹ سے ایک لشکر نکل رہا ہے دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ایک لشکر وادی سے نکل کر تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ سب نے ہاں میں جواب دیا اور کہا کہ ہم نے آپ کے بارے میں ہمیشہ سچائی کا تجربہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں اس شدید عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہیں پیش آنے والا ہے یہ سن کر ابولہب کہنے لگا، تباہ ہوجائے کیا تو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا؟ اس پر یہ سورت نازل ہوئی ”ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ تباہ و برباد ہوجائے۔“

مسائل

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بار بار غور و فکر کی دعوت دی۔
۲۔ اہلِ مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دانشمندی کا اعتراف کرنے کے باوجود آپ کو مجنون کہتے تھے۔
۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو عذابِ شدید سے متنبہ فرمایا کرتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر لگائے گئے الزامات:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار جادوگر کہا کرتے تھے۔ (یونس: ۲)
۲۔ کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن اور مجنون کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ آپ کاہن اور مجنون نہیں ہیں۔ (الطور: ۲۹)
۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار شاعر کہتے تھے۔ (الطور: ۳۰) ۴۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار جادوگر اور کذاب کہتے تھے۔ (ص: ۴)
۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار الزام لگاتے تھے کہ آپ قرآن مجید خود بنا لیتے ہیں۔ (النحل: ۱۰۱)
۶۔ کفار نے انبیاء علیہم السلام کو جادوگر اور مجنوں قرار دیا۔ (الذاریات: ۵۲)

قُلْ	مَا	سَاَلْتُكُمْ	مِّنْ	اَجْرٍ	فَهُوَ لَكُمْ
فرما دیجیے	جو	میں نے مانگا تم سے	سے	اجر	تو وہ تمہارے لیے
اِنْ	اَجْرِيَ	اِلَّا	عَلَى	اللّٰهِ	وَهُوَ عَلٰى
نہیں	میرا صلہ	مگر	پر	اللہ	اور وہ پر
كُلِّ	شَيْءٍ	شَهِيْدٌ ﴿۴۷﴾	قُلْ	اِنَّ	رَبِّيْ يَقْذِفُ
ہر	چیز کے	گواہ ہے	فرما دیجیے	بلاشبہ	میرا رب وہ القا کرتا ہے
بِالْحَقِّ	عَلَّامُ	الْغُيُوْبِ ﴿۴۸﴾	قُلْ	جَآءَ	الْحَقُّ
حق بات	خوب جانتا ہے	پوشیدہ باتیں	فرما دیجیے	آ گیا	حق

''اِن سے فرمادیں اگر میں نے تم سے کوئی صلہ مانگا ہے تو وہ اپنے پاس رکھو۔ میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور وہ ہر چیز پر نگران ہے۔(۴۷) ان سے فرمائیں کہ میرا رب مجھ پر حق کا القا کرتا ہے اور وہ تمام خفیہ باتوں کو جاننے والا ہے۔(۴۸) اعلان فرمائیں کہ حق آ گیا۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: گمراہ آدمی کی حماقت کی ایک وجہ اس کا مفاد اور لالچ ہوا کرتا ہے نبی معظم ﷺ کو لوگوں سے کوئی دنیوی مفاد نہیں تھا جس بنا پر کفار کے سامنے حق بیان کرتے ہوئے چار استفسار کیے گئے ہیں۔

اے پیغمبر ﷺ! انہیں فرمادیں کہ کیا میں نے تم سے اس دعوت کے کام پر کسی قسم کا مطالبہ کیا ہے جس بنا پر تم مجھے مجنون کہتے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں کسی لالچ کے پیشِ نظر تمہارے نظریات کی مخالفت کرتا ہوں؟ ہرگز نہیں میرا مقصد تمہاری اصلاح کرنا ہے لہٰذا اپنا مال اپنے پاس رکھو۔ میرا صلہ میرے رب کے ذمہ ہے جو میرے اور تمہارے احوال کو اچھی طرح جانتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ میرا رب مجھ پر حق نازل کرتا ہے جسے میں من وعن تم تک پہنچا رہا ہوں اور اللہ سے کسی کا کوئی معاملہ اور بات پوشیدہ نہیں کیونکہ وہ ہر قسم کے غیب کو جانتا ہے۔ یاد رکھو! حق آشکارہ ہو چکا ہے کہ معبودانِ باطل نے نہ پہلی بار کسی چیز کو پیدا کیا اور نہ دوسری مرتبہ کسی کو پیدا کر سکتے ہیں ان حقائق کے باوجود تم اپنے نقطہ نظر کے مطابق مجھے بھٹکا ہوا سمجھتے ہو تو اس کا وبال مجھ پر ہوگا اگر میں ہدایت پر ہوں تو یہ اس وحی کا نتیجہ ہے جو میری طرف میرا رب بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ ہر بات فوری طور پر سننے والا ہے یہ آپ کے بارے میں ایک سوال کا جواب ہے ورنہ آپ ﷺ حق پر تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے سورۃ یٰسٓ میں قسم کھا کر فرمایا ہے۔

{يٰسٓ ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳﴾ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴﴾} (یٰسٓ:۱ تا۴)

''یٰسٓ۔ اے سردار قسم ہے قرآن حکیم کی یقیناً آپ رسولوں میں سے ہیں اور سیدھے راستے پر ہیں۔''

وَمَا	يُبْدِئُ	الْبَاطِلُ	وَمَا	يُعِيْدُ ﴿٤٩﴾	قُلْ
اور نہیں	ابتدا کرتا	باطل	اور نہ	وہ اعادہ کرتا ہے	فرما دیجیے
اِنْ	ضَلَلْتُ	فَاِنَّمَآ	اَضِلُّ	عَلٰى	نَفْسِيْ ج
اگر	میں بہکا ہوا ہوں	تو صرف	میں بھٹکتا ہوں	پر	اپنی جان
وَاِنِ	اهْتَدَيْتُ	فَبِمَا	يُوْحِيْٓ	اِلَيَّ	رَبِّيْ ط
اور اگر	میں ہدایت پر ہوں	تو بہ سبب اس کے جو	وحی کرتا ہے	میری طرف	میرا رب
اِنَّهٗ	سَمِيْعٌ	قَرِيْبٌ ﴿٥٠﴾			
بے شک وہ	خوب سننے والا	نہایت قریب ہے			

اب باطل کے لیے کچھ نہیں ہو سکتا۔(۴۹) کہیں کہ اگر میں گمراہ ہو گیا ہوں تو میری گمراہی کا وبال مجھ پر ہے اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس وحی کی بناء پر ہوں جو میرا رب مجھ پر نازل فرماتا ہے وہ سُننے والا ہے اور قریب تر ہے۔"(۵۰)

ان آیات میں قل کہہ کر چار باتیں آپ ﷺ کی زبان سے کہلوائی گئی ہیں۔

① میں تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ ② جو کچھ میں تمہیں پہنچاتا ہوں وہ "اللہ" ہی کا نازل کردہ ہے۔

③ حق یہ ہے کہ معبودانِ باطل نہ پہلی بار پیدا کر سکتے ہیں اور نہ دوسری بار ④ یقیناً میں اپنے رب کی ہدایت پر ہوں۔

مسائل

۱۔ نبی اکرم ﷺ دعوت کے بدلے میں کچھ نہیں لیتے تھے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہر بات سے باخبر ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے ہی آپ ﷺ پر حق نازل فرمایا ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ ہر بات فی الفور سنتا ہے۔

۵۔ نبی اکرم ﷺ حق پر قائم اور لوگوں تک حق پہنچانے والے تھے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر انسان کے قریب ہے اور اس کی ہر بات سننے والا ہے:

۱۔ بے شک میرا رب دعاؤں کو سننے والا ہے۔(آل عمران:۳۸) ۲۔ بیشک اللہ دعاؤں کو سننے والا ہے۔(ابراہیم:۳۹)

۳۔ اللہ سے ڈر جاؤ اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔(الحجرات:۱) ۴۔ اللہ تعالیٰ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔(ق:۱۶)

۵۔ اللہ تعالیٰ انسان کے قریب ہے اور ہر کسی کی دعا کو سنتا اور قبول کرتا ہے۔(البقرۃ:۱۸۶)

وَ	لَوْ	تَرٰۤی	اِذْ	فَزِعُوْا	فَلَا فَوْتَ
اور	کاش!	آپ دیکھیں	جب	وہ گھبرائے ہوئے ہوں گے	تو نہ بچ سکیں گے بھاگ کر
وَ اُخِذُوْا	مِنْ	مَّكَانٍ	قَرِيْبٍ ۵۱	وَّ قَالُوْۤا	اٰمَنَّا
اور وہ پکڑ لیے جائیں گے	سے	جگہ	نزدیک	اور وہ کہیں گے	ہم ایمان لے آئے
بِهٖ	وَ اَنّٰى	لَهُمُ	التَّنَاوُشُ	مِنْ	مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ۵۲
ساتھ اسکے	اور کہاں ہوگا	ان کے لیے	حاصل کرنا	سے	جگہ دور
وَّ قَدْ	كَفَرُوْا	بِهٖ	مِنْ قَبْلُ		
اور تحقیق	انہوں نے کفر کیا	اس کے ساتھ	اس سے پہلے		

”کاش آپ انہیں اس وقت دیکھیں جب یہ لوگ گھبرائے ہوئے پھر رہے ہوں گے اور کہیں بچ کر نہ جاسکیں گے، بلکہ قریب سے ہی پکڑ لیے جائیں گے۔(۵۱) اُس وقت یہ کہیں گے کہ ہم اُس پر ایمان لے آئے، حالانکہ دور نکلی ہوئی چیز کس طرح ہاتھ آسکتی ہے۔(۵۲) یہ اس سے پہلے کفر کر چکے تھے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفر وشرک پر قائم رہنے والوں کا انجام۔

کفار اور مشرکین جہنم کو دہکتے اور ہانپتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے پسینے چھوٹ جائیں گے اور ان کے کلیجے منہ کو آ جائیں گے وہ اپنے طور پر بھاگنے کی کوشش کریں گے ابھی بھاگنے کا سوچ ہی رہے ہوں گے کہ ملائکہ ان کی گردنیں دبوچتے ہوئے ان کے گلے میں جہنم کے طوق ڈال دیں گے اور ان کے پاؤں میں بیڑیاں پہنا دیں گے۔ انہیں کوڑوں سے ہانکتے ہوئے جہنم کی طرف دھکیل دیں گے۔ اس صورتِ حال میں جہنمی حسرت بھرے الفاظ اور انداز میں فریاد کریں گے کہ اب ہم ایمان لاتے ہیں کیونکہ ہم نے وہ سب کچھ دیکھ اور پا لیا ہے جس کی ہم تکذیب کیا کرتے تھے لیکن اس وقت ایمان لانے کا مقام اور موقع کہاں ہوگا ایمان ان سے بہت دور ہوگا یعنی انہیں ایمان لانے اور اس کے مطابق عمل کرنے کے لیے دنیا کی زندگی میں پورا پورا موقعہ دیا گیا تھا لیکن انہوں نے اپنے اندھے پن کی وجہ سے اس موقعہ کو کھو دیا، اب دار العمل کی بجائے دار الامتحان ہوگا اور اس کا نتیجہ بھگتنے کا وقت اور مقام ہوگا اس وقت ان کی امیدوں اور ان کے درمیان پردہ حائل کر دیا جائے گا۔ جس طرح ان سے پہلے جہنمیوں کے درمیان حائل کر دیا گیا کیونکہ یہ لوگ اللہ، اس کے رسول اور آخرت کے بارے میں بے یقینی کا شکار تھے جو لوگ دنیا میں بے چینی کا شکار تھے آخرت میں ان کے اضطراب کی کوئی حد نہ ہوگی۔

کچھ مفسرین نے ان آیات کو دنیا کے عذاب پر منطبق کیا ہے کہ جب ایسے لوگوں پر اللہ کا عذاب آتا ہے تو وہ اس وقت

وَ يَقْذِفُوْنَ	بِالْغَيْبِ	مِنْ	مَّكَانٍۭ	بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾	وَحِيْلَ	بَيْنَهُمْ
اور وہ پھینکتے رہے	بن دیکھے	سے	جگہ	دور	اور حائل کر دی جائے گی	ان کے درمیان

وَبَيْنَ	مَا	يَشْتَهُوْنَ	كَمَا	فُعِلَ	بِاَشْيَاعِهِمْ	مِّنْ قَبْلُ ؕ
اور درمیان	جو	وہ چاہیں گے	جیسے	کیا گیا	ان جیسے کام کرنے والوں کے ساتھ	اس سے پہلے

اِنَّهُمْ	كَانُوْا	فِيْ	شَكٍّ	مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾ ع
بلاشبہ وہ	تھے	میں	شک	اضطراب میں ڈالنے والے

اور بلا وجہ دور دور کی کوڑیاں لایا کرتے تھے۔(۵۳) جس چیز کی یہ تمنا کر رہے ہوں گے اس سے محروم کر دیے جائیں گے جس طرح ان کے پیش رَو محروم ہو چکے، کیونکہ یہ بڑے گمراہ کُن شک میں پڑے ہوئے تھے۔''(۵۴)

بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں پاتے وہ ایمان لانے کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان کا ایمان قبول نہیں کیا جاتا جس شک میں مبتلا ہوتے ہیں اسی حالت میں موت کے گھاٹ اتار دیئے جاتے ہیں اور اسی انجام کو پہنچ جاتے ہیں جس انجام سے ان کے پیش رو دوچار ہوئے تھے۔

ع ۹ ۶/۱۲

مسائل

۱۔ مجرم جہنم کا عذاب دیکھ کر گھبرا کر بھاگنے کی کوشش کر رہے ہوں گے تو انہیں جکڑ لیا جائے گا۔

۲۔ مجرم ایمان لانے کی خواہش کا اظہار کریں گے لیکن انہیں موقعہ نہیں دیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

مجرموں کی خواہش اور آرزوئیں:

۱۔ جہنمی کہیں گے اے اللہ ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو واپس لوٹا دے۔(السجدۃ:۱۲)

۲۔ جہنمی جہنم سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو دوبارہ لوٹا دیے جائیں گے۔(السجدۃ:۲۰)

۳۔ جب بھی ارادہ کریں گے کہ ہم جہنم سے نکلیں تو اس میں واپس لوٹائے جائیں گے۔(الحج:۲۲)

۴۔ اے رب ہمارے! ہمیں یہاں سے نکال ہم پہلے سے نیک عمل کریں گے۔(فاطر:۳۷)

۵۔ اے رب ہمارے! ہم کو یہاں سے نکال اگر دوبارہ ایسا کریں تو بڑے ظالم ہوں گے۔(المؤمنون:۱۰۷)

سورۃ فاطر کا تعارف

سورۃ فاطر مکہ کی سرزمین پر نازل ہوئی اس کا نام اس کی پہلی آیت کا تیسرا لفظ ہے یہ سورت پانچ رکوعات اور پینتالیس آیات پر مشتمل ہے۔

ربطِ سورۃ: سورۃ سبا کے اختتام میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جولوگ آخرت کے بارے میں شک کرتے ہیں، وقت آئے گا کہ وہ آخرت پر ایمان لائیں گے لیکن اس وقت ایمان لانے کا انہیں کچھ فائدہ نہیں ہوگا وہ بھاگنے کی کوشش کریں گے لیکن فوراً گرفتار کرلیے جائیں گے سورۃ فاطر کی ابتداء ''اللہ'' کی حمد سے ہوئی ہے اور ملائکہ کی قوت کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ کچھ ملائکہ کے دو دو پر ہیں کچھ کے تین تین اور کچھ ملائکہ چار پروں والے ہیں اور جبریل امین علیہ السلام کے بارے میں اللہ کے نبی نے فرمایا ہے کہ "لَهُ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ قَد سَدَّ الْاُفُقَ" (رواہ البخاری: کتاب بداء الخلق، باب اذا قال احدکم آمین والملائکۃ فی السماء) ان کے چھ سو پر ہیں۔

اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے اپنی مخلوق کو پیدا کرتا ہے اور وہ ہر کام کرنے پر پوری قوت اور اختیار رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد اپنے اختیارات کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت سے سرفراز کرے اور جسے چاہے اپنی رحمت سے محروم رکھے نہ اس کی رحمت کو کوئی روک سکتا ہے اور نہ اُسے جبراً کوئی حاصل کر سکتا ہے وہ ہر اعتبار سے غالب اور حکمت والا ہے یہ اُس کی رحمت کا ہی انداز ہے کہ وہ جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے کم کرتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں لیکن اس کے باوجود لوگ دوسروں کو معبود بناتے ہیں۔ قیامت قائم کرنے کے بارے میں اُس کا وعدہ برحق ہے اس دن کفار کو شدید عذاب ہوگا اور نیک لوگوں کو اجرِ عظیم دیا جائے گا۔

سورۃ کے دوسرے رکوع میں انسان کی تخلیق کے مراحل کا ذکر فرما کر واضح کیا ہے کہ انسان کن مراحل سے گزر کر پیدا ہوتا ہے، اس کے بعد بتلایا کہ سمندر میں میٹھے اور کڑوے پانی کا اکٹھا چلنا، سمندر سے مچھلیوں اور موتیوں کا نکلنا، رات اور دن کا ایک دوسرے کے کچھ حصہ پر غالب آنا اور چاند اور سورج کا اپنی اپنی ڈیوٹی پر وقت مقرر کے مطابق چلتے رہنا، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں عظیم نشانیوں کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہی تمہارا ''اللہ'' ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اور سب کچھ اُسی کا ہے جن کو اللہ کے ساتھ پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی میں پڑے ہوئے پردے کے برابر بھی اختیارات نہیں رکھتے یہاں تک کہ وہ تمہاری فریاد بھی نہیں سُن سکتے جن کو تم اپنے رب کا شریک بناتے ہو وہ قیامت کے دن اپنے ماننے والوں کا انکار کریں گے لہٰذا لوگو! اِدھر اُدھر جانے کی بجائے صرف اپنے رب سے مانگا کرو، وہ غنی اور صاحبِ تعریف ہے اور تم سب اس کے در کے فقیر ہو اگر وہ چاہے تو سب کو ختم کر کے نئی مخلوق پیدا کردے وہ ایسا کرنے پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے اور نہ ہی قیامت کے دن کوئی اس کے کام میں دخل انداز ہو سکے گا یہاں تک کہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اس حقیقت سے آگاہ

کرنے کے بعد توحید اور کفر کا تقابل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جس طرح اندھا اور دیکھنے والا، اندھیرا اور روشنی، دھوپ اور سایہ، زندہ اور مُردے برابر نہیں ہوتے یہی موحد اور مشرک کا آپس میں فرق ہے۔

اتنا فرق ہونے کے باوجود لوگ ''اللہ'' کی توحید کو ماننے اور آپ ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تو آپ ﷺ کو دل چھوٹا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی جھٹلایا گیا ہے یہ لوگ حقیقت میں مُردہ ہو چکے ہیں آپ مُردوں کو نہیں سُنا سکتے۔ اس کے بعد بارش، پہاڑوں اور چوپاؤں کا ذکر فرما کر اشارۃً سمجھایا ہے کہ جس طرح بارش سے مختلف قسم کی نباتات نکلتی ہیں اور پہاڑوں کی مختلف اقسام اور رنگ ہوتے ہیں، چوپاؤں اور انسانوں کے مختلف رنگ ہوتے ہیں اسی طرح لوگوں کے مزاج میں فرق ہوتا ہے کچھ لوگ نرم اور سلیم الفطرت ہوتے ہیں جو حق بات کو جلد قبول کر لیتے ہیں اور کچھ ان میں سے سخت طبیعت اور بدمزاج ہوتے ہیں جو حق بات کو قبول کرنے کی بجائے اس کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں البتہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے حقیقی علم سے نوازا ہے وہ اپنے رب سے ڈرنے اور اس کی طرف رجوع کرنے والے ہوتے ہیں ایسے لوگوں کی خطاؤں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے کیونکہ وہ بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

سورت کے آخری دو رکوع میں دیگر مسائل بتلانے کے بعد مشرکوں کو چیلنج دیا ہے کہ اگر تمہارے بنائے ہوئے شریکوں کے پاس اُن کی پیدا کردہ کوئی چیز ہو یا کوئی اور دلیل ہو تو وہ پیش کرو حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا بُردبار اور بخشنہار ہے اگر وہ لوگوں کو اُن کے گناہوں کی وجہ سے پکڑنے پر آئے تو زمین پر کوئی چیز باقی نہ رہے لیکن اُس نے لوگوں کو ایک وقت تک مہلت دے رکھی ہے یقیناً وہ اپنے بندوں کی ہر وقت نگرانی کرنے والا ہے۔

سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رُكُوْعَهَا ۵ اٰيَاتُهَا ۴۵

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے

اَلْحَمْدُ	لِلّٰهِ	فَاطِرِ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ	جَاعِلِ
تمام تعریفیں	اللہ کے لیے ہیں	جو پیدا کرنے والا ہے	آسمانوں	اور زمین کو	بنانے والا
الْمَلٰٓئِكَةِ	رُسُلًا	اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ		مَّثْنٰى	وَثُلٰثَ
فرشتوں کو	قاصد	پروں والے		دو دو	اور تین تین
وَرُبٰعَ	يَزِيْدُ	فِي	الْخَلْقِ	مَا	يَشَآءُ
اور چار چار	وہ زیادہ کرتا ہے	میں	پیدائش	جو	وہ چاہتا ہے
اِنَّ	اللّٰهَ	عَلٰى	كُلِّ	شَيْءٍ	قَدِيْرٌ ①
بلاشبہ	اللہ	پر	ہر	چیز	خوب قادر ہے

”اللہ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا اور فرشتوں کو پیغام رساں مقرر کرنے والا ہے، جن کے دو دو، تین تین اور چار چار پر ہیں، وہ اپنی مخلوق کی بناوٹ میں جس طرح چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ (۱)

فہم القرآن

تمام تعریفات ”اللہ“ ہی کے لیے ہیں جس نے زمین وآسمانوں کو پیدا فرمایا اور وہی ملائکہ کو پیغام رساں بنانے والا ہے اسی نے ملائکہ کو دو دو، تین تین اور چار چار پَر عطا فرمائے ہیں وہ جو چاہے اور جس طرح چاہے پیدا کرتا ہے کیونکہ وہ ہر کام کرنے پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس لیے بھی تعریف کا مستحق ہے۔

ملائکہ کی تخلیق کے بیان کے فوراً بعد ”يَزِيْدُ“ کا لفظ لا کر یہ واضح فرمایا کہ ملائکہ صرف چار چار پَر رکھنے والے ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے ملائکہ بھی پیدا فرمائے ہیں جن کا وجود سینکڑوں پَروں پر مشتمل ہے اس کی تخلیق میں جمود اور ٹھہراؤ نہیں بلکہ وہ مخلوق در مخلوق پیدا کرنیوالا ہے۔ زمین کی طرف دیکھیے جو نباتات آج سے ایک صدی پہلے موجود نہ تھی آج وہ بھی دکھائی دے رہی ہیں نامعلوم قیامت تک کون کون سی نباتات زمین سے برآمد ہونے والی ہیں۔ یہی حالت معدنیات کی ہے جس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے آسمان کی طرف کسی لطیف ترین دوربین سے دیکھیں تو عقل حیران رہ جائے گی کہ لاکھوں کی تعداد میں مٹنے والے سیاروں کی جگہ دوسرے سیارے نمودار ہو رہے ہیں آسمان کے بارے میں ارشاد ہے کہ ہم نے اسے اپنے ہاتھوں سے بنایا اور ہم ہی انہیں وسعت دینے والے ہیں۔ (الذّاریات: ۴۷) ملائکہ کی تخلیق کے ذکر میں ارشاد ہے کہ انہیں پیغام رسانی کے لیے بنایا

گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظام چلانے کے لیے ملائکہ کو مختلف قسم کی ذمہ داریاں دے رکھی ہیں جو انتہائی تابع فرمان خادم کی حیثیت سے اپنے خالق کے حکم پر عمل درآمد کرتے ہیں انکی ذمہ داریوں میں پیغام رسانی کا ذکر فرما کر انسانوں کو یہ احساس دلایا ہے کہ تمہاری تمام حرکات و سکنات کو ملائکہ نہ صرف نوٹ کرتے ہیں بلکہ وہ اُسے اپنے رب کے حضور پیش بھی کرتے ہیں، ملائکہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام کے کارکنان ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کو براہ راست دیکھنے والا اور جاننے والا ہے۔ "قَدِيْرٌ" کا لفظ استعمال فرما کر مشرکوں کے اس عقیدہ کی نفی کی گئی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خدائی میں ملائکہ کو بھی کچھ اختیار دے رکھے ہیں ایسا ہر گز نہیں کیونکہ وہ پوری کائنات میں بلا شرکت غیرے کامل اور مکمل اختیار رکھنے والا ہے۔

«عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى جِبْرِيْلَ وَلَهُ سِتُّمِائَةِ جَنَاحٍ»

(رواه البخاری: کتاب بدء الخلق، باب اذا قال احدکم آمین والملائکۃ فی السماء)

"حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا اس کے چھ سو پر تھے۔"

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں ملائکہ کا تذکرہ اور ان کے کام:

۱۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی گواہی دیتے ہیں۔ (النساء: ۱۶۶)

۲۔ قرآن مجید میں ۴ فرشتوں کا نام آیا ہے۔ جبرائیل، میکائیل، ملک الموت، اور جہنم کا کنٹرولر فرشتہ مالک۔ (البقرۃ، ۹۸، السجدۃ: ۱۱، الزخرف: ۷۷)

۳۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام ملائکہ کے سردار ہیں۔ (نبا: ۳۸) ۴۔ جبریل علیہ السلام مقرب ترین فرشتہ ہے۔ (النجم: ۸)

۵۔ جبریل علیہ السلام طاقتور فرشتہ ہے۔ (النجم: ۵) ۶۔ جبریل علیہ السلام دیانت دار فرشتہ ہے۔ (الشعراء: ۱۹۳)

۷۔ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے قلبِ اطہر پر قرآن اتارا ہے۔ (البقرۃ: ۹۷)

۸۔ (اسرافیل) قیامت کے دن صور پھونکے گے۔ (الزمر: ۶۸) ۹۔ جہنم کے کنٹرولر فرشتے کا نام مالک ہے۔ (الزخرف: ۷۷)

۱۰۔ قیامت کے دن ۸ فرشتے اللہ تعالیٰ کے عرش کو اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ (الحاقۃ: ۱۷)

۱۱۔ اللہ تعالیٰ کے عرش کو ملائکہ اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ مومنوں کے لیے بخشش کی دعائیں کرتے ہیں۔ (المومن: ۷)

۱۲ فرشتے جنت پر معمور ہیں۔ (الزمر: ۷۳) ۱۳۔ فرشتے جہنم پر ڈیوٹی کر رہے ہیں۔ (الزمر ۷۱)

۱۴۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں۔ (البقرۃ: ۳۰) ۱۵۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت دیتے ہیں۔ (ہود: ۶۹)

۱۶۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے نافرمانوں کو عذاب دیتے ہیں۔ (ہود: ۷۷)

۱۷۔ ملائکہ لوگوں کے اعمال کو درج کرتے ہیں۔ (انفطار: ۱۱)

۱۸۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے مسلمانوں کی مدد کرتے ہیں۔ (آل عمران: ۱۲۴، ۱۲۵)

مَا	يَفْتَحِ	اللّٰهُ	لِلنَّاسِ	مِنْ	رَّحْمَةٍ	فَلَا
جو	کھول دے	اللہ	لوگوں کے لیے	سے	رحمت	تو نہیں
مُمْسِكَ	لَهَا ۚ	وَمَا	يُمْسِكْ ۙ	فَلَا	مُرْسِلَ	
کوئی بند کرنے والا	اسے	اور جو	وہ بند کر دے	تو نہیں ہے	کوئی نازل کرنے والا	
لَهٗ	مِنْۢ	بَعْدِهٖ ؕ	وَهُوَ	الْعَزِيْزُ	الْحَكِيْمُ ۝	
اس کے لیے	سے	اس کے بعد	اور وہ	نہایت غالب	خوب حکمت والا ہے	

''اللہ''لوگوں کے لیے اپنی رحمت کا دروازہ کھول دے تو اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جسے وہ بند کر دے اسے اللہ کے سوا کوئی کھولنے والا نہیں، وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔'' (۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قادر قدیر کے اختیارات کی ایک اور جھلک پر غور کریں۔

مشرکین میں سے ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو کچھ اختیارات دے رکھے ہیں یہاں اس عقیدہ کی کھلے الفاظ میں نفی کرتے ہوئے سمجھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ یا کسی ذات کو رائی کے دانے کے برابر بھی اپنی خدائی میں اختیارات نہیں دیئے وہ کسی کو اپنی رحمت سے سرفراز کرنا چاہے تو اس کی رحمت کو کوئی روکنے والا نہیں اگر وہ اپنی رحمت کو روک لے تو اسے کوئی نازل کرنے والا نہیں ہے وہ اپنے حکم اور فیصلے نافذ کرنے پر غالب ہے۔ پوری طرح غلبہ حاصل ہونے کے باوجود اس کے ہر کام اور حکم میں حکمت پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنا کہ وہی دینے اور عطا فرمانے والا ہے یہ ایسا عقیدہ اور فکر ہے جس سے انسان نہ صرف مخلوق سے بے نیاز ہو جاتا ہے بلکہ در در کی ٹھوکریں کھانے سے بھی بچ جاتا ہے۔ اس کے اخلاق اور معاملات میں اخلاص کا پہلو غالب رہتا ہے وہ کسی کے ساتھ ہمدردی اس لیے نہیں کرتا کہ آنے والے کل کو یہ اُسے ضرور فائدہ پہنچائے گا وہ کسی بڑے کو سلام کرتا ہے تو اس کے دل میں یہ خوف نہیں ہوتا کہ اگر اس نے اسے سلام نہ کیا تو یہ اُسے کسی چیز سے محروم کر دے گا کیونکہ اس کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ جو چیز میرا رب مجھے عطا کرنا چاہے گا اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس چیز کو اس نے روک لیا اسے کوئی دے نہیں سکتا اسی عقیدہ کو تازہ اور پختہ رکھنے کے لیے نبی اکرم ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع سے اپنا سر اُٹھاتے تو پڑھتے، اے ہمارے رب! تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں آسمانوں وزمین کے درمیان خلاء جتنی اور اس کے بعد جتنی تو چاہتا ہے، تو اُس ثناء کا سب سے زیادہ اہل ہے اور اُس بزرگی کا سب سے زیادہ حق رکھتا ہے جو ثناء اور عظمت تیرے لیے بندہ بیان کرتا ہے ہم تیرے ہی بندے ہیں اے اللہ! جو چیز تو عطاء کرنا چاہیے اُسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو چیز تو روک لے اُس کو

کوئی عطا کرنے والا نہیں تجھ سے بڑھ کر کوئی عظمت والا اور نفع دینے والا نہیں۔‘‘

(رواہ مسلم: باب مَا یقُولُ إِذَارَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّکُوعِ)

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا فَقَالَ يَا غُلَامُ إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ احْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ احْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ»

(رواہ الترمذی أَبْوَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالرَّقَائِقِ وَالْوَرَعِ: باب منه [صحیح])

’’حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک دن میں رسولِ کریم ﷺ کے پیچھے سوار تھا آپ ﷺ نے فرمایا: بچے! میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں، اللہ کو یاد رکھنا وہ تجھے یاد رکھے گا، جب تو اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے گا تو اسے اپنے سامنے پائے گا، جب تو سوال کرے تو اللہ ہی سے سوال کر، جب تو مدد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کر اور یقین رکھ کہ اگر پوری مخلوق تجھے کچھ نفع دینے کے لیے جمع ہوجائے تو وہ اتنا ہی نفع دے سکتی ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ رکھا ہے اگر وہ تجھے نقصان پہنچانے پر تل جائے تو تجھے اتنا ہی نقصان پہنچے گا جتنا تیرے حق میں لکھا گیا ہے، قلمیں اٹھالی گئیں ہیں اور صحیفے خشک ہوگئے ہیں۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں حکمت ہوتی ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کسی پر کرم فرمائے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے محروم کرنا چاہے تو کوئی اسے دے نہیں سکتا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے غالب ہے۔

تفسیر بالقرآن

زمین اور آسمان اللہ ہی کی ملکیت ہیں:

۱۔ ’’اللہ‘‘ ہی کے لیے زمین وآسمان کی ملکیت ہے۔ (البقرۃ: ۱۰۷) ۲۔ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے۔ (آل عمران: ۲۶)

۳۔ ’’اللہ‘‘ جسے چاہتا ہے حکومت دیتا ہے۔ (آل عمران: ۲۶) ۴۔ ’’اللہ‘‘ جس سے چاہتا ہے حکومت چھین لیتا ہے۔ (آل عمران: ۲۶)

۵۔ اللہ ہی کیلئے زمین وآسمان کی بادشاہی ہے۔ (الشوریٰ: ۴۹) ۶۔ بابرکت ہے وہ ذات جسکے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ (الملک: ۱)

۷۔ اللہ ہی کے لیے زمین وآسمان کی ملکیت ہے وہ جسے چاہے معاف کرے گا۔ (الفتح: ۱۴)

يٰۤاَيُّهَا	النَّاسُ	اذْكُرُوْا	نِعْمَتَ	اللّٰهِ	عَلَيْكُمْ ؕ	هَلْ
اے	لوگو!	تم یاد کرو	نعمت کو	اللہ کی	تم پر	کیا ہے
مِنْ خَالِقٍ	غَيْرُ	اللّٰهِ	يَرْزُقُكُمْ	مِّنَ	السَّمَآءِ	
کوئی خالق	سوائے	اللہ کے	وہ تمہیں رزق دیتا ہے	سے	آسمان	
وَالْاَرْضِ ؕ	لَاۤ	اِلٰهَ	اِلَّا	هُوَ ۖ	فَاَنّٰى	تُؤْفَكُوْنَ ۞
اور زمین	نہیں ہے	کوئی معبود	مگر	وہی	تو کہاں	تم بہکائے جاتے ہو

اے لوگو! تم پر جو اللہ کے انعامات ہیں انہیں یاد رکھو کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو اس کے سوا کوئی معبود نہیں آخر تم کہاں سے دھوکا کھا رہے ہو۔" (۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نتیجہ ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی نعمتوں سے سرفراز کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کو رحمت اور نعمتوں سے نوازنے والا ہے اس کے سوا کوئی کسی کو ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی عطا نہیں کر سکتا وہی منعمِ حقیقی اور خالقِ کل ہے اس کا ارشاد ہے کہ لوگو! میری نعمتوں کو یاد رکھا کرو جس انسان کا یہ عقیدہ پختہ ہو جائے کہ مجھے صرف اللہ ہی نوازنے والا ہے، وہی میرا رازق اور خالق ہے تو پھر اس کے حاشیہ خیال سے یہ بات نکل جاتی ہے کہ مجھے کوئی اور بھی نواز سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ لوگوں سے استفسار فرماتا ہے کہ بتاؤ اللہ کے سوا تمہارا کوئی اور بھی خالق ہے جو تمہیں زمین و آسمان سے رزق فراہم کرتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی خالق اور رازق نہیں جب اس کے سوا کوئی خالق اور رازق نہیں تو پھر کس بنیاد پر تم دوسروں کو داتا و دستگیر، حاجت روا، مشکل کشا کہتے اور سمجھتے ہو؟

یاد رہے کہ یہاں الٰہ کا لفظ خالق اور رازق کے معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق اور رازق نہیں تو پھر اس کو چھوڑ کر یا اس کے ساتھ دوسروں کو ملا کر کیوں گمراہی میں بھٹکتے ہو؟

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے سوا انسان کو کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت بھی عطا نہیں کر سکتا۔

۲۔ اللہ ہی کائنات کا خالق اور رازق ہے۔ ۳۔ اس کے سوا زمین و آسمان میں کچھ بھی کوئی دینے والا نہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو داتا، دستگیر اور لجپال کہنے والا راہِ ہدایت سے بھٹک جاتا ہے۔

مِّنْ قَبْلِكَ	رُسُلٌ	كُذِّبَتْ	فَقَدْ	يُّكَذِّبُوْكَ	وَاِنْ
آپ سے پہلے	کئی رسول	جھٹلائے گئے	تو تحقیق	وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں	اوراگر

الْاُمُوْرُ ④	تُرْجَعُ	اللّٰهِ	وَاِلَى
سب معاملات	لوٹائے جاتے ہیں	اللہ کی	اورطرف

''اے نبی اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں اور سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔''(۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام : اللہ تعالیٰ کی توحید کی وجہ سے ہی لوگوں نے انبیاء کرام ؊ کو جھٹلایا اور توحید کی وجہ سے ہی مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو جھوٹا ہونے کا الزام دیا۔

اعلانِ توحید سے پہلے اہلِ مکہ رسول کریم ﷺ کو ''الصّادق'' اور ''الامین'' کے القاب کے ساتھ مخاطب کیا کرتے تھے۔ لیکن جونہی آپ ﷺ نے توحید کی دعوت کا آغاز فرمایا تو وہ لوگ نہ صرف آپ کے مخالف ہوئے بلکہ انہوں نے آپ کو جھوٹا قرار دیا جس پر آپ کا رنجیدہ ہونا فطری بات تھی۔ حقیقت بتلانے اور آپ کو تسلی دینے کے لیے ارشاد ہوا کہ آپ کو جھٹلانا کوئی انوکھی بات نہیں آپ سے پہلے انبیاء کو بھی جھٹلایا گیا لہٰذا گھبرانے اور افسردہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ہر کسی نے لوٹ کر اسی کے حضور پیش ہونا ہے۔ ان الفاظ میں آخرت کا عقیدہ سمجھاتے ہوئے ایک انتباہ کیا گیا ہے کہ دنیا میں جو چاہو کرلو بالآخر تم نے ہمارے حضور حاضر ہونا ہے۔

سورۃ الانعام آیت ۳۳ میں آپ ﷺ کو اس طرح تسلی دی گئی کہ ہم جانتے ہیں کہ ان کی ہرزہ سرائی آپ کو پریشان کرتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ظالم آپ کو نہیں بلکہ اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔ سورۃ الانعام آیت ۳۴ میں آپ ﷺ کو یہ بتلا کر تسلی دی گئی کہ آپ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا ہے لیکن انہوں نے اس تکذیب پر صبر کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی مدد آپہنچی اے پیغمبر ﷺ! آپ کے رب کے ارشادات تبدیل نہیں ہوا کرتے یقیناً آپ کے پاس پہلے انبیاء ؊ کے حالات پہنچ چکے ہیں۔

«عَنْ طَارِقِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ إِنِّي لَقَائِمٌ بِسُوْقِ الْمَجَازِ إِذْ أَقْبَلَ رَجُلٌ عَلَيْهِ جُبَّةٌ لَهُ وَهُوَ يَقُوْلُ يَاأَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ تُفْلِحُوْا، وَرَجُلٌ يَتْبَعُهُ يَرْمِيْهِ بِالْحِجَارَةِ يَقُوْلُ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ كَذَّابٌ فَلَا تُصَدِّقُوْهُ، فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا ؟ قَالَ هٰذَا غُلَامٌ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ الَّذِيْ يَزْعَمُ أَنَّهُ رَسُوْلُ اللهِ، قَالَ فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا الَّذِيْ يَفْعَلُ بِهِ هٰذَا ؟ قَالَ هٰذَا عَمُّهُ عَبْدُ الْعُزّٰى»

(رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ: باب قدوم طارق بن عبد اللہ وأصحابه علی النبی ﷺ وقول المرأۃ التی کانت معھم فی رسول اللہ ﷺ [صحیح])

’’طارق بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ کے مجاز نامی بازار میں کھڑا تھا جب ایک آدمی بازار میں داخل ہوا اور وہ جبّہ پہنے ہوئے تھا وہ کہہ رہا تھا اے لوگو! اس بات کا اقرار کرلو کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں فلاح پا جاؤ گے۔ دوسرا آدمی اُس کے پیچھے پیچھے اُسے پتھر مار رہا تھا اور کہہ رہا تھا لوگو! اِس جھوٹے کی بات کو نہ مانوں میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ اُس نے کہا یہ بنی ہاشم کا ایک فرد ہے جو اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہتا ہے میں نے کہا جو اُس کے ساتھ یہ سلوک کررہا ہے وہ کون ہے؟ اُس نے کہا یہ اُس کا چچا عبدالعزیٰ (ابولہب) ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ نبی کریم ﷺ اوران سے پہلے انبیاء کو جھٹلایا گیا۔ ۲۔ بالآخر ہر کام کا انجام اللہ کے ہاں پیش ہوتا ہے

تفسیر بالقرآن

آپ ﷺ اور آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ لوگوں کا سلوک:

۱۔ اگر انہوں نے آپ کو جھٹلا دیا ہے تو آپ سے پہلے بھی کئی رسول جھٹلائے گئے ہیں۔ (آل عمران: ۱۸۴)
۲۔ آپ کو اگر انہوں نے جھٹلا دیا ہے آپ فرمادیں میرے لیے میرے عمل اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے۔ (یونس: ۴۱)
۳۔ اگر انہوں نے آپ کو جھٹلا دیا ہے تو آپ فرمادیں تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے۔ (الانعام: ۱۴۷)
۴۔ اگر انہوں نے آپ کو جھٹلا دیا ہے تو جھٹلائے گئے ان سے پہلے حضرت نوح اور دوسرے انبیاء۔ (الحج: ۴۲)
۵۔ وہ لوگ جو ہماری آیات کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور ان کی تکذیب کرتے ہیں وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ (البقرۃ: ۳۹)
۶۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگ ان کے پاس سے گذرتے تھے تو وہ ان سے مذاق کرتے۔ (ہود: ۳۸)
۷۔ قوم نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا تو انہیں ہلاک کردیا گیا۔ (العنکبوت: ۳۷)
۸۔ یہ لوگ آپ سے مذاق کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے مذاق کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (التوبۃ: ۷۹)
۹۔ جب وہ ہماری نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق کرتے ہیں۔ (الصّٰفّٰت: ۱۴)
۱۰۔ جب بھی ان کے پاس رسول آیا تو وہ اُس کا مذاق اُڑاتے۔ (الحجر: ۱۱)
۱۱۔ جب بھی ان کے پاس آپ سے پہلے رسول آئے تو انہوں نے انہیں جادوگر اور مجنوں قرار دیا۔ (الذّٰریات: ۵۲)
۱۲۔ لوگوں پر افسوس ہے کہ ان کے پاس جب بھی رسول آئے تو انہوں نے ان کے ساتھ استہزاء کیا۔ (یٰس: ۳۰)

يٰۤاَيُّهَا	النَّاسُ	اِنَّ	وَعْدَ	اللّٰهِ	حَقٌّ	فَلَا
اے	لوگو!	بے شک	وعدہ	اللہ کا	سچا ہے	پس نہ
تَغُرَّنَّكُمُ	الْحَيٰوةُ	الدُّنْيَا	وَلَا	يَغُرَّنَّكُمْ	بِاللّٰهِ	
تمہیں دھوکے میں ڈالے	زندگی	دنیا والی	اور نہ	تم کو دھوکے میں ڈالے	اللہ کے بارے	
الْغَرُوْرُ ۝	اِنَّ	الشَّيْطٰنَ	لَكُمْ	عَدُوٌّ	فَاتَّخِذُوْهُ	عَدُوًّا
دھوکے باز	بے شک	شیطان	تمہارا	دشمن ہے	لہٰذا تم اس کو بناؤ	دشمن
اِنَّمَا	يَدْعُوْا	حِزْبَهٗ	لِيَكُوْنُوْا	مِنْ	اَصْحٰبِ	السَّعِيْرِ ۝
صرف	وہ بلاتا ہے	اپنے گروہ کو	تاکہ وہ ہوں	سے	اہل	جہنم

’’اے لوگو! یقیناً اللہ کا وعدہ برحق ہے دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ تمہیں شیطان اللہ کے بارے میں دھوکہ دینے پائے۔ (۵) حقیقت یہ ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اسے تم اپنا دشمن سمجھو، وہ اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے کہ اس کے پیچھے لگنے والے جہنمیوں میں شامل ہو جائیں۔‘‘ (۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سب نے ’’اللہ‘‘ کی طرف لوٹ کر جانا ہے یہ ایک اعلان ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں کے ساتھ وعدہ ہے جو ہر صورت پورا ہو گا۔

ہر کسی نے اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔ اللہ کا وعدہ سچا اور پکا ہے کہ بالآخر تمہیں اپنے اعمال کے ساتھ میرے حضور پیش ہونا ہے لہٰذا دنیا کے دھندوں اور مفادات میں پھنس کر اپنے رب کے وعدے کو بھول نہ بیٹھنا اور نہ ہی اپنے رب کے بارے میں شیطان کے فریب میں آنا شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے اسے دشمن ہی سمجھنا اور اس سے بچتے رہنا وہ اپنے پیچھے چلنے والوں کو جہنم کی طرف ہی بلاتا اور دھکیلتا ہے۔ دوسرے مقام پر شیطان کی شیطنت سے بچانے کے لیے یہاں تک ارشاد فرمایا کہ اے آدم کی اولاد! شیطان تمہیں اس طرح نہ پھسلا دے جس طرح تمہارے ماں، باپ آدم اور حوا علیہما السلام کو پھسلا کر جنت سے نکلوا دیا تھا۔ جنت میں ان کا لباس اُتر گیا اور وہ جنت کے درختوں کے پتوں سے اپنی شرمگاہوں کو چھپاتے رہے خبردار! شیطان اور اس کے چیلے تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ (الاعراف: ۲۸)

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ مَعَ إِحْدَى نِسَائِهِ فَمَرَّ بِهِ رَجُلٌ فَدَعَاهُ فَجَاءَ فَقَالَ يَا فُلَانُ هَذِهِ زَوْجَتِي فُلَانَةُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَنْ كُنْتُ أَظُنُّ بِهِ فَلَمْ أَكُنْ أَظُنُّ بِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ)) (رواہ مسلم: باب بَيَانِ أَنَّهُ يُسْتَحَبُّ لِمَنْ

زَنِي خَالِيًا بِامْرَأَةٍ وَكَانَتْ زَوْجَةً أَوْ مَحْرَمًا لَهُ أَنْ يَقُوْلَ هٰذِهِ فُلَانَةٌ لِيَدْفَعَ ظَنَّ السَّوْءِ بِهٖ)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں میں سے کسی کے ساتھ کھڑے تھے وہاں سے ایک آدمی کا گذر ہوا آپ نے اسے بلا کر فرمایا: اے فلاں یہ میری فلاں بیوی ہے اس نے عرض کی آپ کے متعلق کون ایسا گمان کرسکتا ہے؟ نہ ہی میں نے ایسا سوچا ہے۔ آپ نے فرمایا: شیطان خون کی گردش کی طرح آدمی پر اثر انداز ہوتا ہے۔''

شیطان سے بچنے کا حکم اور دعا:

''حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں دو آدمیوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں آپس میں گالی گلوچ کی اور ہم آپ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے دونوں میں سے ایک شدید غصے میں تھا اور دوسرے کو برا بھلا کہہ رہا تھا جس وجہ سے اس کا چہرہ سرخ تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ایسی بات جانتا ہوں اگر وہ اسے پڑھ لے تو اس سے اس کا غصہ جاتا رہے گا۔ وہ پڑھے: أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ''میں شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس شخص سے کہا کیا تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں سنتے ہو؟ اس شخص نے کہا میں پاگل تو نہیں ہوں۔ (اس کا مقصد تھا کہ میں نے آپ کا فرمان سُن لیا ہے اور اس پر عمل کرتا ہوں)''

(رواہ البخاری: کتاب الأدب، باب الحذر من الغضب)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے کہ قیامت برپا ہو کر رہے گی۔ ۲۔ دنیا کے مال و اسباب پر دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں شیطان کے مغالطوں سے بچنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

دنیا کی حقیقت:

۱۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔ (الرّعد: ۲۶)

۲۔ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں نہایت مختصر ہے۔ (التوبۃ: ۳۸)

۳۔ دنیا کی زندگی تھوڑی ہے اور آخرت متقین کے لیے بہتر ہے۔ (النّساء: ۷۷)

۴۔ یقیناً دنیا کی زندگی عارضی فائدہ ہے اور آخرت کا گھر ہی اصل رہنے کی جگہ ہے۔ (المؤمن: ۴۳)

۵۔ دنیا کا فائدہ قلیل ہے۔ (النساء: ۷۷) ۶۔ اللہ کی آیات کے مقابلے میں پوری دنیا حقیر ہے۔ (البقرۃ: ۱۷۴)

اَلَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	لَهُمْ	عَذَابٌ	شَدِيْدٌ ؕ	وَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا
وہ لوگ	جنہوں نے کفر کیا	ان کے لیے	عذاب ہے	سخت	اور جو لوگ	ایمان لائے

وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	لَهُمْ	مَّغْفِرَةٌ	وَّاَجْرٌ	كَبِيْرٌ ۝۷ ع
اور انہوں نے عمل کیے	نیک	ان کے لیے	مغفرت	اور اجر ہے	بہت بڑا

ع ۱ ۷ / ۱۳

''جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے لیے سخت ترین عذاب ہے اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔'' (۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: شیطان کے پیچھے لگنے اور قیامت کے دن کو جھٹلانے کا انجام شیطان سے بچنے اور آخرت پر ایمان لانے اور اس کے تقاضے پورے کرنے کا انعام۔

قرآن مجید اپنے اسلوب کے مطابق یہاں بھی نیکی اور بدی، اچھائی اور برائی کا نتیجہ بیک مقام ذکر کرتا ہے تاکہ قرآن کے قاری کو فی الفور معلوم ہو کہ برائی کا انجام کیا ہوگا اور اچھائی کا کیا صلہ ملے گا۔ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کفر وشرک کیا اور قیامت کی تکذیب کی انہیں جہنم میں شدید عذاب دیا جائے گا جو اللہ اور اس کے رسول پر حقیقتاً ایمان لائے اور صالح اعمال کرتے رہے ان کی بشری کوتاہیوں کو معاف کرتے ہوئے انہیں اجرِ عظیم سے نوازا جائے گا۔

جنّت اور جہنّم کا موازنہ:

((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ ﷺ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ نَارُكُمْ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا مِّنْ نَّارِ جَهَنَّمَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنْ كَانَتْ لَكَافِيَةً قَالَ فُضِّلَتْ عَلَيْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَّتِسْعِيْنَ جُزْءًا كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا)) (رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة)

''حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں یقیناً اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تمہاری یہ آگ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے عرض کیا گیا کہ اللہ کے رسول! جلانے کے لیے یہی آگ کافی نہیں تھی؟ آپ نے فرمایا: اس آگ سے وہ اُنہتر حصے زیادہ گرم ہے ان میں سے ہر حصے کی گرمی دنیا کی آگ جیسی ہے۔''

((وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ فِی الْجَنَّةِ شَجَرَةً يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فِیْ ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَقْطَعُهَا وَلَقَابُ قَوْسِ اَحَدِكُمْ فِی الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ اَوْ تَغْرُبُ)) (رواہ البخاری: باب مَا جَاءَ فِی صِفَةِ الجَنَّةِ وَأَنَّهَا مخلوقةٌ)

''حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ اگر کوئی سوار اس کے سایہ میں سو سال چلتا رہے، تب بھی اسکا سایہ ختم نہ ہو سکے گا اور یقیناً تم میں سے کسی ایک شخص کی جنّت میں کمان

کے برابر جگہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے، جن پر سورج طلوع یا غروب ہوتا ہے۔''

«عَنۡ أَبِيۡ هُرَيۡرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰي اَعۡدَدۡتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيۡنَ مَالَا عَيۡنٌ رَأَتۡ وَلَآ اُذُنٌ سَمِعَتۡ وَلَا خَطَرَ عَلٰي قَلۡبِ بَشَرٍ وَّاقۡرَءُ وۡٓا إِنۡ شِئۡتُمۡ {فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّآ اُخۡفِيَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡيُنٍ}»

(رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی صفة الجنة وأنها مخلوقة)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی ان کے متعلق کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال پیدا ہوا۔ اگر چاہو تو اس آیت کی تلاوت کرو۔ {کوئی نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چیز چھپا کے رکھی گئی ہے}۔''

مسائل

۱۔ کفر و شرک کرنے والوں کو شدید عذاب دیا جائے گا۔

۲۔ سچے ایمان کے مطابق صالح اعمال کرنے والوں کو اجرِ کبیر سے سرفراز کیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

بُرے لوگوں کی سزا اور نیک لوگوں کی جزا:

۱۔ جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اس کو دیکھ لے گا۔ (الزلزال: ۷ تا ۸)

۲۔ بُرائیوں میں مرنے والے کے لیے جہنم ہے۔ (البقرۃ: ۱۷)

۳۔ جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اس کا بدلہ جہنم ہے۔ (النازعات: ۳۷)

۴۔ شیطان اور اس کے پیروکاروں کو جہنم کی سزا دی جائے گی۔ (بنی اسرائیل: ۶۳)

۵۔ جو ایک نیکی کرے گا اس کو دس نیکیوں کا بدلہ ملے گا جو برائی کرے گا اس کی سزا صرف اتنی ہی ہوگی۔ (الانعام: ۱۶۰)

۶۔ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا یہ ظاہر کامیابی ہے۔ (الجاثیۃ: ۳۰)

۷۔ اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا ہے۔ (الانبیاء: ۸۶)

۸۔ قیامت کے دن نیک لوگ جنت میں داخل کیے جائیں گے اس میں ان کی دعا سلام ہوگا۔ (ابراہیم: ۲۳)

۹۔ قیامت کے دن نیک لوگوں کے چہروں پر ذلت اور نحوست نہیں ہوگی اور وہ جنت میں رہیں گے۔ (یونس: ۲۶)

اَفَمَنْ	زُيِّنَ	لَهٗ	سُوْٓءُ	عَمَلِهٖ	فَرَاٰهُ	
کیا وہ شخص	مزین کر دیا گیا	اس کے لیے	برا	اس کا عمل	سو وہ اس کو دیکھتا ہے	
حَسَنًا ؕ	فَاِنَّ	اللّٰهَ	يُضِلُّ	مَنْ	يَّشَآءُ	وَيَهْدِيْ
اچھا	پس بے شک	اللہ	وہ گمراہ کرتا ہے	جسے	وہ چاہتا ہے	اور وہ ہدایت دیتا ہے
مَنْ	يَّشَآءُ ۖ	فَلَا	تَذْهَبْ	نَفْسُكَ	عَلَيْهِمْ	حَسَرٰتٍ ؕ
جسے	وہ چاہتا ہے	تو نہ	جاتی رہے	آپ کی جان	ان پر	افسوس کرتے ہوئے
اِنَّ	اللّٰهَ	عَلِيْمٌۢ	بِمَا	يَصْنَعُوْنَ ﴿۸﴾		
بلاشبہ	اللہ	خوب جاننے والا ہے	اس کو جو	وہ کرتے ہیں		

”کیا وہ شخص جس کے لیے اس کا بُرا عمل خوشنما بنا دیا گیا ہے اور وہ اُسے اچھا سمجھ رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت سے سرفراز فرماتا ہے۔ اے نبی ان لوگوں پر افسوس کرتے ہوئے اپنی جان نہ کھو بیٹھیں۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔“ (۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: لوگوں کے جہنم میں جانے کی بنیادی وجہ۔

قرآن مجید نے کئی مقامات پر یہ حقیقت واضح کی ہے کہ شیطان انسان کے سامنے اس کے بُرے اعمال کو خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے جو لوگ فکری اور عملی طور پر گمراہ ہو چکے ہوتے ہیں انہیں ایسے اعمال اور حرکات بہت اچھی لگتی ہیں جیسا کہ ہمارے دور میں بے شمار نوجوان ہیں جو عورتوں کی طرح لمبے لمبے بال رکھتے ہیں اور الٹی سلائی والے لباس پہنتے ہیں دیکھنے والے کو ان کی شکل وصورت اور لباس اس قدر مکروہ نظر آتے ہیں کہ شریف آدمی دوبارہ دیکھنا گوارا نہیں کرتا لیکن ایسے نوجوانوں کو بالکل حیا نہیں آتی بلکہ وہ اس تہذیب پر فخر کرتے ہیں۔ اسی طرح ہر دور اور معاشرے میں فیشن کے نام پر نئے سے نئے ڈیزائن اپنائے جاتے ہیں جو دیکھنے میں انتہائی بُرے لگتے ہیں لیکن شیطان بُرے لوگوں کے لیے ایسے کاموں کو فیشن بنا دیتا ہے۔

ابتدا میں یہ باتیں کچھ لوگوں کے ضمیر پر بوجھ ہوتی ہیں لیکن آہستہ آہستہ شیطان ان کے ضمیر پر اس طرح مسلّط ہو جاتا ہے کہ جو کام کل انہیں بُرے محسوس ہوتے تھے چند دنوں کے بعد وہی کام ان کے لیے خوبصورت بن چکے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو گمراہی میں کھلا چھوڑ دیتا ہے کیونکہ یہ ہدایت کے مقابلے میں گمراہی، اچھائی کے بدلے برائی پسند کرنے والے ہیں کیونکہ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جو اس سے ہدایت چاہتا ہے اسے ہدایت مل جاتی ہے اور جو گمراہی کا طلبگار ہوتا ہے اسے کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس اصول کے پیش نظر اللہ تعالیٰ گمراہی اور ہدایت کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔

اے پیغمبر ﷺ! ہدایت واضح ہونے کے باوجود ان لوگوں نے اپنے لیے گمراہی کو پسند کرلیا ہے تو آپ کو ان کی حالت پر حد سے زیادہ غمگین نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ انہیں خبردار کرتے رہیں کہ جو کچھ یہ کہتے اور کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح آگاہ ہے گویا کہ ان الفاظ میں ان کے لیے ایک انتباہ ہے تاکہ یہ لوگ اپنے افکار و اعمال پر نظر ثانی کریں۔

{ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ } (الکہف:۶)

”شاید آپ اپنے آپ کو ہلاک کرنے والے ہیں اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائے۔“

{ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ } (الشعراء:۳)

”اے نبی شاید آپ اس غم میں اپنی جان کھودیں گے اس لیے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔“

مسائل

۱۔ بُرے لوگوں کے لیے شیطان ان کے اعمال خوبصورت بنادیتا ہے۔ ۲۔ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔
۳۔ بُرے لوگوں کے اعمال پر حد سے زیادہ افسردہ نہیں ہونا چاہیے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال سے پوری طرح واقف ہے۔

تفسیر بالقرآن

شیطان کن لوگوں کے لیے ان کے اعمال خوبصورت بنادیتا ہے:

۱۔ ظالموں کے دل سخت ہوگئے اور شیطان ان کے اعمال کو مزین کرکے دکھاتا ہے۔ (الانعام:۴۳)
۲۔ اکثر مشرکین کے لیے قتل اولاد کا عمل مزین کردیا۔ (الانعام:۱۳۷)
۳۔ اللہ کے علاوہ سورج کو سجدہ کرنے والوں کے برے اعمال کو شیطان نے ان کے لیے مزین کردیا۔ (النمل:۲۴)
۴۔ قوم عاد و ثمود کے اعمال بد کو شیطان نے مزین کردیا۔ (العنکبوت:۳۸)
۵۔ ہر گروہ کے بد اعمال کو شیطان نے ان کے لیے مزین کردیا۔ (الانعام:۱۰۹)
۶۔ شیطان نے کہا کہ میں ضرور انکے اعمال ان کے سامنے مزین کرکے پیش کروں گا اور انہیں گمراہ کرونگا۔ (الحجر:۳۹)
۷۔ حد سے تجاوز کرنے والوں کے اعمال ان کے لیے مزیّن کیے جاتے ہیں۔ (یونس:۱۲)
۸۔ انہوں نے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دیا ان کے لیے بُرے اعمال مزین کردیئے گئے۔ (التوبۃ:۳۷)
۹۔ کفار کے لیے ان کی تدابیر کو مزین کردیا گیا تو انہوں نے اللہ کی راہ سے روکنا شروع کردیا۔ (الرعد:۳۳)

وَاللّٰهُ	الَّذِیْٓ	اَرْسَلَ	الرِّیٰحَ	فَتُثِیْرُ	سَحَابًا
اور اللہ	وہ ہے	جس نے بھیجی	ہوائیں	چنانچہ وہ اٹھاتی ہیں	بادل
فَسُقْنٰهُ	اِلٰی	بَلَدٍ	مَّیِّتٍ	فَاَحْیَیْنَا	بِهِ
تو ہم اسکو ہانک لے جاتے ہیں	طرف	شہر کی	مردہ	پھر ہم زندہ کرتے ہیں	ساتھ اس کے
الْاَرْضَ	بَعْدَ	مَوْتِهَاؕ	كَذٰلِكَ	النُّشُوْرُ ۝۹	
زمین کو	بعد	اس کی موت کے	اسی طرح	دوبارہ اٹھایا جانا ہے	

''اور اللہ ہی ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بادل اُٹھاتی ہیں پھر ہم اسے ایک اُجاڑ علاقے کی طرف لے جاتے ہیں اور اُس سے زمین کو شاداب کرتے ہیں جو پہلے ویران تھی اسی طرح لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔''(۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام : بُرے اعمال پر خوش ہونے والے لوگ درحقیقت آخرت کو بھول جاتے ہیں ایسے لوگوں کو ان کے مرنے کے بعد جی اٹھنے کا ثبوت بارش کے حوالے سے دیا اور سمجھایا گیا ہے۔

دنیا میں بے شمار ایسے لوگ ہیں جو اعتقاداً یا عملاً آخرت کے منکر ہوتے ہیں اعتقادی طور پر آخرت کا انکار کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ جب انسان مٹی کے ساتھ مٹی ہوجائے گا تو پھر اسے کس طرح زندہ کیا جائے گا۔ ایسے لوگوں کو سمجھایا جارہا ہے کہ سوچو اور دیکھو! کہ جب بارش کا نام ونشان نہیں ہوتا اور لوگ بارش کی ایک ایک بوند کو ترس رہے ہوتے ہیں فصلیں ویران اور جڑی بوٹیاں گل سڑ جاتی ہیں۔ جس سے نہ صرف صحراء اور بیاباں بھیانک منظر پیش کرتے ہیں بلکہ شہروں میں بسنے والے ہزاروں لوگ کئی قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں شہروں کی چہل پہل پر مردگی چھا جاتی ہے۔ ایسی صورتِ حال میں اللہ تعالیٰ ہوائیں چلاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سینکڑوں میلوں سے بادلوں کو اٹھا کر ایسے مقامات پر بارش برساتی ہیں جہاں کی زمین مردہ ہوچکی ہوتی ہیں یعنی اس پر کوئی چیز نہیں اُگاتی۔ بارش کے بعد وہی مردہ زمین زندہ ہوجاتی ہے جہاں صحراء نظر آتا تھا وہاں ہریالی اور سبزہ دکھائی دیتا ہے غور کرو کہ جو اللہ مردہ زمین سے نباتات پیدا کرتا ہے وہی قیامت کے دن اس زمین سے مردوں کو زندہ کرے گا۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا بَیْنَ النَّفْخَتَیْنِ اَرْبَعُوْنَ قَالُوْ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ اَرْبَعُوْنَ یَوْمًا قَالَ اَبَیْتُ قَالُوْا اَرْبَعُوْنَ شَهْرًا قَالَ اَبَیْتُ قَالُوْا اَرْبَعُوْنَ سَنَةً قَالَ اَبَیْتُ ثُمَّ یُنْزِلُ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً فَیَنْبُتُوْنَ كَمَا یَنْبُتُ الْبَقْلُ قَالَ وَلَیْسَ مِنَ الْاِنْسَانِ شَیْءٌ لَا یَبْلٰی

اِلَّا عَظْمًا وَّاحِدًا وَّهُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ وَمِنْهُ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (متفق عليه) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ كُلُّ اِبْنِ اٰدَمَ يَاكُلُهُ التُّرَابُ اِلَّا عَجْبَ الذَّنَبِ مِنْهُ خُلِقَ وَفِيْهِ يُرَكَّبُ)

(رواہ مسلم: باب مَابَيْنَ النَّفْخَتَيْن)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوصور پھونکنے کا عرصہ چالیس ہوگا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگردوں نے کہا چالیس دن؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا انہوں نے استفسار کیا چالیس ماہ ہیں؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا میں یہ نہیں کہتا انہوں نے پھر پوچھا چالیس سال ہیں؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں یہ بھی نہیں کہتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا۔ لوگ یوں اُگیں گے جس طرح انگوری اگتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کی دمچی کے علاوہ ہر چیز بوسیدہ ہوجائے گی۔ قیامت کے دن اسی سے تمام اعضاء کو جوڑا جائے گا۔ (بخاری ومسلم) مسلم کی ایک روایت میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کے تمام اعضاء کو مٹی کھاجائے گی۔ لیکن دمچی کو نہیں کھائے گی انسان اس سے پیدا کیا جائے گا اور اُسی سے جوڑا جائے گا۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ ہی ہواؤں کے ذریعے بادلوں کو چلاتا اور بارش برساتا ہے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو بارش کے بعد زندہ کرتا ہے۔ ٣۔ قیامت کے دن اسی طرح ہی مردوں کو زندہ کیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو دوبارہ پیدا کرے گا:

١۔ آپ فرمادیں کہ تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ (التغابن: ٧)

٢۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اٹھائے گا تاکہ ان کے درمیان فیصلہ صادر فرمائے۔ (الانعام: ٦٠)

٣۔ اللہ تعالیٰ تمام مردوں کو اٹھائے گا پھر اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ (الانعام: ٣٦)

٤۔ ''اللہ'' ہی قیامت کے دن سب کو اٹھائے گا پھر ان کے اعمال کی انھیں خبر دے گا۔ (المجادلۃ: ٦ تا ١٨)

٥۔ یقیناً قیامت کے دن اللہ تمھیں جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں۔ (الانعام: ١٢)

٦۔ آپ فرمادیں تمھارے پہلے اور آخر والے سب کو ضرور اکٹھا کیا جائے گا۔ (الواقعۃ: ٤٧ تا ٥٠)

٧۔ پھر ہم تمھیں تمھاری موت کے بعد اٹھائیں گے۔ (البقرۃ: ٥٦)

٨۔ آپ فرمادیں اللہ ہی نے تخلیق کی ابتداء کی پھر دوبارہ پیدا کرے گا پھر تم کہاں بہک گئے ہو؟ (یونس: ٣٤)

٩۔ ''اللہ'' ہی نے مخلوق کو پیدا کیا، پھر وہ اسے دوبارہ پیدا کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (الروم: ١١)

مَنْ	كَانَ	يُرِيْدُ	الْعِزَّةَ	فَلِلّٰهِ	الْعِزَّةُ	جَمِيْعًا
جو شخص	ہے	چاہتا	عزت	پس اللہ کے لیے	عزت ہے	ساری
اِلَيْهِ	يَصْعَدُ	الْكَلِمُ	الطَّيِّبُ		وَ الْعَمَلُ	الصَّالِحُ
اسی کی طرف	چڑھتی ہیں	باتیں	پاکیزہ		اور عمل	صالح
يَرْفَعُهٗ	وَالَّذِيْنَ	يَمْكُرُوْنَ	السَّيِّاٰتِ		لَهُمْ	عَذَابٌ
وہی اسے اوپر اٹھاتا ہے	اور جو لوگ	چالیں چلتے ہیں	بُری		ان کے لیے	عذاب ہے
شَدِيْدٌ	وَ مَكْرُ	اُولٰٓئِكَ	هُوَ	يَبُوْرُ ⑩		
سخت	اور چال	ان لوگوں کی	وہ	وہ نابود ہوگی		

’’جو عزت چاہتا ہے عزت تو ساری کی ساری اللہ کے اختیار میں ہے پاکیزہ کلمات اور نیک عمل کو وہی اوپر اٹھاتا ہے جو لوگ بُری چالیں چلتے ہیں اُن کے لیے سخت عذاب ہے اور اُن کا مکر غارت ہونے والا ہے۔‘‘(١٠)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اسی طرح وہی عزت اور ذلّت کا مالک ہے۔

انسان کا وقار اور اقبال اسی میں ہے کہ وہ قیامت کے قائم ہونے کا عقیدہ اپنے ذہن میں ہر دم تازہ اور قائم رکھے اور اس کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ جس انسان کا آخرت کے بارے میں عقیدہ اٹھ جاتا ہے وہ بے ہودہ اور بُرے کاموں میں عزت تلاش کرتا ہے، یہی سوچ اور رویّہ اہلِ مکہ کا تھا وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے اس نبی کی دعوت تسلیم کر لی تو لوگوں کی نظروں میں ہمارا وقار ختم ہو جائے گا۔ اسی کے پیشِ نظر نبی ﷺ کی مخالفت کے درپے رہتے تھے انہیں اور ان کے حوالے سے دنیا بھر کے لوگوں کو یہ عقیدہ بتلایا اور سمجھایا جا رہا ہے کہ عزت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ چاہے تو ایک خاک نشین کو آسمان کی بلندیوں سے ہمکنار کر دے اور چاہے تو بادشاہ کو اس کے بُرے اعمال کی وجہ سے گلی کے تنکوں سے ہلکا کر دے۔ وہی عزت اور ذلّت دینے پر قادر ہے، اسی کی طرف پاکیزہ کلمات اور صالح اعمال اٹھائے جاتے ہیں جو انسان کی حقیقی عزت اور اس کے لئے جنت کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ جو شخص پاکیزہ خیالات، اچھے کلمات، اعلیٰ اخلاق اور صالح کردار کا حامل ہوتا ہے وہی اللہ کی بارگاہ میں عزت پاتا ہے جو لوگ دینِ حنیف کے مقابلے میں بری تدبیریں کرتے ہیں نا صرف ان کے مکروفریب ناکام ہو جائیں گے بلکہ انہیں شدید عذاب سے بھی دوچار کیا جائے گا کلمہ طیبہ سے مراد عقیدہ توحید ہے جس بنیاد پر آدمی ذہنی پستی سے نکل کر فکر و کردار کی بلندی حاصل کرتا ہے وہ کسی کی تکریم اس لیے نہیں کرتا کہ اس سے مجھے عزت ملے گی۔ اس کا ایمان ہوتا ہے کہ عزت اور ذلّت صرف ’’اللہ‘‘ کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں تک ’’حق‘‘ کے

خلاف مکروفریب کرنے والوں کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں بھی حقیر بنا دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مکروفریب کو پسند نہیں کرتا اور آخرت میں مکروفریب کرنے والوں کو شدید عذاب دیا جائے گا۔

((عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ ﷺ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ لَيَبْلُغَنَّ هَذَا الأَمْرُ مَا بَلَغَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَلاَ يَتْرُكُ اللهُ بَيْتَ مَدَرٍ وَلاَ وَبَرٍ إِلاَّ أَدْخَلَهُ اللهُ هَذَا الدِّينَ بِعِزِّ عَزِيزٍ أَوْ بِذُلِّ ذَلِيلٍ عِزًّا يُعِزُّ اللهُ بِهِ الإِسْلاَمَ وَذُلاًّ يُذِلُّ اللهُ بِهِ الْكُفْرَ وَكَانَ تَمِيمُ الدَّارِيُّ يَقُولُ قَدْ عَرَفْتُ ذَلِكَ فِي أَهْلِ بَيْتِي لَقَدْ أَصَابَ مَنْ أَسْلَمَ مِنْهُمُ الْخَيْرُ وَالشَّرَفُ وَالْعِزُّ وَلَقَدْ أَصَابَ مَنْ كَانَ مِنْهُمْ كَافِراً الذُّلُّ وَالصَّغَارُ وَالْجِزْيَةُ)) (رواہ احمد: مسند تمیم داری [صحیح])

”حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا آپ نے فرمایا: دین اسلام وہاں تک پہنچے گا جہاں تک رات کا اندھیرا اور دن کا اجالا پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کچے پکے مکان کو نہیں چھوڑے گا مگر دین کو وہاں داخل فرمائے گا۔ معزز کو عزت دے گا اور ذلیل کو مزید ذلیل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ معزز کو دینِ اسلام کے ساتھ عزت دے گا اور ذلیل کو مزید ذلت کفر سے ملے گی۔ تمیم داری رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے میں اپنے خاندان میں سے ان لوگوں کو پہچانتا ہوں جو دین کی وجہ سے معزز ہوئے اور بھلائی حاصل کی اور جو کافر تھے ان پر ذلت اور حقارت مسلط کر دی گئی اور وہ جزیہ دینے پر مجبور ہوئے۔“

مسائل

١۔ ہر قسم کی عزت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ٢۔ مکّار لوگوں کے مکروفریب بالآخر ناکام ہو جاتے ہیں۔

٣۔ عقیدہ توحید اور صالح کردار کے سبب ہی انسان حقیقی عزت پا سکتا ہے۔

٤۔ دین کے خلاف مکروفریب کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ شدید ترین عذاب دے گا۔

تفسیر بالقرآن

مکروفریب کی ناکامیاں:

١۔ ان کے مکر کا انجام دیکھیں ہم نے مکر کرنے والوں اور ان کی قوم کو ہلاک کر دیا۔ (النّمل: ٥١)

٢۔ عنقریب جرائم اور مکروفریب کرنے والوں کو اللہ کے ہاں ذلت اور سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ (الانعام: ١٢٤)

٣۔ ان سے پہلے لوگ بھی مکروفریب کر چکے ہیں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی کی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ (الرّعد: ٤٢)

٤۔ عیسائیوں نے تدبیر کی اللہ نے وہ تدبیر انہی پر لوٹا دی اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ (آل عمران: ٥٤)

٥۔ انہوں نے آپ ﷺ کے خلاف سازش کی اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش ناکام بنا دی۔ (الانفال: ٣٠)

وَاللّٰهُ	خَلَقَكُمْ	مِّنْ	تُرَابٍ	ثُمَّ	مِنْ	نُّطْفَةٍ
اور اللہ	اس نے تمہیں پیدا کیا	سے	مٹی	پھر	سے	نطفے

ثُمَّ	جَعَلَكُمْ	اَزْوَاجًا ؕ	وَمَا	تَحْمِلُ	مِنْ اُنْثٰى
پھر	اس نے تم کو بنایا	جوڑے جوڑے	اور نہیں	حاملہ ہوتی	کوئی مادہ

وَلَا	تَضَعُ	اِلَّا	بِعِلْمِهٖ ؕ	وَ	مَا	يُعَمَّرُ
اور نہ	وہ جنتی ہے	مگر	اس کے علم کے ساتھ	اور	نہیں	عمر دیا جاتا

مِنْ مُّعَمَّرٍ	وَّلَا	يُنْقَصُ	مِنْ	عُمُرِهٖۤ	اِلَّا
کوئی عمر دیا جانے والے	اور نہ	کمی کی جاتی ہے	سے	اس کی عمر	مگر

فِيْ	كِتٰبٍ ؕ	اِنَّ	ذٰلِكَ	عَلَى	اللّٰهِ	يَسِيْرٌ ۝۱۱
میں	کتاب	بلاشبہ	یہ	پر	اللہ	نہایت آسان ہے

''اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے پھر تمہارے جوڑے جوڑے بنائے کوئی عورت حاملہ نہیں ہوتی اور نہ وہ بچہ جنتی ہے مگر سب کچھ اللہ کے علم میں ہوتا ہے کوئی عمر پانے والا عمر نہیں پاتا اور نہ کسی کی عمر میں کچھ کمی ہوتی ہے سب کچھ ایک کتاب میں لکھا ہوا ہے سب کچھ کرنا اللہ کے لیے آسان کام ہے۔'' (۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مرنے کے بعد قیامت کے دن جی اٹھنے کی دوسری دلیل۔

اس آیت سے دو آیات پہلے "بَعْثُ بَعْدَ الْمَوْتِ" کو بارش اور مردہ زمین سے تشبیہ دی گئی ہے یہاں انسان کی مرحلہ وار تخلیق کے حوالہ سے انسان کو دوبارہ زندہ ہونے کا ثبوت دیا گیا ہے۔ مرنے کے بعد جی اٹھنے کا انکار کرنے والو! ذرا اپنی تخلیق پر غور کرو کہ جس ''اللہ'' نے تمہیں پیدا کیا ہے وہی تمہاری موت کے بعد تمہیں اٹھائے گا اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا ہے پھر نطفے کو تمہاری تخلیق کا ذریعہ بنایا، پھر تمہارے درمیان میاں بیوی کا ناطہ جوڑا۔ کوئی عورت نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی بچہ جنتی ہے مگر یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔ کسی کو زیادہ یا تھوڑی عمر ملنا بھی کسی کے اختیار میں نہیں عمر میں کمی، بیشی کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور سب کچھ اس کے ہاں لوحِ محفوظ میں تحریر ہے یہ تمام معاملات اور اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں جنہیں بروئے کار لانا اللہ تعالیٰ کے لیے نہایت ہی آسان ہے۔ اس آیتِ مبارکہ میں آٹھ کاموں کا ذکر کیا گیا ہے جن کی تفصیلات قرآن مجید کے کئی مقامات پر بیان ہوئی ہیں۔ ① اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر مٹی کے جوہر سے انسان کی تخلیق کا سلسلہ شروع کیا۔ ② ہر انسان جوہرِ حیات یعنی نطفے سے تخلیق پاتا ہے۔

③اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق کے سلسلہ کو جاری رکھنے کے لیے میاں بیوی کا رشتہ قائم فرمایا۔ ④اللہ تعالیٰ حاملہ کے حمل سے پوری طرح واقف ہوتا ہے۔ ⑤ کسی کو زیادہ یا تھوڑی عمر دینا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ⑥اللہ تعالیٰ نے ہر بات لوحِ محفوظ پر درج کر رکھی ہے۔ ⑦اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی کام کرنا مشکل نہیں۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ وَرَفَعَ الْحَدِيثَ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ وَكَّلَ بِالرَّحِمِ مَلَكًا فَيَقُولُ أَيْ رَبِّ نُطْفَةٌ أَيْ رَبِّ عَلَقَةٌ أَيْ رَبِّ مُضْغَةٌ فَإِذَا أَرَادَ اللهُ أَنْ يَقْضِيَ خَلْقًا قَالَ قَالَ الْمَلَكُ أَيْ رَبِّ ذَكَرٌ أَوْ أُنْثَى شَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ فَمَا الرِّزْقُ فَمَا الأَجَلُ فَيُكْتَبُ كَذٰلِكَ فِي بَطْنِ أُمِّهِ)) (رواہ مسلم: باب كَيْفِيَّةِ الخلقِ الآدَمِيِّ فِي بَطْنِ أُمِّهِ وَكِتَابَةِ رِزْقِهِ وَأَجَلِهِ وَعَمَلِهِ وَشَقَاوَتِهِ وَسَعَادَتِهِ)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حدیث کو مرفوع بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے رحم میں ایک فرشتہ مقرر کیا ہے وہ پوچھتا ہے اے میرے رب! یہ نطفہ ہے اے میرے رب! یہ جما ہوا خون ہے اے میرے رب: یہ گوشت کا لوتھڑا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی کی تخلیق کا فیصلہ فرماتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ فرشتہ کہتا ہے اے میرے رب مذکر یا مؤنث بد بخت یا خوش بخت اس کا رزق کتنا ہے اس کی عمر کتنی ہے اسی طرح سب کچھ انسان کی ماں کے پیٹ میں لکھ دیا جاتا ہے۔''

مرفوع حدیث کی تعریف:

وہ امور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول اور مروی ہوں ان کو مرفوع کہا جاتا ہے اور جو صحابہ کرام سے منقول ہوں ان کا نام حدیث موقوف رکھا گیا اور جو تابعین سے منقول ہوں ان کا نام حدیث مقطوع رکھا گیا۔

تفسیر بالقرآن

انسان کی تخلیق کے مراحل:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ (آل عمران: ۵۹) ۲۔ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ (المومنون: ۱۲)

۳۔ اللہ نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا فرمایا۔ (الحجر: ۲۷) ۴۔حضرت حوّا کو آدم سے پیدا کیا۔ (النساء: ۱)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا۔ (النحل: ۴) ۶۔ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔ (الدھر: ۲)

۷۔ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا ہے۔ (النساء: ۱)

۸۔ اللہ نے انسانوں میں سے ہی ان کی بیویاں بنائیں اور ان سے بچے پیدا فرمائے۔ (النحل: ۷۲)

۹۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تمہارے جوڑے جوڑے بنائے۔ (فاطر: ۱۱)

۱۰۔ کیا تو اس ذات کا کفر کرتا ہے جس نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے تجھے آدمی بنایا۔ (الکھف: ۳۷)

۱۱۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اسے نطفہ بنایا، پھر اس سے خون کا لوتھڑا، پھر اس سے بوٹی بنا کر انسان بنایا۔ (الحج: ۵)

وَمَا	يَسْتَوِي	الْبَحْرٰنِ	هٰذَا	عَذْبٌ	فُرَاتٌ	سَآئِغٌ
اور نہیں	برابر	دو دریا	یہ	میٹھا	خوب میٹھا	آسان
شَرَابُهٗ	وَهٰذَا	مِلْحٌ	اُجَاجٌ	وَمِنْ	كُلٍّ	
اس کا پینا	اور یہ	کھارا	سخت کڑوا	اور سے	ہر ایک	
تَاْكُلُوْنَ	لَحْمًا	طَرِيًّا	وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ	حِلْيَةً	تَلْبَسُوْنَهَا	
تم کھاتے ہو	گوشت	تازہ	اور تم نکالتے ہو	زیورات	جنہیں تم پہنتے ہو	
وَتَرَى	الْفُلْكَ	فِيْهِ	مَوَاخِرَ	لِتَبْتَغُوْا	مِنْ	
اور آپ دیکھیں گے	کشتیاں	اس میں	پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں	تا کہ تم تلاش کرو	سے	
فَضْلِهٖ	وَلَعَلَّكُمْ	تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾				
اس کے فضل	اور تا کہ تم	شکر کرو				

''اور دونوں سمندر یکساں نہیں ہیں ایک میٹھا اور پیاس بجھانے والا ہے، پینے میں خوش ذائقہ ہے اور دوسرا کھاری ہے سخت کڑوا مگر تم دونوں سے تازہ گوشت حاصل کرتے ہو اور پہننے کے لیے زیبائش کا سامان نکالتے ہو، اور سمندر میں دیکھتے ہو کہ کشتیاں اُسے چیرتی ہوئی چلتی ہیں تا کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔'' (۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا تعارف کرواتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ وہ ذات ہے جو ہوائیں چلاتا اور بارش برساتا ہے، وہی عزت کا مالک ہے اور اسی نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر ایک نطفے سے انسان کی تخلیق کا سلسلہ شروع فرمایا۔ اب ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ ہی سمندر کے میٹھے اور کڑوے پانی کو اکٹھا چلانے والا ہے وہ اپنی قدرتوں اور نعمتوں کا اس لیے تذکرہ کرتا ہے تا کہ تم ان کا احساس کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ کیا کفار نے غور نہیں کیا کہ زمین و آسمان باہم ملے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں الگ الگ کیا اور اسی نے ہر زندہ چیز پانی سے پیدا فرمائی کیا پھر بھی تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔ (الانبیاء: ۳۰) جس پانی سے زندہ مخلوق کو پیدا کیا گیا ہے اس پانی کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں ایک میٹھا اور خوش ذائقہ ہے دوسرا اتنا کھاری ہے جو حلق کو زخمی کر دیتا ہے۔ سورۃ الرحمٰن آیت ۱۹ تا ۲۰ میں یہ بھی وضاحت فرمائی ہے کہ دو سمندر ہیں ایک میٹھا اور دوسرا کھاری، دونوں ایک ہی جگہ بہہ رہے ہیں لیکن آپس میں خلط ملط نہیں ہوتے کیوں کہ ربِ رحمٰن نے دونوں کے درمیان دکھائی نہ آنے والا پردہ حائل کر رکھا ہے جو ایک دوسرے کو ملنے نہیں دیتا؟ پردے سے مراد وہ اجزا بھی ہو سکتے ہیں جو دونوں پانیوں میں الگ

الگ ہوتے ہیں جو دونوں پانیوں کو آپس میں ملنے نہیں دیتے۔ (اللہ اعلم) لوگو! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کی نا قدری کرو گے غور کرو! کہ ایک سمندر کا پانی اتنا نمکین اور کڑوا ہے کہ حلق سے گزر نہیں سکتا لیکن اسی پانی میں پیدا ہونے اور پلنے والی مچھلیاں جن کا تم گوشت کھاتے ہو ان میں کسی قسم کی کڑواہٹ نہیں پائی جاتی آخر یہ کس کی قدرت کا نتیجہ ہے کہ عمر بھر کڑوے پانی میں رہنے والی مچھلی کا گوشت نہ صرف کڑواہٹ سے پاک ہے بلکہ خوراک کے اعتبار سے انتہائی مفید ہے جس میں دل کو تکلیف دینے والی چکناہٹ نہیں پائی جاتی ہے۔

بے شک انسان نے تیز سے تیز رفتار ہوائی جہاز اور مواصلات کے ذرائع تیار کر لئے ہیں مگر آج بھی پوری دنیا کی تجارت کا بیشتر حصہ بحری جہازوں اور کشتیاں کا محتاج ہے۔ اسی طرح سب سے قیمتی ہیرے، جوہرات سمندر سے نکالے جاتے ہیں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کے پانی کو کھاری اور میٹھا بنایا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کی تہہ میں ہیرے جواہرات پیدا فرمائے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو سمندر کے سینے پر جہاز چلانے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے۔

تفسیر بالقرآن

پانی اور اس کے فوائد:

۱۔ ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندگی بخشی۔ (الانبیاء:۳۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ پانی سے تمہارے لیے کھیتی، زیتون، کھجور اور انگور اُگاتا ہے۔ (النحل:۱۱)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا تاکہ تم طہارت حاصل کرو۔ (الانفال:۱۱)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور پھر آسمان سے پانی اتار کر باغات اُگائے ہیں۔ (النمل:۶۰)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے پانی سے ہر قسم کی نباتات کو پیدا کیا ہے۔ (الانعام:۹۹)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا اور اس سے مختلف انواع کے پھل پیدا فرمائے۔ (فاطر:۲۷)

۷۔ اللہ تعالیٰ نے پانی کے ذریعے تمہیں پھلوں سے رزق عطا فرمایا: (البقرۃ:۲۲)

۸۔ اللہ تعالیٰ نے تمام نباتات کو پانی کے ذریعے پیدا کیا۔ (طٰہٰ:۵۳)

۹۔ پانی کے ذریعے ہی بنجر زمین زرخیز ہوتی ہے۔ (النحل:۶۵)

۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پانی اور مٹی سے پیدا کیا۔ (الطارق:۶)

۱۱۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برکت والا پانی نازل فرما کر اس کے ذریعے بہت سے سرسبز و شاداب باغات پیدا کیے ہیں۔ (قٓ:۹)

يُوْلِجُ	الَّيْلَ	فِي	النَّهَارِ	وَيُوْلِجُ	النَّهَارَ
وہ داخل کرتا ہے	رات کو	میں	دن	اور وہ داخل کرتا ہے	دن کو
فِي	الَّيْلِ	وَسَخَّرَ	الشَّمْسَ	وَالْقَمَرَ	كُلٌّ
میں	رات	اور اس نے مسخر کر دیا	سورج	اور چاند کو	ہر ایک
يَّجْرِيْ	لِاَجَلٍ	مُّسَمًّى	ذٰلِكُمُ	اللّٰهُ	رَبُّكُمْ
چل رہا ہے	وقت کے لیے	مقرر	یہی تمہارا	اللہ	تمہارا رب ہے
لَهُ	الْمُلْكُ	وَالَّذِيْنَ	تَدْعُوْنَ	مِنْ	دُوْنِهٖ
اسی کے لیے	بادشاہی ہے	اور جن کو	تم پکارتے ہو	سے	اس کے سوا
مَا	يَمْلِكُوْنَ	مِنْ	قِطْمِيْرٍ ﴿۱۳﴾		
نہیں	وہ اختیار رکھتے	سے	کھجور کی گٹھلی کے پردے کی		

''وہ دن میں رات اور رات میں دن کو داخل کرتا ہے، چاند اور سورج کو اُسی نے مسخر کر رکھا ہے ہر کوئی وقت مقرر تک چلا جا رہا ہے، وہی اللہ تمہارا رب ہے بادشاہی اُسی کی ہے اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے پردے کے بھی مالک نہیں ہیں۔'' (۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: میٹھے اور کڑوے پانی، مچھلیوں، کشتیوں اور جواہرات کے ذکر کے بعد رات اور دن کا ذکر کیونکہ رات اور دن بھی قدرت کی بڑی، بڑی نشانیوں میں سے عظیم نشانی ہیں اور اسی سے ہی زندگی کا نظام ترتیب پاتا ہے۔

قرآن مجید میں کئی بار ذکر ہوا ہے کہ لیل و نہار کی گردش، سورج اور چاند کا آنا جانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظیم نشانیاں ہیں۔ بنیادی طور پر دن اور رات کا تعلق سورج اور چاند کی گردش کے ساتھ ہے سورج اور چاند کے بارے میں سورہ یٰسین میں فرمایا ہے کہ نہ سورج چاند کو پا سکتا ہے اور نہ چاند سورج کے ساتھ مل سکتا ہے دونوں اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں، رات اور دن کے آنے، جانے میں سورج کا مرکزی کردار ہے جونہی سورج طلوع ہوتا ہے تو رات کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور جب سورج غروب ہوتا ہے تو رات کا اندھیرا پلٹ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کا نظام اس طرح بنایا اور چلایا ہے کہ کبھی دن رات پر ایک حد تک غلبہ پاتا ہے اور کبھی رات دن کے ایک حصے کو اپنے دامن میں چھپا لیتی ہے۔ نہ دن رات کے کچھ حصہ پر یکدم غلبہ پاتا ہے اور نہ رات یکبارگی دن کو اپنے دامن میں لپیٹتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے لیے ایک رفتار اور نظام الاوقات مقرر کر رکھا ہے۔ سائنسدان کی ریسرچ کے مطابق کھربوں سال سے یہ سلسلہ جاری ہے لیکن آج تک لیل و نہار کی آمد و رفت میں خلل واقع نہیں ہوا یہ سلسلہ

مضبوط نظم کے ساتھ قیامت تک جاری رہے گا اس میں قدرت کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ انہیں بنانے اور چلانے والا صرف ایک ''اللہ'' ہے، اگر اللہ تعالیٰ کے سوا یا اس کے ساتھ اور کوئی چلانے والے ہوتے تو بالیقین اس نظام میں کوئی نہ کوئی خلل واقع ہوتا کیونکہ اسے چلانے والا ایک ہی الٰہ ہے اس لیے یہ نظام منظم طریقے کے ساتھ جاری وساری ہے جو قیامت تک اس طرح ہی چلتا رہے گا، جہاں تک سورج کی روشنی اوراس کی تپش کے فوائد ہیں اور چاند کی چاندنی اوراس کے فائدے ہیں وہ اس قدر زیادہ ہیں کہ کوئی ان کا شمار نہیں کرسکتا اور یہی حال رات اوردن کے فوائد کا ہے جن سے ہر آدمی مستفید ہوتا ہے اپنی نعمتوں سے مستفید کرنے والا اورلوگوں کی زندگی ترتیب دینے والا صرف ایک اللہ ہے اوروہی لوگوں کا رب اور بادشاہ ہے لیکن لوگوں کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے خالق اور مالک کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا خیرخواہ اور مددگار سمجھتے ہیں حالانکہ جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا یا اس کے ساتھ پکارا جاتا ہے وہ کھجور کی گٹھلی کے پردے کے برابر بھی اختیارات نہیں رکھتے۔ ''قِطْمِيْر'' کھجور کے اس پردے کو کہا جاتا ہے جواس کی گٹھلی کے درمیان لکیر میں پایا جاتا ہے یہ پردہ اس قدر باریک اورنازک ہوتا ہے کہ اکثر اوقات کھجور کے گودے کے ساتھ ہی چمٹا رہتا ہے اور دیکھنے والے کو دکھائی نہیں دیتا گویا کہ بہت ہی حقیر اور کمزور ہوتا ہے مگر مشرک ان لوگوں کو خدا کی خدائی میں شریک کرتے ہیں جن کے پاس اتنا بھی اختیار نہیں۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ رات کودن میں اوردن کورات میں داخل کرتا ہے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ ہی سب کا مالک ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ ہی نے چانداور سورج کومسخر فرمایا ہے۔

٤۔ چانداور سورج اپنے اپنے وقت اور مدار میں چلے جارہے ہیں۔

٥۔ اللہ تعالیٰ ہی تمام لوگوں کو پیدا کرنے اوران کی ضروریات پوری کرنیوالا ہے۔

٦۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خدائی میں کسی کو کھجور کی گٹھلی کے پردے کے برابر بھی اختیار نہیں دیا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے اپنی بادشاہی میں کسی کو کچھ بھی اختیار نہیں دیا:

١۔ ہر کام کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔(الحج:٤١) ٢۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔(البقرہ:٢٠)

٣۔ ''اللہ'' پیدا کرتا ہے اور مختار کل ہے دوسروں کو کوئی اختیار نہیں ہے اللہ تعالیٰ مشرکوں کے شرک سے پاک ہے۔(القصص:٦٨)

٤۔ قیامت کے دن آسمانوں کو اللہ تعالیٰ اپنے دائیں ہاتھ پر لپیٹ لے گا، اللہ تعالیٰ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس چیز سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔(الزمر:٦٧)

اِنۡ	تَدۡعُوۡهُمۡ	لَا	يَسۡمَعُوۡا	دُعَآءَكُمۡ ۚ	وَلَوۡ
اگر	تم پکاروان کو	نہیں	وہ سنیں گے	تمہاری پکار	اوراگر

سَمِعُوۡا	مَا	اسۡتَجَابُوۡا	لَكُمۡ ؕ	وَيَوۡمَ	الۡقِيٰمَةِ	يَكۡفُرُوۡنَ
وہ سن بھی لیں	نہیں	وہ جواب دیں گے	تمہیں	اوردن	قیامت کے	وہ انکارکردیں گے

بِشِرۡكِكُمۡ ؕ	وَلَا	يُنَبِّئُكَ	مِثۡلُ	خَبِيۡرٍ ﴿١٤﴾ ع
تمہارے شرک کا	اورنہیں	وہ خبردے گا آپ کو	مانند	خوب خبردار کی

’’گرانہیں پکاروتو وہ تمہاری پکارسن نہیں سکتے اوراگرسُن لیں تو اس کا تمہیں جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکارکریں گے ایسی خبرتمہیں ’’اللہ‘‘ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔‘‘ (١٤)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو مشرکین پکارتے ہیں ان کی حیثیت۔

قرآن مجید بار بار ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو نہ پکارا جائے مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ سے بھی مدد مانگتا ہے اور اس کے ساتھ بتوں، فوت شدگان، جِنّات، ملائکہ یا کسی اور غیر مری طاقت سے بھی امداد طلب کرتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے قیام، رکوع، سجدہ اور نذر و نیاز پیش کرتا ہے اسی طرح ہی دوسروں کے سامنے جھکتا اور نذرانے پیش کرتا ہے گویا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ دوسروں کی عبادت کرتا اور ان کو پکارتا ہے۔

قرآن مجید اس بات سے بھی روکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہ پکارا جائے پہلے طریقہ کے لیے ”وَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰهِ“ کے الفاظ آئے ہیں اور دوسرے کے لیے ”مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ“ یا ”مِنۡ دُوۡنِهٖ“ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جس کا صاف معنٰی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مدد طلب نہیں کرنی چاہیے۔ بے شک وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا حضرت عزیر علیہ السلام یا کوئی فوت شدہ ہستی تمام فوت شدگان کے بارے میں یہی ارشاد ہے کہ وہ نہیں سُنتے بفرضِ محال اگر وہ سن بھی لیں تو وہ تمہاری فریاد کا جواب نہیں دے سکتے۔ قیامت کے دن جب ان سے سوال کیا جائے گا تو وہ اپنے پکارنے والوں کا انکار کردیں گے اگر سُن بھی لیں تو جواب نہیں دے سکتے یہ الفاظ لا کر ثابت کیا ہے کہ وہ کسی صورت بھی نہ سن سکتے ہیں اور نہ جواب دینے کی طاقت رکھتے ہیں۔

لوگو! سنو اور سوچو! تمہارا رب تمہیں شرک کے بارے میں کس طرح بار بار روکتا ہے اور اسے کھول کھول کر بیان کرتا ہے اس علیم و خبیر کے سوا کوئی تمہیں اس طرح نہ سمجھا سکتا، نہ بتلا سکتا ہے اور تمہاری خیر خواہی کر سکتا ہے۔

((عَنۡ أَنَسِ بۡنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَقُوۡلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَي لِأَهۡوَنِ أَهۡلِ النَّارِ

عَذَابًا لَوْ كَانَتْ لَكَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا أَكُنْتَ مُفْتَدِيًا بِهَا فَيَقُولُ نَعَمْ فَيَقُولُ قَدْ أَرَدْتُ مِنْكَ أَهْوَنَ مِنْ هَذَا وَأَنْتَ فِيْ صُلْبِ اٰدَمَ أَنْ لاَ تُشْرِكَ أَحْسَبُهُ قَالَ وَلاَ أُدْخِلَكَ النَّارَ فَأَبَيْتَ إِلاَّ الشِّرْكَ» (رواہ مسلم: کتاب صفة القيامة والجنة والنار، باب طَلَبِ الْكَافِرِ الْفِدَاءَ بِمِلْءِ الأَرْضِ ذَهَبًا)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ جہنمیوں میں سے کم ترین عذاب پانے والے جہنمی سے فرمائے گا کہ اگر دنیا اور جو کچھ اس میں ہے تیرے پاس ہو۔ تو کیا اسے فدیہ کے طور پر دینے کے لیے تیار ہے؟ وہ کہے گا جی ہاں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تجھ سے اس سے بھی ہلکی بات کا مطالبہ کیا تھا جب تو آدم کی پُشت میں تھا وہ یہ کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تجھے جہنم میں داخل نہ کرتا مگر تو شرک سے باز نہ آیا۔''

مسائل

١۔ فوت شدگان کسی کی بات نہیں سنتے اور نہ ہی جواب دے سکتے ہیں۔
٢۔ قیامت کے دن فوت شدگان اپنے آپ کو شریک بنانے کی نفی کریں گے۔
٣۔ اللہ تعالیٰ بار بار لوگوں کو شرک کے بارے میں آگاہ کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے ساتھ یا اس کے سوا کسی اور کو پکارنا شرک ہے:

١۔ بس ایک الٰہ کے سوا کسی دوسرے الٰہ کو نہ پکارو۔ (القصص: ٨٨)
٢۔ اللہ ہی کو پکارو وہی تکلیف دور کرتا ہے۔ (الانعام: ٤١)
٣۔ اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارو جو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع دے سکتا ہے۔ (یونس: ١٠٦)
٤۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں صرف اسی کو پکارو (المومن: ٦٥)
٥۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور الٰہ کو نا پکارو اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں مگر وہی ہے۔ (القصص: ٨٨)
٦۔ وہ زندہ ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں خالصتاً اسی کو پکارو۔ (المومن: ٦٥)
٧۔ سب کو صرف اسی بات کا حکم دیا گیا ہے کہ صرف ایک اللہ کو پکارو۔ (البینۃ: ٥)
٨۔ اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکاریں ورنہ آپ عذاب میں مبتلا ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (الشعراء: ٢١٣)
٩۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ (النساء: ٣٦)
١٠۔ مومنو! اللہ کو اخلاص کے ساتھ پکارو اگرچہ کفار کے لیے یہ بات ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔ (المومن: ١٤)

يٰۤاَيُّهَا	النَّاسُ	اَنْتُمُ	الْفُقَرَآءُ	اِلَى	اللّٰهِ ج	وَاللّٰهُ
اے	لوگو!	تم سب	محتاج ہو	طرف	اللہ کی	اور اللہ
هُوَ	الْغَنِيُّ	الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾	اِنْ	يَّشَاْ	يُذْهِبْكُمْ	وَيَاْتِ
ہی	بے نیاز	لائق حمد وثناء ہے	اگر	وہ چاہے	تمہیں لے جائے	اور وہ لے آئے
بِخَلْقٍ	جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ ج	وَمَا	ذٰلِكَ	عَلَى	اللّٰهِ	بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾
مخلوق	نئی	اور نہیں	یہ	پر	اللہ	مشکل

''لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو، اللہ، غنی اور حمید ہے۔ (۱۵) وہ چاہے تو تمہیں ہٹا کر نئی مخلوق لے آئے۔ (۱۶) ایسا کرنا اللہ کے لیے مشکل نہیں۔'' (۱۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ''اللہ'' ہی کی بادشاہی ہے۔ اس کی بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں طالب اور مطلوب سب کے سب اسی کے در کے فقیر ہیں۔

اے لوگو! تم تمام کے تمام اپنے رب کی بارگاہ کے فقیر ہو اور اللہ غنی ہے، ساری کائنات اسی کی ثناء خواں اور محتاج ہے وہ چاہے تو تمہیں ختم کر کے نئی مخلوق پیدا کر دے وہ اتنا بڑا فیصلہ کرنے اور اسے نافذ کرنے پر قادر ہے۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی بڑی بڑی قدرتوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ جن کو ''اللہ'' کی خدائی میں شریک سمجھتے ہو وہ تو ایک چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں اور نہ ہی تمہاری دعاؤں کو سننے اور قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اب ارشاد فرمایا کہ جن سے تم مانگتے ہو یا جنہیں تم اپنے رب کی ذات اور اختیارات میں شریک سمجھتے ہو وہ اور تم سب کے سب اپنے رب کے در کے فقیر اور محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے غنی ہے اس کے خزانوں میں نہ کمی واقع ہوئی ہے اور نہ ہوگی، اسے نہ کسی کے تعاون کی ضرورت ہے اور نہ ہوگی، تمام کی تمام مخلوق اس کے خزانوں سے فیض یاب ہو رہی ہے اور اس کی شکر گزار ہے۔ اے انسانو! اگر تم اس کے شکر گزار نہیں بنتے تو اسے تمہاری نافرمانی اور ناقدری کرنے کی کوئی پروا نہیں کیونکہ وہ ہر ضرورت سے بے نیاز ہے اور اس کی ہر کوئی تعریف کر رہا ہے۔ ہاں! اگر وہ تمہیں ختم کرنے کا فیصلہ کر لے اور تمہاری جگہ کوئی دوسری مخلوق لے آئے تو تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے کیونکہ وہ اپنے فیصلے نافذ کرنے پر کلی طور پر غالب ہے تاریخ کے دریچوں میں جھانک کر دیکھو! اس نے تم سے پہلے کتنی اقوام کو صفحۂ ہستی سے مٹایا اور ان کی جگہ پر دوسروں کو بسایا مٹنے والوں کو بچانے والا کوئی نہ تھا اور نہ ہی وہ خود اپنے آپ کو بچا سکے۔

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے میرے بندو! تم میں

سے ہر ایک گمراہ ہے سوائے اس کے جس کو میں ہدایت سے سرفراز کروں بس تم مجھ سے ہدایت مانگو، میں تمہیں ہدایت دوں گا تم میں سے ہر ایک بھوکا ہے سوائے اس کے جس کو میں کھلاؤں پس تم مجھ سے مانگو، میں تمہیں کھلاؤں گا۔ میرے بندو! تم سب ننگے ہو سوائے اس کے جس کو میں پہناؤں پس تم مجھ سے پہناوا طلب کرو میں تمہیں پہناؤں گا۔ میرے بندو! تم رات دن گناہ کرتے ہو، میں تمام گناہوں کو بخش دینے والا ہوں لہٰذا مجھ سے بخشش طلب کرو، میں تمہیں بخش دوں گا۔ میرے بندو! تم مجھے نقصان اور نفع پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ میرے بندو! تمہارے تمام اگلے پچھلے، جن وانس سب سے زیادہ متقی انسان کے دل کی طرح ہو جائیں تو وہ میری سلطنت میں ذرّہ بھر اضافہ نہیں کر سکتے۔ میرے بندو! تمہارے اگلے پچھلے جن وانس بدترین فاسق وفاجر انسان کے دل کی طرح ہو جائیں تو وہ میری حکومت میں کوئی کمزوری پیدا نہیں کر سکتے۔ میرے بندو! تمہارے اگلے پچھلے، جن وانس سب کھلے میدان میں اکٹھے ہو جائیں پھر وہ مجھ سے مانگنے لگیں اور میں ہر کسی کی منہ مانگی مرادیں پوری کر دوں تو میرے خزانوں میں اتنی کمی بھی واقع نہیں کر سکتے جتنی سوئی کو سمندر میں ڈبونے سے کمی واقع ہوتی ہے۔''

(رواہ مسلم: کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم الظلم)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے تمام لوگ اس کے محتاج اور فقیر ہیں۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے تعریف کے لائق ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے فیصلے نافذ کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے کتنی اقوام کو نیست ونابود کیا:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حق کی تکذیب کرنے والوں کو انکے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر کے دوسری قوم کو پیدا فرمایا۔ (الانعام: ۶)

۲۔ بستی والوں نے جب ظلم کیا اللہ تعالیٰ نے انھیں ہلاک کر دیا۔ (الکھف: ۵۹)

۳۔ قوم عاد نے جھٹلایا تو اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ (الشعراء: ۱۳۹)

۴۔ قوم تبّع اور ان سے پہلے مجرموں کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا۔ (الدخان: ۳۷)

۵۔ قوم عاد کو تند وتیز ہوا کے ساتھ ہلاک کر دیا گیا۔ (الحاقۃ: ۶)

۶۔ آل فرعون نے ''اللہ'' کی آیات کی تکذیب کی اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔ (الانفال: ۵۴)

۷۔ کیا وہ نہیں جانتے اللہ تعالیٰ نے ان سے بھی بڑے مجرموں کو ہلاک کر دیا۔ (القصص: ۷۸)

۸۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی طرف وحی کی کہ ظالموں کو ضرور ہلاک کرے گا۔ (ابراہیم: ۱۳)

وَلَا	تَزِرُ	وَازِرَةٌ	وِّزْرَ	اُخْرٰى	وَاِنْ
اور نہیں	بوجھ اٹھائے گا	کوئی بوجھ اُٹھانے والا	بوجھ	دوسرے کا	اور اگر

تَدْعُ	مُثْقَلَةٌ	اِلٰى	حِمْلِهَا	لَا	يُحْمَلْ	مِنْهُ
وہ بلائے گا	کوئی بوجھ لدا شخص	طرف	اپنے بوجھ کی	نہیں	اٹھایا جائے گا	اس سے

شَيْءٌ	وَّلَوْ	كَانَ	ذَا قُرْبٰى	اِنَّمَا	تُنْذِرُ	الَّذِيْنَ
کچھ بھی	اگرچہ	وہ	قریبی رشتہ دار ہو	صرف	آپ ڈراتے ہیں	ان لوگوں کو جو

يَخْشَوْنَ	رَبَّهُمْ	بِالْغَيْبِ	وَاَقَامُوا	الصَّلٰوةَ	وَمَنْ
ڈرتے ہیں	اپنے رب سے	بن دیکھے	اور وہ قائم کرتے ہیں	نماز	اور جو

تَزَكّٰى	فَاِنَّمَا	يَتَزَكّٰى	لِنَفْسِهٖ	وَاِلَى	اللّٰهِ	الْمَصِيْرُ ۱۸
پاک ہوگیا	تو صرف	وہ پاک ہوتا ہے	اپنے ہی لیے	اور طرف	اللہ کی	لوٹ کر جانا ہے

”کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا، اور اگر کوئی بوجھ اٹھانے والا اپنا بوجھ اُٹھانے کے لیے کسی کو کہے گا تو اس کے بوجھ کا ایک معمولی حصہ بھی اٹھانے کے لیے کوئی نہ آئے گا چاہے وہ قریب ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، آپ صرف انہی لوگوں کو متنبہ کر سکتے ہیں جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے اور نماز قائم کرتے ہیں، جو شخص بھی پاکیزگی اختیار کرتا ہے وہ اپنے لیے ہی کرتا ہے۔ سب کو اللہ کی طرف ہی پلٹ کر جانا ہے۔“ (۱۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو دنیا میں اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے وہ آخرت میں بھی کسی کی ذمہ داری نہیں اٹھائیں گے۔

مشرکین کا عقیدہ ہے کہ جن بزرگوں کے حضور ہم نذر و نیاز پیش کرتے ہیں وہ قیامت کے دن ہمیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے چھڑا لیں گے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والوں پر یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ اس دن کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا جو شخص بوجھ تلے دبا ہوگا وہ بڑی آہ و زاری کے ساتھ اپنے اقرباء اور احباب کو آواز پر آواز دے گا لیکن اس کا بوجھ اٹھانے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوگا یہاں تک کہ باپ بیٹے سے، بھائی اپنے بھائی سے، ماں اپنے جگر گوشوں سے، بیٹیاں اپنی مامتا سے دور بھاگ جائیں گی۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ بالخصوص ان لوگوں کو قیامت کے دن کی پکڑ سے ڈرائیں جو اپنے رب سے اس کو دیکھے بغیر ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں جس نے اپنے آپ کو گناہ کی غلاظت سے پاک رکھا اس کا فائدہ اسی کو ہوگا اور بالآخر ہر کسی نے اپنے رب کی طرف ہی پلٹ کر جانا ہے۔ قرآن مجید نے گناہوں کے لیے بوجھ

کالفظ استعمال کیا ہے یہ ایسا بوجھ ہوگا کہ جس کے تلے مجرم دبا ہوا ہوگا وہ اپنے عزیز واقربا اور جاننے والوں کو مدد کے لیے بار بار پکارے گا لیکن کوئی بھی اس کی مدد کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ اس صورتِ حال سے وہی لوگ بچ سکیں گے جو اپنے رب پر فی الحقیقت ایمان رکھنے والے اور نماز کی پابندی کرنے والے ہیں۔

یادر ہے کہ گناہوں کا آخرت میں ہی بوجھ نہیں ہوگا دنیا میں بھی اس کا بوجھ ہوتا ہے جس وجہ سے انسان پریشان ہوتا ہے اور کئی انسان گناہ کے بوجھ اور شرمندگی کی وجہ سے خودکشی کر لیتے ہیں۔ جو پہلے گناہوں سے بھی بڑا گناہ ہے۔

''حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ سردیوں کے موسم میں باہر تشریف لے گئے درختوں سے پتے گر رہے تھے آپ نے ایک درخت کی دوٹہنیوں کو پکڑا جس سے ٹہنی کے پتے زمین پر گر پڑے فرمایا: ابوذر! میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! حاضر ہوں آپ نے فرمایا: مسلمان جب اخلاص کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ایسے ہی گر جاتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے گر گئے ہیں۔'' (مسند احمد: کتاب مسند الأنصار، باب حدیث أبی ذر رضی اللہ عنہ [ضعیف])

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اس بات کو نبی کریم ﷺ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مال اس کی گردن میں گنجا سانپ بنا کر ڈال دیگا۔ پھر آپ نے کتاب اللہ سے اس آیت کی تلاوت کی {وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ}''

(رواہ الترمذی: کتاب: تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ آلِ عمران [صحیح])

مسائل

۱۔ انسان کے گناہ قیامت کے دن بوجھ بن جائیں گے۔ ۲۔ قیامت کے دن کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے اور نماز قائم کرنے والے ہی گناہوں سے بچا کرتے ہیں۔

۴۔ بالآخر ہر کسی نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا:

۱۔ کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ (بنی اسرائیل: ۱۰۔ فاطر: ۱۸)

۲۔ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ (الزمر: ۷) ۳۔ خبردار کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ (النجم: ۳۸)

۴۔ انسان جو بھی کرتا ہے اس کا بوجھ اسی پہ ہے کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ (الانعام: ۱۶۴)

۵۔ ہر ایک اپنے معاملے کا خود ذمہ دار ہے۔ (البقرۃ: ۱۴۱) ۶۔ قیامت کے دن دوست کام نہیں آئیں گے۔ (البقرۃ: ۲۵۴)

وَمَا	يَسْتَوِى	الْاَعْمٰى	وَالْبَصِيْرُ ﴿١٩﴾	وَلَا	الظُّلُمٰتُ
اور نہیں	برابر	اندھا	اور دیکھنے والا	اور نہ	اندھیرے
وَلَا	النُّوْرُ ﴿٢٠﴾	وَلَا	الظِّلُّ	وَلَا	الْحَرُوْرُ ﴿٢١﴾
اور نہ	روشنی	اور نہ	سایہ	اور نہ	دھوپ

”اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہے۔ (١٩) نہ اندھیرے اور روشنی برابر ہیں۔ (٢٠) چھاؤں اور دھوپ ایک جیسی نہیں۔“ (٢١)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عقیدۂ توحید اور دین سے انحراف کرنے والا درحقیقت اندھا ہوتا ہے اندھا اور بینا برابر نہیں ہوسکتے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بصیرت اور بصارت اس لیے عطا فرمائی ہے کہ وہ اپنے رب کو پہنچانے اور اس کی فرمانبرداری اختیار کرے جو انسان اپنے رب کو فراموش کر دیتا ہے درحقیقت وہ اندھا ہوجاتا ہے کیونکہ وہ کائنات کی سب سے بڑی حقیقت اور ضمیر کی آواز کو فراموش کر کے دل کی روشنی کھو بیٹھتا ہے۔

ضمیر کی روشنی اور کائنات کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے خالق، مالک اور رازق کو پہچانے اور اس کی فرمانبرداری میں زندگی بسر کرے۔ پہلی بات کا نام عقیدہ توحید ہے اور دوسری بات کا نام دین ہے جو اس پر عمل کرتا ہے وہ بینا ہے اور جس نے اس حقیقت کو فراموش کر دیا وہ اندھا ہے بینا نہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ نور کی بجائے اپنے توہمات اور معاشرے کی رسومات کی تاریکی میں زندگی بسر کرتا ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں یہ استفسار فرمایا ہے کہ بتاؤ اندھا اور بینا، اندھیرے اور روشنی، چھاؤں اور دھوپ برابر ہوسکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ برابر نہیں ہوسکتے جب یہ برابر نہیں ہوسکتے تو آدمی کو اندھے پن کی بجائے بصیرت کیساتھ اندھیروں سے نکل کر روشنی میں چلنا چاہیے اور اسے دھوپ کی بجائے سائے کو ترجیح دینا چاہیے۔ یہی عقلِ سلیم کا تقاضا ہے اس کا ہر شخص کو خیال اور احترام کرنا چاہیے تاکہ دنیا میں دردر کی ٹھوکروں سے بچ جائے اور آخرت میں اپنے رب کی بارگاہ میں سرخرو ہوجائے۔ یہاں اندھا پن، اندھیرے اور دھوپ سے پہلی مراد شرک ہے اور ”التوحید“ کو بصیرت، النور اور ٹھنڈا سایہ قرار دیا گیا ہے جس سے انسان کو دنیا میں سکون، روشنی اور بصیرت حاصل ہوتی ہے اور موت کے بعد لمحہ بہ لمحہ اسے اپنے رب کی دست گیری اور اس کی طرف سے نور میسّر ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

التوحید اور شرک کا موازنہ:

١۔ توحید سب سے بڑی سچائی ہے۔ (المائدۃ:١١٩، النساء:٨٧، ١٢٢) ٢۔ شرک سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ (ھود:١٨)

٣۔ توحید سب سے بڑی گواہی ہے۔ (آل عمران:١٨، الانعام:١٩، الروم:٣٠) ٤۔ توحید عدل ہے۔ (آل عمران:١٨)

٥۔ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ (لقمان:١٣) ٦۔ توحید دانائی ہے۔ (بنی اسرائیل:٣٩) ٧۔ شرک بیوقوفی ہے۔ (الجن:٤)

وَمَا	يَسْتَوِي	الْاَحْيَآءُ	وَلَا	الْاَمْوَاتُ	اِنَّ
اور نہیں	برابر ہو سکتے	زندے	اور نہ	مردے	بے شک
اللّٰهَ	يُسْمِعُ	مَنْ	يَّشَآءُ	وَمَآ	اَنْتَ	بِمُسْمِعٍ
اللہ	وہ سناتا ہے	جسے	وہ چاہتا ہے	اور نہیں	تو	سنانے والا
مَّنْ	فِي	الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾	اِنْ	اَنْتَ	اِلَّا	نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾
جو ہیں	میں	قبروں	نہیں ہے	تو	مگر	ڈرانے والے
اِنَّآ	اَرْسَلْنٰكَ	بِالْحَقِّ	بَشِيْرًا	وَّنَذِيْرًا	وَاِنْ
بلاشبہ ہم نے	بھیجا تجھ کو	حق کے ساتھ	خوشخبری دینے والا	اور ڈرانے والا	اور نہیں
مِّنْ اُمَّةٍ	اِلَّا	خَلَا	فِيْهَا	نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾
کوئی امت	مگر	گزرا	اس میں	ڈرانے والا

’’اور نہ زندہ اور مُردے برابر ہیں اللہ جسے چاہتا ہے سُنا دیتا ہے، اے نبی جو قبروں میں مدفون ہیں آپ اُن کو نہیں سُنا سکتے (۲۲) آپ تو بس خبردار کرنے والے ہیں۔ (۲۳) ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی اُمت ایسی نہیں گزری ہے جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔‘‘ (۲۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: شرک اور التوحید کا ایک موازنہ جاری ہے۔

جس طرح اندھا اور بینا، اندھیرے اور روشنی، دھوپ اور سایہ برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح زندہ اور مردہ برابر نہیں ہوتے یہاں توحید اور شرک کے درمیان موازنہ فرما کر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ توحید کا عقیدہ رکھنے والے زندہ ہیں اور شرک میں مبتلا ہونے والے مردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اُسے سننے کی توفیق بخشتا ہے اے نبی ﷺ! آپ قبروں میں دفن لوگوں کو نہیں سنا سکتے آپ تو لوگوں کو ان کے بُرے اعمال کے نتیجہ سے ڈرانے والے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ اس لیے بھیجا ہے کہ آپ حق قبول کرنے والوں کو خوشخبری سنائیں اور انکار کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈرائیں۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی امت ایسی نہیں چھوڑی جن میں ڈرانے والا مبعوث نہ کیا ہو یہ بات ’’فہم القرآن‘‘ کے کئی مقامات پر بیان ہو چکی ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی دعوت دو نتائج پر مبنی ہے تسلیم کرنے والوں کے لیے آپ ﷺ بشیر تھے اور انکار کرنے والوں کے لیے آپ نذیر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ اس نے ہر زمانے کے لوگوں میں اپنا رسول مبعوث فرمایا جو لوگوں کو ان کے بُرے انجام سے ڈراتا اور ایمان والوں کو ان کے روشن مستقبل کی خوشخبری دیا کرتا تھا ہر زمانے

اور ہر امت میں رسول بھیجنے کا یہ مفہوم ہے کہ جہاں اور جب تک نبی کی شریعت اصل حالت میں موجود رہتی ہے اس وقت تک وہاں نبی مبعوث نہیں کیا جاتا جب پہلے نبی کی شریعت اپنی حالت میں نہیں رہتی یا اسے کلیتاً جھٹلا دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس نبی کے دور اور علاقے میں ایک اور نبی مبعوث فرماتا رہا تا آنکہ خاتم المرسلین مبعوث کر دیئے گئے اب قیامت تک کوئی نبی مبعوث نہیں ہو گا کیونکہ دین مکمل ہوا جو اصل حالت میں ہمیشہ رہے گا اور آپ ﷺ کی امت کے علماء یہ فرض ادا کرتے رہیں گے۔ آیت ٢٢ میں یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ نبی مکرم ﷺ بھی مردوں کو نہیں سنا سکتے تھے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ جسے چاہے سنوا سکتا ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں بدر کے مردوں کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا مَعَ عُمَرَ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ أَخَذَ يُحَدِّثُنَا عَنْ أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَيُرِينَا مَصَارِعَهُمْ بِالْأَمْسِ قَالَ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ إِنْ شَاءَ اللهُ غَدًا قَالَ عُمَرُ وَالَّذِي بَعَثَهُ بِالْحَقِّ مَا أَخْطَئُوا تِيكَ فَجُعِلُوا فِي بِئْرٍ فَأَتَاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ فَنَادٰى يَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ يَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا فَإِنِّي وَجَدْتُ مَا وَعَدَنِي اللهُ حَقًّا فَقَالَ عُمَرُ تُكَلِّمُ أَجْسَادًا لَا أَرْوَاحَ فِيهَا فَقَالَ مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ))

(رواہ مسلم: کتاب الجنائز، باب عَرْضِ مَقْعَدِ المیتِ من الجنۃ او النارِ علیہ)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر میں تھے وہ ہمیں اہل بدر کے متعلق بتانے لگے کہ رسول ﷺ نے وہ جگہیں ہمیں دکھائیں جہاں اگلے دن کافروں نے قتل ہونا تھا آپ نے فرمایا: اللہ نے چاہا تو فلاں فلاں کے قتل ہونے کی یہ یہ جگہ ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ کافر مقررہ جگہوں سے ذرا برابر بھی اِدھر اُدھر نہیں قتل ہوئے انہیں کنویں میں پھینک دیا گیا کنویں کے پاس نبی ﷺ آئے اور انہیں آواز دیتے ہوئے فرمایا: اے فلاں بن فلاں، اے فلاں بن فلاں کیا تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا تم نے اسے سچ پایا ہے بلاشبہ میرے رب نے میرے ساتھ جو وعدہ کیا تھا میں نے اسے سچ پایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آپ ﷺ نے لاشوں کو مخاطب فرمایا: حالانکہ یہ مر چکے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا: جو میں انہیں کہہ رہا ہوں یہ آپ سے زیادہ سن رہے ہیں۔''

تفسیر بالقرآن

مردے نہیں سُنتے:

١۔ اللہ جسے چاہے سنا سکتا ہے جو قبروں میں ہیں آپ ﷺ ان کو نہیں سنا سکتے۔ (فاطر: ٢٢۔ النمل: ٨٠)

٢۔ آپ ﷺ بہروں کو نہیں سنا سکتے۔ (یونس: ٤٢)

٣۔ مدفون نہیں سنتے وہ قیامت کے دن اپنے پکارنے والوں کا انکار کریں گے۔ (فاطر: ١٤)

وَ	اِنْ	يُّكَذِّبُوْكَ	فَقَدْ	كَذَّبَ	الَّذِيْنَ	مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ	
اور	اگر	وہ تجھ کو جھٹلاتے ہیں	تو تحقیق	جھٹلایا تھا	ان لوگوں نے	ان سے پہلے تھے	
جَآءَتْهُمْ	رُسُلُهُمْ	بِالْبَيِّنٰتِ	وَبِالزُّبُرِ	وَبِالْكِتٰبِ	الْمُنِيْرِ ۲۵		
آئے ان کے پاس	ان کے رسول	واضح دلائل کے ساتھ	اور صحیفوں کے ساتھ	اور کتاب کے ساتھ	روشن		
ثُمَّ	اَخَذْتُ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	فَكَيْفَ	كَانَ	نَكِيْرِ ۲۶ ع	
پھر	میں نے پکڑلیا	ان لوگوں کو	انہوں نے کفر کیا	تو کیسے	ہوا	میرا عذاب	

''اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے بھی جھٹلا چکے ہیں، اُن کے پاس اُن کے رسول کھلے دلائل، صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔(۲۵) پھر جن لوگوں نے نہ مانا اُن کو میں نے پکڑ لیا اور دیکھ لو کہ میری پکڑ کیسی سخت تھی۔''(۲۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: توحید و رسالت کا پیغام واضح ہو جانے کے باوجود اگر کفّار آپ ﷺ کو جھٹلاتے ہیں تو اے پیغمبر ﷺ! یہ واقعہ صرف آپ کے ساتھ ہی پیش نہیں آیا آپ سے پہلے لوگوں کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوتا رہا ہے۔

نبی کریم ﷺ بڑی محنت اور دلسوزی کے ساتھ لوگوں کو سمجھاتے مگر لوگ اسے قبول کرنے کی بجائے اتنی ہی سختی کے ساتھ آپ کی مخالفت کا اظہار کرتے۔ اس صورتِ حال پر دل گرفتہ ہونا انسانی فطرت کا تقاضا ہے جس بنا پر آپ ﷺ افسردہ خاطر ہو جاتے۔ قرآن مجید نے آپ کی ڈھارس اور تسلی کے لیے کئی انداز اختیار کیے گئے ہیں جن میں سے ایک انداز یہ ہے کہ اے نبی علیہ السلام! آپ کو حد سے زیادہ دل گرفتہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ بھی منکرینِ حق نے تکذیب کا رویہ اختیار کیا تھا حالانکہ یہ رسول بڑے بڑے معجزات، بھرپور دلائل، صحیفے اور روشن کتاب دے کر بھیجے گئے تھے لیکن حق کا انکار کرنے والوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کو جھٹلایا اور ان کی دعوت کو مسترد کیا۔ جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان کی سخت گرفت کی اور انہیں بدترین عذاب میں مبتلا کیا۔ اہلِ علم نے کتاب سے مراد تورات لی ہے جو نزولِ قرآن سے پہلے آسمانی کتابوں میں سب سے واضح اور مدلّل کتاب ہے۔

مسائل

۱۔ نبی کریم ﷺ سے پہلے انبیاء کو بھی جھٹلایا گیا تھا۔

۲۔ انبیائے کرام علیہم السلام معجزات واضح، دلائل اور روشن کتابوں کے ساتھ مبعوث کیے گئے تھے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے منکرینِ حق کو ان کے انکار اور استکبار کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیا۔

اَلَمْ	تَرَ	اَنَّ	اللّٰهَ	اَنْزَلَ	مِنَ	السَّمَآءِ
کیا نہیں	تو نے دیکھا	بلاشبہ	اللہ	اس نے نازل کیا	سے	آسمان
مَآءً ۚ	فَاَخْرَجْنَا	بِهٖ	ثَمَرٰتٍ	مُّخْتَلِفًا	اَلْوَانُهَا ؕ	
پانی	پھر ہم نے نکالے	اس کے ذریعے	پھل	مختلف ہیں	ان کے رنگ	
وَمِنَ	الْجِبَالِ	جُدَدٌ ۢ	بِيْضٌ	وَّحُمْرٌ	مُّخْتَلِفٌ	اَلْوَانُهَا
اور میں	پہاڑوں	گھاٹیاں	سفید	اور سرخ	مختلف ہیں	ان کے رنگ
وَغَرَابِيْبُ	سُوْدٌ ﴿۲۷﴾	وَمِنَ	النَّاسِ	وَالدَّوَآبِّ	وَالْاَنْعَامِ	
اور بہت گہرے	سیاہ	اور سے	لوگوں	اور جانوروں	اور چوپایوں	
مُخْتَلِفٌ	اَلْوَانُهٗ	كَذٰلِكَ ؕ	اِنَّمَا	يَخْشَى	اللّٰهَ	
مختلف ہیں	ان کے رنگ	اسی طرح	صرف	ڈرتے ہیں	اللہ	
مِنْ	عِبَادِهِ	الْعُلَمٰٓؤُا ؕ	اِنَّ	اللّٰهَ	عَزِيْزٌ	غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾
سے	اس کے بندوں	علماء	بلاشبہ	اللہ	خوب غالب	بہت بخشنے والا ہے

”کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور پھر ہم اس سے طرح طرح کے پھل نکالتے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور پہاڑوں میں بھی سفید، سرخ اور گہری سیاہ دھاریاں پائی جاتی ہیں۔ جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ (۲۷) اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور مویشیوں کے رنگ بھی مختلف ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اُس سے ڈرتے ہیں بے شک اللہ زبردست درگزر کرنے والا ہے۔“ (۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: توحید کا انکار کرنے اور حق بات کو ٹھکرانے والوں کو غور وفکر کی دعوت۔

کیا توحید کا انکار اور حق بات کو ٹھکرانے والے اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح آسمان سے بارش برساتا ہے پھر اس کے ذریعے مختلف قسم کے پھل پیدا کرتا ہے جن کے رنگ آپس میں نہیں ملتے۔ اسی ذات نے پہاڑ پیدا کیے ہیں جن میں سفید، سرخ اور نہایت ہی کالے رنگ کے پہاڑ ہوتے ہیں، اسی ذات نے انسانوں، جانوروں اور چوپاؤں کے مختلف رنگ اور جسم بنائے جو اس کی قدرت کا پتہ دیتے ہیں۔ لوگوں میں وہی صاحب علم جو لوگ اپنے رب سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر کام پر غالب اور بخشنے والا ہے۔

سورۃ الرّعد کی آیت ۳، ۴ میں ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر پھل کے جوڑے پیدا کیے اور زمین کو مختلف قطعات میں تقسیم فرمایا ہے جو اپنے مزاج کے مطابق مختلف قسم کے پھل پیدا کرتی ہے حالانکہ ان کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے لیکن انگور اور کھجور رنگ اور ذائقہ کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح پہاڑ ہیں جو مختلف رنگ لیے ہوئے ہیں بعض پتھر قیمت کے اعتبار سے اس قدر بیش بہا ہیں کہ غریب آدمی ان کے حصول کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ انسانوں، جانوروں اور چوپایوں کے رنگ اور مزاج کی طرف توجہ کریں تو انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ ایک ہی ماں باپ کی اولاد شکل وصورت، عادات اور خصائل کے اعتبار سے آپس میں مختلف ہوتے ہیں یہی صورتِ حال چوپایوں اور جانوروں میں پائی جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عظیم مظاہر ہیں جن کا ادراک وہی لوگ کرپاتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حقیقی علم سے سرفراز فرمایا ہے۔ حقیقی علم سے مراد وہ معرفت ہے جس کے سبب انسان اپنے رب کو پہچانتا ہے اور اس کی نافرمانی سے بچتا ہے ایسے شخص سے بتقاضائے بشریت کوتاہی سرزد ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادیتا ہے۔

ان آیات میں لوگوں کے مزاج کی نشاندہی کی گئی ہے بارش اور نباتات کا ذکر فرما کر ثابت کیا ہے کہ بارش کا پانی تو ایک ہی ہوتا مگر اس کے ذریعے اُگنے والی نباتات مختلف ہوتی ہیں۔ یہی معاملہ ہدایت کا ہے ہدایت تو ایک ہے مگر اس کے ردِعمل مختلف ہوتے ہیں کچھ لوگ اس سے صراطِ مستقیم پاتے ہیں اور کچھ مزید گمراہ ہوجاتے ہیں۔ اس بات کو مزید سمجھنے کے لیے پہاڑوں پر غور فرمائیں کچھ سخت ہوتے اور کچھ نرم کچھ کالے ہوتے اور کچھ سفید جس طرح پہاڑوں کے رنگ مختلف اور ان میں نرم اور سخت ہوتے ہیں اسی طرح ہدایت کے بارے میں لوگوں کے مزاج اور ردّعمل مختلف ہوتے ہیں البتہ جو لوگ حقیقی علم رکھتے ہیں وہ اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں۔

((عَنْ سُفْيَانَ أَنَّ عُمَرَ قَالَ لِكَعْبٍ مَنْ أَرْبَابُ الْعِلْمِ؟ قَالَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ بِمَا يَعْلَمُونَ قَالَ فَمَا أَخْرَجَ الْعِلْمَ مِنْ قُلُوبِ الْعُلَمَاءِ؟ قَالَ الطَّمَعُ)) (رواہ الدارمی: باب صِيَانَةِ الْعِلْمِ [ضعیف])

”حضرت سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا کہ حقیقی عالم کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا وہ لوگ جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتے ہیں پھر انہوں نے عرض کی کہ کون سی چیز علماء کے دلوں سے علم کو نکال دے گی کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا دنیا کا لالچ۔“

تفسیر بالقرآن

حقیقی علم کا تقاضا اور اس کے فضائل:

۱۔ اس بات کا علم حاصل کریں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ (محمد: ۱۹)

۲۔ کیا علم والا اور علم نہ رکھنے والا برابر ہوسکتے ہیں۔ (الزمر: ۹)

۳۔ اللہ تعالیٰ علم کی بنیاد پر لوگوں کے درجات بلند فرماتا ہے۔ (المجادلۃ: ۱۱)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	يَتْلُوْنَ	كِتٰبَ	اللّٰهِ	وَ اَقَامُوا	الصَّلٰوةَ
بلاشبہ	جولوگ	تلاوت کرتے ہیں	کتاب کی	اللہ کی	اور وہ قائم کرتے ہیں	نماز
وَ اَنْفَقُوْا	مِمَّا	رَزَقْنٰهُمْ	سِرًّا	وَّ عَلَانِيَةً	يَّرْجُوْنَ	
اور وہ خرچ کرتے ہیں	اس سے جو	ہم نے ان کو دیا	پوشیدہ	اور علانیہ	وہ امید کرتے ہیں	
تِجَارَةً	لَّنْ	تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾	لِيُوَفِّيَهُمْ	اُجُوْرَهُمْ	وَ يَزِيْدَهُمْ	
تجارت کی	ہرگز نہیں	نقصان پہنچاتی	تاکہ ان کو پورا دے	ان کے اجر	اور وہ زیادہ دے اُن کو	
مِّنْ	فَضْلِهٖ ؕ	اِنَّهٗ	غَفُوْرٌ	شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾		
سے	اپنے فضل	بے شک وہ	بہت بخشنے والا	از حد قدردان ہے		

''جولوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں علانیہ اور خفیہ طور پر خرچ کرتے ہیں یقیناً وہ ایک ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں ہرگز نقصان نہیں ہے۔(۲۹) تاکہ اللہ اُن کو پورے کا پورا اجر دے اور مزید اپنے فضل سے بھی ان کو عطافرمائے بے شک اللہ بخشنے والا اور قدردان ہے۔''(۳۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حقیقی علم کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے رب کو پہچانے اور اس سے ڈر کر زندگی بسر کرے۔ علم اور تقویٰ! کتاب اللہ کی تلاوت سے حاصل ہوتا ہے۔ بشرطیکہ انسان یقین اور غور وفکر کے ساتھ کتاب اللہ کی تلاوت کرے۔

حقیقی عالم وہ ہوتا ہے جو کتاب اللہ کی تلاوت کرتا، اس پر غور وفکر کرتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہوتا ہے عمل میں افضل ترین عمل یہ ہے کہ مسلمان پانچ وقت نماز ادا کرے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھا ہے اس سے پوشیدہ اور ظاہری طور پر خرچ کرتا رہے اس امید اور یقین کیساتھ کہ وہ انفاق فی سبیل اللہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ لین دین کر رہا ہے یہ ایسی سوداگری ہے جس میں اسے کبھی نقصان نہیں ہوگا۔ اخلاص اور سنتِ نبوی کے مطابق خرچ کرنے والے لوگ اپنے اعمال اور انفاق کا نہ صرف پورا پورا اجر پائیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عظیم فضل اور اجر سے سرفراز فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ انسان کی کمی، کوتاہی کو معاف کرنے والا اور اس کی نیکی کا قدر دان ہے۔

اسی بات کو دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا ہے کہ اے مومنو! میں تمہیں ایسی سوداگری بتلائے دیتا ہوں جو تمہیں ''عذاب الیم'' سے نجات دے گی وہ تجارت یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے لیے اپنے مال اور جان سے اس کے دین کی سربلندی کے لیے محنت کرتے رہو۔ یہ تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے بشرطیکہ تم اسے جان لو، اس تجارت کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمائے گا اور تمہیں ایسی جنت میں داخل کرے گا جس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں

انہیں جنتِ عدن کے بہترین محلات میں ٹھہرایا جائے گا یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے تم دنیا میں بھی کامیاب ہو گے جو تمہارے لیے پسندیدہ بات ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کو خوشخبری ہے۔ (الصف: ۱۰ تا ۱۳)

اس بات کو ایک اور انداز میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ ان کی جانوں اور ان کے مالوں کے بدلے میں جنت کا سودا کر لیا ہے۔ مومن اللہ کے راستے میں قتال کرتے ہیں جن میں کچھ شہید ہوتے ہیں اور باقی غازی بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کا ذکر تورات، انجیل اور قرآن میں کیا ہے جسے وہ ہر صورت پورا کرے گا کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی وعدہ ایفاء کرنے والا نہیں۔ اے مومنو! تمہیں اس تجارت پر خوش ہونا چاہیے یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ (التوبۃ: ۱۱۱)

نماز کا فائدہ:

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ الصَّلَوَاةُ الْخَمْسُ وَالْجُمْعَةُ إِلَي الْجُمْعَةِ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهُنَّ مَالَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ» (رواه مسلم: باب الصلواة الخمس والجمعة إلى الجمعة)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کیا جائے تو پانچ نمازیں اور پہلا جمعہ دوسرے جمعہ تک گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔“

صدقہ کرنے کا فائدہ:

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السَّوْءِ» (رواه الترمذی: باب مَا جَاءَ فِی فَضْلِ الصَّدَقَةِ [حسن غریب])

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بُری موت سے بچاتا ہے۔“

تفسیر بالقرآن

صاحبِ علم کے اوصاف:

۱۔ علم والے اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے۔ (الزمر: ۹) ۲۔ یقیناً اللہ سے علماء ہی زیادہ ڈرتے ہیں۔ (فاطر: ۲۸)

۳۔ اللہ تعالیٰ ایمانداروں اور علم والوں کے درجات بلند فرماتا ہے۔ (المجادلۃ: ۱۱)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد اور سلیمان علیہ السلام کو علم عطا کیا۔ (النمل: ۱۵)

۵۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں جنہیں علم والے ہی سمجھتے ہیں۔ (العنکبوت: ۴۳)

۶۔ راسخ العلم اللہ کی آیات کا انکار کرنے کی بجائے ان پر ایمان لاتے ہیں۔ (آل عمران: ۷)

وَالَّذِیْٓ	اَوْحَیْنَآ	اِلَیْكَ	مِنَ	الْكِتٰبِ	هُوَ
اور جو	ہم نے وحی کی	آپ کی طرف	سے	کتاب	وہ
الْحَقُّ	مُصَدِّقًا	لِّمَا	بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ	اِنَّ	اللّٰهَ
حق ہے	تصدیق کرنے والی ہے	اس کی جو	اس سے پہلے ہے	بے شک	اللہ
بِعِبَادِهٖ	لَخَبِیْرٌۢ	بَصِیْرٌ ۝۳۱	ثُمَّ	اَوْرَثْنَا	الْكِتٰبَ	الَّذِیْنَ
اپنے بندوں کے ساتھ	خوب خبردار	خوب دیکھنے والا ہے	پھر	ہم نے وارث بنایا	کتاب کا	ان لوگوں کو

''اور جو کتاب ہم نے آپ کی طرف وحی کے ذریعہ سے بھیجی ہے وہ حق ہے، اُن کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے تھیں، یقیناً اللہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے۔(۳۱) پھر ہم نے اس کتاب کا وارث اُن لوگوں کو بنا دیا

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کے فضل کی یہ انتہا ہے کہ وہ اپنے بندوں میں کچھ بندوں کو اپنی کتاب کا وارث بنا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ پر قرآن مجید نازل فرمایا جس کے ''من جانب اللہ'' ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ قرآن واقعتاً حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا یہ بات حقیقی اور ٹھوس دلائل پر مبنی ہے۔ اس کے ارشادات سچے ہیں اس کی تعلیمات پہلی آسمانی کتابوں کی تائید کرتی ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہر بات سے باخبر اور ان کے ہر کام کو دیکھنے والا ہے۔ وہی لوگوں میں سے اپنے بندوں کو اپنی کتاب کا وارث بنانے والا ہے جن میں سے کچھ اپنے آپ پر زیادتی کرنے والے ہیں کچھ ان میں میانہ رو ہیں اور کچھ ان میں سے اپنے رب کی توفیق سے نیکیوں میں دوسروں سے آگے نکل جانے والے ہیں، جن لوگوں کو نیکی میں سبقت کرنے کی توفیق مل جائے ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہوتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید نبی آخر الزمان ﷺ پر نازل کیا گیا ہے اور اسے لوگوں تک پہنچانا آپ ﷺ کی ذمہ داری تھی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ کی وفات کے بعد اس پر عمل کرنا اور لوگوں تک پہنچانا امتِ محمدیہ کی ذمہ داری ہے۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کو صرف نیکی کرنے کا حکم ہی نہیں دیا بلکہ نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا حکم بھی دیا ہے۔ جس معاشرے اور قوم میں نیکی اور اچھائی کے کاموں میں مسابقت کا جذبہ مفقود ہو جائے وہ معاشرہ اور قوم بالآخر مردہ ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کو مردگی سے بچانے اور اقوامِ عالم کی قیادت پر فائز کرنے کے لیے کئی بار حکم دیا کہ اچھائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو یہی ترقی کا راز اور اجتماعی زندگی کا جوہر ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تین طبقات میں شمار فرمایا ہے۔

① مسلمان ہیں مگر ان سے کبیرہ گناہ بھی سرزد ہو جاتے ہیں نبی علیہ السلام کی کتابِ مبین کے وارث ہونے کے باوجود

اصْطَفَيْنَا	مِنْ	عِبَادِنَا ۚ	فَمِنْهُمْ	ظَالِمٌ	لِّنَفْسِهٖ ۚ	وَمِنْهُمْ
ہم نے چن لیا	سے	اپنے بندوں میں	پھر بعض ان سے	ظلم کرنے والے	اپنے آپ پر	اور ان سے

مُّقْتَصِدٌ ۚ	وَمِنْهُمْ	سَابِقٌۢ	بِالْخَيْرٰتِ	بِاِذْنِ	اللّٰهِ ؕ
میانہ رَو ہیں	اور ان سے	سبقت کرنے والے	نیکیوں میں	حکم سے	اللہ کے

ذٰلِكَ	هُوَ الْفَضْلُ	الْكَبِيْرُ ﴿٣٢﴾
یہ	وہ فضل ہے	بہت بڑا

جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا، اب کوئی ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی درمیانی راہ پر چلنے والا ہے، اور کوئی اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے، یہ بہت بڑا فضل ہے۔'' (۳۲)

انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں۔ یہاں ظلم سے مراد چھوٹے بڑے گناہ ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔

② مسلمانوں میں دوسرا طبقہ وہ ہے جو فرائض پورے کرتا ہے اور کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے لیکن نفلی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہیں لیتا اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی اپنے بندوں میں شمار فرمایا ہے۔

③ امتِ محمدیہ کا آخری اور بہترین طبقہ وہ ہے جو فرائض کو بطریق احسن انجام دینے کے ساتھ ساتھ نفلی کاموں میں بھی دوسرے مسلمانوں سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے، ایسے لوگ نیکی کے معاملہ میں امتِ محمدیہ کا سرخیل اور ہراوّل دستہ ہیں۔ جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پوری امت کے امام اور پیش رو ہیں اور ان کے بعد ان کی اولادیں پوری امت سے افضل ہیں۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَجِيءُ مِنْ بَعْدِهِمْ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَتُهُمْ أَيْمَانَهُمْ وَأَيْمَانُهُمْ شَهَادَتَهُمْ))

(رواه البخاری: باب مَا يُحْذَرُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَالتَّنَافُسِ فِيهَا)

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں، پھر ان کے بعد والے، پھر جو ان کے بعد والے۔ اس کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جن کی گواہی ان کی قسم پر اور انکی قسم ان کی شہادت پر سبقت لے جائے گی۔'' (یعنی انہیں جھوٹی قسم اور گواہی کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔)

کچھ مفسرین نے تین طبقات سے مراد اہلِ کتاب لیے ہیں ان میں سے ایک طبقہ کھل کر دین کی مخالفت کر کے اپنے آپ پر ظلم ڈھا رہا ہے، دوسرا طبقہ مسلمانوں کی مخالفت تو کرتا ہے لیکن اخلاقی حدود سے تجاوز نہیں کرتا، تیسرا طبقہ وہ ہے جو تمام قسم کے

تحفظات اور مخالفتوں کی پروا کیے بغیر دینِ اسلام کو قبول کرتا ہے۔

«عَنْ مُّعَاوِيَةَ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِيْ» (رواہ البخاری: کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین)

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ خیر خواہی کرنا چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ مجھے عنایت فرمانے والا ہے۔''

{يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝} (البقرۃ:۲۶۹)

''وہ جسے چاہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت عطا کی گئی اسے خیر کثیر عطا کر دی گئی نصیحت تو صرف عقل مند ہی قبول کرتے ہیں۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں میں اپنے بندوں کو اپنی کتاب کا وارث بنایا ہے۔

۲۔ مسلمانوں میں سب سے بہترین طبقہ وہ ہے جو نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت کرنیوالا ہے۔

۳۔ نیکی میں سبقت کرنیوالے پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نیکیوں میں سبقت کرنے کا حکم اور سبقت کرنے والوں کی فضیلت:

۱۔ اللہ کی مغفرت اور جنت کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے سبقت کرو۔ (الحدید:۲۱)

۲۔ نیکی کے حصول میں جلدی کرو۔ (البقرۃ:۱۴۸)

۳۔ نیکیوں میں سبقت کرنے والے سب سے اعلیٰ ہوں گے۔ (فاطر:۳۲)

۴۔ اللہ کی جنت اور بخشش میں سبقت کرو۔ (آل عمران:۱۳۳)

۵۔ سبقت کرنے والے اللہ کے مقرب ہوں گے۔ (الواقعہ:۱۰،۱۱)

۶۔ نیکی کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔ (آل عمران:۱۴۸)

۷۔ اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہوتی ہے۔ (الاعراف:۵۶)

۸۔ تقویٰ اختیار کرنے والوں اور نیکی کرنے والوں کو اللہ پسند فرماتا ہے۔ (المائدۃ:۹۳)

جَنّٰتُ	عَدْنٍ	يَّدْخُلُوْنَهَا	يُحَلَّوْنَ	فِيْهَا	مِنْ	اَسَاوِرَ
باغات	ہمیشہ رہنے کے	وہ ان میں داخل ہوں گے	وہ پہنائے جائیں گے	ان میں	سے	کنگن
مِنْ	ذَهَبٍ	وَّلُؤْلُؤًا	وَلِبَاسُهُمْ	فِيْهَا	حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾	وَقَالُوا
سے	سونے	اور موتی	اور ان کا لباس ہوگا	ان میں	ریشمی	اور وہ کہیں گے
اَلْحَمْدُ	لِلّٰهِ	الَّذِيْٓ	اَذْهَبَ	عَنَّا	الْحَزَنَ	اِنَّ
تمام تعریفیں	اللہ کے لیے ہیں	جس نے	دور کردیا	ہم سے	غم	بے شک

’’یہ لوگ ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں داخل ہوں گے، وہاں انہیں سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ کیا جائے گا، جنت میں ان کا لباس ریشم ہوگا۔ (۳۳) اور وہ کہیں گے کہ اُس اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کردیا، یقیناً

فہم القرآن

ربطِ کلام: دنیا میں فضلِ کبیر اور آخرت میں اجرِ عظیم۔

جن لوگوں نے کتابِ الٰہی کی وراثت کا قولاً اور عملاً حق ادا کرنے کی کوشش کی اللہ تعالیٰ ان کو اجرِ عظیم سے سرفراز کرتے ہوئے سدا بہار جنت میں داخل فرمائے گا، ان کی کلائیوں میں موتیوں سے سجے ہوئے سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس جنت کی ریشم سے تیار کیا ہوگا، جونہی جنت کے محلات میں داخل ہوں گے تو بے ساختہ پکار اٹھیں گے کہ تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں ہر قسم کی پریشانیوں سے بچالیا وہ اس بات کا بھی اقرار اور اظہار کریں گے کہ دنیا میں رہتے ہوئے ہم سے بے شمار کوتاہیاں ہوئیں لیکن ہمارے رب نے ہمیں معاف فرما کر ہمیں جنت کے عیش و آرام سے سرفراز فرما دیا ہے یقیناً ہمارا رب اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا اور ان کے اعمال کی قدر کرنے والا ہے۔ ربِ شکور نے ہمیں اپنے خاص فضل سے ہمیشہ رہنے والے گھر میں ٹھہرایا ہے جہاں نہ ہمیں کسی قسم کا رنج پہنچے گا اور نہ ہی ہمیں کوئی نقاہت اور تھکان ہوگی۔

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: جو بندہ جنت میں داخل ہوگا وہ عیش میں ہوگا، بدحال نہیں ہوگا اور اس کے کپڑے بوسیدہ نہیں ہوں گے اور نہ اس کی جوانی ختم ہوگی۔‘‘

(رواہ مسلم: کتاب الجنة وصفة نعیمها وأهلها)

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ رضی اللہ عنہ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ لِلْمُؤْمِنِ فِي الْجَنَّةِ لَخَيْمَةً مِنْ لُؤْلُؤَةٍ وَاحِدَةٍ مُجَوَّفَةٍ طُوْلُهَا سِتُّوْنَ مِيْلًا لِلْمُؤْمِنِ فِيْهَا أَهْلُوْنَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمُ الْمُؤْمِنُ فَلَا يَرَى بَعْضُهُمْ بَعْضًا)) (رواہ مسلم: باب فی صفة خیام الجنة)

’’حضرت عبداللہ بن قیس اپنے باپ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ کا فرمان ہے کہ جنت میں

رَبَّنَا	لَغَفُوْرٌ	شَكُوْرٌ ۙ﴿۳۴﴾	الَّذِيْٓ	اَحَلَّنَا	دَارَ الْمُقَامَةِ
ہمارا رب	البتہ بہت بخشنے والا	نہایت قدردان ہے	جس نے	ہمیں اتارا	ہمیشہ رہنے کے گھر میں
مِنْ	فَضْلِهٖ ۚ	لَا	يَمَسُّنَا	فِيْهَا	نَصَبٌ
سے	اپنے فضل	نہیں	ہم کو پہنچتی	اس میں	کوئی تکلیف
وَّلَا	يَمَسُّنَا	فِيْهَا	لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾		
اور نہیں	پہنچتی ہمیں	اس میں	تھکاوٹ		

ہمارا رب معاف کرنے والا اور قدر کرنے والا ہے۔ (۳۴) جس نے ہمیں اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کی جگہ ٹھہرایا ہے، یہاں ہمیں نہ کوئی مشقت درپیش ہے اور نہ کسی قسم کی تھکاوٹ محسوس ہوتی ہے۔'' (۳۵)

مومن کے لیے موتی کا ایک ایسا خیمہ ہوگا جس کی لمبائی ساٹھ میل ہوگی وہاں مومن کے گھر والے ہوں گے جن کے ہاں وہی جائے گا دوسرا انہیں نہیں دیکھ سکے گا۔''

مسائل

۱۔ جنتی جنت میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ ۲۔ جنتی جنت میں ہر دم اپنے رب کا شکر ادا کریں گے۔

۳۔ جنتیوں کو موتیوں سے جڑے ہوئے سونے کے کنگن اور ریشمی لباس پہنایا جائے گا۔

۴۔ جنت میں جنتیوں کو کسی قسم کا غم، مشقت اور تھکاوٹ نہیں ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

جنّت کی نعمتوں کی ایک جھلک:

۱۔ ہم ان کے دلوں سے کینہ نکال دیں گے اور سب ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے۔ (الحجر: ۴۷۔۴۸)

۲۔ جنت کی مثال جس کا مومنوں کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے اس کے نیچے نہریں جاری ہیں اور اس کے پھل اور سائے ہمیشہ ہوں گے۔ (الرّعد: ۳۵) ۳۔ جنت میں وہ سب کچھ ہوگا جس کی جنتی خواہش کریں گے۔ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۱)

۴۔ جنت میں بے خار بیریاں، تہہ بہ تہہ کیلے، لمبا سایہ، چلتا ہوا پانی، اور کثرت سے میوے ہوں گے۔ (الواقعۃ: ۲۸ تا ۳۰)

۵۔ مومنوں کے ساتھ جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس میں چار قسم کی نہریں ہوں گی۔ (محمد: ۱۰)

۶۔ جنت میں نیچی نگاہ رکھنے والی حوریں ہوں گی جنہیں کسی جن وانس نے چھوا تک نہیں ہوگا۔ (الرحمٰن: ۵۶)

۷۔ جنت میں محبت کرنے والی ہم عمر حوریں ہوں گی۔ (الواقعہ: ۳۷)

وَالَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	لَهُمْ	نَارُ	جَهَنَّمَ ۚ	لَا	يُقْضٰى
وہ لوگ	جنہوں نے کفر کیا	ان کے لیے	آگ ہے	جہنم کی	نہیں	فیصلہ کیا جائے گا
عَلَيْهِمْ	فَيَمُوْتُوْا	وَلَا	يُخَفَّفُ	عَنْهُمْ	مِّنْ	عَذَابِهَا ۭ
ان پر	کہ وہ مر جائیں	اور نہ	ہلکا کیا جائے گا	ان سے	سے	اس کے عذاب
كَذٰلِكَ	نَجْزِيْ	كُلَّ	كَفُوْرٍ ۚ ﴿۳۶﴾	وَهُمْ	يَصْطَرِخُوْنَ	فِيْهَا ۚ
اسی طرح	ہم سزا دیتے ہیں	ہر	ناشکرے کو	اور وہ	چلائیں گے	اس میں

''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے جہنم کی آگ ہے نہ اُن کو موت آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ اُن کے لیے جہنم کے عذاب میں کمی کی جائے گی اسی طرح ہم اُس شخص کو بدلہ دیتے ہیں جو کفر کرنے والا ہے۔ (۳۶) وہ وہاں چیخ چیخ کر

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنتیوں کے مقابلے میں جہنمیوں کی سزا اوران کی آہ زاریاں۔

جو لوگ کفر و شرک اور بدعت و رسومات پر قائم رہے انہیں جہنم کی آگ میں جھونکا جائے گا نہ ان کو موت آئے گی اور نہ ہی ان پر جہنم کا عذاب ہلکا کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مجرموں کو ٹھیک، ٹھیک سزا دیں گے وہ جہنم میں چیختے چلاتے ہوئے اپنے رب کے حضور آہ وزاریاں کریں گے کہ اے ہمارے رب! تیرے حضور ہم فریاد پر فریاد کرتے ہیں کہ ہمیں ایک دفعہ جہنم سے نکال دے اور ہمیں دنیا میں جانے کا موقعہ عنایت فرما ہم واپس جا کر بدی کی بجائے نیکی اور برائی کی جگہ اچھائی کریں گے۔

جہنمیوں کی آہ زاری کے جواب میں اس موقعہ پر صرف اتنا ارشاد ہوگا کہ کیا ہم نے دنیا میں رہنے کے لیے تمہیں ایک عرصہ نہیں دیا تھا؟ اور تمہارے پاس بُرے انجام سے ڈرانے والے نبی نہیں بھیجے تھے؟ لیکن تم نے ان کی نصیحت کو درخورِ اعتناء نہ سمجھا لہٰذا جہنم کی سزائیں بھگتتے رہو ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

''حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جہنمیوں پر بھوک مسلط کر دی جائے گی۔ وہ بھوک اُس عذاب کے برابر ہوگی جس میں وہ مبتلا ہوں گے وہ کھانا طلب کریں گے تو اُنہیں کھانے میں سوکھی گھاس دی جائے گی جس سے نہ تو وہ موٹے ہو پائیں گے اور نہ اُن کی بھوک دور ہوگی وہ کھانا طلب کریں گے تو اُنہیں ایسا کھانا دیا جائے گا جو اُن کے حلق میں اٹک جائے گا وہ کہیں گے کہ دنیا میں کھانا حلق میں اٹک جاتا تھا تو ہم پانی کے ساتھ اُسے نیچے اتارتے تھے پانی طلب کریں گے تو انہیں گرم پانی لوہے کے پیالوں میں دیا جائے گا جب اُسے اپنے چہروں کے قریب کریں گے تو اُن کے چہرے جھلس جائیں گے۔ جب اُسے اپنے پیٹ میں داخل کریں گے تو اُن کے پیٹ کٹ جائیں گے وہ جہنم کے داروغے کو بلائیں گے انہیں جواب دیا جائے گا کیا تمہارے پاس معجزات

رَبَّنَآ	اَخْرِجْنَا	نَعْمَلْ	صَالِحًا	غَيْرَ	الَّذِىْ
اے ہمارے رب!	تو نکال ہم کو	ہم عمل کریں گے	نیک	نہ کہ	وہ جو

كُنَّا	نَعْمَلُ	اَوَ	لَمْ	نُعَمِّرْكُمْ	مَّا	يَتَذَكَّرُ
ہم تھے	عمل کرتے	کیا	نہیں	ہم نے تمہیں عمر دی	کہ	نصیحت حاصل کرتا

فِيْهِ	مَنْ	تَذَكَّرَ	وَجَآءَكُمُ	النَّذِيْرُ	فَذُوْقُوْا
اس میں	جو	وہ نصیحت حاصل کرنا چاہتا	اور آیا تمہارے پاس	ڈرانے والا	اب تم چکھو

فَمَا	لِلظّٰلِمِيْنَ	مِنْ نَّصِيْرٍ ۝۳۷ ع
پس نہیں	ظالموں کے لیے	کوئی مددگار

کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں یہاں سے نکال لے تاکہ ہم نیک عمل کریں اُن اعمال سے مختلف جو پہلے کیا کرتے تھے، انہیں جواب دیا جائے گا کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہ دی تھی جس میں کوئی نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو نصیحت حاصل کرسکتا تھا اور تمہارے پاس ڈرانے والا نہیں آیا تھا اب مزہ چکھو ظالموں کا یہاں کوئی مددگار نہیں ہے۔'' (۳۷)

لے کر رسول نہیں آئے تھے؟ وہ جواب دیں گے ہاں! فرشتے کہیں گے تم چیختے چلاتے رہو! تمہاری فریاد رائیگاں جائے گی جہنمی کہیں گے کہ مالک کو پکارو! تو جہنمی جہنم کے کنٹرولر مالک فرشتے کو پکاریں گے کہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرو کہ ہمارے مرنے کا فیصلہ فرمادے جواب دیا جائے گا تم ہمیشہ اِسی میں رہو گے۔ اعمش نے کہا اُن کو مالک کی طرف سے ایک ہزار سال کے بعد جواب دیا جائے گا جہنمی کہیں گے کہ اپنے پروردگار کو پکارو! تمہارے رب سے بہتر کوئی سُننے والا نہیں وہ فریاد کریں گے اے ہمارے پروردگار! ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی اور ہم گمراہ ہو گئے اے ہمارے پروردگار! ہمیں اِس جہنم سے نکال دے اگر ہم دوبارہ ایسے اعمال کریں تو ہم ظالم ہوں گے اُنہیں جواب دیا جائے گا اِسی دوزخ میں رہو اور کسی قسم کی کلام نہ کرو! اس وقت وہ ہر بھلائی سے نااُمید ہو جائیں گے، وہ آہ وزاریاں کریں گے اور کھانے پے حسرت کا اظہار کرتے ہوئے واویلا کریں گے۔'' (رواہ الترمذی: باب مَا جَاءَ فِی صِفَةِ طَعَامِ أَہلِ النَّارِ [ضعیف])

مسائل

۱۔ جہنمیوں کو جہنم میں موت نہیں آئے گی۔ ۲۔ جہنم کا عذاب کبھی ہلکا نہیں ہوگا۔

۳۔ جہنمی جہنم میں چیخ چیخ کر آہ وزاریاں کریں گے مگران کی فریادیں مسترد کردی جائیں گی۔

۴۔ جہنم میں جہنمیوں کی کوئی مدد نہیں کرسکے گا۔

اِنَّهٗ	وَالْاَرْضِ ط	السَّمٰوٰتِ	غَيْبِ	عٰلِمُ	اللّٰهَ	اِنَّ
بے شک وہ	اور زمین کی	آسمانوں	پوشیدہ چیزیں	جاننے والا	اللہ	بلاشبہ
خَلٰٓئِفَ	جَعَلَكُمْ	هُوَ الَّذِيْ	الصُّدُوْرِ ۳۸	بِذَاتِ	عَلِيْمٌۢ	
جانشین	جس نے تمہیں بنایا	وہی ذات	سینوں کے	بھید	خوب جاننے والا ہے	
كُفْرُهٗ ط	فَعَلَيْهِ	كَفَرَ	فَمَنْ	الْاَرْضِ ط	فِي	
اس کا کفر	تو اسی پر ہوگا	نے کفر کیا	پھر جس	زمین	میں	
اِلَّا	رَبِّهِمْ	عِنْدَ	كُفْرُهُمْ	الْكٰفِرِيْنَ	يَزِيْدُ	وَلَا
مگر	ان کے رب	نزدیک	ان کا کفر	کافروں کو	زیادہ کرتا	اور نہیں
خَسَارًا ۳۹	اِلَّا	كُفْرُهُمْ	الْكٰفِرِيْنَ	يَزِيْدُ	وَلَا	مَقْتًا ج
نقصان میں	مگر	ان کا کفر	کافروں کو	زیادہ کرتا	اور نہیں	ناراضگی میں

’’بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ چیز کو جانتا ہے بیشک وہ سینوں کے چھپے ہوئے راز بھی جانتا ہے۔(۳۸) وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے جس نے کفر کیا اس کے کفر کا وبال اُسی پر ہے اور کافروں کا کفر ان کے رب کے غضب میں اضافہ ہی کرتا ہے اور کفار کا کفران کے نقصان میں اضافہ ہی کرتا ہے۔‘‘(۳۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کے حضور جہنمی فریاد پر فریاد کریں گے کہ ہمیں ایک مرتبہ دنیا میں جانے کا موقع دیا جائے ہم صالح اعمال کریں گے۔لیکن اللہ تعالیٰ ان کی فریاد کو مسترد کردے گا۔اللہ تعالیٰ زمین وآسمانوں کے غیب ہی نہیں جانتا بلکہ وہ تو لوگوں کے سینوں کے رازوں سے بھی واقف ہے۔

اللہ تعالیٰ انسان کے ماضی، حال اور مستقبل سے پوری طرح واقف ہے اسے معلوم ہے کہ جہنمی دنیا میں واپس جا کر وہی اعمال کریں گے جن سے انبیائے کرام علیہم السلام اور دین کے مبلغین منع کیا کرتے تھے اس لیے ان کی آہ وزاریوں کو مسترد کردیا جائے گا۔’’اللہ‘‘ ہی لوگوں کو ایک دوسرے کا جانشین بنانے والا اور ان تک اپنے احکام پہنچانے والا ہے۔جو لوگ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔وہ اپنے انجام کو پالیں گے کیونکہ جس نے اس کی ذات اور بات کا انکار کیا اس کا بوجھ اسی پر ہوگا۔کفار کا کفر اللہ تعالیٰ کے غضب کو زیادہ ہی کرتا ہے۔

’’خَلِيْفَةٌ‘‘ کی جمع ’’خَلَائِفُ‘‘ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک نسل ختم ہونے کے بعد دوسری نسل کا وارث بننا بعض

حضرات نے حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ قرار دیا ہے جس کے لیے ان کے پاس کوئی ٹھوس دلیل نہیں۔ کیونکہ آدم علیہ السلام سے پہلے زمین پر جنات بستے تھے اس لیے بہتر ہے کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ قرار دینے کی بجائے جنوں کا خلیفہ قرار دیا جائے۔

کچھ اہلِ علم نے خلیفہ کا معنیٰ حکمران لیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک حد تک زمین میں حکمرانی عطا فرمائی ہے۔

{ وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖؗ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۵﴾ } (الانعام:١٦٥)

”اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین کا جانشین بنایا اور تمہیں ایک دوسرے پر درجات میں بلند کیا تا کہ ان باتوں میں تمہاری آزمائش کرے جو اس نے تمہیں دی ہیں بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بے حد بخشنے والا، مہربان ہے۔“

{ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾ } (الحج:٤١)

”یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی ہر بات اور لوگوں کے دلوں کے راز کو جانتا ہے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک دوسرے کا خلیفہ بنایا ہے۔ ٣۔ کفار کا کفر انہی کے نقصان میں اضافہ کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

خلیفہ اور اس کی ذمہ داریاں:

١۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین میں خلیفہ بنایا۔ (البقرۃ:٣٠)

٢۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو خلیفہ بنایا۔ (ص:٢٦)

٣۔ ہم نے زمین میں ان کے بعد تمہیں خلافت دی تا کہ ہم دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو۔ (یونس:١٤)

٤۔ اگر اللہ چاہتا تو تمہیں لے جاتا اور تمہارے بعد کسی اور کو خلیفہ بنا دیتا۔ (الانعام:١٣٣)

٥۔ میرا رب تمہارے سوا کسی اور کو خلافت دے دے تو تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ (ہود:٥٧)

٦۔ عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں زمین کی خلافت عطا کرے گا۔ (الاعراف:١٢٩)

قُلْ	اَرَءَيْتُمْ	شُرَكَآءَكُمُ	الَّذِيْنَ	تَدْعُوْنَ	مِنْ	
فرمادیجیے	تم مجھے خبر دو	اپنے شریکوں کی	جن لوگوں کو	تم پکارتے ہو	سے	
دُوْنِ	اللّٰهِ ؕ	اَرُوْنِيْ	مَاذَا	خَلَقُوْا	مِنَ	
سوا	اللہ کے	تم مجھے دکھاؤ	کیا	انہوں نے پیدا کیا	سے	
الْاَرْضِ	اَمْ	لَهُمْ	شِرْكٌ	فِي	السَّمٰوٰتِ ۚ	اَمْ
زمین	یا	ان کا	کوئی حصہ ہے	میں	آسمانوں	یا
اٰتَيْنٰهُمْ	كِتٰبًا	فَهُمْ	عَلٰى	بَيِّنَتٍ	مِّنْهُ ۚ	بَلْ
ہم نے ان کو دی	کتاب	پس وہ ہیں	پر	واضح دلیل	اس سے	بلکہ
اِنْ	يَّعِدُ	الظّٰلِمُوْنَ	بَعْضُهُمْ	بَعْضًا	اِلَّا	غُرُوْرًا ﴿٤٠﴾
نہیں	وعدہ دیتے	ظالم	ان کے بعض	بعض کو	مگر	دھوکے کا

”اے نبی ان سے فرمائیں کہ کبھی تم نے دیکھا ہے کہ اپنے اُن شریکوں کو جنہیں تم ”اللہ“ کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہو؟ مجھے بتاؤ انہوں نے زمین میں کیا پیدا کیا ہے یا آسمانوں میں ان کی کیا شراکت ہے یا ہم نے انہیں کوئی تحریر لکھ دی ہے؟ جس بنا پر یہ لوگ کوئی واضح ثبوت رکھتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ ظالم ایک دوسرے کو دھوکہ دیتے جا رہے ہیں۔“ (۴۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: انسان نے نا صرف اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ہے بلکہ اس نے اپنے رب کے شریک بنا کر اپنے خلیفہ ہونے کی بھی توہین کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں حکمرانی عطا فرمائی اور زمین و آسمانوں کی ہر چیز کو اس کی خدمت پر لگا دیا ہے۔ (الجاثیۃ:۱۳) اور اسے حکم دیا کہ میرے سوا تو نے کسی کے سامنے نہ جھکنا ہے اور نہ ہی کسی کو اپنے نفع و نقصان کا مالک سمجھنا مگر بے شمار لوگوں صرف ایک ”اللہ“ کو پکارنے اور صرف اُسی کی عبادت کرنے کی بجائے اس کے شریک بناتے ہیں، اور ذاتِ کبریاء کو چھوڑ کر دوسروں کے سامنے اپنی فریادیں رکوع و سجود اور نذر و نیاز پیش کرتے اور ان کا حکم مانتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو چیلنج کے انداز میں مخاطب کیا جا رہا ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو۔ دکھاؤ کہ انہوں نے پوری دھرتی میں کونسی چیز پیدا کی ہے؟ یا آسمانوں کی بناوٹ اور ان کے درمیان بسنے والی مخلوق میں سے کس کی تخلیق میں وہ شامل تھے؟ یا ان کے پاس کوئی ایسی آسمانی کتاب ہے جس میں ان کے باطل عقیدہ اور طریقہ کی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ

دلیل موجود ہے؟ اگر کوئی دلیل ہے تو اسے پیش کرو، ظاہر ہے کہ ان کے شریکوں نے زمین و آسمانوں اور پوری مخلوق میں سے نہ کسی چیز کو پیدا کیا ہے اور نہ ہی یہ آسمانوں کی ساخت اور پرداخت میں شریک ہوئے اور نہ ہی ان کے پاس کسی آسمانی کتاب کی کوئی ایک دلیل ہے۔

ان کے شرکیہ عقائد اور اعمال کا اس کے علاوہ کوئی وجود نہیں کہ یہ جھوٹی داستانوں، من گھڑت کہانیوں اور کرامات کے ساتھ ایک دوسرے کو دھوکا دیتے ہیں۔ قبروں کے مجاور اور بتوں کے پرستار اپنے اپنے بتوں اور مزارات کے بارے میں جھوٹی کرامات، بے بنیاد داستانیں اور مشکل کشائی کے واقعات بیان کرتے ہیں تاکہ بتوں کے پوجنے والوں اور قبروں کے پرستاروں سے اپنے اپنے انداز میں نذر و نیاز وصول کرتے رہیں یہاں تک کہ آخرت کے بارے میں بھی دھوکا دیتے ہیں کہ یہ بزرگ ''اللہ'' کے ہاں تمہارے سفارشی ہوں گے۔

مسائل

١۔ مشرک اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو پکارتے ہیں ان کا زمین و آسمانوں میں کوئی حصہ اور اختیارات نہیں ہے۔
٢۔ مشرک کے پاس اپنے باطل عقیدہ کی تائید میں کسی آسمانی کتاب سے کوئی دلیل نہیں۔
٣۔ باطل عقیدہ رکھنے والے پیر اور مرید جھوٹی داستانوں اور کرامتوں کے ذریعے ایک دوسرے کو دھوکا دیتے ہیں۔
٤۔ مشرک دنیا کے معاملات میں کتنا ہی منصف مزاج کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا شمار ظالموں میں ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے کوئی چیز پیدا کی ہے تو اس کی دلیل پیش کرو؟

١۔ جو ''اللہ'' کے علاوہ کسی کو پکارتا ہے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ (المؤمنون: ١١٧)
٢۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کئی معبود بنا لیے ہیں آپ فرمائیں کوئی دلیل لاؤ۔ (الانبیاء: ٢٤)
٣۔ اس کے سوا کوئی اور الٰہ ہے تو دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔ (النمل: ٦٤)
٤۔ وہ ''اللہ'' کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت کے لیے کوئی دلیل نازل نہیں کی گئی۔ (الحج: ٧١)
٥۔ تم ''اللہ'' کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہوئے نہیں ڈرتے جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ (الانعام: ٨١)
٦۔ انہوں نے اللہ کے سوا ان کو الٰہ بنا لیا ہے جنہوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ (الفرقان: ٣)
٧۔ کیا تم ان کو شریک بناتے ہو جنہوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی بلکہ وہ تو خود پیدا کیے گئے ہیں۔ (الاعراف: ١٩١)
٨۔ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے وہ تو خود مخلوق ہیں۔ (النحل: ٢٠)
٩۔ اے لوگو! تمہارے پاس رب کی طرف سے اس کی توحید کی دلیل آ چکی ہے۔ (النساء: ١٧٥)

اِنَّ	اللّٰهَ	يُمْسِكُ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضَ	اَنْ	تَزُوْلَا ۚ
بلاشبہ	اللہ	تھامے ہوئے ہے	آسمانوں	اور زمین کو	کہ	وہ ٹل جائیں
وَلَئِنْ	زَالَتَآ	اِنْ	اَمْسَكَهُمَا	مِنْ اَحَدٍ	مِّنْۢ	بَعْدِهٖ ۭ
اور البتہ اگر	وہ دونوں ٹل جائیں	نہیں	روک سکے گا ان دونوں کو	کوئی ایک	سے	اس کے بعد
اِنَّهٗ	كَانَ	حَلِيْمًا	غَفُوْرًا ۝ ﴿٤١﴾			
بلاشبہ وہ	ہے	نہایت بُردبار	بہت بخشنے والا			

’’حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو ٹل جانے سے روکے ہوئے ہے اور اگر وہ ٹل جائیں تو اللہ کے سوا کوئی اُنہیں تھامنے والا نہیں ہے، بے شک اللہ بڑا حلیم اور درگزر فرمانے والا ہے۔‘‘ (۴۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: زمین وآسمان کی تخلیق میں شریک ہونا تو درکنار، ان کے قائم رکھنے میں بھی کسی کا عمل دخل نہیں ہے۔

یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ نے ہی زمین وآسمانوں کو پیدا فرمایا اور وہی انہیں تھامے ہوئے ہے تاکہ اپنے مقام سے ہلنے نہ پائیں اگر وہ اپنی جگہ سے ہل جائیں تو پھر کون ہے جو انہیں اسی جگہ پر لے آئے؟ آسمان کو تھامنا تو درکنار، پوری دنیا کے حکمران اور عوام مِل کر زمین کو ہلنے یعنی زلزلہ سے نہیں بچا سکتے، زلزلہ سے بچانا تو دور کی بات ہے ارضیات کے سائنسدان اب تک یہ پتہ نہیں لگا سکے کہ زمین میں کہاں اور کب زلزلہ واقع ہوگا۔ تاریخ انسانی میں کتنی بار زلزلہ آیا جس نے چند لمحوں کے اندر نہ صرف انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا بلکہ اس علاقے کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ اب تک نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی زلزلوں کو روک سکے اس کی قوت وقدرت کی کوئی انتہا نہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک حد تک اختیار دے رکھا ہے جس وجہ سے انسان زمین وآسمانوں کے خالق اور مالک کو بھول کر اس کی مخلوق میں سے دوسروں کو اس کا شریک بنا لیتا ہے۔

ظلم اور سرکشی کی حد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور وہ نہیں جانتے کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا مشرک انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پکارتا ہے اور جن قبروں اور مورتیوں کو اپنے ہاتھ سے بناتا ہے۔ انہیں کے سامنے جھکتا ہے اور دنیا میں ایسے جاہل اور ظالم بھی ہیں جو اپنے مقابلے میں حقیر مخلوق سانپ، بچھو اور اس سے بھی کم تر مخلوق کی پوجا کرتے ہیں یہ سب کچھ زمین کی چھاتی اور آسمان کے سائے تلے ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھنے اور جاننے کے باوجود کفر، شرک اور ظلم پر لوگوں کو فی الفور نہیں پکڑتا وہ مہلت پر مہلت دیئے جاتا ہے تاکہ انسان اپنے گناہوں سے تائب ہو جائے یا پھر گناہ کرنے میں اُسے کوئی حسرت نہ رہے یہ مہلت اس لیے بھی دی جاتی ہے کیونکہ

اللہ تعالیٰ عظیم حوصلے والا ، اور معاف فرمانے والا ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ اللهُ شَتَمَنِي ابْنُ آدَمَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَشْتِمَنِي، وَتَكَذَّبَنِي وَمَا يَنْبَغِي لَهُ، أَمَّا شَتْمُهُ فَقَوْلُهُ إِنَّ لِي وَلَدًا وَأَمَّا تَكْذِيبُهُ فَقَوْلُهُ لَيْسَ يُعِيدُنِي كَمَا بَدَأَنِي)) (رواہ البخاری: باب مَا جَاءَ فِي قَوْلِ اللهِ تَعَالَى {وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ})

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آدم کا بیٹا مجھے گالیاں دیتا ہے اور یہ اس کے لیے لائق نہیں ، وہ میری تکذیب کرتا ہے اور یہ بھی اُسے زیب نہیں دیتا۔ اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ میں نے اولاد بنا رکھی ہے، اس کا جھٹلانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ مجھے دوبارہ پیدا نہیں کیا جائے گا جس طرح مجھے پہلی بار پیدا کیا گیا ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی زمین وآسمانوں کو تھامے ہوئے ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ زمین وآسمانوں کو حرکت دے تو انہیں کوئی نہیں روک سکتا۔

۳۔ یقیناً اللہ تعالیٰ عظیم حوصلے والا اور بڑا ہی معاف فرمانے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

زمین وآسمان کی تخلیق اور ان کی حفاظت :

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر نمونے کے زمین وآسمان بنائے۔ (البقرۃ: ۱۱۷)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔ (البقرۃ: ۲۹)

۳۔ اس نے آسمان وزمین کو برابر کیا۔ (البقرۃ: ۲۹)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر پہاڑ بنائے تاکہ زمین ہل نہ سکے۔ (فاطر: ۴۱)

۵۔ آسمان کو چھت اور زمین کو فرش بنایا۔ (البقرۃ: ۲۲)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بغیر ستونوں کے کھڑا کیا۔ (الرعد: ۲)

۷۔ زمین اور آسمانوں کو چھ دنوں میں بنایا۔ (الاعراف: ۵۴)

۸۔ اگر آپ ﷺ ان سے زمین وآسمان کی تخلیق کے بارہ میں سوال کریں گے تو کہیں گے کہ اللہ ہی بنانیوالا ہے۔ (لقمان: ۲۵)

۹۔ زمین وآسمان بنانے اور بارش اتارنے والا ”اللہ“ ہے کیا اسکے ساتھ کوئی اور بارش برسانے والا ہے؟ (النمل: ۶۰)

۱۰۔ تیرا رب ہر چیز کی حفاظت کرنے والا ہے۔ (سبا: ۲۱)

وَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ لَئِنۡ جَآءَہُمۡ
اور انہوں نے قسمیں اُٹھائیں اللہ کی پختہ اپنی قسمیں البتہ اگر آیا ان کے پاس

نَذِیۡرٌ لَّیَکُوۡنُنَّ اَہۡدٰی مِنۡ اِحۡدَی الۡاُمَمِ ۚ فَلَمَّا
ڈرانے والا تو ضرور ہوں گے زیادہ ہدایت یافتہ سے ہر ایک امت پھر جب

جَآءَہُمۡ نَذِیۡرٌ مَّا زَادَہُمۡ اِلَّا نُفُوۡرَا ﴿۴۲﴾ۙ اسۡتِکۡبَارًا فِی الۡاَرۡضِ
آیا ان کے پاس ڈرانے والا نہیں اس نے زیادہ کیا ان کو مگر نفرت میں تکبر کرتے ہوئے میں زمین

’’یہ لوگ قسمیں اُٹھا، اُٹھا کر کہتے تھے کہ اگر کوئی متنبہ کرنے والا ان کے پاس آگیا تو یہ دوسروں سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ہوں گے، مگر جب ان کے پاس خبردار کرنے والا آیا تو اس کی آمد نے ان میں فرار کے سوا کسی بات کا اضافہ نہیں کیا۔(۴۲) یہ زمین میں اور زیادہ سرکشی کرنے لگے

فہم القرآن

ربطِ کلام : اللہ تعالیٰ بڑا بُردبار اور معاف فرمانے والا ہے ورنہ جو لوگ نبی کی دعوت اور ذات کی مخالفت کر رہے ہیں ان کی حالت یہ تھی کہ ایک دوسرے کے سامنے قسمیں اٹھایا کرتے اور کہتے تھے کہ ہم مبعوث ہونے والے نبی پر ضرور ایمان لائیں گے۔

مکہ اور سرزمین حجاز میں مدتِ مدید تک کوئی پیغمبر نہیں آیا تھا یہاں کے باسیوں کو اہل کتاب جہالت اور گمراہی کے طعنہ دیتے تھے جس کے جواب میں اہلِ مکہ قسمیں اٹھا اٹھا کر کہتے کہ جب ہم میں کوئی نبی مبعوث ہوگا تو ہم اس کی دعوت ضرور قبول کریں گے اور تم سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوں گے لیکن جوں ہی اللہ تعالیٰ نے مکہ والوں میں حضرت محمد ﷺ کو رسول منتخب فرمایا اور آپ نے اپنی دعوت کا آغاز اللہ کی توحید سے کیا تو اہل مکہ نے شرک و کفر چھوڑنے کی بجائے آپ کے خلاف ایک سے ایک بڑھ کر گھناؤنی سازش کی اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان کو ان کی مخالفت میں ناکام اور نامراد کیا بلکہ ان کی مخالفت کا نتیجہ انہیں کے خلاف نکلا، اس میں کوئی شک نہیں کہ بسا اوقات سازش کرنے والوں کی سازشیں کامیاب بھی ہو جاتی ہیں۔ جس طرح پہلے انبیائے کرام علیہم السلام اور آپ ﷺ کے بارے میں کچھ واقعات پائے جاتے تھے جس میں بظاہر کفار کامیاب ہوئے۔ آپ ﷺ طائف گئے تو وقتی طور پر آپ کو سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا لیکن آخر کار اہلِ طائف آپ پر ایمان لائے اہلِ مکہ نے بھی متحد ہو کر آپ کو قتل کرنے کے لیے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا جس میں آپ کا بچ نکلنا محال تھا لیکن اہل مکہ کو اپنے منصوبہ میں بدترین ذلت اٹھانا پڑی۔ اس کے بعد بار بار مدینہ پر یلغار کرتے رہے لیکن بالآخر آپ ﷺ کے سامنے معافی کے خواستگار ہوئے۔ اس طرح کفار کے مکر و فریب اُن کے خلاف ثابت ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اصول ہے کہ

وَمَكْرَ	السَّيِّئِ	وَلَا	يَحِيْقُ	الْمَكْرُ	السَّيِّئُ
اور تدبیر	بُری	اور نہیں	گھیرتی	تدبیر	بُری

اِلَّا	بِاَهْلِهٖ	فَهَلْ	يَنْظُرُوْنَ	اِلَّا	سُنَّتَ	الْاَوَّلِيْنَ	فَلَنْ
مگر	اپنے کرنے والوں کو	سو نہیں	وہ انتظار کرتے	مگر	طریقے کا	پہلوں کے	پس ہرگز نہ

تَجِدَ	لِسُنَّتِ اللّٰهِ	تَبْدِيْلًا	وَلَنْ	تَجِدَ	لِسُنَّتِ اللّٰهِ	تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾
تو پائے گا	اللہ کے طریقہ کے لیے	بدلنا	اور ہرگز نہ	تو پائے گا	طریقہ کے لیے اللہ کے	ٹلنا

اور بُری بُری چالیں چلنے لگے حالانکہ بُری چالیں چلنے والوں کو ہی لے بیٹھتی ہیں، کیا وہ لوگ انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ کا جو طریقہ پچھلی قوموں کے ساتھ رہا ہے وہی طریقہ ان کے ساتھ کیا جائے؟ اللہ کے طریقہ میں تم کبھی تبدیلی نہیں پاؤ گے اور تم کبھی نہیں دیکھو گے کہ اللہ کے طریقہ کو اس کے مقرر اصول سے کوئی طاقت پھیر سکے۔'' (۴۳)

مکروفریب کرنے والا بالآخر خود ہی اس کا خمیازہ بھگتا کرتا ہے۔ دنیا میں اکثر اور آخرت میں ہر صورت اس طرح ہوگا۔ اے نبی ﷺ جہاں تک آپ کے مخالفوں کا معاملہ ہے یہ بھی عملاً اسی انتظار میں ہیں کہ ان کے ساتھ پہلے لوگوں جیسا سلوک کیا جائے۔ یقین رکھیں کہ ان کے ساتھ ایسا ہو کر رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کبھی تبدیل نہیں ہوتے چنانچہ مکہ کے اکثر سردار بدر میں قتل ہوئے اور باقی مسلمان ہو گئے۔

مسائل

۱۔ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے آپکی تشریف آوری کا انتظار ہو رہا تھا۔ ۳۔ مکروفریب کا انجام خود مکار کیخلاف ہوا کرتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے اصول بدلا نہیں کرتے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کے خلاف سازشیں اور انکا انجام:

۱۔ کفار نے حضرت نوح علیہ السلام کو قتل کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوئے۔ (الشعراء:۱۱۹)

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ان کو جلانے کی کوشش کی مگر ناکام ہوئے۔ (الانبیاء:۶۸)

۳۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی دھمکی دی مگر ناکام ہوا۔ (الشعراء:۶۵)

۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دینے کی کوشش کی گئی لیکن آپ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ (النساء:۱۵۸)

۵۔ منافقین نے سازشیں کرنے کے لیے مسجد ضرار بنائی جسے مسمار کر دیا گیا۔ (التوبۃ:۱۰۷)

۶۔ نبی ﷺ کو شہید کرنے کی سازش کی گئی مگر مکہ والے ناکام اور ذلیل ہوئے۔ (الانفال:۳۰)

اَوَلَمْ	يَسِيْرُوْا	فِي	الْاَرْضِ	فَيَنْظُرُوْا	كَيْفَ	كَانَ
کیانہیں	وہ چلے پھرے	میں	زمین	کہ وہ دیکھتے	کیسا	ہوا
عَاقِبَةُ	الَّذِيْنَ	مِنْ	قَبْلِهِمْ	وَكَانُوْٓا	اَشَدَّ	مِنْهُمْ
انجام	ان لوگوں کا جو	سے	ان سے پہلے	اور وہ تھے	زیادہ سخت	ان سے
قُوَّةً	وَمَا	كَانَ	اللّٰهُ	لِيُعْجِزَهٗ	مِنْ شَيْءٍ	فِي
قوت میں	اور نہیں	ہے	اللہ	کہ اس کو عاجز کر دے	کوئی چیز	میں
السَّمٰوٰتِ	وَلَا	فِي	الْاَرْضِ	اِنَّهٗ	كَانَ	عَلِيْمًا	قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾
آسمانوں	اور نہ	میں	زمین	بلاشبہ وہ	ہے	خوب جاننے والا	نہایت قدرت والا

”کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں؟ کہ انہیں اُن لوگوں کا انجام نظر آئے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں، اور وہ ان سے بہت زیادہ طاقت ور تھے، اللہ کو آسمانوں میں اور زمین میں کوئی چیز عاجز نہیں کرسکتی وہ سب کچھ جانتا ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“ (۴۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی علیہ السلام کی آمد اور حقائق جاننے کے باوجود اہلِ مکہ آپ کے خلاف مکر وفریب کر رہے تھے اس لیے انہیں تاریخ کے حوالے سے انتباہ کرتے ہوئے ایک بار پھر سمجھایا گیا ہے۔

دنیا میں عبرت وبصیرت حاصل کرنے کے ذرائع میں ایک بہت بڑا ذریعہ تاریخِ عالم پڑھنا اور ان کے کھنڈرات پر غور کرنا ہے۔ جس سے آدمی کو معلوم ہوتا ہے کہ پہلی اقوام کا کردار کیا تھا اور ان کا انجام کیا نکلا؟ اسی لیے قرآن مجید کئی مرتبہ لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کرواتا اور فرماتا ہے کہ اگر تمہیں اپنے بُرے کردار کے بُرے انجام کے بارے میں شک ہے تو دنیا کی تاریخ پڑھو اور اس کا جغرافیہ دیکھو! یقیناً تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ جو لوگ تم سے پہلے نیست ونابود کیے گئے ان کا کردار اور انجام کیا ہوا؟ حالانکہ انہیں اپنی جاہ وحشمت اور مال ودولت پر بڑا ناز تھا۔ اس لیے آپ کے مخالفوں کو بار بار انتباہ کیا گیا ہے کہ دیکھو اور غور کرو کہ تم سے پہلے ذلت کے گھاٹ اترنے والی قومیں کس قدر قوت وسطوت کی مالک تھیں۔ جب ان پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوڑا برسا تو وہ سسکیاں لے لے کر اپنی جانیں جانِ آفریں کے حوالے کر رہے تھے اس وقت کوئی ان کو چھڑانے اور بچانے والا نہ تھا۔ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ مہلت دیئے ہوئے ہے تو یہ اس کی کرم نوازی اور مشیت کا تقاضا ہے لیکن جب وہ کسی فرد اور قوم کو ذلت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ کرتا ہے تو پھر زمینوں اور آسمانوں میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ کو عاجز اور بے بس نہیں کرسکتا کیونکہ وہ سب کچھ جاننے والا اور اپنے فیصلے نافذ کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔

وَلَوْ	يُؤَاخِذُ	اللّٰهُ	النَّاسَ	بِمَا	كَسَبُوْا	مَا	
اور اگر	مؤاخذہ کرے	اللہ	لوگوں کا	اس کے سبب جو	انہوں نے کمایا	نہ	
تَرَكَ	عَلٰى	ظَهْرِهَا	مِنْ دَآبَّةٍ	وَّلٰكِنْ	يُّؤَخِّرُهُمْ		
وہ چھوڑے	پر	اس کی پشت	کوئی چلنے والے جاندار	اور لیکن	وہ ان کو ڈھیل دیتا ہے		
اِلٰٓى	اَجَلٍ	مُّسَمًّى ج	فَاِذَا	جَآءَ	اَجَلُهُمْ	فَاِنَّ	
طرف	وقت	مقرر کی	پھر جب	آجائے گا	ان کا وقت مقرر	تو بلا شبہ	
اللّٰهَ	كَانَ	بِعِبَادِهٖ	بَصِيْرًا ع ﴿٤٥﴾				
اللہ	ہے	اپنے بندوں کو	خوب دیکھنے والا				

٥ ع ٨ ١٧

''اگر ''اللہ'' لوگوں کو اُن کے بُرے اعمال کی وجہ سے پکڑتا تو زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا مگر وہ لوگوں کو ایک مقرر وقت تک مہلت دیتا ہے، جب اُن کا وقت پورا ہوگا تو یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔'' (٤٥)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس لیے مہلت دیتا ہے تا کہ وہ اس کے حضور اپنے گناہوں کی توبہ کر لیں۔

ربِ کریم کی عطا کردہ مہلت سے حقیقی فائدہ اٹھانے کی بجائے مجرم یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فی الفور ہماری گرفت نہیں کرتا اور ہمیں بدستور دنیا کے مال و دولت اور شان و شوکت دیئے جا رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ہم پر ناراض نہیں، ایسے لوگوں کی خوش فہمی دور کرنے کے لیے ارشاد فرمایا ہے کہ ''اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے جرائم کی وجہ سے انہیں دنیا میں پوری، پوری سزا دینا چاہے تو روئے زمین پر کوئی بھی چلنے پھرنے والا باقی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک وقتِ معین تک مہلت پر مہلت دیئے جاتا ہے جب کسی قوم یا فرد کی مہلت پوری ہو جاتی ہے تو وہ اپنے انجام کو پہنچ جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہر جگہ اور ہر لحظہ دیکھ رہا ہے۔ ''بَصِيْرٌ'' کی صفت لا کر ایک دفعہ پھر انتباہ کیا ہے کہ مجرموں کو مہلت دینے کا یہ معنٰی نہیں کہ ''اللہ'' ان کے باطل افکار اور بُرے کردار سے بے خبر ہے، نہیں وہ سب کچھ دیکھتا ہے مگر اپنے طے شدہ فیصلے کے مطابق مہلت دیئے جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کی دنیا میں پکڑ کرتا ہے اور کچھ کو چھوڑ دیتا ہے تاہم آخرت میں مجرموں کو پوری پوری سزا دی جائے گی۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ مجرموں کو پوری طرح سزا دینا چاہے تو زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا باقی نہ رہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو بار بار مہلت دیتا ہے۔ ۳۔ ہر شخص کی موت کا ایک وقت مقرر ہے۔

سورۃ یٰسٓ کا تعارف

سورہ یٰس مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی۔ یہ پانچ رکوع اور تراسی آیات پر مشتمل ہے۔

ربطِ سورۃ: سورۃ فاطر کا اختتام اس انتباہ پر ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے جرائم کی وجہ سے پکڑنے پر آئے تو زمین میں انسان ہی نہیں بلکہ چوپائے بھی نہ بچ سکیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک وقت تک لوگوں کو مہلت دے رکھی ہے جب اس مہلت کا وقت ختم ہوگا تو اللہ تعالیٰ سب لوگوں کے سامنے پیش کر دے گا کیونکہ وہ اپنے بندوں کو ہر حال میں دیکھنے والا ہے سورۃ یٰس کا آغاز اس فرمان سے شروع ہوا کہ اے رسول لوگوں کی ہرزہ سرائی پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں آپ اپنے رب کے نزدیک لوگوں کے لیے قائد اور سردار ہیں اور آپ انبیائے کرام ﷺ میں شامل ہیں لہٰذا اپنا کام جاری رکھیں اور ''اللہ تعالیٰ'' پر بھروسہ رکھیں۔

((عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ قَلْبًا وَقَلْبُ الْقُرْآنِ يٰس مَنْ قَرَأَ يٰس كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِقِرَاءَتِهَا قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ عَشْرَ مَرَّاتٍ وَقَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ))

(رواہ الترمذی: باب مَا جَاءَ فِی فَضْلِ یٰسٓ [ضعیف])

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ہر چیز کا دل ہوتا ہے قرآن کا دل سورۃ یٰس ہے جو ایک دفعہ سورہ یٰس پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس بار قرآن پڑھنے کا ثواب لکھ دیتا ہے۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَي قَرَأَ طه وَيٰس قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضَ بِأَلْفِ عَامٍ، فَلَمَّا سَمِعَتِ الْمَلاَئِكَةُ الْقُرْآنَ قَالَتْ طُوبَى لأُمَّةٍ يَنْزِلُ هَذَا عَلَيْهَا، وَطُوبَى لأَجْوَافٍ تَحْمِلُ هَذَا، وَطُوبَى لأَلْسِنَةٍ تَتَكَلَّمُ بِهَذَا))

(رواہ الدارمی: باب فِی فَضْلِ سُورَۃِ طٰہٰ وَیٰسٓ [ضعیف جداً])

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق سے ہزار سال پہلے سورہ طٰہٰ اور یٰس کی تلاوت فرمائی فرشتوں نے قرآن مجید کی تلاوت سنی تو کہنے لگے اس امت کے لیے خوشخبری ہو جس پر قرآن نازل ہوگا، ان سینوں کے لیے مبارک ہو جو اس قرآن کو حفظ کریں گے اور ان زبانوں کو خوش آمدید ہو جو اس قرآن کی تلاوت کریں گی۔''

سورہ یٰس کے پہلے دو رکوع میں نبی علیہ السلام کی رسالت کا ثبوت دیا گیا ہے جس کی ابتدا اس طرح کی ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ سردار ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ڈرائیں جن کے ہاں اس سے پہلے ڈرانے والا نہیں آیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لائے گی کیونکہ ان کی گردنوں میں جہالت کے طوق پڑ چکے ہیں اس

لیے ان کو سمجھانا یا نہ سمجھانا برابر ہو چکا ہے۔ ان کے سامنے اس بستی کا ذکر کریں جس میں اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے تین پیغمبر بھیجے بستی والوں نے ان پر ایمان لانے کی بجائے انہیں دھمکی دی کہ ہم تمہیں پتھر مار مار کر ختم کر دیں گے۔ پیغمبروں کی تائید کے لیے اسی بستی کے مضافات سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور اس نے اس بستی والوں کو سمجھایا لیکن انہوں نے اسے شہید کر دیا۔ اسے اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل کیا اور اس کے پیغام کو قرآن مجید میں ذکر فرمایا۔

سورت کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں نباتات اور شمس وقمر کا حوالہ دے کر ثابت کیا ہے کہ جس طرح چاند اور سورج طلوع اور غروب ہوتے ہیں اور مردہ زمین سے نباتات اُگتی ہیں یہی انسان کی زندگی کا معاملہ ہے اور اسی طرح ہی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو اٹھائے گا، جوں ہی اسرافیل دوسرا صور پھونکے گا تو لوگ اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف اس طرح جائیں گے جس طرح تیر اپنے نشانے پر جاتا ہے۔ جوں ہی لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو قیامت کا انکار کرنے والے اپنے آپ پر افسوس کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم پر افسوس! ہم قیامت کا انکار کرتے تھے حالانکہ انبیائے کرام علیہم السلام صحیح فرماتے تھے اس دن جنتی لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ مسندوں پر بیٹھے ہوئے خوش گپیوں میں مشغول ہوں گے اور جو چاہیں گے ان کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ ان پر رب کریم کی مسلسل اور ہمیشہ کرم نوازیاں ہوتی رہیں گی ان کے مقابلے میں مجرموں کو کٹہرے میں کھڑا کر کے پوچھا جائے گا کیا تم سے یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ شیطان کی پیروی نہ کرنا کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے مگر تم نے اپنے عہد کی پاسداری نہ کی لہٰذا جہنّم میں داخل ہو جاؤ۔

سورہ یٰس کا اختتام اس بات پر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو شعر و شاعری نہیں سکھلائی اور نہ ہی آپ کی شان ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے شعر گوئی کریں اس لیے قرآنِ مجید شاعرانہ تخیّل نہیں ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ تمہاری موت کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اگر تمہیں اس بات پر یقین نہیں آتا تو اپنی پیدائش پر غور کرو اور زمین و آسمان کو دیکھو! جس رب نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے کیا وہ دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا؟

اگر انہیں اس بات پر یقین نہیں آتا تو انہیں بتلائیں اور سمجھائیں وہی رب دوبارہ پیدا کرے گا جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمانوں کو بغیر نمونے کے پیدا کیا ہے اور وہ اس بات پر قادر ہے کہ اپنی مخلوق کو دوبارہ پیدا کرے کیونکہ وہ سب کچھ پیدا کرنے والا اور ہر بات کا علم رکھنے والا ہے جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو صرف "کُنْ" کا حکم صادر فرماتا ہے اور وہ کام بالکل اس کی مرضی کے مطابق ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی کمزوری سے پاک ہے اور زمین و آسمانوں کی ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور تم سب نے اُسی کے حضور پیش ہونا ہے۔

سُوْرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعَهَا - ٥ اٰيَاتُهَا - ٨٣

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے

يٰسٓ ①	وَ	الْقُرْاٰنِ	الْحَكِيْمِ ②	اِنَّكَ	لَمِنَ	
یٰسٓ	قسم ہے	قرآن کی	حکمت والے	بلاشبہ آپ ہیں	البتہ سے	
الْمُرْسَلِيْنَ ③	عَلٰى	صِرَاطٍ	مُّسْتَقِيْمٍ ④			
رسولوں میں	پر	راستے	سیدھے			

”یٰسٓ (١) قسم ہے قرآن حکیم کی۔ (٢) یقیناً آپ رسولوں میں سے ہیں۔ (٣) اور سیدھے راستے پر ہیں۔“ (٤)

فہم القرآن

سورۃ فاطر کے آخری رکوع میں اہلِ مکہ کے ایک قول کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کی بعثت سے پہلے قسمیں اٹھا اٹھا کر کہا کرتے تھے کہ جونہی نبی آخر الزّماں آئے گا تو ہم دوسروں سے بڑھ کر ہدایت پانے والے ہوں گے لیکن جب آپ ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو یہ لوگ تکبر کی بنا پر کفر و شرک میں اور ہی آگے بڑھ گئے اور پروپگنڈا کرنے لگے محمد ﷺ صراط مستقیم سے بھٹک چکا ہے۔ سورہ یٰس کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی قسم اٹھا کر فرمایا ہے کہ آپ لوگوں کے سردار ہیں، انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں شامل ہیں اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں۔

اہلِ علم نے لفظ ”یٰسٓ“ کے دو معانی ذکر کیے ہیں عربی کی ایک لغت کے مطابق ”یٰسٓ“ کا معنیٰ اے انسان! اور دوسری لغت کے مطابق اس کا معنیٰ ہے اے سردار۔ دونوں حوالوں اور اس سورت کے سیاق وسباق کے اعتبار سے یہ حقیقت بالکل آشکارا ہے کہ ”یٰسٓ“ سے مراد سرورِ دوعالم کی ذاتِ اقدس ہے کیونکہ جنس کے اعتبار سے آپ انسان تھے اور مرتبہ کے حوالے سے تمام انسانوں بلکہ تمام انبیاء کے سردار ہیں۔ آپ ﷺ کو سردار کے لقب سے پکارنے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ آپ کے مخالفوں کو معلوم ہو کہ جس شخصیت کی شان گھٹانے کے درپے ہو وہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر صاحبِ شان اور علوِ مرتبت کی حامل ہے کہ خالق کائنات اسے انسانوں کا سردار کہہ کر پکارتا ہے اس میں ایک طرف سرورِ دوعالم کے لیے تسلی کا پہلو پایا جاتا ہے اور دوسری طرف مخالفین کو یہ باور کرانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو کس شان سے نوازا ہے۔ آپ کی شان کو صرف سردار کے لقب کے ساتھ ہی خاص نہیں کیا گیا بلکہ خالقِ کائنات نے قرآن کریم کی قسم اٹھا کر آپ کو اطمینان بخشا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا تعلق اور شمار ”اللہ“ کے رسولوں میں ہے۔ کفار آپ کے بارے میں جو چاہیں ہرزہ سرائی کریں لیکن آپ ہر حال میں سردار اور صراطِ مستقیم پر ہیں۔

قرآن مجید کی قسم اٹھانا:

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں ایک باب باندھا ہے (باب الحلف بعزۃ اللہ وصفاتہ وکلماتہ) جس میں انہوں نے دو احادیث ذکر کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی قسم اٹھائی جاسکتی ہے کیونکہ قرآن مجید ''اللہ'' کا کلام اور اس کی صفت ہے اس لیے قرآن مجید کی قسم اٹھانا جائز ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور مقام:

''بے شک میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس طرح ہے جس نے ایک گھر بنایا پھر اس کو مزین کیا لیکن صرف ایک اینٹ کی جگہ باقی تھی لوگ اس گھر کو دیکھتے اور اس ایک اینٹ کی جگہ خالی پا کر تعجب کا اظہار کرتے اور کہتے: یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی؟ آپ نے فرمایا: میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں ہی خاتم النبیین ہوں۔''

(رواہ البخاری: باب خاتم النبیین)

«أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَبِيَدِي لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ إِلَّا تَحْتَ لِوَائِي وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ وَلَا فَخْرَ»

(رواہ الترمذی: کتاب المناقب [صحیح])

''میں قیامت کے دن آدم کی ساری اولاد کا سردار ہوں گا مگر اس اعزاز پر فخر نہیں کرتا اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اس پر میں اتراتا نہیں قیامت کے دن آدم علیہ السلام سمیت تمام نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے میں قیامت کے دن سب سے پہلے اپنی قبر سے اٹھوں گا مگر اس پر کوئی فخر نہیں کرتا۔''

مسائل

۱۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پوری کائنات کے سردار اور امام ہیں۔ ۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صراطِ مستقیم کے داعی ہیں۔
۳۔ قرآن مجید بڑی ہی پُرحکمت کتاب ہے۔

تفسیر بالقرآن

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اور آپ کی شان:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری دنیا کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا۔ (الاعراف: ۱۵۸)
۲۔ آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا۔ (الانبیاء: ۱۰۷) ۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ (الاحزاب: ۴۰)
۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے لیے رؤف، رحیم بنایا گیا ہے۔ (التوبۃ: ۱۲۸)
۵۔ آپ کو پوری دنیا کے لیے داعی الی اللہ، بشیر اور نذیر بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ (الاحزاب: ۴۵-۴۶)

تَنْزِيْلَ	الْعَزِيْزِ	الرَّحِيْمِ ⑤	لِتُنْذِرَ	قَوْمًا	مَّآ
اتارا ہوا	نہایت غالب	خوب رحم کرنے والے کا	تا کہ آپ ڈرائیں	قوم کو	نہیں
اُنْذِرَ	اٰبَآؤُهُمْ	فَهُمْ	غٰفِلُوْنَ ⑥	لَقَدْ	حَقَّ
ڈرائے گئے	ان کے باپ دادا	لہٰذا وہ	غافل ہیں	البتہ تحقیق	سچ ہوگئی
الْقَوْلُ	عَلٰٓى	اَكْثَرِهِمْ	فَهُمْ	لَا	يُؤْمِنُوْنَ ⑦
بات	پر	ان کی اکثریت	لہٰذا وہ	نہیں	ایمان لاتے ہیں

’’یہ قرآن غالب اور رحم فرمانے والے کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔(۵) تا کہ آپ خبردار کریں ایسی قوم کو جس کے باپ دادا خبردار نہیں کیے گئے اس وجہ سے وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔(۶) ان میں سے اکثر لوگ عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں، اسی لیے وہ ایمان نہیں لاتے۔‘‘(۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: آپ ﷺ پر قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو کفار آپ کے مخالف ہو گئے یہاں ان کی مخالفت کا بنیادی سبب بیان کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید کے بارے میں کفار کا پروپیگنڈہ تھا کہ محمد ﷺ نے یہ قرآن اپنی طرف سے بنالیا ہے کچھ لوگ یہ بھی ہرزہ سرائی کرتے تھے کہ سردار عبدالمطلب کا پوتا راہِ راست سے بھٹک چکا ہے۔ان الزامات کی تردید کے لیے آپ کو سردار کے لقب سے پکارتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا حلف دے کر ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ کو اس لیے صاحبِ قرآن رسول بنا کر بھیجا تا کہ ان لوگوں کو ان کے بُرے اعمال کے انجام سے ڈرائیں جن کے باپ دادا کو متنبہ نہیں کیا گیا اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ان پر آپ کے رب کا فرمان سچ ثابت ہوا کہ ان کی اکثریت ایمان نہیں لائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کو انسان کے ماضی، حال اور مستقبل کا علم ہے اس لیے یہ بات آپ ﷺ کے سامنے واضح کر دی گئی کہ آپ کا کام لوگوں کو غفلت سے بیدار کرنا ہے منوانا نہیں۔ جہاں تک ان کے فکر وعمل کا معاملہ ہے ان کی اکثریت ایمان نہیں لائے گی اور یہی کچھ ہوا کہ نبوت کے آغاز میں مکہ کے جو سردار آپ کی مخالفت میں پیش پیش تھے آخر دم تک ان کی اکثریت ایمان کی دولت سے محروم رہی اور اسی حالت میں نبوت کے چودھویں سال بدر کے میدان میں قتل کر دیئے گئے۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے لوگوں کو ڈرانے والا کوئی رسول نہیں آیا تو پھر وہ ان کے باپ دادا مجرم کیسے ٹھہرے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ مکہ اور اس کے قرب وجوار میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد کوئی رسول نہیں آیا لیکن بیت اللہ کی برکت اور اس کی مرکزیت کی وجہ سے حضرت ابراہیم اور حضرت

اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد جو رسول عرب میں مبعوث کیے گئے ان کی تعلیم یقیناً اہلِ مکہ تک پہنچتی رہی اسی لیے اہلِ مکہ اپنے آپ کو ملتِ ابراہیم کا وارث سمجھتے تھے حالانکہ وہ ملتِ ابراہیم علیہ السلام سے ہٹ چکے تھے اسی بنا پر یہ الفاظ استعمال ہوئے کہ اہل مکہ کو ان کے برے انجام سے آگاہ کیا جائے کیونکہ ایک مدت بیت چکی ہے کہ ان کے پاس براہِ راست ڈرانے والا نہیں آیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعا۔

{ رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۟ } (البقرۃ:۱۲۹)

”اے ہمارے رب! ان میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان کے سامنے تیری آیات پڑھے انہیں کتاب وحکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے یقیناً تو غالب حکمت والا ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل فرمایا۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد لوگوں کو غفلت سے بیدار کرنا ہے۔ ۳۔لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لایا کرتی۔

تفسیر بالقرآن

نزولِ قرآن کا مقصد:

۱۔ قرآن مجید شک وشبہ سے بالاتر کتاب ہے۔(البقرۃ:۲) ۳۔قرآن کریم برہان اور نور مبین ہے۔(النساء:۱۷۴)

۲۔ قرآن مجید ایمان والوں کے لیے باعث ہدایت اور رحمت ہے۔(النحل:۶۴)

۳۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح کتاب ہے قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔(البقرۃ:۱۸۵)

۴۔ ہم نے قرآن کو نازل کیا جو مومنوں کے لیے باعثِ رحمت اور شفا ہے۔(بنی اسرائیل:۸۲)

۵۔ قرآن حمید کے نزول کا مقصد لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانا ہے۔(ابراہیم:۱)

لوگوں کی اکثریت کا حال:

۱۔ اکثر لوگ حقیقت نہیں جانتے۔(یوسف:۲۱) ۲۔ لوگوں کی اکثریت شکر نہیں کرتی۔(یوسف:۳۸)

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاہنے کے باوجود لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لائے گی۔(یوسف:۱۰۳)

۴۔ قرآن آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔(ھود:۱۷)

اِنَّا	جَعَلْنَا	فِيْٓ	اَعْنَاقِهِمْ	اَغْلٰلًا	فَهِيَ	اِلَى
بے شک	ہم نے بنایا	میں	ان کی گردنوں	طوق	سو وہ پہنچ رہے ہیں	تک

الْاَذْقَانِ	فَهُمْ	مُّقْمَحُوْنَ ﴿۸﴾	وَجَعَلْنَا	مِنْۢ	بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ
ٹھوڑیوں	چنانچہ وہ	سراوپر کو اٹھائے ہوئے ہیں	اور ہم نے بنایا	سے	ان کے سامنے

سَدًّا	وَّمِنْ	خَلْفِهِمْ	سَدًّا	فَاَغْشَيْنٰهُمْ	فَهُمْ	لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۹﴾
دیوار	اور سے	ان کے پیچھے	دیوار	پھر ہم نے ڈھانک دیا ان کو	لہٰذا وہ	نہیں دیکھتے

وَسَوَآءٌ	عَلَيْهِمْ	ءَاَنْذَرْتَهُمْ	اَمْ	لَمْ تُنْذِرْهُمْ	لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾
اور برابر ہے	ان پر	کہ تو ان کو ڈرائے	یا	نہ تو ان کو ڈرائے	وہ ایمان نہیں لائیں گے

''ہم نے اُن کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں جن سے وہ ٹھوڑیوں تک جکڑے ہوئے ہیں، اس لیے وہ سر اُٹھائے کھڑے ہیں۔(۸) ہم نے ایک دیوار اُن کے آگے اور ایک دیوار ان کے پیچھے کھڑی کر دی ہے، ہم نے انہیں ڈھانک دیا ہے اب انہیں کچھ نہیں سوجھتا۔(۹) آپ انہیں خبردار کریں یا نہ کریں ان کے لیے یکساں ہے کہ یہ نہیں مانیں گے۔''(۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: لوگوں کی اکثریت کیوں ایمان نہیں لاتی ؟

ایمان کی دولت پانے کے لیے لازم ہے کہ انسان اپنی انا اور جہالت سے کنارہ کش ہو جائے جو شخص جہالت اور انا پرستی نہیں چھوڑتا در حقیقت وہ متکبر ہوتا ہے متکبر انسان سچائی کو تسلیم کرنا اپنے لیے عار سمجھتا ہے یہی حالت اہل مکہ کی تھی جس بنا پر ان کے بڑوں نے یہ کہہ کر آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کیا اور کہا کہ نبوّت مکہ یا طائف کے بڑے سرداروں میں سے فلاں کو ملنا چاہیے تھی کچھ لوگوں نے آباء واجداد کی رسومات کا بہانہ بنا کر آپ ﷺ کی اتباع سے اجتناب کیا اس طرح وہ مختلف قسم کے تعصّبات اور فخر وغرور میں مبتلا تھے۔جس وجہ سے ان کی گردنیں اس طرح اکڑی ہوئی تھیں جیسے ان کی گردنوں میں لوہے کے طوق پڑے ہوئے ہوں۔جس سے ان کے سر نہیں جھکتے۔اس استکبار کی وجہ سے مکہ والوں کی حالت یوں ہو چکی تھی جیسے ان کے آگے پیچھے دیوار کھڑی کر دی گئی ہو اور ان کے چہروں پر پردہ ڈال دیا گیا ہو جس وجہ سے وہ نہ ہدایت کی طرف آ سکتے ہیں اور نہ ہی چشمِ بصیرت سے دیکھ سکتے ہیں۔جس شخص یا قوم کی یہ حالت ہو جائے ظاہر ہے کہ اسے کوئی بھی راہِ راست پر نہیں لا سکتا انہیں سمجھانا اور نہ سمجھانا یکساں ہوا کرتا ہے اس لیے ارشاد ہوا کہ اے نبی ﷺ آپ! انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے،اسی بات کو سورۃ البقرہ کی آیت ۷ میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ''اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا رکھی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے انہیں عظیم عذاب دیا جائیگا''البقرۃ کی آیت گیارہ میں فرمایا کہ بہرے، گونگے

اور اندھے ہیں اب یہ ہدایت نہیں پائیں گے۔

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷛ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيْئَةً نُكِتَتْ فِيْ قَلْبِهٖ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهٗ وَإِنْ عَادَ زِيْدَ فِيْهَا حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهٗ وَهُوَ الرَّانُ الَّذِيْ ذَكَرَ اللّٰهُ {كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ}»

(رواہ الترمذی: کتاب تفسیر القرآن [حسن])

”حضرت ابوہریرہ ﷛ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب بندہ کوئی غلطی کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے جب گناہ چھوڑ دے اور توبہ و استغفار کرے تو اس کا دل پالش ہو جاتا ہے۔ اگر وہ دوبارہ گناہ کی طرف پلٹے تو سیاہی اس کے دل پر چڑھ جاتی ہے یہی وہ زنگ ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے کہ {ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے گناہوں کی وجہ سے زنگ چڑھ چکا ہے۔}“

مسائل

۱۔ ہدایت کے مقابلے میں تعصب اور تکبر اختیار کرنے والوں کے آگے پیچھے دیوار کھڑی کر دی جاتی ہے۔

۲۔ گمراہی پر مطمئن ہونے والوں کو سمجھانا اور نہ سمجھانا برابر ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

گمراہ لوگوں کی حالت:

۱۔ جو ایمان کو کفر کے ساتھ بدل دے وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا۔ (البقرۃ:۱۰۸)

۲۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ دور کی گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے۔ (النّساء:۱۱۶)

۳۔ جو اللہ کے ساتھ کفر کرے وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ (النساء:۱۳۶)

۴۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ گمراہ ہو گیا۔ (الاحزاب:۳۶)

۵۔ جس کو اللہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہوتا۔ (الرّعد:۳۳)

۶۔ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ مثال کے ساتھ فاسق ہی گمراہ ہوتے ہیں۔ (البقرۃ:۲۶)

۷۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو پامال کرنے والا سیدھے راستہ سے بھٹک جاتا ہے۔ (المائدۃ:۱۲)

۸۔ کفار سے دلی دوستی کرنے والا سیدھی راہ سے دور چلا جاتا ہے۔ (الممتحنۃ:۱)

۹۔ دین کے معاملات میں غلو کرنے والا سیدھی راہ سے گمراہ ہو جاتا ہے۔ (المائدۃ:۷۷)

۱۰۔ اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرانے والا سیدھے راستہ سے بھٹک جاتا ہے۔ (ابراہیم:۳۰)

اِنَّمَا	تُنْذِرُ	مَنِ	اتَّبَعَ	الذِّكْرَ	وَخَشِيَ
صرف	تو تو ڈرا سکتا ہے	اس شخص کو جو	پیروی کرے	نصیحت کی	اور وہ ڈرے
الرَّحْمٰنَ	بِالْغَيْبِ ج	فَبَشِّرْهُ	بِمَغْفِرَةٍ	وَّاَجْرٍ	كَرِيْمٍ ۝١١
رحمٰن سے	بن دیکھے	پس تو اس کو خوشخبری دے	مغفرت کی	اور اجر کی	عزت والے

اِنَّا	نَحْنُ	نُحْيِ	الْمَوْتٰى	وَنَكْتُبُ	مَا	قَدَّمُوْا	وَاٰثَارَهُمْ ط
بلاشبہ	ہم	زندہ کرتے ہیں	مردوں کو	اور ہم لکھتے ہیں	جو	وہ آگے بھیجتے	اور ان کے آثار

وَكُلَّ	شَيْءٍ	اَحْصَيْنٰهُ	فِيْٓ	اِمَامٍ	مُّبِيْنٍ ۝١٢ ع
اور ہر	چیز	ہم نے محفوظ کر رکھا ہے اس کو	میں	کتاب	واضح

''آپ اُسی شخص کو خبردار کر سکتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرتا اور بغیر دیکھے رحمان سے ڈرتا ہے، اُسے مغفرت اور اجرِ کریم کی بشارت دے دیں۔ (۱۱) ہم یقیناً ایک دن مُردوں کو زندہ کرنے والے ہیں جو اعمال اُنہوں نے کیے ہیں وہ ہم لکھتے جا رہے ہیں اور جو آثار انہوں نے پیچھے چھوڑے وہ بھی ہم لکھ رہے ہیں ہر بات کو ہم نے ایک کھلی کتاب میں درج کر رکھا ہے۔'' (۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بے شک لوگوں کی اکثریت ایمان کے بارے میں اندھی ہو چکی ہے لیکن آپ ﷺ لوگوں کو ضرور انتباہ فرمائیں کیونکہ جو شخص اپنے رب سے غیب میں ڈرنے والا ہے وہ ضرور ہدایت پالے گا ہدایت پانے والے کو جنت کی خوشخبری دیجیے۔ بے شک گمراہ لوگ آپ کی محنت کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتے اور حق کے معاملے میں اندھے ہو چکے ہیں لیکن آپ سلیم الفطرت لوگوں کو سمجھاتے رہیں کیوں کہ ''اللہ'' سے ڈرنے والے نصیحت حاصل کیا کرتے ہیں۔

جو انسان آخرت کی جواب دہی کو بھول جائے حقیقت میں وہ اندھا ہو جاتا ہے ایسے شخص کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھانے اور آخرت کی جواب دہی کا احساس دلانے کے لیے اسے حقیقت حال سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اس سچائی میں کوئی شک نہیں کہ ہم قیامت کے دن مردوں کو زندہ کریں گے اور مرنے والے جو کچھ آگے بھیجتے رہے اور جو اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہم اس کو ضبطِ تحریر میں لا رہے ہیں اور ہم نے اسے کتابِ مبین میں واضح طور پر لکھ رکھا ہے، بنیادی طور پر ہر انسان کے اعمال کی دو ہی صورتیں ہوتی ہیں جن کا ہر حال میں اندراج ہوتا رہتا ہے۔ انسان جونہی کوئی عمل کرتا ہے تو کراماً کاتبین اس کے نامۂ اعمال میں لکھ کر صبح و شام آسمان کی طرف لے جاتے ہیں جو اس کے دفترِ اعمال میں محفوظ کر لیے جاتے ہیں اعمال کی دوسری صورت یہ ہے کہ انسان دنیا میں رہ کر جو نیکی یا بدی کرتا ہے اس کے بُرے اور بھلے اثرات دنیا میں بھی باقی رہتے ہیں۔

نیک اعمال کرنے والے کو قیامت تک نیکی ملتی رہے گی اور جس نے اپنے حلقہ اثر میں بُرے اعمال چھوڑے وہ ان کے منفی اثرات کی سزا قیامت تک بھگتتا رہے گا۔ قیامت کے دن اس کے تمام اعمال کا ریکارڈ اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا اگر اس کا اعمال نامہ اچھا ہوا تو وہ اپنے عزیز و اقربا کو بلا بلا کر کہے گا کہ دیکھیے میرا اعمال نامہ کس قدر اچھا ہے۔ (الحاقۃ:۱۹، ۲۰) اس کے مقابلے میں بُرا آدمی اپنے اعمال نامے کو دیکھے گا تو اس تمنا کا اظہار کرے گا کہ کاش! میں مٹی کے ساتھ مٹی ہی بنا رہتا۔ (النباء:۴۰)

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَعَاقَبُوْنَ فِيْكُمْ مَلآئِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلآئِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُوْنَ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِيْنَ بَاتُوْا فِيْكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِيْ فَيَقُوْلُوْنَ تَرَكْنٰهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ وَاَتَيْنٰهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ)) (رواہ البخاری: کتاب مواقیت الصلاۃ، باب فَضْلِ صَلَاۃِ الْعَصر)

''حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس رات اور دن میں فرشتے ایک دوسرے کے آگے پیچھے آتے ہیں وہ فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں جب رات والے فرشتے جاتے ہیں تو ان سے اللہ تعالیٰ سوال کرتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے ملائکہ جواب دیتے ہیں کہ جب ہم ان کے ہاں گئے تو وہ نماز ادا کر رہے تھے اور جب ان کو چھوڑ کر آئے تو پھر بھی نماز پڑھ رہے تھے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہر کسی کو زندہ فرمائے گا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز اور ہر کسی کے اعمال کو لوحِ محفوظ پر لکھ رکھا ہے۔

۲۔ ہر کسی کے اگلے پچھلے اور اچھے برے اعمال اس کے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

انسان کے تمام اچھے بُرے اعمال لکھے جاتے ہیں:

۱۔ بے شک تمہاری چال بازیوں کو ہمارے قاصد لکھ رہے ہیں۔ (یونس:۲۱)

۲۔ ہم ان کی جزا لکھ لیں گے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ (الاعراف:۱۵۶)

۳۔ جو لوگ بولتے ہیں ہم لکھ لیتے ہیں۔ (آل عمران:۱۸۱) ۴۔ ہمارے قاصد ان کے اعمال لکھ رہے ہیں۔ (الزخرف:۸۰)

۵۔ ہم ان کی کہی ہوئی بات لکھ لیں گے اور ان کے عذاب کو بڑھا دیا جائے گا۔ (مریم:۷۹)

٦۔ کسی کی کوشش رائیگاں نہیں جائے گی کیونکہ ہم اس کو لکھ لیتے ہیں۔ (الانبیاء:۹۴)

وَاضْرِبْ	لَهُمْ	مَّثَلًا	اَصْحٰبَ	الْقَرْيَةِ ۘ	اِذْ جَآءَهَا
اور بیان کر	ان کے لیے	مثال	والوں کی	بستی	جب آئے اس بستی میں

الْمُرْسَلُوْنَ ۚ ﴿۱۳﴾	اِذْ	اَرْسَلْنَآ	اِلَيْهِمُ	اثْنَيْنِ	فَكَذَّبُوْهُمَا
بھیجے ہوئے	جب	ہم نے بھیجے	ان کی طرف	دو	تو انہوں نے ان کو جھٹلایا

فَعَزَّزْنَا	بِثَالِثٍ	فَقَالُوْٓا	اِنَّآ	اِلَيْكُمْ	مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾
پھر ہم نے تقویت دی	تیسرے کے ساتھ	تو انہوں نے کہا	بے شک ہم	تمہاری طرف	بھیجے گئے ہیں

انہیں بستی والوں کا واقعہ سنائیں جب اُس میں رسول آئے۔ (۱۳) جب ہم نے ان کی طرف دو رسول بھیجے انہوں نے دونوں کو جھٹلا دیا، پھر ہم نے ان کی مدد کے لیے تیسرا رسول بھیجا۔ انہوں نے اپنی قوم کو کہا کہ ہم تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔'' (۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلے ارشاد ہوا ہے کہ ہم موت وحیات پر اختیار رکھنے والے اور ہر بات کو اپنے ہاں لکھنے والے ہیں۔ اب موت وحیات کے حوالے سے ایک قریہ کی مثال بیان کی جاتی ہے۔

اے پیغمبر ﷺ اپنے سامعین کے سامنے اس بستی کی تاریخ اور مثال پیش فرمائیں جس کے پاس آپ کے رب نے یکے بعد دیگرے تین رسول مبعوث فرمائے تھے واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس بستی کے رہنے والوں کے لیے دو رسول بھیجے جنہوں نے بڑے خلوص اور جانفشانی کے ساتھ اہلِ قریہ کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن قریہ والوں نے انہیں یکسر طور پر مسترد کر دیا۔ ان کی تائید کے لیے ہم نے تیسرا رسول بھیجا اس نے پہلے دو انبیاء کی تائید کی اور ان کے ساتھ مل کر لوگوں کو اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دی لیکن بد بخت قوم نے تینوں رسولوں کو یہ کہہ کر جھٹلا دیا کہ تم ہمارے جیسے انسان ہو اور تم جھوٹ بولتے ہو۔ رب رحمٰن نے تمہاری طرف کوئی پیغام نازل نہیں کیا اور نہ ہی تم اس کے رسول ہو۔ قوم کے الزام کے جواب میں انبیائے کرام علیہم السلام نے فقط اتنا ہی ارشاد فرمایا کہ اے قوم! اگر تم ہمیں ماننے کے لیے تیار نہیں تو ہمارا کام اپنے رب کا پیغام پہنچانا تھا جسے ہم نے پوری طرح پہنچا دیا اب تمہارا معاملہ ''اللہ'' کے حوالے ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو نیست و نابود کر دیا یہ کون سی بستی تھی اس کے بارے میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ شام کا ایک مشہور شہر انطاکیہ ہے لیکن قدیم مفسرین میں سے علامہ ابنِ کثیر اور عصر حاضر کے مفسرین نے تاریخی حوالوں کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ اس سے مراد انطاکیہ نہیں کیونکہ انطاکیہ ہمیشہ سے عیسائیت کا گڑھ رہا ہے اور انطاکیہ کی بربادی کا تاریخ میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ جہاں تک رسولوں کی ذات کا معاملہ ہے ان سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کے

قَالُوْا	مَآ	اَنْتُمْ	اِلَّا	بَشَرٌ	مِّثْلُنَا ۙ	وَمَآ	اَنْزَلَ
انہوں نے کہا	نہیں ہو	تم	مگر	بشر	ہم جیسے	اورنہیں	نازل کی
الرَّحْمٰنُ	مِنْ شَيْءٍ ۙ	اِنْ	اَنْتُمْ	اِلَّا	تَكْذِبُوْنَ ⑮		
رحمٰن نے	کوئی چیز	نہیں ہو	تم	مگر	جھوٹ بولتے		
قَالُوْا	رَبُّنَا	يَعْلَمُ	اِنَّآ	اِلَيْكُمْ	لَمُرْسَلُوْنَ ⑯	وَمَا	
انہوں نے کہا	ہمارارب	وہ جانتا ہے	بلاشبہ ہم	تمہاری طرف	البتہ بھیجے گئے ہیں	اورنہیں	
عَلَيْنَآ	اِلَّا	الْبَلٰغُ	الْمُبِيْنُ ⑰				
ہم پر	مگر	پہنچادینا	کھول کر				

بستی والوں نے کہا تم کچھ بھی نہیں مگر ہم جیسے انسان ہو، رحمان نے ہرگز کوئی چیز نازل نہیں کی ہے تم جھوٹ بولتے ہو۔(۱۵) رسولوں نے کہا ہمارارب جانتا ہے کہ ہم ضرور تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔(۱۶) اور ہم پر واضح پیغام پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔"(۱۷)

حواری اوران کے بھیجے ہوئے نمائندے نہیں بلکہ یہ شخصیات براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس شہر کی طرف مبعوث کی گئی تھیں جنہیں اس شہر کے لوگوں نے ماننے سے انکار کیا اور وہ بُرے انجام سے دوچار ہوئے۔

جہاں تک اہلِ قریہ کی اس بات کا تعلق ہے کہ اے رسولو! تم ہمارے جیسے انسان ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے رسول مبعوث فرمائے ہیں وہ بشر ہی تھے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد کہ میں بشر ہوں:

«عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَدِمَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يَأْبُرُونَ النَّخْلَ يَقُولُونَ يُلَقِّحُونَ النَّخْلَ فَقَالَ مَا تَصْنَعُونَ قَالُوا كُنَّا نَصْنَعُهُ قَالَ لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوا كَانَ خَيْرًا فَتَرَكُوهُ فَنَفَضَتْ أَوْ فَنَقَصَتْ قَالَ فَذَكَرُوا ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ دِينِكُمْ فَخُذُوا بِهِ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيٍ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ»

(رواہ مسلم: باب وُجوبِ امتِثَالِ مَا قَالَهُ شرعًا دُونَ مَا ذَكَرَه مِنْ مَعَايِشِ الدُّنْيَا عَلٰى سَبِيلِ الرَّأْيِ)

"سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اس وقت لوگ کھجور کی پیوندکاری کرتے تھے آپ نے فرمایا: یہ کیا کرتے ہو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا ہمارا یہی طریقہ ہے آپ نے فرمایا: اگر تم یہ

کام نہ کروتو ہوسکتا ہے اس میں بہتری ہو۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے پیوند کرنا چھوڑ دیا۔جس سے کھجوریں پھل کم لائیں۔صحابہ نے آپ کوصورت حال بتلائی۔آپ نے فرمایا: جب میں تمہیں تمہارے دین کے بارے میں کسی بات کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو جب میں کوئی بات اپنی رائے سے کہوں تو آخر میں بھی آدمی ہوں۔“

مسائل

١۔ انبیائے کرام علیہم السلام ایک دوسرے کی تائید کرتے تھے۔

٢۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام انسان تھے۔

٣۔ انبیاء کی ذمہ داری حق پہنچانا تھا منوانا نہیں تھا۔

تفسیر بالقرآن

انبیائے کرام علیہم السلام کا اقرار کہ ہم انسان ہیں:

١۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتراف کہ میں تمہاری طرح کا بشر ہوں۔(حٰم السجدۃ:٦)

٢۔ رسول اللہ کا اعتراف کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔(الکہف:١١٠)

٣۔ تمام رسولوں کو ان کی قوم میں انہی کی زبان میں بھیجا گیا۔(ابراہیم:٤)

٤۔ انبیاء علیہم السلام اقرار کرتے تھے کہ ہم بشر ہیں۔(ابراہیم:١١)

٥۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ آدمی تھے۔(یوسف:١٠٩)

٦۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے بھی نبی بھیجے وہ بشر ہی تھے۔(النحل:٤٣)

٧۔ عیسیٰ نے اپنی والدہ کی گود میں اپنی نبوت اور بندہ ہونے کا اعلان فرمایا۔(مریم:٢٩،٣٠)

٨۔ شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا کہ تو ہماری طرح بشر ہے اور ہم تجھے جھوٹا تصور کرتے ہیں۔(الشعراء:١٨٦)

٩۔ نہیں ہے یہ مگر تمہارے جیسا بشر اور یہ تم پر فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے۔(المومنون:٢٤)

١٠۔ نہیں ہے تو مگر ہمارے جیسا ایک انسان۔(الشعراء:١٥٤)

١١۔ نہیں ہے یہ مگر تمہارے جیسا بشر جیسے تم کھاتے ہو، ویسے وہ کھاتا ہے۔(المومنون:٣٣)

قَالُوۡۤا	اِنَّا	تَطَيَّرۡنَا	بِكُمۡ ۚ	لَئِنۡ	لَّمۡ
انہوں نے کہا	بے شک ہم	منحوس سمجھتے ہیں	تمہیں	البتہ اگر	نہ
تَنۡتَهُوۡا	لَنَرۡجُمَنَّكُمۡ	وَلَيَمَسَّنَّكُمۡ	مِّنَّا	عَذَابٌ	
تم باز آئے	ضرور ہم سنگسار کر دیں گے تمہیں	اور البتہ ضرور تمہیں ملے گی	ہماری طرف سے	سزا	
اَلِيۡمٌ ﴿۱۸﴾	قَالُوۡا	طَآئِرُكُمۡ	مَّعَكُمۡ ؕ	اَئِنۡ	ذُكِّرۡتُمۡ ؕ
دردناک	انہوں نے کہا	تمہاری نحوست	تمہارے ساتھ ہے	کیا اگر	تم نصیحت کیے جاؤ
بَلۡ	اَنۡتُمۡ	قَوۡمٌ	مُّسۡرِفُوۡنَ ﴿۱۹﴾		
بلکہ	تم	لوگ ہو	حد سے بڑھنے والے		

”بستی والوں نے کہا کہ ہم تمہیں اپنے لیے منحوس سمجھتے ہیں، اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور تم ہم سے بڑی دردناک سزا پاؤ گے۔ (۱۸) رسولوں نے جواب دیا تمہاری نحوست تو تمہاری وجہ سے ہے کیا یہ باتیں تم اس لیے کرتے ہو کہ تمہیں نصیحت کی گئی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے گزرے ہوئے لوگ ہو۔“ (۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: تین انبیائے کرام علیہم السلام کو قوم کی دھمکی اور الزام۔

بد بخت لوگوں کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرنے کی بجائے انبیائے کرام اور مصلح حضرات کو طعن و تشنیع اور تضحیک کا نشانہ بناتے ہیں یہی کچھ اس شہر کے لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیا قوم انبیائے کرام علیہم السلام کو کہنے لگی کہ جب سے تم ہمارے شہر میں آئے ہو اس وقت سے لے کر ہم مسائل اور مصائب کا شکار ہوئے جا رہے ہیں اگر تم اپنے کام سے باز نہ آئے تو ہم ہر صورت تمہیں سنگسار کر ڈالیں گے اور تمہیں اذیت ناک سزا دیں گے۔ انبیائے کرام علیہم السلام نے جواباً فرمایا کہ جن مسائل اور مصائب سے تم دو چار ہو یہ تمہارے اپنے کیے کا نتیجہ ہے مگر افسوس! تم سمجھنے اور سدھرنے کی بجائے ہمیں سنگسار کرنے کی دھمکی دیتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم شرافت کی تمام حدوں کو پھلانگ چکے ہو۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کا یہ منطقی نتیجہ ہوتا ہے کہ جو قوم اپنے نبی کی نافرمانی پر تل جائے اسے آخرت کے عذاب سے پہلے دنیا میں بھی اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔ جن لوگوں کے مقدر میں تباہی لکھی ہوتی ہے وہ اپنی اصلاح کی بجائے بگاڑ میں آگے ہی بڑھا کرتے ہیں اور اصلاح کرنے والوں کو اپنے انجام کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں ہر پیغمبر کے ساتھ اس کی قوم کے فجار اور سرکش لوگوں نے یہی رویہ اختیار کیا تھا جہاں تک بدشگونی اور بری فال نکالنے کا تعلق ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے ایک طرف انسان کا عقیدہ کمزور ہوتا ہے اور دوسری

طرف وہ اعصابی اور ذہنی طور پر مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔

((لَیْسَ مِنَّا مَنْ تَطَیَّرَ اَوْ تُطُیِّرَ لَهُ اَوْ تَکَهَّنَ اَوْ تُکُهِّنَ لَهُ اَوْ سَحَرَ اَوْ سُحِرَ لَهُ وَمَنْ اَتٰی کَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا یَقُوْلُ فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ))

(مسند بزار البحر الزخار: مسند عمران بن حصین [حسن])

’’جو شخص فال نکالے یا اس کے لیے فال نکالی جائے، کوئی غیب کی خبریں دے یا اس کے لیے کوئی دوسرا ایسی خبر دے ایسے ہی کوئی خود جادو کرے یا دوسرا شخص اس کے لیے جادو کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے جو ایسے شخص کے پاس جائے اور اسکی باتوں کی تصدیق کرے اس نے ہر اس بات کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔‘‘

کیا کوئی چیز منحوس ہو سکتی ہے؟

((وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا عَدْوٰی وَلَا طِیَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ کَمَا تَفِرُّ مِنَ الْاَسَدِ)) (رواہ البخاری: باب الجذام)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: کوئی بھی بیماری متعدی نہیں، نہ بدشگونی ہے، نہ الو بدروح ہے اور نہ صفر کا مہینہ نحوست والا ہے اور کوڑھی شخص سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔‘‘

مسائل

۱۔ مشرکین اور کفار انبیائے کرام علیہم السلام کو منحوس قرار دیتے تھے۔

۲۔ انسان کو اپنے برے اعمال کی کچھ نہ کچھ سزا دنیا میں بھگتنا پڑتی ہے۔

۳۔ سرکش اور نافرمان لوگ ہمیشہ انبیائے کرام علیہم السلام کو جان سے مار دینے کی دھمکیاں دیتے رہے۔

تفسیر بالقرآن

نافرمان قوم کا اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ سلوک:

۱۔ کفار کہتے تھے کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو چاہتے ہو کہ ہم اپنے آباء واجداد کے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ (ابراہیم: ۱۰)

۲۔ کفار نے انبیاء سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے۔ (ابراہیم: ۱۳)

۳۔ حضرت نوح کو قوم کے سرداروں نے کہا تو ہمارے جیسا ایک آدمی ہے اور تیری پیروی کرنے والے بھی ادنیٰ لوگ ہیں۔ (ھود: ۲۷)

۴۔ حضرت موسیٰ کو فرعون نے کہا کیا تم اپنے جادو سے ہمیں ہماری زمین سے نکالنا چاہتے ہو۔ (طٰہٰ: ۵۷)

۵۔ انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا گیا۔ (البقرۃ: ۸۷)

۶۔ موسیٰ علیہ السلام پر آل فرعون نے منحوس ہونے کا الزام لگایا۔ (الاعراف: ۱۳۱)

وَجَآءَ	مِنْ	اَقْصَا	الْمَدِيْنَةِ	رَجُلٌ	يَّسْعٰى
اور آیا	سے	کنارے	شہر کے	آدمی	دوڑتا ہوا
قَالَ	يٰقَوْمِ	اتَّبِعُوا	الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾	اتَّبِعُوْا	مَنْ
اس نے کہا	اے میری قوم	تم پیروی کرو	رسولوں کی	تم پیروی کرو	ان کی جو
لَّا يَسْئَلُكُمْ	اَجْرًا	وَّهُمْ	مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾		
نہیں تم سے مانگتے	کوئی معاوضہ	اور وہ	ہدایت یافتہ ہیں		

''اتنے میں شہر کے دور کے کونے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! رسولوں کی پیروی اختیار کرو۔ (۲۰) ان کی پیروی کرو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتے اور یہ ٹھیک راستے پر ہیں۔'' (۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: تین انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ قوم کی کشمکش کی انتہا اور ایک خیر خواہ کا قوم کو آخری بار سمجھانا۔

قوم نے شرافت کی دیواریں پھلانگتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ تینوں انبیاء کو بیک وقت قتل کر دیا جائے۔ جونہی اس صورتِ حال کا شہر کے مضافات میں رہنے والے ایک شخص کو علم ہوا تو وہ بے قرار ہو کر دوڑتا ہوا اپنی قوم کے سرکردہ لوگوں کے پاس آیا اور انہیں سمجھاتے ہوئے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! تمہیں انبیائے کرام علیہم السلام کے خلاف سازشیں کرنے کی بجائے ان کی اتباع کرنی چاہیے یہ ہستیاں نا صرف افکار اور کردار کے لحاظ سے ہم سب سے اعلیٰ اور ممتاز ہیں بلکہ اس بات پر بھی غور کرو کہ ان کی دعوت کے پیچھے ان کا کوئی ذاتی مفاد نہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ تم سے کسی معاوضہ کے طلب گار نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ اور اس کی طرف سے ہدایت یافتہ اور تمہیں ہدایت کی دعوت دینے والے انبیاء کرام ہیں۔ مضافاتِ شہر سے آنے والی شخصیت کا نام ''حبیب'' بتلایا گیا ہے اس نے حالات کی نزاکت اور موقع کی مناسبت کی بنیاد پر رسولوں کے دو اوصاف کا ذکر کیا ہے۔

① یہ رسول اپنے رب کی طرف سے ہدایت یافتہ اور تمہارے لیے ہدایت کے امام ہیں۔

② اس دعوت کے نتیجہ میں جو مصائب اور مشکلات برداشت کر رہے ہیں اس کے پیچھے ان کا کوئی مفاد وابستہ نہیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام کے اوصافِ حمیدہ میں یہ اوصاف ہمیشہ نمایاں اور ممتاز رہے ہیں کہ نا صرف وہ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہوا کرتے تھے بلکہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اپنے رب کی ہدایت کے مطابق بسر ہوتا تھا وہ اپنے رب کی طرف سے لوگوں کے لیے ہدایت کے پیشوا ہوتے تھے، انہوں نے اپنی دعوت کے سلسلہ میں جتنی مشقتیں اٹھائیں اور جس قدر محنت کی اس کے پیچھے ان کا ذاتی مفاد نہیں ہوا کرتا تھا۔ اہلِ مکہ اور نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کشمکش اپنی انتہا کو پہنچی تو اہلِ مکہ نے اپنے ایک سردار ولید بن عتبہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا اس نے آپ کے سامنے تین طرح کی پیشکش کی۔ ① اگر کسی حسین لڑکی

کے ساتھ شادی کے خواہش مند ہو تو جہاں چاہتے ہو ہم شادی کروا دیتے ہیں۔ ② اگر دولت چاہتے ہو تو ہم آپ کی خواہش کے مطابق دولت پیش کر دیتے ہیں۔ ③ مکہ کا سب سے بڑا سردار بننا پسند کرتے ہو تو ہم آپ کی سرداری قبول کرتے ہیں۔ آپ نے تینوں باتوں کو مسترد کرتے ہوئے سورۃ حٰم سجدہ کی ابتدائی آیات تلاوت کیں جن میں مرکزی بات یہ ہے کہ میں تو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا گیا ہوں اور تمہارے جیسا انسان ہوں مگر میری طرف میرے رب کی وحی آتی ہے جس میں پہلی دعوت یہ ہے لوگو! تمہارا معبود صرف ایک ہے اس کے تابعدار ہو جاؤ۔

((وَعَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُوْمًا فَقَالَ رَجُلٌ يَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَنْصُرُهٗ مَظْلُوْمًا فَكَيْفَ أَنْصُرُهٗ ظَالِمًا قَالَ تَمْنَعُهٗ مِنَ الظُّلْمِ فَذٰلِكَ نَصْرُكَ اِيَّاهُ))

(رواہ البخاری: بَابُ اَعِنْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ مکرم ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ ظالم ہو یا مظلوم ایک شخص نے عرض کیا مظلوم کی مدد کروں، مگر ظالم کی کیسے کروں؟ آپ نے فرمایا: اس کو ظلم سے تمہارا روکنا اس کی مدد کرنا ہے۔“

مسائل

۱۔ مظلوم کی مدد کرنے میں آدمی کو پوری مستعدی سے کام لینا چاہیے۔

۲۔ انبیائے کرام علیہم السلام ہدایت کے پیکر اور مبلغ ہوا کرتے تھے۔

۳۔ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قوم سے کسی قسم کے مفاد اور معاوضہ کے طلب گار نہیں ہوتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

تمام انبیائے کرام علیہم السلام بلا معاوضہ دین اور قوم کی خدمت سرانجام دیتے تھے:

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ (ہود: ۲۹)

۲۔ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تم سے تبلیغ کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ (الشعراء: ۱۲۷)

۳۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا اجر اللہ رب العالمین پر ہے اور میں تم سے کچھ نہیں مانگتا۔ (الشعراء: ۱۴۱، ۱۴۵)

۴۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میرا اجر اللہ پر ہے اور وہی ہر چیز پر گواہ ہے۔ (سبا: ۴۷)

۵۔ میرا اجر اللہ پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ (ہود: ۵۱)

۶۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں تجھ سے نہ اجر چاہتا ہوں اور نہ کسی قسم کا تکلف کرتا ہوں۔ (ص: ۸۶)

وَمَالِیَ	لَآ	اَعۡبُدُ	الَّذِیۡ	فَطَرَنِیۡ	وَاِلَیۡهِ
اور کیا ہے مجھے	نہ	میں عبادت کروں	اس ذات کی	جس نے مجھے پیدا کیا	اور اسی کی طرف
تُرۡجَعُوۡنَ ۞۲۲	ءَاَتَّخِذُ	مِنۡ	دُوۡنِهٖۤ	اٰلِهَةً	اِنۡ
تم سب لوٹائے جاؤ گے	کیا میں بنالوں	سے	اس کے سوا	کوئی معبود	اگر
یُّرِدۡنِ	الرَّحۡمٰنُ	بِضُرٍّ	لَّا	تُغۡنِ	عَنِّیۡ
ارادہ کرے میرے ساتھ	رحمٰن	نقصان کا	نہیں	کام آئے گی	میرے
شَفَاعَتُهُمۡ	شَیۡـًٔا	وَّلَا	یُنۡقِذُوۡنِ ۞۲۳	اِنِّیۡۤ	اِذًا	لَّفِیۡ
ان کی سفارش	کچھ بھی	اور نہ	وہ مجھے چھڑا سکیں گے	بے شک میں	اس وقت	البتہ میں
ضَلٰلٍ	مُّبِیۡنٍ ۞۲۴	اِنِّیۡۤ	اٰمَنۡتُ	بِرَبِّکُمۡ	فَاسۡمَعُوۡنِ ۞۲۵
گمراہی	کھلی	بے شک میں	ایمان لایا ہوں	تمہارے رب کے ساتھ	لہٰذا تم میری بات سنو

’’آخر میں اُس ہستی کی بندگی کیوں نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس کی طرف تم سب کو پلٹ کر جانا ہے۔(۲۲) کیا میں اُسے چھوڑ کر دوسرے معبود بنالوں؟ اگر الرحمن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی شفاعت میرے کسی کام نہیں آسکتی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکتے ہیں۔(۲۳) اگر میں ایسا کروں تو میں واضح طور پر گمراہ ہو جاؤں گا۔(۲۴) میں تو تمہارے رب پر ایمان لے آیا تم میری بات مان لو۔‘‘(۲۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مضافاتِ شہر سے آنے والے صالح انسان کا اپنی قوم کو خطاب جاری ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کے اوصافِ حمیدہ کا تذکرہ اور ان کی اتباع کی تلقین کرنے کے بعد صالح انسان نے اپنا عقیدہ قوم کے سامنے پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے پاس کیا عذر ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں؟ جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف تم نے بھی لوٹ کر جانا ہے کیا میں اسے چھوڑ کر کسی اور کو معبود بنالوں جبکہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہی انسان کے نفع و نقصان کا مالک ہے اگر ربِ رحمٰن میرے نقصان کا فیصلہ کرے تو جن کی تم عبادت کرتے ہو ان کی سفارش نہ مجھے فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ ہی یہ کسی مصیبت سے نجات دلا سکتے ہیں اگر میں انہیں عبادت کے لائق، حاجت روا اور مشکل کشا سمجھوں تو میں بھی گمراہ ہو جاؤں گا۔ میں اس رب پر ایمان لایا ہوں جو میرا اور تمہارا رب ہے اس لیے میری بات پر توجہ فرماؤ اس صالح انسان نے اپنے خطاب میں اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا ذکر

فرمایا ہے جو انسان کی فطرت میں رچی بسی ہوئی ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ پوری کائنات اور انسان کو صرف اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے ہر انسان یہ بھی عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر مہربان ہے، ہر کوئی مانتا ہے کہ نفع ونقصان اللہ کے اختیار میں ہے لیکن اس کے باوجود لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو بھی حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں یہی شرک کی بنیاد ہے کہ مشرک سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں فلاں کو اپنی خدائی میں سے کچھ اختیارات دے رکھے ہیں اور یہ بزرگ اس کو اس قدر محبوب ہیں کہ ان کی سفارش کو وہ مسترد نہیں کرسکتا اس باطل عقیدہ کی تردید اور مشرک کی تیز مزاجی کو سمجھتے ہوئے مخاطب کی ضمیر استعمال کرنے کی بجائے صالح اور سمجھ دار مبلّغ نے اپنے آپ کو خطاب کیا اور دوسروں کو یہ بات سمجھائی ہے کہ اگر ربِّ رحمان مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو تمہارے سفارشی مجھے چھڑا اور بچا نہیں سکتے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سوا یا اس کے ساتھ کسی کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا بڑا ہی گمراہ کن عقیدہ ہے اگر میں اس عقیدہ کو اختیار کروں تو میرے گمراہ ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہے گی۔ جس رب نے مجھے اور تمہیں پیدا کیا ہے میں اس پر ایمان لایا اور تمہیں بھی اس بات کی دعوت دیتا ہوں اس دعوت پر توجہ فرماؤ تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہی کائنات اور انسان کو پیدا فرمایا ہے۔ ۲۔ ہر شخص نے اپنے رب کے حضور حاضر ہونا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ جسے مشکل میں مبتلا کرے اسے کوئی چھڑانے اور بچانے والا نہیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نفع ونقصان کا مالک سمجھنا پرلے درجے کی گمراہی ہے۔

۶۔ توحید کے مبلّغ کو اپنی دعوت نہایت سمجھداری کے ساتھ پیش کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں:

۱۔ ''اللہ'' نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اور پھر آسمان سے پانی اتار کر باغات اُگائے کیا اس کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل: ۶۰)

۲۔ ''اللہ'' نے زمین کو جائے قرار بنایا اس میں پہاڑ اور دو سمندروں کے درمیان پردہ بنایا کیا اس کے ساتھ اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل: ۶۱)

۳۔ کون ہے جو لاچار کی فریاد رسی کرتا ہے اور اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل: ۶۲)

۴۔ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں اللہ کے سوا کون رہنمائی کرتا ہے کیا اس کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے۔ (النمل: ۶۳)

۵۔ آپ فرما دیں سوائے ایک الٰہ کے آسمان وزمین کے غیب کو کوئی نہیں جانتا۔ (النمل: ۶۵)

قِيۡلَ	ادۡخُلِ	الۡجَنَّةَ ؕ	قَالَ	يٰلَيۡتَ	قَوۡمِىۡ يَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۲۶﴾
کہا گیا	تو داخل ہو جا	جنت میں	اس نے کہا	اے کاش	میری قوم وہ جان لے
بِمَا	غَفَرَ لِىۡ	رَبِّىۡ	وَجَعَلَنِىۡ	مِنَ	الۡمُكۡرَمِيۡنَ ﴿۲۷﴾
بسبب اس کے	بخش دیا مجھے	میرے رب نے	اور اس نے کر دیا مجھے	سے	معزز لوگوں

''اس شخص سے کہہ دیا گیا کہ جنت میں داخل ہو جا اُس نے کہا کاش میری قوم کو معلوم ہو جائے۔(٢٦) کہ میرے رب نے کس بات کی بدولت مجھے معاف کر دیا ہے اور مجھے باعزت لوگوں میں شامل فرمایا ہے۔''(٢٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام : شہید مبلّغ کا بہترین انجام اور صلہ۔

قرآنِ مجید نے لفظاً یہ بات واضح نہیں فرمائی کہ اس عظیم مبلّغ کا اپنی قوم کے ہاتھوں کیا انجام ہوا۔ البتہ سیاق وسباق سے یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ قوم نے اس عظیم مبلّغ کو شہید کر ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل فرمایا جونہی اس کی روح جنت میں داخل ہوئی تو پکار اٹھی کہ کاش! میری قوم کو میرے بہترین انجام کی خبر ہو جائے میرے رب نے میری خطاؤں کو معاف فرما کر مجھے اپنے مقرب بندوں میں شامل کر لیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی رہتی دنیا تک اسے یہ اعزاز بخشا گیا کہ اس کے خیالات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے الفاظ میں ہمیشہ ہمیش کے لیے محفوظ فرمایا اور آنے والے انسانوں کو اس کے پیغام اور بہترین انجام سے آگاہ فرمایا تاکہ توحید کی دعوت دینے والے حضرات جان جائیں کہ بے شک یہ راستہ پر کٹھن ہے لیکن بالآخر اس کی منزل جنت الفردوس اور اپنے رب کا تقرب پانا ہے۔

«عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لِجَابِرٍ یَا جَابِرُ أَلَا أُبَشِّرُكَ قَالَ بَلٰی بَشِّرْنِیْ بَشَّرَكَ اللّٰہُ بِالْخَیْرِ قَالَ أَشَعَرْتَ أَنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ أَحْیَا أَبَاكَ فَأَقْعَدَہُ بَیْنَ یَدَیْہِ فَقَالَ تَمَنَّ عَلَیَّ عَبْدِیْ مَاشِئْتَ أُعْطِكَہُ فَقَالَ یَارَبِّ مَا عَبَدْتُّكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ أَتَمَنّٰی عَلَیْكَ أَنْ تَرُدَّنِیْ إِلَی الدُّنْیَا فَأُقَاتِلَ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ مَرَّةً أُخْرٰی فَقَالَ سَبَقَ مِنِّیْ إِنَّكَ إِلَیْہَا لَا تَرْجِعُ»

(المستدرک علی الصحیحین: باب مناقب عبداللہ بن عمرو حرام [صحیح])

''حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے جابر ؓ سے فرمایا: جابر! کیا میں تجھے بشارت نہ دوں؟ انہوں نے عرض کی کیوں نہیں! اللہ آپ کو بہتری اور خیر کی بشارت عطا فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والد کو زندہ کر کے اپنے سامنے بٹھا کر فرمایا کہ میرے بندے مجھ سے مانگ! میں تجھے عطا کروں۔ انہوں نے عرض کی: اے میرے پروردگار! میں نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا میری عرض ہے کہ آپ

مجھے دنیا میں بھیج دیں تاکہ میں نبی ﷺ کے ساتھ مل کر قتال کروں اور پھر تیری راہ میں شہید ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا فیصلہ ہو چکا ہے کہ تو دنیا میں دوبارہ نہیں جائے گا۔''

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جب تمہارے بھائی احد کے دن شہید کیے گئے تو اللہ نے ان کی روحوں کو سبز چڑیوں کے پوٹوں میں رکھ دیا وہ جنت کی نہروں پر پھرتی ہیں اور اس کے میوے کھاتی ہیں اور عرش کے سایہ میں سونے کی قندیلوں میں بسیرا اور ٹھکانہ کرتی ہیں جب ان کی روحوں کو کھانے، پینے اور سونے کی خوشی حاصل ہوئی، تو کہا کون ہے جو ہماری طرف سے ہمارے بھائیوں کو یہ خبر پہنچا دے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور کھاتے پیتے ہیں تاکہ وہ بھی جنت کے حصول میں بے رغبتی نہ کریں اور قتال کے وقت سستی نہ دکھائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہاری خبر پہنچاؤں گا اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھلائے، پلائے جاتے ہیں)۔''

(رواہ ابو داؤد: کتاب الجهاد، باب فی فضل الشهادة [حسن])

شہید کے گناہ معاف:

«أَوَّلُ مَا يُهَرَاقُ مِنْ دَمِ الشَّهِيْدِ يُغْفَرُ لَهُ ذَنْبُهُ كُلُّهُ إِلَّا الدَّيْنَ»

(صحیح الجامع: باب اول مایقضی بين الناس يوم القيامة فی الدماء [صحیح])

''شہید کے خون کے پہلے قطرہ سے قرض کے سوا سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''

مسائل

۱۔ صالح لوگوں کی ارواح کو جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ ۲۔ شہادت کے وقت شہید کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ شہید اور صالح لوگوں کو اپنے نیک بندوں میں شامل فرماتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

صالح لوگوں کا صلہ:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور مومنات سے ہمیشہ کی جنت اور اپنی رضا مندی کا وعدہ فرمایا ہے یہ بڑی کامیابی ہے۔ (التوبۃ: ۷۲، ۸۹، ۱۰۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے جنت کے بدلے ان کے مال و جان خرید لیے ہیں یہ بڑی کامیابی ہے۔ (التوبۃ: ۱۱۱)

۳۔ اے اللہ نیک لوگوں کو برائی سے بچا جو برائی سے بچ گیا اس پر تیرا رحم ہوا یہ بڑی کامیابی ہے۔ (المومن: ۹)

۴۔ ان کا جہنم کے عذاب سے بچنا اللہ کے فضل سے ہوگا اور یہی کامیابی ہے۔ (الدخان: ۵۷)

۵۔ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا یہ واضح کامیابی ہے۔ (الجاثیۃ: ۳۰)

۶۔ مومنوں کے لیے ہمیشہ کی جنت ہے جس میں پاک صاف مکان ہیں یہ بڑی کامیابی ہے۔ (الصف: ۱۲)

وَ	مَآ	اَنْزَلْنَا	عَلٰی	قَوْمِهٖ	مِنْۢ	بَعْدِهٖ
اور	نہیں	ہم نے اتارا	پر	اس کی قوم	سے	اس کے بعد
مِنْ جُنْدٍ	مِّنَ	السَّمَآءِ	وَ	مَا	كُنَّا	
کوئی لشکر	سے	آسمان	اور	نہیں	تھے ہم	
مُنْزِلِيْنَ ﴿۲۸﴾	اِنْ	كَانَتْ	اِلَّا	صَيْحَةً	وَّاحِدَةً	
اتارنے والے	نہیں	تھی یہ	مگر	آواز	ایک	
فَاِذَا	هُمْ	خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾				
تو ناگہاں	وہ	بجھ کر رہ گئے				

’’اس کے بعد ہم نے اُس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہی ہمیں لشکر بھیجنے کی ضرورت تھی۔ (۲۸) بس ایک دھماکہ ہوا اور یکدم سب کے سب بھسم ہو کر رہ گئے۔‘‘ (۲۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عظیم مبلّغ کے عظیم اور بہترین انجام کے مقابلے میں قوم کا بدترین انجام۔

اللہ تعالیٰ نے اس شہر کے رہنے والوں کو ایک چنگھاڑ کے ذریعے اس طرح نیست و نابود کیا کہ دیکھنے والے کو اس کا نشان بھی دکھائی نہیں دیتا تھا جونہی شہر والوں نے اس عظیم مبلّغ کو شہید کیا رب ذوالجلال کا فرمان ہے کہ ہم نے اس کی موت کے بعد اس شہر کو تباہی کے گھاٹ اتار دیا۔ اسے تباہ کرنے کے لیے ہم نے کوئی لشکر جرار نہیں بھیجا تھا کیونکہ ہمارا فیصلہ تھا کہ اسے تباہ کرنے کے لیے ملائکہ بھیجنے یا ان پر لشکر اتارنے کی ضرورت نہیں انہیں تباہ کرنے کے لیے ایک خوفناک چیخ ہی کافی ہے لہٰذا انہیں ایک دھماکہ خیز چنگھاڑ نے خاکستر بنا دیا ایسا اس لیے کیا گیا تاکہ اللہ کے باغیوں اور نافرمانوں کو معلوم ہو جائے کہ انہیں تباہ کرنے کے لیے ایک چنگھاڑ ہی کافی ہے۔

مسائل

۱۔ کسی قوم کو تباہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہی کافی ہوتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے غضب کی ایک چنگھاڑ نے اس بستی کو بے نام ونشان کر دیا۔

یٰحَسْرَةً	عَلَى	الْعِبَادِ ۚ	مَا	يَأْتِيهِم	مِّن
اے افسوس	پر	بندوں	نہیں	آیا ان کے پاس	کوئی

رَّسُولٍ	إِلَّا	كَانُوا	بِهِ	يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۰﴾	أَلَمْ	يَرَوْا
رسول	مگر	وہ تھے	اس کے ساتھ	استہزاء کرتے	کیا نہیں	انہوں نے دیکھا

كَمْ	أَهْلَكْنَا	قَبْلَهُم	مِّنَ	الْقُرُونِ	أَنَّهُمْ	إِلَيْهِمْ
کتنی	ہم نے ہلاک کر دیں	ان سے پہلے	سے	صدیوں	بے شک وہ	ان کی طرف

لَا	يَرْجِعُونَ ﴿۳۱﴾	وَإِن	كُلٌّ	لَّمَّا	جَمِيعٌ	لَّدَيْنَا	مُحْضَرُونَ ﴿۳۲﴾
نہیں	لوٹیں گے	اور نہیں ہے	کوئی بھی	مگر	سب	ہمارے پاس	حاضر کیے جائیں گے

''افسوس بندوں کے حال پر جو رسول بھی ان کے پاس آیا اس کا مذاق ہی اُڑاتے رہے۔(۳۰) کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اُن سے پہلے کتنی قوموں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں اور اس کے بعد وہ کبھی ان کی طرف پلٹ کر نہیں آئے۔(۳۱) بے شک ان سب کو ایک دن ہمارے سامنے حاضر کیا جانا ہے۔''(۳۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: تباہ ہونے والی اقوام کا انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ سلوک اور ان کا انجام۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ ''اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْن'' ہے اس لیے اپنے بندوں کو بار بار موقعہ اور مہلت دیتا ہے کہ وہ بغاوت اور سرکشی سے باز آجائیں لیکن جب کوئی قوم اور لوگ تمرد اور سرکشی کی انتہا کر دیتے ہیں تو پھر زمین کا نظام چلانے اور اسے متوازن رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ اس قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا ہے۔جس میں ایک طرف ظالموں کو کیفرِ کردار تک پہنچانا مطلوب ہوتا ہے اور دوسری طرف حق والوں اور مظلوموں کی مدد کرنا مقصود ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنی شفقت کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ ظالموں پر افسوس! کہ وہ اپنے سے پہلی اقوام کا انجام دیکھنے اور اس سے عبرت حاصل کرنے کی بجائے اپنی تباہی کو ترجیح دیتے ہیں۔ان کے پاس جب کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول آیا تو انہوں نے اس کی دعوت پر غور کرنے کی بجائے اسے استہزا کا نشانہ بنایا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ذلت کی موت مارا اور قیامت کے دن انہیں اس کے حضور پیش کیا جانا ہے۔جب یہ لوگ اپنے رب کے حضور پیش کیے جائیں گے تو اس وقت افسوس کا اظہار کریں گے کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ ہم مر کر مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائیں گے لیکن آج ہمیں اپنے اپنے اعمال نامے کے ساتھ ربِ ذوالجلال کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے۔اس پر وہ اپنے ہاتھ کاٹیں گے اور حسرت کا اظہار کریں گے کہ کاش! ہم انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کو قبول کرتے اور اس انجام سے بچ جاتے۔قیامت کے دن آپ دیکھیں گے کہ ہر امت گھٹنوں کے بل گھڑی ہوگی اور

ہرامت کو اس کی کتاب کی طرف بلایا جائے گا۔ (الجاثیہ:٢٨)

جس دن صور پھونکا جائے گا اور ہم اکٹھا کریں گے اس دن آنکھیں پیلی ہو چکی ہوں گی۔ (طٰہٰ:١٠٢)

{ وَ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ﹰالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَ كَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾ وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ } (الفرقان:٢٥،٢٨)

''اس دن آسمان کو چیرتا ہوا ایک بادل ظاہر ہوگا اور فرشتے گروہ درگروہ اتار دیے جائیں گے اس دن حقیقی بادشاہی صرف الرّحمان کی ہوگی وہ دن منکرین کے لیے بڑا سخت ہوگا۔ ظالم انسان اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا کاش میں نے رسول کا راستہ اختیار کیا ہوتا ہائے میری کم بختی کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔''

''جس دن روح القدس اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے کوئی بات تک نہ کر سکے گا مگر جس کو الرّحمن اجازت دے گا اور وہ ٹھیک ٹھیک بات کہے گا۔ یہی وہ دن ہے جس کا آنا برحق ہے پھر جس کا جی چاہے وہ اپنے مالک کے پاس ٹھکانہ بنالے ہم نے تم کو اس عذاب سے ڈرایا ہے جو نزدیک ہے جس دن آدمی اپنے کیے ہوئے اعمال کو دیکھے گا اور کافر کہے گا کاش! میں مٹی بنا رہتا۔'' (النبا:٣٨ تا ٤٠)

مسائل

١۔ بے شمار اقوام نے اپنے انبیائے کرام ؑ کو تضحیک کا نشانہ بنایا۔

٢۔ انبیاء ؑ کو تضحیک کا نشانہ بنانے والوں کا بدترین انجام ہوا۔ ٣۔ بالآخر نیک و بد نے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے۔

تفسیر بالقرآن

بڑی بڑی اقوام کی تباہی:

١۔ ہم نے ان سے پہلے کئی بستیوں کو ہلاک کیا جو ٹھاٹھ باٹھ میں ان سے بہت آگے تھے۔ (مریم:٧٤)

٢۔ ہم نے ان سے پہلے کئی امتیں ہلاک کر ڈالیں جو قوت میں مکہ والوں سے بڑھ کر تھیں۔ (ق:٣٦)

٣۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ نے ان سے پہلے بستیوں والوں کو ہلاک کیا۔ (القصص:٧٨)

٤۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی اقوام کو تباہ کیا۔ (الانعام:٦) ٥۔ قوم لوط کو آسمان کے قریب لے جا کر الٹا دیا گیا۔ (ھود:٨٢)

٦۔ جب تم سے پہلے لوگوں نے ظلم کیا تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔ (یونس:١٣)

٧۔ فاسق ہلاک کر دیے گئے۔ (الاحقاف:٣٥) ٨۔ قوم نوح سیلاب کے ذریعے ہلاک ہوئی۔ (الاعراف:١٣٦)

٩۔ قوم نوح کی ہلاکت کا سبب بتوں کی پرستش تھی۔ (نوح:٢٣) ١٠۔ قوم لوط کی تباہی کا سبب اغلام بازی کرنا تھی۔ (الاعراف:٨١)

١١۔ شعیب ؑ کی قوم کی تباہی کا سبب ماپ تول میں کمی تھی۔ (ھود:٨٤،٨٥)

وَ	اٰیَۃٌ	لَّھُمُ	الْاَرْضُ	الْمَیْتَۃُ ۚۖ	اَحْیَیْنٰھَا
اور	نشانی	ان کے لیے	زمین	مردہ	ہم نے زندہ کردیا اسے
وَ اَخْرَجْنَا	مِنْھَا	حَبًّا	فَمِنْهُ		یَاْکُلُوْنَ ﴿۳۳﴾
اورہم نے نکالا	اس سے	دانہ	پھراسی کو		وہ کھاتے ہیں

''ان لوگوں کے لیے مردہ زمین بھی ایک نشانی ہے ہم نے اسے زندگی بخشی اوراس سے غلہ نکالا جسے یہ لوگ کھاتے ہیں۔'' (۳۳)

فہم القرآن

ربط کلام : ہلاک ہونے والے باغیوں اورنافرمانوں کا خیال تھا کہ مرنے کے بعد ہمیں کوئی اٹھا نہیں سکے گا لہٰذا مارنے کے بعد اٹھا لینے کے دلائل اور مشاہدات پیش کیے جاتے ہیں۔

انسان! اللہ تعالیٰ کا تابع فرمان ہو یا نافرمان ہرکوئی اسی زمین پر رہتا اور مرتا ہے موت کے بعد زندہ ہونے کی مثال زمین اور لیل ونہار سے پیش کی جاتی ہے۔ جس کا ہر شخص صبح وشام زندگی بھر مشاہدہ کرتا ہے۔ زمین پر غور فرمائیں بظاہر بے جان دکھائی دیتی ہے دیکھنے میں اس میں کوئی حِس وحرکت دکھائی نہیں دیتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ اسے نہ صرف بارش سے زندہ کرتا ہے بلکہ اَن گنت مخلوق کی زندگی کا سبب بھی بنا دیتا ہے۔ بارش سے پہلے زمین مردہ ہوتی ہے جوں ہی یہ سیراب ہوتی ہے تو اپنے پیٹ میں چھپائے ہوئے بیج کو اس طرح اپنے سینے پر سجا لیتی ہے کہ جس کا اس سے پہلے تصور کرنا محال تھا خاص طور پر ویران زمین پر غور کریں کہ بارش سے پہلے آدمی سوچتا ہے کہ یہ زمین بھی سرسبز وشاداب ہو سکے گی لیکن جوں ہی بارش ہوتی ہے تو اس طرح سبزہ اگاتی ہے کہ دیکھنے والا ''اللہ'' کی قدرت پر عش عش کر اٹھتا ہے۔ بالخصوص ایک زمیندار کو اس پر ضرور غور کرنا چاہیے کہ وہ کس طرح زمین میں دانہ ڈالتا ہے اور اس کے سامنے کس طرح بیج اگتا، پودا بنتا اور پھل دیتا ہے پھر یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ زمین، پانی، فضا اور ہوا ایک ہی ہوتی ہے لیکن ہر بیج اپنی جوہری صلاحیت کی بنیاد پر اگتا، پرورش پاتا اور پھل دیتا ہے۔ جس کے لیے چار چیزوں کا قدرتِ کاملہ نے اہتمام کیا ہے جو کسی زرعی سائنسدان اور حکمران کے بس کی بات نہیں۔ ① ۔ زمین کو ایک خاص حد تک نرم رکھنا یہاں تک کہ پہاڑ کے سینے میں بھی یہ نرمی رکھی گئی ہے کہ وہ بیج کو اگائے جس کا مشاہدہ ہم پہاڑوں پر اگنے والے بلند وبالا اور سرسبز وشاداب درختوں کی صورت میں کرتے ہیں۔ ② ۔ بارش، شبنم، چشموں اور ندی نالوں کے ذریعے زمین کو سیراب کرنا اور اس میں پانی جذب کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا۔ ③ ۔ ہوا میں ایک مخصوص مقدار میں نمی قائم رکھنا اور ہوا کے ذریعے نر درختوں کے جرثوموں کو مادہ درختوں تک پہنچانا اور پھر اُسے ہائیڈروجن مہیا کرنا۔ ④ ۔ سورج کے ذریعے زمین میں پڑے ہوئے بیج کو ایک خاص مقدار سے حرارت دینا اور فصلوں، پودوں اور درختوں تک سورج کی توانائی کو پہنچانا اس سارے نظام میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا عمل دخل نہیں

اللہ تعالیٰ نے اس طرح انسانوں، چوپاؤں، جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کی روزی کا بندوبست فرمایا ہے اس نظام پر انسان معمولی سا بھی غور کرے تو اسے توحید باری تعالیٰ کی سمجھ آسکتی ہے۔

اس حیرت انگیز انتظام پر جو شخص بھی غور کرے گا بشرطیکہ وہ ہٹ دھرمی اور تعصب میں مبتلا نہیں تو اس کا دل گواہی دے گا کہ یہ سب کچھ آپ سے آپ نہیں ہوسکتا۔ اس میں صریح طور پر ایک حکیمانہ منصوبہ کام کر رہا ہے جس کے تحت زمین، پانی، ہوا اور موسم کی مناسبتیں نباتات کے ساتھ اور نباتات کی مناسبتیں حیوانات اور انسانوں کی حاجات کے ساتھ، انتہائی نزاکتوں اور باریکیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے قائم کی گئی ہیں کوئی ہوش مند انسان یہ تصور نہیں کرسکتا کہ ایسی ہمہ گیر مناسبتیں محض حادثہ کے طور پر قائم ہوسکتی ہیں پھر یہی انتظام اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ یہ بہت سے خداؤں کا کارنامہ نہیں ہوسکتا یہ تو ایک ہی ایسے خدا کا انتظام ہے اور ہوسکتا ہے جو زمین، ہوا، پانی، سورج، نباتات، حیوانات اور نوعِ انسانی میں سے سب کا خالق و مالک ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے خدا الگ الگ ہوتے تو کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ ایک جامع، ہمہ گیر اور گہری حکیمانہ مناسبتیں رکھنے والا منصوبہ بن جاتا اور لاکھوں کروڑوں برس تک اتنی باقاعدگی سے چلتا رہتا۔ (تفہیم القرآن، سورہ یٰسٓ)

توحید کے حق میں دلائل دینے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ" کیا جس رب نے سب سامان مہیا کیا ہے اس کے یہ شکر گزار نہیں ہوتے اور اس کی نعمتیں کھا کھا کر دوسروں کے شکریے ادا کرتے ہیں؟ اس کے آگے نہیں جھکتے اور ان معبودوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایک تنکا بھی پیدا نہیں کیا۔

مسائل

۱۔ مردہ زمین کو زندہ کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ ۲۔ اللہ ہی زمین کو زندہ کرنے والا اور اس سے اناج نکالنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی زمین سے بیج اُگاتا ہے:

۱۔ بھلا دیکھو جو کچھ تم بوتے ہو کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں۔ (الواقعۃ: ۶۳۔ ۶۴)

۲۔ اللہ تعالیٰ پانی سے تمہارے لیے کھیتی، زیتون، کھجور اور انگور اگاتا ہے۔ (النحل: ۱۱)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ (المومنون: ۱۹)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے پانی سے ہر قسم کی نباتات کو پیدا کیا۔ (الانعام: ۹۹)

۵۔ اللہ نے باغات، کھجور کے درخت اور کھیتی پیدا کی جو ذائقہ کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ (الانعام: ۱۴۱)

۶۔ تمہارے لیے مسخر کیا نباتات کو زمین پر پھیلا کر، ان کی اقسام مختلف ہیں۔ (النحل: ۱۳)

وَجَعَلْنَا	فِیْهَا	جَنّٰتٍ	مِّنْ	نَّخِیْلٍ	وَّ اَعْنَابٍ
اور ہم نے بنائے	اس میں	باغات	سے	کھجوروں	اور انگور

وَّفَجَّرْنَا	فِیْهَا	مِنَ	الْعُیُوْنِ ۳۴	لِیَاْكُلُوْا	مِنْ
اور ہم نے جاری کیے	اس میں	سے	چشموں	تا کہ وہ کھائیں	سے

ثَمَرِهٖ	وَمَا	عَمِلَتْهُ	اَیْدِیْهِمْ	اَفَلَا	یَشْكُرُوْنَ ۳۵	سُبْحٰنَ
اس کے پھلوں	اور نہیں	بنایا اسے	ان کے ہاتھوں نے	کیا پھر نہیں	وہ شکر کرتے	پاک ہے

الَّذِیْ	خَلَقَ	الْاَزْوَاجَ	كُلَّهَا	مِمَّا	تُنْۢبِتُ	الْاَرْضُ
وہ ذات	جس نے پیدا کیا	جوڑے	سب کے سب	اس سے جو	اُگاتی ہے	زمین

وَمِنْ	اَنْفُسِهِمْ	وَمِمَّا	لَا	یَعْلَمُوْنَ ۳۶
اور سے	ان کے نفسوں	اور اس سے جنہیں	نہیں	وہ جانتے

”ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کیے اور اس میں چشمے جاری کیے۔(۳۴) تا کہ وہ لوگ اس کے پھل کھائیں یہ سب کچھ ان کے ہاتھوں کا پیدا کیا ہوا نہیں اس کے باوجود یہ شکر ادا نہیں کرتے۔(۳۵) پاک ہے وہ ذات جس نے تمام اقسام کے جوڑے پیدا کیے وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا انسانوں میں سے یا اُن چیزوں میں سے جن کو یہ نہیں جانتے۔“(۳۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جوذات زمین سے دانہ اگاتی ہے اسی ذات نے کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کیے ہیں۔

عرب میں کھجور اور انگور کے باغ کثرت سے پائے جاتے تھے صحراء میں رہنے والے لوگ عام طور پر کھجور پر ہی گزارا کرتے تھے۔ متمدن لوگ کھجور اور انگور کو مختلف طریقوں کے ساتھ خوراک کے طور پر استعمال کرتے، کھجور اور انگور سے کئی قسم کے مشروبات تیار کرتے اور اسی سے شراب بناتے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ جن لوگوں کو کھجور اور انگور کا مشترکہ باغ دیکھنے کا موقع ملا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس سے پُرکشش باغ کسی اور درخت کا نہیں ہوتا خاص طور پر انگوروں اور کھجوروں کے جس باغ میں پانی کے چشمے جاری ہوں اس کی ہریالی اور خوبصورتی کا اَن دیکھے تصور کرنا محال ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے باغات اور چشموں کو اپنی قدرت کی نشانی کے طور پر پیش فرمایا ہے اور مشرکین کو اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اپنے رب کی قدرتوں کی طرف دیکھو کہ اس نے تمہارے لیے کس قسم کے باغات پیدا کیے تا کہ تم ان کے ثمرات

سے لطف اندوز ہو سکو کیا پھر تم اپنے رب کا شکر ادا نہیں کرتے۔نمک حرامی کی حد یہ ہے کہ مشرک اپنے رب کی نعمتیں کھاتا ہے لیکن اس کے سامنے جھکنے کی بجائے دوسروں کے سامنے جھکتا ہے جنہوں نے اس کے لیے ایک ذرہ بھی پیدا نہیں کیا اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شرک سے پاک ہے اسی نے نباتات کو جوڑوں کی شکل میں پیدا کیا اور اسی نے انسانوں کے جوڑے بنائے۔اس نے ان چیزوں کے جوڑے پیدا کیے ہیں جو لوگوں کے احاطۂ علم سے باہر ہیں انسان شروع ہی سے صرف اپنے بارے میں جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد و زن کی شکل میں جوڑے پیدا کیے ہیں لیکن یہ حقیقت بہت کم لوگ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین سے اگنے والی ہر چیز کو ازواج کی شکل میں پیدا فرمایا ہے۔عرب، کھجور کے بارے میں کسی حد تک علم رکھتے تھے کہ کھجور کی نسل میں نر اور مادہ پائے جاتے ہیں اس سے آگے نباتات کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتے تھے یہ حقیقت پہلی دفعہ قرآن مجید نے لوگوں کے سامنے آشکارا کی ہے کہ نباتات میں بھی ازواج ہوتے ہیں۔"زَوْجٌ" کی جمع "اَزْوَاجٌ" ہے جس کا معنیٰ جوڑا ہے یعنی نر اور مادہ، میٹھا اور پھیکا وغیرہ۔

لیکن یہاں صرف کھجور اور انگور کے بارے میں کچھ معلومات دی جاتی ہیں کیونکہ ان کو دیگر پودوں پر ایک امتیاز اور برتری حاصل ہے یوں تو تمام نباتات اور پودے خالقِ ارض وسماء کے پیدا کیے ہوئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پودوں کا اپنے کلام میں تذکرہ فرما کر ان پودوں کا نام ابدالآباد تک کلام الٰہی میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔

کھجور

قرآنی نام:

۱۔ نَخْل، نَخِیل، نَخْلَة

دیگر نام:

Date(انگریزی)، Datte(فرانسیسی)، Tamar-Tamarim(عبرانی)، کھجور(اردو، پنجابی، ہندی)، خرما (فارسی)، کھرجور(سنسکرت) کرجورو(کشمیری)۔

نباتاتی نام:

(Palmae/Aracaceae:Family).Phoenix dactylifera Linn)

قرآنی ارشادات کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے متعدد باران احسانوں اور مہربانیوں کا ذکر کیا ہے جو اس نے پھلوں کی صورت میں انسان پر کیے ہیں جس پھل اور درخت کا حوالہ سب سے زیادہ دیا گیا ہے وہ کھجور ہے۔اس کا بیان مختلف الفاظ میں قرآن کریم میں بیس مرتبہ آیا ہے۔

سائنس دانوں کا خیال ہے کہ کھجور کی کاشت آٹھ ہزار سال قبل جنوبی عراق میں شروع ہوئی تھی اس وقت دنیا میں کہیں بھی

پھلدار پودوں کی کھیتی کا تصور تک نہ تھا۔کھجور کا پھل انسان کے لیے بہترین غذا ہے اس کی غذائیت کا اندازہ اس کے کیمیاوی اجزاء سے کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں تقریباً ساٹھ فیصد Invert sugar اور Sucrose کے علاوہ اسٹارچ، پروٹین، Cellulose, Pectin, Tannin اور چربی مختلف مقدار میں موجود ہیں علاوہ ازیں اس میں وٹامن اے، وٹامن بی، وٹامن بی ٹو اور وٹامن سی بھی پائے جاتے ہیں۔اس کے معدنیاتی اجزاء بھی بہت اہمیت کے حامل ہیں، یعنی یہ سوڈیم کیلشیم، سلفر، کلورین، فاسفورس اور آئرن، سے بھرپور ہے کھجور میں نر اور مادہ ہوتے ہیں دونوں کے پھولوں کے ذریعہ (Cross Polination) ہوتا ہے۔تب ہی مادہ پودوں میں پھل آتے ہیں ایک نر درخت کے پھول ایک سو مادہ درختوں کے (Polination) کے لیے کافی سمجھے جاتے ہیں۔(مزید دیکھیں الانعام: ۱۴۷)

انگور

انگور کا شمار قدرت کی بہترین نعمتوں میں کیا جاتا ہے۔قرآن حکیم میں اس کا ذکر "عِنَبٌ" اور "اَعْنَابٌ" (جمع) کے نام سے گیارہ آیات میں کیا گیا ہے۔انگور فارسی کا لفظ ہے جس کا نباتاتی نام Vitis Vinifera ہے کھجور کے بعد انگور کی تاریخ بھی پھلوں میں سب سے قدیم مانی جاتی ہے۔

انگور کی قسمیں آٹھ ہزار تک پہنچ چکی ہے۔

کیمیاوی طور سے انگور، گلوکوز اور فرکٹوز کا بہترین ذریعہ ہے جو اس میں پندرہ سے پچیس فیصد تک پائے جاتے ہیں اس کے سوا Tartaric acid اور Malic acid بھی خاصی مقدار میں ملتے ہیں۔سوڈیم پوٹاشیم کیلشیم اور آئرن کی قابل قدر مقدار اس میں موجود ہے جبکہ پروٹین اور چربی برائے نام ہے اس میں ایک بہت اہم کمپاؤنڈ بھی دریافت ہوا ہے جس کو وٹامن ''پی'' (P) کہا گیا ہے یہ کیمیاوی جز ذیابیطس سے پیدا شدہ خون کے بہنے کو روکتا ہے۔جسم کے ورم اور نسوں کی سوجن کو کم کرتا ہے اور Atherosclerosis کا مؤثر علاج ہے کیمیاوی اجزاء کی بنا پر انگور ایک ایسا لاجواب ثمر ہے جو نہایت ہاضم ہونے کے ساتھ انتہائی فرحت بخش اور Demulcent ہے خون کو صاف کرتا ہے اور جسم میں خون کی مقدار بڑھاتا ہے اور جسمانی کمزوری کو دور کرتا ہے۔کچے انگور کا رس گلے کی خرابیوں میں مفید سمجھا جاتا ہے اس کی پتیاں اسہال کو روکتی ہیں، اس کی بیلوں سے حاصل کیا گیا رس (Sap) جلد کی بیماریوں میں کام میں لایا جاتا ہے انگوری سرکہ معدہ کی خرابیوں، ہیضہ اور قولنج کی اچھی دوا ہے۔(تفصیل کے لیے دیکھئے الانعام آیت ۱۴۱)

وَاٰيَةٌ	لَّهُمُ	الَّيْلُ ۚۖ	نَسْلَخُ	مِنْهُ	النَّهَارَ
اور نشانی	ان کے لیے	رات	ہم کھینچ لیتے ہیں	اس سے	دن کو
فَاِذَا	هُمْ	مُّظْلِمُوْنَ ۝٣٧	وَالشَّمْسُ	تَجْرِيْ	لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ	ذٰلِكَ
پھر یکایک	وہ	اندھیرے میں ہیں	اور سورج	وہ رواں دواں ہے	اپنے ٹھکانے کے لیے	یہ
تَقْدِيْرُ	الْعَزِيْزِ	الْعَلِيْمِ ۝٣٨	وَالْقَمَرَ	قَدَّرْنٰهُ	مَنَازِلَ	حَتّٰى
اندازہ ہے	نہایت غالب	خوب جاننے والا کا	اور چاند	ہم نے مقرر کردیں اس کی	منزلیں	یہاں تک
عَادَ	كَالْعُرْجُوْنِ	الْقَدِيْمِ ۝٣٩	لَا	الشَّمْسُ	يَنْۢبَغِيْ	لَهَآ
وہ ہوجاتا	کھجور کے خوشے کی مانند	ٹیڑھی	نہ	سورج	لائق ہے	اس کے لیے
اَنْ	تُدْرِكَ	الْقَمَرَ	وَلَا	الَّيْلُ	سَابِقُ	النَّهَارِ ۭ
یہ کہ	وہ پالے	چاند کو	اور نہ	رات	پہل کرنے والی ہے	دن سے
وَكُلٌّ	فِيْ	فَلَكٍ	يَّسْبَحُوْنَ ۝٤٠			
اور سب	میں	مدار	تیرتے پھرتے ہیں			

”لوگوں کے لیے رات بھی قدرت کی ایک نشانی ہے، ہم اس سے دن ہٹا دیتے ہیں تو ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔(٣٧) اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جارہا ہے یہ زبردست علیم ہستی کا مقرر کیا ہوا حساب ہے۔(٣٨) اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کردی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی سوکھی شاخ کے مانند ہو جاتا ہے۔(٣٩) نہ سورج کے بس میں ہے کہ وہ چاند کو پالے اور نہ رات دن پر سبقت لے جاسکتی ہے سب اپنے اپنے مدار میں چل رہے ہیں۔“(٤٠)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نباتات اور لوگوں کے اپنے نفوس سے اپنی قدرت کی نشاندہی کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کی توجہ آفاق کی نشانیوں کی طرف مبذول کروائی ہے۔

انسان ہی نہیں دنیا میں بسنے والی ہر چیز کی زندگی، رات اور دن کے حساب سے شمار کی جاتی ہے ہر ذی روح اور ہر چیز پر رات اور دن کے مثبت اور منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ دن کی روشنی اور اس کی تپش کے اپنے اثرات اور فوائد ہیں۔ رات کی تاریکی اور اس کی نم ناکی کے اپنے نتائج ہیں جو ہر متحرک اور غیر متحرک چیز پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ رات اور دن میں سب سے بڑی ”اللہ“ کی قدرت کی نشانی یہ ہے کہ رات کی تاریکی ہر چیز کو اپنے دامن میں چھپا لیتی ہے ہر ذی روح نیند کی آغوش

میں چلا جاتا ہے اور صبح طلوع ہونے پر اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہوجاتا ہے یہی انسان کی موت وحیات کا معاملہ ہے۔ جس طرح ہر ذی روح نیند کے بعد اپنے آپ بیدار ہوجاتا ہے اسی طرح ہی قیامت کے دن صور پھونکنے پر ہر کوئی اپنے اپنے مدفن سے نکل کھڑا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیوں میں سورج اور چاند ایسی نشانیاں ہیں جس کی کائنات میں کوئی نظیر موجود نہیں سورج کی وجہ سے رات دن تبدیل ہوتے ہیں اور چاند رات کے ساتھ منسلک کردیا گیا ہے رات کو پوری طرح تاریک رکھنے کے لیے چاند اپنے مدار کے اس حصہ میں داخل ہوجاتا ہے جہاں اس کی روشنی زمین کے حصہ سے غائب ہوجاتی ہے بالآخر چاند کھجور کی سوکھی ہوئی لکڑی کی طرح ٹیڑھا دکھائی دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کے مدار قائم کر رکھے ہیں جو اپنی اپنی منازل طے کرتے ہوئے طلوع اور غروب کے عمل سے دوچار ہوتے ہیں یہ نہیں ہوسکتا کہ سورج چاند کے مدار میں داخل ہوجائے یا چاند سورج کو پالے۔ نامعلوم کتنی صدیاں بیت چکیں لیکن چاند اور سورج، رات اور دن ایک دوسرے سے سبقت نہیں کرسکے اور نہ ہی کبھی ایسا ہوگا۔

یہاں سورج کے بارے میں ارشاد ہوا کہ یہ چاند کو نہیں پاسکتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند سورج کے آگے آگے چلتا ہے کیونکہ رات پہلے ہوتی ہے اور دن رات کے بعد نمودار ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا تقویمی حساب ہے جو قیامت تک اسی طرح جاری اور ساری رہے گا لیکن جب اللہ تعالیٰ کا حکم صادر ہوگا تو چاند بے نور ہوکر گر پڑے گا اور سورج اپنی جگہ پر تھم جائے گا چاند اور سورج کے آنے جانے، رات اور دن کی آمد ورفت میں انسان کے لیے ایک ایسا سبق ہے جس سے انسان اپنی موت اور زندگی کے بارے میں سوچ سکتا ہے کہ اسی طرح ہی ایک وقت آئے گا کہ میری زندگی کے سورج نے غروب ہونا ہے اور قیامت کے دن مجھے زندہ کیا جائے گا۔

یہاں سورج کے لیے ''مُسْتَقَرٌّ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے اہل علم نے اس کے دو مفہوم اخذ کیے ہیں ایک جماعت کا خیال ہے کہ مستقر سے مراد وہ جائے استقرار ہے جہاں پہنچ کر سورج دنیا کے ایک حصہ سے اوجھل ہوجاتا ہے حدیث میں اس عمل کو سورج کا سجدہ قرار دیا گیا ہے دوسری جماعت کا خیال ہے کہ مستقر سے مراد وہ مقام ہے جہاں قیامت کے دن سورج کو رُک جانے کا حکم ہوگا۔

رات کے بارے میں فرمایا کہ ہم اس سے دن ہٹا دیتے تو اندھیرہ چھا جاتا ہے۔ غور فرمائیں کہ اگر دن آدھی رات کے وقت نکل آئے تو لوگوں اور درندوں، پرندوں کی کیا حالت ہوگی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے لیل ونہار کا ایسا نظام ترتیب دیا ہے کہ دونوں اپنے اپنے وقت کے مطابق آتے جاتے ہیں کبھی اس نظام میں خلل واقع نہیں ہوا۔

(عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ حِیْنَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ اَتَدْرِیْ اَیْنَ تَذْھَبُ ھٰذِہٖ قُلْتُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّھَا تَذْھَبُ حَتّٰی تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَسْتَاْذِنُ فَیُؤْذَنُ لَھَا وَیُوْشِكُ اَنْ تَسْجُدَ وَلَا تُقْبَلُ مِنْھَا وَتَسْتَاْذِنُ فَلَا یُؤْذَنُ لَھَا وَیُقَالُ لَھَا اِرْجِعِیْ مِنْ حَیْثُ

جِئْتِ فَتَطْلُعُ مِنْ مَّغْرِبِهَا فَذَالِكَ قَوْلُهٗ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا قَالَ مُسْتَقَرُّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ» (رواه البخاری: باب صِفَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: کیا تجھے معلوم ہے جب سورج غروب ہوتا ہے تو کہاں جاتا ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو علم ہے آپ نے فرمایا سورج عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے اور اجازت طلب کرتا ہے۔ اسے اجازت مل جاتی ہے قریب ہے کہ وہ سجدہ کرے اور اس کا سجدہ قبول نہ ہو وہ طلوع ہونے کی اجازت طلب کرے گا مگر اسے اجازت نہ ملے اسے حکم ہوگا جدھر سے آیا اسی طرف سے طلوع ہو جا چنانچہ سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورج اپنے مستقر کی طرف چلا جاتا ہے آپ نے فرمایا اس کا ٹھکانا عرش کے نیچے ہے۔''

سورج اور چاند کا انجام:

''حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن سورج اور چاند کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ حسن رحمہ اللہ نے پوچھا ان کا جرم کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا میں تمہیں نبی ﷺ کی حدیث سنا رہا ہوں ابوسلمہ کی بات سن کر حسن خاموش ہو گئے۔'' (الابانة الکبریٰ لابن بطة: باب ذکر ما جاءت به السنة من طاعة رسول الله ﷺ [صحیح])

مسائل

۱۔ رات اور دن کے آنے جانے میں انسان کے لیے ہدایت کا عظیم سبق ہے۔
۲۔ چاند اور سورج اپنے اپنے مدار میں رواں دواں ہیں۔ ۳۔ سورج اور چاند ایک دوسرے کو نہیں پا سکتے۔
۴۔ نہ رات دن پر سبقت کر سکتی ہے اور نہ دن رات سے آگے نکل سکتا ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ نے چاند کے لیے منازل اور سورج کے لیے ایک مستقر قائم کیا ہے۔

تفسیر بالقرآن

لیل ونہار کا آنا جانا:

۱۔ رات دن ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ہیں۔ (الاعراف: ۵۴)
۲۔ رات دن کو اور دن رات کو ڈھانپ لیتا ہے۔ (الزمر: ۵) ۳۔ رات اور دن کا بڑھنا، گھٹنا۔ (الحدید: ۶)
۴۔ رات آرام اور دن کام کے لیے ہے۔ (الفرقان: ۴۷) ۵۔ رات کے سکون پر غور کرنے کی دعوت۔ (القصص: ۷۲)
۶۔ دن رات کے بدلنے میں غور وخوض کی دعوت۔ (المومنون: ۸۰)

وَ	اٰيَةٌ	لَّهُمْ	اَنَّا	حَمَلْنَا	ذُرِّيَّتَهُمْ	فِي
اور	ایک نشانی	ان کے لیے	بے شک ہم	نے اُٹھایا	ان کی اولاد کو	میں
الْفُلْكِ	الْمَشْحُوْنِ ۝٤١	وَخَلَقْنَا	لَهُمْ	مِّنْ	مِّثْلِهٖ	مَا
کشتی	بھری ہوئی	اور ہم نے پیدا کیں	ان کے لیے	سے	اس جیسی	جو
يَرْكَبُوْنَ ۝٤٢	وَاِنْ	نَّشَاْ	نُغْرِقْهُمْ	فَلَا	صَرِيْخَ	
وہ سوار ہوتے ہیں	اور اگر	ہم چاہیں	ہم غرق کر دیں ان کو	پھر نہیں	فریاد رس ہوگا	
لَهُمْ	وَلَا	هُمْ	يُنْقَذُوْنَ ۝٤٣	اِلَّا	رَحْمَةً	
ان کے لیے	اور نہ	وہ	وہ چھڑائے جائیں	مگر	رحمت ہے	
مِّنَّا	وَمَتَاعًا	اِلٰى	حِيْنٍ ۝٤٤			
ہماری طرف سے	اور فائدہ ہے	تک	مدت			

''ان کے لیے یہ بھی ایک نشانی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر دیا۔ (۴۱) اور پھر ان کے لیے ویسی ہی کشتیاں اور بنائیں جن پر وہ سواری کرتے ہیں۔ (۴۲) ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں کوئی ان کی فریاد سننے والا نہ ہو اور نہ وہ کسی طرح بچائے جائیں۔ (۴۳) بس ہماری رحمت ہے جو انہیں پار لگاتی اور ایک وقت خاص تک زندگی سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیتی ہے۔'' (۴۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: آفاق کی نشانیاں پیش کرنے کے بعد بحری نشانی کی طرف توجہ مبذول کروائی گئی ہے۔

دنیا میں بے شمار لوگ موجود رہے ہیں اور رہیں گے جو آمدورفت اور تجارت کی غرض سے بحری سفر اختیار کرتے ہیں بحری سفر کرنے والے لوگوں کی حالت یہ ہے کہ جب وہ بھنور میں پھنستے ہیں تو صرف اور صرف ایک ''اللہ'' کو صدائیں دیتے ہیں لیکن ساحلِ سمندر پر پہنچ کر شرکیہ کلمات ادا کرتے ہیں کوئی خضر علیہ السلام کو نجات دہندہ قرار دیتا ہے اور کوئی بہاول حق کا نام لیتا ہے۔ یہاں نوح علیہ السلام کی کشتی کا اشارتاً ذکر فرما کر مشرکوں کے سامنے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ قومِ نوح علیہ السلام کی طرف دیکھیے جو ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے اور ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے اور نذرانے پیش کرتے تھے جب ان کا واسطہ ایسے طوفان کے ساتھ پڑا جس کی لہریں بلندوبالا پہاڑوں کی چوٹیوں کے ساتھ ٹکرا رہی تھیں، اوپر سے موسلا دھار بارش برس رہی تھی اور نیچے سے زمین سے چشمے جاری تھے ایک طرف مشرک ڈبکیاں لے رہے تھے اور دوسری طرف حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھی کشتی پر بیٹھے ہوئے اپنی قوم کا انجام دیکھ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی کشتی کے ذریعے مومنوں کو نجات دی اور مشرکوں کو ڈبکیاں دے دے کر ذلت آمیز موت کے منہ میں دھکیل دیا نہ صرف

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی روحانی اولاد کو طوفانِ باد و باراں سے نجات بخشی بلکہ لوگوں کو کشتی بانی کے ہنر سے بھی سرفراز فرمایا۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ سمجھ بھی عطا فرمائی کہ وہ نقل وحمل کے لیے دیگر ذرائع اختیار کرے جس میں ہر دور کے ذرائع شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فہم کا نتیجہ ہے کہ انسان نے اپنی زبان سے نکلی ہوئی آواز سے زیادہ تیز رفتار جہاز تیار کر لیے ہیں نہ معلوم قیامت تک مزید کون کون سی تیز رفتار سواریاں معرضِ وجود میں آئیں گی ذرائع آمدروفت کی نئی نئی ایجادات کا اشارہ دے کر ایک دفعہ پھر بحری سفر کرنے والوں کو یہ حقیقت باور کروائی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں غرق کرنے پر آجائے تو زمین آسمان میں کوئی ایسی طاقت نہیں جو ڈوبنے والوں کو بچا سکے۔ پھر بھی مشرک شرک کرنے سے باز نہیں آتے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ لوگوں کو مہلت دیئے جاتا ہے۔

بھری ہوئی کشتی سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے جس میں نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھی سوار تھے کیونکہ ان کے سوا باقی لوگوں کو غرق کر دیا گیا تھا اس لیے بعد کے لوگ انہی کی اولاد میں سے ہیں جن کے لیے "ذُرِّيَّتَهُمْ" کا لفظ بولا گیا ہے۔ اس کا یہ مفہوم لینے کی بھی گنجائش ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں نوجوان نسل سے تعلق رکھنے والے حضرات زیادہ تھے جس بنا پر "ذُرِّيَّتَهُمْ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو طوفان سے نجات بخشی۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نقل وحمل کے لیے بہترین سواریاں بنانے کی صلاحیت عطا فرمائی۔
۳۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو مشرکوں کو سمندر میں غرق کر دے لیکن وہ اپنی رحمت سے لوگوں کو نجات اور مہلت دیتا ہے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ کسی کو غرقاب کرنا چاہے تو زمین و آسمان میں اسے کوئی بچا نہیں سکتا۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں کشتیوں کا تذکرہ:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے نہروں اور کشتیوں کو مسخر فرمایا۔ (ابراہیم: ۳۲)
۲۔ کشتیوں کا غرق ہونے سے بچنا اللہ کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ (یٰس: ۴۴)
۳۔ جب وہ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو خالصتاً اللہ کو پکارتے ہیں۔ (العنکبوت: ۶۵)
۴۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین کی ہر چیز مسخر کر دی، اور کشتیاں دریاؤں میں اُسی کے حکم سے چلتی ہیں۔ (الحج: ۶۵)
۵۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کشتیاں سمندروں میں اللہ کے فضل سے چلتی ہیں۔ (لقمان: ۳۱)
۶۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے دریاؤں کو مسخر کر دیا تاکہ کشتیاں اُس کے حکم سے رواں دواں ہوں۔ (الجاثیہ: ۱۲)

وَ	اِذَا	قِيْلَ	لَهُمُ	اتَّقُوْا	مَا	بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ
اور	جب	کہا جاتا ہے	ان کے لیے	تم بچو	جو	تمہارے سامنے ہے
وَ	مَا	خَلْفَكُمْ	لَعَلَّكُمْ	تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾	وَمَا	تَاْتِيْهِمْ
اور	جو	تمہارے پیچھے ہے	تا کہ تم	رحم کیے جاؤ	اور نہیں	آتی ان کے پاس
مِّنْ اٰيَةٍ	مِّنْ	اٰيٰتِ	رَبِّهِمْ	اِلَّا	كَانُوْا	
کوئی نشانی	سے	نشانیوں	ان کے رب کی	مگر	وہ تھے	
عَنْهَا	مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾					
اس سے	اعراض کرنے والے					

''ان لوگوں سے جب کہا جاتا ہے کہ بچو اس انجام سے جو تمہارے آگے آرہا ہے اور جو تمہارے پیچھے گزر چکا ہے شاید کہ تم پر رحم کیا جائے۔(۴۵)ان کے رب کی آیات میں سے جو آیت بھی ان کے سامنے آتی ہے یہ اس سے اعراض کرتے ہیں۔''(۴۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: لوگوں کو مہلت پر مہلت دینے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنے اعمال کی درستگی کرلیں مگر پھر بھی لوگ اعراض ہی کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو اپنی قدرتیں بتلا اور دکھلا کر بار بار سدھرنے کا موقع دیتا ہے مگر ان کی حالت یہ ہے کہ جونہی انہیں سمجھانے والا یہ بات سمجھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور کفر و شرک سے باز آجاؤ ورنہ جو کچھ تم اپنے آگے بھیج رہے ہو اور جو کچھ چھوڑ جاؤ گے وہ تمہاری ذلت و رسوائی کا سبب بنے گا لیکن مشرک اور نافرمان لوگ اپنے رب سے ڈرنے کی بجائے اس کی طرف سے دیئے جانے والے دلائل سے اعراض کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے مستحق قرار پانے کی بجائے اس کے غضب کے سزاوار ہو رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے اور مہربانی فرمانا چاہتا ہے۔

مسائل

۱۔ مشرک اور نافرمان لوگ اپنے انجام سے نہیں ڈرتے۔
۲۔ انسان جو کچھ اپنے آگے بھیجے گا اور جو کچھ پیچھے چھوڑے گا اس کا اچھا یا برا انجام دیکھ لے گا۔
۳۔ مشرک اور نافرمان لوگ کسی دلیل سے قائل ہونے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

وَاِذَا	قِيۡلَ	لَهُمۡ	اَنۡفِقُوۡا	مِمَّا	رَزَقَكُمُ	اللّٰهُ ۙ	قَالَ
اور جب	کہا جاتا ہے	ان کے لیے	تم خرچ کرو	اس سے جو	رزق دیا تمہیں	اللہ نے	کہا
الَّذِيۡنَ	كَفَرُوۡا	لِلَّذِيۡنَ	اٰمَنُوۡۤا	اَنُطۡعِمُ	مَنۡ	لَّوۡ يَشَآءُ	
ان لوگوں نے	جنہوں نے کفر کیا	ان لوگوں کے لیے	جو ایمان لائے	کیا ہم کھلائیں	اس کو	اگر چاہتا	
اللّٰهُ	اَطۡعَمَهٗۤ ‌ۖ	اِنۡ	اَنۡتُمۡ	اِلَّا	فِىۡ	ضَلٰلٍ	مُّبِيۡنٍ ﴿۴۷﴾
اللہ	وہ کھلا دیتا اس کو	نہیں	ہو تم	مگر	میں	گمراہی	کھلی

’’اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو رزق تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے کچھ اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرو تو جنہوں نے کفر کیا ہے وہ ایمان والوں کو کہتے ہیں کیا ہم اُن کو کھلائیں جنہیں اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا تم تو بالکل ہی بہکے ہوئے ہو۔‘‘ (۴۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے اعراض کرنے والوں کا انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں رویہ۔ حالانکہ یہ بھی اس کی قدرت کی نشانی ہے کہ وہ ایک کو رزق دیتا ہے اور دوسرے کو محروم رکھتا ہے۔

جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی قدرت کی نشانیوں سے اعراض کرنے کا رویہ اختیار کر لے تو وہ اس بات کو فراموش کر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھے رزق عطا فرمایا ہے اس میں کسی غریب کا حق بھی پایا جاتا ہے دنیا دار مال کی محبت میں اس حد تک مبتلا ہو جاتا ہے کہ اگر اسے انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین کی جائے تو وہ کسی غریب پر خرچ کرنے کی بجائے یہ کہتا ہے کہ میں اسے کیوں دوں؟ جسے اللہ نے کچھ نہیں دیا اگر اللہ تعالیٰ کو اس کی تونگری منظور ہوتی تو وہ خود اسے رزق کی فراوانی سے ہمکنار کرتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسے کشادگی سے ہمکنار کرنا مناسب نہیں سمجھا تو ہم اس کی امداد کیوں کریں؟ کسی شخص کا ایسا سوچنا اور کہنا اس کی پرلے درجے کی گمراہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کا نظام چلانے اور لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب رکھنے کے لیے انہیں ایک دوسرے کا ضرورت مند بنایا ہے اس کا فرمان ہے۔

{ اَهُمۡ يَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّكَ‌ ؕ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا‌ وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِيًّا‌ ؕ وَرَحۡمَتُ رَبِّكَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ﴿۳۲﴾ } (الزخرف:۳۲)

’’کیا تیرے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ دنیا کی زندگی کے لیے وسائل ہم نے ان کے درمیان تقسیم کیے ہیں اور ہم نے ان میں بعض کو بعض پر برتری دی ہے تاکہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لیں اور جو وہ سمیٹ رہے ہیں تیرے رب کی رحمت اس سے زیادہ قیمتی ہے۔‘‘

((عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ ؓ قَالَ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ هَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلاَّ بِضُعَفَائِكُمْ))

(رواہ البخاری: باب مَنِ اسْتَعَانَ بِالضُّعَفَاءِ وَالصَّالِحِينَ فِی الْحَرْبِ)

’’حضرت مصعب بن سعد ؓ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہاری مدد اور تمہیں رزق تمہارے کمزوروں کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔‘‘

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ مَا

اور وہ کہتے ہیں | کب ہے | یہ | وعدہ | اگر | ہو تم | سچے | نہیں

يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾

وہ انتظار کرتے | مگر | زوردار آواز کا | ایک | وہ ان کو آ پکڑے | اور جب وہ | جھگڑیں گے

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

تب نہ | وہ طاقت رکھیں گے | وصیت کرنے کی | اور نہ | طرف | اپنے اہل کی | وہ لوٹ سکیں گے

ع ۳ ۱۸ ۲

وہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ قیامت کب آئے گی۔(۴۸) جس کی یہ راہ تک رہے ہیں وہ بس ایک دھما کہ ہے جو اچانک انہیں اس حالت میں دھرلے گا جب وہ جھگڑا کر رہے ہوں گے۔(۴۹) اور اُس وقت نہ وصیت کرسکیں گے اور نہ اپنے گھروں کو پلٹ سکیں گے۔''(۵۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بخیل اور گمراہ شخص آخرت کے بارے میں شک کرتا ہے۔

مال کی محبت ایک حد سے آگے بڑھ جائے تو انسان میں بخل پیدا ہو جاتا ہے بخل اپنی حد سے بڑھ جائے تو بخیل انسان عملاً قیامت کا منکر بن جاتا ہے مکہ کے اکثر سردار قیامت کے منکر تھے جس وجہ سے وہ نبی ﷺ سے بار بار سوال کرتے کہ جس قیامت کا ہمارے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے وہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ اگر تم سچے ہو تو اس وعدے کے بارے میں بتلاؤ کہ وہ کون سے سال، کس مہینے اور کس دن پورا ہوگا؟

سورۃ الاعراف کی آیت ۱۸۷ میں کفار کے اس سوال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ وہ کب نازل ہوگی؟ ان سے فرمائیں! اس کا علم میرے رب کے پاس ہے وہ اپنے وقت پر ہر صورت برپا ہوگی البتہ یاد رکھو کہ جب برپا ہوگی تو اچانک آجائے گی اور وہ زمین و آسمان پر اس طرح بھاری ہوگی کہ وہ اس کے وارد ہونے کا بوجھ برداشت نہیں کرسکیں گے۔ اس مقام پر کفار کے سوال کا صرف اتنا جواب دیا ہے کہ جب قیامت کا پہلا نفخہ پھونکا جائے گا تو اس قدر اچانک ہوگا کہ تم آپس میں دنیا کے معاملات میں بحث و تکرار کر رہے ہو گے تو قیامت برپا ہو جائے گی کسی شخص کو اپنی اولاد کو وصیت کرنے کا موقعہ نہیں مل سکے گا اور اپنے گھر سے باہر ہونے والا شخص اپنے گھر پلٹ نہیں پائے گا کہ قیامت اسے دبوچ لے گی۔ ہر انسان کی فطری کمزوری اور خواہش ہوتی ہے کہ اسے گھر میں موت آئے اور وہ اپنی اولاد کو کوئی نہ کوئی نصیحت کر جائے گھر سے باہر ہو تو وہ مصیبت کے وقت جلد از جلد گھر پلٹنا چاہتا ہے لیکن قیامت کے دن کسی کو کسی حال میں مہلت نہیں مل سکے گی۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَإِذَا طَلَعَتْ فَرَآهَا النَّاسُ آمَنُوا أَجْمَعُونَ، فَذَلِكَ حِينَ لاَ يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا، لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ نَشَرَ الرَّجُلاَنِ ثَوْبَهُمَا بَيْنَهُمَا فَلاَ يَتَبَايَعَانِهِ وَلاَ يَطْوِيَانِهِ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدِ انْصَرَفَ الرَّجُلُ بِلَبَنِ لِقْحَتِهِ فَلاَ يَطْعَمُهُ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَهُوَ يَلِيطُ حَوْضَهُ فَلاَ يَسْقِي فِيهِ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ رَفَعَ أُكْلَتَهُ إِلَي فِيهِ فَلاَ يَطْعَمُهَا» (رواه البخاری: باب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ بعثت أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَين)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو اسے دیکھ کر تمام کے تمام لوگ ایمان لے آئیں گے لیکن اس وقت ان کو ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا جو اس سے قبل ایمان نہ لایا اور نہ اس نے نیک اعمال کیے۔ دو آدمیوں نے کپڑا پھیلایا ہوگا دو کاندار کپڑے کو بیچ اور سمیٹ نہیں پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی، دودھ دوہنے والا دودھ پی نہیں سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی، حوض پر وارد ہونے والا پانی نہیں پی سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی، انسان اپنے منہ میں ڈالا ہوا لقمہ کھا نہیں پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔“

مسائل

١۔ منکرین حق قیامت برپا ہونے سے پہلے حق بات تسلیم نہیں کریں گے۔

٢۔ قیامت کے دن کوئی شخص کسی کو وصیّت کرنے کی مہلت نہیں پائے گا۔

٣۔ قیامت کے دن اپنے گھر سے باہر ہونے والا شخص گھر نہیں پلٹ سکے گا کہ قیامت کا زلزلہ اسے مار ڈالے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کا اچانک برپا ہونا اور اس کی ہولناکیاں:

١۔ جب زمین کو ہلا دیا جائے گا پوری طرح ہلا دینا۔ (الزلزال:١) ٢۔ جب واقعہ ہوگی واقعہ ہونے والی۔ (الواقعہ:١)

٣۔ قیامت زمین و آسمانوں پر بھاری ہوگی۔ (الاعراف:١٨٧)

٤۔ قیامت کے دن لوگ اڑتے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے۔ (القارعۃ:٤)

٥۔ قیامت کے دن پہاڑ اُون کی طرح ہوں گے۔ (القارعۃ:٥) ٦۔ زمین چٹیل میدان بنا دی جائے گی۔ (الواقعہ:٤)

٧۔ قیامت کے دن لوگ مدہوش ہونگے حالانکہ انہوں نے شراب نہیں پی ہوگی۔ (الحج:٢)

٨۔ لوگو! اپنے رب سے ڈر جاؤ قیامت کا زلزلہ بہت سخت ہے۔ (الحج:١)

وَنُفِخَ	فِي	الصُّوْرِ	فَاِذَا	هُمْ	مِّنَ	الْاَجْدَاثِ
اور پھونکا جائے گا	میں	صور	تو یکا یک	وہ	سے	قبروں
اِلٰى	رَبِّهِمْ	يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾	قَالُوْا	يٰوَيْلَنَا	مَنْۢ	بَعَثَنَا
طرف	اپنے رب کی	تیزی سے دوڑیں گے	انہوں نے کہا	افسوس ہم پر	کس نے	اٹھایا ہمیں
مِنْ	مَّرْقَدِنَا ۜ سکتة	هٰذَا	مَا	وَعَدَ	الرَّحْمٰنُ	
سے	ہماری خواب گاہوں	یہ	جو	وعدہ کیا	رحمٰن نے	

وقف لازم / وقف غفران وقف منزل

”پھر ایک صور پھونکا جائے گا اور یکا یک لوگ تیزی سے دوڑتے ہوئے اپنے رب کے حضور پیش ہونے کے لیے اپنی اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے۔(۵۱) گھبرا کر کہیں گے یہ کس نے ہمیں ہماری خواب گاہوں سے اُٹھا کھڑا کیا یہ وہی ہے جس کا رب رحمان نے وعدہ کیا تھا۔

فہم القرآن

ربط کلام: قیامت کے دن لوگ اپنی قبروں سے نکل کر محشر کے میدان کی طرف دوڑیں گے۔

دوسرے نفخہ کے بعد لوگ قبروں سے نکل کر محشر کے میدان کی طرف اس طرح جائیں گے جیسے شکاری شکار کی طرف دوڑتا ہے اللہ کے باغی قبروں سے نکلتے ہی واویلا کریں گے اور کہیں گے ہائے افسوس! ہمیں کس نے قبروں سے نکال باہر کیا ہے۔ قیامت کی ہولناکیوں اور محشر کے میدان میں اکٹھے کیے جانے کا حال دیکھ کر انہیں یقین ہو جائے گا کہ یہی قیامت کا دن ہے جس کا ہمارے ساتھ ربِّ رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور جس کی یاد دہانی پیغمبر کروایا کرتے تھے۔ جس قیامت کے بارے میں یہ لوگ جھگڑتے اور کہتے ہیں کہ یہ کبھی نہیں آئے گی وہ تو اسرافیل کی ایک پھونک کا نتیجہ ہوگی اللہ کے حکم سے جوں ہی اسرافیل صور میں پھونک ماریں گے تو زمین میں شدید ترین زلزلے ہوں گے یہاں تک کہ زمین پھٹ جائے گی اور ہر کوئی اپنے اپنے مدفن سے نکل کھڑا ہوگا اور سب کے سب ربِّ ذوالجلال کے حضور حاضر ہو جائیں گے لوگ پسینے سے شرابور ہوں گے اور اس طرح حواس باختہ ہوں گے جیسے انہوں نے نشہ کیا ہوا ہو یہ حالت ان کی نشہ کی وجہ سے نہیں بلکہ محشر کی سختی اور ربِّ ذوالجلال کے خوف کی وجہ سے ہوگی اس موقع پر اعلان ہوگا کہ آج کسی پر رائی کے دانے کے برابر ظلم نہیں ہو پائے گا۔

((عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ جَمِيْعًا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ الْاَمْرُ اَشَدُّ مِنْ اَنْ يَّنْظُرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ)) (رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب کیف الحشر)

”حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ لوگ قیامت کے دن ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بلا ختنہ اٹھائے جائیں گے۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول کیا مرد اور عورتیں اکٹھے ہوں گے وہ ایک

وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۵۲ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا

اور سچ کہا — رسولوں نے — نہیں — وہ ہوگی — مگر — زوردار آواز — ایک — یکایک

هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝۵۳ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ

وہ — سب — ہمارے سامنے — حاضر کیے جائیں گے — پس آج — نہیں — ظلم کیا جائے گا

نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۵۴

کوئی جان — کچھ بھی — اور نہ — تم بدلہ دیے جاؤ گے — مگر — جو — تم تھے — عمل کرتے

اور رسولوں کی بات سچ تھی۔(۵۲) یہ صرف زوردار آواز ہوگی اور سب کے سب ہمارے سامنے پیش کردیے جائیں گے۔(۵۳) ارشاد ہوگا آج کسی پر ذرّہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا اور تمہیں ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا جیسے تم عمل کرتے رہے ہو۔‘‘(۵۴)

دوسرے کی طرف نہ دیکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس دن معاملہ اس کے برعکس ہوگا یعنی کوئی ایک دوسرے کی طرف نہیں دیکھ سکے گا۔‘‘

«عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ إِنَّ الصَّادِقَ الْمَصْدُوقَ ﷺ حَدَّثَنِي أَنَّ النَّاسَ يُحْشَرُونَ ثَلَاثَةَ أَفْوَاجٍ فَوْجٌ رَاكِبِينَ طَاعِمِينَ كَاسِينَ وَفَوْجٌ تَسْحَبُهُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلَى وُجُوهِهِمْ وَتَحْشُرُهُمُ النَّارُ وَفَوْجٌ يَمْشُونَ وَيَسْعَوْنَ يُلْقِي اللّٰهُ الْآفَةَ عَلَى الظَّهْرِ فَلَا يَبْقَى حَتَّى إِنَّ الرَّجُلَ لَتَكُونُ لَهُ الْحَدِيقَةُ يُعْطِيهَا بِذَاتِ الْقَتَبِ لَا يَقْدِرُ عَلَيْهَا»

(رواہ النسائی: باب البعث [ضعیف])

’’حضرت حذیفہ بن اسید حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں بے شک کائنات میں سے سچے انسان نے مجھے خبر دی کہ قیامت کے دن لوگوں کو تین طریقوں سے جمع کیا جائیگا، ان میں سے ایک جماعت کے لوگ سوار ہوں گے، بھوکے اور ننگے ہوں گے، اور تیسری جماعت کو فرشتے چہروں کے بل گھسیٹیں گے اور آگ ان کو اکٹھا کرے گی اور ایک جماعت بھاگ دوڑ میں مصروف ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ان پر آفت مسلط فرمائیں گے اس سے کوئی بھی بچ نہیں پائے گا حتیٰ کہ ایک آدمی کا باغ ہوگا وہ اس باغ کو ایسی سواری کے بدلے دیدے گا جس پر اسے کچھ اختیار نہ ہوگا۔‘‘

«عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ الْغِفَارِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا قُعُودًا نَتَحَدَّثُ فِي ظِلِّ غُرْفَةٍ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرْنَا السَّاعَةَ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُنَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَنْ تَكُونَ أَوْ لَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ حَتَّى يَكُونَ قَبْلَهَا عَشْرُ آيَاتٍ طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَخُرُوجُ الدَّابَّةِ وَخُرُوجُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَالدَّجَّالُ وَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَالدُّخَانُ وَثَلَاثَةُ خُسُوفٍ خَسْفٌ

بِالْمَغْرِبِ وَخَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَآخِرُ ذٰلِكَ تَخْرُجُ نَارٌ مِنَ الْيَمَنِ مِنْ قَعْرِ عَدَنٍ تَسُوقُ النَّاسَ إِلَى الْمَحْشَرِ»

(رواه ابو داؤد: كتاب الملاحم، باب أمارات الساعة [صحيح])

''حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک کے سائے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے ہم نے گفتگو کے دوران قیامت کا ذکر کیا اور بات چیت کے دوران ہماری آوازیں بلند ہوگئیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک اس سے پہلے دس نشانیاں نہ پوری ہو جائیں سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، دابہ جانور کا نکلنا، یاجوج و ماجوج کا ظاہر ہونا، دجال کا آنا، عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کا نزول، دھواں کا ظاہر ہونا اور زمین کا تین مرتبہ دھنسنا ایک مرتبہ مغرب میں، ایک مرتبہ مشرق میں اور ایک مرتبہ جزیرۃ العرب میں اور آخر میں آگ یمن سے عدن کی طرف رونما ہوگی جو لوگوں کو محشر کے میدان میں اکٹھا کرے گی۔''

مسائل

۱۔ اسرافیل کے دوسری دفعہ صور پھونکنے پر لوگ اپنے اپنے مدفن سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

۲۔ لوگ محشر کے میدان کی طرف دوڑے جا رہے ہوں گے کوئی ادھر ادھر نہیں جا سکے گا۔

۳۔ قبروں سے اٹھتے ہی لوگوں کو یقین ہو جائے گا کہ قیامت برپا ہو چکی ہے۔

۴۔ ربِ رحمٰن کی طرف سے اعلان ہوگا کہ آج کسی پر کچھ ظلم نہیں ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

صور کا پھونکا جانا:

۱۔ پہلے نفخہ سے لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور دوسرے نفخہ سے تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ (الزمر: ۶۸)

۲۔ دوسرے نفخہ کے ساتھ ہی تمام لوگ قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف چل پڑیں گے۔ (یٰس: ۵۱)

۳۔ ایک چیخ سے ہی تمام لوگ ہمارے سامنے حاضر ہو جائیں گے۔ (یٰس: ۵۳)

۴۔ جب دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو ہم ان سب کو جمع کر لیں گے۔ (الکھف: ۹۹)

۵۔ جس دن صور پھونکا جائے گا اور ہم مجرموں کو نیلی پیلی آنکھوں کے ساتھ گھیر لائیں گے۔ (طٰہٰ: ۱۰۲)

۶۔ جس دن صور پھونکا جائے گا تم گروہ در گروہ چلے آؤ گے۔ (النبا: ۱۸)

۷۔ جس دن صور پھونکا جائے گا تو سب آسمان اور زمین والے سب کے سب گھبرا اٹھیں گے مگر جسے اللہ چاہے اور سارے کے سارے عاجز و پست ہو کر اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔ (النمل: ۸۷)

اِنَّ	اَصۡحٰبَ	الۡجَنَّةِ	الۡيَوۡمَ	فِىۡ	شُغُلٍ	فٰكِهُوۡنَ ﴿۵۵﴾
بے شک	والے	جنت	آج	میں	شغل	خوش ہوں گے
هُمۡ	وَاَزۡوَاجُهُمۡ	فِىۡ	ظِلٰلٍ	عَلَى	الۡاَرَآئِكِ	مُتَّكِـُٔوۡنَ ﴿۵۶﴾
وہ	اوران کی بیویاں	میں	سایوں	پر	تختوں	ٹیک لگائے ہوئے
لَهُمۡ	فِيۡهَا	فَاكِهَةٌ	وَّلَهُمۡ	مَّا	يَدَّعُوۡنَ ﴿۵۷﴾	سَلٰمٌ
ان کے لیے	اس میں	میوہ ہوگا	اوران کے لیے ہوگا	جو	وہ مانگیں گے	سلام
قَوۡلًا	مِّنۡ	رَّبٍّ	رَّحِيۡمٍ ﴿۵۸﴾			
کہا جائے گا	سے	رب کی طرف	مہربان			

''یقیناً آج جنتی لوگ مزے کرنے میں مشغول ہیں۔(۵۵) وہ اور انکی بیویاں گھنے سایوں میں مسندوں پر تکیے لگائے ہوئے ہونگے۔ (۵۶) انکے لیے میوہ جات اور وہ کچھ ہوگا جو وہ طلب کریں گے۔(۵۷) رب رحیم کی طرف سے ان کو سلام کہا جائے گا۔''(۵۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنمی حواس باختہ، پریشان اور انتہائی ذلت میں ہوں گے ان کے مقابلے میں جنتی چمکتے ہوئے چہروں کے ساتھ ہشاش بشاش اور خوش وخرم ہوں گے۔

مجرموں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہیں محشر کے میدان میں اکٹھا کیا جائے گا جن کے لیے اعلان ہوگا کہ آج تم پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا۔جنتیوں کا ذکر کرتے ہوئے محشر کے دن کے مختلف مراحل کا ذکر چھوڑ کر انہیں خوشخبری سنائی گئی ہے کہ آج تمہیں جنت میں داخل کیا جاتا ہے جس میں تم ایک دوسرے کے سامنے صوفوں پر خوش وخرم بیٹھے ہوئے خوش گپیاں کروگے اور جو چاہوگے وہ پاؤ گے۔

قبروں سے نکلتے ہی جہنمیوں اور جنتیوں کے درمیان واضح فرق دکھائی دے گا جہنمیوں کے چہروں پر ذلت اور نحوست چھائی ہوگی جنتیوں کے چہروں پر نور اور خوشی پھوٹ رہی ہوگی جہنمیوں کو رسوا کر کے محشر کے میدان میں اکٹھا کیا جائے گا۔ان میں سے کثیر تعداد کو منہ کے بل چلا کر محشر کے میدان میں لے جایا جائے گا اور ان کے پیچھے آگ لگی ہوگی ان کے مقابلے میں جنتیوں کو درجہ بدرجہ سواریاں مہیا کیں جائیں گی ان میں سے ایسے بھی خوش قسمت ہوں گے جو آنکھ جھپکنے سے پہلے محشر کے میدان میں پہنچا دیئے جائیں گے۔جہنمیوں کو دُبر کی طرف سے بائیں ہاتھ میں اعمال نامے دیئے جائیں گے جنتیوں کو دائیں ہاتھ میں پیش کیے جائیں گے جہنمی اپنے اعمالنامے دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹیں گے، جنتی اپنے اعمالنامے دیکھ کر خوش ہونگے اور اپنے عزیز واقربا کو دکھائیں گے۔حساب وکتاب کے بعد اعلان ہوگا کہ جنتیوں اپنے رب کی جنت میں داخل ہوجاؤ جنتی جنت میں اپنی بیویوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے خوش گپیوں میں مصروف ہوں گے اور ان کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں گے ان کے دل میں جو بھی

چاہت پیدا ہوگی پوری کردی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر سلامتی نازل ہوگی اور ملائکہ انہیں سلام پیش کریں گے۔

((عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ هَلْ فِي الْجَنَّةِ مِنْ خَيْلٍ قَالَ إِنِ اللهُ أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ فَلاَ تَشَاءُ أَنْ تُحْمَلَ فِيهَا عَلَى فَرَسٍ مِنْ يَاقُوتَةٍ حَمْرَاءَ يَطِيرُ بِكَ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْتَ إِلاَّ فَعَلْتَ قَالَ وَسَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ هَلْ فِي الْجَنَّةِ مِنْ إِبِلٍ قَالَ فَلَمْ يَقُلْ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لِصَاحِبِهِ قَالَ إِنْ يُدْخِلْكَ اللهُ الْجَنَّةَ يَكُنْ لَكَ فِيهَا مَا اشْتَهَتْ نَفْسُكَ وَلَذَّتْ عَيْنُكَ))

(رواه الترمذی: باب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ خَيْلِ الجنَّةِ [ضعيف])

''حضرت سلیمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے آپ نے فرمایا: اللہ تجھے جنت میں داخل کرے اگر تیری جنت میں یہ چاہت ہوئی کہ تو سرخ یاقوت سے مزین گھوڑے پر سوار ہو تو گھوڑے تجھے جنت میں لیے اڑتے پھریں گے تیری یہ خواہش بھی پوری ہوجائے گی۔ دوسرے آدمی نے پوچھا کیا جنت میں اونٹ ہوں گے؟ تو آپ ﷺ نے اسے بھی پہلے شخص جیسا جواب دیا اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے جنت میں داخل کر دیا تو تجھے جنت میں وہ کچھ ملے گا جو تیرا جی چاہے گا اور جو تیری آنکھ کو بھائے گا۔''

مسائل

١۔ جنتی جنت میں ہشاش بشاش اور آپس میں شغل مغل کریں گے۔

٢۔ جنت میں میاں بیوی صوفوں پر بیٹھے ہوئے جو چاہیں گے وہ پائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

جنتیوں کو سلامیاں پیش کی جائیں گی:

١۔ جنتی جنت میں آپس میں ملاقات کے وقت اللہ کی تسبیح بیان کریں گے اور ایک دوسرے کو سلام کہیں گے۔ (یونس: ١٠)

٢۔ جنتیوں کا ایک دوسرے کو تحفہ سلام ہوگا۔ (الاحزاب: ۴۴)

٣۔ جنتیوں کو بالا خانے ملیں گے اور وہ آپس میں ملتے وقت دعا و سلام کریں گے۔ (الفرقان: ٧٥)

۴۔ ملائکہ جنتیوں کو سلام کہتے ہوئے کہیں گے کہ جنت کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ۔ (الرعد: ٢٣۔ ٢۴)

٥۔ فرشتے کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو اپنے اعمال کے بدلے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (النحل: ٣٢)

٦۔ جنت کے دربان کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو مزے سے رہو اور ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (الزمر: ٧٣)

وَ امْتَازُوا	الْيَوْمَ	اَيُّهَا	الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾	اَلَمْ	اَعْهَدْ
اور تم الگ ہو جاؤ	آج	اے	مجرمو!	کیا نہیں	میں نے عہد لیا
اِلَيْكُمْ	يٰبَنِيْٓ	اٰدَمَ	اَنْ	لَّا	تَعْبُدُوا
تم سے	اے بیٹو	آدم کے	کہ	نہ	تم عبادت کرو
الشَّيْطٰنَ ج	اِنَّهٗ	لَكُمْ	عَدُوٌّ	مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾ لا	وَّ اَنِ
شیطان کی	بلاشبہ وہ	تمہارا	دشمن ہے	کھلم کھلا	اور یہ کہ
اعْبُدُوْنِيْ ط	هٰذَا	صِرَاطٌ	مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾		
تم میری ہی عبادت کرو	یہی	راستہ ہے	سیدھا		

وقف غفران

اور اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤ۔ (۵۹) آدم کے بیٹو! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی بندگی نہ کرنا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (۶۰) اور صرف میری بندگی کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔" (۶۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنتیوں کو جنت میں داخل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا جہنّمیوں کو خطاب۔

محشر کے میدان میں جہنمیوں کو جنتیوں سے الگ کر دیا جائے گا بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس موقعہ پر جہنمیوں کو ان کے جرائم کے مطابق گروہوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ قرآن مجید کی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اگلے مرحلے میں ہوگا کیونکہ قرآن مجید کا سیاق وسباق بتلا رہا ہے کہ اس موقعہ پر تمام جہنمیوں کو اجتماعی خطاب ہوگا جس میں ربِ ذوالجلال انہیں وہ عہد یاد دلائیں گے جو عالمِ ارواح میں پوری بنی نوع انسان سے لیا گیا تھا۔

{ وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ لا اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ } (الاعراف: ۱۷۲، ۱۷۳)

"اور جب آپ کے رب نے آدم کے بیٹوں سے ان کی پشتوں میں سے ان کی اولاد کو نکالا اور انہیں خود ان کی جانوں پر گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ ہمارے رب ہیں فرمایا ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن کہو کہ ہم اس عہد سے غافل تھے یا یہ کہو کہ شرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا تھا اور ہم ان کے بعد آئے کیا ہمیں ان کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے جو ان لوگوں نے کیا؟"

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَخَذَ اللهُ الْمِيثَاقَ مِنْ ظَهْرِ اٰدَمَ بِنَعْمَانَ يَعْنِي عَرَفَةَ

فَأَخْرَجَ مِنْ صُلْبِهِ كُلَّ ذُرِّيَّةٍ ذَرَأَهَا فَنَثَرَهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ كَالذَّرِّ ثُمَّ كَلَّمَهُمْ قِبَلًا قَالَ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلٰى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ»

(رواہ احمد: مسند عبداللہ بن عباس ؓ [صحیح])

’’حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے عرفہ کے مقام پر آدم اور اس کی اولاد سے وعدہ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے تمام اولاد نکالی جس کو پیدا فرمانا تھا انھیں اپنے سامنے چیونٹیوں کی طرح پھیلایا پھران سے کلام فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں ہم اس کی گواہی دیتے ہیں ارشاد ہوا کہ اب قیامت کے دن یہ نہ کہنا کہ ہم تو اس سے غافل تھے یا تم کہو شرک تو ہمارے آباؤ اجداد نے کیا تھا اور ہم ان کی اولاد تھے کیا ہمیں باطل کام کرنے والوں کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے۔

مسائل

۱۔ اسرافیل کے دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے ساتھ ہی محشر کے دن کا آغاز ہو جائے گا۔

۲۔ قیامت کے منکر اس دن اپنے آپ پر افسوس کا اظہار کریں گے۔

تفسیر بالقرآن

صراطِ مستقیم کا تعارف:

۱۔ اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا رب ہے تم اسی کی عبادت کرو یہی صراط مستقیم ہے۔ (مریم:۳۶)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی جماعت کو چن لیا اور ان کو صراط مستقیم کی ہدایت دی۔ (الانعام:۸۷)

۳۔ اللہ کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ (یٰسٓ:۶۱)

۴۔ اللہ کی خالص عبادت کرنا صراطِ مستقیم پر گامزن ہونا ہے۔ (آل عمران:۵۱)

۵۔ اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے اس میں شک نہیں کرنا چاہیے یہی صراطِ مستقیم ہے۔ (الزخرف:۶۸)

۶۔ یقیناً اللہ میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ اسی کی عبادت کرو یہی صراطِ مستقیم ہے۔ (الزخرف:۶۴)

۷۔ آپ اسے مضبوطی سے پکڑ لیں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے یہی صراط مستقیم ہے۔ (الزخرف:۴۳)

۸۔ اے اللہ ہمیں صراطِ مستقیم دکھا۔ (الفاتحہ:۶) ۹۔ اللہ تعالیٰ ہی ایمان والوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔ (الحج:۵۴)

۱۰۔ صراطِ مستقیم کے سنگ میل۔ (الانعام:۱۵۱ تا ۱۵۳) ۱۱۔ ہر کسی کو صراطِ مستقیم کی ہی دعوت دینا چاہیے۔ (الانعام:۱۵۳)

۱۲۔ اللہ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔ (البقرۃ:۱۴۲)

۱۳۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ تمسک کا نتیجہ صراطِ مستقیم ہے۔ (آلِ عمران:۱۰۱)

وَلَقَدْ	اَضَلَّ	مِنْكُمْ	جِبِلًّا	كَثِيْرًا	اَفَلَمْ	تَكُوْنُوْا
اور البتہ تحقیق	اس نے گمراہ کیا	تم میں سے	مخلوق کو	بہت زیادہ	کیا پھر نہیں	تم تھے
تَعْقِلُوْنَ ۞	هٰذِهٖ	جَهَنَّمُ	الَّتِيْ	كُنْتُمْ	تُوْعَدُوْنَ ۞	
عقل رکھتے	یہ ہے	جہنم	وہ جس کا	تم تھے	وعدہ دیے جاتے	
اِصْلَوْهَا	الْيَوْمَ	بِمَا	كُنْتُمْ	تَكْفُرُوْنَ ۞		
تم داخل ہو جاؤ اس میں	آج	بسبب اس کے جو	تم تھے	کفر کرتے		

”مگر اس کے باوجود شیطان نے تم میں سے کثیر لوگوں کو گمراہ کر دیا کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے؟ (۶۲) یہ وہی جہنم ہے جس سے تمہیں ڈرایا جاتا تھا۔ (۶۳) اپنے کفر کی پاداش آج اس میں داخل ہو جاؤ۔“ (۶۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ربِ رحمان نے بنی آدم سے عہد لینے کے ساتھ ہی بتادیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے اس لیے اس سے بچنا اور صرف میرا ہی حکم ماننا اور میری ہی بندگی کرنا۔

خالق حقیقی سے عہد کرنے کے باوجود لوگوں کی اکثریت نے شیطان کی پیروی کی جسے شیطان کی عبادت قرار دیا گیا ہے کیونکہ عبادت میں اطاعت شرطِ اوّل ہے البتہ ہر اطاعت بندگی اور عبادت میں شامل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے نا صرف لوگوں سے اپنی عبادت کرنے کا عہد لیا تھا بلکہ انہیں اس بات سے بھی آگاہ کیا تھا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اس سے ہر صورت بچے رہنا لیکن لوگوں کی اکثریت شیطان کے پیچھے چل کر گمراہ ہوئی اور انہوں نے اتنی بھی عقل اور غیرت نہ کی کہ وہ اپنے ازلی دشمن کے پیچھے نہ چلتے یاد رہے کہ اللہ کے سوا کسی سے مانگنا، اس کے سامنے جھکنا، سجدہ کرنا اور نذر و نیاز پیش کرنا اور شریعت کو چھوڑ کر کسی دوسرے کا حکم ماننا حقیقت میں یہ شیطان کی عبادت کرنا ہے۔ عبادت میں ہر قسم کی تابعداری شامل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کرنا کفر اور شرک ہے جس سے منع کیا گیا ہے ایسے لوگوں کو کہا جائے گا کہ یہ جہنم ہے جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا لہٰذا شیطان کی عبادت کرنے کی وجہ سے جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

((عَنْ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَا طَاعَةَ فِی مَعْصِیَةٍ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِی الْمَعْرُوفِ))

(رواہ البخاری: کتاب اخبار الاحاد، بَابُ مَا جَاءَ فِی إِجَازَةِ خَبَرِ الْوَاحِدِ.....)

”حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: نافرمانی اور گناہ کے کام میں کسی کی اطاعت جائز نہیں اطاعت تو صرف خیر اور بھلائی میں ہے۔“

مسائل

۱۔ لوگوں کی اکثریت کو شیطان گمراہ کر دیتا ہے۔ ۲۔ عقل مند وہ ہے جو شیطان کی پیروی کرنے سے بچا رہے۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ

آج | ہم مہر لگا دیں گے | پر | ان کے مونہوں | اور ہم سے کلام کریں گے | ان کے ہاتھ | اور گواہی دیں گے

اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا

ان کے پاؤں | بسبب اس کے جو | وہ تھے | کماتے | اور اگر | ہم چاہیں | ضرور ہم مٹا دیں

عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿٦٦﴾ وَلَوْ نَشَآءُ

پر | ان کی آنکھوں | پھر وہ دوڑیں | راستے کی طرف | پھر کیونکر | وہ دیکھ سکیں گے | اور اگر | ہم چاہیں

لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٧﴾ ع

ع ۱۷/۴ ۳

تو ہم مسخ کر دیں ان کو | پر | انہی کی جگہوں | پھر نہ | وہ طاقت رکھیں | چلنے کی | اور نہ وہ لوٹ سکیں گے

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٨﴾

اور جو | ہم اس کو عمر دیں | ہم الٹا دیتے ہیں اس کو | میں | پیدائش | کیا پھر نہیں | وہ عقل رکھتے

’’آج ہم ان کے منہ بند کیے دیتے ہیں ان کے ہاتھ ہمارے ساتھ بات کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ یہ دنیا میں کیا کرتے تھے۔(۶۵) ہم چاہیں تو ان کی آنکھیں مسخ کر دیں یہ راستے کی طرف لپکیں گے مگر انہیں راستہ کہاں سے دکھائی دے گا۔ (۶۶) ہم چاہیں تو انکی جگہ پر ہی انہیں اس طرح مسخ کر کے رکھ دیں کہ یہ نہ آگے چل سکیں نہ پیچھے پلٹ سکیں۔(۶۷) جس شخص کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں اس کی ساخت کو ہم اُلٹ دیتے ہیں کیا پھر بھی انہیں عقل نہیں آتی۔‘‘(۶۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنّم کے داخلے کا اعلان سنتے ہی مجرموں کی حالت۔

محشر میں ایک مرحلہ ایسا آئے گا کہ مجرم اپنے اعمال نامے اور دوسری شہادتوں کا انکار کر دیں گے اس پر ان کے مونہوں پر مہریں لگا دی جائیں گی۔ حکم ہوگا کہ آج تمہارے ہاتھ اور پاؤں ہمارے حضور گواہی دیں گے۔ دوسرے مقام پر بتلایا ہے کہ مجرموں کے ہاتھ پاؤں گواہی دینے کے ساتھ ساتھ ان کی آنکھیں، کان اور جسم کا ایک ایک رونگٹا بول پڑے گا کہ الٰہی اس کی زبان جھوٹ بول رہی ہے اس شخص نے ہمارے ذریعے یہ تمام جرم کیے ہیں جو اس کے اعمال نامے میں درج ہیں۔(حٰمٓ السجدۃ:۲۰،۲۱)

اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو دنیا میں بھی مجرموں کے اعضاء ختم اور ان کی آنکھیں مسخ کر دے جس سے ان کا وجود جامد اور ساکت ہو کر رہ جائے بعض مجرموں کو قیامت کے دن یہ سزا دی جائے گی جس وجہ سے وہ ان الفاظ میں آہ وزاریاں کریں گے۔

’’جو کوئی میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی بد نصیبی کی ہوگی اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ اے میرے پرودگا مجھے تو نے اندھا کر کے کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو دیکھا کرتا تھا

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تیرے پاس میرے احکام پہنچے تھے مگر تو ان کو بھول گیا اسی طرح آج تجھے بھلا دیا گیا ہے جو کوئی اپنے پروردگار کے احکام سے تجاوز کرے اور ایمان نہ لائے ہم اس کو اسی طرح سزا دیں گے اور آخرت کا عذاب بہت ہی سخت اور دائمی ہے۔'' (طٰہٰ: ۱۲۴ تا ۱۲۷)

انسان کی بے بسی کا عالم:

اگر مجرموں کو اس بات پر یقین نہیں تو کسی بوڑھے کو دیکھ لیں جس کے کان، ناک، آنکھیں اور بظاہر پورے کا پورا جسم موجود ہوتا ہے لیکن نہ سن سکتا ہے اور نہ اسے بو اور خوشبو کا احساس ہوتا ہے آنکھیں ہیں مگر دکھائی نہیں دیتا، پاؤں ہیں لیکن چل نہیں سکتا، زبان ہے مگر بات سمجھا نہیں سکتا یہاں تک سوچتا کچھ ہے اور کہتا کچھ ہے گویا کہ پورا جسم نکارہ ہو چکا ہے بس روح اور جسم کے رشتہ کے سوا کچھ بھی نہیں اسی طرح بعض لوگ اس قدر ضعف اور بڑھاپے کا شکار ہو جاتے ہیں کہ بچوں کی طرح دوسرے کے سہارے کے بغیر نہ چل سکتے نہ خود کھا سکتے ہیں یہاں تک کہ اٹھنے، بیٹھنے میں بھی دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں اور بچوں جیسی باتیں اور حرکتیں کرتے ہیں۔

«عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَقَذْفٌ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَا رَسُولَ اللهِ وَمَتَى ذَاكَ قَالَ إِذَا ظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُورُ» (رواہ البخاری: باب مَا جَاءَ فِی عَلَامَةِ حُلُولِ الْمَسْخِ وَالْخَسْفِ)

''عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس امت میں دھنسایا جانا، شکلیں تبدیل ہونا اور تہمت لگانا عام ہو جائے گا۔ مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ! ایسا وقت کب آئے گا فرمایا جب گانا گانے والیاں، بانسریاں بجانا اور شراب نوشی عام ہو جائے گی۔''

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَدْعُو (أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْكَسَلِ، وَأَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَعَذَابِ الْقَبْرِ، وَفِتْنَةِ الدَّجَّالِ، وَفِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ)»

(رواہ البخاری: باب قَوْلِهِ ﴿وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ﴾)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ دعا کیا کرتے تھے (اے اللہ! میں بخیلی، سستی، رذیل عمر، عذاب قبر، دجال کے فتنے اور زندگی اور موت کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

مسائل

۱۔ قیامت کے دن مجرم کے ہاتھ اور پاؤں اس کے جرائم کی گواہی دیں گے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو مجرموں کے اعضاء ختم اور ان کی شکلیں مسخ کر دے۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ

اور نہیں ہم نے سکھایا اس کو شعر اور نہ لائق ہے اس کے لیے نہیں ہے

هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ

یہ مگر نصیحت اور قرآن واضح تاکہ وہ ڈرائے اس کو جو

كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾

ہے زندہ اور ثابت ہو جائے بات پر کافروں

”ہم نے نبی کو شعر نہیں سکھائے اور نہ شاعری اس کو زیب دیتی ہے یہ تو واضح کتاب کی ایک نصیحت ہے۔ (۶۹) تاکہ نبی ہر اس شخص کو خبردار کردے جو زندہ ہے اور انکار کرنے والوں پر حجّت قائم ہو جائے۔“ (۷۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح مشرکینِ مکہ اللہ کی توحید کے بارے میں بے سمجھی کا مظاہرہ کرتے تھے اسی طرح ہی قرآن مجید کے متعلق بے عقلی کی بات کہتے کہ قرآن کسی شاعر کا کلام ہے یہاں ان کے الزام کا جواب دیا گیا ہے۔

کفار کا کہنا تھا کہ محمد ﷺ شاعرانہ تخیلات پیش کرتا ہے جس کی تردید کے لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے اپنے نبی ﷺ کو شعر و شاعری نہیں سکھلائی اور نہ ہی اس کی یہ شان ہے کہ وہ شعر گوئی کرے یہ قرآن فصیح عربی زبان میں ہے جو لوگوں کے لیے نصیحت کے طور پر اتارا گیا ہے لیکن نصیحت وہی شخص حاصل کرے گا جو ہوش، گوش رکھتا ہے اور قرآن لوگوں پر کھلی حجت ہے یہاں تک شاعر اور اس کے تخیلات کا تعلق ہے اس کے بارے میں سورۃ الشعراء کی آیت ۲۲۱ تا ۲۲۶ میں وضاحت کی گئی ہے کہ شیطان ہر جھوٹے اور بُرے آدمی پر آیا کرتے ہیں جو ان کے کان میں جھوٹی باتیں ڈالتے ہیں اور شاعروں کی پیروی کرنے والے اکثر لوگ گمراہ ہوتے ہیں کیا تم شاعروں کو نہیں جانتے کہ وہ ہر وادی میں سرگردان پھرتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر ان کا عمل نہیں ہوتا۔ ان کے مقابلے میں نبی اکرم ﷺ نبوت سے پہلے بھی بات کے سچے اور قول کے پکے تھے اور آپ کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر شاعرانہ کلام نازل نہیں کیا اور نہ ہی آپ کی شان ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے شعر گاتے پھریں شعروں کے پرستار لوگ قرآن و سنت اور عقل کی بات پر اتنی توجہ نہیں دیتے جتنی شعر و شاعری پر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے سامنے شعر نہ پڑھا جائے تو انہیں قرآن سننے کا بھی لطف نہیں آتا۔ یہاں تک اگر قرآن مجید فطری اور سادہ انداز میں پڑھا جائے تو انہیں اس تلاوت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا وہ ہر بات کو راگ رنگ کے انداز میں سنتے ہیں اس کا ثبوت عوامی جلسوں میں دیکھا اور سنا جا سکتا۔ جس جماعت اور معاشرے میں یہ صورت حال پیدا ہو جائے اس معاشرے اور جماعت میں شعور اور علم دن بدن رخصت اور جہالت کا غلبہ ہوتا جاتا ہے۔ میں نے

زندگی میں ان گنت عوامی اجتماعات میں تقریر کی اور خطیبوں کے خطاب سنے ہیں اجتماع میں جو خطیب شعر یا ترنم کے ساتھ بات نہیں کرتا بیشک وہ کتنا ہی اچھا خطیب اور عالم کیوں نہ ہو اکثر لوگ اس کی بات سننے کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ جس معاشرے اور جماعت میں ایسا ماحول پیدا ہو جائے وہاں علم اور علماء کی قدر اُٹھ جاتی ہے ان حقائق کے پیشِ نظر یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ شعروشاعری کے فوائد کم اور اس کے نقصانات گہرے، زیادہ اور دیرپا ہوتے ہیں۔ میں یہ بات حلف دے کر کہتا ہوں کہ میں نے کہنہ مشق خطیبوں سے یہ بات سنی ہے کہ ترنم سے بات کرنے میں مسائل بیان نہیں ہوسکتے۔

مولانا حالی کا قول:

متحدہ ہندوستان کے دور میں مولانا الطاف حسین حالی اُن شعراء میں شامل تھے جن کا اس زمانہ میں طوطی بولتا تھا وہ اپنی کتاب مقدمہ شعروشاعری میں لکھتے ہیں شاعری کا ماحول عام طور پر جہالت کے دور میں زیادہ پنپتا ہے اس کے بعد انہوں نے یونان کے مشہور فلسفی اور مفکر ارسطو کا حوالہ دیا ہے کہ جب اس نے پہلی مرتبہ یونان کا دستور مرتب کیا تو ہر طبقہ کی ضرورت محسوس کی لیکن شاعروں کے طبقہ کو اس لیے درخورِ اعتنا نہ سمجھا کیونکہ بقول اس کے کہ شاعر لوگ عام طور پر باتیں جوڑنے اور بنانے کے سوا کسی کام کے نہیں ہوتے ارسطو کے قول کے بارے میں نہ معلوم دانشوروں کی کیا رائے ہوگی تاہم یہ بات مسلمہ ہے کہ شعروشاعری کے ماحول میں علم اور عقل کی بات کو ترجیح نہیں دی جاتی۔

امام جصّاص رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی شعر پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں البتہ ایک شعر ابن طرفہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا تھا۔

ستبدی لك الایام ما کنت جاھلا ویأتیك بالاخبار من لم تزوّد

''اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وزنِ شعری کو توڑ کر من لم تزوّد بالاخبار پڑھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ شعر اس طرح نہیں آپ نے فرمایا کہ میں شاعر نہیں، نہ ہی میرے لیے شعروشاعری مناسب ہے۔''

(مسند احمد: باب مَا جَاءَ فِی إِنْشَادِ الشِّعْرِ [صحیح])

اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری حیاتِ مبارکہ میں کسی خطاب میں شعر کہنا پسند نہیں فرمایا۔ حالانکہ بعض شاعروں کے کلام کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف تعریف فرمائی ہے بلکہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنے ممبر پر بٹھایا اور خود نیچے تشریف فرما ہوتے ہوئے اس کے لیے ان الفاظ میں دعا کی "اَللّٰھُمَّ اَیِدْہُ بِرُوحِ الْقُدُسِ" ''اے اللہ جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے اس کی مدد فرما۔ (رواہ البخاری: باب ذِکْرِ الملائِکَۃِ)

اس لیے کسی خلیفہ اور صحابی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں کہ اس نے خطبہ جمعہ میں کبھی شعر پڑھا ہو۔ ہمیں بھی شعروشاعری سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا

کیا نہیں انہوں نے دیکھا کہ بے شک ہم نے پیدا کیے ان کے لیے اس سے جو

عَمِلَتْ اَیْدِیْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلْنٰهَا

بنایا ہمارے ہاتھوں نے چوپائے چنانچہ وہ ان کے لیے مالک ہیں اور ہم نے تابع کر دیا ان کو

لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ

ان کے لیے پھر کچھ ان میں سے ان کی سواریاں ہیں اور کچھ ان میں سے وہ کھاتے ہیں اور ان کے لیے

فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

ان میں فائدے ہیں اور پینے کی چیزیں کیا پھر نہیں وہ شکر کرتے

”کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم نے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے مویشی پیدا کیے ہیں یہ اُن کے مالک ہیں۔ (۷۱) ہم نے چوپاؤں کو اس طرح اُن کے تابع کر دیا ہے کہ اُن میں سے کسی پر یہ سوار ہوتے ہیں کسی کا گوشت کھاتے ہیں۔ (۷۲) اور انکے لیے اُن میں طرح طرح کے فوائد اور مشروبات ہیں کیا پھر بھی یہ شکر گزار نہیں ہوتے۔“ (۷۳)

فہم القرآن

ربط کلام: سورہ یٰسٓ کا مرکزی مضمون بعث بعد الموت ہے سابقہ آیات میں اسی کے دلائل دیئے گئے ہیں۔ درمیان میں قرآن مجید کے بارے میں کفار کے ایک الزام کی تردید کی گئی ہے اب پھر موت کے بعد جی اٹھنے کے دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔

قرآن مجید تحریر کی صورت میں نہیں بلکہ تقریر اور خطاب کے انداز میں نازل ہوا ہے خطاب کے دوران اگر سامع کوئی اعتراض یا سوال اٹھائے یا خطاب کرنے والا خود محسوس کرے تو وہ اپنے مضمون سے ہٹ کر اس اعتراض کا جواب دینا لازم سمجھتا ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو پورے کا پورا خطاب بے اثر ہوجانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسی اصول کے پیشِ نظر قرآن مجید ایک مضمون بیان کرتے ہوئے اس کے متعلقات کا جواب دینا بھی ضروری سمجھتا ہے کیونکہ اہلِ مکہ توحید و رسالت اور عقیدہ آخرت کی تردید کے لیے ضروری سمجھتے تھے کہ سرے سے قرآن مجید کو ہی مشکوک قرار دے دیا جائے اس لیے اس موقعہ پر قرآن مجید کے بارے میں وضاحت کردی گئی کہ یہ شاعرانہ کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ نصیحت ہے مگر اس سے وہی شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جس کا ضمیر زندہ ہوگا۔ مردہ ضمیر کو بیدار کرنے کے لیے یہ دلیل دی جارہی ہے کیا انہوں نے کبھی غور کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے چوپائے پیدا کیے اور پھر لوگوں کو ان کا مالک بنا

دیا اور کئی گنا جسیم اور طاقتور چوپائے اس کے تابع فرمان کر دیے ہیں کچھ ایسے ہیں جن پر یہ سواری کرتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کا انسان دودھ پیتے اور گوشت کھاتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بے شمار فوائد ہیں مگر لوگ اپنے رب کا شکر ادا نہیں کرتے اونٹ کو دیکھیں کس قدر طویل القامت، جسیم اور طاقتور جانور ہے لیکن ایک بچہ بھی اس کی مہار پکڑے ہوئے اس کو ادھر ادھر لیے پھرتا ہے گھوڑے پر غور کریں کہ اس قدر سرپٹ دھوڑتا ہے کہ آدمی اسے پکڑنا چاہے تو پکڑ نہیں سکتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اس طرح انسان کا تابع دار بنا دیا ہے کہ یہ جب چاہے گھوڑے پر سوار ہو جائے اور جب چاہے اس سے بار برداری کا کام لینا شروع کر دے جانوروں کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے انہیں اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

لغت کے اعتبار سے ید کی جمع "اَیْدِیْ" ہے جس کا معنیٰ ہاتھ ہے اس کا معنیٰ نعمت بھی کیا گیا ہے۔ یہاں اہل علم نے "اَیْدِیْ" کا معنیٰ قدرت کیا ہے جس کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کیا لوگوں نے غور نہیں کیا؟ کہ ہم نے اپنی قدرت سے چوپائے پیدا کیے اور لوگوں کو ان کا مالک بنایا ہے ہم نے چوپاؤں کو لوگوں کے تابع کر دیا کچھ پر یہ سوار ہوتے اور کچھ کا گوشت کھاتے ہیں چوپاؤں میں دیگر فوائد کے ساتھ یہ فائدہ بھی ہے کہ ان کے ذریعے آبپاشی کا کام بھی لیا جاتا ہے یہ نعمتیں پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا عمل دخل نہیں لیکن پھر بھی لوگ اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔ قرآن مجید میں چوپاؤں، آسمانوں اور انسان کے بارے میں "یَدٌ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے۔ آدم علیہ السلام کے بارے میں "یَدٌ" کا لفظ استعمال کیا ہے اور باقی کے بارے میں "اَیْدِیْ" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ "یَدٌ" کا ہاتھ کے علاوہ کوئی معنیٰ نہیں کیا جا سکتا اس کی تاویل کرنا جائز نہیں لیکن "اَیْدِیْ" کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ وہ اس کا معنیٰ ہاتھ کی بجائے قدرت کرتے تھے اور اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ کی تخلیق پر انسان کو غور کرنا چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے بے شمار فوائد رکھے ہیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

شکر کا حکم اور فائدے:

۱۔ لوگو! اللہ کو یاد کرو اللہ تمھیں یاد کرے گا اور اس کا شکر ادا کرو کفر نہ کرو۔ (البقرۃ: ۱۵۲)
۲۔ لوگو! تم اللہ کا شکر ادا کرو اور ایمان لاؤ اللہ بہت ہی قدردان ہے۔ (النساء: ۱۴۷)
۳۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو وہ مزید عطا فرمائے گا۔ (ابراہیم: ۷)
۵۔ اللہ کی پاکیزہ نعمتیں کھا کر اسکا شکر ادا کرو۔ (البقرۃ: ۱۷۲) ۶۔ اللہ کی عبادت کرتے ہوئے اسکا شکر ادا کرو۔ (العنکبوت: ۱۷)

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٧٤﴾

اور انہوں نے بنالیے — سے — سوا — اللہ کے — کئی معبود — تاکہ وہ — مدد کیے جائیں

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿٧٥﴾

نہیں — وہ طاقت رکھتے — ان کی مدد کی — اور وہ — ان کے — لشکر — حاضر کیے گئے

''انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنالیے ہیں اور یہ امید رکھتے ہیں کہ ان کی مدد کی جائے گی۔(۷۴) وہ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے بلکہ یہ لوگ اُلٹے اُن کے لیے حاضر باش لشکر بنے ہوئے ہیں۔''(۷۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا تو درکنار اکثر انسان اللہ تعالیٰ کو اعتقاداً اور عملاً الٰہ ہی نہیں مانتے۔

انسان کی اپنے رب کے بارے میں ناقدری اور بغاوت کی انتہا دیکھیں کہ کھاتا، پیتا، پہنتا اور نعمتیں اپنے رب کی استعمال کرتا ہے جن میں بے شمار نعمتیں ایسی ہیں جن کو انسان کسی صورت میں بھی اپنے استعمال میں نہیں لاسکتا اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان نعمتوں کو انسان کے تابع فرمان نہ کرتا جن میں چوپائے بھی شامل ہیں جو جسم اور طاقت کے اعتبار سے انسان سے کئی گنا بڑے اور طاقتور ہیں مگر وہ انسان کے غلام ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں انسان کے مطیع کر دیا ہے چاہیے تو یہ تھا کہ انسان اپنے خالق اور منعمِ حقیقی کے سوا کسی کے سامنے نہ جھکتا اور نہ ہی کسی کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتا مگر انسان نے اللہ تعالیٰ کے سوا کئی معبود اور مشکل کشا بنا رکھے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر ان میں سے کوئی بڑا ہو یا چھوٹا، زندہ ہو یا مردہ، نوری ہو یا ناری کوئی بھی انسان کی مدد نہیں کرسکتا یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر کیے جائیں گے۔ ان الفاظ کے اہل علم نے دو مفہوم اور بھی لیے ہیں ① معبودانِ باطل اور ان کی عبادت کرنے والوں کو محشر کے میدان میں اکٹھا کر دیا جائے گا ② معبودانِ باطل اور ان کے پیچھے لگنے والوں کو جہنم میں ایک دوسرے کے سامنے حاضر کیا جائے گا یہ ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کرسکیں گے نہ صرف قیامت کے دن ایک دوسرے کی مدد نہیں کر پائیں گے بلکہ دنیا میں بھی ہر دور میں اس کی مثالیں موجود رہی ہیں اور رہیں گی جب اللہ تعالیٰ کی پکڑ آتی ہے تو فرد ہو یا قوم اسے کوئی بھی نہیں بچا سکتا۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے ودّ، سُواع، یغوث، یعوق اور نسر کو پنجتن پاک اور مشکل کشا ہونے کا درجہ دے رکھا تھا جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو کوئی بھی کسی کو نہیں بچا سکا تھا فرعون اپنی قوم کا رب الاعلیٰ بنا ہوا تھا جب وقت آیا تو سب کے سب سمندر میں غرق کر دیئے گئے۔ رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کا دعویٰ کرنے والا خود اپنی مدد کے لیے دوہائی دیتا رہا۔ یہی صورتحال ہر دور کے ظالموں کی رہی ہے۔

ابوسفیان کا اقرار:

فتح مکہ کے موقع پر ابوسفیان رات کے وقت مسلمانوں کے لشکر کا جائزہ لے رہا تھا اچانک اس کی ملاقات حضرت

عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوگئی رات کے اندھیرے میں دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اس موقعہ پر دونوں کے درمیان اور باتیں بھی ہوئیں جن میں ایک بات یہ تھی کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان سے پوچھا کیا اب بھی تجھے یقین نہیں آیا کہ لات، عزیٰ اور ہبل کسی کی مدد نہیں کر سکتے؟ ابوسفیان نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اگر واقعی ہبل اور دوسرے خدا مدد کر سکتے تو آج ہماری مدد کرتے یہی بات عکرمہ بن ابوجہل نے فتح مکہ کے وقت کہی تھی۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے سوا مشرک اس لیے دوسروں کے سامنے جھکتا، سجدہ کرتا اور نذر و نیاز پیش کرتا ہے تاکہ مشکل کے وقت اس کی مدد کی جائے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔ ۳۔ معبودانِ باطل اور ان کے چاہنے والوں کو جہنّم میں اکٹھا کر دیا جائیگا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور نہ ہی کوئی حاجت روا اور مشکل کشا ہے:

۱۔ جنّوں اور انسانوں کو اللہ نے صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ (الذاریات: ۵۶)

۲۔ تمام رسول، اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے۔ (النحل: ۳۶)

۳۔ اللہ ہی کے لیے رکوع و سجود اور ہر عبادت ہونی چاہیے۔ (الحج: ۷۷)

۴۔ اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ (النساء: ۳۶) ۵۔ اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ کرنی چاہیے۔ (الزمر: ۲)

۶۔ اللہ ہی مشکل کشا ہے۔ (الانعام: ۱۷) ۷۔ اللہ ہی حاجت روا ہے۔ (الانبیاء: ۸۷)

۸۔ اللہ ہی کو پکارو وہی تکلیف دور کرتا ہے۔ (الانعام: ۴۱)

۹۔ اگر آپ کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو سوائے اللہ کے اسے کوئی دور نہیں کر سکتا۔ (یونس: ۱۰۷)

۱۰۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تکلیف دور کرنے والا نہیں۔ (بنی اسرائیل: ۵۶)

۱۱۔ کون ہے جو اللہ کے سوا مجبور کی دعا سننے والا اور اس کی مصیبت دور کرنے والا ہے۔ (النمل: ۶۲)

۱۲۔ کہہ دیجیے اگر اللہ تعالیٰ نقصان پہنچانے پر آئے کیا کوئی نقصان دور کر سکتا ہے؟ (الفتح: ۱۱)

۱۳۔ کیا تم ایسے لوگوں کو معبود مانتے ہو جو نفع و نقصان کے مالک نہیں۔ (الرعد: ۱۶)

۱۴۔ نبی کا اعلان کہ میں اپنے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ (الجن: ۲۱)

فَلَا | یَحْزُنْكَ | قَوْلُهُمْ | اِنَّا | نَعْلَمُ | مَا
لہٰذا نہ | غمگین کریں آپ کو | ان کی باتیں | بلاشبہ ہم | جانتے ہیں | جو

یُسِرُّوْنَ | وَمَا | یُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾
وہ چھپاتے ہیں | اور جو | وہ ظاہر کرتے ہیں

”جو باتیں یہ بنا رہے ہیں وہ آپ کو غمگین نہ کریں ہم ان کی خفیہ اور ظاہر باتوں کو جانتے ہیں۔“ (۷۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: شرک کی حقیقت اور اس کا انجام بتلانے کے بعد نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو رؤف اور رحیم بنایا تھا۔ (التوبۃ: ۱۲۸) اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ العلمین بنایا۔ (الانبیاء: ۱۰۷) آپ نرم دل تھے۔ (آل عمران: ۱۵۹) آپ ﷺ اپنی طبیعت اور منصبِ نبوت کے پیش نظر صبح و شام لوگوں کو سمجھاتے، مگر مکہ کے لوگوں کی حالت یہ تھی کہ وہ سمجھنے کی بجائے آپ کی جان کے دشمن بن چکے تھے۔ انہوں نے بار ہا دفعہ آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی اس کے باوجود آپ کی کیفیت یہ تھی کہ آپ لوگوں کی اصلاح کی خاطر دن رات ایک کیے ہوئے تھے رات کو تہجد میں رو رو کر دعائیں کرتے اور دن کو دعوت الی اللہ دیتے آپ کی محنت کا عالم یہ تھا کہ ایک مرتبہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے استفسار کیا کہ اللہ کے رسول بیٹھ کر بھی نفل پڑھا کرتے تھے؟ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہاں اُس وقت جب آپ کو لوگوں نے چُور چُور کر دیا تھا۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِیقٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ رضی اللہ عنہا هَلْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ یُصَلِّي وَهُوَ قَاعِدٌ قَالَتْ نَعَمْ بَعْدَ مَا حَطَمَهُ النَّاسُ)) (رواہ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین، باب جواز النافلۃ قائماً و قاعداً)

”حضرت عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا نبی ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھا کرتے تھے؟ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہاں لوگوں نے آپ کو چُور چُور کر دیا تھا۔“

((قَالَ هِنْدُ بْنُ اَبِيْ هَالَةَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُتَوَاصِلَ الْاَحْزَنِ دَائِمَ الْفِكْرَةِ لَيْسَتْ لَهٗ رَاحَةٌ))

(الرحیق المختوم: باب کمال النفس و مکارم الاخلاق)

”ہند بن ابی ہالہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسلسل غم سے دوچار رہتے اور ہمیشہ غور و فکر فرماتے رہتے تھے۔ آپ کے لیے راحت نہ تھی۔“ (یعنی جب آپ خلوت میں ہوتے تو لوگوں کے غم میں مسلسل فکر مند رہتے۔)

اس صورت حال میں اللہ تعالیٰ نے کئی بار نبی کریم ﷺ کو تسلی دی کہ آپ کو ایک حد سے زیادہ غمگین نہیں ہونا چاہیے آپ کا کام لوگوں تک حق پہنچانا ہے منوانا نہیں جہاں تک لوگوں کی سازشوں اور شرارتوں کا معاملہ ہے آپ یقین کریں کہ اللہ تعالیٰ

ان کے اعلانیہ اور خفیہ کی ہوئی ہر بات اور حرکت کو جانتا ہے۔

«عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ أَعْظَمُ أَجْرًا مِنَ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ»

(رواہ ابن ماجۃ: کتاب الفتن، باب الصبر علی البلاء [صحیح])

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مومن لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے وہ اس مومن سے زیادہ اجر والا ہے جو نہ لوگوں میں گھل مل کر رہتا ہے اور نہ ان کی دی ہوئی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے کئی بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی عطا فرمائی۔ ٢۔ داعی الی اللہ کو ایک حد سے زیادہ پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت لوگوں کے خفیہ اور اعلانیہ گفتگو اور معاملات سے واقف رہتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشانی کے وقت تسلی دینا:

١۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی باتوں سے پریشان نہ ہوں۔ (یٰسٓ:٧٦)

٢۔ کیا آپ اپنے آپ کو ہلاک کرلیں گے۔ (الشعراء:٣)

٣۔ آپ اس لیے پریشان نہ ہوں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ (الکہف:٦)

٤۔ جو لوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں وہ آپ کو پریشان نہ کردیں۔ (آل عمران:١٧٦)

٥۔ آپ صبر کریں یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ (الروم:٦٠)

٦۔ آپ صاحبِ عزم رسولوں کی طرح صبر کریں۔ (الاحقاف:٣٥)

٧۔ آپ اُن کے ایمان نہ لانے پر افسوس کرتے ہوئے اپنے آپ کو پریشانی میں مبتلا نہ کریں۔ (الاحقاف:٦)

٨۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کو صبر کا حکم دیا گیا۔ (المعارج:٥)

٩۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! صبر کرو متقین کا بہتر انجام ہے۔ (ہود:٤٩)

اَوَلَمْ	يَرَ	الْاِنْسَانُ	اَنَّا	خَلَقْنٰهُ	مِنْ	نُّطْفَةٍ
کیانہیں	دیکھا	انسان نے	کہ بے شک	ہم نے پیدا کیا اس کو	سے	نطفہ
فَاِذَا	هُوَ	خَصِيْمٌ	مُّبِيْنٌ ﴿٧٧﴾	وَضَرَبَ	لَنَا	مَثَلًا
پھرنا گہاں	وہ	جھگڑنے والا ہے	کھلم کھلا	اور اس نے بیان کی	ہمارے لیے	ایک مثال
وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ	قَالَ	مَنْ	يُّحْيِ	الْعِظَامَ	وَهِيَ	رَمِيْمٌ ﴿٧٨﴾
اور وہ بھول گیا اپنی پیدائش	اس نے کہا	کون	زندہ کرے گا	ہڈیاں	حالانکہ وہ	بوسیدہ ہو چکی ہیں

’’کیا انسان دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا اور پھر وہ سرعام جھگڑالو بن جاتا ہے۔(۷۷) اب وہ اپنی پیدائش کو بھول کر ہم پر مثالیں چسپاں کرتا اور کہتا ہے کہ ان ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جب یہ بوسیدہ ہو چکی ہوں۔‘‘(۷۸)

فہم القرآن

ربط کلام: اہل مکہ نبی اکرم ﷺ سے ہی نہیں جھگڑتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ سے بھی جھگڑا کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کو تسلی دینے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ کیا انسان اپنی تخلیق پر غور نہیں کرتا کہ ہم نے اسے ایک نطفہ سے پیدا کیا ہے اور پھر انسان اپنے رب سے ہی جھگڑا کرنے پر اتر آتا ہے۔ اس میں بھی نبی ﷺ کو مخصوص انداز میں تسلی دی گئی ہے کہ غور فرمائیں کہ یہ لوگ صرف آپ سے ہی جھگڑا نہیں کرتے بلکہ اپنے خالق کے ساتھ بھی جھگڑا کرتے ہیں۔

قرآن مجید نے انسان کو کئی بار اس کی تخلیق کے بارے میں توجہ دلائی ہے کہ وہ اس بات پر غور کرے کہ کیا اس کی تخلیق میں کسی اور کا عمل دخل ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ والدین انسان کی تخلیق کا ذریعہ بنائے گئے ہیں لیکن کتنے جوڑے ہیں جو صحت مند ہونے اور زندگی بھر ازدواجی عمل کرنے کے باوجود اولاد سے محروم رہتے ہیں انسان کی یہی حقیقت سمجھ میں آجائے تو وہ غیروں کی بجائے رب کا بندہ بن جائے گا مگر مشرک کی حالت یہ ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خالق ماننے کی بجائے یہ عقیدہ رکھتا اور کہتا ہے کہ فلاں بزرگ اولاد دینے یا دلوانے کی قدرت رکھتا ہے اگر اسے سمجھایا جائے تو وہ اپنے شرکیہ عقیدہ کے بارے میں بحث وتکرار کرتا ہے اور جن کو وہ خدا کی خدائی میں شریک سمجھتا ہے اُن کے حق میں جھگڑا کرتا ہے یہی طرزِ عمل اُن لوگوں کا ہے جو آخرت کے دن جی اٹھنے کا یقین نہیں کرتے ہیں۔ مکہ کے لوگوں کی غالب اکثریت کا یہ عقیدہ تھا کہ جب مرنے کے بعد انسان مٹی کے ساتھ مٹی بن جاتا ہے اسے زندہ نہیں کیا جا سکتا ایسا عقیدہ رکھنے والا ایک شخص رسولِ محترم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور ایک بوسیدہ ہڈی کو اپنے ہاتھ سے مسلتے ہوئے کہا کہ اے محمد! اس مٹی کو کس طرح انسان کی شکل میں زندہ کیا جائے گا اس کے تکرار کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان ہمارے سامنے بوسیدہ ہڈی کی مثال پیش کرتا ہے کہ

اسے کون زندہ کرے گا؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنی پیدائش بھول گیا ہے اگر اسے اپنی پیدائش یاد ہوتی تو یہ ہمارے سامنے یہ مثال ہرگز پیش نہ کرتا۔ قیامت کا منکر اپنی پیدائش پر غور کرے کہ جو رب ایک بے جان نطفہ سے انسان پیدا کر سکتا ہے کیا وہ دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا کیوں نہیں وہ ضرور پیدا کرے گا اس طرح کی بحث کرنا اپنے رب کے ساتھ جھگڑا کرنا ہے۔

«قَالَ قَتَادَةُ رضی اللہ عنہ جَاءَ أُبَيُّ بْنُ خَلَفٍ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَفِيْ يَدِهٖ عَظْمٌ رَمِيْمٌ وَهُوَ يُفَتِّتُهٗ وَيُذْرِيْهِ فِي الْهَوَاءِ وَهُوَ يَقُوْلُ يَا مُحَمَّدُ، أَتَزْعَمُ أَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ هٰذَا؟ فَقَالَ نَعَمْ. يُمِيْتُكَ اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ يَبْعَثُكَ، ثُمَّ يَحْشُرُكَ إِلَى النَّارِ وَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَاتُ مِنْ آخِرِ يٰس (أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ) إِلٰى آخِرِهِنَّ» (تفسیر ابن کثیر، سورہ یٰس)

”حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابی بن خلف نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آیا۔ ہڈی کو مسلا اور ہوا میں اڑا کر کہنے لگا اے محمد ﷺ! آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو زندہ کرلے گا آپ نے جواب دیا ہاں ایسا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تجھے فوت کرے گا پھر زندہ کرے گا پھر تجھے جہنّم کی طرف لے جائے گا اس پر سورہ یٰس کی آخری آیات نازل ہوئیں۔“

مسائل

۱۔ مشرک اپنی تخلیق کو بھول کر اپنے رب کے ساتھ جھگڑا کرتا ہے۔
۲۔ آخرت کا منکر بوسیدہ ہڈی کے ذریعے دعویٰ کرتا ہے کہ اسے کوئی زندہ کرنے والا نہیں۔
۳۔ آخرت کا انکار کرنے والا حقیقت میں اپنی تخلیق کو بھول جاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ مُردوں کو ضرور زندہ کرے گا:

۱۔ وہ کہتے ہیں ہمیں کون دوبارہ زندہ کرے گا؟ فرما دیجیے جس نے پہلی بار پیدا کیا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۵۱)
۲۔ ہم نے زمین سے تمہیں پیدا کیا اسی میں لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ اٹھائیں گے۔ (طٰہٰ: ۵۵)
۳۔ اللہ ہی مخلوق کو پیدا کرنے والا ہے پھر وہی اسے دوبارہ لوٹائے گا۔ (یونس: ۴)
۴۔ اللہ ہی نے مخلوق کو پیدا کیا، پھر وہ اسے دوبارہ پیدا کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (الروم: ۱۱)
۵۔ کیا اللہ تعالیٰ کو اس بات پر قدرت نہیں؟ کہ وہ مردوں کو زندہ فرمائے۔ (القیامۃ: ۴۰)
۶۔ اس بات پر تعجب ہے یہ کہتے ہیں کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ (الرعد: ۵)
۷۔ مُردوں کو اللہ تعالیٰ اٹھائے گا پھر اس کی طرف ہی لوٹائیں جائیں گے۔ (الانعام: ۳۶)

قُلْ	يُحْيِيْهَا	الَّذِيْٓ	اَنْشَاَهَآ	اَوَّلَ	مَرَّةٍ ؕ
فرمادیجیے	ان کوزندہ کرے گا	وہ	جس نے ان کو پیدا کیا	پہلی	مرتبہ
وَهُوَ	بِكُلِّ	خَلْقٍ	عَلِيْمُ ۙ﴿۷۹﴾	الَّذِيْ	جَعَلَ لَكُمْ
اور وہ	ہرطرح کے	پیدا کرنے کو	جانتا ہے	وہ جو	اس نے بنادی تمہارے لیے
مِّنَ	الشَّجَرِ	الْاَخْضَرِ	نَارًا	فَاِذَآ	اَنْتُمْ مِّنْهُ
سے	درخت	سبز	آگ	پھر یکایک	تم اس سے
تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾	اَوَلَيْسَ	الَّذِيْ	خَلَقَ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضَ
آگ سلگاتے ہو	کیا نہیں	وہ جو	جس نے پیدا کیا	آسمانوں	اور زمین کو

’’فرمائیں کہ وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اور وہ سب کچھ پیدا کرنا جانتا ہے۔(۷۹) اُسی نے تمہارے لیے ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کی ہے اور تم اس سے آگ جلاتے ہو۔(۸۰) کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کے منکر کو اس کی پیدائش کا حوالہ دے کر قیامت قائم ہونے کا ثبوت دیا جاتا ہے۔

اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا کہ اگر انسان کو اپنی تخلیق یاد ہو تو وہ قیامت کا انکار نہ کرے اور نہ ہی اس کے بارے میں بحث وتکرار کرے کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے ہی پہلی بار پیدا کیا ہے اور وہ سب کچھ پیدا کرنا جانتا ہے اس نے نہ صرف انسان کو مٹی سے پیدا کیا ہے بلکہ تمہارے لیے ہر بھرے درخت سے آگ پیدا کی ہے جس سے تم آگ حاصل کرتے ہو کیا انسان اس پر بھی غور نہیں کرتا کہ جس نے انسان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اور جس نے سبز درخت میں آگ پیدا کی اور جس نے زمین وآسمانوں کو پیدا کیا۔ کیا اب انہیں پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا؟ کیوں نہیں! وہ تو بڑی سے بڑی چیز پیدا کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اس کی طاقت اور اختیارات کا عالم یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا حکم صادر فرماتا ہے کہ ہو جا وہ چیز اس کی منشاء کے مطابق معرضِ وجود میں آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر انسان کو دوبارہ پیدا کرنے کا ثبوت دیتے ہوئے چار دلائل دیئے ہیں۔ ① انسان پہلے اپنی تخلیق پر غور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا پھر انسان کو اس کے ماں باپ کے نطفہ سے پیدا کرتا ہے اب نطفہ پر غور کریں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کس طرح انسان کو پیدا کرتا ہے۔

② وہ انسان کو اس لیے دوبارہ پیدا کرسکتا ہے اور کرے گا کیونکہ اس نے اسے پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے ظاہر ہے جو کسی

بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۚ وَهُوَ

قدرت والا پر کہ وہ پیدا کردے ان کی مثل کیوں نہیں اور وہی

الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا

پیدا کرنے والا خوب جاننے والا ہے صرف اس کا حکم جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی چیز کا

اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾

کہ وہ کہتا ہے اس کے لیے تو ہو جا پھر وہ ہو جاتی ہے

وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ کیوں نہیں وہ تو سب کچھ جاننے والا اور خلاق ہے۔(۸۱) جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے حکم دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔"(۸۲)

میٹریل اور پہلے سے موجودہ نقشے کے بغیر انسان کو پیدا کرسکتا ہے تو وہ دوبارہ کیوں نہیں پیدا کرسکتا؟ اس کے ثبوت اس سے پہلی آیت کی تفسیر بالقرآن میں دیئے گئے ہیں۔

③ انسان اپنی محدود عقل کے مطابق سمجھتا ہے کہ انسان مر کر مٹی کے ساتھ مل جائے گا تو اس کے ذرات کو مٹی سے الگ کرنا پھر اس کا ڈھانچہ بنانا اور اس میں زندگی پیدا کرنا مشکل ہے۔ اس باطل عقیدہ کے حامل شخص کو ایک ایسے درخت کے ذریعے آخرت کا عقیدہ سمجھایا گیا ہے جس سے پرانے زمانے کے عرب آگ حاصل کیا کرتے تھے انہیں توجہ دلائی گئی ہے کہ غور کرو کہ درخت اپنے بیج کی بنیاد پر مٹی اور پانی کے جوہر سے اُگتا ہے اور اس کے پتے اور ٹہنیاں انتہائی سبز ہوتی ہیں جن میں ایک خاص مقدار میں پانی ہوتا ہے مگر جب تم اس کی ٹہنیوں کو آپس میں رگڑتے ہو تو اس سے آگ نکلتی ہے حالانکہ دونوں چیزیں آپس میں متضاد ہیں جو ذات سبز اور تروتازہ ٹہنی سے آگ نکال سکتی ہے کیا وہ مٹی سے بنے ہوئے انسان کو دوبارہ پیدا نہیں کرسکتی؟۔

یہ اشارہ مرخ اور عفار نامی دو درختوں کی طرف ہے۔ جن کی ہری بھری ٹہنیوں کو لے کر اہل عرب ایک دوسرے پر مارتے تو ان سے آگ جھڑنے لگتی قدیم زمانے میں عرب کے بدو آگ جلانے کے لیے چقماق استعمال کرتے تھے اور ممکن ہے دور دراز کے صحراؤں میں رہنے والے بادیہ نشین آج کل بھی ایسا کرتے ہوں۔

④ قیامت کا منکر انسان اپنی سمجھ کے مطابق دوبارہ پیدا ہونے کو انوکھا اور بڑا کام سمجھتا ہے کیا وہ غور نہیں کرتا کہ زمین و آسمان اس کے وجود اور اس کی تخلیق کے اعتبار سے بڑے نہیں ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ہی انہیں پیدا کیا ہے اور وہ پوری مخلوق اور اس جیسی دوسری مخلوقات کو دوبارہ پیدا کرسکتا ہے کیونکہ وہ بڑا ہی خلاق اور علیم ہے اسے پیدا کرنے کے لیے کسی بنے بنائے نقشے اور میٹریل کی ضرورت نہیں جب وہ کسی کام یا چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو صرف "کُنْ" کا لفظ بولتا ہے اور وہ چیز

عین اس کی مرضی کے مطابق بن جاتی ہے۔

مسائل

١۔ منکرینِ قیامت کو بتلائیں کہ وہی ''اللہ'' انہیں دوبارہ پیدا کرے گا جس نے پہلی مرتبہ انہیں پیدا کیا ہے۔

٢۔ اسی نے ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کی جس سے لوگ آگ حاصل کرتے ہو۔

٣۔ وہی ذاتِ کبریا ہے جس نے زمین وآسمانوں کو پیدا کیا ہے اور وہ جب چاہے اس جیسی مخلوق پیدا کر سکتا ہے۔

٤۔ صرف ایک ''اللہ'' ہی سب کچھ پیدا کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

٥۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو صرف کن فرماتا ہے اور وہ کام اس کی مرضی کے مطابق ہو جاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر کام کرنے پر قادر ہے:

١۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (البقرۃ:٢٠)

٢۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں وزمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(آل عمران:٢٩)

٣۔ تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تمہیں قیامت کے دن جمع فرمائیگا وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(البقرۃ:١٤٨)

٤۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے عذاب دے جسے چاہے معاف کردے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(البقرۃ:٢٨٤)

٥۔ آسمان وزمین کی بادشاہت ''اللہ'' ہی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(آل عمران:١٨٩)

٦۔ اللہ ہر کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔(یوسف:٢١)

٧۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کیلئے ہے اللہ نے ہر چیز کو اپنے احاطہ قدرت میں لے رکھا ہے۔(النساء:١٢٦)

٨۔ لوگ جو کچھ کرتے ہیں ان سب چیزوں کو اللہ نے احاطہ میں لے رکھا ہے۔(النساء:١٠٨)

٩۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا کہ بے شک میرے رب نے جو تم کرتے ہو اس کا احاطہ کیا ہوا ہے۔(ھود:٩٢)

١٠۔ جو وہ عمل کرتے ہیں اللہ نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے۔(آل عمران:١٢٠)

١١۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اپنے علم کے ذریعہ احاطہ کر رکھا ہے۔(الطلاق:١٢)

١٢۔ اللہ زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔(آلِ عمران:٢٧)

١٣۔ اللہ جسے چاہتا ہے معزز اور جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔(آلِ عمران:٢٦)

١٤۔ اللہ مردے کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔(الاحقاف:٣٣) ١٥۔ اللہ سب کو مار کر دوسری مخلوق پیدا کر سکتا ہے۔(النساء:١٣٣)

فَسُبْحٰنَ	الَّذِیْ	بِیَدِہٖ	مَلَکُوْتُ	کُلِّ	شَیْءٍ
سو پاک ہے	وہ ذات	جس کے ہاتھ میں ہے	بادشاہی	ہر ایک	چیز کی
	وَّاِلَیْهِ		تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٣﴾		
	اور اسی کی طرف		تم لوٹائے جاؤ گے		

ع ٥ ٤/١٦

''پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اقتدار ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جانے والے ہو۔'' (٨٣)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ ہر قسم کی کمزوری سے پاک ہے اور مشرک کے عقیدہ اور قیامت کے منکر کی سوچ سے اعلیٰ اور مبرّا ہے۔

مشرک کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنے وسیع وعریض نظام کو اکیلا نہیں چلا سکتا اس لیے اُسے معاونین کی ضرورت ہے قیامت کا منکر اس لیے جی اٹھنے سے انکار کرتا ہے کہ ایسا ہونا اس کے نزدیک بڑا محال ہے۔ ایسے لوگوں کے نظریات کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اپنی قوت وسطوت، اقتدار اور اختیار کا ذکر پورے جلال کے ساتھ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جس ذات کے بارے میں ضعیف اور کمزور تصورات رکھتے ہو اس کے اقتدار واختیار کا عالم یہ ہے کہ ہر چیز کی بادشاہی اس کے پاس ہے، وہی سب کا مالک اور خالق ہے وہ اس قدر قادر مطلق ہے کہ تم چاہو یا نہ چاہو بالآخر تم سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس کا فرمان ہے:

{قُلْ کُوْنُوْا حِجَارَۃً اَوْ حَدِیْدًا ﴿٥٠﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا یَکْبُرُ فِیْ صُدُوْرِکُمْ فَسَیَقُوْلُوْنَ مَنْ یُّعِیْدُنَا قُلِ الَّذِیْ فَطَرَکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ فَسَیُنْغِضُوْنَ اِلَیْکَ رُءُوْسَهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هُوَ قُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ قَرِیْبًا ﴿٥١﴾}

(بنی اسرائیل: ٥٠، ٥١)

''فرمادیں کہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا یا کوئی ایسی مخلوق جو تمہارے دلوں میں بڑی ہے عنقریب وہ کہیں گے کون ہمیں لوٹائے گا؟ فرمادیں جس نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا وہ آپ کے سامنے اپنے سر ہلائیں گے اور کہیں گے یہ کب ہوگا؟ فرمادیں امید ہے کہ عنقریب ہوگا۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی کمزوری اور شرک سے پاک ہے۔ ٢۔ کائنات کے ذرّہ ذرّہ پر اس کی بادشاہی ہے۔

٣۔ وہی ہر چیز کا مالک اور خالق ہے اور سب نے اُسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

سورۃ الصّٰفّٰت کا تعارف

یہ مکی سورۃ ہے اس کے پانچ رکوع ہیں جن میں ایک سو بیاسی آیات پائی جاتی ہیں۔

ربطِ سورۃ: سورۃ یٰسٓ کا اختتام اس مضمون پر ہوا کہ ہر چیز اس ''اللہ'' کے قبضہ میں ہے جس نے سب کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور سب نے اسی کے پاس حاضر ہونا ہے اس کے '' کُنْ '' کہنے پر ہر کام ہو جاتا ہے۔ سورۃ یٰسٓ میں نبی آخر الزمان ﷺ کی رسالت اور قیامت قائم ہونے کے ثبوت دیئے گئے ہیں۔ سورۃ الصّٰفّٰت کا مرکزی مضمون توحید ہے۔

ملائکہ کی قسم اٹھا کر فرمایا ہے کہ لوگو تمہارا معبود ایک ہی ہے اسی نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے پیدا کیا ہے اسی نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے مزین کیا اور شیاطین سے اس کی حفاظت فرمائی جو لوگ قیامت کے قائم ہونے کا انکار کرتے ہیں انہیں اور ان کے ہم عقیدہ اہل و عیال کو جہنم کے قریب کھڑا کر کے پوچھا جائے گا کہ جن کو تم اللہ تعالیٰ کے شریک بناتے تھے آج وہ کہاں ہیں وہ تمہاری مدد کیوں نہیں کرتے؟ یہ بات سنتے ہی مُرید اپنے پیروں، ورکر اپنے لیڈروں، عابد اپنے معبودوں سے جھگڑنا شروع کر دیں گے وہ جہنم کے عذاب میں اکٹھے ہوں گے ان کے مقابلے میں جنتیوں کو '' جنتِ نعیم '' میں بڑی تکریم کے ساتھ رکھا جائے گا جنتی آپس میں بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے ہوں گے تو اچانک ایک جنتی کہے گا کہ دنیا میں میرا ایک دوست ہوتا تھا جو قیامت کو تسلیم نہیں کرتا تھا، اس پر اس سے پوچھا جائے گا کیا آپ اسے دیکھنا چاہتے ہیں وہ کہے گا ہاں میں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کس حالت میں ہے اسے اس کا ساتھی جہنم میں دکھایا جائے گا جنتی اسے کہے گا اگر میں تیری بات مان لیتا تو میں بھی جہنم میں پڑا ہوتا۔ اس سورۃ کے تیسرے رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی قوم کے ساتھ گفتگو کا ایک حصہ بیان کیا گیا ہے جس میں ابراہیم علیہ السلام کے مقابلے میں قوم لاجواب ہوئی اور انہوں نے اُسے جلا دینے کا فیصلہ کیا اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی گفتگو کا ذکر ہے جس کے نتیجے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو بچا لیا اور ایک دُنبے کی قربانی قبول فرمائی۔

سورۃ کے چوتھے رکوع میں حضرت موسیٰ، حضرت الیاس اور حضرت لوط علیہم السلام کا مختصر ذکر ہوا ہے اور آخری رکوع میں حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ میں جانا اور صحیح سالم نکل کر اپنی قوم کے پاس واپس آنا بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تردید کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں۔

سُوْرَۃُ الصّٰفّٰت مَکِّیَّۃٌ — رُکُوْعُھَا ۵ — اٰیَاتُھَا ۱۸۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے

وَ	الصّٰٓفّٰتِ	صَفًّا ①	فَالزّٰجِرٰتِ	زَجْرًا ②	فَالتّٰلِیٰتِ
قسم	صف بستہ کی	قطار باندھ کر	پھر ڈانٹنے والے	ڈانٹنا	پھر تلاوت کرنے والے

ذِكْرًا ③	اِنَّ	اِلٰهَكُمْ	لَوَاحِدٌ ④	رَبُّ	السَّمٰوٰتِ
نصیحت کی	بلاشبہ	تمہارا معبود	یقیناً ایک ہے	رب ہے	آسمانوں کا

وَالْاَرْضِ	وَمَا	بَيْنَهُمَا	وَرَبُّ	الْمَشَارِقِ ⑤
اور زمین کا	اور جو کچھ	ان دونوں کے درمیان ہے	اور رب ہے	مشرقوں کا

''قطار در قطار صف باندھنے والے فرشتوں کی قسم۔(۱) پھر ان کی قسم جو ڈانٹ ڈپٹ کرنے والے ہیں۔(۲) پھر اُن کی قسم جو تلاوت کرنے والے ہیں۔(۳) تمہارا معبودِ حقیقی ایک ہی ہے۔(۴) جو زمین اور آسمانوں اور اُن تمام چیزوں کا مالک ہے جو زمین و آسمان میں ہیں اور رب المشارق ہے۔''(۵)

فہم القرآن

سورہ یٰسٓ کا اختتام اس بات پر ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر کہ وہ انسان کو دوبارہ پیدا کرے کیونکہ ہر چیز اس کے قبضہ میں ہے اس کے کن کہنے سے ہر چیز عین اس کی منشا کے مطابق معرضِ وجود میں آجاتی ہے۔ سورۃ صافات کی ابتدا میں اپنی قدرت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اللہ'' وہ ذات ہے کہ جس کے سامنے ملائکہ قطار اندر قطار اور دست بستہ کھڑے رہتے ہیں وہی حقیقی الٰہ ہے اسی نے زمین و آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور ان کی حفاظت کا بندوبست فرمایا وہی قیامت کے دن انسان کو پیدا فرمائے گا۔

''اَلصّٰفّٰتِ'' کا معنی ہے صفیں باندھنے والے۔ ''اَلزّٰجِرَاتِ''، ڈانٹنے والے اور ''اَلتّٰلِیٰتِ'' تلاوت کرنے والے۔ رب ذوالجلال نے یہاں تین قسمیں اٹھائی ہیں جن کے بارے میں مفسرین کی غالب اکثریت کا خیال ہے کہ صفیں باندھنے والے، ڈانٹ ڈپٹ کرنے والے اور اللہ کے ارشادات کو یاد رکھنے والوں سے مراد مخصوص ملائکہ ہیں جو اپنے رب کے حضور ہر وقت صف بستہ اور دست بستہ ہو کر کھڑے رہتے ہیں کہ کب رب ذوالجلال کا حکم صادر ہو اور ہم اس کی تعمیل میں کمر بستہ ہو جائیں یہ ملائکہ تعمیلِ حکم میں اپنے رب کے احکام کو مِنْ وعَنْ یاد رکھتے ہیں اور شیاطین سے پیغام کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے ملائکہ کی تین اقسام مراد لی ہیں۔

① اللہ کے حضور ہر وقت صف بستہ رہنے والے ② اللہ تعالیٰ کے احکام عرشِ معلیٰ سے نیچے پہنچانے والے ③ آسمانِ دنیا

تک پہنچنے والے شیاطین کا تعاقب کرنے والے۔ تدبرِ قرآن کے مفسر نے ملائکہ کی تین حالتیں مراد لیتے ہوئے لکھا ہے کہ بندے کی نماز میں یہی تین حالتیں ہوتی ہیں نماز میں پہلے صف بندی ہوتی ہے پھر اللہ تعالیٰ سے شیطان سے بچنے کے لیے حفاظت طلب کی جاتی ہے اور اس کے بعد اس کی حمد و ستائش کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قسمیں اٹھانا:

آدمی کے لیے حکم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی قسم نہیں اٹھا سکتا۔ انسان دوسرے کے سامنے دو وجوہات کی بنا پر قسم اٹھاتا ہے اپنی بات میں پختگی پیدا کرنے اور سننے والے کے اعتماد میں اضافہ کرنے کے لیے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے اس لیے وہ اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم اٹھائے اس کی ذات پر کسی قسم کی پابندی نہیں اور نہ ہی اسے اپنے بارے میں کسی کا اعتماد بڑھانے کی ضرورت ہے اس کی ذات حق اور اس کی ہر بات سچ ہے البتہ انسانی ذہن کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کسی چیز کی قسم اس لیے اٹھاتا ہے تاکہ انسان کے ذہن میں اس چیز یا اس کی تاریخی حیثیت کو اجاگر کیا جائے انسان بعد میں بیان ہونے والی بات پر پوری توجہ مبذول کرے۔

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی قسمیں اس لیے کھائی ہیں کہ ہر دور میں ایسے لوگ رہے ہیں اور ہونگے جو ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں تصور کرتے ہوئے ان کی عبادت کرتے ہیں گویا کہ ملائکہ کو اللہ کی ذات کا حصہ اور اس کی خدائی میں شریک سمجھتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی کچھ ڈیوٹیاں لگا رکھی ہیں لیکن اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ رب کی خدائی میں شریک ہو گئے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو پیدا کرنے والا ایک ہی رب ہے اور صرف وہی عبادت کے لائق ہے اور اس کے سوا کوئی رکوع و سجود کے لائق نہیں وہی عطا کرنے والا اور بگڑی بنانے والا ہے اور نظامِ کائنات میں اسی کا حکم چلتا ہے۔

یہاں "مَشَارِقُ" کا لفظ لا کر واضح فرمایا ہے کہ بے شک سورج مشرق کی جانب سے طلوع ہوتا ہے لیکن معلوم ہونا چاہیے سورج ہمیشہ مشرق کے ایک ہی مقام سے طلوع نہیں ہوتا بلکہ ہر روز اپنی جگہ بدلتا ہے جسے موجودہ سائنسدان اور فلکیات کے ماہرین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس لیے "مَشَارِقُ" کا لفظ استعمال فرمایا ہے عربی میں "مَشَارِقُ" کا لفظ فاصلے کی طوالت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِذَا قَضَى اللّٰهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ كَالسِّلْسِلَةِ عَلَى صَفْوَانٍ قَالَ عَلِيٌّ وَقَالَ غَيْرُهُ صَفْوَانٍ يَنْفُذُهُمْ ذَلِكَ فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ، قَالُوا لِلَّذِي قَالَ الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ»

(رواه البخاری: باب قَوْلِهِ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُبِينٌ)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب آسمان پر کوئی فیصلہ صادر فرماتا ہے تو اس کے رعب کی وجہ سے فرشتوں کے پروں میں آواز پیدا ہوتی ہے جیسے صاف پتھر پر لوہے کی زنجیر کھینچنے سے آواز

نکلتی ہے۔ جب ملائکہ کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں، آپ کے پروردگار نے کیا فرمایا؟ اُوپر والے ملائکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد بیان کرتے اور اس کی تصدیق کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد جو بلند و بالا ہے۔

«عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ اَتَدْرِيْ اَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهٖ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهَا تَذْهَبُ حَتّٰى تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَسْتَاْذِنُ فَيُؤْذَنُ لَهَا وَيُوْشِكُ اَنْ تَسْجُدَ وَلَا تُقْبَلُ مِنْهَا وَتَسْتَاْذِنُ فَلَا يُؤْذَنُ لَهَا وَيُقَالُ لَهَا ارْجِعِيْ مِنْ حَيْثُ جِئْتِ فَتَطْلُعُ مِنْ مَّغْرِبِهَا فَذَالِكَ قَوْلُهٗ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا قَالَ مُسْتَقَرُّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ»

(رواه البخاری: باب صِفَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ)

”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ مکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تجھے معلوم ہے جب سورج غروب ہوتا ہے تو کہاں جاتا ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو علم ہے آپ ﷺ نے فرمایا: سورج عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے اور اجازت طلب کرتا ہے اسے اجازت مل جاتی ہے قریب ہے کہ وہ سجدہ کرے اور اس کا سجدہ قبول نہ ہو وہ طلوع ہونے کی اجازت چاہیے مگر اس کو اجازت نہ ملے اسے حکم ہو کہ جدھر سے آیا اسی طرف سے طلوع ہو جاؤ چنانچہ سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورج اپنے مستقر کی طرف چلا جاتا ہے آپ نے فرمایا اس کا ٹھکانا عرش کے نیچے ہے۔“

مسائل

١۔ ملائکہ اپنے رب کے حضور صف بستہ اور دست بستہ حاضر رہتے ہیں۔
٢۔ ملائکہ اپنے رب کے احکام کو یاد رکھنے اور انہیں آسمان دنیا تک پہنچاتے ہیں۔
٣۔ ملائکہ اپنے رب کے حکم پر شیطان کا تعاقب کرتے ہیں۔
٤۔ زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کچھ ایک رب کا پیدا کردہ اور اس کی ملکیت ہے۔
٥۔ زمین آسمان اور ہر چیز کا رب ہی الٰہ حقیقی ہے بس اسی کی ہی عبادت کرنا اور اسی سے ہی مانگنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

الٰہ ایک ہی ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں:

١۔ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ (النساء: ٨٧) ٢۔ معبودِ حقیقی صرف ایک اللہ ہے۔ (النساء: ١٧١)
٣۔ اللہ کے علاوہ کوئی خالق نہیں۔ (فاطر: ٣) ٤۔ اللہ رحمان اور رحیم ہے۔ (الفاتحۃ: ٣)
٥۔ اللہ ہی رزّاق ہے۔ (الذاریات: ٥٨) ٦۔ اللہ ہی مشکل کشا ہے۔ (الانعام: ١٧)

اِنَّا	زَيَّنَّا	السَّمَآءَ	الدُّنْيَا	بِزِيْنَةِ	اِلْكَوَاكِبِ ۙ۝۶	وَحِفْظًا
بیشک ہم نے مزین کیا	آسمان کو	دنیاوالے	آرائش کے ساتھ		ستاروں کی	اورحفاظت
مِّنْ	كُلِّ	شَيْطٰنٍ	مَّارِدٍ ۚ۝۷	لَا	يَسَّمَّعُوْنَ	اِلَى
سے	ہر	شیطان	سرکش	نہ	وہ سن پائیں	طرف
الْمَلَاِ	الْاَعْلٰى	وَيُقْذَفُوْنَ	مِنْ	كُلِّ	جَانِبٍ ۖ۝۸	دُحُوْرًا
سرداروں کی	بالا	اور پھینکے جاتے	سے	ہر	جانب	بھگانے کے لیے
وَّلَهُمْ	عَذَابٌ	وَّاصِبٌ ۙ۝۹	اِلَّا	مَنْ	خَطِفَ	الْخَطْفَةَ
اوران کے لیے	عذاب ہے	ہمیشہ رہنے والا	مگر	جو	اچک لے	جھپٹ

فَاَتْبَعَهٗ	شِهَابٌ	ثَاقِبٌ ۝۱۰
تواس کے پیچھے لگتا ہے	ستارہ	چمکتا

’’یقیناً ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے خوبصورت بنایا ہے۔(۶) اور ہر شیطان سرکش سے اس کو محفوظ کر دیا۔(۷) یہ شیاطین ملاءِ اعلیٰ کی باتیں نہیں سُن سکتے کیونکہ انہیں ہر طرف سے مار پڑتی ہے۔(۸) اور ان کی مسلسل سزا ہے۔(۹) تاہم ان میں سے کوئی کچھ لے اڑے تو ایک بھڑکتا ہوا شعلہ اس کا تعاقب کرتا ہے۔‘‘(۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس رب نے آسمانوں کو بنایا ہے اسی نے پہلے آسمان کو ستاروں سے روشن فرمایا ہے اور اس کی حفاظت کا بندوبست بھی کیا ہے۔

قرآن مجید نے یہ بات کئی مقامات پر بیان فرمائی ہے کہ آسمانِ دنیا یعنی پہلا آسمان جو لوگوں کو نظر آتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے ستاروں سے مزّین فرمایا ہے ستاروں کے دو فائدے اور بھی ذکر فرمائے ہیں ان سے لوگ راستوں کی راہنمائی حاصل کرتے ہیں اور انہی سے آسمان دنیا کی حفاظت کا بندوبست کیا گیا ہے شیاطین آسمانِ دنیا کے دروازوں کے قریب جا کر ملائکہ کی گفتگو سننا چاہتے ہیں تو ستارے شیاطین پر انگارے بن کر برستے ہیں اس طرح شیاطین پر مستقل طور پر عذاب مسلّط کر دیا گیا ہے۔

اس بندوبست سے پہلے شیاطین آسمان کے قریب جا کر ملائکہ کی کچھ نہ کچھ باتیں سن کر کاہنوں، نجومیوں اور اس قسم کے لوگوں کے دلوں میں جھوٹ، سچ ملا کر کوئی نہ کوئی بات القا کرتے تھے جسے آٹھویں پارے میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل جھوٹ کی طرف مائل ہوں اور وہ اسے پسند کریں اور تاکہ وہ برائیاں کریں جو یہ کر رہے ہیں۔‘‘ (الانعام: ۱۱۳)

اسی بات کو اہلِ مکہ نبی ﷺ پر چسپاں کرتے اور کہتے تھے کہ محمد ﷺ کے پاس فرشتہ نہیں بلکہ جنات آتے ہیں جو پہلے لوگوں کے واقعات سنانے کے ساتھ اسے مزید باتیں بتاتے ہیں اس الزام کی یہاں خاص انداز میں تردید کی گئی ہے۔ انیسویں پارے میں کھلے الفاظ میں وضاحت فرمائی۔

”کیا میں تمہیں بتلاؤں کہ شیاطین کن لوگوں پر نازل ہوتے ہیں وہ ہر ایک جھوٹے اور بد کردار پر اترتے ہیں اور سنی سنائی باتیں پہنچاتے ہیں۔“(الشعراء:٢٢١ تا ٢٢٣)

ستاروں کے بارے میں کیا عقیدہ ہونا چاہیے:

”حضرت خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حدیبیہ مقام پر ہمیں صبح کی نماز پڑھائی۔رات کو ہونے والی بارش کے اثرات فضا میں نمایاں تھے نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور صحابہ سے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا ارشاد فرمایا ہے صحابہ نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا کچھ بندوں نے ایمان کی حالت میں صبح کی اور کچھ نے کفر کی حالت میں۔جس نے کہا اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی ہے وہ مجھ پر ایمان لایا اور اس نے ستاروں کا انکار کیا اور جس نے کہا کہ فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی اس نے میرا انکار کیا اور وہ ستاروں پر ایمان لایا۔“

(رواہ البخاری: باب یَسْتَقْبِلُ الإِمَامُ النَّاسَ إِذَا سَلَّمَ)

تفسیر بالقرآن

ستاروں کا بیان اوران کے فوائد:

١۔ وہ ذات جس نے ستاروں کو اندھیروں میں تمہاری رہنمائی کے لیے پیدا فرمایا ہے۔(الانعام:٩٧)
٢۔ لوگ ستاروں کی علامات سے راہ پاتے ہیں۔(النحل:١٦)
٣۔ چاند،سورج اور ستارے اللہ کے حکم کے پابند ہیں۔(الاعراف:٥٤)
٤۔ ہم نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے انھیں خوبصورت بنایا۔(الحجر:١٦)
٥۔ بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں بُرج بنائے۔(الفرقان:٦١)
٦۔ ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے خوبصورت بنایا ہے۔(الصّٰفّٰت:٦)
٧۔ ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے مزین کیا اور شیطانوں سے محفوظ فرمایا۔(حٰمٓ السجدۃ:١٢)
٨۔ کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نگاہ نہیں کی کہ ہم نے اس کو کیسے بنایا اور سجایا ہے۔(قٓ:٦)
٩۔ جنات نے کہا کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے مضبوط چوکیداروں اور انگاروں سے بھرا پایا ہے۔(الجن:٨)

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ

پس آپ پوچھیے ان سے کیا وہ زیادہ سخت ہیں پیدائش کے لحاظ سے یا جن کو ہم نے پیدا کیا

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ⑪ بَلْ عَجِبْتَ

بے شک ہم نے پیدا کیا ان کو سے مٹی چپکتی بلکہ آپ نے تعجب کیا

وَيَسْخَرُوْنَ ⑫ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ⑬ وَاِذَا

اور وہ مذاق اُڑاتے ہیں ۔ اور جب وہ نصیحت کیے جاتے ہیں نہیں وہ نصیحت قبول کرتے اور جب

رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ⑭ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ

وہ دیکھتے ہیں کوئی نشانی تو وہ مذاق اڑاتے ہیں اور انہوں نے کہا نہیں ہے یہ

ان سے پوچھیں ان کی پیدائش زیادہ مشکل ہے یا اُن چیزوں کی جو ہم نے پیدا کی ہیں ہم نے انہیں چپکنے والے لیس دار گارے سے پیدا کیا ہے۔(۱۱) آپ ان کا مذاق اُڑانے پر تعجب کرتے ہیں۔(۱۲) جب انہیں سمجھایا جاتا ہے تو وہ نصیحت قبول نہیں کرتے۔(۱۳) کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اسے مذاق کرتے ہیں۔(۱۴) اور کہتے ہیں یہ

فہم القرآن

ربطِ کلام: زمین وآسمانوں کی تخلیق ،سورج کے طلوع وغروب اور ستاروں کا حوالہ دے کر انسان کو دوبارہ زندہ ہونے کا ثبوت دیا گیا ہے۔

سورہ یٰسں کا اختتام اس مسئلہ پر ہوا تھا کہ جس رب نے زمین آسمانوں کو بنایا ہے اس کے لیے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کس طرح مشکل ہوسکتا ہے۔سورہ صافات کی ابتدا میں تین قسمیں کھا کر بتلایا کہ معبودِ حقیقی ایک ہی ہے جس نے زمین و آسمانوں کو بنایا اور آسمانِ دنیا کو ستاروں سے سجایا اور ان کے ذریعے آسمانِ دنیا کی حفاظت کا بندوبست فرمایا ہے۔اب آخرت کے منکر سے استفسار فرمایا ہے کہ وسیع وعریض زمین اور اتنے بڑے آسمانوں کو پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا انسان کو دوبارہ پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے۔اے انسان ذرا سوچ کہ تجھے صرف چپکنے والے گارے سے پیدا کیا گیا ہے تمام انسانوں کی ابتدا آدم علیہ السلام سے اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ستاروں کا ذکر فرما کر بات مزید کھول دی ہے کہ جو رب لاکھوں، کروڑوں کی تعداد میں بڑے بڑے ستارے پیدا کرتا اور انہیں شہابِ ثاقب کی صورت میں گراتا اور ختم کرتا رہتا ہے کیا اسے انسان جیسی ناچیز شے کو پیدا کرنا مشکل ہے؟۔

”کیا آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا! لوگوں کے دوبارہ پیدا کرنے سے بڑا کام نہیں ہے؟ ظاہر ہے کہ انسان کو پیدا کرنا زمین وآسمانوں، ستاروں اور سیاروں سے پیدا کرنا بہت آسان ہے لیکن بہت سے لوگ یہ حقیقت نہیں جانتے۔“ (المومن:۵۷)

اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۟ۚ ۱۵ ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا

مگر | جادو | صریح | کیا جب | ہم مرجائیں گے | اور ہم ہوجائیں گے

تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۟ۙ ۱۶ اَوَ اٰبَآؤُنَا

مٹی | اور ہڈیاں | کیا بلاشبہ ہم | البتہ اٹھائے جائیں گے | کیا | ہمارے باپ دادا

الْاَوَّلُوْنَ ۟ؕ ۱۷ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ۟ۚ ۱۸

پہلے | فرما دیجیے | ہاں | اور تم | بے بس ہو

کھلا جادو ہے۔(۱۵) کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ جب ہم مرکر مٹی بن جائیں گے اور ہڈیوں کا پنجر رہ جائیں گے تو ہم پھر زندہ کر کے اُٹھائے جائیں گے۔(۱۶) اور کیا ہمارے پہلے آبا وَ اجداد بھی اُٹھائے جائیں گے۔؟(۱۷) ان سے کہو ہاں اور تم اللہ کے مقابلے میں بے بس ہو۔(۱۸)

یاد رہے کہ ہر روز لاکھوں کی تعداد میں ستارے معرضِ وجود میں آتے ہیں اور مٹتے رہتے ہیں جنہیں فلکیات کا علم رکھنے والے سائنسدان بھی تسلیم کرتے ہیں مگر اس کے باوجود کافر اس حقیقت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ جب انہیں بعث بعد الموت کے دلائل دیئے جاتے ہیں تو نبی علیہ السلام کو جادوگر قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کیا ہم مرکر مٹی کے ساتھ مٹی ہوجائیں گے تو ہمیں اور ہمارے آباء واجداد کو پھر زندہ کیا جائے گا۔ اے پیغمبر ﷺ انہیں بتادیں کہ ہاں صرف زندہ ہی نہیں کیا جائیگا بلکہ تمہیں ذلیل کر کے اٹھایا جائیگا۔ تم اپنے خالق کے سامنے بے بس ہوگے۔

مسائل

۱۔ زمین وآسمانوں کی تخلیق سے کہیں بڑھ کر انسان کو دوبارہ پیدا کرنا آسان ہے۔

۲۔ جو لوگ آخرت کے منکر ہیں انہیں ذلیل کر کے اٹھایا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

دوبارہ زندہ ہونے کے عقلی اور مشاہداتی دلائل:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے مقتول کو زندہ فرمایا۔(البقرۃ: ۷۳) ۲۔ حضرت عزیر علیہ السلام اور ان کے گدھے کو سوسال کے بعد زندہ فرمایا۔(البقرۃ: ۲۵۹) ۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں چار پرندوں کو زندہ فرمایا۔(البقرۃ: ۲۶۰)

۴۔ اصحاب کہف کو تین سو نو سال کے بعد اٹھایا۔(الکہف: ۲۵) ۵۔ عیسیٰ نے اللہ کے حکم سے مردہ زندہ کیا:(المائدۃ: ۱۱۰)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ہزاروں لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا۔(البقرۃ: ۲۴۳)

۷۔ وہ کہتے ہیں ہمیں کون دوبارہ زندہ کرے گا؟ فرما دیجیے جس نے پہلی بار پیدا کیا ہے۔(بنی اسرائیل: ۵۱)

۸۔ ہم نے زمین سے تمہیں پیدا کیا اسی میں لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ اٹھائیں گے۔(طٰہٰ: ۵۵)

فَاِنَّمَا	هِیَ	زَجْرَةٌ	وَّاحِدَةٌ	فَاِذَا هُمْ	يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾
سو صرف	یہ	زوردار ڈانٹنا ہے	ایک مرتبہ	پھر یکا یک وہ	دیکھتے ہوں گے

وَقَالُوْا	يٰوَيْلَنَا	هٰذَا	يَوْمُ	الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾	هٰذَا	يَوْمُ
اور انہوں نے کہا ہائے افسوس ہمارے لیے		یہی	دن ہے	جزا کا	یہی	دن ہے

الْفَصْلِ	الَّذِيْ	كُنْتُمْ	بِهٖ	تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾
فیصلے کا	وہ جو	تم تھے	جس کو	جھٹلاتے

ع ۱ / ۲۱ / ۵

''بس ایک ہی جھڑکی دی جائے گی اور یکا یک وہ دیکھ رہے ہوں گے۔(۱۹) اُس وقت کہیں گے ہائے ہماری کم بختی یہ تو قیامت کا دن ہے۔(۲۰) کہا جائے گا یہ وہی فیصلے کا دن ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔''(۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس قیامت کا لوگ انکار کرتے ہیں اس کا آغاز اس طرح ہوگا۔

اللہ تعالیٰ قیامت برپا کرنے کا فیصلہ فرمائے گا جس کا دن اور وقت مقرر کیا جا چکا ہے جوں ہی وہ دن اور گھڑی آئے گی تو اسرافیل کو صور پھونکنے کا حکم ہوگا۔ صور میں پھونک مارنے کی دیر ہوگی تو زمین میں ایسے زلزلے ہوں گے جس سے پہاڑ روئی کی طرح اڑنے شروع ہوں گے دیکھتے ہی دیکھتے ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ اس کے بعد نہ معلوم کتنی مدت مخلوق فنا رہے گی اس کے بعد اسرافیل کو دوبارہ صور میں پھونک مارنے کا حکم ہوگا۔ اس کے پھونک مارنے کے ساتھ ہی لوگ قبروں سے اٹھنا شروع ہوں گے۔ اس وقت قیامت کے منکروں کو یقین ہو جائے گا کہ یہ وہی دن ہے جس کی ہم تکذیب کیا کرتے تھے پھر کہیں گے کہ ہم پر افسوس یہ تو فیصلے کا دن آ پہنچا ہے۔

تفسیر بالقرآن

دوسرے صور کے بعد مُردوں کا زندہ ہونا:

۱۔ پہلے نفخہ سے لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور دوسرے نفخہ سے تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے۔(الزمر:۶۸)

۲۔ دوسرے نفخہ کے ساتھ ہی تمام لوگ قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف چل پڑیں گے۔(یٰس:۵۱)

۳۔ ایک چیخ سے ہی تمام لوگ ہمارے سامنے حاضر ہو جائیں گے۔(یٰس:۵۳)

۴۔ جس دن صور پھونکا جائے گا تم گروہ در گروہ چلے آؤ گے۔(النّبا:۱۸)

۵۔ جب دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو ہم ان سب کو جمع کر لیں گے۔(الکہف:۹۹)

۶۔ صور پھونک دیا جائے گا اور وہی دن عذاب کے وعدے کا ہوگا ہے۔(قٓ:۲۰)

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿٢٢﴾

تم اکٹھا کرو ان لوگوں کو انہوں نے ظلم کیا اوران کے جوڑوں کو اورجن کی وہ تھے عبادت کرتے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿٢٣﴾

سے سوا اللہ کے پھرتم لے جاؤان کو طرف راستہ کی جہنم کے

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿٢٤﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿٢٥﴾

اورتم ٹھہراؤان کو بلاشبہ یہ باز پرس کیے جائیں گے کیا تمہیں ہوا نہیں تم ایک دوسرے کی مدد کرتے

بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

بلکہ وہ آج فرمانبردار ہیں اورمتوجہ ہوگا بعض ان کا پر بعض

يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿٢٨﴾

ایک دوسرے سے پوچھیں گے انہوں نے کہا بے شک تم تھے آتے ہمارے پاس سے دائیں

”حکم ہوگا ٹھہراؤ سب ظالموں اوران کی بیویوں اوراُن معبودوں کوجن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر بندگی کیا کرتے تھے۔(٢٢) بس انہیں جہنم کا راستہ دکھاؤ۔(٢٣) حکم ہوگا کہ ذرا انہیں ٹھہراؤان سے کچھ پوچھنا ہے۔(٢٤) تمہیں کیا ہے کہ اب ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔(٢٥) آج یہ اپنے آپ اورایک دوسرے کوحوالے کیے جارہے ہیں۔(٢٦) اس کے بعد یہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے اور آپس میں بحث وتکرار کریں گے۔(٢٧) پیروی کرنے والے اپنے پیشواؤں سے کہیں گے تم ہمارے پاس سیدھے رُخ سے آتے تھے۔(٢٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جب قیامت کے دن تمام لوگوں کواکٹھا کیا جائے گا تو قیامت کوجھٹلانے والوں سے سوال ہوگا۔

حساب وکتاب کے بعد مجرمین کا فیصلہ ہو چکا ہوگا کہ انہیں جہنم میں داخل کر دیا جائے ملائکہ انہیں ہانک کرجہنم کی طرف لے جارہے ہونگے تو ذاتِ کبریاء کی طرف سے حکم ہوگا کہ انہیں چند لمحے ٹھہرایا جائے جہنمی سوچیں گے کہ شاید ہمیں کوئی رعایت دی جارہی ہے ابھی وہ سوچ ہی رہے ہوں گے کہ ربِ ذوالجلال ارشاد فرمائیں گے کہ تمہیں کیا ہے کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ اگرایک دوسرے کی مدد کرسکتے ہوتو کرو! اس وقت حالت یہ ہوگی کہ پیراوران کے مرید، لیڈراوران کے ورکر، عابد، اوران کے معبود علماءِ سو اوران کے بدعقیدہ مقتدی سب کے سب فرمانبرداری کا اظہار کررہے ہوں گے۔ ربِ ذوالجلال کا ارشاد سنتے ہی یہ لوگ اپنے بڑوں سے کہیں گے کہ آج ہماری مدد کیوں نہیں کرتے ہو؟ دنیا میں ہمارے پاس آکر بڑے بڑے دعوے کرتے اور ہمیں امیدیں دلایا اور کہا کرتے تھے کہ ہم دنیا میں بھی تمہارے خیر خواہ ہیں اور آخرت میں بھی

قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ
انہوں نے کہا بلکہ نہیں تم تھے ایمان لانے والے اور نہیں تھا

لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا
ہمارے لیے تم پر کوئی زور بلکہ تھے تم لوگ

طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿۳۱﴾
سرکشی کرنے والے ثابت ہوگئی ہم پر بات ہمارے رب کی بے شک ہم البتہ چکھنے والے ہیں

فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي
پس ہم نے گمراہ کیا تمہیں بلاشبہ ہم تھے گمراہ سو بے شک وہ اس دن میں

الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾
عذاب اکٹھے ہوں گے بے شک ہم اسی طرح کرتے ہیں مجرمین کے ساتھ

وہ جواب دیں گے تم تو خود ہی ایمان لانے والے نہ تھے۔(۲۹) ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا بلکہ تم خود ہی سرکش تھے۔(۳۰) آخر کار ہم اپنے رب کے اس فرمان کے مستحق ہو گئے کہ ہم عذاب کا مزا چکھنے والے ہیں۔(۳۱) سو ہم نے تمہیں بہکایا ہم خود بہکے ہوئے تھے۔(۳۲) اس طرح وہ سب اُس دن عذاب میں اکٹھے ہوں گے۔(۳۳) ہم مجرموں کے ساتھ یہی سلوک کیا کرتے ہیں۔''(۳۴)

تمہارے نجات دہندہ ہوں گے۔ بالخصوص جھوٹے پیر اور بُرے علماء یہ بات کہہ کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں کہ مرشد کے بغیر ہدایت نصیب نہیں ہوتی اور مرشد ہی قیامت کے دن اپنے مریدوں کی نجات کا ذمہ دار ہوگا اس امید کی بنیاد پر مرید اپنے پیروں کو ور کر اپنے لیڈروں کو کہیں گے کہ آج ہماری چارہ جوئی کرو کیونکہ تم دنیا میں ہماری نجات کی ذمہ داری کا دعویٰ کیا کرتے تھے۔ عربی زبان میں "يَمِيْنٌ" کے کئی معانی ہیں جن میں مشہور تین ہیں۔

① "يَمِيْنٌ" کا معنٰی دایاں ہاتھ یا جانب ② قسم ③ غلام۔ گویا کہ جہنمی کہیں گے کہ ہم توکسی نہ کسی طرح تمہارے غلام یعنی ماتحت تھے اور تم ہی نے قسمیں اٹھا، اٹھا کر ہمیں گمراہ کیا تھا لہذا اب ہماری چارہ جوئی کرو!

"مِنْ دُوْنِ اللهِ" کی وضاحت اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ کی جا چکی ہے موقع کی مناسبت سے یہاں پھر مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

① "مِنْ دُوْنِ اللهِ" سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں حائل ہوتی ہو یا اسے حائل کر لیا جائے اس میں وہ بُت اور مجسّمے بھی شامل ہیں جن کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ دعا قبول کرتا ہے اور ان کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔ قیامت کے دن انہیں بھی جہنم میں جھونک دیا جائے گا تا کہ انہیں متبرّ سمجھنے والے

اپنی آنکھوں سے ان کا حشر دیکھ سکیں یہ بت جہنم کے انگارے بن کر مجرموں کی سزا میں اضافہ کا باعث ثابت ہوں گے۔

② "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" سے مراد ہر قسم کے گمراہ پیر، حکمران، لیڈر اور مرشد ہیں جنھوں نے اپنے چاہنے والوں کو راہِ راست سے گمراہ کیا یا گمراہی کا ماحول پیدا کیا۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور بزرگانِ دین جہنم سے محفوظ ہوں گے بے شک لوگوں نے ان کے نام سے شرک کیا اور بدعات ورسومات رائج کیں یہ بزرگ اس لیے جہنم سے دور رکھے جائیں گے کیونکہ وہ لوگوں کو شرک وبدعات سے منع کرتے تھے۔

جہنم کی ہولناکیاں دیکھ کر پیر اپنے مریدوں، عابد اپنے معبودوں اور لیڈر اپنے ورکروں، علماء اپنے مقتدیوں کو کہیں گے تمہاری گمراہی میں ہمارا کوئی عمل دخل نہیں کیونکہ تم خود ہی ایمان لانے کے لیے تیار نہ تھے تمہیں گمراہ کرنے میں ہمیں کوئی اختیار نہ تھا تم تو خود ہی اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان تھے حقیقت یہ ہے کہ ہم سب پر ہمارے رب کا فرمان سچ ثابت ہوا اس کے ساتھ ہی وہ اس کا اعتراف کریں گے کہ ہم نے تمہیں اس طرح گمراہ کیا جس طرح ہم خود گمراہ تھے اس طرح عذاب پانے والے ایک دوسرے کے ساتھی ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم مجرموں کو اس طرح ہی سزا دیتے ہیں۔

مسائل

۱۔ جہنمیوں کو ایک جگہ جمع کر کے آخری مرتبہ سوال ہوگا کہ تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے؟

۲۔ جہنمی اپنے گناہوں کی ذمہ داری اپنے راہنماؤں پر عائد کریں گے۔

۳۔ جہنمیوں کے پیشوا گناہوں کی ذمہ داری اٹھانے سے انکار کریں گے۔

تفسیر بالقرآن

محشر کے میدان میں جہنمیوں کا ایک دوسرے کے ساتھ تکرار کرنا:

۱۔ قیامت کے دن معبودانِ باطل اپنی عبادت کا انکار کر دیں گے۔(یونس: ۲۸)

۲۔ قیامت کے دن مشرک اپنے شرکاء کو دیکھ کر کہیں گے کہ ہم ان کی عبادت کرتے تھے اور ان کے معبود انکار کریں گے۔(النحل: ۸۶)

۳۔ قیامت کے دن مشرک اپنے معبودان کو دیکھ کر کہیں گے ہمیں یہ گمراہ کرنے والے تھے۔(القصص: ۶۳)

۴۔ قیامت کے دن پیر اپنے مریدوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔(البقرۃ: ۱۶۶)

۵۔ جہنم میں داخل ہونے والے اپنے سے پہلوں کو دیکھ کر کہیں گے ہمیں گمراہ کرنے والے یہی لوگ تھے الٰہی انہیں دوگنا عذاب دیا جائے۔(الاعراف: ۳۸)

اِنَّهُمْ	كَانُوْٓا	اِذَا	قِيْلَ	لَهُمْ	لَآ	اِلٰهَ
بلاشبہ وہ	تھے	جب	کہا گیا	ان کے لیے	نہیں	کوئی معبود
اِلَّا	اللّٰهُ	يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٣٥﴾	وَيَقُوْلُوْنَ	اَئِنَّا	لَتَارِكُوْٓا	اٰلِهَتِنَا
مگر	اللہ	وہ تکبر کرتے ہیں	اور وہ کہتے تھے	کیا بے شک ہم	البتہ چھوڑ دیں	اپنے معبودوں کو
لِشَاعِرٍ	مَّجْنُوْنٍ ﴿٣٦﴾	بَلْ	جَآءَ	بِالْحَقِّ	وَصَدَّقَ	الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٧﴾
شاعر کے لیے	دیوانے	بلکہ	وہ آیا	حق کے ساتھ	اور اس نے تصدیق کی	رسولوں کی
اِنَّكُمْ	لَذَآئِقُوا	الْعَذَابِ	الْاَلِيْمِ ﴿٣٨﴾	وَمَا	تُجْزَوْنَ	
بے شک تم	ضرور چکھو گے	عذاب	دردناک	اور نہیں	تم بدلہ دیے جاؤ گے	
اِلَّا	مَا	كُنْتُمْ	تَعْمَلُوْنَ ﴿٣٩﴾			
مگر	جو	تم تھے	عمل کرتے			

”یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو یہ تکبر کرتے تھے۔(۳۵) اور کہتے تھے کیا ہم ایک شاعر اور مجنون کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟۔(۳۶) حالانکہ وہ حق لے کر آیا اور اس نے پہلے رسولوں کی تصدیق کی تھی۔(۳۷) یقیناً تم دردناک سزا کا مزا چکھنے والے ہو۔(۳۸) اور تمہیں جو سزا دی جا رہی ہے وہ انہی اعمال کے سبب ہے جو تم کرتے رہے ہو۔“(۳۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنمیوں کا سب سے بڑا جرم۔

جہنمیوں کے جہنم میں داخل ہونے کا سب سے بڑا جرم یہ ہوگا کہ وہ ”لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ کے منکر ہوں گے دنیا میں جب بھی ایسے لوگوں کو انبیائے کرام یا ان کے سچے جانشینوں نے ”لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ کی دعوت دی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے تو لوگوں کی غالب اکثریت نے اس دعوت کے ساتھ تکبر کا مظاہرہ کیا۔ مشرک کی عادت ہے کہ جوں ہی اسے توحیدِ خالص کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ منہ بسورتا اور تکبر کا اظہار کرتا ہے۔ دعوتِ توحید کے ساتھ تکبر کرنے والوں نے انبیائے کرام ؊ اور نبی آخر الزّماں کی دعوت کو یہ کہہ کر ٹھکرایا کیا ہم اس شاعر اور دیوانے کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ اس الزام اور خرافات کے ساتھ انہوں نے یہ بھی پراپیگنڈہ کیا کہ ہمارے لیے اس نبی کی دعوت انوکھی ہے حالانکہ ان کی دیگر ہرزہ سرائی کی طرح یہ بات بھی سراسر جھوٹ تھی اور ہے کیونکہ نبی آخر الزماں ﷺ صرف دعوتِ حق پیش کرنے والے نہیں تھے بلکہ پہلے تمام انبیائے کرام ؊ کی تصدیق بھی فرماتے تھے۔

{ وَ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ز وَ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۚ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ وَ انْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَ اصْبِرُوْا عَلٰۤى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۚ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۚ } (ص:۴تا۷)

”ان کو تعجب ہوتا ہے کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک آدمی سمجھانے والا آیا اور منکر کہتے ہیں کہ یہ جادوگر اور بڑا جھوٹا ہے۔ اس نے تمام معبودوں کو چھوڑ کر ایک معبود بنالیا ہے کچھ شک نہیں کہ یہ عجیب بات ہے۔ ان کے سردار کہنے لگے کہ اپنے معبودوں پر جمے رہو اس کے پیچھے تو کوئی غرض دکھائی دیتی ہے۔“

نبی کریم ﷺ کو کافر اس لیے دیوانہ کہتے تھے کہ اس شخص کی معاشرے میں بہت عزت بنی ہوئی تھی لیکن اس نے محض اپنی دعوت کی خاطر ساری عزت برباد کر لی ہے اور دیوانوں کی طرح ایک ہی بات دُھرائے جاتا ہے وہ اس لیے بھی آپ کو دیوانہ کہتے تھے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک ہی خدا اتنی بڑی کائنات کا نظام اکیلا چلا سکے، وہ آپ کو اس لیے بھی دیوانہ کہتے تھے کہ ہر قسم کی پیشکش کی ہے لیکن یہ دیوانوں کی طرح ہر بات کو ٹھکراتے جا رہا ہے۔ ان کے بارے میں حکم ہے کہ یہ ضرور اذیت ناک عذاب میں مبتلا ہوں گے اور یہ ان کی ان کے کیے کی سزا ہوگی۔

مسائل

١۔ لوگوں کی غالب اکثریت دعوتِ توحید کے ساتھ تکبر کرتی ہے۔

٢۔ مشرکین اور کفار نے نبی ﷺ کو دیوانہ اور شاعر ہونے کا الزام دیا۔

٣۔ کفار نے نبی ﷺ کی دعوت کو انوکھی بات قرار دیا۔ ۴۔ نبی ﷺ تمام انبیائے ؊ کی تصدیق کرنے والے تھے۔

تفسیر بالقرآن

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ منکرین کا روّیہ:

١۔ جب مشرکین سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں تو وہ تکبر کرتے ہیں۔ (الصافات: ٣۵)

٢۔ جب ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل جل اٹھتے ہیں۔ (الزمر: ۴۵)

٣۔ جب تنہا ایک رب کی طرف بلایا جاتا ہے تو مشرکین اس دعوت کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ (المؤمن: ١٢)

۴۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کو سجدہ کرو تو وہ انکار کرتے ہوئے مزید نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ (الفرقان: ٦٠)

۵۔ جب قرآن میں آپ کے اکیلے رب کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو وہ اپنی پیٹھوں کے بل بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ (بنی اسرائیل: ۴٦)

٦۔ جب مشرکین سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ احکام کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے آباء و اجداد کی پیروی کریں گے۔ (البقرۃ: ١٧٠)

اِلَّا	عِبَادَ	اللّٰهِ	الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾	اُولٰٓئِكَ	لَهُمْ	رِزْقٌ	
مگر	بندے	اللہ کے	خالص کیے ہوئے	یہی لوگ	ان کے لیے	رزق ہے	
مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾	فَوَاكِهُ	وَهُمْ	مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾	فِيْ	جَنّٰتِ	النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾	
معلوم	پھل	اور وہ	معزز ہوں گے	میں	باغوں	نعمت کے	
عَلٰى	سُرُرٍ	مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾	يُطَافُ	عَلَيْهِمْ	بِكَاْسٍ	مِّنْ	
پر	تختوں	ایک دوسرے کے سامنے	پھرایا جائے گا	ان پر	جام	سے	
مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾	بَيْضَآءَ	لَذَّةٍ	لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾	لَا	فِيْهَا	غَوْلٌ	
جاری چشمے	سفید	لذت والا	پینے والوں کے لیے	نہ ہوگا	اس میں	چکرانا	
وَّلَا	هُمْ	عَنْهَا	يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾				
اور نہ	وہ	اس سے	مدہوش ہوں گے				

’’مگر اللہ کے مخلص بندے بُرے انجام سے محفوظ ہوں گے۔(۴۰) ان کے لیے جانا پہچانا رزق ہے۔(۴۱) ہر طرح کے پھل ہونگے۔(۴۲) وہ عزت کے ساتھ رکھے جائیں گے۔(۴۳) صوفوں پر آمنے سامنے بیٹھیں گے۔(۴۴) شراب کے چشموں سے پیالے بھر بھر کر ان کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔(۴۵) شفاف شراب جو پینے والوں کے لیے لذت دار ہوگی۔(۴۶) نہ انہیں اُس سے چکر آئے گا اور نہ ہی ان کی عقل میں فتور پیدا ہوگا۔‘‘(۴۷)

فہم القرآن

ربط کلام: جہنمیوں کے مقابلے میں جنت میں داخل ہونے والوں کا مقام اور احترام۔

قرآن مجید نے اپنے دلنشین اسلوب کے تحت یہاں بھی دو قسم کے افراد اور ان کے انجام کا تقابل پیش کیا ہے۔ جہنمیوں کے مقابلے میں جنتیوں کے لیے اللہ کے مخلص بندوں کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے۔ مخلصین کے القاب سے یہ ثابت کیا ہے کہ جنت میں وہی لوگ داخل ہو پائیں گے جن کے عقیدہ اور کردار میں شرک کی ملاوٹ نہ ہوگی اور نہ ہی وہ نبی اکرم ﷺ کی گستاخی کے مرتکب ہوں گے بلکہ یہ لوگ انتہائی فرمانبردار اور آپ ﷺ سے محبت کرنے والے ہوں گے۔ ان کے لیے انواع واقسام کا رزق ہوگا جو انہیں بڑے اہتمام اور تکریم کے ساتھ پیش کیا جائے گا وہ نعمتوں بھری جنت میں ہوں گے اور اس میں بہترین صوفوں پر ایک دوسرے کے سامنے تشریف فرما ہو کر شراب کے جام لوٹا رہے ہوں گے یہ شراب رنگت کے اعتبار سے دودھ سے زیادہ سفید اور انتہائی لذت دار ہوگی اس میں نہ نشہ ہوگا اور نہ کسی قسم

کی تلخی پائی جائے گی۔ جب جنتیوں کے سامنے جنت کے پھل پیش کیے جائیں گے تو وہ ایک دم پکار اٹھیں گے کہ یہ تو وہی پھل ہیں جو ہمیں دنیا میں عطا کیے گئے تھے۔ شکل وصورت اور رنگت کے اعتبار سے جنت کے پھل اس لیے دنیا کے پھلوں کی مانند ہوں گے تا کہ جنتیوں کو پہچاننے میں کسی قسم کی پریشانی نہ اٹھانی پڑے اس لیے ارشاد ہوا کہ جنتیوں کو دنیا کے پھلوں کے متشابہ پھل دیئے جائیں گے (البقرۃ: ٢٥)

یاد رہے کہ جنت میں مشروبات کی چار قسم کی نہریں ہوں گی۔ ① صاف اور شفاف پانی نہ اس کا رنگ بدلے گا اور نہ اس میں بُو (SMELL) پیدا ہوگی۔ ② دودھ جس کا ذائقہ کبھی تبدیل نہیں ہوگا۔ ③ شہد اتنا شفاف اور روشن ہوگا جس میں پینے والے کو اپنا چہرہ نظر آئے گا۔ ④ شراب جس میں نشہ نہیں ہوگا۔

جنتیوں کے لیے ہر قسم کے میوہ جات ہوں گے اور ہمیشہ کے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہوگی۔

مسائل

١۔ جنت میں داخل ہونے والے لوگ عقیدہ اور کردار کے اعتبار سے خالص اور نہایت مخلص ہوں گے۔
٢۔ جنتیوں کو ان کی چاہت کے مطابق بڑی تکریم کے ساتھ پھل اور میوہ جات پیش کیے جائیں گے۔
٣۔ جنتی صوفوں پر بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے شراب کے جام اڑا رہے ہوں گے۔
٤۔ جنت کی شراب میں کسی قسم کی تلخی اور نشہ نہیں پایا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

جنت کی نعمتوں کی ایک جھلک:

١۔ ہم ان کے دلوں سے کینہ نکال دیں گے اور وہ ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے۔ (الحجر: ٤٧۔ ٤٨)
٢۔ جس جنت کا مومنوں کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے اس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اور اس کے پھل اور سائے ہمیشہ کے لیے ہوں گے۔ (الرعد: ٣٥)
٣۔ جنت میں بے خار بیریاں، تہہ بہ تہہ کیلے، لمبا سایہ، چلتا ہوا پانی، اور کثرت سے میوے ہوں گے۔ (الواقعۃ: ٢٨ تا ٣٠)
٤۔ جنت کے میوے ٹپک رہے ہوں گے۔ (الحاقۃ: ٢٣)
٥۔ جنت میں وہ سب کچھ ہوگا جس کی جنتی خواہش کرے گا۔ (حٰمٓ السجدۃ: ٣١)
٦۔ ایمان والوں اور عمل صالح کرنے والوں کے لیے جنت الفردوس ہے۔ (الکہف: ١٠٧)
٧۔ یقیناً متقین سایوں اور چشموں اور پسندیدہ میوہ جات میں رہیں گے۔ (المرسلات: ٤١۔ ٤٢)

عِيْنٌ ﴿٤٨﴾	الطَّرْفِ	قٰصِرٰتُ	عِنْدَهُمْ	وَ
آنکھ	پلکیں	جھکا کر رکھنے والی	ان کے پاس	اور

مَّكْنُوْنٌ ﴿٤٩﴾	بَيْضٌ	كَاَنَّهُنَّ
پردے میں چھپائے ہوئے	انڈے ہیں	گویا کہ وہ

”اوران کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی خوبصورت آنکھوں والی عورتیں ہوں گی۔(۴۸)ایسی نازک جیسے انڈے کے چھلکے کے نیچے چھپی ہوئی جھلی۔“(۴۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنتیوں کی ازواجِ مطہرات کا ذکر۔

دنیا میں شراب اور شباب کا لفظ جب استعمال کیا جاتا ہے تو اس میں بے حیائی کا عنصر پایا جاتا ہے اس لیے کوئی شریف آدمی اپنے لیے ان الفاظ کو پسند نہیں کرتا لیکن جنت میں شراب اور شباب اپنی کامل اور پاکیزگی اور طہارت کے ساتھ جنتیوں کی خدمت میں پیش کی جائیں گی۔ شراب کے بارے میں پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ اس میں کسی قسم کی غنودگی اور تلخی نہیں پائی جائے گی۔ جنت کی ازواج کا تعارف ان الفاظ میں کروایا جارہا ہے کہ وہ اس قدر پاکباز اور شرم وحیا کا پیکر ہوں گی کہ اپنے خاوندوں کے سوا کسی دوسرے جنتی کی طرف نگاہ اٹھانے کا تصور بھی نہ کر پائیں گی۔ ان کے حسن و جمال کا عالم یہ ہوگا کہ پُر جمال چہرے، بہترین نقش ونگار اور حیا سے بھری موٹی موٹی آنکھیں گویا کہ وہ چمکتے ہوئے محفوظ انڈے ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا اور نہ کسی ہاتھ نے چھوا ہوگا۔ خوبصورت چہرے اور حسن و جمال کے پیکر کو ہر زبان میں انڈے کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے اور انڈوں میں سب سے خوبصورت انڈہ شتر مرغ کا سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے بعض مفسرین نے جنتیوں کی ازواجِ مطہرات کو شتر مرغ کے انڈوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے اس کا یہ معنٰی نہیں کہ ان تشبیہات سے جنت کی عورتوں کے حسن کا تصور انسان کے احاطہ خیال میں سما سکتا ہے تشبیہ تو محض انسان کے تصور کو جلا بخشنے کے لیے دی گئی ہے ورنہ جنت کی بیویوں کا حُسن دنیا کی عورتوں سے ہزاروں گنا بڑھ کر ہوگا۔

((وَلَوْ اَنَّ اِمْرَاۃً مِّنْ نِّسَآءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ اطَّلَعَتْ اِلَى الْاَرْضِ لَاَضَآءَتْ مَا بَیْنَھُمَا وَلَمَلَاَتْ مَا بَیْنَھُمَا رِیْحًا وَلَنَصِیْفُھَا یَعْنِی الْخِمَارَ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا))

(رواہ البخاری: باب صفۃ الجنۃ والنار)

”اگر اہل جنت کی عورتوں سے کوئی زمین کی طرف جھانک لے تو مشرق ومغرب اور جو کچھ اس میں ہے روشن اور معطر ہوجائے، اس کے سر کا دوپٹہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے قیمتی ہے۔“

((وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اَوَّلَ زُمْرَۃٍ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ عَلٰی صُوْرَۃِ

الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ كَاَشَدِّ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ إِضَاءَةً قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ زَوْجَتَانِ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ يُرٰى مُخُّ سُوْقِهِنَّ مِنْ وَّرَاءِ الْعَظْمِ وَاللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ يُسَبِّحُوْنَ اللّٰهَ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا لَا يَسْقَمُوْنَ وَلَا يَبُوْلُوْنَ وَلَا يَتَغَوَّطُوْنَ وَلَا يَتْفُلُوْنَ وَلَا يَمْتَخِطُوْنَ اٰنِيَتُهُمُ الذَّهَبُ وَالْفِضَّةُ وَاَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ وَوُقُوْدُ مَجَامِرِهِمُ الْاُلُوَّةُ وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ عَلٰى خَلْقِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ عَلٰى صُوْرَةِ اَبِيْهِمْ اٰدَمَ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فِي السَّمَاءِ» (رواہ البخاری: باب قَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی [وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً])

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔ان کے بعد داخل ہونے والے، آسمان پر تیز چمکنے والے ستارے کی طرح ہوں گے، تمام جنتیوں کے دل ایک جیسے ہوں گے نہ ان کے درمیان اختلاف ہوگا اور نہ ہی ایک دوسرے سے بغض رکھیں گے۔ان میں سے ہر شخص کے لیے حوروں میں سے دو بیویاں ہوں گی۔جن کے حسن کی وجہ سے ان کی پنڈلیوں کا گودا، ہڈی اور گوشت کے پیچھے دکھائی دے گا۔اہل جنت صبح شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں گے نہ وہ بیمار ہوں گے اور نہ ہی پیشاب کریں گے، نہ رفع حاجت کریں گے اور نہ ہی تھوکیں گے اور نہ ہی ناک سے رطوبت بہائیں گے ان کے برتن سونے چاندی کے ہوں گے اور ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی، ان کی انگیٹھیوں کا ایندھن عودِ ہندی ہوگا اور ان کا پسینہ کستوری کی طرح ہوگا، سب کا اخلاق ایک جیسا ہوگا نیز وہ سب شکل وصورت میں اپنے باپ آدم علیہ السلام کی طرح ہوں گے آدم کا قد ساٹھ ہاتھ لمبا تھا۔''

تفسیر بالقرآن

جنت کی بیویوں کے حسن و جمال کی ایک جھلک:

۱۔ حوریں نوجوان، کنواریاں اور ہم عمر ہوں گی۔(الواقعہ: ۳۵ تا ۳۸)

۲۔ یاقوت ومرجان کی مانند ہوں گی۔(الرحمٰن: ۵۸) ۳۔خوبصورت اور خوب سیرت ہوں گی۔(الرحمٰن: ۷۰)

۴۔ جنت کی حوریں خیموں میں چھپی ہوئی ہوں گی۔(الرحمٰن: ۷۲)

۵۔ شرم وحیا کی پیکر اور انہیں کسی نے چھوا نہیں ہوگا۔(الرحمٰن: ۵۶)

۶۔ جنت کی حوریں ایسی دکھائی دیں گی جیسے چھپائے ہوئے موتی ہوں۔(الواقعہ: ۲۳)

۷۔ جنتیوں کو خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں عطا کی جائیں گی۔(الصّٰفّٰت: ۴۸، ۴۹)

۸۔ جنتیوں کی بیویاں ان کی ہم عمر ہوں گی۔(صٓ: ۵۲) ۹۔جنتیوں کے لیے پاک صاف بیویاں ہوں گی۔(البقرۃ: ۲۵)

فَاَقْبَلَ	بَعْضُهُمْ	عَلٰى	بَعْضٍ	يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾	قَالَ	قَآئِلٌ
پھر متوجہ ہوگا	بعض ان کا	پر	بعض	وہ ایک دوسرے سے پوچھیں گے	کہا	کہنے والے نے
مِّنْهُمْ	اِنِّىْ	كَانَ	لِىْ	قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾	يَّقُوْلُ	اَئِنَّكَ
ان سے	بے شک میں	تھا	میرا	ایک ہم نشین	وہ کہتا تھا	کیا بے شک تو ہے
لَمِنَ	الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾	ءَاِذَا	مِتْنَا	وَكُنَّا	تُرَابًا	وَّعِظَامًا
البتہ سے	تصدیق کرنے والوں	کیا جب	ہم مر جائیں گے	اور ہم ہو جائیں گے	مٹی	اور ہڈیاں
ءَاِنَّا	لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾	قَالَ	هَلْ	اَنْتُمْ	مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾	
کیا بے شک ہم	البتہ بدلہ دیے جائیں گے	اس نے کہا	کیا	تم	جھانک کر دیکھو گے	

”وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر حالات پوچھیں گے۔(۵۰) اُن میں سے ایک کہے گا دنیا میں میرا ایک ساتھی تھا۔(۵۱) جو مجھ سے کہا کرتا تھا کہ کیا تم تصدیق کرتے ہو۔(۵۲) کہ جب ہم مر چکے ہوں گے اور مٹی ہو جائیں گے اور ہڈیوں کا پنجر بن جائیں گے تو ہمیں جزا وسزا دی جائے گی۔(۵۳) پوچھا جائے گا کیا تم دیکھنا چاہتے ہو کہ وہ کہاں ہے۔“(۵۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنت میں بیٹھے ہوئے جنتیوں کا جہنمیوں کے ساتھ ہم کلام ہونا۔

جنتی حضرات جنت میں کھانے پینے اور خوش گپیوں میں مصروف ہوں گے اس ماحول میں اچانک ایک جنتی دوسرے سے کہے گا کہ دنیا میں میرا ایک ساتھی تھا جو مجھے کہا کرتا تھا کہ کیا تو بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ جب ہماری ہڈیاں مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائیں گی تو ہمیں اٹھا کر سزا یا جزا دی جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی اپنے ساتھیوں سے کہے گا کیا اسے دیکھنا چاہتے ہو؟ یہ کہنے کے بعد وہ نظر اٹھائے گا تو اسے اس کا ساتھی جہنم میں جلتا ہوا دکھائی دے گا۔ کچھ اہلِ علم نے لکھا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ کیا اپنے ساتھی کو دیکھنا چاہتے ہو تب جنتی اس جہنمی کو مخاطب کرتے ہوئے کہے گا کہ اللہ کی قسم۔ اگر مجھ پر میرے رب کا کرم نہ ہوتا تو مجھے بھی ہلاک کر چکا ہوتا جس طرح تم سزا پا رہے ہو اس طرح میں بھی تیرے ساتھ اس عذاب میں مبتلا ہوتا۔ اس کے ساتھ ہی وہ کہے گا کہ ہم نے ایک دفعہ مرنا تھا سو مر چکے اب ہمیں نہ موت آئے گی اور نہ ہی کسی قسم کی تکلیف پہنچے گی۔ یہ ہم پر اللہ کا عظیم فضل ہوا ہے جو بہت بڑی کامیابی ہے اس فضل اور کامیابی کے لیے ہر کسی کو اس جیسے اعمال کرنے چاہئیں۔ قرآن مجید نے یہ بات دوٹوک انداز میں بتلائی ہے کہ جنتی جنت میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور جہنمی جہنم میں ابدی سزا پائیں گے کیونکہ موت کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا جہاں تک کہ آخری آیت کے مفہوم کا تعلق ہے یہ جنتی کی زبان میں ایک پیغام ہے جو لوگوں کو دیا گیا ہے تاکہ لوگ

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿٥٥﴾ قَالَ تَاللّٰهِ

پھر وہ جھانکے گا | تو اسے دیکھے گا | میں | برابر | جہنم کے | اس نے کہا | اللہ کی قسم

اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿٥٦﴾ وَلَوْ لَا نِعْمَةُ رَبِّيْ

بلاشبہ | قریب تھا کہ | تو مجھے ہلاک کر ڈالتا | اور اگر | نہ ہوتا | فضل | میرے رب کا

لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٥٧﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿٥٨﴾ اِلَّا

تو البتہ میں ہوتا | سے | حاضر کیے ہوؤں | کیا پس نہیں | ہم | مرنے والے | سوائے

مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿٥٩﴾ اِنَّ هٰذَا

ہمارے مرنے کے | پہلی بار | اور نہ | ہم | عذاب دیے جائیں گے | بلاشبہ | یہ

لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٠﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿٦١﴾

البتہ یہ | کامیابی ہے | بہت بڑی | اس کی مثل | پس عمل کریں | عمل کرنے والے

یہ کہہ کر وہ متوجہ ہوگا تو جہنم کی گہرائی میں اُس کو دیکھ لے گا۔(۵۵) اور اسے مخاطب کر کے کہے گا اللہ کی قسم تو مجھے ہلاک کر دینے والا تھا۔(۵۶) میرے رب کا فضل شاملِ حال نہ ہوتا تو آج میں بھی اُن لوگوں میں سے ہوتا جو جہنم میں ہیں۔(۵۷) اب ہم مرنے والے نہیں ہیں۔(۵۸) جو موت ہمیں آنی تھی وہ پہلے آچکی اب ہمیں کسی قسم کا عذاب نہیں ہوگا۔(۵۹) یقیناً یہ عظیم کامیابی ہے۔(۶۰) ایسی کامیابی کے لیے ہر عمل کرنے والے کو کوشش کرنی چاہیے۔"(۶۱)

جنت کے لیے صحیح عقیدہ اور صالح اعمال اختیار کریں۔

«عَنْ أَبِي سَعِيدٍ ﷺقَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُجَاءُ بِالْمَوْتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، كَأَنَّهُ كَبْشٌ أَمْلَحُ زَادَ أَبُو كُرَيْبٍ فَيُوقَفُ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، وَاتَّفَقَا فِي بَاقِي الْحَدِيث فَيُقَالَ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ هَلْ تَعْرِفُونَ هَذَا؟ فَيَشْرَئِبُّونَ وَيَنْظُرُونَ وَيَقُولُونَ نَعَمْ، هَذَا الْمَوْتُ، قَالَ وَيُقَالُ يَا أَهْلَ النَّارِ هَلْ تَعْرِفُونَ هَذَا؟ قَالَ فَيَشْرَئِبُّونَ وَيَنْظُرُونَ وَيَقُولُونَ نَعَمْ، هَذَا الْمَوْتُ، قَالَ فَيُؤْمَرُ بِهِ فَيُذْبَحُ، قَالَ ثُمَّ يُقَالُ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ، وَيَا أَهْلَ النَّارِ خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ»

(رواہ مسلم: بَابُ النَّارِ يَدْخُلُهَا الْجَبَّارُونَ وَالْجَنَّةُ يَدْخُلُهَا الضُّعَفَاءُ)

"حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا: قیامت کے دن موت مینڈھے کی شکل میں لائی جائے گی۔ ابوکریب نے کچھ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں کہ اسے جنت اور جہنم کے درمیان روک لیا جائے گا۔ پھر جنتیوں سے کہا جائے گا کیا تم اسے پہچانتے ہو تو وہ اسے پہچاننے کی کوشش کریں گے۔ اسے دیکھ کر کہیں گے ہاں

یہ موت ہے، جہنمیوں سے کہا جائے گا کیا تم بھی اسے پہچانتے ہو وہ بھی پہچاننے کی کوشش کریں گے غور سے دیکھ کر کہیں گے ہاں یہ موت ہے پھر حکم ہوگا اسے ذبح کر دیا جائے گا پھر کہا جائے گا اے جنتیو! تم جنت میں ہمیشہ رہو گے تمہیں موت نہیں آئے گی۔ اے جہنمیو! تم بھی جہنم میں ہمیشہ رہو تمہیں بھی موت نہیں آئے گی پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی انہیں حسرتوں والے دن سے ڈرائیں جب فیصلہ کیا جائے گا جس کے بارے میں وہ غفلت میں ہیں اور یہ ایمان نہیں لائیں گے۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ جہنم طول وعرض، گہرائی اور بالا خانوں کے اعتبار سے لامحدود ہوگی لیکن جونہی جنتی کسی جہنمی سے ہم کلام ہونے کی خواہش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی یہ خواہش بھی پوری فرما دے گا تاکہ جنتی کو اللہ کی رحمت اور اس کے انعامات کا احساس ہو اور جہنمی کی اذیت میں اضافہ ہو جائے جہنمی کہے گا کاش! میں "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھتا اور اس کے تقاضے پورے کرتا تو آج اپنے ساتھی کی طرح جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا اور جہنم کے عذاب سے محفوظ رہتا۔

جنتیوں کی جہنمیوں کے ساتھ گفتگو:

''جنتی باغوں میں ہوں گے مجرموں سے پوچھیں گے کہ تم جہنم میں کس وجہ سے داخل ہوئے؟ وہ کہیں گے ہم نماز ادا نہیں کرتے تھے اور ہم مساکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور کاموں میں لگے رہتے تھے اور ہم یوم جزا کا انکار کرتے تھے یہاں تک کہ ہمیں اس کا یقین ہوگیا۔'' (المدثر: ۴۰ تا ۴۸)

مسائل

۱۔ جنتیوں کو جہنمیوں سے ہم کلام ہونے کا موقع دیا جائے گا۔ ۲۔ جنتیوں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچے گی۔
۳۔ جنت میں داخلہ نصیب ہونا سب سے بڑی کامیابی ہے۔ ۴۔ سب لوگوں کو جنتیوں والے اعمال کرنے چاہئیں۔
۵۔ قیامت کو زندہ ہونے کے بعد موت نہیں آئے گی۔

تفسیر بالقرآن

سب سے بڑی کامیابی:

۱۔ ''اللہ تعالیٰ'' کا مومن کو ہمیشہ رہنے والی جنت میں داخل فرمانا مومن کیلئے بڑی کامیابی ہے۔ (التوبۃ: ۸۹)
۲۔ اللہ تعالیٰ کا مومنین کو باغات عطا کرنا اور اپنی رضامندی کا سرٹیفکیٹ عطا فرمانا بڑی کامیابی ہے۔ (التوبۃ: ۷۲)
۳۔ اللہ تعالیٰ کا مومنین کے ساتھ ان کی جانوں اور مالوں کے بدلے جنت کا سودا فرمانا۔ (التوبۃ: ۱۱۱)
۴۔ اللہ تعالیٰ پہ ایمان لانا اور اسی سے ڈرنا اور اللہ تعالیٰ کا انھیں بشارت سے نوازنا۔ (یونس: ۶۳ تا ۶۴)
۵۔ ہمیشہ رہنے والے باغات اور رہائش گاہوں کا وعدہ فرمانا۔ (الصف: ۱۲)
۶۔ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی سے برائی سے بچ جانا کامیابی ہے۔ (المومن: ۹)

اَذٰلِكَ	خَيْرٌ	نُّزُلًا	اَمْ	شَجَرَةُ	الزَّقُّوْمِ ۝٦٢
کیا یہ	بہتر ہے	مہمانی کے لحاظ سے	یا	درخت	تھوہر کا

اِنَّا	جَعَلْنٰهَا	فِتْنَةً	لِّلظّٰلِمِيْنَ ۝٦٣	اِنَّهَا	شَجَرَةٌ	تَخْرُجُ
بلاشبہ ہم نے	اسے بنایا	آزمائش	ظالموں کے لیے	بے شک وہ	درخت	نکلتا ہے

فِيْٓ	اَصْلِ	الْجَحِيْمِ ۝٦٤	طَلْعُهَا	كَاَنَّهٗ	رُءُوْسُ	الشَّيٰطِيْنِ ۝٦٥
میں	گہرائی	دوزخ کی	اس کا پھل	گویا کہ وہ	سر ہیں	شیطانوں کے

فَاِنَّهُمْ	لَاٰكِلُوْنَ	مِنْهَا	فَمَالِـُٔوْنَ	مِنْهَا	الْبُطُوْنَ ۝٦٦	ثُمَّ
پس بلاشبہ وہ	البتہ کھائیں گے	اس سے	پھر بھرلیں گے	اس سے	پیٹوں کو	پھر

اِنَّ	لَهُمْ	عَلَيْهَا	لَشَوْبًا	مِّنْ	حَمِيْمٍ ۝٦٧
بے شک	ان کے لیے	اس کے اوپر	البتہ ملونی ہوگی	سے	گرم پانی

”کیا جنت کی مہمان نوازی اچھی ہے یا زقوم کا درخت۔ (٦٢) ہم نے اُس درخت کو ظالموں کے لیے آزمائش بنایا ہے۔ (٦٣) یقیناً وہ درخت جہنم کی تہہ سے نکلتا ہے۔ (٦٤) اُس کے شگوفے ایسے ہیں جیسے شیطانوں کے سر ہوتے ہیں (٦٥) جہنم کے لوگ اسے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے۔ (٦٦) پھر پینے کے لیے ان کو کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا۔ (٦٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنت کی نعمتوں اور عیش وعشرت کے مقابلے میں جہنمیوں کی سزا اور ان کی بدترین خوراک۔

جنتیوں کی تکریم وتعظیم اور اس کی نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد جہنم کی بدترین خوراک بتلا کر استفسار فرمایا ہے کہ بتاؤ! جنت کے انواع واقسام کے کھانے اور پھل بہتر ہیں یا کھانے کیلئے تھوہر کا درخت بہتر ہے؟ جسے اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے لیے آزمائش بنایا ہے یہ درخت جہنم کی تہہ سے اُگے گا اس کے شگوفے شیطانوں کے سروں کی طرح ہوں گے۔ جہنمی اس کو کھائیں گے اور اپنے پیٹ بھرنے کی کوشش کریں گے۔ اسے نگلنے کے لیے ابلتا ہوا پانی دیا جائے گا اور پھر انہیں جہنم کے ایک اور گڑھے کی طرف دھکیلا جائے گا یہ سزا اس لیے ہوگی کیونکہ یہ لوگ اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرنے کی بجائے اپنے گمراہ آباء واجداد کی پیروی کرتے رہے اور اسی طرح نسل درنسل گمراہ ہوتے چلے گئے حالانکہ انہیں انتباہ کرنے کے لیے ان کی طرف رسول بھیجے تھے لیکن مخلص بندوں کے سوا باقی تمام لوگ گمراہ ہوئے۔ جس کے نتیجہ میں ان کا دنیا میں بھی انجام بدتر ہوا اگر دیکھنا چاہو تو تاریخ کے اوراق اور جغرافیائی نشانات سے ان کا انجام دیکھ سکتے ہو۔ جہنم کی تہہ سے اگنے والے شجرۃ الزّقوم

ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿۶۸﴾ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا

پھر | بے شک | ان کا لوٹنا ہے | البتہ طرف | جہنم کی | بلاشبہ وہ | انہوں نے پایا

اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿۶۹﴾ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾

اپنے باپ دادا کو | گمراہ | چنانچہ وہ | پر | ان کے نشانات | دوڑائے جاتے ہیں

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا

اور البتہ تحقیق | گمراہ ہوئے | ان سے پہلے | بہت سے | اگلے لوگ | اور البتہ تحقیق | ہم نے بھیجے

فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾

ان میں | ڈرانے والے | پھر دیکھیے | کیسا | ہوا | انجام | جن کو ڈرایا گیا

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۷۴﴾ ع

سوائے | بندے | اللہ کے | خالص کیے ہوئے

پھر ان کا لوٹنا دوزخ کی طرف ہوگا۔(۶۸) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا۔(۶۹) اور اُنہی کے نقشِ قدم پر دوڑتے چلے گئے۔(۷۰) حالانکہ اُن سے پہلے بہت سے لوگ گمراہ ہو چکے تھے۔(۷۱) اور یقیناً ہم نے اُن میں تنبیہ کرنے والے رسول بھیجے تھے۔(۷۲) اب دیکھ لو کہ جن کو تنبیہ کی گئی تھی ان کا کیا انجام ہوا۔(۷۳) اللہ کے وہی بندے بچے ہیں جنہیں اس نے اپنے لیے خالص کر لیا ہے۔''(۷۴)

جسے اُردو زبان میں تھوہر کا درخت کہا جاتا ہے ہمارے ہاں یہ درخت اکثر قبرستانوں میں پایا جاتا ہے جس کی کچھ قسمیں ایسی ہیں جو بالکل شیطان کے سر دکھائی دیتے ہیں۔ شیطان کا سر ایک محاورہ بھی ہے لوگ ہر اُس بُری اور پراگندہ چیز کو شیطان کے سر کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں جسے دیکھتے ہی آدمی کی طبیعت میں کراہت اور نفرت پیدا ہوتی ہے۔ "شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ" اسی قسم کا درخت ہوگا جو جہنم کی تہہ میں پیدا ہوگا جسے کفارِ مکہ نے یہ کہہ کر مذاق کا نشانہ بنایا کہ آگ میں درخت کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔ درحقیقت یہ ان کے دماغ کا فتور اور قرآن مجید کے ساتھ انکار کرنے کا انداز تھا ورنہ وہ بھی جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے یہ مشکل کام نہیں کہ وہ آگ کی تہہ سے درخت پیدا کرے کیونکہ اُن کا یہ ایمان تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نمرود کی آگ سے محفوظ رکھا تھا۔

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ جنتیوں کو فرمائے گا کہ اے جنتیو! جنتی عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم راضی ہو؟ جنتی کہیں گے ہم کیوں راضی نہ ہوں کیونکہ آپ نے ہمیں وہ کچھ عطا کیا ہے جو آپ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی

عطا نہیں کیا اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تمہیں اس سے بھی افضل چیز دینا چاہتا ہوں جنتی کہیں گے اے ہمارے رب! اس سے افضل چیز کون سی ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تم پر راضی ہو گیا ہوں اور اس کے بعد تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔'' (رواہ البخاری: باب صفة الجنة والنار)

«عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْثَالَ الذَّرِّ فِيْ صُوَرِ الرِّجَالِ يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَيُسَاقُوْنَ إِلَي سِجْنٍ فِيْ جَهَنَّمَ يُسَمّٰى بُوْلَسَ تَعْلُوْهُمْ نَارُ الْأَنْيَارِ يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ أَهْلِ النَّارِ طِيْنَةَ الْخَبَالِ»

(رواہ الترمذی: کتاب صفة القيامة [حسن])

''حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے باپ سے وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن متکبر لوگ چیونٹیوں کی صورت میں لائے جائیں گے انہیں ہر طرف سے ذلت ڈھانپے ہوئے ہوگی اور انہیں بولس نامی جہنم کی جیل میں لے جایا جائے گا ان پر آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہوں گے اور انہیں جہنمیوں کے زخموں کی پیپ پلائی جائے گی۔''

مسائل

۱۔ جہنمیوں کو کھانے کے لیے تھوہر کا درخت اور پینے کے لیے ابلتا ہوا پانی دیا جائے گا۔

۲۔ جہنمیوں کا جہنّم میں جانے کا ایک بنیادی سبب یہ ہوگا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے میں اپنے آباء اجداد کے رسم و رواج کو دین سمجھتے تھے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان کے بُرے انجام سے آگاہ کرنے کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے۔

تفسیر بالقرآن

جنتیوں اور جہنمیوں میں فرق:

۱۔ قیامت کے دن جنتیوں کے چہروں پر ذلت اور نحوست نہیں ہوگی اور وہ جنت میں رہیں گے۔ (یونس: ۲۶)

۲۔ جنتیوں کے چہرے تر و تازہ ہوں گے (القیامہ: ۲۲) ۳۔ جنتیوں کو ملائکہ سلام کہیں گے۔ (الزمر: ۷۳)

۴۔ جنتیوں کا استقبال ہوگا۔ (الزمر: ۷۳) ۵۔ جنتیوں کو ملائکہ سلام کریں گے۔ (الفرقان: ۷۵)

۶۔ جہنمیوں کے چہروں پر ذلت چھائی ہوگی انہیں اللہ سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ (یونس: ۲۷)

۷۔ جہنمیوں کے چہرے بگڑے ہوئے ہوں گے۔ (الحج: ۷۳) ۸۔ جہنمیوں کے چہروں پر گرد و غبار ہوگا۔ (عبس: ۴۰)

۹۔ خدا کے باغیوں پر پھٹکار ہوگی۔ (یونس: ۲۷) ۱۰۔ مجرموں کے چہرے ڈرے اور اُوندھے ہوں گے۔ (الغاشیہ: ۲)

۱۱۔ کفار کے چہرے مرجھائے اور اُڑے ہوئے ہوں گے۔ (القیامۃ: ۲۴) ۱۲۔ جہنمیوں پر ملائکہ لعنت کریں گے۔ (الزمر: ۷۲)

وَ لَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَ نَجَّيْنٰهُ

اورالبتہ تحقیق پکاراہمیں نوح نے پس ہم خوب قبول کرنے والے ہیں اور ہم نے نجات دی اسے

وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَ جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ

اوراس کے اہل کو سے پریشانی بڑی اور ہم نے کر دیا اس کی اولاد کو وہی

الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰى

باقی رہنے والے اور ہم نے چھوڑا اس پر میں پیچھے آنے والوں سلام پر

نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾

نوح میں جہانوں بلاشبہ ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۲﴾

بے شک وہ سے ہمارے بندوں مومن پھر ہم نے غرق کردیا دوسروں کو

”اور ہم کو نوح نے پکارا تو ہم نے اسے بہت اچھا جواب دیا۔(۷۵) ہم نے اُس کو اور اُس کے گھر والوں کو بڑے کرب سے بچا لیا۔(۷۶) اور اُس کی نسل کو باقی رکھا۔(۷۷) اور بعد کی نسلوں میں اُس کی اچھی شہرت رکھ دی۔(۷۸) تمام دنیا والوں میں نوح پر سلام ہو۔(۷۹) ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔(۸۰) یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔(۸۱) پھر ہم نے دوسرے گروہ کو غرق کر دیا۔“(۸۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنمیوں کے مقابلے میں مخلص بندوں کا انجام جن کے حضرت نوح علیہ السلام سردار ہیں لہٰذا ان کا واقعہ سماعت فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی اقوام میں انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا لیکن لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا جس کے نتیجے میں وہ لوگ دنیا میں ذلیل ہوئے اور آخرت میں جہنم کا ایندھن بنیں گے سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے اخلاص کے ساتھ اللہ اور اس کے رسولوں کی اطاعت کی انہیں دنیا کے عذاب سے بچا لیا گیا اور آخرت میں وہ کامیاب ٹھہریں گے۔ ان مخلصین میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے رفقائے کرام سرفہرست ہیں۔ جب نوح علیہ السلام کو ان کی قوم نے یکسر طور پر ٹھکرا دیا اور بار بار ان سے عذاب لانے کا مطالبہ کیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور ان الفاظ میں فریاد کی بارِ الٰہا میں اپنی قوم کے سامنے بے بس ہوگیا ہوں اس لیے میری مدد فرما۔(المومنون:۲۶) اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی فریاد کو قبول فرمایا جس کے نتیجے میں آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے اور زمین سے پانی کے

چشمے ابل پڑے پانی پہاڑوں کی چوٹیوں کے اوپر سے بہنے لگا۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے سوا سب لوگوں کو غرقاب کر دیا گیا۔ جس کا تذکرہ سورۃ ہود، سورۃ شعراء، سورۃ قمر اور سورۃ نوح میں موجود ہے۔ یہاں اختصار کے ساتھ صرف اتنا بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے نوح علیہ السلام اور اس کے اہل کو کرب عظیم سے نجات دی اور ان کی اولاد کو باقی رکھا اور رہتی دنیا تک ان کا ذکرِ خیر جاری فرمایا۔ نوح علیہ السلام پر ہمیشہ اللہ کی رحمتوں کا نزول ہوتا رہے گا اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ بندوں میں شامل ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات بخشی اور ان کے مخالفوں کو ڈبکیاں دے دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا یہ بحث سورۃ ہود میں گزر چکی ہے کہ طوفانِ نوح پوری دنیا میں آیا تھا یا زمین کے اس حصہ پر جہاں نوح علیہ السلام اور ان کی قوم آباد تھی البتہ یہ وضاحت کر دی گئی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور ان کا بیٹا غرق ہونے والوں میں شامل تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے باقی بیٹے ان پر ایمان لائے جن کی نسل کو اللہ تعالیٰ نے بڑی افزائش سے نوازا جس کا ذکر یہاں خصوصی طور پر کیا گیا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو کربِ عظیم سے بچا لیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی حضرت نوح علیہ السلام پر ہمیشہ رحمتیں نازل ہوتیں رہیں گی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کو ہر قسم کی برکات سے سرفراز فرمایا۔

۴۔ نوح علیہ السلام کے مخالفوں کو غرق کر دیا گیا۔

تفسیر بالقرآن

طوفانِ نوح علیہ السلام کا ایک منظر:

۱۔ قومِ نوح طوفان کے ذریعے ہلاک ہوئی۔ (الاعراف: ۱۳۶)

۲۔ حضرت نوح نے اپنے بیٹے کو فرمایا آج کے دن اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں۔ (ہود: ۴۳)

۳۔ عذاب کے وقت تندور نے اُبلنا شروع کر دیا۔ (ہود: ۴۰)

۴۔ قومِ نوح پر عذاب کی صورت میں آسمان سے پانی برسا اور جگہ جگہ زمین پھٹ پڑی۔ (ہود: ۴۴)

۵۔ قومِ نوح کو تباہ کرنے کے لیے آسمان سے موسلا دھار بارش کے دھانے کھول دیئے گئے۔ (القمر: ۱۱)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کرنے والوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ (الشعراء: ۱۲۰)

وَاِنَّ	مِنْ	شِيْعَتِهٖ	لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿٨٣﴾	اِذْ	جَآءَ
اور بے شک	سے	اسی جماعت	البتہ ابراہیم ہیں	جب	وہ آیا

رَبَّهٗ	بِقَلْبٍ	سَلِيْمٍ ﴿٨٤﴾
اپنے رب کے پاس	دل کے ساتھ	پاک

''اور اسی جماعت کے ساتھ ہی ابراہیم کا تعلق تھا۔(٨٣) جب وہ اپنے رب کے حضور قلبِ سلیم لے کر آیا۔''(٨٤)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کئی پیغمبر مبعوث کیے گئے ان میں سب سے نمایاں ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت گرامی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی دعوت کے ساتھ مبعوث کیے گئے جو حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے پیروکار انبیاء کرام دیا کرتے تھے۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یوں تعارف کروایا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اسی مقدس جماعت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جن کا تعلق حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ہے حضرت ابراہیم کو جب بھی اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم دیا یا کسی آزمائش میں ڈالا تو وہ دل و جان سے اپنے رب کے حضور پیش ہوئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں خراجِ تحسین سے نوازا ہے جب ابراہیم قلبِ سلیم کے ساتھ اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ قلبِ سلیم سے مراد وہ دل ہے جس میں اللہ کے سوا کسی کی محبت غالب نہ ہو اور وہ ہر حال میں بلا شرکتِ غیرے اپنے رب کی سمع و اطاعت کے لیے تیار رہے۔ قلب سلیم کی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ، قوم اور حکمرانوں کی مخالفت مول لی اور آگ میں جانا گوارا کر لیا مگر اپنے رب کے ساتھ کسی قسم کا شرک گوارا نہ کیا قلبِ سلیم کی بدولت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا وطن چھوڑا، قلبِ سلیم کی بنیاد پر ہی انہوں اپنی رفیقہ حیات اور نونہال کو عرب کے ویرانے میں چھوڑا تھا اور اسی قلبِ سلیم کی بنیاد پر ہی انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے حلقومِ نازک پر چھری چلائی۔ اسی قلبِ سلیم کی وجہ سے انہوں نے بتوں کو پاش پاش کیا تھا۔

((عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَقُولُ فِي صَلَاتِهِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ قَلْبًا سَلِيمًا وَلِسَانًا صَادِقًا)) (رواہ النسائی: باب نَوْعٌ آخَرُ مِنَ الدُّعَاءِ [ضعیف])

''شدّاد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نماز میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے قلبِ سلیم، صدقِ لسان کا سوال کرتا ہوں۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ سے قلبِ سلیم کی دعا کرنی چاہیے۔ ٢۔ قلبِ سلیم والا شخص ہی جنت میں داخل ہوگا۔

اِذْ	قَالَ	لِاَبِيْهِ	وَقَوْمِهٖ	مَاذَا	تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ ج
جب	اس نے کہا	اپنے باپ کے لیے	اور اپنی قوم کے لیے	کس چیز کی	تم عبادت کرتے ہو
اَئِفْكًا	اٰلِهَةً	دُوْنَ	اللّٰهِ	تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ ط	فَمَا
کیا جھوٹے گھڑے ہوئے	معبود	سوا	اللہ کے	تم چاہتے ہو	پھر کیا
ظَنُّكُمْ	بِرَبِّ	الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾			
خیال ہے تمہارا	رب کے ساتھ	جہانوں کے			

”جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ کیا ہیں جن کی تم عبادت کر رہے ہو؟ (۸۵) کیا اللہ کو چھوڑ کر جھوٹے معبود چاہتے ہو۔ (۸۶) تمہارا رب العالمین کے بارے میں کیا خیال ہے؟“ (۸۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ اور قوم کو مشترکہ خطاب۔

سورۃ مریم آیت ۴۲ تا ۴۵ میں موجود ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے والد کو سمجھایا کہ اے میرے والدِ گرامی! جن کے سامنے آپ اپنی حاجات اور نذر و نیاز پیش کرتے ہیں نہ یہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی آپ کو کوئی فائدہ دے سکتے ہیں۔ اسی بات کو ابراہیم علیہ السلام نے باپ اور قوم سے مشترکہ خطاب میں یوں بیان فرمایا۔ اے والد گرامی اور میری قوم کے لوگو! اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو اور جن کے سامنے تم اپنی حاجات پیش کرتے ہو ان کی کوئی حقیقت اور حیثیت نہیں یہ بتاؤ! کہ ربّ العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ یعنی جو عبادات اور آداب اللہ کے حضور بجالانے چاہئیں وہ اس کے سوا دوسروں کے سامنے کرتے ہو۔ قرآن مجید کی تلاوت سے یہ بات آشکارہ ہوتی ہے کہ ہر دور کے کلمہ پڑھنے والے مشرک زندہ اور فوت شدہ بزرگوں اور غیر مسلم اپنے دیوتاؤں کے بارے میں ایسے ہی تخیلات رکھتے اور باتیں کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں رکھنے چاہئیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے مشرکوں کے عقیدہ اور خیالات کے لیے ”اِفْكًا“ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنٰی جھوٹ اور بناوٹی عقائد اور خیالات ہیں اسی بنا پر ایک مشرک کہتا ہے کہ فلاں قبر والا یا دیوتا اولاد دیتا ہے دوسرا کہتا ہے کہ فلاں بزرگ فلاں کام کرتا ہے یہ لوگ جھوٹی کرامات اور من گھڑت افسانے ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کرتے رہتے ہیں حالانکہ ان میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ قرآن مجید نے ایسے خیالات اور آداب کو بزرگوں اور دیوتاؤں کی عبادت کرنے سے تعبیر کیا ہے یہاں تک کہ زندہ یا فوت شدہ بزرگ یا بت وغیرہ کے سامنے سجدہ کرنا، جھکنا اور نذر و نیاز پیش کرنا ہے یہ ہر مذہب میں عبادت شمار کیے جاتے ہیں، بے شک اُنہیں تعظیم اور ثواب کے طور پر ادا کیا جائے یا عادتاً یا سیاسی اور سماجی رسم کے طور پر کیا جائے حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کے سوا یا اللہ کے ساتھ دوسروں کی عبادت کرنا ہے جس سے تمام انبیائے کرام علیہم السلام منع کرتے رہے ہیں۔

مزارات پر چڑھاوا چڑھانا اور میّت کے لیے نذر ماننا حرام ہے:

بریلوی مکتبہ فکر کے مفتی علامہ غلام رسول سعیدی تحریر فرماتے ہیں کہ جو شخص اولیاء اللہ کی نذر و نیاز اس طرح مانتا ہے ''اے سیدی! اگر میرا گم شدہ شخص لوٹ آئے یا میرا بیمار تندرست ہو گیا یا میری حاجت پوری ہو گئی تو میں آپ کو اتنا سونا، چاندی، کھانا، موم بتیاں یا تیل دوں گا یہ نذر و نیاز بالاجماع باطل اور حرام ہے اور اس پر متعدد دلائل ہیں پہلی دلیل یہ ہے کہ یہ مخلوق کی نذر ہے اور مخلوق کی نذر جائز نہیں ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کی عبادت جائز نہیں ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ نذر ماننے والے کا یہ گمان ہے کہ اشیاء میں اللہ نہیں میّت کا تصرّف ہے تو اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔

(شرح صحیح مسلم از غلام رسول سعیدی: کتاب النذر)

شرکیہ مقام سے بچنا بھی لازم ہے:

''ابو قلابہ کہتے ہیں مجھے ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک آدمی نے بوانہ نامی جگہ پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر عرض کی میں نے نذر مانی ہے کہ میں بوانہ کے مقام پر اونٹ ذبح کروں گا آپ نے فرمایا: کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے پوچھا: کیا وہاں کوئی ان کا میلہ لگتا تھا؟ صحابہ نے نفی میں جواب دیا آپ نے فرمایا: اپنی نذر پوری کرو کیونکہ اللہ کی نافرمانی والی نذر پوری نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی وہ نذر پوری کرنا لازم ہے جس کی آدمی طاقت نہیں رکھتا۔'' (رواہ أبو داؤد: کتاب الأیمان والنذور [صحیح])

مسائل

۱۔ مشرک اپنے من ساختہ معبودوں کے بارے میں جھوٹی کرامات اور من گھڑت واقعات بیان کرتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی بجائے مشرک غیروں پر زیادہ بھروسہ کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کا مرکزی پیغام:

۱۔ نوح علیہ السلام کا فرمان کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور دوسروں کو چھوڑ دو۔ (ھود: ۲۶)

۲۔ ھود علیہ السلام نے صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دی اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا۔ (الاعراف: ۶۵)

۳۔ صالح علیہ السلام نے صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دی اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا۔ (الاعراف: ۷۳)

۴۔ شعیب علیہ السلام نے صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے کی طرف بلایا اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا۔ (الاعراف: ۸۵)

۵۔ یوسف علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کرنے کی طرف بلایا۔ (یوسف: ۴۰)

۶۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کرنیکا حکم دیا۔ (المائدۃ: ۷۲) ۷۔ تمام انبیاء کو صرف اللہ کی عبادت کرنیکا حکم ہوا۔ (البینۃ: ۵)

فَنَظَرَ	نَظْرَةً	فِي	النُّجُوْمِ ﴿٨٨﴾	فَقَالَ	اِنِّيْ	سَقِيْمٌ ﴿٨٩﴾
پھراس نے دیکھا	ایک نظر دیکھنا	میں	ستاروں	پھراس نے کہا	بےشک میں	بیمار ہوں

فَتَوَلَّوْا	عَنْهُ	مُدْبِرِيْنَ ﴿٩٠﴾	فَرَاغَ	اِلٰٓى	اٰلِهَتِهِمْ
چنانچہ وہ واپس پھرے	اس سے	پیٹھ پھیرتے ہوئے	پھر وہ متوجہ ہوا	طرف	ان کے معبودوں کی

فَقَالَ	اَلَا	تَاْكُلُوْنَ ﴿٩١﴾	مَا	لَكُمْ	لَا	تَنْطِقُوْنَ ﴿٩٢﴾	فَرَاغَ
اس نے کہا	کیوں نہیں	تم کھاتے ہو	کیا ہے	تمہارے لیے	نہیں	تم بولتے	متوجہ ہوا

عَلَيْهِمْ	ضَرْبًا	بِالْيَمِيْنِ ﴿٩٣﴾
ان پر	مارتا ہوا	دائیں ہاتھ سے

’’پھر اُس نے ستاروں پر ایک نظر ڈالی۔(۸۸) اور کہا میری طبیعت خراب ہے۔(۸۹) چنانچہ وہ لوگ اُسے چھوڑ کر چلے گئے۔(۹۰) ابراہیم ان کے معبودوں کے پاس گئے اور کہا تم کھاتے کیوں نہیں ہو۔(۹۱) تمہیں کیا ہے کہ تم بولتے نہیں ہو۔(۹۲) اس کے بعد وہ ان پر پل پڑا اور دائیں ہاتھ سے ضربیں لگائیں۔‘‘(۹۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام : حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معبودانِ باطل کے خلاف اقدام۔

نہ معلوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کتنا عرصہ باپ اور قوم کو سمجھاتے رہے طویل عرصہ تک سمجھانے کے باوجود جب قوم سمجھنے کے لئے تیار نہ ہوئی تو آپ نے سوچا کہ اگر انکی سمجھ میں دلائل نہیں آرہے اور یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹے ہوئے ہیں اور ان مورتیوں پر مرے جارہے ہیں تو ان کے معبودوں کی عملی طور پر خبر لینی چاہئے، تب بلا خوف وخطر فرمایا کہ اللہ کی قسم یہ مجسمے میرے لیے ناقابل برداشت ہو گئے ہیں۔(الانبیاء:۵۷)

اتفاق کی بات دیکھیے اسی کشمکش میں قوم کا میلہ آجاتا ہے مشرک قوم ایسے میلوں میں نہ صرف خود جاتی ہے بلکہ وہ ہر کسی کو ان خرافات میں دیکھنا چاہتی ہے۔اسی شوقِ غلیظ کے ساتھ انہوں نے جناب ابراہیم علیہ السلام کو دعوت دی آئیں آپ بھی چلیں لیکن انہیں کیا معلوم کہ ابراہیم علیہ السلام تو ایسی خرافات کو مٹانے کے لیے دن رات پیچ وتاب کھا رہے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا۔

{ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿٨٩﴾ } (الصّٰٓفّٰت ۸۸،۸۹)

’’تاروں کی طرف دیکھا اور کہا میں بیمار ہوں۔‘‘

اس جملے کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ بیمار ہوں یا اس لیے آسمان کی طرف دیکھا ہو کہ اے مالک!

اب میرے اعلان پر عمل کرنے کا وقت آ گیا ہے تو میری مدد فرما۔ یا پھر اس حیرانگی سے دیکھا ہو جیسا کہ بعض موقعوں پر آدمی حیران ہو کر آسمان کی طرف دیکھتا ہے کہ عجب لوگ ہیں میرے عقیدے کو جاننے کے باوجود مجھے میلے کی دعوت دے رہے ہیں۔ بعض لوگوں نے یہ لکھا ہے کیونکہ آپ کی قوم ستاروں سے شگون لیتی تھی اس لئے آپ نے اوپر دیکھ کر "إِنِّي سَقِيمٌ" کہا تا کہ یہ اصرار نہ کریں اور اپنے عقیدہ کے مطابق تاثر لے کر بغیر تکرار کے چلے جائیں (واللہ اعلم) بہر حال وہ آپ کو چھوڑ کر عوامی میلے کی طرف چل دیئے۔

{ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ۞ } (الصّٰفّٰت:۹۰)

''چنانچہ وہ انہیں پیچھے چھوڑ گئے۔''

دن گنے جاتے تھے جس دن کے لیے اب وہ وقت آیا ہے جو کہا تھا اُسے کر دِکھایا جائے چنانچہ مندر میں گھس گئے اور غیرت وجلال میں آ کر فرمانے لگے۔

{ فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ۞ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ۞ } (الصّٰفّٰت:۹۱،۹۲)

''ابراہیم چپکے سے ان کے معبودوں میں جا گھسے اور کہا تم کھاتے کیوں نہیں؟ تم بولتے کیوں نہیں ہو؟

اللہ اللہ! آپ کی غیرت وجلالت کا عجیب منظر ہوگا معلوم تھا اور خود ہی تو اعلان کیا کرتے تھے یہ نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی بول سکتے ہیں لیکن آج خود ہی بلائے جا رہے ہیں کبھی مومن پر ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ غیرتِ توحید سے لبریز اور دوسروں کو درسِ توحید دینے کے لیے ایسا بھی کرتا ہے، جیسا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے طوافِ کعبہ کے وقت حجر اسود کو کہا تھا ''میں جانتا ہوں تیری حقیقت کو کہ تو ایک پتھر کا ٹکڑا ہے میں تجھے اس لیے چوم رہا ہوں کیونکہ میں نے سرورِ گرامی علیہ السلام کو تجھے چومتے ہوئے دیکھا تھا۔

{ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ۞ } (الصّٰفّٰت:۹۳)

''پھر ان کو دائیں ہاتھ سے پھوڑنا شروع کیا۔''

ابراہیم علیہ السلام بڑے ذہین تھے:

{ فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا إِلَّا كَبِيرًا لَهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ ۞ } (الأنبياء:۵۸)

''پھر بتوں کو توڑ پھوڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا مگر بڑے کو چھوڑ دیا تا کہ وہ اسکی طرف رجوع کریں۔''

جتنے بھی نبی اپنے اپنے زمانے میں تشریف لائے وہ اپنے دور کے سب سے بڑے ذہین اور فطین تھے۔ دیکھیے ابراہیم علیہ السلام کتنے زیرک اور فطین ہیں کہ سب بتوں کو توڑا مگر بڑے کو چھوڑ دیا تا کہ قوم واپس آ کر دیکھے گی تو اس حادثے پر غور و فکر کرتے ہوئے یقیناً اس کی طرف رجوع کرے گی۔

اگر "إِلَيْهِ" کی ضمیر (اشارہ) بڑے بت کی طرف ہو تو مطلب یہ ہے کہ لوگ واپس آ کر سوچیں گے کہ بڑے میاں

نے کسی بات پر ناراض ہو کر چھوٹوں کا تیا پانچہ کر دیا ہے یا کم از کم یہ تو ان کے دلوں میں خیال آئے گا کہ واقعی ابراہیم سچ کہتا تھا کہ یہ سب بے کار ہیں نہ انہوں نے اپنے آپ کو بچایا اور نہ یہ بڑے میاں ایسا ہونے سے روک سکے اگر "اِلَیْہِ" کا اشارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہو تو معنی بالکل صاف ہے کہ جب میرے پاس آئیں گے تو بات کرنے کا مزید موقع مل جائے گا میں کہونگا مجھے پوچھنے کی بجائے اپنے عقیدے کے مطابق ان سے پوچھو ان کا بڑا موجود ہے وہ بتائے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا ہے۔

{ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۞ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۞ }

(الانبیاء: ۵۹،۶۰)

"کہنے لگے ہمارے خداؤں کا یہ حال کس نے کیا ہے؟ وہ بڑا ہی ظالم ہے کچھ کہنے لگے ہم نے ان کے خلاف ابراہیم نامی نوجوان کو چیلنج کرتے سنا ہے۔"

نبی معظم ﷺ کی سنت اور فرمان:

((عَنْ أَبِي الْهَيَّاجِ الأَسَدِيِّ قَالَ قَالَ لِي عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رضي الله عنه أَلاَّ أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ لاَ تَدَعَ تِمْثَالاً إِلاَّ طَمَسْتَهُ وَلاَ قَبْرًا مُشْرِفًا إِلاَّ سَوَّيْتَهُ))

(رواہ مسلم: کتاب الجنائز)

"ابوالھیاج اسدی کہتے ہیں مجھے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تجھے اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا کہ ہر تصویر کو مٹا دو اور جو اونچی قبر دیکھو اسے برابر کر دو۔"

مسائل

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام شرک سے انتہائی نفرت کرنے والے تھے۔

۲۔ انبیاء کرام علیہم السلام میلوں ٹھیلوں میں شرکت نہیں کرتے تھے۔

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑے بت کے سوا سب کو توڑ دیا۔

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے غیرتِ توحید میں آکر بتوں کو مخاطب کیا حالانکہ ان کا عقیدہ تھا کہ بت نہ سُنتے ہیں اور نہ نفع و نقصان کے مالک ہیں۔

۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑ کر ثابت کر دیا کہ یہ اپنے یا کسی کے نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔

فَاَقْبَلُوْٓا	اِلَيْهِ	يَزِفُّوْنَ ﴿٩٤﴾	قَالَ	اَتَعْبُدُوْنَ	مَا
پھر وہ آئے	اس کی طرف	وہ دوڑتے ہوئے	اس نے کہا	کیا تم عبادت کرتے ہو	جن کو
تَنْحِتُوْنَ ﴿٩٥﴾	وَاللّٰهُ	خَلَقَكُمْ	وَمَا	تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾	
تم خود تراشتے ہو	اور اللہ	اس نے پیدا کیا تم کو	اور وہ جو	تم کرتے ہو	

”واپس آکر وہ لوگ بھاگے بھاگے ابراہیم کے پاس آئے۔(۹۴) اس نے کہا کیا تم اپنی ہی تراشی ہوئی چیزوں کو پوجتے ہو۔(۹۵) حالانکہ ”اللہ“ ہی نے تمہیں اور اُن چیزوں کو بھی جنہیں تم بناتے ہو پیدا کیا ہے۔“(۹۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قوم کا شدید ردِّعمل۔

قوم جب واپس پلٹی تو ان کی خوشی، غم اور پریشانی میں تبدیل ہوگئی زبردست اضطراب اور شدید ہنگامہ برپا ہوا ہنگامی حالات کا اعلان ہوا اجلاس پہ اجلاس بلائے جارہے ہیں تاکہ عوام کو اپنی کارکردگی دکھا کر فوری طور پر مطمئن کیا جائے، چنانچہ دفعتاً فیصلہ سنایا گیا۔

{ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿٦١﴾ } (الانبیاء:۶۱)

”انھوں نے کہا کہ ابراہیم کو لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ لوگ گواہ ہوں۔“

{ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿٩٤﴾ } (الصّٰفّٰت:۹۴)

”وہ ابراہیم کی طرف دوڑتے ہوئے آئے۔“

اللہ ہی کو معلوم ہے کہ لوگ کس غیظ وغضب کے ساتھ آپ کو پکڑ کر لائے ہوں گے کتنے آوازے کسے ہوں گے اور کتنی گستاخیاں کی ہوں گی؟ لیکن ابراہیم ہجوم مشرکین کو زمین کے ذرات سے بھی حقیر تصور کرتے ہوئے ایسی جرأت اور مردانگی سے جواب دیتے ہیں کہ ان کی کئی کئی گز لمبی زبانیں اس طرح گنگ ہوگئیں، جیسے ان کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ ان میں نام نہاد دانشور، پڑھے لکھے اور ان پڑھ ہر قسم کے لوگ موجود ہیں لیکن کوئی بولنے کی جرأت نہیں کرپاتا۔

{ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿١١٧﴾ }

(المؤمنون:۱۱۷)

”جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو پکارتے ہیں ان کے پاس ان کو پکارنے کی کوئی دلیل نہیں ان کا حساب رب کے ذمہ ہے یقین جانو کہ کافر کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔“

اسی لیے تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ تم سب کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے لہٰذا اسی کی عبادت کرو لیکن قوم ایمان لانے کی بجائے ابراہیم علیہ السلام کو جلا دینے کا فیصلہ کرتی ہے۔

قَالُوا	ابْنُوا	لَهٗ	بُنْيَانًا	فَاَلْقُوْهُ	فِي
انہوں نے کہا	تم بناؤ	اس کے لیے	عمارت	پھرتم ڈال دواس کو	میں
الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾	فَاَرَادُوْا	بِهٖ	كَيْدًا	فَجَعَلْنٰهُمُ	الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾
دہکتی آگ	چنانچہ انہوں نے ارادہ کیا	اس کے ساتھ	چال کا	ہم نے انہیں کردیا	ذلیل

''انہوں نے آپس میں کہا اس کے لیے آگ کا ایک الاؤ تیار کرواورا سے اس میں پھینک دو۔(۹۷) انہوں نے اس کے خلاف کارروائی کی مگر ہم نے انہیں ذلیل کردیا۔''(۹۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قوم کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف فیصلہ۔

{قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾} (الانبیاء:۵۹تا۶۱)

''کہنے لگے ہمارے معبودوں کے ساتھ جس نے یہ زیادتی کی ہے واقعتاوہ بڑا ظالم شخص ہے(مجمع سے آواز آئی) ہم نے سنا ہے ایک نوجوان ان بتوں کے خلاف گفتگو کرتا ہے اس کا نام ابراہیم ہے۔سردار کہنے لگے اس کو پکڑ کر لوگوں کے سامنے حاضر کروتا کہ لوگ بھی اس کی شکل دیکھ لیں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجمع میں بلانے کا مقصد یہ تھا کہ عوام بھی گواہ اور مطمئن ہو جائیں کہ جو سزا اس کو دی جارہی ہے واقعی یہ اسی سزا کا مستحق ہے۔

''کہنے لگے اگر کچھ کر گزرنا چاہتے ہو تو اسے زندہ جلا دو اس طرح اپنے خداؤں کی مدد کرو۔''(الانبیاء:۶۸)

امن عامہ کے تحت گرفتاری

حکمران نے فوراً حکم دیا کہ امن عامہ کے تحت ابراہیم علیہ السلام کو گرفتار کرلیا جائے چنانچہ آپ کو کئی دن تک جیل میں رکھا گیا اور پھر بادشاہ کی کونسل نے انہیں زندہ جلا دینے کا فیصلہ کیا بالفاظ دیگر عوام اور حکمران سب کے سب اس بات پر متفق ہوئے کہ اس کو زندہ نہ چھوڑا جائے بلکہ اسے عبرتناک سزا دی جائے فیصلہ ہوا کہ ''اس کے لیے ایک گہرا گڑھا بناؤ اور اس کو آگ سے بھر کر ابراہیم علیہ السلام کو دہکتے ہوئے انگاروں میں پھینک دو۔''

شاہی آرڈیننس کے تحت پوری مشینری آگ کو بھڑ کانے میں لگی ہوئی ہے علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ لوگوں کے جذبات کا عالم یہ تھا کہ عورتیں نذریں مانتی تھی اگر میری فلاں مشکل یا بیماری رفع ہو جائے تو میں اتنی لکڑیاں آگ میں پھینکوں گی مؤرخین لکھتے ہیں کہ عراق میں آج تک آگ کا اتنا بڑا الاؤ دیکھنے میں نہیں آیا آگ کے شعلے آسمان سے

باتیں کرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ جب آگ میں پھینکنے کا وقت آیا تو مسئلہ پیدا ہوا کہ اتنی بڑی آگ میں کس طرح پھینکا جائے شاہی کونسل کا ہنگامی اجلاس طلب کیا جاتا ہے زیرغور مسئلہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں کس طرح پھینکا جائے؟ فیصلہ ہوتا ہے کہ ایسی کرین تیار کی جائے جس کے ذریعے ابراہیم کو آگ کے درمیان میں پھینکا جائے لہٰذا اس طرح کیا گیا (اس تجویز دینے والے کو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت زمین میں دھنسا دیا اور قیامت تک وہ زمین میں دھنستا جائے گا۔) (تفسیر ابن کثیر سورۃ الانبیاء:٦٨)

آزمائش کے آخری لمحات

اُف خدایا یہ کیسا منظر ہے جو آج تک تیرے فرشتوں نے بھی نہیں دیکھا ہوگا نظر اٹھائی تو جبرائیل علیہ السلام نمودار ہوئے روح الامین عرض کرتے ہیں جناب میں حاضر ہوں کوئی خدمت ہو تو فرمائیں ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ آپ کو رب العزت کی طرف سے حکم ہے جبریل علیہ السلام جواب دیتے ہیں کہ نہیں فرمایا پھر جائیں مجھے آپ کی ضرورت نہیں کیونکہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے۔
(تفسیر ابن کثیر سورۃ الانبیاء:٦٨)

ابراہیم علیہ السلام نے ”حَسْبِيَ اللهُ“ کہہ کر اپنے آپکو اللہ کے سپرد کیا اس لئے اب کارروائی زمین پر نہیں عرش پر ہوگی۔

{ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ } (الطلاق:٣) ”جس نے اللہ پر توکل کیا اللہ اسے کافی ہوگا۔“

اب دیکھیے ادھر حاکم وقت کا اشارہ ہوا کہ پھینک دو، کرین کا بٹن دبا دیا گیا مجمع سے آواز آتی ہے اچھا ہوتا اگر معافی مانگ لیتا خواہ مخواہ اپنی جان گنوائی ہے انہیں کیا خبر آسمانوں میں کیا فیصلہ ہو چکا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ بارش کا فرشتہ ہمہ تن گوش تھا کہ کب حکم ہو اور میں اتنی بارش برسادوں کہ ایک لمحہ میں آگ بھسم ہو کر رہ جائے لیکن فرشتے کی بجائے آج حکم براہ راست آگ کو پہنچتا ہے:

{ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝٦٩ } (الانبیاء:٦٩)

”ہم نے حکم دیا اے آگ ابراہیم کے لئے ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا۔“

تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام چالیس دن تک آگ میں رہے۔ ابراہیم علیہ السلام فرمایا کرتے تھے جتنا آرام میں نے چالیس دن آگ کے اندر پایا ساری زندگی اتنا آرام میسر نہیں آیا۔ (تفسیر ابن کثیر سورہ الانبیاء:٦٩)

یاد رہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں برہنہ کر کے پھینکا گیا تھا اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَوَّلُ مَنْ يُكْسٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ» (رواہ البخاری: کتاب احادیث الانبیاء، باب قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى وَاتَّخَذَ اللهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا)

”قیامت کے دن جس خوش نصیب کو سب سے پہلے جنت کا لباس پہنایا جائے گا وہ ابراہیم علیہ السلام ہوں گے۔“

وَ	قَالَ	اِنِّيْ	ذَاهِبٌ	اِلٰى	رَبِّيْ	سَيَهْدِيْنِ ﴿٩٩﴾
اور	اس نے کہا	بے شک میں	جانے والا ہوں	طرف	اپنے رب کی	وہ ضرور میری راہنمائی کرے گا

”ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں وہی میری راہنمائی کرے گا۔“ (٩٩)

فہم القرآن

ربط کلام : آگ سے نکلنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہجرت کرنے کا فیصلہ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اس سے پہلے آپ کو معلوم نہ تھا کہ مجھے کدھر جانا ہے وطن چھوڑتے وقت آپ نے کہا۔ بس میں اللہ کے بھروسے پر نکل رہا ہوں وہ جدھر رہنمائی کرے گا میں چلا جاؤں گا۔

صاحب قصص القرآن نے لکھا ہے کہ آپ علیہ السلام نے دوران ہجرت پہلا قیام کلدانین میں فرمایا کچھ عرصہ جہاں قیام کرنے کے بعد آپ حضرت سارہ اور لوط علیہ السلام کے ساتھ حاران نامی بستی میں قیام پذیر ہوئے کچھ عرصہ تک حاران نامی بستی میں ٹھہرے۔ یہاں بھی دین حنیف کی دعوت کا کام جاری رکھا بالآخر آپ اپنی رفیقہ حیات اور بھتیجے کے ساتھ ارضِ فلسطین میں قیام پذیر ہوئے۔

{ وَ نَجَّيْنٰهُ وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ } (الانبیاء: ٧١)

”پھر ہم لوط علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کو ظالموں سے نکال کر ارضِ مقدس کی طرف لے گئے جو اس دنیا کے لیے برکت والی ہے۔“

فلسطین میں قیام :

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بھتیجے لوط علیہ السلام کو شرق اردن میں تبلیغ کے لئے مقرر فرمایا اور فلسطین کے مغربی اطراف میں خود سکونت پذیر ہوئے اس زمانے میں یہ علاقہ کنعانیوں کے زیر اقتدار تھا یہاں کچھ عرصہ قیام فرمانے کے بعد آپ مصر کی طرف چلے گئے۔ (از قصص القرآن)

نازک ترین آزمائش :

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل کے ساتھ ایک حدیث صحیح بخاری میں نقل فرمائی ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک ایسی آزمائش کا ذکر ہے کہ ایسے موقعہ پر بڑے بڑے لوگوں کے اوسان خطا ہو جایا کرتے ہیں لیکن جناب خلیل علیہ السلام بڑے حوصلہ کے ساتھ اپنی رفیقہ حیات کو ایک تجویز سمجھاتے ہیں۔

”جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بی بی سارہ ایک ظالم حکمران کے ملک سے گزرے تو اس کے نوکر چاکروں نے بادشاہ کو کہا کہ ہمارے شہر میں ایک مسافر آیا ہے جس کی عورت بہت ہی خوبصورت ہے ظالم بادشاہ نے حکم دیا، ابراہیم کو فوراً میرے سامنے پیش کرو آپ سے پوچھا گیا کہ یہ عورت کون ہے؟ ابراہیم نے کہا یہ میری بہن ہے ابراہیم علیہ السلام بادشاہ

سے فارغ ہو کر حضرت سارہ علیہا السلام کے پاس آئے اور کہا اے سارہ! اس سرزمین میں میرے اور تیرے سوا کوئی مومن نہیں اور ظالم بادشاہ نے مجھے پوچھا ہے کہ تیرے ساتھ عورت کون ہے؟ میں نے تجھے اپنی بہن کہا ہے تو بھی اس کے سامنے بہن بتلانا ایسا نہ ہو میں جھوٹا ثابت ہو جاؤں ظالم بادشاہ نے بی بی سارہ کو جبراً منگوایا جب وہ اس کے پاس پہنچائی گئیں تو ظالم نے دست اندازی کی کوشش کی لیکن دھڑام نیچے گرا۔ فریاد کرنے لگا اے نیک خاتون اپنے رب سے میری عافیت کی دعا کر میں تجھے کچھ نہیں کہوں گا۔ آپ کی دعا سے وہ اچھا ہو گیا پھر دوسری مرتبہ زیادتی کی کوشش کی دوبارہ پھر پہلے کی طرح یا اس سے بھی زیادہ اللہ کی گرفت میں آیا۔ التجا کی۔ اے نیک عورت اب پھر دعا کر میں اچھا ہو جاؤں تو تجھے کچھ نہیں کہوں گا۔ حضرت سارہ علیہا السلام نے دعا کی اللہ کے فضل و کرم سے وہ پھر تندرست ہوا، اس نے اپنے نوکر کو بلا کر کہا تم اچھی عورت میرے پاس لائے ہو یہ عورت ہے یا شیطان؟ (بے شرم اپنی بے شرمی کو مٹانے کے لیے ایسا کہہ رہا تھا حالانکہ شیطان لعین وہ خود تھا اس نے ہاجرہ کو سارہ علیہا السلام کی خدمت میں دے دیا۔ جب سارہ علیہا السلام جناب ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں آئیں تو آپ اللہ کے حضور نماز میں مصروف تھے ابراہیم علیہ السلام نماز کی حالت میں اشارہ کرتے ہیں کیا معاملہ ہوا؟ حضرت سارہ علیہا السلام نے عرض کیا، اللہ ذوالجلال نے کافر و فاجر کی شرارت کو اس کے اوپر الٹ دیا ہے سارا ماجرا ذکر کیا اور کہا بالآخر اس نے اپنی اس لڑکی کو خادمہ کے طور پر میرے حوالے کر دیا ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث مبارکہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا۔ اے بارش پر پلنے والو! یعنی اے عرب قوم یہی تو تمہاری والدہ ہاجرہ علیہا السلام ہیں۔'' (رواہ البخاری: باب قول اللہ تعالیٰ واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا)

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی راہنمائی کرنے والا ہے اسی سے راہنمائی طلب کرنی چاہیے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی راہنمائی کے بغیر کوئی ہدایت نہیں پا سکتا۔ (الاعراف: ۴۳)

۲۔ اللہ مومنوں کی صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ (الانعام: ۱۶۱)

۳۔ ''اللہ'' صراط مستقیم کی راہنمائی کرنے والا۔ (الحج: ۵۴)

۴۔ ہم نے قوم ثمود کی راہنمائی کی مگر انہوں نے ہدایت کے بدلے جہالت کو پسند کیا۔ (حٰم السجدۃ: ۱۷)

۵۔ ہدایت وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت قرار دے۔ (البقرۃ: ۱۲۰) ۶۔ ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔ (القصص: ۵۶)

۷۔ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۱۳) ۸۔ ہدایت جبری نہیں اختیاری چیز ہے۔ (الدھر: ۳)

۹۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے تھے۔ (القصص: ۵۶)

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ

اے میرے رب تو عطا فرما مجھے سے نیکوں پھر ہم نے خوشخبری دی اس کو لڑکے کی

حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ

بردبار پھر جب وہ پہنچ گیا اس کے ساتھ دوڑنے کو اس نے کہا اے میرے بیٹے

اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ

بے شک میں دیکھتا ہوں میں نیند کہ بے شک میں ذبح کر رہا ہوں تجھے اب تو دیکھ

مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ؗ سَتَجِدُنِيْٓ

کیا ہے تیری رائے اس نے کہا اے میرے اباجان کر گزریے جو آپ کو حکم دیا جاتا ہے یقیناً آپ پائیں گے مجھے

اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

اگر چاہا اللہ نے سے صبر کرنے والوں

”اے پروردگار مجھے بیٹا عطا کر جو صالح لوگوں سے ہو۔(۱۰۰) ہم نے اُس کو ایک حوصلہ مند بیٹے کی بشارت دی۔(۱۰۱) جب وہ اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو ابراہیم نے اُس سے کہا بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، تیرا کیا خیال ہے اس نے کہا اباجان جو کچھ آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے کر ڈالیں آپ ان شاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔(۱۰۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ہجرت کے دوران حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیٹے کے لیے دعا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنا گھر بار اور اپنی قوم کو چھوڑا تو اس وقت ان کو بڑی شدت کے ساتھ بیٹے کی کمی محسوس ہوئی اور دعا کی اے اللہ اگر میری قوم تیرے دین کو نہیں مانتی تو مجھے نیک اولاد عنایت کر دے جو میرا سہارا اور غمخوار بننے کے ساتھ تیرے دین کا پرچار کرتی رہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اسی وقت قبول نہیں ہوئی قرآن حکیم میں یہ بات انہی کی زبان سے بیان ہوئی ہے کہ ان کی دعا عمر کے آخری حصے میں مستجاب ہوئی۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾﴾ (ابراہیم:۳۹)

”سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے بلاشبہ میرا رب دعا سننے والا ہے۔“

تمام مفسرین نے لکھا ہے جناب خلیل علیہ السلام کو ۸۶ سال کی عمر میں حضرت اسماعیل علیہ السلام عطا کیے گئے۔ اللہ پاک کی عجب سنت ہے کہ جب کسی بندے کو نعمت عطا فرماتا ہے تو ساتھ ہی نیک لوگوں کی آزمائش بھی کرتا ہے جن کے مرتبے

فَلَمَّآ	اَسْلَمَا	وَتَلَّهٗ	لِلْجَبِيْنِ ﴿١٠٣﴾	وَنَادَيْنٰهُ	اَنْ
پھر جب	دونوں مطیع ہو گئے	اور اس نے لٹا دیا اس کو	کروٹ پر	اور ہم نے پکارا اسے	کہ
يّٰاِبْرٰهِيْمُ ﴿١٠٤﴾	قَدْ	صَدَّقْتَ	الرُّءْيَا	اِنَّا	كَذٰلِكَ
اے ابراہیم	تحقیق	تو نے سچ کر دکھایا	خواب	بے شک ہم	اسی طرح
نَجْزِي	الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٠٥﴾	اِنَّ	هٰذَا	لَهُوَ	الْبَلٰٓؤُا
بدلہ دیتے ہیں	نیکی کرنے والوں کو	بلاشبہ	یہ	البتہ یہ	آزمائش ہے
الْمُبِيْنُ ﴿١٠٦﴾	وَفَدَيْنٰهُ	بِذِبْحٍ	عَظِيْمٍ ﴿١٠٧﴾	وَتَرَكْنَا	عَلَيْهِ
کھلی	اور ہم نے بدلے میں دیا اس کو	ذبیحہ کے ساتھ	بڑا	اور ہم نے چھوڑا	اس پر
فِي	الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾	سَلٰمٌ	عَلٰٓى	اِبْرٰهِيْمَ ﴿١٠٩﴾	كَذٰلِكَ
میں	پچھلے لوگوں	سلام ہو	پر	ابراہیم	اسی طرح
نَجْزِي	الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١٠﴾	اِنَّهٗ	مِنْ	عِبَادِنَا	الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١١﴾
ہم بدلہ دیتے ہیں	نیکی کرنے والوں کو	بے شک وہ تھا	سے	ہمارے بندوں	مومن (جمع)

پھر ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔(۱۰۳) اور ابراہیم نے بیٹے کو کروٹ کے بل لٹایا۔(۱۰۴) اور ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم تو نے خواب سچ کر دکھایا ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی جزا دیتے ہیں۔(۱۰۵) یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی۔(۱۰۶) اور ہم نے اس کو بدلے میں ایک عظیم قربانی دے کر اُس بچے کو چھڑا لیا۔(۱۰۷) اور اُس کی تعریف آنے والے لوگوں میں رکھ دی۔(۱۰۸) ابراہیم پر سلام ہو۔(۱۰۹) ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی جزا دیتے ہیں۔(۱۱۰) یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔''(۱۱۱)

بلند ہوتے ہیں ان کی آزمائش بھی بڑی ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ میں بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں فلسطین سے مکہ آئے اور خواب کا بیٹے سے ذکر کیا اور پوچھا بیٹا تیرا کیا خیال ہے؟ بیٹے سے پوچھنے کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں کہ اگر بیٹے نے خوشی سے اپنے آپ کو تعمیلِ حکم کے لئے پیش کیا تو وہ بھی ثواب کا مستحق ہو جائے گا ورنہ حکم خداوندی کی تعمیل تو کی جائے گی۔

شاید وہ دیکھنا چاہتے ہوں کہ جس صالح بیٹے کی آرزو کی تھی کیا واقعتاً وہ صالح ہے، تیسری وجہ ظاہر ہے کہ خواب کا تعلق بیٹے سے بھی ہے لہٰذا بیٹے سے پوچھنا مناسب سمجھا۔ اسماعیل نے عرض کی ابو جان آپ کو جو حکم ہوا ہے اس کے مطابق عمل فرمائیں ان شاء اللہ آپ مجھے حوصلہ مند پائیں گے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا جواب آداب فرزندی کی معراج ہے باپ اور بیٹا بڑے اعتماد سے میدان منیٰ کی طرف جارہے ہیں۔

شیطان کا اضطراب:

شیطان مردود اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کا عظیم الشان اور عدیم المثال مظاہرہ کس طرح دیکھ سکتا تھا چنانچہ شیطان بھاگم بھاگ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے پاس گیا اور کہنے لگا اے اُمّ اسماعیل آپ کا بیٹا کدھر گیا ہے ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا وہ اپنے والد کے ساتھ گیا ہے شیطان نے کہا اے ہاجرہ تجھے خبر نہیں ابراہیم اسے ذبح کرنے کے لیے لے گیا ہے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام حیران ہو کر پوچھتی ہیں کہ کبھی ایسے بھی ہوا ہے کہ باپ اپنے بیٹے کو ذبح کرے اور خاص کر اتنے خوبصورت اور نیک سیرت بیٹے کو؟ شیطان نے سوچا شاید اب میرا داؤ چل جائے گا کہنے لگا اے اُمّ اسماعیل! آج ابراہیم اسے ضرور ذبح کر دے گا کیونکہ اس کا کہنا ہے کہ مجھے ایسا کرنے کا ''اللہ'' نے حکم دیا ہے۔ ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا اگر اللہ نے یہ حکم دیا ہے تو چلے جاؤ میں اپنے اللہ کی رضا پر راضی ہوں۔ (تفسیر بحر العلوم: للسمرقندی)

حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے مایوس ہو کر شیطان جمرہ عقبہ (آج کل جس کو بڑا شیطان کہا جاتا ہے) کے پاس کھڑا ہو کر ابراہیم علیہ السلام کو پھسلانے کی کوشش کرتا ہے لیکن ابراہیم علیہ السلام نے سات پتھر مارے۔ (رواہ احمد: مسند ابن عباس)

ابراہیم علیہ السلام کی اپنے رب کے حضور بے مثال قربانی:

آج سے ہزاروں سال پیشتر دنیا کے ایک گوشے میں عجیب وغریب واقعہ رونما ہو رہا ہے کہ وادی "غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ" پر دو مخلص ترین بندے جمع ہیں باپ اپنی زبان سے کہتا ہے!

{ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾ } (الانعام: ۷۹)

''میں سب کو چھوڑ چھاڑ کر ایک ہی ذاتِ کبریا کا ہو گیا ہوں جس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اور میں مشرکوں سے نہیں ہوں۔''

بیٹا آنکھیں موند کر چہرہ زمین کے ساتھ لگائے ہوئے کہہ رہا ہے۔

{ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ } (الصافات: ۱۰۲)

''آپ ان شاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔''

پھر دوسری جگہ جمرہ وسطیٰ کے پاس آ کر اور اس کے بعد تیسری دفعہ جمرہ اُولیٰ کے پاس شیطان نے آخری کوشش کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تینوں جگہ سات سات کنکریاں ماریں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریاں مارنے کو بھی حجاج کے لئے شعائر قرار دے دیا۔ چشم فلک نے ایسا نظارہ نہ پہلے کبھی کیا اور نہ ہی کبھی آئندہ کرے گی کہ حکم الٰہی کی تعمیل میں جناب

خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے جگر گوشے کو پیشانی کے بل کنکریلی زمین پر لٹایا تا کہ پیارے اور معصوم رخ زیبا کو دیکھ کر پدری جذبہ استقامت کی راہ میں حائل نہ ہو جائے۔

{ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ } (الصّٰفّٰت:۱۰۳)

''جب باپ اور بیٹے نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔''

جس بیٹے کے لیے مدت مدید دعائیں مانگیں تھیں جس کی خبر گیری کے لیے سینکڑوں میلوں کا سفر کیا کرتے تھے جس کو ہاجرہ علیہا السلام نے پیار کی لوریاں دی تھیں اور جس چہرے کو چوم کر تنہائی میں اپنے دل کو تسلی دیا کرتی تھیں آج وہی چہرہ مٹی میں لتھڑا ہوا الٹا پڑا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو زمین پر لٹا کر یہ ثابت کر دیا کہ اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہر چیز قربان کی جا سکتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن اللہ کا فضل و کرم کہ اس نے اسمٰعیل علیہ السلام کو بچا کر ایک دنبے کی قربانی قبول کی کیونکہ مقصود امتحان تھا نہ کہ بیٹے کی جان! ''ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا ہے ہم نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی جزا دیا کرتے ہیں یقیناً یہ ایک بڑی آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی دے کر اسمٰعیل کو چھڑا لیا ہم نے اس کا ذکر خیر بعد میں آنے والوں میں ہمیشہ کے لئے رکھ دیا سلام ہو ابراہیم پر ہم نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔'' (الصّٰفّٰت:۱۰۴ تا ۱۱۱)

بعض لوگوں نے عقل پرستی کی بنا پر لکھا کہ چھری کا پھل، چھری کے دستے میں داخل ہو گیا کسی نے کہا جناب اسمٰعیل علیہ السلام کی گردن تانبے کی بن گئی اور کچھ تو عقل کے آگے لگ کر بھاگنے لگے اور کہا کہ لٹانے کا معنٰی ہے کہ دونوں اللہ کے سامنے جھک گئے حالانکہ قرآن حکیم نے ''فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ'' کے الفاظ کہہ کر اگلی کیفیت کو اہل دل پر چھوڑ دیا ہے۔

{ سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ﴿۱۰۹﴾ } (الصافات:۱۰۹) ''ابراہیم علیہ السلام پر سلام ہو''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ سے ابراہیم علیہ السلام نے نیک بیٹے کی دعا کی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل علیہ السلام کی صورت میں نیک اور باحوصلہ بیٹا عطا فرمایا۔

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل سے اپنے خواب کا ذکر کیا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ اپنے خواب پر عمل پیرا ہو جائیں۔

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا خواب سچ کر دکھایا تو اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کے بدلے ایک دنبے کی قربانی قبول فرمائی۔

۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس سنت کو آنے والے لوگوں کے لیے نمونہ قرار دیا گیا۔

۶۔ ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی رہیں گی۔

وَبَشَّرْنٰهُ	بِاِسْحٰقَ	نَبِيًّا	مِّنَ	الصّٰلِحِيْنَ ﴿١١٢﴾	وَبٰرَكْنَا
اور ہم نے خوشخبری دی اسے	اسحاق کی	جو نبی ہے	سے	صالحین	اور ہم نے برکت کی

عَلَيْهِ	وَ	عَلٰٓى	اِسْحٰقَ	وَ	مِنْ	ذُرِّيَّتِهِمَا
اس پر	اور	پر	اسحاق	اور	سے	ان دونوں کی اولاد

مُحْسِنٌ	وَّظَالِمٌ	لِّنَفْسِهٖ	مُبِيْنٌ ﴿١١٣﴾
نیکی کرنے والا	اور ظلم کرنے والا	اپنے نفس پر	کھلم کھلا

ع ۳ ۷ ۹

’’اور ہم نے اُسے اسحاق کی بشارت دی کہ وہ صالحین میں سے ایک نبی ہے۔(۱۱۲) اسے اور اسحاق کو برکت دی اب ان دونوں کی اولاد میں کوئی محسن ہے اور کوئی اپنے نفس پر واضح طور پر ظلم کرنے والا ہے۔‘‘(۱۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اکبر ہیں اس حقیقت کا اعتراف تورات کتاب پیدائش (باب ۱۷، ۲۴، ۲۵) میں موجود ہے۔ اس تصریح کے ساتھ کہ جس وقت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو خلیل علیہ السلام کی عمر ۸۶ سال کی تھی اور جب حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ علیہ السلام کی عمر ننانوے یا سو سال تھی۔ جدید تحقیق کے مطابق آپ کنعان میں پیدا ہوئے اور آپ علیہ السلام نے مکہ معظّمہ میں ۱۳۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔ جناب اسحاق علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام سے تیرہ یا چودہ سال چھوٹے ہیں۔ حضرت اسحاق حضرت سائرہ علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے جیسا کہ آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں انہی کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام عطا کیے اور اس کی نسل کو کتاب اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔

آپ علیہ السلام کی وفات:

حضرت اسحاق علیہ السلام نے ۱۸۰ سال کی عمر میں وفات پائی آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت سارہ علیہا السلام کے پہلو میں دفن کیا گیا جب آپ نے انتقال کیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام جوان ہو چکے تھے، حضرت اسحاق علیہ السلام کے دو بیٹے تھے ایک کا نام عیسو اور لقب ادوم تھا انہی کی نسل سے ایوب علیہ السلام کا تعلق ہے دوسرے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے اور ان کا لقب اسرائیل تھا ان کی اولاد سے حضرت یوسف، حضرت سلیمان، حضرت یحییٰ، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہوئے گویا کہ اکثریت انبیاء علیہم السلام کی اسی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اور حضرت اسحاق علیہما السلام کی اولاد کو بڑی برکات سے سرفراز فرمایا ان میں نیکوکار بھی

ہوئے اور اپنے آپ پر ظلم کرنے والے بھی تھے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے جن کا اسرائیل لقب تھا ان کی اولاد بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی جو صدیوں تک مصر، فلسطین اور اس کے ملحقہ علاقوں میں برسرِ اقتدار رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں ہزاروں انبیاء کو مبعوث فرمایا ان کے مقابلے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں کوئی نبی پیدا نہیں ہوا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ کو قیامت تک کے لیے ختم المرسلین کے اعزاز سے سرفراز فرمایا۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل علیہ السلام کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت سے سرفراز فرمایا۔

٢۔ حضرت اسحاق علیہ السلام انبیاء کی جماعت میں سے ہیں۔

٣۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو بے شمار برکات سے ہمکنار کیا۔

٤۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے نیکوکار بھی ہوئے اور بُرے لوگ بھی پیدا ہوئے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت اسحاق علیہ السلام کا تذکرہ:

١۔ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد موسیٰ، عیسیٰ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام۔ (البقرۃ: ١٣٦)

٢۔ حضرت ابراہیم، لوط، اسحاق و یعقوب علیہم السلام کو زکوٰۃ کا حکم۔ (الانبیاء: ٧٣)

٣۔ حضرت اسحاق و یعقوب علیہما السلام اللہ کے منتخب کردہ نبی ہیں۔ (ص: ٤٥ تا ٤٧)

٤۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام اور پوتے کی خوشخبری۔ (ھود: ٧١)

٥۔ ہم نے اسحاق اور یعقوب علیہما السلام کو ہدایت سے نوازا۔ (الانعام: ٨٤)

٦۔ حضرت اسحاق اور یعقوب علیہما السلام نیکوکار تھے۔ (الانبیاء: ٧٢)

٧۔ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو نیکوکار نبی اسحاق کی بشارت دی۔ (الصّٰفّٰت: ١١٢)

حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی وصیت:

١۔ ”ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند فرمایا لیا ہے تمہیں موت مسلمان ہونے کی حالت میں آنی چاہیے۔“ (البقرۃ: ١٣٢)

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّیْنٰھُمَا وَقَوْمَھُمَا

اور البتہ تحقیق ہم نے احسان کیا پر موسیٰ اور ہارون اور ہم نے نجات دی دونوں کو اور ان کی قوم کو

مِنَ الْکَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰھُمْ فَکَانُوْا ھُمُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۱۱۶﴾

سے مصیبت بڑی اور ہم نے مدد کی ان کی بس ہوئے وہی غالب

وَاٰتَیْنٰھُمَا الْکِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَھَدَیْنٰھُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۱۱۸﴾

اور ہم نے دی دونوں کو کتاب واضح اور ہم نے ہدایت دی دونوں کو سیدھے راستے کی

”اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان کیا۔(۱۱۴) دونوں کو اور اُن کی قوم کو کربِ عظیم سے نجات دی۔(۱۱۵) ان کی مدد کی جس وجہ سے وہ غالب ہوئے۔(۱۱۶) اُن کو واضح کتاب عطا فرمائی۔(۱۱۷) ان کی سیدھے راستے کی طرف راہنمائی فرمائی۔(۱۱۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت موسیٰ، حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کا ذکر ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا تذکرہ کرنے سے پہلے ارشاد ہوا۔ ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام پر بہت احسان فرمایا جس کی تفصیل یوں بیان فرمائی کہ ہم نے انہیں اور ان کی قوم کو بڑی مصیبت سے نجات دی ہم نے ان کی مدد فرمائی جس بنا پر وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے، ہم نے انہیں کھلی کتاب سے سرفراز کیا اور ہم نے دونوں کی ٹھیک راہنمائی کی اور ہم نے ان کی سیرت اور جدوجہد کو آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ بنایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام پر ہمیشہ ہمیش ”اللہ“ کی رحمتیں نازل ہوتی رہیں گی اخلاص کے ساتھ نیکی کرنے والوں کو ہم ایسی ہی جزا دیتے ہیں یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے بار بار اپنے لیے ”ہم“ یعنی جمع کی ضمیر استعمال فرمائی ہے جس میں جلال اور دبدبہ پایا جاتا ہے جس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ بے شک فرعون بڑا ظالم اور جابر حکمران تھا اور بنی اسرائیل بہت کمزور تھے لیکن جب ہم نے فرعون کو ذلیل کرنے اور بنی اسرائیل کی مدد کرنے کا فیصلہ فرمایا تو ہمارے سامنے کوئی چیز نہ ٹھہر سکی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تورات سے سرفراز فرمایا تھا جس میں قدم قدم پر ان کی راہنمائی کی گئی اور انہیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہمت اور توفیق عنایت فرمائی قوموں کی راہنمائی کے لیے یہی دو بنیادی اصول ہیں جو قوم کتاب اللہ سے راہنمائی پائے اور اس کا قائد باکردار اور بہادر ہو تو وہ قوم دنیا میں ضرور کامیاب ہوتی ہے اور آخرت میں ہمیشہ رہنے والی جنت میں داخل ہوگی سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

(عَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِہٖ اسْتَغْفَرَ ثَلَاثًا وَقَالَ اللّٰھُمَّ

وَ تَرَكْنَا	عَلَيْهِمَا	فِي	الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾	سَلٰمٌ	عَلٰى
اور ہم نے چھوڑا	دونوں پر	میں	پچھلے لوگوں	سلام ہو	پر
مُوْسٰى	وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾	اِنَّا	كَذٰلِكَ	نَجْزِي	الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾
موسیٰ	اور ہارون	بے شک ہم	اسی طرح	بدلہ دیتے ہیں	نیکی کرنے والوں کو
اِنَّهُمَا	مِنْ	عِبَادِنَا	الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾		
بلاشبہ دونوں	سے	ہمارے بندوں	مومن (جمع)		

اور بعد کی نسلوں میں اُن کا ذکر خیر باقی رکھا۔(۱۱۹) موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو۔(۱۲۰) ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔(۱۲۱) درحقیقت وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔'' (۱۲۲)

أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ ذَا الْجَلَالِ وَالإِكْرَامِ»

(رواہ مسلم: باب اسْتِحْبَابِ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلَاةِ وَبَيَانِ صِفَتِهِ)

''حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین مرتبہ استغفار کرتے اور پھر یہ دعا پڑھتے۔''اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ ذَا الْجَلَالِ وَالإِكْرَامِ''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام پر بڑا ہی احسان فرمایا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو بڑی طویل اور کربناک آزمائش سے نجات عطا فرمائی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام ہارون علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی اور دونوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن فرمایا۔

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ ہمیش رحمتیں نازل ہوتی رہیں گی۔

۵۔ اخلاص کے ساتھ نیکی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اس طرح ہی جزا دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے ساتھیوں کو دنیا و آخرت کی جزا سے سرفراز فرمایا:

۱۔ ہم ظالموں کو ہلاک کریں گے اور تمہیں ان کے بعد زمین میں بسائیں گے یہ وعدہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر جائے۔(ابراہیم: ۱۳۔۱۴)

۲۔ کفار نے حضرت نوح کو جھٹلایا ہم نے نوح اور اس کے ماننے والوں کو نجات دی۔(الاعراف: ۶۴)

۳۔ ہم نے موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی۔(الشعراء: ۶۵) ۴۔ ہم نے شعیب اور ایمان لانے والوں کو نجات دی۔(ہود: ۹۴)

وَ اِنَّ	اِلْيَاسَ	لَمِنَ	الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٢٣﴾	اِذْ	قَالَ	
اور بے شک	الیاس ہیں	البتہ سے	رسولوں	جب	اس نے کہا	
لِقَوْمِهٖٓ	اَلَا	تَتَّقُوْنَ ﴿١٢٤﴾	اَتَدْعُوْنَ	بَعْلًا	وَّ تَذَرُوْنَ	اَحْسَنَ
اپنی قوم سے	کیا نہیں	تم ڈرتے	کیا تم پکارتے ہو	بعل کو	اور تم چھوڑ دیتے ہو	سب سے بہتر
الْخَالِقِيْنَ ﴿١٢٥﴾	اللّٰهَ	رَبَّكُمْ	وَ رَبَّ	اٰبَآئِكُمُ	الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٢٦﴾	
پیدا کرنے والے کو	اللہ کو	جو رب تمہارا	اور رب	تمہارے باپ دادا کا	پہلے	

''اور یقیناً الیاس بھی مرسلین میں سے تھا۔(۱۲۳) جب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ ڈرتے کیوں نہیں۔(۱۲۴) کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑ دیتے ہو۔(۱۲۵) اُس اللہ کو جو تمہارے اور تمہارے باپ دادا کا رب ہے۔''(۱۲۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام کا تذکرہ۔

حضرت الیاس علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل میں سے تھے ان کا ذکر قرآن مجید میں صرف دو ہی مقامات پر آیا ہے ایک مرتبہ یہاں اور دوسری مرتبہ سورۃ انعام آیت ۸۵ میں ذکر ہوا ہے موجودہ زمانہ کے محققین ان کا زمانہ ۸۷۵ اور ۸۵۰ ق م کے درمیان متعین کرتے ہیں وہ جلعاد کے رہنے والے تھے قدیم زمانہ میں جِلْعاد اس علاقے کو کہتے تھے جو دریائے یرموک کے جنوب میں واقع ہے۔

حضرت الیاس علیہ السلام جنہیں اس مقام پر قرآن مجید نے الیاسین بھی کہا ہے انہوں نے اپنی قوم کو انہی الفاظ کے ساتھ خطاب فرمایا جن الفاظ میں پہلے انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی قوم کو خطاب کرتے رہے، ارشاد فرماتے ہیں اے میری قوم! اللہ سے ڈرو اس کے ساتھ شرک کرنا چھوڑ دو اور اسکی نافرمانی سے باز آجاؤ! تمہارا کردار یہ ہے کہ تم بعل کے سامنے رکوع، سجود کرتے اور نذر و نیاز پیش کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑے ہوئے ہو حالانکہ اس نے انسان اور ہر چیز کو اس کے ماحول کے مطابق بہتر سے بہتر پیدا فرمایا ہے وہی تمہیں اور تمہارے آباؤ اجداد کو پیدا کرنے والا اور ہر چیز عطا کرنے والا ہے حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم نے اس فطری اور سادہ دعوت کو جھٹلا دیا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انہیں حاضر کیا جائے گا یعنی دعوتِ توحید ٹھکرانے اور حضرت الیاس علیہ السلام کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے انہیں ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے گی اس سزا سے وہی لوگ بچ پائیں گے جنہوں نے عقیدہ توحید اختیار کیا اور مخلصانہ طور پر اس کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ بے شک قومِ نے حضرت الیاس علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرا دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے الیاس علیہ السلام کی محنت قبول کرتے ہوئے ان کے کام اور نام کو ہمیشہ کے لیے باقی رکھا، ان پر اللہ کی رحمتیں برستی رہیں گی کیونکہ جو لوگ اخلاص اور اپنے رب کے حکم کے

فَكَذَّبُوْهُ	فَاِنَّهُمْ	لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾	اِلَّا	عِبَادَ	اللّٰهِ
پھر انہوں نے جھٹلایا اسے	سو یقیناً وہ	ضرور حاضر کیے جائیں گے	سوائے	بندے	اللہ کے

الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾	وَتَرَكْنَا	عَلَيْهِ	فِي	الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾	سَلٰمٌ	عَلٰٓى
خالص کیے ہوئے	اور ہم نے چھوڑا	اس پر	میں	پچھلوں	سلام ہو	پر

اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾	اِنَّا	كَذٰلِكَ	نَجْزِي	الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾	اِنَّهٗ
الیاس	بے شک ہم	اسی طرح	بدلہ دیتے ہیں	نیکی کرنے والوں کو	بے شک وہ

مِنْ	عِبَادِنَا	الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾
سے	ہمارے بندوں	مومن (جمع)

بس انہوں نے اسے جھٹلا دیا یقیناً وہ سزا کے لیے پیش کیے جائیں گے۔(۱۲۷) سوائے اللہ کے بندوں کے جن کو خالص کر لیا گیا تھا۔(۱۲۸) اور الیاس کا ذکرِ خیر ہم نے بعد کی نسلوں میں باقی رکھا۔(۱۲۹) الیاس پر سلام ہو۔(۱۳۰) ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔(۱۳۱) واقعی وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔'' (۱۳۲)

مطابق زندگی بسر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے الیاس علیہ السلام کو یہ بھی اعزاز بخشا کہ انہیں دنیا اور آخرت میں اپنے مومن بندوں میں شامل فرمایا۔

مسائل

۱۔ الیاس علیہ السلام بھی اللہ کے پیغمبروں میں شامل ہیں۔

۲۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم نے بعل (بت) کے مقابلے میں عقیدۂ توحید کو ٹھکرا دیا۔

۳۔ قیامت کے دن ان کی قوم کو اللہ کے حضور پیش کیا جائے گا۔

۴۔ حضرت الیاس علیہ السلام پر ہمیشہ ہمیش اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برستی رہیں گی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کی رحمتیں انبیائے کرام علیہم السلام پر ہمیشہ نازل ہوتی رہیں گی:

۱۔ حضرت نوح، ابراہیم اور الیاس علیہم السلام پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت برستے رہے گی۔ (الصّافات: ۷۹، ۱۰۹، ۱۲۳)

۲۔ اگر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا دیا ہے تو آپ فرما دیں تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے۔ (الانعام: ۱۴۷)

۳۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کو اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے۔ (الانبیاء: ۸۶) (الصّافات: ۱۳۰)

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿١٣٣﴾ اِذْ نَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ

اور بلاشبہ لوط ہے البتہ سے رسولوں جب ہم نے نجات دی اس کو اور اس کے اہل کو

اَجْمَعِیْنَ ﴿١٣٤﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿١٣٥﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿١٣٦﴾

سب کے سب سوائے ایک بڑھیا کے میں پیچھے رہ جانے والوں پھر ہم نے ہلاک کر دیا دوسروں کو

وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْهِمْ مُّصْبِحِیْنَ ﴿١٣٧﴾ وَبِالَّیْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٣٨﴾ ع ٢٥

اور بیشک تم ضرور گزرتے ہو ان پر صبح کے وقت اور رات کو کیا پھر نہیں تم عقل رکھتے ہو

’’اور لوط بھی انہی لوگوں میں سے تھا جو رسول بنا کر بھیجے گئے۔ (١٣٣) یاد کرو جب ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو نجات دی۔ (١٣٤) سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی۔ (١٣٥) پھر دوسروں کو تہس نہس کر دیا (١٣٦) تم صبح کے وقت اُن کے اُجڑے گھروں پر گزرتے ہو۔ (١٣٧) اور رات کے وقت بھی۔ کیا پھر تمہیں عقل نہیں آتی؟‘‘ (١٣٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر۔

حضرت لوط علیہ السلام بھی انبیائے کرام علیہم السلام میں شامل ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے اہل کو ذلّت آمیز عذاب سے محفوظ رکھا البتہ ان کی بیوی اور دوسرے لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ اے عرب کے لوگو! تم سفر کے دوران صبح و شام قومِ لوط علیہ السلام کی بستیوں کے کھنڈرات کے قریب سے گزرتے اور انہیں دیکھتے ہو لیکن پھر بھی عقل سے کام لینے کے لیے تیار نہیں ہو؟ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے بارے میں قرآن مجید میں کئی مرتبہ ذکر ہو چکا ہے اس لیے یہاں اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام مرسلین میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے ایمان دار ساتھیوں کو عذاب سے محفوظ رکھا لیکن ان کی بیوی اور ان کی قوم کو آسمان کے قریب لے جا کر الٹ دیا گیا اور پھر ان پر پتھروں کی بارش برسائی جو نشان زدہ تھے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ:

١۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حضرت لوط علیہ السلام ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔ (العنکبوت: ٢٦)

٢۔ حضرت لوط علیہ السلام اللہ کے رسولوں میں سے تھے۔ (الصّٰفّٰت: ١٣٣)

٣۔ اللہ تعالیٰ نے اسماعیل، یَسَع، یونس اور لوط علیہم السلام کو لوگوں پر فضیلت دی۔ (الانعام: ٨٦)

٤۔ اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو دانائی اور علم عطا فرمایا۔ (الانبیاء: ٧٤)

وَ اِنَّ	یُوْنُسَ	لَمِنَ	الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۹﴾	اِذْ	اَبَقَ	اِلَى
اور بے شک	یونس ہے	ضرور سے	رسولوں	جب	وہ بھاگ گیا	طرف
الْفُلْكِ	الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾	فَسَاهَمَ	فَكَانَ	مِنَ	الْمُدْحَضِیْنَ ﴿۱۴۱﴾	
کشتی کی	بھری ہوئی	پھر قرعہ اندازی کی انہوں نے	تو ہو گیا وہ	سے	شکست خوردگان	
فَالْتَقَمَهُ	الْحُوْتُ	وَ	هُوَ	مُلِیْمٌ ﴿۱۴۲﴾	فَلَوْ لَاۤ	اَنَّهٗ
چنانچہ نگل لیا اس کو	مچھلی نے	اور	وہ	ملامت کرنے والا تھا	پھر اگر نہ ہوتا	بے شک وہ

''اور یقیناً یونس بھی رسولوں میں سے تھا۔(۱۳۹) یاد کرو جب وہ ایک بھری کشتی کی طرف بھاگ نکلا۔(۱۴۰) پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوا اور اس میں مات کھائی۔(۱۴۱) آخر کار مچھلی نے اسے نگل لیا اور وہ ملامت زدہ ہوا۔(۱۴۲) اگر وہ

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت لوط علیہ السلام کے بعد حضرت یونس علیہ السلام کا ذکرِ گرامی۔

حضرت یونس علیہ السلام بھی اللہ کے برگزیدہ انبیائے کرام علیہم السلام میں شامل ہیں انہیں نینوا کے علاقہ میں ایک لاکھ سے زائد لوگوں کی آبادی میں مبعوث کیا گیا نہ معلوم حضرت یونس علیہ السلام نے کتنا عرصہ اپنی قوم کو سمجھایا لیکن قوم سدھرنے کی بجائے بگڑتی چلی گئی یونس علیہ السلام نے اس پر قوم کو انتباہ کیا کہ اگر تم راہِ ہدایت پر نہ آئے تو فلاں دن تمہیں اللہ کا عذاب آلے گا لیکن اس دن عذاب نہ آیا جس پر قوم نے حضرت یونس علیہ السلام کو طعنے دیئے اور جھوٹا قرار دیا جس پر یونس علیہ السلام پریشان ہو کر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر ہجرت کے لیے نکل کھڑے ہوئے جس کے لیے قرآن مجید نے ''اَبَقَ'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنیٰ ہے آقا سے بھاگنے والا غلام۔

حضرت یونس علیہ السلام قوم سے ناراض ہو کر اپنے شہر سے نکلے اور دریا عبور کرنے کے لیے کشتی پر سوار ہوئے کشتی دریا میں چلی تو ہچکولے کھانے لگی ملاح نے تجربے کی بنیاد پر کہا کہ جب کشتی ہموار موسم میں ہچکولے کھانے لگے تو میرا تجربہ ہے کہ کشتی میں کوئی ایسا شخص ضرور سوار ہوتا ہے جو اپنے مالک سے بھاگ کر آیا ہوتا ہے، لگتا ہے کہ آج بھی کوئی سوار اس طرح ہی اپنے مالک سے بھاگ کر آیا ہے اس پر قرعہ اندازی کی گئی بالآخر قرعہ یونس علیہ السلام کے نام نکلا کشتی کو بچانے کے لیے یونس علیہ السلام نے دریا میں چھلانگ لگا دی جونہی دریا میں اترے تو ایک مچھلی نے انہیں نگل لیا وہ افسردگی کے عالم میں مچھلی کے پیٹ میں جا کر ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگے: ''لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ'' ''اے اللہ تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں بے شک میں ظالموں میں سے ہوں۔'' یونس علیہ السلام نے اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی بجائے ''اَنْتَ'' کی ضمیر استعمال کی جس سے ان کے احساسات اور جذبات کی ترجمانی ہوتی ہے کہ اتنی بڑی مصیبت میں مبتلا ہونے اور مچھلی کے پیٹ میں جانے کے باوجود ''اَنْتَ'' کی ضمیر استعمال کرتے ہیں جو واحد حاضر کے لیے استعمال ہوتی ہے گویا کہ انتہائی پریشانی کے

الغصف

كَانَ	مِنَ	الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾	لَلَبِثَ	فِيْ	بَطْنِهٖٓ	اِلٰى
تھا	سے	تسبیح کرنے والوں	تو وہ رہتا	میں	اس کے پیٹ	تک
يَوْمِ	يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾	فَنَبَذْنٰهُ	بِالْعَرَآءِ	وَهُوَ	سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾	
اس دن	جب وہ اٹھائے جائیں گے	پھر ہم نے ڈال دیا اس کو	چٹیل میدان میں	اور وہ	بیمار تھا	
وَ اَنْۢبَتْنَا	عَلَيْهِ	شَجَرَةً	مِّنْ	يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾		
اور ہم نے اُگا دیا	اس پر	درخت	سے	بیل دار		

ذکر کرنے والوں میں نہ ہوتا۔ (۱۴۳) تو قیامت کے دن تک اُس مچھلی کے پیٹ میں رہتا۔ (۱۴۴) آخر کار ہم نے اسے بڑی کمزور حالت میں ایک چٹیل زمین پر پھینک دیا۔ (۱۴۵) اور اُس پر ایک بیلدار درخت اُگا یا۔'' (۱۴۶)

باوجود اپنے رب کی قربت محسوس کرتے ہوئے یوں پکارتے ہیں گویا کہ رب تعالیٰ ان کے سامنے موجود ہیں یہی ذکر کا بہترین طریقہ ہے۔ جس طرح حدیث میں نماز کے بارے میں آیا کہ نماز اس طرح پڑھنی چاہیے جس طرح نمازی اپنے رب کو دیکھ رہا ہے اگر یہ نہیں تو یہ تصور ہونا چاہیے کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے۔ (رواہ البخاری: کتاب الایمان)

اس بات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یونس علیہ السلام مجھے یاد نہ کرتا تو قیامت کے دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہتا اور مچھلی کے پیٹ سے ہی اٹھایا جاتا گویا کہ مچھلی کی موت کے ساتھ ہی انہیں موت آجاتی اور قیامت کو مچھلی کے پیٹ سے نکالے جاتے یونس علیہ السلام کی فریاد کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور مچھلی کو حکم دیا کہ یونس علیہ السلام کو دریا کے کنارے اگل دے یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے باہر آئے تو اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں تھے اس حالت میں یونس علیہ السلام دریا کے کنارے بے سدھ ہو کر لیٹے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خوراک اور سائے کے لیے ایک بیل دار پودا اُگا دیا جس کے بارے میں مفسرین کا خیال ہے کہ وہ کدو یا بڑے بڑے پتوں والا بیل دار درخت تھا۔

اس مقام پر ضرورت سے زیادہ عقل رکھنے والے حضرات کہتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ میں جا کر کسی انسان کا زندہ نکل آنا غیر ممکن ہے لیکن پچھلی صدی کے اواخر میں انگلستان کے سواحل کے قریب ایک واقعہ پیش آچکا ہے جو ایسے لوگوں کے دعوے کی تردید کر دیتا ہے۔ اگست ۱۸۹۱ء میں ایک جہاز پر کچھ مچھیرے وہیل کے شکار کے لیے گہرے سمندر میں گئے وہاں انہوں نے ایک بہت بڑی مچھلی کو جو ۲۰ فٹ لمبی ۵۰ فٹ چوڑی اور سوٹن وزنی تھی شکاریوں نے سخت زخمی کر دیا مچھلی کو قابو کرتے ہوئے جیمز بارٹلے نامی ایک مچھیرے کو اس کے ساتھیوں کے سامنے مچھلی نے نگل لیا دوسرے روز وہی مچھلی اس جہاز کے لوگوں کو مری ہوئی مل گئی انہوں نے بمشکل ہی اسے جہاز پر چڑھایا جب اس کا پیٹ چاک کیا تو بارٹلے اس کے اندر زندہ برآمد ہو گیا یہ شخص مچھلی کے پیٹ میں پورے ۶۰ گھنٹے رہا تھا۔ (اردو ڈائجسٹ، فروری ۱۹۶۴ء) غور کرنے کی بات ہے کہ اگر معمولی

حالات میں فطری طور پر ایسا ہونا ممکن ہے تو غیر معمولی حالات میں اللہ تعالیٰ کے معجزے کے طور پر ایسا ہونا کیوں غیر ممکن ہے؟

۲۰۰۵ء رمضان المبارک میں آزاد کشمیر میں شدید زلزلہ آیا زلزلہ میں چھ سیکنڈ کے اندر اسّی ہزار افراد موت کا لقمہ بنے گھروں کے گھر ملیا میٹ ہو گئے مواصلات کا نظام مکمل طور پر درہم برہم ہو گیا تقریباً ایک سال تک ہیلی کاپٹروں کے ذریعے لوگوں تک خوراک پہنچائی جاتی رہی اور کئی ماہ تک مکانوں سے لاشیں نکالنے کا سلسلہ جاری رہا۔ مظفر آباد شہر میں ایک بلڈنگ کا ملبہ صاف کیا جا رہا تھا کہ ایک گھر سے چھ ماہ بعد جواں سال لڑکی زندہ ملی جس کا سرکاری طور پر اسلام آباد ہسپتال میں علاج کیا گیا دو مہینے کے بعد لڑکی چلنے پھرنے کے قابل ہو گئی۔

ذکر کے فائدے:

{ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ۝۴۵ } (الانفال:۴۵)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم کسی گروہ کا مقابلہ کرو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷛ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اللهُ تَعَالٰي أَنَا مَعَ عَبْدِيْ حَيْثُمَا ذَكَرَنِيْ وَتَحَرَّكَتْ بِيْ شَفَتَاهُ)) (رواہ البخاری: کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالی لاتحرک بہ لسانک الخ)

”حضرت ابوہریرہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں، وہ جہاں کہیں میرا ذکر کرے اور جب اس کے ہونٹ میرے ذکر کے لیے حرکت کرتے ہیں۔“

مسائل

۱۔ یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبی تھے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کے لیے ایک بیلدار درخت اُگا دیا۔
۳۔ یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کرتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی۔ (النساء:۱۶۳) ۲۔ یونس علیہ السلام رسولوں میں سے تھے۔ (الصّٰفّٰت:۱۳۹)
۳۔ اللہ تعالیٰ نے اسماعیل، یسع، یونس اور لوط علیہم السلام کو جہان والوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ (الانعام:۸۶)
۴۔ یونس علیہ السلام کی اللہ نے دعا قبول فرما کر مچھلی کے پیٹ سے نجات دی۔ (الانبیاء:۸۸)
۵۔ حضرت یونس کی قوم کے سوا کسی قوم کو عذاب کے وقت ایمان لانے کا فائدہ نہیں ہوا۔ (یونس:۹۸)

وَ اَرْسَلْنٰهُ	اِلٰى	مِائَةِ اَلْفٍ	اَوْ	يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾	فَاٰمَنُوْا
اور ہم نے بھیجا اس کو	طرف	ایک لاکھ کی	یا	وہ زیادہ ہوں گے	پھر وہ ایمان لے آئے

فَمَتَّعْنٰهُمْ	اِلٰى	حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾	فَاسْتَفْتِهِمْ	اَلِرَبِّكَ	الْبَنَاتُ
تو ہم نے ان کو فائدہ دیا	تک	ایک مدت	سو آپ پوچھیے ان سے	کیا آپ کے رب کے لیے	بیٹیاں ہیں

وَ لَهُمُ	الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾	اَمْ	خَلَقْنَا	الْمَلٰٓئِكَةَ	اِنَاثًا	وَّهُمْ
اور ان کے لیے	بیٹے ہیں	یا	ہم نے پیدا کیے	فرشتے	مؤنث	کہ وہ

شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾	اَلَآ	اِنَّهُمْ	مِّنْ	اِفْكِهِمْ	لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾	وَلَدَ
دیکھ رہے تھے	خبردار	بلاشبہ وہ	سے	اُن کے جھوٹ	البتہ وہ کہتے ہیں	اولاد جنی

اللّٰهُ	وَ اِنَّهُمْ	لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾	اَصْطَفَى	الْبَنَاتِ	عَلَى	الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾
اللہ نے	اور بے شک وہ	یقیناً جھوٹے ہیں	کیا اس نے پسند کیا	بیٹیوں کو	پر	بیٹوں

”اس کے بعد ہم نے اسے ایک لاکھ یا اس سے زائد لوگوں کی طرف بھیجا۔(۱۴۷) وہ ایمان لائے اور ہم نے انہیں ایک معیّن وقت تک باقی رکھا۔(۱۴۸) ان سے پوچھو کیا تمہارے رب کے لیے بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے ہیں۔(۱۴۹) یا ہم نے ملائکہ کو عورتیں بنایا ہے اور یہ اس وقت موجود تھے۔(۱۵۰) سُن لو یہ لوگ جھوٹی باتیں کرتے ہیں۔(۱۵۱) کہ اللہ اولاد رکھتا ہے یقیناً وہ لوگ جھوٹے ہیں۔(۱۵۲) کیا اللہ نے اپنے لیے بیٹوں کی بجائے بیٹیاں پسند کر لیں ہیں؟“(۱۵۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے شرک سے توبہ کی جس کے نتیجے میں عذاب سے بچ گئی۔اہلِ مکہ کو اس واقعہ کے ذریعے سمجھایا ہے کہ اگر اللہ کے عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو شرک سے توبہ کرلو بصورت دیگر تباہی تمہارا مقدر ہوگی۔

قرآن مجید نے یہ بات واضح نہیں فرمائی کہ یونس علیہ السلام کی قوم کس قسم کے شرک میں ملوث تھی تاہم آیات کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کی دیگر اقسام کے ساتھ یونس علیہ السلام کی قوم میں یہ شرک بھی پایا جاتا تھا کہ وہ ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں خیال کرتے اور ان کے واسطے اور طفیل دعائیں کیا کرتے تھے۔اس کے ساتھ جِنّات کے بارے میں بھی ان کے ایسے ہی خیالات تھے جس طرح جنات کے بارے میں اہلِ مکہ کے خیالات تھے۔مچھلی کے پیٹ سے نکل کر یونس علیہ السلام اپنی قوم کے پاس گئے جن کی اکثریت یا پھر تمام کے تمام لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کے حضور سچی توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔”اٰمَنُوْا “کالفظ استعمال فرما کر ثابت کیا ہے کہ شرک کا عقیدہ رکھنے والا شخص ایماندار نہیں ہوتا۔ان لوگوں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی جنہیں ایک مدت تک مہلت دی گئی اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا اور ہے کہ یونس علیہ السلام کی قوم کے کتنے افراد

مَا لَكُمْ ۫	كَيْفَ	تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾	اَفَلَا	تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾	اَمْ	لَكُمْ
کیا ہے تمہیں	کیسا	تم فیصلہ کرتے ہو	کیا پھر نہیں	تم غور کرتے	یا	تمہارے لیے

سُلْطٰنٌ	مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾	فَاْتُوْا	بِكِتٰبِكُمْ	اِنْ	كُنْتُمْ	صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾
دلیل ہے	واضح	تو تم لے آؤ	اپنی کتاب کو	اگر	تم ہو	سچے

وَجَعَلُوْا	بَيْنَهٗ	وَبَيْنَ	الْجِنَّةِ	نَسَبًا ؕ
اور انہوں نے ٹھہرایا	اس کے درمیان	اور درمیان	جنوں کے	رشتہ

تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسے حکم لگا رہے ہو۔ (۱۵۴) کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔ (۱۵۵) یا پھر تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے۔ (۱۵۶) اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب لاؤ۔ (۱۵۷) انہوں نے اللہ اور جنوں کے درمیان رشتہ داری بنا رکھی ہے۔

تھے لیکن بات میں حُسن پیدا کرنے کے لیے "اَوْ يَزِيْدُوْنَ" کے الفاظ ارشاد فرمائے جس میں حُسن ہونے کے ساتھ بلاغت بھی پائی جاتی ہے تاکہ کلام سُننے والے کے دل میں جستجو پیدا ہو۔

کلام کا رخ موڑ کر اہل مکہ سے سوال کیا گیا ہے کہ کیا ملائکہ کی پیدائش کے وقت یہ لوگ موجود تھے؟ کہ یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو مؤنث (FEMALE) پیدا کیا ہے۔ آگاہ رہیں کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں اور جو ان کے منہ میں آتا ہے کہے جا رہے ہیں حالانکہ کسی کو "اللہ" کی اولاد قرار دینا سب سے بڑا جھوٹ اور بہتان ہے کیا یہ نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کی بجائے اپنے لیے بیٹیاں پسند کی ہیں؟

ظاہر بات ہے کہ اگر اسے اولاد کی محبت اور اپنے لیے معاونین کی ضرورت ہوتی تو وہ بیٹیوں کی بجائے بیٹے پسند کرتا۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اپنی طرف سے ہی فیصلے کیے جاتے ہو آخر فیصلہ کرنے کے لیے عقلی یا نقلی دلیل تو ہونی چاہیے، ہاں اگر تمہارے پاس عقلی یا مشاہداتی دلیل نہیں تو کسی مستند کتاب سے حوالہ پیش کرو جس سے ثابت ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ یا کسی اور کو اپنی اولاد کے طور پر پیدا کیا ہے، یہی تمہارا عقیدہ جنّات کے بارے میں ہے جس بنا پر جنات کو اللہ کا رشتہ دار ٹھہراتے ہو حالانکہ جنّات بھی جانتے ہیں کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کا حسب ونسب جوڑا اسے پوچھا جائے گا جس سے اللہ تعالیٰ نے پوچھ لیا وہ مارا جائے گا۔

یاد رہے کہ اہلِ مکہ یہ بھی ہرزہ سرائی کرتے تھے کہ جنات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رشتہ داری ہے جس سے ملائکہ کی شکل میں بیٹیاں پیدا ہوئی ہیں۔ اس سے اپنے آپ یہ بات نکلتی ہے کہ "نعوذ باللہ" اللہ تعالیٰ بھی جنسی خواہش رکھتا ہے یہ ایسی خرافات ہیں کہ جس کے تصور سے ایک شریف آدمی کا دل کانپ جاتا ہے اس لیے معمولی عقل رکھنے والا انسان بھی پکار اٹھتا ہے کہ سبحان اللہ کہ ہمارا رب ہر خواہش اور کمزوری سے مبرا اور پاک ہے یہ باتیں تو مشرک کیا کرتے تھے ان کے مقابلے میں جو لوگ عقیدہ اور عمل میں مخلص ہیں یعنی شرک سے نفرت اور اجتناب کرتے ہیں ان سے یہ بات کوئی نہیں کہلوا سکتا ایسی باتیں تو وہی لوگ

وَ لَقَدْ	عَلِمَتِ	الْجِنَّةُ	اِنَّهُمْ	لَمُحْضَرُوْنَ ﴿١٥٨﴾	سُبْحٰنَ	اللّٰهِ
اور البتہ تحقیق	جان لیا	جنوں نے	بلاشبہ وہ	ضرور حاضر کیے جائیں گے	پاک ہے	اللہ
عَمَّا	يَصِفُوْنَ ﴿١٥٩﴾	اِلَّا	عِبَادَ	اللّٰهِ	الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٠﴾	فَاِنَّكُمْ
اس سے جو	وہ بیان کرتے ہیں	سوائے	بندے	اللہ کے	خالص کیے ہوئے	پس بے شک تم
وَمَا	تَعْبُدُوْنَ ﴿١٦١﴾	مَآ	اَنْتُمْ	عَلَيْهِ	بِفٰتِنِيْنَ ﴿١٦٢﴾	اِلَّا
اور جو	تم عبادت کرتے ہو	نہیں ہو	تم	اس پر	بہکانے والے	مگر
مَنْ	هُوَ	صَالِ	الْجَحِيْمِ ﴿١٦٣﴾			
اس کو	وہ	جانے والا	جہنم میں			

حالانکہ جن خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ مجرم کی حیثیت سے پیش ہونے والے ہیں۔(۱۵۸) اللہ ان باتوں سے پاک ہے۔(۱۵۹) جو اس کے خالص بندوں کے سوا دوسرے لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔(۱۶۰) پس تم اور تمہارے یہ معبود۔(۱۶۱) اللہ سے کسی کو پھیر نہیں سکتے۔(۱۶۲) مگر صرف اُس کو جو دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھلنے والا ہے۔''(۱۶۳)

کرتے ہیں جن پر جہنم واجب ہو چکی ہے۔

''اے پیغمبر ﷺ! فرما دیجیے کہ میری طرف اللہ تعالیٰ کی وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک بڑی جماعت نے قرآن سنا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے پس ہم اس پر ایمان لائے ہم آئندہ اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے کیونکہ ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے اس کی نہ بیوی ہے اور نہ اولاد، یقیناً ہم میں سے بیوقوف لوگ اللہ کے بارے میں غلط باتیں کہتے ہیں۔'' (الجن: ۱ تا ۵)

سنگین جرم:

{ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ } (مریم: ۹۰ تا ۹۲)

''قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ اس بات پر کہ انہوں نے رحمان کی اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے رحمان کی شان نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے۔''

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آدم کا بیٹا مجھے گالیاں دیتا ہے اور یہ اس کے لیے لائق نہیں اور وہ میری تکذیب کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے لائق نہیں اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ میری اولاد ہے اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ مجھے دوبارہ پیدا نہیں کیا جائے گا جس

طرح مجھے پہلی بار پیدا کیا گیا ہے۔‘‘

(رواہ البخاری: باب مَا جَاءَ فِی قَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی [وَھُوَ الَّذِی یَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ])

جس سے ربِ ذوالجلال نے سوال کرلیا وہ مارا جائے گا:

((عَنْ عَائِشَۃَ ؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَیْسَ اَحَدٌ یُحَاسَبُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِلَّا ھَلَکَ قُلْتُ اَوَلَیْسَ یَقُوْلُ اللّٰہُ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَسِیْرًا فَقَالَ اِنَّمَا ذٰلِکَ الْعَرْضُ وَلٰکِنْ مَّنْ نُوْقِشَ فِی الْحِسَابِ یَھْلِکْ)) (رواہ البخاری: باب مَنْ سَمِعَ شَیْئًا فَرَاجَعَ حَتّٰی یَعْرِفَہٗ)

’’حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی گرامی ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن جس سے حساب لے لیا گیا وہ ہلاک ہوا میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا اللہ کا ارشاد نہیں کہ ’’عنقریب اس کا آسان حساب ہوگا۔‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو معمولی پیشی ہے جس شخص سے باز پرس ہوئی وہ مارا گیا۔‘‘

مسائل

۱۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ ملائکہ اللہ کی اولاد ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

۲۔ لوگ بلا دلیل جنات اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے رشتہ دار بناتے ہیں۔

۳۔ ایسا عقیدہ رکھنے والے جہنمی ہیں۔ ۴۔ اللہ کے مخلص بندے ایسی بات نہیں کہتے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ اولاد اور ہر قسم کی کمزوری سے پاک ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔ (النحل: ۱)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو برحق پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ شریکوں سے بلند و بالا ہے۔ (النحل: ۳)

۳۔ اللہ تعالیٰ غائب اور حاضر کو جاننے والا ہے اللہ شریکوں کی شراکت سے بلند ہے۔ (المومنون: ۹۲)

۴۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے بالا ہے۔ (النمل: ۶۳)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا، رزق دیا، تمہیں مارے گا اور تمہیں زندہ کرے گا کیا تمہارے شرکا میں سے بھی کوئی ہے جو یہ کام کر سکے؟ اللہ مشرکوں کے شرک سے پاک ہے۔ (الروم: ۴۰)

۶۔ قیامت کے دن آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے اللہ تعالیٰ لوگوں کے شرک سے پاک و برتر ہے۔ (الزمر: ۶۷)

۷۔ اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے۔ (الانعام: ۱۰۱) ۸۔ عزیر علیہ السلام ’’اللہ‘‘ کے بیٹے نہیں اس کے بندے تھے۔ (التوبۃ: ۳۰)

۹۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام الٰہ نہیں اللہ کے بندے تھے۔ (المائدۃ: ۷۵)

۱۰۔ کسی کو اللہ تعالیٰ کی اولاد قرار دینا بدترین گناہ ہے۔ (مریم: ۹۱، ۹۲)

وَ مَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿١٦٤﴾

اور نہیں ہے | ہم میں سے | مگر | اس کے لیے | مرتبہ | معلوم

وَّ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿١٦٥﴾ وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿١٦٦﴾

اور بے شک ہم | البتہ ہم | صف باندھنے والے ہیں | اور بے شک ہم | البتہ ہم تو | تسبیح کرنے والے ہیں

”اور ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کا ایک متعیّن مقام ہے۔(١٦٤) اور ہم صف بستہ حاضر رہتے ہیں۔(١٦٥) اور ہم ہر صورت تسبیح کرنے والے ہیں۔“(١٦٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نیک جِنّات اور موحد بندوں کا عقیدہ بیان کرنے کے بعد ملائکہ کا عقیدہ اور ان کا اعتراف ذکر کیا جاتا ہے۔

اس سے پہلے نیک جِنّات اور مخلص بندوں کا عقیدہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کی رشتہ داری ہے جِنّات، انسان اور ہر چیز اس کی مخلوق ہے وہ سب کا واحد خالق، مالک اور رازق ہے یہی عقیدہ تمام ملائکہ کا ہے وہ اقرار کرتے ہیں کہ ہماری کیا مجال ہے کہ جہاں ہماری ڈیوٹی لگائی گئی ہے اس سے ایک انچ آگے پیچھے ہو سکیں اور جو ہمیں حکم دیا جاتا ہے اس میں بال برابر سستی کریں اور جو ہماری حیثیت ہے اس سے تجاوز کریں ہم تو اپنی اپنی جگہ پر کھڑے اپنے خالق کے حکم کے منتظر رہتے اور ہر وقت اپنے رب کے حضور صف بستہ حاضر رہتے ہیں اور ہر حال میں اپنے رب کی تسبیح پڑھتے رہتے ہیں۔ قیامت کے دن بھی ملائکہ کی یہی حالت گی۔

{ اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَ قِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ۝ } (المؤمن:٧)

”عرشِ الٰہی کے حامل فرشتے اور جو عرش کے گرد و پیش حاضر رہتے ہیں، سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہیں، وہ ”اللہ“ پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمانداروں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب تو اپنی رحمت اور اپنے علم کے ساتھ ہر چیز پر چھایا ہوا ہے جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستے کی اتباع کی انہیں جہنم کے عذاب سے محفوظ فرما۔“

{ یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙۗ لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾ } (النبا:٣٨)

”جس دن جبرائیلِ امین اور دوسرے فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے اس دن صرف وہی بول سکے گا جس کو

الرحمٰن نے اجازت دی ہوگی۔“

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِذَا قَضَى اللّٰهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ كَالسِّلْسِلَةِ عَلَى صَفْوَانٍ قَالَ عَلِيٌّ وَقَالَ غَيْرُهُ صَفْوَانٍ يَنْفُذُهُمْ ذٰلِكَ فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ، قَالُوا لِلَّذِي قَالَ الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ))

(رواہ البخاری: باب قَوْلِهِ ﴿إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ﴾)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب آسمان پر کوئی فیصلہ صادر فرماتا ہے تو اللہ کے فرمان کے جلال کی وجہ سے فرشتوں کے پروں میں آواز پیدا ہوتی ہے جیسے ہموار پتھر پر لوہے کی زنجیر کھینچنے سے آواز پیدا ہوتی ہے جب ملائکہ کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوجاتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے پروردگار نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ اُوپر والے ملائکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا ذکر کرتے اور اس کی تصدیق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ بلندوبالا کا یہ ارشاد ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ملائکہ ایک انچ بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوسکتے۔

۲۔ ملائکہ اپنی ڈیوٹی ادا کرنے کے ساتھ ہر دم اپنے رب کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

۳۔ ملائکہ ہر وقت اپنے رب کے حضور صف بستہ رہتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

ملائکہ اور جنات بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند اور اس کی بندگی میں لگے ہوئے ہیں:

۱۔ یقیناً جو ملائکہ آپ کے رب کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے، اس کی تسبیح بیان کرتے اور اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ (الاعراف: ۲۰۶)

۲۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد بیان کرتے ہیں اور مومنوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ (الشوریٰ: ۵)

۳۔ قیامت کے دن تمام فرشتے اور جبرائیل علیہ السلام اپنے رب کے روبرو قطار میں کھڑے ہوں گے۔ (النباء: ۳۸)

۴۔ قیامت کے دن فرشتے صف بنا کر اپنے رب کے سامنے حاضر ہوں گے۔ (الفجر: ۲۲)

۵۔ جن اور انسان اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کئے گئے ہیں۔ (الذاریات: ۵۶)

۶۔ اے انسانوں اور جنّوں اگر تم خدا کی خدائی سے نکل سکتے ہو نکل جاؤ۔ (الرحمٰن: ۳۳)

وَ	اِنْ	كَانُوْا	لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾	لَوْ	اَنَّ	عِنْدَنَا
اور	یقیناً	وہ تھے	البتہ کہتے	کاش	بے شک	ہمارے پاس
ذِكْرًا	مِّنَ	الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾	لَكُنَّا	عِبَادَ	اللّٰهِ	الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾
نصیحت ہوتی	سے	پہلے لوگوں	ہم ضرور ہوتے	بندے	اللہ کے	برگزیدہ
فَكَفَرُوْا	بِهٖ	فَسَوْفَ	يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾	وَلَقَدْ	سَبَقَتْ	كَلِمَتُنَا
توانہوں نے کفر کیا	اس کے ساتھ	پھر عنقریب	وہ جان لیں گے	اور البتہ تحقیق	سبقت لے گئی	ہماری بات
لِعِبَادِنَا	الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾	اِنَّهُمْ	لَهُمُ	الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾	وَاِنَّ	
اپنے بندوں کے لیے	بھیجے ہوئے	بے شک وہ	ان کے لیے	مدد کیے جائیں گے	اور بلاشبہ	
جُنْدَنَا	لَهُمُ	الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾				
ہمارا لشکر	ان کے لیے	غالب رہے گا				

”یہ لوگ کہا کرتے تھے۔(۱۶۷) کہ کاش ہمارے پاس نصیحت آتی جو پچھلی قوموں کے پاس آئی تھی۔(۱۶۸) تو ضرور ہم اللہ کے مخلص بندے بن جاتے۔(۱۶۹) انہوں نے اس کا انکار کر دیا انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔(۱۷۰) ہم پہلے ہی اپنے بھیجے ہوئے بندوں سے وعدہ کر چکے ہیں۔(۱۷۱) کہ یقیناً وہ مدد کیے جائیں گے۔(۱۷۲) اور ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر رہے گا۔“(۱۷۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہل مکہ اور دیگر لوگوں کا دعویٰ۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد اہل مکہ کے پاس براہ راست کوئی نبی نہیں آیا جس وجہ سے ان کے سمجھ دار لوگ یہ کمی محسوس کرتے اور کہتے تھے کہ کاش! ہمارے ہاں بھی کوئی نبی مبعوث کیا جاتا جس کی اتباع کر کے ہم دوسری اقوام بالخصوص اہل کتاب پر برتری حاصل کر لیتے اور اللہ کے مخلص بندے بن جاتے۔ اس خواہش اور نبی علیہ السلام کو پہچاننے کے باوجود یہ لوگ انکار کیے جا رہے ہیں اگر یہ لوگ اپنی روش سے باز نہ آئے تو انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی کس طرح مدد کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں سے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ ہر صورت ان کی مدد کرے گا جس سے وہ اپنے مخالفوں پر غالب آئیں گے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ”اللہ“ کی فوج ہی غالب آیا کرتی ہے اس لئے بدر سے لے کر غزوہ تبوک تک تمام غزوات کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ نبی آخر الزمان علیہ السلام اور آپ کے اصحاب ہمیشہ کفار پر غالب رہے۔ اُحد میں پہلے غالب رہے اور بعد میں اپنی غلطی سے انہیں نقصان، اٹھانا پڑا۔ یہاں

تک مسلمانوں کی کامیابی کا تعلق ہے آپ ﷺ کے بعد بھی تقریباً ایک ہزار سال تک مسلمان دنیا میں واحد اخلاقی، سیاسی اور عسکری قوت کے طور پر تسلیم کیے جاتے رہے۔ کفر پر غالب آنے کا اہلِ علم نے دوسرا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ مخالف جو چاہیں اور جس قدر چاہیں دینِ اسلام کی مخالفت کریں۔ لیکن وہ اسلام کی سچائی اور حقانیت پر دلائل کی بنیاد پر کبھی غالب نہیں آسکیں گے کیونکہ اسلام غالب رہنے کے لیے آیا ہے۔ اگر کوئی حکمران خلوص نیت اور جرأت کے ساتھ اسلام کو اس کے تقاضوں کے ساتھ نافذ کرے گا تو اسلام کا نظام کامیاب ہوگا یہ کبھی ناکام نہیں ہوسکتا۔

{ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾ } (المجادلة: ۲۱)

”اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے بے شک اللہ تعالیٰ طاقت ور اور زور آور اور زبردست ہے۔“

((اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی)) (صحیح البخاری: بَابُ إِذَا أَسْلَمَ الصَّبِیُّ فَمَاتَ، ہَلْ یُصَلّٰی عَلَیْہِ، وَہَلْ یُعْرَضُ عَلَی الصَّبِیِّ الإِسْلَامُ)

”اسلام غالب آئے گا اور اس پر کوئی غالب نہیں آئے گا۔“

مسائل

۱۔ نبی اکرم ﷺ کی آمد سے پہلے اہلِ مکہ آپ کی نبوت کے منتظر تھے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں سے وعدہ کیا کہ وہ غالب آئیں گے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی فوج ہی ہمیشہ غالب آیا کرتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

دین حق اور رسولوں کے غالب آنے کا وعدہ:

۱۔ وہ ذات جس نے رسول کو مبعوث کیا تا کہ دین اسلام تمام ادیان پر غالب آجائے۔ (الفتح: ۲۸)

۲۔ ان سے لڑائی کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین خالصتاً اللہ کے لیے ہو جائے۔ (البقرۃ: ۱۹۳)

۳۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ (آل عمران: ۱۶۰)

۴۔ اللہ تعالیٰ اپنے امر پر غالب ہے لیکن لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف: ۲۱)

۵۔ اگر تم ”اللہ“ کی مدد کرو گے وہ تمہاری مدد کرے گا۔ (محمد: ۷) ۶۔ ”اللہ“ کی فوج ہی غالب آیا کرتی ہے۔ (المائدۃ: ۵۶)

۷۔ کتنی قلیل جماعتیں ”اللہ“ کے حکم سے غالب آئیں۔ (البقرۃ: ۲۴۹)

۸۔ ”اللہ“ کا وعدہ ہے کہ میں اپنے رسولوں کو ضرور غالب کروں گا۔ (المجادلہ: ۲۱)

فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ حَتّٰى حِيۡنٍ ۙ۝۱۷۴ وَّ اَبۡصِرۡهُمۡ فَسَوۡفَ

سو آپ منہ موڑ لیں ان سے تک ایک مدت اور دیکھیے انہیں پھر عنقریب

يُبۡصِرُوۡنَ ۝۱۷۵ اَفَبِعَذَابِنَا يَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ۝۱۷۶ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمۡ

وہ دیکھیں گے کیا پھر ہمارے عذاب کو وہ جلد چاہتے ہیں سو جب وہ نازل ہوگا ان کے صحن میں

فَسَآءَ صَبَاحُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ ۝۱۷۷ وَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ حَتّٰى حِيۡنٍ ۙ۝۱۷۸

تو بری ہوگی صبح ڈرائے ہوؤں کی اور آپ اعراض کیجیے ان سے تک ایک مدت

وَّ اَبۡصِرۡ فَسَوۡفَ يُبۡصِرُوۡنَ ۝۱۷۹

اور آپ دیکھیے پھر عنقریب وہ دیکھیں گے

''سوائے نبی کچھ مدّت کے لئے ان سے توجہ ہٹالیں۔(۱۷۴) اورانہیں دیکھیں عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے۔(۱۷۵) کیا یہ ہمارے عذاب کے لیے جلدی کرر ہے ہیں۔(۱۷۶) جب وہ ان کے سامنے اترے گا تو جنہیں خبردار کیا جاچکا ہے وہ صبح اُن کے لیے بہت بُری ہوگی۔(۱۷۷) بس انہیں کچھ مدّت کے لیے چھوڑ دیں۔(۱۷۸) اور دیکھتے رہیں عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے۔'' (۱۷۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام : اے نبی ﷺ آپ کے ساتھ بھی اللہ کا وعدہ ہے جو ہر صورت پورا ہو کر رہے گا اس لیے آپ کو ان سے الجھنے کی بجائے ایک وقت تک ان سے اعراض اور انتظار کرنا چاہیے۔

بے شک یہ آپ سے عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن آپ ان کو ایک وقت کے لیے صرفِ نظر فرمائیں کیونکہ عنقریب یہ کھلی آنکھوں کے ساتھ دیکھ لیں گے کہ ہمارا عذاب ان کو کس طرح آلیتا ہے۔ جہاں تک دنیا کی پکڑ کا معاملہ ہے جب ہم نے انہیں ذلیل کرنے کا فیصلہ کر لیا تو پھر کوئی طاقت انہیں بچانے والی نہ ہوگی لہٰذا جب اللہ کے وعدے کا وقت آن پہنچا تو نبی آخر الزمان ﷺ اس طرح اہل مکہ اور یہود و نصارٰی پر غالب آئے کہ کوئی دم مارنے کی جرأت نہ کر سکا۔ آپ ﷺ نے دس ہزار کا لشکرِ جرار لے کر مکہ کا محاصرہ کیا تو چڑیا بھی پر نہیں مار سکی تھی اور دنیا جان گئی کہ مکہ کے بڑے بڑے سردار آپ سے معافی کے خواستگار ہوئے اور آپ نے انہیں معاف کرتے ہوئے فرمایا کہ جاؤ تم آزاد ہو آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ جہاں تک یہودیوں کا معاملہ ہے انہیں ہمیشہ کے لیے مدینہ سے نکال باہر کیا اور خیبر کا محاصرہ کیا تو شہر کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے اس آیت کی تلاوت کی۔

{ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾ } (الصّٰفّٰت:۱۷۷)

''جب عذاب کا نزول کسی کے آنگن میں ہوتا ہے تو ڈرائے گئے لوگوں کی صبح بڑی بھیانک ہوتی ہے۔''

سلطنتِ رومہ کا اس طرح برا حال ہوا کہ جب آپ ﷺ تیس ہزار کا لشکر لے کر تبوک کے میدان میں اترے تو اس وقت کی واحد سیاسی اور عسکری طاقت روم بھی آپ کا سامنا کرنے کی جرأت نہ کرسکا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے عسکری، اخلاقی اور دینی طور پر آپ ﷺ کو کامیابیوں سے سرفراز فرمایا اور صرف تیئس سال میں امن وسکون کا وہ انقلاب آیا جس کی دنیا میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

مسائل

۱۔ اے نبی! کفار آپ سے عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں آپ ان کی بات پر توجہ نہ دیں۔

۲۔ کافر اللہ کے عذاب کے بارے میں جلدی کرتے ہیں۔ ۳۔ عنقریب کافر اپنا انجام دیکھ لیں گے۔

تفسیر بالقرآن

کفار کا انجام:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے متقین کے ساتھ جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔ (الرعد:۳۵)

۲۔ کفار کے چہرے کالے ہوں گے اور جنتیوں کے چہرے پرنور ہوں گے۔ (آل عمران:۱۰۶۔۱۰۷)

۳۔ کافر ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ (الزخرف:۷۴) ۴۔ مجرم کے لیے جہنم ہے۔ (طٰہٰ:۷۴)

۵۔ کفار کے چہروں پر ذلت چھائی ہوگی اور متقین کے چہرے ہشاش بشاش ہوں گے۔ (یونس:۲۶۔۲۷)

۶۔ زمین میں چل پھر کر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ (النحل:۳۶)

۷۔ ہم نے ان سے انتقام لیا دیکھئے جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ (الزخرف:۲۵)

۸۔ قیامت کے دن منکرین کیلئے ہلاکت ہے۔ (الطور:۱۱) ۹۔ منکرین کیلئے جہنم کا کھولتا ہوا پانی ہے۔ (الواقعۃ:۹۲)

۱۰۔ کفار سے فرما دیں کہ عنقریب تم مغلوب ہو گے اور تمہیں جہنم کی طرف اکٹھا کیا جائے گا۔ (آل عمران:۱۲)

۱۱۔ کفار کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ (النساء:۹۷)

۱۲۔ کفار کے لیے جہنم کی آگ ہے اس میں انہیں موت نہیں آئے گی۔ (فاطر:۳۶)

۱۳۔ مجرم لوگ ہمیشہ جہنم کے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ (الزخرف:۷۴)

۱۴۔ کفار کا ٹھکانہ جہنم ہے جب اُس کی آگ ہلکی ہونے لگے گی تو ہم اُس کو اور بھڑکا دیں گے۔ (بنی اسرائیل:۹۷)

سُبْحٰنَ	رَبِّكَ	رَبِّ الْعِزَّةِ	عَمَّا	يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾
پاک ہے	آپ کا رب	عزت کا رب	اس سے جو	وہ بیان کرتے ہیں
وَ	سَلٰمٌ	عَلَى	الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾	وَ الْحَمْدُ
اور	سلام ہے	پر	رسولوں	اور تمام تعریفیں
لِلّٰهِ	رَبِّ	الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾		
اللہ کے لیے	رب ہے	تمام جہانوں کا		

ع ۵ ۴۴ ۹

''آپ کا رب عزت والا ہے اور اُن تمام باتوں سے پاک ہے جو وہ بنا رہے ہیں (۱۸۰) اور رسولوں پر سلام ہو۔(۱۸۱) اور تمام تعریفات اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔''(۱۸۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلی آیت میں مشرکین کو چیلنج کیا گیا ہے کہ بہت جلد تمہیں اپنے انجام اور نبی آخر الزمان ﷺ کی کامیابی کا علم ہو جائے گا اور یہ ہو کر رہے گا کیونکہ ہر قسم کی عزت اور عظمت رب العالمین کے لیے ہے اور اس کی طرف سے مرسلین پر سلام ہو۔

سورۃ کا خاتمہ ان الفاظ پر ہو رہا ہے کہ اے کفار اور مشرکین ! کان کھول کر سن لو! کہ اللہ تعالیٰ نا صرف تمہارے نظریات، شرکیہ عقائد اور ہرزہ سرائی سے پاک ہے بلکہ وہ ہر قسم کی کمزوری سے بھی مبرّا ہے وہ بڑی عزت وعظمت والا ہے کوئی اس کی عزت وعظمت کا تصور بھی نہیں کر سکتا جسے وہ عزت اور عظمت دینا چاہے تو اُسے کوئی نیچا نہیں دکھا سکتا اس نے فیصلہ کر رکھا ہے کہ وہ اپنے رسول ﷺ کو کامیاب کرے گا کیونکہ اس کی رحمتیں نبی آخر الزمان ﷺ اور تمام مرسلین علیہم السلام پر برستی ہیں جنہوں نے اس کی توحید اور دین کی سربلندی کے لیے تن من دھن قربان کیے۔ اے کفار اور مشرکین ! تم ایک بار نہیں ہزار بار ''اللہ'' کی ذات اور صفات کا انکار کرو حقیقت یہ ہے صرف اللہ تعالیٰ ہی تمام جہانوں کا خالق، مالک، رازق اور بادشاہ ہے اس لیے زمین کا ذرہ ذرہ، آسمانوں کا چپہ چپہ اور کائنات کا ایک ایک جُز ماضی، حال میں اس کی حمد وستائش میں لگا ہوا ہے اور مستقبل میں لگا رہے گا کیونکہ وہ رب العالمین ہے۔

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بڑے محبوب ہیں اور زبان سے نہایت آسانی کے ساتھ ادا ہو جاتے ہیں اور ترازو میں بہت وزنی ہیں (سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ)'' (رواہ البخاری: باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى [وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ])

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ حَدَّثَهُمْ أَنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ قَالَ يَا رَبِّ لَكَ

الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلاَلِ وَجْهِكَ وَلِعَظِيمِ سُلْطَانِكَ فَعَضَّلَتْ بِالْمَلَكَيْنِ فَلَمْ يَدْرِيَا كَيْفَ يَكْتُبَانِهَا فَصَعِدَا إِلَي السَّمَاءِ وَقَالاَ يَا رَبَّنَا إِنَّ عَبْدَكَ قَدْ قَالَ مَقَالَةً لاَ نَدْرِي كَيْفَ نَكْتُبُهَا قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا قَالَ عَبْدُهُ مَاذَا قَالَ عَبْدِي قَالاَ يَا رَبِّ إِنَّهُ قَالَ يَا رَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلاَلِ وَجْهِكَ وَعَظِيمِ سُلْطَانِكَ فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُمَا اكْتُبَاهَا كَمَا قَالَ عَبْدِي حَتَّي يَلْقَانِي فَأَجْزِيَهُ بِهَا» (رواہ ابن ماجۃ: باب فضل الحامدین [ضعیف])

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے نے یہ کلمات کہے اے میرے پروردگار! تیرے لیے ہر قسم کی تعریف ہے ایسی تعریف جیسی تیرے پرجلال چہرے کے لیے زیبا اور تیری عظیم بادشاہی کے لائق ہے۔ دوفرشتوں نے اُن کلمات کا اجر لکھنے میں دقت محسوس کی کہ وہ کیا لکھیں؟ دونوں آسمان کی طرف گئے اور اللہ کے سامنے عرض کی اے ہمارے پروردگار! تیرے بندے نے ایسے کلمات کہے ہیں کہ جس کے اجر کے بارے میں ہمیں علم نہیں اللہ عزوجل نے پوچھا کہ میرے بندے نے کیا کہا حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس نے کیا کہا تھا۔ فرشتے کہتے ہیں کہ اُس نے یہ کلمات کہے ہیں (یَا رَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلاَلِ وَجْهِكَ وَعَظِيمِ سُلْطَانِكَ) اللہ عزوجل نے فرمایا: تم یہی کلمات لکھ دو جو کلمات میرے بندے نے ادا کیے ہیں یہاں تک کہ وہ مجھے آملے تو پھر میں اُسے اِن کلمات کا صلہ عطا کروں گا۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ بڑی عزت وعظمت والا ہے ۲۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شرک اور ہر کمزوری سے مبرا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہر وقت انبیائے کرام علیہم السلام پر برستی ہیں۔ ۴۔ تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں۔
۵۔ کائنات کا ہر جز اور فرد اپنے رب کی حمد وستائش بیان کرنے میں لگا ہوا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ساری کائنات اللہ رب العالمین کی حمد وستائش اور پاکی بیان کررہی ہے:

۱۔ زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ (الحدید: ۱)
۲۔ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں۔ (بنی اسرائیل: ۴۴)
۳۔ رعد اس کی حمد وتسبیح بیان کرتی ہے۔ (الرّعد: ۱۳)
۴۔ فرشتے اللہ کی تسبیح اور حمد بیان کرتے ہیں اور مومنوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ (الشوریٰ: ۵)
۵۔ مومن اللہ کی حمد اور تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ (السجدۃ: ۱۵)

سورۃ صٓ کا تعارف

سورۃ صٓ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی یہ پانچ رکوع اور اٹھاسی آیات پر مشتمل ہے۔

ربطِ سورۃ: سورۃ الصافات کے آخر میں اس بات کی تردید کی گئی ہے کہ نہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ ہی ملائکہ کو اپنی بیٹیاں قرار دیا ہے اس تردید کے باوجود کفار اور مشرک اپنی ضد کی بنا پر وہی بات کیے جا رہے ہیں جس کا اُن کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے اس پر نبی آخر الزمان علیہ السلام نے انہیں سمجھایا تو انہوں نے آپ کو ساحر اور کذّاب کہا، مشرک اس بات پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں کہ ایک الٰہ پوری دنیا کے لیے کس طرح کافی ہوسکتا ہے ان کا کہنا ہے کہ ہم نے یہ بات اپنے باپ دادا سے نہیں سُنی اس وجہ سے وہ نبی علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں شک کرتے ہیں جس وجہ سے انہیں عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس بیان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی قوم عاد، فرعون، ثمود، قوم لوط اور اصحاب ایکہ کا انجام بتلایا گیا ہے۔ سورت کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے پیش ہونے والے مقدمے کی تفصیل اور سرمایہ دارانہ ذہن کی عکاسی کی گئی ہے کہ انسان میں ایک حد سے زیادہ مال کی ہوس پیدا ہو جائے تو اُس کے سامنے کسی اُصول اور رشتہ کا احترام باقی نہیں رہتا۔

پھر آدم علیہ السلام کے واقعہ کا اختصار پیش کرتے ہوئے بتلایا کہ شیطان نے معذرت پیش کرنے کی بجائے اپنے گناہ پر اصرار کرتے ہوئے کہا کہ میرے رب مجھے قیامت تک مہلت دے تاکہ میں لوگوں کو گمراہ کردوں۔ اللہ تعالیٰ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ تجھے قیامت تک کے لیے مہلت دی جاتی ہے شیطان نے کہا اے رب تیری عزت کی قسم! میں تیرے مخلص بندوں کے سوا سب کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا، جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تجھے اور تیرے ساتھیوں کے ساتھ جہنم کو بھر دوں گا۔

چوتھے رکوع میں حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری اور ان کے صبر و شکر کا ذکر ہوا ہے۔

سورت کے آخر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اعلان کروایا گیا کہ آپ اس بات کا برملا اعلان فرمائیں کہ میں نبوت کے کام پر کسی اجر کا طالب نہیں اور نہ ہی میں کسی قسم کا تکلف کرنے والا ہوں قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کے لیے خیر خواہی اور رہنمائی ہے جو لوگ اس رہنمائی اور خیر خواہی کا انکار کریں گے ایک مدت کے بعد ان کے انکار کا انجام ان کے سامنے آجائے گا۔

سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعَاتُهَا ـ ۵ اٰيَاتُهَا ـ ۸۸

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا ، نہایت مہربان ہے

صٓ	وَ	الْقُرْاٰنِ	ذِي الذِّكْرِ ؕ ۞	بَلِ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا
صٓ	قسم ہے	قرآن کی	نصیحت والے	بلکہ	وہ لوگ	جنہوں نے کفر کیا
فِيْ	عِزَّةٍ	وَّ شِقَاقٍ ۞	كَمْ	اَهْلَكْنَا	مِنْ	قَبْلِهِمْ
میں	تکبر	اور مخالفت میں	کتنی	ہم نے ہلاک کر دیں	سے	ان سے پہلے
مِّنْ قَرْنٍ	فَنَادَوْا	وَّ لَاتَ	حِيْنَ	مَنَاصٍ ۞		
صدی سے	تو انہوں نے پکارا	اور نہ رہا	وقت	نجات کا		

’’صٓ قسم ہے نصیحت کرنے والے قرآن کی۔(۱) بلکہ جن لوگوں نے اسے ماننے سے انکار کیا ہے بڑے تکبر اور اختلاف کا شکار ہیں۔(۲) ہم ان سے پہلے ایسی کتنی ہی قومیں ہلاک کر چکے ہیں۔ وہ چیخ اٹھے تھے مگر وہ وقت نجات پانے والا نہ تھا۔‘‘(۳)

فہم القرآن

سورۃ الصّٰفّٰت کے اختتام پر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ یا کسی اور کو اپنی اولاد قرار نہیں دیا اور اللہ تعالیٰ مشرکوں کی یاوہ گوئی سے مبرّا ہے۔ اس کی طرف سے انبیائے کرام علیہم السلام پر ہمیشہ رحمت کا نزول ہوتا رہے گا۔ سورہ صٓ ابتدا میں قرآن مجید کو الذّکر قرار دیا ہے۔ الذّکر کا معنیٰ نصیحت اور خیر خواہی ہے۔ کافر اور مشرک خیر خواہی قبول کرنے کی بجائے اس کی مخالفت میں آکر کہتے ہیں کہ یہ نبی کذّاب اور جادوگر ہے۔

’’صٓ‘‘ حروفِ مقطعات میں سے ہے اس حرف کا بھی مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن اس کی بھی وہی حقیقت ہے جو دوسرے حروفِ مقطعات کی ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول کے بغیر اس کا حقیقی مفہوم کوئی نہیں جانتا۔ حرف ’’وٓ‘‘ قسم کے لیے لایا گیا ہے معنیٰ یہ ہوگا کہ اس پیکرِ نصیحت قرآن مجید کی قسم! یہ لوگ اس قرآن کا انکار اس لیے نہیں کرتے کہ انہیں قرآن سمجھ نہیں آرہا ہے یا قرآن کوئی انوکھی بات کر رہا ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ غرور اور مخالفت کی بنا پر اس کا انکار کرتے ہیں حالانکہ ان کے سامنے تفصیل کے ساتھ بار بار بیان ہو چکا ہے کہ ان سے پہلے جس جس نے حق کے ساتھ تکبر اور اپنے نبی کا انکار کیا اس کا انجام کیا ہوا؟ جب ان کے تکبر اور انکار کی وجہ سے اللہ کا عذاب نازل ہوا تو وہ چیخ و پکار اور آہ وزاریاں کرتے رہے لیکن اس وقت انہیں مہلت نہ دی گئی لہٰذا مکہ والو! سوچ لو کہ جب تم پر عذاب کا کوڑا برسے گا تو تمہیں بھی مہلت نہیں مل سکے گی اور نہ تمہیں کوئی بچانے والا ہوگا۔

''کیا ان کو صرف یہی انتظار ہے کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا خود اللہ تعالیٰ آئے یا تیرے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی آئے (نشانی سے مراد عذاب ہے) جس دن ''اللہ'' کے عذابوں میں سے کوئی عذاب آئیگا تو جو شخص اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہوگا یا اس نے ایمان لانے کے بعد کوئی نیکی کا کام نہیں کیا ہوگا اس کا ایمان اسے ہرگز فائدہ نہیں دے گا۔فرما دیجیے کہ تم انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔'' (الانعام:١٥٩)

تکبر کیا ہے؟

((عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِنْ کِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّ الرَّجُلَ یُحِبُّ اَنْ یَّکُوْنَ ثَوْبُہٗ حَسَنًا وَ نَعْلُہٗ حَسَنًا قَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی جَمِیْلٌ یُّحِبُّ الْجَمَالَ اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ)) (رواہ مسلم: باب تحریم الکبر وبیانہ)

''حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ایک آدمی نے آپ سے عرض کی کہ ایک شخص پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اور جوتے اچھے ہوں۔آپ نے فرمایا: اللہ خوبصورت ہے خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے۔تکبر حق بات کو چھپانا اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام ہے۔''

لغت کے مطابق ''عِزَّۃٍ'' کا معنٰی طاقتور ہونا ''شِقَاقٍ'' کا معنٰی مخالفت اور دشمنی ہے۔''مَنَاصٍ'' کا معنٰی جھگڑا کرنا ہے۔گویا کہ قرآن کے مخالفوں میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی تھیں جس شخص میں یہ تینوں عیب پائے جائیں اس کا ہدایت قبول کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

مسائل

١۔ قرآن مجید نصیحت کا مرقع ہے۔ ٢۔اللہ تعالیٰ نے بہت سی متکبر قوموں کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔

٣۔ قرآن کا انکار کرنے والے کسی معقول عذر کی وجہ سے نہیں بلکہ تکبر کی بنا پر اس کا انکار کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے اوصافِ حمیدہ کی ایک جھلک:

١۔ قرآن مجید لاریب کتاب ہے۔(البقرۃ:١) ٢۔قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔(آل عمران:١٣٨)

٣۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھلی کتاب ہے۔(ھود:١) ٤۔قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔(البقرۃ:١٨٥)

٥۔ قرآن مجید کے نزول کا مقصد لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانا ہے۔(ابراہیم:١)

٦۔ قرآن مجید برہان اور نور مبین ہے۔(النساء:١٧٤) ٧۔ قرآن مجید دلوں کے لئے شفا ہے۔(یونس:٥٧)

وَعَجِبُوْٓا	اَنْ	جَآءَهُمْ	مُّنْذِرٌ	مِّنْهُمْ ۫	وَقَالَ	الْكٰفِرُوْنَ
اورانہوں نے تعجب کیا	یہ کہ	آیاان کے پاس	ڈرانے والا	انہی میں سے	اور کہا	کافروں نے
هٰذَا	سٰحِرٌ	كَذَّابٌ ۝۴ۖۚ	اَجَعَلَ	الْاٰلِهَةَ	اِلٰهًا	وَّاحِدًا ۚۖ
یہ	جادوگر ہے	انتہائی جھوٹا	کیااس نے کردیا	معبودوں کو	معبود	ایک
اِنَّ	هٰذَا	لَشَیْءٌ	عُجَابٌ ۝۵	وَانْطَلَقَ	الْمَلَاُ	مِنْهُمْ
بے شک	یہ	چیز ہے	بڑی عجیب	اور چلے	سردار	ان سے
اَنِ	امْشُوْا	وَاصْبِرُوْا	عَلٰٓی	اٰلِهَتِكُمْ ۚۖ	اِنَّ	هٰذَا
کہ	تم چلو	اور تم جمے رہو	پر	اپنے معبودوں	بے شک	یہ
لَشَیْءٌ	یُّرَادُ ۝۶ۖۚ	مَا	سَمِعْنَا	بِهٰذَا	فِی	الْمِلَّةِ
البتہ ایسی چیز ہے	جسکاارادہ کیا جاتا ہے	نہیں	ہم نے سنا	اس کو	میں	دین
الْاٰخِرَةِ ۚۖ	اِنْ	هٰذَآ	اِلَّا	اخْتِلَاقٌ ۝۷ۖۚ		
پچھلے	نہیں ہے	یہ	مگر	گھڑی ہوئی بات		

’’انہوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ انہی میں سے ایک ڈرانے والا آگیا ہے۔ کافر کہنے لگے کہ یہ ساحر ہے اور بڑا جھوٹا ہے۔(۴) کیا اس نے تمام معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنالیا ہے یہ بڑی عجیب بات ہے۔(۵) قوم کے سردار یہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے کہ لوگوں کو سمجھاؤ کہ وہ اپنے معبودوں پر قائم رہیں یہ بات تو کسی اور مقصد کے لیے کہی جارہی ہے۔(۶) یہ بات ہم نے پہلے زمانہ میں کسی سے نہیں سنی یہ تو ایک بناوٹی بات ہے۔‘‘(۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار اور مشرک تکبر کی بنیاد پر اللہ کی وحدت اور نبی ﷺ کی نبوت کاانکار کرتے اور اس کے لیے ان کے لیڈر عوام کو رد کتے تھے۔

کفار کی اکثریت یہ بات جانتی تھی کہ پہلی اُمتوں میں جو رسول بھیجے گئے وہ اپنی قوم کے ایک فرد ہی ہوا کرتے تھے یہ حقیقت جاننے کے باوجود کفار پراپیگنڈہ کرتے کہ یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ رب تعالیٰ اپنے پیغام اور کام کے لیے کسی انسان کو منتخب کرے اگر اس نے کسی انسان کو ہی رسول بنانا ہوتا تو ایسے شخص کو کیوں منتخب کرتا جو مالی لحاظ سے کنگال اور سماجی اعتبار سے یتیم ہے فی الواقع لوگوں سے ہی کسی کو رسول منتخب کرنا ہوتا تو وہ مکہ کے سرداروں یا طائف کے بڑے لوگوں میں سے کسی کو رسول بناتا۔ وہ لوگ اس بنا پر نبی آخر الزمان ﷺ کو جھوٹا اور جادوگر قرار دیتے تھے۔ جادوگر کہنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی

ءَاُنْزِلَ	عَلَيْهِ	الذِّكْرُ	مِنْۢ	بَيْنِنَا ؕ	بَلْ
کیا نازل کی گئی	اسی پر	نصیحت	سے	ہمارے درمیان	بلکہ

هُمْ	فِيْ	شَكٍّ	مِّنْ	ذِكْرِيْ ۚ	بَلْ	لَّمَّا
وہ تو ہیں	میں	شک	سے	میری نصیحت	بلکہ	ابھی تک نہیں

يَذُوْقُوْا	عَذَابِ ؕ ⑧	اَمْ	عِنْدَهُمْ	خَزَآئِنُ	رَحْمَةِ	رَبِّكَ
انہوں نے چکھا	میرا عذاب	کیا	ان کے پاس ہیں	خزانے	رحمت کے	آپ کے رب کی

الْعَزِيْزِ	الْوَهَّابِ ۚ ⑨	اَمْ	لَهُمْ	مُّلْكُ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ
جو نہایت غالب	بہت دینے والا ہے	کیا	ان کے لیے ہے	بادشاہی	آسمانوں کی	اور زمین کی

وَمَا	بَيْنَهُمَا ۫ قف	فَلْيَرْتَقُوْا	فِي	الْاَسْبَابِ ⑩
اور جو کچھ	ان دونوں کے درمیان ہے	تو چاہیے کہ وہ چڑھ جائیں	میں	اسباب

کیا ہمارے درمیان بس یہی ایک شخص رہ گیا تھا جس پر اللہ کا ذکر نازل کیا گیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ میرے ذکر پر شک کر رہے ہیں اور یہ ساری باتیں اس لیے کر رہے ہیں کہ انہوں نے میرے عذاب کا مزا نہیں چکھا۔ (۸) کیا تجھے عطا کرنے والے غالب پروردگار کی رحمت کے خزانے ان کے قبضے میں ہیں؟ (۹) کیا یہ آسمان وزمین اور اُن کے درمیان کی چیزوں کے مالک ہیں؟ تو پھر یہ عالم اسباب کی بلندیوں پر چڑھ کر دیکھیں۔" (۱۰)

کہ آپ ﷺ کی زبان میں غضب کی تاثیر تھی پھر آپ کی شخصیت اتنی پُرکشش تھی کہ جو آپ کا کلام سنتا وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا اور جس نے آپ کی شخصیت کو نظر بھر کر دیکھا وہ آپ کا گرویدہ ہو کر رہ گیا کیونکہ کفار کے دل میں تکبر تھا جس وجہ سے وہ آپ کے کلام اور شخصیت سے متاثر ہونے کے باوجود آپ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی وحدت کا معاملہ ہے یہ عقیدہ ان کے لیے اس لیے تعجب کا باعث تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم نے ہر مشکل اور ضرورت کے لیے الگ الگ خدا بنا رکھے ہیں اتنے خداؤں کے باوجود ہماری حاجات پوری نہیں ہوتیں اور انفرادی اور اجتماعی مشکلات کا مداوا نظر نہیں آتا تو ایک الٰہ ساری مشکلات کس طرح حل کر سکتا ہے؟

یہ عجب عقیدہ ہے جس کی یہ رسول دعوت دیتا ہے۔ اس دعوت کی مخالفت میں انہوں نے یہ بات طے کی کہ ہر قبیلے کا سردار اپنے خاندان میں لوگوں کو سمجھائے کہ لوگو! اپنے اپنے خداؤں اور دیوتاؤں پر پکے رہو! اگر تم نے کسی قسم کی غفلت اور سستی کا مظاہرہ کیا تو یہ شخص تم پر برتری حاصل کر لے گا یہی اس کا مقصد ہے، جہاں تک اس کی دعوت کا تعلق ہے ہم نے کسی مذہب میں یہ بات نہیں سنی حقیقت یہ ہے کہ یہ من گھڑت دعوت اور خود ساختہ عقیدہ ہے۔ مکہ والوں کی یہ بات بھی پہلی دو باتوں کی طرح

بے بنیاد تھی کیونکہ مکہ ہی میں ایسے لوگ موجود تھے جو پوری طرح سمجھتے تھے کہ ملتِ ابراہیم علیہ السلام میں ایک الٰہ کی عبادت کے سوا کسی کی عبادت کرنا جائز نہیں اسی سوچ کے پیش نظر زید بن عمرو نے کعبۃ اللہ میں بیٹھ کر فی البدیع اشعار کہے تھے۔

أَرَبًّا وَاحِدًا أَمْ أَلْفَ رَبٍّ أَدِينُ إِذَا تُقُسِّمَتِ الْأُمُورُ

ایک خدا کو مانوں یا ہزاروں کو؟ جب کہ تقدیر کے فیصلے ہو چکے ہیں

عَزَلْتُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى جَمِيعًا كَذٰلِكَ يَفْعَلُ الْجَلْدُ الصَّبُورُ

میں نے لات عزیٰ اور سب کو چھوڑ دیا ہے۔ سمجھ دار آدمی ایسا ہی کیا کرتے ہیں

وَلٰكِنْ أَعْبُدُ الرَّحْمٰنَ رَبِّي لِيَغْفِرَ ذَنْبِي الرَّبُّ الْغَفُورُ

میں اپنے رب ''رحمٰن'' کی بندگی کرتا ہوں تا کہ وہ میرے گناہوں کو معاف فرمادے اور وہ بڑا بخشنہار ہے۔

فَتَقْوَى اللّٰهِ رَبِّكُمْ احْفَظُوهَا مَتَى مَا تَحْفَظُوهَا لَا تَبُورُوا

اللہ کا خوف اختیار کر و تم نے اسے اپنالیا تو کبھی نا کام نہیں ہو گے۔ (سیرۃ ابن ہشام: باب شعر زید حین یستقبل القبلۃ)

نبوت کے انکار کے لیے اہلِ مکہ مختلف بہانے بنایا کرتے تھے کبھی کہتے کہ نبوت کے منصبِ جلیلہ کے لیے معاشی اعتبار سے خوشحال، سیاسی لحاظ سے طاقتور اور خاندانی اعتبار سے کسی بڑے قبیلے کا سردار ہونا چاہیے تھا پھر مکہ میں ابو الحکم بن ہشام یعنی ابوجہل اور کبھی طائف کے مختلف سرداروں کے نام لیتے تھے حالانکہ لوگوں کی نظروں میں آپ کے مقابلہ میں کسی دوسرے کا نام جچتا ہی نہیں تھا کیونکہ سیرت وصورت کے حوالے سے آپ کا پلہ سب پر بھاری تھا جب اس میں نا کامی کا منہ دیکھتے تو پروپیگنڈہ کرتے کہ روم کے فلاں شخص سے خفیہ پیغام رسانی کے ذریعہ یہ کلام پیش کیا جارہا ہے۔ قرآن مجید نے پہلے اور دوسرے اعتراض کا یہ جواب دیا کہ نبوت تو سراسر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا انتخاب ہوتا ہے وہی بہتر جانتا ہے کہ کون سا دل نورِ الٰہی کا اہل، کونسی زبان اس کے بیان کرنے پر قادر، اور کون سے کندھے اس بارگراں کو اٹھانے کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ (الانعام: ۱۲۴)

اہل مکہ اپنے دل میں یہ حقیقت تسلیم کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ کا رسول ہے لیکن تعصبات کی وجہ سے آپ پر ایمان نہیں لاتے تھے جس کا اس موقعہ پر یہ جواب دیا گیا ہے کہ دراصل انہیں اللہ کے عذاب کا مزا نہیں پایا جب اس کا عذاب نازل ہوگا تو ان کے بَل درست ہو جائیں گے۔

«عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِأَبِي يَا حُصَيْنُ كَمْ تَعْبُدُ الْيَوْمَ إِلٰهًا؟ قَالَ أَبِي سَبْعَةً سِتَّةً فِي الْأَرْضِ وَوَاحِدًا فِي السَّمَاءِ قَالَ فَأَيُّهُمْ تَعُدُّ لِرَغْبَتِكَ وَرَهْبَتِكَ؟ قَالَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ قَالَ يَا حُصَيْنُ أَمَا إِنَّكَ لَوْ أَسْلَمْتَ عَلَّمْتُكَ كَلِمَتَيْنِ تَنْفَعَانِكَ قَالَ فَلَمَّا أَسْلَمَ حُصَيْنٌ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ عَلِّمْنِيَ الْكَلِمَتَيْنِ اللَّتَيْنِ وَعَدْتَنِي، فَقَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ أَلْهِمْنِي رُشْدِي، وَأَعِذْنِي مِنْ شَرِّ نَفْسِي» (رواہ الترمذی: ابواب الدعوات، باب منہ [ضعیف])

''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد گرامی سے پوچھا کہ تم ہر روز کتنے

معبودوں کی عبادت کرتے ہو؟اس نے کہا سات معبودوں کی عبادت کرتا ہوں جن میں سے چھ زمین پر اور ایک آسمانوں میں ہے ،آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ ان میں سب سے زیادہ کس پر اعتماد کرتے ہو اور تمہارے دل میں کس کا خوف اور ڈر زیادہ ہے؟اس نے کہا:اس ذات کا جو آسمانوں میں ہے اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے حصین !اگر تم اسلام قبول کرلو تو میں تمہیں دو کلمات ایسے سکھاؤں گا جو تمہیں فائدہ پہنچائیں گے۔جب حضرت حصین رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کرتے ہوئے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ مجھے وہ کلمات سکھائیں جن کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ کلمات سکھائے ’’اے اللہ میرے لیے ہدایت کا راستہ آسان فرمادے اور مجھے میرے نفس کے شر سے محفوظ رکھنا۔‘‘

مسائل

۱۔ کفار تکبر کی بنیاد پر نبی آخر الزمان ﷺ کو جھوٹا اور جادو گر کہتے تھے۔

۲۔ کفار نے منظم طریقے کے ساتھ دعوتِ توحید کو روکنے کی کوشش کی مگر سو فیصد ناکام رہے۔

تفسیر بالقرآن

الٰہ صرف ایک ہی ہے:

۱۔ اللہ ہی نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اور پھر آسمان سے پانی اتار کر باغات اگائے کیا اسکے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟(النمل:۶۰)

۲۔ اللہ ہی نے زمین کو جائے قرار بنایا اس میں پہاڑ اور دو سمندروں کے درمیان پردہ بنایا کیا اس کے ساتھ اور بھی الٰہ ہے؟(النمل:۶۱)

۳۔ کون ہے جو لاچار کی فریادرسی کرتا ہے اور اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے؟(النمل:۶۲)

۴۔ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں اللہ کے سوا کون رہنمائی کرتا ہے کیا کوئی اور بھی اس کے ساتھ الٰہ ہے۔(النمل:۶۳)

۵۔ پہلے اور دوبارہ پیدا کرنا اور زمین وآسمان سے تمہارے لیے روزی کا بندوبست کرنے والا اللہ ہے کیا اس کے سوا کوئی اور الٰہ ہے؟(النمل:۶۴) ۶۔آپ فرمادیں سوائے ایک الٰہ کے آسمان وزمین کے غیب کو کوئی نہیں جانتا ۔(النمل:۶۵)

۷۔ کیا کوئی ہے اس الٰہ کے سوا جو رات ختم کرکے دن لائے؟(القصص:۷۱)

۸۔ الٰہ ایک ہی ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔(البقرۃ:۱۶۳)۹۔الٰہ تمہارا ایک ہی ہے لیکن آخرت کے منکر نہیں مانتے۔(النحل:۲۲)

۱۰۔ آپ ﷺ فرمادیں میں تمھاری طرح بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے تمہارا الٰہ ایک ہی الٰہ ہے۔(الکھف:۱۱۰)

۱۱۔ آپ ﷺ فرمادیں میری طرف وحی کی جاتی ہے تمہارا الٰہ صرف ایک ہی الٰہ ہے۔(الانبیاء:۱۰۸)

۱۲۔ تمھارا صرف ایک ہی الٰہ ہے اسی کے تابع ہوجاؤ۔(الحج:۳۴) ۱۳۔اسکے سوا کوئی الٰہ نہیں مگر وہ اکیلا ہے(المائدۃ:۷۳)

۱۴۔ ہمارا الٰہ اور تمھارا الٰہ صرف ایک ہے ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔(العنکبوت:۴۶)

۱۵۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے جو میں تلاش کروں۔(الاعراف:۱۴۰)

۱۶۔ اعلان کردیں اللہ ہی ایک الٰہ ہے اور میں تمہارے شرک سے بری ہوں۔(الانعام:۱۹)

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ⑪ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ

لشکر ہے — جو — وہاں — شکست خوردہ — سے — لشکروں میں — جھٹلایا — ان سے پہلے

قَوْمُ نُوْحٍ وَّ عَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ⑫ وَ ثَمُوْدُ وَ قَوْمُ

قوم نے — نوح کی — اور عاد نے — اور فرعون نے — میخوں والے — اور ثمود نے — اور قوم نے

لُوْطٍ وَّ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ⑬ اِنْ كُلٌّ اِلَّا

لوط کی — اور بَن والوں نے — یہ — لشکر ہیں — نہیں ہے کوئی — مگر

كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ⑭ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ

اس نے جھٹلایا — رسولوں کو — تو ثابت ہوگئی — میری سزا — اور نہیں — انتظار کر رہے — یہ

ع ۱۴ / ۱۰

”یہ جتھوں میں سے ایک چھوٹا سا جتھا ہے جو اسی جگہ شکست کھانے والا ہے۔(۱۱) ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور میخوں والا فرعون۔(۱۲) ثمود اور قوم لوط اور اَیکہ والے جھٹلا چکے ہیں وہ لشکر تھے۔(۱۳) ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا اور میری عقوبت کا فیصلہ اس پر نازل ہو کر رہا۔(۱۴) یہ لوگ بھی ایک دھماکے کے منتظر ہیں۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: فرعون اور اس سے پہلی اقوام پر اس لیے عذاب آئے کہ وہ اپنے انبیاء کی تکذیب کرنے والے تھے۔ اہلِ مکہ! تم بھی وہی وطیرہ اختیار کیے ہوئے ہو جب کہ تم ایک جھٹکے کی مار ہو اور ناکامی تمہارا مقدر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ڈھیل سے مکہ والے اس قدر دلیر ہو چکے تھے کہ وہ نبی ﷺ کو بار بار کہتے کہ جس عذاب کی ہمیں دھمکی دی جاتی ہے اس کے آنے میں کیا رکاوٹ ہے؟ یہ عذاب کیوں نہیں آتا؟ وہ لوگ تمرد میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ ایک دن اپنے لیے ان الفاظ میں بددعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب قیامت کی بجائے دنیا میں ہی ہمارا حساب چکا دے انہوں نے اس طرح بھی دعا کی کہ ”کافروں نے کہا کہ اللہ اگر یہ قرآن حقیقت میں تیری طرف سے ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی دکھ کی مار نازل کر دے۔“ (الانفال: ۳۲)

انہیں ایک بار پھر سمجھایا اور موقعہ دیا گیا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم بداخلاقی اور بغاوت کی تمام حدود پھلانگ چکے مگر سوچ لو! جب اللہ کا عذاب یا قیامت نازل ہوگی تو پھر اس میں نہ کوئی وقفہ ہوگا اور نہ ہی مہلت دی جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں محمد ﷺ کی صداقت پر شک نہیں انہیں شک ہے کہ اس غریب اور یتیم پر وحی کیوں نازل ہوئی ہے دوسرے الفاظ میں میری قدرت اور انتخاب پر شک کرتے ہیں یہ شک کسی دلیل کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کے پیچھے ان کا تکبر چھپا ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب تک بیت اللہ کے پڑوسی اور متولی ہونے کی وجہ سے میری نعمتوں سے لطف اندوز

اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنۡ فَوَاقٍ ﴿١٥﴾ وَقَالُوۡا

مگر | زوردار آواز کا | ایک | نہیں ہوگا | اس کے لیے | سے | دقفہ | اور انہوں نے کہا

رَبَّنَا عَجِّلۡ لَّنَا قِطَّنَا قَبۡلَ يَوۡمِ الۡحِسَابِ ﴿١٦﴾

اے ہمارے رب | تو جلدی دے | ہمارے لیے | ہمارا حصہ | پہلے | دن سے | حساب کے

جس کے بعد کوئی دوسرا دھما کہ نہیں ہوگا۔(۱۵) اور وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! یوم الحساب سے پہلے ہی ہمارا حصہ ہمیں دے دے۔"(۱۶)

ہو رہے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جوں ہی میرا عذاب انہیں آلے گا تو ان کا سارا غرور خاک میں مل جائے گا یا پھر ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں کہ یہ جسے چاہیں عنایت کریں اور جسے چاہیں محروم رکھیں؟ یہ اس قدر تکبر کا اظہار کرتے ہیں کیا انہیں زمین وآسمان کی بادشاہت حاصل ہے؟ کہ جب چاہیں آسمان پر چڑھ جائیں اور جب چاہیں زمین کے خزانے نکال لائیں؟ ظاہر بات ہے کہ ان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ البتہ یہ بزعم خود اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ لوگ قومِ نوح کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے یہی ان کی حالت قومِ عاد کے مقابلے میں ہے قومِ ثمود اور قومِ شعیب اہلِ مکہ سے تعداد اور اسباب میں زیادہ تھیں لیکن جب ربِّ ذوالجلال نے گرفت فرمائی تو انہیں کوئی بچانے اور چھڑانے والا نہ تھا۔ جہاں تک فرعون کا معاملہ ہے وہ اتنے بڑے لاؤ لشکر رکھنے اور ظلم کرنے والا تھا کہ اپنے مخالفوں کو زمین پر لٹا کر ان پر میخیں گاڑ دیا کرتا تھا مظلوم سسکیاں لے لے کر مر جاتے لیکن اسے ترس نہیں آیا کرتا تھا۔ جب اس پر اللہ کی گرفت آئی تو دہائی دیتا رہا ہے کہ میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے رب پر ایمان لاتا ہوں لیکن اس کا ایمان مسترد کر دیا گیا۔(یونس:۹۰،۹۱)

اس موقعہ پر اہلِ مکہ کے سامنے فرعون اور بڑی بڑی اقوام کا ذکر کر کے انہیں بتلایا گیا ہے کہ سمجھ جاؤ اب بھی موقعہ ہے ورنہ جس عذاب کا تم بار بار مطالبہ کرتے ہو جب وہ آجائے گا تم آہ وزاریاں کرو گے لیکن وہ بے سود ثابت ہوں گی۔ اس کے ساتھ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب کو تسلی دی گئی ہے کہ اطمینانِ خاطر رکھو۔ اللہ کے ہاں نہ دیر اور نہ اندھیر ہے جب مقررہ وقت آپہنچے گا تو آپ کے مخالفوں کا پورا پورا حساب چکا دیا جائے گا جس طرح فرعون اور اس سے پہلی اقوام کا حساب چکایا جا چکا ہے۔

مسائل

۱۔ اہلِ مکہ غرور کی بنیاد پر آپ ﷺ کی نبوت پر شک کرتے تھے۔

۲۔ اہل مکہ پہلی اقوام سے بڑھ کر طاقت ور نہیں تھے مگر اس کے باوجود انہوں نے تکبر کی انتہا کر دی تھی۔

اِصْبِرْ	عَلٰی	مَا	یَقُوْلُوْنَ	وَاذْكُرْ	عَبْدَنَا
صبر کیجیے	پر	جو	وہ کہتے ہیں	اور آپ یاد کیجیے	ہمارے بندے
دَاوٗدَ	ذَاالْاَیْدِ	اِنَّهٗۤ	اَوَّابٌ ⑰	اِنَّا	سَخَّرْنَا
داؤد کو	صاحب قوت	بے شک وہ	بہت رجوع کرنے والا تھا	بے شک ہم نے	تابع کردیا
الْجِبَالَ	مَعَهٗ	یُسَبِّحْنَ	بِالْعَشِیِّ	وَالْاِشْرَاقِ ⑱	وَالطَّیْرَ
پہاڑوں کو	اس کے ساتھ	وہ تسبیح بیان کرتے ہیں	شام	اور صبح	اور پرندے
مَحْشُوْرَةً	كُلٌّ	لَّهٗۤ	اَوَّابٌ ⑲	وَشَدَدْنَا	مُلْكَهٗ
وہ جمع ہوتے	سب	اس کے لیے	رجوع کرنے والے ہیں	اور ہم نے مضبوط کردی	اس کی بادشاہی
وَاٰتَیْنٰهُ	الْحِكْمَةَ	وَفَصْلَ	الْخِطَابِ ⑳		
اور ہم نے دی تھی اسے	حکمت	اور فیصلہ کن	خطاب		

”اے نبی جو وہ لوگ کہہ رہے ہیں اُن باتوں پر صبر کرو اور ان کے سامنے ہمارے بندے، داؤد کا واقعہ بیان کرو جو بڑی طاقت رکھنے کے باوجود ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرنے والا تھا۔(۱۷) ہم نے اس کے لئے پہاڑوں کو مسخر کر رکھا تھا جو صبح و شام اس کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔(۱۸) اس کے پاس پرندے حاضر ہوتے تھے، جو اُس کی تسبیح کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔(۱۹) ہم نے اس کی سلطنت مضبوط کی۔ اس کو حکمت عطا فرمائی اور فیصلہ کُن بات کہنے کی صلاحیت بخشی تھی۔“(۲۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حالات سے دل گرفتہ ہونے کی بجائے آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو صبر کرنے اور حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ ذہن میں رکھنے اور ان کی طرح حوصلہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

کفارِ مکہ نے عجب صورتِ حال اختیار کر رکھی تھی ایک مجلس میں کہتے کہ آپ ﷺ جادوگر ہیں دوسری مجالس میں پروپیگنڈہ کرتے کہ آپ ﷺ پر جادو ہو چکا ہے آپ توحید کی دعوت دیتے تو کہتے کہ یہ شخص کذّاب ہے۔ اندازہ کیجیے کہ جس شخص کا جادو اور جادوگروں سے کبھی واسطہ نہ پڑا ہو، جس نے زندگی بھر جھوٹ بولنا تو دور کی بات کبھی مغالطہ دینے والی بات بھی نہ کی ہو اُس کے خلاف گھر گھر اور ہر مقام پر الزامات لگائے جا رہے ہوں بحیثیت انسان اس کی کیا حالت ہوگی۔ اس صورتِ حال میں یہ فرمان نازل ہوا کہ اے نبی ﷺ! آپ اور آپ کے ساتھی صبر کا دامن نہ چھوڑیں اور داؤد علیہ السلام کا واقعہ یاد کریں

جو ہر حال میں اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ اس کی قوت کا عالم یہ تھا کہ ہم نے پہاڑوں کو اس کے تابع کر دیا تھا ان کی زبان اس قدر پُرتاثیر تھی کہ جب وہ صبح شام زبور کی تلاوت کرتے تو پہاڑ بھی ان کے ساتھ جھوم پڑتے ان کی تلاوت کے دوران اڑتے ہوئے پرندے رُک کر ان کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی حکومت اور مملکت کو ہر اعتبار سے مضبوط کر رکھا تھا، بے مثال اقتدار اور اختیار کے ساتھ انہیں دانائی اور قوتِ فیصلہ کی صلاحیت سے بھی سرفراز کیا گیا کوئی اس کے سامنے دم مارنے اور اس کے فیصلے کو چیلنج کرنے والا نہیں تھا۔ اس کے باوجود ایسا ہوا کہ آپس میں جھگڑنے والے دو شخص بلا اجازت اور اچانک ان کی عبادت گاہ میں دیوار پھلانگ کر گھس گئے۔ ان کے دیوار پھلانگنے اور اچانک اندر گھس آنے پر داؤد علیہ السلام گھبرائے اور خوف زدہ ہو گئے گھس آنے والوں نے حضرت داؤد علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہم سے خوف زدہ نہ ہوں ہم تو آپ کی خدمت میں اپنا مقدمہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ آپ سے استدعا ہے کہ آپ ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ صادر فرما دیں اور ہم میں سے کسی کیساتھ زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔ حضرت داؤد علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر اور بہت بڑے حکمران تھے دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہونے والوں نے زیادتی کی حد کر دی تھی لیکن اس کے باوجود حضرت داؤد علیہ السلام نے ان سے درگزر کرتے ہوئے ٹھنڈے دل سے ان کی بات سُنی اور ان کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ فرمایا اور اپنے جذبات پر قابو رکھا۔ ان میں سے ایک نے کہا یہ میرا بھائی ہے جو مجھ پر زیادتی کرنے پر تلا ہوا ہے واقعہ یہ ہے کہ اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے یہ مجھ پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ اپنی دنبی میرے حوالے کر دے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی بات سُنکر فرمایا کہ اس کا تجھ سے دنبی کا مطالبہ کرنا سراسر ظلم ہے، حقیقت یہ ہے کہ اکثر شراکت دار ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان دار اور صالح کردار کے حامل ہوتے ہیں ایسے لوگ تھوڑے ہی ہوا کرتے ہیں۔ یہ بات کرتے ہی داؤد علیہ السلام کو احساس ہو گیا کہ میرے رب نے مجھے اس مقدمہ میں آزمایا ہے احساس ہوتے ہی داؤد علیہ السلام اپنے رب سے معافی کے خواستگار ہوئے اور نہایت ہی عاجزانہ انداز میں اپنے رب کے حضور گڑگڑانے لگے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم نے اسے معاف کر دیا۔ بلا شبہ وہ ہمارے ہاں بڑی شان اور بڑے مقام والا تھا۔ اس مقام پر داستان گوئی سے دلچسپی رکھنے والے مفسرین نے حضرت داؤد کے بارے میں اسرائیلی روایات سے کچھ بے ہودہ قسم کی باتیں درج کی ہیں حالانکہ پیغمبر کے بارے میں ایسی باتیں سوچنا اور لکھنا بہت بڑا گناہ ہے اسی لیے مشہور مفسر امام ابن کثیر نے یہ کہہ کر خاموشی اختیار کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی خطا ذکر کیے بغیر انہیں معاف فرما دیا تو ہمیں بھی اس خطا کی کھوج میں نہیں پڑنا چاہیے۔

«عَنْ نَافِعٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ دُعِيَ فَلَمْ يُجِبْ فَقَدْ عَصَي اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَمَنْ دَخَلَ عَلَى غَيْرِ دَعْوَةٍ دَخَلَ سَارِقًا وَخَرَجَ مُغِيْرًا»

(رواہ ابو داؤد: باب مَا جَاءَ فِي إِجَابَةِ الدَّعْوَةِ [ضعیف])

’’نافع رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی کی دعوت قبول نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور جو بغیر اجازت کے دوسرے کے گھر میں داخل ہوا وہ چور بن کر داخل ہوا اور غاصب بن کر نکلا۔‘‘

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ لَوْ أَنَّ امْرَأً اطَّلَعَ عَلَيْكَ بِغَيْرِ إِذْنٍ، فَخَذَفْتَهُ بِعَصَاةٍ، فَفَقَأْتَ عَيْنَهُ، لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ جُنَاحٌ))

(رواہ البخاری: باب مَنْ أَخَذَ حَقَّهُ أَوِ اقْتَصَّ دُونَ السُّلْطَانِ)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی بندہ اجازت طلب کیے بغیر کسی کے گھر میں جھانکے اور گھر والا لاٹھی کیساتھ اُسکی آنکھ پھوڑ دے آنکھ پھوڑنے والے پر کوئی گناہ نہیں۔‘‘

مسائل

۱۔ ایک داعی اور مبلغ کو لوگوں کی ہرزہ سرائی پر صبر کرنا چاہیے۔

۲۔ حضرت داؤد علیہ السلام قوت والے ہونے کے باوجود ہر حال میں اپنے رب کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اور حوصلہ رکھنے والے تھے۔

۳۔ حضرت داؤد کے ساتھ صبح، شام پہاڑ بھی اپنے رب کی حمد کرتے تھے۔

۴۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے پرندے بھی حاضر ہوتے تھے۔

۵۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت بڑی مستحکم تھی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دانائی عطا فرمائی تھی۔

۶۔ حضرت داؤد علیہ السلام بہت ہی اچھا خطاب فرمانے والے اور صحیح فیصلہ کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

صبر کی فضیلت اور صابر کا مقام و مرتبہ:

۱۔ اللہ کی رفاقت اور دستگیری صبر کرنے والوں کے لیے ہے۔ (البقرۃ: ۱۵۲)

۲۔ صبر اور نماز کے ذریعے اللہ کی مدد طلب کرو۔ (البقرۃ: ۱۵۳) ۳۔ صبر کرنیوالوں کو بے حساب اجر دیا جائیگا۔ (الزمر: ۱۰)

۴۔ بے شک جنھوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان کا اظہار کرتے ہوئے صبر و استقامت کا ثبوت دیا انھیں کوئی خوف اور حزن و ملال نہیں۔ (الاحقاف: ۱۳) ۵۔ اللہ تعالیٰ صابر لوگوں کو ان کے صبر کی بہترین جزا دے گا۔ (النحل: ۹۶)

۶۔ جو لوگ صبر اور نیک عمل کرتے ہیں ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔ (ہود: ۱۱)

۷۔ صبر کرنے والوں کا انجام بہترین ہوتا ہے۔ (الحجرات: ۵) ۸۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ: ۱۵۳)

وقف لازم

وَهَلْ أَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿٢١﴾

اور کیا | آئی آپ کے پاس | خبر | جھگڑنے والے کی | جب | وہ پھاند کر آ گئے | کمرہ

إِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا

جب | وہ داخل ہوئے | پر | داؤد | تو وہ گھبرا گئے | ان سے | انہوں نے کہا

لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ

نہ | آپ ڈریں | دو جھگڑنے والے ہیں | زیادتی کی | ہمارے بعض نے | پر | بعض

فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ

لہٰذا آپ فیصلہ فرمائیں | ہمارے درمیان | حق کے ساتھ | اور نہ | آپ بے انصافی کریں | اور ہماری رہنمائی کیجیے

إِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿٢٢﴾ إِنَّ هٰذَآ أَخِيْ ۫ قف

طرف | سیدھی | راہ کی | بے شک | یہ | میرا بھائی

”پھر آپ کو اُن مقدمے والوں کی خبر پہنچی ہے جو دیوار پھلانگ کر داؤد کے گھر میں گھس گئے تھے۔ (۲۱) جب وہ داؤد کے پاس پہنچے تو داؤد انہیں دیکھ کر گھبرا گئے انہوں نے کہا ڈریں نہیں ہم دو فریق ہیں جن میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائیں بے انصافی نہ ہونے پائے اور ہمیں راہِ راست بتائیں۔ (۲۲) یہ میرا بھائی ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت داؤد علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ کا اہم واقعہ۔

قرآن مجید کا یہ بھی اندازِ تکلم ہے کہ وہ بعض دفعہ اہم ترین واقعہ کو سوالیہ انداز میں شروع کرتا ہے تاکہ سننے والا ہمہ تن گوش ہو کر اسے سنے اسی بنا پر حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے سے پہلے نبی محترم ﷺ کو ارشاد ہوا کہ کیا آپ کے پاس جھگڑنے والے دو آدمیوں کی خبر پہنچی ہے جو داؤد علیہ السلام کے خلوت خانہ میں دیوار پھلانگ کر داخل ہوئے تھے؟ یہاں سرمایہ دارانہ ذہن کی عکاسی کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ ایک کے پاس ننانوے دنبیاں تھیں اور اس کے بھائی کے پاس ایک تھی ننانوے دُنبیاں رکھنے والے کی حرص کا یہ عالم تھا کہ اسے اپنے بھائی کے ہاں ایک دُنبی بھی گوارا نہ تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ دیا کہ سو دُنبی رکھنے والے کا آپ کی دُنبی کا مطالبہ کرنا ظلم ہے اور ایمانداروں کے سوا اکثر شراکت دار ایسا ہی کیا کرتے ہیں اس کے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا انہوں نے اپنے رب سے معافی طلب کی اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا کیونکہ وہ اپنے رب کے بہت مقرب اور بہترین مقام کے حامل تھے اس کی تفصیل پہلی آیت کی تفسیر میں گزر چکی

لَهٗ	تِسۡعٌ وَّتِسۡعُوۡنَ	نَعۡجَةً	وَّلِیَ	نَعۡجَةٌ	وَّاحِدَةٌ ۟ فَقَالَ
اسکے پاس	ننانوے	دنبیاں ہیں	اور میرے پاس	دنبی	ایک پس اس نے کہا
اَكۡفِلۡنِيۡهَا	وَعَزَّنِیۡ	فِی	الۡخِطَابِ ﴿۲۳﴾	قَالَ	لَقَدۡ
وہ بھی میرے سپرد کردے	اور مجھے پر غالب آجاتا ہے	میں	بات	اس نے کہا	البتہ تحقیق
ظَلَمَكَ	بِسُؤَالِ	نَعۡجَتِكَ	اِلٰی	نِعَاجِهٖ ؕ	وَاِنَّ كَثِيۡرًا
اس نے تجھ پر ظلم کیا	سوال کرکے	تیری دنبی کا	طرف	اپنی دنبیوں کی	اور بلاشبہ بہت زیادہ
مِّنَ الۡخُلَطَآءِ	لَيَبۡغِیۡ	بَعۡضُهُمۡ	عَلٰی	بَعۡضٍ	اِلَّا الَّذِيۡنَ
شرکاء سے	البتہ زیادتی کرتے ہیں	ان کے بعض	پر	بعض	مگر وہ لوگ جو

اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ یہ دُنبی بھی میرے حوالے کردے اور اس نے گفتگو میں مجھے دبالیا ہے۔ (۲۳) داؤد نے جواب دیا اس شخص نے اپنی دُنبیوں کے ساتھ تیری دُنبی ملالینے کا مطالبہ کرکے یقیناً تجھ پر ظلم کیا ہے اور واقع یہ ہے کہ اکثر شراکت دار ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں۔

ہے حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص دولت کا پجاری اور سرمایہ پرستی کا شکار ہو جائے تو اس کی کوشش ہوتی ہے کہ میں مارکیٹ کے سارے کاروبار پر قبضہ کرلوں اور جب چاہوں لوگوں کو بلیک میل کروں اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ملک میں کبھی لوگوں کو چینی میسر نہیں ہوتی اور کبھی لوگ چاول اور گندم کے ایک ایک دانے کے پیچھے سرگرداں دکھائی دیتے ہیں اور یہی صورتحال بین الاقوامی مارکیٹ میں دکھائی دیتی ہے کہ سرمایہ دار طبقہ ہوس پرستی کی وجہ سے جب چاہتا ہے کسی چیز کا قحط پیدا کر دیتا ہے۔

سرمایہ رکھنے والے حضرات میں اکثر طور پر رعونت پیدا ہو جاتی ہے وہ دولت کے بل بوتے پر ہر کسی پر حکم چلانا چاہتا ہے۔ اسی ذہن کی بدولت اہلِ مکہ نبی معظم ﷺ پر اعتراض کرتے تھے کہ آپ مال کے اعتبار سے کمزور اور سماجی حوالے سے یتیم ہیں۔

اسی ذہنیت کی بنیاد پر سوننانوے دُنبی رکھنے والا شخص اپنے بھائی سے تحکمانہ انداز میں مطالبہ کرتا تھا کہ تجھے اپنے دُنبی میرے حوالے کردینی چاہیے۔ اس کی زیادتی کے باوجود غریب آدمی حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرتے ہوئے ننانوے دُنبی رکھنے والے کو بھائی کے لفظ سے پکارتا ہے۔ غریب اور امیر کی زبان میں فرق ہے جو ہر دور میں دکھائی دیتا ہے۔

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَوْ أَنَّ لِابْنِ آدَمَ وَادِيًا مِنْ ذَهَبٍ أَحَبَّ أَنْ

اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	وَقَلِيْلٌ	مَّا هُمْ ۭ	وَظَنَّ
ایمان لائے	اور انہوں نے عمل کیے	نیک	اور تھوڑے ہیں	وہ	اور یقین کیا
دَاوٗدُ	اَنَّمَا	فَتَنّٰهُ	فَاسْتَغْفَرَ	رَبَّهٗ	وَخَرَّ
داوٗد نے	صرف	ہم نے اسے آزمایا	اس نے بخشش مانگی	اپنے رب سے	اور وہ گر پڑا
رَاكِعًا	وَّاَنَابَ ۝۲۴	فَغَفَرْنَا	لَهٗ	ذٰلِكَ ۭ	وَاِنَّ	لَهٗ
رکوع میں	اور رجوع کیا	پھر ہم نے بخشش دیا	اس کے لیے	یہ	اور بے شک	اس کے لیے
عِنْدَنَا	لَزُلْفٰى	وَحُسْنَ	مَاٰبٍ ۝۲۵		
ہمارے پاس	البتہ بڑا قرب ہے	اور اچھا	ٹھکانا ہے		

بس وہی لوگ اس سے بچتے ہیں جو صاحبِ ایمان اور عمل صالح کرتے ہیں اور ایسے لوگ تھوڑے ہوتے ہیں داوٗد سمجھ گئے کہ ہم نے اس کی آزمائش کی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر گئے اور متوجہ ہوئے۔ (۲۴) ہم نے اس کا قصور معاف کر دیا اور ہمارے ہاں یقیناً اُس کے لیے تقرب کا مقام اور بہتر انجام ہے۔" (۲۵)

يَكُوْنَ لَهٗ وَادِيَانِ وَلَنْ يَمْلَأَ فَاهُ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ))

(رواه البخاری: باب ما يتقى من فتنة المال)

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر آدم کے بیٹے کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو وہ پسند کرے گا کہ اس کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوں۔ اس کے منہ کو مٹی کے علاوہ کوئی چیز نہیں بھر سکتی اللہ جس پر چاہتا ہے کرم فرماتا ہے۔"

مسائل

۱۔ لوگوں کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کرنا چاہیے۔ ۲۔ حکمران کو لوگوں کی صحیح راہنمائی کرنی چاہیے۔

۳۔ بڑے لوگوں کو چھوٹے لوگوں کے حقوق غصب نہیں کرنے چاہیے۔

۴۔ اکثر شراکت دار ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں۔

۵۔ حضرت داوٗد علیہ السلام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے اپنے رب کے حضور استغفار کیا۔

۶۔ حضرت داوٗد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔ ۷۔ حضرت داوٗد علیہ السلام اپنے رب کے ہاں بڑے مقام والے تھے۔

یٰدَاوٗدُ	اِنَّا	جَعَلْنٰكَ	خَلِیْفَةً	فِي	الْاَرْضِ
اے داؤد	بے شک ہم	نے بنایا تجھے	خلیفہ	میں	زمین
فَاحْكُمْ	بَیْنَ	النَّاسِ	بِالْحَقِّ	وَلَا	تَتَّبِعِ
لہٰذا فیصلہ کر تو	درمیان	لوگوں کے	حق کے ساتھ	اور نہ	اتباع کر
الْهَوٰی	فَیُضِلَّكَ	عَنْ	سَبِیْلِ	اللّٰهِ ؕ	اِنَّ
خواہش نفس کی	وہ تجھے گمراہ کر دے	سے	راہ	اللہ کی	بلاشبہ
الَّذِیْنَ	یَضِلُّوْنَ	عَنْ	سَبِیْلِ	اللّٰهِ	لَهُمْ
جو لوگ	گمراہ ہوتے ہیں	سے	راستے	اللہ کے	ان کے لئے ہے
عَذَابٌ	شَدِیْدٌۢ	بِمَا	نَسُوْا	یَوْمَ	الْحِسَابِ ﴿٢٦﴾ ع
عذاب	شدید	بوجہ اس کے جو	انہوں نے بھلا دیا	دن کو	حساب کے

ع ٢ / ١١

''اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کریں اور نفس کی خواہش کی پیروی نہ کریں۔ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک گئے ان کے لیے سخت عذاب ہے کیونکہ انہوں نے آخرت کے حساب کو فراموش کر دیا تھا۔''(٢٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت داؤد علیہ السلام دنیا میں بڑے مرتبے اور مقام کے حامل تھے اور قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے مقرب ہوں گے اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین میں خلیفہ بنا کر خصوصی ہدایات فرمائیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں بڑے بڑے حکمران اور ذیشان انبیائے کرام علیہم السلام ہوئے لیکن ان کی اولاد میں صرف حضرت داؤد علیہ السلام ایسی شخصیت ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے بعد خلیفہ ہونے کا اعزاز بخشا۔ اس لیے انہیں ارشاد ہوا کہ اے داؤد علیہ السلام! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا تیرا فرض بنتا ہے کہ تو لوگوں کے درمیان حق اور سچ کے ساتھ فیصلے کرے تجھے کسی صورت بھی حق چھوڑ کر اپنی خواہش کی پیروی نہیں کرنا چاہیے اگر اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑے گا تو اللہ کے راستے سے بھٹک جائے گا جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے شدید عذاب ہوگا کیونکہ انہوں نے آخرت کے حساب کو فراموش کر دیا تھا۔

''خَلِیْفَةٌ'' کا معنیٰ ہے ''دوسرے کے پیچھے آنے والا'' البقرۃ کی آیت ٣٠ کی تشریح میں عرض کیا جا چکا ہے کہ خلیفہ کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کا نائب نہیں اس کا معنیٰ حکمران ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام بکریوں کے چرواہے تھے اپنے دور کے ایک جرنیل طالوت

کی فوج میں شامل ہوئے جن کا مقابلہ جالوت کے ساتھ ہوا داؤد نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے جس کی وجہ سے فوج کے کمانڈر کے مقبول نظر ٹھہرے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حسن و جمال اور کمال صلاحیتوں سے سرافراز فرمایا تھا اس لیے بہت جلد اپنی قوم کی آنکھوں کا تارا بنے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز کیا اور بے مثال حکمران بنایا۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ)) (الابانة الكبرى لابن بطة: باب ذِكْرِ افْتِرَاقِ الْأُمَمِ فِي دِينِهِمْ وَعَلَى كَمْ تَفْتَرِقُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ [صحيح])

”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: آدمی جب تک اپنی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ کر دے تب تک وہ ایماندار نہیں ہوسکتا۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو خلیفہ فی الارض ہونے کا شرف بخشا۔

۲۔ حضرت داؤد علیہ السلام خلیفہ ہونے کیساتھ عظیم حکمران بھی تھے۔ ۳۔ خواہشات کی پیروی کرنیوالا گمراہ ہوجاتا ہے۔

۴۔ قیامت کے دن گمراہ لوگوں کو شدید عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ زمین میں لوگوں کو ایک دوسرے کا خلیفہ بناتا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین میں خلیفہ بنایا۔ (البقرۃ: ۳۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ وہ ان میں سے ضرور خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو بنایا۔ (النور: ۵۵)

۳۔ اللہ چاہے تو تمھیں اٹھالے اور تمھارے بعد جس کو چاہے تمہارا خلیفہ بنا دے۔ (الانعام: ۱۳۳)

۴۔ تمہارا رب جلد ہی تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور ان کے بعد تم کو خلیفہ بنائے گا۔ (الاعراف: ۱۲۹)

۵۔ پھر ہم نے زمین میں ان کے بعد تمہیں خلافت دی تاکہ ہم دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو۔ (یونس: ۱۴)

۶۔ میرا رب تمہارے سوا کسی اور کو خلافت دے دے تو تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ (ہود: ۵۷)

اپنی یا لوگوں کی خواہشات کے پیچھے چلنے والے گمراہ ہوجاتے ہیں:

۱۔ لوگوں کی خواہشات کے پیچھے لگنے والا گمراہ ہوجاتا ہے۔ (صٓ: ۲۶)

۲۔ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والا تباہ ہوجاتا ہے۔ (طٰہٰ: ۱۶)

۳۔ سب سے بڑا گمراہ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والا ہے۔ (القصص: ۵۰)

۴۔ خواہشات کی پیروی کرنے والا خواہشات کو الٰہ بنالیتا ہے۔ (الفرقان: ۴۳)

۵۔ حق کو چھوڑ کر خواہشات کی پیروی کرنے سے زمین و آسمان میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ (المومنون: ۷۱)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ

اور نہیں ہم نے پیدا کیا آسمان اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے بے کار یہ

ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

گمان ہے ان لوگوں کا جنھوں نے کفر کیا چنانچہ ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر کیا

مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

سے آگ یا ہم کر دیں گے ان لوگوں کو جو وہ ایمان لائے اور انھوں نے عمل کیے نیک

كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾

ان کی مانند جو فساد کرنیوالے ہیں میں زمین یا ہم کر دیں پرہیزگاروں کو بدکاروں کی مانند

”ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے انہیں فضول پیدا نہیں کیا ہے یہ اُن لوگوں کا گمان ہے جو کفر کرتے ہیں ان کافروں کے لیے جہنم کی آگ کا عذاب ہے۔ (۲۷) کیا ہم اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے ہیں اُن کو جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں انہیں برابر کر دیں کیا متقین کے ساتھ ہم فاجروں جیسا سلوک کریں گے؟“ (۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو لوگ آخرت کے حساب کو بھول گئے اور اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں وہ فکری اور عملی طور پر سمجھتے ہیں کہ ہم نے دنیا کو بے مقصد پیدا کیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے ذمے کچھ ذمہ داریاں لگائیں ہیں جن کا حساب دینا پڑیگا۔

اس سے پہلی آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کے حوالے سے ہر شخص اور ہر چیز کو بامقصد پیدا کیا ہے اور اس کو بتلایا اور سمجھایا ہے کہ اپنی خواہش کے پیچھے نہیں لگنا جو اپنی خواہش کے پیچھے چلا وہ گمراہ ہوا۔ گمراہ کی گمراہی کا بنیادی سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ قیامت کے حساب و کتاب کو بھول جاتا ہے جو قیامت کے حساب کو بھول گیا وہ زبان سے کہے یا نہ کہے اس کا عمل اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اس دنیا کے بعد کوئی جہان نہیں جو کچھ دنیا میں ہوا وہی آخر ہے اس سے آگے کچھ نہ ہوگا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمانوں میں کوئی چیز بے کار اور بے مقصد پیدا نہیں کی ایسا تو وہ لوگ سوچتے اور کہتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے انکاری ہیں انکار کرنے والوں کے لیے آگ کا عذاب تیار کیا گیا ہے۔ کیا ایمان داروں اور نیک اعمال کرنے والوں کو فساد کرنے والوں کے برابر کر دیا جائے گا؟ کیا اللہ سے ڈر کر زندگی گزارنے والوں اور فسق و فجور کرنے والوں کو ایک جیسا سمجھا جائے گا؟ ظاہر بات ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ یہاں کفار کو مفسدین کہا گیا ہے اس لیے کہ اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا کا نظام یوں ہی چلتا رہے گا اور قیامت قائم نہیں ہوگی اس طرح اپنے اعمال کی جوابدہی کا انکار کرتے ہیں اس عقیدہ کی بنا پر یہ لوگ دنیا میں فساد کا موجب بنتے ہیں حالانکہ کائنات کو پیدا کرنے کے بنیادی طور پر دو مقصد ہیں ایک مقصد یہ ہے کہ ہر چیز

اپنے خالق کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق اس کی عبادت اور اطاعت کرتی رہے اس کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کے حکم کے مطابق انسان کی خدمت کرے یہی دو مقصد انسان کے ذمہ ہیں ایک طرف اپنے رب کی عبادت کرے اور دوسری طرف انسانوں کی خدمت کرتا رہے جو شخص آخرت کو فراموش کر دیتا ہے وہ نہ تو اپنے خالق کا تابعدار رہتا ہے اور نہ ہی ٹھیک طور پر بندوں کے حقوق پورے کرتا ہے ظاہر بات ہے جب حقداروں کے حقوق پورے نہیں ہوں گے تو اس کا نتیجہ فساد ہوگا اب سوچیں کہ فساد کرنے اور فساد نہ کرنے والے برابر ہو سکتے ہیں؟

{ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ۝} (الروم: ۴۱،۴۲)

”لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے تاکہ اُن کو اُن کے بعض اعمال کا مزا چکھایا جائے شاید کہ وہ باز آجائیں۔ ان سے کہیں کہ زمین میں چل کر دیکھو پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا ہے، ان میں سے اکثر مشرک تھے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور کسی چیز کو بے مقصد پیدا نہیں کی۔

۲۔ دنیا کو بے مقصد سمجھنے والے کافر ہیں کفار کو جہنم کی آگ میں جھونکا جائے گا۔

۳۔ کافر فی الحقیقت فساد کرنیوالے ہیں اور مؤمن امن پسند ہوتے ہیں۔ ۴۔ متقی اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے۔

تفسیر بالقرآن

مومن اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے:

۱۔ مومن اور فاسق برابر نہیں ہیں۔ (السجدۃ: ۱۸) ۲۔ کیا اندھا اور بینا، بہرا اور سننے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ (ہود: ۲۴)

۴۔ اللہ تعالیٰ مجرموں اور مومنوں کو برابر نہیں کرے گا۔ (القلم: ۳۵۔۳۶)

۵۔ کتاب اللہ پر ایمان لانے والا اور نہ لانے والا برابر نہیں ہو سکتے۔ (الرّعد: ۱۹)

۶۔ ایماندار اور عمل صالح کرنے والا اور بدکار برابر نہیں ہو سکتے۔ (المومن: ۵۸)

۷۔ نیک اعمال کرنے والے اور فساد کرنے والے اور متقین اور گنہگار برابر نہیں ہو سکتے۔ (صٓ: ۲۸)

کِتٰبٌ	اَنْزَلْنٰهُ	اِلَیْكَ	مُبٰرَكٌ	لِّیَدَّبَّرُوْٓا	اٰیٰتِهٖ
کتاب ہے	اسے ہم نے نازل کیا	آپ کی طرف	برکت والی	تا کہ وہ غور کریں	اس کی آیات میں

وَ لِیَتَذَكَّرَ	اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾
اور تا کہ نصیحت حاصل کریں	عقل والے

”اے نبی جو کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے وہ بڑی برکت والی ہے تا کہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل وفکر رکھنے والے سبق سیکھیں۔“(۲۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: فساد سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے ارشادات پر عمل کیا جائے۔

فساد سے امن وامان تباہ ہوتا ہے جہاں امن وامان تباہ ہوگا وہاں سے برکات اٹھ جاتی ہیں لہٰذا دنیا کی برکات اور آخرت کے ثمرات حاصل کرنے کا واحد راستہ اور طریقہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید پر غور وفکر کریں اور اس کے مطابق عمل کریں یہی عقل مندی ہے اور عقل مند لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ یہی بات جنت سے نزول کے وقت آدم علیہ السلام کو بتلائی گئی تھی کہ سب نیچے اتر جاؤ میری طرف سے تمہیں ہدایت پہنچے گی جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے ان کو نہ خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غم زدہ ہوں گے۔“(البقرۃ:۳۸)

”اور اگر بستیوں والے واقعی ایمان لے آتے اور ڈرتے تو ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین سے بہت سی برکات کھول دیتے لیکن انہوں نے جھٹلایا ہم نے انہیں اس وجہ سے پکڑ لیا جو وہ کیا کرتے تھے۔“(الاعراف:۹۶)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر قرآن مجید نازل فرمایا یہ بابرکت کتاب ہے۔

۲۔ قرآن مجید پر غور کرنا چاہیے۔ ۳۔ عقل مندوں کو قرآن مجید سے نصیحت حاصل کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

غور وفکر کرنے کا حکم:

۱۔ حق پہچاننے کے لیے آفاق پر غور کرنے کی دعوت۔(حٰمٓ السجدۃ:۵۳)

۲۔ اپنی ذات پر غور وفکر کی دعوت۔(الذاریات:۲۱) ۳۔ رات کے سکون پر غور کرنے کی دعوت۔(القصص:۷۲)

۴۔ دن رات کے بدلنے میں غور وخوض کی دعوت۔(المومنون:۸۰) ۵۔ شہد کی بناوٹ پر غور کرنے کی دعوت۔(النحل:۶۹)

۶۔ ہم نے بابرکت کتاب نازل کی تا کہ لوگ اس کی آیات میں غور وفکر کریں اور نصیحت حاصل کریں۔(صٓ:۲۹)

وَوَهَبْنَا	لِدَاوٗدَ	سُلَيْمٰنَ ؕ	نِعْمَ	الْعَبْدُ ؕ	اِنَّهٗۤ	اَوَّابٌ ؕ ﴿۳۰﴾
اور ہم نے عطا کیا	داؤد کو	سلیمان	اچھا	بندہ تھا	بلاشبہ وہ	بہت رجوع کرنے والا تھا

اِذْ	عُرِضَ	عَلَيْهِ	بِالْعَشِيِّ	الصّٰفِنٰتُ	الْجِيَادُ ۙ ﴿۳۱﴾	فَقَالَ
جب	پیش کیے گئے	اس پر	شام کے وقت	اصیل تیز رو گھوڑے	عمدہ	تو اس نے کہا

اِنِّيْۤ	اَحْبَبْتُ	حُبَّ	الْخَيْرِ	عَنْ	ذِكْرِ	رَبِّيْ ج
بلاشبہ میں نے	محبوب رکھا	محبت کو	مال کی	سے	یاد	اپنے رب کی

حَتّٰى	تَوَارَتْ	بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ وقفة	رُدُّوْهَا	عَلَيَّ ؕ	فَطَفِقَ
یہاں تک	چھپ گئے	اوٹ میں	ان کو واپس لاؤ	میرے پاس	تو وہ لگے

مَسْحًۢا	بِالسُّوْقِ	وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾
پھیرنے	پنڈلیوں پر	اور گردنوں

''اور داؤد کو ہم نے سیمان عطا کیا جو بہترین بندہ تھا اور اپنے رب کی طرف بہت ہی رجوع کرنے والا تھا۔(۳۰) جب شام کے وقت اس کے سامنے خوب سدھائے ہوئے گھوڑے پیش کیے گئے۔(۳۱) تو اس نے کہا بیشک میں نے مال کی محبت کو اپنے رب کی یاد پر مقدم رکھا ہے یہاں تک کہ وہ گھوڑے نگاہ سے اوجھل ہو گئے۔(۳۲) اس نے حکم دیا کہ انہیں میرے پاس لاؤ پھر ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔''(۳۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اُولُو الْاَلْبَابِ میں سے دو عظیم عقل مندوں کا کردار پیش کیا جاتا ہے۔

اسی سورۃ میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی ﷺ! ہمارے بندے داؤد علیہ السلام کو یاد فرمائیں جو طاقت ور ہونے کے باوجود ہر حال میں اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا تھا ہم نے اس کے لیے پہاڑ اور پرندے مسخر کیے تھے۔ ہم نے اس کی مملکت کو مضبوط کیا اور اسے فیصلہ کرنے کی صلاحیتوں سے سرفراز فرمایا۔ ہم نے ہی اسے سلیمان علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمایا سلیمان علیہ السلام بھی بہترین بندہ اور ہر حال میں اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا تھا، اس کا اہم واقعہ یہ ہے کہ جب شام کے وقت اس کے سامنے سکھلائے ہوئے تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے تو اس نے کہا کہ میں نے اللہ کے لیے ان گھوڑوں سے محبت کی ہے۔ یہاں تک کہ گھوڑے دوڑتے ہوئے اس کی نگاہ سے اوجھل ہو گئے حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو میرے سامنے پیش کیا جائے گھوڑے ان کے سامنے پیش کیے گئے تو سلیمان علیہ السلام پیار سے گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ اس آیت کریمہ کی تشریح میں مفسرین نے دو آراء کا اظہار کیا ہے ایک جماعت کا خیال ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں

کی دوڑ لگوائی دوڑ کے بعد حکم دیا کہ گھوڑے میرے سامنے پیش کیے جائیں جب گھوڑے ان کی خدمت میں پیش کیے گئے تو وہ پیار کرتے ہوئے گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرے جارہے تھے یہاں تک کہ ان کی عصر کی نماز یا خاص ذکر جو غروب آفتاب سے پہلے کرتے تھے وہ بھول گئے۔ اسی مصروفیت میں نماز مغرب کا وقت ہو گیا اس پر انہوں نے اپنے آپ پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں گھوڑوں کی محبت میں اللہ کا ذکر بھول گیا ہوں انہوں نے تمام گھوڑوں کی ٹانگیں اور گردنیں کاٹ دیں یہ تفسیر کرنے والے حضرات میں سے کچھ کا خیال ہے کہ گردنیں اور ٹانگیں کاٹنے سے مراد انہوں نے تمام گھوڑے اللہ کی راہ میں ذبح کر دیئے ، یاد رہے کہ گھوڑا ہماری شریعت میں بھی حلال ہے آج بھی انڈونیشیا ، قازقستان ، ترکستان اور وسطی ریاستوں میں گھوڑے اس طرح ہی ذبح کیے جاتے ہیں جس طرح پاکستان اور دوسرے ممالک میں گائے، اونٹ، دنبے، چھترے اور بکرے ذبح کیے جاتے ہیں۔

جن بزرگوں نے اس آیت کا ترجمہ درج ذیل کیا ہے ان میں ماضی قریب کے مفسر شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی بھی شامل ہیں ان بزرگوں کا خیال ہے کہ عربی گرائمر کے لحاظ سے یہ ترجمہ کیا جائے کہ ”میں نے اس مال یعنی گھوڑوں سے محبت اپنے رب کے ذکر کے لیے کی ہے“ تاکہ گھوڑوں پر سوار ہو کر جہاد کیا جائے جس سے دین کو غلبہ حاصل ہو اس لیے انہوں نے گھوڑوں کی دوڑ لگوائی یہاں تک کہ گھوڑے دور نکل گئے اور سلیمان علیہ السلام کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ تب انہوں نے حکم دیا کہ گھوڑوں کو واپس لایا جائے جب گھوڑے ان کے سامنے پیش کیے گئے تو پیار کرتے ہوئے گھوڑوں کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مغرب ہوگئی اور عصر کی نماز یا خاص ذکر بھول گئے۔ اس تفسیر کے مطابق اس آیت مبارک کا ترجمہ یوں ہوگا ”انہوں نے کہا میں نے اس مال کی محبت اپنے رب کی یاد کی وجہ سے اختیار کی ہے۔“ (ص: ۳۲، ۳۳)

مسائل

۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اپنے باپ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ کے نبی اور محبوب ترین بندے تھے۔

۲۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اپنے باپ کی طرح ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

تفسیر بالقرآن

انبیائے کرام علیہم السلام ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے:

۱۔ آدم علیہ السلام نے کہا ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اگر تو ہمیں معاف نہیں کرے گا اور رحم نہیں فرمائے گا تو ہم یقیناً نقصان اٹھائیں گے۔ (الاعراف: ۲۳)

۲۔ یعقوب علیہ السلام نے کہا میں اپنی بے قراری اور غم کی شکایت صرف اللہ کے حضور پیش کرتا ہوں۔ (یوسف: ۸۶)

۳۔ زکریا علیہ السلام نے کہا اے میرے پروردگار! مجھے تنہا نہ چھوڑ اور تو ہی بہترین وارث ہے۔ (الانبیاء: ۸۹)

وَ لَقَدْ	فَتَنَّا	سُلَيْمٰنَ	وَ اَلْقَيْنَا	عَلٰى	كُرْسِيِّهٖ
اور البتہ تحقیق	ہم نے آزمایا	سلیمان کو	اور ہم نے ڈالا	پر	اس کی کرسی
جَسَدًا	ثُمَّ	اَنَابَ ﴿۳۴﴾	قَالَ	رَبِّ	اغْفِرْ لِيْ
ایک دھڑ	پھر	وہ متوجہ ہوا	اس نے کہا	میرے رب	تو بخش دے مجھے
وَهَبْ	لِيْ	مُلْكًا	لَّا	يَنْۢبَغِيْ	لِاَحَدٍ
اور عطا کر	مجھے	ایسی بادشاہی	نہ	لائق ہو	کسی کے لیے
مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ	اِنَّكَ	اَنْتَ	الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾		
میرے بعد	بلاشبہ تو	تو	عطا کرنے والا ہے		

”اور سلیمان کو بھی ہم نے آزمائش میں ڈالا اور اس کی کرسی پر ایک وجود لا کر ڈال دیا پھر وہ متوجہ ہوا۔ (۳۴) اور کہا کہ اے میرے رب مجھے معاف کر دے اور مجھ ایسی بادشاہی دے جو میرے بعد کسی کو نہ دی جائے بے شک تو عطا فرمانے والا ہے۔“ (۳۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت سلیمان علیہ السلام کا دوسرا واقعہ۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان کی آزمائش کے لیے بہت سے طریقے ہیں جن میں دو بڑے طریقے یہ ہیں کبھی اپنے بندے کو نعمت دے کر آزماتا ہے اور کبھی اس سے نعمت چھین کر آزمائش کرتا ہے پہلے واقعہ میں سلیمان علیہ السلام کو گھوڑوں کے ذریعے آزمایا گیا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے تھے اس واقعہ میں ان سے نعمت چھین کر آزمایا گیا جس کے بارے میں ارشاد ہوا کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا اور کرسی پر ایک جسد ڈال دیا۔ اس حال میں سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب کی طرف رجوع کیا اور دعا کی کہ اے میرے رب مجھے معاف فرما اور مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما کہ جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ تو ہی عطا فرمانے والا ہے۔

کچھ مفسرین نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ ایک پیغمبر کی یہ شان نہیں کہ وہ اقتدار کی خواہش کرے اس میں کوئی کلام نہیں کہ کسی شخص کے سامنے منصب اور اقتدار کی خواہش کرنا جائز نہیں اور نہ ہی پیغمبر کی یہ شان ہے کہ وہ منصب اور اقتدار کے لیے کوشش کرے لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اقتدار کی خواہش کا اظہار کسی انسان کے سامنے تو نہیں کیا۔ انہوں نے اقتدار کی خواہش اور دعا اپنے رب کے حضور کی ہے جس سے ہر وقت اور ہر چیز کا سوال کیا جا سکتا ہے وہی اقتدار اور سب کچھ عطا کرنے والا ہے اس کی بارگاہ کے سوا کچھ بھی کہیں سے نہیں مل سکتا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے وقت کے نبی تھے ان سے بڑھ کر کس کی خواہش ہوسکتی ہے کہ اللہ کا دین غالب ہو اور لوگ خوشحال ہوں، ظاہر بات ہے کہ انہوں نے دین کے غلبہ اور لوگوں کی فلاں کے لیے ہی اللہ کے حضور یہ درخواست کی تھی کہ مجھے ایسا اقتدار نصیب فرما جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو۔ جہاں تک حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش کا معاملہ ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا اور اس کی کرسی پر ایک ناقص جسد رکھ دیا۔ اس آزمائش کے بارے میں مفسرین نے تین قسم کی تفسیر کی ہے۔ ① حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس بنا پر وہ جن وانس، پرندوں اور ہواؤں پر کنٹرول کرتے تھے ایک مرتبہ انگوٹھی گم ہوگئی جو شیطان کے ہاتھ چڑھ گئی شیطان اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل اختیار کر کے کچھ دن ان کی کرسی پر براجمان ہو کر حکومت کرتا رہا لیکن اس کی عادتیں دیکھ کر لوگوں کو شک پڑا کہ یہ سلیمان علیہ السلام نہیں ہیں پھر انگوٹھی کسی طریقہ سے سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ آئی اور وہ دوبارہ حکومت کرنے لگے۔ ② حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک دن اپنے دل میں یہ بات کہی کہ میں ایک ہی رات میں اپنی تمام بیویوں سے جماع کروں گا۔ ان سے بیٹے پیدا ہوں گے جو میدانِ کارزار میں میرے شانہ بشانہ ہو کر جہاد کریں گے لیکن یہ بات کہتے ہوئے ان شاء اللہ کہنا بھول گئے انہوں نے حسبِ ارادہ اپنی تمام بیویوں سے جماع کیا جن کی تعداد ستر سے زائد تھی ایک کے سوا کوئی بیوی بھی حاملہ نہ ہوئی جس نے بچہ جنم دیا وہ بھی ناقص الوجود تھا جسے ملازم نے اٹھا کر کرسی پر رکھ دیا۔ جہاں تک بیویوں کے ساتھ ہم بستری کا معاملہ ہے اس سے بعض مفسرین نے یہ بات سمجھ لی کہ یہ حدیث اسی آیت کی تفسیر ہے اس لیے انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے جس سے یہ تاثر پیدا ہوا کہ اس آیت میں جس جسدِ ناقص کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہی واقعہ ہے حالانکہ محدثین کے سرخیل حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب التفسیر میں اس آیت کے ضمن میں یہ حدیث نقل نہیں کی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے یہ حدیث اس واقعہ میں نہیں لگائی جاسکتی۔

جہاں تک کثرتِ ازواج کا معاملہ ہے پہلے زمانہ میں لوگ اس قابل ہوتے تھے کہ وہ بیک وقت اتنی بیویوں کے حقوق ادا کرلیں۔ اس ضمن میں کئی غیر مسلم حکمرانوں کی مثالیں بھی موجود ہیں لیکن نزولِ قرآن کے بعد یہ پابندی عائد کر دی گئی کہ کوئی آدمی بیک وقت چار بیویوں سے زائد بیوی نہیں رکھ سکتا اگر اس میں غیر معمولی طاقت ہو تو وہ شریعت کے اصول وضوابط پورے کرتے ہوئے چار بیویوں کے ساتھ لونڈیاں رکھ سکتا ہے۔ ایک رات میں بیویوں کے ساتھ جماع کرنے کے بارے میں کچھ لوگوں نے اس بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کی ہے جس وجہ سے انہوں نے مستند حدیث کو ماننے سے انحراف کیا ہے۔ حالانکہ وہ بھی مانتے ہیں کہ پیغمبر میں عام لوگوں کی نسبت غیر معمولی صلاحیتیں ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مختلف قسم کے معجزات سے سرفراز فرمایا تھا عین ممکن ہے کہ یہ بات بھی معجزات میں شامل ہو۔

③ امام رازی رحمہ اللہ نے یہ تفسیر کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک دفعہ شدید بیمار ہوئے جس وجہ سے وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئے اس حالت میں اپنی کرسی پر تشریف فرما تھے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کی کہ بارِ

الٰہا! مجھے ایسا اقتدار نصیب فرما جو میرے بعد کسی کو نہ مل سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے بدلے میں انہیں صحت اور ایسا اقتدار عنایت کیا جو قیامت تک کسی شخص کو حاصل نہیں ہوگا۔ میرے خیال میں دوسری تفاسیر کی نسبت امام رازی رحمہ اللہ کی تفسیر صائب لگتی ہے۔ اللہ اعلم!

یہ واقعات بیان کرنے کا مقصد:

یہ سورۃ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی جس کی ابتدا میں کفار کی منفی سوچ اور سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ جونہی نبی آخر الزمان ﷺ نے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی دعوت پیش کی تو مکہ کے سرداروں نے کہا کہ اے لوگو! اپنے اپنے خداؤں پر جمے رہنا یہ شخص جادوگر اور جھوٹا ہے اس لیے ہمیں اس کی باتیں سمجھ میں نہیں آتی اور نہ ہی ہم نے اس سے پہلے کبھی یہ بات سنی ہے۔ اس طرح مکہ میں حق و باطل کی کشمکش اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دونوں واقعات سے نبی علیہ السلام کو یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ آپ کو یہ فکر لاحق نہیں ہونی چاہیے کہ میرے پاس اقتدار اور وسائل ہوتے تو کفار ایسا رویہ اختیار نہ کرتے۔ اے نبی ﷺ! لازم نہیں کہ کسی مبلّغ کے پاس اقتدار اور اختیار ہی ہو تو وہ کامیاب ہو۔ ایسا ہرگز نہیں کیونکہ ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے یاد رہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ''اللہ'' کے نبی ہونے کے ساتھ بے مثال حکمران بھی تھے لیکن ان کے دور میں بھی تمام لوگوں نے ان کا کلمہ نہیں پڑھا تھا۔ (البقرۃ: ۱۰۳)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش کی جس میں انہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا اور پورے اترے۔

۲۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے آزمائش کے وقت اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی۔

۳۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے غیر معمولی اقتدار کی دعا کی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز عطا فرمانے والا ہے:

۱۔ اللہ ہی خلافت عطا کرتا ہے۔ (الانعام: ۱۳۳، الاعراف: ۱۲۹) ۲۔ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے اپنا خلیل بنایا۔ (النساء: ۱۲۵)

۳۔ آدم علیہ السلام کو اللہ نے خلیفہ بنایا۔ (البقرۃ: ۳۰) ۴۔ سلیمان علیہ السلام کو اللہ نے سب سے بڑا حکمران بنایا۔ (ص: ۳۵)

۵۔ ادریس علیہ السلام کو اللہ نے مقامِ علیا سے سرفراز کیا۔ (مریم: ۵۷) ۶۔ داؤد علیہ السلام کو اللہ نے دانائی عطا فرمائی۔ (ص: ۲۰)

۷۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے ہم کلامی کا شرف بخشا۔ (طٰہٰ: ۱۲ تا ۱۴) ۸۔ عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلمہ قرار دیا۔ (النساء: ۱۷۱)

۹۔ یوسف علیہ السلام کو اللہ نے حکمرانی اور انتہا درجہ کی پاکدامنی عطا فرمائی۔ (یوسف: ۳۱)

۱۰۔ نبی کو رحمت للعالمین بنایا گیا۔ (الانبیاء: ۱۰۷)

فَسَخَّرۡنَا لَهُ الرِّيۡحَ تَجۡرِىۡ بِاَمۡرِهٖ رُخَآءً حَيۡثُ

چنانچہ ہم نے تابع کر دیا | اس کے لیے | ہوا کو | وہ چلتی تھی | اس کے حکم سے | نرمی سے | جہاں

اَصَابَ ۙ﴿۳۶﴾ وَالشَّيٰطِيۡنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۙ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيۡنَ

وہ ارادہ کرتا | اور شیاطین کو | ہر | عمارت بنانے والے | اور غوطہ لگانے والے | اور دوسرے

مُقَرَّنِيۡنَ فِى الۡاَصۡفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامۡنُنۡ اَوۡ اَمۡسِكۡ بِغَيۡرِ

جکڑے ہوئے | زنجیروں میں | یہ | ہماری عطا ہے | پھر تو احسان کر | یا | تو قید رکھ | بغیر

حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنۡدَنَا لَزُلۡفٰى وَحُسۡنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ ع ۳ ۱۴/۱۲

حساب کے | اور بے شک | اس کے لیے | ہمارے پاس | البتہ بڑا قرب | اور اچھا | مقام ہے

’’ہم نے ہوا کو سلیمان کے لیے مسخر کر دیا وہ جدھر چاہتا تھا اس کے حکم سے نرمی سے چلتی تھی۔ (۳۶) اور شیاطین کو مسخر کر دیا جو اس کے لیے معمار اور غوطہ زنی کرتے تھے۔ (۳۷) اور دوسرے جو پابندِ سلاسل تھے ہم نے سلیمان سے فرمایا۔ (۳۸) یہ ہماری عطا ہے تجھے اختیار ہے جسے چاہے دے اور جس سے چاہے روک لے تجھ پر کوئی حساب نہیں۔ (۳۹) یقیناً اس کے لیے ہمارے ہاں تقرب کا مقام اور بہت اچھا انجام ہے۔‘‘ (۴۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور انہیں ایسے اختیارات دیئے جو کسی حکمران کو حاصل نہیں ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا وہ ملک کے جس حصے کا دورہ کرنا چاہتے تھے ہوا انہیں وہاں پہنچا دیا کرتی تھی وہ دو ماہ کا سفر صبح وشام طے کر لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے دیوہیکل جِنّات کو ان کے تابع کر دیا تھا حضرت سلیمان علیہ السلام نے جِنّوں کو مختلف کاموں پر مامور کر رکھا تھا۔ ایک جماعت کو تعمیرات کے کام پر لگایا اور دوسری جماعت کو سمندر پر مامور کیا جو غوطہ زنی کرتے ہوئے سمندر سے ہیرے جواہرات نکالا کرتے تھے کوئی ان میں سے سرکشی کرتا تو انہیں بھاری بھرکم زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا اور سخت سزا دی جاتی تھی جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے سلیمان کو اختیار دیا تھا کہ چاہیں تو انہیں معاف کر دیں اگر چاہیں تو انہیں سزا دیں۔ اس پر آپ پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ نے ایک طرف انہیں عظیم ترقی یافتہ مملکت کا فرمانروا بنایا اور دوسری طرف اپنے ہاں قربِ حضوری بخشا اور اعلیٰ مقام سے سرفراز کیا۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے جنات اور ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا۔

۲۔ اللہ کے ہاں سلیمان علیہ السلام بڑے مرتبہ کے حامل تھے۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ

اور آپ یاد کریں ہمارے بندے ایوب کو جب اس نے پکارا اپنے رب کو بلاشبہ

مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿٤١﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا

پہنچائی مجھے شیطان نے تکلیف اور ایذا تو مار اپنے پاؤں کو یہ

مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿٤٢﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ

غسل کرنے کی جگہ ٹھنڈا اور پینے والا اور ہم نے عطا کیے اس کے لیے اس کے گھر والے

وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿٤٣﴾ وَخُذْ

اور ان کے برابر ان کے ساتھ اپنی رحمت سے اور نصیحت ہے عقل والوں کے لیے اور تو پکڑ

بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۭ

اپنے ہاتھ میں جھاڑو اور تو مار اس کے ساتھ اور نہ تو توڑ قسم

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿٤٤﴾

بے شک ہم نے پایا اس کو صابر اچھا بندہ تھا بلاشبہ وہ بہت رجوع کرنے والا تھا

''اور آپ ہمارے بندے ایوب کا ذکر کریں جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھے تکلیف اور مصیبت میں ڈال دیا ہے۔(٤١) ہم نے اسے حکم دیا اپنا پاؤں زمین پر مار، تیرے نہانے اور پینے کے لیے یہ ٹھنڈا پانی ہے۔(٤٢) ہم نے اُسے اس کے اہل وعیال واپس دیے اور اُن کے ساتھ اتنے ہی اپنی طرف سے عنایت فرمائے عقل وفکر رکھنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔(٤٣) اور ہم نے اسے فرمایا کہ اپنی قسم نہ توڑ بلکہ تنکوں کا ایک مُٹھا لے اور اسے مار دے ہم نے اسے بہترین صابر بندہ پایا اور وہ اپنے رب کی طرف بہت رجوع کرنے والا تھا۔''(٤٤)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت سلیمان علیہ السلام کا شان وشکوہ بیان کرنے کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام کی بے بسی اور تکلیف کا تذکرہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ایوب ہمارا پسندیدہ بندہ تھا۔ اے نبی ﷺ! ان کی بیماری اور کمزوری کا لوگوں کے سامنے تذکرہ کریں کہ انتہا درجہ کی بیماری اور کمزوری کے باوجود اس نے اپنے رب کو یاد رکھا اور اس کی رضا پر راضی رہا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایوب علیہ السلام اس قدر بیمار ہوئے کہ چلنے پھرنے سے بھی عاجز آگئے مفسرین نے لکھا کہ اس دوران ان کا مال بھی تباہ ہوا اور ایک بیوی کے سوا باقی بیویاں ان سے الگ ہوگئیں شدید بیماری اور شدید ترین آزمائشوں کے باوجود ایوب علیہ السلام کی زبان پر کوئی حرفِ شکایت نہ آیا جب بھی ہونٹ ہلے تو اپنے رب کے حضور فریاد کی کہ میرے رب! مجھے شیطان نے سخت تکلیف میں مبتلا

کردیا ہے انکے صبر اور ادب کا اندازہ کریں کہ بیماری کی نسبت اپنے رب کی طرف کرنے کی بجائے شیطان کی طرف کی ہے کیونکہ ہر تکلیف اور نقصان کا بنیادی سبب شیطان کی شیطنت کا نتیجہ ہوتا ہے اگر کسی بد پرہیزی کی وجہ سے انسان بیمار ہو تو اس بد پرہیزی کے پیچھے بھی شیطان ہی ہوتا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا مستجاب ہوئی اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم فرمایا کہ اپنا پاؤں زمین پر مارو جونہی انہوں نے اپنا پاؤں زمین پر مارا تو اللہ تعالیٰ نے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ جاری کیا اور حکم فرمایا کہ اے ایوب علیہ السلام اس میں غسل کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا کاملہ عطا فرمائی۔ ایک طرف حضرت ایوب علیہ السلام صحت یاب ہوئے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے انہیں نیک اہل وعیال عطا فرمائے اور ان کے ساتھ اور بہت کچھ دیا۔ کچھ اہل علم نے لکھا ہے کہ سخت بیماری کی وجہ سے جو بیویاں چھوڑ گئی تھیں وہ بھی بچوں سمیت واپس آ گئیں جن سے اللہ تعالیٰ نے مزید اولاد عنایت فرمائی اور تباہ ہونیوالے مال کے بدلے بہت سا مال بھی عطا فرمایا۔ اس میں بہت سی نصیحتیں ہیں ان لوگوں کے لیے جو صاحبِ عقل ہیں۔ اسرائیلی روایات کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ بیماری کے دوران حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کے پاس انسان کی شکل میں شیطان آیا اور اس نے کہا کہ میں آپ کے خاوند کا اس شرط پر علاج کرتا ہوں کہ اگر وہ صحت یاب ہو جائے تو اس کے معاوضہ میں تو نے بس یہ الفاظ کہنا ہوں گے یہی میرے علاج کا معاوضہ ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے آپ علیہ السلام کی خاطر وہ الفاظ کہنے کا وعدہ کرلیا بعد از اس اس کا ذکر حضرت ایوب علیہ السلام سے کیا تو وہ اس بات پر سخت نالاں ہوئے اور فرمایا کہ یہ انسان نہیں بلکہ شیطان تھا جس نے تجھ سے ایسے الفاظ کہلوانے کا وعدہ لیا ہے جن میں شرک پایا جاتا ہے جن مفسرین نے اس روایت کو تسلیم نہیں کیا ان کا خیال ہے کہ حضرت ایوب کسی اور بات سے اپنی بیوی پر خفا ہوئے تھے اس پر انہوں نے قسم اٹھائی کہ جب میں صحت مند ہوں گا تو تجھے سو کوڑے ماروں گا جب ایوب علیہ السلام چشمہ سے غسل کرنے کے بعد صحت یاب ہو گئے تو انہوں نے اپنی قسم پوری کرنے کا عزم کیا جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ قسم توڑنے کی بجائے اسے اس طرح پورا کرو کہ سو تنکے کا جھاڑو لے کر اپنی بیوی کو ایک ضرب لگاؤ جس سے ہمارے ہاں تمہاری قسم پوری ہو جائے گی۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو خراجِ تحسین سے نوازتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے اسے بڑے حوصلے والا پایا وہ بہت ہی اچھا انسان اور ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرنے والا تھا۔ اس واقعہ میں ایک طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شکر ادا کرنے کا اشارہ دیا گیا ہے اور دوسری طرف آپ کو سمجھایا ہے کہ آپ کے رب نے آپ کو مثالی صحت سے ہمکنار فرمایا ہے لہٰذا خدمتِ دین کا کام کرتے جائیں اور مشکلات پر صبر کرتے رہیں۔ امت مسلمہ کو یہ سبق دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر نعمت دینے والا ہے اور وہی اس سے محروم کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ اللہ کا بندہ وہ ہے جو مشکل کے وقت صبر کرے اور آسانی کے وقت اس کا شکر ادا کرے گویا کہ ہر حال میں اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا ہی اس کا پسندیدہ بندہ ہوتا ہے۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: حضرت ایوب علیہ السلام غسل فرما رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے سونے کی ٹڈیاں آسمان سے برسائیں۔ ایوب علیہ السلام اُنہیں پکڑ پکڑ کر کپڑے میں ڈالنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام سے فرمایا کہ ایوب! کیا ہم نے سب کچھ دے کر تجھے غنی نہیں کر دیا؟ ایوب علیہ السلام کہنے لگے

کیوں نہیں لیکن میں آپ کی رحمت سے لا پرواہ نہیں ہو سکتا۔“ (رواہ البخاری: کتاب الانبیاء)

قسم کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمان:

”حضرت زہدم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تھے وہ فرماتے ہیں میں نبی کریم ﷺ کے پاس اشعری قبیلہ کے کچھ افراد کے ہمراہ اس وقت حاضر ہوا جب آپ غصہ میں تھے ہم نے سواری کا مطالبہ کیا تو آپ نے قسم اٹھائی کہ میں تمہیں کچھ نہیں دوں گا پھر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر اللہ کی مشیت شاملِ حال ہو تو جس کام پر میں قسم کھاتا ہوں اگر میں اس کے بجائے دوسرے کام کو بہتر سمجھوں تو میں افضل کام کرنا پسند کرتا ہوں اور قسم کا کفارہ ادا کر دیتا ہوں۔“ (رواہ البخاری: باب الیمین فیما لا یملک الخ)

«وَعَنْ عُقْبَةَ ابْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ كَفَّارَةُ النَّذْرِ كَفَّارَةُ الْيَمِيْنِ»

(رواہ مسلم: باب فِی كَفَّارَةِ النَّذْرِ)

”حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ رسول ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔“

”اللہ تمہاری لغو قسموں پر تمہیں نہیں پکڑے گا۔ لیکن تمہیں ان قسموں پر پکڑے گا جو تم نے پختہ ارادے سے کھائیں ہیں قسم کا کفارہ درمیانے درجے کا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا انہیں کپڑے پہنانا، یا ایک گردن آزاد کرنا، جو یہ نہ کر پائے تو اسے تین دن کے روزے رکھنا ہے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو۔“ (المائدۃ: ۸۹)

مسائل

۱۔ ایوب علیہ السلام نے بیماری کو شیطان کی طرف منسوب فرمایا۔ ۲۔ ایوب علیہ السلام نے صرف اپنے رب سے شفا طلب کی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو دوبارہ اہل وعیال عطا کیے اور بہت سی نعمتوں سے نوازا۔

۴۔ حضرت ایوب علیہ السلام اپنے رب کے بہترین بندے اور ہر حال میں اس کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی مشکلات دور کرنے والا ہے:

۱۔ اللہ ہی کو پکارو وہی تکلیف دور کرتا ہے۔ (الانعام: ۴۱) ۲۔ اللہ کے سوا کوئی تکلیف دور کرنے والا نہیں۔ (الاسراء: ۵۶)

۳۔ اگر آپ کو کوئی تکلیف ہو جائے تو سوائے اللہ کے اسے کوئی نہیں دور کر سکتا۔ (یونس: ۱۰۷)

۴۔ کون ہے جو اللہ کے سوا مجبور کی دعا سننے والا اور مصیبت دور کرنے والا ہے؟ (النمل: ۶۲)

۵۔ فرما دیجیے اگر اللہ تعالیٰ نقصان پہنچانے پر آئے کیا تو اس نقصان سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ (الفتح: ۱۱)

۶۔ کیا تم ایسے لوگوں کو معبود مانتے ہو جو نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ (الرعد: ۱۶)

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ

اور یاد کیجیے | ہمارے بندوں | ابراہیم | اور اسحاق | اور یعقوب کو | جو صاحب قوت

وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾

اور صاحبِ بصیرت تھے | بیشک ہم نے | چن لیا تھا ان کو | خالص کے ساتھ | یاد | آخرت کی

وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ

اور بے شک وہ | ہمارے نزدیک | البتہ چنے ہوئے بہترین ہیں | اور یاد کیجیے | اسماعیل

وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ؕ

اور یسع | اور ذوالکفل کو | اور ہر ایک | سے | نیکوکاروں | یہ | نصیحت ہے

وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾

اور بے شک | متقیوں کے لیے | البتہ اچھا | ٹھکانہ ہے

''اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا ذکر کریں بڑی قوتِ عمل رکھنے والے اور صاحبِ بصیرت تھے۔(۴۵) ہم نے اُن کو ایک خاص صفت کی بنا پر ممتاز کیا اور وہ آخرت کی فکر تھی۔(۴۶) یقیناً ہمارے ہاں ان کا شمار منتخب نیک بندوں میں ہے۔(۴۷) اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کا تذکرہ کریں یہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔(۴۸) اس میں متقی لوگوں کے لیے نصیحت ہے یقیناً ان کے لیے بہترین ٹھکانہ ہے۔''(۴۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام کے تذکرہ کے بعد ان کے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام اور کچھ دوسری شخصیات کا مختصر بیان۔

سورہ ہود کی آیت ۷۱ میں ذکر ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق کے ساتھ ہی پوتے یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری دی۔ جس طرح یہ حضرات ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اسی طرح دیگر اوصافِ حمیدہ کے ساتھ ان میں یکساں طور پر ایک خوبی بدرجہ اتم پائی جاتی تھی وہ یہ تھی کہ یہ حضرات ہاتھوں اور آنکھوں والے یعنی صاحبِ قوت، سخی اور صاحبِ بصیرت تھے۔ یہ بات حقیقت ہونے کے ساتھ ہر زبان میں محاورہ کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہے کہ فلاں شخص آنکھیں اور ہاتھ رکھتا ہے جس کا معنیٰ ہے کہ یہ شخص ہوشیار، طاقتور اور فیاض ہے جو کام کرنا چاہیے کر سکتا اور اسے اندھوں کی طرح نہیں بلکہ سوچ، سمجھ کر کرتا ہے مقصد یہ ہے کہ طاقت اور بصیرت رکھنے والا ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ طاقت رکھنے والے لوگ فہم وبصیرت سے کورے ہوتے ہیں اور صاحبِ بصیرت لوگ قوت کے استعمال میں تذبذب کا شکار رہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان

شخصیات کو بصیرت کے ساتھ قوتِ فیصلہ بھی دی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دعوتِ دین کے لیے وسائل بھی دیئے اور بصیرت سے سرفراز بھی فرمایا۔ ان کی بصیرت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان کے کسی کام کے پیچھے دنیا کی غرض نہ تھی وہ جو کام کرتے قیامت پر نظر رکھتے ہوئے کرتے جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں آخرت میں بھی پسند فرمالیا اور دنیا میں بھی وہ ''اللہ'' کے بہت ہی پسندیدہ اور نیک بندے تھے۔

"ذَا الْاَیْدِ" کا مفہوم:

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں بعض نے آپ سے پوچھا کہ ہم میں سے کون سی بیوی آپ سے جنت میں پہلے ملے گی؟ آپ نے فرمایا: جس کے ہاتھ لمبے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے چھڑی کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو ناپنا شروع کیا تو سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سب سے لمبے تھے لیکن ہمیں بعد میں پتہ چلا کہ ہاتھ لمبے ہونے سے مراد زیادہ صدقہ دینا تھا ہم سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بیوی ملی وہ زینب رضی اللہ عنہا تھی جو صدقہ وخیرات کرنے کو بہت پسند کرتی تھی۔ (بخاری) مسلم کی روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں مجھے سب سے پہلے وہ بیوی ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہیں عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اندازہ لگاتی تھیں کہ کس کے ہاتھ لمبے ہیں چنانچہ ہم میں سے زینب کے ہاتھ لمبے ثابت ہوئے اس لیے کہ وہ اپنے ہاتھوں کی کمائی صدقہ وخیرات کر دیا کرتی تھیں۔'' (متفق علیہ: باب الانفاق و کراھیۃ الامساک)

ذوالکفل کا تعارف:

((عَنْ مُجَاهِدٍ وَذَا الْكِفْلِ قَالَ رَجُلٌ صَالِحٌ غَيْرُ نَبِيٍّ تَكَفَّلَ لِنَبِيٍّ قومه أن يكفيه أمر قومه ويقيمهم له، وَيَقْضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْعَدْلِ، فَفَعَلَ ذٰلِكَ، فَسُمِّيَ ذَا الْكِفْلِ)) (فتح القدیر: للشوکانی)

''حضرت مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ذوالکفل نبی نہ ہونے کے باوجود اللہ کے برگزیدہ اور مخلص بندے تھے۔ اپنے نبی کے رخصت ہونے کے بعد انہوں نے قوم کی ذمہ داری نبھائی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ادا کیا اور قوم میں عدل وانصاف قائم کیا۔ اس وجہ سے انہیں ذوالکفل کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

مسائل

۱۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام غیر معمولی اقتدار اور اختیارات رکھنے کے باوجود اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

۲۔ حضرت ایوب علیہ السلام شدید بیماری اور سخت ترین آزمائشوں میں صابر رہے اور صرف اپنے رب سے فریاد کرتے رہے۔

۳۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے نعمتیں چھن جانے کے وقت صبر کیا اور نعمتیں ملنے کے بعد اپنے رب کا شکر ادا کیا۔

۴۔ حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت اسماعیل حضرت الیاس اور ذوالکفل علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اور آخرت پر نظر رکھنے والے تھے۔ ۵۔ پرہیزگاروں کے لیے آخرت میں بہترین مقام ہوگا۔

جَنّٰتِ	عَدْنٍ	مُّفَتَّحَةً	لَّهُمُ	الْاَبْوَابُ ۝۵۰ ج	مُتَّكِـِٕيْنَ	فِيْهَا
باغات ہیں	ہمیشہ کے	کھلے ہوں گے	ان کے لیے	دروازے	تکیہ لگائے ہوئے	اس میں

يَدْعُوْنَ	فِيْهَا	بِفَاكِهَةٍ	كَثِيْرَةٍ	وَّشَرَابٍ ۝۵۱	وَعِنْدَهُمْ
وہ طلب کرینگے	اس میں	میوے	بہت	اور مشروبات	اور ان کے پاس ہوں گی

قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ	اَتْرَابٌ ۝۵۲	هٰذَا	مَا	تُوْعَدُوْنَ	لِيَوْمِ
نیچی نگاہ رکھنے والیاں	ہم عمر	یہ ہے	جو	تم وعدہ دیے جاتے تھے	دن کے لیے

الْحِسَابِ ۝۵۳	اِنَّ	هٰذَا	لَرِزْقُنَا	مَالَهٗ	مِنْ نَّفَادٍ ۝۵۴ ج
حساب کے	بے شک	یہ	البتہ ہمارا رزق	نہیں اس کے لیے	کبھی ختم ہونا

”ہمیشہ رہنے والی جنّتوں کے دروازے اُن کے لیے کھلے ہوں گے۔(۵۰) ان میں وہ تکیے لگائے ہوں گے، پھل اور مشروبات طلب کر رہے ہوں گے۔(۵۱) اور ان کے لئے ہم عمر شرمیلی بیویاں ہوں گی۔(۵۲) یہ وہ چیزیں ہیں جنھیں تم سے حساب کے دن عطا کرنے کا وعدہ کیا جا رہا ہے۔(۵۳) یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔“(۵۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: متقین کو جہاں رکھا جائے گا اس کی سہولیات اور انعامات کا مختصر بیان۔

متقین کے لیے ہمیشہ ہمیش کے باغات اور محلات ہوں گے جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ہوں گے یعنی جنت کی حوریں اور نعمتیں ان کے انتظار میں ہوں گی ہر زبان میں یہ ایک محاورہ بھی ہے۔ جو مہمان کے لیے میزبان کی طرف سے بولا جاتا ہے کہ آپ جب آنا چاہیں ہمارے دروازے ہر وقت آپ کے لیے کھلے ہیں اور ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ جنتی جنت میں ایک دوسرے کے سامنے تکیے لگائے تشریف فرما ہوں گے اور ان کے کھانے پینے کے لیے کثیر تعداد میں ہر قسم کے پھل اور مشروبات ہوں گے جس میں شرابِ طہور بھی ہوگی، جنہیں جنتی طلب فرمائیں گے جو فی الفور ان کے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے ان کے پاس ان کی ہم عمر اور ہم مزاج بیویاں ہوں گی جن کی حیا کا عالم یہ ہوگا کہ وہ اپنے خاوندوں کو اس طرح دیکھیں گی جس طرح ایک باحیا بیوی سہاگ کی رات اپنے خاوند کو دیکھتی ہے۔ اسی طرح ہی نیک عورتوں کو ان کے ہم عمر اور ہم مزاج خاوند ملیں گے لیکن قرآن مجید اپنے حیادار اسلوب کی وجہ سے عورتوں کے لیے کھلے الفاظ میں یہ بات بیان نہیں کرتا ہے کہ انہیں ان کی پسند کے خاوند دیئے جائیں گے۔

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَآ اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ وَّاقْرَءُ وْٓا إِنْ شِئْتُمْ {فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ

مَّآ اُخۡفِيَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡيُنٍ}» (رواه البخاری: کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی صفة الجنة وأنها مخلوقة)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار کی ہیں، جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی ان کے متعلق کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال پیدا ہوا اگر چاہو تو اس آیت کی تلاوت کرو۔ {کوئی نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چیز چھپا کے رکھی گئی ہے}۔“

«عَنْ أَبِي عَيَّاشٍ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا مَعَ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ فَقَالَ لَوْ أَنَّ يَدًا مِنَ الْحَوْرَاءِ تُدْلِي بِبَيَاضِهَا وَخَوَاتِمِهَا دُلِّيَتْ، لَأَضَاءَتْ لَهَا الْأَرْضُ كَمَا تُضِيءُ الشَّمْسُ لِأَهْلِ الدُّنْيَا»

(الزھد والرقائق: فِي صِفَةِ الجَنَّةِ وَمَا أَعَدَّ اللهُ فِيهَا [موقوف علی کعب بن مالک])

”حضرت ابوعیاش کہتے ہیں ہم کعب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس دوران انہوں نے جنت کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: اگر جنت کی حور اپنا ہاتھ زمین پر ظاہر کردے تو اس کی روشنی کی وجہ سے زمین اس طرح روشن ہو جائے جس طرح سورج کے چمکنے سے ہوتی ہے۔“

مسائل

۱۔ جنتیوں کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔

۲۔ جنتی جنت میں تکیوں پر بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے کھانے پینے میں مصروف ہوں گے۔

۳۔ جنت کی عورتیں بے انتہا حیادار ہوں گی۔ ۴۔ جنت میں میاں بیوی ہم عمر اور ہم مزاج ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

جنت کی بیویاں اور نعمتیں:

۱۔ جنت کی بیویاں پاک ہونگی۔ (البقرۃ: ۲۵) ۲۔ خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں والیاں ہونگی۔ (الصّٰفّٰت: ۴۸، ۴۹)

۳۔ جنتیوں کی ہم عمر ہوں گی۔ (صٓ: ۵۲) ۴۔ یاقوت و مونگے کی طرح خوبصورت ہونگی۔ (الرّحمٰن: ۵۸)

۵۔ چھپائے ہوئے موتی کی طرح ہونگی۔ (الواقعہ: ۲۳) ۶۔ کنواری اور ہم عمر ہوں گی۔ (الواقعہ: ۳۶، ۳۷)

۷۔ ہم نے اس میں کھجوروں، انگوروں کے باغ بنائے ہیں اور ان میں چشمے جاری کیے ہیں۔ (یٰس: ۳۴)

۸۔ یقیناً متقین باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ (الذاریات: ۱۵) ۹۔ یقیناً متقی نعمتوں والی جنت میں ہوں گے۔ (الطور: ۱۷)

۱۰۔ جنت میں جنتیوں کو سونے اور لولو کے زیور پہنائے جائیں گے۔ (فاطر: ۳۳)

۱۱۔ جنت میں تمام پھل دو، دو قسم کے ہوں گے۔ (الرّحمٰن: ۵۲) ۱۲۔ جنتیوں کو شراب طہور دی جائیگی۔ (الدھر: ۲۱)

۱۳۔ جنتی سبز قالینوں اور مسندوں پر تکیہ لگا کر تشریف فرما ہوں گے۔ (الرّحمٰن: ۷۶)

جَهَنَّمَ ۚ	مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾	لَشَرَّ	لِلطّٰغِيْنَ	وَاِنَّ	هٰذَا ؕ
جہنم	ٹھکانہ ہے	البتہ بہت بُرا	سرکشوں کے لیے	اور بلاشبہ	یہ

حَمِيْمٌ	فَلْيَذُوْقُوْهُ	هٰذَا ۙ	الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾	فَبِئْسَ	يَصْلَوْنَهَا ۚ
کھولتا ہوا پانی	تو وہ چکھیں اس کو	یہ	آرام کرنے کی جگہ	پس بُری ہے	وہ اس میں داخل ہوں گے

اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾	شَكْلِهٖٓ	مِنْ	وَّاٰخَرُ	وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾
کئی قسم کے	اس کی مثل	سے	اور دوسرے	اور پیپ

''یہ متقیوں کا صلہ ہوگا اور سرکشوں کا بدترین ٹھکانہ ہے۔(۵۵) وہ جہنم میں داخل ہوں گے جو بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔(۵۶) یہ جہنمیوں کے لیے ہے۔ وہ کھولتے ہوئے پانی، پیپ اور لہو کا مزا چکھیں گے۔(۵۷) اور اسی قسم کے اور بھی عذاب ہونگے۔''(۵۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: متقین کے مقابلے میں نافرمانوں اور باغیوں کا ٹھکانہ اور سزائیں۔

قرآن مجید کا تسلسل کے ساتھ یہ اسلوب ہے کہ جنتیوں کے انعامات کے مقابلے میں جہنمیوں کی سزاؤں کا ذکر کرتا ہے تاکہ قرآن پڑھنے والا اس بات پر غور کرے کہ اسے کونسا عقیدہ اور کیا کردار اختیار کرنا چاہیے۔ یہاں بھی جنتیوں کے انعامات کے بعد جہنمیوں کی سزا کا ذکر ہوتا ہے۔ باغیوں اور نافرمانوں کا ٹھکانہ جہنم ہوگا جو رہنے کے اعتبار سے بدترین جگہ ہوگی انہیں پینے کے لیے گرم ترین پانی اور پیپ دی جائے گی اس کے ساتھ ہی انہیں مختلف قسم کے عذاب دیئے جائیں گے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِنَّ الْحَمِيمَ لَيُصَبُّ عَلَى رُءُوسِهِمْ فَيَنْفُذُ الْحَمِيمُ حَتَّى يَخْلُصَ إِلَى جَوْفِهِ فَيَسْلِتَ مَا فِي جَوْفِهِ حَتَّى يَمْرُقَ مِنْ قَدَمَيْهِ وَهُوَ الصَّهْرُ ثُمَّ يُعَادُ كَمَا كَانَ))

(رواہ الترمذی: باب مَا جَاءَ فِی صِفَةِ شَرَابِ أَہْلِ النَّارِ [ضعیف])

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: بے شک گرم پانی جہنمیوں کے سروں پر ڈالا جائیگا وہ پانی ان کے سروں کو چھید تے ہوئے انکے پیٹوں میں پہنچے گا تو ان کی آنتیں پاؤں کے راستے پگھل کر نکل جائیں گی پھر انہیں اسی طرح لوٹا دیا جائے گا۔''

((عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مِنْهُمْ مَنْ تَأْخُذُهُ النَّارُ إِلَى كَعْبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَأْخُذُهُ النَّارُ إِلَى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَأْخُذُهُ النَّارُ إِلَى حُجْزَتِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَأْخُذُهُ النَّارُ إِلَى تَرْقُوَتِهِ)) (رواہ مسلم: باب فی شدة حر النار)

''حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جہنم کی آگ نے بعض لوگوں کے ٹخنوں تک،

بعض کے گھٹنوں تک اور بعض کو کمر تک گھیرا ہوگا اور بعض کی گردن تک پہنچی ہوگی۔‘‘

((عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یُلْقٰی عَلٰی أَھْلِ النَّارِ الْجُوْعُ فَیَعْدِلُ مَا ھُمْ فِیْہِ مِنَ الْعَذَابِ فَیَسْتَغِیْثُوْنَ فَیُغَاثُوْنَ بِطَعَامٍ مِنْ ضَرِیْعٍ لاَ یُسْمِنُ وَلاَ یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ فَیَسْتَغِیْثُوْنَ بِالطَّعَامِ فَیُغَاثُوْنَ بِطَعَامٍ ذِیْ غُصَّۃٍ فَیَذْکُرُوْنَ أَنَّھُمْ کَانُوْا یُجِیْزُوْنَ الْغُصَصَ فِی الدُّنْیَا بِالشَّرَابِ فَیَسْتَغِیْثُوْنَ بِالشَّرَابِ فَیُرْفَعُ إِلَیْھِمُ الْحَمِیْمُ بِکَلاَلِیْبِ الْحَدِیْدِ فَإِذَا دَنَتْ مِنْ وُجُوْھِھِمْ شَوَتْ وُجُوْھَھُمْ فَإِذَا دَخَلَتْ بُطُوْنَھُمْ قَطَّعَتْ مَا فِیْ بُطُوْنِھِمْ))

(رواہ الترمذی: باب مَاجَاءَ فِی صِفَۃِ طَعَامِ أَہْلِ النَّارِ [ضعیف])

’’حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنمیوں پر بھوک مسلط کردی جائے گی اور وہ بھوک اُس عذاب کے برابر ہوگی جس میں وہ مبتلا ہوں گے اور کھانا طلب کریں گے تو اُنہیں کھانے میں سوکھی گھاس پیش کی جائے گی جس سے نہ تو وہ موٹے ہوں گے اور نہ اُن کی بھوک دور ہوگی وہ کھانا طلب کریں گے تو اُنہیں ایسا کھانا دیا جائے گا جو اُن کے حلق میں اٹک جائے گا وہ کہیں گے کہ دنیا میں جب کھانا حلق میں پھنس جاتا تھا تو ہم پانی کے ساتھ اُسے نیچے اتارتے تھے پانی طلب کریں گے تو انہیں گرم پانی لوہے کے پیالوں میں پیش کیا جائے گا جب وہ اُسے اپنے چہروں کے قریب کریں گے تو اُن کے چہرے جھلس جائیں گے اور جب اُسے اپنے پیٹ میں داخل کریں گے تو اُن کے پیٹ کٹ کر رہ جائیں گے۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ کے باغیوں اور نافرمانوں کو جہنم میں جھونکا جائے گا۔ ۲۔ جہنم رہنے کے اعتبار سے بدترین جگہ ہے۔

۳۔ جہنمیوں کو پینے کیلئے گرم ترین پانی اور پیپ دی جائیگی۔ ۴۔ جہنمیوں کو جہنم میں مختلف قسم کے عذاب دیئے جائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

جہنم میں مختلف قسم کے عذاب:

۱۔ جہنّمیوں کی آنتوں اور کھالوں کا بار بار گلنا۔ (النساء:۵۶) ۲۔ دوزخیوں کی کھال کا بار بار بدلا جانا۔ (الحج:۲۰)

۳۔ کانٹے دار جھاڑیوں کا کھانا دیا جانا۔ (الغاشیہ:۶) ۴۔ جہنّمیوں کا لوہے کے ہتھوڑوں سے سزا پانا۔ (الحج:۲۱،۲۲)

۵۔ کھانا گلے میں اٹک جانا۔ (المزمل:۱۳) ۶۔ دوزخیوں کو کھولتا ہوا پانی دیا جانا۔ (الانعام:۷۰)

۷۔ دوزخیوں کو پیپ پلایا جانا۔ (النبّا:۲۵) ۸۔ آگ کا لباس پہنایا جانا۔ (الحج:۱۹)

۹۔ قیامت کے دن مجرم اپنے ہاتھوں کو کاٹیں گے۔ (الفرقان:۲۷)

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۭ

یہ ایک گروہ ہے جو گھسا چلا آتا ہے تمہارے ساتھ نہ خوشی اور فراخی ان کے ساتھ

اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا مَرْحَبًۢا

بے شک وہ داخل ہونے والے ہیں آگ میں وہ کہیں گے بلکہ تم ہو نہ خوشی اور فراخی ہو

بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا

تمہارے لیے تم نے آگے بھیجا ہمارے لیے پس بری ہے قرار گاہ وہ کہیں گے اے ہمارے رب

مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾

جو آگے لایا ہمارے لیے یہ پس تو زیادہ کر اس کو عذاب دوگنا آگ میں

”یہ ایک لشکر تمہارے پاس گھسا چلا آ رہا ہے ان کے لیے کوئی اچھی خبر نہیں ہے یہ آگ میں جلنے والے ہیں۔(۵۹) وہ اُن کو جواب دیں گے نہیں بلکہ تم ہی جھلسے جا رہے ہو کوئی خیر مقدم تمہارے لیے نہیں تم ہی تو یہ انجام ہمارے سامنے لائے ہو کیسی بُری ہے یہ رہنے کی جگہ۔ (۶۰) پھر وہ کہیں گے اے ہمارے رب جس نے ہمیں یہاں پہنچایا اُس کو دوزخ کا دوہرا عذاب دے۔(۶۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنم کے عذابوں میں ایک عذاب یہ بھی ہوگا کہ جہنمی آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں گے۔

جہنمیوں کا ایک گروہ جہنم کے کنارے کھڑا ہوگا تو دوسرا گروہ پہنچ جائے گا آنے والا گروہ پہلے کھڑے ہوئے گروہ کو طعنہ دے گا کہ اگر تم ٹھیک ہوتے تو ہمیں یہ وقت نہ دیکھنا پڑتا ہمیں تمہاری وجہ سے جہنم کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جو بد ترین ٹھکانہ ہے۔ اس کے بعد اپنے رب سے فریاد کریں گے کہ اے اللہ! ہم سے پہلے آنے والوں کو جہنم میں دوگنا عذاب دیں۔ پھر کہیں گے کیا وجہ ہے کہ وہ لوگ ہمیں یہاں نظر نہیں آتے جن کو ہم شرارتی سمجھا کرتے تھے۔ کیا ہم نے انہیں مذاق سمجھا یا ہماری آنکھوں کو ان سے پھیر دیا گیا ہے۔ جہنمیوں کا آپس میں لڑنا جھگڑنا ہر صورت ہوگا جہنّمی دنیا میں جنہیں کمزور اور بُرے سمجھتے تھے ان کو دیکھ کر حسرت کا اظہار کریں گے کہ ہائے افسوس! جن لوگوں کو ہم اپنے سے کمزور سمجھتے تھے اور عقیدہ وعمل کے لحاظ سے برا جانتے تھے وہ تو ہم سے بہتر ثابت نکلے۔ حق کا انکار کرنے والوں کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے کہ وہ انبیاء اور نیک لوگوں کو شرارتی قرار دیتے ہیں۔

”اس کے بعد یہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے اور آپس میں بحث وتکرار کریں گے۔ پیروی کرنے والے اپنے پیشواؤں سے کہیں گے تم ہمارے پاس سیدھے رُخ سے آتے تھے وہ جواب دیں گے تم تو خود ہی ایمان لانے والے نہ تھے۔ ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا کیونکہ تم خود ہی سرکش تھے آخر کار ہم اپنے رب کے اس فرمان کے مستحق ہو

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا
اور وہ کہیں گے کیا ہے ہمارے لیے نہیں ہم دیکھتے ان آدمیوں کو ہم تھے

نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿٦٢﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ
ان کو شمار کرتے سے بُرے لوگوں کیا تم نے بنائے رکھا ان کو مذاق کیا پھر گئیں ان سے

الْاَبْصَارُ ﴿٦٣﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾
نگاہیں بلاشبہ یہ یقیناً حق ہے باہم جھگڑنا اہل دوزخ کا

ع ٢٤ ١٢

اور وہ آپس میں کہیں گے کیا بات ہے ہم اُن لوگوں کو نہیں دیکھتے جنہیں ہم دنیا میں بُرا سمجھتے تھے۔(٦٢) ہم نے اُن کا مذاق بنالیا تھا یا وہ کہیں نظروں سے اوجھل ہیں۔(٦٣) بے شک یہ بات سچ ہے اہل دوزخ آپس میں جھگڑا کریں گے۔“(٦٤)

گئے کہ ہم عذاب کا مزا چکھنے والے ہیں سو ہم نے تمہیں بہکایا اور ہم خود بھی بہکے ہوئے تھے۔اس طرح وہ سب اُس دن عذاب میں اکٹھے ہوں گے۔ہم مجرموں کے ساتھ یہی سلوک کیا کرتے ہیں۔“(الصافات:٢٧تا٣٤)

مسائل

١۔ جہنم میں داخل ہونے والی ہر جماعت اپنے سے پہلے لوگوں کے ساتھ جھگڑا کرے گی۔
٢۔ بعد میں داخل ہونے والے جہنمی پہلے لوگوں کے بارے میں بددعائیں کریں گے۔
٣۔ دنیا میں نیک لوگوں کے ساتھ مذاق کرنے والے کفار اور مشرکوں کو حسرتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

تفسیر بالقرآن

جہنمیوں کا آپس میں ایک دوسرے کو الزام دینا اور جھگڑنا:

١۔ دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کو بھی لگی رہے گی (ہود:٩٩)
٢۔ دنیا میں بھی ان پر لعنت ہے اور قیامت کو بھی ان پر لعنت ہوگی۔(ہود:٦٠)
٣۔ اے ہمارے پروردگار ان کو دوگنا عذاب دے اور ان کو لعنت سے دوچار فرما۔(الاحزاب:٦٨)
٤۔ قیامت کے دن جہنمی ایک دوسرے کا انکار کریں گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے۔(العنکبوت:٢٥)
٥۔ جہنم میں داخل ہونے والے اپنے سے پہلوں کو دیکھ کر کہیں گے۔ہمیں گمراہ کرنے والے یہی لوگ تھے انہیں دوگنا عذاب دیا جائے۔(الاعراف:٣٨)
٦۔ قیامت کے دن مجرم دوزخ میں جھگڑیں گے تو چھوٹے لوگ اپنے بڑوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے۔(المومن:٤٨) ٧۔قیامت کے دن جہنمیوں کا آپس میں جھگڑنا یقینی ہے۔(ص:٦٤)

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖۗ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا

فرما دیجیے | صرف | میں | ڈرانے والا ہوں | اور نہیں | کوئی معبود | مگر

اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۚ ﴿۶۵﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

اللہ | یکتا | بڑی سطوت والا | رب ہے | آسمانوں کا | اور زمین کا | اور جو

بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۙ ﴿۶۷﴾

ان دونوں کے درمیان ہے | خوب غالب | بہت معاف کرنے والا | فرما دیجیے | وہ | خبر ہے | بڑی

”اے نبی ان سے فرمادیں کہ میں تو خبردار کر دینے والا ہوں ”اللہ“ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے وہ اکیلا ہی سب پر غالب ہے۔(۶۵) آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور اُن ساری چیزوں کا رب ہے جو ان کے درمیان ہیں، وہ غالب اور درگزر کرنے والا ہے۔(۶۶) ان سے فرمائیں کہ یہ ایک بڑی خبر ہے۔(۶۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: لوگوں کو اچھے اور بُرے انجام سے آگاہ کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔

اللہ کے رسول کی بعثت کا بنیادی اور مرکزی مقصد توحید کی دعوت دینا تھا۔ آپ ﷺ نے اس دعوت کا آغاز فرمایا تو اہل مکہ نے اس پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے آپ کی مخالفت کا فیصلہ کیا جس پر قوم کے سرداروں نے ایک دوسرے کی ذمہ داری لگائی کہ وہ اپنے اپنے قبیلے کے لوگوں کو ان کے آباؤ اجداد کے عقیدہ پر قائم رکھیں۔ اس پر اس سورۃ مبارکہ کی ابتدا میں پہلے اہل مکہ کو ڈرایا اور پھر سمجھایا کہ تم قومِ نوح، عاد، فرعون، ثمود اور اصحاب الایکہ سے طاقت ور نہیں ہو لہٰذا راہِ راست پر آجاؤ ورنہ ان کے انجام کا انتظار کرو۔ اس کے بعد چند انبیائے کرام علیہم السلام کی مختلف قسم کی آزمائشوں کا ذکر فرما کر نبی محترم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ جس دعوت کو لے کر اٹھے ہیں اس کے راستے میں مشکلات ضرور آیا کرتی ہیں اس سے ثابت قدمی کے ساتھ اپنا کام کرتے جائیں کفار اور مشرکین سے کھلے انداز میں کہہ دیں کہ میرا کام تمہیں برے فکر وعمل کے برے انجام سے انتباہ کرنا ہے جسے میں کھلے الفاظ میں سرانجام دے رہا ہوں، کان کھول کر سن لو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق اور مسائل حل کرنے والا نہیں۔ وہ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے اکیلا اور قہار ہے جب وہ اپنی قہاریت کا مظاہرہ کرنے پر آئے گا تو کوئی زندہ اور مردہ اس کے سامنے دم نہیں مار سکے گا، وہ زمین و آسمانوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کا خالق، مالک، رازق اور بادشاہ ہے وہ ہر اعتبار سے غالب ہونے کے باوجود معاف کرنے والا ہے میں نے تمہیں اللہ کی توحید، اس کے تقاضوں اور قیامت کی ہولناکیوں سے آگاہ کر دیا ہے۔ قیامت آنے ہی والی ہے مگر تم اس سے اعراض کیے ہوئے ہو مجھے خبر نہیں کہ ملاء الاعلیٰ کس بات پر جھگڑا کر رہے

اَنۡتُمۡ	عَنۡهُ	مُعۡرِضُوۡنَ ﴿٦٨﴾	مَا	كَانَ	لِيَ
تم	اس سے	اعراض کرنے والے ہو	نہیں	تھا	میرے لیے
مِنۡ عِلۡمٍۭ	بِالۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰٓى	اِذۡ	يَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿٦٩﴾	اِنۡ	يُّوۡحٰۤى
کوئی علم	مجلس بالا کا	جب	وہ تکرار کررہے تھے	نہیں	وحی کی جاتی
اِلَىَّ	اِلَّاۤ	اَنَّمَاۤ	اَنَا	نَذِيۡرٌ	مُّبِيۡنٌ ﴿٧٠﴾
میری طرف	مگر	صرف	میں	ڈرانے والا ہوں	واضح طور پر

جس سے تم منہ پھیرتے ہو۔(٦٨) ان سے فرمائیں مجھے اس وقت کی کوئی خبر نہیں تھی جب ملاء اعلیٰ میں جھگڑا ہو رہا تھا۔(٦٩) مجھے وحی کی جاتی ہے کیونکہ میں واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔“(٧٠)

تھے میں آسمان کے بارے میں وہی باتیں جانتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتیں ہیں۔جن سے تمہیں کھلے الفاظ میں آگاہ کررہا ہوں۔

«عَنۡ عَبۡدِ اللّٰهِ بۡنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَطۡوِى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ السَّمٰوَاتِ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ ثُمَّ يَأۡخُذُهُنَّ بِيَدِهِ الۡيُمۡنٰى ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الۡمَلِكُ أَيۡنَ الۡجَبَّارُوۡنَ أَيۡنَ الۡمُتَكَبِّرُوۡنَ ثُمَّ يَطۡوِى الۡأَرَضِينَ بِشِمَالِهِ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الۡمَلِكُ أَيۡنَ الۡجَبَّارُوۡنَ أَيۡنَ الۡمُتَكَبِّرُوۡنَ»

(رواہ مسلم:باب صفة القيامة والجنة والنار)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آسمان کو قیامت کے دن لپیٹ لے گا پھر اس کو دائیں ہاتھ میں پکڑے گا،اور فرمائے گا میں بادشاہ ہوں کہاں ہیں جابر لوگ ؟ کہاں ہیں تکبر کرنے والے؟ پھر زمین کو بائیں ہاتھ میں لپیٹ کر اعلان کرے گا کہ میں بادشاہ ہوں کہاں ہیں جابر لوگ؟ اور کہاں ہیں تکبر کرنے والے؟“

«عَنۡ مُعَاذِ بۡنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ احۡتُبِسَ عَنَّا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ غَدَاةٍ عَنۡ صَلَاةِ الصُّبۡحِ حَتّٰى كِدۡنَا نَتَرَائٰى عَيۡنَ الشَّمۡسِ فَخَرَجَ سَرِيعًا فَثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ فَصَلّٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَتَجَوَّزَ فِي صَلَاتِهِ فَلَمَّا سَلَّمَ دَعَا بِصَوۡتِهِ قَالَ لَنَا عَلٰى مَصَافِّكُمۡ كَمَا أَنۡتُمۡ ثُمَّ انۡفَتَلَ إِلَيۡنَا ثُمَّ قَالَ أَمَا إِنِّي سَأُحَدِّثُكُمۡ مَا حَبَسَنِي عَنۡكُمُ الۡغَدَاةَ إِنِّي قُمۡتُ مِنَ اللَّيۡلِ فَتَوَضَّأۡتُ وَصَلَّيۡتُ مَا قُدِّرَ لِي فَنَعَسۡتُ فِي صَلَاتِي حَتّٰى اسۡتَثۡقَلۡتُ فَإِذَا أَنَا بِرَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِي أَحۡسَنِ صُورَةٍ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلۡتُ لَبَّيۡكَ رَبِّ قَالَ فِيمَ يَخۡتَصِمُ الۡمَلَأُ الۡأَعۡلٰى قُلۡتُ لَا أَدۡرِى قَالَهَا ثَلَاثًا قَالَ فَرَأَيۡتُهُ

وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ أَنَامِلِهِ بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَتَجَلَّي لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَبِّ قَالَ فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلأُ الأَعْلَى قُلْتُ فِي الْكَفَّارَاتِ قَالَ مَا هُنَّ قُلْتُ مَشْيُ الأَقْدَامِ إِلَي الْجَمَاعَاتِ وَالْجُلُوسُ فِي الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ وَإِسْبَاغُ الْوُضُوءِ فِي الْمَكْرُوهَاتِ قَالَ فِيمَ قُلْتُ إِطْعَامُ الطَّعَامِ وَلِينُ الْكَلاَمِ وَالصَّلاَةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ قَالَ سَلْ قُلْتُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ وَأَنْ تَغْفِرَ لِي وَتَرْحَمَنِي وَإِذَا أَرَدْتَ فِتْنَةَ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِي غَيْرَ مَفْتُونٍ أَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُ إِلَي حُبِّكَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّهَا حَقٌّ فَادْرُسُوهَا ثُمَّ تَعَلَّمُوهَا»

(رواہ الترمذی: باب وَمِنْ سُورَةِ صٓ [صحیح])

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن صبح کی نماز کا وقت تھا اور نبی علیہ السلام معمول کے مطابق تشریف نہ لائے قریب تھا کہ سورج طلوع ہو جائے پھر آپ علیہ السلام تیزی سے تشریف لائے تکبیر ہوئی اور نماز پڑھائی۔ سلام کے بعد ارشاد فرمایا اپنی جگہ پر بیٹھے رہو پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میں تمہیں دیر سے آنے کی وجہ بتاتا ہوں میں نے آج رات یادالٰہی میں قیام کیا جتنا مقدور تھا۔ نماز پڑھی اور مجھے نماز میں ہی اُونگھ آ گئی یہاں تک کہ مجھے گرانی محسوس ہونے لگی کیا دیکھتا ہوں کہ میرا رب بڑی پیاری صورت میں تشریف فرما ہے اور ارشاد فرمایا اے محمد ﷺ! میں نے عرض کی۔ میرے رب! میں حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا یہ آسمان کے فرشتے کس بات پر جھگڑ رہے ہیں میں نے عرض کی کہ میں نہیں جانتا اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھی میں نے اس کی ٹھنڈک کو اپنے سینے میں محسوس کیا اور اس کی برکت سے میرے لیے ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے اس کو پہچان لیا دوسری روایت میں ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں تھا میں نے اسے جان لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد ﷺ! میں نے عرض کی یارب حاضر ہوں پوچھا آسمان کے فرشتے کس بات پر جھگڑ رہے ہیں۔ میں نے عرض کی درجات اور کفارات کے بارے میں۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا درجات کیا ہیں؟ میں نے عرض کی کھانا کھلانا، سلام کو عام کرنا اور رات کے وقت جب لوگ سو رہے ہوں اٹھ کر نماز پڑھنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ نے سچ کہا ہے اب بتاؤ! کفارات کیا ہیں؟ میں نے عرض کی کہ تکلیف کی حالت میں مکمل وضو کرنا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا اور جماعت میں شریک ہونے کے لیے چل کر جانا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نبی تو نے سچ کہا۔ اب مانگو جو مانگنا چاہتے ہو میں نے عرض کی الٰہی! میں تجھ سے نیک کام کرنے کی توفیق اور برے کاموں کو چھوڑنے کی طاقت اور مسکینوں سے محبت کرنے کی توفیق مانگتا ہوں اور میری التجا ہے کہ تو مجھے بخش دے۔ مجھ پر رحم فرما اور جب اپنے بندوں کو کسی

فتنہ میں مبتلا کرنا چاہے تو مجھے فتنہ سے بچا کر اپنی طرف بلا لے۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت، اور جو تجھ سے محبت کرتا ہے اس کی محبت اور اس عمل کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو مجھ کو تیری محبت کے قریب کر دے۔ نبی ﷺ نے صحابہ کو فرمایا اس دعا کے الفاظ تم بھی سیکھ لو کیونکہ یہ بہت ہی بہتر ہیں۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ ہر اعتبار سے غالب ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمانوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا خالق اور مالک ہے

۳۔ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے غالب ہونے کے باوجود اپنے بندوں کو معاف کرنے والا ہے۔

۴۔ نبی آخر الزمان ﷺ نے کھلے الفاظ میں لوگوں کو اللہ کی توحید اور قیامت کی ہولناکیوں سے آگاہ فرمایا۔

۵۔ نبی آخر الزمان ﷺ وہی کچھ جانتے تھے جس کے بارے میں آپ کو وحی کی جاتی تھی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے اکیلا اور غالب ہے:

۱۔ ’’اللہ‘‘ ہی رب ہے۔ (لانعام: ۱۰۲) ۲۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ (الرعد: ۱۶)

۳۔ اللہ کی ذات ہی ازلی اور ابدی ہے۔ (الحدید: ۳) ۴۔ اللہ ہی مشرق و مغرب کا مالک ہے۔ (البقرۃ: ۱۴۲)

۵۔ ’’اللہ‘‘ غنی ہے تعریف کیا گیا۔ (فاطر: ۳۵) ۶۔ زمین و آسمان پر اللہ کی بادشاہی ہے۔ (آل عمران: ۱۸۹)

۷۔ قیامت کو بھی ’’اللہ‘‘ ہی کی حکومت ہوگی۔ (الفرقان: ۲۶)

۸۔ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (آل عمران: ۱۸۹)

۹۔ کیا آپ نہیں جانتے؟ کہ زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے۔ (البقرۃ: ۱۰۷)

۱۰۔ ’’اللہ‘‘ سخت عذاب دینے والا۔ (البقرۃ: ۱۶۵) ۱۱۔ ’’اللہ‘‘ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (النساء: ۱۶)

۱۲۔ اللہ صراط مستقیم کی راہنمائی کرنیوالا۔ (الحج: ۵۴) ۱۳۔ ’’اللہ‘‘ غیب و حاضر کو جاننے والا ہے۔ (الحشر: ۲۲)

۱۴۔ اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرنے والا اور موت دینے والا ہے۔ (البقرۃ: ۲۵۵)

۱۵۔ اللہ تعالیٰ بندوں پر شفقت اور نرمی کرنے والا ہے۔ (آل عمران: ۳۰)

۱۶۔ اللہ ایک ہے اور زبردست طاقت والا ہے۔ (صٓ ۶۵)

اِذْ	قَالَ	رَبُّكَ	لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ	اِنِّیْ	خَالِقٌۢ	بَشَرًا
جب	کہا	آپ کے رب نے	فرشتوں سے	بے شک میں	پیدا کرنے والا ہوں	انسان کو
مِّنْ	طِیْنٍ ۝۷۱	فَاِذَا	سَوَّیْتُهٗ	وَ نَفَخْتُ	فِیْهِ	مِنْ
سے	مٹی	چنانچہ جب	میں ٹھیک بنادوں اسے	اور پھونک دوں	اس میں	سے
رُّوْحِیْ	فَقَعُوْا	لَهٗ	سٰجِدِیْنَ ۝۷۲	فَسَجَدَ	الْمَلٰٓىِٕكَةُ	كُلُّهُمْ
اپنی روح	توتم گر پڑنا	اس کے لیے	سجدہ کرتے ہوئے	پھر سجدہ کیا	فرشتوں نے	سب کے سب
اَجْمَعُوْنَ ۝۷۳	اِلَّآ	اِبْلِیْسَ	اِسْتَكْبَرَ	وَ كَانَ	مِنَ	الْكٰفِرِیْنَ ۝۷۴
اکٹھے	مگر	ابلیس	اس نے تکبر کیا	اور وہ ہوگیا	سے	کافروں
قَالَ	یٰۤاِبْلِیْسُ	مَا مَنَعَكَ	اَنْ تَسْجُدَ	لِمَا	خَلَقْتُ	بِیَدَیَّ
فرمایا	اے ابلیس	کس نے تجھے منع کیا	یہ کہ تو سجدہ کرے	اسکو جسے	میں نے پیدا کیا	اپنے ہاتھوں سے

”جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔(۷۱) جب میں اسے پوری طرح بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تم اس کے سامنے سجدے میں گر جانا۔(۷۲) سب کے سب فرشتے سجدے میں گر گئے۔(۷۳) مگر ابلیس نے تکبر کیا اور وہ کافروں میں ہوگیا۔(۷۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس تجھے کس چیز نے اسے سجدہ کرنے سے روکا ہے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی کا کام لوگوں کو برے انجام سے ڈرانا ہے جو لوگ بُرے انجام سے بے خوف ہوں گے ان کا انجام ابلیس کے ساتھ ہوگا۔

نبی آخر الزمان ﷺ نے کفار اور مشرکین کو بار بار برے انجام سے متنبہ فرمایا مگر وہ لوگ دعوت قبول کرنے کی بجائے مخالفت میں آگے ہی بڑھتے چلے گئے اس پر آدم علیہ السلام کے واقعہ کا وہ حصہ انہیں سنایا جا رہا ہے جس کے نتیجہ میں ملائکہ اپنے رب کی بارگاہ میں سرخرو ہوئے اور شیطان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ذلیل ٹھہرا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر بیان ہوا ہے لیکن ہر موقعہ پر جداگانہ الفاظ اور استدلال پیش کیا گیا ہے۔ تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے ارشاد فرمایا کہ میں مٹی سے بشر پیدا کرنے والا ہوں جب اسے بنا کر اس میں اپنی روح پھونک دوں تو سب نے اس کے سامنے سجدہ

اَسْتَكْبَرْتَ	اَمْ	كُنْتَ	مِنَ	الْعَالِيْنَ ﴿۷۵﴾	قَالَ	اَنَا
کیا تونے تکبر کیا	یا	تو تھا	سے	بلند درجہ لوگوں میں	اس نے کہا	میں
خَيْرٌ	مِّنْهُ ؕ	خَلَقْتَنِيْ	مِنْ	نَّارٍ	وَّ خَلَقْتَهٗ	
بہتر ہوں	اس سے	تو نے پیدا کیا مجھے	سے	آگ	اور تو نے پیدا کیا اسے	
مِنْ	طِيْنٍ ﴿۷۶﴾	قَالَ	فَاخْرُجْ	مِنْهَا	فَاِنَّكَ	رَجِيْمٌ ﴿۷۷﴾
سے	مٹی	فرمایا	پس نکل جا	یہاں سے	پس بے شک تو	مردود ہے
وَّ اِنَّ	عَلَيْكَ	لَعْنَتِيْٓ	اِلٰى	يَوْمِ	الدِّيْنِ ﴿۷۸﴾	قَالَ
اور بے شک	تجھ پر	میری لعنت ہے	تک	دن	جزا کے	اس نے کہا
رَبِّ	فَاَنْظِرْنِيْٓ	اِلٰى	يَوْمِ	يُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾	قَالَ	فَاِنَّكَ
اے میرے رب	پھر تو مجھے مہلت دے	طرف	اس دن کی	جب وہ دوبارہ اٹھائے جائیں	فرمایا	تو بلاشبہ ہے

تو تکبر کرتا ہے یا تو اپنے آپ کو بڑوں میں سمجھتا ہے۔ (۷۵) اس نے جواب دیا میں اُس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (۷۶) فرمایا اچھا یہاں سے نکل جا تو مردود ہے۔ (۷۷) اور تجھ پر قیامت تک میری لعنت برستی رہے گی۔ (۷۸) ابلیس نے کہا اے میرے رب مجھے اس وقت تک کے لیے مہلت دے جب لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ (۷۹) فرمایا اچھا تجھے

کرنا ہے ابلیس کے سوا تمام ملائکہ نے سجدہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے استفسار فرمایا کہ اے ابلیس! جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے اسے سجدہ کرنے سے تجھے کس بات نے روکا ہے کیا تو نے تکبر کیا ہے یا اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے؟ ابلیس نے جواب دیا کہ میں آدم علیہ السلام سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ حکم ہوا کہ یہاں سے نکل جا کیونکہ تو راندہ اور دھتکارہ ہوا ہے، تجھ پر قیامت تک میری لعنت برستی رہے گی ابلیس نے عرض کی۔ اے میرے رب! مجھے اس دن تک مہلت دے جس دن لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تجھے قیامت تک مہلت دی جاتی ہے، چاہیے تو یہ تھا کہ ابلیس حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کی طرح اپنے رب سے معافی کی درخواست کرتا لیکن اس نے معافی مانگنے کی بجائے اپنی غلطی پر اصرار کیا اور دلیل دی کہ میں آدم سے بہتر ہوں کیوں کہ مجھے آگ سے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، اس پر بس نہیں کی بلکہ کہنے لگا کہ اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! میری کوشش ہوگی کہ تیرے مخلص

مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٨١﴾ قَالَ
سے مہلت دیے گئے دن تک وقت معلوم کے اس نے کہا

فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٢﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ
تیری عزت کی قسم البتہ میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا سب کے سب سوائے تیرے بندے ان میں سے

الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٨٣﴾ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿٨٤﴾ لَاَمْلَئَنَّ
جو خالص کیے ہیں فرمایا تو حق یہی ہے اور حق بات ہی میں کہتا ہوں البتہ میں ضرور بھر دوں گا

جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٥﴾
جہنم کو تجھ سے اور ان سے جو تیری پیروی کریں گے ان میں سے سب

اس دن تک مہلت ہے۔(۸۰) جس کا وقت معلوم ہے۔(۸۱) اس نے کہا تیری عزت کی قسم میں ان کو بہکا کر رہوں گا۔(۸۲) سوائے تیرے اُن بندوں کے جنہیں تو نے خالص کر لیا ہے۔(۸۳) فرمایا حق یہ ہے کہ میں حق ہی کہا کرتا ہوں۔(۸۴) کہ میں جہنم کو تجھ سے اور اُن سب لوگوں سے بھر دوں گا جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے۔''(۸۵)

بندوں کے سوا سب کو گمراہ کر دوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقعہ پر اور بھی ارشادات فرمائے جن میں ایک ارشاد یہ تھا کہ میرا فرمان سچ اور اٹل ہے جو ہمیشہ سچ ہوا کرتا ہے کہ میں تجھ سے اور تیرے ماننے والوں سے جہنم کو بھر دوں گا۔ جہاں تک ابلیس کا یہ کہنا کہ آگ مٹی سے بہتر ہے۔ یہ اس کی غلط بیانی تھی کیونکہ

① آگ ہر چیز کو بھسم کر دینے کے بعد خود بھی ختم ہو جاتی ہے۔
② مٹی صدیوں تک چیز کو محفوظ رکھتی ہے اور خود ختم نہیں ہوتی۔
③ آگ کی تپش کی وجہ سے ہر جاندار اس سے دور بھاگتا ہے۔
④ زمین میں اپنائیت ہے اور ہر جاندار اس پر قیام کرتا ہے اور اس کی ان گنت ضروریات زمین سے وابستہ ہیں۔
⑤ آگ کی خاصیت تیزی اور تلخی ہے۔
⑥ زمین میں ٹھہراؤ اور برداشت ہے۔
⑦ آگ سے تپش کے سوا کوئی چیز نہیں نکلتی
⑧ زمین میں پانی ہے اور ہر چیز اس سے پیدا ہوتی ہے۔ علیٰ ھٰذا القیاس مٹی ہر اعتبار سے آگ سے بہتر ہے کیونکہ شیطان نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار اور تکبر کیا۔ تکبر اور غرور میں خیر کی بجائے شر ہوتا ہے جس وجہ سے ابلیس ذاتِ کبریا سے معافی مانگنے کی بجائے گستاخی پر گستاخی کرتے ہوئے آدم علیہ السلام کے ساتھ دشمنی میں آگے ہی بڑھتا گیا جس وجہ سے

قیامت اور قیامت کے بعد تک اس پر لعنتیں برستی رہیں گی۔ لعنت کا معنیٰ اللہ کی رحمت سے دور ہونا ہے۔

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبْعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ» (الابانة الكبرى لابن بطة: بَابُ ذِكْرِ افْتِرَاقِ الْأُمَمِ فِي دِينِهِمْ وَعَلٰى كَمْ تَفْتَرِقُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ [صحيح])

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی جب تک اپنی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ کر دے تب تک وہ ایمان والا نہیں ہو سکتا۔''

مسائل

١۔ ابلیس نے تکبر کی وجہ سے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔

٢۔ ابلیس نے ذاتِ کبریا سے معافی مانگنے کی بجائے گستاخی پر گستاخی کی۔

٣۔ ابلیس نے اپنے رب سے مہلت مانگی تو اسے قیامت تک مہلت دے دی گئی۔

٤۔ ابلیس نے اقرار کیا کہ میں اللہ کے مخلص بندوں کو گمراہ نہیں کر سکوں گا۔

٥۔ قیامت کے دن ابلیس اور اس کے پیچھے چلنے والوں کو جہنم میں جھونکا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

ابلیس کی آدم علیہ السلام سے دشمنی اور اس کی گستاخیاں:

١۔ جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس انکاری ہوا۔ (بنی اسرائیل: ٦١)

٢۔ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کیا۔ (الحجر: ٣٠۔٣١)

٣۔ ابلیس کہنے لگا کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (بنی اسرائیل: ٦١)

٤۔ ابلیس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔ (الاعراف: ١٢)

٥۔ اگر تو مجھے قیامت تک مہلت دے تو میں تھوڑے لوگوں کے علاوہ اس کی اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔ (بنی اسرائیل: ٦٢)

٦۔ شیطان نے کہا تو نے مجھے اس کی وجہ سے گمراہ کیا ہے میں بھی ان کے راستے میں بیٹھوں گا۔ (الاعراف: ١٦)

٧۔ میں اسے آگے پیچھے، دائیں بائیں سے گمراہ کروں گا۔ (الاعراف: ١٧)

٨۔ یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے اسے اپنا دشمن ہی سمجھو شیطان اور اس کا گروہ چاہتا ہے کہ تم جہنمی بن جاؤ۔ (فاطر: ٦)

قُلْ	مَآ	اَسْـَٔلُكُمْ	عَلَيْهِ	مِنْ اَجْرٍ	وَّمَآ
فرمادیجیے	نہیں	میں مانگتا تم سے	اس پر	کوئی اجر	اورنہیں
اَنَا	مِنَ	الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿٨٦﴾	اِنْ	هُوَ	اِلَّا ذِكْرٌ
میں	سے	تکلف کرنے والوں	نہیں ہے	یہ	مگر نصیحت
لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾	وَلَتَعْلَمُنَّ	نَبَاَهٗ	بَعْدَ	حِيْنٍ ﴿٨٨﴾ ع	
تمام جہانوں کے لیے	اورالبتہ آپ ضرور جان لیں گے	اس کا حال	بعد	کچھ مدت کے	

ع ٥ ٢٤ ١٤

”اے نبی ان سے فرمائیں کہ میں تبلیغ پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں تصنع کرنے والوں میں سے ہوں۔(٨٦) یہ تمام لوگوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔(٨٧) اور تھوڑی مدت ہی گزرے گی کہ تمہیں اس کا حال معلوم ہو جائے گا۔“(٨٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ابلیس اور اس کے ساتھیوں کا انجام ذکر کرنے کے بعد ایک دفعہ پھر آپ ﷺ کی زبان سے کہلوایا گیا کہ یہ قرآن مجید دنیا والوں کے لیے نصیحت ہے جو اسے تسلیم نہیں کرے گا ایک وقت کے بعد اسے خود ہی اپنے انجام کی خبر ہو جائے گی لہٰذا میں نے ”لِوَجْهِ اللهِ“ تمہیں اس بات سے آگاہ کر دیا ہے۔

اس خطاب کا آغاز آیت ٦٥ سے ہوا جس میں آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ اعلان کرتے جائیں کہ اللہ کے سوا کوئی قیام، رکوع، سجود اور ہر قسم کی بندگی کے لائق نہیں وہی نعمتیں عطا کرنے والا اور بگڑی بنانے والا ہے وہ اپنی ذات اور صفات کے حوالے سے اکیلا اور ہر اعتبار سے غالب ہے۔سورۃ صٓ اور اس کے آخری حصہ کا اختتام اس فرمان پر ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ یہ بھی اعلان کرتے رہیں کہ تم میری مخالفت کرو یا موافقت۔ میں اس دعوت اور محنت کے بدلے تم سے کسی ستائش اور مفاد کا طلب گار نہیں ہوں اور نہ ہی کوئی بات اپنی طرف سے کہتا ہوں اور نہ میں تصنع اور تکلف کرتا ہوں جس دعوت کی تم مخالفت کر رہے ہو یہ تو لوگوں کے لیے نصیحت ہے اگر تم اسی طرح ہی مخالفت کرتے رہے تو تمہیں ایک مدت کے بعد اس کے انجام کا علم ہو جائے گا یہ وقت تمہاری زندگی میں بھی آسکتا ہے البتہ موت کے بعد یقیناً تم اس کے انجام سے پوری طرح آگاہ ہو جاؤ گے۔

((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَسْعُوْدِ الْعَبْدِيِ قَالَ سَمِعْتُ سَلْمَانَ الْفَارِسِیَ رضی اللہ عنہ یَقُوْلُ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ نَتَكَلَّفَ لِلضَّيْفِ)) (رواہ الحاکم فی المستدرک [صحیح])

”حضرت عبدالرحمن بن مسعود العبدی کہتے ہیں کہ میں نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے مہمانوں کے لیے تکلف کرنے سے منع کیا تھا۔“

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عُمَرَ رضی اللہ عنہ فَقَالَ نُهِينَا عَنِ التَّكَلُّفِ)) (رواہ البخاری: کتاب الاعتصام)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھے تو انہوں نے کہا کہ ہم تکلف کرنے سے منع کیے گئے تھے''یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو تکلف کرنے سے منع کرتے تھے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ فَانْظُرِ السَّجْعَ مِنَ الدُّعَآءِ فَاجْتَنِبْهُ، فَإِنِّي عَهِدْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَصْحَابَهُ لاَ يَفْعَلُوْنَ إِلاَّ ذٰلِكَ يَعْنِي لاَ يَفْعَلُونَ إِلاَّ ذٰلِكَ الاِجْتِنَابَ))

(رواہ البخاری: کتاب الدعوات، باب مَا یکرَہ مِنَ السَّجعِ فِی الدُّعَآءِ)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ دعا میں قافیہ بندی سے بچو کیونکہ میں ایک عرصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے ساتھ رہا ہوں آپ اور آپکے صحابہ رضی اللہ عنہم دعا میں تکلف اور قافیہ بندی نہیں کرتے تھے۔''

مسائل

١۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے کسی قسم کا مفاد طلب نہیں کرتے تھے۔

٢۔ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات اپنی طرف سے کرنے والے نہ تھے۔

٣۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تکلف پسند نہیں کرتے تھے۔ ٤۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے نصیحت ہے۔

٥۔ قرآن اور اس کی دعوت کا انکار کرنے والوں کو اپنے انجام کا علم ہو جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

دنیا اور آخرت میں مجرمین کا اعترافِ حقیقت کرنا:

١۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جہنمیوں سے فرمائے گا کیا آج کا عذاب برحق نہیں وہ کہیں گے کیوں نہیں۔ (الاحقاف: ٣٤)

٢۔ جہنمی کی خواہش ہوگی کہ مجھے دنیا میں واپس بھیج دیا جائے۔ (الانعام: ٢٧ تا ٢٨)

٣۔ اے رب ہمارے! ہمیں یہاں سے نکال ہم پہلے سے نیک عمل کریں گے۔ (فاطر: ٣٧)

٤۔ اے ہمارے رب! ہم کو یہاں سے نکال اگر دوبارہ ایسا کریں تو بڑے ظالم ہوں گے۔ (المؤمنون: ١٠٧)

٥۔ جہنمیوں سے ملائکہ کا خطاب۔ (الزمر: ٧١، ٧٢)

٦۔ جہنمیوں سے جنتیوں کے سوالات اور جہنمی اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے۔ (المدثر: ٤٠ تا ٤٨)

٧۔ جہنمیوں سے اللہ تعالیٰ کا سوال۔ (الصّٰفّٰت: ٥) ٨۔ جہنمیوں کی باہم گفتگو۔ (الصّٰفّٰت: ٢٧ تا ٣٣)

سورۃ الزّمر کا تعارف

سورۃ الزّمر مکہ اور اس کے گردو پیش میں نازل ہوئی یہ سورۃ آٹھ رکوع اور پچھتر (۷۵) آیات پر محیط ہے۔

ربطِ سورۃ: سورۃ صٓ کا اختتام اس ارشاد پر ہوا کہ لوگوں کے لیے قرآن مجید ایک نصیحت ہے جو اس نصیحت کا انکار کرتا ہے اُسے اپنے انجام کا بہت جلد پتہ چل جائے گا۔ الزّمر کا آغاز اس فرمان سے ہو رہا ہے کہ یہ ذکر''اللہ'' غالب حکمت والے کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کا پہلا پیغام اور فرمان یہ ہے کہ ایک''اللہ'' کی عبادت کرو کہ جس طرح اُس نے اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔

جو لوگ اس فرمان کے ساتھ اختلاف اور تکرار کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کذّاب اور ناشکرے ہیں ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیا کرتا۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ان میں سرفہرست وہ لوگ ہیں جو اس بات پر اسرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو اپنی اولاد بنا رکھا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اولاد کی خواہش اور ضرورت نہیں اولاد کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ وہ کمزوری اور مجبوری کے عالم میں ماں باپ کا سہارا ثابت ہو اللہ تعالیٰ ایسی خواہش اور ہر قسم کی کمزوری سے پاک ہے کیونکہ زمین وآسمان کی ہر چیز اس کی مِلک اور تابع فرمان ہے اس وضاحت کے باوجود جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بات نہیں مانتے اور اس کی خالص عبادت نہیں کرتے وہ اور اس عقیدہ کی حامل ان کی اولاد قیامت کے دن نقصان پائیں گے۔ ان کے اوپر نیچے آگ ہوگی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس آگ سے ڈراتا ہے تاکہ وہ جہنم کی آگ سے بچ جائیں۔

لیکن مشرک کی حالت یہ ہے کہ جب اس کے سامنے اللہ وحدہ لاشریک کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو وہ منہ بسورتا اور ناراض ہوتا ہے۔ جب غیر اللہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو خوش ہو جاتا ہے حالانکہ''اللہ'' ہی زمین وآسمانوں کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی رزق میں کمی، بیشی کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

کفار کے کفر اور مشرکوں کے شرک کے باوجود اس کا فرمان ہے کہ اے پیغمبر جن لوگوں نے کفر و شرک اور اپنے رب کی نافرمانیوں کا ارتکاب کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے انہیں کھلے الفاظ میں فرمائیں کہ لوگو! تمہارے رب کا ارشاد ہے کہ میری رحمت سے مایوس نہیں ہونا کیونکہ میں سب گناہوں کو معاف کرنے والا مہربان ہوں لہٰذا ہر حال میں میری طرف رجوع کرو اور عذاب آنے سے پہلے میرے تابع فرمان ہو جاؤ۔ جب میرا عذاب نازل ہوتا ہے تو کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔ اے نبی ﷺ ان سے یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ کیا میں اللہ کو چھوڑ کر غیروں کی عبادت کروں حالانکہ اس نے مجھ پر اور مجھ سے پہلے تمام انبیائے کرام علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اگر کسی نبی نے شرک کیا تو اس کے اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے اور وہ ہمیشہ کے لیے نقصان پانے والوں میں سے ہوگا، جو لوگ شرک کرتے ہیں حقیقت یہ ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس طرح قدر نہیں کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ اس کی قدرت کا عالم یہ ہے کہ قیامت کے دن

زمین وآسمان اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے اور کوئی اس کے سامنے بولنے اور دم مارنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اس دن تیرے رب کے جمال سے زمین منور ہو جائے گی اور لوگوں کے اعمال نامے ان کے سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کو گواہ کے طور پر بلایا جائے گا اور پورے عدل وانصاف کے ساتھ لوگوں کے درمیان فیصلے کر دیئے جائیں گے اور کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں ہو پائے گا۔

جہنمی جہنم کی طرف گروہ در گروہ جائیں گے جونہی جہنم کے قریب پہنچیں گے تو اُن کے لیے جہنم کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور جہنم کے ملائکہ اُن سے استفسار کریں گے کیا تمہارے پاس انبیاء کرام علیہم السلام تشریف نہیں لائے تھے جو تمہیں تمہارے رب کے فرامین پڑھ کر سناتے اور اس دن کی ہولناکیوں سے آگاہ کرتے؟ جہنمی اقرار کریں گے کیوں نہیں ہمارے پاس انبیاء تشریف لائے اور انہوں نے ہمیں بار بار سمجھایا لیکن ہم اپنے کفر وشرک پر قائم رہے۔ جہنمیوں کا جواب سُن کر ملائکہ کہیں گے تو پھر جہنم میں داخل ہو جاؤ اس میں تم نے ہمیشہ رہنا ہے اور متکبرین کے لیے رہنے کی یہ بدترین جگہ ہے، ان کے مقابلے میں جنتیوں کو ارشاد ہو گا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ جونہی جنتی جنت کے دروازوں کے سامنے پہنچیں گے تو ملائکہ جنت کے دروازے کھولتے ہوئے جنتیوں کو سلام کریں گے اور ان سے درخواست کریں گے کہ جنت میں داخل ہو جائیں۔ یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپ کو عنایت کر دی گئی ہے جنتی اس پر اللہ کا شکر ادا کریں گے اس فیصلے کے بعد عدالتِ کبریٰ ختم کر دی جائے گی اور سب پکار اُٹھیں گے ہر قسم کی تعریف رب العالمین کے لیے ہے۔

سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ — رُكُوْعَاتُهَا ۸ — اٰيَاتُهَا ۷۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے

تَنْزِيْلُ	الْكِتٰبِ	مِنَ	اللّٰهِ	الْعَزِيْزِ	الْحَكِيْمِ ①
نازل کردہ	کتاب	سے	اللہ	جو بڑا غالب	خوب حکمت والا ہے

اِنَّآ	اَنْزَلْنَآ	اِلَيْكَ	الْكِتٰبَ	بِالْحَقِّ	فَاعْبُدِ
بے شک	ہم نے نازل کی	آپ کی طرف	کتاب	حق کے ساتھ	لہٰذا آپ عبادت کیجیے

اللّٰهَ	مُخْلِصًا	لَّهُ	الدِّيْنَ ②
اللہ کی	خالص کرتے ہوئے	اس کے لیے	دین کو

''یہ کتاب اللہ زبردست اور حکیم کی طرف سے نازل شدہ ہے۔(۱) اے نبی یہ کتاب ہم نے تمہاری طرف برحق نازل کی ہے لہٰذا تم اللہ ہی کی بندگی دین کو اُسی کے لیے خالص کرتے ہوئے کرو۔''(۲)

فہم القرآن

سورۃ صٓ کے آخر میں آپ ﷺ سے کہلوایا گیا کہ نبوت کے کام کے بدلے نہ میں تم سے کسی قسم کا طالب ہوں اور نہ میں تکلّف کرنے والا ہوں جو کچھ تمہارے سامنے بیان کررہا ہوں وہ رب العالمین کی طرف سے ایک نصیحت ہے جو اس نصیحت کو تسلیم نہیں کرے گا وہ ایک وقت کے بعد خود اس کا انجام دیکھ لے گا۔ سورۃ الزمر کا آغاز اس فرمان سے ہو رہا ہے کہ جو برے انجام سے بچنا چاہتا ہے اس کے لیے پیغام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے جس طرح اسے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

قرآن مجید کو اس ''اللہ'' نے نازل کیا ہے جو ہر اعتبار سے اپنی مخلوق پر غالب اور زبردست ہے، غالب اور زبردست ہونے کے باوجود اس کے ہر حکم اور کام میں حکمت پائی جاتی ہے۔ اے نبی ﷺ! ہم ہی نے آپ کی طرف قرآن مجید کو حق اور سچ کے ساتھ نازل فرمایا ہے جس کا پہلا حکم یہ ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور اسی کی فرمانبرداری کرتے رہو! اہل مکہ کو بارہا دفعہ یہ بات بتلائی گئی کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر نازل فرمایا ہے اس کے باوجود مکہ والے قرآن کو من جانب اللہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھے حالانکہ انہیں مختلف الفاظ میں کئی مرتبہ چیلنج دیا گیا کہ اگر تم قرآن کے بارے میں یہ سمجھتے ہو کہ یہ نبی یا کسی اور شخص کا بنایا ہوا ہے تو پھر تمہیں موقع دیا جاتا ہے کہ تم بھی اس جیسا قرآن بنا کر لے آؤ۔ تمہیں یہاں تک سہولت دی جاتی ہے کہ قرآن مجید کی کسی ایک سورت جیسی کوئی سورت بنا لاؤ۔ مکہ والے اس چیلنج کا

جواب دینے میں زندگی بھرنا کام رہے مگراس کے باوجود قرآن مجید کے من جانب اللہ ہونے کا انکار کرتے رہے، نہ صرف انکار کرتے تھے بلکہ قرآن مجید کے خلاف مسلسل پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ یہ محمد ﷺ کی اپنی اختراع ہے۔ان کے مسلسل پروپیگنڈہ کی تردید میں قرآن مجید نے یہ اسلوب اپنایا کہ موقع محل کے مطابق کھلے الفاظ میں یا بین السطور وضاحت کی جائے کہ یہ قرآن صرف اورصرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو ہراعتبار سے اپنی مخلوق پر غالب ہے۔وہ چاہے تولوگوں کو اپنی قوت وسطوت کے ذریعے تسلیم کرواسکتا ہے لیکن اس نے اپنی حکمت کاملہ کے تحت لوگوں کو اختیار دیا ہے کہ وہ اسے تسلیم کریں یا اس کا انکار کرتے رہیں۔قرآن مجید کا پہلا پیغام اور حکم یہ ہے کہ صرف ''اللہ'' کی تابعداری کرتے ہوئے اسی ایک کی عبادت کی جائے یہی پہلی اور بڑی حکمت ہے۔

عبادت کے حکم کاوسیع ترتخیل یہ ہے کہ آدمی منڈی اور بازار میں ہوتو امانت ودیانت کانمونہ بن جائے،کسی کے ہاں مزدور اورخدمت گزار ہوتو وفاداری کا پیکر ہوجائے،حکمران ہو یا کوئی ذمہ داری اٹھائے تو قوم کا خادم اور مالکِ حقیقی کا غلام بن کر رہے۔غرضیکہ زندگی کاایک ایک لمحہ اورشعبہ رب کی غلامی اورسرافگندگی کے لیے وقف کرنے کا نام عبادت ہے۔یہی انسان کی تخلیق کا مقصد اوراسی کے لیے انسان کا ہرعمل وقف ہونا چاہیے۔انبیائے عظام علیہم السلام اپنی دعوت کا آغاز اسی سے کیا کرتے تھے۔اوریہی بات آپ ﷺ سے کہلوائی گئی ہے۔

{ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْکَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾ } (الانعام:۱۶۲تا۱۶۳)

''کہہ دیجیے! یقیناً میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے'اس کا کوئی شریک نہیں اسی بات کا مجھے حکم دیا گیاہے اورمیں سب سے پہلے ماننے والا ہوں۔''

الدّین کامفہوم:

دینِ اسلام اپنے نام اورنظام کے اعتبار سے کامل اوراکمل ہے دین کے لفظی معانی ہیں تابع دار ہونا، دوسرے کواپنا تابع دار بنانا،مکمل اخلاص اوریکسوئی کا اظہارکرنا،قانون،مکمل ضابطۂ حیات، جزاوسزااورقیامت کے دن کے لیےبھی الدّین بولا جاتا ہے۔(مزید تفصیل جاننے کے لیےدرج ذیل تفسیر بالقرآن آیات کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں)

تفسیر بالقرآن

"اَلدِّیْنُ" کے معانی:

۱۔ دین سے مرادقیامت کادن ہے۔(الفاتحہ:۳) ۲۔دین کامعنٰی شریعت ہے۔(النساء:۱۲۵) ۳۔قانون:(یوسف:۷۶)
۴۔ اطاعت اوربندگی۔(الزمر:۱۱) ۵۔شریعت:(یونس:۱۰۴)
۶۔ حکمرانی:(المومن:۵۶) ۷۔جزاءوسزا(بدلہ):(الذاریات:۶)

اَلَا	لِلّٰهِ	الدِّيْنُ	الْخَالِصُ ط	وَالَّذِيْنَ	اتَّخَذُوْا	مِنْ
خبردار	اللہ کے لیے	دین ہے	خالص	اور جولوگ	انہوں نے بنا لیے	سے
دُوْنِهٖٓ	اَوْلِيَآءَ م	مَا	نَعْبُدُهُمْ	اِلَّا	لِيُقَرِّبُوْنَآ	اِلَى
اس کے سوا	کارساز	نہیں	ہم اُن کی عبادت کرتے	مگر	تاکہ وہ ہمیں قریب کردیں	طرف
اللّٰهِ	زُلْفٰى ط	اِنَّ	اللّٰهَ	يَحْكُمُ	بَيْنَهُمْ	فِيْ
اللہ کی	زیادہ قریب	بے شک	اللہ	وہ فیصلہ فرمائے گا	ان کے درمیان	میں
مَا	هُمْ	فِيْهِ	يَخْتَلِفُوْنَ ۵	اِنَّ	اللّٰهَ	لَا
جو	وہ	اس میں	اختلاف کرتے تھے	بلاشبہ	اللہ	نہیں
يَهْدِيْ	مَنْ	هُوَ	كٰذِبٌ	كَفَّارٌ ③		
وہ ہدایت دیتا	اس کو جو ہو	وہ	جھوٹا	ناشکرا		

''خبردار دین خالص اللہ کا حق ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اس کے سوا دوسرے سرپرست بنا رکھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم اُن کی عبادت نہیں کرتے ہیں مگر یہ کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرادیں۔ یقیناً اللہ اُن کے درمیان اُن تمام باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کررہے ہیں، اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور ناشکرا ہو۔'' (٣)

فہم القرآن

ربطِ کلام: الدّین کی بنیادی دعوت اور اس کا پہلا نقطہ۔

عبادت بھی خالص اور تابعداری بھی خالص:

ارشاد ہوا کہ اللہ کی عبادت بھی خالص کرنی ہے اور تابعداری بھی خالصتاً ''اللہ'' ہی کی ہونی چاہیے عبادت کی تین بڑی اقسام ہیں۔

"اَلتَّحِيَاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّيِّبَاتُ" ''زبانی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔''

① زبانی عبادت کا مفہوم:

زبان سے جو بات بھی نکالی جائے وہ اللہ کے حکم کے مطابق اور اس کی رضا کے لیے ہونی چاہیے۔

((عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ فُلَانٌ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ)) (رواہ ابوداود: باب لَا يُقَالُ خَبُثَتْ نَفْسِي [صحيح])

''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: تم یہ نہ کہو کہ جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے بلکہ کہو جو اللہ چاہے پھر جو فلاں چاہے۔''

② بدنی عبادات:

بدنی عبادات میں نماز، روزہ، حج اور لوگوں کی خدمت کرنا شامل ہے بشرطیکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شامل نہ ہو کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

«عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ»

(مسند بزار: البحر الزخار)

''حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مخلوق کی اطاعت میں اللہ کی نافرمانی کرنا جائز نہیں۔''

③ مالی عبادات:

"تَشَهُّد" میں مالی عبادت کو "الطَّیِّبَاتُ" کہا گیا ہے اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ مال پاک ہو اور حلال طریقہ سے کمایا گیا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ صدقہ کرتے وقت صرف اللہ کی رضا مطلوب ہو اس کے ساتھ خرچ کرنے کا طریقہ اور مقام بھی شریعت کے مطابق ہونا چاہیے۔

«عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَیُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللهَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ إِلَّا طَیِّبًا وَإِنَّ اللهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِیْنَ فَقَالَ ﴿یَاأَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا إِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ﴾ وَقَالَ ﴿یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾»

(رواہ مسلم: کتاب الزکوٰۃ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! اللہ پاک ہے اور پاک چیز ہی قبول کرتا ہے۔ اللہ نے مومنوں کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے رسولو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو جو کچھ تم کرتے ہو میں اسے جانتا ہوں اور فرمایا: اے مومنو! ہم نے جو تمہیں دیا ہے اس میں سے حلال کھاؤ۔''

شرکیہ مقام پر صدقہ کرنے سے بچنا چاہیے:

«حَدَّثَنِیْ ثَابِتُ بْنُ الضَّحَّاكِ رضی اللہ عنہ قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ یَنْحَرَ إِبِلًا بِبُوَانَةَ فَأَتَی النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ إِنِّیْ نَذَرْتُ أَنْ أَنْحَرَ إِبِلًا بِبُوَانَةَ فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم هَلْ كَانَ فِیْهَا وَثَنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِیَّةِ یُعْبَدُ قَالُوْا لَا قَالَ هَلْ كَانَ فِیْهَا عِیْدٌ مِنْ أَعْیَادِهِمْ قَالُوْا لَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِیْ مَعْصِیَةِ اللهِ وَلَا فِیْمَا لَا یَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ»

(رواہ أبو داؤد: باب مایؤمر بہ من وفاء النذر [صحیح])

”مجھے ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک آدمی نے بوانہ نامی جگہ پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر عرض کی میں نے نذر مانی ہے کہ میں بوانہ کے مقام پر اونٹ ذبح کروں گا۔آپ ﷺ نے فرمایا: کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی؟ صحابہ نے عرض کی نہیں۔آپ نے پوچھا: کیا وہاں کوئی ان کا میلہ لگتا تھا؟ صحابہ نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا: اپنی نذر پوری کرو کیونکہ اللہ کی نافرمانی والی نذر پوری نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی وہ نذر پوری کرنا لازم ہے جس کی انسان طاقت نہیں رکھتا۔“

مسافر مکھی نذرانہ کرنے کی وجہ سے جہنم رسید ہوا:

«عَنْ طَارِقِ بْنِ شَهَابٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ دَخَلَ الْجَنَّةَ رَجُلٌ فِيْ ذُبَابٍ، وَدَخَلَ النَّارَ رَجُلٌ فِيْ ذُبَابٍ قَالُوْا وَ كَيْفَ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ مَرَّ رَجُلَانِ عَلٰى قَوْمٍ لَهُمْ صَنَمٌ لَا يَجُوْزُهٗ أَحَدٌ حَتّٰى يُقَرِّبَ لَهٗ شَيْئًا، فَقَالُوْا لِأَحَدِهِمَا قَرِّبْ، قَالَ لَيْسَ عِنْدِيْ شَيْءٌ أُقَرِّبُ، قَالُوْا لَهٗ قَرِّبْ وَلَوْ ذُبَابًا، فَقَرَّبَ ذُبَابًا فَخَلَّوْا سَبِيْلَهٗ، فَدَخَلَ النَّارَ وَقَالُوْا لِلْآخَرِ قَرِّبْ، قَالَ مَا كُنْتُ لِأُقَرِّبَ لِأَحَدٍ شَيْئًا دُوْنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَضَرَبُوْا عُنُقَهٗ، فَدَخَلَ الْجَنَّةَ»

(رواه أحمد: مسند طارق بن شهاب [موقوف على ابن شهاب])

”حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی مکھی کے نذرانے کی وجہ سے جنت میں داخل ہوگیا اور دوسرا مکھی کے نذرانہ کی وجہ سے جہنم میں چلا گیا۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی اللہ کے رسول! وہ کس طرح؟ آپ نے فرمایا: دو آدمی ایک بت پرست قوم کے پاس سے گزرے جو بتوں کے نام نذرانہ دیے بغیر گزرنے نہیں دیتے تھے۔انھوں نے ان دونوں میں سے ایک کو کہا کوئی نذرانہ پیش کرو اس نے کہا میرے پاس نذرانے کے لیے کچھ نہیں انہوں نے کہا کہ ایک مکھی ہی نذرانہ دے دو اس نے ایک مکھی کا نذرانہ دیا اس پر انہوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا اس وجہ سے وہ جہنم میں داخل ہوا۔انہوں نے دوسرے سے بھی نذرانہ دینے کے لیے کہا اس نے جواب دیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے نذرانہ نہیں دوں گا۔انہوں نے اس کی گردن اُڑا دی تو وہ جنت میں داخل ہوا۔“

مشرک ”اللہ“ کے حکم کو نہیں مانتا:

ہر دور کے مشرک کی یہ عادت اور عبادت رہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت اور اس کے حکم کے مطابق کرنے کی بجائے اپنی مرضی سے کرتا اور دوسروں کو اس میں شریک کرتا ہے۔بے شمار کلمہ پڑھنے والے مشرک اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی قیام، رکوع اور سجدے کرتے ہیں اور اپنے اپنے عقیدہ اور طریقہ کے مطابق دوسروں کے سامنے بھی قیام، رکوع اور سجدے کرتے ہیں۔مسجدوں، مدرسوں اور غریبوں پر صدقات کرتے ہیں اور مزارات پر بھی خیرات کرتے

ہیں کافر قبروں، بتوں، چاند، سورج اور بیشمار چیزوں کے سامنے بھی قیام، رکوع اور سجدے کرتے ہیں اور بت خانوں پر خرچ بھی کرتے ہیں۔

مشرکین کے دو گروہ:

مشرکین کے ہمیشہ سے دو گروہ رہے ہیں جو کسی نبی کا کلمہ نہیں پڑھتے ان کا عقیدہ ہے کہ چاند، سورج اور ستارے ''اللہ'' کی قدرت کا مظہر ہیں لہٰذا ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اس لیے ان کی حرمت اور واسطے سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا زیادہ ثواب اور اقرب سمجھتے ہیں۔

جو لوگ کسی نہ کسی نبی کا کلمہ پڑھنے والے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کی عبادت سے خوش ہو کر انہیں اپنی خدائی میں کچھ اختیارات تفویض کر رکھے ہیں جس وجہ سے ہم ان کی روحوں کے وسیلے اور حرمت سے مانگتے ہیں۔ یہی بات بت پرست کہتے ہیں کہ ہم بتوں کی عبادت نہیں کرتے بلکہ ان میں بزرگوں کی روحیں حلول کر گئی ہیں اس لئے بت کے تصور سے ''اللہ'' کی عبادت کرنے میں یکسوئی اور لذت پیدا ہوتی ہے یہی ان لوگوں کا عقیدہ اور طریقہ ہے جو تصورِ شیخ کے قائل اور فاعل ہیں۔ ایسے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ ہماری سنتا نہیں اور ان کی ردّ نہیں کرتا۔ قرآن مجید اس مقام پر اسی عقیدہ کی نفی کر رہا ہے کہ جب ان لوگوں کو بلا واسطہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے کے لیے کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے ہم انہیں صرف وسیلہ بناتے ہیں کیونکہ یہ ؟ میں اللہ کے قریب کر دیتے ہیں پھر زندہ اور مردہ بزرگوں کے بارے میں من گھڑت کرامتیں بناتے اور سناتے ہیں ایسا عقیدہ اور طریقہ اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کیونکہ یہ لوگ اپنے عقیدہ، طریقہ اور پروپیگنڈہ میں جھوٹے اور اللہ تعالیٰ کے ناشکرے ہیں۔ قیامت کے دن ان کے اختلافات کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا۔ مشرک کو ہدایت اس لیے حاصل نہیں ہوتی کیونکہ یہ شرک کو دین سمجھتا ہے اور اس پر اصرار اور تکرار کرتا ہے۔

مشرک کیوں جھوٹے ہیں؟

① اللہ کا فرمان ہے کہ میں نے اپنی خدائی میں کسی کو شریک نہیں کیا۔ ② مشرک کہتے ہیں کہ اللہ نے زندہ اور فوت شدہ بزرگوں کو اختیارات دے رکھے ہیں۔ ③ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ صرف میری ہی عبادت کرو اور مجھ ہی سے مانگو۔ ④ مشرک نہ اللہ کی خالص عبادت کرتا ہے اور نہ ہی اس کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق اس سے مانگتا ہے۔ ⑤ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اپنے سامنے جھکنے اور صرف اپنی ذات سے مانگنے کا حکم دیا ہے۔ ⑥ مشرک ناشکرا ہوتا ہے اس لیے اللہ کا شکر گزار ہونے اور صرف اس سے مانگنے کی بجائے در در کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔ اس اعتبار سے توحید شکر ہے اور شرک ناشکری ہے، توحید سچائی ہے اور شرک کذب بیانی ہے۔

وسیلے کے نقصانات:

خالق ومخلوق کے درمیان وسیلے اور حرمت کے حوالے سے عیسائیوں کو گمراہ کرنے کے لیے پوپ نے یہ تصور دیا کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے واسطہ کی ضرورت ہے اسی نظریے کی بدولت پادری نے جائیدادیں بنائیں لوگوں کی عزتوں پر ڈاکے ڈالے اور انسان پر انسان کی خدائی قائم کی۔ بدقسمتی سے بزرگوں کی محبت وعقیدت کے نام پر مسلمانوں میں بھی یہ عقیدہ عام کر دیا گیا اور اس کا نتیجہ نکلا کہ چند پاک باز لوگوں کو چھوڑ کر پیروں اور گدی نشینوں نے کتنی بیٹیوں کو بے آبرو کیا سینکڑوں مربعے زمین اور کروڑوں کی جائیدادیں بنائیں اجازت تو اس بات کی تھی کہ زندہ بزرگ سے دعا کروائی جاسکتی ہے مگر غالب اکثریت نے اس کو کاروبار بنالیا ہے اور بزرگوں کے فوت ہونے کے بعد ان کی قبریں زیارت گاہ نہیں تجارت کے اڈے بن چکی ہیں جو لوگ سالہا سال اپنے ماں باپ کی قبر پر نہیں جاتے وہ ہزاروں روپے خرچ کر کے مزارات پر ایمان اور مال ضائع کر رہے ہیں۔

حالانکہ رحیم وکریم مالک نے اپنے تک پہنچنے کے لیے گناہ گاروں کی جھجک کو اتنے موثر اور دلنشیں انداز میں دور فرمایا ہے کہ اس کے بعد کسی بہانے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

بندے کو خالق سے دور رکھنے کے گھٹیا بہانے:

{ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖۚ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ﴿۱۶﴾ } (ق:١٦)

”ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے دِل میں جو خیالات اُٹھتے ہیں ہم اُن سے واقف ہیں اور اُس کی رگِ جان سے بھی زیادہ اُس سے قریب ہیں۔“

بندے کو اللہ تعالیٰ سے دور رکھنے کے لئے یہ گھٹیا اور سطحی تصور دیتے ہوئے، اتنی کمزور اور سطحی مثالیں دی جاتی ہیں کہ جس پر آدمی حیرت کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا ایسے علماء کا کہنا ہے کہ ڈی سی او سے ملنے کے لیے چپڑاسی کی ضرورت ہے مکان کی چھت پر چڑھنے کے لیے سیڑھی کی ضرورت ہے اس بات کو اس شدومد کے ساتھ پھیلایا گیا ہے کہ اچھے بھلے پڑھے لکھے حضرات حتیٰ کہ عدالتیں کرنے والے جج، قانون کی باریکیوں اور موشگافیوں سے واقف ماہر وکلاء، اندرون اور بیرونِ ملک یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل سکالر اور دانشور حضرات اس پروپیگنڈے سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ صحیح بات ماننا تو درکنار اسے ٹھنڈے دل ودماغ سے سننے کے لیے بھی تیار نہیں حالانکہ ذرا غور کیا جائے کہ جس مدفون بزرگ کا وسیلہ تلاش کیا جارہا ہے۔

زندگی اور ان کے فوت ہونے کے بعد میں کتنا فرق ہے؟

١۔ بزرگ بیمار ہوئے ہزار دعاؤں اور دواؤں کے باوجود صحت حاصل نہ کرسکے۔

٢۔ فوت ہوئے تو گھر میں میت پڑی ہونے کے باوجود روتی ہوئی بیٹیوں، تڑپتی ہوئی والدہ، بلکتی ہوئی بیوی، سسکتے ہوئے

بیٹے اور آہ و بکا کرنے والے بھائیوں اور مریدوں کو تسلی نہیں دے سکتے۔

۳۔ شرم وحیا کے مالک ہونے کے باوجود نہ استنجا کرنے کی سکت ہے اور نہ غسل کرنے کی ہمت۔

۴۔ اپنی زندگی میں اپنا مزار بنوانے والے بھی چل کر اپنی قبر تک نہ پہنچ سکے۔

۵۔ جو زندگی میں صرف ایک زبان جانتے تھے فوت ہونے کے بعد دوسری زبانوں میں فریاد کرنے والوں کی زبان سے کس طرح واقف ہو گئے؟

۶۔ جو خود اولاد سے محروم تھے مثال کے طور پر حضرت علی ہجویری ایک سے زائد شادی کروانے کے باوجود اولاد سے محروم رہے وہ دوسروں کو کس طرح اولاد عطا کر سکتے ہیں؟

۷۔ جو زندگی میں گہری نیند یا کسی بیماری کی وجہ سے بے ہوشی کے عالم میں دیکھ اور سن نہیں سکتے موت کے بعد کس طرح سننے اور دیکھنے کے قابل ہو گئے؟

۸۔ جو زندگی میں دیوار کی دوسری طرف نہیں دیکھ سکتے تھے قبر کی منوں مٹی اور مضبوط دیواروں کے پیچھے کس طرح دیکھ سکتے ہیں؟

۹۔ جو اپنی حالت سے کسی کو آگاہ نہیں کر سکتے دوسرے کی حالت رب کے حضور کس طرح پیش کر سکتے ہیں؟

توہین آمیز اور مضحکہ خیز مثال

واعظ کا یہ کہنا ہے کہ چھت پر چڑھنے کے لیے سیڑھی کی ضرورت ہے اس حد تک تو اس بات میں کوئی شبہ نہیں مگر غور فرمائیں کہ چھت تو جامد اور ساکت ہے وہ قریب نہیں آسکتی اس لیے اس پر چڑھنے کے لیے سیڑھی کی ضرورت ہے۔ اللہ کی قدرت وسطوت تو ہر جگہ موجود ہے اور وہ اپنے علم اور اختیارات کے ذریعے سب سے زیادہ انسان کے قریب حتیٰ کے دل اور شہ رگ پر اس کا اختیار ہے یہاں تو کسی وسیلے وسفارش اور سیڑھی کی ضرورت نہیں خالق کائنات کے لیے یہ مثالیں اور تشبیہ دینا اس کی توہین کرنے کے مترادف ہے۔

{ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ } (النحل: ۷۴) ’’اللہ کے لیے ایسی مثالیں بیان نہ کیا کرو۔‘‘

تفسیر بالقرآن

سفارش کی حیثیت اور حقیقت:

۱۔ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔ (البقرۃ: ۲۵۵)

۲۔ قیامت کے دن دوستی اور سفارش کام نہیں آئے گی۔ (البقرۃ: ۲۵۴)

۳۔ مجرموں کو کسی کی سفارش کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ (المدثر: ۴۸)

۴۔ ظالموں کا کوئی دوست ہو گا اور نہ سفارشی۔ (المؤمن: ۱۸) ۵۔ کافروں کا کوئی سفارشی نہیں ہو گا۔ (الانعام: ۵۱)

۶۔ بزرگ اور سردار بھی سفارش نہ کریں گے۔ (الرّوم: ۱۳) ۷۔ مرنے والوں کو معلوم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ (النحل: ۲۱)

لَوْ	اَرَادَ	اللّٰهُ	اَنْ	يَّتَّخِذَ	وَلَدًا	لَّاصْطَفٰى
اگر	ارادہ کرتا	اللہ	کہ	وہ بنائے	بیٹا	تو وہ چن لیتا

مِمَّا	يَخْلُقُ	مَا	يَشَآءُ ۙ	سُبْحٰنَهٗ ؕ	هُوَ	اللّٰهُ
اس میں سے جو	وہ پیدا کرتا ہے	جو	وہ چاہتا	وہ تو پاک ہے اس سے	وہ	اللہ

الْوَاحِدُ	الْقَهَّارُ ④	خَلَقَ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضَ	بِالْحَقِّ ۚ
ایک	بڑی قوتوں والا ہے	اس نے پیدا کیا	آسمانوں	اور زمین کو	حق کے ساتھ

”اگر اللہ کسی کو بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا چن لیتا وہ اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو وہ اکیلا ”اللہ“ سب پر غالب ہے۔ (۴) اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے نہ کسی کو اپنی خدائی میں شریک کیا ہے اور نہ ہی کسی ذات کے ساتھ اس کی رشتہ داری ہے۔

اس سے پہلی آیت میں اس بات کو کِذب اور گمراہی قرار دیا گیا ہے کہ کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنی خدائی میں کچھ اختیارات دیئے ہیں۔ اب اس بات کی نفی کی جارہی ہے کہ ذاتِ کبریا کی نہ کسی کے ساتھ رشتہ داری ہے اور نہ ہی اس نے کسی کو بیٹا یا بیٹیاں بنایا ہے اور نہ ہی اس کی ذات کو یہ بات زیبا ہے اُسے کسی کو بیٹا یا بیٹی بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر اسے کسی معاون کی ضرورت ہوتی تو مخلوق میں سے کسی کو اپنی ذات کے لیے مختص کر لیتا یعنی اسے اپنی خدائی میں شریک بنالیتا اسے اپنی ذات اور خدائی میں کسی کے تعاون کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ہر قسم کی مجبوری اور معذوری سے پاک ہے وہ اکیلا ہی ہر چیز پر پوری طرح اختیار رکھنے والا ہے۔ اس کے اقتدار اور اختیار کا کچھ اندازہ کرنا چاہو تو زمین و آسمانوں کی تخلیق پر غور کرو کہ اربوں سال سے زمین پانی پر کھڑی ہے نہ کسی طرف سے جھکی ہے اور نہ ہی اس میں کوئی دراڑ واقع ہوئی ہے اب آسمان کی طرف توجہ کرو! جو ستونوں کے بغیر کھڑا ہے نہ کسی جانب سے جھکا ہے اور نہ ہی اس میں کوئی کمزوری پیدا ہوئی ہے یہاں تک اس کی رنگت میں بھی کوئی فرق نہیں آیا، زمین و آسمانوں میں کوئی چیز اس نے بے مقصد پیدا نہیں کی اور نہ ہی ان کی تخلیق میں کوئی نقص چھوڑا جو کچھ پیدا کیا ٹھیک ٹھیک پیدا کیا اور اس میں نہ کوئی اس کا شریک تھا اور نہ معاون۔ اب رات اور دن کے نظام پر غور کرو! کہ رات کس طرح دن کے حصے کو ڈھانپ لیتی ہے اور دن کس طرح رات کے کچھ حصہ پر چھا جاتا ہے، سورج اور چاند اپنے مقررہ اوقات اور حساب کے مطابق اپنی اپنی ڈیوٹی پر لگے ہوئے ہیں کیا مجال کبھی ان کے درمیان ٹکراؤ پیدا ہو یا ان میں سے کوئی اپنے وقت سے آگے پیچھے ہوا ہو اس پورے نظام کو بنانے اور چلانے والا صرف ایک ”اللہ“ ہے۔

يُكَوِّرُ	الَّيْلَ	عَلَى	النَّهَارِ	وَيُكَوِّرُ	النَّهَارَ	عَلَى
وہ لپیٹتا ہے	رات کو	پر	دن	اور وہ لپیٹتا ہے	دن کو	پر
الَّيْلِ	وَسَخَّرَ	الشَّمْسَ	وَالْقَمَرَ ۖ	كُلٌّ	يَّجْرِيْ	لِاَجَلٍ
رات	اور اس نے کام میں لگا دیا	سورج	اور چاند کو	ہر ایک	وہ چل رہا ہے	وقت کے لیے
مُّسَمًّى ۖ	اَلَا	هُوَ	الْعَزِيْزُ	الْغَفَّارُ ﴿٥﴾		
مقررہ	خبردار	وہ	بڑا غالب	خوب بخشنے والا ہے		

وہی دن پر رات اور رات پر دن کو لپیٹتا ہے، اسی نے سورج اور چاند کو اس طرح مسخر کر رکھا ہے کہ ہر ایک وقتِ مقرر تک چلا جا رہا ہے جان رکھو وہ زبردست ہے اور درگزر کرنے والا ہے۔'' (٥)

اگر چاہے تو وہ کفار، مشرکین اور نافرمانوں کو ایک لمحہ میں نیست و نابود کر دے مگر ہر اعتبار سے غالب ہونے کے باوجود لوگوں کو بار بار معاف کرنے اور ان سے درگزر فرمانے والا ہے۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے نہ کسی کو اپنی اولاد بنایا اور نہ ہی اپنی خدائی میں کسی کو اختیار دیا ہے۔

٢۔ ''اللہ'' ہی نے زمین و آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ ٣۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی حاجت اور معذوری سے پاک ہے۔

٤۔ ''اللہ'' اکیلا ہی ہر قسم کی قوت کا مالک ہے۔ ٥۔ اللہ ہی رات اور دن کو چھوٹا اور بڑا کرنے والا ہے۔

٦۔ ''اللہ'' ہی سورج اور چاند کو مسخر کرنے والا ہے۔

٧۔ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے غالب ہونے کے باوجود لوگوں کو معاف کرنیوالا ہے۔

تفسیر بالقرآن

رات اور دن، سورج اور چاند پر صرف ''اللہ'' کا اختیار ہے:

١۔ سورج اور چاند اپنے مقررہ وقت کے پابند ہیں۔ (الرعد: ٢) ٢۔ رات اور دن اپنے وقت کے پابند ہیں۔ (الزمر: ٥)

٣۔ وہ ذات جس نے ستاروں کو اندھیروں میں تمہاری رہنمائی کے لیے پیدا فرمایا۔ (الانعام: ٩٧)

٤۔ چاند، سورج اور ستارے اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں۔ (الاعراف: ٥٤)

٥۔ اللہ تعالیٰ نے سورج کو ضیاء اور چاند کو روشنی عطا کی ہے۔ (یونس: ٥)

٦۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان میں چاند کو روشنی کا باعث اور سورج کو روشن چراغ بنایا۔ (نوح: ١٦)

خَلَقَكُمْ	مِّنْ	نَّفْسٍ	وَّاحِدَةٍ	ثُمَّ	جَعَلَ	مِنْهَا
اس نے تمہیں پیدا کیا	سے	جان	ایک	پھر	اس نے بنایا	اُس سے
زَوْجَهَا	وَ اَنْزَلَ	لَكُمْ	مِّنَ	الْاَنْعَامِ	ثَمٰنِيَةَ	
اس کا جوڑا	اوراس نے اتارے	تمہارے لیے	سے	چوپائے	آٹھ	
اَزْوَاجٍ ؕ	يَخْلُقُكُمْ	فِيْ	بُطُوْنِ	اُمَّهٰتِكُمْ	خَلْقًا	مِّنْ
جوڑے	وہ پیدا کرتا ہے تم کو	میں	پیٹوں	تمہاری ماؤں کے	ایک پیدائش	سے
بَعْدِ	خَلْقٍ	فِيْ	ظُلُمٰتٍ	ثَلٰثٍ ؕ	ذٰلِكُمُ	اللّٰهُ رَبُّكُمْ
بعد	پیدائش	میں	اندھیروں	تین	یہ ہے	اللہ تمہارا رب
لَهُ	الْمُلْكُ ؕ	لَآ اِلٰهَ	اِلَّا	هُوَ ۚ	فَاَنّٰى	تُصْرَفُوْنَ ۝٦
اسی کے لیے	بادشاہی ہے	نہیں کوئی معبود	مگر	وہی	تو کہاں	تم پھیرے جاتے ہو

”اُسی نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا پھر اُس جان سے اُس کی بیوی کو پیدا کیا، اور اسی نے تمہارے لیے مویشیوں میں سے آٹھ نر و مادہ پیدا کیے، وہ تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تاریک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد دوسری شکل دیتا ہے، یہی اللہ ہے جس کے یہ کام ہیں وہ تمہارا رب ہے بادشاہی اس کی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے پھر تم کدھر سے بہکائے جارہے ہو۔“ (٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: تخلیق کائنات کے ذکر کے بعد انسان اور چوپاؤں کی تخلیق کا بیان۔

اے لوگو! جس ”اللہ“ نے زمین و آسمانوں کو پیدا کیا، لیل ونہار کا نظام ترتیب دیا سورج اور چاند کو تمہاری خدمت پر لگایا۔ اسی نے تمہیں آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا اور آدم علیہ السلام سے اس کی بیوی حوا علیہا السلام کو پیدا کیا اسی نے تمہارے لیے آٹھ قسم کے چوپائے پیدا فرمائے کچھ کو تم بار برداری اور سواری کے لیے استعمال کرتے ہو، کچھ کا دودھ پیتے اور گوشت کھاتے ہو، ان سے اور بھی فوائد حاصل کرتے ہو۔ پھر تمہیں تمہاری ماؤں کے بطنوں میں تین اندھیروں میں پیدا کرتا ہے یہ ہے تمہارا ”اللہ“ جس نے تمہیں پیدا کیا اور وہی تمہاری ہر قسم کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے اسی کی بادشاہی ہے اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اسے چھوڑ کر تم کہاں بھٹکے جار ہے ہو۔

چوپاؤں کے لیے ”اَنْزَلَ“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے مفسرین نے تین معانی سمجھے ہیں۔ ① ”اَنْزَلَ“ بمعنٰی پیدا کرنا ② اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں چوپاؤں کو جنت میں پیدا فرمایا پھر ان کی نسل کو زمین پر اتار دیا۔ ③ انسان اور ہر جاندار چیز کا

رزق زمین سے وابستہ ہے جسے پیدا کرنے کے لیے پانی کی ضرورت ہے اور پانی کا بنیادی تعلق آسمان یعنی بارش کے ساتھ ہے اس لیے مجازاً چوپاؤں کے لیے "اَنْزَلَ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

آٹھ چوپائے:

بھیڑ اور بکری، گائے اور اونٹ، جو جنس کے اعتبار سے جوڑا، جوڑا ہیں اور ان کی تعداد آٹھ بنتی ہے۔

تخلیقِ انسان کے مختلف مراحل اور مقام:

''پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی پھر لوتھڑے کو بوٹی بنایا۔ پھر بوٹی سے ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر اسے ایک دوسری شکل میں بنا کھڑا کیا بڑا ہی بابرکت ہے اللہ سب کاریگروں سے بہترین۔'' (المؤمنون: ١٣-١٤)

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ قَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِيْ بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ مَلَكًا فَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ وَيُقَالُ لَهُ اُكْتُبْ عَمَلَهُ وَرِزْقَهُ وَأَجَلَهُ وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحُ)) (رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ)

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں صادق ومصدوق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ تم میں سے ہر کوئی اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن ٹھہرتا ہے اور جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر چالیس دن بعد گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتے ہیں اس کا عمل، رزق، موت، نیک یا بد ہونا لکھنے کا حکم ہوتا ہے پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔''

تین اندھیرے:

① ماں کے پیٹ کا اندھیرا ② پیٹ میں رحم کا اندھیرا ③ رحم میں اس جھلی کا اندھیرا جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ نے حوا علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا۔
٣۔ ہر انسان کی تخلیق تین اندھیروں میں ہوتی ہے۔ ٤۔ اللہ تعالیٰ نے آٹھ چوپائے پیدا فرمائے۔
٥۔ اللہ ہی سب کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی سب کا مالک ہے۔
٦۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کوئی ضرورتیں پوری کرنے والا ہے۔
٧۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کرنے اور اس کو حاجت روا ماننے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

اِنْ	تَکْفُرُوْا	فَاِنَّ	اللّٰهَ	غَنِیٌّ	عَنْکُمْ قف	
اگر	تم کفر کرو	تو بلاشبہ	اللہ	بے پرواہ ہے	تم سے	
وَلَا	یَرْضٰی	لِعِبَادِهِ	الْکُفْرَ ج	وَاِنْ	تَشْکُرُوْا	
اور نہیں	وہ پسند کرتا	اپنے بندوں کے لیے	کفر	اور اگر	تم شکر کرو	
یَرْضَهُ	لَکُمْ ط	وَلَا	تَزِرُ	وَازِرَةٌ	وِّزْرَ	
تو وہ اسے پسند کرتا ہے	تمہارے لیے	اور نہیں	بوجھ اُٹھائے گی	کوئی بوجھ اُٹھانے والی	بوجھ	
اُخْرٰی ط	ثُمَّ	اِلٰی	رَبِّکُمْ	مَّرْجِعُکُمْ	فَیُنَبِّئُکُمْ	بِمَا
دوسرے کا	پھر	طرف	اپنے پروردگار کی	تمہارا لوٹنا ہے	تو وہ تمہیں خبر دے گا	اس کے ساتھ جو
کُنْتُمْ	تَعْمَلُوْنَ ط	اِنَّهٗ	عَلِیْمٌۢ	بِذَاتِ	الصُّدُوْرِ ۝٧	
تھے تم	عمل کرتے	بلاشبہ وہ	جانتا ہے	راز	سینوں کے	

’’اگر تم کفر کرو تو اللہ تم سے بے پرواہ ہے، وہ اپنے بندوں کے کفر کو پسند نہیں کرتا، اور اگر تم شکر کرو تو وہ اسے تمہارے لیے پسند کرتا ہے۔ کوئی بوجھ اُٹھانے والی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گی بالآخر تم سب کو اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو، وہ دلوں کا حال جاننے والا ہے۔‘‘ (٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یا اس کے ساتھ کسی کی عبادت کرنا پرلے درجے کی گمراہی اور ناشکری ہے اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہر حوالے سے یہ حقیقت بتلائی اور سمجھائی ہے کہ اے انسان! میرے سوا نہ تجھے کسی نے پیدا کیا ہے اور نہ میرے سوا کوئی تیری ضرورتیں پوری کرنیوالا ہے لہٰذا تجھے صرف میری ہی عبادت کرنا ہے اور مجھ سے اپنی حاجات مانگنا چاہیے لیکن ہر دور میں بے شمار ایسے لوگ رہے ہیں اور ہوں گے جو اپنے خالق اور مالک کی اتنی بات بھی ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا اور اس کی ناشکری کرنا ہے، جسے اللہ تعالیٰ ہرگز پسند نہیں کرتا وہ انسان کی ناشکری کی بجائے اس کی شکرگزاری اور تابعداری پر خوش ہوتا ہے۔ اس کے باوجود جو شخص ناشکری پر تلا رہے اور غیروں کی تابعداری کرتا رہے۔ تو اللہ تعالیٰ کو اس کی رائی کے دانے کے برابر بھی پرواہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کی خدائی اور بادشاہی کو بال برابر فرق پڑتا ہے۔

سورۃ کی ابتداء میں اس بات کی مذمت کی گئی کہ کسی فوت شدہ شخصیت یا بت وغیرہ کو اللہ کے قرب کا ذریعہ بنانا گمراہی ہے۔ جس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ مشرک سمجھتا ہے کہ فلاں شخصیت قیامت کے دن میری نجات کی ذمہ داری اٹھالے گی کیونکہ قبروں کے مجاور، بتوں کے پجاری اور شرک کا پرچار کرنے والے علماء، پیر اور فقیر لوگوں کو یہی کہہ کر گمراہ کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ اور مرشد خدا کی خدائی میں اختیارات رکھتے ہیں اور قیامت کے دن بھی تمہاری نجات کے ذمہ دار ہوں گے۔ اس بات کی یہاں نفی کی جارہی ہے کہ قیامت کے دن کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا جو لوگ سمجھنے کے باوجود اپنے باطل عقیدہ پر قائم رہتے اور اس کے لیے جھگڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے باطل عقیدہ اور عمل کے بارے میں بتلائے گا یعنی انہیں پوری پوری سزا دے گا کیونکہ بالآخر سب نے اسی کے حضور حاضر ہونا ہے اور کوئی اس سے بات چھپا نہیں سکتا کیونکہ وہ دلوں کے راز جاننے والا ہے وہاں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ مجرم کو جب یہ الفاظ کہے جائیں کہ وقت آنے پر تجھے سب کچھ بتلا دیا جائے گا تو یہ الفاظ ہر زبان میں زبردست انتباہ کی حیثیت رکھتے ہیں تاکہ وہ اپنے کردار پر نظر ثانی کرے۔

«عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷜ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حِیْنَ أَنْزَلَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ {وَأَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْأَقْرَبِیْنَ} قَالَ یَامَعْشَرَ قُرَیْشٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا اشْتَرُوْا أَنْفُسَكُمْ لَاأُغْنِیْ عَنْكُمْ مِنَ اللهِ شَیْئًا یَابَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ لَاأُغْنِیْ عَنْكُمْ مِنَ اللهِ شَیْئًا یَاعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَاأُغْنِیْ عَنْكَ مِنَ اللهِ شَیْئًا وَیَاصَفِیَّةُ عَمَّةُ رَسُوْلِ اللهِ لَاأُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللهِ شَیْئًا وَیَافَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَلِیْنِیْ مَاشِئْتِ مِنْ مَالِیْ لَاأُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللهِ شَیْئًا»

(رواہ البخاری: کتاب الوصایا، باب ھل یدخل النساء والولد فی الأقارب)

”حضرت ابوہریرہ ﷜ بیان کرتے ہیں جب یہ آیت {اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے} نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے قریش کے لوگو! اپنے لیے کچھ کرلو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کوئی فائدہ نہیں دے سکوں گا، اے بنی عبدِ مناف میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ اے عباس بن عبدالمطلب! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ فائدہ نہیں دے سکوں گا، اے صفیہ! رسول کی پھوپھی! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ اے فاطمہ بنتِ محمد! میرے مال سے جو چاہتی ہے مانگ لے میں تجھے اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکوں گا۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ ناشکری نہیں شکر گزاری پر خوش ہوتا ہے۔ ٢۔ قیامت کے دن کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

٣۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو سب کچھ بتلائے گا اور ناشکروں کو سزا دے گا۔

٤۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے راز جاننے والا ہے کیونکہ سب نے اس کے حضور پیش ہونا ہے۔

وَ | اِذَا | مَسَّ | الْاِنْسَانَ | ضُرٌّ | دَعَا | رَبَّهٗ

اور | جب | پہنچتی ہے | انسان کو | کوئی تکلیف | وہ پکارتا ہے | اپنے رب کو

مُنِيْبًا | اِلَيْهِ | ثُمَّ | اِذَا | خَوَّلَهٗ | نِعْمَةً | مِّنْهُ

توجہ کرتے ہوئے | اس کی طرف | پھر | جب | وہ اسے عطا کرتا | کوئی نعمت | اپنی طرف سے

نَسِيَ | مَا | كَانَ | يَدْعُوْٓا | اِلَيْهِ | مِنْ قَبْلُ

وہ بھول جاتا ہے | جو | تھا وہ | پکارتا | اس کی طرف | اس سے پہلے

وَجَعَلَ | لِلّٰهِ | اَنْدَادًا | لِّيُضِلَّ | عَنْ | سَبِيْلِهٖ ؕ | قُلْ

اور وہ ٹھہراتا | اللہ کے لیے | شریک | تاکہ وہ گمراہ کرے | سے | اس کے راستے | فرمادیجیے

تَمَتَّعْ | بِكُفْرِكَ | قَلِيْلًا ۖۗ | اِنَّكَ | مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝۸

تو فائدہ اُٹھا | اپنے کفر کے ساتھ | تھوڑا | بلاشبہ تو | دوزخ کے ساتھیوں میں سے ہے

''انسان پر جب کوئی آفت آتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا اور پکارتا ہے پھر جب اس کا رب اسے اپنی نعمت سے نوازتا ہے تو وہ اس مصیبت کو بھول جاتا ہے جس پر وہ اپنے رب کو پکار رہا تھا اور دوسروں کو اللہ کے برابر ٹھہراتا ہے تاکہ اُس کی راہ سے گمراہ کرے۔ اے نبی اس سے کہو کہ تھوڑے دن اپنے کفر سے لطف اُٹھالے، یقیناً تو دوزخ میں جانے والا ہے۔ (۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سورۃ کی تیسری آیت میں فرمایا کہ مشرک اپنے عقیدہ اور بات میں جھوٹا ہے اب اس کے جھوٹ کا عملی ثبوت پیش کیا جارہا ہے۔

یہاں انسان سے مراد مشرک انسان ہے مشرک کو تکلیف پہنچتی تو وہ اٹھتا، بیٹھتا، چلتا، پھرتا، رات اور دن اپنے رب کو پکارتا اور اس کے حضور فریادیں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب بیماری کے بعد صحت، تنگی کے بعد فراخی اور غم کے بعد اسے خوشی نصیب کرتا ہے تو مشرک کو نہ اپنی فریادیں یاد رہتی ہیں اور نہ ہی رب یاد رہتا ہے۔ رب کو یاد رکھنا تو دور کی بات وہ مسلمان کہلوانے کے باوجود اس بات کا دعویٰ اور پرچار کرتا ہے کہ میری حاجت روائی اور مشکل کشائی فلاں بزرگ اور فلاں مزار کی طفیل اور صدقے سے ہوئی ہے اگر وہ کلمہ گو نہیں تو بتوں یا کسی اور چیز کا نام لیتا ہے۔ اس طرح دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے خود گمراہ ہونے کے ساتھ جھوٹی کرامات اور من گھڑت کہانیوں سے دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ اس شخص کو کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مہلت اور اپنے کفر سے تھوڑا سا فائدہ اٹھالے بالآخر تو نے جہنم میں جانا ہے۔

اَمَّنْ	هُوَ	قَانِتٌ	اٰنَآءَ	الَّيْلِ	سَاجِدًا	وَّقَآئِمًا
کیا جو شخص	وہ	عبادت کرنے والا	گھڑیوں میں	رات کی	سجدہ کرتے	اور کھڑے ہوئے
يَّحْذَرُ	الْاٰخِرَةَ	وَيَرْجُوْا	رَحْمَةَ	رَبِّهٖ ؕ	قُلْ	هَلْ
وہ ڈرتا ہے	آخرت سے	اور وہ امید کرتا ہے	رحمت کی	اپنے رب کی	فرما دیجیے	کیا
يَسْتَوِي	الَّذِيْنَ	يَعْلَمُوْنَ	وَالَّذِيْنَ	لَا	يَعْلَمُوْنَ ؕ	اِنَّمَا
برابر ہو سکتے ہیں	وہ لوگ	جو علم رکھتے ہیں	اور جو لوگ	نہیں	علم رکھتے	صرف
يَتَذَكَّرُ	اُولُوا	الْاَلْبَابِ ۝٩ ع				
نصیحت پکڑتے ہیں	والے	عقل				

ع ١ ٩ ١٥

''کیا اس شخص کی روش بہتر ہے یا اس شخص کی جو مطیع فرمان ہے اور رات کو اپنے رب کے حضور کھڑا رہتا اور سجدے کرتا ہے آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت پر امید لگائے ہوئے ہے ان سے پوچھو کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہو سکتے ہیں، نصیحت تو عقل رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں۔'' (٩)

قرآن مجید کے کئی مقامات پر شرک کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لیے پارہ ٣٠ سورۃ الکافرون میں مکہ کے مشرکوں کو کافر کے لفظ سے مخاطب کیا ہے کیونکہ کفر اور شرک نتیجہ کے اعتبار سے ایک ہیں۔

اس سے پہلی آیت میں شرک کو ناشکری کہا گیا اور اب شرک کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ مشرک کے مقابلے میں مومن کا کردار یہ ہے کہ وہ مشکلات اور پریشانیوں میں بھی اپنے رب کو پکارتا اور رات کی تاریکیوں میں اٹھ کر اس کے حضور قیام، سجود اور اس کی بارگاہ میں رو رو کر فریاد پر فریاد کرتا ہے کہ اے میرے پالنہار مجھے آخرت کی سختیوں سے مامون فرما۔ اے نبی ﷺ ان سے پوچھیں کہ کیا علم والے اور علم نہ رکھنے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ ظاہر بات ہے یہ برابر نہیں ہو سکتے نصیحت تو عقل والے ہی قبول کرتے ہیں گویا کہ علم کے ساتھ عقل کی ضرورت ہے اور صحیح عقل والا وہ ہے جو کفر و شرک اور اپنے رب کی نافرمانی سے بچے اور آخرت کا فکر کرے یہاں مشرک کو بے علم بھی قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ حقیقی علم اور عقل رکھنے والا شخص اپنے رب کے ساتھ نہ کفر کرتا ہے اور نہ ہی کسی کو اس کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے۔

((عَنْ أَبِي يَعْلَى شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا ثُمَّ تَمَنَّى عَلَى اللّٰهِ))

(رواہ ابن ماجۃ: باب ذکر الموت والاستعداد لہ [ضعیف])

''حضرت ابو یعلیٰ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: عقلمند وہ ہے جو اپنے آپ کو پہچانتا

ہے اور مرنے کے بعد فائدہ دینے والے اعمال کرتا ہے، نادان وہ ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے نفس کے پیچھے لگالیا اور اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے۔“

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ مَّاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ وَقُلْتُ أَنَا مَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ» (رواہ البخاری: کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الجنائز)

”حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا: جو کوئی اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا وہ جہنم میں جائے گا اور میں کہتا ہوں جس شخص نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا اور اسی حال میں فوت ہوا وہ جنت میں جائے گا۔“

مسائل

۱۔ مشرک صرف مصیبت کے وقت خالصتاً اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے۔

۲۔ مشرک مصیبت ٹل جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے۔

۳۔ شرک اور کفر ایک دوسرے کے مترادف ہیں۔ ۴۔ مشرک آگ میں داخل کیے جائیں گے۔

۵۔ علم والے اور علم نہ رکھنے والے برابر نہیں ہوسکتے گویا کہ مشرک جاہل ہے اور توحید والا صاحبِ علم ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

توحید اور شرک میں فرق:

۱۔ توحید سب سے بڑی سچائی ہے۔(المائدۃ:۱۱۹، النساء:۸۷، ۱۲۲)

۲۔ شرک سب سے بڑا جھوٹ ہے۔(ھود:۱۸)

۳۔ توحید عدل ہے۔(آل عمران:۱۸) ۴۔ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔(لقمان:۱۳)

۵۔ توحید دانائی ہے۔(بنی اسرائیل:۳۹) ۶۔ شرک بیوقوفی ہے۔(الجن:۴)

۷۔ توحید سب سے بڑی نیکی ہے۔(البقرۃ:۱۷۷) ۸۔ شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔(النساء:۴۸)

۹۔ توحید فرمانبرداری کا نام ہے۔(النحل:۴۸، الرعد:۱۵) ۱۰۔ شرک بغاوت ہے۔(یونس:۲۳)

۱۱۔ شرک حقیقت کو چھپانا ہے۔(البقرۃ:۴۲)

۱۲۔ توحید سب سے بڑی گواہی ہے۔(آل عمران:۱۸، الانعام:۱۹، الروم:۳۰)

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ

فرما دیجیے اے میرے بندو وہ لوگ جو ایمان لائے ہو تم ڈرو اپنے رب سے ان لوگوں کے لیے

اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ

جنہوں نے اچھے عمل کیے اس دنیا میں بھلائی اور زمین اللہ کی کشادہ ہے

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۱۰

صرف پورا دیا جائے گا صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے

”اے نبی فرمادیں کہ اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو اپنے رب سے ڈرو جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک عمل کیے ان کے لیے بھلائی ہے اور اللہ کی زمین وسیع ہے صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔“(۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عقل مند وہ ہے جو کفر و شرک اور اپنے رب کی نافرمانی سے بچتا ہے اور دنیا کے مقابلے میں ایمان کو ترجیح دے ایمان کی خاطر وطن چھوڑنا پڑے تو ہجرت کر جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کی عظمت اور اہمیت اجاگر فرمانے کے لیے نبی محترم ﷺ کو پے در پے سات مرتبہ لفظ ”قُلْ“ سے حکم دیا ہے اور اس موقعہ پر آخر میں فرمایا: اے نبی ﷺ یہ بات بھی فرمادیں کہ علم والے اور بے علم یعنی موحد اور مشرک برابر نہیں ہوسکتے اس لیے موحدین سے فرمادیں کہ کفار اور مشرکین سے ڈرنے کی بجائے صرف اپنے رب سے ڈرتے رہو اور ہمیشہ یاد رکھو کہ جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی کی ان کے لیے دنیا اور آخرت میں اچھائی اور بہتری ہے اگر کہیں دین پر عمل کرنا مشکل ہو جائے تو وہاں سے ہجرت کر جاؤ کیونکہ اللہ کی زمین بہت وسیع ہے بے شک ہجرت کرنا آسان کام نہیں لیکن جو لوگ صبر کے ساتھ مشکلات کا سامنا کریں گے ان کے لیے قیامت کے دن بے حساب اجر ہوگا۔

”حَسَنَةٌ“ کا لفظ بھلائی، نیکی اور فائدہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

ہجرت کا لغوی معنٰی:

ہجرت کا لغوی معنٰی ہے کسی چیز کو ترک کرنا، چھوڑ دینا عرفِ عام میں دین کی خاطر کسی مقام کو چھوڑنے کا نام ہجرت ہے شریعت کے وسیع تر مفہوم میں ہر اس چیز کو چھوڑ دینا ہجرت ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ)) (رواہ البخاری: باب المسلم من سلم المسلمون)

”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کردہ چیزوں کو چھوڑ دے۔“

کن حالات میں ہجرت کا حکم ہے؟

جیسا کہ ابھی ذکر ہوا کہ مقصدِ حیات یعنی ایمان کے لیے ہر چیز قربان کر دینا ہی اکمل ایمان کی نشانی ہے۔ان جذبات کا مندرجہ ذیل آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

{ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ۝ } (العنکبوت:۵۶)

''اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو! میری زمین بہت وسیع ہے بس تم میری بندگی کیے جاؤ۔''

اس آیت مبارکہ میں واضح اشارہ موجود ہے اگر مکے میں اللہ کی بندگی کرنا مشکل ہو رہی ہے تو ملک چھوڑ کر نکل جاؤ۔ملک خدا تنگ نیست اللہ کی زمین تنگ نہیں ہے جہاں بھی تم اللہ کے بندے بن کر رہ سکتے ہو وہاں چلے جاؤ۔

ہجرت ایمان کی کسوٹی ہے:

اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کرنا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں یہ ایسی پل صراط ہے جس کی دھار تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے ایمان سے خالی دل ہجرت کی تکالیف اور مشکلات برداشت نہیں کر سکتا یہ ایسا ترازو ہے جس میں ہر آدمی نہیں بیٹھ سکتا اس پیمانے سے کھرے کھوٹے کا اندازہ ہو جاتا ہے، اس لیے قرآنِ مجید نے اسے ایمان کا معیار قرار دیا ہے۔(العنکبوت:۲۶)

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: تمام اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے آدمی اپنی نیت کے مطابق ہی صلہ پائے گا جس نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہجرت کی اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے جس نے دنیا کے فائدے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہجرت کی اس کی ہجرت اسی کے لیے ہوگی۔'' (رواہ البخاری:باب بدء الوحی)

مسائل

۱۔ مومن کو ہر حال میں اپنے رب سے ڈرنا چاہیے۔ ۲۔آخرت میں نیکی کا بدلہ بہترین اور بے حساب اجر ہے۔
۳۔ جہاں دین پر عمل کرنا مشکل ہو وہاں سے ہجرت کرنے کا حکم ہے۔ ۴۔صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

ہجرت کا حکم اور اجر:

۱۔ ہجرت کا اجر و ثواب اور فضیلت۔(آل عمران:۱۹۵)
۲۔ ہجرت کے دوران فوت ہونے والے کو پورا ثواب ملے گا۔(النساء:۱۰۰)
۳۔ ہجرت کا دنیا میں اجر۔(النحل:۴۱،۴۲) ۴۔ہجرت نہ کرنے والوں کی سزا۔(النساء:۹۷،۹۹)

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا

فرمادیجیے بے شک میں حکم دیا گیا ہوں یہ کہ میں عبادت کروں اللہ کی خالص کرتے ہوئے

لَّهُ الدِّیْنَ ﴿۱۱﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲﴾

اس کے لیے دین کو اور میں حکم دیا گیا ہوں یہ کہ میں ہوں پہلا مسلمان

قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ

فرمادیجیے بے شک میں ڈرتا ہوں اگر میں نے نافرمانی کی اپنے رب کی عذاب سے

یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ

دن کے بڑے فرمادیجیے اللہ کی میں عبادت کرتا ہوں خالص کرتے ہوئے اس کے لیے

دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ قُلْ

اپنا دین تو تم عبادت کرو جس کی تم چاہو سے اس کے سوا فرمادیجیے

''اے نبی ان سے فرمادیں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اُسی کی بندگی کروں۔(۱۱) اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے میں خود مسلمان بنوں۔(۱۲) انہیں فرمائیں کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے عظیم دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے۔(۱۳) فرمادیں کہ میں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اسی کی بندگی کروں گا۔(۱۴) تم اس کے سوا جس جس کی بندگی کرنا چاہتے ہو کرتے رہو، فرمادیں کہ

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلے ایمانداروں کو حکم ہوا کہ اگر کسی جگہ ایمان بچانا مشکل ہو جائے تو وہاں سے ہجرت کر جانا چاہیے اللہ تعالیٰ کی زمین بڑی کشادہ ہے وہ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرمائے گا۔ اس آیت میں نبی ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے حکم دیا گیا ہے کہ حالات جیسے بھی ہوں ہر حال میں دین پر عمل کرنا ہوگا۔ الدّین سے پہلی مراد اللہ تعالیٰ کی توحید ہے جس کے لیے ہر چیز قربان کر دینی چاہیے۔

اے رسول ﷺ آپ لوگوں پر واضح فرمائیں کہ میرے اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کی عبادت بلا شرکتِ غیرے اس طرح کروں جس طرح اس نے مجھے عبادت کرنے کا حکم دیا ہے، حالات جیسے بھی ہوں مجھے حکم ہے کہ میں سب سے پہلے اپنے رب کا فرمانبردار بنوں اور اس کی توحید کا پرچار کرتا رہوں اس کے ساتھ یہ بھی مجھے حکم ہوا ہے کہ برملا اعلان کروں کہ میں اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے قیامت کے دن سے ڈرتا ہوں یعنی اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں بھی اس کے عذاب سے نہیں بچ سکتا اس لیے مجھے بار بار تاکید کی گئی ہے کہ میں کھلے الفاظ میں کہوں

اِنَّ	الْخٰسِرِیْنَ	الَّذِیْنَ	خَسِرُوْٓا	اَنْفُسَهُمْ	وَاَهْلِیْهِمْ
بلاشبہ	نقصان اٹھانے والے ہیں	وہ لوگ	جنہوں نے نقصان میں ڈالا	اپنی جانوں کو	اور اپنے گھر والوں کو

یَوْمَ	الْقِیٰمَةِ	اَلَا	ذٰلِكَ	هُوَ	الْخُسْرَانُ	الْمُبِیْنُ ⑮
دن	قیامت کے	خبردار!	یہ	وہی	خسران ہے	ظاہر

لَهُمْ	مِّنْ	فَوْقِهِمْ	ظُلَلٌ	مِّنَ	النَّارِ
ان کے لیے	سے	ان کے اوپر	سائبان ہیں	سے	آگ

وَمِنْ	تَحْتِهِمْ	ظُلَلٌ	ذٰلِكَ	یُخَوِّفُ	اللّٰهُ
اور سے	ان کے نیچے	سائبان ہیں	یہی	ڈراتا ہے	اللہ

بِهٖ	عِبَادَهٗ	یٰعِبَادِ	فَاتَّقُوْنِ ⑯
اس کے ساتھ	اپنے بندوں کو	اے میرے بندو	پس تم مجھی سے ڈرو

یقیناً نقصان پانے والے وہ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو نقصان میں ڈال دیا، اچھی طرح خبردار رہو یہی کھلا نقصان ہے۔(۱۵) اُن کے اُوپر اور نیچے سے آگ چھائی ہوگی یہ وہ انجام ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے پس اے میرے بندو میرے عذاب سے ڈرو۔"(۱۶)

کہ میں صرف ایک ''اللہ'' کی عبادت کرتا ہوں ٹھیک اس طریقہ پر جس کا مجھے حکم دیا گیا ہے اس میں بال برابر بھی میری مرضی کا عمل دخل نہیں ہے یہی بات میں نے تمہیں بار بار بتلائی اور سمجھائی ہے اگر تم سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہو تو تمہاری مرضی البتہ کان کھول کر سن لو کہ جو لوگ اور ان کے اہل وعیال کفر وشرک اختیار کریں گے قیامت کے دن بڑا اور نا قابلِ تلافی نقصان پائیں گے انہیں اوپر نیچے سے آگ نے گھیر رکھا ہوگا۔ ان پر جہنم کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور انہیں آگ کے ستونوں سے باندھ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس عذاب سے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے کہ میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہو اور میری عبادت اس طرح کرو جس طرح میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔ خالص عبادت کا تقاضا ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کی جائے اور نہ اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک بنایا جائے۔ جس نے اپنی نیت میں بھی کسی کو اس کا شریک کر لیا وہ شرک کا مرتکب ہوگا۔ جو لوگ طاغوت کی عبادت سے بچیں اور دل وجان سے اللہ کی طرف متوجہ رہیں یعنی ان کا عقیدہ شرک سے پاک ہو اور اس کا عمل شریعت کے مطابق ہو ان کے لیے ان کے رب کی طرف سے خوشخبری کا پیغام ہے کہ اے میرے بندو! خوش ہو جاؤ کہ تمہیں جہنم کے عذاب سے بچا کر ہمیشہ کی جنت میں داخلہ دیا جائے گا کیونکہ اس کا ارشاد ہے کہ

جسے جہنم سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخلہ دے دیا گیا ہے وہ کامیاب ہو گیا۔ (آل عمران: ۱۸۵)

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ جہنمیوں میں سے کم ترین عذاب پانے والے سے کہے گا کہ اگر دنیا اور جو کچھ اس میں ہے وہ تیرے پاس ہو گیا تو اسے فدیہ کے طور پر دینے کے لیے تیار ہے وہ کہے گا جی ہاں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تجھ سے اس سے ہلکی بات کا مطالبہ کیا تھا جب تو آدم کی پشت میں تھا وہ یہ کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا۔ راوی کا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تجھے جہنم میں داخل نہ کرتا لیکن تو شرک سے باز نہ آیا۔“ (رواہ مسلم: باب طَلَبِ الْکَافِرِ الْفِدَاءَ بِمِلْءِ الأَرْضِ ذَہَبًا)

والدین کی ذمہ داری:

{ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىِٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝ } (التحریم:۶)

”اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو جہنم کی آگ سے بچا لو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔ جس پر سخت فرشتے مقرر ہیں جنہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہ اُس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ اسے فوراً بجا لاتے ہیں۔“

مسائل

۱۔ انسان کو ہر وقت اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

۲۔ عبادت صرف ایک اللہ ہی کی کرنی چاہیے۔ ۳۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا۔

۴۔ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے والے دنیا اور آخرت میں خسارہ پائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

”اللہ“ کی خالص عبادت کرنے کا حکم:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپ فرما دیں کہ میں تو صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔ (یونس: ۱۰۴)

۲۔ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ (الرعد: ۳۶)

۳۔ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔ (ہود: ۲) ۴۔ اے لوگو اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ (البقرۃ: ۲۱)

۵۔ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ (یوسف: ۴۰)

۶۔ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ (النساء: ۳۶)

۷۔ حضرت نوح، ہود، صالح، اور شعیب علیہم السلام نے اپنی قوم کو ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا۔ (ہود: ۵۰۔ ۶۱۔ ۸۴)

۸۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے پہلے جتنے نبی معبوث کیے گئے انہیں یہی حکم تھا کہ صرف میری عبادت کریں۔ (الانبیاء: ۲۵)

وَالَّذِیۡنَ	اجۡتَنَبُوا	الطَّاغُوۡتَ	اَنۡ	یَّعۡبُدُوۡهَا	وَاَنَابُوۡۤا
اور وہ لوگ	جو بچے رہے	طاغوت سے	کہ	وہ عبادت کریں اس کی	اور انہوں نے رجوع کیا
اِلَی	اللّٰهِ	لَهُمُ	الۡبُشۡرٰی ۚ	فَبَشِّرۡ	عِبَادِ ۙ﴿۱۷﴾
طرف	اللہ کی	ان کے لیے	خوشخبری ہے	آپ خوشخبری دیں	میرے بندوں کو

”جن لوگوں نے طاغوت کی بندگی سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کر لیا اُن کے لیے خوشخبری ہے میرے بندوں کو خوش خبری سنائیں۔“ (۱۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے ساتھ طاغوت کا انکار کرنا بھی لازم ہے۔

قرآن مجید کا صرف اتنا حکم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اس کا یہ بھی حکم ہے کہ طاغوت کی اطاعت کا قلباً قولاً اور عملاً انکار کیا جائے اسی لیے کلمہ طیبہ میں پہلے معبودان باطل کی نفی ہے اور پھر اللہ کی ذات کا اثبات کیا گیا ہے۔ کیونکہ طاغوت انسان کو توحید کی روشنی سے نکال کر کفر و شرک کے اندھیروں میں لے جاتا ہے جو چیز بھی انسان کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے دور کرے وہ طاغوت ہے، بے شک انسان کا اپنا نفس کیوں نہ ہو جو لوگ طاغوت سے اجتناب کرتے ہیں اور ہر حال میں اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کے لیے ان کے رب کا ارشاد ہے کہ یہ میرے بندے ہیں اس لیے انہیں خوشخبری کا پیغام دیا جائے کہ ان کے لئے ان کے رب کی رضا اور جنت ہے۔

طاغوت سے مراد سرکش، گمراہ کرنے والا، شیطان اور ہر باطل معبود ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ کے بندے طاغوت سے کلیتاً اجتناب کرتے ہیں۔

۲۔ اللہ کے بندے کامل یکسوئی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔

۳۔ طاغوت کا انکار کرنے اور اپنے رب کی یکسوئی کے ساتھ عبادت کرنے والوں کے لیے خوشخبری کا پیغام ہے۔

تفسیر بالقرآن

طاغوت سے بچنے کا حکم:

۱۔ طاغوت کے انکار کا حکم۔ (النساء:۶۰) ۲۔ طاغوت کی عبادت سے بچنے والے کے لیے خوشخبری ہے۔ (الزمر:۱۷)

۳۔ کفار طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔ (النساء:۷۶) ۴۔ اہل کتاب میں سے بھی طاغوت کی عبادت کرنے والے ہیں۔ (المائدۃ:۶۰)

۵۔ طاغوت کا انکار کرنے والا مضبوط کڑے کو تھامتا ہے۔ (البقرۃ:۲۵۶) ۶۔ کفار طاغوت کے ساتھی ہیں۔ (البقرۃ:۲۵۷)

الَّذِیْنَ	یَسْتَمِعُوْنَ	الْقَوْلَ	فَیَتَّبِعُوْنَ	اَحْسَنَهٗ	اُولٰٓئِكَ
جولوگ	سنتے ہیں	بات	پھر وہ پیروی کرتے	اس کی اچھی کی	یہی
الَّذِیْنَ	هَدٰىهُمُ	اللّٰهُ	وَاُولٰٓئِكَ	هُمْ	اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑱
لوگ	ہدایت دی ان کو	اللہ نے	اور یہی لوگ	وہ	عقل والے ہیں
اَفَمَنْ	حَقَّ	عَلَیْهِ	كَلِمَةُ	الْعَذَابِ	اَفَاَنْتَ
کیا پھر جو شخص	ثابت ہوگئی	اس پر	بات	عذاب کی	کیا پھر آپ
تُنْقِذُ	مَنْ	فِی	النَّارِ ⑲		
بچالیں گے	اس کو جو ہے	میں	آگ		

''جو میرے بندے بات کو غور سے سنتے ہیں اور بہترین بات کی پیروی کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے اور یہی عقل مند ہیں۔ (۱۸) اُس شخص کو کون بچا سکتا ہے جس کے لیے عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے، کیا آپ اسے بچا سکتے ہیں جو آگ میں گرنے والا ہے؟'' (۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: طاغوت سے اجتناب کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اچھی بات کو توجہ سے سُنیں اور اس پر عمل کریں یہی عقل مندی کا تقاضا ہے۔

اخلاص اور یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور طاغوت سے اجتناب برتنے والوں کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ اچھی سے اچھی بات کو قبول کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کی راہنمائی کرتا ہے اور یہی عقل والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت اور عقل مندی کا نتیجہ ہے کہ مختلف قسم کی باتیں سننے کے باوجود ''اللہ'' کے بندے ہمیشہ اچھی بات قبول کرتے ہیں اچھی بات کی قرآن مجید نے ان الفاظ میں وضاحت فرمائی ہے۔

{ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۳۳﴾ } (حٰمٓ السجدہ:۳۳)

''اس سے زیادہ اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور اچھے کام کرے اور کہے میں اللہ کا تابعدار ہوں۔''

خطبہ جمعہ کے الفاظ:

جو اچھی بات قبول نہیں کرتے انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوتی جو ہدایت سے محروم ہوں گے ان پر اللہ تعالیٰ کا فرمان سچ ثابت ہوگا کہ یہ لوگ جہنم میں گرنے والے ہیں۔ اے رسول ﷺ بے شک آپ ہزار کوشش کر لیں آپ انہیں جہنم کی آگ سے نہیں بچا سکتے۔

«عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَاراً فَلَمَّا اَضَاءَ تْ مَا حَوْلَهَا جَعَلَ الْفِرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَآبُ الَّتِیْ تَقَعُ فِی النَّارِ یَقَعْنَ فِیْهَا وَجَعَلَ یَحْجُزُهُنَّ وَیَغْلِبْنَهُ فَیَتَقَحَّمْنَ فِیْهَا فَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ وَأَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا هٰذِهٖ رِوَایَةُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُهَا وَقَالَ فِیْ اٰخِرِهَا قَالَ فَذَالِكَ مَثَلِیْ وَمَثَلُکُمْ اَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ فَتَغْلِبُوْنِیْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا»

(رواہ البخاری: کتاب الرقاق، رواہ مسلم: کتاب الفضائل)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری مثال آگ روشن کرنے والے کی طرح ہے جب آگ سے اس کا آس پاس روشن ہوگیا تو پروانے اس میں گرنے لگے آگ جلانے والے نے انہیں بچانے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن پروانے اس سے بے قابو ہوکر گرتے رہے۔ بس میں تمہیں آگ سے بچانے کے لیے پیچھے سے پکڑتا ہوں مگر تم اس میں گرتے جارہے ہو۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں اور مسلم میں اس طرح ہے کہ میری اور تمہاری مثال ایسے ہے کہ میں تمہیں پیچھے سے پکڑ کر آگ سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہا ہوں کہ میری طرف آؤ اور آگ سے بچو، لوگو! آگ کی بجائے میری طرف آؤ لیکن تم مجھ سے بے قابو ہوکر آگ میں گرے جارہے ہو۔“

«عَنْ بُسْرِ بْنِ أَرْطَاةَ الْقُرَشِیِّ رضی اللہ عنہ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَدْعُو اللّٰهُمَّ أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْأُمُوْرِ کُلِّهَا وَأَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ» (رواہ احمد: مسند بسر بن ارطاۃ [ضعیف])

”حضرت بسر بن ارطاۃ قرشی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا اے اللہ! ہمارے تمام معاملات کا انجام اچھا فرما اور ہمیں دنیا اور آخرت کی رسوائی سے محفوظ فرما۔“

مسائل

۱۔ اللہ کے بندے احسن بات کو قبول کرتے ہیں۔ ۲۔ احسن بات قبول کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ راہنمائی فرماتا ہے۔
۳۔ احسن بات قبول کرنے والے ہی عقلمند ہوتے ہیں۔ ۴۔ جو لوگ احسن بات قبول نہیں کرتے وہ آگ سے نہیں بچ سکتے۔

تفسیر بالقرآن

احسن کیا ہے؟

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن پیدا کیا ہے۔ (التین: ۴)
۲۔ اللہ تعالیٰ نے موت اور زندگی اس لیے بنائی ہے کہ انسان احسن عمل کرے۔ (الملک: ۲)
۳۔ توحید کی دعوت دینے اور اس کے تقاضے پورے کرنے والے کی بات سے کسی کی بات احسن نہیں ہوسکتی۔ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۳)
۴۔ نبی کی حیات ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے۔ (الاحزاب: ۲۱)

لٰكِنِ	الَّذِيْنَ	اتَّقَوْا	رَبَّهُمْ	لَهُمْ	غُرَفٌ	مِّنْ
لیکن	جولوگ	وہ ڈر گئے	اپنے رب سے	ان کے لیے	بالاخانے ہیں	سے
فَوْقِهَا	غُرَفٌ	مَّبْنِيَّةٌ ۙ	تَجْرِيْ	مِنْ	تَحْتِهَا	الْاَنْهٰرُ ۬ؕ
ان کے اوپر	بالاخانے	بنائے ہوئے	چلتی ہیں	سے	ان کے نیچے	نہریں
وَعْدَ	اللّٰهِ ؕ	لَا	يُخْلِفُ	اللّٰهُ	الْمِيْعَادَ ﴿٢٠﴾	
وعدہ ہے	اللہ کا	نہیں	خلاف کرتا	اللہ	اپنے وعدہ کی	

''لیکن جولوگ اپنے رب سے ڈر کر رہے اُن کے لیے بالاخانے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، یہ اللہ کا وعدہ ہے اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔''(٢٠)

فہم القرآن

ربطِ کلام: احسن بات کو قبول کرنے اور طاغوت سے بچنے والوں کا صلہ۔

طاغوت سے بچنے اور اپنے رب سے ڈر کر زندگی گزارنے والے کو ان کا رب جنت کے بلند و بالا محلات اور اعلیٰ مقامات میں داخل فرمائے گا۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان کے ساتھ ان کے رب کا وعدہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

تقویٰ کیا ہے:

''اللہ کی ذات، احکام اور اس کے شعائر کے احترام کرنے کا نام تقویٰ ہے۔''(الحج:٣٢)

''تقویٰ نام ہے اللہ کے احکام پر عمل پیرا ہونے اور اس کی نافرمانیوں سے بچنے کا۔''(النور:٥٢)

''تقویٰ نام ہے سمع واطاعت کے باوجود اپنے رب سے ڈرتے رہنے کا۔''(التغابن:١٦)

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللهِ مَا بَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللهَ فَاسْأَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ أُرَاهُ فَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ» (رواہ البخاری: کتاب الجهاد والسیر، باب درجات المجاهدین فی سبیل الله)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں سو(١٠٠) درجے مجاہدین کے لیے تیار کیے ہیں دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان کے برابر فاصلہ ہے۔ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو اس سے جنت الفردوس مانگا کرو بلاشبہ وہ جنت کے درمیان سب سے اعلیٰ جنت ہے میں نے دیکھا کہ اس کے

اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے اور اس سے ہی جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔“

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ رضی اللہ عنہ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ لِلْمُؤْمِنِ فِي الْجَنَّةِ لَخَيْمَةً مِنْ لُؤْلُؤَةٍ وَاحِدَةٍ مُجَوَّفَةٍ طُولُهَا سِتُّونَ مِيلًا لِلْمُؤْمِنِ فِيهَا أَهْلُونَ يَطُوفُ عَلَيْهِمُ الْمُؤْمِنُ فَلَا يَرٰى بَعْضُهُمْ بَعْضًا» (رواہ مسلم: کتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب في صفة خيام الجنة)

”حضرت عبداللہ بن قیس اپنے باپ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جنت میں مومن کے لیے موتی کا ایک ایسا خیمہ ہوگا جس کی لمبائی ساٹھ میل ہوگی وہاں مومن کے گھر والے ہوں گے جنکے ہاں وہی جائے گا اور جنتی ایک دوسرے کے ہاں جھانک نہیں سکیں گے۔“

مسائل

۱۔ متّقین کو جنت کے محلات میں داخل کیا جائے گا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ جنت کا وعدہ ہے جو ہر صورت پورا ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

جنّت اور اس کی نعمتیں:

۱۔ ہم ان کے دلوں سے کینہ نکال دیں گے اور سب ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے۔ (الحجر: ۴۷۔۴۸)

۲۔ جنت کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اور اس کے پھل اور سائے ہمیشہ کے لیے ہوں گے۔ (الرعد: ۳۵)

۳۔ جنت میں بے خار بیریاں، تہہ بہ تہہ کیلے، گھنا سایہ، چلتا ہوا پانی، اور کثرت سے میوے ہوں گے۔ (الواقعة: ۲۸ تا ۳۰)

۴۔ جنت کے میوے ٹپک رہے ہوں گے۔ (الحاقة: ۲۳)

۵۔ جنت میں وہ سب کچھ ہوگا جس کی جنتی خواہش کرے گا۔ (حٰم السجدة: ۳۱)

۶۔ جنت میں نیچی نگاہ رکھنے والی حوریں ہوں گی جنہیں کسی جن وانس نے چھوا تک نہیں ہوگا۔ (الرحمٰن: ۵۶)

۷۔ جنت میں محبت کرنے والی ہم عمر حوریں ہوں گی۔ (الواقعہ: ۳۷)

۸۔ حوریں نوجوان، کنواریاں اور ہم عمر ہوں گی۔ (الواقعہ: ۳۵ تا ۳۸)

۹۔ جنت کی بیویاں پاک ہونگی۔ (البقرة: ۲۵) ۱۰۔ خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں والیاں ہونگی۔ (الصّٰفّٰت: ۴۸، ۴۹)

۱۱۔ جنتیوں کی ہم عمر ہوں گی۔ (صٓ: ۵۲) ۱۲۔ یاقوت و مونگے کی طرح خوبصورت ہونگی۔ (الرّحمٰن: ۵۸)

۱۳۔ ہم نے اس میں کھجوروں، انگوروں کے باغ بنائے ہیں اور ان میں چشمے جاری کیے ہیں۔ (یٰس: ۳۴)

۱۴۔ یقیناً متقین باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ (الذاریات: ۱۵)

اَلَمْ	تَرَ	اَنَّ	اللّٰهَ	اَنْزَلَ	مِنَ السَّمَآءِ
کیا نہیں	آپ نے دیکھا	بے شک	اللہ	اس نے نازل کیا	سے آسمان

مَآءً	فَسَلَكَهٗ	يَنَابِيْعَ	فِي	الْاَرْضِ	ثُمَّ يُخْرِجُ
پانی	پھر اس نے داخل کیا اس کو	چشموں میں	میں	زمین	پھر وہ نکالتا ہے

بِهٖ	زَرْعًا	مُّخْتَلِفًا	اَلْوَانُهٗ	ثُمَّ	يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ
اس کے ساتھ	کھیتی	مختلف ہوتے ہیں	اس کے رنگ	پھر	وہ خشک ہو جاتی ہے پھر آپ دیکھتے ہیں اسے

مُصْفَرًّا	ثُمَّ	يَجْعَلُهٗ	حُطَامًا	اِنَّ	فِيْ ذٰلِكَ
زرد	پھر	وہ اس کو کر دیتا ہے	ریزہ ریزہ	بلاشبہ	اس میں

لَذِكْرٰى	لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾
ضرور نصیحت ہے	اہل عقل کے لیے

ع ۲ ۱۲/۱۶

''کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو سوتوں اور چشموں اور دریاؤں کی شکل میں زمین کے اندر جاری کیا، پھر وہ اس پانی کے ذریعہ سے طرح طرح کی کھیتیاں نکالتا ہے جن کی مختلف قسمیں ہیں پھر وہ کھیتیاں پک کر سُوکھ جاتی ہیں پھر آپ دیکھتے ہو کہ وہ زرد پڑ جاتی ہیں پھر آخر کار اللہ ان کو بھس بنا دیتا ہے درحقیقت اس میں عقل رکھنے والوں کے لیے ایک سبق ہے۔''(۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس اچھے قول کی متقی پیروی کرتے ہیں اس کی مثال بارش کی مانند ہے:

اچھے قول سے مراد ''اللہ'' کا دین ہے جسے ''اللہ'' نے وحی کے ذریعے نبی آخر الزمان ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔ اس کی مثال یہاں اور سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹ میں بارش کے ساتھ دی گئی ہے ''اس کی مثال آسمان سے بارش کی طرح ہے جس میں اندھیرے گرج، اور بجلی ہے لوگ موت سے اور کڑک سے ڈر کر اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔'' (البقرۃ:۱۹) یہاں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے جسے زمین کے سوتوں میں پہنچاتا اور چشمے جاری کرتا ہے پھر اس کے ذریعے مختلف قسم کی فصلیں اُگاتا ہے ان میں ایسی جڑی بوٹیاں بھی ہوتی ہیں جو صرف بارش سے اگتی ہیں اور کچھ مدت کے لیے لہلہاتی ہیں او پھر گل سڑ جاتی ہیں بارش کے نزول اور اس کے ذریعے اُگنے والی مختلف قسم کی نباتات میں عقل سے کام لینے والوں کے لیے بہت سی نصیحتیں ہیں۔
''لُبّ'' کا معنیٰ عقل، فہم، فراست، دانائی اور سمجھ ہے۔

''حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جس علم اور ہدایت کے ساتھ مجھے بھیجا ہے اس کی مثال زمین پر برسنے والی موسلا دھار بارش کی طرح ہے جو زمین کا قطعہ اچھا تھا اس نے اسے قبول کیا خوب اس نے گھاس اور سبزہ اگایا۔ جو زمین سخت تھی پانی اس میں جذب ہونے کی بجائے کھڑا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا لوگوں نے اس سے خود پانی پیا اور جانوروں کو پلایا اور پھر اس سے کھیتی باڑی بھی کی زمین کا تیسرا ٹکڑا چٹیل میدان تھا نہ اس نے پانی جذب کیا اور نہ ہی پانی اس کے اوپر ٹھہرا۔ اللہ تعالیٰ نے جو دین دے کر مجھے مبعوث فرمایا اس دین کی فہم حاصل کرنے والے اور اس سے نفع اٹھانے والے کی مثال ایسے ہے کہ اس نے علم سے فائدہ اٹھایا خود سیکھا اور لوگوں کو بھی سکھلایا۔ دوسری زمین کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے دین کے علم کی طرف توجہ نہ کی اور نہ ہی اس بات کو قبول کیا جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا۔''

(رواہ البخاری: کتاب العلم، باب فضل من علم)

مسائل

۱۔ ''اللہ'' ہی آسمان سے بارش نازل کرنیوالا ہے۔ ۲۔ ''اللہ'' ہی بارش کے ذریعے مختلف قسم کی نباتات اُگانیوالا ہے۔
۳۔ ''اللہ'' ہی بارش کے پانی کو زمین میں داخل کرتا اور چشمے جاری کرتا ہے۔
۴۔ بارش اور اس سے اگنے والی نباتات میں عقل والوں کے لیے نصیحت ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی بارش نازل کرنیوالا ہے:

۱۔ زمین و آسمان بنانے اور بارش اتارنے والا ''اللہ'' ہے کیا اس کے ساتھ کوئی اور برسانے والا ہے؟ (النمل: ۶۰)
۲۔ ''اللہ'' وہ ذات ہے جو ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لیے بھیجتا ہے جو بھاری بادل اٹھاتی ہیں۔ (الاعراف: ۵۷)
۳۔ آسمانوں و زمین کی پیدائش، دن اور رات کی گردش، سمندر میں کشتیوں کے چلنے، آسمان سے بارش نازل کرنے، بارش سے زمین کو زندہ کرنے، چوپایوں کے پھیلنے، ہواؤں کے چلنے اور بادلوں کے مسخر ہونے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ (البقرۃ: ۱۶۴)
۴۔ قیامت برپا ہونے، بارش کے نازل ہونے، جو کچھ رحموں میں ہے اور انسان کل کیا کمائے گا اور اُسے کہاں موت آئے گی انہیں صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ (لقمان: ۳۴)
۵۔ تم ''اللہ'' سے مغفرت طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو وہ آسمان سے تمہارے لیے بارش نازل فرمائے گا اور تمہاری قوت میں اضافہ کرے گا۔ (ہود: ۵۲)

اَفَمَنْ	شَرَحَ	اللّٰهُ	صَدْرَهٗ	لِلْاِسْلَامِ	فَهُوَ	عَلٰى
کیا پھر جو شخص	کھول دیا	اللہ نے	اس کا سینہ	اسلام کے لیے	پس وہ ہے	پر
نُوْرٍ	مِّنْ	رَّبِّهٖ	فَوَيْلٌ	لِّلْقٰسِيَةِ	قُلُوْبُهُمْ	مِّنْ
روشنی	سے	اپنے رب کی طرف	تو ہلاکت ہے	ان کے لیے کہ سخت ہیں	ان کے دل	سے
ذِكْرِ	اللّٰهِ	اُولٰٓئِكَ	فِيْ	ضَلٰلٍ	مُّبِيْنٍ ۝۲۲	
یاد	اللہ کی	یہی لوگ ہیں	میں	گمراہی	صریح	

’’کیا وہ شخص جس کا سینہ ’’اللہ‘‘ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے اور وہ اپنے رب کی روشنی میں چل رہا ہے اس کے مقابلے میں ان لوگوں کے لیے تباہی ہے جن کے دل اللہ کی نصیحت کے بارے میں سخت ہو گئے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔‘‘ (۲۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح بارش کا پانی جذب کرنے کے بعد زمین گل و گلزار اگاتی ہے اسی طرح ہی جو شخص ہر حال میں اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور وہ اسلام کی روشنی میں زندگی بسر کرتا ہے۔

اسلام کی پہلی دعوت ’’اللہ‘‘ کی ذات اور اس کی صفات پر اس طرح ایمان لانا ہے جس طرح اس کا حکم اور تقاضا ہے جو شخص توحید کے تقاضے پورے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا سینہ کھول دیتا ہے جس بنا پر اس کے سینے میں ہدایت کا نور پیدا ہوتا ہے ایسا شخص بڑی سے بڑی مصیبت میں اپنے رب پر راضی رہتا ہے، اسے غیر معمولی کامیابی اور خوشی نصیب ہوتی ہے تو بھی اپنے آپ سے باہر نہیں ہوتا۔ اس کے مقابلے میں وہ شخص ہے جس کا دل کفر و شرک اور گناہوں کی وجہ سے سخت ہو گیا ہے اسے نصیحت کی جائے تو اس سے چڑتا ہے اور اللہ کی توحید کا تذکرہ ہو تو اس سے بدکتا ہے۔ اس قسم کے لوگ راہِ راست سے اس قدر بھٹک جاتے ہیں کہ ان کی گمراہی میں رتی بھر بھی شک باقی نہیں رہتا کیونکہ ان کے دل اس قدر سخت ہو جاتے ہیں کہ ان پر کوئی نصیحت اثر انداز نہیں ہوتی یہ بدقسمتی اور نافرمانی کا وہ درجہ ہے جس کے بارے میں قرآن مجید نے بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دیتا ہے اور ان کی آنکھوں پر گمراہی کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔ قیامت کے دن ان کے لیے عظیم عذاب ہوگا۔ (البقرہ: ۷)

اَللّٰهُ	نَزَّلَ	اَحۡسَنَ	الۡحَدِيۡثِ	كِتٰبًا	مُّتَشَابِهًا	مَّثَانِىَ ۖ
اللہ	اس نے نازل کی	بہترین	بات	کتاب	آپس میں ملتی جلتی	بار بار دہرائی جانے والی

تَقۡشَعِرُّ	مِنۡهُ	جُلُوۡدُ	الَّذِيۡنَ	يَخۡشَوۡنَ	رَبَّهُمۡ ۚ	ثُمَّ
کانپ اُٹھتے ہیں	اس سے	جسم	ان لوگوں کے جو	ڈرتے ہیں	اپنے رب سے	پھر

تَلِيۡنُ	جُلُوۡدُهُمۡ	وَقُلُوۡبُهُمۡ	اِلٰى	ذِكۡرِ	اللّٰهِ ؕ	ذٰلِكَ
نرم ہوجاتے ہیں	ان کے وجود	اوران کے دل	طرف	یاد کی	اللہ کی	یہی ہے

هُدَى	اللّٰهِ	يَهۡدِىۡ	بِهٖ	مَنۡ	يَّشَآءُ ؕ
ہدایت	اللہ کی	وہ ہدایت دیتا ہے	اس کے ذریعے	جسے	وہ چاہتا ہے

وَمَنۡ	يُّضۡلِلِ	اللّٰهُ	فَمَا	لَهٗ	مِنۡ هَادٍ ﴿۲۳﴾
اور جسے	گمراہ کردے	اللہ	تو نہیں	اسے	کوئی بھی ہدایت دینے والا

”اللہ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے، یہ ایسی کتاب ہے جس کے تمام مضمون ایک دوسرے کے ترجمان ہیں اور جس کے مضامین بار بار دُہرائے گئے ہیں، اُسے سن کر اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں اور پھر ان کے وجود اوران کے دل نرم ہوکر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہوتے ہیں یہ اللہ کی ہدایت ہے جسے چاہتا ہے اُسے راہِ راست پر لے آتا ہے اور جس کو اللہ ہدایت نہ دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔“ (۲۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس نور کا پچھلی آیت میں ذکر ہوا وہ قرآن مجید کی شکل میں نازل ہوا ہے اور یہ ”اللہ“ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

اس سے پہلی آیت میں یہ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دے وہ اپنے رب کے نور پر ہوتا ہے۔ المائدۃ آیت ۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نور قرار دیا ہے پھر ارشاد ہوا کہ اس قرآن کو ہم نے آپ ﷺ کی طرف نازل فرمایا تاکہ آپ اپنے رب کے حکم سے لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر قرآن کے نور کی طرف لے آئیں۔ (ابراہیم:۱)

یہاں قرآن مجید کو ”اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ“ فرمایا ہے اس کی آیات اور مضامین آپس میں ملتے جلتے ہیں اور بار بار دوہرائے جاتے ہیں جو لوگ اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں۔ قران کی آیات سن کر ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اوران کے وجود کانپ اٹھتے ہیں، ان کے دل اپنے رب کی ذات اور اس کے فرمان کی طرف مزید متوجہ ہوجاتے ہیں، یہ ”اللہ“ کی ہدایت ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ جس کو اللہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہوتا،

قرآن مجید کے بے شمار اوصاف ہیں اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے چار اوصافِ حمیدہ کا ذکر فرمایا ہے۔

① قرآن مجید کے احکام اور اس کے ارشادات ہر اعتبار سے بہترین اور دنیا اور آخرت کے لیے بے انتہا مفید ہیں اسی لئے نبی آخرالزمان ﷺ اپنے خطبہ میں یہ الفاظ اکثر پڑھا کرتے تھے۔

«فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرُ الْهُدَى هُدَى مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ» (رواہ مسلم: باب تخفيف الصَّلاةِ وَالخطبةِ)

''بے شک سب سے بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ بدترین کام بدعت ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

② قرآن مجید کے مضامین آپس میں ملتے جلتے ہیں ان میں کسی قسم کا تعارض اور تناقص نہیں پایا جاتا۔ یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے سوا جو واقعات قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں انہیں مختلف الفاظ میں اور کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے لیکن کسی ایک واقعہ میں تضاد کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔

③ قرآن مجید اس قدر محبوب اور دل آویز کتاب ہے کہ اسے جتنی بار پڑھا جائے اس کی کشش اور لذت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے دنیا میں کوئی ایسی کتاب موجود نہیں اور نہ ہوگی جسے بار بار پڑھنے سے دل کی چاہت میں اضافہ ہوتا ہو یہ لذت اور سرور صرف کتاب اللہ میں ہی پایا جاتا ہے۔

④ قرآن مجید کی تاثیر کا عالم یہ ہے کہ کوئی شخص اسے سمجھ کر پڑھے یا صرف اس کی تلاوت کرے تب بھی یہ پڑھنے والے پر اپنا غیر معمولی اثر مرتب کرتا ہے جس وجہ سے ترجمہ نہ جاننے والے شخص پر بھی اس قدر گہرا اثر ہوتا ہے کہ اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اس کا وجود لرزتا ہے اور دل اللہ کی یاد میں مسرور اور مسحور ہو جاتا ہے۔ جس نے سمجھ کر اس کی تلاوت کا حق ادا کرنے کی کوشش کی اس میں کسی قسم کا تکبر نہیں پایا جاتا اگر کسی وقت اس پر شیطان کا غلبہ ہو تو وہ اللہ کی یاد سے شیطان کے اثرات سے نجات پاتا ہے۔

ہدات اور گمراہی کے بارے میں فہم القرآن کے کئی مقامات پر عرض ہوا ہے کہ جس طرح دوسری نعمتیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اسی طرح ہدایت اور گمراہی بھی اس کے قبضہ میں ہے جو شخص ہدایت کا طالب ہوتا ہے اسے اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب کرتا ہے اور جو ہدایت نہیں چاہتا اسے گمراہی کے لیے کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف یوں منسوب کرتا ہے کہ جسے چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے گمراہ کر دے۔

{مَنْ يَّهْدِ اللهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٧٨﴾} (الاعراف:١٧٨)

''جسے اللہ ہدایت دے سو وہی ہدایت والا ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے وہ شخص خسارہ پانے والا ہے۔''

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ رضی اللہ عنہ يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِي هُودٌ

وَالْوَاقِعَةُ [وَالْمُرْسَلَاتُ] وَ[عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ] وَ[إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ])

(رواہ الترمذی: باب وَمِنْ سورۃِ الْوَاقِعَۃِ [صحیح])

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ آپ پروقت سے پہلے بڑھاپے کے آثار دکھائی دے رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے ”سورۂ ھُود، سورۂ واقعہ، سورۂ مُرسلات، سورۂ عَمَّ یَتَسَآءَلُون اور سورۂ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ“ نے بوڑھا کر دیا ہے۔“

مسائل

١۔ قرآن مجید کے احکام اور ارشادات ہر حوالے سے بے مثال، دنیا اور آخرت میں بے انتہا فائدہ دینے والے ہیں۔

٢۔ قرآن مجید کے مضامین اور احکام میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ ٣۔ قرآن مجید ہی بار بار پڑھی جانے والی کتاب ہے۔

٤۔ قرآن مجید کی تلاوت سے انسان کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور وجود میں لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور دل اپنے رب کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ ٥۔ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کی تاثیر:

١۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔ (آل عمران: ١٣٨)

٢۔ قرآن مجید لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ (ابراہیم: ١)

٣۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔ (البقرۃ: ١٨٥) ٤۔ قرآن مجید دلوں کے لیے شفا ہے۔ (یونس: ٥٧)

٥۔ تلاوتِ قرآن سے اللہ کا خوف پیدا ہوتا ہے۔ (الانفال: ٢) ٦۔ قرآن کی تلاوت سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ (الانفال: ٢)

جس کو اللہ ہدایت نہ دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں:

١۔ ہدایت وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت قرار دے۔ (البقرۃ: ١٢٠) ٢۔ ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔ (القصص: ٥٦)

٣۔ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ (البقرۃ: ٢١٣)

٤۔ اللہ تعالیٰ کی راہنمائی کے بغیر کوئی ہدایت نہیں پا سکتا۔ (الاعراف: ٤٣)

٥۔ ہدایت جبری نہیں اختیاری چیز ہے۔ (الدھر: ٣) ٦۔ نبی اکرم ﷺ بھی کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے۔ (القصص: ٥٦)

٧۔ ہدایت پانا اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ (الحجرات: ١٧)

٨۔ رسول اکرم ﷺ کی تابعداری انسان کی ہدایت کی ضمانت ہے۔ (النور: ٥٤)

٩۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان ہدایت کی کسوٹی ہے۔ (البقرۃ: ١٣٧)

١٠۔ ہدایت پر استقامت کی دعا کرنا چاہیے۔ (آل عمران: ٨)

یَوْمَ	الْعَذَابِ	سُوْٓءَ	بِوَجْهِهٖ	یَتَّقِیْ	اَفَمَنْ
دن	عذاب سے	بُرے	اپنے چہرے کے ذریعے	بچتا ہے	کیا پھر جو شخص

تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾	كُنْتُمْ	مَا	ذُوْقُوْا	لِلظّٰلِمِیْنَ	وَقِیْلَ	الْقِیٰمَةِ
کماتے	تم تھے	جو	تم چکھو	ظالموں سے	اور کہا جائے گا	قیامت کے

''اس شخص کا کیا اندازہ کر سکتے ہو جو قیامت کے دن اپنا چہرہ عذاب سے بچانے کی کوشش کرے گا ایسے ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب اس کا مزہ چکھو جو تم کیا کرتے تھے۔'' (۲۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جن لوگوں نے ہدایت کے باوجود گمراہی کو پسند کیا ان کا انجام۔

جس شخص نے اپنے لیے گمراہی کو پسند کیا اس کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دے قیامت کے دن اسے بدترین عذاب ہوگا اور انہیں کہا جائے گا کہ ظالمو! اپنے کیے کا مزہ چکھو انسان کی فطرت ہے کہ جب اس پر کوئی چیز سامنے سے حملہ آور ہوتی ہے تو وہ سب سے پہلے اپنا چہرہ چھپانے اور بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ جہنم کی آگ اس قدر شعلہ فگن ہوگی کہ جس کے شعلے پہاڑوں کی مانند ہوں گے اور جہنمی کا جسم اتنا بڑا ہوگا کہ اس کی زبان تین میل لمبی اور اس کی ڈاڑھ اُحد پہاڑ کے برابر ہوگی۔ (رواہ البخاری: کتاب الرقاق) جب اسے جہنم میں دھکیلا جائے گا تو جہنم کی آگ طوفان کی شکل میں اس کی طرف لپکے گی اور اس کے شعلے اس قدر جوش مارتے ہوئے جہنمی کے چہرے کی طرف بڑھیں گے۔ کہ وہ ہر ممکن کوشش کرے گا کہ اس کا چہرہ بچ جائے لیکن وہ کسی صورت اپنا چہرہ اور جسم نہیں بچا سکے گا۔

{ كَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ ﴿۴﴾ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴿۶﴾ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ﴿۷﴾ اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۸﴾ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾ } (الھمزۃ:۴تا۹)

''ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا یقیناً وہ حطمہ میں ڈال دیا جائے گا اور تجھے کیا معلوم ''حطمہ'' کیا ہے۔ ''حطمہ'' اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک چڑھ آئے گی وہ آگ ان کو گھیرے ہوئے ہے لمبے لمبے ستونوں میں بندھے ہوئے ہیں۔''

{ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾ } (الزمر:۱۶)

''اُن کے اُوپر اور نیچے سے آگ ہوگی یہ وہ انجام ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ اے میرے بندو میرے عذاب سے بچو۔''

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ نَارُكُمْ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِیْنَ جُزْءًا مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ قِیْلَ یَا

رَسُولَ اللهِ إِنْ كَانَتْ لَكَافِيَةً قَالَ فُضِلَتْ عَلَيْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَسِتِّينَ جُزْءًا كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا»

(رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق، باب صفة النار)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تمھاری دنیا کی آگ جہنم کی آگ کے ستر درجے کم ہے صحابہ نے عرض کی کیا یہی آگ کافی نہیں تھی آپ نے فرمایا: وہ اس سے انہتر درجے زیادہ تیز ہے اور ہر درجہ دوسرے کے برابر ہے۔“

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أُوقِدَ عَلَى النَّارِ أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى احْمَرَّتْ ثُمَّ أُوقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى ابْيَضَّتْ ثُمَّ أُوقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى اسْوَدَّتْ فَهِيَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ»

(رواہ الترمذی: کتاب صفة جهنم [ضعیف])

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: دوزخ کی آگ کو ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا تو وہ سرخ ہوگئی پھر اس کو ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی پھر اس کو ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہوگئی اب اس کا رنگ سیاہ ہے۔“

مسائل

۱۔ جہنمی جہنم کی آگ سے اپنے چہرے بچانے کی کوشش کریں گے لیکن وہ ہرگز نہ بچا سکیں گے۔

۲۔ قیامت کے دن ظالموں کو ہر صورت اپنے کردار کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

جہنم کی آگ کا جوش:

۱۔ جہنم کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔ (البقرۃ: ۲۴) ۲۔ جہنم کی آگ بہت زیادہ تیز ہوگی۔ (التوبۃ: ۸۱)

۳۔ مجرم لوگ جہنم کے گرجنے برسنے کی آوازیں سنیں گے۔ (الفرقان: ۱۲) ۴۔ جہنم بھرنے کا نام نہیں لے گی۔ (قٓ: ۳۰)

۵۔ جہنم کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے اور اس پر سخت گیر فرشتوں کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے۔ (التحریم: ۶)

۶۔ مجرموں کو جب جہنم میں ڈالا جائے گا تو وہ اس کی چنگھاڑ سنیں گے۔ (الملک: ۷)

۷۔ جہنم کی آگ کے شعلے بڑے بڑے مکانوں کے برابر بلند ہوں گے۔ (المرسلٰت: ۳۲)

كَذَّبَ	الَّذِيْنَ	مِنْ قَبْلِهِمْ	فَاَتٰىهُمُ	الْعَذَابُ
جھٹلایا	ان لوگوں نے جو	ان سے پہلے تھے	تو آیا ان کے پاس	عذاب
مِنْ حَيْثُ	لَا	يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾	فَاَذَاقَهُمُ	اللّٰهُ
ایسی جگہ سے	نہیں	وہ خیال کرتے تھے	چنانچہ چکھائی ان کو	اللہ نے
الْخِزْيَ	فِي	الْحَيٰوةِ	الدُّنْيَا ۚ	وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ
رسوائی	میں	زندگی	دنیا والی	اور البتہ عذاب آخرت کا
اَكْبَرُ ۘ	لَوْ	كَانُوْا	يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾	
بہت بڑا ہے	کاش	وہ ہوتے	وہ جانتے	

”ان سے پہلے بھی لوگ اسی طرح جھٹلا چکے ہیں، اُن پر عذاب ایسی طرف سے آیا جدھر کا وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔(۲۵) اللہ نے ان کو دنیا کی زندگی میں ذلّت سے دوچار کیا، اور آخرت کا عذاب شدید تر ہے، کاش! وہ لوگ جانتے۔“ (۲۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ظالموں کو صرف آخرت میں سزا نہیں ملے گی بلکہ دنیا میں بھی انہیں ذلّت سے دوچار ہونا پڑے گا۔

کفار اور مشرکین کو نبی اکرم ﷺ بار بار سمجھاتے کہ اگر تم نے کفر و شرک کو نہ چھوڑا تو قیامت کے دن تمہیں اذیّت ناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا اور دنیا میں بھی تم پر عذاب نازل ہوسکتا ہے۔ اس بات پر لوگ آپ کا مذاق اڑاتے اور تکرار کے ساتھ مطالبہ کرتے کہ جس عذاب سے ہمیں ڈرایا اور دھمکایا جاتا ہے وہ ہم پر نازل کیوں نہیں ہوتا؟ عذاب کا مطالبہ کرنے والوں کو ایک مرتبہ پھر سمجھایا گیا ہے کہ جس عذاب کا تم مذاق اڑاتے ہو وہ تمہیں ایسے مقام اور وقت میں آلے گا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے اگر سمجھنا اور بچنا چاہتے ہو تو اپنے سے پہلے ظالموں کی تاریخ پڑھو اور ان کا جغرافیہ دیکھو! تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کی زندگی میں کس طرح ذلیل کیا اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا کاش! وہ لوگ حقیقت پانے کی کوشش کرتے۔

تفسیر بالقرآن

پہلی اقوام پر عذاب کی مختلف صورتیں:

۱۔ کیا وہ لوگ بے فکر ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے؟ (النحل: ۴۵) ۲۔ قوم عاد کو تیز و تند ہوا نے ہلاک کیا۔ (الحاقۃ: ۶)

۳۔ قومِ ثمود کو چیخ نے آپکڑا وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ (ھود: ۶۷)

۴۔ آلِ فرعون کو غرق کر دیا گیا۔ (البقرۃ: ۵۰) ۵۔ بنی اسرائیل کو اللہ نے ذلیل بندر بنا دیا۔ (البقرۃ: ۶۵)

وَ لَقَدْ	ضَرَبْنَا	لِلنَّاسِ	فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ	مِنْ
اور البتہ تحقیق	ہم نے بیان کی	لوگوں کے لیے	اس قرآن میں	سے

كُلِّ	مَثَلٍ	لَّعَلَّهُمْ	يَتَذَكَّرُوْنَ ۚ﴿۲۷﴾	قُرْاٰنًا	عَرَبِيًّا
ہر	مثال	تا کہ وہ	نصیحت پکڑیں	قرآن ہے	عربی میں

غَيْرَ	ذِيْ عِوَجٍ	لَّعَلَّهُمْ	يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾
نہیں ہے	کجی والا	تا کہ وہ	ڈریں

''ہم نے قرآن میں لوگوں کے لیے مثالیں بیان کی ہیں تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔(۲۷) قرآن عربی زبان میں ہے جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں ہے تا کہ لوگ بُرے انجام سے ڈر جائیں۔''(۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ظالموں کو عذاب میں مبتلا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں بارہا دفعہ سمجھایا تا کہ یہ عذاب سے بچ جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ہے کہ اس وقت تک کسی قوم کو عذاب نہیں دیتا جب تک ان کے پاس حق کا پیغام نہ پہنچ جائے اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے پہلی اقوام کے پاس انبیائے کرام علیہم السلام بھیجے جو انہیں ٹھوس دلائل اور مؤثر انداز میں سمجھاتے رہے۔ اسی اصول کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان ﷺ کو مبعوث فرمایا اور قرآن مجید میں مختلف امثال کے ذریعے لوگوں کو نصیحتیں فرمائیں تا کہ لوگ کفر و شرک اور ہر قسم کی نافرمانیوں سے بچ کر قرآن کی ہدایت کے مطابق زندگی گزاریں۔ قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے جس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف اور ابہام نہیں پایا جاتا قرآن مجید یکبار نہیں بلکہ تیئس (۲۳) سال میں وقفہ وقفہ سے نازل ہوا، اس کے باوجود اس میں کسی قسم کا تعارض نہیں پایا جاتا قرآن مجید اپنا پیغام اس قدر پُر حکمت اور شفاف انداز میں پیش کرتا ہے کہ معمولی سمجھ رکھنے والا انسان بھی اس سے کامل راہنمائی حاصل کر سکتا ہے، لوگوں کی فہم کی آسانی کے لیے توحید و رسالت اور موت کے بعد جی اٹھنے کے عقیدہ کو کئی مثالوں کے ذریعے بیان اور ثابت کیا گیا ہے تا کہ لوگ اس پر ایمان لائیں، اس کے تقاضے پورے کریں اور اپنے رب کی نافرمانی سے بچیں۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں کوئی ابہام اور اختلاف نہیں پایا جاتا:

۱۔ یہ کتاب مبین ہے اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔(البقرۃ:۲)

۲۔ قرآن مجید میں کوئی کجی نہیں ہے۔(الکہف:۱)

۳۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے باعثِ ہدایت اور رحمت ہے۔(یونس:۵۷)

ضَرَبَ	اللّٰهُ	مَثَلًا	رَّجُلًا	فِيْهِ	شُرَكَآءُ	مُتَشٰكِسُوْنَ
بیان کی	اللہ نے	مثال	آدمی کی	جس میں	کئی شریک ہیں	باہم اختلاف رکھنے والے
وَ رَجُلًا	سَلَمًا	لِّرَجُلٍ	هَلْ	يَسْتَوِيٰنِ	مَثَلًا	
اور ایک آدمی	جو وقف ہے	ایک ہی آدمی کے لیے	کیا	وہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں	مثال کے لحاظ سے	
اَلْحَمْدُ	لِلّٰهِ	بَلْ	اَكْثَرُهُمْ	لَا	يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٩﴾	
سب تعریفیں	اللہ کے لیے ہیں	بلکہ	ان کے اکثر	نہیں	وہ علم رکھتے	

''اللہ مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک شخص وہ ہے جس کی ملکیت میں بہت سے کج خلق آقا شریک ہیں جو اُسے اپنی اپنی طرف کھینچتے ہیں اور دوسرا شخص مکمل طور پر ایک ہی آقا کا غلام ہے کیا ان دونوں کا حال یکساں ہوسکتا ہے۔؟ تمام تعریفات ''اللہ'' کے لیے ہیں مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' (٢٩)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قرآن مجید میں بیان کی گئی امثال میں سے ایک مثال۔

قرآن مجید کی پہلی اور بنیادی دعوت ''اللہ'' کی ذات اور اس کی صفات کا شعور حاصل کرنا اور اس کے مطابق اپنی زندگی ڈھالنا ہے اس لیے توحید کو مختلف انداز اور امثال کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ مشرک اور موحد کے درمیان فرق سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو آدمیوں کی مثال دی ہے ان میں سے ایک شخص وہ ہے جو کئی آقاؤں کا زرخرید غلام ہے جو مختلف مزاج رکھنے والے اور ایک دوسرے سے بڑھ کر بد اخلاق ہیں اس غلام کو ایک مالک اپنی طرف بلاتا ہے اور دوسرا اپنے پاس آنے کا حکم دیتا ہے، ایک آقا اپنی مرضی کا کام دیتا ہے اور دوسرا اس کے اُلٹ ڈیوٹی لگاتا ہے ایسے غلام کی بے بسی اور مظلومیت کا کون تصور کرسکتا ہے کہ جو ایک قدم آگے بڑھانے پر مجبور ہے اور دوسرا قدم پیچھے کی طرف اٹھانے پر مجبور کر دیا جاتا ہے جائے تو کہاں جائے حکم مانے تو کس کا مانے گویا کہ وہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اس کے مقابلے میں وہ شخص ہے جس کا صرف ایک ہی مالک ہے جو نہایت ہی خیر خواہ اور بہت مہربان ہے وہ اسے حکم دیتے ہوئے اس کی طبیعت اور استعداد کا خیال رکھتا ہے کیا دونوں غلام برابر ہوسکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ کوئی ادنیٰ عقل رکھنے والا شخص بھی انہیں ایک جیسا نہیں کہہ سکتا اسی لیے موحد کو حکم فرمایا کہ وہ اپنے رب کا شکر ادا کرے جس نے اُسے صرف اپنے سامنے جھکنے کا حکم دیا اور اس کو دردر کی ٹھوکروں سے بچا لیا اور توحید کے ایسے دلائل دیئے کہ جو ہر دور کے مشرک کو لاجواب کر دیتے ہیں لیکن مشرک اس قدر حقیقی علم سے بے خبر ہوتا ہے کہ وہ دو غلاموں کا فرق سمجھنے اور اس سچائی کو جاننے کے باوجود صرف اللہ کی بندگی اور بہت سے خداؤں کی بندگی میں فرق کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا یہی مشرک اور

موحد کا فرق ہے موحد کا عقیدہ ہے کہ میرا رب میری طاقت سے زیادہ مجھ پر بوجھ نہیں ڈالتا اس کے ہر حکم اور کام میں حکمت اور خیر خواہی ہوتی ہے جس بنا پر موحّد عُسر اور یُسر ،خوشی اور غمی میں اپنے رب پر راضی رہتا ہے۔اس کے مقابلے میں مشرک نہ اپنے رب کے حکم کی اتباع کرتا ہے اور نہ ہی اس کے فیصلوں پر راضی ہوتا ہے رب کا حکم ہے کہ میرے سوا کسی کی بندگی نہ کی جائے اور نہ میرے حکم کے خلاف کسی کا حکم تسلیم کیا جائے۔مشرک نہ اپنے رب کے فیصلوں پر راضی ہوتا ہے اور نہ اس کے حکم کو تسلیم کرتا ہے وہ ایک رب کی عبادت کرنے کی بجائے جگہ جگہ ٹکریں مارتا پھرتا ہے ایک مالک کا حکم ماننے کی بجائے کبھی کسی ڈکٹیٹر کا حکم مانتا ہے اور کبھی جمہوریت کو حاکمِ اعلیٰ تسلیم کرتا ہے وہ ایک رسول کی اطاعت کرنے کی بجائے جو حقیقتاً اللہ کی اطاعت ہے کئی اماموں اور بزرگوں کی اطاعت کا دم بھرتا ہے۔کیا ''اللہ'' اور اس کے رسول کی تابعداری بہتر ہے یا کئی خداؤں اور بہت سے اماموں کی تابعداری بہتر ہے؟ پھر سوچ لیجیے کہ دونوں میں کون بہتر ہے؟ لیکن مشرک اس حقیقت کو پانے کے لیے تیار نہیں۔

مسائل

۱۔ کیا ایک کی غلامی بہتر ہے یا کئی آقاؤں کی غلامی بہتر ہے؟

۲۔ کیا ایک الٰہ کا بندہ بننا اور اس کی عبادت کرنا بہتر ہے یا کئی خداؤں کا بندہ بننا اور ان کے سامنے جھکنا بہتر ہے؟

۳۔ کیا حاکمِ حقیقی کا حکم ماننا بہتر ہے یا کسی ڈکٹیٹر اور جمہوریت کو حاکمِ اعلیٰ تسلیم کرنا بہتر ہے؟

۴۔ کیا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بہتر ہے یا درجنوں خداؤں، کئی اماموں اور پیروں کی تابعداری بہتر ہے؟

۵۔ تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں جس نے انسان کو صرف اپنی بندگی کا حکم دیا ہے۔

۶۔ لوگوں کی اکثریت حقائق جاننے اور انہیں ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔

تفسیر بالقرآن

قرآن کی امثال:

۱۔ ایک غلام کے دو مالک ہوں تو؟۔(الزمر:۲۹) ۲۔ناکارہ اور کارآمد غلام کی مثال۔(النحل:۷۶)

۳۔ مشرک کی تباہی کی مثال۔(الحج:۳۱) ۴۔باطل معبودوں اور مکھی کی مثال۔(الحج:۷۳)

۵۔ دھوپ اور سایہ کی مثال۔(فاطر:۲۱) ۶۔اندھیرے اور روشنی کی مثال۔(فاطر:۲۰)

۷۔ اندھے، دیدے، بہرے اور سننے والے کی مثال۔(ھود:۲۴)

اِنَّكَ	مَيِّتٌ	وَّ	اِنَّهُمْ	مَّيِّتُوْنَ ﴿٣٠﴾	ثُمَّ	اِنَّكُمْ
بلاشبہ آپ	مرنے والے ہیں	اور	بے شک وہ بھی	مرنے والے ہیں	پھر	بلاشبہ تم
يَوْمَ	الْقِيٰمَةِ	عِنْدَ	رَبِّكُمْ	تَخْتَصِمُوْنَ ﴿٣١﴾		
دن	قیامت کے	پاس	اپنے رب کے	تم جھگڑو گے		

''اے نبی آپ کومرنا ہے اوران کوبھی مرنا ہے۔(۳۰) پھر یقیناً تم قیامت کے دن سب اپنے رب کے حضور اپنا اپنا جھگڑا پیش کروگے۔''(۳۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام : بے علمی کی انتہا اوراس کے بُرے نتائج۔

مکہ کے ابتدائی سالوں کی بات ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ قرآن مجید کے دلائل اوراس میں دی جانے والی امثال کے ذریعے توحید و رسالت اور آخرت کا عقیدہ بیان فرماتے تو مکہ کے بڑے بڑے لوگ لاجواب ہو جاتے لیکن عوام کو مطمئن کرنے کے لیے کہتے کہ محمد ﷺ کی خود ساختہ دعوت از خود ختم ہو جائے گی تھوڑے سے انتظار کی ضرورت ہے اس کے مرنے کے بعد اس کا قصہ بالکل پاک ہو جائے گا۔ نہ اس کا بیٹا ہے جو اس کے مشن کو جاری رکھ سکے اور نہ اس کے ساتھی اتنے زیادہ ہیں جو ہمارا مقابلہ کر سکیں انہیں اس موقعہ پر یہ جواب دیا گیا کہ ان کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کو موت آجائے گی۔ کیا آپ کو موت آئے گی تو انہوں نے دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ انہوں نے بھی مرنا ہے اور آپ کو بھی موت آئے گی کیونکہ موت ہر ذی روح کا مقدر ہے۔ صرف آپ ﷺ کا رب ہمیشہ سے ہے اوراس نے ہمیشہ رہنا ہے۔ اسی کے سامنے قیامت کے دن تنازعات پیش ہوں گے اور وہی تمہارے تنازعات کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔

تنازعات انفرادی ہوں یا اجتماعی، مذہبی ہوں یا سیاسی، مالیاتی ہوں یا فوجداری غرض کے جس قسم کے بھی چھوٹے بڑے تنازعات ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلے صادر فرمائے گا یہاں تک کہ جانوروں کے درمیان بھی عدل کے ساتھ فیصلے کیے جائیں گے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوقَ إِلَي أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ)) (رواہ مسلم: کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: تمہیں قیامت کے دن لوگوں کے حقوق ان کے مالکوں کو ادا کرنا پڑیں گے، یہاں تک کہ جس بکری کے سینگ نہیں ہیں اس کو سینگ والی بکری سے بدلہ دلایا جائے گا۔''

«عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ قَالَتْ عَائِشَةُ أَوْ بَعْضُ أَزْوَاجِهٖ إِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ قَالَ لَيْسَ ذَاكِ وَلٰكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللّٰهِ وَكَرَامَتِهٖ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهٗ فَأَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ وَأَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا حُضِرَ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللّٰهِ وَعُقُوبَتِهٖ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَهَ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهٗ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ وَكَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ»

(رواہ البخاری: کتاب الرقاق، باب من أحب لقاء اللّٰہ أحب اللّٰہ لقاءہ)

”حضرت عبادہ بن صامت ؓ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے، اور جو اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہ ؓ یا آپ ﷺ کی بیویوں میں سے کسی نے عرض کیا ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بات یہ نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو اس کو اللہ کی رضامندی اور انعام و اکرام کی بشارت دی جاتی ہے اس بشارت کی وجہ سے موت اسے تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہو جاتی ہے اس وجہ سے وہ اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ کے عذاب کی وعید سنائی جاتی ہے یہ وعید اسے اپنے سامنے چیزوں سے سب سے زیادہ ناپسند ہوتی ہے اسی وجہ سے وہ اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

(مومن موت سے پہلے گھبراتا ہے جب آجاتی ہے تو اپنے مالک کی ملاقات کے لیے خوش ہو جاتا ہے۔)

مسائل

١۔ اے رسول ﷺ آپ کو بھی موت آئے گی اور آپ کے مخالفوں نے بھی مرنا ہے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

موت سب کو آنی ہے:

١۔ ہر شے فنا ہو جائے گی صرف رب رحمٰن باقی رہے گا۔ (الرحمٰن: ٢٦، القصص: ٨٨)

٢۔ قلعہ بند ہونے کے باوجود موت نہیں چھوڑے گی۔ (النساء: ٧٨) ٣۔ موت کی جگہ اور وقت مقرر ہے۔ (الاعراف: ٣٤)

٤۔ پہلے انبیاء فوت ہوئے۔ (آل عمران: ١٤٤) ٥۔ رسول اللہ ﷺ بھی موت سے ہمکنار ہوں گے۔ (الزمر: ٣٠)

٦۔ ہر نفس کو موت آئے گی جو جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہوگا۔ (آل عمران: ١٨٥)

فَمَنْ	اَظْلَمُ	مِمَّنْ	كَذَبَ	عَلَى	اللّٰهِ	وَ كَذَّبَ
پھر کون	زیادہ ظالم ہے	اس سے	جس نے جھوٹ بولا	پر	اللہ	اور اس نے جھٹلایا

بِالصِّدْقِ	اِذْ	جَآءَهٗ	اَلَيْسَ	فِيْ	جَهَنَّمَ
سچائی کو	جب	وہ آئی اس کے پاس	کیا نہیں	میں	جہنم

مَثْوًى	لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾
ٹھکانہ	کافروں کے لیے

''پھر اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ بولا اور جب اس کے سامنے سچ آیا تو اسے جھٹلا دیا۔ کیا ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے؟'' (۳۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ کی توحید کا انکار اور دینِ حق کو جھٹلانے والوں کا انجام۔

اہل مکہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں ہرزہ سرائی کرتے تھے کہ آپ قرآن اپنی طرف سے بنا لیتے ہیں یہاں بین السطور اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے اور جب اس کے سامنے قرآن وسنت پیش کیے جائیں تو وہ ان کی تکذیب کرے ایسے جھگڑالو اور جھوٹے آدمی کی سزا جہنم کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کا یہ بھی معنیٰ ہے کہ کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے زندہ یا فوت شدہ کسی ہستی کو اپنی خدائی میں شریک کر رکھا ہے ایسا کہنے والا پرلے درجے کا ظالم، کذاب اور جھگڑالو ہے، اس کے ساتھ وہ شخص بھی بالواسطہ طور پر اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹ لگاتا ہے جو سرورِ دو عالم ﷺ کی تکذیب کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں کافر قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کے لیے جہنم تیار کی گئی ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والا سب سے بڑا ظالم ہے۔ ۲۔ نبی معظم ﷺ کی تکذیب کرنے والا بھی ظالم ہے۔
۳۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کرنیوالے کافر ہیں۔ ۴۔ کفار کے لیے جہنم تیار کی گئی ہے۔

تفسیر بالقرآن

بڑے بڑے ظالم:

۱۔ اللہ کی آیات کو جھٹلانے والا ظالم ہے۔ (الاعراف: ۳۷) ۲۔ سچ بات کو جھٹلانے والا ظالم ہے۔ (الزمر: ۳۲)
۳۔ اللہ پر جھوٹ باندھنے والا ظالم ہے۔ (الانعام: ۱۲) ۴۔ نبوت کا دعویٰ کرنے والا ظالم ہے۔ (الانعام: ۹۳)

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِكَ ھُمُ

اور جو | آیا | سچائی کے ساتھ | اور جس نے تصدیق کی | اس کے ساتھ | یہی لوگ | وہ

الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَھُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّھِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا

متقی ہیں | ان کے لیے ہے | جو | وہ چاہیں گے | پاس | ان کے رب کے | یہ | بدلہ ہے

الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳۴﴾ لِیُكَفِّرَ اللّٰہُ عَنْھُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا

نیکی کرنے والوں کا | تاکہ دور کردے | اللہ | ان سے | برائی | وہ جو انہوں نے عمل کیے

وَیَجْزِیَھُمْ اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور وہ دے ان کو | ان کا اجر | نیکی کے بدلے | وہ جو | تھے | وہ عمل کرتے

”اور جو شخص سچائی لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہ عذاب سے بچنے والے ہیں (۳۳) انہیں اپنے رب کے ہاں سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش کریں گے یہ نیکی کرنے والوں کی جزا ہے۔ (۳۴) تاکہ ان سے جو بُرے اعمال سرزد ہوئے اللہ انہیں ختم کر دے۔ اور جو وہ بہترین اعمال کرتے رہے اُن کے بدلے میں انہیں اجر عطا فرمائے۔“ (۳۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حق کو جھٹلانے والے کے مقابلے میں سچائی کی تصدیق کرنے والے کا مقام اور صلہ۔

جو شخص لوگوں کے سامنے سچائی کے ساتھ آیا اور جس نے سچائی کی حمایت کی وہی لوگ اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں ان کے لیے ان کے رب کے پاس وہ سب کچھ ہوگا جس کی وہ تمنا کریں گے نیکی کرنے والوں کو اس طرح ہی صلہ دیا جائے گا، حق لانے والے سے مراد سرورِ دو عالم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ تصدیق کرنے والوں میں سرِ فہرست صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے اور صحابہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سرفہرست ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حق بات کی دعوت دی تو انہوں نے اسے قبول کیا اور دل و جان کے ساتھ حق کا ساتھ دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ہر آدمی اس صلہ کا حق دار ٹھہرے گا جس نے سچائی کو قبول کیا اور خلوصِ دل کے ساتھ لوگوں تک حق بات پہنچانے کی جدوجہد کرتا رہا یہ لوگ صاحبِ تقویٰ ہیں انہیں وہ سب کچھ دیا جائے گا جس کی وہ چاہت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو ختم فرمائے گا اور ان کے نیک کاموں کا بہترین بدلہ دینے کے ساتھ انہیں اپنے کرم سے مزید نوازتا رہے گا گناہوں کے خاتمہ کے بارے میں ”کَفَّرَ“ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنیٰ ہے کسی بات کو ہر اعتبار سے چھپا دیا جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقِ دل سے حق کو ماننے والے اور اپنی استعداد کے مطابق اس کا پرچار کرنے والوں کے نامہ اعمال سے ان کے گناہوں کو کلیتاً ختم کر دیا جائے گا۔ الحمد للہ علی ذالک!

«مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ» (رواہ مسلم: کتاب الإمارۃ، باب فضل إعانۃ الغازی)

”جس نے نیکی کے کام کی رہنمائی کی اس کو نیکی کرنے والے کے برابر اجر ملے گا۔“

نبی اکرم ﷺ کی دعا:

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَقُولُ فِي سُجُودِهِ «اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي كُلَّهُ دِقَّهُ وَجِلَّهُ وَأَوَّلَهُ وَآخِرَهُ وَعَلَانِيَتَهُ وَسِرَّهُ» (رواہ مسلم: کتاب الصلاۃ)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ رسول ﷺ اپنے سجدوں میں پڑھا کرتے تھے اے اللہ میرے چھوٹے اور بڑے پہلے اور بعد والے، اعلانیہ اور پوشیدہ کیے ہوئے تمام کے تمام گناہ معاف فرما دے۔“

احسن بات اور احسن عمل:

{ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ }

(حٰم السجدہ: ۳۳)

”اور اُس شخص کی بات سے اچھی بات کسی کی ہو سکتی ہے کہ جس نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیے اور اقرار کیا کہ میں مسلمان ہوں۔“

مسائل

۱۔ جس شخص نے حق قبول کیا اور اسے لوگوں تک پہنچایا اس کے لیے بہترین اجر ہوگا۔

۲۔ حق قبول کرنے اور اسے دوسروں تک پہنچانے والے کے گناہوں کو بالکل ختم کر دیا جاتا ہے۔

۳۔ مذکورہ شخص پر اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے بے انتہا کرم نوازیاں فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے گناہ معاف کرتا ہے:

۱۔ میں اللہ سے مغفرت طلب کروں گا بے شک وہ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔ (یوسف: ۹۸)

۲۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے معاف کر دے، جسے چاہے عذاب دے، وہ بخشنے اور رحم فرمانے والا ہے۔ (آل عمران: ۱۲۹)

۳۔ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا یقیناً وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (التوبۃ: ۹۹)

۴۔ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو یقیناً وہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔ (البقرۃ: ۱۹۹)

۵۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں سکتے اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (النحل: ۱۸)

۶۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے یہی لوگ امیدوار ہیں اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (البقرۃ: ۲۱۸)

۷۔ اے رب ہمیں معاف کر دے اور ہم پر رحم فرما تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (المومنون: ۱۰۹)

اَلَيْسَ	اللّٰهُ	بِكَافٍ	عَبْدَهٗ ؕ	وَ يُخَوِّفُوْنَكَ	بِالَّذِيْنَ	مِنْ
کیانہیں	اللہ	کافی	اپنے بندے کو	اور وہ ڈراتے ہیں آپ کو	ان لوگوں کے ساتھ	سے
دُوْنِهٖ ؕ	وَمَنْ	يُّضْلِلِ	اللّٰهُ	فَمَا	لَهٗ	
اس کے سوا	اور جس کو	گمراہ کردے	اللہ	تو نہیں	اس کے لیے	
مِنْ هَادٍ ۚ﴿۳۶﴾	وَمَنْ	يَّهْدِ	اللّٰهُ	فَمَا	لَهٗ	مِنْ
کوئی ہدایت دینے والا	اور جسے	ہدایت دے	اللہ	تو نہیں	اس کو	کوئی
مُّضِلٍّ ؕ	اَلَيْسَ	اللّٰهُ	بِعَزِيْزٍ	ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾		
گمراہ کرنے والا	کیانہیں	اللہ	غالب	انتقام لینے والا		

”اے نبی کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟ وہ آپ کو اللہ کے سوا دوسروں سے ڈراتے ہیں جسے اللہ گمراہی میں مبتلا کرے اُسے کوئی راستہ دکھانے والا نہیں۔(۳۶) اور جسے اللہ ہدایت دے اُسے کوئی بھٹکانے والا نہیں کیا اللہ زبردست اور انتقام لینے والا نہیں ہے۔؟“(۳۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حق کی تصدیق اور تبلیغ کرنیوالوں کے لیے آخرت کے اجر کے ساتھ دنیا میں اان کی دستگیری کا اعلان۔

حق بات کو قبول اور اس کا پرچار کرنا بالخصوص توحید باری تعالیٰ کا پرچار کرنا ہمیشہ سے مشکل ترین کام رہا ہے۔جس شخص نے بھی توحیدِ باری تعالیٰ کا پرچار کرنے کی کوشش کی کفر وشرک کے دلدادہ لوگوں نے اس کا جینا دوبھر کردیا،اس راستے میں سب سے زیادہ مشکلات کا سامنا انبیائے کرام علیہم السلام کو کرنا پڑا مشرکین نے انبیائے کرام علیہم السلام کو جسمانی اذیتوں میں مبتلا کرنے کے ساتھ انہیں اعصابی اور فکری طور پر توڑ دینے کی کوشش کی۔”اللہ“ کی توحید کا پرچار اور حق کے ابلاغ میں انبیاء کرام میں سب سے زیادہ تکلیفیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائیں گئیں جسمانی اور ذہنی تکالیف کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہہ کر دبانے کی کوشش کی گئی کہ اگر تو نے ہمارے خداؤں کی مخالفت جاری رکھی تو یہ تجھے تہس نہس کردیں گے اللہ تعالیٰ نے اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ضمانت دی ہے کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں؟ بندے سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ہجرت کے وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غارِ ثور میں تھے تو کفار تلاش کرتے کرتے غار کے دہانے پر پہنچ گئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھبرا کر کہنے لگے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ یہاں بھی پہنچ گئے ہیں آپ نے فرمایا ابوبکر گھبراؤ نہیں ”اللہ“ ہمارے ساتھ ہے۔اس کا دوسرا معنٰی یہ ہے کہ میرے نبی کی مخالفت کرنے والو!تم ایڑی چوٹی کا زور لگالو۔نہ تم میرے نبی کو گزند پہنچا سکتے ہو اور نہ ہی دین حق کو دبا سکتے ہو تمہاری مخالفت کرنا انوکھی بات نہیں یہ شروع سے ہوتا آرہا ہے کہ مشرک حق

والوں کو اپنے معبودوں سے ڈراتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں سے ڈرانے والے گمراہ ہوتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ گمراہی کے لیے کھلا چھوڑ دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت پر قائم رکھے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا ہر کسی کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بدلہ لینے میں پوری طرح غالب ہے اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے داعی اور حق کے مبلغ کو ہدایت پر قائم رہنے کی ضمانت دی ہے۔

آپ ﷺ کی دعا:

(یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ) (رواہ الترمذی: کتاب الدعوات [صحیح])

''اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھنا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر حال میں اپنے بندے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں سے ڈرانے والے گمراہ ہوتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ جسے گمراہی کے لیے کھلا چھوڑ دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ جسے ہدایت پر قائم فرمائے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا۔

تفسیر بالقرآن

مشرکین کا انبیاء علیہم السلام کو ڈرانا:

۱۔ مشرکوں کی حضرت نوح علیہ السلام کو دھمکی اگر تو باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر دیا جائے گا۔ (الشعراء: ۱۱۶)

۲۔ ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے کہا اگر تو باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کردوں گا۔ (مریم: ۴۶)

۳۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی دھمکی دی۔ (المؤمن: ۲۶) ۴۔ شعیب علیہ السلام کو سنگسار کرنے کی دھمکیاں دیں۔ (ھود: ۹۱)

۵۔ مشرکوں کی حضرت لوط علیہ السلام کو دھمکی کہ اگر تو باز نہ آیا تو تمھیں شہر بدر کر دیں گے۔ (الشعراء: ۱۶۷)

۶۔ مشرکوں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا کہ ہم تجھے اور تجھ پر ایمان لانے والوں کو شہر سے نکال دیں گے۔ (الاعراف: ۸۸)

۷۔ فرعون کی ایمانداروں کو دھمکیاں کہ میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دوں گا اور تمھیں کھجور کے تنوں پر سولی چڑھا دوں گا۔ (طٰہٰ: ۷۱)

۸۔ یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی چڑھانے کی کوشش کی۔ (النساء: ۱۵۷)

۹۔ کفار نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ (الانفال: ۳۰)

وَلَئِنْ	سَاَلْتَهُمْ	مَّنْ	خَلَقَ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضَ	لَيَقُوْلُنَّ
اورالبتہ اگر	آپ پوچھیں ان سے	کس نے	پیدا کیا	آسمانوں	اور زمین کو	وہ ضرور کہیں گے
اللّٰهُ	قُلْ	اَفَرَءَيْتُمْ	مَّا	تَدْعُوْنَ	مِنْ	دُوْنِ
اللہ نے	آپ فرمادیجیے	بھلا دیکھو تم	جن کو	تم پکارتے ہو	سے	سوا
اللّٰهِ	اِنْ	اَرَادَنِيَ	اللّٰهُ	بِضُرٍّ	هَلْ	هُنَّ
اللہ کے	اگر	ارادہ کرے میرے ساتھ	اللہ	تکلیف کا	کیا	وہ
كٰشِفٰتُ	ضُرِّهٖٓ	اَوْ	اَرَادَنِيْ	بِرَحْمَةٍ	هَلْ	هُنَّ
دور کرسکتے ہیں	اس کی تکلیف	یا	وہ ارادہ کرے میرے حق میں	رحمت کا	کیا	وہ

’’اگر آپ ان لوگوں سے پوچھیں کہ زمین اور آسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے جواب دیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا ہے۔فرمادیں کہ اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو کیا جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ مجھے اس نقصان سے بچا سکتے ہیں؟ یا اللہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ کی توحید اور دین حق سے بھٹکے ہوئے لوگوں سے ایک سوال۔

قرآن مجید نے اللہ کی توحید سمجھانے اور دین حق کی پہچان کروانے کے لیے ہر زاویہ سے کوشش فرمائی ہے کہ لوگ اللہ کی توحید کا اقرار کریں جو دین حق کی مرکزی اور پہلی اساس ہے۔مشرکین کی سوئی ہوئی حِس کو بیدار کرنے کے لیے سوال کیا جارہا ہے کہ اے نبی ﷺ! اگر آپ ان سے استفسار فرمائیں کہ زمین وآسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے ان کا یہی جواب ہوگا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اب ان سے پھر سوال کریں کہ جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو اگر مجھے اللہ کی طرف سے تکلیف پہنچے تو کیا وہ اس تکلیف کو دور کرسکتے ہیں؟ اگر میرا رب مجھ پر اپنی رحمت کا نزول فرمائے تو زمین وآسمانوں میں کوئی ایسی ہستی اور طاقت ہے جو اللہ کی رحمت کے نزول میں رکاوٹ ڈال سکے؟ ظاہر بات ہے کہ جس طرح زمین وآسمانوں کی تخلیق میں کسی کا کوئی عمل دخل نہیں اسی طرح کوئی نفع اور نقصان پر اختیار رکھنے والا نہیں ہے۔اسی حقیقت کے پیشِ نظر مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خوشی اور غم، عُسر اور یُسر میں اپنے ’’اللہ‘‘ پر بھروسہ کروں حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندے ’’اللہ‘‘ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

اس سے پہلی آیت کے تناظر میں اس کا یہ بھی مفہوم لیا جاسکتا ہے کہ جن بتوں، دیوتاؤں اور زندہ اور فوت شدہ ہستیوں سے مجھے ڈراتے ہو وہ میرا کچھ بھی بگاڑ اور سنوار نہیں سکتیں اگر تم اتنی بڑی سچائی پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہو تو مجھ سے الجھنے کی بجائے اپنے عقیدہ پر عمل کرو اور میں اپنے عقیدہ پر قائم رہتا ہوں عنقریب تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ کس پر دنیا کی

مُمْسِكٰتُ	رَحْمَتِهٖ ؕ	قُلْ	حَسْبِيَ	اللّٰهُ ؕ	عَلَيْهِ	يَتَوَكَّلُ
روک سکتے ہیں	اس کی مہربانی	فرما دیجیے	مجھے کافی ہے	اللہ	اسی پر	بھروسا کرتے ہیں
الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۳۸	قُلْ	يٰقَوْمِ	اعْمَلُوْا	عَلٰى	مَكَانَتِكُمْ	اِنِّيْ
بھروسا کرنے والے	آپ فرما دیجیے	اے میری قوم	تم عمل کرو	پر	اپنی جگہ	بے شک میں
عَامِلٌ ۚ	فَسَوْفَ	تَعْلَمُوْنَ ۝۳۹	مَنْ	يَّاْتِيْهِ	عَذَابٌ	
عمل کرنے والا ہوں	پھر عنقریب	تم جان لوگے	کون	آتا ہے اس کے پاس	عذاب	
يُّخْزِيْهِ	وَيَحِلُّ	عَلَيْهِ	عَذَابٌ	مُّقِيْمٌ ۝۴۰		
جو اس کو رسوا کردے	اور اترتا ہے	اس پر	عذاب	ہمیشہ رہنے والا		

اس کی رحمت کو روک سکیں گے؟ پس انہیں فرما دیں کہ میرے لیے "اللہ" کافی ہے، بھروسہ کرنے والے اُسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (۳۸) ان سے فرمائیں کہ اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی جگہ اپنا کام کیے جاؤ میں اپنا کام کرتا رہوں گا عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ (۳۹) کہ کس پر رُسوا کن عذاب آتا ہے اور کسے ایسی سزا ملتی ہے جو ہمیشہ رہنے والی ہے۔" (۴۰)

ذلت نازل ہوتی ہے اور کون ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔

«عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ أَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ أَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ اللّٰهُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلاَ مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلاَ يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ» (رواه مسلم: باب مَا يَقُولُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ)

"حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اُٹھاتے تو کہتے، اے ہمارے رب! تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں آسمانوں و زمین کے درمیان خلاء جتنی اور اس کے بعد جتنی تو چاہتا ہے تو اُس تعریف کا سب سے زیادہ اہل ہے اور اُس بزرگی کا سب سے زیادہ حق رکھتا ہے جو تعریف اور عظمت بندے بیان کرتے ہے ہم سب کے سب تیرے ہی بندے ہیں اے اللہ! جو چیز تو عطا فرمائے اُسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو چیز تو روک لے اُس کو کوئی عطا کرنے والا نہیں، تجھ سے بڑھ کر کوئی عظمت والا اور نفع نہیں دے سکتا۔"

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمًا فَقَالَ يَاغُلَامُ إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ احْفَظِ اللهَ يَحْفَظْكَ احْفَظِ اللهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ

كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى أَنْ يَضُرُّوْكَ بِشَيْئٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ إِلَّا بِشَيْئٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ»

(رواه الترمذی: کتاب صفة القیامة والرقائق والورع،باب منه [صحیح])

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک دن میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا آپ نے فرمایا: بچے! میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں اللہ کو یاد رکھنا وہ تجھے یاد رکھے گا، جب تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا تو اسے اپنے سامنے پائے گا، جب سوال کرے تو اللہ ہی سے سوال کر، جب مدد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کر اور یقین رکھ کہ اگر پوری مخلوق تجھے کچھ نفع دینے کے لیے جمع ہوجائے تو وہ اتنا ہی نفع دے سکتی ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ رکھا ہے اور اگر وہ تجھے نقصان پہنچانے پر تل جائے تو تجھے اتنا ہی نقصان پہنچے گا جتنا تیرے حق میں لکھا گیا ہے،قلمیں اٹھالی گئیں ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔''

مسائل

۱۔ ہر دور کے مشرک اس بات کا اعتراف کرتے رہے اور کرتے رہیں گے کہ زمین وآسمانوں کو صرف ایک اللہ نے پیدا کیا ہے؟

۲۔ اللہ کے سوا کوئی نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہے۔

۳۔ حقیقت یہ ہے کہ سب کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔

۴۔ مشرک دنیا میں ذلیل ہوتا ہے اور آخرت میں ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی نفع اور نقصان، شر اور خیر کا مالک ہے:

۱۔ کیا تم اللہ کے سوا دوسروں کو خیر خواہ سمجھتے ہو جو اپنے بھی نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں۔ (الرعد:۱۶)

۲۔ میں اپنے نفع ونقصان کا بھی مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے؟ (یونس:۴۹)

۳۔ کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں؟ (المائدۃ:۷۶)

۴۔ اگر اللہ تمہیں نفع ونقصان میں مبتلا کرنا چاہے تو کون اس سے بچائے گا۔ (الفتح:۱۱)

۵۔ معبودانِ باطل اپنی جانوں کے نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں۔ (الفرقان:۳)

۶۔ فرما دیجیے کہ میں اپنے نفس کے نفع ونقصان کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ (الاعراف:۱۸۸)

۷۔ اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارو جو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع دے سکتا ہے۔ (یونس:۱۰۶)

۸۔ اللہ کے سوا کوئی ذرہ بھر بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں ہے۔ (الانبیاء:۶۶)

اِنَّآ	اَنْزَلْنَا	عَلَيْكَ	الْكِتٰبَ	لِلنَّاسِ	بِالْحَقِّ ۚ	فَمَنِ
بلاشبہ	ہم نے نازل کی	آپ پر	کتاب	لوگوں کے لیے	حق کے ساتھ	پھر جس نے
اهْتَدٰى	فَلِنَفْسِهٖ ۚ	وَمَنْ	ضَلَّ	فَاِنَّمَا	يَضِلُّ	
ہدایت پائی	تو اپنے لیے	اور جو	گمراہ ہوا	تو صرف	وہ گمراہ ہوتا ہے	
عَلَيْهَا ۚ	وَمَآ	اَنْتَ	عَلَيْهِمْ	بِوَكِيْلٍ ۴۱ ع		
اپنے اوپر	اور نہیں	آپ	ان پر	ذمے دار		

ع ۴ / ۱۰ / ۱

”اے نبی ہم نے سب انسانوں کے لیے کتابِ حق آپ پر نازل کی ہے۔ جو سیدھا راستہ اختیار کرے گا وہ اپنے ہی لیے اختیار کرے گا اور جو بھٹکے گا اس کے بھٹکنے کا دبال اُسی پر ہوگا آپ ان کے ذمہ دار نہیں۔“ (۴۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عقیدہ توحید کے مفہوم میں یہ بات بنیادی حیثیت رکھتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اپنے اور دوسرے کے نفع اور نقصان کا مالک نہیں اسی طرح کوئی اپنی اور کسی کی ہدایت اور گمراہی کا بھی اختیار نہیں رکھتا۔ یہاں تک کہ نبی ﷺ بھی کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے تھے۔

نبی کریم ﷺ دن کے وقت لوگوں کی ہدایت کے لیے محنت فرماتے اور رات کو تہجد کی نماز میں ان کے لیے رو رو کر دعائیں کرتے اس کے باوجود لوگ آپ کی مخالفت میں آگے ہی بڑھتے جارہے تھے اس صورتِ حال پر آپ ﷺ رنجیدہ خاطر ہوجاتے جس پر آپ کو تسلی دینے کے ساتھ یہ حقیقت بتلائی گئی ہے کہ ہم نے آپ کی طرف قرآن مجید اس لیے نازل فرمایا کہ آپ اس کے ذریعے لوگوں کی راہنمائی فرمائیں اگر لوگ قرآن مجید سے راہنمائی پانے کے لیے تیار نہیں ہیں تو آپ دو باتیں یاد رکھیں جن میں پہلی بات یہ ہے کہ آپ کا کام حق بات پہنچانا ہے منوانا نہیں دوسری حقیقت یہ ہے کہ جو قرآن مجید سے راہنمائی پائے گا دنیا اور آخرت میں اس کا فائدہ اسی کو ہوگا جس نے رہنمائی پانے کی بجائے اپنے لیے گمراہی کو پسند کیا اس کا نقصان بھی اسے ہی اٹھانا پڑے گا کیونکہ ہم نے آپ کو ان کا وکیل نہیں بنایا لہٰذا آپ کا کام لوگوں تک حق بات پہنچانا ہے سو آپ پہنچاتے جائیں۔ اس کا دوسرا معنیٰ یہ بھی ہے کہ اے رسول ﷺ! ان کی گمراہی کا آپ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا اس بات کو یوں بھی بیان فرمایا ہے۔

{فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ} (الغاشیہ: ۲۱)

”آپ انہیں نصیحت کرتے رہیں آپ کا کام بس پہنچانا ہے۔“

اَللّٰهُ	يَتَوَفَّى	الْاَنْفُسَ	حِيْنَ	مَوْتِهَا	وَالَّتِيْ
اللہ	وہ قبض کرتا ہے	جانیں	وقت	ان کی موت کے	اور جو
لَمْ	تَمُتْ	فِيْ	مَنَامِهَا ج	فَيُمْسِكُ	الَّتِيْ قَضٰى
نہیں	مریں	میں	ان کی نیند	پھر وہ روک لیتا ہے	جو اس نے فیصلہ کردیا
عَلَيْهَا	الْمَوْتَ	وَيُرْسِلُ	الْاُخْرٰٓى	اِلٰٓى اَجَلٍ	مُّسَمًّى ط
اس پر	موت کا	اور وہ بھیجتا ہے	دوسری	طرف وقت کی	مقرر
اِنَّ	فِيْ	ذٰلِكَ	لَاٰيٰتٍ	لِّقَوْمٍ	يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾
بلاشبہ	میں	اس	البتہ نشانیاں ہیں	اس قوم کے لیے	جو غور وفکر کرتے ہیں

’’اللہ ہی موت کے وقت رُوحیں قبض کرتا ہے اور جسے موت نہیں آتی اُس کی روح نیند میں قبض کرتا ہے، جس پر موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اسے روک لیتا ہے اور دوسروں کی روحیں ایک وقتِ مقرر کے لیے واپس بھیج دیتا ہے اس میں بڑی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرنے والے ہیں۔‘‘(۴۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان ﷺ کو کسی شخص کی ہدایت کا ذمہ دار نہیں بنایا کیونکہ ’’اللہ‘‘ ہی ہدایت اور گمراہی کا مالک ہے جس طرح اللہ تعالیٰ ہدایت وگمراہی کا مالک ہے اسی طرح ہی وہ لوگوں کی موت وحیات پر بھی اختیار رکھتا ہے اس نے موت وحیات کا سلسلہ اس لیے بنایا ہے تاکہ لوگ اپنے انجام کے بارے میں غور وفکر کریں۔

اللہ ہی روحوں کو موت دیتا ہے جن کی موت کا وقت نہیں آتا ان کو ان کی نیند کے بعد لٹا دیتا ہے نیند اور بیداری کے عمل سے گزرتے ہوئے انسان کی زندگی پوری ہوجاتی ہے جب اس کی زندگی پوری ہوجاتی ہے یعنی اس کی موت کا وقت آجاتا ہے تو اس کی روح کو قبض کرلیا جاتا ہے اگر انسان نیند اور بیداری کے عمل پر غور کرے تو رب تعالیٰ کو پہچاننے کے لیے یہی دلیل کافی ہے۔ اسی لیے فرمایا ہے کہ غور کرنے والوں کے لیے نیند میں راہنمائی کے بہت سے دلائل ہیں اس سے پہلی آیت میں ہدایت اور گمراہی کی بات کی ہے اس لیے یہاں جسمانی موت کے ذکر میں روحانی موت کی طرف بھی اشارہ ہے ہدایت یافتہ انسان روحانی یعنی ایمانی طور پر زندہ ہے اور گمراہ شخص روحانی طور پر مردہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر نیند کو موت کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ نیند اور موت میں کافی حد تک مشابہت پائی جاتی ہے۔ ① جس طرح موت کے بعد انسان کو اپنے آپ اور گردوپیش کا علم نہیں ہوتا اسی طرح گہری نیند سونے والے کو بھی اپنے آپ اور اردگرد کے ماحول کی خبر نہیں ہوتی۔ ② جس طرح موت کے بعد انسان کا عمل ختم ہوجاتا ہے اسی طرح سونے والے کا عمل بھی رُک جاتا ہے۔ ③ جس طرح

موت کے بعد انسان اپنا دفاع نہیں کرسکتا اسی طرح نیند کے دوران آدمی اپنا دفاع نہیں کرسکتا۔ ④ جس طرح موت کے بعد آدمی سننے، دیکھنے اور پکڑنے کی صلاحیتوں سے محروم ہوجاتا ہے اسی طرح گہری نیند میں آدمی ایک حد تک سننے، دیکھنے اور پکڑنے کی طاقت سے محروم ہوجاتا ہے۔ ⑤ جس طرح فوت شدہ آدمی بے بس اور دنیا سے لاتعلق ہوتا ہے اسی طرح گہری نیند سونے والا بھی بے بس اور کچھ وقت کے لیے دنیا سے لاتعلق ہوجاتا ہے۔ ⑥ جس طرح مرنے والے کی روح کو کوئی واپس نہیں لاسکتا اسی طرح سونے والے کی روح کو بھی اللہ کے سوا کوئی واپس نہیں لٹا سکتا۔ اسی لیے نیند کے لیے "یَتَوَفّٰی" کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنٰی ہے پورا پورا لینا ان وجوہات کی بنا پر نیند کو موت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے گو میڈیکل سائنس اس نقطہ پر نہیں پہنچ پائی لیکن قرآن مجید اور حدیث شریف کے الفاظ سے اشارہ ملتا ہے کہ نیند کے دوران ایک لمحہ ایسا آتا ہے جب انسان کی روح حقیقتاً اس کے جسم سے نکلتی جاتی ہے۔ (اللہ اعلم)

نیند کے بے شمار فوائد میں ایک فائدہ کی طرف توجہ فرمائیں اور غور کریں کہ انسان کا جسم تھکاوٹ سے چکنا چور ہوچکا ہو لیکن جوں ہی نیند اسے اپنی آغوش میں لیتی ہے تو تھکاوٹ دور اور طبیعت تازہ ہی نہیں بلکہ پہلے کی طرح آدمی کی انرجی بحال ہوجاتی ہے۔ سب سے بڑی حقیقت سمجھنے والی یہ ہے کہ جو رب انسان کو نیند سے اُٹھاتا ہے وہی قیامت کے دن اسے اٹھائے گا۔

سونے کی دعا

«عَنْ حُذَیْفَةَ ؓ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا اَخَذَ مَضْجِعَهُ مِنَ اللَّیْلِ وَضَعَ یَدَهُ تَحْتَ خَدِّہٖ ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی وَاِذَا اسْتَیْقَظَ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ» (رواہ البخاری: کتاب الدعوات)

”حضرت حذیفہ ؓ بیان کرتے ہیں جب رات کو نبی ﷺ اپنے بستر پر لیٹتے تو اپنا ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھتے اور یہ دعا کرتے۔ ”الٰہی! تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں اور اسی کے ساتھ زندہ ہوتا ہوں۔“ جاگنے کے بعد پڑھتے ”تمام تعریفوں اور شکرانوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے جس نے ہمیں مرنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔“ (بخاری) مزید دعائیں حدیث کی کتب میں ملاحظہ فرمائیں اور یاد کریں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی انسان کو موت دینے والا ہے۔ ۲۔ نیند میں موت کا سبق پوشیدہ ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہی انسان کو نیند کی صورت میں مارتا اور بیداری کی صورت میں زندگی دیتا ہے۔

اَمِ	اتَّخَذُوْا	مِنْ	دُوْنِ	اللّٰهِ	شُفَعَآءَ	قُلْ
کیا	انہوں نے بنائے ہیں	سے	سوا	اللہ کے	سفارشی	آپ فرمادیں
اَوَ لَوْ	كَانُوْا	لَا	يَمْلِكُوْنَ	شَيْـًٔا	وَّلَا	يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾
کیا اگر	ہوں	نہ	وہ اختیار رکھتے	کسی چیز کا	اور نہ	وہ عقل رکھتے
قُلْ	لِّلّٰهِ	الشَّفَاعَةُ	جَمِيْعًا	لَهٗ	مُلْكُ	السَّمٰوٰتِ
آپ فرمائیں اللہ کے لیے		سفارش ہے	سب کی سب	اسی کے لیے	بادشاہی ہے	آسمانوں کی
وَالْاَرْضِ		ثُمَّ	اِلَيْهِ	تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾		
اور زمین کی		پھر	اسی کی طرف	تم لوٹائے جاؤ گے		

”کیا اللہ کو چھوڑ کر ان لوگوں نے دوسروں کو شفیع بنا رکھا ہے ان سے فرمائیں کیا وہ شفاعت کریں گے خواہ اُن کے اختیار میں کچھ بھی نہ ہو اور وہ شعور بھی نہ رکھتے ہوں۔ (۴۳) فرماؤ کہ شفاعت ساری کی ساری اللہ کے اختیار میں ہے، آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا وہی مالک ہے پھر اُسی کی طرف تم لوٹائے جانے والے ہو۔“ (۴۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو سونے کے بعد اُٹھنے پر اختیار نہیں رکھتے وہ ربِ ذوالجلال کے سامنے اپنی مرضی سے سفارش کس طرح کر سکتے ہیں؟

اس آیت مبارکہ سے چار آیات پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا کہ کفار اور مشرکین سے پوچھو کہ زمین و آسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ان کا جواب یہی تھا اور ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہی زمین و آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ جب زمین و آسمانوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس میں سے کوئی چیز بھی اللہ کے سوا کسی نے پیدا نہیں کی تو پھر تم کس بنیاد پر یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں فلاں کو اپنی خدائی میں کچھ اختیارات دے رکھے ہیں۔ کہ جس بنیاد پر بزرگ سفارش کریں گے اور وہ مسترد نہ ہو سکے گی۔ اے رسول ﷺ! ان سے استفسار فرمائیں کہ بے شک انہیں سفارش کا اختیار نہ ہو اور جس کے بارے میں سفارش کرنی ہے اس کے بارے میں کچھ علم نہ ہو تو پھر بھی وہ سفارش کریں گے؟ انہیں سمجھائیں کہ سفارش کی اجازت دینے اور اسے قبول کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کیونکہ وہی زمین و آسمانوں کا مالک ہے تم اس کے مملوک ہو اور اسی کے ہاں تم نے پلٹ کر جانا ہے وہ تمہیں بتائے گا کہ تم دنیا میں کیا کر کے آئے ہو۔ سفارش کے بارے میں قرآن مجید اور حدیث میں وضاحت موجود ہے کہ سفارش کرنے کی کن حضرات کو اجازت ہوگی اور وہ کن اصولوں کے تحت کس کس کی اور کس دائرہ کار کے اندر رہ کر سفارش کر سکیں گے۔ قرآن و حدیث میں یہ بات کھول کر بیان کر دی گئی ہے کہ کافر، مشرک اور ظلم کرنے والوں کی سفارش کوئی بھی نہیں کر سکے گا اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے اپنی بیٹی اور پھوپھی کو فرمایا اور اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا

واقعہ بیان فرمایا تاکہ کسی کو غلط سفارش کے بارے میں کوئی شُبہ باقی نہ رہے۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی گرامی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے باپ آزر سے ملیں گے اس کے چہرے پر سیاہی اور غبار ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام اُسے کہیں گے کیا میں نے آپ سے کہا نہیں تھا؟ کہ میری نافرمانی نہ کرو۔ وہ کہے گا آج میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے کہ اے میرے رب آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں تجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کرونگا میرے باپ سے زیادہ بڑھ کر اور کونسی رسوائی ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے جنت کافروں پر حرام کردی ہے پھر کہا جائے گا ابراہیم اپنے پاؤں کی طرف دیکھو ابراہیم علیہ السلام اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں گے تو ان کا باپ کیچڑ میں لتھڑا ہوا بجو بن چکا ہوگا جسے اس کی ٹانگوں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔'' (رواہ البخاری: باب قول اللہ تعالیٰ واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب یہ آیت {اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے} نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے قریش کے لوگو! اپنے لیے کچھ کرلو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے فائدہ نہیں دے سکوں گا، اے بنی عبدِ مناف میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکوں گا' اے عباس بن عبدالمطلب! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ فائدہ نہیں دے سکوں گا، اور رسول کی پھوپھی صفیہ! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ فائدہ نہیں دے سکوں گا اور اے فاطمہ بنتِ محمد! میرے مال سے جو چاہتی ہے مانگ لے میں تجھے اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکوں گا۔'' (رواہ البخاری: کتاب الوصایا)

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن سفارش کے اصول:

۱۔ کون ہے جو اس کے حکم کے بغیر سفارش کرے۔ (البقرۃ: ۲۵۵)

۲۔ قیامت کے دن سفارشی کسی کو فائدہ یا نقصان نہیں دیں گے۔ (یونس: ۱۸)

۳۔ سفارش بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوگی۔ (الانبیاء: ۲۸)

۴۔ اللہ تعالیٰ اپنی پسند کی بات ہی قبول فرمائیں گے۔ (طٰہٰ: ۱۰۹)

۵۔ قیامت کے دن کسی سفارشی کی سفارش کام نہیں آئے گی۔ (المدثر: ۴۸)

۶۔ سفارش کا اختیار اسی کو ہوگا جسے رحمٰن اجازت دے گا۔ (مریم: ۸۷)

۷۔ اگر رحمٰن نقصان پہنچانا چاہے تو کسی کی سفارش کچھ کام نہیں آئے گی۔ (یٰس: ۲۳)

وَاِذَا	ذُكِرَ	اللّٰهُ	وَحْدَهُ	اشْمَاَزَّتْ	قُلُوْبُ	الَّذِيْنَ
اور جب	ذکر کیا جاتا ہے	اللہ	اکیلے کا	نفرت کرتے ہیں	دل	ان لوگوں کے جو
لَا يُؤْمِنُوْنَ	بِالْاٰخِرَةِ ج	وَاِذَا	ذُكِرَ	الَّذِيْنَ		
نہیں ایمان رکھتے	آخرت پر	اور جب	ذکر کیا جاتا ہے	ان لوگوں کا		
مِنْ	دُوْنِهٖٓ	اِذَا	هُمْ	يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾		
سے	اس کے سوا	اس وقت	وہ	بڑے خوش ہوتے ہیں		

”جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل کڑھنے لگتے ہیں اور جب اللہ کے سوا دوسروں کا ذکر ہوتا ہے تو اس وقت وہ خوش ہو جاتے ہیں۔“ (۴۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سفارش کے ختیارات تمام کے تمام اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، وہ اپنی ذات، صفات کے اعتبار سے اکیلا ہے اس بات کا کھول کر ذکر کیا جاتا ہے تو مشرک اسے بُرا سمجھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا دائمی اور حقیقی مالک ہے وہ اپنی مخلوق پر بلا شرکتِ غیرے کُلّی اختیار رکھتا ہے اس نے کسی اعتبار سے کسی کو بھی کوئی اختیار نہیں دیا۔ توحید کے اس پہلو کو کھول کر بیان کیا جائے تو مشرک کو یہ بات بری لگتی ہے جس بنا پر توحید کے بیان سے نفرت کرتا ہے لیکن جوں ہی بزرگوں کی جھوٹی، سچی کرامات اور ان کی شخصیت کا ذکر کیا جائے تو شرک سے محبت رکھنے والے لوگوں کے چہرے کِھل جاتے ہیں۔ مشرکانہ ماحول کے غلبہ کی وجہ سے اہلِ توحید کی غالب اکثریت ایسی ہے جو توحیدِ خالص اور عقیدہ کے مختلف پہلوں پر گفتگو سننے کی بجائے دوسرے عنوانات پر وعظ سننا زیادہ پسند کرتی ہے اسی بنا پر اہلِ مکہ مطالبہ کرتے تھے کہ اس قرآن کو بدل دیا جائے آج کے مشرک یہ مطالبہ کرنے کی جرأت تو نہیں کرتے لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی ”مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ“ اور ”مِنْ دُوْنِهٖ“ کے الفاظ آئے ہیں ان کا ترجمہ صرف بت ہی کرتے ہیں یقین کے لیے مشرکانہ عقیدہ رکھنے والے کسی بھی مفسر کی تفسیر دیکھی جا سکتی ہے حالانکہ اکثر مقامات پر ”مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ“ سے مراد بت نہیں زندہ یا فوت شدہ شخصیات ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ آخرت پر حقیقی ایمان نہیں رکھتے اگر ان کا آخرت پر حقیقی ایمان ہو تو ان کے دل اللہ کی ذات، اس کی صفات اور اختیارات کی بات سن کر باغ باغ ہو جانے چاہئیں کیونکہ کہ بڑی سے بڑی ہستی کو پیدا کرنے اور اسے شان دینے والا تو صرف ”اللہ“ ہے۔ مشرک کے آخرت پر ایمان کی اس لیے بھی نفی کی گئی ہے کہ اگر اس کا آخرت پر حقیقی ایمان ہو تو ”اللہ“ کی ذات، صفات اور اختیارات کو بلا شرکتِ غیرے تسلیم کرے اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر مطمئن ہو جائے اور اس کے ذکر پر انقباض کی بجائے خوشی کا اظہار کرنا چاہیے۔

من دون اللہ سے مراد بزرگ ہیں:

{ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ }

(الاعراف:۱۹۴)

''بے شک جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، وہ تمہاری طرح کے بندے ہیں، تو انہیں پکارو، پس چاہیے کہ تمہاری پکار کو قبول کریں، اگر تم سچے ہو (یعنی وہ تمہاری دعاؤں اور پکار سے بے خبر ہیں۔)'' (تفصیل کیلئے دیکھیں میری کتاب ''انبیاء کا طریقہ دعا'')

من دون اللہ سے مراد علماء، اولیاء اور عیسیٰ علیہ السلام:

{ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ } (التوبہ:۳۱)

''انہوں نے بنالیا اپنے پادریوں کو راہبوں کو پروردگار اللہ کو چھوڑ کر اور مریم کے فرزند مسیح کو بھی۔''

من دون اللہ سے مراد بت:

{ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ } (الانبیاء:۶۶)

''ابرہیم علیہ السلام نے کہا کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو کچھ بھی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے۔''

مسائل

۱۔ اللہ کی توحید سے مشرک ناراض ہوتا ہے۔ ۲۔ اللہ کے سوا دوسروں کے ذکر پر مشرک خوش ہوتا ہے۔

۳۔ مشرک کا آخرت پر حقیقی ایمان نہیں ہوتا۔

تفسیر بالقرآن

من دون کے دلائل:

۱۔ میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ (یونس: ۱۰۴)

۲۔ مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ (الانعام:۵۶)

۳۔ کیا میں اللہ کے سوا ان کو پکاروں جو نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ (الانعام:۷۱)

۴۔ جن کو لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں انھوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ (النحل:۲۰)

۵۔ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمھارے جیسے بندے ہیں۔ (الاعراف:۱۹۴)

۶۔ انہوں نے اپنے پادریوں اور راہبوں اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا معبود بنالیا۔ (التوبۃ:۳۱)

نوٹ: مشرکین کی توحید سے نفرت کے مزید دلائل کے لیے سورۃ المومن کی آیت ۱۲ ملاحظہ فرمائیں!

قُلِ	اللّٰهُمَّ	فَاطِرَ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ	عٰلِمَ
آپ کہیں	اے اللہ	پیدا کرنے والے	آسمانوں	اور زمین کو	جاننے والے
الْغَيْبِ	وَالشَّهَادَةِ	اَنْتَ	تَحْكُمُ	بَيْنَ	عِبَادِكَ
چھپے	اور ظاہر کو	تو	فیصلہ کرے گا	درمیان	اپنے بندوں کے
فِيْ	مَا	كَانُوْا	فِيْهِ	يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾	
میں	جو	وہ تھے	اُس میں	اختلاف کرتے	

''آپ کہیں الٰہی تو ہی آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا اور حاضر و غائب کو جاننے والا ہے، تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اُس بات کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔'' (۴۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بے شک مشرک اللہ تعالیٰ کی توحید کے ذکر سے ناراض اور دوسروں کے ذکر پر خوش ہوتے ہیں۔ اے نبی ﷺ! آپ کو اس بات کی پرواہ کیے بغیر صرف ایک رب کا ذکر کرنا اور اسی سے مانگنا ہے۔

اے رسول ﷺ اپنے رب سے دعا کریں! الٰہی! تو ہی زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کرنے والا اور تو ہی ہر چیز کے ظاہر اور باطن کو جاننے والا ہے اور تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان کے اختلافات کا فیصلہ کرنے والا ہے۔ مشرک اللہ کی وحدت کے ذکر پر ناراض اور اپنے معبودوں کے ذکر پر خوش ہوتے ہیں اور اہل توحید سے جھگڑا کرتے ہیں ان کے مقابلے میں نبی ﷺ اور مسلمانوں کو دعا سکھلائی گئی ہے کہ تمہیں مشرکین کی مخالفت کی پرواہ کیے بغیر اپنے رب کو یاد کرنا اور اس کی توحید کا پرچار کرتے رہنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ ذاتِ کبریا کے حضور دعا کرتے رہو کہ اے بارِ الٰہا! تو ہی زمینوں آسمانوں کا پیدا کرنے والا، غائب اور ظاہر کو جاننے والا ہے اور قیامت کے دن اپنے بندوں کے اختلافات کے درمیان فیصلہ صادر فرمانے والا ہے۔ اس کا بین السطور معنیٰ یہ ہے کہ الٰہی ہمیں ایسی طاقت عطا فرما کہ دنیا میں بھی حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہو جائے اسی لیے ہجرت سے پہلے آپ ﷺ کو یہ دعا سکھلائی گئی۔

{وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ۖ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾} (بنی اسرائیل: ۸۰، ۸۱)

''اور دعا کیجیے میرے رب! داخل کر مجھے سچائی کے ساتھ داخل کرنا اور نکال مجھے سچائی کے ساتھ نکالنا اور مجھے غلبہ اور مدد عطا فرما اور فرما دیں حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹنے ہی والا ہے۔''

{ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ } (الاعراف:۸۹)

''اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دے تو سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔''

جانوروں کے درمیان فیصلہ:

«عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقَ إِلٰى أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ» (رواہ مسلم: کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں قیامت کے دن لوگوں کے حقوق ان کے مالکوں کو ادا کرنا پڑیں گے، یہاں تک کہ جس بکری کے سینگ نہیں ہیں اسے سینگ والی بکری سے بدلہ دلایا جائے گا۔''

مسائل

۱۔ اللہ ہی زمینوں آسمانوں کا خالق اور ظاہر اور باطن کو جاننے والا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔ ۳۔ مومن کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کے درمیان قطعی اور آخری فیصلہ کرنے والا ہے:

۱۔ بے شک تیرا رب قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ (یونس: ۹۳)

۲۔ اللہ تعالیٰ ان کے معاملات کا فیصلہ فرمائے گا۔ (البقرۃ: ۲۱۰) ۳۔ اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ فیصلہ فرماتا ہے۔ (المومن: ۲۰)

۴۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ فرمائے گا۔ (النمل: ۷۸)

۵۔ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔ (یونس: ۵۴)

۶۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا۔ (الحج: ۶۹)

۷۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عدل وانصاف کا ترازو قائم فرمائے گا۔ (الانبیاء: ۴۷)

۸۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا جو وہ اختلاف کرتے تھے۔ (الزمر: ۳)

۹۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور مومنوں پر کافر کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔ (النساء: ۱۴۱)

۱۰۔ یا اللہ میرے حق میں فیصلہ فرمادے تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ (یوسف: ۸۰)

۱۱۔ اے اللہ یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (ھود: ۴۵)

۱۲۔ وحی کی فرمانبرداری کرو اور صبر کرو تا آنکہ اللہ فیصلہ فرمادے اللہ تعالیٰ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ (یونس: ۱۰۹)

وَلَوْ	اَنَّ	لِلَّذِيْنَ	ظَلَمُوْا	مَا	فِي	الْاَرْضِ
اور اگر ہو	بلاشبہ	لوگوں کے لیے	جنھوں نے ظلم کیا	جو	میں	زمین
جَمِيْعًا	وَّمِثْلَهٗ	مَعَهٗ	لَافْتَدَوْا	بِهٖ	مِنْ	سُوْٓءِ
سب	اور اس کی مثل	اس کے ساتھ	تو وہ فدیے میں دے دیں	اس کے ساتھ	سے	بُرے
الْعَذَابِ	يَوْمَ	الْقِيٰمَةِ	وَبَدَا	لَهُمْ	مِّنَ	اللّٰهِ
عذاب	دن	قیامت کے	اور ظاہر ہو جائے گا	ان کے لیے	سے	اللہ
مَا	لَمْ	يَكُوْنُوْا	يَحْتَسِبُوْنَ ۴۷	وَبَدَا	لَهُمْ	سَيِّاٰتُ
جس کو	نہیں	وہ تھے	گمان کرتے	اور ظاہر ہو جائیں گی	ان کے لیے	برائیاں
مَا	كَسَبُوْا	وَحَاقَ	بِهِمْ	مَّا	كَانُوْا	بِهٖ	يَسْتَهْزِءُوْنَ ۴۸
جو	انھوں نے کمایا	اور گھیر لے گا	ان کو	جو	وہ تھے	اس کے ساتھ	مذاق کرتے

''اگر ظالموں کے پاس زمین کی ساری دولت ہو، اور اتنی مزید ہو قیامت کے دن بدترین عذاب سے بچنے کے لیے سب کچھ فدیے میں دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ وہاں اللہ کی طرف سے اِن کے سامنے وہ کچھ آئے گا جس کا انھوں نے کبھی خیال بھی نہیں کیا ہوگا۔ (۴۷) وہاں ان کی کمائی کے سارے برے نتائج ان پر کھل جائیں گے اور وہی چیز ان پر مسلّط ہو جائے گی جس کا یہ مذاق اُڑاتے رہے۔'' (۴۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ظالموں کے بارے میں جو فیصلہ فرمائیں گے اسے کسی صورت تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ظالموں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ صادر فرمائے گا ظالم سے مراد ہر قسم کے ظالم ہیں۔ ان میں سرِ فہرست وہ ظالم ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں دوسروں کو شریک بنایا ہوگا۔ ایسے ظالموں کو جہنم میں جھونکا جائے گا تو وہ اس بات کی خواہش کریں گے کہ کاش! ہمارے پاس زمین کے خزانے اور اتنا کچھ اور ہو تو ہم جہنم کے عذاب سے بچنے کے لیے سب کچھ دے کر اپنی جان بچالیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے سامنے وہ کچھ ظاہر فرمائے گا جس کا آج یہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ان کے بُرے اعمال ایک ایک کر کے ان کے سامنے لائے جائیں گے اور جس عذاب کو یہ مذاق سمجھتے تھے وہ ان کو ہر جانب سے گھیرے ہوئے ہوگا۔

«عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَيَقُوْلُ لَهُ يَا ابْنَ آدَمَ كَيْفَ وَجَدْتَ مَنْزِلَكَ فَيَقُوْلُ أَىْ رَبِّ شَرُّ مَنْزِلٍ فَيَقُوْلُ لَهُ أَتَفْتَدِيْ مِنْهُ بِطِلَاعِ الْأَرْضِ ذَهَبًا فَيَقُوْلُ أَيْ رَبِّ نَعَمْ فَيَقُوْلُ كَذَبْتَ فَقَدْ سَأَلْتُكَ أَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ وَأَيْسَرَ فَلَمْ تَفْعَلْ فَيُرَدُّ إِلَى النَّارِ» (مسند أحمد: كتاب باقی مسند المكثرين، باب باقی المسند السابق [صحيح])

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک جہنمی لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا۔ اے ابن آدم تو نے اپنا ٹھکانہ کیسا پایا؟ وہ جواب دے گا اے میرے رب! بدترین ٹھکانہ ہے اللہ تعالیٰ اسے کہیں گے کیا تو زمین بھر کر سونا فدیہ کے طور پر دینے کے لئے تیار ہے؟ وہ کہے گا ہاں میرے رب۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے میں نے تو تجھ سے اس سے کم اور آسان کام کا مطالبہ کیا تھا تو نے اسے نہ کیا پھر اسے جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔“

① اللہ تعالیٰ نے انسان کے شرف اور مقام کے پیشِ نظر اسے صرف اپنے سامنے جھکنے کا حکم دیا ہے لیکن مشرک اس بات کی ناقدری کرتے ہوئے دردر کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔

② اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف اپنی بارگاہ سے مانگنے کا حکم دیا لیکن مشرک ہر جگہ جھولی پھیلائے پھرتا ہے۔

مسائل

۱۔ قیامت کے دن ظالم خواہش کریں گے کہ زمین اور اس کے برابر چیز دے کر اپنی جان چھڑالیں۔
۲۔ قیامت کے دن ظالموں کے تمام اعمال ان کے سامنے لائے جائیں گے۔
۳۔ قیامت کے دن ظالموں کو ہر طرف سے گھیر لیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

مذاق کرنے والے اور اُن کا انجام:

۱۔ وہ چیز ان کو گھیر لے گی جس کا یہ مذاق کرتے تھے۔ (ہود: ۸)
۲۔ جب وہ ہماری نشانیاں دیکھتے ہیں تو مذاق کرتے ہیں۔ (الصّٰفّٰت: ۱۴)
۳۔ وہ تعجب کرتے ہیں اور مذاق کرتے ہیں۔ (الصّٰفّٰت: ۱۲)
۴۔ جب نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگ ان کے پاس گزرتے تھے تو مذاق کرتے تھے۔ (ہود: ۳۸)
۵۔ کفار نے رسولوں سے باطل دلائل کے ساتھ جھگڑا کیا تاکہ وہ حق کو نیچا دکھائیں اور میری آیات کا مذاق اُڑائیں (الکہف: ۵۶)
۶۔ جہنم اُن کے کفر اختیار کرنے کا بدلہ ہے جو میری آیات اور میرے رسولوں کا مذاق اُڑاتے رہے۔ (الکہف: ۱۰۶)

فَاِذَا	مَسَّ	الْاِنْسَانَ	ضُرٌّ	دَعَانَا ز	ثُمَّ	اِذَا
پس جب	پہنچتی ہے	انسان کو	تکلیف	تو وہ ہمیں پکارتا ہے	پھر	جب
خَوَّلْنٰهُ	نِعْمَةً	مِّنَّا ۙ	قَالَ	اِنَّمَآ	اُوْتِيْتُهٗ	عَلٰى
ہم عطا کر دیتے ہیں اس کو	کوئی نعمت	اپنی طرف سے	تو وہ کہتا ہے	صرف	میں دیا گیا ہوں یہ	پر

عِلْمٍ ط	بَلْ	هِيَ	فِتْنَةٌ	وَّلٰكِنَّ	اَكْثَرَهُمْ	لَا	يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾
علم	بلکہ	یہ	آزمائش ہے	اور لیکن	ان میں سے اکثر	نہیں	جانتے

قَدْ	قَالَهَا	الَّذِيْنَ	مِنْ	قَبْلِهِمْ	فَمَآ
تحقیق	کہی یہی بات	ان لوگوں نے جو	سے	ان سے پہلے	پھر نہ

”جب انسان کو مصیبت پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے اور جب ہم اسے اپنی طرف سے نعمت دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ مجھے میرے علم کی بنا پر دی گئی ہے۔نہیں بلکہ یہ آزمائش ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔(۴۹) یہی بات ان سے پہلے لوگ کہہ چکے ہیں۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنّمیوں کے جہنم میں داخل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہوگی کہ جب انہیں دنیا میں تکلیف پہنچتی تھی تو صرف ایک رب کو پکارتے تھے اور جب انہیں کوئی نعمت دی جاتی تھی تو وہ کہتے تھے کہ یہ ہماری فہم وفراست کا نتیجہ ہے۔

انسان کی فطرت میں یہ کمزوری ہے کہ جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ”اللہ“ کو یاد کرتا ہے جب اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف رفع کر دیتا ہے اور اسے اپنی نعمت سے نوازتا ہے تو پھر وہ سمجھتا اور بعض مرتبہ زبان سے بھی کہتا ہے کہ یہ تو میری قابلیت کا نتیجہ ہے۔ بیماری کے بعد صحت کے بارے میں کہتا ہے کہ بروقت اور مناسب علاج کی وجہ سے صحت یاب ہوا ہوں تونگری کے بارے میں برملا اظہار کرتا ہے کہ یہ میری منصوبہ بندی اور محنت کا صلہ ہے منصب اور اقتدار حاصل ہو تو اپنی ذہانت اور سیاست کی بات کرتا ہے اگر کہیں اللہ کا ذکر کرتا ہے تو بڑی بے توجہگی کے ساتھ اور روائتی طور پر کرتا ہے اس میں شکر کا فقدان ہوتا ہے کوئی شک نہیں کہ دین بروقت علاج اور ہر کام میں توجہ اور محنت کا حکم دیتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ مومن اسباب کی بجائے مسبب الاسباب پر نظر رکھتا ہے اور پورے خلوص کے ساتھ اسے یاد رکھتا ہے اور اس کا شکر کرتا ہے مومن کے مقابلے میں دنیا پرست اپنی لیاقت اور اسباب پر بھروسہ کرتا ہے۔کلمہ پڑھنے والا مشرک درباروں اور کافر بتوں کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ سب کچھ ان کے طفیل ملا ہے حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی آزمائش کی جاتی ہے لیکن ان کی توجہ اس کی طرف مبذول نہیں ہوتی اس جہالت اور سوچ کا پہلے لوگ بھی اظہار کرتے تھے جس کا اظہار

اَغْنٰی	عَنْهُمْ	مَّا	كَانُوْا	يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾	فَاَصَابَهُمْ	سَيِّاٰتُ
کام آیا	ان کے	جو	وہ تھے	کماتے	چنانچہ پہنچیں ان کو	برائیاں

مَا كَسَبُوْا ؕ	وَالَّذِيْنَ	ظَلَمُوْا	مِنْ	هٰٓؤُلَآءِ	سَيُصِيْبُهُمْ	سَيِّاٰتُ
جو انہوں نے کمایا	اور جو لوگ	انہوں نے ظلم کیا	سے	ان	عنقریب پہنچیں گی ان کو	برائیاں

مَا	كَسَبُوْا ؕ	وَ	مَا	هُمْ	بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾
جو	انہوں نے کمایا	اور	نہیں	وہ	عاجز کرنے والے

جو کچھ وہ کماتے تھے وہ اُن کے کسی کام نہ آیا۔(۵۰) چنانچہ انہوں نے اپنے کیے کے بُرے نتائج بھگتے، اور جو ان میں ظالم ہیں وہ بھی عنقریب اپنی کمائی کے بُرے نتائج بھگتیں گے، یہ ہمیں بے بس نہیں کر سکتے۔‘‘(۵۱)

مکہ والے کر رہے ہیں۔ ان سے پہلے ظالموں نے جو کچھ کمایا اس کا انہیں کچھ فائدہ نہ ہوا۔ انہیں بھی اپنے کیے کا وبال بھگتنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کو کسی معاملہ میں کوئی عاجز نہیں کر سکتا۔

مسائل

۱۔ انسان تکلیف کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور خوشی کے وقت اسے بھول جاتا ہے۔

۲۔ اکثر مال دار یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو مال ان کی محنت اور لیاقت کی وجہ سے دیا گیا ہے۔

۳۔ مال آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ اس آزمائش کو نہیں جانتے۔

۴۔ پہلے لوگ بھی اپنے مال پر اتراتے تھے جب ان پر عذاب نازل ہوا تو ان کا مال کسی کام نہ آیا۔

۵۔ مکہ والے بھی مال واسباب پر اتراتے ہیں عنقریب یہ اپنے کیے پر پکڑے جائیں گے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی کسی طرح بھی مجبور نہیں کر سکتا۔

تفسیر بالقرآن

دولت کے منفی اثرات:

۱۔ مال اور اولاد انسان کے لیے آزمائش ہیں اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔(التغابن:۱۵)

۲۔ مال ودولت اور دنیا کی زندگی انسان کے لیے آزمائش ہے۔(طٰہٰ:۱۳۱)

۳۔ لوگوں کو مال اور اولاد کی کثرت نے ہلاک کر دیا۔(التکاثر:۱)

۴۔ قوم عاد نے زمین میں تکبر کیا اور کہا کہ ہم سے طاقت میں کون زیادہ ہے۔(حٰم السجدۃ:۱۵)

اَوَ	لَمْ	يَعْلَمُوْٓا	اَنَّ	اللّٰهَ	يَبْسُطُ
کیا	نہیں	انہوں نے جانا	کہ بلاشبہ	اللہ	وہ کشادہ کرتا ہے
الرِّزْقَ	لِمَنْ	يَّشَآءُ	وَيَقْدِرُ	اِنَّ	فِيْ
رزق	جس کے لیے	وہ چاہتا ہے	اور تنگ کرتا ہے	بے شک	میں
ذٰلِكَ	لَاٰيٰتٍ	لِّقَوْمٍ	يُّؤْمِنُوْنَ ؏ ﴿۵۲﴾		
اس	البتہ نشانیاں ہیں	ان لوگوں کے لیے	جوایمان رکھتے ہیں		

’’اور کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔‘‘ (۵۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس مال پر مال دار اتراتے ہیں اس کی حقیقت۔

کیا لوگوں کو معلوم نہیں کہ ’’اللہ‘‘ ہی رزق بڑھانے اور تنگ کرنے والا ہے بلاشبہ اس میں بھی ایمان لانے والوں کے لیے اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ اس فرمان میں پہلا سبق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی داتا نہیں وہ ہر چیز کا مالک ہے اور وہی اپنی حکمت کے تحت لوگوں کو رزق عطا کرتا ہے اس میں دوسرا سبق یہ پایا جاتا ہے کہ کسی مالدار کو اپنے مال پر اترانا نہیں چاہیے کیونکہ رزق کی کشادگی اور تنگی کسی کی لیاقت اور محنت پر منحصر نہیں۔ دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو شب و روز محنت کرتے ہیں مگر رزق کی کشادگی دیکھنا ان کے نصیب میں نہیں ہوتی کچھ ایسے ہیں جو اپنی محنت سے کہیں گنا زیادہ پاتے ہیں۔ اس حقیقت کو جاننے کے لیے زمیندار کی مثال سامنے رکھیں زمین ایک ہی ہے اس کا پانی، موسم اور بیج یکساں ہوتا ہے اور دیگر ذرائع بھی برابر استعمال کیے جاتے ہیں مگر فی ایکڑ کے حساب سے ایک قطعہ کی فصل بہت اچھی ہوتی ہے اور دوسرے کی بہت کم یہی صورتِ حال منڈی اور بازار میں دیکھی جاتی ہے ایک ساتھ دو کانیں اور ایک جیسا مال ہونے کے باوجود ایک کو سر کھجانے کی فرصت نہیں اور دوسرا خالی ہاتھ بیٹھا ہوتا ہے ایسا کیوں ہے؟ یہ اس لیے ہے کہ رزق بڑھانا اور کم کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اس لیے مالدار کو اپنے مال پر اترانے کی بجائے اپنے رب کا شکر گزار ہونا چاہیے اور تنگ دست کو اپنی حالت پر صبر کرتے ہوئے اپنے رب کے حضور دعا کرنی چاہیے۔

((اَللّٰهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ))

(رواہ الترمذی: باب اللھم اکفنی حلالک عن حرامک [حسن])

’’اے اللہ! مجھے حرام سے بچا اور اپنے حلال کے ساتھ میری کفالت فرما اور اپنے فضل کے ساتھ مجھے بے نیاز کر دے۔‘‘

قُلْ	يٰعِبَادِيَ	الَّذِيْنَ	اَسْرَفُوْا	عَلٰٓى	اَنْفُسِهِمْ	لَا	تَقْنَطُوْا
فرمادیں	اے میرے بندو	جولوگ	انہوں نے ظلم کیا	پر	اپنی جانوں	نہ	تم مایوس ہو
مِنْ	رَّحْمَةِ	اللّٰهِ ؕ	اِنَّ	اللّٰهَ	يَغْفِرُ		الذُّنُوْبَ
سے	رحمت	اللہ کی	بلاشبہ	اللہ	معاف کردیتا ہے		گناہوں کو
جَمِيْعًا ؕ	اِنَّهٗ	هُوَ	الْغَفُوْرُ	الرَّحِيْمُ ۝۵۳			
سب کے سب	یقیناً	وہ	بخشنے والا	نہایت رحم کرنے والا ہے			

’’اے نبی کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کردیتا ہے کیونکہ وہ غفور ورحیم ہے۔‘‘ (۵۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلی آیت میں مال کی کمی، بیشی کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ فرمایا ہے اب گناہوں کے بارے میں گناہگاروں کی غلط فہمی دور کی جارہی ہے:

گناہگار بالخصوص بڑے بڑے جرائم کرنے والوں کو ہمیشہ سے غلط فہمی رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ معاف نہیں کرے گا اس غلط فہمی کی بنیاد پر کچھ لوگ جرائم میں آگے ہی بڑھتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ انہیں موت آلیتی ہے کچھ لوگ یہ یقین کر لیتے ہیں کہ جب تک فلاں قبر والے یا زندہ بزرگ کو راضی نہیں کریں گے اس وقت تک ہماری توبہ قبول نہ ہوگی اس غلط فہمی کو ان لوگوں نے مزید پختہ کیا جو مذہب کی آڑ میں مال بٹورتے اور لوگوں کی حرمتوں سے کھیلتے ہیں۔ اس کام کے لیے مسلمانوں میں بے شمار پیر اور علماء، ہندوؤں میں سادھو، عیسائیوں میں پادری بدنام ہیں اور یہ لوگ دین اور توبہ کے راستے میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید نے ان کے بارے میں نشاندہی فرمائی ہے۔

’’مسلمانو! بہت سے مولوی اور مشائخ لوگوں کے مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں۔‘‘ (التوبہ: ۳۴)

گناہگاروں بالخصوص کفر و شرک اور بڑے بڑے جرائم کرنے والوں کو ربِ کریم نے بڑے پیار اور دلرُبا انداز میں بلایا اور یقین دلایا ہے کہ اے میرے بھٹکے ہوئے بندو! تمہیں مایوس ہونے اور کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ آؤ میری بارگاہ میں آجاؤ تم جیسے بھی ہو میرے ہی بندے ہو میری رحمت بے کنار ہے لہٰذا میری رحمت سے مایوس نہیں ہونا یقین کرو کہ میں تمہارے تمام کے تمام گناہ معاف کردوں گا کیونکہ میں معاف کرنے والا اور مہربان ہوں۔ اس آیتِ کریمہ کی بار بار تلاوت کریں اور اس کے الفاظ پر غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے دومرتبہ اپنا عظیم نام اللہ لیا ہے جس کا یہ معنٰی بھی بنتا ہے کہ اے نبی

میرے بندوں کو میرا نام لے کر کہیں کہ میری رحمت سے مایوس نہیں ہونا۔

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کچھ مشرکوں نے بہت سے قتل اور زنا کیے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگے آپ جو کچھ کہتے ہیں اور جس دین کی طرف دعوت دیتے ہیں وہ بہت اچھا ہے مگر ہمیں یہ بتائیں کہ کیا ہمارا اسلام لانا ہمارے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا؟ اس وقت (وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ) اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو نہیں پکارتے۔'' تا آخر اور سورہ الزمر کی یہ آیت (قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ) تا آخر نازل ہوئی۔'' (رواہ البخاری: باب قَوْلِہٖ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ)

«عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ الشَّيْطَانَ قَالَ وَعِزَّتِكَ يَا رَبِّ لَا أَبْرَحُ أُغْوِي عِبَادَكَ مَا دَامَتْ أَرْوَاحُهُمْ فِي أَجْسَادِهِمْ، فَقَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَعِزَّتِي وَجَلَالِي لَا أَزَالُ أَغْفِرُ لَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُونِي» (رواہ الحاکم فی المستدرک: کتاب التوبۃ والانابۃ [حسن])

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان نے کہا اے میرے رب! تیری عزت کی قسم جب تک ان کے جسموں میں روحیں موجود ہیں میں ہمیشہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتا رہوں گا اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا مجھے میری عزت اور جلال کی قسم! میں ہمیشہ انہیں معاف کرتا رہوں گا جب تک مجھ سے بخشش طلب کرتے رہیں گے۔''

«عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِيمَا يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهٖ قَالَ إِذَا تَقَرَّبَ الْعَبْدُ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِذَا تَقَرَّبَ مِنِّي ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَإِذَا أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهٗ هَرْوَلَةً»

(رواہ البخاری: کتاب التوحید)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں جو آپ نے اللہ تعالیٰ سے بیان کیا گویا کہ یہ حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب بندہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں وہ میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف دو ہاتھ بڑھتا ہوں۔ جب وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔''

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن مجھے ایک عورت کہنے لگی کیا میرے لیے بھی توبہ ہے۔ میں نے زنا کیا حمل سے بچہ پیدا ہوا اور میں نے اسے قتل کر ڈالا اب جاننا چاہتی ہوں کہ میرا گناہ معاف ہونے کی کوئی صورت ہے؟ میں نے کہا ہرگز نہیں وہ بڑی حسرت کے ساتھ آہیں بھرتی ہوئی واپس چلی گئی۔ اگلے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صبح کی نماز پڑھ کر میں فارغ ہوا تو آپ سے رات کا قصہ عرض کیا آپ نے فرمایا تو نے غلط جواب دیا ابوہریرہ تو نے قرآن میں یہ آیت نہیں پڑھی {وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ) إِلٰى قَوْلِهٖ (إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ

وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ ’’(اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الٰہ کو نہیں پکارتے) اس فرمان تک (مگر جس نے توبہ کی اور نیک اعمال کیے یہی وہ لوگ ہیں اللہ تعالیٰ جن کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔) نبی ﷺ کا جواب سن کر میں نکلا اور اس عورت کو تلاش کرنا شروع کیا، وہ مجھے عشاء ہی کے وقت ملی میں نے اسے بشارت دی اور بتایا کہ نبی کریم نے تیرے سوال کا جواب یہ دیا ہے عورت سنتے ہی سجدے میں گر گئی اور کہنے لگی شکر ہے اُس رب کا جس نے میرے لیے معافی کا دروازہ کھولا اور میری نجات کی راہ بنائی۔‘‘ (تفسیر طبری: جلد ۱۹)

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا قَضَي اللّٰهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابِهِ فَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ إِنَّ رَحْمَتِي غَلَبَتْ غَضَبِي» (رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق)

’’حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کائنات کی تخلیق سے فارغ ہوا تو اپنی کتاب میں جو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس عرش کے اوپر ہے اس میں لکھا ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بڑے سے بڑے مجرم کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ تمام کے تمام گناہ معاف کرنے والا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ گناہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

’’اللہ‘‘ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے:

۱۔ ’’اللہ‘‘ کی رحمت سے کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔ (یوسف: ۸۷)
۲۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ (الزمر: ۵۳)
۳۔ ’’اللہ‘‘ کی رحمت سے گمراہوں کے سوا کوئی ناامید نہیں ہوتا۔ (الحجر: ۵۶)
۴۔ مومن اللہ کی رحمت کے امیدوار ہوتے ہیں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (البقرۃ: ۲۱۸)
۵۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں اپنے پروردگار کو پکاروں گا اُمید ہے کہ میں اُس کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔ (مریم: ۴۸)
۶۔ اس کی رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ (الاعراف: ۱۵۶) ۷۔ اللہ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہوا کرتی ہے۔ (الاعراف: ۵۶)
۸۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر مہربانی کرنا از خود اپنے آپ پر لازم قرار دے لیا ہے۔ (الانعام: ۵۴)

وَ اَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ

اورتم رجوع کرو طرف اپنے رب کی اورتم مطیع ہو جاؤ اس کے لیے اس سے پہلے

اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوْٓا

کہ آ جائے تمہارے پاس عذاب پھر نہ تم مدد کیے جاؤ اورتم پیروی کرو

اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ

بہترین جو نازل کی گئی تمہاری طرف سے تمہارے رب اس سے

قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا

پہلے کہ آ جائے تمہارے پاس عذاب اچانک حالانکہ تم نہ

تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا

شعور رکھتے ہو کہ کہے کوئی نفس ہائے افسوس اُس پر جو

’’اپنے رب کی طرف پلٹ آؤ اور اس کے فرمانبردار ہو جاؤ اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ جائے اور پھر کہیں سے تمہیں مدد نہیں مل سکے گی۔(۵۴) اور پیروی کرو اپنے رب کی بھیجی ہوئی کتاب کے بہترین پہلو کی اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔(۵۵) کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں کوئی شخص کہے افسوس میرے کردار پر

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے لہٰذا اس کی گرفت سے پہلے پہلے اس کے حضور حاضر ہو جاؤ اس انتباہ میں دنیا اور آخرت کے دونوں عذاب شامل ہیں۔

گناہگاروں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ اگر اپنے رب کی بخشش اور رحمت چاہتے ہو تو فوراً اپنے رب کی طرف رجوع کرو قبل اس کے کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے اور تمہیں اس کی خبر نہ ہو پائے اس وقت افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہو کہ کاش! میں اپنے رب کے معاملے میں کوتاہی نہ کرتا اور نہ ہی اس کی آیات کو مذاق کرنے والوں میں شامل ہوتا یا اس تمنا کا اظہار کرے کہ کاش! میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت پا کر متقی بن جاتا یا موت دیکھ کر کہے کہ ہائے افسوس! میرے لیے کسی طرح دنیا میں لوٹ جانے کی کوئی صورت بن جائے اور میں نیکی کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں۔ ان آیات میں اس کیفیت کا ذکر کیا گیا ہے جو اللہ کے عذاب یا موت کے وقت کافر، مشرک اور مجرموں پر وارد ہوتی ہے ایسے لوگ حسرت پر حسرت کا اظہار کرتے ہیں لیکن اس وقت انہیں اپنی حسرتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اسی بات کو دوسرے مقام پر یوں بیان کیا گیا ہے۔

فَرَّطْتُّ	فِيْ	جَنْۢبِ	اللّٰهِ	وَاِنْ	كُنْتُ	لَمِنَ
میں نے کوتاہی کی	میں	بارے	اللہ کے	اور بلاشبہ	میں رہا	البتہ سے
السّٰخِرِيْنَ ۵۶	اَوْ	تَقُوْلَ	لَوْ	اَنَّ	اللّٰهَ	هَدٰىنِيْ
مذاق کرنے والوں	یا	وہ کہے	اگر	بے شک	اللہ	مجھے ہدایت دیتا

لَكُنْتُ	مِنَ	الْمُتَّقِيْنَ ۵۷	اَوْ	تَقُوْلَ	حِيْنَ	تَرَى	الْعَذَابَ
تو ضرور میں ہوتا	سے	پرہیزگاروں	یا	وہ کہے	جس وقت	وہ دیکھے گا	عذاب

لَوْ	اَنَّ	لِيْ	كَرَّةً	فَاَكُوْنَ	مِنَ	الْمُحْسِنِيْنَ ۵۸
اگر	بے شک ہو	میرے لیے	ایک بار لوٹنا	تو میں ہو جاؤں گا	سے	نیکوکاروں

جو میں اللہ کے بارے میں کوتاہی کرتا رہا، بلکہ میں تو مذاق اُڑانے والوں میں شامل تھا۔(۵۶) یا کہے! کاش اللہ نے مجھے ہدایت بخشی ہوتی تو میں بھی پرہیزگاروں میں شامل ہوتا۔(۵۷) یا عذاب دیکھ کر کہے کاش! مجھے ایک موقعہ اور مل جائے اور میں نیک عمل کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں۔‘‘(۵۸)

{وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰ وَ لَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۱} (المنافقون:۱۰، ۱۱)

’’جو ہم نے تم کو دیا ہے اس میں کچھ خرچ کرو اس سے پہلے کہ تمہیں موت آ جائے اس وقت کہو کہ اے ہمارے رب! اگر ہمیں تھوڑی سی اور مہلت دیتا تو ہم صدقہ کرتے اور نیک بندوں میں شریک ہو جاتے جب کسی کو موت کا وقت آن پہنچے تو اللہ کسی کو مہلت نہیں دیتا اور اللہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے۔‘‘

«عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ الْعَبْدَ الْكَافِرَ إِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِنَ الدُّنْيَا وَإِقْبَالٍ مِنَ الآخِرَةِ نَزَلَ إِلَيْهِ مِنَ السَّمَاءِ مَلَائِكَةٌ سُوْدُ الْوُجُوْهِ مَعَهُمُ الْمُسُوْحُ فَيَجْلِسُوْنَ مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَجِيْئُ مَلَكُ الْمَوْتِ حَتّٰى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهٖ فَيَقُوْلُ أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيْثَةُ اخْرُجِيْ إِلٰى سَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَغَضَبٍ قَالَ فَتُفَرَّقُ فِيْ جَسَدِهٖ فَيَنْتَزِعُهَا كَمَا يُنْتَزَعُ السَّفُّوْدُ مِنَ الصُّوْفِ الْمَبْلُوْلِ» (رواه أحمد: مسند براء بن عازب [صحيح])

’’حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کافر کا دنیا سے رخصت ہونے اور موت کا وقت آتا ہے تو آسمان سے کالے چہروں والے فرشتے اترتے ہیں ان کے پاس ٹاٹ کا لباس ہوتا ہے فرشتے

فوت ہونے والے کافر سے حدِ نگاہ تک دور بیٹھ جاتے ہیں، ملک الموت اس کے سرہانے آکر کہتا ہے اے خبیث جان۔ اللہ کی ناراضگی اور غضب کا سامنا کر پھر روح اس کے جسم سے الگ ہوتی ہے فرشتے اسے اس طرح کھینچتے ہیں جیسے گرم سلاخ کو روئی سے کھینچا جاتا ہے۔''

اس لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اس کے عذاب سے بچنا اور اس کی رحمت کے حقدار بننا چاہتے ہو تو رجوع الی اللہ کے لیے یکسو ہو جاؤ تمہارے رب کی رحمت بے کنار ہے اس کی بخشش کا دروازہ ہر ایک کے لیے اس کے نزع کے وقت تک کھلا ہے جو قیامت تک کھلا رہے گا مگر ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب کی طرف اخلاص کے ساتھ رجوع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے لیے ارشاد ہے کہ اے میرے بندو! اِدھر اُدھر کی بجائے اور میرے عذاب سے پہلے پہلے صرف میری طرف رجوع کرو جب میرا عذاب نازل ہوگا تو اس وقت اس کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہوگا لہٰذا اس کی پیروی کرو جو بہترین چیز تمہارے رب کی طرف سے تم پر اتاری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے اور اس کی رحمت اور بخشش کے حقدار ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ① اِدھر اُدھر کی بجائے صرف اپنے رب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ ② اس طریقہ کے مطابق جس کی وضاحت قرآن مجید میں کی گئی ہے اس کے لیے "اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

مسائل

۱۔ انسان کو ''اللہ'' کی گرفت سے پہلے توبہ کرنی چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک آیا کرتا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب یا موت کے بعد نیکی کی حسرت کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔
۴۔ نیکی اور توبہ کا موقعہ عذاب اور موت سے پہلے ہوتا ہے جس سے فائدہ اٹھا کر اپنے رب کے حضور توبہ کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

توبہ واستغفار کی اہمیت وفضیلت:

۱۔ وہ لوگ جو جہالت کی بنا پر برُے عمل کرتے ہیں اور اس کے بعد توبہ اور اپنی اصلاح کرتے ہیں اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (النحل: ۱۱۹)
۲۔ جو شخص جرم کرنے کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرے بے شک اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ (المائدۃ: ۳۹)
۳۔ اگر وہ توبہ کرلیں تو ان کے لیے بہتر ہے۔ (التوبۃ: ۷۴) ۴۔ اے ایمان والو! خالص توبہ کرو۔ (التحریم: ۸)
۵۔ یقیناً میں اسے معاف کردوں گا جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔ (طٰہٰ: ۸۲)
۶۔ جو شخص توبہ کرے، ایمان لائے اور عمل صالح کرے تو میں اس کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کردوں گا۔ (الفرقان: ۷۰)
۷۔ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے تو اللہ تمہارے چھوٹے گناہ معاف کردے گا۔ (النساء: ۳۱)
۸۔ توبہ کرنا مومن کا شیوہ ہے۔ (التوبۃ: ۱۱۲) ۹۔ توبہ کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۲۲)

بَلٰى	قَدْ	جَآءَتْكَ	اٰيٰتِيْ	فَكَذَّبْتَ	بِهَا	وَاسْتَكْبَرْتَ
کیوں نہیں	تحقیق	آئی تھیں تیرے پاس	میری آیات	پس تونے جھٹلایا	ان کو	اور تونے تکبر کیا
وَكُنْتَ	مِنَ	الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾	وَيَوْمَ	الْقِيٰمَةِ	تَرَى	الَّذِيْنَ
اور تو تھا	سے	کافروں	اور دن	قیامت کے	آپ دیکھیں گے	ان لوگوں کو
كَذَبُوْا	عَلَى	اللّٰهِ	وُجُوْهُهُمْ	مُّسْوَدَّةٌ	اَلَيْسَ	فِيْ جَهَنَّمَ
جنہوں نے جھوٹ بولا	پر	اللہ	اور ان کے چہرے	سیاہ ہوں گے	کیا نہیں	میں جہنم
مَثْوًى	لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾	وَيُنَجِّي	اللّٰهُ	الَّذِيْنَ	اتَّقَوْا	
ٹھکانہ	تکبر کرنے والوں کے لیے	اور نجات دے گا	اللہ	ان لوگوں کو	انہوں نے تقویٰ اختیار کیا	
بِمَفَازَتِهِمْ	لَا	يَمَسُّهُمُ	السُّوْٓءُ	وَلَا هُمْ	يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾	
ان کی کامیابی کے ساتھ	نہیں	پہنچے گی ان کو	برائی	اور نہ وہ	غمگین ہوں گے	

''اور اسے جواب ملے کہ کیوں نہیں میری آیات تیرے پاس آچکی تھیں مگر تو نے نہیں جھٹلایا اور تکبر کیا اور تو کافروں میں شامل ہوا۔(۵۹) قیامت کے دن آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ بنائے ان کے منہ کالے ہوں گے۔کیا متکبروں کے لیے جہنم کافی نہیں ہے۔؟(۶۰) اور جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اُن کی کامیابی کی وجہ سے اللہ ان کو نجات دے گا،ان کو نہ کوئی گزند پہنچے گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''(۶۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام : کفروشرک اور بڑے گناہوں سے توبہ نہ کرنے کا نقصان۔

''اللہ'' کے نافرمان عذاب اور موت کی سختیوں میں مبتلا ہوتے ہیں تو پھر زبان سے یا دل ہی دل میں ان حسرتوں کا اظہار کرتے ہیں جن کا ذکر اس سے پہلی آیات میں ہوا ہے۔ ملائکہ انہیں اپنے رب کی طرف سے جواب دیتے ہیں کہ تیرے پاس تیرے رب کے ارشادات پہنچے لیکن تو نے انہیں جھٹلایا اور تکبر کیا اور تو انکار کرنے والوں میں شامل رہا۔اے نبی ﷺ آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بنایا ان کے چہرے کالے ہوں گے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا،ان کے مقابلے میں جو لوگ کفروشرک اور نافرمانیوں سے بچے رہے انہیں اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا وہاں انہیں معمولی تکلیف بھی نہیں ہوگی اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے کچھ اہل علم نے ''بِمَفَازَتِهِمْ'' میں ''ب'' ظرفیہ اور ''مَفَازَةٌ'' کا معنیٰ ''مَامَنٌ'' کیا ہے جس سے مراد جنت ہے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ

ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ قَالَ رَجُلٌ إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً قَالَ إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ »(رواہ مسلم: باب تحریم الکبر وبیانہ)

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے دل میں رائی کے برابر تکبر ہوا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ وہاں موجود ایک شخص نے عرض کی کہ یارسول اللہ ہر آدمی کی یہ خواہش ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کا جوتا قیمتی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور وہ خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر حق کو چھپانے اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام ہے۔“

مسائل

١۔ اللہ کی آیات کو جھٹلانے والوں کے منہ کالے ہوں گے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

٢۔ متقی جنت میں ہوں گے وہاں انہیں کوئی تکلیف اور غم نہیں ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

جنّتیوں اور جہنّمیوں میں فرق:

١۔ ہم نے جنت میں کھجوروں، انگوروں کے باغ بنائے ہیں اور ان میں چشمے جاری کیے ہیں۔ (یٰس: ٣٤)

٣۔ یقیناً متقین باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ (الذاریات: ١٥) ٤۔ یقیناً متقی نعمتوں والی جنت میں ہوں گے۔ (الطور: ١٧)

٥۔ جنت میں انہیں سونے اور لولو کے زیور پہنائے جائیں گے۔ (فاطر: ٣٣)

٦۔ جنت میں تمام پھل دو، دو قسم کے ہوں گے۔ (الرحمٰن: ٥٢) ٧۔ جنتی سبز قالینوں اور مسندوں پر تکیہ لگا کر بیٹھے ہوں گے۔ (الرحمٰن: ٧٦)

٨۔ جنتیوں کو شرابِ طہور دی جائے گی۔ (الدھر: ٢١) ٩۔ جنتیوں کے چہرے روشن ہوں گے۔ (عبس: ٣٨)

١٠۔ جنتی جس چیز کی خواہش کریں گے وہ اسے پالیں گے۔ (حم سجدہ: ٣١) ١١۔ جہنمیوں کے چہرے کالے ہوں گے۔ (عبس: ٤١)

١٢۔ اس دن ہم انکا مال جہنم کی آگ میں گرم کرینگے اسکے ساتھ انکی پیشانیوں، کروٹوں اور پیٹھوں کو داغا جائیگا۔ (التوبہ: ٣٥)

١٣۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جب وہ ہلکی ہونے لگے گی تو ہم اسے مزید بھڑکا دیں گے۔ (بنی اسرائیل: ٩٧)

١٤۔ تھور کا درخت گنہگاروں کا کھانا ہوگا۔ (الدخان: ٤٤) ١٥۔ پھر ان کے لئے کھولتا ہوا پانی ہوگا۔ (الصّٰفّٰت: ٦٢، ٦٧)

١٦۔ اس میں وہ کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور اس طرح پئیں گے جس طرح پیاسا اونٹ پانی پیتا ہے۔ (الواقعہ: ٥٤ تا ٥٥)

١٧۔ ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کی ہے جو انہیں گھیرے ہوئے ہوگی اور انہیں پانی کی جگہ پگھلا ہوا تانبا دیا جائے گا جو ان کے چہروں کو جلا دے گا۔ (الکہف: ٢٩)

١٨۔ جہنمیوں کے جسم بار بار بدلے جائیں گے تاکہ انہیں پوری پوری سزا مل سکے۔ (النساء: ٥٦)

اَللّٰهُ	خَالِقُ	كُلِّ	شَيْءٍ	وَّهُوَ	عَلٰى	كُلِّ
اللہ	خالق ہے	ہر	چیز کا	اور وہ	پر	ہر

شَيْءٍ	وَّكِيْلٌ ﴿٦٢﴾	لَهٗ	مَقَالِيْدُ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ	وَالَّذِيْنَ
چیز	نگہبان ہے	اسی کے لیے ہیں	چابیاں	آسمانوں	اور زمین کی	اور جو لوگ

كَفَرُوْا	بِاٰيٰتِ	اللّٰهِ	اُولٰٓئِكَ	هُمُ	الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٣﴾ ع
انہوں نے کفر کیا	آیات کے ساتھ	اللہ کی	یہی لوگ	وہ	نقصان اٹھانے والے ہیں

''اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے، اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔(٦٢) زمین اور آسمانوں کے خزانوں کی چابیاں اُسی کے پاس ہیں جو لوگ اللہ کی آیات سے کفر کرتے ہیں وہ نقصان پانے والے ہیں۔''(٦٣)

فہم القرآن

ربطِ کلام : جس ''اللہ'' نے ظالموں کو سزا دینا ہے اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کو جزا اور انہیں جنت میں داخل کرنا ہے وہی ''اللہ'' ہر چیز کو پیدا کرنے والا اور اس پر نگران ہے زمین و آسمان کے اختیارات اسی کے پاس ہیں۔

جاندار ہو یا غیر جاندار، چھوٹی ہو یا بڑی زمین و آسمانوں، ہواؤں اور فضاؤں میں ہو یا **تحت الثّریٰ** میں ہو یا عرشِ معلّٰی پر اسے پیدا کرنے والا صرف اور صرف ایک ''اللہ'' ہے اس کے سوا نہ کسی نے کوئی چیز پیدا کی ہے اور نہ کوئی پیدا کر سکتا ہے یاد رہے کہ پیدا کرنے اور کسی چیز کے بنانے میں بہت فرق ہے۔ پیدا کرنے کا معنٰی ہے کہ وہ چیز سرے سے ہی موجود ہی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزوں کے لیے ''**جَعَلَ**'' کا لفظ بھی استعمال کیا ہے جس کا معنٰی بنانا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی اس چیز کا میٹریل پیدا کیا اور پھر اسی نے ہی اسے اس طرح بن جانے کا حکم دیا جس طرح اس کی منشا تھی بنانے کا لفظ آدمی کے لیے بھی بولا جا سکتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں چیز بنائی ہے لیکن خالق کا لفظ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے نہیں بولا جا سکتا جس طرح کچھ سیاستدان بانیٔ پاکستان کو خالقِ پاکستان کہتے ہیں ایسا کہنا غلط ہے کیونکہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا صرف ''اللہ'' ہے لہٰذا خالق کا لفظ اس کے سوا کسی کے لیے بولنا جائز نہیں وہ صرف خالق ہی نہیں بلکہ ہر چیز کا وکیل بھی ہے وکیل کا لفظ جزوی معنوں میں کسی انسان کے لیے بولا جا سکتا ہے لیکن کلی مفہوم کے لحاظ سے صرف اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا وکیل ہے۔ جو تخلیق سے لے کر موت تک ہر جاندار کی تمام ضرورتیں پوری کرنے والا ہے یعنی وہ ہر اعتبار سے اس کا ذمہ دار ہے اسی کے پاس زمین و آسمانوں کی چابیاں ہیں یاد رہے کہ ہر زبان میں چابی کا لفظ تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

١۔ تالا یا کسی بند چیز کو کھولنے والی چیز۔ ٢۔ کسی چیز کا قبضہ اور اختیار رکھنا۔ ٣۔ خزانے کا مالک ہونا۔

اللہ تعالیٰ کے پاس ہر اعتبار سے زمین وآسمانوں کی چابیاں ہیں اس نے کسی زندہ یا مردہ کو اپنی خدائی میں کوئی اختیار نہیں دیا جو لوگ اس کے ارشادات اور احکام کا جزوی یا کلی طور پر انکار کرتے ہیں وہ نا قابل تلافی اور دائمی نقصان پائیں گے۔

«عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ، وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ، وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ، إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ»

(رواہ البخاری: باب [وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ])

”حضرت عبداللہ بن سالم رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غیب کی پانچ چابیاں ہیں اللہ تعالیٰ کو قیامت کا علم ہے، وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ رحمِ مادر میں کیا ہے؟ کوئی نہیں جانتا کہ اس نے کل کیا کرنا ہے؟ اور کسی کو علم نہیں کہ اسے کس سرزمین پر موت آئے گی یقیناً اللہ جاننے والا، ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔“

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی خالق اور ہر چیز کا وکیل ہے:

١۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور زمین وآسمانوں کو پیدا فرمایا۔ (البقرۃ: ٢٢)

٢۔ اللہ ہی نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا فرمایا۔ (التین: ٤)

٣۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک نطفے سے پیدا کیا۔ (الدھر: ٢)

٤۔ اللہ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ (الروم: ٢٠)

٥۔ اللہ نے ایک ہی جان سے سب انسانوں کو پیدا کیا۔ (الاعراف: ١٨٩)

٦۔ اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے اور اس کا ہی حکم چلنا چاہیے۔ (الاعراف: ٥٤)

٧۔ لوگو! اس رب سے ڈر جاؤ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ (النساء: ١)

٨۔ اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اسی کی عبادت کرو اور وہی ہر چیز پر کارساز ہے۔ (الانعام: ١٠٢)

٩۔ بے شک آپ ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہی ہر چیز پر کارساز ہے۔ (ھود: ١٢)

١٠۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے اور وہی کارساز کافی ہے۔ (النساء: ١٣٢)

١١۔ میرے بندوں پر شیطان کا داؤ پیچ نہیں چلے گا اللہ اپنے بندوں کا کارساز ہے۔ (بنی اسرائیل: ٦٥)

قُلْ	اَفَغَيْرَ	اللّٰهِ	تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ	اَعْبُدُ	اَيُّهَا
آپ فرما دیں	کیا پس غیر کا	اللہ کے	تم مجھے حکم دیتے ہو	میں عبادت کروں	اے
الْجٰهِلُوْنَ ۝۶۴	وَلَقَدْ	اُوْحِيَ	اِلَيْكَ	وَاِلَى	الَّذِيْنَ
جاہلو	اور البتہ تحقیق	وحی کی گئی	آپ کی طرف	اور طرف	ان لوگوں کی جو
مِنْ	قَبْلِكَ ۚ	لَئِنْ	اَشْرَكْتَ	لَيَحْبَطَنَّ	عَمَلُكَ
سے	آپ سے پہلے	البتہ اگر	آپ نے شرک کیا	تو یقیناً ضائع ہو جائیں گے	آپ کے عمل
وَلَتَكُوْنَنَّ	مِنَ	الْخٰسِرِيْنَ ۝۶۵			
اور ضرور آپ ہو جائیں گے	سے	نقصان اٹھانے والوں			

”اے نبی! اعلان فرما دیں کہ اے جاہلو! تم مجھے اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے کے لیے کہتے ہو۔ (۶۴) حالانکہ آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف وحی کی گئی کہ اگر تو نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے اور آپ نقصان پانے والوں میں ہوں گے۔“ (۶۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جب ہر چیز کا خالق اور وکیل صرف اللہ تعالیٰ ہے تو پھر عبادت اور تابعداری بھی اسی کی ہونی چاہیے۔ اس کے سوا کسی کی بندگی کی دعوت دینا جہالت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے آپ کو ہر حوالے سے کائنات کا خالق، مالک، بادشاہ اور وکیل ثابت کیا ہے اس لیے ہر انسان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اسی کا حکم تسلیم کرے اور اسی کی بندگی بجالائے لیکن کافر اور مشرک ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے مکہ کے مشرک نہ صرف اس بات کے انکاری تھے بلکہ ان کی کوشش تھی کہ محمد ﷺ اس دعوت کو چھوڑ دیں یا کم از کم اس بات پر سمجھوتہ کرلیں کہ ہم اس کے الٰہ کی عبادت کریں گے اور وہ ہمارے معبودوں کی عبادت کرے اس پر آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ ان جاہلوں سے فرما دیں کہ مجھے اللہ کے سوا دوسروں کی بندگی کے لیے کہتے ہو؟ حالانکہ اس نے میری طرف اور مجھ سے پہلے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف وحی کی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو تیرا ہر عمل ضائع ہو جائے گا اور تو نقصان پانے والوں میں شامل ہوگا انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرما کر اشارہ دیا ہے کہ ہر نبی کو انہیں الفاظ میں کہا گیا تھا کہ اگر تو نے شرک کیا تو تیرے تمام اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے دوسرے مقام پر اٹھارہ (۱۸) انبیائے عظام کا نام لے کر یہ بات کہی گئی ہے۔

”یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلے میں دی ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں بے شک آپ کا رب بڑی حکمت والا، خوب جاننے والا ہے“ اور ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب عطا کیے ان سب کو ہدایت دی اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی اور اس کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان،

ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو اور اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو جزادیتے ہیں اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو یہ سب نیک لوگوں میں سے تھے'' اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو اور ان سب کو جہانوں پر فضیلت دی اور ان کے باپ دادا اور ان کی اولاد اور انکے بھائیوں میں سے بعض کو بھی اور ہم نے انہیں چن لیا اور انہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی۔'' (الانعام: ۸۳ تا ۸۷)

{ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ } (الانعام:۸۸)

''یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اگر یہ لوگ شرک کرتے تو اُن کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَي النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَا الْكَبَائِرُ؟ قَالَ الإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ قَالَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ ثُمَّ عُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ قَالَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ الْيَمِينُ الْغَمُوسُ)) (رواه البخاری: بَابُ إِثْمِ مَنْ أَشْرَكَ بِاللّٰهِ، وَعُقُوبَتِهِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ)

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے پاس ایک دیہاتی آیا اور اس نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! کبیرہ گناہوں میں سے بڑے گناہ کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی ذات کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی قسم اٹھانا۔''

مسائل

۱۔ مشرک آپ ﷺ کو شرک کی دعوت دیتے تھے۔ ۲۔ شرک سے نیک اعمال برباد اور ضائع ہو جاتے ہیں۔
۳۔ تمام انبیاء کی طرف وحی کی گئی کہ ان میں سے کسی نے بھی شرک کیا تو اسکے اعمال ضائع کر دیے جائیں گے۔
۴۔ شرک کی دعوت دینا جاہلوں کا کام ہے۔ ۵۔ شرک کرنے سے تمام نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

شرک کی بڑی بڑی اقسام:

۱۔ اللہ کی ذات میں کسی کو شریک ٹھہرانا۔ (الکہف: ۴۲) ۲۔ اللہ تعالیٰ کے حکم میں دوسروں کو اس کا شریک بنانا۔ (الکہف: ۲۶)
۳۔ اللہ کی صفات میں شرک کرنا۔ (الکہف: ۱۰۲) ۴۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائیں: (الکہف: ۱۱۰)
۵۔ اللہ ہی پیدا کرتا ہے اور وہی مختار کل ہے دوسروں کو کوئی اختیار نہیں ہے لہٰذا اللہ انکے شرک سے پاک ہے۔ (القصص: ۶۸)
۶۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کو ایسی چیزیں بتاتے ہو جس کا اسے علم نہیں ہے اللہ پاک ہے اور مشرکوں کے شرک سے بلند و بالا ہے۔ (یونس: ۱۸)
۷۔ اللہ تعالیٰ کا حکم آچکا ہے کہ وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس چیز سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔ (النحل: ۱)
۸۔ مشرک ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں سمجھ کر عبادت کرتے ہیں۔ (النجم: ۲۸)

بَلِ	اللّٰهَ	فَاعْبُدْ	وَ كُنْ	مِّنَ	الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٦﴾
بلکہ	اللہ کی	پس تو عبادت کر	اور تو ہو جا	سے	شکر گزاروں میں

''اے نبی تم بس اللہ ہی کی بندگی کرو اور شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤ۔'' (٦٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: غیروں کی بندگی اور شرک سے بچنا ہی نہیں بلکہ ایک رب کی عبادت بھی کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہر قسم کے شرک سے منع کرنے کے ساتھ صرف اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے عبادت کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے کیونکہ ''اللہ'' خالق بھی ہے اور انسان کی تمام ضرورتوں کا ذمہ دار بھی ہے۔ اس لیے اس کا شکر ادا کرنا انسان پر لازم ہے بالفاظ دیگر اسے یوں سمجھنا چاہیے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق اور الوکیل مان لیا۔ اس کے دل میں شکر کا جذبہ پیدا ہوگا جس کے دل میں شکر کا جذبہ پیدا ہوگا وہ اپنے رب کی ہر حال میں بندگی کرے گا۔

اکثر مفسرین نے عبادت کا معنی تذلّل یعنی نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پرستش کرنا بیان کیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ عبادت میں عاجزی اور انتہا درجے کی انکساری ضروری ہے، آدمی اللہ کے حضور قیام کرے تو نا صرف زبان سے اقرار کرے بلکہ اس کا پورا جسم گواہی دے کہ میرے وجود کا ایک ایک ریشہ تیرے حضور عاجز و بے بس ہے جبینِ نیاز جھکائے تو اپنے آپ کو عجز و انکساری کی انتہا تک لے جائے گویا کہ وہ پستیوں کے سمندر میں ڈوب چکا ہے، زبان جنبش کرے تو اس کی حمد وثنا کے گیت گائے، دستِ سوال دراز کرے تو سراپا التجا بن جائے، مال خرچ کرے تو اس عاجزی کے ساتھ کہ میں تو مالک کی ملکیت ہی واپس لوٹا رہا ہوں نہ مال میرا ہے اور نہ اس میں میرا کمال ہے۔ گویا کہ پوری زندگی میں اپنے رب کا حکم ماننا اور اس کے تابع رہنے کا نام عبادت ہے۔

((عَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ ؓ قَالَ أَخَذَ بِيَدِي رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ إِنِّي لَأُحِبُّكَ يَا مُعَاذُ. فَقُلْتُ وَأَنَا أُحِبُّكَ يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَلَا تَدَعْ أَنْ تَقُولَ فِي كُلِّ صَلَاةٍ رَبِّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ)) (رواہ النسائی: نَوْعٌ آخَرُ مِنَ الدُّعَاءِ [صحیح])

''حضرت معاذ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقعہ پر میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اے معاذ میں تمہارے ساتھ محبت کرتا ہوں اور میں تمہیں کچھ کلمات سکھانا چاہتا ہوں ان کو فرض نماز کے بعد کبھی بھی نہ چھوڑنا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے یہ کلمات سکھائے: اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیرا ذکر کروں اور تیرا شکر ادا کروں اور اخلاص کے ساتھ تیری بندگی کر سکوں۔''

مسائل

١۔ صرف ایک ''اللہ'' ہی کی عبادت کرنا چاہیے۔

٢۔ ایک اللہ کی عبادت کرنے والا ہی حقیقت میں اس کا شکر گزار ہوتا ہے اور شکر گزار ہی تابعدار ہوا کرتا ہے۔

وَ	مَا	قَدَرُوا	اللّٰهَ	حَقَّ	قَدْرِهٖ	وَالْاَرْضُ
اور	نہیں	انہوں نے قدر کی	اللہ کی	حق	اس کی قدر کرنے کا	اور زمین

جَمِيْعًا	قَبْضَتُهٗ	يَوْمَ	الْقِيٰمَةِ	وَالسَّمٰوٰتُ	مَطْوِيّٰتٌۢ
سب کی سب	اس کی مٹھی میں ہوگی	دن	قیامت کے	اور آسمان	لپٹے ہوں گے

بِيَمِيْنِهٖ	سُبْحٰنَهٗ	وَتَعٰلٰى	عَمَّا	يُشْرِكُوْنَ ۞
اس کے دائیں ہاتھ میں	وہ پاک ہے	اور وہ بلند ہے	اس سے جو	وہ شریک ٹھہراتے ہیں

”اور انہوں نے اللہ کی قدر ہی نہیں کی جس طرح اسکی قدر کرنے کا حق ہے۔ قیامت کے دن پوری زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ اللہ اُس شرک سے پاک اور بالاتر ہے جو وہ کرتے ہیں۔“ (۶۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ یا اس کے ساتھ کسی کی عبادت کرتے ہیں وہ مشرک ہونے کے ساتھ اللہ کے ناقدردان اور ناشکرے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنی عبادت کا حکم دینے سے پہلے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق اور اس کا وکیل ہے اسی کے پاس آسمانوں اور زمین کی چابیاں ہیں۔ جاہل لوگوں کی خواہش اور کوشش ہے کہ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کی جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے یہی اس کے شکر ادا کرنے کا صحیح طریقہ ہے جو لوگ اللہ کے سوا یا اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی قدر ہی نہیں کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ اسی کے پاس زمین و آسمانوں کی چابیاں ہیں اور قیامت کے دن بھی پوری کی پوری زمین اس کے قبضہ میں ہوگی اور ساتوں آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے وہ مشرکوں کی مشرکانہ عبادت سے پاک اور ان کے بے ہودہ عقائد سے بلند و بالا ہے۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو اپنے قبضہ میں لے لے گا اور آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر فرمائے گا میں ہی بادشاہ ہوں زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟“

(رواہ البخاری: باب یقبض اللہ الارض)

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ حَبْرٌ مِنَ الأَحْبَارِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ، إِنَّا نَجِدُ أَنَّ اللّٰهَ يَجْعَلُ السَّمَوَاتِ عَلَى إِصْبَعٍ وَالأَرَضِينَ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالشَّجَرَ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالْمَاءَ وَالثَّرَى عَلَى إِصْبَعٍ، وَسَائِرَ الْخَلَائِقِ عَلَى إِصْبَعٍ، فَيَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم حَتَّى

بَدَتْ نَوَاجِذُهُ تَصْدِيقًا لِقَوْلِ الْحَبْرِ ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ{وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهٖ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ}» (رواہ البخاری: باب قَوْلِهٖ [وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ])

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی عالم نبی ﷺ کے پاس آکر کہنے لگا اے محمد ﷺ! ہم تورات میں پاتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ آسمانوں کو ایک انگلی پر، زمینوں کو ایک انگلی پر، تمام درختوں کو ایک انگلی پر، پانی اور مٹی کو ایک انگلی پر اور باقی مخلوق کو ایک انگلی پر رکھ کر فرمائیں گے میں بادشاہ ہوں۔ نبی اکرم ﷺ یہودی کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے مسکرا پڑے یہاں تک آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ { وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهٖ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ}''

①۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے شرف اور مقام کے پیش نظر اسے صرف اپنے سامنے جھکنے کا حکم دیا ہے لیکن مشرک اس کی ناقدری کرتے ہوئے در، در کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔ ②۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف اپنی بارگاہ سے مانگنے کا حکم دیا لیکن مشرک ہر جگہ جھولی پھیلائے پھرتا ہے۔

مسائل

۱۔ مشرک اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کرتا۔ ۲۔ قیامت کے دن زمین وآسمان ''اللہ'' کی مُٹھی میں ہوں گے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ مشرکین کے شرک سے پاک اور بلند وبالا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا مشرک اور اس کے عقائد سے کوئی تعلق نہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے اس سے جو لوگ شرک کرتے ہیں۔ (النحل: ۳)

۲۔ اللہ تعالیٰ کا حکم آچکا وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس چیز سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔ (النحل: ۱)

۳۔ کیا اللہ کے علاوہ کوئی اور الٰہ ہے۔ بہت بلند ہے اللہ اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔ (النمل: ۶۳)

۴۔ اللہ پیدا کرتا ہے اور مختار کل ہے دوسروں کو کوئی اختیار نہیں ہے اللہ لوگوں کے شرک سے پاک ہے۔ (القصص: ۶۸)

۵۔ قیامت کے دن آسمانوں کو اللہ اپنے دائیں ہاتھ پر لپیٹ لے گا۔ اللہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس چیز سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔ (الزمر: ۶۷)

۶۔ کیا ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے اللہ بری ہے اس چیز سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔ (الطور: ۴۳)

وَنُفِخَ	فِي	الصُّوْرِ	فَصَعِقَ	مَنْ	فِي	السَّمٰوٰتِ
اور پھونک ماری جائے گی	میں	صور	تو بے ہوش ہو جائے گا	جو	میں	آسمانوں
وَمَنْ	فِي	الْاَرْضِ	اِلَّا	مَنْ	شَآءَ	اللّٰهُ	ثُمَّ
اور جو	میں	زمین	مگر	جسے	چاہے	اللہ	پھر
نُفِخَ	فِيْهِ	اُخْرٰى	فَاِذَا	هُمْ	قِيَامٌ	يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾
پھونک ماری جائے گی	اس میں	دوسری مرتبہ	تو یکایک	وہ	کھڑے	دیکھتے ہوں گے

''اور اُس دن صور پھونکا جائے گا اور جو آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب بے ہوش ہو جائیں گے سوائے اُن کے جنہیں اللہ زندہ رکھنا چاہے پھر دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا اور یکایک سب کے سب اُٹھ کر دیکھنے لگیں گے۔'' (۶۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس قیامت کا پچھلی آیت میں ذکر ہوا ہے اس کی ابتدا یوں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ جب قیامت برپا کرنے کا فیصلہ فرمائے گا تو اسرافیل کو صور پھونکنے کا حکم دے گا یونہی اسرافیل صور پھونکیں گے تو جو بھی جاندار آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں وہ بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اس کے بعد پھر اسرافیل کو دوسری مرتبہ حکم ہوگا جونہی صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوں گے اس فرمان میں ''اِلَّا مَنْ شَاءَ'' فرما کر کچھ لوگوں کا استثناء کیا ہے کہ وہ بے ہوش ہونے سے بچ جائیں گے۔ حدیثِ مبارکہ میں کھلے الفاظ میں یہ ذکر نہیں ملتا کہ اللہ تعالیٰ کس کس کو بے ہوش ہونے سے محفوظ رکھے گا البتہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ایسی مخلوق بھی ہوگی جو بے ہوش نہیں ہوگی بعض اہل علم نے غیر مستند روایات کے حوالے سے کچھ شخصیات کا نام لیا ہے۔ اس سے چاروں فرشتے یعنی جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل مراد لیے ہیں بعض نے اس میں حاملینِ عرش کو بھی شامل کیا ہے اور بعض نے انبیاء، صلحاء اور شہداء کو بھی۔ لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں میں سے کوئی بھی اس بے ہوشی سے نہ بچے گا۔ جب رسول اللہ ﷺ بھی بے ہوش ہوں گے تو دوسرے کیسے بچ سکتے ہیں۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینے کے بازار میں ایک یہودی نے قسم کھا کر کہا اُس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو بشریت (محمد ﷺ) پہ فضیلت عطا فرمائی ایک انصاری اُٹھا اُس نے اُس کے چہرے پہ تھپڑ مارتے ہوئے کہا تو اس طرح کہتا ہے جب کہ اللہ کے نبی ہم میں موجود ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صور پھونکا جائے گا آسمانوں اور زمین کی ہر چیز بے ہوش ہو جائے گی مگر وہی بچے گا جسے اللہ چاہے، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا سارے کے سارے رب کے روبرو پیش ہو جائیں گے آپ نے فرمایا: میں سب سے پہلے سر اُٹھاؤں گا اور موسیٰ علیہ السلام کو عرش کا پایہ تھامے ہوئے پاؤں گا میں نہیں جانتا کہ موسیٰ علیہ السلام نے مجھ سے پہلے سر اُٹھایا یا وہ اُن لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ کی طرف سے استثنا حاصل ہوگا جس نے کہا میں یونس بن متی سے بہتر ہوں اُس نے جھوٹ بولا۔'' (رواہ الترمذی: باب وَمِنْ سورَۃِ الزُّمَرِ [حسن صحیح])

وَ اَشْرَقَتِ	الْاَرْضُ	بِنُوْرِ	رَبِّهَا	وَ وُضِعَ	الْكِتٰبُ
اور چمک اُٹھے گی	زمین	نور سے	اپنے رب کے	اور رکھی جائے گی	کتاب
وَ جِايْٓءَ	بِالنَّبِيّٖنَ	وَ الشُّهَدَآءِ	وَ قُضِيَ	بَيْنَهُمْ	بِالْحَقِّ
اور لائے جائیں گے	انبیاء	اور گواہ	اور فیصلہ کیا جائے گا	ان کے درمیان	حق کے ساتھ
وَ هُمْ	لَا	يُظْلَمُوْنَ ۝۶۹	وَ وُفِّيَتْ	كُلُّ	نَفْسٍ	مَّا
اور وہ	نہیں	ظلم کیے جائیں گے	اور پورا دیا جائے گا	ہر	نفس کو	جو
عَمِلَتْ	وَ هُوَ	اَعْلَمُ	بِمَا	يَفْعَلُوْنَ ۝۷۰ ع	
اس نے کیا ہوگا	اور وہ	خوب جانتا ہے	ساتھ اس کے جو	وہ کرتے ہیں	

ع ۷ / ۴

’’زمین اپنے رب کے نور سے چمک اُٹھے گی اور لوگوں کے سامنے ان کے اعمال نامے لاکر رکھ دیئے جائیں گے، انبیاء اور تمام گواہ حاضر کر دیے جائیں گے لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔(۶۹) اور ہر جان نے جو عمل کیا اُس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا لوگ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔‘‘(۷۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: لوگوں کا اپنی اپنی جگہ سے نکل کر محشر کے میدان میں جمع ہونا اور عدالتِ کبریٰ کا قیام۔

قرآن مجید نے یہ بھی بتلایا ہے کہ پہلے نفخہ کے بعد زمین وآسمانوں کو تبدیل کر دیا جائے گا۔(ابراہیم:۴۸) زمین اس قدر چٹیل میدان ہوگی کہ کوئی اس پر نشیب و فراز نہیں ہوگا۔(طٰہٰ:۱۰۶،۱۰۷) اس کے بعد اسرافیل کو دوسری مرتبہ صور پھونکنے کا حکم صادر ہوگا جونہی وہ صور پھونکے گا لوگ اپنے اپنے مقام سے نکل کر محشر کے میدان میں جمع ہو جائیں گے۔قرآن مجید اور احادیث میں اس بات کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے کہ لوگوں کو کس طرح میدانِ محشر میں اکٹھا کیا جائے گا لوگ محشر کے میدان میں اکٹھے ہو جائیں گے تو ملائکہ کو محشر کے میدان میں پہنچنے کا حکم جاری ہوگا ملائکہ اور جبرائیل امین قطار اندر قطار کھڑے ہوں گے۔(النبا:۳۸) اسی اثناء میں ربِ ذوالجلال جلوہ افروز ہوں گے پوری کی پوری زمین رب ذوالجلال کے جمال سے منور ہو جائے گی اس کے بعد لوگوں کے اعمال نامے ان تک پہنچ جائیں گے، انبیائے کرام علیہم السلام اور گواہ حاضر کیے جائیں گے اس طرح لوگوں کے درمیان حق اور عدل کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا کسی پر رائی کے دانے برابر بھی زیادتی نہیں ہوگی ہر کسی کے عمل کے مطابق اسے بدلہ دیا جائے گا جو کچھ لوگ عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے یعنی اعمال ناموں اور گواہوں پر ہی اکتفا نہیں کیا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کو بلا واسطہ بھی سب کچھ معلوم ہے اور ہوگا۔

«عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ ﷛ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ قِيلَ لَهُ مَا الْمَقَامُ الْمَحْمُودُ؟ قَالَ ذَاكَ يَوْمٌ يَنْزِلُ اللّٰهُ تَعَالَى عَلَى كُرْسِيِّهِ يَئِطُّ كَمَا يَئِطُّ الرَّحْلُ الْجَدِيدُ مِنْ تَضَايُقِهِ بِهِ وَهُوَ كَسَعَةِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ» (رواه الدارمی: باب فِی شَأْنِ السَّاعَةِ وَنُزُولِ الرَّبِّ تَعَالٰی [ضعیف جداً])

''حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ سے پوچھا گیا مقام محمود کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ دن ہوگا جس دن اللہ تعالیٰ اپنی کرسی پر جلوہ افروز ہوں گے، اللہ کے عرش سے اس طرح آواز آئے گی جس طرح کہ نئے پالان سے آواز آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے عرش کی وسعت آسمانوں اور زمینوں کی وسعت کے کے برابر ہے۔''

مسائل

۱۔ قیامت کے دن پوری کی پوری زمین اپنے رب کے نور سے منور ہو جائے گی۔
۲۔ قیامت کے دن ہر شخص کا اعمال نامہ اس تک پہنچ جائے گا۔
۳۔ قیامت کے دن انبیائے کرام ﷩ اور گواہ اپنی اپنی شہادت پیش کریں گے۔
۴۔ قیامت کے دن کسی پر کوئی زیادتی نہیں ہو پائے گی۔
۵۔ قیامت کے دن حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔
۶۔ ہر کسی کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔ ۷۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔

تفسیر بالقرآن

عدالتِ کبریٰ کا ایک منظر:

۱۔ اللہ تعالیٰ انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائیں گے اور لوگوں پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (یونس: ۵۴)
۲۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حق کے ساتھ فیصلہ فرمائیں گے اور کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ (الزمر: ۶۹)
۳۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کو پورا پورا اجر دے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ (البقرۃ: ۲۸۱)
۴۔ ''اللہ'' کی عدالت میں مجرم کی سفارش قبول نہیں ہوگی۔ (البقرۃ: ۴۸)
۵۔ ''اللہ'' کی عدالت میں خرید وفروخت، دوستی اور کسی کی سفارش کام نہیں آئے گی۔ (البقرۃ: ۲۵۴)
۶۔ اس دن عدل وانصاف کا ترازو قائم کیا جائے گا اور کسی پر رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (الانبیاء: ۴۷)
۷۔ قیامت کے دن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آئے گا۔ (الدخان: ۴۱، ۴۲)
۸۔ قیامت کے دن متقین کے سوا سب ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔ (الزخرف: ۶۷)

وَسِيْقَ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْٓا	اِلٰى	جَهَنَّمَ	زُمَرًا ؕ	حَتّٰٓى
اور ہانک کر لے جایا جائے گا	ان لوگوں کو	جنہوں نے کفر کیا	طرف	جہنم کی	گروہ در گروہ	یہاں تک
اِذَا	جَآءُوْهَا	فُتِحَتْ	اَبْوَابُهَا	وَقَالَ	لَهُمْ	
جب	وہ اس کے پاس آئیں گے	تو کھول دیے جائیں گے	اس کے دروازے	اور کہیں گے	ان کے لیے	
خَزَنَتُهَآ	اَلَمْ	يَاْتِكُمْ	رُسُلٌ	مِّنْكُمْ	يَتْلُوْنَ	عَلَيْكُمْ
اس کے داروغے	کیا نہیں	آئے تھے تمہارے پاس	رسول (جمع)	تم میں سے	وہ پڑھتے تھے	تم پر
اٰيٰتِ	رَبِّكُمْ	وَيُنْذِرُوْنَكُمْ	لِقَآءَ	يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ		
آیات	تمہارے رب کی	اور وہ ڈراتے تھے تم کو	ملاقات سے	اس دن کی		

”جن لوگوں نے کفر کیا وہ جہنم کی طرف گروہ در گروہ ہانکے جائیں گے جب وہ جہنم کے قریب پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور اس کے چوکیدار جہنمیوں سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے، جنہوں نے تمہارے رب کی تمہیں آیات سنائی ہوں اور تمہیں اس بات سے ڈرایا ہو کہ تمہیں یہ دن دیکھنا ہوگا۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: عدالتِ کبریٰ کے فیصلے کے بعد کفار کا جہنم کی طرف ہانکا جانا۔

جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا تو ربِ ذوالجلال کی طرف سے حکم ہوگا کہ جہنمیوں کو ان کے جرائم کے مطابق گروہ بندی کر کے جہنم کی طرف دھکیل دیا جائے جہنمی جہنم کے پاس پہنچیں گے تو جہنم کے دروغے جہنم کے دروازے کھولتے ہوئے جہنمیوں کو طعنہ اور جھڑکتے ہوئے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس اللہ کے رسول نہیں آئے تھے جو تمہارے سامنے تمہارے رب کے ارشادات پڑھتے اور تمہیں آج کے دن سے ڈراتے جہنمی زار و قطار روتے ہوئے اقرار کریں گے کہ کیوں نہیں! ہمارے پاس ہمارے رب کے رسول آئے اور انہوں نے ہمیں بار بار اخلاص کے ساتھ سمجھایا لیکن ہم باز نہ آئے جس وجہ سے عذاب کا حکم ہم پر برحق ثابت ہوا اور ہم اس کے سزاوار ٹھہرے۔

اس کے بعد ملائکہ انہیں جہنم کے دروازوں میں دھکیلتے ہوئے کہیں گے تم نے فخر و غرور کی وجہ سے اپنے رب کے ارشادات کا انکار کیا لہٰذا تکبر کرنے والوں کے لیے جہنم ہے جو بدترین ٹھکانہ ہے اور تمہیں یہاں ہمیشہ رہنا ہوگا یاد رہے کہ رب کی عبادت کے پیچھے شکر گزاری کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے اور اس کی نافرمانی کے پیچھے شعوری یا بے پرواہی اور تکبر ہوتا ہے۔ اس لئے جہنّمیوں سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارے تکبّر کا نتیجہ ہے لہٰذا اس کی سزا پاؤ تم نے یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔

قَالُوْا	بَلٰى	وَلٰكِنْ	حَقَّتْ	كَلِمَةُ	الْعَذَابِ	عَلَى
انہوں نے کہا	کیوں نہیں	اور لیکن	ثابت ہوگئی	بات	عذاب کی	پر

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾	قِيْلَ	ادْخُلُوْٓا	اَبْوَابَ	جَهَنَّمَ	خٰلِدِيْنَ	فِيْهَا ۚ
کافروں	کہا جائے گا	تم داخل ہوجاؤ	دروازوں میں	جہنم کے	ہمیشہ رہو گے	اس میں

فَبِئْسَ	مَثْوَى	الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾
پس بُرا ہے	ٹھکانہ	تکبر کرنے والوں کا

جہنمی جواب دیں گے ہاں آئے تھے مگر عذاب کا فیصلہ کافروں پر چسپاں ہوا۔(۷۱) کہا جائے گا کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہوجاؤ یہاں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ متکبروں کے لیے بُرا ٹھکانہ ہے۔'' (۷۲)

{ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۭ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ } (الحجر:۴۴)

''اس کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے کے لئے ایک گروہ مقرر ہے۔''

مسائل

۱۔ کفار کو گروہوں کی صورت میں جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا۔

۲۔ کفار کو دیکھتے ہی جہنّم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور ملائکہ ان سے سوال کریں گے۔

۳۔ جہنّمی اقرار کریں گے کہ ہمارے پاس اللہ کے رسول آئے تھے اور انہوں نے اس کا پیغام پہنچایا تھا۔

۴۔ جہنّمیوں کے اقرار کے بعد ملائکہ انہیں جہنّم میں دھکیل دیں گے۔ ۵۔ جہنّم رہنے کے اعتبار سے بدترین جگہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

منکرین کا انجام:

۱۔ زمین میں چل، پھر کر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ (النحل:۳۶)

۲۔ ہم نے ان سے انتقام لیا دیکھئے جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ (الزخرف:۲۵)

۳۔ قیامت کے دن منکرین کے لیے ہلاکت ہے۔ (الطور:۱۱) ۴۔ منکرین کے لیے جہنم کا کھولتا ہوا پانی ہے۔ (الواقعۃ:۹۲)

۵۔ اللہ تعالیٰ متکبر کو پسند نہیں کرتا۔ (النحل:۲۳) ۶۔ تکبر کرنے والے جہنم میں جائیں گے۔ (المومن:۷۶)

۷۔ قیامت کے دن منکرین کے لیے ہلاکت ہے۔ (الطور:۱۱)

۸۔ ہم مجرموں سے انتقام لیا کرتے ہیں۔ (سجدہ:۲۲)

وَسِيْقَ	الَّذِيْنَ	اتَّقَوْا	رَبَّهُمْ	اِلَى	الْجَنَّةِ	زُمَرًا ؕ
اور لے جایا جائے گا	ان لوگوں کو	جو ڈرتے رہے	اپنے رب سے	طرف	جنت کی	گروہ در گروہ

حَتّٰٓى	اِذَا	جَآءُوْهَا	وَفُتِحَتْ	اَبْوَابُهَا	وَقَالَ
حتیٰ کہ	جب	وہ آئیں گے اس کے پاس	اور کھلے ہوئے ہوں گے	اس کے دروازے	اور کہیں گے

لَهُمْ	خَزَنَتُهَا	سَلٰمٌ	عَلَيْكُمْ	طِبْتُمْ	فَادْخُلُوْهَا
ان کے لیے	اس کے دربان	سلام ہو	تم پر	تم پاکیزہ رہے	لہٰذا تم داخل ہو جاؤ اس میں

خٰلِدِيْنَ ﴿٧٣﴾	وَقَالُوا	الْحَمْدُ	لِلّٰهِ	الَّذِيْ	صَدَقَنَا	وَعْدَهٗ
ہمیشہ رہنے والے	اور انہوں نے کہا	سب تعریفیں	اللہ کے لیے ہیں	وہ جو	اس نے سچ کر دیا ہم سے	اپنا وعدہ

وَاَوْرَثَنَا	الْاَرْضَ	نَتَبَوَّاُ	مِنَ	الْجَنَّةِ	حَيْثُ
اور ہمیں وارث بنا دیا	زمین کا	ہم ٹھکانہ بنائیں	سے	جنت	جہاں

نَشَآءُ ۚ	فَنِعْمَ	اَجْرُ	الْعٰمِلِيْنَ ﴿٧٤﴾
ہم چاہیں	پس اچھا ہے	اجر	عمل کرنے والوں کا

”اور جو لوگ اپنے رب کی نافرمانی سے بچتے رہے انہیں جماعتوں کی صورت میں جنت کی طرف لے جایا جائے گا جب وہاں پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھولے جا چکے ہوں گے جنت کے ملائکہ کہیں گے کہ تم پر سلام ہو تم بہت اچھے رہے لہٰذا ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (٧٣) اور جنتی کہیں گے کہ اُس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہم کو زمین کا وارث بنا دیا اب ہم جنت میں جہاں چاہیں گے رہیں گے پس عمل کرنے والوں کے لیے بہترین اجر ہے۔“ (٧٤)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنمیوں کے مقابلے میں جنتیوں کو جنت میں جانے کا حکم اور انہیں ملائکہ کا سلام پیش کرنا۔

یہاں دو وجہ سے جنتیوں سے پہلے جہنمیوں کا ذکر کیا گیا ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ پچھلی آیات میں عدالتِ کبریٰ کے قیام کے ذکر سے پہلے جہنمیوں کا ذکر ہو رہا تھا دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ حساب وکتاب کے بعد جنتیوں کو جہنمیوں کی حالتِ زار دکھانا چاہیں گے تاکہ انہیں احساس ہو کہ اگر ہم پر ہمارے رب کا فضل نہ ہوتا تو آج ہم بھی جہنمیوں میں شامل ہوتے یہ مشاہدہ اور احساس کروانے کے بعد جنتیوں کو حکم ہوگا کہ تم نے تکبر اور نافرمانیوں سے بچ کر زندگی گزاری لہٰذا اپنے رب کی

جنت میں داخل ہو جاؤ! جنتی خراماں خراماں جنت کے دروازوں کے پاس پہنچیں گے تو فرشتے ڈھک، ڈھک جنت کے دروازے کھولتے ہوئے انہیں سلام کہیں گے اور خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے عرض کریں گے کہ تم بہت اچھے رہے اس لیے ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہو جاؤ اس پر جنتی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہیں گے کہ تمام تعریفات اس ذاتِ پاک کے لیے ہیں جس نے ہمارے ساتھ اپنے وعدے کو سچ کر دکھایا اور ہمیں جنت کی سرزمین کا وارث بنایا اور ہمیں جنت میں اپنی مرضی کے مطابق رہنے کی اجازت عنایت فرمائی ملائکہ کہیں گے کہ اچھے عمل کرنے والوں کے لیے کتنا ہی اچھا اجر ہے۔

«عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَوَّلُ زُمْرَةٍ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰى صُوْرَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَالَّذِيْنَ عَلٰى آثَارِهِمْ كَأَحْسَنِ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَآءِ إِضَآءَةً قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ لَا تَبَاغُضَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَحَاسُدَ لِكُلِّ امْرِئٍ زَوْجَتَانِ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ يُرٰى مُخُّ سُوْقِهِنَّ مِنْ وَرَآءِ الْعَظْمِ وَاللَّحْمِ»

(رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق، باب ما جاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں پہلا گروہ جنت میں چودھویں رات کے چاند کی صورت میں داخل ہوگا ان کے بعد کے لوگ آسمان میں چمکدار اور حسین ستارے کی مانند ہوں گے ان کے دل ایک ہی آدمی کے دل کی طرح ہوں گے ان کے درمیان نہ کوئی بغض ہوگا اور نہ ہی حسد ہر جنتی کے لیے حور العین میں سے دو بیویاں ہوں گی جن کی ہڈیوں کا گودا، گوشت ہڈیوں کے درمیان سے نظر آئے گا۔“

تفسیر بالقرآن

متقین کا استقبال:

١۔ جب فرشتے پاکباز لوگوں کی روحیں قبض کرتے ہیں تو انھیں سلام کہتے ہیں اور جنت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ (النحل ٣٢)

٢۔ فرشتے کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو تم نے صبر کیا آخرت کا گھر بہت ہی بہتر ہے۔ (الرعد: ٢٤)

٣۔ داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ آج تمھارے لیے داخل ہونے کا دن ہے۔ (ق: ٣٤)

٤۔ جب ملائکہ جنتیوں کے پاس آئیں گے تو انہیں سلام کہیں گے۔ (الزمر: ٨٩)

٥۔ قیامت کے دن نیک لوگ جنت میں داخل کیے جائیں گے اس میں ان کے لیے دعا سلام ہوگا۔ (ابراہیم: ٢٣)

٦۔ اللہ کی توحید پر استقامت اختیار کرنے والوں پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور وہ انہیں خوشخبری دیتے ہوئے کہتے ہیں غم و حزن میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں تمہارے لیے جنت ہے جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ (حٰم السجدۃ: ٣٠)

وَ تَرَى	الْمَلٰٓئِكَةَ	حَآفِّيْنَ	مِنْ	حَوْلِ الْعَرْشِ
اور آپ دیکھیں گے	فرشتوں کو	گھیرے ہوئے	سے	اردگرد عرش کے
يُسَبِّحُوْنَ	بِحَمْدِ	رَبِّهِمْ ۚ	وَقُضِيَ	بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ
وہ تسبیح بیان کر رہے ہوں گے	حمد کے ساتھ	اپنے رب کی	اور فیصلہ کیا جائے گا	ان کے درمیان حق کے ساتھ
وَقِيْلَ	الْحَمْدُ	لِلّٰهِ	رَبِّ	الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾ ع
اور کہا جائے گا	تمام تعریفیں	اللہ کے لیے ہیں	جو رب ہے	تمام جہانوں کا

''اور آپ دیکھیں گے کہ فرشتے عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے رب کی حمد اور تسبیح کر رہے ہوں گے، اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائیگا اور صدائیں بلند ہونگی کہ تمام کی تمام تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔'' (۷۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام : جہنمیوں اور جنتیوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے بعد عدالتِ کبریٰ کا اختتام۔

جب جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے اور جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو عدالتِ کبریٰ برخاست کر دی جائے گی۔ جہنمیوں کے انجام اور جنتیوں کے انعام کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوا اے رسول ﷺ! آپ دیکھیں گے کہ ملائکہ اپنے رب کے عرش کے چاروں طرف کھڑے ہوئے اپنے رب کی حمد کر رہے ہوں گے اور لوگوں کے درمیان پورے انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ہر چیز پکار اٹھے گی کہ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔ اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ جونہی ربِ ذوالجلال عدالتِ کبریٰ قائم فرمائیں گے تو ملائکہ کی ایک جماعت اللہ تعالیٰ کے عرش کے چاروں طرف موجود ہوگی جو ربِ ذوالجلال کی جلالت و جبروت کی وجہ سے دل ہی دل میں اس کی حمد و ستائش کر رہے ہوں گے لیکن جونہی جہنمیوں اور جنتیوں کے درمیان فیصلہ سنایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف اور اس کے رحم و کرم کو دیکھتے ہوئے ملائکہ بے ساختہ پکار اٹھیں گے کہ تمام تعریفات جہانوں کے رب کے لیے ہیں کیونکہ اس نے عدل پر مبنی فیصلہ صادر فرمایا ہے، اس کے ساتھ ہی جنتی حضرات اپنے رب کی حمد و ستائش میں مصروف ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کی بنا پر یقین ہے کہ جہنمی بھی اپنے رب کے عدل و انصاف کی تعریف کریں گے اس لیے سب کے لیے ''قِيْلَ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

''عرشِ الٰہی کے حامل فرشتے اور جو ملائکہ عرش کے گرد و پیش حاضر رہتے ہیں، سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہیں، وہ ''اللہ'' پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمانداروں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب تو اپنی رحمت اور اپنے علم کے ساتھ ہر چیز پر غالب ہے جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستے کی اتباع کی انہیں جہنم کے عذاب سے محفوظ فرما۔'' (المومن: ۷)

سورۃ المؤمن کا تعارف

یہاں سے ان سورتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جن کی ابتدالفظ ''حٰمٓ'' سے ہوتی ہے ان کو اہل علم ''حوامیم'' کے نام سے پکارتے ہیں ہر ''حٰمٓ'' کی ابتدائی آیات میں قرآن مجید کا تعارف مختلف الفاظ میں کروایا گیا ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور یہ لوگوں کے لیے رحمت، برکت اور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

المؤمن نو رکوع اور پچاس آیات پر مشتمل ہے یہ سورہ مبارکہ مکہ اور اس کے گردوپیش میں نازل ہوئی۔

ربطِ سورۃ: الزمر کا اختتام اس ارشاد پر ہوا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے پاس حاضر فرشتے اپنے رب کی تسبیح پڑھ رہے ہوں گے اور جب لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے کر دیئے جائیں گے تو ہر کوئی اللہ تعالیٰ کے فیصلے کی تعریف کر رہا ہوگا ''المؤمن'' کی ابتدا میں یہ بتلایا گیا ہے کہ الکتاب کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے جو سب کو جاننے والا اور ہر چیز اور کام پر غالب ہونے کے باوجود لوگوں کے گناہوں کو معاف کرتا اور ان کی توبہ قبول کرتا ہے وہ بڑا طاقتور اور مجرموں کو سخت سزا دینے والا ہے اس سے بڑھ کر کوئی طاقت ور نہیں اور ہر کسی نے اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ اس کے باوجود جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام اور ارشادات کے بارے میں جھگڑتے ہیں ایسے لوگوں کے رہن سہن اور چال ڈھال سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم اور بہت سے گروہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب اور انبیائے کرام علیہم السلام کو جھٹلایا جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کا سخت احتساب کیا اور آخرت میں یہ لوگ جہنم رسید کر دیئے جائیں گے ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ ایمانداروں اور ان کے نیک اہل خانہ کو جنت میں داخل کرے گا ان کے لیے یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ مشرکوں کا حال یہ ہے جب انہیں اللہ وحدہ لاشریک کی طرف بلایا جاتا ہے تو انکار کرتے ہیں اور جب کوئی اس کے ساتھ شرک کرتا ہے تو اس کے ساتھی بن جاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے بے شک یہ کفار کے لیے کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد آلِ فرعون کے مظالم کا ذکر کیا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان بنیادی اختلاف یہی تھا۔ اس بنا پر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کی برادری کا ایک شخص جس نے اب تک اپنے ایمان کا اظہار نہیں کیا تھا وہ کھڑا ہوا اور اس نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کے سامنے فطری دلائل اور تاریخی حقائق کے حوالے سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ جس شخص کی جان کے دشمن بن چکے ہو اس کی دعوت پر غور کرو کہ یہ تمہیں کہتا کیا ہے لیکن فرعون نے اس کی بات کی طرف توجہ دینے کی بجائے اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ میرے لیے ایک ایسا مینار کھڑا کیا جائے جس کے ذریعے میں آسمان پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھنا چاہتا ہوں اس پر مردِ مومن نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو آخری بار سمجھایا کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ کی دعوت دیتے ہو اگر تم میری بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہو تو میں اپنے کام کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں جو ہر حال میں اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام اور

مومنوں کو تسلی دی ہے کہ ہم اپنے بندوں کی دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کے مددگار ہوں گے پھر ارشاد فرمایا کہ اندھا اور بینا، نیک اور بد برابر نہیں ہو سکتے لیکن نصیحت حاصل کرنے والے ہمیشہ تھوڑے لوگ ہوا کرتے ہیں، لوگو! اپنے رب کی دعوت قبول کرو جو اس کی دعوت قبول نہیں کریں گے انہیں بہت جلد جہنم میں ذلیل کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے سورت کے آخر میں اپنی توحید کے چھ دلائل دیئے ہیں۔

① ۔''اللہ'' ہی تمہارا رب ہے اور اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا لہٰذا اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔

② ۔''اللہ'' ہی نے تمہارے لیے زمین کو جائے قرار دیا اور آسمان کو چھت بنایا اسی نے تمہاری شکل وصورت بنائی اور وہی تمہیں پاکیزہ رزق دیتا ہے تمہارا رب بڑی برکت والا ہے۔

③ ۔اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ ہے اور زندہ رہے گا اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس کا حکم ہے کہ ہر حال میں صرف اسی کو پکارا جائے کیونکہ تمام تعریفات اسی کے لیے ہیں وہ رب العالمین ہے۔

④ ۔''اللہ'' ہی نے مٹی سے، پھر نطفہ سے، پھر لوتھڑے سے تمہیں بچے کی صورت میں پیدا کیا تاکہ تم جوان ہو کر اپنے بڑھاپے تک پہنچ جاؤ وہی کچھ کو بڑھاپے سے پہلے موت دیتا ہے اور کچھ طبعی عمر کو پہنچ کر فوت ہوتے ہیں۔ غور کرو کہ ان کاموں میں کسی اور کا عمل دخل ہے؟

⑤ ۔''اللہ'' ہی موت وحیات کا مالک ہے جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو ''کُنۡ'' کہتا ہے۔ وہ کام اس کی مرضی کے مطابق ہو جاتا ہے۔

⑥ ۔''اللہ'' نے ہی تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے تم ان پر سواری کرتے ہو ان کا گوشت کھاتے ہو ان سے اور بھی فائدے اٹھاتے ہو۔

سورۃ المؤمن کا اختتام اس بات پر کیا کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے پہلے اس پر سچا ایمان لے آؤ جب اس کا عذاب نازل ہوگا تو اس وقت تمہیں ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ کا پہلے لوگوں کے لئے بھی یہی اصول تھا اور آئندہ کے لیے بھی یہ اصول کارفرما رہے گا۔

❀❀❀

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعَاتُهَا ۹ — اٰيَاتُهَا ۸۵

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے

حٰمٓ ۚ ①	تَنْزِيْلُ	الْكِتٰبِ	مِنَ	اللّٰهِ	الْعَزِيْزِ	الْعَلِيْمِ ۙ ②
حٰمٓ	اُتارنا	کتاب کا	سے	اللہ	جو بڑا غالب	جاننے والا ہے

غَافِرِ	الذَّنْۢبِ	وَقَابِلِ	التَّوْبِ	شَدِيْدِ	الْعِقَابِ ۙ	ذِي الطَّوْلِ ؕ
بخشنے والا	گناہ کو	اور قبول کرنے والا	توبہ کو	شدید	سزا دینے والا	فضل والا

لَآ	اِلٰهَ	اِلَّا	هُوَ ؕ	اِلَيْهِ	الْمَصِيْرُ ③
نہیں	معبود	مگر	وہی	اس کی طرف	لوٹ کر جانا ہے

’’ح۔م۔(۱) اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہوا ہے جو زبردست اور سب کچھ جاننے والا ہے۔(۲) گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے، سخت سزا دینے والا اور بہت فضل کرنے والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اُسی کی طرف سب کو پلٹ کر جانا ہے۔‘‘(۳)

فہم القرآن

سورۃ الزمر کا اختتام اس بات پر ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کو جہنم میں داخل کرے گا اور ایماندار لوگوں کو جنت میں داخل فرمائے گا جنتی اپنے اعمال کے بدلے اور اللہ تعالیٰ کی بخشش کے نتیجے میں جنت میں جائیں گے اور جہنمی برے اعمال کے نتیجے میں جہنّم میں داخل کیے جائیں گے سورۃ المومن کی ابتدا میں کھلے الفاظ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی گناہوں کو معاف کرنے والا ہے اور وہ ظالموں کو سخت عذاب دینے والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

قرآن مجید کی ترتیب کے مطابق اب تک یہ پہلی سورۃ ہے جو حٰمٓ سے شروع ہو رہی ہے حٰمٓ کا لفظ بھی حروفِ مقطعات میں سے ہے اس کا معنٰی حدیثِ رسول ﷺ سے ثابت نہیں۔ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل کیا ہے جو انتہا درجہ کی صفاتِ حسنہ سے متصف ہے اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی صفات میں درج ذیل کا تذکرہ کیا ہے۔

① اللہ ہر اعتبار سے اپنی مخلوق پر غالب ہے کوئی اسکے ارادے کو بدل اور اسکے حکم کو ٹال نہیں سکتا اسکے باوجود وہ حکیم ہے۔

② وہ علیم ہے سب کچھ جاننے والا ہے یہاں تک کہ دلوں کے راز بھی جانتا ہے ارشاد ہوا کہ کوئی اپنی بات چھپائے یا اُسے ظاہر کرے اللہ تعالیٰ کے لیے ظاہر اور باطن دونوں برابر ہیں۔

③ اللہ تعالیٰ بڑے سے بڑے مجرموں پر غلبہ پانے والا ہے۔

④ سب کچھ جاننے کے باوجود گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔ ⑤ لوگوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

⑥ شدید سزا دینے والا ہے وہ کسی کو سزا دینے کا فیصلہ کرے تو کوئی ایسی طاقت نہیں جو مجرم کو سزا سے بچا سکے کیونکہ اس کی گرفت بہت شدید ہے۔

⑦ بڑا انعام کرنے والا ہے وہ کسی پر انعام کرنا چاہے تو کوئی اس کے فضل و کرم کو روک نہیں سکتا۔

⑧ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، الٰہ کا پہلا معنیٰ یہ ہے کہ جس ذات کی عبادت کی جائے عبادت میں حکم ماننا، تابعداری کرنا اور اس میں بندگی کے تمام معاملات شامل ہیں۔

⑨ مرنے کے بعد کسی نے اِدھر اُدھر نہیں جانا سب نے اسی کے حضور پیش ہونا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر حال میں سب پر غالب ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف کرنے والا ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ ۸۔ مرنے کے بعد سب نے ''اللہ'' کے حضور حاضر ہونا ہے۔

تفسیر بالقرآن

''اللہ'' ہی الٰہ ہے:

۱۔ الٰہ ایک ہی ہے اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔ (البقرۃ: ۱۶۳)

۲۔ تمہارا صرف ایک ہی الٰہ ہے اسی کے تابع ہو جاؤ۔ (الحج: ۳۴)

۳۔ تمہارا الٰہ ایک ہی ہے لیکن آخرت کے منکر نہیں مانتے۔ (النحل: ۲۲) ۴۔ تمہارا الٰہ اللہ ہی ہے۔ (طٰہٰ: ۹۸)

۵۔ آپ ﷺ فرمادیں میری طرف وحی کی جاتی ہے تمہارا الٰہ صرف ایک ہی الٰہ ہے۔ (الانبیاء: ۱۰۸)

۶۔ ہمارا الٰہ اور تمہارا الٰہ صرف ایک ہی ہے ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ (العنکبوت: ۴۶)

۷۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے جسے میں تلاش کروں۔ (الاعراف: ۱۴۰)

۸۔ اللہ ہی الٰہ ہے وہ اکیلا ہی عبادت کے لائق ہے۔ (الانعام: ۱۰۲)

۹۔ کوئی اور الٰہ نہ بناؤ الٰہ تو ایک ہی ہے (النحل: ۵۱) ۱۱۔ اسکے سوا کوئی الٰہ نہیں مگر وہ اکیلا ہی ہے (المائدۃ: ۷۳)

۱۰۔ اعلان کر دیں اللہ ہی ایک الٰہ ہے اور میں تمہارے شرک سے بری ہوں۔ (الانعام: ۱۹)

مَا	يُجَادِلُ	فِيْٓ	اٰيٰتِ	اللّٰهِ	اِلَّا	الَّذِيْنَ
نہیں	جھگڑا کرتے	میں	آیات	اللہ کی	مگر	وہ لوگ
كَفَرُوْا	فَلَا	يَغْرُرْكَ	تَقَلُّبُهُمْ	فِي	الْبِلَادِ ④	كَذَّبَتْ
جنہوں نے کفر کیا	لہٰذا نہ	آپ کو دھوکے میں ڈالے	چلنا پھرنا ان کا	میں	شہروں	جھٹلایا
قَبْلَهُمْ	قَوْمُ	نُوْحٍ	وَّالْاَحْزَابُ	مِنْۢ	بَعْدِهِمْ	وَهَمَّتْ
ان سے پہلے	قوم نے	نوح کی	اور گروہوں نے	سے	ان کے بعد	اور ارادہ کیا
كُلُّ	اُمَّةٍۢ	بِرَسُوْلِهِمْ	لِيَاْخُذُوْهُ	وَ	جٰدَلُوْا	بِالْبَاطِلِ
ہر	امت نے	اپنے رسولوں کی بابت	تاکہ وہ پکڑیں اس کو	اور	انہوں نے جھگڑا کیا	جھوٹ کے ساتھ

’’اللہ کی آیات کے بارے میں وہ لوگ جھگڑا کرتے ہیں جنہوں نے کفر کیا ہے۔ اے نبی آپ کو اُن کی بھاگ دوڑ کسی دھوکے میں مبتلا نہ کردے۔(۴) ان سے پہلے نوح کی قوم بھی جھٹلا چکی ہے اور اس کے بعد بہت سے گروہوں نے بھی یہ کام کیا ہے۔ ہر قوم اپنے رسول پر جھپٹی تاکہ اُسے گرفتار کرے۔ اور ان سب نے باطل کے ساتھ

فہم القرآن

ربطِ کلام: عظیم ترین صفات رکھنے والے ایک الٰہ کو اس کی پوری مخلوق مانتی ہے لیکن صرف کافر نہیں مانتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کی ابتداء میں اپنی سات صفات کا حوالہ دے کر یہ بات واضح فرمائی ہے کہ قرآن مجید کو اسی ذات نے نازل کیا ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں لیکن ’’اللہ‘‘ کو ایک الٰہ نہ ماننے والے اس کی آیات یعنی دلائل کے بارے میں بحث و تکرار کرتے ہیں۔ اے رسول ﷺ! کفار کا شہروں میں چلنا پھرنا اور ان کی ترقی سے آپ کو دھوکہ نہیں کھانا چاہیے اگر یہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے اور ان کے بعد کئی گروہوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا ہے۔ جس طرح یہ لوگ آپ کے خلاف منصوبہ بندی کررہے ہیں اسی طرح ہر دور کے لوگوں نے اپنے رسول کے خلاف منصوبہ بنایا کہ اسے گرفتار کرکے شہید کردیا جائے کفار حق کے بارے میں جھگڑتے رہے تاکہ حق کو دبا دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑ لیا دیکھ لیں کہ اللہ نے ان پر کس قدر سخت گرفت کی جس طرح انہیں پکڑ لیا گیا تھا اسی طرح ہی آپ کے دور کے کفار کو پکڑ لیا جائے اور آخرت میں یقیناً یہ جہنم میں جھونکے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کے بارے میں کفار اور مشرکین کے جھگڑنے کی جو صورتیں ہوسکتی ہیں ان میں چند ایک درج ذیل ہیں۔

① اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا کوئی شریک نہیں مشرک اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ثابت کرتے ہیں۔

لِيُدْحِضُوْا	بِهِ	الْحَقَّ	فَاَخَذْتُهُمْ ۣ	فَكَيْفَ	كَانَ	عِقَابِ ۵
تا کہ ڈگمگا دیں	اس کے ساتھ	حق کو	میں نے پکڑ لیا ان کو	تو کیسی	تھی	میری سزا
وَ كَذٰلِكَ	حَقَّتْ	كَلِمَتُ	رَبِّكَ	عَلَى الَّذِيْنَ	كَفَرُوْٓا	
اور اسی طرح	ثابت ہوگئی	بات	آپ کے رب کی	ان لوگوں پر	جنہوں نے کفر کیا	
اَنَّهُمْ	اَصْحٰبُ	النَّارِ ۶				
بلاشبہ وہی	ساتھی	آگ کے				

حق کو نیچا دکھانے کی کوشش کی مگر آخر کار میں نے ان کو پکڑ لیا، تو دیکھ لو میری سزا کیسی سخت تھی۔(۵) اسی طرح آپ کے رب کا فیصلہ اُن لوگوں پر چسپاں ہو چکا ہے جو کفر کے مرتکب ہوئے ہیں یقیناً وہ آگ والے ہیں۔"(۶)

② اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے اپنی خدائی میں کسی کو کوئی اختیار نہیں دیا مشرک بحث کرتا ہے کہ "اللہ" نے فوت شدگان کو اختیار دے رکھے ہیں۔

③ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری کوئی اولاد نہیں کافر لوگ ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں، یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔

④ اللہ کا فرمان ہے کہ میرا کوئی جز نہیں مشرک نبی ﷺ کو "نُوْرٌ مِنْ نُوْرِ اللهِ" کہتے ہیں۔

⑤ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمام کے تمام انبیاء علیہم السلام میرے بندے اور انسان تھے کافر کہتے ہیں کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا ہے بعض کلمہ گو کہتے ہیں کہ رسول بشر نہیں ہوتا۔

⑥ اللہ فرماتا ہے کہ میں نے قرآن مجید نازل کیا ہے کافر کہتے ہیں قرآن نبی ﷺ نے خود بنا لیا ہے۔

⑦ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے سوا کوئی مشکل کشا اور حاجت روا نہیں مشرک کہتا ہے کہ اولیاء بھی مشکل کشائی اور حاجت روائی کرتے ہیں۔

اے پیغمبر ﷺ آپ کفار اور مشرکین کے تہذیب و تمدن اور شان و شوکت سے دھوکہ نہ کھائیں کیونکہ یہ زندگی عارضی اور قلیل ہے۔

اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ فلاں لوگ نسل در نسل خوشحالی، اقتدار اور اختیار کی زندگی بسر کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہے ایسا ہرگز نہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا اصول یہ ہے کہ وہ انہیں مہلت پہ مہلت دیئے جاتا ہے تا کہ انہیں گناہ کرنے میں کوئی حسرت باقی نہ رہے اس کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ } (آل عمران:۱۷۸)

''کافر ہماری دی ہوئی مہلت کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں یہ مہلت تو ہم نے اس لیے دی ہے کہ وہ گناہوں میں اور بڑھ جائیں اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔''

{ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓي اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ } (الانعام:۴۴،۴۵)

''ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں کے ساتھ خوش ہو گئے جو انہیں دی گئی تھیں ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا تو پھر وہ ناامید ہو گے۔ جنہوں نے ظلم کیا تھا ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو سب جہانوں کا رب ہے۔''

قومِ نوح اور اس کے بعد جس قوم نے بھی اپنے رسول کو گوفتار کرنے یا قتل کرنے کی سازش اور حق کو دبانے کی کوشش کی اللہ تعالیٰ نے انہیں عبرت ناک عذاب سے دوچار کیا دیکھنا چاہو تو ان قوموں کے کھنڈرات دیکھو وہ زبانِ حال سے بتائیں گے کہ تیرے رب کا عذاب کس قدر شدید تھا اور قیامت کے دن یہ لوگ یقیناً جہنم میں پھینکیں جائیں گے۔

مسائل

۱۔ مشرک اور کافر اللہ کی آیات کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں۔ ۲۔ بے دین لوگوں کی ترقی پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیے۔

۳۔ پہلی اقوام نے بھی اپنے رسولوں کو قابو کرنے اور حق کو دبانے کی کوشش کی تھی۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے نافرمان قوموں کو دنیا میں سزا دی اور آخرت میں یہ لوگ جہنم میں جھونکیں جائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

پہلی اقوام کے عذاب کا ایک منظر:

۱۔ کیا وہ لوگ بے فکر ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے؟ (النحل:۴۵)

۲۔ قومِ ثمود کو چیخ نے آپکڑا وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ (ھود:۶۷)

۳۔ قومِ عاد کو تند و تیز ہوا نے ہلاک کیا۔ (الحاقۃ:۶)

۴۔ قومِ لوط کی بستی کو الٹا کر دیا اور ان پر کھنگر والے پتھر برسائے گئے۔ (الحجر:۷۴)

۵۔ آلِ فرعون کو غرق کر دیا گیا۔ (البقرۃ:۵۰)

۶۔ ان کے گناہ کی پاداش میں پکڑ لیا کسی پر تند ہوا بھیجی، کسی کو ہولناک آواز نے آلیا، کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کچھ کو غرق کر دیا۔ (العنکبوت:۴۰) ۷۔ بنی اسرائیل کو اللہ نے ذلیل بندر بنا دیا۔ (البقرۃ:۶۵)

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ

وہ جواٹھائے ہوئے ہیں عرش اور جو اس کے اردگرد وہ پاکیزگی بیان کرتے ہیں تعریف کے ساتھ

رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ

اپنے رب کی اور وہ ایمان رکھتے ہیں ساتھ اس کے وہ بخشش مانگتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ

اے ہمارے رب تونے گھیرلیا ہر چیز کو رحمت اور علم کے لحاظ سے پس تو بخش دے

لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝

ان لوگوں کے لیے جنہوں نے توبہ کی اور پیروی کی تیرے راستے کی اور بچا ان کو عذاب سے دوزخ کے

''عرشِ الٰہی کے حامل فرشتے اور جو ملائکہ عرش کے گردو پیش حاضر رہتے ہیں، سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کررہے ہیں، وہ ''اللہ'' پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمانداروں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب تو اپنی رحمت اور اپنے علم کے ساتھ ہر چیز پر چھایا ہوا ہے الٰہی جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستے کی اتباع کی انہیں جہنم کے عذاب سے محفوظ فرما۔(۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام : اللہ کے حکم سے ملائکہ کفار اور مشرکین کو سزا دیتے ہیں اور مومنوں کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔

پہلی اقوام کا اپنے رسولوں کے ساتھ سلوک اور حق کے معاملہ میں ان کا رویہّ بتلا کر رسولِ محترم ﷺ کو آگاہ کیا جارہا ہے کہ اے رسول! مومنوں کو بتلائیں کہ انہیں دل چھوٹا کرنے اور ہمت نہیں ہارنا چاہیے بے شک کفار اور مشرکین ان کی جان کے درپے اور حق کو دبانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگارہے ہیں لیکن انہیں خوش ہونا چاہیے کہ ان کی دنیا اور آخرت میں کامیابی کے لیے ملائکہ صبح و شام دعائیں کرتے ہیں جو اپنے رب کا عرش تھامے ہوئے اور اپنے رب کی حمد میں رطب اللسان رہتے ہیں وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب تو نے ہر چیز کو اپنی رحمت اور علم سے گھیر رکھا ہے تو ان لوگوں کو معاف کردے جو تیرے حضور توبہ کرتے اور تیرے راستے کی پیروی کرتے ہیں انہیں جہنم کے عذاب سے بچائے رکھنا۔ اے ہمارے رب! انہیں اپنے وعدے کے مطابق ہمیشہ کی جنت میں داخل فرما اور ان کے ساتھ ان کے نیک ماں باپ، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد کو بھی جنت میں داخل فرما کیونکہ تو ہی غالب حکمت والا ہے اور تو ہی سب گناہوں کو معاف کرنیوالا اور آخرت میں جہنم کے عذاب سے محفوظ فرمانے والا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جسے تونے قیامت کےعذاب سے بچالیا اس پر تیرا بڑا اکرم ہوا اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

ملائکہ کی دعاؤں اور مومنوں کی نیکیوں کے بدلے اللہ تعالیٰ جنتیوں پر کرم فرماتے ہوئے انکے قریبی رشتہ داروں کو اکٹھا فرمائیگا۔ اہل علم نے لکھا ہے کہ جنت کے نچلے درجے میں رہنے والوں کو جنت کے اعلیٰ مقام میں رہنے والوں کیساتھ ملادیا

رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ﹰالَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ
اے ہمارے رب اورتو داخل کران کو باغات میں ہمیشہ رہنے والے وہ جو تو نے ان سے وعدہ کیا اور جو

صَلَحَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ
نیک ہوئے سے ان کے باپ دادا اوران کی بیویوں اوران کی اولاد بے شک آپ

اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۙ۸ وَ قِهِمُ السَّیِّاٰتِ ؕ وَ مَنْ تَقِ السَّیِّاٰتِ
تو بڑا غالب خوب حکمت والا ہے اور بچا ان کو برائیوں سے اور جس کو تو بچائے گا برائیوں سے

یَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۹
اس دن تو تحقیق تو نے رحم کیا اس پر اور یہ وہ کامیابی ہے بہت بڑی

اے ہمارے رب! اور داخل کر اُن کو ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں جن کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے اور اُن کے والدین اور بیویوں اور اولاد میں سے جو صالح ہوں تو بلا شبہ قادرِ مطلق اور حکیم ہے۔(۸) اور بچا اُن کو برائیوں سے جس کو تو نے قیامت کے دن برائیوں سے بچالیا اُس پر تو نے بڑا رحم فرمایا یہ بڑی کامیابی ہے۔''(۹)

جائیگا گویا کہ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی کرم کیساتھ جنت میں بھی لوگوں کو ترقیوں سے ہمکنار فرمائیں گے۔

{ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ مَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ
كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِیْنٌ ۲۱ } (الطور:۲۱)

''جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کی اولاد بھی ایمان لانے میں اُن کے پیچھے چلی ان کی اولاد کو ہم اُن کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی، ہر شخص اپنی کمائی کے عوض گروی ہے۔''

یہاں ملائکہ کی دعا میں ''السَّیِّاٰتِ'' کا لفظ آیا ہے اس کے مفسرین نے تین معنیٰ کیے ہیں۔

① گناہ ② ہر قسم کا نقصان ③ عذاب۔

مسائل

۱۔ عرشِ معلیٰ کے فرشتے اپنے رب کی حمد بیان کرنے کے ساتھ مومنوں کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

۲۔ عرشِ معلیٰ کے ملائکہ مومنوں کے لیے جہنّم کے عذاب سے نجات اور جنت میں داخلے کی دعائیں کرتے ہیں۔

۳۔ جہنم سے نجات پا کر جنت میں داخل ہونا بہت بڑی کامیابی ہے۔

اِنَّ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	يُنَادَوْنَ	لَمَقْتُ	اللّٰهِ	اَكْبَرُ
بلاشبہ	جولوگ	انہوں نے کفر کیا	وہ پکارے جائیں گے	البتہ ناراضگی	اللہ کی	بہت بڑی ہے
مِنْ	مَّقْتِكُمْ	اَنْفُسَكُمْ	اِذْ	تُدْعَوْنَ	اِلَى	الْاِيْمَانِ
سے	تمہاری ناراضگی	اپنے آپ پر	جب	تم بلائے جاتے تھے	طرف	ایمان کی
فَتَكْفُرُوْنَ ⑩	قَالُوْا	رَبَّنَآ	اَمَتَّنَا	اثْنَتَيْنِ	وَاَحْيَيْتَنَا	
توتم انکار کرتے تھے	انہوں نے کہا	اے ہمارے رب	تو نے ہمیں موت دی	دومرتبہ	اور تو نے ہمیں زندہ کیا	
اثْنَتَيْنِ	فَاعْتَرَفْنَا	بِذُنُوْبِنَا	فَهَلْ	اِلٰى	خُرُوْجٍ	مِّنْ سَبِيْلٍ ⑪
دومرتبہ	اب ہم نے اقرار کیا	اپنے گناہوں کا	تو کیا ہے	طرف	نکلنے کے	کوئی راستہ

''جن لوگوں نے کفر کیا انہیں قیامت کے دن کہا جائے گا کہ آج جتنا اپنے آپ پر تمہیں غصہ آرہا ہے جب تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا اور تم کفر کرتے تھے تو اللہ تم پر اس سے زیادہ غضبناک ہوتا تھا (۱۰) وہ کہیں گے اے ہمارے رب حقیقت یہی ہے کہ تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور دو دفعہ زندگی دی، اب ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں، کیا یہاں سے نکلنے کا کوئی طریقہ ہوسکتا ہے۔'' (۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنّتیوں کے بعد جہنّمیوں کا ذکر۔

جہنمی جہنم میں نہ صرف اپنے علماء، پیروں اور لیڈروں پر غصہ نکالیں گے بلکہ وہ اپنے آپ پر بھی غضبناک ہوں گے یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں کو کاٹتے ہوئے کہیں گے کہ کاش! ہم رسول کا راستہ چھوڑ کر فلاں فلاں کو اپنا خیر خواہ نہ بناتے۔ (الفرقان: ۲۷۔۲۸)

جب وہ اپنے ہاتھ کاٹ رہے ہوں گے تو ربِ ذوالجلال انہیں مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمائیں گے کہ جس طرح آج تمہیں اپنی حالتِ زار پر غصہ آرہا ہے۔ جب دنیا میں تم مجھ پر ایمان لانے سے انکار کرتے اور میرے شریک بناتے تھے تو مجھے اس سے کہیں زیادہ غصہ آتا تھا لیکن میں نے تمہیں مہلت دیئے رکھی تا آنکہ تم جہنم میں داخل کر دیئے گئے۔ اس وقت جہنمی فریاد پر فریاد کریں گے کہ اے ہمیں پیدا کرنے اور پالنے والے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ پیدا کیا اور دو مرتبہ زندہ فرمایا اب ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں کیا ہماری نجات کا کوئی راستہ ہے؟ تمام اہل علم نے لکھا ہے کہ دو مرتبہ موت سے مراد ایک انسان کی وہ حالت ہے جب اس کا وجود نہیں ہوتا ہے۔

دوسری مرتبہ جب زندگی گزار کر مرتا ہے۔ اسی طرح پہلے ماں کے پیٹ سے جنم لینا اور دوسری مرتبہ موت کے بعد زندہ

ذٰلِكُمْ	بِاَنَّهٗٓ	اِذَا	دُعِيَ	اللّٰهُ	وَحْدَهٗ
یہ تمہارے	بلاشبہ وہ	جب	پکارا جاتا تھا	اللہ	اکیلے کو
كَفَرْتُمْ ۚ	وَاِنْ	يُّشْرَكْ	بِهٖ	تُؤْمِنُوْا ۭ	فَالْحُكْمُ
تم انکار کرتے تھے	اور اگر	شریک ٹھہرایا جاتا	اس کے ساتھ	توتم مان لیتے	پس حکم
لِلّٰهِ	الْعَلِيِّ	الْكَبِيْرِ ⑫			
اللہ کے لیے ہے	جونہایت بلند	بہت بڑا ہے			

جہنمیوں کو جواب دیا جائے گا کہ جس حالت میں تم مبتلا ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب صرف ایک اللہ کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم ماننے سے انکار کرتے تھے اور جب اُس کے ساتھ دوسروں کو ملایا جاتا تو تم مان لیتے تھے اب فیصلہ اللہ بزرگ و برتر کے اختیار میں ہے۔'' (١٢)

ہونا ہے جسے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔'' تم اللہ کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔'' (البقرہ:٢٨)

قرآن مجید کے دوسرے مقام پر بیان ہوا ہے کہ کاش آپ دیکھیں کہ جب جہنمی جہنم میں سر جھکائے فریادیں کریں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے سب کچھ دیکھ اور سن لیا ہماری التجاء ہے کہ ہمیں ایک مرتبہ دنیا میں واپس کر دیں ہم نیک عمل کریں گے اور آپ کے ارشادات پر یقین کریں گے۔ (السجدۃ:١٢)

اس کے جواب میں انہیں فرمایا جائے گا کہ تمہارا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ جب تمہیں ایک اللہ کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے جب اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے یعنی آج تم مجھے ''اللہ'' مانتے ہو لیکن دنیا میں تم میرے ساتھ تو کفر و شرک کیا کرتے تھے سورۃ الزمر آیت ٤٥ میں بیان ہوا ہے کہ جب ایک اللہ کا ذکر ہوتا تھا تو تمہارے چہرے بگڑ جاتے تھے اور دوسروں کا ذکر ہوتا تو تمہارے چہرے کھل جاتے تھے اب کفر و شرک کی وجہ سے تمہیں ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنا ہے، اس کے ساتھ ہی کہا جائے گا کہ فیصلے کا اختیار ''اللہ'' اعلیٰ اور اکبر کو ہے یہ فرما کر انہیں مزید احساس دلایا جائے گا کہ تم دنیا میں اس لیے دوسروں کو اللہ کا شریک بناتے تھے کہ یہ بزرگ اور بت تمہیں اللہ تعالیٰ سے چھڑا لیں گے یہ تمہاری خام خیالی تھی اب دیکھ لو کہ بلند و بالا ہستی کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا لہٰذا اس کا فیصلہ اٹل ہے جو اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے اعلیٰ ہے اور اقتدار اور اختیار کے اعتبار سے بھی اس کا کوئی شریک نہیں پھر دیکھ لو کہ اس کی بڑائی اور کبریائی کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَطْوِي اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ السَّمَاوَاتِ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ،ثُمَّ يَأْخُذُهُنَّ بِيَدِهِ الْيُمْنَى، ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ،أَيْنَ الْجَبَّارُونَ ؟ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُونَ ثُمَّ يَطْوِى الْأَرَضِينَ بِشِمَالِهِ،ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ الْجَبَّارُونَ ؟ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُونَ ؟»

(رواہ مسلم: کتاب صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ)

’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹ کر ان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لے گا۔ پھر فرمائے گا’’میں ہی بادشاہ ہوں‘‘ دنیا کے جابر اور سرکش آج کہاں ہیں؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ زمین کو لپیٹ کر اپنے بائیں ہاتھ میں لے گا اور فرمائے گا۔ ’’میں ہی بادشاہ ہوں‘‘ دنیا کے جابر اور سرکش آج کہاں ہیں؟‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ جہنمیوں کے واویلا پر اپنے غضب کا اظہار کریں گے۔

۲۔ جہنمی اپنے کفروشرک کی وجہ سے جہنم میں جھونکے جائیں گے۔

۳۔ جہنمی جہنم میں اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے مگر انہیں اس اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا

تفسیر بالقرآن

مشرکین کا’’اللہ‘‘ کی توحید کے ساتھ وطیرہ:

۱۔ کیا تو ہمیں ان معبودوں کی عبادت سے روکتا ہے جن کی عبادت ہمارے آباء کرتے رہے ہیں۔(ھود:۶۲)

۲۔ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہمیں ہمارے آباء واجداد کافی ہیں۔(المائدۃ:۱۰۴)

۳۔ جب ان کے پاس اللہ وحدہٗ لاشریک کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل جلتے ہیں۔(الزمر:۴۵)

۴۔ جب مشرکین کو توحید کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ تکبر کرتے ہوئے اسے ٹھکرا دیتے ہیں۔(الصّٰفّٰت:۳۵)

۵۔ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اللہ کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔(النساء:۶۱)

۶۔ جب ان سے کہا جاتا ہے اللہ کی نازل کردہ کتاب کی پیروی کرو تو جواب میں اپنے آباء واجداد کی پیروی کا حوالہ دیتے ہیں۔(البقرۃ:۱۷۰)

۷۔ جب ان کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی پیروی کا حکم دیا جاتا ہے تو اپنے آباء اجداد کی پیروی کو ترجیح دیتے ہیں۔(لقمان:۲۱)

۸۔ کفار کہتے تھے کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو تم چاہتے ہو کہ ہم اپنے آباء واجداد کے معبودوں کو چھوڑ دیں۔(ابراہیم:۱۰)

۹۔ انبیاء نے کفار کو توحید کی دعوت دی تو انہوں نے کہا ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے۔(ابراہیم:۱۳)

هُوَ الَّذِىْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ
وہ جو تمہیں دکھاتا ہے اپنی نشانیاں اور وہ نازل کرتا ہے تمہارے لیے

مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ
سے آسمان رزق اور نہیں نصیحت پکڑتا مگر جو

يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ
رجوع کرتا ہے لہٰذا تم پکارو اللہ کو خالص کرتے ہوئے اس کے لیے دین کو اور اگرچہ

كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِى الرُّوْحَ
ناپسند کریں کافر (جمع) بلند درجات عرش والا وہ ڈالتا ہے روح

مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾
سے اپنے حکم جس پر وہ چاہتا ہے سے اپنے بندوں میں تاکہ وہ ڈرائے دن سے ملاقات کے

وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے تمہارے لیے رزق نازل کرتا ہے، اللہ کی طرف رجوع کرنے والے کے سوا دوسرا نصیحت حاصل نہیں کرتا۔ (۱۳) پس اے لوگو! صرف ایک اللہ کو پکارو۔ اپنے دین کو اُس کے لیے خالص کر کے بے شک یہ کام کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ (۱۴) ''اللہ'' بلند و بالا اور عرش کا مالک ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی نازل کر دیتا ہے، تاکہ وہ ملاقات کے دن سے لوگوں کو خبر دار کر دے۔ (۱۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس ایک ''اللہ'' کے ساتھ مشرک شرک کرتے ہیں صرف وہی تو ہے جو سب کو رزق دیتا ہے مگر مشرک اس کی خالص عبادت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

مشرک کی عادت اور بدقسمتی پر غور فرمائیں کہ جو ''اللہ'' اسے اور سب کو آسمانوں سے رزق دیتا ہے۔ اسے حقیقی داتا ماننے کے لیے تیار نہیں اور نہ اس کی خالص عبادت کرنے کے لیے آمادہ ہوتا ہے۔ شرک کی نحوست اور جہالت کی وجہ سے مشرک اس قدر اپنے رب سے فکری اور عملی طور پر دور ہوتا ہے کہ جوں ہی اللہ کی وحدت اور توحیدِ خالص کا ذکر کیا جائے تو مشرک کو یہ بات گراں گزرتی ہے جس وجہ سے مشرک نصیحت پانے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ حقیقی نصیحت کی ابتدا اور انتہا صرف توحید کو سمجھنا اور اس کے تقاضے پورے کرنا ہے اس سے بڑی کوئی حقیقی نصیحت نہیں جو آخرت میں انسان کے کام آسکے۔

''اللہ تعالیٰ نے کئی بار بارش کو اپنی توحید کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے جس کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ''اللہ'' ہی تمہارے لیے آسمان سے رزق نازل کرتا ہے اس سے مراد اکثر مفسرین نے بارش لی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بارش

اللّٰهِ	عَلَى	يَخْفٰى	لَا	بٰرِزُوْنَ ۚ	هُمْ	يَوْمَ
اللہ	پر	مخفی ہوگی	نہیں	نکلیں گے	وہ	جس دن
الْوَاحِدِ	لِلّٰهِ	الْيَوْمَ ؕ	الْمُلْكُ	لِمَنِ	شَیْءٌ ؕ	مِنْهُمْ
ایک ہے	اللہ کے لیے	آج کے دن	بادشاہی	کس کے لیے ہے	کوئی چیز	ان سے
كَسَبَتْ ؕ	بِمَا	نَفْسٍ	كُلُّ	تُجْزٰى	اَلْيَوْمَ	الْقَهَّارِ ⑯
اس نے کمایا	اس کے ساتھ جو	نفس کو	ہر	بدلہ دیا جائے گا	آج	بڑی طاقت والا
الْحِسَابِ ⑰	سَرِيْعُ	اللّٰهَ	اِنَّ	الْيَوْمَ ؕ		لَا ظُلْمَ
حساب	جلد لینے والا ہے	اللہ	بلاشبہ	آج		نہیں ہوگا کوئی ظلم

جس دن اللہ سے اُن کی کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہوگی، پوچھا جائے گا کہ آج کس کی بادشاہی ہے اس دن اللہ واحد قہار کی بادشاہی ہوگی۔ (۱۶) آج ہر شخص کو اُس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کی تھی کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔'' (۱۷)

رزق کا بہت بڑا ذریعہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے ہر چیز کی زندگی کا انحصار پانی پر رکھا ہے۔'' (الانبیاء:۳۰)

بارش تو ایک ذریعہ ہے کیونکہ رزق کے بارے میں ارشاد ہے۔ اے لوگو! جس رزق کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ آسمانوں میں ہے۔ (الذریات:۲۲)

اگر صرف بارش کے حوالے سے بات کی جائے تو غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ بارش کا کس طرح انتظام کرتا ہے۔ اس اللہ کی قدرت سے سمندر کا پانی بخارات کے ذریعے اوپر جاتا ہے اور اس کے حکم سے بخارات کو ہوا اٹھائے پھرتی ہے۔ پھر بخارات بادل بنتے ہیں اور بادلوں کو برسنے کا حکم ہوتا ہے۔ (الاعراف:۵۷) اس پورے نظام میں دنیا کے حکمران، کسی ستارے، دیوتا اور فوت شدگان کا کوئی عمل دخل نہ ہے اور نہ ہوگا۔ اس لحاظ سے بارش اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جو ہر دور کے انسانوں کو اللہ تعالیٰ دکھلاتا آرہا ہے اور دکھلاتا رہے گا۔ مگر اس کے باوجود کافر اور مشرک نہ اس کو ایک الٰہ مانتے ہیں اور نہ اسی کی عبادت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس لیے مومنوں کو حکم ہے کہ کفار کو یہ دعوت اور یہ طریقہ عبادت کتنا ہی برا لگے آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنے رب کے حکم کے مطابق صرف اور صرف ایک اللہ کی عبادت کریں وہی بلند و بالا اور عرش کا مالک ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی نازل کرتا ہے۔ جس پر وحی کی جائے وہ لوگوں کو قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرائے۔ جس دن لوگ اپنے اپنے مدفن سے نکل کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گے اور ان کی کوئی بات اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہوگی اس دن ربِ ذوالجلال فرمائے گا کہ آج کس کی بادشاہی ہے؟ بالآخر خود جواب دے گا کہ آج اکیلے اللہ قہار کی بادشاہی ہے۔ (رواہ مسلم: باب صفة القيامة والجنة والنار)

پھر اعلان ہوگا کہ بے شک آج ایک اللہ قہار کی بادشاہی ہے لیکن اس کے باوجود کسی پر رتی برابر زیادتی نہ ہونے پائے گی ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔ اے لوگو! ہوش کرو! تمہارا رب بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ آیت ۱۵

میں درج ذیل چار الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

① **رَفِيْعُ الدَّرَجَاتِ:** اس کے مفسرین نے دو معنٰی کیے ہیں۔
اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات، رفعت مکانی اور علوِ مرتبت کے لحاظ سے بے مثال اور اعلیٰ ہے۔

② وہی اپنے فضل سے مومنوں کے درجات بلند فرمانے والا ہے۔

③ **ذُو الْعَرْشِ** بڑے عرش والا جس کے بارے میں عرشِ عظیم اور عرشِ کریم کے الفاظ بھی استعمال فرمائے ہیں۔

④ **يُلْقِي الرُّوْحَ:** الرّوح کے کئی معانی ہیں جن میں ایک معنٰی وحی ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنی وحی کے لیے منتخب کرتا ہے جن بندوں کو اس نے اپنی وحی کے لیے منتخب کیا ان میں آخری اللہ کے بندے حضرت محمد ﷺ ہیں جو اللہ کے آخری رسول ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی رسول اور نبی نہیں آئے گا رسولوں کا کام لوگوں تک حق بات پہنچانا تھا منوانا نہیں تھا۔

⑤ **يَوْمَ التَّلَاقِ:** مختلف مراحل کے حوالے سے قیامت کے کئی نام ہیں ان میں ایک نام "**يَوْمَ التَّلَاقِ**" ہے جس کا معنٰی ملاقات کا دن ہے اس میں ہر شخص بلاواسطہ اپنے رب کے حضور پیش ہوگا اچھے اعمال کی جزا ملے گی اور بُرے اعمال کی سزا ہوگی۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے بلند و بالا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے وحی نازل کرتا ہے۔ وحی کا ایک مقصد آخرت کے عذاب سے لوگوں کو ڈرانا ہے۔
۴۔ ربِ ذوالجلال سے لوگوں کی کوئی بات پوشیدہ ہے اور نہ رہے گی۔
۵۔ قیامت کے دن ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی۔
۶۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پر رائی کے دانے برابر زیادتی نہ ہوگی۔ ۸۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

بارش کس طرح نازل ہوتی ہے:

۱۔ ہوائیں بخارات اُٹھاتی اور بادلوں کو چلاتی ہیں۔ (الاعراف: ۵۷)
۲۔ آسمان سے بارش نازل ہونے، بارش سے زمین کو زندہ کرنے، چوپایوں کے پھیلنے، ہواؤں کے چلنے اور بادلوں کے مسخر ہونے میں نشانیاں ہیں۔ (البقرۃ: ۱۶۴)
۳۔ تم اللہ سے مغفرت طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو وہ آسمان سے تمہارے لیے بارش نازل فرمائے گا اور تمہاری قوت میں اضافہ فرمادے گا۔ (ہود: ۵۲)
۴۔ اللہ سے بخشش طلب کرو وہ معاف کردے گا اور بارش نازل فرمائے گا اور تمہارے مال واولاد میں اضافہ فرمائے گا۔ (نوح: ۱۰۔ ۱۲)

وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ
اورآپ ڈرائیں ان کو دن سے قریب آنے والے جب دل قریب ہوں گے گلے کے

كٰظِمِيْنَ ؕ۬ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ
غم سے بھرے ہوئے نہیں ظالموں کے لیے کوئی دوست اور نہ کوئی سفارشی

يُّطَاعُ ؕ﴿١٨﴾ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿١٩﴾
جس کی بات مانی جائے وہ جانتا ہے خیانت آنکھوں کی اورجو چھپاتے ہیں سینے

وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ
اوراللہ فیصلہ کرے گا حق کے ساتھ اورجولوگ پکارتے ہیں سے اس کے سوا

لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿٢٠﴾ ع ٢ / ١١
نہیں وہ فیصلہ کرسکتے کسی چیز کا بلاشبہ اللہ وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے

”اے نبی اِن لوگوں کو اُس دن سے ڈرائیں جو قریب آچکا ہے، جب کلیجے منہ کو آرہے ہوں گے اور وہ غم میں ڈوبے ہوئے ہوں گے، ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی کہ جس کی بات مانی جائے۔(١٨) اللہ لوگوں کی نگاہوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے اور سینوں میں چھپائے ہوئے رازوں سے واقف ہے۔(١٩) اور اللہ ٹھیک فیصلہ کرے گا، اللہ کو چھوڑ کر مشرک جن کو پکارتے ہیں وہ کسی بات کا فیصلہ کرنے والے نہیں ہیں، بلاشبہ اللہ ہی سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔“(٢٠)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کے دن کسی پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی اس کے باوجود لوگوں کے کلیجے منہ کو آرہے ہوں گے۔

ربِ ذوالجلال کا رعب اور قیامت کے حساب و کتاب کے ڈر کی وجہ سے لوگوں کے کلیجے ان کے حلق تک آچکے ہوں گے۔اس وقت ظالموں کا کوئی خیر خواہ اور سفارشی نہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت اور دلوں میں چھپے ہوئے خیالات کو جانتا ہے وہ اپنے بندوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے اس کے سوا جن کو پکارا جاتا ہے وہ کوئی بھی حکم نہیں دے سکتے۔یقیناً اللہ تعالیٰ سب کو سُننے والا اور ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

قیامت کے دن ظالموں کا یہ حال ہوگا کہ ربِّ ذوالجلال کے خوف کی وجہ سے ان کے کلیجے ان کے حلقوں میں اٹک جائیں گے اور ظالم اس قدر پریشان ہوں گے کہ ان کے چہروں سے ان کی ذلّت اور پریشانی عیاں ہوگی وہ اپنے دوست و احباب سے مدد طلب کریں گے مگر کوئی بھی ان کی مدد کے لیے تیار نہیں ہوگا۔مجرم حساب و کتاب کے ابتدائی مرحلے میں جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے گناہوں کا انکار اور انہیں چھپانے کی کوشش کریں گے مگر وہ اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی چھپا نہیں سکیں گے کیونکہ وہ

انسان کی آنکھوں کی خیانت اور اس کے دل میں چھپے ہوئے خیالات کو جانتا ہے۔ مشرک اس لیے بھی شرک کرتا ہے کہ قیامت کے دن اس کے بنائے ہوئے شریک اسے بچالیں گے مگر جب قیامت قائم ہوگی تو اللہ تعالیٰ سے کوئی کسی کو چھڑا نہیں سکے گا وہاں صرف اللہ تعالیٰ ہی فیصلے کرنے والا ہوگا جو حق اور سچ کے ساتھ لوگوں کے درمیان فیصلے صادر فرمائے گا۔ اس کا فرمان ہے کہ کسی پر ذرہ برابر زیادتی نہ ہو پائے گی۔ دنیا میں بھی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے اور قیامت کے دن بھی سامنے ہوگی وہ ہر حال میں ہر بات سننے والا اور ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

«عَنِ الْمِقْدَادِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ تُدْنَى الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْخَلْقِ حَتّٰى تَكُوْنَ مِنْهُمْ كَمِقْدَارِ مِيْلٍ فَيَكُوْنُ النَّاسُ عَلٰى قَدْرِ اَعْمَالِهِمْ فِي الْعَرَقِ فَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُوْنُ اِلٰى كَعْبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُوْنُ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُوْنُ اِلٰى حَقْوَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يُّلْجِمُهُمُ الْعَرَقُ اِلْجَامًا وَاَشَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهٖ اِلٰى فِيْهِ»

(رواہ مسلم: باب فِی صِفَةِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ أَعَانَنَا اللہُ عَلَی أَہْوَالِہَا)

''حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا آپ فرما رہے تھے کہ قیامت کے دن سورج لوگوں سے ایک میل کی مسافت پر ہوگا لوگوں کا پسینہ ان کے اعمال کے مطابق ہوگا بعض لوگوں کے ٹخنوں تک، بعض کے گھٹنوں تک بعض کی کمر تک اور بعض کے منہ تک پسینہ ہوگا یہ بیان کرتے ہوئے رسول ﷺ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ فرمایا۔''

مسائل

۱۔ قیامت کے دن ربِّ ذوالجلال کے خوف کی وجہ سے ظالموں کے کلیجے ان کے حلق میں اٹک جائیں گے۔
۲۔ قیامت کے دن ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی کہ جس کی بات مانی جائے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے بھید جانتا ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن حق اور سچ کیساتھ فیصلہ فرمائے گا۔
۵۔ قیامت کے دن اللہ کے سوا کسی کے پاس کوئی اختیار نہیں ہوگا۔
۶۔ یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ ہر بات سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن کفّار اور مشرکین کا کوئی مددگار نہیں ہوگا:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ (ہود: ۲۰۔ البقرۃ: ۱۰۷)
۲۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا نہیں جو تمہاری مدد کر سکے۔ (البقرۃ: ۱۲۰)
۳۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ولی اور بچانے والا نہیں ہے۔ (الرعد: ۳۷)
۴۔ اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہوگا۔ (العنکبوت: ۲۲۔ الشوریٰ: ۳۱)

اَوَ لَمْ	يَسِيْرُوْا	فِي	الْاَرْضِ	فَيَنْظُرُوْا	كَيْفَ	كَانَ
کیانہیں	پھرے وہ	میں	زمین	پس وہ دیکھتے	کیسا	ہوا
عَاقِبَةُ	الَّذِيْنَ	كَانُوْا	مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ	كَانُوْا	هُمْ	
انجام	ان لوگوں کا	جو تھے	ان سے پہلے	تھے	وہ	
اَشَدَّ	مِنْهُمْ	قُوَّةً	وَّ	اٰثَارًا	فِي	الْاَرْضِ
زیادہ سخت	ان سے	قوت میں	اور	نشانوں میں	میں	زمین

”کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ انہیں اُن لوگوں کا انجام نظر آئے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں وہ ان سے زیادہ طاقت ور تھے اور ان سے زیادہ زمین میں اثرات چھوڑ گئے ہیں۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کو پوری کائنات پر کلی اختیارات حاصل ہیں لیکن معبودانِ باطل کو کسی قسم کا کوئی اختیار حاصل نہیں اس حقیقت کو دیکھنا چاہو تو زمین میں چل پھر کر مغضوب اقوام کا حال دیکھ لو۔ کہ ان کا کیا انجام ہوا۔

ہلاک ہونے والی اقوام کا سب سے بڑا جرم اپنے رب کے ساتھ شرک کرنا اور انبیائے کرام ﷺ کی تعلیمات کا انکار کرنا تھا۔ اپنے اپنے اعتقاد اور سوچ کے مطابق ان کا یقین تھا کہ ہمارے دیوتے، بزرگ اور ہمارے بندوبست ہمیں مشکل کے وقت بچالیں گے۔ اسی طرح ہی مکہ والے اپنے بتوں کے بارے میں اعتقاد رکھتے اور اپنے وسائل پر اتراتے تھے۔ یہاں تک مکہ والوں کے اسباب اور قوت کا معاملہ ہے انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان سے پہلی اقوام اسباب اور قوت کے اعتبار سے ان سے کہیں بڑھ کر تھیں۔ ان کی ترقی اور اسباب کا عالم یہ تھا کہ ان میں کسی نے پہاڑوں کے سینے چیر کر ان میں کالونیاں بنائیں اور بڑے بڑے محل تعمیر کیے، کسی نے اپنی شان وشوکت کے لیے بڑی بڑی یادگاریں تعمیر کیں لیکن ربِ ذوالجلال نے انہیں ان کے جرائم کی بنا پر پکڑا تو ان کے بت، دیوتے، بزرگ اور ان کے وسائل انہیں بچانہ سکے حالانکہ ان کے پاس ان کے رسول بڑے بڑے معجزات اور ٹھوس دلائل کے ساتھ آئے اور انہیں شب وروز سمجھاتے رہے لیکن انہوں نے کفر ہی اختیار کیے رکھا جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑ لیا اور اس کی پکڑ بڑی شدید ہوا کرتی ہے کیونکہ وہ بڑی قوت والا اور سخت گرفت کرنے والا ہے۔

مسائل

۱۔ ہلاک ہونے والی اقوام اہل مکہ سے زیادہ طاقتور تھیں۔

۲۔ ہلاک ہونے والی اقوام نے اپنے انبیاء ﷺ کی تعلیمات کا انکار کیا۔

فَاَخَذَهُمُ	اللّٰهُ	بِذُنُوْبِهِمْ ؕ	وَمَا	كَانَ	لَهُمْ	مِّنَ	اللّٰهِ
پھر پکڑلیاان کو	اللہ نے	بسبب ان کے گناہوں کے	اور نہ	تھا	ان کے لیے	سے	اللہ

مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾	ذٰلِكَ	بِاَنَّهُمْ	كَانَتْ	تَّاْتِيْهِمْ	رُسُلُهُمْ
کوئی بچانے والا	یہ	اس سبب سے کہ بے شک	تھے	آتے ان کے پاس	ان کے رسول (جمع)

بِالْبَيِّنٰتِ	فَكَفَرُوْا	فَاَخَذَهُمُ	اللّٰهُ ؕ	اِنَّهٗ
واضح دلائل کے ساتھ	توانہوں نے انکار کیا	پھر پکڑلیاان کو	اللہ نے	بلاشبہ وہ

قَوِيٌّ	شَدِيْدُ	الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾
بڑاقوت والا	شدید	سزادینے والا ہے

مگر اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں پکڑلیا اور انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔(۲۱) یہ اس لیے ہوا کہ ان کے پاس اُن کے رسول واضح دلائل لے کر آئے اور انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا آخر کار اللہ نے ان کو پکڑ لیا یقیناً وہ بڑی قوت والا اور سخت سزا دینے والا ہے۔''(۲۲)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت کی تو انہیں کوئی نہ بچا سکا۔

تفسیر بالقرآن

ہلاک ہونے والی چند اقوام کی تباہی کا ایک منظر:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حق کی تکذیب کرنے والوں کو انکے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر کے دوسری قوم کو پیدا فرمایا۔(الانعام:۶)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ نوح کو غرق کر دیا۔(الشعراء:۱۲۰))

۳۔ بستی والوں نے جب ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا۔(الکھف:۵۹)

۴۔ قوم عاد نے جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا۔(الشعراء:۱۳۹)

۵۔ قوم تبع اور ان سے پہلے مجرموں کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا۔(الدخان:۳۷)

۶۔ آل فرعون نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کیوجہ سے ہلاک کر دیا۔(الانفال:۵۴)

۷۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی طرف وحی کہ کہ وہ ظالموں کو ضرور ہلاک کرے گا۔(ابراہیم:۱۳)

۸۔ ہم کسی بستی والوں کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتے جب تک ان میں ڈرانے والے نہ بھیج دیں۔(الشعراء۲۰۸)

وَلَقَدْ	اَرْسَلْنَا	مُوْسٰى	بِاٰيٰتِنَا	وَسُلْطٰنٍ	مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾
اور البتہ تحقیق	ہم نے بھیجا	موسیٰ کو	اپنی نشانیوں کے ساتھ	اور دلیل کے ساتھ	واضح

اِلٰى	فِرْعَوْنَ	وَهَامٰنَ	وَقَارُوْنَ	فَقَالُوْا	سٰحِرٌ	كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾
طرف	فرعون	اور ہامان	اور قارون کی	تو انہوں نے کہا	جادوگر ہے	بڑا جھوٹا

فَلَمَّا	جَآءَهُمْ	بِالْحَقِّ	مِنْ	عِنْدِنَا	قَالُوا	اقْتُلُوْٓا
پس جب	وہ آیا ان کے پاس	حق کے ساتھ	سے	ہماری طرف	انہوں نے کہا	تم قتل کرو

اَبْنَآءَ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	مَعَهٗ	وَاسْتَحْيُوْا	نِسَآءَهُمْ
بیٹوں کو	ان لوگوں کے	جو ایمان لائے	اس کے ساتھ	اور تم زندہ رکھو	ان کی عورتیں

وَمَا	كَيْدُ	الْكٰفِرِيْنَ	اِلَّا	فِيْ	ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾
اور نہیں	چال	کافروں کی	مگر	میں	ناکام

''اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح دلائل کے ساتھ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا۔(۲۳) مگر انہوں نے کہا موسیٰ جادوگر اور کذاب ہے۔(۲۴) جب موسیٰ ہماری طرف سے ان کے سامنے حق لایا تو انہوں نے کہا جو لوگ اس پر ایمان لائے ہیں اُن کے بیٹوں کو قتل کرو اور عورتوں کو زندہ رہنے دو۔ لیکن کفار کی کارروائی بے نتیجہ رہی۔'' (۲۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ہلاک کی جانے والی اقوام میں آلِ فرعون بھی شامل تھے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی۔

ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بڑے بڑے معجزات اور دلائل دے کر فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا، مگر انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا اور جادوگر قرار دیا۔ جوں ہی موسیٰ علیہ السلام ہماری طرف سے حق لے کر پہنچے تو فرعون اور ان کے ساتھیوں نے فیصلہ کیا کہ جو بھی موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اسے قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں کو اپنے لیے باقی رہنے دیا جائے۔ حق کے مقابلے میں کفار کی منصوبہ بندیاں ہمیشہ انہیں دنیا اور آخرت کے نقصان میں زیادہ ہی کرتی ہیں۔ انسان مشکل کے وقت تدبیر اس لیے کرتا ہے کہ وہ مصیبت سے نجات پائے لیکن جب انسان اپنے رب کا باغی بن جائے اور حق بات کو ٹھکراتا چلا جائے تو اس کی عقل الٹی ہو جاتی ہے وہ ایسی تدبیریں کرتا ہے اور اس کے ساتھی اپنے مفاد اور اس کی خوشنودی کے لیے اُسے ایسے ایسے مشورے دیتے ہیں کہ جس سے اس کی ذلت اور نقصان میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے یہی حالات فرعون اور اس کے ساتھیوں کے تھے جوں ہی موسیٰ علیہ السلام نے ان کے سامنے بڑے بڑے معجزات پیش کیے اور انہیں

ٹھوس دلائل کے ساتھ اللہ کی توحید کی دعوت دی تو انہوں نے حق تسلیم کرنے کی بجائے یہ فیصلہ کیا کہ ایمان لانے والے مردوں اوران کے بیٹوں کو قتل کیا جائے اوران کی بیویوں اور بیٹیوں کو باقی رہنے دیا جائے۔ یادرہے کہ فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل کو قتل کرنے کی یہ دوسری مہم تھی اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت بھی بنی اسرائیل کا قتلِ عام کیا گیا تھا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔(البقرۃ:۴۹)

دنیا میں بنی اسرائیل کے علاوہ شاید ہی کوئی قوم ہو جسے اجتماعی طور پر یہ سزا دی گئی ہو کہ ان کے مردوں کو کئی سال تک قتل کیا گیا اوران کی بہو بیٹیوں کو ہر قسم کی زیادتی کا نشانہ بنانے کے لیے زندہ رہنے دیا گیا ہو بنی اسرائیل دومرتبہ طویل عرصہ تک اس آزمائش کا شکار ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے بالآخر موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی بے مثال جدوجہد کے نتیجہ میں بنی اسرائیل کو فرعون اوراس کے ساتھیوں کے مظالم سے نجات دی۔ اوراس دنیا میں فضیلت عطا فرمائی۔

"سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ" سے مراد ایسے دلائل ہیں جنہیں سننے کے بعد آدمی کے دل میں یقین پیدا ہوجائے کہ واقعی حق یہی ہے۔ فرعون اوراس کے ساتھیوں کو پہلے دن ہی موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا اژدھا بننا اور ہاتھ کا روشن ہونا دیکھ کر یقین ہوگیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہیں اور وہ یہ بھی سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ جو شخص کچھ عرصہ پہلے گرفتاری کے ڈر سے یہاں سے بھاگ نکلا تھا آج کس جرأت کے ساتھ ہمارے سامنے کھڑا ہو کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہمارے نظریات کے خلاف باتیں کررہا ہے، یقیناً اسے اللہ کی مدد حاصل ہے انہیں یہ بھی یقین ہوچکا تھا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کو ڈھیل دی گئی تو اس کے ساتھیوں میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا جائے گا۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام سے لوگوں کو دور رکھنے اور حکومت کا دبدبہ قائم کرنے کے لیے فرعون نے فوری طور پر حکم جاری کیا کہ جو شخص بھی موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اسے اوراسکے رشتہ داروں کو سرِ عام قتل کردیا جائے البتہ ان کی بیویوں اور بہو، بیٹیوں کو اپنے لیے باقی رہنے دیا جائے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بڑے بڑے معجزات اورٹھوس دلائل دے کر فرعون اوراس کے ساتھیوں کی طرف بھیجا۔

۲۔ فرعون اوراس کے ساتھیوں نے موسیٰ علیہ السلام کو کذّاب اور جادوگر قرار دیا۔

۳۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو سرِ عام قتل کرنے کی مہم چلائی۔

۴۔ فرعون نے اپنی اوراپنی قوم کی خدمت کے لیے بنی اسرائیل کی بہو بیٹیوں کو باقی رکھا۔

تفسیر بالقرآن

موسیٰ علیہ السلام کو دیے جانے والے عظیم معجزات اور دلائل:

۱۔ (یونس:۷۵) ۲۔ (المومنون:۴۶) ۳۔(العنکبوت:۳۹) ۴۔ (الاعراف:۱۳۳) ۵۔(المومن:۲۷)

وَقَالَ	فِرْعَوْنُ	ذَرُوْنِيْٓ	اَقْتُلْ	مُوْسٰى	وَلْيَدْعُ
اور کہا	فرعون نے	تم چھوڑ دو مجھے	میں قتل کردوں	موسیٰ کو	اور وہ پکارے

رَبَّهٗ ۚ	اِنِّيْٓ	اَخَافُ	اَنْ	يُّبَدِّلَ	دِيْنَكُمْ	اَوْ
اپنے رب کو	بلاشبہ میں	ڈرتا ہوں	کہ	وہ بدل دے گا	تمہارا دین	یا

اَنْ	يُّظْهِرَ	فِي	الْاَرْضِ	الْفَسَادَ ۝۲۶	وَقَالَ
یہ کہ	وہ پھیلائے گا	میں	زمین	فساد	اور کہا

مُوْسٰٓى	اِنِّيْ	عُذْتُ	بِرَبِّيْ	وَرَبِّكُمْ	مِّنْ
موسیٰ نے	بے شک میں	پناہ میں آتا ہوں	اپنے رب	اور تمہارے رب کے ساتھ	سے

كُلِّ	مُتَكَبِّرٍ	لَّا	يُؤْمِنُ	بِيَوْمِ	الْحِسَابِ ۝۲۷ ع
ہر	متکبر	جو نہیں	ایمان رکھتا	دن کے ساتھ	حساب کے

۳/۲۷/۸

''فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کو قتل کردوں اور یہ میرے مقابلے میں اپنے رب کو بلا لے مجھے خطرہ ہے کہ یہ تمہارا دین بدل ڈالے گا یا ملک میں فساد برپا کردے گا۔(۲۶) موسیٰ نے فرمایا میں نے ہر متکبر کے مقابلے میں جو یوم الحساب پر ایمان نہیں رکھتا اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ لے لی ہے۔''(۲۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام : بنی اسرائیل کے قتلِ عام کے بعد فرعون کا انتہائی اقدام کرنے کا فیصلہ۔

نامعلوم فرعون نے کتنی مدت تک بنی اسرائیل کا قتلِ عام جاری رکھا۔اس ظالمانہ اقدام کے باوجود بنی اسرائیل کا نوجوان طبقہ موسیٰ علیہ السلام پر دھڑا دھڑ ایمان لانے لگا جس کا قرآن مجید نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

{ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۸۳ وَ قَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝۸۴ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۸۵ وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۸۶ } (یونس:۸۳تا۸۶)

''موسیٰ پر اس کی قوم کے نوجوانوں کے سوا فرعون اور اس کے سرداروں کے خوف اور ان کے ظلم کی وجہ سے کوئی ایمان نہ لایا اور بلاشبہ فرعون زمین میں سرکش اور حد سے بڑھنے والوں میں تھا۔موسیٰ نے فرمایا اے میری قوم! اگر تم اللہ پر

ایمان لائے ہو تو اسی پر توکل کرو اگر تم فرمانبردار ہو۔ تو انہوں نے کہا ہم نے اللہ پر توکل کیا، اے ہمارے رب ہمیں ظالم لوگوں سے بچا اور اپنی رحمت کے ساتھ ہمیں کافر لوگوں سے نجات عطا فرما۔“

اس صورتِ حال میں فرعون نے یہ محسوس کیا کہ جس مقصد کے لیے بنی اسرائیل کے قتلِ عام کا فیصلہ کیا گیا تھا اس کا نتیجہ ہماری بجائے موسیٰ علیہ السلام کے حق میں جا رہا ہے اس لیے اس نے موسیٰ علیہ السلام کے خلاف انتہائی اقدام کرنے کا اعلان کیا جس کے لیے اس نے وزیروں مشیروں کو کہا کہ میرے راستے سے ہٹ جاؤ اب میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر کے رہوں گا بیشک وہ میرے مقابلے میں طیش میں آ گیا ہے اور اپنے رب کو لے آئے میں سمجھتا ہوں کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کو اسی طرح ڈھیل دیئے رکھی تو وہ تمہارے دین کو بدل دے گا اور ملک کو برباد کر دے۔ قرآن مجید کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ فرعون غصہ میں اپنے آپ سے باہر ہوا جا رہا تھا اور اس کی قتلِ عام کی مہم ناکام ہو چکی تھی اس لیے اس نے موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگائے کہ یہ ہمارے دین کو بدلنا چاہتا ہے اور ملک کو برباد کرنے کے درپے ہے۔ مجھے چھوڑ دو کے بارے میں مفسرین نے تین آراء کا اظہار کیا ہے۔

① موسیٰ علیہ السلام کی جرأت اور ان کے معجزات دیکھ کر فرعون اپنے دل میں خوف زدہ تھا کہ اگر میں نے موسیٰ علیہ السلام کو کوئی گزند پہنچائی تو اللہ تعالیٰ فوری طور پر میری گرفت کرے گا۔

② جس طرح اس نے یہ جھوٹ بولا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام ملک میں فساد برپا کرنا چاہتا ہے اسی طرح ہی اس نے جھوٹی دھمکی دی تھی کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔

③ فرعون موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی وارننگ دے کر انہیں مرعوب کرنا چاہتا تھا حالانکہ اسے معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا آسان نہیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام سچے رسول ہیں اور اپنے رب کی نگرانی میں ہیں اور ان کے پاس ایسے معجزے ہیں جن کا ہمارے پاس کوئی توڑ نہیں جہاں تک کہ فرعون کا یہ کہنا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام تمہارا دین بدلنا چاہتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام ملک میں فساد برپا کرنا چاہتا ہے یہ بات شروع سے ہی حکمران اور دنیا دار لوگ انبیاء اور داعی حق کے بارے میں کہتے آ رہے ہیں۔

اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ فرعون کی دین سے مراد اس کا نظامِ حکومت ہے یہ بات بھی ٹھیک ہے لیکن اس بات کی گنجائش بھی موجود ہے کہ مشرک جس کی پوجا کرتے ہیں وہ دین اور ثواب سمجھ کر ہی کرتے ہیں۔ فرعون کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مذہبی لوگوں کو دین کے حوالے سے اور سیاسی لوگوں کو ملک کے نظام کے حوالے سے اکسایا تھا تاکہ بیک وقت مذہب اور سیاست کے نام پر لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بھڑکایا جا سکے۔ قرآن مجید کے الفاظ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فرعون نے کسی دوسرے موقع پر براہِ راست موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی دھمکی دی تھی جس پر موسیٰ علیہ السلام نے کھلے الفاظ میں فرمایا کہ میں قیامت کا انکار کرنیوالے ہر متکبر سے اپنے اور تمہارے رب کی حفاظت میں آ چکا ہوں۔ (المومن: ۲۷)

تکبر کی سزا:

«عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَجُرُّ اِزَارَهٗ مِنَ الْخُیَلَاءِ خُسِفَ بِهٖ

فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِي الْاَرْضِ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ»(رواه البخاري: كتاب أحاديث الأنبياء)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک دفعہ ایک شخص تکبر کے ساتھ چادر گھسیٹ کر چل رہا تھا تو اسے زمین میں دھنسا دیا گیا اب وہ قیامت تک زمین میں دھنستا جائے گا۔''

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ»

(رواہ مسلم: کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانہ)

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

مسائل

۱۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو ملک میں فساد کرنے والا قرار دیا۔ ۲۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی دھمکی دی۔

۳۔ فرعون نے اپنے ساتھ ملائے رکھنے کے لیے لوگوں کو کہا کہ موسیٰ علیہ السلام تمہارا دین بدلنا چاہتا ہے۔

۴۔ موسیٰ علیہ السلام نے بلاخوف یہ بات فرمائی کہ میری حفاظت میرے رب نے اپنے ذمے لے رکھی ہے۔

۵۔ مومن کو تکبر اور متکبر شخص سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

۶۔ جو شخص قیامت کے حساب وکتاب کو نہیں مانتا حقیقتاً وہ متکبر ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

متکبر شخص کی عادات اور اس کا انجام:

۱۔ سب سے پہلے شیطان نے تکبر کیا۔ (ص:۷۴) ۲۔ تکبر کرنا فرعون اور اللہ کے باغیوں کا طریقہ ہے۔ (القصص:۳۹)

۳۔ تکبر کرنے والے کے دل پر اللہ مہر لگا دیتا ہے۔ (المؤمن:۳۵)

۴۔ متکبر کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ (النحل:۲۳) ۵۔ تکبر کرنے والے جہنم میں جائیں گے۔ (المومن:۷۶)

۶۔ اللہ تعالیٰ ہر جابر اور متکبر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ (المومن:۳۵)

۷۔ کافروں کو ان کی جمعیت اور تکبر کام نہیں آسکے گا۔ (الاعراف:۴۸)

۸۔ تکبر کرنے والوں کو ذلت آمیز سزا دی جائے گی۔ (الاحقاف:۲۰)

۹۔ جو لوگ اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ (الاعراف:۳۶)

۱۰۔ جہنم کے دروازوں سے ہمیشہ کیلئے جہنم میں داخل ہو جاؤ تکبر کرنے والوں کا کیسا برا ٹھکانہ ہے۔ (النحل:۲۹)

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ
اور کہا آدمی نے مومن سے آل فرعون وہ چھپاتا تھا

اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ
اپنا ایمان کیا تم قتل کرتے ہو ایک آدمی کو یہ کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے

وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ط وَاِنْ
اور تحقیق آیا ہے تمہارے پاس روشن دلائل کے ساتھ سے تمہارے رب کی طرف اور اگر

يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ج وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا
ہے وہ جھوٹا تو اسی پر ہے اس کا جھوٹ اور اگر ہے وہ سچا

يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا
تو تم کو پہنچے گا کچھ حصہ وہ جو تم سے وعدہ کرتا ہے بے شک اللہ نہیں

يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾
وہ ہدایت دیتا وہ جو حد سے بڑھنے والا جھوٹا ہو

’’اس موقع پر آلِ فرعون میں سے ایک مومن جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا بول اٹھا کیا تم ایک شخص کو اس بناء پر قتل کرو گے کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے، حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلائل لے کر آیا ہے اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر پڑے گا اگر وہ سچا ہے تو تمہیں ان واقعات سے ضرور واسطہ پڑے گا جس کا تمہیں وعدہ دیتا ہے اور ڈراتا ہے یقین جانو کہ اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزر جانے والا اور جھوٹا ہو‘‘ (۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: فرعون کی دھمکی کے ردِعمل میں ایک مومن کا دردمندانہ خطاب۔

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی دھمکی دی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں صرف اتنا فرمایا کہ میں تیرے اقدامِ قتل سے نہیں ڈرتا کیونکہ میری حفاظت میرے رب کے ذمے ہے اس صورتِ حال میں ایک مومن تڑپ اٹھا جس کے بارے میں قرآن مجید بتلا رہا ہے کہ اس نے حالات کے جبر کی وجہ سے اپنا ایمان چھپا رکھا تھا، جوں ہی اس نے محسوس کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے خلاف فرعون انتہائی قدم اٹھانے والا ہے تو وہ بے دھڑک ہو کر فرعون کے سامنے پُرسوز لہجہ اور پورے جلال کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے بار بار اپنی قوم کو سمجھاتا ہے۔ اہلِ تاریخ نے لکھا ہے کہ یہ فرعون کا چچازاد بھائی تھا اس

نے کہا کہ کیا موسیٰ علیہ السلام کو اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب ''اللہ'' ہے اور وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ٹھوس اور واضح دلائل لایا ہے بالفرض اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہوگا اگر وہ سچا ہے تو پھر تمہیں وہ عذاب ضرور آلے گا جس سے وہ تمہیں ڈراتا ہے اور تمہیں وعدہ دیتا ہے یاد رکھو! اللہ تعالیٰ جھوٹے اور زیادتی کرنے والے کو ہدایت نہیں دیتا۔ آلِ فرعون سے تعلق رکھنے والے مردِ مومن نے یہ کہہ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا تعارف کروایا کہ موسیٰ علیہ السلام تمہیں ''اللہ'' کی طرف بلاتے ہیں اور انہوں نے دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ اللہ ہی تمہارا اور موسیٰ علیہ السلام کا رب ہے۔ مردِ مومن نے بڑی جرأت سے کام لیتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا انہی الفاظ میں تعارف کروایا۔ جن الفاظ کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام نے پہلے دن فرعون کے سامنے اپنی دعوت پیش کی تھی۔ (الاعراف: ۱۰۴)

تعجب کی بات یہ ہے کہ مردِ مومن نے نہ صرف فرعون اور اس کے ساتھیوں کو کھلے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا تعارف کروایا بلکہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کے دلائل کی تائید کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جھوٹے اور زیادتی کرنے والے کو ہدایت نہیں دیتا گویا کہ اس نے ایک حد تک اپنے الفاظ میں واضح کر دیا کہ تم جھوٹے ہو اور موسیٰ علیہ السلام سچے ہیں۔

آلِ فرعون کا مردِ مومن اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ:

«عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو عَنْ أَشَدِّ مَا صَنَعَ الْمُشْرِكُونَ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ رَأَيْتُ عُقْبَةَ بْنَ أَبِي مُعَيْطٍ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يُصَلِّي، فَوَضَعَ رِدَاءَهُ فِي عُنُقِهِ فَخَنَقَهُ بِهِ خَنْقًا شَدِيدًا، فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى دَفَعَهُ عَنْهُ فَقَالَ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ» (رواه البخاری: باب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا)

''عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''مجھے بتاؤ کہ مشرکین مکہ نے نبی اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ جو تکلیف دی وہ کیا تھی؟ وہ کہنے لگے کہ ''ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے عقبہ بن ابی معیط آگے بڑھا اس نے آپ کے کندھے پکڑے اور آپ کی گردن میں کپڑا ڈال کر زور سے گلا گھونٹا اتنے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگئے انہوں نے عقبہ کو کندھے سے پکڑ کر اسے آپ سے پیچھے دھکیل دیا اور فرمایا کیا تم اس شخص کو اس لیے مار ڈالنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح نشانیاں بھی لے کر آیا ہے۔''

يٰقَوْمِ	لَكُمُ	الْمُلْكُ	الْيَوْمَ	ظٰهِرِيْنَ	فِي	الْاَرْضِ ؗ	فَمَنْ
اے میری قوم	تمہارے لیے	بادشاہی ہے	آج	جب کہ تم غالب ہو	میں	زمین	پھر کون
يَّنْصُرُنَا	مِنْۢ	بَاْسِ	اللّٰهِ	اِنْ	جَآءَنَا ؕ	قَالَ	
ہماری مدد کرے گا	سے	عذاب	اللہ کے	اگر	وہ آیا ہمارے پاس	کہا	
فِرْعَوْنُ	مَآ	اُرِيْكُمْ	اِلَّا	مَآ	اَرٰى	وَمَآ	
فرعون نے	نہیں	میں دکھاتا تمہیں	اگر	وہی جو	میں دیکھتا ہوں	اور نہیں	
اَهْدِيْكُمْ	اِلَّا	سَبِيْلَ	الرَّشَادِ ۝۲۹				
میں تمہاری رہنمائی کرتا	مگر	راستہ کی	بھلائی کے				

’’اے میری قوم کے لوگو! آج تمہیں بادشاہی حاصل ہے اور ملک میں تم غالب ہو اگر ہم پر اللہ کا عذاب آیا تو کون ہماری مدد کرے گا، فرعون نے کہا میں تمہیں وہی رائے دیتا ہوں جو میں مناسب دیکھ رہا ہوں اور میں تمہاری اُسی راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہوں جو ٹھیک ہے۔‘‘(۲۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مردِ مومن کے خطاب کے جواب میں فرعون کا جواب۔

مردِ مومن نے اپنا خطاب جاری رکھتے ہوئے قوم کو یہ کہہ کر مزید احساس دلایا کہ آج ملک پر تمہاری بادشاہی ہے اور تم مملکتِ مصر پر برسرِ اقتدار ہو لیکن یاد رکھو! اگر ہم پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تو بتاؤ ہمیں کون اس کے عذاب سے بچائے گا؟ مردِ مومن نے اس قدر مؤثر اور جاندار انداز میں فرعون اور اپنی قوم کے نمائندوں کو خطاب کیا کہ جو فرعون توحید کی بات سننا گوارا نہیں کرتا تھا وہ مردِ مومن کے جواب میں صرف اتنی بات کہہ سکا کہ میں تو تمہیں وہی کچھ کہہ رہا ہوں جو کچھ میں دیکھتا اور سمجھتا ہوں میرے خیال کے مطابق اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ فرعون کی بات سن کر مردِ مومن چونک اٹھا اور اس نے اپنی قوم کو انتباہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس بات سے ڈر رہا ہوں کہ کہیں تم پر ایسے حالات وارد نہ ہو جائیں جو پہلے لوگوں پر وارد ہوئے تھے، جس طرح قومِ نوح علیہ السلام قومِ ثمود، قومِ عاد اور ان کے بعد کچھ قوموں پر نازل ہوئے۔ اے میری قوم کے لوگو! اگر ایسا ہوا تو یاد رکھنا کہ یہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا۔ اے میری قوم! مجھے یہ بھی ڈر ہے کہ اس دن تم ایک دوسرے کو آواز پے آواز دو گے لیکن تمہاری فریاد سننے والا کوئی نہیں ہوگا اس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے لیکن اللہ تعالیٰ کے سوا تمہیں کوئی پناہ نہیں دے سکے گا۔ یاد رکھو! جسے اللہ تعالیٰ گمراہی کے لیے کھلا چھوڑ دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اس دن سے مراد کچھ

وَقَالَ	الَّذِيْٓ	اٰمَنَ	يٰقَوْمِ	اِنِّيْٓ	اَخَافُ
اور کہا	اس آدمی نے جو	ایمان لایا	اے میری قوم	بلاشبہ میں	ڈرتا ہوں
عَلَيْكُمْ	مِّثْلَ	يَوْمِ	الْاَحْزَابِ ۝٣٠	مِثْلَ	دَاْبِ
تم پر	مانند	دن کی	گروہوں کے	مانند	حال
قَوْمِ	نُوْحٍ	وَّعَادٍ	وَّثَمُوْدَ	وَالَّذِيْنَ	مِنْۢ
قوم	نوح	اور عاد	اور ثمود کے	اور جو لوگ	سے
بَعْدِهِمْ	وَمَا	اللّٰهُ	يُرِيْدُ	ظُلْمًا	لِّلْعِبَادِ ۝٣١
ان کے بعد	اور نہیں	اللہ	وہ ارادہ کرتا	ظلم کرنے کا	بندوں پر
وَيٰقَوْمِ	اِنِّيْٓ	اَخَافُ	عَلَيْكُمْ	يَوْمَ	التَّنَادِ ۝٣٢
اور اے میری قوم	بلاشبہ میں	ڈرتا ہوں	تم پر	دن سے	پکارنے کے

وہ شخص جو ایمان لایا تھا اس نے کہا اے میری قوم! مجھے ڈر ہے کہ تم پر بھی وہ دن نہ آجائے جو اس سے پہلے بہت سے لوگوں پر آچکا ہے۔(۳۰) جیسا دن قومِ نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والی قوموں پر آیا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔(۳۱) اے میری قوم مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم پر آہ و فغاں کا دن نہ آجائے۔''(۳۲)

بزرگوں نے عذاب کا دن لیا ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ عذاب کے دن کے بارے میں مردِ مومن نے قومِ نوح علیہ السلام، قومِ عاد، قومِ ثمود اور دیگر اقوام کا حوالہ دیا ہے۔ اس لیے "يَوْمَ التَّنَادِ" سے مراد قیامت کا دن ہے جس دن لوگ ''اللہ'' کے عذاب سے بچنے کے لیے ایک دوسرے کو دوہائی دیں گے۔'' (عبس: ۳۴ تا ۳۷)

{ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝١٠ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۢ بِبَنِيْهِ ۝١١ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝١٢ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۝١٣ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝١٤ كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ۝١٥ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝١٦ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۝١٧ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ۝١٨ } (المعارج: ۱۰ تا ۱۸)

''کوئی دوست کسی دوست کو نہیں پوچھے گا ایک دوسرے کو دکھا دیئے جائیں گے گناہ گار اس دن کے عذاب کے بدلے فدیے میں اپنے بیٹوں کو، اپنی بیوی کو اور اپنے کنبے کو جو اسے پناہ دیتا تھا اور زمین کی ہر چیز کو دینا چاہے گا تاکہ یہ اسے نجات دلا دے لیکن یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ یقیناً وہ شعلہ والی آگ ہے جو منہ اور سر کی کھال کھینچ لینے والی ہے وہ ہر اس شخص کو پکارے گی جو پیچھے ہٹتا اور منہ موڑتا ہے اور مال جمع کر کے رکھتا ہے۔''

يَوْمَ	تُوَلُّوْنَ	مُدْبِرِيْنَ ج	مَا	لَكُمْ	مِّنَ
جس دن	تم پھر و گے	پیٹھ پھیرتے ہوئے	نہیں	تمہارے لیے	سے
اللّٰهِ	مِنْ عَاصِمٍ ج	وَمَنْ	يُّضْلِلِ	اللّٰهُ	فَمَا
اللہ	کوئی بچانے والا	اور جس کو	گمراہ کر دے	اللہ	تو نہیں
لَهٗ	مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾				
اس کو	کوئی ہدایت دینے والا				

جب تم ایک دوسرے کو پکارو گے اور بھاگے پھرو گے مگر اُس وقت اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہو گا، سچ یہ ہے کہ جسے اللہ گمراہ کر دے اُسے کوئی راستہ دکھانے والا نہیں ہوتا۔‘‘ (۳۳)

مسائل

۱۔ مردِ مومن کے جواب میں فرعون کوئی معقول بات نہ کر سکا۔

۲۔ مردِ مومن نے اپنی قوم کو دنیا اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا۔

۳۔ قیامت کے دن مجرم ایک دوسرے کو پکاریں گے لیکن کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ جسے گمراہی کے لیے کھلا چھوڑ دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

تفسیر بالقرآن

ہدایت صرف ’’اللہ‘‘ کے اختیار میں ہے:

۱۔ ہدایت وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت قرار دے۔ (البقرۃ:۱۲۰)

۲۔ ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔ (القصص:۵۶) ۳۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ (البقرۃ:۲۱۳)

۴۔ اللہ تعالیٰ کی راہنمائی کے بغیر کوئی ہدایت نہیں پا سکتا۔ (الاعراف:۴۳)

۵۔ ہدایت جبری نہیں اختیاری چیز ہے۔ (الدھر:۳) ۶۔ نبی ﷺ بھی کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے۔ (القصص:۵۶)

۷۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کے کرم سے حاصل ہوتی ہے۔ (الحجرات:۱۷)

۸۔ ہدایت پر استقامت کی دعا کرنا چاہیے۔ (آل عمران:۸)

۹۔ رسولِ اکرم ﷺ کی تابعداری انسان کی ہدایت کی ضمانت ہے۔ (النور:۵۴)

۱۰۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایمان ہدایت کی کسوٹی ہے۔ (البقرۃ:۱۳۷)

وَلَقَدْ	جَآءَكُمْ	يُوْسُفُ	مِنْ قَبْلُ	بِالْبَيِّنٰتِ	فَمَا زِلْتُمْ	
اور البتہ تحقیق	آئے تمہارے پاس	یوسف	اس سے پہلے	واضح دلائل کے ساتھ	پھر تم ہمیشہ رہے	
فِيْ	شَكٍّ	مِّمَّا	جَآءَكُمْ	بِهٖ ط	حَتّٰۤى	اِذَا
میں	شک	اس سے جو	وہ تمہارے پاس لایا	ساتھ اس کے	یہاں تک کہ	جب
هَلَكَ	قُلْتُمْ	لَنْ	يَّبْعَثَ	اللّٰهُ	مِنْۢ	بَعْدِهٖ
وہ فوت ہو گئے	تو تم نے کہا	ہرگز نہیں	بھیجے گا	اللہ	سے	اس کے بعد
رَسُوْلًا ط	كَذٰلِكَ	يُضِلُّ	اللّٰهُ	مَنْ هُوَ	مُسْرِفٌ	
کوئی رسول	اسی طرح	گمراہ کرتا ہے	اللہ	وہ جو	حد سے بڑھنے والا	

''اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف دلائل لے کر آئے تھے مگر تم اُن کی دعوت میں شک ہی کرتے رہے، جب وہ فوت ہو گئے تم نے کہا اب ان کے بعد اللہ کوئی رسول نہیں بھیجے گا، اسی طرح اللہ اُن سب لوگوں کو گمراہی میں ڈال دیتا ہے جو حد سے گزرنے والے اور

فہم القرآن

ربطِ کلام: مردِ مومن کا خطاب جاری ہے۔

مردِ مومن نے مصر کی پرانی تاریخ کا حوالہ دے کر اپنی قوم کو سمجھایا کہ یاد کرو! جب تمہارے پاس اس سے پہلے یوسف علیہ السلام کھلے دلائل کے ساتھ آئے تھے، تم نے ان کے بارے میں بھی شک کا اظہار کیا تھا جب یوسف علیہ السلام فوت ہو گئے تو تم کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجے گا اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے ایسے لوگوں کو جو حق بات میں شک کرنے والے اور حد سے تجاوز کرنے والے ہوتے ہیں اور بغیر کسی دلیل کے اللہ کی ذات اور اس کے ارشادات کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ حق کے بارے میں جھگڑنا اللہ اور اس کے مومن بندوں کے نزدیک بڑی بُری بات ہے۔ اس فعل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مغرور انسان کے دل پر گمراہی کی مہر ثبت کر دیتا ہے۔

''اللہ'' کی ناراضگی تو واضح ہے کیونکہ وہ ہر بُرے کام پر ناراض ہوتا ہے۔ مومنوں کی ناراضگی کا اس لیے حوالہ دیا گیا ہے کہ مومن کی خوشی اور ناراضگی اپنے رب کی خوشی اور ناراضگی کے تابع ہوتی ہے مردِ مومن نے یہ بات بھی کھلے الفاظ میں فرعون اور اپنی قوم کو سمجھائی کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر ناراض نہیں ہونا چاہیے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اس لیے تمہارے نظریات اور کردار پر اعتراض کرتے اور ناراض ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے عقائد اور کردار کو پسند نہیں کرتا۔

مردِ مومن نے حضرت یوسف علیہ السلام کا حوالہ اس لیے دیا کہ مصر کے خاص و عام یوسف علیہ السلام کے جمال اور کمال سے پوری طرح آگاہ تھے مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حُسن کے چرچے اور ان کی پاکدامنی کے قصّے لوگوں کی زبان پر عام تھے

مُّرْتَابُ ۝۳۴	اِلَّذِيْنَ	يُجَادِلُوْنَ	فِيْٓ	اٰيٰتِ	اللّٰهِ	بِغَيْرِ
شک کرنے والا ہو	جولوگ	جھگڑتے ہیں	میں	آیتوں	اللہ کی	بغیر
سُلْطٰنٍ	اَتٰىهُمْ	كَبُرَ	مَقْتًا	عِنْدَ	اللّٰهِ	وَعِنْدَ
دلیل کے	جو آئی ہو ان کے پاس	بڑی ہے	ناراضگی کے لحاظ سے	نزدیک	اللہ کے	اور نزدیک
الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	كَذٰلِكَ	يَطْبَعُ	اللّٰهُ	عَلٰى	كُلِّ
ان لوگوں کے	وہ ایمان لائے	اسی طرح	مہر لگا دیتا ہے	اللہ	پر	ہر
قَلْبِ	مُتَكَبِّرٍ	جَبَّارٍ ۝۳۵				
دل	متکبر کے	سرکش کے				

شک میں مبتلا رہتے ہیں۔(۳۴)اور بغیر دلیل کے اللہ کی آیات سے جھگڑتے ہیں یہ طریقہ اللہ اور ایمان والوں کے نزدیک نہایت مبغوض ہے، اسی طرح اللہ ہر متکبر وجبار کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔''(۳۵)

اور ان کے نظامِ حکومت کی خوبیوں اور عدل وانصاف کے واقعات نسل درنسل تاریخ کا حصہ بن چکے تھے۔یوسف علیہ السلام کے بعد اس طرح نہ مصر کی خوشحالی باقی رہی اور نہ ہی ان جیسا کوئی عدل وانصاف قائم کرسکا۔تاریخ میں یوسف علیہ السلام کا دور مصر کا سنہری دور شمار ہوتا ہے اس بنا پر ہر سمجھدار شخص کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم پر ناراض ہو چکا ہے لہٰذا اب کوئی رسول نہیں بھیجے گا کیونکہ ہم نے یوسف علیہ السلام کی قدر نہیں کی تھی جس وجہ سے اب رسول نہیں آئے گا۔اس کا یہ معنیٰ بھی کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا نہ یوسف علیہ السلام جیسا رسول آئے گا اور نہ ہی ہم اس پر ایمان لائیں گے۔

بندہ مومن نے یہ بات بھی سمجھانے کی کوشش کی اے میری قوم کے لوگو! اب تو موسیٰ علیہ السلام تشریف لا چکے ہیں لہٰذا پہلے کی طرح شک کرنے سے بچو اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاؤ گویا کہ اس نے بین السطور یہ بات سمجھا دی کہ فرعون کے پیچھے مت چلو یہ مغرور اور متکبر آدمی کا راستہ ہے جو خود گمراہ ہے اور لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔اس مومن نے اپنے خطاب میں یہ بھی فرمایا کہ تم نے یوسف علیہ السلام کو بھی شک کی نظر دیکھا تھا حالانکہ یوسف علیہ السلام کئی صدیاں پہلے فوت ہو چکے تھے مومن کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ تمہارے باپ دادا نے یوسف علیہ السلام پر شک کیا اور تم موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر شک کر رہے ہو حالانکہ موسیٰ علیہ السلام بھی وہی دعوت دے رہے ہیں جو یوسف علیہ السلام نے جیل کی کال کوٹھڑی میں قیدیوں کو اور مصر کے بادشاہ بننے کے بعد پوری قوم کو دی تھی۔انہوں نے یوسف علیہ السلام پر الزام لگایا اور انہیں جیل بھیج دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو باعزت جیل سے نکال کر بادشاہ بنایا، تم بھی موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگاتے ہو اور اسے قتل کرنے کے درپے ہو چکے ہو سوچو اور غور کرو! کہ قیامت کے دن کیا جواب دو گے مردِ مومن نے یوسف علیہ السلام کا حوالہ دے کر اپنی قوم، فرعون اور قوم کے نمائندوں کو خطاب فرمایا اور بتلایا کہ گمراہی کا

دوسرا نام دین کے بارے میں شک کرنا ہے۔ کیونکہ ہدایت یقین سے حاصل ہوتی ہے لہٰذا موسیٰ علیہ السلام کی ذات اور بات پر یقین کرو۔ نبی معظم ﷺ بھی اپنی قوم کے ہاتھوں ایسی صورت حال سے دوچار تھے۔

دل پر گمراہی کی مہر لگنا:

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيْئَةً نُكِتَتْ فِيْ قَلْبِهٖ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهٗ وَإِنْ عَادَ زِيْدَ فِيْهَا حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهٗ وَهُوَ الرَّانُ الَّذِيْ ذَكَرَ اللهُ {كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ}»

(رواہ الترمذی: کتاب تفسیر القرآن [حسن])

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب بندہ کوئی غلطی کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے جب وہ گناہ چھوڑ دے اور توبہ واستغفار کرے تو اس کا دل پالش ہو جاتا ہے اگر وہ دوبارہ گناہ کی طرف پلٹے تو سیاہی اس کے دل پر چڑھ جاتی ہے یہی وہ زنگ ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے کہ {ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے گناہوں کی وجہ سے زنگ چڑھ چکا ہے۔}“

مسائل

۱۔ یوسف علیہ السلام اپنی قوم کے سامنے حق پیش کرتے رہے لیکن لوگوں نے حق کے بارے میں شک کا اظہار کیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے اور حق کے بارے میں شک کرنیوالے کو ہدایت نہیں دیتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اور مومن بُری باتوں پہ ناراض ہوتے ہیں۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ متکبر اور مغرور کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کن لوگوں کے دلوں پر مہر لگاتا ہے:

۱۔ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ (البقرۃ: ۷) ۲۔ مشرکوں کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ (الانعام: ۴۶)

۳۔ اللہ کے علاوہ دوسرے کو معبود بنانے والوں کے دلوں پر مہر ثبت کر دی جاتی ہے۔ (الجاثیۃ: ۲۳)

۴۔ افتراء بازی کرنے والوں کے دل پر مہر لگ جاتی ہے۔ (الشوریٰ: ۲۴)

۵۔ مرتد ہونے والے کے دل پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دیتا ہے۔ (المنافقون: ۳)

۶۔ تکبر کرنے والے کے دل پر مہر لگائی جاتی ہے۔ (المومن: ۳۵)

۷۔ جہاد سے پیچھے رہنے والوں کے دلوں پر مہر ثبت کر دی جاتی ہے۔ (التوبۃ: ۹۳)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ
اور کہا — فرعون نے — اے ہامان — تو بنا — میرے لیے — بلند عمارت — تاکہ میں

اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ
میں پہنچوں — راستوں پر — راستے — آسمانوں کے — پھر میں جھانک کر دیکھوں — طرف — الٰہ

مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ
موسیٰ کے — اور بے شک میں یقیناً اسے گمان کرتا ہوں — جھوٹا — اور اسی طرح — مزین کر دیا گیا — فرعون کے لیے

سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ
بُرا — اس کا عمل — اور وہ روک دیا گیا — سے — راستے — اور نہیں — چال

فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ ع
فرعون کی — مگر — میں — تباہی

”فرعون نے کہا اے ہامان میرے لیے ایک بلند و بالا عمارت بناؤ تاکہ میں ان راستوں تک پہنچ سکوں۔ (۳۶) جو آسمانوں کے راستے ہیں۔ میں موسیٰ کے الٰہ کو جھانک کر دیکھوں، مجھے تو موسیٰ جھوٹا معلوم ہوتا ہے، اس طرح فرعون کے لیے اس کی بدعملی خوبصورت بنادی گئی اور وہ راہِ راست سے روک دیا گیا، فرعون کی ساری چال بازی اُس کی اپنی تباہی کا باعث ثابت ہوئی۔“ (۳۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مردِ حق کے خطاب کے مقابلے میں فرعون کا ردِّ عمل۔

چاہیے تو یہ تھا کہ مردِ حق کے مدلّل اور مؤثر خطاب کے بعد فرعون ہدایت قبول کرتا لیکن اس نے اپنے خصوصی مشیر ہامان کو حکم دیا کہ میرے لیے ایک بلند و بالا عمارت تعمیر کی جائے تاکہ میں اس کے ذریعے آسمان کے دروازوں تک پہنچ جاؤں اور دیکھوں کہ موسیٰ علیہ السلام کا الٰہ کہاں بیٹھا ہوا ہے میں تو موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔ فرعون کے تکبّر اور حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے اس کی رسی کھلی چھوڑ دی گئی جس بنا پر اسے اپنی غلط سوچ اور کردار بہترین دکھائی دیتا تھا اسی بنا پر وہ سیدھے راستہ سے روک دیا گیا۔ فرعون کا ہر قدم اس کے لیے تباہی کا سبب ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ جس شخص کو اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے ہدایت سے روک دے پھر اسے کون ہدایت دے سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مردِ حق اپنی قوم اور حکومت کے ایوانوں میں بہت اثر رسوخ رکھنے والا تھا جس بنا پر فرعون نے نہ اسے کسی قسم کی دھمکی دی اور نہ ہی اس کے خطاب کا سخت جواب دیا۔ اس لیے اب بھی موسیٰ علیہ السلام کو ہدفِ تنقید بنا رہا ہے چنانچہ کہنے لگا زمین میں تو مجھے

موسیٰ علیہ السلام کا خدا دکھائی نہیں دیتا اب دیکھتے ہیں کہ وہ آسمان میں کہاں رہتا ہے اگر موسیٰ علیہ السلام کا خدا مل گیا تو پوچھیں گے کہ جناب نے ہمارے پاس موسیٰ جیسا رسول بھیجا ہے کہ جسے بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں آتا کہ بادشاہ کے حضور کس طرح فریاد کی جاتی ہے۔ کیا تجھے موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور آدمی نہیں مل سکا ایسے ہی بیہودہ خیالات کا اظہار اہلِ مکہ بھی کیا کرتے تھے کہ اگر واقعی اللہ نے کسی کو نبی بنانا ہوتا تو مکہ یا طائف کے سرداروں میں سے کسی کو نبی بناتا۔ پہلی دفعہ لفظِ اسباب سے مراد وہ ذرائع ہیں جن کے ذریعے وہ آسمان تک پہنچنا چاہتا تھا اور دوسری مرتبہ اسباب سے مراد آسمان کے دروازے ہیں۔ جس شخص کو بار بار اس کی گمراہی سے آگاہ کیا جائے اور وہ توبہ کرنے کی بجائے گمراہی کو اپنے لیے بہتر سمجھے تو ایسے شخص کو کون ہدایت دے سکتا ہے ایسے شخص کو اس کے گناہوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی حد ہوتی ہے جس بنا پر اللہ تعالیٰ اس کے دل پر گمراہی کی مہر لگا دیتا ہے۔

مسائل

۱۔ فرعون کو اپنے بُرے اعمال اچھے دکھائی دیتے تھے۔

۲۔ جسے اپنے بُرے اعمال اچھے دکھائی دیں اسے ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔

۳۔ فرعون کے بدترین اعمال کی وجہ سے اسے ہدایت سے روک دیا گیا کیونکہ اس کا ہر قدم گمراہی اور تباہی کی طرف اٹھتا تھا۔

تفسیر بالقرآن

کن لوگوں کے بُرے اعمال ان کے لیے خوبصورت بنا دیئے جاتے ہیں:

۱۔ ظالموں کے دل سخت ہو گئے اور شیطان ان کے اعمال کو مزین کر کے دکھاتا ہے۔ (الانعام: ۴۳)

۲۔ اکثر مشرکین کے لیے قتلِ اولاد کا عمل مزین کر دیا۔ (الانعام: ۱۳۷)

۳۔ شیطان نے اللہ کے راستہ سے روکنے والوں کے بُرے اعمال کو مزیّن کر دیا اور کہا تم ہی غالب ہو گے۔ (الانفال: ۴۸)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے پہلے کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے شیطان نے انکے بداعمال کو مزیّن کر دیا۔ (النحل: ۶۳)

۵۔ اللہ تعالیٰ کے سوا سورج کو سجدہ کرنے والوں کے بُرے اعمال کو شیطان نے ان کے لیے مزیّن کر دیا۔ (النمل: ۲۴)

۶۔ قوم عاد و ثمود کے اعمال بد کو شیطان نے مزین کر دیا۔ (العنکبوت: ۳۸)

۷۔ ہر گروہ کے بداعمال کو شیطان نے ان کے لیے مزین کر دیا۔ (الانعام: ۱۰۹)

۸۔ حد سے تجاوز کرنے والوں کے اعمال ان کے لیے مزیّن کر دیے جاتے ہیں۔ (یونس: ۱۲)

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ

اور کہا | اس آدمی نے | ایمان لایا تھا | اے میری قوم | تم میری پیروی کرو | میں تمہیں بتلاؤں گا | راستہ

الرَّشَادِ ۳۸ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّ

بھلائی کا | اے میری قوم | صرف | یہ | زندگی | دنیاوالی تھوڑا سا فائدہ ہے | اور

اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۳۹ مَنْ عَمِلَ

بے شک | آخرت | وہی | گھر ہے | ٹھہرنے کا | جس نے کی

سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ

کوئی برائی | تو نہیں | وہ بدلہ دیا جائے گا | مگر | اسی کے برابر | اور جس | نے کی

صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ

نیکی | سے | مرد | یا | عورت | اور وہ | مومن ہو | تو یہی لوگ

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۴۰

وہ داخل ہوں گے | جنت میں | وہ رزق دیے جائیں گے | اس میں | بغیر | حساب کے

”جو شخص ایمان لایا تھا اس نے کہا اے میری قوم میری بات مانو میں تمہیں صحیح راستہ بتاتا ہوں۔(۳۸) اے میری قوم یہ دنیا کی زندگی تو چند دن ہے ہمیشہ رہنے کی جگہ آخرت ہے۔(۳۹) جو برائی کرے گا اُس کو اتنی ہی سزا ملے گی جتنی اُس نے برائی کی ہو گی، اور جو ایماندار نیک عمل کرے گا وہ مرد ہو یا عورت وہ جنت میں داخل ہوں گے جنت میں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا۔“(۴۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: فرعون کے جواب میں مردِ حق کا جواب۔

قرآن مجید کسی بات کو داستان گوئی کے انداز میں بیان نہیں کرتا۔ قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ قاری کی توجہ صرف ان نکات پر مرکوز رہے جو اس کی راہنمائی کے لیے لازم ہیں۔ اس لیے یہ نہیں بتلایا گیا کہ فرعون اور مردِ مومن کی گفتگو کسی ایک اجتماع میں ہوئی یا مختلف مجالس میں ہونے والی گفتگو کا خلاصہ ہے البتہ یہ بات واضح ہے کہ مردِ مومن کے خطاب کے وقت فرعون کے ہاں اس کی قوم کے نمائندے ضرور موجود تھے جس بنا پر مردِ مومن فرعون کی بیہودہ باتوں کا جواب دینے کی بجائے قوم کے نمائندوں کو مخاطب کرتے اور بار، بار فرماتے ہیں کہ اے میری قوم! میری بات مانو! میں تمہیں سیدھے راستے کی راہنمائی کر رہا ہوں، بار بار سمجھانے کے باوجود قوم دنیاوی مفادات کی خاطر مردِ مومن کی طرف توجہ دینے کے لیے تیار نہ ہوئی۔ انہیں

یہ کہہ کر احساس دلانے کی کوشش کی کہ جس دنیا کے عہدوں، محلات اور مفادات کی خاطر دعوتِ حق سے منہ موڑے ہوئے ہو یہ سب عارضی ہیں، آخرت کی زندگی اور اس کا گھر ہمیشہ کے لیے ہے۔ یاد رکھو! جس نے برے کام کیے وہ ان کے مطابق سزا پائے گا اور جس نے صالح اعمال کیے وہ اس کی جزا پائے گا بے شک وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ ایمان دار ہو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا اس میں اُسے بے حد وحساب رزق دیا جائے گا۔ مومن نے ایمان کی شرط سے ثابت کیا کہ صالح اعمال کی قبولیت اور جنت میں داخلے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ایمان میں خالص اور اپنے رب کی توحید پر پکا ہو۔

مسائل

۱۔ فرعون کے لیے اس کے برے اعمال مزین کر دیئے گئے۔
۲۔ فرعون کی تدبیر ناکام ہوگئی۔
۳۔ مردِ مومن نے کہا اے میری قوم! میری پیروی کرو! میں تمہاری سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہوں۔
۴۔ دنیا کی زندگی تھوڑا سا فائدہ ہے اس کے مقابلے میں آخرت کی زندگی ہمیشہ ہمیش رہے گی۔
۵۔ نیکوکاروں اور بدکاروں کو ان کے کیے کی جزا و سزا دی جائے گی۔
۶۔ جنتیوں کو بغیر حساب کے رزق دیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

نیکی کی جزا اور بُرائی کی سزا:

۱۔ جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اس کو دیکھ لے گا۔ (الزلزال: ۷ تا ۸)
۲۔ برائیوں میں مرنے والے کے لیے جہنم ہے۔ (البقرۃ: ۸۱)
۳۔ برائی کا بدلہ اس کی مثل ہی ہوگا۔ (القصص: ۸۴)
۴۔ جو ایک نیکی کرے گا اس کو دس نیکیوں کا بدلہ ملے گا جو برائی کرے گا اس کی سزا صرف اتنی ہی ہوگی۔ (الانعام: ۱۶۰)
۵۔ جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اس کا بدلہ جہنم ہے۔ (النازعات: ۳۷)
۶۔ نافرمانوں کو ہمیشہ کے عذاب کی سزا دی جائے گی۔ (یونس: ۵۲)
۷۔ تکبر کرنے والوں کو ذلّت آمیز سزا دی جائے گی۔ (الاحقاف: ۲۰)
۸۔ شیطان اور اس کے پیروکاروں کو جہنم کی سزا دی جائے گی۔ (بنی اسرائیل: ۶۳)
۹۔ صبر کرنے والوں کے لیے جنت کی جزا ہے۔ (الدھر: ۱۲)
۱۰۔ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔ (یوسف: ۸۸)

وَيٰقَوْمِ	مَا لِيْٓ	اَدْعُوْكُمْ	اِلَى النَّجٰوةِ	وَتَدْعُوْنَنِيْٓ
اور اے میری قوم	کیا ہے میرے لیے	کہ میں تمہیں بلاتا ہوں	نجات کی طرف	اور تم بلاتے ہو مجھے

اِلَى	النَّارِ ﴿۴۱﴾	تَدْعُوْنَنِيْ	لِاَكْفُرَ	بِاللّٰهِ	وَاُشْرِكَ
طرف	آگ کی	تم بلاتے ہو مجھے	کہ میں کفر کروں	اللہ کے ساتھ	اور میں شریک ٹھہراؤں

بِهٖ	مَا	لَيْسَ	لِيْ	بِهٖ	عِلْمٌ	وَّاَنَا	اَدْعُوْكُمْ
اس کے ساتھ	جو	نہیں	مجھے	ساتھ اس کے	علم	اور میں	تمہیں بلاتا ہوں

اِلَى	الْعَزِيْزِ	الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾	لَا جَرَمَ	اَنَّمَا	تَدْعُوْنَنِيْٓ	اِلَيْهِ
طرف	غالب	بخشنے والے کی	نہیں شک	صرف	تم مجھے بلاتے ہو مجھ	اس کی طرف

''اے قوم! آخر یہ کیا ماجرا ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ کی دعوت دیتے ہو۔(۴۱) تم مجھے کہتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور اس کے ساتھ اُن کو شریک ٹھہراؤں جنہیں میں نہیں جانتا، جب کہ میں تمہیں اُس زبردست اللہ کی طرف بلا رہا ہوں جو بخشنے والا ہے۔(۴۲) حق اور حقیقت یہ ہے کہ جن کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو

فہم القرآن

ربطِ کلام: مردِحق کے خطاب کا آخری حصہ۔

مردِحق نے اپنی قوم کو پہلی اقوام کی تباہی کے حوالے سے سمجھایا اور پھر دنیا کی بے ثباتی بتلانے کے ساتھ جنت کی نعمتوں کی ترغیب بھی دی مگر قوم سمجھنے کی بجائے الٹا اس پر دباؤ بڑھاتی ہے کہ تجھے یہ دعوت چھوڑ کر اپنی قوم کا ساتھ دینا چاہیے نہ معلوم فرعون اور اس کے ساتھیوں نے مردِمومن پر کتنا دباؤ ڈالا اور کس قدر لالچ دیا ہوگا جس سے مجبور ہو کر اللہ کا بندہ پکار اٹھتا ہے کہ اے میری قوم! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلا رہے ہو۔ تم مجھے اس بات کی طرف کھینچتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراؤں جس کے لیے میرے پاس کوئی علمی اور عقلی دلیل نہیں مانو یا نہ مانو میں پھر بھی تمہیں اس اللہ کی طرف بلاتا رہوں گا جو ہر اعتبار سے غالب اور اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس بات کی طرف تم مجھے بلاتے ہو اس کا دنیا اور آخرت میں کوئی ثبوت نہیں یاد رکھو! ہم سب نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے یقین جانو! کہ حد سے آگے نکلنے والے جہنّم کی آگ میں جھونکے جائیں گے جو نصیحت میں تمہیں کر رہا ہوں اگر تم نے اسے قبول نہ کیا تو وقت آنے پر تم پچھتاؤ گے اور اس نصیحت کو یاد کرو گے بس میں اپنا کام اللہ کے حوالے کرتا ہوں یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو پوری طرح دیکھنے والا ہے۔ مردِحق نے اپنے خطاب کے

لَیْسَ	لَهٗ	دَعْوَةٌ	فِی	الدُّنْیَا	وَلَا فِی
نہیں ہے	اس کے لیے	پکار	میں	دنیا	اور نہ میں

الْاٰخِرَةِ	وَاَنَّ	مَرَدَّنَآ	اِلَی	اللّٰهِ	وَاَنَّ	الْمُسْرِفِیْنَ
آخرت	اور بلاشبہ	ہمارا لوٹنا ہے	طرف	اللہ کی	اور بلاشبہ	حد سے بڑھنے والے

هُمْ	اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾	فَسَتَذْكُرُوْنَ	مَآ	اَقُوْلُ	لَكُمْ	وَاُفَوِّضُ
وہی	دوزخی ہیں	پس عنقریب تم یاد کرو گے	جو	میں کہتا ہوں	تم سے	اور میں سونپتا ہوں

اَمْرِیْٓ	اِلَی	اللّٰهِ	اِنَّ	اللّٰهَ	بَصِیْرٌۢ	بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾
اپنا معاملہ	طرف	اللہ کی	بلاشبہ	اللہ	خوب دیکھ رہا ہے	بندوں کو

اُن کے حق میں نہ دنیا میں کوئی پکار ہے، نہ آخرت میں اور ہم سب کا پلٹنا اللہ ہی کی طرف ہے اور حد سے گزرنے والے جہنمی ہیں۔(۴۳) جو کچھ میں کہہ رہا ہوں عنقریب وقت آئے گا تم اُسے یاد کرو گے، اب میں اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کرتا ہوں، وہ اپنے بندوں کو پوری طرح دیکھنے والا ہے۔"(۴۴)

اختتام پر شرک کی بے حیثیتی کا ذکر کرتے ہوئے واضح فرمایا کہ شرک کفر ہے اور اس کی بنیاد کسی دلیل پر نہیں اور نہ ہی دنیا اور آخرت میں اس کی قبولیت ہوگی، کفار اور مشرکین کو اللہ تعالیٰ جہنّم میں جھونک دے گا۔ بس میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے اب معاملہ ''اللہ'' کے حوالے کرتا ہوں جو اپنے بندوں کو ہر حال میں دیکھنے والا ہے۔

مسائل

مردِ حق کے خطاب کا خلاصہ:

۱۔ موسیٰ علیہ السلام کو اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں۔

۲۔ موسیٰ علیہ السلام نے ٹھوس دلائل کے ساتھ تمہیں سمجھایا ہے کہ میرا اور تمہارا رب صرف ''اللہ'' ہے۔

۳۔ بالفرض موسیٰ علیہ السلام جھوٹے ہیں تو جھوٹ کا وبال انہیں پر ہوگا اگر وہ سچے ہیں تو پھر ''اللہ'' کا عذاب تمہیں آلے گا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ جھوٹے اور زیادتی کرنیوالے کو ہدایت نہیں دیتا۔ ۵۔ اللہ کا عذاب نازل ہوا تو ہمیں کوئی بچا نہیں سکے گا۔

۶۔ میری قوم کے لوگو! اگر تم کفر و شرک پر قائم رہے تو تمہیں قومِ نوح علیہ السلام، عاد اور ثمود جیسے حالات سے واسطہ پڑے گا۔

۷۔ اے میری قوم! قیامت کے دن تم ایک دوسرے کو مدد کیلئے بلاؤ گے لیکن اللہ تعالیٰ سے کوئی تمہیں چھڑا نہیں سکے گا۔

۸۔ اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کے ارشادات کے بارے میں بلا دلیل جھگڑتے ہو۔

۹۔ اللہ تعالیٰ اوراس کے ایماندار بندے کفر وشرک پر ناراض ہوتے ہیں
۱۰۔ اللہ تعالیٰ متکبر اور سرکش انسان کے دل پر گمراہی کی مہر لگا دیتا ہے۔
۱۱۔ اے میری قوم! میں تمہیں سیدھے راستے کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے جہنّم کی آگ کی دعوت دیتے ہو۔
۱۲۔ اے میری قوم! یہ دنیا عارضی ہے اور آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے۔
۱۳۔ جو بُرا کام کرے گا وہ اس کے برابر سزا پائے گا جو نیکی کرے گا وہ اس کی جزا پائے گا۔
۱۴۔ جس مرد یا عورت نے ایمان کی حالت میں صالح اعمال کیے اسے جنّت میں بے حساب رزق دیا جائے گا۔
۱۵۔ اے میری قوم! تم مجھے کفر وشرک کی طرف بلاتے ہو اور میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں جو گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔
۱۶۔ اے میری قوم! جس بات کی طرف تم مجھے دعوت دیتے ہو یہ دنیا اور آخرت میں منظور نہیں ہوگی۔
۱۷۔ اے میری قوم! ہم سب نے اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اللہ تعالیٰ حد سے نکل جانے والوں کو آگ میں جھونک دے گا۔
۱۸۔ اے میری قوم! وقت آنے پر تم میری دعوت اور نصیحت کو ضرور یاد کرو گے۔
۱۹۔ اے میری قوم! میں اپنے کام کو "اللہ" کے حوالے کرتا ہوں یقیناً اللہ تعالیٰ ہر حال میں اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

شرک کے حق میں کوئی دلیل نہیں:

۱۔ جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی غیر کو پکارتا ہے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ (المؤمنون: ۱۱۷)
۲۔ انہوں نے اللہ کے علاوہ کئی معبود بنالیے ہیں آپ فرمائیں اس کی دلیل لاؤ۔ (الانبیاء: ۲۴)
۳۔ "اللہ" کے سوا کوئی اور الٰہ ہے اگر تم سچے ہو تو اس کی دلیل لاؤ۔ (النمل: ۶۴)
۴۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت کے لیے کوئی دلیل نازل نہیں کی گئی۔ (الحج: ۷۱)
۵۔ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہوئے نہیں ڈرتے جس کی اس نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ (الانعام: ۸۱)
۶۔ اے لوگو! تمہارے پاس رب کی توحید کی دلیل آچکی ہے۔ (النساء: ۱۷۵)
۷۔ اللہ کے ساتھ کسی اور الٰہ کو نا پکارو اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں مگر وہی (القصص: ۸۸)
۸۔ اللہ کے ساتھ کسی اور کو نا پکارو ورنہ عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ (الشعرآء: ۲۱۳)
۹۔ کون ہے جو لاچار کی فریاد سنتا اور اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے، کیا اللہ کیساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل: ۶۲)

فَوَقٰىهُ	اللّٰهُ	سَيِّاٰتِ	مَا	مَكَرُوْا	وَحَاقَ
پھر بچالیا اس کو	اللہ نے	بُرائیوں سے	جو	انہوں نے مکر کیا	اور گھیر لیا
بِاٰلِ	فِرْعَوْنَ	سُوْٓءُ	الْعَذَابِ ۝٤٥	اَلنَّارُ	يُعْرَضُوْنَ
آلِ	فرعون کو	بُرے	عذاب نے	آگ	وہ پیش کیے جاتے ہیں
عَلَيْهَا	غُدُوًّا	وَّعَشِيًّا	وَيَوْمَ	تَقُوْمُ	السَّاعَةُ
اس پر	صبح	اور شام	اور جس دن	قائم ہوگی	قیامت
اَدْخِلُوْٓا	اٰلَ	فِرْعَوْنَ	اَشَدَّ	الْعَذَابِ ۝٤٦	
تم داخل کرو	آل	فرعون کو	سخت	عذاب میں	

’’انہوں نے اُس مومن کے خلاف بُری سے بُری چالیں چلیں، اللہ نے اُن سے اُسے بچالیا اور فرعون کے ساتھی بدترین عذاب میں گھیرے گئے۔ (٤٥) آلِ فرعون صبح وشام جہنم کی آگ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، اور قیامت کے دن حکم ہوگا کہ آلِ فرعون کو شدید ترین عذاب میں داخل کیا جائے۔‘‘ (٤٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مردِ حق نے اپنے خطاب میں فرعون اور قوم کے سامنے وہی باتیں کیں جو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کے سامنے پیش کی تھیں۔

جن باتوں سے فرعون اور اس کی قوم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام ڈرایا کرتے تھے وہی باتیں مردِ حق نے آلِ فرعون کو سمجھائیں مگر وہ نہ سمجھے جس کے نتیجے میں انہوں نے وہی پایا جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی سازشوں سے محفوظ رکھا فرعون اور آلِ فرعون کو بدترین عذاب میں مبتلا کیا۔ عالمِ برزخ میں صبح وشام انہیں آگ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور قیامت کے دن فرعون اور اس کے ساتھیوں کو حکم ہوگا کہ شدید ترین عذاب میں داخل ہوجاؤ۔ صبح وشام آگ کے سامنے پیش کرنے سے مراد ہر وقت جہنّم کی آگ میں جلنا ہے۔

عالمِ برزخ میں عذاب:

’’سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک یہودی عورت آئی اُس نے قبر کے عذاب کا ذکر کیا اور کہنے لگی آپ کو اللہ عذابِ قبر سے محفوظ فرمائے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عذابِ قبر کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا: ہاں عذابِ قبر برحق ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ایسی نماز پڑھتے نہیں دیکھا جس میں آپ نے عذابِ قبر سے پناہ نہ مانگی ہو۔‘‘ (رواہ البخاری: باب مَا جَاءَ فِی عَذَابِ الْقَبر)

وَاِذْ	يَتَحَآجُّوْنَ	فِي	النَّارِ	فَيَقُوْلُ	الضُّعَفٰٓؤُا	
اور جب	وہ باہم جھگڑیں گے	میں	آگ	تو کہیں گے	کمزور لوگ	
لِلَّذِيْنَ	اسْتَكْبَرُوْٓا	اِنَّا	كُنَّا	لَكُمْ	تَبَعًا	فَهَلْ
ان لوگوں کے لیے	جنھوں نے تکبر کیا	بلاشبہ ہم	تھے	تمہارے لیے	تابع	تو کیا
اَنْتُمْ	مُّغْنُوْنَ	عَنَّا	نَصِيْبًا	مِّنَ	النَّارِ ۴۷	قَالَ
تم	ہٹاؤ گے	ہم سے	کچھ حصہ	سے	آگ	کہیں گے
الَّذِيْنَ	اسْتَكْبَرُوْٓا	اِنَّا	كُلٌّ	فِيْهَآ	اِنَّ	اللّٰهَ
وہ لوگ	جنھوں نے تکبر کیا	بے شک ہم	سب	اس میں ہیں	بلاشبہ	اللہ
قَدْ	حَكَمَ	بَيْنَ	الْعِبَادِ ۴۸			
تحقیق	اس نے فیصلہ کر دیا ہے	درمیان	بندوں کے			

''وہ لوگ جہنم میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے، دنیا میں جو لوگ کمزور تھے وہ بڑوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے کیا تم جہنم کے کچھ حصے سے ہمیں بچاؤ گے۔(۴۷) بڑے جواب دیں گے کہ ہم سب یہاں ایک ہی حالت میں ہیں، اور اللہ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے۔(۴۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام : آلِ فرعون اور دوسرے جہنّمیوں کا جہنّم میں حال؟

جب جہنّمی جہنم میں جھونکے جائیں گے تو وہ آپس میں جھگڑیں گے جو لوگ دنیا میں جس کسی کی تابعداری کرتے تھے ان سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابعدار تھے کیا اب تم آگ کا کچھ حصہ ہم سے ہٹا سکتے ہو، بڑے لوگ کہیں گے کہ ہم سب اس آگ میں اکٹھے ہیں اب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے اس کا فیصلہ بدلنے کی نہ ہم میں ہمّت ہے اور نہ تم بدل سکتے ہو لہٰذا ہم نے اسی آگ میں رہنا ہے۔ اس کے بعد نہایت مجبور ہو کر جہنم کے فرشتوں سے کہیں گے کہ تم ہی ہمارے لیے اپنے پروردگار سے سفارش کرو! کہ ایک دن تو عذاب سے رخصت مل جایا کرے ملائکہ جواب دیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہیں سمجھانے والے نہیں آئے تھے؟ جہنمی جواب دیں گے کیوں نہیں وہ تو ہمیں سمجھاتے رہے لیکن ہماری بدبختی ہم پر غالب آگئی فرشتے کہیں گے ہم میں تو تمہاری سفارش کرنے کی ہمت نہیں تم خود ہی اپنے رب سے فریاد کرو! لیکن کفار کا فریاد کرنا انہیں کچھ فائدہ نہ دے گا دوسرے مقام پر جہنّمیوں کی حالتِ زار کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ

اور کہیں گے | وہ لوگ ہیں | میں | آگ | دربان کے لیے | جہنم کے | تم پکارو | اپنے رب کو

يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿٤٩﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ

وہ ہلکا کردے | ہم سے | ایک دن | کچھ | عذاب | وہ کہیں گے | کیا نہیں

تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا

تھے | آتے تمہارے پاس | تمہارے رسول | واضح دلائل کے ساتھ | وہ کہیں گے | کیوں نہیں | وہ کہیں گے

ع ۵ ۱۳ ۱۰ فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿٥٠﴾ ع

تم پکارو | اور نہیں | پکار | کافروں کی | مگر | میں | بے کار

پھر جہنمی جہنم کے دربان سے کہیں گے اپنے رب سے درخواست کرو کہ ہمارے عذاب میں بس ایک دن کی تخفیف کر دے۔(۴۹) ملائکہ پوچھیں گے کیا تمہارے رسول تمہارے پاس دلائل لے کر نہیں آئے تھے، وہ کہیں گے کیوں نہیں آئے تھے جہنم کے دربان کہیں گے پھر خود ہی ''اللہ'' سے درخواست کرو لیکن کافروں کی درخواست بے کار ثابت ہوگی۔'' (۵۰)

{ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧١﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٧٢﴾ }
(الزمر:۷۱،۷۲)

''کافر گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے، جب وہ جہنم کے قریب پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ جہنم کے دربان جہنمیوں سے سوال کریں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ جو تمہیں تمہارے رب کی آیات سناتے تھے اور اس دن کی ملاقات سے ڈراتے جہنمی جواب دیں گے کہ ہاں آئے تھے لیکن عذاب کا حکم ہم پر ثابت ہو گیا۔ کہا جائے گا کہ اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ! جہاں تم نے ہمیشہ رہنا ہے، پس سرکشوں کا ٹھکانہ بہت ہی برا ہے۔''

{ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٣٩﴾ } (الاعراف:۳۸،۳۹)

”اللہ تعالیٰ فرمائے گا ان جماعتوں کو جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں آگ میں داخل ہو جاؤ، جب بھی کوئی جماعت داخل ہوگی تو اپنے سے پہلی جماعت پر لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب سب ایک دوسرے سے آملیں گے تو ان کی پچھلی جماعت اپنے سے پہلی جماعت کے متعلق کہے گی اے ہمارے رب! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا تو انہیں آگ کا دگنا عذاب دے اللہ تعالیٰ فرمائے گا سبھی کے لیے دگنا ہے لیکن تم نہیں جانتے ان کی پہلی جماعت اپنے سے بعد والی جماعت سے کہے گی تمہیں ہم پر کوئی سہولت حاصل نہیں عذاب چکھو اس کے بدلے جو تم کمایا کرتے تھے۔“

مسائل

۱۔ جہنمی جہنم میں ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے۔
۲۔ کمزور اپنے بڑوں سے کہیں گے کہ ہماری کچھ نہ کچھ مدد کرو!
۳۔ بڑے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو چکا لہٰذا ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔
۴۔ جہنمی جہنم کے فرشتوں سے کہیں گے کہ اپنے رب سے فریاد کرو! لیکن ملائکہ انکی سفارش کرنے سے انکار کرینگے۔

تفسیر بالقرآن

جہنم میں جہنمیوں کا آپس میں جھگڑا کرنا:

۱۔ قیامت کے دن پیر مرید ایک دوسرے کا انکار کریں گے اور ایک دوسرے پر پھٹکار کریں گے۔ (العنکبوت: ۲۵)
۲۔ قیامت کے دن پیشوا اپنے پیروکاروں سے براءت کا اظہار کریں گے۔ (البقرۃ: ۱۶۶)
۳۔ قیامت کے دن گمراہ پیروں اور لیڈروں کے پیچھے لگنے والے کہیں گے اگر دنیا میں جانا ہمارے لیے ممکن ہو تو ہم تم سے علیحدگی اختیار کریں گے۔ (البقرۃ: ۱۶۵)
۴۔ کمزور بڑوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایمان لے آتے۔ (سبا: ۳۱، ۳۲)
۵۔ قیامت کے دن مجرم دوزخ میں جھگڑیں گے تو چھوٹے لوگ اپنے بڑوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے۔ (المومن: ۴۸)
۶۔ قیامت کے دن جہنمیوں کا آپس میں جھگڑنا یقینی ہے۔ (صٓ: ۶۴)
۷۔ مجرم اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کے لیے اپنے برے اعمال کا کلیتاً انکار کریں گے۔ (الانعام: ۲۳)
۸۔ مجرم اپنی جان بچانے کے لیے اپنے گناہوں کی ذمہ داری دوسروں پر ڈالیں گے۔ (الاحزاب: ۶۶۔ ۶۸)

اِنَّا	لَنَنْصُرُ	رُسُلَنَا	وَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	فِي
بلاشبہ ہم	البتہ مدد کرتے ہیں	اپنے رسولوں کی	ان لوگوں کی	جو ایمان لائے	میں
الْحَيٰوةِ	الدُّنْيَا	وَيَوْمَ	يَقُوْمُ	الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾	يَوْمَ لَا
زندگی	دنیا والی	اور جس دن	کھڑے ہوں گے	گواہ	جس دن نہیں
يَنْفَعُ	الظّٰلِمِيْنَ	مَعْذِرَتُهُمْ	وَلَهُمُ	اللَّعْنَةُ	وَلَهُمْ
نفع دے گی	ظالموں کو	ان کی معذرت	اور ان کے لیے	لعنت ہے	اور ان کے لیے ہے
	سُوْٓءُ	الدَّارِ ﴿۵۲﴾			
	برا	گھر			

’’یقیناً ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی دنیا کی زندگی میں مدد کرتے ہیں اور آخرت میں بھی کریں گے جب گواہ کھڑے کیے جائیں گے۔(۵۱) اس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ فائدہ نہیں دے گی اُن پر لعنت پڑے گی اور ان کا بدترین ٹھکانہ ہوگا۔‘‘(۵۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام : قیامت کے دن کفار کی فریاد بھی قبول نہیں ہوگی ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنے رسولوں اور مومنوں کی مدد کرتا ہے اور اس دن بھی مدد کرے گا جس دن گواہ پیش کیے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور بندوں کی دنیا میں مدد کرتا ہے اور قیامت کے دن بھی مدد فرمائے گا جس دن ظالموں کی معذرت بھی قبول نہیں کی جائے گی ان کے لیے برا ٹھکانہ ہوگا اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ پھٹکار برستی رہے گی۔ دنیا میں رسولوں اور مومنوں کی مدد کرنے کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا پوری طرح کوئی نہیں جانتا تاہم قرآن مجید، تاریخ اور انبیاء کی سیرت سے جو بات سمجھ آتی ہے وہ اس طرح ہے۔

① اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو اخلاق اور کردار کے حوالے سے ہمیشہ سربلند فرمایا جس کا اعتراف ان کے مخالفین بھی کیا کرتے تھے۔

② انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کی سچائی کفار بھی دل میں تسلیم کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کئی انبیائے کرام علیہم السلام کو شہادت کے منصب پر فائز فرمایا جو ہر نبی کی تمنا تھی اور یہی ہر مومن کی خواہش ہوتی ہے۔

③ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کو نبوت کے ساتھ سیاسی اقتدار بھی نصیب فرمایا۔

④ کفار اور مشرکین انبیاء علیہم السلام کی دعوت مٹانا چاہتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کا کام اور نام باقی رکھا۔

⑤ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیائے کرام علیہم السلام کو نبوت کے ساتھ دنیا کے مال واسباب سے بھی ہمکنار فرمایا۔
⑥ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کے دشمنوں کو بالآخر ذلیل کیا اور اپنے رسولوں کو دنیا میں احترام اور مقام بخشا۔
⑦ اللہ تعالیٰ بے شمار نیک بندوں کو دنیا میں بھی کفار سے برتر رکھتا ہے۔
⑧ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہر صورت اپنے رسولوں اور بندوں کو معزز فرمائے گا۔
⑨ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے رسولوں اور بندوں کی سفارش قبول کرے گا ان کے مقابلے میں کفار کی معذرت بھی قبول نہیں کی جائے گی۔
⑩ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے رسولوں اور بندوں کو بے حساب انعامات سے نوازے گا ان کے مقابلے میں کفار پر لعنتیں برستی رہیں گی۔
⑪ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انبیائے کرام علیہم السلام اور مومنوں کو جنّت میں اعلیٰ مقام دے گا اور ان کے مخالفین کو جہنّم میں جھونکا جائے گا جو رہنے کے اعتبار سے بدترین ٹھکانہ ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

لعنت کن لوگوں پر برستی ہے:

۱۔ شیطان لعنتی ہے۔(النساء:۱۱۸) ۲۔شیطان پر قیامت تک لعنت برستی رہے گی۔(ص:۷۵)
۳۔ اصحاب السبت لعنتی ہیں۔(النساء:۴۷) ۴۔جھوٹے پر لعنت برستی ہے۔(آل عمران:۶۱)
۵۔ ظالم پر لعنت برستی ہے،(ھود:۱۸) ۶۔ حق چھپانے والے لعنتی ہیں۔(البقرۃ:۱۵۹)
۷۔ اللہ اور رسول کو تکلیف دینے والے لعنتی ہیں۔(الاحزاب:۵۷) ۸۔یہودی لعنتی ہیں۔(المائدۃ:۷۸)
۹۔ بے گناہ مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے پر لعنت اور اللہ کا عذاب ہوگا۔(النساء:۹۳)
۱۰۔ کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے اور جہنم کا عذاب ہوگا۔(الاحزاب:۶۴)
۱۱۔ ظالموں کے لیے جہنم کا عذاب اور لعنت ہے۔(حٰم السجدۃ:۵۲)
۱۲۔ یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔(المائدۃ:۶۴) ۱۳۔جہنمی ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔(الاعراف:۳۸)
۱۴۔ منافقین پر اللہ کی لعنت اور انکے لئے جہنم کا عذاب ہوگا۔(الفتح:۶) ۱۵۔بچھڑا پوجنے والوں پر خدا کی لعنت ہوئی۔(طٰہٰ:۸۷)
۱۶۔ اللہ اور رسول کو ایذا پہنچانے والوں پر لعنت برستی ہے۔(الاحزاب:۵۷)
۱۷۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدلنے کی وجہ سے یہودیوں پر لعنت کی گئی۔(النساء:۴۶)
۱۸۔ اللہ کے ساتھ کیے ہوئے میثاق کو توڑنے پر لعنت برستی ہے۔(الرعد:۲۵)

وَ لَقَدْ	اٰتَيْنَا	مُوْسَى	الْهُدٰى	وَ اَوْرَثْنَا	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
اور البتہ تحقیق	ہم نے دی	موسیٰ کو	ہدایت	اور ہم نے وارث بنایا	بنی اسرائیل کو
الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾	هُدًى	وَّ ذِكْرٰى	لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾	فَاصْبِرْ	
کتاب کا	ہدایت	اور نصیحت ہے	عقل والوں کے لیے	لہٰذا آپ صبر کریں	
اِنَّ	وَعْدَ	اللّٰهِ	حَقٌّ	وَّ اسْتَغْفِرْ	لِذَنْۢبِكَ	وَ سَبِّحْ
بلاشبہ	وعدہ	اللہ کا	سچا ہے	اور آپ معافی مانگیے	اپنے گناہ کی	اور پاکیزگی بیان کیجیے
بِحَمْدِ	رَبِّكَ	بِالْعَشِيِّ	وَ الْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾		
حمد کے ساتھ	اپنے رب کی	شام	اور صبح کو		

’’ہم نے موسیٰ کی رہنمائی کی اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔(۵۳) جو عقل و دانش رکھنے والوں کے لیے ہدایت و نصیحت تھی۔(۵۴) پس صبر کرو اللہ کا وعدہ برحق ہے، اپنی کوتاہی کی معافی مانگو، اور صبح و شام اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہو۔‘‘(۵۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی راہنمائی کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت اور کتاب کے ساتھ مبعوث فرمایا اور بنی اسرائیل کو تورات کا وارث بنایا۔ جس میں عقل مندوں کے لیے نصیحت اور راہنمائی موجود ہے۔ کتاب سے مراد تورات ہے جو پہلی آسمانی کتابوں کی ترجمان ہے اور ہدایت سے مراد راہنمائی ہے جس پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو چلنے کی توفیق دیتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے بعد آنے والے انبیائے کرام علیہم السلام اور علماء کی ذمہ داری لگائی گئی کہ وہ اس کتاب کے مطابق لوگوں کی راہنمائی کریں جو عقل مندوں کے لیے راہنمائی اور نصیحت کا سرچشمہ بنائی گئی۔ اولی الالباب کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ صحیح عقل مند وہی ہوتا ہے جو اللہ کی ہدایت پر مستقل مزاجی سے گامزن رہتا ہے۔ اسی لیے رسولِ محترم ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ کے راستے میں جو مشکلات آرہی ہیں اس پر صبر کریں اور یقین رکھیں کہ اللہ کا وعدہ سچا اور پکا اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگو اور صبح و شام اپنے رب کی حمد کرتے رہو! آپ کے رب کا وعدہ سچا ہے کہ وہ آپ کی ضرور مدد فرمائے گا۔ حالات کے جبر سے پریشان ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بار بار نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کرتے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اپنے رب سے عرض کریں کہ کوئی ایسا معجزہ نازل کرے جس سے کفار ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں یا پھر انہیں تہس نہس کر دیا جائے۔ ان حالات کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کے دل میں کئی بار خیال پیدا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کیوں نازل نہیں ہو رہی اللہ کی مدد طلب کرنا ہر

شخص کے لیے لازم ہے۔لیکن نبی کا مقام اتنا ارفع ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ معمولی عجلت بھی پسند نہیں کرتا آپ عجلت پسندی پر اپنے رب سے معافی مانگیں اس کی تشریح کرتے ہوئے بریلوی مکتبہ فکر کے ترجمان پیر کرم شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

افضل اور اولیٰ کا ترک عام لوگوں کے لیے جرم اور گناہ تصور نہیں ہوتا لیکن مقربین صمدیت سے غیر اولیٰ کا صدور بھی قابلِ مواخذہ ہوتا ہے یہاں بھی جس ذنب سے استغفار کی ہدایت کی جارہی ہے اس سے مراد ایسے امر سے استغفار ہے جو بذاتِ خود اگرچہ مباح اور جائز ہے لیکن نبی اکرم ﷺ کے مقامِ رفیع اور شانِ عالی کے شایانِ شان نہیں اور سالکانِ راہ محبت سے یہ چیز مخفی نہیں کہ منزل محبوب کی طرف ان کے سفر میں ایک لمحہ کے لیے توقف بھی نا قابلِ برداشت ہے اور لائق صد استغفار ہے۔(ضیاء القرآن جلد ۴ ص:۳۱۱، ۳۱۲)

صبح وشام تسبیح کرنے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ہمیشہ اللہ کو یاد کرتے رہو! دوسرا یہ کہ ان مخصوص اوقات میں نماز ادا کرو! یہ دوسرے معنیٰ لینے کی صورت میں اشارہ نماز کے ان پانچوں اوقات کی طرف ہے جو اس سورت کے نزول کے کچھ مدت بعد تمام اہل ایمان پر فرض کردی گئی۔ اس لیے عشیٰ کا لفظ عربی زبان میں زوالِ آفتاب سے لیے کررات کے ابتدائی حصے تک کے لیے بولا جاتا ہے جس میں ظہر سے عشاء تک کی چاروں نمازیں آجاتی ہیں اور ابکار صبح کی پَو پھوٹنے سے طلوعِ آفتاب تک کے وقت کو کہتے ہیں جو نماز فجر کا وقت ہے۔(تفہیم القرآن جلد ۴)

«عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَا أَیُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا إِلَی اللّٰهِ فَإِنِّیْ أَتُوْبُ فِی الْیَوْمِ إِلَیْهِ مِائَةَ مَرَّةٍ» (رواہ مسلم: کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ، باب اسْتِحْبَابِ الاِسْتِغْفَارِ وَالاِسْتِکْثَارِ مِنْهُ)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرو۔ بلا شبہ میں ہر روز سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات اور راہنمائی سے سرفراز فرمایا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو تورات کا وارث بنایا۔

۳۔ عقل مند لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے اور اپنے رب کی ہدایت پر چلتے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہوتے ہیں۔

۵۔ انسان کو اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہنا چاہیے۔

۶۔ ہر مسلمان کو نماز کی پابندی اور بالخصوص صبح وشام اپنے رب کا ذکر کرنا چاہیے۔

اِنَّ	الَّذِيْنَ	يُجَادِلُوْنَ	فِيْٓ	اٰيٰتِ	اللّٰهِ بِغَيْرِ
بلاشبہ	جولوگ	جھگڑتے ہیں	میں	آیات	اللہ کی بغیر

سُلْطٰنٍ	اَتٰىهُمْ ۙ	اِنْ	فِيْ	صُدُوْرِهِمْ	اِلَّا	كِبْرٌ	مَّا هُمْ
دلیل کے	آئی ان کے پاس	نہیں	میں	ان کے سینوں	مگر	بڑائی	نہیں وہ

بِبَالِغِيْهِ ۚ	فَاسْتَعِذْ	بِاللّٰهِ ؕ	اِنَّهٗ هُوَ	السَّمِيْعُ	الْبَصِيْرُ ۝۵۶
اس تک پہنچنے والے	لہٰذا آپ پناہ مانگیں	اللہ سے	بلاشبہ وہی	خوب سننے والا	خوب دیکھنے والا ہے

’’حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ کسی دلیل کے بغیر جو اُن کے پاس آئی ہو اللہ کی آیات کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں۔ اُن کے دلوں میں تکبر بھرا ہوا ہے مگر وہ اُس بڑائی کو پہنچنے والے نہیں ہیں جس کا وہ گھمنڈ رکھتے ہیں، بس اللہ کی پناہ مانگ وہ سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے۔‘‘ (۵۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح راہنمائی آجانے کے باوجود جو لوگ اس کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں درحقیقت ان لوگوں کے دلوں میں کبر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشادات کے بارے میں جو لوگ جھگڑا کرتے ہیں۔ ان کے پاس جھگڑا کرنے کی کوئی دلیل نہیں سوائے اس کے کہ ان کے دلوں میں یہ خواہش اور کوشش ہے کہ وہ حق پر غالب آجائیں اور نبی ﷺ سے بڑا بن جائیں مگر ان کی خواہش کبھی پوری نہ ہو پائے گی۔ اے رسول ﷺ ’’آپ‘‘ ہر قسم کے کبر، فخر سے پناہ مانگیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر بات کو سننے اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ اس فرمان میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے ساتھ جھگڑا کرنے والوں کے پاس تکبر کے سوا کوئی معقول وجہ نہیں ہوتی کبر کی بنیاد عام طور پر دو باتوں پر ہوتی ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ آدمی دوسرے کو اپنے آپ سے نیچ سمجھے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تکبر کرنے والا اپنے نظریات کو شعوری یا غیر شعوری طور پر حق بات پر مقدم جانے۔ اہلِ مکہ میں دونوں گناہ پائے جاتے تھے ان کا کہنا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے واقعی ہی کسی شخص کو نبی بنانا ہوتا تو وہ عمرو بن ہشام (ابوجہل) یا پھر طائف کے سردار اس لائق تھے کہ ان میں سے کسی کو نبی بنایا جاتا۔ مکہ والوں میں یہ کبر بھی پایا جاتا تھا کہ وہ کہتے تھے کیا ہم محمد ﷺ کے کہنے پر اپنے آباء اجداد کا دین چھوڑ دیں۔ اس کبر کی وجہ سے مکہ کے کئی سردار ہدایت سے محروم رہے۔ اللہ تعالیٰ کو کبر پسند نہیں اس لیے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ اللہ کے حضور کبر سے پناہ مانگا کریں یقیناً اللہ تعالیٰ ہر بات سننے والا اور ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کون کس نیت کے ساتھ بات کرتا اور حق کی مخالفت کرتا ہے اور حق کی مخالفت کرنے والے دل میں کیا جذبات چھپے ہوئے ہیں۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُودٍ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ قَالَ رَجُلٌ إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً قَالَ إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ)) (رواہ مسلم: باب تحریم الکبر)

''حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا ایک آدمی نے عرض کی کہا بلاشبہ ہر آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اور جوتے اچھے ہوں، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے تکبر حق کو جھٹلانا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔''

نبی ﷺ کی دعا:

((عَنْ أَنَسٍ ؓ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَتَعَوَّذُ بِهٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ كَانَ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَسُوءِ الْكِبَرِ وَفِتْنَةِ الدَّجَّالِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ))

(رواہ النسائی: باب الاستعاذۃ من شر الکبر [صحیح])

''حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کلمات کے ساتھ پناہ مانگا کرتے تھے ''اے اللہ! میں سستی، بڑھاپے، بزدلی، بخیلی، تکبر کی برائی، دجّال کے فتنہ اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانا یا ان کا انکار کرنا آیات کے ساتھ جھگڑا کرنے کے مترادف ہے۔

۲۔ تکبر انسان کو حق بات قبول کرنے نہیں دیتا۔ ۳۔ تکبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا چاہیے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ ہر بات سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

کبر کا گناہ اور اس کے نقصانات:

۱۔ اللہ تعالیٰ فخر وغرور کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔ (النساء: ۳۶)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو دیا ہے اس پر نہ اتراؤ اللہ فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (الحدید: ۲۳)

۳۔ زمین میں اکڑ اکڑ کر نہ چل تو زمین کو پھاڑ نہیں سکتا۔ (بنی اسرائیل: ۳۷)

۴۔ زمین میں اکڑ اکڑ کر نہ چل اللہ تعالیٰ اترانے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (لقمان: ۱۸)

۵۔ آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے ہے جو دنیا میں تکبر اور فساد نہیں کرتے۔ (القصص: ۸۳)

لَخَلْقُ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ	اَكْبَرُ	مِنْ	خَلْقِ	النَّاسِ
البتہ پیدائش	آسمانوں	اورزمین کی	زیادہ بڑی ہے	سے	پیدائش	لوگوں کی
وَلٰكِنَّ	اَكْثَرَ	النَّاسِ	لَا	يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٧﴾	وَمَا	يَسْتَوِي
اورلیکن	اکثر	لوگ	نہیں	وہ جانتے	اورنہیں	برابرہوتا
الْاَعْمٰى	وَالْبَصِيْرُ	وَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	وَلَا
اندھا	اوردیکھنے والا	اوروہ لوگ	جوایمان لائے	اورانہوں نے عمل کیے	نیک	اورنہ
الْمُسِيْٓءُ	قَلِيْلًا	مَّا	تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٥٨﴾	اِنَّ	السَّاعَةَ	لَاٰتِيَةٌ
برائی کرنے والا	تھوڑے ہی	جو	تم نصیحت پکڑتے ہو	بلاشبہ	قیامت	یقیناً آنے والی ہے
لَّا رَيْبَ	فِيْهَا	وَلٰكِنَّ	اَكْثَرَ	النَّاسِ	لَا	يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٩﴾
نہیں کوئی شک	اس میں	اورلیکن	اکثر	لوگ	نہیں	وہ ایمان لاتے

’’آسمانوں اورزمین کا پیدا کرنا انسان کو پیدا کرنے کے مقابلے میں یقیناً بڑا کام ہے مگراکثرلوگ نہیں جانتے۔(۵۷)اوراندھا اور بینا برابرنہیں، اور صالح اعمال کرنے والا ایماندار اور بدکار برابرنہیں ہو سکتے ،مگر تم لوگ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔(۵۸) یقیناً قیامت آنے ہی والی ہے اس کے آنے میں کوئی شک نہیں مگراکثر لوگ نہیں مانتے۔‘‘(۵۹)

فہم القرآن

ربط کلام: حق کے بارے میں کبر اختیار کرنے والوں کو دیکھنا اور سوچنا چاہیے کہ پیدائش اور وجود کے اعتبار سے وہ بڑے ہیں یا زمین وآسمان بڑے ہیں ظاہر ہے کہ زمین وآسمان بڑے ہیں مگر جولوگ بلا دلیل اللہ کی آیات کے بارے میں جھگڑتے ہیں حقیقتاً وہ اندھے ہیں اس لیے بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہیں۔انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ قیامت برپا ہونے والی ہے جس کے بارے میں یہ شک کرتے ہیں قیامت کے دن اس کا فیصلہ ہوجائے گا۔

جب آدمی تکبر کا شکار ہوجاتا ہے تو حقیقت پر غور کرنا تو درکنار اسے سُننا بھی پسند نہیں کرتا ایسا آدمی کافر ہے وہ قولاً بھی قیامت کا انکار کرتا ہے پھر اپنے انکار کو حق ثابت کرنے کے لیے کہتا ہے کہ جب انسان مر کر مٹی کے ذرات بن جاتا ہے تو پھر اسے کس طرح زندہ کیا جا سکتا ہے، آخرت کے منکر یہ بھی کہتے ہیں کہ ہزاروں سال گزر چکے لیکن آج تک کوئی شخص مرکر زندہ نہیں ہوا۔ان کے کان کھولنے کے لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے قیامت کا انکار کرنے والو! ذرا زمین وآسمان کی تخلیق پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اس وسیع وعریض زمین اور بلند وبالا آسمانوں کو کس طرح پیدا کیا ہے کیا لوگوں کو پیدا کرنا بڑا کام ہے یا زمین وآسمان کو پیدا کرنا بڑا کام ہے؟ اتنی واضح حقیقت دیکھنے اور جاننے کے باوجود

لوگوں کی اکثریت اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں. جولوگ کھلے حقائق کوتسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے حقیقت میں وہ اندھے ہیں اندھا اور بینا برابر نہیں ہوسکتے اور نہ ہی باطل عقیدہ رکھنے والے اور بُرے کردار کے لوگ صالح اعمال کرنے والوں کے برابر ہوسکتے ہیں۔ بُرے لوگوں کو اسے لیے اندھا کہا گیا ہے کہ یہ ان کے اندھے پن کی دلیل ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی، اگر قیامت قائم نہیں ہوگی تو دنیا میں بے بس مظلوم کو انصاف کہاں سے ملے گا؟ کیا ظالم کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ کمزوروں پر ظلم کرتا رہے اور اسے پوچھنے والا کوئی نہ ہو کیا ایسا سوچنا اور عقیدہ رکھنا اندھے پن کی دلیل نہیں؟ ایک آدمی دنیا میں اپنے رب سے ڈر ڈر کر زندگی گزارتا اور دوسرا اپنے رب کے ساتھ کفر وشرک کرتا اور ہرقسم کی نافرمانی کرتا رہتا ہے کیا نیک کو جزا دینے والا اور نافرمان کو سزا دینے والا کوئی نہیں ہونا چاہیے؟ اگر ہونا چاہیے تو اس کے لیے ایک وقت اور مقام ہونا بھی ضروری ہے اس دن کا نام قیامت اور اس جگہ کا نام محشر ہے لہٰذا تم مانو یا انکار کرو قیامت آکر رہے گی جو اس پر ایمان لاتا ہے اور اس کے تقاضے پورے کرتا ہے وہ بینا اور نیک ہے جو اس کا انکار کرتا ہے وہ اندھا اور متکبر ہے۔ عقل کا تقاضا ہے کہ قیامت ضرور برپا ہونی چاہیے لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ اس پر ایمان لانے اور اپنے رب کی نصیحت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

”حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دانا وہ ہے جس نے اپنے آپ کو عقل مند بنالیا اور موت کے بعد والی زندگی کے لیے عمل کیے اور نادان وہ ہے جس نے اپنے آپ کو خواہشات کے پیچھے لگالیا اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے۔“

(رواہ الترمذی: باب الکیس من دان نفسہ [ضعیف])

مسائل

۱۔ لوگوں کو پیدا کرنے سے زمین وآسمان کو پیدا کرنا بڑا کام ہے۔ ۲۔ اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہوتے۔
۳۔ صالح کردار ایمان دار اور برا شخص برابر نہیں ہوسکتے۔ ۴۔ لوگوں کی اکثریت نصیحت قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتی۔

تفسیر بالقرآن

قیامت ہرصورت برپا ہوکر رہے گی:

۱۔ یقیناً قیامت آنے والی ہے۔ (الحجر: ۸۵)
۲۔ یقیناً قیامت آنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی قبروں سے اٹھائے گا۔ (الحج: ۷)
۳۔ قیامت برپا ہونے میں کوئی شک نہیں اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ (الکہف: ۲۱)
۴۔ اے لوگو! اللہ سے ڈر جاؤ بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔ (الحج: ۱)
۵۔ کافر ہمیشہ شک میں رہیں گے یہاں تک کہ قیامت اچانک آجائے گی۔ (الحج: ۵۵)

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور کہا | تمہارے رب نے | تم مجھے پکارو | میں قبول کروں گا | تمہاری پکار | بلاشبہ | جو لوگ

يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝۶۰ ع

وہ تکبر کرتے ہیں | سے | میری عبادت | عنقریب وہ داخل ہوں گے | جہنم میں | ذلیل ہوکر

ع ۶ ۱۰ ۱۱

’’تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھے ہی پکارو میں ہی تمہاری دعائیں قبول کروں گا، جو لوگ تکبر کرتے ہوئے میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں وہ ضرور ذلیل وخوار ہوکر جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔‘‘ (۶۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اندھے پن سے نجات اور قیامت کی ہولنا کیوں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ صرف ایک رب کی عبادت کی جائے اور صرف اسی سے دعا کی جائے۔

قیامت کا انکار کرنے والوں کی اکثریت ہمیشہ ایسی رہی ہے جو اپنے رب کی عبادت کرنے اور صرف اسی سے مانگنے کی بجائے بتوں، دیوتاؤں، جنّات اور فوت شدہ بزرگوں سے بالواسطہ یا بلاواسطہ مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی اور ہستی سے مانگنا اپنے رب کے ساتھ تکبّر کرنا ہے کیونکہ اس کا حکم ہے کہ لوگو! صرف مجھ ہی سے مانگا کرو۔ میں ہی تمہاری دعاؤں کو قبول کرتا ہوں جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اس کے حکم کے مطابق نہیں مانگتے وہ متکبر ہیں۔ اس کا فرمان ہے کہ عنقریب میں متکبرین کو جہنم میں ذلیل کروں گا۔ اس آیت کریمہ میں ہمارے رب کا حکم ہے کہ لوگو! دعا مجھ ہی سے کیا کرو پھر اس دعا کو عبادت قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ’’اُدْعُوْا‘‘ کو تین معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔

دعا بمعنیٰ عبادت:

{وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝۶۰ ع}
(المومن: ۶۰)

’’تمہارے رب کا ارشاد ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت سے بے پرواہی کرتے ہیں ضرور وہ ذلیل وخوار ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے۔‘‘

دعا کا معنیٰ مدد طلب کرنا:

{وَادْعُوْا شُهَدَاۗءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۲۳} (البقرۃ: ۲۳)

’’اللہ کے بغیر اپنے مددگاروں سے مدد مانگو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔‘‘

دعا اور پکار:

{وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰۶} (یونس: ۱۰۶)

''اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکار جو تجھے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان اگر تو ایسا کرے گا تو ظالموں میں سے ہوگا۔''

دعا اور عقیدہ:

انسان جس سے مانگتا ہے اس کے بارے میں تین باتوں میں سے کوئی ایک بات اس کے سامنے ضرور ہوتی ہے۔ وہ مجھے دیکھتا ہے، میری فریاد سنتا ہے اور میری مدد کرتا ہے ظاہر ہے کہ یہ اوصاف اور قدرت رکھنے والا تو صرف ایک ''اللہ'' ہے لہٰذا جو شخص ان میں کسی ایک بات کے بارے میں عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ خوبی فلاں بزرگ، فرشتے، جن یا کسی اور میں بھی پائی جاتی ہے تو وہ صرف شرک ہی نہیں کرتا بلکہ کفر کا مرتکب بھی ہوتا ہے کیونکہ ان میں کوئی خوبی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں حقیقی طور پر نہیں پائی جاتی۔

((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) (رواہ أبو داؤد: کتاب الصلوۃ، باب الدعاء [صحیح]) ''دعا عبادت ہے۔''

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِيَسْأَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ كُلَّهَا حَتَّى يَسْأَلَ شِسْعَ نَعْلِهِ إِذَا انْقَطَعَ)) (رواہ الترمذی: ابواب الدعوات باب منہ [ضعیف])

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کو اپنی ہر حاجت اللہ سے مانگنی چاہیے، یہاں تک اگر جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ سے مانگے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ مجھ سے مانگو میں تمہاری دعا قبول کرتا ہوں۔

۲۔ جو لوگ صرف ایک رب سے نہیں مانگتے وہ تکبر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو جہنم میں داخل کریگا۔

تفسیر بالقرآن

دعا کے بارے میں ہدایات:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ مجھ سے مانگو۔ (المؤمن: ۶۰) ۲۔ اللہ تعالیٰ شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ (ق: ۱۶)

۳۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں اپنے بندوں کے قریب ہوں اور ان کی دعائیں قبول کرتا ہوں۔ (البقرۃ: ۱۸۶)

۴۔ اے لوگو! تم محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ غنی ہے۔ (فاطر: ۱۵)

۵۔ ہمارے رب ہم نے ایمان کی دعوت قبول کی تو ہماری خطاؤں کو معاف فرما۔ (آل عمران: ۱۹۳)

۶۔ اے رب ہمارے! ہمیں اور ہمارے مومن بھائیوں کو معاف فرما۔ (الحشر: ۱۰)

۷۔ جب طالوت اور جالوت کے لشکر بالمقابل ہوئے تو انھوں نے کہا اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر نازل فرما اور ہمیں ثابت قدم فرما اور کافروں کی قوم پر ہماری مدد فرما۔ (البقرۃ: ۲۵۰)

۸۔ وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب بے شک ہم ایمان لائے ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔ (آل عمران: ۱۶)

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ
اللہ وہ جس نے بنایا تمہارے لیے رات کو تاکہ تم آرام کرو اس میں

وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ
اور دن کو روشن بلاشبہ اللہ بڑے فضل والا ہے پر لوگوں

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ
اور لیکن اکثر لوگ نہیں وہ شکر کرتے یہ تمہارا اللہ تمہارا رب ہے

خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾
پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کو نہیں کوئی معبود مگر وہی پھر کہاں تم پھیرے جاتے ہو

كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ الَّذِیْنَ كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾
اسی طرح پھیرے جاتے رہے وہ لوگ جو تھے اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے

وقف لازم

’’وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو روشن کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔(۶۱) وہی اللہ تمہارا رب ہے اور ہر چیز کا خالق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ،پھر تم کدھر بہکائے جارہے ہو۔(۶۲) اسی طرح وہ سب لوگ بہکائے گئے جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔‘‘(۶۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس رب کی عبادت کرنے اور اس سے مانگنے کا حکم دیا گیا ہے اس کی صفات یہ ہیں جو کسی اور میں نہیں پائی جاتیں۔ لہٰذا صرف اسی کی عبادت کرو اور اسی کے سامنے اپنا دامنِ حاجت پھیلاؤ۔ جس طرح تمہاری نیند کے بعد تمہیں اُٹھاتا ہے اسی طرح تمہاری موت کے بعد تمہیں اٹھائے گا اور تم سے حساب لے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی جن قدرتوں کا کئی بار تذکرہ کیا ہے ان میں سے لیل ونہار بھی ہیں انہیں اپنی قدرت کی عظیم دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ رات کو لباس اور باعثِ سکون بنایا ہے۔ رات کے مقابلے میں دن ہے جس کے لیے یہاں ’’مُبْصِرًا‘‘ کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی دن کو دیکھنے والا بنایا گیا ہے۔ لیل ونہار کو بنانے والا ’’اللہ‘‘ اپنے بندوں پر بڑا ہی فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔ یہاں شکر سے پہلی مراد یہ ہے کہ آدمی صرف ایک رب کی عبادت کرے اور اسی کے سامنے اپنا دامنِ حاجت پھیلائے جو لوگ ایسا نہیں کرتے وہ اپنے رب کے ناشکرے اور متکبر ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کا رب ہے اور اسی نے ہر چیز پیدا فرمائی ہے اس کے سوا نہ کسی نے کوئی چیز پیدا کی اور نہ کسی کی عبادت کرنا جائز ہے، نہ ہی اس کے سوا کوئی ایسی ذات ہے جو اپنی مخلوق کی ضرورتیں پوری کرے اور لوگوں کی مشکلات کو رفع فرمائے۔

ایسی قدرتوں اور فضل کرنے والے رب کو چھوڑ کر کہاں ٹکریں کھاتے پھرتے ہو۔جس طرح مشرک در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی مارے مارے پھرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں یعنی کافر ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنی قدرت اور تخلیق کی سب سے پہلی دلیل یہ دی ہے کہ اس نے رات کو سکون کا باعث قرار دیا ہے جو انسان کے لیے ہی باعثِ سکون نہیں کہ اس سے تھکے ماندے انسان کی تھکاوٹ دور ہوتی ہے اور صبح کے وقت تازہ دم ہو کر اپنے کام کے لیے نکل کھڑا ہوتا ہے، رات ہر جاندار کے لیے باعثِ سکون بنائی گئی ہے اور وہ بھی صبح کے وقت تازہ دم ہو جاتا ہے۔دن کو اس لیے روشن بنایا گیا ہے تاکہ لوگوں کو اپنا کام کاج کرنے اور اِدھر سے اُدھر جانے میں پریشانی نہ ہو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہر قسم کا فضل فرماتا ہے،صرف رات اور دن پر غور فرمائیں کہ اگر رات کو بھی روشن کر دیا جائے تو لوگوں کی نیند حرام ہو جائے گی اور دن کے کسی حصہ کو تاریک کر دیا جائے تو لوگوں کے کام کاج ٹھپ ہو جائیں،رات اور دن کا حوالہ دے کر یہ بھی اشارہ دیا ہے کہ جس طرح رات کے بعد دن ہے اسی طرح مرنے کے بعد زندگی اور اس دنیا کے بعد آخرت ہے مگر پھر بھی لوگ خالص ''اللہ'' کی عبادت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔یہ سب سے بڑا تکبر اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہی رات کو باعث سکون اور دن کو روشن بنایا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا اور اس کی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔

۳۔ ہر دور کے مشرک اور کافر اللہ تعالیٰ کی آیات کے بارے میں جھگڑتے رہے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق اور حاجت روا،مشکل کشا نہیں۔

۵۔ مگر اس کے باوجود لوگ اِدھر اُدھر بھٹکے پھر رہے ہیں۔

۶۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت فضل کرنے والا ہے لیکن لوگوں کی اکثریت اس کا شکر ادا نہیں کرتی۔

تفسیر بالقرآن

''اللہ'' ہی پیدا کرنے والا ہے۔''

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور زمین و آسمانوں کو پیدا فرمایا۔(البقرۃ:۲۲)

۲۔ اللہ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔(الروم:۲۰) ۳۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک نطفے سے پیدا کیا۔(الدھر:۲)

۴۔ اللہ ہی نے انسان کو بڑی اچھی شکل و صورت میں پیدا فرمایا۔(التین:۴)

۵۔ اللہ نے ایک ہی جان سے سب انسانوں کو پیدا کیا۔(الاعراف:۱۸۹)

۶۔ اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے اور اس کا ہی حکم چلنا چاہیے۔(الاعراف:۵۴)

۷۔ لوگو اس رب سے ڈر جاؤ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔(النساء:۱)(الانعام:۱۰۲)

اَللّٰهُ	الَّذِیْ	جَعَلَ	لَكُمُ	الْاَرْضَ	قَرَارًا
اللہ	وہ جس	نے بنایا	تمہارے لیے	زمین کو	قرارگاہ
وَّالسَّمَآءَ	بِنَآءً	وَّصَوَّرَكُمْ	فَاَحْسَنَ	صُوَرَكُمْ	
اور آسمان کو	چھت	اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں	پس اچھی بنائیں اس نے	تمہاری صورتیں	
وَرَزَقَكُمْ	مِّنَ	الطَّیِّبٰتِ	ذٰلِكُمُ	اللّٰهُ	رَبُّكُمْ
اور اس نے تمہیں رزق دیا	سے	پاکیزہ چیزوں	یہ ہے تمہارا	اللہ	تمہارا رب
فَتَبٰرَكَ	اللّٰهُ	رَبُّ	الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۴﴾		
سو بہت بابرکت ہے	اللہ	رب	تمام جہانوں کا		

''اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو جائے قرار بنایا اور آسمان کو چھت ٹھہرایا، اسی نے تمہاری صورتیں بنائیں اور بڑی ہی اچھی بنائیں اسی نے تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا، یہ ''اللہ'' ہی تمہارا رب ہے اور بے حساب برکتوں والا ہے۔'' (۶۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس ''اللہ'' نے اپنی ذات سے مانگنے کا حکم دیا ہے اور جس نے رات کو پُرسکون بنایا اور دن کو روشن کیا ہے اس کی یہ بھی صفت اور قدرت ہے کہ اس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور وہی لوگوں کی بہترین شکل وصورت بناتا ہے اور انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے بارے میں مشرک اور کافر جھگڑتے ہیں حالانکہ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے لوگوں کے لیے زمین کو جائے قرار بنایا اور آسمان کو چھت ٹھہرایا ہے اور پھر وہی ہے جو لوگوں کی بہتر سے بہتر شکل وصورت بناتا ہے اور اسی نے انسانوں کے لیے پاکیزہ رزق کا بندوبست کیا ہے۔ اس کے سوا کوئی زندہ یا فوت شدہ اور کوئی بھی ہستی نہیں جس نے ان میں سے کوئی ایک کام کیا ہو یا ان کاموں میں کسی کا عمل دخل ہو صرف ایک ''اللہ'' ہی سب کچھ پیدا کرنے والا ہے اور سارے کا سارا نظام چلانے والا ہے۔ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی تین قدرتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ① اس نے صرف زمین بنائی ہی نہیں بلکہ لوگوں اور ہر جاندار کے رہنے کے لیے اسے جائے قرار بھی بنایا ہے۔ زمین پہلے حرکت کرتی تھی اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑوں کی میخیں لگا دیں جس سے زمین میں ٹھہراؤ اور قرار پیدا ہوا۔ ② اللہ تعالیٰ نے زمین کے ساتھ انسان کا اُنس یعنی قرار پیدا کر دیا ہے جس وجہ سے ہر انسان اور جاندار اپنے علاقہ، بستی اور گھر کے ساتھ پیار کرتا ہے بیشک پردیس میں اسے ہر چیز میسر ہو مگر پھر بھی اس کا دل اپنے وطن اور گھر کی طرف ہی مائل رہتا ہے۔ ③ زمین اس لحاظ سے بھی جائے قرار ہے کہ انسان کی زندگی بھر کی جسمانی ضروریات کا تعلق زمین کے ساتھ وابستہ ہے۔

④۔انسان کا وجود زمین سے بنایا گیا ہے اور موت کے بعد اس نے مٹی میں جانا ہے لہٰذا اوّل و آخر انسان کا ٹھکانہ یہی زمین ہے بہر حال یہ زمین انسان کے لیے کئی اعتبار سے جائے قرار ہے۔

''اللہ'' ہی لوگوں کی شکل وصورت بنانے والا ہے:

اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی تخلیق کے مختلف مراحل کا بار ہا دفعہ ذکر فرمایا ہے۔ یہاں انسان کی تخلیق کے آخری مرحلہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ''اللہ'' ہی وہ ذاتِ بابرکات ہے کہ جس نے تمہیں بہتر سے بہترین شکل میں پیدا فرمایا اس بات کو دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا ہے۔''

{ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ } (آل عمران:۵،۶)

''بے شک اللہ تعالیٰ سے زمین و آسمان کی کوئی چیز چھپی نہیں ہے۔ وہی ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے اس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں وہ نہایت غالب اور خوب حکمت والا ہے۔''

{ وَ التِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ ۝ وَ طُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ } (التین:۱تا۴)

''قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طورِ سیناء کی اور اس امن والے شہر کی ہم نے انسان کو یقیناً بہترین صورت میں پیدا کیا ہے۔''

«عَنْ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبَضَهَا مِنْ جَمِيْعِ الْأَرْضِ فَجَاءَ بَنُوْ آدَمَ عَلٰى قَدْرِ الْأَرْضِ جَاءَ مِنْهُمُ الْأَحْمَرُ وَالْأَبْيَضُ وَالْأَسْوَدُ وَبَيْنَ ذٰلِكَ وَالسَّهْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ»

(رواہ ابو داود: کتاب السنہ، باب فی القدر [صحیح])

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا جو ساری زمین سے لی گئی آدم کی اولاد زمین کے مطابق ہوئی ان میں سرخ، سفید سیاہ اور درمیانی رنگت کے لوگ ہیں ان میں سخت بھی ہیں اور نرم طبیعت بھی، نیک بھی ہیں اور بد بھی۔''

''اللہ'' ہی لوگوں کو رزق دینے والا ہے:

اللہ تعالیٰ نے انسان کے صرف رزق کا بندوبست نہیں کیا بلکہ رزقِ طیب سے نوازا ہے۔ طیب کا معنٰی ایسا رزق جو پاک بھی ہو اور طبعِ انسانی کے موافق بھی۔ انسان جب شکم مادر میں تھا تو اس کے لوتھڑے کو خون کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے ماں کے خون سے اس لوتھڑے کی پرورش کی، جب لوتھڑے نے انسانی وجود کی شکل اختیار کی تو ماں کی خوراک سے اس کی خوراک

کا بندوبست فرمایا، جب پیدا ہوا تو کھانے پینے کے قابل نہ تھا تو اس کے لیے ماں کی چھاتی سے دودھ جاری کیا اس طرح عمر کے لحاظ سے اس کے رزق کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ انسان کے لیے جو چیز پیدا کی وہ اپنی اصلیت کے اعتبار سے پاکیزہ اور طیّب پیدا فرمائی۔ پھلوں کو لیجیے! اللہ تعالیٰ نے انہیں کس طرح چھلکوں میں سنبھال کر رکھا ہے گندم، چاول اور دیگر اشیاء کو دیکھیں بے شک وہ گندے پانی میں ہی تیار کیوں نہ ہوئے ہوں۔ ان کے ذائقہ میں کسی قسم کی غلاظت کا ایک ذرہ بھی شامل نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس میں بو تک نہیں پائی جاتی گائے، بھیڑ، بکری اور دیگر دودھ دینے والے چوپاؤں کو دیکھیں کہ بیشک وہ گلا سڑا چارہ کھائیں لیکن ان کے دودھ اور گوشت میں کڑواہٹ یا گندگی کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا۔ اس کے ساتھ ہی اس بات پر غور کریں کہ دنیا میں کروڑوں انسان ہوئے اور ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی روزی کا اس قدر انتظام کیا ہے کہ ہر آنے والے وقت میں ان کی روزی میں اضافہ ہی کیا جا رہا ہے گندم اور چاول وغیرہ آج سے پہلے جس زمین میں تھوڑی مقدار میں پیدا ہوتے تھے آج وہی زمین دگنی مقدار دے رہی ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑی بابرکت ذات ہے جو جہانوں کو پیدا کرنے اور پالنے والا ہے۔

مسائل

۱۔ ''اللہ'' ہی نے زمین کو باعثِ قرار اور آسمان کو چھت بنایا۔

۲۔ ''اللہ'' ہی لوگوں کی شکل وصورت بنانے والا ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا پیدا کرنیوالا اور سب کی ضرورتیں پوری کرنیوالا ہے۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ بابرکت ذات ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ بابرکت ہستی ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ بابرکت ذات ہے جس نے اپنے بندے پر حق وباطل میں فرق کرنے والی کتاب نازل کی تاکہ آپ لوگوں کو ڈرائیں۔ (الفرقان:۱)

۲۔ بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں زمین وآسمان کی بادشاہت ہے۔ (الملک:۱)

۳۔ بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں برج بنائے ہیں۔ (الفرقان:۶۱)

۴۔ ہر چیز تباہ ہوجائے گی صرف اللہ کی بابرکت ذات ہے جسے دوام حاصل ہے۔ (الرحمٰن:۲۷)

۵۔ اللہ تعالیٰ کی ذات زمین وآسمان کا نور ہے۔ (النور:۳۵)

۶۔ بابرکت ہے وہ ذات جو سب سے احسن پیدا کرنے والی ہے۔ (النور:۱۴)

۷۔ بابرکت ہے وہ ذات جو تمام جہانوں کو پالنے والی ہے۔ (المومن:۶۴)

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ

وہ | ہمیشہ زندہ ہے | نہیں | کوئی معبود | مگر | وہی | پس تم اس کو پکارو

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾

خالص کرتے ہوئے | اس کے لیے | دین کو | سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں | جو رب ہے | تمام جہانوں کا

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

آپ فرمادیں | بے شک میں | روک دیا گیا ہوں | کہ | میں عبادت کروں | ان لوگوں کی جنہیں | تم پکارتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ

سے | سوا | اللہ کے | جب کہ | آگئیں میرے پاس | واضح دلیلیں | سے

رَّبِّيْ ۫ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٦﴾

میرے رب | اور میں حکم دیا گیا ہوں | یہ کہ | میں فرمانبردار رہوں | رب کے لیے | تمام جہانوں کے

’’اللہ‘‘ ہی ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اُسی کو پکارو اپنے دین کو اُسی کے لیے خالص کرو، تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔ (٦٥) اے نبی ان لوگوں سے فرمادیں کہ جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو مجھے اُن کی عبادت سے منع کر دیا گیا ہے میرے پاس میرے رب کی طرف سے واضح دلائل آچکے ہیں، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کے آگے سر تسلیم خم کروں۔‘‘ (٦٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس ’’اللہ‘‘ سے مانگنے اور صرف اس کی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے اس کی صفت ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

جس ’’اللہ‘‘ نے زمین کو باعثِ قرار، آسمان کو چھت بنایا اور لوگوں کی بہترین شکلیں بنائیں اور ان کے لیے پاکیزہ رزق کا بندوبست فرمایا وہ بابرکت ذات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ ’’اَلْحَیُّ‘‘ کا معنٰی ہے ہمیشہ ہمیش زندہ رہنے والا اور جب تک چاہے مخلوق کو زندہ رکھنے والا۔ اس کے سوا نہ کوئی ہمیشہ سے زندہ ہے اور نہ رہے گا اور نہ اس کے سوا زمین و آسمان، اور انسان کی شکل وصورت بنانے والا ہے اور نہ ہی اس کے سوا کوئی رزق دینے والا ہے وہ اپنی صفات اور ذات میں اکیلا ہے لہٰذا اس کی اسی طرح عبادت کرنی چاہیے جس طرح اس نے حکم دیا ہے اس لیے تمام تعریفات اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔ اے نبی ﷺ! آپ فرمادیں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کی ہرگز عبادت نہ کروں جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو اس لیے کہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے میرے پاس ٹھوس دلائل آچکے

ہیں کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنا اسی بنا پر مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں کائنات کے رب کی بندگی کرتا رہوں۔ اس مقام پر توحید کا بیان آیت ۶۰ سے شروع ہوا جس میں دعا کو عبادت قرار دیا گیا ہے لہٰذا یہاں "اَعْبُدُ" اور "تَدْعُوْنَ" کے الفاظ کا پہلا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے بالواسطہ یا بلا واسطہ مانگنا جائز نہیں کیونکہ صرف ایک اللہ ہی پوری کائنات کا رب ہے۔ اس کے سوا کسی سے مانگنے اور اس کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

{ وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾ } (یونس:۱۰۶،۱۰۷)

"اور اللہ کو چھوڑ کر اس چیز کو مت پکاریں جو نہ آپ کو نفع دے سکتی ہے اور نہ آپ کو نقصان پہنچا سکتی ہے اگر تو نے ایسا کیا تو بلاشبہ اس وقت ظالموں میں سے ہوگا اگر اللہ تجھے کوئی نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کو رد کرنے والا کوئی نہیں وہ اسے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے مستفید کرتا ہے اور وہی بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔"

مسائل

۱۔ "اللہ" ہمیشہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ۲۔ "اللہ" کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق صرف اسی کی ہی عبادت کرنی چاہیے۔

۴۔ اللہ ہی پوری کائنات کا خالق اور مالک ہے لہٰذا اسی کی تابعداری کرنی چاہیے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اور آپ کے ذریعے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے

تفسیر بالقرآن

"اللہ" کے علاوہ کسی کو نہیں پکارنا چاہیے:

۱۔ میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ (یونس: ۱۰۴)

۲۔ مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی اللہ کے سوا تم عبادت کرتے ہو۔ (الانعام: ۵۶)

۳۔ کیا میں اللہ کے سوا ان کو پکاروں جو نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ (الانعام: ۷۱)

۴۔ جن کو لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں انہوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی وہ تو خود پیدا کیے گئے ہیں۔ (النحل: ۲۰)

۵۔ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمھارے جیسے بندے ہیں۔ (الاعراف: ۱۹۴)

۶۔ اللہ کے سوا کسی کو مت پکاریں جو نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ (یونس: ۱۰۶)

هُوَ	الَّذِیۡ	خَلَقَكُمۡ	مِّنۡ	تُرَابٍ	ثُمَّ	مِنۡ
وہی	جس نے	پیدا کیا تمہیں	سے	مٹی	پھر	سے
نُّطۡفَةٍ	ثُمَّ	مِنۡ	عَلَقَةٍ	ثُمَّ	يُخۡرِجُكُمۡ	طِفۡلًا
نطفے	پھر	سے	جمے ہوئے خون	پھر	وہ تم کونکالتا ہے	بچہ
ثُمَّ	لِتَبۡلُغُوۡۤا	اَشُدَّكُمۡ	ثُمَّ	لِتَكُوۡنُوۡا	شُيُوۡخًا ۚ	
پھر	تا کہ تم پہنچو	اپنی جوانی کو	پھر	تا کہ تم ہو جاؤ	بوڑھے	

''وہی تو ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر وہ تمہیں بچے کی شکل میں پیدا کرتا اور تمہیں جوان کرتا ہے تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ، پھر بڑھاپے کو پہنچو۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی الوہیت کے واضح دلائل دے کر حکم دیا ہے کہ صرف میری ہی فرمانبرداری کی جائے۔اس لیے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اسی نے ہی انسان کو مختلف مراحل کے بعد پیدا کیا ہے۔

جس رب کی تابعداری کا حکم ہوا ہے اسی نے انسانوں کو پیدا کیا ہے لفظ رب کا پہلا معنٰی خالق ہے۔اس بنا پر ارشاد ہوا کہ اسی نے تمہیں پہلے مٹی سے پیدا کیا یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور آدم علیہ السلام سے اس کی بیوی کو پیدا کیا پھر ان سے انسان کی آفرائش کا سلسلہ شروع فرمایا۔(النساء:۱) اور تمام انسانوں کی تخلیق کا آغاز نطفہ سے کیا جس سے لوتھڑا بنایا پھر بچہ بنا کر تمہیں تمہاری ماؤں کے بطن سے پیدا کیا اور تمہیں بھرپور جوانی تک پہنچایا پھر تمہیں بوڑھا کرتا ہے اور اس کے بعد تم اپنی موت کے وقت کو پہنچ جاتے ہو یہ تخلیقی مراحل اس لیے بتائے اور سمجھائے جارہے ہیں تا کہ تم سمجھنے کی کوشش کرو کہ وہی ایک ذات ہے جو تمہیں زندگی عطا کرتی ہے اور وہی موت سے ہمکنار کرتی ہے۔اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اسے صرف ہو جانے کا حکم دیتا ہے تو وہ کام اس کی منشا اور نقشے کے مطابق ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے خالق ہونے کے ثبوت میں انسان کی تخلیق کا کئی بار تذکرہ کیا ہے اور بار بار انسان کو توجہ دلائی ہے تا کہ انسان اپنے بارے میں غور کرے کہ اسے کیسے اور کس نے اور کس لیے پیدا کیا ہے ظاہر بات ہے کہ اسے صرف ایک ''اللہ'' ہی نے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا اسی سے مانگنا اور اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے رِحم میں ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے وہ پوچھتا ہے اے میرے رب! یہ نطفہ ہے اے میرے رب! یہ گوشت کا لوتھڑا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی کی تخلیق کا فیصلہ فرماتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتہ کہتا ہے اے میرے رب مذکر یا مؤنث بدبخت یا خوش بخت اِس کا

وَ مِنْكُمْ	مَّنْ	يُّتَوَفّٰى	مِنْ قَبْلُ	وَ لِتَبْلُغُوْٓا	اَجَلًا مُّسَمًّى
اورتم میں سے کچھ	جو	فوت کردیے جاتے	اس سے پہلے	اور تا کہ تم پہنچو	ایک معین مدت کو

وَّ لَعَلَّكُمْ	تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾	هُوَ	الَّذِيْ	يُحْيٖ	وَ يُمِيْتُ ۚ	فَاِذَا
اور تا کہ تم	سمجھو	وہی	جو	زندہ کرتا ہے	اور مارتا ہے	پھر جب

قَضٰٓى	اَمْرًا	فَاِنَّمَا	يَقُوْلُ	لَهٗ	كُنْ	فَيَكُوْنُ ﴿۶۸﴾ ع
وہ فیصلہ کرلیتا ہے	کسی کام کا	توصرف	وہ کہتا ہے	اس کے لیے	تو ہو جا	تو وہ ہو جاتا ہے

ع ۸ / ۱۲

تم میں سے کسی کو پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا ہے تا کہ تم اپنی موت کو پہنچو اور اس لیے کہ تم حقیقت کو سمجھو۔(۶۷) وہی ہے زندگی دینے والا، اور وہی موت دینے والا ہے، وہ جس بات کا فیصلہ کرتا ہے بس ایک حکم دیتا ہے کہ وہ ہو جائے اور وہ کام ہو جاتا ہے۔" (۶۸)

رزق کتنا ہے اس کی عمر کتنی ہے اس طرح سب کچھ انسان کی ماں کے پیٹ میں لکھ دیا جاتا ہے۔" (رواہ مسلم: باب كَيْفِيَّةِ الْخَلْقِ الْخَلْقِ الْاٰدَمِيِّ فِي بَطْنِ أُمِّهِ وَكِتَابَةِ رِزْقِهِ وَأَجَلِهِ وَعَمَلِهِ وَشَقَاوَتِهِ وَسَعَادَتِهِ)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ انسان کو مختلف مراحل سے گزار کر ایک بچے کی شکل میں ماں کے پیٹ سے پیدا کرتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہی آدمی کو جوان اور بوڑھا کرتا ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ ہی موت دیتا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کی موت کا وقت مقرر کر رکھا ہے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ ہی موت وحیات کا مالک ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ جو کام کرنا چاہے تو اس کے لیے صرف لفظ کُنْ کہتا ہے تو وہ کام اس کی مرضی کے مطابق ہو جاتا ہے۔

۸۔ انسان کو اپنی تخلیق اور اللہ کی توحید کے دلائل سمجھنے کے لیے عقل سے کام لینا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل:

۱۔ "اللہ" نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ (آل عمران: ۵۹) ۲۔ حوّا کو آدم سے پیدا کیا۔ (النساء: ۱)

۳۔ ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ (المومنون: ۱۲) ۴۔ "اللہ" نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا۔ (النحل: ۴)

۵۔ ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔ (الدھر: ۲) ۶۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا فرمایا۔ (التین: ۴)

اَلَمْ	تَرَ	اِلَى	الَّذِيْنَ	يُجَادِلُوْنَ	فِيْٓ	اٰيٰتِ
کیانہیں	آپ نے دیکھا	طرف	ان لوگوں کی	جو جھگڑتے ہیں	میں	آیات
اللّٰهِ ؕ	اَنّٰى	يُصْرَفُوْنَ ۚۛ ﴿۶۹﴾	الَّذِيْنَ	كَذَّبُوْا	بِالْكِتٰبِ	وَبِمَآ
اللہ کی	کہاں	وہ پھیرے جارہے ہیں	جولوگ	جھٹلایا انہوں نے	اس کتاب کو	اور اس کو کہ
اَرْسَلْنَا	بِهٖ	رُسُلَنَا ۛ قف	فَسَوْفَ	يَعْلَمُوْنَ ۙ ﴿۷۰﴾	اِذِ	الْاَغْلٰلُ
ہم نے بھیجا	اس کے ساتھ	اپنے رسولوں کو	پس عنقریب	وہ جان لیں گے	جب	طوق ہوں گے
فِيْٓ	اَعْنَاقِهِمْ	وَالسَّلٰسِلُ ؕ	يُسْحَبُوْنَ ۙ ﴿۷۱﴾	فِي	الْحَمِيْمِ ۙ	ثُمَّ
میں	ان کی گردنوں	اور زنجیریں	وہ گھسیٹے جائیں گے	میں	کھولتے پانی	پھر
فِي	النَّارِ	يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ ج				
میں	آگ	وہ جلائے جائیں گے				

”کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں کہ کہاں سے وہ بھٹکائے جارہے ہیں۔(۶۹) جولوگ اس کتاب کو اور اُن کتابوں کو جھٹلاتے ہیں جو ہم نے اپنے رسولوں پر بھیجی تھیں، عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔(۷۰) جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں انکے پاؤں میں ہونگی جن میں جکڑے ہوئے کھولتے پانی میں گھسیٹے جائیں گے۔(۷۱) اور پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔“(۷۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جولوگ واضح دلائل آجانے کے باوجود اللہ کی آیات کے بارے میں جھگڑتے ہیں ان کا انجام۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں توحید و رسالت اور قیامت کے بارے میں اتنے واضح اور ٹھوس دلائل دیئے ہیں کہ معمولی سے معمولی عقل رکھنے والا انسان بھی انہیں قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا بشرطیکہ وہ جھگڑالو نہ ہو۔ جھگڑالو آدمی اپنی اَنا اور تعصب کی بنیاد پر حقیقت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا بالخصوص مشرک توحید کی بات سمجھنا اور ماننا تو دور کی بات اسے سننا بھی گوارہ نہیں کرتا اس قسم کے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ جو ”اللہ“ کی آیات کے بارے میں جھگڑتے ہیں کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ یہ لوگ کس بنیاد پر بھٹک رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے بھٹک جانے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی شخص دین کے کسی مسئلہ کو مخصوص نقطہ نظر سے اختیار کرلے تو اس کے پاس بھی جھگڑا کے سوا کچھ نہیں ہوتا جن لوگوں نے کتاب اللہ اور اس چیز کو جھٹلایا جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا۔ کتاب اللہ کے ساتھ جو چیز انبیائے کرام علیہم السلام کو

دی جاتی تھی وہ کتاب اللہ کی تشریح اور اس پر عمل کرنے کا عملی طریقہ تھا جس کے بغیر کوئی شخص کتاب اللہ سے صحیح استفادہ نہیں کرسکتا اس لیے قرآن مجید کے ساتھ مستند حدیث پر ایمان لانا اور اس کے مطابق عمل کرنا فرضِ عین ہے اس کے بغیر گمراہی ہے جو لوگ قرآن وحدیث کو ماننے اور ان پر عمل کرنے کی بجائے حیلے بہانے بناتے ہیں عنقریب انہیں اپنے انجام کا علم ہوجائے گا ان کی گردنوں میں طوق پہنائے جائیں گے اور انہیں زنجیروں سے جکڑ کر جہنّم میں پھینکا جائے گا۔ جب انہیں پیاس لگے گی تو جہنّم کا ابلتا ہوا پانی پلایا جائے گا اور وہ جہنم میں جلتے رہیں گے۔

«وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُؤْتٰى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لَهَا سَبْعُوْنَ اَلْفَ زِمَامٍ مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّوْنَهَا» (رواہ مسلم: باب فِی شِدَّةِ حَرِّ نَارِ جَهَنَّمَ وَبُعْدِ......)

”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن دوزخ کو لایا جائے گا اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے، جو اسے کھینچ کر لائیں گے۔“

مسائل

۱۔ کتاب اللہ اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے والے گمراہ ہوتے ہیں انہیں موت کے بعد اپنے انجام کا علم ہوجائے گا۔

۲۔ گمراہ شخص کے پاس اس کی گمراہی کی معقول وجہ نہیں ہوتی۔

۳۔ جہنّمیوں کے گلے میں جہنّم کے طوق اور انہیں بڑی بڑی زنجیروں سے جکڑا جائے گا۔

۴۔ جہنّمیوں کو جہنّم سے بے انتہا ابلتا ہوا پانی پلایا جائے گا اور اس میں غوطے دیے جائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

جہنّمیوں کو جہنّم میں مختلف سزائیں دی جائیں گی:

۱۔ آنتوں اور کھالوں کا بار بار گلنا۔ (النساء: ۵۶) ۲۔ دوزخیوں کی کھال کا بار بار بدلنا۔ (الحج: ۲۰)

۳۔ کانٹے دار جھاڑیوں کا کھانا دیا جانا۔ (الغاشیہ: ۶) ۴۔ کھانے کا گلے میں اٹک جانا۔ (المزمل: ۱۳)

۵۔ دوزخیوں کو کھولتا ہوا پانی دیا جانا۔ (الانعام: ۷۰) ۶۔ دوزخیوں کو پیپ پلایا جانا۔ (النبا: ۲۵)

۷۔ جہنمیوں کو آگ کا لباس پہنایا جانا۔ (الحج: ۱۹) ۸۔ لوہے کے ہتھوڑوں سے سزا دیا جانا۔ (الحج: ۲۱، ۲۲)

۹۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جب آگ ہلکی ہونے لگے گی تو ہم اسے مزید بھڑکا دیں گے۔ (بنی اسرائیل: ۹۷)

۱۰۔ اس میں وہ کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور اس طرح پئیں گے جس طرح پیاسا اونٹ پیتا ہے۔ (الواقعہ: ۵۴ تا ۵۵)

۱۱۔ جہنمی گرم ہوا کی لپیٹ میں اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے۔ (الواقعۃ: ۴۲)

ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾
پھر کہا جائے گا ان کے لیے کہاں ہیں جو تم تھے شریک ٹھہراتے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ
سے سوا اللہ کے انہوں نے کہا وہ گم ہو گئے ہم سے بلکہ

لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ
نہیں ہم تھے پکارتے اس سے پہلے کسی کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے

اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي
اللہ کفار کو یہ تمہارے بسبب اس کے تم تھے خوش ہوتے میں

الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾ ج اُدْخُلُوْٓا
زمین بغیر حق کے اور سبب اس کے جو تم تھے اتراتے تم داخل ہو جاؤ

اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ج فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾
دروازوں میں جہنم کے ہمیشہ رہنے والے اس میں پس بُرا ہے ٹھکانہ تکبر کرنے والوں کا

”پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ کہاں ہیں اللہ کے سوا۔(۷۳) جن کو تم شریک بناتے تھے وہ جواب دیں گے کہ وہ ہم سے کھوئے گئے بلکہ ہم تو اس سے پہلے کسی کو نہیں پکارتے تھے،”اللہ“ اس طرح کافروں کا گمراہ ہونا ثابت کر دے گا۔(۷۴) اُن سے کہا جائیگا یہ تمہارا انجام ہے کیونکہ تم زمین میں باطل پر خوش ہوتے اور اُس پر اترایا کرتے تھے۔(۷۵) اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، تم نے ہمیشہ وہیں رہنا ہے متکبرین کیلئے یہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔“(۷۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنمیوں سے کیے جانے والے سوالات میں سے ایک سوال۔

جہنمیوں کو جہنّم میں داخل کرنے سے پہلے میدانِ محشر میں دوسری مرتبہ عین جہنّم کے دروازوں کے سامنے کھڑا کر کے اور تیسری دفعہ جہنّم میں جھونک دینے کے بعد دیگر سوالات کے ساتھ ہر مرحلہ پر ان سے پہلا یہ سوال ہوگا کہ دنیا میں جن کو تم اللہ کے سوا مشکل کشا سمجھ کر پکارتے تھے آج وہ کہاں ہیں اور وہ تمہاری کیوں مدد نہیں کرتے؟ جہنمی کہیں گے۔ مولا ہمیں تو کچھ یاد نہیں کہ وہ کون تھے خوف کے مارے یہ بھی کہیں گے کہ ہم نے تو کبھی کسی کو پکارا ہی نہیں تھا۔ ربِ ذوالجلال کے رُعب اور جہنم کے عذاب کی وجہ سے وہ سب کچھ بھول جائیں گے۔ دنیا میں کفار اللہ تعالیٰ کو بھول گئے تھے اور آخرت میں کچھ دیر کے لیے

اپنے خداؤں کو بھی بھول جائیں گے۔ کچھ مدت کے بعد انہیں ان کے مشکل کشا یاد کروائے جائیں گے تاکہ یہ ایک دوسرے کو ذلیل کریں۔ جب آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے تو انہیں کہا جائے گا یہ ذلّت اور عذاب تمہیں اس لیے دیا جارہا ہے کہ تم باطل نظریات پر خوش ہوتے اور حق بات کا انکار کیا کرتے تھے اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ تم نے اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔ جو متکبّرین کے لیے بدترین جگہ ہے۔

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ»

(رواہ مسلم: کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانہ)

”حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“

مسائل

۱۔ میدانِ محشر میں جہنّمیوں کو پہلا سوال یہ ہو گا کہ تمہارے مشکل کشا کہاں ہیں؟

۲۔ ایک مرحلہ میں جہنّمی سب کو بھول جائیں گے اور پھر بالکل ہی انکار کر دیں گے۔

۳۔ جہنمیوں کا ایک گناہ یہ بھی ہو گا کہ وہ اپنے گناہوں پر اترایا کرتے تھے۔

۴۔ جہنّم متکبرین کے لیے بدترین جگہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

جہنمیوں سے کیے جانے والے سوالات:

۱۔ مجرموں سے سوال کیا جائیگا کہ تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ وہ اپنے گناہوں کی ایک دوسرے پر ذمہ داری ڈالیں گے۔ (الصّٰفّٰت: ۲۲۔۳۱)

۲۔ انکو ٹھہراؤ ان سے کچھ پوچھنا ہے تمہیں کیا ہو گیا کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟۔ (الصّافات: ۲۴ تا ۲۵)

۳۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا آج کس کی بادشاہی ہے؟ (المومن: ۱۶)

۴۔ اپنے معبودوں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو۔ (البقرۃ: ۲۳)

۵۔ اللہ کے علاوہ جن معبودوں کا تمھیں زعم ہے انھیں بلاؤ آج وہ بھی تمہاری مصیبت دور نہیں کر سکتے۔ (بنی اسرائیل: ۵۶)

۶۔ انہیں بلاؤ آج وہ تمھیں جواب نہیں دیں گے۔ (الاعراف: ۱۹۴)

۷۔ اس دن ان سے کہا جائے گا بلاؤ اپنے معبود ان کو، وہ بلائیں گے تو انھیں جواب نہیں ملے گا۔ (القصص: ۶۴)

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ

پس آپ صبر کیجیے بے شک وعدہ اللہ کا سچا ہے پھر اگر ہم آپ کو دکھائیں

بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا

بعض وہ جو ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا ہم آپ کو فوت کر دیں تو ہماری طرف

يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ

وہ لوٹائے جائیں گے اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجے کئی رسول آپ سے پہلے ان میں سے

مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ

وہ جو ہم نے بیان کیا آپ پر اور ان میں سے وہ جو نہیں ہم نے بیان کیا آپ پر

”پس اے نبی صبر کرو بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، ہم چاہیں گے تو آپ کے سامنے ان کو ان بُرے نتائج کا کوئی حصہ دکھا دیں گے۔ جن سے ہم انہیں ڈرا رہے ہیں یا اس سے پہلے آپ کو دنیا سے اُٹھا لیں، انہیں بھی ہماری طرف پلٹ کر آنا ہے۔(۷۷) اے نبی تجھ سے پہلے ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں۔ جن میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ کو بتائے ہیں اور بعض کے نہیں بتائے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: ٹھوس دلائل اور ان کے بارے میں پُر خلوص کوشش کے ساتھ سمجھانے کے باوجود جو لوگ نصیحت حاصل کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے اے نبی ﷺ آپ کو صبر سے کام لینا اور اپنے رب کے حکم کا انتظار کرنا چاہیے۔

نبی کریم ﷺ اپنا کام اور آرام چھوڑ کر دن، رات اس کوشش میں لگے رہتے کہ لوگ ہدایت پا جائیں لیکن آپ کے مخاطب ہدایت پانے کی بجائے آپ ﷺ کا مذاق اڑاتے آپ اور آپ کے ساتھیوں پر ہر قسم کی زیادتیاں کرتے تھے جس پر آپ کو رنج پہنچتا اور آپ سوچتے کہ یہ کیسے ناہنجار لوگ ہیں کہ میں کسی مفاد کے بغیر ان کے لیے رات، دن ایک کیے ہوئے ہوں لیکن یہ ”اللہ“ کا قرآن سمجھنے کی بجائے اس سے مزید دور ہو رہے ہیں اس پر آپ کو حکم ہوا کہ آپ صبر و حوصلہ کے ساتھ اپنا کام جاری رکھیں اگر یہ لوگ اپنی روش سے باز نہ آئے تو ہم آپ کی زندگی میں وہ کچھ دکھائیں گے جس کا ان سے وعدہ کرتے ہیں یا پھر آپ کی وفات کے بعد انہیں دکھایا جائے گا بالآخر انہوں نے ہمارے پاس ہی آنا ہے وہاں اپنے کیے کا پورا انجام پالیں گے بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے جن میں بعض کے واقعات ہم نے آپ کے سامنے بیان کر دیئے ہیں اور بعض کے حالات ہم نے بیان نہیں کیے یاد رکھیں کہ کسی رسول کو یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ کوئی معجزہ اپنی مرضی سے پیش کر سکے ہاں جس وقت ”اللہ“ کا حکم یعنی اس کا عذاب آئے گا تو ان کا قضیہ پورے عدل و انصاف کے ساتھ چکا دیا جائے گا۔ یقیناً باطل اختیار کرنے والے دنیا اور آخرت میں ہر صورت نقصان پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے ساتھ اپنا وعدہ آپ

وَمَا	كَانَ	لِرَسُوْلٍ	اَنْ	يَّاْتِيَ	بِاٰيَةٍ	اِلَّا
اور نہیں	ہے	کسی رسول کے لیے	کہ	وہ لے آئے	کوئی نشانی	مگر
بِاِذْنِ	اللّٰهِ ۚ	فَاِذَا	جَآءَ	اَمْرُ	اللّٰهِ	قُضِيَ
حکم سے	اللہ کے	پھر جب	آ گیا	حکم	اللہ کا	فیصلہ کر دیا گیا
بِالْحَقِّ	وَخَسِرَ	هُنَالِكَ	الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾ ع			
حق کے ساتھ	اور خسارہ پایا	وہاں	اہلِ باطل نے			

کسی رسول کے پاس یہ طاقت نہ تھی کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی نشانی لے آئے۔ جب اللہ کا حکم آیا تو حق کے مطابق فیصلہ کر دیا گیا اور اُس وقت باطل پرست خسارے میں پڑ گئے۔‘‘(۷۸)

کی زندگی میں اس طرح پورا فرمایا کہ آپ کے بڑے بڑے دشمن بدر کے میدان میں قتل ہوئے اور باقی مسلمان ہو گئے یہودی اور عیسائی کچھ آپ کی حیات مبارکہ میں اور باقی خلفائے راشدین کے دور میں سرنگوں ہو گئے اس طرح اسلام سربلند ہوا اور کفر و شرک ذلیل ہوئے۔ یہاں تک پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات بیان کرنے کا مقصد ہے ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے لیے راہنمائی اور تسلی کا سامان ہے۔ نوح علیہ السلام کو دیکھیں ساڑھے نو سو سال دن، رات محنت کرتے رہے لیکن چند لوگ مسلمان ہوئے بالآخر ان کے مخالفین کو ڈبکیاں دے دے کر ختم کر دیا گیا۔ ابراہیم علیہ السلام کی جدوجہد پر غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کو کس طرح بچایا اور کامیاب فرمایا ان کے مخالف اپنی سازشوں اور شرارتوں میں کیسے ناکام اور ذلیل ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام کے واقعات پر توجہ فرمائیں کہ ان پر اور ان کے ساتھیوں پر کتنا اور کتنی مدت تک ظلم ہوتا رہا لیکن موسیٰ علیہ السلام ہمت نہیں ہارے اور ان کے ساتھیوں نے بھی صبر کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دیا نتیجتاً فرعون اور اس کے لشکر و سپاہ ذلت کی موت مرے۔ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی کامیاب ٹھہرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی طرف سے عطا کردہ عظیم معجزے بنی اسرائیل کے سامنے پیش کیے لیکن انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو نہ صرف جھٹلایا بلکہ اپنی طرف سے انہیں تختہ دار پر لٹکا دیا اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھا کر ان کی مدد فرمائی اور ان کے دشمنوں کو ہمیشہ کے لیے ناکام اور ذلیل کر دیا یقین کریں کہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ ہوتا ہے تو اہلِ باطل دنیا میں بھی ناقابلِ تلافی نقصان پایا کرتے ہیں اور آخرت کا عذاب تو لامحدود اور لامتناہی ہے۔

((عَنْ خَبَّابِ بْنِ الْأَرَتِّ رضی اللہ عنہ قَالَ شَكَوْنَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً لَهُ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ، قُلْنَا لَهُ أَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا أَلَا تَدْعُو اللّٰهَ لَنَا قَالَ كَانَ الرَّجُلُ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهِ، فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ، فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَتَيْنِ، وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ

عَنْ دِينِهِ، وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ، مَا دُونَ لَحْمِهِ مِنْ عَظْمٍ أَوْ عَصَبٍ، وَمَا يَصُدُّهُ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَاللهِ لَيُتِمَّنَّ هٰذَا الْأَمْرَ حَتّٰى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلَى حَضْرَمَوْتَ، لَا يَخَافُ إِلَّا اللهَ أَوِ الذِّئْبَ عَلٰى غَنَمِهِ، وَلٰكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ»

(رواہ البخاری: باب علامات النبوۃ)

’’حضرت خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت شکایت کی جب آپ کعبہ کے سایہ میں چادر لپیٹ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ہم نے عرض کی آپ ہمارے لیے اللہ سے دعا کیوں نہیں کرتے ہیں کہ وہ ہماری مدد فرمائے۔آپ اپنے چہرے سے چادر ہٹا کر بیٹھ گئے اور فرمایا اللہ کی قسم تم سے پہلے لوگوں کو پکڑا جاتا اور اُن کو ایک گھڑھے میں گاڑ کر اُس کے سر پر آرا چلا کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا وہ پھر بھی اپنے دین پر قائم رہتا اُس کا گوشت لوہے کی کنگھیوں سے نوچ لیا جاتا لیکن پھر بھی دین سے منحرف نہ ہوتا، اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب فرمائے گا کہ ایک سوار صنعا سے لے کر حضر موت تک تن تنہا سفر کرے گا۔اُسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوگا اُسے صرف اپنی بکریوں کے متعلق بھیڑیے کا خوف ہوگا،لیکن تم عجلت کا مظاہرہ کر رہے ہو۔‘‘

مسائل

۱۔ مسلمان کو مصیبت کے وقت صبر کرنا چاہیے۔ ۲۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دنیا میں بھی مدد کرتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کامیاب فرمایا اور آپ کے دشمنوں کو ذلیل کیا۔

۴۔ کسی نبی نے کوئی معجزہ اپنی مرضی سے پیش نہیں کیا۔ ۵۔اہلِ باطل دنیا اور آخرت میں نقصان اٹھایا کرتے ہیں۔

۶۔ بالآخر سب نے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے۔

تفسیر بالقرآن

صبر کا حکم اور اس کا اجر:

۱۔ صبر کیجیے اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔(ھود:۱۱۵) ۲۔اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔(البقرۃ:۱۵۳)

۳۔ صبر کرنے والے کامیاب ہوں گے۔(المومنون:۱۱۱) ۴۔صبر کرنے والے کی آخرت اچھی ہوگی۔(الرعد:۲۴)

۵۔ صبر کرنے والوں کو جنت میں سلامتی کی دعائیں دی جائیں گی۔(الفرقان:۷۵)

۶۔ صبر کرنے والے بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔(الزمر:۱۰) ۷۔صبر کیجیے اللہ کا وعدہ برحق ہے۔(الروم:۶۰)

۸۔ اگر تم صبر کرو تو صبر کرنے والوں کے لیے بہترین اجر ہے۔(النحل:۱۲۶)

۹۔ صبر کرو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔(الانفال:۴۶) ۱۰۔اپنے رب کے حکم کے مطابق صبر کیجیے۔(الدھر:۲۴)

۱۱۔ بہت سی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنیوالوں کیساتھ ہے۔(البقرۃ:۲۴۹)

اَللّٰهُ	الَّذِیْ	جَعَلَ	لَكُمُ	الْاَنْعَامَ	لِتَرْكَبُوْا	مِنْهَا
اللہ	وہ جو	اس نے بنایا	تمہارے لیے	چوپائے	تا کہ تم سواری کرو	ان میں سے
وَ مِنْهَا	تَاْكُلُوْنَ ۟ۙ۷۹	وَ لَكُمْ	فِیْهَا	مَنَافِعُ	وَ لِتَبْلُغُوْا	
اوران میں سے	تم کھاتے ہو	اورتمہارے لیے	ان میں	فائدے ہیں	اور تا کہ تم پہنچو	
عَلَیْهَا	حَاجَةً	فِیْ	صُدُوْرِكُمْ	وَ عَلَیْهَا	وَ عَلَی	الْفُلْكِ
ان پر	حاجت کو	میں	تمہارے سینوں	اوران پر	اور پر	کشتیوں
تُحْمَلُوْنَ ۟ؕ۸۰	وَ یُرِیْكُمْ	اٰیٰتِهٖ ۖۗ	فَاَیَّ	اٰیٰتِ	اللّٰهِ	تُنْكِرُوْنَ ۟۸۱
تم سوار کیے جاتے ہو	اور وہ دکھاتا ہے تمہیں	اپنی نشانیاں	پھر کس	آیت کا	اللہ کی	تم انکار کرو گے

''اللہ ہی نے تمہارے لیے چوپائے بنائے ہیں تاکہ ان میں سے کسی پر سواری کرو اور کسی کا گوشت کھاؤ۔(۷۹) ان میں تمہارے لیے اور بھی بہت سے فائدے ہیں، تم جہاں چاہو وہاں اُن پر پہنچ سکو تم اُن پر اور کشتیوں پر بھی تم سواری کرتے ہو۔(۸۰) اللہ اپنی نشانیاں تمہیں دکھا رہا ہے آخر تم اُس کی کس کس نشانی کا انکار کرو گے؟''(۸۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اگر باطل پرست حق پانا اور دنیا، آخرت کے نقصان سے بچنا چاہتے ہیں تو انہیں کم از کم چوپاؤں اور کشتیوں پر ہی غور کر لینا چاہیے اگر بلا تعصب غور کریں گے تو یقیناً ہدایت پائیں گے۔

اس آیتِ کریمہ سے پہلے آیت ۶۰ میں حکم دیا گیا ہے کہ صرف اپنے رب سے مانگو اور اس کی عبادت کرو اس کے بعد آفاق اور انسان کو اپنی تخلیق اور خوراک پر غور کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں پیدا کرنے اور پالنے والا صرف ایک ''اللہ'' ہے بس اس کے حکم کے مطابق اور پورے اخلاص کے ساتھ صرف اسی ہی کی عبادت کرو کیونکہ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا اور زندگی و موت کا مالک ہے پھر مشرکین کے روّیہ ان کے انجام کا ذکر کیا اور اس کے ساتھ ہی نبی ﷺ کو صبر کرنے کا حکم دیا اور اس بات سے آگاہ فرمایا کہ کفر و شرک پر اصرار کرنے والے بالآخر نقصان اٹھائیں گے۔ اب کفر و شرک کے متوالوں کو ایک دفعہ پھر توحید کے ایسے دلائل دیئے جا رہے ہیں۔ جن سے ہر کس و ناکس کو واسطہ پڑتا ہے اور ہر دور کے انسانوں کو ان سے واسطہ پڑتا رہے گا کون سا علاقہ اور ملک ہے جہاں چوپائے نہیں ہوتے اور لوگ ان سے استفادہ نہیں کرتے لہٰذا توجہ دلائی جا رہی ہے کہ جس اللہ سے مانگنے اور جس کی عبادت کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے اسی نے تمہارے لیے چوپائے بنائے ہیں جن میں ایسے بھی ہیں جن پر تم سواری کرتے ہو اور ان کا گوشت بھی کھاتے ہو اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کا دودھ، گوشت استعمال کرنے کے ساتھ ان سے اور بھی کام لیتے ہو اور جہاں جانا چاہتے ہو انہیں سواری کے طور پر استعمال

کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلاتا اوران پرغور کرنے کا حکم دیتا ہے لہٰذا تم اس کی کس کس نعمت اور قدرت کا انکار کرو گے۔ صرف اس بات پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو سواریاں عطا فرمائی ہیں بیک وقت ان کے کتنے فائدے ہیں انسان کو ابتدائے آفرینش سے چوپائے میسر ہیں ہزاروں سال شہری اور دیہاتی انہیں سواریوں کو ہی استعمال کرتے رہے ہیں، اونٹ پرغور فرمائیں کہ آج بھی یہ ایسی سواری ہے جو صحراء میں کئی کئی دن کھائے پیے بغیر مسافر کو لیے پھرتا ہے۔ بے شک انسان نے تیز سے تیز تر سواریاں بنالی ہیں مگر عام لوگوں کو صحراء میں صرف اونٹ ہی کام دیتا ہے جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اوراس کی مادہ کا دودھ پیا جاتا ہے اس کے اور بھی فوائد ہیں، اسی طرح گھوڑے کو دیکھیں کہ بڑی بڑی حکومتوں نے جدید سے جدید ترین ہیلی کاپٹر، گاڑیاں اور ٹینک تیار کر لیے ہیں مگر گھوڑے کے بغیر آج بھی گزارا نہیں کیونکہ پہاڑوں میں نقل وحمل کے لیے گھوڑے اور گدھے ہی فوج کے کام آتے ہیں گھوڑے، اونٹ اور ہاتھی کی طاقت اور وجود کا اندازہ کریں اگر انہیں طبعاً سرکش بنایا جاتا تو انسان کے بس میں تھا کہ اتنے آرام سے ان پر سواری کر لیتا؟ اب کشتی پرغور کریں کہ اگر اللہ تعالیٰ انسان کو کشتی بنانے کی سمجھ نہ دیتا تو نہ صرف دنیا کے انسان ایک دوسرے سے کٹ کر رہ جاتے بلکہ باہمی تجارت بھی اس قدر محدود ہوتی کہ لوگ ایک دوسرے سے استفادہ کرنے سے محروم رہتے کشتی سازی اور کشتی رانی اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر وہ فضلِ عظیم ہے کہ جس کا جتنا شکریہ ادا کیا جائے وہ کم ہے۔ بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ کشتی بنانا سب سے پہلے نوح علیہ السلام کو سکھلایا گیا تھا یہ بات اس لیے قرین قیاس نظر آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے نوح علیہ السلام پر وحی کی کہ تیری قوم میں جو لوگ ایمان لاچکے ہیں ان کے بعد کوئی شخص ایمان نہیں لائے گا ان پر افسوس کرنے کی بجائے آپ ہمارے سامنے ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی تیار کریں اب ظالموں سے مخاطب ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ اب غرق ہونے والے ہیں۔ (ھود:۳٦، ۳۷)

اللہ تعالیٰ انسان کو ہر حوالے سے اپنی قدرتیں دکھلاتا ہے جس کا بُرے سے برا شخص بھی اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کے باوجود کافر اپنے رب کا انکار کرتا ہے اور مشرک اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے چوپائے بنائے جن کا انسان دودھ پیتا، گوشت کھاتا اور ان پر سواری کرتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے چوپاؤں میں بے شمار فوائد رکھ دیئے ہیں۔

۳۔ انسان چوپاؤں کو اپنی مرضی سے ہانکتا اوران سے کام لیتا ہے۔

۴۔ کافر اور مشرک اپنے رب کی قدرتوں کو جانتے ہیں مگر پھر بھی اس کے ساتھ کفر وشرک کرتے ہیں۔

اَفَلَمْ	يَسِيْرُوْا	فِي	الْاَرْضِ	فَيَنْظُرُوْا	كَيْفَ	كَانَ
کیا پھر نہیں	انہوں نے سیر کی	میں	زمین	کہ وہ دیکھتے	کیسا	ہوا
عَاقِبَةُ	الَّذِيْنَ	مِنْ قَبْلِهِمْ ط	كَانُوْٓا	اَكْثَرَ	مِنْهُمْ	
انجام	ان لوگوں کا	ان سے پہلے تھے	وہ تھے	زیادہ	ان سے	
وَاَشَدَّ	قُوَّةً	وَّاٰثَارًا	فِي	الْاَرْضِ	فَمَآ	
اور بہت سخت تھے	قوت میں	اور نشانات	میں	زمین	پھر نہ	
اَغْنٰى	عَنْهُمْ	مَّا	كَانُوْا	يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾	فَلَمَّا	جَآءَتْهُمْ
کام آیا	ان کے	جو	تھے	وہ کماتے	پس جب	آئے ان کے پاس
رُسُلُهُمْ	بِالْبَيِّنٰتِ	فَرِحُوْا	بِمَا	عِنْدَهُمْ	مِّنَ	الْعِلْمِ
ان کے رسول	واضح دلائل کے ساتھ	تو وہ خوش ہوئے	بسبب اس کے جو	ان کے پاس ہے	سے	علم

”پھر کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان کو اُن لوگوں کا انجام نظر آتا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں، وہ ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور ان سے بڑھ کر طاقتور تھے، اور زمین میں بڑے بڑے آثار چھوڑ گئے ہیں جو کچھ اُنہوں نے کمایا اُن کے کسی کام نہ آیا۔ (۸۲) جب اُن کے رسول ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تو وہ اپنے علم پر خوش رہے جو ان کے پاس تھا۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کی نعمتوں اور اس کے واضح دلائل کو جھٹلانے والوں کا انجام۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی راہنمائی کے لیے خارجی اور داخلی اسباب پیدا فرمائے ہیں لیکن ان کی حقیقت پانے کے لیے انسان کا سلیم الفطرت ہونا ضروری ہے انسان کی فطرت جتنی زندہ اور بیدار ہوگی اتنا ہی وہ ہدایت قبول کرنے میں مستعد ہوگا۔ خارجی اسباب میں خوف اور ڈر ایک ایسا سبب ہے کہ اگر انسان کو اپنے رب کا خوف پیدا ہو جائے تو وہ خود بخود نافرمانی کا راستہ چھوڑ کر اپنے رب کی تابعداری کی شاہراہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خوف کے ساتھ اور بھی خوف ہیں جن کی وجہ سے آدمی اپنے رب کی نافرمانی چھوڑ کر ہدایت قبول کر لیتا ہے اس خوف کو بیدار کرنے کے لیے قرآن مجید میں کئی بار اس طرف توجہ دلائی گئی ہے اگر ظالموں کو اللہ تعالیٰ کی گرفت پر یقین نہیں آرہا تو انہیں چاہیے وہ زمین میں چل پھر کر اپنے سے پہلے ہلاک ہونیوالوں کے کھنڈرات کا مشاہدہ کریں اور قرآن مجید اور تاریخ میں انکے حالات پڑھیں۔ یقیناً انہیں معلوم ہو جائیگا کہ بالآخر ظالموں کا کیا انجام ہوا۔ ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو اہلِ مکہ سے زیادہ طاقتور اور ترقی کے اعتبار سے بہت آگے تھے۔ انہوں نے اپنی ترقی کی نمائش اور اپنا نام اور کام باقی

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور گھیر لیا | ان کو | جو | وہ تھے | اس کے ساتھ | ٹھٹھا کرتے

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ

پھر جب | انہوں نے دیکھا | ہمارا عذاب | تو انہوں نے کہا | ہم ایمان لائے | اللہ پر | ایک

وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ

اور ہم نے انکار کیا | ان کا | ہم تھے | ساتھ اس کے | شریک ٹھہرانے والے | پھر نہ | ہوا کہ

يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ

نفع دیتا ان کو | ان کا ایمان | جب انہوں نے دیکھ لیا | ہمارا عذاب | طریقہ | اللہ کا | وہ جو

قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

تحقیق | گزرا | میں | اس کے بندوں | اور خسارہ اٹھایا | وہاں | کافروں نے

اور پھر اُسی میں مبتلا ہوئے جس کا مذاق اُڑاتے تھے۔(۸۳) جب اُنہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو پکار اُٹھے کہ ہم نے اللہ وحدہٗ لاشریک کو مان لیا اور جن کو ہم اُس کا شریک بناتے تھے اُن کا انکار کرتے ہیں (۸۴) مگر ہمارا عذاب دیکھ لینے کے بعد ان کا ایمان اُن کے لیے فائدہ مند نہ ہوا، کیونکہ اللہ کا مقرر ضابطہ ہے جو ہمیشہ سے اس کے بندوں پر جاری رہا ہے، اور اس وقت کافر خسارے میں پڑ گئے۔'' (۸۵)

رکھنے کے لیے بڑی بڑی یادگاریں تعمیر کیں اللہ تعالیٰ نے جب ان کی گرفت کی تو نہ وہ اپنے آپ کو بچا سکے اور نہ ہی انہیں کوئی اور بچانے والا تھا۔ ان کی بستیاں اجڑ گئیں، محلات قبرستانوں کی شکل اختیار کر گئے اور ان کی ترقی ہی ان کے لے وبالِ جان ثابت ہوئی۔ ان کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ جب ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل کے ساتھ آئے تو انہوں نے ان کی دعوت قبول کرنے کی بجائے اپنے علم، عقل اور ترقی پر ناز کیا۔ رسولوں نے انہیں ''اللہ'' کے عذاب سے بہت ڈرایا مگر وہ انہیں مذاق کرتے رہے اور یہی مذاق ہی ان کی تباہی کا سبب ثابت ہوا جب انہوں نے عذاب کو اپنے سامنے دیکھا تو بے ساختہ پکار اٹھے کہ جن کو ہم اپنے رب کے شریک بنایا کرتے تھے ہم ان کا انکار کرتے ہیں اور اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا اصول اور طریقہ یہ ہے کہ جب وہ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو پھر اس کا ایمان لانا اور آہ وزاریاں کرنا اُسے کوئی فائدہ نہیں دیتا یہی پہلی قوموں کے لیے اصول تھا جس وجہ سے وہ دنیا میں ذلیل ہوئے اور آخرت میں ناختم ہونیوالا نقصان پائیں گے۔

{ فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ

الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾ } (یونس:۹۸)

''پھر کوئی ایسی بستی نہ تھی جو ایمان لائی ہو اور اس کے ایمان نے اسے فائدہ دیا ہو، سوائے یونس کی قوم کے وہ ایمان لائے تو ہم نے ان سے دنیا کی زندگی میں ذلت کا عذاب دور کر دیا اور انہیں ایک وقت تک فائدہ پہنچایا۔''

توبہ کب تک قبول ہوتی ہے؟

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَيَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَالَمْ يُغَرْغِرْ» (رواہ ابن ماجۃ: کتاب الزھد، باب ذکر التوبۃ [حسن])

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: یقیناً اللہ عزوجل بندے کی توبہ قبول کرتا رہتا ہے جب تک جان حلق تک نہ پہنچ جائے۔''

مسائل

۱۔ مغضوب قوموں نے اپنے علم وفہم اور ترقی کو انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر ترجیح دی اور انہیں مذاق کا نشانہ بنایا۔

۲۔ پہلی اقوام کی تباہی سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

پہلی اقوام کی تباہی کا ایک منظر:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی اقوام کو تباہ کیا۔ (الانعام:۶) ۲۔ قوم نوح طوفان کے ذریعے ہلاک ہوئی۔ (الاعراف:۱۳۶)

۳۔ جب تم سے پہلے لوگوں نے ظلم کیا تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔ (یونس:۱۳)

۴۔ ثمود زوردار آواز کے ساتھ ہلاک کیے گئے۔ (الحاقۃ:۵) ۵۔ قوم ثمود کے لیے دوری ہے۔ (ھود:۶۸)

۶۔ عاد زبردست آندھی کے ذریعے ہلاک ہوئے۔ (الحاقۃ:۶) ۷۔ فاسق ہلاک کر دیے گئے۔ (الاحقاف:۳۵)

۸۔ قوم لوط کو زمین سے اٹھا کر آسمان کے قریب لے جا کر الٹا دیا گیا۔ (ھود:۸۲)

۹۔ مدین والوں کا نام ونشان مٹ گیا قوم ثمود کی طرح مدین والوں کے لیے دوری ہے۔ (ھود:۹۵)

۱۰۔ قوم عاد نے اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کیا قوم عاد کے لیے دوری ہے۔ (ھود:۶۰)

۱۱۔ یہودیوں پر اللہ نے ذلت ومحتاجی مسلط کر دی۔ (البقرۃ:۶۱) ۱۲۔ یہودی اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے۔ (البقرۃ:۹۰)

۱۳۔ بنی اسرائیل پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لعنت کی۔ (المائدۃ:۷۸)

سورۃ حٰمٓ السجدۃ کا تعارف

یہ سورۃ مکہ معظمہ اور اس کے گردو پیش میں نازل ہوئی۔ ۵۴ آیات اور ۶ رکوع پر مشتمل ہے۔

ربطِ سورۃ: سورۃ المؤمن کا اختتام اس فرمان پر ہوا کہ مجرموں کے پاس جب بھی ان کے رسول واضح دلائل کے ساتھ آئے تو ان کی اقوام نے اپنے علم اور تجربہ پر ناز کرتے ہوئے انبیائے کرام علیہم السلام کو استہزا کا نشانہ بنایا۔ اس جُرم کی پاداش میں اُن پر عذاب نازل ہوا تو پکار اُٹھے کہ ہم ایک اللہ پر ایمان لاتے ہیں لیکن اس وقت ان کا ایمان ان کے لیے فائدہ مند ثابت نہ ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اصول ہے کہ عذاب نازل کرنے کے بعد وہ مجرموں کو موقع نہیں دیا کرتا۔ سورۃ حٰمٓ السجدۃ کی ابتداء اس فرمان سے ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی مہربان اور شفقت فرمانے والا ہے اس نے اپنی رحمت کی بنا پر لوگوں کی راہنمائی کے لیے مفصل کتاب نازل فرمائی ہے۔ جس میں بُرے لوگوں کو انتباہ کیا ہے اور اچھے لوگوں کو خوشخبری کا پیغام دیا ہے لیکن لوگوں کی اکثریت اس طرح اعراض کرتی ہے جس طرح انہوں نے حق بات کو سُنا ہی نہیں ہوتا۔

حٰمٓ سورتوں میں یہ دوسری سورۃ ہے اس کا آغاز قرآن مجید کے تعارفی کلمات سے ہوتا ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ قرآن کی دعوت دو باتوں پر مشتمل ہے۔ اس پر جو ایمان لائیں گے ان کے لیے خوشخبری ہے اور جو اس سے اعراض کریں گے انہیں کھلے الفاظ میں انتباہ کیا جاتا ہے لیکن لوگوں کی اکثریت ہمیشہ اعراض ہی کیا کرتی ہے۔ اس سورۃ کی ابتدا میں نبی علیہ السلام سے یہ کہلوایا گیا ہے کہ آپ لوگوں میں واضح الفاظ میں اعلان کرتے جائیں کہ میں رشتہ انسانی کے اعتبار سے تمہارے جیسا انسان ہوں مگر میرا یہ اعزاز ہے کہ میری طرف وحی آئی ہے کہ میں تمہیں سمجھاؤں اور بتلاؤں کہ تمہارا الٰہ صرف ایک ہے لہٰذا اس بات پر قائم ہو جاؤ، ہمیشہ اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہو اور یاد رکھو جو لوگ اپنے رب کی ذات اور صفات میں کسی دوسرے کو شریک کرتے ہیں ان کے لیے ہلاکت ہی ہلاکت ہے، جو لوگ اپنے رب پر ایمان لائیں گے اور اس کے احکام کو تسلیم کریں گے اُن کے لیے ایسا صلہ ہے جس میں کبھی کمی واقع نہیں ہوگی اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہیں کیا انہوں نے اس بات پر کبھی غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو دو دن میں پیدا فرمایا پھر اس پر پہاڑ گاڑ دیئے اس کے بعد دو دن میں سات آسمان بنائے ہر آسمان کو اس کے متعلقہ اُمور کا حکم دیا پھر آسمان دنیا کو ستاروں سے سجایا اور شہابِ ثاقب سے اس کی حفاظت کا بندوبست کیا یہ ہے تمہارا رب جس نے پوری کائنات کو پیدا کیا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود اہلِ مکہ اللہ کی توحید کا انکار کرتے اور لوگوں کو قرآن پڑھنے اور سننے سے روکتے تھے۔ انہیں سمجھانے اور بُرے انجام سے آگاہ کرنے کے لیے قومِ عاد کا مختصر ذکر کیا گیا ہے۔

اس سورت میں آپ سے ارشاد فرمایا کہ سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو ''اللہ'' کی توحید پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے تقاضے پورے کرتے ہیں یاد رکھیں کہ نیکی اور بدی، اچھائی اور بُرائی برابر نہیں ہوتے لہٰذا آپ بُرائی کا جواب نیکی اور حسن

اخلاق سے دیں تا کہ تمہارا دشمن تمہارے اخلاق اور دعوت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائے اور وہ آپ کا جگری دوست بن جائے۔ یہ مقامِ صبر سے حاصل ہوتا ہے اگر شیطان آپ کو کسی وقت ورغلانے اور بھڑکانے کی کوشش کرے تو آپ ''اللہ'' کی پناہ مانگیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کو شیطان کی شرارتوں اور سازشوں سے بچانے والا ہے۔

حٰمٓ السجدہ کے آخر میں اُن لوگوں کو خوشخبری سنائی گئی ہے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور مصائب کے باوجود اپنے ایمان پر پکے رہے۔ جب ان کو موت آئے گی تو ملائکہ انہیں تسلی دیں گے کہ کسی قسم کا خوف کھانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے جنت کی خوشخبری ہے تم اس میں ہمیشہ رہو گے اور ہم دنیا میں بھی تمہارے ساتھی تھے اور آخرت میں بھی تمہارے ساتھ ہوں گے، جنت میں جو چاہو گے سو پاؤ گے وہاں رب رحیم کی طرف سے تمہاری مہمان نوازی کی جائے گی یہ مہمان نوازی ان لوگوں کو نصیب ہوگی جو ''اللہ'' کی توحید اور اس کے تقاضے پورے کریں گے۔

سجدہ تلاوت کی دعا

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِ الْقُرْاٰنِ بِاللَّيْلِ «سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ»

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم [صحیح])

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ قیام اللیل میں سجدہ تلاوت کے وقت یہ دعا کرتے تھے سجدہ اس ذات کے لئے جس نے اسے اپنی قدرت سے پیدا فرما کر اسے کان اور آنکھیں عطا کیے۔ اللہ تعالیٰ بابرکت اور بہترین پیدا کرنے والا ہے۔''

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَة مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعَهَا ۶ اٰيَاتُهَا ۵۴

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے

حٰمٓ ۝۱	تَنْزِيْلٌ	مِّنَ	الرَّحْمٰنِ	الرَّحِيْمِ ۝۲	كِتٰبٌ
حٰمٓ	نازل شدہ	سے	رحمٰن	رحیم	کتاب
فُصِّلَتْ	اٰيٰتُهٗ	قُرْاٰنًا	عَرَبِيًّا	لِّقَوْمٍ	يَّعْلَمُوْنَ ۝۳
کھول کر بیان کی گئی	اس کی آیتیں	قرآن	عربی	ایسی قوم کے لیے	جو جانتے ہیں

ح م۔(۱) یہ قرآن رحمان ورحیم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔(۲) یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں، قرآن عربی زبان میں ہے اُن لوگوں کے لیے جو جاننے والے ہیں۔'' (۳)

فہم القرآن

سورۃ المومن کا خاتمہ اس بات پر ہوا تھا کہ باطل پر اصرار کرنے والے بالآخر نقصان اٹھائیں گے۔ سورہ حٰم سجدہ کا آغاز اس بات سے ہو رہا ہے کہ اگر دنیا اور آخرت کے نقصان سے بچنا چاہتے ہو تو ربِ رحمان کی اتاری ہوئی کتاب پر پوری طرح ایمان لاؤ لیکن اکثر لوگ اعراض ہی کیا کرتے ہیں۔

حٰمٓ حروفِ مقطعات ہیں۔ جن کے بارے میں قرآن مجید کا فہم رکھنے والا جانتا ہے کہ ان کا معنٰی نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں۔ سورہ حٰم سجدہ کا آغاز لفظ ''تَنْزِيْلٌ'' کے بعد ''اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' کی صفات سے ہو رہا ہے۔ جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ بے شک تم انکار کرو لیکن یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اس قرآن میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جسے نبی ﷺ نے اپنی طرف سے بنایا اور شامل کیا ہو۔ قرآن سارے کا سارا اسی ذاتِ اقدس نے نازل فرمایا ہے جس کی شفقت اور مہربانی کی کوئی انتہا نہیں لوگوں کی مکمل راہنمائی اور سہولت کی خاطر اس کی آیات اپنا مفہوم خود واضح کرتی ہیں یہ عربی زبان میں ہے اس سے وہی لوگ راہنمائی حاصل کریں گے جو صحیح دانست سے کام لیں گے۔ یہاں قرآن مجید کی تین صفات کو کھلے الفاظ میں اور ایک وصف کا اشارتاً ذکر کیا گیا ہے۔

① قرآن کے نزول میں کسی بندے یا پوری مخلوق میں سے کسی کا کوئی عمل دخل نہیں۔

② اس کی آیات اپنا مدعا کھول کر بیان کرتی ہیں جن میں حق اور باطل، کھرے اور کھوٹے، نیک اور بد، نفع اور نقصان کے درمیان فرق واضح کر دیا گیا ہے۔

③ قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے کیونکہ دنیا کی تمام زبانوں سے زیادہ پُرتاثیر اور جامع زبان ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں کیوں نہیں نازل کیا گیا اس کی تین وجوہات ہیں۔ ① قرآن نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوا ہے آپ اپنے اخلاق، کردار اور صلاحیتوں کے اعتبار سے پوری دنیا میں منفرد انسان تھے جیسا نہ

کوئی تھا اور نہ ہوگا۔ ② نزول قرآن کے وقت عربی تمام زبانوں میں فصیح زبان تھی اور اب بھی ہے اوران شاء اللہ قیامت تک رہے گی۔ ③ قرآن مجید کسی اور زبان میں نازل ہوتا تو اعتراض کرنے والے پھر اس زبان پر اعتراض کرتے کیونکہ آپ عربی تھے اس لیے قرآن عربی زبان میں ہے اور ہونا چاہیے تھا۔

④ قرآن کسی فرشتے، جن اور بندے کی طرف سے نازل نہیں کیا گیا یہ رب رحمٰن اور الرحیم نے نازل فرمایا ہے جس میں کھلا اشارہ ہے کہ اگر اپنے رب کی شفقت اور مہربانی چاہتے ہو تو اس کی شفقت و مہربانی قرآن کی تعلیم اور اس پر عمل کرنے میں مضمر ہے بالفاظ دیگر یہ قرآن تمہارے رب کی رحمت کا سرچشمہ ہے۔

قرآن کا لفظ تین معانی کے لیے استعمال کیا گیا ہے:

① ایسی کتاب جو بار بار پڑھی جائے کیونکہ قرآن کی تلاوت بار بار اور کثرت کے ساتھ کی جاتی ہے اس لیے اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا نام دیا ہے۔

② جو حوض پانی سے لبالب بھرا ہو عرب اسے ”قرات الحوض“ کہتے ہیں، اسی سے ہی قرآن کا لفظ لیا گیا ہے یعنی وہ کتاب جو علم و معرفت سے لبالب ہے۔

③ قرن کا معنی ملانا ہے قرآن مجید کے الفاظ اور مضامین آپس میں ملے اور جڑے ہوئے ہیں اس لیے اس کا نام قرآن رکھا گیا ہے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ أُحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ لِأَنِّي عَرَبِيٌّ،وَالْقُرْآنَ عَرَبِيٌّ،وَكَلَامُ أَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ)) (بیہقی فی شعب الایمان: باب فی خلق الرسول ﷺ حسن لغیرہ])

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہیں تین وجوہ کی بناء پر عربی زبان سے محبت کرنی چاہیے۔ ا۔ میں عرب ہوں۔ ۲۔ قرآن مجید عربی زبان میں ہے۔ ۳۔ اہل جنت کی زبان بھی عربی ہوگی۔“

مسائل

ا۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے ہی نازل فرمایا ہے۔ ۲۔ قرآن مجید پیکر رحمت ہے۔
۳۔ قرآن مجید کی آیات بہت ہی واضح ہیں۔ ۴۔ قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے اوصافِ حمیدہ کی ایک جھلک:

ا۔ قرآن مجید لاریب کتاب ہے۔ (البقرۃ: ۲) ۲۔ قرآن مجید رحمت اور ہدایت کی کتاب ہے۔ (لقمان: ۳)
۳۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت و رہنمائی کی کتاب ہے۔ (البقرۃ: ۱۸۵)
۴۔ قرآن مجید بابرکت اور پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ (الانعام: ۹۲)
۵۔ قرآن مجید میں ہدایت واضح کر دی گئی ہے۔ (النحل: ۸۹) ۶۔ قرآن مجید روشن اور بین کتاب ہے۔ (المائدۃ: ۱۵)
۷۔ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ (یوسف: ۳) ۸۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ (الشعراء: ۱۹۲)

بَشِيْرًا	وَّنَذِيْرًا ۚ	فَاَعْرَضَ	اَكْثَرُهُمْ	فَهُمْ	لَا	يَسْمَعُوْنَ ۝۴
خوشخبری دینے والا	اور ڈرانے والا	پھر منہ موڑلیا	ان میں سے اکثر نے	تو وہ	نہیں	سنتے
وَقَالُوْا	قُلُوْبُنَا	فِيْٓ	اَكِنَّةٍ	مِّمَّا	تَدْعُوْنَآ	اِلَيْهِ
اور انہوں نے کہا	ہمارے دل ہیں	میں	پردوں	اس سے جو	کہ تو ہمیں بلاتا ہے	اس کی طرف
وَفِيْٓ	اٰذَانِنَا	وَقْرٌ	وَّمِنْۢ	بَيْنِنَا	وَبَيْنِكَ	
اور میں	ہمارے کانوں	ڈاٹ ہے	اور سے	ہمارے درمیان	اور تیرے درمیان	
حِجَابٌ	فَاعْمَلْ	اِنَّنَا	عٰمِلُوْنَ ۝۵			
پردہ ہے	لہٰذا تو کام کر	بلاشبہ ہم	کام کرنے والے ہیں			

’’قرآن خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا ہے مگر ان کی اکثریت اس سے روگردانی کرتی اور اسے بے توجہگی سے سنتی ہے۔(۴) کہتے ہیں جس چیز کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے اس کے بارے میں ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں ہمارے کان بہرے ہو گئے ہیں، اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک پردہ حائل ہو گیا ہے تو اپنا کام کر ہم اپنا کام کرتے رہیں گے۔‘‘(۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قرآن مجید کے نزول اور نبی ﷺ کی بعثت کا مقصد نیک لوگوں کو خوشخبری سنانا اور بُروں لوگوں کو ان کے بُرے انجام سے ڈرانا ہے۔

نزولِ قرآن کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے نیک لوگوں کو ان کے بہتر انجام کی خوشخبری دی جائے اور بُرے لوگوں کو ان کے بُرے انجام سے ڈرایا جائے۔ قرآن مجید نے متعدد مقامات پر نبی علیہ السلام کی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے یہی بات بیان فرمائی ہے کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری کا مقصد حقیقی ایمان اور صالح کردار رکھنے والوں کو دنیا اور آخرت کی خوشخبری سنانا اور باطل عقائد اور بُرا کردار رکھنے والوں کو ان کے بھیانک انجام سے ڈرانا ہے۔ جسے آپ ﷺ نے پورے خلوص اور جانفشانی کے ساتھ کھول کر بیان کر دیا لیکن اس کے باوجود لوگوں کی اکثریت نے اعراض کیا اور آپ کی بات سننے کے لیے تیار نہ ہوئے، نہ صرف سننے کے لیے تیار نہ ہوئے بلکہ کھلے الفاظ میں کہتے ہیں کہ جس بات کی آپ دعوت دیتے ہیں اسکے بارے میں ہمارے دلوں پر پردے پڑ چکے ہیں، ہمارے کان اسے سننے سے بہرے ہیں اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک پردہ حائل ہو چکا ہے تم اپنا کام کرو اور ہم اپنا کام کرتے رہیں گے۔ مکہ کی غالب اکثریت کا یہی روّیہ تھا اس لیے انہوں نے اپنے بارے میں یہ الفاظ استعمال کیے اس کے دو مفہوم بنتے ہیں۔

۱۔ تم دعوت دینے سے باز آنے والے نہیں اور ہم مرتے دم تک آپ کی مخالفت چھوڑنے والے نہیں۔
۲۔ تم اپنا کام کرو اور ہم اپنا کام کریں گے یعنی تم اپنے طریقے کے مطابق رب کی عبادت کرو ہم اپنے طریقے کے مطابق عبادت کریں گے۔

سرداران قریش دعوتِ اسلام کو نیچا دکھانے کے لیے کئی طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے رہے مگر ناکام ہوئے بالآخر انہوں نے یہ ہتھکنڈا استعمال کیا کہ آپ ﷺ اور اُن کے درمیان سمجھوتہ ہو جائے ایک دن رسول کریم ﷺ حرم کے ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے اور دوسرے گوشہ میں چند سرداران قریش بیٹھے ہوئے تھے۔عتبہ بن ربیعہ ایک معزز قریشی سردار، نہایت بہادر اور فطرتاً نیک دل انسان تھا وہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ میں محمد ﷺ کے سامنے کچھ باتیں پیش کرنا چاہتا ہوں۔امید ہے کہ وہ ان میں سے کوئی ایک بات ضرور مان لے گا۔اگر اس نے میری بات قبول کر لی تو ہم اس مصیبت سے نجات حاصل کرلیں گے اس کے ساتھیوں نے کہا: ابوالولید! آپ یہ کام ضرور کریں چنانچہ عتبہ وہاں سے اٹھ کر رسول کریم ﷺ کے پاس آکر کہنے لگا بھتیجے! قوم میں جو تفریق پیدا ہو چکی ہے آپ اسے جانتے ہیں اس کے تدارک کے لئے میں چند باتیں پیش کرتا ہوں ان میں سے جو چاہو پسند کرلو مکہ کی حکومت چاہتے ہو یا کسی بڑے گھرانے میں شادی یا مال و دولت؟ اور اگر آپ کے پاس کوئی جن بھوت آتا ہے تو اس کے علاج کی بھی ذمہ داری قبول کرتے ہیں مگر آپ اپنی دعوت سے باز آجائیں۔

رسول اللہ ﷺ عتبہ کی باتیں سنتے رہے جب عتبہ خاموش ہو گئے تو آپ نے فرمایا: اب میری بات سنیں آپ نے سب باتوں کے جواب میں اسی سورہ کی ابتدائی چند آیات تلاوت فرمائیں جب آپ اس آیت پر پہنچے تو عتبہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اس نے آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔اسے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں عذاب اسی وقت نہ اُتر پڑے پھر وہ اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس آکر کہنے لگا۔محمد ﷺ جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری نہیں بلکہ ربانی کلام ہے تم اسے اس کے حال پر چھوڑ دو اگر وہ عرب پر غالب آگیا تو اس میں تمہاری ہی عزت ہے اور اگر وہ خود ہی ختم ہو گیا تو یہی تم چاہتے ہو۔اس کے ساتھیوں نے کہا: ابوالولید! معلوم ہوتا ہے کہ تم پر بھی اس کا جادو چل گیا ہے۔(تفسیر ابن کثیر)

مسائل

۱۔ اللہ کے رسول ایمانداروں کو خوشخبری دینے اور دوسروں کو ڈرانے کے لیے تشریف لائے تھے۔
۲۔ کفار فخر وغرور اور جہالت کی بنیاد پر کہتے تھے کہ ہمارے دلوں پر پردہ، کانوں پر بوجھ اور تیرے اور ہمارے درمیان ایک رکاوٹ کھڑی ہو چکی ہے۔ ۳۔لوگوں کی اکثریت حق بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔

قُلْ	اِنَّمَآ	اَنَا	بَشَرٌ	مِّثْلُكُمْ	يُوْحٰٓى	اِلَيَّ
آپ فرمادیجیے	صرف	میں	بشر ہوں	تمہاری طرح	وحی کی جاتی ہے	میری طرف
اَنَّمَآ	اِلٰهُكُمْ	اِلٰهٌ	وَّاحِدٌ	فَاسْتَقِيْمُوْٓا	اِلَيْهِ	وَاسْتَغْفِرُوْهُ
صرف	تمہارا معبود	معبود ہے	ایک	لہٰذا تم قائم رہو	اس کی طرف	اور تم اس سے بخشش مانگو
وَوَيْلٌ	لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝۶	الَّذِيْنَ	لَا يُؤْتُوْنَ	الزَّكٰوةَ	وَهُمْ	
اور ہلاکت ہے	مشرکین کے لیے	جولوگ	نہیں وہ دیتے	زکوٰۃ	اور وہ	
بِالْاٰخِرَةِ	هُمْ	كٰفِرُوْنَ ۝۷	اِنَّ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا
آخرت کا	وہ	انکار کرنے والے ہیں	بلاشبہ	جولوگ	ایمان لائے	اور انہوں نے عمل کیے
الصّٰلِحٰتِ	لَهُمْ	اَجْرٌ	غَيْرُ	مَمْنُوْنٍ ۝۸ ع		ع ۱ / ۸ / ۱۵
نیک	ان کے لیے	اجر ہے	نہ	ختم ہونے والا		

”اے نبی ان سے فرمائیں میں تمہارے جیسا بشر ہوں مجھے وحی کی گئی ہے کہ تمہارا الٰہ ایک ہی الٰہ ہے لہٰذا تم اُسی کی طرف اپنا رُخ کرو اور اس سے معافی مانگو، مشرکوں کے لیے تباہی ہے۔(۶) جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے منکر ہیں۔(۷) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے، اُن کے لیے یقیناً ایسا اجر ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔“(۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قرآن مجید کو اپنے لیے بوجھ قرار دینے والوں کو نبی محترم ﷺ کا جواب۔

جو شخص گمراہی اور اپنی جہالت کا اعتراف کرنے کے باوجود اس پر اترائے اس کے ساتھ جھگڑنے یا اس پر مزید وقت صرف کرنے کی بجائے اس سے کنارہ کشی اختیار کرنی چاہیے۔ اسی کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ سے فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے فرما دیں کہ بحیثیت انسان میں بھی تمہارے جیسا ایک بشر ہوں فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا رسول منتخب کیا اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم پر واضح کروں کہ ہر قسم کی عبادت کے لائق صرف ایک اللہ کی ذات ہے اسکا حکم ہے کہ اِدھر اُدھر کے راستوں کو چھوڑ کر صرف اسی کے راستے پر پکے ہو جاؤ، اپنے گناہوں کی معافی مانگو! اور کفر و شرک سے تائب ہو جاؤ! یاد رکھو! کہ مشرکین کے لیے ویل ہے۔ ویل سے مراد افسوس اور جہنم ہے۔ ان کے لیے بھی ویل ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے مقابلے میں وہ لوگ جو ایمان لائے اور صالح اعمال کرتے رہے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو نہ کم ہوگا اور نہ ہی ختم ہوگا۔ آپ ﷺ سے آپ کی بشریت کا اعلان کروانے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ نبی کا کام حق بات پہنچانا ہے منوانا نہیں کسی کو ہدایت دینا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے لہٰذا اگر تم نے اپنے لیے گمراہی کو پسند کر لیا ہے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں؟ بحیثیت انسان میرے ذمہ حق بات

پہنچانا ہے کسی کو ہدایت دینا میرے بس کی بات نہیں البتہ یہ بات یاد رکھو کہ مشرک اور وہ لوگ بھی جہنم میں جائیں گے جو زکوٰۃ اور آخرت کے منکر ہیں اکثر اہلِ علم نے یہ مفہوم لیا ہے لیکن کچھ مفسرین نے زکوٰۃ کا معنیٰ شرک سے پاک ہونا مراد لیا ہے۔ان کا فرمان ہے:

«روى الحكم بن أبان عَنْ عِكْرِمَةَ لا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ قَالَ لَا يَقُوْلُوْنَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»

(اعراب اتوان للنحاس)

”حکم بن ابان عکرمہ رحمۃ اللہ سے بیان کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ ”وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے“ یہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ“ کا اقرار نہیں کرتے۔

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَامِنْ رَجُلٍ لَا يُؤَدِّيْ زَكَاةَ مَالِهِ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ عُنُقِهِ شُجَاعًا ثُمَّ قَرَأَ عَلَيْنَا مِصْدَاقَهُ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ {وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ} الْآيَةَ» (رواہ الترمذی: باب ومن سورۃ آلِ عمران [صحیح])

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس بات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا۔اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا مال اس کی گردن میں گنجا سانپ بنا کر ڈالے گا۔ پھر آپ نے کتاب اللہ سے اس آیت کی تلاوت کی {وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ}۔“

مسائل

١۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرا کوئی الٰہ نہیں۔

٣۔ جو لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی کا خیال نہیں رکھتے یقیناً وہ آخرت کے انکاری ہیں۔

٤۔ ایمان لانے اور صالح اعمال کرنے والوں کے لیے دائمی اجر و ثواب ہے۔

تفسیر بالقرآن

تمام انبیاء علیہم السلام بشر تھے:

١۔ انبیاء علیہم السلام کا اقرار کہ ہم بشر ہیں۔(ابراہیم: ١١) ٣۔ ہم نے آدمیوں کی طرف وحی کی۔(یوسف: ١٠٩)

٢۔ ہم نے آپ سے پہلے جتنے نبی بھیجے وہ بشر تھے۔(النحل: ٤٣)

٤۔ شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا کہ تو ہماری طرح بشر ہے اور ہم تجھے جھوٹا خیال کرتے ہیں۔(الشعراء: ١٨٦)

٥۔ نہیں ہے یہ مگر تمہارے جیسا بشر اور یہ تم پر فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے۔(المومنون: ٢٤)

٦۔ نہیں ہے تو مگر ہمارے جیسا بشر کوئی نشانی لاؤ اگر تو سچا ہے۔(الشعراء: ١٥٤)

٧۔ نہیں ہے یہ مگر تمہارے جیسا بشر جیسا تم کھاتے ہو، ویسا وہ کھاتا ہے۔(المومنون: ٣٣)

٨۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعلان فرمائیں کہ میں تمہارے جیسا انسان ہوں۔(الکہف: ١١٠)

٩۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتراف کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔(حٰم السجدۃ: ٦)

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ

آپ فرمادیجیے | کیا بے شک تم | البتہ تم کفر کرتے ہو | اس کے ساتھ | جس نے پیدا کی | زمین | میں

يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ ⑨

دو دن | اور تم بناتے ہو | اس کے لیے | شریک | وہ | رب ہے | تمام جہانوں کا

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا

اور اس نے بنائے | اس میں | مضبوط پہاڑ | سے | اس کے اوپر | اور اس نے برکت دی | اس میں

وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ

اور اس نے اندازہ رکھا | اس میں | اس کی غذاؤں کا | میں | چار | دنوں

سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ⑩ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ

یکساں | پوچھنے والوں کے لیے | پھر | وہ متوجہ ہوا | طرف | آسمان کی

”اے نبی ان سے کہو کیا تم اُس اللہ کا انکار کرتے ہو اور دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں بنایا، وہی پوری کائنات کا رب ہے۔(۹) اُس نے زمین بنانے کے بعد اُس پر پہاڑ جما دیے اور ان میں برکتیں رکھ دیں اور زمیں میں سب طلب گاروں کے لیے ان کی ضرورت کے مطابق ٹھیک اندازے سے خوراک کا انتظام فرمادیا، یہ سب کام چار دن میں ہو گئے۔(۱۰) پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا

فہم القرآن

ربطِ کلام: مشرک اور کافر جس حقیقی اللہ کے ساتھ شرک اور کفر کرتے ہیں صرف اسی ایک ذات نے زمین و آسمانوں اور پہاڑوں کو بنایا ہے بتاؤ کوئی ہستی ہے؟ جس نے یہ کام کیے ہوں؟

قرآن مجید نے یہ بات بھی بارہا دفعہ بتلائی ہے کہ زمینوں آسمانوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے نہیں بنایا اور نہ ہی ان کے بنانے میں کوئی اللہ تعالیٰ کا شریک تھا۔ اس لیے کفار سے استفسار کیا گیا ہے کہ کیا تم اس ذاتِ کبریا کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو یوم میں پیدا فرمایا۔ تم بتوں، بزرگوں اور دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو حالانکہ تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ایک ”اللہ“ ہی عبادت کے لائق ہے۔ اسی نے زمین پر پہاڑ بنائے اور زمین میں برکت پیدا فرمائی اور اس میں ہر قسم کا معیشت کا سامان رکھا جو ضرورت مندوں کیلئے برابر ہے۔ اے نبی ﷺ جنہوں نے آپ سے سوال کیا ہے انکا جواب یہ ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہودیوں کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر زمین و آسمانوں کے بارے میں سوال کرتا ہے جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ زمین اتوار اور پیر کے دن، پہاڑ اور جو کچھ ان میں معدنیات ہیں انہیں منگل کے دن، درخت

وَهِيَ	دُخَانٌ	فَقَالَ	لَهَا	وَلِلْاَرْضِ	ائْتِيَا	طَوْعًا
اور وہ	دھواں تھا	تو اس نے فرمایا	اس کے لیے	اور زمین کے لیے	تم دونوں آؤ	خوشی

اَوْ	كَرْهًا	قَالَتَآ	اَتَيْنَا	طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾	فَقَضٰىهُنَّ	سَبْعَ
یا	ناخوشی سے	ان دونوں نے کہا	ہم آئے	خوشی خوشی	پھر اس نے بنادیا ان کو	سات

سَمٰوٰتٍ	فِيْ	يَوْمَيْنِ	وَاَوْحٰى	فِيْ	كُلِّ	سَمَآءٍ
آسمان	میں	دو دنوں	اور اس نے القا کیا	میں	ہر	آسمان

اَمْرَهَا	وَزَيَّنَّا	السَّمَآءَ	الدُّنْيَا	بِمَصَابِيْحَ	وَحِفْظًا
اس کا کام	اور ہم نے مزین کیا	آسمان کو	دنیا والے	چراغوں سے	اور حفاظت سے

ذٰلِكَ	تَقْدِيْرُ	الْعَزِيْزِ	الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾
یہ	اندازہ ہے	نہایت غالب	خوب جاننے والے کا

جواس وقت دھواں تھا، اُس نے آسمان اور زمین سے فرمایا چاہو یا نہ چاہو ہر حال وجود میں آجاؤ، دونوں نے کہا ہم فرمانبردار ہو کر حاضر ہو گئے۔ (۱۱) تب اُس نے دو دن میں سات آسمان بنا دیے اور ہر آسمان میں اس کا قانون جاری کر دیا، اور آسمان دنیا کو ہم نے چراغوں سے خوبصورت بنایا اور اسے محفوظ کر دیا یہ سب کچھ جاننے والی ایک زبردست ہستی کا بنایا ہوا ہے۔'' (۱۲)

دریا، سمندر اور صحراء وغیرہ بدھ کے دن بنائے گئے اس طرح یہ نظام چار دن میں اپنی تکمیل کو پہنچا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان بنانے کا ارادہ فرمایا جو دھویں کی شکل میں تھا۔ زمین اور آسمان کو حکم صادر فرمایا کہ خوشی یا ناخوشی سے میرے پاس حاضر ہو جاؤ زمینوں اور آسمانوں نے عرض کی کہ ہم بڑی خوشی کے ساتھ آپ کے حضور حاضر ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو دن میں آسمان بنائے اور ہر آسمان میں جو کچھ پیدا فرمایا اسے حکم دیا کہ تو نے یہ یہ کام سرانجام دینے ہیں پھر آسمانِ دنیا کو ستاروں سے مزین فرمایا اور شیطانوں سے اس کی حفاظت کا بندوبست کیا اس نظام کو صرف ''اللہ'' غالب اور سب کچھ جاننے والے نے اپنی مرضی سے بنایا اور پوری طرح مربوط کیا ہے۔ پہلی آیت میں یہ ذکر ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان بنانے کا ارادہ فرمایا تو زمین اور آسمان کو حکم دیا کہ خوشی یا ناخوشی سے میرے پاس حاضر ہو جاؤ گویا کہ یہ شاہی فرمان تھا کہ تم چاہو یا نہ چاہو بہر حال تمہیں یہ کام کرنا ہوگا۔ ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی رفعت وجلالت کا پتہ چلتا ہے۔ زمین و آسمان سے مراد ان کا میٹریل ہے جو اللہ کے پہلے حکم پر معرضِ وجود میں آچکا تھا۔

جس کی موجودہ زمانے کے کچھ سائنسدان بھی تائید کرتے ہیں۔ اس کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں ہر چیز کا ذخیرہ فرما دیا تا کہ زمین میں رہنے والی مخلوق قیامت تک اپنی ضرورت پوری کرتی رہے اس میں پہاڑ، سمندر، صحراء اور ہر چیز

شامل ہے اس میں اس بات کا بھی خیال رکھا گیا کہ کسی ایک علاقے کی بجائے مختلف چیزوں کو زمین کے مختلف طبقات میں رکھا جائے تاکہ تمام لوگ ایک دوسرے کے ضرورت مند ہوں اور آپس میں رابطہ رکھنے کی ضرورت محسوس کرتے رہیں، اس لیے سائلین کا معنٰی حاجت مند بھی کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین، سمندر اور پہاڑوں میں اس طرح خزانے چھپادیئے ہیں کہ ہر دور کے انسان اپنی کوشش اور صلاحیت کے مطابق نکالتے رہیں گے اور ان سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے لیکن پھر بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے ہیں جو سب سے بڑا گناہ ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو دو دنوں میں تخلیق فرمایا۔ ۲۔ اللہ نے زمین کی تخلیق کے بعد اس میں پہاڑ جمادیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو دو دنوں میں پیدا کیا۔ ۴۔ زمین وآسمانوں میں اللہ کا ہی حکم چلتا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے انسان اور ہر جاندار کیلئے زمین، پہاڑ اور سمندر میں رزق رکھ کر اس میں برکت پیدا فرمادی ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے مزین کیا اور اس سے آسمان کی حفاظت کا بندوبست بھی فرمایا ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے:

۱۔ اللہ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ (الروم: ۲۰) ۲۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک نطفے سے پیدا کیا۔ (الدھر: ۲)

۳۔ اللہ ہی نے انسان کو بڑی اچھی شکل وصورت میں پیدا فرمایا۔ (التین: ۴)

۴۔ اللہ نے ایک ہی جان سے سب انسانوں کو پیدا کیا۔ (الاعراف: ۱۸۹)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور زمین وآسمانوں کو پیدا فرمایا۔ (البقرۃ: ۲۲)

۶۔ اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے اور اس کا ہی حکم چلنا چاہیے۔ (الاعراف: ۵۴)

۷۔ لوگو اس رب سے ڈر جاؤ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ (النساء: ۱)

۸۔ اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے۔ (الذاریات: ۵۸) ۹۔ اللہ ہی رزق فراخ کرتا اور کم کرتا ہے۔ (السباء: ۳۹)

۱۰۔ اللہ تعالیٰ لوگوں سے رزق طلب نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کو رزق دیتا ہے۔ (طٰہٰ: ۱۳۲)

فَاِنْ	اَعْرَضُوْا	فَقُلْ	اَنْذَرْتُكُمْ	صٰعِقَةً	مِّثْلَ	صٰعِقَةِ
پھراگر	وہ منہ موڑیں	تو آپ فرمادیجیے	میں نے تمہیں ڈرادیا	کڑک سے	مثل	کڑک کی
عَادٍ	وَّ ثَمُوْدَ ؁۱۳	اِذْ	جَآءَتْهُمُ	الرُّسُلُ	مِنْۢ	
عاد	اور ثمود کی	جب	آئے ان کے پاس	رسول (جمع)	سے	
بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ	وَمِنْ	خَلْفِهِمْ	اَلَّا	تَعْبُدُوْٓا	اِلَّا	
ان کے سامنے	اور سے	ان کے پیچھے	کہ نہ	تم عبادت کرو	مگر	
اللّٰهَ	قَالُوْا	لَوْ شَآءَ	رَبُّنَا	لَاَنْزَلَ	مَلٰٓئِكَةً	فَاِنَّا
اللہ کی	انہوں نے کہا	اگر چاہتا	ہمارا رب	تو ضرور نازل کر دیتا	فرشتے	پس بلاشبہ ہم
بِمَآ	اُرْسِلْتُمْ	بِهٖ	كٰفِرُوْنَ ؁۱۴			
اس کے ساتھ جو	تم بھیجے گئے ہو	اس کے ساتھ	انکار کرنے والے			

’’اگر وہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو ان سے فرمائیں کہ میں تمہیں اُسی طرح کے عذاب سے ڈراتا ہوں جیسا عاد اور ثمود پر آیا تھا۔ (۱۳) جب اللہ کے رسول اُن کے ہاں ان کے آگے، پیچھے سے آئے اور انہیں سمجھایا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، تو انہوں نے کہا ہمارا رب چاہتا تو فرشتے بھیجتا، لہٰذا جس چیز کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اسے نہیں مانتے۔‘‘ (۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی قدرتیں دیکھنے اور اس کی نعمتیں استعمال کرنے کے باوجود جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کفر وشرک کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو قومِ عاد اور قومِ ثمود کے انجام پر نظر رکھنا چاہیے۔

اے نبی ﷺ! آپ کے مخاطبین ہر قسم کے دلائل سُننے اور حقائق جاننے کے باوجود اپنے رب کے ساتھ کفر وشرک چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تو انہیں بتلا دیں کہ میں نے تمہیں قومِ عاد اور قومِ ثمود کے دھماکوں سے ڈرا دیا ہے۔ ان کے پاس اور ان کے بعد رسول آئے اور انہوں نے زندگی بھر انہیں دعوت دی کہ اللہ کے سوا نہ کسی کو معبود مانو اور نہ کسی اعتبار سے ان کی بندگی کرو۔ قومِ عاد اور ثمود نے اس بات کو قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا اگر واقعی ’’اللہ‘‘ اپنا پیغام پہنچانا چاہتا تو تمہاری بجائے ہمارے پاس فرشتے بھیجتا جس چیز کی تم دعوت دیتے ہو ہم اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ حق کے منکرین کی شروع سے یہ عادت ہے کہ وہ رسولوں کو انسان تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے فرق صرف یہ ہے پہلے لوگ انبیائے کرام علیہم السلام کی نبوت کا اس لیے انکار کرتے تھے کہ بشر نبوت جیسے عظیم منصب پر فائز نہیں ہو سکتا اور آج کلمہ پڑھنے والے بعض مسلمان کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کو بشر کہنا آپ کی توہین ہے۔ فرق یہ ہے کہ اہلِ مکہ آپ ﷺ کو بشر

مانتے تھے لیکن رسالت کا انکار کرتے تھے آج کچھ مسلمان آپ کی نبوت مانتے ہیں لیکن بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور پہاڑوں کا ذکر فرما کر اپنی کبریائی کا اشارہ کیا اور بتلایا کہ قومِ عاد اور قومِ ثمود بھی اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے اور اہلِ مکہ بھی اپنے آپکو بڑا سمجھتے ہیں جس طرح قومِ عاد اور ثمود کا بُرا انجام ہے اسی طرح مکہ والے بھی بُرے انجام کو پہنچے گے۔

مسائل

۱۔ قومِ عاد اور قومِ ثمود کی تباہی سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔
۲۔ کفار نے انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا اس لیے انکار کیا کہ وہ انسان تھے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اس لیے مبعوث فرمائے تا کہ وہ لوگوں کو سمجھائیں کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے۔

تفسیر بالقرآن

کفّار کے نبوت کو تسلیم نہ کرنے کے بہانے:

۱۔ کفار نے کہا ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک تو زمین سے ہمارے لیے کوئی چشمہ جاری نہ کردے۔ (بنی اسرائیل:۹۰) ۲۔ مشرکین نے آپ پر اعتراض کیا کہ آپ پر خزانہ کیوں نہیں نازل ہوتا۔ (ھود:۱۲)
۳۔ بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰ جب تک ہم اللہ کو اپنے سامنے نہیں دیکھ لیتے ہم ایمان نہیں لائیں گے۔ (البقرۃ:۵۵)
۴۔ قرآن کے نزول کے وقت منافقین ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے تھے۔ (التوبۃ:۱۲۷)
۵۔ منافقین قرآن مجید کے نزول کا مذاق اڑاتے اور کہتے ہیں اس سے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا؟ (التوبۃ:۱۲۴)
۶۔ جب قرآن کا کوئی حصہ نازل ہوتا ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول سے مل کر جہاد کرو تو منافق بہانے تراشنے لگتے ہیں۔ (التوبۃ:۸۶)

فَاَمَّا	عَادٌ	فَاسْتَكْبَرُوْا	فِي	الْاَرْضِ	بِغَيْرِ	الْحَقِّ
پھر لیکن	عاد	پس انہوں نے تکبر کیا	میں	زمین	بغیر	حق کے
وَقَالُوْا	مَنْ	اَشَدُّ	مِنَّا	قُوَّةً	اَوَلَمْ	يَرَوْا
اور انہوں نے کہا	کون ہے	زیادہ سخت	ہم سے	قوت میں	کیا نہیں	انہوں نے دیکھا
اَنَّ	اللّٰهَ	الَّذِيْ	خَلَقَهُمْ	هُوَ	اَشَدُّ	مِنْهُمْ
کہ بے شک	اللہ	جس نے	پیدا کیا انہیں	وہ	زیادہ سخت ہے	ان سے
قُوَّةً	وَكَانُوْا	بِاٰيٰتِنَا	يَجْحَدُوْنَ ۱۵	فَاَرْسَلْنَا	عَلَيْهِمْ	رِيْحًا
قوت میں	اور وہ تھے	ہماری آیتوں کا	انکار کرتے ہیں	پس ہم نے بھیجی	ان پر	ہوا
صَرْصَرًا	فِيْٓ	اَيَّامٍ	نَّحِسَاتٍ			
سخت	میں	دنوں	منحوس			

’’قومِ عاد کا حال یہ تھا کہ وہ زمین میں بلا وجہ بڑے بن بیٹھے اور کہنے لگے ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے؟ انہوں نے یہ نہ سوچا کہ جس اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ طاقتور ہے۔ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے رہے۔ (۱۵) آخر کار ہم نے چند منحوس دنوں میں ان پر شدید آندھی بھیجی

فہم القرآن

ربطِ کلام: قومِ عاد کا کفر اور اس کا انجام۔

حضرت ھود علیہ السلام کا تعلق عرب کے عاد قبیلے سے تھا جن کی رہائش موجودہ جغرافیے کے مطابق عمان اور یمن کے علاقے حضر موت کے درمیان تھی یہ علاقہ سمندر کے کنارے پر واقع تھا یہاں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے اور بلند و بالا پہاڑ ہیں۔

قومِ عاد کے لوگ جسمانی اعتبار سے دراز قامت، کڑیل جوان اور قوی ہیکل تھے دنیا میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ انہوں نے پہاڑ تراش، تراش کر خوبصورت محلات تعمیر کر رکھے تھے، ان کی سرزمین نہایت سرسبز تھی جس میں ہر قسم کے باغات آراستہ تھے انھیں قرآن مجید میں ’’احقاف والے‘‘ کہا گیا ہے۔ احقاف ریت کے بڑے بڑے ٹیلوں کو کہا جاتا ہے جو عرب کے جنوب مغربی حصہ میں واقع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی علاقہ میں حضرت ھود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جو خوش اندام، کڑیل جوان اور بہترین صورت و سیرت کے حامل تھے۔

قومِ عاد کی خصوصیات اور جرائم:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے عاد کو قومِ نوح کے بعد زمین پر اقتدار اور اختیار بخشا۔ (الاعراف:۶۹)

لِّنُذِيْقَهُمْ	عَذَابَ	الْخِزْيِ	فِي	الْحَيٰوةِ	الدُّنْيَا	وَلَعَذَابُ
تاکہ ہم ان کو چکھائیں	عذاب	رسوائی کا	میں	زندگی میں	دنیا والی	اور البتہ عذاب

الْاٰخِرَةِ	اَخْزٰى	وَهُمْ	لَا يُنْصَرُوْنَ ⑯
آخرت کا	بہت زیادہ رسوا کرنے والا ہے	اور وہ	نہیں مدد کیے جائیں گے

تاکہ انہیں دنیا کی زندگی میں ذلّت کے عذاب کا مزا چکھائیں، اور آخرت کا عذاب اس سے زیادہ رسوا کن ہے وہاں ان کی کوئی مدد کرنے والا نہیں ہوگا۔'' (۱۶)

۲۔ قومِ عاد اس قدر کڑیل اور قوی ہیکل جوان تھے کہ ان جیسا دنیا میں کوئی پیدا نہیں کیا گیا۔ (الفجر ۶ تا ۸)

۳۔ انھیں افرادی قوت اور مویشیوں سے نوازا گیا۔ (الشعراء: ۱۳۳)

۴۔ یہ قوم بڑے بڑے محلات میں رہتی تھی کھیتی باڑی اور باغات میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ (الشعراء ۱۲۹ تا ۱۳۴)

۵۔ انھوں نے خود ساختہ معبود بنا رکھے تھے۔ (الانعام: ۱۰۱)

۶۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اس دنیا کے سوا اور کوئی جہاں برپا نہیں ہوگا۔ (المومنون: ۳۷)

۷۔ قومِ عاد اپنی قوت پر اترانے والے تھے۔ (حٰمٓ السجدۃ: ۱۵)

قومِ عاد کے کفر کو اللہ تعالیٰ نے تکبّر قرار دیا ہے۔ بے شک کفر کرنے والا بول چال اور معاملات میں کتنا ہی بااخلاق کیوں نہ ہو حقیقت میں وہ متکبر ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی بات کو ترجیح دینے کی بجائے اپنے مفاد اور نظریات کو ترجیح دیتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے کافر اور مشرک کو متکبّر قرار دیا ہے۔ قومِ عاد نے اس لیے تکبّر کیا تھا وہ سمجھتے تھے کہ جسمانی قوت اور دنیوی ترقی کے اعتبار سے ہم سے بڑھ کر کوئی نہیں حالانکہ انہیں غور کرنا چاہیے تھا کہ جس ''اللہ'' نے انہیں پیدا کیا ہے وہ کتنا قوت والا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے احکام کا انکار کیا جس بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کچھ دن منحوس بنا دیئے ان میں زبردست آندھیاں چلائیں۔ مسلسل آندھی اور بادوباراں کے طوفان کے ذریعے دنیا میں ذلّت کی موت مرے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہوگا اور انہیں کسی طرف سے کوئی مدد نہیں مل سکے گی۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی دن اور چیز فی نفسہٖ منحوس پیدا نہیں کی منحوس ایام سے مراد جن ایام میں قوم عاد پر عذاب نازل کیا گیا۔ وہ دن قوم عاد کے لیے منحوس ثابت ہوئے۔

((وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْاَسَدِ)) (رواہ البخاری: باب الجذام)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: کوئی بھی بیماری متعدی نہیں، بدشگونی کی

بھی نہیں ہے۔ نہ الو بدروح ہے اور نہ صفر کا مہینہ نحوست والا ہے اور کوڑھی شخص سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔‘‘

قومِ عاد پر ’’اللہ‘‘ کے عذاب کی مختلف صورتیں:

١۔ سات راتیں اور آٹھ دن زبردست آندھی اور ہوا کے بگولے چلے۔(الحاقۃ:٧)(الشعراء:٢٠)

٢۔ گرج چمک اور بادوباراں کا طوفان آیا۔(الاحقاف:٢٤)

٣۔ آندھیوں نے انھیں کھجور کے تنوں کی طرح پٹخ پٹخ کر دے مارا۔(الحاقۃ:٧)

٤۔ انھیں ریزہ ریزہ کر دیا گیا۔(الذاریات:٤١، ٤٢)٥۔قومِ عاد کو نیست و نابود کر دیا گیا۔(الاعراف:٧٢)

مسائل

١۔ قومِ عاد اپنی طاقت کی وجہ سے متکبّر ہوگئی۔حالانکہ جس ذات نے انہیں پیدا کیا وہ زیادہ طاقت ور ہے۔

٢۔ قومِ عاد نے تکبّر کی بنیاد پر اپنے رب کی ذات اور اس کے ارشادات کا انکار کیا۔

٣۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد پر شدید آندھیاں چلائیں۔

٤۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد کو دنیا میں ذلیل کیا اور آخرت میں وہ شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

٥۔ قومِ عاد کی کوئی بھی مدد نہ کر سکا۔

٦۔ قیامت کے دن بھی قومِ عاد کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔

تفسیر بالقرآن

قومِ عاد کی تباہی کا ایک منظر:

١۔ قومِ عاد کی تباہی کا سبب رسولوں کی نافرمانی تھی۔(ھود:٥٩)

٢۔ عاد زبردست آندھی کے ذریعے ہلاک ہوئے۔(الحاقۃ:٦)

٣۔ قومِ عاد نے اپنے رسول کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا۔(الشعراء:١٣٩)

٤۔ قومِ عاد بڑے سفاک اور ظالم لوگ تھے۔(النجم:٥٢)

٥۔ (الشعراء:٢٠)(الاعراف:٧٢)(الذاریات:٤١، ٤٢)(الحاقۃ:٧)(الاحقاف:٢٤)(القمر:١٩) (القمر:٢٠)

وَ اَمَّا	ثَمُوْدُ	فَهَدَيْنٰهُمْ	فَاسْتَحَبُّوا	الْعَمٰى عَلَى
اور لیکن	ثمود	تو ہم نے ان کی رہنمائی کی	پس انہوں نے پسند کیا	اندھا پن پر
الْهُدٰى	فَاَخَذَتْهُمْ	صٰعِقَةُ	الْعَذَابِ	الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا
ہدایت	پھر پکڑ لیا ان کو	کڑک نے	عذاب کی	ذلت والے بہ سبب اسکے جو وہ تھے
يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾	وَ نَجَّيْنَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾
کماتے	اور ہم نے نجات دی	ان لوگوں کو	جو ایمان لائے	اور وہ تھے تقویٰ اختیار کرتے

”رہے ثمود تو ہم نے ان کی رہنمائی کی مگر انہوں نے ہدایت پانے کی بجائے اندھا پن ہی پسند کیا، آخر ان کی کرتوتوں کی وجہ سے اُن پر ذلت کا عذاب ٹوٹ پڑا۔(۱۷) اور ہم نے اُن لوگوں کو بچا لیا جو ایمان لائے اور بدعملی سے پرہیز کرتے تھے۔“(۱۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قومِ عاد کے بعد قومِ ثمود کا کردار اور انجام۔

اس قوم کو اصحاب الحجر بھی کہا گیا ہے اصحاب الحجر سے مراد وہ قوم اور علاقہ ہے جو مدینہ سے تبوک جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے یہ علاقہ جغرافیائی اعتبار سے خلیج اربعہ کے مشرق میں اور شہر مدین کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔قومِ ثمود اس قدر ٹیکنالوجی اور تعمیرات کے معاملے میں ترقی یافتہ تھی کہ انہوں نے پہاڑوں کو تراش تراش کر مکانات اور محلات تعمیر کیے تھے تاکہ کوئی زلزلہ اور طوفان انہیں نقصان نہ پہنچا سکے۔

قومِ ثمود کا کردار:

۱۔ قومِ ثمود اللہ کیساتھ شرک کیا کرتی تھیں۔(ھود:۶۲۔۶۱) ۲۔ثمود انبیاء کو جھوٹا قرار دیتے تھے۔(الشعراء:۱۴۱)

۳۔ وہ پہاڑوں اور نرم زمین پر بڑے بڑے محل تعمیر کیا کرتے تھے۔(الاعراف:۷۴)

۴۔ وہ لوگ بہت زیادہ اسراف، تکبر اور زمین میں فساد کرنے والے تھے۔(الشعراء:۱۵۲،۱۵۱)

۵۔ قومِ ثمود ہدایت کی بجائے گمراہی کو پسند کرتی تھی۔(حٰمٓ السجدۃ:۱۷)

۶۔ انہوں نے اللہ کی نشانی کو جھٹلایا۔(ھود:۶۶)

قوم کے جواب اور الزامات:

۱۔ اے صالح ہم تجھے بہت اچھا سمجھتے تھے مگر تو ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ قرار دیتا ہے۔(ھود:۶۲)

۲۔ کیا تو ہمیں ان کاموں سے روکتا ہے جو ہمارے بزرگ کرتے چلے آئے ہیں۔(ھود:۶۲)

۳۔ ہم تمھیں اور تمہارے ساتھیوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔ (النمل: ۴۷)

۴۔ کیا ہم اپنے بزرگوں، آباؤاجداد کے مذہب کو چھوڑ کر صرف تمھاری پیروی کریں۔ (القمر: ۲۴)

۵۔ صالح تو بہت جھوٹا اور متکبر ہے۔ (القمر: ۲۵) ۶۔ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ (الشعراء: ۱۵۳)

قوم کی ہٹ دھرمی اور عذاب کا مطالبہ:

۱۔ انہوں نے قسمیں اٹھائیں کہ حضرت صالح کو اہل وعیال سمیت ختم کر دیں گے۔ (النمل: ۴۹)

۲۔ قوم نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ (القمر: ۲۹)

۳۔ اے صالح! ہم تمہارے عقیدے کا انکار کرتے رہیں گے۔ (الاعراف: ۷۶)

۴۔ اے صالح! تو جس چیز سے ہمیں ڈراتا ہے اسے لے آ۔ (الاعراف: ۷۷)

عذاب کا وقت اور اس کی تباہ کاری:

۱۔ قوم ثمود کو تین دن کی مہلت دی گئی۔ (ھود: ۶۵)

۲۔ قوم ثمود کو صبح کے وقت ہولناک دھماکے نے آلیا اور ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔ (الحجر ۸۳۔ ۸۴)

۳۔ ہم نے ان پر ہولناک چیخ نازل کی وہ ایسے ہو گئے جیسے بوسیدہ اور سوکھی ہوئی باڑ ہوتی ہے۔ (القمر: ۳۱)

قومِ ثمود کو حضرت صالح علیہ السلام نے زندگی بھر سمجھایا مگر ان کی گمراہی ہدایت پر غالب آگئی جس کے نتیجہ میں انہیں ایک دھماکہ کی صورت میں ذلت آمیز عذاب نے آلیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو عذاب سے بچا لیا جو صالح کردار اور ایماندار تھے۔

تفسیر بالقرآن

قومِ ثمود کا انجام:

۱۔ انھوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور وہ نادم ہونے والوں میں سے ہو گئے۔ (الشعراء: ۱۵۷)

۲۔ حضرت صالح اور حضرت شعیب کو جادو زدہ کہا گیا۔ (الشعراء: ۱۵۳۔ ۱۸۵)

۳۔ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے عذاب کا مطالبہ کیا۔ (الاعراف: ۷۷)

۴۔ قومِ ثمود کے بدبختوں نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ الشمس: ۱۴)

۵۔ ثمود زوردار آواز کے ساتھ ہلاک کیے گئے۔ (الحاقۃ: ۵)

۶۔ قوم عاد و ثمود کے اعمال بد کو شیطان نے ان کے لیے فیشن بنا دیا تھا۔ (العنکبوت: ۳۸)

۷۔ قوم ثمود کو زلزلے نے آپکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ (الاعراف: ۷۸)

۸۔ قومِ ثمود کو چیخ نے آپکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ (ھود: ۶۷)

وَ يَوْمَ	يُحْشَرُ	اَعْدَآءُ	اللّٰهِ	اِلَى	النَّارِ	فَهُمْ
اور جس دن	اکٹھا کیا جائے گا	دشمنوں کو	اللہ کے	طرف	آگ کی	تو وہ

يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾	حَتّٰٓى	اِذَا	مَا	جَآءُوْهَا	شَهِدَ	عَلَيْهِمْ
وہ روکے جائیں گے	یہاں تک کہ	جب	جو	وہ آجائیں گے اس کے پاس	گواہی دیں گے	ان پر

سَمْعُهُمْ	وَ اَبْصَارُهُمْ	وَجُلُوْدُهُمْ	بِمَا	كَانُوْا	يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾	وَقَالُوْا
ان کے کان	اوران کی آنکھیں	اوران کے چمڑے	ساتھ ان کے جو	وہ تھے	عمل کرتے	اور وہ کہیں گے

لِجُلُوْدِهِمْ	لِمَ	شَهِدْتُّمْ	عَلَيْنَا ؕ	قَالُوْٓا	اَنْطَقَنَا	اللّٰهُ
اپنی جسموں سے	کیوں	تم نے گواہی دی	ہمارے خلاف	وہ کہیں گے	ہمیں بلوایا	اللہ نے

الَّذِيْٓ	اَنْطَقَ	كُلَّ	شَيْءٍ	وَّهُوَ	خَلَقَكُمْ
جس نے	بلوایا	ہر	چیز کو	اور وہ	اسی نے پیدا کیا تمہیں

اَوَّلَ	مَرَّةٍ	وَّاِلَيْهِ	تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾
پہلی	مرتبہ	اور اسی کی طرف	تم لوٹائے جاؤ گے

’’جس دن اللہ کے دشمن جہنم کے لیے اکٹھے کئے جائیں گے، انہیں اُن سے پیچھے آنے والوں کے لیے روک لیا جائے گا۔(۱۹) جب وہاں پہنچ جائیں گے تو اُن کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے وجود ان پر گواہی دیں گے کہ وہ کیا کرتے تھے۔(۲۰) وہ اپنے وجود سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی وہ جواب دیں گی ہمیں اُسی اللہ نے بولنے کی طاقت دی ہے جس نے ہر چیز کو بولنا سکھایا اُسی نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور اب اُسی کی طرف تم لوٹائے جا رہے ہو۔‘‘(۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام : قومِ عاد اور ثمود دنیا میں ذلّت کی موت مرے اور آخرت میں انہیں جہنّم میں داخل کیا جائے گا۔

اس سے پہلے قومِ عاد اور ثمود کی تباہی کا ذکر ہوا جس میں یہ بتایا گیا کہ ہم نے صالح کردار ایمانداروں کو عذاب سے بچا لیا۔ تفصیل بیان نہیں کی گئی کہ صاحبِ ایمان اور صالح کردار کو کس طرح بچایا گیا تاہم یہ بات حقیقت ہے کہ جس نبی کے دور میں اس کی قوم پر عذاب نازل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اس کے ساتھیوں کو وہاں سے ہجرت کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ عذاب سے محفوظ ہو جائیں۔ اب مجرموں کے اُخروی انجام کا ذکر کیا جاتا ہے جس کی ابتدا یوں ہوگی کہ جب محشر کے میدان میں تمام لوگ اکٹھے ہوں گے تو ایماندار اور صالح کردار حضرات کو ہلکے پھلکے حساب کے بعد جنت میں داخل ہونے کی اجازت

دی جائے گی۔ان کے مقابلے میں کفر وشرک کا عقیدہ رکھنے اور بُرے اعمال کرنے والوں سے کڑا حساب لیا جائے گا۔ان میں ایسے مجرم بھی ہوں گے جو اپنے اعمال نامے کا انکار کر دیں گے اور انبیائے کرام علیہم السلام کی شہادت کو یہ کہہ کر مسترد کر دیں گے کہ ہمارے پاس تو کوئی نبی آیا ہی نہیں اور ہمیں کسی سمجھانے والے نے سمجھایا ہی نہیں تھا ایسے مجرموں کے خلاف زمین گواہی دے گی اور ان کے اعضاء اور جسم شہادت دیں گے کہ ان کے مجرم ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

حساب وکتاب کے وقت جنت اور جہنم کا قریب ہونا:

{ وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۹۰﴾ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ۙ﴿۹۱﴾ وَ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۙ﴿۹۲﴾ }

(الشعراء:٩٠تا٩٢)

’’اس دن جنت پرہیزگاروں کے قریب لائی جائے گی اور دوزخ گمراہ لوگوں کے سامنے کھڑی کی جائے گی ،ان سے پوچھا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کیا کرتے تھے؟‘‘

مسائل

١۔ قیامت کے دن ’’اللہ‘‘ کے دشمنوں کو جہنّم کے قریب لاکھڑا کیا جائے۔

٢۔ مجرموں کے اعضاء اور ان کے وجود ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو بولنے کی صلاحیت عطا فرماتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن شہادتیں:

١۔ قیامت کے دن ہر کسی کو اس کا اعمال نامہ دے کر کہا جائے گا اسے پڑھ۔(بنی اسرائیل:١٤)

٢۔ اعمال نامہ پڑھ کر مجرم کہیں گے کہ اس کتاب نے تو کوئی بات نہیں چھوڑی۔(الکھف:٤٩)

٣۔ قیامت کے دن مجرموں کے خلاف گواہ پیش کیے جائیں گے۔(ہود:١٨)

٤۔ قیامت کے دن مجرم کے ہاتھ، پاؤں اور زبان اس کے خلاف گواہی دیں گے۔(النور:٢٤)

٥۔ قیامت کے دن مجرموں کے منہ پر مہر لگا دی جائیگی پھر اسکے ہاتھ اور پاؤں اسکے خلاف گواہی دیں گے۔(یٰس:٦٥)

٦۔ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امت کے بارے میں گواہی دیں گے۔(النساء:٤١)

٧۔ نبی اکرم ﷺ اپنی امّت کے بارے میں گواہی دیں گے۔(البقرۃ:١٤٣)

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ

اور نہیں — تم تھے — چھپاتے — کہ — گواہی دیں گے — تمہارے خلاف — تمہارے کان

وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ

اور نہ — تمہاری آنکھیں — اور نہ — تمہاری جلدیں — اور لیکن — تم نے خیال کیا کہ — بلاشبہ

اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ

اللہ — نہیں — وہ جانتا — بہت سے — اس سے جو — تم عمل کرتے تھے — اور یہ تمہارا

ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ

گمان ہے — وہ جو — تم نے گمان کیا — اپنے رب کے ساتھ — ہلاک کیا تم کو — چنانچہ ہو گئے تم — سے

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ج وَاِنْ

خسارہ پانے والوں — پھر اگر — وہ صبر کریں — تو آگ — ٹھکانہ ہے — ان کے لیے — اور اگر

يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾

وہ معافی طلب کریں گے — تو نہیں — وہ — سے — معاف کیے جانے والوں میں

”جب تم دنیا میں جرائم کرتے وقت چھپتے تھے تو تمہیں یہ خیال نہ تھا کہ کبھی تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے وجود تم پر گواہی دیں گے۔ تم نے سمجھا تھا کہ تمہارے بہت سے اعمال کی اللہ کو خبر نہیں ہوگی۔ (۲۲) تم نے اپنے رب کے ساتھ جو گمان کیا تھا وہی تمہاری تباہی کا باعث ثابت ہوا اور اسی کی وجہ سے تم خسارہ پانے والوں میں شامل ہوئے۔ (۲۳) صبر کریں یا نہ کریں آگ ہی ان کا ٹھکانہ ہوگی، اور اگر توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔“ (۲۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنمیوں کے اعضاء کی مزید گواہی۔

جب جہنّمیوں کے اعضاء اور ان کے وجود گواہی دے رہے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ کیا تم اپنا گھناؤنا کردار اس لیے چھپایا کرتے تھے کہ شاید تمہارے کان، تمہاری آنکھیں اور تمہاری چمڑیاں گواہی نہ دیں گی اور تم یہ بھی گمان رکھتے تھے کہ تمہارے بہت سے اعمال کا تمہارے رب کو علم نہیں ہوگا۔ اپنے رب کے بارے میں جو تم گمان رکھتے تھے اسی نے تمہیں ہلاک کر دیا اور تم نقصان پانے والوں میں شامل ہو گئے۔ اب صبر کرو یا واویلا کرو دونوں صورتوں میں تمہارا ٹھکانہ آگ ہے اور تمہاری توبہ قبول نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو گناہوں سے بچانے کے لیے یہ سوچ

اور عقیدہ دیا ہے کہ اسے ہر کام کرنے سے پہلے دو باتیں ذہن میں رکھنی چاہییں پہلی بات یہ ہے کہ اسے کوئی دیکھے یا نہ دیکھے اللہ تعالیٰ اُسے ہر حال میں دیکھ رہا ہوتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ جن اعضاء کے ساتھ انسان نیکی یا بُرائی کرتا ہے اعضاء اور اس کا پورا وجود اس کے حق یا اس کے خلاف گواہی دے گا۔

”وہ غیب اور ظاہر کو جاننے والا، بہت بڑا اور نہایت بلند و بالا ہے برابر ہے تم میں سے جو بات چھپا کر کرے یا اسے بلند آواز سے کرے اور جو رات کو چھپا ہوا ہے اور جو دن کو سرعام پھرنے والا ہے۔ اس کے لیے اس کے آگے اور اس کے پیچھے یکے بعد دیگرے نگران لگے ہوئے ہیں، جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں بے شک اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کو، یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو خود بدلے جو ان کے دلوں میں ہے اور جب اللہ کسی قوم پر مصیبت کا ارادہ کر لے تو اسے کوئی ہٹانے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں۔“ (الرعد: ۹ تا ۱۱)

{ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ } (المجادلة: ۷)

”کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کی اور زمین کی ہر چیز سے واقف ہے تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کی مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے کم اور نہ ہی زیادہ۔ مگر ”اللہ“ ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں۔ قیامت کے دن وہ انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔“

مسائل

۱۔ انسان اپنے رب سے کوئی بات چھپا نہیں سکتا۔

۲۔ قیامت کے دن انسان کے اعضاء اس کے حق یا اس کے خلاف گواہی دیں گے۔

۳۔ جہنمی آہ و زاریاں کریں گے لیکن ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

جہنّم میں کفار اور مشرکین کی آہ زاریاں:

۱۔ اے ہمارے رب ہمیں تھوڑی دیر کے لیے مہلت دے ہم تیری دعوت قبول اور تیرے رسول کی بات کو تسلیم کریں گے۔ (ابراہیم: ۴۴)

۲۔ جہنمی کہیں گے اے اللہ ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو واپس لوٹا دے۔ (السجدۃ: ۱۲)

۳۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں یہاں سے نکال لے ہم پہلے سے نیک عمل کریں گے۔ (فاطر: ۳۷)

۴۔ اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال لے اگر دوبارہ ایسا کریں تو بڑے ظالم ہوں گے۔ (المومنون: ۱۰۷)

وَقَيَّضْنَا	لَهُمْ	قُرَنَآءَ	فَزَيَّنُوْا	لَهُمْ	مَّا
اور ہم نے مقرر کر دیے	ان کے لیے	ساتھی	سوانہوں نے خوبصورت کر دیا	ان کے لیے	وہ جو
بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ	وَمَا	خَلْفَهُمْ	وَحَقَّ	عَلَيْهِمُ	الْقَوْلُ
ان کے سامنے ہے	اور وہ جو	ان کے پیچھے ہے	اور ثابت ہوگئی	ان پر	بات
فِیْٓ	اُمَمٍ	قَدْ	خَلَتْ	مِنْ قَبْلِهِمْ	مِّنَ الْجِنِّ
میں	امتوں کی	تحقیق	گزر چکیں	ان سے پہلے	سے جنوں
وَالْاِنْسِ ج	اِنَّهُمْ	كَانُوْا	خٰسِرِيْنَ ع ۲۵		
اور انسانوں	بلاشبہ وہ	تھے	خسارہ پانے والوں سے		

ع ۳ / ۱۷

''ہم نے اُن پر ایسے ساتھی مسلط کر دیے تھے جوانہیں آگے اور پیچھے ہر چیز کو خوشنما بنا کر دکھاتے تھے، اُن پر بھی وہی فیصلہ نافذ ہوا جو ان سے پہلے جنوں اور انسانوں کے گروہوں پر نافذ ہو چکا ہے، یقیناً وہ نقصان پانے والے تھے۔''(۲۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جب انسان فکری اور اعتقادی طور پر اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دیتا ہے تو پھر وہ اپنے فیصلے، نظریے اور معاشرے کے رسم و رواج کو اپنے لیے حرفِ آخر سمجھتا ہے اور یہ فکر اس پر اس طرح مسلط ہو جاتی ہے کہ وہ اس کے سوا کوئی بات سننا گوارا نہیں کرتا ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ بھی کھلا چھوڑ دیتا ہے۔

انسان کی لاپرواہی کی انتہا ہوتی ہے جب کوئی بُرا کام اس کے لیے فیشن بن جاتا ہے جو لوگ قیامت کے حساب اور اپنے رب کو بھول جاتے ہیں ان پر شیطان مسلّط کر دیا جاتا ہے۔ جس پر شیطان مسلّط کر دیا جائے تو اس کی سوچ، کردار اور ماحول بُرا بن جاتا ہے اگر حکمران ہے تو اس کے وزیر، مشیر، اس کے بُرے کاموں کی تعریف کرتے ہیں اور اسے باور کرواتے ہیں کہ آپ اور ملک لازم ملزوم ہیں آپ کے جانے کے بعد ملک کا بُرا حال ہو جائے گا، اگر وہ کسی جماعت، قبیلے کا سربراہ ہے تو اس کے حواری کہتے ہیں کہ آپ تو جماعت اور قبیلے کے لیے ناگزیر ہیں یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا رہتا ہے جب تک وہ شخص لوگوں کی نظروں میں ذلیل نہیں ہو جاتا جوں ہی وہ ذلّت کے گھاٹ اترتا ہے جو اس کی تعریف کرنے والے اس کی جگہ لینے والے کی تعریفیں کر رہے ہوتے ہیں ایسے شخص کو غلط کاموں اور خوشامد میں لذّت محسوس ہوتی ہے اسی وجہ سے جنّوں اور انسانوں کے پہلے گروہ گمراہ ہوئے اور انہیں کے گناہوں کے اثرات کی وجہ ان کی آنے والی نسلیں گمراہی کا شکار ہوئیں یہ لوگ قیامت کے دن یقیناً نقصان پانے والے ہیں یہ بات فہم القرآن کے کئی مقامات پر عرض کی ہے کہ جب گمراہی کی نسبت ''اللہ'' کی طرف

ہوتی ہے تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کے حوالے کر دیتا ہے جو گمراہی اور تباہی کا آخری درجہ ہے۔ اس سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ انسان اپنے رب سے سچی توبہ اور بُرے ماحول سے نکل جائے۔

«عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ وَالسُّوْءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيْرِ فَحَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّآ أَنْ يُحْذِيَكَ وَإِمَّآ أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَإِمَّآ أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيْحًا طَيِّبَةً وَنَافِخُ الْكِيْرِ إِمَّآ أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ وَإِمَّآ أَنْ تَجِدَ رِيْحًا خَبِيْثَةً»

(رواہ البخاری: کتاب الذبائح والصید، باب المسک)

”حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھے اور برے ساتھی کی مثال کستوری بیچنے والے اور بھٹی پھونکنے والے کی طرح ہے کستوری بیچنے والا یا تجھے تحفہ دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا تم اس سے اچھی خوشبو پاؤ گے اور بھٹی پھونکنے والا یا تمہارے کپڑوں جلا دے گا یا تو اس سے بری بو محسوس کرے گا۔“

{ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ } (الزخرف:۳۶)

”جو شخص رحمٰن کے ذکر سے منہ موڑتا ہے ہم شیطان کو اس کا ساتھی بنا دیتے ہیں۔“

مسائل

۱۔ بُرے لوگوں کے لیے ان کے اعمال خوبصورت بنا دیئے جاتے ہیں۔

۲۔ بُرے لوگوں پر اللہ کا عذاب برحق ثابت ہوتا ہے۔ ۳۔ بُرے جنّات اور انسان ناقابلِ تلافی نقصان پائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

دنیا اور آخرت میں نقصان پانے والے لوگ:

۱۔ اللہ کفار کے اعمال دنیا میں تباہ کرے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پائیں گے۔ (التوبۃ:۶۹)

۲۔ دین اسلام کا انکار کرنے والے نقصان پائیں گے۔ (البقرۃ:۱۲۱)

۳۔ اسلام کے بغیر دین تلاش کرنے والے نقصان پائیں گے۔ (آل عمران:۸۵)

۴۔ شیطان کی تابعداری کرنے والے نقصان پائیں گے۔ (المجادلۃ:۱۹)

۵۔ مشرک نقصان پائیں گے۔ (الزمر:۶۵) ۶۔ کافر نقصان پائیں گے۔ (النحل:۱۰۹)

۷۔ اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم نقصان پانیوالے ہوں گے۔ (الاعراف:۲۳)

۸۔ جس نے اللہ کے سوا شیطان کو دوست بنا لیا اس نے بہت نقصان پایا۔ (النساء:۱۱۹)

۹۔ ان لوگوں نے نقصان پایا جنہوں نے اللہ کی ملاقات کی تکذیب کی۔ (الانعام:۳۱)

وَقَالَ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	لَا	تَسْمَعُوْا	لِهٰذَا	الْقُرْاٰنِ
اور کہا	ان لوگوں نے	انہوں نے کفر کیا	نہ	تم سنو	یہ	قرآن
وَالْغَوْا	فِيْهِ	لَعَلَّكُمْ	تَغْلِبُوْنَ ۝۲۶	فَلَنُذِيْقَنَّ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا
اور تم شور کرو	اس میں	تاکہ تم	غالب آجاؤ	پھر ضرور ہم چکھائیں گے	ان لوگوں کو	جنہوں نے کفر کیا
عَذَابًا	شَدِيْدًا ۙ	وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ	اَسْوَاَ الَّذِيْ	كَانُوْا	يَعْمَلُوْنَ ۝۲۷	
عذاب	شدید	اور البتہ ضرور ہم ان کو بدلہ دیں گے	بُرا جو	وہ تھے	کرتے	
ذٰلِكَ	جَزَآءُ	اَعْدَآءِ	اللّٰهِ	النَّارُ ج	لَهُمْ	فِيْهَا
یہ	بدلہ ہے	دشمنوں کا	اللہ کے	آگ	ان کے لیے ہے	اس میں
دَارُ	الْخُلْدِ ط	جَزَآءًۢ	بِمَا	كَانُوْا	بِاٰيٰتِنَا	يَجْحَدُوْنَ ۝۲۸
گھر	ہمیشہ کا	بدلہ ہے	اس کا جو	وہ تھے	ہماری آیتوں کا	انکار کرتے

''کفار کہتے ہیں کہ اس قرآن کو نہ سنو اور جب یہ سنایا جائے تو شور وغل کیا کرو، تاکہ تم غالب آجاؤ۔ (۲۶) ان کافروں کو ہم سخت عذاب کا مزا چکھائیں گے اور ہم ان کے بُرے اعمال کی پوری پوری سزا دیں گے۔ (۲۷) اللہ کے دشمنوں کا بدلہ آگ ہے جو ہمیشہ کے لیے ان کا ٹھکانہ ہوگی، یہ سزا اس جرم کی ہے کیونکہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے۔'' (۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح پہلے لوگ گمراہ ہوئے اسی طرح ہی اہلِ مکہ نے گمراہی اختیار کی۔

ابھی بیان ہوا ہے کہ جو لوگ اپنے لیے گمراہی کا راستہ پسند کرتے ہیں ان کے لیے ان کے اعمال خوبصورت بنا دیئے جاتے ہیں جس کے لیے شیطان بُرے اعمال خوبصورت بنا دے پھر اسے سمجھ نہیں رہتی کہ میں کس قدر گمراہی میں آگے نکل چکا ہوں یہی صورتِ حال اہلِ مکہ کی تھی۔ اللہ کے نبی ﷺ انہیں اس لیے قرآن مجید سناتے تھے تاکہ وہ گمراہی کے راستے کو چھوڑ کر صراطِ مستقیم پر آجائیں۔ آپ کی تلاوت سن کر لوگ بالخصوص نوجوان طبقہ آپ کی طرف متوجہ ہو رہا تھا یہاں تک کہ نبوت کے ابتدائی تین سالوں میں ابوجہل کے بھتیجے بھی مسلمان ہو چکے تھے۔ ''قرآن'' کے انقلاب کو روکنے کے لیے کفار نے یہ حربہ بھی استعمال کیا اور لوگوں کو کہا کہ اس کے مقابلے میں شور وغوغا کرو تاکہ تمہاری آواز قرآن کی دعوت پر غالب رہے۔ اندازہ لگائیں کہ اہلِ مکہ کس قدر گمراہ ہو چکے تھے کہ وہ قرآن مجید کے بارے میں ایک دوسرے کو کہتے کہ جب محمد ﷺ تمہارے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کریں اُسے تو خاموشی سے سُننے کی بجائے جواب میں شور وغوغا کیا کرو تاکہ تمہاری آواز قرآن مجید کی تلاوت اور دعوت پر غالب رہے۔ اس کے جواب میں قرآن مجید نے انہیں ایک بار پھر سمجھایا'' کہ جب قرآن پڑھا

جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔'' (الاعراف: ۲۰۴)

لیکن اس کے باوجود کفار شور و غوغا کرنے سے باز نہ آئے۔ ربِ ذوالجلال نے ان پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ لوگ اپنے کفر پر ڈٹے رہے تو ہم ان کو ان کے برے اعمال کے بدلے شدید ترین عذاب میں مبتلا کریں گے یہ اللہ کے دشمن ہیں اس لیے انہیں جہنّم کی آگ میں جھونکا جائے گا جس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ سورہ مبارکہ مکہ میں نازل ہوئی اور ان آیات کا سیاق و سباق بتلا رہا ہے کہ اہل مکہ قرآن مجید کے جواب اور اس کی تاثیر کے مقابلے میں بے بس ہو چکے تھے جس وجہ سے وہ اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے۔ انہیں باز رکھنے کیلئے انہیں سمجھایا گیا ہے کہ اللہ کے غضب کو چیلنج کرنے کی بجائے اسکا رحم مانگو! جو قرآن مجید سننے اور اس پر عمل کرنے سے نصیب ہوگا۔

قرآن مجید کی تلاوت کے اثرات اور برکات:

''حضرت ابی اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے سنا کہ ایک آدمی اپنے گھر میں سورۃ الکہف کی تلاوت کر رہا تھا۔ اُس کے گھوڑے نے بدکنا شروع کر دیا تو اُس نے سلام پھیر کر آسمان کی طرف نظر اُٹھائی تو اُسے بادلوں کا ایک ٹکڑا نظر آیا جو اُسے ڈھانپے ہوئے تھا۔ اُس نے اس کا تذکرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا آپ نے فرمایا کہ آپ کو تلاوت کرتے رہنا چاہیے تھا یہ تو سکینت تھی جو قرآن کے لیے نازل ہوئی تھی۔''

(رواہ البخاری: باب عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ فِی الْإِسْلَامِ)

مسائل

۱۔ کفار ایک دوسرے کو قرآن سننے سے منع کرتے تھے۔ ۳۔ قرآن مجید کا مقابلہ کرنے والوں کو سخت ترین عذاب ہوگا۔

۲۔ کفار نے قرآن مجید پر غالب آنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔

۴۔ قرآن مجید کی مخالفت کرنے والے ''اللہ'' کے دشمن ہیں جنہیں جہنّم کی آگ میں جھونکا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے بارے میں منافقین اور کفار کا رویہ:

۱۔ جب قرآن سنایا جاتا تو منافقین ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے تھے۔ (التوبۃ: ۱۲۷)

۲۔ منافقین قرآن مجید کے نزول کا مذاق اڑاتے اور کہتے ہیں اس سے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا ہے؟ (التوبۃ: ۱۲۴)

۳۔ جب قرآن کا کوئی حصہ نازل ہوتا ہے تو یہ بہانے تراشنے لگتے ہیں۔ (التوبۃ: ۸۶)

۴۔ جب قرآن میں قتال کا تذکرہ ہوتا ہے تو منافق آپ کی طرف ایسے دیکھتے جیسے ان پر موت کی بیہوشی طاری ہوگئی ہو۔ (سورہ محمد: ۲۰) ۵۔ کفار کہتے کہ اس قرآن کو بدل دیا جائے۔ (یونس: ۱۵)

وَ قَالَ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	رَبَّنَآ	اَرِنَا	الَّذَيْنِ
اور کہا	ان لوگوں نے	جنہوں نے کفر کیا	اے ہمارے رب	تو دکھا ہمیں	ان لوگوں کو
اَضَلّٰنَا	مِنَ	الْجِنِّ	وَ الْاِنْسِ	نَجْعَلْهُمَا	تَحْتَ
جنہوں نے گمراہ کیا تھا ہمیں	سے	جن	اور انسانوں	ہم کردیں انہیں	نیچے
اَقْدَامِنَا	لِيَكُوْنَا	مِنَ	الْاَسْفَلِيْنَ ۲۹		
اپنے قدموں کے	تاکہ وہ ہوں	سے	سب سے نچلے لوگوں		

''اور کافر کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں اُن جنّوں اور انسانوں کو دکھا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا ہم انہیں اپنے پاؤں تلے روند ڈالیں گے تاکہ وہ سب سے زیادہ ذلیل ہوں۔'' (۲۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام : جہنمیوں کا جہنم میں داخل ہونے کے بعد غلط لیڈروں، علماء اور مرشدوں کے خلاف ردِ عمل۔

ربِ ذوالجلال سے جہنّمی مطالبہ کریں گے کہ ہمارے رب! ہمیں جنوں اور انسانوں میں سے وہ لیڈر اور مرشد دکھلا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا اور ان کی وجہ سے ہم جہنّم میں داخل ہوئے۔ اگر وہ ہمارے ہاتھ چڑھ جائیں تو ہم انہیں اپنے پاؤں تلے روند کر سب کے سامنے ذلیل کریں گے اور کہیں گے کہ اے ذلیلو! اگر تم ہمیں گمراہ نہ کرتے تو آج ہم جہنم کی بجائے جنت میں موجیں مار رہے ہوتے۔

تفسیر بالقرآن

جہنم میں لیڈر اور ان کے ورکر، پیر اور ان کے مرید، علماء اور ان کے مقتدی آپس میں جھگڑا کریں گے:

۱۔ پوجنے والے اور جن کو وہ پوجتے تھے انہیں اکٹھا کیا جائیگا پھر انہیں جہنم کے راستہ پر ڈال دیا جائیگا (الصّٰفّٰت: ۲۲ تا ۲۳)

۲۔ جہنّمی کہیں گے تم پر اللہ کی مار تمہاری وجہ سے اس مصیبت کا ہمیں سامنا کرنا پڑا ہے۔ (ص: ۶۰)

۳۔ جہنمی جہنم میں ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔ (یونس: ۴۵)

۴۔ جہنمی اپنے سے پہلوں کے بارے میں کہیں گے انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ (الاعراف: ۳۸)

۵۔ جب جہنم میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو کمزور اپنے بڑوں سے کہیں گے کہ یقیناً ہم تمہارے پیچھے چلنے والے تھے، کیا تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو۔ (المومن: ۴۷)

۶۔ بڑے اور تکبر کرنے والے کمزوروں سے کہیں گے کہ تم تو خود ہی مجرم تھے۔ (سبا: ۳۲)

۷۔ اے ہمارے رب ہمارے بڑوں نے ہمیں گمراہ کیا لہٰذا انہیں دوگنا عذاب دیا جائے۔ (الاحزاب: ۶۷، ۶۸)

اِنَّ	الَّذِیْنَ	قَالُوْا	رَبُّنَا	اللّٰهُ	ثُمَّ	اسْتَقَامُوْا
بلاشبہ	وہ لوگ	جنہوں نے کہا	ہمارا رب	اللہ ہے	پھر	وہ جم گئے
تَتَنَزَّلُ	عَلَیْهِمُ	الْمَلٰٓئِكَةُ	اَلَّا	تَخَافُوْا	وَلَا	تَحْزَنُوْا
اترتے ہیں	ان پر	فرشتے	یہ کہ نہ	تم خوف کرو	اور نہ	تم غم کھاؤ
وَاَبْشِرُوْا	بِالْجَنَّةِ	الَّتِیْ	كُنْتُمْ	تُوْعَدُوْنَ ۳۰		نَحْنُ
اور خوش ہو جاؤ	جنت کے ساتھ	وہ جو	تم تھے	وعدہ دیے جاتے		ہم
اَوْلِیٰٓؤُكُمْ	فِی	الْحَیٰوةِ	الدُّنْیَا	وَفِی		الْاٰخِرَةِ ج
تمہارے دوست ہیں	میں	زندگی	دنیا والی	اور میں		آخرت
وَلَكُمْ	فِیْهَا	مَا	تَشْتَهِیْٓ	اَنْفُسُكُمْ	وَلَكُمْ	فِیْهَا
اور تمہارے لیے ہے	اس میں	جو	چاہیں گے	تمہارے نفس	اور تمہارے لیے ہے	اس میں
مَا	تَدَّعُوْنَ ط ۳۱	نُزُلًا	مِّنْ	غَفُوْرٍ		رَّحِیْمٍ ۳۲ ع
جو	تم مانگو گے	مہمانی ہے	طرف سے	بخشنے والا		رحم کرنے والا کی

''یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور اس پر قائم رہے یقیناً اُن پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو، بلکہ اُس جنت کے بارے میں خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔(۳۰) ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی، وہاں جو چاہو گے تمہیں ملے گا اور جس چیز کی تمنا کرو گے اُسے پاؤ گے۔(۳۱) یہ ہے مہمان نوازی اُس ''رب'' کی طرف سے جو غفور و رحیم ہے۔''(۳۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفّار کے مقابلے میں موحدوں کے ساتھ ملائکہ کا سلوک اور ان کا اکرام۔

جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب ''اللہ'' ہے پھر اس پر مرتے دم تک قائم رہے موت کے وقت ان کے لیے ملائکہ آتے ہیں جو انہیں ان کے رب کی طرف سے تسلی دیتے ہیں کہ غمگین اور پریشان نہیں ہونا بلکہ اس جنت کے بارے میں خوش ہو جاؤ جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا ہم دنیا کی زندگی میں تمہارے ساتھ تھے اور آخرت میں بھی تمہارے ساتھی ہیں تمہارے لیے تمہارے رب کی طرف سے وہ سب کچھ ہے جو تمہارا دل چاہے گا اور تمہارے رب کے ہاں تمہاری مہمان نوازی ہوگی۔

''رَبُّنَا اللّٰهُ'' سے مراد یہ نہیں کہ بس انہوں نے ایک مرتبہ کہہ دیا کہ ہمارا رب ''اللہ'' ہے اور پھر اپنی مرضی کرتے رہے۔

اس کا معنیٰ ہے کہ انہوں نے دل کی سچائی اور کردار کی گواہی سے مرتے دم تک ثابت کر دکھایا کہ واقعی ہمارا خالق، مالک، رازق اور حقیقی حاکم صرف ایک ''اللہ'' ہے، ہم اسی کے بندے اور غلام ہیں۔ ہمارا مال، جان، عزت واقبال اسی کا دیا ہوا ہے اور اسی کے نام اور کام پر قربان ہوگا۔ اسے دوسرے مقام پر یوں بیان کیا گیا ہے۔ ''فرما دیجیے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت ''اللہ'' کے لیے ہے جو جہانوں کا رب ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی بات حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے تابع بنوں۔ فرما دیجیے کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟ حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے۔'' (الانعام: ۱۶۲ تا ۱۶۴)

{الٓمّٓ ① اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ② وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ③} (العنکبوت: ۱ تا ۳)

''الف۔ لام۔ میم۔ کیا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے ہیں اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا حالانکہ ہم ان سے پہلے لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں، اللہ ضرور دیکھے گا کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں۔''

((عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الثَّقَفِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قُلْ لِيْ فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ وَفِي حَدِيْثِ أَبِي أُسَامَةَ غَيْرَكَ قَالَ قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ فَاسْتَقِمْ))

(رواہ مسلم: کتاب الایمان، باب جَامِعِ أَوْصَافِ الإِسْلَامِ)

''حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اسلام کے بارے میں ایسی بات بتائیں جو مجھے آپ ﷺ کے بعد ابو اسامہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی سے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ ہو آپ نے فرمایا تو کہہ دے کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر استقامت اختیار کرو۔''

((عَنْ وَهْبِ ابْنِ مُنَبِّهٍ رحمہ اللہ قِيْلَ لَهُ أَلَيْسَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لَيْسَ مِفْتَاحٌ إِلَّا وَلَهُ أَسْنَانٌ فَإِنْ جِئْتَ بِمِفْتَاحٍ لَهُ أَسْنَانٌ فُتِحَ لَكَ)) (رواہ البخاری فی ترجمۃ الباب)

''حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے کسی نے یہ سوال کیا کیا لا الہ الا اللہ جنت کی چابی نہیں ہے؟ انہوں نے فرمایا کیوں نہیں؟ لیکن ہر چابی کے دندانے (پیچ) ہوا کرتے ہیں اگر تو پیچ دار چابی سے تالا کھولے گا تو کھل سکتا ہے (بصورت دیگر تیرے لیے دروازہ نہیں کھل سکتا۔)''

استقامت کی دعا:

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُكْثِرُ أَنْ يَقُوْلَ ((يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى

دِيْنِكَ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اٰمَنَّا بِكَ وَبِمَا جِئْتَ بِهٖ فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا قَالَ نَعَمْ إِنَّ الْقُلُوْبَ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللّٰهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَآءُ»

(رواہ الترمذی: کتاب القدر، باب ماجاء أن القلوب [صحیح])

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر دعا کرتے۔ اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھنا، میں نے کہا: اللہ کے رسول! ہم آپ پر اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان لائے۔کیا آپ ہمارے بارے میں بھی خطرہ محسوس کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جیسے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔''

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَقُوْلُ «يَا وَلِيَّ الإِسْلَامِ وَأَهْلِهٖ ثَبِّتْنِيْ حَتّٰى أَلْقَاكَ» (رواہ الطبرانی: فی الأوسط [وھو حدیث صحیح])

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تھے کہ اے سلامتی کے مالک اور اس کے اہل! مجھے اسلام پر ثابت قدم رکھ یہاں تک کہ آپ سے آملوں۔''

مسائل

۱۔ اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس پر استقامت اختیار کرنی چاہیے۔

۲۔ جو لوگ عقیدۂ توحید پر قائم رہتے ہیں ان پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔

۳۔ صراط مستقیم پر گامزن رہنے والوں کو فرشتے تسلی اور جنت کی خوشخبری دیتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

دین پر استقامت اختیار کرنے والوں کی جزا:

۱۔ بے شک جنھوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان کا اظہار کرتے ہوئے صبر و استقامت کا ثبوت دیا انھیں کوئی خوف اور حزن وملال نہیں۔(الاحقاف: ۱۳)

۲۔ مومنوں کی استقامت دیکھ کر شیطان ڈر جاتا ہے۔(الانفال: ۴۸)

۳۔ اللہ کی توحید پر استقامت اختیار کرنے والوں پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور وہ انہیں خوشخبری دیتے ہوئے کہتے ہیں غم وحزن میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں تمہارے لیے جنت ہے جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔(حٰم السجدۃ: ۳۰)

وَمَنْ	اَحْسَنُ	قَوْلًا	مِّمَّنْ	دَعَآ	اِلَى	اللّٰهِ
اور کون	زیادہ اچھا	بات میں	اس سے جس نے	بلایا	طرف	اللہ کی
وَعَمِلَ	صَالِحًا	وَّقَالَ	اِنَّنِیْ	مِنَ		الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۳۳﴾
اور اس نے عمل کیے	نیک	اور اس نے کہا	بے شک میں ہوں	سے		فرمانبرداروں میں

’’اور اُس شخص کی بات سے اچھی بات کس کی ہوسکتی ہے کہ جس نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیے اور اقرار کیا کہ میں مسلمان ہوں۔‘‘ (۳۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام : ایمانداروں میں اعلیٰ کردار اور بلند مقام کے حامل حضرات۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس پر مرتے دم تک قائم رہنا بہت بڑا کام اور مقام ہے ایمان داروں میں وہ ایمان دار بہتر ہے جس نے اسلام قبول کیا اور پھر لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا اور خود صالح اعمال کرتا رہا۔ ’’اللہ‘‘ کی طرف بلانے سے مراد اس کے دین کی بلا مفاد اور پوری جانفشانی کیساتھ دعوت دینا ہے۔ جس میں سرِفہرست اللہ کی توحید کی دعوت دینا ہے کیونکہ دین کی ابتدا اور اس کی انتہا توحید پر رکھی گئی ہے اسلامی انقلاب اور اصلاحِ انسان کے لیے اس سے بہتر اور زود اثر کوئی دعوت نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے ارشاد ہوا کہ ’’اے رسول ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا اس کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سوتم میری ہی بندگی کرو۔‘‘ (الانبیاء : ۲۵)

اسی بنا پر آپ ﷺ نے مکہ میں تیرہ سال اسی بات پر زور دیا اور ماریں کھائیں اگر اپنی دعوت میں کسی اور بات کو سرفہرست رکھتے تو آپ کو اتنی تکلیفیں کبھی نہ اٹھانا پڑتیں۔ توحید میں بھی سرِفہرست توحیدِ الوہیّت کو رکھا اس لیے پوری امّت کے اہلِ علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت کے پہلے حضرت محمد ﷺ ہیں جنہوں نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے اور صالح نمونہ پیش کرنے کا حق ادا کر دیا آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظیم جماعت ہے جنہوں نے دعوتِ الی اللہ کی خاطر وہ تکالیف برداشت کیں اور مال وجان کی قربانیاں دیں جس کی مثال قیامت تک کوئی شخص پیش نہیں کرسکتا۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا رضی اللہ عنہ إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ ادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ))

(رواہ البخاری: کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجتے ہوئے فرمایا لوگوں کو اس بات کی دعوت دو کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یقیناً میں اللہ کا رسول ہوں اگر وہ آپ کی دعوت مان لیں تو انہیں بتلائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اگر وہ آپ کی اس بات میں اطاعت کریں تو انہیں بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے اموال میں زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے امیروں سے لے کر ان کے غریبوں کو دی جائے گی۔''

«عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ النَّحْرِ فَإِنَّ دِمَآءَ كُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا إِلَى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ قَالُوْا نَعَمْ» (رواه البخاري: كتاب الحج، باب الخطبة أيام منى)

''حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: یقیناً تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر ایسے ہی حرام ہیں جیسے تمہارے لیے آج کا دن، مہینہ اور یہ شہر قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کیا میں نے ''اللہ'' کا پیغام تمہیں پہنچا دیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا ہاں۔''

مسائل

۱۔ سب سے بہتر دعوت اللہ کی توحید کی دعوت ہے۔ ۲۔ توحید پورے دین کی بنیاد ہے۔

۳۔ بہترین مبلّغ وہ ہے جو اپنی دعوت میں توحید کو سرِ فہرست رکھے اور خود بھی دین پر عمل کرے۔

تفسیر بالقرآن

احسن قول اور احسن مسلمان:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن التقویم بنایا ہے۔ (التین: ۴) ۲۔ اللہ تعالیٰ نے احسن حدیث اتاری ہے۔ (الزمر: ۲۳)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے موت وحیات اس لیے بنائے ہیں تا کہ انسان احسن عمل کرے۔ ((الملک: ۲)

۴۔ اللہ کی توحید کی دعوت دینا سب سے بہتر بات ہے۔ (حم السجدۃ: ۳۳)

۵۔ برائی کا جواب اچھائی سے دینا احسن ہے۔ (حم السجدۃ: ۳۴)

۶۔ جھگڑے کی بجائے احسن انداز اختیار کرنا۔ (النحل: ۱۲۵)

وَلَا	تَسْتَوِی	الْحَسَنَةُ	وَلَا	السَّيِّئَةُ ؕ	اِدْفَعْ
اورنہیں	برابرہوتی	نیکی	اورنہ	برائی	آپ دفاع کریں

بِالَّتِیْ	هِیَ	اَحْسَنُ	فَاِذَا	الَّذِیْ	بَیْنَكَ	وَبَیْنَهٗ
ایسی بات سے کہ	جو	اچھی ہے	تویکایک	وہ جو	آپ کے درمیان	اوراس کے درمیان

عَدَاوَةٌ	كَاَنَّهٗ	وَلِیٌّ	حَمِیْمٌ ۳۴	وَمَا	یُلَقّٰىهَآ	اِلَّا
دشمنی ہے	گویا کہ وہ	دوست ہے	گہرا	اورنہیں	دی جاتی یہ	مگر

الَّذِیْنَ	صَبَرُوْا ۚ	وَمَا	یُلَقّٰىهَآ	اِلَّا	ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۳۵
ان لوگوں کو	جنہوں نے صبر کیا	اورنہیں	دی جاتی یہ	مگر	جو بڑے نصیبے والا ہو

’’اور اے نبی نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتے آپ بُرائی کا دفاع اچھائی کے ساتھ کریں۔ دیکھیں جس کی آپ کے ساتھ عداوت ہے وہ دلی دوست بن جائے گا۔ (۳۴) اُن لوگوں کو یہ خوبی حاصل ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ مقام اُن لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو بڑے نصیبے والے ہیں۔‘‘ (۳۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام : داعیٔ حق کے لیے بنیادی ہدایت۔

ایک داعی کو اپنی دعوت کے دوران اس بات کو ہمیشہ مدِّنظر رکھنا چاہیے کہ اچھائی اور برائی ،نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتے برائی پر چلنے اور اس کا پرچار کرنیوالے لوگ ہمیشہ جلد باز اور جذباتی ہوتے ہیں بالخصوص مشرک کی فطرت ہے کہ وہ شرک اور غیر اللہ کی محبت میں بڑا غالی اور جذباتی ہوتا ہے جونہی اس کے سامنے اللہ وحدہٗ لاشریک کی بات کی جائے تو وہ سیخ پا ہو جاتا ہے اور توحید بیان کرنے والے کو بزرگوں کا گستاخ اور بے ادب کہتا ہے۔ اس کے لیے بے دین یا اس کے ہم معنٰی لفظ استعمال کرتا ہے۔ جس طرح نبی اکرم ﷺ کے دور میں صحابہ کرام ؓ کو مکہ کے کافر صابی کہتے تھے ہر دور میں مشرک ایسا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جس میں داعی کے لیے بات کرنا مشکل ہو جاتی ہے ایسی صورت حال میں داعی کی دانش اور حکمت یہ ہونی چاہیے کہ وہ اشتعال انگیز ماحول بنانے سے اجتناب کرے۔ ظاہر بات ہے کہ اس کے لیے ٹھنڈے دل و دماغ اور بڑے حوصلے کی ضرورت ہے یہ حوصلہ پیدا کرنے کے لیے داعی کے ذہن میں ہمیشہ یہ بات پختہ رہنی چاہیے کہ اچھائی اور برائی برابر نہیں ہوتے ، اچھائی کی اشاعت کے لیے تین باتیں ضروری ہوتی ہیں۔ ① الدّاعی کا اخلاق اور کردار اچھا ہونا چاہیے۔ ② الدّاعی کو اپنا حوصلہ بڑا رکھنا چاہیے۔ ③ الدّاعی کو اچھے ماحول میں بہتر سے بہتر سلیقہ کے ساتھ بات کرنے کا ڈھنگ اختیار کرنا چاہیے۔ اس کے باوجود اگر کوئی اچھائی کا جواب برائی سے دیتا ہے تو پھر بھی برائی کا جواب برائی

سے نہیں دینا چاہیے۔ بُرائی کا جواب بُرائی کے ساتھ دینے سے ماحول میں تلخی بڑھتی ہے اور جس قدر ماحول میں تلخی بڑھے گی اسی قدر ہی داعی کی مشکلات میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا جس سے داعی کی بجائے دوسرے کو زیادہ فائدہ ہوگا اس لیے داعی کو ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے کہ وہ برائی کو اچھائی کے ساتھ ٹالنے کی کوشش کرے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر زیادتی کرنے والے کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے جس کا بالآخر یہ نتیجہ نکلے گا کہ وہ اور اس کے ساتھی یہ سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ جو شخص تعصّب اور کسی مفاد کے بغیر ہماری خیر خواہی کر رہا ہے اور ہماری زیادتی کا جواب حسنِ سلوک سے دیتا ہے یقیناً وہ ہماری بھلائی چاہتا ہے داعی جن لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے مخاطب کر رہا ہے اگر وہ طبقہ نرم نہیں ہوتا تو بالآخر ان میں سے کچھ لوگ ضرور متوجہ ہوں گے جو اس کے ہمسفر ہو جائیں گے اس کی ہر دور میں بے شمار مثالیں پائی جاتی ہیں دور نہ جائیں آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے کسی مسجد میں توحید و سنت کی بات کی جاتی تو بات کرنے والے کو مسجد سے اٹھا کر باہر پھینک دیا جاتا تھا اور لوگوں میں نفرت پیدا کرنے کے لیے مسجد کو دھویا جاتا تھا لیکن آج لوگ قرآن و سنت کی بات کو ترجیح دیتے ہیں۔ برائی کا جواب اچھائی سے دینا، زیادتی کے مقابلے میں خیر خواہی کرنا ہر کسی کا کام نہیں یہ وہی مبلّغ اور کارکن کر سکتا ہے جسے اپنا مشن عزیز اور اپنے رب کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔ ورنہ عام مبلّغ مخالف کی بات کو اپنی اَنا کا مسئلہ اور اپنے دھڑے کے لیے ذلّت سمجھتا ہے۔ بعض اَن پڑھ مبلّغ اور جذباتی کارکن کسی ایک صحابی کے ذاتی اور انفرادی واقعہ کو دلیل بنا کر اسے تبلیغ پر چسپاں کرتے ہیں حالانکہ تبلیغ کے میدان میں پیغمبر اسلام ﷺ اور کسی صحابی نے گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے ذاتی معاملات میں بھی کسی صحابی کی طرف سے گالی کا جواب گالی سے دینا پسند نہیں فرمایا جب کہ اس کی ایک حد تک گنجائش بھی پائی جاتی ہے۔

مسائل

۱۔ نیکی اور برائی برابر نہیں ہوتے۔ ۳۔ برائی کا جواب اچھائی سے دینا مخالف کو اپنا گرویدہ بنانا ہے۔

۲۔ برائی کا جواب اچھائی سے دینا چاہیے۔ ۴۔ برائی کا جواب اچھائی سے دینے والا بڑے حوصلے کا مالک اور خوش نصیب ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مبلّغ کے لیے ہدایات:

۱۔ اللہ کے دین کی طرف لوگوں کو حکمت اور اچھے طریقے سے بلائیں۔ (النحل: ۱۲۵)

۲۔ فرما دیجیے یہ میرا راستہ ہے میں اس کی طرف بصیرت کے ساتھ بلاتا ہوں۔ (یوسف: ۱۰۸)

۳۔ آپ انہیں دینِ حق کی طرف بلائیں اور اللہ کے حکم پر قائم رہیں۔ (الشوریٰ: ۱۵)

۴۔ حضرت ابراہیم نے دعا کی کہ اے رب ان میں نبی بھیج جو ان کو علم اور عقل کی باتیں سکھلائے۔ (البقرۃ: ۱۲۹)

۵۔ داعی اور قائد کو ہمدرد ہونا چاہیے۔ (التوبۃ: ۱۲۸) ۶۔ قائد میں عفو و درگزر کا جذبہ ہونا چاہیے۔ (المائدۃ: ۱۳)

نوٹ: مزید ہدایات سورۃ مزمل اور مدثر کی ابتدائی آیات میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَ اِمَّا	يَنْزَغَنَّكَ	مِنَ	الشَّيْطٰنِ	نَزْغٌ	فَاسْتَعِذْ
اوراگر	آپ کو اُکسائے	سے	شیطان	وسوسہ	تو آپ پناہ مانگیے
بِاللّٰهِ ؕ	اِنَّهٗ هُوَ	السَّمِيْعُ	الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾		
اللہ کی	یقیناً وہی	خوب سننے والا	خوب جاننے والا ہے		

''اوراگر شیطان کی طرف سے آپ کوئی اُکساہٹ محسوس کریں تو اللہ کی پناہ مانگیں، اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔'' (۳۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مبلّغ کو اپنے بچاؤ کے لیے ہدایات۔

مبلّغ بھی انسان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں دفاع کے لیے غیرت اور غصہ رکھا ہے اگر انسان میں غیرت اور غصہ نہ ہوتا تو یہ کبھی اپنی عزت اور مال وجان کی حفاظت نہ کرسکتا غیرت کا اظہار اور غصہ کرنا بعض مواقع پر فرض ہے لیکن کچھ مواقع ایسے ہیں جن میں غصہ کا اظہار فائدے کی بجائے نقصان کا باعث ثابت ہوتا ہے بالخصوص اگر الداعی جذباتی اور جھگڑالو ہوگا تو فائدے کی بجائے اپنا اوردینِ حنیف کا نقصان کر بیٹھے گا طبیعت میں غصہ اور طیش آئے تو حکم ہے کہ "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" پڑھے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر بات سننے والا اور جاننے والا ہے توجہ اور بار بار پڑھنے سے یقیناً غصہ رفو ہوجائے گا۔ عربی میں عوذ چوپائے کے اس بچے کو کہتے ہیں جو ابتدائی ایام میں چلنے کے قابل نہیں ہوتا جس وجہ سے گرتے اور لڑکھڑاتے ہوئے چل کر اپنی ماں کے دودھ تک پہنچتا ہے مقصد یہ ہے کہ "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" پڑھنے والا اس قدر اپنے آپ کو بے بس سمجھ کر پڑھے اور اپنے رب سے پناہ طلب کریں۔

((عن سُلَيْمَان بْن صُرَدٍ ؓ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ وَنَحْنُ عِنْدَهُ جُلُوسٌ وَأَحَدُهُمَا يَسُبُّ صَاحِبَهُ مُغْضَبًا قَدِ احْمَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ لَوْ قَالَ أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ فَقَالُوا لِلرَّجُلِ أَلَا تَسْمَعُ مَا يَقُولُ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ إِنِّي لَسْتُ بِمَجْنُونٍ)) (رواہ البخاری: کتاب الأدب، باب الحذر من الغضب)

''حضرت سلیمان بن صرد ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم آپ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے دو آدمیوں نے آپ ﷺ کی موجودگی میں آپس میں گالی گلوچ شروع کی دونوں میں ایک شدید غصے میں تھا وہ دوسرے کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔ جس وجہ سے اس کا چہرہ سرخ تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا میں ایسی بات جانتا ہوں اگر اسے پڑھے تو اس کا غصہ جاتا رہے گا۔ "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" ''میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔'' صحابہ ؓ نے اس شخص سے کہا کیا تم نبی اکرم ﷺ کا فرمان نہیں سنتے؟ اس شخص نے کہا میں پاگل نہیں ہوں

یعنی میں نے سُن لیا اور اس پر عمل کرتا ہوں۔‘‘

«عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَةِ إِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ» (رواه البخاری: کتاب الأدب، باب الحذر من الغضب)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی کو پچھاڑنے والا طاقتور نہیں ہے طاقتور تو وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔‘‘

«قِیْلَ نَزَلَتِ الْآیَةُ فِیْ أَبِیْ بَکْرٍ رضی اللہ عنہ، فَإِنَّ رَجُلاً شَتَمَهٗ فَسَکَتَ مِرَاراً، ثُمَّ رَدَّ عَلَیْهِ فَقَامَ النَّبِیُّ ﷺ، فَقَالَ أَبُوْ بَکْرٍ شَتَمَنِیْ وَأَنْتَ جَالِسٌ، فَلَمَّا رَدَدْتُ عَلَیْهِ قُمْتَ، قَالَ إِنَّ مَلَکًا کَانَ یُجِیْبُ عَنْكَ، فَلَمَّا رَدَدْتَ عَلَیْهِ ذَهَبَ ذٰلِكَ الْمَلَكُ وَجَاءَ الشَّیْطَانُ، فَلَمْ أَجْلِسْ عِنْدَ مَجِیْءِ الشَّیْطَانِ» (تفسیر الرازی)

’’ایک موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک شخص بدزبانی کر رہا تھا تنگ آکر جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس جیسی زبان استعمال کی تو نبی ﷺ نے فرمایا: جب تک آپ صبر اور درگزر کر رہے تھے اس وقت تک آپ کی طرف سے ایک فرشتہ جواب دے رہا تھا جب آپ نے اس کا جواب دیا تو فرشتے کی جگہ شیطان آگیا۔‘‘

{ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝۱۳۴ } (آل عمران: ۱۳۴)

’’جو لوگ آسانی اور سختی میں اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں سے محبت کرتا ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ غصہ سے نجات پانے کے لیے ’’اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ‘‘ پڑھنا چاہیے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں شیطان لعنتی اور پھٹکارا ہوا ہے۔

تفسیر بالقرآن

تعوّذ کی ترغیب اور اس کے فائدے:

۱۔ موسیٰ علیہ السلام نے جہالت سے پناہ مانگی۔ (البقرۃ: ۶۷) ۲۔ حضرت نوح کو جہالت سے بچنے کا حکم۔ (ہود: ۴۶)

۳۔ جاہلوں سے بحث کی بجائے اجتناب اور اعراض کرنا چاہیے۔ (الفرقان: ۶۳)

وَمِنْ	اٰيٰتِهِ	الَّيْلُ	وَالنَّهَارُ	وَالشَّمْسُ	وَالْقَمَرُ ؕ
اور سے	اس کی نشانیوں	رات	اور دن	اور سورج	اور چاند ہے

لَا	تَسْجُدُوْا	لِلشَّمْسِ	وَلَا	لِلْقَمَرِ	وَاسْجُدُوْا	لِلّٰهِ
نہ	تم سجدہ کرو	سورج کو	اور نہ	چاند کو	اور سجدہ کرو	اللہ کو

الَّذِيْ	خَلَقَهُنَّ	اِنْ	كُنْتُمْ	اِيَّاهُ	تَعْبُدُوْنَ ۳۷	فَاِنِ
جس نے	ان کو پیدا کیا	اگر	تم ہو	صرف اسی کی	عبادت کرتے	پھر اگر

اسْتَكْبَرُوْا	فَالَّذِيْنَ	عِنْدَ	رَبِّكَ	يُسَبِّحُوْنَ	لَهٗ	بِالَّيْلِ
وہ تکبر کریں	پس جو لوگ ہیں	پاس	آپ کے رب	وہ تسبیح بیان کرتے ہیں	اس کے لیے	رات کو

وَالنَّهَارِ	وَهُمْ	لَا يَسْـَٔمُوْنَ ۳۸ السجدة
اور دن کو	اور وہ	نہیں تھکتے

”رات اور دن اور سورج اور چاند، اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اُس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے اگر فی الواقع تم اُسی کی عبادت کرنے والے ہو۔ (۳۷) اگر یہ تکبر کا اظہار کریں تو تیرے رب کے مقرب فرشتے شب و روز اس کی تسبیح کر رہے ہیں اور کبھی نہیں تھکتے۔“ (۳۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام : جس رب پر ایمان لانا اور اس کی توحید کی دعوت دینا ہے اس کی وحدت کے دلائل اور اوصاف۔

جس رب کی طرف لوگوں کو بلانا اور غصہ کی حالت میں شیطان سے جس رب کی پناہ چاہنا ہے اس کی قدرت کا عالم یہ ہے کہ رات اور دن سورج اور چاند اسی کے تابع فرمان ہیں کیا مجال کہ ان میں سے کوئی ایک اپنے رب کی سرِ مو حکم عدولی کرے۔ جب رات اور دن، سورج اور چاند اس کے حکم کے تابع ہیں تو پھر چاند اور سورج کو سجدہ کرنا کیا معنیٰ دارد؟ سجدہ تو اس اللہ کو کرنا چاہیے جس نے سورج اور چاند کو پیدا کیا، رات اور دن بنائے۔ جو حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اسے سب کی بندگی چھوڑ کر صرف اور صرف ایک رب کی عبادت کرنی چاہیے جو لوگ ایک رب کی عبادت کرنے کے لیے تیار نہیں وہ تکبر کرتے ہیں متکبروں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اپنے رب کی عبادت کا اندازہ کرنا چاہو تو سنو! جو فرشتے ہمہ وقت اس کے حضور حاضر رہتے ہیں۔ وہ رات اور دن کی ہر گھڑی میں اس کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں اس میں انہیں کبھی اکتاہٹ اور تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی۔

جو لوگ اپنے رب کی بندگی نہیں کرتے یا اس کی بندگی میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں حقیقت میں وہ اپنے رب کی ذات اور اس کے حکم کے ساتھ تکبر کرتے ہیں یاد رہے! کہ چاند اور سورج کی عبادت کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ ہم چاند اور سورج کی

عبادت نہیں کرتے بلکہ انہیں خدا کی قدرت کا مظہر سمجھ کر انہیں اللہ کی قربت کا ذریعہ سمجھتے ہیں یہی بات قبروں کے بچاری اور بتوں کے مجاور کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور حکم کے ساتھ تکبر قرار دیا ہے۔

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کیا تجھے معلوم ہے جب سورج غروب ہوتا ہے تو کہاں جاتا ہے؟ میں نے کہا' اللہ اور اس کے رسول کو علم ہے۔ آپ نے فرمایا سورج عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے اور اجازت طلب کرتا ہے اسے اجازت مل جاتی ہے قریب ہے کہ وہ سجدہ کرے گا اور اس کا سجدہ قبول نہ ہو، وہ طلوع ہونے کی اجازت چاہے مگر اُسے اجازت نہ ملے اسے حکم ہو کہ جدھر سے آیا اسی طرف سے طلوع ہو جا پھر سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورج اپنے مستقر کی طرف چلا جارہا ہے آپ نے فرمایا اس کا ٹھکانا عرش کے نیچے ہے۔'' (رواہ البخاری: کتاب بدأ الخلق باب صِفَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ)

«عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ» (رواہ مسلم: کتاب الایمان، باب تحریم الکبر و بیانہ)

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

مسائل

۱۔ رات اور دن، سورج اور چاند اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

۲۔ سورج اور چاند کو سجدہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنا چاہیے جو سورج اور چاند کا خالق ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی عبادت کا حکم دیا ہے جو اس کا حکم نہیں مانتا وہ تکبُّر کرتا ہے۔

۴۔ اللہ کے حضور حاضر رہنے والے فرشتے ہر وقت اس کی عبادت کرتے ہیں اور عبادت کرنے میں اکتاہٹ اور تھکاوٹ محسوس نہیں کرتے۔

تفسیر بالقرآن

ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد کرتی ہے اور اس کے حضور سجدہ ریز ہوتی ہے:

۱۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ (الحدید: ۱) ۲۔ رعد اس کی حمد و تسبیح بیان کرتی ہے۔ (الرعد: ۱۳)

۳۔ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں۔ (بنی اسرائیل: ۴۴)

۴۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد بیان کرتے ہیں اور مومنوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ (الشوریٰ: ۵)

وَمِنْ	اٰيٰتِهٖٓ	اَنَّكَ	تَرَى	الْاَرْضَ	خَاشِعَةً
اور سے	اس کی نشانیوں	بے شک آپ	دیکھتے ہیں	زمین	بنجر
فَاِذَآ	اَنْزَلْنَا	عَلَيْهَا	الْمَآءَ	اهْتَزَّتْ	وَرَبَتْ ؕ
پھر جب	ہم نے نازل کیا	اس پر	پانی	وہ لہلہانے لگی	اور ابھر آئی
اِنَّ	الَّذِيْٓ	اَحْيَاهَا	لَمُحْيِ	الْمَوْتٰى ؕ	اِنَّهٗ
بلاشبہ	جس نے	اس کو زندہ کیا	یقیناً زندہ کرنے والا ہے	مُردوں کو	بے شک وہ
	عَلٰى	كُلِّ	شَيْءٍ	قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾	
	پر	ہر	چیز	قادر ہے	

''اور اللہ کی نشانیوں میں سے اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ زمین بنجر ہوتی ہے جب اس پر ہم بارش برساتے ہیں تو یکایک وہ پھول اُٹھتی ہے اور اُبھر جاتی ہے، بے شک جو اللہ مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے وہ مُردوں کو بھی زندگی بخشنے والا ہے، یقیناً وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔'' (۳۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ''اللہ'' کی قدرت کی ایک اور نشانی۔

جس ذاتِ کبریا نے سورج اور چاند پیدا کیے، رات اور دن بنائے اس کی نشانیوں میں ایک نشانی بارش بھی ہے ہر کوئی دیکھتا ہے کہ زمین خشک اور ویران ہو چکی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر بارش برساتا ہے اور جو بیج اس میں پڑے ہوتے ہیں وہ اُگ آتے ہیں جس سے زمین سبز لباس پہن لیتی ہے جس زمین پر ویرانی کی وجہ سے نظر نہیں ٹکتی تھی آج ہریالی کی وجہ سے اس قدر پُرکشش ہو چکی ہے کہ نظر کو سکون اور دل کو قرار حاصل ہوتا اور نظر اس سے اٹھنے کے لیے تیار نہیں ہوتی زمین سے نباتات کا اُگنا اس بات کی دلیل ہے کہ جس ذاتِ کبریا نے بارش سے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس میں مدت سے دبے ہوئے بیج اگاتا ہے۔ وہی قیامت کے دن مردوں کو زندہ کرے گا۔ وہ دنیا کی ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور قیامت کے دن بھی وہی ہر چیز پر قادر ہوگا۔

((عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ اَرْبَعُوْنَ قَالُوْا يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا قَالَ اَبَيْتُ قَالُوْا اَرْبَعُوْنَ شَهْرًا قَالَ اَبَيْتُ قَالُوْا اَرْبَعُوْنَ سَنَةً قَالَ اَبَيْتُ ثُمَّ يُنْزِلُ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُنْبَتُوْنَ كَمَا يَنْبُتُ الْبَقْلُ قَالَ وَلَيْسَ مِنَ الْاِنْسَانِ شَيْءٌ لَا يَبْلٰى اِلَّا عَظْمًا وَاحِدًا وَّهُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ وَمِنْهُ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) [متفق علیه] وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ كُلُّ ابْنِ اٰدَمَ يَاكُلُهُ التُّرَابُ اِلَّا عَجْبَ الذَّنَبِ مِنْهُ خُلِقَ وَفِيْهِ يُرَكَّبُ))

(رواہ البخاری: کتاب التفسیر القرآن، باب [یوم ینفخ فی الصور فتاتون افواجاً])

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: دو صور پھونکنے کا عرصہ چالیس ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگردوں نے پوچھا کہ چالیس دن؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا انہوں نے استفسار کیا چالیس مہینے ہیں؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا میں یہ نہیں کہتا انہوں نے پھر پوچھا چالیس سال ہیں؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں یہ بھی نہیں کہتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا لوگ یوں اُگیں گے جس طرح انگوری اگتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: انسان کی دمچی کے علاوہ ہر چیز ختم ہو جائے گی قیامت کے دن انسان کی دومچی سے اس کے اعضاء کو جوڑا جائے گا۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا انسان کے تمام اعضاء کو مٹی کھا جاتی ہے لیکن دمچی کو نہیں کھاتی انسان اسی سے پیدا اور جوڑا جائے گا۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ بارش کے بعد مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے۔

۲۔ جس طرح زمین سے بیج اگتا اور نکلتا ہے اسی طرح قیامت کے دن مردوں کو زندہ کر کے نکال لیا جائے گا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو زندہ کرے گا:

۱۔ آپ فرما دیں کہ تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ (التغابن: ۷)

۲۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اٹھائے گا تاکہ ان کے درمیان فیصلہ صادر فرمائے۔ (الانعام: ۶۰)

۳۔ اللہ تعالیٰ تمام مردوں کو اٹھائے گا پھر اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ (الانعام: ۳۶)

۴۔ قیامت کے دن اللہ سب کو اٹھائے گا پھر ان کے اعمال کی انھیں خبر دے گا۔ (المجادلۃ: ۶ تا ۱۸)

۵۔ موت کے بعد تمھیں ضرور اٹھایا جائے گا۔ (ھود: ۷)

۶۔ یقیناً قیامت کے دن اللہ تمھیں جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں۔ (الانعام: ۱۲)

۷۔ آپ فرما دیں تمھارے پہلے اور آخر والے سب کو ضرور اکٹھا کیا جائے گا۔ (الواقعۃ: ۴۷ تا ۵۰)

۸۔ پھر ہم تمھیں تمھاری موت کے بعد اٹھائیں گے۔ (البقرۃ: ۵۶)

۹۔ جس دن تم سب کو جمع ہونے والے دن اللہ جمع کرے گا۔ (التغابن: ۹)

۱۰۔ جس دن اللہ رسولوں کو جمع کرے گا۔ (المائدۃ: ۱۰۹)

۱۱۔ یہ فیصلہ کا دن ہے ہم نے تمھیں اور پہلوں کو بھی جمع کر دیا ہے۔ (المرسلات: ۳۸)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	يُلْحِدُوْنَ	فِيْٓ	اٰيٰتِنَا	لَا يَخْفَوْنَ
بلاشبہ	جولوگ	کج روی کرتے ہیں	میں	ہماری آیات	نہیں وہ پوشیدہ رہتے
عَلَيْنَا ؕ	اَفَمَنْ	يُّلْقٰى	فِي	النَّارِ	خَيْرٌ
ہم پر	کیا پھر جو شخص	وہ ڈالا جائے گا	میں	آگ	بہتر ہے
اَمْ	مَّنْ	يَّاْتِيْٓ	اٰمِنًا	يَّوْمَ	الْقِيٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا
یا	وہ جو	آئے گا	امن سے	دن	قیامت کے تم عمل کرو
مَا	شِئْتُمْ ۙ	اِنَّهٗ	بِمَا	تَعْمَلُوْنَ	بَصِيْرٌ ۝۴۰
جو	چاہو تم	بلاشبہ وہ	ساتھ اس کے جو	تم عمل کرتے ہو	خوب دیکھنے والا ہے

''جولوگ ہماری آیات کے ساتھ کج روی کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں کیا وہ شخص بہتر ہے جو آگ میں جھونکا جائے گا یا وہ بہتر ہے جو قیامت کے دن امن میں ہوگا ان میں تم جو چاہو اختیار کرو تمہارے اعمال کو اللہ دیکھتا ہے۔''(۴۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: دلائل اور حقائق کو جھٹلانے والے لوگوں کا انجام۔

اللہ تعالیٰ نے توحید و رسالت اور قیامت کے دن لوگوں کو زندہ کرنے کے سینکڑوں دلائل دیئے ہیں جن میں عقلی اور مشاہداتی دلائل بھی شامل ہیں مشاہداتی دلائل میں سے آسمان سے بارش نازل کرنا اور اس کے ذریعے زمین سے ہر قسم کی نباتات کو اُگانا ہے کافر ہو یا مسلمان ہر کوئی مانتا ہے کہ بارش نازل کرنا اور زمین سے نباتات کو اگانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے مگر اس کے باوجود کافر ''اللہ'' کی ذات کا انکار کرتا ہے اور مشرک اسکے ساتھ دوسروں کو شریک بناتا ہے اور اس کی آیات کو غلط معانی پہناتے ہیں ایسے لوگ اور ان کے خیالات اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہیں بھلا جو شخص جہنّم کی آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا جو قیامت کے دن امن وسکون سے ہوگا وہ بہتر ہے؟ ٹھوس دلائل اور واضح حقائق ہونے کے باوجود کافر اور مشرک نہیں مانتے تو انہیں انتباہ فرمائیں کہ جو چاہو عمل کرو لیکن اس بات پر یقین رکھو کہ جو بھی تم عمل کرو گے اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہاں توحید و رسالت اور قیامت کا انکار کرنے والوں کے لیے ''اِلْحَادْ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا معنٰی ہے کہ ''اللہ'' کے احکام اور ارشادات کی غلط تاویل کرنا اور اس پر اصرار کرنا۔ جس طرح بے دین سائنسدان ایٹم کے حوالے سے کہتے ہیں کہ دنیا کو پیدا کرنے والا کوئی نہیں مادہ خود بخود اپنی حالت بدلتا رہتا ہے اور یہ سلسلہ ہمیشہ سے جاری رہے گا اور اس کی کوئی ابتدا اور انتہا نہیں۔ مشرک یہ کہہ کر ''اللہ'' کی ذات اور صفات کا انکار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کی ریاضت سے خوش ہو کر انہیں اپنی خدائی میں شامل کر رکھا ہے۔ اسی طرح کافر اپنے کفر اور مشرک اپنے شرک پر اصرار کرتا ہے۔

{ وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ } (الانعام:۵۹)

''اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں انہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی تر اور خشک دانہ نہیں مگر وہ ایک واضح کتاب میں لکھا ہوا ہے۔''

مسائل

۱۔ جولوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کی من گھڑت تاویلیں کرتے ہیں حقیقت میں وہ کج روی کا شکار ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کی نیت اور عمل پوشیدہ نہیں رہتا۔

۳۔ کیا جہنّم کی آگ میں جانا بہتر ہے یا ہر قسم کے خوف سے مامون ہونا بہتر ہے؟

۴۔ لوگ جو بھی عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا اور جانتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا اور دیکھتا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی خیانت کو جانتا ہے۔(البقرۃ:۱۸۷)

۲۔ ہر ایک کی نماز اور تسبیح اللہ جانتا ہے۔(النور:۴۱) ۳۔اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید جانتا ہے۔(المائدۃ:۷)

۴۔ اللہ پر بھروسہ کیجیے کیونکہ وہ سنتا اور جانتا ہے۔(الانفال:۶۱)

۵۔ اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔(النور:۱۸) ۶۔اللہ دیکھنے والا ہے جولوگ عمل کرتے ہیں۔(آل عمران:۱۶۳)

۷۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔(الحجرات:۱۶)

۸۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے باطن اور ظاہر کو جانتا ہے وہی غیب کو جاننے والا ہے۔(التوبۃ:۷۸)

۹۔ کیا آپ نہیں جانتے اللہ آسمان وزمین کی ہر چیز کو جانتا ہے۔(الحج:۷۰)

۱۰۔ اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔(النحل:۷۴)

۱۱۔ اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ اللہ تمہارے دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات سے واقف ہے۔(البقرۃ:۲۳۵)

۱۲۔ اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔(البقرۃ:۲۳۳)

۱۳۔ اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہی تمھارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔(آل عمران:۱۵۶)

۱۴۔ بے شک جولوگ عمل کرتے ہیں اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے۔(ھود:۱۱۱)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	بِالذِّكْرِ	لَمَّا	جَآءَهُمْ ج	وَاِنَّهٗ
بلاشبہ	جولوگ	انہوں نے کفر کیا	ذکر کے ساتھ	جب	وہ آیا ان کے پاس	اور بے شک وہ

لَكِتٰبٌ	عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾ لا	لَّا	يَاْتِيْهِ	الْبَاطِلُ	مِنْۢ	بَيْنِ يَدَيْهِ
البتہ کتاب ہے	بلند مرتبہ	نہیں	آسکتا اس کے پاس	باطل	سے	اس کے آگے

وَلَا	مِنْ	خَلْفِهٖ ط	تَنْزِيْلٌ	مِّنْ	حَكِيْمٍ
اور نہ	سے	اس کے پیچھے	نازل کردہ ہے	سے	حکمت والے

حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾	مَا	يُقَالُ	لَكَ	اِلَّا	مَا	قَدْ	قِيْلَ
قابلِ تعریف	نہیں	کہا جاتا	آپ سے	مگر	وہ جو	تحقیق	کہا گیا

لِلرُّسُلِ	مِنْ قَبْلِكَ ط	اِنَّ	رَبَّكَ	لَذُوْ مَغْفِرَةٍ	وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾
رسولوں سے	آپ سے پہلے	بے شک	آپ کا رب	بخشش والا	اور دردناک عذاب والا ہے

”بے شک جن لوگوں کے پاس نصیحت آئی اور انہوں نے اُسے ماننے سے انکار کیا، حالانکہ یہ ایک زبردست کتاب ہے۔(۴۱) نہ باطل اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے آسکتا ہے یہ اللہ حکمت والے اور قابلِ تعریف کی طرف سے نازل کردہ ہے۔(۴۲) اے نبی آپ کو جو باتیں کہی جا رہی ہیں یہی باتیں آپ سے پہلے رسولوں کو کہی جا چکی ہیں، بے شک آپ کا رب بہت درگزر کرنے والا اور سخت عذاب دینے والا ہے۔“(۴۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جولوگ اللہ کی آیات میں کج روی تلاش کرتے ہیں درحقیقت وہ اپنے رب کی نصیحت کا انکار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے توحید و رسالت اور قیامت قائم ہونے کے سینکڑوں دلائل دیئے ہیں اور بار بار لوگوں کو سمجھایا ہے کہ تمہاری بہتری اسی بات میں ہے کہ تم اپنے رب کے ارشادات کو قبول کرو اور ان کے مطابق عمل کرتے رہو۔ اور یقین کرو کہ قیامت کے دن تمہیں اپنے کیے کا حساب دینا ہے لیکن لوگ اپنے رب کی نصیحت کا انکار کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس قرآنِ عزیز پہنچ چکا ہے جس پر باطل کسی اعتبار سے دخل انداز نہیں ہوسکتا۔ یہ قرآن اس رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو بڑا ہی حکمت والا اور صاحبِ تعریف ہے۔ اے رسول ﷺ! آپ کے بارے میں وہی باتیں کہی جاتیں ہیں جو آپ سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کو کہی گئی ہیں۔ آپ کا رب بخشنہار بھی ہے اور سخت عذاب دینے والا بھی۔ قرآن مجید کے بارے میں کفار کئی قسم کے الزامات لگاتے تھے جن میں ایک الزام یہ تھا کہ اس شخص کو یہ باتیں شیطان القاء کرتا ہے جس کی یہ کہہ کر تردید کی گئی ہے۔

{ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ }

(الشعراء:۲۱۰تا۲۱۲)

''اس قرآن کو شیاطین لے کر نہیں اترے نہ یہ کام ان کو لائق ہے اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں وہ تو اس کو سننے سے بھی دور کر دیئے گئے ہیں۔''

اتنی کھلی وضاحت کے باوجود کفار بار بار یہ الزام دہراتے تھے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں یہ تو اس پر شیطان القاء کرتے ہیں اس پر آپ ﷺ کو دو انداز میں تسلی دی گئی۔ اے نبی ﷺ آپ کو اس پر زیادہ افسردہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ آپ اس معاملے میں اکیلے نہیں بلکہ آپ سے پہلے جتنے رسول گزر چکے ہیں۔ انکے بارے میں بھی ان کے مخالف ایسی ہی بے ہودہ باتیں کیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود آپ کا رب لوگوں کو مہلت پر مہلت دیئے جاتا ہے کیونکہ وہ گناہوں کو بخشنے والا ہے اور جو لوگ کفر و شرک سے باز نہیں آئیں گے انہیں سخت سزا دینے والا ہے۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید ہر اعتبار سے باطل کی آمیزش سے پاک ہے۔ ۲۔ قرآن مجید عظیم المرتبت کتاب ہے۔

۳۔ قرآن مجید کو اللہ حکمت والے اور ہمہ صفت موصوف نے نازل کیا ہے۔

۴۔ جو الزامات اور باتیں نبی ﷺ کے بارے میں کی گئیں ایسی ہی یاوہ گوئی پہلے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بھی کی گئی تھی۔

۵۔ اللہ تعالیٰ بخشنہار بھی ہے اور سخت عذاب دینے والا بھی۔

تفسیر بالقرآن

پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں کفّار کی یاوہ گوئی:

۱۔ حضرت نوح کی قوم کے لوگ ان کے پاس سے گذرتے تھے تو وہ ان سے مذاق کرتے تھے۔ (ہود:۳۸)

۲۔ یہ لوگ مذاق کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے مذاق کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (التوبۃ:۷۹)

۳۔ جب ہماری نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق کرتے ہیں۔ (الصّٰفّٰت:۱۴)

۴۔ ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا مگر وہ اس کے ساتھ استہزاء کرتے تھے۔ (الزخرف:۷)

۵۔ لوگوں پر افسوس ہے کہ ان کے پاس جب بھی رسول آیا تو انہوں نے ان کے ساتھ استہزاء کیا۔ (یٰس:۳۰)

۶۔ جب بھی ان کے پاس آپ سے پہلے رسول آئے انہوں نے انہیں جادوگر اور مجنوں قرار دیا۔ (الذاریات:۵۲)

وَلَوْ | جَعَلْنٰهُ | قُرْاٰنًا | اَعْجَمِيًّا | لَّقَالُوْا | لَوْ

اوراگر | ہم کرتے اس کو | قرآن | عجمی | توالبتہ وہ کہتے | کیوں

لَا | فُصِّلَتْ | اٰيٰتُهٗ ؕ | ءَاَعْجَمِيٌّ | وَّعَرَبِيٌّ ؕ | قُلْ | هُوَ

نہیں | کھول کر بیان کی گئیں | اس کی آیتیں | کیا عجمی | اورعربی | آپ فرما دیجیے | یہ

لِلَّذِيْنَ | اٰمَنُوْا | هُدًى | وَّشِفَآءٌ ؕ | وَالَّذِيْنَ | لَا | يُؤْمِنُوْنَ

ان لوگوں کے لیے | جوایمان لائے | ہدایت | اورشفا ہے | اوروہ لوگ جو | نہیں | ایمان لاتے

فِيْۤ | اٰذَانِهِمْ | وَقْرٌ | وَّهُوَ | عَلَيْهِمْ | عَمًى ؕ

میں | ان کے کانوں | ڈاٹ ہے | اور وہ | ان کے حق میں | اندھاپن ہے

اُولٰٓئِكَ | يُنَادَوْنَ | مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ؑ ۴۴

یہ لوگ | پکارے جاتے ہیں | دور جگہ سے

ع ۵

''اگر ہم قرآن کوکسی دوسری زبان میں نازل کرتے تو یہ لوگ کہتے کیوں نہ اس کی آیات کھول کر بیان کی گئیں۔کیسی عجیب بات ہے کہ کلام عجمی ہے اور مخاطب عربی ہیں۔انہیں فرمائیں کہ ایمان لانے والوں کے لیے قرآن ہدایت اور شفاء ہے، مگر جولوگ ایمان نہیں لاتے یہ اُن کے کانوں کے لیے بوجھ اور ان کی آنکھوں کے لیے پردہ ہے، اُن کا حال تو ایسا ہے جیسے اُن کو دور سے پکارا جارہا ہو۔'' (۴۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قرآن مجید کے بارے میں کفّار کی ایک اور یاوہ گوئی۔

اس سے پہلے آیت ۴۰ اور ۴۱ میں بتایا گیا ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کی غلط توجیح کرتے ہیں اور اس کی نازل کردہ نصیحت کا انکار کرتے ہیں حالانکہ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس میں کسی باطل کی کسی حوالے سے بھی آمیزش نہیں ہے، کفار یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن کسی غیر عربی پر نازل ہونا چاہیے تھا۔اگر ہم اسے غیر عربی میں نازل کرتے تو یہ اعتراض کرتے کہ ہم عربی ہیں اور قرآن مجید کی زبان عجمی ہے ہم اسے سمجھیں تو کس طرح ؟ یہ عربی میں ہونا چاہیے تھا تا کہ اس کی زبان اور احکام کو ہم اچھی طرح سمجھ جاتے۔

درحقیقت ان کی نیت میں خرابی ہے جس بنا پر یہ ایک ہی وقت میں متضاد قسم کے اعتراضات کرتے ہیں ان کے دلوں میں کفر کا مرض ہے جس وجہ سے یہ قرآن مجید کو من جانب اللہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، انہیں فرمادیجیے کہ جولوگ اخلاصِ نیت کے ساتھ قرآن مجید پر ایمان لاتے ہیں ان کے لیے قرآن ہدایت کا سرچشمہ ہونے کیساتھ شفا بھی ہے۔اللہ

تعالیٰ قرآن کے ذریعے لوگوں کی راہنمائی کرتا اوران کے دلوں کو کفروشرک کے مرض سے پاک کرتا ہے لیکن جولوگ اس پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل اس کی تلاوت سے بوجھ محسوس کرتے ہیں اوران کی آنکھیں اوردل اندھے ہو چکے ہیں۔اس وجہ سے قرآن مجید کی دعوت ان کے لیے اس طرح ہے جس طرح کسی شخص کو دور سے آواز دی جائے تو اس کے لیے اس بات کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔

{ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۷۱ } (البقرہ:۱۷۱)

''کفار کی مثال ان جانوروں کی طرح ہے جو چرواہے کی صرف پکار اور آواز سنتے ہیں وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، انہیں عقل نہیں۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید عربی میں نازل کیا ہے۔۲۔قرآن مجید عربی میں اس لیے نازل کیا گیا کیونکہ نبی ﷺ عربی تھے۔

۲۔ عربی ہر دور میں جامع اور پُرکشش زبان رہی ہے اور رہے گی۔

۳۔ قرآن مجید کو نہ ماننے والے لوگ اس پر بے ہودہ اعتراض کرتے ہیں۔

۴۔ قرآن مجید پر ایمان نہ لانے والا حقیقت میں اندھا اور بہرہ ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید اور ہدایت کے بارے میں اندھے بہرے لوگ:

۱۔ کفار کی مثال اندھے بہرے کی طرح ہے۔(ھود:۲۴)

۲۔ ''اللہ'' کی آیات کی تکذیب کرنے والے اندھے بہرے ہیں۔(الانعام:۳۹)

۳۔ کانوں آنکھوں کا صحیح استعمال نہ کرنے والے لوگ جانوروں سے بدتر ہیں۔(الاعراف:۱۷۹)

۴۔ اندھے بہرے لوگ عقل نہیں رکھتے۔(البقرۃ:۱۷۱)

۵۔ اندھے بہرے لوگ ہدایت کی طرف نہیں آتے۔(البقرۃ:۱۸)

۶۔ نبی کریم ﷺ بھی اندھے بہرے لوگوں کو ہدایت نہیں دے سکتے تھے۔(الروم:۵۲)

۷۔ جہنمی کہیں گے کہ کاش ہم صحیح بات سُنتے اور عقل سے کام لیتے اور جہنم میں داخل نہ ہوتے۔(الملک:۱۰)

وَلَقَدْ	اٰتَيْنَا	مُوْسَى	الْكِتٰبَ	فَاخْتُلِفَ	فِيْهِ ؕ
اور البتہ تحقیق	ہم نے دی	موسیٰ کو	کتاب	تو اختلاف کیا گیا	اس میں
وَلَوْ	لَا	كَلِمَةٌ	سَبَقَتْ	مِنْ	رَّبِّكَ	لَقُضِيَ
اور اگر	نہ	ایک بات	پہلے سے ہو چکی ہوتی	سے	آپ کے رب	تو ضرور فیصلہ کر دیا جاتا
بَيْنَهُمْ ؕ	وَاِنَّهُمْ	لَفِيْ	شَكٍّ	مِّنْهُ	مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾	مَنْ
ان کے درمیان	اور بے شک وہ ہیں	البتہ میں	شک	اس سے	جو اضطراب میں ڈالنے والا ہے	جس نے
عَمِلَ	صَالِحًا	فَلِنَفْسِهٖ	وَمَنْ	اَسَآءَ	فَعَلَيْهَا ؕ
عمل کیا	نیک	تو اس کے اپنے لیے ہے	اور جس نے	بُرا کیا	تو اسی پر ہے
وَمَا	رَبُّكَ	بِظَلَّامٍ	لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾
اور نہیں ہے	آپ کا رب	ظلم کرنے والا	بندوں پر

”تحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور اس کے ساتھ بھی اختلاف کیا گیا، اگر آپ کے رب نے پہلے سے یہ بات طے نہ کی ہوتی تو اختلاف کرنے والوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن کے بارے میں پریشان کن شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ (۴۵) جو نیک عمل کرے گا وہ اپنے ہی لیے کرے گا جو بُرائی کرے گا اس کا وبال اُسی پر ہوگا آپ کا رب اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔“ (۴۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لانے والوں کا صرف قرآن کے بارے میں یہ رویہ نہیں بلکہ ایسے لوگوں کا تورات کے بارے میں بھی یہی رویہ تھا۔

قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں میں سب سے جامع اور مفصّل کتاب تورات ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی اس کے بارے میں بھی اختلاف کیا گیا کچھ لوگ اس پر ایمان لائے اور باقی نے انکار کر دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ طے شدہ نہ ہوتا تو دنیا میں ہی ان کا فیصلہ کر دیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے طے کر رکھا ہے کہ لوگوں کو دنیا میں اچھے، بُرے عمل کے لیے مہلت دی جائے اور آخرت میں حساب و کتاب کیا جائے اس مہلت کی وجہ سے ہی لوگوں نے تورات کے بارے میں اختلاف کیا اور اسی مہلت سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ لوگ قرآن اور قیامت کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں بالآخر قیامت کے دن ان لوگوں سے ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا لیکن کسی پر کوئی زیادتی نہ ہوگی کیونکہ آپ کا رب اپنے بندوں پر زیادتی نہیں کرتا۔ مکہ والوں کے سامنے یہ حقیقت بالکل واضح ہو چکی تھی کہ یہ قرآن من جانب اللہ ہے

اوراس کے دلائل نا قابلِ تردید ہیں۔ یہ بات ان کے دلوں میں سخت اضطراب پیدا کیے ہوئے تھی لیکن ضد کی بنا پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ تھے۔ یادرہے کہ جو کتاب اللہ کو نہیں مانتا وہ یقین کی دولت سے تہی دامن ہوتا ہے جو یقین کی دولت سے محروم ہوتا ہے وہ ذہنی کشمکش کا شکار رہتا ہے۔ جسے یوں بھی بیان کیا گیا ہے یہ لوگ اپنی سرکشی میں پریشان پھرتے ہیں۔ (البقرۃ: ۱۵) یہ کیفیت انسان کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے قیامت پر یقین ہی انسان کو نیکی میں اطمینان دلاتا اور برائی سے خوف پیدا کرتا ہے یہ خوف بھی آدمی کے لئے اطمینان کا باعث بنتا ہے لہٰذا جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور قیامت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے گا اس کے اعمال کا اسے ہی فائدہ ہوگا جس نے ایمان لانے سے انکار کیا اور بُرے اعمال کرتا رہا وہ اس کا خمیازہ بھگتے گا۔

((عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيْمَا رَوٰى عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰي أَنَّهٗ قَالَ يَاعِبَادِيْ إِنِّيْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِيْ وَجَعَلْتُهٗ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا))

(رواہ مسلم: کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم)

”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے میرے بندو! یقیناً میں نے اپنے آپ پر ظلم کرنا حرام کرلیا ہے اور تمہارے درمیان بھی حرام قرار دیتا ہوں پس تم آپس میں ظلم نہ کیا کرو۔“

مسائل

۱۔ جس طرح لوگ قرآن مجید کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں اسی طرح تورات کے بارے میں بھی اختلاف کیا گیا تھا۔

۲۔ کتاب اللہ اور اس کی تعلیم کے بارے میں اختلاف کرنے والے ہمیشہ اضطراب میں رہتے ہیں۔

۳۔ نیکی کا فائدہ اور برائی کا نقصان اس کے کرنے والے کو ہی ہوگا۔ ۴۔ ربِ کریم اپنے بندوں پر زیادتی نہیں کرتا۔

تفسیر بالقرآن

ربِ کریم اپنے بندوں پر زیادتی نہیں کرتے:

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ (التوبۃ: ۷۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا لیکن وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ (الروم: ۹)

۳۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ (یونس: ۴۴)

۴۔ قیامت کے دن لوگ اپنے اعمال کو اپنے روبرو پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ (الکھف: ۴۹)

۵۔ قیامت کے دن انصاف کا ترازو قائم کیا جائیگا اور کسی پر کچھ ظلم نہیں ہوگا۔ (الانبیاء: ۴۷)

۶۔ آج کے دن کسی پر ظلم نہیں کیا جائیگا اور ہر کسی کو اس کے اعمال کا صلہ دیا جائیگا۔ (یٰس: ۵۴)

۷۔ اللہ تعالیٰ بلاوجہ عذاب نہیں دیتا۔ (النساء: ۱۴۷) ۸۔ اللہ تعالیٰ ذرّہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ (النساء: ۴۰)

مِنْ	تَخْرُجُ	وَمَا	السَّاعَةِ	عِلْمُ	يُرَدُّ	اِلَيْهِ
سے	نکلتا	اور نہیں	قیامت کا	علم	لوٹایا جاتا ہے	اسی کی طرف

اُنْثٰى	مِنْ	تَحْمِلُ	وَمَا	اَكْمَامِهَا	مِّنْ	ثَمَرٰتٍ
مادہ	سے	حاملہ ہوتی	اور نہیں	اپنے غلافوں	سے	پھل

اَيْنَ	يُنَادِيْهِمْ	وَيَوْمَ	بِعِلْمِهٖ	اِلَّا	تَضَعُ	وَلَا
کہاں ہیں	وہ انہیں پکارے گا	اور جس دن	اس کے علم سے	مگر	وہ جنتی ہے	اور نہ

”قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف راجع ہوتا ہے، جو شگوفوں سے نکلنے والے پھل اس کے علم میں ہیں، اُسی کو معلوم ہے کہ کونسی مادہ حاملہ ہوئی ہے اور کس نے بچہ جنا ہے، پھر جس دن وہ ان لوگوں کو پکارے گا کہ کہاں ہیں۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو شخص کتاب اللہ کے بارے میں شک کرتا ہے وہ قیامت کے بارے میں بھی شک کا شکار رہتا ہے۔

قرآن مجید کا اسلوبِ بیان خطاب برائے خطاب نہیں، قرآن انسان کی ہر پہلو پر راہنمائی کرتے ہوئے اس کی توجہ حقیقت پر مرکوز رکھتا ہے۔ قرآن کے بنیادی مضامین تین ہیں۔ توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان لانے کی ترغیب دینا ہے۔ فکرِ آخرت کو اس لیے بنیادی عقائد میں شامل کیا ہے کہ اس کے سوا آدمی کو نہ نیکی کرنے میں حوصلہ ملتا ہے اور نہ ہی برائی کرنے میں خوف محسوس ہوتا ہے۔ اس لیے توحید ورسالت کی تسلیم واطاعت کے لیے آخرت کا احساس دلایا جاتا ہے اہلِ مکہ کی غالب اکثریت قیامِ آخرت کی منکر تھی جس بنا پر وہ نبی معظم ﷺ سے بار بار سوال کرتے کہ جس قیامت سے ہمیں ڈرایا جاتا ہے وہ کب برپا ہوگی؟ قرآن مجید نے اس سوال کے کئی جواب دیئے ہیں۔ اس موقع پر صرف یہ ارشاد فرمایا کہ جس قیامت کے بارے میں تم استفسار کرتے ہو اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یاد رکھو کہ کوئی پھل اپنے خوشے سے نہیں نکلتا اور نہ ہی کوئی ماں اپنے بچے کو جنم دیتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کو اس کا مکمل علم ہوتا ہے جس قیامت کا تم انکار کرتے ہو اس کا علم بھی اسی کے پاس ہے اس دن اللہ تعالیٰ مشرکوں کو حکم فرمائے گا کہ جنہیں تم میرا شریک بناتے تھے وہ کہاں ہیں؟ آج انہیں سامنے لایا جائے۔ قبروں کے پجاری، بتوں کے مجاور، بزرگوں اور حکمرانوں کے پرستار عرض کریں گے۔ بارِالٰہا! ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ ہم میں سے کسی کو معلوم نہیں کہ وہ اس وقت کہاں ہیں۔ قیامت کا جواب دینے کے بعد پھل کا اپنے خوشے سے نکلنا اور ماں کا بچے کو جنم دینے کا اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ منکرینِ قیامت کو احساس ہو کہ جس طرح کوئی انسان ماں کے رحم سے جنم لینے والے بچے اور خوشے سے نکلنے والے پھل کے بارے میں حقیقی علم نہیں رکھتا۔ اسی طرح ہی قیامت کے بارے میں

شُرَكَآءِيْ	قَالُوْٓا	اٰذَنّٰكَ	مَا	مِنَّا	مِنْ شَهِيْدٍ ﴿۴۷﴾
میرے شریک	وہ کہیں گے	ہم آپ سے عرض کر چکے	نہیں	ہم سے	کوئی گواہ
وَضَلَّ	عَنْهُمْ	مَّا	كَانُوْا	يَدْعُوْنَ	مِنْ قَبْلُ
اور گم ہو جائیں گے	ان سے	جو	تھے	وہ پکارتے	اس سے پہلے
وَظَنُّوْا	مَا	لَهُمْ	مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾		
اور وہ گمان کریں گے	نہیں	ان کے لیے	کوئی بھاگنے کی جگہ		

میرے وہ شریک۔ یہ کہیں گے ہم عرض کر چکے ہیں آج ہم میں سے کوئی اس کی گواہی دینے والا نہیں ہے۔ (۴۷) اس وقت وہ تمام معبودان سے گم ہو جائیں گے جنہیں وہ اس سے پہلے پکارتے تھے، اور یہ لوگ سمجھ لیں گے کہ ان کے لیے اب کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔" (۴۸)

اسے کچھ علم نہیں ہوتا۔ جو ذات بیج سے خوشہ اور خوشے سے پودا پھر پودے سے پھل نکالتی ہے اور جو ماں کے رحم سے بچہ کو مختلف مراحل سے گزار کر پیدا کرتی ہے اور تم اس عمل اور حقیقت کو مانتے ہو اسی ذات کا فرمان ہے کہ قیامت ہر صورت قائم ہو کر رہے گی۔ جنہیں تم اس کا شریک بناتے اور سمجھتے ہو وہ قیامت کے دن تمہیں "اللہ" کی گرفت سے چھڑا نہیں سکیں گے جب قیامت قائم ہوگی تو تمہاری حالت یہ ہوگی کہ تم اس بات کا اقرار کرو گے کہ جنہیں ہم دنیا میں اپنا سہارا سمجھتے تھے آج وہ ہمیں دکھائی نہیں دیتے۔ اس وقت تمہیں یقین ہو جائے گا کہ آج ہماری کسی طرح نجات نہیں ہو سکتی نہ ہی بھاگنے کی جگہ ہو گی یہاں مشرک کے بنائے ہوئے شریکوں کے لیے "ضَلَّ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ "ضَلَّ" کا معنٰی ہے گم ہو جانا، بھول جانا، راستے سے بھٹک جانا، دین سے پھر جانا۔ قیامت کے مراحل میں ایک مرحلہ ایسا بھی آئے گا کہ رب ذوالجلال کے جلال کی وجہ سے مشرکوں کو ان کے شریک بھول جائیں گے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہوگی۔

۲۔ کوئی نہیں جانتا کہ پھل پکے گا یا پہلے ہی ضائع ہو جائے گا۔

۳۔ کوئی ماں نہیں جانتی کہ وہ کب صاحبِ امید ہوگی اور کیسا بچہ جنم دے گی۔

۴۔ قیامت کے دن مشرک اپنے مشکل کشاؤں کو بھول جائیں گے۔ ۵۔ قیامت کے دن مشرکوں کی نجات نہ ہوگی۔

لَا	یَسۡـَٔمُ	الۡاِنۡسَانُ	مِنۡ	دُعَآءِ	الۡخَیۡرِ ۫	وَ اِنۡ
نہیں	تھکتا	انسان	سے	مانگنے	بھلائی کو	اور اگر
مَّسَّہُ	الشَّرُّ	فَیَـُٔوۡسٌ	قَنُوۡطٌ ﴿۴۹﴾		وَ لَئِنۡ	اَذَقۡنٰہُ
اسے پہنچے	تکلیف	تو مایوس	بہت ناامید ہوتا ہے		اور البتہ اگر	ہم چکھائیں اسے
رَحۡمَۃً	مِّنَّا	مِنۡۢ	بَعۡدِ	ضَرَّآءَ	مَسَّتۡہُ	لَیَقُوۡلَنَّ
رحمت	اپنی طرف سے	سے	بعد	تکلیف کے	اسے پہنچی	تو وہ یقیناً کہتا ہے
ہٰذَا	لِیۡ ۙ	وَ مَاۤ	اَظُنُّ	السَّاعَۃَ	قَآئِمَۃً ۙ	وَّ لَئِنۡ
یہ تو	میرے لیے ہے	اور نہیں	میں گمان کرتا	قیامت کو	قائم ہونے والی	اور البتہ اگر
رُّجِعۡتُ	اِلٰی	رَبِّیۡۤ	اِنَّ	لِیۡ	عِنۡدَہٗ	لَلۡحُسۡنٰی ۚ
میں لوٹایا گیا	طرف	اپنے رب کی	بلاشبہ	میرے لیے	اس کے پاس	البتہ بھلائی ہے

’’انسان بھلائی کی دعا مانگتے ہوئے کبھی نہیں تھکتا اور جب اس پر کوئی آفت آتی ہے تو مایوس اور دل شکستہ ہو جاتا ہے۔(۴۹) ہم اسے تکلیف کے بعد اپنی رحمت سے نوازتے ہیں تو کہتا ہے کہ میں اسی کا حقدار تھا اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت آئے گی، اگر بالفرض میں اپنے رب کی طرف لٹایا گیا تو وہاں بھی میرا انجام بہتر ہوگا۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: مشرک کے شرک کی بنیادی وجہ مفاد پرستی اور جلد بازی کرنا ہے۔

مشرک کی طبیعت میں ہمیشہ مفاد پرستی اور جلد بازی کا عنصر غالب رہتا ہے مشرک دنیا کے بارے میں بڑا حریص ہوتا ہے اس لئے معمولی آزمائش اور نقصان برداشت نہیں کرسکتا ہمیشہ دنیا کیلئے ہی دعائیں کرتا رہتا ہے۔(البقرۃ:۲۰۰)

مشرک کو تکلیف پہنچے اور اس کی دعا جلد قبول نہ ہو تو یہ اپنے رب سے ہی مایوس ہو جاتا ہے، مایوسی کے عالم میں اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے نواز دے تو سمجھتا ہے کہ یہ میری کوشش کا نتیجہ ہے بسا اوقات اپنی زبان سے بھی کہتا ہے کہ میری تکلیف اس لیے رفع ہوئی کہ میں نے اس کے لیے بہتر منصوبہ بندی اختیار کی اور بروقت اس کا علاج کرلیا ہے۔ مشرکانہ عقیدہ اور دنیا پرستی کی وجہ سے اس کا مستقل ذہن بن جاتا ہے بالخصوص ان لوگوں کا جو کئی نسلوں سے دولت مند ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کا نظام اس طرح ہی چلتا رہے گا بالفرض اگر قیامت قائم ہوگئی تو وہاں بھی ہمیں دوسروں پر برتری حاصل ہوگی یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمیں طویل سے طویل تر زندگی دی جائے یہاں تک کہ ہم ہزار سال زندہ رہیں حالانکہ طویل زندگی انہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتی۔

فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا ۫ وَلَنُذِیۡقَنَّهُمۡ

پھر ہم ضرور بتلائیں گے ان کو جنہوں نے کفر کیا ساتھ اس کے جو انہوں نے عمل کیے اور ہم ضرور چکھائیں گے ان کو

مِّنۡ عَذَابٍ غَلِیۡظٍ ﴿۵۰﴾ وَاِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَی

سے عذاب سخت اور جب ہم احسان کرتے ہیں پر

الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ

انسان وہ منہ موڑ لیتا ہے اور دور ہو جاتا اپنے پہلو کے ساتھ اور جب اسے پہنچتی ہے تکلیف

فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِیۡضٍ ﴿۵۱﴾

تو دعائیں کرنے والا لمبی چوڑی

کفر کرنے والوں کو یقیناً ہم بتا کر رہیں گے کہ وہ کیا کر کے آئے ہیں اور انہیں ہم بڑے سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔(۵۰) انسان کو جب ہم نعمت دیتے ہیں تو وہ منہ پھیر تا ہے اور اکڑ جاتا ہے، اور جب اُسے کوئی آفت آتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے۔'' (۵۱)

{ وَلَتَجِدَنَّهُمۡ اَحۡرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوةٍ ۛ وَمِنَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَكُوۡا ۛ یَوَدُّ اَحَدُهُمۡ لَوۡ یُعَمَّرُ اَلۡفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحۡزِحِهٖ مِنَ الۡعَذَابِ اَنۡ یُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۶﴾ } (البقرة:۹۶)

'' آپ انہیں سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حریص پائیں گے۔ یہ حرص مشرکوں سے بھی زیادہ ہے ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ کاش اسے ایک ہزار سال کی عمر دی جائے حالانکہ یہ عمر بھی انہیں عذاب سے نہیں چھڑا سکتی۔ اللہ تعالیٰ اچھی طرح دیکھ رہا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں۔''

ایسے انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ملے تو منہ پھیر لیتا ہے اور ناشکری کرتا ہے تکلیف پہنچے تو لمبی لمبی دعائیں کرتا ہے۔ یہ حالت اس شخص کی ہوتی ہے جو رسمی طور پر اسلام کا نام لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو کافر گردانا ہے جنہیں سخت اور شدید عذاب دیا جائے گا۔

((عَنۡ خَبَّابٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنۡتُ قَیۡنًا بِمَكَّةَ ، فَعَمِلۡتُ لِلۡعَاصِ بۡنِ وَائِلِ السَّهۡمِیِّ سَیۡفًا ، فَجِئۡتُ أَتَقَاضَاهُ فَقَالَ لَا أُعۡطِیكَ حَتَّی تَكۡفُرَ بِمُحَمَّدٍ قُلۡتُ لَا أَكۡفُرُ بِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم حَتَّی یُمِیتَكَ اللّٰهُ ، ثُمَّ یُحۡیِیكَ قَالَ إِذَا أَمَاتَنِی اللّٰهُ ثُمَّ بَعَثَنِی ، وَلِی مَالٌ وَوَلَدٌ فَأَنۡزَلَ اللّٰهُ ﴿أَفَرَأَیۡتَ الَّذِی كَفَرَ بِآیَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَیَنَّ مَالًا وَوَلَدًا أَطَّلَعَ الۡغَیۡبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا﴾))

(رواہ البخاری: کتاب التفسیر، باب قَوۡلِهٖ أَطَّلَعَ الۡغَیۡبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا)

'' حضرت خباب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مکہ میں لوہار تھا میں نے عاص بن وائل سہمی کے لیے تلوار بنائی اس کے پاس

مزدوری لینے کے لیے گیا تو اس نے کہا میں اس وقت تک تجھے تیری اجرت نہیں دوں گا جب تک تو محمد ﷺ کی رسالت کا انکار نہ کر دے میں نے کہا اللہ تجھے موت دے پھر زندہ کرے میں پھر بھی محمد ﷺ کی نبوت کا انکار نہیں کروں گا اس نے کہا جب اللہ تعالیٰ میری موت کے بعد مجھے زندہ کرے گا تو اس وقت بھی میرے پاس مال ہو گا لہٰذا میں قیامت کے دن تیری اُجرت ادا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت نازل فرمائی کہ کیا اسے غیب کا علم ہے یا اس نے اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کر رکھا ہے کہ اسے آخرت میں بھی اچھا مقام اور مال دیا جائے گا۔‘‘ بظاہر یہ خاص شخص کا واقعہ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بے شمار لوگ یہ ذہن رکھتے ہیں اس لیے ان لوگوں کی تردید کی گئی ہے۔

دنیادار کے مقابلے میں مؤمن کا کردار:

((عَنْ صُهَيْبٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهٗ كُلَّهٗ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ)) (رواہ مسلم: کتاب الزہد والرقائق، باب المؤمن أمرہ کلہ خیر)

’’حضرت صہیب ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کے معاملات عجیب ہیں۔ اس کے تمام معاملات میں خیر ہے اور یہ صرف مومن کے لیے ہے اگر اس کو آسانی ملتی ہے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے یہ اسکے لیے بہتر ہے اور اگر اسے تنگدستی آتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے یہ بھی اس کے لیے بہتر ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ مشرک اور کافر دنیا کے معاملے میں بڑا حریص ہوتا ہے۔ ۲۔ دنیادار شخص تکلیف کے وقت اپنے رب سے مایوس ہو جاتا ہے۔

۳۔ دنیادار شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر حاصل ہو تو وہ اسے اپنی لیاقت سمجھتا ہے۔

۴۔ دنیا پرست انسان کو اللہ تعالیٰ سخت عذاب دے گا۔

تفسیر بالقرآن

دنیا پرست انسان کا انجام:

۱۔ جو لوگ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں یہ دور کی گمراہی میں ہیں۔ (ابراہیم: ۳)

۲۔ جن لوگوں کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا قیامت کے دن ہم ان کو بھلا دیں گے۔ (الاعراف: ۵۱)

۳۔ یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (النحل: ۱۰۷)

۴۔ جس نے سرکشی اختیار کی اور دنیا کو ترجیح دی اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (النازعات: ۳۷ تا ۳۹)

۵۔ دنیا چاہنے والوں کو دنیا اور آخرت چاہنے والوں کو آخرت مل جائے گی۔ (آلِ عمران: ۱۴۵)

قُلْ	اَرَءَیْتُمْ	اِنْ	کَانَ	مِنْ	عِنْدِ	اللّٰہِ	ثُمَّ
فرما دیجیے	بھلا دیکھو تو	اگر	ہو وہ	سے	پاس	اللہ کے	پھر

کَفَرْتُمْ	بِہٖ	مَنْ	اَضَلُّ	مِمَّنْ	ھُوَ	فِیْ	شِقَاقٍ	بَعِیْدٍ ۝۵۲
تم انکار کرو	اس کا	کون	زیادہ گمراہ	اس سے جو	وہ ہے	میں	مخالفت	دور والی

”اے نبی انہیں فرمائیں کہ کبھی تم نے سوچا ہے کہ اگر واقعی قرآن اللہ کی طرف سے ہے اور تم اس کا انکار کرتے رہے تو اس شخص سے بڑھ کر بھٹکا ہوا اور کون ہوگا جو اس کی مخالفت میں دور نکل گیا ہو۔“ (۵۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کے منکر دنیا کے فائدے کی خاطر قرآن مجید کی مخالفت کرتے ہیں۔

اس سے پہلے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہم انسان پر جب انعام کرتے ہیں تو وہ شکر ادا کرنے کی بجائے ناشکری اور اعراض کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سب سے بڑا انعام قرآن مجید کا نزول ہے جس میں انسان کی راہنمائی کا کامل اور اکمل انتظام کیا گیا ہے اکثر انسان اس پر ایمان لانے کی بجائے کفر اختیار کرتے ہیں جو شخص قرآن کا انکار کرتا ہے اس سے بڑا کوئی گمراہ نہیں ہو سکتا۔

اے رسول ﷺ! ان لوگوں سے استفسار فرمائیں کہ جس قرآن اور اس کی تعلیمات کا انکار کرتے ہو اگر واقعی ہی یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے اور یقیناً اسی کا نازل کردہ ہے تم نے اسے نہ مانا اور اس کی مخالفت میں دور نکل گئے تو بتاؤ! اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا۔ قرآن مجید کے سمجھانے کا یہ بھی ایک اسلوب ہے کہ وہ انسان کو توجہ دلاتا ہے کہ اے انسان! بار بار سوچ! کہ جس قرآن کا تو انکار کرتا ہے اگر وہ واقعی اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے تو پھر قیامت کے دن تیرا کیا حال ہوگا؟ قرآن مجید کا انکار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے کئی قسم کے دلائل کے ساتھ سمجھایا ہے کہ یہ قرآن واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اس میں جن وانس کا کوئی عمل دخل نہیں یہ شیطان کی شیطنت سے ہر اعتبار سے محفوظ ہے اور نہ ہی یہ شاعرانہ کلام ہے اگر پھر بھی تمہیں یقین نہیں آتا تو سب کے سب جمع ہو کر قرآن کی کسی چھوٹی سے چھوٹی سورت جیسی کوئی سورت بنا لاؤ لیکن تم ہرگز اس جیسا کلام نہیں بنا سکتے جب تم ایسا کر نہیں سکتے تو پھر اس آگ سے بچو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں یہ منکرین کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (البقرۃ: ۲۳، ۲۴) اس انتباہ کے باوجود اگر تم انکار کیے جا رہے ہو تو یاد رکھو! جو قرآن کی مخالفت حدود پھلانگ کر کرتا ہے اس شخص سے بڑھ کر کوئی شخص گمراہ نہیں ہو سکتا۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے۔ ۲۔ قرآن کی مخالفت کرنے والا پرلے درجے کا گمراہ ہوتا ہے۔

سَنُرِیۡہِمۡ	اٰیٰتِنَا	فِی	الۡاٰفَاقِ	وَفِیۡۤ	اَنۡفُسِہِمۡ
عنقریب ہم ان کو دکھائیں گے	اپنی نشانیاں	میں	آفاق	اور میں	ان کے نفسوں
حَتّٰی	یَتَبَیَّنَ	لَہُمۡ	اَنَّہُ	الۡحَقُّ	اَوَ لَمۡ
یہاں تک کہ	واضح ہو جائے گا	ان کے لیے	کہ بے شک وہ	حق ہے	کیا نہیں
یَکۡفِ	بِرَبِّکَ	اَنَّہٗ	عَلٰی	کُلِّ	شَیۡءٍ	شَہِیۡدٌ ﴿۵۳﴾
کافی	آپ کا رب	کہ بے شک وہ	پر	ہر	چیز	گواہ ہے

”ہم عنقریب انہیں آفاق اور ان کے اپنے نفوس میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ قرآن واقعی برحق ہے، کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز پر گواہ ہے۔“ (۵۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قرآن کی مخالفت کرنے والوں کو ایک اور انتباہ۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان اور قوم کے لیے ایک حد مقرر کر رکھی ہے جب کوئی انسان اور قوم اس حد کو پھلانگ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے عتاب کا کوڑا حرکت میں آجاتا ہے اس وقت سے آگاہ کرنے کے لیے منکرینِ حق کو بتلایا ہے کہ ہم عنقریب انہیں آفاق اور ان کی ذات سے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلائیں گے یہاں تک کہ ان پر حق آشکارا ہو جائے گا یعنی اس وقت حق کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکیں گے لیکن اس وقت اعتراف اور اظہارِ حق کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اے نبی ﷺ! آپ اس یقین کے ساتھ اپنا کام کرتے جائیں کہ آپ کا رب ہر حال میں ہر چیز کو دیکھتا اور اس پر گواہ ہوتا ہے۔ اُفق کی جمع آفاق ہے جس کا معنیٰ حدِ نگاہ یا آسمان کا کنارہ ہے اور نفس کی جمع نفوس یا اَنْفُس آتی ہے جس سے مراد تمام انسان ہیں لیکن یہاں انسان سے مراد کافر لوگ ہیں انہیں انتباہ کیا گیا ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ انہی کے نفوس میں سے اور آفاق سے اپنی قدرت کی نشانیاں ظاہر کرے گا۔ اکثر مفسرین نے آفاق سے مراد اسلام کی فتوحات لی ہیں اور وضاحت فرمائی ہے کہ فتوحات بذاتِ خود کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ دنیا میں ظالم اور فاسق قومیں ہوئیں اور صدیوں تک برسرِ اقتدار رہی ہیں لیکن اسلامی فتوحات کی خوبی یہ ہے کہ اس میں دیانت و امانت کا بول بالا ہوا، شرم و حیا نے اپنا مقام پایا اور مظلوم کا ہاتھ ظالم کے گریباں تک پہنچا اور عدل و انصاف قائم ہوا جس سے دنیا جنت کی نظیر پیش کرنے کے قابل ہوئی، اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کی فتوحات ”اللہ“ کی قدرت اور اس کی رحمت کا کرشمہ تھیں جس بنا پر دنیا نے اسلام کے دامن میں سکون پایا مگر آفاق کی نشانیوں میں ان نشانیوں کو بھی شامل کرنا چاہیے جنہیں مکہ میں ظاہر کیا گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی انگلی کے اشارے سے مکہ والوں کے سامنے چاند دو ٹکڑے ہوا جس

کی شہادت دینے پر اہلِ مکہ مجبور ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کو مسجدِ حرام سے لے کر مسجدِ اقصیٰ اور مسجد اقصیٰ سے لے کر آسمانوں کی سیر کروائی کفار نے مسجدِ اقصیٰ کی نشانیاں طلب کیں تو آپ ﷺ کے سامنے مسجدِ اقصیٰ پیش کردی گئی آپ نے ایک ایک کر کے کفّار کے سوالات کا جواب دیا جس کے نتیجے میں انہیں خاموشی اختیار کرنا پڑی۔ آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی پتھروں نے دی، مکہ کے بڑے بڑے سردار میدانِ بدر میں تہہ تیغ ہوئے اور باقی نے اللہ کی وحدت، نبی ﷺ کی رسالت اور قرآن کی صداقت کو دل وجان سے قبول کیا۔ اس طرح ہمارے رب کا فرمان سچ ثابت ہوا اور قیامت تک اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلاتا رہے گا اس آیتِ مبارکہ کو سائنسی تجربات اور میڈیکل سائنس کے حوالے سے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کا فرمان اور بھی آشکارا ہوجاتا ہے۔ "فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ"! اس لیے ہر انسان کو اپنے افکار اور اعمال کو قرآن وسنت کے تابع کردینا چاہیے اور ہر دم یہ عقیدہ تازہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ آفاق، نباتات اور قدرت کے عجائبات کا ادراک کرنے کے لیے ملاحظہ فرمائیں سوسائنسدانوں کے مشاہدات پر مشتمل کتاب ''اللہ'' موجود ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے نفوس اور آفاق میں سے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ دلائل اور اپنی قدرت کی نشانیوں سے حق کو واضح کرتا ہے۔

۳۔ ہر انسان کو ہر وقت یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز اور کام کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا اور جانتا ہے:

۱۔ تم جو بھی عمل کرتے ہو وہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ (یونس:۶۱) ۲۔ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو جاننے والا ہے۔ (یٰس:۷۹)

۳۔ جو لوگ جہالت کی وجہ سے برائی کرتے ہیں، پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں اللہ ان کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اللہ ہر چیز کو جانتا اور حکمت والا ہے۔ (النساء:۱۷)

۴۔ اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ (النساء:۳۲)

۵۔ جو کچھ تم اللہ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُس کو جانتا ہے۔ (النساء:۳۹)

۶۔ قیامت کا، بارش کے نازل ہونے کا، اور جو کچھ رِحموں میں ہے اور انسان کل کیا کمائے گا اور اُسے کہاں موت آئے گی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ (لقمان:۳۴)

۷۔ فرشتوں نے کہا تو پاک ہے ہمیں اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھلایا ہے اور تو جاننے والا، حکمت والا ہے۔ (البقرۃ:۳۲)

آلَآ	اِنَّھُمْ	فِیْ	مِرْیَةٍ	مِّنْ	لِّقَآءِ	رَبِّھِمْ
خبردار	بے شک وہ	میں	شک	سے	ملاقات	اپنے رب کی

آلَآ	اِنَّهٗ	بِكُلِّ	شَیْءٍ	مُّحِیْطٌ ﴿٥٤﴾
خبردار	بے شک وہ	ہر	چیز کو	گھیرنے والا ہے

ع ٦ / ١

''خبردار وہ اپنے رب کی ملاقات میں شک کرتے ہیں یقیناً اللہ نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔'' (٥٤)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار اپنے رب کی قدرتیں دیکھنے کے باوجود اس کی ذات اور ملاقات سے انکار کرتے ہیں۔

انسان کا ذہن آخرت کے فکر سے خالی ہو جائے تو وہ بڑے سے بڑے حقائق اور دلائل کو ٹھکراتا چلا جاتا ہے۔ یہی حالت اہلِ مکہ کی تھی ان کے سامنے اللہ کی الوہیّت کے دلائل پیش کیے جاتے تو وہ انہیں مسترد کر دیتے۔ نبی ﷺ کی رسالت کا ثبوت دیا جاتا تو وہ اسے مذاق کا نشانہ بناتے ،فکرِ آخرت کی بات ہوتی تو اہلِ مکہ یہ کہہ کر انکار کرتے کہ جب انسان مر کر مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائے گا تو اسے کس طرح دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟ ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ دیکھیں یہ لوگ کس طرح اپنے رب کی ملاقات کے بارے میں متردّد اور شک کا شکار ہیں کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو رب انہیں آفاق اور ان کے نفوس میں اپنی قدرتیں دکھلاتا ہے جن کے سامنے یہ لوگ بے بس ہو جاتے ہیں اور اکثر مرتبہ ان کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ پھر غور کرو! کہ جس نے زمین و آسمان ،صحراء، دریا، شجر و حجر اور انسان کو پیدا کیا ہے کیا وہ انسان کو مارنے کے بعد اسے زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے؟ بلاشبہ وہ اس بات پر قادر ہے اور اس نے انسان کو ہر صورت دوبارہ زندہ کرنے کے بعد اپنی بارگاہ میں حاضر کرنا ہے کوئی اس کا اقرار کرے یا انکار کرے اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر قادر ہے کیونکہ اس نے اپنے علم ،اختیار اور اقتدار کے حوالے سے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ انسان جل کر مرے یا پانی میں تحلیل ہو جائے اللہ تعالیٰ ہر صورت اسے اپنے حضور حاضر کرے گا۔

مسائل

١۔ آخرت کے منکر کے پاس کوئی عقلی اور نقلی دلائل موجود نہیں۔

٢۔ کوئی چاہے یا نہ چاہے اس کی اپنے رب کے ساتھ ملاقات ضرور ہوگی۔

٣۔ یقین کریں! کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

سورۃ الشّوریٰ کا تعارف

الشوریٰ مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی یہ ترپین (۵۳) آیات اور پانچ رکوعات پر مشتمل ہے اور حٰمٓ کے لفظ سے شروع ہونے والی یہ تیسری سورت ہے۔

ربطِ سورۃ: سورۃ حٰمٓ السجدہ کا اختتام اس بات پر ہوا کہ اگر قرآن مجید ''اللہ'' کی طرف سے نازل ہوا ہے اور یقیناً ہوا ہے تم اس کا انکار کرتے ہو تو پھر بتاؤ اس شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو جان بوجھ کر قرآنِ مجید کا انکار کرتا ہے الشوریٰ کا آغاز ان الفاظ سے ہوا کہ اے نبی ﷺ آپ پر اسی طرح ہی وحی کی جا رہی ہے جس طرح آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام پر وحی کی جاتی تھی وحی کا مرکزی پیغام یہ ہے کہ اللہ کی توحید پر ایمان لا کر اس کے تقاضے پورے کیے جائیں جو لوگ توحید کا انکار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سِوا دوسروں کو اپنا خیر خواہ سمجھتے ہیں ان پر مزید وقت صرف کرنے کی بجائے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کسی پر نگران اور پاسبان نہیں بنایا جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں سے امیدیں وابستہ رکھتے ہیں انہیں دیکھنا اور سوچنا چاہیے کہ جس رب پر ایمان لانے اور اس کی بات ماننے کا حکم دیا جاتا ہے اسی نے زمین و آسمان، انسان اور چوپاؤں کو پیدا کیا ہے اور وہی رزق کا بندوبست کرنے والا ہے یہ باتیں حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر وحی کی گئیں لیکن ہر دور کے مشرک نے ان باتوں کا انکار کیا۔ اے نبی مشرک کا رویہ جو بھی ہو آپ کو یہی دعوت دینا اور اس پر استقامت اختیار کرنا ہے البتہ انہیں ارشاد فرمائیں کہ میں اس دعوت کے عوض میں رشتہ داری کے احترام کے سوا تم سے کسی بات کا مطالبہ نہیں کرتا۔

یاد رکھو جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے وہ عارضی ہے اور جو اللہ تعالیٰ نے آخرت میں اپنے بندوں کے لیے تیار کر رکھا ہے وہ ہمیشہ ہمیش رہنے والا ہے۔ الشوریٰ کی آیت ۳۸ میں مسلمانوں کے اجتماعی نظام کی خوبی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ان کا اجتماعی نظام آمریت کی بجائے شورائیت پر مبنی ہوتا ہے۔ اس اجتماعیت کا تقاضا ہے کہ مسلمان باجماعت نماز کا اہتمام کرتے اور مال دار لوگ دوسروں پر خرچ کرتے ہیں اس سورت کا آغاز اس بات سے ہوا کہ قرآن مجید بھی اسی طرح وحی کے ذریعے نازل کیا جا رہا ہے جس طرح پہلے انبیاء پر وحی کے ذریعے کتابیں نازل کی گئی تھیں۔ کفار کے الزام کے جواب میں یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ کسی بشر کے لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ براہِ راست کلام فرمائے اس نے جس پر اپنا پیغام نازل فرمایا وہ وحی اور حجاب کے ذریعے ہی نازل کیا جاتا تھا اور اسی طرح ہی آپ پر وحی کی جاتی ہے، وحی سے پہلے آپ ﷺ نہیں جانتے تھے کہ قرآن اور ایمان کیا ہیں؟ یہ تو اللہ کا کرم ہوا ہے کہ اُس نے آپ پر قرآن نازل کیا اور آپ کو صراطِ مستقیم کی رہنمائی فرمائی۔ آپ یاد رکھیں کہ ہر کام کا نتیجہ اللہ کے ہاں مرتب شدہ ہے بالفاظ دیگر انجامِ کار ''اللہ'' کے ہاتھ میں ہے۔

❀❀❀

سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعَاتُهَا ۵ — اٰيَاتُهَا ۵۳

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے

حٰمٓ ۚ ﴿۱﴾	عٓسٓقٓ ﴿۲﴾	كَذٰلِكَ	يُوْحِيْٓ	اِلَيْكَ	وَاِلَى
حٰمٓ	عٓسٓقٓ	اسی طرح	وحی کرتا ہے	آپ کی طرف	اور طرف
الَّذِيْنَ	مِنْ قَبْلِكَ ۙ	اللّٰهُ	الْعَزِيْزُ	الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾	
ان لوگوں کی جو	آپ سے پہلے تھے	اللہ	نہایت غالب	خوب حکمت والا ہے	
لَهٗ	مَا	فِي	السَّمٰوٰتِ	وَمَا	فِي
اسی کے لیے ہے	جو ہے	میں	آسمانوں	اور جو	میں
الْاَرْضِ ۭ	وَهُوَ	الْعَلِيُّ	الْعَظِيْمُ ﴿۴﴾		
زمین	اور وہ	بلند ہے	بڑی عظمت والا		

”حٰمٓ (۱) عٓسٓقٓ (۲) اللہ غالب اور حکیم ہے جو اسی طرح آپ کی طرف وحی کرتا ہے جس طرح آپ سے پہلے رسولوں کی طرف وحی کرتا رہا ہے۔ (۳) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، وہ بلند و بالا اور بڑی عظمت والا ہے۔“ (۴)

فہم القرآن

سورہ حٰمٓ السجدہ کا اختتام اس بات پر ہوا کہ قرآن مجید اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے جو شخص اس کا انکار کرتا ہے اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں سورۃ الشوریٰ کا آغاز اس بات سے ہو رہا ہے کہ جس طرح قرآن کی صورت میں آپ ﷺ کی طرف وحی کی جارہی ہے اسی طرح آپ سے پہلے انبیاء ﷺ کی طرف وحی کی جاتی تھی۔

حٰمٓ ، عٓسٓقٓ حروفِ مقطعات میں سے ہیں ان کا معنٰی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اے نبی ﷺ! ”اللہ“ ہی وحی کے ذریعے قرآن مجید آپ کی طرف نازل کر رہا ہے۔ جس طرح اس نے ابراہیم علیہ السلام پر صحائف، موسیٰ علیہ السلام پر تورات، داؤد علیہ السلام پر زبور اور عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی اور ان کے علاوہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام پر وحی بھیجی قرآن مجید اسی ذات نے نازل فرمایا ہے جو ہر کام کرنے پر غالب ہے اس کے ہر حکم میں دانش ہوتی ہے اور اس کے احکام محکم ہوتے ہیں وہی زمین و آسمانوں اور ان کی ہر چیز کا مالک ہے وہ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے بلند و بالا اور عظیم تر ہے۔ یہاں پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف وحی بھیجنے کا ذکر فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ جن انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں تمہارا ایمان ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ وحی نازل کرتا تھا اسی طرح تمہارا ایمان ہونا چاہیے کہ وہی ”اللہ“ حضرت محمد ﷺ پر

وحی کے ذریعے قرآن نازل کررہا ہے۔ اہلِ مکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور کچھ پیغمبروں کے بارے میں ایمان رکھتے تھے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی تھی۔ یہودی بالخصوص حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یقین رکھتے تھے اور رکھتے ہیں کہ ان پر وحی کی جاتی تھی اور وہ اللہ کے پیغمبر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر کا نام لیے بغیر ارشاد فرمایا ہے کہ جس طرح ان پر وحی کی جاتی تھی۔ اے نبی ﷺ! آپ پر بھی اسی طرح وحی کی جارہی ہے اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ پر وحی نازل نہیں ہوتی یا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے باہر ہیں ایسا ہرگز نہیں کیونکہ زمین وآسمان اور ان میں جو چیز ہے وہ اللہ کی ملکیت میں ہے اور اللہ اپنی ذات، صفات، اقتدار اور اختیار کے اعتبار سے بلند و بالا اور عظیم تر ہے۔ بار بار دلائل پیش کرنے کے باوجود یہ لوگ نہیں مانتے تو یہ اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ انہیں مہلت دیے جارہا ہے۔ جب پکڑنے پر آئے گا تو کوئی چیز اس کے سامنے مزاحم نہیں ہو سکے گی۔ ان آیات میں ایک طرف نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اور دوسری طرف قرآن مجید کے مخالفوں کو انتباہ کیا گیا ہے کہ تم بلند و بالا اور عظیم تر ہستی کی دسترس سے باہر نہیں ہو اگر تم اپنی نافرمانیوں کے باوجود بچے ہوئے ہو تو یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ اس نے تمہیں ایک مقررہ وقت تک مہلت دے رکھی ہے۔

مسائل

۱۔ حٰمٓ ۔ عٓسٓقٓ حروفِ مقطعات ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر وحی نازل فرمائی جس طرح پہلے انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل فرمائی تھی۔

۳۔ زمین وآسمان اور ان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مِلک ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ بلند بالا، عظیم تر، غالب اور حکمت والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مِلک ہے:

۱۔ ہدایت وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت قرار دے۔ (البقرۃ: ۱۲۰) ۲۔ ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔ (القصص: ۵۶)

۳۔ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۱۳) ۴۔ اللہ زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ (آلِ عمران: ۲۷)

۵۔ اللہ جسے چاہتا ہے معزز اور جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ (آلِ عمران: ۲۶)

۶۔ اللہ مردے کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ (الاحقاف: ۳۳) ۷۔ عزت ساری کی ساری اللہ ہی کے پاس ہے۔ (فاطر: ۱۰)

۸۔ اللہ سب کو موت دے کر دوسری مخلوق پیدا کرسکتا ہے۔ (النساء: ۱۳۳)

۹۔ ہر قسم کی عزت اللہ کے لیے ہے وہ سننے اور جاننے والا ہے۔ (یونس: ۶۵)

تَكَادُ	السَّمٰوٰتُ	يَتَفَطَّرۡنَ	مِنۡ	فَوۡقِهِنَّ	وَالۡمَلٰٓئِكَةُ
قریب ہے کہ	آسمان	پھٹ جائیں	سے	ان کے اوپر	اور فرشتے

يُسَبِّحُوۡنَ	بِحَمۡدِ	رَبِّهِمۡ	وَيَسۡتَغۡفِرُوۡنَ	لِمَنۡ	فِي	الۡاَرۡضِ ؕ
تسبیح کرتے ہیں	حمد کے ساتھ	اپنے رب کی	اور مغفرت مانگتے ہیں	ان کے لیے جو ہیں	میں	زمین

اَلَآ	اِنَّ	اللّٰهَ	هُوَ	الۡغَفُوۡرُ	الرَّحِيۡمُ ۝۵
خبردار	بے شک	اللہ	وہی	بڑا بخشنے والا	نہایت رحم کرنے والا ہے

''قریب ہے کہ آسمان ان پر پھٹ پڑیں اور فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں اور زمین والوں کے حق میں درگزر کی فریاد کرتے ہیں۔ سنو! یقیناً اللہ غفور ورحیم ہے۔'' (۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ اس قدر بلند وبالا اور عظیم تر ہے کہ وہ چاہے تو منکرینِ قرآن پر آسمان گرادے، ایسا اس لیے نہیں کرتا کیونکہ وہ غفور الرّحیم ہے۔

منکرینِ حق قرآنِ مجید کا اس لیے انکار کرتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ کی رسالت کو نہیں مانتے نبی ﷺ کی رسالت اور قرآن مجید کا انکار کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا ہے۔ اس لیے کہ نبی ﷺ نے دعویٰ نبوت اپنی طرف سے نہیں کیا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے یہ اعلان کروایا اور آپ پر قرآن نازل فرمایا۔ اس لیے قرآن اور نبی ﷺ کا انکار کرنا ربِّ ذوالجلال کو (خاکم بدھن) جھوٹا کہنے کے مترادف ہے یہ اتنا سنگین گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ درگزر نہ فرماتا تو قریب تھا اور ہے کہ منکرینِ قرآن پر آسمان پھٹ پڑے اور اللہ کے ملائکہ اتر پڑیں جو ہر وقت اپنے رب کی شان کے لائق اس کی تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اور ہر دم اہلِ زمین کے لیے اپنے رب کے حضور معافی کی درخواست کرتے ہیں، جس بنا پر اللہ تعالیٰ قرآن اور رسالت کے منکرین سے درگزر کرتا ہے مجرموں کو یاد ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بار بار معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ فرشتوں کے نازل کرنے کا مقصد مجرموں کو عذاب دینا یا پھر قیامت برپا کرنا ہے۔

حمد کی عظمت:

«عَنۡ أَبِيۡ هُرَيۡرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ كَلِمَتَانِ حَبِيۡبَتَانِ إِلَي الرَّحۡمٰنِ، خَفِيۡفَتَانِ عَلَي اللِّسَانِ، ثَقِيۡلَتَانِ فِي الۡمِيۡزَانِ سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمۡدِهِ، سُبۡحَانَ اللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ»

(رواہ البخاری: کتاب التوحید)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: دو کلمے رحمان کو بڑے پسند ہیں،

زبان سے ادا کرنے میں آسان اور وزن کے لحاظ سے بھاری ہیں۔“

((عَنْ اَبِیْ مَالِكِ الْاَ شْعَرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلطُّھُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ تَمْلَأُ الْمِیْزَانَ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ تَمْلَاٰنِ اَوْ تَمْلَأُ مَا بَیْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ))

(رواہ مسلم: باب فَضْلِ الْوُضُوْءِ)

”حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذکر کرتے ہیں کہ پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے“ ”الحمدللہ“ کے الفاظ میزان کو بھر دیتے ہیں۔ ”سبحان اللہ“ اور ”الحمدللہ“ دونوں کلمے زمین وآسمان کو بھر دیتے ہیں۔“

استغفار کی فضیلت:

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ننانوے قتل کیے تھے پھر توبہ کے لیے ایک راہب کے پاس پہنچا اور اس سے پوچھا کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ راہب نے جواب دیا نہیں اس نے اسے بھی قتل کردیا پھر مسئلہ پوچھنے کے لیے دوسرے عالم کے پاس گیا، اس شخص نے اُسے ایک بستی کی طرف رہنمائی کی۔ راستے میں اس کو موت نے آلیا وہ اپنے سینے کے بل گرا۔ اس شخص کے بارے میں رحمت اور عذاب کے فرشتے جھگڑنے لگے اس پر اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو حکم دیا کہ مرنے والے کے قریب ہو جائے اور چھوڑی ہوئی بستی کو اس سے دوری کا حکم دیا پھر دونوں کے درمیان فاصلہ ناپنے کا حکم ہوا مرنے والا منزل مقصود کے بالشت بھر قریب پایا گیا اس لیے اس کو معاف کردیا گیا۔“ (رواہ البخاری: باب حدیث الغار)

مسائل

۱۔ قریب ہے کہ منکرین قرآن پر آسمان ٹوٹ پڑے یا فرشتے اتر پڑیں۔ ۳۔ یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بڑا رحیم ہے۔

۲۔ ملائکہ اپنے رب کی تسبیح پڑھنے کے ساتھ اہلِ زمین کے لیے بخشش مانگتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

استغفار کی برکات:

۱۔ حضرت یونس کی قوم کے سوا کسی قوم کو عذاب کے وقت ایمان لانے کا فائدہ نہ ہوا۔ (یونس: ۹۸)

۲۔ اللہ سے بخشش طلب کرو یقیناً وہ معاف کرنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔ (النساء: ۱۰۶)

۳۔ اگر تم استغفار کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا بہتر صلہ دے گا۔ (ہود: ۳)

۴۔ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور اس کی طرف رجوع کرو میرا رب رحم کرنے اور شفقت فرمانے والا ہے۔ (ہود: ۹۰)

۵۔ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو یقیناً وہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ (المزمل: ۲۰)

وَالَّذِيْنَ	اتَّخَذُوْا	مِنْ	دُوْنِهٖٓ	اَوْلِيَآءَ	اللّٰهُ	حَفِيْظٌ
اور وہ لوگ	جنہوں نے بنا لیے	سے	اس کے سوا	کارساز	اللہ	نگہبان ہے

عَلَيْهِمْ ۖ	وَمَآ	اَنْتَ	عَلَيْهِمْ	بِوَكِيْلٍ ⑥
ان پر	اور نہیں	آپ	ان پر	ذمہ دار

''جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرست بنا رکھے ہیں، اللہ ہی اُن پر نگران ہے، آپ ان کے ذمہ دار نہیں۔''(۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بخشنہار اور مہربان ''اللہ'' کو چھوڑ کر لوگ دوسروں کو اپنا کارساز اور خیر خواہ بناتے ہیں حالانکہ وہ سب پر نگران اور سب کا ذمہ دار ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے تمام گناہوں کو معاف کرنے والا اور ان کے جرائم سے درگزر فرمانے والا ہے۔ چاہیے تو یہ کہ ہر انسان ایسے مہربان کو اپنا کارساز اور خیر خواہ مانے مگر مشرک کی حالت یہ ہے کہ وہ ''اللہ'' بخشنہار اور مہربان کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا کارساز اور خیر خواہ سمجھتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر کسی پر نگران اور اس کی نیّت و عمل سے آگاہ ہے۔ اے رسول ﷺ! آپ اپنا کام کرتے جائیں اور یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنایا ہے رسول کا کام لوگوں کو حق کا پیغام دینا ہے منوانا اس کی ذمہ داری نہیں۔ نبی کریم ﷺ صبح و شام پوری جانفشانی اور اخلاص کے ساتھ لوگوں کو توحید اور دین حق کی دعوت دیتے مگر مشرکین کی حالت یہ تھی کہ وہ کفر و شرک میں آگے بڑھے جا رہے تھے۔ اس صورتِ حال پر آپ ﷺ افسردہ اور دل گرفتہ ہو جاتے جس پر آپ کی طبیعت مضمحل ہو جاتی اس لئے آپ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کا ابلاغ کرنے کے لیے مبعوث فرمایا ہے کسی پر پاسبان اور چوکیدار مقرر نہیں کیا۔

قرآن مجید نے مشرکین کے لیے کئی بار یہ لفظ استعمال کیا ہے کہ مشرک اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اپنا اولیاء سمجھتے ہیں ولی کی جمع اولیاء ہے جس کا معنیٰ خیر خواہ اور دلی دوست ہے۔

مفسرین نے ولی کے مختلف معنیٰ و مفہوم بیان کیے ہیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

① جس کے کہنے پر آدمی چلے، جس کی ہدایات پر عمل کرے، اور جس کے مقرر کیے ہوئے طریقوں کی پیروی کرے۔
(النساء:۱۱۹، الاعراف:۳، ۲۷، ۳۰)

② جس کی راہنمائی پر آدمی اعتماد کرے اور یہ سمجھے کہ وہ اسے صحیح راستہ بتانے اور غلطی سے بچانے والا ہے۔
(بنی اسرائیل:۹۷، الکہف:۱۷، ۵۰، الجاثیۃ:۱۹)

③ جس کے متعلق آدمی عقیدہ رکھے کہ میں دنیا میں خواہ کچھ کرتا رہوں وہ مجھے اس کے برے نتائج سے بچا لے گا۔

(النساء:۱۲۳، ۱۷۳، الانعام:۵۱، الرعد:۳۷، العنکبوت:۲۲، الاحزاب:۶۵، الزمر:۳)

④ جس کے متعلق آدمی یہ سمجھے کہ وہ دنیا میں مافوق الفطرت طریقے سے اس کی مدد کرتا ہے، آفات ومصائب سے اس کی حفاظت کرتا ہے، اسے روزگار دلواتا ہے، مرادیں برلاتا ہے اور ہر طرح کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔

(ہود:۲۰، الرعد:۱۶، العنکبوت:۴۱)

بعض مقامات پر قرآن مجید میں ولی کا لفظ ان میں کسی ایک معنٰی میں استعمال کیا گیا ہے اور بعض مقامات پر اس کے سارے ہی مفہوم مراد ہوتے ہیں۔ یہاں اللہ کے سوا دوسروں کو ولی بنانے سے مراد مذکورہ بالا چار یا کسی ایک معنٰی میں ان کو اپنا سرپرست بنانا اور حامی و مددگار سمجھنا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیوی وسائل کے تحت ایک حد تک انسان کو ایک دوسرے کا خیر خواہ اور کارساز بنایا ہے لیکن یہ کارسازی اور خیر خواہی انسان کے اپنے بس کی بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو عام انسان تو درکنار جنم دینے والی ماں بھی اپنی اولاد کی خیر خواہی اور اس کی چارہ جوئی نہیں کر سکتی۔ ماں کے دل سے رحم کا جذبہ ختم ہو جائے تو اپنے ہی لختِ جگر کا گلا گھونٹ دیتی ہے، ماں بیماری کی وجہ سے لاچار ہو جائے تو جگر گوشے کو دودھ پلانا تو درکنار اسے آنکھیں کھول کر دیکھ بھی نہیں سکتی یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا نتیجہ ہے کہ انسان ایک دوسرے کی چارہ جوئی کرتا ہے لہٰذا حقیقی اور بنیادی طور پر خیر خواہ اور کارساز صرف ایک ''اللہ'' ہے لیکن مشرک اسے چھوڑ کر یا اس کے ساتھ دوسروں کو بھی اپنا چارہ گر اور خیر خواہ سمجھتا ہے جو سب سے بڑا گناہ ہے۔

مسائل

۱۔ مشرک اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اپنا کارساز اور خیر خواہ سمجھتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی پر نگران اور پاسبان ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کارساز اور حقیقی خیر خواہ نہیں سمجھنا چاہیے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اسی کی عبادت کرو کیونکہ وہ ہر کسی کا کارساز ہے۔ (الانعام:۱۰۲)

۲۔ بے شک آپ ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہی ہر چیز پر کارساز ہے۔ (ہود:۱۲)

۳۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پروردگار ہے اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے۔ (الزمر:۴۱)

۴۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے اور وہ کارساز کافی ہے۔ (النساء:۱۳۲)

۵۔ میرے بندوں پر شیطان کا داؤ پیچ نہیں چلے گا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے کارساز ہے۔ (بنی اسرائیل:۶۵)

۶۔ وہ مشرق و مغرب کا رب ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اسی کو کارساز مانو۔ (المزمل:۹)

وَ كَذٰلِكَ	اَوْحَيْنَآ	اِلَيْكَ	قُرْاٰنًا	عَرَبِيًّا	لِّتُنْذِرَ	اُمَّ الْقُرٰى
اور اسی طرح	ہم نے وحی کی	آپ کی طرف	قرآن	عربی	تاکہ آپ ڈرائیں	مکہ والوں کو
وَمَنْ	حَوْلَهَا	وَتُنْذِرَ	يَوْمَ	الْجَمْعِ	لَا	رَيْبَ
اور جو	اس کے اردگرد ہیں	اور آپ ڈرائیں	دن سے	جمع ہونے کے	نہیں	کوئی شک
فِيْهِ	فَرِيْقٌ	فِي	الْجَنَّةِ	وَفَرِيْقٌ	فِي	السَّعِيْرِ ۞
اس میں	ایک گروہ	میں	جنت	اور ایک گروہ	میں	بھڑکنے والی آگ

''اے نبی اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی زبان میں قرآن بھیجا ہے تاکہ آپ بستیوں کے مرکز مکہ اور اس کے گردوپیش رہنے والوں کو خبردار کریں، اور جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ اس دن ایک گروہ کو جنت میں اور دوسرے گروہ کو دوزخ میں جانا ہوگا۔'' (۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اپنا خیرخواہ اور کارساز بنالیا ہے۔ انہیں ان کے برے عقیدے کے انجام سے ڈرانے کے لیے آپ کی طرف قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ آپ انہیں ان کے برے انجام سے متنبہ فرمائیں اس کا آغاز مکہ اور گردونواح سے ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے نبی علیہ السلام پر قرآن مجید نازل کیا جو عربی زبان میں ہے۔ عربی زبان میں نازل کرنے کی بنیادی طور پر تین وجوہات ہیں پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر قرآن مجید غیر عربی میں ہوتا تو نہ صرف آپ ﷺ کے مخاطبین کو سمجھنے میں مشکل پیش آتی بلکہ آپ کو بھی قرآن سمجھنے اور سمجھانے میں دقت کا سامنا کرنا پڑتا عربی زبان میں قرآن نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس دِقت سے بچالیا، دوسری وجہ عربی میں قرآن نازل کرنے کی یہ ہے کہ اس زمانے میں صرف عربی زبان ہی ایسی زبان تھی جس کی جامعیت کا اہلِ علم اعتراف کرتے تھے اور آج بھی یہ زبان پوری دنیا کی زبانوں میں الفاظ اور قواعد کے اعتبار سے زیادہ جامع ہے، تیسری وجہ یہ ہے کہ آخر کسی نہ کسی زبان میں قرآن مجید نازل ہونا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ان تمام اوصاف سے متصف فرمایا تھا جو آخرالزماں پیغمبر میں ہونے چاہئیں تھے۔ آپ ﷺ عربی تھے اس لیے قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا گیا۔ جس کا پہلا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ امّ القریٰ اور اس کے گردوپیش میں رہنے والے لوگوں کو آخرت کے ثواب اور احتساب سے آگاہ فرمائیں جس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ اس دن ذات پات اور ہر قسم کی اونچ نیچ کے سوا صرف لوگ دو حصوں میں تقسیم ہوں گے صحیح عقیدہ اور صالح اعمال رکھنے والے لوگ جنت میں جائیں گے اور بدبخت لوگوں کو جہنّم میں جھونکا جائے گا۔ قرآن مجید نے سورۃ الاعراف میں ایک تیسرے گروہ کا ذکر بھی کیا ہے جنہیں

قیامت کے دن اصحاب الاعراف کے نام سے پکارا جائے گا جو بالآخر جنت میں جائیں گے تاہم کچھ بنیادی کوتاہیوں کی وجہ سے انہیں ایک عرصہ کے لیے جنّت اور جہنّم کے درمیان روک لیا جائے گا ان کا ذکر یہاں اس لیے نہیں کیا گیا کیونکہ بالآخر وہ جنت کے مہمان ہوں گے اس لیے انہیں جنتیوں میں ہی شمار کیا گیا ہے۔قرآن مجید نے مکہ معظمہ کو امّ القریٰ قرار دیا ہے۔جس کا معنٰی ہے بستیوں کی ماں اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب زمین وآسمان بنانے کا فیصلہ کیا تو سب سے پہلے بیت اللہ کے مقام پر زمین کا آغاز ہوا۔(آل عمران:۹۶) دوسری وجہ یہ ہے کہ مکہ معظّمہ بیت اللہ کی وجہ سے ابتداء ہی سے مرجعِ خلائق رہا ہے امّ القریٰ کے آس پاس سے مراد مکہ کے گردونواح کی بستیاں ہیں اس آیت میں تبلیغ کا نیٹ ورک بتلایا گیا ہے کہ کام کا آغاز اپنے قریب سے کرنا چاہیے جس کے لیے حکم ہے کہ اپنے آپ اور اپنے عزیز واقربا کو جہنم کی ہولناکیوں سے بچاؤ۔(التحریم:٦) اکثر اہلِ علم نے امّ القریٰ سے پوری دنیا مراد لی ہے کیونکہ قرآن مجید کا ارشاد اور آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ میں کالے اور گورے،عربی اور عجمی کے لیے رسول بنایا گیا ہوں اور قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک اسلام کا پیغام دنیا کے ہر گھر تک نہ پہنچ جائے۔(رواہ احمد:مسند مقدار بن اسود رضی اللہ عنہ [صحیح])

{قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعَا} (الاعراف:۱۵۸)

''اے پیغمبر ﷺ فرما دیجیے!اے لوگو میں تم تمام کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے نبی اکرم ﷺ پر قرآن مجید نازل کیا ہے۔ ۲۔قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔

۳۔ اللہ کے رسول ﷺ اہلِ مکہ اور پوری دنیا کو قیامت کے حساب وکتاب سے متنبّہ کرنے کے لیے مبعوث کیے گئے۔

۴۔ قیامت کے دن حساب وکتاب کے بعد لوگ دواقسام میں تقسیم کیے جائیں گے۔

۵۔ ایک فریق جنتی ہوگا اور دوسرا فریق دوزخ میں جھونکا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن بالآخر دو حصوں میں تقسیم ہوں گے:

۱۔ اس دن ایک گروہ کو جنت میں اور دوسرے گروہ کو دوزخ میں جانا ہوگا۔(الشوریٰ:۷)

۲۔ جس کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا گیا،وہ کہے گا آؤ میرا نامہ اعمال پڑھو۔(الحاقۃ:۱۹)

۳۔ جس کو اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا کاش کہ مجھے یہ نامہ اعمال نہ دیا جاتا۔(الحاقۃ:۲۰)

۴۔ جس کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا گیا اس کا حساب آسان ہوگا۔(الانشقاق:۸۔۷)

۵۔ جس کا اعمال نامہ پیٹھ کے پیچھے سے دیا گیا وہ موت کو پکارے گا اور دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔(الانشقاق:۱۰ تا ۱۲)

وَلَوْ	شَآءَ	اللّٰهُ	لَجَعَلَهُمْ	اُمَّةً	وَّاحِدَةً
اور اگر	چاہتا	اللہ	تو یقیناً کر دیتا ان کو	امت	ایک

وَّلٰکِنْ	یُّدْخِلُ	مَنْ	یَّشَآءُ	فِیْ	رَحْمَتِهٖ	وَالظّٰلِمُوْنَ
اور لیکن	وہ داخل کرتا ہے	جسے	چاہتا ہے	میں	اپنی رحمت	اور ظالم

مَا	لَهُمْ	مِّنْ وَّلِیٍّ	وَّلَا	نَصِیْرٍ ﴿۸﴾	اَمِ	اتَّخَذُوْا
نہیں	ان کے لیے	کوئی دوست	اور نہ	کوئی مدد گار	کیا	انہوں نے بنا لیے

مِنْ	دُوْنِهٖۤ	اَوْلِیَآءَ ۚ	فَاللّٰهُ	هُوَ	الْوَلِیُّ	وَهُوَ
سے	اس کے سوا	کارساز	تو اللہ	وہی ہے	کارساز	اور وہی

یُحْیِ	الْمَوْتٰی ۫	وَهُوَ	عَلٰی	کُلِّ	شَیْءٍ	قَدِیْرٌ ﴿۹﴾ ع
زندہ کرے گا	مردوں کو	اور وہ	پر	ہر	چیز	خوب قادر ہے

ع ۱ ۹ ۲

''اگر اللہ چاہتا تو ان کو ایک ہی امت بنا دیتا مگر وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کا نہ کوئی ولی ہوگا نہ مددگار (۸) کیا انہوں نے اسے چھوڑ کر دوسرے دوست بنا رکھے ہیں دوست تو اللہ ہی ہے وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''(۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو لوگ جہنّمی نہ بنتے اور سب کے سب لوگ جنت میں داخل ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو حق پر مجبور کرنے کی بجائے اس نے لوگوں کو حق و باطل میں انتخاب کا اختیار دے رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر زمین میں حکمرانی عطا فرمائی اور ہر چیز کو اس کی خدمت پر لگا دیا۔ اشرف المخلوقات اور زمین پر خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اسے اس کی ذات کے بارے میں ایک حد تک اختیارات عطا فرمائے ہیں جس میں سب سے بڑا اختیار یہ دیا کہ یہ چاہے تو ''اللہ'' کی نازل کردہ ہدایت قبول کرے نہ چاہے تو گمراہی کا راستہ اختیار کر لے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کے سامنے ہدایت اور گمراہی کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا یعنی ہدایت پر جمع کر دیتا۔ لیکن وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے سرفراز کرتا ہے اور جو لوگ اس کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے وہ ظالم ہیں اور ظالموں کے لیے قیامت کے دن کوئی خیر خواہ اور مددگار نہیں ہوگا۔ ظالم سے پہلی مراد مشرک ہیں مشرک کا سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اپنا کارساز اور حقیقی خیر خواہ سمجھ رکھا ہے حالانکہ موت و حیات صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جو ہر چیز پر اقتدار اور اختیار رکھتا ہے۔ لفظ ولی کی تشریح اس سے پہلے آیت ۶ میں کر دی گئی ہے۔ شرک کی حمایت کرنے والے مفسّرین نے یہاں بھی من دونہٖ اولیاء سے مراد بت لیے ہیں حالانکہ

ان سے مراد وہ بزرگ ہیں جن کی زندگی میں یا ان کے فوت ہونے کے بعد لوگوں نے انہیں حاجت روا اور مشکل کشا بنالیا ہے یہاں اولیاء سے مراد اس لیے بزرگ لیے گئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے موت وحیات کے الفاظ استعمال فرما کر کھلا اشارہ دیا ہے کہ جن بزرگوں اور اولیاء کے سامنے لوگ فریادیں کرتے ہیں وہ تو اپنی موت اور زندگی پر بھی اختیار نہیں رکھتے جب کسی کو اپنی موت اور زندگی کے بارے میں اختیار نہیں تو وہ کسی کی بگڑی کس طرح سنوار سکتا ہے جو لوگ ہر مقام پر من دون اللہ سے مراد بت لیتے ہیں انہیں انصاف سے سوچنا اور اقرار کرنا چاہیے کہ کیا بت میں روح ہوتی ہے؟ اس کے بارے میں موت اور زندگی کا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے؟ کیا بتوں کو قیامت کے دن زندہ کر کے ان سے حساب لیا جائے گا؟ یہاں پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے یہاں رحمت سے مراد دین کا فہم اور اس پر عمل کرنا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«عَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَاللّٰهُ الْمُعْطِي وَأَنَا الْقَاسِمُ» (رواه البخاری: باب قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى (فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ)

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جسے اپنی رحمت میں شامل کرنا چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علم عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔
۲۔ جسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے سرفراز فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مشرک دور ہوتا ہے۔ ۴۔ قیامت کے دن ظالموں کا کوئی خیر خواہ اور مددگار نہیں ہوگا۔
۵۔ مشرک اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں اور بزرگوں کو اپنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں۔
۶۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی موت وحیات کا مالک ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مشرک اللہ کے سوا اور اس کے ساتھ دوسروں کو اپنا کارساز سمجھتے ہیں:

۱۔ کیا کافر لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ وہ میرے بندوں کو میرے سوا کارساز بنالیں گے۔ (الکھف: ۱۰۲)
۲۔ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری طرح کے ہی بندے ہیں۔ (الاعراف: ۱۹۴)
۳۔ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ (الاعراف: ۱۹۷)
۴۔ ان سے پوچھیں کہ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو انہوں نے زمین میں کیا پیدا کیا ہے؟ (الاحقاف: ۴)
۵۔ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ (الحج: ۷۳)
۶۔ تم بعل (بت) کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑ دیتے ہو۔ (الصّٰفّٰت: ۱۲۵)

وَ مَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ

اور جو | تم نے اختلاف کیا | اس میں | سے | کسی چیز | تو اس کا فیصلہ ہے | طرف | اللہ کی

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّیْ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۖۗ وَ اِلَیْهِ اُنِیْبُ ⑩

یہی | اللہ | میرا رب | اسی پر | میں نے بھروسا کیا | اور اسی کی طرف | میں رجوع کرتا ہوں

''تمہارے درمیان جو بھی اختلاف ہے اس کا فیصلہ اللہ ہی کرے گا، وہی ''اللہ'' میرا رب ہے اُسی پر میں بھروسہ کرتا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔'' (۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے انسان کو فکر و عمل کا اختیار دینے کے باوجود حکم فرمایا ہے کہ وہ ہر حال میں اس کے حکم کی پیروی کرے اور اس کی ذات پر بھروسہ کرے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو فکر و عمل کی آزادی عطا فرمائی ہے جس وجہ سے لوگوں کی فکر اور عمل میں تضاد اور اختلاف پایا جاتا ہے۔ دین میں اختلاف اس وقت رُونما ہوتا ہے جب کوئی شخص بالخصوص عالمِ دین اپنی ذاتی رائے کو حرفِ آخر سمجھ لیتا ہے اگر اس کی سوچ دین کے بنیادی اصولوں کے خلاف نہ ہو اور اس اختلاف کے پیچھے دینوی مفاد اور فرقہ واریت ہونے کی بجائے اخلاص ہو تو اس اختلاف کے نقصانات تھوڑے ہوتے ہیں اور اس کی ایک حد تک دین میں گنجائش بھی موجود ہے۔ اگر یہ اختلاف عقیدہ توحید، رسالت اور آخرت یعنی دین کے بنیادی اصولوں میں کیا جائے تو اس کے نقصانات نا قابلِ تلافی ہوتے ہیں۔ جس کا پہلا نقصان یہ ہے کہ آدمی دین سے نکل کر دائرہ کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔ اختلاف بنیادی ہو یا فروعی، معاشی ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا سماجی، انفرادی ہو یا اجتماعی بیشک اختلاف حاکم اور محکوم کے درمیان کیوں نہ ہو ہر کسی کے لیے حکم ہے کہ اس کا حل اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق کیا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی سب کا خالق اور مالک ہے۔ یہی سرورِ دو عالم ﷺ کو ارشاد ہوا کہ آپ اپنے مخالفوں کو بتلائیں اور سمجھائیں کہ جس بات میں تم میرے ساتھ اختلاف کر رہے ہو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کرنے والا ہے وہ میرا خالق ہے اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کرنے والا ہوں میرا رب چاہے گا تو دنیا میں ہی میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا اگر دنیا میں فیصلہ نہ ہوا تو آخرت میں بہر حال یہ فیصلہ ہو جائے گا کہ کون ہدایت پر تھا اور کون گمراہی میں مبتلا تھا۔ مومن کو ہر حال میں اپنے رب پر بھروسہ کرنا چاہیے اور اسی کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔ قرآن مجید نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے درمیان کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول اور اپنے امیر کی طرف لوٹاؤ۔ (النساء: ۵۹) کیونکہ اصل حاکم اللہ کی ذات ہے اس لیے یہاں اللہ تعالیٰ نے صرف اپنا نام لیا ہے اگر اس حکم سے مراد قیامت کے متعلق حکم لیا جائے تو وہاں بھی صرف ایک ''اللہ'' کا حکم چلے گا۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ

پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کو اس نے بنائے تمہارے لیے سے

اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا وَّمِنَ الۡاَنۡعَامِ اَزۡوَاجًا ۚ يَذۡرَؤُكُمۡ

تمہارے نفسوں جوڑے اور سے چوپایوں جوڑے وہ تم کو پھیلاتا ہے

فِيۡهِ ؕ لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ ﴿۱۱﴾

اس میں نہیں اس کی مثل کوئی چیز اور وہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے

''آسمانوں اور زمین کا بنانے والا جس نے تمہارے جوڑے پیدا کیے اور اسی طرح جانوروں میں بھی جوڑے بنائے اور وہی تمہیں پھیلاتا ہے۔ کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔'' (۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس اللہ پر بھروسہ کرنا ہے اسی نے زمین وآسمان اور لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

فاطر کا لغوی معنٰی ہے پیدا کرنے والا اور کسی کام کو بالکل ابتدا سے شروع کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور اسی نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر حضرت آدم علیہ السلام سے اس کی بیوی کو پیدا کیا اور اس کے بعد نسلِ انسانی کی افزائش کا سلسلہ جاری فرمایا۔ (النساء:۱)

اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کی خدمت کے لیے چوپائے پیدا کیے ان میں بھی نر اور مادہ بنائے تاکہ ان کی افزائش کا سلسلہ جاری رہے، اسی نے جاندار اور غیر جاندار چیزیں پیدا فرمائی ہیں زمین وآسمانوں میں کوئی چیز ایسی نہیں جو کسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشابہت رکھتی ہو وہ اپنی مخلوق کی ہر بات سنتا ہے اور اسے ہر حال میں دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں "لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ" کے الفاظ استعمال فرما کر یہ واضح کیا ہے کہ مخلوق میں کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں ہے۔ وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے اس کے دیکھنے کی طرح کوئی دیکھ نہیں سکتا وہ ہر بات سُنتا ہے اس کے سُننے کی طرح کوئی سُن نہیں سکتا۔ اس کی مخلوق کا شمار نہیں وہ سب کی بولیاں سمجھتا اور سنتا ہے جن وانس اور ملائکہ سب سے اعلیٰ مخلوق ہیں مگر ان میں بھی کسی کی یہ استعداد نہیں کہ بیک وقت وہ اپنے ہی ہم جنس افراد کی باتیں سمجھ سکیں اور سب کو دیکھ پائیں یہ صرف اللہ ہی کی شان ہے جو اپنی مخلوق کو جانتا، ان کی بولیاں سمجھتا ہے اور ہر چیز کو ہر حالت میں دیکھتا ہے۔ اس لیے اس کا ارشاد ہے کہ اس کی ذات اور صفات کے ساتھ کسی چیز کی مثال نہ دی جائے کیونکہ اس کی ذات اور صفات بے مثال ہیں لیکن افسوس! مشرک پھر بھی ایسی باتیں کرتے اور مثالیں دیتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے بندے کو دور رکھنے کے لئے اپنے رب کے بارے میں اتنی کمزور اور سطحی مثالیں دی جاتی ہیں کہ جس پر

آدمی حیرت کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایسے علماء کا کہنا ہے کہ ڈی سی سے ملنے کے لیے چپڑاسی کی ضرورت ہے اور مکان کی چھت پر سیڑھی کے بغیر نہیں چڑھا جا سکتا۔ اس مثال اور باطل عقیدے کو اس شدومد کے ساتھ پھیلایا گیا ہے کہ اچھے بھلے، پڑھے لکھے حضرات حتیٰ کہ عدالتیں کرنے والے جج، قانون کی باریکیوں اور موشگافیوں سے واقف وکلاء، اندرون اور بیرونِ ملک یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل سکالر، اس پراپیگنڈے سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ صحیح بات ماننا تو درکنار اسے ٹھنڈے دماغ سے سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے۔

ڈی سی او ایک انسان ہے جو بیک وقت ایک ہی انسان کی بات سُن اور سمجھ سکتا ہے کمزور آدمی اس تک اس لیے نہیں پہنچ سکتا کہ اس نے لوگوں کے درمیان چھوٹے بڑے کا امتیاز قائم کر رکھا ہے کیا اللہ تعالیٰ بھی ایسا ہے کہ اس نے امیر اور غریب چھوٹے اور بڑے کے درمیان امتیاز قائم کر رکھا ہے؟ چھت قریب آ نہیں سکتی اور انسان سیڑھی کے بغیر اس پر چڑھ نہیں سکتا کیا اللہ تعالیٰ کا بھی یہی معاملہ ہے؟ (نعوذ باللہ من ذالک)

مسائل

۱۔ اللہ ہی نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ ۲۔ اللہ ہی نے انسانوں اور چوپاؤں کے جوڑے بنائے ہیں۔
۳۔ اللہ ہی انسانوں اور چوپاؤں کی افزائش کرنے والا ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ ہر بات سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات لازوال اور بے مثال ہیں۔ ۶۔ مخلوقات میں کوئی کسی اعتبار سے بھی اس جیسا نہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہر اعتبار سے لازوال اور بے مثال ہے:

۱۔ ہر چیز تباہ ہو جائے گی صرف اللہ کی ذات کو دوام حاصل ہے۔ (الرحمٰن: ۲۶ تا ۲۷)

۲۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر شے ہلاک ہو جائے گی۔ (القصص: ۸۸)

۳۔ قیامت کے دن اللہ ہی کی بادشاہی ہو گی۔ (الفرقان: ۲۶)

۴۔ اللہ تعالیٰ ہی ازلی اور ابدی ذات ہے۔ (الحدید: ۳)

۵۔ اللہ تعالیٰ کی ذات زمین و آسمان کا نور ہے۔ (النور: ۳۵)

۶۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں لہٰذا صرف اسی کو پکارو (المومن: ۶۵)

۷۔ ہمیشہ زندہ رہنے والے اللہ پر توکل کرو جسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ (الفرقان: ۵۸)

۸۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ (آل عمران: ۲)

۹۔ اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس کو نیند اور اونگھ نہیں آتی۔ (البقرۃ: ۲۵۵)

لَهٗ	مَقَالِيْدُ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ ۚ	يَبْسُطُ	الرِّزْقَ
اسی کے لیے	کنجیاں ہیں	آسمانوں	اورزمین کی	وہ کشادہ کرتا ہے	رزق

لِمَنْ	يَّشَآءُ	وَيَقْدِرُ ۭ	اِنَّهٗ	بِكُلِّ	شَيْءٍ	عَلِيْمٌ ⑫
جس کے لیے	وہ چاہتا ہے	اور وہی تنگ کرتا ہے	بلاشبہ وہ	ہرایک	چیز کو	خوب جاننے والا ہے

’’آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں اُسی کے پاس ہیں جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اُسے ہر چیز کا علم ہے۔‘‘(۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس ’’اللہ‘‘ جیسا کوئی اور نہیں ہے اس کے اختیارات دائمی اور لامحدود ہیں اور اسی کے پاس زمین وآسمانوں کے خزانوں کا کنٹرول ہے۔اس کے اختیارات میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے پاس ہی زمین وآسمانوں کی چابیاں ہیں وہ جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے یقیناً وہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے جو بھی جاندار پیدا کیا ہے اس کی روزی کا ذمہ لے رکھا ہے وہ ہر کسی کے مستقل قیام اور عارضی ٹھہراؤ کو جانتا ہے اور اس نے ہر بات لوحِ محفوظ میں لکھ رکھی ہے۔(ھود:۶) قرآن مجید میں یہ بھی ارشاد ہے کہ اے انسان! تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔(المدّثر:۳۱) اللہ تعالیٰ ہی انسان کو پیدا کرنے والا ہے اور اس نے ہی اس کے رزق کا ذمہ لے رکھا ہے۔رزق سے مراد صرف کھانے پینے والی چیزیں نہیں بلکہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو ایک ذی روح کی ضرورت ہوتی ہے اس میں ہوا، پانی، خوراک اور رہن سہن کی ضروریات شامل ہیں یہ سب چیزیں عطا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔اس نے اپنا دسترخوان اتنا وسیع اور (Mobile) بنایا ہے کہ ہر کھانے والے کو اس کی خوراک مل رہی ہے گوشت کھانے والے کو گوشت مل رہا ہے اور دانہ دُنکا لینے والے کو دانہ دُنکا میسر ہے۔چند جمع کرنے والوں کے سوا باقی سب کے سب صبح وشام تازہ خوراک سے لطف اندوز ہوتے ہیں جہاں تک انسان کا معاملہ ہے اس کا رزق بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے البتہ حکم ہے کہ اللہ کا رزق تلاش کیا کرو اس کے لیے محنت ومشقت کرنا لازم ہے لیکن رزق کی کمی وبیشی کا انحصار انسان کی محنت پر نہیں اگر رزق محنت کی بنیاد پر دیا جاتا تو معذور اور لاچار بھوکے مرجاتے۔جہاں تک رزق کی کمی وبیشی کا تعلق ہے یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اصول کے مطابق ہے جس کے پیشِ نظر لوگوں کا رزق بڑھتا اور گھٹتا رہتا ہے اگر کہیں قحط سالی پیدا ہوجاتی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے طے شدہ اصول کے مطابق ہوتی ہے جس کا سبب بنیادی طور پر انسان ہی ہوا کرتا ہے بے شک قحط سالی بارش کی کمی کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو بارش کی کمی بھی انسان کے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔اس قانون کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے رزق کا ذمہ لیا ہے وہ لوگوں کی مستقل قیام کا ہوں اور عارضی

رہائش کو جانتا ہے کیونکہ لوگوں کے اعمال اور ضروریات سے باخبر رہنا اس کی صفت کاملہ ہے اس لیے نہ صرف ہر لحاظ سے باخبر رہتا ہے اسی کے پاس زمین وآسمانوں کی چابیاں ہیں یعنی ہر چیز کا کنٹرول اسی کے پاس ہے اس نے انسان اور دنیا کی ہر چیز کے بارے میں سب کچھ لوحِ محفوظ میں ثبت کر رکھا ہے۔

«عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ أَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ أَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ» (رواہ مسلم: باب مَا يَقُولُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ)

”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے اپنا سر اُٹھاتے تو پڑھتے، اے ہمارے رب! تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں آسمانوں وزمین کے درمیان خلاء جتنی اور اس کے بعد جتنی تو چاہتا ہے، تو اُس ثناء کا سب سے زیادہ اہل ہے اور اُس بزرگی کا سب سے زیادہ حق رکھتا ہے جو ثناء اور عظمت بندہ بیان کرتا ہے ہم سب تیرے ہی بندے ہیں اے اللہ! جو چیز تو عطا کرنا چاہے اُس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جو چیز تو روک لے اُس کو کوئی عطا کرنے والا نہیں تجھ سے بڑھ کر کوئی عظمت والا نفع نہیں دے سکتا۔“

مسائل

۱۔ زمین وآسمان کی چابیاں صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ ۲۔ اللہ ہی رزق بڑھانے اور گھٹانے والا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے۔ (الذاریات: ۵۸) ۲۔ اللہ ہی رزق فراخ کرتا اور کم کرتا ہے۔ (سبا: ۳۹)
۳۔ اللہ تعالیٰ لوگوں سے رزق نہیں مانگتا بلکہ وہ لوگوں کو رزق دیتا ہے۔ (طٰہٰ: ۱۳۲)
۴۔ بے شک اللہ بغیر حساب کے جس کو چاہتا ہے رزق عطا کرتا ہے۔ (آل عمران: ۳۷)
۵۔ ہم نے اس زمین میں تمہارے لیے معاش کا سامان بنایا اور ان کے لیے بھی جنہیں تم روزی نہیں دیتے۔ (الحجر: ۲۰)
۶۔ کتنے ہی چوپائے ایسے ہیں کہ تم انہیں رزق نہیں دیتے اللہ ہی ان کو رزق دینے والا ہے۔ (العنکبوت: ۶۰)
۷۔ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو کیونکہ اللہ تمہیں اور انھیں بھی رزق دینے والا ہے۔ (الانعام: ۱۵۱)

شَرَعَ	لَكُمۡ	مِّنَ	الدِّيۡنِ	مَا	وَصّٰى	بِهٖ
اس نے مقرر کیا	تمہارے لیے	سے	دین	وہ جو	اس نے وصیت کی	اس کی
نُوۡحًا	وَّالَّذِىۡۤ	اَوۡحَيۡنَاۤ	اِلَيۡكَ	وَمَا	وَصَّيۡنَا	بِهٖۤ
نوح کو	اور وہ جو	ہم نے وحی کی	آپ کی طرف	اور وہ جو	ہم نے وصیت کی	اس کی
اِبۡرٰهِيۡمَ	وَمُوۡسٰى	وَعِيۡسٰٓى	اَنۡ	اَقِيۡمُوا	الدِّيۡنَ	
ابراہیم	اور موسیٰ	اور عیسیٰ کو	یہ کہ	تم قائم رکھو	دین	

''اس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جسے ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اور اسی کی ہدایت ہم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دے چکے ہیں اس تاکید کے ساتھ کہ دین کو قائم رکھو

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے جس طرح لوگوں کی روزی کا بندوبست کیا ہے اسی طرح ہی اس نے ان کی راہنمائی کا انتظام بھی فرمایا ہے۔

انسان کا وجود بنیادی طور پر دو چیزوں پر مشتمل ہے۔ اس کا جسم مٹی سے بنایا گیا ہے جسم کی بنیادی ضروریات مٹی کے ساتھ تعلّق رکھتی ہیں۔ انسان کے وجود کو جو چیز حرکت میں رکھتی ہے اس کا نام "اَلرُّوۡحُ" ہے۔ "اَلرُّوۡحُ" کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ہے جسے اہلِ علم نے ملکوتی چیز قرار دیا ہے۔ "اَلرُّوۡحُ" کی خوراک اور راہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام پر وحی کا سلسلہ جاری فرمایا جو نبی آخر الزماں ﷺ پر مکمل ہوا۔ اس راہنمائی کا نام "اَلدِّيۡنُ" ہے جس کے بنیادی اصول اور مسائل ہمیشہ سے ایک رہے ہیں البتہ وقت کے تقاضوں کے مطابق اس کی شروعات میں تبدیلی ہوتی رہی ہے۔ اس کے لیے مشہور مثال یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے دور میں بہن اور بھائی کا آپس میں نکاح جائز تھا لیکن جونہی انسان کی نسل افزائش پذیر ہوئی تو بہن بھائی کا نکاح حرام قرار پایا پہلی شریعتوں میں ایک آدمی کے نکاح میں بیک وقت دو بہنیں جائز قرار پائیں۔ لیکن شریعتِ محمدی ﷺ میں اسے بھی ناجائز قرار دیا گیا۔ پہلی شریعتوں میں تعظیمی سجدہ جائز تھا اب کلیتاً حرام ہے لہٰذا شرع سے مراد وہ تشریح اور تفسیر ہے جس سے دین کے تقاضے پورے ہوتے ہیں یہ تشریح اور تفصیل بھی وحی کے ذریعے نبی کو بتلائی اور سمجھائی جاتی ہے۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے قرآن اور اس کی مثل ایک اور چیز بھی عطا کی گئی ہے۔ اسے ہم حدیثِ رسول ﷺ کے نام سے جانتے اور مانتے ہیں۔ قرآن و حدیث کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہی دین تمہارے لیے پسند فرمایا ہے جس کی وحی آپ ﷺ پر کی گئی ہے۔ اس طرح ہی آپ ﷺ سے پہلے ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کی گئی تھی۔ مقصد یہ تھا اور ہے کہ دین کو قائم رکھو

وَلَا	تَتَفَرَّقُوْا	فِيْهِ	كَبُرَ	عَلَى	الْمُشْرِكِيْنَ	مَا	تَدْعُوْهُمْ
اور نہ	تم جدا جدا ہو	اس میں	بڑی ہے	پر	مشرکوں	جو	آپ بلاتے ہیں ان کو
اِلَيْهِ	اَللّٰهُ	يَجْتَبِيْٓ	اِلَيْهِ	مَنْ	يَّشَآءُ	وَيَهْدِيْٓ	
اس کی طرف	اللہ	چن لیتا ہے	اپنی طرف	جسے	وہ چاہتا ہے	اور وہ ہدایت دیتا ہے	
اِلَيْهِ	مَنْ	يُّنِيْبُ ﴿١٣﴾					
اپنی طرف	جو	رجوع کرتا ہے					

اس میں تفرقہ پیدا نہ کرو یہ بات مشرکین کو سخت ناگوار ہے جس کی طرف آپ انہیں دعوت دے رہے ہیں، اللہ جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسے دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔'' (١٣)

اور اس میں تفرقہ بازی پیدا نہ کرو۔ "اَلدِّيْنُ" سے پہلی مراد اللہ کی توحید ہے جس کی دعوت مشرکین پر بڑی گراں گزرتی ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی توحید کی سمجھ دے دے اسے اپنی بارگاہ میں برگزیدہ کر لیتا ہے جو شخص بھی خلوصِ نیت کے ساتھ اللہ سے اس کی توحید کی راہنمائی چاہے گا اللہ تعالیٰ اس کی ضرور راہنمائی کرے گا۔ اس بات کو یوں بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کے راستے میں کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ضرور ہدایت دیتا ہے کیونکہ وہ نیکی کرنے والوں کی دستگیری کرتا ہے۔ (العنکبوت: ٦٩) اس آیت میں جو دوسری بات سمجھائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ "اَلدِّيْنُ" میں تفرقہ پیدا نہیں کرنا تفرقہ سے بچنے کے لیے جو اصول سمجھایا ہے وہ یہ ہے کہ اے مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے امیر کا حکم مانو! اگر امیر کے ساتھ کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کے سامنے پیش کر دو۔ (النساء: ٥٩) اللہ اور اس کے رسول کے سامنے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید اور نبی ﷺ کے فرمان کے سامنے پیش کرو یہ اس قدر سادہ اور ٹھوس اصول ہے کہ نیت میں اخلاص اور رب کی رضا مطلوب ہو تو آج بھی اس میں ہمارے اختلافات کا حل موجود ہے لہٰذا ہر شخص اور فرقہ اپنے عقیدہ اور عمل کو بالخصوص قرآن مجید اور بخاری و مسلم کے سامنے پیش کرے۔ بالیقین امّت میں اٹھانویں فیصد اختلافات دور ہو جائیں گے مگر یہ بات مشرک اور مفاد پرست علماء اور دنیادار لوگوں کو پسند نہیں کیونکہ یہ لوگ اپنے معاملات کو قرآن وسنت کے حوالے کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے جس وجہ سے امت اختلافات کا شکار ہے اختلافات سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ پورے اخلاص کے ساتھ دین کو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نافذ کیا جائے حقیقتاً یہی اس کے قیام کا معنٰی ہے جو پورا ہونا چاہیے۔

((عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِ يكَرِبَ الْكِنْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَلَا إِنِّيْ أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ أَلَا إِنِّيْ أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ))

(رواہ احمد: باب مسند المقدام بن معدیکرب [صحیح])

’’مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار بے شک مجھے کتاب اور اُس جیسی اور چیز عطا کی گئی ہے خبردار مجھے قرآن اور اُس جیسی ایک اور چیز عطا کی گئی ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ ’’اَلدِّیۡنُ‘‘ ہمیشہ سے ایک ہے اور اس کی تشریح حدیث کی شکل میں موجود ہے۔

۲۔ قرآن مجید کی طرح حدیث بھی وحی کی صورت میں نازل کی گئی۔ ۳۔ ’’اَلدِّیۡنُ‘‘ سے پہلی مراد اللہ کی توحید ہے۔

۴۔ اللہ کی توحید مشرکین پر بڑی گراں گزرتی ہے۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت سے سرفراز فرماتا ہے۔

۶۔ جوشخص ’’اللہ‘‘ کی طرف خلوصِ نیت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضرور راہنمائی کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مشرک کو توحیدِ خالص اور دین کی دعوت گراں گزرتی ہے:

۱۔ کیا تو ہمیں ان معبودوں کی عبادت سے روکتا ہے جن کی عبادت ہمارے آباء کرتے رہے ہیں۔ (ھود: ۶۲)

۲۔ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہمیں ہمارے آباء واجداد کافی ہیں۔ (المائدۃ: ۱۰۴)

۳۔ جب ان کے پاس اللہ وحدہٗ لاشریک کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل جل جاتے ہیں۔ (الزمر: ۴۵)

۴۔ جب مشرکین کو توحید کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ تکبر کرتے ہوئے اسے ٹھکرا دیتے ہیں۔ (الصّٰفّٰت: ۳۵)

۵۔ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اللہ کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ (النساء: ۶۱)

۶۔ جب ان پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ (المطففین: ۱۳)

۱۱۔ جب انہیں قرآن کی پیروی کے لیے کہا جاتا ہے تو جواب دیتے ہیں ہمیں اپنے باپ دادا کافی ہیں۔ (البقرۃ: ۱۷۰)

۱۲ جہنمیوں کو جواب دیا جائے گا کہ جس حالت میں تم مبتلا ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب صرف ایک اللہ کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم ماننے سے انکار کرتے تھے اور جب اُس کے ساتھ دوسروں کو ملایا جاتا تو تم اسے مانتے تھے اب فیصلہ اللہ بزرگ و برتر کے اختیار میں ہے۔ (المومن: ۱۲)

۱۳۔ اس الٰہ کو چھوڑ کر لوگ ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے اور کافر اپنے رب کا مخالف بنا ہوا ہے۔ (الفرقان: ۵۵)

وَمَا	تَفَرَّقُوۡۤا	اِلَّا	مِنۡۢ	بَعۡدِ	مَا	جَآءَهُمُ
اور نہیں	وہ جدا جدا ہوئے	مگر	سے	بعد	اس کے کہ	آ گیا ان کے پاس
الۡعِلۡمُ	بَغۡیًۢا	بَیۡنَهُمۡ ؕ	وَلَوۡ	لَا	كَلِمَةٌ	
علم	سرکشی سے	آپس میں	اور اگر	نہ ہوتی	ایک بات	
سَبَقَتۡ	مِنۡ	رَّبِّكَ	اِلٰۤی	اَجَلٍ	مُّسَمًّی	لَّقُضِیَ
جو پہلے سے تھی	سے	آپ کے رب	طرف	وقت	مقرر کی	تو ضرور فیصلہ کر دیا جاتا
بَیۡنَهُمۡ ؕ	وَاِنَّ	الَّذِیۡنَ	اُوۡرِثُوا	الۡكِتٰبَ	مِنۡۢ	بَعۡدِهِمۡ
ان کے درمیان	اور بلاشبہ	وہ لوگ جو	وارث بنائے گئے	کتاب کے	سے	ان کے بعد
لَفِیۡ شَكٍّ	مِّنۡهُ	مُرِیۡبٍ ﴿۱۴﴾				
البتہ ایسے شک میں ہیں	اس سے	جو اضطراب میں ڈالنے والا ہے				

’’لوگوں میں تفرقہ اس وقت پیدا ہوا جب ان کے پاس علم آچکا تھا وجہ یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ اگر تیرا رب پہلے ہی یہ نہ فرما چکا ہوتا کہ ایک مقرر وقت تک فیصلہ ملتوی رکھا جائے گا تو ان کا قضیہ چکا دیا گیا ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلے لوگوں کے بعد جو لوگ کتاب کے وارث بنائے گئے وہ اس کی طرف سے بڑے اضطراب انگیز شک میں پڑے ہوئے ہیں۔‘‘ (۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین ایک ہی تھا مگر ان کے بعد ان کے ناخلف وارثوں نے باہمی حسد و بغض کی وجہ سے اس میں اختلافات پیدا کر دیئے۔

دین کی بنیاد توحید و رسالت پر ہے توحید کا معنٰی ہے کہ ایک اللہ کا حکم مانا جائے اور صرف اسی کی عبادت کی جائے رسالت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے رسول نے جو فرمایا اور کر کے دکھلایا اس کے مطابق عمل کیا جائے ان دونوں چیزوں سے جو شخص جتنا آگے پیچھے ہوگا اتنا ہی وہ اتحادِ امت سے دور ہوگا اور عملاً اختلافات کا باعث بنے گا۔ اگر اس اختلاف میں حسد و بغض شامل ہو جائے تو دین اور ملت تفرقہ بازی کا شکار ہو جائیں گے پہلی امتوں میں یہی کچھ ہوا قرآن مجید بتلا رہا ہے کہ یہ تفرقہ بندی بے علمی کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی کہ انہیں علم نہ تھا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ جھوٹ کیا ہے اور سچ کیا ہے؟ پہلی امتوں کے علماء اور زعماء کو سب کچھ معلوم تھا مگر ذاتی مفاد اور باہمی عناد کی وجہ سے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے، ذاتی اور جماعتی مفادات کی خاطر تقسیم در تقسیم کا شکار ہو گئے۔ جس کا نتیجہ نکلا کہ آنے والی نسلوں کا دین سے اعتماد اٹھ گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بات طے نہ ہوتی کہ لوگوں کو فکر و عمل کی آزادی دی جائے اور ان کے اختلافات کا فیصلہ قیامت کے دن کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا میں

ہی ان کا فیصلہ چکا دیتا امت مسلمہ کو اس صورتِ حال سے بچانے کے لیے نبی ﷺ نے یوں راہنمائی فرمائی ہے:

«عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أُمَّتِي مَا أَتٰى عَلٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتٰى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰہِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي»

(رواہ الترمذی: باب ماجاء فی افتراق ہذہ الامة [حسن])

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا: میری امّت میں ایسا وقت ضرور آئے گا کہ وہ بنی اسرائیل کے ساتھ بالکل اس طرح مل جائے گی جس طرح جوتا ایک دوسرے کے ساتھ ملا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے اعلانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امّت میں بھی ایسا ضرور ہوگا۔ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئی میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ایک گروہ کے علاوہ سارے کے سارے جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ نے استفسار کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کون سا گروہ ہے؟ آپ نے فرمایا: جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر عمل کرنے والا ہوگا۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَحَسَّسُوا، وَلَا تَجَسَّسُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰہِ إِخْوَانًا» (رواہ البخاری: باب مَا يُنْهٰى عَنِ التَّحَاسُدِ وَالتَّدَابُرِ)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی بہت بڑا جھوٹ ہے۔ تم کسی کی عیب جوئی، جاسوسی اور حسد نہ کرو، نہ کسی کی غیر حاضری میں باتیں کرو، نہ ہی دشمنی کرو۔ اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔''

مسائل

۱۔ پہلی امتوں کے علماء اور زعماء نے باہمی حسد کی وجہ سے دین اور امت کو ٹکڑوں میں تقسیم کیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ قیامت پر چھوڑ رکھا ہے

۳۔ دین میں اختلافات پیدا کرنے سے لوگوں کا دین پر اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

دین اور امّت میں اختلافات سے بچنے کا حکم:

۱۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو! تفرقہ بازی میں نہ پڑو! (آل عمران: ۱۰۳)

۲۔ اتحاد و اتفاق اللہ تعالیٰ کی توفیق کا نتیجہ ہے۔ (الانفال: ۶۳) ۳۔ اتحاد اللہ کی عظیم نعمت ہے۔ (آلِ عمران: ۱۰۳)

۴۔ کتاب اللہ کا رشتہ نہ ٹوٹنے والا ہے۔ (البقرۃ: ۲۵۶) ۵۔ باہمی اختلاف اللہ کا عذاب ہوتا ہے۔ (الانعام: ۶۵)

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ

پھراسی کی طرف | پس آپ بلائیں | اورثابت قدم رہیں | جیسے | آپ کوحکم دیا گیا ہے | اورنہ | اتباع کریں

اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ

ان کی خواہشات کی | اورفرمادیجیے | میں ایمان لایا | ساتھ اس کے جو | نازل کی | اللہ نے | سے

كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا

کتاب | اورمیں حکم دیا گیاہوں | کہ میں انصاف کروں | تمہارے درمیان | اللہ | ہمارارب

وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ

اورتمہارارب ہے | ہمارے لیے | ہمارے اعمال ہیں | اورتمہارے لیے | تمہارے اعمال ہیں | نہیں | کوئی جھگڑا

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ؕ ﴿۱۵﴾

ہمارے درمیان | اورتمہارے درمیان | اللہ | جمع کرے گا | ہمارے درمیان | اوراسی کی طرف | لوٹ کرجاناہے

’’اس لیے اے محمد! آپ اسی دین کی طرف بلائیں ۔جس کے لیے آپ کوحکم دیا گیا ہے۔ اسی پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کریں۔ اعلان کریں کہ اللہ نے جو کتاب نازل کی ہے میں اس پر ایمان لایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔ اللہ ہی ہمارا اور تمہارا رب ہے۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں اللہ ایک دن ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔‘‘(۱۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلی امتوں کے لوگ حسد وبُغض کی وجہ سے تفرقہ بازی کا شکار ہوئے جس کے نتیجہ میں اللہ کا دین تقسیم ہوا اور لوگ دین کے بارے میں شک کا شکار ہو گئے افتراق اور شک سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان دین پر پکا رہے۔

دین پر پکار ہنے اور اس میں شک وشبہ سے بچنے کے لیے یہاں چار باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ مسئلہ کی اہمیت کے پیشِ نظر بار بار نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے حکم ہوا ہے کہ آپ کو ان باتوں پر ہر حال میں توجہ دینا اور ان پر قائم رہنا ہوگا۔

① قرآن مجید اور پہلی کتابوں پر ایمان لانا۔ ② حالات جیسے بھی ہوں دین پر استقامت اختیار کرنا۔ ③ لوگوں کی خواہشات کی پیروی سے اجتناب کرنا۔ ④ حالات کی پروا کیے بغیر دین حق کی لوگوں کو دعوت دیتے رہنا۔

جس داعی میں یہ چار اوصاف پائے جائیں وہی عدل کی بات کر سکتا اور لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کر سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی زبانِ اطہر سے عدل کا ذکر فرما کر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جو کچھ میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں اس میں کسی کی حمایت اور مخالفت مقصود نہیں میں تو اسی بات کی دعوت دیتا ہوں جو انصاف پر مبنی ہے اور اللہ تعالیٰ کی

طرف سے مجھے اسی کی دعوت دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ "اُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَيۡنَكُمۡ" کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے دین کے ساتھ اس لیے مبعوث فرمایا ہے کہ میں تمہارے درمیان تمہارے دینی اور دنیاوی اختلافات میں عدل کے ساتھ فیصلہ کروں اگر تم اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہو تو ہمارے ساتھ جھگڑنے کی بجائے تم اپنا کام کرو اور ہمیں اپنا کام کرنے دو کیونکہ ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں نہ ہمارے اعمال کے بارے میں تمہیں پکڑا جائے گا اور نہ تمہارے اعمال کے بارے میں ہم پر کوئی گرفت ہوگی۔ اس کے باوجود تم جھگڑتے ہو تو یاد رکھو! اللہ تعالیٰ ہم سب کو قیامت کے دن اکٹھا فرما کر سب کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔ ہمیں تو ہر حال میں دین پر پکے رہنے کا حکم ہے اور لوگوں کی خواہشات کے پیچھے لگنے سے منع کیا گیا ہے۔

نبی ﷺ کی دعا:

«عَنۡ أَنَسٍ ؓ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُكۡثِرُ أَنۡ يَقُولَ (يَا مُقَلِّبَ الۡقُلُوبِ ثَبِّتۡ قَلۡبِي عَلَى دِينِكَ فَقُلۡتُ يَا رَسُولَ اللهِ آمَنَّا بِكَ وَبِمَا جِئۡتَ بِهِ فَهَلۡ تَخَافُ عَلَيۡنَا قَالَ نَعَمۡ إِنَّ الۡقُلُوبَ بَيۡنَ أَصۡبُعَيۡنِ مِنۡ أَصَابِعِ اللهِ يُقَلِّبُهَا كَيۡفَ يَشَاءُ»

(رواه الترمذي: باب مَا جَاءَ أَنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أُصْبُعَيِ الرَّحْمٰنِ [صحيح])

''حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے اے دلوں کو پھیرنے والے ''اللہ'' میرے دل کو دین پر ثابت فرما۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ ہم آپ پر ایمان لائے اور جو کچھ آپ لے کر آئے اُسے تسلیم کیا۔ کیا آپ ہمارے بارے میں خطرہ محسوس کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! بے شک دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں وہ جدھر چاہتا ہے اُسے پھیرتا ہے۔''

مسائل

١۔ مسلمان کو ہر حال میں لوگوں کو دین کی دعوت دینا چاہیے۔ ٢۔ ہر حال میں دین پر استقامت اختیار کرنی چاہیے۔

٣۔ لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہیں چلنا چاہیے۔ ٤۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتب اور قرآن مجید پر ایمان لانا فرض ہے۔

٥۔ دین کا ایک مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے لوگوں کے درمیان عدل قائم کیا جائے۔

٦۔ کوئی شخص دوسرے کے اعمال کا ذمہ دار نہیں۔

٧۔ اللہ تعالیٰ سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے اور وہی لوگوں کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلے کرے گا۔

تفسیر بالقرآن

دین پر استقامت اختیار کرنے کا حکم:

١۔ دین پر قائم رہو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔ (الشوریٰ: ١٣) ٢۔ دین پر قائم رہو اور بے علموں کے راستہ کی پیروی نہ کرو۔ (یونس: ٨٩)

٣۔ ایمان لانے کے بعد استقامت دکھلانے والوں پر کوئی خوف نہیں ہوگا۔ (الاحقاف: ١٣)

وَالَّذِيْنَ	يُحَآجُّوْنَ	فِي	اللّٰهِ	مِنْۢ بَعْدِ	مَا
اور وہ لوگ جو	جھگڑتے ہیں	میں	اللہ	اس کے بعد	جو
اسْتُجِيْبَ	لَهٗ	حُجَّتُهُمْ	دَاحِضَةٌ	عِنْدَ	رَبِّهِمْ
مان لیا گیا	اس کے لئے	ان کی دلیل	کمزور ہے	پاس	ان کے رب کے
وَعَلَيْهِمْ	غَضَبٌ	وَّلَهُمْ	عَذَابٌ	شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾	
اور ان پر	غضب ہے	اور ان کے لیے	عذاب	شدید ہے	

”جولوگ اللہ کے معاملہ میں جھگڑا کرتے ہیں ان کی حجت بازی اُن کے رب کے نزدیک باطل ہے، اور اُن پر اس کا غضب ہے اور ان کے لیے سخت عذاب ہے۔“ (۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ”اللہ“ کی ذات اور آیات کے بارے میں جھگڑا کرنے والوں کی سزا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر قسم کے دلائل دیتے ہوئے ثابت فرمایا ہے کہ وہ اپنی ذات ،صفات اور اختیارات میں اکیلا ہے زمین و آسمانوں میں کوئی ذات ایسی نہیں جو کسی اعتبار سے اس کی معاون اور شریک ہو۔ اتنی ٹھوس اور واضح بات ہونے کے باوجود کافر اپنے رب کی ذات کا انکار کرتے ہیں اور مشرک اس کی ذات ،صفات اور اختیارات کے بارے میں اہلِ توحید کے ساتھ جھگڑا کرتے ہوئے لایعنی قسم کے دلائل دیتے ہیں۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کفار اور مشرکین کے دلائل اس قدر بوسیدہ اور بے ہودہ ہیں جیسے کسی چیز کو پاؤں تلے مسل دیا گیا ہو سمجھانا یہ مقصود ہے کہ کفار اور مشرکین کی حجّت بازی اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی گھٹیا اور ذلیل ہے اسی لیے موحدین کو ایسی باتوں کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھنا چاہیے جسے مشرک دلیل سمجھ کر پیش کرتے ہیں درحقیقت یہ اپنے رب کے ساتھ جھگڑا کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور قیامت کے دن انہیں شدید ترین عذاب دیا جائے گا۔

مسائل

۱۔ کفار اور مشرکین کے دلائل محض حجّت بازی کے سوا کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کفار اور مشرکین کی حجّت بازی انتہائی گھٹیا اور ذلیل حرکت ہے۔

۳۔ جولوگ اللہ کی ذات اور صفات کے بارے میں حجّت بازی کرتے ہیں انہیں شدید ترین عذاب دیا جائے گا۔

وَالْمِيْزَانَ	بِالْحَقِّ	الْكِتٰبَ	اَنْزَلَ	الَّذِيْٓ	اَللّٰهُ
اور ترازو	حق کے ساتھ	کتاب	نازل کی	جس نے	اللہ

بِهَا	يَسْتَعْجِلُ	قَرِيْبٌ ⑰	السَّاعَةَ	لَعَلَّ	يُدْرِيْكَ	وَمَا
اس کو	جلدی مانگتے ہیں	قریب ہو	قیامت	شاید	معلوم آپ کو	اور کیا

مُشْفِقُوْنَ	اٰمَنُوْا	وَالَّذِيْنَ	بِهَا	يُؤْمِنُوْنَ	لَا	الَّذِيْنَ
ڈرنے والے ہیں	ایمان لائے	اور وہ لوگ جو	اس پر	ایمان رکھتے	نہیں	وہ لوگ جو

الَّذِيْنَ	اِنَّ	اَلَآ	الْحَقُّ	اَنَّهَا	وَيَعْلَمُوْنَ	مِنْهَا
وہ لوگ جو	بلاشبہ	آگاہ رہو	برحق ہے	کہ یقیناً وہ	اور وہ جانتے ہیں	اس سے

بَعِيْدٍ ⑱	لَفِيْ ضَلٰلٍ	فِي السَّاعَةِ	يُمَارُوْنَ
دور والی	البتہ گمراہی میں ہیں	قیامت کے بارے میں	جھگڑتے ہیں

''وہی اللہ ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اور ترازو نازل کیا ہے اور تمہیں کیا خبر شاید کہ فیصلے کی گھڑی قریب ہی آلگی ہو۔ (۱۷) جو لوگ اس کے آنے پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کو جلدی مانگتے ہیں، اور جو اس پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یقیناً وہ آنے والی ہے۔ اچھی طرح سن لو جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑتے ہیں وہ گمراہی میں بہت دور نکل گئے ہیں۔'' (۱۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ''اللہ'' کی ذات اور صفات کے بارے میں جھگڑا کرنے والے لوگ اپنے بے حیثیت دلائل کو حق کے ترازو میں رکھ کر وزن کریں تو وہ عذابِ شدید سے مامون ہو جائیں گے۔

ہر جھگڑا کرنے والے کے پاس کوئی نہ کوئی حجت اور دلیل ہوا کرتی ہے۔ دلیل کو پرکھنے اور حق بات تک پہنچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور ایک میزان نازل فرمائی ہے اس لیے کہ لوگ کتابِ الٰہی سے راہنمائی حاصل کریں اور اس میزان کے ذریعے اپنی دلیل کا وزن کریں تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کی حجت اور بات کی حیثیت کیا ہے؟ جہاں تک قیامت کی آمد کا معاملہ ہے کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کس قدر قریب آپہنچی ہے۔ لوگ اپنی بات کا میزان میں وزن کرنے کی بجائے قیامت کے بارے میں جلد بازی کا اظہار کر رہے ہیں اور اسی وجہ سے وہ لوگ آپ ﷺ سے کہتے کہ جس کی آمد سے ہمیں ڈرایا جاتا ہے وہ اب تک کیوں نہیں آئی۔ ان کے مقابلے میں جو لوگ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس سے خائف

رہتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ قیامت ہر حال میں برپا ہونی ہے اس لیے وہ اس کی ہولناکیوں اوراس کے حساب و کتاب سے ڈرتے ہیں جولوگ قیامت کے بارے میں جھگڑتے ہیں وہ پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہیں جوشخص قیامت کے برپا ہونے کاانکار کرتا ہے درحقیقت وہ کائنات کے نظام اوراپنی تخلیق کو بے مقصد قرار دیتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بے مقصد پیدانہیں کی۔قرآن مجید میں "اَلْمِیْزَانُ" کالفظ ۹ دفعہ آیا ہے تاہم دوآیات میں ارشادفرمایا ہے کہ ہم نے ایک میزان بھی نازل فرمایا ہے۔"اَلْمِیْزَانُ" کے بارے میں اہلِ علم کے چارقسم کے خیالات ہیں جواپنی اپنی حیثیت کے مطابق حق پر مبنی ہیں۔ ① "اَلْمِیْزَانُ" درحقیقت الکتاب کی تشریح ہے۔ ② "اَلْمِیْزَانُ" سے مرادقرآن وسنت کی تعلیم ہے جس کے ذریعے انسان حق وباطل کے درمیان وزن اورفرق کرسکتا ہے۔ ③ "اَلْمِیْزَانُ" سے مرادوہ عقلِ سلیم ہے جس کی روشنی میں آدمی حق اورناحق کی پہچان کرتا ہے۔ ④ "اَلْمِیْزَانُ" سے مراددنیا کی کسی چیز کی پیمائش یاوزن کرنے کاوہ پیمانہ ہے جس کے ذریعے لوگ اپنالین دین کرتے ہیں۔جن آیات میں "اَلْمِیْزَانُ" کالفظ ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔ (الانعام:۱۵۲،الاعراف:۸۵،ھود:۸۴،۸۵،الشوریٰ:۱۷،الرحمٰن:۷،۸،۹،الحدید:۲۵)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجیداورمیزان نازل فرمایا ہے۔ ۲۔قیامت کاانکار کرنے والے لوگ پرلے درجے کے گمراہ ہیں۔

۳۔ قرآن مجیداورمیزان کے ذریعے لوگوں کوحق وباطل کے درمیان امتیاز کرنا چاہیے۔

۴۔ جولوگ قیامت پرایمان نہیں رکھتے وہی اس کے بارے میں جلدی کامظاہرہ کرتے ہیں۔

۵۔ قیامت پرایمان رکھنے والے لوگ اس کی ہولناکیوں اوراپنے حساب وکتاب سے ڈرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

دورکی گمراہی میں مبتلا ہونے والے لوگ:

۱۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیاوہ دورکی گمراہی میں مبتلا ہوا۔(النساء:۱۱۶)

۲۔ ''اللہ'' کے راستہ سے روکنے والے دورکی گمراہی میں ہیں۔(النساء:۱۶۷)

۳۔ سب سے بڑا گمراہ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والا ہے۔(القصص:۵۰)

۴۔ کفار سے دوستی کرنے والاسیدھی راہ سے دور چلاجاتا ہے۔(الممتحنۃ:۱)

۵۔ جس نے اللہ،رسول،ملائکہ،کتابوں اوردن آخرت کاانکار کیاوہ دورکی گمراہی میں مبتلا ہوا۔(النساء:۱۳۶)

۶۔ جولوگ دنیاکوآخرت پرترجیح دیتے ہیں اوراللہ کی راہ سے روکتے ہیں اوراس میں کجی تلاش کرتے ہیں وہ پرلے درجے کے گمراہ ہیں۔(ابراہیم:۳)

اَللّٰهُ	لَطِیۡفٌۢ	بِعِبَادِهٖ	یَرۡزُقُ	مَنۡ	یَّشَآءُ ۚ
اللہ	بہت مہربان ہے	اپنے بندوں کے ساتھ	وہ رزق دیتا ہے	جس کو	چاہتا ہے

ع۱۰ ۲

وَهُوَ	الۡقَوِیُّ	الۡعَزِیۡزُ ﴿۱۹﴾ ع	
اور وہ	خوب طاقت ور	نہایت غالب ہے	

''اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے وہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔''(۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح حق و باطل میں فرق سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک میزان قائم فرمایا ہے اسی طرح اس کے ہاں رزق کے لیے ایک میزان ہے جس کے مطابق اللہ تعالیٰ لوگوں کا رزق کم اور زیادہ کرتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ننانوے سے زائد اسماء الحسنیٰ ہیں۔اسم ''اللہ'' کے علاوہ تمام کے تمام اسمائے گرامی صفاتی ہیں ہر صفت اپنے آپ میں ایک متعین معنیٰ رکھنے کے باوجود ایک حد تک دوسری صفات کی بھی ترجمانی کرتی ہے صفاتی اسماء میں ایک مبارک نام '' **اللَّطِیۡفُ** '' بھی ہے۔ '' **اللَّطِیۡفُ** '' کا معنیٰ باریک سے باریک چیز کو جاننے والا اور اپنی مخلوق پر ہمہ وقت لطف و کرم کی برکھا برسانے والا ہے۔اسی لطف و کرم کا نتیجہ ہے کہ انسان اس کی بغاوت کی انتہا کر دیتا ہے مگر پھر بھی وہ اسے اپنی عنایات سے نوازتا ہے۔اس کی نوازشات میں انسان کے رزق کا اہتمام کرنا بھی ہے۔وہ اپنی حکمتِ کاملہ کے تحت جتنا اور جسے چاہتا ہے رزق سے نوازتا ہے۔اس کے خزانوں میں کمی واقع نہیں ہوتی اور اس کے نظام میں کوئی دخل انداز نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کو پیدا کرنے والا ہے اور اس نے ہی اس کے رزق کا ذمہ لے رکھا ہے۔لہٰذا انسان کو چاہیے اللہ پر ہی بھروسہ کرے اور دوسرے کی امید میں نہ بیٹھا رہے۔

«عَنۡ عُمَرَ بۡنِ الۡخَطَّابِ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ لَوۡ أَنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ تَوَكَّلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرُزِقۡتُمۡ كَمَا تُرۡزَقُ الطَّيۡرُ تَغۡدُوۡ خِمَاصًا وَتَرُوۡحُ بِطَانًا»

(رواہ الترمذی: کتاب الزہد، باب فِی التَّوَکُّلِ عَلَی اللّٰہِ [صحیح])

''حضرت عمر بن خطاب ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے اسی طرح تمہیں رزق دیا جائے جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے۔وہ خالی پیٹوں کے ساتھ صبح کرتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹوں کے ساتھ لوٹتے ہیں۔''

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی رزق عطا کرنے والا ہے:

(الذاریات:۵۸)(سباء:۳۹)(یونس:۳۱)(الزمر:۵۲)(ھود:۶)(الحجر:۲۰)(طٰہٰ:۱۳۲)(البقرۃ:۲۱۲)(العنکبوت:۶۰)

مَنْ	كَانَ	يُرِيْدُ	حَرْثَ	الْاٰخِرَةِ	نَزِدْ	لَهٗ	فِيْ
جو شخص	ہے	ارادہ کرتا	کھیتی کا	آخرت کی	ہم زیادہ کرتے ہیں	اس کے لیے	میں
حَرْثِهٖ ۚ	وَمَنْ	كَانَ	يُرِيْدُ	حَرْثَ	الدُّنْيَا	نُؤْتِهٖ	
اس کی کھیتی	اور جو شخص	ہے	ارادہ کرتا	کھیتی کا	دنیا کی	ہم دیتے ہیں اس کو	
مِنْهَا	وَمَا	لَهٗ	فِي	الْاٰخِرَةِ	مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿٢٠﴾		
اس سے	اور نہیں	اس کے لیے	میں	آخرت	کوئی حصہ		

”جو آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کی کھیتی کو بڑھاتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اسے دنیا میں دے دیتے ہیں اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔“ (٢٠)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس میں کوئی شک نہیں کہ صرف ”اللہ“ ہی رزق دینے والا ہے لیکن اس نے انسان کو رزق کے حصول کے لیے محنت کرنے کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت کی کامیابی کے لیے محنت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا ارشاد ہے کہ انسان وہی کچھ پائے گا جس کے لیے وہ محنت کرے گا۔ (النّجم: ٣٩) دنیا اور آخرت کے حصول کو ”حرث“ کہا گیا ہے۔ ”حرث“ کا معنٰی کھیتی ہے جس میں ہر قسم کی فصل اور پودا جات شامل ہیں کھیتی پر غور فرمائیں تو اس سے غلّہ حاصل کرنے میں زمیندار کو کتنے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے بار بار ہل چلا کر زمین کو بیج کے قابل بنانا، صحیح وقت پر اسے سیراب کرنا، جڑی بوٹیوں اور کیڑوں مکوڑوں سے اس کی حفاظت کرنا، مناسب مقدار میں کھاد لگانا اس طرح بہت سے مراحل طے کرنے کے بعد انسان لقمہ کھانے کے قابل ہوتا ہے یہی حال پھل اور میوہ جات کا ہے کہ کتنی محنت کے بعد انسان اس قابل ہوتا ہے کہ ان سے لطف اندوز ہو سکے اللہ تعالیٰ نے ”حَرْثَ“ کا لفظ بول کر انسان کو دنیا اور آخرت کے لیے محنت کرنے کی ترغیب دی ہے بے شک دنیا کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے لیکن آخرت کی کامیابی اسی شخص کو حاصل ہوگی جو اس کے لیے اخلاص اور قرآن و سنت کے مطابق کوشش کرے گا آخرت کی کامیابی کا حصول دنیا کی کامیابی کے مقابلے میں نسبتاً مشکل ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا ہے کہ جو آخرت کی کھیتی کے لیے کوشش کرے گا ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کریں گے اور جو دنیا کی کھیتی کے لیے کوشش کرے گا ہم اسے دنیا کا حصہ دیں گے لیکن جس نے صرف دنیا کے لیے کوشش کی اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ نبی علیہ السلام نے آخرت کی کھیتی کے اضافہ کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔

«عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِّنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَّلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ فَإِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهٖ كَمَا يُرَبِّيْ أَحَدُكُمْ فُلُوَّهٗ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ» (رواہ البخاری: کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ من کسب طیب)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو آدمی کھجور کے برابر اپنی پاک کمائی سے صدقہ کرتا ہے اور اللہ کے ہاں صرف پاک چیز ہی قبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے قبول کرتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر اس کو اس طرح پالتا اور بڑھاتا ہے جیسے تم میں سے کوئی بچھڑے کو پالتا ہے یہاں تک کہ صدقہ پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ انسان کی محنت کے مطابق اسے دنیا اور آخرت کا صلہ دیتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ مسلمان کو آخرت میں اس کی محنت سے زیادہ اجر عطا فرمائے گا۔

۳۔ جس نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دی اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

دنیا اور آخرت کا تقابل:

۱۔ دنیا کھیل اور تماشا ہے۔ (الانعام: ۳۲)

۲۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی عارضی ہے۔ (الرعد: ۲۶)

۳۔ دنیا عارضی اور آخرت پائیدار ہے۔ (المؤمن: ۳۹)

۴۔ دنیا کی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے۔ (الحدید: ۲۰)

۵۔ دنیا آخرت کے مقابلہ میں بہت کمتر ہے۔ (التوبۃ: ۳۸)

۶۔ جو چیز تم دیے گئے ہو یہ دنیا کا سامان اور زینت ہے۔ (القصص: ۶۰)

۷۔ نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر دھوکے کا سامان۔ (آل عمران: ۱۸۵)

۸۔ مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی زینت ہیں۔ (الکھف: ۴۶)

۹۔ مال اور اولاد تمہارے لیے فتنہ ہے۔ (التغابن: ۱۵)

۱۰۔ آپ فرما دیں کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے۔ (النساء: ۷۷)

۱۱۔ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو جبکہ آخرت اس سے بہتر ہے۔ (الاعلیٰ: ۱۷)

اَمۡ	لَهُمۡ	شُرَكٰٓؤُا	شَرَعُوۡا	لَهُمۡ	مِّنَ	الدِّيۡنِ	مَا لَمۡ
کیا	ان کے لیے	شریک ہیں	جنہوں نے مقرر کیا ہے	ان کے لیے	سے	دین	وہ جو نہیں
يَاۡذَنۡۢ	بِهِ	اللّٰهُ ؕ	وَلَوۡلَا	كَلِمَةُ	الۡفَصۡلِ	لَقُضِىَ
اجازت دی	اس کی	اللہ نے	اور اگر نہ ہوتی	بات	فیصلے کی	فیصلہ کر دیا جاتا
بَيۡنَهُمۡ ؕ	وَاِنَّ	الظّٰلِمِيۡنَ	لَهُمۡ	عَذَابٌ	اَلِيۡمٌ ‏(۲۱)
ان کے درمیان	اور بلاشبہ	ظالم لوگ	ان کے لیے	عذاب ہے	دردناک

''کیا ان کے لئے ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین جیسا ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی اگر فیصلے کی بات طے نہ ہوگئی ہوتی تو ان کا قضیہ چکا دیا جاتا، یقیناً ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''(۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا ان لوگوں میں سرفہرست مشرک ہیں۔

''اَلدِّیۡنِ'' اللہ تعالیٰ کے احکام اور نبی علیہ السلام کے ارشادات پر مبنی ہے جس میں زندگی گزارنے کا مکمل ضابطہ دیا گیا ہے اس میں کسی چھوٹے، بڑے، نیک اور بد یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اپنی مرضی سے بال برابر بھی کمی بیشی کر سکیں آپ نے جو کچھ فرمایا اللہ تعالیٰ کی وحی کے مطابق ارشاد فرمایا۔

اس قدر واضح اور ٹھوس اصول ہونے کے باوجود مشرکین نے کچھ لوگوں کو یہ اختیار دے رکھا ہے کہ وہ دین کے نام پر جو چاہیں مسائل بناتے اور چلاتے رہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہاں شرکاء سے پہلی مراد وہ لوگ ہیں جو حکمرانوں یا پارلیمنٹ کو اکثریت کی نمائندہ ہونے کی بنیاد پر آئین سازی کا اختیار دیتے ہیں جس بنا پر مسلمان ملکوں کی پارلیمنٹوں اور حکمرانوں نے اسلام کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ اس میں ماضی، حال کے وہ علماء اور پیر بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنے فتویٰ اور فقہ کو شریعت کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کیا اور لوگوں نے اسے عقیدت کی بنیاد پر ٹھنڈے دل سے قبول کر لیا۔ جس طرح غیر اسلامی قانون بنانے والے رب کے شریک بن بیٹھے ہیں اسی طرح انہیں خاموشی سے قبول کرنے والے بھی ایک حد تک شرک کا ارتکاب کرتے ہیں گویا کہ دونوں فریق اپنے اپنے مقام پر شرک فی الحکم میں ملوث ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے فیصلے کا ایک وقت مقرر نہ کر رکھا ہوتا تو ان کا جرم اتنا بھاری تھا کہ انہیں نیست و نابود کر دیا جاتا، ظالموں کے لیے آخرت میں اذیت ناک عذاب ہوگا اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو حاکمِ کل تسلیم کرنے کی بجائے دوسروں کو بھی اس کی حاکمیّت میں شریک کر رکھا ہے۔ اس ظلم کا نتیجہ ہے کہ ظالم کو پکڑنے والا اور مظلوم کی دادرسی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

((عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَفِي عُنُقِي صَلِيبٌ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ يَا عَدِيُّ

اطْرَحْ عَنْكَ هَذَا الْوَثَنَ وَسَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فِي سُورَةِ بَرَاءَةَ (اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللهِ) قَالَ أَمَا إِنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ وَلَكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحَلُّوا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحَلُّوهُ وَإِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوهُ)) (رواہ الترمذی: باب وَمِنْ سُورَةِ التَّوْبَةِ [حسن])

”حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا میری گردن میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی آپ نے فرمایا: اس بت کو پھینک دو، میں نے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ براۃ کی تلاوت فرما رہے تھے (اِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللهِ) (میں نے عرض کیا کہ ہم انہیں رب نہیں مانتے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہیں کہ وہ ان کی عبادت نہیں کرتے لیکن جب وہ کسی چیز کو حلال کہتے ہیں تو یہ اس کو حلال سمجھتے ہیں جب وہ کسی چیز کو حرام قرار دیتے ہیں تو وہ اس کو حرام جانتے ہیں۔“

مسائل

۱۔ ظالمو! نے دین میں ملاوٹ کر کے دوسروں کو اللہ کا شریک بنالیا ہے۔

۲۔ اللہ کے قانون کے مقابلے دوسروں کا قانون ماننا اور چلانا اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک بنانا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنی حاکمیت میں دوسروں کو شریک کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

۴۔ دوسروں کا قانون بنانے اور چلانے والے ظالم ہیں ظالموں کے لیے اذیت ناک عذاب ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

”اللہ“ کے قانون کے علاوہ قانون بنانے اور اُسے ماننے والے ظالم ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کتاب پر نازل کی ہے آپ لوگوں کے درمیان اسکے مطابق فیصلہ کریں۔ (المائدۃ:۴۸)

۲۔ جو کتاب اللہ کے بغیر اپنی مرضی سے فیصلہ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹک جائے گا۔ (ص:۲۶)

۳۔ قانون الٰہی کے خلاف فیصلہ دینے والے فاسق ہیں۔ (المائدۃ:۴۷)

۴۔ جو قانون الٰہی کے خلاف فیصلہ کرتا ہے وہ کافر ہے۔ (المائدۃ:۴۴)

۵۔ جو قانون الٰہی کے خلاف فیصلہ کرے وہ ظالم ہے۔ (المائدۃ:۴۵)

۶۔ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ طریقہ سے انحراف کرنے والے ظالم ہیں۔ (الشوریٰ:۲۱)

تَرَى	الظّٰلِمِيْنَ	مُشْفِقِيْنَ	مِمَّا	كَسَبُوْا	وَهُوَ	وَاقِعٌۢ
آپ دیکھیں گے	ظالموں کو	ڈرنے والے	اس سے	انہوں نے کیا	اور وہ	واقع ہوگی
بِهِمْ ؕ	وَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	فِيْ	رَوْضٰتِ
ان پر	اور وہ لوگ جو	ایمان لائے	اور انہوں نے عمل کیے	نیک	میں	سبزہ زار
الْجَنّٰتِ ۚ	لَهُمْ	مَّا	يَشَاۗءُوْنَ	عِنْدَ	رَبِّهِمْ ؕ	
باغات کے	ان کے لیے ہوگا	جو	وہ چاہیں گے	پاس	اپنے رب کے	
ذٰلِكَ هُوَ	الْفَضْلُ	الْكَبِيْرُ ۝۲۲				
یہی	فضل ہے	بہت بڑا				

”آپ دیکھیں گے ظالم اس وقت اپنے کیے پر ڈر رہے ہوں گے اور وہ ان پر واقع ہو کر رہے گا، اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ سرسبز باغوں میں ہوں گے، جو چاہیں گے اپنے رب کے ہاں پائیں گے، یہ بہت بڑا فضل ہے۔“(۲۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ظالموں کی سزا اور نیک لوگوں کی جزا کا ذکر۔

قرآن مجید اپنے اسلوب کے مطابق یہاں بھی ظالموں کی سزا کا تذکرہ کرنے کے بعد جنتیوں کی جزا کا ذکر کرتا ہے لہٰذا ارشاد ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ظالموں کو دیکھیں گے کہ جوں ہی وہ جہنم کا عذاب دیکھیں گے جو ان پر وارد ہونے والا ہوگا تو اپنے اعمال کے انجام پر خوف زدہ ہوں گے، ان کے مقابلے میں جو لوگ ایمان لائے اور صالح اعمال کرتے رہے وہ جنت کے لہلہاتے اور مہکتے ہوئے باغات میں ہوں گے وہ جو چاہیں گے سو پائیں گے یہ ان پر ان کے رب کا بڑا فضل ہوگا۔

مسائل

۱۔ جہنم کا عذاب دیکھ کر ظالم اپنے انجام سے خوف زدہ ہوں گے۔

۲۔ صالح اعمال کرنے والے ایماندار جنت کے باغات میں رہیں گے اور جو چاہیں گے پائیں گے۔

۳۔ جنتیوں کو ان کے اعمال سے زیادہ عطا کیا جائے گا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ جنتیوں پر بڑا فضل فرمائیں گے۔

ذٰلِكَ الَّذِیۡ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

یہ وہی ہے جس کی خوشخبری دیتا ہے اللہ اپنے بندوں کو وہ لوگ جو ایمان لائے

وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ اَجۡرًا

اور انہوں نے عمل کیے نیک فرما دیجیے نہیں میں سوال کرتا تم سے اس پر کسی اجر کا

اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِی الۡقُرۡبٰی ؕ وَ مَنۡ یَّقۡتَرِفۡ حَسَنَةً

مگر محبت کا میں رشتے داری اور جو شخص کماتا ہے نیکی

نَّزِدۡ لَهٗ فِیۡهَا حُسۡنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ شَكُوۡرٌ ﴿۲۳﴾

تو ہم زیادہ کرتے ہیں اس کے لیے اس میں بھلائی بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا نہایت قدردان ہے

''یہ وہ اجر ہے جس کی اللہ اپنے ان بندوں کو خوشخبری دیتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اے نبی ان لوگوں سے فرما دیں کہ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں، البتہ قرابت کی محبت چاہتا ہوں، جو کوئی بھلائی کرے گا ہم اس کی بھلائی میں اور اضافہ کر دیں گے بے شک اللہ بڑا درگزر کرنے والا اور قدردان ہے۔'' (۲۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام : نبی علیہ السلام کی بعثت کا مقصد برے لوگوں کو ان کے بُرے انجام سے ڈرانا اور صاحبِ ایمان اور صالح اعمال لوگوں کو ان کے تابناک مستقبل کی بشارت دینا تھا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی معاوضہ کے طلب گار نہ تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بُرے لوگوں کو ڈرانے اور نیک لوگوں کو بشارت دینے کے ساتھ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں اس دعوت کے بدلے تم سے کسی اجر کا طلبگار نہیں ہوں البتہ یہ چاہتا ہوں کہ تمہیں قرابت داری کا لحاظ رکھنا چاہیے جو شخص نیکی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے نیکی کرنے کی مزید توفیق عنایت فرمائے گا اور نیک لوگوں سے بتقاضائے بشریّت غلطی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے گا کیونکہ وہ معاف فرمانے والا، نیکی اور نیک لوگوں کی قدر کرنے والا ہے۔ اس آیتِ مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اطہر سے اس بات کا اظہار کروایا گیا ہے کہ آپ ان لوگوں سے فرمائیں کہ میں قرابت داری کی محبت کے سوا تم سے کسی چیز کا سوال نہیں کرتا ان الفاظ کے مفسّرین نے تین مفہوم لیے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح و شام اخلاص اور جانفشانی کے ساتھ لوگوں کو بُرے اعمال اور اس کے انجام سے بچنے کی تلقین کرتے تھے مگر ان کی حالت یہ تھی کہ وہ برے کاموں سے بچنے کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے درپے ہو چکے تھے۔ ① اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سمجھایا کہ اگر تم برائی سے بچنے کے لیے تیار نہ ہو تو کم از کم تمہیں معاشرتی حقوق اور نسبی رشتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

سیّدنا عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ ﴿اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِی الۡقُرۡبٰی﴾ کا کیا مطلب ہے؟ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فوراً کہہ دیا

اس سے آپ ﷺ کی آل مراد ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کہنے لگے آپ جلد بازی کرر ہے ہیں۔بات یہ ہے کہ قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس سے آپ کی کچھ نہ کچھ قرابت نہ ہو۔اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے فرمایا کہ انہیں کہیے کہ اگر تم اور کچھ نہیں کرتے تو کم از کم قرابت ہی کا لحاظ رکھو!(رواہ البخاری: کتاب التفسیر)

② میں تم سے اس دعوت کا کوئی صلہ نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ تم بُرے اعمال چھوڑ کر اپنے رب کے قریب ہونے کی کوشش کرو! یہی میری دعوت کا صلہ ہے۔

③ کچھ لوگوں نے اپنے مخصوص نظریات کی خاطر یہ تفسیر کی ہے کہ میں اس کے سوا تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا کہ تم میرے رشتہ داروں کا بالخصوص اہلِ بیت کا خیال رکھو! ظاہر ہے کہ جن میں حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما شامل ہیں۔اس تفسیر کو بڑے بڑے مفسّرین نے من گھڑت قرار دیا ہے کیونکہ جب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی تھی تو اس وقت حضرت فاطمہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ نکاح بھی نہیں ہوا تھا۔(ضیاء القرآن: جلد ۴ پیر کرم شاہ صاحب بریلوی)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دنیا کی کامیابی اور جنت کی خوشخبری دیتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو نیکی کی مزید توفیق دیتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو معاف فرمانے والا اور ان کی نیکی کی قدر کرنے والا ہے۔

۴۔ نبی اکرم ﷺ تبلیغ پر کسی سے کسی قسم کا معاوضہ طلب نہیں کرتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

انبیائے کرام علیہم السلام نبوّت کے کام پر کسی قسم کا معاوضہ طلب نہیں کرتے تھے:

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا میں تم سے تبلیغ پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔(ہود:۲۹)

۲۔ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تم سے تبلیغ کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔(الشعرا:۱۲۷)

۳۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا اجر اللہ رب العالمین پر ہے اور تم سے کچھ نہیں مانگتا۔(الشعرا:۱۴۵)

۴۔ ہود علیہ السلام نے کہا میرا اجر اللہ پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔(ہود:۵۱)

۵۔ میرا اجر اللہ پر ہے اور وہی ہر چیز پر گواہ ہے۔(سبا:۴۷)

۶۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں تم سے نہ اجر چاہتا ہوں اور نہ کسی قسم کا تکلف کرتا ہوں۔(ص:۸۶)

اَمْ	یَقُوْلُوْنَ	افْتَرٰی	عَلَی	اللّٰهِ	کَذِبًا ج
کیا	وہ کہتے ہیں	اس نے گھڑلیا	پر	اللہ	جھوٹ
فَاِنْ	یَّشَاِ	اللّٰهُ	یَخْتِمْ	عَلٰی	قَلْبِكَ ط
پس اگر	چاہے	اللہ	تو مہر لگا دے	پر	آپ کے دل
وَیَمْحُ	اللّٰهُ	الْبَاطِلَ	وَیُحِقُّ	الْحَقَّ	بِكَلِمٰتِهٖ ط
اور مٹاتا ہے	اللہ	باطل کو	اور ثابت کرتا ہے	حق کو	اپنی باتوں سے
اِنَّهٗ	عَلِیْمٌۢ	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۲۴			
بلاشبہ وہ	خوب جاننے والا ہے	سینے کے راز کو			

”کیا وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص اللہ پر جھوٹ بولتا ہے اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگا دے۔ اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو اپنے ارشادات سے حق ثابت کر دکھاتا ہے یقیناً وہ سینوں کے راز جانتا ہے۔“ (۲۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام : سابقہ آیات میں ظالموں کی سزا اور نیک لوگوں کی جزا کا ذکر ہوا۔ اب یہ اعلان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ باطل کو مٹائے گا اور حق کو حق ثابت کر دکھائے گا وہ جانتا ہے کون حق کو قبول کرتا ہے اور کون اس کا انکار کرتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگوں کے سینوں کے راز جانتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے بارے میں کفار اچھی طرح جانتے تھے کہ نبوّت سے پہلے بھی آپ ﷺ نے نہ کسی کے ساتھ غلط بیانی کی اور نہ ہی کسی معاملے میں آپ سے کوئی خیانت سرزد ہوئی کیونکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قبل از نبوّت بھی ہر قسم کے عیب سے پاک رکھا جس کا اہلِ مکہ برملا اعتراف کرتے تھے۔ حقیقت جاننے اور اس کا اعتراف کرنے کے باوجود کفار آپ پر الزام لگاتے کہ آپ قرآن اور نبوت کے نام پر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بول رہے ہیں جس کی تردید کرتے ہوئے اس موقع پر اللہ تعالیٰ کفار کے الزام کا یوں جواب دیتا ہے کہ اگر محمد ﷺ اللہ پر جھوٹ بولتے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر گمراہی کی مہر لگا دیتا کیونکہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا بہت بڑا ظلم ہے اس کی سنگینی کو واضح کرنے کے لیے نبی علیہ السلام کو براہِ راست یہ الفاظ کہے گئے ہیں کہ اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگا دے، اس ارشاد سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا وجود ہی نہیں بلکہ دل بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں تھا اور یہی نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ تمام انسانوں کے قلوب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے لوگوں کے دلوں کو پھیر دیتا ہے۔ اسی عقیدہ کی بنیاد پر آپ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو ہدایت پر قائم فرما! یہاں یہ حقیقت بھی

بتلائی ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ بھی قرآن مجید میں کمی بیشی کرتے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو بھی سزا دیتا جس کے نتیجہ میں آپ ﷺ کے دل پر مہر لگا دی جاتی کسی کے دل پر گمراہی کی مہر لگنا سب سے بڑی سزا ہے کیونکہ یہ ربِ ذوالجلال کی ناراضگی کی انتہا ہے اسی لیے کفار کے بارے میں کہا گیا ہے:

{ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ٞ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۧ }

(البقرۃ:۷)

''اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے عظیم عذاب ہے۔''

اس لیے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ باطل کو ایک حد سے آگے نہیں بڑھنے دیتا جب باطل اس کی مقرر کی ہوئی حد سے آگے بڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مٹا دیتا ہے اور حق کو حق ثابت کر دکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے راز جاننے والا ہے۔

{ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ۝۴۴ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۙ۝۴۵ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝۴۶ }

(الحاقۃ:۴۴تا۴۶)

''اگر پیغمبر ہماری نسبت کوئی جھوٹی بات بناتے تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کی شہ رگ کاٹ ڈالتے۔''

مسائل

۱۔ اگر نبی کریم ﷺ قرآن مجید میں ترمیم واضافہ کرتے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے دل پر مہر لگا دیتا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ بالآخر باطل کو مٹا کر حق کو حق کر دکھاتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے راز جاننے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ باطل کو مٹا کر حق کو حق ثابت کر دیتا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی قوم کو غرقاب کر کے نوح علیہ السلام کی دعوت کو حق کر دکھایا۔ (ھود:۴۸)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے بچا کر حق کو حق کر دکھایا۔ (الانبیاء:۶۹، ۷۰)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگروں کے مقابلے میں کامیاب فرما کر حق کو حق کر دکھایا۔ (یونس:۸۲)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے موقعہ پر نبی ﷺ کو بچا کر حق کو بلند فرمایا۔ (التوبۃ:۴۰)

وَهُوَ الَّذِيۡ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَيَعۡفُوۡا

اور وہی | جو | قبول کرتا ہے | توبہ | سے | اپنے بندوں | اور وہ معاف کرتا ہے

عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝٢٥ وَيَسۡتَجِيۡبُ الَّذِيۡنَ

سے | برائیاں | اور وہ جانتا ہے | جو | تم کرتے ہو | اور وہ قبول کرتا ہے | ان لوگوں سے جو

اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ

ایمان لائے | اور انہوں نے عمل کیے | نیک | اور ان کو زیادہ دیتا ہے | سے | اپنے فضل

وَالۡكٰفِرُوۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ۝٢٦

اور کافر لوگ | ان کے لیے | عذاب ہے | شدید

''وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی برائیوں سے درگزر فرماتا ہے اور تم جو کرتے ہو اسے سب کچھ معلوم ہے۔ (٢٥) وہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کی دعا قبول کرتا ہے اور اپنے فضل سے اُن کو مزید عطا کرتا ہے۔ جو انکار کرنے والے ہیں ان کے لیے سخت سزا ہے۔'' (٢٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اسلام کے مخالفین کو توبہ کرنے کی ترغیب۔

اہلِ مکہ کے الزام کی تردید کرنے اور قرآن مجید کو ہر قسم کی دست بُرد سے محفوظ ثابت کرنے کے بعد ایک مرتبہ پھر اہل مکہ کو ترغیب دی گئی ہے کہ اے مکہ والو! نبی کریم ﷺ پر الزام لگانے سے باز آجاؤ اور اپنے رب کے حضور سچی توبہ کرو اور یقین کرو کہ تمہارا رب توبہ قبول کرنے اور گناہوں کو معاف فرمانے والا ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور صالح اعمال کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرنے کے ساتھ اپنے فضل سے مزید عطا فرماتا ہے، جو کافر ہیں ان کے لیے شدید عذاب ہوگا۔ پوری طرح جان لو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اُسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صاحبِ ایمان اور صالح کردار لوگوں کو چار انعامات کی خوشخبری سنائی ہے۔

① اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

② اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کرتا ہے۔

③ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی دعاؤں کو مستجاب فرماتا ہے۔

④ اللہ تعالیٰ لوگوں کی دعاؤں سے بڑھ کر انہیں عطا کرتا ہے۔ اس کے فضل کی انتہا دیکھیے کہ وہ نہ صرف اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کرتا ہے بلکہ ان کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ (الفرقان: ٧٠)

وَلَوْ	بَسَطَ	اللّٰهُ	الرِّزْقَ	لِعِبَادِهٖ	لَبَغَوْا
اور اگر	فراخ کردے	اللہ	رزق	اپنے بندوں کے لیے	تو وہ ضرور سرکشی کریں
فِي	الْاَرْضِ	وَلٰكِنْ	يُّنَزِّلُ	بِقَدَرٍ	مَّا يَشَآءُ
میں	زمین	اور لیکن	وہ نازل کرتا ہے	اندازے کے ساتھ	جتنا وہ چاہتا ہے
اِنَّهٗ	بِعِبَادِهٖ	خَبِيْرٌۢ	بَصِيْرٌ ۲۷		
بلاشبہ وہ	اپنے بندوں سے	خوب خبردار	خوب دیکھنے والا ہے		

''اگر اللہ اپنے بندوں کو کھلا رزق دے دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کرتے مگر جتنا چاہتا ہے وہ حساب کے مطابق نازل کرتا ہے، یقیناً وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور اُنہیں دیکھنے والا ہے۔'' (۲۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ کے فضل کی ایک صورت بارش بھی ہے جس میں بے شمار فوائد ہیں اس لیے یہاں بارش کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر قسم کے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ''اللہ'' ہی اپنی پوری مخلوق کو رزق دینے والا ہے اور وہی اپنے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق اپنے بندوں کو رزق عطا کرتا ہے اس کے رزق عطا کرنے کے اصولوں میں ایک اصول یہ ہے کہ وہ کسی کو ایک حد سے بڑھ کر رزق عطا نہیں کرتا اگر وہ لامحدود طریقہ سے کسی کو رزق عطا کرے تو لوگ زمین میں بغاوت کرنے لگیں وہ اپنے بندوں کو پوری طرح جانتا اور ہر وقت انہیں دیکھنے والا ہے۔ یہ بات تو اللہ ہی جانتا ہے کہ اس نے ہر انسان کے لیے اس کے رزق کی کیا حد مقرر کر رکھی ہے لیکن یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ جب لوگوں کو رزق کی فراوانی حاصل ہوتی ہے تو چند لوگوں کے سوا باقی لوگ اپنے رب کا شکر ادا کرنے کی بجائے اس کی نافرمانی کرتے ہیں دنیا میں کتنے لوگ ہوئے اور ہیں جنہوں نے دولت کی بنا پر لوگوں میں بے حیائی پھیلائی، کسی نے وسائل کی بنیاد پر اپنی قوم کو غلام بنایا اور ان کے لیے فرعون بن بیٹھا رزق کی فراوانی پر ہی بے شمار مالداروں نے غریبوں پر ظلم ڈھائے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے مقرر کردہ اصولوں سے بڑھ کر ان لوگوں کو رزق دیتا تو نا معلوم یہ لوگ کیا کیا ظلم کرتے؟ رزق سے مراد صرف خوردونوش کا سامان ہی نہیں بلکہ رزق سے مراد ہر قسم کے وسائل ہیں جن میں جاگیرداری نظام اور سیاسی اقتدار بھی شامل ہے۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ''خَبِيْرٌ'' اور ''بَصِيْرٌ'' کی صفات کا ذکر فرما کر باغی لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ بات نہ بھولنا کہ تمہیں کوئی دیکھنے اور جاننے والا نہیں۔ یقین کرو کہ جو تمہیں رزق عطا کرتا ہے وہ ہر حال میں تمہیں دیکھتا ہے اور تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔

وَهُوَ	الَّذِیۡ	يُنَزِّلُ	الۡغَيۡثَ	مِنۡۢ بَعۡدِ	مَا	قَنَطُوۡا
اور وہی	جو	نازل کرتا ہے	بارش	اس کے بعد	جو	وہ ناامید ہوگئے

وَيَنۡشُرُ	رَحۡمَتَهٗ ؕ	وَهُوَ	الۡوَلِیُّ	الۡحَمِيۡدُ ۲۸
اور وہ پھیلاتا ہے	اپنی رحمت	اور وہ	کارساز	تعریف کے لائق ہے

''وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہوجانے کے بعد بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے، وہی کارساز اور قابلِ تعریف ہے۔'' (۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو ''اللہ'' لوگوں کا رزق مقرر کرتا اور انہیں عطا کرتا ہے وہی آسمان سے بارش برساتا ہے۔

وہی ''اللہ'' ہے جو لوگوں کے مایوس ہونے کے وقت آسمان سے بارش نازل کرتا ہے اور اس کے ذریعے اپنی رحمت بکھیر دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہی لوگوں کا والی اور خیر خواہ ہے جو ہر تعریف کے لائق ہے اس کے سوا کوئی بارش کا ایک قطرہ بھی نہیں برسا سکتا بارش سراسر ''اللہ'' کی رحمت ہے بالخصوص جب لوگ اس کے برسنے سے ناامید ہوجاتے ہیں تو پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں اور اس کے بعد موسلا دھار بارش برستی ہے جس کے بارے میں ''يَنۡشُرُ رَحۡمَتَهٗ'' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ ''يَنۡشُرُ'' کے لفظ پر غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کے ذریعے کس طرح بخارات کو اٹھاتا اور ان کو بادلوں میں تبدیل کرتا ہے پھر اس کے حکم سے بادل اس طرح ٹپکتے اور برستے ہیں کہ ہر چیز گرد و غبار سے دُھل جاتی ہے آج تک کبھی نہیں ہوا کہ بادل کسی آبشار یا پرنالے کی طرح ایک ہی جگہ پر پانی اُنڈیل دیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بادل اس طرح برستے ہیں جس طرح کسی فوارے سے پانی نکلتا ہے اگر بادل ایک ہی دفعہ پانی اُنڈیل دیں تو کوئی بستی اور شہر باقی نہ رہے بارش کے برسنے کا انداز اور اس کا پانی سراسر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کرشمہ ہے بارش کا پانی ندی نالوں اور دریاؤں کے ذریعے ایک مقام سے دوسرے مقام تک منتقل ہوتا ہے، بارش اس قدر اپنے وجود میں اللہ تعالیٰ کی رحمت لیے ہوئے ہوتی ہے کہ جس کے فوائد کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ البتہ چند فوائد ذکر کیے جاتے ہیں تاکہ ہم بارش کی افادیت کو کسی حد تک سمجھ سکیں۔

① بارش سے پوری فضا صاف اور جراثیم سے پاک ہوجاتی ہے۔ ② بارش سے موسم کی تلخی ختم ہوجاتی ہے اور فضا خوشگوار بن جاتی ہے۔ ③ بارش سے درختوں کا پتا پتا دھل جاتا ہے اور پھلوں میں مٹھاس پیدا ہوتی ہے۔ ④ بارش سے نہ صرف دریاؤں اور جھیلوں میں پانی کی مقدار بڑھتی ہے بلکہ زمین کے اندر کا پانی بھی اوپر آجاتا ہے۔ ⑤ بارش سے انسان ہی نہیں بلکہ ہر جاندار چیز مستفید ہوتی ہے۔ ⑥ بروقت بارش سے فصلیں دوگنی ہونے کے ساتھ بجلی کی بے حد بچت ہوتی ہے۔

وَمِنْ	اٰیٰتِهٖ	خَلْقُ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ	وَمَا
اور سے	اس کی نشانیوں میں	پیدا کرنا	آسمانوں	اور زمین کا	اور جو

بَثَّ	فِیْهِمَا	مِنْ	دَآبَّةٍ	وَهُوَ	عَلٰی	جَمْعِهِمْ
اس نے پھیلائے	ان دونوں میں	سے	جانور	اور وہ	پر	ان کے جمع کرنے

اِذَا	یَشَآءُ	قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾ ع
جب	وہ چاہے	خوب قادر ہے

ع ۲/۴

”زمین اور آسمانوں کی پیدائش، اور جاندار مخلوق جو اس نے پھیلا رکھی ہے یہ اس کی نشانیوں میں سے ہے وہ جب چاہے انہیں اکٹھا کر سکتا ہے۔“ (۲۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلی آیات میں رزق اور بارش کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ یہ آسمان سے نازل ہوتے ہیں۔ رزق اور بارش کا تعلق زمین کے ساتھ بھی ہے اس لیے زمینوں آسمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں قرار دیا ہے۔ جس طرح بارش اللہ کی قدرت کی نشانی ہے اسی طرح چوپائے بھی اس کی قدرت کا کرشمہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمانوں کی ہیت اور تخلیق کے بارے میں بارہا دفعہ ارشاد فرمایا ہے کہ لوگو! ان پر غور کرو کہ زمین وآسمان کی تخلیق کیسے ہوئی اور انہیں اللہ تعالیٰ نے کس طرح قائم کر رکھا ہے اور پھر ان دونوں میں بے شمار مخلوقات کو پھیلا دیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (المدثر: ۳۱) وہ جب چاہے انہیں اکٹھا کرنے پر قادر ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو مجموعی طور پر ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

① آسمانوں میں بسنے والی مخلوق میں سے ہم صرف ملائکہ کے بارے میں چند معلومات رکھتے ہیں ان کی تعداد کے بارے میں نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے۔

«عَنْ اَنَسٍ ؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اُتِیْتُ بِالْبُرَاقِ وَهُوَ دَآبَّةٌ اَبْیَضُ طَوِیْلٌ فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُوْنَ الْبَغْلِ یَقَعُ حَافِرُهٗ عِنْدَ مُنْتَهٰی طَرَفِهٖ فَرَکِبْتُ حَتّٰی اَتَیْتُ بَیْتَ الْمَقْدِسِ فَرَبَطْتُهٗ بِالْحَلْقَةِ الَّتِیْ تَرْبِطُ بِهَا الْاَنْبِیَاءُ قَالَ ثُمَّ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَصَلَّیْتُ فِیْهِ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ خَرَجْتُ فَجَاءَ نِیْ جِبْرَئِیْلُ بِاِنَاءٍ مِّنْ خَمْرٍ وَّاِنَاءٍ مِّنْ لَبَنٍ فَاخْتَرْتُ اللَّبَنَ فَقَالَ جِبْرَئِیْلُ اِخْتَرْتَ الْفِطْرَةَ ثُمَّ عُرِجَ بِنَا اِلَی السَّمَاءِ ......وَقَالَ فِی السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَاِذَا اَنَا بِاِبْرَاهِیْمَ مُسْنِدًا ظَهْرَهٗ اِلَی الْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ وَاِذَا هُوَ یَدْخُلُهٗ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ لَا یَعُوْدُوْنَ

اِلَیۡهِ......))(رواہ مسلم: باب الاِسْرَاءِ بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ اِلَى السَّمٰوَاتِ وَفَرْضِ الصَّلٰوَاتِ)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: پھر آسمان کی طرف ہمارا عروج شروع ہوا...... مجھے ساتویں آسمان پر لے جایا گیا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے تھا وہ بیت المعمور سے کمر لگائے ہوئے تشریف فرماتھے بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور جن کی باری پھر کبھی نہیں آتی.....''

② زمین اور فضا میں رہنے والی مخلوق کی تعداد شمار کرنا کسی کے بس میں نہیں صرف کیڑوں مکوڑوں کے بارے میں ماہرینِ ارضیات اب تک کے اندازے کے مطابق ان کی تعداد ساٹھ ہزار سے زائد بتلاتے ہیں۔

③ زمین کی تہہ میں بسنے والی مخلوق پانی میں رہتی ہو یا زمین کے اندر بستی ہو اس کے بارے میں بھی کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق زمین وآسمانوں، فضاؤں اور ہواؤں میں جہاں کہیں رہتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی وہاں ہی ضرورتیں پوری کررہا ہے اور وہ جب چاہے انہیں اکٹھا کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ "دَآبَّةٍ" کا لفظ عربی زبان میں عام طور پر چوپاؤں کے لیے بولا جاتا ہے۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے "دَآبَّةٍ" کا لفظ اپنی پوری مخلوق کے لیے استعمال فرمایا۔ "دَآبَّةٍ" کا مصدر (ROOT) دبیب ہے جس کا معنیٰ حرکت کرنے والا کیونکہ زمین وآسمانوں کی ہر چیز اپنے اپنے مقام پر متحرک ہے۔ اس لیے ان سب کے لیے دآبۃ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس میں نوری، ناری، خاکی اور تمام مخلوقات شامل ہیں۔

مسائل

۱۔ زمین وآسمانوں کی پیدائش اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی نشانیاں ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمانوں میں بے شمار مخلوقات پیدا کررکھی ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو جب چاہے اکٹھا کرسکتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (البقرۃ: ۲۰) ۲۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے احاطہ علم میں ہے۔ (الطلاق: ۱۲)

۳۔ اللہ تعالیٰ زمین وآسمانوں کی ہر چیز کو جانتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (آل عمران: ۲۹)

۴۔ تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تمہیں قیامت کے دن جمع فرمائیگا وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (البقرۃ: ۱۴۸)

۵۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے عذاب دے جسے چاہے معاف کردے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (البقرۃ: ۲۸۴)

۷۔ بے شک میرا پروردگار جو تم عمل کرتے ہو اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ (ھود: ۹۲)

۸۔ یقیناً اللہ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔ (حٰم السجدۃ: ۵۴) ۹۔ اللہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے۔ (النساء: ۱۲۶)

وَ مَاۤ	اَصَابَکُمۡ	مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ	فَبِمَا	کَسَبَتۡ	اَیۡدِیۡکُمۡ
اور جو بھی	تمہیں پہنچتی ہے	کوئی مصیبت	بوجہ اس کے جو	کمایا	تمہارے ہاتھوں نے

وَ یَعۡفُوۡا	عَنۡ	کَثِیۡرٍ ؕ﴿۳۰﴾	وَ مَاۤ	اَنۡتُمۡ	بِمُعۡجِزِیۡنَ	فِی
اور وہ درگزر کر دیتا ہے	سے	بہت سی	اور نہیں	تم	عاجز کرنے والے	میں

الۡاَرۡضِ ۚۖ	وَ مَا	لَکُمۡ	مِّنۡ	دُوۡنِ	اللّٰہِ
زمین	اور نہیں	تمہارے لیے	سے	سوا	اللہ کے

مِنۡ وَّلِیٍّ	وَّ لَا	نَصِیۡرٍ ﴿۳۱﴾
کوئی کارساز	اور نہ	کوئی مددگار

”تمہیں جو مصیبت آتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے، اور اللہ بہت سے گناہوں سے درگزر کرنے والا ہے۔(۳۰) تم اسے زمین میں عاجز نہیں کر سکتے، اور اللہ کے مقابلے میں تم کوئی حامی و مددگار نہیں رکھتے۔“(۳۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ صرف قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرنے پر قادر نہیں بلکہ وہ دنیا میں بھی لوگوں پر ہر قسم کا اختیار رکھتا ہے وہ جسے چاہتا ہے اسکی کوتاہی پر پکڑ لیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس سے درگزر فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے اپنی مخلوق پر قادر ہے یہ اس کی قدرت کی نشانی اور اختیار ہے کہ جسے چاہے اس کے گناہوں کی پاداش میں پکڑ لے اور جسے چاہے معاف کر دے۔

اکثر انسانوں میں ہمیشہ سے یہ کوتاہی اور کمزوری رہی ہے کہ وہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنے کی بجائے اپنے گناہوں، پر اصرار اور ان کا جواز تلاش کرتے ہیں بسا اوقات خدا کے باغی یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں یہ تو لیل ونہار کی گردش اور حالات کے تغیر وتبدل کا نتیجہ ہے گویا ان کے نزدیک ایسا ہوا ہی کرتا ہے۔

{وَ قَالُوۡا مَا ہِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا نَمُوۡتُ وَ نَحۡیَا وَ مَا یُہۡلِکُنَاۤ اِلَّا الدَّہۡرُ ۚ وَ مَا لَہُمۡ بِذٰلِکَ مِنۡ عِلۡمٍ ۚ اِنۡ ہُمۡ اِلَّا یَظُنُّوۡنَ ﴿۲۴﴾} (الجاثیة:۲۴)

”وہ کہتے ہیں ہماری اس زندگی کے علاوہ کوئی دوسری زندگی نہیں ہمیں یہیں زندہ رہنا اور مرنا ہے، اور ہماری ہلاکت گردش زمانہ کی وجہ سے ہے حالانکہ انہیں اس حقیقت کا کوئی علم نہیں، یہ محض انکے خیالات ہیں۔“

ایسے انسان بھی ہر دور میں موجود رہے ہیں جو اپنے احوال کی درستگی کے برعکس اس کی ذمہ داری ان لوگوں پر ڈالتے رہے

ہیں جو حالات کو بدلنے اور ان کو برے اعمال چھوڑنے کی تلقین کرتے ہیں۔

{ قَالُوۡۤا اِنَّا تَطَيَّرۡنَا بِكُمۡ ۚ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهُوۡا لَنَرۡجُمَنَّكُمۡ وَ لَيَمَسَّنَّكُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝ } (یٰس:۱۸)

''وہ مصلحین کو کہنے لگے کہ ہم تمہیں اپنے لیے منحوس خیال کرتے ہیں، اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیں گے اور تمہیں ہماری طرف سے دردناک سزا کا سامنا کرنا ہوگا۔''

ان کا کہنا تھا کہ یہ مشکلات ومصائب ہماری وجہ سے نہیں، تمہاری وجہ سے آیا کرتی ہیں جب ان کے سامنے حقائق کے پردے کھلتے ہیں تو تسلیم واعتراف کی گردن جھکانے کی بجائے سب کچھ تقدیر کے حوالے کرتے ہوئے اپنے آپ کو پاک دامن اور معصوم خیال کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

جو کچھ تمہارے ساتھ بیت رہی ہے وہ تمہارے گناہوں کی ہلکی سی سرزنش ہے۔ جبکہ تمہاری بے شمار غلطیوں اور زیادتیوں سے صرفِ نظر کیا جاتا ہے اگر دنیا میں تمہارے دامن کو تھوڑا سا کھینچا اور گریبان کو ہلکا سا جھنجھوڑا جاتا ہے تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی شفقت ومہربانی پنہاں ہے تاکہ تمہارے قدم بغاوت ونافرمانی سے رک جائیں اور تم اپنے مالک حقیقی کی طرف پلٹ آؤ، سمجھدار اور نیکوکار لوگ اپنی کمزوریوں اور ان کے بدلے میں پیدا ہونے والے حالات کو اپنے کردار کے حوالے سے ہی دیکھا کرتے ہیں۔

{ ظَهَرَ الۡفَسَادُ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ بِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِى النَّاسِ لِيُذِيۡقَهُمۡ بَعۡضَ الَّذِىۡ عَمِلُوۡا لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ۝ } (الروم:۴۱)

''لوگوں کے اپنے ہاتھوں کے کیے کی وجہ سے خشکی اور سمندر میں فساد برپا ہوگیا ہے تاکہ اُن کو اُن کے بعض اعمال کا مزا چکھایا جائے شاید کہ وہ باز آجائیں۔''

{ وَلَنُذِيۡقَنَّهُمۡ مِّنَ الۡعَذَابِ الۡاَدۡنٰى دُوۡنَ الۡعَذَابِ الۡاَكۡبَرِ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ۝ } (السجدة:۲۱)

''اُس بڑے عذاب سے پہلے ہم اِسی دنیا میں کسی نہ کسی چھوٹے عذاب کا انہیں مزا چکھاتے رہیں گے، شاید وہ اپنی باغیانہ روش سے باز آجائیں۔''

{ فَلَنُذِيۡقَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا عَذَابًا شَدِيۡدًا ۙ وَّلَنَجۡزِيَنَّهُمۡ اَسۡوَاَ الَّذِىۡ كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝ }

(حٰم السجدة:۲۷)

''ان کافروں کو ہم سخت عذاب کا مزا چکھائیں گے اور ہم انکے بُرے اعمال کی پوری پوری سزا دیں گے۔''

اور جب کسی پر اللہ کی پکڑ آتی ہے تو اس کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو کوئی عاجز کرسکتا ہے۔

وَمِنْ | اٰيٰتِهِ | الْجَوَارِ | فِي | الْبَحْرِ | كَالْاَعْلَامِ ﴿٣٢﴾ | اِنْ يَّشَاْ
اور سے | اسی کی نشانیوں | کشتیاں ہیں | میں | سمندر | مانند پہاڑ کے | اگر وہ چاہے

يُسْكِنِ | الرِّيْحَ | فَيَظْلَلْنَ | رَوَاكِدَ | عَلٰى | ظَهْرِهٖ | اِنَّ
تو ٹھہرا دے | ہوا کو | پھر وہ ہو جائیں | کھڑی ہونے والی | پر | اس کی سطح | بلا شبہ

فِيْ | ذٰلِكَ | لَاٰيٰتٍ | لِّكُلِّ | صَبَّارٍ | شَكُوْرٍ ﴿٣٣﴾ | اَوْ
میں | اس | ضرور نشانیاں ہیں | ہر ایک کے لیے | بہت زیادہ صبر کرنے والے | شکر کرنے والے | یا

يُوْبِقْهُنَّ | بِمَا | كَسَبُوْا | وَيَعْفُ | عَنْ | كَثِيْرٍ ﴿٣٤﴾ | وَّيَعْلَمَ
ان کو ڈبو دے | بہ سبب اس کے جو | انہوں نے کمایا | اور درگزر کر دے | سے | بہت | اور جان لیں

الَّذِيْنَ | يُجَادِلُوْنَ | فِيْٓ | اٰيٰتِنَا | مَا | لَهُمْ | مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٥﴾
وہ لوگ جو | جھگڑتے ہیں | میں | ہماری آیتوں | نہیں ہے | ان کے لیے | کوئی بھاگنے کی جگہ

”اس کی نشانیوں سے ہیں یہ جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح نظر آتے ہیں۔(٣٢) اللہ جب چاہے ہوا کو ساکن کر دے اور کشتیاں سمندر کی سطح پر کھڑی کی کھڑی رہ جائیں، اس میں بڑی نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لیے جو اچھی طرح صبر و شکر کرنے والا ہے۔(٣٣) بہت سے گناہوں سے درگزر کرتے ہوئے ان کے چند گناہوں کی وجہ سے انہیں ڈبو دے اور اس وقت ہماری آیات میں جھگڑے کرنے والوں کو پتہ چل جائے کہ ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔“(٣٥)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس اللہ کو کوئی عاجز اور بے بس نہیں کر سکتا اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ سمندر میں پہاڑوں کی طرح لمبے ، چوڑے اور بلند و بالا جہاز تیرتے پھر رہے ہیں۔

قرآن مجید نے متعدد آیات میں سمندر میں چلنے والی کشتیوں کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ قرار دیا ہے اور کشتیوں میں سفر کرنے والوں کو اس بات پر غور کرنے کا حکم دیا ہے کہ غور کرو! جو پانی ایک سوئی کا بوجھ برداشت نہیں کرتا وہی پانی ہزاروں ٹن کا بوجھ اٹھائے ہوئے بحری جہازوں اور کشتیوں کو سمندر کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچاتا ہے۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں بادبانی کشتیاں ہوتی تھیں جن کی چوٹیاں دور سے پہاڑوں کی طرح دکھائی دیتی تھیں ان کشتیوں کا دارومدار بادِ موافق پر تھا اگر کسی وقت ہوا کا رُخ مخالف ہو جاتا تو کئی کئی دن تک کشتیاں سمندر کے سینے پر ٹھہری رہتی تھیں بسا اوقات بادِ مخالف اس قدر تیز اور زور آور ہوتی کہ کشتی کے ملّاح اور اس کے ساتھیوں کو پتوار سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ کشتی میں سفر کرنے والے لوگوں کو اپنی جان کے لالے پڑ جاتے اور وہ سب کچھ بھول کر صرف ایک اللہ کو پکارنے پر مجبور ہوتے تھے۔ اسی صورتِ

حال کے بارے میں بتلایا جارہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے توکشتیوں کوسمندر کے پانی پر جامد کردے۔اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جو کشتی کو ساحل سمندر تک پہنچا سکے اگر وہ چاہے تولوگوں کے باطل نظریات اور برے اعمال کی وجہ سے کشتی کو غرق کردے۔لیکن یہ اس کا کرم اور حوصلہ ہے کہ لوگوں کی بغاوت کے باوجود ان کی اکثر خطاؤں سے درگزر کرتا ہے کشتیوں کی آمد روفت میں صابر اور شکر گزار لوگوں کے لیے بہت سا سامان عبرت ہے۔صابر اور شکرگزار لوگوں کی طرف اشارہ فرما کر یہ حقیقت واضح کی ہے کہ عبرت وہی شخص حاصل کرسکتا ہے جو مشکل کے وقت صبر کرتا ہے اور آسانی کے وقت اپنے رب کا شکرگزار ہوتا ہے۔جہاں تک موجودہ ٹیکنالوجی اور جہاز رانی کا معاملہ ہے اس میں کوئی شک نہیں ہزاروں (HORSE POWER) رکھنے والے بحری جہاز ہزاروں ٹن بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے یہ اس طرح ہی بے بس ہیں جس طرح بادبانی کشتیاں بے بس ہوجایا کرتی تھیں۔سمندر میں طغیانی اور طوفان ہو تو آج بھی بحری جہاز کئی کئی دن تک سمندر میں جامد اور ساکت کھڑے رہتے ہیں کپتان اور اس کا عملہ اسی طرح بے بس ہوجاتا ہے جس طرح پرانے زمانے کے ملّاح بے بس ہوجایا کرتے تھے۔آج بھی پانی میں جہاز غرقاب ہوتے ہیں اور آبدوزیں سمندر کی تہہ میں ڈوب جاتی ہیں انہیں کوئی بھی بچانے والا نہیں ہوتا یہاں تک کہ اکثر اوقات ان کا ملبہ بھی ہاتھ نہیں آتا۔بڑی بڑی ترقی یافتہ حکومتیں بھی بے بس دکھائی دیتی ہیں۔اسی بنا پر فرمایا ہے کہ جو لوگ ''اللہ'' کی آیات کے ساتھ جھگڑتے اور ان کا انکار کرتے ہیں وہ جان لیں کہ جس طرح وہ دنیا میں بے بس ہوجاتے ہیں اس سے ہزار گناہ زیادہ قیامت کے دن بے بس ہونگے اور جہنم کے عذاب سے چھٹکارا نہیں پائیں گے۔

مسائل

۱۔ سمندروں میں بحری جہاز اور کشتیوں کا چلنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو جہازوں اور کشتیوں کو سمندر میں جامد اور ساکت کردے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی بہت سی غلطیوں سے درگزر فرمادیتا ہے۔

۴۔ اللہ کی آیات کے بارے میں جھگڑنے والے لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ وہ اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن میں کشتیوں کا تذکرہ:

۱۔ کشتیوں کا غرق ہونے سے بچنا اللہ کی رحمت کا نتیجہ ہے۔(یٰس: ۴۳، ۴۴)

۲۔ سمندر میں کشتیوں کا چلنا ''اللہ'' کی قدرت کی نشانی ہے۔(البقرۃ: ۱۶۴)

۳۔ کشتیاں دریاؤں میں ''اللہ'' کے حکم سے چلتی ہیں۔(الحج: ۶۵)

۴۔ اللہ نے کشتیوں، نہروں، چاند، سورج، دن اور رات کو تمہارے لیے مسخر کردیا ہے۔(ابراہیم: ۳۲۔۳۳)

۵۔ جب وہ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو خالصتاً اللہ کو پکارتے ہیں۔(العنکبوت: ۶۵)

فَمَآ	اُوۡتِیۡتُمۡ	مِّنۡ شَیۡءٍ	فَمَتَاعُ	الۡحَیٰوةِ	الدُّنۡیَا ۚ
پس جو بھی	تم دیے گئے ہو	کوئی چیز	تو سامان ہے	زندگی کا	دنیا والی
وَمَا	عِنۡدَ اللّٰهِ	خَیۡرٌ	وَّ اَبۡقٰی	لِلَّذِیۡنَ	اٰمَنُوۡا
اور جو کچھ	اللہ کے پاس ہے	وہ کہیں بہتر ہے	اور باقی رہنے والا ہے	ان لوگوں کے لیے جو	ایمان لائے
وَعَلٰی	رَبِّهِمۡ	یَتَوَکَّلُوۡنَ ۚ ﴿۳۶﴾	وَالَّذِیۡنَ	یَجۡتَنِبُوۡنَ	کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ
اور پر	اپنے رب	وہ بھروسا کرتے ہیں	اور وہ لوگ جو	بچتے ہیں	کبیرہ گناہ سے
وَالۡفَوَاحِشَ	وَاِذَا مَا	غَضِبُوۡا	هُمۡ	یَغۡفِرُوۡنَ ۚ ﴿۳۷﴾	
اور بے حیائیوں سے	اور جب بھی	وہ غصے ہوتے ہیں	وہ	معاف کر دیتے ہیں	

”جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا ہے وہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور ہمیشہ رہنے والا ہے ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائے ہیں۔(۳۶) اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب غصہ آئے تو درگزر کرتے ہیں۔“(۳۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو لوگ اپنے رب کے احکام اور ارشادات کے بارے میں بحث و تکرار کرتے ہیں انہیں جان لینا چاہیے کہ دنیا کی زندگی اور اس کا ساز و سامان قلیل اور عارضی ہے۔ اس لیے ”اللہ“ کے نیک بندے کبیرہ گناہوں اور بے حیائی سے اجتناب کرتے ہیں اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو دوسرے کو معاف کر دیتے ہیں۔ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرنے کی تلقین کے ساتھ معاف کر دینے کا اس لیے ذکر کیا ہے کیونکہ انسان غصے کی حالت میں دوسرے پر زیادتی کر جاتا ہے۔ یہاں تک کہ قتل نفس کا واقعہ بھی پیش آجاتا ہے جو کبیرہ گناہوں میں شامل ہے۔

جس دنیا کے اسباب و وسائل پر لوگ اتراتے اور اپنے رب کے احکام کے بارے میں بحث و تکرار کرتے ہیں۔ اس دنیا کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے اسباب و وسائل تھوڑے اور نہ پائیدار ہیں یہاں تک کہ انسان کی زندگی بھی تھوڑی اور عارضی ہے۔ اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جو کچھ تیار کر رکھا ہے وہ دنیا و مافیہا سے بہتر اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ ہمیشہ کی بقا اور خیرِ کثیر ان لوگوں کو حاصل ہوگی جو اپنے رب پر سچا اور پکا ایمان رکھتے ہیں اور دنیا کے اسباب وسائل پر بھروسہ کرنے کی بجائے مسبّب الاسباب پر توکل اور بھروسہ کرتے ہیں۔ توکل کا یہ معنٰی نہیں کہ انسان وسائل کو استعمال کرنے سے اجتناب کرے اور ان پر ایک حد تک اعتماد کرنے کی بجائے بے اعتمادی کا شکار رہے۔ بے اعتمادی کا شکار آدمی نہ دشمن کے مقابلے میں کامیاب ہو سکتا ہے اور نہ ہی منزلِ مقصود پا سکتا ہے۔ توکل کا معنٰی ہے کہ اپنی

محنت اور وسائل پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی رحمت پر بھروسہ کرے کیونکہ وہی وسائل دینے والا ہے اور اسی نے وسائل کو بروئے کار لانے کی توفیق دینے کے ساتھ انہیں مؤثر بناتا ہے۔ ایماندار لوگوں کے اوصاف میں نمایاں وصف یہ ہیں۔ ① اللہ اور اس کے رسول کے بتلائے ہوئے کبیرہ جرائم سے بچتے ہیں کبیرہ گناہوں سے اس لیے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک تو نافرمانی کے اعتبار سے یہ بڑے گناہ ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو کبیرہ گناہ سے بچا لیتا ہے اُسے چھوٹے گناہ چھوڑنے مشکل نہیں رہتے۔

② اللہ پر ایمان اور توکل رکھنے والے لوگ ہر قسم کی بے حیائی سے اجتناب کرتے ہیں فواحش سے مراد ہر وہ بری حرکت ہے جو شریف معاشرے میں ایک شریف انسان کو زیب نہیں دیتی۔ اس میں بھی وہی فلسفہ پنہاں ہے جس بنا پر بڑے گناہوں سے روکا گیا ہے کیونکہ جو شخص بڑی بے حیائی سے بچتا ہے اس کے لیے چھوٹی بے حیائی سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی بدکاری سے نفرت کرتا ہے تو اسے کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ غیر محرم عورت کو اشارے کرے یا اس کے ساتھ آنکھ لڑانے کی کوشش کرے۔

کبیرہ گناہ:

''فرما دیجیے کہ آؤ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی اور ہر قسم کی بے حیائی کے قریب نہ جاؤ جو ظاہر ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں اور ناحق کسی جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے اللہ نے یہ تمہیں وصیت کی ہے تاکہ تم سمجھ جاؤ۔'' (الانعام: ۱۵۱)

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْكَبَائِرُ الإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَالْيَمِينُ الْغَمُوسُ)) (رواہ البخاری: باب الْیَمِینِ الْغَمُوسِ)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی قسم اُٹھانا کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔''

③ جب انہیں غصہ آتا ہے تو بدلہ اور انتقام لینے کی بجائے ایک دوسرے کو معاف کر دیتے ہیں۔ غصہ انسان کی فطری کمزوری بھی ہے اور اس کی ضرورت بھی کیونکہ غصہ کے بغیر انسان اپنی عزت، جان اور آبرو کی حفاظت نہیں کر سکتا اس لیے کلّی طور پر غصہ کرنے سے منع نہیں کیا گیا البتہ اس میں یہ بات ضرور ہونی چاہیے کہ جب کوئی صالح شخص غیر ارادی طور پر زیادتی کر بیٹھے تو بدلہ لینے کی بجائے اسے معاف کرنا اللہ کے بندوں کا شیوہ ہونا چاہیے۔ نبی معظم ﷺ نے غصہ پر قابو پانے کے لیے ایک طریقہ اور ذکر بتلایا ہے۔

((عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ... إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَنَا إِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ فَإِنْ

ذَھَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَإِلَّا فَلْيَضْطَجِعْ» (رواہ احمد: مسند ابی ذر الغفاری [صحیح])

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ جب تم میں سے کسی کو کھڑے ہونے کی حالت میں غصہ آئے تو وہ بیٹھ جائے اگر غصہ چلا جائے تو ٹھیک ورنہ لیٹ جائے۔''

«عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَنَحْنُ عِنْدَهُ جُلُوسٌ وَأَحَدُهُمَا يَسُبُّ صَاحِبَهُ مُغْضَبًا قَدِ احْمَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ لَوْ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ فَقَالُوا لِلرَّجُلِ أَلَا تَسْمَعُ مَا يَقُولُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنِّي لَسْتُ بِمَجْنُونٍ» (رواہ البخاری: کتاب الأدب، باب الحذر من الغضب)

''حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں دو آدمیوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں آپس میں گالی گلوچ کی اور ہم آپ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک شدید غصے میں تھا وہ دوسرے کو برا بھلا کہہ رہا تھا جس کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ایسی بات جانتا ہوں اگر وہ اسے پڑھ لے تو اس کا غصہ جاتا رہے۔''أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ'' ''میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس شخص سے کہا کیا تو نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں سنا؟ اس نے کہا میں پاگل تو نہیں ہوں۔ (یعنی میں نے سن لیا ہے اور اسے پڑھتا ہوں)''

مسائل

۱۔ لوگوں کو دنیا میں جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ تھوڑا اور ناپائیدار ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے صاحبِ ایمان لوگوں کے لیے جو کچھ تیار کر رکھا ہے وہ ہمیشہ رہنے والا اور دنیا سے بیش بہا بہتر ہے۔

۳۔ اللہ کے بندے ہر حال میں اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

۴۔ اللہ کے بندے بڑے گناہوں، ہر قسم کی بے حیائی سے بچتے اور ایک دوسرے کو معاف کر دیتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

توکل اور اس کے فوائد:

۱۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پر توکل کرنے کی ہدایت۔ (النمل: ۷۹) ۲۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا حکم۔ (المجادلۃ: ۱۰)

۳۔ انبیاء اور نیک لوگ اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ (یوسف: ۶۷)

۴۔ جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے کافی ہو جاتا ہے۔ (الطلاق: ۳)

۵۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے کیونکہ وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ (التوبۃ: ۱۲۹)

۶۔ اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (آل عمران: ۱۵۹) ۷۔ جس نے اللہ پر توکل کیا اللہ اسے کافی ہوگا۔ (الطلاق: ۳)

وَالَّذِیْنَ	اسْتَجَابُوْا	لِرَبِّهِمْ	وَاَقَامُوا	الصَّلٰوةَ	وَاَمْرُهُمْ
اور جنہوں نے	حکم مانا	اپنے رب کا	اور انہوں نے قائم کی	نماز	اور ان کا کام
شُوْرٰی	بَیْنَهُمْ	وَمِمَّا	رَزَقْنٰهُمْ	یُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾	
مشورہ کرنا	آپس میں	اور اس سے جو	ہم نے ان کو دیا	وہ خرچ کرتے ہیں	

''جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اپنے معاملات باہم مشورے سے چلاتے ہیں ہم نے انہیں جو کچھ بھی رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' (۳۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ کے نیک بندوں کے مزید اوصاف۔

مشاورت کی اہمیت اور اس کی غرض وغایت:

قرآن پاک نے مسلمانوں کو مشاورت کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ مسلمان اجتماعی مسائل کو اجتماعی انداز میں حل کرنے کی کوشش کریں اس طرزِ عمل کے بیک وقت کئی فوائد ہیں۔ ایک طرف اہلِ دانش کی دلجوئی ہے اور دوسری جانب ان کی صلاحیتوں سے اجتماعی فائدہ اٹھانا اور ان کی انفرادی فکر کو اجتماعی سوچ میں ڈھالنا اور باہمی فکر وعمل کا موقع فراہم کرنا ہے یہ ایسا خیر وبرکت سے بھرپور عمل ہے جس سے نبی اکرم ﷺ کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا حالانکہ آپ مسلسل اللہ تعالیٰ کی نگرانی اور ہدایات میں زندگی گزارتے ہوئے لوگوں کی راہنمائی فرما رہے تھے آپ کی ذات گرامی کو حکم ہوا۔

{ وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِیْنَ ﴿۱۵۹﴾ }

(آل عمران: ۱۵۹)

''اور معاملات میں ان کو شریکِ مشورہ رکھا کرو، جب آپ کا عزم کسی رائے پر پختہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔''

اس عمل کی اہمیت کو اجاگر اور ممتاز کرنے کے لیے پانچ رکوع پر مشتمل اس سورۃ کا نام ہی الشوریٰ رکھ دیا گیا تاکہ مسلمان مشاورت کے اصولوں کو اپناتے ہوئے اجتماعی زندگی بسر کریں۔ نبی اکرم ﷺ اس حکم کے نزول سے پہلے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتے تھے لیکن نزول حکم کے بعد تو یہ حالت ہوگئی کہ آپ ہر کام میں صحابہ سے مشورہ فرماتے تھے۔

دیکھنا یہ ہے کہ مشورہ کن امور میں کرنا چاہیے؟ مشاورت کا حدود اربعہ کیا ہے؟ بدر، احد، خندق غرضیکہ ہر اہم معاملہ میں آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا۔ جنگ سے پہلے مشاورت کا مقصد یہ نہیں تھا کہ جہاد کرنا چاہیے یا نہیں۔ اللہ کے واضح احکامات آجانے کے بعد ان کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں مشورہ کرنا تو درکنار، سوچنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ مشاورت تو

اس بات پر کرنی ہے کہ دشمن پر فوری حملہ کرنا ہے یا کہ موسم، وقت، میدان جنگ کا انتخاب، اپنی اور دشمن کی جنگی تیاریوں کا پورا پورا اندازہ کر کے کرنا ہے۔ ان امور کو اللہ تعالیٰ نے امت کے ذمہ داران پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ دیانت داری اور غیر جذباتی فضا میں تجزیہ کریں کہ ہم نے آگے بڑھ کر یلغار کرنی ہے یا صرف دفاع کرنا ہے اور کس وقت یہ اقدام اٹھانا ہے

آپ ﷺ کے دورِ مبارک میں مجلس شوریٰ کے اجلاس اور ان کا ایجنڈا

نماز باجماعت کے لیے مشورہ:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مدنی دور کی ابتدا میں لوگ نماز کے اوقات اپنے اپنے اندازے سے متعین کرتے تھے۔ ایک دن جماعت کے لیے مشورہ کیا گیا کسی نے یہود کے بوق کی تجویز پیش کی اور کسی نے نصاریٰ کے ناقوس بجانے کے لیے کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ ایک شخص کو مقرر کیا جائے جو نماز کے اوقات میں بلند آواز سے لوگوں کو بلائے بالآخر اسی پر فیصلہ ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کام پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز کے اوقات میں بلند آواز سے الصلوۃ جامعۃ کہا کرتے تھے۔ لوگو! نماز کے لیے جماعت تیار ہے لیکن بعد میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے خواب میں اذان کے مروجہ الفاظ سنے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کیے آپ نے انہیں حکم دیا کہ یہ الفاظ بلال کو سکھلاؤ پھر بلال رضی اللہ عنہ کو انہی الفاظ کے ساتھ اذان کہنے کا حکم دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اذان سُنی تو دوڑتے ہوئے آئے اور نبی کریم ﷺ سے عرض کی کہ اللہ کی قسم میں نے یہی الفاظ خواب میں سُنے ہیں۔

(رواہ ابوداؤد: باب كَيفَ الأَذَانُ [صحيح])

بعد ازاں وحی بھی اسکی تائید میں آ گئی۔ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

«مَبْدَاءُ الْاَذَانِ كَانَ عَنْ مَشُوَرَةٍ اَوْقَعَهَا النَّبِيُّ بَيْنَ اَصْحَابِهِ حَتّٰى اِسْتَقَرَّ بِرُؤْيَا بَعْضُهُمْ وَفِيْهِ مَشْرُوْعِيَّةُ تَشَاوُرِ فِي الْاُمُوْرِ الْمُهِمَّةِ» (فتح الباری لابن حجر: باب بدء الاذان)

”اذان کا آغاز مشاورت سے ہوا تھا جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ کی تھی بعد میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے خواب کے ذریعے اذان مقرر ہوئی۔ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اہم امور میں مشاورت کرنا شرعی طریقہ ہے۔“

غزوہ بدر کے بارے میں مشاورت:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بدر کے موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے دی مگر آپ ﷺ انصار کی رائے حاصل کرنے کے لیے خاموش رہے انصار کے سردار سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر عرض کیا: اگر آپ حکم دیں تو ہم برک الغماد (یمن) تک گھوڑے دوڑانے کے لیے بھی تیار ہیں اس کے بعد روانگی کا حکم ہوا اور فوج مقامِ بدر پر مورچہ زن ہوگئی۔

کفار سے معاہدہ کرنے کے بارے میں مشورہ:

غزوہ خندق کے موقع پر جب محاصرہ سخت ہو گیا تو رسول اللہ نے بنو غطفان کے لیڈروں عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف کے ساتھ مدینہ منورہ کے باغات کے پھلوں کا ۱/۳ (ثلث) دے کر مصالحت کی بات کی تا کہ یہ دونوں سردار قریش کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں یہ آپ ﷺ کی اپنی رائے تھی لیکن فیصلہ کرنے سے قبل مشورہ کرنا ضروری سمجھا۔ انصار کے رہنماؤں میں سے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگر یہ ''اللہ'' کا حکم ہے تو ہمیں تسلیم ہے اگر آپ ﷺ حالات کی وجہ سے ایسا کرنا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں تسلیم نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ اللہ کا حکم ہوتا تو میں آپ سے مشورہ نہ کرتا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے خیال پر شوریٰ کی رائے کو ترجیح دی اور یہودیوں سے مصالحت کی بات ختم کر دی۔

سفر جاری رکھنے یا واپس پلٹنے کے بارے میں مشاورت:

حدیبیہ کے سفر میں رسول اللہ ﷺ جب غدیر الاشطاط کے مقام پر پہنچے تو مسلمانوں کے مخبر نے اطلاع دی کہ قریش مکہ نے اپنے حلیف قبائل کو جمع کر لیا ہے وہ آپ کو بیت اللہ سے روکنا چاہتے ہیں۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: مسلمانو! مجھے مشورہ دو کہ اب کیا اقدام کیا جائے۔ کیا یہ مناسب ہے کہ قریش کے ان دوستوں (احابیش) کے گھروں پر حملہ کیا جائے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ آپ ﷺ کعبہ کی زیارت کی غرض سے آئے ہیں پس آپ اسی غرض کے لیے آگے بڑھیں جو ہمیں روکے گا ہم اس سے لڑیں گے لیکن بعد میں معاہدہ صلح حدیبیہ طے پا گیا۔

جنگی قیدیوں کے بارے میں مشورہ:

بدر کے قیدیوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور فرمایا: قیدیوں کے بارے تمہاری کیا رائے ہے؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیئے جائیں لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ان کی گردنیں اڑا دی جائیں اس لیے کہ یہ کفر کے امام اور دشمن قوم کے سردار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

غزوہ حنین میں بنو ہوازن کے ٦ ہزار قیدی اور بہت سارا مال ہاتھ آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جعرّانہ کے مقام پر کچھ دن انتظار کیا اس خیال سے کہ اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں تو ان کا مال اور قیدی دونوں واپس کر دیئے جائیں۔ لیکن حنین والوں نے آنے میں دیر کی تو مال غنیمت تقسیم کر دیا گیا۔ بعد میں جب یہ لوگ پشیمان ہو کر آئے تو آپ ﷺ نے لوگوں کو بلایا اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان کے قیدی رہا کر دیئے جائیں تم میں سے جو خوشی سے اپنا قیدی آزاد کرنا چاہے تو بہتر ہے ورنہ ہم اسے معاوضہ دے کر اس سے قیدی آزاد کرا لیں گے۔ کچھ لوگوں نے کہا ہم بخوشی آزاد کرتے ہیں کچھ نے انکار کیا۔ صورتحال واضح نہ ہو سکی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم واپس جا کر اپنے نمائندوں (عرفاء) کو اپنی رائے دو۔ نمائندوں نے آ کر رپورٹ دی کہ سب کے سب راضی ہیں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے تمام قیدی رہا کر دیئے۔ تفصیل کے لیے میری کتاب (اتحادِ امّت اور نظم جماعت) ملاحظہ فرمائیں۔

وَالَّذِيْنَ	اِذَآ	اَصَابَهُمُ	الْبَغْيُ	هُمْ	يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾	وَجَزٰٓؤُا
اور وہ لوگ	کہ جب	ان کو پہنچتا ہے	ظلم	تو وہ	بدلہ لیتے ہیں	اور بدلہ
سَيِّئَةٍ	سَيِّئَةٌ	مِّثْلُهَا ج	فَمَنْ	عَفَا	وَاَصْلَحَ	فَاَجْرُهٗ
برائی کا	برائی ہے	اسی کی مثل	پھر جو	معاف کر دے	اور صلح کر لے	تو اس کا اجر ہے
عَلَى	اللّٰهِ ط	اِنَّهٗ	لَا	يُحِبُّ	الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٠﴾	وَلَمَنِ
پر	اللہ	بلاشبہ وہ	نہیں	پسند کرتا	ظالموں کو	اور البتہ جس نے
انْتَصَرَ	بَعْدَ	ظُلْمِهٖ	فَاُولٰٓئِكَ	مَا	عَلَيْهِمْ	مِّنْ سَبِيْلٍ ط ﴿٤١﴾
بدلہ لیا	بعد	اپنے اوپر ظلم کے	تو یہی لوگ	نہیں	ان پر	کوئی راستہ

''اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو اس کا بدلہ لیتے ہیں۔(۳۹) زیادتی کا بدلہ ویسی زیادتی ہے، جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔(۴۰) اور جو لوگ ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیں انہیں ملامت نہیں کی جا سکتی۔''(۴۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ ایمان کی نویں صفت۔

اہلِ ایمان کی یہ بھی صفت ہے کہ ان پر کوئی جارحیّت کرے تو وہ پوری غیرت کے ساتھ اس کا جواب دیتے ہیں۔ اس سے پہلے اہلِ ایمان کی چوتھی یہ صفت بیان ہوئی ہے کہ جب انہیں غصہ آتا ہے تو وہ دوسرے کو معاف کر دیتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ دوسرے کو معاف کرنا بہت بڑا کام ہے لیکن لوگ اہلِ ایمان کو کمزور سمجھ کر دبانے اور جھکانے کی کوشش کریں۔ تو اس وقت اہلِ ایمان کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ جارحیّت کرنے والوں کا پوری جرأت کے ساتھ جواب دیں۔ جارحیّت کرنے والوں سے مراد کافر بھی ہیں اور وہ مسلمان بھی جو کمزوروں کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں ان کا ہاتھ روکنا لازم ہے، ایسے لوگوں کے ہاتھ نہ روکے جائیں تو قوم اور معاشرہ عدمِ تحفظ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اگر جارح غیر مسلم ہو تو اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ جارحیّت کرنے والا مسلم ہو یا غیر مسلم اس کا بدلہ اتنا ہی لینا ہوگا جتنی وہ زیادتی کرے گا۔ اگر زیادتی کرنے والا مسلمان ہو اور وہ اپنی اصلاح کرنے پر آمادہ ہو جائے تو اسے معاف کر دینا چاہیے معاف کرنے والے کا اجر اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے، بدلہ لینے والے کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ہاں جو لوگ بدلہ چاہیں ان پر کوئی گناہ نہیں البتہ وہ لوگ ضرور گناہ گار ہوں گے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق فساد کرتے ہیں انہیں اذیّت ناک عذاب ہوگا۔ صبر کرے اور اپنے مسلمان بھائی کو معاف کر دے ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے کاموں میں شمار ہوتا ہے۔

اِنَّمَا السَّبِيۡلُ عَلَى الَّذِيۡنَ يَظۡلِمُوۡنَ النَّاسَ وَ يَبۡغُوۡنَ

بس راستہ پر ان لوگوں جو ظلم کرتے ہیں لوگوں پر اور سرکشی کرتے ہیں

فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۴۲﴾

میں زمین بغیر حق کے یہی لوگ ان کے لیے عذاب ہے دردناک

وَلَمَنۡ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿۴۳﴾ ع

اور البتہ جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا بے شک یہ ہے البتہ سے ہمت کے کاموں

ع ٥ ٤

ملامت کے مستحق تو وہ ہیں جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں بلا وجہ زیادتیاں کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔(۴۲) البتہ جو شخص صبر سے کام لے اور درگزر کرے تو یہ بڑی اولوالعزمی کے کاموں میں سے ہے۔"(۴۳)

یاد رہے کہ معافی فوج داری، مقدمات اور لین دین کے معاملے میں ہوگی۔

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّهَا قَالَتْ مَا خُيِّرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا مَالَمْ يَكُنْ إِثْمًا فَإِنْ كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِنَفْسِهٖ إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ بِهَا» (رواه البخاری: کتاب المناقب، باب صفة النبی ﷺ)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو دو کاموں میں اختیار دیا جاتا تو آپ دونوں میں سے آسان کام کو اختیار کرتے بشرطیکہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا اگر وہ کام گناہ کا ہوتا تو آپ سب سے زیادہ اس سے دور رہتے۔ آپ نے اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا البتہ جب اللہ کی حرمتوں کو پامال کیا جاتا تو اللہ کے لیے انتقام لیتے۔"

مسائل

۱۔ اللہ کے بندوں پر جارحیت کی جائے تو وہ اس کا بدلہ لیتے ہیں۔

۲۔ بدلہ لینے میں زیادتی کرنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

۳۔ جس نے مسلمان بھائی کو معاف کر دیا اس کا اجر اللہ کے ہاں ثابت ہو گیا۔

۴۔ جو معاف کرنے کی بجائے بدلہ لینا چاہے اس پر کوئی گناہ نہیں۔

۵۔ جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں انہیں اذیّت ناک عذاب ہوگا۔

۶۔ صبر کرنا اور دوسرے کو معاف کر دینا عظیم کاموں میں سے ایک کام ہے۔

وَمَنۡ	یُّضۡلِلِ	اللّٰهُ	فَمَا	لَهٗ	مِنۡ وَّلِیٍّ	مِّنۡۢ
اور جسے	گمراہ کردے	اللہ	تو نہیں	اس کے لیے	کوئی کارساز	سے

بَعۡدِهٖ ؕ	وَتَرَی	الظّٰلِمِیۡنَ	لَمَّا	رَاَوُا	الۡعَذَابَ	یَقُوۡلُوۡنَ
اس کے بعد	اور آپ دیکھیں گے	ظالموں کو	جب	وہ دیکھیں گے	عذاب	تو وہ کہیں گے

هَلۡ	اِلٰی	مَرَدٍّ	مِّنۡ سَبِیۡلٍ ﴿ۚ۴۴﴾	وَتَرٰىهُمۡ	یُعۡرَضُوۡنَ
کیا ہے	طرف	پلٹنے کی	کوئی راستہ	اور آپ ان کو دیکھیں گے	وہ پیش کیے جائیں گے

عَلَیۡهَا	خٰشِعِیۡنَ	مِنَ	الذُّلِّ	یَنۡظُرُوۡنَ	مِنۡ
اس پر	جھکے ہوئے	سے	ذلت	وہ دیکھتے ہوں گے	سے

طَرۡفٍ	خَفِیٍّ ؕ	وَقَالَ	الَّذِیۡنَ	اٰمَنُوۡۤا	اِنَّ	الۡخٰسِرِیۡنَ
پلکوں	چھپی ہوئی	اور کہیں گے	وہ لوگ	جو ایمان لائے	بلاشبہ	خسارہ پانے والے

”جسے اللہ گمراہی میں پھینک دے اسے اللہ کے سوا کوئی سنبھالنے والا نہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ جب ظالم عذاب دیکھیں گے تو وہ کہیں گے کیا واپس پلٹنے کا کوئی راستہ ہے۔(۴۴) اور آپ دیکھیں گے کہ جب وہ جہنم کے سامنے لائے جائیں گے تو ذلت کے مارے جھکے جا رہے ہوں گے اور اسے ترشی نظروں کے ساتھ دیکھیں گے، اور اس وقت ایمان والے کہیں گے کہ واقعی اصل نقصان پانے والے یہی لوگ ہیں۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں درحقیقت وہ صحیح راستے سے گمراہ ہو جاتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اس کی کوئی راہنمائی کرنے والا نہیں ہوتا۔

جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اس کا کوئی خیرخواہ اور دوست نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ ظالموں کو دیکھیں گے کہ جب یہ جہنم کے عذاب کو دیکھیں گے تو آہ وزاریاں کرتے ہوئے کہیں گے کہ کیا جہنّم سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ ہے۔ آپ انہیں دیکھیں گے کہ جب وہ جہنّم کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے تو ذلّت کی وجہ سے اپنی نگاہوں کو نیچے کیے ہوئے ترشی آنکھوں سے اسے دیکھ رہے ہوں گے اس وقت مومن کہیں گے یقیناً یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ اور اپنے اہل وعیال کو آج کے دن کے بارے میں نقصان میں رکھا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ ظالم ہمیشہ رہنے والے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی دوست اور خیرخواہ نہیں ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اس کے لیے ہدایت کا کوئی راستہ اور طریقہ باقی نہیں رہتا۔ فہم القرآن میں کئی مرتبہ اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو گمراہ نہیں کرتا۔ اس کے گمراہ کرنے کا معنٰی

الَّذِيْنَ	خَسِرُوْٓا	اَنْفُسَهُمْ	وَاَهْلِيْهِمْ	يَوْمَ	الْقِيٰمَةِ ؕ
وہی لوگ ہیں جنہوں نے خسارے میں ڈالا		اپنے آپ کو	اوراپنے گھر والوں کو	دن	قیامت کے

اَلَآ	اِنَّ	الظّٰلِمِيْنَ	فِيْ	عَذَابٍ	مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾	وَمَا
آگاہ رہو	بلاشبہ	ظالم لوگ ہوں گے	میں	عذاب	دائمی	اورنہیں

كَانَ	لَهُمْ	مِّنْ اَوْلِيَآءَ	يَنْصُرُوْنَهُمْ	مِّنْ	دُوْنِ	اللّٰهِ ؕ
ہوں گے	ان کے لیے	کوئی دوست (جمع)	جوان کی مدد کریں	سے	سوا	اللہ کے

وَمَنْ	يُّضْلِلِ	اللّٰهُ	فَمَا	لَهٗ	مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾
اور جسے	گمراہ کردے	اللہ	تونہیں	اس کے لیے	کوئی راستہ

جنہوں نے آج قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو نقصان میں ڈال لیا۔ سن لو کہ ظالم ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔(۴۵) اور ان کے کوئی حامی و سر پرست نہ ہوں گے۔ جو اللہ کے مقابلے میں ان کی مدد کر سکیں، جسے اللہ گمراہی میں پھینک دے اس کے لیے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔''(۴۶)

یہ ہے کہ جو شخص اپنے لیے گمراہی کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے کھلا چھوڑ دیتا ہے گمراہی کو اپنی طرف منسوب کرنے کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ ہر شخص کو اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگتے ہوئے گمراہی سے بچنے کی توفیق بھی مانگنا چاہیے کیونکہ ہدایت اور گمراہی اسی کے اختیار میں ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں کھلا چھوڑ دیتا ہے قیامت کے دن ان کی حالت یہ ہو گی کہ وہ ذلت کے مارے اپنی نگاہوں کو نیچے کیے ہوئے جہنّم کو ترشی نظروں کے ساتھ دیکھ رہے ہوں گے جس طرح ہر مجرم سزا کے وقت دیکھتا ہے اس حالت میں فریاد کریں گے کہ کاش! جہنّم سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نکل آئے۔ جنہیں دنیا میں اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے ان میں سے کوئی بھی انہیں بچانے والا نہیں ہوگا۔ جن لوگوں نے اپنے آپ اور اپنے اہل وعیال کو گمراہ کیا انہیں ہمیشہ رہنے والے عذاب میں داخل کیا جائے گا۔

یاد رہے کہ بُرے سے بُرا شخص بھی اپنی اولاد کے نقصان کے لیے نہیں سوچتا مگر اس کے فکر و عمل سے متاثر ہو کر اس کی اولاد اس طرح ہی ہوجاتی ہے جس طرح کا ماں باپ نے ماحول دیا ہوتا ہے۔ اگر ماں باپ فکر و عمل کے اعتبار سے صالح لوگ ہیں تو غالب امکان ہے کہ ان کی اولاد بھی صالح ہوگی بصورتِ دیگر جیسے ماں باپ ہوں گے ویسی ہی اولاد ہوگی۔ اسی بنا پر قیامت کے دن جنتی جہنمیوں کے بارے میں کہیں گے کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ اور اپنی اولاد کو ناقابلِ تلافی نقصان میں ڈال دیا ہے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ

يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ يَقُوْلُ "فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ "» (رواہ البخاری: باب اذا اسلم الصبی فمات)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے والدین اس کو یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جس طرح چارپائے اپنے بچے کو تام الخلقت جنم دیتے ہیں کیا تم ان میں سے کسی بچے کو کان کٹا پاتے ہو؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی۔ ”اللہ کی فطرت ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہے یہ بالکل سیدھا اور درست دین ہے۔“

{ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۞ } (التحریم: ۶)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچالو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جو حکم کرتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو انہیں حکم دیا جاتا ہے اسی طرح ہی کرتے ہیں۔“

مسائل

۱۔ قیامت کے دن جہنمی ذلّت کے مارے نگاہیں نیچے کیے ہوئے جہنّم کو دیکھیں گے۔
۲۔ جہنمی اس بات کی خواہش اور اظہار کریں گے کہ کاش! یہاں سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ مل جائے۔
۳۔ اہلِ ایمان جہنمیوں کو کہیں گے کہ تم نے اپنے آپ اور اپنے اہل وعیال کو بڑے نقصان میں مبتلا کر دیا ہے۔
۴۔ جہنمی ہمیشہ اذیّت ناک عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ ۵۔ جہنمیوں کی کوئی خیر خواہی اور مدد نہیں کر سکے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا:

۱۔ نہیں ہے تمہارا کوئی اللہ کے سوا دوست اور نہ مددگار۔ (البقرۃ: ۱۰۷)
۲۔ نہ ملے ان کو اللہ کے سوا کوئی دوست اور نہ مددگار۔ (الاحزاب: ۱۷)
۳۔ اللہ کے سوا کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ (ھود: ۳۰، ۶۳)
۴۔ نہیں ہے ان کے لیے زمین میں کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔ (التوبۃ: ۷۴)
۵۔ نہیں ہے تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست اور سفارشی پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ (السجدۃ: ۴)

اِسْتَجِيْبُوْا	لِرَبِّكُمْ	مِّنْ قَبْلِ	اَنْ	يَّاْتِيَ	يَوْمٌ
تم حکم قبول کرو	اپنے رب کا	اس سے پہلے	کہ	آجائے	وہ دن
لَّا	مَرَدَّ لَهٗ	مِنَ	اللّٰهِ ؕ	مَا لَكُمْ	مِّنْ مَّلْجَاٍ
نہیں	پھرنا اس کا	سے	اللہ	نہیں ہے تمہارے لیے	کوئی جائے پناہ
يَّوْمَئِذٍ	وَّمَا	لَكُمْ	مِّنْ	نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾	
اس دن	اور نہ ہوگا	تمہارے لیے	سے	انکار کرنا	

''مان لو اپنے رب کی بات اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس کی اللہ کی طرف سے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں۔ اس دن تمہارے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی اور نہ ہی وہ گناہوں کا انکار کرسکیں گے۔'' (۴۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: صراطِ مستقیم پانے اور جہنم سے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ لوگوں کو اپنے رب کی بات مان کر اس کا تابع فرمان ہو جانا چاہیے۔

جب اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا اور آخرت میں کوئی مدد کرنے والا نہیں اور نہ ہی کوئی دوسرا جہنّم سے بچا سکتا ہے تو پھر لوگوں کو اپنے رب کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیے جو لوگ اپنے رب کی نافرمانی میں زندگی گزارتے ہیں انہیں ایک مرتبہ پھر سمجھایا گیا ہے کہ اس دن کے عذاب سے پہلے اپنے آپ کو سدھار لو جس دن کا عذاب کسی کے ٹالنے سے ٹل نہیں سکتا اور نہ ہی کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ ہی کوئی نکیر کرسکے گا۔ نکیر کا لفظ نکر سے نکلا ہے۔ جس کے اہلِ علم نے چار مفہوم ذکر کیے ہیں۔ ① ''مَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ'' تم اپنے کیے کا انکار نہیں کرسکو گے۔ ② تم اپنی حالت بدل نہیں سکو گے۔ ③ تمہارے لیے جائے پناہ نہیں ہوگی۔ ④ تم کسی قسم کا احتجاج نہیں کرسکو گے۔

مسائل

۱۔ لوگوں کو اپنے رب کا حکم مان کر اپنے آپ کو بدل لینا چاہیے۔

۲۔ قیامت کا دن اور اس کا عذاب کسی کے ٹالنے سے ٹل نہیں سکتا۔

۳۔ قیامت کے دن کوئی جائے پناہ اور گناہوں سے انکار کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

فَاِنْ	اَعْرَضُوْا	فَمَآ	اَرْسَلْنٰكَ	عَلَيْهِمْ	حَفِيْظًا	اِنْ
پھر اگر	وہ منہ موڑیں	تو نہیں	ہم نے بھیجا آپ کو	ان پر	کوئی نگران	نہیں
عَلَيْكَ	اِلَّا	الْبَلٰغُ	وَاِنَّآ	اِذَآ	اَذَقْنَا	الْاِنْسَانَ
آپ کے ذمے	مگر	پہنچا دینا ہی	اور بلاشبہ ہم	جب	چکھاتے ہیں	انسان کو
مِنَّا	رَحْمَةً	فَرِحَ	بِهَا	وَاِنْ	تُصِبْهُمْ	سَيِّئَةٌ
اپنی طرف سے	رحمت	تو وہ خوش ہوتا ہے	اس کے ساتھ	اور اگر	ان کو پہنچتی ہے	کوئی تکلیف
بِمَا	قَدَّمَتْ	اَيْدِيْهِمْ	فَاِنَّ	الْاِنْسَانَ	كَفُوْرٌ ﴿٤٨﴾	
بہ سبب اس کے جو	آگے بھیجا	ان کے ہاتھوں نے	تو بلاشبہ	انسان	بہت ہی ناشکرا ہے	

”اگر یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو اے نبی ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا ہے آپ پر حق بات پہنچانے کی ذمہ داری ہے۔ انسان کو جب ہم اپنی رحمت سے نوازتے ہیں تو اس پر خوش ہوتا ہے اگر اس کے اپنے ہاتھوں کا کیا دھرا مصیبت کی صورت میں اس پر آ پڑتا ہے تو یقیناً انسان ناشکرا بن جاتا ہے۔“ (۴۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کے دن مجرموں کے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ اس کے باوجود یہ لوگ حق بات سے اعراض ہی کیے جا رہے ہیں آپ ﷺ کا کام صرف لوگوں تک حق بات کا ابلاغ کرنا ہے لہٰذا یہ کام آپ کو کرتے رہنا چاہیے۔

نبی ﷺ پوری محنت اور اخلاص کے ساتھ شب و روز لوگوں کو سمجھاتے اور فرماتے کہ اے لوگو! قیامت کا دن آنے سے پہلے اپنے آپ کو سدھار لو! قیامت کے دن کوئی اپنے آپ اور کسی دوسرے کو نہیں بچا سکے گا، لیکن کفار اور مشرکین کی حالت یہ تھی کہ وہ حق قبول کرنے کی بجائے آپ ﷺ کی مخالفت میں روز بروز آگے ہی بڑھتے جا رہے تھے۔ جس پر نبی کریم ﷺ دل آزردہ ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کرتے قریب تھا کہ آپ ﷺ کو کوئی جسمانی عارضہ لاحق ہو جاتا۔ اس صورتِ حال میں آپ کو تسلی دینے کے لیے ارشاد ہوا کہ کیا آپ اپنے آپ کو اس لیے بیمار کر لیں گے کہ یہ لوگ حق بات قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ (الشعراء: ۳) آپ کو یہ کہہ کر بھی ڈھارس دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نصیحت کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ اس نے آپ کو لوگوں پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا آپ کا کام نصیحت کرنا ہے۔ آپ نصیحت کرتے جائیں۔ (الغاشیۃ: ۲۱، ۲۲) آپ ﷺ کی تسلی کے لیے یہاں ارشاد فرمایا کہ

اگر یہ لوگ آپ سے اعراض کرنے پر تُلے ہوئے ہیں تو آپ کو ایک حد سے زیادہ فکرمند نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ہم نے آپ کو ان پر چوکیدار نہیں بنایا آپ کا کام صرف حق بات کی دعوت دینا ہے لہٰذا آپ ان کو دعوت دیتے جائیں اور اس کا نتیجہ اپنے رب کے حوالے کریں لوگوں کی حالت یہ ہے کہ جب ہم ان کو اپنی رحمت سے نوازتے ہیں تو یہ اس کے ساتھ خوش ہو جاتے ہے اگر ہم ان کو ان کے اعمال کی سزا دیتے ہیں تو اپنے رب کی ناشکری کرنے پر اتر آتے ہیں۔اس آیت کے آغاز میں مخاطب تو اہلِ مکہ ہیں مگر نعمت اور سزا کا ذکر کرتے ہوئے ''الانسان'' کا لفظ لا کر پوری بنی نوع انسان کو مخاطب کیا گیا ہے کیونکہ یہ دعوت اور آپ ﷺ کی بعثت صرف اہلِ مکہ کے لیے نہیں تھی آپ کی دعوت تو رہتی دنیا تک تمام انسانوں کے لیے ہے جس بنا پر ہر داعی کو یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ وہ اپنے مخاطب کی فطرت کا خیال رکھتے ہوئے دعوت کا کام جاری رکھے، انسان کا یہ مزاج ہے کہ اپنی پسند کی بات پر خوش ہوتا ہے اور ناپسند پر ناراض ہوتا ہے۔یہی رویہ اس کا اپنے رب کے بارے میں ہوتا ہے کبھی اس پر خوش ہوتا ہے اور کبھی ناراض ہو جاتا ہے۔اس میں داعی کو یہ بھی سمجھایا جا رہا ہے کہ لوگوں کی خوشی اور ناراضگی کی پروا کیے بغیر اُسے حق کا ابلاغ کرتے ہی رہنا چاہیے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو لوگوں پر چوکیدار نہیں بنایا تھا۔

۲۔ نبی ﷺ کا کام حق بات کا ابلاغ کرنا تھا جسے آپ ﷺ نے کامل اور اکمل طریقے کے ساتھ سرانجام دیا۔

۳۔ انسان کی حالت یہ ہے کہ اسے کچھ ملے تو خوش ہو جاتا ہے اگر اسے تکلیف پہنچے تو وہ اپنے رب کا بھی ناشکرا بن جاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نبی ﷺ کا کام حق بات پہنچانا تھا منوانا نہیں:

۱۔ آپ ﷺ ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز پر کارساز ہے۔(ہود:۱۲)

۲۔ آپ کا کام تبلیغ کرنا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔(الرعد:۴۰)

۳۔ آپ کو ان پر نگران نہیں بنایا گیا آپ کا کام تبلیغ کرنا ہے۔(الشوریٰ:۴۸)

۴۔ (پیغمبروں نے فرمایا) ہمارے ذمہ دین کی تبلیغ کرنا ہے۔(یٰس:۱۷)

۵۔ آپ نصیحت کریں آپ کا کام بس نصیحت کرنا ہے، آپ کو چوکیدار نہیں بنایا گیا۔(الغاشیۃ:۲۱۔۲۲)

۶۔ رسولوں کا کام صرف تبلیغ کرنا ہے۔(النحل:۳۵) ۷۔نہیں ہے رسول پر مگر واضح طور پر پیغام پہنچانا۔(النور:۵۴)

لِلّٰہِ	مُلۡكُ	السَّمٰوٰتِ	وَالۡاَرۡضِ ؕ	یَخۡلُقُ	مَا
اللہ ہی کیلئے ہے	بادشاہی ہے	آسمانوں	اورزمین کی	وہ پیدا کرتا ہے	جو

یَشَآءُ ؕ	یَهَبُ	لِمَنۡ	یَّشَآءُ	اِنَاثًا	وَّیَهَبُ	لِمَنۡ
چاہتا ہے	وہ عطا کرتا ہے	جسے	چاہتا ہے	لڑکیاں	اور وہ عطا کرتا ہے	جسے

یَّشَآءُ	الذُّكُوۡرَ ۙ﴿۴۹﴾	اَوۡ	یُزَوِّجُهُمۡ	ذُكۡرَانًا	وَّاِنَاثًا ۚ
چاہتا ہے	لڑکے	یا	ان کو ملا کر دیتا ہے	لڑکے	اور لڑکیاں

وَیَجۡعَلُ	مَنۡ	یَّشَآءُ	عَقِیۡمًا ؕ	اِنَّهٗ	عَلِیۡمٌ	قَدِیۡرٌ ﴿۵۰﴾
اور بنا دیتا ہے	جسے	چاہتا ہے	بانجھ	بلاشبہ وہ	خوب جاننے والا	بہت قدرت والا ہے

''اللہ ہی کیلئے زمین وآسمانوں کی بادشاہی ہے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جسے چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے۔(۴۹) جسے چاہتا ہے بیٹے اور بیٹیاں ملا جلا کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بانجھ رکھتا ہے، وہ سب کچھ جانتا اور ہر چیز پر قادر ہے۔''(۵۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور کسی دوسرے کو ہدایت دینے کا اختیار نہیں دیا ہدایت اور ہر قسم کے اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ یہاں تک انسان اپنی اولاد کو بھی ہدایت دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ ہی زمین وآسمانوں کا مالک اور بادشاہ ہے۔اس کے اختیارات کا عالم یہ ہے کہ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے صرف بیٹیاں ہی عنایت کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے اسے صرف بیٹے عطا کرتا ہے کسی کو بیٹے اور بیٹیاں دیتا ہے اور کسی کو زندگی بھر بانجھ رکھتا ہے وہ ہر چیز کا کامل اور اکمل علم رکھنے کے ساتھ ہر کسی پر قدرت رکھنے والا ہے۔اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے حوالے سے انسان کو یہ حقیقت سمجھائی ہے کہ اے انسان! جس رب کے ساتھ تو کفر وشرک کرتا ہے اس کے اختیارات کا عالم یہ ہے کہ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ جسے چاہے بیٹے عطا فرمائے اور جس کو چاہے بیٹیاں دے اور جسے چاہے بیٹے، بیٹیاں دے اور جسے چاہے اسے بے اولاد رکھتا ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا جوڑا نہیں جو اپنی مرضی سے بیٹے یا بیٹی کو جنم دے سکے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسی ذات ہے جو کسی کو بیٹے یا بیٹیاں دے سکے اور نہ ہی بانجھ کو کوئی اولاد دے سکتا ہے۔ جب انسان اپنے رب کے سامنے اتنا بے بس ہے تو اسے دل کی رغبت کے ساتھ اپنے رب کا حکم ماننا چاہیے تاکہ دنیا میں اس کا بھلا ہو اور آخرت میں وہ سُرخرو ہو سکے اس کے باوجود مشرک کسی کو داتا کہتا ہے اور کسی کو اپنا دستگیر بنائے ہوئے ہے۔ جس شخصیت کو داتا کہا جاتا ہے اس کا اپنا حال یہ تھا کہ انہوں نے دو سے زائد شادیاں کیں مگر زندگی بھر بیٹے اور بیٹی سے محروم رہے۔ (سوانح علی ہجویری رحمہ اللہ، مطبع محکمہ اوقاف پنجاب)

ہدایت کے بارے میں بھی لوگوں کی یہی حالت ہوتی ہے کہ کچھ لوگ نہایت صالح، کچھ لوگ ملے جلے کام کرنے والے اور کچھ بالکل ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔

وَمَا	كَانَ	لِبَشَرٍ	اَنْ	يُّكَلِّمَهُ	اللّٰهُ	اِلَّا
اور نہیں	ہے لائق	کسی بشر کے	یہ کہ	اس سے کلام کرے	اللہ	مگر

وَحْيًا	اَوْ	مِنْ	وَّرَآئِ	حِجَابٍ	اَوْ	يُرْسِلَ	رَسُوْلًا
الہام	یا	سے	پیچھے	حجاب کے	یا	وہ بھیجتا ہے	فرشتہ

فَيُوْحِيَ	بِاِذْنِهٖ	مَا	يَشَآءُ	اِنَّهٗ	عَلِيٌّ	حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾
تو وہ پہنچاتا ہے	اس کے حکم سے	جو	وہ چاہتا ہے	بلاشبہ وہ	بہت بلند	نہایت حکمت والا ہے

’’کسی بشر کو لائق نہیں کہ اللہ اس سے روبرو بات کرے اس کی بات وحی کے ذریعے ہوتی ہے یا پردے کے پیچھے سے یا پھر وہ فرشتہ بھیجتا ہے اور وہ اس کے حکم سے جو کچھ ’’وہ‘‘ چاہتا ہے وحی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بلند و بالا اور حکیم ہے۔‘‘ (۵۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: انسان ہی نہیں بلکہ انسانوں کے سردار اور اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندے انبیائے کرام علیہم السلام بھی کوئی اختیارات نہیں رکھتے تھے۔ یہاں تک وہ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست بات بھی نہیں کر سکتے تھے۔

اس سورہ مبارکہ کا آغاز توحید و رسالت سے ہوا ہے اس کا اختتام بھی توحید و رسالت کے عنوان پر ہو رہا ہے۔ عام انسان نہیں بلکہ انسانوں کے سردار جنہیں نبوّت کے منصب پر فائز کیا گیا، ان کی بے اختیاری کا عالم یہ تھا کہ وہ بھی اللہ جلّ جلالہٗ سے براہِ راست بات کرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی کسی انسان میں یہ سکت ہے کہ وہ بلا واسطہ اپنے رب کے ساتھ ہم کلام ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کے ساتھ بھی کلام فرمایا اس پر وحی نازل فرمائی یا نور کے حجاب کے پیچھے اس سے کلام کیا یا فرشتہ بھیج کر اس تک اپنا پیغام پہنچایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت ہی بلند و بالا اور حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں کسی انسان کے ساتھ اپنے کلام کرنے کے تین طریقے ارشاد فرمائے ہیں اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو تینوں طریقوں کیساتھ ہی اپنے ارشادات سے سرفراز فرمایا۔

وحی کا لغوی معنٰی الہام، لکھا ہوا پیغام، اشارہ کرنا، چھپا کر بات کرنا اور کسی بات پر آمادہ کرنا۔

«عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا قَالَتْ أَوَّلُ مَا بُدِءَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ» (رواه البخاری: باب بدء الوحی)

’’ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی ابتدا نیند میں سچے خوابوں سے ہوئی۔‘‘

② حجاب کا یہ معنٰی نہیں کہ اللہ تعالیٰ حجاب میں رہتا ہے اس کا معنٰی ہے کہ اللہ اور نبی کے درمیان حجاب ہوتا ہے۔

«وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم هَلْ رَاَيْتَ رَبَّكَ قَالَ نُوْرٌ اَنّٰى اُرَاهُ» (رواه مسلم:

باب قولہ علیہ السلام [نُوْرٌ اَنّٰی اُرَاہُ]

”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا آپ نے (معراج کی رات) اپنے پروردگار کو دیکھا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ وہ تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا تھا؟

③ تیسری قسم کے بارے میں قرآن شہادت دیتا ہے کہ قرآن مجید جبرائیلِ امین کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا گیا ہے۔

”بلاشک جبریل علیہ السلام نے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر اللہ کے حکم سے کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور مومنوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے۔“ (البقرۃ: ۹۷)

”یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اِسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا اور اس نے اُسے آپ کے دل پر اُتارا ہے۔ تاکہ آپ ان لوگوں میں شامل ہوں جو ڈرانے والے ہیں یہ قرآن واضح عربی زبان میں ہے۔“ (الشعراء: ۱۹۲ تا ۱۹۵)

کفار کا مطالبہ تھا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے بات کرتا ہے ہم سے کیوں بات نہیں کرتا، اس کا جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایرے غیرے کے ساتھ بات نہیں کرتا وہ نبی کے ساتھ بھی براہ راست بات کرنے کی بجائے صرف تین صورتوں میں بات کرتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کسی بشر کے ساتھ براہِ راست بات نہیں کرتا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں کسی کو بھی القاء کر سکتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ وحی کے ذریعے بات کرتا تھا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ پردے میں گفتگو فرمائی۔

۵۔ اللہ تعالیٰ ملائکہ کے ذریعے انبیائے کرام علیہم السلام تک اپنا پیغام پہنچاتا تھا۔

۶۔ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے بلند وبالا اور حکمت والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

وحی کے مختلف طریقے:

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ پردے میں بات کرتا تھا۔ (الشوریٰ: ۵۱)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کی طرف القاء کیا کہ پہاڑوں اور درختوں پر اپنے گھر بنائے۔ (النحل: ۶۸)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلائے۔ (القصص: ۷)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل امین علیہ السلام کے ذریعے اپنا پیغام انبیاء تک پہنچایا۔ (الشعراء: ۱۹۳)

وَ كَذٰلِكَ	اَوۡحَيۡنَآ	اِلَيۡكَ	رُوۡحًا	مِّنۡ	اَمۡرِنَا ؕ	مَا كُنۡتَ
اوراسی طرح	ہم نے وحی کی	آپ کی طرف	ایک روح	سے	اپنے حکم	نہیں تھے آپ
تَدۡرِىۡ	مَا	الۡكِتٰبُ	وَلَا	الۡاِيۡمَانُ	وَلٰـكِنۡ	جَعَلۡنٰهُ
جانتے	کیا ہے	کتاب	اور نہ	ایمان	اور لیکن	ہم نے بنادیا اس کو
نُوۡرًا	نَّهۡدِىۡ	بِهٖ	مَنۡ	نَّشَآءُ	مِنۡ	عِبَادِنَا ؕ
نور	ہم ہدایت دیتے ہیں	اس کے ساتھ	جسے	ہم چاہتے ہیں	سے	اپنے بندوں
وَ اِنَّكَ	لَـتَهۡدِىۡۤ	اِلٰى	صِرَاطٍ	مُّسۡتَقِيۡمٍ ۙ﴿۵۲﴾		
اور بلاشبہ آپ	البتہ راہنمائی کرتے ہیں	طرف	راستے کی	سیدھے		

’’اے نبی اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے ایک روح تمہاری طرف وحی کی ہے تمہیں کچھ پتہ نہیں تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہے۔ مگر اس روح کو ہم نے ایک روشنی بنادیا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں راہ دکھاتے ہیں یقیناً آپ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کررہے ہیں۔ (۵۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام : قرآن مجید بھی وحی کے ذریعے نازل ہوا ہے یہ وحی جبرائیلِ امین علیہ السلام کے ذریعے آیا کرتی تھی۔ اس لیے بالخصوص جبرائیلِ امین علیہ السلام کا ذکر کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے اپنے حکم سے آپ ﷺ کی طرف جبریلِ امین علیہ السلام کے ذریعے قرآن نازل کیا حالانکہ اس سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے کہ ’’اَلۡكِتٰبُ‘‘ اور ’’اَلۡاِيۡمَانُ‘‘ کیا ہوتا ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے نورِ ہدایت بنایا ہے۔ اس کے ساتھ جسے چاہتا ہے اپنے بندوں کو ہدایت کے ساتھ سرفراز فرماتا ہے۔ اے نبی ﷺ! یقین جانو! کہ آپ صراطِ مستقیم کی راہنمائی کرنے والے ہیں یہ صراطِ مستقیم اللہ کا متعین کردہ ہے اللہ ہی وہ ذات ہے جو زمین و آسمانوں کی ہر چیز کا مالک ہے، سب کام اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں اور وہی لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔ سورہ کے اختتام میں ایک مرتبہ پھر بالواسطہ کفار کے اس الزام کی تردید کی گئی ہے جو کہتے تھے کہ نبی ﷺ نے قرآن اپنی طرف سے تیار کرلیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے قرآن مجید جبرائیلِ امین علیہ السلام نے آپ کے دل پر نازل کیا ہے اس بات کو ان الفاظ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

{ وَ اِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ؕ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ ۙ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِىٍّ مُّبِيۡنٍ ؕ﴿۱۹۵﴾ وَ اِنَّهٗ لَفِىۡ زُبُرِ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۱۹۶﴾ } (الشعراء: ۱۹۲ تا ۱۹۶)

صِرَاطِ	اللّٰهِ	الَّذِیْ لَهٗ	مَا	فِی	السَّمٰوٰتِ	وَ مَا
راستہ	اللہ کا	جس کے لیے ہے	جو ہے	میں	آسمانوں	اور جو کچھ
فِی	الْاَرْضِ ؕ	اَلَآ	اِلَی	اللّٰهِ	تَصِیْرُ	الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾
میں	زمین	آگاہ رہو	طرف	اللہ کی	لوٹتے ہیں	سب معاملات

رکوع ۵

اس اللہ کے راستے کی طرف جو زمین و آسمانوں کی ہر چیز کا مالک ہے۔ سُن لو! کہ سارے معاملات اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔'' (۵۳)

''یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اِسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا اور اس نے اسے آپ کے دل پر اُتارا ہے تاکہ آپ ان لوگوں میں شامل ہوں جو ڈرانے والے ہیں یہ قرآن واضح عربی زبان میں ہے اور پہلی کتابوں میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔''

اسی فرمان کی بنیاد پر امت کے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید القاء، خواب یا کسی اور ذریعے سے نہیں اُترا بلکہ سارے کا سارا قرآن جبرائیلِ امین علیہ السلام کے ذریعے نازل ہوا۔ نزولِ قرآن سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے کہ قرآن اور اس کی دعوت یعنی ایمان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو نور قرار دیا ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت سے سرفراز کرتا ہے اور یہی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد تھا اور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے ذریعے لوگوں کی راہنمائی کرتے تھے یہاں ہدایت سے مراد قرآن مجید کی تعلیم اور راہنمائی ہے۔

((عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیِّبِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ اِشْتَکٰی فَدَخَلَ عَلَیْهِ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یَعُوْدُهٗ فَقَالَ کَیْفَ تَجِدُكَ یَا عُمَرُ ؟ فَقَالَ أَرْجُوْ وَأَخَافُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا اجْتَمَعَ الرَّجَاءُ وَالْخَوْفُ فِیْ قَلْبِ مُؤْمِنٍ إِلَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ الرَّجَاءَ وَأَمِنَهُ الْخَوْفَ))

(رواہ البیهقی: باب فی الرجاء من اللہ تعالی [ضعیف])

''سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا: اے عمر! اپنے آپ کو کیسے محسوس کر رہے ہو؟ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا مجھے اُمید بھی ہے اور خوف بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کے دل میں امید اور خوف دونوں جمع ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اس کی امید پوری کر دیتے ہیں اور اسے خوف سے محفوظ فرما لیتے ہیں۔''

((عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رضی اللہ عنہ أَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ ذَاقَ طَعْمَ الْإِیْمَانِ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا)) (رواہ مسلم: باب الدلیل علی ان من رضی باللہ ربا)

''حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا: جو

شخص اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد (ﷺ) کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا اس نے ایمان کا لطف پالیا۔“

اہلِ علم نے ہدایت کے مدارج کی بہت سی قسمیں بیان فرمائی ہیں لیکن بنیادی طور پر اس کی چار اقسام ہیں: ① طبعی اور فطری ہدایت ② الہامی ہدایت ③ توفیقی ہدایت ④ ہدایتِ وحی۔

طبعی اور فطری ہدایت:

چاند، سورج اور سیارے طبعی رہنمائی کے مطابق اپنے مدار میں رواں دواں ہیں، ہوائیں اسی اصول کی روشنی میں رخ بدلتی اور چلتی ہیں، بادل فطری رہنمائی سے ہی راستے تبدیل کرتے اور برستے ہیں یہاں تک کہ اسی اصول کے تحت درخت روشنی کی تلاش میں ایک دوسرے سے اوپر نکلتے ہیں، فطری ہدایت کے مطابق ہی مرغی کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی مرغی کے قدموں میں پڑ جاتا ہے، بطخ کا بچہ خود بخود پانی کی طرف دوڑتا اور انسان کا نومولود ماں کی چھاتی کے ساتھ چمٹتا ہے اس طبعی اور فطری ہدایت کی قرآن نے ان الفاظ میں نشاندہی فرمائی ہے:

﴿ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝﴾ (البلد: ۱۰) ”ہم نے اسے دو واضح راستے دکھا دیئے۔“

الہامی ہدایت:

الہام وحی کی ایک قسم ہے لیکن وحی اور الہام میں فرق یہ ہے کہ وحی صرف انبیاء کے ساتھ خاص ہے جب کہ الہام انبیاء کے علاوہ نیک اور عام آدمی حتی کہ قرآنِ مجید نے شہد کی مکھی کے لیے بھی وحی یعنی الہام کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کا معنٰی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں کوئی بات القاء فرما دیتا ہے۔ اسے ہدایتِ وہبی بھی کہا جاتا ہے۔ (النحل: ۶۸)

ہدایت بمعنٰی توفیق اور استقامت:

ہدایت کی تیسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عنایت اور توفیق سے اپنے بندے کی رہنمائی کرتے ہوئے اسے صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے رسول اللہ ﷺ یہ دعا اکثر کرتے تھے۔

«يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ» (رواہ الترمذی: کتاب الدعوات [صحیح])

”اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھنا۔“

«اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَأَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ»

(رواہ الترمذی: کتاب الدعوات، باب ماء فی جامع الدعوات [ضعیف])

”اے اللہ! میری راہنمائی فرما اور مجھے میرے نفس کے شر سے محفوظ رکھ۔“

وحی اور حقیقی ہدایت:

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اس ہدایت کی دو شکلیں ہیں اور دونوں آپس میں لازم وملزوم اور ضروری ہیں۔ ایک ہدایت ہے ہر نیکی کی ظاہری حالت اور اس کی ادائیگی کا طریقہ جو ہر حال میں سنتِ نبوی کے مطابق ہونا چاہیے۔

دوسری اس کی روح اور اصل، اسے قرآن نے اخلاص سے تعبیر فرمایا ہے، اخلاص کے اثرات دل پر اثر انداز ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل ہوگی جس کا بدلہ جنت ہے کردار پر مرتب ہوں گے تو نفس اور معاشرے میں پاکیزگی پیدا ہوگی جس سے آدمی کو دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل ہوگی۔

صراطِ مستقیم کا تعارف:

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ایک لکیر کھینچی پھر فرمایا: یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے پھر اس کے دائیں اور بائیں خط کھینچ کر فرمایا: یہ راستے ہیں ان میں سے ہر ایک پر شیطان کھڑا ہے اور وہ اس کی طرف بلاتا ہے پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی {بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے اسی پر چلتے رہنا اور پگڈنڈیوں پر نہ چلنا۔'' (مسند احمد: باب مسند عبداللہ بن مسعود [حسن])

قرآنِ مجید نے اس راستے کو نبی ﷺ کا راستہ قرار دیا اور اسے بصیرت سے تعبیر کیا ہے۔

{قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ ‌عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ } (یوسف: ۱۰۸)

''آپ فرما دیجئے یہ میرا راستہ ہے میں اور میرے پیروکار بصیرت کی بنیاد پر اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔''

''حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایسا وعظ فرمایا جس سے آنکھیں بہہ پڑیں اور دل ڈر گئے ہم نے کہا اللہ کے رسول یقیناً یہ تو الوداعی وعظ لگتا ہے اس لیے آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں تمہیں واضح دین پر چھوڑ کر جا رہا ہوں جس کی رات بھی دن کی طرح ہے ہلاک ہونے والے کے علاوہ کوئی اس سے نہیں ہٹے گا تم میں سے جو زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا تم نے جو میرا اور میرے صحابہ کا طریقہ جانا اس کو لازم پکڑنا اور اسے داڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے تھامنا اور امیر کی اطاعت کرتے رہنا اگرچہ وہ حبشی ہی کیوں نہ ہو۔ مومن نکیل والے اونٹ کی طرح ہوتا ہے اسے جہاں بھی لے جایا جائے وہ چلا جاتا ہے۔'' (رواہ ابن ماجۃ: کتاب المقدمۃ [صحیح])

تفسیر بالقرآن

صراط مستقیم اور اس کے سنگِ میل:

١۔ اللہ تعالیٰ ہی ایمان والوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔ (الحج: ۵۴)

٢۔ اللہ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۱۳)

٣۔ اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا رب ہے۔ تم اسی کی عبادت کرو یہی صراط مستقیم ہے۔ (آل عمران: ۵۱، مریم: ۳۶)

٤۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی جماعت کو چن لیا اور ان کو صراط مستقیم کی ہدایت دی۔ (الانعام: ۸۷)

٥۔ اللہ کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ (یٰس: ٦١) ٦۔ صراطِ مستقیم کی ہی پیروی کرو۔ (الانعام: ۱۵۳)

سورۃ الزّخرف کا تعارف

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس کی نواسی آیات اور سات رکوع ہیں۔

ربطِ سورۃ: سورۃ حٰمٓ السجدۃ اور الشوریٰ کی طرح اس سورۃ کی ابتداء بھی قرآن مجید کے تعارف سے ہوتی ہے۔ ارشاد ہوا کہ قرآن بڑی واضح کتاب ہے اور اس کو ہم نے عربی زبان میں نازل کیا ہے اور یہ ہمارے پاس لوحِ محفوظ میں بھی درج ہے اس کا مرکزی مضمون اللہ کی توحید ہے اور اس میں خاص طور پر اس بات کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ یا کسی اور کو اپنی بیٹیاں نہیں بنایا اس وضاحت کے ساتھ مشرکین کو انسانی فطرت کے حوالے سے یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ تم اپنے لیے بیٹیوں کی بجائے بیٹے پسند کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے لیے ملائکہ کو بیٹیاں قرار دیتے ہو۔ سوچو اور غور کرو کہ یہ بات حقیقی علم اور کس قدر فطرت کے خلاف ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا مشرکانہ عقیدہ بیان کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے اپنی اولاد کو شرک سے بچنے کی تلقین کی تھی، پھر کفار کے مطالبے کا ذکر کیا ہے کہ اُن کا کہنا تھا کہ قرآنِ مجید مکہ یا طائف کے کسی بڑے آدمی پر نازل کیوں نہیں کیا گیا اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کیا آپ کے رب کی رحمت تقسیم کرنے کا انہیں اختیار ہے یا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت تقسیم کرنے پر اختیار رکھتا ہے؟ اس کے ساتھ ہی یہ وضاحت فرمائی کہ لوگ دنیا کے مال کو عزت کا باعث سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی پَرکاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں، بے دین شخص کے لیے دنیا کی دولت صرف آزمائش نہیں بلکہ سزا بھی ہوا کرتی ہے کیونکہ اس سے گمراہی میں اضافہ ہوتا ہے دنیا دار شخص اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے جس وجہ سے اس پر شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے۔ ایسے شخص کو قیامت کے دن پتہ چل جائے گا کہ شیطان اس کا بدترین ساتھی تھا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی کشمکش کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ بھی بتلایا کہ جب فرعون اپنی حد سے آگے بڑھا تو اللہ تعالیٰ نے اُسے عبرت کا نشان بنا دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا اور ان کی دعوت کی وضاحت کی گئی جس طرح نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم توحید کی دعوت دے رہے ہیں یہی دعوت عیسیٰ علیہ السلام دیا کرتے تھے توحید ہی صراطِ مستقیم کی بنیاد اور اساس ہے۔ سورت کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن متقین کو حکم ہوگا کہ نہ آج تمہیں خوف کھانا چاہیے اور نہ آئندہ تمہیں کسی قسم کا غم ہوگا۔ متقین کو ان کی نیک بیویوں کے ساتھ جنت میں داخل کیا جائے گا اور مجرمین ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ ان کا سب سے بڑا گناہ شرک ہوگا اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ بولتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ یا کچھ لوگوں کو اپنی اولاد بنا لیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے مبرّا اور بے نیاز ہے۔

سُوۡرَۃُ الزُّخۡرُفِ مَکِّیَّۃٌ — بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — رُکُوۡعَاتُهَا ۷ — اٰیَاتُهَا ۸۹

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے

عندنا المتقین ہیں

قُرۡءٰنًا	جَعَلۡنٰهُ	اِنَّا	الۡمُبِیۡنِ ۝۲	الۡکِتٰبِ	وَ	حٰمٓ ۝۱
قرآن	بنایا اس کو	بے شک ہم نے	واضح کی	کتاب	قسم ہے	حٰمٓ
اُمِّ	فِیۡۤ	وَ اِنَّهٗ	تَعۡقِلُوۡنَ ۝۳	لَّعَلَّکُمۡ		عَرَبِیًّا
اصل	میں	اور بلاشبہ وہ	سمجھو	تا کہ تم		عربی
	حَکِیۡمٌ ۝۴	لَعَلِیٌّ	لَدَیۡنَا	الۡکِتٰبِ		
	نہایت حکمت والا ہے	یقیناً بہت بلند	ہمارے پاس	کتاب کی		

”حٰمٓ ۔(۱) قسم ہے اس کھلی کتاب کی۔(۲) ہم نے قرآن کو عربی میں زبان بنایا ہے تا کہ تم اِسے سمجھو۔(۳) اور یقیناً یہ ام الکتاب میں ثبت ہے جو ہمارے ہاں بڑی بلند مرتبہ اور حکمت سے لبریز کتاب ہے۔“(۴)

فہم القرآن

الشوریٰ کا اختتام اس ارشاد پر ہوا کہ ہم نے آپ پر وحی نازل فرمائی اس سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے کہ قرآن اور ایمان کیا ہے۔ الزّخرف کی ابتدا اس بات سے ہو رہی ہے کہ وحی کی صورت میں جو کتاب آپ پر نازل کی گئی ہے اس کا نام قرآن ہے جو عربی میں ہے تا کہ لوگ اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔

حٰمٓ حروفِ مقطعات میں سے تین حروف ہیں۔ اب تک یہ چار سورتوں کی ابتدا میں آچکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا مختلف الفاظ میں تعارف کروایا ہے یہاں قرآن مجید کی قسم اٹھا کر ارشار فرمایا کہ یہ کتابِ مبین ہے۔ ہم نے اس کو عربی زبان میں نازل کیا تا کہ تم عقل وفکر سے کام لو یہ ہمارے ہاں لوحِ محفوظ میں ثبت ہے۔ جو بڑی ہی عالی مرتبت اور پُرحکمت کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی قسم اٹھا کر اس کی عظمت وحرمت میں مزید اضافہ فرما دیا ہے یاد رہے کہ انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی قسم اٹھانا جائز نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم اٹھائے۔ قسم اٹھانے سے مقصود لوگوں کے یقین کو مضبوط بنانا اور اس چیز کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کلام کرنا اللہ تعالیٰ کی صفات میں شامل ہے۔ اس لیے اس موقع پر قرآن مجید کی پانچ صفات کا ذکر کیا ہے۔ ① قرآن مجید کتاب مبین ہے مبین کا معنٰی ایسی کتاب جس کے ارشادات واضح اور اس کے احکام غیر مبہم ہیں۔ ② قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔ جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ عربی تھے اور آپ ﷺ کے پہلے مخاطب بھی عربی بولنے والے

تھے۔ عربی زبان نزولِ قرآن کے وقت سے لے کر اب تک اور قیامت تک ہر اعتبار سے جامع ترین زبان ہے اور رہے گی کیونکہ قرآن مجید عربی میں نازل ہوا ہے۔ اس لیے اہلِ مکہ کو سمجھایا گیا کہ تم اس کی مخالفت کرنے کی بجائے اس پر غور کرو کہ کیا کوئی انسان اس جیسا کلام کر سکتا ہے اور جو بعید ترین ماضی کے واقعات اور قوموں کے احوال اس میں بیان کیے گئے ہیں اس کا ریکارڈ کہیں موجود ہے؟ پھر سوچو کہ قرآن مجید جو پیشین گوئیاں کر رہا ہے اب تک کوئی ایک پیش گوئی غلط ثابت ہوئی ہے؟ اس کے ساتھ ہی اس بات پر غور کرو کہ جنّت اور دوزخ کے بارے میں جو حقائق بیان کیے گئے ہیں کیا وہ اس سے پہلے محمد ﷺ نے آپ کے سامنے کبھی بیان کیے تھے؟۔ ظاہر ہے کہ اس سے پہلے کوئی بات بھی محمد ﷺ نے کبھی نہیں کہی تھی۔ کیا محمد ﷺ نے اس سے پہلے چالیس سال کی زندگی میں کبھی جھوٹ بولا ہے؟ تم اقرار کرتے ہو کہ حضرت محمد ﷺ تم میں الصادق اور الامین ہیں جب یہ حقائق اور دلائل ہیں تو پھر تمہیں ہر صورت عقل سے کام لینا چاہیے۔ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور یہ اس کے ہاں لوحِ محفوظ میں محفوظ ہے۔ یہ ہر اعتبار سے علوِّ مرتبت کی حامل اور پُر حکمت کتاب ہے۔ یہ اپنے اوصافِ حمیدہ کے اعتبار سے لاریب اور جامع کتاب ہے۔ "اُمِّ الْکِتٰبِ" کا لفظ استعمال فرما کر یہ اشارہ کیا ہے کہ پہلی آسمانی کتابوں کی تعلیمات کی یہ کتاب ترجمان اور محافظ ہے۔ ''جَعَلْنٰہُ'' کا معنٰی اہلِ زبان نے ''اَنْزَلْنَا'' کے ساتھ کیا ہے۔ ''جَعَلَ'' کا لفظ قرآن مجید نے پیدا کرنے، بنانے اور حکم لگانے کے معنٰی میں بھی استعمال کیا ہے۔

مسائل

۱۔ حٰمٓ حروفِ مقطعات میں شامل ہیں۔ ۲۔ قرآن مجید ہر حوالے سے کتابِ مبین ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے۔ ۴۔ قرآن مجید لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔
۵۔ عربی زبان جاننے والوں کو بالخصوص قرآن مجید پر غور و خوض کرنا چاہیے۔
۶۔ قرآن مجید احکام اور ارشادات کے حوالے سے امّ الکتاب ہے۔
۷۔ قرآن مجید ہر اعتبار سے عالی مرتبت اور پُر حکمت کتاب ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کے اوصافِ حمید کی ایک جھلک:

۱۔ قرآن مجید لاریب کتاب ہے۔ (البقرۃ: ۲) ۲۔ قرآن مجید رحمت اور ہدایت کی کتاب ہے۔ (لقمان: ۳)
۳۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت و رہنمائی کی کتاب ہے۔ (البقرۃ: ۱۸۵)
۴۔ قرآن مجید بابرکت اور پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ (الانعام: ۹۲)

اَفَنَضۡرِبُ	عَنۡكُمُ	الذِّكۡرَ	صَفۡحًا	اَنۡ	كُنۡتُمۡ	قَوۡمًا
کیا پھر ہم روک لیں گے	تم سے	ذکر	اعراض کرتے ہوئے	اس لیے کہ	تم ہو	قوم

مُّسۡرِفِیۡنَ ۝۵	وَ كَمۡ	اَرۡسَلۡنَا	مِنۡ	نَّبِیٍّ	فِی	الۡاَوَّلِیۡنَ ۝۶
حد سے گزر جانے والی	اور کتنے	ہم نے بھیجے	سے	نبی	میں	پہلوں

وَ مَا	یَاۡتِیۡهِمۡ	مِّنۡ نَّبِیٍّ	اِلَّا	كَانُوۡا	بِهٖ	یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝۷
اور نہیں	آتا تھا ان کے پاس	کوئی نبی	مگر	وہ تھے	اس کے ساتھ	مذاق کرتے

فَاَهۡلَكۡنَاۤ	اَشَدَّ مِنۡهُمۡ	بَطۡشًا	وَّ مَضٰی	مَثَلُ	الۡاَوَّلِیۡنَ ۝۸
چنانچہ ہم نے ہلاک کر دیا	ان سے کہیں زیادہ	زور آور کو	اور گزر چکی	مثال	پہلے لوگوں کی

''اب کیا تم سے بیزار ہو کر ہم تمہیں نصیحت کرنا چھوڑ دیں صرف اس لیے کہ تم حد سے گزرے ہوئے ہو۔ (۵) ہم نے پہلی قوموں میں بھی نبی بھیجے ہیں۔ (۶) مگر انہوں نے اس کا مذاق ہی اُڑایا تھا۔ (۷) پھر جو لوگ ان سے کئی گنا زیادہ طاقتور تھے انہیں ہم نے ہلاک کر دیا، پچھلی قوموں کی مثالیں گزر چکی ہیں۔'' (۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اگر لوگوں کا ایک طبقہ قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں تو کیا ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی راہنمائی نہ کرے؟ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا وہ مہربان ہے اور اس کی مہربانی کا تقاضا ہے کہ وہ لوگوں کی راہنمائی کرے جس کے لیے اس نے قرآن مجید نازل کیا ہے۔

قرآن مجید پہلی کتبِ آسمانی کا ترجمان، ان کے مضامین کا محافظ، پُرحکمت، عالی مرتبت اور عربی زبان میں ہے اس کے باوجود اہلِ مکہ اس کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ قرآن مجید کی آواز کو ہر صورت دبا دیا جائے۔ اسی بنیاد پر وہ نبی کریم ﷺ کے جانی دشمن ہو چکے تھے وہ کسی طرح بھی گوارہ نہیں کرتے تھے کہ ان کی قوم کے سامنے قرآن مجید کی دعوت پیش کی جائے اس پر انہیں سمجھایا گیا کہ کیا تمہاری ہٹ دھرمی اور مخالفت کی وجہ سے ہم قرآن کو حضرت محمد ﷺ پر نازل کرنا اور لوگوں کی راہنمائی کرنا چھوڑ دیں؟ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ تم سے پہلی قوموں میں ہم نے رسول مبعوث کیے جب لوگوں کے پاس نبی آیا تو انہوں نے اس کا مذاق ہی اڑایا تھا۔ جس کی پاداش میں ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ حالانکہ وسائل واسباب، قوت وسطوت کے اعتبار سے تم سے بڑھ کر تھے۔ اللہ تعالیٰ کا اصول ہے کہ وہ چند باغیوں کی خاطر اپنے بندوں پر کرم فرمانا ترک نہیں کرتا۔ وہ ''اَلرَّحۡمٰنُ'' اور ''اَلۡحَكِیۡمُ'' ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ لوگ سرکشی چھوڑ کر اس کی

اطاعت میں زندگی بسر کریں تاکہ انہیں دنیا اور آخرت میں اپنی رحمت سے سرفراز فرمائے وہ حکیم ہے حکیم کا کام ہے کہ وہ پُرحکمت طریقہ کے ساتھ بگاڑ کا سدھار کرے حکیم مریض کی خیر خواہی کی خاطر اس کی غلطی اور غفلت سے درگزر کرتے ہوئے علاج جاری رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم اور سب کچھ جانتا ہے اس لیے اس نے ایک عرصہ تک مکہ میں نزول قرآن کا سلسلہ جاری رکھا تاکہ چند سرداروں کو چھوڑ کر باقی لوگ اس سے ہدایت پائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ کچھ لوگ نبی علیہ السلام کی ہجرت سے پہلے اور باقی فتح مکہ کے موقع پر قرآن کی نصیحت سے سرفراز ہوئے اور دنیا و آخرت میں کامیاب ٹھہرے اللہ تعالیٰ نے انہیں "رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ" کے عظیم ترین اعزاز سے سرفراز فرمایا۔

لغت میں ذکر کے معنٰی یاد کرنا، کسی کی بزرگی بیان کرنا، یاد رکھنا، بات سمجھنا، سمجھانا، نصیحت کرنا اور اس کی حفاظت کرنا ہے۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ چند ظالموں کی وجہ سے اپنے بندوں پر رحم کرنا نہیں چھوڑتا۔

۳۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث کیے گئے ان سب کے ساتھ ان کی قوم نے مذاق کیا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے ظالم قوموں کو ہلاک کر دیا جو مکہ والوں سے قوت وسطوت میں کہیں زیادہ تھیں۔

تفسیر بالقرآن

اقوام کا اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ سلوک:

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگ ان کے پاس سے گذرتے تھے تو ان سے مذاق کرتے۔ (ہود: ۳۸)

۲۔ وہ مذاق کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے مذاق کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (التوبۃ: ۷۹)

۳۔ وہ تعجب کرتے اور مذاق کرتے ہیں۔ (الصّٰفّٰت: ۱۲)

۴۔ جب وہ ہماری نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق کرتے ہیں۔ (الصّٰفّٰت: ۱۴)

۵۔ جب بھی ان کے پاس رسول آیا تو انہوں نے اُس سے مذاق کیا۔ (الحجر: ۱۱)

۶۔ ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا مگر وہ اس کے ساتھ استہزاء کرتے تھے۔ (الزخرف: ۷)

۷۔ لوگوں پر افسوس ہے کہ ان کے پاس جب کبھی رسول آئے تو انہوں نے ان کے ساتھ استہزاء کیا۔ (یٰس: ۳۰)

۸۔ جب بھی انکے پاس آپ سے پہلے رسول آئے تو انہوں نے انہیں جادوگر اور مجنوں قرار دیا۔ (الذاریات: ۵۲)

۹۔ کفار کہتے تھے کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو تم چاہتے ہو کہ ہم اپنے آباء واجداد کے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ (ابراہیم: ۱۰)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ

اور البتہ اگر آپ ان سے سوال کریں کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو یقیناً وہ کہیں گے

خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿٩﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ

پیدا کیا ان کو نہایت غالب خوب جاننے والے نے وہ جس نے بنایا تمہارے لیے زمین

مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٠﴾

بچھونا اور بنائے تمہارے لیے اس میں راستے تا کہ تم راہ پاؤ

''اگر تم ان لوگوں سے پوچھو کہ زمین و آسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ کہیں گے کہ انہیں زبردست علیم ہستی نے پیدا کیا ہے۔(۹) اسی نے تمہارے لیے اس زمین کو گہوارہ بنایا اور اس میں تمہارے لیے راستے بنائے تا کہ تم رہنمائی حاصل کرو۔''(۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ ان کی اقوام کا بنیادی اختلاف اللہ کی توحید تھا اور یہی اختلاف اہلِ مکہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا حالانکہ وہ مانتے تھے کہ کائنات کا خالق اور مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

اہلِ مکہ کا عقیدہ تھا کہ زمین و آسمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے مکہ والے یہ بھی اقرار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے اور وہ کائنات کے ذرہ ذرہ کو جانتا اور اس کا خالق اور مالک ہے۔ جب بھی ان سے یہ سوال کیا جاتا تو وہ ان باتوں کا اقرار اور اظہار کرتے تھے۔ اس لیے انہیں فرمایا گیا ہے کہ جس اللہ نے زمین و آسمانوں کو پیدا کیا ہے اسی نے تمہارے لیے زمین میں راستے بنائے ہیں۔ عربی زبان میں مھد اس جھولے کو کہا جاتا ہے جس میں بچے کو سلایا جاتا ہے۔

دوسرے مقام پر زمین کو فرش قرار دیا ہے مگر یہاں اس کے لیے گہوارے کا لفظ استعمال فرمایا ہے یعنی جس طرح ایک بچہ پنگھوڑے میں آرام سے لیٹا ہوتا ہے، ایسے ہی تمہارے لیے اس عظیم الشان کُرّے کو پُرسکون ٹھکانہ بنا دیا جو فضا میں معلق ہے، جو ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اپنے محور پر گھوم رہا ہے۔ جو ۶۶۶۰۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے رواں دواں ہے جس کے پیٹ میں وہ آگ بھری ہے کہ پتھروں کو پگھلا دیتی ہے اور آتش فشانوں کی شکل میں لاوا اُگل کر کبھی کبھی تمہیں بھی اپنی شان دکھا دیتی ہے مگر اسکے باوجود تمہارے خالق نے اسے اتنا پُرسکون بنا دیا ہے کہ تم آرام سے اس پر سوتے ہو اور تمہیں ذرا جھٹکا تک نہیں لگتا تم اس پر رہتے ہو اور تمہیں یہ محسوس تک نہیں ہوتا کہ یہ کُرّہ مُعلّق ہے اور تم اس پر سر کے بل لٹکے ہوئے ہو۔ تم اطمینان سے اُس پر چلتے پھرتے ہو اور تمہیں یہ خیال تک نہیں آتا کہ تم بندوق کی گولی سے بھی زیادہ تیز رفتار گاڑی پر سوار ہو۔ بے تکلف اُسے کھودتے ہو، اس کا سینہ چیرتے ہو طرح طرح سے اُس کے پیٹ سے اپنا رزق وصول کرتے ہو، حالانکہ اس کی ایک معمولی سی جھرجھری کبھی زلزلے کی شکل میں آکر تمہیں خبر دے دیتی ہے کہ یہ کس بلا کا خوفناک دیو ہے جسے اللہ نے

تمہارے لیے مسخر کر رکھا ہے۔(تفہیم القرآن: جلد ۴)

جہاں تک زمین میں راستوں کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ عوام اور حکومتوں نے راستے بنائے تاکہ آمدورفت اور نقل وحمل آسان سے آسان تر ہو جائے لیکن اگر راستے بنانے کی تاریخ پر غور کیا جائے تو ہر علاقہ میں قدرت کی طرف سے ایسے راستے اور نشانات ضرور پائے جاتے ہیں جن کی مدد سے سڑکیں اور نئے راستے بنائے جاتے ہیں۔ پہاڑی علاقوں میں یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کی ساخت اس طرح بنا دی ہے کہ ان کے درمیان راستے بنا دیئے ہیں جنہیں انسان ہزاروں سالوں سے راستوں کے طور پر استعمال کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے اگر پوری زمین چٹیل میدان ہوتی تو ابتدائی طور پر انسان کو راستے متعین کرنے میں بہت مشکل پیش آتی۔ اب بھی صحراؤں اور ریگستانوں میں جو راستے بنائے جاتے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی نشان کو سامنے رکھ کر بنائے جاتے ہیں۔ جہاں زمین کے نشان نظروں سے دور ہوتے ہیں وہاں ستاروں کی مدد سے راستے متعین کیے جاتے ہیں۔ آج ایسے آلات ایجاد ہو چکے ہیں جن سے دن کے وقت بھی ستارے نظر آتے ہیں اور فاصلے قریب دکھائی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ سہولت اس لیے عطا فرمائی ہے تاکہ اسے ایک علاقہ سے دوسرے علاقے تک پہنچنے میں آسانی ہو۔ اس کے لیے ہدایت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ جس طرح منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے تم صحیح راستوں کا انتخاب کرتے ہو اسی طرح تمہیں جنّت میں داخلے کے لیے اللہ کے متعین کردہ راستوں کو اختیار کرنا چاہیے جس کا بنیادی سنگِ میل عقیدہ توحید اور اس کے تقاضے پورے کرنا ہے۔

مسائل

۱۔ اہلِ مکہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ زمین وآسمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے۔

۲۔ اہل مکہ کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر کسی پر غالب اور سب کچھ جانتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر بسنے والوں کی سہولت کے لیے زمین کو بچھونا بنا دیا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ رکھنے اور نقل وحمل کے لیے زمین میں راستے بنا دیئے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

زمین کے بارے میں قرآن مجید کے ارشادات:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر نمونے کے زمین وآسمان بنائے۔(البقرۃ:۱۱۷) ۲۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو برابر کیا۔(البقرۃ:۲۹)

۳۔ آسمان کو چھت اور زمین کو فرش بنایا۔(البقرۃ:۲۲) ۴۔ زمین اور آسمانوں کو چھ دنوں میں بنایا۔(الاعراف:۵۴)

۵۔ زمین وآسمان بنانے اور بارش اتارنے والا اللہ ہے اس کے ساتھ دوسرا الٰہ کیوں؟(النمل:۶۰)(یٰس:۳۴)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر پہاڑ بنائے تاکہ زمین ہل نہ سکے۔(فاطر:۴۱)(النمل:۶۱)(الروم:۸)(الزلزال:۱)

وَالَّذِیۡ	نَزَّلَ	مِنَ	السَّمَآءِ	مَآءًۢ	بِقَدَرٍ ۚ
اور وہ جس نے	نازل کیا	سے	آسمان	پانی	اندازے سے

فَاَنۡشَرۡنَا	بِهٖ	بَلۡدَةً	مَّيۡتًا ۚ	كَذٰلِكَ	تُخۡرَجُوۡنَ ⑪
پھر ہم نے اٹھایا	اس کے ساتھ	شہر	مردہ	اسی طرح	تم نکالے جاؤ گے

’’جس نے ایک خاص مقدار میں آسمان سے پانی اتارا اور اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کیا اسی طرح ایک دن تم زمین سے نکالے جاؤ گے۔‘‘(۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس ذاتِ کبریا نے زمین وآسمانوں کو پیدا کیا اور زمین کو بچھونا بنایا اور اس میں راستے بنائے ہیں وہی آسمان سے بارش نازل کرتا ہے۔

قرآنِ مجید نے درجنوں مقامات پر بارش کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی کے طور پر پیش فرمایا ہے بارش کے فوائد بتلانے کے ساتھ یہ استدلال بھی لوگوں کے سامنے رکھا کہ بارش پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اسے ایک خاص مقدار اور انداز میں نازل کرتا ہے۔ سورۃ الشوریٰ کی تفسیر میں یہ بات عرض ہوئی ہے کہ کبھی نہیں ہوا کہ بادل پورے کا پورا پانی پرنالے کی طرح ایک ہی جگہ اُنڈیل دے۔ اللہ تعالیٰ ہواؤں کے ذریعے بادلوں کو نہ صرف ایک جگہ سے دوسری جگہ چلاتا ہے بلکہ پہاڑوں کی مانند دکھائی دینے والے بادلوں کو ہوائیں زمین پر گرنے سے بچاتی ہیں۔ بادلوں سے اس طرح پانی برستا ہے جس طرح فواروں سے پانی برستا ہے۔ اس طرح ہی اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ہر علاقے میں ایک خاص کوٹہ کے مطابق پانی برسایا جاتا ہے لوگوں کے پانی حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ بارش ہے۔ اللہ تعالیٰ بارش کے ساتھ ویران زمین کو ہریالی کا لباس پہناتا ہے جس زمین پر ویرانی کی وجہ سے آنکھ نہیں ٹکتی۔ بارش کے بعد وہی زمین اس طرح سرسبز وشاداب ہوجاتی ہے کہ اب آنکھ اسے بار بار دیکھ کر ٹھنڈک محسوس کرتی ہے آدمی بارش پر غور کرے تو اسے فوراً اس بات پر یقین آجائے گا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین سے سبز وشاداب کھیتیاں پیدا کرتا ہے اسی طرح ہی قیامت کے دن لوگوں کو قبروں سے اٹھالے گا۔

«عَنۡ اَبِیۡ هُرَيۡرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ مَا بَيۡنَ النَّفۡخَتَيۡنِ اَرۡبَعُوۡنَ قَالُوۡا يَا اَبَا هُرَيۡرَةَ ؓ اَرۡبَعُوۡنَ يَوۡمًا قَالَ اَبَيۡتُ قَالُوۡا اَرۡبَعُوۡنَ شَهۡرًا قَالَ اَبَيۡتُ قَالُوۡا اَرۡبَعُوۡنَ سَنَةً قَالَ اَبَيۡتُ ثُمَّ يُنۡزِلُ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيَنۡبُتُوۡنَ كَمَا يَنۡبُتُ الۡبَقۡلُ قَالَ وَلَيۡسَ مِنَ الۡاِنۡسَانِ شَيۡءٌ لَا يَبۡلٰى اِلَّا عَظۡمًا وَاحِدًا وَّهُوَ عَجۡبُ الذَّنَبِ وَمِنۡهُ يُرَكَّبُ الۡخَلۡقُ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ» (متفق علیہ) وَفِیۡ

رِوَايَةٍ لمسلمٍ قَالَ كُلُّ اِبۡنِ اٰدَمَ يَاكُلُهُ التراب اِلاَّ عَجۡبَ الذَّنۡبِ مِنۡهُ خُلِقَ وَفِيۡهِ يُرَكَّبُ)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم ﷺ نے فرمایا: دوصور پھونکنے کا عرصہ چالیس ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگردوں نے پوچھا چالیس دن؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا انہوں نے استفسار کیا چالیس ماہ ہیں؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں یہ نہیں کہتا انہوں نے پھر پوچھا چالیس سال ہیں؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں یہ بھی نہیں کہتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا لوگ یوں اُگیں گے جس طرح انگوری اگتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا، انسان کی دمچی کے علاوہ ہر چیز بوسیدہ ہو جائے گی قیامت کے دن اسی سے تمام اعضاء کو جوڑا جائے گا۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی روایت میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انسان کے تمام اعضاء کو مٹی کھا جائے گی لیکن دمچی کو نہیں کھائے گی انسان اسی سے پیدا کیا جائے گا اور جوڑا جائے گا۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ ایک خاص مقدار اور انداز میں آسمان سے بارش نازل کرتا ہے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ ہی بارش کے ذریعے مردہ زمین کو ہریالی بخشتا ہے۔

٣۔ جس طرح ایک مدت کے بعد بیج زمین سے اُگتا ہے اسی طرح ہی قیامت کے دن لوگوں کو زمین سے زندہ کر کے نکالا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

بارش اور زمین کے حوالے سے انسان کی پیدائش اور اس کی موت کا ثبوت:

١۔ دانے اور گٹھلی کو پھاڑنا، زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ کرنا اللہ کا کام ہے تم کہاں بہک گئے ہو؟ (الانعام: ٩٥)

٢۔ اللہ سے بخشش طلب کرو وہ تمہیں معاف کر دے گا اور بارش نازل فرمائے گا اور تمہارے مال و اولاد میں اضافہ فرمائے گا۔ (نوح: ١٠۔ ١٢)

٣۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ (الروم: ٢٠) ٤۔ ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ (المومنون: ١٢)

٥۔ حضرت آدم بدبودار مٹی سے پیدا کیے گئے۔ (الحجر: ٢٦)

٦۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تمہارے جوڑے جوڑے بنائے۔ (فاطر: ١١)

٧۔ کیا تو اس ذات کا کفر کرتا ہے جس نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے تجھے آدمی بنایا۔ (الکہف: ٣٧)

وَالَّذِیْ	خَلَقَ	الْاَزْوَاجَ	كُلَّهَا	وَجَعَلَ	لَكُمْ	مِّنَ
اور اُسی نے	پیدا کیے	جوڑے	سب	اور بنائیں	تمہارے لیے	سے
الْفُلْكِ	وَالْاَنْعَامِ	مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾	لِتَسْتَوٗا	عَلٰى	ظُهُوْرِهٖ	ثُمَّ
کشتیوں	اور چوپائیوں	جن پر تم سوار ہوتے ہو	تاکہ تم جم کر بیٹھو	پر	ان کی پیٹھوں پر	پھر
تَذْكُرُوْا	نِعْمَةَ	رَبِّكُمْ	اِذَا	اسْتَوَيْتُمْ	عَلَيْهِ	
تم یاد کرو	نعمت کو	اپنے رب کی	جب	تم برابر ہو کر بیٹھ جاؤ	اس پر	
وَتَقُوْلُوْا	سُبْحٰنَ	الَّذِیْ	سَخَّرَ لَنَا	هٰذَا	وَمَا	كُنَّا
اور تم کہو	پاک ہے	وہ ذات جس نے	تابع کر دیا ہمارے لئے	اس کو	اور نہیں	تھے ہم
لَهٗ	مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾	وَاِنَّآ	اِلٰى	رَبِّنَا	لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾	
اسے	قابو میں کرنے والے	اور بے شک ہم	طرف	اپنے رب کی	ضرور لوٹنے والے ہیں	

''اللہ ہی ہے جس نے یہ تمام جوڑے پیدا کیے اور جس نے تمہارے لیے کشتیوں اور جانوروں کو سواری بنایا۔ (۱۲) تاکہ تم ان کی پشت پر چڑھو اور جب تم اُن پر بیٹھو تو اپنے رب کی نعمت یاد کرو اور کہو کہ پاک ہے ''اللہ'' جس نے اس کو ہمارے لیے مسخر کر دیا اور یقیناً ہم انہیں قابو میں کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ (۱۳) اور یقیناً ایک دن ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔'' (۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو ذاتِ حق قیامت کے دن مردوں کو زندہ کرے گی اسی نے ہی ساری مخلوق کے جوڑے پیدا فرمائے ہیں۔ جوڑوں کا ذکر فرما کر اشارہ دیا کہ جس طرح ہر چیز کے جوڑے ہیں اسی طرح زندگی کے بعد موت اور موت کے بعد زندگی ہے یعنی اس دنیا کے بعد آخرت ہے۔

قیامت کے دن زندہ ہونے کا ایک اور ثبوت یہ ہے کہ جس ذات نے مردوں کو زندہ کرنا ہے اسی ذات نے ہر چیز کا جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے اور اسی نے انسانوں کے لیے کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر انسان سواری کرتے ہیں۔ اس کا حکم ہے کہ جب تم سواریوں پر سوار ہو تو اپنے رب کے انعام کو یاد کرو کہ اسی نے چوپاؤں اور کشتیوں کو تمہارے تابع کیا ہے۔ جب تم ان پر اچھی طرح بیٹھ جاؤ تو یہ دعا پڑھو! وہ ذات ہر قسم کے شرک اور کمزوریوں سے پاک ہے جس نے ہمارے لیے انہیں مسخر کیا ہے ورنہ انہیں تابع کرنا ہمارے بس کی بات نہ تھی یقیناً ہم اپنے رب کی طرف ہی جانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب سے انسان کو تخلیق فرمایا ہے اس وقت سے اس کی آمد و رفت اور بار برداری کے لیے چوپاؤں کو

پیدا کیا اور پھر انسان کو کشتی بنانے کا شعور بخشا۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک ذرائع مواصلات میں سب سے آسان ذریعہ چوپائے ہیں۔ جن پر نہ صرف انسان سواری کرتا ہے بلکہ ان سے دیگر فوائد بھی حاصل کرتا ہے۔ چوپاؤں پر غور فرمائیں! کہ اونٹ اپنی قدو قامت اور جسامت کے اعتبار سے انسان سے کتنا بڑا ہے مگر ایک چھوٹا سا بچہ اسے نکیل ڈالے جہاں چاہتا ہے لیے پھرتا ہے، سینکڑوں اونٹوں پر مشتمل ریوڑ کو ایک دو آدمی جہاں چاہتے ہیں ہانک کر لے جاتے ہیں۔ ایسا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چوپاؤں کے ذہنوں میں انسان کی برتری اور تابعداری پیدا کر دی ہے، ہاتھی کو دیکھیں! کتنا بڑا جانور، کس قدر لمبی سونڈ ہے مگر ایک فیل بان بے شک وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو ہاتھی کو اِدھر اُدھر لیے پھرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ اسے انسان کے تابع نہ کرتا تو دس آدمی مل کر بھی ہاتھی پر قابو نہیں پا سکتے تھے، پھر غور کیجیے! کہ سائیکل سے لے کر ہوائی جہاز کی تکنیک انسان کے شعور میں کس نے پیدا کی؟ نہ معلوم! قیامت تک اللہ تعالیٰ انسان کے ذریعے کون کونسی ایجادات معرضِ وجود میں لائے گا انسان کو چاہیے کہ جونہی سواری پر براجمان ہو تو وہ سنتِ نبوی کے مطابق دعائیں پڑھے۔ جس میں رب کا شکر بھی ہے اور اس کی طرف سے حفاظت کا بندوبست بھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کہہ کر رکاب میں پاؤں رکھا، پھر سوار ہونے کے بعد فرمایا: " اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ پھر تین مرتبہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" اور تین دفعہ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہا، پھر فرمایا: "سُبْحَانَكَ" "لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ" "قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ" اس کے بعد آپ ہنس دیئے، میں نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کس بات پر ہنسے ہیں؟ فرمایا: بندہ جب "رَبِّ اغْفِرْلِیْ" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت اچھی لگتی ہے وہ فرماتا ہے کہ میرا یہ بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا اسے کوئی بخشنے والا نہیں۔

(رواہ الترمذی: باب مَا یقُولُ إِذَا رَكِبَ دآبة [صحیح])

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے جوڑے بنائے ہیں۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے کشتیاں اور چوپائے اس لیے بنائے تاکہ لوگ ان پر سوار ہو سکیں۔

۳۔ سواری پر بیٹھ کر اپنے رب کو یاد کرنا چاہیے اور یہ مذکورہ بالا دعائیں پڑھنا چاہئیں۔ ۴۔ ہر کسی نے اپنے رب کے پاس جانا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر قسم کے نقائص اور کمزوریوں سے پاک ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ مشرکوں کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔ (النحل: ۱)

۲۔ اللہ نے آسمان و زمین کو برحق پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ شریکوں سے بلند و بالا ہے۔ (النمل: ۳)

۳۔ اللہ غائب اور حاضر کو جاننے والا ہے اور وہ شریکوں کی شراکت سے بلند و بالا ہے۔ (المومنون: ۹۲)

۴۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ اللہ تعالیٰ مشرکوں کے شرک سے بالاتر ہے۔ (النمل: ۶۳)

اِنَّ	جُزۡءًا	عِبَادِهٖ	مِنۡ	لَهٗ	وَجَعَلُوۡا
بلاشبہ	ایک حصہ	اس کے بندوں	سے	اس کے لیے	اورانہوں نے بنالیا

مُّبِیۡنٌ ⑮	لَکَفُوۡرٌ	الۡاِنۡسَانَ
صریح	البتہ ناشکرا ہے	انسان

ع ۱ ۱۵ / ۷

''اس کے باوجود لوگوں نے اللہ کے بندوں میں سے بعض کو اس کا جز بنالیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان واضح طور پر ناشکرا ہے۔'' (۱۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ''اللہ'' کی توحید کا اقرار کرنے کے باوجود مشرک دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتا ہے یہ اس کی واضح طور پر ناشکری کی دلیل ہے۔

جاری خطاب میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے مشرکین کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر ان سے پوچھا جائے کہ زمین و آسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ان کا جواب ہوتا ہے اور ہوگا کہ زمین و آسمانوں کو صرف ایک ''اللہ'' نے پیدا کیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی آٹھ قدرتوں اور نعمتوں کا ذکر فرمایا جس سے تمام انسان مستفید ہوتے ہیں۔ مشرکین اللہ تعالیٰ کی خالقیّت کا اعتراف کرنے اور اس کی نعمتوں سے مستفید ہونے کے باوجود ''اللہ'' کے بندوں میں سے کچھ بندوں کو اس کا حصہ بناتے ہیں۔ جو مشرک کے کفر اور اس کی ناشکری کی واضح نشانی ہے۔ قومِ نوح علیہ السلام نے پانچ فوت شدگان کو اللہ تعالیٰ کا جز بنایا، ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے اپنے بادشاہ کو رب تسلیم کیا، فرعون نے اپنے آپ کو ''رب الاعلیٰ'' کے طور پر منوایا، یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا، عسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم علیہا السلام کو رب کا جز بنایا۔ امتِ مسلمہ اس حد تک گراوٹ کا شکار ہوئی کہ اس میں ایک فرقہ پنجتن پاک کی محبت میں شرک کا ارتکاب کر رہا ہے اور امتِ مسلمہ کی کثیر تعداد نے نبی علیہ السلام کو ''نور من نور اللہ'' کے طور پر متعارف کروایا اور یارسول اللہ کہہ کر آپ سے مدد مانگتے ہیں ان میں کسی نے کسی کو داتا گنج بخش کہا، کسی کو دستگیر کے لقب سے یاد کیا اور کسی کو امام بری، میری قسمت کردے ہری بھری کہہ کر پکارا جاتا ہے، کسی کو عزت کا مالک سمجھتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ شہباز قلندر میری پت رکھنا، کسی کو لجپال کہا جاتا ہے نہ معلوم مشرکین نے کس کس کو کیا کیا اختیارات سونپ رکھے ہیں۔ یہاں شرک کو پرلے درجے کی ناشکری قرار دیا گیا ہے شرک کرنے والا اس لیے ناشکرا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی عزت وعظمت کی خاطر اسے صرف اپنے سامنے جھکنے اور دردر کی ٹکروں سے بچنے کا حکم دیا لیکن مشرک عقیدہ توحید پر راضی اور اسکی نعمت پر اپنے رب کا شکر گزار ہونے کی بجائے دردر کی ٹھوکروں کو پسند کرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر انسان کی ناشکری کیا ہوسکتی ہے؟ حضرت یوسف نے اپنے قید کے ساتھیوں سے فرمایا تھا۔

''اے جیل کے دوساتھیو! کیا مختلف رب بہتر ہیں یا ایک ''اللہ''؟ جو اکیلا نہایت غالب ہے تم چند ناموں کے سوا عبادت نہیں کرتے۔ جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کے بارے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' (یوسف: ۳۹، ۴۰)

اَمِ	اتَّخَذَ	مِمَّا	یَخْلُقُ	بَنٰتٍ	وَّ اَصْفٰکُمْ	بِالْبَنِیْنَ ﴿۱۶﴾
کیا	اس نے بنالیں	ان سے جو	وہ پیدا کرتا ہے	بیٹیاں	اوراس نے تمہیں چُن لیا	بیٹوں کے ساتھ

وَ اِذَا	بُشِّرَ	اَحَدُهُمْ	بِمَا	ضَرَبَ	لِلرَّحْمٰنِ
حالانکہ جب	خوشخبری دی جاتی ہے	ان میں سے کسی کو	اس کے ساتھ جو	اس نے بیان کیا	رحمٰن کے لیے

مَثَلًا	ظَلَّ	وَجْهُهٗ	مُسْوَدًّا	وَّهُوَ	كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾
مثال	تو ہوجاتا ہے	اس کا چہرہ	سیاہ	اور وہ	غم سے بھرا ہوا

”کیا اللہ نے اپنی مخلوق سے اپنے لیے بیٹیاں پسند کی ہیں اور تمہارے لیے بیٹے پسند کیے ہیں؟ (۱۶) حالانکہ جن کو یہ لوگ الرّحمان کی طرف منسوب کرتے ہیں اس کی پیدائش کی خبر ان میں سے کسی کو دی جاتی ہے تو اس کے منہ پر سیاہی چھا جاتی ہے اور وہ غم سے بھر جاتا ہے۔ (۱۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مشرکین کا ”اللہ“ کے بندوں میں کسی کو اس کا جز بنانے کا ثبوت۔

اہل مکہ نے خود ساختہ تصورات کی بنیاد پر کچھ شخصیات کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا جز اور کچھ کو اس کی صفات کا مظہر بنا رکھا تھا جن شخصیات کو اللہ تعالیٰ کا جز قرار دیتے تھے ان میں ملائکہ بھی شامل تھے ملائکہ کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ مشرکین کی مردہ فطرت کو بیدار کرنے کے لیے ان کی نفسانی کیفیت اور خواہش پیش کر کے سوال کیا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیٹیاں پسند کی ہیں اور تمہارے لیے بیٹے پسند کیے ہیں؟ حالانکہ تمہاری حالت یہ ہے کہ جب تم میں کسی کو بیٹی کی پیدائش کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ کالا ہو جاتا اور وہ غم سے بھر جاتا ہے۔ کیا جو زیور میں پرورش پائے اور کسی بحث کے دوران اپنا مؤقف کھول کر بیان نہ کر سکے اسے ”الرحمٰن“ کے لیے پسند کرتے ہو اور اپنے لیے اُسے عار سمجھتے ہو۔ غور کرو کہ یہ کیسی سوچ اور فیصلہ ہے؟ جس بنا پر تم نے ملائکہ کو ”الرحمٰن“ کی بیٹیاں قرار دے رکھا ہے حالانکہ ملائکہ اس کے غلام ہیں کیا یہ بات کہنے والے اس وقت موجود تھے؟ جب اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو اپنی بیٹیاں قرار دیا تھا کہ ان کی گواہی لکھ لی جائے۔ ایسی بات ہرگز نہیں ہوئی اور یہ عقیدہ رکھنے اور ہرزہ سرائی کرنے والوں کو قیامت کے دن ضرور جواب دینا ہوگا۔ ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دینے والوں سے اللہ تعالیٰ نے پہلے تو بیٹیوں کی ولادت کے وقت جو ان کی حالت ہوتی ہے اس کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد ان سے دو سوال کیے ہیں۔

اولاد کی ضرورت انسان کو تین وجوہات کی بنا پر ہوتی ہے۔

① نسل کا تسلسل قائم رکھنا۔ ② فطری جذبہ اور محبت کے تحت اولاد کی خواہش کرنا۔ ③ اولاد اپنے ماں باپ کا سہارا

غَيْرُ	فِي الْخِصَامِ	وَهُوَ	فِي الْحِلْيَةِ	يُنَشَّؤُا	اَوَمَنْ
نہیں	بحث وحجت میں	اور وہ	زیور میں	پرورش کی جاتی ہے	کیا جس کی

الرَّحْمٰنِ	عِبٰدُ	هُمْ	الَّذِيْنَ	الْمَلٰٓئِكَةَ	وَجَعَلُوا	مُبِيْنٍ ۱۸
رحمان کے	بندے ہیں	وہ	وہ جو	فرشتوں کو	اور انہوں نے ٹھہرایا	واضح کرنے والی

وَيُسْئَلُوْنَ ۱۹	شَهَادَتُهُمْ	سَتُكْتَبُ	خَلْقَهُمْ	اَشَهِدُوْا	اِنَاثًا
اور وہ سوال کیے جائیں گے	ان کی گواہی	ضرور لکھی جائے گی	ان کی پیدائش کے وقت	کیا وہ حاضر تھے	عورتیں

اللہ کی اولاد وہ ہے جو زیور میں پرورش پاتی ہے اور بحث وتکرار میں اپنا مدعا پوری طرح واضح نہیں کرسکتی۔(۱۸) انہوں نے فرشتوں کو جو الرّحمان کے خاص بندے ہیں، عورتیں قرار دے لیا ہے کیا ان کی تخلیق کے وقت وہ موجود تھے کہ ان کی گواہی لکھ لی جائے گی انہیں ہر صورت اس کا جواب دینا ہوگا۔'' (۱۹)

ہوتی ہے اس لیے ہر ماں باپ اولاد کا طلبگار رہتا ہے لیکن والدین بیٹی کی بجائے بیٹے پسند کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تینوں قسم کے جذبات سے مبرا ہے لہٰذا اسے اولاد کی ضرورت نہیں۔ جہاں تک فرشتوں کا معاملہ ہے وہ اس کی بیٹیاں نہیں بلکہ وہ اس کے عاجز اور تابع فرمان غلام ہیں جو اس کے حکم کے مطابق اس کی طرف سے تفویض کردہ کام سرانجام دیتے ہیں ان کی کیا مجال کہ وہ بال برابر بھی نافرمانی کر پائیں۔

۲۔ انسان اپنی فطرت اور ضرورت کے تحت بیٹیوں کی بجائے بیٹے پسند کرتا ہے۔ بیٹی پیدا ہونے سے والدین اپنی ذمہ داریوں میں اضافہ محسوس کرتے ہیں اور بیٹے کو اپنا مددگار اور سہارا سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں اور کمزوریوں سے مبرّا اور ماوراء ہے اس لیے اسے بیٹے اور بیٹی کی ضرورت نہیں اور نہ اس کی شان ہے کہ وہ کسی کو بیٹا یا بیٹی بنائے۔ یہاں تک بیٹی کا معاملہ ہے وہ تو فطری طور پر مرد کے مقابلے میں ناتواں ہوتی ہے اور طبعی طور پر اچھے لباس اور زیور کو پسند کرتی ہے اور اپنی فطری حیا کی وجہ سے جھگڑے کے وقت اپنی بات کھل کر بیان نہیں کرسکتی اعصابی اور ذہنی اعتبار سے بھی عورت مرد کے مقابلے میں کمزور ہوتی ہے اگر کسی وجہ سے کسی مرد کے ساتھ اس کا جھگڑا ہو جائے تو حیا اور جذبات سے مغلوب ہو کر اپنا مؤقف بھی کھل کر بیان نہیں کرسکتی بے شک اس کا جھگڑا اپنے خاوند کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، ایسا معاملہ بزرگوں کے سامنے پیش ہو تو اکثر عورتیں اپنی بات کرتے ہوئے رو پڑتی ہیں۔

بیٹیاں آزمائش ہیں:

ماں، باپ کے لیے ساری اولاد آزمائش ہوتی ہے بالخصوص بیٹیاں بڑی آزمائش ہیں۔

{ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۱۵ } (التغابن:۱۵)

''تمہارا مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہے اور ''اللہ'' کے ہاں بڑا اجر ہے۔''

((عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ فَأَدَّبَهُنَّ وَ زَوَّجَهُنَّ وَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ)) (رواہ ابو داؤد: باب فِي فَضْلِ مَنْ عَالَ يَتَامٰى [ضعيف])

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے تین بچیوں کی پرورش کی انہیں ادب سکھایا اور اُن کی شادی کی اور اُن کے ساتھ اچھا سلوک کیا اُس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔''

مسائل

۱۔ بعض مشرک ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھتے ہیں حالانکہ اپنے لیے وہ بیٹوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

۲۔ اکثر باپ بیٹی کی خوشخبری سُن کر غم زدہ ہو جاتے ہیں۔

۳۔ عورت فطری طور پر زیور کو پسند کرتی ہے اور جھگڑے کے وقت اپنا مؤقف کھل کر بیان نہیں کرسکتی۔

۴۔ بعض مشرک ملائکہ کو خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کی اولاد ٹھہرانے والوں کو قیامت کے دن اچھی طرح پوچھ گچھ کی جائے گی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی اولاد قرار دینے کا گناہ اور اس کی سزا:

۱۔ ''اللہ'' اولاد سے پاک ہے۔(الانعام:۱۰۱) ۲۔عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام خدا نہیں اللہ کے بندے تھے۔(المائدۃ:۷۵)

۳۔ کسی کو اللہ تعالیٰ کی اولاد قرار دینا سنگین ترین جرم ہے۔(مریم:۹۱،۹۲) ۴۔اللہ تعالیٰ کی نہ بیوی ہے اور نہ اولاد۔(الجن:۳)

۵۔ اللہ تعالیٰ کو کسی نے جنم نہیں دیا نہ اس نے کسی کو جنم دیا ہے۔(الاخلاص:۳)

۶۔ کیا تمہارے رب نے تمہیں بیٹے دیئے ہیں اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنایا ہے؟ یہ بڑی نامعقول بات ہے۔ (بنی اسرائیل:۴۰)

۷۔ انہوں نے کہا اللہ کی اولاد ہے حالانکہ وہ اس سے پاک ہے۔(البقرۃ:۱۱۶)

۸۔ انہوں نے کہا ''الرحمٰن'' کی اولاد ہے حالانکہ وہ اولاد سے پاک ہے۔(الانبیاء:۲۶)

۹۔ اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں ہے نہ اس کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے۔(المومنون:۹۱)

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ

اور انہوں نے کہا اگر چاہتا رحمٰن نہ ہم عبادت کرتے ان کی نہیں ان کے لیے اس کی بابت

مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ؕ ﴿۲۰﴾ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ

کوئی علم نہیں ہیں وہ مگر اٹکل پچو باتیں کرتے یا ہم نے دی ہے ان کو

كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ

کوئی کتاب اس سے پہلے سو وہ اسی کو تھامنے والے ہیں بلکہ

قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا

انہوں نے کہا بلاشبہ ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو طریقے پر اور ہم تو

عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾

انہی کے نشاناتِ قدم پر ہدایت یافتہ ہیں

’’وہ کہتے ہیں کہ اگر رحمٰن چاہتا تو ہم کبھی ان کو نہ پوجتے حقیقت یہ ہے کہ یہ کچھ نہیں جانتے صرف اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔(۲۰) کیا ہم نے ان کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی ہے جس کا ثبوت یہ اپنے پاس رکھتے ہیں۔(۲۱) بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔‘‘(۲۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام : قیامت کے دن مشرک سے اس کے شرک کے بارے میں ہر صورت سوال ہوگا۔ دنیا میں اس سے اس کے شرک کے بارے میں سوال کیا جائے اور اس کو اس کے باطل عقیدہ کے بارے میں سمجھایا جائے تو وہ سمجھنے کی بجائے مختلف قسم کے بہانے پیش کرتا ہے۔ اس کے بہانوں میں سے ایک بہانہ یہ ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم شرکیہ عقیدہ اختیار نہ کرتے۔

قرآن مجید نے ہر قسم کے دلائل کے ساتھ مشرکین کو یہ بات سمجھائی ہے کہ نہ تو اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنی اولاد بنایا ہے اور نہ ہی اس نے اپنی خدائی میں کسی کو اپنا شریک ٹھہرایا ہے۔ مشرکین مکہ کے پاس ان دلائل کا کوئی جواب نہیں تھا اور نہ ہی آج کا مشرک اس کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ہی آئندہ کوئی اس کا جواب دے سکے گا۔ اس کے باوجود مشرکین دیگر بہانوں کے ساتھ یہ بہانے بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ ہوتو ہم کس طرح شرک کر سکتے ہیں؟ اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ درحقیقت ان کے پاس علم نہیں جس وجہ سے یہ اٹکل پچو بیان کرتے ہیں جو حقیقی معنوں میں شریعت کا علم جانتا ہے وہ اس قسم کی بے معنٰی باتیں نہیں کرتا۔ مشرک کے پاس علم نہ ہونے کا دوسرا معنٰی یہ ہے کہ کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک حد تک آزادی دے رکھی ہے کہ وہ چاہے تو ہدایت قبول کرے نہ چاہے تو گمراہی

کے راستے پر چلتا رہے علم نہ ہونے کا صاف معنیٰ ہے کہ مشرک جاہل ہوتا ہے کیا ان کے پاس پہلی آسمانی کتابوں میں سے کوئی آسمانی کتاب ہے کہ جس کی بنیاد پر اپنے باطل عقیدہ کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ ان الفاظ کے مخاطب اہل مکہ ہیں کیونکہ ان کے پاس قرآن مجید سے پہلے کوئی کتاب نہیں آئی تھی، اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ایمان کی بنیاد عقیدہ توحید پر ہے اور توحید کے دلائل آسمانی کتابوں میں دیئے گئے ہیں یہی حقیقی اور ٹھوس علم ہے اس کے علاوہ ایمان کی حقیقی تشریح کہیں اور جگہ نہیں ملتی اور نہ ہی وہ قابل قبول ہوگی کیونکہ علم کی حقیقی بنیاد وحی ہے۔ مشرکین مکہ سے ان دلائل کا جواب نہ بن پڑا تو کہنے لگے کہ ہم تو اسی راستے پر چلتے رہیں گے جن پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو چلتے ہوئے پایا۔ قرآن مجید نے دوسرے موقع پر اس کا جواب یہ دیا ہے کیا ان کے باپ دادا دین کی سمجھ اور ہدایت نہ رکھتے ہوں اس کے باوجود یہ لوگ ان کا راستہ اختیار کریں گے اس سے بڑھ کر بے عقلی اور گمراہی کی کیا دلیل ہو سکتی ہے؟ (البقرۃ: ۱۷۰)

مسائل

۱۔ مشرک بہانہ پیش کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے۔

۲۔ حق کے منکر اپنے آباء اجداد کی تقلید کو ہدایت کی دلیل سمجھتے ہیں۔

۳۔ مشرک جہالت کی بنا پر گمراہی پر قائم رہتے ہیں۔ ۴۔ مشرک حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

علم کی حقیقت اور اس کا فائدہ:

۱۔ صاحب علم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے۔ (الزمر: ۹)

۲۔ اللہ تعالیٰ ایمانداروں اور علم والوں کے درجات بلند فرماتا ہے۔ (المجادلۃ: ۱۱)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو علم عطا کیا۔ (النمل: ۱۵) ۴۔ یقیناً اللہ سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔ (فاطر: ۲۸)

۵۔ ہم لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتے ہیں مگر ان کو عالم لوگ ہی سمجھتے ہیں۔ (العنکبوت: ۴۳)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ کچھ بتلایا جو یہ نہیں جانتا تھا۔ (العلق: ۵) ۷۔ انسان کو رحمان نے قرآن سکھایا۔ (الرحمٰن: ۲)

۸۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو لکھنا سکھایا۔ (العلق: ۴) ۹۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بولنا اور بیان کرنا سکھلایا۔ (الرحمٰن: ۴)

۱۰۔ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا۔ (البقرۃ: ۳۱) ۱۱۔ فرشتوں نے بھی سب کچھ اللہ تعالیٰ سے سیکھا۔ (البقرۃ: ۳۲)

وَ كَذٰلِكَ مَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ فِىۡ قَرۡيَةٍ مِّنۡ نَّذِيۡرٍ

اور اسی طرح نہیں ہم نے بھیجا آپ سے پہلے میں بستی کوئی ڈرانے والا

اِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوۡهَآ ۙ اِنَّا وَجَدۡنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ

مگر کہا اس کے خوش حال لوگوں نے بلاشبہ ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر

وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمۡ مُّقۡتَدُوۡنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوۡ جِئۡتُكُمۡ

اور ہم تو اُن کے نشاناتِ قدم پر اقتداء کرنے والے ہیں کہا کیا اگرچہ میں لایا ہوں تمہارے پاس

بِاَهۡدٰى مِمَّا وَجَدۡتُّمۡ عَلَيۡهِ اٰبَآءَكُمۡ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّا

زیادہ ہدایت والا اس سے جو تم نے پایا اس پر اپنے باپ دادا کو انہوں نے کہا یقیناً ہم

بِمَآ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَانۡظُرۡ

اس کے ساتھ جو تم بھیجے گئے ہو اس کے ساتھ انکار کرنے والے ہیں چنانچہ ہم نے انتقام لیا ان سے پھر دیکھیے

كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۲۵﴾ ع ۲ ۱۰ ۸

کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا

''اسی طرح آپ سے پہلے جس بستی میں بھی ہم نے انتباہ کرنے والا بھیجا تو اس بستی کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے۔ (۲۳) انبیاء نے فرمایا: کیا تم اس ڈگر پر چلے جاؤ گے۔ خواہ میں تمہیں اس راستے سے زیادہ صحیح راستہ بتاؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے انہوں نے تمام رسولوں کو یہی جواب دیا کہ جس دین کی طرف بلانے کے لیے تم بھیجے گئے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ (۲۴) ہم نے اُن سے انتقام لیا دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔'' (۲۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح کے بہانے مشرکین مکہ پیش کرتے تھے اسی طرح کے بہانے پہلے لوگوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کے سامنے پیش کیے بہانے پیش کرنے والوں میں سرِ فہرست ان کا مال دار طبقہ تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے اطمینان کی خاطر بتلایا گیا کہ آپ سے پہلے جس بستی میں بھی رسول مبعوث کیا گیا وہاں کے سرمایہ دار طبقہ نے اپنے نبی کے سامنے یہی بہانہ پیش کیا کہ ہم اسی راستے پر چلتے رہیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور ہم اپنے بزرگوں کا مذہب اور کلچر نہیں چھوڑ سکتے۔ ہر قوم کے نبی نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ

میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے بہترین راہنمائی لایا ہوں کیا پھر بھی تم اپنے باپ دادا کے دین اور رسم و رواج کو اپنائے رکھو گے؟ ان لوگوں نے کھلے الفاظ میں کہا ہاں ہم تمہاری بات اور طریقے کا انکار کرتے رہیں گے جب یہ لوگ ایک حد سے آگے بڑھ گئے اور انہوں نے اپنے پیغمبر کا رہنا سہنا محال کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بغاوت کا انتقام لیا۔ تاریخ کے اوراق اور ان قوموں کے آثار دیکھو! انبیاء علیہم السلام کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ ان آیات میں یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ ہر قوم کے مال دار طبقہ کی اکثریت ایسی ہی ہوتی ہے جو باطل تحریکوں اور تنظیموں کی اس لیے پشت پناہی کرتی ہے تاکہ وہ پہلے لوگوں کی تہذیب اور رسومات کا بہانہ بنا کر اپنی عیش و عشرت کو جاری رکھ سکیں یہی کچھ مکہ والے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر رہے تھے اور یہی ہر دور میں ہوتا آرہا ہے۔

مسائل

۱۔ مال دار طبقہ کی اکثریت نے ہر دور کے نبی کی مخالفت کی ہے۔

۲۔ بالخصوص مال دار طبقہ باطل تحریک اور تہذیب و تمدن کی حمایت کرتا ہے۔

۳۔ بڑے لوگوں کی اکثریت نے ہمیشہ سے انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کا انکار کیا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو جھٹلانے والوں سے انتقام لیا۔

تفسیر بالقرآن

بے دین مال دار طبقہ کا کردار اور انجام:

۱۔ مالدار بخل کو اپنے لیے اچھا خیال کرتے ہیں حالانکہ وہ ان کے لیے بُرا ہے۔ (آل عمران: ۱۸۰)

۲۔ جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں، پھر وہ اس میں فسق و فجور کرتے ہیں تو اس بستی پر بات ثابت ہو جاتی ہے پھر ہم اسے بری طرح برباد کر دیتے ہیں۔ (بنی اسرائیل: ۱۶)

۳۔ ہم نے جب بھی کسی بستی میں رسول بھیجا تو مالدار لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم پر چلیں گے۔ (الزخرف: ۲۳)

۴۔ کبھی ایسا نہیں ہوا ہم نے کسی بستی میں رسول بھیجا ہو اور اس کو مالدار طبقے نے نہ جھٹلایا ہو۔ (سبا: ۳۴)

۵۔ جو کچھ زمین میں ہے وہ باعثِ آزمائش ہے۔ (الکہف: ۷)

۶۔ دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے میں قلیل اور حقیر ہے۔ (التوبۃ: ۳۸)

۷۔ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا ہے۔ (العنکبوت: ۶۴) ۸۔ دنیا کی زندگی دھوکے کا سامان ہے۔ (آل عمران: ۱۸۵)

۹۔ لوگ دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی معمولی فائدہ ہے۔ (الرعد: ۲۶)

وَاِذۡ	قَالَ	اِبۡرٰهِيۡمُ	لِاَبِيۡهِ	وَقَوۡمِهٖۤ	اِنَّنِىۡ
اور جب	کہا	ابراہیم نے	اپنے باپ کے لیے	اور اپنی قوم کے لیے	بلاشبہ میں
بَرَآءٌ	مِّمَّا	تَعۡبُدُوۡنَ ۞ ۲۶	اِلَّا	الَّذِىۡ	فَطَرَنِىۡ
بیزار ہوں	اس سے جس کی	تم عبادت کرتے ہو	سوائے	جس نے	مجھے پیدا کیا
فَاِنَّهٗ	سَيَهۡدِيۡنِ ۞ ۲۷	وَجَعَلَهَا	كَلِمَةًۢ	بَاقِيَةً	
تو بے شک وہ	عنقریب میری رہنمائی کرے گا	اور اس نے کر دیا اس کو	کلمہ	باقی رہنے والا	
فِىۡ عَقِبِهٖ	لَعَلَّهُمۡ	يَرۡجِعُوۡنَ ۞ ۲۸			
اپنی اولاد میں	تا کہ وہ	رجوع کریں			

’’وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ جن کی تم بندگی کرتے ہو میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔(۲۶) میرا تعلق صرف اس سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا وہی میری راہنمائی کرے گا۔(۲۷) اور ابراہیم یہی دعوت اپنے پیچھے اپنی اولاد میں چھوڑ گئے تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔‘‘(۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح ہر قوم کے حکمران اور امیر لوگوں نے اپنے رسول کی مخالفت کی اور اپنے آباء واجداد کے رسم ورواج پر قائم رہے اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد اور ان کی قوم باطل عقیدہ اور اپنے رسم ورواج پر قائم رہے۔

اہلِ مکہ اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کا وارث سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی طریقہ سے اپنے رب کی عبادت کرتے تھے جس انداز میں ہم عبادت کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے مختلف الفاظ میں اس بات کی تردید کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شرکیہ عقیدہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ ہی ان کا مشرکین کے ساتھ کوئی واسطہ تھا وہ صرف اور صرف زمین وآسمان کے رب کی عبادت کرنے والے اور اسی کی طرف لوگوں کو بلانے والے تھے اور اپنے عقیدہ میں یکسو تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے توحید کی دعوت اپنے والد کے سامنے پیش فرمائی اور اپنی قوم کو بار بار سمجھایا کہ اے میری قوم! جن کی تم عبادت کرتے ہو میں ان سے لاتعلق ہوں میں تو صرف اسی کی عبادت کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری راہنمائی کرتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہی عقیدہ اور دعوت اپنی اولاد میں چھوڑ کر گئے تاکہ ان کی اولاد ہر حال میں اپنے رب کی عبادت کرے اور اس کی طرف رجوع کرتی رہے۔ اے اہلِ مکہ تم اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سمجھتے ہو اور ان کی ملت کے دعوے دار ہو لہٰذا تمہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنا چاہیے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی بات کی دعوت دیتے ہیں لیکن تم اس طرح ہی مخالفت کر رہے ہو جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام

کے باپ، اس کی قوم اور حکمران طبقہ نے کی تھی۔

{ وَ مَنۡ یَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّۃِ اِبۡرٰہٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِہَ نَفۡسَہٗ ؕ وَ لَقَدِ اصۡطَفَیۡنٰہُ فِی الدُّنۡیَا ۚ وَ اِنَّہٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذۡ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۳۱﴾ وَ وَصّٰی بِہَاۤ اِبۡرٰہٖمُ بَنِیۡہِ وَ یَعۡقُوۡبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰی لَکُمُ الدِّیۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾ؕ اَمۡ کُنۡتُمۡ شُہَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ یَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ ۙ اِذۡ قَالَ لِبَنِیۡہِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِیۡ ؕ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰہَکَ وَ اِلٰہَ اٰبَآئِکَ اِبۡرٰہٖمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ اِلٰہًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۳﴾ } (البقرة: ۱۳۰ تا ۱۳۳)

”دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جس نے اپنے آپ کو بے وقوف بنالیا ہے، بلاشک ہم نے ابراہیم کو دنیا میں چن لیا اور آخرت میں بھی وہ صالحین میں ہوں گے۔ جب اسے اس کے رب نے فرمایا کہ فرمانبردار ہو جاؤ اس نے کہا میں نے اپنے آپ کو رب العالمین کے سامنے جھکا دیا ہے۔ ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی کہ اے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند فرمالیا ہے تمہیں موت مسلمان ہونے کی حالت میں آنی چاہیے۔ کیا تم یعقوب کی موت کے وقت موجود تھے؟ جب اس نے اپنی اولاد کو فرمایا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ سب نے جواب دیا کہ آپ کے معبود کی اور آپ کے آباء ابراہیم، اسماعیل، اور اسحاق کے معبود کی جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے۔“

مسائل

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم کے عقیدے سے برأت کا اعلان کیا تھا۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کی عبادت مشرکوں کے طریقہ کے مطابق نہیں کرتے تھے۔

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمیشہ خالقِ حقیقی کی طرف لوگوں کو بلایا۔

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو توحید کی دعوت دی اور اسی عقیدے پر پکے رہنے کی تاکید فرمائی۔

تفسیر بالقرآن

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ اور دعوت:

۱۔ حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کو فرمایا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو۔ (العنکبوت:۱۶)

۲۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ اے میری قوم! میں تمہارے شرک سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ (الانعام:۷۹)

۳۔ مشرکین نے ابراہیم علیہ السلام کیلئے آگ کا الاؤ جلایا اور اُنہیں آگ میں ڈال دیا اللہ نے اسے بچا لیا۔ (الصّٰفّٰت:۹۷)

۴۔ ابراہیم نے کہا میں اپنے پروردگار کو پکاروں گا اُمید ہے کہ میں اُس کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔ (مریم:۴۸)

بَلۡ	مَتَّعۡتُ	هٰۤؤُلَآءِ	وَاٰبَآءَهُمۡ	حَتّٰى	جَآءَهُمُ
بلکہ	میں نے فائدہ پہنچایا	انہیں	اوران کے باپ دادا کو	یہاں تک کہ	آیاان کے پاس
الۡحَقُّ	وَرَسُوۡلٌ	مُّبِيۡنٌ ۝۲۹	وَلَمَّا	جَآءَهُمُ	الۡحَقُّ قَالُوۡا
حق	اوررسول	کھول کر بیان کرنے والا	اورجب	آیاان کے پاس	حق انہوں نے کہا
هٰذَا	سِحۡرٌ	وَّاِنَّا	بِهٖ	كٰفِرُوۡنَ ۝۳۰	وَقَالُوۡا
یہ	جادو ہے	اور بلاشبہ ہم	اس کے ساتھ	کفر کرنے والے ہیں	اورانہوں نے کہا
لَوۡلَا	نُزِّلَ	هٰذَا	الۡقُرۡاٰنُ	عَلٰى	رَجُلٍ مِّنَ
کیوں نہیں	نازل کیا گیا	یہ	قرآن	پر	آدمی سے
الۡقَرۡيَتَيۡنِ	عَظِيۡمٍ ۝۳۱				
شہروں میں	بڑے				

’’بلکہ میں نے انہیں اوران کے باپ دادا کو فائدہ پہنچایا یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور کھول کھول کر بیان کرنے والا رسول آ گیا۔ (۲۹) جب حق ان کے پاس آیا تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے اور ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ (۳۰) کہتے ہیں یہ قرآن دو شہروں کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔‘‘ (۳۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا مختصر ذکر کرنے کے بعد اب پھر اہلِ مکہ کو براہِ راست مخاطب کیا گیا ہے۔

اہلِ مکہ تعصب میں آ کر اس قدر بوکھلا چکے تھے کہ وہ کسی ایک بات پر قائم نہیں رہتے تھے۔ جس بنا پر نئی سے نئی بات اور انوکھے سے انوکھا الزام لگاتے تھے جس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں مہلت پہ مہلت دیئے جا رہا تھا۔ جب کسی ظالم شخص کو طویل مدت تک مہلت حاصل ہو جائے تو وہ اپنے آپ کو حق پر سمجھنے لگتا ہے حالانکہ وہ حق پر نہیں ہوتا۔ اہل مکہ بھی اپنے آپ کو حق پر گمان کرتے تھے ان کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ ان کی گمراہی اور مخالفت کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم انہیں مہلت دیئے جا رہے ہیں جبکہ ان میں حضرت محمد ﷺ واضح حق کے ساتھ مبعوث کر دیئے گئے ہیں۔ کفار کی تاریخ یہ ہے کہ جب بھی ان کے پاس حق پہنچا تو انہوں نے اسے جادو قرار دیا اور کہا کہ ہم کھلے بندوں حق کا انکار کرتے ہیں یہی اہل مکہ کا وطیرہ تھا ان کا کہنا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے واقعی قرآن کسی شخص پر نازل کرنا ہوتا تو مکہ اور طائف کے بڑے سرداروں میں سے کسی ایک پر نازل کیا جاتا۔ نبوت کے لیے وہ ابوجہل اور طائف کے سرداروں کا نام لیتے تھے۔ اس بات کے قرآن مجید

نے اور بھی جواب دیئے ہیں ان میں ایک جواب یہ ہے کہ کیا آپ کے رب کی رحمت کو یہ تقسیم کرنے والے ہیں یا آپ کا رب اُسے تقسیم اور نازل کرنے والا ہے ظاہر بات ہے کہ ہر قسم کے اختیارات اللہ تعالیٰ کو حاصل ہیں اور وہ اپنی رحمت اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کرتا ہے یہاں رحمت سے پہلی مراد نبوت اور دوسری مراد معیشت ہے۔

{ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ } (الانعام:۱۲۴)

''اللہ زیادہ جانتا ہے کہ اپنی رسالت کسے دے۔ جنہوں نے جرم کیے عنقریب انہیں اللہ کے ہاں ذلت اور سخت عذاب پہنچے گا اس وجہ سے کہ وہ مکروفریب کرتے تھے۔''

{ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾ } (البقرة:۱۰۵)

''نہ اہل کتاب کے کافر اور نہ ہی مشرکین چاہتے ہیں کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی بھلائی نازل ہو اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص فرماتا ہے اللہ بڑے فضل والا ہے۔''

مسائل

۱۔ اکثر لوگ اپنے رب کی دی ہوئی مہلت سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔
۲۔ کفار کے پاس جب بھی حق آیا انہوں نے اس کا انکار ہی کیا۔
۳۔ اہل مکہ کا یہ بھی اعتراض تھا کہ نبوت طائف یا مکہ کے کسی ایک سردار پر نازل ہونی چاہیے تھی۔
۴۔ کسی کو ''الرسول'' منتخب کرنا اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے وہ جسے چاہتا ہے اپنا رسول نامزد کرتا ہے۔
۵۔ نبی ﷺ کے بعد قیامت تک نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔

تفسیر بالقرآن

کفار اور مشرکین کا حق کے ساتھ رویّہ:

۱۔ مشرکین نے کہا اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرتے۔ (النحل:۳۵)
۲۔ مشرکین نے آپ پر اعتراض کیا کہ آپ پر خزانہ کیوں نہیں نازل کیا جاتا۔ (ھود:۱۲)
۳۔ بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰ جب تک ہم اللہ کو اپنے سامنے نہیں دیکھ لیتے ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ (البقرۃ:۵۵)
۴۔ کفار اور مشرکین نے نبی علیہ السلام کو جادوگر کہا۔ (الذاریات:۵۲)
۵۔ کفار اور مشرکین نے کہا یہ نبی کذّاب اور جادوگر ہے۔ (ص:۴)

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا

کیا وہ | تقسیم کرتے ہیں | رحمت کو | اپنے رب کی | ہم نے | تقسیم کی

بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا

ان کے درمیان | ان کی روزی | میں | زندگانی | دنیا والی | اور ہم نے بلند کیا

بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا

ان کے بعض کو | پر | بعض | درجات میں | تا کہ بنائے | ان کا بعض | بعض کو

سُخْرِيًّا ؕ وَ رَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾

خدمت گار | اور رحمت | آپ کے رب کی | بہت بہتر ہے | اس سے جو | وہ جمع کرتے ہیں

”کیا آپ کے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے ان کے درمیان دنیا کی زندگی کے لیے وسائل تقسیم کیے ہیں۔ اور ہم نے ان میں بعض کو بعض پر برتری دی ہے تا کہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لیں اور جو وہ سمیٹ رہے ہیں آپ کے رب کی رحمت اس سے زیادہ بہتر ہے۔“(۳۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہل مکہ کا اعتراض تھا کہ نبوت کسی مالدار شخص کو ملنی چاہیے تھی ان کے جواب میں دولت اور نبوت میں فرق بتلایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے درمیان سماجی، سیاسی اور معاشی تفاوت اس لیے قائم فرمایا ہے تا کہ لوگ ایک دوسرے کی ضرورت محسوس کریں اور اس طرح دنیا کا نظام چلتا رہے۔ اے نبی ﷺ! یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عزت و احترام اور مقام آپ کو عطا فرمایا ہے وہ اس سے کروڑ ہا گنا بہتر ہے جو یہ لوگ کماتے اور جمع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے درمیان جو تفاوت قائم فرمایا ہے اس کی بنیادی حکمت اور مقصد یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ رکھیں۔ اسی اصول کے پیشِ نظر بادشاہ کو وزیروں، مشیروں اور انتظامیہ کی ضرورت ہے، وزیر، مشیر اور انتظامیہ بادشاہ کے ساتھ تعلق رکھنے میں مجبور ہیں، کارخانے دار کو مزدور کی ضرورت ہے، مزدور کارخانے میں کام کیے بغیر اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ نہیں پال سکتے، لینڈ لارڈ زرعی آلات رکھنے کے باوجود مزارع اور مزدور کے بغیر زمیندارا نہیں کر سکتا اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔

متحدہ پاکستان کے دور میں پاکستان دو صوبوں پر مشتمل تھا ایک کو مشرقی پاکستان اور دوسرے کو مغربی پاکستان دونوں کو ملا کر پاکستان کہا جاتا تھا۔ جس کا موجودہ پاکستان ایک صوبہ تھا۔ ۱۹۵۸ء سے لے کر ۱۹۶۶ء تک اس کا گورنر نواب آف کالا باغ

تھا جو بڑا منتظم اور سخت گورنر شمار ہوتا تھا اس کے دور میں پشاور شہر کے خاکروبوں نے ہڑتال کی شہر کے میئر اور وزراء نے خاکروبوں سے بار بار مذاکرات کیے لیکن خاکروبوں نے یہ شرط پیش کی کہ جب تک صوبائی گورنر ہمارے مطالبات تسلیم کرنے کی براہِ راست گارنٹی نہیں دیتے اس وقت تک ہم ہڑتال ختم نہیں کریں گے اس دور میں فلش سسٹم کا نیٹ ورک جامع اور شہر کی ضرورت کے مطابق نہیں تھا خاکروبوں کی ہڑتال طول پکڑ گئی جس وجہ سے شہر میں شدید تعفن پیدا ہوا اور کئی قسم کی بیماریوں نے شہریوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ شہر کے لوگوں نے مجبور ہو کر گورنر سے اپیل کی کہ وہ پشاور تشریف لا کر خاکروب حضرات سے مذاکرات کریں تاکہ شہر میں صفائی کا نظام بحال ہو سکے لیکن گورنر نے یہ مطالبہ مسترد کر دیا جب ہڑتال کو زیادہ دن گزر گئے تو پشاور میں وباء نے شدت اختیار کر لی جس وجہ سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ ہسپتالوں میں داخل ہوئے اس صورت حال سے مجبور ہو کر میر محمد خان پشاور گئے اور خاکروبوں کے مطالبات تسلیم کیے تب جا کر شہریوں نے سکھ کا سانس لیا یہ بظاہر ایک شہر کا واقعہ ہے لیکن اس حقیقت کا ترجمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ایک دوسرے کا محتاج بنایا ہے۔

باہمی ضرورت اور مفاد کے تحت بڑے اور ترقی یافتہ ممالک چھوٹے ملکوں سے رابطہ رکھنے پر مجبور ہیں ایسا اس لیے ہے تاکہ لوگ بقائے باہمی کی بنیاد پر آپس میں رابطہ رکھیں اور بحیثیت انسان ایک دوسرے کے کام آئیں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنی رحمت کا مالک ہے اور وہی لوگوں پر رحمت نازل فرمانے والا ہے۔

۲۔ یہاں رحمت سے پہلی مراد نبوت ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے نبوت عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہی حضرت محمد ﷺ کو خاتم النّبیین بنایا ہے۔

۳۔ یہاں رحمت سے دوسری مراد دنیا کی خوشحالی ہے بشرطیکہ خوشحال شخص صاحبِ ایمان اور صالح اعمال کرنے والا ہو۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے وسائل کے بارے میں لوگوں کے درمیان ایک فرق رکھا ہے۔

تفسیر بالقرآن

دنیا کے مال کی حیثیت:

۱۔ جو چیز تم دیے گئے ہو یہ تو دنیا کا سامان اور زینت ہے۔ (القصص: ۶۰)

۲۔ نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر کھیل تماشا۔ (العنکبوت: ۶۴) ۳۔ مال اور اولاد تمہارے لیے فتنہ ہیں۔ (التغابن: ۱۵)

۴۔ کفار کے مال و اولاد ہرگز ان کے کام نہیں آسکیں گے۔ (آلِ عمران: ۱۰)

۵۔ جو چیز تم دیے گئے ہو یہ دنیا کا سامان اور زینت ہے۔ (القصص: ۶۰)

۶۔ مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی زینت ہیں۔ (الکہف: ۴۶) ۷۔ دنیا آخرت کے مقابلہ میں بہت کمتر ہے۔ (التوبۃ: ۳۸)

وَلَوْ لَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا

اوراگر نہ ہوتی یہ کہ ہوجائیں گے لوگ ایک گروہ توہم ضرور بنادیتے

لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ

ان لوگوں کے لیے جو کفر کرتے ہیں رحمٰن کے ساتھ ان کے گھروں کی چھتیں سے

فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا

چاندی اور سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں اوران کے گھروں کے دروازے

وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ

اورتخت جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اورسونے کے اورنہیں سب کچھ یہ

لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ ع

مگر سامان زندگی کا دنیاوالی اورآخرت آپ کے رب کے نزدیک پرہیزگاروں کے لیے ہے

"اگر یہ نہ ہوتا کہ سارے لوگ ایک ہی طریقے پر ہوجائیں گے تو ہم رحمٰن سے کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں اوران کی سیڑھیاں جن سے وہ اپنے بالاخانوں پر چڑھتے ہیں۔ (۳۳) اوران کے دروازے اوراُن کے تخت جن پر وہ تکیے لگا کر بیٹھتے ہیں۔ (۳۴) سب چاندی اورسونے کے بنادیتے یہ تو دنیا کی زندگی کا سامان ہے اورآخرت آپ کے رب کے ہاں صرف متقین کے لیے ہے۔" (۳۵)

ع ۳ / ۹

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس مال کولوگ جمع کرتے ہیں اور جس کی محبت میں مرے جاتے ہیں، اس کی حقیقت۔

قرآن مجید نے بار بار لوگوں کو یہ حقیقت بتلائی اور سمجھائی ہے کہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز عارضی اور ناپائیدار ہے ہمیشہ رہنے والی آخرت ہے اس دن سچا ایمان اور صالح اعمال کام آئیں گے، جہاں تک دنیا کے وسائل اوراس کی زیب و زینت کا معاملہ ہے اگراس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ دنیا کی خاطر سب کے سب لوگ کفر پر اکٹھے ہوجائیں گے تو اللہ تعالیٰ کفار کے گھر ہی نہیں ان کے مکانوں کی چھتیں، سیڑھیاں، گھروں کے دروازے اور جہاں وہ تکیہ لگائے بیٹھا کرتے ہیں انہیں بھی اللہ تعالیٰ سونے چاندی کے بنادیتا یعنی اس قدر انہیں مال کی فراوانی سے ہمکنار کردیتا لیکن سب کچھ دینے کے باوجود دنیا کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ یہ آخرت کے مقابلے میں عارضی اور قلیل سامان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آخرت ہر حال میں متقین کے لیے بہتر ہے۔ آیت ۳۲ کے ابتدائی الفاظ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اگرلوگوں کے

پھسل جانے کا خدشہ نہ ہوتا تو وہ کفار کو اس قدر دنیا کا مال و متاع دیتا کہ یہ اپنے مکانوں کی چھتیں اور دروازے بھی سونے، چاندی کے بنا لیتے انسان آخر انسان ہے بے شک وہ کتنا ہی ایمان میں پختہ کیوں نہ ہو لیکن پھر بھی وہ ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے متقین کو گمراہی سے بچانے کے لیے کفار کو ایک حد تک ہی وسائل عطا کیے ہیں لیکن آخرت کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

«عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ» (رواہ الترمذی: کتاب الزہد [صحیح])

”حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی وقعت مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو وہ کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا۔“

«عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ بِالسُّوقِ دَاخِلًا مِنْ بَعْضِ الْعَالِيَةِ وَالنَّاسُ كَنَفَتَهُ فَمَرَّ بِجَدْيٍ أَسَكَّ مَيِّتٍ فَتَنَاوَلَهُ فَأَخَذَ بِأُذُنِهِ ثُمَّ قَالَ أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنَّ هٰذَا لَهُ بِدِرْهَمٍ فَقَالُوا مَا نُحِبُّ أَنَّهُ لَنَا بِشَيْءٍ وَمَا نَصْنَعُ بِهِ قَالَ أَتُحِبُّونَ أَنَّهُ لَكُمْ قَالُوا وَاللّٰهِ لَوْ كَانَ حَيًّا كَانَ عَيْبًا فِيهِ لِأَنَّهُ أَسَكُّ فَكَيْفَ وَهُوَ مَيِّتٌ فَقَالَ فَوَاللّٰهِ لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ»

(رواہ مسلم: کتاب الزهد والرقائق، باب)

”حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بازار میں ایک طرف سے داخل ہوئے اور آپ کے ساتھ کچھ لوگ بھی تھے آپ ایک مردہ بکری کے بچے کے پاس سے گزرے آپ نے اس کے ایک کان کو پکڑ کر پوچھا اسے ایک درہم کے بدلے کون لینا پسند کرے گا؟ صحابہ نے کہا: ہم تو اسے کسی چیز کے بدلے بھی لینا نہیں چاہتے اس کا ہم کیا کریں گے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم اسے پسند کرتے ہو کہ یہ بکری کا بچہ تمہارا ہوتا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ کی قسم! اگر یہ زندہ بھی ہوتا تو کان چھوٹے ہونے کی وجہ سے اسے قبول نہ کیا جاتا۔ اب مرا ہوا ہے ہم اسے کیسے پسند کریں۔ آپ نے فرمایا: جیسے تمہارے نزدیک بکری کا مردہ بچہ بڑا حقیر ہے۔ اللہ کی قسم! اللہ کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ حقیر ہے۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے ایمانداروں کو بڑی آزمائش سے بچانے کے لیے کفار کو ایک حد تک وسائل عطا کیے ہیں۔

٢۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو کفار کو اس قدر دنیا عطا کرتا کہ ان کے مکانوں کی چھتیں اور دروازے بھی چاندی کے ہوتے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آخرت کے مقابلے میں دنیا کی کوئی حیثیت نہیں۔

وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ

اور جو | اندھا ہو جائے | سے | ذکر | رحمٰن کے | ہم مقرر کر دیتے ہیں

لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمۡ

اس کے لیے | شیطان | تو وہ | اس کا | ہم نشین ہو جاتا ہے | اور بلاشبہ وہ

لَيَصُدُّوۡنَهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ وَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۳۷﴾

البتہ روکتے ہیں انہیں | سے | سیدھے راستے | اور وہ گمان کرتے ہیں کہ | بے شک وہ | ہدایت پر چلنے والے ہیں

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيۡتَ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكَ

یہاں تک کہ | جب | وہ آئے گا ہمارے پاس | تو کہے گا | اے کاش | میرے درمیان | اور تیرے درمیان

بُعۡدَ الۡمَشۡرِقَيۡنِ فَبِئۡسَ الۡقَرِيۡنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنۡ يَّنۡفَعَكُمُ

دوری ہو | مشرقین کی | بہت برا ہے | ہم نشین | اور ہرگز نہ | نفع دے گی تمہیں

الۡيَوۡمَ اِذۡ ظَّلَمۡتُمۡ اَنَّكُمۡ فِى الۡعَذَابِ مُشۡتَرِكُوۡنَ ﴿۳۹﴾

آج | جب تم نے ظلم کیا | یہ کہ تم | میں | عذاب | شریک ہو

”جو شخص الرّحمان کے ذکر سے غفلت اختیار کرتا ہے اس پر ہم شیطان مسلط کر دیتے ہیں وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔(۳۶) یقیناً وہ ایسے لوگوں کو سیدھے راستے سے روکتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک راستے پر ہیں۔(۳۷) آخر کار جب یہ ہمارے ہاں آئے گا تو شیطان سے کہے گا کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کی دوری ہوتی تو بد ترین ساتھی ثابت ہوا۔(۳۸) اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ جب تم ظلم کر چکے لہٰذا آج یہ بات تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ تم سارے عذاب میں اکٹھے ہو گے۔“(۳۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: دنیا کو سب کچھ سمجھنے والا شخص نہ صرف آخرت کو فراموش کرتا ہے بلکہ اپنے رب کی یاد سے بھی غافل ہوتا ہے جس کے نتیجے میں شیطان اس کا ساتھی بنا دیا جاتا ہے۔

جو شخص اپنے رب کی یاد سے غافل ہو جائے اللہ تعالیٰ اس پر شیطان مسلّط کر دیتا ہے اور وہ اس کا مستقل ساتھی بن جاتا ہے ایسے لوگوں کو شیطان نیکی کے کاموں سے روک لیتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ سمجھتے ہیں ہم صحیح راستہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ موت کے بعد ایسے شخص کی اپنے رب کے حضور حاضری ہوگی تو وہ بڑے افسوس کے ساتھ اس بات کا اظہار کرے گا کہ کاش! دنیا میں میرے اور شیطان کے درمیان مشرق اور مغرب کی دوری ہوتی۔ اس کے ساتھ ہی شیطان کو مخاطب کرتے ہوئے کہے گا کہ تو میرا بد ترین ساتھی ثابت ہوا۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوگا کہ تمہارا ایک دوسرے سے

جھگڑنا اور اپنے کیے پر افسوس کرنا اس کا آج کے دن تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ تم نے ہر قسم کے مظالم کیے ہیں لہٰذا عذاب میں بھی تم ایک دوسرے کے ساتھی ہوگے۔ ان آیات میں تین باتوں کی طرف خصوصی طور پر توجہ دینا چاہیے۔

① ’’ذکر الرحمٰن‘‘ سے مراد صرف زبانی ذکر نہیں بلکہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا اور اس کو یاد رکھنا ہے۔

② اللہ تعالیٰ کا کسی پر شیطان مسلّط کرنے کا یہ معنٰی ہے کہ جب کوئی شخص اپنے لیے بُرا راستہ اختیار کر لیتا اور اس پر اصرار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو شیطان کے حوالے کر دیتا ہے گویا کہ اللہ نے ناراض ہو کر اس پر شیطان کو مسلط کر دیا ہے جس پر شیطان مسلط کر دیا جائے وہ مرتے دم تک نیکی اختیار کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

③ شیطان پہلا کام یہ کرتا ہے کہ وہ برائی اور بے حیائی کو لوگوں کے سامنے فیشن کے طور پر پیش کرتا ہے۔ برائی کو فیشن کے طور پر اختیار کرنے والے لوگوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ترقی یافتہ سمجھتے ہیں۔ جس وجہ سے وہ اپنے طرزِ زندگی کو صحیح تصور کرتے ہیں۔ ایسے شخص کا صحیح راستے کی طرف آنا ممکن نہیں ہوتا۔ قیامت کے دن یہ لوگ ایک دوسرے کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ انہیں شیطان بھی یہ بات کہے گا۔

’’اور جب پورے کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا تو شیطان کہے گا بے شک اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا سچا وعدہ ہوا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا اس کی خلاف ورزی کی اور میرا تم پر کوئی زور نہ تھا، سوائے اس کے کہ میں نے تم کو بلایا تم نے میرا کہنا مان لیا، اب مجھے ملامت نہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو، نہ میں تمہاری فریاد رسی کرنے والا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کرنے والے ہو، یقیناً میں اس کا انکار کرتا ہوں جو تم نے مجھے شریک بنایا۔ یقیناً جو لوگ ظالم ہیں اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔‘‘ (ابراہیم: ۲۲)

مسائل

۱۔ الرحمٰن کے ذکر سے غفلت کرنے والے پر شیطان مسلّط کر دیا جاتا ہے ۲۔ جس پر شیطان مسلط کر دیا جائے وہ برائی کو اچھائی سمجھتا ہے۔

۳۔ قیامت کے دن مجرم اس بات کی خواہش کریگا کہ کاش! دنیا میں میرے اور شیطان کے درمیان **بُعۡدَ الۡمَشۡرِقَيۡنِ** ہوتا۔

۴۔ قیامت کے دن ظالم ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکیں گے وہ جہنّم میں اکٹھے ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن مجرمین کی خواہش اور آرزو:

۱۔ جہنمی کہیں گے اے اللہ ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو واپس لوٹا دے۔ (السجدۃ: ۱۲)

۲۔ جہنم سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو دوبارہ جہنم میں دھکیل دیئے جائیں گے۔ (السجدۃ: ۲۰)

۳۔ جب بھی ارادہ کریں گے کہ ہم جہنم سے نکلیں تو اس میں واپس لٹائے جائیں گے۔ (الحج: ۲۲)

۴۔ اے رب ہمارے! ہمیں یہاں سے نکال ہم پہلے سے نیک عمل کریں گے۔ (الفاطر: ۳۷)

اَفَاَنۡتَ	تُسۡمِعُ	الصُّمَّ	اَوۡ تَہۡدِی	الۡعُمۡیَ	وَمَنۡ
کیا پھر آپ	سنا سکتے ہیں	بہرے کو	یا آپ راہ دکھا سکتے ہیں	اندھے کو	اور ان کو جو
کَانَ	فِیۡ	ضَلٰلٍ	مُّبِیۡنٍ ﴿۴۰﴾	فَاِمَّا	نَذۡہَبَنَّ
ہیں	میں	گمراہی	صریح	پھر اگر	ہم لے جائیں
بِکَ	فَاِنَّا	مِنۡہُمۡ	مُّنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۴۱﴾	اَوۡ نُرِیَنَّکَ	الَّذِیۡ
آپ کو	تو بے شک ہم	ان سے	انتقام لینے والے ہیں	یا ہم دکھا دیں آپ کو	وہ جو
وَعَدۡنٰہُمۡ	فَاِنَّا	عَلَیۡہِمۡ	مُّقۡتَدِرُوۡنَ ﴿۴۲﴾		
ہم نے ان سے وعدہ کیا	تو بلاشبہ ہم	ان پر	قدرت رکھنے والے ہیں		

’’کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں یا اندھوں اور کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے لوگوں کو راہ دکھا سکتے ہیں۔ (۴۰) اب ہم نے ان کو سزا دینی ہے خواہ ہم آپ کو فوت کر لیں۔ (۴۱) یا آپ کو ان کا انجام دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے ہم ان پر پورا اختیار رکھتے ہیں۔‘‘ (۴۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس شخص پر شیطان مسلط کر دیا جائے وہ برائی کو اچھائی سمجھنے کی وجہ سے اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے۔

یہ حقیقت بڑی واضح ہے کہ جو شخص برائی کو اچھائی سمجھ کر کرتا ہے اسے جس طرح بھی سمجھایا جائے وہ نہ صرف اچھی بات کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتا بلکہ اسے سننا بھی گوارا نہیں کرتا ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ دل کے اندھے پن کی وجہ سے اچھی بات پر غور کرنا اور اسے توجہ کے ساتھ سننا بوجھ سمجھتا ہے۔ یہی صورتِ حال اہل مکہ اور اہلِ کتاب کی غالب اکثریت کی تھی۔ اہلِ مکہ دینِ ابراہیم علیہ السلام کے نام پر شرک و بدعت کرتے اور اہلِ کتاب اپنے آپ کو اہلِ حق سمجھتے تھے۔ انہیں جب بھی سمجھایا جاتا تو ان کا ردِّعمل اندھے اور بہرے لوگوں جیسا ہوتا۔ اس پر نبی کریم ﷺ کو ارشاد ہوا کہ کیا آپ بہرے شخص کو سنا سکتے ہیں اور اندھے کو راستہ دکھا سکتے ہیں اور اس شخص کو ہدایت دے سکتے ہیں جو پوری طرح گمراہ ہو چکا ہے؟ گمراہ شخص کی صورتِ حال بیان کرنے کے بعد آپ ﷺ کو ارشاد ہوا کہ اگر ہم آپ کو فوت کر لیں تو ان سے ضرور بدلہ لیں گے یا آپ کی زندگی میں وہ کر دکھائیں گے جس کا ان کے ساتھ ہم وعدہ کرتے تھے۔ ہم ان سے انتقام لینے پر پوری طرح قدرت رکھتے ہیں۔ اہلِ مکہ آپ ﷺ سے بار بار مطالبہ کرتے کہ جس عذاب سے ہمیں ڈرایا جاتا ہے وہ اب تک نازل کیوں نہیں ہوا؟ اس کا جواب اس موقع پر یوں دیا گیا کہ ہم چاہیں تو آپ کی موت کے بعد ان

سے بدلہ لیں اور اگر چاہیں تو آپ کی زندگی میں انہیں عذاب میں مبتلا کریں گے دونوں صورتوں میں ہمارے لیے کوئی مشکل نہیں کیونکہ ہم ان پر ہر اعتبار سے اقتدار اور اختیار رکھتے ہیں۔

ہدایت کے لیے لازم ہے کہ انسان عقل وفکر سے کام لے:

{ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ ۝ } (قٓ:۳۷)

”جو شخص دل سے اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے سنتا ہے اس کے لیے اس میں نصیحت ہے۔“

{ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ۝ } (الحج:۴۶)

”کیا وہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے یا ان کے کان سننے والے ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر سینوں میں دل اندھے ہو جاتے ہیں۔“

مسائل

۱۔ نبی اکرم ﷺ بھی بہرے کو سنا اور اندھے کو راستہ نہیں دکھا سکتے تھے۔

۲۔ یہاں بہرے اور اندھے سے پہلی مراد سچائی سننے سے بہرا ہونا اور ہدایت پانے سے اندھا ہونا ہے۔

۳۔ جو شخص برائی کو اچھائی سمجھتا ہے وہ گمراہ ہوتا ہے۔

۴۔ موت نبی اکرم ﷺ کا بھی مقدر تھی اس لیے آپ وفات پا چکے ہیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کو عذاب دینے کے لیے آپ ﷺ سے جو وعدہ فرمایا اسے آپ کی زندگی میں ہی پورا کر دیا۔

۶۔ مشرک اور کافر کو اس کی موت کے بعد بھی سخت عذاب ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے قادر ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں و زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (آل عمران:۲۹)

۲۔ تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تمہیں قیامت کے دن جمع فرمائیگا وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (البقرۃ:۱۴۸)

۳۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے عذاب دے جسے چاہے معاف کر دے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (البقرۃ:۲۸۴)

۴۔ اللہ تعالیٰ تمہارا خیر خواہ اور ذمہ دار ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (الشوریٰ:۹)

۵۔ اللہ تعالیٰ ہی مُردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (الروم:۵۰) ۶۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (البقرۃ:۲۰)

فَاسْتَمْسِكْ	بِالَّذِيْٓ	اُوْحِيَ	اِلَيْكَ ۚ	اِنَّكَ	عَلٰى
بس آپ مضبوطی سے تھام لیں	وہ جو	وحی کی گئی ہے	آپ کی طرف	بلاشبہ آپ ہیں	پر
صِرَاطٍ	مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾				
راستہ	سیدھے				

''آپ کو جو وحی کے ذریعہ سے کتاب بھیجی گئی ہے آپ اسے مضبوطی سے تھام لیں یقیناً آپ سیدھے راستے پر ہیں۔'' (۴۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی اکرم ﷺ کو حکم ہوا کہ حالات جیسے بھی ہوں آپ نے اپنے رب کی وحی کے مطابق چلنا اور اس کا ابلاغ کرنا ہے اور یہی سیدھا راستہ ہے۔ ''تَمَسَّكَ'' کا معنٰی ہے چمٹنا، تھامنا، کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑنا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنا رسول منتخب فرمایا الرّسول کا سب سے پہلا کام ''اللہ'' کی وحی پر اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنا اور اسے مکمل طور پر لوگوں تک پہنچانا ہے۔ وحی کا بنیادی مقصد لوگوں کی صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرنا ہے یہی صراطِ مستقیم ہے جس پر آپ ﷺ تادمِ واپسیں قائم رہے اور لوگوں کی راہنمائی فرماتے رہے۔ یہاں کفار کی اس یاوہ گوئی کا جواب دیا گیا ہے جو وہ عوام میں کرتے اور پھیلاتے تھے کہ محمد ﷺ اپنے آباؤ اجداد کے صحیح راستے سے بہک گیا ہے۔ اس کا جواب سورہ یٰس کی ابتدائی آیات میں یوں دیا گیا ہے۔ اے سردار! قرآن مجید کی قسم یقیناً آپ انبیاء میں شامل ہیں اور صراط مستقیم پر گامزن ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑلو! (عَضُّوا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ وَعَلَیْکُمْ) تم اسے دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑے رکھو'

(رواہ ابن ماجۃ: فی المقدمۃ: باب اتِّبَاعِ سُنَّۃِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ المَھدِیِّین [صحیح])

مسائل

۱۔ نبی محترم ﷺ بھی اپنے رب کی وحی کے پابند تھے۔

۲۔ آپ ﷺ صراطِ مستقیم پر قائم رہے اور زندگی بھر لوگوں کی راہنمائی فرماتے رہے۔

تفسیر بالقرآن

صراطِ مستقیم کے بنیادی اصول:

۱۔ کیا کچھ نہ کرنیوالا اور اچھی باتوں کی تعلیم دینے والا اور صراطِ مستقیم پر چلنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ (النحل: ۷۶)

۲۔ جس شخص نے اللہ کی رسی کو پکڑ لیا اس کی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کی گئی۔ (آل عمران: ۱۰۱)

۳۔ اللہ کو ایک ماننا صراطِ مستقیم ہے۔ (آل عمران: ۵۱) ۴۔ ایک اللہ کی عبادت کرنے والا صراطِ مستقیم پر ہے۔ (یٰس: ۶۱)

وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ ۚ وَ سَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور بلاشبہ یہ — البتہ ایک ذکر ہے آپ کے لیے — اور آپ کی قوم کے لیے — اور عنقریب — تم سوال کیے جاؤ گے

وَ سْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ

اور پوچھیں — جسے — ہم نے بھیجا — آپ سے پہلے — سے — اپنے رسولوں

اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ ع

کیا ہم نے بنائے — سے — سوا — رحمٰن کے — اور معبود — کہ ان کی عبادت کی جائے

ع ۴ / ۱۰

’’حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب آپ اور آپ کی قوم کے لیے نصیحت ہے۔(۴۴)اور عنقریب تمہیں اس کی جواب دہی کرنا ہوگی ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے تھے ان سے پوچھ لیں کیا ہم نے الرّحمٰن کے سوا دوسرے معبود بھی مقرر کیے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے؟‘‘(۴۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس کے ساتھ آپ ﷺ کو تمسک کرنے کا حکم ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جو آپ اور آپ کی قوم کے لیے نصیحت ہے اس کا پہلا نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

قرآن مجید وحی کے ذریعے نازل کیا گیا ہے یہ اللہ کو یاد کرنے کا ذریعہ اور اس کی طرف سے نصیحت ہے۔ جسے آپ ﷺ اور لوگوں کی راہنمائی کے لیے نازل کیا گیا ہے اب لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اس کے مطابق زندگی بسر کریں اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ضرور اُن سے باز پُرس کرے گا۔ جو لوگ قرآن مجید کی آمد اور اس کے منع کرنے کے باوجود شرک کرتے ہیں۔ آپ ﷺ ان سے استفسار فرمائیں جنہیں ہم نے آپ سے پہلے رسول بنایا تھا کیا ہم نے الرّحمٰن کے سوا کوئی اور الٰہ بنایا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے؟ ان آیات میں پہلا ارشاد یہ ہے کہ جو قرآن آپ ﷺ پر نازل کیا گیا ہے وہ آپ اور آپ کی قوم کے لیے نصیحت ہے جو لوگ اسے تسلیم نہیں کرتے اور اس کے بتلائے ہوئے راستے پر گامزن نہیں ہوتے ان سے ضرور پوچھا جائے گا۔ پھر ارشاد ہوا کہ آپ ﷺ اپنے سے پہلے انبیاء سے پوچھ لیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے علاوہ کوئی معبود بنایا تھا یا بنایا ہے جس کی یہ لوگ عبادت کریں۔ اس حقیقت کو ہر کوئی جانتا تھا اور مانتا ہے کہ پہلے انبیاء آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ اس کے باوجود یہاں یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ اے نبی ﷺ! پہلے انبیاء سے سوال کریں اس کا یہ معنٰی ہرگز نہیں کہ پہلے انبیائے کرام علیہم السلام جسمانی یا روحانی طور پر دنیا میں موجود تھے جن کے پاس جا کر آپ پوچھتے اس کا معنٰی یہ ہے کہ جو لوگ پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کی اتباع اور ان کی نبوت کا حوالہ دیتے ہیں آپ ان سے سوال کریں کہ پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیم کے حوالے سے بتاؤ کہ ربِ الرّحمٰن نے کسی آسمانی کتاب میں اس بات کی اجازت دی ہے کہ اس

کے سوا یا اس کے ساتھ کسی اور کی عبادت کی جائے ؟ ظاہر بات ہے کہ کسی آسمانی کتاب میں ربِ رحمٰن کے سوا کوئی الٰہ ثابت نہیں کہ جس کی عبادت کرنا جائز تھی اور نہ ہی قرآن مجید میں ربِ رحمٰن کے سوا کسی کو معبود بنانے کا اشارہ ملتا ہے۔ الٰہ کا معنٰی ہے کہ جس کی عبادت کی جائے اور جسے حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا جائے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں لہٰذا صرف اسی کی عبادت کرنا اور اسی کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا اور ماننا چاہیے۔

{ وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ } (الفرقان: ۳۰)

”اور رسول کہے گا کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔“

مسائل

۱۔ قرآن مجید وحی کے ذریعے نازل ہوا اور یہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی طرف سے نصیحت ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے بارے میں ہر شخص سے باز پُرس کرے گا۔

۳۔ الرحمٰن کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں کہ جس کی عبادت کی جائے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ ہی عبادت کے لائق، حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔

تفسیر بالقرآن

الٰہ کے معانی اور مفہوم:

۱۔ اللہ کے ساتھ دوسرا الٰہ نہ بناؤ ورنہ بدحال بے یار و مددگار ہو جاؤ گے۔ (بنی اسرائیل: ۲۲)

۲۔ اللہ کے سوا کسی اور کو نہ پکارو اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ (القصص: ۸۸)

۳۔ اگر یہ اِلٰہ ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے۔ (الانبیاء: ۹۹)

۴۔ انہوں نے اللہ کے سوا اِلٰہ بنالیے ہیں جنہوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا۔ (الفرقان: ۳)

۵۔ کیا انہوں نے اللہ کے سوا اپنی مدد کے لیے الٰہ بنالیے ہیں؟ (یٰس: ۲۳)

۶۔ زمین و آسمان بنانے اور بارش اتارنے والا اللہ ہے کیا اس کے ساتھ دوسرا الٰہ ہے؟ (النمل: ۶۰)

۷۔ اللہ نے زمین کو جائے قرار بنایا اس میں پہاڑ اور دو سمندروں کے درمیان پردہ بنایا کیا اسکے ساتھ اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل: ۶۱)

۸۔ کون ہے جو لاچار کی فریاد رسی کرتا ہے اور اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل: ۶۲)

۹۔ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں اللہ کے سوا کون رہنمائی کرتا ہے کیا کوئی اس کے ساتھ الٰہ ہے۔ (النمل: ۶۳)

۱۰۔ پہلے اور دوبارہ پیدا کرنا اور زمین و آسمان سے تمہارے لیے روزی کا بندوبست کرنے والا اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے؟ (النمل: ۶۴)

۱۱۔ تمہارا اِلٰہ ایک ہی ہے اس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں وہ بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ (البقرۃ: ۱۶۳)

وَ لَقَدۡ	اَرۡسَلۡنَا	مُوۡسٰی	بِاٰيٰتِنَاۤ	اِلٰی	فِرۡعَوۡنَ
اور البتہ تحقیق	ہم نے بھیجا	موسیٰ کو	اپنی نشانیوں کے ساتھ	طرف	فرعون کی
وَ مَلَا۠ئِهٖ	فَقَالَ	اِنِّیۡ	رَسُوۡلُ	رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۶﴾	فَلَمَّا
اور اس کے سرداروں کی طرف	تو اس نے کہا	بے شک میں	رسول ہوں	تمام جہانوں کے رب کا	پھر جب
جَآءَهُمۡ	بِاٰيٰتِنَاۤ	اِذَا هُمۡ	مِّنۡهَا	يَضۡحَكُوۡنَ ﴿۴۷﴾	وَ مَا
وہ آیا ان کے پاس	ہماری نشانیوں کے ساتھ	تو یکایک وہ	اس سے	ہنستے تھے	اور نہیں
نُرِيۡهِمۡ	مِّنۡ اٰيَةٍ	اِلَّا	هِیَ	اَكۡبَرُ	مِنۡ اُخۡتِهَا
ہم دکھاتے ان کو	کوئی نشانی	مگر	وہ	بہت بڑی تھی	اس جیسی

''ہم نے اپنی نشانیوں کے ساتھ موسیٰ کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا اور اس نے جا کر کہا کہ میں رب العالمین کا رسول ہوں۔(۴۶) جب اس نے ہماری نشانیاں ان کے سامنے پیش کیں تو وہ ہنسنے لگے۔(۴۷) ہم نے ایک کے بعد انہیں بڑی نشانی دکھائی۔

فہم القرآن

ربطِ کلام : اہلِ مکہ غرور اور تکبر کی بنا پر نبی محترم ﷺ کو رسول تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے اس لیے اس موقع پر موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان ہونے والی کشمکش کا کچھ حصہ بیان کیا گیا تا کہ مکہ والوں اور دوسرے لوگوں کو معلوم ہو کہ فرعون نے تکبر کی بنیاد پر موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی تھی جس بنا پر اس کا بدترین انجام ہوا۔ اے مکہ والو! تم نبی ﷺ کی مخالفت کر رہے ہو لہٰذا اپنا انجام سوچ لو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام غلام قوم کے ایک فرد تھے جوان ہوئے تو ان کے ہاتھوں سرکاری پارٹی کا سہواً ایک آدمی قتل ہوا اس وجہ سے موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف ہجرت کر گئے مدین میں ایک عرصہ گزارنے کے بعد اپنی اہلیہ کے ساتھ مصر واپس آ رہے تھے تو راستہ میں انہیں نبوت عطا ہوئی نبوت ملنے کے ساتھ دو معجزات بھی عطا کیے گئے، حکم ہوا کہ فرعون اور اس کے ساتھیوں کے پاس جاؤ اور انہیں اپنے رب کی توحید سمجھاؤ! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور یہ درخواست کی کہ میری معاونت کے لیے میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی نبی بنایا جائے اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کا معاون نبی بنا دیا۔ حضرت موسیٰ اپنے بھائی ہارون علیہما السلام کے ساتھ فرعون اور انکے وزیروں کے پاس گئے اور انہیں اللہ کی توحید کا پیغام سنایا اور اپنی قوم کی آزادی کا مطالبہ کیا نہ معلوم! موسیٰ علیہ السلام نے کتنی مدت تک جدوجہد جاری رکھی اس دوران جادوگروں کے ساتھ معرکہ پیش آیا جس میں موسیٰ علیہ السلام کامیاب ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام پر جادوگر ایمان لے آئے لیکن فرعون اور اس کے ساتھی

وَ اَخَذۡنٰهُمۡ	بِالۡعَذَابِ	لَعَلَّهُمۡ	یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۴۸﴾	وَ قَالُوۡا	یٰۤاَیُّهَ	
اور ہم نے پکڑا ان کو	عذاب کے ساتھ	تا کہ وہ	رجوع کریں	اور انہوں نے کہا	اے	
السّٰحِرُ	ادۡعُ	لَنَا	رَبَّكَ	بِمَا	عَهِدَ	عِنۡدَكَ ۚ
جادوگر	تو دعا کر	ہمارے لیے	اپنے رب سے	اس کے ساتھ جو	اس نے عہد کیا	تجھ سے
اِنَّنَا	لَمُهۡتَدُوۡنَ ﴿۴۹﴾	فَلَمَّا	كَشَفۡنَا	عَنۡهُمُ	الۡعَذَابَ	
بے شک ہم	ضرور ہدایت پانے والے ہیں	پھر جب	ہم دور کر دیتے	ان سے	عذاب	
اِذَا	هُمۡ	یَنۡكُثُوۡنَ ﴿۵۰﴾				
تو اسی وقت	وہ	عہد توڑ دیتے ہیں				

اور ہم نے اُن کو عذاب میں مبتلا کیا تا کہ وہ اپنی رَوش سے باز آئیں۔(۴۸) وہ موسیٰ سے کہتے اے جادوگر تیرے رب کی طرف سے جو تجھے مقام حاصل ہے اس بنا پر ہمارے لیے اس مصیبت سے بچنے کی دعا کرو ہم ضرور راہِ راست پر آجائیں گے۔(۴۹) جب ہم اُن سے عذاب ہٹا دیتے وہ اپنی بات سے پھر جاتے تھے۔''(۵۰)

موسیٰ کے معجزات دیکھنے کے باوجود بھی ایمان نہ لائے نہ صرف ایمان نہ لائے بلکہ وہ موسیٰ علیہ السلام سے بار بار مطالبہ کرتے رہے کہ تیرے کہنے کے باوجود ہم پر عذاب نازل کیوں نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے آل فرعون پر پانچ سخت اور ذلیل کر دینے والے عذاب بھیجے۔

سیلاب:

۱۔ بارش انسانی صحت اور ہر چیز کی نشوونما کے لیے نہایت ضروری ہے اس کے بغیر زمین مردہ اور ہر چیز مرجھا جاتی ہے بشرطیکہ یہ مناسب مقدار میں ہو اگر بارش غیر معمولی ہو تو اس سے ہر چیز تباہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آل فرعون پر غیر معمولی بارشیں نازل کیں جن سے ان کی فصلیں تباہ، جانور بدحال اور مکانات گر گئے بادوباراں کے طوفان اس لیے نازل کیے گئے تا کہ یہ لوگ توبہ واستغفار کریں لیکن توبہ کرنے کی بجائے یہ لوگ تکبرّ اور نافرمانی میں آگے ہی بڑھتے گئے اس کے بعد ٹڈیوں کا عذاب نازل ہوا۔

ٹڈیوں کے جھنڈ:

۲۔ ٹڈیوں کے دَل کے دَل اُمڈ آئے اور انہوں نے سیلاب سے بچ جانے والی فصلوں کو تباہ کیا بلکہ درختوں کی ٹہنیاں تک چبا ڈالیں۔

جوؤں کی بہتات:

۳۔آل فرعون کے لباس اور جسم کے ایک ایک رونگٹے میں اس قدر جوئیں پیدا ہوئیں کہ ان کا رات کا سونا اور دن کا سکون غارت ہو گیا۔انہوں نے خارش کی وجہ سے اپنے جسم لہولہان کر لیے مگر ایمان نہ لائے۔

مینڈکوں کی بہتات:

۴۔جوؤں کے بعد مینڈکوں کا اتنا شدید سیلاب آیا کہ مینڈکوں کے ڈل کے ڈل ان کے کھیتوں،کھلیانوں اور گھروں میں اس طرح گھس آئے کہ ان کے لیے چارپائی پر سونا بھی حرام ہو گیا،خوفناک شکل اور بھاری بھرکم مینڈک ملک میں اس طرح پھیل گئے کہ ہر شخص خوف کے مارے چھپتا پھرتا تھا۔

خون ہی خون:

۵۔ہر کھانے پینے والی چیز میں خون پیدا ہوا،یہاں تک کہ آلِ فرعون خواتین کی چھاتیوں میں دودھ کی بجائے خون اتر آیا حتیٰ کہ آل فرعون میں سے کوئی کسی اسرائیلی سے پانی طلب کرتا تو جونہی پانی پینے لگتا تو وہ بھی گندے خون میں تبدیل ہو جاتا۔ بعض مفسرین نے یہاں تک لکھا ہے کہ آل فرعون کی ایک عورت نے انتہائی قلق کی حالت میں اپنی پڑوسن اسرائیلی عورت کو کہا کہ پانی کی ایک کلی میرے منہ میں ڈال دے تا کہ مجھے سکون حاصل ہو۔جب اس کی پڑوسن نے ایسا کیا تو آل فرعون کی عورت کے منہ میں جا کر پانی کی کلی خون میں تبدیل ہو گئی۔

نہ معلوم فرعون نے پہلے پہل ان عذابوں کے بارے میں عوام میں کیا تاثر دیا ہو گا اور ان کے مقابلہ میں سرکاری سطح پر کیا کیا جتن کیے ہوں گے لیکن جب اس کی تمام کوششیں ناکام ہو جاتیں تو وہ عذاب سے مجبور ہو کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر انتہائی عاجزی کے ساتھ پختہ وعدہ کرتے ہوئے کہتا کہ اے موسیٰ! اپنے رب کے حضور دعا کیجیے کہ ہم سے یہ عذاب ٹل جائے اس سے نجات مل گئی تو ہم آپ پر ایمان لا کر بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے۔لیکن جونہی موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے عذاب ٹلتا تو وہ عہد شکنی کرتے ہوئے پہلے سے زیادہ شرک و کفر کرتے اور بنی اسرائیل کو اذیتیں دیتے۔قرآن و حدیث میں ان عذابوں کے دورانیہ کی وضاحت نہیں ملتی تاہم تفسیر روح المعانی اور قرطبی کے مؤلفین نے بنی اسرائیل کی روایات کو بنیاد بنا کر لکھا ہے کہ ہر عذاب کا دورانیہ ایک ہفتہ پر محیط ہوتا تھا اور اس کے بعد ایک مہینہ کی مہلت دی جاتی تھی جب کہ لوگ کچھ آسودہ حال ہوتے تو پہلے سے زیادہ کفر و شرک اور مظالم کا ارتکاب کرتے تھے۔

فرعون ہر مشکل موقع پر موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرتا مگر اس کی رعونت کا حال یہ تھا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہہ کر پکارتا تھا لیکن موسیٰ علیہ السلام اپنے عظیم حوصلہ اور قوم کی خیر خواہی کی خاطر اس کی گستاخی برداشت کرتے کہ شاید ان میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئیں فرعون اور اس کے ساتھی ہر بار عہد شکنی کرتے تھے ایک موقعہ پر فرعون نے یہاں تک ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کہا۔

وَ نَادٰی	فِرۡعَوۡنُ	فِیۡ	قَوۡمِهٖ	قَالَ	یٰقَوۡمِ	اَلَیۡسَ
اور پکارا	فرعون نے	میں	اپنی قوم	کہا	اے میری قوم	کیا نہیں
لِیۡ	مُلۡكُ	مِصۡرَ	وَ هٰذِهِ		الۡاَنۡهٰرُ	تَجۡرِیۡ
میرے لیے	بادشاہی	مصر کی	اور یہ		نہریں	چلتی ہیں
مِنۡ	تَحۡتِیۡ ج	اَفَلَا	تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۵۱﴾	اَمۡ	اَنَا	خَیۡرٌ
سے	میرے نیچے	کیا پھر نہیں	تم دیکھتے	بلکہ	میں	بہتر ہوں
مِّنۡ هٰذَا	الَّذِیۡ	هُوَ	مَهِیۡنٌ ۙ		وَّ لَا	یَکَادُ
اس سے	وہ جو	وہ	کم تر ہے		اور نہیں ہے	قریب
یُبِیۡنُ ﴿۵۲﴾	فَلَوۡ لَاۤ	اُلۡقِیَ	عَلَیۡهِ	اَسۡوِرَةٌ	مِّنۡ	ذَهَبٍ
کہ وہ واضح کرے	پھر کیوں نہیں	ڈالے گئے	اس پر	کنگن	سے	سونے
اَوۡ	جَآءَ	مَعَهُ	الۡمَلٰٓئِکَةُ	مُقۡتَرِنِیۡنَ ﴿۵۳﴾		
یا	آتے	اس کے پاس	فرشتے	جمع ہوکر		

’’اور فرعون نے اپنی قوم سے کہا کیا مصر میں میری بادشاہی نہیں ہے؟ اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہہ رہی ہیں کیا تمہیں نظر نہیں آتا؟ (۵۱) کہ میں بہتر ہوں یا یہ شخص جو ذلیل ہے اور اپنی بات بھی کھول کر بیان نہیں کر سکتا۔ (۵۲) کیوں نہ اس پر سونے کے کنگن اتارے گئے؟ یا فرشتوں کا ایک دستہ اس کے ساتھ آتا۔‘‘ (۵۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام : فرعون کے تکبر کی انتہا اور اس کی ہرزہ سرائی۔

عذاب ٹل جانے کے بعد فرعون اور اس کے ساتھی بار بار عہد شکنی کرتے اور موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہہ کر بلاتے تھے ان کے رویّے کے باوجود لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متاثر ہو رہے تھے۔ متاثر ہونے والوں میں فرعون کا ایک قریبی رشتہ دار بھی تھا جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا قریب تھا کہ جادوگروں کی طرح فرعون کے دوسرے رشتہ دار بھی موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اعلان کرتے لیکن فرعون جابر اور بڑا شاطر انسان تھا جونہی لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام سے متاثر ہوتے ہوئے محسوس کرتا تو وہ کوئی نہ کوئی نیا ہتھکنڈا اور پراپیگنڈہ شروع کر دیتا اس بار اس نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے ایک طرف تکبر کی انتہا کر دی اور دوسری طرف اپنے کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ اے میری محبوب عوام! خواہ مخواہ موسیٰ سے متاثر

ہوئے جارہے ہو دیکھو اور غور کرو! کہ ملک کا حکمران میں ہوں یا کوئی اور؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہمارے محلات کے نیچے نہریں جاری ہیں یعنی ملک کا دارالخلافہ کس قدر خوبصورت ہے پھر میرے اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تجزیہ کرو کیا میں بہتر ہوں یا یہ ذلیل شخص (نعوذ باللہ) جو صاف گفتگو بھی نہیں کرسکتا؟ اس کی غربت اور کسمپرسی کا عالم یہ ہے کہ نہ اس کے پاس سونے کے کنگن ہیں اور نہ ہی کوئی اس کے باڈی گارڈ اس طرح فرعون نے عوام کو موسیٰ علیہ السلام کے خلاف مشتعل کرنے کی کوشش کی اس نے اپنے ملک کی ترقی بالخصوص شہروں میں انگلش وائر ورکس اور زراعت کے لیے آب پاشی کے نظام کا حوالہ دے کر قوم کو ورغلایا اور اپنے آپ کو ممتاز اور منفرد شخصیت کے طور پر پیش کرتے ہوئے ملک کے لیے ناگزیر قرار دیا فرعون نے اپنے مقابلے میں موسیٰ علیہ السلام کو حقیر اور گونگا کہا اور ملک کی خوشحالی کا حوالہ دیتے ہوئے قوم کو اپنی کلائیوں کے سونے کے کنگن دکھلائے اور جاہ وحشمت کے اظہار کے لیے اپنے لشکر و سپاہ کا حوالہ دیا، یاد رہے کہ ہر ڈکٹیٹر اپنے بارے میں یہی سوچتا ہے اور تاثر دیا کرتا ہے ایسے ہی خیالات کا اظہار اہلِ مکہ کیا کرتے تھے ان کا کہنا تھا کہ یہ تو غریب ہے نبی تو طائف یا مکہ کے فلاں سردار کو ہونا چاہیے تھا، اس لیے فرعون کی گفتگو کا قدرِ تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے فرعون اس بات کا بھی اظہار کرتا تھا کہ اگر واقعی موسیٰ علیہ السلام اللہ کا رسول ہوتا تو اس کے ساتھ ہر وقت ملائکہ کا دستہ ہونا چاہیے تھا تاکہ وہ ہر موقع پر اس کی تائید اور مدد کرتے یہی گفتگو اہلِ مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کرتے تھے۔

زمانہ قدیم کے بادشاہ اور مالدار لوگ دولت کی نمائش کے لیے اپنی کلائیوں میں سونے کے کنگن پہنا کرتے تھے جس طرح آج کل کچھ لوگ کلائی میں کڑا اور ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی پہنتے ہیں اور گلے میں سونے کی زنجیر لٹکاتے ہیں کچھ لوگ سونے کی گھڑی پہننے پر فخر محسوس کرتے ہیں حالانکہ ہماری شریعت میں مردوں کو سونا پہننے سے منع کیا گیا ہے۔

«عَنۡ عُقۡبَةَ بۡنِ عَامِرٍ یُخۡبِرُ عَنۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ کَانَ یَمۡنَعُ أَهۡلَ الۡحِلۡیَةِ وَالۡحَرِیۡرِ وَیَقُوۡلُ إِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ حِلۡیَةَ الۡجَنَّةِ وَحَرِیۡرَهَا فَلَا تَلۡبَسُوۡهَا فِی الدُّنۡیَا»

(رواہ احمد: باب حدیث عقبۃ بن عامر الجھنی [صحیح])

”حضرت عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں زیور اور ریشم سے منع کرتے اور فرماتے تھے کہ اگر تم جنت میں زیور اور ریشم پہننا چاہتے ہو تو دنیا میں نہ پہنا کرو!“

«عَنۡ عَبۡدِ اللّٰهِ بۡنِ عُکَیۡمٍ قَالَ کُنَّا مَعَ حُذَیۡفَةَ رضی اللہ عنہ بِالۡمَدَآئِنِ فَاسۡتَسۡقٰی حُذَیۡفَةُ فَجَآءَهُ دِهۡقَانٌ بِشَرَابٍ فِیۡ إِنَاءٍ مِّنۡ فِضَّةٍ فَرَمَاهُ بِهٖ وَقَالَ إِنِّیۡ أُخۡبِرُکُمۡ أَنِّیۡ قَدۡ أَمَرۡتُهٗ أَنۡ لَّا یَسۡقِیَنِیۡ فِیۡهِ فَإِنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَشۡرَبُوۡا فِیۡ إِنَآءِ الذَّهَبِ وَالۡفِضَّةِ وَلَا تَلۡبَسُوا الدِّیۡبَاجَ وَالۡحَرِیۡرَ فَإِنَّهٗ لَهُمۡ فِی الدُّنۡیَا وَهُوَ لَکُمۡ فِی الۡآخِرَةِ یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ»

(رواہ مسلم: کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم استعمال إناء)

''حضرت عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدائن میں تھے حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پانی طلب کیا ایک کاشتکار چاندی کے برتن میں پانی لے کر حاضر ہوا حضرت حذیفہ نے برتن پھینکتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ کوئی مجھے ایسے برتن میں نہ پلائے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیو اور (مرد) زیور اور ریشمی لباس نہ پہنے یقیناً یہ دنیا میں کافروں کے لیے ہے اور آخرت میں تمہارے لیے ہیں۔''

مسائل

۱۔ فرعون نے اپنی قوم کو ملک کی ترقی کا حوالہ دے کر ورغلایا۔

۲۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے صاحبِ جمال اور جلیل القدر پیغمبر کو اپنے مقابلے میں ذلیل کہا۔ (نعوذ باللہ)

۳۔ فرعون نے اپنے مقابلے میں موسیٰ علیہ السلام کو گونگا قرار دیا۔ ۴۔ فرعون نے اپنی جاہ وحشمت کا مظاہرہ کیا۔

تفسیر بالقرآن

نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے اہلِ مکہ کے مطالبات:

۱۔ منکرینِ حق اس قرآن کے علاوہ یا اس میں تبدیلی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ (یونس: ۱۵)

۲۔ کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے نشانی کیوں نہیں نازل ہوئی۔ (یونس: ۲۰)

۳۔ کفار کہتے ہیں کہ نبی پر اس کے رب کی طرف سے معجزات کیوں نازل نہیں ہوتے۔ (العنکبوت: ۵۰)

۴۔ کفار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کردے۔ (بنی اسرائیل: ۹۰)

۵۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار نے مطالبہ کیا کہ تیرے لیے کھجور اور انگور کا ایک باغ ہونا چاہیے اس کے درمیان نہریں بھی جاری ہونی چاہئیں۔ (بنی اسرائیل: ۹۱)

۶۔ آسمان کو ٹکڑے کرکے ہم پر گرادے جیسا کہ تو نے دعویٰ کیا ہے یا اللہ اور فرشتوں کو سامنے لے آئے۔ (بنی اسرائیل: ۹۲)

۷۔ تیرے لیے سونے کا ایک گھر ہو یا تو آسمان میں چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھنے کا یقین نہیں کریں گے یہاں تک کہ تو ہم پر کتاب لے آئے جسے ہم پڑھیں۔ آپ فرمادیں میرا رب پاک ہے میں تو پیغام پہنچانے والا بشر ہوں۔ (بنی اسرائیل ۹۳)

فَاسۡتَخَفَّ	قَوۡمَہٗ	فَاَطَاعُوۡهُ	اِنَّهُمۡ	كَانُوۡا	قَوۡمًا
چنانچہ اس نے ہلکا کر دیا	اپنی قوم کو	بس انہوں نے اس کی اطاعت کی	بلاشبہ وہی	تھے	لوگ
فٰسِقِيۡنَ ﴿۵۴﴾	فَلَمَّاۤ	اٰسَفُوۡنَا	انۡتَقَمۡنَا	مِنۡهُمۡ	
نافرمانی کرنے والے	پھر جب	انہوں نے ہمیں غصہ دلایا	ہم نے انتقام لیا	ان سے	
فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ	اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۵۵﴾	فَجَعَلۡنٰهُمۡ	سَلَفًا	وَّمَثَلًا	لِّلۡاٰخِرِيۡنَ ﴿۵۶﴾
پس ہم نے غرق کر دیا انہیں	سب کو	پھر ہم نے کر دیا ان کو	گئے گزرے	اور مثال	پچھلوں کے لیے

ع ۱۱ ۵

''اس نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا اور انہوں نے اس کی اطاعت کی، حقیقت میں وہ فاسق لوگ تھے۔(۵۴) آخر کار انہوں نے ہمیں غضب ناک کر دیا ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو غرق کر دیا۔(۵۵) اور انہیں بعد والوں کے لیے عبرت بنا دیا۔''(۵۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: فرعون کے تشدد اور پراپیگنڈہ کے قوم پر منفی اثرات۔

فرعون نے اپنی قوم کو ہر اعتبار سے مرعوب اور اپنے تابع رکھنے کے لیے مختلف قسم کے ہتھکنڈے استعمال کیے جس کے نتیجہ میں قوم نے فرعون کی ہر بات کو تسلیم کیا جس کا سبب یہ تھا کہ یہ قوم بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمان تھی۔ فرعون اور اس کی قوم نے جب اللہ کو ناراض کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے انتقام لیا اور سب کو سمندر میں غرق کر ڈالا اور انہیں ان کے بعد آنے والوں کے لیے عبرت بنا دیا۔ فرعون کی قوم کے لیے ''فَاسۡتَخَفَّ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے مفسرین نے دو معانی بیان کیے ہیں۔

① فرعون نے اپنی قوم کو بے وقوف بنایا۔ ② اس نے اپنی قوم کو ڈرا دھمکا کر اور مختلف قسم کے لالچ دے کر ہلکا کر دیا۔

ہر ڈکٹیٹر اور ظالم حکمران کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ کچھ لوگوں کو مختلف قسم کے لالچ دے کر خرید لیتا ہے جس سے ان لوگوں کے ضمیر ہلکے ہو جاتے ہیں اور ڈکٹیٹر کو خوش کرنے کے لیے وہ حق والوں کی مخالفت کرتے ہیں جو لوگ بکنے والے نہیں ہوتے ان پر مظالم ڈھائے جاتے ہیں جس کے نتیجے میں ان کی اکثریت دب کر رہ جاتی ہے یہی کچھ فرعون نے اپنی قوم کے ساتھ کیا جس کے نتیجے میں لوگ اس کے سامنے جھک گئے اور ان کے ضمیر ہلکے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ فرعون کا عذر قبول نہیں کیا اور ان کو نافرمان قرار دیتے ہوئے فرعون کے ساتھ ہی غرق کر دیا۔ فرعون کی قوم کے ساتھ یہ سلوک اس لیے ہوا کہ لوگوں کا اجتماعی طور پر فرض بنتا ہے کہ وہ ظالم کا ہاتھ روکیں اور سچے لوگوں کا ساتھ دیں لیکن انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بجائے فرعون اور اس کی پارٹی کا ساتھ دیا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان سے انتقام لیا اور انہیں سمندر میں غرق کیا اس طرح انہیں آنے والی نسلوں کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا گیا۔

لوگوں کا اجتماعی فرض:

{ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۱۱۹﴾ } (التوبۃ:۱۱۹)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھی بن جاؤ۔“

«مَثَلُ الْقَائِمِ عَلٰى حُدُوْدِ اللهِ وَالْوَاقِعِ فِيْهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوْا عَلٰى سَفِيْنَةٍ فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا وَبَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا فَكَانَ الَّذِيْنَ فِيْ أَسْفَلِهَا إِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوْا عَلٰى مَنْ فَوْقَهُمْ فَقَالُوْا لَوْ أَنَّا خَرَقْنَا فِيْ نَصِيْبِنَا خَرْقًا وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا فَإِنْ يَتْرُكُوْهُمْ وَمَا أَرَادُوْا هَلَكُوْا جَمِيْعًا وَإِنْ أَخَذُوْا عَلٰى أَيْدِيْهِمْ نَجَوْا وَنَجَوْا جَمِيْعًا»

(رواه البخاری: کتاب الشرکة، هل یقرع فی القسمة والإستهام فيه)

”اللہ تعالیٰ کی حدود پر قائم رہنے والے اور اس میں ملوث ہونے والوں کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جنھوں نے ایک بحری جہاز کے بارے میں قرعہ اندازی کی بعض کو اوپر والے حصے میں اور کچھ کو نیچے والے حصے میں جگہ ملی نیچے والوں کو پانی کی ضرورت پڑتی تو اوپر جاتے نیچے والوں نے کہا کہ ہم اپنے حصے میں سوراخ کر لیتے ہیں اور اوپر والوں کو تکلیف نہیں دیتے اگر اوپر والے انہیں اسی حالت پر چھوڑ دیں تو سب لوگ ہلاک ہو جائیں گے اور اگر ان کے ہاتھوں کو روک لیں گے تو سب بچ جائیں گے۔“

مسائل

۱۔ فرعون نے مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعے اپنی قوم کو ہلکا کر دیا۔ ۲۔ درحقیقت فرعون کی قوم بھی فاسق لوگ تھے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے فاسق قوم سے بدلہ لیا اور انہیں فرعون کے ساتھ غرق کر دیا۔

۴۔ فرعون اور اس کی قوم کو ان سے بعد آنے والوں کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا گیا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے کن لوگوں سے انتقام لیا:

۱۔ ان کے پاس انہی سے رسول آئے لیکن انہوں نے تکذیب کی جس بنا پر انہیں عذاب نے آلیا۔ (النحل: ۱۱۳)

۲۔ ان کے لیے کہا جائے گا تکذیب کرنے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا رہو۔ (السجدۃ: ۲۰)

۳۔ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ (الشعراء: ۱۳۹)

۴۔ قوم نوح نے جب حضرت نوح کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں غرق کر دیا۔ (الفرقان: ۳۷)

۵۔ ہم نے آلِ فرعون سے انتقام لیا اور انہیں دریا میں غرق کر دیا۔ (الاعراف: ۱۳۶)

۶۔ ہم مجرموں سے انتقام لیا کرتے ہیں۔ (السجدہ ۲۲)

وَ لَمَّا	ضُرِبَ	ابْنُ مَرْيَمَ	مَثَلًا	اِذَا	قَوْمُكَ
اور جب	بیان کی گئی	مریم کے بیٹے کی	مثال	یکا یک	آپ کی قوم
مِنْهُ	يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾	وَ قَالُوْٓا	ءَاٰلِهَتُنَا	خَيْرٌ	اَمْ
اس سے	چلاتی ہے	اور انہوں نے کہا	کیا ہمارے معبود	بہتر ہیں	یا
هُوَ ؕ	مَا	ضَرَبُوْهُ	لَكَ	اِلَّا	جَدَلًا ؕ	بَلْ
وہ	نہیں	انہوں نے بیان کی وہ	آپ کے لیے	مگر	جھگڑنے کے لیے	بلکہ
هُمْ	قَوْمٌ	خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾	اِنْ	هُوَ	اِلَّا	عَبْدٌ
وہ	لوگ	جھگڑالو ہیں	نہیں ہے	وہ	مگر	بندہ
اَنْعَمْنَا	عَلَيْهِ	وَ جَعَلْنٰهُ	مَثَلًا	لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ ؕ		
کہ ہم نے انعام کیا	اس پر	اور ہم نے بنا دیا اس کو	نمونہ	بنی اسرائیل کے لیے		

''اور جونہی ابن مریم کی مثال دی گئی آپ کی قوم کے لوگوں نے اس پر شور مچایا۔(۵۷) اور کہنے لگے کہ ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ۔ آپ کے سامنے یہ مثال وہ محض کج بحثی کے لیے پیش کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ جھگڑالو لوگ ہیں۔(۵۸) ابن مریم تو ایک بندہ تھا جس پر ہم نے انعام کیا اور اسے بنی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کا نمونہ بنایا۔''(۵۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام : اللہ تعالیٰ نے آلِ فرعون کو ان کے بعد آنے والوں کے لیے عبرت کا نشان بنایا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اہلِ مکہ اور دیگر لوگوں کے لیے قدرت کا نمونہ اور مثال بنایا ہے۔

اسی سورت کی آیت ۴۵ میں نبی علیہ السلام کو ارشاد ہوا کہ آپ اپنے سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام سے پوچھیں۔ انبیاء علیہم السلام سے پوچھنے سے مراد ان کی کتابیں اور اہل کتاب کے منصف مزاج اہلِ علم سے پوچھنا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے علاوہ کوئی معبود اور مشکل کشا بنایا ہے؟ جس کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا کسی کو معبود نہیں بنایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ کے سامنے ان آیات کی تلاوت کی تو وہ کھِل کھِلا کر ہنسنے اور چلّانے لگے کہ کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا عیسیٰ علیہ السلام بہتر ہیں؟ حقیقت یہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بہتر تھے اور بہتر ہیں اس پر انہوں نے یہ دلیل لی کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام جہنم میں جائیں گے (نعوذ باللہ) تو ہم اور ہمارے معبود بھی جہنّم میں جانے کے لیے تیار ہیں حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام صرف ایک ''اللہ'' کی

عبادت کا حکم دیا کرتے تھے جس کا ذکر اگلی آیات میں کیا گیا ہے، جہاں تک ان لوگوں کا جہنم میں داخل ہونے کا معاملہ ہے ان میں وہ پیر اور لوگ جہنم میں پھینکیں جائیں گے جنہوں نے شرک کی تعلیم دی یا ایسا ماحول دیا کہ لوگ ان کی یا دوسروں کی عبادت کرنے لگے ان سب کو جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے بڑا انعام فرمایا اور انہیں بنی اسرائیل کے لیے نمونہ قرار دیا۔ جہاں تک مشرکین کی دلیل کا تعلق ہے بحث وتکرار اور جھگڑے کے سوا اس کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو شرک وخرافات سے روکتے تھے جس کا ثبوت دو آیات کے بعد دیا جا رہا ہے عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے جو انعامات فرمائے ان کا اختصار یہ ہے۔

① اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو بڑی عزت عطا فرمائی ہے۔

② اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرما کر اپنی قدرت کا نشان قرار دیا ہے۔

③ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بڑے بڑے معجزات عطا فرمائے۔ ④ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وجیہ اور معزز بنایا۔

⑤ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو جسم سمیت آسمان پر اٹھالیا۔ ⑥ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کی نشانی قرار دیا

⑦ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صاحبِ کتاب نبی بنایا۔

مسائل

۱۔ مشرک اپنے شرک کی تائید میں خواہ مخواہ بہانے تلاش کرتا ہے۔

۲۔ مشرک کے پاس علم اور حقیقت پر مبنی دلیل نہیں ہوتی اس لیے وہ بحث وتکرار اور جھگڑا کرتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر بہت زیادہ فضل وکرم فرمایا تھا۔

تفسیر بالقرآن

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ اور دعوت:

۱۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا۔ (المائدۃ:۷۲) ۲۔ عیسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تصدیق کی۔ (آل عمران:۵۰)

۳۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ کی گود میں اپنی نبوت اور بندہ ہونے کا اعلان فرمایا۔ (مریم:۲۹،۳۰)

۴۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا: بے شک میرا اور تمہارا پروردگار ''اللہ'' ہے بس اسی کی عبادت کرو۔ (مریم:۳۶)

۵۔ روزِ قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ میں نے اپنی قوم کو یہی دعوت دی تھی اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ (المائدہ:۱۱۷)

وَ لَوْ نَشَآءُ	لَجَعَلْنَا	مِنْكُمْ	مَّلٰٓئِكَةً	فِي	الْاَرْضِ
اور اگر ہم چاہتے	تو البتہ کر دیتے	تم سے	فرشتے	میں	زمین
يَخْلُفُوْنَ ۝۶۰	وَ اِنَّهٗ	لَعِلْمٌ	لِّلسَّاعَةِ	فَلَا تَمْتَرُنَّ	بِهَا
وہ جانشین ہوتے	اور بے شک وہ	البتہ ایک علم ہے	قیامت کا	لہٰذا نہ تم شک کرو	اس میں
وَاتَّبِعُوْنِ ؕ	هٰذَا	صِرَاطٌ	مُّسْتَقِيْمٌ ۝۶۱	وَ لَا	يَصُدَّنَّكُمُ
اور تم میری پیروی کرو	یہ	راستہ ہے	سیدھا	اور نہ	روک دے تمہیں
الشَّيْطٰنُ ۚ	اِنَّهٗ	لَكُمْ	عَدُوٌّ	مُّبِيْنٌ ۝۶۲	
شیطان	بلاشبہ وہ	تمہارا	دشمن ہے	صریح	

''ہم چاہیں تو تم سے فرشتے بنا دیں جو زمین میں تمہارے جانشین ہوں۔(۶۰) اور یقیناً قیامت کی ایک نشانی ہے پس تم اس میں شک نہ کرو اور میری بات مان لو یہی سیدھا راستہ ہے۔(۶۱) ایسا نہ ہو شیطان تم کو اس سے روک دے یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''(۶۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ مکہ کے ایک اور اعتراض کا جواب۔

جس طرح فرعون نے اپنی قوم سے کہا کہ میں موسیٰ علیہ السلام پر اسے لیے بھی ایمان نہیں لاتا کہ اس کی معاونت کے لیے ملائکہ مقرر نہیں کیے گئے۔ اعتراض کی شکل میں اہلِ مکہ کا بھی یہی مطالبہ تھا کہ محمد ﷺ کی تائید میں ملائکہ مقرر کیوں نہیں کیے گئے جس کا اس موقع پر جواب دیا گیا کہ اگر ہم چاہیں تو زمین میں فرشتے تمہارے جانشین بنا دیں۔ دوسرے موقع پر کفار کے اعتراض کے یہ جواب دیئے گئے۔

{ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝۹۵ } (بنی اسرائیل:۹۵)

''اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ضرور ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ رسول بناتے۔''

{ وَ قَالُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝۸ وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹ } (الانعام:۸،۹)

''اور انہوں نے کہا اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا؟ اور اگر ہم کوئی فرشتہ اتارتے تو ضرور کام تمام کر دیا جاتا، پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی اور اگر ہم اسے فرشتہ بناتے تو یقیناً اسے آدمی بناتے اور یہ اس پر وہی مغالطہ دیتے جو وہ مغالطہ اب پیدا کر رہے ہیں۔''

یعنی یہ کہتے کہ ہم انسان ہیں اس لئے ہمارے لیے انسان رسول کیوں نہ بھیجا گیا۔

جہاں تک عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں قیامت کی نشانی بنایا ہے لہٰذا لوگوں کو اس میں شک نہیں کرنا

چاہیے۔اے رسول ﷺ! لوگوں سے فرمادیں کہ بس میری اتباع کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید، نبی ﷺ کی رسالت اور قیامت کی نشانی کا ذکر فرما کر واضح کیا ہے کہ یہ عقیدہ اور سوچ صراطِ مستقیم ہے لوگوں کو اس کے مطابق چلنا چاہیے۔اس لیے آپ ﷺ سے یہ بات کہلوائی گئی کہ لوگوں کو یہ سمجھائیں کہ تمہیں شیطان صراطِ مستقیم سے نہ بہکائے اور پوری طرح جان لو! کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيرَ وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ وَيَفِيضَ الْمَالُ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ حَتّٰى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا»

(رواہ البخاری: کتاب احادیث الانبیاء)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! عنقریب تم میں عیسیٰ بن مریم عادل حکمران کی حیثیت میں آئیں گے وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ ختم کر دیں گے، مال و دولت کی اس قدر بہتات ہوگی کوئی اسے لینے والا نہیں ہوگا یہاں تک کہ ایک سجدہ کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔“

«عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ» (رواہ البخاری: بَابُ زِيَارَةِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا فِي اعْتِكَافِهِ)

”حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: شیطان انسان کی رگوں میں خون کی گردش کی طرح دوڑتا ہے۔“

مسائل

۱۔ اگر زمین میں بسنے والے فرشتے ہوتے تو اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو نبی منتخب کرتا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کی نشانی بنایا ہے اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

۳۔ لوگوں کو شیطان کے پیچھے چلنے کی بجائے صراطِ مستقیم پر چلنا چاہیے۔ ۴۔ شیطان لوگوں کا کھلا دشمن ہے۔

تفسیر بالقرآن

شیطان کی لوگوں کے ساتھ دشمنی:

۱۔ شیطان انسان کا دشمن ہے۔(البقرۃ:۱۶۸) ۲۔ شیطان کی رفاقت کا بدترین انجام ہوگا۔(الفرقان:۲۹)

۳۔ شیطان بے وفائی کرتا ہے۔(الحشر:۱۶) ۴۔ شیطان بدترین ساتھی ہے۔(النساء:۳۸)

۵۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ دشمنی کی۔(الاعراف:۲۰تا۲۲) ۶۔ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔(یوسف:۵)

وَلَمَّا جَآءَ عِیۡسٰی بِالۡبَیِّنٰتِ قَالَ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ

اور جب | آئے | عیسیٰ | واضح دلائل کے ساتھ | کہا | تحقیق | میں آیا ہوں تمہارے پاس

بِالۡحِکۡمَةِ وَلِاُبَیِّنَ لَکُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ تَخۡتَلِفُوۡنَ

حکمت کے ساتھ | اور تا کہ میں واضح کروں | تمہارے لیے | بعض | وہ جو | تم اختلاف کرتے ہو

فِیۡهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوۡنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیۡ

جس میں | پس تم اللہ سے ڈرو | اور میری اطاعت کرو | بلاشبہ | اللہ | وہ | میرا رب

وَرَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ﴿۶۴﴾

اور تمہارا رب ہے | لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو | یہ | راستہ ہے | سیدھا

''اور جب عیسیٰ واضح نشانیاں لے کر آئے تو اس نے کہا کہ میں تمہارے پاس دانائی کی بات لے کر آیا ہوں تاکہ تم پر بعض اُن باتوں کی حقیقت بیان کروں جن میں تم اختلاف رکھتے ہو لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (۶۳) حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی میرا رب اور تمہارا رب ہے اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ (۶۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس آیت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہو رہا تھا اس لئے عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری اور انکی دعوت کا ذکر کیا جاتا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کیا گیا تو انہوں نے بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میری بعثت کا مقصد یہ ہے کہ میں تمہیں حکمت کی باتیں سکھلاؤں اور تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کروں جن میں تم اختلاف کرتے ہو بس اللہ سے ڈرو اور میری تابعداری کرو۔ یقین جانو کہ ''اللہ'' ہی میرا اور تمہارا رب ہے صرف اسی کی عبادت کرو! یہی صراطِ مستقیم ہے عیسیٰ علیہ السلام کی ہدایت کے باوجود بنی اسرائیل کئی فرقوں میں بٹ گئے جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اختلاف کیا انہوں نے ظلم کیا اس لیے انہیں اذیّت ناک عذاب دیا جائے گا ظالموں کو صرف اس بات کا انتظار ہے کہ ان پر قیامت برپا ہو جائے قیامت ان پر اس طرح ٹوٹ پڑے گی کہ انہیں اس کی خبر تک نہیں ہوگی۔ اہلِ مکہ کا سوال تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا کی جاتی ہے تو کیا عیسیٰ علیہ السلام بھی جہنّم میں جائیں گے؟ اس بات کی وضاحت کے لیے عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کا حوالہ دیا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنی یا کسی دوسرے کی عبادت کا سبق نہیں دیتے تھے وہ تو زندگی بھر یہی تلقین کرتے رہے کہ لوگو! صرف ایک اللہ کی عبادت کرو! وہی میرا اور تمہارا رب ہے صرف ایک رب کی عبادت کرنا ہی صراطِ مستقیم ہے لیکن لوگوں نے ان کی زندگی اور ان کے بعد عقیدہ توحید اور دوسرے مسائل میں اختلاف کیا حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام ان اختلافات کو مٹانے اور سلجھانے کے لیے مبعوث کیے گئے تھے مگر اس کے باوجود اہلِ کتاب نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ عقیدہ توحید اور دین کے

فَاخۡتَلَفَ	الۡاَحۡزَابُ	مِنۡۢ بَيۡنِهِمۡ ۚ	فَوَيۡلٌ	لِّلَّذِيۡنَ	ظَلَمُوۡا	مِنۡ
پھر اختلاف کیا	گروہ نے	انہی میں سے	تو ہلاکت ہے	ان لوگوں کے لیے	انہوں نے ظلم کیا	سے

عَذَابِ	يَوۡمٍ	اَلِيۡمٍ ﴿٦٥﴾	هَلۡ	يَنۡظُرُوۡنَ	اِلَّا	السَّاعَةَ
عذاب	دن کے	دردناک	نہیں	وہ انتظار کرتے	مگر	قیامت کا

اَنۡ	تَاۡتِيَهُمۡ	بَغۡتَةً	وَّهُمۡ	لَا	يَشۡعُرُوۡنَ ﴿٦٦﴾
کہ	وہ آجائے ان کے پاس	اچانک	اور وہ	نہ	شعور رکھتے ہوں

مگر گروہوں نے آپس میں اختلاف کیا پس تباہی ہے اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا ایک دردناک دن کے عذاب کی۔(٦٥) کیا یہ لوگ بس اس کے منتظر ہیں کہ ان پر اچانک قیامت آجائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔‘‘(٦٦)

بنیادی مسائل میں اختلاف پیدا کرنا پرلے درجے کا ظلم ہے دین کے نام پر ظلم کرنے والوں کو جتنا بھی سمجھایا جائے ان کی اکثریت اس ظلم سے باز نہیں آتی اس لیے ارشاد ہوا کہ یہ لوگ تو صرف قیامت کے منتظر ہیں انہیں کیا خبر کہ قیامت اس قدر اچانک برپا ہوگی کہ انہیں خبر تک نہ ہوگی۔

«عَنۡ أَبِي هُرَيۡرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ تَفَرَّقَتِ الۡيَهُودُ عَلَى إِحۡدَى وَسَبۡعِينَ أَوِ اثۡنَتَيۡنِ وَسَبۡعِينَ فِرۡقَةً وَالنَّصَارَى مِثۡلَ ذَلِكَ وَتَفۡتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبۡعِينَ فِرۡقَةً»

(رواہ الترمذی: باب ماجاء فی افتراق ہذہ الامۃ [حسن صحیح])

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ یہودی اپنے دین میں اختلاف کرنے کی وجہ سے اکہتر فرقے ہوئے، عیسائی اختلاف کی بنا پر بہتر گروہوں میں تقسیم ہوگئے اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوجائے گی۔‘‘

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو حکمت اور واضح دلائل کے ساتھ مبعوث فرمایا تھا۔

٢۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ اللہ سے ڈر کر ہر قسم کا شرک اور ظلم چھوڑ دو اور میری اتباع کرو۔

٣۔ صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کرنی چاہیے کیونکہ وہ سب کا پیدا کرنے والا اور پالنہار ہے۔

٤۔ صراطِ مستقیم کی نشانی یہ ہے کہ صرف ایک ’’اللہ‘‘ کی عبادت کی جائے۔

٥۔ بنی اسرائیل نے عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کیے اور لوگوں کو انتشار کا شکار کیا۔

٦۔ جو لوگ دین میں اختلاف اور امت میں انتشار ڈالتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن اذیت ناک سزا دے گا۔

٧۔ قیامت اچانک برپا ہوجائے گی اور لوگوں کو اس کے آنے کی خبر نہ ہو پائے گی۔

اَلْاَخِلَّآءُ	يَوْمَىِٕذٍۢ	بَعْضُهُمْ	لِبَعْضٍ	عَدُوٌّ	اِلَّا	الْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٧﴾
دوست	اس دن	ان کے بعض	بعض کے	دشمن ہوں گے	سوائے	متقین کے
يٰعِبَادِ	لَا خَوْفٌ	عَلَيْكُمُ	الْيَوْمَ	وَلَآ	اَنْتُمْ	تَحْزَنُوْنَ ﴿٦٨﴾
اے میرے بندو	نہیں کوئی خوف	تم پر	آج	اور نہ	تم	غمگین ہو گے
اَلَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	بِاٰيٰتِنَا	وَكَانُوْا	مُسْلِمِيْنَ ﴿٦٩﴾		اُدْخُلُوا
وہ لوگ جو	ایمان لائے	ہماری آیتوں کے ساتھ	اور وہ تھے	فرماں بردار		تم داخل ہو جاؤ
الْجَنَّةَ	اَنْتُمْ	وَاَزْوَاجُكُمْ	تُحْبَرُوْنَ ﴿٧٠﴾			
جنت میں	تم	اور تمہاری بیویاں	تم خوش کیے جاؤ گے			

''اس دن متقین کے سوا باقی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔(٦٧) اے میرے بندو آج تمہارے لیے کوئی خوف نہیں اور نہ تمہیں کوئی پریشانی ہو گی۔(٦٨) یہ وہ لوگ ہوں گے جو ہماری آیات پر ایمان لائے اور فرمانبردار بن کر رہے۔(٦٩) جنت میں داخل ہو جاؤ تمہیں اور تمہاری بیویوں کو خوش کر دیا جائے گا۔''(٧٠)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عیسائیوں میں شرک کی ابتدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں غلو کی بنا پر ہوئی جس وجہ سے قیامت کے دن کے بارے میں بتلایا ہے کہ اس دن متقین کی دوستی کے علاوہ کسی کی دوستی اور محبت باقی نہیں رہے گی۔

قیامت کے لمحات کے بارے میں قرآن مجید نے بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

قیامت کے دن تین مراحل ایسے ہوں گے جہاں کوئی کسی کو یاد نہیں کریگا:

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّهَا ذَكَرَتِ النَّارَ فَبَكَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَا يُبْكِيكِ قَالَتْ ذَكَرْتُ النَّارَ فَبَكَيْتُ فَهَلْ تَذْكُرُونَ أَهْلِيكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَمَّا فِي ثَلَاثَةِ مَوَاطِنَ فَلَا يَذْكُرُ أَحَدٌ أَحَدًا عِنْدَ الْمِيزَانِ حَتَّى يَعْلَمَ أَيَخِفُّ مِيزَانُهُ أَوْ يَثْقُلُ وَعِنْدَ الْكِتَابِ حِينَ يُقَالُ (هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ) حَتَّى يَعْلَمَ أَيْنَ يَقَعُ كِتَابُهُ أَفِي يَمِينِهِ أَمْ فِي شِمَالِهِ أَمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِهِ وَعِنْدَ الصِّرَاطِ إِذَا وُضِعَ بَيْنَ ظَهْرَيْ جَهَنَّمَ)) (رواہ ابوداؤد: باب فی ذکر المیزان [ضعیف])

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک دن جہنم کو یاد کر کے رو رہی تھی رسول اللہ ﷺ نے پوچھا اے عائشہ! تجھے کس چیز نے رولایا ہے سیدہ عائشہ نے کہا جہنم کی آگ یاد آئی تو میں رو پڑی کیا قیامت کے دن آپ اپنے اہل و عیال کو یاد رکھیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین مواقع ایسے ہیں جن میں کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا۔ ① اعمال تولے جانے کے وقت

جب تلک یہ پتہ نہ چل جائے کہ اُس کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوا یا ہلکا۔ ② نامہ اعمال دیئے جانے کے وقت جب کہنے والا کہے گا کہ آؤ میرے اعمال نامہ کو پڑھ کر دیکھو حتیٰ کہ اُسے علم ہو جائے کہ اُس کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جارہا ہے یا پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں ③ جب جہنم پر پل صراط کو رکھا جائے گا۔“

”اس دن گنہگار آرزو کرے گا کہ کاش! اپنے بیٹے، اپنی بیوی، اپنے بھائی اور اپنے کنبے والوں کو جو اسے پناہ دیا کرتے تھے اور زمین کو فدیے میں دے دے اور خود نجات پا جائے“ (المعارج: ۱۱ تا ۱۴)

”اس دن آدمی اپنے بھائی، اپنے والدین، اپنی بیوی، اور اپنی اولاد سے بھاگ جائے گا۔“ (عبس: ۳۴ تا ۳۶)

متقین کی دوستی اور محبت قائم رہے گی:

اس میں کوئی شک نہیں کہ قیامت کے دن کافر اور مشرک کے بارے میں کوئی سفارش نہیں کر سکے گا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ قیامت کے دن کچھ مراحل ایسے ہوں گے جب متقین تو درکنار انبیائے کرام علیہم السلام بھی نفسا نفسی کے عالم میں ہوں گے لیکن جب لوگوں کا حساب و کتاب ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ متقین کی سفارشات کو ایسے لوگوں کے حق میں قبول فرمائے گا جو کفر و شرک سے بچے ہوئے ہوں گے۔ ان کے لیے ان کے فوت ہونے والے نابالغ بچوں اور نیک لوگوں کی سفارش قبول کی جائے گی جن میں آخری اور سب سے بڑی سفارش نبی کریم ﷺ کی ہوگی۔

مسائل

۱۔ قیامت کے دن متقین کے سوا سب کے تعلقات ختم ہو جائیں گے۔

۲۔ قیامت کے دن متقین کے سوا سب لوگ آپس میں دشمن بن جائیں گے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ متقین کو ارشاد فرمائے گا۔ اے میرے بندو! تم اور تمہاری نیک بیویاں جنت میں تشریف لے جاؤ۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن اللہ کے بندوں کو کوئی خوف نہیں ہوگا بلکہ ملائکہ انہیں سلام کریں گے:

۱۔ اللہ کی ہدایت پر عمل کرنے والا بے خوف ہوگا۔ (البقرۃ: ۳۸) ۲۔ اولیاء اللہ پر خوف نہیں ہوگا۔ (یونس: ۶۲)

۳۔ اللہ اور آخرت پر یقین رکھنے والے کو کوئی ڈر نہیں ہوگا۔ (المائدۃ: ۶۹)

۴۔ ایمان لانے کے بعد استقامت دکھلانے والوں پر کوئی خوف نہیں ہوگا۔ (الاحقاف: ۱۳)

۵۔ رب کے سامنے اپنے آپ کو مطیع کر دینے والا بے خوف ہوگا۔ (البقرۃ: ۱۱۲)

۶۔ جب فرشتے پاکباز لوگوں کی روحیں قبض کرتے ہیں تو انھیں سلام کہتے ہیں اور جنت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ (النحل: ۳۲)

۷۔ جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ آج تمہارے داخلے کا دن ہے۔ (قٓ: ۳۴)

يُطَافُ	عَلَيۡهِمۡ	بِصِحَافٍ	مِّنۡ	ذَهَبٍ	وَّ اَكۡوَابٍ ۚ	وَ فِيۡهَا
چلایا جائے گا	ان پر	رکابیوں کو	سے	سونے	اورآبخورے	اوراس میں ہے
مَا تَشۡتَهِيۡهِ	الۡاَنۡفُسُ	وَ تَلَذُّ	الۡاَعۡيُنُ ۚ	وَ اَنۡتُمۡ	فِيۡهَا	
جو چاہیں گے	نفس	اورلذت اندوز ہوں گی	آنکھیں	اورتم	اس میں	
خٰلِدُوۡنَ ۚ ﴿۷۱﴾	وَ تِلۡكَ	الۡجَنَّةُ	الَّتِىۡۤ	اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا	بِمَا	كُنۡتُمۡ
ہمیشہ رہو گے	اور یہ	جنت	وہ	تم وارث بنائے گئے ہواس کے	بہ سبب اس کے جو	تم تھے
تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۷۲﴾	لَـكُمۡ	فِيۡهَا	فَاكِهَةٌ	كَثِيۡرَةٌ	مِّنۡهَا	تَاۡكُلُوۡنَ ﴿۷۳﴾
عمل کرتے	تمہارے لیے	اس میں	پھل ہوں گے	بہت سے	جن سے	تم کھاؤ گے

”اُن کے سامنے سونے کے ٹرے اور ساغر پیش کیے جائیں گے اور ہر من پسند اور نگاہوں کو خوش کر دینے والی چیزیں وہاں موجود ہوگی ان سے کہا جائے گا تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔(۷۱) تم اس جنت کے وارث اپنے ان اعمال کی وجہ سے ہوئے ہو جو تم دنیا میں کرتے رہے۔(۷۲) تمہارے لیے یہاں کثیر تعداد میں پھل موجود ہیں جنہیں تم کھاؤ گے۔“(۷۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنت میں داخل ہونے کے بعد متقی لوگوں کی ضیافت۔

جونہی جنتی جنت میں پہنچ کر اپنے محلّات میں داخل ہوں گے تو جنت کے خدّام شرابِ طہور سے بھرے ہوئے سونے کے جام جنتیوں کے سامنے پیش کریں گے اور اس کے ساتھ ہی سونے، چاندی کی پلیٹوں میں رکھے ہوئے پھل اور خورد نوش کی دوسری چیزیں پیش کی جائیں گی جنتیوں کے کھانے کے لیے جنت میں بے شمار قسم کے پھل ہوں گے جنتی جنت میں جو چاہیں گے انہیں فی الفور پیش کر دیا جائے گا وہ جدھر دیکھیں گے انہیں آنکھوں کی لذت اور دل کا سرور حاصل ہوگا جب تمام جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ اعلان کریں گے کہ جس جنت کے تم مالک بنائے گئے ہو یہ تمہارے صالح اعمال کا صلہ ہے۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والوں کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے جو ان کے بعد داخل ہوں گے یہ آسمان کے چمکنے والے ستارے کی طرح ہوں گے، تمام جنتیوں کے دل ایک جیسے ہوں گے نہ ان کے درمیان اختلاف ہوگا اور نہ ہی ایک دوسرے سے بغض رکھیں گے۔ ان میں سے ہر شخص کے لیے حوروں میں سے دو بیویاں ہوں گی حسن کی وجہ سے جن کی پنڈلیوں کا گودا، ہڈی اور گوشت کے پیچھے دکھائی دے گا۔ اہل جنت صبح شام اللہ کی تسبیح بیان کریں گے نہ وہ بیمار

ہوں گے اور نہ ہی پیشاب کریں گے، نہ رفع حاجت کریں گے اور نہ ہی تھوکیں گے اور نہ ہی ناک سے رطوبت بہائیں گے۔ ان کے برتن سونے چاندی کے ہوں گے، ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی، انگیٹھیوں کا ایندھن عودِ ہندی ہوگا اور ان کا پسینہ کستوری کی طرح ہوگا سب کا اخلاق ایک جیسا ہوگا نیز شکل وصورت میں سب اپنے باپ آدم علیہ السلام کی طرح ہوں گے آدم کا قد ساٹھ ہاتھ لمبا تھا۔'' (رواہ مسلم: کتاب الجنة ونعیمھا)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللهُ تَعَالٰي اَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَآ أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ وَّاقْرَءُ وْٓا إِنْ شِئْتُمْ {فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ}))

(رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صفة الجنة وأنها مخلوقة)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار کی ہیں، جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی ان کے متعلق کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال پیدا ہوا۔ اگر چاہو تو اس آیت کی تلاوت کرو { کوئی نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چیز چھپا کے رکھی گئی ہے }۔''

مسائل

۱۔ جونہی جنتی جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے سامنے شرابِ طہور سے بھرے ہوئے سونے کے جام پیش کیے جائیں گے۔

۲۔ جنتیوں کے سامنے جنت کے پھل اور خورد نوش کا سامان سونے چاندی کی پلیٹوں میں پیش کیا جائے گا۔

۳۔ جنتی جنت میں جس چیز کی چاہت کریں گے وہ فی الفوران کے حضور پیش کردی جائے گی۔

۴۔ اعلان ہوگا کہ تمہیں جنت کا وارث اس لیے بنایا گیا ہے کہ تم نیک اعمال کیا کرتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

جنت کے پھل اور نعمتوں کی ایک جھلک:

۱۔ ایمان دار اور عمل صالح کرنے والوں کے لیے جنت الفردوس ہے۔ (الکہف: ۱۰۷)

۲۔ جنتیوں کے لیے جنت میں وہ کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے۔ (حٰم السجدة: ۳۱) ۳۔ جنت کے پھل ٹپک رہے ہوں گے۔ (الحاقة: ۲۳)

۴۔ یقیناً متقین سایوں اور چشموں اور پسندیدہ میوہ جات میں رہیں گے۔ (المرسلات: ۴۱۔۴۲)

۵۔ اللہ کے مخلص بندے نعمتوں والی جنت میں ہوں گے ایک دوسرے کے سامنے صوفوں پر بیٹھے ہونگے۔ (الصّٰفّٰت: ۴۳، ۴۴)

۶۔ پرہیز گاروں کے لیے عمدہ مقام ہے اور ہمیشہ رہنے کے لئے باغ ہیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے اور ان میں تکیے لگا کر تشریف فرما ہوں گے۔ (ص: ۴۹ تا ۵۰)

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا

بلاشبہ مجرم لوگ میں عذاب جہنم کے ہمیشہ رہیں گے نہیں

يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ

وہ ہلکا کیا جائے گا ان سے اور وہ اس میں مایوس ہوں گے اور نہیں ہم نے ظلم کیا ان پر

وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٦﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ

اور لیکن تھے وہ ظلم کرنے والے اور وہ پکاریں گے اے مالک تاکہ فیصلہ کردے

عَلَيْنَا رَبُّكَ ط قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿٧٧﴾ لَقَدْ

ہم پر تیرا رب وہ کہے گا بے شک تم ٹھہرنے والے ہو البتہ تحقیق

جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٨﴾

ہم لائے تمہارے پاس حق اور لیکن تمہارے اکثر حق کو ناپسند کرنے والے ہیں

''مجرمین ہمیشہ جہنم کے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ (٧٤) اُن کے عذاب میں کمی نہیں ہوگی اور وہ اس میں مایوس پڑے ہوں گے۔ (٧٥) ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے۔ (٧٦) وہ پکاریں گے اے مالک تیرا رب ہمیں موت دے دے مالک جواب دے گا اب یونہی پڑے رہو گے۔ (٧٧) ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے تھے مگر تم میں سے اکثر کو حق سے کراہت تھی۔'' (٧٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنتیوں کے انعامات کے مقابلے میں جہنّمیوں کی سزائیں۔

جنتی جنت میں ہر قسم کی نعمتوں اور خوشیوں سے سرفراز ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، ان کے مقابلے میں جن پر فردِ جرم ثابت ہوجائے گی وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے ان کی آہ زاریوں کے باوجود ان پر عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا وہ جہنّم سے نکلنے میں مایوس ہوجائیں گے اور اسی مایوسی میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی یہ سزا ان کی اپنی زیادتیوں کا نتیجہ ہوگی۔ جہنمی جہنم کی اذیّتوں سے تنگ آکر بالآخر جہنّم کے سردار فرشتے جس کا نام مالک ہے اس سے درخواست کریں گے کہ اے مالک! ہماری کوئی فریاد بھی قبول نہیں ہوئی اب آپ سے درخواست ہے کہ آپ اپنے رب کے حضور ہماری طرف سے درخواست پیش کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری موت کا فیصلہ کردے۔ جہنمیوں کے جواب میں جہنم کا فرشتہ کہے گا کہ ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے مگر تم نے ہمیشہ حق سے کراہت کا اظہار کیا۔ ان الفاظ کے مفسرین نے دو مفہوم اخذ کیے ہیں پہلا مفہوم یہ ہے۔ ''لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ'' ہم تمہارے

پاس حق لے کر آئے اس سے مراد ملائکہ ہیں جو ملائکہ میں شامل ہونے کی وجہ سے وحی لانے والے فرشتے کی ترجمانی کریں گے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جہنمیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب دیا جائے گا کہ تم دنیا میں حق کی مخالفت کرتے رہے حالانکہ ہم نے تم تک حق پہنچا دیا تھا لہٰذا اب تمہیں ہمیشہ کی سزا بھگتنا ہوگی دنیا میں انسان مایوس ہو جائے تو وہ خودکشی کے ذریعے اپنی جان ختم کر لیتا ہے لیکن جہنمی خودکشی بھی نہیں کر سکیں گے کیونکہ موت کو موت دے دی جائے گی۔

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن موت مینڈھے کی شکل میں لائی جائے گی۔ ابو کریب نے کچھ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں کہ اسے جنت اور جہنم کے درمیان روک لیا جائے گا اور جنتیوں سے کہا جائے گا کیا اسے پہچانتے ہو وہ اسے پہچاننے کی کوشش کریں گے اور اس کی طرف دیکھیں گے اور کہیں گے ہاں یہ موت ہے۔ جہنمیوں سے کہا جائے گا کیا تم اسے پہچانتے ہو وہ بھی پہچاننے کی کوشش کریں گے اچھی طرح دیکھ کر کہیں گے ہاں یہ موت ہے حکم ہوگا اور اسے ذبح کر دیا جائے گا اسکے بعد اعلان ہوگا اے جنتیو! جنت میں ہمیشہ رہو تمہیں موت نہیں آئے گی۔ اے جہنمیو! تم بھی جہنم میں ہمیشہ رہو تمھیں بھی موت نہیں آئے گی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی اور انہیں حسرت والے دن سے ڈرائیے جب فیصلہ کیا جائے گا، وہ غفلت میں ہیں اور ایمان نہیں لائیں گے۔'' (رواہ مسلم: کتاب الجنة)

مسائل

۱۔ مجرم ہمیشہ ہمیش جہنّم کے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ ۲۔ ان پر کبھی عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی یہ لوگ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے۔

۴۔ جہنّمی جہنّم سے نجات کے بارے میں مایوس ہو جائیں گے۔

۵۔ جہنّمی اس لیے جہنّم میں جائیں گے کیونکہ وہ حق کو ٹھکرایا کرتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

جہنمیوں کی آہ و بکا اور فریادیں:

۱۔ ہمارے رب ہمیں تھوڑی سی مہلت دے ہم تیری دعوت قبول اور تیرے رسول کی بات کو تسلیم کریں گے۔ (ابراہیم: ۴۴)

۲۔ جہنمی کہیں گے اے اللہ ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہمیں واپس لوٹا دے۔ (السجدة: ۱۲)

۳۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں یہاں سے نکال دے ہم پہلے سے نیک عمل کریں گے۔ (الفاطر: ۳۷)

۴۔ اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال اگر دوبارہ ایسا کریں تو بڑے ظالم ہوں گے۔ (المومنون: ۱۰۷)

اَمۡ	اَبۡرَمُوۡۤا	اَمۡرًا	فَاِنَّا	مُبۡرِمُوۡنَ ۚ﴿۷۹﴾	اَمۡ
بلکہ	انہوں نے پختہ فیصلہ کیا	ایک کام کا	تو یقیناً ہم	قطعی فیصلہ کرنے والے ہیں	کیا
یَحۡسَبُوۡنَ	اَنَّا	لَا	نَسۡمَعُ	سِرَّهُمۡ	وَ نَجۡوٰىهُمۡ ؕ
وہ گمان کرتے ہیں	کہ بلاشبہ ہم	نہیں	سنتے	ان کا راز	اور ان کا سرگوشی کرنا
بَلٰی	وَرُسُلُنَا	لَدَیۡهِمۡ	یَکۡتُبُوۡنَ ﴿۸۰﴾		
کیوں نہیں	اور ہمارے بھیجے ہوئے	ان کے پاس	وہ لکھتے ہیں		

''کیا انہوں نے کوئی اقدام کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے تو پھر ہم بھی ایک فیصلہ کرنے والے ہیں۔ (۷۹) کیا انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم ان کی راز کی باتیں اور ان کی سرگوشیاں نہیں سنتے ؟ سب کچھ ہم سن رہے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھ رہے ہیں۔'' (۸۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ مکہ کے سامنے بار بار جنتیوں کے انعامات اور جہنّمیوں کی سزاؤں کا ذکر کیا گیا تاکہ یہ اپنے انجام پر غور کریں مگر اس کے باوجود انہوں نے نبی علیہ السلام کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا۔

نبی محترم ﷺ شب و روز اس بات پر محنت کر رہے تھے کہ مکہ کے لوگ کفر و شرک سے باز آجائیں اور کلمہ حق قبول کرلیں مگر ان کی حالت یہ تھی کہ وہ دن بدن کفر و شرک میں آگے ہی بڑھتے جا رہے تھے وہ حق کی مخالفت میں اس قدر آگے بڑھے کہ انہوں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ محمد ﷺ کو قتل کر دیا جائے اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں کھلے الفاظ میں چیلنج کیا کہ اگر انہوں نے قطعی فیصلہ کرلیا ہے تو ہم نے بھی آخری فیصلہ کرلیا ہے لہٰذا انہیں یہ خیال چھوڑ دینا چاہیے کہ ہم ان کی خفیہ باتوں کو نہیں سنتے کیوں نہیں ہم ان کی خفیہ باتوں اور مجالس سے پوری طرح آگاہ ہیں اور جو وہ چھپاتے ہیں ہمارے فرشتے وہ سب کچھ لکھ رہے ہیں۔ اہلِ مکہ نے دار الندوہ میں منصوبہ بنایا کہ ہر خاندان کا ایک ایک آدمی مسلّح ہو کر محمد ﷺ کے گھر کا محاصرہ کرے جب صبح کے وقت وہ نکلے تو اس پر یکبارگی حملہ کر کے اسے ختم کر دیا جائے اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیات نازل فرمائیں اور انہیں کھلے الفاظ میں چیلنج کیا کہ اگر تم نے یہ فیصلہ کرلیا ہے تو یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے نبی کی حفاظت کرے گا اور تمہیں ذلت اٹھانا پڑے گی چنانچہ یہی کچھ ہوا۔ (واقعہ کی تفصیل جاننے کے لیے سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کیجیے)

''جب کفر کرنے والے لوگ آپ کے خلاف تدبیریں کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو نکال دیں وہ سازش کر رہے تھے جبکہ اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سے سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔'' (الانفال: ۳۰)

قُلْ | اِنْ | كَانَ | لِلرَّحْمٰنِ | وَلَدٌ ۖ | فَاَنَا | اَوَّلُ

آپ کہہ دیجیے | اگر | ہو | رحمٰن کی | کوئی اولاد | تو میں | سب سے پہلے

الْعٰبِدِيْنَ ﴿٨١﴾ | سُبْحٰنَ | رَبِّ | السَّمٰوٰتِ | وَالْاَرْضِ | رَبِّ | الْعَرْشِ

عبادت کرنے والا ہوں | پاک ہے | رب | آسمانوں کا | اور زمین کا | رب | عرش کا

عَمَّا | يَصِفُوْنَ ﴿٨٢﴾ | فَذَرْهُمْ | يَخُوْضُوْا | وَيَلْعَبُوْا | حَتّٰى

اس سے جو | وہ بیان کرتے ہیں | چنانچہ آپ ان کو چھوڑ دیں | وہ الجھے رہیں | اور کھیلیں کودیں | یہاں تک کہ

يُلٰقُوْا | يَوْمَهُمُ | الَّذِيْ | يُوْعَدُوْنَ ﴿٨٣﴾ | وَهُوَ الَّذِيْ | فِي السَّمَآءِ

وہ ملیں | اپنے اس دن کو | جس کا | وہ وعدے دیے جاتے ہیں | اور وہی ہے جو | آسمان میں

اِلٰهٌ | وَّفِي الْاَرْضِ | اِلٰهٌ ؕ | وَهُوَ | الْحَكِيْمُ | الْعَلِيْمُ ﴿٨٤﴾

معبود ہے | اور زمین میں | معبود ہے | اور وہ | حکمت والا | جاننے والا ہے

''ان سے کہیں اگر رحمان کی کوئی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں عبادت کرنے والا ہوتا۔(۸۱) آسمانوں اور زمین کا فرمانروا عرش کا مالک اُن باتوں سے جو لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں پاک ہے۔(۸۲) انہیں ان کے باطل خیالات میں غرق اور کھیل میں لگے رہنے دیں یہاں تک کہ اپنے اس دن کو دیکھ لیں جس کا انہیں خوف دلایا جاتا ہے۔(۸۳) وہی آسمان میں اللہ ہے اور زمین میں بھی وہی اللہ اور حکیم وعلیم ہے۔'' (۸۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی علیہ السلام کے ساتھ مکہ والوں کا بنیادی اختلاف ''اللہ'' کی توحید پر تھا ان کا عقیدہ تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے کچھ ہستیوں کو اپنی خدائی میں شریک کر رکھا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو بیٹیاں بنا کر انہیں اپنی خدائی میں شریک کر لیا ہے۔

قرآن مجید نے کئی بار اس بات کی نفی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو کسی کو اپنی خدائی میں شریک کیا ہے اور نہ ہی کسی کو اپنی اولاد بنایا ہے اس موقع پر اس بات کا صرف یہ جواب دیا کہ اے نبی ﷺ! ان سے ارشاد فرمائیں کہ اگر الرّحمٰن کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرتا یعنی اسے تسلیم کرتا مطلب یہ ہے کہ نہ اس کی اولاد ہے اور نہ اس بات کو میں تسلیم کرتا ہوں، یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ الرّحمن کے بارے میں جو کچھ یاوہ گوئی کرتے ہیں وہ اس سے پاک اور مبرّا ہے۔ وہی زمین و آسمانوں کا پیدا کرنے والا اور عرش کا مالک ہے اگر یہ لوگ اتنی بڑی حقیقت کو نہیں مانتے تو انہیں ان کی یاوہ گوئی اور بے ہودگی کے لیے چھوڑ دیجیے! یہاں تک کہ یہ اس دن کو پالیں جس دن کا ان کے ساتھ وعدہ کیا

جا تا ہے۔ الرحمٰن ہی زمین وآسمانوں کا ایک الٰہ ہے وہ سب کچھ جانتا ہے اوراس کے ہر فرمان میں حکمت پنہاں ہوتی ہے۔مشرکین کی یاوہ گوئی کے باوجوداس نے انہیں ڈھیل دے رکھی ہے تواس میں بھی اس کی حکمت پوشیدہ ہے کہ یہ لوگ کھل کر گناہ کرلیں تا کہ ان کے دل میں کوئی حسرت باقی نہ رہے اور قیامت کے دن انہیں ٹھیک ،ٹھیک سزا دی جائے یہ بات پہلے بھی عرض کی جا چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اولاداورکسی شریک کی اس لیے ضرورت نہیں کیونکہ وہ زمین وآسمانوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا خالق مالک ، رازق اور بلاشرکت غیرے بادشاہ ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ اورکسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ زمین وآسمانوں کا اکیلا ہی رب ہے۔

۳۔ مشرکین اپنی یاوہ گوئی سے باز نہ آئیں توانہیں ان کی حالت پر چھوڑ دینا چاہیے۔

۴۔ زمین وآسمانوں میں اللہ ہی اکیلا الٰہ ہے جو بڑا حکمت والا اور سب کچھ جانتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

زمین وآسمانوں میں صرف ایک ہی الٰہ ہے:

۱۔ ''اللہ'' نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اور پھر آسمان سے پانی اتار کر باغات اگائے کیا اس کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل: ۶۰)

۲۔ ''اللہ'' نے زمین کو جائے قرار بنایا اس میں پہاڑ اور دوسمندروں کے درمیان پردہ حائل کیا اس کے ساتھ اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل: ۶۱)

۳۔ کون ہے جو لاچار کی فریادرسی کرتا ہے اوراس کی تکلیف کو دور کرتا ہے کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل: ۶۲)

۴۔ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں اللہ کے سوا کون رہنمائی کرتا ہے کیا کوئی اور بھی اس کے ساتھ الٰہ ہے۔ (النمل: ۶۳)

۵۔ پہلے اور دوبارہ پیدا کرنا اور زمین وآسمان سے تمہارے لیے روزی کا بندوبست کرنے والا اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے؟ (النمل: ۶۴)

۶۔ آپ فرمادیں سوائے ایک الٰہ کے آسمان وزمین کے غیب کو کوئی نہیں جانتا ۔ (النمل: ۶۵)

۷۔ کیا کوئی ہے اس الٰہ کے سوا جو رات ختم کر کے دن لے آئے؟ (القصص: ۷۱)

۸۔ کیا کوئی ہے اس الٰہ کے علاوہ الٰہ جو دن ختم کر کے رات لے آئے؟ (القصص: ۷۲)

۹۔ بس اس ایک الٰہ کے سوا کسی دوسرے الٰہ کو نہ پکارو۔ (القصص: ۸۸)

وَمَا	وَالْاَرْضِ	السَّمٰوٰتِ	مُلْكُ	لَهٗ	الَّذِیْ	وَتَبٰرَكَ
اور جو	اور زمین کی	آسمانوں کی	بادشاہی ہے	جس کے لیے	وہ ذات	اور بہت بابرکت ہے

تُرْجَعُوْنَ ۝۸۵	وَاِلَیْهِ	السَّاعَةِ ج	عِلْمُ	وَعِنْدَهٗ	بَیْنَهُمَا ج
تم لوٹائے جاؤ گے	اور اسی کی طرف	قیامت کا	علم	اور اسی کے پاس ہے	ان دونوں کے درمیان

الشَّفَاعَةَ	دُوْنِهٖ	مِنْ	یَدْعُوْنَ	الَّذِیْنَ	یَمْلِكُ	وَلَا
سفارش کا	اس کے سوا	سے	پکارتے ہیں	وہ لوگ جو	اختیار رکھتے	اور نہیں

یَعْلَمُوْنَ ۝۸۶	وَهُمْ	بِالْحَقِّ	شَهِدَ	مَنْ	اِلَّا
جانتے ہیں	اور وہ	حق کے ساتھ	گواہی دی	وہ جو	مگر

”بابرکت وہ ذات ہے جس کے قبضے میں زمین وآسمانوں اور ہر اس چیز کی بادشاہی ہے جو زمین وآسمان کے درمیان پائی جاتی ہے اور وہی قیامت کا علم رکھتا ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جانے والے ہو۔(۸۵) اسے چھوڑ کر لوگ جنہیں پکارتے ہیں وہ کسی شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، سوائے اس کے جو علم کی بناء پر حق کی شہادت دے۔“(۸۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پچھلی آیات میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اولاد کی ضرورت نہیں؟ کیونکہ زمین وآسمانوں کا وہی بادشاہ ہے اور ہر چیز اس کے تابع فرمان ہے۔ اس کے باوجود کچھ لوگ ملائکہ یا کسی اور کو اللہ تعالیٰ کا شریک یا اس کی اولاد ٹھہراتے ہیں تاکہ وہ ان کی قیامت کے دن سفارش کریں۔

جب بھی اہلِ مکہ کے سامنے قیامت کا ذکر کیا جاتا تو وہ یہی کہتے کہ قیامت کب آئے گی؟ ہر موقع پر انہیں اس بات کا شافی جواب دیا گیا مگر پھر بھی وہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی پہ قائم رہتے تھے، اس بار یہ جواب دیا گیا کہ اللہ کی ذات بڑی بابرکت ہے اور زمین وآسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسی کی مِلک ہیں، وہی قیامت کا علم رکھنے والا ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو پکارتے ہیں وہ اس کے ہاں سفارش کرنے کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ سفارش وہی لوگ کر سکیں گے جو علم ویقین کے ساتھ حق کی گواہی دیں گے اور ان کا اپنا عقیدہ اور عمل ٹھیک ہوگا۔ قرآن مجید نے یہ مسئلہ بھی بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی شخص اس کی اجازت کے بغیر سفارش نہیں کر سکے گا جس کو اس کے حضور سفارش کی اجازت ملے گی وہ بھی وہی بات کرے گا جو حق اور ٹھوس معلومات پر مبنی ہوگی مفسرین نے ”اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ“ کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ سفارش کرنے والا خود بھی حق کی گواہی دینے والا ہو یعنی اس کا کلمہ طیبہ پر پورا یقین اور اس پر عمل کرنے والا ہو جس کے متعلق گواہی دے گا وہ بھی اللہ اور اس کے رسول

پر ایمان لانے والا ہو۔اس حقیقت کا وہ مفسر بھی اعتراف کرتے ہیں جو من دون اللہ اور من دونہٖ کے الفاظ کو مخصوص معانی پہناتے ہیں۔ان کے الفاظ اور حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

کفار اس گھمنڈ میں تھے کہ یہ بت اور فرشتے ان کی شفاعت کریں گے بتادیا کہ ایسا نہیں ہوگا ہر ایک کی مجال نہیں کہ بارگاہِ رب العزت میں شفاعت کرنے کی جرأت کر سکے اور نہ ہر شخص اس قابل ہے کہ اس کی شفاعت کی جائے شفاعت کرنے کا وہ مجاز ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی بھی دے اور اس کی یہ گواہی علم یقین پر مبنی ہو۔اسی طرح شفاعت اس کی کی جائے گی جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو یہ بات خوب ذہن نشین رہے کہ شفاعت صرف ان گناہگاروں کے لیے ہوگی جو ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوئے اور جن کا خاتمہ کفر یا شرک پر ہوگا ان کے لیے شفاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔(ضیاء القرآن: جلد ۴۔مولانا پیر کرم شاہ بریلوی)

یہاں بھی موصوف مفسر نے اپنے عقیدہ کی تائید میں {مِنۡ دُوۡنِهِ الشَّفَاعَةَ} سے مراد بت لیے ہیں حالانکہ اگلی آیت میں واضح طور پر بتلایا گیا ہے کہ اگر آپ ﷺ نے ان سے سوال کریں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو یہ جواب دیں گے کہ ہمیں ''اللہ'' نے پیدا کیا ہے ان سے فرمائیں پھر تم کیوں بھٹکے پھر رہے ہو۔

① کیا نبی ﷺ نے بتوں سے سوال کرنا تھا؟ ② کیا بت کہتے ہیں کہ ہمیں ''اللہ'' نے پیدا کیا ہے؟

③ کیا پتھروں کو کہا گیا ہے کہ گمراہی میں کیوں بھٹکے پھر رہے ہو؟

((عَنۡ أَبِیۡ هُرَیۡرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ لِکُلِّ نَبِیٍّ دَعۡوَةٌ مُسۡتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ کُلُّ نَبِیٍّ دَعۡوَتَهُ وَإِنِّی اخۡتَبَأۡتُ دَعۡوَتِیۡ شَفَاعَةً لِأُمَّتِیۡ یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ فَهِیَ نَآئِلَةٌ إِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مَنۡ مَاتَ مِنۡ أُمَّتِیۡ لَا یُشۡرِكُ بِاللّٰهِ شَیۡئًا)) (رواہ مسلم: کتاب الإیمان، باب اختباء النبی دعوۃ الشفاعۃ لأمتہ)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہوتی ہے ہر نبی نے اپنی دعا کرنے میں جلدی کی میں نے اپنی دعا کو اپنی امت کے لیے قیامت کے دن کے لئے بچا کر رکھا ہوا ہے میری امت کے ہر اس شخص کو فائدہ دے گی جو اس حال میں مرا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی بھی اس کے حضور سفارش نہیں کر سکے گا۔

۲۔ سفارش کرنے والے کے لیے لازم ہے کہ وہ خود بھی کلمہ پر یقین اور اس کا علم رکھنے والا ہو۔

۳۔ سفارش کرنے والا اسی کی سفارش کر سکے گا جس کا کلمہ پر حقیقی ایمان ہوگا۔

۴۔ ''اَلۡحَقُّ'' سے مراد کلمہ طیبہ کو سمجھ کر پڑھنا اور حتی المقدور اس کے تقاضے پورے کرنا ہے۔

وَلَئِنْ	سَاَلْتَهُمْ	مَّنْ	خَلَقَهُمْ	لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ
اور اگر	آپ ان سے سوال کریں	کس نے	پیدا کیا ان کو	تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے
فَاَنّٰى	یُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾	وَقِیْلِهٖ	یٰرَبِّ	اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ
پھر کہاں	وہ پھیرے جاتے ہیں	اور اس کے یہ کہنا	اے رب	بلاشبہ یہ
قَوْمٌ	لَّا	یُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾	فَاصْفَحْ	عَنْهُمْ وَقُلْ
لوگ	نہیں	ایمان لائیں گے	لہٰذا منہ پھیر لیجئے	ان سے اور کہہ دیں
سَلٰمٌ	فَسَوْفَ	یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾		
سلام	بس عنقریب	وہ جان لیں گے		

وقف لازم ۲۲ ع ۷ ۱۲

''اور اگر تم ان سے پوچھو کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو یہ کہیں گے اللہ نے پھر کہاں سے یہ دھوکا کھا رہے ہیں؟ (۸۷) قسم ہے رسول کے اس قول کی کہ اے رب یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ (۸۸) اے نبی ان سے درگزر کرو اور سلام کہو عنقریب انہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔'' (۸۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام : جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا یا اس کے ساتھ کسی کو شریک بناتے ہیں ان سے سوال کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی توحید سمجھانے کے لیے بے شمار اسلوب اختیار فرمائے ہیں جن میں ایک اسلوب اور طریقہ یہ بھی اختیار کیا ہے کہ مشرکوں سے پوچھا جائے کہ خود ان کی ذات کو کس نے پیدا کیا ہے اس سوال کا یہ بھی مفہوم ہے کہ جن کو تم پکارتے ہو ان کو کس نے پیدا کیا ہے۔ دونوں صورتوں میں ہر دور کے مشرک اور کافر یہی جواب دیتے ہیں اور دیتے رہیں گے کہ ہم سب کو صرف ایک ''اللہ'' نے پیدا کیا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ یا اس کے سوا دوسروں کو پکارنے کا کیا جواز ہے؟ جو لوگ حقیقت مان کر بھی سچا ایمان لانے اور توحیدِ خالص کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ قسم ہے رسول کے اس فرمان کی کہ اے رب! یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ اے نبی ﷺ! بس ان سے درگزر کرو اور انہیں سلام کہہ دو اور یہ فرماؤ کہ عنقریب تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ یہاں سلام کا لفظ سلامتی کی دعا کے طور پر نہیں بلکہ قطعِ تعلق کے لیے ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے مایوس ہو کر کہا تھا۔

{سَلٰمٌ عَلَیْكَ} (مریم: ۴۷) ''تجھ پر سلامتی ہو۔''

یہی مومنوں کی صفت ہے۔

{ وَعِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ هَوۡنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الۡجٰهِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ }

(الفرقان:۶۳)

''الرحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اگر جاہل ان سے جھگڑیں تو وہ ان کو سلام کہہ کر چل دیتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے یہاں رسول کے اس فرمان کی قسم کھائی ہے کہ ''اے میرے رب! یہ قوم ایمان لانے والی نہیں۔'' بالآخر ہر پیغمبر کی جدوجہد کے دوران ایک مرحلہ ایسا آتا ہے جب پیغمبر اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو جاتا ہے ایسے مرحلہ میں نبی ہجرت کر جاتے تھے یا پھر قوم کے لیے بدعا کرتے تھے۔ سورہ یوسف کی آیت ۱۱۰ میں اسی مایوسی کا ذکر کیا گیا ہے حضرت نوح علیہ السلام نے ایسے موقع پر اپنی قوم کے لیے بدعا کی تھی (نوح: ۲۷) جہاں تک سرورِ دو عالم کا معاملہ ہے آپ ﷺ سے اس قسم کے الفاظ ثابت نہیں ممکن ہے کہ ہجرت سے پہلے آپ ﷺ کے یہ جذبات ہوں جنہیں قرآن مجید نے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا کبیرہ گناہ ہے لیکن لوگوں کے رویہ سے مایوس ہونا گناہ نہیں لوگوں کے رویہ سے مایوس ہو کر ہی انبیائے کرام علیہم السلام اپنے وطن سے ہجرت کیا کرتے تھے۔

مسائل

۱۔ ہر دور کا کافر اور مشرک اس بات کا اقرار کرتا ہے اور کرتا رہے گا کہ سب کو پیدا کرنے والا صرف ایک ''اللہ'' ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ کو خالق، رازق، مالک اور بادشاہ ماننے کے باوجود مشرک صرف اس ایک کی عبادت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔
۳۔ ہر نبی کی زندگی میں ایسا وقت ضرور آتا ہے جب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ اس کی قوم کے لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔
۴۔ جن لوگوں کے ایمان لانے سے مبلغ مایوس ہو جائے ان سے جھگڑنے کی بجائے انہیں سلام کہنا ہی بہتر ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مشرکین کا اعتراف:

۱۔ مشرک سے سوال کیا جائے کہ آسمان وزمین سے رزق کون دیتا ہے کہتے ہیں ''اللہ'' ہی رزق دیتا ہے۔ (یونس: ۳۱)
۲۔ مشرکین سے پوچھا جائے مخلوق کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ جواب دیتے ہیں ''اللہ'' ہی پیدا کرنے والا ہے۔ (یونس: ۳۴)
۳۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ زمین وآسمان کا خالق کون ہے؟ تو کہتے ہیں ''اللہ'' ہی خالق ہے۔ (الزمر: ۳۸)
۴۔ مشرکوں سے پوچھا جائے سات آسمانوں اور عرشِ عظیم کا مالک کون؟ جواباً کہتے ہیں، اللہ ہی مالک ہے۔ (المومنون: ۸۶۔۸۷)
۵۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ ہر چیز پر کس کی بادشاہت ہے؟ جواب دیتے ہیں اللہ کی بادشاہی ہے۔ (المومنون: ۸۸۔۸۹)
۶۔ یقیناً اگر تو ان سے پوچھے کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور سورج اور چاند کو مسخر کیا؟ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، پوچھیں کہ پھر کہاں سے بہکائے جا رہے ہیں۔ (العنکبوت: ۶۱)

سورۃ الدّخان کا تعارف

الدّخان مکہ معظمہ اور اُس کے گردو پیش میں نازل ہوئی۔ یہ سورت اُنسٹھ آیات اور تین رکوعات پر مشتمل ہے۔اس کا نام الدّخان ہے جو دسویں آیت میں موجود ہے۔ قیامت کے ایک مرحلہ پر آسمان دھوئیں کی شکل اختیار کر جائے گا اس لیے اس سورت کا نام الدّخان رکھا گیا۔

ربطِ سورۃ: سورۃ الزخرف کا اختتام اس فرمان پر ہوا کہ اگر آپ مشرکین سے سوال کریں کہ تمہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو ان کا جواب ہوگا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے جو لوگ حقیقت کا اعتراف کرنے کے باوجود ایمان نہیں لاتے اُن کو اُن کی حالت پر چھوڑ دینا چاہیے سورۃ الدّخان کی ابتداء بھی قرآنِ مجید کے تعارف سے کی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے اس مبارک رات میں نازل فرمایا جس میں ہر کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور یہ فیصلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں جو زمین وآسمانوں اور جو ان کے درمیان ہے ان کا رب ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو تو تمہیں اس پر ایمان لانا چاہیے۔

سورۃ الدّخان کا پہلا مضمون یہ ہے کہ زمین وآسمانوں کا ایک ہی رب ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی موت وحیات کا مالک اور سب لوگوں کا رب ہے یہ حقیقت ٹھوس اور واضح ہونے کے باوجود لوگ اس میں شک کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا شک اُس وقت ہی دور ہوگا جب ان پر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ اُس دن آسمان دھوئیں کی مانند ہوگا اور نافرمانوں کو پوری پوری سزا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ مجرموں سے بدلہ لے گا اس کے بعد فرعون کی غرقابی کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو فرعون کے ذلت آمیز مظالم سے نجات دی اور اُنہیں دنیا کی اقوام پر فضیلت اور برتری عنایت فرمائی۔ بنی اسرائیل نے اپنے رب کا شکر ادا کرنے کی بجائے نافرمانی کا راستہ اختیار کیا جس طرح قومِ تبّع نے نافرمانی کی۔ سورۃ کے آخری رکوع میں جہنمیوں کی خوراک کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا کہ ان کی خوراک زقوم کا درخت ہوگا۔ جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ان کے پیٹ میں کھلبلی مچادے گا۔ جہنمیوں کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا جب یہ چیخ وپکار کریں گے تو کہا جائے گا کہ اپنے کیے کا مزہ چکھو کیونکہ تم دنیا میں اپنے آپ کو بڑا معزز سمجھتے تھے اور قیامت کے دن کے بارے میں شک کا اظہار کیا کرتے تھے جہنمیوں کے مقابلے میں جنتی جنت میں امن وسکون کے ساتھ رہیں گے۔ انہیں پہننے کے لیے ریشم کا لباس دیا جائے گا، اُن کی بیویاں جنت کی حوریں ہوں گی اور وہ جنت میں ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوئے خوش گپیوں میں مصروف ہوں گے انہیں سب کچھ دیا جائے گا جس کی وہ چاہت کریں گے۔ انہیں پہلی موت کے بعد پھر موت نہیں آئے گی۔ اُن پر اُن کے رب کا بڑا فضل ہوگا حقیقت میں یہی بڑی کامیابی ہے۔ سورۃ الدّخان کا اختتام اس بات پر ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان پر قرآن کو آسان فرمادیا تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں اگر یہ لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے تو ان کو فرمادیں کہ تم اپنی جگہ انتظار کرو ہم اپنی جگہ انتظار کرتے ہیں۔

سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعَهَا - ٣ اٰيَاتُهَا - ٥٩

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا ، نہایت مہربان ہے

حٰمٓ ①	وَالْكِتٰبِ	الْمُبِيْنِ ②	اِنَّآ	اَنْزَلْنٰهُ	فِيْ	لَيْلَةٍ		
حٰمٓ	قسم کتاب کی	واضح	بلاشبہ ہم نے	نازل کیا اس کو	میں	رات		
مُّبٰرَكَةٍ	اِنَّا	كُنَّا	مُنْذِرِيْنَ ③	فِيْهَا	يُفْرَقُ	كُلُّ		
بابرکت	بے شک ہم	ہیں	ڈرانے والے	اس میں	فیصلہ کیا جاتا ہے	ہر		
اَمْرٍ	حَكِيْمٍ ④	اَمْرًا	مِّنْ عِنْدِنَا	اِنَّا	كُنَّا	مُرْسِلِيْنَ ⑤		
معاملے کا	حکمت والے	حکم ہے	ہماری طرف سے	بے شک ہم	ہیں	بھیجنے والے		
رَحْمَةً	مِّنْ رَّبِّكَ	اِنَّهٗ	هُوَ	السَّمِيْعُ	الْعَلِيْمُ ⑥			
رحمت ہے	آپ کے رب سے	بلاشبہ	وہ	خوب سننے والا	خوب جاننے والا ہے			

”حٰمٓ ۔(۱) قسم ہے اس واضح کتاب کی ۔(۲) ہم نے اسے ایک بڑی خیر و برکت والی رات میں نازل کیا ہے کیونکہ ہم لوگوں کو متنبہ کرنے والے ہیں ۔(۳) اس رات میں ہمارے حکم سے ہر معاملے کا حکیمانہ فیصلہ کیا جاتا ہے ۔“(۴) ہم ایک رسول بھیجنے والے تھے ۔(۵) آپ کے رب کی رحمت کے طور پر یقیناً وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے ۔“(٦)

فہم القرآن

ربطِ سورت : الزّخرف کا اختتام اس بات پر ہوا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو خالقِ کل ماننے کے باوجود اس کی خالص بندگی کرنے کے لیے تیار نہیں ۔ ان سے جھگڑا کرنے کی بجائے آپ ان کو سلام کہہ کر الگ ہو جائیں ۔ الدّخان کی ابتداء اس فرمان سے ہوئی کہ ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لیے نازل کیا ہے تاکہ ہم اس کے ذریعے کفار اور مشرکین اور نافرمانوں کو ڈرائیں شاید کہ وہ اپنی روش سے باز آجائیں ۔

جن سورتوں کی ابتداء میں حٰمٓ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان میں یہ پانچویں سورت ہے ۔ حٰمٓ حروف مقطعات میں شمار ہوتے ہیں جن کے بارے میں ہر صاحبِ علم جانتا ہے کہ ان کا معنٰی اور مفہوم نبی علیہ السلام نے بیان نہیں فرمایا اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کا معنٰی آپ سے پوچھنے کی ضرورت محسوس فرمائی لہٰذا حروفِ مقطعات کا معنٰی جانے بغیر ہی ان کی تلاوت کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ نے لفظ حٰمٓ کے بعد اس سورۃ کی ابتداء اس بات سے کی ہے کہ اس کھلی کتاب کی قسم ! ہم نے اسے مبارک رات میں نازل فرمایا ہے یقیناً ہم لوگوں کو ان کے برے انجام سے ڈرانے والے ہیں ۔ جس رات میں قرآن مجید نازل کیا گیا اس میں ہر کام کے حکیمانہ فیصلے کیے جاتے ہیں یہ فیصلے صرف ہماری طرف سے صادر ہوتے ہیں اور ہم ہی رسول کو بھیجنے والے

ہیں باالفاظ دیگر ہم نے اس رات فیصلہ صادر فرمایا کہ ایک صاحب کتاب رسول مبعوث کرنا چاہیے۔ کتاب مبین اور رسول کو بھیجنا سراسر آپ کے رب کی رحمت کا کرشمہ ہے یقیناً وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ کچھ اہل علم نے کمزور روایات کی بنیاد پر لکھا ہے کہ مبارک رات سے مراد شعبان کی پندرہویں رات ہے جسے شب برأت کہا جاتا ہے یہ نام کسی حدیث سے ثابت نہیں کیونکہ شب فارسی زبان کا لفظ ہے اور برأت عربی کا اس میں کوئی شک نہیں کہ اس رات کے بارے میں کچھ روایات ایسی ہیں جن سے اس رات کی کچھ نہ کچھ فضیلت معلوم ہوتی ہے لیکن جو فضائل اس رات سے منسوب کیے جاتے ہیں وہ سب کے سب اس رات کے بارے میں ہیں جس رات میں قرآن مجید نازل کیا گیا ہے۔ یہاں اس رات کو مبارک رات اور سورۃ القدر میں اسے عزت والی رات کہا گیا ہے یہ رات رمضان المبارک میں آتی ہے کیونکہ قرآن مجید نے یہ بات کھلے الفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید رمضان میں نازل کیا ہے۔(البقرۃ:۱۸۵) اس فرمان کے بعد اس رات کا قطعی فیصلہ ہوجاتا ہے کہ یہ شعبان کی پندرہویں رات نہیں بلکہ یہ مبارک اور عزت والی رات رمضان المبارک میں آتی ہے۔ نبی علیہ السلام نے اس رات کی فضیلت اور نشاندہی فرمائی ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا ہے اور اسی رات میں لوگوں کی زندگی کے بارے میں اہم فیصلے ہوتے ہیں یہ شب برأت نہیں بلکہ شب قدر ہے جو رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو رحمت قرار دیا ہے جس کا معنیٰ ہے کہ جہاں یہ کتاب پڑھی جائے گی اور جن لوگوں پر اس کا نفاذ ہوگا اللہ تعالیٰ اس ملک اور ان لوگوں پر اپنی رحمت کا سایہ فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی نیت وعمل کو جاننے والا اور ہر بات کو سننے والا ہے۔

رسول اور کتاب بھیجنا آپ کے رب کی اپنے بندوں پر رحمت ہے تاکہ وہ صحیح عقیدہ اور صالح اعمال اختیار کریں اور دائمی طور پر اپنے رب کی رحمت کے حقدار بن جائیں۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید روشن کتاب ہے۔ ۲۔اس مبارک رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکیمانہ فیصلے صادر ہوتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو مبارک اور عزت والی رات نازل فرمایا ہے۔ ۴۔اللہ تعالیٰ ہی رسول ﷺ کو بھیجنے والا ہے۔

۵۔ کتاب کے نزول اور رسول ﷺ کی آمد کا مقصد لوگوں کو ان کے برے انجام سے ڈرانا ہے۔

۶۔ قرآن مجید کو نازل کرنا اور نبی علیہ السلام کو مبعوث فرمانا اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ ہر بات سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کس مہینے اور رات میں نازل ہوا:

۱۔ قرآن مجید رمضان المبارک میں نازل کیا گیا۔(البقرۃ:۱۸۵) ۲۔قرآن مجید عزت والی رات میں نازل کیا گیا۔(القدر:۱)

۳۔ قرآن مجید مبارک رات میں نازل کیا گیا۔(الدخان:۳) ۴۔اس رات اہم ترین فیصلے صادر ہوتے ہیں۔(الدخان:۴)

رَبِّ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ	وَمَا	بَیْنَھُمَا	اِنْ
رب ہے	آسمانوں	اور زمین کا	اور جو	ان کے درمیان ہے	اگر
کُنْتُمْ	مُّوْقِنِیْنَ ۝۷	لَآ	اِلٰہَ	اِلَّا	ھُوَ
تم ہو	یقین کرنے والے	نہیں	کوئی معبود	مگر	وہ
یُحْیٖ	وَیُمِیْتُ	رَبُّکُمْ	وَرَبُّ	اٰبَآئِکُمُ	الْاَوَّلِیْنَ ۝۸
وہ زندہ کرتا ہے	اور وہ مارتا ہے	تمہارا رب	اور رب	تمہارے باپ دادا کا	پہلے
بَلْ	ھُمْ	فِیْ	شَکٍّ	یَّلْعَبُوْنَ ۝۹	
بلکہ	وہ	میں	شک	مبتلا ہیں	

”آسمانوں اور زمین کا رب اور ہر اس چیز کا رب جو آسمانوں و زمین کے درمیان ہے۔ اگر تم لوگ یقین رکھنے والے ہو۔ (۷) کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے تمہارا رب اور تمہارے ان آباء کا رب ہے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ (۸) مگر یہ لوگ اپنے شک میں مبتلا ہیں۔“ (۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس رب نے مبارک رات میں قرآن مجید نازل کیا ہے وہی زمین و آسمانوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو پیدا کرنے والا اور ان کا مالک ہے۔

قرآن مجید کا پہلا اور مرکزی پیغام ”اللہ“ کی ذات اور اس کی صفات کی پہچان کروانا ہے۔ ”اللہ“ ہی سب کا رب ہے اور اسی نے زمین و آسمانوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو پیدا کیا ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہی کائنات کی موت اور زندگی پر اختیار رکھنے والا ہے وہ تمہارا اور تمہارے آباء واجداد کا رب ہے اگر واقعی تم اس پر یقین کرنے والے ہو لیکن اکثر لوگ اپنے رب کی ذات اور اس کی صفات میں شک کرتے ہیں۔

اہل علم کی تقسیم کے مطابق یہ توحید کی دوسری بڑی قسم ہے جسے توحیدِ ربوبیت کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید نے اکثر مقامات پر توحیدِ ربوبیت کو توحیدِ الوہیت کے اثبات کے لیے ذکر فرمایا ہے۔ توحید کی اقسام میں توحیدِ اُلوہیت ہی مرکزی حیثیت رکھتی ہے جو شخص توحیدِ اُلوہیت کا انکار یا اس میں شبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا کوئی عمل قبول نہیں کرتا۔ توحیدِ اُلوہیت کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے رب کی ذات اور اس کی صفات کا پوری طرح اقرار کرے اور بلا شرکتِ غیرے اس کی عبادت کرے لیکن لوگوں کی غالب اکثریت کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی ذات اور اس کی صفات کے بارے میں شک کرتے ہیں ایسے لوگوں کو سمجھایا جائے تو وہ اس بات کو شغل کے طور پر لیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے انہیں یہی کہا تھا ان

آیات میں اللہ تعالیٰ نے تین مرتبہ اپنا تعارف رب کہہ کر کروایا ہے۔لفظِ رب کے چار معانی ہے اوراس نام میں قربت اورشفقت پائی جاتی ہے۔ ①۔ پوری کائنات کو پیدا کرنے والا۔ ②۔مخلوق کی تمام ضروریات کو پورا کرنے والا۔ ③۔پوری کائنات کا مالک ④۔پوری کائنات کا بادشاہ۔

{ قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا بِالۡحَقِّ اَمۡ اَنۡتَ مِنَ اللّٰعِبِيۡنَ ۝ } (الانبیاء:۵۵)

''انہوں نے کہا ابراہیم کیا تو ہمارے سامنے حقیقت پیش کررہا ہے یا مذاق کررہا ہے؟''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی زمین وآسمانوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کا رب ہے۔ ۳۔اللہ تعالیٰ ہی تمام انسانوں کا رب ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے وہی کائنات کی موت وحیات پر اختیار رکھنے والا ہے۔

۴۔ لوگوں کی اکثریت اللہ تعالیٰ کو حقیقی رب ماننے کی بجائے دوسروں کو بھی رب کا درجہ دیتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

زمین وآسمانوں میں صرف ایک ہی الٰہ ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اور پھر آسمان سے پانی اتار کر باغات اگائے کیا اس کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل:۶۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو جائے قرار بنایا اس میں پہاڑ اور دوسمندروں کے درمیان پردہ بنایا کیا اس کے ساتھ اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل:۶۱)

۳۔ کون لاچار کی فریادرسی کرتا ہے اوراس کی تکلیف دور کرتا ہے کیا کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل:۶۲)

۴۔ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں اللہ کے سوا کون رہنمائی کرتا ہے کیا کوئی اور بھی اس کے ساتھ الٰہ ہے۔(النمل:۶۳)

۵۔ پہلے اور دوبارہ پیدا کرنا اور زمین وآسمان سے تمہارے لیے روزی کا بندوبست کرنیوالا اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے (النمل:۶۴)

۶۔ آپ فرمادیں سوائے ایک الٰہ کے آسمان وزمین کے غیب کو کوئی نہیں جانتا۔(النمل:۶۵)

۷۔ کیا کوئی ہے اس الٰہ کے سوا جو رات ختم کر کے دن لائے؟ (القصص:۷۱)

۸۔ کیا اس الٰہ کے علاوہ کوئی اور الٰہ ہے جو دن ختم کر کے رات لے آئے؟ (القصص:۷۲)

۹۔ بس اِس ایک الٰہ کے سوا کسی دوسرے الٰہ کو نہ پکارو۔(القصص:۸۸)

۱۰۔ تمہارا الٰہ ایک ہے وہ رحمٰن اور رحیم ہے۔(البقرۃ:۱۶۳)

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝١٠ يَّغْشَى

پس آپ انتظار کریں | جس دن | ہوگا | آسمان | دھواں | واضح | وہ ڈھانپ لے گا

النَّاسَ ۚ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝١١ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا

لوگوں کو | یہ | عذاب ہے | دردناک | اے ہمارے رب | دور کردے | ہم سے

الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۝١٢ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى

عذاب | بلاشبہ ہم | ایمان لانے والے ہیں | کیونکر ہوگی | ان کے لیے | نصیحت

وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝١٣ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ

اور تحقیق | آچکا ان کے پاس | رسول | واضح | پھر | انہوں نے منہ موڑ لیا | اس سے

”بس انتظار کرو اس دن کا جب آسمان دھواں کی مانند ہو جائے گا۔(۱۰) اور دھواں لوگوں پر چھا جائے گا، یہ ہے دردناک عذاب۔ (۱۱) کہیں گے کہ پروردگار ہم سے عذاب ٹال دے، اب ہم ایمان لاتے ہیں۔(۱۲) ان کے لیے نصیحت کس طرح ہوگی حالانکہ ان کے پاس واضح طور پر رسول آچکا تھا۔(۱۳) پھر انہوں نے اس سے منہ موڑ لیا

فہم القرآن

ربطِ کلام: رب تعالیٰ کی ذات اور صفات میں شک کرنے والے لوگ قرآن مجید کو شغل کے طور پر لیتے ہیں اس پر ان لوگوں کو انتباہ کیا جاتا ہے۔

جو لوگ اپنے رب کو رب ماننے کے لیے تیار نہیں اور قرآن مجید کی دعوت کو کھیل کود سمجھتے ہیں انہیں ایک بار پھر انتباہ کیا جاتا ہے کہ وہ اس وقت کا انتظار کریں جب آسمان دھویں سے بھر جائے گا اور وہ لوگوں کو بری طرح ڈھانپ لے گا اس دن شک کرنے والوں کو اذیت ناک عذاب ہوگا۔ مجرم اپنے رب کے حضور فریاد پہ فریاد کریں گے کہ اے ہمارے رب! اس عذاب کو ہم سے دور کردے یقیناً ہم تجھ پر ایمان لائیں گے لیکن اس وقت نصیحت حاصل کرنے کا موقع گزر چکا ہوگا کیونکہ اس سے پہلے رسول نے ان تک حق پہنچا دیا تھا لیکن انہوں نے یہ کہہ کر منہ موڑے رکھا کہ یہ کسی کا پڑھایا ہوا اور پاگل شخص ہے۔ ہم کچھ مدت کے لیے عذاب ہٹا دیں گے مگر تم لوگ وہی کچھ کرو گے جو پہلے کرتے رہے ہو بالآخر ایک دن ان کی سخت گرفت کریں گے اور ہم پوری طرح ان سے انتقام لیں گے۔ مفسرین نے ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے دو موقف اختیار کیے ہیں ایک جماعت کا خیال ہے کہ ان آیات میں جس دھویں اور عذاب کا ذکر کیا گیا ہے وہ قیامت کے دن کا دھواں ہے دوسری جماعت کا نقطہ نظر ہے کہ بے شک آسمان اور لوگوں کو گھیر لینے والا دھواں قیامت کے دن ضرور نمودار ہوگا لیکن قیامت سے پہلے اس کا کچھ حصہ اہلِ مکہ پر اس وقت نازل ہوا جب

وَقَالُوۡا	مُعَلَّمٌ	مَّجۡنُوۡنٌ ﴿۱۴﴾	اِنَّا	كَاشِفُوا	الۡعَذَابِ
اور کہا	وہ پڑھایا ہوا	دیوانہ ہے	بے شک ہم	دور کرنے والے ہیں	عذاب
قَلِيۡلًا	اِنَّكُمۡ	عَآئِدُوۡنَ ﴿۱۵﴾	يَوۡمَ	نَبۡطِشُ	الۡبَطۡشَةَ
تھوڑی دیر کے لیے	بلاشبہ تم	دوبارہ وہی کرنے والے ہو	جس دن	ہم پکڑیں گے	پکڑنا
الۡكُبۡرٰى ج	اِنَّا	مُنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۱۶﴾			
بڑا	بلاشبہ ہم	انتقام لینے والے ہیں			

اور کہا کہ یہ تو پڑھا لکھا پاگل ہے۔(۱۴) اگر ہم عذاب ہٹا بھی دیں تو تم وہی کچھ کرو گے جو پہلے کر رہے تھے۔(۱۵) جس دن بڑی پکڑ کریں گے وہ دن ہو گا جب ہم تم سے انتقام لیں گے۔‘‘(۱۶)

نبی اکرم ﷺ نے اہلِ مکہ کے لیے قحط کی دعا کی تھی جس کے نتیجے میں تین سال تک مکہ کی سرزمین پر بارش نہ ہوئی جس سے ایک طرف ان پر قحط مسلط ہوا اور دوسری طرف ثمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ نے اپنے علاقہ سے غلہ کی ترسیل روک لی جس وجہ سے اہل مکہ مردار کھانے پر مجبور ہوئے قحط سالی کے عالم میں وہ جدھر دیکھتے بھوک اور موسم کی حدت کی وجہ سے انہیں ہر طرف دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا۔ اس صورتِ حال سے مجبور ہو کر ابوسفیان نبی معظم ﷺ کی خدمت میں مدینہ حاضر ہو کر درخواست کرتا ہے کہ یا محمد! آپ کی قوم کے لوگ بھوک سے مر رہے ہیں اس لیے آپ اپنے امتی ثمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ کو حکم جاری فرمائیں کہ وہ تاجر حضرات کو مکہ کی منڈی میں غلہ لانے کی اجازت دے اور اس کے ساتھ اپنے رب کے حضور دعا کریں کہ وہ رحمت کی بارش نازل فرمائے۔ نبی کریم ﷺ نے ابوسفیان کی دونوں درخواستیں قبول فرمائیں بارش کی دعا کی اور ثمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ مکہ والوں کے لیے غلہ کو جاری کیا جائے۔ بعض اہلِ علم نے لکھا ہے کہ اس موقع پر ابوسفیان نے نبی علیہ السلام سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر یہ عذاب ٹل جائے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے لیکن جب یہ عذاب ٹل گیا تو مکہ والوں نے پرانی ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو کسی کا سکھلایا ہوا اور پاگل شخص ہے اس کا یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ یہ شخص جان بوجھ کر ایسی باتیں کرتا ہے قرآن مجید نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہم کچھ مدت کے لیے عذاب ٹال دیں گے مگر یہ لوگ وہی کچھ کہیں اور کریں گے جو پہلے سے کر رہے ہیں چنانچہ عذاب ٹل جانے کے بعد اہل مکہ اسی طرح کفر و شرک کرتے رہے جس طرح عذاب سے پہلے کیا کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کی قیامت کے دن سخت پکڑ ہو گی اور ان کے کفر و شرک کی پوری پوری سزا دی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ مجرموں سے سخت انتقام لینے والا ہے۔ اس کا یہ بھی مفہوم لیا گیا ہے کہ جب تم نہ رسول کی بات سنتے ہو اور نہ چھوٹے بڑے عذاب سے سمجھتے ہو تو اس دن کا انتظار کرو جس دن دھواں چھا جائے گا اور تم فریادیں کرو گے کہ اے رب قیامت کا عذاب ٹال دے اب ہم ایمان لاتے ہیں کہا جائے گا کہ اب ایمان لانے اور نصیحت پانے کا وقت گزر گیا کیونکہ جب تمہارے پاس رسول آیا اور اس نے تمہیں سمجھایا تو تم اسے

پاگل کہتے تھے اور الزام دیتے تھے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن نازل نہیں ہوا بلکہ کسی سے پڑھ کر ہمیں سناتا ہے اور یہ شخص مجنون ہے لہٰذا آج تم سے پوری طرح انتقام لیا جائے گا۔

((عَنۡ حُذَیۡفَةَ بۡنِ أَسِیدِ الۡغِفَارِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ کُنَّا قُعُودًا نَتَحَدَّثُ فِي ظِلِّ غُرۡفَةِ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرۡنَا السَّاعَةَ فَارۡتَفَعَتۡ أَصۡوَاتُنَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَنۡ تَكُونَ أَوۡ لَنۡ تَقُومَ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكُونَ قَبۡلَهَا عَشۡرُ آيَاتٍ طُلُوعُ الشَّمۡسِ مِنۡ مَغۡرِبِهَا وَخُرُوجُ الدَّابَّةِ وَخُرُوجُ يَأۡجُوجَ وَمَأۡجُوجَ وَالدَّجَّالُ وَعِيسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ وَالدُّخَانُ وَثَلَاثَةُ خُسُوفٍ خَسۡفٌ بِالۡمَغۡرِبِ وَخَسۡفٌ بِالۡمَشۡرِقِ وَخَسۡفٌ بِجَزِيرَةِ الۡعَرَبِ وَآخِرُ ذٰلِكَ تَخۡرُجُ نَارٌ مِنَ الۡيَمَنِ مِنۡ قَعۡرِ عَدَنٍ تَسُوقُ النَّاسَ إِلَى الۡمَحۡشَرِ)) (رواہ ابوداؤد: باب أمارات الساعة [صحیح])

''حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی ﷺ کے حجرہ مبارک کے سائے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے ہم نے گفتگو کے دوران قیامت کا ذکر کیا گفتگو کے دوران ہماری آوازیں بلند ہوگئیں رسول ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک اس سے پہلے دس نشانیاں نہ پوری ہو جائیں۔ ① سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، ② دابہ جانور کا نکلنا، ③ یاجوج و ماجوج کا ظاہر ہونا، ④ دجال کا نکلنا، ⑤ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نازل ہونا، ⑥ دھواں کا ظاہر ہونا ⑦ زمین کا تین مرتبہ دھنسنا ایک مرتبہ مغرب میں ⑧ ایک مرتبہ مشرق میں ⑨ ایک مرتبہ جزیرۃ العرب میں ⑩ آگ یمن کے علاقہ سے عدن کی طرف رونما ہوگی جو لوگوں کو محشر کے میدان میں اکٹھا کرے گی۔''

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ مجرموں سے انتقام لینے والا ہے:

۱۔ ان کے پاس ان میں سے رسول آئے لیکن انہوں نے تکذیب کی تب انہیں عذاب نے آلیا۔ (النحل: ۱۱۳)

۲۔ ان کے لیے کہا جائے گا تکذیب کرنے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا رہو۔ (السجدۃ: ۲۰)

۳۔ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ (الشعراء: ۱۳۹)

۴۔ قومِ نوح نے جب حضرت نوح کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں غرق کر دیا۔ (الفرقان: ۳۷)

۵۔ ہم نے آلِ فرعون سے انتقام لیا اور انہیں دریا میں غرق کر دیا۔ (الاعراف: ۱۳۶)

۶۔ ان کے جھٹلانے کی وجہ سے انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ (البقرۃ: ۱۰)

۷۔ ہم مجرموں سے انتقام لیتے ہیں۔ (السجدۃ: ۲۲)

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ

اورالبتہ تحقیق | ہم نے آزمایا | ان سے پہلے | قوم کو | فرعون کی | اورآیاان کے پاس | رسول

كَرِيْمٌ ﴿١٧﴾ اَنْ اَدُّوْآ اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ط اِنِّيْ

معزز | اس نے کہا یہ کہ | تم حوالے کردو | میرے طرف | بندوں کو | اللہ کے | بے شک میں

لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٨﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى

تمہارے لیے | رسول ہوں | امانت دار | اور یہ کہ | نہ | تم سرکشی کرو | پر

اللّٰهِ ج اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٩﴾ ج

اللہ | بلاشبہ میں | لایاہوں تمہارے پاس | دلیل | واضح

’’ان سے پہلے ہم فرعون کی قوم کواس آزمائش میں ڈال چکے ہیں ان کے پاس ایک معزز رسول آیا۔(۱۷)اوراس نے کہا اللہ کے بندوں کومیرے حوالے کرو میں تمہارے لیے ایک امانت داررسول ہوں۔(۱۸)اللہ کے مقابلے میں سرکشی نہ کرو میں تمہارے سامنے اپنی نبوت کی واضح نشانی لایاہوں۔(۱۹)اورمیں

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح مکہ والوں کواللہ تعالیٰ نے دنیا میں عذاب میں مبتلا کیااسی طرح ہی قومِ فرعون کومختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اہلِ مکہ کوخطاب کرتے ہوئے ارشادفرمایا کہ ہم نے تمہاری طرف ایسارسول بھیجاہے جس طرح قومِ فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا لیکن فرعون نے اسے ماننے سے انکارکردیا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اسے بڑے عذاب میں مبتلا کیا۔(المزمل:۱۵،۱۶)

ارشادفرمایا کہ ہم نے اس سے پہلے ایک معزز رسول کے ذریعے قوم فرعون کوآزمایااس رسول نے فرعون کو یہ بات کہی تھی کہ اللہ کے بندوں یعنی بنی اسرائیل کومیرے حوالے کردو۔ میں تمہارے لیے امین اورذمہ داررسول بنا کربھیجا گیا ہوں۔اللہ تعالیٰ کی بغاوت نہ کرنا کیونکہ میں تمہارے پاس واضح دلیل لے کرآیا ہوں۔اس مقام پرموسیٰ علیہ السلام کوکریم نبی کے نام سے یادکیا گیاہے اورنبی علیہ السلام کے بارے میں رؤف،رحیم اوررحمت للعالمین کے الفاظ استعمال کیے ہیں اس مقام پرحضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظیم اورطویل جدوجہدکواشارات کے ذریعے بیان کیا گیاہے ان کی طویل جدوجہد کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے ارشادفرمایا کہ ہم نے قومِ فرعون کی طرف معزز رسول کوبھیجااوراس نے اپنی قوم کی آزادی کا مطالبہ کیا جس کی مختصرروداد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اوران کے بھائی ہارون علیہ السلام کوفرعون کی طرف بھیجا موسیٰ علیہ السلام نے سب

وَ اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾

اور بے شک میں نے پناہ لی ہے اپنے رب کی اور تمہارے رب کی اس بات سے کہ تم سنگسار کردو مجھے

وَ اِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهٗۤ

اور اگر نہیں تم ایمان لاتے میری بات پر تو تم مجھ سے الگ ہو جاؤ پھر اس نے پکارا اپنے رب کو

اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

کہ بلاشبہ یہ لوگ (تو) مجرم ہیں

اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ لے چکا ہوں اس سے کہ تم مجھے رجم کرو۔ (۲۰) اگر تم میری بات نہیں مانتے تو میرا راستہ چھوڑ دو۔ (۲۱) آخر کار اس نے اپنے رب کو پکارا کہ یہ لوگ مجرم ہیں۔'' (۲۲)

سے پہلے فرعون اور اس کی قوم کو اللہ کی توحید کی دعوت دی اور اس کے ساتھ ہی اپنی قوم کی آزادی کا مطالبہ کیا جب فرعون نے انہیں ماننے سے انکار کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کے سامنے دو عظیم معجزے پیش فرمائے مگر فرعون نے انہیں جادوگر کہہ کر ٹھکرا دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی عظیم اور طویل جدوجہد کے دوران فرعون کے ساتھ کئی معرکے ہوئے لیکن فرعون اور اس کی قوم موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوئی اللہ تعالیٰ نے انہیں راہِ راست پر لانے کے لیے ان پر کئی عذاب نازل کیے مگر پھر بھی وہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے البتہ موسیٰ علیہ السلام کی جدوجہد کا یہ نتیجہ نکلا کہ بنی اسرائیل کے علاوہ فرعون کی قوم کے نوجوان اور کچھ سرکردہ لوگ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے جس کے ردِعمل میں فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو رجم اور قتل کرنے کی دھمکی دی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس دھمکی کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مجھے تمہاری دھمکیوں کا کوئی ڈر نہیں کیونکہ میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آچکا ہوں اگر تم مجھ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں تو میرا راستہ چھوڑ دو! مگر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کا ایک دفعہ پھر قتلِ عام شروع کردیا نہ معلوم یہ قتلِ عام کتنا عرصہ جاری رہا بالآخر موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور التجا کی کہ اے میرے رب! یہ قوم جرائم میں آگے ہی بڑھتی جارہی ہے اس لیے آپ سے عاجزانہ التجا ہے کہ اب انہیں تہس نہس کردیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی التجا قبول فرمائی اور انہیں مصر سے ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے آخری دفعہ پھر فرعون کو توحید کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کہ میرا اور تمہارا رب ''اللہ'' ہے جس نے مجھے واضح دلائل اور بڑے بڑے معجزات کیساتھ تمہاری طرف بھیجا ہے میں اسی کی طرف سے امانت دار رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں یعنی جو کچھ میں تمہیں کہہ رہا ہوں اس میں میری ذات کا کوئی عمل دخل نہیں اور جو کچھ تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں وہ پوری ذمہ داری سے پیش کر رہا ہوں لہٰذا اللہ تعالیٰ کی سرکشی چھوڑ کر اس کی تابعداری اختیار کرو یہی تمہارے لیے بہتری کا راستہ ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

۲۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی توحید سمجھانے کے ساتھ بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے ہی معزز اور امانت دار رسول تھے۔ ۴۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو رجم کرنے کی دھمکی دی۔

۵۔ موسیٰ علیہ السلام نے واضح دلائل اور بڑے بڑے معجزات کے ساتھ فرعون اور اس کے ساتھیوں کو توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ تمہیں اللہ کی سرکشی سے باز آنا چاہیے۔

۶۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم ایمان نہیں لاتے تو میرا راستہ چھوڑ دو۔

۷۔ فرعون کے بے انتہا مظالم کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مجرموں کی تباہی کی بددعا کی۔

تفسیر بالقرآن

مجرم اقوام کی انبیائے کرام علیہم السلام کو دھمکیاں:

۱۔ مشرکوں کی حضرت نوح علیہ السلام کو دھمکی اگر تو باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر دیا جائے گا۔ (الشعراء:۱۱۶)

۲۔ ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے کہا اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا بس تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور ہو جا۔ (مریم:۴۶)

۳۔ حکمران اور قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینک دیا۔ (الانبیاء:۶۸)

۴۔ قوم نے حضرت لوط علیہ السلام کو رجم کرنے کی دھمکی دی۔ (ہود:۹۱)

۵۔ مشرکوں کی حضرت لوط علیہ السلام کو دھمکی کہ اگر تو باز نہ آیا تو تمہیں شہر بدر کر دیں گے۔ (الشعراء:۱۶۷)

۶۔ فرعون کی ایمانداروں کو دھمکیاں کہ میں تمھارے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دوں گا اور تمھیں کھجور کے تنوں پر سولی چڑھادوں گا۔ (طٰہٰ:۷۱)

۷۔ فرعون کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دھمکی کہ میں تجھے سنگسار کردوں گا۔ (الدخان:۲۰)

۸۔ فرعون نے اپنی قوم کو کہا کہ میرا راستہ چھوڑ دو کیونکہ میں موسیٰ کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔ (المومن:۲۶)

۹۔ مشرکوں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا کہ ہم تجھے اور تیرے ساتھ ایمان لانے والوں کو شہر سے نکال دیں گے۔ (الاعراف:۸۸)

۱۰۔ یہودیوں نے اپنے طور پر عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکایا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس اٹھالیا۔ (النساء:۱۵۷۔۱۵۸)

۱۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل اور ملک بدر کرنے کی سازش کی گئی۔ (الانفال:۳۰)

۱۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی ہدایت سے پھیر دینے کی سازش کی گئی۔ (البقرۃ:۱۰۹)

فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ اتْرُكِ

(حکم ہوا) اب تو لے چل | میرے بندوں کو | رات کے وقت | بے شک تم | پیچھا کیے جاؤ گے | اور تو چھوڑ دے

الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوْا

سمندر کو | تھما ہوا | بلاشبہ وہ | لشکر | غرق کیے جائیں گے | کتنے ہی انہوں نے چھوڑا

مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّ زُرُوْعٍ وَّ مَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّ نَعْمَةٍ

سے | باغات | اور چشموں | اور کھیتیاں | اور محل | شاندار | اور سامانِ راحت

كَانُوْا فِیْهَا فٰكِهِیْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ ۫ وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا

کہ وہ تھے | ان میں عیش و عشرت کی زندگی گزارنے والے | اسی طرح ہوا | اور ہم نے وارث کر دیا ان کا | قوم کو

اٰخَرِیْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ

ایک دوسری | پھر نہ | روئے | ان پر | آسمان | اور زمین

وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِیْنَ ﴿۲۹﴾

اور نہ | تھے وہ | مہلت دیے گئے

''رات کے وقت میرے بندوں کو لے کر نکل پڑ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ (۲۳) سمندر کو تھما ہوا چھوڑ دو یقیناً وہ غرق ہونے والے ہیں۔ (۲۴) کتنے ہی باغ اور چشمے۔ (۲۵) اور کھیت اور شاندار محل چھوڑ گئے۔ (۲۶) اور عیش کے سامان جن میں وہ مزے کر رہے تھے۔ (۲۷) اسی طرح ان کا انجام ہوا اور ہم نے دوسروں کو ان کا وارث بنا دیا۔ (۲۸) پھر زمین و آسمان نہیں روئے اور نہ ہی انہیں مہلت دی گئی۔'' (۲۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے قومِ فرعون کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام کی بدعا قبول فرمائی اور موسیٰ علیہ السلام کو ہجرت کرنے کا حکم دیا۔

یاد رہے کہ ہجرت معمولی کام نہیں کہ پیغمبر کا دل اکتائے اور وہ اپنی قوم کو چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے یہ مشکل ترین کام ہے جسے انتہائی مشکل ترین حالات میں کرنے کی اجازت دی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ جس پیغمبر کو بھی ہجرت کی اجازت دی گئی اس کے حالات اتنے پُرکٹھن تھے کہ پیغمبر کا مزید وہاں رہنا سودمند نہیں تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبروں کو ہجرت کرنے کی اجازت دی جاتی تھی۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے حالات اس نہج پر پہنچ چکے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مصر سے ہجرت کرنے کی اجازت عطا فرمائی اور یہ ہدایت کی کہ رات کے وقت اپنے ساتھیوں کو لے کر نکل جاؤ لیکن یاد رکھنا کہ تمہارا تعاقب ضرور

کیا جائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہجرت کی اجازت ملنے پر اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ پوری احتیاط کے ساتھ فلاں دن اور فلان وقت سمندر کے فلاں مقام پر پہنچ جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مصر کی سرزمین چھوڑنے کا حکم دے دیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے حکم کے مطابق ان کے ساتھی ہر شہر اور علاقے سے نکل کر سمندر کے اس مقام پر پہنچے جس کی انہیں نشاندہی کی گئی تھی۔ جن کی تعداد مؤرخین نے ایک لاکھ کے قریب بتلائی ہے اتنی تعداد میں مختلف شہروں اور علاقوں سے لوگوں کا اپنے گھر بار چھوڑ کر نکلنا اور ایک ہی مقام کی طرف رخ کرنا زیادہ دیر تک خفیہ نہیں رہ سکتا تھا۔ ہجرت کرنے والوں نے بے شک پوری احتیاط کی۔ لیکن فرعون کی ایجنسیاں ان پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھیں جونہی انہوں نے فرعون تک اطلاع پہنچائی تو فرعون نے انتظامیہ کو ان الفاظ میں حکم جاری کیا کہ یہ مٹھی بھر لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں طیش دلا دیا ہے اور ہم ایک ایسی جماعت ہیں جس کا شیوہ ہر وقت چوکس رہنا ہے۔ (الشعراء: ۵۴ تا ۵۶)

فرعون کے حکم کے مطابق انتظامیہ کے لوگ اور بڑے بڑے لیڈر اپنے گھروں سے نکل کر اجتماعی شکل میں بنی اسرائیل کا تعاقب کرتے ہیں اُن کے نکلنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم نے اُنھیں اُن کے باغات، چشموں، خزانوں اور عمدہ مکانوں سے نکالا اور اس طرح ہم نے بنی اسرائیل کو ان چیزوں کا وارث بنایا فرعون نے بنی اسرائیل کا تعاقب کرتے وقت سرکاری طور پر جو اعلان کیا اُس کے الفاظ یہ تھے کہ لوگو! اپنے اپنے شہروں سے باہر نکلو بے شک بنی اسرائیل تھوڑے ہیں لیکن ان کا پوری طرح تعاقب کرو یہ لوگ جانے نہ پائیں۔ انتظامی نقطہ نظر سے چاہیے تو یہ تھا کہ فوج کے چند دستے اور سول انتظامیہ کی بھاری نفری بھیج کر نہتے اسرائیلیوں کو گرفتار کر لیا جاتا یا پھر مار مار کر ملک کی سرحد سے باہر نکال دیا جاتا لیکن فرعون نے طیش میں آکر سول انتظامیہ اور فوج کے ساتھ وزیروں، مشیروں اور ملک بھر سے بڑے بڑے لیڈروں کو اکٹھا کر کے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا اس طرح اُن کے نکلنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرما کر ثابت کیا ہے کہ یہ ہماری منشاء کے مطابق ہوا تا کہ ہم انھیں اُن کے باغات، چشموں، خزانوں اور ان کے محلات سے بے دخل کریں اور دوسری قوم کو ان کی تمام چیزوں کا وارث بنائیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے فرعون اور اس کے لشکر وسپاہ کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو وہ پکار اٹھے کہ ہم تو مارے گئے۔

{ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ۝ }

(الشعراء: ۶۱، ۶۲)

”جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو موسیٰ کے ساتھی چیخ اٹھے کہ ہم تو پکڑے گئے موسیٰ نے فرمایا: ہرگز نہیں میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا۔“

{ فَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۗ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝ }

(الشعراء: ۶۳)

''ہم نے موسیٰ کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ سمندر پر اپنا عصا ماریا یک سمندر پھٹ گیا اوراس کی ہرلہر بہت بڑے پہاڑ کی طرح کھڑی ہوگئی۔''

ادھر موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی سمندر عبور کررہے تھے دوسری طرف فرعون اپنے ساتھیوں سمیت سمندر میں انہی راستوں سے داخل ہوا جہاں سے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی گزر چکے تھے موسیٰ علیہ السلام چاہتے تھے کہ ایک دفعہ پانی پر عصا مار کر راستے بند کردیئے جائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر روک دیا کہ فرعون اوراس کے ساتھیوں کو سمندر میں داخل ہونے دیں جونہی سمندر میں داخل ہوں تو اپنا عصا سمندر پر ماریں تاکہ فرعون اوراس کے ساتھیوں کو غرق کردیا جائے موسیٰ علیہ السلام نے اس طرح ہی کیا جس کے نتیجے میں پہاڑوں کی مانند ٹھہری ہوئی لہریں چل پڑیں فرعون اوراس کے ساتھی غرق کردیئے گئے۔اس طرح فرعون اوراس کے ساتھی مہکتے ہوئے باغ، جاری چشمے، لہلہاتی ہوئی کھیتیاں، پُرشکوہ محلات اور بیش بہا عیش وعشرت کا سامان چھوڑ کر سمندر میں غرق ہوئے اللہ تعالیٰ نے دوسری قوم کوان کا وارث بنایا اوران کے ڈوب مرنے پر نہ زمین کو رونا آیا اور نہ ہی آسمان نے آنسو بہائے اور نہ ہی انہیں مہلت دی گئی ان آیات میں فرعون اور اس کے ساتھیوں کی غرقابی اوران کی عیش وعشرت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے اور یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ زمین وآسمان میں کوئی بھی ان پر رونے کے لیے تیار نہ ہوا جو لوگ فرعون اوراس کے وزیروں، مشیروں کی تعریفیں کرتے ہوئے نہیں تھکتے تھے اوران کے استقبال کے لیے پہروں کھڑے رہتے تھے اور فرعون کے سامنے سرجھکاتے تھے۔ان میں ایک نفس بھی ایسا نہیں تھا جس نے افسوس کا اظہار کیا ہو جس کے لیے یہ الفاظ کہے گئے کہ ان پر نہ زمین روئی اور نہ آسمان کو افسوس ہوا یہ ایک حقیقت ہونے کے ساتھ ہر زبان میں محاورہ بھی ہے کہ جب بدترین شخص دنیا سے جاتا ہے تو اس پر افسوس کرنے والا کوئی نہیں ہوتا جہاں تک قومِ فرعون کے بعد مصر کی سرزمین کے وارث بننے والوں کا تعلق ہے بہت سے مفسرین کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل مصر پر قابض نہیں ہوئے ہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

بے شک تاریخ سے بنی اسرائیل کا آلِ فرعون کے محلات اور باغات کا مالک ہونا ثابت نہیں۔لیکن دیکھنا یہ ہے کہ قرآن مجید نے یہاں دوسری قوم کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں لیکن سورۃ الشعراء میں کھلے الفاظ میں کہا ہے کہ ہم نے آلِ فرعون کو غرق کیا اور بنی اسرائیل کوان کے باغوں، چشموں اور محلّات کا مالک بنایا۔(الشعراء:۵۹) اس وضاحت کے بعد تاریخ کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ جب کہ تاریخی ریکارڈ بھی تسلسل کے ساتھ موجود نہیں ہے لہٰذا قرآن مجید کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل فلسطین کے ساتھ مصر کے بھی مالک ہوئے اورانہیں وہ سب کچھ ملا جو آلِ فرعون کے پاس ہوا کرتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیت المقدس کی فتح کے موقع پران آیات کی تلاوت کرنا:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس شہر کے قریب پہنچے تو ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہوکر چاروں طرف نگاہ ڈالی، بیت القدس کا دلفریب منظر اور شاندار مکانات سامنے تھے دل پر ایک خاص اثر ہوا عبرت کے لہجہ میں یہ آیت

پڑھی۔ {كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ} (الدخان:۲۵)

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ هَذَا الَّذِى تَحَرَّكَ لَهُ الْعَرْشُ، وَفُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَشَهِدَهُ سَبْعُونَ أَلْفًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ لَقَدْ ضُمَّ ضَمَّةً ثُمَّ فُرِجَ عَنْهُ)) (رواہ النسائی: باب ضَمَّةُ الْقَبرِ وَ ضَغْطَتُهُ [صحیح])

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے حضرت بن معاذ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ وہ شخص ہے جس کی موت پر اللہ کا عرش کانپ گیا، ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے اوران کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتوں نے شرکت کی۔ جب انہیں قبر میں اتارا گیا تو قبر نے انہیں دبوچ لیا پھر ان کی قبر کشادہ کر دی گئی۔''

مسائل

۱۔ موسیٰ علیہ السلام کو قبل ازوقت بتلادیا گیا کہ فرعون تمہارا تعاقب کرے گا۔

۲۔ موسیٰ علیہ السلام اوران کے ساتھیوں نے رات کے وقت ہجرت کی۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ عصا مارنے پر سمندر کا پانی پہلے کی طرح ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

۴۔ فرعون اوراس کے ساتھی غرق کر دیئے گئے۔ ۵۔موسیٰ علیہ السلام اوران کے ساتھی امن وامان کے ساتھ سمندر پار کر گئے۔

۶۔ فرعون اوران کے ساتھی اپنے باغات، بہتے ہوئے چشمے، لہلہاتی ہوئی کھیتیاں، بڑے بڑے محلات اورعیش وعشرت کا سامان چھوڑ کر سمندر میں غرق ہوئے۔ ۷۔فرعون اوراسکے ساتھیوں پر کوئی ایک شخص بھی رونے کیلئے تیار نہ ہوا۔

۸۔ اللہ تعالیٰ نے مصر پر دوسری قوم کو اقتدار اوراختیار بخشا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ جسے چاہے زمین کا وارث بناتا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حق کی تکذیب کرنے والوں کو ہلاک کر کے دوسری قوم کو وارث بنایا۔ (الانعام:۶)

۲۔ اے ایمان والو! اگر تم دین سے مرتد ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا۔ (المائدۃ:۵۴)

۳۔ اگر اللہ چاہے تو تمہیں فنا کر دے اور نئی مخلوق لے آئے یہ اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ (ابراہیم:۱۹۔۲۰)

۴۔ اگر اللہ چاہے تو تم کو فنا کر کے دوسری مخلوق لے آئے یہ اللہ کے لیے مشکل نہیں۔ (فاطر:۱۶۔۱۷)

۵۔ اگر اللہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے۔ (النساء:۱۳۳)

۶۔ اگر اللہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہارے بعد جسے چاہے لے آئے۔ (الانعام:۱۳۳)

وَ لَقَدۡ	نَجَّیۡنَا	بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ	مِنَ	الۡعَذَابِ	الۡمُهِیۡنِ ۙ﴿۳۰﴾
اور البتہ تحقیق	ہم نے نجات دی	بنی اسرائیل کو	سے	عذاب	رسوا کن

مِنۡ	فِرۡعَوۡنَ ؕ	اِنَّهٗ	كَانَ	عَالِیًا	مِّنَ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ﴿۳۱﴾
سے	فرعون	بلاشبہ وہ	تھا	بڑا سرکش	حد سے تجاوز کرنے والوں سے

وَ لَقَدِ	اخۡتَرۡنٰهُمۡ	عَلٰی	عِلۡمٍ	عَلَی	الۡعٰلَمِیۡنَ ۚ﴿۳۲﴾	وَ اٰتَیۡنٰهُمۡ
اور البتہ تحقیق	ہم نے پسند کیا ان کو	پر	علم	پر	تمام جہانوں	اور ہم نے دی تھیں ان کو

مِّنَ الۡاٰیٰتِ	مَا	فِیۡهِ	بَلٰٓـؤٌا	مُّبِیۡنٌ ﴿۳۳﴾
نشانیاں	وہ جو	ان میں	آزمائش تھی	واضح

''ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت آمیز عذاب سے نجات دی۔(۳۰) فرعون یقیناً حد سے گزرنے والوں میں پرلے درجے کا زیادتی کرنے والا تھا۔(۳۱) اور ہم نے بنی اسرائیل کو دنیا کی دوسری قوموں میں سے پسند کیا۔(۳۲) اور انہیں ایسی نشانیاں دکھائیں جن میں کھلی آزمائش تھی۔'' (۳۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل کا اذیت ناک عذاب سے نجات پانا، فرعون اور اس کے ساتھیوں کا غرق ہونا۔

اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو سمندر میں غرقاب کیا کیونکہ وہ بڑا ہی عالی اور غالی انسان تھا۔ دنیا میں بڑے بڑے باغی اور سرکش انسان گزرے ہیں مگر کسی نے رب الاعلیٰ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا فرعون ایسا غالی اور متکبر انسان تھا کہ اس نے رب الاعلیٰ ہونے کا دعویٰ کیا اور لوگوں کو جبراً اپنے سامنے جھکایا کرتا تھا وہ بنی اسرائیل کو اذیت ناک سزائیں دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی بے مثال جدوجہد کے نتیجے میں بنی اسرائیل کو نجات عطا فرمائی۔ جس کے بارے میں ''عَذَابِ مُّهِیۡنٍ'' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور اسے بہت بڑی آزمائش قرار دیا ذلت ناک سزا کا تذکرہ قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

{ وَ اِذۡ نَجَّیۡنٰكُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ یَسُوۡمُوۡنَكُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ یُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآءَكُمۡ وَ یَسۡتَحۡیُوۡنَ نِسَآءَكُمۡ ؕ وَ فِیۡ ذٰلِكُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَظِیۡمٌ ﴿۴۹﴾ } (البقرۃ:۴۹)

''اور جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی جو تمہیں بدترین عذاب دیتے تھے۔ وہ تمہارے لڑکوں کو مار ڈالتے اور تمہاری لڑکیوں کو چھوڑ دیتے تھے اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔''

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمتوں کا احساس، آخرت کا خوف اور ان کے ماضی کے الم ناک دور کا حوالہ دیتے ہوئے سمجھایا ہے کہ آج تم کمزور اور بے خانماں مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر رہے ہو وہ وقت بھی تمہیں یاد رکھنا چاہیے جب

فرعون تمہارے جوانوں اور نونہالوں کو سرعام ذبح کرتا تھا اور تمہاری ماؤں اور بہو بیٹیوں کو باقی رہنے دیتا تھا۔ قرآنِ مجید نے اسے بلائے عظیم قرار دے کر ان تمام مضمرات کی طرف اشارہ کیا ہے جو مظلوم اور غلام قوم کو پیش آیا کرتے ہیں ظالم لوگ مغلوب اور مظلوم قوم کی بہو بیٹیوں کے ساتھ وہ سلوک روا رکھتے ہیں جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اے بنی اسرائیل! اللہ تعالیٰ نے تم پر احسانِ عظیم کرتے ہوئے ان مظالم سے تمہیں نجات دلائی اور تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہارے دشمن کو ذلت کی موت دیتے ہوئے ہمیشہ کے لیے اسے نشانِ عبرت بنا دیا۔ اس سے دنیا میں تمہاری عظمت وسچائی اور بزرگی کی دھوم مچ گئی کہ بنی اسرائیل کے لیے سمندر رک گیا اور ان کی آنکھوں کے سامنے بدترین مغرور وسفاک، خدائی اور مشکل کشائی کا دعوی کرنے والا ڈبکیاں لیتے ہوئے دہائی دیتا رہا کہ لوگو! میں موسیٰ علیہ السلام اور اس کے خدا پر ایمان لاتا ہوں لیکن آواز آئی کہ تیرا ایمان ہرگز قبول نہیں ہوا اب تجھے آئندہ نسلوں کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا جائے گا۔ (یونس: ۹۱)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ذلت آمیز سزاؤں سے نجات دی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو ذلت کی موت مارا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو پوری دنیا پر فضیلت اور عظمت عطا فرمائی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے بنی اسرائیل پر انعامات:

۱۔ اے بنی اسرائیل میری نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمائیں۔ (البقرۃ: ۴۰)

۲۔ بنی اسرائیل کو ساری دنیا پر فضیلت دی گئی۔ (البقرۃ: ۴۷)

۳۔ بنی اسرائیل کے لیے سمندر کو پھاڑا گیا۔ (البقرۃ: ۵۰)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو آل فرعون سے نجات دی۔ (البقرۃ: ۴۹)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے بارہ چشمے جاری فرمائے۔ (الاعراف: ۱۶۰)

۶۔ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے بادلوں کا سایہ کیا اور من وسلویٰ نازل فرمایا۔ (البقرۃ: ۵۷)

۷۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے مقتول کو زندہ فرمایا۔ (البقرۃ: ۷۳)

۸۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ہزاروں لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا۔ (البقرۃ: ۲۴۳)

۹۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے کمزوروں کی مدد فرمائی۔ (القصص: ۵)

۱۰۔ ہم نے بنی اسرائیل کو اذیت ناک عذاب سے نجات دی۔ (الدخان: ۳۰)

اِلَّا	هِیَ	اِنْ	لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾	هٰۤؤُلَآءِ	اِنَّ
مگر	یہ	نہیں ہے	البتہ کہتے ہیں	یہ لوگ	بلاشبہ

بِاٰبَآئِنَآ	فَاْتُوْا	بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾	وَمَا نَحْنُ	الْاُوْلٰى	مَوْتَتُنَا
ہمارے باپ دادا کو	تم لے آؤ	دوبارہ اٹھائے جائیں گے	اور نہیں ہم	پہلا ہی	ہمارا مرنا

صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾	كُنْتُمْ	اِنْ
سچے	تم ہو	اگر

”یہ لوگ کہتے ہیں۔(۳۴) کہ ہماری پہلی موت کے سوا ہم دوبارہ اُٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔(۳۵) اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو اٹھا کر لاؤ۔“(۳۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: فرعون اور اس کے ساتھیوں کا انجام ذکر کرنے کے بعد اہل مکہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تم بھی گھمنڈ میں آکر کہتے ہو کہ یہ موت ہی ہمارا آخری انجام ہے کیا انہیں معلوم نہیں کہ قیامت کا انکار کرنے والوں کا کیا انجام ہوا جن میں آل فرعون کے ساتھ قوم تبع بھی شامل ہے۔

قرآن مجید نے منکرینِ قیامت کو سمجھانے کے لیے عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ قیامت ہر صورت قائم ہو گی لیکن قیامت کا انکار کرنے والے بلا دلیل اپنی بات اور ہٹ دھرمی پر قائم رہتے ہیں یہی حالت اہلِ مکہ کی تھی۔ نبی علیہ السلام نے انہیں قرآن مجید کے دلائل کے ساتھ بار بار سمجھایا کہ قیامت ہر صورت برپا ہو کر رہے گی کوئی ڈوب کے مرے یا آگ میں جل کر خاکستر ہو جائے۔ ہر صورت اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں حاضر کرے گا اور اس سے پورا، پورا حساب لیا جائے گا اتنے واضح اور ٹھوس دلائل ہونے کے باوجود مکہ کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس بات پر مصرّ تھے کہ بس آدمی جب مر جاتا ہے تو پھر اس نے دوبارہ زندہ نہیں ہونا اس کے لئے یہ دلیل پیش کرتے کہ اگر واقعی قیامت آنی ہے تو ہمارے باپ دادا کو اٹھا لائیں تاکہ ہم ان سے پوچھیں کہ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں قرآن مجید نے کئی واقعات کا ذکر کیا ہے خاص طور پر حضرت ابرہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عزیر، حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے ہاتھوں زندہ ہونے والے افراد کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا اور فرمایا۔

{ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ } (بنی اسرائیل: ۴۹تا۵۱)

’’اور وہ کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم اٹھائے جائیں گے انہیں بتلائیں کہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا یا کوئی ایسی مخلوق بن جاؤ جو تمہارے دلوں میں بڑی ہے لیکن عنقریب وہ کہیں گے کون ہمیں لوٹائے گا؟ فرمادیں جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا۔‘‘

مسائل

۱۔ قیامت کا انکار کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں ہونا۔

۲۔ قیامت کا انکار کرنے والے سب سے بڑی دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد کو ہمارے سامنے لایا جائے تب ہم ایمان لائیں گے کہ واقعی قیامت قائم ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا مردوں کو دوبارہ زندہ کرنا:

۱۔ وہ کہتے ہیں ہمیں کون دوبارہ زندہ کرے گا؟ فرما دیجیے جس نے پہلی بار پیدا کیا تھا۔ (بنی اسرائیل: ۵۱)

۲۔ ہم نے زمین سے تمہیں پیدا کیا اسی میں لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ اٹھائیں گے۔ (طٰہٰ: ۵۵)

۳۔ اللہ ہی مخلوق کو پیدا کرنے والا ہے پھر وہی اسے دوبارہ لوٹائے گا۔ (یونس: ۴)

۴۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا، پھر اسے لوٹائے گا اور یہ کام اس کے لیے آسان ہے۔ (الروم: ۲۷)

۵۔ اللہ ہی نے مخلوق کو پیدا کیا، پھر وہ اسے دوبارہ پیدا کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (الروم: ۱۱)

۶۔ کیا اللہ کو اس بات پر قدرت نہیں؟ کہ وہ مردوں کو زندہ فرمائے۔ (القیامۃ: ۴۰)

۷۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے سامنے چار پرندوں کو زندہ کیا۔ (البقرہ: ۲۶۰)

۸۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے سامنے ان کی قوم کے ستر سرداروں کو موت دے کر دوبارہ زندہ کیا۔ (الاعراف: ۱۵۵)

۹۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر کو سو سال مارنے کے بعد زندہ فرمایا۔ (البقرۃ: ۲۵۹)

۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر کے گدھے کو ان کے سامنے دوبارہ زندہ فرمایا۔ (البقرۃ: ۲۵۹)

۱۱۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ہزاروں لوگوں کو موت دے کر دنیا میں دوبارہ زندہ کیا۔ (البقرۃ: ۲۴۳)

۱۲۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے سامنے ایک مقتول کو زندہ کیا۔ (البقرۃ: ۷۳)

۱۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کے ہاتھوں مردوں کو زندہ فرمایا۔ (المائدۃ: ۱۱۰)

۱۴۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو تین سو نو سال سلا کر بیدار فرمایا۔ (الکہف: ۲۵)

وَّالَّذِیۡنَ	تُبَّعٍ ۙ	قَوۡمُ	اَمۡ	خَیۡرٌ	اَهُمۡ
اور وہ لوگ جو	تُبَّعٍ کی	قوم	یا	بہتر ہیں	کیا یہ

مُجۡرِمِیۡنَ ۳۷	كَانُوۡا	اِنَّهُمۡ	اَهۡلَكۡنٰهُمۡ ۫	مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ
مجرم لوگ	تھے	بلاشبہ وہ	ہم نے ہلاک کیا ان کو	ان سے پہلے ہوئے

”یہ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور اس سے پہلے لوگ ہم نے ان کو اس وجہ سے تباہ کیا بلاشبہ وہ مجرم تھے۔“ (۳۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام : آلِ فرعون اور اس کے ساتھیوں کا ظلم بیان کرنے کے بعد اہل مکہ کو قومِ تبع کا حوالہ دیا ہے جس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ فرعون اور قومِ تبع کی تاریخ سامنے رکھو! جو اقتدار اور وسائل کے اعتبار سے تم سے بڑھ کر تھے۔ ان کے جرائم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا ان کے مقابلے میں تم کچھ بھی نہیں ہو اگر تم ہلاکت سے بچنا چاہتے ہو تو پھر اپنے آپ کو ”اللہ“ اور اس کے رسول کے تابع کر لو۔

جس طرح فارس کا بادشاہ کسریٰ، روم کا حکمران قیصر، مصر کا فرمانروا اپنے آپ کو فرعون کہلواتا تھا اسی طرح یمن کا بادشاہ تبع کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ تبع وہاں کی سب سے بڑی قوم تھی یہ قوم یمن میں ممتاز سمجھی جاتی تھی اس قوم نے یمن میں تین سو سال حکمرانی کی قوت اور سطوت کے اعتبار سے ان کا کوئی ثانی نہ تھا طویل اقتدار اور مال واسباب کی فراوانی نے اس قوم کو مغرور اور متکبر کر دیا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے گرفت فرمائی اور ان پر ایسا زوال آیا کہ یہ گلی کے تنکوں سے بھی ہلکے ہو گئے۔ اس قوم کے لیے خیر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا معنیٰ فکر وعمل کے اعتبار سے بہتر ہونا نہیں بلکہ خیر سے مراد مال واسباب کے لحاظ سے مکہ والوں سے بہتر ہونا ہے کیونکہ ان کے مال کی طرف اشارہ فرما کر اہلِ مکہ کو سمجھایا ہے کہ تم قومِ تبع سے مالی لحاظ سے بڑے نہیں بلکہ کمتر ہو لیکن پھر بھی سرکشی اختیار کیے ہوئے ہو۔ اسی علاقے سے ہی وہ لوگ اٹھے تھے جنہوں نے بیت اللہ کو شہید کرنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ابابیل بھیج کر انہیں تہس نہس کر دیا۔ جس کی تفصیل کے لئے سورۃ الفیل کی تفسیر پڑھنی چاہیے کچھ مفسرین نے مشرکانہ عقیدہ کی تائید اور زیب داستان کے لیے اسرائیلی روایات کی بنیاد پر تبع کی قوم کے اس بادشاہ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ وہ مدینہ کی سرزمین سے گزر رہا تھا اس کے اہلِ علم نے اسے بتلایا کہ یہاں آخر الزماں پیغمبر ﷺ تشریف فرما ہوں گے اس نے اپنے اہلکار کے ذریعے نبی علیہ السلام کی خدمت میں خط لکھا جس میں یہ درخواست کی کہ آپ میرا اسلام قبول کریں اور قیامت کے دن میری سفارش فرمائیں یہ خط جن لوگوں کے حوالے کیا اس قبیلے نے اسے نسل درنسل محفوظ رکھا اور جب نبی اکرم علیہ السلام مدینہ تشریف لائے تو اس قبیلے کے افراد نے وہ خط نبی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے اس بادشاہ کا اسلام قبول کیا اور اس کے لیے دعا کی۔ (اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

اور نہیں ہم نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیلتے ہوئے

مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

نہیں ہم نے پیدا کیا ان دونوں کو مگر حق کے ساتھ اور لیکن اکثر ان میں سے نہیں

يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ

جانتے بلاشبہ دن فیصلے کا طے شدہ وقت ہے ان سب کا اس دن

لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا

نہیں کام آئے گا کوئی دوست کسی دوست سے کچھ بھی اور نہ

هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ

وہ مدد کیے جائیں گے مگر جس پر رحم کیا اللہ نے

اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾ ع ۲ ۱۴ ۱۵

بلاشبہ وہی نہایت غالب بہت رحم کرنے والا ہے

”زمین و آسمانوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے ہم نے شغل کے طور پر پیدا نہیں کیا۔(۳۸)انہیں ہم نے با مقصد پیدا کیا ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔(۳۹)ان سب کو اٹھانے کا طے شدہ وقت ہے۔(۴۰)اس دن کوئی عزیز اپنے کسی عزیز کے کچھ کام نہیں آئے گا اور نہ کہیں سے انہیں کوئی مدد پہنچ پائے گی۔(۴۱)سوائے اس کے کہ اللہ ہی کسی پر رحم فرمائے وہ زبردست مہربان ہے۔“(۴۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جرائم میں وہی شخص آگے بڑھتا ہے جو زبانی یا عملی طور پر آخرت کا انکار کرتا ہے جو آخرت کا انکار کرتا ہے وہ قولاً یا فعلاً سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو محض شغل کے طور پر پیدا کیا ہے۔

آخرت کا انکار کرنے اور تخلیق کائنات کو شغل قرار دینے والوں کو سمجھانے کے لیے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے زمین و آسمانوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے انہیں شغل کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ زمین و آسمانوں کے درمیان جو کچھ پیدا کیا گیا ہے یا آئندہ پیدا کیا جائے گا اس کا ایک مقصد ہے لیکن لوگوں کی اکثریت اس مقصد کی طرف متوجہ نہیں ہوتی سورۃ الانبیاء آیت ۱۶ میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے زمین و آسمانوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے شغل کے طور پر پیدا نہیں کیا اگر ہم انہیں شغل کے طور پر پیدا کرتے تو پھر یہ شغل اور کھیل تماشہ ہمیں اپنے پاس ہی کرنا چاہیے تھا ہم حق کو باطل پر غلبہ

دیتے ہیں، باطل مٹ جاتا ہے اور جولوگ زمین و آسمانوں کی تخلیق کو شغل اور کھیل تماشا سمجھتے ہیں ان کے لیے ہلاکت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمانوں میں جو کچھ پیدا کیا ہے اس کے پیدا کرنے کے دو مقصد ہیں ایک طرف وہ اپنے خالق اور مالک کی عبادت اور تابعداری کریں اور دوسری طرف وہ انسان کی خدمت میں لگے رہیں یہی انسان کی تخلیق کا مقصد ہے کہ ایک طرف اپنے رب کی عبادت کرے اور دوسری طرف اپنے بھائیوں کی خدمت بجالائے لیکن لوگوں کی اکثریت اپنے مقصدِ حیات کو جاننے کے لیے تیار نہیں ایسے لوگ عملاً یا قولاً آخرت کا انکار کرتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے جس دن لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا اور ان کے درمیان فیصلے کیے جائیں گے اس دن کا ایک وقت مقرر ہے جو کسی کے انکار یا اقرار سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتا اس دن کوئی جگری دوست بھی اپنے دوست کی مدد نہیں کر سکے گا سوائے اس کے جس پر اس کا رب مہربانی فرمائے اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی سے انبیاء اور نیک لوگ موحد گناہگاروں کیلئے سفارش کر سکیں گے اور ان کی سفارش قبول کی جائیگی اللہ تعالیٰ العزیز اور الحکیم ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے بے مقصد پیدا نہیں کیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے جس مقصد کے لیے انسان کو پیدا کیا ہے لوگوں کی اکثریت اس مقصد کو جاننے کے لیے تیار نہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لیے ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔

۴۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی خیر خواہی اور مدد نہیں کر سکے گا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب اور بڑا مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت ہر صورت برپا ہوگی:

۱۔ قیامت قریب ہے۔(الحج:۱) ۲۔قیامت کے دن کوئی کسی کو فائدہ نہیں دے سکے گا۔(الانفطار:۱۹)

۳۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سوال کرے گا کہ آج کس کی بادشاہی ہے؟ (المؤمن:۱۶)

۴۔ قیامت کے دن صرف ایک اللہ کی بادشاہی ہوگی۔(الفرقان:۲۶)

۵۔ قیامت کے دن اللہ ہی فیصلے صادر فرمائے گا۔(الحج:۵۶)

۶۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکے گا۔(البقرۃ:۲۵۵)

۷۔ قیامت آنکھ جھپکنے کی طرح آجائے گی۔(النحل:۷۷)

۸۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت برپا ہونے میں کوئی شک نہیں۔(الکہف:۲۱)

معانقة ۲

اِنَّ	شَجَرَتَ	الزَّقُّوۡمِ ۙ﴿۴۳﴾	طَعَامُ	الۡاَثِیۡمِ ﴿ۛ۴۴﴾	کَالۡمُهۡلِ ۚ	یَغۡلِیۡ
بلاشبہ	درخت	تھوہر کا	کھانا ہے	گناہگار کا	مانندے تیل کی	تلچھٹ کھولے گا
فِی	الۡبُطُوۡنِ ۙ﴿۴۵﴾	کَغَلۡیِ الۡحَمِیۡمِ ﴿۴۶﴾	خُذُوۡهُ	فَاعۡتِلُوۡهُ		
میں	پیٹوں	کھولتے ہوئے پانی کی مانند	اسے پکڑو	اور اسے دھکیل کر لے جاؤ		
اِلٰی سَوَآءِ الۡجَحِیۡمِ ﴿ۖۛ۴۷﴾	ثُمَّ	صُبُّوۡا	فَوۡقَ رَاۡسِهٖ	مِنۡ	عَذَابِ	
جہنم کے عین درمیان کی طرف	پھر	انڈیلو	اس کے سر پر	سے	عذاب	
الۡحَمِیۡمِ ﴿ؕ۴۸﴾	ذُقۡ ۚ	اِنَّکَ	اَنۡتَ	الۡعَزِیۡزُ	الۡکَرِیۡمُ ﴿۴۹﴾	
گرم پانی کے	(مزہ) چکھ	بے شک تو	تو	بڑا معزز	بڑا اکرم ہے	
اِنَّ	هٰذَا	مَا	کُنۡتُمۡ	بِهٖ	تَمۡتَرُوۡنَ ﴿۵۰﴾	
بلاشبہ	یہ	وہ ہے کہ جو	تم تھے	اس کی بابت	شک کرتے	

”زقوم کا درخت ہوگا۔(۴۳) گناہگار کا کھانا تیل کی تلچھٹ جیسا۔(۴۴) وہ پیٹوں میں اس طرح جوش مارے گا۔(۴۵) جیسے کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے۔(۴۶) حکم ہوگا کہ اسے پکڑو اور گھسیٹتے ہوئے جہنم میں پھینک دو۔(۴۷) اور اس کے سر پر کھولتا ہوا پانی انڈھیل کر سزا دو۔(۴۸) اس کا مزا چکھ تو بڑا اعزت دار آدمی ہے۔(۴۹) یہ وہی دن ہے جس کے آنے میں تم شک کرتے تھے۔“(۵۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو لوگ کائنات کو کھیل تماشا سمجھتے ہیں اور آخرت کا انکار کرتے ہیں انہیں جہنّم میں داخل کیا جائے گا جس میں انہیں یہ سزائیں دی جائیں گی۔

جہنمی جہنّم میں اس لیے جائیں گے کہ انہوں نے اپنے رب کی نافرمانی کی انتہا کی ہوگی ایسے نافرمانوں کو کھانے کے لیے تھوہر کا درخت دیا جائے گا وہ اسے کھانے کی کوشش کریں گے لیکن ان کے حلق میں اٹک جائے گا۔ اسے حلق سے اتارنے کے لیے پانی طلب کریں گے انہیں پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی اور جہنمیوں کی پیپ دی جائے گی جونہی تھوہر کا درخت ان کے حلق سے نیچے اترے گا تو وہ اس طرح ان کے پیٹوں میں ہول پیدا کرے گا جس طرح پگھلا ہوا تانبا زمین پر انڈیلا جائے تو زمین اُبل پڑتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی جہنمیوں کے سروں پر اُبلتا ہوا گرم پانی ڈالا جائے گا، جہنمی چیخ و پکار اور آہ و زاریاں کرے گا تو فرشتے اسے مزید سزا دیتے ہوئے کہیں گے اپنے اعمال کا مزہ چکھ! کیونکہ تو دنیا میں اپنے آپ کو بڑا اور عزت والا سمجھتا تھا، یہ وہی دن ہے جس کے بارے میں تو شک کیا کرتا تھا۔ جہنم کے عذاب کے

بارے میں دوسرے مقام پر بتلایا گیا ہے کہ اس میں صرف ایک ہی قسم کا عذاب نہیں ہوگا بلکہ جہنمیوں کو مختلف قسم کے عذاب دیئے جائیں گے۔(صٓ:۵۷)

قرآن مجید نے یہ بات کئی مرتبہ ارشاد فرمائی ہے کہ شیطان لوگوں کے لیے ان کے گناہوں کو خوبصورت بنا دیتا ہے لوگ اسے فیشن کے طور پر اختیار کرتے ہیں ظاہر بات ہے کہ فیشن انسان اپنی عزت اور خوبصورتی کے لیے کرتا ہے ایسے لوگوں کو گناہ سے روکا جائے تو وہ اپنی بےعزتی سمجھتے ہیں ان کی یہ سزا ہوگی کہ ملائکہ ان کے سروں پر شدید ترین ابلتا ہوا پانی انڈیلتے ہوئے کہیں گے کہ یہ تیرے کیے کی سزا ہے کیونکہ دنیا میں تو اپنے آپ کو بڑا اور عزت والا سمجھتا تھا۔

مسائل

۱۔ جہنمیوں کو کھانے کے لیے تھوہر کا درخت دیا جائے گا۔ ۲۔ جہنمیوں کے پیٹوں میں تھوہر طوفان برپا کردے گا۔

۳۔ ملائکہ جہنمیوں کے سروں پر شدید ترین کھولتا ہوا پانی انڈیلتے ہوئے کہیں گے کہ اپنے کیے کی سزا پاؤ کہ تم دنیا میں اپنے آپ کو بڑا اور عزت والا سمجھتے تھے۔

۴۔ جہنمیوں کو اس لیے سزا دی جائے گی کہ وہ قیامت کے بارے میں شک کیا کرتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

جہنّم میں جہنمیوں کی مختلف سزائیں:

۱۔ اس دن ہم ان کا مال جہنم کی آگ میں گرم کریں گے اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں، کروٹوں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔(التوبہ:۳۵)

۲۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جب آگ ہلکی ہونے لگے گی تو ہم اسے مزید بھڑکا دیں گے۔(بنی اسرائیل:۹۷)

۳۔ اس میں وہ کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور اس طرح پئیں گے جس طرح پیاسا اونٹ پیتا ہے۔(الواقعہ:۵۴تا۵۵)

۴۔ ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کی ہے جو انہیں گھیرے ہوئے ہوگی اور انہیں پانی کی جگہ پگھلا ہوا تانبا دیا جائے گا جو ان کے چہروں کو جلا دے گا۔(الکہف:۲۹)

۵۔ ان کے پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہوگا۔(الانعام:۷۰)

۷۔ تھور کا درخت گنہگاروں کا کھانا ہوگا۔(الدخان:۴۳، ۴۴) ۸۔ جہنمیوں کو پیپ اور لہو پلایا جائے گا۔(ابراہیم:۱۶)

۹۔ ان کے لیے کھانے کی کوئی چیز نہیں ہوگی مگر ضریع ہے۔ جو نہ موٹا کرے گا اور نہ بھوک ختم کرے گا۔(الغاشیۃ:۶۔۷)

۱۰۔ جہنمیوں کے جسم بار، بار بدلے جائیں گے تاکہ انہیں پوری، پوری سزا دی جائے۔(النساء:۵۶)

اِنَّ	الْمُتَّقِيْنَ	فِيْ	مَقَامٍ	اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾	فِيْ	جَنّٰتٍ
بے شک	متقین ہوں گے	میں	جگہ	امن چین کی	میں	باغات

وَّ عُيُوْنٍ ﴿۵۲﴾	يَّلْبَسُوْنَ	مِنْ	سُنْدُسٍ	وَّ اِسْتَبْرَقٍ	مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۵۳﴾	كَذٰلِكَ
اور چشموں میں	وہ پہنیں گے	سے	باریک ریشم	اور موٹا ریشم	آمنے سامنے بیٹھے ہوئے	اسی طرح

وَ زَوَّجْنٰهُمْ	بِحُوْرٍ	عِيْنٍ ﴿۵۴﴾	يَدْعُوْنَ	فِيْهَا	بِكُلِّ
اور ہم بیویاں بنادیں گے ان کی حوروں کو		موٹی آنکھوں والی	وہ طلب کریں گے	اس میں	ہر

فَاكِهَةٍ	اٰمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾	لَا	يَذُوْقُوْنَ	فِيْهَا	الْمَوْتَ	اِلَّا
پھل	امن والے	نہیں	وہ چکھیں گے	اس میں	موت	سوائے

الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى	وَ وَقٰهُمْ	عَذَابَ	الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾	فَضْلًا	مِّنْ
پہلی موت کے	اور بچایا ان کو	عذاب سے	دوزخ کے	فضل ہے	سے

رَّبِّكَ	ذٰلِكَ	هُوَ	الْفَوْزُ	الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾
آپ کے رب	یہ	وہ	کامیابی ہے	عظیم

”اللہ سے ڈرنے والے لوگ امن کی جگہ میں ہوں گے۔(۵۱) باغوں اور چشموں میں۔(۵۲) حریر و دیباج کے لباس پہنے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔(۵۳) یہ ہوگی ان کی شان اور ہم موٹی موٹی آنکھوں والی نہایت ہی خوبصورت عورتیں ان کے نکاح میں دیں گے۔(۵۴) وہ ہر اعتبار سے پُرامن ہونگے اور پھل طلب کریں گے۔(۵۵) انہیں کبھی موت نہیں آئے گی بس دنیا میں جو موت آچکی سو آچکی، ان کو جہنم کے عذاب سے بچالیا جائے گا۔(۶۵) یہ آپ کے رب کا فضل ہوگا وہ بڑی کامیابی ہے۔“(۵۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنمیوں کی سزا کے بیان کے بعد جنتیوں کے انعامات کا تذکرہ۔

فہم القرآن کا مطالعہ کرنے والے حضرات جانتے ہیں کہ یہ بات کئی مقامات پر ذکر ہو چکی ہے کہ قرآن مجید کا اسلوبِ تکلّم ہے کہ وہ اپنے مخاطبین کے سامنے بیک وقت جنتیوں کے انعامات اور جہنمیوں کے عذاب کا ذکر کرتا ہے تاکہ قرآن کی تلاوت کرنے والا شخص موقع پر فیصلہ کر پائے کہ اس نے کس چیز کا انتخاب کرنا ہے۔ اسی اسلوب کے پیشِ نظر جہنمیوں کی سزاؤں کا ذکر کرنے کے متصل بعد جنتیوں کے انعامات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ جنت میں وہی شخص داخل ہوگا جس کا عقیدہ کفر و شرک کی ملاوٹ سے پاک ہوگا اور اس نے سنتِ رسول کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کی ہوگی

جوشخص اپنے رب کی نافرمانی سے بچتاہے اوراس کی تابعداری کرنے کے ساتھ اس سے ڈرڈرکرزندگی گزارتا ہے ایسے شخص کومتقی کہا گیاہے اورقیامت کے دن متقین ہرطرح امن وامان میں ہوں گے،انہیں جنات میں جگہ دی جائے گی جن میں چشمے اورآبشاریں جاری ہوں گی انہیں نہایت ہی نفیس اورریشم کالباس پہنایا جائے گا وہ جنت میں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کراپنے رب کی حمدوثنا کریں گے اورخوش گپیوں میں مصروف ہوں گے اورانہیں موٹی موٹی آنکھوں والی خوبصورت بیویاں عطا کی جائیں گی جنتی پُرسکون ماحول میں جنت کے پھلوں سے لطف اندوز ہوں گے جوطلب کریں ان کے سامنے پیش کیا جائے گا،انہیں دنیا کی موت کے بعدموت نہیں آئے گی۔اللہ تعالیٰ انہیں جہنّم کے عذاب سے ہر طرح محفوظ رکھے گا جوسراسرآپ کے رب کافضل ہوگا اوریہ سب سے بڑی کامیابی ہے،یادرہے کہ جوعورتیں نیک ہوں گی اوران کے خاوند جہنمی ہوں گےان کے نکاح خوبصورت جنتیوں کے ساتھ کیے جائیں گے۔قرآن مجیدعورتوں کی حیا کی خاطراس کا تذکرہ نہیں کرتا ورنہ حقیقتاً ایسا ہوگا۔

مسائل

۱۔ متقی جنت میں امن وسکون سے رہیں گے۔ ۲۔جنت کے باغوں میں چشمے جاری ہوں گے۔

۳۔ جنتیوں کونفیس ترین باریک ریشم کالباس پہنایا جائے گا۔

۴۔ جنتیوں کوموٹی موٹی آنکھوں والی نہایت خوبصورت بیویاں دی جائیں گی۔

۵۔ جنتی ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کرخوش گپیوں میں مصروف ہوں گے۔

۶۔ جنتی جو چاہیں گےان کے سامنے پیش کردیا جائے گا۔ ۷۔جنت اللہ تعالیٰ کےفضل سے حاصل ہوگی۔

۸۔ جنتیوں کوموت نہیں آئے گی۔ ۹۔اللہ تعالیٰ جنتیوں کوجہنّم کے ہرقسم کےعذاب سےمحفوظ رکھے گا۔

۱۰۔ جوجہنّم سے بچ کرجنت میں داخل ہوگیااسے بہت بڑی کامیابی نصیب ہوئی۔

تفسیر بالقرآن

جنت کے انعامات کی ایک جھلک:

۱۔ ہم ان کے دلوں سے کینہ نکال دیں گے اورسب ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اورنہ وہ اس سے نکالے جائیں گے۔(الحجر:۴۷۔۴۸)

۲۔ جس جنت کامومنوں کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہےاس کے نیچے نہریں جاری ہیں اوراس کے پھل اورسائے ہمیشہ کے لیے ہوں گے۔(الرعد:۳۵)

۳۔ جنت میں بےخاربیریاں،تہہ بہ تہہ کیلے،لمبا سایہ،چلتاہواپانی،اورکثرت سے میوے ہوں گے۔(الواقعۃ:۲۸تا۳۲)

فَاِنَّمَا	يَسَّرْنٰهُ	بِلِسَانِكَ	لَعَلَّهُمْ	يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۵۸
تو بس	ہم نے اس کو آسان کر دیا	آپ کی زبان میں	تاکہ وہ	نصیحت پکڑیں

فَارْتَقِبْ	اِنَّهُمْ	مُّرْتَقِبُوْنَ ۝۵۹ ع
اب آپ انتظار کریں	بلاشبہ وہ	انتظار کرنے والے ہیں

ع ۳ ۱۷ ۱۶

''اے نبی ہم نے اس کتاب کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے تا کہ وہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔(۵۸) اب آپ انتظار کریں بلاشبہ وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں۔''(۵۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: الدّخان کی ابتداء قرآن مجید کے تعارف سے ہوئی اور اس کا اختتام بھی قرآن مجید کے بیان پر ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی آخرالزمان ﷺ پر قرآن مجید اس لیے نازل فرمایا تا کہ آپ لوگوں کو اس کے ساتھ نصیحت فرمائیں۔ اس لیے قرآن مجید کو "**مَوْعِظَةً**" اور ذکر کہا ہے۔ ذکر کا معنیٰ ہے ایسی نصیحت جسے بار بار پیش کیا جائے اور اسے یاد رکھا جائے۔ "**مَوْعِظَةً**" ایسی نصیحت کو کہتے ہیں جو سننے والے کے دل پر اثر کرے۔ ظاہر بات ہے کہ نصیحت وہی مؤثر اور بہتر ہوتی ہے جس کا انداز اور الفاظ آسان تر ہوں۔ اس لیے قرآن مجید کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے اس کو آسان کر دیا ہے کیا کوئی اسے سمجھنے کے لیے تیار ہے؟ (القمر:۲۲)

قرآن مجید کے آسان اور پُرتاثیر ہونے کے باوجود اگر اسے لوگ نہیں مانتے تو پھر انہیں فرمائیں کہ تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں تا آنکہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ صادر فرما دے دوسرے الفاظ میں اسکا مفہوم یہ ہے کہ ہمارے ساتھ الجھنے کی بجائے تم اپنا کام کرو ہمیں اپنا کام کرنے دو اور سب کو رب کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہیے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زبان پر قرآن کو آسان تر کر دیا۔

۲۔ قرآن مجید کو اس لیے آسان بنایا تا کہ لوگوں کو اس کی نصیحت سمجھنے میں مشکل پیش نہ آئے۔

۳۔ جو لوگ آسان اور پُرتاثیر قرآن کو نہیں مانتے انہیں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور دین کو آسان بنایا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ تم پر آسانی کرنا چاہتا ہے۔(البقرۃ:۱۸۵، النساء:۲۸) ۲۔ دین میں جبر نہیں۔(البقرۃ:۲۵۶)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنایا۔(مریم:۹۷، القمر:۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰، الدخان:۵۸)

سورۃ الجاثیہ کا تعارف

الجاثیہ کا نام اس سورۃ کی آیت ۲۸ میں آیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے دن ایک مرحلہ ایسا آئے گا کہ جب ہر امت رب ذوالجلال کے حضور گھٹنوں کے بل جھکی ہوئی ہوگی۔ اس سورۃ کی سینتس (۳۷) آیات ہیں یہ چار رکوعات پر مشتمل ہیں یہ مکہ معظمہ میں نازل کی گئی ہے۔

ربط سورۃ: الدّخان کا اختتام اس فرمان پر ہوا کہ قرآن مجید کو نبی علیہ السلام کی زبانِ اطہر پر آسان کر دیا گیا تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ الجاثیہ کی ابتداء میں ارشاد ہوا کہ قرآن ''اللہ'' کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پہچان کے لیے زمین و آسمانوں میں بے شمار نشانیاں ہیں مگر اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لانے والے ہیں۔

الجاثیہ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں ذکر فرما کر بتلایا ہے کہ جھوٹا اور مغرور انسان جان بوجھ کر حقیقت کو جھٹلاتا ہے، جو لوگ حقیقت کو جھٹلاتے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ مذاق کرتے ہیں انہیں ذلت آمیز عذاب دیا جائے گا۔ اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر دیا تا کہ تم بحری جہازوں اور کشتیوں کے ذریعے اُس کا فضل تلاش کرو۔ اس نے انسانوں کے لیے صرف سمندر اور کشتیوں کو تابع نہیں کیا بلکہ زمین و آسمانوں کی ہر چیز کو ان کی خدمت میں لگا رکھا ہے تا کہ لوگ اس پر غور وفکر کریں اس کا ارشاد ہے کہ جس نے اچھے اعمال اختیار کیے اُن کا فائدہ صرف اُسی کو ہوگا اور جس نے بُرے اعمال کیے ان کا وبال اس پر ہوگا اور تم سب نے اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بتلائی کہ اللہ تعالیٰ زندگی اور موت کے حوالے سے نیک اور بُرے لوگوں کو برابر نہیں کرے گا وہ ہر کسی کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا اور کسی پر ذرّہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا جس شخص نے اپنے نفس کو الٰہ کا درجہ دے دیا حقیقت میں اُس نے اپنے آپ کو گمراہ کر لیا ہے۔ ایسے لوگوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ گمراہی کی مہر ثبت کر دیتا ہے جس وجہ سے یہ ہدایت پانے سے محروم ہو جاتے ہیں الجاثیہ کے آخر میں فرمایا کہ زمین و آسمانوں کی بادشاہی ''اللہ'' کے ہاتھ میں ہے، قیامت کے دن جھوٹے لوگ ذلیل ہوں گے اور نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا جو لوگ اپنے رب کی آیات کا مذاق اُڑاتے ہیں انہیں جہنم میں داخل کیا جائے گا وہاں ان کی کوئی مدد کرنے والا نہیں ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو زمین و آسمانوں اور پوری کائنات کا رب ہے اور ہر قسم کی کبریائی اُسی کو زیب دیتی ہے کیونکہ وہ ہر کام کرنے پر غالب اور اس کے ہر فرمان اور کام میں حکمت ہوتی ہے۔

سُوْرَۃُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ | بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ | رُكُوْعَهَا - ٤ اٰيَاتُهَا - ٣٧

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے

حٰمٓ ۚ ①	تَنۡزِيۡلُ	الۡكِتٰبِ	مِنَ	اللّٰهِ	الۡعَزِيۡزِ
حٰمٓ	اتارنا	کتاب کا	سے	اللہ	جونہایت غالب
الۡحَكِيۡمِ ②	اِنَّ	فِى	السَّمٰوٰتِ	وَالۡاَرۡضِ	لَاٰيٰتٍ
خوب حکمت والا ہے	بلاشبہ	میں	آسمانوں	اورزمین	البتہ نشانیاں ہیں
لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ؕ ③	وَفِىۡ	خَلۡقِكُمۡ	وَمَا	يَبُثُّ	مِنۡ
مومنوں کے لیے	اور میں	تمہاری پیدائش	اور جو	وہ پھیلاتا	سے
دَآبَّةٍ	اٰيٰتٌ	لِّقَوۡمٍ	يُّوۡقِنُوۡنَ ۙ ④		
جاندار	نشانیاں ہیں	ان لوگوں کے لیے جو	یقین رکھتے ہیں		

''حٰمٓ۔(١) اس کتاب کو نازل کرنے والا ''اللہ'' ہے جو زبردست اور حکیم ہے۔(٢) حقیقت یہ ہے کہ ایمان لانے والوں کے لیے آسمانوں اور زمین میں بے شمار نشانیاں ہیں۔(٣) اور تمہاری پیدائش میں اور ان حیوانات میں بھی بڑی نشانیاں ہیں جنہیں اللہ زمین میں پھیلا رہا ہے ان لوگوں کے لیے جو یقین کرنے والے ہیں۔''(٤)

فہم القرآن

سورۃ الدخان کے آخر میں ارشاد ہوا ہے کہ اے نبی ﷺ! ہم نے آپ کی زبان پر قرآن مجید کو آسان کر دیا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں سورۃ الجاثیہ کی ابتداء میں ارشاد ہوا کہ جس قرآن کو آپ کے لیے آسان بنایا گیا ہے اس کو صرف ''اللہ'' نے نازل فرمایا ہے جو ہر کام کرنے پر غالب اور اس کے ہر حکم میں حکمت پائی جاتی ہے۔

''اللہ'' ہی نے قرآن کو نازل فرمایا ہے وہ ہر اعتبار سے اپنے بندوں پر غالب ہے مگر اس نے اپنی حکمت کے تحت لوگوں کو اختیار دیا ہے کہ وہ اس کی نازل کردہ کتاب پر ایمان لائیں یا انکار کریں۔ البتہ اگر لوگ زمین و آسمان کی بناوٹ اور سجاوٹ پر غور کریں تو یقیناً قرآن مجید کی نصیحت پر ایمان لائیں گے۔ قرآن کی پہلی نصیحت یہ ہے کہ اپنے رب کو پہچانو اور اس کا حکم مانو۔ اس کی ذات کو پہچاننے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان اپنی اور چوپاؤں کی تخلیق پر غور کرے تو اُسے یقین آجائے گا کہ زمین و آسمان، انسان اور چوپاؤں کو پیدا کرنے والا صرف ایک ''رب'' ہے۔ جس نے پوری دنیا میں مختلف قسم کے چوپائے پیدا کیے اور انہیں لوگوں کی ضرورت کے لیے پھیلا دیا ہے۔ قرآن مجید نے زمین و آسمان کی بناوٹ، انسان کی تخلیق

اور چوپاؤں کا کئی دفعہ حوالہ دیا اور ان کے فوائد بھی ذکر کیے ہیں۔ انسان صرف اپنی شکل وصورت اور صلاحیتوں پر غور وفکر کرے تو یہ الفاظ کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔

{ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ } (المومنون:۱۴)

''بابرکت ہے وہ ذات جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔''

مسائل

۱۔ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام اور فرمان میں حکمت ہوتی ہے۔

۳۔ انسان کے اپنے وجود اور چوپاؤں میں ''اللہ'' کی قدرت کی نشانیاں ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب کے فرمان پر یقین رکھتے ہیں۔

۴۔ زمین وآسمان کی تخلیق اور بناوٹ میں اللہ کی قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب پر ایمان لاتے ہیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے اپنی مخلوق پر غالب ہے۔

تفسیر بالقرآن

انسان، زمین وآسمان اور چوپاؤں میں قدرت کی نشانیوں کی ایک جھلک:

۱۔ دن اور رات کے مختلف ہونے اور زمین وآسمان کی پیدائش میں نشانیاں ہیں۔ (یونس:۶)

۲۔ آسمانوں وزمین کی پیدائش، دن اور رات کی گردش، سمندر میں کشتیوں کے چلنے، آسمان سے بارش نازل ہونے، بارش سے زمین کو زندہ کرنے، چوپایوں کے پھیلنے، ہواؤں کے چلنے اور بادلوں کے مسخر ہونے میں نشانیاں ہیں۔ (البقرۃ:۱۶۴)

۳۔ آسمان سے رزق اتارنے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ (الجاثیۃ:۵)

۴۔ آسمانوں وزمین کی پیدائش اور دن رات کے مختلف ہونے میں نشانیاں ہیں۔ (آل عمران:۱۹۰)

۵۔ کیا تم اپنے آپ پر غور نہیں کرتے۔ (الذریات:۲۱)

۶۔ ہم عنقریب تمہیں تمہاری جانوں اور آفاق میں نشانیاں دکھائیں گے۔ (حم السجدۃ:۵۳)

۷۔ اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور ندیاں بنائیں اور اس نے ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے پیدا کیے، وہ رات کو دن پر اوڑھا دیتا ہے، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور بہت سی نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں۔ (الرعد:۳)

۸۔ اللہ پانی سے تمہارے لیے کھیتی، زیتون، کھجور اور انگور اگاتا ہے۔ (النحل:۱۱)

۹۔ اللہ نے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ (المومنون:۱۹)

۱۰۔ قیامت کے دن مجرم کے ہاتھ، پاؤں اور زبان اس کے خلاف گواہی دیں گے۔ (النور:۲۴)

وَاخْتِلَافِ	الَّيْلِ	وَالنَّهَارِ	وَمَآ	اَنْزَلَ	اللّٰهُ	مِنَ
اور ردوبدل میں	رات	اور دن کے	اور جو	نازل کیا	اللہ نے	سے
السَّمَآءِ	مِنْ	رِّزْقٍ	فَاَحْيَا	بِهِ	الْاَرْضَ	بَعْدَ
آسمان	سے	رزق	پھر اس نے زندہ کیا	اس کے ذریعے	زمین کو	بعد
مَوْتِهَا	وَتَصْرِيْفِ	الرِّيٰحِ	اٰيٰتٌ	لِّقَوْمٍ	يَّعْقِلُوْنَ ۝٥	
اس کی موت کے	اور پھیرنے میں	ہواؤں کے	نشانیاں ہیں	ان لوگوں کے لیے جو	عقل رکھتے ہیں	
تِلْكَ	اٰيٰتُ	اللّٰهِ	نَتْلُوْهَا	عَلَيْكَ	بِالْحَقِّ ۚ	
یہ	آیتیں ہیں	اللہ کی	ہم ان کو تلاوت کرتے ہیں	آپ پر	حق کے ساتھ	
فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ	بَعْدَ	اللّٰهِ	وَاٰيٰتِهٖ	يُؤْمِنُوْنَ ۝٦		
پھر کس بات پر	بعد	اللہ کے	اور اس کی آیات کے	وہ ایمان لائیں گے		

”رات اور دن کے اختلاف میں اور آسمان سے اللہ کے نازل کردہ رزق میں پھر بارش سے مردہ زمین کو زندہ کرنے میں اور ہواؤں کے چلنے میں بہت سی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ (٥) یہ اللہ کی نشانیاں ہیں جنہیں ہم آپ کے سامنے ٹھیک ٹھیک پڑھتے ہیں آخر اللہ کی ذات اور اس کی آیت کے بعد اور کون سی بات ہے جس پر وہ لوگ ایمان لائیں گے؟“ (٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی قدرت کی مزید نشانیوں کا تذکرہ۔

قرآنِ مجید کی تلاوت کرنے والا شخص جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کے آنے جانے اور آسمان سے بارش برسانے اور بارش کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کرنے اور کئی بار ہواؤں کا تذکرہ کیا ہے یہ تمام کام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظہر ہیں۔ ان میں کوئی ایک کام ایسا نہیں جس کا معمولی حصہ بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کرسکے اور نہ ہی ان کاموں میں اس کا کوئی معاون ہے اور نہ ہوگا لیکن ان کاموں پر وہی شخص غور کرے گا جو اپنی عقل سے کام لے گا۔ جس نے ان چیزوں پر غور کرلیا وہ ”اللہ“ پر ضرور ایمان لائے گا۔ اس لیے ان آیات میں پہلے ایمان کا ذکر ہوا پھر یقین کرنے کی بات ہوئی اور اب عقل کا حوالہ دیا گیا ہے ایمان تک پہنچنے کے لیے یہی تین مدارج ہیں۔ انسان اللہ تعالیٰ کے کاموں پر غور کرے تو اس کی عقل تسلیم کرے گی کہ میرے رب نے جو ارشاد فرمایا ہے وہ یقین کرنے کے قابل ہے۔ جس میں یقین پیدا ہوگا وہ ایمان کی دولت سے سرفراز ہوجائے گا۔ یہاں رزق کا تعلق

آسمان سے بیان کیا گیا ہے جس کے بنیادی طور پر دو اسباب ہیں۔

① رزق کا کنٹرول آسمان میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم سے جس رزق کا وعدہ کیا گیا ہے وہ آسمان میں ہے۔ (الذریات: ۲۲) اس کا دوسرا تعلق زمین کے ساتھ ہے جس کے بارے میں بتلایا ہے کہ زمین میں جو بھی چلنے والا ہے اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ (ہود: ٦) رزق کا سب سے بڑا سبب پانی ہے اور پانی کا سب سے بڑا ذریعہ بارش ہے اگر طویل عرصہ تک بارش نہ ہو تو زمین کا پانی اتنا گہرا ہو جاتا ہے کہ اسے حاصل کرنا ممکن نہیں بارش کے ذریعے ہی زمین نباتات اُگانے کے قابل ہوتی ہے اور بارش کا نظام ہوا کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور ہوا بھی کئی قسم کی ہوتی ہے۔ دنیا کے کچھ حصوں میں ہوا گرم مرطوب ہوتی ہے اور کچھ حصوں میں ہوا میں رطوبت کی بجائے حدت زیادہ ہوتی ہے، کچھ ہوائیں بادلوں کو دھکیل کر دور سے دور لے جاتی ہیں اور کچھ ہوائیں بادل برسانے والی ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کے لیے بھی ایک مدار قائم فرمایا ہے اس مدار سے اوپر ہوا کا دباؤ کم ہو جاتا ہے پھر فضا میں ہر مقام پر ہوا کا دباؤ ایک جیسا نہیں رہتا فضا کے اندر ہوا کے درمیان خلا پائے جاتے ہیں۔ جنہیں ائیر لائن کی زبان میں (AIR POCKET) کہا جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ فضا میں صرف پانچ منٹ کے لیے ہوا ختم کر دے تو زمین پر ہی نہیں بلکہ زمین کے اندر اور پانی میں رہنے والی مخلوق بھی ختم ہو جائے یہاں تک کہ فضا میں اُڑنے والے پرندے اور جہاز بھی زمین پر گر پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو شیشے کی طرح صاف بنایا ہے۔ اگر ہوا کو رنگ آلود کر دیا جائے تو سورج کی روشنی کے باوجود کوئی چیز نظر نہ آئے جس سے ہر قسم کی آمد و رفت جامد ہو کر رہ جائے، غور فرمائیں کہ اگر اللہ تعالیٰ مقررہ حد سے زیادہ ہوا چلا دے تو ہر چیز اُڑنا شروع ہو جائے گی۔ فوائد کے اعتبار سے ہوا انسان کے کھانے پینے سے بھی زیادہ اہم نعمت ہے۔ اللہ کی نعمتوں کی وہی لوگ قدر کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عقلِ سلیم عطا فرمائی ہے عقلِ سلیم ہی انسان کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرتی ہے۔ اس لیے فرمایا ہے کہ ان دلائل کے بعد پھر کون سے دلائل ہوں گے جن پر کافر لوگ ایمان لائیں گے۔

مسائل

۱۔ رات اور دن کے آنے جانے، آسمان سے رزق کے نازل ہونے، بارش کے ساتھ زمین کے زندہ ہونے اور ہوائیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتا ہے مگر اس کے باوجود لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے توحید و رسالت اور قیامت کے بارے میں کھول کھول کر حقائق بیان کیے ہیں مگر مشرک اور کافر ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝٧ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ

ہلاکت ہے واسطے ہر سخت جھوٹے گناہگار کے وہ سنتا ہے آیات اللہ کی

تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ

تلاوت کی جاتی ہیں اس پر پھر وہ اڑتا ہے تکبر کرتا ہوا گویا کہ نہیں

يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٨ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ

اس نے سنا انہیں آپ اسے خوشخبری دے دیجیے دردناک عذاب کی اور جب اس نے جانا سے

اٰيٰتِنَا شَيْئَا اِتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝٩ ۭ

ہماری آیتوں کچھ تو اس نے بنالیا اس کو مذاق یہی لوگ ان کے لیے عذاب ہے رسوا کن

”تباہی ہے ہر اس جھوٹے بدعمل شخص کے لیے۔(٧) جس کے سامنے اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور وہ ان کو سنتا ہے پھر غرور کی بنا پر اپنے کفر پر اس طرح اڑا رہتا ہے کہ گویا اس نے آیات کو سنا ہی نہیں ایسے شخص کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنائیں۔(٨) ہماری آیات میں سے کوئی بات اس کے علم میں آتی ہے تو وہ انہیں مذاق کرتا ہے۔ان لوگوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے(٩)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیاں دیکھنے اور اس کی نعمتوں سے مستفید ہونے کے باوجود جھوٹا اور متکبر آدمی اپنے رب کو اس کے حکم کے مطابق ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا ایسے شخص کو عذاب کی خوشخبری دینا چاہیے۔

جو آدمی توحید و رسالت کو جھٹلانے اور تکبر کا راستہ اختیار کر لیتا ہے اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جب بھی اسے اللہ کی توحید کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ انہیں سننے کے باوجود ایسا رویہ اختیار کرتا ہے گویا کہ اس نے اپنے رب کی آیات کو سنا ہی نہیں اگر کسی وقت توجہ سے سن لیتا ہے تو ایمان لانے کی بجائے انہیں مذاق کرتا ہے، اس کے بارے میں ارشاد ہوا کہ اس کو اذیت ناک عذاب کی خوشخبری سنائیں، اذیّت ناک ہونے کے ساتھ اس میں ذلت بھی پائی جاتی ہے۔قرآن مجید ان لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو ہدایت قبول کرنے کے لیے سنتے ہیں جو شخص قرآن مجید کو ہدایت کے لیے نہیں بلکہ اس کا مقابلہ کرنے یا اس کا جواب دینے کے لیے سنتا ہے اسے سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔تکبر کے بارے میں پہلے بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ اس کا معنیٰ ہے لوگوں سے منہ پھیرنا اور حق بات کا انکار کرنا۔ظاہر بات ہے کہ جس میں یہ عیب پائے جائیں گے اس کا صراطِ مستقیم کی طرف آنا ناممکن ہو گا۔جہاں تک اللہ تعالیٰ کی آیات کو مذاق کرنے کا تعلق ہے اس کی کئی صورتیں ہیں جو لوگ کسی حد تک خوفِ خدا رکھتے ہیں وہ براہِ راست آیاتِ ربانی کو مذاق کرنے کی بجائے علماءِ حق کو مذاق کا نشانہ بناتے ہیں جن لوگوں کے دلوں سے اللہ کا خوف اٹھ جاتا ہے وہ اللہ کی آیات

مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ	جَهَنَّمُ ۚ	وَلَا	يُغْنِيْ	عَنْهُمْ	مَّا
ان کے پیچھے سے	جہنم ہے	اور نہیں	کام آئے گی	ان کو	جو
كَسَبُوْا	شَيْـًٔا	وَّلَا	مَا	اتَّخَذُوْا	مِنْ	دُوْنِ
انہوں نے کمایا	کچھ بھی	اور نہ	جو	انہوں نے بنایا	سے	سوا
اللّٰهِ	اَوْلِيَآءَ ۚ	وَلَهُمْ	عَذَابٌ	عَظِيْمٌ ۝١٠ ؕ	هٰذَا	هُدًى ۚ
اللہ کے	کارساز	اور ان کے لیے	عذاب ہے	بہت بڑا	یہ	ہدایت ہے
وَالَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	بِاٰيٰتِ	رَبِّهِمْ	لَهُمْ	عَذَابٌ
اور وہ لوگ جنہوں نے	کفر کیا	آیات کے ساتھ	اپنے رب کی	ان کے لیے	عذاب ہے
مِّنْ	رِّجْزٍ	اَلِيْمٌ ۝١١ ع			
سے	رسوائی	دردناک			

ع ۱۱/۱۷

اُن کے پیچھے جہنم ہے جو کچھ انہوں نے دنیا میں کمایا ہے اس میں سے کوئی چیز اُن کے کسی کام نہیں آئے گی، نہ ان کے سرپرست ان کے لیے کچھ کر سکیں گے جنہیں اللہ کو چھوڑ کر انہوں نے اپنا ولی بنا رکھا ہے ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ (۱۰) یہ قرآن سراسر ہدایت ہے جنہوں نے اپنے رب کی آیات کو ماننے سے انکار کیا ان کے لیے رسوا کن اور اذیت ناک عذاب ہوگا۔'' (۱۱)

بالخصوص اسلامی قوانین کو ناقابلِ عمل قرار دیتے ہیں کچھ اتنے بے خوف ہوتے ہیں کہ وہ حدود اللہ کو وحشیانہ سزائیں قرار دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ مذاق اور انکار کرنے کی مختلف صورتیں ہیں جن کے انداز اور الفاظ حالات کے مطابق بدلے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی دنیا میں کوئی نہ کوئی حمایت کرنے والا ہوتا ہے لیکن آخرت میں ان کی کوئی بھی مدد نہیں کر پائے گا جنہوں نے اپنے رب کی ہدایت کا انکار کیا ان کو ذلت ناک عذاب دیا جائے گا۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ. فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلاَ تَحَسَّسُوا، وَلاَ تَجَسَّسُوا، وَلاَ تَحَاسَدُوا، وَلاَ تَدَابَرُوا، وَلاَ تَبَاغَضُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا)) (رواه البخاري: باب مَا يُنهى عَنِ التَّحَاسُدِ وَالتَّدَابُرِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی بہت بڑا جھوٹ ہے۔ کسی کی عیب جوئی، جاسوسی اور حسد نہ کرو، نہ پیٹھ پیچھے باتیں کرو، نہ ہی دشمنی کرو اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔''

((عَنْ أُمِّ مَعْبَدٍ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ ((اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي مِنَ النِّفَاقِ، وَعَمَلِي

مِنَ الرِّیَاءِ وَلِسَانِیْ مِنَ الْکَذِبِ وَعَیْنِیْ مِنَ الْخِیَانَۃِ فَإِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْأَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرِ)) (رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر [ضعیف])

''حضرت ام معبد rبیان کرتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دعا کرتے ہوئے سنا آپ دعا کرتے تھے۔اے اللہ! میرے دل کو نفاق سے، میرے عمل کو ریاء کاری سے، میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھوں کو خیانت سے محفوظ فرما یقیناً تو خیانت کرنے والی آنکھ اور دلوں کے خیالات کو جانتا ہے۔''

((عَنْ أَبِیْ أُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَی الْخِلَالِ کُلِّھَا إِلَّا الْخِیَانَۃَ وَالْکِذْبَ)) (رواہ أحمد: مسند ابی امامۃ [ضعیف])

''حضرت ابوامامہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن میں ہر قسم کی کمزوری پائی جاسکتی ہے مگر خیانت اور جھوٹ نہیں پائے جاسکتے۔''

مسائل

۱۔ جھوٹے اور گناہ گار کے لیے جہنّم ہوگی۔ ۲۔ قیامت کے دن مجرموں کی کوئی خیرخواہی نہیں کرسکے گا۔

۳۔ جو شخص اللہ کی آیات کو سنی اَن سنی کرتا ہے اسے اذیت ناک عذاب ہوگا۔

۴۔ جو شخص اللہ کی آیات کو استہزاء کا نشانہ بناتا ہے اسے ذلیل کردینے والا عذاب دیا جائے گا۔

۵۔ قرآن مجید ہدایت بن کر آیا ہے لیکن جو لوگ اس کے فرامین کا انکار کرتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن مجرموں کی کوئی بھی مدد نہیں کرسکے گا:

۱۔ اللہ کے مقابلہ میں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ (ہود: ۲۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں۔ (العنکبوت: ۲۲)

۳۔ تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے۔ (البقرۃ: ۱۰۷)

۴۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا نہیں جو تمہاری مدد کرسکے۔ (البقرۃ: ۱۲۰)

۵۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ولی اور بچانے والا نہیں ہے۔ (الرعد: ۳۷)

۶۔ اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے۔ (الشوریٰ: ۳۱)

اَللّٰهُ	الَّذِیْ	سَخَّرَ	لَكُمُ	الْبَحْرَ	لِتَجْرِیَ	الْفُلْكُ
اللہ	جس نے	مسخر کیا	تمہارے لیے	سمندر	تاکہ چلیں	کشتیاں

فِیْهِ	بِاَمْرِهٖ	وَلِتَبْتَغُوْا	مِنْ فَضْلِهٖ	وَلَعَلَّكُمْ	تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ ج
اس میں	اس کے حکم سے	اور تاکہ تم تلاش کرو	اس کے فضل سے	اور تاکہ تم	شکر کرو

وَسَخَّرَ	لَكُمْ	مَّا	فِی	السَّمٰوٰتِ	وَمَا	فِی	الْاَرْضِ
اور اس نے مسخر کر دیا	تمہارے لیے	جو کچھ ہے	میں	آسمانوں	اور جو کچھ ہے	میں	زمین

جَمِیْعًا	مِّنْهُ ط	اِنَّ	فِیْ ذٰلِكَ	لَاٰیٰتٍ	لِّقَوْمٍ	یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾
سب	اپنی طرف سے	بلاشبہ	اس میں	البتہ نشانیاں ہیں	ان لوگوں کے لیے	جو غور و فکر کرتے ہیں

''اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کیا تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں اس میں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور شکر ادا کرو۔ (۱۲) اس نے زمین و آسمانوں اور تمام چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے اور سب کچھ اسی کی طرف سے ہے اس میں اُن لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔'' (۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مجرموں کو عذاب کی خوشخبری سنانے کے بعد ایک دفعہ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیوں کا تذکرہ کیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مرتبہ لیل و نہار کی گردش چاند اور سورج کا آنا جانا بارش کا برسنا اور کشتیوں کا سمندر میں چلنے کو اپنی قدرت کی نشانیاں بتلایا ہے لیکن جہاں بھی ان چیزوں کا ذکر کیا ہے انداز اور استدلال جدا جدا ہے۔ غور فرمائیں! اس مقام پر کشتیوں کا سمندر میں چلنے کے عمل کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم کے ساتھ منسوب کیا اور فرمایا ہے کہ یہ کشتیاں میرے حکم کے ساتھ سمندر میں چلتی ہیں تاکہ تم سمندر سے اللہ کا فضل تلاش کرو اور اس کا شکریہ ادا کرتے رہو! دنیا میں کشتیوں اور بحری جہازوں کے کاروبار کے ساتھ لاکھوں نہیں کروڑوں انسان وابستہ ہیں جو کشتیوں کے ذریعے محنت مزدوری کرتے ہیں اور سمندر سے مچھلیاں اور ہیرے جواہرات نکال کر اربوں، کھربوں روپے کما رہے ہیں مگر ان کی اکثریت کفار کی ہے جو مسلمان اس کاروبار کے ساتھ وابستہ ہیں ان کی غالب اکثریت بے دین طبقہ پر مشتمل ہے حالانکہ سمندر میں کاروبار کرنے والے جانتے ہیں کہ جب سمندر میں طوفان آتا ہے تو جدید ٹیکنالوجی کے باوجود غوطہ زنی اور ماہی گیری کا سارے کا سارا نظام معطل ہو جاتا ہے۔ اس وقت پرلے درجے کا کافر اور مشرک بھی صرف اور صرف ایک رب کو پکارتا ہے لیکن جونہی ان لوگوں کو سمندری طوفان سے نجات ملتی ہے تو پھر شرک و کفر کرنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف سمندروں اور کشتیوں کو انسان کے تابع کیا ہے بلکہ اس نے جو کچھ

بھی زمین وآسمانوں میں پیدا کیا ہے سب کو انسان کی خدمت میں لگا رکھا ہے۔ نباتات ہوں یا جمادات، حیوانات ہوں یا کوئی اور چیز ہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مقرب ترین فرشتے کو بھی انسان کی خدمت میں لگا رکھا ہے۔ جس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے رب کا شکر گزار ہو جائے کیونکہ شکر گزار ہی اس کے تابعدار ہوتے ہیں تابعدار اور شکر گزار ہونے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے رب کی عطا کردہ نعمتوں پر غور کرے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر اور دریاؤں کو انسان کے تابع کر دیا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے کشتیوں کو انسان کے اس لیے تابع کیا ہے تاکہ انسان سمندر سے اپنے رب کا فضل تلاش کرے اور اس کا شکر ادا کرے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی ہر چیز انسان کی خدمت میں لگا رکھی ہے۔

۴۔ قدرت کی نشانیوں میں اللہ تعالیٰ کی پہچان پائی جاتی ہے لیکن اس قوم کے لیے جو غور وفکر کرتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

شکر گزاری کا حکم اور اس کے فوائد:

۱۔ لوگو! اللہ کو یاد کرو اللہ تمھیں یاد کرے گا اور اس کا شکر ادا کرو کفر نہ کرو۔ (البقرۃ: ۱۵۲)

۲۔ اللہ نے تمھیں دل، آنکھیں اور کان دیے تاکہ تم شکر ادا کرو۔ (السجدۃ: ۹)

۳۔ اللہ کی عبادت کرتے ہوئے شکر گزار بندوں میں شامل ہو جائیے۔ (الزمر: ۶۶)

۴۔ اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔ (آل عمران: ۱۴۴۔ ۱۴۵)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے سماعت، بصارت اور دل بنایا تاکہ تم شکر کرو۔ (النحل: ۷۸)

۶۔ اللہ کی پاکیزہ نعمتیں کھا کر اس کا شکر کرو۔ (البقرۃ: ۱۷۲) ۷۔ اللہ کی عبادت کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کرو۔ (العنکبوت: ۱۷)

۸۔ اللہ تعالیٰ شکر کرنے والے کو زیادہ عطا کرتا ہے۔ (ابراہیم: ۷) ۹۔ شکر کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ (الزمر: ۷)

۱۰۔ اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو بہتر جزا دیتا ہے۔ (القمر: ۳۵) ۱۱۔ اللہ تعالیٰ شکر گزار بندوں کا قدر دان ہے۔ (النساء: ۱۴۷)

۱۲۔ جو شخص شکر کرتا ہے اس کا فائدہ اسی کو ہے اور جو ناشکری کرتا ہے میرا رب اس سے بے پرواہ ہے۔ (النمل: ۴۰)

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ

فرمادیجیے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے کہ وہ درگزر کریں ان لوگوں سے جو نہیں امید رکھتے ایام کی

اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ

اللہ کے تاکہ وہ بدلہ دے لوگوں کو ساتھ اس کے جو تھے وہ کماتے جو

عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۫ ثُمَّ

عمل کرے گا نیک تو اسی کے لیے ہے اور جس نے برا کیا تو اسی پر ہے پھر

اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

طرف اپنے رب کے تم لوٹائے جاؤ گے

’’اے نبی ایمان لانے والوں سے فرمادیں کہ جو لوگ اللہ کی طرف سے برے دن آنے کا خوف نہیں رکھتے ان کی حرکتوں پر درگزر کریں تاکہ اللہ انہیں ان کی کمائی کا بدلہ دے۔ (۱۴) جو کوئی نیک عمل کرے گا وہ اپنے ہی لیے کرے گا، اور جو برائی کرے گا وہ خود ہی اس کی سزا بھگتے گا، پھر سب کو اپنے رب کی طرف جانا ہے۔‘‘ (۱۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام : جو شخص اپنے رب کی قدرتوں پر غور و فکر اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے وہ ہر صورت اپنے رب پر ایمان لاتا ہے یہاں ایمان لانے والوں کو خصوصی ہدایت کی گئی ہے۔

ایمان کی ابتدا ’’لا الٰہ الاّ اللہ‘‘ سے ہوتی ہے جس کا معنیٰ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی ضرورتیں پوری کرنے اور بگڑی بنانے والا ہے اس بات کا اقرار کرنے سے پہلے ہر معبود کی نفی کرنا فرض ہے۔ جو شخص اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کی نفی نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کا کلمہ قبول نہیں کرتا اسی لیے کلمہ طیبہ میں پہلے معبودانِ باطلہ کی نفی ہے ظاہر بات ہے کہ جب ایماندار اللہ کے سوا دوسروں کی نفی کرتا ہے تو کافر اور مشرک کو یہ بات برداشت نہیں ہوتی وہ موحّد کے خلاف ہر اقدام کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں اور مومن بندوں کو درگزر کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے نبی! ایمان والوں سے فرمائیں کہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو بُرے اعمال کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ایام سے نہیں ڈرتے۔ انہیں یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ جو ایمان لانے کے بعد صالح عمل کرے گا اس کا فائدہ اسی کو ہوگا اور جس نے ایمان لانے سے انکار کیا اور برے اعمال کرتا رہا اس کا وبال اسی پر ہوگا بالآخر تم سب نے اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے اللہ تعالیٰ ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا۔ پہلی آیت میں ان لوگوں سے درگزر کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو اللہ کے ایام کا خوف نہیں رکھتے ایام کے بارے میں اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ یہاں ایام سے مراد

ایسے دن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کسی قوم کی پکڑ کرتا ہے۔اس کی پکڑ سے جو لوگ بے پرواہ ہوتے ہیں وہ بات بات پر جنگ و جدال پر اتر آتے ہیں ایسے لوگوں سے الجھنے سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ اس سے تبلیغ کے کام میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اس لیے نبی ﷺ کو حکم ہوا اور دوسرے مقام پر ایمانداروں کی یہ صفت بیان کی ہے۔

{ وَ اِمَّا يَنۡزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۝ } (الاعراف: ۲۰۰)

”اور اگر کبھی آپ کو شیطان اُبھارے تو اللہ کی پناہ طلب کریں بے شک وہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔“

{ وَمَا يُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِيۡمٍ ۝ } (حٰمٓ السجدة: ۳۵)

”یہ خوبی حاصل نہیں ہوتی مگر اُن لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر اُن لوگوں کو جو بڑے نصیبے والے ہیں۔“

”اہلِ کتاب کے اکثر لوگ چاہتے ہیں کہ حق واضح ہو جانے اور تمہارے ایمان لانے کے بعد وہ تمہیں اپنے حسد و بغض کی بناء پر ایمان سے ہٹا کر کافر بنا دیں بس تم معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ فرما دے یقیناً اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“ (البقرة: ۱۰۹)

{ وَ عِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِيۡنَ يَمۡشُوۡنَ عَلَى الۡاَرۡضِ هَوۡنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الۡجٰهِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا ۝ } (الفرقان: ۶۳)

”رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اگر ان سے جاہل جھگڑا کریں تو وہ ان کو سلام کہہ کر چل دیتے ہیں۔“

مسائل

۱۔ جو لوگ اپنے رب کی پکڑ سے بے خوف ہوتے ہیں۔ان سے جھگڑنے کی بجائے درگزر کرنا چاہیے۔

۲۔ جو ایماندار صالح عمل کرے گا وہ اس کی جزا پائے گا اور جو برے عمل کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا ہر کسی نے اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

تفسیر بالقرآن

حق کا انکار کرنے والوں کے ساتھ مومنوں کا رویّہ کیا ہونا چاہیے:

۱۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں آپ لوگوں سے اور جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو ان سے کنارہ کش ہوتا ہوں۔ (مریم: ۴۸)

۲۔ اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ (المائدة: ۵۱)

۳۔ اے ایمان والو! اگر تمہارے آباء اسلام پر کفر کو ترجیح دیں تو اپنے آباء اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ۔ (التوبة: ۲۳)

۴۔ اے ایمان والو! کفار کو مومنوں کے مقابلہ میں دوست نہ بناؤ۔ (النساء: ۱۴۴)

۵۔ اے ایمان والو! جن لوگوں نے تمہارے دین کو کھیل تماشہ بنا رکھا ہے انہیں دوست نہ بناؤ۔ (المائدة: ۵۷)

۶۔ ابراہیم علیہ السلام نے معبودانِ باطل کا انکار کیا اور ان سے براءت کا اظہار فرمایا۔ (الممتحنة: ۴)

وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الۡکِتٰبَ وَ الۡحُکۡمَ وَ النُّبُوَّۃَ

اور البتہ تحقیق ہم نے دی بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم اور نبوت

وَ رَزَقۡنٰہُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلۡنٰہُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿ۚ۱۶﴾ وَ اٰتَیۡنٰہُمۡ

اور ہم نے رزق دیا ان کو پاکیزہ سے اور ہم نے فضیلت دی ان کو تمام جہان والوں پر اور ہم نے دیں ان کو

بَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ ۚ فَمَا اخۡتَلَفُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ

واضح دلیلیں دین سے پھر نہیں انہوں نے اختلاف کیا مگر اس کے بعد سے

مَا جَآءَہُمُ الۡعِلۡمُ ۙ بَغۡیًۢا بَیۡنَہُمۡ ؕ اِنَّ رَبَّکَ

کہ آ گیا ان کے پاس علم زیادتی کرتے ہوئے آپس کی بلاشبہ آپ کا رب

یَقۡضِیۡ بَیۡنَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فِیۡمَا کَانُوۡا فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۷﴾

فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن ان چیزوں میں جو وہ تھے ان میں اختلاف کرتے

”اس سے پہلے بنی اسرائیل کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی اور ہم نے انہیں طیب رزق سے نوازا اور دنیا بھر کے لوگوں پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔(۱۶) اور دین کے بارے میں انہیں واضح ہدایات دیں پھر جو اختلاف اُن کے درمیان رونما ہوا وہ (ناواقفیت کی وجہ سے نہیں بلکہ) علم آجانے کے بعد ہوا اور اس بنا پر ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرتے تھے اللہ قیامت کے دن اُن معاملات کا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے فیصلہ فرمادے گا۔“ (۱۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جن لوگوں نے ایام اللہ کی پرواہ نہ کی ان میں بنی اسرائیل بھی شامل ہیں۔

قرآن مجید میں جن اقوام کے حالات اور واقعات سب سے زیادہ بیان کئے گئے ہیں ان میں سرفہرست بنی اسرائیل ہیں۔ بنی اسرائیل پر فرعون نے مظالم کی انتہا کر رکھی تھی۔ فرعون ان کے مردوں کو قتل کرتا اور ان کی بہو بیٹیوں کو باقی رہنے دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو فرعون کے عذاب اور اس کی غلامی سے نکالنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کو رسول منتخب کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عظیم اور طویل جدوجہد کی جس کے نتیجہ میں فرعون اور اس کے ساتھی غرق ہوئے اور بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے نجات عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کئی صدیوں تک بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت، نبوت اور رزقِ حلال کی فراوانی سے سرفراز فرمایا اور بنی اسرائیل کو طویل عرصہ تک پوری دنیا میں عزت وعظمت کے ساتھ ہمکنار کیا۔ انہیں راہِ راست پر لانے اور اس پر قائم رکھنے کے لیے بڑے بڑے معجزات دکھلائے اور ٹھوس دلائل کے ساتھ ان کی راہنمائی فرمائی۔ مگر یہ قوم بغاوت اور سرکشی ہی اختیار

کرتی رہی ۔جس کا بنیادی سبب ان کا مفاد اور آپس میں حسد وعناد تھا۔آپ کا رب قیامت کے دن یقیناً ان کے اختلافات کا فیصلہ کرے گا۔کسی قوم کی راہنمائی اور سربلندی کے لیے چار چیزیں ناگزیر ہوتی ہیں ۔اگر قوم اخلاصِ نیت اور پوری ہمت کے ساتھ ان باتوں کا خیال رکھے تو وہ صدیوں تک لوگوں پر اپنی عظمت اور سطوت کا سکہ جما سکتی ہے۔ ①۔قوم کی راہنمائی کے لیے آسمانی کتاب کا اصلی حالت میں موجود ہونا۔② اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کی صورت میں قیادت کا پایا جانا۔③ اقتدار اور اختیار کا حاصل ہونا۔④ رزقِ حلال اور جائز وسائل کی فراوانی ہونا۔

جس قوم کے پاس یہ چار چیزیں موجود ہوں وہ دنیا میں ضرور عزت کی مالک ہوگی ۔اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو صدیوں تک یہ نعمتیں عطا فرمائیں ۔مگر انہوں نے ہر دور میں اپنے انبیاء کا مذاق اڑایا اور حق بات کے ساتھ اختلاف کیا اور حسد وبغض کا شکار ہوئے ۔جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ہمیشہ کے لیے مغضوب قرار دیا اور حضرت داود علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ان پر لعنت برسائی۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو الکتاب ،حکومت ،نبوت اور وافر مقدار میں رزق حلال عطا فرمایا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ہزاروں سال لوگوں پر عزت وعظمت عطا فرمائی۔

۳۔ بڑے بڑے معجزات دیکھنے اور واضح دلائل پانے کے باوجود بنی اسرائیل حسد وبغض کا شکار ہوئے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء اور حق کے ساتھ اختلاف کرنے کی وجہ سے بنی اسرائیل کا انجام:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے گستاخ ہوئے ۔(آلِ عمران:۱۸۱) ۲۔انبیاء کے قاتل اور گستاخ ٹھہرے ۔(آلِ عمران:۲۱)

۳۔ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی آیات کے انکاری ہیں ۔(البقرۃ:۶۱) ۴۔شرک کی وجہ سے ذلیل ورسوا ہوئے ۔(المائدۃ:۱۸)

۵۔ اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی وجہ سے رُسوا ہوئے ۔(البقرۃ:۸۳ تا ۸۵)

۶۔ کتاب اللہ میں تحریف کرنے کی وجہ سے خوار ہوئے ۔(النساء:۴۶)

۷۔ بنی اسرائیل پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی طرف سے پھٹکار کی گئی ۔(المائدہ:۷۸)

۸۔ بنی اسرائیل میں بالخصوص یہودیوں پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔(الفاتحہ:۷)

۹۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر پھٹکار نازل کی ۔(التوبہ:۳۰)

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ

پھر ہم نے کر دیا آپ کو ایک طریقہ پر دین سے بس آپ پیروی کریں اس کی اور نہ پیروی کریں

اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۱۸ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ

ان لوگوں کی خواہشات کی جو نہیں وہ علم رکھتے بلاشبہ وہ ہرگز نہیں کام آئیں گے آپ کے

مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ

اللہ سے کچھ بھی اور بے شک ظالم لوگ ان کے بعض دوست ہیں

بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۱۹ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ

بعض کے اور اللہ دوست ہے متقین کا یہ بصیرت ہے لوگوں کے لیے

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۲۰

اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں

''اے نبی پھر ہم نے آپ کو دین کے معاملہ میں ایک صاف شاہراہ پر قائم کیا ہے۔ لہٰذا آپ اسی پر چلیں اور ان لوگوں کی خواہشات کی اتباع نہ کریں جو علم نہیں رکھتے۔(۱۸) اللہ کے مقابلے میں وہ تمہارے کچھ بھی کام نہیں آ سکتے۔ ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور متقیوں کا ساتھی ''اللہ'' ہے۔(۱۹) یہ بصیرت کی باتیں سب لوگوں کے لیے ہیں اور ہدایت اور رحمت اُن لوگوں کے لیے ہے جو یقین رکھتے ہیں۔''(۲۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل حق کی نا قدری کرنے اور آپس کے اختلافات کی وجہ سے دنیا کی قیادت سے محروم ہوئے۔ ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کو قیادت کے منصب پر فائز فرمایا ہے۔

بنی اسرائیل میں سب سے آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے انجیل اور بڑے، بڑے معجزات عطا فرمائے مگر بنی اسرائیل کی غالب اکثریت نے نا صرف عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اختلاف کیا بلکہ انہوں نے اپنے طور پر عیسیٰ علیہ السلام کو تختہ دار پر لٹکا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو صحیح وسالم آسمانوں پر اٹھا لیا جو قیامت کے قریب دنیا میں نزول فرمائیں گے اور حضرت امام مہدی رحمہ اللہ کے ساتھ مل کر عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ جہاد کریں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد تقریباً پانچ سو سال تک کسی شخصیت کو نبوت سے سرفراز نہیں کیا گیا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی کے طور پر مبعوث فرمایا اور آپ کو خاتم النبیین کے لقب سے سرفراز کیا۔ اس لیے آپ کے بارے میں ارشاد ہوا کہ بنی اسرائیل کے بعد ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک واضح دین کی راہنمائی فرمائی ہے۔ لہٰذا آپ کو صرف

اسی کی اتباع کرنا چاہیے اور ان لوگوں کے پیچھے نہیں لگنا جو جہالت کی وجہ سے اپنی خواہشات کے بندے بن چکے ہیں۔ اگر آپ ان لوگوں کے پیچھے چلیں گے تو آپ کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ یقین فرمائیں! کہ ظالم لوگ ایمانداروں کے خیر خواہ نہیں ہوتے۔ جو دوسروں کی خواہشات کے پیچھے لگنے کی بجائے اپنے رب کا حکم مانتے اور اس کی نافرمانی سے پرہیز کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی راہنمائی اور خیر خواہی کرتا ہے۔ "اَلْاَمْرِ" سے مراد اللہ کا دین ہے اور ''شریعت'' سے مراد اللہ تعالیٰ کی راہنمائی اور اس کا بتایا ہوا راستہ ہے جس کی ہر حال میں اتباع کرنا چاہیے اسی بات کو قرآن مجید نے یوں بھی بیان فرمایا ہے۔

''اسی طرح ہم نے تمہیں امتِ وسط بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔ (البقرۃ: ۱۴۳)

ظالم سے مراد کافر، مشرک اور وہ لوگ ہیں جو اللہ کے دین کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ لوگ امت کے کبھی خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ ان کی خیر خواہی اور ہمدردی ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ ہوتی ہے۔ جس وجہ سے اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ ظالم لوگ ظالموں کے دوست اور بہی خواہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کا ولی نہیں ہوتا۔ وہ تو متقین کا ولی ہے۔ جن کا اللہ ولی ہو جائے انہیں کسی ظالم کی پرواہ نہیں ہونی چاہیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کے لیے ہدایت کی باتیں ہیں جو یقین کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہیں۔ ولی کا معنٰی دوست، خیر خواہ اور ذمہ دار ہے۔

مسائل

۱۔ پہلی امتیں شریعت کا علم رکھنے کے باوجود اختلافات کا شکار ہوئیں۔

۲۔ پہلی امتوں نے باہمی حسد و بغض کی بنا پر آپس میں اختلاف کیا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب کے اختلاف کا فیصلہ کرے گا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کو واضح دین عطا فرمایا ہے۔

۵۔ لوگوں کی خواہشات کی پرواہ کیے بغیر مسلمان کو دین کی اتباع کرنی چاہیے۔

۶۔ کسی کو کوئی طاقت دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچا نہیں سکتی۔

۷۔ ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھی اور خیر خواہ ہوتے ہیں۔

۸۔ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کا خیر خواہ اور ساتھی ہوتا ہے۔ ۹۔ قرآن مجید ہدایت کا سرچشمہ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذریعہ ہے۔

۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بصیرت کی باتیں بتلائی ہیں مگر ان سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو ان پر یقین کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

لوگوں کے پیچھے لگنے کی بجائے انسان کو قرآن و سنت کی اتباع کرنا چاہیے:

۱۔ کتاب اللہ کے مقابلے میں لوگوں کی خواہشات پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔ (المائدۃ: ۴۸)

۲۔ خواہشات کی اتباع کرنے کی بجائے کتاب اللہ کے مطابق فیصلے ہونے چاہئیں۔ (المائدۃ: ۴۹)

۳۔ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والا تباہ ہو جاتا ہے۔ (طٰہٰ: ۱۶)

اَمْ	حَسِبَ	الَّذِيْنَ	اجْتَرَحُوا	السَّيِّاٰتِ	اَنْ	نَّجْعَلَهُمْ
کیا	گمان کرلیا ہے	ان لوگوں نے جنہوں نے	کیں	برائیاں	یہ کہ	ہم کردیں گے ان کو
كَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	سَوَآءً	مَّحْيَاهُمْ	
مانند ان لوگوں کی جو	ایمان لائے	اور انہوں نے عمل کیے	نیک	برابر ہے	ان کا جینا	
وَمَمَاتُهُمْ	سَآءَ	مَا	يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾	وَخَلَقَ	اللّٰهُ	السَّمٰوٰتِ
اور ان کا مرنا	برا ہے	جو	وہ فیصلہ کرتے ہیں	اور پیدا کیے	اللہ نے	آسمان
وَالْاَرْضَ	بِالْحَقِّ	وَلِتُجْزٰى	كُلُّ	نَفْسٍ	بِمَا	كَسَبَتْ
اور زمین	حق کے ساتھ	اور تاکہ بدلہ دیا جائے	ہر	جان کو	اس کے ساتھ جو	اس نے کمایا
وَهُمْ	لَا	يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾				
اور وہ	نہیں	ظلم کیے جائیں گے				

''کیا وہ لوگ جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم انہیں اور ایمان دار نیک عمل کرنے والوں کو ایک جیسا کر دیں گے ان کا جینا اور مرنا یکساں ہے۔ بُرا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔(۲۱) اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے تاکہ ہر نفس کو جو کچھ اس نے کیا ہے اسے اس کا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''(۲۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے انسان کی راہنمائی کے لیے شریعت نازل فرمائی ہے لیکن اس کے باوجود لوگ اپنی ضد اور جہالت پر قائم رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ حقیقت کھول کر بیان فرمائی ہے کہ نیک اور بُرے لوگ کسی اعتبار سے برابر نہیں ہوسکتے۔ مگر اس کے باوجود ظالم لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر قسم کی فراوانی اس لیے دے رکھی ہے کہ وہ ہمیں پسند کرتا ہے اور ہمارے مقابلے میں نیک لوگوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ ایسے لوگوں میں یہ غلط فہمی بھی پائی جاتی ہے کہ ہم آخرت میں بھی ایمانداروں سے بہتر ہوں گے۔ ایسے لوگوں کو انتباہ کے انداز میں سمجھایا گیا ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایماندار اور صالح کردار لوگوں کی زندگی اور موت کو مجرم لوگوں کی زندگی اور موت جیسی کر دے۔ مجرم جو کچھ سوچتے اور کہتے ہیں وہ ہر اعتبار سے ان کے لیے برا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کے حوالے سے بتلایا

ہے کہ مومن اور ظالم برابر نہیں ہو سکتے۔ جہاں تک دنیا کی زندگی کا معاملہ ہے بظاہر دنیا دار لوگ مومنوں سے برتر ہوتے ہیں۔لیکن گہرائی سے دیکھا اور سوچا جائے تو دنیا میں بھی ایک مومن اور ظالم کی زندگی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ بے شک مومن غریب ہومگر اس کا دل مطمئن ہوتا ہے۔جس وجہ سے وسائل کی کمی کے باوجود وہ پُرسکون زندگی گزارتا ہے۔مومن کے مقابلے میں فاسق شخص وسائل کی فراوانی کے باوجود پریشانی اور بے سکونی کا شکار رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے آپ کو پُرسکون رکھنے کے لیے ہرقسم کی بُرائی اور بے حیائی کرتے ہیں۔ کئی لوگ سکون نہ پانے کی وجہ سے خودکشی کے گھاٹ اُتر جاتے ہیں۔ جہاں تک موت کا تعلق ہے بے شک مرنے والا موت کی کیفیت سے دوسروں کو آگاہ نہیں کرسکتا۔لیکن ایک مومن اور فاسق کی موت میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ جس کا ہم تصور نہیں کر سکتے۔ اسی لیے قرآن مجید نے دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا ہے:

{ اَفَمَنۡ كَانَ مُؤۡمِنًا كَمَنۡ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسۡتَوٗنَ ۞ اَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ جَنّٰتُ الۡمَاۡوٰى نُزُلًا ۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۞ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ فَسَقُوۡا فَمَاۡوٰٮهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَاۤ اُعِيۡدُوۡا فِيۡهَا وَقِيۡلَ لَهُمۡ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ النَّارِ الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ۞ }

(السجدة:۱۸ تا ۲۰)

”بھلا یہ ہوسکتا ہے کہ جوشخص مومن ہے وہ اس شخص کی طرح ہو جائے جو فاسق ہے یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اُن کے اعمال کے بدلے۔اُن کی ضیافت کے لیے جنتوں کی قیام گاہیں ہیں اور جنہوں نے نافرمانی اختیار کی ہے اُن کا ٹھکانا آگ ہے، جب اس سے نکلنا چاہیں گے اُسی میں دھکیل دیے جائیں گے،اوران سے کہا جائے گا کہ اب آگ کے عذاب کا مزا چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔“

اس فرق کو یہ کہہ کر واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمانوں کو بامقصد پیدا کیا ہے۔تاکہ ہر شخص اپنے اعمال کے مطابق بدلہ پائے اور کسی پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔اس فرمان میں استعارے کی زبان سے بتلایا گیا ہے کہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد برے اعمال کی ہمیں کوئی باز پُرس نہیں ہوگی کہ وہ شعوری اور غیر شعوری طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کا نظام یوں ہی بنا دیا ہے۔انسان کی زندگی لیل ونہار کی گردش سے منسلک ہے۔اس لیے زمین و آسمان کا نام لے کر بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بامقصد پیدا کیا ہے۔یعنی انسان کی زندگی کا ایک مقصد ہے جس وجہ سے ہر کسی کو اپنے اعمال کا بدلہ پانا ہے۔

”حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کافر کا دنیا سے رخصت ہونے اور موت کا وقت آتا ہے تو آسمان سے کالے چہروں والے فرشتے اترتے ہیں۔ان کے پاس کھردرا لباس ہوتا ہے۔وہ فوت ہونے والے کافر سے حدِ نگاہ تک دور بیٹھ جاتے ہیں۔ملک الموت اس کے سرہانے آ کر کہتا ہے۔اے خبیث

جان! اللہ کی ناراضگی اور غضب کا سامنا کر پھر روح اس کے جسم سے الگ ہو جاتی ہے۔ اسے اس طرح کھینچتے ہیں جیسے گرم سلاخ کو روئی سے کھینچا جاتا ہے۔ اس روح کو فرشتے پکڑتے ہیں اور کوئی فرشتہ اسے اپنے ہاتھ میں آنکھ جھپکنے سے زیادہ اپنے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتا اور اسے بدبودار ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں۔ اس سے مردار جیسی گندی بدبو نکلتی ہے جس طرح کی بدبو تم زمین پر مردار کی طرح محسوس کرتے ہو۔ وہ اسے لیکر آسمانوں کی طرف جاتے ہیں ان کا گذر جس فرشتے کے پاس ہوتا تو وہ کہتا ہے یہ کس کی خبیث روح ہے لیکن وہ جواب دیتے ہیں وہ فلاں ابن فلاں ہے اس کے برے برے نام لیتے ہیں جن کے ساتھ اسے دنیا میں پکارا جاتا تھا حتیٰ کہ اسے آسمان دنیا کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ اس کے لیے دروازہ کھولنے کے لیے کہا جاتا ہے لیکن دروازہ نہیں کھولا جاتا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی (اُن کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ ہی وہ جنت میں داخل ہو سکیں گے حتی کہ اونٹ کو سوئی کے سوراخ میں داخل کر دیں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا اعمال نامہ سجین میں لکھ دو جو زمین کی سب سے نچلی وادی ہے اس کی روح کو پھینکا جائے گا پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی (اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے گویا کہ وہ آسمان سے گر گیا پرندے اُسے اُچک رہے ہیں یا ہوا نے اُس کو دور جگہ پھینک دیا)‘‘

(رواہ احمد: مسند براء بن عازب رضی اللہ عنہ [صحیح])

مسائل

۱۔ برے لوگ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مومن اور فاسق کو برابر رکھے گا ایسے لوگوں کی سوچ اور دعویٰ غلط ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے مومن اور فاسق کی موت اور زندگی میں نمایاں فرق رکھا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو با مقصد پیدا کیا ہے۔

۴۔ ہر انسان کو اپنے عمل کا بدلہ دیا جائے گا۔ ۵۔ قیامت کے دن کسی پر کوئی زیادتی نہیں ہو گی۔

تفسیر بالقرآن

مومن اور کافر کی موت کا فرق اور انجام:

۱۔ فرشتے مومن کی روح قبض کرتے وقت سلام کہتے ہیں۔ (النحل: ۳۲)

۲۔ کفار کی روح قبض کرتے وقت فرشتے ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے ہیں۔ (الانفال: ۵۰)

۳۔ کافر ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ (البقرۃ: ۳۹)

۴۔ ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والے جنت میں جائیں گے۔ (البقرۃ: ۸۲)

۵۔ موت کے وقت فرشتے فاسق کو کہتے ہیں کہ آج تجھے عذاب دیا جائے گا۔ (الانعام: ۹۳)

اللّٰهُ	وَاَضَلَّهُ	هَوٰىهُ	اِلٰهَهٗ	اتَّخَذَ	مَنِ	اَفَرَءَيۡتَ
اللہ نے	اور اس کو گمراہ کیا	اپنی خواہش کو	اپنا الٰہ	بنالیا	جس نے	پھر آپ نے دیکھا

وَجَعَلَ	وَقَلۡبِهٖ	سَمۡعِهٖ	عَلٰى	وَّخَتَمَ	عَلٰى عِلۡمٍ
اور اس نے کر دیا	اور اس کے دل	اس کے کان	پر	اور اس نے مہر لگادی	علم پر

بَعۡدِ	مِنۡۢ	يَّهۡدِيۡهِ	فَمَنۡ	غِشٰوَةً ؕ	عَلٰى بَصَرِهٖ
بعد	سے	اسے ہدایت دے	پھر کون ہے جو	پردہ	اس کی آنکھ پر

تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۲۳﴾	اَفَلَا	اللّٰهِ ؕ
تم نصیحت پکڑتے	کیا پھر نہیں	اللہ کے

''پھر کیا تم نے کبھی اس شخص کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا الٰہ بنالیا ہے اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہی میں پھینک دیا اور اس کے دل اور کانوں پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اللہ کے بعد اب اور کون ہے؟ جو اسے ہدایت دے کیا تم لوگ نصیحت نہیں پکڑتے۔'' (۲۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمانوں کو یونہی پیدا کیا ہے اور مومن اور فاسق کے انجام میں کوئی فرق نہیں۔ درحقیقت وہ شخص اپنے آپ کو خدا سمجھ بیٹھتا ہے۔ کیونکہ کسی کے انجام کو جاننا اور اس کا فیصلہ کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

جس شخص نے اپنے نظریات اور جذبات کو الٰہ بنالیا ہے۔ اس کے افکار اور کردار پر غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے علم دینے کے باوجود گمراہی میں کھلا چھوڑ دیا ہے جس کے نتیجے میں اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی گئی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟ اس کے باوجود تم نصیحت حاصل کرنے کے لیے تیار نہیں۔ الٰہ کا معنٰی ہے معبود یعنی جس کی عبادت کی جائے۔ عبادت کا جامع مفہوم یہ ہے کہ انسان کی پوری زندگی اپنے رب کی غلامی میں بسر ہونی چاہیے۔ جس شخص نے اپنے نفس کو الٰہ بنالیا ہے وہ اللہ کی ذات اور اس کی بات کی پرواہ کیے بغیر زندگی گزارتا ہے ایسا شخص کسی اخلاق اور ضابطے کا پابند نہیں ہوتا۔ اس کے سامنے اپنی خواہشات کی تکمیل اور دنیا کی ترقی کے سوا کوئی مشن نہیں ہوتا۔ اس شخص کو اقتدار ملے تو اپنے آپ کو فرعون سمجھتا ہے۔ اسے طاقت نصیب ہو تو درندہ بن جاتا ہے۔ اس کے پاس مال ہو تو غریبوں کے لیے قارون ثابت ہوتا ہے۔ اسے افرادی طاقت مل جائے تو ابوجہل کا کردار پیش کرتا ہے۔ یہ شخص اپنے مفاد اور اقتدار کی خاطر اور ملک وملت کے ساتھ غداری کرنے میں

کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔ اپنے نفس کو معبود بنانے والا شخص عالمِ دین ہو تو اپنے ایمان اور دین کو دنیا کی خاطر بیچ ڈالتا ہے۔ ایسی سوچ رکھنے والا آدمی گھٹیا سے گھٹیا حرکت کرنے میں عار محسوس نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اس کی گمراہی کے حوالے کر دیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں اس کے کان حق بات سننا گوارہ نہیں کرتے۔ دل سچائی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرتوں کو دیکھنے کے باوجود اس کی آنکھیں اندھی رہتی ہیں۔ اس شخص کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ اسی شخص کو ہدایت دیتا ہے جو ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

"وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ" کے مفسرین نے تین مفہوم بیان کیے ہیں۔ ① یہ شخص اپنے نفس کا بچاری ہونے کی وجہ سے عالم ہونے کے باوجود گمراہی کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ ② اپنے نفس کو معبود بنانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہی میں پھینک دیا ہے۔ ③ اپنے نفس کو معبود بنانے والا شخص اپنے نظریات اور جذبات کو حق اور اس کا معیار سمجھتا ہے اس لیے وہ گمراہی میں مبتلا رہتا ہے۔

((عَنۡ عَبۡدِ اللّٰهِ بۡنِ عَمۡرٍو ؓ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤۡمِنُ أَحَدُكُمۡ حَتّٰى يَكُوۡنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئۡتُ بِهٖ)) (شرح السنة للبغوی: باب رد البدع والاهواء [صحیح])

''حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی اپنی خواہشات کو جب تک میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ کرے تب تک وہ ایماندار نہیں ہو سکتا۔''

مسائل

۱۔ جو شخص اپنے نفس کا غلام بن جائے اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا۔

۲۔ جس کی گمراہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے وہ بھی ہدایت نہیں پا سکتا۔

۳۔ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ارشادات سے نصیحت حاصل کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اپنی اور لوگوں کی خواہشات کے پیچھے لگنے والا شخص گمراہ ہوتا ہے:

۱۔ لوگوں کی خواہشات کے پیچھے لگنے والا گمراہ ہوتا ہے۔ (صٓ: ۲۶)

۲۔ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والا تباہ ہو جاتا ہے۔ (طٰہٰ: ۱۶)

۳۔ سب سے بڑا گمراہ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والا ہے۔ (القصص: ۵۰)

۴۔ خواہشات کی پیروی کرنے والا خواہشات کو الٰہ بنا لیتا ہے۔ (الفرقان: ۴۳)

۵۔ حق کو چھوڑ کر خواہشات کی پیروی کرنے سے زمین و آسمان میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ (المؤمنون: ۷۱)

وَقَالُوۡا	مَا هِيَ	اِلَّا	حَيَاتُنَا الدُّنۡيَا	نَمُوۡتُ	وَنَحۡيَا
اور انہوں نے کہا	نہیں ہے یہ	مگر	ہماری زندگی دنیا والی	ہم مرتے ہیں	اور ہم زندہ ہوتے ہیں
وَمَا	يُهۡلِكُنَآ	اِلَّا	الدَّهۡرُ ۚ	وَمَا لَهُمۡ	بِذٰلِكَ
اور نہیں	ہلاک کرتا ہمیں	مگر	زمانہ	اور نہیں ان کے لیے	ساتھ اس کے
مِنۡ عِلۡمٍ ۚ	اِنۡ	هُمۡ	اِلَّا	يَظُنُّوۡنَ ۝۲۴	وَاِذَا
کوئی علم	نہیں ہیں	وہ	مگر	گمان کرتے	اور جب
تُتۡلٰى	عَلَيۡهِمۡ	اٰيٰتُنَا	بَيِّنٰتٍ	مَّا كَانَ	حُجَّتَهُمۡ
تلاوت کی جاتی ہیں	ان پر	ہماری آیتیں	واضح	نہیں ہوتی	ان کی دلیل
اِلَّآ اَنۡ	قَالُوا	ائۡتُوۡا	بِاٰبَآئِنَآ	اِنۡ كُنۡتُمۡ	صٰدِقِيۡنَ ۝۲۵
مگر یہی کہ	انہوں نے کہا	تم لے آؤ	ہمارے باپ دادا کو	اگر تم ہو	سچے

''یہ لوگ کہتے ہیں کہ زندگی بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے یہیں ہمارا مرنا اور جینا ہے اور گردش ایام کے سوا کوئی چیز جو ہمیں ہلاک نہیں کرتی۔حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس علم نہیں ہے محض گمان کی بنا پر یہ باتیں کرتے ہیں۔(۲۴) اور جب ہماری واضح آیات انہیں سنائی جاتی ہیں تو ان کے پاس اس کے سوا کوئی حجت نہیں ہوتی کہ اٹھالاؤ ہمارے باپ دادا کو اگر تم سچے ہو۔(۲۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اپنے نفس کو معبود بنانے والا شخص دنیا کی لذات پر اس قدر فریفتہ ہوجاتا ہے کہ اس کا مرنے کو جی نہیں چاہتا اس وجہ سے یہ سمجھتا ہے کہ ہمارا جینا اور مرنا صرف دنیا میں ہے موت کے بعد نہ ہم نے زندہ ہونا ہے اور نہ کسی کے سامنے جواب دینا ہے۔

انسان اپنے نظریات اور جذبات کو اس وقت الٰہ کا درجہ دیتا ہے جب دنیا پر بے حد فریفتہ ہو کر وہ حقیقی الٰہ کو بھول جاتا ہے۔اس وجہ سے نفس کا بچاری سمجھ بیٹھتا ہے کہ مرنے کے بعد نہ میں نے زندہ ہونا ہے اور نہ کسی کے سامنے حساب دینا ہے۔اس بنیاد پر کہتا ہے کہ بس ہم نے اسی دنیا میں جینا اور مرنا ہے۔ہماری زندگی اور موت کا معاملہ زمانے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے زمانے کے ردّ بدل کی وجہ سے ہم جیتے اور مرتے ہیں۔اس کے سوا ہماری زندگی اور موت کا کوئی مالک نہیں۔ان کے اپنے اٹکل پچو کے سوا اس نظریے کی کوئی علمی دلیل نہیں۔جب ان کے سامنے موت وحیات کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر قیامت کے بارے میں سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے دکھلاؤ؟ انہیں فرمائیں کہ زمانہ یا کوئی اور موت وحیات کا مالک نہیں۔اللہ تعالیٰ ہی تمہیں پیدا کرتا ہے اور وہی تمہیں موت دیتا ہے۔موت دینے کے بعد پھر اسی نے قیامت کے دن تمہیں اٹھانا اور اکٹھا کرنا ہے۔قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں۔لیکن لوگوں کی

قُلِ	اللّٰهُ	يُحْيِيكُمْ	ثُمَّ	يُمِيتُكُمْ	ثُمَّ	يَجْمَعُكُمْ
فرمادیجئے	اللہ	تم کوزندہ کرتا ہے	پھر	وہی تم کو مارتا ہے	پھر	وہی تمہیں جمع کرے گا
اِلٰى	يَوْمِ	الْقِيٰمَةِ	لَا رَيْبَ	فِيْهِ	وَلٰكِنَّ	اَكْثَرَ
طرف	دن کی	قیامت کے	نہیں کوئی شک	اس میں	اورلیکن	اکثر
النَّاسِ	لَا	يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ ع	وَلِلّٰهِ	مُلْكُ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ
لوگ	نہیں	جانتے	اوراللہ کے لیے	بادشاہی ہے	آسمانوں کی	اورزمین کی
وَيَوْمَ	تَقُوْمُ	السَّاعَةُ	يَوْمَئِذٍ	يَّخْسَرُ	الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾	
اورجس دن	قائم ہوگی	قیامت	اس دن	خسارے میں رہیں گے	باطل پرست	

اے نبی ان سے فرمائیں کہ اللہ ہی تمہیں زندگی بخشتا ہے پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے پھر وہی تم کو قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔(۲۶) زمین اور آسمانوں کی بادشاہی اللہ کے پاس ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن باطل پرست لوگ خسارے میں ہوں گے۔‘‘(۲۷)

اکثریت اس حقیقت کو جاننے اور ماننے کے لیے تیار نہیں۔ زمین و آسمان کی بادشاہی صرف اللہ کے پاس ہے جس دن قیامت برپا ہوگی۔ جھوٹے نظریات رکھنے اور برے اعمال کرنے والے لوگ نقصان پائیں گے۔ یہاں پہلی آیت میں مادہ پرست لوگوں کا دعویٰ اور نظریہ پیش کیا گیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری موت وحیات زمانے کے تغیر وتبدل کی وجہ سے ہے۔ یہ ایسا نظریہ ہے جسے نہ عقل مانتی ہے اور نہ ہی علم تسلیم کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اپنے آپ کو جدّت پسند اور ترقی یافتہ سمجھنے والے لوگ اہلِ مکہ کی جہالت کو اپنائے ہوئے ہیں۔

جو سائنسدان کسی آسمانی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ مادہ میں از خود یہ صلاحیت ہوتی ہے جس وجہ سے اس میں خود بخود تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ جس کے لیے وہ بِگ بینگ (BIG BANG) کا حوالہ دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ کائنات ایک دھماکہ کے ذریعے معرضِ وجود میں آئی ہے اور اس کی وجہ سے ہی مادہ معرضِ وجود میں آیا۔ مادہ کے بارے میں جس سائنسدان کو سائنس کی دنیا کا باپ تصور کیا جاتا ہے۔ آئن سٹائن (EIEN STIEN) اس کا نظریہ ہے کہ مادہ کو نہ کوئی پیدا کرسکتا ہے اور نہ ہی یہ ختم ہوگا۔ (MATTER CAN NIETHER BE CREATED NOR DESTROYED) (تفصیل کے لیے فہم القرآن جلد ۲: الاعراف: ۵۴ کی تفسیر دیکھیں)

آسمانی کتابوں پر یقین رکھنے والے عیسائی، یہودی اور مسلمان سائنسدان اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اس کائنات کی ابتدا کرنے والا ’’اللہ‘‘ ہے اور اسی کے حکم سے بِگ بینگ (BIG BANG) ہوا۔ اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا

کائنات کو قائم رکھے گا اور جب چاہے گا اسے فنا کرڈالے گا۔ اس کے بعد قیامت قائم کرے گا جس میں لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا اور سزا دی جائے گی۔

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ، يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ، بِيَدِي الْأَمْرُ، أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ» (رواہ البخاری: باب [وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ])

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے۔ وہ زمانے کو گالی دیتا ہے اور زمانہ میں ہوں۔ تمام اختیارات میرے پاس ہیں۔ میں ہی دن رات کو بدلتا ہوں۔''

جہاں تک قیامت کا انکار کرنے والوں کا یہ کہنا ہے کہ ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے دکھلایا جائے۔ پہلی بات یہ ہے کہ قیامت کے بارے میں انسان کا عقیدہ یہ ہونا چاہیے کہ اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے اور ہمیں اس پر اعتراض کیے بغیر من وعن ایمان لانا چاہیے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بڑے بڑے انبیائے کرام علیہم السلام کے سامنے مردوں کو زندہ فرمایا اور اس زمانے کے لوگوں نے انہیں کھلی آنکھوں کے ساتھ دیکھا لیکن اس کے باوجود قیامت کا انکار کرنے والے اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔ اگر ان لوگوں کے سامنے مردے زندہ کیے جائیں تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ (الاعراف: ١١)

مسائل

١۔ مادہ پرست لوگوں کا عقیدہ ہے کہ انسان کی موت اور زندگی صرف زمانے کے مدّوجزر کی وجہ سے واقع ہوتی ہے۔
٢۔ زمانے کو موت وحیات کا سبب قرار دینے والوں کے پاس عقلی اور علمی دلیل نہیں ہوتی۔
٣۔ قیامت کا انکار کرنے والے سب سے بڑی دلیل یہ دیتے ہیں کہ ہمارے آباؤاجداد کو زندہ کرکے دکھلایا جائے۔
٤۔ اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کو پیدا کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور اسی نے قیامت کے دن سب کو اکٹھا کرنا ہے۔
٥۔ زمین وآسمان کی بادشاہی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور وہی قیامت برپا کرے گا۔
٦۔ قیامت کو جھٹلانے والے قیامت کے دن لا متناہی نقصان پائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

انبیائے کرام علیہم السلام کے سامنے مردوں کا زندہ کیا جانا:

١۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے سامنے چار پرندوں کو زندہ کیا۔ (البقرہ: ٢٦٠)
٢۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے سامنے ان کی قوم کے ستر سرداروں کو موت دے کر دوبارہ زندہ کیا۔ (الاعراف: ١٥٥)
٣۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ہزاروں لوگوں کو موت دے کر دنیا میں دوبارہ زندہ کیا۔ (البقرۃ: ٢٤٣)
٤۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کے ہاتھوں مردوں کو زندہ فرمایا۔ (المائدۃ: ١١٠)
٥۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو تین سو نو سال سلا کر بیدار فرمایا۔ (الکہف: ٢٥)

وَتَرٰی كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى
اورآپ دیکھیں گے ہر امت کو گھٹنوں کے بل ہر امت بلائی جائے گی

اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا
طرف اپنے نامہ اعمال کی آج تم بدلہ دیے جاؤ گے جو تم تھے عمل کرتے یہ

كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا
ہماری کتاب بولتی ہے تم پر سچ کے ساتھ بلاشبہ ہم تھے

نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾
لکھواتے جو تم تھے عمل کرتے

’’اس وقت تم ہر امت کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھو گے ہر امّت کو پکارا جائے گا کہ آئے اور اپنا نامہ اعمال دیکھے، ان سے کہا جائے گا آج تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔(۲۸) یہ ہمارا لکھوایا ہوا اعمال نامہ ہے جو تم پر ٹھیک ٹھیک شہادت دے رہا ہے۔ جو کچھ تم کرتے تھے اسے ہم لکھوائے جا رہے تھے۔‘‘(۲۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کے دن لوگوں کی حالت۔

قیامت کا دن اس قدر ہولناک ہوگا کہ حاملہ اپنا حمل ساقط کر بیٹھے گی اور دودھ پلانے والی اپنے بچے کو پھینک دے گی۔ ربِّ ذوالجلال کے جلال کی وجہ سے لوگ اس طرح حواس باختہ ہوں گے جس طرح نشہ پینے والا حواس باختہ ہوتا ہے۔ حالانکہ کسی نے کوئی نشہ نہیں پیا ہوگا۔ یہ حالت لوگوں کی اس وجہ سے ہوگی کہ اس دن اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی سخت ہوگی (الحج:۲)
لوگ آپس میں بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکیں گے سوائے اس کے کہ وہ ایک دوسرے کی بھنک سنیں گے (طٰہٰ:۱۰۸) خوف کی وجہ سے لوگوں کی آنکھیں نیلی پیلی ہو چکی ہوں گی اور حواس باختگی کی وجہ سے وہ دنیا کی زندگی کے بارے میں کہیں گے کہ ہم دنیا میں صرف دس دن ٹھہرے تھے۔ جو ان میں زیادہ اعتماد کے ساتھ بات کرنے والا ہوگا وہ کہے گا کہ ہم دنیا میں دس دن نہیں بلکہ صرف ایک دن ٹھہرے تھے۔ (طٰہٰ:۱۰۲) قیامت کے دن ایک مرحلہ ایسا آئے گا جب لوگ حساب وکتاب اور ربِ ذوالجلال کے خوف کی وجہ سے گھٹنوں کے بل ٹیڑھے کھڑے ہوں گے۔ اس حالت میں ہر جماعت اپنے اعمال نامے کی طرف بلائی جائے گی اور اعلان ہوگا کہ آج تمہیں تمہارے کیے کی جزا یا سزا دی جائے گی۔ ہماری کتاب تمہارے بارے میں جو بیان کرے گی وہ سچ ہوگا۔ یہ اس لیے ہے کہ جو کچھ تم دنیا میں کرتے تھے ہم اسے تحریر کروایا کرتے تھے۔ جونہی لوگوں کو ان کے اعمال نامے ملیں گے تو لوگ اپنا اپنا ردِّ عمل ظاہر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر وضاحت فرمائی ہے کہ ہماری طرف سے جو اعمال نامے لوگوں کو دیے جائیں گے وہ ہر انسان کو بول بول کر بتلائے گا کہ تو کیا عمل کرتا رہا

ہے۔آج سے کچھ صدیاں پہلے بے شمار لوگ اس بات پر گمراہ ہوئے کہ انسان کے اعمال کا وزن نہیں ہو سکتا۔اور لوگ یہ بھی سمجھنے کے لیے تیار نہ تھے کہ قیامت کے دن کھربوں لوگوں کے اعمال نامے کس طرح ان تک پہنچ جائیں گے۔الحمد للہ جدید ٹیکنالوجی نے سب کچھ سچ کر دکھایا اور نہ معلوم آئندہ کیا کیا چیزیں ایجاد ہوں گی اور کس کس انداز میں قیامت کی تصدیق ہو گی۔جہاں تک اعمال نامے بولنے کا تعلق ہے آج ڈیجیٹل سی ڈی کا ایک ایک لفظ بولتا سنائی دیتا ہے۔اور بولنے کی شکل اور پوز (POSE) بھی دکھائی دیتے ہیں۔ای میل کے ذریعے ہزاروں میلوں دور کی معلومات ایک، ایک لمحہ میں دوسرے تک پہنچ رہی ہیں۔جس رب نے انسان کو یہ صلاحیت بخشی ہے کیا وہ سب کچھ نہیں کر سکتا؟

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُعْرَضُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلاَثَ عَرَضَاتٍ فَأَمَّا عَرْضَتَانِ فَجِدَالٌ وَمَعَاذِيرُ وَأَمَّا الْعَرْضَةُ الثَّالِثَةُ فَعِنْدَ ذٰلِكَ تَطِيرُ الصُّحُفُ فِي الأَيْدِي فَآخِذٌ بِيَمِينِهِ وَآخِذٌ بِشِمَالِهِ)) (رواہ الترمذی: باب ماجاء فی العرض [ضعیف])

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں کو تین مرتبہ پیش کیا جائے گا۔دو پیشیاں لڑائی جھگڑوں اور عذروں کے بارے میں ہوں گی اور تیسری پیشی اس وقت ہوگی جب صحیفے اڑ کر ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے۔کچھ لوگ اسے دائیں ہاتھ سے پکڑنے والے ہوں گے اور کچھ لوگ اسے بائیں ہاتھ سے پکڑنے والے ہوں گے۔“

قرآن مجید نے یہ بھی بتلایا ہے کہ جرائم کے اعتبار سے مجرموں کی درجہ بندی کی جائے گی۔ہو سکتا ہے کہ درجہ بندی کے حوالے سے لوگوں کو اعمال نامے دیئے جائیں۔جس کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔”كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا“ کہ ہر امت اپنے، اپنے اعمال نامے کی طرف بلائی جائے گی۔

مسائل

١۔ قیامت کے خوف اور ربِ ذوالجلال کے جلال کی وجہ سے لوگ گھٹنوں کے بل کھڑے ہوں گے۔

٢۔ ہر جماعت کو اس کے اعمال نامے کی طرف بلایا جائے گا۔ ٤۔ ہر کسی کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔

٣۔ لوگوں کے اعمال نامے ٹھیک ٹھیک انداز میں سب کچھ بتلائیں گے جو کچھ وہ دنیا میں کیا کرتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

اعمال ناموں کی کیفیت:

١۔ ہر کوئی اپنا اعمال نامہ دیکھے گا اور کہے گا یہ کیسا اعمال نامہ ہے؟ جس میں کوئی چھوٹی بڑی بات نہیں چھوڑی گئی۔(الکھف: ٤٩)

٢۔ قیامت کے دن ہر کسی کا اعمال نامہ اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا۔(بنی اسرائیل: ١٣)

٣۔ جس کو اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا وہ اپنے اعمال نامے کو پڑھے گا اور اس پر ظلم نہ ہوگا۔(بنی اسرائیل: ٧١)

فَاَمَّا	الَّذِیۡنَ	اٰمَنُوۡا	وَ عَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	فَیُدۡخِلُهُمۡ	رَبُّهُمۡ
پھرلیکن	وہ لوگ جو	ایمان لائے	اورانہوں نے عمل کیے	نیک	تو داخل کرے گا ان کو	ان کا رب
فِیۡ رَحۡمَتِهٖ	ذٰلِكَ		هُوَ	الۡفَوۡزُ	الۡمُبِیۡنُ ﴿۳۰﴾	وَ اَمَّا
اپنی رحمت میں	یہ ہے		وہ	کامیابی	واضح	اورلیکن
الَّذِیۡنَ	كَفَرُوۡا	اَفَلَمۡ	تَكُنۡ	اٰیٰتِیۡ	تُتۡلٰی	عَلَیۡكُمۡ
وہ جنہوں نے	کفرکیا	کیا پھرنہیں	تھیں	میری آیتیں	تلاوت کی جاتی	تم پر
فَاسۡتَكۡبَرۡتُمۡ		وَ كُنۡتُمۡ		قَوۡمًا	مُّجۡرِمِیۡنَ ﴿۳۱﴾	
توتم نے تکبر کیا		اورتم تھے		لوگ	مجرم	

’’پھر جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تھے انہیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا یہ واضح کامیابی ہے۔(۳۰)
اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا ان سے کہا جائے گا کیا میری آیات تم کو نہیں سنائی جاتی تھیں؟ تم نے تکبر کیا اور مجرم بن کر رہے۔‘‘(۳۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: لوگوں کو ملنے والے اعمال ناموں کا نتیجہ۔

جولوگ سچے دل کے ساتھ ایمان لائے اور صالح اعمال کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے دامن میں لیے لیا اس کے لیے بہت بڑی کامیابی ہوگی اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جھڑکنے کے انداز میں استفسار فرمائے گا۔ کیا میرے ارشاد تم تک نہیں پہنچے تھے؟ لیکن تم نے ان کے ساتھ تکبر کیا اور تم مجرم ٹھہرے۔ یقیناً قیامت کے دن مجرموں کو ان کے جرم کے مطابق سزا ہوگی اور کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوگی۔ ان کے مقابلے میں نیک لوگوں کو نہ صرف ان کے ایمان اور اعمال کی جزا دی جائے گی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی طرف سے بے انتہا اجر سے سرفراز فرمائے گا یہ سراسر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تذکرہ کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رب کی رحمت کے بغیر کوئی شخص جنت میں نہیں جا سکتا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے استفسار کیا۔ کیا آپ بھی ربِ کریم کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: میں بھی اپنے رب کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جا سکتا۔ آپ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ ربِ کریم کے کرم کے بغیر نہ کوئی ایمان لا سکتا ہے اور نہ ہی صالح اعمال کی توفیق مل سکتی ہے۔ ’’اللہ‘‘ ہی نیک اعمال قبول کرنے والا ہے اس لیے انسان جنت میں صرف ربِ کریم کی رحمت کے ساتھ ہی داخل ہو پائے گا۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَنْ يُدْخِلَ أَحَدًا عَمَلُهُ الْجَنَّةَ قَالُوْا وَلَآ أَنْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا وَلَآ أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِفَضْلٍ وَّرَحْمَةٍ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَلَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ إِمَّامُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَزْدَادَ خَيْرًا وَإِمَّا مُسِيْئًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَسْتَعْتِبَ)) (رواہ البخاری: کتاب المرضی، باب تمنی المریض الموت)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ کسی کو اس کے عمل جنت میں داخل نہیں کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! آپ بھی آپ نے فرمایا: ہاں! میں بھی نہیں۔ سوائے اس کے کہ اللہ اپنے فضل و رحمت سے مجھے نوازے۔ اس لیے میانہ روی اختیار کرو اور قریب قریب چلو۔ تم میں کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے کیونکہ نیک ہوگا تو اس کے اعمال میں اضافہ ہوجائے گا۔ وہ برا ہے تو ممکن ہے وہ توبہ کرلے۔''

مسائل

۱۔ سچا ایمان اور صالح اعمال رکھنے والے اپنے رب کی رحمت کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے۔

۲۔ جنت میں داخل ہونا بہت بڑی کامیابی ہوگی۔

۳۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ قیامت کے دن مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے ہوں گے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے ارشادات کے ساتھ کفر کرنے کا بنیادی سبب تکبر ہی ہوا کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نیک لوگوں کی جزا اور بُرے لوگوں کی سزا:

۱۔ جس نے ذرہ برابر نیکی کی وہ اس کو دیکھ لے گا۔ جس نے ذرہ برابر برائی کی وہ بھی اس کو دیکھ لے گا۔ (الزلزال: ۷ تا ۸)

۲۔ جو ایک نیکی کرے گا اس کو دس نیکیوں کا بدلہ ملے گا جو برائی کرے گا اس کی سزا صرف اتنی ہی ہوگی۔ (الانعام: ۱۶۰)

۳۔ برائی کا بدلہ اس کی مثل ہی ہوگا۔ (القصص: ۸۴) ۴۔ برائیوں میں مرنے والے کے لیے جہنم ہے۔ (البقرۃ: ۱۷)

۵۔ جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اس کی سزا جہنم ہے۔ (النازعات: ۳۷)

۶۔ اللہ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہوا کرتی ہے۔ (الاعراف: ۵۶) ۷۔ مصلحین کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ (الاعراف: ۱۷۰)

۸۔ نیک عمل کرنے والے کا عمل برباد نہیں ہوگا۔ (الکہف: ۳۰) ۹۔ نیکوکار کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ (التوبۃ: ۱۲۰)

وَاِذَا	قِيلَ	اِنَّ	وَعۡدَ	اللّٰهِ	حَقٌّ	وَّالسَّاعَةُ
اور جب	کہا جاتا	کہ بلاشبہ	وعدہ	اللہ کا	حق ہے	اور قیامت
لَا رَيۡبَ	فِيهَا	قُلۡتُمۡ	مَّا نَدۡرِىۡ	مَا	السَّاعَةُ	اِنۡ
نہیں کوئی شک	اس میں	تم نے کہا	نہیں ہم جانتے	کیا ہے	قیامت	نہیں
نَّظُنُّ	اِلَّا	ظَنًّا	وَّمَا	نَحۡنُ	بِمُسۡتَيۡقِنِيۡنَ ﴿۳۲﴾	وَبَدَا
ہم خیال کرتے	مگر	ایک گمان	اور نہیں	ہم	یقین کرنے والے	اور ظاہر ہو جائیں گی
لَهُمۡ	سَيِّاٰتُ	مَا عَمِلُوۡا	وَحَاقَ	بِهِمۡ	مَّا	كَانُوۡا بِهٖ
ان کے سامنے	برائیاں	جو انہوں نے عمل کیے	اور گھیر لے گا	ان کو	جو	وہ تھے اس کے ساتھ

”اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہوتی ہے ہم تو بس ایک گمان سا رکھتے ہیں ہمیں یقین نہیں تھا۔ (۳۲) اس وقت ان پر ان کی کی ہوئی برائیاں کھل جائیں گی اور وہ اسی کے پھیر میں آجائیں گے جس کا وہ

فہم القرآن

ربطِ کلام: مجرموں کے تکبر کا نتیجہ تھا کہ وہ قیامت کے بارے میں شک کا اظہار کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کے ذریعے یہ اعلان کروایا کہ لوگو! قیامت کا برپا ہونا یقینی ہے مگر تکبر کرنے والوں کو جب بھی کہا جائے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے کہ قیامت ہر صورت قائم ہوگی۔ تو متکبر لوگ شک کی بنا پر کہتے ہیں کہ ہم نہیں سمجھتے کہ قیامت قائم ہوگی۔ یہ محض خیالی باتیں ہیں اس لیے ہمیں ان پر یقین نہیں آتا۔ حالانکہ ان لوگوں کی بے یقینی کے باوجود قیامت قائم ہوگی اور ان کے سامنے ان کے برے اعمال پیش کر دیئے جائیں گے۔ جس قیامت کا وہ مذاق اڑاتے ہیں وہی انہیں گھیر لے گی انہیں کہا جائے گا کہ اس دن کی ملاقات کو تم نے فراموش کیا ہوا تھا آج ہم بھی تمہیں فراموش کیے دیتے ہیں۔ تمہارا ٹھکانہ آگ ہے اب کوئی بھی تمہاری مدد نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ تم اللہ کی آیات کو مذاق کرتے تھے اور تمہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں مبتلا کر دیا تھا۔ آج یہ لوگ نہ جہنّم سے نکالے جائیں گے اور نہ ہی ان کی توبہ قبول کی جائے گی۔ مجرموں کو فراموش کر دینے کا معنٰی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دے گا۔ ان کے جرائم میں یہ جرم بھی شامل ہوں گے۔

① قیامت کے بارے میں شک کرنا۔

② مجرموں کا یہ کہنا کہ قیامت کے دن فلاں فلاں بزرگ ہماری مدد کریں گے۔

③ اللہ تعالیٰ کے ارشادات کو مذاق کرنا۔

لِقَآءَ	نَسِيتُمْ	كَمَا	نَنسٰكُمْ	الْيَوْمَ	وَقِيلَ	يَسْتَهْزِءُونَ ۝٣٣
ملاقات کو	تم بھول گئے	جیسے	ہم بھول جائیں گے تمہیں	آج	اور کہا جائے گا	مذاق کرتے

لَكُمْ	وَمَا	النَّارُ	وَمَاْوٰكُمُ	هٰذَا	يَوْمِكُمْ
تمہارے لیے	اور نہیں	آگ ہے	اور تمہارا ٹھکانا	یہ	اپنے اس دن کی

اللّٰهِ	اٰيٰتِ	اتَّخَذْتُمْ	بِاَنَّكُمُ	ذٰلِكُمْ	مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝٣٤
اللہ کی	آیات کو	بنالیا	بہ سبب کہ بیشک تم نے	یہ	کوئی مددگار

يُخْرَجُوْنَ	لَا	فَالْيَوْمَ	الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ج	وَّغَرَّتْكُمُ	هُزُوًا
وہ نکالے جائیں گے	نہ	لہٰذا آج	دنیاوالی زندگی نے	اور تمہیں دھوکے میں ڈال دیا	مذاق

يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝٣٥	هُمْ	وَلَا	مِنْهَا
توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا	ان سے	اور نہ	اس سے

مذاق اڑایا کرتے تھے۔(۳۳)اوران سے کہہ دیا جائے گا کہ آج ہم بھی تمہیں اسی طرح بھلائے دیتے ہیں جس طرح تم اس دن کی ملاقات کو بھول گئے تھے تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کوئی تمہاری مدد کرنے والا نہیں ہے۔(۳۴)یہ تمہارا انجام اس لیے ہوا ہے کہ تم نے اللہ کی آیات کو مذاق بنالیا اور تمہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا تھا۔لہٰذا آج نہ وہ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے کہا جائے گا کہ معافی مانگ کر اپنے رب کو راضی کرلو۔"(۳۵)

④ دنیا کی زندگی سے دھوکہ کھانا اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو فراموش کردینا۔

یہ چاروں جرائم ایسے ہیں کہ ہر جرم انسان کو جہنّم میں لے جانے والا ہے۔جب یہ لوگ جہنّم کی آگ میں جھونکے جائیں گے تو اس سے نکلنے کی تمنا کریں گے اور اپنے رب سے بار بار معافی مانگیں گے۔نہ ان کی توبہ قبول ہوگی اور نہ ہی انہیں جہنّم سے نکالا جائے گا۔کیونکہ ان میں ہر جرم کی سزا دائمی ہوگی۔

مسائل

۱۔ قیامت کے دن مجرموں کا ہر جرم ان کے سامنے کردیا جائے گا۔ ۲۔جس قیامت کا مجرم انکار کرتے ہیں وہی انہیں گھیر لے گی۔

۳۔ جس طرح مجرم اپنے رب کی ملاقات کو بھولے ہوئے تھے اسی طرح انہیں بھلا دیا جائے گا۔

۴۔ جولوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کو مذاق کرتے ہیں اور دنیا کی زندگی پر مطمئن ہوتے ہیں نہ ان کی توبہ قبول ہوگی اور نہ انہیں جہنّم سے نکالا جائے گا۔

فَلِلّٰهِ	الْحَمْدُ	رَبِّ	السَّمٰوٰتِ	وَرَبِّ	الْاَرْضِ
پس اللہ کے لیے	سب تعریفیں ہیں	جو رب ہے	آسمانوں کا	اور رب ہے	زمین کا
رَبِّ	الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۶﴾	وَلَهُ	الْكِبْرِیَآءُ	فِی	السَّمٰوٰتِ
رب ہے	سارے جہانوں کا	اور اسی کے لیے ہے	بڑائی	میں	آسمانوں
وَالْاَرْضِ ۠	وَهُوَ	الْعَزِیْزُ	الْحَكِیْمُ ﴿۳۷﴾ ع		
اور زمین	اور وہ	نہایت غالب	خوب حکمت والا ہے		

''پس تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہے جو زمین اور آسمانوں کا مالک اور سارے جہان والوں کا پروردگار ہے۔(۳۶) زمین اور آسمانوں میں بڑائی اسی کے لیے ہے اور وہی زبردست اور حکیم ہے۔''(۳۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام : الجاثیہ کی آیت ۳۲ میں ارشاد ہوا ہے کہ ''اللہ'' کا وعدہ سچا ہے کہ قیامت ہر صورت برپا ہوگی مگر قیامت کے منکر اس پر ایمان لانے کی بجائے اسے مذاق کا نشانہ بناتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کے اسباب پر اتراتے ہیں۔ حالانکہ ہر قسم کی بڑائی اور کبریائی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو ہر اعتبار سے غالب اور حکمت والا ہے۔

''اللہ'' ہی کے لیے تمام تعریفات ہیں جو آسمانوں، زمینوں اور پوری کائنات کا رب ہے۔ زمین و آسمانوں میں ہر قسم کی کبریائی اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر غالب ہے اس کے ہر کام میں حکمت پائی جاتی ہے۔ یہاں پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے تین مرتبہ ''رب'' کا لفظ استعمال کیا اور فرمایا کہ تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق زمین و آسمانوں اور جو ان کے درمیان موجود ہے۔ وہ ''الْعٰلَمِیْنَ'' میں شامل ہے۔ ''الْعٰلَمِیْنَ'' کا لفظ استعمال فرما کر اپنی ساری مخلوقات کا احاطہ کر لیا ہے۔ جس کے بارے میں اس کا ارشاد ہے کہ میری مخلوقات کو میرے سوا کوئی نہیں جانتا (المدثر:۳۱)

لفظ رب کے چار معانی ہیں۔ خالق، رازق، مالک اور بادشاہ یہاں بار، بار رب کا لفظ استعمال فرما کر ثابت کیا ہے کہ زمین و آسمان اور پوری کائنات کا صرف ایک ہی رب ہے۔ جب پوری کائنات کا ایک ہی رب ہے تو ہر قسم کی کبریائی اسی کو زیب دیتی ہے۔ وہ ہر اعتبار سے غالب ہے اور اس کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔ جب کبریائی صرف اسی کو زیب دیتی ہے تو پھر انسان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے رب کی ذات اور اس کے احکامات کے سامنے سرنگوں ہو جائے۔ انسان کے لیے اسی میں دنیا اور آخرت کی بہتری ہے۔ جو لوگ اس کی ذات اور احکامات کے ساتھ تکبر کرتے ہیں انہیں سوچ لینا چاہیے کہ وہ اپنے رب کے سامنے کتنے بے بس ہیں اور ہوں گے۔

«عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدَرِيِّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہما قَالاَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْعِزُّ إِزَارُهُ وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَاؤُهُ فَمَنْ يُنَازِعُنِي عَذَّبْتُهُ» (رواه مسلم: کتاب البر والصلة والآداب باب تحريم الكبر)

”حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عزت اللہ تعالیٰ کا ازار ہے اور کبریائی اس کی چادر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جوان کو مجھ سے چھینے گا میں اس کو عذاب دوں گا۔“

«عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْثَالَ الذَّرِّ فِيْ صُوَرِ الرِّجَالِ يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَيُسَاقُوْنَ إِلَى سِجْنٍ فِيْ جَهَنَّمَ يُسَمَّى بُوْلَسَ تَعْلُوْهُمْ نَارُ الْأَنْيَارِ يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ أَهْلِ النَّارِ طِيْنَةَ الْخَبَالِ»

(رواه الترمذی: کتاب صفة القيامة والرقائق والورع [حسن])

”حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے باپ سے نبی کریم ﷺ کا ارشاد بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن متکبر لوگ چیونٹیوں کی صورت میں لائے جائیں گے انہیں ہر طرف سے ذلت ڈھانپے ہوئے ہوگی اور انہیں بولس نامی جہنم میں ڈالا جائے گا۔ ان پر آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہوں گے اور انہیں جہنمیوں کے زخموں کی پیپ پلائی جائے گی۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی زمین وآسمانوں اور پوری کائنات کا رب ہے۔
۲۔ زمین وآسمانوں میں اللہ ہی کو کبریائی زیب دیتی ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے غالب اور اس کے ہر کام میں حکمت پائی جاتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے غالب ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنے ہر کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف:۲۱)
۲۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو حکم کرتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ (البقرۃ:۱۱۷)
۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہے اس نے اپنے بندوں کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر کیے ہیں۔ (الانعام:۶۱)
۴۔ زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے وہ غالب، حکمت والا ہے۔ (الحشر:۱)
۶۔ اللہ تعالیٰ قوی اور غالب ہے۔ (المجادلۃ:۲۱) ۷۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (البقرۃ:۲۰)

فہم القرآن

جلد ششم

میاں محمد جمیل
پرنسپل ابوہریرہ شریعہ کالج

ابوہریرہ اکیڈمی

۳۷ - کمرشل کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہم القرآن

میاں محمد جمیل
ایم۔اے
فاضل اُردو۔علوم اسلامیہ

جلد ششم

ابوہریرہ اکیڈمی
۳۷۔ کمرشل کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

فہم القرآن

حقوق بحق مفسر

از قلم ______ میاں محمد جمیل

جلد ششم ______ پارہ 26 تا پارہ 30

اشاعتِ اول ______ جون 2013ء

قیمت ______

ملنے کے پتے

نعمانی کتب خانہ۔ اسلامی اکیڈمی۔ محمدی کتب خانہ

مکتبہ دارالسلام، سلفیہ، رحمانیہ، اسلامیہ، قدوسیہ۔ اردو بازار لاہور

ناشر

ابوہریرہ اکیڈمی

۳۷۔ کمرشل کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

0423-5417233

أعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

جلد ششم

فہم القرآن

پارہ: 26

سورۃ الاحقاف، محمدﷺ، الفتح، الحجرات، ق، الذّاریات آیت ۱ تا ۳۰

پارہ: 27

الذّاریات آیت ۳۱ تا آخر، الطّور، النّجم، القمر، الرّحمٰن، الواقعہ، الحدید

پارہ: 28

المجادلہ، الحشر، الممتحنہ، الصّف، الجمعہ، المنّافقون، التّغابن، الطّلاق، التّحریم

پارہ: 29

الملک، القلم، الحآقہ، المعارج، نوح، الجنّ، المزّمل، المدّثر، القیامہ، الدّہر، المرسلات

پارہ: 30

النّبا، النّازعات، عبس، التّکویر، الانفطار، المطفّفین، الانشقاق، البروج
الطّارق، الاعلیٰ، الغاشیہ، الفجر، البلد، الشّمس، الیل، الضّحیٰ، الانشراح، التّین
العلق، القدر، البیّنہ، الزلزال، العادیات، القارعہ، التّکاثر، العصر، الھمزہ، الفیل
قریش، الماعون، الکوثر، الکافرون، النّصر، اللّھب، الاخلاص، الفلق، النّاس

تفسیر فہم القرآن کا تعارف

رسولِ محترم ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں مرکزی مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ لوگوں کے سامنے عملی نمونہ پیش کریں اور اپنی زبانِ اطہر سے قرآن مجید کی تشریح اور تفسیر فرمائیں۔ جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے براہِ راست سیکھا، سمجھا اور اس پر عمل کیا۔ جہاں تک تفسیر قرآن کا تعلق ہے آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو قرآن فہمی کی دعا سے سرفراز فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اولاد اور شاگردوں کو قرآن پڑھایا اور سمجھایا۔ اس طرح قرآنِ مجید کی تعلیم تحریر، تقریر اور تدریس کے ذریعے نسل در نسل جاری رہی تا آنکہ 270 ہجری میں علامہ ابو جعفر ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے چالیس سال کی جدوجہد سے مسودات اور مختلف اہلِ علم سے استفادہ فرماکر تیس جلدوں پر محیط تفسیر جامع البیان لکھی جو تفسیر ابن جریر کے نام سے معروف ہے۔ ان کے بعد حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمٰعیل بن کثیر رحمہ اللہ المعروف امام ابن کثیر نے تفسیر ابن کثیر رقم فرمائی جو تمام مسالک کے نزدیک ممتاز اور منفرد تفسیر سمجھی جاتی ہے۔ بعد ازاں ہر دور اور ہر زبان میں قرآن مجید کی تفاسیر لکھی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ برصغیر میں انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کی ابتدا میں تراجم اور تفاسیر کا بے شمار ذخیرہ اردو زبان میں پیش کیا گیا جو علمی اور اسنادی اعتبار سے عربی کے سوا تمام زبانوں میں لکھی جانے والی تفاسیر پر حاوی ہے۔ ماضی قریب میں تفہیم القرآن، تدبر قرآن، معارف القرآن، تفسیر ثنائی، تیسیر القرآن، ضیاء القرآن کے مؤلفین نے اپنے اپنے انداز اور نقطۂ نگاہ سے فرقانِ حمید کی تفسیریں لکھیں جو اردو زبان میں ممتاز تفاسیر شمار ہوتی ہیں۔

فہم القرآن اور اعترافِ حقیقت

تفسیر کا نام سورۃ الانبیاء کی آیت 79 ﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ﴾ سے لیا گیا ہے۔ میں اس سچائی کا محض روایتی اور عاجزانہ نہیں بلکہ حقیقت پسندانہ اعتراف کرتا ہوں کہ خدمتِ قرآن کی چودہ سو سالہ تاریخ میں مجھ سے کم علم آدمی کوئی نہیں گزرا ہوگا کہ جس نے قرآن مجید کے کسی پہلو پر قلم اٹھایا ہو۔ میں نے بزرگوں کی خوشہ چینی کے سوا کچھ نہیں کیا۔ میرے کام میں حسن و خوبی کا کوئی پہلو دکھائی دے تو وہ اللہ کے فضل و کرم کا نتیجہ اور متقدمین کی پرخلوص کوششوں کا ثمرہ ہے۔ کوتاہی اور کمزوری کو میری کم علمی اور کوتاہ فہمی تصور کرتے ہوئے آگاہ کیا جائے تاکہ اس کی تصحیح کی جائے۔ اپنے مختصر تدریسی تجربہ اور تفاسیر کا مطالعہ کرتے ہوئے چند باتوں کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ضروری سمجھا کہ اگر درج ذیل باتیں تفسیر میں جمع کر دی جائیں تو عوام الناس، طلبہ اور مبتدی خطباء کے لیے نہایت مفید اور بہتر ہوگا۔

فہم القرآن کی خصوصیات

(۱) بامحاورہ کے ساتھ لفظی ترجمہ (۲) آیات اور سورتوں کا باہمی ربط (۳) ہر آیت کے الگ الگ مسائل کی نشاندہی۔

(۴) تفسیر بالقرآن کے حوالے سے ہر آیت کے مرکزی مضمون سے متعلقہ چند آیات کا حوالہ۔

آپ کی خدمت میں

قاری حضرات سے گزارش ہے کہ لفظی ترجمہ کی بجائے رواں ترجمہ سے استفادہ کریں کیونکہ لفظی ترجمہ میں باہم ربط نہ ہونے کی وجہ سے کہیں الجھن پیش آسکتی ہے۔ لفظی ترجمہ ان حضرات کے لیے زیادہ مفید ہے جو تعلیم و تعلم سے وابستہ ہیں۔

مفسّر کا تعارف

میاں محمد جمیل بن میاں محمد ابراہیم گوہڑ چک 8 پتوکی (قصور) اپریل 1947ء آرائیں فیملی میں پیدا ہوئے۔ حفظِ قرآن اور سکول کی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ اس کے بعد تجوید قرآن جامعہ محمدیہ اور درسِ نظامی کی تعلیم جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ سے پائی بعد ازاں وفاق المدارس کیا اور دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ایم۔ اے اسلامیات اور فاضل اردو کی ڈگریاں حاصل کیں۔ فراغتِ تعلیم کے بعد لاہور میں کاروبار کرنے کے ساتھ ساتھ جون 1986ء میں جامع مسجد ابوہریرہ کریم بلاک اقبال ٹاؤن کی بنیاد رکھی اور اعزازی خطابت کی ذمہ داری سنبھالی۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ شریعہ کالج

1997ء میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ شریعہ کالج کی بنیاد رکھی۔ اب تک (2013ء) ملک میں واحد ادارہ ہے جس میں میٹرک پاس طلبہ کو چار سال میں درسِ نظامی اور بی۔ اے (Compulsoy) کروایا جاتا ہے۔ ابوہریرہ شریعہ کالج سے فارغ التحصیل طلبہ مساجد اور مدارس میں تبلیغِ دین کی خدمت سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ فوج، پولیس، میڈیا، ایجوکیشن اور ایل ایل بی کرنے کے بعد ہائی کورٹ میں پریکٹس (Practice) کر رہے ہیں۔

جماعتی زندگی

1987ء میں مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان کے سیکرٹری اطلاعات اور 1996ء سے لے کر 2002 تک مرکزی جمعیت اہلحدیث کے سیکرٹری جنرل رہے۔ سیکرٹری شپ کا دوسرا دور ختم ہونے پر آئندہ ذمہ داری سنبھالنے سے معذرت کی اور اپنے آپ کو تعلیم و تصنیف کے ساتھ وابستہ کیا۔ دیگر کتب تالیف کرنے کے بعد 2005ء عیدالاضحیٰ کے بعد تفسیر فہم القرآن کا آغاز کیا اس کی تکمیل سوا سات سال میں ہوئی جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبولیت کے شرف سے سرفراز فرمائے اور اس کام میں معاون بننے والے حضرات کے لیے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین یارب العٰلمین۔

تحریک دعوتِ توحید پاکستان

خلافت کی تحریک ہو یا جہاد فی سبیل اللہ، شانِ صحابہ ہو یا وطن عزیز کی سالمیت اور حقوقِ انسانیت کا تحفظ۔ سب کی افادیت درجہ بہ درجہ لیکن تحریک دعوتِ "توحید" کی عظمت و برکات کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تحریک دعوتِ توحید کا آغاز 2006ء کے رمضان المبارک کے بعد کیا گیا۔ تحریک کا مقصد اللہ کی رضا، رسالت مآب ﷺ سے وفا اور بندوں کو اللہ تعالیٰ کی خالص بندگی پر آمادہ کرنا ہے۔ اسی کے لیے انبیاء کرام دنیا میں تشریف لائے اور یہی قرآن مجید کی دعوت کی مرکزی اساس ہے اسی پر آدمی کی نجات کا دارومدار ہے لہٰذا توحید سمجھیں، اسے آگے پھیلائیں اور اس کے تقاضے پورے کریں تاکہ ہمارے اخلاق، اعمال سنور جائیں اور ہم جنت کے وارث قرار پائیں۔ یہ کوئی الگ اور مستقل جماعت نہیں اس لیے آپ اپنی اپنی جماعتوں اور منصب پر رہتے ہوئے اس کے ساتھ اخلاقی، علمی اور تبلیغی تعاون فرمائیں تاکہ لوگ شرک اور اس کے نقصانات سے بچیں اور دنیا اور آخرت میں توحید کی برکات سے سرفراز ہوسکیں۔

میاں محمد جمیل

کنوینر تحریک دعوتِ توحید پاکستان

عنوانات جلد ششم

پارہ......(۲۶)

پارہ......(۲۷)

پارہ......(۲۹)

پارہ......(۳۰)

مضامین جلد ششم

پارہ......(۲۶)

پارہ............(۲۷)

پارہ......(۲۸)

پارہ......(۳۰)

سورۃ الاحقاف کا تعارف

اس سورت کا نام اس کی آیت ۲۱ میں موجود ہے۔ یہ سورت ۴ رکوع اور ۳۵ آیات پر مشتمل ہے اور مکہ میں نازل ہوئی اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ یہ سورت ہجرت سے تقریباً تین سال پہلے اس وقت نازل ہوئی جب نبی علیہ السلام طائف تشریف لے گئے اور طائف والاوں نے آپ کے ساتھ بدترین سلوک کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے رویے سے مایوس ہو کر مکہ واپس آ رہے تھے کہ راستے میں جِنّات کی ایک جماعت نے آپ سے ملاقات کی اور آپ نے انہیں توحید کی دعوت دی۔ جنات نے جب آپ کی دعوت کو سنا تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اس قرآن کو نہایت خاموشی کے ساتھ سنو کیونکہ یہ ایسی کتاب ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے اور تورات کی تصدیق کرنے والی ہے۔ یہ کتاب حق بات اور صراط مستقیم کی راہنمائی کرتی ہے۔ جِنّات نے اپنے ساتھیوں سے یہ بھی کہا کہ اے ہماری قوم کے لوگو! تمہیں اس داعی کی دعوت کو ضرور قبول کرنا لینا چاہیے۔ اس سے اللہ تعالی تمہارے گناہ معاف کریں گے اور تمہیں عذاب علیم سے نجات دیں گے۔ اس سورت کی ابتدا میں اللہ تعالی نے اہل مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کیا تم غور نہیں کرتے کہ جن کو تم اللہ تعالی کے سواہ پکارتے ہو انہوں نے زمین میں کون سی چیز پیدا کی ہے؟ یا وہ آسمانوں کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے معاون تھے؟ اگر تمہارے پاس اس بات کا عقلی یا نقلی ثبوت ہے تو پیش کرو۔ یاد رکھو اس شخص سے بڑھ کر کوئی گمراہ نہیں ہو سکتا۔ جو اللہ تعالیٰ کے سواہ دوسروں سے مانگتا ہے اور انھیں مشکل کے وقت پکارتا ہے ان کی حالت یہ ہے کہ وہ قیامت تک مانگنے والوں کی دعاؤں اور صداؤں سے غافل ہیں۔ قیامت کے دن انہیں ایک دوسرے کے سامنے اکٹھا کیا جائے گا تو وہ اپنے پکارنے والوں کی پکار سے انکار کریں گے اس کے بعد یہ ارشاد ہوا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرمائیں کہ میں کوئی نیا اور انوکھا رسول نہیں ہوں اور نہ ہی میں کوئی انوکھی تعلیم دیتا ہوں میں وہی دعوت دے رہا ہوں جو پہلے انبیاء کرام کی دعوت ہے۔ میں اللہ تعالی کا بھیجا ہوا رسول ہوں میں نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے بے شک جو لوگ اللہ کی توحید پر استقامت اختیار کریں گے انہیں کوئی خوف وخطر نہیں ہوگا توحید اور نبی کی رسالت بیان کرنے کے بعد والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا اور بتلایا کہ اولاد افکار اور کردار کے لحاظ سے دو قسم کی ہوتی ہے ایک اولاد وہ ہے جو اپنے رب کا حکم مان کر اپنے والدین کے ساتھ نہ صرف حسن سلوک کرتی ہے بلکہ ان کے لیے دعا گو رہتی ہے، دوسری اولاد وہ ہے جو اپنے ماں باپ کی نافرمان اور قیامت کا انکار کرتی ہے اور قیامت کے عقیدہ کو پہلے لوگوں کی کہانیاں سمجھتی ہے اس سورت کے آخر میں اللہ تعالی نے قوم عاد کا شرکیہ عقیدہ بیان کرنے کے بعد انکے انجام کا ذکر کیا اور اہل مکہ کو سمجھایا ہے کہ جب قوم عاد پر بُرا وقت آیا تھا تو انکے خداؤں نے ان کی کوئی مدد نہیں کی تھی جب تم پر برا وقت آئے گا تو تمہاری مدد کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔ سورۃ الاحقاف کا اختتام اس بات پر کیا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے انبیاء کی طرح صبر و حوصلہ سے کام لو اور جلد بازی سے اجتناب کرو جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ٹھکراتے ہیں۔ وقت آئے گا کہ قیامت کے خوف کی وجہ سے وہ کہیں گے کہ ہم دنیا میں تھوڑی ہی مدت رہے تھے۔ نافرمانوں کے لیے اس دن ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا: ٣٥ رُكُوْعَهَا: ٤

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم کرنے والا ، نہایت مہربان ہے

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ②

حٰمٓ	نازل کرنا	کتاب کا	سے	اللہ	جونہایت غالب	خوب حکمت والا

’’حٰمٓ (۱) یہ کتاب ’’اللہ‘‘ زبردست اور خوب حکمت والے کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔‘‘(۲)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورہ الجاثیہ کے آخر میں ارشاد ہوا ہے کہ جس رب نے زمین وآسمان پیدا کیے ہیں وہی رب العالمین ہے اور زمین و آسمانوں میں صرف وہی ایک کبریا ہے۔ الاحقاف کا آغاز اس بات سے ہوا ہے کہ اس کی کبریائی کا عالم یہ ہے کہ زمین وآسمانوں میں کوئی ایسی ہستی نہیں جو کسی چیز کی تخلیق میں اس کی شریک ہو یا اسے اس کی خدائی میں کوئی اختیار حاصل ہو۔

حٰم سورتوں میں سے ساتویں سورت ہے ۔حٰم کا لفظ حروفِ مقطعات میں شامل ہے۔ اس کا معنٰی صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا اللہ کے رسول ﷺ جانتے تھے ۔الکتاب سے مراد قرآن مجید ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے جو ہر اعتبار سے اپنی مخلوق پر غلبہ رکھنے والا اوراپنا ہر حکم نافذ کرنے پر قادر ہے ۔کائنات پر قوت وسطوت رکھنے اور ہر اعتبار سے غالب ہونے کے باوجود اس کے ہر کام میں حکمت پائی جاتی ہے۔’’اَلْحَكِيْمِ‘‘ کا لفظ ’’حُكْمَ‘‘ سے نکلا ہے جس کا دوسرا معنٰی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا حاکم ہے اس لیے جنّ وانس کا فرض بنتا ہے کہ وہ دل وجان سے اس کے حکم کو تسلیم کریں اور ہر حال میں اس کی بندگی کرتے رہیں ۔قرآن مجید کے مخالف بار بار پراپیگنڈہ کرتے تھے کہ محمد ﷺ نے اس قرآن کو اپنی طرف سے بنالیا ہے۔اس الزام کے کافی اورشافی جواب دیئے گئے مگر پھر بھی وہ یہی کہتے تھے کہ ’’محمد ﷺ‘‘ نے قرآن اپنی طرف سے بنالیا ہے ۔ان کی ہٹ دھرمی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن نبی ﷺ کا خود ساختہ یا کسی کا بنایا ہوانہیں بلکہ اس کا ایک ایک حرف اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے ۔

مسائل

۱۔ حروفِ مقطعات کا معنٰی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔۲۔قرآن مجید’’اللہ‘‘ غالب حکمت والے نے نازل فرمایا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے اپنی مخلوق پر غالب ہے :

(یوسف :۲۱)(البقرۃ:۱۱۷)(الانعام :۶۱)(المجادلہ: ۲۱) (البقرۃ :۲۰)(الحشر : ۱) (الانفال :۴۹)

مَا	خَلَقْنَا	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضَ	وَمَا
نہیں	ہم نے پیدا کیا	آسمانوں کو	اور زمین کو	اور جو کچھ
بَيْنَهُمَآ	اِلَّا	بِالْحَقِّ	وَاَجَلٍ	مُّسَمًّى ؕ
ان دونوں کے درمیان ہے	مگر	حق کے ساتھ	اور وقت	مقرر تک
وَالَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	عَمَّآ	اُنْذِرُوْا	مُعْرِضُوْنَ ۝۳
اور جن لوگوں نے	کفر کیا	جس سے	وہ ڈرائے گئے	منہ موڑنے والے ہیں

''ہم نے زمین اور آسمانوں کو اور تمام چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں برحق اور ایک خاص مدت کے لیے پیدا کیا ہے۔ مگر کافر اس حقیقت سے منہ موڑے ہوئے ہیں، جس سے ان کو خبردار کیا گیا ہے۔''(۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ''اَلْحَکِیْمِ'' کی حکمت کا نتیجہ ہے کہ اس نے جو کچھ زمین و آسمانوں میں پیدا کیا ہے اس کا ایک مقصد ہے لیکن کافر اس مقصد کا انکار کرتے ہیں۔

''اللہ'' کی ذات اور صفات کا انکار کرنے والوں میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ کائنات کا نظام خود بخود معرضِ وجود میں آیا ہے اور یہ اس طرح ہی چلتا رہے گا۔ قرآن مجید نے متعدد مقامات پر کفار کی اس سوچ کی تردید کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمانوں میں کوئی ایک چیز بھی بے مقصد پیدا نہیں کی ہر چیز کو پیدا کرنے کے مجموعی طور پر دو مقصد ہیں۔ پہلا مقصد یہ ہے کہ ہر چیز اپنے رب کو یاد کرے اور اس کے حکم کے مطابق کام کرے، دوسرا مقصد یہ ہے کہ وہ انسان کی خدمت کرتی رہے۔ یہی انسان کی زندگی کا مقصد ہے کہ وہ اپنے رب کی عبادت اور اطاعت کرنے کے ساتھ دوسرے لوگوں کی خدمت کرتا رہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو لامحدود زندگی عطا نہیں کی بلکہ ذرّہ سے لے کر پہاڑ تک، شمس و قمر اور زمین و آسمانوں میں ہر چیز کی ایک مدت مقرر کر دی گئی ہے جب یہ مدت پوری ہوجائے گی تو اللہ تعالیٰ ہر چیز کو فنا کے گھاٹ اتار دے گا۔ پھر ایک مدت کے بعد حشر کا میدان قائم کرے گا وہاں جنّ و انس کو ان کی زندگی کے مقصد کے بارے میں پوچھ گچھ کی جائے گی لیکن کفار اس دن کا انکار کرتے ہیں۔

جو قیامت کا انکار کرتے ہیں گویا کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمانوں، جنّوں اور انسانوں کو یوں ہی پیدا کر دیا ہے۔ حالانکہ اس کا فرمان ہے کہ اس نے کوئی چیز بے مقصد پیدا نہیں کی۔

﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ o فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ﴾ (المومنون: ١١٥،١١٦)

”کیا تم نے یہ سمجھ لیا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا اور تمہیں ہماری طرف کبھی پلٹ کرنہیں آنا۔ پس اللہ بلند و بالا اور حقیقی بادشاہ ہے اس کے سوا کوئی معبودنہیں وہ عرشِ کریم کا مالک ہے۔“

﴿وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَo لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّا تَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ﴾ (الانبياء: ١٦،١٧)

”ہم نے آسمان اورزمین کو اور جو کچھ ان میں ہے کھیل کے طور پرنہیں بنایا ہے۔اگر ہم کھیل تماشا کرنا چاہتے تو یہ تماشا اپنے ہاں کر تے۔“

﴿اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (آل عمران: ١٩١)

”جو لوگ اللہ کا ذکر کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کرتے اور کہتے ہیں اے پروردگار تو نے کوئی چیز بے فائدہ پیدا نہیں کی۔تو پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں کوئی بھی چیز بے مقصد پیدا نہیں کی۔۲۔اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا وقت مقرر کر رکھا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنّ و اِنس سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا۔

۴۔ کافر قیامت کے دن اور اس کے حساب و کتاب کا انکار کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بے مقصد پیدا نہیں کی:

۱۔ کیا تم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا اور تمہیں ہماری طرف کبھی پلٹ کرنہیں آنا۔ (المومنون:۱۱۵)

۲۔ عقل مند وہ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو نے یہ سب کچھ بے فائدہ نہیں بنایا۔ تو پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ (آل عمران:۱۹۱)

۳۔ بے شک دن اور رات کے مختلف ہونے میں اور جو کچھ ”اللہ“ نے زمین و آسمان میں پیدا کیا ہے، اُس میں لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ (یونس:۶)

۴۔ زمین کی ہر چیز انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ (البقرۃ:۲۹)

قُلْ	اَرَءَيْتُمْ	مَّا	تَدْعُوْنَ	مِنْ	دُوْنِ	اللّٰهِ
فرما دیں	بھلا تم بتاؤ	جن کو	تم پکارتے ہو	سے	سوا	اللہ کے

اَرُوْنِيْ	مَاذَا	خَلَقُوْا	مِنَ الْاَرْضِ	اَمْ	لَهُمْ	شِرْكٌ
دکھاؤ مجھے	کیا چیز	انہوں نے پیدا کی ہے	زمین سے	یا	ان کا	کوئی حصہ ہے

فِي السَّمٰوٰتِ ط	اِيْتُوْنِيْ	بِكِتٰبٍ	مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ	اَوْ اَثٰرَةٍ
آسمانوں میں	لاؤ میرے پاس	کوئی کتاب	پہلے اس سے	یا بقیہ

مِّنْ عِلْمٍ	اِنْ	كُنْتُمْ	صٰدِقِيْنَ ﴿٤﴾
علم سے	اگر	تم ہو	سچے

”اے نبی! ان سے فرمائیں کبھی تم نے غور کیا ہے کہ جنہیں تم ”اللہ“ کے سوا پکارتے ہو؟ مجھے دکھاؤ کہ زمین میں انہوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ یا آسمانوں کی تخلیق میں ان کا کیا حصہ ہے؟ اس سے پہلے آئی ہوئی کوئی کتاب یا تمہارے پاس کوئی علمی ثبوت ہو تو اُسے لاؤ! اگر تم سچے ہو۔“ (۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اور اس کی ایک مدت مقرر کی ہے۔ پوری مخلوق کے پیدا کرنے اور ان کی ایک مدت مقرر کرنے میں کسی کا ذرّہ برابر عمل دخل نہیں۔ لیکن اس کے باوجود لوگ حقیقی خالق اور مالک کو چھوڑ کر دوسروں کی بندگی اور غلامی کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ٹھوس دلائل کے ساتھ بار بار یہ حقیقت بتلائی اور سمجھائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کائنات کا کوئی خالق اور مالک نہیں۔ چاہیے تو یہ کہ لوگ اپنے خالق اور مالک کی بندگی کریں اور اس کا حکم مانیں لیکن ”اللہ“ کو خالق اور مالک ماننے کے باوجود لوگ دوسروں کی بندگی اور غلامی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے کان کھولنے کے لیے پھر ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی ﷺ! ان لوگوں سے اس بات کا جواب طلب کریں کہ جن کو تم ”اللہ“ کے سوا پکارتے اور جن کی تم عبادت کرتے ہو بتاؤ! انہوں نے زمین میں کون سی چیز پیدا کی ہے یا آسمانوں کی تخلیق اور ان کے معاملات میں وہ کس کام میں شریک ہوئے؟ اگر تمہارے پاس کسی آسمانی کتاب کا کوئی ثبوت ہو یا کوئی علمی دلیل ہو تو اسے پیش کرو اگر تم اپنے کفر وشرک کے بارے میں سچے ہو۔ ظاہر بات ہے کہ ان کے پاس کسی آسمانی کتاب کا حوالہ اور کوئی عقلی اور علمی ثبوت نہیں۔ مگر پھر بھی ذاتِ کبریا کے سوا دوسروں کے سامنے جھکتے اور انہیں پکارتے ہیں۔ ان کے باطل عقیدہ کی کلی کھولتے ہوئے یہ بات سمجھائی ہے کہ دین کی بنیاد کتاب اللہ، نبی کی سنت اور ٹھوس علمی ثبوت پر ہے۔ اس کے سوا کسی کی رائے دین کی تشریح میں معاون ہوسکتی ہے مگر دین کہلوانے کی حقدار نہیں ہوسکتی۔ جہاں تک کفار سے اس سوال کا تعلق ہے کہ جن کی یہ عبادت اور غلامی کرتے ہیں انہوں نے زمین و آسمان میں کیا پیدا کیا ہے تو ہر مشرک اور کافر اس کا اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ زمین و آسمان اور ہر چیز کو صرف اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے۔

وَمَنْ	اَضَلُّ	مِمَّنْ	يَّدْعُوْا	مِنْ	دُوْنِ
اور کون شخص	زیادہ گمراہ ہے	اس سے جو	پکارتا ہے	سے	سوا
اللّٰهِ	مَنْ	لَّا	يَسْتَجِيْبُ	لَهٗٓ	اِلٰى
اللہ کے	جو	نہیں	جواب دے سکتا	اسے	تک
يَوْمِ	الْقِيٰمَةِ	وَهُمْ	عَنْ	دُعَآئِهِمْ	غٰفِلُوْنَ ۝
دن	قیامت کے	اور وہ	سے	ان کی پکار	غافل ہیں

''اس شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر اُن کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے بلکہ وہ بُلانے والوں کی پکار سے بے خبر ہیں۔''(۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مشرکین کے پاس باطل عقیدہ کی کوئی دلیل نہیں مگر پھر بھی ''اللہ'' کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے اور ان سے مانگتے ہیں یہ لوگ پرلے درجے کے گمراہ ہیں۔

قرآن مجید نے مِن دون اللہ سے مراد صرف بت نہیں لیے بلکہ اللہ تعالیٰ کے سوا جسے بھی پکارا جائے اور جس کی بھی عبادت کی جائے گی وہ ''مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ'' میں شامل ہوگا۔ یہاں تفسیر بالقرآن میں اُن آیات کے حوالے پیش کیے گئے ہیں جن میں بتوں کے علاوہ ''مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ افسوس! اتنی واضح آیات ہونے کے باوجود شرک کی حمایت کرنے والے ایک مفسر نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر افسوس کرنے کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ فہم القرآن کا مطالعہ کرنے والے حضرات سے گزارش ہے کہ وہ خود فیصلہ کریں کہ شرک کے بچاری لوگ کس قدر شرک کی حمایت میں آگے بڑھ جاتے ہیں۔ موصوف اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

مشرکین جو بڑے زور شور سے اپنے بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے اور اگر اس پر انہیں ٹوکا جاتا تو وہ بہت برہم ہوتے۔ ان سے پوچھا جارہا ہے کہ جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے، اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کر تم نے ان کی پوجا شروع کر رکھی ہے۔ کیا اس کی کوئی معقول وجہ بھی تم بتا سکتے ہو؟ کیا کرّہ زمین کی کسی چیز کے وہ خالق ہیں، آسمان کی آفرینش میں کیا ان کا کوئی حصہ ہے؟ اگر تمہارے پاس کوتحریری ثبوت ہے تو پیش کرو اور اگر تم خود اس بات کا اعتراف کرتے ہو کہ اس وسیع وعریض کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تم پھر اس خالق وحکیم کو چھوڑ کر کسی پتھر، کسی بے روح یا ذی روح شے کی پوجا کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔ (ضیاء القرآن جلد چہارم، ص:۴۷۲)

غور فرمائیں کہ اس پیرہ کی آخری سطر میں من دون اللہ کا ترجمہ کرتے ہیں کہ تم پھر خالق وحکیم کو چھوڑ کر کسی پتھر یا کسی بے روح یا ذی روح شے کی پوجا کرنا کتنی بڑی حماقت ہے، لیکن اس کے باوجود

صحیح عقیدہ لوگوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

بعض مُہم جُو لوگ جو ملت کے اتحاد کو انتشار کا شکار بنانا چاہتے ہیں، رات دن اس دُھن میں لگے رہتے ہیں کہ ملت میں نئی ملت تخلیق کریں وہ یہ آیت اہلِ سنت پر چسپاں کرتے ہیں۔(معاذ اللہ) بحمدہٖ تعالیٰ اہلِ سنت میں سے کوئی اَن پڑھ سے اَن پڑھ بھی اللہ جلّ مجدہٗ کے سوا کسی کی خدائی اورالوہیت کا عقیدۂ فاسدہ نہیں رکھتا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ،تمام نبیوں کے سردار ،تمام رسولوں کے تاج ، اپنے آقا و مولیٰ اوردونوں جہانوں کے سردار محمد ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"اورنماز میں کئی کئی بار اس شہادت کا اعادہ کرتا ہے تو وہ کسی اورکو کیونکر خدا یا خدا کا ہمسر اورشریک تصور کرسکتا ہے ۔ یہ محض بہتان اور افترائے عظیم ہے کہ اہلِ سنت کو خدا کا شریک بناتے ہیں۔"هذا افك مبين وبهتان عظيم" مزید لکھتے ہیں۔

خارجیوں (جدید اورقدیم) کے علاوہ تمام امت اس بات پر متفق ہے کہ حضور سرورِ دوعالم ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں جب کوئی غلام صلوٰۃ و سلام عرض کرتا تو حضور ﷺ اس کو سلام کا جواب دیتے ہیں جس کو خواص اپنے کانوں سے سنتے ہیں اورلذّتِ جواب سے سرشار ہوتے ہیں ۔ مصر کے مشہور ولی کامل حضرت سید احمد رفاعیؒ جب روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے تو بصد ادب و نیاز عرض کی "الصلوٰة والسلام عليك يا جدّی" اے میرے نانا پاک آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو۔روضۂ اقدس سے جواب آیا "وعليك السلام يا ولدی" اے میرے بچے تجھ پر بھی سلام ہو۔ یہ سن کر آپ پر وجد کی کیفیّت طاری ہوگئی اورفی البدیہہ یہ رباعی عرض کی :(ضیاء القرآن)

فی حالة البعد روحی كنت ارسلها   تقبل الارض عنی وهی نائبتی

''جب میرا جسدِ خاکی یہاں سے دورتھا تو میں آستانہ بوسی کے لیے اپنی روح کو بھیجا کرتا تھا''

وهذه دولة الاشباح قد حضرت   فامدد يمينك كی تحظی بها شفتی

اب تو میں خود بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوں ۔ دستِ پاک نکالیے تاکہ میں بوسہ دے کر دل کی حسرت پوری کرسکوں۔ دستِ مبارک باہر آیا جس کو آپ نے بوسہ دیا ۔ ہزارہا آدمیوں نے اس کو دیکھا۔(ضیاء القرآن)

بالفرض صحیح سند کے ساتھ ثابت ہوجائے کہ کسی بزرگ نے روضۃ الرّسول یا کسی قبر کے پاس جاکرفوت شدہ بزرگ سے مدد مانگی ہوتو کیا اس کا عمل امت کے لیے دلیل اوراللہ کے ہاں قابلِ قبول ہوگا؟ جبکہ قرآن مجید من دون اللہ کو پکارنے سے بار بار منع کرتا ہے ۔من دون اللہ کا معنی ہے۔'' اللہ'' کے سوا۔ اس میں حجر و شجر، شمس و قمر، اولیاء اور انبیاء شامل ہیں ، لہٰذا قرآن مجید کی تاویلات کرنے کی بجائے سیدھے طریقے سے اس کا فرمان قبول کرنا چاہیے یہی ہدایت کا راستہ ہے۔

عقل و انصاف کا تقاضا:

عقل کے ساتھ انصاف فرمائیں کہ جولوگ دنیا سے چل بسے اورزندگی بھر لوگوں کو من دون اللہ سے روکتے رہے

اور اپنے مریدوں کو صرف ''اللہ'' کے حضور دعائیں کرنے کی تلقین اور تبلیغ کرتے رہے ۔ان کے رخصت ہونے کے بعد لوگوں نے ان کی قبروں پر مزار بنائے اورشرک کے اڈے قائم کیے ۔اگر وہ لوگوں کی فریاد سنتے ہوں اور اپنی قبروں پر سجدے ،رکوع کرتے ہوئے دیکھتے ہوں تو کیا ان کو خوشی ہوگی یا پریشانی ؟ ظاہر بات ہے ان کو پریشانی ہوگی۔ کیا اللہ تعالیٰ انبیائے کرام علیہم السلام اور صالح حضرات کو موت کے بعد کوئی پریشانی آنے دیتا ہے؟ بالکل نہیں اس لیے عقل وانصاف کا تقاضا ہے کہ نہ وہ سنتے ہیں اور نہ کسی کو دیکھتے ہیں،اور نہ کسی کی مدد کرتے ہیں۔

من دون اللہ میں شامل بت ہوں یا فوت شدگان نہ وہ سنتے ہیں اور نہ ہی پکارنے والے کی فریاد کا جواب دیتے ہیں:

①۔کوئی برا ہو یا نیک موت کے بعد اس کی روح ایسے مقام پر پہنچا دی جاتی ہے جہاں پکارنے والے کی پکار ان تک نہیں پہنچ سکتی ۔②۔اللہ تعالیٰ نے فوت شدگان کو یہ صلاحیت اوراختیارنہیں دیا کہ وہ کسی پکارنے والے کی فریادسنیں اوران کی مدد کرسکیں ۔

جو لوگ فوت شدگان کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھ کرپکارتے ہیں ان کے پاس بے سند کہانیوں کے سوا کوئی ثبوت نہیں۔ اوپر دی ہوئی ضیاء القرآن کی عبارت آپ ایک دفعہ پھر پڑھیں اورغور فرمائیں کہ قرآن و سنت سے دلیل پیش کرنے کی بجائے صرف کمزوراسناد پرمبنی بزرگوں کے واقعات لکھ کرشرک کی حمایت کی گئی ہے ۔(اعانت و استعانت کی شرعی حقیقت از قلم حضرت پیر سید نصیر الدین صاحب آف گولڑہ)

مسائل

۱۔ زمین وآسمان اورجو کچھ ان کے درمیان ہے اسے صرف ''اللہ'' نے پیدا کیا ہے ۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے نہ کوئی چیز پیدا کی ہے اورنہ کرسکتا ہے ۔

۳۔ کسی آسمانی کتاب ،کسی نبی کی شریعت اور علمی ثبوت کے ذریعے من دون اللہ سے مانگنے کا ثبوت نہیں ملتا ۔

تفسیر بالقرآن

من دون اللہ سے مراد زندہ اور مردہ ،بت اور جاندار سب شامل ہیں:

۱۔ میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ۔ (یونس:۱۰۴)

۲۔ مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ۔ (الانعام:۵۶)

۳۔ کیا میں اللہ کے سوا ان کو پکاروں جو نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے ۔ (الانعام :۷۱)

۴۔ جن کو لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں انھوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں ۔ (النحل: ۲۰)

۵۔ جن کوتم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمھارے جیسے بندے ہیں ۔ (الاعراف:۱۹۴)

۶۔ انھوں نے اپنے پادریوں اور راہبوں اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا معبود بنا لیا۔(التوبہ:۲۱)

وَاِذَا	حُشِرَ	النَّاسُ	كَانُوْا	لَهُمْ	اَعْدَآءً
اور جب	اکٹھے کیے جائیں گے	لوگ	وہ ہوں گے	ان کے	دشمن (جمع)
وَّكَانُوْا	بِعِبَادَتِهِمْ	كٰفِرِيْنَ ۞	وَاِذَا	تُتْلٰى	عَلَيْهِمْ
اور ہوں گے	اپنی عبادت سے	انکار کرنے والے	اور جب	پڑھی جاتی ہیں	ان پر
اٰيٰتُنَا	بَيِّنٰتٍ	قَالَ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	لِلْحَقِّ
ہماری آیات	واضح	تو کہتے ہیں	وہ لوگ جنہوں نے	انکار کیا	حق کا
لَمَّا	جَآءَهُمْ	هٰذَا	سِحْرٌ	مُّبِيْنٌ ۞	
جب	وہ آیا ان کے پاس	یہ	جادو ہے	کھلا	

”اور جب سب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ اپنے پکارنے والوں کے دشمن ہوں گے اور اپنی عبادت کا انکار کریں گے۔(٦) ان لوگوں کو جب ہماری واضح آیات سنائی جاتی ہیں اور حق ان کے پاس پہنچ جاتا ہے تو کافر کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔“(٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو لوگ ”اللہ تعالیٰ“ کے سوا یا اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے ہیں وہ ان کے حق میں واضح دلیل نہیں رکھتے مگر اس کے باوجود اپنے باطل عقیدہ پر قائم رہتے اور جھگڑتے ہیں۔ یہ انداز اللہ تعالیٰ کے ہاں کفر کرنے کے مترادف ہے۔

ہر دور کے کفار اور مشرک اس بات کا اقرار کرتے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خدائی میں نہ کوئی شریک تھا اور نہ ہے اور نہ ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود مشرک اور کافر۔ اللہ تعالیٰ کے سوا یا اس کے ساتھ دوسروں کو پکارتے اور ان سے مانگتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے کوئی ایک بھی قیامت تک ان کی پکار کا جواب نہیں دے سکتا۔ یہاں تک کہ وہ ان کے پکارنے سے بھی بے خبر ہیں۔(فاطر:١٤) جب قیامت کے دن ان معبودوں کو ان کے سامنے اکٹھا کیا جائے گا تو وہ اپنے عابدوں کی عبادت اور پکارنے والوں کی پکار کا انکار کریں گے۔ ان میں دو قسم کے لوگ ہوں گے۔

① ۔انبیائے کرام علیہم السلام اور صالح حضرات جو دنیا میں کفر و شرک کی مخالفت کرتے رہے لیکن ان کے فوت ہونے کے بعد بدعقیدہ امتیوں، بُرے مقتدیوں اور مریدوں نے انہیں لوگوں کے سامنے حاجت روا مشکل کشا بنا کر پیش کیا اور ان کے بارے میں جھوٹی سچی کرامات بیان کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے رہے۔ قیامت کے دن جب انبیائے کرام علیہم السلام اور صالح حضرات سے ان کے نام پر کیے گئے شرک کے بارے میں پوچھا جائے گا تو وہ اپنے رب کے حضور معذرت پیش کرتے ہوئے اپنے نام پر کیے ہوئے کفر و شرک کا انکار کریں گے۔

② ۔جو پیر اور فقیر، علماء اور بادشاہ شرک کی تبلیغ کرتے یا اس کا ماحول بناتے رہے۔ ”اللہ“ کا جلال اور اس کا عذاب دیکھ کر ہر قسم کے شرک کا انکار کریں گے یعنی جھوٹ بولیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کی عبادت کرنے

والوں کو جہنّم میں پھینک دے گا اور وہ ہمیشہ جلتے رہیں گے۔

''اور جس دن ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے پھر جنھوں نے شریک بنائے ، ان سے کہیں گے تم اور تمھارے شریک اپنی جگہ ٹھہرے رہو ۔ پھر ہم ان کے درمیان علیحدگی کر دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے تم ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے؟'' (یونس : ۲۸)

﴿ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّآ أَنْ قَالُوْا وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ (الانعام : ۲۳)

''پھران کا فریب اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ کہیں گے اللہ کی قسم! اے ہمارے رب! ہم شریک بنانے والے نہ تھے۔''

﴿إِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ﴾ (الانبیاء : ۹۸)

''بے شک تم اور تمہارے معبود جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو جہنّم کا ایندھن ہیں اور تم نے بھی جہنّم میں جانا ہے۔''

مسائل

۱۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو پکارتا ہے اس سے بڑھ کر کوئی گمراہ نہیں ہوسکتا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو پکارا جاتا ہے وہ قیامت تک پکارنے والوں کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے ۔

۳۔ جن صالح فوت شدگان کو مصیبت کے وقت بلایا جاتا ہے اور ان کے حضور فریادیں کی جاتی ہیں قیامت کے دن وہ پکارنے والوں کا انکار کریں گے ۔

۴۔ جن فوت شدگان کو پکارا جاتا ہے وہ پکارنے والوں کی پکار سے بے خبر ہوتے ہیں ۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن عابد اور معبودوں کا ایک دوسرے کا انکار کرنا:

۱۔ قیامت کے دن معبود اپنی عبادت کا انکار کریں گے۔(یونس:۲۸)

۲۔ قیامت کے دن مشرک اپنے شرکاء کو دیکھ کر کہیں گے کہ ہم ان کی عبادت کرتے تھے لیکن ان کے معبود انکار کریں گے۔(النحل:۸۶)

۳۔ قیامت کے دن مشرک اپنے معبودوں کو دیکھ کر کہیں گے یہ ہمیں گمراہ کرنے والے تھے۔ (القصص:۶۳)

۵۔ اس دن اللہ تعالیٰ مشرکوں سے فرمائے گا میرے شریک کہاں ہیں وہ کہیں گے ہم میں سے کوئی اس کا دعویدار نہیں ہے ۔(حم السجدۃ:۴۷)۴۔قیامت کے دن پیر اپنے مریدوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے ۔ (البقرۃ: ۱۶۶)

۶۔ قیامت کے دن مشرکوں سے کہا جائے گا اپنے معبودوں کو پکارو لیکن ان کے معبود ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دیں گے۔(الکھف :۵۲)

۷۔ جہنّم میں داخل ہونے والے اپنے سے پہلوں کو دیکھ کر کہیں گے۔ہمیں گمراہ کرنے والے یہی لوگ تھے۔ الٰہی انہیں دوگنا عذاب دیا جائے ۔(الاعراف:۳۸)

اَمْ	یَقُوْلُوْنَ	افْتَرٰىهُ ؕ	قُلْ	اِنِ	افْتَرَیْتُهٗ
یا	وہ کہتے ہیں	اس نے اس کو بنالیا ہے	آپ فرمائیں	اگر	میں نے اسے بنالیا ہے

فَلَا	تَمْلِكُوْنَ	لِیْ	مِنَ	اللّٰهِ	شَیْــٴًـا ؕ	هُوَ
تو نہیں	تم اختیار رکھتے	میرے لیے	سے	اللہ	کچھ بھی	وہ

اَعْلَمُ	بِمَا	تُفِیْضُوْنَ	فِیْهِ ؕ	كَفٰى	بِهٖ	شَهِیْدًۢا
خوب جانتا ہے	اس کو جو	تم باتیں کرتے ہو	اس میں	وہ کافی ہے	ساتھ اس کے	گواہ

بَیْنِیْ	وَ بَیْنَكُمْ ؕ	وَ هُوَ	الْغَفُوْرُ	الرَّحِیْمُ ۝
میرے درمیان	اور تمہارے درمیان	اور وہ	بڑا بخشنے والا	نہایت رحم کرنے والا ہے

”یا وہ کہتے ہیں کہ رسول نے اسے خود بنا لیا ہے ان سے فرمائیں کہ اگر میں نے اسے اپنی طرف سے بنالیا ہے تو تم پھر اللہ کی پکڑ سے نہیں بچا سکو گے۔ اس کے بارے میں جو باتیں تم بناتے ہو اللہ ان کو خوب جانتا ہے۔ میرے اور تمہارے درمیان وہی گواہ کافی ہے۔ وہ بڑا بخشنے والا اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔“(٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مشرکین کی گمراہی کی ایک اور انتہا۔

مشرکینِ مکہ ”اللہ“ کو خالق، مالک اور رازق ماننے کے باوجود توحید پر مبنی آیات سنتے تو کہتے کہ یہ تو واضح طور پر جادو دکھائی دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ان کا یہ بھی پراپیگنڈہ تھا کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں کیا گیا۔ بلکہ محمد ﷺ اپنی طرف سے بنا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان دونوں الزامات کے کئی جواب دیے ہیں مگر اہل مکہ اپنی یاوہ گوئی پر اصرار کرتے رہے۔ آج بھی کچھ لوگ بلا دلیل نزولِ قرآن کا انکار کرتے ہیں۔ یہاں ان کے انکار اور الزام کا یہ جواب دیا گیا کہ اے نبی ﷺ! ان سے فرمائیں کہ اگر میں نے قرآن مجید اپنی طرف سے بنا لیا ہے تو پھر مجھے تم ”اللہ“ کے عذاب سے نہیں بچا سکتے۔ البتہ جو باتیں تم میرے اور قرآن مجید کے بارے میں بناتے اور کرتے ہو اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے۔ وہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔ اہلِ مکہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ اعلانِ نبوت سے پہلے محمد ﷺ نے اس طرح کی بات کبھی نہیں کی تھی۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت محمد ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ پھر بھی آپ پر الزام لگاتے کہ آپ نے قرآن اپنی طرف سے بنا لیا ہے۔ ان کی یاوہ گوئی کا مزید جواب دینے کی بجائے اسے یہ کہہ کر مسترد کردیا گیا ہے کہ آپ ﷺ فرما دیں کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے اور وہی حق اور سچ کا فیصلہ کرے گا۔ وہی اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا اور ان کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔ غفور الرحیم کی صفات لا کر اشارہ کیا

ہے اے قرآن کا انکار کرنے والو اگر تم اپنا رویہ تبدیل کر لو اور قرآن پر ایمان لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تمہاری گستاخیوں اور غلطیوں کو معاف کرنے والا ہے۔ لہٰذا تمہیں اپنے رب سے معافی مانگ لینی چاہیے تاکہ وہ تم پر رحم فرمائے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰہ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ))

(رواہ ابن ماجۃ : کتاب الزھد ، باب ذکرا لتوبۃ،قال الشیخ البانی حسنٌ)

”حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہی پاک ہوجاتا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔“

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيْئَةً نُكِتَتْ فِيْ قَلْبِهٖ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهٗ وَإِنْ عَادَ زِيْدَ فِيْهَا حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهٗ وَهُوَ الرَّانُ الَّذِيْ ذَكَرَ اللّٰهُ ﴿ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾))

(رواہ الترمذی : کتاب تفسیر القرآن)

”حضرت ابوہریرہ ؓ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب بندہ کوئی غلطی کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے جب وہ گناہ چھوڑ دے اور توبہ و استغفار کرے تو اس کا دل پالش ہوجاتا ہے۔ اگر وہ دوبارہ گناہ کی طرف پلٹے تو سیاہی اس کے دل پر چڑھ جاتی ہے یہی وہ زنگ ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے کہ ﴿ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے گناہوں کی وجہ سے زنگ چڑھ چکا ہے۔﴾“

مسائل

١۔ قرآن مجید کی تاثیر دیکھ کر اہلِ مکہ اسے جادو قرار دیتے تھے۔ ٢۔اللہ تعالیٰ نے اپنے فرامین کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔

٣۔ نبی ﷺ کا عقیدہ اور اعلان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ میری گرفت کرنے پر آئے تو کوئی بھی مجھے چھڑا نہیں سکتا۔

٤۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر گواہ ہے۔ ٥۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو معاف کرنے والا اور ان پر مہربانی فرمانے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب دینا چاہے تو اسے کوئی نہیں بچا سکتا:

١۔ ”اللہ“ کا عذاب برحق ہے اور تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کرسکتے۔ (یونس:٥٣)

٢۔ کفار کے چہروں پر ذلت چھا جائے گی انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ (یونس:٢٧)

٣۔ اس دن وہ پیٹھیں پھیر کر بھاگیں گے انہیں اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ (المومن:٣٣)

٤۔ اگر ”اللہ“ کسی کو تکلیف دے تو کون ہے جو اُسے اس سے بچا سکے۔ (الاحزاب:١٧)

٥۔ حضرت نوح نے اپنے بیٹے کو فرمایا آج کے دن اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں۔ (ہود:٤٣)

قُلْ	مَا كُنْتُ	بِدْعًا	مِّنَ	الرُّسُلِ	وَمَآ
فرما دیجئے	نہیں ہوں میں	انوکھا	سے	رسولوں	اور نہیں
اَدْرِيْ	مَا	يُفْعَلُ	بِيْ	وَلَا	بِكُمْ ؕ
میں جانتا	کہ کیا	کیا جائے گا	میرے ساتھ	اور نہ	تمہارے ساتھ
اِنْ	اَتَّبِعُ	اِلَّا	مَا	يُوْحٰٓى	اِلَيَّ
نہیں	میں پیروی کرتا	مگر	جو	وحی کی جاتی ہے	میری طرف
وَمَآ	اَنَا	اِلَّا	نَذِيْرٌ	مُّبِيْنٌ ⑨	
اور نہیں ہوں	میں	مگر	ڈرانے والا	واضح	

"ان سے فرما دیں میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ کل میرے ساتھ کیا ہو گا اور تمہارے ساتھ کیا ہونا ہے۔ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے اور میں نہیں ہوں مگر واضح طور پر خبردار کر دینے والا ہوں۔"(۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ مکہ کے پراپیگنڈہ کے جواب میں نبی علیہ السلام کی طرف سے ایک اور اعلان۔

اے نبی ﷺ! ان سے یہ بھی فرمائیں کہ میں کوئی نیا رسول نہیں اور نہ ہی مجھے یہ علم ہے کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ میں تو صرف اس بات کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں کھلے الفاظ میں بُرے لوگوں کو ان کے برے انجام سے ڈرانے والا ہوں۔ اہلِ مکہ ایک طرف نبی کریم ﷺ کو جھوٹا قرار دیتے اور آپ پر مختلف قسم کے الزام لگاتے تھے لیکن دوسری طرف آپ سے مطالبات کرتے کہ اگر آپ حقیقتاً اللہ کے رسول ہیں تو پھر آپ کے پاس کم از کم یہ چیزیں ہونا ضروری ہیں۔ ان کے مطالبات کا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ ان کے مطالبات پورے نہیں کرتے تو ہم لوگوں کے سامنے کہیں گے کہ یہ شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے اور اس میں کوئی خاص بات نہیں یہ تو ہمارے جیسا انسان ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ انسانی حاجات کے حوالے سے ایک انسان تھے لیکن اپنے مقام، اوصاف اور دعوت کے حوالے سے بے مثال انسان اور رسول تھے۔ بلکہ تمام رسولوں کے سردار تھے۔ اس لیے آپ کی زبانِ اطہر سے اس موقع پر دو باتیں کہلوائیں گئیں کہ آپ اعلان فرمائیں کہ میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں بلکہ اس طرح ہی اللہ کا رسول ہوں جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے حضرت نوح، ابراہیم اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا تھا۔ پہلے انبیاء بھی رسول ہونے کے ساتھ انسان تھے اور میں بھی اللہ کا رسول ہونے کے ساتھ ایک انسان ہوں۔ نہ پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کو اللہ کی

خدائی میں کوئی اختیار حاصل تھا اور نہ ہی مجھے اس کی خدائی میں کسی قسم کا کوئی اختیار ملا ہے۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہے اور تمہارے ساتھ کیا کچھ ہونے والا ہے۔ میرا کام ''اللہ'' کے پیغامات کو لوگوں تک پہچانا اور انہیں کھلے الفاظ میں انتباہ کرنا ہے۔

اس آیت میں نبی ﷺ سے یہ اعلان کروایا گیا ہے کہ آپ کہیں کہ میں کوئی انوکھا یعنی نیا رسول نہیں ہوں مجھ سے پہلے کئی رسول آئے اور وہ لوگوں کو'' اللہ'' کے احکام پہنچاتے رہے میں بھی تمہیں وحی کے مطابق تمہارے بُرے اعمال کے انجام سے ڈراتا ہوں لہٰذا وقت ہے سمجھ جاؤ ورنہ ایک دن آئے گا کہ تمہیں اپنے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (سبا: ٢٨)

''اور اے نبی ہم نے آپ کو لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

مسائل

١۔ نبی آخرالزماں ﷺ پہلے رسولوں کی طرح ایک رسول تھے۔

٢۔ نبی اکرم ﷺ بھی نہیں جانتے تھے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے اور آپ کے مخالفوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔

٣۔ نبی علیہ السلام ''اللہ'' کی وحی کے پابند تھے۔ ٤۔ نبی علیہ السلام لوگوں کو کھلے الفاظ میں انتباہ کرنے والے تھے۔

تفسیر بالقرآن

نبی کریم ﷺ غیب نہیں جانتے تھے:

١۔ ''اللہ'' ہی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (الانعام: ٥٩)

٢۔ آپ فرما دیں کہ زمین اور آسمانوں کے غیب ''اللہ'' کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (النمل: ٦٥)

٣۔ نہ ہی میں غیب جانتا ہوں اور نہ ہی میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ (ھود: ٣١)

٤۔ نبی اکرم ﷺ کا اعلان اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت ساری بھلائیاں اکٹھی کر لیتا۔ (الاعراف: ١٨٨)

٥۔ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں آپ اس وقت موجود نہ تھے۔ (یوسف: ١٢)

٦۔ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں۔ (الانعام: ٥٠)

٧۔ فرما دیجیے غیب اللہ کے لیے ہے تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ (یونس: ٢٠)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ

فرما دیجئے کیا تم نے غور کیا اگر ہے اللہ کی طرف سے اور تم نے کفر کیا اس کے ساتھ

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ

اور گواہی دی ایک گواہ نے سے بنی اسرائیل پر اس جیسی پھر وہ ایمان لایا

وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰

اور تم نے تکبر کیا بے شک اللہ نہیں ہدایت دیتا قوم ظالم کو

''اے نبی! ان سے فرمائیں کہ کبھی تم نے غور کیا ہے۔ اگر یہ کلام اللہ ہی کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار دیا (پھر تمہارا کیا انجام ہوگا؟) اور اس جیسے کلام پر بنی اسرائیل کا ایک گواہ گواہی دے چکا ہے، وہ ایمان بھی لا چکا ہے اور تم نے تکبر کیا۔ بلاشبہ ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں دیا کرتا۔''(۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ''نبی آخر الزّماں ﷺ پہلے اورانوکھے رسول نہیں تھے۔'' آپ ﷺ کا تذکرہ پہلی کتابوں میں پایا جاتا ہے جس کا حوالہ دیا جا رہا ہے۔

اہلِ مکہ اور یہود ونصاریٰ اپنے اپنے انداز میں یہ پراپیگنڈہ کرتے کہ محمد ﷺ اللہ کا رسول نہیں۔ یہ اپنی طرف سے قرآن مجید بنا کر نبوت کا دعویٰ کیے جا رہا ہے اس موقع پر ان کے پراپیگنڈہ کے دو جواب دیئے گئے۔ ایک کا ذکر اس سے پہلی آیت میں ہوا اور دوسرے کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔ اے نبی ﷺ! انہیں فرمائیں کہ اگر قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور تم اس کا انکار کرتے ہو۔ حالانکہ اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن اور نبی آخر الزماں ﷺ کی تائید کر چکے ہیں۔ جس کا ثبوت تورات اور انجیل میں جابجا پایا جاتا ہے اسی بنا پر اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو قرآن اور نبی آخر الزماں کے بارے میں گواہی دیتے ہیں کہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور حضرت محمد ﷺ حقیقتاً اللہ کے آخری رسول ہیں۔

سیرتِ رسول اور حدیث کی کتب میں یہ واقعہ بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے کہ جب نبی آخر الزماں ﷺ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے گئے تو ایک دن مدینہ کے بہت بڑے دانشور، تورات اور انجیل کے عالم عبداللہ بن سلام آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس نے آپ سے چند سوالات کیے۔ اپنے سوالات کا تسلی بخش جواب پاکر ابن سلام نے آپ کی بیعت کی۔ بیعت کرنے کے بعد عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! یہود کے فلاں فلاں آدمی کو طلب کریں اور ان سے میرے بارے میں استفسار فرمائیں کہ میں ان کے ہاں کیسا آدمی ہوں؟ نبی کریم ﷺ نے مدینہ کے چند بڑے یہودیوں کو اپنے ہاں بلایا اور ان سے استفسار

فرمایا کہ عبداللہ بن سلام کیسا آدمی ہے؟ یہودیوں نے کہا وہ ہم سب سے زیادہ پڑھا لکھا اور معزز انسان ہے، اورہمیں اس کی دیانت وامانت پر پورا یقین ہے۔ آپ نے فرمایا اگر عبد اللہ بن سلام اسلام قبول کر لے تو کیا تم ایسا کرنے کے لیے تیار ہو؟ یہودی کہنے لگے یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یہ سن کر حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اچانک ان کے سامنے آئے اور کلمہ طیبہ پڑھا۔ اس پر یہودی کہنے لگے عبداللہ خود بھی برا آدمی ہے اور اس کا باپ بھی ایسا ہی تھا۔ (بخاری: کتاب المناقب) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کچھ یہودی مسلمان ہوئے لیکن یہودیوں کی غالب اکثریت تکبر کی بنیاد پر ایمان لانے سے انکاری رہی۔ جو شخص حقیقت جاننے کے باوجود قرآن مجید کے من جانب اللہ ہونے کا انکار کرتا ہے وہ اقرار کرے یا نہ کرے حقیقت میں وہ متکبر ہوتا ہے۔ متکبر شخص ظالم ہوتا ہے اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ قَالَ رَجُلٌ إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَّنَعْلُهٗ حَسَنَةً قَالَ إِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُّحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ)) (رواہ مسلم: باب تحریم الکبر وبیانہ)

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوا وہ جنّت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک آدمی نے کہا کہ آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اور اس کے جوتے اچھے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر حق کو جھٹلانا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔“

مسائل

١۔ قرآن مجید حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

٢۔ یہود و نصاریٰ قرآن کی حقیقت جاننے کے باوجود تکبر کی بنیاد پر انکار کرتے ہیں۔

٣۔ تورات، انجیل میں جا بجا قرآن مجید اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی آخر الزمان ہونے کی تائید پائی جاتی ہے۔

٤۔ جو شخص حق بات کا انکار کرتا ہے وہ ظالم اور متکبر ہے۔ ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا:

١۔ اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (البقرۃ:٢٥٨) ٢۔ اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدۃ:١٠٨)

٣۔ آخرت پر دنیا کو ترجیح دینے والوں کو ہدایت نہیں ملتی۔ (النحل:١٠٧) ٤۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (البقرۃ:٢٦٤)

٥۔ گمراہی کا راستہ اختیار کرنے والوں کو ہدایت نہیں دی جاتی۔ (النحل:٣٧)

وَقَالَ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	لِلَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	لَوْ
اور کہا	ان لوگوں نے جنہوں نے	انکار کیا	ان لوگوں سے جو	ایمان لائے	اگر
كَانَ	خَيْرًا	مَّا	سَبَقُوْنَآ	اِلَيْهِ ؕ	وَ اِذْ
ہوتا یہ	بہتر	تو نہ	وہ پہل کرتے ہم سے	اس کی طرف	اور جب
لَمْ	يَهْتَدُوْا	بِهٖ	فَسَيَقُوْلُوْنَ	هٰذَآ	اِفْكٌ قَدِيْمٌ ⑪
نہ	انہوں نے ہدایت پائی	اس سے	تو وہ کہتے ہیں	کہ یہ	جھوٹ ہے پُرانا

''ایمان داروں کے بارے میں کافر کہتے ہیں کہ اگر اس کتاب کو مان لینا اچھا کام ہوتا تو آپ لوگ ہم سے اس میں سبقت نہ لے جاتے، انہوں نے اس سے ہدایت نہ پائی اس لیے وہ کہتے ہیں کہ یہ تو پُرانا جھوٹ ہے۔''(١١)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی علیہ السلام کی نبوت اور قرآن مجید کا انکار کرنے والے ظالموں کا ایک اور بہانہ۔

اہلِ مکہ کا یہ بھی پراپیگنڈہ تھا کہ اگر قرآن من جانب اللہ ہوتا اور اس دین میں خیر پائی جاتی تو ہم مسلمانوں سے سبقت لے جاتے کیونکہ ہمیں اس میں کوئی بہتری نظر نہیں آتی اس لیے ہم حلقہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس بہانے کی بنیاد پر اہل مکہ ایمان لانے سے محروم ہوئے۔ اس محرومی کی بنا پر کہتے یہ تو بڑا قدیمی جھوٹ ہے۔ اس یاوہ گوئی کے ساتھ مکہ والے یہ بات بھی کہا کرتے تھے کہ اس نبی پر ایمان لانے والے سماجی اور معاشی اعتبار سے نہایت ہی کم درجہ کے لوگ ہیں۔ اہلِ مکہ غرور میں آکر یہ بھی کہتے تھے کہ یہ قدیمی جھوٹ ہے اور پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں اس لیے ہم قرآن مجید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائیں گے۔

مسائل

١۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کا انکار کرنے والے سمجھتے ہیں کہ ہم اسلام اور مسلمانوں سے بہتر ہیں۔

٢۔ حقیقت کا انکار کرنے والے اپنی گمراہی کے سبب قرآن اور اس کی دعوت کو قدیمی جھوٹ قرار دیتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قرآن اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہود، نصاریٰ اور کفار کی یاوہ گوئی:

١۔ جب قرآن سنایا جاتا تو منافقین ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے تھے۔(التوبہ:١٢٧)(یونس: ١٥) (ص:٤)

٢۔ منافقین قرآن مجید کے نزول کا مذاق اڑاتے اور کہتے ہیں اس سے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا ہے؟ (التوبہ:١٢٤)

٣۔ جب قرآن میں قتال کا تذکرہ ہوتا ہے تو منافق آپ کی طرف ایسے دیکھتے جیسے ان پر موت کی بیہوشی طاری ہوگئی ہو۔(سورہ محمد:٢٠) ٤۔جب قرآن کا کوئی حصہ نازل ہوتا ہے تو یہ بہانے تراشنے لگتے ہیں۔ (التوبہ:٨٦)

وَمِنْ قَبْلِهٖ	كِتٰبُ	مُوْسٰٓى	اِمَامًا	وَّرَحْمَةً ۭ	وَهٰذَا
اوراس سے پہلے	کتاب ہے	موسیٰ کی	پیشوا	اور رحمت	اور یہ
كِتٰبٌ	مُّصَدِّقٌ	لِّسَانًا	عَرَبِيًّا	لِّيُنْذِرَ	الَّذِيْنَ
کتاب	تصدیق کرنے والی ہے	زبان	عربی میں	تاکہ وہ ڈرائے	ان لوگوں کو جنہوں نے
ظَلَمُوْا ڰ	وَبُشْرٰى	لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٢﴾			
ظلم کیا	اور خوشخبری ہے	نیکی کرنے والوں کے لیے			

''اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت بن کر آ چکی ہے اور یہ کتاب اس کی تصدیق کرنے والی ہے اور عربی زبان میں ہے تاکہ ظالموں کو خبردار کرے اور نیکی کرنے والوں کو خوشخبری دے۔'' (١٢)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلی آیت میں کفار سے مراد اہل مکہ اور یہودی ہیں اس لیے یہودیوں کے سامنے تورات اور قرآن مجید کی حیثیت بیان کی گئی ہے۔

یہودی مالی، سیاسی اور علمی اعتبار سے عرب پر بڑا اثر ورسوخ رکھتے تھے اور یہی لوگ مکہ والوں کو اُوٹ پٹانگ باتیں بتلاتے تھے۔ یہودیوں کے علمی غرور اور سیاسی تسلط کو توڑنے اور لوگوں کو ان کی حقیقت بتلانے کے لیے قرآن مجید نے موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت اور تورات کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ نزولِ قرآن اور نبی آخر الزماں ﷺ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عنایت فرمائی جو اپنے دور میں لوگوں کے لیے راہنما اور رحمت کا باعث تھی۔ اس دور میں تورات پر عمل کرنا فرض تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اب عربی زبان میں قرآن مجید نازل کیا ہے جو پہلی کتابوں بالخصوص تورات کی تائید اور تصدیق کرتا ہے اور ظالموں کے لیے انتباہ ہے اور ان لوگوں کے لیے خوشخبری ہے جو قرآن پر ایمان لانے کے ساتھ نیکی کرنے والے ہیں۔ اس سے پہلے آیت ٩ میں یہود و نصاریٰ اور کفار کے پراپیگنڈہ کا جواب دیتے ہوئے۔ آپ کی زبانِ اطہر سے یہ کہلوایا گیا کہ آپ لوگوں میں اعلان فرمائیں کہ میں پہلا اور انوکھا رسول نہیں ہوں۔ میں اس بات کی پیروی کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر نازل کی جاتی ہے اور لوگوں کو کھلے الفاظ میں انتباہ کرنے والا ہوں۔ یہی قرآن مجید کی دعوت کا خلاصہ ہے کہ انکار کرنے والوں کو ڈرایا جائے اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دی جائے۔

کفار میں سے کچھ لوگ نبی ﷺ پر یہ بھی الزام لگاتے تھے کہ آپ فلاں عجمی سے پڑھ کر ہمیں سنا دیتے ہیں۔ اس پر یہ جواب دیا گیا کہ جس شخص کا نام لیتے ہو وہ تو عجمی ہے یعنی وہ عربی نہیں جانتا جب کہ قرآن عربی زبان میں ہے۔ اس میں عربوں کو یہ سمجھایا ہے کہ تم عربی ہو اور قرآن بھی عربی زبان میں ہے، لہٰذا اسے سمجھنے کی کوشش کرو تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔

یہاں انجیل کا دو وجہ سے ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ پہلی آیات میں یہودیوں کی طرف اشارہ ہے اس لیے موسیٰ علیہ السلام

کا حوالہ دیا گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انجیل تورات کا ہی تتمہ ہے لہٰذا تورات کے ذکر میں انجیل بھی شامل ہے۔

﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ (المائدة: ٤٨)

”اورہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ بھیجی،اس حال میں کہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور اس پرمحافظ ہے،پس ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے نازل کیا اورجوحق آپ کے پاس آیا ہے اس سے ہٹ کران کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں تم میں سے ہرایک کے لیے ہم نے ایک راستہ اور ایک طریقہ مقرر کیا ہے اوراگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک امت بنادیتالیکن وہ تمہیں اس میں آزماتا ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے ،پس نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو ،اللہ ہی کی طرف تم سب کالوٹ کر جانا ہے ، پھروہ تمہیں بتائے گا جن باتوں میں تم اختلاف کیاکرتے تھے۔“

مسائل

۱۔ قرآن مجید کے نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ظالم لوگوں کو ان کے انجام سے ڈرایا جائے اورحقیقی ایمانداروں کو خوشخبری دی جائے۔ ۲۔قرآن مجید سے پہلے تورات راہنما اور باعثِ رحمت کتاب تھی۔

۳۔ اب لوگوں کی راہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے عربی زبان میں قرآن مجید نازل کیا ہے ۔

تفسیر بالقرآن

نیکی کی جزا ، برائی کی سزا :

۱۔ جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔ جس نے ذرہ برابر برائی کی ہو گی وہ بھی اس کو دیکھ لے گا۔(الزلزال : ۷تا ۸) ۲۔برائیوں میں مرنے والے کے لیے جہنّم ہے ۔ (البقرۃ: ۸۱)

۳۔ جوایک نیکی کرے گا اس کودس نیکیوں کا بدلہ ملے گا جو برائی کرے گا اس کی سزاصرف اتنی ہی ہوگی ۔ (الانعام:۱۶۰)

۴۔ برائی کا بدلہ اس کی مثل ہی ہوگا ۔ (القصص:۸۴) ۵۔صبر کرنے والوں کے لیے جنّت کی جزا ہے ۔ (الدھر:۱۲)

۶۔ جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اس کا بدلہ جہنّم ہے ۔ (النازعات: ۳۷)

۷۔ نافرمانوں کو ہمیشہ کے عذاب کی سزادی جائے گی ۔ (یونس:۵۲)

۸۔ تکبر کرنے والوں کو ذلت آمیز سزا دی جائے گی ۔ (احقاف: ۲۰)

۹۔ شیطان اور اس کے پیروکاروں کو جہنّم کی سزا دی جائے گی ۔ (بنی اسرائیل:۶۳)

ثُمَّ	اللّٰهُ	رَبُّنَا	قَالُوْا	الَّذِيْنَ	اِنَّ
پھر	اللہ ہے	ہمارا رب	جنہوں نے کہا	وہ لوگ	بے شک

هُمْ	وَلَا	عَلَيْهِمْ	خَوْفٌ	فَلَا	اسْتَقَامُوْا
وہ	اور نہ	ان پر	خوف ہوگا	تو نہیں	وہ قائم رہے

فِيْهَا	خٰلِدِيْنَ	اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ	اُولٰٓئِكَ	يَحْزَنُوْنَ ﴿١٣﴾
اس میں	وہ ہمیشہ رہیں گے	جنتی ہیں	یہی لوگ	غمگین ہوں گے

يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾	كَانُوْا	بِمَا	جَزَآءً
عمل کرتے	وہ تھے	اس کی جو	جزا ہے

''یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے پھر اس پر قائم ہو گئے نہ انہیں خوف ہوگا اور نہ وہ پریشان ہوں گے۔(١٣) یہی لوگ جنتی ہیں اور یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ اُن اعمال کے کی جزا ہوگی جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے۔''(١٤)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قرآن مجید جن لوگوں کو خوشخبری سناتا ہے ان کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اپنے رب پر ایمان لاتے ہیں اور تادمِ آخر اس پر پکے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی تیسری آیت میں اپنی توحید کی یہ دلیل دی ہے کہ جو لوگ ''اللہ'' کے سوا دوسروں کو مانتے اور پکارتے ہیں۔ اے نبی! ان سے فرمائیں کہ یہ زمینوں اور آسمانوں میں کسی ایسی چیز کی نشاندہی کریں جو ان کے معبودوں نے پیدا کی ہو یا اللہ کی کسی تخلیق میں وہ شریکِ کار ہوں۔ پھر فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو جو کتاب دی گئی اسی کی ہدایت اور دعوت یہ تھی کہ ''اللہ'' کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے اور قرآن مجید بھی یہی دعوت دیتا ہے۔ دعوتِ توحید کا پہلا اور آخری تقاضا یہ ہے کہ جو لوگ اس بات کا اقرار اور اظہار کریں وہ تادمِ آخر اس پر پکے رہیں ان کے لیے خوشخبری ہے کہ ان کی موت کے وقت سے لے کر جنّت میں داخلے تک اور پھر جنت میں داخل ہونے کے بعد ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ ہی یہ حزن و ملال سے دوچار ہوں گے۔ یہ لوگ ہمیشہ جنّت میں بسیرا کریں گے جو ان کے اعمال کا صلہ ہوگا۔ اسی بات کو دوسرے مقام پر قدرے تفصیل کے ساتھ یوں بیان کیا گیا ہے۔

''جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب ''اللہ'' ہے اور اس پر ثابت قدم رہے یقیناً اُن پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو، اور نہ غم کرو، بلکہ اُس جنّت کے بارے میں خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی تمہارے ساتھ ہوں گے، وہاں جو چاہو گے تمہیں ملے گا اور جس کی خواہش کرو گے اُسے پاؤ گے۔ یہ اُس ''ب''

کی طرف سے مہمان نوازی ہے جو غفور ورحیم ہے۔'' (حٰم السجدۃ ۳۰ تا ۳۲)

((عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ کَانَ آخِرُ کَلَامِہٖ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ)) (رواہ ابوداؤد: کتاب الجنائز، باب فی التلقین، قال الشیخ البانی صحیح)

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا جس کا آخری کلام ''لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ'' ہو وہ جنّت میں داخل ہوگا۔''

((وَعَنْ سُفْیَانَ ابْنِ عَبْدِاللّٰہِ الثَّقَفِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قُلْ لِّیْ فِی الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَّا أَسْأَلُ عَنْہُ أَحَدًا بَعْدَکَ وَفِیْ رِوَایَۃٍ غَیْرَکَ قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ))

(رواہ مسلم: باب جَامِعِ أَوْصَافِ الإِسْلَامِ)

''حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول محترم ﷺ کی خدمت میں عرض کی مجھے اسلام کے بارے میں ایسی بات ارشاد فرمائیں کہ آپ ﷺ کے بعد کسی سے سوال کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے دوسری روایت میں ہے کہ ''آپ کے علاوہ'' کسی سے پوچھنے کی حاجت نہ رہے۔ فرمایا ''اللہ'' پر ایمان لانے کے بعد اس پر قائم رہو۔''

مسائل

۱۔ جو لوگ اقرار کریں کہ ہمارا رب ''اللہ'' ہے پھر اس پر استقامت اختیار کریں انہیں کوئی خوف وخطر اور حزن و ملال نہیں ہوگا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم رہنے والوں کا صلہ جنّت ہے۔

۳۔ اللہ کی توحید کا اقرار کرنے اور تقاضے پورے کرنے والوں کو ہمیشہ ہمیش جنّت میں بسایا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

توحید کی اہمیت اور اس کے فائدے:

۱۔ توحید سب سے بڑی سچائی ہے۔ (المائدۃ: ۱۱۹، النساء: ۸۷، ۱۲۲)

۲۔ توحید سب سے بڑی گواہی ہے۔ (آل عمران: ۱۸)

۳۔ توحید عدل ہے۔ (آل عمران: ۱۸) ۴۔ توحید دانائی ہے۔ (بنی اسرائیل: ۳۹)

۵۔ توحید سب سے بڑی نیکی ہے۔ (البقرۃ: ۱۷۷) ۶۔ توحید فرمانبرداری کا نام ہے۔ (النحل: ۴۸، الرعد: ۱۵)

۷۔ اللہ کی توحید پر استقامت اختیار کرنے والوں پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور وہ انہیں خوشخبری دیتے ہوئے کہتے ہیں غم وحزن میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں تمہارے لیے جنّت ہے جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ (حٰم السجدۃ: ۳۰)

وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ
اور ہم نے وصیت کی انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی اٹھایا اس کو

اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ
اس کی ماں نے تکلیف میں اور جنم دیا اُسے تکلیف میں اور اس کا اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا

ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ
تیس مہینے ہیں حتی کہ جب وہ پہنچا اپنی جوانی کو اور پہنچا چالیس سال کو

قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ
اس نے کہا اے میرے رب توفیق دے مجھے یہ کہ میں شکر کروں تیری نعمت کا وہ جو

”ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ بہترین سلوک کرے۔ اس کی ماں نے اسے تکلیف کے ساتھ اٹھا رکھا اور تکلیف کے ساتھ ہی اُسے جنم دیا اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچا اور چالیس سال کا ہو گیا، تو اس نے کہا اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کروں۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: حقوق اللہ کے ذکر کے بعد حقوق العباد کا تذکرہ حقوق میں سب سے پہلے والدین کا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے کئی مقامات پر اپنی توحید کا تذکرہ کرنے کے فوراً بعد انسان کو یہ وصیت فرمائی ہے کہ وہ اپنے والدین کا خیال رکھے اور ان کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کرے۔ البقرہ آیت ۸۳ میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل سے یہ عہد لیا کہ ”اللہ“ کی عبادت کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے اور اپنے والدین کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کرنا۔ سورہ بنی اسرائیل میں یہ ارشاد ہوا کہ اے انسان! تیرے رب کا قطعی فیصلہ ہے کہ صرف اپنے رب کی عبادت کرنا اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ سورہ لقمان میں ”قَضٰی“ البقرۃ میں اَخَذْنَا اور یہاں ”وَصَّيْنَا“ کے الفاظ استعمال فرما کر والدین کے حقوق کی فرضیت اور افادیت بیان کی گئی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مرد یعنی باپ کو گھر کا سربراہ اور قوّام بنایا گیا ہے لیکن خدمت اور حقوق کے حوالے سے ماں کا اولاد پر باپ سے حق فائق ہے۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ انسان کی پیدائش اور اس کی تربیت میں اس کی ماں کا زیادہ کردار ہوتا ہے۔ استقرارِ حمل سے لے کر بچے کی پیدائش تک ماں بڑی تکلیف اٹھاتی ہے۔ اس طرح وضع حمل سے لے کر بچے کے دودھ چھڑانے تک تیس مہینے ماں کے لیے ہر اعتبار سے آزمائش کے مہینے ہوتے ہیں۔ ماں کے رحم میں جونہی بچے کی تخلیق کی ابتدا ہوتی ہے۔

اَنۡعَمۡتَ	عَلَیَّ	وَ عَلٰی	وَالِدَیَّ	وَ اَنۡ	اَعۡمَلَ	صَالِحًا
تو نے انعام کی	مجھ پر	اور پر	میرے والدین	اور یہ کہ	میں عمل کروں	نیک
تَرۡضٰىهُ	وَ اَصۡلِحۡ	لِیۡ	فِیۡ	ذُرِّیَّتِیۡ ؕ	اِنِّیۡ	تُبۡتُ
کہ تو پسند کرے اس کو	اور تو اصلاح کر	میری	بارے میں	میری اولاد کے	بلاشبہ میں نے	توبہ کی
اِلَیۡكَ	وَ اِنِّیۡ	مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۱۵﴾				
تیری طرف	اور بلاشبہ میں	مسلمانوں سے ہوں				

جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائیں، اور ایسے نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو جائے، اور میری اولاد کو بھی نیک بنا۔ مجھے توفیق دے کہ میں تیرے حضور توبہ کرتا رہوں اور تابع دار بندوں میں شامل ہو جاؤں۔'' (١٥)

تو ماں کی زندگی کے معمولات اور ماکولات بدل ہوجاتے ہیں ۔نہ احتیاط کے بغیر چل سکتی ہے اور نہ ہی اپنی مرضی سے کھا پی سکتی ہے کیونکہ اس کے چلنے پھرنے اور کھانے پینے کے اثرات بچے کی پیدائش اور پرورش پر فوری طور پر اثر انداز ہوتے ہیں ۔اکثر ماؤں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اپنی مرضی سے کھانا پینا تو درکنار ،ان کے لیے باورچی خانے میں جانا بھی تکلیف دہ عمل بن جاتا ہے ۔وہ کھانا جس سے وہ لطف اندوز ہوا کرتی تھی آج اس کی خوشبو بھی اسے ناگوار گزرتی ہے ۔لیکن وہ اپنے بچے کی خاطر ہر تکلیف برداشت کیے جاتی ہے اس امید کے ساتھ کہ اس کی امید اور محنت کا ثمر پھلے پھولے گا اور بڑھاپے میں اس کا سہارا بنے گا ۔اللہ نے اس کی دعاؤں اور محنت کو قبول فرمایا جس کے نتیجے میں اس کا نیک سیرت بیٹا جوان ہوا۔جب وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچا تو اس کے احساسات اور جذبات کا عالم یہ ہے کہ وہ اپنے رب کے حضور دعائیں اور التجائیں کرتا ہے کہ اے میرے رب ! تو نے میرے والدین اور مجھ پر احسانات فرمائے ہیں مجھے توفیق عطا فرما کہ میں اس پر تیرا شکر ادا کرتا رہوں اور ایسے عمل کروں جس سے تو راضی ہوجائے ۔میرے رب! میری اولاد کو بھی یہ توفیق دینا کہ وہ بھی ان باتوں کا خیال رکھے اور تیری شکر گزار بن کر زندگی بسر کرے ۔اے رب! میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور تیرے تابعدار بندوں میں شامل ہونا چاہتا ہوں ۔قرآن مجید نے والدین کے حقوق کے تذکرہ کے دوران ''اَخَذَ'' ، ''قَضٰی'' اور ''وَصَّیۡنَا'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں تا کہ انسان کو معلوم ہو کہ اس کے رب کے نزدیک انسان کے والدین کا کیا مقام اور احترام ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں عورت کے حمل اور بچے کے دودھ پلانے کی مدّت کو تیس مہینے شمار کیا گیا ہے۔البقرۃ آیت ٢٣٣ سورۃ لقمان آیت ١٤ میں بچے کے دودھ پلانے کی مدت دوسال بیان کی گئی ہے۔ یہاں حمل اور دودھ پلانے کی مدت کو شامل کر کے تیس مہینے شمار کیا ہے کچھ لوگوں کو چھوڑ کر امت کے اہلِ علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بچے کو دودھ پلانے کی مدّت زیادہ سے زیادہ دوسال ہے ۔تیس مہینوں سے

چوبیس مہینے نکال دیئے جائیں تو چھ مہینے باقی رہ جاتے ہیں۔ بچہ پیدا ہونے کی یہ کم سے کم مدت ہے جس کی موجودہ میڈیکل سائنس بھی تصدیق کرتی ہے کہ چھ مہینے میں پیدا ہونے والا بچہ اپنی تخلیق کے اعتبار سے مکمل ہوتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید نے بچے کی پیدائش کی کم سے کم مدت بیان کی ہے۔

اس آیت اور سورہ لقمان کی آیت ۱۴ اور سورہ البقرہ کی آیت ۲۳۳ سے ایک اور قانونی نکتہ نکلتا ہے جس کی نشاندہی ایک مقدمے میں حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔ قصہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایک شخص نے قبیلہ جہنیہ کی ایک عورت سے نکاح کیا شادی کے چھ مہینے بعد اس کے ہاں صحیح و سالم بچہ پیدا ہوگیا۔ اس شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو زانیہ قرار دے کر حکم دیا کہ اسے رجم کردیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ قصہ سنا تو فوراً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ یہ آپ نے کیا فیصلہ کردیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ نکاح کے چھ مہینے بعد اس نے زندہ سلامت بچہ کو جنم دیا ہے کیا یہ اس کے زانیہ ہونے کا واضح ثبوت نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں۔ پھر انہوں نے قرآن مجید کی مذکورہ بالا تینوں آیتیں ترتیب کے ساتھ پڑھیں۔ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ'' مائیں اپنے بچوں کو پورے دوسال دودھ پلائیں۔ سورہ لقمان میں فرمایا: ''دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے۔''سورہ احقاف میں فرمایا:'' اس کے حمل اوراس کا دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگے۔'' اب اگر تیس مہینوں میں سے رضاعت کے دوسال نکال دیئے جائیں تو حمل کے چھ مہینے رہ جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حمل کی کم سے کم مدّت ،جس میں زندہ سلامت بچہ پیدا ہوسکتا ہے چھ مہینے ہے۔ لہٰذا جس عورت نے نکاح کے چھ مہینے بعد بچہ جنم دیا اسے زانیہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ استدلال سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس بات کی طرف میرا ذہن نہیں تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عورت کو واپس بلوایا اور اپنا فیصلہ بدل دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے استدلال کی تائید حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی کی اور اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے فیصلے سے رجوع فرمالیا۔ (ابن جریر، احکام القرآن للجصاص)(بحوالہ تفہیم القرآن جلد چہارم)

﴿وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ (البقرة : ٢٣٣)

''اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت پوری کرنے کا ہو۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَنْ أَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِي قَالَ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أَبُوكَ .)) (رواه البخاري : باب البِرِّ وَالصِّلَةِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے استفسار کیا کہ

اے اللہ کے رسول! میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیری ماں۔ پھر تیری ماں۔ پھر تیری ماں۔ پھر تیرا باپ۔''

((عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِنَّ أَبِي اِجْتَاحَ مَالِي فَقَالَ أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ وَقَالَ رَسُولُ ﷺ إِنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ أَطْيَبِ كَسْبِكُمْ فَكُلُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ)) (رواہ ابن ماجه: بَابُ مَا لِلرَّجُلِ مِنْ مَالِ وَلَدِهِ)

''عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس آکر کہنے لگا کہ میرا باپ میرے مال کا محتاج ہے آپ نے فرمایا: تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہاری اولاد تمہاری بہترین کمائی ہے اپنی اولاد کے مال سے کھاؤ۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ رِضَى الرَّبِّ فِي رِضَى الْوَالِدِ وَسُخْطُ الرَّبِّ فِي سُخْطِ الْوَالِدِ)) (رواہ الترمذی: باب ما جاء من الفضل فی رضا الوالدین)

''حضرت عبداللہ بن عمرو نبی معظم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: والد کی خوشی میں رب کی رضا ہے اور والد کی ناراضگی میں رب کی ناراضگی ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کرے۔(بنی اسرائیل:۲۳)
۲۔ ماں اپنی اولاد کی خدمت کی زیادہ حق دار ہے کیونکہ وہ بڑی تکلیف کے بعد بچے کو جنم دیتی ہے۔
۳۔ وضع حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ ۴۔ بچے کو دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے۔(البقرۃ:۲۳۳)
۵۔ انسان کو اپنے رب کا شکر گزار رہنے اور والدین کی خدمت پر اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگتے رہنا چاہیے۔
۶۔ انسان کو چاہیے کہ وہ ہر حال میں اپنے رب کا تابع فرمان رہے۔

تفسیر بالقرآن

والدین کے حقوق:

۱۔ والدین سے نیکی کرنے کا حکم۔(بنی اسرائیل:۲۳) ۲۔والدین کو اُف کہنا اور جھڑکنا جائز نہیں۔(بنی اسرائیل:۲۳)
۳۔ والدین کے سامنے عاجزی سے رہنا اور ان کے لیے دعا کرنی چاہیے۔(بنی اسرائیل:۲۴)
۴۔ غیر مسلم والدین کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا چاہیے۔(لقمان:۱۵)
۵۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم۔(مریم:۳۲)
۶۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اپنے والدین کے لیے مغفرت کی دعا۔(نوح:۲۸)

اُولٰٓئِكَ	الَّذِيْنَ	نَتَقَبَّلُ	عَنْهُمْ	اَحْسَنَ	مَا عَمِلُوْا
یہی	وہ لوگ ہیں کہ	ہم قبول کرتے ہیں	ان سے	اچھے	جو انہوں نے عمل کیے
وَنَتَجَاوَزُ	عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ	فِيْٓ	اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ	وَعْدَ	
اور ہم درگزر کرتے ہیں	ان کی برائیوں سے	میں	جنّتیوں	وعدہ ہے	
الصِّدْقِ	الَّذِيْ	كَانُوْا	يُوْعَدُوْنَ ⑯		
سچا	جو	تھے وہ	وعدہ دیے جاتے		

''ہم ان لوگوں کے بہترین اعمال قبول کرتے ہیں اور ان کی برائیوں سے درگزر کرتے ہیں، یہ جنّتی لوگوں میں شامل ہوں گے ،اس سچے وعدے کے مطابق جو ان سے کیا گیا ہے۔''(١٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نیک اولاد اور صالح اعمال کرنے والے لوگوں کی جزا۔

جو ایماندار لوگ '' اللہ'' کے شکر گزار ،اپنے والدین کے تابع فرمان ہوں گے اور صالح اعمال اختیار کریں گے۔ ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ ہم ان لوگوں کے نیک اعمال منظور فرمائیں گے اور ان کی بشری کوتاہیوں سے صرفِ نظر کریں گے اور انہیں اہلِ جنّت میں شامل کردیں گے۔اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ سچا وعدہ ہے ۔اللہ تعالیٰ کا ہر وعدہ اورفرمان سچا اور اٹل ہوتا ہے ۔والدین کی تابعدار اور شکرگزار اولاد کے لیے بالخصوص ''وَعْدَ الصِّدْقِ'' کے الفاظ استعمال فرما کر یہ پیغام دیا ہے کہ لوگو! اپنے والدین کا تابع فرمان رہنا اور میرا شکر گزار بننا ۔ میرا شکر گزار اور والدین کا تابعدار ہونے کا صلہ یہ ہے کہ میں تمہاری نیکیوں کو مستجاب اور غلطیوں سے درگزر فرما کر تمہیں اہلِ جنّت میں شامل کروں گا۔

((أَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ))(رواہ أبوداؤد : باب فی الإستغفار)

''الٰہی ! اپنے ذکر، شکر اور بہترین طریقے سے عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔''

((عَنْ بُسْرِ بْنِ أَرْطَاةَ الْقُرَشِيِّ ؓ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَدْعُو اللّٰهُمَّ أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا وَأَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ))

(رواہ احمد : مسند بسر بن ارطاۃ، ھذا حدیث حسن غریب)

''حضرت بسر بن ارطاۃ قرشی ؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا اے اللہ! ہمارے تمام معاملات کا انجام اچھا فرما اور ہمیں دنیا اور آخرت کی رسوائی سے محفوظ فرما۔''

﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (البقرۃ : ٢٠١)

''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں جہنّم کے عذاب سے محفوظ فرما۔''

وَالَّذِيْ	قَالَ	لِوَالِدَيْهِ	اُفٍّ	لَّكُمَآ	اَتَعِدٰنِنِيْٓ
اور وہ جس نے	کہا	اپنے والدین سے	اُف ہے	تم دونوں کے لیے	کیا تم دونوں وعدہ دیتے ہو مجھے
اَنْ	اُخْرَجَ	وَقَدْ	خَلَتِ	الْقُرُوْنُ	مِنْ قَبْلِيْ
یہ کہ	میں نکالا جاؤں گا	حالانکہ تحقیق	گزر چکی ہیں	امتیں	مجھ سے پہلے
وَهُمَا	يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ	وَيْلَكَ	اٰمِنْ	اِنَّ	وَعْدَ اللّٰهِ
اور وہ دونوں	اللہ سے فریاد کرتے ہیں	افسوس تجھ پر	تو ایمان لے آ	بے شک	اللہ کا وعدہ
حَقٌّ	فَيَقُوْلُ	مَا هٰذَآ	اِلَّآ	اَسَاطِيْرُ	الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٧﴾
سچا ہے	پھر وہ کہتا ہے	نہیں ہے یہ	مگر	قصے کہانیاں	پہلے لوگوں کی

”اور جس شخص نے اپنے والدین سے کہا تم پر افسوس ہے کہ تم مجھے ڈراتے ہو کہ میں مرنے کے بعد زندہ کیا جاؤں گا؟ حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں اس کے ماں ، باپ اللہ سے فریاد کرتے ہیں اور اسے کہتے ہیں کہ تجھ پر افسوس ۔ایمان لے آ ؤبے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، وہ کہتا ہے یہ سب پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔“(١٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نیک والدین اورصالح اولاد کے تذکرہ کے بعد بری اولاد کے خیالات اور اس کے کردار کا ذکر۔

اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں ایک بڑی نعمت اولاد کا صالح ہونا ہے ۔اولاد نیک اور باصلاحیت ہوتو بوڑھے والدین اپنے آپ میں ایک قوت اور اطمینان محسوس کرتے ہیں۔اولاد اعتقادی طور پر بری ہو اور عملی طور پر نافرمان ہوتو والدین کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے ۔ یہاں نیک اور بری اولاد کا موازنہ کیا جارہا ہے ۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان لوگ بھی اولاد کی نافرمانی کا دکھ برداشت نہیں کر سکتے لیکن نیک والدین کے لیے یہ دکھ زیادہ ہی اذّیت کا باعث ہوتا ہے ۔جب ان کی اولاد اعتقادی طور پر دین کی مخالف اور عملی طور پر اپنے ماں باپ کی نافرمان ہوتو والدین کے لیے یہ اذّیت اس قدر کربناک ہوتی ہے کہ جس سے ماں، باپ کی زندگی دکھوں ،پریشانیوں کا گہوارہ بن جاتی ہے ۔یہاں اسی کیفیت کا تذکرہ کیا گیا ہے ۔نیک ماں، باپ اپنی بدعقیدہ اولاد کو بار بار سمجھاتے ہیں کہ بیٹا اپنے رب کے تابعدار ہوجاؤ اور ہمارا خیال رکھو ۔بری اولاد نہ صرف ماں باپ کو دکھ پہنچاتی ہے بلکہ وہ اس بات کا بھی مذاق اڑاتی ہے کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ پرانے اور بوسیدہ خیالات کی بنیاد پر مجھے ڈراتے اور خوفزدہ کرتے ہو کہ مرنے کے بعد مجھے زندہ کیا جائے گا اور وہاں مجھ سے پوچھ گچھ ہوگی۔ میں اس عقیدے کو نہیں مانتا کیونکہ یہ پرانی باتیں ہیں ۔مجھ سے پہلے اَن گنت لوگ فوت ہو چکے آج تک ان میں سے کوئی ایک بھی زندہ ہو کر واپس نہیں آیا۔نافرمان بیٹے کی اصلاح اور فلاح کے لیے والدین اپنے رب سے رو رو کر دعائیں اور التجائیں کرتے ہیں لیکن نافرمان بیٹا کسی صورت بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا کہ مجھے مر

کر زندہ ہونا اور اپنے رب کی بارگاہ میں جواب دینا ہے۔ والدین پھر سمجھاتے ہیں کہ اے ناعاقبت اندیش بیٹے! تجھ پر افسوس! اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے کہ وہ لوگوں کو ہر صورت زندہ کرے گا اور ان سے حساب و کتاب لے گا۔ جو کسی کے انکار کرنے سے ٹل نہیں سکتا۔ یہاں ایک طرف اولاد کی نافرمانی کا کرب بیان کیا گیا ہے اور دوسری طرف آخرت پر یقین نہ رکھنے والی نسل کے نظریات اور کردار کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جب کوئی شخص آخرت کی جوابدہی کا عقیدہ فراموش کر دیتا ہے تو اسے کسی رشتے کا احترام اور اپنے محسن کے احسان کا احساس نہیں رہتا۔ فکرِ آخرت کا عقیدہ جس قدر کمزور ہوگا تو اسی قدر ہی انسان کے کردار اور اخلاق میں کمزوری واقع ہوگی۔ فکرِ آخرت کا عقیدہ جس قدر مضبوط اور تازہ ہوگا اس قدر ہی انسان اپنے والدین کا فرمانبردار اور اپنے رب کا عبادت گزار ہوگا۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْكَبَآئِرَ فَقَالَ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ فَقَالَ أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ قَالَ شَهَادَةُ الزُّوْرِ))

(رواه البخاری: کتاب الأدب، باب عقوق الوالدین من الکبائر)

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبیرہ گناہوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: بڑے گناہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ناحق خون کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا۔“ پھر فرمایا: کیا میں تمہیں بڑے گناہ سے آگاہ نہ کروں؟ وہ جھوٹی گواہی دینا ہے۔“

مسائل

۱۔ آخرت کا انکار کرنے والے لوگوں کی اکثریت اپنے ماں، باپ کی گستاخ ہوتی ہے۔

۲۔ آخرت کا انکار کرنے والوں کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ہم سے پہلے لوگ اب تک کیوں زندہ نہیں ہوئے؟

۳۔ قیامت کا انکار کرنے والے دوبارہ زندہ ہونے کو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں قرار دیتے ہیں۔

۴۔ قیامت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے وہ ہر صورت لوگوں کو دوبارہ زندہ کرے گا اور ان سے ان کے عقیدہ و عمل کا حساب لے گا۔

۵۔ نیک ماں باپ کو نافرمان اولاد کا بڑا دکھ ہوتا ہے۔ ”اللہ“ اس دُکھ سے بچائے رکھے۔ آمین یا رب العالمین!

تفسیر بالقرآن

قیامت سے پہلے لوگوں کو زندہ کرنے کی مثالیں:

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے چار پرندوں کو زندہ فرمایا۔ (البقرۃ: ۲۶۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے مقتول کو زندہ فرمایا۔ (البقرۃ: ۷۳) ۳۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو زندہ فرمایا۔ (البقرۃ: ۲۵۹)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ہزاروں لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا۔ (البقرۃ: ۲۴۳)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے مُردوں کو زندہ کیا۔ (آل عمران: ۴۹) (الکہف: ۲۵)

اُولٰٓئِكَ	الَّذِيْنَ	حَقَّ	عَلَيْهِمُ	الْقَوْلُ	فِيْٓ اُمَمٍ
یہ	وہ لوگ ہیں	ثابت ہوگئی	ان پر	بات	ان امتوں میں
قَدْ خَلَتْ	مِنْ قَبْلِهِمْ	مِّنَ الْجِنِّ	وَالْاِنْسِ	اِنَّهُمْ	كَانُوْا
تحقیق جو گزر چکیں	ان سے پہلے	جنّوں سے	اور انسانوں سے	بے شک وہ	تھے
خٰسِرِيْنَ ⑱	وَلِكُلٍّ	دَرَجٰتٌ	مِّمَّا	عَمِلُوْا	وَلِيُوَفِّيَهُمْ
خسارہ پانے والے	اور ہر ایک کے لیے	درجے ہیں	اس میں سے جو	انہوں نے عمل کیے	اور تاکہ پورا دے ان کو
اَعْمَالَهُمْ	وَهُمْ	لَا يُظْلَمُوْنَ ⑲			
ان کے اعمال	اور وہ	نہیں ظلم کیے جائیں گے			

''یہ لوگ ہیں جن پر عذاب کا فیصلہ ثابت ہو چکا ہے، ان سے پہلے جنّوں اور انسانوں کے گروہ گزر چکے ہیں بے شک وہ نقصان پانے والے تھے۔(۱۸) دونوں میں سے ہر ایک کے درجے اُن کے اعمال کے مطابق ہیں تاکہ اللہ ان کو ان کے کیے کا پورا پورا بدلہ دے، اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔''(۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جولوگ اللہ کی توحید کا انکار اور اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں نقصان پائیں گے۔

جو لوگ ''اللہ'' کی توحید اور اپنے والدین کی نافرمانی کریں گے وہ لوگ دنیا اور آخرت میں نقصان پائیں گے۔حقیقت یہ ہے کہ ان کی نافرمانی کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کا فرمان اسی طرح سچ ثابت ہوگا جس طرح اس کا فرمان ان سے پہلے نافرمان جنّوں اور انسانوں پر سچ ثابت ہوا جس کے نتیجہ میں وہ دنیا میں اپنے رب کے غضب کا شکار ہوئے اور آخرت میں ہمیشہ ہمیش نقصان میں رہیں گے۔نقصان سے مراد جنّت سے محرومی ہے اور جہنّم میں داخل کیا جانا ہے۔ اس کا اصول ہے کہ ''کوئی جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔'' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو ان کے اعمال کی پوری، پوری سزا اور جزا دے گا۔کسی کے ساتھ کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا۔دنیا دار لوگ دنیا میں اچھے اعمال کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے وسائل میں اضافہ کرتا ہے اور انہیں نیک نامی سے نوازتا ہے لیکن یہ لوگ آخرت کے اجر سے محروم ہوں گے۔ان کے مقابلے میں صحیح العقیدہ اور صالح کردار رکھنے والے لوگ دنیا میں بھی صلہ پاتے ہیں اور آخرت میں اَن گنت اور لامحدود اجر پائیں گے۔دنیا کے اجر میں سب سے نمایاں بات یہ ہے کہ نیک لوگوں کو دل کے اطمینان سے نوازا جاتا ہے۔ ان سے کوئی چیز چھن جائے تو حد سے زیادہ پریشان نہیں ہوتے۔ انہیں عطا کیا جائے تو وہ اپنے آپ سے باہر نہیں ہوتے۔گویا کہ وہ ہر حال میں اپنے رب پر راضی اور

مطمئن رہتے ہیں۔ یہ ایسی نعمت ہے کہ دنیا کی کوئی نعمت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًاo اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًاo اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًاo ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَ اتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَ رُسُلِيْ هُزُوًاo اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًاo خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ (الکھف: ۱۰۳ تا ۱۰۸)

''اے نبی ان سے فرما دیں کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اعمال کے اعتبار سے نقصان پانے والے کون لوگ ہیں؟ یہ وہ ہیں جن کی دنیا کی زندگی میں ہی ساری محنت ضائع ہوگئی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کو ماننے سے انکار کیا اور اس کے حضور پیش ہونے کا یقین نہ کیا۔ان کے سارے اعمال ضائع ہو گئے قیامت کے دن ہم انہیں کوئی وزن نہیں دیں گے۔ان کی سزا جہنّم ہے اس کفر کے بدلے جو انہوں نے کیا اور اس وجہ سے کہ وہ میری آیات اور میرے رسولوں کے ساتھ مذاق کرتے رہے۔یقیناً جو لوگ ایمان لائے اورانہوں نے نیک عمل کیے ان کی میزبانی کے لیے فردوس کے باغات ہوں گے۔جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اوراس سے نکلنے کی کبھی خواہش نہیں کریں گے۔''

مسائل

۱۔ نافرمان لوگوں پر''اللہ'' کا عذاب برحق ثابت ہوتا ہے۔
۲۔ بے شمار جِنّ اور لاتعداد انسان دنیا میں''اللہ'' کے عذاب میں گرفتار ہوئے اور آخرت میں جہنّم میں داخل ہوں گے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔کسی پر کسی اعتبار سے ظلم نہیں ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

دنیااورآخرت میں نقصان پانے والے لوگ:

۱۔ اپنے مالوں اور اولادوں کے بارے میں سستی کرنے والے دنیا اور آخرت میں نقصان پائیں گے۔(المنافقون:۹)
۲۔ جولوگ مساجد کو برباد کرتے ہیں وہ دنیا وآخرت میں ذلّت اٹھائیں گے۔(البقرۃ:۱۱۴)
۳۔ جولوگ اللہ کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں وہ دنیا وآخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے۔(ہود:۲۱)
۴۔ جن لوگوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی وہ دنیا وآخرت میں خسارہ پائیں گے۔(النحل:۱۰۹)

وَيَوْمَ	يُعْرَضُ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	عَلَى النَّارِ ؕ	اَذْهَبْتُمْ
اور جس دن	پیش کیے جائیں گے	وہ لوگ جنہوں نے	کفر کیا	آگ پر	تم نے پالیا
طَيِّبٰتِكُمْ	فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا	وَاسْتَمْتَعْتُمْ	بِهَا ۚ	فَالْيَوْمَ	
اپنی لذتوں کو	اپنی دنیاوی زندگی میں	اور تم نے فائدہ اٹھالیا	ان سے	چنانچہ آج	
تُجْزَوْنَ	عَذَابَ الْهُوْنِ	بِمَا	كُنْتُمْ	تَسْتَكْبِرُوْنَ	فِي
تم بدلہ دیے جاؤ گے	ذلت کے عذاب کا	اس کے سبب جو	تم تھے	تکبر کرتے	میں
الْاَرْضِ	بِغَيْرِ الْحَقِّ	وَبِمَا	كُنْتُمْ	تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾ ع	
زمین	ناحق	اور اس کے جو	تم تھے	نافرمانی کرتے	

”جس دن کافر آگ کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے۔ ان سے کہا جائے گا تم اپنے حصے کی نعمتیں دنیا کی زندگی میں پا چکے اور تم نے ان سے لطف اُٹھا لیا، تم بلاوجہ زمین میں تکبر کرتے تھے اور تم نے نافرمانیاں کیں ان کی پاداش میں تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔“ (۲۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ”اللہ“ کی توحید کا انکار اور والدین کی نافرمانی وہی شخص کرتا ہے جو آخرت کو فراموش کر دیتا ہے۔ اس لیے یہاں اس کے انجام کا ذکر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہر صورت لوگوں کو زندہ کرے گا اور ان سے حساب وکتاب لے گا۔ نیک لوگ اپنے عقیدہ اور عمل کی جزا پائیں گے۔ برے لوگ اپنے بُرے عقیدہ اور عمل کے مطابق سزا سے دوچار ہوں گے۔ ایسے لوگوں کو جب جہنّم کے سامنے کھڑا کیا جائے گا تو ان سے کہا جائے گا کہ تم اس سے پہلے دنیا کی زندگی اور اس کی نعمتوں سے لذّت یاب ہو چکے اب تمہارے لیے اذّیت اور ذلّت ناک عذاب کے سوا کچھ نہیں ہوگا کیونکہ تم نے دنیا میں بلادلیل حق کے ساتھ تکبر کا رویہ اختیار کیا اور تم اپنے رب کی نافرمانی کرتے رہے۔ قرآن مجید نے لوگوں کو یہ حقیقت بار بار بتلائی اور سمجھائی ہے کہ دنیا کی زندگی اور اس کی نعمتیں تھوڑی اور ناپائیدار ہیں۔ دنیا اور اس کی نعمتوں کے مقابلے میں آخرت کی زندگی اور جنّت کی نعمتیں لامحدود اور بے شمار ہیں۔ اس لیے دنیا کی خاطر آخرت کا نقصان نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن لوگوں کی اکثریت سب کچھ دنیا ہی کو سمجھ بیٹھتی ہے۔ اس وجہ سے اپنے رب کے ارشادات سے لاپرواہی کرتے ہوئے اس کی نافرمانی میں زندگی بسر کرتے ہیں جس وجہ سے انہیں ذلّت ناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

”حضرت عبداللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدائن میں تھے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پانی طلب کیا تو ایک کاشتکار چاندی کے برتن میں پانی لے کر حاضر ہوا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے

پھینک دیا اور فرمانے لگے کہ میں تمہیں بتاتے ہوئے حکم دیتا ہوں کہ کوئی شخص ایسے برتن میں نہ دے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیو۔ زیور اور ریشمی لباس نہ پہنو (مرد) یقیناً یہ دنیا میں کافروں کے لیے ہے اور تمہارے لیے آخرت میں ہے۔‘‘

(رواہ مسلم: باب تَحْرِیمِ اسْتِعْمَالِ إِنَاءِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّةِ عَلَی الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ)

((عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رضی اللہ عنہ قَالَ نَامَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ عَلٰی حَصِیرٍ فَقَامَ وَقَدْ أَثَّرَ فِی جَنْبِہٖ فَقُلْنَا یَا رَسُولَ اللّٰہِ لَوِ اتَّخَذْنَا لَکَ وِطَاءً فَقَالَ مَا لِی وَمَا لِلدُّنْیَا مَا أَنَا فِی الدُّنْیَا إِلَّا کَرَاکِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَکَھَا)) (رواہ الترمذی : باب مَا جَاءَ فِی أَخْذِ الْمَالِ)

’’حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک چٹائی پر سوئے تو آپ کے پہلو پر چٹائی کے نشان پڑ گئے۔ ہم نے عرض کی اللہ کے رسول! آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے لیے اچھا سا بستر تیار کردیں؟ آپ نے فرمایا: میرا دنیا کے ساتھ ایک مسافر جیسا تعلق ہے جو کسی درخت کے نیچے تھوڑا سا آرام کرتا ہے اور پھر اسے چھوڑ کر آگے چل دیتا ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ قیامت کے دن منکرین کو جہنّم کی آگ کے سامنے کھڑا کر کے کہا جائے گا۔

۲۔ تم نے دنیا کی لذت سے فائدہ اٹھا لیا اب جہنّم کے اذیت اور ذلت ناک عذاب میں مبتلا رہو گے۔

۳۔ جہنّم میں تمہیں اس لیے جھونکا جارہا ہے کہ تم حق بات کے ساتھ تکبر کرنے والے اور اپنے رب کے نافرمان تھے۔

تفسیر بالقرآن

جہنّم کی ہولنا کیوں کا ایک منظر:

۱۔ اس دن ہم ان کا مال جہنّم کی آگ میں گرم کریں گے اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں، کروٹوں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ (التوبہ:۳۵)

۲۔ ان کا ٹھکانہ جہنّم ہے جب وہ ہلکی ہونے لگے گی تو ہم اسے مذید بھڑکا دیں گے۔ (بنی اسرائیل:۹۷)

۳۔ اس میں وہ کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور اس طرح پئیں گے جس طرح پیا سا اونٹ پانی پیتا ہے۔ (الواقعہ:۵۴تا۵۵)

۴۔ تھور کا درخت گنہگاروں کا کھانا ہو گا۔ (الدخان:۴۳)

۵۔ ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کی ہے جو انہیں گھیرے ہوئے ہو گی اور انہیں پانی کی جگہ پگھلا ہوا تانبا دیا جائے گا جو ان کے چہروں کو جلا دے گا۔ (الکھف:۲۹)

۶۔ جہنّمیوں کے جسم بار بار بدلے جائیں گے تاکہ انہیں پوری پوری سزا مل سکے۔ (النساء:۵۶)

وَاذْكُرْ	اَخَا عَادٍ	اِذْ	اَنْذَرَ	قَوْمَهٗ	بِالْاَحْقَافِ
اور یاد کریں	عاد کے بھائی کو	جب	اس نے ڈرایا	اپنی قوم کو	احقاف میں

وَقَدْ	خَلَتِ	النُّذُرُ	مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ	وَمِنْ خَلْفِهٖٓ	اَلَّا
اور تحقیق	گزر چکے	کئی ڈرانے والے	اس سے پہلے	اور اس کے بعد	کہ نہ

تَعْبُدُوْٓا	اِلَّا	اللّٰهَ	اِنِّيْٓ	اَخَافُ	عَلَيْكُمْ	عَذَابَ	يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٢١﴾
تم عبادت کرو	سوائے	اللہ کے	بلاشبہ میں	ڈرتا ہوں	تم پر	عذاب سے	بڑے دن کا

انہیں عاد کے بھائی ہود کا واقعہ سنائیں جب اس نے اپنی قوم کو احقاف میں خبردار کیا اور ایسے خبردار کرنے والے اس سے پہلے بھی گزر چکے تھے اور اس کے بعد بھی آتے رہے، اس نے کہا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، مجھے تمہارے بارے میں بڑے ہولناک دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔‘‘(۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حق کے ساتھ استکبار کرنے والے لوگوں میں قومِ عاد بھی شامل ہے اس لیے ان کے انجام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کا تعلق عرب کے عاد قبیلے سے تھا جن کی رہائش موجودہ جغرافیے کے مطابق عمان اور یمن کے علاقے حضر موت کے درمیان تھی ۔ یہ علاقہ سمندر کے کنارے پر واقع تھا یہاں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے اور بلند وبالا پہاڑ تھے ۔ اس کے رہنے والے جسمانی اعتبار سے دراز قامت ، کڑیل جوان اور قوی ہیکل تھے۔ دنیا میں ان کا کوئی ثانی پیدا نہیں ہوا۔ انھوں نے پہاڑ تراش ، تراش کر خوبصورت محلات تعمیر کر رکھے تھے ۔ان کی سرزمین نہایت سرسبز تھی جس میں ہر قسم کے باغات آراستہ تھے قرآن مجید نے انھیں ’’احقاف والے‘‘ کہا ہے۔ احقاف ریت کے بڑے بڑے ٹیلوں کو کہا جاتا ہے جو عرب کے جنوب مغربی حصہ میں واقع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی علاقہ میں حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جو خوش اندام ،کڑیل جوان اور بہترین سیرت وصورت کے حامل تھے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو بار بار نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو ۔ کفر و شرک اور بُرے کاموں کو چھوڑ دو اور میرے پیچھے چلو ۔میں پوری دیانت داری کے ساتھ تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارے لیے رسول منتخب کیا گیا ہوں ۔اس خدمت پر میں آپ سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا، میرا صلہ رب العالمین کے ذمہ ہے ۔حضرت ھود علیہ السلام نے اُنھیں سمجھایا کہ تم ہر اونچی جگہ پر یادگاریں بناتے ہو اور تم بے مقصد بڑے بڑے محلات تعمیر کرتے ہو جیسے تم نے دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے ۔تم میں یہ برائی بھی موجود ہے کہ جب کسی پر گرفت کرتے ہو تو تمھارا ردّیہ ظالموں اور ’’اللہ‘‘ کے باغیوں جیسا ہوتا ہے ۔ میں تمھیں پھر سمجھتا تا ہوں کہ اللہ سے ڈرو میں اُس کا رسول ہوں اور میری تابعداری کرو ۔ (الشعراء:۱۲۵ تا ۱۳۱)

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو’’اللہ‘‘ کی عبادت اور توبہ و استغفار کی دعوت دی۔ لیکن قوم نے اس کا یہ جواب

قَالُوْٓا	اَجِئْتَنَا	لِتَاْفِكَنَا	عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ	فَاْتِنَا
انہوں نے کہا کیا تو آیا ہے ہمارے پاس		تاکہ تو پھیر دے ہمیں	ہمارے معبودوں سے	پس تو لے آ ہمارے پاس
بِمَا	تَعِدُنَآ	اِنْ	كُنْتَ	مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٢﴾	قَالَ
جس کا	تو ہمیں وعدہ دیتا ہے	اگر	تو ہے	سچوں سے	اس نے کہا
اِنَّمَا	الْعِلْمُ	عِنْدَ اللّٰهِ ۖ	وَاُبَلِّغُكُمْ	مَّآ	اُرْسِلْتُ
بس	علم	اللہ کے پاس ہے	اور میں پہنچاتا ہوں تمہیں	وہ چیز	میں بھیجا گیا ہوں
بِهٖ	وَلٰكِنِّيْٓ	اَرٰىكُمْ	قَوْمًا	تَجْهَلُوْنَ ﴿٢٣﴾	
اس کے ساتھ	لیکن میں	دیکھتا ہوں تمہیں	ایسے لوگ	کہ تم جہالت کرتے ہو	

انہوں نے کہا کیا تو اس لیے آیا ہے کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دے؟ تو جس عذاب سے ہمیں ڈراتا ہے لے آ اگر واقعی تو سچا ہے۔(٢٢) اس نے کہا کہ اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے اور میں تمہیں صرف پیغام پہنچا رہا ہوں جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ جہالت اختیار کیے ہوئے ہو۔"(٢٣)

دیا کہ اے ھود! تو ہمارے پاس ٹھوس اور واضح دلائل نہیں لایا۔ اس لیے ہم تیری بے بنیاد باتوں پر اپنے معبودوں کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں اور نہ ہی تجھ پر ایمان لائیں گے۔ہم تو سمجھتے ہیں کہ ہمارے معبودوں کی مخالفت کی وجہ سے ہمارے کچھ معبودوں کی تجھ پر مار پڑ گئی ہے۔جس کی وجہ سے تو الٹی سیدھی باتیں کرتا ہے۔حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا تم جو چاہو کہو۔لیکن میں اس بات پر اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ گواہ رہنا کہ جن کو اللہ کا شریک بناتے ہو میں ان سے نفرت اور برأت کا اعلان کرتا ہوں۔ جہاں تک تمہاری اس بات کا تعلق ہے کہ مجھے تمہارے معبودوں نے کچھ کردیا ہے،اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں کہ تم اور تمہارے معبود اکٹھے ہوکر میرے خلاف جو اقدام کرنا چاہتے ہو کرو۔ میں تم سے ایک لمحہ بھی مہلت مانگنے کے تیار نہیں ہوں۔ (ھود:٥٢تا٥٥) حضرت ھود علیہ السلام سے ان کی قوم نے وہی مطالبہ کیا جو ان سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم مطالبہ کرچکی تھی ۔حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کے مطالبہ پر تین باتیں ارشاد فرمائیں ۔① ۔میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ تم پر کب اورکس طرح کا عذاب نازل کرے گا۔ ② ۔میرا کام تم تک اپنے رب کے پیغامات پہچانا ہے۔ ③ ۔اے میری قوم! تم نے ہدایت کی بجائے عذاب کا مطالبہ کیا ہے جو پرلے درجے کی جہالت ہے ۔یاد رہے کہ مشرکین کی شروع سے عادت ہے کہ وہ اپنے باطل عقیدہ کو سچ ثابت کرنے کے لیے نہ صرف اپنے معبودوں کے متعلق جھوٹے دعوے اور پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ بلکہ توحید کی دعوت دینے والوں کو یہ کہہ کر ڈراتے ہیں کہ اگر تم نے ہمارے حاجت روا اور مشکل کشاؤں کے خلاف

بات کی تو وہ تمہارا قلع قمع کر دیں گے۔ اگر کسی موحد کو ناگہانی مشکل آن پڑے یا کوئی نقصان ہو جائے تو مشرکین یہ کہنے میں جھجک محسوس نہیں کرتے کہ یہ سب کچھ ہمارے بزرگوں کا کیا دھرا ہے۔ ایسا ہی دعویٰ حضرت ھود علیہ السلام کے مخالفوں نے کیا تھا حالانکہ ہر دور میں یہ مثالیں موجود رہی ہیں کہ مشرکین جن کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں وہ اپنے اور کسی دوسرے کے نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ پاکستان میں علی ہجویری کے مزار کی تعمیر کے دوران مزار کی چھت گر پڑی جس سے درجنوں مزدور لقمہ اجل بنے، سندھ میں شہباز قلندر کے مزار میں آگ لگ گئی جس سے سب کچھ جل کر خاکستر ہوا۔ ۲۰۱۰ء میں بڑے بڑے مزارات پر دھماکے ہوئے جن میں درجنوں لوگ چل بسے۔ پنجاب حکومت نے لاہور کی سڑکیں کھلی کرنے کے لیے کئی مزارات مسمار کیے لیکن مسمار کرنے والوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ حالانکہ اس وقت کے وزیر اعلیٰ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ قبروں والے مدد کرتے ہیں۔ اسی عقیدہ کی بنا پر اس نے مزارات پر کروڑوں روپے لگا کر انہیں نئے سرے سے تعمیر کروایا۔

مسائل

۱۔ حضرت ھود علیہ السلام نے قومِ عاد کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے کی تلقین فرمائی۔

۲۔ حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو عظیم دن کے عظیم عذاب سے ڈرایا۔

۳۔ قومِ عاد نے حضرت ھود علیہ السلام کی دعوت کے مقابلے میں اپنے باطل معبودوں پر اصرار کیا اور ھود علیہ السلام سے عذاب لانے کا مطالبہ کیا۔

۴۔ قومِ عاد کی دھمکی پر حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا کہ تم جہالت کا مظاہرہ کر رہے ہو۔

تفسیر بالقرآن

حضرت ھود علیہ السلام کی بددعا اور قوم کا انجام:

۱۔ میرے رب میری مدد فرما انھوں نے مجھے کلی طور پر جھٹلا دیا ہے۔ (المومنون: ۳۹)

۲۔ قومِ ہود پر سات راتیں اور آٹھ دن زبردست آندھی اور ہوا کے بگولے چلے۔ (الحاقۃ: ۷)

۳۔ گرج چمک اور بادو باراں کا طوفان آیا۔ (الاحقاف: ۲۴)

۴۔ آندھی نے انھیں کھجور کے تنوں کی طرح پٹخ پٹخ کر دے مارا۔ (الحاقۃ: ۷)

۵۔ انھیں ریزہ ریزہ کر دیا گیا۔ (الذاریات: ۴۲) ۶۔ قوم ھود کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ (الاعراف: ۷۲)

۷۔ دنیا اور آخرت میں ان پر پھٹکار برستی رہے گی۔ (حٰم السجدۃ: ۱۶)

۸۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ھود اور ایمانداروں کو اس عذاب سے محفوظ رکھا۔ (ھود: ۵۸)

فَلَمَّا	رَاَوْهُ	عَارِضًا	مُّسْتَقْبِلَ	اَوْدِيَتِهِمْ	قَالُوْا	هٰذَا
پھر جب	دیکھا انہوں نے اس کو	بادل	سامنے چلا آرہا ہے	ان کی وادیوں کے	انہوں نے کہا	یہ
عَارِضٌ	مُّمْطِرُنَا	بَلْ	هُوَ مَا	اسْتَعْجَلْتُمْ	بِهٖ	رِيْحٌ
بادل ہے	ہم پر بارش برسانے والا	بلکہ	وہ ہے	تم جلدی طلب کرتے تھے	اس کو	ہوا

فِيْهَا	عَذَابٌ	اَلِيْمٌ ﴿٢٤﴾	تُدَمِّرُ	كُلَّ شَيْءٍ	بِاَمْرِ رَبِّهَا
اس میں	عذاب ہے	دردناک	وہ تباہ کر دے گا	ہر چیز کو	اپنے رب کے حکم سے
فَاَصْبَحُوْا	لَا	يُرٰٓى	اِلَّا	مَسٰكِنُهُمْ	كَذٰلِكَ
پھر وہ ہو گئے	نہ	دکھائی دیتا تھا	سوائے	ان کے گھر (جمع)	اسی طرح

نَجْزِي	الْقَوْمَ	الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٢٥﴾
ہم سزا دیتے ہیں	قوم	مجرم کو

”پھر جب انہوں نے بادل کو اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے دیکھا، تو کہنے لگے یہ بادل ہم پر برسے گا۔ حالانکہ یہ وہی ہے جس کو تم جلدی طلب کر رہے تھے، اس آندھی میں دردناک عذاب چلا آرہا ہے۔ (۲۴) جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز تباہ کر دے گا، پھر وہ ایسے ہوئے کہ اُن کے گھروں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا، اسی طرح ہم مجرموں کو سزا دیا کرتے ہیں۔“ (۲۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قوم کے مطالبہ پر عذاب نازل ہونا اور قومِ عاد کا انجام۔

نامعلوم حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو کس کس انداز میں اور کتنی مدت سمجھایا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کی کوشش فرمائی لیکن ناہنجار قوم نے بالآخر حضرت ھود علیہ السلام کو بدعا کرنے پر مجبور کر دیا۔ حضرت ھود علیہ السلام نے جب پوری طرح محسوس کیا کہ یہ قوم کسی طرح سدھرنے کے لیے تیار نہیں تو انہوں نے قوم کے اصرار پر اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کی کہ اب اس قوم کا فیصلہ ہو جانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی بدعا قبول کی اور قومِ عاد پر عذاب نازل کرنے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ جس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ بڑی مدت کے بعد ایک دن قومِ عاد پر کالے بادل اس طرح اُمڈ کر آئے کہ چند لمحوں میں قومِ عاد کے پورے علاقے پر چھا گئے۔ قومِ عاد نے گھنے اور کالے بادل دیکھ کر انتہائی خوشی محسوس کی اور یہ امید لگا بیٹھے کہ ابھی موسلا دھار بارش ہونے والی ہے۔ لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ کالے بادل ان پر پانی برسانے کی بجائے ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوں گے۔ کالے اور گھنے بادلوں کے ساتھ اس قدر تیز آندھی چلی کہ جو اپنے گھر سے باہر نکلتا تھا ہوا اسے کئی فُٹ اوپر اٹھا کر زمین پر یوں دے مارتی کہ اس شخص کا کچومر نکل جاتا۔ یہ زمین پر اس طرح گر پڑے جیسے

کھجور کے تنے زمین پر پڑے ہوتے ہیں۔

﴿وَاَمَّا عَادٌ فَاُهۡلِكُوۡا بِرِیۡحٍ صَرۡصَرٍ عَاتِیَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَیۡهِمۡ سَبۡعَ لَیَالٍ وَّثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ حُسُوۡمًا فَتَرَی الۡقَوۡمَ فِیۡهَا صَرۡعٰی كَاَنَّهُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ خَاوِیَةٍ﴾ (الحاقة: ٦، ٧)

”اور عاد ایک شدید آندھی سے تباہ کر دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آندھی کو مسلسل سات رات اور آٹھ دن اُن پر مسلط کیے رکھا آپ وہاں ہوتے تو دیکھتے کہ وہ اس طرح پڑے ہیں جیسے وہ کھجور کے بوسیدہ تنے ہوں۔“

قومِ عاد جن بادلوں کے بارے میں ابرِ رحمت کی امید لگائے ہوئے تھی وہی بادل ان کی تباہی کا سبب بنے۔ آندھی نے ان لوگوں کو اس طرح تباہ و برباد کیا کہ دیکھنے والا یوں محسوس کرتا تھا جیسے ان کے مکانوں میں کوئی بسا ہی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ مجرموں کو اس طرح ہی سزا دیتا ہے۔

((عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ مَا رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ضَاحِكًا حَتّٰی اَرٰی مِنْهُ لَهَوَاتِهٖ اِنَّمَا كَانَ یَتَبَسَّمُ فَكَانَ اِذَا رَاٰی غَیْمًا اَوْ رِیْحًا عُرِفَ فِیْ وَجْهِهٖ))(رواہ البخاری: باب التبسّم والضحك)

”حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول محترم ﷺ کو کبھی کِھل کھلا کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ اکثر مسکرایا کرتے تھے۔ آندھی یا بارش کے وقت آپ کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں ہو جاتے تھے۔“

مسائل

١۔ قومِ عاد نے جن بادلوں پر بارش کی امید لگائی تھی وہی بادل ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوئے۔
٢۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد پر سات راتیں اور آٹھ دن آندھی چلائی اور انہیں پٹک پٹک کر دے مارا۔
٣۔ آندھی اور بادلوں کی کڑک نے قومِ عاد کو اس طرح کر دیا جیسے وہ اپنے گھروں میں کبھی بسے ہی نہیں تھے۔
٤۔ اللہ تعالیٰ مجرموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قومِ عاد کے جرائم:

١۔ قوم عاد نے جھٹلایا تو اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ (الشعراء: ١٣٩)
٢۔ قوم عاد و ثمود کے اعمال بد کو شیطان نے مزین کر دیا۔ (العنکبوت: ٣٨)
٣۔ قوم عاد نے زمین میں تکبر کیا اور کہا کہ ہم سے طاقتور کوئی نہیں۔ (حٰم السجدۃ: ١٥)
٤۔ قومِ عاد کی تباہی کا سبب رسولوں کی نافرمانی تھی۔ (ھود: ٥٩) ٥۔ قومِ عاد سفاک اور بڑے ظالم لوگ تھے۔ (النجم: ٥٢)
٦۔ قوم عاد نے حضرت ہود علیہ السلام سے عذاب کا مطالبہ کیا۔ (الاحقاف: ٢٢)
٧۔ قوم عاد نے اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کیا۔ قوم عاد کے لیے دوری ہے۔ (ھود: ٦٠)

وَلَقَدْ	مَكَّنّٰهُمْ	فِيْمَآ	اِنْ	مَّكَّنّٰكُمْ	فِيْهِ
اور البتہ تحقیق	ہم نے ان کو طاقت دی	اس چیز کی کہ	نہیں	ہم نے طاقت دی تمہیں	اس کی
وَجَعَلْنَا	لَهُمْ	سَمْعًا	وَّاَبْصَارًا	وَّاَفْـِٕدَةً	فَمَآ اَغْنٰى
اور ہم نے دیے	ان کو	کان	اور آنکھیں	اور دل	پھر نہ فائدہ دیا
عَنْهُمْ	سَمْعُهُمْ	وَلَآ	اَبْصَارُهُمْ	وَلَآ	اَفْـِٕدَتُهُمْ
ان کو	ان کے کان نے	اور نہ	ان کی آنکھوں نے	اور نہ	ان کے دلوں نے
مِّنْ شَيْءٍ	اِذْ كَانُوْا	يَجْحَدُوْنَ	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	وَحَاقَ	بِهِمْ
کچھ بھی	جب کہ وہ تھے	انکار کرتے	اللہ کی آیات کا	اور گھیر لیا	ان کو
مَّا	كَانُوْا	بِهٖ	يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٢٦﴾		
اس نے کہ	تھے وہ	جس کا	مذاق کرتے		

”ہم نے اُن کو وہ قوت دی جو تم لوگوں کو نہیں دی، ان کو ہم نے کان، آنکھیں اور دل دیئے۔ لیکن نہ اُن کے کان کام آئے نہ آنکھیں، نہ دل کیونکہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے، اور اس چیز میں مبتلا ہوئے جس کا وہ مذاق اُڑاتے تھے۔“(٢٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قومِ عاد کے انجام کا ذکر کرنے کے بعد اہلِ مکہ کو ان کے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔

قومِ عاد جسمانی اعتبار سے اس قدر کڑیل جوان تھے کہ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ہم نے ان جیسے لوگ پیدا نہیں کیے۔ (الفجر:٨) اللہ تعالیٰ نے عاد کو قومِ نوح کے بعد زمین پر اقتدار اور اختیار بخشا“ (الاعراف:٦٩) ”انھیں افرادی قوت اور مویشیوں سے نوازا گیا۔“ (الشعراء:١٣٣) یہ بڑے بڑے محلات میں رہتے تھے۔ کھیتی باڑی اور باغات میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔“ (الشعراء:١٢٩ تا ١٣٣)

اللہ تعالیٰ نے انہیں کان، آنکھیں اور دل عطا کیے لیکن انہوں نے اپنے کانوں، اپنی آنکھوں اور اپنے دلوں کو حقیقت کو پانے کے لیے استعمال نہ کیا۔ بلکہ اپنے عقیدے پر تکرار اور اصرار کرتے ہوئے ”اللہ“ کی آیات کا مذاق کرتے رہے۔ قومِ عاد کا حوالہ دے کر اہلِ مکہ کو ارشاد فرمایا کہ اے مکہ والو! اللہ تعالیٰ نے نہ تمہیں ان جیسی جسمانی طاقت دی ہے اور نہ ہی ان سے بڑھ کر وسائل دیئے ہیں۔ سوچو اور غور کرو کہ قومِ عاد ”اللہ“ کے عذاب کے سامنے نہ ٹھہر سکی تو تم کس طرح اس کے عذاب کے سامنے ٹھہر سکتے ہو؟ جس روّیے کی بنا پر انہیں نیست و نابود کیا گیا وہی روّیہ تمہارا ہے کہ تم نبی آخر الزماں ﷺ اور آپ کے ساتھیوں پر مظالم ڈھاتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے ارشادات سے مذاق کرتے ہو۔ قومِ عاد کو اللہ تعالیٰ نے کان، آنکھیں اور دل

عطا فرمائے مگر انہوں نے ان سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا یہی تمہاری حالت ہے کہ تم بھی اپنے کانوں، آنکھوں اور دلوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سننے کے لیے کان، دیکھنے کے لیے آنکھیں اور سوچنے کے لیے دل عطا فرمایا ہے تاکہ انسان حق بات کو سنے، بصیرت کی آنکھوں سے دیکھے اور اپنے دل سے فیصلہ کرے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ حق تک پہنچنے کے یہی وہ بنیادی ذرائع ہیں۔ اگر یہ ذرائع مفلوج ہو جائیں تو انسان کا ہدایت پانا ناممکن ہو جاتا ہے۔

”ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں یہ لوگ چوپاؤں جیسے ہیں بلکہ یہ زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں یہی ہیں جو بالکل غافل ہیں۔“ (الاعراف: ۱۷۹)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيْئَةً نُكِتَتْ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهُ وَإِنْ عَادَ زِيْدَ فِيْهَا حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهُ وَهُوَ الرَّانُ الَّذِيْ ذَكَرَ اللّٰهُ ﴿ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾))

(رواہ الترمذی: کتاب تفسیر القرآن)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب بندہ کوئی غلطی کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے جب وہ گناہ چھوڑ دے اور توبہ و استغفار کرے تو اس کا دل پالش ہو جاتا ہے۔ اگر وہ دوبارہ گناہ کی طرف پلٹے تو سیاہی اس کے دل پر چڑھ جاتی ہے یہی وہ زنگ ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے کہ ﴿ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے گناہوں کی وجہ سے زنگ چڑھ چکا ہے۔﴾“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد کو جو کچھ دیا تھا وہ اہلِ مکہ کو حاصل نہیں تھا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو کان، آنکھیں اور دل دیئے ہیں مگر وہ ان سے حقیقی فائدہ نہیں اٹھاتے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ تکرار اور استہزا کرنے والوں کا انجام:

۱۔ استہزا کرنے والوں کو رسوا کن عذاب ہوگا۔(الجاثیہ:۹) ۲۔اللہ کی آیات اور انبیاء سے مذاق کی سزا جہنم ہے۔(الکھف:۱۰۶)

۳۔ وہ چیز ان کو گھیر لے گی جس کا یہ مذاق کرتے تھے۔(ہود:۸)

۴۔ یہ لوگ مذاق کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے مذاق کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔(التوبہ:۷۹)

وَلَقَدْ	اَهْلَكْنَا	مَا حَوْلَكُمْ	مِّنَ الْقُرٰى	وَصَرَّفْنَا
اور البتہ تحقیق	ہم نے ہلاک کر دیں	جو تمہارے آس پاس	بستیوں سے	اور ہم نے پھیر پھیر کر بیان کیں
الْاٰيٰتِ	لَعَلَّهُمْ	يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٧﴾	فَلَوْلَا	نَصَرَهُمُ	الَّذِيْنَ
آیات	تاکہ وہ	رجوع کریں	پھر کیوں نہ	مدد کی ان کی	ان لوگوں نے
اتَّخَذُوْا	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	قُرْبَانًا	اٰلِهَةً ؕ	بَلْ	ضَلُّوْا
جو انہوں نے بنائے تھے	سوائے اللہ کے	قرب حاصل کرنے کے لیے	معبود	بلکہ	گم ہو گئے
عَنْهُمْ ۚ	وَذٰلِكَ	اِفْكُهُمْ	وَمَا	كَانُوْا	يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٨﴾
ان سے	اور یہ	ان کا جھوٹ تھا	اور جو	وہ تھے	افترا باندھتے

”تمہارے گردوپیش کے علاقوں میں بہت سی بستیوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں، ہم نے انہیں اپنی آیات کے ذریعے بار بار سمجھایا شاید کہ وہ رجوع کرلیں۔(٢٧) پھر کیوں نہ اُن ہستیوں نے اُن کی مدد کی جنہیں اللہ کو چھوڑ کر انہوں نے قربت کا ذریعہ اور معبود بنایا ہوا تھا؟ بلکہ وہ ان سے گم گئے اور یہ ان کے من گھڑت عقیدوں کا انجام تھا جو انہوں نے بنا رکھے تھے۔“(٢٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قومِ عاد کا انجام بیان کرنے کے بعد اہلِ مکہ کو ایک دفعہ پھر انتباہ کیا گیا۔

رب ذوالجلال کا فرمان ہے۔اے مکہ والو! ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیوں کو تباہ کیا اور ان کے سامنے بار بار اپنی آیات پڑھیں تاکہ وہ اپنے رب کی طرف پلٹ آئیں۔ جب وہ اپنے رب کی طرف نہ پلٹے تو اس نے انہیں نیست و نابود کر دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں نیست و نابود کیا تو جنہیں وہ ”اللہ“ کے سوا مشکل کشا سمجھتے تھے اور ان کو اللہ کے قرب کا ذریعہ بناتے تھے وہ ان کی مدد نہ کر سکے۔قومِ عاد جب ”اللہ“ کے عذاب میں مبتلا ہوئی تو انہیں اپنے معبود یاد نہ رہے۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے معبودوں کو اپنے قرب کا ذریعہ نہیں بنایا تھا۔مشرک اپنے معبودوں کے بارے میں جو کچھ سمجھتے اور کہتے ہیں وہ جھوٹ ہے اور ان کا خود ساختہ عقیدہ باطل ہے جو عذاب کے وقت قومِ عاد کے لیے فائدہ مند ثابت نہ ہوا۔ اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد کا انجام اور ان کا اپنے معبودوں کے بارے میں روّیہ بیان کیا ہے۔قومِ ثمود ہو یا اہلِ مکہ یا کوئی بھی ہو مشکل کے وقت ان کے کوئی کام نہیں آسکتا۔اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو وہ اپنے معبودوں کو بھول جاتی ہے۔ یہی مشرک کی عادت اور فطرت ہے کہ وہ آسانی کے وقت اپنے رب کو بھول جاتا ہے اور انتہائی مشکل کے وقت اپنے معبودوں کو فراموش کر دیتا ہے۔

قرآن مجید میں جن قوموں کی تباہی کا ذکر ہوا ہے وہ اہل مکہ سے دور نہیں تھیں۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ ہم

نے ان کے آس پاس کی کئی اقوام کو ہلاک ہے۔

(عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم لأَبِی یَا حُصَیْنُ کَمْ تَعْبُدُ الْیَوْمَ إِلَهًا قَالَ أَبِی سَبْعَةً سِتًّا فِی الأَرْضِ وَوَاحِدًا فِی السَّمَاءِ قَالَ فَأَیُّهُمْ تَعُدُّ لِرَغْبَتِكَ وَرَهْبَتِكَ قَالَ الَّذِی فِی السَّمَاءِ قَالَ یَا حُصَیْنُ أَمَا إِنَّكَ لَوْ أَسْلَمْتَ عَلَّمْتُكَ كَلِمَتَیْنِ تَنْفَعَانِكَ قَالَ فَلَمَّا أَسْلَمَ حُصَیْنٌ قَالَ یَا رَسُولَ اللَّهِ عَلِّمْنِی الْكَلِمَتَیْنِ اللَّتَیْنِ وَعَدْتَنِی فَقَالَ قُلِ اللَّهُمَّ أَلْهِمْنِی رُشْدِی وَأَعِذْنِی مِنْ شَرِّ نَفْسِی))

(رواہ الترمذی :باب جَامِعِ الدَّعَوَاتِ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم)

”حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے باپ کو فرمایا: اے حصین آپ کتنے معبودوں کی عبادت کرتے ہیں میرے باپ نے کہا سات کی جس میں چھ زمین میں اور ایک آسمان میں ہے۔ آپ نے فرمایا: خوف اور امید کے وقت کس کو پکارتا تھا اس نے کہا جو آسمانوں میں ہے ۔آپ نے فرمایا: اے حصین اگر تو اسلام لے آئے تو میں تجھے دو کلمات ایسے سکھلاؤں گا جو تیرے لیے انتہائی مفید ہوں گے جب حصین اسلام لے آئے تو انہوں نے عرض کی اللہ کے رسول مجھے وہ کلمات سکھلادیں جن کا آپ نے وعدہ فرمایا تھا آپ نے کہا کہہ اے اللہ مجھے ہدایت عطا فرمااور مجھے میرے نفس کے شر سے محفوظ فرما۔“

مسائل

١۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے مکہ کے گرد و پیش کی کئی بستیوں کو تباہ کردیا گیا ۔

٢۔ مشرک جن معبودوں کو اللہ کے قرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں مشکل کے وقت انہیں بھول جاتے ہیں ۔

٣۔ مشرکانہ عقیدہ سراسر جھوٹ اور اپنی طرف سے بنایا ہوا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انتہائی مشکل میں مشرک کا اپنے معبودوں کے بارے میں وطیرہ:

١۔ جب دریا میں تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو تم اللہ کے سواسب کو بھول جاتے ہو ۔ (بنی اسرائیل : ٦٧)

٢۔ انہوں نے خیال کیا کہ وہ گھیرے میں آگئے ہیں تو خالصتاً اللہ کو پکارتے ہیں ۔ (یونس: ٢٢)

٣۔ جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالصتاً اللہ کو پکارتے ہیں ۔ (العنکبوت : ٦٥)

٤۔ جب انہیں موجیں سائبان کی طرح ڈھانپ لیتی ہیں تو خالص اللہ کو پکارتے ہیں ۔ (لقمان: ٣٢)

٥۔ مشرک اپنے معبودوں کے دشمن بن جائیں گے ۔ (الاحقاف: ٦)

وَاِذْ	صَرَفْنَآ	اِلَيْكَ	نَفَرًا	مِّنَ الْجِنِّ	يَسْتَمِعُوْنَ
اور جب	ہم نے پھیر دی	آپ کی طرف	ایک جماعت	جنّوں سے	وہ غور سے سنتے تھے
الْقُرْاٰنَ ج	فَلَمَّا	حَضَرُوْهُ	قَالُوْٓا	اَنْصِتُوْا ج	فَلَمَّا
قرآن	پھر جب	وہ حاضر ہوئے اس کے پاس	تو انہوں نے کہا	خاموش رہو	پھر جب
قُضِيَ	وَلَّوْا	اِلٰى قَوْمِهِمْ	مُّنْذِرِيْنَ ﴿٢٩﴾	قَالُوْا	يٰقَوْمَنَآ
ختم کی گئی	تو وہ لوٹے	اپنی قوم کی طرف	ڈرانے والے	انہوں نے کہا	اے ہماری قوم
اِنَّا	سَمِعْنَا	كِتٰبًا	اُنْزِلَ	مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى	مُصَدِّقًا
بے شک ہم نے	سنی ہے	ایک کتاب	جو نازل کی گئی ہے	موسیٰ کے بعد	وہ تصدیق کرنے والی ہے

”جب ہم جنّوں کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آئے۔ تاکہ وہ قرآن غور سے سنیں، جب وہ حاضر ہوئے تو انہوں نے آپس میں کہا خاموش ہو جاؤ۔ جب تلاوت ختم ہوئی تو وہ ڈرانے والے بن کر اپنی قوم کی طرف گئے۔(٢٩) انہوں نے جا کر کہا اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے اپنے سے پہلے آئی ہوئی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ مکہ اور اہلِ طائف کا قرآن مجید سے انحراف مگر جِنّات کا قرآن مجید کی طرف متوجہ ہونا۔

اکثر مفسرین نے اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نبی علیہ السلام مکہ والوں سے مایوس ہو کر اہلِ طائف کی طرف گئے اور انہیں اپنی دعوت پیش کی مگر انہوں نے مکہ والوں سے بھی شدید ردِ عمل کا اظہار کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا۔ اس کی تفصیل تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں دیکھنی چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے شکستہ دل اور زخمی جسم کے ساتھ واپس آ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ وادی میں جِنّات کو آپ کی طرف متوجہ فرمایا۔ جب جِنّات کی جماعت نے آپ کی زبانِ اطہر سے قرآن مجید کی تلاوت سنی تو وہ ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ یہ ”اللہ“ کا کلام ہے۔ لہٰذا نہایت ادب اور خاموشی کے ساتھ اس کی تلاوت سنو! جِنّات آپ کی زبانِ اطہر سے قرآن مجید سن کر اپنی قوم کی طرف گئے تو انہوں نے اپنی قوم کو کہا کہ بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد ایسی کتاب سنی ہے جو پہلی کتابوں کی تائید اور تصدیق کرتی ہے یہ کتابِ حق ہے اور صراطِ مستقیم کی راہنمائی کرتی ہے۔ اے ہماری قوم! آپ سے ہماری اپیل ہے کہ اس داعی الی اللہ کی دعوت قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ! اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف کرے گا اور تمہیں جہنّم کے اذّیت ناک عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور جِنّات کے ردِ عمل کا موازنہ کیا ہے۔

لِّمَا	بَيْنَ يَدَيْهِ	يَهْدِيْٓ	اِلَى الْحَقِّ	وَ اِلٰى
اس کی جو	اس سے پہلے ہے	وہ رہنمائی کرتی ہے	حق کی طرف	اور طرف

طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٠﴾	يٰقَوْمَنَآ	اَجِيْبُوْا	دَاعِيَ اللّٰهِ	وَ اٰمِنُوْا	بِهٖ
سیدھی راہ کی	اے ہماری قوم	قبول کرو	اللہ کے داعی کو	اور ایمان لاؤ	اس پر

يَغْفِرْ لَكُمْ	مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ	وَ يُجِرْكُمْ	مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣١﴾
وہ بخش دے گا تمہارے لیے	تمہارے گناہوں کو	اور بچائے گا تمہیں	درد ناک عذاب سے

وہ رہنمائی کرتی ہے حق اور سیدھے راستے کی طرف۔(۳۰) اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت قبول کرو اور اُس پر ایمان لاؤ اللہ تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا اور تمہیں عذابِ الیم سے بچا لے گا۔‘‘(۳۱)

① ۔مکہ کے سردار! اپنی قوم سے کہتے تھے کہ قرآن سن کر شور وغوغا کیا کرو۔ جبکہ جِنّات نے قرآن کی تلاوت سن کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اسے نہایت ادب اور توجہ سے سنو!

② ۔اہلِ مکہ لوگوں کو نبی کریم ﷺ سے متنفر کرتے تھے ان کے مقابلے میں جِنّات نے اپنے ساتھیوں کو قرآن اور نبی علیہ السلام کی طرف متوجہ کیا۔

③ ۔اہلِ مکہ قرآن مجید کو پہلے لوگوں کی کہانیاں قرار دیتے تھے، جِنّات نے قرآن مجید کو اللہ کی کتاب سمجھا اور پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا تسلیم کیا۔

④ ۔اہلِ مکہ قرآن مجید کی دعوت کو گمراہی سمجھتے تھے۔ جِنّات نے قرآن مجید کو حق اور صراطِ مستقیم کی راہنمائی کرنے والا قرار دیا۔

⑤ ۔اہلِ مکہ اور طائف والوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ بدسلوکی کی اور آپ کی دعوت کو ٹھکرایا۔ جنّوں کے وفد نے واپس جا کر اپنے ساتھیوں کے سامنے نبی کریم ﷺ کو داعی الی اللہ کے طور پر پیش کیا اور آپ پر ایمان لانے کی دعوت دی۔

⑥ ۔اہلِ مکہ قرآن اور نبی علیہ السلام پر ایمان لانے کی بجائے آپ سے عذاب لانے کا مطالبہ کرتے تھے۔ جِنّات نے اپنے ساتھیوں کو ایمان لانے کی دعوت دی اور انہیں یقین دلایا کہ ایمان لانے سے ہمارے گناہ معاف ہوجائیں گے اور ہم اللہ کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ ان آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی علیہ السلام صرف انسانوں کے لیے نہیں بلکہ جِنّات کے لیے بھی نبی مبعوث کیے گئے ہیں۔ اس لیے آپ پر جِنّات ایمان لائے جو پہلے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے۔ جِنّات نے موسیٰ اور ان پر نازل ہونے والی تورات کا اس لیے حوالہ دیا تھا کیونکہ تورات کے بعد قرآن مجید ہی جامع اور مفصل کتاب ہے۔ جہاں تک انجیل کا معاملہ ہے اس کے بارے میں انجیل

میں موجود ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تورات کی تکمیل کرنے کے لیے آیا ہوں ۔(تدبرِ قرآن جلد ۷،ص:۳۷۸)
یہ بھی ممکن ہے کہ جِنّات کو عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا علم نہ ہو اس لیے انہوں نے انجیل کی بجائے تورات کا حوالہ دیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کے پاس حاضر ہونے والے جِنّات عیسیٰ علیہ السلام کو نہ مانتے ہوں ۔ جہاں تک جِنّات اور ہماری شریعت کا معاملہ ہے۔ اس کے بنیادی ارکان جنّ وانس کے لیے ایک ہیں مگر ان کے عملی تقاضوں میں فرق ہوسکتا ہے کیونکہ جِنّات اورانسانوں کی ضروریات کے درمیان بڑا فرق ہے ۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور حوصلہ افزائی کے لیے جِنّات کو آپ کی طرف متوجہ فرمایا ۔

۲۔ جِنّات نے قرآن مجید کونہایت ادب اور خاموشی کے ساتھ سنااور اس پر ایمان لائے ۔

۳۔ جِنّات ایمان لاکر اپنی قوم کے لیے داعی ثابت ہوئے ۔۴۔تورات کے بعد قرآن مجید ہی جامع اور مفصل کتاب ہے۔

۵۔ قرآن مجید لوگوں کی حق اور صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتا ہے ۔

۶۔ جو لوگ قرآن مجید پر ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف کرتا ہے اورانہیں عذاب سے بچالیتا ہے ۔

۷۔ جو لوگ جِنّات کے وجود کا انکار کرتے ہیں انہیں اس واقعہ پر غور کرنا چاہیے اور درج ذیل تفسیر بالقرآن کے دلائل پر توجہ کرنی چاہیے

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں جِنّات کا تذکرہ:

۱۔ جنّ اور انسان اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کئے گئے ہیں۔ (الذاریات:۵۶)

۲۔ جِنّات غیب نہیں جانتے ۔ (سبا:۱۴)۳۔جنّ اور انسان مل کر اس جیسا قرآن بنا لائیں۔ (بنی اسرائیل: ۸۸)

۴۔ جنّ و انس مل کر قیامت تک ایک سورۃ بھی اس جیسی نہیں بناسکتے۔(البقرۃ :۲۳)

۵۔ اے انسانوں اور جنّوں اگر تم خدا کی خدائی سے نکل سکتے ہو نکل جاؤ۔(الرّحمٰن: ۳۳)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے جنّوں کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا ۔(سبا:۱۲)

۷۔ جنّوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سن کر تعجب کا اظہار کیا۔(الجن:۱)

۸۔ پہلے دور میں انسان جنّوں سے پناہ لیا کرتے تھے۔(الجن:گ۶)

۹۔ جنّوں کو یقین نہیں تھا کہ جنّ وانس میں سے کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرسکتا ہے۔(الجن:۵)

وَمَنْ	لَّا	يُجِبْ	دَاعِيَ اللّٰهِ	فَلَيْسَ	بِمُعْجِزٍ
اور جو	نہیں	قبول کرے گا	اللہ کے داعی کو	تو نہیں ہے	وہ عاجز کرنے والا
فِي الْاَرْضِ	وَ	لَيْسَ	لَهٗ	مِنْ دُوْنِهٖٓ	اَوْلِيَآءُ ؕ
زمین میں	اور	نہیں ہوگا	اس کا	اس کے سوا	کوئی حمایتی
اُولٰٓئِكَ	فِيْ	ضَلٰلٍ	مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾		
یہ لوگ ہیں	میں	گمراہی	کھلی		

”اور جو اللہ کے داعی کی بات نہیں مانتا وہ نہ زمین میں اللہ کو عاجز کر سکتا ہے اور نہ ہی اللہ کے سوا اس کا کوئی حمایتی ہو سکتا ہے۔ ایسے لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔“ (۳۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔ جنّات کے وفد کا اپنے ساتھیوں سے خطاب۔

جنّات کے وفد نے قرآن اور نبی علیہ السلام پر ایمان لانے کے فوائد کا ذکر کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو یہ بھی بتلایا کہ جس نے داعی الی اللہ کی دعوت قبول نہ کی وہ اللہ تعالیٰ کو زمین میں عاجز اور بے بس نہیں کر سکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کی گرفت کرنے پر آئے تو اس کی کوئی حمایت کرنے والا نہیں ہوگا۔جنہوں نے داعی الی اللہ کی دعوت قبول نہ کی وہ کھلی گمراہی میں مبتلا رہیں گے۔ جنّات کے وفد نے اپنے ساتھیوں کو دعوت دیتے ہوئے یہ بات بھی باور کروائی کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مقابلے میں ہمیں زیادہ قوت عطا فرمائی ہے۔لیکن ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ قوت والا ہے۔اگر وہ ہمیں پکڑنا چاہے تو اسے کوئی بے بس اور عاجز نہیں کر سکتا اور نہ ہی ہمارا کوئی حمایتی اور مددگار ہوگا۔اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں کمی اور نقص واقع نہیں ہوگا۔ جنّات نے اپنے ساتھیوں کو بین السطور یہ بات بھی سمجھا دی کہ ہمارے ایمان لانے سے ہمیں ہی فائدہ ہوگا اور انکار کرنے پر ہمیں عذاب دیا جائے گا۔لہٰذا ہمیں قرآن مجید پر ایمان لانا چاہیے یہی بات موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھائی تھی۔

﴿وَ قَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ (ابراھیم: ۸)

”تم اور جو کوئی زمین میں ہے وہ اپنے کفر کا اعلان کر دے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے غنی اور لائق تعریف ہے۔“

((عَنْ أَبِی ذَرٍّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِیمَا رَوَی عَنِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَی أَنَّهُ قَالَ يَا عِبَادِی إِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوا ضَرِّی فَتَضُرُّونِی وَلَنْ تَبْلُغُوا نَفْعِی فَتَنْفَعُونِی يَا عِبَادِی لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ

وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلُونِي فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَسْأَلَتَهُ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِمَّا عِنْدِي إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ))

(رواه مسلم: كتاب البر والصلة و الآداب، باب تحريم الظلم)

''حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے میرے بندو! تم مجھے نقصان اور نفع پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ میرے بندو! تمہارے تمام اگلے پچھلے جنّ وانس سب سے زیادہ متّقی انسان کے دل کی طرح ہو جائیں تو یہ میری سلطنت میں ذرّہ بھر اضافہ نہیں کر سکتے۔ میرے بندو! تمہارے اگلے پچھلے جنّ وانس سب بدترین فاسق وفاجر انسان کے دل کی طرح ہو جائیں تو یہ میری حکومت میں کچھ نقص واقع نہیں کر سکتا۔ میرے بندو! تمہارے اگلے پچھلے، جنّ وانس اگر سب کھلے میدان میں اکٹھے ہو جائیں اور مجھ سے مانگنے لگیں اور میں ہر کسی کو اس کی منہ مانگی مرادیں دے دوں تو میرے خزانوں میں اتنی کمی بھی واقع نہیں کر سکتے جتنی سوئی کو سمندر میں ڈبونے سے ہوتی ہے۔''

مسائل

۱۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی بات قبول نہ کی وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کسی کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

۳۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتے وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

کھلی گمراہی میں مبتلا ہونے والے لوگ:

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔ (آل عمران: ۱۶۴، الجمعۃ: ۲)

۲۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ واضح گمراہی میں مبتلا ہوگا۔ (الاحزاب: ۳۶)

۳۔ وہ شخص بہت بڑا ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ (الانعام: ۲۱)

۴۔ کفار ''اللہ'' کے راستہ سے روکنے والے اور دور کی گمراہی میں ہیں۔ (النساء: ۱۶۷)

۵۔ جس نے اللہ، رسول، ملائکہ، کتابوں اور دن آخرت کا انکار کیا وہ پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہوا۔ (النساء: ۱۳۶) ۶۔ ''اللہ'' کے سوا غیروں کو پکارنے والے گمراہ ہیں۔ (الاحقاف: ۵)

اَوَلَمْ	يَرَوْا	اَنَّ	اللّٰهَ	الَّذِیْ	خَلَقَ	السَّمٰوٰتِ
کیا نہیں	انہوں نے دیکھا	کہ بے شک	اللہ	جس نے	پیدا کیا	آسمانوں کو
وَالْاَرْضَ	وَلَمْ	یَعْیَ	بِخَلْقِهِنَّ	بِقٰدِرٍ	عَلٰۤى	اَنْ
اور زمین کو	اور نہ	وہ تھکا	ان کے پیدا کرنے سے	قادر ہے	اس پر	یہ کہ
یُّحْیِۦَ	الْمَوْتٰىؕ	بَلٰۤى	اِنَّهٗ	عَلٰى	كُلِّ	شَیْءٍ	قَدِیْرٌ ﴿۳۳﴾
وہ زندہ کرے	مُردوں کو	کیوں نہیں	بلاشبہ وہ ہے	پر	ہر	چیز	قادر

’’اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور ان کو بناتے ہوئے اسے تھکاوٹ نہیں ہوئی، وہ پوری طرح قدرت رکھتا ہے کہ مُردوں کو زندہ کرے۔ کیوں نہیں؟ یقیناً وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (۳۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جولوگ اپنے رب کی دعوت قبول نہیں کرتے ان کو چیلنج اوران کا انجام۔

جولوگ ’’اللہ‘‘ کی ذات پر اس کے حکم کے مطابق ایمان نہیں لاتے کیا وہ غور نہیں کرتے کہ ’’اللہ‘‘ وہ ذات ہے جس نے زمین و آسمانوں کو پیدا کیا ہے اوران کے پیدا کرنے میں اسے کوئی تھکان محسوس نہ ہوئی۔ وہ اس بات پر قادر ہے کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرے۔ کیوں نہیں ! بلاشبہ وہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر مکمل اقتدار اوراختیار رکھنے والا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود جولوگ اللہ کی ذات، صفات، اس کے احکام اور اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا انہیں جان لینا چاہیے کہ ایک دن آنے والا ہے جس دن انکار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ جہنّم کی آگ کے سامنے کھڑا کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ کیا تمہارا دوبارہ زندہ ہونا اور یہ جہنّم حقیقت نہیں ہے؟ مجرم پکار اٹھیں گے کیونکہ نہیں ! ہمارے رب ہم دوبارہ زندہ ہوئے اور جہنّم بھی ہمارے سامنے موجود ہے۔ اس اقرار کے بعد اپنے رب سے بڑی عاجزی اور آہ وزاری کے ساتھ معذرت کریں گے کہ ہمیں معاف کر دیا جائے لیکن حکم ہوگا کہ اب تم جہنّم کے عذاب میں مبتلا رہو گے کیونکہ تم اپنے رب پر ایمان لانے، دوبارہ زندہ ہونے اور اس جہنّم کا انکار کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں زمین و آسمانوں کی پیدائش، مردوں کو دوبارہ زندرہ کرنے اور جہنّم کا بار بار ذکر کیا ہے اس لیے یہاں ان تینوں باتوں کا مختصر ذکر کرنے کے بعد ان کا انکار کرنے والوں کا انجام بیان کیا ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے زمین و آسمان پیدا کرنے کے بعد تھکان نہ ہونے کا مسئلہ ہے اس بارے میں یہودیوں اوران سے متاثرین کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمانو ں اورہر چیز پیدا کرنے کے بعد تھکان محسوس کی اس لیے ہفتہ کے دن آرام فرمایا جس وجہ سے ہم بھی ہفتہ کے دن کام کاج سے چھٹی کرتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی واضح نفی فرمائی ہے کہ زمین و

وَيَوْمَ	يُعْرَضُ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	عَلَى النَّارِ ؕ	اَلَيْسَ
اور جس دن	پیش کیے جائیں گے	وہ لوگ جنہوں نے	کفر کیا	آگ پر	کیا نہیں ہے
هٰذَا	بِالْحَقِّ ؕ	قَالُوْا	بَلٰى	وَرَبِّنَا ؕ	قَالَ
یہ	حق	وہ کہیں گے	کیوں نہیں	قسم ہے ہمارے رب کی	فرمائے گا
فَذُوْقُوا	الْعَذَابَ	بِمَا	كُنْتُمْ	تَكْفُرُوْنَ ۝	
اب تم چکھو	عذاب	بوجہ اس کے جو	تم تھے	کفر کرتے	

جس دن کافر آگ کے سامنے پیش کیے جائیں گے، اس وقت ان سے پوچھا جائے گا کیا یہ حق نہیں ہے؟ یہ کہیں گے ہاں ہمارے رب کی تیری قسم یہ واقعی حق ہے اللہ فرمائے گا اچھا اب عذاب کا مزا چکھو اپنے اس انکار کی وجہ سے جو تم کرتے رہے تھے۔" (۳۴)

آسمانوں کو پیدا کرنے کے بعد اسے کوئی تھکان نہیں ہوئی تھی اس نے زمین وآسمانوں اور اپنی مخلوق کو پیدا ہی نہیں کیا بلکہ ہر وقت اپنی مخلوق کی نگرانی اور حفاظت فرما رہا ہے۔ کیونکہ وہ ہر چیز پر مکمل اقتدار اور اختیار رکھتا ہے۔

﴿وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾ (البقرة: ٢٥٥)

"اور وہ ان کی حفاظت سے نہ تھکتا ہے اور نہ اکتاتا ہے وہ تو بہت بلند وبالا اور بڑی عظمت والا ہے۔"

زمین وآسمانوں کی تخلیق کا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے قیامت کا انکار کرنے والوں کو یہ بات سمجھائی ہے کہ زمین وآسمانوں کو تخلیق کرنا مشکل کام ہے یا انسان کو دوبارہ پیدا کرنا مشکل ہے؟

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمانوں کو پیدا فرمایا اور ان کے پیدا کرنے میں اُسے کوئی کمزوری اور تھکاوٹ لاحق نہیں ہوئی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ موت اور زندگی پر مکمل اختیار رکھتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۳۔ قیامت کے دن جب کفار جہنم کی آگ کے سامنے لائے جائیں گے تو وہ اس کا اقرار کریں گے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں کو حکم دے گا کہ جہنم کا عذاب پاؤ کیونکہ تم اس کا انکار کیا کرتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

کفار کا قیامت کے دن حقائق کو تسلیم کرنا:

۱۔ جہنمیوں سے جنّتیوں کے سوالات اور جہنمیوں کا اپنے گناہوں کا اقرار کرنا۔ (المدثر: ۴۰ تا ۴۸)

۲۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جہنمیوں سے فرمائے گا کیا آج کا عذاب برحق نہیں وہ کہیں گے کیوں نہیں۔ (الاحقاف: ۳۴)

۳۔ اے ہمارے پروردگار ہماری بدبختی نے ہمیں گھیر لیا تھا اور ہم کافر ہوئے۔ (المومنون: ۱۰۶)

۴۔ ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں کیا یہاں سے نکلنے کا راستہ ہے۔ (المومن: ۱۱)

فَاصۡبِرۡ	كَمَا	صَبَرَ	اُولُوا الۡعَزۡمِ	مِنَ الرُّسُلِ	وَلَا
پس آپ صبر کریں	جیسے	صبر کیا	عزم والوں نے	رسولوں سے	اور نہ
تَسۡتَعۡجِلۡ	لَّهُمۡ	كَاَنَّهُمۡ	يَوۡمَ	يَرَوۡنَ	مَا
آپ جلدی طلب کریں	ان کے لیے	گویا کہ وہ	جس دن	دیکھیں گے	اس کو جس کا
يُوۡعَدُوۡنَ	لَمۡ	يَلۡبَثُوۡۤا	اِلَّا	سَاعَةً	مِّنۡ نَّهَارٍ
وہ وعدہ دیے جاتے ہیں	نہیں	وہ ٹھہرے	مگر	ایک گھڑی	دن کی
بَلٰغٌ	فَهَلۡ	يُهۡلَكُ	اِلَّا	الۡقَوۡمُ	الۡفٰسِقُوۡنَ ؏ ۳۵
پہنچا دینا ہے	سو نہیں	ہلاک کیا جائے گا	سوائے	قوم	نافرمان کو

''پس اے نبی صبر کرو جس طرح اولو العزم رسولوں نے صبر کیا ہے لہٰذا کفار کے معاملہ میں جلدی نہ کرو، جس دن یہ لوگ اُس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا انہیں خوف دلایا جا رہا ہے تو انہیں یوں معلوم ہو گا کہ دنیا میں دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے، بات پہنچا دی گئی اب نافرمان لوگوں کے سوا کوئی ہلاک نہیں ہو گا۔'' (۳۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار نے بالآخر اپنے کفر کی وجہ سے جہنّم میں جانا ہے اور وہاں انہیں ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے گی اس لیے اے نبی ﷺ کو اپنا کام اولوالعزم رسولوں کی طرح مستقل مزاجی کے ساتھ جاری رکھنا چاہیے۔

نبی کریم ﷺ کی صبح وشام کوشش تھی کہ لوگ جہنّم کی ہولناکیوں سے بچ جائیں لیکن مخالفینِ اسلام کی حالت یہ تھی کہ وہ گمراہی میں آگے ہی بڑھتے جا رہے تھے اس صورتحال پر آپ کا رنجیدہ خاطر ہونا فطری امر تھا جس بناء پر آپ ﷺ پریشان ہو جاتے۔ اس پر آپ کو موقعہ بموقعہ مختلف الفاظ اور انداز میں یہ بات سمجھائی گئی کہ اے نبی ﷺ! آپ کا کام حق بات پہنچانا اور سمجھانا ہے منوانا نہیں۔

﴿لَّسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ﴾ (الغاشیہ: ۲۲)

''آپ ان پر نگہبان نہیں۔''

﴿فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ وَعَلَيۡنَا الۡحِسَابُ﴾ (الرعد: ۴۰)

''آپ کے ذمے پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمے حساب لینا ہے۔''

جب آپ ﷺ کا کام حق بات پہنچانا ہے تو پھر آپ کو اولو العزم انبیاء کی طرح اپنا کام جاری رکھنا چاہیے اگر یہ لوگ آپ سے عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں تو آپ کو اس کے ردِ عمل میں عجلت سے پرہیز کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہی صبر اور عزم کا تقاضا ہے۔ جہاں تک ان کے انجام کا معاملہ ہے ایک دن آئے گا

جب یہ سب کچھ دیکھ لیں گے جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے۔ اس کے خوف اور وحشت کی وجہ سے ان کے اوسان خطا ہو جائیں گے جس بناء پر یہ کہیں گے کہ دنیا میں دن کا کچھ حصہ ٹھہرے تھے۔ اس وقت ہلاکت ان کا مقدر ہو گی اور نافرمان لوگ ہلاک ہی ہوا کرتے ہیں۔قرآن مجید نے نافرمانوں کے بارے میں یہ بھی بتلایا ہے کہ جب انہیں جہنّم کے سامنے کھڑا کیا جائے گا تو ان کی حالت یہ ہو گی کہ خوف کے مارے اُن کی آنکھیں نیلی پیلی ہو جائیں گی اور ڈرتے ہوئے ایک دوسرے سے کہیں گے کہ ہم تو دنیا میں صرف دس دن ٹھہرے تھے۔

﴿يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۝ يَتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا﴾ (طٰہٰ: ١٠٢،١٠٣)

”اس دن صور پھونکا جائے گا اور ہم مجرموں کو اس حال میں گھیر لائیں گے کہ ان کی آنکھیں پتھرائی ہوئی ہوں گی۔آپس میں چپکے چپکے کہیں گے کہ دنیا میں تم نے کوئی دس دن گزارے ہوں گے۔“

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ﴾ (یونس: ٤٥)

”اور جس دن وہ انھیں اکٹھا کرے گا گویا وہ نہیں ٹھہرے مگر دن کی ایک گھڑی ، وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔ بے شک وہ لوگ خسارے میں رہے جنھوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہدایت پانے والے نہ ہوئے۔“

اس آیت مبارکہ میں نبی کریم ﷺ کو ” اولوالعزم رسولوں“ کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام کے تمام رسول صبر وشکر کے پیکر،عزم واستقلال کے پہاڑ اور بے مثال مستقل مزاج تھے۔لیکن ان میں بھی ایسے رسول ہیں جوعزم واستقلال کے حوالے سے انتہائی ارفع مقام پر فائز تھے۔مفسرین نے جن انبیاء کرام کو سرفہرست شمار کیا ہے ان میں حضرت نوح علیہ السلام جنہوں نے ساڑھے نو سو سال لوگوں کو سمجھانے میں صرف فرمائے۔ ان کے بعد ابو الانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں جن کی قربانیوں کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ حضرت خلیل علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام ہیں جو ایک طرف فرعون اور اس کے لشکروں سے لڑتے رہے اور دوسری طرف اپنے ساتھیوں یعنی بنی اسرائیل کے ہاتھوں پریشان رہے لیکن کسی لمحہ اُن کے پایہ استقلال میں تزلزل واقع نہ ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کی باری آتی ہے جو یہودیوں کے ہاتھوں بے انتہا پریشان ہوئے اور آخری اور نازک ترین آزمائش کے وقت چند ساتھیوں کے علاوہ باقی لوگ اُن کا ساتھ چھوڑ گئے اس صورتحال میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں تک اپنے رب کا پیغام پہنچاتے رہے۔ جہاں تک

نبی معظم ﷺ کے صبر و استقلال اور عزم و ہمت کا معاملہ ہے۔ اس کی مثال نہ پہلے پائی جاتی ہے اور نہ ہی قیامت تک دیکھی جائے گی۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَقَدْ أُوذِيتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُؤْذَى أَحَدٌ وَلَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ ....))

(رواہ ابن ماجہ: باب فضائل بلال، قال الشیخ البانی صحیح)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے راستے میں مجھے سب سے زیادہ تکلیفیں دی گئیں اتنی تکلیفیں کسی اور کو نہیں دی گئیں۔ مجھے اللہ کے بارے میں سب سے زیادہ ڈرایا گا اتنا کسی اور کو نہیں ڈرایا گیا۔“

مسائل

۱۔ دین کی دعوت اس قدر مشکل ہے کہ نبی کریم ﷺ کو بھی صبر اور حوصلہ رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۲۔ انبیاء کرام علیہم السلام تمام کے تمام عزم و ہمت کے پیکر تھے لیکن کچھ انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے بطورِ خاص عزم و ہمت کا نمونہ بنایا تھا۔

۳۔ کفار کے بارے میں عجلت سے کام نہیں لینا چاہیے ایک دن آئے گا کہ یہ اللہ کے عذاب کو اپنے سامنے پائیں گے۔

۴۔ رب ذوالجلال کے جلال اور جہنّم کے عذاب کو دیکھ کر مجرم دنیا میں رہنے کی مدت بھول جائیں گے۔

۵۔ نافرمان قوم کا انجام ہلاکت ہی ہوا کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نافرمان اقوام کا دنیا اور آخرت میں انجام:

۱۔ قومِ نوح کو غرق کر دیا گیا۔ (نوح:۲۵) ۲۔ آلِ فرعون کو غرق کر دیا گیا۔ (البقرۃ:۵۰)

۲۔ قومِ ثمود کو چیخ نے آ پکڑا۔ وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ (ھود:٦٧)

۳۔ قومِ عاد کو تیز و تند ہوا نے ہلاک کیا۔ (الحاقۃ:٦) ۴۔ بنی اسرائیل کو اللہ نے ذلیل بندر بنا دیا۔ (البقرۃ:٦٥)

۵۔ قومِ لوط کی بستی کو الٹا کر دیا اور ان پر کھنگر والے پتھر برسائے گئے۔ (الحجر:٧٤)

٦۔ ان کے گناہ کی پاداش میں پکڑ لیا کسی پر تند ہوا بھیجی، کسی کو ہولناک آواز نے آلیا، کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کچھ کو غرق کر دیا۔ (العنکبوت:۴۰)

سورۃ محمد ﷺ کا تعارف

اس سورت کا نام نبی علیہ السلام کے اسمِ مبارک پر رکھا گیا ہے جو اس کی دوسری آیت میں موجو د ہے ۔اسکے چار رکوع اور اڑتیس (۳۸) آیات ہیں، اور یہ مدنی سورت ہے۔

اس سورت میں پہلے کفار کے عقیدہ اور کردار کا مسلمانوں کے افکار او ر کردار کے ساتھ تقابل کیا گیا ہے اس کے بعد منافقوں کا مسلمانوں کے ساتھ موازنہ کیا ہے ۔کفار کے بارے میں ارشاد ہے کہ یہ لوگ نہ صرف اپنے کفر پہ اڑے ہوئے ہیں بلکہ اپنے عقائد اور اعمال کے ذریعے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اس وجہ سے انکے تمام اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے کیونکہ یہ حق کی بجائے باطل کی پیروی کرتے ہیں ۔ان کے ساتھ تمہاری جنگ ہو تو ان کی اچھی طرح پٹائی کرو اور ان کی گردنیں اڑادو ۔ان میں جو باقی بچیں ان کو قیدی بنا لو پھر تمہیں اختیار ہے کہ انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دو یا بغیر فدیے کے رہا کر دیا جائے ۔کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کا کردار بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ پر حقیقی ایمان لائیں، صالح اعمال اختیار کرتے رہیں اور جو کچھ نبی علیہ السلام پر نازل ہو ااس پر یقین رکھیں کہ یہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے ان کے صالح عقیدہ اور عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نہ صرف ان کے گناہوں کو معاف کرے گا بلکہ ان کے حالات بھی درست کر دے گا۔لہٰذا مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اللہ کے دین کی مدد کریں اللہ تعالیٰ انکی مدد فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد کرتا ہے اور کفار کی مدد نہیں کرتا ۔وجہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کا خیر خواہ ہے اور کفار کی خیر خواہی نہیں کرتا۔کفار تو اس طرح زندگی گزار رہے ہیں جس طرح چوپائے زندگی گزارتے ہیں ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہو گا اس سورت کے آخر میں نبی علیہ السلام کو یہ حکم ہوا ہے کہ آپ کو لا الہ الا اللہ کا عقیدہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے اور اس پر قائم رہنا چاہیے۔ آپ اپنے لیے اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے استغفار کرتے رہیں۔اللہ تعالیٰ تمہارے اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے کو جانتا ہے اس کے بعد منافقوں کا مسلمانوں کے ساتھ موازنہ کیا گیا ہے منافقین کی حالت یہ ہے کہ قتال فی سبیل اللہ کی آیت نازل ہوتی ہے تو یہ مرنے کے خوف سے ایک دوسرے کی طرف یوں دیکھتے ہیں جیسے ان پر موت کی غشی طاری ہو ان کی سوچ اور کردار یہ ہے کہ اگر انہیں اختیار مل جائے تو یہ رشتہ داریوں کو توڑ ڈالیں گے اور زمین میں فساد کریں گے حقیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے جس وجہ سے یہ اندھے اور بہرے ہو چکے ہیں جب انہیں موت آئے گی تو فرشتے ان کے چہرے اور پیٹوں پر ماریں گے۔اس کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہیں اور اپنے اعمال کو باطل ہونے سے بچائیں آخر میں فرمایا کہ حالتِ جنگ میں کفار کے مقابلے میں کمزوری دکھانے کی بجائے ان کے خلاف ڈٹ جانا چاہیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تم ہی سر بلند رہو گے اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ کوئی اور قوم لے آئے گا جو تمھارے جیسے نہیں ہوں گے۔

سُورَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعَاتُهَا: ٤ اٰيَاتُهَا: ٣٨

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

اَلَّذِیْنَ	كَفَرُوْا	وَصَدُّوْا	عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ	اَضَلَّ	اَعْمَالَهُمْ ①	وَالَّذِیْنَ	
جنہوں نے	کفر کیا	اور روکا	اللہ کی راہ سے	ضائع کر دیے	ان کے اعمال	اور جو لوگ	
اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	وَاٰمَنُوْا	بِمَا	نُزِّلَ	عَلٰی مُحَمَّدٍ	وَّهُوَ
ایمان لائے	اور انہوں نے عمل کیے	نیک	اور وہ ایمان لائے	اس پر جو	نازل کیا گیا	محمد (ﷺ) پر	اور وہ
الْحَقُّ	مِنْ رَّبِّهِمْ	كَفَّرَ	عَنْهُمْ	سَیِّاٰتِهِمْ	وَاَصْلَحَ	بَالَهُمْ ②	
حق ہے	ان کے رب کی طرف سے	دور کر دیگا	ان سے	ان کی برائیاں	اور اصلاح کر دیگا	ان کے حال کی	

”جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا۔ اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا۔(۱) اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور اس پر ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر نازل ہوا ہے۔ وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے ، اللہ نے ان سے ان کی برائیاں دور کر دیں اور ان کا حال درست فرما دیا۔“(۲)

فہم القرآن

ربطِ سورت: الاحقاف کے آخر میں ارشاد ہوا کہ اے رسول ﷺ! پہلے رسولوں کی طرح صبر کریں،وقت آنے والا ہے کہ یہ لوگ اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے تو اس قدر بدحواس ہوں گے کہ یہ کہیں گے کہ ہم دنیا میں چند گھڑیوں سے زیادہ نہیں ٹھہرے تھے سورہ محمد ﷺ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ یہ دنیا میں بھی ہلاکت کے گھڑے میں گرنے والے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ انہیں مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل کرے گا اور ان کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

اس سورت میں کفّار ،منافقین اور مسلمانوں کے اعمال اور ان کے انجام کا موازنہ پیش کیا گیا ہے۔ ہوا یہ کہ اعلانِ نبوّت کے بعد کفار اور مشرکین نبی کریم ﷺ کی ذات کو انتہائی اختلاف کا باعث سمجھتے تھے ۔اس کشمکش میں یہ سورت نازل ہوئی ،اس کا نام آپ کے اسم مبارک پر رکھا گیا تاکہ کفار اور منافقین کو معلوم ہو کہ جس ذاتِ اقدس کو وہ باعثِ اختلاف سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس ہستی اور اس کے ساتھیوں کو دنیا اور آخرت میں کیا مقام بخشا ہے ۔سورت کی ابتدا کفار کے رویے سے کی گئی ہے ۔ کفار نے نہ صرف خود نبی ﷺ کی ذات اور دعوت کا انکار کیا بلکہ انہوں نے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے ایڑھی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس لیے مبعوث فرمایا کہ دنیا کے باطل ادیان اور غلط نظریات پر اللہ کا دین غالب رہے اس لیے اس نے کفار کی کوششوں اور سازشوں کو ناکام کر دیا۔ آپ ﷺ کے مخالف نہ صرف دنیا میں ناکام ہوئے بلکہ آخرت میں بھی ذلیل ہوں گے۔انہوں نے جو رفاہِ عامہ اور اپنے دل کی تسکین کے لیے اچھے کام کیے ان کے

کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں بھی ضائع کر دے گا۔ یعنی ان کے کسی اچھے کام کا بھی انہیں اجر نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ جس ذاتِ کبریا نے انہیں اجر عطا کرنا ہے یہ اس کی ذات اور صفات کا انکار کرتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ اچھے اعمال کے اجر سے محروم رہیں گے۔ ان کے مقابلے میں جو لوگ پہلی کتابوں پر ایمان لائے اور صالح اعمال کرتے رہے اور اس حق پر بھی ایمان لائے جو حضرت محمد ﷺ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا اور نیک عمل کرتے رہے اللہ تعالیٰ ان کے ایمان اور صالح اعمال کی وجہ سے ان کی بشری کمزوریوں کو دور کرے گا اور ان کے اعمال کی اصلاح فرمائے گا۔ بشری کمزوریوں کو دور کرنا اور ان کی اصلاح فرمانے سے مراد دنیا میں ان کے اعمال کی درستگی اور ان کی کمزوریوں کی تلافی کرنا ہے۔ اسی بنا پر نبی اکرم ﷺ کے ساتھی دنیا میں مثالی مسلمان بنے اور زندگی کے ہر محاذ پر کامیاب رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خطاؤں کو معاف کردیا ہے اور انہیں قیامت کے دن جنّت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا۔ اس آیت میں ''اٰمَنُوْا'' کا لفظ دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔ دوسری دفعہ ''اٰمَنُوْا'' استعمال کرنے کا مقصد یہ ہے کہ صرف قرآن مجید پر ایمان نہیں لانا بلکہ حدیث کی صورت میں جو کچھ نبی ﷺ پر نازل ہوا ہے۔ اس پر بھی ایمان لانا ہے اس لیے ایمان لانے والے کا یہ بھی یقین ہونا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید کے علاوہ جو کچھ فرمایا ہے وہ بھی آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے۔ اکثر اہلِ تفسیر نے اس کا مفہوم یہ لیا ہے کہ دوسری دفعہ ''اٰمَنُوْا'' کا لفظ اس لیے استعمال کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ سمجھتے تھے کہ ہم اللہ اور انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان رکھتے ہیں اس لیے ہم صاحبِ ایمان ہیں۔ ان کے دعویٰ کی تردید کے لیے یہ وضاحت کر دی گئی کہ جو شخص حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہیں لائے گا اس کا ایمان قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول محترم ﷺ نے فرمایا تین آدمیوں کے لیے دو گنا اجر ہوگا۔ (۱) اہل کتاب میں وہ شخص جو پہلے اپنے نبی پر ایمان رکھتا تھا اب مجھ پر ایمان لے آیا۔ (۲) وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ اپنے مالک کے حقوق ادا کرتا ہے۔ (۳) جس شخص کے پاس لونڈی ہو اور وہ اس سے صحبت کرتا ہو۔ تو اس نے اس کی تعلیم وتربیت کا بہترین خیال رکھا اس کے بعد اسے آزاد کر کے اسے اپنے نکاح میں لے لیا۔ اس کے لیے بھی دو گنا ثواب ہے۔

(رواہ البخاری: باب تعلیم الرجل أمته وأهله)

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ابْنُ جُدْعَانَ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَصِلُ الرَّحِمَ وَيُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ فَهَلْ ذَاكَ نَافِعُهُ قَالَ لَا يَنْفَعُهُ إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا رَبِ اغْفِرْلِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ)) (رواہ مسلم: باب الدلیل علی من مات علی الکفر لاینفعه عمل)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ ابنِ جدعان جاہلیت میں صلہ رحمی اور مساکین کو کھانا کھلایا کرتا تھا کیا اسے یہ کام نفع دیں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں کیونکہ اس نے

ایک دن بھی یہ نہیں کہا کہ اے میرے رب! قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف فرمادینا۔(یعنی اس کا اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں تھا۔“)

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَا یَسْمَعُ بِیْ اَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ یَهُوْدِیٌّ وَلَا نَصْرَانِیٌّ ثُمَّ یَمُوْتُ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَّا کَانَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ)) (رواہ المسلم: باب وُجُوبِ الإِيمَانِ بِرِسَالَةِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ إِلَى جَمِيعِ النَّاسِ وَنَسْخِ الْمِلَلِ بِمِلَّتِهِ)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا فرمان ذکر کرتے ہیں اس ذاتِ کبریا کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس امت میں جس یہودی یا عیسائی کو میری نبوت کی اطلاع ہو جائے۔ پھر جو کچھ مجھ پر نازل ہوا ہے وہ اس پر ایمان لائے بغیر مر جائے وہ ضرور جہنّم میں داخل ہو گا۔“

مسائل

۱۔ قیامت کے دن کفر کرنے والوں کے اعمال ضائع کردیئے جائیں گے۔
۲۔ جولوگ دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں ان کے اعمال برباد کر دیے جائیں گے۔
۳۔ جولوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اللہ تعالیٰ ان کی غلطیوں کو دور فرمائیں گے اور ان کے احوال کی اصلاح کردیں گے۔
۴۔ ایمان لانے والوں کے لیے ضروری ہے کہ جو کچھ نبی ﷺ پر نازل کیا گیا ہے وہ اس پر بھی ایمان لائیں۔

تفسیر بالقرآن

کفار کے اعمال ضائع کردیئے جائیں گے اور مومنوں کو ان کے ایمان اور اعمال کی جزا دی جائے گی:

۱۔ آخرت کا انکار کرنے والوں کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔(الاعراف:۱۴۷)
۲۔ مشرکین کے اعمال ضائع کردیئے جائیں گے۔(التوبہ:۱۷)
۳۔ ایمان کے ساتھ کفر اختیار کرنے والوں کے اعمال ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔(المائدۃ:۵)
۴۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہ کرنے والوں کے اعمال برباد کردیئے جاتے ہیں۔(محمد:۳۳)
۵۔ وہ لوگ جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں ان کے اعمال غارت کر دیئے جائیں گے۔(آل عمران:۲۱۔۲۲)
۶۔ بے شک اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (یوسف: ۹۰) ۷۔صبر کرو”اللہ“محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ (ھود:۱۱۵)
۸۔ ”اللہ“ کا ارشاد ہے کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا۔ (آل عمران : ۱۹۵)
۹۔ ہم تمہارے گناہ مٹا دیں گے اور عنقریب ہم احسان کرنے والوں کو زیادہ دیں گے۔ (البقرۃ:۵۸)

ذٰلِكَ	بِاَنَّ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوا	اتَّبَعُوا	الْبَاطِلَ
یہ	اس لیے کہ بے شک	وہ لوگ جنھوں نے	کفر کیا	انہوں نے پیروی کی	باطل کی
وَاَنَّ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوا	اتَّبَعُوا	الْحَقَّ	مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ
اور بلاشبہ	وہ لوگ جو	ایمان لائے	انہوں نے پیروی کی	حق کی	اپنے رب کی طرف سے
كَذٰلِكَ	يَضْرِبُ	اللّٰهُ	لِلنَّاسِ	اَمْثَالَهُمْ ۝	
اسی طرح	بیان کرتا ہے	اللہ	لوگوں کے لیے	ان کی مثالیں	

''یہ اس لیے ہے کہ بے شک کفر کرنے والوں نے باطل کی پیروی کی اور ایمان لانے والوں نے اس حق کی پیروی کی جو ان کے رب کی طرف سے آیا ہے، اس طرح اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے۔'' (۳)

فہم القران

ربطِ کلام: کفار کے اعمال ضائع کرنے کا سبب اور ایمانداروں کو جزادینے کا باعث۔

کفار کے اعمال اس لیے ضائع کردیئے جائیں گے کہ وہ دین کے مقابلے میں کفر، توحید کے بدلے شرک اور حق کی بجائے باطل کے پیچھے لگا کرتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں اللہ اوراس کے رسول پر ایمان لانے والے ہر حال میں اس حق کی پیروی کرتے ہیں جوان کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے حالات اس لیے بیان کرتا ہے تاکہ لوگ کفر اوراسلام، توحید اورشرک ،حق اور باطل ،جھوٹے اور سچے کے درمیان فرق کر سکیں۔ باطل کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ وہ حق کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتا بشرطیکہ حق والے حق کے تقاضے پورے کرتے ہوئے منظم ہوکر کفار کا مقابلہ کریں۔اس بات کو اللہ تعالیٰ نے بدر ،اُحد، خندق ،فتح مکہ اور تبوک کے موقع پرواضح طور پر ثابت کردکھایا کہ اللہ تعالیٰ نیک اورمنظم لوگوں کی کس طرح مدد کرتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ اوراس کے رسول کے منکر باطل کی پیروی کرتے ہیں۔
۲۔ ایماندار لوگ ہمیشہ اپنے رب کی طرف سے نازل کردہ حق کے پیچھے لگتے ہیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے واقعات اس لیے بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ ان سے عبرت حاصل کریں۔

تفسیر بالقرآن

حق اور باطل کا امتیاز اوران کا انجام:

۱۔ اللہ تعالیٰ حق و باطل کی مثالیں بیان کرتا ہے۔ (الرعد:۱۷) (بنی اسرائیل: ۸۱) (الشوریٰ: ۲۴) (الانفال: ۸)

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰٓى

چنانچہ جب | تم ملو | ان لوگوں سے جنہوں نے | کفر کیا | تو مارنا ہے | گردنیں | یہاں تک کہ

اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّاۢ

جب | تم ان کو خوب قتل کر چکو | تو مضبوطی سے باندھ لو | بیڑیوں میں | پھر یا تو | احسان کرنا ہے

بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ قف

اس کے بعد | اور یا | فدیہ لینا ہے | یہاں تک کہ | ڈال دے | لڑائی | اپنے ہتھیار

ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ۙ وَلٰكِنْ

(حکم) یہی ہے | اور اگر | چاہتا | اللہ | تو البتہ بدلہ لیتا | ان سے | اور لیکن

''پس جب کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو تو ان کی گردنیں مارنا ہے، یہاں تک کہ جب تم ان کو اچھی طرح کچل دو تو قیدیوں کو مضبوطی سے باندھ لو، اس کے بعد احسان کرو یا فدیے کا معاملہ کرلو یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔ تمہیں یہ کرنا چاہیے۔ اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے نمٹ لیتا مگر یہ طریقہ اس نے اس لیے اختیار کیا ہے تا کہ تم لوگوں کو ایک دوسرے کے

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار باطل کی پیروی کرتے ہیں اس لیے مومنوں کا فرض ہے کہ جب ان کے ساتھ مقابلہ ہو تو وہ میدانِ جنگ جیتنے کی کوشش کریں۔

اس سورت کے نزول سے پہلے سورہ حج میں مسلمانوں کو کفار کے مقابلے میں قتال کرنے کی اجازت مل چکی تھی اس لیے اس سورت میں مسلمانوں کو جنگ کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا گیا۔ ارشاد ہوا کہ اے مسلمانو! جب کفار کے ساتھ تمہاری مڈھ بھیڑ ہو تو پوری ہمت اور طاقت کے ساتھ ان کی گردنیں کاٹو یہاں تک کہ جب ان کے سرغنوں کو قتل کر چکو اور لڑائی ختم ہوجائے تو ان کے قیدیوں کو مضبوطی کے ساتھ باندھ لو۔ اس کے بعد تمہیں اختیار ہے کہ احسان کرتے ہوئے چھوڑ دو یا ان سے فدیہ وصول کرو۔ اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے اور لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ آزماتا ہے۔ یادرکھو! جو اس کے راستے میں شہید ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ضائع نہیں کرتا، جو ان میں باقی بچتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی راہنمائی کرتا ہے اور ان کے معاملات کو درست فرماتا ہے۔ انہیں اس جنّت میں داخل فرمائے گا جس کا تعارف اس نے مومنوں کو کروادیا ہے۔ ان آیات میں قتال فی سبیل اللہ کا ایک طریقہ بتلایا ہے کہ جب کفار کے ساتھ مسلمانوں کا آمنا سامنا ہو تو انہیں پوری قوت اور جوش وخروش کے ساتھ کفار پر حملہ آور ہونا چاہیے تا کہ کفار کو سنبھلنے کا موقع نہ مل سکے۔ مجاہدوں کو جنگ کے دوران اس جوش اور ولولے سے لڑنا چاہیے کہ کفار کی گردنیں اڑا دینی چاہئیں اور جو ان کے قیدی ہاتھ لگیں انہیں مضبوطی کے ساتھ باندھ لینا چاہیے۔

لِّيَبْلُوَاْ	بَعْضَكُمْ	بِبَعْضٍ	وَ الَّذِيْنَ	قُتِلُوْا	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
تا کہ وہ آزمائے	تمہیں بعض کو	بعض کے ساتھ	اور وہ لوگ جو	قتل کیے گئے	اللہ کی راہ میں

فَلَنْ	يُّضِلَّ	اَعْمَالَهُمْ ۝	سَيَهْدِيْهِمْ	وَيُصْلِحُ
تو ہرگز نہیں	وہ ضائع کرے گا	ان کے اعمال	عنقریب وہ رہنمائی کرے گا ان کی	وہ اصلاح کرے گا

بَالَهُمْ ۝	وَ	يُدْخِلُهُمُ	الْجَنَّةَ	عَرَّفَهَا	لَهُمْ ۝
ان کے حال کی	اور	وہ داخل کرے گا انہیں	جنّت میں	وہ اس کا تعارف کرواچکا ہے اس کی	ان کو

ذریعہ سے آزمائے، اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں گے اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔(۴) جو باقی بچیں گے ''اللہ'' ان کی رہنمائی فرمائے گا اور اُن کا حال درست کر دے گا۔(۵) اور ان کو اس جنّت میں داخل کرے گا جس سے ان کو متعارف کراچکا ہے۔''(٦)

قیدیوں کے ساتھ سلوک:

فتح کی صورت میں مسلمانوں کو اپنے حالات کے مطابق قیدیوں کے ساتھ چار باتوں میں کوئی ایک بات اختیار کرنے کا حق دیا گیا ہے۔

۱۔احسان کرتے ہوئے قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے ۔۲۔قیدیوں سے فدیہ قبول کیا جائے ۔۳۔آپس میں تبادلہ کر لیا جائے ۔۴۔قیدیوں کو قتل کر دیا جائے ۔

نبی علیہ السلام نے حالات کے مطابق اپنے دور میں مختلف موقعوں پر چاروں طریقوں پر عمل کیا ہے۔① ۔غزوہ بدر کے اکثر قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا ۔ جن میں چند قیدیوں کو صحابہ کو تعلیم دینے کے بدلے میں رہا کر دیا گیا۔ ② ۔غزوہ حنین کے موقع پر سینکڑوں قیدیوں کو بلا معاوضہ آزاد فرمادیا۔③ ۔فتح مکہ کے موقع پر ''آئِمَّةُ الْکُفْر'' کے چار آدمیوں کو قتل کیا اور باقی کے لیے آزادی کا اعلان فرمایا ۔④ ۔ بنوثقیف کے ساتھ قیدیوں کا تبادلہ کیا گیا۔

شہداء کا مقام:

''اللہ'' کا فرمان ہے کہ جو لوگ اس کے راستے میں قتل کیے گئے ''اللہ'' ان کے اعمال کو ضائع نہیں کرے گا۔ اعمال ضائع نہ کرنے سے پہلی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی شہادت قبول کرتے ہوئے انہیں جنّت میں داخل فرمائے گا جس جنّت کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مومنوں کو تعارف کروایا ہے ۔شہیدوں کے اعمال ضائع نہ کرنے کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے نام اور کام کو مدتِ مدید تک قائم رکھتا ہے ۔ اس لیے مسلمانوں میں یہ نعرہ ایجاد ہوا۔ شہید کی جو موت ہے قوم کی حیات ہے

((اَوَّلُ مَا يُهْرَاقُ مِنْ دَمِ الشَّهِيْدِ يُغْفَرُ لَهٗ ذَنْبُهٗ كُلُّهٗ اِلَّا الدَّيْنَ .))

(صحيح الجامع للالباني، رقم حديث : ٢٥٧٨)

”پہلے قطرہ خون سے شہید کے قرض کے سوا سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہلِ جنّت کو مخاطب کرتے ہوئے استفسار فرمائیں گے اے جنّت میں رہنے والو! جنّتی کہیں گے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں آپ کے حضور پیش ہیں۔ ہر قسم کی خیر آپ کے ہاتھ میں ہے۔اللہ تعالیٰ پوچھے گا کیا تم خوش ہو؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! ہم کیوں نہ خوش ہوں؟ تو نے تو ہمیں ایسی نعمتیں عطا کی ہیں جو آپ نے اپنی مخلوق میں کسی کو عطا نہیں کیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں تمہیں اس سے بھی بہتر نعمت عطا نہ کروں؟ وہ عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! اس سے بڑھ کر اور نعمت کیا ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تم پر ہمیشہ کے لیے خوش ہوں اب کبھی تم پر ناراض نہیں ہوں گا۔“

(رواہ البخاری: کتاب الرقاق،باب صفة الجنة والنار)

مسائل

۱۔ میدانِ کارزار میں مجاہدین کو پوری قوت کے ساتھ کفار کی گردنیں کاٹنی چاہییں۔

۲۔ جنگ ختم ہو تو قیدیوں کو اچھی طرح گرفتار کر لینا چاہیے۔

۳۔ مسلمانوں کو قیدیوں کے ساتھ مذکورہ بالا صورتوں میں سے کوئی ایک صورت اختیار کرنے کا حق دیا گیا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ ہی مسلمانوں کی مدد کرنے والا ہے۔۵۔اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کفار کے ساتھ جنگ میں آزماتا ہے۔

۶۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ضائع نہیں کرتا۔

۷۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی راہنمائی کرتا ہے اور ان کے معاملات درست فرماتا ہے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو قیامت کے دن اس جنّت میں داخل فرمائے گا جس کا انہیں قرآن مجید میں تعارف کروایا گیا ہے۔

تفسیر بالقرآن

الجنّت کا مختصر تعارف:

۱۔ ہم ان کے دلوں سے کینہ نکال دیں گے اور سب ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے۔اس میں انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے۔ (الحجر: ۴۷۔۴۸)

۲۔ جس جنّت کا مومنوں کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اور اس کے پھل اور سائے ہمیشہ کے لیے ہوں گے۔ (الرعد: ۳۵) (الواقعہ: ۲۸تا۳۰)

۴۔ جنّت کے میوے ٹپک رہے ہوں گے۔(الحاقہ: ۲۳)(حٰم السجدۃ: ۳۱)

۵۔ جنّتی جنّت میں جو چاہیں گے پائیں گے۔(الانبیاء: ۱۰۲)

يَاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْٓا	اِنْ	تَنْصُرُوا اللّٰهَ	يَنْصُرْكُمْ
اے	لوگو جو	ایمان لائے ہو	اگر	تم مدد کرو اللہ کی	تو وہ مدد کرے گا تمہاری
وَيُثَبِّتْ	اَقْدَامَكُمْ ۝	وَالَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	فَتَعْسًا لَّهُمْ	
اور وہ ثابت رکھے گا	تمہارے قدم (جمع)	اور وہ لوگ جنہوں نے	کفر کیا	تو ہلاکت ہے ان کے لیے	
وَاَضَلَّ	اَعْمَالَهُمْ ۝	ذٰلِكَ	بِاَنَّهُمْ	كَرِهُوْا	مَآ
اور وہ ضائع کردے گا	ان کے اعمال	یہ اس لیے	کہ بلاشبہ انہوں نے	ناپسند کیا	اس کو جو
اَنْزَلَ اللّٰهُ	فَاَحْبَطَ	اَعْمَالَهُمْ ۝			
اللہ نے نازل کیا	تو اس نے برباد کردیے	ان کے اعمال			

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط کردے گا۔(٧) وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے، ان کے لیے ہلاکت ہے اور ان کے اعمال کو اللہ ضائع کردے گا۔(٨) کیونکہ انہوں نے اس بات کو ناپسند کیا جسے اللہ نے نازل کیا ہے لہٰذا اس نے ان کے اعمال ضائع کردیے۔''(٩)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مسلمانوں کو جنگ کے دوران کفار کے ساتھ پوری قوت کے ساتھ لڑنے کا حکم دینے کے بعد ان کی مدد کرنے کی یقین دہانی اور اس کی بنیاد۔

اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد فرمائے گا اور ہر میدان میں تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔ یاد رکھو! کہ کفار کے لیے ہلاکت ہے اور ان کے اعمال ضائع کردیئے جائیں گے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو قبول کرنا پسند نہیں کیا۔ اس لیے ان کے اعمال غارت کردیئے جائیں گے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک طرف مجاہدین کو اپنی مدد کی یقین دہانی کروائی ہے اور دوسری طرف کفار کے اعمال ضائع کرنے اور ان کی کوششوں کو ناکام کرنے کی خوشخبری دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو اپنی مدد کی یقین دہانی کرواتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ غور فرمائیں! کہ ''اللہ'' وہ ہے جو کسی لحاظ سے کسی کی مدد اور تعاون کا محتاج نہیں اور جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی کی معاونت اور مدد کا محتاج ہے وہ پرلے درجے کا کافر اور مشرک ہے۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو فرمایا کہ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو ''اللہ'' تمہاری مدد فرمائے گا۔ اس ارشاد میں یہ بات سمجھانا مقصود ہے کہ اے مسلمانو! جب تم دین کی حمایت میں لڑنے اور کمزوروں کی مدد کرتے ہو۔ سمجھو کہ تم اللہ کی مدد کرتے ہو۔ یہ الفاظ اس لیے استعمال کیے گئے ہیں کہ جس دین کی سربلندی کے لیے مجاہد لڑتے ہیں وہ دین ''اللہ'' نے ہی نازل فرمایا

ہے ، کمزوروں اور مظلوموں کی مدد کرنے کا حکم بھی اسی نے دیا ہے ۔ اس لحاظ سے دین اور کمزوروں کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ کی مدد کرنے کے مترادف ہے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ اَيَّامِ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهِنَّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْعَشْرِ فَقَالُوْا يَارَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ)) (رواه الترمذی : باب مَاجَاءَ فِي الْعَمَلِ فِيْ اَيَّامِ الْعَشْرِ ،قال البانی صحیح)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی دن ایسا نہیں کہ اس میں نیک عمل اللہ کے نزدیک عشرۂ ذی الحجہ کے دنوں سے زیادہ پسند ہو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا اللہ کی راہ میں لڑنا بھی اس کے برابر نہیں، فرمایا نہیں اللہ کی راہ میں لڑنا بھی اس کے برابر نہیں، مگر وہ مجاہد جو اپنی جان اور مال کے ساتھ نکلا، پھر ان میں سے کسی چیز کے ساتھ واپس نہیں ہوا۔“

مسائل

۱۔ اللہ کے دین کی مدد کرنا ”اللہ“ کی مدد کرنے کے مترادف ہے ۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہر میدان میں اپنے بندوں کو ثابت قدم رکھتا ہے ۔

۳۔ کفار کے لیے ہلاکت ہے اور ان کے اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے کیونکہ وہ ”اللہ“ کے نازل کردہ حق کو نہیں مانتے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام اور اپنے بندوں کی مدد فرمائی ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی مدد فرمائی اور ان کے مخالفوں کو غرق کر دیا۔(الشعراء:۱۲۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی مدد فرمائی اور ان کے دشمن کو غرق کر دیا۔(الشعراء: ۶۶،۶۷)

۳۔ ابرہہ کے مقابلے میں بیت اللہ کا تحفظ فرمایا۔(الفیل :مکمل) ۴۔بنی اسرائیل کے کمزوروں کی مدد فرمائی۔ (القصص:۵)

۵۔ ”اللہ“ نے عیسیٰ ابن مریم کو معجزات سے نوازا اور روح القدس کے ساتھ اس کی مدد فرمائی ۔ (البقرۃ: ۸۷)

۶۔ غارِ ثور میں نبی ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مدد فرمائی۔(التوبہ:۴۰)

۷۔ بدر میں اللہ تعالیٰ نے کمزوروں کی مدد فرمائی۔(آل عمران:۱۲۳)

۸۔ اللہ اپنی مدد کے ساتھ جس کی چاہتا ہے نصرت فرماتا ہے ۔ (الروم: ۵)

۹۔ اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہی بہتر مدد کرنے والا ہے ۔ (آل عمران :۱۵۰)

اَفَلَمْ	يَسِيْرُوْا	فِي الْاَرْضِ	فَيَنْظُرُوْا	كَيْفَ	كَانَ	عَاقِبَةُ
پھر کیا نہیں	وہ پھرے	زمین میں	پھر وہ دیکھتے	کیسا	ہوا	انجام
الَّذِيْنَ	مِنْ قَبْلِهِمْ	دَمَّرَ	اللّٰهُ	عَلَيْهِمْ	وَلِلْكٰفِرِيْنَ	
ان لوگوں کا جو	ان سے پہلے تھے	تباہی نازل کی	اللہ نے	ان پر	اور کافروں کے لیے	
اَمْثَالُهَا ⑩	ذٰلِكَ	بِاَنَّ	اللّٰهَ	مَوْلَى	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا
اس جیسی سزائیں ہیں	یہ اس لیے	کہ بے شک	اللہ	مددگار ہے	ان لوگوں کا جو	ایمان لائے
وَاَنَّ	الْكٰفِرِيْنَ	لَا	مَوْلٰى	لَهُمْ ⑪		
اور بے شک	کافر لوگ	نہیں ہے	کوئی مددگار	ان کا		

”کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان لوگوں کا انجام دیکھتے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا اور اس طرح کی سزائیں ان کفار کا مقدر ہیں۔(۱۰) یہ اس لیے کیا کیونکہ اللہ ایمان لانے والوں کا مددگار ہے اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں۔“(۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلی آیت میں مسلمانوں کی مدد کرنے کا وعدہ اور کفار کی ہلاکت کا ذکر ہے اس لیے ارشاد ہوا کہ کفار کی تباہی دیکھنا چاہو تو زمین پر چل پھر کر دیکھو۔

انسان جن چیزوں سے سبق حاصل کرتا ہے ان میں پہلی اقوام کے آثار اور نشانات بھی اس کی عبرت کا باعث بنتے ہیں اس لیے قرآن مجید میں کئی مرتبہ لوگوں کو اس بات کی دعوت دی گئی ہے کہ لوگو! زمین پر چل کر ان لوگوں کے آثار اور نشانات دیکھو جنہیں اللہ تعالیٰ نے تباہ و برباد کیا ہے۔ یہی حکم اہلِ مکہ کو دیا گیا کہ کیا وہ اپنے سے پہلے باغیوں کا انجام نہیں دیکھتے ؟ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کس طرح تباہ کیا اور اسی طرح ہی تمہارے ساتھ ہوگا۔ ایسا اس لیے کیا گیا اور ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ایمانداروں کی مدد کرتا ہے اور کفار کو تباہ کرتا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام اور دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے مخالفین کی ناکامی اور بربادی کا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کس کس جرم میں تباہ کیا اور وہ کس طرح ذلیل اور تباہ کر دیئے گئے۔ ایسا اس لیے کیا گیا ہے تاکہ مومنوں کو یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ بالآخر مومنوں کی مدد کرتا ہے اور کفار کو ذلیل اور ناکام بنا دیتا ہے کیونکہ وہ کفار کی بجائے مومنوں کا مددگار ہے بشرطیکہ مومن ایمان کے تقاضے پورے کریں۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کا مولیٰ ہے اور کافروں کا مولیٰ نہیں ہے یہی بات غزوہ اُحد کے موقع پر ابوسفیان کے جواب میں کہی گئی۔ جب اس نے بلند آواز سے کہا تھا کہ آج ھبل بلند ہو گیا۔ یاد رہے کہ مکہ والوں نے ھبل کا بت بیت اللہ کی چھت پر رکھا ہوا تھا۔

(اَللّٰهُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ)''اللہ بلند و بالا اور عظمت والا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ احد بدر کا بدلہ نہیں ہوسکتا کیونکہ تمہارے مرنے والے جہنّم کا ایندھن بنے اور ہمارے شہید جنّت کے مہمان قرار پائے ہیں۔(رواہ البخاری : کتاب المغازی، باب غزوۃ أحد)

((اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْوَلَا یُعْلیٰ)) (ارواء الغلیل از الالبانی، حدیث نمبر: ١٢٦٨ ،ھٰذا حدیث حسن)

''اسلام غالب آئے گا اور اس پر کوئی غالب نہیں آئے گا۔''

①۔اہلِ مکہ نے نبی محترم ﷺ اورآپ کے ساتھیوں کوختم کرنے کی کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ اورآپ کے ساتھیوں کو ترقی نصیب فرمائی ۔②۔ہجرت کے موقع پر کفار نے نبی معظم ﷺ کوقتل کرنے کی کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ناکام اورذلیل کردیا۔

③۔بدر کے موقع پر کفار نے کہا کہ مسلمانوں کوختم کردیا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور کفارِ مکہ کو ہمیشہ ہمیش کے لیے ذلیل کردیا۔④۔اُحد کے موقع پر اہلِ مکہ نے مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کرنا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بُزدل بنا دیا اوروہ فتح کی حسرت لے کر مکہ کی طرف واپس گئے ۔⑤۔غزوہ خندق کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اورکفار کے دس ہزار لشکر کو ناکام کردیا۔

⑥۔فتح مکہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اورمسلمانوں کو سربلند فرمایا اورکفار سرنگوں ہوکرمعافی کے خواستگار ہوئے۔⑦۔اللہ تعالیٰ نے منافقین کو پوری طرح رسوا کیا اورنبی معظم ﷺ کو ان کی سازشوں سے محفوظ فرمایا۔ ⑧۔اللہ تعالیٰ نے غزوہ تبوک کے موقع پر رومیوں کو پسپا کیا ۔نبی ﷺ اورمسلمانوں کورہتی دنیا تک سربلند فرمایا۔⑨۔اللہ تعالیٰ نے اسلام کوسربلند فرمایا اورکفرکو سرنگوں کردیا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے مجرم اقوام کو ذلیل اورنیست ونابود کردیا:

١۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی اقوام کوتباہ کیا۔ (الانعام: ٦)٢۔قوم نوح طوفان کے ذریعے ہلاک ہوئی ۔ (الاعراف:١٣٦)

٣۔ جب تم سے پہلے لوگوں نےظلم کیا تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا ۔ (یونس : ١٣)

٤۔ عادزبردست آندھی کے ذریعے ہلاک ہوئے۔(الحاقۃ:٦)٥۔فاسق ہلاک کر دیے گئے ۔ (الاحقاف: ٣٥)

٦۔ ثمود زوردار دھماکے کے ساتھ ہلاک کیے گئے ۔ (الحاقۃ: ٥)٧۔آل فرعون کوسمندر میں ڈبو دیا گیا۔(یونس:٩٠)

٨۔ قوم لوط کوزمین سے اٹھا کر آسمان کے قریب لے جاکر الٹا دیا گیا۔(ھود:٨٢)

٩۔ ہم نے مکہ والوں سے پہلے کئی بستیوں کو ہلاک کیا جوٹھاٹھ باٹھ میں ان سے بہت آگے تھے۔ (مریم: ٧٤)

١٠۔ ہم نے ان سے پہلے کئی امتیں ہلاک کرڈالیں، جوقوت میں مکہ والوں سے بڑھ کرتھیں ۔ (ق:٣٦)

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
بلاشبہ اللہ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل کیے نیک
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
ایسے باغات میں چلتی ہیں ان کے نیچے سے نہریں اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا
يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ
وہ فائدہ اٹھاتے ہیں اور وہ کھاتے ہیں جس طرح کھاتے ہیں چوپائے اور آگ
مَثْوًى لَّهُمْ ⑫ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً
ٹھکانا ہے ان کا اور کتنی ہی بستیاں کہ وہ زیادہ تھیں قوت میں
مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ⑬
آپ کی بستی سے جس سے انہوں نے نکالا آپ کو ہم نے ہلاک کر دیا ان کو پھر نہیں تھا کوئی مدد گار ان کا

''یقیناً ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ''اللہ'' ایسی جنّتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، اور کافر دنیا کے فائدے اٹھاتے ہیں، جانوروں کی طرح کھا پی رہے ہیں۔ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔(۱۲) اے نبی! کتنی ہی بستیاں ایسی ہیں جو آپ کی اس بستی سے زیادہ طاقتور تھیں جس سے آپ کو نکال دیا گیا ہے۔ہم نے انہیں اس طرح ہلاک کیا کہ کوئی ان کو بچانے والا نہیں تھا۔''(۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مسلمان دین پر قائم رہتے ہوئے منظّم طریقے کے ساتھ کفار کا مقابلہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد ضرور کرتا ہے اور آخرت میں انہیں جنّت میں داخل کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایمانداروں کے ساتھ بار بار وعدہ کیا ہے کہ اگر تم سچے دل کے ساتھ ایمان لاؤ اور اس کے بتلائے ہوئے صالح اعمال اختیار کرو تو تمہیں ایسی جنّت میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔یہاں تک کفار کا معاملہ ہے وہ اپنے رب کی نعمتیں کھاتے ہیں اور دنیا سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔لیکن آخر کار ان کا انجام جہنّم کی آگ ہوگا اور یہ ہمیشہ ہمیش جہنّم میں جلتے رہیں گے۔ہم نے اس سے پہلے کتنی ہی بستیاں تباہ کیں جو آپ ﷺ کی بستی مکہ سے طاقتور تھیں۔جب ہم نے انہیں ہلاک کیا تو کوئی بھی ان کی مدد نہ کرسکا۔اس فرمان میں کھلے الفاظ میں مکہ والوں کو انتباہ کیا گیا ہے کہ اگر تم اپنی روش سے باز نہ آئے تو پہلے لوگوں کی طرح ہلاک اور برباد کر دیئے جاؤ گے پہلے کفار کا انجام بتلانے سے پہلے فرمایا ہے کہ یہ چوپاؤں کی طرح اللہ کی نعمتیں کھاتے اور استعمال کرتے ہیں لیکن ان کا ٹھکانہ جہنّم ہے۔یہاں کفار کو چوپاؤں کے مشابہ قرار دیا گیا

ہے کہ جس طرح چوپائے کھانے پینے اور رہنے سہنے سے آگے شعور نہیں رکھتے اسی طرح ہی کفار کی حالت ہے کہ وہ کھانے پینے اور رہنے سہنے سے بڑھ کر کچھ نہیں سوچتے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے کس لیے پیدا کیا ہے اور انہیں کون سے کام کرنے کا حکم دیا ہے اور کن کاموں سے منع کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ چوپاؤں سے بدتر ہیں۔

﴿وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ (الاعراف: ۱۷۹)

”اور بلاشبہ ہم نے بہت سے جنّ اور انسان جہنم کے لیے پیدا کیے ہیں ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں یہ لوگ چوپاؤں جیسے ہیں بلکہ زیادہ بدتر اور غافل ہیں۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ایماندار اور صالح کردار لوگوں کو جنّتوں میں داخل فرمائے گا۔

۲۔ جنّتوں میں نہریں اور آبشاریں جاری ہوں گی۔ ۳۔ کفار چوپاؤں کی طرح کھانے پینے سے آگے نہیں سوچتے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کفار کو جہنّم کی آگ میں داخل کرے گا جو ان کے لیے بدترین ٹھکانہ ہوگا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے کئی بستیوں کو تباہ و برباد کیا جو مکہ والوں سے زیادہ طاقت رکھنے والے تھے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بستی کو تباہ کرتا ہے تو پھر ان کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

تفسیر بالقرآن

مومنوں کا مقام اور کفار کا انجام:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے متقین کے ساتھ جنّت کا وعدہ فرمایا ہے اور کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔ (الرعد: ۳۵)

۲۔ اللہ مومنوں کا دوست ہے۔ وہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۵۷)

۳۔ صبر کرو متقین کا انجام بہتر ہے۔ (ہود: ۴۹) ۴۔ متقین کے لیے جنّت ہے۔ (الحجر: ۴۵)

۵۔ مومنوں کے چہرے تر و تازہ ہوں گے۔ (القیامۃ: ۲۲) ۶۔ مجرموں کے لیے جہنّم ہے۔ (طٰہٰ: ۷۴)

۷۔ کفار کے چہرے کالے ہوں گے اور جنّتیوں کے چہرے پرنور ہوں گے۔ (آل عمران: ۱۰۶۔۱۰۷)

۸۔ کفار کے چہروں پر ذلت چھائی ہوگی اور متقین کے چہرے ہشاش بشاش ہوں گے۔ (یونس: ۲۶۔۲۷)

۹۔ جو لوگ ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں وہ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (البقرۃ: ۳۹)

۱۰۔ جو لوگ اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں وہ ہمیشہ جہنّم میں رہیں گے۔ (الاعراف: ۳۶)

اَفَمَنْ	كَانَ	عَلٰى بَيِّنَةٍ	مِّنْ رَّبِّهٖ	كَمَنْ		زُيِّنَ
کیا پھر وہ شخص	جو ہے	واضح دلیل پر	اپنے رب سے	اس شخص کی مانند ہے		کہ خوبصورت کر دی گئی
لَهٗ	سُوْٓءُ عَمَلِهٖ	وَاتَّبَعُوْٓا	اَهْوَآءَهُمْ ﴿١٤﴾	مَثَلُ	الْجَنَّةِ	الَّتِيْ
اس کے لیے	اس کی بدعملی	اور انہوں نے پیروی کی	اپنی خواہشات کی	مثال	جنّت کی	جس کا
وُعِدَ	الْمُتَّقُوْنَ	فِيْهَآ	اَنْهٰرٌ	مِّنْ مَّآءٍ	غَيْرِ اٰسِنٍ	وَاَنْهٰرٌ
وعدہ کیے گئے ہیں	متقی لوگ	اس میں	نہریں ہیں	ایسے پانی کی جو	نہیں ہے بدلنے والا	اور نہریں ہیں
مِّنْ لَّبَنٍ	لَّمْ	يَتَغَيَّرْ	طَعْمُهٗ	وَاَنْهٰرٌ		مِّنْ خَمْرٍ
ایسے دودھ کی	کہ نہیں	تبدیل ہوگا	اس کا ذائقہ	اور نہریں ہیں		ایسی شراب کی جو

”کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے ایک واضح ہدایت پر ہو وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کے لیے اس کا بُرا عمل خوبصورت بنا دیا گیا ہے ، اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے لگ چکے ہیں۔(١٤) جس جنّت کا متقی لوگوں کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے اس کی شان یہ ہے کہ اس میں شفاف پانی کی نہریں بہہ رہی ہوں گی ایسے دودھ کی نہریں ہوں کہ جس کے ذائقہ میں معمولی بھی فرق نہیں آئے گا، ایسی شراب کی نہریں ہوں گی۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: جولوگ دنیا میں ہلاک کیے گئے ان کی ہلاکت کا سبب یہ تھا کہ وہ ہدایت پر چلنے کی بجائے اپنی خواہشات کے بندے بن چکے تھے جس وجہ سے ان کا دنیا میں بُرا انجام ہوا اور آخرت میں جہنّم کی آگ میں جھونکے جائیں گے۔

اس سورت میں مومنوں اور کفار کے درمیان موازنہ کیا جارہا ہے۔ ایک شخص ہے جو اپنے رب کی طرف سے ٹھوس اور واضح دلیل پر عمل پیرا ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسرا وہ ہے جو اپنے جذبات اور خیالات کی پیروی کرتا ہے اور اس کے لیے شیطان نے اس کے برے اعمال کو فیشن بنا دیا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت اور دلیل پر عمل پیرا ہے اور اپنے رب کی نافرمانی سے بچنے والا ہے۔ اس کے لیے اس کے رب نے اس جنّت کا وعدہ کیا ہے جس کی شان اور حال یہ ہے کہ اس میں چار قسم کی نہریں جاری ہوں گی۔ جنّت میں داخل ہونے والوں کے لیے ہر قسم کے ثمرات ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے ان کے لیے بخشش کا اعلان ہوگا۔ ان کے مقابلے میں جس شخص نے اپنے جذبات اور خیالات کی پیروی کی اور برے اعمال کو اپنے لیے اچھا جانا اسے ہمیشہ کے لیے جہنّم کی میں جھونکا جائے گا اور پینے کے لیے اسے کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا۔ جو اس کی انتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا۔

جنّت میں چلنے والی نہریں :

①۔جنّت کی نہروں میں ایک نہر صاف اور شفاف پانی سے لبریز ہوگی اور اس کے پانی کی لہریں آپس میں

لَّذَّةٍ	لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ	وَاَنْهٰرٌ	مِّنْ عَسَلٍ	مُّصَفًّى ؕ	وَلَهُمْ
لذیذ ہے	پینے والوں کے لیے	اور نہریں ہیں	شہد کی	صاف	اور ان کے لیے

فِيْهَا	مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ	وَمَغْفِرَةٌ	مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ	كَمَنْ
اس میں	ہر قسم کے پھل ہیں	اور مغفرت ہوگی	ان کے رب کی طرف سے	اس کے مانند

هُوَ	خَالِدٌ	فِي النَّارِ	وَ	سُقُوْا	مَآءً	حَمِيْمًا
وہ جو	ہمیشہ رہنے والا ہے	آگ میں	اور	وہ پلائے جائیں گے	پانی	شدید کھولتا ہوا

فَقَطَّعَ	اَمْعَآءَهُمْ ﴿١٥﴾
پس وہ ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا	ان کی آنتیں کو

جو پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی، صاف شفاف شہد کی نہریں ہوں گی ،اس میں ان کے لیے ہر طرح کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی۔ کیا یہ لوگ اُن لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور جنہیں ایسا گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتیں کاٹ دے گا۔"(١٥)

اٹکلیاں کررہی ہوں گی ۔اس نہر کا پانی اس قدر صاف اور شفاف ہوگا جس میں نہ مٹی ہوگی اور نہ ہی ریت کے ذرات ہوں گے ۔اس پانی کا نہ رنگ بدلے گا ،نہ ذائقہ تبدیل ہوگا اور نہ ہی اس میں بو پیدا ہوگی ۔

② ۔جنّت میں ایک نہر ایسی ہوگی جو دودھ سے لبالب ہوگی۔اس میں ایسا دودھ ہوگا کہ جس کا رنگ چاند کی روشنی سے زیادہ روشن ہوگا ۔اس کے دودھ کا ذائقہ کبھی تبدیل نہیں ہوگا۔ جنّتی اس سے دودھ کے جام بھریں گے اور آپس میں خوش گپیاں کرتے ہوئے ان سے لطف اندوز ہوں گے ۔

③ ۔جنّت میں بہنے والی تیسری نہر شراب سے بھر پور ہوگی ۔دیکھنے میں یہ شراب ہوگی لیکن یہ کسی اعتبار سے بھی دنیا کی شراب کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتی ہوگی۔ دنیا کی شراب میں کڑواہٹ ،ترشی اور کچھ نہ کچھ نشہ ضرور ہوتا ہے جس سے انسان کی عقل میں فتور پیدا ہوتا ہے۔اور اس کی صحت پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جنّت کی شراب اس قسم کی آلائشوں سے یکسر پاک ہوگی یہ ان لوگوں کو نصیب ہوگی جو دنیا میں شراب کو حرام سمجھتے تھے اور اس سے کلی طور پر اجتناب کیا کرتے تھے ۔ان کے مقابلے میں کفار اور مشرکین کو جہنّم کی آگ میں داخل کیا جائے گا ۔جب وہ جہنّم کی تلخی کی وجہ سے پانی طلب کریں گے تو انہیں پینے کے لیے انتہائی کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا جس سے ان کی آنتڑیاں کٹ کر رہ جائیں گی۔

④ ۔جنّت کی نہر ایسے شہد سے بھری ہوگی جس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں ہوگی۔ یہ شہد اتنا صاف اور شفاف ہوگا جس میں پینے والے کو اپنا چہرہ نظر آئے گا ۔اس کی مٹھاس کے بارے میں کسی انسان کے پاس ایسے الفاظ نہیں کہ جس سے وہ اس کے ذائقے اور مٹھاس کی ترجمانی کر سکے۔

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ اور رسول پر ایمان لایا اس نے نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے۔ اسے جنّت میں داخل کرنا اللہ پر حق ہے اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو یا اپنی جنم دھرتی میں بیٹھا رہا۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی اللہ کے رسول! کیا ہم لوگوں کو خوشخبری نہ دیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لیے جنّت میں سو درجات بنائے ہیں ہر دو درجے کا درمیانی فاصلہ زمین و آسمان کے درمیانی فاصلہ جتنا ہے جب تم اللہ سے جنّت کا سوال کرو تو جنّت الفردوس مانگا کرو کیونکہ یہ جنّت کا وسط اوراعلیٰ مقام ہے راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے اور وہاں سے جنّت کی نہریں نکلتی ہیں۔‘‘(رواہ البخاری : کتاب الجهاد والسير)

مسائل

۱۔ اپنے رب کی ہدایت پر چلنے والا اور اپنی خواہشات کے پیچھے لگنے والا برابر نہیں ہو سکتے۔
۲۔ جو اپنی خواہشات کے پیچھے لگے گا وہ برباد ہوجائے گا۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نے جنّتیوں کے لیے پاک پانی ،شفاف دودھ ،مزیدار شراب اور خالص شہد کی نہریں جاری کررکھی ہیں۔
۴۔ جنّتیوں کے مقابلے میں کفار اورمشرکین کو جہنّم کی آگ میں جھونکا جائے گا اور انہیں پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا۔۵۔ جنّتیوں کے لیے ہرقسم کے پھل ہوں گے اوراللہ تعالیٰ جنّتیوں پر ہمیشہ ہمیش راضی رہے گا۔

تفسیر بالقرآن

جنّتیوں کا انعام اور جہنّمیوں کا انجام:

۱۔ جب فرشتے پاکباز لوگوں کی روحیں قبض کرتے ہیں توانھیں سلام کہتے ہیں اور جنّت کی خوشخبری دیتے ہیں۔(النحل:۳۲)
۲۔ فرشتے کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو تم نے صبر کیا آخرت کا گھر بہت ہی بہتر ہے۔(الرعد:۲۴)
۳۔ داخل ہو جاؤ جنّت میں سلامتی کے ساتھ آج تمھارے لیے داخلے کا دن ہے۔(ق:۳۴)
۴۔ فرشتے جب جنّتیوں کے پاس جائیں گے تو انہیں سلام کہیں گے۔(الزمر:۸۹)
۵۔ اے ہمارے رب ہمیں تھوڑی دیر کے لیے مہلت دے ہم تیری دعوت کو قبول اور تیرے رسول کی بات کوتسلیم کریں گے۔(ابراہیم:۴۴)
۶۔ جہنّمی کہیں گے اے اللہ ہم نے دیکھ لیا اورسن لیا اب ہم کو واپس لوٹا دے۔(السجدۃ:۱۲)
۷۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جب وہ ہلکی ہونے لگے گی تو ہم اسے مزید بھڑکا دیں گے۔(بنی اسرائیل:۹۷)
۸۔ اس میں وہ کھولتا ہوا پانی پئیں گے اوراس طرح پئیں گے جس طرح پیاسا اونٹ پیتا ہے۔(الواقعہ:۵۴تا۵۵)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا

اور ان سے جو کان لگاتے ہیں آپ کی طرف یہاں تک جب وہ نکلتے ہیں

مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا قف

آپ کے پاس سے وہ کہتے ہیں ان لوگوں سے جو وہ دیے گئے علم کیا اس نے کہا ابھی

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿١٦﴾

یہی لوگ ہیں مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر اور انہوں نے پیروی کی اپنی خواہشات کی

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿١٧﴾

اور وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی اس نے زیادہ کیا ان کو ہدایت میں اور اس نے دیا انہیں ان کا تقویٰ

''ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کان لگا کر آپ کی بات سنتے ہیں اور پھر آپ کے پاس سے جاتے ہیں تو اُن لوگوں سے پوچھتے ہیں جنہیں علم کی نعمت بخشی گئی ہے کہ ابھی ابھی اس نے کیا کہا ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور یہ اپنی خواہشات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔(١٦) رہے وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی ، اللہ اُن کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور انہیں تقویٰ میں مزید بڑھا دیتا ہے۔''(١٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جن لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے بُرے اعمال خوشنما بنا دیئے جاتے ہیں ان میں منافقین بھی شامل ہیں اس لیے منافقین کی عادت اور ان کے انجام کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس سورت کی ابتدائی آیات کی تفسیر میں عرض ہو چکا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے کفار ،مشرکین ،اور منافقین کا مومنوں کے کردار اورانجام کے ساتھ موازنہ کیا ہے۔ پہلے کفار اور مشرکین کا مومنوں کے ساتھ موازنہ پیش کیا گیا اور اب منافقین اورمومنوں کا موازنہ کیا جاتا ہے ۔منافقوں کی بری عادات میں ایک عادت یہ تھی کہ جب نبی ﷺ کی مجلس میں بیٹھتے تو بظاہر اس طرح آپ کی طرف توجہ کرتے کہ دیکھنے والے یوں محسوس کرتے جیسے یہ پورے انہاک اوراخلاص کے ساتھ نبی علیہ السلام کی گفتگو کوسن رہے ہیں ۔لیکن جب آپ کی مجلس سے نکلتے تو منافق اہلِ علم صحابہ سے پوچھتے کہ اس نبی نے ابھی ابھی کیا کہا ہے؟ ان کے سوال کرنے کا مقصد بات سمجھنا نہیں تھا۔ان کا مقصد ایک طرف اپنی لاپرواہی کا اظہار کرنا تھا اور دوسری طرف یہ تاثر دینا تھا کہ نبی علیہ السلام صحیح معنوں میں بات سمجھانے کا ملکہ نہیں رکھتے ۔حالانکہ یہ اس وجہ سے تھا کہ منافق اپنی خواہشات اورمفاد کے بندے بن چکے تھے جس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر نفاق کی مہر ثبت کردی تھی ۔ ان کے مقابلے میں جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص اور کوشش کو دیکھ کر ان کے ایمان اور تقویٰ میں اضافہ فرمادیا۔

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ

أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ)) (رواه البخاری : باب علامة المنافق)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو خیانت کرتا ہے۔'' (جس میں جو اور جتنی عادت ہوگی اتنا ہی وہ منافق ہوگا۔)

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تَعِيْرُ إِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً وَ إِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً)) (رواه مسلم: كتاب صفات المنافقين وأحكامهم)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان پھرتی ہے کبھی ایک ریوڑ کی طرف جاتی ہے کبھی دوسرے کی طرف۔''

منافقین کا انجام:

﴿إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا﴾ (النساء: ١٤٥)

''یقیناً منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔تم ان کا کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔''

مسائل

١۔ منافق اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات کو لاپرواہی کے ساتھ سنتے تھے جس وجہ سے ان کے نفاق میں مزید اضافہ ہوجاتا تھا۔

٢۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو توجہ کے ساتھ سنتے تھے جس وجہ سے ان کے ایمان میں اضافہ کیا گیا۔

٣۔ مومن کی شان یہ کہ وہ اللہ اوراس کے رسول کے ارشادات کو اخلاص اوراطاعت کے لیے سنتا ہے اس لیے اس کے ایمان اورتقویٰ میں اضافہ کردیا جاتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

منافق کی بُری عادات:

١۔ منافق قرآن سن کر اس پر اعتراض کرتا ہے۔(التوبہ:١٢٤)

٢۔ نبی علیہ السلام کی مجلس سے اٹھ کر منافق اپنے سرداروں کو یقین دلاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔(البقرۃ:١٤)

٣۔ اللہ اورمومنوں کو منافق دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔(البقرۃ:٩)

٤۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منافق دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔(المنافقون:١)

٥۔ منافق نماز بھی دھوکہ دینے کی خاطر پڑھتے ہیں۔(النساء:١٤٢) ٦۔منافق قرآن سنتا ہے تو اس کے نفاق میں اضافہ ہوتا ہے۔(البقرۃ:١٠) ٧۔مومن قرآن سنتا ہے تو اس کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔(الانفال:٢)

فَهَلْ	يَنْظُرُوْنَ	اِلَّا	السَّاعَةَ	اَنْ	تَاْتِيَهُمْ
سو نہیں	وہ انتظار کرتے	مگر	قیامت کا	یہ کہ	وہ آئے ان کے پاس
بَغْتَةً ج	فَقَدْ	جَآءَ	اَشْرَاطُهَا ج	فَاَنّٰى	لَهُمْ
اچانک	پس تحقیق	آچکی ہیں	اس کی نشانیاں	پھر کہاں ہوگا	ان کے لیے
اِذَا	جَآءَتْهُمْ	ذِكْرٰىهُمْ ⑱			
جب	آجائے گی ان کے پاس	ان کا نصیحت حاصل کرنا			

''سو وہ لوگ قیامت کے علاوہ کسی بات کا انتظار نہیں کرتے کہ وہ ان پر اچانک آپڑے؟ اس کی نشانیاں تو آچکی ہیں۔ جب قیامت آئے گی تو ان کے لیے نصیحت قبول کرنے کا موقع نہیں ہوگا۔''(١٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقین کو انتباہ۔

قرآن مجید نے منافقین کو ہر موقع اور ہر حوالے سے ہدایت کی طرف لانے کی کوشش فرمائی مگر منافقین بدفطرت ہونے کی وجہ سے نفاق میں آگے ہی بڑھتے گئے۔ حالانکہ وہ کئی بار کفار کا انجام دیکھ چکے تھے لیکن اس کے باوجود سچا ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوئے جس پر قرآن مجید نے انہیں انتباہ کے انداز میں ارشاد فرمایا کہ اب تو ان کے ہدایت پانے کی کوئی صورت باقی نہیں۔ سوائے اس کے ان پر اچانک قیامت ٹوٹ پڑے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جب ان پر قیامت آ پڑے گی تو انہیں نصیحت پانے کا فائدہ نہیں ہوگا۔ اگر یہ غور کریں تو قیامت کی کئی نشانیاں آچکی ہیں۔ یاد رہے کہ قیامت کی نشانیاں تین اقسام پر مشتمل ہیں۔

① ۔کچھ نبی ﷺ کے دور میں پوری ہو چکی ہیں۔ ② ۔کچھ قیامت سے پہلے نمودار ہوں گی۔

③ ۔کچھ قیامت کے قریب برپا ہوں گی۔

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ (القمر: ١)

''قیامت کی گھڑی قریب آچکی اور چاند پھٹ گیا۔''

نبی ﷺ کے دور میں قیامت کی ایک نشانی:

((عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِرْقَتَيْنِ، فِرْقَةً فَوْقَ الْجَبَلِ وَفِرْقَةً دُوْنَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اشْهَدُوْا)) (رواه البخاری: باب ﴿وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ يَّرَوْا آيَةً يُّعْرِضُوْا﴾)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں شقِ قمر کا واقعہ پیش

آیا۔ چاند کے دوٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا پہاڑ پر گرا اور ایک ٹکڑا اُس کے علاوہ تھا آپ ﷺ نے فرمایا لوگو! گواہ ہو جاؤ۔‘‘

((عَنْ أَبِی أَیُّوبَ الأَنْصَارِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ عِظْنِی وَأَوْجِزْ فَقَالَ إِذَا قُمْتَ فِی صَلاَتِکَ فَصَلِّ صَلاَةَ مُوَدِّعٍ وَلاَ تَکَلَّمْ بِکَلاَمٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَداً وَاجْمَعِ الإِیَاسَ مِمَّا فِی یَدَیِ النَّاسِ))(رواہ احمد: مسند ابو ایوب انصاری، ھذا حدیث صحیح)

’’حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور آ کر عرض کی کہ مجھے نصیحت کیجیے آپ نے فرمایا جب نماز کے لیے کھڑا ہوتو اس طرح نماز ادا کیا کرو گویا کہ الوداعی نماز پڑھ رہے ہو اور ایسی گفتگو نہ کرو۔جس کے لیے کل کو عذر پیش کرنا پڑے اور جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اُس کی اُمید نہ کرو۔‘‘

((عَنْ أَبِی مُوسٰی رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَبْسُطُ یَدَہٗ بِاللَّیْلِ لِیَتُوْبَ مُسِیْءُ النَّهَارِ وَیَبْسُطُ یَدَہٗ بِالنَّهَارِ لِیَتُوْبَ مُسِیْءُ اللَّیْلِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا))

(رواہ مسلم: باب قبول التوبة من الذنوب وإن تكررت الذنوب والتوبة)

’’حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: یقیناً اللہ عزوجل رات کو اپنا ہاتھ بڑھاتے ہیں تاکہ دن کو خطائیں کرنے والا توبہ کرلے اور دن کو ہاتھ پھیلاتے ہیں تاکہ رات کو گناہ کرنے والا توبہ کرلے یہ صورتِ حال سورج کے مغرب سے طلوع ہونے تک رہے گی۔‘‘ (یعنی قیامت سے پہلے تک)

مسائل

۱۔ منافق سب کچھ جاننے اور دیکھنے کے باوجود اپنی منافقت سے توبہ نہیں کرتا۔

۲۔ منافق بڑی سے بڑی مصیبت اور ذلت قبول کرلیتا ہے لیکن منافقت چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا۔

تفسیر بالقرآن

منافق کا کردار:

۱۔ منافق کو مسلمانوں کی بھلائی اچھی نہیں لگتی۔(آلِ عمران:۱۲۰)۲۔منافق صرف زبان سے حق کی شہادت دیتا ہے۔(المنافقون:۱)

۳۔ منافق کفار سے دوستی رکھتا ہے۔(البقرۃ:۱۴)۴۔منافق جھوٹا ہوتا ہے۔(البقرہ:۱۰)

۵۔ منافق اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ سنجیدہ نہیں ہوتا۔(البقرہ:۱۴)۶۔منافق مسلمانوں کو حقیر سمجھتا ہے۔(المنافقون:۸)

۷۔ منافق اسلام کی بجائے کفر کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔(آلِ عمران:۱۶۷)

۸۔ منافق ریا کار ہوتا ہے۔(النساء:۱۴۲) ۹۔منافق دنیا کے فائدے کے لیے اسلام قبول کرتا ہے۔(البقرۃ:۲۰)

فَاعْلَمْ	اَنَّهٗ	لَآ اِلٰهَ	اِلَّا	اللّٰهُ	وَاسْتَغْفِرْ
پس آپ جان لیں	کہ بلاشبہ	نہیں کوئی معبود	مگر	اللہ	اور آپ بخشش مانگیں
لِذَنْۢبِكَ	وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ	وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ	وَاللّٰهُ	يَعْلَمُ	
اپنے گناہ کی	اور مومن مردوں کے لیے	اور مومن عورتوں کے لیے	اور اللہ	جانتا ہے	
مُتَقَلَّبَكُمْ	وَمَثْوٰىكُمْ ﴿١٩﴾				
تمہارا چلنا پھرنا	اور تمہارا ٹھکانا				

''پس اے نبی اچھی طرح جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اپنی خطاؤں کی معافی مانگو اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بھی معافی طلب کرو۔ اللہ تمہارے چلنے ، پھرنے کو جانتا ہے اور تمہارے ٹھکانے کو بھی جانتا ہے۔''(١٩)

فہم القران

ربطِ کلام: جو شخص نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہے اسے ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ'' پر ایمان لانے کے ساتھ اس کے تقاضے پورے کرنا چاہئیں کیوں کہ یہ کلمہ تمام نصیحتوں کا ترجمان اور مجموعہ ہے لیکن کفار اور منافقین اس پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

اہلِ علم نے لکھا ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے کلمہ طیبہ کا پہلا حصہ ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ'' ہوا کرتا تھا جس کی قرآن مجید کے الفاظ سے اس طرح تصدیق ہوتی ہے۔اے نبی ﷺ! جتنے رسول آپ سے پہلے مبعوث ہوئے انہیں حکم دیا گیا کہ وہ لوگوں کو بتلائیں کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اس لیے میری ہی عبادت کرو۔(الانبیاء:٢٥)

''اہل کتاب کو فرمائیں کہ آؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔'' (آل عمران:٦٤)

اے رسول ﷺ! آپ اپنے اور مومنوں کے گناہوں کے لیے استغفار کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے چلنے پھرنے اور ٹھہرنے کی جگہ کو جانتا ہے۔ دوسرے مقام پر قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف کردیا ہے۔(الفتح:٢)لیکن یہاں آپ کو یہ حکم ہوا کہ آپ اپنے اور مومنوں کے گناہوں کے لیے اپنے رب سے معافی طلب کریں۔مومنوں کے گناہوں کے بارے میں بات واضح ہے کہ ان سے غلطی ہوسکتی ہے لہٰذا آپ کو حکم ہوا کہ آپ اپنے ساتھیوں کے لیے معافی مانگتے رہیں۔ یہاں تک آپ کی ذاتِ اقدس کا معاملہ ہے آپ ﷺ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے گئے تھے۔اس لیے اہلِ علم نے ان الفاظ کے تین مفہوم لیے ہیں۔

①۔بے شک آپ ﷺ انبیاء کرام کے سردار ہیں لیکن جو ذمہ داری آپ کے سپرد کی گئی تھی اس کا تقاضا تھا کہ آپ سے ادنیٰ سے ادنیٰ غفلت بھی نہ ہو پائے۔بے شک آپ ارفع مقام پر فائز تھے لیکن بحیثیت انسان سستی کا امکان ہوسکتا تھا جس کی آپ اپنے رب سے پناہ مانگا کرتے تھے اور یہی آپ کا استغفار تھا۔جس پر جتنے ''اللہ'' کے احسانات ہیں اتنا ہی اس کے ذمہ شکر، عبادت اور عاجزی کرنا فرض ہوتا ہے۔

②۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اوراس کے احکام کی بجاآوری میں خواہ کتنی ہی کوشش کی جائے ،انسان پر لازم ہے کہ اپنی کمزوری کا اعتراف کرتا رہے اور یہ سمجھے کہ مجھے جو کرنا چاہیے تھا وہ مجھ سے نہیں ہوسکا۔ منعمِ حقیقی نے جو بے پایاں احسانات مجھ پر فرمائے ہیں میں ان کا حقِ شکر ادا نہیں کرسکا۔ یہ تصور انسان کا کمال ہے نقص نہیں۔

③۔ اس آیت کے ضمن میں امام فخرالدین رازی نے لکھا ہے کہ اس آیت کی دو توجیہیں کی گئی ہیں ۔ ایک توجیہہ یہ ہے کہ خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن مراد امت ہے ،یہ توجیہہ درست نہیں کیونکہ مومنین کے لیے استغفار کا علیحدہ حکم ہے ۔ دوسری توجیہہ یہ ہے کہ یہاں ''ذَنْبٌ'' سے مراد گناہ یا نافرمانی نہیں بلکہ ترکِ افضل ہے، امام لکھتے ہیں۔ ''وحاشا من ذالك'' کہ نبی ﷺ کی ذاتِ والا صفات اس سے منزہ ہے کہ وہ افضل کو چھوڑ کر غیر افضل کریں ۔ اس لیے امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی توجیہہ پیش کی ہے فرماتے ہیں ''اِنَّ الْمُرَادَ تَوْفِيْقُ الْعَمَلِ الْحَسَنِ وَ اِجْتِنَابِ الْعَمَلِ السَّيِّئِ '' اچھے کام کی توفیق اور برے کاموں سے اجتناب ہے کیونکہ استغفار کا معنیٰ طلبِ غفران ہے اورغفران کا معنیٰ کسی قبیح چیز کا ڈھانپ دینا ہے ۔ اس کی دوصورتیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کے ارتکاب سے ہی محفوظ رکھے جس طرح نبی ﷺ کی شان ہے یا گناہ کے ارتکاب کے بعد اس کو ڈھانپ دے جس طرح کہ مومنین اورمومنات کا حال ہے ۔(ضیاء القرآن جلد چہارم)

اس آیتِ مبارکہ کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے چلنے پھرنے اورٹھہرنے کی جگہ کو جانتا ہے ۔اس ارشاد کے بھی تین مفہوم لیے گئے ہیں ۔

①۔ آپ دشمنوں کی دشمنی سے بے فکر ہوکر ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ'' کی دعوت دیتے جائیں ۔اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے گا کیونکہ وہ آپ کے چلنے پھرنے اور قیام کرنے کی جگہوں کو جانتا ہے ۔

②۔اللہ تعالیٰ آپ کے دنیا میں چلنے پھرنے کے مقامات اورآخری آرام گاہ کو جانتا ہے ۔

③۔اللہ تعالیٰ نیک اور برے لوگوں کے جنّت اور جہنّم کے ٹھکانے کو جانتا ہے ۔

((أَللّٰهُمَّ أَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَآأُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَآ أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ)) (رواه مسلم: باب مايقال في الركوع والسجود)

''اے اللہ! میں تیری رضا مندی کے ذریعے تیری ناراضی سے اور تیری معافی کے ذریعے تیری سزا سے پناہ مانگتاہوں اور میں تجھ سے تیری پناہ مانگتاہوں میں اس طرح تیری تعریف نہیں کرسکتاجس طرح تیری شایانِ شان ہے۔''

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَدْعُوْ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اِنِّیٓ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَفِتْنَةِ الْمَسِيْحِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ)) (رواه الترمذی: كتاب الدعوات،باب ماجاء فی جامع الدعوات ،قال الترمذی هذا حديث حسن صحيح)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے ۔اے اللہ! میں تجھ سے سستی،

بڑھاپے، بزدلی ،بخیلی مسیح الدجال کے فتنے اور عذاب قبر سے پناہ چاہتا ہوں۔“

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللَّهِ ﷺ یٰٓأَیُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا إِلَی اللَّهِ فَإِنِّی أَتُوْبُ فِی الْیَوْمِ إِلَیْهِ مِائَةَ مَرَّةٍ)) (رواہ مسلم: باب اسْتِحْبَابِ الإِسْتِغْفَارِ وَالإِسْتِكْثَارِ مِنْهُ)

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرو۔ بلاشبہ میں ہر روز سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔“

”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ کے بنیادی طور پر چار تقاضے ہیں۔

① ۔اچھی طرح سمجھ کر پڑھنا کہ ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ کا معنٰی اور مفہوم کیا ہے؟

② ۔آخر دم تک اس پر استقامت اختیار کرنا۔

③ ۔اس کے مطابق اپنے عقیدہ ،اخلاق اور کردار کو بنانا۔

④ ۔ پوری محنت اور اخلاص کے ساتھ اس کا ابلاغ کرنا۔

((عَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ النَّارَ)) (رواہ مسلم: باب مَنْ لَقِیَ اللَّهَ بِالإِیمَانِ وَهُوَ غَیْرُ شَاكٍّ فِیهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَحَرُمَ عَلَی النَّارِ)

”حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول معظم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جس نے توحید ورسالت کی گواہی دی اس پر اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ حرام کر دی ہے۔“

مسائل

۱۔ سب سے بڑا ذکر اور نصیحت ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ کو سمجھنا اور اس کے تقاضے پورے کرنا ہے۔

۲۔ ہر ایماندار کو اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہنا چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے چلنے ،پھرنے اور ٹھہرنے کی جگہوں کو جانتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ کے تقاضے :

۱۔ اللہ کے بندے اس کی توحید کا اقرار کرکے اس پر ڈٹ جاتے ہیں۔ (الاحقاف:۱۴،حم السجدۃ:۳۰)

۲۔ اللہ کے بندے اس پر ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں۔ (البقرۃ: ۸۲)

۳۔ اپنے چہرے کو دین حنیف پر سیدھا کیے چلتے جاؤ۔ (الروم : ۳۰)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین کو چن لیا ہے لہٰذا تمہیں اسلام پر ہی موت آنی چاہیے۔(البقرۃ : ۱۳۲)

۵۔ سب سے بہترین دعوت توحید کی دعوت دینا اور اس کے تقاضے پورا کرنا ہے۔(حمٓ السجدۃ: ۳۳)

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ
اور کہتے ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے کیوں نہیں نازل کی گئی کوئی سورت پھر جب نازل کی جاتی ہے

سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
سورت محکم اور ذکر کیا جاتا ہے اس میں قتال کا تو آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں

مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ
مرض ہے وہ دیکھ رہے ہوتے ہیں آپ کی طرف مانند دیکھنے اس شخص کے کہ غشی طاری ہوگئی ہو اس پر

مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۝٢٠ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ فَاِذَا عَزَمَ
موت کی وجہ سے بس ہلاکت ہے ان کے لیے اطاعت کرنا اور بھلی بات کہنا پھر جب پختہ ہو جائے

الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۝٢١
حکم تو اگر وہ اللہ سے سچے رہیں تو ہوگا بہتر ان کے لیے

”جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں نازل کی جاتی کوئی سورت ۔ جب محکم سورت نازل کر دی جاتی ہے۔ جس میں قتال کا ذکر ہوتا ہے ۔تو آپ دیکھیں گے کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح کسی پر موت چھا گئی ہو، ہلاکت ہے ان کے لیے۔(٢٠) اطاعت کا اقرار اور اچھی باتیں جب حکم پختہ ہو جائے اس وقت وہ اللہ سے اپنے عہد میں سچے نکلتے تو ان کے لیے اچھا ہوتا۔“(٢١)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقین کے ذکر کے بعد ان لوگوں کا تذکرہ جو ابھی تک اپنے ایمان میں پختہ نہیں تھے ۔

مکہ معظمہ میں کچھ مسلمانوں کا مطالبہ تھا کہ ہمیں کفار کے خلاف قتال کرنے کی اجازت دی جائے لیکن قتال کی اجازت کی بجائے انہیں یہ حکم ہوا کہ لڑائی سے اپنے ہاتھ بند رکھو ،نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ (النساء:٧٧) جب ہجرت کے بعد دوٹوک انداز میں قتال فی سبیل اللہ کا حکم نازل ہوا تو جن لوگوں کے دلوں میں ایمان کمزور تھا اور بزدلی تھی وہ اس حکم سے اس طرح تھرا گئے جس طرح ان پر موت کی بے ہوشی طاری ہو چکی ہو۔ ان کے بارے میں یہ فرمان جاری ہوا کہ جو لوگ قتال فی سبیل اللہ کا حکم سن کر اس کیفیت میں مبتلا ہوتے ہیں ان کے لیے ہلاکت اور بربادی ہے۔ اس ہلاکت سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اتباع کی جائے اور لوگوں کو اچھی بات کی تبلیغ کرتے ہوئے قتال فی سبیل اللہ کے لیے تیار ہوا جائے ۔اگر یہ لوگ اپنے ایمان میں سچے اور مضبوط ہوتے تو یہ کام انہیں ضرور کرنے چاہیں تھے ۔ ایسا کرنا ان کے لیے دنیا اور آخرت میں بہتر ہوتا۔ یہاں قتال فی سبیل اللہ سے کترانے والوں کے لیے ہلاکت کا لفظ استعمال ہوا ہے کیونکہ جو لوگ جنگ مسلط ہوجانے کے باوجود اپنا دفاع نہیں کرتے وہ دشمن

کے ہاتھوں ذلیل اور تباہ ہوجاتے ہیں۔ذلت اور تباہی سے بچنے کے لیے مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے۔

''اور ان کے مقابلے میں تیاری کرو پوری قوت اور اسے بندھے ہوئے گھوڑوں سے جس کے ساتھ تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو اور ان کے علاوہ دوسروں کوڈراتے رہو، جنہیں تم نہیں جانتے ۔انہیں اللہ جانتا ہے اور جو چیز بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے وہ تمہاری طرف لوٹائی جائے گی اور تم پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔''(الانفال: ٦٠)

﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (التوبہ: ٤١)

''نکلو ہلکے ہو یا بوجھل اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھنے والے ہو۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَاهُنَّ قَالَ اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَكْلُ الرِّبَا وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ وَالتَّوَلِّيْ يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ))

(رواہ البخاری: باب قول اللہ تعالیٰ :''إن الذين يأكلون أموال اليتامى ظلما'')

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کون سے گناہ ہیں؟ آپ نے فرمایا:اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق کسی جان کو قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور پاکدامن، مومن، بے خبر عورتوں پر تہمت لگانا۔''

مسائل

١۔ بزدل اور منافق انسان قتال فی سبیل اللہ سے کتراتے ہیں۔

٢۔ جولوگ قتال فی سبیل اللہ سے کتراتے ہیں وہ دشمن کے ہاتھوں ذلیل اور ہلاک ہوجاتے ہیں ۔مسلمان کو اللہ اور اس کے رسول کی اتباع کرتے ہوئے قتال فی سبیل اللہ کے لیے تیار رہنا چاہیے ۔

٣۔ اللہ اور رسول کی اتباع کا تقاضا ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کوحق بات کی تلقین کرتے رہیں۔

تفسیر بالقرآن

قتال فی سبیل اللہ اورحق بات کی تبلیغ کرنے کا حکم :

(الانفال:٦٥)(النساء:٧٥)(الانفال:٥٧)(التحریم :٦)(آلِ عمران:١٠٤)

فَهَلْ	عَسَيْتُمْ	إِنْ	تَوَلَّيْتُمْ	أَنْ	تُفْسِدُوْا	فِي الْأَرْضِ
پھر کیا	تم سے توقع ہے	اگر	تم حکمران بن جاؤ	یہ کہ	تم فساد کرو	زمین میں

وَتُقَطِّعُوْٓا	أَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾	أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ	لَعَنَهُمُ	اللّٰهُ
اور کاٹ ڈالو	اپنی رشتے داریاں	یہی وہ لوگ ہیں	ان پر لعنت کی ہے	اللہ نے

فَأَصَمَّهُمْ	وَأَعْمٰٓى	أَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾	أَفَلَا	يَتَدَبَّرُوْنَ
پھر اس نے انہیں بہرا کر دیا	اور اس نے اندھی کر دیں	ان کی آنکھیں	کیا پھر نہیں	وہ غور وفکر کرتے

الْقُرْاٰنَ	أَمْ	عَلٰى قُلُوْبٍ أَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾
قرآن میں	یا	ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں

''پھر کیا تم سے اس کے سوا کوئی اور توقع کی جا سکتی ہے کہ اگر تم حکمران بن جاؤ تو زمین میں فساد برپا کرو گے اور آپس میں ایک دوسرے کے گلے کاٹو گے؟۔(۲۲) یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان کو اندھا اور بہرا بنا دیا ہے۔(۲۳) کیا ان لوگوں نے قرآن پر غور نہیں کیا یا اُن کے دلوں پر تالے پڑ چکے ہیں؟''(۲۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافق قتال فی سبیل اللہ سے کنّی کتراتے ہیں لیکن دنگا فساد کرنے میں تیز ہوتے ہیں۔

قرآن مجید نے منافق کی نشانیاں بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ جب ان لوگوں کو سمجھایا جائے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو باز آنے کی بجائے کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔اے مسلمانو! آگاہ ہو جاؤ۔یہ لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن حقیقت میں شعور نہیں رکھتے۔(البقرۃ:۱۱،۱۲)

منافقین کی اسی روش کے باعث یہ ارشاد ہوا ہے کہ اگر ان لوگوں کو ملک میں کچھ اختیارات حاصل ہو جائیں تو یقیناً یہ لوگ ملک میں فساد کریں گے اور رشتہ داریوں کو توڑ ڈالیں گے۔ان کے اس کردار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے جس بنا پر یہ کانوں سے بہرے اور آنکھوں سے اندھے ہو چکے ہیں۔انہیں قرآن مجید کے ارشادات اور ہدایات پر غور کرنا چاہیے تھا۔لیکن یہ قرآن مجید کی ہدایات سے اس طرح لا پرواہ ہو چکے ہیں جیسے ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہوں۔قرآن مجید نے کفار،مشرکین اور منافقین کے بارے میں یہ بھی بتلایا ہے کہ ان کے دل ہیں مگر ان سے سوچتے نہیں،ان کی آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں،ان کے کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں یہ لوگ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔(الاعراف:۱۷۹)

دوسرے مقام پر اسی بات کو یوں بیان کیا ہے کہ یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے اور ان کے دل سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پاتے اور ان کے کان حقیقت سننے کی کوشش کرتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی بلکہ سینوں میں دل اندھے ہو جاتے ہیں۔(الحج:۴۶)

منافق کی دوسری بُری عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے مفاد کی خاطر قطع تعلقی کرتے ہوئے آنکھیں ماتھے پر رکھ لیتا ہے اور اپنے مفاد کی خاطر کسی قسم کے تعلق اور رشتے کی پرواہ نہیں کرتا اس لیے فرمایا ہے کہ منافق زمین میں فساد کرتے ہیں اور رشتہ داریوں کو توڑ ڈالتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بار بار اس بات کا حکم دیا ہے کہ رشتہ داریوں کا خیال رکھا جائے۔ جو لوگ رشتہ داریوں کا خیال نہیں رکھتے وہ دنیا وآخرت میں نقصان پائیں گے۔(البقرة: ٢٧)

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُوْلُ مَنْ وَصَلَنِیْ وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَنِیْ قَطَعَهُ اللّٰهُ)) (رواه مسلم : باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ فرماتے ہیں رحم عرش کے ساتھ لپٹ کر کہتا ہے جو مجھے ملائے اللہ اسے ملائے اور جو مجھے کاٹے اللہ اسے کاٹ ڈالے۔“

اسلام میں رشتہ داریوں کا اس قدر خیال رکھا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے لونڈی اور اس کی اولاد کے درمیان جدائی کرنے کی اجازت نہیں دی۔

((عَـنْ أَبِـی مُوسَی قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَـنْ فَرَّقَ بَیْنَ الْوَالِدَةِ وَوَلَدِهَا وَبَیْنَ الأَخِ وَأُخْتِهِ)) (رواه ابن ماجه : بَابُ النَّهْيِ عَنِ التَّفْرِيقِ بَيْنَ السَّبْيِ)

”ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماں اور اُس کے بیٹے، بہن اور اُس کے بھائی کے درمیان تفریق کرنے والے پر لعنت فرمائی۔“

مسائل

١۔ منافقین کو ملک میں اقتدار حاصل ہو تو وہ فساد برپا کرتے ہیں۔
٢۔ منافقین اپنے مفاد اور عادت کے پیشِ نظر رشتہ داریوں کا خیال نہیں رکھتے۔
٣۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین پر لعنت کی ہے جس وجہ سے ان کے کان بہرے اور ان کی آنکھیں اندھی ہوتی ہیں۔
٤۔ بہرے اور اندھے ہونے کی وجہ سے منافقین کے دلوں پر تالے پڑ چکے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

کن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے:

١۔ بے گناہ مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے پر لعنت اور اسے اللہ کا عذاب ہوگا۔(النساء:٩٣)
٢۔ کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور ان کو جہنّم کا عذاب ہو گا۔(الاحزاب:٦٤)
٣۔ یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔(المائدة:٦٤)
٤۔ اللہ اور رسول کو ایذا پہنچانے والوں پر لعنت برستی ہے۔(الاحزاب:٥٧)
٥۔ منافقین پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور ان کے لیے جہنّم کا عذاب ہے۔(الفتح:٦)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	ارْتَدُّوْا	عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ	مِّنْۢ بَعْدِ مَا	تَبَيَّنَ
بلاشبہ	وہ لوگ جو	پھر گئے	اپنی پیٹھوں پر	اس کے بعد کہ	واضح ہوگئی

لَهُمُ	الْهُدَى	الشَّيْطٰنُ	سَوَّلَ	لَهُمْ	وَاَمْلٰى	لَهُمْ ٢٥
ان کے لیے	ہدایت	شیطان نے	مزین کردیے	ان کے لیے	اور ڈھیل دی	ان کو

ذٰلِكَ	بِاَنَّهُمْ	قَالُوْا	لِلَّذِيْنَ	كَرِهُوْا	مَا	نَزَّلَ اللّٰهُ
یہ اس لیے	کہ بے شک انہوں نے	کہا	ان لوگوں سے جنہوں نے	ناپسند کیا	اس کو جو	اللہ نے نازل کیا

سَنُطِيْعُكُمْ	فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ	وَاللّٰهُ	يَعْلَمُ	اِسْرَارَهُمْ ٢٦
عنقریب ہم تمہاری اطاعت کریں گے	بعض کاموں میں	اور اللہ	جانتا ہے	ان کے رازوں کو

”حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد اس سے پھر گئے اُن کے لیے شیطان نے ان کے اعمال کو خوبصورت بنا دیا ہے۔ اور ان کے لیے جھوٹی امیدیں دراز کر دی ہیں۔ (٢٥) اسی لیے کہ انہوں نے اللہ کے نازل کردہ دین کو ناپسند کرنے والوں سے کہا ہے کہ بعض معاملات میں ہم تمہاری بات مانیں گے اور اللہ ان کے رازوں کو جانتا ہے۔ (٢٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافق قرآن مجید سنتے ہیں مگر اس پر غور نہ کرنے کی وجہ سے ہدایت سے منہ پھیر لیتے ہیں جس وجہ سے گمراہی میں مبتلا رہتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ شیطان ان کو ان کے برے اعمال خوبصورت کرکے دکھلاتا ہے اورانہیں جھوٹی امیدیں دلائے رکھتا ہے۔

شیطان کی شیطنیت کی وجہ سے منافقین، یہود ونصاریٰ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم کچھ کاموں میں تمہاری بات تسلیم کریں گے اور کچھ کاموں میں دوسروں کی بات مانیں گے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے راز جانتا ہے۔ اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب ان کی موت کے وقت ملائکہ ان کے چہروں پر تھپڑ ماریں گے اور ان کی کمروں پر کوڑے برسائیں گے۔ اسی حالت میں انہیں دنیا سے عالم برزخ میں لے جائیں گے۔ یہ سزا اس لیے ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کی پیروی کرنے کا انہیں حکم دیا وہ اسے برا سمجھتے ہیں اور اپنے رب کی رضا مندی کو اچھا نہیں جانتے۔ جس وجہ سے ان کے اچھے کاموں کو بھی غارت کردیا جائے گا۔

﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ﴾ (الانفال: ٥٠)

”کاش! آپ دیکھیں جب فرشتے کفار کی جان قبض کرتے ہیں تو ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے ہوئے کہتے ہیں کہ جلا دینے والا عذاب چکھو۔“

((عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْعَبْدَ الْكَافِرَ اِذَا كَانَ فِيْ انْقِطَاعٍ

فَكَيْفَ	اِذَا	تَوَفَّتْهُمُ	الْمَلٰٓئِكَةُ	يَضْرِبُوْنَ	وُجُوْهَهُمْ
پھر کیا حال ہو گا	جب	ان کی روحیں قبض کریں گے	فرشتے	وہ مارتے ہوں گے	ان کے چہروں کو
وَ اَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾	ذٰلِكَ	بِاَنَّهُمُ	اتَّبَعُوْا	مَآ	اَسْخَطَ اللّٰهَ
اور ان کی پیٹھوں کو	یہ اس لیے	کہ بے شک انہوں نے	پیروی کی	اس کی	جس نے ناراض کر دیا اللہ کو
وَكَرِهُوْا	رِضْوَانَهٗ	فَاَحْبَطَ	اَعْمَالَهُمْ ﴿٢٨﴾		
اور انہوں نے ناپسند کیا	اس کی رضا مندی کو	لہٰذا اس نے برباد کر دیے	ان کے اعمال		

پھر اس وقت کیا حال ہو گا جب فرشتے ان کے منہ اور پیٹھوں پر مارتے ہوئے انہیں لے جائیں گے؟(۲۷) یہ اسی لیے ہو گا کہ انہوں نے اس طریقے کی پیروی کی جو اللہ کو ناراض کرنے والا ہے اور اس کی رضا کا راستہ اختیار کرنا پسند نہ کیا۔ اسی بنا پر اس نے ان کے سب اعمال ضائع کر دیے۔''(۲۸)

مِنَ الدُّنْيَا وَإِقْبَالٍ مِنَ الآخِرَةِ نَزَلَ إِلَيْهِ مِنَ السَّمَآءِ مَلَآئِكَةٌ سُوْدُ الْوُجُوْهِ مَعَهُمُ الْمُسُوْحُ فَيَجْلِسُوْنَ مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَجِيْءُ مَلَكُ الْمَوْتِ حَتّٰى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَيَقُوْلُ أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيْثَةُ اخْرُجِيْ إِلٰى سَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَغَضَبٍ قَالَ فَتُفَرَّقُ فِي جَسَدِهِ فَيَنْتَزِعُهَا كَمَا يُنْتَزَعُ السَّفُّوْدُ مِنَ الصُّوْفِ الْمَبْلُوْلِ فَيَأْخُذُهَا فَإِذَا أَخَذَهَا لَمْ يَدَعُوْهَا فِي يَدِهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتّٰى يَجْعَلُوْهَا فِي تِلْكَ الْمُسُوْحِ وَيَخْرُجُ مِنْهَا كَأَنْتَنِ رِيْحِ جِيْفَةٍ وُجِدَتْ عَلٰى وَجْهِ الأَرْضِ فَيَصْعَدُوْنَ بِهَا فَلَا يَمُرُّوْنَ بِهَا عَلٰى مَلَأٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا قَالُوا مَا هٰذَا الرُّوْحُ الْخَبِيْثُ فَيَقُوْلُوْنَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ بِأَقْبَحِ أَسْمَائِهِ الَّتِي كَانَ يُسَمّٰى بِهَا فِي الدُّنْيَا حَتّٰى يُنْتَهٰى بِهِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيُسْتَفْتَحُ لَهُ فَلَا يُفْتَحُ لَهُ ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ(لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ)فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اكْتُبُوا كِتَابَهُ فِي سِجِّيْنٍ فِي الأَرْضِ السُّفْلٰى فَتُطْرَحُ رُوْحُهُ طَرْحاً ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيْقٍ﴾............)) (رواه أحمد: مسند براء بن عازب رضي الله عنه ،هذا حديث صحيح)

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کافر کا دنیا سے رخصت ہونے اور اس کی موت کا وقت آتا ہے تو آسمان سے کالے چہروں والے فرشتے اترتے ہیں۔ان کے پاس کھردرا لباس ہوتا ہے۔ وہ فوت ہونے والے کافر سے حدِ نگاہ تک دور بیٹھ جاتے ہیں۔ملک الموت اس کے سرہانے آکر کہتا ہے۔اے خبیث جان! اللہ کی ناراضگی اور غضب کا سامنا کر پھر روح اس کے جسم سے الگ کی جاتی ہے، اور اس کو اس طرح کھینچا جاتا ہے جیسے گرم سلاخ کو روئی سے کھینچا جاتا ہے پھر اس روح کو فرشتے

پکڑتے ہیں اور کوئی فرشتہ اسے اپنے ہاتھ میں آنکھ جھپکنے سے زیادہ دیر نہیں رکھتا۔اسے بدبودار ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں اور اس سے مردار جیسی گندی بدبو نکلتی ہے جس طرح تم مردار کی بدبو زمین پر محسوس کرتے ہو۔ وہ اسے لیکر آسمانوں کی طرف جاتے ہیں ان کا گذر جس فرشتے کے ہاں ہوتا تو وہ کہتا ہے یہ کس کی گندی روح ہے تو وہ جواب دیتے ہیں وہ فلاں ابن فلاں ہے اس کے بُرے بُرے نام لیتے ہیں جن کے ساتھ اسے دنیا میں پکارا جاتا تھا حتیٰ کہ اسے آسمانِ دنیا کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ اس کے لیے دروازہ کھولنے کے لیے کہا جاتا ہے تو دروازہ نہیں کھولا جاتا ، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی(اُن کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ ہی وہ جنّت میں داخل ہوسکیں گے حتی کہ اونٹ کو سوئی کے سوراخ میں داخل کر دیں۔) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اس کے اعمال نامہ سجین میں لکھ دو جو زمین کی سب سے نچلی جگہ ہے اس کی روح کو پھینکا جائے گا پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی(اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے گویا کہ وہ آسمان سے گرگیا پرندے اُسے اُچک رہے ہیں یا ہوا اُس کو دور جگہ میں پھینک رہی ہے۔)''

مسائل

١۔ ہدایت واضح ہونے کے باوجود منافق اسے قبول نہیں کرتا۔
٢۔ شیطان منافق کو اس کا بُرا کردار اچھا کر کے دکھلاتا ہے اور اسے جھوٹی امیدیں دلائے رکھتا ہے ۔
٣۔ منافق کفار اور مسلمانوں کو اپنی رفاقت کی یقین دہانی کرواتا ہے ۔
٤۔ ملائکہ منافق کی موت کے وقت اس کے چہرے اور کمر پر مارتے اور جھڑکیاں دیتے ہیں ۔
٥۔ منافق اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کی بجائے اللہ کی ناراضگی کے کاموں پر خوش ہوتا ہے ۔
٦۔ اللہ تعالیٰ منافق کے تمام اعمال غارت کردیتا ہے ۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن کن لوگوں کے اعمال غارت ہوجائیں گے:

١۔ آخرت کا انکار کرنے والوں کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔(الاعراف:١٤٧)
٢۔ مشرکین کے اعمال ضائع کردیئے جائیں گے۔(التوبہ:١٧)
٣۔ رسول ﷺ کی گستاخی کرنے والے کے اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے۔(الحجرات:٢)
٤۔ ایمان کے ساتھ کفر اختیار کرنے والوں کے اعمال ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔(المائدۃ:٥)
٥۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہ کرنے والوں کے اعمال برباد کردیئے جاتے ہیں۔(محمد:٣٣)
٦۔ وہ لوگ جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں ان کے اعمال غارت کر دیئے جائیں گے۔(آل عمران:٢١۔٢٢)

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ

کیا گمان کیا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ کہ ہرگز نہیں

يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَ لَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ

ظاہر کرے گا اللہ ان کے کینے کو اور اگر ہم چاہتے تو ضرور ہم دکھا دیتے آپ کو انہیں

فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ

پھر آپ ان کو ضرور پہچان لیتے ان کی علامات سے اور یقیناً آپ پہچان لیں گے ان کو اندازِ گفتگو سے

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ

اور اللہ جانتا ہے تمہارے اعمال کو اور البتہ ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں یہاں تک کہ ہم معلوم کر لیں

الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ ۙ وَ نَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

مجاہدین کو تم میں سے اور صبر کرنے والوں کو اور ہم جانچ لیں تمہارے حالات

”کیا جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اللہ ان کے دلوں کی کھوٹ ظاہر نہیں کرے گا؟(۲۹) ہم چاہیں تو انہیں تمہیں دکھا دیں اور تم ان کے چہروں سے ان کو پہچان لو، مگر ان کے گفتگو کے انداز سے آپ ان کو ضرور جان لو گے۔ اللہ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے۔(۳۰) ہم تمہیں ضرور آزمائش میں ڈالیں گے تاکہ تمہارے حالات کی جانچ کریں اور دیکھ لیں کہ تم میں مجاہد اور ثابت قدم کون ہیں۔“(۳۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔منافقین کی بری عادات کا ذکر جاری ہے۔

”اَضْغَانَ“ کا واحد ”ضغن“ ہے جس کا معنٰی حسد وبغض اور کینہ ہے۔منافق یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے حسد وبغض کو ظاہر نہیں کرے گا۔اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو منافقوں کو اس طرح آشکارہ کردیتا کہ تمام مسلمان ان کو اچھی طرح پہچان لیتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور شفقت کی بنا پر ان کی پردہ پوشی کیے ہوئے ہے۔ البتہ اس نے منافقین کے لیڈروں کو کافی حد تک ظاہر کردیا ہے۔اس بنا پر آپ ان کے کردار اور انداز گفتگو سے انہیں اچھی طرح پہچان سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کو اچھی طرح جانتا ہے اور تمہیں ایک دوسرے کے ساتھ اور اپنے ارشادات کے ذریعے آزماتا ہے تاکہ تم میں سے مجاہدین اور صبر کرنے والوں کو ممتاز کردے اور جس سے تمہارے فکر وعمل کی پہچان ہو جائے۔اللہ تعالیٰ کا کسی کے فکر وعمل اور مجاہدین اور صبر کرنے والوں کو پہچاننے کا معنٰی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے فکر وعمل سے بے خبر ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کیونکہ اسی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ انسان سوچتا

ہے اور جو عمل کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کرتا ہے۔ تو اس کا یہ معنٰی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار اور منافقین کو مخلص مسلمانوں کے سامنے آشکارہ کرنا چاہتا ہے تاکہ مسلمان اپنے اور بیگانوں کی اچھی طرح پہچان کرسکیں۔

((عَنْ صُهَيْبٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَالِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ)) (رواہ مسلم : باب الْمُؤْمِنُ أَمْرُهُ كُلُّهُ خَيْرٌ)

”حضرت صہیب ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول مکرم ﷺ نے فرمایا: ایمان دار شخص کی حالت پر رشک آتا ہے۔ وہ اپنے معاملات میں، ہر صورت میں بہتر ہے اور یہ اعزاز صرف ایمان دار کو حاصل ہوتا ہے۔ اگر اسے خوشی حاصل ہو تو شکر کرتا ہے اس کا شکر اس کے لیے بہتر ہے۔ اگر اسے تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے، یہ بھی اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو لوگوں کے عیوب کو آشکارہ کر دے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے منافقوں کو آشکارہ کر دیا۔ ۳۔ منافق اپنے کردار اور گفتار سے پہچانا جاتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو آزماتا ہے تاکہ مومنوں کو مجاہدین اور صابرین کا علم ہو جائے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ لوگوں کی آزمائش کرتا ہے:

۱۔ جنّت میں داخلہ کے لیے آزمائش شرط ہے۔ (العنکبوت: ۲) ۲۔ پہلے لوگوں کو بھی آزمایا گیا۔ (العنکبوت: ۳)

۳۔ ڈر سے آزمائش۔ (البقرۃ:۱۵۵) ۴۔ فاقوں سے آزمائش۔ (البقرۃ:۱۵۵)

۵۔ مال و جان کی کمی کے ساتھ آزمائش۔ (البقرۃ:۱۵۵)

۶۔ ”اللہ“ نے موت وحیات کو انسان کے لیے آزمائش بنایا ہے۔ (الملک:۲)

۷۔ ”اللہ“ نے آزمائش کے لیے بعض کو بعض پر فوقیت دی۔ (الانعام:۱۶۶)

۸۔ مال اور اولاد انسان کے لیے آزمائش ہیں۔ (التغابن: ۱۵)

۹۔ آزمائش میں ثابت قدمی کے بعد اللہ کی مدد یقینی اور قریب ہوا کرتی ہے۔ (البقرۃ: ۲۱۴)

۱۰۔ جنّت میں داخلے کے لیے آزمائش ضروری ہے۔ (آل عمران: ۱۴۲)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	وَصَدُّوْا	عَنْ	سَبِيْلِ	اللّٰهِ
بے شک	وہ لوگ جنہوں نے	کفر کیا	اور انہوں نے روکا	سے	راہ	اللہ کی
وَشَآقُّوا	الرَّسُوْلَ	مِنْۢ بَعْدِ	مَا تَبَيَّنَ	لَهُمُ	الْهُدٰى	لَنْ
اور انہوں نے مخالفت کی	رسول کی	اس کے بعد	کہ واضح ہوگئی	ان کے لیے	ہدایت	نہیں
يَّضُرُّوا اللّٰهَ	شَيْـًٔا	وَسَيُحْبِطُ	اَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾	يٰۤاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	
وہ بگاڑ سکیں گے اللہ کا	کچھ بھی	اور عنقریب وہ برباد کر دے گا	ان کے اعمال	اے	لوگو!	
اٰمَنُوْۤا	اَطِيْعُوا اللّٰهَ	وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ	وَلَا	تُبْطِلُوْۤا	اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٣﴾	
جو ایمان لائے ہو تم	اطاعت کرو اللہ کی	اور اطاعت کرو رسول کی	اور نہ	تم برباد کرو	اپنے اعمال کو	

''جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا اور رسول کی مخالفت کی ،حالانکہ ان پر ہدایت واضح ہو چکی ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے عنقریب اللہ ان کا سب کیا کرایا غارت کر دے گا۔(٣٢) اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔'' (٣٣)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقین کے بعد کفار کے کردار اور انجام کا ذکر۔

جو لوگ ہدایت واضح ہوجانے کے باوجود اپنے کفر پر قائم رہتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ وہ ''اللہ'' کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کا سب کچھ بگاڑ سکتا ہے اور بگاڑ دے گا۔ اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع ہونے سے بچاؤ۔ ان آیات میں دو اصول بیان کیے گئے ہیں۔

ا۔ جو لوگ ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی کفر پر قائم رہتے ہیں اور رسول کی مخالفت کرتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ان کے بُرے عقیدہ اور کردار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے بھلے کام بھی ضائع کردے گا۔

((عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ابْنُ جُدْعَانَ كَانَ فِى الْجَاهِلِيَّةِ يَصِلُ الرَّحِمَ وَيُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ فَهَلْ ذَاكَ نَافِعُهُ قَالَ لَا يَنْفَعُهُ إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا رَبِّ اغْفِرْلِىْ خَطِيْئَتِىْ يَوْمَ الدِّيْنِ)) (رواہ مسلم: باب الدلیل علی من مات علی الکفر لاینفعہ عمل)

''حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ ابنِ جدعان جاہلیت میں صلہ رحمی اور مساکین کو کھانا کھلایا کرتا تھا کیا اسے یہ کام نفع دیں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں کیونکہ اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا کہ: اے میرے رب! قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف فرما دینا۔''

اللہ کے رسولوں کی مخالفت کا ایک معنٰی یہ بھی ہے کہ کوئی شخص نبی علیہ السلام کی سنت جانتے ہوئے اس کی مخالفت کرے۔ یا جان بوجھ کر اللہ اور اس کے رسول کے خلاف چلے بے شک وہ ایمان لانے کا دعوے دار ہو لیکن اگر وہ اللہ کے رسول کے طریقے کے خلاف چلتا ہے تو حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔ اس اعتبار سے جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے نکل کر اعمال کرے گا بے شک وہ اعمال بظاہر کتنے ہی اچھے اور بھلے کیوں نہ ہوں۔ مگر کتاب و سنت کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے سب کے سب ضائع ہو جائیں گے۔ اس لیے مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ہر حال میں اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اور اپنے اعمال کو ضائع ہونے سے بچاؤ۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ)) (رواہ مسلم: باب نَقْضِ الْأَحْکَامِ الْبَاطِلَةِ وَرَدِّ مُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہمارے دین میں نئی بات ایجاد کی جو اس میں نہیں ہے وہ ردّ ہو گی۔“

”حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمھارا حوض کوثر پر انتظار کروں گا جو بھی میرے پاس آئے گا وہ اس سے پیے گا اور جو شخص بھی اس سے ایک مرتبہ پیے گا وہ کبھی پیاس محسوس نہیں کرے گا۔ میرے پاس کچھ لوگ آئیں گے وہ مجھے پہچان لیں گے اور میں انھیں اپنے امتی کے طور پر سمجھوں گا پھر میرے اور ان کے درمیان پردہ حائل ہو جائے گا ابو حازم نے کہا نعمان بن ابی عیاش نے مجھ سے سنا اور کہا کیا تم نے اسی طرح سہل سے سنا ہے میں نے کہا ہاں، پس اُس نے کہا میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا وہ اس میں مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا یہ تو میرے امتی ہیں کہا جائے گا آپ نہیں جانتے آپ کے بعد انھوں نے کیا کیا بدعتیں شروع کیں میں ان سے کہوں گا دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ جس نے میرے بعد دین کو بدل ڈالا۔“ (رواہ البخاری: کتاب الرقاق باب الحوض)

مسائل

۱۔ کفار کے کفر کی وجہ سے ان کے تمام کے تمام اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے۔
۲۔ جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے باوجود اللہ کے راستے سے روکتا ہے اس کے اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے۔
۳۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والے اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ تعالیٰ ان کا سب کچھ ضائع کر دے گا۔

تفسیر بالقرآن

ایمانداروں کو ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنی چاہیے:

۱۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (آل عمران: ۱۳۲)
(الانفال: ۴۶) (المائدۃ: ۹۲) (النساء: ۵۹) (محمد: ۳۳) (الاحزاب: ۷۱) (آل عمران: ۳۱) (النساء: ۶۹)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ

بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور انہوں نے روکا اللہ کی راہ سے پھر وہ مر گئے اور وہ

كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ

کافر تھے تو ہرگز نہیں بخشے گا اللہ ان کو چنانچہ نہ تم سستی کرو اور نہ تم بلاؤ صلح کی طرف

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾

جبکہ تم بلند ہو اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور ہرگز نہیں کم کرے گا تم سے تمہارے اعمال

''بے شک جنہوں نے کفر کیا اور انہوں نے اللہ کے راستے سے روکا اور جو مرتے دم تک کفر پر جمے رہے۔اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ (۳۴) پس تم سستی نہ کرو اور صلح کی درخواست نہ کرو، تم ہی غالب رہنے والے ہو۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے وہ تمہارے اعمال ہرگز کم نہیں کرے گا۔'' (۳۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار کو ان کا انجام بتلانے کے بعد مومنوں کو تسلی دی گئی ہے کہ دنیا میں تم ہی غالب رہو گے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے کچھ کم نہیں کرے گا۔

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور پھر اسی حالت میں مرجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ نہ صرف اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں معاف نہیں کرے گا بلکہ وہ دنیا میں بھی ذلیل ہوں گے۔ اے مسلمانو تمہارا ان کے ساتھ مقابلہ ہو تو میدانِ جنگ میں نہ ہمت ہارنا اور نہ ہی کمزور بن کر صلح کی دعوت دینا ہے۔اللہ تمہارے ساتھ ہے اس لیے تم ہی غالب رہو گے۔ مسلمانوں کے حوصلے بڑھانے اور ان کو یقین دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بار بار مخاطب کی ضمیر استعمال فرمائی ہے جس میں یہ یقین دہانی کروائی گئی ہے کہ مسلمانو تمہیں ہمت نہیں ہارنا چاہیے اور نہ ہی تمہیں جھک کر کفار سے صلح کرنی چاہیے۔اس لیے کہ تم کفار پر غالب آنے والے ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا ساتھی اور معاون ہے۔ اسی بات کو غزوہ اُحد کے موقع پر یوں بیان فرمایا کہ اے مسلمانو! نہ ہمت ہارو اور نہ غم کھاؤ! اگر مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔ (آل عمران:۱۳۹)

مسلمانوں کو حالتِ جنگ میں کفار کے ساتھ جھک کر صلح کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ میدانِ جنگ میں دشمن کے ساتھ جھک کر صلح کرنا اپنے آپ کو ذلیل کرنے اور موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جس قوم نے بھی حالتِ جنگ میں دشمن کے سامنے جھک کر صلح کی نہ صرف اُسے ذلیل کیا گیا بلکہ ان کا قتلِ عام بھی ہوا۔ یہاں مشرقی پاکستان کی مثال پیش کی جاتی ہے۔ 1973ء میں مشرقی پاکستان کے شیخ مجیب الرحمٰن نے انڈیا کے ساتھ مل کر مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش کا نام دیا اور وہ بنگلہ دیش کا پہلا وزیر اعظم بنا۔ جسے بعدازاں اس کی فوج کے چیف نے اس کے خاندان سمیت اسے قتل کردیا شیخ مجیب الرحمٰن کے کہنے پر جب انڈیا کی فوجیں مشرقی

پاکستان میں داخل ہوئیں تو پاکستان کی حمایت اوردفاع کے لیے جنرل اے کے نیازی کی کمان میں مشرقی پاکستان جانے والی نوے ہزار (90,000)فوج نے پلٹن میدان ڈھاکہ میں ہتھیار ڈال دیئے اور دنیا کو باور کروایا کہ ہم نے انڈیا اورمجیب الرحمٰن کے ساتھ باعزت معاہدہ کیا ہے ۔لیکن جوں ہی جنرل اے کے نیازی نے انڈیا کے جرنیل جنرل اروڑہ کے سامنے اپنا پسٹل پیش کیا اور اُسے سلوٹ مارا تو نہ صرف اے کے نیازی کو گرفتار کر لیا گیا بلکہ نوے ہزار (90,000)پاکستانی فوجیوں کو قیدی بنایا گیا اور فوج کی حمایت کرنے والے بنگلہ دیشیوں کو سرِعام قتل کردیا گیا اور پاکستانی فوج کے ہتھیار پھینکنے کی پوری دنیا میں بار بارفلم دکھائی گئی ۔

قرآن مجید نے مسلمانوں کو ایسی ذلت سے بچانے کے لیے یہ ہدایت کی ہے کہ اے مسلمانوں دشمن کے مقابلے میں تم ہی کامران اورسربلند ہوگے بشرطیکہ تم ایمان کے تقاضے پورے کرو ۔اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ بدر، خندق، فتح مکہ ،حنین اورتبوک کے میدان میں پورا کر دکھایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے یہ وعدہ کیا ہے کہ آپ اور اسلام غالب ہوکر رہیں گے ۔

’’وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے دوسرے ادیان پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔‘‘(الصّف: ۹)

’’اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اورمیرے رسول ہی غالب رہیں گے یقیناً اللہ زبردست اور غالب ہے۔‘‘ (المجادلۃ: ۲۱)

’’یقین جانو کہ ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں اور آخرت میں بھی کریں گے۔‘‘(المومن: ۵۱)

مسائل

۱۔ جولوگ کفرکی حالت میں مریں گے اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف نہیں کرے گا ۔

۲۔ مسلمانوں کو حالتِ جنگ میں کفار کے مقابلے میں نہ ہمت ہارنا چاہیے اورنہ جھک کرصلح کرنی چاہیے ۔

۳۔ ربِ کریم کی دستگیری سے مسلمان ہمیشہ سربلند رہیں گے ۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور اُن کے ساتھیوں کو دنیا میں سربلند فرمایا:

۱۔ ہم ظالموں کو ہلاک کریں گے اورتمہیں ان کے بعد زمین میں بسائیں گے یہ وعدہ ہراس شخص کے لیے ہے جو اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرجائے ۔(ابراہیم :۱۳۔۱۴)

۲۔ کفارنے حضرت نوح کو جھٹلایا ہم نے نوح اوراس کے ماننے والوں کونجات دی ۔(الاعراف:۶۴)

۳۔ ہم نے موسیٰ اوران کے ساتھیوں کونجات دی ۔(الشعرا:۶۵)۴۔ہم نے شعیب اورایمان لانے والوں کونجات دی۔(ہود:۹۴)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی مدد فرمائی۔(الانفال: ۶۲)

اِنَّمَا	الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا	لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ	وَ اِنْ	تُؤْمِنُوْا	وَ تَتَّقُوْا	
بس	دنیاوی زندگی	کھیل اور تماشا ہے	اور اگر	تم ایمان لاؤ	اور تقویٰ اختیار کرو	
يُؤْتِكُمْ	اُجُوْرَكُمْ	وَلَا يَسْــَٔلْكُمْ	اَمْوَالَكُمْ ﴿٣٦﴾	اِنْ		
تو وہ تمہیں دے گا	تمہارے اجر (جمع)	اور نہیں وہ مانگے گا تم سے	تمہارے مال (جمع)	اگر		
يَّسْــَٔلْكُمُوْهَا	فَيُحْفِكُمْ	تَبْخَلُوْا	وَ يُخْرِجْ			
وہ سوال کرے تم سے پورے مال کا	پھر وہ اصرار کرے تم سے	تو تم بخیلی کرو گے	اور وہ نکال باہر کرے گا			
اَضْغَانَكُمْ ﴿٣٧﴾	هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ	تُدْعَوْنَ	لِتُنْفِقُوْا	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ		
تمہارے کینے کو	سنو! تم ہی لوگ ہو	کہ تم بلائے جاتے ہو	تا کہ تم خرچ کرو	اللہ کی راہ میں		

”بس دنیاوی زندگی ایک کھیل اور تماشا ہے اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تمہارے اجر تمہیں دے گا اور وہ تمہارے مال تم سے نہیں مانگے گا۔ (٣٦) اگر وہ تمہارے پورے مال تم سے مانگ لے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہاری کھوٹ ظاہر کر دے گا۔(٣٧) کیا تم وہ لوگ ہو کہ تمہیں دعوت دی جاتی ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: قتال فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ کے لیے ضروری ہے کہ انسان دنیا کی حقیقت جاننے کی کوشش کرے اور پھر یقین کرے کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا عارضی اور حقیر ہے۔

قرآن مجید بار بار انسان کو یہ حقیقت بتلاتا اور سمجھاتا ہے کہ دنیا کی حیثیت کھیل اور تماشا کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جس طرح کھیل اور تماشا وقتی طور پر دل بہلانے کا سامان اور صحت کو برقرار رکھنے کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے یہی حقیقت آخرت کے مقابلے میں دنیا کی ہے، لازم ہے کہ انسان دنیا میں دل لگانے کی بجائے اسے آخرت سنوارنے کا ذریعہ سمجھے تاکہ انسان جنّت کی دائمی نعمتوں کا مالک قرار پائے۔ اس کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ آدمی کا اللہ اور اس کے رسول کی ذات اور بات پر کامل اور اکمل ایمان لائے۔ اس لیے ارشاد ہوا ہے کہ اگر تم سچے دل کے ساتھ ایمان لاؤ اور حقیقی طور پر تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بے انتہا اجر عطا فرمائے گا اور یاد رکھو! وہ تم سے تمہارے پورے مال کا تقاضا نہیں کرتا۔ اگر وہ تم سے پورے مال کا مطالبہ کرتا تو تم بخل کا مظاہرہ کرتے اور تمہارا بخل ظاہر ہو جاتا۔ وہ تم سے نہ پورے مال کا تقاضا کرتا ہے اور نہ تمہیں تنگ کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا جو بخل کرے گا اس کے بخل کا اسے ہی نقصان ہوگا۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے غنی ہے اور تم ہر حال میں اس کے محتاج ہو۔ اگر تم قتال اور انفاق فی سبیل اللہ نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا وہ تم جیسے نہیں ہوں گے وہ تم سے بہتر ہوں گے۔ اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صدقہ کرنے کی تلقین کی ہے اور یہ بات

فَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يَّبۡخَلُ ۚ وَمَنۡ يَّبۡخَلۡ فَاِنَّمَا يَبۡخَلُ

پھر بعض تم میں سے وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے تو بس وہ بخل کرتا ہے

عَنۡ نَّفۡسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الۡغَنِىُّ وَاَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ ۚ وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا

اپنے آپ سے اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو اور اگر تم پھر جاؤ

يَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَكُمۡ ۝٣٨

تو وہ بدل لائے گا دوسری قوم تمہارے سوا پھر نہ وہ ہوں گے تم جیسے

اس پر تم میں سے کچھ لوگ ہیں جو بخل کرتے ہیں۔ حالانکہ جو بخل کرتا ہے درحقیقت وہ اپنے آپ سے ہی بخل کرتا ہے، اللہ بے نیاز ہے تم اس کے محتاج ہو، اگر تم منہ موڑلو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا۔ پھر وہ تم جیسے نہیں ہوں گے۔'' (٣٨)

واضح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تنگ کرنے کے لیے تم سے پورے مال کا مطالبہ نہیں کرتا۔ وہ تو جہاد اور غرباء کے لیے تم سے معمولی مال کا مطالبہ کرتا ہے جس میں تمہیں ہی فائدہ ہوگا۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَامِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُوْلُ أَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَيَقُوْلُ الْآخَرُ اللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا))

(رواه البخاري:باب قول اللّٰهِ تعالىٰ ﴿فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰى﴾)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر صبح دو فرشتے اتارے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ آواز لگاتا ہے۔ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اور عطا فرما دوسرا یہ کہتا ہے اے اللہ! خرچ نہ کرنے والے کا مال ختم کردے۔''

مسائل

۱۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی عارضی اور تھوڑی ہے۔

۲۔ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں کھیل تماشا سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

۳۔ اگر لوگ ایمان لائیں اور پرہیز گاری اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا اجر عطا فرمائے گا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ لوگوں سے بہت کم مال کا تقاضا کرتا ہے۔ ۵۔ بخل کرنے والا بالآخر اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے غنی ہے اور لوگ ہر حوالے سے اس کے محتاج ہیں۔

تفسیر بالقرآن

بخیل کی مذمت اور اس کا انجام:

۱۔ خزانے جمع کرنے والوں کو عذاب کی خوشخبری دیں۔ (التوبہ:٣٤) ۲۔ بخیل اپنا مال ہمیشہ باقی نہیں رکھ سکتا۔ (الھمزہ:٣) (آلِ عمران:١٨٠) (التغابن : ١٦ ، الحشر : ٩) (التوبہ:٣٥)

سورۃ فتح کا تعارف

اس سورت کا نام الفتح ہے جو اس کی چوبیں آیت میں موجود ہے یہ سورت چار رکوع اور انتیس (۲۹) آیات پر محیط ہے۔ یہ سورت مدینہ منورہ میں ۶ ھ ہجری میں نازل ہوئی۔

اس کا پس منظر یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ آپ بیت اللہ کی زیارت کر رہے ہیں اس پر آپ نے اعلان فرمایا کہ ہم عمرہ کرنے کے لیے جارہے ہیں اس لیے سب کو عمرہ کی تیاری کرنی چاہیے لیکن ہوا یہ کہ جب آپ چودہ سو اصحاب کے ساتھ مکہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو آپ کو حضرت عباس کے ذریعے معلوم ہوا کہ مکہ والے آپ کو کسی صورت بھی عمرہ کرنے نہیں دیں گے نبی علیہ السلام نے اہل مکہ کو سمجھانے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ انہیں سمجھائیں ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے ہماری آمد کا مقصد بیت اللہ کی زیارت کرنا ہے لیکن مکہ والے کسی صورت بھی ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے اس صورت حال میں دونوں طرف سے مذاکرات ہوئے جس کے نتیجہ میں معاہدہ طے پایا جس کی شرائط میں ایک شرط یہ تھی کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا تو مدینہ والوں کو اسے واپس کرنا ہوگا اگر کوئی مسلمان مکہ آئے گا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ صحابہ کی غالب اکثریت کو یہ شرط پسند نہیں تھی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کو قبول فرمایا بالآخر آپ عمرہ کیے بغیر مدینہ کی طرف واپس پلٹے ابھی آپ مدینہ واپس نہیں آئے تھے کہ یہ سورت نازل ہوئی جس کی ابتدا ان الفاظ سے کی گئی کہ اے رسول ہم نے آپ کے لیے فتح کے دروازے کھول دیئے ہیں اور آپ کے اگلے پچھلے گناہ بھی معاف کر دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی زبردست مدد فرمائے گا کیونکہ وہ بڑی قوت والا ہے اس کے بعد منافقوں کے کردار کا ذکر کیا گیا ہے جو یہ سمجھ کر پیچھے رہ گئے تھے کہ مسلمان خالی ہاتھ مکہ کی طرف جا رہے ہیں وہ واپس نہیں پلٹیں گے کیونکہ مکہ والوں کے ساتھ گٹھ جوڑ ہونے کی وجہ سے منافق جانتے تھے کہ مکہ کے لوگ انہیں عمرہ نہیں کرنے دیں گے۔ اس صورت میں لڑائی ہوگئی تو مسلمانوں میں سے کوئی بچ کر واپس نہیں آئے گا۔

لڑائی کے خوف کی وجہ سے منافقوں نے مختلف بہانے بنائے اور بیٹھے رہنے کو اپنے لیے غنیمت جانا۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم کی خوشخبری سنانے کے ساتھ یہ خوش خبری بھی دی کہ اللہ تعالیٰ ان مومنوں پر راضی ہو گیا جنہوں نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی صحابہ رضی اللہ عنہم کا فرمان ہے کہ ہم نے یہ جان کر بیعت کی تھی کہ اگر مکہ والوں کے ساتھ جنگ ہوئی تو ہم میں سے کوئی بچ کر واپس نہیں جائے گا کیونکہ ہم خالی ہاتھ تھے۔ مسلمانوں نے اس لیے استقامت کا مظاہرہ کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی سکینت نازل فرمائی تھی اس سورت کے آخر میں بار بار تاکید کے ساتھ یہ الفاظ استعمال فرما کر یقین دہانی کروائی گئی کہ تم ضرور بیت اللہ میں داخل ہو گے اور امن سکون کے ساتھ عمرہ کی سعادت حاصل کرو گے بے شک اس مرتبہ تم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پائے لیکن یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دین حق اور اپنی راہنمائی کے ساتھ اس لیے مبعوث فرمایا ہے کہ آپ تمام باطل ادیان پر دین اسلام کو غالب کر دیں۔ یہ اس لیے بھی ہوگا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور آپ کے ساتھیوں میں یہ اوصاف بھی پائے جاتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے حضور جھکنے والے، آپس میں مہربان اور حالتِ جنگ میں کفار کے لیے بڑے سخت ہیں۔

سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رُكُوْعُهَا: ٤
اٰيَاتُهَا: ٢٩

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

اِنَّا	فَتَحْنَا	لَكَ	فَتْحًا	مُّبِيْنًا ۙ﴿۱﴾	لِّيَغْفِرَ لَكَ	اللّٰهُ	مَا
یقیناً ہم نے	فتح دی	آپ کو	فتح	واضح	تاکہ بخش دے آپ کو	اللہ	جو
تَقَدَّمَ	مِنْ ذَنْۢبِكَ	وَمَا	تَاَخَّرَ	وَيُتِمَّ	نِعْمَتَهٗ	عَلَيْكَ	
پہلے ہو چکا	آپ کا گناہ	اور جو	پیچھے	اور وہ پوری کرے	اپنی نعمت کو	آپ پر	
وَيَهْدِيَكَ	صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ﴿۲﴾	وَّيَنْصُرَكَ	اللّٰهُ	نَصْرًا	عَزِيْزًا ﴿۳﴾		
اور آپ کی راہنمائی کرے	صراطِ مستقیم کی طرف	اور آپ کی مدد کرے	اللہ	مدد	زبردست		

”اے نبی ہم نے آپ کو واضح فتح دی ہے۔(۱) تاکہ اللہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادے اور آپ پر اپنی نعمت کی تکمیل کرے اور آپ کو سیدھے راستے کی راہنمائی کرے۔(۲) اور آپ کی زبردست مدد فرمائے۔“(۳)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورت محمد ﷺ کا اختتام اس فرمان پر ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہاری جگہ دوسری قوم لاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک قوم کی جگہ دوسری قوم لانے کے کئی طریقے ہیں جن میں ایک طریقہ یہ ہے کہ پہلی قوم کا سیاسی اقتدار اور سماجی اثر و رسوخ ختم کردیا جائے اور اس کی جگہ دوسری قوم کو موقع دیا جائے جس کی واضح مثال فتح مکہ میں پائی جاتی ہے۔

نبی معظم ﷺ نے ایک رات خواب دیکھا کہ میں اپنے اصحاب کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت اور اس کا طواف کر رہا ہوں جس میں سال اور وقت کا تعین واضح نہیں تھا۔ بیت اللہ کی زیارت کا شوق اور حالات کے تقاضے کے پیشِ نظر آپ ﷺ نے صحابہ میں اعلان فرمایا کہ تیاری کرو کہ ہم عمرہ کے لیے مکہ معظّمہ کا سفر کرنے والے ہیں اور یہ بات مجھے خواب میں بتلائی گئی ہے۔ اس خواب کا اشارہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت ٦٠ میں موجود ہے۔ نبی معظم ﷺ چودہ سو صحابہ کے ساتھ مکہ معظّمہ کی طرف روانہ ہوئے جب آپ مکہ کے قریب پہنچے تو حضرت عباس ؓ جو اس وقت تک مکہ میں ہی مقیم تھے انہوں نے خفیہ ذرائع کے ذریعے آپ کو اطلاع دی کہ مکہ والے آپ کو کسی صورت عمرہ کرنے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں۔ نہ صرف اجازت دینے کے لیے تیار نہیں بلکہ آپ کے ساتھ پوری طرح جنگ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس اطلاع پر نبی کریم ﷺ نے مکہ کی طرف جانے والا عام راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا اور حالات کے پیشِ نظر مکہ جانے کی بجائے حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا تاکہ

اہلِ مکہ کو اپنے سفر کا مقصد بتلانے کے ساتھ سمجھایا جائے کہ ہم عمرہ کے لیے آئے ہیں اس کے سوا ہمارے آنے کا کوئی اور مقصد نہیں۔ لیکن اہلِ مکہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے ان حالات میں آپ کو عمرہ کی اجازت دی تو لوگ سمجھیں گے کہ مکہ والے محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں سے ڈر گئے ہیں۔ اس لیے وہ کسی صورت میں آپ کو مکہ داخل ہونے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں اپنی آمد کی حقیقت بتلانے کے لیے حضرت عثمان کو مکہ روانہ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مذاکرات کرنے کے لیے مکہ پہنچے تو انہیں واپس آنے میں کچھ تاخیر ہوئی جس بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ بات عام ہوگئی کہ اہلِ مکہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے اس پر نبی علیہ السلام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے صحابہ کرام علیہم السلام سے بیعت لی جس کا ذکر اسی سورت کی آیت ١٠ تا ١٨ میں موجود ہے۔ واقعہ کی تفصیلات جاننے کے لیے سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دونوں طرف سے مذاکرات کے نتیجے میں بالآخر ایک معاہدہ قرار پایا جس کی درجہ ذیل شرائط طے پائیں۔

١۔ اس سال مسلمان عمرہ نہیں کر سکتے البتہ اگلے سال انہیں عمرہ کرنے کی اجازت ہوگی۔

٢۔ اگر مکہ والوں میں کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ پہنچے تو اسے واپس کرنا ہوگا اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص مکہ آئے گا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

٣۔ مسلمان اگلے سال عمرہ کے لیے آئیں گے تو ان کے ساتھ کسی قسم کا اسلحہ نہیں ہونا چاہیے۔ مکہ والے تین دن کے لیے مکہ خالی کر دیں گے۔

٤۔ آپس میں دس سال تک جنگ نہیں کی جائے گی۔

٥۔ اہلِ مکہ اور مسلمان جن قبائل کو چاہیں گے اپنا حلیف بنا سکیں گے۔

کچھ صحابہ نے ابتداً معمولی سا اختلاف کیا لیکن اس کے بعد فی الفور تمام صحابہ نے اس معاہدے کو تسلیم کیا جن کی تعداد چودہ سو تھی۔ اس کے بعد آپ ﷺ مدینہ کی طرف واپس ہوئے۔ راستے میں سورۃ الفتح کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں اللہ تعالیٰ نے پورے جلال کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اے نبی! ہم نے واضح طور پر آپ کو فتح عطا فرما دی ہے تاکہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں اور آپ پر اپنی نعمت کا اتمام فرمائے، آپ کو صراطِ مستقیم پر گامزن رکھے اور آپ کی زبردست مدد فرمائے۔ صلح حُدیبیہ کو درج ذیل امور کی وجہ سے فتح مبین قرار دیا گیا ہے۔

١۔ نبی اکرم ﷺ نے مکہ کا سفر اختیار کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ جب چاہیں ہم مکہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔

٢۔ نبی معظم ﷺ نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ اسلام تلوار کے ذریعے نہیں بلکہ اخلاق اور تبلیغ کے ذریعے پھیلتا ہے

٣۔ آپ ﷺ نے اپنے نہتے ساتھیوں کو موت کے منہ سے بچا لیا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فرمان ہے کہ اگر مکہ والوں کے ساتھ جنگ ہو جاتی تو اس میں بظاہر ہماری موت یقینی تھی۔

۴۔آپ ﷺ نے مکہ والوں پر اخلاقی فتح حاصل کی کیونکہ اس معاہدہ کے ذریعے یہ ثابت ہوگیا کہ مسلمان برابر کی چوٹ رکھتے ہیں بظاہر مکہ والے کرّ وفر دکھا رہے تھے لیکن حقیقت میں مسلمانوں کی طاقت تسلیم کر چکے تھے۔

۵۔صلح حدیبیہ سے تعصّبات کی دیواریں ٹوٹ گئیں اوراسلام کی تبلیغ کا راستہ ہموار ہوا۔

٦۔ٹھیک دو سال سے پہلے مکہ فتح ہوا اور مکہ کے بڑے بڑے سردار معافی کے خواستگار رہوئے جنہیں آپ نے معاف فرمادیا اور انہوں نے خوشدلی کے ساتھ اسلام قبول کرلیا۔

۷۔اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو غالب فرمایا۔

۸۔اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ہر میدان میں زبردست مدد فرمائی۔

۹۔اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس موقع پر بر وقت اور ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے کی راہنمائی فرمائی۔

﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ (الفتح : ٢)

”تاکہ اللہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمائے۔“ (تفصیل کے لیے سورہ محمد کی آیت ۱۹ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔)

((عَنِ الْمُغِيْرَةِ ؓ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهٗ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا))

(رواه البخاری: باب قِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ حَتّٰى تَرِمَ قَدَمَاهُ)

”حضرت مغیرہ ؓ ذکرکرتے ہیں نبی اکرم ﷺ رات کو اس قدر قیام کرتے کہ آپ کے قدم سوج جایا کرتے تھے۔ جب آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ اس قدر کیوں قیام کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پہلے اور پچھلے گناہ معاف کردیے ہیں؟ فرمایا کیا مجھے اس کا شکرگزار بندہ نہیں بننا چاہیے۔“

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد کرنے والا ہے :

۱۔ اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار۔ (البقرۃ: ۱۰۷)

۲۔ اللہ نے یہ لکھ دیا کہ وہ اور اس کے رسول غالب آئیں گے۔(المجادلہ:۲۱)

۳۔ ”اللہ“ نے حنین کے موقعہ پر اپنے بندوں کی مدد فرمائی۔(التوبہ:۲۵)

۴۔ اللہ نے غارِ ثور میں نبی ﷺ کی مدد فرمائی۔(التوبہ:۴۰)

۵۔ اللہ اپنے رسولوں اور مومنوں کی مدد فرماتا ہے۔(الانفال:۶۲)

٦۔ اللہ نے اپنا رسول اس لیے مبعوث فرمایا کہ اس کے دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔(الفتح: ۲۸)

۷۔ نہیں ہے تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست اور سفارشی پھر تم کیوں نصیحت نہیں حاصل کرتے۔ (السجدۃ:۴)

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا

وہی ذات ہے جس نے نازل کیا سکون مومنوں کے دلوں میں تاکہ وہ زیادہ ہوں ایمان میں

مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

اپنے ایمان کے ساتھ اور اللہ کے لیے لشکر ہیں آسمانوں اور زمین کے اور ہے اللہ

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ

بڑا جاننے والا خوب حکمت والا تاکہ وہ داخل کردے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے باغات میں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ

کہ چلتی ہیں ان کے نیچے سے نہریں وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں اور وہ دور کردے ان سے

سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

ان کے گناہ اور ہے یہ اللہ کے ہاں کامیابی بہت بڑی

”وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکون پیدا فرمایا تاکہ وہ ان کے ایمان کے ساتھ اپنا ایمان اور بڑھالیں، زمین اور آسمانوں کے تمام لشکر اللہ کے اختیار میں ہیں، اور وہ بڑا جاننے والا اور خوب حکمت والا ہے۔(۴) تاکہ مومن مردوں اور عورتوں کو ایسی جنّتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کے گناہ اُن سے دور کردے۔ اللہ کے ہاں یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“(۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فتح مکہ کی خوشخبری سنانے کے ساتھ جنّت کی خوشخبری بھی دی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ کے مقام پر بروقت اور ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے کی راہنمائی فرمائی اور مومنوں پر اطمینان اور سکون نازل فرمایا تاکہ مومنوں کے ایمان میں مزید اضافہ ہوجائے۔ حقیقت یہ ہے کہ زمین و آسمانوں کے لشکر اور قوتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔ وہ سب کچھ جاننے والا ہے اور اس کے ہر حکم میں حکمت پائی جاتی ہے۔ ”يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا“ کے الفاظ فرما کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتلایا ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر جو معاہدہ ہوا تھا اس میں اللہ تعالیٰ کی راہنمائی اور توفیق شاملِ حال تھی اس لیے یہ معاہدہ ہر اعتبار سے صحیح ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کامیابیاں عطا فرمائیں اور آخرت میں مومن اور مومنات کو جنّت میں داخل فرمائے گا جس کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی اور جنّتی اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی پہلی پانچ آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو پانچ، پانچ خوشخبریاں سنائیں۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ قَیْسٍ رضی اللہ عنہ عَنْ أَبِیْہِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ إِنَّ لِلْمُؤْمِنِ فِی الْجَنَّۃِ لَخَیْمَۃً مِنْ لُؤْلُؤَۃٍ وَاحِدَۃٍ مُجَوَّفَۃٍ طُوْلُھَا سِتُّوْنَ مِیْلًا لِلْمُؤْمِنِ فِیْھَا أَھْلُوْنَ یَطُوْفُ عَلَیْھِمُ الْمُؤْمِنُ فَلَا یَرٰی بَعْضُھُمْ بَعْضًا)) (رواہ مسلم: باب فی صفة خیام الجنة ....)

”حضرت عبداللہ بن قیس اپنے باپ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ کا فرمان ہے کہ جنّت میں مومن کے لیے موتی کا ایک ایسا خیمہ ہوگا جس کی لمبائی ساٹھ میل ہوگی وہاں مومن کے گھر والے ہوں گے جن کے ہاں وہی جائے گا دوسرا انہیں نہیں دیکھ سکے گا۔“

عربی لغت ”المنجد“ کے مطابق ”اَلسَّکِیْنَۃُ“ کا معنٰی سکون ،اطمینان ،سنجیدگی اوروقار ہے۔

مسائل

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس موقعہ پر پانچ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو چار خوشخبریاں دیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کی صورت میں آپ ﷺ کو عظیم فتح عطا فرمائی اوراسلام کی کامیابی کے لیے راستہ کھول دیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف فرمادیا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر اپنی نعمت پوری کرنے کا وعدہ فرمایا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ مکہ کے مقابلے میں آپ ﷺ کی زبردست مدد فرمائی۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھنے کی گارنٹی دی۔

۱۔ صحابہ اورصحابیات رضی اللہ عنہم کو دنیا اورآخرت کی کامیابی سے سرفراز فرمایا۔

۲۔ صحابہ اورصحابیات رضی اللہ عنہم کے گناہ معاف کرنے کی خوشخبری سنائی۔ ۳۔صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان میں مزید اضافہ فرمایا۔

۴۔ صحابہ اورصحابیات رضی اللہ عنہم کو ہمیشہ کے لیے جنّت میں داخلے کی خوشخبری سنائی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ اورآپ کے ساتھیوں کو دنیا اورآخرت کی کامیابیوں سے سرفراز کیا:

۱۔ بدر میں مشرکین پسپا ہوئے اورمسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ (آلِ عمران: ۱۲۳تا۱۲۷)

۲۔ اُحد میں پہلے مسلمان غالب رہے۔ (آل عمران: ۱۵۲)

۳۔ ۸ ہجری کو اہلِ مکہ مغلوب ہوئے اورمسلمان کامیاب ہوئے۔ (الفتح: ۱)

۴۔ غزوۂ حنین میں مشرک شکست کھا گئے اورمسلمان کامیاب رہے۔ (التوبہ: ۲۶)

۵۔ جنگِ خندق میں اہل مکہ اور دیگر قبائل کو شکست ہوئی۔ (الاحزاب: ۲۵ تا ۲۷)

۶۔ صحابہ رضی اللہ عنہم دنیا وآخرت میں کامیاب ہوئے۔ (المجادلہ: ۲۲)

وَّيُعَذِّبَ	الْمُنٰفِقِيْنَ	وَالْمُنٰفِقٰتِ	وَالْمُشْرِكِيْنَ	وَالْمُشْرِكٰتِ
اور وہ عذاب دے گا	منافق مردوں	اور منافق عورتوں کو	اور مشرک مردوں	اور مشرک عورتوں کو
الظَّآنِّيْنَ	بِاللّٰهِ	ظَنَّ	السَّوْءِ ؕ	عَلَيْهِمْ	دَآئِرَةُ
وہ جو گمان کرنے والے ہیں	اللہ کے ساتھ	گمان	برا	انہی پر	گردش ہے
السَّوْءِ ۚ	وَغَضِبَ	اللّٰهُ	عَلَيْهِمْ	وَلَعَنَهُمْ	وَاَعَدَّ
بُری	اور غضب ہوا	اللہ کا	ان پر	اور اس نے لعنت کی ان پر	اور تیار کی
لَهُمْ	جَهَنَّمَ ؕ	وَسَآءَتْ	مَصِيْرًا ﴿۶﴾	وَلِلّٰهِ	جُنُوْدُ
ان کے لیے	جہنّم	اور وہ بری ہے	لوٹنے کی جگہ	اور اللہ ہی کے لیے	لشکر ہیں
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ	وَكَانَ	اللّٰهُ	عَزِيْزًا	حَكِيْمًا ﴿۷﴾	
آسمانوں اور زمین کے	اور ہے	اللہ	نہایت غالب	خوب حکمت والا	

''اور اللہ ان منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے گا جو اللہ کے بارے میں بُرے گمان رکھتے ہیں، وہ خود ہی بُرے حالات میں پھنس گئے ہیں، اُن پر اللہ کا غضب ہوا اور اس نے ان پر لعنت کی اور ان کے لیے جہنّم تیار کر رکھی ہے جو بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔(٦) زمین اور آسمان کے لشکر اللہ ہی کے ہیں اور وہ زبردست اور بڑا حکمت والا ہے۔''(٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام: صحابہ رضی اللہ عنہم کو دنیا اور آخرت میں کامیابی کی نوید سنانے کے بعد منافقین اور مشرکین کو دنیا اور آخرت کی ذلت سے آگاہ کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں منافق مردوں اور منافق عورتوں ،مشرک مرد اور مشرک عورتوں کو دنیا میں ان کے کیے کی سزا دی کیونکہ منافق اور مشرک اپنے اپنے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کے بارے میں غلط عقیدہ رکھتے تھے اور مسلمانوں کے بارے میں بُرا سوچتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا میں لعنت کی اور آخرت میں ان کے لیے جہنّم تیار کر رکھی ہے جو رہنے کے اعتبار سے بدترین جگہ ہے ۔ مدینے کے منافق مرد اور منافق عورتوں کا خیال تھا کہ مسلمان خالی ہاتھ مکہ کی طرف جا رہے ہیں اس لیے بچ کر واپس نہیں آئیں گے ۔یہی سوچ مشرکینِ مکہ اور ان کی عورتوں کی تھی وہ بھی سمجھتے تھے کہ اس بار مسلمان ہمارے ہاتھوں بچ کر نہیں جا سکیں گے ۔لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا مشرکینِ مکہ پر اس طرح رعب ڈال دیا کہ وہ نبی علیہ السلام کے ساتھ مذاکرات کرنے پر مجبور ہوئے۔ کیونکہ ان پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور آخرت میں ان کے لیے جہنّم تیار کی ہے جو رہنے کے اعتبار سے بدترین جگہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ زمین و آسمانوں کے لشکر اللہ کے اختیار میں ہیں اور وہ اپنے فیصلے نافذ کرنے پر غالب ہے اس کے فیصلوں کو زمین و آسمانوں کی کوئی طاقت ٹال نہیں سکتی اور اس کے ہر حکم میں حکمت پنہاں ہوتی ہے۔

﴿ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (التوبۃ: ٢٦)

”پھر اللہ نے اپنے رسول اور ایمان والوں پر اپنی سکینت نازل فرمائی، اور وہ لشکر اتارے جن کو تم نہیں دیکھ سکتے تھے اور ان لوگوں کو سزا دی جنہوں نے کفر کیا اور یہی کافروں کی سزا ہے۔“

”اور اہل کتاب اور مومن کسی شک میں نہ رہیں، اور دل کے بیمار اور کفار یہ کہیں کہ بھلا اللہ کا اس عجیب بات سے کیا مطلب ہوسکتا ہے اس طرح اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت بخش دیتا ہے اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جہنّم کا ذکر اس کے سوا کسی غرض کے لیے نہیں کیا گیا ہے کہ لوگوں کو اس سے نصیحت ہو۔“ (المدثر:٣١)

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں منافق مرد اور منافق عورتیں ،مشرک مرد اور مشرک عورتیں بداعتقادی اور بدظنی رکھتے ہیں۔

٢۔ منافق اور مشرک ہمیشہ مسلمانوں کے نقصان کے بارے میں سوچتے ہیں۔

٣۔ منافق مرد اور منافق عورتوں ،مشرک مرد اور مشرک عورتوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے اور ان پر لعنت برستی ہے۔

٤۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین اور مشرکین کے لیے جہنّم تیار کی ہے جو رہنے کے اعتبار سے بدترین جگہ ہے۔

٥۔ زمین و آسمانوں کے لشکر ”اللہ“ کے اختیار میں ہے۔ ٦۔ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے غالب اور حکمت والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مسلمانوں کے بارے میں منافقین اور مشرکین کی بُری سوچ اور ان کی سزا:

١۔ منافق ”اللہ“ اور مومنوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ (البقرۃ:٩)

٢۔ رسول ﷺ کو منافق دھوکہ دینے کی کوشش کرتے تھے۔ (المنافقون:١)

٣۔ منافق نماز بھی دھوکہ دینے کی خاطر پڑھتے ہیں۔ (النساء:١٤٢)

٤۔ مشرکین مکہ مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکا کرتے تھے۔ (الانفال:٣٤)

٥۔ کفار اور مشرک اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں۔ (التوبہ:٣٢)

٦۔ منافق جہنّم کے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔ (النساء:١٤٥) ٧۔ مشرکین کا ٹھکانہ جہنّم ہے۔ (ابراہیم:٣٠)

اِنَّآ	اَرْسَلْنٰكَ	شَاهِدًا	وَّمُبَشِّرًا	وَّنَذِيْرًا ۙ⑧	لِّتُؤْمِنُوْا
بلاشبہ ہم نے	آپ کو بھیجا	گواہی دینے والا	اور بشارت دینے والا	اور ڈرانے والا	تاکہ تم ایمان لاؤ

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	وَتُعَزِّرُوْهُ	وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ	وَتُسَبِّحُوْهُ
اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ	اور تم اس کی مدد کرو	اور تم اس کی توقیر کرو	اور تم اس کی پاکی بیان کرو

بُكْرَةً	وَّاَصِيْلًا ⑨
صبح	اور شام

”اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔(٨) تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کا ساتھ دو، اس کی تعظیم کرو اور صبح وشام اللہ کی تسبیح کرتے رہو۔“(٩)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار، مشرکین اور منافقین کی مخالفت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو غالب فرمایا۔ کیونکہ اس نے نبی آخر الزمان ﷺ کو اس لیے مبعوث فرمایا تاکہ دینِ اسلام کو باطل ادیان پر غالب کردے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے نبی! ہم نے آپ ﷺ کو حق کی گواہی دینے والا بنا کر مبعوث کیا ہے۔ آپ کی بعثت کا مرکزی مقصد یہ ہے کہ آپ ایمان لانے والوں کو خوشخبری سنائیں اور انکار کرنے والوں کو ان کے بُرے انجام سے ڈرائیں۔ لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں اور رسول ﷺ کی تعظیم اور معاونت کریں اور اللہ تعالیٰ کو صبح وشام یاد کرتے رہیں۔ قرآن مجید نے کئی مرتبہ بات بتلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں ﷺ کو حق کی شہادت دینے کے لیے مبعوث فرمایا ہے اور آپ ﷺ خوشخبری دینے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ شہادت کا معنٰی ہے کہ لوگوں کے سامنے بلاخوف و خطر اللہ کی توحید اور دینِ حق کو پیش کیا جائے۔ جونہی آپ کے ذمے شہادتِ حق کا فریضہ لگایا گیا ہے۔ آپ نے اس کے لیے دن رات ایک کر دیئے نہ کاروبار کی طرف توجہ فرمائی اور نہ ہی رات اور دن کے آرام کا خیال کیا۔ اللہ کے راستے میں کھڑے ہوئے تو تئیس سال تک یہ کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ اپنے اور بیگانے مان گئے کہ آپ نے شہادتِ حق کا فرض ادا کردیا ہے۔ نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت کا مقصد شہادتِ حق ہے اور لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ذات اور بات پر ایمان لائیں۔ یہ ایمان زبانی کلامی نہیں بلکہ عملاً ہونا چاہیے جس کا تقاضا ہے کہ اللہ کے رسول کی معاونت وتعظیم کی جائے۔ آپ کی معاونت کا معنٰی یہ ہے کہ آپ کی دعوت پر عمل کرتے ہوئے اسے لوگوں تک پہنچایا جائے اور اس کے عملی نفاذ کے لیے انفرادی اور اجتماعی طور پر کوشش کی جائے۔

آپ کی تعظیم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی ذات اور بات کا دل وجان سے احترام کیا جائے کیونکہ آپ کی تشریف آوری کا مقصد لوگوں کو اللہ کی ذات اور اس کا ارشاد پہچانا تھا۔اس لیے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہوئے صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہیں۔صبح وشام سے مراد ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا چاہیے۔جس طرح نبی آخرالزماں ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے کا طریقہ بتلایا اور کر کے دکھلایا ہے اس میں پانچ وقت کی نماز اور شہادتِ حق کا ابلاغ بھی شامل ہے۔

آپ ﷺ کی عالمگیر نبوت:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰه ﷺ قَالَ أُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ نَبِيٌّ قَبْلِيْ وَلَا أَقُوْلُهُنَّ فَخْرًا بُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِيْ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا وَّأُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ فَأَخَّرْتُهَا لِأُمَّتِيْ فَهِيَ لِمَنْ لَّايُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا))

(مسند احمد: باب بداية مسند عبدالله بن العباس)

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔میں اس میں فخر نہیں کرتا۔میں تمام کالے اور گورے لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں،ایک مہینے کی مسافت تک رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے،میرے لیے غنیمت کا مال حلال قرار دیا گیا ہے جب کہ مجھ سے پہلے کسی نبی کے لیے حلال نہیں تھا،میرے لیے زمین مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنادی گئی ہے،مجھے شفاعت عطا کی گئی میں نے اسے اپنی امت کے لیے سنبھال رکھا ہے اور وہ ہر اس شخص کی نجات کا ذریعہ بنے گی جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔“

((لَيَبْلُغَنَّ هٰذَا الْأَمْرُ مَا بَلَغَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَلَايَتْرُكُ اللّٰهُ بَيْتَ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ هٰذَا الدِّيْنَ)) (مسند أحمد: باب حديث تميم الداري،هذا حديث صحيح على شرط الشيخين)

”یہ دین ہر صورت وہاں تک پہنچے گا جہاں رات کی تاریکی اور دن کی روشنی پہنچتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر کچے پکے گھر میں اس دین کو داخل کردے گا۔“

آپ ﷺ کی محبت اور تعظیم:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ)) (مشکوۃ: کتاب العلم قال النووی ھذا حدیث صحیح)

”تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی خواہشات کو میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ کردے۔“

((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ قِرَادٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ يَوْمًا فَجَعَلَ أَصْحَابُهٗ

يَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِهٖ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ وَمَاحَمَلَكُمْ عَلٰى هٰذَا قَالُوْا حُبُّ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ سَرَّهٗ أَنْ يُّحِبَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ أَوْ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ فَلْيَصْدُقْ حَدِيْثَهٗ إِذَا حَدَّثَ وَلْيُؤَدِّ أَمَانَتَهٗ إِذَا ائْتُمِنَ وَلْيُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهٗ)) (رواہ البیھقی فی شعب الإیمان)

''حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قراد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دن وضو کیا۔ آپ کے اصحاب آپ کے وضو کے پانی کو اپنے جسموں پر ملنے لگے۔ نبی ﷺ نے ان سے استفسار فرمایا تم ایسا کیوں کررہے ہو؟ انہوں نے عرض کی، اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی وجہ سے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کو یہ بات اچھی لگتی ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے یا اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کریں تو اسے چاہیے کہ جب بات کرے تو سچ بولے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو امانت کا حق ادا کرے اور اپنے ہمسائیوں سے اچھا برتاؤ کرے۔''

اللہ کا ہر حال میں ذکر کرنا چاہیے:

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ أَحْيَانِهٖ))

(رواہ مسلم: باب ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي حَالِ الْجَنَابَةِ وَغَيْرِهَا)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں ﷺ کو حق کی شہادت دینے والا، بشیر اور نذیر بنا کر مبعوث فرمایا۔
۲۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اللہ اور آپ ﷺ پر ایمان لائیں۔
۳۔ لوگوں کا فرض ہے کہ وہ نبی آخر الزماں کی مدد کریں۔ ۴۔ ایمانداروں کا فرض ہے کہ وہ آپ ﷺ کی تعظیم کرتے رہیں۔
۵۔ ایمان داروں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صبح وشام تسبیح کیا کریں۔

تفسیر بالقرآن

نبی آخر الزماں ﷺ کی عالمگیر نبوت اور اس کے تقاضے:

۱۔ اے رسول اعلان فرمائیں کہ ''اللہ'' نے مجھے تمام لوگوں کے لیے رسول منتخب فرمایا ہے۔ (الاعراف:۱۵۸)
۲۔ آپ ﷺ پوری دنیا کے رسول ہیں۔ (سباء:۲۸) ۳۔ رسول اللہ ﷺ مبشر اور نذیر ہیں۔ (الاحزاب:۴۵)
۴۔ رسول اللہ ﷺ پوری دنیا کے لیے رحمتِ عالم ہیں۔ (الانبیاء:۱۰۷) ۵۔ رسول اللہ خاتم النبیین ہیں۔ (الاحزاب:۴۰)
۶۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو نبوت اور حکمت عنایت فرمائی۔ (الجمعہ:۲)
۷۔ آپ ﷺ کی نبوت مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے۔ (آلِ عمران:۱۶۴)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	يُبَايِعُوْنَكَ	اِنَّمَا	يُبَايِعُوْنَ	اللّٰهَ ؕ
بلاشبہ	وہ لوگ جو	آپ سے بیعت کرتے ہیں	بس	وہ بیعت کرتے ہیں	اللہ سے
يَدُ اللّٰهِ	فَوْقَ	اَيْدِيْهِمْ ۚ	فَمَنْ	نَّكَثَ	فَاِنَّمَا
اللہ کا ہاتھ	اوپر ہے	ان کے ہاتھوں کے	پھر جس نے	عہد شکنی کی	تو بس
يَنْكُثُ	عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ	وَمَنْ	اَوْفٰى	بِمَا	عٰهَدَ
وہ عہد شکنی کرے گا	اپنی ذات کے خلاف	اور جس نے	پورا کیا	اس کو جو	عہد کیا تھا اس نے
عَلَيْهُ	اللّٰهَ	فَسَيُؤْتِيْهِ	اَجْرًا	عَظِيْمًا ﴿١٠﴾	
اس پر	اللہ سے	عنقریب وہ دے گا اس کو	اجر	بہت بڑا	

ع ۱

''اے نبی بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں دراصل وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں، ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا، جو اس عہد کو توڑے گا اس کی عہد شکنی کا وبال اسی پر ہو گا اور جو اللہ سے کیے ہوئے عہد کی پاسداری کرے گا۔ اللہ بہت جلد اسے بڑا اجر عطا فرمائے گا۔'' (۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی ﷺ کی تعظیم اور تکریم کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ آپ کی اطاعت کی جائے اس لیے آپ ﷺ کی اطاعت کی فضیلت اور اس کا اجر بیان کیا گیا ہے۔

آپ ﷺ سے جو لوگ بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر تھا۔ جو بیعت کرنے کے بعد اسے توڑ دے اس کا نقصان اسی کو ہوگا اور جو بیعت کر کے اس پر قائم رہے اللہ تعالیٰ اسے بہت جلد اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ بعض مفسرین نے اس بیعت سے مراد دائرہ اسلام میں داخل ہونے والی بیعت لی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس بیعت کے تقاضے بھی وہی ہیں جو اس بیعت کے ہیں جس کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر چودہ سو (۱۴۰۰) صحابہ کرام ﷺ نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اس کے بارے میں ارشاد ہوا کہ جو لوگ آپ کی بیعت کر رہے تھے درحقیقت وہ اپنے رب سے بیعت کرتے تھے کیونکہ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر تھا۔ قرآن مجید میں اور بھی مقامات پر اس طرح کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ جس میں رسول ﷺ کے کام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ہوا کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ (النساء:۸۰) دوسرے مقام پر ارشاد ہوا کہ آپ نے کفار کی طرف مٹی نہیں پھینکی حقیقت میں اللہ نے ان کی طرف مٹی پھینکی تھی۔ (الانفال:۱۷)

اس بیعت کے بارے میں ایک مفسر نے کسی حوالے کے بغیر لکھا ہے کہ یہ بیعت عام طریقہ سے ہٹ کر کی گئی تھی۔ بیعت کرنے والے کا ہاتھ نیچے ہوتا تھا اور نبی کریم ﷺ اس کے ہاتھ پر اپنا دستِ مبارک رکھتے تھے۔ جس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر تھا۔ اگر اس طرح بیعت نہ بھی کی گئی ہو تو یہ ایک اسلوبِ بیان ہے جس کے مطابق ہر زبان میں یہ بات کہی جاتی ہے۔ کہ فلاں کے سر پر اللہ کا ہاتھ ہے جس وجہ سے اب تک وہ اپنے دشمنوں سے بچا ہوا ہے۔ بہرحال صلح حدیبیہ کے مقام پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو بیعت کی انہوں نے اس کی وفا کا حق ادا کر دیا۔ اس وفا کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں نہ صرف مکہ والوں پر برتری عطا فرمائی بلکہ ٹھیک تین مہینے بعد ان کے ہاتھوں خیبر فتح ہوا جس میں بے شمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین میں ہزاروں کی تعداد میں بھیڑ بکریاں اور سینکڑوں کی تعداد میں دشمن کے قیدی مسلمانوں کے غلام بنے جن کو نبی علیہ السلام نے بہت جلد آزاد کر دیا۔ تفصیل کے لیے کسی مستند سیرت کی کتاب کا مطالعہ فرمائیں!

مسائل

۱۔ صلح حدیبیہ کے مقام پر ہونے والی بیعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔
۲۔ بیعت اور عہد توڑنے والا اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔
۳۔ جس نے اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کی پاسداری کی اللہ تعالیٰ اسے اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو اجرِ عظیم عطا فرمائے گا:

۱۔ ”اللہ“ نیک لوگوں کو ان کے اعمال کا بہترین صلہ دے گا۔ (التوبہ:۱۲۱)
۲۔ ”اللہ“ صابر لوگوں کو ان کے صبر کی بہترین جزا دے گا۔ (النحل:۹۶)
۳۔ ”اللہ“ نیکوں کو ان کے اعمال سے بہتر جزا دے گا۔ (العنکبوت:۷)
۴۔ ”اللہ“ اپنے فضل سے مزید اجر عطا کرے گا۔ (النور:۳۸)
۵۔ ہم ان کے اعمال کا انہیں بہتر صلہ عطا کریں گے۔ (النحل:۹۷)
۶۔ ہم ایمان لانے والوں کو ان کا اجر دیں گے۔ (الحدید:۲۷)
۷۔ صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کے اجر دیا جائے گا۔ (الزمر:۱۰)
۸۔ ایمان لانے والوں، نماز قائم کرنے والوں اور زکوٰۃ دینے والوں کے لیے اللہ کے ہاں اجر ہے۔ (البقرۃ:۲۷۷)

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا
عنقریب کہیں گے آپ سے جو پیچھے چھوڑ دیے گئے دیہاتیوں سے ہمیں مشغول کر دیا ہمارے مالوں

وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا
اور ہمارے اہل وعیال نے آپ ہمارے لیے مغفرت طلب کریں وہ کہتے ہیں اپنی زبانوں سے جو

لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ
نہیں ہے ان کے دلوں میں آپ فرمائیں کون ہے جو اختیار رکھتا ہے تمہارے لیے اللہ سے

شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ؕ
کسی بات کا اگر وہ ارادہ کرے تمہارے ساتھ نقصان کا یا وہ ارادہ کرے تمہارے ساتھ فائدے کا

اے نبی! دیہاتیوں میں سے جو پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے۔ وہ ضرور آپ سے کہیں گے کہ ہمیں ہمارے اموال اور بال بچوں نے مشغول کر دیا۔ آپ ہمارے لیے مغفرت کی دعا کریں یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں۔ ان سے فرمائیں کہ کون تمہارے معاملہ میں اللہ سے کسی چیز کا اختیار رکھتا ہے اگر وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے یا نفع دینا چاہے؟

فہم القرآن

ربطِ کلام: بیعت رضوان سے پہلے منافقین کی سوچ اور کردار۔

کئی مفسرین نے یہ بات تحریر کی ہے کہ نبی معظم ﷺ نے عمرہ کی غرض سے جانے سے پہلے مکہ کے گرد ونواح کے قبائل کو پیغام بھیجا کہ ہم فلاں دن عمرہ کی غرض سے مکہ کا سفر کرنے والے ہیں۔ آپ لوگوں کو بھی ہمارا ہمسفر ہونا چاہیے۔ اس اطلاعِ عام کا مقصد یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سفر میں شرکت کرسکیں تاکہ مکہ والے کسی منفی ردِعمل کا اظہار نہ کر پائیں۔ لیکن اکثر قبائل نے یہ سوچ کر شرکت نہ کی کہ رسول ﷺ اور مسلمان جس سفر پر جا رہے ہیں اس سے کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ جن قبائل نے اس سفر میں شمولیت سے انکار کیا وہ اپنے دل میں بہت خوش تھے کہ ہم نے اپنے آپ کو ہلاکت سے بچا لیا ہے۔ حالانکہ حقیقت میں ان کی بزدلی اور منافقت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس عظیم سعادت سے محروم رکھا ہے ان کے لیے ”مُخَلَّفِيْنَ“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کا معنٰی ہے پیچھے چھوڑ دیئے جانے والے۔ یہ لوگ اپنے دلوں میں نبی علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کے بارے میں کئی قسم کے نقصانات کی توقع رکھتے تھے اس سوچ کا سبب یہ تھا کہ یہ لوگ بنیادی طور پر بُرے اور ہلاکت میں مبتلا ہونے والے تھے۔ ان کی بُری سوچ کی بنیاد یہ تھی کہ اہلِ مکہ اس قدر طاقتور ہیں کہ انہوں نے بدر کا معرکہ مکہ سے

بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ⑪ بَلْ ظَنَنْتُمْ

بلکہ ہے اللہ اس سے جو تم عمل کرتے ہو خوب خبردار بلکہ تم نے گمان کیا تھا

اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا

یہ کہ ہرگز نہیں لوٹے گا رسول اور مومن (جمع) اپنے اہل کی طرف کبھی بھی

وَّ زُيِّنَ ذٰلِكَ فِىْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۖ

اور خوبصورت کر دی گئی تھی یہ بات تمہارے دلوں میں اور تم نے گمان کرلیا گمان برا

وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ⑫ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

اور تم تھے لوگ ہلاک ہونے والے اور جو شخص نہیں ایمان لایا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ

بلکہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔(۱۱) بلکہ تم نے یوں سمجھا کہ رسول اور مومنین اپنے گھروالوں میں واپس نہیں آئیں گے اور یہ خیال تمہارے دلوں کو بہت اچھا لگا اور تم نے بہت بُرے گمان کیے ۔تم تو ہلاک ہونے والے لوگ ہو۔(۱۲) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں رکھتے ۔

تقریباً ساڑھے تین سو کلو میٹر کا سفر کر کے مدینہ کے قریب آ کر لڑا ۔اُحد میں انہوں نے مدینہ پہنچ کر جنگ کی اور مسلمانوں کو بھاری جانی اور مالی نقصان پہنچایا ۔غزوہ خندق کے موقع پر مکہ والوں نے مسلمانوں کو مدینہ میں محصور کردیا اور مسلمانوں نے خندق کھود کر اپنی جانیں بچائیں۔ اس صورت حال کے پیشِ نظر منافقین اور کمزور ایمان والے دیہاتیوں کا خیال تھا کہ مسلمان خالی ہاتھ مکہ کے شیروں کے منہ میں ہاتھ ڈالنے جارہے ہیں۔ لہٰذا یہ اپنے اہل وعیال میں کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ اس لیے دیہات کے منافقین اور کمزور ایمان والے لوگوں نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ ہم اپنے مال مویشی اور اہل وعیال کے غیر محفوظ ہونے کی وجہ سے اس سفر میں شرکت نہیں کرسکتے ۔ آپ ﷺ سے درخواست ہے کہ ہماری عدمِ شرکت پر اللہ سے دعا کریں کہ ہماری اس کمزوری کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے ۔ ان کے بہانوں اور منافقت کے بارے میں آپ علیہ السلام کو ان الفاظ میں آگاہ کیا گیا کہ یہ لوگ اپنی زبان سے آپ کے سامنے معذرت اور استغفار کی درخواست کرتے ہیں حالانکہ ان کے دلوں میں سفر میں عدمِ شرکت کے گناہ کا کوئی احساس نہیں ان کی معذرت اور استغفار کی درخواست جھوٹ کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتی ۔جہاں تک ان کے اس بہانے کا تعلق ہے کہ ہمارے مال اور اہل وعیال غیر محفوظ ہیں ۔ان کو بتلائیں کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے تو کون ہے جو تمہارے مویشیوں کو موت کے منہ سے بچا سکے گا؟ اگر تمہارے اہل وعیال پر کوئی مصیبت نازل کرے تو پھر کون انہیں اس مصیبت سے محفوظ رکھ سکتا ہے ؟اگر وہ تمہاری کھیتیوں اور باغات پر کوئی آفت نازل کر دے تو ان کو ویران ہونے سے کون بچائے گا؟ یارکھو! اگر اللہ تعالیٰ تمہیں نفع پہنچانا چاہے تو کوئی

فَاِنَّآ اَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ سَعِيۡرًا ⑬ وَلِلّٰهِ مُلۡكُ

بلاشبہ ہم نے تیار کی ہے کافروں کے لیے بھڑکتی آگ اور اللہ ہی کے لیے بادشاہی ہے

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ‌ؕ

آسمانوں اور زمین کی وہ بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے اور عذاب دینا جسے چاہتا ہے

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ⑭

اور ہے اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا

ایسے کافروں کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔(۱۳) آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا مالک اللہ ہے، جسے چاہے معاف کرے اور جسے چاہے عذاب دے اور وہ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔''(۱۴)

تمہیں نقصان نہیں دے سکتا۔ یہ بات بتلانے کے بعد کہ نفع ونقصان صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ بھی بتلا دیا گیا کہ اگر تم اس سفر میں شریک ہوتے تو یقیناً دنیا و آخرت میں نفع پاتے۔لیکن تم اپنی منافقت اور بُزدلی کی وجہ سے عظیم ثواب اور مستقبل کے فائدے سے محروم ہو چکے ہو۔ ہمیشہ یاد رکھو کہ تم جو عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح واقف ہوتا ہے۔جو لوگ سچے دل کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں رکھتے وہ کافر ہیں اور کفار کے لیے اللہ تعالیٰ نے جلادینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ زمینوں اور آسمانوں کی بادشاہت ''اللہ'' کے ہاتھ میں ہے۔ جسے چاہے معاف فرمائے اور جسے چاہے سزا سے دوچار کرے۔حقیقت یہ ہے اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔یہ فرما کر منافقین کو ایک دفعہ پھر موقع دیا گیا کہ اگر تم سچے دل کے ساتھ تائب ہوجاؤ اور اخلاص کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمادے گا کیونکہ وہ معاف کرنے والا نہایت ہی مہربان ہے۔اگر تم ایسا نہیں کرتے تو تمہیں اذیت ناک عذاب کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

﴿يُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَمَا يَخۡدَعُوۡنَ اِلَّآ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ○ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ بِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ﴾ (البقرة: ۹، ۱۰)

''وہ اللہ تعالیٰ اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں مگر حقیقت میں وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور وہ شعور نہیں رکھتے۔ان کے دلوں میں بیماری ہے اللہ نے انہیں بیماری میں زیادہ کر دیا ہے اور انہیں دردناک عذاب ہوگا کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أُوقِدَ عَلَى النَّارِ أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى احْمَرَّتْ ثُمَّ أُوقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى ابْيَضَّتْ ثُمَّ أُوقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى اسْوَدَّتْ فَهِيَ سَوْدَاءُ

مُظْلِمَةٌ)) (رواہ الترمذی: کتاب صفة جهنم، قال البانی ضعیف)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک ہزار سال تک دوزخ کی آگ کو بھڑکایا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی پھر اس کو ایک ہزار سال تک جلایا گیا تو وہ سفید ہوگئی پھر اس کو ایک ہزار سال جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہوگئی اب اس کا رنگ سیاہ ہے۔''

مسائل

١۔ اسلام اور مسلمانوں پر مشکل کے وقت آئے تو منافق جھوٹے بہانوں کے ذریعے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

٢۔ منافق دنیاوی نفع ونقصان کی بنیاد پر اسلام اور مسلمانوں کا ساتھ دیتے ہیں۔

٣۔ منافق ہمیشہ اسلام اور دین کی حمایت میں نقصان اٹھانے سے ڈرتے ہیں۔

٤۔ منافق ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے نقصان پر خوش ہوتے ہیں۔

٥۔ منافق حقیقت میں ہلاکت میں پڑنے والے لوگ ہیں۔

٦۔ اللہ اور اس کے رسول پر اخلاص کے ساتھ ایمان نہ لانے والے لوگ حقیقت میں کافر ہوتے ہیں اور کفار کے لیے اللہ تعالیٰ نے جلا دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

٧۔ زمینوں اور آسمانوں کی بادشاہی اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے معاف فرمادے اور جسے چاہے عذاب دے۔

٨۔ اللہ تعالیٰ سچی توبہ کرنے والے کو معاف کر دیتا ہے کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی نفع اور نقصان کا مالک ہے:

١۔ کیا تم اللہ کے سوا دوسروں کو خیر خواہ سمجھتے ہو۔ جو اپنے بھی نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں۔ (الرعد: ١٦)

٢۔ میں اپنے نفع ونقصان کا بھی مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے؟ (یونس: ٤٩)

٣۔ کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں؟ (المائدۃ: ٧٦)

٤۔ اگر اللہ تمہیں نفع ونقصان میں مبتلا کرنا چاہے تو کون ہے جو اس سے بچا سکے۔ (الفتح: ١١)

٥۔ معبودانِ باطل اپنی جانوں کے نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں۔ (الفرقان: ٣)

٦۔ فرما دیجیے میں اپنے نفع ونقصان کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ (الاعراف: ١٨٨)

٧۔ (اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرما دیں کہ مجھے تمہارے کسی نفع ونقصان کا اختیار نہیں ہے۔ (الجن: ٢١)

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا

عنقریب کہیں گے وہ لوگ جو پیچھے چھوڑ دیے گئے جب تم چلو گے غنیمتوں کی طرف تا کہ تم انہیں حاصل کرو

ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ

چھوڑو ہمیں ہم تمہارے ساتھ چلیں وہ ارادہ کرتے ہیں یہ کہ بدل دیں اللہ کا کلام

قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ

فرما دیجیے ہرگز نہیں تم چلو گے ہمارے ساتھ اسی طرح تمہارے متعلق کہہ دیا ہے اللہ نے اس سے پہلے

فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝١٥

پھر یقیناً وہ کہیں گے بلکہ تم حسد کرتے ہو ہم سے بلکہ ہیں وہ نہیں سمجھتے مگر تھوڑا

”جب تم مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے جانے لگو گے تو پیچھے چھوڑے جانے والے لوگ آپ سے ضرور کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو، یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے فرمان کو بدل دیں، ان سے صاف طور پر کہیں کہ تمہارے بارے میں اللہ کا حکم ہے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے یہ کہیں گے کہ بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کر رہے ہو، بلکہ یہ لوگ صحیح بات کو کم سمجھتے ہیں۔(۱۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافق اور بہانہ ساز لوگ مشکل وقت میں پیچھے رہتے ہیں اور مفاد کے وقت آگے آگے ہوتے ہیں۔ نبی علیہ السلام کے دور کے منافقین کا یہی کردار تھا جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔

اسی سورت کی آیت ۱۰ کے آخر میں ارشاد ہوا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ دنیا میں اجرِ عظیم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجاہدین کو فتح سے سرفراز فرمائے گا اور مالِ غنیمت سے ہمکنار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کے مقام پر بیعت کرنے والوں کو مالِ غنیمت کی خوشخبری دینے کے ساتھ اس موقعہ پر پیچھے رہنے والوں کا کردار بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم غنیمتیں حاصل کرنے کے لیے چلو گے تو جو لوگ اس سے پیچھے رہ گئے ہیں وہ کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت عنایت فرمائیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ کے فرمان کو تبدیل کر دیں جو ہرگز تبدیل نہیں ہوگا۔ لہٰذا ان سے فرما دیں کہ تم ہمارے ساتھ ہرگز نہیں جا سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پہلے ہی تمہیں اپنے ساتھ لے جانے سے منع کر دیا ہے۔ اس پر یاوہ گوئی کریں گے کہ تم تو ہمارے ساتھ حسد کرتے ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ بہت کم حقیقت کو سمجھتے ہیں۔ حدیبیہ سے پیچھے رہنے والے دیہاتیوں کو یہ بھی فرما دیں کہ عنقریب تمہیں اپنی قوم سے جہاد کرنے کے لیے بلایا جائے گا جو بڑی جنگجو قوم ہے۔ تم ان کے ساتھ شدید جنگ کرو گے یا وہ اسلام لے آئیں گے۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ

فرما دیجئے پیچھے چھوڑے جانے والوں کیلئے دیہاتیوں سے عنقریب تم بلائے جاؤ گے ایک قوم کی طرف

اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا

جولڑنے والی ہے سخت تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے پھر اگر تم اطاعت کرو گے

يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا

تو تمہیں دے گا اللہ اجر اچھا اور اگر تم پھر جاؤ گے جیسا کہ

تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦﴾

تم پھر گئے اس سے پہلے تو وہ عذاب دے گا تمہیں دردناک عذاب

ان پیچھے چھوڑے جانے والے بدوی عربوں سے کہنا کہ عنقریب تمہیں ایسے لوگوں سے لڑنے کے لیے بلایا جائے گا جو بڑے زور آور ہیں تم کو ان سے جنگ کرنی ہو گی یا وہ مطیع ہو جائیں گے اس وقت اگر تم نے حکم جہاد کی اطاعت کی تو اللہ تمہیں اچھا اجر دے گا، اور اگر تم پھر اسی طرح منہ موڑ گئے جس طرح پہلے موڑ چکے ہو تو اللہ تم کو دردناک سزا دے گا۔" (١٦)

اگر تم اس جنگ میں شریک ہوکر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین اجر دے گا۔ اگر تم پہلے کی طرح منہ پھیر جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ جن غنائم کی اس موقعہ پر مسلمانوں کو خوشخبری دی گئی ہے ان کے بارے میں تمام مفسرین کا خیال ہے کہ یہ خیبر کے غنائم ہیں۔ خیبر کا معرکہ صلح حدیبیہ کے ٹھیک تین ماہ بعد پیش آیا۔ یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے نو قلعے تھے۔ یہاں وہ یہودی بھی آباد تھے جنہیں بار بار بدعہدی کرنے اور گھناؤنی سازشوں کی وجہ سے مدینہ سے نکال دیا گیا تھا یہ لوگ خیبر میں رہائش پذیر ہوکر اسلامی ریاست کے خلاف سازشیں اور شرارتیں کرتے رہتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد اہلِ مکہ اور اس کے گردو پیش کے قبائل سے قدرے اطمینان حاصل ہوا تو آپ ﷺ نے ضروری سمجھا کہ خیبر کے یہودیوں کی سرکوبی کی جائے۔ آپ نے چند مسلمانوں کو چھوڑ کر انہی لوگوں کو شریکِ سفر کیا جنہوں نے صلح حدیبیہ کے وقت آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ جب آپ ﷺ حدیبیہ میں بیعت کرنے والوں کے ساتھ خیبر کی طرف نکلے تو مدینہ اور اس کے اردگرد رہنے والے منافق اور کچھ دوسرے لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ ہمیں بھی اس سفر میں شریک کیا جائے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ جب اہلِ مکہ مسلمانوں کے ساتھ صلح کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں تو یہودی کس طرح مسلمانوں کا مقابلہ کرسکیں گے اس لیے خیبر کی فتح یقینی ہے۔ اس یقین کی بنا پر صلح حدیبیہ سے پیچھے رہنے والے لوگ آپ ﷺ سے بار بار التجا کرتے رہے کہ ہمیں بھی اس جنگ میں شریک کیا جائے لیکن آپ نے انہیں اجازت

نہ دی ۔آپ نے اس تیز رفتاری کے ساتھ خیبر کی طرف پیش قدمی کی اور اس کا محاصرہ کیا کہ خیبر والوں کو آپ کی آمد کی خبر نہ ہوسکی ۔ خیبر کے لوگ صبح کے وقت کھیتی باڑی کے لیے نکلے تو آپ کا لشکر دیکھ کر ششدر رہ گئے ۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اورارشاد فرمایا۔

((عَنْ أَنَسٍ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَتَى خَيْبَرَ لَيْلاً وَكَانَ إِذَا أَتَى قَوْمًا بِلَيْلٍ لَمْ يُغِرْ بِهِمْ حَتَّى يُصْبِحَ فَلَمَّا أَصْبَحَ خَرَجَتِ الْيَهُودُ بِمَسَاحِيهِمْ وَمَكَاتِلِهِمْ فَلَمَّا رَأَوْهُ قَالُوا مُحَمَّدٌ وَاللّٰهِ مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيسُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ)) (رواه البخاری: باب غزوة خيبر)

”حضرت انس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ رات کے وقت خیبر میں داخل ہوئے ۔آپ کا معمول تھا کہ جب بھی کسی قوم کی طرف رات کے وقت پیش قدمی کرتے تو صبح تک حملہ نہ کرتے۔ جب صبح ہوئی تو یہودی اپنے بیلچے اورکلہاڑے لے کر نکلے۔ انہوں نے آپ کو دیکھا تو کہنے لگے کہ اللہ کی قسم محمد ﷺ لشکر سمیت آچکے ہیں ۔ نبی معظم ﷺ نے فرمایا کہ خیبر والے تباہ وبرباد ہوگئے۔ جب بھی ہم کسی قوم پر داخل ہوتے ہیں تو ڈرائے جانے والوں کی صبح بُری ہوتی ہے ۔“

یہودی خوف زدہ ہوکر اپنے قلعوں میں بند ہوگئے ۔اور ان کے پاس بیس ہزار جنگجو فوج کا لشکر تھا لیکن مسلمانوں کا مقابلہ نہ کرسکے ۔مسلمانوں نے قلعہ قموص کے سوا باقی قلعے یکے بعد دیگرے فتح کرلیے ۔قلعہ قموص کا نگران خیبر کا مشہور پہلوان اورجنگجو مرحب تھا جس کی کمان میں یہودیوں نے بیس دن تک اپنا دفاع کیا جس وجہ سے باربار مسلمانوں کو پسپا ہونا پڑا ۔قریب تھا کہ مسلمانوں میں مایوسی پیدا ہوجائے لیکن نبی معظم ﷺ نے مسلمانوں کا حوصلہ بلند رکھنے کے لیے اعلان فرمایا کہ کل صبح ایسے شخص کو پرچم دیا جائے گا جسے اللہ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں اور وہ اللہ اوراس کے رسول کو پسند کرتا ہے ۔(رواہ مسلم : باب مِنْ فَضَائِلِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ)

بالآخر قلعہ قموص فتح ہوا اوریہودیوں کی زمین ، باغات اور بہت سامال مسلمانوں کے ہاتھ آیا جسے مجاہدین اورحبشہ کے مہاجرین میں تقسیم کیا گیا۔

جنگجو قوم کے ساتھ مقابلہ :

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ (الفتح: ١٦)

”ان پیچھے چھوڑے جانے والے بدوی عربوں سے کہنا کہ عنقریب تمہیں ایسے لوگوں سے لڑنے کے لیے بلایا جائے گا جو بڑے زور آور ہیں تم کو ان سے جنگ کرنا ہوگی یا وہ مطیع ہو جائیں گے اس وقت اگر تم

نے حکم جہاد کی اطاعت کی تو اللہ تمہیں اچھا اجر دے گا، اور اگر تم پھر اسی طرح منہ موڑ گئے جس طرح پہلے موڑ چکے ہو تو اللہ تم کو دردناک سزا دے گا۔‘‘

مفسرین نے جنگجو قوم سے مراد ہوازن قبیلہ کے لوگ لیے ہیں ۔ ان کے ساتھ جو معرکہ ہوا وہ غزوہ حنین کے نام سے مشہور ہے ۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَا یَفْتُرُ مِنْ صِیَامٍ وَّلَا صَلٰوةٍ حَتّٰی یَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ)) (رواه مسلم : کتاب الامارة ، باب فضل الشهادة فی سبیل اللّٰه)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا اس شخص کی طرح ہے، جو مسلسل روزے رکھتا ہے اور اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا اور قیام کرتا ہے۔ نفلی روزے اور نماز میں کوتاہی نہیں کرتا ۔ حتی کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا مجاہد واپس لوٹ آئے ۔‘‘

مسائل

۱۔ جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بہترین اجر عطا فرمائے گا۔
۲۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے منہ پھیر لیا اللہ تعالیٰ اسے اذّیت ناک سزا دے گا۔
۳۔ منافق غنیمت حاصل کرنے کے لیے جہاد میں شریک ہوتے ہیں ۔۴۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو کوئی نہیں بدل سکتا ۔

تفسیر بالقرآن

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے انہیں بہترین اجر دیا جائے گا:

۱۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ایمان کی نشانی ہے ۔ (الانفال: ۱)
۲۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت باعث رحمت ہے ۔ (التوبہ: ۷۱)
۳۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والے ہی کامیاب ہوں گے ۔ (النور: ۵۲)
۴۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے کو جنّت میں داخل کیا جائے گا ۔ (النساء: ۱۳)
۵۔ اطاعت رسول سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (آل عمران: ۳۱)
۶۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہدایت کا منبع ہے ۔(النور: ۵۴)
۷۔ جنّت میں داخلے کا معیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے ۔(الفتح: ۱۷)
۸۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی رسول اللہ کی اطاعت میں ہے۔ (آل عمران: ۱۳۲)
۹۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والے انبیاء، صلحاء شہداء، اور سچے لوگوں کے ساتھ ہوں گے ۔ (النساء: ۶۹)

لَيْسَ	عَلَى الْاَعْمٰى	حَرَجٌ	وَّلَا	عَلَى الْاَعْرَجِ	حَرَجٌ	
نہیں ہے	اندھے پر	کوئی حرج	اور نہ	لنگڑے پر	کوئی حرج	
وَّلَا	عَلَى الْمَرِيْضِ	حَرَجٌ ؕ	وَ	مَنْ	يُّطِعِ	اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ
اور نہ	مریض پر	کوئی حرج	اور	جوکوئی	اطاعت کرے	اللہ اور اس کے رسول کی
يُدْخِلْهُ	جَنّٰتٍ	تَجْرِيْ	مِنْ تَحْتِهَا	الْاَنْهٰرُ ۚ	وَمَنْ	
تو وہ داخل کرے گا اس کو	ایسے باغات میں	کہ جاری ہیں	ان کے نیچے سے	نہریں	اور جو	
يَّتَوَلَّ	يُعَذِّبْهُ	عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٧﴾				
پھرے گا	تو وہ اسے عذاب دے گا	دردناک عذاب				

”اندھا اور لنگڑا اور مریض جہاد کے لیے نہ جائے تو ان پر کوئی گناہ نہیں، جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی اور جو منہ پھیرے گا۔ اُسے اللہ دردناک عذاب دے گا۔“ (١٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلی آیت میں جہاد میں شمولیت نہ کرنے والوں کو اذّیت ناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔اب ان لوگوں کو مستثنٰی قرار دیا جاتا ہے جو جہاد کرنے سے معذور ہیں۔

اندھے لنگڑے اور مریض پر جہاد فرض نہیں۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور قتال فی سبیل اللہ سے جان بوجھ کر اعراض کیا اللہ تعالیٰ اسے اذّیت ناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اس فرمان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قتال فی سبیل اللہ ہر مسلمان پر فرض نہیں ۔اسی اصول کے پیشِ نظر نبی کریم ﷺ نے کچھ لوگوں کو قتال فی سبیل اللہ میں شمولیت کی اجازت نہیں دی تھی ۔شرعی مجبوری کی وجہ سے قتال فی سبیل اللہ سے محروم رہنے والے کو یہ کہہ کر تسلی دی ہے کہ جو بھی اللہ اور اس رسول کی اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جنتوں میں داخل فرمائے گا۔

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ السَّاعِيْ عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوِ الْقَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ)) (رواہ البخاری: باب فضل النفقة علی الأهل)

”حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیوہ اور مسکین کی مدد کرنے والا۔ اللہ کی

راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا رات کو قیام اور دن کو روزہ رکھنے والے کی طرح ہے۔“

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَاسْتَاْذَنَهُ فِی الْجِهَادِ فَقَالَ اَحَیٌّ وَالِدَاكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ۔ (متفق عليه) وَفِیْ رِوَايَةٍ فَارْجِعْ اِلٰی وَالِدَيْكَ فَاَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا۔))(رواه البخاری: باب الجهاد بإذن الأبوين)

”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر جہاد کے لیے اجازت چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تیرے والدین زندہ ہیں ؟اس نے کہا،جی ہاں! آپ نے فرمایا پھران کی خدمت کرو۔ ایک روایت میں ہے واپس جا کران کی اچھی طرح خدمت کرو۔“

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے سال میں چودہ سال کا تھا، مجھے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا، آپ نے مجھے واپس کردیا۔ جنگِ خندق کے سال میں پندرہ سال کا ہوا۔ آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت عطا فرمائی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا یہ مجاہد اورکم عمر والوں کے درمیان فرق ہے۔“(رواه البخاری: باب إِذَا زَكّٰی رَجُلٌ رَجُلاً كَفَاهُ)

مسائل

١۔ نابینا ،لنگڑا اورمریض قتال فی سبیل اللہ سے مستثنیٰ ہیں

٢۔ جوبھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جنّت میں داخل فرمائے گا۔

٣۔ جس نے اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت نہ کی اور قتال فی سبیل اللہ کا انکار کیا اسے اذّیت ناک عذاب دیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن کن لوگوں کواذّیت ناک عذاب ہوگا:

١۔ منافقوں کے دلوں میں بیماری ہے ان کو دردناک عذاب ہوگا۔ (البقرۃ: ٧)

٢۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرنے والے کو دردناک عذاب ہوگا۔ (البقرۃ: ١٠٤)

٣۔ اللہ کی آیات چھپانے اور فروخت کرنے والے کو دردناک عذاب ہوگا ۔ (البقرۃ: ١٧٤)

٤۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (الدہر:٣١)

٥۔ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرنے والے اور انبیاء کوقتل کرنے والوں کو دردناک عذاب ہوگا۔ (آل عمران: ٢١)

٦۔ اللہ کے عہد اور قسموں کوفروخت کرنے والوں کو دردناک عذاب ہوگا۔ (آل عمران: ٧٧)

٧۔ ایمان کے بدلے کفرکو کرنے والوں کو دردناک عذاب ہوگا۔ (آل عمران: ١٧٧)

لَقَدْ	رَضِيَ	اللّٰهُ	عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ	اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ
البتہ تحقیق	راضی ہوگیا	اللہ	مومنوں سے	جب وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے
تَحْتَ الشَّجَرَةِ	فَعَلِمَ	مَا	فِيْ قُلُوْبِهِمْ	فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ
درخت کے نیچے	اس نے جان لیا	جو	ان کے دلوں میں ہے	اس نے نازل کی تسکین
عَلَيْهِمْ	وَاَثَابَهُمْ	فَتْحًا قَرِيْبًا ۝١٨	وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً	يَّاْخُذُوْنَهَا
ان پر	اور دی انہیں	فتح قریب	اور غنیمتیں بہت زیادہ	کہ وہ ان کو حاصل کریں گے
وَكَانَ	اللّٰهُ	عَزِيْزًا	حَكِيْمًا ۝١٩	
اور ہے	اللہ	غالب	حکمت والا	

”اللہ مومنوں سے خوش ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ ﷺ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے دلوں کا حال اللہ کو معلوم تھا اس لیے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی اور ان کو بہت جلد فتح سے نوازے گا۔(١٨) اور بہت سا مالِ غنیمت عطا کرے گا جسے وہ حاصل کریں گے۔ اللہ زبردست اور بڑا حکمت والا ہے۔“(١٩)

فہم القرآن

ربطِ کلام: معذور لوگوں کو جہاد سے مستثنیٰ قرار دینے کے بعد جہاد میں شریک ہونے والے مجاہدین کے لیے انعام کا اعلان۔

قرآن مجید کا یہ بھی اسلوبِ بیان ہے کہ کبھی واقعہ کی جزئیات پہلے بیان کی جاتی ہیں اور اس کا مرکزی مضمون بعد میں ذکر کیا جاتا ہے تاکہ پڑھنے والے کے دل میں جستجو پیدا ہو اور وہ فکری طور پر لحہ بہ لحہ آگے بڑھتا ہوا واقعہ کے مرکزی مضمون اور اس کی اصل روح تک پہنچ جائے۔ اس لیے صلح حدیبیہ سے پہلے رونما ہونے والے واقعات کا ذکر کیا اور اب واضح الفاظ میں صلح حدیبیہ کا ذکر کیا جاتا ہے جسے بیعتِ رضوان بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس صلح پر اپنی تائید اور خوشنودی کا اظہار فرما کر بیعت میں شامل ہونے والے مومنوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ مومنوں پر راضی ہوگیا جنہوں نے ایک درخت کے نیچے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے اخلاص کو جان چکا تھا اس لیے ان پر سکینت اور اطمینان نازل فرمایا اور بہت جلد انہیں فتح سے ہمکنار کیا جائے گا۔ بیعتِ رضوان کی قدرے تفصیل پچھلی آیت کی تفسیر میں گزر چکی ہے اس لیے اس مقام پر صرف اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔ نبی محترم ﷺ چودہ سو صحابہ ؓ کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی طرف نکلے تاکہ عمرہ ادا کیا جائے۔ لیکن کفار نے حرم کا احترام اور بین الاقوامی اخلاق کی پرواہ کیے بغیر آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ داخل ہونے کی اجازت نہ دی اس موقعہ پر دونوں طرف سے مذاکرات ہوئے بالآخر ایک معاہدہ طے پایا جس کی شرائط کا ذکر اسی سورت کی آیت ١٠ کی تفسیر میں ہو چکا ہے۔ جس میں چودہ سو صحابہ ؓ نے آپ کے ہاتھ پر اس

بات پر بیعت کی کہ ہم کٹ جائیں گے لیکن پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت کرتے اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کرفرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ گویا کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا یہ ایسا اعزاز ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سوا کسی صحابی کو نصیب نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر مسلمانوں پر درج ذیل انعامات فرمائے۔

((فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهِ الْيُمْنَى هٰذِهِ يَدُ عُثْمَانَ فَضَرَبَ بِهَا عَلَى يَدِهِ، فَقَالَ هٰذِهِ لِعُثْمَانَ)) (رواہ البخاری: بَابُ مَنَاقِبِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ أَبِي عَمْرٍو الْقُرَشِيِّ ﷺ)

”رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان کے موقع پر اپنے دائیں ہاتھ کو دیکھ کر فرمایا یہ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے آپ نے اس ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا کہ یہ عثمان کی طرف سے ہے۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے بیعت رضوان کرنے والوں کے دلوں کے خلوص کی گواہی دی

٢۔ اللہ تعالیٰ نے بیعت کرنے والے چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی رضامندی کا سرٹیفکیٹ دیا۔

٣۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینت نازل فرمائی جس بنا پر مسلمان تھوڑے اور نہتے ہونے کے باوجود مکہ والوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے ڈٹ گئے۔ ٤۔ اللہ تعالیٰ نے بیعتِ رضوان کرنے والوں کو بہت جلد مکہ کی فتح کی خوشخبری دی چنانچہ دو سال سے قبل مکہ فتح ہوگیا۔

٥۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سارا مالِ غنیمت عطا کرنے کی نوید سنائی جو صلح حدیبیہ کے بعد خیبر اور پھر مکہ کی فتح کے متصل بعد غزوہ حنین کے موقع پر صحابہ کو حاصل ہوئی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے:

١۔ ”اللہ“ اپنے ہر کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف:٢١)

٢۔ ”اللہ“ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے حکم دیتا ہے کہ ہوجا تو وہ کام ہوجاتا ہے۔ (البقرۃ:١١٧)

٣۔ ”اللہ“ اپنے بندوں پر غالب ہے اس نے اپنے بندوں کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ (الانعام:٦١)

٤۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے وہ غالب، حکمت والا ہے۔ (الحشر:١)

٥۔ جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے یقیناً اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (الانفال:٤٩)

٦۔ اللہ قوی اور غالب ہے۔ (المجادلہ:٢١) ٧۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (البقرۃ:٢٠)

٨۔ مدد تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوآتی ہے یقیناً اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (الانفال:١٠)

وَعَدَكُمُ	اللّٰهُ	مَغَانِمَ كَثِيْرَةً	تَاْخُذُوْنَهَا	فَعَجَّلَ	لَكُمْ
وعدہ کیا تم سے	اللہ نے	بہت سی غنیمتوں کا	تم حاصل کرو گے ان کو	اس نے جلد دیں	تمہیں

هٰذِهٖ	وَكَفَّ	اَيْدِيَ	النَّاسِ	عَنْكُمْ	وَلِتَكُوْنَ	اٰيَةً
یہ	اور اس نے روک دیے	ہاتھ	لوگوں کے	تم سے	اور تاکہ ہو	نشانی

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ	وَيَهْدِيَكُمْ	صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٢٠﴾	وَّاُخْرٰى	لَمْ	تَقْدِرُوْا
مومنوں کے لیے	اور وہ راہنمائی کرے تمہاری	صراطِ مستقیم کی طرف	اور دوسری	نہ	تم قادر ہوئے

عَلَيْهَا	قَدْ	اَحَاطَ	اللّٰهُ	بِهَا ؕ	وَكَانَ
ان پر	تحقیق	احاطہ کر رکھا ہے	اللہ نے	ان کا	اور ہے

”اللہ تم سے بہت سے مالِ غنیمت کا وعدہ کرتا ہے جسے تم جلد حاصل کرو گے، اس نے لوگوں کے ہاتھ تمہارے خلاف اُٹھنے سے روک دیئے تاکہ مومنوں کے لیے ایک نشانی بن جائے اور اللہ تمہاری سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرے۔(٢٠) اس کے علاوہ وہ تم سے اور غنیمتوں کا بھی وعدہ کرتا ہے جن پر تم ابھی قادر نہیں ہوئے ہو اور اللہ نے ان کو گھیر رکھا ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی رضا مندی کی خوشخبری دیتے ہوئے یہ بھی بتلا دیا کہ عنقریب تمہیں بہت سی غنیمتیں عطا کی جائیں گی۔

بیعتِ رضوان جن حالات میں ہوئی۔ کوئی آدمی یہ سوچ نہیں سکتا تھا کہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس قدر کامیابیاں عطا فرمائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس موقعہ پر چار انعامات سے سرفراز کیا گیا۔ اب ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تمہیں ہر صورت کثیر مالِ غنیمت عطا کرے گا۔ اسی نے اپنے فضل سے حدیبیہ کے مقام پر مکہ والوں کے ہاتھوں کو تمہاری طرف بڑھنے سے روک لیا تاکہ مومنوں کو اللہ کی قدرت کا نمونہ دکھایا جائے اور ان کی صحیح راستے کی طرف راہنمائی کی جائے۔

اللہ تعالیٰ تمہیں مزید نعمتیں عطا فرمائے گا جو اللہ تعالیٰ کے احاطہ اختیار میں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ یہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اہلِ مکہ تمہارے ساتھ لڑنے کی کوشش کرتے تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے اور پھر وہ کسی کو اپنا مددگار اور خیر خواہ نہ پاتے۔ صحیح راستے سے مراد یہ بھی ہے کہ صلح حدیبیہ کی شرائط تمہیں نہ پسند ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تمہاری راہنمائی فرمائی کہ تم بالآخر اس معاہدہ پر مطمئن ہوگئے۔ اس

اللّٰهُ	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	قَدِيْرًا ﴿٢١﴾	وَلَوْ	قٰتَلَكُمُ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا
اللہ	ہر چیز پر	خوب قادر	اور اگر	لڑتے تم سے	وہ لوگ جنہوں نے	کفر کیا
لَوَلَّوُا	الْاَدْبَارَ	ثُمَّ	لَا	يَجِدُوْنَ	وَلِيًّا	
یقیناً وہ پھیر جاتے	پیٹھیں	پھر	نہ	وہ پاتے	کوئی دوست	
وَّلَا	نَصِيْرًا ﴿٢٢﴾	سُنَّةَ اللّٰهِ	الَّتِيْ	قَدْ	خَلَتْ	مِنْ قَبْلُ ۚۖ
اور نہ	کوئی مددگار	اللہ کا طریقہ	وہ جو	تحقیق	گزر چکا ہے	اس سے پہلے
وَلَنْ	تَجِدَ	لِسُنَّةِ اللّٰهِ	تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾			
اور ہرگز نہیں	آپ پائیں گے	اللہ کے طریقے کے لیے	کوئی تبدیلی			

اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔(۲۱) کافر اگر اس وقت تم سے لڑتے تو یقیناً پیٹھ پھیر جاتے اور کوئی حامی ومددگار نہ پاتے۔(۲۲) یہ اللہ کا طریقہ ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے اور تم اللہ کے طریقہ میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔''(۲۳)

سے پہلی آیت میں کثیر غنیمت کی خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم اس کو حاصل کرنے والے ہو لیکن یہاں ''قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ'' کے الفاظ میں اشارہ کیا ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے ایسی غنیمتیں بھی سنبھال رکھی ہیں جن پر تمہاری دسترس نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون اور طریقہ ہے جو پہلے لوگوں سے چلا آتا ہے۔ آپ اللہ کے قانون اور طریقے میں تبدیلی نہیں پائیں گے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ سے تقریباً ساڑھے تین سو کلومیٹر دور ہونے کے ساتھ اسلحہ سے بھی خالی ہاتھ تھے سوائے چند تلواروں کے جو عرب کے لوگ روایتی طور پر سفر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ وطن سے دور اور اسلحہ سے خالی ہاتھ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے کفار پر صحابہ کا اس قدر رعب ڈال دیا کہ کفار نہ صرف معاہدہ کرنے پر مجبور ہوئے بلکہ وہ اس قدر خوفزدہ تھے کہ انہوں نے اپنی طرف سے معاہدے کی پیشکش کی کہ آئندہ سال جب مسلمان عمرہ کے لیے مکہ آئیں گے تو ہم تین دن کے لیے مکہ خالی کردیں گے تاکہ کسی قسم کے تصادم کا خطرہ باقی نہ رہے۔ اس صورتِ حال کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے تمہارا کفار پر رعب ڈال دیا۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کرنے کی کوشش کرتے تو یقیناً پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے اور اس صورت میں ان کی کوئی مدد اور خیرخواہی کرنے والا نہ ہوتا کیونکہ عرب کے قبائل بدر، اُحد اور خندق کے معرکوں میں جان چکے تھے کہ تینوں غزوات میں مسلمانوں کا پلڑا بھاری رہا ہے۔ اس لیے فرمایا ہے کہ مکہ والے اپنے لیے کوئی مددگار اور خیرخواہ نہ پاتے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا ضابطہ اور طریقہ ہے کہ جب وہ کسی قوم کو سزا دینے پر آتا ہے تو پھر کوئی زندہ یا مردہ اس کی مدد کرنے والا نہیں ہوتا اور یہی

کچھ اہلِ مکہ کے ساتھ ہوا کہ جب نبی ﷺ نے دو سال بعد مکہ والوں کی عہد شکنی کی وجہ سے مکہ کا محاصرہ کیا تو کسی ایک قبیلہ نے بھی اہلِ مکہ کی حمایت نہ کی۔مکہ فتح ہونے کے چند ہفتے بعد حنین فتح ہوا۔

غزوہ حنین میں مالِ غنیمت:

چھ (٦٠٠٠) ہزار قیدی ،چوبیس (٢٤٠٠٠) ہزار اونٹ،چالیس(٤٠٠٠٠) ہزار سے زائد بکریاں،چار(٤٠٠٠) ہزار اوقیہ چاندی(یعنی ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم) نبی ﷺ نے ان سب کو جمع کرنے کا حکم دیا پھر جعرانہ کے مقام پر مسعود بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں دے دیا۔جب غزوۂ طائف سے فارغ ہوئے تو اسے تقسیم فرمایا۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ کے مقام پر بیعت کرنے والوں کے ساتھ کثیر مال غنیمت عطا کرنے کا وعدہ کیا اوراسے پورا فرمایا۔
٢۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ والوں کے ہاتھ روک لیے تھے جس وجہ سے وہ صلح حدیبیہ کرنے پر مجبور ہو گئے ۔
٣۔ صلح حدیبیہ کے وقت اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو صحیح راستے پر قائم رکھا جس وجہ سے وہ حدیبیہ پر مطمئن ہوگئے۔
٤۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ۔٥۔ اللہ تعالیٰ کا ضابطہ اورطریقہ کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا طریقہ اورقانون یہ ہے کہ جب وہ کسی قوم کی پکڑ کرتا ہےتو پھراس کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوتا:

١۔ اللہ کا عذاب برحق ہے اورتم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے ۔(یونس:٥٣)
٢۔ اس دن وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گےلیکن اللہ کی پکڑ سے انہیں کوئی بچانے والانہیں ہوگا۔(المومن:٣٣)
٣۔ اگر اللہ کسی کو تکلیف دے تو کون ہے جو اُسے اس سے بچا سکے۔(الاحزاب:١٧)
٤۔ جسے اللہ رُسوا کرے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔(الحج:١٨)
٥۔ حضرت نوح نے اپنے بیٹے کوفرمایا کہ آج کے دن اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ (ھود:٤٣)
٦۔ جب اللہ کسی قوم پر مصیبت نازل کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی اور نہ کوئی بچانے والا ہوتا ہے۔(الرعد : ١١)
٧۔ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی بچانے والانہیں۔ (الرعد : ٣٤)
٨۔ اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑلیا اور انہیں بچانے والا کوئی نہیں تھا۔ (المومن: ٢١)
٩۔ اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچ سکتا مگر جس پر اللہ رحم فرمائے ۔ (ہود : ٤٣)

وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ

اور وہ جس نے روکے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے

بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ ؕ وَكَانَ

وادیٔ مکہ میں بعد اس کے کہ اس نے کامیابی دی تمہیں ان پر اور ہے

اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ﴿۲۴﴾ هُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

اللہ ساتھ اس کے جو تم عمل کرتے ہو خوب دیکھنے والا وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْیَ مَعْكُوْفًا اَنْ یَّبْلُغَ

اور انہوں نے روکا تمہیں مسجد حرام سے اور قربانی کے جانور (جمع) روکے گئے اس سے کہ وہ پہنچیں

”وہی ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک لیے حالانکہ اللہ تمہیں ان پر غلبہ عطا کر چکا تھا اور جو کچھ تم کر رہے تھے اللہ اسے دیکھ رہا تھا۔(۲۴) وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانوروں کو

فہم القرآن

ربطِ کلام: فتح مکہ اور صلح حدیبیہ کے حالات پر تبصرہ جاری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کے مقام پر جو حرمِ مکہ کے کنارے پر واقع ہے نہ صرف اہلِ مکہ کے ہاتھوں کو روکے رکھا بلکہ مسلمانوں کے ہاتھوں کو بھی کفار کی طرف بڑھنے سے روک لیا۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھنے والا ہے۔اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ وہی کافر ہیں جنہوں نے تمہیں مسجدِ حرام تک پہنچنے سے روک دیا اور جو قربانیاں تم اپنے ساتھ لائے تھے انہیں بھی حرم میں نہ جانے دیا۔بے شک یہ دونوں جرائم اپنی جگہ پر بہت بڑے تھے لیکن اگر اہلِ مکہ کے ساتھ تمہاری مڈ بھیڑ ہوجاتی تو وہاں ایسے مومن اور مومنات بھی موجود تھیں جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔لڑائی ہونے کی صورت میں اگر تم انہیں زخمی یا شہید کر دیتے تو اس میں نہ صرف تمہیں نقصان پہنچتا بلکہ تمہاری عزت پر بھی حرف آتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمہیں اس نقصان سے بچا لیا وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے دامن میں لے لیتا ہے۔اگر کفار مسلمانوں سے الگ ہوتے تو ہم انہیں حرم سے روکنے کی وجہ سے تمہارے ہاتھوں سے شدید عذاب دیتے۔ اس آیت میں مرکزی طور پر دو مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ ①۔اس میں کوئی شک نہیں کہ مکہ والوں نے نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو حرم میں داخل ہونے سے روک کر نہ صرف اللہ کے قانون کی خلاف ورزی کی بلکہ وہ بیت اللہ کی توہین کے مرتکب بھی ہوئے۔کیونکہ بیت اللہ پر کسی قوم کی اجارہ داری نہیں۔ یہ اللہ کا گھر

مَحِلَّهٗ ؕ	وَلَوْلَا	رِجَالٌ	مُّؤْمِنُوْنَ	وَنِسَآءٌ	مُّؤْمِنٰتٌ	لَّمْ
اپنی قربان گاہ میں	اوراگر نہ ہوتے	مرد	ایمان دار	اور عورتیں	ایمان دار	تو نہیں
تَعْلَمُوْهُمْ	اَنْ	تَطَـُٔوْهُمْ	فَتُصِيْبَكُمْ	مِّنْهُمْ	مَّعَرَّةٌۢ	بِغَيْرِ
تم جانتے تھے ان کو	یہ کہ	تم انہیں کچل دو گے	پھر تمہیں پہنچتی	ان کی وجہ سے	تکلیف	بغیر
عِلْمٍ ۚ	لِيُدْخِلَ	اللّٰهُ	فِيْ رَحْمَتِهٖ	مَنْ	يَّشَآءُ ۚ	لَوْ تَزَيَّلُوْا
علم کے	تاکہ داخل کرے	اللہ	اپنی رحمت میں	جسے	چاہے	اگر وہ الگ ہوتے
لَعَذَّبْنَا	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	مِنْهُمْ	عَذَابًا	اَلِيْمًا ۝۲۵	
تو ہم ضرور سزا دیتے	ان لوگوں کو جنہوں نے	کفر کیا	ان میں سے	عذاب	درد ناک	

ان کی قربان گاہ پر نہ پہنچنے دیا۔ اگر مومن مرد اور مومن عورتیں موجود نہ ہوتے جنہیں تم نہیں جانتے اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ بے خبری میں تم انہیں پامال کر دو گے اور اس سے تم پر حرف آئے گا۔ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کر لے۔ اگر مومن الگ ہو گئے ہوتے تو کفار کو ہم ضرور سخت سزا دیتے۔‘‘(۲۵)

ہے جس سے کسی مسلمان کو روکا نہیں جا سکتا اِلّا یہ کہ کوئی حرم کی توہین کرنے والا ہو یا اس سے تخریب کاری کا خطرہ ہو۔ اہلِ مکہ نے نہ صرف نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حرم میں داخل ہونے سے روکا بلکہ قربانی کے جانوروں کو بھی حرم تک نہ جانے دیا۔ یاد رہے قربانی کے جانوروں سے مراد عید الاضحیٰ کے موقع پر ذبح کیے جانے والے جانور نہیں بلکہ عرب کے لوگ عمرہ کے وقت بھی اپنے ساتھ جانور لایا کرتے تھے تاکہ انہیں حرم کے زائرین اور اس کے مکینوں کے لیے ذبح کیا جائے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ نِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (الحج: ۲۵)

’’جن لوگوں نے کفر کیا اور جو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور مسجد حرام کی طرف آنے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے بنایا ہے جس میں مقامی اور باہر سے آنے والوں کے حقوق برابر ہیں۔ مسجد حرام میں جو بھی گمراہی اور ظلم کا راستہ اختیار کرے گا اسے ہم دردناک عذاب دیں گے۔‘‘

②۔ان آیات میں دوسری بات یہ ارشاد فرمائی ہے کہ اگر مکہ میں تمہاری اور کفار کی جنگ ہو جاتی تو اس سے ان مسلمان مردوں اور خواتین کو بھی نقصان پہنچتا جن کو تم نہیں جانتے تھے۔ ظاہر ہے کہ لاعلمی کی وجہ سے وہ بھی مارے جاتے جس میں مسلمانوں کا انفرادی نقصان بھی ہوتا اور کفار پراپیگنڈہ کرتے کہ مسلمان انتقام لینے پر آئیں

تو اپنوں کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ اس سے مسلمانوں کی نیک نامی میں فرق آتا۔اس فرمان میں ایک اصول یہ واضح ہوا کہ مسلمانوں کو ہر ممکن ایسی لڑائی سے بچنا چاہیے جس میں وہاں کے رہنے والے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا خطرہ پایا جائے۔ ان وجوہات کی وجہ سے فرمایا کہ اگر کفار مکہ میں رہنے والے مسلمانوں سے الگ تھلگ ہوتے تو حرم سے روکنے کی وجہ سے انہیں سخت سزا دی جاتی۔

''رسول معظم ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرم قرار دیا ہے اس کو لوگوں نے حرام قرار نہیں دیا۔ کسی بھی شخص کے لیے یہ جائز نہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس میں کسی کا خون بہائے اور نہ ہی اس کا درخت کاٹا جائے۔ اگر کوئی شخص یہ بات کہے رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں قتال کیا تو تم کہو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو کچھ دیر کے لیے اجازت دی تھی۔ تم میں سے کسی کو بھی یہ اجازت نہیں اور مجھے بھی چند گھڑیوں کے لیے اجازت دی گئی اس کی حرمت پہلے کی طرح ہی لوٹ آئی ہے جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ دوسرے لوگوں تک یہ بات پہنچا دیں۔''

(رواہ البخاری: کتاب العلم، باب یبلغ العلم الشاھد الغائب)

مسائل

١۔ مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکنا بڑے گناہ کا کام ہے۔٢۔ جنگ کے دوران وہاں کے مسلمانوں کا خیال رکھنا لازم ہے۔
٣۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت میں شامل فرماتا ہے۔٤۔اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے اذّیت ناک عذاب تیار کیا ہے۔
٥۔ حدیبیہ کا موجودہ نام شُمیسی ہے جو موجودہ مکہ کے ساتھ مل چکا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت کے دامن میں لے لیتا ہے:

١۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کو اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے۔(الانبیاء:٨٦)
٢۔ ''اللہ'' نیک لوگوں کو اپنی رحمت سے ہمکنار کرتا ہے۔(الانبیاء:٧٥)
٣۔ ایمان میں پختہ رہنے والے کو اللہ اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔(النساء:١٧٥)
٤۔ ''اللہ'' جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔(الشوریٰ:٨)
٥۔ ''اللہ'' کی رحمت ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔(الاعراف:١٥٦)
٦۔ ''اللہ'' کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہوتی ہے۔(الاعراف:٥٦)
٧۔ ''اللہ'' مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔(التوبہ:٩٩)

اِذْ جَعَلَ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	فِيْ قُلُوْبِهِمُ	الْحَمِيَّةَ	حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ
جب بنا لی	ان لوگوں نے	جنہوں نے کفر کیا	اپنے دلوں میں	حمیت	جاہلیت کی حمیت
فَاَنْزَلَ اللّٰهُ	سَكِيْنَتَهٗ	عَلٰى رَسُوْلِهٖ	وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ		وَاَلْزَمَهُمْ
تو اللہ نے نازل کی	اپنی سکینت	اپنے رسول پر	اور مومنوں پر		اور اس نے لازم کر دی ان پر
كَلِمَةَ التَّقْوٰى	وَكَانُوْٓا	اَحَقَّ	بِهَا	وَاَهْلَهَا ؕ	وَكَانَ
تقویٰ کی بات	اور وہ تھے	زیادہ حق دار	اس کے	اور اس کے لائق تھے	اور ہے
اللّٰهُ	بِكُلِّ شَيْءٍ	عَلِيْمًا ۧ﴿۲۶﴾			
اللہ	ہر چیز کو	جاننے والا			

’’جب مکہ کے کفار نے اپنے دلوں میں جاہلانہ حمیت بٹھالی تو اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر سکینت نازل فرمائی اور مومنوں کو تقویٰ پر قائم رکھا۔ وہی اس کے زیادہ حق دار اور اس کے اہل تھے، اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔‘‘(۲۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مسلمانوں کو حرمِ مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کی اصل وجہ اہلِ مکہ کی جہالت اور قومی عصبیّت تھی۔

اہل مکہ یہ حقیقت جان چکے تھے کہ مسلمان عمرہ کے سوا کوئی عزم نہیں رکھتے۔انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ کسی کو بیت اللہ کی زیارت سے روکنا بہت بڑا گناہ ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی جہالت اور عصبیت کی وجہ سے ضد کا مظاہرہ کیا۔ آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو عمرہ نہ کرنے دیا۔ مکے والوں کا یہ اقدام نبی معظم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔لیکن آپ نے انتہائی بردباری اور سمجھداری سے کام لیتے ہوئے اہلِ مکہ کو مذاکرات کرنے پر مجبور کردیا۔ اس صورتِ حال کا اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ سکینت اور تقویٰ کا نتیجہ تھا۔جس پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو قائم رکھا اور وہ اس کے مستحق اور اہل تھے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔اس فرمان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے انہیں ”کَلِمَةَ التَّقْوٰى“ پر قائم رکھا اور وہ اس کے حق دار اور اہل بھی تھے۔ یہاں تقویٰ سے مراد نبی ﷺ کی اطاعت اور بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے لڑائی سے بچنا ہے۔اس سے پہلی آیت ۱۵ میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مومنوں پر راضی ہوگیا جنہوں نے درخت کے نیچے بیٹھ کر آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو جانتا ہے۔ان پر سکینت نازل کی گئی اور وہ بہت جلد فتح یاب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کی گواہی دی اور فرمایا کہ جن لوگوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے

اللہ تعالیٰ نے ان پر تقویٰ کو لازم کر دیا تھا اور وہ اس اس بات کے حق دار تھے۔ یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاک دل ہونے کی گواہی دی گئی ہے۔ پہلے پارے میں ان کے ایمان کو ایمان کا معیار قرار دیا گیا ہے۔ (البقرۃ:١٣٧) یہ گواہی اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ اس فرمان سے ان لوگوں کی یاوہ گوئی کی نفی ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چند صحابہ کرام اپنے ایمان پر پکے رہے باقی اپنے ایمان سے منحرف ہوگئے۔ ان کی ہرزہ سرائی سے صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم اوراس کی گواہی کی بھی توہین ہوتی ہے۔ اس قسم کی یاوہ گوئی کرنے والے لوگوں کو مسلمانوں میں شمار نہیں کرنا چاہیے۔

اہلِ علم نے "کَلِمَةَ التَّقْوٰی" سے مراد کلمہ طیبہ اوراللہ کا خوف لیا ہے۔ جو شخص اپنے دل میں کلمہ طیبہ کا مفہوم اور اللہ کا خوف بٹھا لیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے حق بات پر استقامت عطا فرمانے کے ساتھ اس کے ایمان میں اضافہ کرتا ہے۔

مسائل

١۔ اہلِ مکہ نے صرف جہالت اورضد کی بنیاد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اورصحابہ کرام کو بیت اللہ کی زیارت سے روکا ورنہ ان کے پاس کوئی اخلاقی جواز نہیں تھا۔

٢۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اورمومنوں پر سکون اوراطمینان نازل فرمایا۔

٣۔ اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام کوتقویٰ پر قائم فرمایا۔ ٤۔ صحابہ کرام ہر اعتبار سے تقویٰ کے مستحق اوراہل تھے۔

٥۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا اور ہے کہ صحابہ کرام آخر دم تک تقویٰ اورایمان پر قائم رہیں گے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تادمِ آخر تقویٰ پر قائم رہے۔

تفسیر بالقرآن

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان اورمقام :

١۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان کو آزمالیا۔ (الحجرات: ٣) ٢۔ صحابہ رضی اللہ عنہم ایمان کا معیار ہیں۔ (البقرۃ: ١٣٧)

٣۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ کی جماعت ہیں۔ (المجادلہ: ٢٢) ٤۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہنے والے بیوقوف ہیں۔ (البقرۃ: ١٣)

٥۔ صحابہ رضی اللہ عنہم دنیا و آخرت میں کامیاب ہوئے۔ (المجادلہ: ٢٢) ٦۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اللہ پر راضی ہو گئے۔ (البینۃ: ٨)

٧۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ نے اپنی رضا کی ضمانت دی۔ (البینۃ: ٨)

لَقَدْ	صَدَقَ	اللّٰهُ	رَسُوْلَهُ	الرُّءْيَا	بِالْحَقِّ ج	لَتَدْخُلُنَّ
یقیناً	سچ فرمایا	اللہ نے	اپنے رسول کو	خواب میں	حق کے ساتھ	کہ ضرور تم داخل ہو گے
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ	اِنْ	شَآءَ	اللّٰهُ	اٰمِنِيْنَ ۙ	مُحَلِّقِيْنَ	رُءُوْسَكُمْ
مسجد حرام میں	اگر	چاہا	اللہ نے	امن سے	منڈاتے ہوئے	اپنے سر
وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ	لَا تَخَافُوْنَ ط	فَعَلِمَ	مَا لَمْ	تَعْلَمُوْا		
اور بال کترواتے ہوئے	تم نہیں ڈرو گے	چنانچہ اس نے جان لی	وہ بات جو نہیں	تم نے جانی		
فَجَعَلَ	مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ	فَتْحًا قَرِيْبًا ۝٢٧				
لہٰذا اس نے کر دی	اس سے پہلے	فتح قریب ہے				

”یقیناً اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا تھا جو ٹھیک حق کے مطابق تھا کہ انشاء اللہ تم ضرور مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے، اپنے سر منڈواؤ گے اور بال کٹواؤ گے اور تمہیں کوئی خوف نہیں ہو گا، اللہ اس بات کو جانتا تھا جسے تم نہیں جانتے تھے اس لیے اس نے تم کو جلد ہی فتح عطا فرما دی۔“ (٢٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی ﷺ نے مکہ کا سفر اس لیے اختیار کیا تھا تاکہ عمرہ کیا جائے لیکن کفار نے آپ کو حدیبیہ سے آگے نہ جانے دیا جس پر بعض صحابہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اللہ کے نبی نے فرمایا تھا کہ مجھے خواب آیا ہے کہ میں بیت اللہ کی زیارت کر رہا ہوں لیکن ہم عمرہ کیے بغیر واپس جا رہے ہیں آخر یہ معاملہ کیا ہے؟

نبی معظم ﷺ کے خواب کی تائید اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خیالات کی تطہیر کے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑے زوردار الفاظ میں اس بات کی وضاحت فرمائی کہ اللہ نے اپنے رسول کے خواب کو سچ کر دکھایا ہے۔ اس لیے تم ہر صورت امن کے ساتھ اپنے سر منڈواتے یا کتراتے ہوئے مسجدِ حرام میں داخل ہو گے۔ تمہیں کسی قسم کا کوئی خوف نہیں ہو گا۔ تمہیں علم نہیں مگر اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ اس نے تمہیں بہت جلد فتح عطا فرما دی ہے۔ نبی علیہ السلام نے اپنے خواب کی بنیاد پر مکہ کا سفر اختیار کیا تھا۔ جب آپ مکہ داخل ہونے کی بجائے مدینہ کی طرف جانے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کی زیارت کر رہے ہیں۔ کیا معاملہ ہے کہ ہم مکہ جانے کی بجائے مدینہ کی طرف واپس جا رہے ہیں؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ خواب تو سچا ہے لیکن خواب میں یہ نہیں بتلایا گیا تھا کہ ہم اسی سال عمرہ کریں گے۔ (رواہ البخاری: باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب و كتابة الشروط)

اس خواب کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل آیت ٦٠ میں بھی ہے وہاں ارشاد ہوا کہ ہم نے اس خواب کو آپ کے لیے ایک آزمائش بنایا ہے ۔اس میں آزمائش یہ تھی کہ نبی علیہ السلام کو خواب میں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ آپ اسی سال بیت اللہ کی زیارت کریں گے ۔آپ ﷺ کے دل میں بیت اللہ کی بے پناہ محبت تھی جس بنا پر آپ نے خواب کے فوراً بعد عمرہ کرنے کا فیصلہ فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ آپ اگلے سال عمرہ کریں تا کہ آپ کے عمرہ کرنے سے پہلے مکہ والوں کے ساتھ ایک معاہدہ ہوجائے ۔جس بنیاد پر آپ کی مکہ میں تشریف آوری کے موقع پر امن وسکون ہو۔آپ اور آپ کے ساتھی بلا خوف وخطر بیت اللہ کی زیارت کرسکیں۔اس لیے بڑے زور دار الفاظ میں فرمایا کہ اللہ نے اپنے رسول کے خواب کو سچ کردکھایا ہے کہ آپ ہرصورت بیت اللہ میں داخل ہوں گے۔ اس کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال کرنے کے ساتھ باربار ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جن میں تاکید درتاکید پائی جاتی ہے۔

① ۔صَدَقَ ماضی کا صیغہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کام ہوچکا ہے ۔

② ۔لَقَدْ کے لفظ میں ل اورقد دونوں حروف تاکید کے لیے بولے جاتے ہیں ۔

③ ۔لَتَدْخُلُنَّ اس میں لام اورنون ثقیلہ کے حروف آئے ہیں جو تاکید درتاکید کے لیے استعمال ہوتے ہیں ۔

④ ۔اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے انشاء اللہ کا لفظ استعمال کیا ہے جو تاکید اورامید کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے ۔اس کے بعد مزید چار الفاظ استعمال کیے گئے ہیں ۔

١۔ آمِنِیْنَ ہرطرح کے خطرے سے امن میں رہنے والے ۔

٢۔ ”مُحَلِّقِیْنَ رُؤسَکُمْ“ اپنے سروں کومنڈوانے والے ۔اسی بنیاد پر حج اور عمرہ کے وقت سرمنڈوانے والے کے لیے آپ ﷺ نے یہ دعا کی۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِیْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِیْنَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِیْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِیْنَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَالْمُقَصِّرِیْنَ)) (رواہ البخاری : باب الذبح قبل الحلق)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں یہ دعا کی۔”یاالٰہی! سرمونڈنے والوں پر رحم فرما۔“صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔بال کترانے والوں کے لیے کیاحکم ہے؟ آپ ﷺ نے دوبارہ وہی دعا کی صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھرعرض کی یا رسول اللہ! سرکترانے والوں کی لیے بھی دعا فرمائیں!تب آپ ﷺ نے بال کتروانے والوں کے لیے بھی رحم کی دعا کی۔“

٣۔”مُقَصِّرِیْنَ “سرکے بال کتروانے والے ۔

٤۔ ”لَاتَخَافُوْنَ “ جب تم مکہ میں داخل ہو گے توتمہیں کسی قسم کا کوئی خوف نہیں ہوگا ۔اللہ تعالیٰ کے فرمان کا نتیجہ تھا کہ مکہ والوں نے صلح حدیبیہ کے وقت ازخود یہ شرط پیش کی کہ جب تم اگلے سال عمرہ کے لیے آؤ گے تو

ہم تین کے لیے شہر خالی دیں گے۔ بالفاظ دیگر انہوں نے تین دن کے لیے مکہ کو نبی معظم ﷺ کے حوالے کر دیا تھا۔ اس لیے آپ اور آپ کے اصحاب نے پورے اطمینان اور سکون کے ساتھ عمرہ ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ کے مقام پر صحابہ کرام کے اخلاص اور عزم بالجزم کو دیکھ کر یہ بھی خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ وہ بہت جلد تمہیں مکہ کی فتح سے سرفراز کرے گا۔ چنانچہ ابھی دو سال پورے نہیں ہوئے تھے کہ قریش کے حلیف قبیلہ بنو بکر نے مسلمانوں کے حلیف قبیلے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ قریش نے معاہدہ کا احترام کرنے کی بجائے بنو بکر کی حمایت کی اس پر بنو خزاعہ کا بھاری بھرکم وفد چالیس اونٹوں پر سوار ہو کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی مظلومیت کی داستان پیش کی۔ ان کی داستان سن کر نبی اکرم ﷺ نے قریش کی طرف ایک وفد بھیجا کہ تین باتوں میں سے کوئی ایک بات اختیار کر لیں۔

① ۔ بنو خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔ ② ۔ یا بنو بکر کی حمایت سے برأت کا اعلان کیا جائے۔

③ ۔ مذکورہ بالا شرائط میں اگر کوئی شرط بھی منظور نہیں تو معاہدہ توڑنے کا اعلان کر دیں۔

وفد نے تینوں شرائط قریش کے سامنے پیش کیں تو ان کے جذباتی لوگوں اور نوجوان طبقہ نے آخری شرط قبول کر لی اور ان کی طرف سے قرط بن عمر نے اعلان کیا کہ آج کے بعد حدیبیہ کا معاہدہ ختم کیا جاتا ہے۔ وفد نے واپس آ کر آپ ﷺ کی خدمت میں رپورٹ پیش کی۔ نبی نے اس کے بعد فی الفور مکہ پر پیش قدمی کی تیاری شروع کر دی۔ مکہ والوں کو اپنی بدعہدی اور حماقت کا احساس ہوا تو انہوں نے ابو سفیان کو بھیجا کہ وہ مدینہ جا کر تجدیدِ عہد کی کوشش کرے۔ ابو سفیان نے مدینہ پہنچ کر نبی ﷺ سے درخواست کی کہ ہمیں اپنے کیے پر افسوس ہے۔ ہماری درخواست ہے کہ معاہدہ کو برقرار رکھا جائے۔ آپ ﷺ نے اس کی درخواست قبول نہ کی۔ اس کے بعد ابو سفیان یکے بعد دیگرے حضرت ابو بکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے پاس گیا لیکن انہوں نے یہ کہہ کر اس کی درخواست مسترد کی کہ جس بات کو نبی علیہ السلام نامنظور کر چکے ہیں ہم اسے منظور کرنے والے کون ہوتے ہیں۔ بالآخر ابوسفیان مایوس ہو کر مکہ واپس ہوا۔ اس کے بعد نبی معظم ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کی اور اپنے ساتھیوں کو ہدایت فرمائی کہ چار آدمیوں کے سوا جو شخص بیت اللہ میں داخل ہو جائے اس پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو اسے بھی کچھ نہ کہا جائے۔ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اسے بھی نہ چھیڑا جائے۔ جو مکہ سے بھاگ جائے اس کا بھی پیچھا نہ کیا جائے۔ ان ہدایات کے بعد نبی علیہ السلام دس ہزار صحابہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ ایک دو مقامات پر معمولی مزاحمت کے سوا پورے مکہ اور اس کے گردونواح میں لڑائی کا کوئی واقعہ پیش نہ آیا۔ نبی معظم ﷺ مسجدِ حرام میں داخل ہوئے اور عثمان بن طلحہ سے بیت اللہ کی چابی لی اور سیڑھی لگوا کر بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے اور دو نفل نماز ادا کی۔ آپ کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہونے والے حضرت بلال اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ جو آپ ﷺ کی نماز کی کیفیت اور جہاں آپ نے کھڑے ہو کر نماز

پڑھی تھی اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ نبی علیہ السلام دونفل پڑھنے کے بعد اسی سیڑھی کے ذریعے اتر کرمسجدِ حرام یعنی بیت اللہ کے صحن میں تشریف لائے ۔نظر اٹھائی اوردیکھا کہ بڑے بڑے سردار آنکھیں جھکائے سامنے کھڑے ہیں۔آپ نے ان سے استفسار فرمایا کہ آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کیاجائے ؟ انہوں نے عاجزانہ انداز میں دراخوست کی ۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم لَمَّا دَخَلَ مَکَّةَ فَقَالَ............أَتَی الْکَعْبَةَ فَأَخَذَ بِعِضَادَتِی الْبَابِ فَقَالَ مَا تَقُوْلُوْنَ وَمَا تَظُنُّوْنَ قَالُوْا نَقُوْلُ اِبْنَ اَخٍ وَابْنَ عَمٍّ حَلِیْمٌ رَحِیْمٌ قَالَ وَقَالُوْا ذٰلِکَ ثَلَاثًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَقُوْلُ کَمَا قَالَ یُوْسُفُ ﴿لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَکُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ﴾) (السنن الکبرٰی : جزء۹،قال الشیخ البانی حسن)

''حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن جب مکہ میں داخل ہوئے ...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ کے پاس آئے اور اس کی دہلیز پکڑ کر فرمایا تم میرے متعلق کیا کہتے ہو اور کیا اُمید کرتے ہو؟ قریش کہنے لگے ہم کہتے ہیں آپ ہمارے بھائی کے بیٹے ،چچا کے بیٹے ہیں۔حلیم الطبع اور رحم کرنے والے ہیں۔ انہوں نے یہ الفاظ تین بار کہے۔ آپ نے فرمایا میں وہی بات کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے کہی تھی ۔آج کے دن کوئی گرفت نہیں۔ اللہ تمہاری خطاؤں کو معاف فرمائے یقیناً وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

((عَنْ أَبِیهِ ، أَنَّهُ قَالَ دَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْبَیْتَ هُوَ وَأُسَامَةُ بْنُ زَیْدٍ وَبِلاَلٌ وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ رضی اللہ عنہم فَأَغْلَقُوا عَلَیْهِمْ فَلَمَّا فَتَحُوا کُنْتُ أَوَّلَ مَنْ وَلَجَ فَلَقِیتُ بِلاَلاً فَسَأَلْتُهُ هَلْ صَلَّی فِیهِ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ :نَعَمْ بَیْنَ الْعَمُودَیْنِ الْیَمَانِیَیْنِ)) (رواہ البخاری : باب إِغْلَاقِ الْبَیْتِ وَیُصَلِّی فِی أَیِّ نَوَاحِی الْبَیْتِ شَاءَ)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،اسامہ بن زید،حضرت بلال اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے اور دروازہ بند کر دیا جب دروازہ کھولا تو سب سے پہلے میں اندر داخل ہوا اور میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے اندر کس جگہ نماز پڑھی ہے اور انہوں نے کہا دوستونوں کے درمیان۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے خواب کو سچ کر دیکھایا۔
۲۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پورے سکون اور اطمینان کے ساتھ اگلے سال عمرہ کیا۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نے ٹھیک دو سال بعد نبی علیہ السلام کو فتح مکہ سے سرفراز فرمایا۔

هُوَ	الَّذِيْٓ	اَرْسَلَ	رَسُوْلَهٗ	بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ	لِيُظْهِرَهٗ
وہ ذات جس نے		بھیجا	اپنے رسول کو	ہدایت اور دین حق کے ساتھ	تا کہ وہ غالب کرے اس کو

عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ	وَكَفٰى بِاللّٰهِ	شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾
سب دینوں پر	اور اللہ کافی ہے	بطور گواہ

''وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔ اور اللہ گواہ کے طور پر کافی ہے۔''(۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے نبی معظم ﷺ کو نبوت، مکہ کی فتح اور دیگر فتوحات اس لیے عطا فرمائیں تا کہ اللہ کا دین غالب آ جائے۔

قرآن مجید نے تین مقامات پر یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ''اللہ'' نے اپنا رسول ہدایت اور دین کے ساتھ اس لیے مبعوث فرمایا ہے تا کہ دینِ اسلام تمام باطل ادیان پر غالب آجائے۔ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے حق غالب کرنے پر قادر ہے اور اس کی گواہی اپنے رسول اور دین کے بارے میں کافی ہے۔ یہ بات پہلے بھی عرض ہو چکی ہے کہ دین کے غلبے کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ دینِ اسلام کا کوئی قانون اور مسئلہ ایسا نہیں جسے دلائل کی بنیاد پر جھوٹا یا نا قابل عمل ثابت کیا جاسکے۔ دین ہمیشہ دلائل اور حقائق کی بنیاد پر ہر دور کے باطل نظریات پر غالب رہا ہے اور رہے گا۔ البتہ مسلمانوں کے سماجی اور سیاسی غلبے کے لیے شرط یہ ہے کہ مسلمان اس وقت تک ہی غالب رہیں گے جب تک یہ دین کے تقاضے پورے کرتے رہیں گے۔ '' بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ'' کے الفاظ مفہوم کے لحاظ سے آپس میں مترادف ہیں۔ جس ہدایت کے ساتھ''اللہ'' نے اپنے رسول کو بھیجا ہے اس کی تشریح دین ہے اور اس کی اساس''اللہ'' کی توحید ہے۔ دین کا مقصد ہدایت اور راہنمائی کرنا ہے۔ دوسرے مقام پر اسی کو صراطِ مستقیم کہا گیا ہے۔ (الفاتحہ:۵) '' بِالْهُدٰى'' سے مراد وہ راہنمائی اور بصیرت ہے جس کے ساتھ آپ ﷺ نے لوگوں کو دین سمجھایا اور اس کا نفاذ فرمایا۔ جہاں تک نبی علیہ السلام اور دینِ حق کے غلبہ کا معاملہ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور دین کو جزیرۃ العرب جو موجدہ جغرافیہ کے مطابق سعودی عرب، یمن، کویت، بحرین، مسقط، سلطنت عمان اور متحدہ عرب امارات کا پورے رقبہ پر مشتمل تھا، اس پر غالب فرمایا۔ اس سیاسی، اخلاقی، جہادی اور دینی غلبہ کے اثرات تھے کہ نبی ﷺ نے تبوک کی طرف پیش قدمی فرمائی تو رومی جو اس دور کی واحد سیاسی قوت تھے وہ آپ کے سامنے آنے کی جرأت نہ کرسکے۔

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ (الصف: ۹)

''وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے دوسرے ادیان پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔''

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ (التوبہ: ۳۳)

''وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اوردین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے ہر دین پر غالب کردے، خواہ مشرک لوگ برا سمجھتے رہیں۔''

﴿هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا﴾ (الفتح: ٢٨)

''وہ اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے اور اس پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔''

﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾ (المجادلہ: ٢١)

''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے یقیناً اللہ زبردست اور غالب ہے۔''

''یہ تو محض تمہاری خوشی اور اطمینانِ قلب کے لیے ہے ورنہ مدد تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے جو غالب، حکمت والا ہے۔'' (آل عمران: ١٢٦)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین آسان ہے کوئی شخص اسلام پر غالب نہیں آسکتا بلکہ دین ہی غالب ہوگا۔ اجروثواب کا راستہ اور میانہ روی اختیار کرو، لوگوں کو خوشخبریاں دو، صبح و شام اور رات کے کچھ حصے میں اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتے رہو۔'' (رواہ البخاری: باب الدین یسر)

((اَلْإِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی)) (ارواء الغلیل حدیث نمبر: ١٢٦٨)

''اسلام غالب آئے گا اور اس پر کوئی غالب نہیں آئے گا۔''

اس غلبے کے نتیجے میں مسلمان دنیا میں تقریباً ایک ہزار سال تک سیاسی، اخلاقی اور علمی طور پر غالب رہے۔

مسائل

١۔ اللہ نے اپنے رسول کو دین اور ہدایت کے ساتھ اس لیے بھیجا تا کہ دینِ حق تمام ادیانِ باطلہ پر غالب آجائے۔

٢۔ رسول اوردینِ اسلام کے لیے اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور دین کو غالب فرمایا:

١۔ وہ ذات جس نے رسول کو مبعوث کیا تا کہ دین اسلام تمام ادیان پر غالب آجائے۔ (الفتح: ٢٨)

٢۔ ان سے لڑائی کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہوجائے اور دین خالصتاً اللہ کے لیے ہوجائے۔ (البقرۃ: ١٩٣)

٣۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ (آل عمران: ١٦٠)

٤۔ اللہ تعالیٰ اپنا حکم نافذ کرنے پر غالب ہے لیکن لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف: ٢١)

٥۔ کتنی قلیل جماعتیں جو ''اللہ'' کے حکم سے کثیر جماعتوں پر غالب آئیں۔ (البقرۃ: ٢٤٩)

٦۔ ''اللہ'' کا وعدہ ہے کہ میں اپنے رسولوں کو ضرور غالب کروں گا۔ (المجادلہ: ٢١) (المومنون: ٥٥)

مُحَمَّدٌ	رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ	وَالَّذِيْنَ	مَعَهٗۤ	اَشِدَّآءُ	عَلَى الْكُفَّارِ	
محمد (ﷺ)	اللہ کے رسول ہیں	اور وہ لوگ جو	اس کے ساتھ ہیں	بہت سخت ہیں	کافروں پر	
رُحَمَآءُ	بَيْنَهُمْ	تَرٰىهُمْ	رُكَّعًا سُجَّدًا	يَّبْتَغُوْنَ	فَضْلًا	
نہایت مہربان ہیں	آپس میں	تو دیکھے گا انہیں	رکوع ،سجود کرتے ہوئے	وہ تلاش کرتے ہیں	فضل	
مِّنَ اللّٰهِ	وَرِضْوَانًا ز	سِيْمَاهُمْ	فِيْ وُجُوْهِهِمْ	مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ	ذٰلِكَ	
اللہ کا	اور رضا مندی	ان کی نشانی	ان کے چہروں میں	سجدوں کا نشان	یہ	
مَثَلُهُمْ	فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ	وَ	مَثَلُهُمْ	فِي الْاِنْجِيْلِ ۛۚ	كَزَرْعٍ	
ان کی مثال	تورات میں ہے	اور	ان کی صفت	انجیل میں ہے	مانند کھیتی کے	

محمد (ﷺ) ’’اللہ‘‘ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں مہربان ہیں، تم انہیں رکوع سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجدوں کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں یہ ان کی صفت توراۃ میں اور انجیل میں ہے۔ ان کی مثال یوں ہے گویا کہ ایک کھیتی ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اپنے رسول اور دین کو غالب فرمایا بلکہ ایک طویل مدت تک مسلمانوں کو دنیا میں غلبہ عطا فرمایا۔

اس سے پہلی آیت کے آخر میں یہ الفاظ استعمال فرمائے کہ اللہ کی گواہی کافی ہے جس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھی ہیں کفار پر سخت ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔ آپ ان کو رکوع ،سجود کی حالت میں دیکھیں گے کہ وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کرتے ہیں اور سجدوں کے آثار ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ ان کی صفات کا تذکرہ تورات اور انجیل میں بھی پایا جاتا ہے۔ ان کی مثال اس کھیتی کی مانند ہے جس نے پہلے زمین سے اپنی سوئی نکالی پھر مضبوط ہوئی پھر اپنی ٹہنی پر کھڑی ہوگی جو زمیندار کو بھلی لگتی ہے اور کفار کے دل اس سے جلتے ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور صالح اعمال کرتے رہے۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں معاف فرمائے گا اور اجرِ عظیم عطا کرے گا۔ اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی رسالت کی گواہی دینے کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درج ذیل اوصاف بیان کیے ہیں۔

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی ﷺ کے ساتھی قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ صحابہ کرام کفار پر سخت تھے اور آپس میں نرم تھے۔ کفار پر سخت ہونے کا یہ معنٰی نہیں کہ مسلمان غیر مسلم کے ساتھ ترشی اور بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس کا معنٰی یہ ہے کہ وہ اپنے دین میں پکے ہیں اور کفر کے بارے

اَخْرَجَ	شَطْـَٔهٗ	فَاٰزَرَهٗ	فَاسْتَغْلَظَ	فَاسْتَوٰى	عَلٰى سُوْقِهٖ
جس نے نکالی	اپنی سوئی	پھر اس نے مضبوط کیا اس کو	پھر وہ سخت ہوئی	پھر وہ کھڑی ہوگئی	اپنے تنے پر
يُعْجِبُ	الزُّرَّاعَ	لِيَغِيْظَ	بِهِمُ	الْكُفَّارَ	وَعَدَ	اللّٰهُ
خوش کرتی ہے	زمیندار کو	تا کہ وہ غصہ دلائے	بوجہ ان کے	کافروں کو	وعدہ کیا	اللہ نے
الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَ	عَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	مِنْهُمْ
ان لوگوں سے جو	ایمان لائے	اور	انہوں نے عمل کیے	نیک	ان میں سے

مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٢٩﴾

مغفرت اور اجرِ عظیم کا

جس نے پہلے اپنی کونپل نکالی، پھر اس کو تقویت دی پھر وہ سخت ہوگئی پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی، کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تا کہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اللہ نے ان سے مغفرت اور بہت بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔'' (٢٩)

میں شدید نفرت رکھنے کی وجہ سے حالتِ جنگ میں کفار کے ساتھ کسی قسم کی نرمی نہیں کرتے جس کی چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں۔ جنگ بدر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے کا ان کے ساتھ آمنا سامنا ہوا لیکن بیٹے نے اپنے باپ پر حملہ نہ کیا۔ جب بعد میں بیٹا مسلمان ہوا تو اس نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ابّا جان بدر کے میدان میں آپ میری تلوار کے نیچے کئی بار آئے لیکن میں نے آپ کے احترام میں آپ پر تلوار کا وار نہ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹا تو میری تلوار کے نیچے آتا تو میں تیرا سر قلم کر دیتا۔ بدر کی فتح کے بعد جب قیدیوں کو رسیوں میں جکڑا جا رہا تھا تو حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے بھائی کو بھی رسی سے باندھا جا رہا ہے۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے باندھنے والے صحابی کو کہا کہ اس کے ہاتھ اچھی طرح باندھنا کیونکہ اس کی ماں کے پاس بڑا مال ہے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بدر کے معرکہ میں اپنے باپ جراح کو قتل کیا کیونکہ وہ بار بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ حضرت ابو عبیدہ نے انہیں اشارے کنائے سے روکنے کی کوشش کی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ نہ کریں جب نہ رکے تو حضرت ابو عبیدہ نے آگے بڑھ کر اپنے باپ کو قتل کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بڑا مشہور ہے کہ انہوں نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں یہ رائے دی تھی کہ ہر کوئی اپنے اپنے رشتہ دار کو قتل کرے اور سب سے پہلے میں اپنے رشتہ دار قیدیوں کو قتل کروں گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس میں محبت اور شفقت :

((وَعَنِ النُّعْمَانِ ابْنِ بَشِيْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ

وَتَـوَادِّهِـمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكىٰ عُضْوًا تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى)) (رواه البخاری: باب رحمة الناس والبهائم)

''حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تم مسلمانوں کو باہم' رحم' محبت اور شفقت کرنے کے حوالے سے ایک جسم کی مانند پاؤ گے۔ جب جسم کا کوئی عضو تکلیف میں ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے سارا جسم تکلیف اور بخار میں مبتلا ہوتا ہے۔''

((وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْـمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ اِنِ اشْتَكىٰ عَيْنُهٗ اشْتَكىٰ كُلُّهٗ وَاِنِ اشْتَكىٰ رَأْسُهٗ اشْتَكىٰ كُلُّهٗ)) (رواه مسلم: باب تَرَاحُمِ الْمُؤْمِنِينَ وَتَعَاطُفِهِمْ وَتَعَاضُدِهِمْ)

''حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن ایک شخص کی طرح ہیں کہ اگر اس کی آنکھ میں درد ہو تو اس کا سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے اور اگر اس کے سر میں درد ہو تو بھی اس کا سارا جسم درد محسوس کرتا ہے۔''

((عَـنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَـالَ إِنَّ الْـمُـؤْمِـنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا وَشَبَّكَ أَصَابِعَهٗ)) (صحیح بخاری، باب تشبیك الأصابع فی المسجد وغیره)

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے دیوار کی طرح ہے یہ ایک دوسرے کو مضبوط کرتے ہیں پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو آپس میں ملا کر سمجھایا۔''

صحابہ کے رکوع وسجود:

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز کا کئی مقامات پر تذکرہ کیا ہے۔

''وہ لوگ اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔'' (الفرقان:٦٤)

صحابہ کرام کی نماز اوران کے رکوع وسجود کا یہ کہہ کر ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے چہروں پر ان کے سجدوں کے آثار دیکھے جاسکتے ہیں۔ سجدوں کے آثار کا یہ معنٰی نہیں کہ کسی کے ماتھے پر کالا نشان پڑا ہوا ہو۔ آثار کا یہ معنٰی ہے کہ ان کے چہروں سے روحانیت ٹپکتی ہے جس سے بالخصوص عبادت گزار آدمی پہچانا جاتا ہے کہ یہ اپنے رب کے حضور جھکنے والا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کا نظم اور مضبوطی:

مسلمانوں کی جماعت اوراس کی مضبوطی کے لیے لازم ہے کہ ان کی رشتہ داریاں اورمعاملات غیروں کی بجائے آپس میں ہونے چاہئیں اوران کی محبت اوردوستی کفار کی بجائے مسلمانوں سے ہونی چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے قرآن مجید کی روشنی میں صحابہ کرام کو انہی خطوط پر منظم فرمایا جس کا نقشہ قرآن مجید ان الفاظ میں پیش کرتا ہے آپ کے ساتھیوں کی مثال یوں ہے جس طرح بیج سے شگوفہ نکلتا ہے پھر وہ نرم و نازک کونپل کی شکل اختیار کرلیتا ہے اور پھر کونپل سے ٹہنی بنتی ہے جو سیدھی کھڑی ہوکر اپنے تنے پر مضبوط ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد پھر اس سے گل وگلزار نکلتے ہیں۔ جن کی مہک باغ کے مالی اور کھیت کے مالک کو خوش کرتی ہے اور دوسری طرف حاسد کے حسد میں اضافہ کرتی ہے۔ اسی کیفیت کی بنا پر جوں جوں اسلام پھیل رہا تھا اور صحابہ کرام کی جماعت آگے بڑھ رہی تھی اسی قدر ہی کفار حسد وبغض کا شکار ہورہے تھے۔

یہ ایسی جماعت تھی جو دنیا میں ہر اعتبار سے کامیاب ہوئی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اجرِعظیم دینے کا وعدہ فرمایا۔ یہ اپنے رب پر راضی ہوئے اور ان کا رب ہمیشہ کے لیے ان پر راضی ہوگیا۔

﴿ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ (المجادلہ : ٢٢)

”وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ اللہ کی فوج ہیں، خبردار رہو! اللہ کی فوج ہی کامیاب ہونے والی ہیں۔“

مسائل

١۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ آپس میں نہایت مہربان اور کفار کے بارے میں سخت تھے۔

٢۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چہروں پر رکوع اور سجود کے آثار نمایاں دکھائی دیتے تھے۔

٣۔ تورات اور انجیل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف پائی جاتی ہے۔

٤۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت باہمی محبت اور نظم وضبط کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھی۔

٥۔ اللہ تعالیٰ نے صالح اعمال مومنوں کے لیے بخشش اور عظیم اجر کا وعدہ کیا ہے۔

تفسیر بالقرآن

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت وفضیلت:

١۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے ایمان کو آزمالیا۔ (الحجرات : ٣) ٢۔ صحابہ ایمان کا معیار ہیں۔ (البقرۃ : ١٣٧)

٣۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ کی جماعت ہیں۔ (المجادلہ : ٢٢) ٤۔ صحابہ کو برا کہنے والے بیوقوف ہیں۔ (البقرۃ : ١٣)

٥۔ صحابہ رضی اللہ عنہم دنیا وآخرت میں کامیاب ہوئے۔ (المجادلہ : ٢٢) ٦۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اللہ تعالیٰ پر راضی ہوگئے۔ (البینۃ : ٨)

٧۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ نے اپنی رضا کی ضمانت دی ہے۔ (البینۃ : ٨)

سورۃ الحجرات کا تعارف

الحجرات مدینہ میں نازل ہوئی ہے اس کا نام اس کی آیت ۴ میں مذکور ہے یہ سورت ۲ رکوع اور ۱۸ آیات پر مشتمل ہے۔

اس سورت کا پسِ منظر یہ ہے کہ نبی مکرم ﷺ دوپہر کے وقت اپنے گھر میں آرام فرما تھے کہ اس وقت بنی تمیم کا ایک وفد آپ کی ملاقات کے لیے حاضر ہوا۔وفد نے انتظار کیے بغیر آپ کے گھر کے سامنے کھڑے ہو کر آواز پر آواز دینا شروع کی ''اخرج علینا یا محمد'' اے محمد باہر آؤ، باہر آؤ۔اس پر یہ سورت مبارکہ نازل ہوئی جس میں نبی علیہ السلام کو اس طرح آواز دینے سے منع کیا گیا اور حکم ہوا کہ جو لوگ نبی علیہ السلام کو اس طرح آواز دیں گے ان کے اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے اور انہیں خبر بھی نہیں ہو گی ان کے مقابلے میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو نبی محترم ﷺ کو آہستہ اور ادب کے ساتھ بلاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی غلطیاں معاف کرنے کے ساتھ انہیں اجر عظیم سے سرفراز فرمائے گا اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان کی اخلاق اور اعمال کو جانچ لیا ہے بلکہ ان کے دلوں کو بھی تقویٰ کے ساتھ پرکھ لیا ہے اس کے بعد اس صورت میں مسلمانوں کو آداب سکھلائیں ہیں۔

۱۔اے مسلمانوں اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا۔

۲۔اے مسلمانوں اگر تمہارے پاس کوئی فاسق آدمی کوئی خبر لے کر آئے تو اس پر یقین کرنے سے پہلے اس کی تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم سے غلطی ہو جائے جس پر تمہیں پریشان ہونا پڑے۔

۳۔مسلمانوں کے درمیان اختلاف رونما ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ان کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ اصلاح کروانے کی کوشش کریں کیونکہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ان کے درمیان ہر صورت صلح رہنی چاہیے۔

۴۔اے مسلمانوں کوئی قوم دوسری قوم کو اور عورتیں دوسری عورتوں کو مذاق نہ کریں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مذاق کرنے والوں سے بہتر ہوں ۔۵۔اے مسلمانوں ایک دوسرے کے برے القاب نہ رکھو۔ایمان لانے کے بعد برے القاب رکھنا نافرمانی کا کام ہے جو اس سے تائب نہیں ہوں گے وہ ظالموں میں شمار ہوں گے۔

٦۔اے مسلمانوں ایک دوسرے کے بارے میں بدظنی سے بچو۔بدظنی رکھنا گناہ ہے۔اور نہ ہی ایک دوسرے کا تجسس اور غیبت کیا کرو غیبت کرنا مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر ہے۔۷۔اے مسلمانوں تم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے قبائل اور خاندان بنائے ہیں تاکہ تم ایک دوسرے کا تعارف حاصل کرو۔ لیکن یاد رکھو اللہ کے ہاں وہ بہتر ہے جو اس سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔۸۔حقیقی مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا کر شک نہیں کرتے اور وہ اپنے مال و جان کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں۔

۹۔کچھ لوگ اسلام لا کر آپ پر احسان جتلاتے ہیں انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تم پر ایمان لانے میں تمہاری مدد فرمائی ہے۔

سُورَةُ الْحُجُرَاتِ مَدَنِيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعُهَا: ٢ اٰيَاتُهَا: ١٨

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

يٰٓاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	لَا	تُقَدِّمُوْا	بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
اے	لوگو جو	ایمان لائے ہو	نہ	تم آگے بڑھو	اللہ اور اس کے رسول سے
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ	اِنَّ	اللّٰهَ	سَمِيْعٌ	عَلِيْمٌ ①	
اور تم ڈرو اللہ سے	بلاشبہ	اللہ	سب کچھ سننے والا	خوب جاننے والا ہے	

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو، اللہ سب کچھ سننے اور خوب جاننے والا ہے۔"(١)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورت فتح کا اختتام نبی علیہ السلام اور آپ کی جماعت کے اوصاف کے بیان پر ہوا۔ سورت الحجرات میں صحابہ پاک اور عظیم جماعت کو نبی ﷺ کا ادب واحترام کرنے اور آپس میں رہنے کے آداب سکھلائے گئے ہیں۔

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔ ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ مفسرین نے "لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" کے کئی معانی ذکر کیے ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

١۔ نبی ﷺ کے مقام و احترام کا تقاضا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھا جائے۔ اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھنے کا پہلا معنٰی یہ ہے کہ جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا ہے اسے اپنے لیے کافی اور شافی سمجھا جائے۔

٢۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے بتلائے ہوئے طریقے کو کافی نہیں سمجھتے اور ثواب کی غرض سے اپنی طرف سے اضافے کرتے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

٣۔ اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات اور طریقے میں نقص نکالنا اور اس کے مقابلے میں اپنی سوچ کو مقدم جاننا، یہ اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنا ہے۔

٤۔ جان بوجھ کر اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنا۔

٥۔ قرآن وسنت سے مسئلہ ثابت ہو جانے کے باوجود اپنی فقہ کے مطابق عمل کرنا اور اسے مقدم سمجھنا۔

٦۔ اللہ اور اس کے رسول کے بتلائے ہوئے قانون اور ضابطوں کو نافذ کرنے کی بجائے اپنی مرضی یا پارلیمنٹ کے فیصلے کو ترجیح دینا۔ حقیقت میں یہی اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنا ہے جس کی کسی اعتبار سے بھی اجازت نہیں ہے۔ اس لیے آیت کے آخر میں اس حقیقت کو انتباہ کے طور پر فرمایا ہے کہ "اللہ" ہر بات سننے والا اور ہر کسی کی نیت وعمل کو جاننے والا ہے۔

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں تین آدمیوں کا وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج رضی اللہ عنہن کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی عبادت کے بارے میں سوال کرتا ہے۔ جب ان کو آپ کی عبادت کے بارے میں بتلایا گیا تو انہوں نے اس کو اپنے لئے معمولی سمجھا۔وہ کہنے لگے ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ تک کیسے پہنچ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پہلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں۔ان میں سے ایک نے کہا میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھتا رہوں گا۔دوسرا کہنے لگا کہ میں زندگی بھر روزہ رکھوں گا۔ تیسرا کہتا ہے کہ میں کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے اس طرح کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں میں روزہ رکھتا ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں ،نماز پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، میں نے عورتوں سے نکاح بھی کر رکھا ہے۔ پس جس نے میرے طریقے سے انحراف کیا اس کا میرے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔(رواہ البخاری : باب التَّرْغِيبُ فِي النِّكَاحِ)

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر : ٧)

رسول جو تمہیں دیں اُسے لے لو اور جس سے منع کریں اُس سے رک جاؤ۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبْعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ)) (مشكوٰة : باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی جب تک اپنی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ کر دے اس وقت تک وہ ایمان والا نہیں ہو سکتا۔''

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو کسی صورت اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے ۔۲۔مسلمانوں کو ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔
۳۔ ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ اللہ ہر بات کو سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ۔

تفسیر بالقرآن

ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے کا حکم:

۱۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو ۔ (الانفال: ٤٦)
۲۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۔ (آل عمران : ١٣٢)
۳۔ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال برباد نہ کرو ۔(محمد: ٣٣)
۴۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور نافرمانی سے بچو۔ (المائدۃ: ٩٢)
۵۔ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول اور صاحب امر کی اطاعت کرو ۔ (النساء: ٥٩)

يٰٓاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	لَا	تَرْفَعُوْٓا	اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ
اے	لوگو جو	ایمان لائے ہو	نہ	تم اونچی کرو	اپنی آوازیں پر
صَوْتِ النَّبِيِّ	وَلَا	تَجْهَرُوْا	لَهٗ	بِالْقَوْلِ	كَجَهْرِ
نبی کی آواز سے	اور نہ	تم اونچی آواز کرو	اس سے	بات میں	مانند اونچی آواز کے
بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ	اَنْ	تَحْبَطَ	اَعْمَالُكُمْ	وَاَنْتُمْ	لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲
آپس میں ایک دوسرے سے	یہ کہ	برباد ہو جائیں	تمہارے اعمال	اور تمہیں	شعور بھی نہ ہو

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنی آواز نبی کی آواز سے اُونچی نہ کرو اور نہ نبی کے ساتھ اونچی آواز سے بات کرو، جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے تمام اعمال غارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔“ (۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ کے رسول سے آگے بڑھنے کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اپنی بات کو نبی علیہ السلام کی بات سے بلند رکھا جائے۔ اس سے منع کیا گیا ہے۔

پہلی آیت میں یہ حکم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔ آگے بڑھنے کا مفہوم پیچھے ذکر ہو چکا ہے اب صرف نبی ﷺ کا نام لے کر مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ کی آواز سے اپنی آواز کو اونچی نہ کرو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا نام نہیں لیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دور یا نزدیک، بلند اور آہستہ آواز میں پکارا جاسکتا ہے اور ہر حال میں اسی کو پکارنا چاہیے۔ نبی علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں آپ کو نہ دور سے پکارا جاسکتا ہے اور نہ ہی آپ ﷺ سے بات کرنے والے کی آواز اونچی ہونی چاہیے۔ آپ ﷺ کا نام لے کر دور سے آواز دینا اب بھی جائز نہیں کیونکہ اسی صورت کی چوتھی آیت میں اس بات سے منع کیا گیا ہے۔ جب تک آپ ﷺ حیات تھے اس وقت تک آپ کے سامنے آواز اونچی کرنا جائز نہیں تھا۔ اب اس کا یہ مفہوم ہوگا کہ کوئی شخص اپنی یا کسی کی ذات اور بات کو نبی معظم ﷺ کی ذات اور بات سے اونچا نہ سمجھے۔ اونچا سمجھنے سے مراد آپ کے فرمان سے اپنی یا کسی بزرگ کی بات کو مقدم سمجھنا ہے۔ جس نے یہ کیا اس کے تمام اعمال ضائع ہوجائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات اور بات کو وہ مقام بخشا ہے جس تک کوئی شخص نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے حکم ہے کہ اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز سے اونچا نہ کرو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو دور یا نزدیک سے اونچی آواز سے بلاتے ہو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارے سارے کے سارے اعمال ضائع ہوجائیں گے اور تمہیں اس کی خبر بھی نہیں ہوگی۔ گویا کہ اُسے توبہ کرنے کا موقعہ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ غور فرمائیں کہ وہ مسلمان کتنا بدقسمت ہے جس کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں اور اُسے خبر تک نہ ہو سکے اور نہ وہ توبہ کر سکے۔

((وَعَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ کَانَ ثَابِتُ ابْنُ قَیْسِ ابْنِ شَمَّاسٍ خَطِیْبَ الْاَنْصَارِ فَلَمَّا نَزَلَتْ ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ ....اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَةِ﴾ جَلَسَ ثَابِتٌ فِیْ بَیْتِہٖ وَاحْتَبَسَ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَسَأَلَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم سَعْدَ ابْنَ مُعَاذٍ مَا شَاْنُ ثَابِتٍ اَیَشْتَکِیْ فَاَتَاہُ سَعْدٌ فَذَکَرَ لَہٗ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَقَالَ ثَابِتٌ اُنْزِلَتْ ھٰذِہِ الْاٰیَةُ وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّیْ مِنْ اَرْفَعِکُمْ صَوْتًا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ فَاَنَا مِنْ اَھْلِ النَّارِ فَذَکَرَ ذَالِكَ سَعْدٌ لِلنَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم بَلْ ھُوَ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّةِ)) (رواہ مسلم: باب مَخَافَةِ الْمُؤْمِنِ أَنْ یَحْبَطَ عَمَلُہٗ)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ثابت بن شماس رضی اللہ عنہ انصار میں اونچی آواز والے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی ”اے ایمان والو! اپنی آواز کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو ......“ (الحجرات :٢) تو ثابت رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا چھوڑ دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت کے متعلق سعد بن معاذ سے فرمایا کہ کیا وہ بیمار ہیں ؟ حضرت سعد صلی اللہ علیہ وسلم ،حضرت ثابت رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے کے بارے میں آگاہ کیا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے وضاحت کی کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں میری آواز سب لوگوں کی آواز سے اونچی ہوتی ہے اس بنا پر میں جہنّمی ہوں۔ سعد رضی اللہ عنہ نے ان کی بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا۔آپ نے فرمایا :نہیں وہ جنّتی ہے۔“

مسائل

١۔ نبی علیہ السلام کی حیات میں آپ کے سامنے اونچی آواز سے بات کرنا منع تھا۔

٢۔ جس طرح ایک دوسرے کو دور سے پکارا جاتا ہے۔نبی علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں اوراب بھی آپ کودور سے پکارنا منع ہے۔

٣۔ جولوگ اپنی یا کسی کی ذات اور بات کو نبی علیہ السلام کی ذات اور بات سے اونچا سمجھتے ہیں ان کے تمام اعمال ضائع ہوجائیں گے۔

٤۔ نبی علیہ السلام کی ذات اوربات سے اپنی یا کسی کی ذات اوربات کو اونچا سمجھنا اپنے اعمال کو ضائع کرنا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور بات کا مقام اوراحترام:

١۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دور سے آواز نہ دی جائے۔(الحجرات:٤) ٢۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی آواز نہ کی جائے۔ (الحجرات:٢)

٣۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے قدم نہ اٹھایا جائے۔(الحجرات :١) ٤۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اتباع کی جائے۔ (محمد :٣٣)

٥۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دیا اُسے پکڑلیا جائے جس سے آپ نے منع کیا ہے اُسے چھوڑ دیا جائے۔(الحشر: ٧)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	يَغُضُّوْنَ	اَصْوَاتَهُمْ	عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ	اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
بلاشبہ	وہ لوگ جو	پست رکھتے ہیں	اپنی آوازیں	اللہ کے رسول کے پاس	یہی وہ لوگ ہیں کہ
امْتَحَنَ اللّٰهُ	قُلُوْبَهُمْ	لِلتَّقْوٰى ۭ	لَهُمْ	مَّغْفِرَةٌ	وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ③
اللہ نے امتحان لیا ہے	ان کے دلوں کا	تقویٰ کے لیے	ان کے لیے	مغفرت	اور اجر عظیم ہے

''جولوگ اللہ کے رسول کے سامنے بات کرتے ہوئے اپنی آواز پست رکھتے ہیں حقیقت میں وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کا اللہ نے تقویٰ کے لیے امتحان لیا ہے، ان کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔'' (۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی علیہ السلام کو اونچی اور دور سے بلانے والوں کے اعمال ضائع ہوجائیں گے اوران کے مقابلے میں جو لوگ اللہ کے رسول کے سامنے آہستہ اورقریب ہوکر بات کرتے ہیں ان کا مقام اور انعام۔

نبی علیہ السلام کی آواز سے جولوگ اپنی یا کسی کی آواز کو اونچا سمجھتے اور کرتے ہیں ان کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ ان کے مقابلے میں جولوگ اللہ اوراس کے رسول کے سامنے اپنی آواز آہستہ رکھتے ہیں حقیقت میں وہی آپ کا ادب اور احترام کرنے والے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آواز کو نیچا رکھنے اورآپ کا ادب کرنے والوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے ساتھ آزمایا لیا ہے۔ کیونکہ حقیقت میں انہی کے دلوں میں اللہ کا خوف اوراس کے حکم کا احترام پایا جاتا ہے جس وجہ سے وہ اللہ کے رسول کی ذات اور بات کا احترام کرتے ہیں۔ جن کے دلوں میں نبی کریم کا احترام، اللہ کی ذات کا خوف اوراس کے حکم کا احترام ہوگا ان کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے اورانہیں اجرِ عظیم سے ہمکنار کیا جائے گا۔اس خطاب میں سب سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت مراد ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا خوف اور احترام اختیار کیا اور رسولِ محترم کے احترام کا حق ادا کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں تقویٰ پیدا کردیا تھا۔ (الفتح:٢٦) اور ان کا امتحان بھی لے لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف لوگوں کی آواز سنتا اوران کے اعمال دیکھتا ہے بلکہ وہ دلوں کے حال بھی جاننے والا ہے۔ جوشخص اپنے دل میں اللہ کا خوف رکھتا ہے اس کی زبان اوراس کے اعمال پرتقویٰ کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔تقویٰ ہی انسان کو صراطِ مستقیم اور نبی علیہ السلام کی ذات اور بات کا احترام سکھلاتا ہے۔تقویٰ ہی تمام اعمال کا مقصود اور مطلوب ہے۔جب تک نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں حیات اورموجود تھے اس وقت آپ کا احترام یہ تھا کہ آپ کی مجلس میں اونچی آواز سے نہ بولا جائے اب اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذات اور ارشاد کو اپنی اور ہر بزرگ کی بات اور ذات سے اونچا سمجھا جائے۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کوتقویٰ کے ساتھ آزمایا جس پرصحابہ پورے اترے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے تمام گناہ معاف فرمادیئے اورانہیں اجرِ عظیم سے سرفراز فرمایا۔

٣۔ اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنے والوں کومعاف کرے گا اورانہیں اجرِ عظیم عنایت فرمائے گا۔

اِنَّ	الَّذِيْنَ	يُنَادُوْنَكَ	مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ	اَكْثَرُهُمْ	لَا	يَعْقِلُوْنَ ۝
بلاشبہ	وہ لوگ جو	پکارتے ہیں آپ کو	حجروں کے پیچھے سے	اکثر ان کے	نہیں	عقل رکھتے

وَ	لَوْ	اَنَّهُمْ	صَبَرُوْا	حَتّٰى	تَخْرُجَ	اِلَيْهِمْ	لَكَانَ
اور	اگر	بے شک وہ	صبر کرتے	حتی کہ	آپ نکلتے	ان کی طرف	تو ہوتا

خَيْرًا	لَّهُمْ ؕ	وَ اللّٰهُ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ۝
بہت بہتر	ان کے لیے	اور اللہ	بہت بخشنے والا	نہایت رحم کرنے والا ہے

''اے نبی ! جولوگ آپ کو آپ کے حُجروں کے باہر پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بےعقل ہیں۔(۴) اگر وہ آپ کے نکلنے تک صبر کرتے توان کے لیے بہتر ہوتا، اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''(۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلی آیات میں نبی علیہ السلام کا ادب و احترام سکھلایا گیا ہے اور اب ان لوگوں کی سرزنش کی گئی ہے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کے منافی حرکت کی تھی۔

رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام اوراحترام سے جولوگ واقف نہیں تھے یا جن کے دلوں میں منافقت اور اپنے بڑے پن کا خنّاس تھا۔ وہ جب آپ کی خدمت میں آتے تو آپ سے اس طرح مخاطب ہوتے جس طرح اپنے جیسے یا اپنے سے چھوٹے آدمی کے ساتھ مخاطب ہوا جاتا ہے۔ ایسے لوگ اپنی رائے پر اصرار بھی کیا کرتے تھے۔ اسی قبیل کے لوگوں سے قبیلہ بنوتمیم کے کچھ لوگ تھے۔ جب وہ آپ کی ملاقات کے لیے مدینہ آئے تو آپ دوپہر کے وقت اپنے گھر میں آرام فرما تھے۔ اخلاق اور احترام کا تقاضا تھا کہ یہ لوگ انتظار کرتے کہ آپ کب اپنے گھر سے مسجد تشریف لاتے ہیں،اور یہ لوگ آپ سے ملاقات کرتے لیکن ان کے دلوں میں جہالت یا بڑے پن کا خناس تھا اس لیے انہوں نے انتظار کیے بغیر آپ کوان الفاظ میں آوازیں دینا شروع کیں۔ ''يَا مُحَمَّدُ اُخْرُجْ اِلَيْنَا'' اے محمد! ہمارے لیے باہر آؤ۔ ربِ ذوالجلال نے ان کے گستاخانہ انداز کی گرفت کرتے ہوئے فرمایا کہ جولوگ آپ کے حجروں سے باہر آپ کوآوازیں دے رہے تھے ان میں اکثر بے سمجھ لوگ ہیں۔ اگروہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود باہرتشریف لاتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ''خَيْرًا لَّهُمْ'' کے الفاظ استعمال فرما کر تمام لوگوں کو یہ بات سمجھائی ہے کہ دانائی اور احترام کا تقاضا یہی تھا اور ہے کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خودتشریف لاتے اوریہ لوگ آپ سے ملاقات کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اکثریت کو بے سمجھ قرار دیا ہے۔ اشارہ فرمایا ہے کہ اگرتم آئندہ کے لیے باز آجاؤ تواللہ تعالیٰ تمہاری اس حرکت کو معاف فرمانے والا ہے۔

((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ ن الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ اَتَانَا اَبُوْ مُوْسٰی رضی اللہ عنہ قَالَ اِنَّ عُمَرَ اَرْسَلَ اِلَیَّ اَنْ اٰتِیَهٗ فَاَتَیْتُ بَابَهٗ فَسَلَّمْتُ ثَلَاثًا فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ فَرَجَعْتُ فَقَالَ مَامَنَعَكَ اَنْ تَاْتِیَنَا فَقُلْتُ اِنِّیْ اٰتَیْتُ فَسَلَّمْتُ عَلٰی بَابِكَ ثَلَاثًا فَلَمْ تَرُدَّ عَلَیَّ فَرَجَعْتُ وَقَدْ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا اسْتَأْذَنَ اَحَدُکُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ یُؤْذَنْ لَهٗ فَلْیَرْجِعْ فَقَالَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ اَقِمْ عَلَیْهِ الْبَیِّنَةَ قَالَ اَبُوْ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ فَقُمْتُ مَعَهٗ فَذَهَبْتُ اِلٰی عُمَرَ رضی اللہ عنہ فَشَهِدْتُّ)) (صحیح البخاری : باب الاستئذان)

”ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوموسیٰ اشعری ہمارے پاس آئے انہوں نے بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میری طرف پیغام بھیجا کہ میں ان کے ہاں پہنچوں۔ جب میں امیرالمؤمنین کے دروازے پر گیا، تو میں نے تین مرتبہ السلام علیکم کہا۔ انہوں نے جواب نہ دیا، تو میں واپس آ گیا۔ بعدازاں عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے نہ آنے کے بارے میں پوچھا۔ میں نے بتایا کہ میں حاضر ہوا اور آپ کے دروازے پر تین دفعہ سلام کہا لیکن آپ کا جواب نہ پاکر میں واپس آ گیا۔ کیونکہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب کسی کو تین بار اجازت طلب کرنے کے باوجود اجازت نہ ملے تو وہ واپس چلا آئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس حدیث پر گواہ پیش کرو۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ابوموسیٰ کے ساتھ کھڑا ہوا اور ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور میں نے گواہی دی کہ ابوموسیٰ ٹھیک کہتے ہیں۔“

”حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے دروازے پر جاتے تو دروازے کے سامنے کھڑے ہونے کی بجائے دروازے کی دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے اور سلام کہتے اس دور میں گھروں کے دروازوں پر پردے نہیں ہوتے تھے۔“ (رواہ ابوداؤد: باب الاستیذان، البانی هذا حدیث صحیح)

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ أَنَّ امْرَأً اطَّلَعَ عَلَیْكَ بِغَیْرِ إِذْنٍ ، فَخَذَفْتَهُ بِعَصَاةٍ ، فَفَقَأْتَ عَیْنَهُ ، لَمْ یَکُنْ عَلَیْكَ جُنَاحٌ))

(رواہ البخاری : باب مَنْ أَخَذَ حَقَّهُ أَوِ اقْتَصَّ دُونَ السُّلْطَانِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی بندہ اجازت طلب کیے بغیر کسی کے گھر میں جھانکے اور گھر والا کسی نوک دار چیز کے ساتھ اُس کی آنکھ پھوڑ دے تو آنکھ پھوڑنے والے پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔“

مسائل

١۔ جن لوگوں نے نبی علیہ السلام کے گھر کے باہر آپ کو آوازیں دیں ان کی اکثریت بے عقل تھی۔

٢۔ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو دور سے آواز دینے والے لوگ بے وقوف ہوتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْۤا	اِنْ	جَآءَكُمْ	فَاسِقٌۢ	بِنَبَاٍ
اے	لوگو جو	ایمان لائے ہو	اگر	لائے تمہارے پاس	کوئی فاسق	کوئی خبر
فَتَبَيَّنُوْۤا	اَنْ تُصِيْبُوْا	قَوْمًا	بِجَهَالَةٍ	فَتُصْبِحُوْا	عَلٰى مَا	
تو تحقیق کر لیا کرو	کہ کہیں تم تکلیف پہنچاؤ	کسی قوم کو	جہالت سے	پھر تم ہو جاؤ	اس پر جو	
فَعَلْتُمْ	نٰدِمِيْنَ ۞	وَاعْلَمُوْۤا	اَنَّ	فِيْكُمْ	رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ	لَوْ يُطِيْعُكُمْ
تم نے کیا	پریشان	اور تم جان لو	یقیناً	تم میں	اللہ کا رسول ہے	اگر وہ اطاعت کرے تمہاری
فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ	لَعَنِتُّمْ	وَلٰكِنَّ	اللّٰهَ	حَبَّبَ	اِلَيْكُمُ	
بہت سے معاملات میں	تو یقیناً تم مشقت میں پڑ جاؤ	لیکن	اللہ نے	محبوب بنا دیا ہے	تمہارے لیے	

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ طور پر نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو۔(٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی محترم ﷺ کے احترام کا یہ بھی تقاضا ہے کہ جب مسلمانوں میں کوئی بدگمانی یا افواہ پھیل جائے تو اسے نبی علیہ السلام کے سامنے پیش کریں تاکہ اس کا بروقت تدارک ہو سکے۔ نبی ﷺ کے بعد مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ہر چیز کی تصدیق کر لیا کریں۔

اس آیت کے شانِ نزول میں بعض مفسرین نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کا واقعہ نقل کیا ہے۔ یہ واقعہ ٹھیک نہیں، بہرحال بنیادی اصول یہ ہے کہ جب کوئی فاسق یا غیر ذمہ دار شخص کسی مسلمان کے بارے میں بدگمانی پیدا کرے یا کوئی ملک و ملت کے خلاف افواہ اڑائے تو ہر حال میں اس کی تحقیق کر لینی چاہیے تاکہ مسلمان اس کے نقصان اور پریشانی سے محفوظ رہیں۔ اس اصول کے پیشِ نظر ایک دفعہ پھر صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے حکم دیا گیا کہ جب تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو تاکہ تمہیں کسی قسم کا نقصان اور پریشانی نہ اٹھانی پڑے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کا رسول تم میں موجود ہے اگر بہت سی باتوں میں تمہاری باتیں قبول کر لے تو تم ضرور مشکل میں پڑ جاؤ گے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایمان کو محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں کی زینت قرار دیا ہے اور تمہیں کفر، نافرمانی اور گناہ سے بیزار کر دیا ہے جو لوگ کفر اور فسق و فجور کے مقابلے میں ایمان کو محبوب سمجھتے ہیں یہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی ہدایت پر ہیں۔ جو شخص اپنے رب کی ہدایت پر ہے اس پر اللہ کا فضل اور احسان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے اور اس کے ہر حکم اور کام میں حکمت پائی جاتی ہے۔ ہے۔ یہاں ایک دفعہ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی تعریف کی ہے اور ان کے ایمان سے منور دلوں کی تصدیق فرمائی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ صرف ایمان کو پسند

الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ

ایمان کو اور اس نے مزین کر دیا اسے تمہارے دلوں میں اور اس نے ناپسندیدہ بنا دیا تمہارے لیے کفر کو

وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ

اور فسق کو اور نافرمانی کو یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں فضل ہے اللہ کا

وَ نِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اور احسان اور اللہ جاننے والا خوب حکمت والا ہے

خوب جان رکھو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری بات مان لیا کرے تو تم مشکلات میں مبتلا ہو جاؤ، مگر اللہ نے تم میں ایمان کی محبت پیدا کی اور اس کو تمہارے لیے محبوب بنا دیا، اور کفر وفسق اور نافرمانی سے تم کو متنفر کر دیا ایسے ہی لوگ (۷) اللہ کے فضل سے ہدایت والے ہیں اور اللہ جاننے والا اور خوب حکمت والا ہے۔“(۸)

کرنے والے تھے بلکہ ایمان کے مقابلے میں کفر، تابعداری کے مقابلے میں نافرمانی اور نیکی کے مقابلے میں گناہ کو برا سمجھتے تھے۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا جو ان کے بعد اس درجہ میں کسی کو نصیب نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔

((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْاَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَّا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِیْفَهٗ)) (رواہ مسلم: باب، تحریم سب الصحابة)

”حضرت ابو سعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے اصحاب ؓ کو برا مت کہو۔ کیونکہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو صحابہ کے مد (نصف کلو گرام تقریبا) کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔“

((وَعَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ ؓ قَالَ رَفَعَ یَعْنِی النَّبِیُّ ﷺ رَاْسَهٗ اِلَی السَّمَاءِ وَکَانَ کَثِیْرًا مِمَّا یَرْفَعُ رَاْسَهٗ اِلَی السَّمَاءِ فَقَالَ النُّجُوْمُ اَمَنَةٌ لِّلسَّمَاءِ فَاِذَا ذَهَبَتِ النُّجُوْمُ اَتَی السَّمَاءَ مَا تُوْعَدُ وَاَنَا اَمَنَةٌ لِاَصْحَابِیْ فَاِذَا ذَهَبْتُ اَنَا اَتٰی اَصْحَابِیْ مَا یُوْعَدُوْنَ وَاَصْحَابِیْ اَمَنَةٌ لِاُمَّتِیْ فَاِذَا ذَهَبَ اَصْحَابِیْ اَتٰی اُمَّتِیْ مَا یُوْعَدُوْنَ))

(رواہ مسلم: باب بَیَان اَنَّ بَقَاءَ النَّبِیِّ ﷺ اَمَانٌ لِاَصْحَابِهٖ وَبَقَاءَ اَصْحَابِهٖ اَمَانٌ لِلْاُمَّةِ)

”حضرت ابو بردہ ؒ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی محترم ﷺ نے آسمان کی طرف اپنا سر مبارک اٹھایا اور آپ ﷺ اکثر اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے۔ فرمایا: ستارے آسمان کے لیے امن کی ضمانت ہیں۔ جب آسمان کے ستارے ٹوٹ جائیں گے تو آسمان کے پھٹ جانے کا وقت آجائے گا اور میں اپنے اصحاب کے لیے باعثِ امن ہوں۔ جب میں چلا جاؤں گا تو میرے اصحاب ان آزمائشوں سے دوچار ہوں گے جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے اور میرے صحابہ میری امت کے لیے امن کا

سبب ہیں۔ جب میرے صحابہ اٹھا لیے جائیں گئے تو میری امت بتائے ہوئے فتنوں سے دو چار ہوگی۔‘‘

((عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم خَيْـرُ النَّاسِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَجِيْءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ اَحَدِهِمْ يَمِيْنَهٗ وَيَمِيْنُهٗ شَهَادَتَهٗ))

(رواہ البخاری: باب لَا يَشْهَدُ عَلٰى شَهَادَةِ جَوْرٍ إِذَا أُشْهِدَ)

’’حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے زمانہ کے لوگ سب سے بہتر ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے۔ اس کے بعد کچھ لوگ آئیں گے، جن کی گواہی ان کی قسم سے اور ان کی قسم ان کی گواہی سے سبقت لے جائے گی۔‘‘

صحافت اور میڈیا کے لیے بنیادی اصول:

آج غیر مسلموں سے متاثر ہو کر صحافت اور میڈیا سے منسلک حضرات برملا کہتے ہیں کہ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہونا چاہیے۔ اسے آزادئ اظہار کا نام دیا جاتا ہے حالانکہ کسی بات کی تحقیق کیے بغیر اسے پھیلانا جھوٹ بولنے کے مترادف ہے۔

((كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ)) (رواہ مسلم: کتاب المقدمة)

’’آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کردے۔‘‘

مسائل

١۔ ایمانداروں کے لیے حکم ہے کہ اگر کوئی ان کے درمیان بدگمانی یا افواہ پیدا پھیلائے تو اس کی تحقیق کرلیا کریں۔

٢۔ تحقیق کے بغیر افواہ پر یقین کرنے سے پریشانی لاحق ہوسکتی ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں کو ایمان سے منور فرمایا اور ایمان کو ان کے لیے عزیز ترین نعمت بنا دیا تھا۔

٤۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے دلوں کو کفر اور فسق وفجور سے متنفر کر دیا تھا۔

٥۔ سب کے سب صحابہ رضی اللہ عنہم ہدایت یافتہ تھے۔ ٦۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اپنا فضل اور عظیم احسان فرمایا۔

تفسیر بالقرآن

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان اور مرتبہ ومقام:

١۔ اللہ نے صحابہ کے ایمان کو آزمالیا۔ (الحجرات: ٣) ٢۔ صحابہ ایمان کا معیار ہیں۔ (البقرۃ: ١٣٧)

٣۔ صحابہ اللہ کی جماعت ہیں۔ (المجادلہ: ٢٢) ٤۔ صحابہ کو برا کہنے والے بیوقوف ہیں۔ (البقرۃ: ١٣)

٥۔ صحابہ دنیا وآخرت میں کامیاب ہوئے۔ (المجادلہ: ٢٢) ٦۔ صحابہ بھی اللہ پر راضی ہو گئے۔ (البینہ: ٨)

٧۔ صحابہ کو اللہ نے اپنی رضا کی ضمانت دی ہے۔ (البینہ: ٨)

وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ

اور اگر — دو گروہ — مومنوں سے — آپس میں لڑ پڑیں — تم صلح کراؤ — دونوں کے درمیان — پھر اگر

بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى

زیادتی کرے — دونوں میں سے ایک — دوسرے پر — تو تم لڑو — اس سے جو — زیادتی کرتا ہے — حتی کہ

تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ

وہ لوٹ آئے — اللہ کے حکم کی طرف — پھر اگر — وہ لوٹ آئے — تم صلح کرادو — دونوں کے درمیان — عدل کے ساتھ

وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝٩ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ

اور تم انصاف کرو — بلاشبہ — اللہ — پسند کرتا ہے — انصاف کرنے والوں کو — یقیناً — مومن (جمع)

اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝١٠

بھائی ہیں — لہٰذا تم صلح کراؤ — درمیان — اپنے بھائیوں کے — اور تم اللہ سے ڈرو — تاکہ تم — رحم کیے جاؤ

''اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ، اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو، اور انصاف کرو ،یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔(۹) مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرو۔ تاکہ کہ تم پر رحم کیا جائے۔''(۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بدگمانی پیدا کرنے اورافواہ اٹھانے کا نتیجہ عام طورپراختلافات کی صورت میں رونما ہوتاہے اور اختلافات کی وجہ سے مسلمانوں میں لڑائی جھگڑا پیدا ہوتاہے اس لیے اس کاحل پیش کیا گیا ہے۔

اگر مومنوں کے درمیان لڑائی جھگڑا ہوجائے تو دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان کے درمیان صلح کروانے کی پُرخلوص کوشش کریں ۔ اگر متحارب گروپوں میں سے کوئی گروپ دوسرے پر زیادتی کرنے والا ہو اوروہ صلح کرنے پر آمادہ نہ ہوتو صلح کروانے والے مسلمان اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں یہاں تک کہ وہ مجبور ہوکر اللہ کا حکم ماننے یعنی صلح کرنے کے لیے تیار ہوجائے ۔اگر وہ صلح پر آمادہ ہوجائے تو پھرعدل و انصاف کے ساتھ ان کے درمیان صلح کروانی چاہیے ۔ ہمیشہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں کو پسند کرتاہے ۔ اس لیے تمہیں پھرحکم دیا جاتا ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں ۔ اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کروادیا کرو اوراللہ سے ڈرتے ہوئے ہرقسم کی نافرمانی اورطرفداری سے بچو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۔ یہاں بنیادی طور پر دومسئلے بیان کیے گئے ہیں۔

①۔صلح کروانے والے حضرات کسی کی طرف داری کیے بغیر عدل و انصاف کے اصول پر صلح کروائیں ۔ ②۔ جو فریق صلح کرنے کے لیے تیار نہ ہو اس پر دباؤ ڈالنا چاہیے۔ ③۔ "اِنَّمَا" کا لفظ استعمال فرما کر واضح کیا ہے کہ مومنوں کے درمیان ہر صورت اخوت کا رشتہ قائم رہنا چاہیے۔اگر کوشش کے باوجود فریقین کے درمیان صلح نہیں ہوتی اور دونوں طرف سے کچھ نہ کچھ دلائل اور حقائق موجود ہوں تو پھر ان سے کنارہ کش ہونا بھی جائز ہے جس کا ثبوت حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے درمیان ہونے والی جنگِ جمل اور حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے درمیان ہونے والی جنگ میں پایا جاتا ہے ۔

حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جنگِ صفّین برپا ہوئی۔کچھ نوجوان حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگے کہ آپ اس جنگ میں کیوں شریک نہیں ہوتے ؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے وہ تلوار دو جو کافر اور مومن کے درمیان فرق کرسکے۔ان کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ مجھے اس تنازع میں غیر جانبدار رہنے دیا جائے۔چنانچہ حضرت سعد، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما اور بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس تنازع میں غیر جانبدار رہے۔

مسائل

۱۔ اگر مومنوں کی دو جماعتوں کے درمیان لڑائی ہو جائے تو ان کے درمیان صلح کروانی چاہیے ۔

۲۔ صلح کروانے والوں کا فرض بنتا ہے کہ جو گروہ صلح پر آمادہ نہیں ہوتا وہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔

۳۔ صلح پورے خلوص اور عدل و انصاف کے ساتھ کروانی چاہیے ۔

۴۔ اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کرنے والے کو پسند کرتا ہے ۔

۵۔ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں اس لیے ان کے درمیان صلح اور اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے ۔

۶۔ جولوگ ''اللہ'' سے ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرماتا ہے ۔

تفسیر بالقرآن

مسلمانوں کے معاملات میں عدل وانصاف ہونا چاہیے :

۱۔ عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے ،اللہ سے ڈر جاؤ اور جان لو "اللہ" سینوں کے رازوں سے واقف ہے ۔ (المائدۃ:۸)

۲۔ جب فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو ۔ (النساء: ۵۸)

۳۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان عدل و انصاف کا فیصلہ کروں ۔ (الشوریٰ: ۱۵)

۴۔ اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (المائدۃ: ۴۲) ۵۔کہہ دیجیے مجھے میرے رب نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے ۔ (الاعراف: ۲۹)

۶۔ جب مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کریں ۔اللہ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ۔(الحجرات:۹) ۷۔جب بات کرو تو عدل وانصاف کی بات کرو۔(الانعام :۱۵۲)

۸۔ اللہ تعالیٰ تمہیں عدل وانصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔(النحل:۹۰)

يٰۤاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	لَا	يَسْخَرْ	قَوْمٌ	مِّنْ قَوْمٍ
اے	وہ لوگو جو	ایمان لائے ہو	نہ	مذاق کرے	کوئی قوم	کسی قوم سے
عَسٰۤى	اَنْ	يَّكُوْنُوْا	خَيْرًا	مِّنْهُمْ	وَلَا	نِسَآءٌ
شاید	کہ	ہوں وہ	بہتر	ان سے	اور نہ	عورتیں ہی
مِّنْ نِّسَآءٍ	عَسٰۤى	اَنْ	يَّكُنَّ	خَيْرًا	مِّنْهُنَّ ۚ	وَلَا تَلْمِزُوْۤا
عورتوں سے	شاید	کہ	ہوں وہ	بہتر	ان سے	اور نہ تم عیب لگاؤ
اَنْفُسَكُمْ	وَلَا	تَنَابَزُوْا	بِالْاَلْقَابِ ؕ	بِئْسَ	الِاسْمُ	الْفُسُوْقُ
آپس میں	اور نہ	تم پکارو ایک دوسرے کو	بُرے القاب سے	برا	نام	گناہ ہے
بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ	وَمَنْ	لَّمْ	يَتُبْ	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	الظّٰلِمُوْنَ ⑪	
ایمان کے بعد	اور جس نے	نہ	توبہ کی	وہی لوگ	ظالم ہیں	

”اے لوگو !جو ایمان لائے ہو ! نہ مرد دوسروں مردوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، آپس میں ایک دوسرے پرطعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو، ایمان لانے کے بعد نافرمانی کرنا بُری بات ہے۔ جولوگ اس روش سے باز نہیں آئیں گے وہ ظالم ہیں۔“(١١)

فہم القرآن

ربطِ کلام : مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اس لیے انہیں آپس کے اختلافات سے بچنا چاہیے یہ تبھی ممکن ہوگا جب مسلمان ایک دوسرے کی عزت کا خیال رکھیں گے اور ایسے الفاظ اورانداز سے بچیں جس سے دوسرے بھائی کی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔مومنوں کواللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات میں مسلمانوں کو تیسری مرتبہ ”اٰمَنُوْا“ کے لفظ سے مخاطب کیا ہے کہ اے ایمان والو! کوئی قوم کسی دوسری قوم سے تمسخر نہ کرے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اس سے بہتر ہو اورنہ عورتیں دوسری عورتوں کو مذاق کا نشانہ بنائیں ممکن ہے کہ وہ ان سے بہترہوں اورنہ ایک دوسرے کے عیب نکالا کرو اورنہ ایک دوسرے کے بُرے نام رکھو۔ایمان لانے کے بعد دوسروں کے بُرے نام رکھنا ”اللہ تعالیٰ“ کی نافرمانی کرنا ہے جواس کام سے باز نہ آئیں وہ لوگ ظالم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خطاب میں مسلمانوں کو سطحی اور گھٹیا اخلاق اورکردار سے بچانے کے لیے تین حکم دیئے ہیں۔ا۔کوئی قوم دوسری قوم کو اورعورتیں دوسری عورتوں کوتمسخر کا نشانہ نہ بنائیں۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ تمسخر کرنے والوں سے بہتر ہوں ۔ اس صورت میں مذاق کرنے والی کی نہ صرف اپنی بےعزتی ہوگی بلکہ معاشرے میں اختلاف بھی پیدا ہوگا جس سے بچنا چاہیے۔

ایک دوسرے کا تمسخر اڑانا منع ہے:

تمسخر کا معنٰی ہے کسی کو حقیر جانتے ہوئے اس کی بے عزتی کرنا، ذلیل کرنا، مذاق اُڑانا، توہین کرنا۔

عربوں میں اس بات کا عام رواج تھا کہ ایک قبیلے کا شاعر دوسرے قبیلے کی تضحیک کرتا۔ نہ صرف ان کے سرکردہ لوگوں کی تضحیک کرتا بلکہ ان کی خواتین کو بھی تضحیک کا نشانہ بناتا اور یہی عادت خواتین میں پائی جاتی تھی۔ جو قبیلہ دوسرے قبیلے کا سب سے زیادہ تمسخر اڑاتا اسے دوسروں سے برتر سمجھا جاتا تھا۔ تمسخر اڑانے والے شاعر کو خراجِ تحسین پیش کیا جاتا۔ دوسرے کی عزت و احترام کے ساتھ کھیلنا اورانہیں لوگوں کی نظروں میں حقیر بنانا ان کے نزدیک کوئی عیب نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اورعورتوں کو یہ کہہ کر منع کیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ جن کو تم تمسخر کا نشانہ بناتے ہو وہ ایمان، اخلاق اور کردار کے لحاظ سے تم سے بہتر ہوں۔

"اٰمَنُوْا" کے لفظ میں مرد اورخواتین دونوں شامل ہیں لیکن اعلیٰ اخلاق کی ترویج اوراس کی اہمیت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے مردوں اورخواتین کو الگ الگ مخاطب کیا اورانہیں اس بُری عادت سے منع فرمایا ہے۔ یاد رہے کہ آدمی دوسرے کو اس وقت مذاق کا نشانہ بناتا ہے جب اس کے دل سے اس کا احترام اٹھ جاتا ہے جب کسی کا احترام اُٹھ جائے تو پھر باہمی اخوت باقی نہیں رہتی۔ جس معاشرے اورقوم میں اخوت اور بھائی چارے کا فقدان ہو اس میں اتحاد باقی نہیں رہ سکتا۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ تمسخر اورخوش طبعی میں بڑا فرق ہے۔ خوش طبعی میں دوسرے کو خوش کرنا مقصود ہوتا ہے لیکن تمسخر میں دوسرے کی تذلیل پائی جاتی ہے۔ بے شک یہ کام زبان سے کیا جائے یا اشارے کنائے سے اس سے ہرصورت بچنا چاہیے۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا یَبِعْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَیْعِ بَعْضٍ وَکُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهٗ وَلَا یَخْذُلُهٗ وَلَا یَحْقِرُهٗ التَّقْوٰی هَاهُنَا وَیُشِیرُ إِلٰی صَدْرِهٖ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ..........)) (رواه مسلم: کتاب البر والصلة، باب تحریم ظلم المسلم)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باہم حسد نہ کرو اور ایک دوسرے پر بولی نہ بڑھاؤ اور بغض نہ رکھو اورقطع تعلقی نہ کرو اور تم میں سے کوئی دوسرے کے سودے پر تجارت نہ کرے اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ وہ اپنے بھائی پرظلم کرتا ہے نہ اسے ذلیل کرتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر سمجھتا ہے تقویٰ اس جگہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا.........."

((وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ اَحْسَنَکُمْ اَخْلَاقًا)) (رواه البخاری: باب مَنَاقِبُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی گرامی ﷺ نے فرمایا: مجھے وہ شخص زیادہ پسند ہے، جو تم میں بہترین اخلاق والا ہے۔''

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا۔ تم میں سے وہ بہتر ہیں، جو اخلاق کے لحاظ سے بہتر ہیں۔'' (رواہ البخاری: باب صفۃا لنبی ﷺ)

عیب جوئی سے بچنے کا حکم:

دوسرا حکم یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کی عیب جوئی نہ کیا کرو۔ آپس کا لفظ استعمال فرما کر یہ سمجھایا کہ ہر ایماندار دوسرے کو اپنا بھائی جانے اور اس کی عزت کو اپنی عزت سمجھے۔ مقصود یہ ہے کہ جس طرح اپنی عزت کا خیال رکھتے ہو اسی طرح اپنے بھائی کی عزت کا خیال رکھو! عیب جوئی کرنے والے کا مقصد ہی دوسرے کے عیب اچھالنا اور اس کو ذلیل کرنا ہوتا ہے۔ چاہے یہ کام عادت کے طور پر کیا جائے یا حسد اور مخالفت کی بنیاد پر دوسرے کی عزت اچھالنے کے سوا اس کام کی کوئی اچھی تعبیر نہیں کی جاسکتی۔ ظاہر ہے جب ایک شخص دوسرے کی عزت اچھالنے کی کوشش کرے گا۔ یا تو وہ اس سے بدلہ لے گا یا پھر اس سے نفرت کا اظہار کرے گا۔ کیونکہ اخوت اور نفرت بیک وقت جمع نہیں ہو سکتے۔

نفرت پیدا کرنے سے اجتناب کرنے کا حکم:

نبی علیہ السلام نے باہمی نفرت سے بچنے کا اس حد تک خیال فرمایا کہ آپ جہاں بھی اپنے نمائندے بھیجتے۔ انہیں حکم دیتے کہ وعظ ونصیحت میں بھی ایسے الفاظ اور ایسا انداز اختیار نہ کیا جس سے لوگ دین سے نفرت کریں یا ان میں بلاوجہ تفریق پیدا ہو جائے۔

((عَنْ أَبِیْ مُوْسٰی رضی اللہ عنہ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ إِذَا بَعَثَ أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِہٖ فِیْ بَعْضِ أَمْرِہٖ قَالَ بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا وَیَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا)) (رواہ البخاری: باب مَا کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَتَخَوَّلُھُمْ بِالْمَوْعِظَۃِ وَالْعِلْمِ کَیْ لَا یَنْفِرُوا)

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی گرامی ﷺ جب اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو کسی کام کیلئے بھیجتے تو فرماتے، لوگوں کو خوش خبری دینا، انہیں تقسیم نہ کرنا۔ ان کے ساتھ نرمی کرنا، مشکل میں مبتلا نہ کرنا۔''

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَسَکِّنُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا))

(رواہ البخاری: باب قَوْلِ النَّبِیِّ ﷺ یَسِّرُوا، وَلَا تُعَسِّرُوا)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی معظم ﷺ نے فرمایا: نرمی کرو، مشکل میں نہ ڈالو، دوسرے کو سکون پہنچاؤ، اور نفرت نہ دلاؤ۔''

غیبت سے بچنے کا حکم:

"وَلَا تَنَابَزُوْا" کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔

((وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَتَدْرُوْنَ مَاالْغِیْبَةُ قَالُوا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا یَكْرَهُ قِیْلَ أَفَرَأَیْتَ اِنْ كَانَ فِیْ أَخِیْ مَا أَقُوْلُ قَالَ اِنْ كَانَ فِیْهِ مَاتَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَ اِنْ لَمْ یَكُنْ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهٗ. (رواه مسلم: وَفِیْ رِوَایَةٍ اِذَاقُلْتَ لِاَخِیْكَ مَا فِیْهِ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَاِذَاقُلْتَ مَا لَیْسَ فِیْهِ فَقَدْ بَهَتَّهٗ)) (رواه مسلم: باب تحریم الغیبة)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم اپنے بھائی کو ان الفاظ کے ساتھ یاد کرو جنہیں وہ ناپسند کرتا ہے۔ عرض کیا گیا، اگر کسی بھائی میں وہ ناپسندیدہ بات موجود ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو۔ اس صورت میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر اس میں وہ بات موجود ہے جو تو کہہ رہا ہے تو پھر تو نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں وہ بات موجود نہیں، جو تو نے کہی ہے پھر تو نے اس پر بہتان لگایا۔ (مسلم) دوسری روایت میں ہے۔ اگر تو نے اپنے بھائی کی وہ بات کی، جو اس میں موجود ہے تو تو نے اس کی غیبت کی۔ اگر ایسی بات کہی جو اس میں موجود نہیں' تو پھر تو نے اس پر بہتان لگایا۔"

البتہ کسی کے مشورہ طلب کرنے پر دوسرے کی کمزوری بتلانا غیبت میں شامل نہیں ہوتا۔ بشرطیکہ ضرورت کے تحت دوسرے کی کمزوری بیان کرتے ہوئے نیت، الفاظ اور انداز اچھا ہو۔ حدیث کی مقدس کتب میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔

بُرے القاب رکھنا گناہ کا کام ہے:

مومنوں کو تیسرا حکم یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے برے نام اور القاب نہ رکھا کریں۔ یہاں مطلقاً القاب رکھنے سے منع نہیں کیا گیا۔ "بِئْسَ الِاسْمُ" کے الفاظ استعمال کیے ہیں کہ برے نام رکھنے سے اجتناب کرو۔ کسی کے اچھے کام اور اخلاق کی وجہ سے اسے اچھا لقب دینا نبی علیہ السلام کی سنت ہے۔ بے شک یہ لقب کسی کے طبعی رجحان کی بنیاد پر دیا جائے یا اچھے کام پر۔ جس طرح ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو زمین پر لیٹے ہوئے دیکھا تو محبت سے اسے "ابو تراب" کہہ کر بلایا۔ ابو ہریرہ کو بلی کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھا تو اسے ابو ہریرہ کے لقب کے ساتھ یاد کیا۔ صدیق اکبر کی صداقت کی وجہ سے انہیں "اَلصِّدِّیْق" کے اعزاز سے سرفراز فرمایا۔ اس طرح حدیث میں کئی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا "بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ" کا معنٰی ہے کہ کسی کو ایسے نام یا لقب سے پکارا جائے جس میں وہ اپنی ہتک محسوس کرتا ہو۔ البتہ اگر وہ کسی لقب یا نام میں اپنی تحقیر نہیں سمجھتا تو اسے اس لقب کے ساتھ پکارنے میں کوئی حرج نہیں۔ حدیث میں اس کی بھی مثالیں پائی جاتی ہیں۔

ا۔”ذوالیدین“یعنی لمبے ہاتھوں والا :

آپ ﷺ کے دور میں ایک صحابی کے ہاتھ دوسرے صحابہ کے ہاتھوں سے قدرے لمبے تھے ۔لوگ اسے ذوالیدین کہہ کر پکارا کرتے تھے اور وہ اسے محسوس نہیں کرتے تھے ۔

٢۔حمار یعنی گدھا :

ایک دیہاتی صحابی دوسروں سے زیادہ جفاکش اور محنتی تھا۔زیادہ محنت کرنے کی وجہ سے لوگ اسے الحمار کہتے تھے ۔کیونکہ اس لقب سے اس کی توہین کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ یہ لفظ اس کی جفاکشی اور محنت کا ترجمان تھا ۔اس بنا پر لوگ اسے الحمار کہہ کر پکارتے تھے ۔اسی طرح اگر کسی شعبہ میں ایک ہی نام کے کئی مشہور لوگ ہوں اوران کی شناخت کے لیے ان کو کسی ایسے لقب سے پکارا جائے جو بات ان میں موجود ہوتو ایسا لقب استعمال کرنے کی بھی ایک حد تک اجازت ہے بشرطیکہ اس کے پیچھے اس کی تحقیر مقصود نہ ہو ۔

مسائل

ا۔ ایمانداروں کا فرض ہے کہ وہ ایک دوسرے کوبُرا مذاق نہ کریں۔

٢۔ ایمانداروں کا فرض ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بُرے القاب نہ رکھیں۔

٣۔ ایمان لانے کے بعد بُرے القاب رکھنا اللہ اوراس کے رسول کی نافرمانی کرنا ہے۔

٤۔ جولوگ اللہ اوراس کے رسول کی نافرمانی کریں گے وہ ظالم ہوں گے ۔

تفسیر بالقرآن

کون لوگ ظالم ہیں:

ا۔ اللہ کی مساجد کو ویران کرنے والا ظالم ہے۔(البقرۃ:١١٤)٢۔ اللہ کی گواہی کو چھپانے والاظالم ہے۔(ابقرۃ:١٤٠)

٣۔ اللہ پر جھوٹ باندھنے والا۔(الانعام:١٢)٤۔ نبوت کا دعویٰ کرنے والا۔(الانعام:٩٣)

٥۔ اللہ کی آیات کو جھٹلانے والا۔(الاعراف:٣٧)٦۔اللہ کی آیات سن کر اعراض کرنے والا۔(الکہف:٥٧)

٧۔ حق بات کو جھٹلانے والا۔(العنکبوت:٦٨)٨۔سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ پر جھوٹ بولتا ہے ۔(الکہف : ١٥)

٩۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مانگنے والا ۔(یونس:١٠٦)١٠۔قرآن کی نصیحت سے منہ موڑنے والا۔(الکہف :٥٧)

١١۔ اللہ کی آیات کو سن کر اعراض کرنے والا بڑا ظالم ہے ۔ (السجدۃ: ٢٢)

١٢۔ اللہ کی آیات کو جھٹلانے اور لوگوں کو گمراہ کرنے والا بڑا ظالم ہے ۔ (الانعام:١٤٤)

١٣۔اس سے بڑا ظالم کون ہے؟ جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اور اس کی آیات کو جھٹلاتا ہے ۔ (الانعام: ٢١)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ

اے | لوگو جو | ایمان لائے ہو | پرہیز کرو | بہت زیادہ | بدگمانیوں سے | یقیناً

بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ

بدگمانیوں میں سے بعض | گناہ ہیں | اور نہ | تم جاسوسی کرو | اور نہ | غیبت کرے

بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ

تم میں سے کوئی دوسرے کی | کیا پسند کرتا ہے | تم میں سے کوئی ایک | یہ کہ | وہ کھائے

لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

گوشت | اپنے مردہ بھائی کا | پس تم ناپسند کرتے ہو اس کو | اور تم ڈرو | اللہ سے

اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

بلاشبہ | اللہ | توبہ قبول کرنے والا | نہایت رحم فرمانے والا ہے

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بدگمانی کرنے سے پرہیز کرو کیونکہ بہت سی بدگمانیاں گناہ ہوتی ہیں، جاسوسی نہ کرو، اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں کوئی ہے جو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے؟ تم اسے بُرا سمجھتے ہو۔اللہ سے ڈرو اللہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“(۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عیب جوئی کا آغاز بدظنی سے ہوتا ہے۔اسے ختم کرنے کے لیے حکم دیا ہے کہ ہر قسم کی بدگمانی سے اجتناب کرو۔

ایمانداروں کو تیسرا خطاب اس میں تین کاموں سے منع کیا گیا ہے۔اے ایماندارو! بدگمانیوں سے بچو کیونکہ اکثر بدگمانیاں بدظنی پر مبنی ہوتی ہیں اور کوئی مسلمان کسی مسلمان کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں کوئی شخص یہ بات پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔حالانکہ اس سے تم ہر صورت نفرت کرتے ہو۔ اللہ سے ڈرو! یقیناً اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ پہلے کسی کے بارے میں بدظنی پیدا ہوتی ہے اور پھر بدظنی کے بعد عیب جوئی کے لیے تجسس شروع ہوتا ہے جس کا نتیجہ غیبت کی صورت میں نکلتا ہے۔ بدظنی ،تجسس اور غیبت آپس میں لازم وملزوم ہیں اس لیے بیک وقت تینوں کاموں سے منع کیا گیا ہے۔اس سے بچنے والے کو خوشخبری دی گئی ہے کہ جو غیبت سے بچے گا اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا کیونکہ وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے۔

ظن:

قرآن مجید نے ظن کا لفظ یقین اور گمان کرنے کے معانی میں بھی استعمال کیا ہے۔(اس کا تعین موقعہ کے مطابق کیا جاتا ہے۔)

ظن کا معنٰی یقین کرنا (الحاقہ:٢٠) ظن کا معنٰی کسی بات یا کام کے بارے میں تذبذب کا شکار ہونا۔(یوسف:٤٢)

ظن کا معنٰی کسی کے بارے میں بدگمانی کرنا۔(الحجرات:١٢)

یہاں ظن سے مراد بدگمانی ہے جس سے قرآن مجید اور نبی علیہ السلام نے مسلمانوں کو منع کیا ہے اور اس کے مقابلے میں آپس میں اچھا گمان یعنی حسن ظن رکھنے کی تلقین فرمائی ہے۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِیَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِیثِ، وَلَا تَحَسَّسُوا، وَلَا تَجَسَّسُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا)) (رواه البخاری: باب مَا یُنْهَى عَنِ التَّحَاسُدِ وَالتَّدَابُرِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی بہت بڑا جھوٹ ہے۔کسی کی عیب جوئی، جاسوسی اور حسد نہ کرو، نہ پیٹھ پیچھے باتیں کرو، نہ آپس میں دشمنی رکھو۔ اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔“

تجسّس:

تجسّس سے مراد ایک دوسرے کے نقائص اورعیب تلاش کرنا ہے۔دوسرے کے عیب تلاش کرنے سے اس کے بارے میں دل میں نفرت پیداہوتی ہے۔مسلمانوں کو باہمی نفرت سے بچانے کے لیے حکم دیا ہے کہ ایک دوسرے کا تجسس نہ کیا کرو لیکن تجسس کی بعض صورتیں ایسی ہیں جو جائز ہی نہیں بلکہ بعض حالات میں ذمہ دار لوگوں پر تجسس کرنا فرض ہوجاتا ہے کیونکہ اس کے بغیر معاشرے میں گناہوں پر کنٹرول کرنا ممکن نہیں ہوتا۔حکومت کا جرائم پیشہ لوگوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھنا اور کسی ادارے کے سربراہ کا ادارے کے حالات سے آگاہ ہونا ضروری ہے تاکہ اصلاحِ احوال کے لیے بروقت قدم اٹھایا جاسکے۔

مسائل

١۔ مسلمانوں کو ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانی سے بچنا چاہیے۔

٢۔ اکثر بدگمانیاں انسان کو گناہ اور دوسرے کے ساتھ زیادتی کرنے پر آمادہ کرتی ہیں۔

٣۔ مسلمانوں کو خوامخواہ ایک دوسرے کے معاملات کا تجسس نہیں کرنا چاہیے۔

٤۔ مسلمانوں کو ایک دوسرے کی غیبت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

٥۔ مسلمان بھائی کی غیبت کرنا اپنے فوت شدہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔

٦۔ مسلمان کو ہرحال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان ہے۔

يٰۤاَيُّهَا	النَّاسُ	اِنَّا	خَلَقْنٰكُمْ	مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى	وَجَعَلْنٰكُمْ
اے	لوگو	بلاشبہ	ہم نے پیدا کیا تمہیں	ایک مرد اور ایک عورت سے	اور ہم نے بنائے تمہارے
شُعُوْبًا	وَّ قَبَآئِلَ	لِتَعَارَفُوْا ۭ	اِنَّ	اَكْرَمَكُمْ	عِنْدَ اللّٰهِ
خاندان	اور قبیلے	تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو	بلاشبہ	تم میں سے زیادہ عزت والا	اللہ کے ہاں
اَتْقٰىكُمْ ۭ	اِنَّ	اللّٰهَ	عَلِيْمٌ	خَبِيْرٌ ⑬	
جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے	بلاشبہ	اللہ	خوب جاننے والا	اچھی طرح خبردار ہے	

”لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہارے خاندان اور قبیلے بنا دیئے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، یقیناً اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے، بلاشبہ اللہ سب کچھ جاننے والا اور اچھی طرح باخبر ہے۔“(١٣)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اخلاقی اور لسانی عیوب سے بچنے کے لیے یہ حقیقت بتلائی اور اس کے ذریعے احساس دلایا ہے کہ تم بنیادی طور پر ایک ہی ماں، باپ کی اولاد ہو لہٰذا تمہیں بدگمانی، ایک دوسرے کا تجسس اور غیبت کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اے لوگو! تمہارے رب کا فرمان ہے کہ ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور پھر قبیلے بنائے تاکہ تمہیں ایک دوسرے کو جاننے اور پہچاننے میں آسانی ہو۔ تمہارے خاندان اور قبائل بنانے کا یہ مقصد نہیں کہ تم خاندان اور قبائل کی بنیاد پر ایک دوسرے پر فخر کرو۔ یقیناً ”اللہ“ کے نزدیک تم میں سے وہی عزت والا ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور ہر بات سے باخبر ہے۔

”شُعُوْبٌ“ شعبٌ کی جمع ہے۔ شعوب کا لفظ وسیع تر معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ عمرانیات کے ماہرین نے اس کے کئی معانی بیان کیے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔ ①۔ لوگوں کا بڑا گروہ جو ایک باپ کی طرف منسوب ہو۔ ②۔ لوگوں کی ایک بڑی جماعت جو ایک سوشل نظام کے ماتحت ہو۔ ③۔ وہ جماعت جس کے افراد کی بودوباش اور زبان ایک ہو۔ ④۔ قبیلے کی جمع قبائل ہے جس کا معنٰی ایک باپ یا دادا کی طرف منسوب لوگ ہیں۔

خاندان اور قبائل بنانے کا مقصد یہ ہے کہ تمہیں ایک دوسرے کو پہچاننے میں آسانی ہو۔ قبیلہ سے مراد ایک برادری بھی ہوسکتی ہے جس طرح پاکستان میں مختلف ناموں پر برادریاں ہیں اور پھر بڑی برادریوں کے درمیان بھی برادریاں ہوتی ہے۔ پھر ان میں خاندان ہیں۔ عام طور پر ایک دادا کی اولاد کو ایک خاندان سمجھا جاتا ہے۔

((يَـآ أَيُّهَا النَّاسُ !أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى أَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلٰى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلٰى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى))

(مسند أحمد : كتاب مسند الأنصار، باب حديث رجل من أصحاب النبى ﷺ)

”اے لوگو! خبردار یقیناً تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ خبردار! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سرخ کو کالے پر اور کسی کالے کو سرخ پر تقویٰ کے سوا کوئی فضیلت حاصل نہیں۔“

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ مَاتَ مِیْتَةً جَاهِلِیَّةً وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَایَةٍ عِمِّیَّةٍ یَغْضَبُ لِعَصَبِیَّةٍ اَوْیَدْعُوْ لِعَصَبِیَّةٍ اَوْ یَنْصُرُ عَصَبِیَّةً فَقُتِلَ فَقِتْلَةٌ جَاهِلِیَّةٌ وَمَنْ خَرَجَ عَلٰی اُمَّتِیْ بِسَیْفِهٖ یَضْرِبُ بَرَّهَا وَ فَاجِرَهَا وَلَا یَتَحَاشَ مِنْ مُؤْمِنِهَا وَلَا یَفِیْ لِذِیْ عَهْدٍ عَهْدَهٗ فَلَیْسَ مِنِّیْ وَلَسْتُ مِنْهُ))

(رواہ مسلم: باب الْأَمْرِ بِلُزُومِ الْجَمَاعَةِ عِنْدَ ظُهُورِ الْفِتَنِ وَتَحْذِيرِ الدُّعَاةِ إِلَى الْكُفْرِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا، جو اطاعت اور جماعت سے علیحدہ ہوا اور وہ اسی حالت میں فوت ہوا، تووہ جاہلیت کی موت مرا اور جو شخص نامعلوم جھنڈے کے نیچے لڑتا رہا، عصبیت کی خاطر غیرت میں آیا اور عصبیت کی دعوت دیتا رہا، یا عصبیت کی وجہ سے مدد کرتا ہوا قتل ہوا، اس کا قتل، جہالت پر ہوگا۔ جو شخص میری امت کے خلاف تلوار سونت کر نیک و بد سب کو تہ تیغ کرتا چلا گیا اور کسی مومن کی اس نے پروا نہ کی اور نہ ہی کسی عہد والے کے عہد کا پاس کیا، وہ مجھ سے نہیں اور نہ میرا اس سے کوئی تعلق ہے۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک مرد اور عورت سے تخلیق فرمایا۔

٣۔ کنبے اور قبیلے بنانے کا مقصد ایک دوسرے کی پہچان ہے۔

٤۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت کا معیار تقویٰ ہے۔ ٥۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز سے باخبر ہے۔

تفسیر بالقرآن

تقویٰ کی اہمیت وفضیلت:

١۔ مصیبتوں میں صبر اختیار کرنا اور سچ بولنا تقویٰ ہے۔ (البقرۃ: ١٧٧)

٢۔ حلال روزی کھانا، اللہ پر ایمان لانا اور اس سے ڈرنا تقویٰ ہے۔ (المائدۃ: ٨٨)

٣۔ اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم دینا اور اس پر قائم رہنا تقویٰ ہے۔ (طٰہٰ: ١٣٢)

٤۔ شعائر اللہ کا احترام کرنا تقویٰ ہے۔ (الحج: ٣٢) ٥۔ حج کے سفر میں زادِ راہ لینا تقویٰ ہے۔ (البقرۃ: ١٩٧)

٦۔ متقی کی خطائیں معاف اور ان کے لیے بڑا اجر ہوگا۔ (الطلاق: ٤ تا ٥)

٧۔ متقین کے لیے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنت ہے۔ (القلم: ٣٤)

٨۔ متقین اولیاء اللہ ہیں جو قیامت کے دن بے خوف ہوں گے۔ (یونس: ٦١ تا ٦٤)

قَالَتِ	الْاَعْرَابُ	اٰمَنَّا ؕ	قُلْ	لَّمْ	تُؤْمِنُوْا	وَلٰكِنْ	
کہا	دیہاتیوں نے	ہم ایمان لائے	آپ فرمائیں	نہیں	تم ایمان لائے	اور لیکن	
قُوْلُوْٓا	اَسْلَمْنَا	وَلَمَّا	يَدْخُلِ	الْاِيْمَانُ	فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ	وَاِنْ	
تم کہو	ہم اسلام لائے	اور ابھی تک نہیں	داخل ہوا	ایمان	تمہارے دلوں میں	اور اگر	
تُطِيْعُوا	اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	لَا	يَلِتْكُمْ	مِّنْ اَعْمَالِكُمْ	شَيْـًٔا ؕ		
تم اطاعت کرو	اللہ اور اس کے رسول کی	نہیں	وہ کم کرے گا	تمہارے اعمال سے	کچھ بھی		

”دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ان سے فرمائیں تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے۔ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا، اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو ”اللہ“ تمہارے اعمال میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ علیم اور خبیر ہے پچھلی آیات کے حوالے سے وہ جانتا ہے کہ کچھ لوگ صرف زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اس آیت میں یہ اشارہ موجود ہے کہ دوسروں کا مذاق اڑانا اور عیب جوئی کرنا جہالت کا کام ہے ایسے لوگوں کو انتباہ کے طور پر بتلایا گیا ہے۔

نبی معظم ﷺ کے دور میں مدینہ کے مضافات میں رہنے والے ایسے لوگ بھی تھے جو آپ کی خدمت میں آکر ایسا انداز اختیار کرتے جس سے صاف معلوم ہوتا کہ یہ لوگ اپنے ایمان لانے کو نبی علیہ السلام اور مسلمانوں پر احسان سمجھتے ہیں۔ اس بنا پر وہ نبی ﷺ سے ایسے مطالبات کرتے ہیں جن کا انہیں حق نہیں تھا۔ اس صورتحال میں نبی علیہ السلام کو ارشاد ہوا کہ آپ انہیں فرمائیں کہ تم نے ابھی تک اسلام کا اقرار کیا ہے۔ حقیقت میں ایمان نہیں لائے کیونکہ تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا۔ اگر تم رسمی کی بجائے حقیقی ایمان کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے کچھ کم نہیں کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔ حقیقت میں مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں پھر انہیں اپنے ایمان کے بارے میں کوئی شک نہ رہے۔ اس ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ اللہ کے راستے میں اپنے مال اور اپنی جان کے ساتھ جہاد کریں۔ یہی لوگ دعویٰ ایمان میں سچے ہیں۔ جہاد کا جامع مفہوم یہ ہے کہ مسلمان ہر محاذ پر اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لیے جدوجہد کرتے رہیں۔ اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے رسمی اور حقیقی ایمان کا فرق بیان کیا ہے۔ رسمی اور نسلی ایمان یہ ہے کہ آدمی فائدے کے وقت اسلام پر عمل کرے اور مشکل کے وقت اسلام پر عمل کرنا چھوڑ دے۔ اس طرح کا ایمان انسان میں کوئی تبدیلی واقع نہیں کرتا۔ سچے ایمان اور حقیقی اسلام کا فائدہ یہ ہے کہ انسان اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہوئے کسی

اِنَّ	اللّٰهَ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ⑭	اِنَّمَا	الْمُؤْمِنُوْنَ	الَّذِيْنَ
بلاشبہ	اللہ	بہت بخشنے والا	نہایت رحم کرنے والا ہے	یقیناً	مومن (جمع)	وہ ہیں
اٰمَنُوْا	بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	ثُمَّ	لَمْ	يَرْتَابُوْا		وَجٰهَدُوْا
جوایمان لائے	اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ	پھر	نہیں	انہوں نے شک کیا		اور انہوں نے جہاد کیا
بِاَمْوَالِهِمْ	وَاَنْفُسِهِمْ	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اُولٰٓئِكَ هُمُ			الصّٰدِقُوْنَ ⑮
اپنے مالوں سے	اور اپنی جانوں کے ساتھ	اللہ کی راہ میں	یہی لوگ			سچے ہیں

یقیناً اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔(۱۴) حقیقت میں مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہی لوگ سچے ہیں۔"(۱۵)

پر احسان نہیں جتلاتا۔ وہ مسجد میں خرچ کرتا ہے تو اس کا کسی نمازی اور خطیب پر احسان نہیں ہوتا۔ وہ دینی مدرسہ کے ساتھ تعاون کرتا ہے تو طلبہ اور اس کی انتظامیہ پر احسان نہیں جتلاتا۔کسی غریب کی مدد کرتا ہے تو اس سے کسی خدمت کی توقع نہیں رکھتا۔قتال فی سبیل اللہ میں حصہ لیتا ہے تو اس میں اس کا کوئی دنیاوی مفاد نہیں ہوتا۔اس کی نیت وعمل میں یہ اخلاص اور جذبہ اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ اس کے دل میں ایمان راسخ ہوچکا ہوتا ہے۔حقیقی ایمان کی یہی نشانی ہے کہ وہ مسلمان کے فکر وعمل میں انقلاب پیدا کرتا ہے جس بنا پر ایماندار شخص اپنے کسی عمل کا کسی پر احسان نہیں جتلاتا۔اللہ تعالیٰ نہ صرف ایسے لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں کرے گا بلکہ اپنی مہربانی سے ان کی بشری کمزوریوں اور غلطیوں کو بھی معاف فرما دے گا۔ کیونکہ وہ معاف کرنے والا اور انتہائی رحیم وشفیق ہے۔ رسمی اور حقیقی ایمان کے درمیان فرق یہ ہے کہ رسمی طور پر ایمان لانے والے رسماً اسلام پر عمل کرتے ہیں اور حقیقی طور پر ایمان لانے والے صرف اپنے رب کی رضا کے لیے عمل کرتے ہیں یہی لوگ اپنے ایمان میں سچے ہیں۔

مومن اور مسلمان میں فرق:

((عَنْ عَلِيٍّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُهٗ وَلَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْاٰنِ إِلَّا رَسْمُهٗ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰى عُلَمَاءُ هُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ أَدِيْمِ السَّمَآءِ مِنْ عِنْدِ هِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ)) (مشكوٰة : كتاب العلم، قال يحيىٰ بن معين ليس بشيء ،حكمه ضعيف)

"حضرت علی ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:لوگوں پر ایک ایسا دور آئے گا کہ اسلام کا صرف نام رہ جائے گا، قرآن کی تلاوت عادت کے طور پر کی جائے گی، ان کی مساجد آباد ہوں گی لیکن ہدایت سے خالی ہوں گی، ان کے علماء آسمان کی چھت تلے شریر ترین لوگ ہوں گے، انہی سے فتنہ ظہور

پذیر ہوگا اور انہی کی طرف لوٹ جائے گا۔“

((عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُولُ فِی بَعْضِ صَلاَتِہِ اللَّھُمَّ حَاسِبْنِی حِسَاباً یَسِیرًا فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْتُ یَا نَبِیَّ اللَّہِ مَا الْحِسَابُ الْیَسِیرُ قَالَ أَنْ یَنْظُرَ فِی کِتَابِہِ فَیَتَجَاوَزَ عَنْہُ إِنَّہُ مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ یَوْمَئِذٍ یَا عَائِشَۃُ ھَلَکَ وَکُلُّ مَا یُصِیبُ الْمُؤْمِنَ یُکَفِّرُ اللَّہُ عَزَّ وَجَلَّ بِہِ عَنْہُ حَتَّی الشَّوْکَۃُ تَشُوکُہُ)) (روہ احمد: مسند عائشہ صدیقہ ؓ)

”حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں میں نے نبی ﷺ کو بعض نمازوں میں یہ دعا مانگتے سنا آپ دعا کرتے۔ اے بار الٰہا! میرا حساب آسان فرمانا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کی اللہ کے پیغمبر آسان حساب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ انسان کے نامہ اعمال کی طرف دیکھ کر اُسے چھوڑ دیا جائے۔ اس دن جس سے حساب وکتاب میں پوچھ گچھ ہوگئی وہ ہلاک ہوگیا اور ہر تکلیف جو مومن کو پہنچتی ہے اللہ عزوجل اس کے عوض اس کے گناہ مٹا دیتا ہے حتیٰ کہ کانٹا چبھنے سے بھی گناہ مٹ جاتے ہیں۔“

مسائل

۱۔ کچھ لوگ بظاہر مسلمان ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہوتا۔

۲۔ جو شخص اخلاص کے ساتھ ایمان لائے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اللہ تعالیٰ اس کے اجر میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔

۳۔ جو شخص اخلاص کے ساتھ ایمان کے تقاضے پورے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی بشری کمزوریوں کو معاف کردیتا ہے کیونکہ وہ معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔

۴۔ حقیقی ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ ایمان لانے کے بعد آدمی کو اپنے ایمان کے بارے میں کسی قسم کا شک اور تردد نہیں ہونا چاہیے۔

۵۔ حقیقی ایمان رکھنے والے لوگ ”اللہ“ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

حقیقی ایمان کے تقاضے:

۱۔ غیب پر ایمان لانا۔ (البقرۃ: ۱) ۲۔ قرآنِ مجید اور پہلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانا۔ (البقرۃ: ۴)

۳۔ اللہ اور کتب سماوی پر ایمان لانا۔ (البقرۃ: ۱۳۶) ۴۔ آخرت پر یقین رکھنا۔ (البقرۃ: ۴)

۵۔ انبیاء پر ایمان لانا اور ان میں فرق نہ کرنا۔ (آل عمران: ۸۴)

۶۔ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کے درمیان فرق نہ کرنا۔ (النساء: ۱۵۱) ۷۔ ایمان کی تفصیل۔ (البقرۃ: ۲۸۵)

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

آپ فرما دیں کیا تم خبر دیتے ہو اللہ کو اپنے دین کی اور اللہ جانتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں

وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑯ يَمُنُّوْنَ

اور جو کچھ ہے زمین میں اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے وہ احسان جتاتے ہیں

عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ

آپ پر یہ کہ وہ مسلمان ہوئے فرما دیجیے نہ تم احسان جتلاؤ مجھ پر

”اے نبی فرما دیں کہ کیا تم اللہ کو اپنے دین کی خبر دیتے ہو؟ حالانکہ اللہ زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کو جانتا ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔(١٦) یہ لوگ آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ان سے فرمائیں کہ

فہم القرآن

ربطِ کلام: رسولِ محترم ﷺ پر جو لوگ اپنے اسلام کا احسان جتلاتے تھے انہیں انتباہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنی اصلاح کریں۔

جو لوگ اپنے ایمان لانے کا نبی ﷺ اور مسلمانوں پر احسان سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے یہ فرمان جاری کیا کہ اے رسول ﷺ! ان لوگوں سے بتلا دیں کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنا دین بتلاتے اور جتلاتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارے دلوں کا حال جانتا ہے کیونکہ زمین و آسمانوں میں جو چیز موجود ہے وہ اس کے علم میں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ جو لوگ اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان جتلاتے ہیں انہیں کھلے الفاظ میں فرمائیں کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ جتلاؤ۔ یہ تو اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی طرف راہنمائی کی۔ ہمیشہ یاد رکھو! کہ اللہ تعالیٰ زمین وآسمانوں کے غیب کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو انہیں دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دور کے کچھ دیہاتیوں کے ایمان کی نفی کی اور انہیں سمجھایا کہ یہ تم پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تمہاری اسلام کی طرف راہنمائی کی ہے۔ اسلام اور ایمان کا بنیادی فرق یہ ہے کہ ایمان کا تعلق انسان کی زبان اور دل کے ساتھ ہے اور اسلام کا زیادہ تعلق نیک اعمال کے ساتھ ہے، ایمان اور اسلام آپس میں لازم ملزوم ہیں۔ ایمان اخلاص کا تقاضا کرتا ہے اور اسلام نیک عمل کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اخلاص کے لیے ضروری ہے کہ انسان کا یہ عقیدہ ہو کہ میرا کوئی عمل بھی اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے۔

((عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ ؓ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرٰى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتّٰى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِسْلَامِ قَالَ الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ

اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ

اپنے اسلام کا بلکہ اللہ احسان فرماتا ہے تم پر یہ کہ اس نے تمہاری راہنمائی کی

لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

ایمان کی اگر ہو تم سچے بلاشبہ اللہ جانتا ہے

غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨﴾

چھپی باتیں آسمانوں اور زمین کی اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے اس کو جو تم عمل کرتے ہو

مجھے اپنے اسلام کا احسان نہ جتاؤ بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہاری ایمان کی طرف راہنمائی کی اگر تم واقعی سچے ہو۔ (١٧) اللہ زمین اور آسمانوں کی ہر پوشیدہ چیز کا علم رکھتا ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو وہ سب کچھ دیکھنے والا ہے۔'' (١٨)

مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ و تُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لَهٗ يَسْأَلُهٗ وَيُصَدِّقُهٗ قَالَ فَأَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِيْمَانِ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْأٰخِرِ وَ تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَأَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِحْسَانِ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهٗ يَرَاكَ قَالَ فَأَخْبِرْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَاالْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَأَخْبِرْنِيْ عَنْ اَمَارَاتِهَا قَالَ أَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا وَاَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِيْ يَا عُمَرُ اَتَدْرِيْ مَنِ السَّائِلُ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهٗ جِبْرَئِيْلُ اَتٰكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ اَبُوْهُرَيْرَةَ مَعَ اخْتِلَافٍ وَفِيْهِ وَإِذَا رَأَيْتَ الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الصُّمَّ الْبُكْمَ مُلُوْكَ الْاَرْضِ فِيْ خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ قَرَأَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَافِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَاتَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ)) (رواه مسلم: باب معرفة الايمان والاسلام والقدر والاعلامة الساعة)

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ ہمارے پاس ایک ایسا شخص آیا کہ جس کا لباس بالکل سفید تھا اور بال نہایت ہی سیاہ تھے۔اس پر سفر کے اثرات دکھائی نہیں دیتے تھے اور ہم میں سے کوئی بھی اسے نہ پہچان سکا۔وہ آتے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں کے ساتھ گھٹنے ملاکر اور اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر رکھتے ہوئے آپ سے استفسار کرنے لگا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! مجھے اسلام کے بارے میں آگاہ فرمائیں۔ارشاد ہوا اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی

شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کا رسول ہے،نماز قائم کرنا ،زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت ہو تو اس کا حج ادا کرنا۔ اس نے کہا آپ نے سچ فرمایاہم نے اس بات پر تعجب کیا کہ یہ سوال بھی خود کرتا ہے اور اس کی تائید بھی۔ پھر اس نے کہا مجھے ایمان کے بارے میں بتائیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں ، اس کے رسولوں، قیامت کے دن، اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائے وہ آپ ﷺ کی تائید کرنے کے بعد احسان کے بارے میں سوال کرنے لگا۔ ارشاد ہوا تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اسے دیکھ نہیں پاتا تو وہ تجھے یقیناً دیکھ رہا ہے۔ آخری سوال کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھے قیامت کے بارے میں بتلایا جائے۔آپ ﷺ نے فرمایا: جس سے قیامت کے متعلق سوال کیا جارہا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔پھر اس نے کہا مجھے اس کی نشانیوں سے ہی آگاہ فرمائیں۔آپ نے فرمایا: جب لونڈی اپنے آقا کو جنم دے گی،تم دیکھو گے ننگے پاؤں برہنہ جسم نہایت غریب بکریوں کے چرواہے بڑے بڑے محلات بنانے پر فخر کریں گے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب وہ چلے گئے تو میں کچھ دیر ٹھہرا رہا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا اے عمر! کیا آپ جانتے ہیں یہ سوال کرنے والا کون تھا؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا یہ جبریل امین تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھلانے کے لیے آئے تھے۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ رسمی اسلام سے بے پرواہ ہے ۔۲۔حقیقی اسلام کا تقاضا ہے کہ آدمی اپنے ایمان اور عمل کا کسی پر احسان نہ جتلائے ۔

۳۔ اللہ تعالیٰ جس کی ایمان کی طرف راہنمائی کرے اس پر اس کا بڑا احسان ہوتا ہے ۔

۴۔ بلاشبہ ’’اللہ‘‘ زمین و آسمانوں کے غیب جانتا ہے اور لوگوں کے اعمال کو دیکھنے والا ہے ۔

تفسیر بالقرآن

ایمان اور عمل:

۱۔ صالح عمل کرنے والے مومنوں کے لیے خوشخبری ہے اور ان کے لیے بہترین اجر ہے۔(الکھف:۲)

۲۔ جو بھی مومن صالح عمل کرے گا اس کی محنت کو رائیگاں نہیں کیا جائے گا۔(الانبیاء:۹۴)

۳۔ ایمان دار اور عمل صالح کرنے والوں کے لیے بخشش اور رزق کریم ہے۔ (الحج:۵۰)

۴۔ عمل صالح کرنے والے مومنوں کے گناہوں کو ’’اللہ‘‘ ختم کردیں گے ۔(العنکبوت:۷)

۵۔ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے نعمتوں والی جنّت ہے۔(لقمان:۸)

سورۃ قٓ کا تعارف

اس سورت کا نام اس کے پہلے حرف پر رکھا گیا ہے اس کے تین رکوع اور پینتالیس (۴۵) آیات ہیں اور مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی قسم اٹھا کر کفار کے اس نظریہ کی تردید کی ہے کہ یہ لوگ اس بات پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ایک شخص کو رسول منتخب فرمایا جو انہیں ان کے عقائد اور کردار کے برے انجام سے ڈراتا ہے، اور اس بات پر بھی قسم اٹھائی گئی ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ جب ہم مٹی بن جائیں گئے تو پھر ہمیں کسی طرح دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جو کچھ زمین میں موجود ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں لوح محفوظ پر لکھا ہوا ہے جو لوگ دوبارہ جی اٹھنے پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں کیا وہ ان باتوں پر غور نہیں کرتے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو کس طرح بے نقص پیدا فرمایا اور اسے ستاروں سے مزین کر دیا ہے۔

۲۔ اس نے کس طرح زمین کو بچھایا اور پھر اس پر پہاڑ گارڈ دیئے اور زمین کس طرح اپنے پیٹ سے ہر چیز کا جوڑا جوڑا پیدا کرتی ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے بابرکت پانی نازل کرنے والا ہے اور وہی باغات کو اگانے والا ہے۔ جس طرح زمین سے اپنے بندوں کے لیے رزق پیدا کرتا ہے اسی طرح ہی وہ قیامت کے دن لوگوں کو زمین سے نکال لے گا اور انسان اپنے دل میں جو کچھ بھی سوچتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے کیونکہ وہی انسان کو پیدا کرنے والا ہے اور وہ ہر وقت انسان کی شاہ رگ کے قریب رہتا ہے جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اسرافیل کے صور پھونکنے سے ہی لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور ہر انسان اپنے اعمال کے ساتھ اللہ کے حضور پیش کیا جائے گا۔ اس دن مجرموں کی آنکھیں کھل جائیں گی اور وہ کھلی آنکھوں کے ساتھ جہنم کو دیکھ رہے ہوں گے، مجرموں کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا جس کی اشتہا اور تپش کبھی کم نہیں ہو گی۔ ہاں ان کے مقابلے میں جو شخص قیامت کے دن پر ایمان لاکر اپنے رب سے ڈرتا رہا۔ اسے جنت میں داخل کیا جائے گا جنتی جو کچھ چاہیں گے وہی کچھ جنت میں پائیں گے یہ نصیحت بس اس شخص کے لیے ہے جو دل کی توجہ اور حقیقت کو کان کھول کر سننے والا ہے۔ لوگوں کو زندہ کرنا اور مارنا اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں اور قیامت کے دن لوگوں کو اکٹھا کرنا اس نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ جو شخص حقائق جاننے کے باوجود حق قبول نہیں کرتا اس سے جھگڑنے کی بجائے صبر اور حوصلے سے کام لینا چاہیے اور لوگوں کو قرآن مجید کے ساتھ نصیحت کرتے رہنا چاہیے کیونکہ قرآن مجید کی نصیحت لوگوں کے لیے مفید ثابت ہوتی ہے۔

سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رُكُوْعُهَا: ۳ اٰيَاتُهَا: ۴۵

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

قٓ قف وَ الْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝۱ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ

قٓ قسم ہے قرآن مجید کی بلکہ انہوں نے تعجب کیا یہ کہ آیا ان کے پاس

مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝۲ ءَ

ڈرانے والا انہی میں سے تو کہا کافروں نے یہ عجیب بات ہے کیا

اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ج ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝۳

جب ہم مر جائیں گے اور ہم ہو جائیں گے مٹی یہ واپسی بہت بعید ہے

”قٓ، قسم ہے قرآنِ مجید کی۔(۱) بلکہ ان لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوا ہے کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک خبردار کرنے والا آیا ہے، کافر کہتے ہیں کہ یہ تو عجیب بات ہے۔(۲) کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے یہ واپسی عقل سے بعید بات ہے۔(۳)

فہم القرآن

ربطِ سورت: ”ق“ حروفِ مقطعات میں شامل ہے۔ بعض اہلِ علم نے غیر مستند روایات کے حوالے سے اس کا مطلب بیان کرنے کی کوشش کی ہے لیکن نبی علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کا کوئی معنٰی ثابت نہیں۔ لہٰذا اسے اس طرح ہی تلاوت کرنا چاہیے۔ القرآن سے پہلے واؤ کا حرف قسم کے لیے ہے۔ عربی زبان میں حرفِ واؤ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے ان میں واؤ قسم کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

قرآن کا معنٰی ہے یکجا کرنا، تلاوت کرنا، الفاظ پر غور کر کے زبان سے ان کی ادائیگی کرنا، الفاظ کا ”تتبُّع“ کرنا۔(المنجد)

المجید کا معنٰی بڑا اور عزت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی قسم دے کر ارشاد فرمایا ہے کہ یہ لوگ آپ ﷺ کی نبوت پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے اس کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کیا انہی سے ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا ہے جو ان کو ڈراتا ہے۔ کفّار اس بات پر بھی تعجب کا اظہار کرتے اور کہتے ہیں کہ کیا ہم مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائیں گے تو پھر ہمیں زندہ کیا جائے گا؟ یہ بات عقل سے بعید نظر آتی ہے۔ کیونکہ زمین مرنے والوں کو کھا جاتی ہے اور مرنے والا مٹی کے ساتھ مٹی بن جاتا ہے۔ کفّار کی تکذیب اور تعجب کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہمیں نہ صرف اس بات کا پوری طرح علم ہے کہ انسان کے وجود سے زمین کیا کھاتی ہے اور کیا بچائے رکھتی ہے۔

ہم نے اپنے پاس ہر چیز کا اندراج بھی کر رکھا ہے۔ مر کر جی اٹھنے پر تعجب کرنے کی بجائے تعجب انہیں اس بات

قَدۡ عَلِمۡنَا مَا تَنۡقُصُ الۡاَرۡضُ مِنۡهُمۡ ۚ وَعِنۡدَنَا

تحقیق ہمیں علم ہے جو کچھ کم کرتی ہے زمین ان سے اور ہمارے پاس

كِتٰبٌ حَفِيۡظٌ ﴿۴﴾ بَلۡ كَذَّبُوۡا بِالۡحَـقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ

کتاب ہے حفاظت کرنے والی بلکہ انہوں نے جھٹلا دیا حق کو جب وہ آیا ان کے پاس

فَهُمۡ فِىۡۤ اَمۡرٍ مَّرِيۡجٍ ﴿۵﴾

بس وہ الجھے ہوئے معاملے میں ہیں

جو زمین ان کے جسم سے کھاتی ہے سب ہمارے علم میں ہے۔ ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے۔(۴) بلکہ جب ان کے پاس حق آیا تو ان لوگوں نے اُسی وقت اسے جھٹلا دیا۔ اسی وجہ سے وہ یہ الجھن میں پڑے ہوئے ہیں۔'' (۵)

پر ہونا چاہیے کہ ان کے پاس حق آچکا ہے لیکن اس کے باوجود یہ انکار کر رہے ہیں۔ یہ بات فہم القرآن میں پہلے بھی عرض ہو چکی ہے کہ قرآن مجید کی دعوت کے بنیادی ارکان تین ہیں۔ اللہ کی توحید، نبی ﷺ کی رسالت اور آخرت پر ایمان لانا۔ کفار مختلف انداز اور الفاظ میں قرآن مجید کی دعوت کے تینوں اجزاء کا انکار کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے قرآن کی دعوت کفار کے سامنے پیش کی اور دعوت کا انکار کرنے والوں کو آخرت کے انجام سے ڈرایا۔ جس پر انہوں نے تعجب کا اظہار کیا اور آپ کی رسالت کا انکار کیا۔

اس سے پہلے ان کے آخرت کے بارے میں کفّار کے تعجب اور انکار کا یہ کہہ کر جواب دیا ہے کہ جہاں تک کفار کی اس بات کا تعلق ہے کہ ہم مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائیں گے تو پھر ہمیں کون اٹھائے گا انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مٹی کے ایک ذرے ذرے سمیت ہر ایک چیز کو جانتا ہے اور اس کے پاس لوح محفوظ میں ہر چیز کا اندراج موجود ہے۔ یہ لوگ مر کر جی اٹھنے پر تعجب کرنے کی بجائے یہ نہیں سوچتے کہ جس خالق نے انہیں اس مٹی سے پہلی مرتبہ پیدا کیا وہ دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا؟ کیوں نہیں وہ انسان کو دوبارہ پیدا کرے گا کیونکہ وہ زمین کے ذرے ذرے کو جانتا ہے اور ہر ذرّے پر اسے اختیار اور اقتدار حاصل ہے پھر اس کے پاس ہر چیز کا اندراج بھی موجود ہے۔ کفار کو تعجب اس بات پر کرنا چاہیے کہ ان کے پاس حق پہنچ چکا ہے لیکن پھر بھی الجھن میں پڑے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان کی الجھن کا اب کوئی جواز نہیں ہے۔ ''مَرِیۡجٍ'' سے مراد ایسا شک جو انسان کو ہمیشہ ذہنی کشمکش میں مبتلا کیے رکھے۔

یاد رہے کہ انسان کا وجود دو چیزوں پر مشتمل ہے ایک روح جس کی بنیاد پر انسان چلتا پھرتا، اٹھتا، بیٹھتا کھاتا پیتا آرام اور کام کرتا ہے۔ روح نکل جانے کے بعد انسان مٹی کے ساتھ مٹی ہو جاتا ہے لیکن اس کے مرنے کے بعد اس کی روح باقی رہتی ہے جس کا ٹھکانہ ''عِلِّیِّیۡنَ'' یا ''سِجِّیۡنٌ'' میں ہوتا ہے۔ ''عِلِّیِّیۡنَ'' وہ رجسٹر ہے جس میں جنتی رحوں کا اندراج ہوتا ہے۔ ''سِجِّیۡنٌ'' سے مراد وہ رجسٹر یا مقام ہے جہاں جہنمیوں کی ارواح کو رکھا جاتا ہے۔ جہاں تک انسان کے جسم کا تعلق ہے یہ بھی مکمل طور پر ختم نہیں ہوتا۔ اس میں ایک ذرہ (SELL) باقی رہتا ہے

جس سے قیامت کے دن اس کے وجود کی ابتدا ہوگی۔

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ....قَالَ وَلَیْسَ مِنَ الْاِنْسَانِ شَیْءٌ لَا یَبْلٰی اِلَّا عَظْمًا وَاحِدًا وَّھُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ وَمِنْهُ یُرَکَّبُ الْخَلْقُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ)) (رواہ مسلم: باب مَا بَیْنَ النَّفْخَتَیْنِ)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :انسان کی دمچی کے علاوہ ہر چیز ختم ہو جاتی ہے۔ قیامت کے دن دمچی سے تمام اعضاء کو جوڑا جائے گا۔

”حضرت برا بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انصار کے کسی آدمی کے جنازہ کے لیے نکلے۔ ہم قبرستان پہنچے تو قبر کھودی نہیں گئی تھی ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے جیسے ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی آپ اس کے ساتھ زمین کرید رہے تھے آپ نے سر اٹھاتے ہوئے دو یا تین مرتبہ فرمایا قبر کے عذاب سے پناہ مانگو پھر فرمایا......“(رواہ احمد: مسند براء بن عازب رضی اللہ عنہ، قال الشیخ البانی ھذا حدیث صحیح)

مسائل

۱۔ قرآن ہر حوالے سے عظیم کتاب ہے ۔۲۔کفار نبی علیہ السلام کی رسالت اور آپ کی دعوت پر تعجب کا اظہار کرتے تھے۔

۳۔ کفار مرکر زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں ۔۴۔اہلِ مکہ کی طرف حق پہنچ چکا تھا لیکن پھر بھی وہ الجھن میں پڑے رہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اوراس کے پاس ہر چیز کا اندراج موجود ہے۔

تفسیر بالقرآن

مرنے کے بعد زندہ ہونے کے ثبوت :

۱۔ تعجب کے قابل ان کی یہ بات ہے کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ (الرعد : ۵)

۲۔ اللہ تعالیٰ مردوں کو اٹھائے گا پھراس کی طرف ہی لوٹائیں جائیں گے۔ (الانعام: ۳۶)

۳۔ لوگوں لوہا بن جاؤ یا پتھر اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور زندہ کرے گا۔(بنی اسرائیل:۵۰،۵۱)

۴۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام کو اٹھائے گا اور ہر کسی کو اس کے اعمال کے متعلق بتلائے گا ۔(المجادلۃ:۶)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے مقتول کو زندہ فرمایا۔(البقرۃ: ۷۳)۶۔حضرت عزیر علیہ السلام کو زندہ فرمایا۔(البقرۃ: ۲۵۹)

۷۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں چار پرندوں کو زندہ فرمایا۔(البقرۃ : ۲۶۰)

۸۔ اصحابِ کہف کو تین سو سال کے بعد اٹھایا۔ (الکہف: ۲۵)

۹۔ مزید حوالوں کے لیے دیکھیں: (البقرۃ:۲۴۳) (الاعراف: ۱۵۵) (المائدۃ :۱۱۰)

اَفَلَمۡ يَنۡظُرُوۡۤا اِلَى السَّمَآءِ فَوۡقَهُمۡ كَيۡفَ بَنَيۡنٰهَا وَ

کیا پھر نہیں انہوں نے دیکھا آسمان کی طرف اپنے اوپر کیسا ہم نے بنایا اس کو اور

زَيَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنۡ فُرُوۡجٍ ۞ وَالۡاَرۡضَ مَدَدۡنٰهَا

ہم نے مزین کیا اسے اور نہیں ہے اس میں کوئی شگاف اور زمین کو ہم نے اسے پھیلایا

وَاَلۡقَيۡنَا فِيۡهَا رَوَاسِىَ وَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍ

اور ہم نے گاڑ دیے اس میں پہاڑ اور ہم نے اُگائی اس میں ہر ایک قسم کی

بَهِيۡجٍ ۞ تَبۡصِرَةً وَّذِكۡرٰى لِكُلِّ عَبۡدٍ مُّنِيۡبٍ ۞

خوش نما نباتات بصیرت ہے اور نصیحت ہے ہر اس شخص کے لیے جو رجوع کرنے والا ہے

”کیا پھر انہوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا اور مزین کیا اور اس میں کہیں کوئی شگاف نہیں ہے۔(٦) اور زمین کو ہم نے بچھایا اور اس میں پہاڑ جمائے اور اس سے ہر قسم کی خوش نما نباتات اُگا دیں۔(٧) یہ ساری چیزیں آنکھیں کھولنے والی اور سبق سکھانے والی ہیں ہر اس بندے کو جو حق کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔“ (٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرنے والوں کو زمین وآسمان کی تخلیق پر غور کرنے کا حکم۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر زمین و آسمان پر غور کرنے کی دعوت دی ہے۔ ہر مقام پر چند الفاظ کے تکرار کے سوا نئے الفاظ کے ساتھ نیا استدلال پیش کیا ہے۔ اسی اصول کے تحت قیامت کے دن جی اٹھنے کا انکار کرنے والوں کو توجہ دلائی ہے کہ چند الفاظ کے ذریعے لوگوں کی توجہ ان حقائق کی طرف مبذول کروائی گئی ہے۔ کیا لوگ اپنے اوپر تنے ہوئے آسمان کی طرف غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کس طرح بنایا اور سجایا ہے اور اس میں کسی قسم کا شگاف نہیں پایا جاتا۔ اسی نے زمین کو بچھایا اور اس پر پہاڑ گاڑ دیے پھر زمین سے نباتات کا سلسلہ شروع فرمایا اس میں اس بندے کے لیے اپنے رب کی طرف پلٹنے سے بہت دلائل ہیں جو اس کی طرف رجوع کرنا چاہتا ہے۔

”جس نے اوپر نیچے سات آسمان بنائے، تم رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہیں پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو کیا تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے۔ بار بار نظر دوڑاؤ تمہاری نظر تھک کر پلٹ آئے گی۔ لیکن آسمان میں کوئی شگاف نہیں پاؤ گے۔“ (الملک: ٣،٤)

﴿وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ عُدۡوَانًا وَّظُلۡمًا فَسَوۡفَ نُصۡلِيۡهِ نَارًا وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرًا﴾ (النساء: ٣٠)
اور جو شخص یہ سرکشی اور ظلم کرے گا عنقریب ہم اسے آگ میں داخل کریں گے اور یہ اللہ کے لیے یہ آسان ہے۔“

زمین و آسمانوں کی ابتدا کس طرح ہوئی:

سائنس کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ کائنات اپنا ایک آغاز (Beginning) رکھتی ہے۔ اور ایسا کرتے ہوئے اس نے خدا کی صداقت کو ثابت کر دیا ہے۔ کیونکہ جو چیز اپنا آغاز رکھتی ہو وہ اپنے آپ شروع نہیں ہوسکتی۔ یقیناً وہ ایک محرک اول، ایک خالق، ایک خدا کی محتاج ہے۔'' (The Evidence of God ,p51) چنانچہ کائنات کے وجود میں آنے کا مسلمہ جدید ترین نظریہ یہ ہے کہ ابتداً مادہ مرکوز اور مجتمع (Concertrated and condensed) حالت میں تھا۔

''کیا کافروں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ ارض و سماوات آپس میں گڈ مڈ تھے پھر ہم نے انھیں الگ الگ کیا اور ہر جاندار چیز کو پانی سے زندگی بخشی کیا پھر بھی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خلاّقی پر ایمان نہیں لاتے؟'' (سورة الأنبياء : ٣٠)

یہ مادہ بالکل توازن کی حالت میں تھا اس میں کسی قسم کی کوئی حرکت نہ تھی پھر اچانک یہ ایک عظیم دھماکہ (Big Bang) (یہ عظیم دھماکہ ایک اندازہ کے مطابق 15 کھرب سال پہلے ہوا) سے پھٹ پڑا اور اس نے ایک عظیم گیسی بادل یا قرآن کے لفظ میں دخان ﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ﴾ کی صورت اختیار کر لی۔ سائنس کی یہ دریافت قرآنی بیان کی تفسیر معلوم ہوتی ہے۔ یہ گیسی بادل بہت عظیم الجثہ تھا اور آہستہ آہستہ گردش کر رہا تھا۔ یہ عظیم سدیم (Primery Nebula) انجام کار متعدد ٹکڑوں میں بٹ گیا جن کی لمبائی چوڑائی اور مقدارِ مادہ بہت ہی زیادہ تھا۔ نجمی طبیعات (Astrophysicist) کے ماہرین اس کی مقدار کا اندازہ سورج کے موجودہ مادہ کے ایک ارب سے لگا کر ایک کھرب گنا تک لگاتے ہیں۔ ان اعداد سے ابتدائی گیسی مقدار مادہ (Hydrogen and Helium) کے ان ٹکڑوں کے عظیم جثوں کا کچھ تصور ملتا ہے جن سے بعد میں عمل انجماد (Condensation) کے ذریعے کہکشائیں وجود میں آئیں۔

علمائے فلکیات کے ایک جدید اندازے کے مطابق ہر کہکشاں (Galaxy) میں دو کھرب ستارے ہیں اور اب تک معلوم کائنات میں تقریباً دو کھرب یہ کہکشائیں ہیں۔ جو کہکشاں ہم سے قریب ترین ہے وہاں سے روشنی کو ہم تک پہنچنے میں تقریباً نو لاکھ سال لگ جاتے ہیں۔ یہ کہکشاں مراۃ السلسلہ (Andromida) نامی مجمع النجوم میں واقع ہے۔ لہٰذا روشنی کو ان ستاروں سے جو معلوم سماوی جہاں کے اس سرے پر واقع ہیں ہم تک پہنچنے میں اربوں سال لگ جاتے ہیں۔ کائنات کی پہنائیاں اس قدر وسیع ہیں کہ ان کی پیمائش کے لیے خاص اکائیاں مثلاً نوری سال اور پارسک وغیرہ وضع کی گئیں ہیں۔ نوری سال یا سال نوای اس فاصلہ کو کہتے ہیں جو روشنی ایک سال میں طے کرتی ہے اور یہ تقریباً 58 کھرب ستر ارب میل کے برابر ہوتا ہے اور پارسک 3.26 نوری سال یا ایک نیل 92 کھرب میل کے لگ بھگ ہے۔ ﴿فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ﴾

تفصیل کے لیے فہم القرآن جلد دوم سورۃ الاعراف آیت ۵۴ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

آسمان کی طرف توجہ دلانے کے بعد اب ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! اب اپنے پاؤں تلے زمین پر غور کرو کہ

اللہ تعالیٰ نے زمین کو کس طرح بچھایا اور بنایا ہے۔ ’’اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا تا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔‘‘ (ہود: ۷)

پہاڑوں پر غور کرنے کی دعوت :

اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی چیزوں میں سب سے بڑی چار چیزیں ہیں۔آسمان، زمین، پہاڑ اور سمندر ہیں۔انسان کا اللہ تعالیٰ کی جس مخلوق کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے ان میں یہ چار بڑی مخلوقات ہیں۔پہاڑوں کے بارے بھی قرآن مجید میں کافی تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے زمین پر نباتات کی صورت میں ایسی چیزیں پیدا فرمائی ہیں۔جو انسان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور ہیں۔

میخوں کی مانند پہاڑ :

ارضیات میں ’’بل پڑنے‘‘ (Folding) کا مظہر حالیہ دریافت شدہ حقیقت ہے۔قشر ارض (Crust) میں بل پڑنے کی وجہ سے پہاڑی سلسلے وجود میں آئے ہیں۔قشر ارض جس پر ہم رہتے ہیں، کسی ٹھوس چھلکے کی طرح ہے، جب کہ کرۂ ارض کی اندرونی پرتیں، (Layers) نہایت گرم اور مائع ہیں۔یہی وجہ ہے کہ زمین کا اندرون کسی بھی قسم کی زندگی کے لیے قطعاً غیر موزوں ہے۔آج ہمیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ پہاڑوں کی قیام پذیری (Stability) کا تعلق، قشرِ ارض میں بل پڑنے کے عمل سے بہت گہرا ہے۔

ماہرین ارضیات کا کہنا ہے کہ زمین کا رداس (Radius) یعنی نصف قطر تقریباً ۶،۰۳۵ کلومیٹر ہے اور قشرِ ارض، جس پر ہم رہتے ہیں، اس کے مقابلے میں بہت پتلی ہے، جس کی موٹائی ۲ کلومیٹر سے لے کر ۳۵ کلومیٹر تک ہے۔ چونکہ قشرِ ارض بہت پتلی ہے، لہٰذا اس کے تھرتھرانے یا ہلنے کا امکان بھی بہت قوی ہے، اس میں پہاڑ خیمے کی میخوں کا کام کرتے ہیں جو قشرِ ارض کو تھام لیتی ہیں اور اسے قیام پذیری عطا کرتے ہیں۔قرآن پاک میں بھی عین یہی کہا گیا ہے:

﴿اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا ۝ وَّالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا ۝﴾ (النباء: ۷،۶)

’’کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے زمین کو فرش بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا۔‘‘

یہاں عربی لفظ ’’اوتاد‘‘ کا مطلب بھی میخیں ہی نکلتا ہے، ویسی ہی میخیں جیسی کہ خیمے کو باندھے رکھنے کے لیے لگائی جاتی ہیں۔ارضیاتی تہوں (Folds) یا سلوٹوں کی گہری پوشیدہ بنیادیں بھی یہی ہیں۔

Earth نام کی ایک کتاب ہے جو دنیا بھر کی کئی جامعات میں ارضیات کی بنیادی حوالہ جاتی نصابی کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کتاب کے مصنفین میں ایک نام ڈاکٹر فرینک پریس کا بھی ہے، جو ۱۲ سال تک امریکہ کی اکیڈمی آف سائنسز کے سربراہ رہے ہیں۔ اس کتاب میں وہ پہاڑوں کی وضاحت، کلہاڑی کے پھل جیسی شکل (Wedge Shape) سے کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ پہاڑ بذاتِ خود ایک وسیع تر وجود کا ایک چھوٹا حصہ ہوتا ہے۔ جس کی جڑیں زمین میں بہت گہرائی تک اُتری ہوتی ہیں۔ (ملاحظہ ہو: Earth از: پریس اور سلور ڈاکٹر فرینک پریس کے مطابق، قشرِ ارض کی پائیداری اور قیام پذیری میں پہاڑ نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

پہاڑوں کے فائدے کی وضاحت کرتے ہوئے، قرآن پاک واضح طور پر یہ فرماتا ہے کہ انہیں اس لیے بنایا گیا ہے تاکہ یہ زمین کو لرزتے رہنے سے بچائیں :

''اور ہم نے زمین میں پہاڑ جما دیے تاکہ وہ انہیں لے کر ڈھلک نہ جائے ۔''(الانبیاء : ٣١)

اسی طرح کے ارشادات سورۃ لقمان، آیت :١٠ اور سورۃ النحل اور آیت ١٥ میں بھی وارد ہوئے ہیں ۔ لہٰذا قرآن پاک کے فراہم کردہ بیانات جدید ارضیاتی معلومات سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہیں ۔

پہاڑوں کو مضبوطی سے جمادیا گیا ہے :

سطح زمین متعدد ٹھوس ٹکڑوں، یعنی ''پلیٹوں'' میں بٹی ہوئی ہے جن کی اوسط موٹائی تقریباً ١٠٠ کلومیٹر ہے ۔ یہ پلیٹیں، جزوی طور پر پگھلے ہوئے حصے کے اوپر گویا تیر رہی ہیں، اس حصے کو (Aesthenosphere) کہا جاتا ہے۔ پہاڑ عموماً پلیٹوں کی بیرونی حدود پر پائے جاتے ہیں۔ قشر ارض، سمندروں کے نیچے ٥ کلومیٹر موٹی ہوتی ہے، جب کہ خشکی پر اس کی اوسط موٹائی ٣٥ کلومیٹر تک ہوتی ہے البتہ پہاڑی سلسلوں میں قشرِ ارض کی موٹائی ٨٠ کلومیٹر تک جا پہنچتی ہے، یہی وہ مضبوط بنیادیں ہیں جن پر پہاڑ کھڑے ہیں ۔

پہاڑوں میں برکات :

اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو صرف میخوں کے طور پر ہی نہیں بنایا بلکہ ان میں بے شمار فوائد رکھ دیے ہیں ۔ پہاڑوں پر برف جمتی ہے جو اللہ کی طرف سے پانی ذخیرہ کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہیں ۔ پہاڑوں میں چشمے جاری ہوتے ہیں۔ جو صاف، شفاف پانی کا وسیلہ ہیں ۔ اکثر دریاؤں کا آغاز پہاڑوں سے ہوتا ہے ۔ پہاڑوں میں بے شمار قسم کی معدنیات پائی جاتی ہیں جو زمین کی پیداوار سے ہزاروں گنا قیمتی ہیں ۔ پہاڑوں میں سونے کے ذخائر اور بے شمار قسم کے قیمتی پتھر بھی پائے جاتے ہیں۔

مسائل

١۔ انسان کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو کس طرح بنایا، سجایا اور اٹھایا ہے ۔
٢۔ انسان کو غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو کس طرح پھیلایا اور اس پر پہاڑ گاڑ رکھے ہیں ۔
٣۔ انسان کو زمین اور پہاڑوں کی نباتات پر غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کس طرح خوشنما بنا دیا ہے ۔
٤۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں میں ہر انسان کے لیے نصیحت اور عبرت ہے بشرطیکہ وہ اس کی طرف رجوع کرنے والا اور نصیحت حاصل کرنے والا ہو۔

تفسیر بالقرآن

کون لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں :

١۔ اللہ تعالیٰ نے آلِ فرعون کو مختلف عذابوں سے دوچار کیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔(الاعراف:١٣٠)
٢۔ صاحبِ عقل و دانش ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔(الزمر:٩)(الزمر:٢٧)(البقرۃ:٢٢١) (ص:٢٩)(الذاریات:٤٩)

وَ نَزَّلْنَا	مِنَ السَّمَآءِ	مَآءً	مُّبٰرَكًا	فَاَنْۢبَتْنَا	بِهٖ
اور ہم نے نازل کیا	آسمان سے	پانی	بابرکت	پھر ہم نے اُگائے	اس کے ذریعے

جَنّٰتٍ	وَّحَبَّ	الْحَصِيْدِ ۝۹	وَالنَّخْلَ	بٰسِقٰتٍ	لَّهَا
باغات	اور اناج	کاٹے جانے والے	اور کھجوریں	بلند وبالا	ان کے

طَلْعٌ	نَّضِيْدٌ ۝۱۰	رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ	وَاَحْيَيْنَا	بِهٖ	بَلْدَةً مَّيْتًا
شگوفے	تہہ بہ تہہ ہیں	بندوں کے لیے رزق ہے	اور ہم نے زندہ کیا	اس کے ساتھ	مردہ شہر کو

كَذٰلِكَ	الْخُرُوْجُ ۝۱۱
اسی طرح	نکلنا ہے

اور آسمان سے ہم نے بابرکت پانی نازل کیا پھر اس کے ساتھ باغات اور غلے جو کاٹے جاتے ہیں اور بلند وبالا کھجور کے درخت پیدا کیے۔(۹) جن پر پھلوں سے لدے ہوئے خوشے تہہ بہ تہہ لگتے ہیں۔(۱۰) یہ انتظام ہے بندوں کو رزق دینے کا۔ اس پانی سے ہم مردہ زمین کو زندگی بخشتے ہیں اسی طرح ہی (مُردوں کا) نکلنا ہے۔‘‘(۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گل وگلزار زمین پر ہوں یا پہاڑوں پر اس کی پیدائش اورافزائش کا دارومدار پانی پر ہے اور پانی کا دارومدار بارش پر ہے اس لیے بارش اورنباتات کا بیک وقت ذکر کیا گیا ہے۔

’’کیا وہ لوگ جنہوں نے انکار کیاوہ غورنہیں کرتے کہ زمین و آسمان باہم ملے ہوئے تھے ہم نے انہیں الگ الگ کیا اور ہرزندہ چیز پانی سے پیدا کی ؟ کیا پھربھی وہ ایمان نہیں لاتے۔‘‘ (الانبیاء: ۳۰)

پانی کا دارومدار بارش پر ہے۔اللہ نہ کرے اگر دس سال بارش نہ ہوتو زمین اور پہاڑوں کی شادابیاں ختم ہو جائیں۔ یہاں تک کہ انسان کو پینے کے لیے بھی پانی میسر نہیں آئے گا۔ کیونکہ بارش کے سوا پانی کا صرف ایک ہی ذریعہ باقی رہے جاتا ہے وہ پہاڑوں پر برف پڑنا ہے جو گرمیوں میں پگھل پگھل کر پانی کی صورت میں دریاؤں کارخ کرتی ہے۔اگر طویل مدت تک بارش نہ ہوتو پہاڑوں کے چشمے اورزمین میں کنویں خشک ہوجاتے ہیں۔اسی لیے آبپاشی کا قدرتی طور پر مرکزی نظام بارش ہے۔اللہ تعالیٰ بارش کے ذریعے ہی مردہ زمین سے نباتات اگاتا ہے، جس سے لوگ اناج حاصل کرتے ہیں جو انسان ،حیوانات، درندوں پرندوں اورکیڑوں مکوڑوں کی خوراک ہے۔ نباتات میں صرف کھجور کا ایک درخت ہے جوصحراء اورخشک زمین میں پانی کی قلت کے باوجود اپنی ہریالی قائم رکھتاہے۔کھجور کادرخت جب پھل دینے پر آتاہےتواس کے گابھے تہہ بہ تہہ اتنے خوبصورت لگتے ہیں کہ دل

خوامخواہ ان کی طرف لپکتا ہے ۔کھجور ایک ایسا پھل ہے جس میں سب سے زیادہ غذائیت پائی جاتی ہے ۔(کھجور کے بارے میں تفصیل جاننے کے لیے فہم القرآن جلد۲سورۃ الانعام کی آیت۹۹ کا مطالعہ کیجیے!)

بارش اور نباتات کا حوالہ دے کر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جس طرح ایک مدّت کے بعد زمین سے نباتات نکلتی ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو زمین سے نکال لے گا۔

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ......... یُنْزِلُ اللّٰہُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَیُنْبَتُوْ نَ کَمَا یَنْبُتُ الْبَقْلُ قَالَ وَلَیْسَ مِنَ الْاِنْسَانِ شَیْءٌ لَا یَبْلٰی اِلَّا عَظْمًا وَاحِدًا وَّھُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ وَمِنْہُ یُرَکَّبُ الْخَلْقُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ)) (متفق علیہ،رواہ مسلم : باب مَا بَیْنَ النَّفْخَتَیْنِ)

''حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا۔ لوگ یوں اُگیں گے جس طرح انگوری اگتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا، انسان کی دمچی کے علاوہ ہر چیز بوسیدہ ہو جائے گی ۔قیامت کے دن اسی سے تمام اعضاء کو جوڑا جائے گا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ آسمان سے بابرکت پانی نازل کرتا ہے ۔۲۔اللہ تعالیٰ پانی کے ذریعے باغات ،کھیتیاں اور کھجوریں پیدا کرتا ہے ۔

۳۔ اللہ ہی اپنے بندوں کے رزق کا بندوبست کرتا ہے ۔

۴۔ جس طرح اللہ تعالیٰ بارش سے مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے اسی طرح قیامت کے دن مردوں کو زمین سے زندہ کرے گا۔

تفسیر بالقرآن

زمین سے مردے کس طرح نکلیں گے :

۱۔ پہلے نفخہ سے لوگ بے ہوش ہوجائیں گے اور دوسرے نفخہ سے تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے۔(الزّمر:۶۸)

۲۔ دوسرے نفخہ کے ساتھ ہی تمام لوگ قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف چل پڑیں گے۔(یٰس:۵۱)

۳۔ ایک چیخ سے ہی تمام لوگ ہمارے سامنے حاضر ہوجائیں گے ۔(یٰس:۵۳)

۴۔ جس دن صور پھونکا جائے گا تم گروہ در گروہ چلے آؤ گے ۔(النبا:۱۸)

۵۔ جب دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو ہم ان سب کو جمع کرلیں گے۔(الکھف:۹۹)

۶۔ جس دن صور پھونکا جائے گا اور ہم نیلی پیلی آنکھوں والے مجرموں کو گھیر لائیں گے ۔(طٰہٰ:۱۰۲)

۷۔ جس دن صور پھونکا جائے گا تو آسمان اور زمین والے سب کے سب گھبرا اٹھیں گے مگر جسے اللہ چاہے اور سارے کے سارے عاجز و پست ہوکر اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔(النمل:۸۷)

كَذَّبَتْ	قَبْلَهُمْ	قَوْمُ نُوْحٍ	وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ	وَثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾	وَعَادٌ
جھٹلایا	ان سے پہلے	نوح کی قوم نے	اور کنویں والوں	اور ثمود نے	اور عاد
وَّفِرْعَوْنُ	وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾	وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ	وَقَوْمُ تُبَّعٍ	كُلٌّ	كَذَّبَ
اور فرعون	اور برادرانِ لوط نے	اور اَیکہ والوں نے	اور قوم تبع نے	سب نے	جھٹلایا
الرُّسُلَ	فَحَقَّ	وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾	اَفَعَيِيْنَا	بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ	بَلْ
رسولوں کو	تو ثابت ہوگئی	میری وعید	کیا پھر ہم تھک گئے ہیں	پہلی بار پیدا کر کے	بلکہ
هُمْ	فِيْ لَبْسٍ	مِّنْ خَلْقٍ	جَدِيْدٍ ﴿۱۵﴾		
وہ	شک میں ہیں	پیدا کرنے سے	نو		

''ان سے پہلے نوح اور کنویں والوں اور ثمود۔(۱۲) اور عاد اور فرعون اور لوط کے برادران ۔(۱۳) اور اَیکہ والوں اور تبع کی قوم کے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں، سب نے رسولوں کو جھٹلایا اور آخر کار میری وعید اُن پر نازل ہوگئی۔(۱۴) کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے سے تھک گئے ہیں؟ بلکہ یہ لوگ نئے سرے سے پیدا کرنے کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔''(۱۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلی آیت میں بارش کا ذکر کرنے کے بعد بتلایا ہے کہ جس طرح بارش کے بعد زمین سے بیج نکلتے ہیں ۔اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے دن زمین سے نکال لے گا اور تمہیں اپنی بارگاہ میں پیش کرے گا۔ یہ اتنی واضح حقیقت ہونے کے باوجود افراد ہی نہیں بلکہ بڑی بڑی اقوام نے قیامت کے دن کا انکار کیا جس وجہ سے ان کا دنیا میں بھی برا انجام ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دلائل دیتے ہوئے انسان کو بار بار سمجھایا ہے کہ اے انسان! تو نے مرنے کے بعد ہرصورت زندہ ہوکر میری بارگاہ میں پیش ہونا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونا اور اپنے اعمال کا جواب دینے کا عقیدہ ہی انسان کو درست رکھتا ہے ۔جب آخرت کا عقیدہ کمزور ہوجائے تو افراد ہی نہیں بڑی بڑی اقوام بھی مجرم اور ظالم بن جاتی ہیں ۔ جن اقوام نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور ایک دوسرے کے لیے ظالمانہ رویہ اختیار کیا ان میں سرِفہرست قومِ نوح، کنویں والے ،قومِ ثمود ،قومِ عاد ،فرعون اور اس کے ساتھی ،اخوانِ لوط اور قومِ تبع ہے۔ جس وجہ سے ان پرعذاب نازل ہوا ۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ذریعے کیا ہوا عذاب کا وعدہ پورا فرمایا ۔قیامت کا انکار کرنے والوں کو سوچنا چاہیے کہ کیا اللہ تعالیٰ پہلی مرتبہ پیدا کر کے تھک گیا ہے کہ وہ لوگوں کو دوبارہ پیدا نہیں کرسکتا؟ ظاہر بات ہے کہ جب انسان کوئی چیز پہلی مرتبہ بناتا ہے تو اس کے لیے اسے

بنانا آسان ہوتا ہے غور کریں کہ خالقِ کائنات کے لیے لوگوں کو دوبارہ پیدا کرنا کس طرح مشکل ہوگا؟ جس بنا پر لوگ قیامت کے دن زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ جو لوگ قیامت کے دن زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں وہ شک میں مبتلا ہیں ان کے پاس شک کے سوا کوئی دلیل نہیں۔

﴿قُلْ کُوْنُوْا حِجَارَۃً اَوْ حَدِیْدًا﴾ (بنی اسرائیل: ٥٠)

''فرما دیں کہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا۔''

علامہ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کنویں والوں سے مراد اصحاب الاخدود ہیں جن کا ذکر سورہ بروج میں ہوا ہے۔ (ابنِ کثیر، شوکانی)

تبع سے مراد یمن کی قومِ سبا ہے جن کی تباہی کا منظر سورہ سبا میں گزر چکا ہے۔اور اصحاب الایکہ سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے جن کو مدین والے بھی کہا گیا ہے۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اور وہی دوسری مرتبہ پیدا کرے گا۔
٢۔ قیامت کا انکار کرنے والوں کے پاس کوئی ٹھوس دلیل نہیں ہے۔
٣۔ قیامت کا انکار کرنے والے صرف شک کی بنیاد پر انکار کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اقوام کی تباہی کا ایک منظر:

١۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی اقوام کو تباہ کیا۔ (الانعام: ٦)
٢۔ تم سے پہلے لوگوں نے ظلم کیا تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔ (یونس: ١٣)
٣۔ قومِ نوح طوفان کے ذریعے ہلاک ہوئی۔ (الاعراف: ١٣٦) ٤۔ ثمود زوردار آواز کے ساتھ ہلاک کیے گئے۔ (الحاقۃ: ٥)
٥۔ عاد زبردست آندھی کے ذریعے ہلاک ہوئے۔ (الحاقۃ: ٦) ٦۔ آل فرعون کو سمندر میں ڈبو دیا گیا۔ (یونس: ٩٠)
٧۔ قومِ لوط کی بستی کو الٹ کر ان پر پتھروں کی بارش برسائی گئی۔ (الحجر: ٧٤)
٨۔ ہم نے اوپر والی سطح کو نیچے کر دیا اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسا دی جو تہہ بہ تہہ تھے خاص نشان لگے ہوئے۔ (ھود: ٨٢) ٩۔ قومِ لوط کو ایک سخت آواز نے پکڑ لیا۔ (الحجر: ٧٣)
١٠۔ ہم نے قومِ لوط پر پتھروں کی بارش نازل کی دیکھیے مجرموں کا انجام کیسے ہوا۔ (الاعراف: ٨٤)

وَلَقَدْ	خَلَقْنَا	الْاِنْسَانَ	وَنَعْلَمُ	مَا	تُوَسْوِسُ	بِهٖ
اور البتہ تحقیق	ہم نے پیدا کیا	انسان کو	اور ہم جانتے ہیں	جو	وسوسے ڈالتا ہے	اس میں
نَفْسُهٗ ۚۖ	وَنَحْنُ	اَقْرَبُ	اِلَيْهِ	مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿١٦﴾	اِذْ	يَتَلَقَّى
اس کا دل	اور ہم	قریب تر ہیں	اس کے	شہ رگ سے	جب	ضبط کرتے ہیں
الْمُتَلَقِّيٰنِ	عَنِ الْيَمِيْنِ	وَعَنِ الشِّمَالِ	قَعِيْدٌ ﴿١٧﴾	مَا يَلْفِظُ	مِنْ	
دو ضبط کرنے والے	ایک دائیں پہلو سے	اور بائیں پہلو سے	بیٹھا ہوا	نہیں بولتا وہ	کوئی	
قَوْلٍ	اِلَّا	لَدَيْهِ	رَقِيْبٌ	عَتِيْدٌ ﴿١٨﴾		
بات	مگر	اس کے پاس ہوتا ہے	ایک نگران	تیار		

”ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم اُس کے دل میں پیدا ہونے والے خیالات کو جانتے ہیں، ہم اس کے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔(١٦) اور ہمارے لکھنے والے اس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ہر بات لکھ رہے ہیں۔(١٧) جب بھی کوئی لفظ اس کی زبان سے نکلتا ہے اسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگراں موجود ہوتا ہے۔“ (١٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کے انکار کے پیچھے منکرینِ قیامت کا ایک تصور یہ بھی ہے کہ اس طرح ہمارے گناہ چھپ جائیں گے انہیں یہ بات باور کروائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ انسان کے دل میں خیالات ابھرتے اور جذبات پائے جاتے ہیں اور وہ انسان کی شہ رگ سے بھی اس کے زیادہ قریب ہے۔انسان جو کام کرتا ہے اس کے دائیں بائیں ساتھ رہنے والے فرشتے اس کی ہر بات اور کام کو ضبطِ تحریر میں لائے جاتے ہیں۔ انسان کی زبان سے کوئی لفظ نہیں نکلتا مگر اسے لکھنے والا ہر وقت موجود ہوتا ہے جو اسے رات دن تحریر کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خالق، نگران اور انسان کی شہ رگ سے قریب تر ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے لیے تین مرتبہ جمع کی ضمیر استعمال فرمائی ہے۔جمع کی ضمیر میں ایک رعب اوردبدبہ پایا جاتا ہے جس میں انسان کو بار بار احساس دلایا گیا ہے کہ ہم نے تجھے پیدا کیا ہے، ہم تیرے دل کے احساسات اور جذبات کو جانتے ہیں اور ہم تیری شہ رگ سے بھی زیادہ تیرے قریب ہیں اور جو کچھ بھی تو کرتا ہے ہمارے ملائکہ اسے لکھتے جارہے ہیں۔ جسے قیامت کے دن مَن وعَن تیرے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ انسان کو اس بات کا جتنا احساس اور خیال رہے گا اتنا ہی انسان اپنے رب کے تابع فرمان رہے گا۔ یہ خیال اور عقیدہ جتنا کمزور ہوگا اتنا ہی انسان اپنے رب کا نافرمان اور باغی ہوتا جائے گا۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے انسان کے قریب ہونے کا تعلق ہے وہ اپنے علم ،اختیار اوراقتدار کے اعتبار سے انسان کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہے

لیکن اپنی ذات کے اعتبار سے وہ عرشِ معلی پر جلوہ افروز ہے جس طرح اس کی ذات کو لائق ہے۔ (البقرۃ:٢٩،طٰہٰ:٥)

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَتَعَاقَبُوْنَ فِیْکُمْ مَلَا ئِکَةٌ بِاللَّیْلِ وَمَلَا ئِکَةٌ بِالنَّهَارِ وَیَجْتَمِعُوْنَ فِیْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ ثُمَّ یَعْرُجُ الَّذِیْنَ بَاتُوْا فِیْکُمْ فَیَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ کَیْفَ تَرَکْتُمْ عِبَادِیْ فَیَقُوْلُوْنَ تَرَکْنٰهُمْ وَهُمْ یُصَلُّوْنَ وَاَتَیْنٰهُمْ وَهُمْ یُصَلُّوْنَ)) (رواہ البخاری: کتاب مواقیت الصلاۃ ،باب فَضْلِ صَلَاۃِ الْعَصْر)

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس رات اور دن کو آگے پیچھے فرشتے آتے ہیں۔ وہ فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں ۔ رات والے فرشتے چلے جاتے ہیں تو ان سے پروردگار سوال کرتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ۔فرشتے جواب دیتے ہیں کہ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو وہ نماز ادا کررہے تھے اور جب ہم ان سے واپس آئے تو وہ نماز ہی کی حالت میں تھے۔''

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدم نے موسیٰ علیہ السلام سے جھگڑا کیا تھا موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تو وہی آدم علیہ السلام ہے۔جس نے اپنی اولاد کو جنت سے نکلوا دیا تھا۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا: تو وہی موسیٰ علیہ السلام ہے جسے اللہ نے اپنی رسالت اور کلام کے لیے چن لیا۔پھر مجھے اس معاملے میں ملامت کر رہا ہے جو میری پیدائش سے پہلے لکھا جا چکا تھا..........'' (صحیح بخاری : کتاب بدء الوحی)

''حَبْلِ الْوَرِیْدِ'' کا معنٰی ہے گردن کی رگ۔

مسائل

١۔ ''اللہ'' ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور وہی اس کے دل کے خیالات کو جانتا ہے اور وہ اس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دائیں بائیں دوفرشتے مقرر رکھے ہیں جن کا نام کراماً کاتبین ہے۔

٣۔ کراماً کاتبین انسان کی ہر بات اور کام کو لکھتے جاتے ہیں ۔٤۔ملائکہ انسان کی ہر وقت نگرانی اور حفاظت کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ اپنے اقتدار اوراختیار کے اعتبار سے ہر وقت انسان کے ساتھ ہوتا ہے:

١۔ انسان جہاں کہیں بھی ہو اس کی ہرحرکت اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتی ہے۔ (الحدید: ٤۔ التوبہ: ٤٠)

٢۔ اللہ تعالیٰ انسان کی شاہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ (قٓ: ١٦، الواقعہ: ٨٥)

٣۔ انسان جدھر بھی رخ کرے اللہ تعالیٰ کی توجہ اس کی طرف ہوتی ہے۔(البقرۃ: ١١٥)

٥۔ آدمی تین ہوں تو چوتھا ''اللہ'' ہوتا ہے پانچ ہوں تو چھٹا ''اللہ'' ہوتا ہے اس سے زیادہ ہوں یا کم وہ ہر وقت آدمی کے ساتھ ہوتا ہے۔ (المجادلہ: ٧)

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ⑲

اور لے آتی ہے سختی موت کی حق کو یہ وہ بات ہے کہ تو تھا اس سے بھاگتا

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ⑳ وَجَآءَتْ كُلُّ

اور پھونکا جائے گا صور میں یہ دن ہے وعید کا اور آئے گا ہر

نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ㉑ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ

نفس اس کے ساتھ ہوگا ایک ہانکنے والا اور ایک گواہی دینے والا البتہ تحقیق تو تھا غفلت میں

مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ

اس سے تو ہم نے ہٹادیا تجھ سے تیرا پردہ چنانچہ تیری نگاہ آج

حَدِيْدٌ ㉒ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ؕ ㉓

بڑی تیز ہے اور کہے گا اس کا ساتھی یہ ہے جو میرے پاس تیار ہے

''اور موت کی سختی حق کے ساتھ آ پہنچی، یہ وہی چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔(۱۹) اور پھر صور پھونکا جائے گا، یہ وہ دن ہے جس سے تجھے ڈرایا جاتا تھا۔(۲۰) ہر شخص اس حال میں آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا اور ایک گواہی دینے والا ہوگا۔(۲۱) کہا جائے گا کہ جس چیز کے بارے میں تو غفلت میں تھا ہم نے وہ پردہ ہٹادیا جو تیرے سامنے پڑا ہوا تھا اور آج تیری نگاہ خوب تیز ہے۔(۲۲) اس کا ساتھی کہے گا یہ حاضر ہے جو میرے سپرد کیا گیا تھا۔''(۲۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے اپنی قربت اور قدرت کا ذکر فرما کر انسان کو نیک بنانے کی کوشش فرمائی ہے مگر اکثر انسان اپنے رب کے تابعدار بننے کے لیے تیار نہیں ہوتے یہاں تک کہ موت انہیں آلیتی ہے۔

موت برحق ہے جو نہ نیک کو چھوڑتی ہے اور نہ برے آدمی سے ٹلتی ہے۔ ہر انسان کو موت کے وقت اپنے کیے کا احساس ہوتا ہے۔ انسان جب اپنی موت کو اپنے سامنے دیکھتا ہے تو پھر اسے یقین ہوجاتا ہے کہ اب میرا بچنا محال ہے۔اس وقت دل ہی دل میں آرزو کرتا ہے کہ کاش مجھے مہلت مل جائے اور میں اللہ کی راہ میں صدقہ دے کر اپنے آپ کو بچا سکوں۔لیکن جب موت وارد ہوتی ہے تو وہ کسی کو ایک لمحہ بھی مہلت نہیں دیتی۔ اللہ تعالیٰ پوری طرح باخبر ہے جو کچھ لوگ کرتے ہیں۔(المنافقون:۱۰،۱۱) انسان موت سے کلیتاً ختم نہیں ہوجاتا بلکہ یہ عالمِ برزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ برزخ کو برزخ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت کے درمیان ایک پردہ ہے۔ قیامت کے دن جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو انسان کی آنکھوں سے برزخ کا پردہ اٹھ جائے گا اور اسے

یقین ہوجائے گا کہ آج کا دن وہ دن ہے جس کے بارے میں مجھے بار بار تنبیہ کی جاتی تھی ۔ لوگوں کومحشر کے میدان میں اکٹھا کیا جائے گا اور ملائکہ ہر کسی کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کریں گے ۔ ان میں سے ایک فرشتہ انسان کو پیچھے سے ہانک رہا ہوگا اور دوسرا اس کا اعمال نامہ لیے ہوئے اسے اللہ کے حضور پیش کرے گا ۔ گویا کہ مجرم بھی حاضر ہوگا اوراس کا ریکارڈ بھی پیش کیا جائے گا ۔ملائکہ مجرم اور اس کے اعمال پیش کرنے کے ساتھ ہی انسان کے اعمال نامے کی گواہی دیں گے کہ یہ اعمال نامہ اسی مجرم کا ہے اور جوکچھ ہم نے لکھا ہے اس کا ایک ایک لفظ حقیقت پر مبنی ہے ۔اس دن انسان کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھادیا جائے گا تو ربِ ذوالجلال ارشادفرمائیں گے کہ آج ہم نے تیرے سامنے سے پردہ اٹھا دیاہے اورتیری نگاہ بھی پہلے سے زیادہ تیز ہوچکی ہے ۔

جس صور کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے اس سے مراد وہ صور ہے جو دوسری دفعہ پھونکا جائے گا ۔ پہلے صور سے ہر چیز فنا ہوجائے گی اوردوسری دفعہ صور پھونکنے سے قیامت برپا ہو جائے گی اور ہرکوئی اپنی قبر سے نکل کرمحشر کے میدان میں جمع ہوگا جس کی تفصیل حدیث میں موجود ہے ۔ اس وقت ہر انسان کو ایک فرشتہ ہانک رہا ہوگا اوردوسرا اس کے اعمال نامے کو لیے ہوئے اسے ربِ ذوالجلال کے حضور پیش کرے گا ۔نگاہ تیز ہونے سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں انسان کی آنکھوں کے سامنے ایک پردہ حائل ہے جس سے نہ وہ قبر کامنظر دیکھ سکتا اورنہ اس کے سامنے حشر کاانجام ہوتا ہے ۔لیکن جونہی انسان کوموت آتی ہے تو اس کے سامنے عالمِ برزخ کا منظر آجاتا ہے۔ قیامت کے دن اس کے سامنے ہر چیز آشکارا ہوجائے گی اوروہ کھلی اورتیز آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھے گا ۔

((عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَا مِنْکُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَسَیُکَلِّمُهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لَیْسَ بَیْنَ اللّٰهِ وَبَیْنَهُ تُرْجُمَانٌ ثُمَّ یَنْظُرُ فَلَا یَرٰی شَیْئًا قُدَّامَهُ ثُمَّ یَنْظُرُ بَیْنَ یَدَیْهِ فَتَسْتَقْبِلُهُ النَّارُ فَمَنْ اسْتَطَاعَ مِنْکُمْ أَنْ یَتَّقِیَ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ.......... فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَبِکَلِمَةٍ طَیِّبَةٍ)) (رواه البخاری: باب کلام الرب عزوجل یوم القیامة مع الأنبیاء وغیرهم)

”حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر کسی کے ساتھ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کلام کریں گے ، اللہ اور بندے کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا ، پھر وہ دیکھے گا اُس نے کیا عمل کیے ہیں ، انسان دیکھے گا تو اس کے سامنے آگ ہوگی جوتم سے آگ سے بچنے کی استطاعت رکھتا ہے کوشش کرے ۔چاہے کھجور کے ایک ٹکڑے کے ساتھ..... اگر وہ یہ نہ پائے تو اسے چاہیے کہ وہ اچھی بات کہے۔“

بعض لوگ اپنی بینائی کو تیز کرنے کے لیے آیت۲۲ کو پڑھ کر اپنی آنکھوں پر دم کرتے ہیں ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید میں شفاء ہے لیکن غور فرمائیں کہ یہ الفاظ کن لوگوں کو کہے جائیں گے اوران میں کس قدر انتباہ پایا جاتا ہے ۔افسوس ! ہم نے عبرت حاصل کرنے کی بجائے اسے دم بنا لیاہے ۔ کیا بہترنہیں کہ اپنے وجود کی سلامتی کے لیے وہ دم کریں جو نبی علیہ السلام نے اپنے لیے پسند فرمایا ہے ۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ اللّٰهُمَّ عَافِنِي فِي جَسَدِي وَعَافِنِي فِي بَصَرِي وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنِّي لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ)) (رواہ الترمذی: کتاب الدعوات عن رسول الله ، باب ماجاء فی جامع الدعوات عن النبی ، قال البانی هذا حديث صحيح)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے اے اللہ! میرے جسم کو عافیت دے اور میری بصارت کو بھی عافیت دے اور میری طرف سے اُس کو وارث بنا دے۔ اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں جو حلیم اور عزت والا ہے، اللہ پاک ہے اور بہت بڑے عرش کا رب ہے۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔''

''وَعِيْدٌ'' کا معنٰی ہے دھمکی دینا کسی کو برے انجام سے ڈرانا۔(المنجد)

مسائل

١۔ اسرافیل کے دوسرا صور پھونکنے پر ہر انسان اٹھ کھڑا ہوگا اور اسے یقین ہوجائے گا کہ یہی قیامت کا دن ہے۔

٢۔ قیامت کے دن انسان کو ایک فرشتہ پیچھے سے ہانک رہا ہوگا، دوسرا اس کا اعمال نامہ پیش کرے گا۔

٣۔ قیامت کے دن انسان کی غفلت کا پردہ چاک ہوجائے گا اور ہر کوئی اپنا انجام کھلی آنکھوں کے ساتھ دیکھے گا۔

تفسیر بالقرآن

پہلا اور دوسرا صور پھونکنے کے بعد کا منظر:

١۔ پہلے نفخہ سے لوگ بے ہوش ہوجائیں گے اور دوسرے نفخہ سے تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے۔(الزمر:٦٨)

٢۔ دوسرے نفخہ کے ساتھ ہی تمام لوگ قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف چل پڑیں گے۔(یٰس:٥١)

٣۔ ایک چیخ سے ہی تمام لوگ ہمارے سامنے حاضر ہوجائیں گے۔(یٰس:٥٣)

٤۔ جس دن صور پھونکا جائے گا تم گروہ در گروہ چلے آؤ گے۔(النبا:١٨)

٥۔ جب دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو ہم ان سب کو جمع کرلیں گے۔(الکھف:٩٩)

٦۔ جس دن صور پھونکا جائے گا تو ہم نیلی پیلی آنکھوں والے مجرموں کو گھیر لائیں گے۔(طٰہٰ:١٠٢)

٧۔ جس دن صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین والے سب کے سب گھبرا اٹھیں گے مگر جسے اللہ چاہے اور سارے کے سارے عاجز و پست ہوکر اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔(النمل:٨٧)

اَلْقِيَا	فِىْ جَهَنَّمَ	كُلَّ	كَفَّارٍ	عَنِيْدٍ ﴿٢٤﴾	مَّنَّاعٍ	لِّلْخَيْرِ
ڈال دو	جہنم میں	ہر	کافر	سرکش کو	منع کرنے والے	بھلائی سے
مُعْتَدٍ	مُّرِيْبِ ﴿٢٥﴾	الَّذِىْ	جَعَلَ	مَعَ اللّٰهِ	اِلٰهًا	اٰخَرَ
حد سے نکلنے والے	شک کرنے والے کو	اس نے	بنا لیا	اللہ کے ساتھ	معبود	دوسرا
فَاَلْقِيٰهُ	فِى الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿٢٦﴾					
لہٰذا تم اس کو ڈال دو	شدید عذاب میں					

''حکم ہوگا ہر کافر سرکش کو جو حق سے عناد رکھتا تھا اُسے جہنم میں پھینک دو۔(٢٤) خیر سے روکنے والے اور حد سے تجاوز کرنے والے اور شک کرنے والے کو تھا۔(٢٥) اس نے اللہ کے ساتھ دوسرے کو الٰہ بنا لیا تھا، اسے شدید عذاب میں پھینک دو۔''(٢٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو شخص تابعدار نہ بنا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے فرامین اور اس کی قدرت کی نشانیوں کو بصیرت کی آنکھ سے نہ دیکھا اور اپنے اعمال کی درستگی نہ کی اسے جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔

قیامت کے دن ربِ ذوالجلال کے حضور ہر شخص کو اس کے اعمال نامے کے ساتھ پیش کیا جائے گا۔ مجرم اپنے اعمال نامے کا انکار کریں گے اس پر گواہ پیش کیے جائیں گے۔یہاں تک کہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَامُ بھی اپنی امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے لیکن مجرم نہ صرف اپنے اعمال نامے کا انکار کریں گے بلکہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَامُ کی گواہی کو بھی مسترد کردیں گے۔جس پر حکم ہوگا کہ ان کے مونہوں پرمہریں ثبت کردی جائیں۔ اس کے بعد ان کے اعضاء کو بولنے کا حکم ہوگا۔(یٰس:٦٥) مجرموں کے اعضاء اللہ کے حضور ان کے خلاف گواہی دیں گے۔(حٰمٓ السجدة: ٢٠تا٢٢) تب حکم ہوگا کہ ہر ناشکرے اورنافرمان کو جہنم میں پھینک دیاجائے۔ جو مال میں بخل کرنے والا، حد سے بڑھنے والا اور قیامت کے بارے میں شک میں پڑنے والا تھا۔ اس نے اللہ کے ساتھ اوربھی معبود بنا لیے تھے۔ان جرائم کی وجہ سے انہیں شدید عذاب میں ڈال دیا جائے گا۔اس مقام پر جہنمیوں کے چھ جرائم کا ذکر کیا گیا ہے۔

١۔ کَفَّار:

اس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت دین کی سمجھ ہے۔دین کی بنیاد توحید پر قائم ہے۔جوشخص صحیح معنوں میں توحید کوتسلیم نہیں کرتا وہ پرلے درجے کا ناشکرا ہے، اس کی سزا جہنم ہوگی۔

٢۔عَنِيْد ''نافرمان'':

اللہ تعالیٰ کی ذات اوراس کے احکام کا انکارکرنے والا شخص نافرمان ہوتاہے۔ ہرنافرمان کوجہنم میں داخل کیاجائے گا۔

۳۔مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ:

خیر سے مراد مال ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے مال داروں پر غریبوں کے کچھ حقوق رکھے ہیں ،جو مال دار غریبوں کا حق بالخصوص زکوٰۃ ادا نہیں کرتا وہ بھی جہنم میں داخل کیا جائے گا ۔

۴۔مُعْتَدٍ:

"مُعْتَدٍ" کا معنٰی ہے ظلم کرنے والا ،حق چھپانے والا اور حد سے بڑھ جانے والا۔(المنجد)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی گزارنے کے لیے کچھ حدود و قیود کا پابند کیا ہے ۔ جو شخص ان حدود و قیود کی پرواہ نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کی حدود توڑنے اور پھلانگنے والا ہے ۔ جو بھی اللہ تعالیٰ کی حدود توڑے گا وہ جہنم میں داخل کیا جائے گا ۔

ظلم سے مراد شرک بھی ہے اور عام زیادتی بھی۔

۵۔مُرِيْبٍ:

"مُرِيْبٌ" کا معنٰی ہے شک کرنے والا ،بدگمانی کرنے والا ،تہمت لگانے والا ،شک میں ڈالنے والا ۔(المنجد)

جو دین کے بارے میں شک کرنے والا ہو گا اسے بھی جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

٦۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنا :

جو شخص اللہ کی ذات ،اس کی صفات اور اس کے حکم میں دوسروں کو شریک کرتا ہے وہ مشرک ہوتا ہے۔اگر شرک کرنے والا توبہ کیے بغیر مرجائے تو وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے شدید ترین عذاب میں ڈالا جائے گا ۔

مسائل

۱۔ جس شخص میں مندرجہ بالا جرائم ہوں گے وہ جہنم کے شدید ترین عذاب میں مبتلا کیا جائے گا ۔

تفسیر بالقرآن

جہنم میں داخل ہونے والوں کے بڑے بڑے جرائم:

۱۔ وہ لوگ جو ہماری آیات کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور ان کی تکذیب کرتے ہیں وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔(البقرۃ:۳۹)

۲۔ تکبر کرنے والے جہنم میں جائیں گے۔(المؤمن: ۷٦)

۳۔ منافق ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت و پھٹکار پڑتی رہے گی ۔ (التوبہ: ٦۸)

۴۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ دور کی گمراہی میں مبتلا ہو گیا ۔ (النساء: ۱۱٦)

۵۔ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ نہ بنانا وگرنہ دھتکار کر جہنم میں داخل کر دیا جائے گا ۔ (بنی اسرائیل: ۳۹)

قَالَ قَرِیْنُهٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطْغَیْتُهٗ وَ لٰكِنْ كَانَ

کہے گا اس کا ساتھی اے ہمارے رب نہیں میں نے سرکش بنایا اس کو اور لیکن تھا وہ

فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَ قَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْكُمْ

دور کی گمراہی میں فرمائے گا نہ تم جھگڑا کرو میرے پاس حالانکہ تحقیق میں پہلے بھیج چکا تمہاری طرف

بِالْوَعِیْدِ ﴿۲۸﴾ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَ مَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۲۹﴾

وعید نہیں تبدیل کی جاتی بات میرے ہاں اور نہیں میں ظلم کرنے والا اپنے بندوں پر

یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ ﴿۳۰﴾

جس دن ہم کہیں گے جہنم سے کیا تو بھر گئی ہے؟ اور وہ کہے گی کیا کچھ مزید ہے

”اس کا ساتھی کہے گا اے ہمارے رب میں نے اس کو سرکش نہیں بنایا بلکہ یہ خود ہی پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا تھا۔(۲۷) جواب میں ارشاد ہو گا کہ میرے سامنے جھگڑا نہ کرو، میں تم کو پہلے ہی بُرے انجام سے خبر دار کر چکا ہوں۔(۲۸) میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی اور میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔(۲۹) اس دن ہم جہنم سے پوچھیں گے کیا تو بھر گئی ہے؟ اور وہ کہے گی کیا اور کچھ ہے۔“(۳۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنمی کو جہنم میں داخل ہونے کا حکم ہونے کے ساتھ ہی اس کا ساتھی اس سے برأت کا اعلان کردے گا۔

جونہی جہنمی کو جہنم میں داخل ہونے کا حکم ہوگا تو خوف کے مارے اس کا ساتھی پکار اٹھے گا کہ اے ہمارے رب! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی صراطِ مستقیم سے بھٹک گیا تھا۔ اس کے جواب میں ربِ ذوالجلال فرمائے گا کہ میرے حضور بحث نہ کرو کیونکہ میں نے پہلے ہی تمہیں جہنم کے بارے میں انتباہ کر دیا تھا۔ اب جہنم میں داخل ہوجاؤ اور یاد رکھو! کہ میرا فرمان تبدیل نہیں ہوتا اور نہ ہی میں اپنے بندوں پر زیاتی کرنے والا ہوں۔ جہنمی کے ساتھی سے مراد اس کے برے ساتھی اور رشتہ دار ہیں جن میں سب سے بُرا ساتھی شیطان ہے جو انسان کو صراطِ مستقیم سے بھٹکا دینا ہے اوراسی کی وجہ سے انسان برے دوستوں اور رشتہ داروں کے ساتھ خوش رہتا ہے۔ قیامت کے دن شیطان ہر مجرم سے یہ بات کہہ کر منہ پھیرلے گا کہ بے شک اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچ ثابت ہوا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا اس کی میں نے خلاف ورزی کی اور میرا تم پر کوئی زور نہ تھا، سوائے اس کے کہ میں نے تم کو کسی چیز کی طرف بلایا اور تم نے میرا کہنا مان لیا، اب مجھے ملامت نہ کرو، بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو، نہ میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کرنے والے ہو، یقیناً میں اس کا انکار کرتا ہوں جو تم نے مجھے شریک بنایا۔ یقیناً جو لوگ ظالم ہیں اُن کے لیے درد ناک عذاب ہے۔“(ابراہیم: ۲۲) دوسری طرف جہنمی اپنے ہاتھوں کو کاٹتے اور روتے ہوئے کہے گا کہ ہائے کاش! کہ میں رسول کا راستہ چھوڑ کر فلاں کو اپنا دوست

نہ بناتا۔ اس نے مجھے اللہ کی نصیحت بھلادی۔ (الفرقان: ۲۸،۲۹)

شیطان کی برأت اور مجرم کے اعتراف کے باوجود اسے جہنم میں جانے کا حکم ہوگا اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ میں اپنے بندوں پر زیادتی نہیں کرتا۔ بندے اپنے آپ پر زیادتی کرتے ہیں۔لوگوں کے بُرے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گروہ در گروہ مجرموں کو جہنم میں داخل کرے گا۔اسی طرح کئی ارب کھرب انسان جہنم میں داخل ہوں گے۔ بالآخر جہنم سے اللہ تعالیٰ استفسار فرمائے گا کیا تو بھرگئی ہے اور تیری اشتہا پوری ہوچکی ہے؟ جواب میں جہنم بلبلا کر کہے گی کہ میرے رب!ابھی میرا پیٹ نہیں بھرا اس لیے اور مجرموں کو مجھ میں داخل کیا جائے۔اس پر جہنم میں اللہ تعالیٰ اپنا قدم مبارک رکھیں گے جس سے جہنم کی کی مزید چاہت ختم ہو جائے گی۔

((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَزَالُ جَهَنَّمُ يُلْقٰى فِيْهَا وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ حَتّٰى يَضَعَ رَبُّ الْعِزَّةِ فِيْهَا قَدَمَهٗ فَيَنْزَوِیْ بَعْضُهَا اِلٰى بَعْضٍ فَتَقُوْلُ قَطْ قَطْ بِعِزَّتِكَ وَكَرَمِكَ وَلَا يَزَالُ فِی الْجَنَّةِ فَضْلٌ حَتّٰى يُنْشِئَ اللّٰهُ لَهَا خَلْقًا فَيُسْكِنُهُمْ فَضْلَ الْجَنَّةِ))

(رواه مسلم: كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها ، باب النار لايدخلها الاالجبارون)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم میں مسلسل لوگوں کو ڈالا جاتا رہے گا اور جہنم یہ کہتی رہے گی کہ کیا کچھ اور بھی ہے؟ بالآخر اللہ تعالیٰ اپنا قدم جہنم میں رکھیں گے تو جہنم کا ایک حصہ دوسرے سے مل جائے گا۔جہنم کہے گی تیری عزت اور تیرے کرم کی قسم! بس!۔ بس! اس کے مقابلے میں جنت میں ہمیشہ وسعت اور فراخی ہوتی رہے گی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جنت کے لیے نئی مخلوق پیدا فرمائیں گے جنہیں جنت کے وسیع علاقے میں آباد کیا جائے گا۔“

مسائل

۱۔ جہنم کا حکم سنتے ہی شیطان اپنی برأت کا اظہار کرے گا۔۲۔اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو جہنم کے عذاب سے بار بار متنبہ کردیا ہے۔ ۳۔رب ذوالجلال کے حضور کسی کو بحث وتکرار کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا:

۱۔ ”اللہ“ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ (التوبہ: ۷۰) (العنکبوت: ۴۰) (الروم:۹)

۲۔ قیامت کے دن لوگ اپنے اعمال کو اپنے روبرو پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔(الکھف:۴۹)

۳۔ قیامت کے دن انصاف کا ترازو قائم کیا جائیگا اور کسی پر کچھ ظلم نہیں ہوگا۔(الانبیاء:۴۷)

۴۔ آج کے دن کسی پر ظلم نہیں کیا جائیگا اور ہر کسی کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائیگا۔(یٰس:۵۴)(حٰم السجدۃ:۴۶)

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾ هٰذَا مَا
اورقریب کی جائے گی جنت متقی لوگوں کے نہیں ہوگی دور یہ ہے وہ جس کا

تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ
وعدہ دیا جاتا تھاتمہیں ہر رجوع کرنے والے حفاظت کرنے والے کے لیے جو ڈرگیا رحمٰن سے

بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ﴿۳۳﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ
بن دیکھے اور لایا دل رجوع کرنے والا تم داخل ہو جاؤ اس میں سلامتی سے یہ

يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾
دن ہے ہمیشہ رہنے کا ان کے لیے ہوگا جو وہ چاہیں گے اس میں اور ہمارے پاس مزید بھی ہے

’’اور جنت متقین کے قریب لائی جائے گی، جو ان سے دور نہیں ہو گی۔(۳۱) ارشاد ہو گا یہ ہے وہ جنت جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہر اس شخص کے لیے جو اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا اور اپنی نگرانی کرنے والا تھا۔ (۳۲) جو بن دیکھے رحمٰن سے ڈرتا تھا اور جو رجوع کرنے والا دل لیے ہوئے آیا ہے۔(۳۳) (حکم ہو گا کہ) جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ یہ ہمیشہ کی زندگی کا دن ہو گا۔(۳۴) ان کے لیے وہاں سب کچھ ہو گا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اُن کے لیے بہت کچھ ہے۔‘‘ (۳۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنم کے ذکر اور جہنمیوں کے انجام کے بعد جنت اور اس کے مہمانوں کا ذکر۔

قرآن مجید اپنے بہترین اسلوب کے مطابق یہاں بھی جہنم کے بعد جنت کا تذکرہ کرتا ہے۔ ایک طرف جہنمی جہنم میں جھونکے جارہے ہوں گے اور دوسری طرف ربِ کریم جنت کو جنتیوں کے قریب تر کردے گا۔ جنتی جنت کو دیکھتے اور اس کی خوشبو پاتے ہی خوش ہوجائیں گے۔ جونہی ان کے چہروں پر مسکراہٹیں نمایاں ہوں گی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوگا یہی وہ جنت ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ جسے ’’اللہ‘‘ کی طرف رجوع کرنے والے اور گناہوں سے بچنے والے کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ جنت ایسے شخص کے لیے ہے جو بن دیکھے رب رحمان سے ڈرتا ہے اور خلوص دل کے ساتھ اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔ اسے ارشاد ہوگا کہ سلامتی کے ساتھ ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہوجاؤ۔ جنتی جنت میں جو چاہیں گے وہی پائیں گے اور ہماری طرف سے مزید بھی بہت کچھ دیا جائے گا۔ اس فرمان میں جنت میں جانے والے کے چار اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔اَوَّابٌ:

عُسر یُسر، غم اور خوشی، صحت اور تندرستی میں اپنے رب کی طرف عملاً رجوع کرنے والا ہوتا ہے۔

۲۔حَفِيْظٌ:

ہر حال میں اپنے رب کی حدود و قیود کی حفاظت کرتا ہے۔

۳۔بن دیکھے اپنے رب سے ڈرنے والا ہوتا ہے:

ایمان کی بنیاد غائب پر قائم ہے جس میں اللہ، ملائکہ اور آخرت پر ایمان لانا لازم ہے۔ ایمانیات کی بنیاد ''اللہ'' کی ذات اور اس کا حکم ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ شخص جنت میں جائے گا جو بن دیکھے الرحمٰن سے ڈرتا ہے۔یہاں رب تعالیٰ نے اپنا ذاتی نام ''اللہ'' لینے کی بجائے صفاتی نام الرحمٰن لیا ہے۔ جس میں بالخصوص دوباتیں واضح کی گئی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے اور اس کی مہربانی سے ہی نیک لوگ جنت میں جائیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کا نیک بندہ وہ ہے جو اپنے رب کو الرحمٰن سمجھتا ہے۔مگر اس کے باوجود اس سے ڈرتا رہتا ہے۔الرحمٰن کی مہربانی کا عقیدہ اسے بے عملی کی طرف نہیں لے جاتا۔

((عَنْ جَابِرٍ ﷛ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ لَا یُدْخِلُ أَحَدًا مِنْکُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَلَا یُجِیرُهُ مِنَ النَّارِ وَلَا أَنَا إِلَّا بِرَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ)) (رواہ مسلم: باب لَنْ یَدْخُلَ أَحَدٌ الْجَنَّةَ بِعَمَلِهِ بَلْ بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی)

''حضرت جابر ﷛ کہتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ میرے اور کسی آدمی کے عمل اس کو جنت میں نہیں لے جا سکتے اور نہ ہی جہنم سے بچا سکتے مگر اللہ کی رحمت کے ساتھ۔''

۴۔قَلْبٍ سَلِيْمٍ :

ایسا دل جو ہر حال میں اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔جنتی کی پہلی صفت اَوّاب بیان کی گئی ہے جس کا معنٰی عملاً اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا۔''قَلْبٍ مُّنِيْبٍ'' کا معنٰی ہے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہونے والا۔ جو شخص اوّاب بھی ہو اور ''قَلْبٍ مُّنِيْبٍ'' بھی رکھتا ہو وہ ہمیشہ کے لیے جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل کیا جائے گا۔ ایک مفسر کے بقول وہ شخص جنت میں داخل ہوگا جو آنکھوں سے جمالِ غیر اور دل کو خیالِ غیر سے پاک رکھے گا۔

①۔اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ:

جنتی کو اس کی موت کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی حاصل ہوجاتی ہے اور موت کے وقت ہی ملائکہ اُسے سلام کہتے ہیں۔

②۔جنتی جنت سے نکالے جانے کے خوف سے سلامت رہے گا۔اس لیے قرآن مجید نے بار بار ''یَوْمُ الْخُلُوْدِ'' اور خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ ③۔جنت کی نعمتیں نہ ختم ہوں گی اور نہ ہی کم کی جائیں گی۔ ④۔اللہ تعالیٰ جنتیوں پر ناراض ہونے کی بجائے ہمیشہ ہمیش خوش ہوگا۔

جنتی جو چاہیں گے سو پائیں گے :

((عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ هَلْ فِي الْجَنَّةِ مِنْ خَيْلٍ قَالَ إِنِ اللَّهُ أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ فَلَا تَشَاءُ أَنْ تُحْمَلَ فِيهَا عَلَى فَرَسٍ مِنْ يَاقُوتَةٍ حَمْرَاءَ يَطِيرُ بِكَ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْتَ إِلَّا فَعَلْتَ قَالَ وَسَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ هَلْ فِي الْجَنَّةِ مِنْ إِبِلٍ قَالَ فَلَمْ يَقُلْ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لِصَاحِبِهِ قَالَ إِنْ يُدْخِلْكَ اللَّهُ الْجَنَّةَ يَكُنْ لَكَ فِيهَا مَا اشْتَهَتْ نَفْسُكَ وَلَذَّتْ عَيْنُكَ)) (رواه الترمذی : باب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ خَيْلِ الْجَنَّةِ)

”حضرت سلیمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے آپ نے فرمایا اللہ تجھے جنت میں داخل کرے۔ اگر تیری یہ چاہت ہوئی کہ تو سرخ یاقوت سے مزین گھوڑے پر سوار ہو۔ تو تجھے جنت میں گھوڑے لیے پھریں گے تیری یہ خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔ دوسرے آدمی نے پوچھا کیا جنت میں اونٹ ہوں گے تو آپ ﷺ نے اسے بھی پہلے شخص جیسا جواب دیا اس کے ساتھ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے جنت میں داخل کر دیا تو تجھے جنت میں وہ کچھ ملے گا جو تیرا جی چاہے گا اور جو تیری آنکھ کو بھائے گا۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ جنت کا وعدہ کیا ہے جو ہر صورت پورا ہو کر رہے گا۔
٢۔ جنتی جو چاہیں گے سو پائیں گے۔ ٣۔ اللہ تعالیٰ جنتیوں کو اپنی طرف سے بہت کچھ عطا فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

جنتیوں کا احترام اور جنت کی نعمتوں کی ایک جھلک:

١۔ فرشتے جب جنتیوں کے پاس جائیں گے تو انہیں سلام کہیں گے۔ (الزمر:٨٩)
٢۔ ہم نے اس میں کھجوروں، انگوروں کے باغ بنائے ہیں اور ان میں چشمے جاری کیے ہیں۔ (یٰس:٣٤)
٣۔ یقیناً متقی نعمتوں والی جنت میں ہوں گے۔ (الطّور:١٧) ٤۔ جنت کے میوے ٹپک رہے ہوں گے۔ (الحاقۃ:٢٣)
٥۔ یقیناً متقین باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ (الذاریات:١٥)
٦۔ جنتیوں کو سونے اور لولو کے زیور پہنائے جائیں گے۔ (فاطر:٣٣)
٧۔ جنت میں تمام پھل دو، دو قسم کے ہوں گے۔ (الرحمٰن:٥٢) ٨۔ جنتیوں کو شرابِ طہور دی جائے گی۔ (الدھر:٢١)
٩۔ جنتی سبز قالینوں اور مسندوں پر تکیہ لگا کر بیٹھے ہوں گے۔ (الرحمٰن:٧٦)
١٠۔ جنت میں بے خار بیریاں، تہہ بہ تہہ کیلے، لمبا سایہ، چلتا ہوا پانی، اور کثرت سے پھل ہوں گے۔ (الواقعہ:٢٨تا٣٠)
١١۔ جنت میں وہ سب کچھ ہوگا جس کی جنتی خواہش کرے گا۔ (حٰم السجدۃ:٣١)

وَكَمْ	اَهْلَكْنَا	قَبْلَهُمْ	مِّنْ قَرْنٍ	هُمْ	اَشَدُّ	مِنْهُمْ بَطْشًا
اور کتنی	ہم نے ہلاک کر دیں	ان سے پہلے	قومیں	وہ	زیادہ سخت تھیں	ان سے گرفت میں

فَنَقَّبُوْا	فِي الْبِلَادِ	هَلْ	مِنْ	مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾	اِنَّ	فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى
پھر وہ چلے پھرے	شہروں میں	کیا ہے	کوئی	جگہ بھاگنے والی	بلاشبہ	اس میں ضرور نصیحت ہے

لِمَنْ	كَانَ	لَهٗ	قَلْبٌ	اَوْ	اَلْقَى	السَّمْعَ	وَهُوَ	شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾
اس شخص کے لیے	کہ ہو	اس کے لیے	دل	یا	وہ لگائے	کان	اور وہ	حاضر ہو

''ہم ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ان سے زیادہ طاقتور اور ان سے گرفت میں سخت تھیں انہوں نے شہروں کو چھان مارا تھا، پھر کیا وہ کوئی جائے پناہ پا سکے؟(۳۶) اس میں عبرت ہے ہر اس شخص کے لیے جو دل رکھتا ہو، یا جو توجہ سے بات کو سننے والا ہو۔''(۳۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو لوگ جہنم کی وعید اور جنت کی نوید سننے کے باوجود اپنے رب کی طرف قلباً اور عملاً رجوع نہیں کرتے ان کا دنیا میں انجام۔

قرآن مجید کے پہلے مخاطب اہلِ مکہ تھے اس لیے انہیں بتلایا کہ تم سے پہلے کتنی جماعتیں گزر چکی ہیں جو جسمانی قوت اور وسائل کے لحاظ سے تم سے زیادہ طاقت ور تھیں اور وہ بہت سے شہروں اور علاقوں میں پھرنے والے تھے۔لیکن ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تو انہیں پناہ لینے کے لیے کوئی جگہ میسر نہ آئی۔ ''فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ'' کے اہلِ تفسیر نے دو معانی کیے ہیں۔ ①۔وہ اس قدر طاقت ور تھے کہ انہوں نے کئی شہر اور علاقے فتح کیے اور ان میں پوری عیش وعشرت کے ساتھ رہتے اور گھوما کرتے تھے لیکن جب ان کی گرفت ہوئی تو وہ کہیں بھی پناہ حاصل نہ کر سکے۔ پناہ کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تہس نہس کر دیا۔

②۔''فَنَقَّبُوْا'' کا دوسرا معنٰی یہ ہے کہ وہ بہت سے شہروں کو فتح کرنے والے اور ان میں فاتح انداز میں داخل ہونے والے تھے۔ پہلی اقوام کی تباہی اس شخص کے لیے عبرت کا باعث ہے جو اپنے سینے میں دل رکھتا ہے۔ سینے میں دل رکھنے سے مراد وہ دل ہے جس میں سچ بات سننے اور اسے قبول کرنے کا جذبہ ہو۔ جب دل سچے جذبے کے ساتھ کسی طرف متوجہ ہوتا ہے تو کان بھی سننے کے لیے طرح تیار ہو جاتے ہیں۔ دل اور کان کسی بات کی طرف متوجہ ہوں تو سننے والا اس بات کو جلد قبول کر لیتا ہے۔یہی شخص ہی نصیحت سے مستفید ہوتا ہے۔ گویا کہ نصیحت حاصل کرنے کے لیے بیک وقت تین کام ضروری ہیں۔

ا۔دل کی توجہ۔ ۲۔ہمہ تن گوش ہونا۔ ۳۔اور حق کی طرف پوری طرح متوجہ ہونا۔

ان میں سے کوئی ایک بات منقود ہوتو انسان بڑے سے بڑے واقعہ اورسانحہ سے عبرت حاصل نہیں کرتا۔جن قوموں کو نیست و نابود کیا گیا ان میں یہی نقص پایا جاتا تھا کہ وہ حق بات کو اس طرح سننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ جس طرح انہیں سننے کا حکم دیا گیا تھا ان کے دل تھے مگر بصیرت سے اندھے تھے ،ان کے کان تھے لیکن سچ بات سننے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان کی آنکھیں تھیں مگر عبرت کی نظر سے دیکھنے سے محروم ہوچکی تھیں۔

''بلاشبہ ہم نے بہت سے جن اور انسان جہنم کے لیے ہی پیدا کیے ہیں ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں یہ لوگ چوپاؤں جیسے ہیں بلکہ یہ زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں یہی ہیں جو غافل ہیں۔''(الاعراف: ۱۷۹)

﴿اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَ لٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ﴾ (الحج: ٤٦)

''کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے یا ان کے کان سننے والے ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔''

﴿الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَّهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ﴾ (الملك: ٢)

''جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرنے والا ہے اور وہ زبردست ،اور درگزر فرمانے والا ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی طاقتور اقوام کو ان کے جرائم کی وجہ سے تہس نہس کر دیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تو انہیں دنیا میں کوئی پناہ دینے والا نہ تھا۔

تفسیر بالقرآن

نصیحت حاصل کرنے کے لیے کن باتوں کی ضرورت ہوتی ہے؟ :

۱۔ ہم نے قرآن مجید کو واضح کر دیا تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔(بنی اسرئیل:۴۱)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آلِ فرعون کو مختلف عذابوں سے دوچار کیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔(الاعراف:۱۳۰)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے جوڑے (نرومادہ) بنادیے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔(الذاریات:۴۹)

۴۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔(الزمر:۲۷)

۵۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔(البقرۃ:۲۲۱)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ

البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے چھ دن میں

وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ

اورنہیں چھوا ہمیں تھکاوٹ نے پس آپ صبر کریں اس پر جو کچھ وہ کہتے ہیں اور تسبیح کریں

بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ ج

اپنے رب کی حمد کے ساتھ پہلے سورج نکلنے سے اور پہلے غروب ہونے سے

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾

اور کچھ رات میں پھر آپ تسبیح کریں اس کی اور سجود کے بعد

”ہم نے زمین اور آسمانوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اُسے چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہمیں تھکان نہیں ہوئی۔(۳۸) پس اے نبی یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں ان پر صبر کرو اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے اس کی تسبیح کرتے رہو۔(۳۹) اور رات کے وقت پھر اس کی تسبیح کرو اور سجدہ کرنے کے بعد۔“(۴۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سورت کی ابتدائی آیات میں انسان کے مرنے کے بعد اُسے دوبارہ زندہ کرنے کا ثبوت دیا گیا ہے اب فرمایا کہ کیا لوگوں نے اس بات پر غور نہیں کیا؟ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو کس طرح بلندیوں پر کھڑا کر رکھا ہے اور زمین کو کس طرح پھیلایا اور بچھایا ہے۔

سورت کا اختتام بھی اسی بات سے کیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمانوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور ان کے بنانے اور پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کی کوئی تھکاوٹ اور اکتاہٹ محسوس نہیں ہوئی اگر یہ لوگ ٹھوس اور واضح دلائل کو نہیں مانتے اور قیامت کا مذاق اُڑاتے اور اللہ تعالیٰ کی گستاخی کرتے ہیں تو اے رسول ﷺ! آپ کو صبر سے کام لینا چاہیے۔ صبر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے رب کی تسبیح پڑھا کریں۔ سورج طلوح اور غروب ہونے سے پہلے اور رات کے کچھ حصے میں بھی اپنے رب کو اس کی حمد کے ساتھ یاد کریں اور ہر نماز کے بعد بھی اس کا ذکر کیا کریں۔ اللہ کو اس کی حمد کے ساتھ یاد کرنے کا معنی یہ ہے کہ جس انداز اور الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کا حکم دیا ہے اسی طرح اس کا ذکر کیا جائے۔ یہاں منکرین قیامت کے نظریہ کی تردید کرنے کے بعد یہودیوں کے باطل عقیدہ کی بھی تردید کی گئی ہے۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے بنانے اور پیدا کرنے کے بعد تھکاوٹ محسوس کی اور ہفتہ کے دن مکمل طور پر آرام فرمایا جس وجہ سے ہفتہ کا دن مقدس ہے اور ہم اسی وجہ سے اس دن چھٹی کرتے ہیں۔ یہودیوں کے نظریہ کی

تردید کرنے کے ساتھ منکرینِ قیامت کو بتلایا ہے کہ جب زمین وآسمانوں اور ہر چیز بنانے میں اللہ تعالیٰ کو کوئی اکتاہٹ اور تھکاوٹ محسوس نہیں ہوئی۔ کیا قیامت کے دن تمہیں پیدا کرنا اس کے لیے مشکل ہوگا؟

''وہی تخلیق کی ابتداء کرتا ہے، پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا اور یہ اُس کے لیے آسان ہے۔ اسی کی شان ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین میں سب سے برتر ہے، غالب اور حکمت والا ہے۔'' (الروم: ۲۷)

''حضرت حسن بصری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور ساتویں دن آرام فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ﴾

'' (المجالسة وجواهر العلم، ج: ٦، ص: ٢٢٣)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى أَنَا مَعَ عَبْدِيْ حَيْثُمَا ذَكَرَنِيْ وَتَحَرَّكَتْ بِيْ شَفَتَاهُ)) (رواه البخاری: کتاب التوحید، باب قول اللّٰه تعالیٰ لاتحرك به لسانك ......الخ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں، وہ جہاں کہیں بھی میرا ذکر کرتا ہے اور جب بھی اس کے ہونٹ میرے ذکر میں حرکت کریں۔''

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ أَحْيَانِهٖ))

(رواه مسلم: باب ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي حَالِ الْجَنَابَةِ وَغَيْرِهَا)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ ہر حال میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے چھ دن میں پیدا کیا ہے۔

۲۔ زمین وآسمان کی پیدائش اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے پیدا کرنے سے اللہ تعالیٰ کو کوئی اکتاہٹ اور تھکاوٹ محسوس نہیں ہوئی۔

۳۔ منکرینِ قیامت کی حجت بازیوں پر صبر سے کام لینا چاہیے۔ ۴۔ ہر نماز کے بعد بھی ذکر واذکار کرنے چاہئیں۔

تفسیر بالقرآن

صبر اور اس کے فوائد:

۱۔ اللہ کی رفاقت اور دستگیری صبر کرنے والوں کے لیے ہے۔ (البقرۃ: ۱۵۲)

۲۔ صبر اور نماز کے ذریعے اللہ کی مدد طلب کرو۔ (البقرۃ: ۱۵۲) ۳۔ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔ (الزمر: ۱۰)

۴۔ بے شک جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا انہیں کوئی خوف اور حزن و ملال نہیں ہوگا۔ (الاحقاف: ۱۳) ۵۔ صبر کیجیے اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ (ھود: ۱۱۵)

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾ يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ

اور توجہ سے سنیں جس دن آواز دے گا آواز دینے والا قریب مقام سے جس دن وہ سنیں گے

الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ

اس چیخ (نفخۂ ثانیہ) کو حقیقتاً یہی ہوگا دن (قبروں سے) نکلنے کا بلاشبہ ہم ہی زندہ کرتے

وَ نُمِيْتُ وَ اِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ

اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف واپسی ہے جس دن پھٹ جائے گی زمین

عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾

ان پر وہ دوڑتے ہوں گے یہ اکٹھا کرنا ہم پر نہایت ہی آسان ہے

”اور توجہ سے سنیں کہ جس دن آواز دینے والا قریب سے آواز دے گا۔(۴۱) اس دن سب لوگ چیخ کو ٹھیک ٹھیک سن رہے ہوں گے، وہ مُردوں کے زمین سے نکلنے کا دن ہو گا۔(۴۲) ہم ہی زندگی بخشتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور اس دن ہماری طرف ہی سب کو پلٹنا ہے۔(۴۳) جب زمین پھٹ جائے گی تو لوگ اس سے نکل کر دوڑتے ہوں گے، ہمارے لیے یہ اکٹھا کرنا بہت آسان ہے۔“(۴۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی علیہ السلام کو صبر اور ذکر کی تلقین کرنے کے بعد اب پھر قیامت قائم ہونے کے دلائل دیئے گئے ہیں۔

کوئی شخص قیامت کو تسلیم کرے یا اس کا انکار کرے قیامت بہرحال برپا ہوکر رہے گی جس کا دوسرا مرحلہ اسرافیل کے دوسری مرتبہ صور پھونکنے پر ہوگا جونہی اسرافیل صور پھونکیں گے۔ تو زمین جگہ جگہ سے شق ہوجائے گی اور لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور ہر کوئی یہ محسوس کرے گا کہ اس کے پاس کھڑا ہوا کوئی اسے محشر کے میدان میں حاضر ہونے کا حکم دے رہا ہے۔ یہ آواز سنتے ہی ہر کسی کو یقین ہوجائے گا کہ اب قیامت قائم ہوچکی ہے اور بلانے والا قیامت کی طرف بلا رہا ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکل کر میدانِ محشر کی طرف اس طرح جا رہے ہوں گے جس طرح تیر اپنے نشانے کی طرف جاتا ہے۔(یٰس:۵۱)

اس صورت حال کو ان الفاظ میں بیان کیا جارہا ہے کہ ہم ہی زندہ کرنے والے ہیں اور ہم ہی مارنے والے ہیں اور ہماری طرف ہی لوگوں کو پلٹ کر آنا ہے۔ اسرافیل کو صور کا حکم دینا، قیامت کا برپا کرنا، لوگوں کو ان کی قبروں سے اٹھانا اور محشر کے میدان میں جمع کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل آسان ہے۔ گویا کہ جس طرح زمین و آسمانوں اور ہر چیز کو پیدا کرنا اس کے لیے مشکل نہیں اس طرح ہی لوگوں کو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے مشکل نہیں بلکہ آسان تر ہے۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو صور پھونکنے کے درمیان کا عرصہ

چالیس ہو گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگردوں نے پوچھا چالیس دن؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا۔ انہوں نے استفسار کیا چالیس مہینے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا میں یہ نہیں کہتا۔انہوں نے پھر پوچھا چالیس سال ہیں؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں یہ بھی نہیں کہتا۔یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھول گئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی مدت بتلائی تھی اس کے بعد اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا۔ لوگ یوں اُگیں گے جس طرح انگوری اگتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انسان کی دمچی کے علاوہ ہر چیز بو سیدہ ہو جائے گی۔ قیامت کے دن اسی سے تمام اعضاء کو جوڑا جائے گا۔'' (رواہ البخاری: باب ﴿يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا﴾ زُمَرًا) (دُمچی سے مراد اس کا کوئی خاص ذرّہ ہے جس کو انگلش میں (SMALL TAIL) کہتے ہیں محفوظ رہتا ہے۔)

((وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلٰى مَامَاتَ عَلَيْهِ))

(رواہ مسلم: باب الْأَمْرِ بِحُسْنِ الظَّنِّ بِاللّٰهِ تَعَالَى عِنْدَ الْمَوْتِ)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' ہر شخص اسی حالت پر اٹھایا جائے گا جس پر وہ فوت ہوا۔''

مسائل

١۔ قیامت کے دن ہر کوئی صور کی آواز اس طرح سنے گا جیسے اس کے پاس کھڑا ہوا کوئی آواز دے رہا ہے۔
٢۔ قبر سے نکلتے ہی ہر انسان کو یقین ہوجائے گا کہ قیامت برپا ہو چکی ہے۔
٣۔ قیامت کے دن زمین پھٹنے کے ساتھ ہی لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔
٤۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب کو اکٹھا کرے گا۔اللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرنا مشکل نہیں۔
٥۔ ''اللہ''ہی زندہ کرنے اور مارنے والا ہے اور سب نے اسی کی طرف ہی پلٹ کر جانا ہے۔

تفسیر بالقرآن

''اللہ''موت وحیات پر قادر ہے:

١۔ ''اللہ''ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔(التوبہ:١١٦) ٢۔''اللہ''ہی معبود برحق ہے وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے۔(الحج:٦)
٣۔ ''اللہ''ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہی تمھارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔(آل عمران:١٥٦)
٤۔ ''اللہ''کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔(الاعراف:١٥٨)
٥۔ ''اللہ''وہ ذات ہے جو زندہ کرتی اور مارتی ہے دن اور رات کا مختلف ہونا اسی کے حکم سے ہے(المومنون:٨٠)
٦۔ ''اللہ''کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ تمہارا اور تمہارے آباء واجداد کا رب ہے۔(الدخان:٨)
٧۔ زمین وآسمان کی بادشاہت اسی کی ہے وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے۔(الحدید:٢)

عَلَيْهِمْ	اَنْتَ	وَمَآ	يَقُوْلُوْنَ	بِمَا	اَعْلَمُ	نَحْنُ
ان پر	آپ	اور نہیں	وہ کہتے ہیں	اسے جو	خوب جانتے ہیں	ہم

وَعِيْدِ ۝۴۵	يَّخَافُ	مَنْ	بِالْقُرْاٰنِ	فَذَكِّرْ	بِجَبَّارٍ قف
میری تنبیہ سے	ڈرتا ہے	اس شخص کو جو	اس قرآن کے ساتھ	لہٰذا آپ نصیحت کرتے رہیں	زبردستی کرنے والے

”اے نبی یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ہم انہیں اچھی طرح جانتے ہیں اور آپ کے ذمہ انہیں جبراً منوانا نہیں ہے ،بس آپ اس قرآن کے ساتھ ہر اس شخص کو نصیحت کریں جو میری تنبیہ سے ڈرنے والا ہے۔“ (۴۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس رب کے لیے لوگوں کو زندہ کرنا اورمحشر کے دن اکٹھا کرنا مشکل نہیں اس کے لیے لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کرنا بھی مشکل نہیں لیکن وہ اپنی حکمت کے تحت لوگوں کومہلت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سینکڑوں دلائل اور کئی انبیائے کرام علیہم السلام کو مشاہدے کروا کر ثابت کیا ہے کہ قیامت کے دن ہر صورت مُردوں کو زندہ کیا جائے گا اور قیامت برپا ہو کر رہے گی۔ اس کے باوجود اہلِ مکہ نہ صرف قیامت کا انکار کرتے تھے بلکہ اس کا مذاق بھی اڑاتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک طرف نبی علیہ السلام کوتسلی دی ہے اوردوسری طرف کفار کوتنبیہ کی ہے کہ جوتم ہرزہ سرائی کرتے ہو اس کاایک ایک لفظ ہمارے علم میں ہے۔ ہم چاہیں توسب کچھ تم سے منوا سکتے ہیں ۔لیکن ہمارا اصول یہ ہے کہ کسی کو جبر کے ذریعے ایمان لانے پر مجبور نہ کیا جائے نہ ہی اس نے اپنے نبی کو جبر کرنے والانہیں بنایا ۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا کہ آپ قرآن مجید کے ذریعے لوگوں کونصیحت کریں اور ہمارے عذاب سے ڈرائیں ۔ یہاں قرآن مجید کو ذکر قرار دیا گیا ہے ذکر کا ایک معنٰی نصیحت بھی ہے۔قرآن مجید سے بڑھ کر کوئی نصیحت بہتر اورموثر نہیں ہوسکتی ۔ اس لیے ہر مبلغ کو اپنے وعظ اورخطاب میں قرآن مجید زیادہ سے زیادہ پڑھنا چاہیے ،اور لوگوں کو قصے، کہانیاں، شعر سنانے کی بجائے قرآن کے ذریعے نصیحت کرنی چاہیے۔

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرة: ۲۵۶)

”دین میں کوئی زبردستی نہیں ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے اس لیے جوشخص باطل معبودوں کا انکار کر کے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کوتھام لیا جوکبھی ٹوٹنے والانہیں ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سننے ، جاننے والا ہے۔“

((عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا بَعَثَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِهٖ فِيْ بَعْضِ أَمْرِهٖ قَالَ بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا وَ يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا)) (رواہ البخاری : باب مَا كَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَتَخَوَّلُهُمْ بِالْمَوْعِظَةِ وَالْعِلْمِ كَیْ لَا يَنْفِرُوا)

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی گرامی ﷺ جب اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو اپنے کسی کام کیلئے بھیجتے تو فرماتے، لوگوں کو خوش خبری دینا، ان کو متنفر نہ کرنا۔ ان کے ساتھ نرمی کرنا، مشکل میں نہ ڈالنا۔''

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّهَا قَالَتْ مَاخُيِّرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا مَالَمْ يَكُنْ إِثْمًا فَإِنْ كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِنَفْسِهٖ إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ بِهَا)) (رواه البخاری : کتاب المناقب، باب صفة النبی ﷺ)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو دو کاموں میں اختیار دیا جاتا تو آپ دونوں میں سے آسان کام کو اختیار کرتے بشرطیکہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا۔ اگر کام گناہ کا ہوتا تو آپ سب سے زیادہ اس سے دور رہتے۔ آپ نے اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہ لیا البتہ جب اللہ کی حرمتوں کو پامال کیا جاتا تو اللہ کے لیے انتقام لیتے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہر بات کو جانتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو جبر کرنے والا بنا کر مبعوث نہیں کیا۔
۳۔ لوگوں کو قرآن مجید کے ساتھ نصیحت کرنی چاہیے۔ ۴۔ لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید جامع اور مؤثر ترین نصیحت ہے:

۱۔ ہم نے قرآن مجید کو کھول کر بیان کیا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ (بنی اسرائیل:۴۱)
۲۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نصیحت کے لیے نازل فرمایا ہے۔ (ص:۲۹)
۳۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ (الزمر:۲۷)
۴۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (البقرۃ:۲۲۱)

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو جبر کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا:

۱۔ نبی ﷺ مومنوں کے ساتھ شفیق و مہربان ہیں۔ (التوبہ:۱۲۸)
۲۔ ہم نے آپ ﷺ کو جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ (الانبیاء:۱۰۷)
۳۔ ہم نے آپ ﷺ کو جہان والوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ (سبا:۲۸)
۴۔ آپ ﷺ کو کتاب و حکمت کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا گیا۔ (الجمعہ:۲) (الاحزاب:۴۶)
۵۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے بوجھ اتارنے اور غلامی سے چھڑانے کیلئے تشریف لائے۔ (الاعراف:۱۵۷)
۶۔ نبی اکرم ﷺ کا مبعوث کرنا اللہ تعالیٰ کا مومنوں پر احسانِ عظیم ہے۔ (آلِ عمران:۱۶۴) (الاحزاب:۴۵)

سورۃ الذاریات کا تعارف

یہ سورت اپنے نام سے ہی شروع ہوتی ہے اس کے تین رکوع اور ساٹھ(٦٠) آیات ہیں۔یہ مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا میں ہواؤں کے متعلق چار قسمیں اٹھا کر ارشاد فرمایا ہے کہ لوگو تمہارے ساتھ جس قیامت کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ ہر حال میں سچ ثابت ہوگا پھر آسمان کی قسم اٹھا کر ارشاد فرمایا کہ قیامت کا دن ہر صورت واقع ہو کر رہے گا اس کے باوجود تم اس کے بارے میں مختلف قسم کی باتیں کرتے ہو اس کا وہی انکار کرتا ہے جو حق بات سے پھر جاتا ہے۔ جو لوگ قیامت کے بارے میں غفلت میں پڑے ہوئے ہیں وہ مارے جائیں گے۔غفلت میں مبتلا ہونے کے باوجود پوچھتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی؟انہیں بتلائیں قیامت اس دن آئے گی جس دن یہ لوگ آگ میں تپائے جائیں گے۔اس وقت انہیں کہا جائے گا کہ اب ہمیشہ کے لیے اپنی گمراہی کا مزا چکھتے رہو۔ان کے مقابلے میں جو لوگ قیامت پر یقین رکھتے ہوئے رات کے وقت اپنے رب کے حضور استغفار کرتے رہے اور اپنے مال سے سائل اور محروم کو ان کا حق دیتے رہے انہیں چشموں والی جنت میں داخل کیا جائے گا وہ اپنے رب سے ہر قسم کی نعمتیں حاصل کرنے والے ہوں گے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ لوگو قیامت پر یقین اور رب پر ایمان لانا چاہتے ہو تو اس کے لیے تمہارے نفسوں اور جس زمین پر تم رہتے ہو اس میں بے شمار دلائل موجود ہیں۔اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اے نبی کیا آپ کو ابراہیم کے معزز مہمانوں کی بات پہنچی ہے؟جب وہ اس کے پاس آئے تو اُسے سلام کہا ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ آپ لوگوں کو بھی سلام ہو اور سوچا کہ ناآشنا لوگ ہیں۔پھر چپکے سے اپنے گھر والوں کے پاس گئے، اور ایک موٹا تازہ بچھڑا بھون کر مہمانوں کے سامنے پیش کیا۔فرمایا کہ تم کھاتے نہیں؟ابراہیم علیہ السلام نے ان سے خوف محسوس کیا انہوں (فرشتوں) نے کہا۔ڈریے نہیں اور انہوں نے اُسے ایک صاحب علم بیٹے کی خوشخبری سنائی۔یہ سن کر اس کی بیوی چیختی ہوئی آگے بڑھی اور اس نے اپنے منہ پر ہاتھ مارا اور کہنے لگی، بوڑھی، بانجھ کو بیٹا ہوگا۔فرشتوں نے کہا تیرے رب کا یہی فرمان ہے یقیناً وہ بڑا حکمت والا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔اس کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اور فرعون کا انجام ذکر کیا گیا ہے لوط علیہ السلام کی قوم اور فرعون نے بھی اپنے انبیاء کو ٹھکرایا اور فرعون نے کہا کہ موسیٰ جادوگر ہے یا مجنوں۔یہی حال قوم عاد،ثمود اور قوم نوح کا ہوا۔الذاریات کے آخر میں جنوں اور انسانوں کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے تمہیں اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا اور ہم تم سے رزق نہیں مانگتے بلکہ روزی دینے والا تو اللہ ہے جو بڑی قوت والا اور زبردست ہے جو لوگ اللہ کی عبادت اور قیامت کے دن کا انکار کریں گے وہ ظالم ہوں گے اور ظالموں کے لیے بالآخر ہلاکت ہوگی۔

سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ٣ اٰيَاتُهَا: ٦٠

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

فَالْجٰرِيٰتِ	وِقْرًا ۲	فَالْحٰمِلٰتِ	ذَرْوًا ۱	الذّٰرِيٰتِ	وَ
پھر چلنے والیوں کی	بوجھ کو	پھر اٹھانے والیوں کی	اڑا کر	بکھیرنے والیوں کی	قسم ہے

اَمْرًا ۴	فَالْمُقَسِّمٰتِ	يُسْرًا ۳
کام	پھر تقسیم کرنے والیاں	آہستہ سے

”قسم ہے اُن ہواؤں کی جو گرد اُڑانے والی ہیں۔(۱) پھر ان ہواؤں کی جو پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھانے والی ہیں۔(۲) پھر آہستہ سے چلنے والی ہواؤں کی ۔(۳) تقسیم کرنے والی ہواؤں کی۔“(۴)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورہ ق کا اختتام قیامت کے ذکر پر ہوا ۔الذّاریات کی ابتدا بھی قیامت کے ذکر اور اس کے دلائل سے کی گئی ہے ۔

اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق میں سے کسی کی قسم اٹھانا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ پہلے بھی عرض ہو چکا ہے کہ اس سے دیگر مقاصد کے ساتھ اس چیز کی اہمیت بتلانا بھی مقصود ہوتا ہے ۔جنس (Gender) کے اعتبار سے ہوا ایک ہے لیکن کام اوراثرات کے لحاظ سے اس کی کئی اقسام ہیں یہاں چارقسم کی ہواؤں کا ذکر کیا گیا ہے ۔

قسم ہے گردوغبار اڑانے والی ،بادلوں کا بوجھ اٹھانے والی پھر سبک رفتار چلنے والی اور پانی کو بارش کی صورت میں برسانے والی ہواؤں کی۔ یاد رہے کہ قدرت کی بڑی بڑی نشانیوں میں ہوا بھی اللہ کی قدرت کی زبردست نشانی ہے۔ ہوا قدرت کی نشانی ہونے کے ساتھ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کے سوا ہر جاندار چند لمحوں کا مہمان ہوتا ہے۔ اللہ کی بے پایاں رحمت پرغور فرمائیں کہ جن چیزوں کے بغیر کوئی جاندار زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کو عام کردیا ہے ۔ ان میں پانی، روشنی، اندھیرااور ہوا بھی شامل ہے جو محلات کی نسبت جھونپڑیوں میں رہنے والوں کو صاف اورشفاف صورت میں حاصل ہوتی ہیں ۔ ہوا پرغور فرمائیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے گرد آلود یارنگ دار کردے تو بینائی رکھنے کے باوجود انسان ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو جائے ۔اگر پوری دنیا یا کسی علاقے کی ہوا کو گرد آلود کردیا جائے تو پیدل چلنے والے سے لے کر ہوائی جہاز کا پائلٹ بھی بے کار اورلاچار ہو جائے گا ۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا میں ایسی قوت رکھ دی ہے کہ اگر وہ آندھی کی شکل اختیار کرلے تو ہر چیز کو اڑا کر رکھ دیتی ہے۔ ہوا ٹنوں کے حساب سے گردوغبار اٹھا کر اُسے میلوں دور پھینک دیتی ہے بالخصوص صحراء میں ریت کے بڑے بڑے ٹیلوں کو ہوا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کردیتی ہے۔ بسا اوقات

آندھی کی وجہ سے صحراء میں راستے اس طرح اٹ جاتے ہیں کہ مسافر کے لیے راستہ تلاش کرنا محال ہو جاتا ہے۔ ہوا میں اللہ تعالیٰ نے یہ قوت اور کشش بھی رکھی ہے کہ جب سمندر کا پانی سورج کی گرمی سے بخارات کی شکل اختیار کرتا ہے تو ہوا اس کو اٹھا کر فضا میں ایک خاص بلندی تک لے جاتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بادلوں کو اٹھائے ہوئے خراما خراما چلتی ہوئی انہیں وہاں لے جاتی ہے جہاں انہیں برسنے کا حکم ہوتا ہے۔ بادلوں کو اٹھانے والی ہوا یک دم بادل کو نیچے نہیں پھینکتی بلکہ آبشار کی صورت میں پانی برساتی ہے۔ اگر ہوا بادل کو یک دم پھاڑ دے تو زمین پر پانی اس طرح گرے کہ کوئی چیز باقی نہ بچ سکے۔ اگر اللہ تعالیٰ سورج کی تپش سے پانی کو بخارات میں تبدیل نہ کرے اور بخارات کو ہوا اوپر نہ اٹھائے تو بارش کا برسنا ناممکن ہوجائے۔ ہوا بادلوں کو تقسیم کرتی ہے بسا اوقات اس قدر گہرے بادل ہوتے ہیں کہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ بادل ہر صورت برس کر رہیں گے لیکن یکدم ہوا بادلوں کو اس طرح بکھیر دیتی ہے کہ ان کا نشان تک دکھائی نہیں دیتا۔ بنیادی طور پر بارش ہی آبپاشی کا ذریعہ ہے جس سے ہر ذی روح سیراب ہوتا ہے اور بارش کا مرکزی سبب ہوا ہے جس کے ذریعہ بادل ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچتے اور برستے ہیں۔ بارش کے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو حیاتِ نو بخشتا ہے جس وجہ سے زمین میں دبے ہوئے بیج اپنی اپنی مدت پوری کرنے کے بعد اگتے ہیں اور صحراء شاداب دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں اشارے کی زبان میں اور دوسرے مقام پر کھلے الفاظ میں بتایا ہے کہ جس طرح بارش سے بیج اُگتے ہیں اسی طرح قیامت کے دن لوگوں کو زندہ کیا جائے گا۔ (الزخرف:١١) بعض مفسرین نے "مُقَسِّمَاتِ" سے مراد فرشتے لیے ہیں لیکن کلام کے سیاق وسباق سے یہ مفہوم لینا دور کی بات نظر آتی ہے۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کئی چیزوں کی قسم اٹھائی ہے۔
٢۔ کسی چیز کی قسم اٹھانے کا مقصد اس کی اہمیت کو نمایاں کرنا ہے۔
٣۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا بھی کئی قسم کی بنائی ہیں جو اپنا اپنا کام سرانجام دیتی ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں ہوا کا ذکر:

١۔ کفار کے اعمال کی مثال تیز آندھی کی سی ہے جس طرح تیز آندھی سب کچھ اڑا کر لے جاتی ہے ایسے ہی کفار کے اعمال اُڑ جائیں گے۔ (ابراہیم:١٨) ٢۔ قومِ عاد زبردست آندھی کے ذریعے ہلاک کی گئی۔ (الحاقۃ:٦)
٣۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا جو اس کے حکم سے چلتی تھی۔ (الانبیاء:٨١)
٤۔ ہواؤں کے چلنے اور بادلوں کے مسخر ہونے میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ (البقرۃ:١٦٤) (بنی اسرائیل:٦٨)

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝

بلاشبہ جو | تم وعدہ دیے جاتے ہو | وہ یقیناً سچا ہے | اور بلاشبہ | قیامت | ضرور واقع ہونے والی ہے

''بلاشبہ جس چیز کا تمہیں وعدہ دیا جا رہا ہے یقیناً وہ سچ ہے۔(۵) اور قیامت ضرور آئے گی۔''(۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پانی کا انحصار بارش پر ہے اوراس کے ذریعے زمین سے بیج اُگتے ہیں۔جس طرح زمین سے بیج اُگتے ہیں اسی طرح لوگوں کو قیامت کے دن زندہ کرکے اٹھایا جائے گا۔یہ'' اللہ'' کا وعدہ ہے جو ہرصورت پورا ہوگا۔

پہلی آیات میں بارش کے حوالے سے اشارتاً قیامت کا ذکر ہوا اور اب بار بار تاکید کے الفاظ لاکر فرمایا ہے کہ جس قیامت کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے وہ سچ ہے کہ قیامت ہرصورت برپا ہوکر رہے گی ۔ یہ بات سورہ ق کی آیات ۹تا۱۹ کی تفسیر میں ذکر ہوئی ہے کہ جس ذات نے زمین وآسمانوں اور ہرچیز کو پیدا کیا ہے اس کے لیے مخلوق کو دوبارہ پیدا کرنا مشکل نہیں بلکہ ایسا کرنا اس کے لیے آسان تر ہے اس حقیقت کے باوجود جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں انہیں مختلف انداز اوردلائل کے ساتھ سمجھایا ہے کہ قیامت ہرصورت قائم ہوگی ۔اس کے باوجود جو ماننے کے لیے تیار نہیں انہیں ان الفاظ میں چیلنج دیا ہے ۔

''فرما دیں کہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا یا کوئی ایسی مخلوق جو تمھارے خیالات میں بڑی ہے عنقریب وہ کہیں گے کون ہمیں لوٹائے گا ؟ فرما دیں وہی جس نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا ہے ۔''(بنی اسرائیل: ٥٠)

﴿يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ﴾ (الانبياء: ١٠٤)

''وہ دن جب آسمان کو ہم یوں لپیٹ کر رکھ دیں گے جیسے لکھے ہوئے اوراق لپیٹ دیے جاتے ہیں۔ جس طرح پہلے ہم نے تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے ۔یہ وعدہ ہمارے ذمّے ہے اور یہ کام ہمیں ہرحال میں کرنا ہے ۔''

مسائل

۱۔ قیامت کا وعدہ سچا ہے جو ہرصورت پورا ہوکر رہے گا ۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے قائم ہونے کے دلائل:

۱۔ قیامت قریب ہے۔ (الحج:۱) ۲۔تمہارے لیے قیامت کا دن مقرر ہے ۔اس میں تقدیم وتاخیر نہیں ہوگی۔ (سبا:۳۰)
۳۔ قیامت اچانک آجائے گی۔(یوسف: ۱۰۷)۴۔قیامت پل بھر میں واقع ہو جائے گی۔(النحل: ۷۷)
۵۔ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں۔ (الکہف: ۲۱)

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝٧ اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝٨ یُّؤْفَكُ عَنْهُ

قسم ہے آسمان کی جو راستوں والا ہے بلاشبہ تم یقیناً مختلف بات میں ہو پھیرا جاتا ہے اس سے

مَنْ اُفِكَ ۝٩ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝١٠ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ

جوشخص پھیرا گیا مارے گئے اندازہ لگانے والے وہ لوگ کہ وہ غفلت میں

سَاهُوْنَ ۝١١ یَسْـَٔلُوْنَ اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ ۝١٢ یَوْمَ هُمْ عَلَی النَّارِ

بھولے پڑے ہیں وہ پوچھتے ہیں کب آئے گا جزا کا دن جس دن وہ آگ پر

یُفْتَنُوْنَ ۝١٣ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝١٤

جلائے جائیں گے تم چکھو اپنا عذاب یہ وہ ہے کہ تم تھے اسے جلدی طلب کرتے

”قسم ہے راستوں والے آسمان کی۔(٧) تمہاری بات ایک دوسرے سے مختلف ہے۔(٨) قیامت سے وہی برگشتہ ہوتا ہے جوحق سے پھر جاتا ہے۔(٩) مارے گئے اندازہ لگانے والے۔(١٠) جو جہالت میں غرق اور غفلت میں مدہوش ہیں۔(١١) پوچھتے ہیں کہ جزا کا دن کب آئے گا؟(١٢) یہ وہ دن ہوگا جب یہ آگ پر جلائے جائیں گے۔(١٣) اپنے عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ وہی ہے جس کوتم جلد طلب کر رہے تھے۔“(١٤)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ آیات میں قیامت برپا ہونے کے دلائل دیئے گئے اب قیامت کے بارے میں لوگوں کے مختلف اقوال کی تردید کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے راستوں والے آسمان کی قسم اٹھا کر اس بات کی تردید کی ہے کہ جو لوگ قیامت کے قائم ہونے کے بارے میں مختلف قسم باتیں کرتے ہیں۔ وہ حقیقت میں تضادفکری اور بے یقینی کا شکار ہیں اوراسی وجہ حق سے پھرے ہوئے اور گمراہ ہیں۔اپنی تضادفکری کی وجہ سے مختلف قسم کی باتیں کرتے ہیں جو ان کے بے خبراور برگشتہ ہونے کی دلیل ہے۔ قیامت کے بارے میں وہی شخص گمراہ ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ گمراہی کے لیے کھلا چھوڑ دیتا ہے۔ بے علم اور قیامت کے منکر ہونے کے باوجود سوال کرتے ہیں کہ یہ کب آئے گی۔ حالانکہ اس دن وہ آگ میں پھینکے جائیں گے۔ اس میں چیخ و پکار کریں گے تو ملائکہ جھڑکیاں دیتے ہوئے کہیں گے کہ اب اپنی یاوہ گوئی کی سزا پاؤ کیونکہ تم اس کے بارے میں بے یقینی اور جلد بازی کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔آسمان کے بارے میں ”ذَاتِ الْحُبُكِ“ کے لفظ استعمال فرمائے ہیں۔”حِبَاكٌ“ کی جمع ”حُبُكٌ“ ہے جس کا معنٰی راستے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان میں راستے اور دروازے بنائے ہیں۔جن راستوں سے چل کر ملائکہ آسمان پر چڑھتے اور اترتے ہیں۔جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں ان کی تضادفکری اور بے یقینی کا عالم یہ ہے کہ وہ کسی ایک بات پر قائم رہنے کی بجائے مختلف قسم کی باتیں اور حجت بازیاں کرتے ہیں۔ کچھ کا خیال ہے کہ قیامت ہرگز برپا

نہیں ہوگی۔ کچھ کہتے ہیں کہ دنیا کا نظام اس طرح ہی چلتا رہنا ہے۔ جو مر گیا وہ مٹی کے ساتھ جا ملا۔اس نے نہ اٹھنا اور نہ اس نے حساب دینا ہے۔ انسان کو اس کے اچھے اور برے اعمال کی سزا دنیا میں ہی مل جاتی ہے کیونکہ دنیا میں مکافاتِ عمل کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ بعض مذاہب میں آواگون کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد انسان کسی اور شکل میں دنیا میں پلٹ آتا ہے اگر اس کے اعمال اچھے ہوں تو وہ اچھے جانور یا پرندے کی شکل میں دنیا میں رہتا ہے۔ اگر اس کے اعمال برے ہوں تو وہ گدھے یا کسی درندے کی شکل میں زندگی گزارتا ہے۔ گویا کہ وہ کسی نہ کسی شکل میں دنیا میں رہتا ہے اس سے آگے کچھ نہیں ہے۔ مکہ میں ایسے لوگ بھی تھے جن کا دعویٰ تھا کہ بالفرض قیامت قائم ہوگئی تو ہم آخرت میں بھی مسلمانوں سے بہتر ہوں گے۔ قیامت کا انکار کرنے والے جنت اور جہنم کے بارے میں بھی مختلف قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ عجب بات یہ ہے کہ قیامت کا انکار کرنے کے باوجود یہ لوگ اس کے بارے میں جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہ بات بھی ان کی تضاد فکری پر دلالت کرتی ہے کیونکہ جو آدمی کسی چیز کے وجود کا انکار کرتا ہے اس کے متعلق اسے نہ جلد بازی کرنا چاہیے اور نہ ہی اسے اس کے بارے میں قیل قال کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ ایسے لوگ اپنی بے یقینی اور تضاد فکری میں مارے جائیں گے۔ قیامت تو ہر صورت برپا ہو کر رہے گی اس کا انکار کرنے والے ہمیشہ کے لیے جہنم کے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ تُفْتَحُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ فِی كُلِّ اثْنَیْنِ وَخَمِیسٍ فَیُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لاَ یُشْرِكُ بِاللَّهِ شَیْئًا إِلاَّ امْرَأً بَیْنَهُ وَبَیْنَ أَخِیهِ شَحْنَاءُ قَالَ فَیُقَالُ انْتَظِرْ هَذَیْنِ حَتَّى یَصْطَلِحَا)) (رواہ مسلم : باب النَّهْيِ عَنِ الشَّحْنَاءِ وَالتَّهَاجُرِ)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا آسمان کے دروازے ہر سوموار اور جمعرات کو کھولے جاتے ہیں اور ہر شخص کو معاف کر دیا جاتا ہے جس نے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو مگر اس شخص کو معاف نہیں کیا جاتا جو اپنے بھائی سے عداوت رکھتا ہو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان کو چھوڑ دو یہاں تک کہ یہ صلح نہ کر لیں۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کی قسم اٹھا کر ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ قیامت کے بارے میں مختلف قسم کی باتیں کرتے ہیں وہ تضاد فکری اور گمراہی کا شکار ہیں۔ ۲۔ قیامت کا انکار کرنے والوں کو جہنم کی آگ میں پھینکا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے منکرین کی سزا:

۱۔ قیامت کو جھٹلانے اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکنے والے کے لیے جلا دینے والا عذاب ہوگا۔ (الحج: ۹)

۲۔ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرنے والے اور قیامت کو جھٹلانے والے عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔ (الروم: ١٦)

۳۔ قیامت کو جھٹلانے والوں کے لیے آگ کا عذاب ہے۔ (الفرقان : ١١)

اِنَّ	الْمُتَّقِيْنَ	فِيْ جَنّٰتٍ	وَّعُيُوْنٍ ۙ۝۱۵	اٰخِذِيْنَ	مَآ اٰتٰىهُمْ
بلاشبہ	متقی لوگ	باغات میں	اور چشموں میں ہوں گے	لینے والے ہوں گے	جو دے گا انہیں
رَبُّهُمْ ۭ	اِنَّهُمْ	كَانُوْا	قَبْلَ ذٰلِكَ	مُحْسِنِيْنَ ۝۱٦ۭ	كَانُوْا قَلِيْلًا
ان کا رب	بلاشبہ وہ	تھے	اس سے پہلے	نیکوکار	وہ تھے بہت ہی تھوڑا
مِّنَ الَّيْلِ	مَا يَهْجَعُوْنَ ۝۱۷	وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ	يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝۱۸	وَ	
رات کو	سوتے	اور سحری کے وقت وہ	مغفرت طلب کرتے تھے	اور	
فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ	حَقٌّ	لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝۱۹			
ان کے مالوں میں	حق تھا	سائل اور محروم کے لیے			

”البتہ متقی لوگ اس دن باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔(۱۵) جو کچھ ان کا رب انہیں دے گا اسے خوشی خوشی لے رہے ہوں گے، کیونکہ وہ اس دن کے آنے سے پہلے نیکی کرنے والے تھے۔(۱٦) وہ راتوں کو کم ہی سوتے تھے۔(۱۷) وہ رات کے پچھلے حصے میں معافی مانگتے تھے۔(۱۸) اور اپنے مالوں میں سائل اور محروم کا حق سمجھتے تھے۔“(۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کا انکار کرنے والوں کی سزا کے ذکر کے بعد جنتیوں کا تذکرہ، قیامت پر ایمان لانے اور اس کی جوابدہی کا خوف رکھنے والوں میں یہ صفات پیدا ہوتی ہیں۔

قیامت پر یقین رکھنا انسان کو بُرائیوں سے بچاتا ہے اور نیکی کے کاموں پر آمادہ کرتا ہے، اس لیے قیامت پر یقین رکھنے والوں کی صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ یقیناً یہ لوگ جنتوں میں داخل کیے جائیں گے جن میں چشمے جاری ہوں گے اور اپنے رب سے جنت کی نعمتیں حاصل کریں گے۔ کیونکہ وہ دنیا میں نیکی کرنے والے تھے۔ وہ پوری رات سونے کی بجائے رات کا کچھ حصہ سویا کرتے تھے اور سحری کے وقت اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے تھے اور اپنے مال سے سائل اور اس شخص کو دیتے تھے جو مستحق ہونے کے باوجود کسی سے سوال نہیں کرتا تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے متقی لوگوں کی تین صفات ذکر فرمائی ہیں۔

① جنتی لوگ ہر حال میں اخلاص کے ساتھ نیکی کرنے والے ہوتے ہیں۔

② جنتی اس خیال اور نیت سے صدقہ کرتے ہیں کہ یہ ہمارا غریبوں پر احسان نہیں بلکہ اُن کا حق ہی اُن تک پہنچا رہے ہیں اسی لیے وہ ان غریبوں کا بھی خیال رکھتے ہیں جو اپنی حیا اور خودداری کی وجہ سے دوسروں سے نہیں مانگتے۔

③ متقی لوگ رات بھر خراٹے لینے کی بجائے آدھی یا رات کا کچھ حصہ اپنے رب کے حضور کھڑے ہوتے ہیں۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّیْلِ یَتَھَجَّدُ قَالَ (اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَیِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ مٰلِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُکَ الْحَقُّ وَ لِقَآئُکَ حَقٌّ وَقَوْلُکَ حَقٌّ وَالْجَنَّۃُ حَقٌّ وَّالنَّارُ حَقٌّ وَّالنَّبِیُّوْنَ حَقٌّ وَّمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَّالسَّاعَۃُ حَقٌّ اَللّٰھُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ وَاِلَیْکَ حَاکَمْتُ فَاغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَآ اَخَّرْتُ وَمَآ اَسْرَرْتُ وَمَآ اَعْلَنْتُ وَمَآ اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ)) (رواہ البخاری : باب التَّھَجُّدِ بِاللَّیْلِ)

’’حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ رات کے وقت جب تہجد کے لیے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے۔’’اے اللہ تیری ہی حمدوستائش‘ تو ہی زمین وآسمان اورجو کچھ ان میں ہے اس کوقائم رکھنے والا ہے، تیرے لیے ہی حمد ہے اورتیری وجہ سے ہی زمین وآسمان اوران کی ہر چیز روشن ہے، تیرے لیے ہی تعریف ہے ۔تو ہی زمین وآسمان اوران میں ہرچیز کا مالک ہے، تیرے ہی لیے حمدوثنا ہے تو ہی حق ہے تیرے وعدے سچ ہیں۔تجھ سے ملاقات یقینی ہے۔تیرا فرمان سچا ہے۔ جنت، دوزخ، انبیاء، محمد، قیامت یہ سب سچ اورحق ہیں۔الٰہی میں تیرا فرمانبردار اور تجھ پر ہی ایمان رکھتاہوں‘ تیری ذات پر میرا بھروسہ ہے۔ تیری طرف ہی رجوع کرتا ہوں، تیری مدد سے ہی کفار اورمشرکین سے لڑتاہوں۔میں سب کچھ تیرے سپرد کرتاہوں۔پس میرے اگلے پچھلے، پوشیدہ اور ظاہر گناہ معاف فرما۔ جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتاہے۔ تیری ذات ہی اول وآخر ہے۔تو ہی الٰہ برحق ہے اور تیرے سوا کوئی معبود ومسجود نہیں۔‘‘

مسائل

١۔ متقی لوگ سحری کے وقت اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔بالفاظ دیگرصبح کے وقت اپنا احتساب کرتے ہیں۔

٢۔ متقی لوگوں کی یہ بھی صفت ہوتی ہے کہ وہ اپنے مال سے ان لوگوں کو دیتے ہیں جو اپنی حاجت کے لیے ان سے سوال کرتے ہیں اوران لوگوں کوبھی دیتے ہیں جو مستحق ہونے کے باوجودنہیں مانگتے ۔ اپنی حیاء کی وجہ سے کسی کے سامنے دست درازنہیں کرتے ۔

٣۔ جنت میں چشمے جاری ہوں گے ۔٤۔جنتی نیک اعمال کے بدلے اپنے رب سے انعامات پائیں گے۔

٥۔ جنت میں جانے والے لوگ پوری رات سونے کی بجائے رات کا کچھ حصہ تہجد پڑھنے میں گزارتے ہیں۔

٦۔ جنت میں جانے والے حضرات اپنے رب کے حضورصبح کے وقت استغفار کرتے ہیں ۔

وَ	فِي الْاَرْضِ	اٰيٰتٌ	لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿۲۰﴾	وَ	فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ	
اور	زمین میں	بہت سی نشانیاں ہیں	یقین کرنے والوں کے لیے	اور	تمہارے نفوس میں بھی	

اَفَلَا	تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾
کیا پھر نہیں	تم دیکھتے

”یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔(۲۰) اور تمہارے وجود میں بھی نشانیاں ہیں کیا تم نہیں دیکھتے؟“ (۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنت ایمان کے بدلے نصیب ہوگی اور ایمان یقین کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ یقین کے ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پر غور وخوض کرے، اور ان پر ایمان لائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات کی معرفت کے لیے نہ صرف زمین میں بے شمار نشانیاں پیدا کی ہیں بلکہ اس نے لوگوں کے وجود میں بھی اپنی قدرت کی نشانیاں پیدا کی ہیں کہ لوگ ان پر غور کریں تو انہیں اپنے رب کی ذات اور صفات پر اس طرح یقین ہو جائے کہ وہ کسی اور کو الٰہ ماننے اور اس کا شریک بنانے اور اس کی نافرمانی کی جرأت نہ کرسکیں۔ لیکن بے شمار لوگ اپنے رب کی قدرتوں اور نعمتوں سے مستفید ہوتے ہیں مگر اس کی ذات اور صفات پر صحیح معنوں میں یقین نہیں رکھتے۔ ایسے لوگوں کو بالخصوص بار بار دعوت دی جاتی ہے کہ وہ زمین و آسمان اور اپنے آپ پر غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کس طرح پیدا فرمایا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں اپنی قدرت کی بے شمار نشانیاں رکھی ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے وجود میں اپنی قدرت کی نشانیاں رکھی ہیں مگر لوگ غور وفکر نہیں کرتے۔

تفسیر بالقرآن

انسان کی تخلیق میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور زمین و آسمانوں کو پیدا فرمایا۔ (البقرۃ: ۲۲)

۲۔ ”اللہ“ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ (الروم: ۲۰) ۳۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک نطفے سے پیدا کیا۔ (الدھر: ۲)

۴۔ ”اللہ“ ہی نے انسان کو بڑی اچھی شکل وصورت میں پیدا فرمایا۔ (التین: ۴)

وَ فِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ ﴿٢٢﴾ فَوَ

اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور وہ جو تم وعدہ دیے جاتے ہو پھر قسم ہے

رَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿٢٣﴾

آسمان اور زمین کے رب کی بلاشبہ وہ یقیناً حق ہے مثل اس کے جو تم بولتے ہو

’’تمہارا رزق آسمان میں ہے اور وہ چیز بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔(٢٢) پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی یہ بات ایسی ہی یقینی ہے جیسے تم بولتے ہوئے کرتے ہو۔‘‘(٢٣)

فہم القرآن

ربطِ کلام: متقین کی آیت ١٩ میں یہ صفت بیان ہے کہ وہ اپنے مال سے محتاج لوگوں پر خرچ کرتے ہیں۔ اب مال کی حقیقت بتلائی ہے کہ مال پر کسی کا حقیقی اور دائمی اختیار نہیں،اس کا کنٹرول آسمان میں ہے جسے دینے کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔

’’اللہ‘‘ نے زمین و آسمان کی قسم اٹھا کر یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے رزق کا کنٹرول آسمان میں رکھا ہے اور رزق دینے کا اس کا سچا وعدہ ہے۔ اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور بات سچ پر مبنی ہے یہ اس طرح سچ ہے جس طرح تم بولتے ہو۔رزق سے مراد صرف کھانے پینے کی چیزیں نہیں بلکہ اس سے مراد انسان کی وہ تمام ضروریات ہیں جس کی اسے اپنی پوری زندگی میں حاجت ہوتی ہے۔ اس کا کنٹرول آسمان میں رکھا گیا ہے اس ارشاد کے دو مفہوم ہیں۔

١۔رزق اور ہر چیز کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے۔جو آسمانوں کے اوپر عرشِ معلیٰ پر اپنی شان کے مطابق جلوہ افروز ہے وہی لوگوں کا رزق تنگ اور کشادہ کرتا ہے۔

٢۔انسان کی بیشتر ضروریات کا تعلق پانی سے ہے اور پانی کا دارومدار بارش کے ساتھ ہے۔ بارش کے نزول کا حکم بھی آسمان سے ہوتا ہے۔ بارش بلندیوں سے زمین پر برستی ہے۔ اس لیے ہر دور میں انسان کی زبان پر یہی بات رہی ہے اور رہے گی کہ بارش آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی قسم اٹھا کر لوگوں کو یقین دلایا ہے کہ تمہارا رزق آسمانوں میں ہے اور اس نے تمہیں رزق دینے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے میں سچا ہے۔ اسی سورۃ کی آیت ٥٨ میں ارشاد کہ یقیناً اللہ ہی رزق دینے والا ہے اور وہ بڑا طاقتور اور مضبوط ہے۔ارشاد فرمایا کہ تمہیں رزق دینے والی بات اتنی ہی سچی اور واضح ہے جس طرح تمہارا ایک دوسرے کس ساتھ بات کرنا۔

٣۔ گو سائنسدان ابھی اس نقطہ پر نہیں پہنچ سکے کہ بارش برسنے کا آسمان سے کیا تعلق ہے ممکن ہے مستقبل قریب یا بعید میں سائنس اس نقطہ پر پہنچ جائے کہ بارش کا تعلق آسمان کے ساتھ ہے جس وجہ سے اسے آسمان کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔ (اللہ اعلم)

’’زمین میں کوئی چلنے والا جاندار نہیں مگر اس کا رزق اللہ ہی کے ذمہ ہے اور وہ اس کی قرار گاہ اور اس

کے دفن کیے جانے کی جگہ کو جانتا ہے سب کچھ ایک کھلی کتاب میں درج ہے۔'' (ھود: ٦)

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ قَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهٗ فِيْ بَطْنِ أُمِّهٖ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ مَلَكًا فَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ وَيُقَالُ لَهٗ أُكْتُبْ عَمَلَهٗ وَرِزْقَهٗ وَأَجَلَهٗ وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحُ ......)) (رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ)

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں صادق و مصدوق رسولِ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر کوئی اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن ٹھہرتا ہے جو خون کی صورت میں جم جاتا ہے پھر چالیس دن بعد گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتے ہیں اسے آدمی کا عمل، رزق، موت اور نیک و بد ہونا لکھنے کا حکم دیتے ہیں پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ ......''

((عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرُزِقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا)) (رواہ الترمذی: کتاب الزھد، باب فِی التَّوَکُّلِ عَلَی اللّٰہِ۔ قال البانی ھذا حدیث صحیح)

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے۔ تو تمہیں اسی طرح رزق دیا جائے جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ وہ صبح خالی پیٹوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹوں کے ساتھ لوٹتے ہیں۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے رزق کا کنٹرول آسمان میں رکھا ہے۔
٢۔ اللہ تعالیٰ رزاق ہے اور اس نے لوگوں کو رزق مہیا کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے۔
٣۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی قسم اٹھا کر فرمایا ہے کہ اس کی ذات اور بات سچ ہے۔

تفسیر بالقرآن

''اللہ'' ہی رزق دینے والا ہے:

١۔ ''اللہ'' ہی رازق ہے۔ (الذاریات: ٥٨) ٢۔ اللہ ہی رزق فراخ کرتا اور کم کرتا ہے۔ (السباء: ٣٩)
٣۔ ''اللہ'' لوگوں سے رزق طلب نہیں مانگتا بلکہ وہ لوگوں کو رزق دیتا ہے۔ (طٰہٰ: ١٣٢)
٤۔ ''اللہ'' جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔ (البقرۃ: ٢١٢)
٥۔ بے شک اللہ بغیر حساب کے جس کو چاہتا ہے رزق عطا کرتا ہے۔ (آل عمران: ٣٧)
٦۔ ہم تم سے رزق نہیں مانگتے بلکہ ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں۔ (طٰہٰ: ١٣٢)

هَلْ	اَتٰىكَ	حَدِيْثُ	ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ	الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾		اِذْ	دَخَلُوْا
کیا آئی ہے آپ کے پاس	خبر		ابراہیم کے مہمانوں کی	معزز		جب	وہ داخل ہوئے
عَلَيْهِ	فَقَالُوْا	سَلٰمًا	قَالَ	سَلٰمٌ	قَوْمٌ	مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾	
اس پر	تو انہوں نے کہا	سلام	اس نے کہا	سلام ہو تم پر	یہ لوگ	اجنبی ہیں	
فَرَاغَ	اِلٰٓى اَهْلِهٖ	فَجَآءَ	بِعِجْلٍ	سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾	فَقَرَّبَهٗٓ		
پھر وہ چپکے سے گیا	اپنے اہل کی طرف	اور لے آیا	ایک بچھڑا	موٹا تازہ	پھر قریب کیا اسے		
اِلَيْهِمْ	قَالَ	اَلَا	تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾	فَاَوْجَسَ	مِنْهُمْ	خِيْفَةً	قَالُوْا
ان کی طرف	کہا	کیوں نہیں	تم کھاتے	تب اس نے محسوس کیا	ان سے	خوف	انہوں نے کہا

”اے نبی کیا آپ کو ابراہیم کے معزز مہمانوں کی بات پہنچی ہے؟(۲۴)جب وہ اس کے پاس آئے تو اُسے سلام کہا اس نے جواب میں کہا کہ آپ لوگوں کو بھی سلام ہو،سوچا نا آشنا لوگ ہیں۔(۲۵) پھر وہ چپکے سے اپنے گھر والوں کے پاس گئے، اور ایک موٹا تازہ بچھڑا لا کر مہمانوں کے سامنے پیش کیا۔(۲۶) کہا تم کھاتے کیوں نہیں؟(۲۷) تو ابراہیم نے ان سے خوف محسوس کیا انہوں (فرشتوں) نے کہا۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: آیت ۲۱ارشاد میں ہوا کہ تمہارے وجود میں بھی اللہ نے اپنی قدرت کی نشانیاں رکھی ہیں ۔ اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی کے مظہر حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کی زوجہ مکرمہ ہیں۔اللہ تعالیٰ نے جنہیں بڑھاپے میں بیٹے عطا فرمائے جن کا مختصر واقعہ یہاں ذکر کیا گیا ہے۔

تمام مؤرخین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری دی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سوسال تھی ۔ ملائکہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں سلام کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں سلام کا جواب دیا اور سوچا کہ اجنبی لوگ ہیں۔ اس کے باوجود اٹھے اورایک موٹا تازہ بُھنا ہوا بچھڑا کھانے کے لیے ان کے سامنے پیش کیا۔انسانوں کی شکل میں آنے والے ملائکہ نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ اٹھایا۔تو ابراہیم علیہ السلام پریشان ہوئے لیکن فرشتوں نے کہا کہ آپ کوخوف زدہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ہم بُری خبر دینے کی بجائے آپ کو دانش مند بیٹے کی خوشخبری سُنانے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں میری کتاب سیرت ابراہیم)

”جب دیکھا ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھتے تو انہیں اجنبی جانا اوران سے خوف محسوس کیا انہوں نے کہا ڈرو نہیں ہم لوط کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔“(ہود:۷۰)

لَا تَخَفْؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ

نہ تو ڈر اور انہوں نے بشارت دی اس کو ایک لڑکے بڑے علم والے کی پھر سامنے آئی اس کی عورت

فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا

حیرت میں اس نے ہاتھ مارا اپنے چہرے پر اور کہا بڑھیا ہوں بانجھ انہوں نے کہا

كَذٰلِكِۙ قَالَ رَبُّكِؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾

اسی طرح فرمایا تیرے رب نے بلاشبہ وہ بڑی حکمت والا بڑے علم والا ہے

ڈریے نہیں اور انہوں نے اُسے ایک صاحب علم بیٹے کی خوشخبری سنائی۔(۲۸) یہ سن کر اس کی بیوی چیختی ہوئی آگے بڑھی اور اس نے اپنے منہ پر ہاتھ مارا اور کہنے لگی، بوڑھی، بانجھ کو۔(۲۹) انہوں نے کہا تیرے رب کا یہی فرمان ہے یقیناً وہ بڑا حکمت والا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔"(۳۰)

بشارت سن کر حضرت سارہ علیہاالسلام مسکرائیں:

"اوراس کی بیوی جو اس کے پاس کھڑی تھی یہ سن کر ہنس پڑی۔ ہم نے اس کو اسحاق اور اس کے بعد یعقوب کی خوشخبری سنائی۔اس نے کہا اف! کیا اب میرے ہاں بچہ ہو گا۔حالانکہ میں نہایت بوڑھی ہو چکی ہوں اور میرا خاوند بھی بوڑھا ہو چکا ہے یہ عجیب بات ہے۔فرشتوں نے کہا۔کیا اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو۔اے ابراہیم کے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔ یقیناً اللہ نہایت تعریف والا اور بلند شان کا مالک ہے۔"(ھود:۷۱،۷۲،۷۳)

"اے نبی! آپ ان کو ابراہیم کے معزز مہمانوں کا واقعہ سنائیں۔جب وہ ابراہیم کے پاس آئے اور کہا تم پر سلام ہو۔ ابراہیم نے کہا ہمیں تو آپ سے ڈر لگتا ہے فرشتے کہنے لگے۔آپ ڈریں نہیں! ہم آپ کو صاحبِ علم لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ابراہیم فرمانے لگے۔کیا آپ اس بڑھاپے میں مجھے اولاد کی بشارت دے رہے ہیں۔یہ کیسی بشارت ہے۔"(الحجر:۵۱تا۵۴)

"فرشتے کہنے لگے ہم آپ کو ٹھیک خوشخبری دے رہے ہیں۔آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ابراہیم نے کہا۔اپنے رب کی رحمت سے تو گمراہ لوگ ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔"(الحجر:۵۵،۵۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اظہارِ تفصیل کے لیے سوال کیا تھا ورنہ وہ تو اپنے رب کی رحمت سے مایوس نہیں تھے۔کیونکہ رب کی رحمت سے مایوس تو صرف گمراہ لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔نبی تو اسباب کی ناپیدگی کے باوجود اپنے رب کی رحمت پر بھرپور بھروسہ کرنے والا ہوتا ہے۔

اس واقعہ میں بتانا یہ مقصود ہے۔اے اہل مکہ یہ حقیقت جان لو تم فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کرتے ہو کہ فرشتے آکر اس نبی کی تائید کریں۔تب ہم غور کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔یاد رکھو فرشتے یا تو کسی کے لیے

رحمت لے کر آتے ہیں یا زحمت! تم سوچ لو تم کس چیز کے مستحق ہو؟ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ بغیر اسباب کے سب کچھ کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ جس طرح ابراہیم علیہ السلام کے ہاں اولاد کے ظاہری اسباب نہیں تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو بیٹے عطا فرمائے۔ اسی طرح حالات نامساعد ہی کیوں نہ ہوں اللہ اپنے نبی ﷺ اور دین کو ضرور کامیاب فرمائے گا۔ کیونکہ ''اللہ'' اسباب کا پابند نہیں۔ اسباب اس کے حکم کے پابند ہیں۔

حضرت اسحاق علیہ السلام:

مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری دی گئی تو آپ کی عمر سو سال اور آپ کی زوجہ حضرت سارہ کی عمر نوے سال تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام حضرت اسحاق کی خوشخبری دینے کے ساتھ پوتے یعقوب کی خوشخبری بھی عطا فرمائی۔ (ھود: ٦٩، ٧٠)

مسائل

١۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس معزز فرشتے انسانوں کی شکل میں حاضر ہوئے۔

٢۔ ملائکہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سلام عرض کیا۔ جواب میں ابراہیم علیہ السلام نے بھی انہیں سلام کہا۔

٣۔ ابراہیم علیہ السلام مہمانوں کو پہچان نہ سکے۔ ٤۔ ابراہیم علیہ السلام اپنے مہمانوں سے خوف زدہ ہوگئے۔

٥۔ مہمانوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اطمینان دلانے کے بعد صاحبِ علم بیٹے کی بشارت دی۔

٦۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ خوشخبری سن کر تعجب کے مارے ہنس پڑی اور کہا ایک بانجھ بڑھیا کے ہاں کس طرح بچہ پیدا ہوگا۔

٧۔ ملائکہ نے کہا آپ کا رب آپ کو ضرور بیٹا عطا فرمائے گا۔ کیونکہ وہ حکمت والا اور جاننے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انبیائے کرام علیہم السلام غیب نہیں جانتے تھے:

١۔ حضرت نوح نے فرمایا میرے پاس خزانے نہیں اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں۔ (ھود: ٣١)

٢۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ملائکہ کو نہ پہچان سکے۔ (ھود: ٧٠، ٦٩) ٣۔ حضرت لوط ملائکہ کو نہ پہچان سکے۔ (ھود: ٧٧، ٧٨)

٤۔ آپ ﷺ فرما دیں میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں۔ (الانعام: ٥٠)

٥۔ فرما دیجیے کہ زمین و آسمان کے غیب کو ''اللہ'' کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (النمل: ٦٥)

٦۔ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں اپنے لیے بہت سی بھلائیاں جمع کر لیتا۔ (الاعراف: ١٨٨)

٧۔ ''اللہ'' کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اس کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ (الانعام: ٥٩)

قَالَ	فَمَا	خَطْبُكُمْ	اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾	قَالُوْٓا	اِنَّآ
فرمایا	تو کیا ہے	تمہارا مقصد	اے فرشتو	انہوں نے کہا	بلاشبہ
اُرْسِلْنَآ	اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾	لِنُرْسِلَ	عَلَيْهِمْ	حِجَارَةً	مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾
ہم بھیجے گئے ہیں	مجرم قوم کی طرف	تاکہ ہم برسائیں	ان پر	پتھر	مٹی سے
مُّسَوَّمَةً	عِنْدَ رَبِّكَ	لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾	فَاَخْرَجْنَا	مَنْ	كَانَ
نشان زدہ	آپ کے رب کے ہاں	حد سے گزرنے والوں کے لیے	پھر ہم نے نکال لیا	اس کو جو	تھا
فِيْهَا	مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾	فَمَا وَجَدْنَا	فِيْهَا	غَيْرَ بَيْتٍ	مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾
اس میں	مومنوں سے	سو نہ ہم نے پایا	اس میں	سوائے ایک گھر کے	مسلمانوں میں سے
وَتَرَكْنَا	فِيْهَآ	اٰيَةً	لِّلَّذِيْنَ	يَخَافُوْنَ	الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾
اور ہم نے چھوڑ دی	اس میں	ایک نشانی	ان لوگوں کے لیے جو	ڈرتے ہیں	دردناک عذاب سے

''ابراہیم نے فرمایا اے فرشتوں تمہاری آمد کا مقصد کیا ہے؟(۳۱) انہوں نے کہا ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔(۳۲) تاکہ اس پر پکی مٹی کے پتھر برسائیں۔(۳۳) جو حد سے گزر جانے والوں کے لیے آپ کے رب کے ہاں نشان زدہ ہیں۔(۳۴) پھر ہم نے ایمان والوں کو اس بستی سے نکال لیا۔(۳۵) اور ہم نے وہاں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہیں پایا۔(۳۶) ہم نے دردناک عذاب سے ڈرنے والوں کے لیے وہاں ایک نشانی چھوڑ دی۔''(۳۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کی خوشخبری سن کر ملائکہ سے استفسار فرمایا کہ اس کے علاوہ آپ کی تشریف آوری کا مقصد کیا ہے؟

بیٹے کی خوشخبری سن کر ابراہیم علیہ السلام ملائکہ سے استفسار فرماتے ہیں کہ تمہاری تشریف آوری کا اور کیا مقصد ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اور انہیں معلوم تھا کہ وحی لانے کے لیے اکثر اوقات ایک ہی فرشتہ آیا کرتا ہے لیکن آج بیک وقت تین ملائکہ تشریف لائے ہیں۔ اس کی کوئی خاص وجہ معلوم ہوتی ہے۔اس لیے انہوں نے پوچھا کہ مجھے خوشخبری دینے کے علاوہ اور کیا پروگرام ہے؟ ملائکہ نے جواب دیا کہ ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ان پر آپ کے رب کی طرف سے پکی مٹی کے پتھر برسائیں جو نشان زدہ ہیں۔ پتھر ان لوگوں پر برسائیں جائیں گے جو اللہ کی حدود کو پھلانگ چکے ہیں۔ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ وہاں تو لوط علیہ السلام اور ان کے ایماندار ساتھی بھی موجود ہیں۔ ملائکہ نے جواب دیا کہ لوط علیہ السلام کی بیوی کے سوا انہیں اور ان کے ساتھیوں کو عذاب سے پہلے نکل جانے کا حکم ہوگا۔ یاد رہے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ نامعلوم انہوں نے اپنی قوم کو کتنی

مدت سمجھایا لیکن بدبخت اور بدکردار قوم سمجھنے کے لیے تیار نہ ہوئی ،لوط علیہ السلام پر ان کے گھر والوں کے سوا کوئی شخص ایمان نہ لایا۔ اس لیے قرآن مجید نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ ایک گھر کے سوا اس شہر میں مسلمانوں کا کوئی اور گھر موجود نہیں تھا۔ ربِ ذوالجلال نے اس علاقے کو تباہ کر کے آنے والے لوگوں کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا جو اللہ کے اذیت ناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔

''شہر کے لوگ خوشی کے مارے دوڑتے ہوئے ، لوط علیہ السلام کے گھر پر چڑھ آئے لوط نے کہا یہ میرے مہمان ہیں اللہ سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو۔ قوم اس قدر بے شرم بے حیا تھی کہ انہیں اس بات کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ کہنے لگے کہ کیا ہم نے تمہیں منع نہیں کیا کہ دنیا کے ذمہ دار نہ بنا کرو۔ لوط علیہ السلام نے فرمایا اگر تم باز نہیں آتے تو میری بیٹیاں موجود ہیں۔ تیری جان کی قسم اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت ان پر سرکشی کا نشہ چڑھا ہوا تھا جس میں وہ اندھے ہو چکے تھے۔'' (الحجر:۶۷ تا ۷۲)

حضرت لوط علیہ السلام مہمانوں کی آمد پر پریشان ہو گئے :

﴿وَ لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ﴾ (ھود: ۷۷)

''جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے وہ فرشتوں کی آمد سے بہت گھبرا گئے اور دل میں تنگی محسوس کی۔ کہنے لگے کہ آج کا دن مصیبت کا دن ہے۔''

﴿قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ﴾ (ھود: ۸۰)

''لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ کاش میرے پاس طاقت ہوتی تو میں تمہارا مقابلہ کرتا یا کسی مضبوط سہارے کی پناہ لے۔''

حافظ ابن کثیر نے ۱۲ آیت ۸۱ کے حوالے سے تحریر فرمایا کہ جب فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو وہ اپنے کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا آج رات ہم آپ کے پاس مہمان ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے وضع داری کی بنا پر انکار نہ کیا تاہم گھر جاتے ہوئے انہوں نے راستے میں اپنی مجبوری اور قوم کی بدکرداری کا اس انداز سے ذکر کیا کہ آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فرمانے لگے ہائے افسوس میری قوم تمام مخلوق سے بدتر ہو چکی ہے۔ گھر پہنچے تو آپ کی بیوی نے آنکھیں بچا کر چھت پر کھڑے ہو کر کپڑا ہلایا جس سے اوباش لوگ دوڑتے ہوئے آئے اور لوط علیہ السلام کے گھر کا گھیراؤ کر لیا اور مہمانوں کی برآمدگی کا مطالبہ کرنے لگے بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ بدمعاش دروازہ توڑنے لگے۔ اس صورتحال میں لوط علیہ السلام پریشان ہو کر کہنے لگے۔ کاش آج میرے پاس قوت ہوتی یا کوئی سہارا ہوتا ،جس کی پناہ حاصل کرتا۔

قرآن مجید کے سیاق وسباق سے یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ جب جنابِ لوط علیہ السلام کے پاس فرشتے آئے تو انہیں کچھ خبر نہیں تھی، کہ یہ فرشتے ہیں یا کہ عام مہمان ہیں جو لڑکوں کی شکل وصورت میں آئے ہیں ورنہ وہ کسی صورت میں یہ نہ کہتے کہ میرے مہمانوں میں مجھے ذلیل نہ کرو۔ میری بیٹیاں حاضر ہیں، گو اس جملے کے دو مفہوم

بیان کیے گئے ہیں ۔ایک یہ کہ نبی بحیثیت باپ کے ہوتا ہے۔اس منصب کے حوالے سے جناب لوط علیہ السلام نے قوم کی بیٹیوں کا ذکر کیا کہ جو تمہارے گھروں میں پہلے سے موجود ہیں وہ بھی تو میری بیٹیاں ہیں آخر تم جائز انداز میں اپنے جذبات کی تسکین کیوں نہیں کرتے ؟ اگر یہ مطلب لیا جائے کہ انہوں نے اپنی حقیقی بچیوں کے بارے میں یہ الفاظ کہے تھے تو اس کا معنی صرف اتنا ہی لینا چاہئے کہ انہوں نے انہیں انتہائی شرم دلانے کے لیے ایسے الفاظ استعمال فرمائے ۔جیسا کہ آج بھی معزز آدمی دو فریقوں میں صلح کرواتے وقت کہہ دیتا ہے کہ چھوڑو بھائی اگر اس نے تجھے مارا یا گالی دی تو تم مجھے مار لو یا گالی دے لو۔لیکن معاملہ رفع دفع ہونا چاہیے بہرحال یہ بات محاورۃً کہی یا حقیقتاً فرمائی مقصد انہیں شرم دلانا تھا ورنہ معمولی غیرت رکھنے والا شخص اپنی بیٹیوں کے بارے میں یہ بات نہیں کہتا جناب لوط علیہ السلام تو اللہ کے نبی تھے نبی تو سب سے زیادہ غیرت والا ہوتا ہے۔لیکن بے شرم لوگ کہنے لگے کہ ہمیں عورتوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں۔ہم جو کرنا چاہتے ہیں۔ تجھے اچھی طرح معلوم ہے۔ اندازہ لگائیں جناب لوط علیہ السلام کو کس قدر بے شرم اور بے حیا قوم کے ساتھ واسطہ پڑا تھا ۔

حضرت لوط علیہ السلام کے لیے نبی علیہ السلام کی دعا:

((يَغْفِرُ اللّٰهُ لِلُوطٍ إِنْ كَانَ لَيَأْوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ)) (رواہ البخاری: باب و لوطا اذ قال لقومہ)

''اللہ'' لوط علیہ السلام پر معاف فرمائے کہ وہ رکن شدید کی پناہ کے طالب ہوئے ۔''

انہوں نے بے سہارا ہونے کی بات کہی حالانکہ ان کے پاس رب ذوالجلال کا زبردست سہارا تھا ۔

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو تسلی دی :

''تب فرشتوں نے لوط (علیہ السلام) کو کہا آپ گھبرائیں نہیں ہم تو آپ کے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ یہ لوگ آپ کی طرف نہیں بڑھ سکتے ۔بس آپ رات کے آخری حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر یہاں سے نکل جائیں اورآپ میں سے کوئی فرد پیچھے پلٹ کر نہ دیکھے۔ہاں اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے جائیں کیونکہ آپ کی بیوی کے ساتھ وہی کچھ ہونے والا ہے ، جو آپ کی قوم کے ساتھ ہوگا بس ان کی تباہی کے لئے صبح کا وقت مقرر ہو چکا ہے۔کیا صبح قریب نہیں ہے؟'' (ہود: ٨١)

﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ وَ مَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ﴾ (ہود: ٨٢، ٨٣)

''پھر جب ہم نے حکم نافذ کیا تو ہم نے اس بستی کو اوپر نیچے کر دیا اور اس پر تابڑ توڑ پکی مٹی کے پتھر برسائے ۔تیرے رب کی طرف سے ہر پتھر پر نشان لگا ہوا تھا۔ ظالموں سے یہ سزا دور نہیں ہے ۔''

مزید تفصیل کے لیے سورہ ہود کی آیت ٨٢، ٨٣ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

وَ فِيْ مُوْسٰۤى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾
اور موسیٰ میں جب ہم نے بھیجا اس کو فرعون کی طرف ساتھ معجزے کے ظاہر

فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَ قَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ
تو اس نے روگردانی کی اپنی طاقت کی بنا پر اور کہا جادوگر ہے یا مجنون ہے ہم نے اسے پکڑا

وَ جُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَ هُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾
اور اس کے لشکروں کو اور ہم نے پھینک دیا ان کو سمندر میں اس حال کہ میں وہ ملامت زدہ ہے

''موسیٰ کے واقعہ میں عبرت ہے جب ہم نے اسے واضح دلیل کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا۔(۳۸) تو فرعون نے اپنی طاقت کی بنا پر روگرانی کی اور کہا یہ جادوگر ہے یا پاگل۔(۳۹) ہم نے فرعون اور اس کے لشکروں کو پکڑا اور سب کو سمندر میں پھینک دیا اس حال میں کہ وہ ملامت زدہ تھے۔''(۴۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے بعد فرعون اور اس کے ساتھیوں کا انجام۔

''ہم نے اپنی نشانیاں دے کر موسیٰ کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔موسیٰ نے کہا اے فرعون! بے شک میں جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں۔اس بات پر پوری طرح قائم ہوں کہ اللہ کے ذمے حق کے سوا کچھ نہ کہوں بلاشبہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل ۔لے کر آیا ہوں۔ اس لیے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔اس نے کہا اگر تو کوئی نشانی لے کر آیا ہے تو وہ پیش کر۔ اگر تو سچ بولنے والوں میں سے ہے۔موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی پھینکی تو اچانک وہ ایک اژدہا تھا اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لیے چمک رہا تھا۔''(الاعراف:۱۰۳تا۱۰۸)

''جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق آیا تو کہنے لگے یقیناً یہ تو واضح طور پر جادو ہے۔موسیٰ نے کہا کیا تم حق کے بارے میں یہ کہتے ہو، جب وہ تمھارے پاس آیا۔کیا یہ جادو ہے؟ جادوگر تو کامیاب نہیں ہوتے۔انھوں نے کہا۔کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اس راہ سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور ملک میں تمہیں بڑائی حاصل ہو جائے ۔ہم تمہیں کسی صورت ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں،فرعون نے اپنے ساتھیوں سے کہا میرے پاس ہر ماہر جادوگر لے کر آؤ۔ جب جادوگر آگئے تو موسیٰ نے ان سے کہا ڈالو جو کچھ تم ڈالنا چاہتے ہو۔ جب انھوں نے ڈالا، موسیٰ نے فرمایا تم جو کچھ لائے ہو یہ تو جادو ہے، یقیناً اللہ اسے جلد ہی جھوٹا ثابت

کردے گا۔ بے شک اللہ مفسدوں کے کام کو کامیاب نہیں کرتا۔ اللہ حق کو اپنے فرمان کے ساتھ حق ثابت کردیتا ہے، خواہ مجرم اسے ناپسند کریں۔'' (یونس:۷۶تا۸۲)

''فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا مجھے چھوڑو کہ میں موسیٰ کو قتل کرنا چاہتا ہوں بے شک یہ میرے مقابلے میں اپنے رب کو لے آئے۔ مجھے خطرہ ہے کہ یہ تمہارا دین بدل ڈالے گا یا ملک میں فساد برپا کردے گا۔موسیٰ نے کہا میں نے ہر متکبر کے مقابلے میں جو یوم الحساب پر ایمان نہیں رکھتا اپنے رب اورتمہارے رب کی پناہ لی ہے۔''اس موقع پر آلِ فرعون میں سے ایک مومن جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا بول اٹھا کیا تم ایک شخص کو اس بناء پرقتل کرو گے کہ وہ کہتا ہے میرا رب ''اللہ'' ہے، اور وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلائل لے کر آیا ہے، اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ خود اسی پر پلٹ جائے گا۔اگر وہ سچا ہے تو جن ہولناک نتائج سے تمہیں ڈراتا ہے۔ وہ تمہیں بھگتنے پڑیں گے، اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزر جانے والا اور جھوٹا ہو۔''(المومن:۲۶تا۲۸)

''ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کیا تو فرعون اور اس کے لشکروں نے سرکشی اور زیادتی کرتے ہوئے ان کا تعاقب کیا ،یہاں تک کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو کہا کہ میں ایمان لایا یقیناً حقیقت یہ ہے کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں فرمانبرداروں سے ہوں۔کیا اب ؟ حالانکہ تو نافرمان تھا اور تو فساد کرنیوالوں میں سے تھا۔پس آج ہم تیرے وجود کو بچا لیں گے، تا کہ تو ان کے لیے عبرت بنے جو تیرے بعد آنے والے ہیں اور یقیناً بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غفلت برتنے والے ہیں ۔''(یونس:۹۰تا۹۲)

تفسیر بالقرآن

فرعون اوراس کے حواریوں کا انجام:

۱۔ آل فرعون کوغرق کردیا۔(الاعراف:۶۴)

۲۔ ہم نے فرعونیوں سے انتقام لیااور انہیں دریا بُرد کردیا۔(الزخرف:۵۵)

۳۔ ہم نے فرعون اوراس کے ساتھیوں کوغرق کردیا۔(بنی اسرائیل:۱۰۳)

۴۔ ہم نے موسیٰ اوراس کے ساتھیوں کونجات دی اور آل فرعون کوغرق کردیا۔(الشعراء:۶۶)

۵۔ ہم نے انہیں اور ان کے لشکروں کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا۔(الذاریات:۴۰)

۶۔ آج ہم تیرے جسم کو بچائیں گے تا کہ بعد میں آنے والوں کے لیے نشان عبرت بنائیں۔(یونس:۹۲)

۷۔ قیامت کے دن فرعون اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور وہ انہیں دوزخ میں لے جائے گا۔(ہود:۹۸)

وَ	فِيْ عَادٍ	اِذْ	اَرْسَلْنَا	عَلَيْهِمُ	الرِّيْحَ	الْعَقِيْمَ ۝	مَا	تَذَرُ
اور	عاد میں	جب	ہم نے بھیجی	ان پر	ہوا	منحوس	نہیں	وہ چھوڑتی تھی

مِنْ شَيْءٍ	اَتَتْ	عَلَيْهِ	اِلَّا	جَعَلَتْهُ	كَالرَّمِيْمِ ۝
کسی چیز کو	وہ آتی تھی	جس پر	مگر	کر دیتی تھی اس کو	مانند بوسیدہ ہڈی کے

''اور عاد کے انجام میں عبرت ہے، جب ہم نے ان پر ایک ایسی منحوس آندھی بھیجی۔(۴۱) جس چیز پر گزری تھی اسے بوسیدہ ہڈی کی طرح بنا کر رکھ دیتی تھی۔'' (۴۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: فرعون کے انجام کے بعد قومِ عاد کا حشر۔

حضرت ہود علیہ السلام کا تعلق عرب کے عاد قبیلے سے تھا جس کی رہائش موجودہ جغرافیے کے مطابق عمان اور یمن کے علاقے حضر موت کے درمیان تھی۔ یہ علاقہ سمندر کے کنارے پر واقع تھا۔ یہاں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے اور بلند و بالا پہاڑ تھے۔

اس کے رہنے والے جسمانی اعتبار سے دراز قامت، کڑیل جوان اور قوی ہیکل لوگ تھے۔ دنیا میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہوا۔ انھوں نے پہاڑوں کو تراش تراش کر خوبصورت محلات تعمیر کر رکھے تھے۔ان کی سرزمین نہایت سر سبز تھی جس میں ہر قسم کے باغات آراستہ تھے انھیں قرآن مجید میں ''احقاف والے'' کہا گیا ہے۔ احقاف ریت کے بڑے بڑے ٹیلوں کو کہا جاتا ہے جو عرب کے جنوب مغربی حصہ میں واقع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی علاقہ میں حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جو خوش اندام، کڑیل جوان اور بہترین صورت و سیرت کے حامل تھے۔

قومِ عاد کی خصوصیات اور جرائم :

۱۔ اللہ تعالیٰ نے عاد کو قومِ نوح کے بعد زمین پر اقتدار اور اختیار بخشا۔ (الاعراف : ۶۹)

۲۔ قومِ عاد اس قدر کڑیل اور قوی ہیکل جوان تھے کہ ان جیسا دنیا میں کوئی اور پیدا نہیں کیا گیا۔ (الفجر ۶ تا ۸)

۳۔ انھیں افرادی قوت اور مویشیوں سے نوازا گیا۔ (الشعراء : ۱۳۳)

۴۔ یہ قوم بڑے بڑے محلات میں رہتی تھی۔کھیتی باڑی اور باغات میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ (الشعراء ۱۲۹ تا ۱۳۴)

۵۔ یہ لوگ آخرت کو جھٹلانے والے اور دنیا پر اترانے والے تھے۔ (المؤمنون : ۳۳)

۶۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اس دنیا کے سوا اور کوئی جہاں برپا نہیں ہوگا۔ (المؤمنون : ۳۷)

۷۔ یہ اپنی قوت پر اترانے والے تھے۔ (حٰمٓ السجدۃ : ۱۵)

۸۔ انھوں نے خود ساختہ معبود بنا رکھے تھے ان کے سامنے جھکتے، نذر و نیاز اور اپنی حاجات پیش کرتے تھے۔(الاعراف :۷۰)

حضرت ھود علیہ السلام نے انہیں سمجھایا کہ صرف ایک ''اللہ'' کی عبادت کرو اور کمزوروں پر ظلم کرنے سے باز آ جاؤ۔ اے میری قوم! میں اس کام کے بدلے تم سے کسی قسم کی ستائش اور صلہ نہیں چاہتا۔ میرا صلہ اس ذاتِ کبریا کے پاس ہے۔ جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ میری مخالفت کرنے کی بجائے ٹھنڈے دل کے ساتھ سوچو! کہ اس دعوت میں میرا کیا مفاد اور تمہارا نقصان کیا ہے؟ میں تم کو لوگوں پر ظلم کرنے اور غیر اللہ کی عبادت کرنے سے روکتا ہوں۔ جن کو تم بلاتے اور پکارتے ہو۔ کیونکہ یہ اللہ کے سوا کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ جو تم ان کے بارے میں دعوے کرتے ہو اس کی کوئی بنیاد نہیں یہ سراسر جھوٹ اور بناوٹی باتیں ہیں۔ کیا تم سوچنے کے لیے تیار ہو؟

> ''قوم عاد ایک شدید آندھی سے تباہ کر دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مسلسل سات رات اور آٹھ دن اُن پر مسلط کیے رکھا آپ وہاں ہوتے تو دیکھتے کہ وہ وہاں اس طرح بکھرے پڑے ہیں جیسے وہ کھجور کے بوسیدہ تنے ہوں۔'' (الحاقہ: ۶، ۷)

قوم کا جواب:

۱۔ قوم نے حضرت ھود کو بے وقوف قرار دیا۔ (الاعراف: ۶۶)

۲۔ قوم نے کہا کہ ھود علیہ السلام ہماری طرح ہی طرح کھانے، پینے والا انسان ہے۔ (المؤمنون: ۳۳)

۳۔ انھوں نے کہا اے ھود تو اللہ پر جھوٹ بناتا ہے۔ (المؤمنون: ۳۸)

۴۔ تیرے کہنے پر ہم اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے یہ محض پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ (الشعراء: ۱۳۷)

۵۔ تم ہمیں سمجھاؤ یا نہ سمجھاؤ ہم نہیں مانیں گے۔ (شعراء: ۱۳۶)

۶۔ ہمارے معبودوں کی تجھے بد دعا لگ گئی ہے۔ (ھود: ۵۴)

۷۔ ہم پر کوئی عذاب آنے والا نہیں تو جھوٹ بولتا ہے۔ (الشعراء: ۱۳۸ تا ۱۳۹)

۸۔ اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ہم پر عذاب لے آ۔ (الاحقاف: ۲۲)

تفسیر بالقرآن

قومِ عاد کا انجام:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے عذاب سے حضرت ھود اور ایمانداروں کو محفوظ رکھا۔ (ھود: ۵۸)

۲۔ سات راتیں اور آٹھ دن زبردست آندھی اور ہوا کے بگولے چلے۔ (الحاقہ: ۷)

۳۔ گرج چمک اور بادو باراں کا طوفان آیا۔ (الاحقاف: ۲۴) ۴۔ انھیں ریزہ ریزہ کر دیا گیا۔ (الذاریات: ۴۱۔۴۲)

۵۔ آندھی نے انھیں کھجور کے تنوں کی طرح پٹخ پٹخ کر دے مارا۔ (الحاقہ: ۷)

۶۔ قومِ ھود کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ (الاعراف: ۷۲) ۷۔ دنیا اور آخرت میں ان پر پھٹکار برستی رہے گی۔ (حٰم السجدۃ: ۱۶)

وَ فِیۡ ثَمُوۡدَ اِذۡ قِیۡلَ لَہُمۡ تَمَتَّعُوۡا حَتّٰی حِیۡنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوۡا

اور ثمود میں جب کہا گیا ان سے تم فائدہ اٹھاؤ ایک وقت تک پھر انہوں نے سرکشی کی

عَنۡ اَمۡرِ رَبِّہِمۡ فَاَخَذَتۡہُمُ الصّٰعِقَۃُ وَ ہُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ ﴿۴۴﴾

اپنے رب کے حکم سے تو پکڑ لیا ان کو کڑک نے اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے تھے

فَمَا اسۡتَطَاعُوۡا مِنۡ قِیَامٍ وَّ مَا کَانُوۡا مُنۡتَصِرِیۡنَ ﴿۴۵﴾

پھر نہ انہوں نے استطاعت رکھی کھڑے ہونے کی اور نہ وہ تھے بدلہ لینے والے

''اور ثمود کے انجام میں عبرت ہے۔ جب اُن سے کہا گیا تھا کہ ایک خاص وقت تک فائدہ اٹھا لو۔ (۴۳) اس انتباہ کے باوجود انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کو ایک کڑک والے عذاب نے آ لیا۔ (۴۴) پھر نہ اُن میں اٹھنے کی سکت تھی اور نہ وہ بدلہ لے سکے۔'' (۴۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قومِ عاد کے بعد قومِ ثمود کا دور اور ان کا انجام۔

قرآنِ مجید نے قومِ ثمود کو اصحاب الحجر بھی کہا ہے۔ (الحجر: ۸۰) اس کا علاقہ مدینہ سے تبوک جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے۔ یہ علاقہ جغرافیائی اعتبار سے خلیج اربعہ کے مشرق میں اور شہر مدین کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ یہ قوم اس قدر ٹیکنالوجی اور تعمیرات کے معاملے میں ترقی یافتہ تھی کہ انہوں نے پہاڑوں کو تراش تراش کر مکانات اور کالونیاں تعمیر کر لی تھیں تاکہ زلزلہ اور طوفان انہیں نقصان نہ پہنچا سکے۔ یہ قوم بھی کفر و شرک کا عقیدہ رکھنے کے ساتھ بڑے بڑے جرائم میں ملوث تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بہت سمجھایا مگر یہ لوگ کفر و شرک اور برے اعمال سے باز نہ آئے۔ بلکہ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ایماندار ساتھیوں کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ کرتے کہ تم ہمارے لیے نحوست کا سبب ہو مزید کہتے کہ صالح علیہ السلام پر جادو کا اثر ہو چکا ہے۔ (الشعراء: ۱۴۲ تا ۱۵۳) انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہمارے سامنے اس پہاڑ سے گابھن اونٹنی نمودار نہ ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا کہ اس طرح معجزہ طلب نہ کرو۔ اگر تمہارا منہ مانگا معجزہ دے دیا گیا اور پھر تم نے اس کا انکار کیا تو تمہارا بچنا مشکل ہو گا۔ لیکن قوم اپنے مطالبہ پر مصر رہی۔ چنانچہ انہیں اونٹنی کا معجزہ دیا گیا مگر انہوں نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ جس کے سبب عذاب نازل ہوا۔ جس کا یہاں اشارہ کیا گیا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں فہم القرآن، جلد ۲: سورۃ الاعراف، آیت ۷۳ تا ۸۴ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں)

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی دعوت کا آغاز وہاں سے کیا جہاں سے حضرت نوح اور حضرت ھود علیہما السلام نے کیا تھا۔

انہوں نے اپنی قوم کوفرمایا کہ اے میری قوم! صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ یہ بات پہلے بھی عرض کی جاچکی ہے کہ عبادت کا جامع مفہوم یہ ہے کہ دین کی مقرر کردہ عبادات کی ادائیگی کے ساتھ آدمی اپنے فکر وعمل کو پوری طرح اللہ کے حکم کے تابع کردے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی عبادت کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں اس اللہ کی عبادت کا حکم دیا جا رہا ہے، جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیااور پھر تمہیں اس میں آباد فرمایا۔ لیکن تم ''اللہ'' کا شکر اور اس کی عبادت کرنے کی بجائے بغاوت پر اتر آئے ہو۔ تمہیں اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے آئندہ کے لیے سچی توبہ کرنی چاہیے۔یقین کرو کہ میرا رب ہر انسان کے قریب ہے اور توبہ کرنے والے کی جلد توبہ قبول کرلیتا ہے۔ (البقرۃ: ١٨٦)

قوم کا جواب:

١۔ اے صالح ہم تو تجھے بہت اچھا سمجھتے تھے مگر تو ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ قرار دیتا ہے۔ (ھود : ٦٢)

٢۔ کیا تو ہمیں ان کاموں سے روکتا ہے جو ہمارے بزرگ کرتے چلے آئے ہیں۔ (ھود : ٦٢)

٣۔ ہم تمہیں اور تمھارے ساتھیوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔ (النمل : ٤٧)

٤۔ کیا ہم اپنے بزرگوں، آباؤ اجداد کے مذہب کو چھوڑ کر صرف تمھاری پیروی کریں۔ (القمر : ٢٤)

٥۔ اگر تم ہمارے دین پر نہ آئے تو ہم تمہیں اپنے علاقے سے نکال دیں گے۔ (ابراہیم: ١٣)

٦۔ صالح تو بہت بڑا جھوٹا اور بڑائی بکھیرنے والا ہے۔ (القمر: ٢٥) ٧۔تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ (الشعراء: ١٥٣)

تفسیر بالقرآن

قومِ ثمود کا انجام:

١۔ قوم ثمود کے لیے دوری ہے۔ (ھود : ٦٨) ٢۔ ثمود زور دار آواز کے ساتھ ہلاک کیے گئے۔ (الحاقۃ : ٥)

٣۔ مدین والوں کا نام ونشان مٹ گیا۔ قومِ ثمود کی طرح مدین والوں کے لیے دوری ہے۔ (ھود: ٩٥)

٤۔ انھوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور وہ نادم ہونے والوں میں سے ہو گئے۔ (الشعراء : ١٥٧)

٥۔ شیطان نے قوم عاد وثمود کے اعمال بد کو ان کے لیے فیشن بنا دیا تھا۔ (العنکبوت: ٣٨)

٦۔ قومِ ثمود کو زلزلے نے آپکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ (الاعراف: ٧٨)

٧۔ قومِ ثمود کو چیخ نے آپکڑا وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ (ھود : ٦٧)

فٰسِقِيْنَ ۝	قَوْمًا	كَانُوْا	اِنَّهُمْ	مِّنْ قَبْلُ	وَ قَوْمَ نُوْحٍ
نافرمان	لوگ	وہ تھے	بلاشبہ	اس سے پہلے	اور قوم نوح کو

''اور ان سے پہلے ہم نے نوح کی قوم کو ہلاک کیا کیونکہ وہ نافرمان لوگ تھے۔'' (۴۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قومِ ثمود کے بعد قومِ نوح کا ذکر۔

تاریخی اعتبار سے قومِ نوح قومِ عاد، ثمود اور آلِ فرعون سے پہلے گزری ہے اس لیے ارشاد ہوا کہ ان اقوام سے پہلے قومِ نوح کا واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم میں اس وقت نبوت سے سرفراز فرمایا جب ان کی قوم نافرمان ہو چکی تھی قومِ نوح کا سب سے بڑا گناہ شرک تھا یہ لوگ مجسموں کے پجاری بن چکے تھے ان کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی اولاد کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ جہاں تمھارے بزرگ بیٹھا کرتے تھے وہاں ان کے مجسمے تراش کر رکھ دیے جائیں تاکہ ان کا نام اور عقیدت باقی رہے۔ اس طرح ''اللہ'' کی عبادت یکسوئی کے ساتھ ہو پائے گی، چنانچہ انھوں نے ایسا کیا جب یہ کام کرنے والے لوگ فوت ہو گئے تو ان کے بعد آنے والے لوگوں نے ان مجسموں کو اللہ تعالیٰ کی قربت کا وسیلہ بنانا شروع کر دیا اور پھر ان کے حضور سجدے، رکوع اور نذرانے پیش کیے جانے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ سورۃ نوح میں ودّ، سواع، یغوث اور یعوق کے نام پر جن بتوں کا تذکرہ پایا جاتا ہے وہ نوح علیہ السلام کی قوم کے صالح لوگوں کے نام ہیں۔ (رواہ البخاری: کتاب التفسیر، طبری تفسیر سورۃ نوح، آیت: ۲۳، ۲۴)

سورۃ العنکبوت آیت ۱۴ میں بیان ہوا ہے کہ جنابِ نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال قوم کی اصلاح کرنے میں صرف فرمائے۔ قرآن مجید نے یہ وضاحت بھی فرمائی ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ فریاد کی کہ میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات اور دن، انفرادی اور اجتماعی طور پر سمجھانے کی کوشش کی لیکن میری شب و روز کی کوشش کے باوجود قوم شرک اور برائی میں بڑھتی ہی چلی گئی۔ (نوح: ۲۴) قوم نہ صرف جرائم میں آگے بڑھتی گئی بلکہ اُلٹا انھوں نے نوح علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ یہ تو گمراہ ہو گیا ہے اور پھر بار بار مطالبہ کیا کہ اے نوح! اگر تو واقعی اللہ کا سچا نبی ہے تو ہمارے لیے عبرت ناک عذاب کی بددعا کرو۔ حضرت نوح علیہ السلام نے نہایت ہی مجبور ہو کر ان کے لیے بد دعا کی۔

''اے میرے رب میں ان کے مقابلے میں بالکل بے بس اور مغلوب ہو چکا ہوں بس تو میری مدد فرما۔'' (القمر: ۱۰)

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی بددعا قبول کرتے ہوئے انھیں حکم دیا کہ آپ میرے سامنے ایک کشتی بنائیں جب نوح علیہ السلام کشتی بنا رہے تھے تو ان کی قوم نے ان کو بار بار تمسخر کا نشانہ بنایا۔ جس کے جواب میں نوح علیہ السلام انھیں فرماتے کہ آج تم مجھے

استہزاء کا نشانہ بنا رہے ہو کل تم ہمیشہ کے لیے مذاق اور عبرت کا نشان بن جاؤ گے۔ (ھود آیت ۳۷ تا ۳۹)

حضرت نوح علیہ السلام کا خطاب:

اے میری قوم مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نوازا ہے اور میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں ۔تم ہدایت کو پسند نہیں کرتے تو میں تم پر ہدایت کس طرح مسلط کر سکتا ہوں۔ میں تم سے تبلیغ کا اجر نہیں مانگتا نہ میں ایمان والوں کو اپنے آپ سے دھتکارنے والا ہوں۔

ہوش کرو اگر میں انھیں دھتکار دوں تو اللہ کے ہاں میری کون مدد کرے گا ؟ میں غیب دان ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ نہ میں اپنے آپ کو فرشتہ کہتا ہوں نہ میں کہتا ہوں جنھیں تم حقیر سمجھتے ہو اللہ انھیں بھلائی سے نہیں نوازے گا۔ اگر ایسی باتیں کہوں تو میں ظالموں میں شمار ہوں گا۔ (ھود : ۱۲۳)

قوم کا جواب:

تم ہماری طرح کے انسان ہو لیکن ہم پر برتری چاہتے ہو۔ ہم نے یہ باتیں باپ دادا سے کبھی نہیں سنیں۔ نوح دیوانہ ہو گیا ہے ۔ بس انتظار کرو ختم ہو جائے گا ۔(المؤمنون :۲۴،۲۵) ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ تجھے ماننے والے گھٹیا لوگ ہیں۔(الشعراء:۱۱۲) ہم اپنے معبودوں اور ودّ، سواع، یعوق اورنسر کو نہیں چھوڑ سکتے۔'' (نوح:۲۴) ہم تجھے سنگسار کر دیں گے ۔ (الشعراء : ۱۱۶)

قوم کا عذاب الٰہی کو چیلنج کرنا :

''اے نوح تم نے ہم سے بہت زیادہ بحث وتکرار اور جھگڑا کر لیا ہے۔ اب اس کی انتہا ہو گئی ہے بس ہمارے پاس اللہ کا عذاب لے آ اگر واقعی تو سچے لوگوں میں ہے ۔''(ھود :۳۲)

حضرت نوح علیہ السلام کا جواب :

''اگر ''اللہ'' نے چاہا تو تم پر عذاب ضرور آئے گا اور تم اسے ہرگز نہیں ٹال سکو گے ۔'' (ھود :۳۳)

نوح علیہ السلام کی فریاد اور بد دعا :

''میرے رب میں نے اپنی قوم کو دن اور رات خفیہ اور اعلانیہ، انفرادی اور اجتماعی طور پر سمجھایا میں نے جب بھی انھیں دعوت دی تو انھوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لی ۔ اپنے چہرے چھپا لیے اور تکبر کرنے کی انتہا کر دی ۔ میرے رب انھوں نے میری ہر بات کو ٹھکرایا اور نافرمانی کی ۔ ان کی اولاد اور مال نے انہیں تیری نافرمانی میں بہت زیادہ بڑھایا دیا ہے انھوں نے زبردست قسم کی سازشیں کیں ۔''(نوح:۵تا۹)

''حضرت نوح نے اپنے رب سے فریاد کی اے میرے رب میں ان کے مقابلے میں انتہائی کمزور اور بے بس ہو چکا ہوں بس تو میری مدد فرما ۔''(القمر : ۱۰)

''اے میرے رب اب زمین پر کفار کا ایک گھر بھی باقی نہیں رہنا چاہیے ۔ اگر تو نے انھیں چھوڑ دیا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتے رہیں گے۔اب ان میں سے جو بھی پیدا ہوگا وہ نافرمان اور ناشکرگزار ہوگا۔'' (نوح : ۲۵ ، ۱۰ ، ۲۷)

عذاب کی کیفیت:

قومِ نوح پر چالیس دن مسلسل دن رات بے انتہا بارش برستی رہی یہاں تک کہ جگہ جگہ زمین سے چشمے پھوٹ پڑے۔حتی کہ تنور پھٹ پڑا اللہ تعالیٰ نے طوفان کے آغاز میں حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اللہ کا نام لے کر کشتی میں سوار ہو جائیں اور اپنے ساتھ ہر جاندار کا جوڑا جوڑا یعنی نر اور مادہ دو دو کشتی میں اپنے ساتھ سوار کرلیں۔ البتہ کسی کافر اور مشرک کو کشتی میں سوار نہ کیا جائے ۔ (ہود:۴۰تا۴۲)

عذاب کی ہولناکیاں :

﴿فَفَتَحْنَا اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ۝ وَفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلٰى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ﴾

(القمر : ۱۱،۱۲)

''ہم نے موسلا دھار بارش کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے ۔ اور ہم نے زمین سے ابلتے چشمے جاری کیے۔''

﴿فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ﴾(المومنون : ۲۷)

''جب ہمارا حکم صادر ہوا تو تنور جوش مارنے لگا ۔''

قومِ نوح پر اللہ تعالیٰ نے پانی کا ایسا عذاب نازل فرمایا کہ جس کے بارے میں سورۃ القمر آیت ۱۱،۱۲ اور سورۃالمؤمنون، آیت ۲۷ میں بیان ہوا ہے کہ آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے زمین سے چشمے پھوٹ نکلے یہاں تک کہ تنور پھٹ پڑا۔نوح علیہ السلام کے نافرمان بیٹے سمیت ان کی قوم کو پانی میں ڈبکیاں دے دے کر ختم کر دیا گیا۔
مفسرین نے لکھا ہے جس کی تائید موجودہ دور کے آثار قدیمہ کے ماہرین بھی کرتے ہیں کہ طوفان نوح نے فلک بوس پہاڑوں کی چوٹیوں کو بھی ڈھانپ لیا تھا۔ بائبل میں لکھا ہے کہ سیلاب بلندترین پہاڑوں کی چوٹیوں سے ۱۵ فٹ اوپر بہہ رہا تھا۔

تفسیر بالقرآن

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا انجام :

۱۔ قوم نوح طوفان کے ذریعے ہلاک ہوئی ۔ (الفرقان : ۳۷)

۲۔ حضرت نوح نے اپنے بیٹے سے فرمایا آج کے دن اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ۔(ہود:۴۳)

۳۔ نوح نے بدعا کی کہ الٰہی زمین پر ایک بھی کافر نہ چھوڑیے۔(نوح:۲۶) ۴۔حضرت نوح کا بیٹا بھی غرق ہوا۔(ہود:۴۳)

وَالْاَرْضَ	لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾	وَاِنَّا	بِاَيْىدٍ	بَنَيْنٰهَا	وَالسَّمَآءَ
اور زمین	یقیناً وسعت دینے والے ہیں	اور بلاشبہ ہم	ہاتھوں کے ساتھ	ہم نے بنایا اس کو	اور آسمان

الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾	فَنِعْمَ	فَرَشْنٰهَا
بچھانے والے ہیں	پس کیا ہی اچھے	ہم نے بچھایا اس کو

”ہم نے آسمان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اور ہم اس کو وسعت دینے والے ہیں۔(۴۷)اور ہم نے زمین کو بچھایا ہے اور ہم بہت اچھے بچھانے والے ہیں۔“(۴۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس ”اللہ“ نے قومِ نوح کو تباہ کیا اس کے جلال اور قدرت کا عالم یہ ہے کہ اس نے اپنے ہاتھوں سے آسمان کو بنایا اور زمین کو فرش کے طور پر بچھایا جس کی قدرت اور جلال کا تقاضا ہے کہ اس کی نافرمانی اور سرکشی کرنے کی بجائے اس کے سامنے جھکا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ عالی ہے کہ ہم نے آسمانوں کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور ہم ہی اسے وسعت دینے والے ہیں اور ہم نے زمین کو فرش بنایا اور ہم بہت اچھا بچھانے والے ہیں۔”اَیْدِیَ“ ”ید“ کی جمع ہے جس کے بارے میں اہل علم کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے بارے میں ید کا لفظ بولتا ہے تو اس کا مطلب اس کا ہاتھ ہوتا ہے جس کے بارے میں ہمیں قیاس آرائی اور کوئی تاویل کرنے کی اجازت نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے لیے ”ایدی“ کا لفظ استعمال فرماتا ہے تو اس کا معنٰی قوت اور طاقت ہوتا ہے۔ یہاں ”ایــدی“ کا معنٰی یہ ہوگا کہ ہم نے آسمانوں کو بنایا اور ہمیں اس پر پوری قوت حاصل تھی اور ہے اور ہم اسے وسعت دینے والے ہیں۔لغت کے لحاظ سے ”لَـمُـوْسِـعُـوْنَ“ کا معنٰی وسعت دینا ہے اس لیے اکثر مفسرین کا خیال اور سائنسدانوں کا مشاہدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کائنات کو وسعت دے رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فضا میں ستارے اور سیارے بڑھتے ہی جارہے ہیں ۔ سائنسدانوں کا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ مختلف سیاروں اور ستاروں کے درمیان دن بدن فاصلہ بڑھ رہا ہے ۔ آسمان اور فضا کی کیفیت صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ۔لیکن جہاں تک عام آدمی کی سمجھ میں آنے والی بات ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دن بدن نہ صرف انسانوں کی تعداد میں اضافہ کررہاہے بلکہ ان کے وسائل میں بھی اضافہ کیاجارہا ہے۔غور فرمائیں ! کہ آج سے سوسال پہلے کا انسان موجودہ وسائل بالخصوص ذرائع مواصلات کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ نہ معلوم آنے والے وقت میں انسان کو کیا کیا نعمتیں میسر ہوں گی ۔خوردونوش کی اشیاء کا تجزیہ فرمائیں کہ آج سے پچاس سال پہلے گندم کی فی ایکڑ پیداوار پندرہ بیس من سے زیادہ نہیں تھی اور آج درمیانے درجے کے کھیت سے پچاس ساٹھ مَن گندم حاصل کی جارہی ہے ۔ اسی طرح دوسری اشیائے خوردنی کا حال ہے کہ ان کی پیداوار میں دن بدن اضافہ ہورہا ہے،گویا کہ جس طرح کھانے والے بڑھ رہے ہیں اسی قدر ان کے دسترخوان کو وسعت دی جا رہی ہے۔

قرآن مجید میں زمین و آسمانوں کی پیدائش کے بارے میں کئی مراحل کا تذکرہ ہوا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔
’’پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت دھواں تھا، اُس نے آسمان اور زمین سے فرمایا چاہو یا نہ چاہو ہر حال میں وجود میں آجاؤ، دونوں نے کہا ہم فرمانبردار ہو کر حاضر ہو گئے۔‘‘(حٰم السجدۃ:۱۱)
’’جس نے اوپر نیچے سات آسمان بنائے، تم رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہیں پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو کیا تمہیں کہیں خلل نظر آتا ہے؟(الملک:۳)
’’یقیناً ہم نے آسمان میں برج بنائے اور اسے دیکھنے والوں کے لیے خوبصورت بنایا ہے۔‘‘(الحجر:۱۶)
’’جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے تمہارے لیے پھل پیدا کیے جو تمہارا رزق ہے۔لہٰذا حقیقت جاننے کے باوجود اللہ کے ساتھ شریک نہ بناؤ۔‘‘ (البقرۃ: ۲۲)
’’حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو تخلیق فرمایا تو وہ ہلنا شروع ہو گئی تو اللہ نے پہاڑوں کو پیدا کر کے اُس پر گاڑ دیا تو وہ ٹھہر گئی فرشتوں نے پہاڑ کی تخلیق پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا اے پروردگار کیا تو نے پہاڑوں سے بڑھ کے کوئی سخت چیز پیدا کی ہے؟ اللہ نے فرمایا ہاں ! لوہا، فرشتوں نے عرض کی کیا لوہے سے بڑھ کر کوئی سخت چیز تخلیق کی گئی ہے؟ اللہ نے فرمایا آگ۔ فرشتوں نے دریافت کیا، کیا آگ سے بھی سخت چیز آپ نے تخلیق فرمائی ہے؟ اللہ نے فرمایا پانی اُس سے بھی سخت تر ہے۔ اُنہوں نے عرض کی کیا پانی سے بڑھ کر بھی اے اللہ تو نے کسی چیز کو تخلیق کیا ہے؟ اللہ نے فرمایا ہوا، فرشتوں نے سوال کیا اے پروردگار کیا تو نے ہوا سے بھی بڑھ کر کوئی سخت چیز پیدا کی ہے؟ اللہ نے فرمایا ابن آدم کا اپنے دائیں ہاتھ سے صدقہ کرنا ہے جس کا بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے۔‘‘ (رواہ احمد: مسند انس بن مالک،وقال الترمذی هذا حدیث غریب)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو اپنی قوت کے ساتھ بنایا اور فضا میں ٹھہرایا ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو فرش بنایا اور اسے نہایت ہی اچھے انداز میں بچھایا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ آفاق اور اپنی مخلوق میں اضافہ کر رہا ہے۔

تفسیر بالقرآن

زمین وآسمان کا تذکرہ:

۱۔ اللہ نے آسمان و زمین کو برحق پیدا کیا ہے اللہ شرک سے بالا تر ہے۔ (النحل:۳) (البقرۃ:۲۲) (البقرۃ:۱۱۶)
۲۔ زمین وآسمان پہلے باہم جڑے ہوئے تھے۔ پھر اللہ نے ان کو ایک دوسرے سے الگ کیا۔ (الانبیاء:۳۰)
۳۔ اللہ نے دو دن میں آسمانوں کو پیدا کیا۔ (حٰم السجدۃ:۱۲) ۴۔ اللہ نے آسمان و زمین چھ دن میں بنائے۔ (الاعراف:۵۴)

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ	خَلَقْنَا	زَوْجَيْنِ	لَعَلَّكُمْ	تَذَكَّرُوْنَ ۝۴۹
اور ہر چیز سے	ہم نے پیدا کیا	جوڑا	شاید کہ تم	نصیحت پاؤ

اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے ہیں شاید تم اس سے نصیحت حاصل کرو۔(۴۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مخلوق کے بارے میں ایک اور ارشاد۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے ہر چیز کے جوڑے جوڑے بنائے ہیں تا کہ تم غور کرو اوراس سے نصیحت حاصل کرو۔ جوڑے کے لیے زوجین کا لفظ استعمال کیا ہے جو زوج کا تثنیہ ہے۔لغت کے اعتبار سے جوڑے کا معنٰی صرف نر اور مادہ ہی نہیں ہوتا بلکہ اس میں باہم متضاد چیزیں بھی شامل ہیں ۔ انسان ،حیوانات، درند،پرند آپس میں زوجین ہیں۔ جہاں تک متضاد جنس کے اعتبار سے زوجین کا تعلق ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو جوڑے جوڑے کی صورت میں پیدا فرمایا ہے ۔آسمان کے مقابلے میں زمین ،رات کے مقابلے میں دن ، روشنی کے مقابل اندھیرا ،دھوپ کے مدمقابل چھاؤں،گرمی کے مقابل میں سردی ،پانی کے مقابلے میں آگ اورفرشتوں کے بالمقابل شیاطین ،فرشتے کبھی غلطی نہیں کرتے شیطان کبھی نیکی نہیں کرتے اور مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو پیدا کیا ہے یہاں تک درختوں میں بھی نر اور مادہ پائے جاتے ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں زوجین یعنی جوڑے موجود ہیں ۔ گویا کہ پوری مخلوق جوڑوں کی شکل میں ہے اوران کے خالق کا کوئی جوڑا نہیں ہے وہ اپنی ذات اور صفات میں اکیلا ہے اس کا کوئی زوج نہیں ہے۔ شائدتم اس سے سبق حاصل کرو اور اس کی ذات اور صفات میں شرک کرنے سے باز آجاؤ ۔انسان کے لیے سب سے بڑی اور پہلی نصیحت یہ ہے کہ وہ ''اللہ'' کے ساتھ کسی کوشریک نہ بنائے اور ہر حال میں اس کی تابعداری کرے۔

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ o اَللّٰهُ الصَّمَدُ o لَمْ يَلِدْ ۵ وَلَمْ يُوْلَدْ o وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾

(سورۃالاخلاص)

''کہو وہ اللہ اکیلا ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے ۔اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔''

''وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اس کی اولاد کیسے ہوگی جب کہ اس کی کوئی بیوی نہیں ؟اور اس نے ہرچیز پیدا کی اور وہ ہرچیز کوخوب جاننے والا ہے۔''(الانعام:۱۰۱)

''آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے اس نے تمہیں سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے اور اسی طرح جانوروں میں بھی جوڑے بنائے اور وہی تمہیں پھیلاتا ہے ۔کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔''(الشوریٰ ۱۱)

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٥٠ وَلَا

تم دوڑو | اللہ کی طرف | بلاشبہ میں | تمہیں | اس سے | ڈرانے والا ہوں | واضح | اور نہ

تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ

بناؤ تم | اللہ کے ساتھ | معبود | دوسرا | یقیناً میں | تمہیں | اس سے | ڈرانے والا ہوں

مُّبِيْنٌ ۝٥١ۚ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ

واضح | اسی طرح | نہیں | آیا | ان لوگوں کے پاس جو ان سے پہلے تھے | کوئی رسول

اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝٥٢ۚ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ

مگر | انہوں نے کہا | جادوگر ہے | یا | مجنون ہے کیا | وہ ایک دوسرے کو وصیت کرتے آئے ہیں | اس کی

بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝٥٣ۚ

بلکہ | وہ لوگ | سرکش ہیں

”پس دوڑو ”اللہ“ کی طرف۔ میں اس کی طرف سے تمہیں کھلے انداز میں ڈرانے والا ہوں۔(٥٠) اور نہ بناؤ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود میں تمہیں اس کی طرف سے واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔(٥١) اسی طرح ہی ہوتا رہا ہے۔ جب بھی ان سے پہلے لوگوں کے ہاں کوئی رسول آیا انہوں نے کہا کہ یہ تو جادوگر ہے یا پاگل ہے۔ (٥٢) کیا یہ ایک دوسرے کو نصیحت کرتے آرہے ہیں۔ بلکہ یہ سب باغی ہیں۔“(٥٣)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس رب نے زمین وآسمان بنائے اور ہر چیز کو جوڑا ، جوڑا پیدا کیا ہے اس کا کوئی جوڑا نہیں یعنی اس کا کوئی شریک نہیں ۔اس لیے انسان کا فرض ہے کہ وہ اِدھر اُدھر ٹکریں مارنے کی بجائے ہر حال میں اس کی طرف رجوع کرے۔

اللہ تعالیٰ نے جبر کی بجائے دلائل کے ذریعے واضح فرمایا ہے کہ اے انسان ! تجھے اور ہر چیز کو صرف میں نے پیدا کیا ہے۔ تیری تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ تو اس کی بندگی اختیار کرے۔اس نے اس سبق کی یاددہانی کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔جن میں آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ ہیں۔ آپ کی دعوت تھی اور ہے کہ لوگو! معبودانِ باطل کو چھوڑ کر صرف ایک ”اللہ“ کی طرف آجاؤ اوراس کے ساتھ کسی اورکو معبود نہ بناؤ۔ بے شک میں تمہارے لیے کھلے الفاظ میں انتباہ کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔لیکن اہلِ مکہ نے آپ کی دعوت قبول کرنے کی بجائے آپ کو ساحر اور مجنون کہا ۔ اس پر آپ کو تسلّی دی جارہی ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ کو حد سے زیادہ غم زدہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ آپ سے پہلے بھی انبیائے کرام علیہم السلام کو ساحر اور مجنون کہا گیا ہے ۔ یہ لوگ اس طرح ہی الزام

لگائے جارہے ہیں جیسے انہیں ان کے پہلوں نے وصیّت کی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ باغی ہیں۔ نبی آخرالزماں ﷺ بھی ''اللہ'' کی طرف سے ہی مبعوث کیے گئے تھے۔ اس لیے آپ نے لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں جس اللہ کی طرف تمہیں بلارہا ہوں اسی کی طرف سے مبعوث کیا گیا ہوں۔ اس کا فرمان ہے کہ لوگو! اپرے غیرے کو چھوڑ کر صرف اور صرف اپنے اللہ کی طرف رجوع کرو۔ اس کی طرف رجوع کرنے کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ اس کی ذات اورصفات میں کسی اور کو شریک نہ بناؤ۔ میں اسی کی طرف سے تمہیں یہ دعوت دیتا ہوں۔ جو لوگ اس دعوت کو قبول نہیں کریں گے انہیں کھلے الفاظ میں ڈرانے والا ہوں۔ آپ ﷺ کے مخاطبین نے آپ کی دعوت قبول کرنے کی بجائے آپ کو جادوگر اور مجنون قرار دیا۔ یہ پہلے بھی بیان ہوچکا ہے کہ وہ آپ کو جادوگر اس لیے کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان اوردعوت میں غضب کی تاثیر رکھی تھی۔ جو شخص آپ سے ہم کلام ہوتا اورآپ کی دعوت کو توجہ سے سنتا وہ متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ اہل مکہ کو یہ بات کسی صورت گوارا نہ تھی جس وجہ سے وہ آپ کے بارے میں منفی پروپیگنڈا کرتے اورآپ کو جادوگر کہتے تھے۔ آپ ﷺ کو مجنون کہنے کی چند وجوہات۔

۱۔ ان کا کہنا تھا کہ آپ ﷺ کی معاشرے میں بڑی عزت کی جاتی تھی۔ لیکن اس نے اپنی دعوت کی خاطر اپنی عزت کو پامال کرلیا ہے۔

۲۔ انہوں نے آپ ﷺ کو ہر قسم کی پیشکش کی لیکن آپ نے انہیں ٹھکرادیا۔ اس بنا پر وہ آپ کو مجنون کہتے تھے۔

۳۔ آپ ﷺ باربار توحید کی دعوت دیتے تھے اس بنا پر کفار سمجھتے تھے کہ یہ مجنون آدمی کی طرح ایک ہی بات باربار دوہرائے جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کے ردِعمل میں پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف اشارہ فرما کر آپ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ یہ لوگ اپنے سے پہلے لوگوں کی باتوں کو اس طرح دوہرائے جارہے ہیں۔ جیسے یہ ایک دوسرے کو اس کی وصیت کرتے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے رب کے باغی اورنافرمان ہیں۔ بے شک پہلوں اور ان کے درمیان صدیوں کا فاصلہ ہے لیکن افکار اور کردار کے لحاظ سے ایک ہیں۔ جس طرح ان سے پہلے مجرموں کا انجام ہوا اسی طرح ان کا انجام ہوگا۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لأَهْوَنِ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا لَوْ كَانَتْ لَكَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا أَكُنْتَ مُفْتَدِيًا بِهَا فَيَقُوْلُ نَعَمْ فَيَقُوْلُ قَدْ أَرَدْتُ مِنْكَ أَهْوَنَ مِنْ هٰذَا وَأَنْتَ فِي صُلْبِ اٰدَمَ أَنْ لاَ تُشْرِكَ أَحْسَبُهُ قَالَ وَلاَ أُدْخِلَكَ النَّارَ فَأَبَيْتَ إِلَّا الشِّرْكَ)) (رواہ مسلم: باب طَلَبِ الْكَافِرِ الْفِدَاءَ بِمِلْءِ الْأَرْضِ ذَهَبًا)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ جہنمیوں میں سے کم ترین عذاب پانے والے سے فرمائے گا کہ اگر دنیا اور جو کچھ اس میں ہے تیرے پاس ہو۔ کیا تو اسے فدیہ کے طور پر دینے کے لیے تیار ہے؟ وہ کہے گا جی ہاں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تجھ

سے اس سے بہت چھوٹی بات کا مطالبہ کیا تھا جب تو آدم کی پُشت میں تھا وہ یہ کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں تجھے جہنم میں داخل نہ کرتا مگر تو شرک سے باز نہ آیا۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور الٰہ نہیں اس لیے ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے برے لوگوں کو ان کے برے انجام سے ڈرانے کے لیے نبی آخرالزماں ﷺ کو مبعوث فرمایا۔
۳۔ آپ ﷺ کے مخالفین نے آپ پر وہی الزام لگائے جو پہلے انبیائے کرام علیہم السلام پر لگائے گئے تھے۔
۴۔ ہر دور کے مشرک کا ایک ہی عقیدہ اور کردار رہا ہے۔
۵۔ مشرک اور کافر حقیقت میں اپنے رب کے باغی اور نافرمان ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

پہلے انبیائے کرام علیہم السلام پر لگائے گئے الزامات کا خلاصہ:

۱۔ حضرت نوح کو ان کی قوم نے کہا کہ ہم تمہیں جھوٹا تصور کرتے ہیں۔ (ہود:۲۷)
۲۔ کفار نے تمام انبیاء کو جادوگر اور دیوانہ قرار دیا۔ (الذاریات:۵۲)
۳۔ قومِ فرعون نے موسیٰ کو جادوگر ہونے کا الزام لگایا۔ (القصص:۳۶)
۴۔ یہودیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ پر الزام۔ (النساء: ۱۵۶)
۵۔ فرعون کے سرداروں نے کہا یہ تو جادو ہے۔ (الاعراف: ۱۰۹)
۶۔ نبی ﷺ کو اہل مکہ نے جادوگر کہا۔ (الصّف:۶) ۷۔کفار نبی ﷺ کو شاعر قرار دیتے تھے۔ (الطّور:۳۰)
۸۔ اگر ہم ان کے لیے آسمان سے کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ اس میں سے چڑھ جائیں تو کہیں گے ہماری آنکھیں بند کر دی گئی ہیں۔ بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔(الحجر:۱۴۔۱۵)
۹۔ کفار کے سامنے جب حق آیا تو انھوں نے کہا یہ تو جادو ہے۔ (سباء:۴۳)
۱۰۔ کفار نے نبی اکرم ﷺ کو سحر زدہ قرار دیا۔ (الفرقان: ۸)
۱۱۔ جب کفار کے پاس حق بات آئی تو انھوں نے رسول اکرم ﷺ پر جادوگر ہونے کا الزام لگایا۔ (یونس: ۷۶)
۱۲۔ کفار نے کہا یہ نبی تو جادوگر ہے۔ (یونس: ۲) ۱۳۔کفار نے کہا یہ نبی جھوٹا اور جادوگر ہے۔ (ص:۴)

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنانا چاہیے:

۱۔ ”اللہ“ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔(الرعد:۳۶)
۲۔ ”اللہ“ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ (النساء: ۳۶)

فَتَوَلَّ	عَنْهُمْ	فَمَآ	اَنْتَ	بِمَلُوْمٍ ﴿٥٤﴾	وَّذَكِّرْ
آپ منہ پھیر لیں	ان سے	پس نہیں	آپ	قابل ملامت	اور نصیحت کرتے رہیں
فَاِنَّ	الذِّكْرٰى	تَنْفَعُ	الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٥﴾	وَمَا	خَلَقْتُ
پس بلاشبہ	نصیحت	فائدہ دیتی ہے	مومنوں کو	اور نہیں	میں نے پیدا کیے
الْجِنَّ	وَالْاِنْسَ	اِلَّا	لِيَعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾		
جنّوں	اور انسانوں کو	مگر	اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں		

’’پس اے نبی آپ ان سے منہ پھیر لیں آپ پر کوئی ملامت نہیں ہو گی۔(۵۴)البتہ نصیحت کرتے رہیں کیونکہ ایمان لانے والوں کے لیے نصیحت فائدہ مند ہے۔(۵۵) میں نے جنّوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔‘‘(۵۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی ﷺ کا کام کھلے الفاظ میں لوگوں کو سمجھانا اور ان کو بُرے انجام سے ڈرانا تھا۔ جس کا آپ ﷺ نے حق ادا کر رہے ہیں۔

نبی کریم ﷺ ’’ اللہ ‘‘ کی توحید سمجھانے اور لوگوں کی خیر خواہی کرنے کے لیے دن رات ایک کیے ہوئے تھے۔ آپ لوگوں کو بار بار سمجھاتے کہ لوگو! اللہ کے ساتھ شرک کرنا چھوڑ دو اور صرف اسی کی عبادت کرو۔ آپ کے مخاطبین اس دعوت کو قبول کرنے کی بجائے آپ پر مختلف قسم کے الزامات لگاتے۔ آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو اذّیتیں دیتے تھے ۔ اس صورتِ حال میں آپ کی طرف سے جن لوگوں پر حق کا ابلاغ ہو چکا تھا ۔ ان کے بارے میں آپ کو ارشاد ہوا کہ آپ ان پر مزید وقت صرف کرنے کی بجائے ان سے اعراض کا رویہ اختیار فرمائیں۔اس اعراض پر آپ پر کوئی ملامت نہیں ہوگی۔ ان کی بجائے آپ ایمانداروں اور ان لوگوں کو نصیحت فرماتے رہیں جو سلیم الفطرت ہیں اور حق بات کی طرف متوجہ ہونے والے ہیں۔ بلاشبہ آپ کی نصیحت ایمان لانے والوں کے لیے نہایت ہی فائدہ مند ہوتی ہے ۔ انہیں پہلی نصیحت یہ فرمائیں کہ تمہارے رب نے جنّوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا اس کا فرمان ہے صرف میری ہی عبادت کرنی چاہیے ۔ یہی جنّوں اور انسانوں کی تخلیق کا مقصد ہے اور یہی انبیائے کرام ؑ کی دعوت کا پہلا اور مرکزی مقصد ہے۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ (الانبیاء : ٢٥)

’’ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجے ان کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری ہی بندگی کرو۔‘‘

اکثر اہل علم نے عبادت کا معنیٰ تذلّل یعنی نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پرستش کرنا بیان کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عبادت میں عاجزی اور انتہا درجے کی انکساری ضروری ہے کہ آدمی اللہ کے حضور قیام کرے تو نا صرف

زبان سے اقرار کرے بلکہ اس کا پورا جسم خاموش گواہی دے کہ میرے جسم کا ایک ایک ریشہ تیرے حضور عاجز اور بے بس ہے۔ جبینِ نیاز جھکائے تو اپنے آپ کو عجز و انکساری کی انتہا تک لے جائے گویا کہ وہ پستیوں کے سمندر میں ڈوب چکا ہے۔ زبان جنبش کرے تو اس کی حمد و ثنا کے گیت گائے، دستِ سوال دراز کرے تو سراپا التجا بن جائے۔ مال خرچ کرے تو اس عاجزی کے ساتھ کہ میں تو مالک کی ملکیت ہی واپس لوٹا رہا ہوں نہ میرا مال ہے اور نہ اس میں میرا کمال ہے۔

اس عہد کو نمازی پانچ وقت تشہد کی زبان میں دہراتا ہے۔

”تمام قسم کی قولی، فعلی اور مالی عبادات اللہ کے لیے ہیں۔“ (رواہ البخاری: باب التَّشَھُّدِ فِی الآخِرَۃِ)

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ (الانعام: ۱۶۲، ۱۶۳)

”کہہ دیجیے! یقیناً میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا اسلام لانے والا ہوں۔“

اس تصور کے ساتھ قرآن مجید نے عبادت کا وسیع تر تخیل پیش کیا ہے کہ آدمی منڈی اور بازار میں ہو تو امانت و دیانت کا نمونہ بن جائے، کسی کے ہاں مزدور اور خدمت گزار ہو تو وفاداری کا پیکر ہو جائے، حکمران ہو یا کوئی ذمہ داری اٹھائے تو قوم کا خادم اور مالکِ حقیقی کا غلام بن کر رہے۔ غرض یہ کہ زندگی کا ایک ایک لمحہ اور شعبہ رب کی غلامی اور سرافگندگی کے لیے وقف کرنے کا نام ہی عبادت ہے۔ یہی انسان کی تخلیق کا مقصد اور اسی کے لیے انسان کا ہر عمل وقف ہونا چاہیے۔ انبیائے عظام علیہم السلام اپنی دعوت کا آغاز اسی سے کیا کرتے تھے۔

مسائل

۱۔ ”اللہ“ کے سوا کوئی معبود نہیں اس لیے حکم ہے کہ صرف ایک ”اللہ“ کی عبادت کی جائے۔

۲۔ تمام لوگوں کو ادھر اُدھر جانے کی بجائے اللہ کی طرف ہی رجوع کرنا چاہیے۔

۳۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا مقصد لوگوں کو ان کے برے انجام سے ڈرانا ہے۔

۴۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح ہی جادوگر اور مجنون کہا گیا جس طرح پہلے انبیائے کرام کو کہا گیا تھا۔

۵۔ ضدی لوگوں پر زیادہ وقت صرف نہیں کرنا چاہیے۔ ان کے مقابلے میں ایمان لانے والوں کو بار بار نصیحت کرنی چاہیے۔ ۶۔ ایمان لانے والوں کو نصیحت کرنے کا فائدہ ہوتا ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اس لیے سب کو اللہ کی خالص عبادت کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

انسان کی تخلیق کا مقصد اور انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کا مرکزی نقطہ:

(الانبیاء:۲۵)(ھود:۲۶)(الاعراف:۶۵)(الاعراف:۷۳)(الاعراف:۸۵)(یوسف:۴۰)(المائدۃ:۷۲)(آل عمران:۶۴)

اَنْ	اُرِيْدُ	وَّمَآ	مِّنْ رِّزْقٍ	مِنْهُمْ	اُرِيْدُ	مَآ
یہ کہ	میں چاہتا	اور نہیں	کوئی رزق	ان سے	میں چاہتا	نہیں

الْمَتِيْنُ ۝۵۸	ذُو الْقُوَّةِ	الرَّزَّاقُ	اللّٰهَ هُوَ	اِنَّ	يُّطْعِمُوْنِ ۝۵۷
طاقتور	قوت والا	رزق دینے والا	اللہ ہی ہے	بلاشبہ	وہ مجھے کھلائیں

’’میں اُن سے رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔(۵۷) یقیناً اللہ ہی رزق دینے والا ہے۔وہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔‘‘(۵۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے رزق کا مطالبہ نہیں کرتا نہ اسے کھانے پینے کی حاجت ہے۔وہ صرف اپنی بندگی کا مطالبہ کرتا ہے جس میں اسے کوئی فائدہ نہیں اس میں لوگوں کا ہی فائدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں لوگوں سے رزق نہیں مانگتااورنہ ہی اس بات کا مطالبہ کرتاہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ رزق تو سب کو اللہ ہی دینے والا ہے، وہ بڑا طاقتور اورمضبوط ہے۔عربوں نے زرخرید غلام رکھے ہوتے تھے جو ان کے لیے مزدوری اورمختلف قسم کے کام کرتے اوراس کی مزدوری اپنے آقا کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔یہاں پہلی بات یہ سمجھائی کہ یہ تمہارا طریقہ ہے کہ تم اپنے غلاموں کی کمائی کھاتے ہو۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کھاتا نہیں بلکہ وہ انہیں کھلاتا ہے۔اسی بات سے یہ بھی سمجھ لو کہ جنہیں تم مشکل کشا سمجھتے اوران کی عبادت کرتے ہو وہ تمہیں کچھ نہیں دیتے۔البتہ تم ضرور انہیں کچھ نہ کچھ دیتے ہو۔اللہ تعالیٰ تمام حاجات سے پاک اور بے نیاز ہے۔وہ اپنی مخلوق کو دیتا اور کھلاتا ہے۔اس کے عطا کرنے اور دینے کا نظام اتنا مضبوط ہے کہ کوئی اس کے نظام میں دخل نہیں دے سکتا۔ (فاطر:۱۳) وہ جس کا چاہتا ہے رزق تنگ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے۔(العنکبوت:۶۲)

اللہ تعالیٰ ہی انسان کو پیدا کرنے والا ہے اور اس نے ہی اس کے رزق کا ذمہ لے رکھا ہے۔رزق سے مراد صرف کھانے پینے کی چیزیں نہیں بلکہ اس سے مراد ہروہ چیز ہے جو ایک ذی روح کی ضرورت ہوتی ہے۔اس میں ہوا، پانی، خوراک اور رہن سہن کی ضروریات بھی شامل ہیں۔یہ سب چیزیں عطا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔اس نے اپنا دسترخوان اتنا وسیع اور(Mobile) بنایا ہے کہ ہر کھانے والے کو اس کی خوراک مل رہی ہے گوشت کھانے والے درندے کو گوشت مل رہا ہے اور دانہ دُنکا لینے والے کو دانہ دنکا صبح وشام میسر ہے۔مخلوق میں چند جمع کرنے والوں کے سوا باقی سب کے سب صبح وشام تازہ خوراک سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔جہاں تک انسان کا معاملہ ہے اس کا رزق بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے البتہ حکم ہے کہ اللہ کا رزق تلاش کیا کرو۔اس کے لیے محنت ومشقت کرنا لازم ہےلیکن رزق کی کمی وبیشی کاانحصار انسان کی محنت پرنہیں۔اگر رزق محنت کی بنیاد پر دیا جاتا تو معذور اور لاچار بھوکے مرجاتے۔جہاں تک رزق کی کمی وبیشی کاتعلق ہے یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اصول کے عین مطابق ہے جس کے پیشِ نظر وہ لوگوں کا رزق

بڑھاتا اور گھٹاتا رہتا ہے۔ اگر کہیں قحط سالی پیدا ہوجاتی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے طے شدہ اصول کے مطابق ہوتی ہے جس کا سبب بنیادی طور پر انسان ہی ہوا کرتا ہے۔ بے شک وہ قحط سالی پانی کی قلت اور بارش کی کمی کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو۔ وہ بھی انسان کے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس قانون کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے رزق کا ذمہ لیا ہے۔ وہ لوگوں کی مستقل قیام گاہوں اور عارضی رہائش کو جانتا ہے۔ (ھود:٦) کیونکہ لوگوں کو رزق پہنچانا اور ان کے اعمال اور ضروریات سے باخبر رہنا اس کی صفت کاملہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نہ صرف ہرلحاظ سے باخبر رہتا ہے بلکہ اس نے انسان اور دنیا کی ہر چیز کے بارے میں سب کچھ لوحِ محفوظ میں ثبت کررکھا ہے۔

''مغیرہ بن شعبہ کے غلام وراد بیان کرتے ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مغیرہ کو خط لکھا کہ مجھے وہ دعا لکھ کر بھیجو۔ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نماز کے بعد سنا کرتے تھے۔حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے لکھوایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے بعد یہ الفاظ کہتے ہوئے سنا۔''لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ اللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ'' (رواہ البخاری : کتاب القدر، باب لامانع لما اعطی اللّٰہ)

''اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اے اللہ جسے تو دینا چاہے اسے کوئی نہیں روک سکتا اور جس سے تو روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔ تیرے ہاں کسی بڑے کی بڑائی کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لیے نہ کسی سے رزق مانگتا ہے اور نہ اپنے کھانے کے لیے کسی سے مطالبہ کرتا ہے، اور نہ اسے ضرورت ہے۔ ٢۔اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور نظام کے حوالے سے سب سے زیادہ طاقتور اور مضبوط ہے۔
٣۔ ''اللہ'' ہی سب کو رزق دینے والا ہے۔ ٤۔اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا اور مضبوط ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے، وہ نہ چاہے تو کوئی کسی کو کچھ نہیں دے سکتا:

١۔ ہم نے اس زمین میں تمہارے لیے معاش کا سامان بنایا اور ان کے لیے بھی جنہیں تم خوراک نہیں دیتے۔ (الحجر:٢٠)
٢۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی رزق کو فراخ اور تنگ کرتا ہے۔ (الزمر:٥٢)
٣۔ زمین میں ہر قسم کے چوپاؤں کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔ (ھود:٢)
٤۔ بے شک اللہ ہی رزق دینے والا ہے۔ (الذاریات:٥٨)٥۔اللہ ہی رزق فراخ کرتا اور کم کرتا ہے۔ (السباء:٣٩)
٦۔ اللہ تعالیٰ لوگوں سے رزق طلب نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کو رزق دیتا ہے۔ (طٰہٰ:١٣٢)
٧۔ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو کیونکہ اللہ ہی تمھیں اور انھیں رزق دینے والا ہے۔ (الانعام:١٥٢)

فَاِنَّ	لِلَّذِيْنَ	ظَلَمُوْا	ذَنُوْبًا	مِّثْلَ	ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ
پس بے شک ان لوگوں کے لیے	جنہوں نے ظلم کیا		گناہ ہے	مثل	گناہ ان کے ساتھیوں کے
فَلَا	يَسْتَعْجِلُوْنِ ۝٥٩		فَوَيْلٌ	لِّلَّذِيْنَ	كَفَرُوْا
لہٰذا نہ	مجھ سے وہ جلدی طلب کریں		پس ہلاکت ہے	ان کے لیے جنہوں نے	کفر کیا
	مِنْ يَّوْمِهِمُ		الَّذِيْ	يُوْعَدُوْنَ ۝٦٠	
	ان کے اس دن سے		جس کا	وہ وعدہ دیے جاتے ہیں	

''پس جن لوگوں نے ظلم کیا ہے اُن کے حصے کا بھی ویسا ہی گناہ ہے جیسا ان کے ساتھیوں کا ہے اس لیے یہ لوگ مجھ سے جلدی طلب نہ کریں۔(٥٩) بالآخر کفر کرنے والوں کے لیے تباہی ہے اس دن میں۔ جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔''(٦٠)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کو جو لوگ رزاق نہیں مانتے اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ دنیا اور آخرت میں اس طرح ہی نقصان پائیں گے جس طرح ان سے پہلے مجرم نقصان پا چکے ہیں۔

اہلِ مکہ کے جرائم:

یہاں ظلم سے مراد ہر قسم کے گناہ ہیں۔ جن میں سرفہرست شرک ہے۔ان آیات میں ایک طرف نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اور دوسری طرف کفار کی عادت اور ان کا انجام بتلایا گیا ہے اہل مکہ نبی ﷺ پر وہی الزام لگا رہے تھے جو ان سے پہلے ظالم لوگ انبیاء پر لگایا کرتے تھے۔ نبی ﷺ پر الزام لگانے والوں کو انتباہ کیا گیا ہے کہ باز آجاؤ ورنہ تمہارا انجام بھی پہلے ظالموں جیسا ہوگا۔ دنیا کے بُرے انجام کے ساتھ جس دن کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے اس دن تمہارا انجام نہایت بدترین ہوگا۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أُمَّتِى مَا أَتٰى عَلٰى بَنِى إِسْرَائِيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتٰى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِى أُمَّتِى مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ وَإِنَّ بَنِى إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِى عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِى النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوْا وَمَنْ هِىَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِى)) (رواه الترمذی : باب ماجاء فی افتراق هذه الامة)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول مکرم ﷺ نے فرمایا: میری امت میں ایسا وقت ضرور آئے گا کہ وہ بنی اسرائیل کے ساتھ بالکل اس طرح مل جائے گی جس طرح ایک جوتا دوسرے جوتے کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے

اعلانیہ زنا کیا ہو گا تو میری امت میں بھی ایسا ضرور ہو گا۔بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئی۔ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ایک گروہ کے علاوہ سارے کے سارے جہنم میں جائیں گے۔صحابہ نے استفسار کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کون سا گروہ ہے؟ آپ نے فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر عمل کرنے والا ہو گا۔

((عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ افْتَرَقَتِ الْيَهُودُ عَلٰى إِحْدٰى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً فَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ وَافْتَرَقَتِ النَّصَارٰى عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً فَإِحْدٰى وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَتَفْتَرِقَنَّ أُمَّتِي عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً فَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَثِنْتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَنْ هُمْ قَالَ الْجَمَاعَةُ)) (رواہ ابن ماجۃ: باب افْتِرَاقِ الْأُمَمِ)

”حضرت عوف بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہودی اکہتر فرقوں میں بٹے تھے ان کے ستر فرقے جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں اور عیسائی بہتر فرقوں میں بٹے تھے ان میں سے اکہتر جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں اور قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی ان میں سے بہتر جہنمی ہوں گے اور ایک جنتی، صحابہ نے عرض کی جنت میں جانے والے کون ہیں آپ نے فرمایا وہ جماعت (جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر چلنے والے) ہے۔“

تفسیر بالقرآن

ظالم لوگ:

۱۔ اللہ پر جھوٹ بولنے والا بڑا ظالم ہے۔ (الانعام: ۱۴۴)
۲۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والا اور اس کی آیات کو جھٹلانے والا بڑا ظالم ہے۔ (الانعام: ۲۱)
۳۔ جو اللہ کی آیات سن کر اعراض کرتا ہے وہ ظالم ہے۔ (الکھف: ۵۷)
۴۔ اللہ پر جھوٹ بولنے والا اور سچائی کو جھٹلانے والا ظالم ہے۔ (العنکبوت: ۶۸)
۵۔ اسلام کی دعوت پہنچ جانے کے باوجود جو اللہ پر جھوٹ باندھے وہ ظالم ہے۔ (الصّف: ۷)
۶۔ گواہی کو چھپانے والا بڑا ظالم ہے۔ (البقرۃ: ۱۴۰) ۷۔مسجدوں سے روکنے والا بڑا ظالم ہے۔ (البقرۃ: ۱۱۴)

سورۃ الطّور کا تعارف

یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اس کے دو رکوع اور انچاس (۴۹) آیات ہیں۔اللہ تعالی نے اس سورت کی ابتداء میں چھ قسمیں اٹھا کر اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ جس دن کا تم انکار کرتے ہو اس دن کا عذاب مجرموں پر ضرور واقع ہو گا جسے کوئی بھی ٹال نہیں سکے گا۔ اس دن کی ابتداء یوں ہو گی کہ آسمان پوری طرح ڈگمگا جائے گا اور پہاڑ ریت بن کر اُڑنا شروع کر دیں گے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور قیامت کے دن کو جھٹلاتے ہیں اس دن انہیں دھکے مار مار کر جہنم میں پھینکا جائے گا اور پھر انہیں کہا جائے گا کہ اب بتلاؤ یہ عذاب حقیقت ہے یا جادو؟

حکم ہو گا کہ اب صبر کرو یا واویلا کرو تمہیں اسی کی سزا دی جائے گی جو تم کیا کرتے تھے۔ ان کے مقابلے میں متقی لوگوں کو نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے گا وہ تکیوں پر تشریف فرما ہوں گے اور انہیں کھانے کے لیے وہ کچھ ملے گا جس کی وہ چاہت کریں گے ۔بے انتہا خوبصورت حوریں ان کے نکاح میں دی جائیں گی یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہو گا۔جن جنتیوں کی اولادیں درجات میں کم درجہ ہوں گی ۔اللہ تعالی ان کے درجات بلند فرما کر انہیں انکے والدین کے ساتھ اعلیٰ مقام عنایت فرمائے گا۔جنت میں کسی قسم کی لغویات اور گناہ نہیں ہوں گے۔ اس کے بعد نبی علیہ السلام کو یہ نصیحت فرمائی گئی کہ آپ لوگوں کو نصیحت کرتے جائیں اور یہ یقین رکھیں کہ آپ اپنے رب کے فضل سے کاہن اور مجنوں نہیں ہیں ۔

۱۔ کیا کافر آپ کو شاعر کہتے ہیں اورآپ کے بارے میں بُرے حالات کا انتظار کرتے ہیں۔انہیں فرمائیں تم میرے بارے میں انتظار کرو میں بھی تمہارے انجام کا انتظار کرتا ہوں۔

۲۔ کیا ان کی عقلیں انہیں یہی کچھ سکھاتی ہیں ۔۳۔ یا یہ لوگ سرکشی میں حد سے بڑھ چکے ہیں۔

۴۔ کیا کافر کہتے ہیں کہ آپ نے قرآن خود بنالیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ ایمان لانے کے لیے تیار نہیں اگر وہ اپنے الزام میں سچے ہیں تو انہیں قرآن کے چیلنج کا جواب قبول کرنا چاہیے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کو یہ لوگ معبودِ برحق ماننے کے لیے تیار نہیں کیا انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے؟یا اپنے آپ پیدا ہو گئے ہیں؟

۶۔ کیا انہوں نے زمین و آسمانوں کو پیدا کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ یقین کرنے کے لیے تیار نہیں ۔

۷۔ کیا یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کے خزانوں کے مالک ہیں ؟۸۔کیا وہ آپ کے رب کے خزانوں پر چوکیدار ہیں؟

۹۔ کیا ان کے پاس سیڑھی ہے کہ یہ آسمان کی باتیں سن لیتے ہیں اگر سن لیتے ہیں تو انہیں اپنے حق میں کوئی واضح دلیل پیش کرنی چاہیے۔۱۰۔کافر کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں کیا ’’ اللہ‘‘ کے لیے بیٹیاں ہیں اوران کے لیے بیٹے ہیں؟۱۱۔کیا آپ ان سے اجر مانگتے ہیں جس کے بوجھ تلے یہ دبے جارہے ہیں۔

۱۲۔ کیا ان کے پاس علمِ غیب ہے جسے یہ لکھ لیتے ہیں۔

۱۳۔ کیا یہ کوئی اور سازش کرنا چاہتے ہیں؟ یاد رکھیں کہ یہ اپنی سازش میں خود ہی پھنس جائیں گے۔

۱۴۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی اور معبودِ برحق ہے؟ انہیں بتلا دیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے بنائے ہوئے شریکوں سے مبرّا ہے۔

سُورَةُ الطُّورِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ۲ اٰيَاتُهَا: ۴۹

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

وَالطُّوْرِ ۝۱	وَكِتٰبٍ	مَّسْطُوْرٍ ۝۲	فِيْ رَقٍّ	مَّنْشُوْرٍ ۝۳
قسم ہے طور کی	اور کتاب کی	جو لکھی ہوئی ہے	کاغذ میں	جو کھلا ہوا ہے
وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝۴	وَالسَّقْفِ	الْمَرْفُوْعِ ۝۵	وَالْبَحْرِ	الْمَسْجُوْرِ ۝۶
اور آباد گھر کی	اور چھت کی	جو بلند کی ہوئی	اور سمندر کی	جو بھڑکایا ہوا ہے

''قسم ہے طور کی۔(۱) اور اس کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے۔(۲) کھلے کاغذ میں۔(۳) اور آباد گھر کی۔(۴) اور بلند کی ہوئی چھت کی۔(۵) اور بھڑکائے جانے والے سمندر کی۔''(۶)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورۃ الذّاریات کا اختتام اس فرمان پر ہوا کہ جس دن کا کفار سے وعدہ کیا جاتا ہے اُس دن اُن کے لیے ہلاکت اور بربادی ہوگی۔ سورۃ الطّور کا آغاز پانچ قسمیں اٹھانے کے بعد اس بات سے ہوا ہے کہ جو دن کفار کے لیے ہلاکت کا باعث ہوگا اس کی ہلاکت اور عذاب کو کفار بھی ٹال نہیں سکتے۔

قسم ہے طور کی اور قسم ہے کھلے اوراق میں لکھی ہوئی کتاب کی قسم ہے آباد گھر کی ،قسم ہے بلند و بالا چھت کی ، قسم ہے بھڑکائے جانے والے سمندر کی ۔

۱۔الطّور سے مراد وہ پہاڑ ہے بالخصوص اس کا وہ حصہ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے ہم کلام ہوئے تھے۔طور کو طور سیناء اور طور سینین بھی کہا گیا ہے ،طورِ سیناء اور سینین دونوں ایک ہی پہاڑ کے نام ہیں۔ اس کی سطح سمندر سے بلندی ۲۶۰ ۷ فٹ ہے اور مدین سے مصر یا مصر سے مدین جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے۔اسی مقام پر موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔ اسی پہاڑ کی ایک چوٹی کا نام طور ہے اور اس پہاڑ کے دامن میں واقع وادی کا نام طوٰی ہے جسے قرآن میں وادی مقدس اور ''بُقعة المبارکه'' بھی کہا گیا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپس آئے اور جب بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر لائے تو اسی راستے سے گزرے تھے۔

۲۔کشادہ اوراق میں لکھی ہوئی کتاب سے مراد کچھ اہلِ علم نے تورات لی ہے کیونکہ تورات آسمان سے کھلی تختیوں کی صورت میں نازل ہوئی تھی اور اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام موٹے ،موٹے حروف میں لکھے ہوئے تھے۔کیونکہ طور پہاڑ کی قسم کے بعد ''کِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ'' کی قسم اٹھائی گئی ہے اس لیے بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ اس سے مراد تورات ہے۔ باقی اہلِ علم نے کشادہ اوراق میں لکھی ہوئی کتاب سے مراد لوحِ محفوظ لیا ہے۔ رق چمڑے کی ایسی جھلی کو بھی کہا جاتا ہے جسے ایک خاص تکنیک کے ساتھ رگڑ رگڑ کر ملائم اور باریک کر لیا گیا ہو۔پہلے زمانے میں شاہی فرمان

اوراہم ترین دستاویزات کو رق پرلکھا جاتا تھا تا کہ اس میں لکھے ہوئے فرمان کا کوئی لفظ مٹنے نہ پائے ۔ نبی علیہ السلام نے جو مراسلات روم اور ایران کے فرمانراداوٴں کولکھے تھے وہ رق پر ہی تحریر کیے گئے تھے۔

۳۔ بیت المعمور: وہ گھر ہے جو ہمیشہ سے آباد چلا آرہا ہے ۔اس گھر کے بارے میں بھی اہلِ علم کے دو نقطہ نگاہ ہیں ۔ ایک جماعت نے اس سے بیت اللہ مراد لیا ہے جس میں ہر وقت رکوع و سجود ، قیام اور ذکر و اذ کار کرنے والے موجود رہتے ہیں ۔ جب سے یہ گھر تعمیر ہوا اس وقت سے لے کر اس کی رونق میں اضافہ ہی ہو رہا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا ۔ دوسری جماعت کا خیال ہے کہ اس گھر سے مراد اسی بیت اللہ کے اوپر ساتویں آسمان پر بیت المعمور ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نمازادا کرتے ہیں اور جس نے ایک مرتبہ وہاں نماز پڑھی اسے وہاں قیامت تک نماز پڑھنے کا موقع نہیں ملے گا ۔ (رواہ مسلم: باب الإِسْرَاءِ بِرَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَى السَّمٰوَاتِ وَفَرْضِ الصَّلَوَاتِ) نبی علیہ السلام نے معراج کی رات اسی گھر کی دیوار کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کوتشریف فرما دیکھا اوران سے ملاقات کا شرف پایا ۔جس کی تفصیل حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔

۴۔اونچی چھت سے مراد آسمان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بغیر ستونوں کے کھڑا کر رکھا ہے ۔ اسے اس طرح بنایا اورٹھہرایا ہے کہ اس میں نہ کوئی دراڑ واقع ہوئی ہے اورنہ ہی اپنی جگہ سے ہلا اور جھکا ہے ۔ نامعلوم کتنی مدت سے ایک قُبے کی شکل میں جوں کا توں فضا میں ٹھہرا ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے لوگوں کے لیے چھت بنایا ہے ۔

۵۔سمندر : سمندر کے بارے میں ارضیات کے ماہرین کا اندازہ ہے کہ یہ زمین کے مقابلے میں تین گنا بڑا ہے اور پوری زمین کے دریا سمندر میں گرتے ہیں لیکن آج تک سمندر کا پانی اپنے مقام پرٹھہرا ہوا ہے ۔ اگر سمندر کا پانی اپنی حدود سے نکل کھڑا ہوتو دنیا میں کوئی چیز غرق ہونے سے نہ بچ سکے ۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے مسجور کردیا ہے ۔مسجور کا معنٰی ہے لبا لب بھرا ہونے کے باوجود اپنے مقام پرٹھہرا ہوا ۔مسجور کا دوسرا معنٰی بھٹکایا ہوا ہے کیونکہ قیامت کے قریب سمندر بھڑک اٹھے گا۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں جن چیزوں کی قسمیں اٹھائی ہیں ان کی حقیقت کما حقُّہ اس کے سوا کوئی نہیں جانتا ۔تاہم اہلِ تفسیر نے اپنے اپنے فہم کے مطابق ان قسموں کی کچھ نہ کچھ حکمت بیان کی ہے جس کے بارے میں قطعی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔

تفسیر بالقرآن

قرآن کی چند قسموں کا تذکرہ:

۱۔ آپ کی جان کی قسم! وہ اپنی مدہوشی میں مست ہیں۔ (الحجر:۷۲) ۲۔قسم ہے ان ہواؤں کی! جو بھیجی جاتی ہیں۔ (المرسلات:۱)
۳۔ قسم ہے جان سختی سے نکالنے والے فرشتوں کی۔ (النازعات :۱) ۴۔قسم ہے برجوں والے آسمان کی۔ (البروج :۱)
۵۔ قسم ہے آسمان کی اور رات کونمودار ہونے والی چیز کی۔ (الطارق:۱) ٦۔قسم ہے فجر کی۔ (الفجر:۱)
۷۔ میں قسم کھاتا ہوں مکہ شہر کی۔ (البلد:۱) ۸۔قسم ہے آفتاب اور اس کی روشنی کی۔ (الشمس :۱)

اِنَّ	عَذَابَ	رَبِّكَ	لَوَاقِعٌ ۝	مَّا	لَهٗ	مِنْ
بلاشبہ	عذاب	آپ کے رب کا	ضرور واقع ہونے والا ہے	نہیں ہے	اسے	کوئی
دَافِعٍ ۝	يَّوْمَ	تَمُوْرُ	السَّمَآءُ	مَوْرًا ۝	وَّ تَسِيْرُ	
دور کرنے والا	جس دن	تیزی سے حرکت کرے گا	آسمان	تیزی سے حرکت کرنا	اور چلیں گے	
الْجِبَالُ	سَيْرًا ۝	فَوَيْلٌ	يَّوْمَئِذٍ	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝		
پہاڑ	چلنا	پس ہلاکت ہے	اس دن	جھٹلانے والوں کے لیے		

”یقیناً آپ کے رب کا عذاب ضرور آنے والا ہے۔(۷) جسے کوئی دور کرنے والا نہیں۔(۸) وہ اس دن واقع ہو گا جب آسمان بُری طرح حرکت کرنے لگے گا۔(۹) اور پہاڑ اُڑتے پھریں گے۔(۱۰) اس دن کو جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہے۔“(۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے پانچ قسمیں اٹھا کر ثابت کیا ہے کہ قیامت کے منکرین کو قیامت کے دن ضرور عذاب دیا جائے گا اور اسے کوئی نہیں ٹال سکے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہر قسم کے دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ قیامت ہر صورت قائم ہوگی۔ اسی طرح اس نے یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ قیامت کے دن کفار، مشرکین اور بھاری مجرموں کو ہر صورت عذاب دیا جائے گا اور اس عذاب کو کوئی ٹال نہیں سکے گا۔ جس دن مجرموں کو عذاب دیا جائے گا اس کا آغاز اس طرح ہوگا کہ آسمان کپکپانے لگے گا اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہلنا شروع ہو جائیں گے۔ جو اس دن کو جھٹلاتا ہے اس کے لیے ہلاکت ہو گی۔ قیامت کے دن جونہی اسرافیل صور پھونکیں گے تو زمین میں زلزلے رونما ہوں گے اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہلنا شروع ہو جائیں گے اور آسمان اس طرح تیزی کے ساتھ ہلنا اور جھولنا شروع ہو گا کہ بالآخر نیچے گر پڑے گا۔ سورۃ التکویر، الانفطار اور سورۃ الانشقاق کی ابتدائی آیات میں اس کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ قیامت کے دن پہاڑوں کی جو کیفیّت ہوگی اس کا ایک منظر اسی آیت کی تفسیر بالقرآن کے حوالوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

مسائل

۱۔ قیامت کا عذاب ضرور واقع ہوگا اور اسے کوئی ٹال نہیں سکے گا۔ ۲۔ قیامت کے دن آسمان کپکپانا شروع ہو جائے گا۔
۳۔ قیامت کے دن پہاڑ اپنی جگہ سے ہلنا شروع ہو جائیں گے۔ ۴۔ قیامت کو جھٹلانے والوں کے لیے اس دن ہلاکت ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن پہاڑوں کی کیا حالت ہوگی:

(الکہف:۴۷) (المزمل:۱۴) (القارعہ:۵) (التکویر:۱ تا ۳) (القیامہ:۶ تا ۸)

الَّذِيْنَ	هُمْ	فِيْ خَوْضٍ	يَّلْعَبُوْنَ ⑫	يَوْمَ	يُدَعُّوْنَ
وہ لوگ	جو	حجت بازیوں میں	کھیل رہے ہیں	جس دن	سختی سے دھکیلے جائیں گے وہ

اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ	دَعًّا ⑬	هٰذِهِ	النَّارُ	الَّتِيْ	كُنْتُمْ	بِهَا
جہنّم کی آگ کی طرف	سختی سے دھکیلا جانا	یہی ہے	وہ آگ	جو	تم تھے	اس کو

تُكَذِّبُوْنَ ⑭	اَفَسِحْرٌ	هٰذَآ	اَمْ	اَنْتُمْ	لَا	تُبْصِرُوْنَ ⑮
جھٹلاتے	کیا پھر جادو ہے	یہ	یا	تم	نہیں	دیکھتے

اِصْلَوْهَا	فَاصْبِرُوْٓا	اَوْ لَا	تَصْبِرُوْا ج	سَوَآءٌ	عَلَيْكُمْ ط
داخل ہو جاؤ اس میں	پس تم صبر کرو	یا نہ	صبر کرو	برابر ہے	تم پر

اِنَّمَا	تُجْزَوْنَ	مَا	كُنْتُمْ	تَعْمَلُوْنَ ⑯
بس	تم جزا دیے جاؤ گے	اس کی جو	تم تھے	عمل کرتے

”جو لوگ شغل کے طور پر لگے ہوئے ہیں۔(۱۲) جس دن انہیں دھکے مار مار کر جہنّم کی آگ کی طرف دھکیلا جائے گا۔ (۱۳) اس وقت اُن سے کہا جائے گا کہ یہ وہی آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے ،کیا یہ جادو ہے یا تم نہیں دیکھتے ؟ جاؤ اس میں جلتے رہو۔(۱۵) تم صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لیے یکساں ہے، تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دی جا رہی ہے۔“(۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کے دن کی ہولنا کیوں کا ذکر کرنے کے بعد ان لوگوں کا انجام بیان کیا گیا ہے جو قیامت کے دن کی تکذیب کرتے ہیں اوراس کے بارے میں لایعنی گفتگو میں مصروف رہتے ہیں ۔

ویل کا معنٰی جہنّم بھی ہے کیونکہ اس میں داخل ہونے والوں کے لیے ہلاکت اور بربادی ہوگی ۔اس لیے جہنّم کو ویل کہا گیا ہے ۔ویل ان لوگوں کے لیے ہوگی جو قیامت کی تکذیب اور اس سے لاپرواہی کرتے ہیں ۔جب ان کے سامنے قیامت اور اس کی ہولنا کیوں کا تذکرہ ہوتا ہے تو اسے شغل کے طور پر لیتے ہیں اوراس کے بارے میں لایعنی گفتگو کرتے ہیں ۔ جب انہیں قیامت کے دن جہنّم کی آگ میں دھکیلا اور پھینکا جائے گا تو فرشتے انہیں جہنّم میں دھکیلتے ہوئے کہیں گے کہ یہی وہ آگ اور جہنّم ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ۔آنکھیں کھول کر دیکھ لو جسے تم جادو کہا کرتے تھے کیا یہ جادو ہے یا حقیقت؟ جسے تم جھٹلاتے اور شغل کا نشانہ بنایا کرتے تھے اب اس میں داخل ہوجاؤ۔ یہاں صبر کرو یا واویلا کرو تمہارے لیے برابر ہے ۔یہ اس کی سزا ہے جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے اس میں تم نے ہمیشہ ہمیش رہنا ہے۔ اس بات کو یوں بھی بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَسِيقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا

اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَتۡلُوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِ رَبِّکُمۡ وَیُنۡذِرُوۡنَکُمۡ لِقَآءَ یَوۡمِکُمۡ ھٰذَا قَالُوۡا بَلٰی وَلٰکِنۡ حَقَّتۡ کَلِمَۃُ الۡعَذَابِ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ○ قِیۡلَ ادۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡھَا فَبِئۡسَ مَثۡوَی الۡمُتَکَبِّرِیۡنَ ﴾ (الزمر: ۷۱، ۷۲)

”جن لوگوں نے کفر کیا وہ جہنّم کی طرف گروہ در گروہ ہانکے جائیں گے جب وہ جہنّم کے قریب پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اس کے چوکیدار ملائکہ جہنّمیوں سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہی میں سے رسول نہیں آئے تھے، جنھوں نے تمہارے رب کی تمہیں آیات سنائی ہوں اور تمہیں اس بات سے ڈرایا ہو کہ تمہیں یہ دن دیکھنا ہو گا۔ جہنّمی جواب دیں گے ہاں آئے تھے مگر عذاب کا فیصلہ ہم پر سچ ثابت ہوا۔ کہا جائے گا کہ جہنّم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ یہاں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے ۔یہ متکبروں کے لیے بڑا ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔“

مسائل

۱۔ جو لوگ قیامت کی تکذیب کرتے ہیں ان کے لیے ہلاکت اور جہنّم ہوگی۔

۲۔ قیامت کے دن انہیں جہنّم کی آگ میں دھکیلا جائے گا۔

۳۔ جب انہیں جہنّم میں دھکیلا جائے گا تو ملائکہ انہیں کہیں گے کہ یہ وہی آگ ہے جسے تم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

جہنّم کی آگ کی کیفیّت:

۱۔ جہنّم کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔ (البقرۃ: ۲۴) ۲۔ جہنّم کی آگ بہت زیادہ تیز ہوگی۔ (التوبۃ: ۸۱)

۳۔ مجرم لوگ جہنّم کے گرجنے برسنے کی آوازیں سنیں گے۔ (الفرقان: ۱۲) ۴۔ جہنّم بھرنے کا نام نہیں لے گی۔ (ق: ۳۰)

۵۔ جہنّم کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے اور اس پر سخت گیر فرشتوں کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے۔ (التحریم: ۶)

۶۔ مجرموں کو جب جہنّم میں ڈالا جائے گا تو وہ اس کی چنگھاڑ سنیں گے۔ (الملک: ۷)

۷۔ جہنّم کی آگ کے شعلے بڑے بڑے مکانوں کے برابر ہوں گے۔ (المرسلات: ۳۲)

۸۔ مجرموں کو جہنّم میں آگ کے بڑے بڑے ستونوں سے باندھا جائے گا۔ (ہمزہ: ۹۰)

۹۔ جہنّمیوں کو آگ کا لباس پہنا کر آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ (الحج: ۱۹)

۱۰۔ اس دن مجرموں کو ایک دوسرے کے ساتھ جکڑا ہوا دیکھیں گے اور آگ ان کے چہروں پر چھائی ہوگی۔ (ابراہیم: ۴۹-۵۰)

۱۱۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جب آگ ہلکی ہونے لگے گی تو ہم اسے مزید بھڑکا دیں گے۔ (بنی اسرائیل: ۹۷)

اِنَّ	الْمُتَّقِيْنَ	فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾	فٰكِهِيْنَ	بِمَآ	اٰتٰهُمْ
بلاشبہ	متقی لوگ	باغات اور نعمتوں میں ہوں گے	لطف اندوز ہو رہے ہوں گے	جو	دے گا ان کو
رَبُّهُمْ ۚ	وَوَقٰهُمْ	رَبُّهُمْ	عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾	كُلُوْا	وَاشْرَبُوْا
ان کا رب	اور انہیں بچا لیا	ان کے رب نے	بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب سے	تم کھاؤ	اور پیؤ
هَنِيْٓـًٔا	بِمَا	كُنْتُمْ	تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾	مُتَّكِـِٕيْنَ	عَلٰى سُرُرٍ
مزے سے	اس کے بدلے جو	تم تھے	عمل کرتے	تکیہ لگائے ہوں گے	تختوں پر
مَّصْفُوْفَةٍ ۚ	وَ	زَوَّجْنٰهُمْ	بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾		
جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں گے	اور	ہم ان کی بیویاں بنا دیں گے	موٹی آنکھوں والی حوروں کو		

”متقی لوگ باغات اور نعمتوں میں ہوں گے اور مزے لے رہے ہوں گے۔(۱۷) اُن نعمتوں سے جو انہیں ان کا رب دے گا اور اُن کا رب انہیں جہنّم کے عذاب سے بچا لے گا۔(۱۸) ان سے کہا جائے گا کہ مزے سے کھاؤ اور پیو اپنے اُن اعمال کے صلے میں جو تم کرتے رہے ہو۔(۱۹) وہ آمنے سامنے بچھے ہوئے تختوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے اور ہم خوبصورت موٹی آنکھوں والی حوروں کو اُن کی بیویاں بنا دیں گے۔“(۲۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنّمیوں کا انجام بتلانے کے بعد جنّتیوں کے انعامات کا تذکرہ۔

ایک طرف جہنّمی اپنے کیے کی سزا پائیں گے اور دوسری طرف جنّتی جنّت میں انعامات سے سرفراز ہوتے رہیں گے۔ وہ اپنے رب کی عطاؤں پر خوش ہوں گے اور ان کا رب ان کو جہنّم کے عذاب سے محفوظ فرمائے گا۔ جہنّمیوں کو حکم ہوگا کہ اپنے کیے کی سزا پاؤ اور جنّتیوں کو حکم ہوگا کہ اپنے نیک اعمال کے بدلے میں کھاؤ پیو اور مزے اُڑاؤ۔ جنّتی جنّت کے نفیس اور شاندار صوفوں پر تکیہ لگا کر تشریف فرما ہوں گے۔ یہاں پہلے ذکر فرمایا ہے کہ جنّتیوں کو ان کا رب جو کچھ عطا فرمائے گا وہ اس پر خوش ہوں گے اور ان کا رب ان کو جہنّم کے عذاب سے محفوظ فرمائے گا۔ جنّتیوں کو جہنّم سے بچانے کا الگ ذکر فرما کر یہ حقیقت واضح کی ہے کہ جہنّم سے بچ کر جنّت میں داخل ہونا بہت بڑی کامیابی ہے۔

”ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور قیامت کے دن تم پورے پورے اجر دیے جاؤ گے۔ پھر جو شخص آگ سے بچا لیا گیا اور جنّت میں داخل کر دیا گیا یقیناً وہ کامیاب ہوگیا۔ دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔“ (آل عمران:۱۸۵)

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَنْ یُّنْجِیَ اَحَدًا مِّنْكُمْ عَمَلُهٗ قَالُوْا وَلَا اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰهُ مِنْهُ بِرَحْمَتِهٖ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاغْدُوْا وَرُوْحُوْا وَشَیْءٌ مِّنَ الدُّلْجَةِ وَالْقَصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوْا)) (رواه البخاری: باب تمنی المریض الموت)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو بھی اس کا عمل نجات نہیں دلا سکتا۔ صحابہ پوچھتے ہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ کو بھی؟ فرمایا! مجھے بھی میرا عمل نہیں بچا سکے گا یہاں تک اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت کے دامن میں ڈھانپ لے۔ تم صحیح راستے پر چلو، اللہ تعالیٰ کی قربت اختیار کرو، صبح وشام اور رات کے کچھ حصہ میں نیک عمل کرو لیکن میانہ روی اختیار کرو اپنے مقصد کو پا جاؤ گے۔''

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلا گروہ جنت میں چودھویں رات کے چاند کی صورت میں داخل ہوگا ان کے بعد کے لوگ آسمان میں چمکدار اور حسین ستارے کی مانند ہوں گے ان کے دل ایک ہی آدمی کے دل کی طرح ہوں گے ان کے درمیان نہ کوئی بغض ہوگا اور نہ ہی حسد۔ جنتی کے لیے حور العین میں سے دو بیویاں ہوں گی جن کی ہڈیوں کا گودا، گوشت اور ہڈیوں کے درمیان سے نظر آئے گا۔'' (رواہ البخاری: باب ماجاء في صفة الجنة وأنهامخلوقة)

مسائل

١۔ کفر وشرک اور گناہوں سے بچنے والوں کو اللہ تعالیٰ نعمتوں والی جنّت میں داخل فرمائے گا۔

٢۔ اللہ تعالیٰ جنّتیوں کو جو کچھ عطا کرے گا وہ اس پر خوش ہوں گے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ جنّتیوں کو جہنّم کے عذاب سے مامون فرمائے گا۔

٤۔ اللہ تعالیٰ جنّتیوں کو حکم دے گا کہ اپنے نیک اعمال کے بدلے کھاؤ پیو اور مزے اُڑاؤ۔

٥۔ جنّتی جنّت کے نفیس اور شاندار صوفوں پر تشریف فرما ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

جنّتیوں کے انعامات کی ایک جھلک:

١۔ ہم ان کے دلوں سے کینہ نکال دیں گے اور سب ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے۔ انہیں کوئی انہیں تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے۔ (الحجر: ٤٧۔٤٨)

٢۔ جنّت کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی اور اس کے پھل اور سائے ہمیشہ کے لیے ہوں گے۔ (الرعد: ٣٥)

٣۔ جنّت میں بے خار بیریاں، تہہ بہ تہہ کیلے، لمبا سایہ، چلتا ہوا پانی، اور کثرت سے میوے ہوں گے۔ (الواقعہ: ٢٨ تا ٣٥)

٤۔ جنّت کے میوے ٹپک رہے ہوں گے۔ (الحاقہ: ٢٣) ٥۔ جنّتیوں کو ملائکہ سلام کریں گے۔ (الزمر: ٧٣)

٦۔ جنّت میں وہ سب کچھ ہوگا جس کی جنّتی خواہش کرے گا۔ (حٰم السجدۃ: ٣١)

وَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَاتَّبَعَتْهُمْ	ذُرِّيَّتُهُمْ	بِاِيْمَانٍ	اَلْحَقْنَا بِهِمْ
اور وہ لوگ جو	ایمان لائے	اور ان کی پیروی کی	ان کی اولاد نے	ایمان کے ساتھ	تو ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ
ذُرِّيَّتَهُمْ	وَمَآ	اَلَتْنٰهُمْ	مِّنْ عَمَلِهِمْ	مِّنْ شَيْءٍ ؕ	كُلُّ
ان کی اولاد کو	اور نہیں	ہم کم کریں گے ان کے لیے	ان کے عمل	کچھ بھی	ہر
امْرِئٍۭ	بِمَا	كَسَبَ	رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾		
شخص	اس کے ساتھ جو	اس نے کمایا	گروی ہے		

''جولوگ ایمان لائے ہیں اور ان کی اولاد بھی ایمان لانے میں اُن کے پیچھے چلی ہے ان کی اولاد کو ہم اُن کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل میں کوئی چیز کم نہیں کی جائے گی، ہر شخص اپنی کمائی کے عوض گروی ہے۔''(۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنّتی والدین کے ساتھ ان کی نیک اولاد کا ملاپ اور مقام۔

جولوگ ایمان لائے اوراس کے تقاضے پورے کرتے رہے ،ان کی اولاد نے بھی ایمان لانے اورنیک عمل کرنے میں اپنے والدین کی پیروی کی۔ جب دونوں جنّت میں داخل کیے جائیں گے اور اپنے اپنے مقام پر قیام پذیر ہوں گے تو جنّت کے نچلے درجے میں رہنے والی اولاد کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کے ماں باپ کے ساتھ ملادے گا اور ان کے ماں باپ کے درجات میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔ گویا کہ ان کی اولاد کے درجات میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ فطری طور پر ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کے ساتھ رہیں کسی کے درجات میں کمی کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے عدل اور رحمت کے خلاف ہے اس لیے وہ ان کی اولاد کے درجات میں اضافہ فرما کر انہیں ان کے ماں باپ کے ساتھ اکٹھا کردے گا۔ قرآن مجید نے یہاں اس بات کا تذکرہ نہیں کیا کہ اگر والدین کے درجات کم ہوئے اوران کی اولاد کا مقام بلند ہوا تو پھر ان کے والدین کے ساتھ کیا سلوک کیاجائے گا۔ ربِ کریم کی رحمت سے یہی امید ہے کہ وہ والدین کے ساتھ بھی وہی سلوک فرمائے گا جوکم درجہ رکھنے والی اولاد کے ساتھ کرے گا۔ چند سطور کے بعد درج ہونے والی حدیث سے اس کا اشارہ ملتاہے۔دوسرا فرمان یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے۔اس کا مفہوم یہی سمجھ آتا ہے کہ خالق کا اپنی کائنات پرحق ہے جسے ادا کرنا مخلوق کی ذمہ داری ہے۔ اس قرض کا یوں ذکر کیا گیا ہے۔

''ہرشخص اپنی کمائی کے بدلے رہن ہے۔''(المدثر:۳۸)

جوشخص اس قرض کو ادا کرے گا وہ جنّت میں داخل ہوگا اورجو اس قرض کو ادانہیں کرے گا وہ گروی ہونے کی وجہ سے جہنّم کی طرف دھکیل دیا جائے گا۔

''معاذ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن پڑھا اور اُس کے مطابق عمل کیا اُس کے والدین کو قیامت کے دن تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے زیادہ ہوگی اگر وہ تم میں ہوتو اُس پر

عمل کرنے والے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔'' (رواه ابو داؤد: باب فی ثَوَابِ قِرَاءَۃِ الْقُرآن، حکمه ضعیفٌ)

((عَنْ أَبِی بُرَیْدَةَ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ فِی الْإِنْسَان ثَلْثُمائَةٍ وَسِتُّوْنَ مَفْصِلًا فَعَلَیْهِ أَنْ یَّتَصَدَّقَ عَنْ کُلِّ مَفْصِلٍ مِنْهُ بِصَدَقَةٍ قَالُوْا وَمَنْ یُّطِیْقُ ذٰلِكَ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ قَالَ اَلنُّخَاعَةُ فِی الْمَسْجِدِ تَدْفِنُهَا وَالشَّیْءُ تُنَحِّیْهِ عَنِ الطَّرِیْقِ فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فَرَکْعَتَا الضُّحٰی تُجْزِئُكَ.)) (رواه ابو داؤد: باب فی إماطة الأذی عن الطریق قال البانی صحیحٌ)

''حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ انسان کے تین سو ساٹھ جوڑ ہوتے ہیں اُس پر لازم ہے کہ وہ ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ کرے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! اتنی طاقت کون رکھتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد میں پڑھی ہوئی تھوک کو دفن کر دے اور راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دے،اگر اتنی طاقت نہیں رکھتا تو چاشت کی دو رکعتیں تجھے کافی ہو جائیں گی۔''

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ أَمِیرِ عَشَرَةٍ إِلاَّ یُؤْتَی بِهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَیَدُهُ مَغْلُولَةٌ إِلَی عُنُقِهِ.)) (رواه البیهقی: باب کَرَاهِیَةِ الإِمَارَةِ، قال الشیخ البانی صحیح)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی دس آدمیوں کا امیر ہوتو قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا اُس کا ہاتھ اُس کی گردن کے ساتھ بندھا ہو گا۔''

''حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رسولِ محترم ﷺ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا۔میرے اور آپ کے درمیان صرف پلان کی آخری لکڑی تھی۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے معاذ! تجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے پر کیا حق ہے اور بندوں کے اللہ تعالیٰ پر کیا حقوق ہیں؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ ارشاد ہوا بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ تعالیٰ پر بندوں کا حق یہ ہے جب تک وہ شرک نہیں کرتے وہ انہیں عذاب سے دوچار نہ کرے۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ خوشی کی بات میں لوگوں تک نہ پہنچاؤں؟ فرمایا کہ نہیں اس طرح وہ محنت کرنا چھوڑ دیں گے۔'' (رواه البخاری: باب اسْمِ الْفَرَسِ وَالْحِمَارِ)

مسائل

۱۔ جنّت میں کم درجہ مقام رکھنے والی اولاد کو ان کے ماں باپ کے ساتھ ملانے کے لیے ان کے درجات میں اضافہ کیا جائے گا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ماں باپ کے درجات میں کمی کرنے کی بجائے ان کی اولاد کو جنّت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا۔

۳۔ ہر شخص اپنے اعمال کے لحاظ سے گروی رکھا گیا ہے۔

وَ اَمۡدَدۡنٰہُمۡ	بِفَاکِہَۃٍ	وَّ لَحۡمٍ	مِّمَّا	یَشۡتَہُوۡنَ ﴿۲۲﴾	یَتَنَازَعُوۡنَ
اور ہم دیں گے ان کو	پھل	اور گوشت	اس سے جو	وہ چاہیں گے	ایک دوسرے سے چھینیں گے

فِیۡہَا	کَاۡسًا	لَّا لَغۡوٌ	فِیۡہَا	وَ لَا	تَاۡثِیۡمٌ ﴿۲۳﴾	وَ یَطُوۡفُ
اس میں	جام	کہ نہ لغو ہوگی	اس میں	اور نہ	گناہ	اور چکر لگا رہے ہوں گے

عَلَیۡہِمۡ	غِلۡمَانٌ	لَّہُمۡ	کَاَنَّہُمۡ	لُؤۡلُؤٌ	مَّکۡنُوۡنٌ ﴿۲۴﴾
ان پر	نوعمر لڑکے	ان کے لیے	گویا کہ وہ	موتی ہیں	چھپائے ہوئے

’’ہم اُن کو ہر طرح کے پھل، گوشت اور جس چیز کو اُن کا جی چاہے گا دیں گے۔(۲۲) وہ ایک دوسرے سے جامِ شراب لپک لپک کر لے رہے ہوں گے جس میں نہ لغو ہو گی نہ گناہ کا کام ہو گا۔(۲۳) اور اُن کی خدمت میں لڑکے دوڑتے پھر رہے ہوں گے وہ ایسے خوبصورت ہوں گے جیسے موتی چھپا کر رکھے ہوئے ہوں۔‘‘(۲۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ جس طرح کم درجے رکھنے والی اولاد پر کرم فرما کر انہیں ان کے ماں باپ کے ساتھ ملانے کے لیے اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا اسی طرح اللہ تعالیٰ جنّتیوں کے اعمال سے زیادہ انہیں اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ جنّتیوں کو خوش رکھنے کے لیے وہ کچھ عطا فرمائے گا جو وہ چاہیں گے۔ جنّت میں نعمتیں بے شمار ہوں گی لیکن پھل اور گوشت کا اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ پھل اور گوشت ہر انسان کی مرغوب اور پسندیدہ خوراک ہوتی ہے۔ دوسرے مقام پر پھلوں کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

’’ایمان لانے اور صالح اعمال کرنے والوں کو خوش خبری دیجیے کہ ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں۔ جب وہ پھلوں سے رزق دیے جائیں گے تو وہ کہیں گے یہ وہی ہیں جو ہم اس سے پہلے دیے گئے تھے، انہیں اس سے ملتے جلتے پھل دیے جائیں گے اور ان کے لیے پاک بیویاں ہوں گی اور وہ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے۔‘‘ (البقرۃ: ۲۵)

﴿وَلَحۡمِ طَیۡرٍ مِّمَّا یَشۡتَهُوۡنَ﴾ (الواقعۃ: ۲۱)

’’اور پرندوں کا گوشت ہو گا جس کا وہ چاہیں گے۔‘‘

پھل اور گوشت کھانے کے بعد جنّتیوں کو شراب سے بھرے ساغر پیش کیے جائیں گے جس میں کسی قسم کا نشہ اور فتور نہیں ہوگا اور نہ ہی جنّتی کسی قسم کی بے ہودہ گوئی اور بُری حرکت کریں گے۔ البتہ پکنک (Picnic) کے مُوڈ اور بے تکلفی کے عالم میں ایک دوسرے سے شراب کے جام جھپٹ رہیں ہوں گے۔ گویا کہ ماں باپ، اولاد اور جنّتیوں کا آپس میں بے حد پیار ہوگا۔ ان کی خدمت میں جام اور کھانے پیش کرنے کے لیے غِلمان ہوں گے۔ دنیا میں دفتروں

اورگھروں میں خدمت کرنے والے ملازم اپنی غربت اورکام کی وجہ سے صاف ستھرے نہیں ہوتے ، نہ ہی ان کی اکثریت شکل وصورت میں بہتر ہوتی ہے اورنہ ہی گفتگو کرنے میں خوش گفتار ہوتے ہیں۔ جنّت کے غِلمان جو بارہ تیرہ سال کے بچے ہوں گے اتنے خوش لباس ،خوش اخلاق اورخوبصورت ہوں گے گویاکہ ایسے موتی ہیں جوصدف سے ابھی ابھی نکالے گئے ہیں۔ بالفاظ دیگرشہزادے بادشاہوں کے خدمت گار ہوں گے ۔غلمان جنّت کی انتہائی خوبصورت مخلوق ہوگی جن میں کفار کے مرنے والے معصوم بچے بھی شامل ہوں گے ۔جنہیں اللہ تعالیٰ غِلمان کی شکل وصورت میں پیدا کرے گا۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ أَوْلَادِ الْمُشْرِكِينَ فَقَالَ اللَّهُ إِذْ خَلَقَهُمْ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ .)) (رواہ البخاری : باب مَا قِيلَ فِي أَوْلَادِ الْمُشْرِكِينَ)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کے بچوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے اس لیے وہ خوب جانتا ہے کہ اُنہوں نے کیا اعمال کرنے تھے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ جنّتیوں کو ان کے مَن پسند کے پھل اورگوشت عطا فرمائے گا۔۲۔جنّتیوں کو نشے سے پاک شراب پیش کی جائے گی۔

۳۔ جنّتی تفریح کے ماحول میں ایک دوسرے سے جھپٹا جھپٹی کریں گے ۔

۴۔ جنّتیوں کی خدمت میں انتہائی خوبصورت اورمعصوم غِلمان پیش کیے جائیں گے ۔

تفسیر بالقرآن

جنّت کی نعمتوں کی ایک جھلک:

۱۔ ہم ان کے دلوں سے کینہ نکال دیں گے اور سب ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے۔انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے۔ (الحجر:۴۷۔۴۸)

۲۔ جس کا مومنوں کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ اس جنّت کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اور اس کے پھل اور سائے ہمیشہ کے لیے ہوں گے۔ (الرعد:۳۵)

۳۔ جنّت میں بے خار بیریاں ، تہہ بہ تہہ کیلے،لمبا اور گھنا سایہ، چلتا ہوا پانی، اور کثرت سے میوے ہوں گے۔ (الواقعہ:۲۸تا۳۰) ۴۔جنّت کے میوے ٹپک رہے ہوں گے۔(الحاقہ:۲۳)

۵۔ جنّت میں وہ سب کچھ ہوگا جس کی جنّتی خواہش کرے گا۔ (حٰم السجدۃ:۳۱)

۶۔ مومنوں کے ساتھ جس جنّت کا وعدہ کیا گیا ہے اس میں صاف پانی، شہد،شراب اور دودھ کی نہریں ہونگی۔(محمد:۱۵)

وَاَقْبَلَ	بَعْضُهُمْ	عَلٰى بَعْضٍ	يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾	قَالُوْٓا	اِنَّا
اور متوجہ ہوں گے	بعض ان کے	بعض پر	ایک دوسرے سے پوچھیں گے	وہ کہیں گے	بلاشبہ
كُنَّا	قَبْلُ	فِيْٓ اَهْلِنَا	مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾	فَمَنَّ اللّٰهُ	عَلَيْنَا
ہم تھے	اس سے پہلے	اپنے اہل میں	ڈرنے والے	پس احسان کیا اللہ نے	ہم پر
وَوَقٰىنَا	عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾	اِنَّا كُنَّا	مِنْ قَبْلُ	نَدْعُوْهُ	
اور اس نے بچایا ہمیں	لو کے عذاب سے	بلاشبہ ہم تھے	اس سے پہلے	پکارتے اس کو	
اِنَّهٗ هُوَ	الْبَرُّ	الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾			
بے شک وہی ہے	احسان کرنے والا	رحم کرنے والا			

”یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے سوال پوچھیں گے۔(۲۵) وہ کہیں گے کہ ہم اس سے پہلے اپنے گھر والوں میں ڈرتے ہوئے رہا کرتے تھے۔(۲۶) اللہ نے ہم پر فضل فرمایا اور ہمیں بادِ سموم کے عذاب سے بچا لیا۔(۲۷) ہم اس سے پہلے ”اللہ“ ہی سے دعائیں کیا کرتے تھے حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی محسن اور رحم کرنے والا ہے۔“(۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنّتیوں کی آپس میں گفتگو اور اظہارِ تشکر۔

جنّتی جنّت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے اور آپس میں خوش گپیاں کرنے کے باوجود ہر دم اس بات کا خیال رکھیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں جنّت میں داخل نہ کرتا تو ہم بھی دوسرے لوگوں کی طرح جہنّم کے عذاب میں جل رہے ہوتے۔ ربِ کریم کا ہم پر احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ہمیں جہنّم کے جلا دینے والے عذاب سے بچا کر جنّت میں داخل فرمایا۔ ہم دنیا میں اپنے اہلِ خانہ میں بیٹھے ہوئے بھی اپنے رب سے ڈرا کرتے اور اس سے اس کی رحمت مانگا کرتے تھے۔ اس نے ہماری دعاؤں کو قبول کیا، ہم پر مہربانی فرمائی اور ہمیں جہنّم سے بچا کر جنّت میں داخل فرمایا کیونکہ وہ بہت ہی احسان فرمانے اور مہربانی کرنے والا ہے۔ جنّتی دل کی گہرائی اور زبان کی سچائی سے اس حقیقت کا اعتراف کریں گے کہ جنّت کا داخلہ ہماری نیکیوں کی بنیاد پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے احسان کا نتیجہ ہے۔ جنّتیوں کی گفتگو کا حوالہ دے کر یہ بتلایا گیا ہے کہ جنّت میں جانے والے لوگ لوگوں کے سامنے صرف ظاہری طور پر نہیں بلکہ حقیقتاً نیک ہوتے ہیں۔ جس وجہ سے ان کے گھروں کا ماحول دینی اور پاکیزہ ہوتا ہے۔ وہ خود بھی اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اپنی اولاد کو بھی خدا خوفی کا سبق دیتے ہیں۔ جنت میں جانے کے لیے ضروری ہے کہ والدین اپنی اولاد کو خدا خوفی کا درس دیتے رہیں۔

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ

الْأَقْرَبِيْنَ ﴾ قَالَ يَامَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا اشْتَرُوْا أَنْفُسَكُمْ لَاأُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَابَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ لَاأُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَاعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَاأُغْنِيْ عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَاصَفِيَّةُ عَمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَاأُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَافَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِيْنِيْ مَاشِئْتِ مِنْ مَالِيْ لَاأُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا))

(رواه البخاری: کتاب الوصایا، باب هل یدخل النساء والولد فی الأقارب)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب یہ آیت ﴿اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے قریش کے لوگو! اپنے لیے کچھ کرلو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کوئی فائدہ نہیں دے سکوں گا ،اے بنی عبدِ مناف میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔اے عباس بن عبدالمطلب !میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ فائدہ نہیں دے سکوں گا،اے صفیہ ! رسول کی پھوپھی! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ اے فاطمہ بنتِ محمد! میرے مال سے جو چاہتی ہے مانگ لے لیکن میں تجھے اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکوں گا۔''

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴾ (التحریم : ٦)

''اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے ، جس پر نہایت تندخواور سخت گیر فرشتے مقرر ہیں جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے۔ انہیں جوحکم دیا جاتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔''

مسائل

۱۔ نیک لوگ جلوت اورخلوت میں اپنے رب سے ڈرتے ہیں ۔

۲۔ نیک لوگوں کے گھر کا ماحول بھی دینی اور پاکیزہ ہوتا ہے ۔

۳۔ نیک لوگ اپنے رب سے جنّت مانگنے کے ساتھ جہنّم کے عذاب سے بھی پناہ مانگتے ہیں ۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا ہے :

۱۔ اللہ ہی رحم کرنے والا ہے۔(الانعام:۱۳۳)۲۔مہربانی کرنا اللہ نے اپنے آپ پر لازم کرلیا ہے۔(الانعام :۵۴)

۳۔ میرے بندوں کو میری طرف سے خبر کردیں کہ میں بخشنے والا، رحم کرنے والا ہوں۔(الحجر :۴۹)

۴۔ اللہ مومنوں کو اندھیروں سے نکالتا ہے کیونکہ وہ رحم فرمانے والا ہے۔(الاحزاب:۴۳)

فَذَكِّرْ	فَمَآ	اَنْتَ	بِنِعْمَتِ رَبِّكَ	بِكَاهِنٍ	وَّلَا
سو آپ نصیحت کریں	پس نہیں ہیں	آپ	اپنے رب کے فضل سے	کاہن	اور نہ
مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾	اَمْ	يَقُوْلُوْنَ	شَاعِرٌ	نَّتَرَبَّصُ بِهٖ	رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾
دیوانے	کیا	وہ کہتے ہیں	شاعر ہے	ہم انتظار کرتے ہیں اس کے متعلق	حادثات کا
قُلْ	تَرَبَّصُوْا	فَاِنِّيْ	مَعَكُمْ	مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾	اَمْ
آپ فرما دیں	تم انتظار کرو	بلاشبہ میں	تمہارے ساتھ	انتظار کرنے والوں سے ہوں	کیا
تَاْمُرُهُمْ	اَحْلَامُهُمْ	بِهٰذَآ	اَمْ	هُمْ	قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾
حکم دیتی ہیں ان کو	ان کی عقلیں	اسی بات کا	یا	وہ	لوگ ہیں ہی سرکش

”پس اے نبی آپ نصیحت کرتے رہیں اپنے رب کے فضل سے نہ آپ کاہن ہیں اور نہ دیوانے ۔(۲۹) کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شخص شاعر ہے جس کے بارے میں ہم حادثات زمانہ کا انتظار کر رہے ہیں؟(۳۰) ان سے فرماؤ اچھا تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔(۳۱) کیا ان کی عقلیں انہیں ایسی باتیں کرنے کے لیے کہتی ہیں؟ یا درحقیقت یہ سرکشی میں حد سے گزر چکے ہیں۔“(۳۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنّتیوں کے انعامات اوران کے جذبات کا ذکر کرنے کے بعد خطاب کا رُخ نبی علیہ السلام کی طرف موڑ دیا گیا ہے ۔آپ کی دعوت کا مقصد لوگوں کو رب کریم اور اس کی جنّت کی طرف بلانا تھا ۔اس لیے حکم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے الزامات کی پرواہ کیے بغیر دعوت کا کام جاری رکھیں۔

مکہ کی تیرہ سالہ نبوت کی زندگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کو شب وروز سمجھا تے رہے کہ آؤ اس دعوت کو قبول کرو اور جنّت کے وارث بن جاؤ گے ۔لیکن بدنصیبوں کا حال یہ تھا کہ وہ آپ کی دعوت قبول کرنے کی بجائے آپ کو کاہن اور دیوانہ کہتے تھے ۔کبھی آپ کو لوگوں کے سامنے شاعر کہتے اوراپنے ساتھیوں کو دلاسہ دیتے کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں اپنے نظریات پر قائم رہیے ! یہ شخص عنقریب حوادثِ زمانہ کا شکار ہو کر ختم ہوجائے گا ۔اللہ تعالیٰ نے اس صورتِ حال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ کو ان کی یاوہ گوئی کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے کیونکہ آپ اپنے رب کے فضل سے کاہن اوردیوانے نہیں ہیں ۔ پاگل تو وہ ہیں جو بیک وقت متضاد باتیں کررہے ہیں ۔ ان کے پاگل پن کی دلیل یہ ہے کہ ایک طرف آپ کو کاہن کہتے ہیں اوردوسری طرف آپ کو مجنون کہتے ہیں۔ حالانکہ مجنون اورکاہن کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہوتاہے ۔ مجنون شخص (UBNORMAL) حواس باختہ ہوتا ہے۔اسے خبرنہیں ہوتی کہ وہ اپنے منہ سے کیا کہہ رہا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے لباس کا بھی خیال نہیں رکھ سکتا۔ مجنون کے مقابلے میں کاہن شخص اپنے فن میں ماہر اورچالاک ہوتاہے ۔ وہ لوگوں کو پھنسانے کے لیے ایسے الفاظ

اورانداز اختیار کرتا ہے کہ عقل مند اور جہاندیدہ لوگ بھی اس کے جال میں پھنس جاتے ہیں ۔ مجنون کو اپنے تن کی ہوش نہیں ہوتی ۔ کاہن باتوں باتوں میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیتا ہے ۔ جہاں تک شاعر کا معاملہ ہے۔ شاعر کے کلام میں نہ صرف مبالغہ پایا جاتا ہے بلکہ اس کے کلام میں تضاد بیانی بھی ہوا کرتی ہے۔ شاعروں کی غالب ترین اکثریت بے عمل ہوتی ہے۔ نبی علیہ السلام پوری دنیا کے لیے اسوہ حسنہ بنائے گئے ہیں اور نبوت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے سے پہلے بھی آپ اعلیٰ کردار اور اخلاق کے پیکر تھے ۔ اکثر شاعر عاشق مزاج ہوتے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے زندگی بھر کسی غیر محرم عورت کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھا ۔ شاعر کا کلام زیادہ عرصہ تک باقی نہیں رہتا۔ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم جو کلام پیش کرر ہے تھے اس کی رہتی دنیا تک گارنٹی دی گئی ہے۔ شاعر اپنا کلام پیش کر کے لوگوں سے مالی یا اخلاقی داد وصول کرتا ہے۔ نبی علیہ السلام ان باتوں سے مبرّہ اور ارفع تھے۔ آپ نے زندگی بھر اپنے خطاب میں کبھی شعر نہیں پڑھا اور نہ ہی آپ کی شان اور مقام کے لائق تھا۔ (یٰس:۶۹) یہاں تک اہلِ مکہ کی اس بات کا تعلق ہے کہ نبی علیہ السلام کا نام اور کام بہت جلد حوادثِ زمانہ کا شکار ہوجائے گا۔ اس بات کا انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اطہر سے یوں چیلنج دیا گیا ہے کہ تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں۔ زمانہ گواہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہرزہ سرائی کرنے والے مٹ گئے لیکن آپ کا نام اور کام ہر دور میں زندہ رہا اور رہے گا۔ اس لیے فرمایا کہ کیا ان کی عقلیں انہیں ایسی باتیں سکھاتی ہیں یا حقیقت میں یہ لوگ باغی اور شرارتی ہیں گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف بے عقل بھی تھے ،باغی اور شرارتی بھی۔ بے عقل اور شرارتی لوگ زیادہ مدت تک اپنے کام میں کامیاب نہیں ہوا کرتے۔

﴿وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ﴾ (الانشراح : ٤) ”ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا ہے۔“

مسائل

۱۔ داعی کو مخالفوں کے الزامات کی پرواہ کیے بغیر دعوت کا کام جاری رکھنا چاہیے ۔۲۔ نبی علیہ السلام نہ شاعر تھے اور نہ مجنون تھے۔
۳۔ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن اور مجنون کہنے والے خود پاگل تھے ۔۴۔ بے عقل اور شریر لوگ ہی ناکام ہوا کرتے ہیں۔
۵۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور کام کو ہمیشہ زندہ رکھا ہے اور زندہ رکھے گا۔

تفسیر بالقرآن

نبی علیہ السلام نہ شاعر تھے اور نہ آپ نے کبھی شعر گوئی کی تھی:

۱۔ ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھلائے اور نہ ہی یہ کام آپ کے لائق ہے ۔ (یٰس : ۶۹)
۲۔ شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں وہ ہر وادی میں گھومتے ہیں اور جو کہتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے ۔ (الشعراء:۲۲۴ تا ۲۲۶) ۳۔ قرآن مجید کسی شاعر کا کلام نہیں ۔ (الحاقۃ : ۴۱)
۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے فضل وکرم سے شاعر اور مجنون نہیں ہیں۔ (القلم : ۲)

اَمْ	یَقُوْلُوْنَ	تَقَوَّلَهٗ	بَلْ	لَّا	یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾	فَلْیَاْتُوْا
کیا	وہ کہتے ہیں	اس نے اس کو گھڑ لیا ہے	بلکہ	نہیں	وہ ایمان لاتے	پس چاہیے کہ وہ لے آئیں
بِحَدِیْثٍ	مِّثْلِهٖۤ	اِنْ	کَانُوْا	صٰدِقِیْنَ ﴿۳۴﴾		
ایک بات	مثل اس کے	اگر	وہ ہیں	سچے		

''کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن کو خود بنا لیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان نہیں لانا چاہتے۔(۳۳) اگر یہ سچے ہیں تو اس جیسا کلام بنا لائیں۔''(۳۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ مکہ کا چوتھا الزام اوراس کا جواب۔

فہم القرآن میں یہ بات پہلے بھی عرض ہوچکی ہے کہ جب انسان ضد اور تکبر کا شکار ہوجاتا ہے تو اسے پتہ نہیں چلتا کہ وہ اپنے مخالف کے بارے میں کیا کیا ہرزہ سرائی کررہا ہے۔ یہی حالت اہلِ مکہ کی تھی ۔ایک طرف آپ کو مجنون کہتے اوردوسری طرف یہ الزام دیتے تھے کہ آپ اپنی طرف سے قرآن بنا کر پیش کرتے ہیں اوراسے اللہ کا کلام قرار دیتے ہیں۔ ان کا قرآن اور نبی کی ذات پر ایمان نہیں تھا اس لیے انہیں اور پوری دنیا کے جنوں اور انسانوں کو چیلنج دیا گیا ہے کہ تم بھی ایسا کلام بنا لاؤ اگر تم اپنے الزام میں سچے ہو ۔کیونکہ نبی بھی انسان ہے اورتم بھی انسان ہو۔ پھر تم اپنے آپ کو بڑا دانشور سمجھتے ہو اور نبی ﷺ کو دیوانہ خیال کرتے ہو۔ اس صورت میں تمہارے لیے ضروری ہوگیا ہے کہ تم اس جیسا قرآن بنا لاؤ۔قرآن مجید نے کفار کو یہ چیلنج کئی مرتبہ دیا۔

﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ﴾ (البقرۃ: ۲۴،۲۳)

''ہم نے جو اپنے بندے پر اتارا ہے اگر اس میں تمہیں شک ہے تو تم اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ اگر تم سچے ہوتو ''اللہ'' کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لاؤ۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا اور تم ہرگز نہیں کرسکو گے پس اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''

مسائل

۱۔ کفار کا الزام تھا کہ نبی علیہ السلام اپنی طرف سے قرآن بنا لیتے ہیں۔
۲۔ کفار کو چیلنج دیا گیا ہے کہ اگر تم اپنے الزام میں سچے ہوتو تم بھی اس جیسا کلام بنا کر لے آؤ۔
۳۔ نبی علیہ السلام پر کفار اس لیے الزامات لگاتے تھے کیونکہ ان کا قرآن اور آپ ﷺ پر ایمان نہیں تھا۔

اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَيۡرِ شَىۡءٍ اَمۡ هُمُ الۡخٰلِقُوۡنَ ﴿۳۵﴾ اَمۡ
کیا وہ پیدا کیے گئے ہیں بغیر کسی (خالق) کے یا وہی خالق ہیں کیا

خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۚ بَلۡ لَّا يُوۡقِنُوۡنَ ﴿۳۶﴾ اَمۡ عِنۡدَهُمۡ
انہوں نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو بلکہ نہیں وہ یقین رکھتے کیا ان کے پاس

خَزَآٮِٕنُ رَبِّكَ اَمۡ هُمُ الۡمُصَۜيۡطِرُوۡنَ ﴿۳۷﴾ اَمۡ لَهُمۡ
خزانے ہیں آپ کے رب کے یا وہ داروغے ہیں کیا ان کے پاس

سُلَّمٌ يَّسۡتَمِعُوۡنَ فِيۡهِ ۚ فَلۡيَاۡتِ مُسۡتَمِعُهُمۡ بِسُلۡطٰنٍ
سیڑھی ہے کہ وہ سن لیتے ہیں اس میں پس لے آئے ان کا سننے والا کوئی دلیل

مُّبِيۡنٍ ﴿۳۸﴾ اَمۡ لَهُ الۡبَنٰتُ وَلَكُمُ الۡبَنُوۡنَ ﴿۳۹﴾
واضح کیا اس کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے ہیں

”کیا یہ کسی خالق کے بغیر پیدا ہوگئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے آپ کے خالق ہیں؟(۳۵) یا زمین اور آسمانوں کو انہوں نے پیدا کیا ہے ؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ یقین نہیں رکھتے۔(۳۶) کیا تیرے رب کے خزانے ان کے پاس ہیں؟ یا اُن پر ان کا کنٹرول ہے؟(۳۷) کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر اوپر کی باتیں سُن لیتے ہیں؟ ان میں سے کسی نے کوئی بات سُنی ہے تو وہ اس کا ٹھوس ثبوت پیش کرے۔(۳۸) کیا اللہ کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے ہیں؟“(۳۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قرآن مجید کی بنیادی دعوت اللہ کی توحید پر سچے دل کے ساتھ ایمان لانا اوراس کے تقاضے پورے کرنا ہے۔ اہلِ مکہ کو اس دعوت کے ساتھ ترین اختلاف تھا جس بنا پر نبی ﷺ کو الزام دیتے کہ اس نے اپنی طرف سے قرآن بنالیا ہے۔ اس موقعہ پر اہلِ مکہ سے اس کے جواب میں پندرہ سوال کیے گئے جن کا جواب دینے میں وہ ناکام رہے لیکن پھر بھی اپنے کفر وشرک پر قائم رہے۔

اہلِ مکہ کو قرآن اور صاحب قرآن کے ساتھ بنیادی اختلاف یہ تھا کہ ہمیں اپنے معبودوں کی عبادت سے کیوں روکتا ہے۔ اس لیے ان کا یہ مطالبہ تھا کہ اس قرآن کو تبدیل کردیا جائے۔ جب ان کا مطالبہ پورا نہ ہوا تو انہوں نے آپ ﷺ کو کاہن، جادوگر اورشاعر کہنا شروع کردیا۔قرآن مجید نے ان الزامات کے اوربھی جواب دیئے ہیں لیکن اس موقع پر یہ جواب دیئے۔ ①۔کیا یہ لوگ کسی کے پیدا کیے بغیر پیدا ہوگئے ہیں یا خود اپنے آپ کو پیدا کرنے والے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ کسی سچائی پر یقین نہیں رکھتے۔ ②۔کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں یا یہ ان پر چوکیدار بنائے گئے ہیں؟③۔کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی (LIFT) ہے جس کے ذریعے

آسمان پر پہنچ کر قضا و قدر کے فیصلے سن لیتے ہیں ؟اگر ان کے پاس اس بات کی کوئی واضح دلیل ہے تو اسے پیش کریں۔ اہلِ مکہ رسمی طور پر مانتے تھے کہ انہیں اورزمین و آسمانوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے لیکن حقیقی ایمان نہ ہونے کی وجہ سے وہ نبی علیہ السلام پر اس قسم کے اعتراض کرتے تھے جس سے ثابت ہوتا تھا کہ اللہ کے خالق ہونے پر ان کا ایمان نہیں ہے۔ اگر ان کا حقیقی طور پر ایمان ہوتا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا اور زمین و آسمانوں کا خالق ہے تو وہ قرآن اور نبی علیہ السلام پر اس قسم کے اعتراض نہ کرتے۔ خالق کا معنٰی ہے کہ بغیر کسی نمونے کے ہر چیز کو پیدا کرنے والا۔ جب اللہ تعالیٰ کو حقیقی طور پر خالق اور اپنے آپ کو مخلوق یعنی اس کا بندہ مان لیا تو اس قسم کے اعتراضات کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں قرآن نازل کیا ہے اور قرآن غیر اللہ کی عبادت سے کیوں منع کرتا ہے کسی کو نبی منتخب کرنا اللہ تعالیٰ کا اپنا انتخاب اور اختیار ہے لوگوں کی راہنمائی کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنانا اللہ تعالیٰ کی بے پناہ رحمت کا مظہر ہے۔ اس لیے کفار سے یہ سوال کیا گیا۔ کیا وہ اللہ کے خزانوں کے مالک ہیں یا انہیں ان کا چوکیدار بنایا گیا ہے یا وہ آسمانوں پر چڑھ کر قضا و قدر کے فیصلے جان چکے ہیں؟ کہ قرآن کس پر نازل ہونا چاہیے اور کس پر نازل نہیں ہونا چاہیے تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ان سوالات کے جواب میں کوئی دلیل نہیں رکھتے۔ جب ان کے پاس ان کے الزامات کا جواب نہیں ہے تو انہیں ہرزہ سرائی سے باز آکر نبی علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لانا اور قرآن مجید کی دعوت پر یقین کرنا چاہیے۔ ان کی بے انصافی اور ہرزہ سرائی کا عالم یہ ہے کہ یہ اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہیں اور ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بیٹا یا بیٹی نہیں بنایا کیونکہ وہ ان چیزوں سے پاک اور مبرّا ہے۔ گویا کہ یہ اس قدر غیر ذمہ دار اور کذاب لوگ ہیں کہ ان کی کسی بات پر یقین کرنا تو درکنار ان کی بات پر کان بھی نہیں دھرنا چاہیے۔

مسائل

۱۔ ”اللہ“ ہی نے انسان اور ہر چیز کو پیدا کیا ہے اس کے سوا کوئی کچھ پیدا نہیں کرسکتا۔
۲۔ زمین و آسمانوں کو صرف ”اللہ“ ہی نے پیدا کیا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے خزانوں کا خود مالک ہے کوئی اس کے خزانوں پر اختیار نہیں رکھتا۔
۴۔ اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ بیٹی وہ اولاد اور ہر قسم کی محتاجی اور ضرورت سے بے نیاز ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ مشرکوں کے شرک سے پاک ہے :

۱۔ ”اللہ“ بہت بلند ہے اس چیز سے جو لوگ شرک کرتے ہیں۔ (النحل:۳)
(النحل:۱) (النمل:۶۳) (القصص:۶۸) (الزمر:۶۷) (الطّور:۴۳) (البقرۃ:۱۱۶) (یونس:۱۸) (مریم:۳۵)

اَمۡ	تَسۡـَٔلُهُمۡ	اَجۡرًا	فَهُمۡ	مِّنۡ مَّغۡرَمٍ	مُّثۡقَلُوۡنَ ؕ﴿۴۰﴾	اَمۡ
کیا	آپ ان سے مانگتے ہیں	کوئی معاوضہ	تو وہ	تاوان سے	دبے جاتے ہیں	یا
عِنۡدَهُمُ	الۡغَيۡبُ	فَهُمۡ	يَكۡتُبُوۡنَ ؕ﴿۴۱﴾	اَمۡ	يُرِيۡدُوۡنَ	كَيۡدًا ؕ
ان کے پاس	غیب ہے	پس وہ	لکھتے ہیں	کیا	وہ ارادہ کرتے ہیں	کسی فریب کا
فَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا	هُمُ	الۡمَكِيۡدُوۡنَ ؕ﴿۴۲﴾	اَمۡ	لَهُمۡ	اِلٰهٌ	
پس وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا	وہی	فریب خوردہ ہیں	کیا	ان کے لیے	کوئی اور معبود ہے	
غَيۡرُ اللّٰهِ ؕ	سُبۡحٰنَ	اللّٰهِ	عَمَّا	يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۴۳﴾		
سوائے اللہ کے	پاک ہے	اللہ	اس سے جو	وہ شریک ٹھہراتے ہیں		

”کیا آپ ان سے کوئی اجر مانگتے ہیں جس کے بوجھ تلے وہ دبے جارہے ہیں؟(۴۰) کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے کہ یہ اسے لکھ لیتے ہیں؟(۴۱) کیا کوئی چال چلنا چاہتے ہیں؟ کفر کرنے والوں پر ان کی چال الٹی ہی پڑے گی۔(۴۲) کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود رکھتے ہیں؟ اللہ پاک ہے اُس شرک سے جو وہ کر رہے ہیں۔“(۴۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار اور مشرکین سے مزید سوالات۔

کیا آپ ﷺ ان سے کوئی صلہ مانگتے ہیں کہ جس کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں؟ کیا ان کے پاس کوئی غیب کی خبر آتی ہے جس کو یہ لکھ لیتے ہیں؟ کیا یہ مزید مکر و فریب کرنا چاہتے ہیں؟ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ خود ہی اپنے مکر میں پھنس جائیں گے۔ کیا ان کا اللہ کے سوا کوئی اور معبود اور مشکل کشا ہے جس کے کھونٹے پر ناچتے ہیں۔ انہیں بتلائیں کہ جن کو تم شریک بناتے ہو اللہ تعالیٰ ان سے مبرّا اور بے نیاز ہے۔ یہاں اہلِ مکہ اور ہر مشرک اور کافر کو مختلف قسم کے سوال کیے گئے ہیں تاکہ قیامت تک کے لیے انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کے پاس کفر و شرک کی کوئی علمی اور عقلی دلیل نہیں ہے۔ اس موقع پر مشرکین سے جو مزید سوالات کیے گئے وہ یہ تھے۔ کیا آپ ﷺ اپنے کام کا ان سے صلہ مانگتے ہیں جس کا یہ بوجھ محسوس کرتے ہیں۔ آدمی کی یہ طبعی کمزوری ہے کہ جب اس سے کوئی چیز مانگتا ہے تو بے شک وہ فیاض کیوں نہ ہو پھر بھی مانگنے والے کے سوال کو محسوس کرتا ہے۔ اگر سوال کرنے والا بار بار مانگتا ہے تو فیاض شخص بھی سوال کرنے والے کو دلی طور پر اچھا نہیں سمجھتا۔ آپ ﷺ کو مخاطب فرما کر اہلِ مکہ کو شرم دلائی گئی ہے کہ انہیں غور کرنا چاہیے کہ نبی علیہ السلام کسی اعتبار سے بھی تم پر بوجھ نہیں لیکن پھر بھی تم آپ کی شخصیت اور دعوت کو بوجھ محسوس کرتے ہو۔ اہلِ مکہ سے نواں سوال یہ کیا گیا کہ کیا ان کے پاس غیب کی خبریں آتی ہیں؟ جنہیں یہ اپنے پاس لکھ لیتے ہیں اور اس بنیاد پر نبی علیہ السلام سے

جھگڑا کرتے ہیں ۔ آخری سوال یہ ہے کہ یہ کوئی مکروفریب کرنا چاہتے ہیں تو کر لیں لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ اس میں خود ہی پھنس کر رہ جائیں گے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہر سازش اور شرارت کو ناکام کیا اور نبی اکرم ﷺ کو کامیاب فرمایا ۔ اس بنا پر حکم ہوا کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔

مسائل

سورہ الطّور کے دوسرے رکوع میں پندرہ مرتبہ ''اَمْ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ۔ یہ لفظ سوال کرنے اور ''یا'' کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کو کفار کے لیے بار بار استعمال کیا ہے تاکہ کافر سوچنے پر مجبور ہوں کہ سرورِ دوعالم ﷺ جو کچھ فرما رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے ۔

۱۔ کیا کافر آپ کو شاعر کہتے ہیں اور آپ کے بارے میں بُرے حالات کا انتظار کرتے ہیں۔انہیں فرمائیں تم میرے بارے میں انتظار کرو میں بھی تمہارے انجام کا انتظار کرتا ہوں۔

۲۔ کیا ان کی عقلیں انہیں یہی کچھ سکھاتی ہیں ۔۳۔ یا یہ لوگ سرکشی میں حد سے بڑھ چکے ہیں۔

۴۔ کیا کافر کہتے ہیں کہ آپ نے قرآن خود بنالیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ۔اگر وہ اس الزام میں سچے ہیں تو انہیں قرآن کے چیلنج کا جواب قبول کرنا چاہیے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کو یہ لوگ معبودِ برحق ماننے کے لیے تیار نہیں کیا انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے؟ یا اپنے آپ پیدا ہوگئے ہیں۔

۶۔ کیا انہوں نے زمین وآسمانوں کو پیدا کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ یقین کرنے کے لیے تیار نہیں ۔

۷۔ کیا یہ آپ ﷺ کے رب کے خزانوں کے مالک ہیں؟ ۸۔ کیا وہ آپ کے رب کے خزانوں پر چوکیدار ہیں؟

۹۔ کیا ان کے پاس سیڑھی ہے کہ یہ آسمان کی باتیں سن لیتے ہیں ۔اگر سن لیتے ہیں تو انہیں اپنے حق میں کوئی واضح دلیل پیش کرنی چاہیے۔

۱۰۔ کافر کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ۔کیا '' اللہ'' کے لیے بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے ہیں؟

۱۱۔ کیا آپ ان سے اجر مانگتے ہیں جس کے بوجھ تلے یہ دبے جارہے ہیں۔

۱۲۔ کیا ان کے پاس علمِ غیب ہے جسے یہ لکھ لیتے ہیں۔

۱۳۔ کیا یہ کوئی اور سازش کرنا چاہتے ہیں؟ یہ اپنی سازش میں خود ہی پھنس جائیں گے۔

۱۴۔ کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی معبودِ برحق ہے؟ انہیں بتلا دیں کہ اللہ ان کے بنائے ہوئے شریکوں سے مبرّا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نبی علیہ السلام کفار کے الزامات سے مبرّا ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں:

(یٰس: ۶۹،الحاقہ: ۴۱، القلم: ۲،القصص: ۸۸،النمل: ۶۰،النمل: ۶۲،النمل: ۶۳،النمل: ۶۴،القصص: ۱۷، الفرقان: ۳،الانبیاء: ۹۹)

وَ اِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ

اوراگر | وہ دیکھیں | کوئی ٹکڑا | آسمان سے | گرتا ہوا | تو وہ کہیں گے | بادل ہے

مَّرْكُوْمٌ ﴿٤٤﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ

تہہ بہ تہہ | لہٰذا آپ انہیں چھوڑ دیجیے | یہاں تک کہ | وہ ملیں | اپنے اس دن سے | جس میں

يُصْعَقُوْنَ ﴿٤٥﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ

وہ بے ہوش کیے جائیں گے | اس دن | نہیں | فائدہ دے گا | انہیں | ان کا فریب

شَيْـًٔا وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

کچھ بھی | اور | نہ | وہ | مدد ہی کیے جائیں گے | اور بلاشبہ | ان لوگوں کے لیے | جنہوں نے ظلم کیا

عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٧﴾

عذاب ہے | علاوہ | اس کے | اورلیکن | ان کے اکثر | نہیں | جانتے

”یہ لوگ آسمان کے ٹکڑے گرتے ہوئے دیکھ لیں تو کہیں گے یہ تو بادل ہیں جو ایک دوسرے کے بعد آرہے ہیں۔(٤٤) پس اے نبی انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو یہاں تک کہ یہ اپنے اس دن کو پہنچ جائیں جس میں یہ بے ہوش کیے جائیں گے۔(٤٥) جس دن نہ ان کی کوئی چال ان کے کام آئے گی نہ وہ مدد کیے جائیں گے۔(٤٦) اور اس وقت سے پہلے بھی ظالموں کے لیے ایک عذاب ہے مگر ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔“(٤٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مشرکین کی ہٹ دھرمی کی انتہا۔

اللہ تعالیٰ نے واضح دلائل اور سخت ترین تنبیہات کے ذریعے اہلِ مکہ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ رسول ﷺ پر ایمان لائیں، آخرت پر یقین رکھیں اور صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔ لیکن مشرک اس قدر ہٹ دھرم ہوتا ہے کہ وہ ان باتوں کو کسی صورت بھی ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ یہی حالت اہلِ مکہ کی تھی ان حالات میں یہ ارشاد ہوا کہ ان لوگوں پر اگر آسمان کا کوئی حصہ گرا دیا جائے تو اسے نیچے آتے دیکھ کر کہیں گے کہ یہ تو گھنے بادلوں کا ٹکڑا ہے۔لہٰذا ان کو انہی کے حال پر چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ وہ دن آپہنچے جس دن یہ بے ہوش کردیئے جائیں گے۔ اس دن نہ ان کا مکروفریب چلے گا اور نہ ہی ان کی کوئی مدد کرنے والا ہوگا۔ ظالموں کے لیے دنیا میں بھی عذاب ہے لیکن ان کی اکثریت اس حقیقت کو جاننے اور ماننے کے لیے تیار نہیں۔

اس خطاب میں کفار کو تنبیہ کرنے کے ساتھ آپ ﷺ کے ان ساتھیوں کو بھی تسلی دی گئی ہے جن کا خیال تھا کہ اگر کفار کو ان کے منہ مانگے معجزات دکھادیئے جائیں تو شاید وہ ایمان لے آئیں۔ ان کی غلط فہمی دور کرنے

کے لیے بتلایا گیا ہے کہ معجزات تو درکنار ان پر آسمان کا ٹکڑا بھی گرا دیا جائے تو پھر بھی یہ لوگ اس کی تاویلات کریں گے مگر ایمان نہیں لائیں گے۔ ہاں یہ قیامت کے دن ہر بات تسلیم کریں گے لیکن اس وقت تسلیم کرنے کا انہیں کچھ فائدہ نہیں ہوگا اور نہ ہی یہ ایک دوسرے کی مدد کرسکیں گے۔

ان آیات کی تاثیر:

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بدر کے قیدیوں کی سفارش کرنے کے لیے مدینہ گئے ۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے مسجد میں آپ کو مغرب کی نماز کے وقت سورہ طور کی ان آیات کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو میرے دل کی حالت یہ ہوگئی۔

”حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۃ طور پڑھتے ہوئے سنا جب آپ ان آیات پر پہنچے ”کیا یہ کسی خالق کے بغیر پیدا ہوئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے آپ کے خالق ہیں؟ یا زمین اور آسمانوں کو انہوں نے پیدا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ یقین نہیں رکھتے۔کیا تیرے رب کے خزانے ان کے قبضے میں ہیں؟ یا اُن پر ان کا حکم چلتا ہے؟“”كَادَ قَلْبِي أَنْ يَطِيرَ“ قریب تھا کہ میرا دل پھٹ جاتا۔“ (رواه البخاری: باب وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب)

مسائل

۱۔ ہٹ دھرم لوگ بڑی سے بڑی سزا پا کر بھی ایمان نہیں لایا کرتے ۔

۲۔ قیامت کے دن ظالموں کا کوئی مکروفریب نہیں چلے گا اور نہ ہی ان کی کوئی مدد کرنے والا ہوگا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ظالموں کو کئی قسم کی سزائیں دیتا ہے اس کے باوجود وہ سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے ۔

تفسیر بالقرآن

ہٹ دھرم لوگوں کا روّیہ اور کردار:

۱۔ کفار کہتے تھے کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو تم چاہتے ہو کہ ہم اپنے آباء واجداد کے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ (ابراہیم:۱۰)

۲۔ کفار نے انبیاء سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے۔ (ابراہیم:۱۳)

۳۔ حضرت نوح علیہ السلام کو قوم کے سرداروں نے کہا تو ہمارے جیسا ہی ایک آدمی ہے اور تیری پیروی کرنے والے بھی ادنیٰ لوگ ہیں۔ (ھود:۲۷)

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے کہا کیا تم اپنے جادو سے ہمیں ہماری زمین سے نکالنا چاہتے ہو ۔ (طٰہٰ:۵۷)

۵۔ موسیٰ علیہ السلام پر آل فرعون نے منحوس ہونے کا الزام لگایا۔(الاعراف:۱۳۱) مزید ملاحظہ فرمائیں۔

(الحجر:۱۴۔۱۵) (سباء:۴۳) (الفرقان: ۸) (النساء: ۱۵۶) (الاعراف: ۱۰۹) (یونس: ۷۶) (یونس: ۲) (ص: ۴)

وَسَبِّحْ	بِاَعْيُنِنَا	فَاِنَّكَ	لِحُكْمِ رَبِّكَ	وَاصْبِرْ
اور تسبیح کیجیے	ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں	پس بلاشبہ آپ	اپنے رب کے حکم کے ساتھ	اور صبر کریں
فَسَبِّحْهُ	وَمِنَ الَّيْلِ	تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾	حِيْنَ	بِحَمْدِ رَبِّكَ
پس آپ اس کی تسبیح کیجیے	اور رات میں بھی	آپ کھڑے ہوں	جس وقت	اپنے رب کی حمد کے ساتھ
	النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾		وَاِدْبَارَ	
	ستاروں کے		اور پیچھے	

''اے نبی اپنے رب کے حکم کے ساتھ صبر کیجئے آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں۔(۴۸) رات کو اور جب ستارے چھپتے ہیں اُس وقت بھی اس کی تسبیح کیا کریں۔''(۴۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مشرکین کو عذاب کی دھمکی دینے کے بعد نبی محترم ﷺ کو صبر کرنے کی تلقین۔

توحید کے دلائل دینے اور کفار کو عذاب کا انتباہ کرنے کے بعد نبی ﷺ کو تلقین کی گئی کہ آپ حوصلہ اور مستقل مزاجی سے کام لیں اور ہر حال میں یقین رکھیں کہ آپ کا رب آپ کو دیکھ رہا ہے۔ جہاں نبی ﷺ کو تسلی دینے کے لیے وہی انداز اور الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے لیے استعمال کیے گئے۔ قوم کے بارے میں حضرت نوح علیہ السلام کی بدعا قبول ہوئی تو انہیں حکم ہوا کہ آپ ہماری ہدایت کے مطابق ہمارے سامنے کشتی تیار کریں کیونکہ عنقریب آپ کی قوم کو تباہ کردیا جائے گا۔(ھود:۳۷) حضرت موسیٰ اور ہارون کو فرعون کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں البتہ میری یاد کو نہ بھولنا۔ (طٰہٰ:۴۲تا۴۶) نبی اکرم ﷺ کو بھی انہی الفاظ میں تسلی دی گئی ہے کہ آپ اپنے رب کے حکم کے مطابق حوصلہ رکھیں اور مستقل مزاجی کے ساتھ اپنا کام کرتے جائیں۔ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔

قیام اور ذکر:

اس سورت کے آخر میں حکم ہوا ہے کہ آپ ﷺ جب اٹھیں تو اپنے رب کو یاد کریں۔ اہلِ علم نے اٹھنے سے مراد پانچ قسم کا اٹھنا لیا ہے۔

۱۔ آپ ﷺ جب کسی مجلس میں تشریف فرما ہوں اور وہاں سے اٹھیں تو اپنے رب کی تسبیح کریں۔ اس فرمان کی روشنی میں آپ نے اس بات کو مجلس کے آداب میں شامل فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص مجلس سے اٹھے تو اسے یہ کلمات پڑھنے چاہئیں جس سے مجلس میں کی گئی سطحی باتوں کا کفارہ ہوجائے گا۔

((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ))

(رواہ الترمذی: باب مایقول اذا قام من المجلس، قال الشیخ البانی صحیح)

۲۔ آپ ﷺ نے "حِيْنَ تَقُوْمُ" پر اس طرح بھی عمل کیا اور اپنی امت کو تعلیم دی کہ جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

((عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ قَالَ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا وَإِذَا قَامَ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ .))(رواہ البخاری: باب مَا يَقُولُ إِذَا نَامَ)

"حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ سونے کا ارادہ فرماتے ہیں تو یہ دعا پڑھتے۔ "میں تیرے نام سے ہی مرتا ہوں اور تیرے نام ہی سے جیتا ہوں۔" اور جب سو کر اُٹھتے تو یہ دعا پڑھتے۔" میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس نے مجھے مرنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔"

۳۔ جب اللہ کی دعوت دینے کے لیے اٹھو تو سب سے پہلے حمد و ثناء بیان کیا کرو۔

"نبی ﷺ خطاب شروع کرنے سے پہلے اللہ کی حمد وثناء پڑھتے۔" (رواہ البخاری: باب المکاتب)

۴۔ اٹھنے سے مراد نماز کے لیے اٹھنا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نماز کے آغاز میں یہ کلمات پڑھتے تھے۔

((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ .))

(رواہ مسلم: باب حُجَّةِ مَنْ قَالَ لَا يَجْهَرُ بِالْبَسْمَلَةِ)

۵۔ جب کسی کام کا آغاز کیا جائے تو اس کی ابتداء "اللہ" کے نام سے کی جائے۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَذْكُرْ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَإِنْ نَسِيَ أَنْ يَذْكُرَ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي أَوَّلِهِ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ))

(رواہ ابو داؤد والترمذی: کتاب الأطعمة، باب التسمية على الطعام)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بلاشبہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے لگے تو بسم اللہ پڑھے اگر اللہ کا نام لینا بھول جائے تو اسے چاہیے کہ کہے اللہ کے نام سے ہی ابتدا اور انتہا کرتا ہوں۔"

۶۔ امام ابنِ جریر نے "حِيْنَ تَقُوْمُ" کا یہ مفہوم بھی لیا ہے کہ جب دوپہر کا قیلولہ کر کے اٹھو تو ظہر کی نماز ادا کرو۔ بعض اہلِ علم نے رات کی نماز سے مراد مغرب، عشاء اور تہجد کی نماز لی ہے۔

﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (بنی اسرائیل: ۷۹)

"اور رات کے کچھ حصے میں آپ تہجد پڑھیں اس حال میں کہ آپ کے لیے زائد ہے۔ قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرے۔"

سورۃ النجم کا تعارف

اس سورت کا نام اس کے پہلے لفظ پر رکھا گیا ہے یہ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔اس کے تین رکوع اور باسٹھ(۶۲) آیات ہیں۔

یہ سورت نبوت کے پانچویں سال مکہ معظّمہ میں اُس وقت نازل ہوئی جس وقت مسلمانوں کے لیے مکہ کے حالات اس قدر دگرگوں تھے کہ مکہ والوں کے مظالم کی وجہ سے کچھ مسلمان ہجرت کر کے حبشہ جاچکے تھے۔ اس دوران ایک موقع پر نبی علیہ السلام نے سورہ النجم ایک مجمع میں پڑھ کر سنائی جس میں کچھ مشرکین بھی بیٹھے ہوئے تھے، ان میں مطّلب بن ابی دَوَاعَہ بھی موجود تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کا کہنا ہے کہ جب نبی علیہ السلام نے سورہ النجم کی تلاوت کی تو وہ منظر اس قدر جاذبِ دل تھا کہ جس نے اس کی تلاوت سنی وہ سجدے میں گر پڑا صرف میں ایک ایسا آدمی تھا جس نے سجدہ نہیں کیا تھا۔(نسائی: باب السجود فی النجم۔ مسند احمد)

مشرکین کے سجدہ ریز ہونے کی خبر حبشہ پہنچی تو کچھ مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ شاید مکہ والے اسلام قبول کر چکے ہیں اس بنا پر مسلمان مکہ واپس آئے مگر یہاں کے حالات پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو چکے تھے۔ مکہ والوں کا پروپیگنڈہ تھا کہ یہ نبی ذہنی طور پر بہک چکا ہے اسی لیے اپنے آباؤ اجداد کے دین سے گمرہ ہو چکا ہے اسی الزام کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے تارے کی قسم اٹھا کر وضاحت فرمائی کہ تمہارا ساتھی یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نا بہکا ہے اور نہ ہی گمراہ ہوا ہے۔ جس دعوت کو تم گمراہی سمجھتے ہو نبی یہ دعوت اپنی مرضی سے نہیں دے رہا ہے جو کچھ وہ ارشاد فرماتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی وحی کے مطابق ہوتا ہے اسے وحی پہنچانے والا کوئی عام فرشتہ نہیں بلکہ ملائکہ کے سردار جبریل امین ہے جو بڑا طاقتور اور صاحبِ حکمت ہے اسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ براہ راست دیکھا ہے۔

ایک مرتبہ جنت الماویٰ کے قریب سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا جب آپ نے جبریل امین کو دیکھا تو نا اس کی شخصیت سے مرعوب ہوئے اور نہ ہی آپ کی آنکھیں چندیائیں وہاں آپ نے نہ صرف جبریل امین کو دیکھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں بھی ملاحظہ فرمائیں۔دعوت کی حقیقت اور وحی کا ایک منظر بیان کرنے کے بعد مشرکین مکہ سے سوال کیا گیا کہ جس لات،عزیٰ اور منات کی پوجا کرتے ہو کیا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ ان کی حقیقت کیا ہے؟ تم انہیں اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے ہو جب کہ اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہو سوچو اور غور کرو کہ یہ کس قدر بُری تقسیم ہے حقیقت یہ ہے اس عقیدے کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں سوائے اس کے کہ تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے اپنی طرف سے محض ان کے نام رکھ لیے ہیں اور انہیں مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہو۔یاد رکھو کہ تمہارے باطل معبود اور مشکل کشا تمہارے کچھ کام نہیں آئیں گے کام آنا تو درکنار وہ اجازت لیے بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کسی کی سفارش بھی نہیں کر پائیں گے۔آخر میں نبی علیہ السلام کو یہ ارشاد ہوا ہے کہ آپ اس شخص سے ایک حد تک اعراض کریں کہ جس تک ہماری نصیحت پہنچ چکی ہے مگر وہ دنیا کے مفاد کی خاطر اس سے منہ موڑے ہوئے ہے یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ بُروں کو ان کی برائی کی سزا دے گا اور نیک لوگوں کو ان کے نیک اعمال کی جزا دے گا۔

سُورَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ۳ اٰيَاتُهَا: ۶۲

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝۱ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝۲

قسم ہے ستارے کی | جب | وہ غائب ہو جائے | نہیں | بہکا | تمہارا ساتھی | اور نہ | وہ بھٹکا

”قسم ہے ستارے کی جب وہ غروب ہو جائے۔(۱) تمہارا ساتھی نہ بہکا ہے نہ بھٹکا ہے۔“(۲)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورہ الطّور کا اختتام اس فرمان پر ہوا کہ جب ستارے غروب ہونے کے وقت ہو تو اپنے رب کو یاد کیا کرو۔ اس مناسبت سے سورہ النّجم کا آغاز ستارے کی قسم سے ہو رہا ہے۔

عربی زبان میں حرفِ واؤ کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں اسے قسم کے معنٰی میں استعمال کیا گیا ہے۔ ربِ ذوالجلال کا ارشاد ہے کہ مجھے ڈوبتے ہوئے ستارے کی قسم۔ تمہارا ساتھی نہ بہکا ہے اور نہ ہی بھٹکا ہے۔ نبی معظم ﷺ کے بارے میں اہلِ مکہ یہ پراپیگنڈہ کیا کرتے تھے کہ آپ صحیح راستے سے بہک گئے ہیں، کچھ لوگ کہتے کہ محمد ﷺ گمراہ ہو چکے ہیں۔ خیال رہے کہ اہلِ لغت راستہ بھول جانے والے مسافر کے لیے ضلّ کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور جو شخص اپنے نفس کی پیروی میں یعنی جان بوجھ کر صحیح راستے سے ہٹ جائے اس کے لیے ”غَـوٰی“ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ربِ ذوالجلال نے ان الزامات کی تردید کرنے سے پہلے ڈوبتے ہوئے ستارے کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا ہے کہ تمہارا ساتھی نہ بہکا ہے اور نہ ہی صراطِ مستقیم سے بھٹکا ہوا ہے۔ صاحب سے مراد نبی معظم ﷺ ہیں اور ”کُـمْ“ کی ضمیر کے مخاطب اہلِ مکہ ہیں۔ عربی زبان میں عام طور پر صاحب کا لفظ پرانے ساتھی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ صاحب کے لفظ میں اشارہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ رشتے، ناطے اور رہن سہن کے حوالے سے تمہارے ساتھی ہیں۔ انہوں نے تم میں چالیس سال کا عرصہ گزارا ہے تم اس کے حسب ونسب، بچپن، جوانی اور اس کی جلوت اور خلوت سے پوری طرح واقف ہو۔ اعلانِ نبوت سے پہلے اور اب تک اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی اور نہ ہو گی کہ جس بنا پر انہیں بہکا ہوا یا بھٹکا ہوا کہا جائے۔ ڈوبتے ہوئے ستارے کی قسم کھا کر ان لوگوں کی بھی نفی کی گئی ہے جو سمجھتے تھے کہ انسان کی قسمت میں ستاروں کا عمل دخل بھی ہوا کرتا ہے۔ ستارے کے ڈوبنے کا ذکر فرما کر واضح کیا ہے کہ جو ڈوب جائے وہ کسی کی بگڑی نہیں بنا سکتا ہے۔ یہی بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمائی تھی کہ ڈوبنے والے معبود یعنی مشکل کشا نہیں ہوتے۔ (الانعام: ۷۶تا۸۰)

مسائل

۱۔ اللہ کے رسول کو مشرکین بہکا ہوا کہتے تھے جس کی تردید اللہ تعالیٰ نے ستارے کی قسم اٹھا کر فرمائی ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى ۝

اورنہیں | وہ بولتا | خواہش سے | نہیں ہے | وہ | مگر | وحی | کہ بھیجی جاتی ہے

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْمِرَّةٍ ط فَاسْتَوٰى ۝

اس کو سکھایا | مضبوط | قوت والے نے | طاقت والا ہے | سو وہ سیدھا کھڑا ہو گیا

''وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا۔(۳) یہ وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔(۴) اُسے زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے۔(۵) قوت والا ہے۔سو وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔''(۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار کے الزامات کی تردید کرنے کے بعد بتلایا ہے کہ وحی کے بغیر نبی ﷺ نہیں بولتے۔لہٰذا نبی ﷺ جو کچھ فرما رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس بات پر بھی قَسم اٹھائی ہے کہ نبی ﷺ کا اپنی خواہش کے پیچھے چلنا تو درکنار آپ اپنی مرضی سے دین کے معاملہ میں لب کشائی نہیں کرتے۔آپ ﷺ جو کچھ فرماتے اور کرتے ہیں وہ آپ پر وحی کی جاتی ہے۔جو فرشتہ آپ کو وحی پہنچاتا ہے وہ جبرائیلِ امین ہے جو بڑا طاقت والا ہے۔اس نے اپنی طرف سے نہیں بلکہ جو کچھ آپ تک پہنچایا ہے وہ اللہ کے حکم سے پہنچایا:(اور آپ ﷺ کے قلبِ اطہر پر اتارا ہے۔البقرۃ:۹۷)
اہلِ علم نے ''ذُوْمِرَّةٍ'' کے تین معانی کیے ہیں۔بڑا طاقتور،خوبصورت اور صاحبِ حکمت۔حضرت جبرائیل میں یہ خوبیاں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔

((عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِ يكَرِبَ الْكِنْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَلاَ إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ أَلاَ إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ)) (مسند احمد: باب حديث المقدام بن معديكرب، حكمه صحيح)

''مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار بے شک مجھے کتاب اور اُس جیسی اور چیز عطا کی گئی ہے۔خبردار مجھے قرآن اور اُس جیسی ایک اور چیز عطا کی گئی ہے۔''

''عمرو بن شعیب اپنے باپ اور وہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! جو کچھ میں آپ سے سنتا ہوں لکھ لیا کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں نے کہا اے اللہ کے نبی! آپ کبھی خوش ہوتے ہیں اور کبھی ناراضگی کی حالت میں۔آپ نے فرمایا لکھ لیا کرو! کیونکہ میں حق کے علاوہ کوئی بات نہیں کرتا۔''(رواه ابوبكر في مسند البزار: باب هَذَا مَا حَدَّثَ بِهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قال البانی اسناده حسنٌ)

وَهُوَ	بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝۷	ثُمَّ	دَنَا	فَتَدَلّٰى ۝۸	فَكَانَ
اور وہ	بلند کنارے پر تھا	پھر	وہ قریب ہوا	اور نیچے آیا	تو ہو گیا
قَابَ	قَوْسَيْنِ	اَوْ	اَدْنٰى ۝۹	فَاَوْحٰٓى	اِلٰى عَبْدِهٖ
بقدر	دو کمانوں کے	بلکہ	اس سے بھی زیادہ قریب	اس نے وحی کی	اپنے بندے کی طرف
مَآ	اَوْحٰى ۝۱۰	مَا	كَذَبَ	الْفُؤَادُ	مَا رَاٰى ۝۱۱
جو کچھ	اس نے وحی کی	نہیں	جھٹلایا	دل نے	جو کچھ اس نے دیکھا

”وہ بالائی افق پر تھا۔(۷) پھر قریب آیا اور نیچے اتر آیا۔(۸) یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔(۹) تب اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو وحی بھی اُسے پہنچانی تھی۔(۱۰) نظر نے جو کچھ دیکھا دل نے اس میں جھوٹ نہ ملایا۔“(۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جبریلِ امین کی شخصیت اور وحی کا بیان جاری ہے۔

جبریلِ امین افقِ اعلیٰ پر آپ ﷺ کے سامنے آکھڑے ہوئے پھر آپ ﷺ کے قریب ہوئے یہاں تک کہ دو کمانوں یا اس سے بھی زیادہ قریب آ گئے پھر اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو بھی اس تک پہنچائی۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی آنکھوں سے جو دیکھا اس کی دل نے پوری طرح تصدیق کی۔ اہلِ تفسیر نے ”فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى“ کا یہ بھی ترجمہ کیا ہے کہ اللہ نے جبریلِ امین کے ذریعے اپنے بندے پر وحی فرمائی جو اسے وحی کرنا تھی۔ نبی ﷺ نے اس مقام پر جو کچھ دیکھا آپ کے دل نے اس کی تصدیق فرمائی۔ انسانی فطرت میں یہ کمزوری ہے کہ جب وہ ما فوق الفطرت یا خرقِ عادت واقعہ دیکھتا ہے تو اس کی نظر اور دل میں مطابقت نہیں رہتی۔ آنکھ منظر دیکھ رہی ہوتی ہے لیکن دل اس منظر پر پوری طرح یقین نہیں کرتا کیونکہ ایسا واقعہ یا منظر اس سے پہلے اس نے دیکھا نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کے احاطہ خیال میں وہ چیز پوری طرح سما نہیں پاتی۔ جس بنا پر آنکھ اور دل میں یگانگت باقی نہیں رہتی۔ بعض دفعہ بے انتہا جمال یا ہیبت ناک جلال دیکھ کر آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ یہاں اسی کیفیت کی نفی کی گئی ہے کہ نبی معظم ﷺ نے جبریلِ امین کو اپنے پاس دو کمانوں سے بھی قریب دیکھا اور آپ کے دل نے اس کی پوری طرح تصدیق کی کہ واقعی ملائکہ کے سردار جبریلِ امین ہیں۔ اس حالت میں نبی ﷺ پر وحی کی گئی جو اللہ نے وحی کرنا تھی۔ جس وحی کا امّت کے ساتھ تعلق تھا نبی علیہ السلام نے اُسے امت تک پہنچایا۔ اس موقع پر آپ پر جو وحی کی گئی اس میں سب سے نمایاں تین ارشادات تھے۔

۱۔ پچاس نمازیں فرض ہونا جنہیں بعد میں پانچ کر دیا گیا۔ (رواہ البخاری: باب المعراج)

۲۔ جو شرک سے بچا رہا اللہ تعالیٰ اس کے باقی گناہ معاف کر دے گا۔ (النساء: ۴۸) ۳۔ سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ	عَلٰى مَا	يَرٰى ⑫	وَلَقَدْ	رَاٰهُ
کیا پھر تم جھگڑتے ہو اس سے	اس پر جو	اس نے دیکھا	اور البتہ تحقیق	اس نے دیکھا اس کو
نَزْلَةً	اُخْرٰى ⑬	عِنْدَ	سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ⑭	عِنْدَهَا
ایک بار	اور بھی	نزدیک	سدرۃ المنتہیٰ کے	اس کے نزدیک
جَنَّةُ الْمَاْوٰى ⑮	اِذْ	يَغْشَى	السِّدْرَةَ	مَا يَغْشٰى ⑯
جنّت الماویٰ ہے	جب	ڈھانپ رہا تھا	سدرہ کو	جو کچھ ڈھانپ رہا تھا

''کیا تم اس بات پر جھگڑتے ہو جسے اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ؟(۱۲) اور ایک مرتبہ پھر اس نے اس کو دیکھا ہے۔ (۱۳) سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔(۱۴) جس کے قریب جنّت الماویٰ ہے۔(۱۵) اس وقت سدرہ کو ڈھانپ رہا تھا جو بھی ڈھانپ رہا تھا۔''(۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی علیہ السلام نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اسے بیان کیا لیکن کفار اسے ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے۔

نبی علیہ السلام نے جبریلِ امین کو دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہی جنّت الماویٰ ہے۔سدرۃ المنتہیٰ پر اللہ تعالیٰ کی انوار وتجلیات کا مسلسل نزول ہوتا ہے۔ ''اَلْمُنْتَهٰى'' کا معنٰی انتہا ہے جس کا اہلِ علم نے یہ مفہوم لیا ہے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں مخلوق کی پہنچ کی حد ختم ہو جاتی ہے۔اس سے نیچے کی مخلوق کے لیے عالمِ سُفلی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اس سے اوپر کے لیے سدرۃ المنتہیٰ کا لفظ استعمال ہوتا ہے اس سے اوپر ''اللہ'' کی مخلوق میں سے کوئی نہیں جاسکتا گویا کہ یہاں سے حریمِ کبریا کا مقام شروع ہو جاتا ہے اور سدرۃ المنتہیٰ جنّت الماویٰ کے قریب ہے۔ الماویٰ کے بارے میں اہلِ تفسیر نے تین باتیں لکھی ہیں۔

۱۔جنّت کا اعلیٰ ترین مقام۔ ۲۔الماویٰ میں قیامت سے پہلے شہیدوں کی روحوں کو ٹھہرایا جاتا ہے۔

۳۔سدرۃ المنتہیٰ کا ایک منظر:

''حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس ایک براق لایا گیا۔ وہ ایک سفید رنگ کا جانور تھا' جس کا قد لمبا اور وہ گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا۔ اس کا قدم اس کی حدِ نگاہ پر پڑتا تھا۔ میں اس پر سوار ہوا اور بیت المقدس پہنچا۔ میں نے براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیاء علیہم السلام باندھا کرتے تھے۔پھر میں مسجد اقصیٰ میں داخل ہوا اور دو رکعتیں ادا کیں۔ میں باہر نکلا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے ایک شراب اور ایک دودھ کا برتن پیش کیا تو میں نے دودھ کو پسند کیا۔ اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: آپ نے فطرت کو پسند فرمایا

ہے پھر آسمان کی طرف ہمارا عروج شروع ہوا۔ اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ نے سابق حدیث والا مضمون بیان کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تب حضرت آدم علیہ السلام میرے سامنے تھے۔ انہوں نے مجھے مرحبا کہا انہوں نے میرے لیے خیروبرکت کی دعا کی۔ اسی طرح آپ نے فرمایا: تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام جنہیں حسن کا آدھا حصہ عطا کیا گیا تھا۔ انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لیے خیر و برکت کی دعا کی۔ پھر ساتویں آسمان کے متعلق بتایا کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے تھا۔ وہ بیت المعمور سے پیٹھ ٹکائے بیٹھے تھے۔ بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور جن کی باری پھر کبھی نہیں آتی۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہٰی کے پاس لے جایا گیا۔ اس بیری کے پتے ہاتھیوں کے کانوں کی طرح تھے اور اس کے بیر مٹکوں کے برابر تھے۔ جب اللہ کے حکم سے اس درخت کو کسی ڈھانپنے والی چیز نے ڈھانپ لیا، تو اس کی کیفیت بدل گئی۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے کوئی بھی اس درخت کی خوب صورتی کو بیان کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو وحی بھیجنی تھی اس کا نزول فرمایا اور مجھ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ پھر میری منزل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تھی۔ انہوں نے پوچھا: آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے بتایا دن رات میں پچاس نمازیں۔ انہوں نے کہا اپنے رب کی طرف جائیں اور اس سے تخفیف کی درخواست کریں۔ بلا شبہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ کیونکہ میں نے بنی اسرائیل کو آزما کر دیکھا ہے۔ آپ نے فرماتے کہ میں اپنے رب کی طرف واپس گیا اور درخواست پیش کی۔ یا رب ! میری امت کے لیے کمی کر دے۔ مجھ سے پانچ نمازیں کم کر دی گئیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف پلٹا اور ان کو بتایا کہ پانچ گھٹا دی گئیں۔ انہوں نے فرمایا: آپ کی امت اس کی بھی متحمل نہیں ہوسکتی، اپنے رب کی طرف جائیں اور ان سے مزید تخفیف کی فریاد کریں۔ آپ نے فرمایا کہ اسی طرح میرا، اپنے پروردگار اور موسیٰ علیہ السلام کی طرف آنا جانا مسلسل جاری رہا، حتیٰ کہ مجھے حکم ہوا، یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اب ہر دن رات میں پانچ نمازیں ہیں۔ ہر نماز کا اجر دس کے برابر ہے۔ اس طرح یہ ثواب میں پچاس نمازیں ہیں۔ جس کسی نے کسی بھلائی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہ کیا تو اس کے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی اور اگر اس پر عمل کر لیا تو اس کے لیے دس گنا ثواب ہوگا۔ جس نے برائی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہ کیا تو اس کا گناہ نہیں لکھا جائے گا اور اگر عمل کر لیا تو صرف ایک گناہ لکھا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر واپسی کا سفر شروع ہوا۔ یہاں تک کہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ انہیں تمام احوال بتائے تو انہوں نے فرمایا: اپنے رب کے پاس جائیں اور ایک دفعہ پھر مزید کمی کی درخواست کریں۔ اس پر آپ نے فرمایا میں اتنی بار اپنے رب کے حضور حاضر ہوا ہوں کہ اب مجھے حیا آتی ہے۔'' (رواہ مسلم: باب فی المعراج)

دنیا میں سدرۃ کا معنٰی بیری ہے:

سترہویں صدی عیسوی میں لبنا سے لے کر نیویارک تک ایک درخت سدرہ کے نام پر پایا جاتا تھا۔ حوادثِ زمانہ کی وجہ سے۱۹۰۳۷ء سے اس کی نسل تقریباً ختم ہوچکی ہے۔ ڈاکٹر محمد اقتدار حسین فاروقی نے اپنی کتاب نباتاتِ قرآن میں اس درخت کی اونچائی ایک سو پچاس فٹ اور گولائی چالیس فٹ لکھی ہے اور کتاب میں اس کے پھل کی تصویر دی ہے جسے حدیث کے الفاظ میں ھجر کے مٹکوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اس درخت کے جلال اور جمال کو دیکھ کر انسان حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔ اپنے دور میں یہ درخت پوری دنیا میں سب سے بڑا اور حسین ترین درخت سمجھا جاتا تھا۔ بائبل میں اس کا تذکرہ (EREZ) کے نام سے کیا جاتا ہے۔ (تفصیل جاننے کے لیے ڈاکٹر اقتدار فاروقی کی نبات القرآن ملاحظہ فرمائیں۔)

نبی ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو دو مرتبہ دیکھا ہے:

جبرائیل امین علیہ السلام تمام ملائکہ کے سردار ہیں اور ہر نبی کے پاس ''اللہ'' کا پیغام لاتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سات سو پر عطا فرمائے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے اپنی حیات مبارکہ میں جبرائیل امین علیہ السلام کو اس کی اصل حالت میں دو مرتبہ دیکھا ہے پہلی مرتبہ پہلی وحی کے وقت غارِ حرا کے پاس اور دوسری مرتبہ ''سدرۃ المنتہیٰ'' کے مقام پر دیکھا جس کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔

﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى o عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى o عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴾ (النجم: ۱۳ تا ۱۵)

''اور ایک مرتبہ پھر اس نے اس کو اترتے دیکھا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ جس کے قریب جنّت الماویٰ ہے۔''

((حَدَّثَنَا الشَّیْبَانِیُّ ، قَالَ:سَأَلْتُ زِرَّ بْنَ حُبَیْشٍ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ أَوْ أَدْنَى﴾ (النجم:۹) قَالَ: أَخْبَرَنِی ابْنُ مَسْعُودٍ ، أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ رَأَى جِبْرِیلَ لَهُ سِتُّمِائَةِ جَنَاحٍ)) (رواہ مسلم: باب فی ذکر سدرۃ المنتھیٰ)

حضرت شیبانی رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے زر بن حبیش رحمہ اللہ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں سوال کیا ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ أَوْ أَدْنَى﴾ انہوں نے مجھے بتلایا کہ مجھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور ان کے سات سو پر تھے۔

مسائل

۱۔ نبی معظم ﷺ نے جبریلِ امین کو اس کی اصلی حالت میں دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔

۲۔ سدرہ بیری کے درخت کی مانند کوئی درخت ہے۔

رَاٰی	لَقَدْ	طَغٰی ⑰	مَا	وَ	الْبَصَرُ	مَا زَاغَ
اس نے دیکھیں	یقیناً	وہ حد سے بڑھی	نہ	اور	نظر	نہیں بہکی

الْكُبْرٰى ⑱	رَبِّهِ	مِنْ اٰيٰتِ
بڑی	اپنے رب کی	بعض نشانیاں

''نہ نظر بہکی نہ حد سے متجاوز ہوئی۔(۱۷) یقیناً آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔''(۱۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام : گزشتہ سے پیوستہ جس میں معراج کے واقعہ کا ذکر جاری ہے۔

نبی معظم ﷺ نے جبریلِ امین ،سدرۃ المنتہیٰ اور اپنے رب کی قدرت کی عظیم ترین نشانیوں کو براہِ راست دیکھا۔ لیکن آپ ﷺ کی آنکھ نہ جھپکی اور نہ ہی آپ کی نظر ادھر اُدھر اٹھی بلکہ آپ پورے اعتماد اوروقار کے ساتھ اپنے رب کی قدرت کی عظیم نشانیوں کو دیکھتے رہے جن کے بارے میں آیت گیارہ میں ارشاد ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے جو کچھ دیکھا آپ کے دل نے اس کی تصدیق کی ۔اب ارشاد ہوا ہے کہ آپ ﷺ کی آنکھ نہ کسی اور طرف مائل ہوئی اور نہ ادھراُدھر اٹھی ۔گویا کہ آپ نے پوری یکسوئی ،کامل توجہ ،بھرپور اعتماد اور پورے وقار کے ساتھ شہنشاہِ عالم کی عظیم قدرت کو ملاحظہ فرمایا۔اس موقعہ پر آپ ﷺ کی شخصیت اورروحانی قوت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کوجسمانی اورروحانی طور پر ایسی قوت اورصلاحیت عطافرمائی تھی جو آپ کے سوا کسی کو عطا نہیں کی گئی۔

کیا آپ ﷺ اپنے رب کو دیکھا تھا؟:

جن صحابہ کی توجہ آپ ﷺ کی شخصیت اورمعراج کے واقعہ کی طرف مبذول رہی ان کا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کی زیارت کی ہے ،اورجن صحابہ کی توجہ رب کی کبریائی اور قدرتوں کی طرف گئی ہے ان کا اعتقاد ہے کہ آپ ﷺ نے ربِ کبریا کو براہِ راست نہیں دیکھا اورنہ اسے کوئی دیکھ سکتا ہے۔

ا۔ صحابہ کرام میں نہایت ہی قلیل تعداد ان لوگوں کی ہے جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ نبی علیہ السلام نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے ۔ ان میں سرِ فہرست حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں جن کا فرمان ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنے رب کی دل کے ساتھ زیارت کی ہے،گویا کہ آنکھوں کے ساتھ دیکھنے کے وہ بھی قائل نہیں تھے۔

((وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰى وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى قَالَ رَاٰهُ بِفُؤَادِهٖ مَرَّتَيْنِ .)) (رواہ مشکوٰۃ : باب رؤیۃ اللّٰہ)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰى وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى﴾ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے پروردگار کو اپنے دل کی آنکھوں سے دو مرتبہ دیکھا۔''

بعض مفسرین نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان کو نقل کرنے کے باوجود لکھا ہے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی زیارت کی ہے حالانکہ ان کا فرمان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کے ساتھ اپنے رب کی زیارت کی ہے نہ کہ آنکھ کے ساتھ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال، آپ کا جواب:

((عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ قَالَ نُوْرٌ أَنّٰى أَرَاهُ))

(رواه مسلم: كتاب الإيمان، باب في قوله نور أني أراه وفي قوله رأيت نورا)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوئے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔''

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی عالم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا دنیا میں کون سی جگہ سب سے بہتر ہے؟ آپ جبریل علیہ السلام کے آنے تک خاموش رہے جب جبریل آ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا انہوں نے کہا جس سے سوال کیا جا رہا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا یعنی مجھے بھی اتنا ہی علم ہے جتنا آپ کو ہے لیکن میں نے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سے سوال کیا ہے پھر جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آج میں اللہ تعالیٰ کے اتنا قریب ہوا ہوں جتنا قریب میں کبھی نہیں ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا اے جبریل علیہ السلام کتنے قریب؟ تو انہوں نے کہا کہ میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیاں صرف ستر ہزار نور کے پردوں کا فاصلہ تھے اس وقت اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی کہ دنیا میں سب سے بری جگہ بازار اور سب سے اچھی جگہ مساجد ہیں۔'' (مشكوة المصابيح: بَاب الْمَسَاجِد و مواضع الصَّلَاة، قال الشيخ البانى هذا حديث حسن)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان اور ان کی دلیل:

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جو تمہیں یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو بلاشبہ وہ جھوٹ بولتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں'' اور جو کوئی تمہیں یہ کہے کہ آپ غیب جانتے ہیں تو وہ بھی جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اللہ کے علاوہ کوئی غیب نہیں جانتا۔''

(رواه البخاری: باب قول الله تعالى عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحدا)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا اس کے چھ سو پر تھے۔'' (رواه الترمذی : باب وَمِنْ سُورَةِ وَالنَّجْمِ)

مسائل

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشکل سے مشکل حالات میں بھی گھبراتے نہیں تھے۔ بلکہ اپنے حواس قائم رکھتے تھے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے معراج کے موقع پر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی بڑی نشانیاں دیکھائیں۔

اَفَرَءَیۡتُمُ اللّٰتَ وَ الۡعُزّٰی ﴿۱۹﴾ وَ مَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الۡاُخۡرٰی ﴿۲۰﴾ اَلَکُمُ

تم مجھے خبر دو | لات | اور عزیٰ کی | منات | تیسرے | ایک اور کی | کیا تمہارے لیے ہیں

الذَّکَرُ وَ لَہُ الۡاُنۡثٰی ﴿۲۱﴾ تِلۡکَ اِذًا قِسۡمَۃٌ ضِیۡزٰی ﴿۲۲﴾

بیٹے | اور | اس کے لیے | بیٹیاں ہیں | یہ تو | اس وقت | تقسیم ہے | غیر منصفانہ

''مجھے بتاؤ کہ تم نے کبھی اس لات اور عزیٰ ۔(۱۹) اور تیسری دیوی منات کی حقیقت پر غور کیا ہے؟(۲۰) کیا بیٹے تمہارے لیے ہیں اور بیٹیاں اللہ کے لیے ہیں؟(۲۱) تب تو یہ ظالمانہ تقسیم ہے ۔''(۲۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ربِ کبریا کو چھوڑ کر لات عزّٰی اور منات وغیرہ کی عبادت کرنے والوں کی مذمت ۔

اللہ تعالیٰ نے ڈوبتے ہوئے ستارے کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ نبی علیہ السلام نہ بہکے ہیں اور نہ ہی صحیح عقیدہ اور صراطِ مستقیم سے بھٹکے ہیں ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں اللہ کی وحی کے مطابق ارشاد فرماتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لانے والا جبریلِ امین بڑا طاقتور ،نہایت سمجھدار ،باصلاحیت اور بہت ہی خوبصورت ہے ۔آپ نے اسے اس کی اصلی حالت میں دومرتبہ دیکھا ہے ۔دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دوکمانوں سے بھی قریب تر دیکھا ۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ چندھائی اور نہ ہی آپ نے ادھر اُدھر دیکھا ۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی نشانیوں کو براہِ راست دیکھا اور واپس آکر مِن وعن بیان فرمایا جس کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے لیکن اس کے باوجود اے اہلِ مکہ تم لات ،عزّٰی اور منات کی عبادت کرتے ہو۔ظلم کی حد یہ ہے کہ تم اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہو اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم نے اپنے معبودوں کے نام لات ، منات اور عزیٰ رکھ لیے ہیں۔ جنہیں داتا ،دستگیر ،لجپال اور مشکل کشا سمجھتے ہو ۔اس کی تمہارے اور تمہارے آباء و اجداد کے پاس کوئی دلیل نہیں ۔محض اپنے خیالات اور جذبات کی پیروی کرتے ہو۔ حالانکہ تمہارے رب کی طرف سے اس کی توحید کے اثبات اور بتوں کی تردید کے لیے واضح دلائل آچکے ہیں۔

ا۔لات:

''لات''لفظِ اللہ کی تانیث یعنی مؤنث ہے ۔ یہ بت طائف میں رکھا گیا تھا ۔ اہلِ طائف اور دوسرے مشرکین کو اس کے ساتھ اتنی عقیدت تھی جب ابرہہ نے بیت اللہ پر حملہ کیا تو طائف والوں نے لات کے دربار کو بچانے کے لیے ابرہہ کی مدد کی ۔لوگ اس بت کے سامنے رکوع وسجود اور نذر ونیاز پیش کرتے تھے ۔ اللہ کے رسول نے مکہ اور حنین فتح کرنے کے بعد طائف کا محاصرہ کیا تو طائف والوں نے ایک مہینہ تک اپنا دفاع کیا ۔ نبی علیہ السلام نے محسوس کیا کہ طائف کے لوگ تھک چکے ہیں مگر اپنی ضد کی بنا پر ہتھیار پھینکنے اور مسلمان ہونے کے لیے تیار نہیں۔

آپ نے ان کے لیے دعا کی "اَللّٰھُمَّ اھْدِوَأْتِ بِھِمْ" الٰہی! انہیں ہدایت دے تاکہ یہ خود ہی میرے پاس آ جائیں۔ آپ ﷺ کی دعا کا اثر تھا کہ تھوڑی ہی مدت بعد طائف کا وہ سردار جس نے آپ پر پتھراؤ کرایا تھا بھاری بھرکم وفد لے کر مدینہ میں حاضر ہوا اس کا نام عبدیالیل تھا۔اس نے آپ ﷺ کے ساتھ مذاکرات کیے اور اسلام لانے کے لیے دیگر شرائط کے ساتھ یہ شرط رکھی۔

۱۔ہمیں نماز سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

۲۔ لات کو یوں کا توں رہنے دیا جائے۔ آپ ﷺ نے یہ شرط قبول نہ کی۔ سردار عبد یا لیل نے کہا کہ کم از کم اسے چھ مہینے تک رہنے دیا جائے۔ آپ ﷺ نے اس بات کو بھی قبول نہ کیا۔ بالآخر اس نے یہ درخواست کی کہ ہمارے واپس جانے کے بعد اس کو مسمار کرنے کے لیے آدمی بھیجیں، آپ ﷺ نے یہ شرط قبول فرمالی۔ جب آپ نے کچھ صحابہ کو طائف بھیجا تو وہ لات کی عمارت کو گرانے لگے تو مجاوروں نے کہا خبردار! آگے نہ بڑھنا ہماری دیوتی تمہیں تباہ کردے گی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے بنیادوں سے اکھاڑ پھینکا تب جا کر لوگوں کو یقین ہوا کہ بت نہ کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور نہ سنوار سکتے ہیں۔

۲۔العزّٰی:

العزّٰی کا معنٰی ہے عزت والی۔ مشرک بالخصوص اس سے عزت طلب کیا کرتے تھے۔ عزّٰی کا بت مکہ اور طائف کے درمیان نصب تھا۔ لوگ اس کے سامنے بھی رکوع وسجود کرتے اور اس کے سامنے نذرونیاز پیش کرتے تھے۔

۳۔منات:

اس کا مجسّمہ مکہ اور مدینہ کے درمیان بحرِ احمر کے کنارے قدید کے مقام پر رکھا ہوا تھا۔ عرب کے بعض قبائل حج سے فارغ ہو کر سیدھے منات کے مندر پر جاتے اور عرفات سے ہی لبیک یا منات کہنا شروع کردیتے اور وہاں پہنچ کر منات کا طواف کرتے۔ قرآن مجید نے منات کو تیسرے نمبر پر شمار کیا ہے اور اس کے لیے "اَلْاُخْـرٰی" کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے واضح کیا گیا ہے کہ یہ مشرکین کا تیسرا بڑا بت تھا۔ اس کا احترام لات اور عزّٰی سے نسبتاً کم تھا۔ لیکن اس کے باوجود ان کے نزدیک اس کا دیدار حج کے بعد دوسرے حج کا درجہ رکھتا تھا۔

۴۔ہُبل:

ہُبل کو بیت اللہ کی کی چھت پر رکھا گیا تھا۔ مشرک اسے ربُ الارباب کا درجہ دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُحد کے میدان میں جب مکہ والوں کو جزوی طور پر فتح حاصل ہوئی تو ابوسفیان نے اُعلو ہُبل کا نعرہ لگایا جس کا صحابہ رضی اللہ عنہم نے "اَللّٰہُ اَعْلٰی وَ اَجَلْ" کے نعرے سے جواب دیا۔ قرآن مجید نے تین بڑے بتوں کا نام لیا ہے۔ تینوں کے نام ہی مؤنث ہیں اور آج بھی چین، جاپان، برما اور ہندوستان کے اکثر بتوں کے نام عورتوں کے نام پر اور ان کی شکلیں بھی عورتوں جیسی بنائی گئی ہیں۔ جو نہایت خوبصورت اور پُرکشش ہوتی ہیں۔ جس طرح مکہ والوں کا عقیدہ تھا کہ

ملائکہ ''اللہ'' کی بیٹیاں ہیں اسی طرح جاپان، چین اور دیگر ممالک کے کروڑوں لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ۔مشرکین کی سوئی ہوئی فطرت کو بیدار کرنے کے لیے سوالیہ انداز میں سمجھایا ہے کہ اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہو اور'' اللہ'' کے لیے بیٹیاں ؟ حالانکہ نہ اس کے بیٹے ہیں اور نہ بیٹیاں۔''یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے وہ تو اس سے پاک ہے ۔زمین و آسمان کی تمام مخلوق اس کی ملکیت ہے، اور ہر کوئی اس کا تابعدار ہے۔وہ زمین و آسمانوں کو ابتدأپیدا کرنے والا ہے۔ جو کام کرنا چاہتا ہے تو صرف حکم دیتا ہے کہ ہو جا وہ ہوجاتا ہے۔'' (البقرۃ:۱۱۶،۱۱۷) کتنی بُری تقسیم ہے۔سوچو اورغور کروکہ کس طرح گناہ درگناہ کا ارتکاب کیے جاتے ہو ۔پہلاتمہارا گناہ یہ ہے کہ اللہ کی بیوی نہیں اور دوسرا گناہ یہ ہے کہ اس کی اولادنہیں تم کہتے ہو کہ اس کی اولاد ہے ۔(مریم:۹۱،۹۲)

کسی کو اللہ کی اولاد کہنا بہت بڑا گناہ ہے:

﴿وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًاo لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّاo تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّاo اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًاo وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا﴾

(مریم: ۸۸تا ۹۲)

''کہتے ہیں کہ رحمان کی اولاد ہے ۔بہت ہی بیہودہ بات ہے جوتم کہہ رہے ہو۔قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہوجائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں ۔اس بات پر کہ انہوں نے الرحمان کی اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے ۔الرحمان کی شان نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے ۔''

((عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ قَالَ النَّبِىُّ ﷺ أُرَاهُ يَقُولُ اللَّهُ شَتَمَنِى ابْنُ آدَمَ وَمَا يَنْبَغِى لَهُ أَنْ يَشْتِمَنِى ، وَتَكَذَّبَنِى وَمَا يَنْبَغِى لَهُ ، أَمَّا شَتْمُهُ فَقَوْلُهُ إِنَّ لِى وَلَدًا وَأَمَّا تَكْذِيبُهُ فَقَوْلُهُ لَيْسَ يُعِيدُنِى كَمَا بَدَأَنِى))(رواہ البخاری: باب مَا جَاءَ فِى قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى ﴿وَهُوَ الَّذِى يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ﴾)

''حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا آدم کا بیٹا مجھے گالیاں دیتا ہے اور یہ اس کے لیے لائق نہیں اور وہ میری تکذیب کرتا ہے اور وہ بھی اس کے لیے لائق نہیں اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ میں نے اولاد پکڑی ہے اور مجھے جھٹلانا اس کا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ مجھے دوبارہ نہیں لوٹایا جائے گا جس طرح مجھے پہلی بار پیدا کیا گیا ۔''

مسائل

۱۔ مشرکین کے اکثر بتوں کے نام مونث ہوتے ہیں۔۲۔ اللہ تعالیٰ کے نہ بیٹے ہیں اور نہ بیٹیاں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں مشرکین ہمیشہ غلط باتیں کرتے ہیں۔

اِنْ	هِیَ	اِلَّآ	اَسْمَآءٌ	سَمَّیْتُمُوْهَآ	اَنْتُمْ	وَ اٰبَآؤُكُمْ
نہیں ہیں	یہ	مگر	نام ہی	جو تم نے نام رکھے ہیں	تم نے	اور تمہارے باپ دادا نے
مَّآ	اَنْزَلَ	اللّٰهُ	بِهَا	مِنْ	سُلْطٰنٍؕ	اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ
نہیں	نازل کی	اللہ نے	ان کی	کوئی	دلیل	نہیں وہ پیروی کرتے
اِلَّا	الظَّنَّ	وَ	مَا	تَهْوَى	الْاَنْفُسُۚ	وَلَقَدْ جَآءَهُمْ
مگر	گمان کی	اور	اس چیز کی جو	چاہتے ہیں	دل (جمع)	حالانکہ یقیناً آچکی ان کے پاس
مِّنْ رَّبِّهِمُ	الْهُدٰىؕ ﴿۲۳﴾	اَمْ	لِلْاِنْسَانِ	مَا	تَمَنّٰىؗ ﴿۲۴﴾	
ان کے رب سے	راہنمائی	کیا	انسان کے لیے وہی ہے	جو	وہ تمنا کرے	
فَلِلّٰهِ	الْاٰخِرَةُ	وَالْاُوْلٰىࣖ ﴿۲۵﴾				
چنانچہ اللہ کے لیے ہے	پچھلا	اور پہلا				

”یہ کچھ بھی نہیں ہیں مگر چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کے لیے کوئی دلیل نازل نہیں کی، حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف اپنے گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور خواہشاتِ نفس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، حالانکہ اُن کے رب کی طرف سے ان کے پاس راہنمائی آچکی ہے۔(۲۳) کیا انسان جو کچھ چاہے اسے وہی مل جائے گا؟(۲۴) دنیا اور آخرت کا مالک تو ”اللہ“ ہے۔“(۲۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مشرکین جس طرح یہ ظلم کرتے ہیں کہ ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں اسی طرح ہی ان کا یہ بھی ظلم ہے کہ وہ بلا دلیل اپنے بتوں اور بزرگوں کے نام داتا، گنج بخش، دستگیر اور لجپال وغیرہ رکھتے ہیں۔

دنیا میں کیے جانے والے شرک کا جائزہ لیا جائے تو قرآن مجید کی بتلائی ہوئی حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکارہ دکھائی دیتی ہے کہ مشرکین جنہیں خدائی القابات سے پکارتے ہیں وہ صرف نام برائے نام ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ فوت شدگان میں جن کے نام پر پاکستان کی اکثریت شرک کرتی ہے وہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ، پیر عبدالقادر جیلانی اور لاہور میں علی ہجویری، سہون میں شہباز قلندر، پاکپتن میں بابا فرید اور دیگر بزرگ ہیں نہ معلوم مشرک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کون کون سے خدائی القابات دیتے ہیں لیکن ان کی قبر نجف میں ہونے کے باوجود پڑوس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے خاندان سمیت شہید کردیئے گئے۔ نہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو اور اپنے عزیز و اقارب کو بچا سکے اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی مدد کو پہنچ پائے یہاں تک 2003ء امریکیوں نے عراق کی جنگ

میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مزار پر بم باری کی وہاں چھپے ہوئے سینکڑوں لوگ جاںبحق ہوئے اورحضرت علی رضی اللہ عنہ کے مزار کا ایک حصہ بھی منہدم ہوگیا۔جنہیں لوگ مولیٰ علی مشکل کشا کہہ کرمدد کے لیے پکارتے ہیں وہ اپنے مزار کی بھی حفاظت نہ کرسکے۔یہی حال پیر عبد القادر جیلانی کا ہے۔عراق کی جنگ میں امریکیوں نے پیر عبدالقادر جیلانی کے مزار پر کثیر تعداد میں بم برسائے۔ان کے مزار کو شدید نقصان پہنچا اور بغداد کا کافی حصہ تباہ ہوگیا۔پیرصاحب نہ بغداد بچا سکے اورنہ ہی اپنے مزار کی حفاظت کرسکے۔یہی حال پاکستان کے تمام مزارات کا ہے۔علی ہجویری، پاکپتن اوردیگر مزارات پر بمبار لوگوں نے (2010ء)میں خودکش حملے کیے۔مزارات کو شدید نقصان پہنچا اور درجنوں لوگ موت کا لقمہ بن گئے۔کسی فوت شدہ بزرگ نے نہ اپنی حفاظت کی اورنہ اپنے مزار پرآنے والوں کی حفاظت کرسکے۔حکومت نے ہر مزار کی حفاظت کے لیے جگہ جگہ سیکورٹی اہلکار کھڑے کیے،واک تھرو گیٹ لگوائے اورلوگوں کی تلاشی لینے کا انتظام کیا لیکن اس کے باوجود مزارات پر کئی دھماکے ہوئے۔جن کے پاس ہر دور کے حکمران اپنی حاجات پوری کروانے کے لیے جاتے ہیں وہ مزارحکومت کی حفاظت کے محتاج ہوئے۔جس سے حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ واقعتاً قبروں والے کسی کی کوئی مدد نہیں کرسکتے۔اس کے باوجود باطل عقیدہ رکھنے والے کئی حکمران، علماء،ججز، وکلاء اور پڑھے لکھے لوگ کسی کو گنج بخش،کسی کو دستگیر،کسی کولجپال کہتے ہیں گویا کہ جو ان کے منہ میں آتا ہے وہی نام دیئے جاتے ہیں۔حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حمایت میں کوئی دلیل نازل نہیں کی کہ جس بنیاد پر شرک کیا جائے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ محض اپنے تصورات اورخواہشات کے مطابق ان کے نام رکھتے ہیں۔حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے راہنمائی آچکی ہے کہ شرک سب سے بڑا گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے مشرک کوکبھی معاف نہیں کرنا۔(النساء: ۴۸)اس کے باوجود بے شمار لوگ اپنے اعتقادات اورخیالات کے پیشِ نظر شرک کیے جارہے ہیں۔کیا انسان اس بات پرغور نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ انسان کی آرزو اورخواہشات کا پابند ہے؟ لہٰذا انسان کو وہ نہیں ملے گا جس کی انسان تمنا اورآرزو رکھتا ہے۔بلکہ انسان کواسی کام کا اجر ملے گا جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔کیونکہ آخرت اوردنیا کے معاملات کا کلی اختیار ''اللہ'' کے پاس ہے۔

تفسیر بالقرآن

شرک کی کوئی دلیل نہیں لیکن مشرک پھر بھی شرک کیے جاتے ہیں:

۱۔ جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی غیر کو پکارتا ہے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔(المؤمنون: ۱۱۷)

۲۔ انہوں نے اللہ کے علاوہ کئی معبود بنالیے ہیں آپ فرمائیں کوئی دلیل لاؤ۔(الانبیاء: ۲۴)

۳۔ ''اللہ'' کے سواکوئی اور الٰہ ہے اگرتم سچے ہوتو کوئی دلیل لاؤ۔(النمل: ۶۴)

۴۔ وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت کے لیے کوئی دلیل نازل نہیں کی گئی۔(الحج: ۷۱)

۵۔ اے لوگو! تمہارے پاس رب کی طرف سے دلیل آچکی ہے۔(النساء:۱۷۴)

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا

اور کتنے ہی فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ نہیں فائدہ دے گی ان کی سفارش کچھ بھی

اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ

مگر اس کے بعد کہ اجازت دے اللہ جس کے لیے وہ چاہے گا

وَيَرْضٰى ﴿٢٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ

اور وہ پسند کرے گا بلاشبہ جولوگ نہیں ایمان لاتے آخرت پر البتہ وہ نام رکھتے ہیں فرشتوں کے

تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿٢٧﴾ وَ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ

نام عورتوں جیسے حالانکہ نہیں ہے ان کو اس کا کوئی علم نہیں

يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿٢٨﴾

وہ اتباع کرتے مگر گمان کی اور بلاشبہ گمان نہیں فائدہ دیتا حق سے کچھ

”آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں ان کی سفارش کچھ بھی کام نہیں آسکتی مگر جسے اللہ اجازت دے اور اس کی مرضی ہو۔(٢٦) مگر جولوگ آخرت کونہیں مانتے وہ فرشتوں کو دیویوں کے ناموں سے مَوسُوم کرتے ہیں۔(٢٧) حالانکہ اس کے بارے میں انہیں کوئی علم نہیں ہے،محض گمان کی پیروی کر رہے ہیں،اور گمان حقیقت کی جگہ نہیں لے سکتا۔(٢٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: دنیا اور آخرت کے معاملات اللہ کے اختیار میں ہیں۔ اس لیے کسی کے پاس اختیار نہیں کہ وہ قیامت کے دن بلا اجازت اپنے رب کے حضور کسی کی سفارش کر سکے۔

جس طرح مشرکین کا عقیدہ ہے کہ فوت شدگان قیامت کے دن ہماری سفارش کریں گے اسی طرح ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دینے والوں کاعقیدہ ہے کہ ملائکہ ہماری سفارش کریں گے۔ جس طرح فوت شدگان کی سفارش کی نفی کی گئی ہے اسی طرح ہی ملائکہ کی سفارش کی نفی کی گئی ہے اس لیے ارشاد ہوا کہ زمین و آسمانوں میں بے شمار ملائکہ ہیں جو سب مل کر بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس کے حضور سفارش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ ہاں وہ فرشتے اور نیک لوگ اپنے رب کے حضور سفارش کر پائیں گے جنہیں ان کا رب اجازت عطا فرمائے گا۔ فرشتے اور نیک لوگ اتنی ہی سفارش کریں گے جتنی انہیں سفارش کرنے کی اجازت ہوگی۔ جولوگ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں ان کا قیامت پر کوئی ایمان نہیں۔ ان کا قیامت پر صحیح ایمان ہوتا تو وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہنے کی جرأت نہ کرتے۔ کیونکہ ان کا قیامت پر ایمان نہیں اس لیے انہیں کسی قسم کی سفارش کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔

فَاَعْرِضْ	عَنْ مَّنْ	تَوَلّٰى ڏ	عَنْ ذِكْرِنَا	وَ	لَمْ
لہٰذا آپ اعراض کریں	اس سے جو	روگردانی کرے	ہمارے ذکر سے	اور	نہیں
يُرِدْ	اِلَّا	الْحَيٰوةَ	الدُّنْيَا ؕ۲۹	ذٰلِكَ	مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ
اس نے ارادہ کیا	مگر	زندگی کا	دنیا کی	یہی	انتہا ہے ان کے علم کی
اِنَّ	رَبَّكَ	هُوَ	اَعْلَمُ	بِمَنْ	ضَلَّ	عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ
بلاشبہ	تیرا رب	وہ	خوب جانتا ہے	اس شخص کو جو	گمراہ ہوا	اس کے راستے سے
وَهُوَ	اَعْلَمُ	بِمَنِ	اهْتَدٰى ۳۰		
اور وہ	خوب جانتا ہے	اس شخص کو جس نے	ہدایت پائی		

پس اے نبی جو شخص ہمارے ذکر سے منہ پھیرتا ہے اور دنیا کی زندگی کے سوا کچھ نہیں چاہتا اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔(۲۹) ان لوگوں کا مبلغ علم بس اتنا ہے۔ یہ بات آپ کا رب ہی زیادہ جانتا ہے کہ اس کے راستے سے کون بھٹک گیا اور کون سیدھے راستے پر ہے۔"(۳۰)

حقیقت یہ ہے کہ ان کے عقائد کی بنیاد اپنے گمان اور سُنی سنائی باتوں کے سوا کسی آسمانی علم پر نہیں ۔ یہ صرف من ساختہ تصورات اور گمان پر یقین رکھتے ہیں ۔من ساختہ تصورات اور گمان حق بات کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ لہٰذا اس شخص سے اعراض کریں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نصیحت سے منہ پھیر لیتا ہے ۔ وہ صرف دنیا کا طلب گار ہے اور ایسے لوگوں کا مبلغ علم اور کوشش صرف دنیا کے لیے ہی ہوا کرتی ہے ۔جس کا علم و عمل صرف دنیا کی ترقی اور حصول کے لیے ہو اُسے ہدایت کس طرح نصیب ہوسکتی ہے ۔کیونکہ وہ ہدایت کا طالب ہی نہیں۔ لہٰذا ان سے بحث و تکرار کرنے کی بجائے اپنا کام کرتے جائیں۔ آپ کا رب خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گیا اور جو اپنے رب کی ہدایت پر گامزن ہے ۔

مسائل

۱۔ زمین و آسمانوں میں بے شمار ملائکہ ہیں ان میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس کے حضور سفارش نہیں کرسکتا۔
۲۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا سفارش کرنے کی اجازت عنایت فرمائے گا۔
۳۔ جو لوگ قیامت پر حقیقی ایمان نہیں رکھتے وہ ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں ۔
۴۔ اللہ تعالیٰ کی اولاد قرار دینے والے آسمانی علم کی بنیاد پر نہیں بلکہ اپنے گمان کی بنیاد پر ایسی باتیں کرتے ہیں۔
۵۔ وہم و خیال کسی حیثیت میں بھی حق کی جگہ نہیں لے سکتا۔ ۶۔اللہ تعالیٰ گمراہ اور ہدایت یافتہ لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔
۷۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نصیحت چھوڑ کر دنیا کا طالب بن جائے اس پر زیادہ وقت صرف نہیں کرنا چاہیے ۔

وَلِلّٰهِ	مَا	فِي السَّمٰوٰتِ	وَمَا	فِي الْاَرْضِ	لِيَجْزِيَ
اور اللہ ہی کے لیے ہے	جو کچھ	آسمانوں میں	اور جو کچھ	زمین میں ہے	تاکہ وہ سزا دے
الَّذِيْنَ	اَسَآءُوْا	بِمَا	عَمِلُوْا	وَيَجْزِيَ	الَّذِيْنَ
ان لوگوں کو جنہوں نے	برائیاں کیں	اس کے سبب جو	انہوں نے عمل کیے	اور وہ جزا دے	ان لوگوں کو
اَحْسَنُوْا	بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾	اَلَّذِيْنَ	يَجْتَنِبُوْنَ	كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ	
جنہوں نے نیکیاں کیں	ساتھ اچھائی کے	وہ لوگ جو	بچتے ہیں	کبیرہ گناہوں سے	
وَالْفَوَاحِشَ	اِلَّا	اللَّمَمَ	اِنَّ	رَبَّكَ	وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ
اور بے حیائی کے کاموں سے	سوائے	صغیرہ گناہوں کے	بلاشبہ	آپ کا رب	بڑی مغفرت والا ہے

''اور زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا مالک اللہ ہے، تاکہ وہ برائی کرنے والوں کو اُن کے بُرے اعمال کی سزا دے اور جنہوں نے اچھائی کی اُن لوگوں کو بہترین جزا دے۔(۳۱) جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی سے بچتے ہیں، سوائے اس کے کہ کچھ غلطیاں سرزد ہو جائیں ، بلاشبہ تمہارا رب بڑی مغفرت کا مالک ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ ہر شخص کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ ہدایت کے راستے میں گامزن ہے یا گمراہی کے راستے کو اختیار کیے ہوئے ہے اس لیے کہ زمین و آسمانوں کی ہر چیز اس کی مِلک ہے۔

اللہ تعالیٰ برے لوگوں کو ان کے برے اعمال کی سزا دے گا اور جو نیکی کو اچھے طریقے سے کرتے ہیں انہیں جزا دے گا۔جو لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی سے بچتے ہیں اگر وہ کسی چھوٹے گناہ میں مبتلا ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے چھوٹے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ کیونکہ آپ کا رب بڑی بخشش والا ہے اور وہ تمہیں اچھی طرح جانتا ہے۔ وہ تمہیں اس وقت سے جانتا ہے جب اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور جب تمہاری اپنی ماؤں کے پیٹ میں ابتدا ہوتی ہے۔ لہٰذا کوئی شخص اپنی پاکدامنی کا دعویٰ نہ کرے کیونکہ گناہوں سے بچنے والوں کو'' اللہ'' اچھی طرح جانتا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم اور بخشش کی وسعت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جو لوگ گناہوں اور بے حیائی سے بچیں گے اللہ تعالیٰ ان کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ چھوٹے گناہوں کے لیے '' اَللَّمَمَ'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔مفسرین نے اس کے کئی معانی ذکر کیے ہیں جن کا خلاصہ چھوٹے گناہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان گناہوں کو یوں ہی معاف کردیتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ جب آدمی وضو کرتا ہے تو وضو کے آخری قطرے کے ساتھ اس کے گناہ ختم کردیئے جاتے ہیں۔ جب وہ نماز پڑھتا ہے تو اس کے کبیرہ گناہوں کے سوا باقی گناہ بھی معاف کردیئے جاتے ہیں۔گناہوں کی معافی کی خوشخبری

هُوَ اَعْلَمُ	بِكُمْ	اِذْ	اَنْشَاَكُمْ	مِّنَ الْاَرْضِ	وَاِذْ	اَنْتُمْ
وہ خوب جانتا ہے	تمہیں	جب	اس نے پیدا کیا تمہیں	زمین سے	اور جب	تم
اَجِنَّةٌ	فِيْ بُطُوْنِ	اُمَّهٰتِكُمْ ج	فَلَا	تُزَكُّوْٓا	اَنْفُسَكُمْ ط	
جنین تھے	پیٹوں میں	اپنی ماؤں کے	لہٰذا نہ	تم پاکیزگی کا دعویٰ کرو	اپنے نفسوں کی	
هُوَ	اَعْلَمُ	بِمَنِ	اتَّقٰى ﴿٣٢﴾ ع			
وہ	خوب جانتا ہے	اس کو جو	پرہیز گار بنا			

وہ اس وقت سے جانتا ہے جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں ابھی جنین ہی تھے پس اپنے نفس کی پاکی کے دعوے نہ کرو، وہ پرہیز گار کو بہتر جانتا ہے۔'' (۳۲)

دینے کے بعد حکم دیا ہے کہ اپنی پاک دامنی کا دعویٰ نہ کیا کرو۔ کیونکہ تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے۔ کبیرہ گناہوں کی تفصیل درج ذیل احادیث میں موجود ہے تاہم علماء نے قرآن وسنت کی روشنی میں ان گناہوں کو بھی کبیرہ گناہ شمار کیا ہے۔ ① جن کی حد مقرر کی گئی ہے۔ ② جس گناہ پر اللہ اوراس کے رسول نے لعنت کی ہے۔ ③ وہ گناہ بھی کبیرہ گناہوں میں شامل ہوگا جس کے کرنے پر آدمی اصرار اوراس پر خوشی کا اظہار کرے۔

''اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔'' (النساء: ۳۱)

خود اپنی یا کسی کے سامنے کسی کی تعریف کرنا جائز نہیں :

اپنی تعریف خود کرنا یا کسی کی تعریف اس کے سامنے کرنا کسی معاشرے میں بھی اسے مہذب نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ ایسی حرکت کرنے والا شخص سنجیدہ لوگوں کی نظروں میں گھٹیا تصور کیا جاتا ہے۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ایک شخص نے آپ ﷺ کے سامنے اپنے تقویٰ کا اظہار کیا تو آپ ﷺ یوں فرمایا:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ..........التَّقْوٰى هَاهُنَا وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهٖ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ..........)) (رواہ مسلم: باب تحريم ظلم المسلم)

''حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں رسول مکرم ﷺ نے فرمایا:..........تقویٰ اس جگہ ہے آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا..........''

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ نَّحْثُوَ فِيْ أَفْوَاهِ الْمَدَّاحِيْنَ التُّرَابَ))

(رواہ الترمذی: باب ماجاء فی کراهية المدحة والمداحين قال ابو عيسىٰ هذا حديث غريب)

''حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا کہ ہم کسی کے منہ پر

تعریف کرنے والے کے منہ میں مٹی ڈالیں۔“

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْكَبَآئِرَ فَقَالَ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ فَقَالَ أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ قَالَ شَهَادَةُ الزُّوْرِ))

(رواہ البخاری : کتاب الأدب، باب عقوق الوالدین من الکبائر)

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبیرہ گناہوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ناحق خون کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا۔“ پھر فرمایا: کیا میں تمہیں بڑے گناہ سے آگاہ نہ کروں؟ جھوٹی گواہی دینا۔“

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اعْتَرَفَ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ))(رواہ البخاری : باب تعدیل النساء بعضھن بعضا)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی بندہ گناہ کا اعتراف کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔“

مسائل

۱۔ زمین و آسمان اور ہر چیز اللہ کی مِلک ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ بُروں کو سزا دے گا اور نیک لوگوں کو جزا دے گا۔
۳۔ کبیرہ گناہوں سے بچنے والے کے چھوٹے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ بڑی بخشش والا ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ انسان کی ابتدا اور انتہا کو جانتا ہے۔
۶۔ اپنی پاکدامنی کا دعویٰ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون پرہیز گاری اختیار کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا اور دیکھتا ہے :

۱۔ ”اللہ“ دلوں کے راز جانتا ہے۔ (ہود: ۵) ۲۔ جو اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ (البقرۃ: ۲۱۶)
۳۔ ”اللہ“ کا علم فرشتے بھی نہیں جانتے۔ (البقرۃ: ۳۰) ۴۔ ہر گرنے والا پتہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ (الانعام: ۵۹)
۵۔ ”اللہ“ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے۔ (المومن: ۱۹) ۶۔ اللہ خشکی اور تری کی پوشیدہ چیزوں سے واقف ہے۔ (الانعام: ۵۹)
۷۔ کیا آپ نہیں جانتے اللہ آسمانوں وزمین کی ہر چیز کو جانتا ہے۔ (الحج: ۷۰)
۸۔ ”اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (النحل: ۷۴)
۹۔ اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ اللہ تمہارے دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات سے بھی واقف ہے۔ (البقرۃ: ۲۳۵)
۱۰۔ ”اللہ“ سے ڈر جاؤ اور جان لو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ (البقرۃ: ۲۳۳)

اَ	فَرَءَيْتَ	الَّذِيْ	تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾	وَاَعْطٰى	قَلِيْلًا	وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾
کیا	پھر آپ نے دیکھا	اس کو جس نے	رد گردانی کی	اور اس نے دیا	تھوڑا	اور رُک گیا
اَعِنْدَهٗ	عِلْمُ الْغَيْبِ	فَهُوَ	يَرٰى ﴿۳۵﴾	اَمْ	لَمْ	يُنَبَّاْ
کیا اس کے پاس	علم غیب ہے	کہ وہ	دیکھ رہا ہے	کیا	نہیں	وہ خبر دیا گیا
بِمَا	فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾	وَاِبْرٰهِيْمَ	الَّذِيْ	وَفّٰٓى ﴿۳۷﴾	اَلَّا	
اس چیز کی جو	موسیٰ کے صحیفے میں ہے	اور ابراہیم	وہ جس نے	پورا کیا	یہ کہ نہیں	
تَزِرُ	وَازِرَةٌ	وِّزْرَ	اُخْرٰى ﴿۳۸﴾			
بوجھ اٹھائے گا	کوئی بوجھ اٹھانے والا	بوجھ	کسی دوسرے کا			

”اے نبی کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے۔(۳۳) جس نے روگردانی کی اور تھوڑا سا مال دے کر رُک گیا۔(۳۴) کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ حقیقت کو دیکھ چکا ہے؟(۳۵) کیا اُسے اُن باتوں کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے۔(۳۶) اور ابراہیم کے صحیفوں میں جس نے پورا کر دیا۔(۳۷) کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔“(۳۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ بخشش فرمانے والا ہے لیکن اس کے باوجود لوگ اس کی بخشش سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

جو شخص کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے چھوٹے گناہوں کو ازخود معاف کر دیتا ہے۔ کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ شرک ہے جو توبہ کے بغیر جائے اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں کرے گا۔

نبی علیہ السلام یہی بات اہلِ مکہ کو سمجھاتے تھے لیکن وہ لوگ اسے سمجھنے اور ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ جس کے لیے وہ مختلف قسم کے بہانے پیش کرتے تھے۔ کبھی کہتے کہ ہمارے بزرگ ہمیں قیامت کے دن چھڑا لیں گے۔ کبھی کہتے کہ جو دنیا میں خوشحال ہے وہ آخرت میں بھی بہتر اور خوشحال ہوگا۔ اسی زعم کے پیشِ نظر ولید بن مغیرہ کے ساتھ ایک شخص کا اس بات پر سودا ہوگیا کہ اگر تو مجھے اتنا مال دے۔ تو میں تیری قیامت کی ذمہ داری اٹھاتا ہوں۔ بڑے بڑے مفسرین نے ان آیات کا یہی شانِ نزول بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ابوجہل سے پہلے ولید بن مغیرہ ہی اہلِ مکہ کا سردار سمجھا جاتا ہے یہ زیرک اور سمجھدار انسان تھا، قریب تھا کہ مسلمان ہوجاتا۔ اس کے مشرک دوست کو اس بات کا علم ہوا تو وہ ولید کے پاس آ کر کہنے لگے کہ جس آخرت سے ڈر کر تو مسلمان ہونا چاہتا ہے اس کا فکر نہ کر۔ میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں بشرطیکہ تو اتنا مال مجھے دے۔ ولید نے اس سے معاملہ طے کرلیا کہ میں تجھے اتنا مال دوں گا اور تو میری آخرت کا ذمہ دار ہوگا۔ معاملہ طے ہونے کے بعد ولید نے اسے کچھ مال دیا۔ اس اثناء میں اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ جب ولید کے دوست نے باقی مال کا مطالبہ کیا تو ولید نے انکار کردیا۔ اس پر یہ فرمان جاری ہوا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

شخص کو دیکھا ہے جس نے قیامت کا انکار کیا اور تھوڑا سامال دیا پھر باقی دینے سے منحرف ہو گیا۔کیا آخرت کی ذمہ داری لینے والے کے پاس غیب کا علم ہے؟ جس بنا پر اس نے یہ ذمہ داری لی۔ انہیں اور سب کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات صرف قرآن میں نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی تورات اور ابراہیم علیہ السلام کے صحائف میں کھول کر بیان کی ہے کہ قیامت کے دن کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔تورات اور ابراہیم علیہ السلام کے صحائف کا اس لیے نام لیا ہے کہ اہلِ مکہ کا ایمان تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام نبی تھے اور ان کی کتب کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحائف کا دو مقام پر ذکر ہوا ہے۔ ایک اس مقام پر اور دوسرا سورۃ الاعلیٰ کی آیت ۱۹ میں بیان ہوا۔دونوں مقامات پر آخرت کے ذکر کے بعد موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحائف کا نام آیا ہے۔ یاد رہے کہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی شخصیات اور ان کی جدوجہد کا تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے زیادہ ذکر ہوا ہے۔یہاں تک ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کا ذکر ہے وہ قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے کہیں زیادہ بیان ہوئی ہیں۔

”جو شخص ڈرتا ہے وہ نصیحت قبول کر لے گا۔جو اس سے گریز کرے گا وہ انتہائی بدبخت ہو گا۔ وہ دھکتی آگ میں میں داخل کیا جائے گا۔پھر نہ اس میں نہ موت آئے گی اور نہ زندگی ہو گی۔فلاح پا گیا وہ شخص جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام لیا اور نماز پڑھی۔مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔یہی بات پہلے صحیفوں میں بھی کہی گئی تھی۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔“ (الاعلیٰ: ۱۰ تا ۱۹)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب کا علم نہیں جانتا۔۲۔کسی کو معلوم نہیں کہ قیامت کے دن اس کے ساتھ کیا معاملہ ہو گا۔
۳۔ قیامت کے دن کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔۴۔تورات اور صُحُف ابراہیم میں بھی قیامت پر ایمان لانا فرض قرار دیا گیا ہے، اور ان میں بتایا گیا ہے کہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا:

۱۔ ہر ایک کو اس کے اپنے اعمال کام آئیں گے۔ (البقرۃ: ۱۳۴) ۲۔کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ (الانعام: ۱۶۴)
۳۔ کوئی کسی کے اعمال کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ (فاطر: ۱۸) ۴۔روزِ محشر دوست کام نہیں آئیں گے۔ (البقرہ:۲۵۴)
۵۔ کسی کے گناہ کے متعلق کسی دوسرے سے نہیں پوچھا جائے گا۔ (الرحمٰن: ۳۹)
۶۔ کوئی نفس کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ (الانعام: ۱۶۴) ۷۔ ہر ایک اپنے معاملے کا خود ذمہ دار ہے۔ (البقرہ: ۱۴۱)

وَاَنْ	لَّيْسَ	لِلْاِنْسَانِ	اِلَّا	مَا	سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ
اور یہ کہ	نہیں ہے	کسی انسان کے لیے	مگر	وہی جو	اس نے کوشش کی — اور بلاشبہ

سَعْيَهٗ	سَوْفَ	يُرٰى ﴿۴۰﴾	ثُمَّ	يُجْزٰىهُ	الْجَزَآءَ	الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾
اس کی کوشش	عنقریب	دیکھی جائے گی	پھر	اُسے بدلہ دیا جائے گا	بدلہ	پورا

وَاَنَّ	اِلٰى رَبِّكَ	الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾	وَاَنَّهٗ	هُوَ	اَضْحَكَ
اور بے شک	آپ کے رب کی طرف	پہنچنا ہے	اور بلاشبہ	وہی	ہنساتا ہے

وَاَبْكٰى ﴿۴۳﴾	وَاَنَّهٗ	هُوَ	اَمَاتَ	وَاَحْيَا ﴿۴۴﴾
اور رلاتا ہے	اور بے شک	وہی	مارتا ہے	اور وہی زندہ کرتا ہے

”اور یہ کہ انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لیے اس نے محنت کی۔(۳۹)اور یقیناً اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی۔(۴۰) پھر اُسے اس کی پوری جزا دی جائے گی۔(۴۱) اور یقیناً آخر کار تیرے رب کے پاس پہنچنا ہے۔(۴۲) اور وہی ہنسانے والا اور وہی رُلانے والا ہے۔(۴۳) اور وہی موت دینے والا اور وہی زندہ کرنے والا ہے۔“(۴۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: لوگ جس قیامت کا انکار کرتے ہیں اس دن کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ہر انسان اپنے کیے کا صلہ پائے گا۔

صُحُفِ ابراہیم ،صُحُفِ موسیٰ اورقرآن مجید کی یہی تعلیم ہے کہ ہر انسان نے اپنا اپنا بوجھ خود اٹھانا ہے کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اس لیے ہر انسان کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے دنیا میں کمایا ہوگا اور ہر کوئی عنقریب اپنا کیا ہوا دیکھ لے گا اور ہر کسی کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ سب کا انجام اس کے رب کے پاس ہے جس رب کے پاس انسان کا انجام ہے وہی انسان کو ہنساتا اور رولاتا ہے اوروہی انسان کو مارتا اورزندہ کرتا ہے۔

ان آیات میں تین مضامین کا اختصار پیش کیا گیا ہے۔

۱۔ ہر انسان وہی کچھ پائے گا جو دنیا میں کمائے گا اور اس کی کوشش کا پورا پورا جائزہ لیا جائے گا اور پھر اس کو برائی کی سزا اورنیکی کی جزا دی جائے گی۔ جسے قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا ہے۔

”جس نے ذرہ برابر نیکی کی وہ اس کو دیکھ لے گا۔اور جس نے ذرہ برابر بُرائی کی ہو گی وہ بھی اس کو دیکھ لے گا۔“ (الزلزال:۷،۸)

۲۔قرآن مجید نے انسان کو یہ حقیقت بار بار بتلائی اور سمجھائی ہے کہ اے انسان ! بالآخر تو نے اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے کیونکہ وہی موت وحیات کا مالک ہے اوراسی کے اختیار میں انسان کو ہنسانا اور رُلانا ہے۔ قیامت کا اشارہ

فرما کر یہ بات واضح فرمائی ہے کہ کچھ لوگ قیامت کے دن اپنے اعمال پر خوش ہوکر مسکرائیں گے اور کچھ لوگ اپنا اعمال نامہ دیکھ کر زاروقطار روئیں گے ۔(الانشقاق:۹،۱۱) (دنیا میں بھی ’’اللہ‘‘ ہی انسان کو ہنستا اور رولاتا ہے۔)

’’پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے وہ عیش کی زندگی میں ہوگا۔ اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے۔ اس کا ٹھکانہ جہنّم ہوگی۔‘‘(القارعہ:٦ تا ۹)

’’اس دن کچھ چہرے دَھمک رہے ہوں گے، ہشاش بشاش اور خوش ہوں گے اور کچھ چہروں پر اس دن خاک پڑی اور سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔ یہ کافر اور فاجر لوگ ہوں گے۔‘‘(عبس:۳۸ تا ۴۲)

۳۔موت اورزندگی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ۔ انسان کی موت اورزندگی کا فیصلہ رِحمِ مادر میں ہی کردیا جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی موت کا وقت اورمقام مقرر کردیا ہے ۔اس کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں جو انسان کی زندگی میں ایک لمحہ بھی تقدیم وتاخیر کرسکے ۔

’’ ہر امت کے لیے ایک وقت ہے، جب اس کا وقت آجاتا ہے تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے رہتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔‘‘ (یونس: ۴۹)

’’قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے ،وہی بارش برساتا ہے وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹوں میں کیا پرورش پا رہا ہے۔کوئی نفس نہیں جانتا کہ کل کیا کرنے والا ہے۔اور نہ کسی شخص کو یہ خبر ہے کہ اس کو موت کس سرزمین میں آئے گی۔ اللہ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔‘‘ (لقمان:۳۴)

مسائل

۱۔ انسان وہی کچھ پائے گا جو دنیا میں کمائے گا۔۲۔ ہر انسان کے اعمال کا پوری طرح جائزہ لیا جائے گا۔
۳۔ ہر انسان کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔۴۔’’اللہ‘‘ہی انسان کو ہنسانے اوررُلانے والا ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ ہی موت وحیات کا اختیار رکھنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

تمام اختیارات کا مالک ’’اللہ‘‘ ہے :

۱۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو ملک میں بااختیار بنایا۔ (یوسف : ۵۶)
۲۔ ’’اللہ‘‘ بادشاہوں کا بادشاہ ہے جسے چاہے حکومت عنایت کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ (آل عمران:۲۶)
۳۔ بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں زمین وآسمان کی بادشاہت ہے۔وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ (الملک : ۱)
۴۔ زمین وآسمان کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے۔ (الجاثیہ : ۲۷)۵۔ ہر چیز اللہ سبحانہ کے ہاتھ میں ہے۔(یٰس:۸۳)
۶۔ ہر قسم کی خیر’’ اللہ‘‘ کے ہاتھ میں ہے۔(آل عمران:۷۳)

وَاَنَّهٗ	خَلَقَ	الزَّوْجَيْنِ	الذَّكَرَ	وَالْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾	مِنْ نُّطْفَةٍ
اور بلاشبہ اسی نے	پیدا کیا	جوڑا	نر	اور مادہ	نطفے سے
اِذَا	تُمْنٰى ﴿۴۶﴾	وَاَنَّ	عَلَيْهِ	النَّشْاَةَ	الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾
جب	وہ ڈالا جاتا ہے	اور بلاشبہ	اسی کے ذمہ ہے	پیدا کرنا	دوسری بار

”اور بے شک اسی نے ایک بوند سے نَر اور مادہ کا جوڑا پیدا کیا۔(۴۵) جب نطفہ ٹپکایا جاتا ہے۔(۴۶) اور بے شک پہلی دفعہ پیدا کرنا اور دوسری مرتبہ پیدا کرنا اسی کے ذمہ ہے۔“(۴۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو ”رب“ موت وحیات پر قادر ہے اسی نے انسان کو ایک نطفہ سے پیدا کیا اور وہی اسے دوبارہ پیدا کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم، حضرت حوا علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا ہر انسان کو ایک نطفہ سے پیدا کیا ہے جسے عورت کے رِحم میں ڈالا جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اسے نَر یا مادہ کی شکل میں پیدا کرتا ہے۔

”تُمْنٰی“ کا معنٰی ہے مقدر میں کیا جانا، آزمایا جانا، توفیق دیا جانا اور امتحان لیا جانا وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انسان کی تخلیق کو بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے جس کا خلاصہ یوں ہے۔

”اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا فرما کر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیے۔ اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔“ (النساء:۱)

﴿ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ○ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ○ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ○ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ﴾ (الطارق : ۵تا۸)

”پس انسان دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ یقیناً وہی خالق اسے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔“

”یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا۔ پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی پھر لوتھڑے کو بوٹی بنایا۔ پھر بوٹی سے ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر اسے ایک دوسری شکل میں لا کھڑا کیا۔ بڑا ہی بابرکت ہے اللہ سب کاریگروں سے اچھا کاریگر۔“ (المومنون: ۱۲ تا ۱۴)

”لوگو اگر تمہیں زندگی کے بعد موت کے بارے میں شک ہے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نے تمہیں

مٹی سے پیدا کیا ہے پھر نطفے سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر گوشت سے جو بوٹی کامل اور ناقص بھی تاکہ تم پر حقیقت واضح کریں کہ ہم جس نطفے کو چاہتے ہیں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ایک خاص وقت تک رحموں میں پھر تمہیں ایک بچے کی صورت میں نکالتے ہیں تاکہ تم جوان ہو جاؤ اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے اور کوئی ناکارہ عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر نہ جان سکے اور تم دیکھتے ہو کہ زمین خشک ہوتی ہے پھر ہم نے اس پر بارش برسائی کہ یکایک وہ اُبھرتی اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم کی خوش نما نباتات اگلنی شروع کر دی۔“(الحج:۵)

”اللہ زمین وآسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جسے چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے۔جسے چاہتا ہے بیٹے اور بیٹیاں ملا جلا کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بانجھ رکھتا ہے،وہ سب کچھ جانتا اور ہر چیز پر قادر ہے۔“(الشوریٰ: ۴۹،۵۰)

اللہ ہی انسان کو دوبارہ پیدا کرے گا۔انسان کو دوبارہ پیدا کرنا اس کا وعدہ ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہو پائے گی۔اس لیے اس کا فرمان ہے کہ اے انسان! تجھے دنیا کی زندگی اپنے رب کے بارے میں کسی فریب میں مبتلا نہ کر دے۔(فاطر:۵)

مسائل

۱۔ اللہ ہی نر اور مادہ پیدا کرتا ہے۔۲۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نطفہ سے پیدا کرتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دوبارہ پیدا کرے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انسان کو دوبارہ پیدا کرے گا:

۱۔ یقیناً قیامت کے دن اللہ تمھیں جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں۔(الانعام:۱۲)

۲۔ آپ فرما دیں تمھارے پہلے اور آخر والے سب کو ضرور اکٹھا کیا جائے گا۔(الواقعۃ: ۴۷ تا ۵۰)

۳۔ پھر ہم تمھیں تمھاری موت کے بعد اٹھائیں گے۔(البقرۃ:۵۶)

۴۔ ”اللہ“ ہی نے مخلوق کو پیدا کیا، پھر وہ اسے دوبارہ پیدا کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔(الروم:۱۱)

۵۔ قیامت کے دن ”اللہ“ ہی سب کو اٹھائے گا پھر ان کے اعمال کی انھیں خبر دے گا۔(المجادلہ: ۶ تا ۱۸)

۶۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اٹھائے گا تاکہ ان کے درمیان فیصلہ صادر فرمائے۔(الانعام:۶۰)

۷۔ آپ فرما دیں کہ تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔(التغابن: ۷)

۸۔ اللہ تعالیٰ تمام مُردوں کو اٹھائے گا پھر اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔(الانعام:۳۶)

۹۔ آپ فرما دیں اللہ ہی نے تخلیق کی ابتداء کی پھر دوبارہ پیدا کرے گا پھر تم کہاں بہک گئے ہو؟ (یونس:۳۴)

وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾

اور بے شک	وہی	غنی کرتا ہے	اور تنگ دست بناتا ہے	اور یقیناً	وہی ہے رب	شِعریٰ کا

''اور بے شک وہی غنی کرنے والا اور تنگ دست بنانے والا ہے ۔(۴۸) اور یقیناً وہی شِعریٰ کا رب ہے۔''(۴۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو''رب'' انسان کو نر اور مادہ کی صورت میں پیدا کرتا ہے وہی انسان کو تونگر بناتا اور تنگ دست کرتا ہے۔

قرآن مجید کی تعلیمات میں یہ بات بھی بنیادی حیثیت رکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کا رزق فراخ کرتا ہے اور وہی رزق تنگ کرنے والا ہے ۔ بے شک انسان کو رزق کمانے کا حکم دیا گیا ہے مگر رزق کی کشادگی کا دارومدار انسان کی محنت پر نہیں رکھا گیا ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی حکمت اور مشیّت ہے کہ جس کا چاہے رزق فراخ کرے اور جس کا چاہے کم کردے ۔

رزق کی فراوانی اور اسباب کی وسعت اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے،وہ جسے چاہتا ہے رزق کی کشادگی سے نوازتا ہے اور جس کا چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے۔ انسان کو تلاشِ رزق کا حکم ہے مگر رزق کا انحصار صرف انسان کی محنت پر نہیں ۔اگر رزق کا دار ومدار انسان کی محنت پر ہوتا تو دنیا میں کوئی ہنرمند غریب نہ ہوتا، کوئی لینڈلارڈ مقروض نہ ہوتا،اور نہ ہی کارخانے دار دیوالیہ ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ رزق دینے والا صرف ایک ''اللہ'' ہے۔ اس نے لوگوں کے تعلقات کو مربوط رکھنے کے لیے رزق کی تقسیم اس طرح کی ہے کہ ایک شخص اپنی روزی کے لیے کئی انسانوں کے تعاون کا ضرورت مند ہوتا ہے۔ جس بنا پر لوگ ایک دوسرے کی روزی میں معاون بنتے ہیں۔ کارخانے دار کو دیکھیں کہ وہ کتنے لوگوں کے رزق کا وسیلہ بنتا ہے۔ یہی صورتِ حال زمیندار کی ہے کہ بظاہر وہ اپنی روزی کے لیے محنت کرتا ہے۔ لیکن اپنے ساتھ درجنوں گھرانوں، سینکڑوں جانوروں اور ہزاروں کیڑے مکوڑوں کی روزی کا وسیلہ بنتا ہے۔

ہر دور میں ایسے مشرک ضرور ہوتے ہیں جن کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ انسان کی قسمت اور رزق کا تعلق ستاروں کی گردش کے ساتھ منسلک ہے ۔ اس وجہ سے کچھ لوگ علمِ نجوم پر یقین رکھتے ہیں اور کچھ یہ سمجھتے ہیں کہ فلاں ستارہ اگر فلاں مدار میں پہنچ جائے تو بارش کا برسنا لازم ہوجاتا ہے ۔ ستاروں میں سب سے بڑا ستارہ الشّعریٰ ہے ۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ تمام ستاروں کا رب ہے لیکن الشّعریٰ کے''رب'' ہونے کا اس لیے بطور خاص ذکر کیا ہے کہ عرب کے کچھ قبائل اس کی عبادت کرتے تھے جو اس کی عبادت نہیں کرتے تھے وہ بھی اس کی تکریم کے قائل تھے۔

شعریٰ ستارے کے انگریزی میں کئی نام ہیں۔اسے SIRIUS، STAR، DOG اور CANIS MAJORIS بھی کہا جاتا ہے ۔ انسائیکلو پیڈیا یا بریٹانیکا میں (SIRIUS) کے عنوان کے ضمن میں جو معلومات

فراہم کی گئی ہیں ان کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے۔"یہ ستارہ مجموعۂ نجوم میں روشن ترین ستارہ ہے۔سورج سے بھی اس کی روشنی اکیس گنا زیادہ ہے اور حجم میں بھی یہ سورج سے بڑا ہے۔ اس کی سطح کا درجہ حرارت بھی کافی زیادہ ہے۔ زمین سے اس کا فاصلہ آٹھ عشاریہ چھ(8.6)نوری سال ہے۔قدیم مصری اس کو بہت مقدس مانتے تھے کیونکہ جس موسم میں یہ طلوع ہوتا اس وقت دریائے نیل میں سیلاب کی آمد آمد ہوتی۔ تمام علاقہ سیراب ہوکر سبزوشاداب ہوجاتا۔مصریوں کا عرصۂ دراز تک یہی عقیدہ رہا کہ شِعریٰ ستارہ کے طلوع کے نمودار ہونے پر مصر کی خوشحالی کا دور دورہ ہوتا ہے۔اس لیے وہ اسے ہر قسم کی شادابیوں کا خالق یقین کرتے اور اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔(انسائیکلو پیڈیا ،جلد:٢٠)

"حضرت خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز حدیبیہ کے مقام پر پڑھائی۔ رات کو ہونے والی بارش کے اثرات فضا میں نمایاں تھے۔نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اورصحابہ سے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔آپ نے فرمایا کچھ بندوں نے ایمان کی حالت میں صبح کی اورکچھ نے کفر کی حالت میں صبح کی۔جس نے کہا اللہ کے فضل اوراس کی رحمت سے بارش ہوئی ہے وہ مجھ پر ایمان لایا اور اس نے ستاروں کا انکار کیا اورجس نے کہا کہ فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی اس نے میرا انکار کیا اور وہ ستاروں پر ایمان لایا۔"

(رواہ البخاری: باب يَسْتَقْبِلُ الإِمَامُ النَّاسَ إِذَا سَلَّمَ)

مسائل

١۔ اللہ ہی رزق فراخ کرنے والا اوروہی رزق تنگ کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

رزق کی فراخی اورتنگی کا اختیارصرف "اللہ" ہی کے پاس ہے:

١۔ اللہ کے ہاتھ کھلے ہیں جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔(المائدۃ:٦٤)

٢۔ زمین وآسمان کے خزانوں کا مالک صرف "اللہ" ہے۔(المنافقون:٧)

٣۔ زمین وآسمان کی کنجیوں کا مالک "اللہ" ہے۔(الزمر:٦٣) ٤۔"اللہ" نے ہر جاندار کے رزق کا ذمہ لیا ہوا ہے۔(ہود:٦٧)

٥۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی رزق کو فراخ اور تنگ کرتا ہے۔(الزمر:٥٢)

٦۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کے لیے دوہرا اجر اور رزق کریم تیار کر رکھا ہے۔(الاحزاب:٣١)

٧۔ "اللہ" ہی رازق ہے اور بڑی قوت والا ہے۔(الذاریات:٥٨) ٨۔اللہ تعالیٰ رزق بڑھاتا اورکم کرتا ہے۔(العنکبوت:٦٢)

وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَ ا۟لْاُوْلٰى ۝ وَ ثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى ۝ وَ قَوْمَ نُوْحٍ

اور بلاشبہ اسی نے ہلاک کیا عادِ اولیٰ کو اور ثمود کو پھر نہ اس نے باقی چھوڑا اور قوم نوح کو

مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَ اَطْغٰى ۝ وَ الْمُؤْتَفِكَةَ

ان سے پہلے بلاشبہ وہ وہ تھے بڑے ظالم اور بڑے سرکش اور الٹ جانے والی بستی کو

اَهْوٰى ۝ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ۝

اس نے گرا دیا پھر اس کو ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپا پھر کون سی اپنے رب کی نعمتوں کا تو شک کریگا

''اور بے شک اُسی نے عادِ اولیٰ کو ہلاک کیا۔(۵۰) اور ثمود کو ایسا مٹایا کہ ان میں سے کوئی باقی نہ بچا۔(۵۱) اور ان سے پہلے قوم نوح کو تباہ کیا کیونکہ وہ ظالم اور سرکش لوگ تھے۔(۵۲) اور اَوندھی گرنے والی بستیوں کو اٹھا پھینکا۔(۵۳) پھر ان پر جو تباہی آئی سو آئی۔(۵۴) پس اے انسان تو اپنے رب کی کس کس نعمت میں شک کرے گا؟''(۵۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ''اَلشِّعْرٰى'' اورعلمِ نجوم پریقین رکھنے والوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ستاروں کی گردش کی وجہ سے کائنات میں تبدیلیاں ناگزیر ہوجاتی ہے اوراسی وجہ سے ہلاکتیں رونما ہوتی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورج، چاند اورستاروں کوایک محدود حد تک موسم اورفضا میں تبدیلی لانے کا ذریعہ بنایا ہے لیکن اس کا یہ معنٰی نہیں کہ سورج، چاند اورستارے ازخود اپنے وجود میں یہ طاقت رکھتے ہیں۔ مسلمان کا یہ عقیدہ ہے اورہونا چاہیے کہ ہر چیز میں جوقوت اورتاثیر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔اگر ''اللہ'' اس قوت کو ضبط کرلے تو اس چیز میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اثر انداز ہو سکے۔ جس کی واضح مثال ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے قرآن مجید میں موجود ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینکا گیا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے ٹھنڈی ہوجائے۔ آگ بظاہر اسی طرح بھڑکتی رہی لیکن اس کی تاثیر ختم کردی گئی۔ ابراہیم علیہ السلام باسلامت باہر تشریف لے آئے۔ لہٰذا یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اصل قوت ''اللہ'' کے اختیار میں ہے۔ ''اَلشِّعْرٰى'' کے ذکر کے بعد قوم نوح، قومِ عاد، قومِ ثموداورقومِ لوط کی ہلاکت کے ذکر کواللہ تعالیٰ نے بطورِ نعمت بیان فرمایاہے۔ مذکورہ بالا اقوام کی ہلاکت کو اس لیے نعمت کے طور پر ذکر کیا ہے کیونکہ لوگوں نے ظالموں سے نجات پائی اورمظلوموں کو پھلنے پھولنے کا موقع نصیب ہوا۔ ''تَتَمَارٰى'' کا معنٰی ہے آپس میں جھگڑنا، آپس میں اختلاف کرنا شک کرنا وغیرہ۔

اس لیے فرمایا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت کے بارے میں تکرار یا شک کرو گے۔ قومِ عاد کو آندھی نے گھیر لیا، قومِ ثمود کو دھماکے نے آلیا، قومِ نوح پر سیلاب عذاب آیااورقومِ لوط کو پتھروں کی بارش کے ساتھ ملیا میٹ کردیا گیا۔ قومِ لوط کے بارے میں یہاں صرف اتنا ہی فرمایا ہے کہ اُلٹ جانے والی بستی پر چھایا جو چھایا۔

قومِ نوح، عاد، ثموداورلوط کی تفصیل جاننے کے لیے سورۃ الذاریات کی آیت ۴۱تا۴۶ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں!

عادِ اولیٰ سے مراد قدیم قومِ عاد ہے جس طرف ہود علیہ السلام بھیجے گئے تھے۔ یہ قوم جب حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلانے کی پاداش میں عذاب میں مبتلا ہوئی تو صرف وہ لوگ باقی بچے جوان پر ایمان لائے تھے۔ان کی نسل کوتاریخ میں عادِ اُخرٰی یا عادِ ثانیہ بھی کہتے ہیں۔

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿٥٦﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿٥٧﴾ لَيْسَ لَهَا

یہ ڈرانے والا ہے | پہلے ڈرانے والوں سے | قریب آ گئی | قریب آنے والی | نہیں ہے | اس کو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿٥٨﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَتَضْحَكُوْنَ

سوائے اللہ کے | کوئی ظاہر کرنے والا | کیا | پھر اس بات سے | تم تعجب کرتے ہو | اور تم ہنستے ہو

وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿٦١﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿٦٢﴾ السجدة

اور نہیں | روتے | اور | تم | کھیل کود میں مست ہو | بس تم سجدہ کرو | اللہ کو | اور بندگی کرو

"یہ پہلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والا ہے۔(۵۶) آنے والی گھڑی قریب آچکی ہے۔(۵۷) اللہ کے سوا کوئی اسے ظاہر کرنے والا نہیں۔(۵۸) ان باتوں پر کیا تم تعجب کرتے ہو؟(۵۹) ہنستے ہو اور روتے نہیں۔(۶۰) اور تم کھیل کود میں مست ہو۔(۶۱) جھک جاؤ اللہ کے سامنے اور اس کی بندگی کرو۔"(۶۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اقوام کی تباہی اور قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر کرنے کا مقصد لوگوں میں قیامت کی جواب دہی کا احساس پیدا کرنا ہے لیکن قیامت کے منکر اور اس سے لاپرواہی کرنے والے اسے مذاق سمجھتے ہیں۔ جس وجہ سے اس سورت کے آخر میں انہیں پھر حکم دیا کہ قیامت سے غفلت اختیار کرنے کی بجائے اللہ کے سامنے سربسجود ہو جاؤ اور اس کی بندگی اختیار کرو یہی تمہاری نجات کا راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کے ذریعے پہلی اقوام کے واقعات بیان فرما کر لوگوں کو دنیا کے انجام اور قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرایا ہے۔ قیامت کے بارے میں فرمایا کہ قیامت قریب ہی آن پہنچی ہے اور قیامت کی ہولناکیوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں ٹال سکتا۔ کیا تم قیامت کی آمد اور اللہ کے فرمان پر تعجب کرتے ہو؟ اور اپنے کیے پر رونے کی بجائے ہنستے ہو اور دنیا کی وجہ سے تم قیامت کے بارے میں غفلت میں پڑے ہوئے ہو۔ چاہیے تو یہ کہ تم اللہ کے حضور جھک جاؤ اور اس کی بندگی اختیار کرو۔

اس سورت کی ابتدائی آیات میں ستارے کی قسم اٹھا کر اللہ تعالیٰ نے معراج کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ قربت کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ مشرک محض اپنے گمان کی بنیاد پر لات، عزّیٰ اور منات کی عبادت کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کو ہر قسم کے شرک سے منع کیا گیا ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا اور آخرت کے معاملات صرف "اللہ" کے ہاتھ میں ہیں۔ اسی مضمون کو سورہ کے اختتام پر یوں بیان کیا جارہا ہے کہ قیامت قریب آن پہنچی ہے اور اس کی ہولناکیوں کو "اللہ" کے سوا کوئی نہیں ٹال سکتا۔ جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں وہ اپنے اعمال پر رونے کی بجائے قیامت کا ذکر سن کر ہنستے ہیں۔ حالانکہ انہیں اپنے کردار پر رونا چاہیے۔ قیامت کی

ہولنا کیوں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ لوگ ادھر اُدھر جھکنے کی بجائے صرف اورصرف اپنے رب کے سامنے جھکیں اوراس کی عبادت کریں۔ یادرہے کہ انسان کی تخلیق اورانبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان اپنے رب کی عبادت کرے۔ عبادت سے مراد وہ تمام عبادات ہیں جن کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔عبادت سجدہ کی صورت میں ہو یا دوسری صورت میں وہ صرف اورصرف ایک ''اللہ'' کے لیے ہونی چاہیے۔

قرآن مجید کی تاثیر کا ایک عجب واقعہ:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب بخاری شریف کی کتاب التفسیر میں لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن بیت اللہ میں کھڑے ہوکر سورہ نجم کی تلاوت کی ۔اس وقت بیت اللہ میں مکہ کے بڑے بڑے سردار بھی موجود تھے۔کفار بیت اللہ کے بابرکت ماحول میں بڑے انہماک سے سورہ نجم کی تلاوت سن رہے تھے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سورہ نجم کے آخری الفاظ تلاوت کیے اوراللہ کے حضور سجدہ کیا تو یہ منظر اس قدر مسحور کُن اور پُرجلال تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ کفار بھی سجدہ ریز ہوگئے ۔صرف ایک بوڑھا جس کا نام امیہ بن خلف تھا اس نے زمین پر سجدہ کرنے کی بجائے سے کنکریاں اٹھا کر اپنی پیشانی کے ساتھ لگائیں اور کہا کہ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے ۔

مسائل

۱۔ نبی علیہ السلام بھی پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح اپنی امت کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے لیے مبعوث کیے گئے۔
۲۔ قیامت قریب آپہنچی ہے اوراس کی ہولناکیوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں ٹال سکتا۔
۳۔ بے دین لوگ قیامت پر یقین کرنے کی بجائے اس پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں ۔
۴۔ برے لوگوں کو قیامت کا مذاق اُڑانے کی بجائے اپنے اعمال پر رونا چاہیے۔
۵۔ لوگوں کو غفلت چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی عبادت کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے کا حکم:

۱۔ آپ کو حکم ہے کہ آپ فرمادیں کہ میں تو صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔(یونس:۱۰۴)
۲۔ اللہ کی عبادت کرو اوراس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔(الرعد:۳۶)
۳۔ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔(ہود:۲) ۴۔اے لوگو اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔(البقرۃ:۲۱)
۵۔ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔(یوسف:۴۰)
۶۔ اللہ کی عبادت کرو اوراس کے شریک نہ بناؤ (النساء:۳۶)
۷۔ نوح، ہود، صالح اورشعیب علیہم السلام نے اپنی قوم کو ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا۔(ہود:۵۰۔۶۱۔۸۴)

سورۃ القمر کا تعارف

اس سورت کا نام اس کی پہلی آیت کے آخر میں موجود ہے یہ تین رکوع اور پچپن (۵۵) آیات پر مشتمل ہے۔ یہ مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی ہے۔

اہلِ مکہ قرآن مجید کی جس تیسری بڑی حقیقت کا انکار کرتے تھے وہ قیامت کا قائم ہونا ہے۔ اس کے انکار کے لیے ان کے پاس کوئی ٹھوس دلیل نہیں تھی۔ قرآن مجید نے انہیں درجنوں دلائل اور پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے دور میں مُردوں کے زندہ ہونے کے واقعات سُنائے لیکن اس کے باوجود وہ آپ ﷺ سے دلائل مانگتے تھے۔ ہجرت کے پانچویں سال کا واقعہ ہے کہ نبی علیہ السلام اور قریش کے چند سردار منٰی میں موجود تھے۔ گفتگو کے دوران یہ بات ہوئی کہ اگر آپ چاند کو دوٹکڑے کر کے دیکھائیں تو ہم آپ کی نبوت کو تسلیم کر لیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی علیہ السلام نے چاند کو اشارہ کیا تو چاند دوٹکڑے ہو گیا تفصیل کے لیے اس آیت کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

اس واقعے میں ایک طرف نبی ﷺ کی رسالت کی تائید ہوتی ہے اور دوسری طرف اس بات کا عملی ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ جس طرح چاند شق ہوا ہے اسی طرح ہی اپنے وقت پر قیامت برپا ہو جائے گی۔ لیکن اس کے باوجود قیامت کے منکر اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں حالانکہ اس دن لوگ اپنی اپنی قبروں سے اس طرح نکلیں گے جس طرح بکھرے ہوئے پروانے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد مختصر طور پر قومِ نوح، قومِ ثمود اور قومِ لوط کا واقعہ بیان کیا ہے۔ یہ لوگ قیامت کے منکر ہونے کی وجہ سے سرکش ہوئے اور ان کے سرکشی کرنے کی وجہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلّت کی موت اتار دیا۔ اس سورت کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ اے اہل مکہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ فرعون کو کس طرح بار بار انتبا کیا گیا تھا مگر وہ ہر دلیل کو ٹھکراتا رہا جس کے نتیجہ میں بالآخر تباہی کے گھاٹ اُترا۔ بتاؤ کہ کیا تم فرعون اور مذکورہ بالا اقوام سے زیادہ طاقتور ہو؟ یا وہ تم سے طاقت میں زیادہ تھیں۔ کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے قیامت تو ہر صورت برپا ہو کر رہے گی اس دن مجرم منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے پھر انہیں کہا جائے گا کہ اب جہنم کا عذاب جھیلتے رہو۔ منکرین قیامت کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے اسی طرح ہی قیامت کا بھی ایک وقت مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کرنے کا حکم دیتے ہیں تو وہ کام پلک جھپکنے سے پہلے ہو جاتا ہے۔ اس نے تمہارے جیسے بہت سے لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔ کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا تو اسے نصیحت قبول کرنی چاہیے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نصیحت حاصل کرنے کے لیے قرآن مجید کو آسان ترین بنا دیا ہے۔

سُورَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوعُهَا: ۳ آيَاتُهَا: ۵۵

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

اِقْتَرَبَتِ	السَّاعَةُ	وَانْشَقَّ	الْقَمَرُ ①	وَاِنْ	يَّرَوْا	اٰيَةً	
قریب آگئی	قیامت	اور پھٹ گیا	چاند	اور اگر	وہ دیکھیں	کوئی نشانی	
يُّعْرِضُوْا	وَيَقُوْلُوْا	سِحْرٌ	مُّسْتَمِرٌّ ②	وَكَذَّبُوْا	وَاتَّبَعُوْٓا		
اعراض کریں گے	اور کہیں گے کہ	یہ جادو ہے	موثر	اور انہوں نے جھٹلایا	اور پیروی کی		
اَهْوَآءَهُمْ	وَكُلُّ	اَمْرٍ	مُّسْتَقِرٌّ ③	وَلَقَدْ	جَآءَهُمْ		
اپنی خواہشات کی	اور ہر	کام	ٹھہرا ہوا ہے	اور یقیناً آچکی ہیں ان کے پاس			
مِّنَ الْاَنْبَآءِ	مَا	فِيْهِ	مُزْدَجَرٌ ④				
خبریں	وہ	جن میں	تنبیہ ہے				

"قیامت کی گھڑی قریب آچکی اور چاند پھٹ گیا۔(۱) جو نشانی وہ دیکھتے ہیں اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو اثر انداز ہونے والا جادو ہے۔(۲) انہوں نے جھٹلا دیا اور اپنی خواہشات نفس ہی کی پیروی کی ہر کام انجام تک پہنچ کر رہتا ہے۔(۳) ان کے سامنے وہ حالات آچکے ہیں جن میں سرکشی سے باز رہنے کے لیے ایک تنبیہ موجود ہے۔"(۴)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورۃ النجم کا اختتام اس مضمون پر ہوا کہ قیامت قریب آن پہنچی ہے اوراس کی ہولنا کیوں کواللہ کے سوا کوئی نہیں ٹال سکتا۔سورۃ القمر کی بتدا میں قربِ قیامت کی ایک بڑی نشانی کا ذکر کیا گیا ہے۔

دین کا تیسرا بڑا عنوان قیامت ہے جس کی نشانیوں اور ہولنا کیوں کا قرآن مجید میں بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اہلِ مکہ کی غالب اکثریت قیامت پر یقین نہیں رکھتی تھی۔ اس لیے وہ بات کو الجھانے کے لیے قیامت کے بارے میں کئی قسم کے سوالات کرتے تھے۔ نبی محترم ﷺ نے انہیں ہر طرح سمجھانے اور یقین دلانے کی کوشش فرمائی کہ قیامت ہر صورت آکر رہے گی۔ مگر مکہ والے اس حقیقت کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ نبوت کے پانچویں سال کا واقعہ ہے کہ ایک رات آپ ﷺ منیٰ میں تشریف فرماتھے اور اہلِ مکہ کے کچھ سردار بھی موجود تھے۔ اہلِ تفسیر نے لکھا ہے کہ چاند کی چودھویں رات تھی۔ مکہ والوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ اگر آپ چاند کو دوٹکڑے کرکے دکھا دیں تو ہم آپ اور قیامت پر ایمان لے آئیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگرتمہارا مطالبہ پورا ہو جائے توپھر ایمان لے آؤ گے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! اس پر آپ نے اللہ کے حکم سے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور چاند کو اپنی انگلی کا اشارہ کیا۔ بس آپ کا اشارہ کرنا تھا کہ چاند دوٹکڑے ہوا اورایک لمحہ کے بعد اپنی پہلی حالت

میں ضوفشاں ہونے لگا۔اس قدر عظیم معجزہ دیکھنے کے باوجود کفار نے شور مچایا کہ یہ تو بہت بڑا جادوگر ہے۔اس کا جادو آسمان پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔اس طرح انہوں نے اپنے باطل نظریات کو ترجیح دی اورشقِ قمر کے معجزے کو جھٹلا دیا۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ وَنَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِمِنًى فَقَالَ اشْهَدُوا وَذَهَبَتْ فِرْقَةٌ نَحْوَ الْجَبَلِ .)) (رواه البخاري: باب انشقاق القمر)

’’حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے بیان کیا جس وقت چاند دوٹکڑے ہوا تو ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ منٰی کے میدان میں موجود تھے ۔چاند کا ایک ٹکڑا دوسرے سے الگ ہو کر پہاڑ کی طرف چلا گیا۔آپ نے فرمایا لوگو! گواہ رہنا ۔‘‘

شقِ قمر پر اٹھنے والے اعتراضات اوران کا جواب:

شقِ قمر پر اعتراض کرنے والے لوگ کہتے ہیں کہ اگر واقعی ہی چاند دوٹکڑے ہوا تو اس وقت لوگوں کو اس عظیم واقعہ کا علم کیوں نہیں ہوا؟ ایسے دانشوروں سے سوال ہے کہ انہیں کس نے بتایا ہے کہ اس زمانے کے لوگوں کو اس کا علم نہیں ہوا تھا ۔ اگر یہ واقعہ رونما نہ ہوا ہوتا تو قرآن مجید کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ چاند شق ہوگیا لیکن اس کے باوجود کفار کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے ۔

① ۔کیا شقِ قمر پر اعتراض کرنے والوں کے پاس عرب کے چودہ سوسال کی تاریخ کا ریکارڈ موجود ہے جس بنا پر یہ لوگ شقِ قمر کا انکار کرتے ہیں۔

② ۔کیاشقِ قمر کا عمل گھنٹوں پرمحیط تھا جولوگوں کے لیے حیرت کا باعث بنتا اوراس زمانے کے تمام لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ۔بات تو اتنی ہے کہ ایک لمحہ کے لیے چاند دوٹکڑے ہوا اورپھر اپنی اصلی حالت میں ضوفشاں ہونے لگا۔

دنیا میں ہرسال اورہر ملک میں کتنی بارایسا ہوتا ہے کہ آسمانی بجلی ایک لمحہ کے لیے زمین پراترتی ہے اور دوسرے لمحے اوپر چلی جاتی ہے ۔اس وقت ہزاروں لوگ بارش کا نظارہ کررہے ہوتے ہیں ۔مگر انہیں بجلی کی آمد ورفت کی خبرنہیں ہوتی ۔

③ ۔سائنسدان ہردور میں یہ مشاہدہ کرتے آرہے ہیں کہ بے شمار سیارے ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں اور پھر اپنے مدار میں واپس پہنچ جاتے ہیں ۔

شقِ قمر کی تاریخی شہادت:

پاکستان کے ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر نے تفصیل کے ساتھ ایک آرٹیکل لکھا ہے کہ ہندوستان کی ریاست مالا بار کے راجہ نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس نے ایک وفد مکہ روانہ کیا۔ وفد کی نبی ﷺ سے ملاقات ہوئی اور وفد کے لوگ مسلمان ہو گئے لیکن وفد واپس ہندوستان پلٹا تو راستے میں ایک آدمی کے سوا باقی سفر کی صعوبتوں کی وجہ سے فوت ہو گئے اس نے واپس آ کر راجہ کو نبی ﷺ کے حالات بتلائے تو راجہ مسلمان ہو گیا اور اس نے مالا بار شہر میں ایک مسجد بنوائی ۔ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ میں نے اس مسجد کی زیارت کی جس کا بیت

اللہ کی بجائے مسجد اقصیٰ کی طرف تھا۔ یاد رہے کہ راجہ کے وفد کی ملاقات نبی ﷺ سے مدینہ میں ہوئی تھی۔اس وقت نماز میں آپ ﷺ اپنا چہرہ بیت اللہ کی بجائے بیت المقدس کی طرف کرتے تھے۔

چاند اور سورج کا انجام:

اللہ تعالیٰ نے اس شقِ قمر کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے جس میں کھلے الفاظ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جس قیامت کا تم انکار کرتے ہو اس کا ایک وقت مقرر ہے جو کسی کے انکار یا اقرار کی وجہ سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کا حکم صادر ہوگا تو اس کی ذات کے علاوہ ہر چیز فنا ہوجائے گی۔

قیامت کی نشانیاں:

قیامت کی تین قسم کی نشانیاں ہیں جن میں کچھ نبی علیہ السلام سے پہلے، کچھ آپ کے دور میں ظاہر ہوچکی ہیں اور کچھ قیامت سے پہلے نمودار ہوں گی اور باقی نشانیاں اس وقت ظاہر ہوں گی جب قیامت کی آمد آمد ہوگی جن کا اختصار درج ذیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ قیامت ہرصورت آنی ہے مگر میں نے اس کا وقت چھپا رکھا ہے۔ (الاعراف:۱۸۷)

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَثَوْبُهُمَا بَیْنَهُمَا لَا یَطْوِیَانِهِ وَلَا یَتَبَایَعَانِهِ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ حَلَبَ لِقْحَتَهُ لَا یَطْعَمُهُ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ رَفَعَ لُقْمَتَهُ إِلٰی فِیهِ وَلَا یَطْعَمُهَا وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَالرَّجُلُ یَلِیطُ حَوْضَهُ لَا یَسْقِی مِنْهُ)) (رواہ احمد: مسند ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا کپڑا بیچنے اور خریدنے والا ابھی کپڑا سمیٹ نہیں سکیں گے کہ قیامت آجائے گی۔ ایک آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ دوھ رہا ہوگا اور وہ اس کو پی نہیں سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ کھانا کھانے والا لقمہ اپنے منہ کی طرف اٹھائے گا اور اپنے منہ میں نہیں ڈال سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ ایک آدمی اپنا حوض ٹھیک کر رہا ہوگا وہ اس سے پانی پی نہیں سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔‘‘

’’حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا فرمان بیان کرتے ہیں کہ ایام میں سب سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے اس دن آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اسی دن ان کو جنت میں داخلہ ملا اور جمعہ کو ہی ان کا جنت سے اخراج ہوا، اور اسی دن ہی قیامت برپا ہوگی۔‘‘ (رواہ مسلم: باب فَضْلِ یَوْمِ الْجُمُعَةِ)

مسائل

۱۔ شقِ قمر قربِ قیامت کی بہت بڑی نشانی ہے جو ظاہر ہوچکی ہے۔

۲۔ شقِ قمر کا معجزہ دیکھنے کے باوجود اہلِ مکہ نے اسے جادو قرار دیا۔

۳۔ اہلِ مکہ اپنی خواہشات کے پیشِ نظر حقائق کو جھٹلایا کرتے تھے۔۴۔اللہ تعالیٰ نے قیامت اور ہر کام کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔

حِكْمَةٌۢ	بَالِغَةٌ	فَمَا	تُغْنِ	النُّذُرُ ۝ ۵	فَتَوَلَّ	عَنْهُمْ ۘ
دانائی کی بات	مکمل ہو چکی	پس نہیں	فائدہ دیتی	تنبیہات	آپ منہ موڑ لیں	ان سے
يَوْمَ	يَدْعُ	الدَّاعِ	اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝ ۶	خُشَّعًا	اَبْصَارُهُمْ	
جس دن	بلائے گا	بلانے والا	ہولناک چیز کی طرف	جھکی ہوں گی	ان کی نگاہیں	
يَخْرُجُوْنَ	مِنَ الْاَجْدَاثِ	كَاَنَّهُمْ	جَرَادٌ	مُّنْتَشِرٌ ۝ ۷	مُّهْطِعِيْنَ	
وہ نکلیں گے	قبروں سے	گویا کہ وہ	ٹڈیاں ہیں	منتشر	وہ دوڑ رہے ہوں گے	
اِلَى الدَّاعِ	يَقُوْلُ	الْكٰفِرُوْنَ	هٰذَا	يَوْمٌ	عَسِرٌ ۝ ۸	
بلانے والے کی جانب	کہیں گے	کافر	یہ	دن	سخت ہے	

''اور ایسی حکمت جو نصیحت کے مقصد کو بدرجہ اتم پورا کرتی ہے پس تنبیہات انہیں فائدہ نہیں دیتیں۔(۵) اے نبی آپ ان سے رخ پھیر لیں۔جس دن پکارنے والا ایک ناگوار چیز کی طرف پکارے گا۔(۶)لوگ سہمی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اپنی قبروں سے اس طرح نکلیں گے گویا وہ بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں۔(۷)لوگ آواز دینے والے کی طرف دوڑے جا رہے ہوں گے اور منکرین کہیں گے کہ یہ دن تو بڑا سخت ہے۔''(۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منکرینِ قیامت کے پاس شقِ قمر کا معجزہ اور دیگر دلائل آچکے ہیں لیکن اس کے باوجود عبرت حاصل کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ایسے لوگ قیامت کے ظہور سے پہلے اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ہی عبرت حاصل کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہ صرف قیامت قائم ہونے کے دلائل دیئے ہیں بلکہ کچھ انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے ساتھیوں کے سامنے مردوں کو زندہ کرکے بھی دکھلایا ہے اور جو لوگ دلائل اور تنبیہات کے باوجود قیامت پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔یہ اس دن سے پہلے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں گے جس دن انہیں بلانے والا اس چیز کی طرف بلائے گا۔ جیسے یہ لوگ اچھا نہیں سمجھتے۔ یہ اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور ان کی نگاہیں خوف کے مارے جھکی ہوئی ہوں گی اور یہ بکھری ہوئی ٹڈیوں کی طرح منتشر ہوں گے۔ قیامت کے منکر پکار پکار کر کہیں گے کہ آج کا دن بڑا بھاری اور سخت ہے۔قرآن مجید نے کئی مقامات پر ذکر کیا ہے کہ جب اسرافیل دوسری مرتبہ صور پھونکے گا تو لوگ اپنے اپنے مقام پر اٹھ کھڑے ہوں گے۔سورہ یٰس میں یہ بھی ذکر ہے کہ جب لوگ اپنی قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو وہ محشر کے میدان کی طرف اس طرح جائیں گے جس طرح تیر اپنے نشانے کی طرف جاتا ہے۔ (المعارج:۴۳)

﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ

مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ o اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ o فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ (یٰسٓ: ۵۱ تا ۵٤)

''پھر ایک صور پھونکا جائے گا اور یکا یک لوگ تیزی سے دوڑتے ہوئے اپنے رب کے حضور پیش ہونے کے لیے اپنی اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے۔گھبرا کر کہیں گے کس نے ہماری خواب گاہ سے ہمیں اُٹھا کھڑا کیا یہ وہ بات ہے جس کا رب رحمان نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں کی بات سچ تھی۔یہ صرف زور دار آواز ہوگی اور سب کے سب ہمارے سامنے پیش کر دیے جائیں گے۔آج کسی پر ذرّہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا اور تمہیں ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا جیسے تم عمل کرتے رہے ہو۔''

((وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلٰى مَامَاتَ عَلَيْهِ))

(رواہ مسلم: باب الْأَمْرِ بِحُسْنِ الظَّنِّ بِاللّٰهِ تَعَالٰى عِنْدَ الْمَوْتِ)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر شخص اسی حالت پر اٹھایا جائے گا جس پر وہ فوت ہوگا۔''

''حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ'' سے مراد قرآن مجید ہے اور شق قمر کا معجزہ بھی قیامت کے ثبوت ہیں۔اس کا یہ بھی معنی ہے کہ ایسی حکمت جس کے خلاف کوئی واضح دلائل نہ ہو۔

مسائل

۱۔ جولوگ قیامت پر یقین نہیں رکھتے وہ ہر قسم کے دلائل اور تنبیہات کو خاطر میں نہیں لاتے۔

۲۔ ''اللہ'' کی طرف سے لوگوں پر حجت پوری کردی گئی ہے مگر لوگ پھر بھی اس کی پرواہ نہیں کرتے۔

۳۔ قیامت کے دن جب لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا تو خوف کے مارے مجرموں کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی۔

۴۔ قیامت کے دن لوگ ٹڈیوں کی طرف منتشر ہوں گے اور انہیں محشر کے میدان میں جمع کیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن لوگوں کی حالت :

۱۔ قیامت کے دن نیک لوگوں کے چہروں پر ذلت اور نحوست نہیں ہوگی وہ جنّت میں رہیں گے۔(یونس:۲۶)

۲۔ برے لوگوں کے چہروں پر ذلت چھائی ہوگی اور انہیں اللہ سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔(یونس:۲۷)

۳۔ مومنوں کے چہرے تروتازہ ہوں گے(القیامہ:۲۲) ۴۔کفار کے چہرے بگڑے ہوں ہو گے۔(الحج:۷۲)

۵۔ مومنوں کے چہرے خوش وخرم ہوں گے (عبس:۳۸) ۶۔کفار کے چہروں پر گردو غبار ہوگا۔(عبس:۴۰)

۷۔ مومنوں کا استقبال ہوگا۔(الزمر:۷۳) ۸۔خدا کے باغیوں پر پھٹکار ہوگی۔(یونس:۲۷)

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا

جھٹلایا تھا ان سے پہلے قومِ نوح نے چنانچہ انہوں نے تکذیب کی ہمارے بندے کی اور کہا

مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ ۝٩ فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ

یہ دیوانہ ہے اور جھڑک دیا گیا تب اس نے پکارا اپنے رب کو بے شک میں مغلوب ہوں

فَانْتَصِرْ ۝١٠ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝١١

بس تو مدد فرما پس ہم نے کھول دیے دروازے آسمان کے ساتھ پانی کے زوددار برسنے والے

وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝١٢

اور ہم نے جاری کر دیے زمین سے چشمے تو مل گیا پانی ایک امر پر جو تحقیق مقدر کیا گیا تھا

وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝١٣ تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا

اور ہم نے سوار کیا اسکو پر تختوں والی اور میخوں والی کے وہ چلتی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے

''ان سے پہلے نوح کی قوم جھٹلا چکی ہے انہوں نے ہمارے بندے کو جھوٹا قرار دیا اور کہا کہ یہ دیوانہ ہے اور وہ جھڑک دیا گیا۔(۹) تب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میں مغلوب ہو گیا ہوں تو میری مدد فرما۔(۱۰) تب ہم نے زور دار بارش کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے۔(۱۱) اور ہم نے زمین میں چشمے جاری کر دیئے اور یہ سارا پانی اس کام کے لیے مل گیا جس کا فیصلہ ہو چکا تھا۔(۱۲) اورنوح کو ہم نے ایک تختوں اور میخوں والی کشتی پر سوار کیا جو ہماری نگرانی میں چل رہی تھی۔(۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت اور نبی ﷺ کی رسالت کو جھٹلانے والوں میں سرِ فہرست نوح علیہ السلام کی قوم بھی تھی جن کا دنیا میں بھی بدترین انجام ہوا۔

قرآن مجید نے موقع کی مناسبت سے حضرت نوح علیہ السلام اوران کی قوم کا کئی مقامات پر ذکر کیا ہے۔ یہاں منکرین کو سمجھانے کے لیے ایک مرتبہ پھر قومِ نوح کا ذکر کیا ہے۔قومِ نوح بھی ان لوگوں میں شامل ہے جنہوں نے اپنے رسول کو یکسر طور پر مسترد کر دیا،جس کے نتیجے میں دنیا میں بھی برے انجام سے دو چار ہوئے جس کا اس موقع پر یوں ذکر کیا جا رہا ہے کہ قومِ نوح بھی ہمارے بندے نوح علیہ السلام کو جھٹلا چکی ہے۔نوح علیہ السلام نے انہیں ساڑھے نوسوسال سمجھایا مگر قوم نے انہیں ہر بار پاگل کہا اوراس پر زیادتی کی اورکہا کہ اے نوح! تو باز نہ آیا تو ہم تجھے پتھر مار مار کر مار دیں گے۔اس صورتحال میں نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے فریاد کی کہ میرے رب میں اپنی قوم کے سامنے مغلوب ہوگیا ہوں تو میری مدد فرما۔

''نوح نے کہا اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو تیری طرف رات دن بلایا ہے۔ مگر میرے

جَزَآءً	لِّمَنْ	كَانَ	كُفِرَ ﴿۱۴﴾	وَلَقَدْ	تَّرَكْنٰهَآ	اٰيَةً
بدلہ لینے کے لیے	اس شخص کا	کہ تھا	جس کا انکار کیا گیا	اور البتہ تحقیق	ہم نے چھوڑا تھا اس کو	ایک نشانی
فَهَلْ	مِنْ	مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾	فَكَيْفَ	كَانَ	عَذَابِيْ	وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾
پھر کیا ہے	کوئی	نصیحت پکڑنے والا	پھر کیسا	تھا	میرا عذاب	اور میرا ڈراوا
وَلَقَدْ	يَسَّرْنَا	الْقُرْاٰنَ	لِلذِّكْرِ	فَهَلْ	مِنْ	مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾
اور البتہ تحقیق	ہم نے آسان کیا ہے	قرآن کو	نصیحت کے لیے	تو کیا ہے	کوئی	نصیحت پکڑنے والا

یہ تھا بدلہ اس شخص کی خاطر جس کی ناقدری کی گئی تھی۔(۱۴) اس کشتی کو ہم نے ایک نشانی بنا کر چھوڑ دیا کیا کوئی ہے نصیحت قبول کرنے والا؟(۱۵) دیکھ لو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا۔(۱۶) ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟''(۱۷)

بلانے سے یہ لوگ اور دور بھاگ گئے۔ میں نے جب بھی تیری بخشش کے لیے انہیں بلایا تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیا اور اَڑ گئے اور بڑا تکبر کیا۔'' (نوح: ۵ تا ۸)

﴿وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا﴾ (نوح: ۲۳)

''اور کہا انہوں نے کہ اپنے معبودوں اور وڈ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑنا۔''

﴿وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ (نوح: ۲۶، ۲۷)

''اور حضرت نوح نے کہا کہ اے رب! تو روئے زمین پر کسی کافر کو نہ چھوڑ۔ اگر انہیں تو نے چھوڑ دے گا تو یقیناً یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی بدعا کو قبول فرما لیا۔ جس کے نتیجے میں ان پر زوردار بارشوں کا سلسلہ شروع ہوا یہاں تک کہ جگہ جگہ زمین سے چشمے پھوٹ پڑے اور زمین کا اوپر نیچے کا پانی مل گیا جس سے اس قوم کو غرق کر دیا گیا۔

''نوح کی طرف وحی کی گئی کہ بے شک تیری قوم میں سے کوئی شخص ایمان نہیں لائے گا مگر جو پہلے ایمان لا چکا جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں اس پر غمگین نہیں ہونا۔ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ اور مجھ سے ظالموں کے بارے میں گفتگو نہ کرنا یقیناً وہ غرق کیے جائیں گے۔ وہ کشتی بناتا رہا اور جب اس کے پاس سے اس کی قوم کے سردار گزرتے تو اس سے مذاق کرتے۔ وہ کہتا اگر تم ہم سے مذاق کرتے ہو تو ہم بھی تم سے مذاق کریں گے جس طرح تم مذاق کرتے ہو۔ پس تمہیں جلد معلوم ہو جائے گا۔ کون ہے؟ جس پر ایسا عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور کس پر دائمی عذاب نازل ہونے والا ہے؟ یہاں تک کہ

ہمارا حکم آپہنچا اور تنور ابل پڑا۔ ہم نے فرمایا بیڑے میں ہر جنس کے دو دو جوڑے سے نرومادہ اور اپنے گھر والوں کوسوار کرلو اور ان کو بھی جو ایمان لے آئے سوائے اس کے جس پر پہلے بات ہو چکی ۔تھوڑے لوگ تھے جو اُس پر ایمان لائے۔ نوح نے کہا اس میں سوار ہو جاؤ۔ کشتی کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا اللہ کے نام کے ساتھ ہے ۔ یقیناً میرا رب بہت بخشنے اور نہایت رحم کرنے والا ہے ۔کشتی ان کو لے کر پہاڑوں جیسی موجوں میں چلی جارہی تھی ،نوح نے اپنے بیٹے کو آواز دی او روہ ایک الگ جگہ میں تھا۔ اے میرے بیٹے !ہمارے ساتھ سوار ہو جااور کافروں کے ساتھ شامل نہ ہو۔'' (ہود: ٣٦ تا ٤٢)

﴿قَالَ سَاٰوِیۡۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعۡصِمُنِیۡ مِنَ الۡمَآءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الۡیَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ وَ حَالَ بَیۡنَہُمَا الۡمَوۡجُ فَکَانَ مِنَ الۡمُغۡرَقِیۡنَ﴾ (ھود: ٤٣)

''اس نے کہا میں جلد ہی کسی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا۔نوح علیہ السلام نے فرمایا آج اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والانہیں۔مگر جس پر وہ رحم کرے اور دونوں کے درمیان موج حائل ہوگئی تو وہ غرق ہونے والوں میں سے ہوگیا۔''

مسائل

١۔ اہلِ مکہ تم سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم بھی انہیں جھٹلا چکی ہے۔

٢۔ حضرت نوح علیہ السلام کو ان قوم نے پاگل کہا اور اس پر زیادتی کی۔

٣۔ حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی۔

٤۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو اپنے سامنے کشتی بنانے کا حکم دیا۔٥۔اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی قوم سے انتقام لیا۔

٦۔ اللہ تعالیٰ نے بارش کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور جگہ جگہ زمین میں چشمے جاری کردیئے۔

٧۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ نوح کے واقعہ کو ان کے بعد آنے والے لوگوں کے لیے عبرت بنا دیا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام اوران کی قوم کا تذکرہ:

١۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ایک ''اللہ'' کی عبادت کرنے کی دعوت دی۔(المومنون:٢٣)

٢۔ نوح علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے سلامتی نازل فرمائی۔(الصّٰفّٰت :٧٩)

٣۔ نوح علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی کا نازل فرمائی۔(النساء:١٦٣)٤۔نوح علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام فرمایا۔(مریم :٥٨)

٥۔ حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا۔(الانعام :٨٤) (الفرقان:٣٧)

٦۔ ہم نے نوح علیہ السلام ادر اس کے ساتھیوں کونجات دی اور تکذیب کرنے والوں کوغرق کر دیا۔ (الاعراف: ٦٤)

كَذَّبَتْ	عَادٌ	فَكَيْفَ	كَانَ	عَذَابِىْ	وَنُذُرِ ⑱	اِنَّآ
جھٹلایا	عاد نے	پھر کیسا	تھا	میرا عذاب	اور میرا ڈرانا	بلاشبہ
اَرْسَلْنَا	عَلَيْهِمْ	رِيْحًا	صَرْصَرًا	فِىْ	يَوْمِ	نَحْسٍ
ہم نے بھیجی	ان پر	ہوا	کڑکڑاتی ہوئی ٹھنڈی	میں	دن	منحوس
مُّسْتَمِرٍّ ⑲	تَنْزِعُ	النَّاسَ	كَاَنَّهُمْ	اَعْجَازُ	نَخْلٍ	مُّنْقَعِرٍ ⑳
دائمی	وہ اکھاڑ پھینکتی تھی	لوگوں کو	گویا کہ وہ	تنے ہیں	کھجور کے	جڑ سے اکھڑے ہوئے
فَكَيْفَ	كَانَ	عَذَابِىْ	وَ	نُذُرِ ㉑	وَلَقَدْ	يَسَّرْنَا
پھر کیسا	تھا	میرا عذاب	اور	میرا ڈرانا	اور یقیناً	ہم نے آسان کر دیا
الْقُرْاٰنَ	لِلذِّكْرِ	فَهَلْ	مِنْ	مُّدَّكِرٍ ㉒		
قرآن کو	نصیحت کے لیے	تو کیا ہے	کوئی	نصیحت حاصل کرنے والا		

''عاد نے جھٹلایا تو پھر میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا؟۔(۱۸) ہم نے منحوس دن میں ان پر سخت آندھی بھیجی۔(۱۹) جو ان کو اٹھا اٹھا کر اس طرح پھینکتی تھی جیسے وہ جڑ سے اُکھڑے ہوئے کھجور کے تنے ہوں۔(۲۰) پھر کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا۔(۲۱) ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے۔کوئی ہے نصیحت قبول کرنے والا؟''(۲۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نوح علیہ السلام کی قوم کا انجام ذکر کرنے کے بعد قومِ عاد کے بارے میں ارشاد ہوا کہ سوچو اورغور کرو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب اورڈرانا کس طرح خوف ناک تھا جسے قرآن میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اورہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کردیا ہے۔

قوم عاد کی مختصر تاریخ جاننے کے لیے سورہ الذاریات کی آیت ۴۱ تا ۴۲ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں!

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بڑے ہی آسان اورسادہ الفاظ میں لوگوں کی راہنمائی فرمائی ہے۔اگر کوئی راہنمائی حاصل کرنا چاہے تو قرآن مجید سے بڑھ کر کوئی کتاب آسان اور پر تاثیر نہیں ہوسکتی۔ جو آدمی صراط مستقیم پر چلنا چاہے اسے اس کتاب کو سمجھنا اور صراط مستقیم کو پانے میں کوئی دشواری نہیں ہو گی۔لیکن اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ قرآن مجید کے مطالب اورمفاہیم کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کہ کیونکہ ہر زبان کو پوری طرح سمجھنے کے لیے اس کے قواعد کو جاننے کے لیے ایک ماہر استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔اس کے بغیر کوئی شخص اس کتاب کے رموز و اسرار کو کما حقہ نہیں سمجھ سکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے نبی ﷺ! ہم نے آپ پر قرآن مجید

نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے کھول کھول کر بیان کریں اور لوگ اس پر غور وفکر کریں۔

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ٥ بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (النحل: ٤٣، ٤٤)

''اورنہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول مگر وہ آدمی تھے جن کی طرف ہم نے وحی کی۔ اگرتم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔ واضح دلائل اور کتابیں دے کر اور ہم نے آپ کی طرف نصیحت اتاری تاکہ آپ لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کریں جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ غور وفکر کریں۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ قوم عاد کو سخت ترین عذاب دے کر ان کو آنے والے لوگوں کے لیے عبرت بنا دیا۔

٢۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے آسان کر دیتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قومِ عاد کے جرائم اور اُن کا انجام:

١۔ قوم عاد نے جھٹلایا تو اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ (الشعراء: ١٣٩)

٢۔ قوم عاد وثمود کے اعمال بد کو شیطان نے مزین کر دیا۔ (العنکبوت: ٣٨)

٣۔ قوم عاد نے زمین میں تکبر کیا اور کہا کہ ہم سے طاقت میں کون زیادہ ہوسکتا ہے؟ (حٰم السجدۃ: ١٥)

٤۔ رسولوں کی نافرمانیقوم عاد کی تباہی کا سبب ثابت ہوئی۔ (ھود: ٥٩)

٥۔ قوم عاد نے ہود علیہ السلام سے عذاب کا مطالبہ کیا۔ (الاحقاف: ٢٢)

٦۔ قوم عاد نے اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کیا ،قوم عاد کے لیے دوری ہے۔ (ھود: ٦٠)

٧۔ قومِ عاد بڑے سفاک اور ظالم لوگ تھے۔ (النجم: ٥٢)

٨۔ عاد زبردست آندھی کے ذریعے ہلاک ہوئے۔ (الحاقۃ: ٦)

قومِ عاد کی دنیاوی ترقی کی ایک جھلک:

١۔ قومِ عاد اس قدر کڑیل اور قوی ہیکل جوان تھے کہ ان جیسا دنیا میں کوئی اور پیدا نہیں کیا گیا۔ (الفجر ٦ تا ٨)

٢۔ قوم عاد بڑے بڑے محلات میں رہتی تھی۔ کھیتی باڑی اور باغبانی میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ (الشعراء ١٢٩ تا ١٣٣)

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا

جھٹلایا ثمود نے ڈرانے والے کو تو انہوں نے کہا کیا ایک آدمی ہم میں سے اکیلا ہے

نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٢٤﴾ ءَاُلْقِيَ

ہم اس کی پیروی کریں بلاشبہ ہم تو تب البتہ گمراہی میں اور دیوانگی میں ہوں گے کیانازل کی گئی

الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿٢٥﴾

وحی اسی پر ہم سب میں سے بلکہ وہ بڑا جھوٹا بُرا ہے

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿٢٦﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا

عنقریب وہ جان لیں گے کل کون جھوٹا بُرا ہے بلاشبہ ہم بھیجنے والے ہیں

النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ

اونٹنی کو آزمائش ان کی سو آپ انتظار کریں ان کا اور صبر کریں اور بتائیں ان کو کہ بے شک

’’ثمود نے ڈرانے والے کو جھٹلا دیا۔(۲۳) اور کہنے لگے ہم سے ایک آدمی ہے اگر ہم اپنے ہی ایک آدمی کی پیروی کریں اس وقت تو ہم گمراہ ہو جائیں گے اور ہماری عقل ماری ہو گی۔(۲۴) کیا ہمارے درمیان بس یہی ایک آدمی ہے جس پر اللہ کا ذکر نازل کیا گیا ہے؟ یہ تو پرلے درجے کا جھوٹا اور بُرا ہے۔(۲۵) انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کون پرلے درجے کا جھوٹا اور بُرا ہے۔(۲۶) ہم نے ان کے لیے اونٹنی کو بطور آزمائش بھیج رہے ہیں بس آپ ذرا صبر کے ساتھ دیکھیں کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔(۲۷) ان کو بتادیں کہ بے شک

فہم القرآن

ربطِ کلام: قوم عاد کے بعد قوم ثمود کا تذکرہ۔

قومِ ثمود کا علاقہ مدینہ سے تبوک جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے۔ یہ علاقہ جغرافیائی اعتبار سے خلیج اربعہ کے مشرق میں اور شہر مدین کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ قومِ ثمود ٹیکنالوجی اور تعمیرات کے شعبے میں اس قدر ترقی یافتہ تھی کہ انہوں نے پہاڑوں کو تراش تراش کر مکانات اور محلات تعمیر کر لیے تھے تاکہ کوئی زلزلہ اور طوفان انہیں نقصان نہ پہنچا سکے۔ اس قوم کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث کیے گئے جنہوں نے طویل مدت تک اپنی قوم کو سمجھایا لیکن قومِ نوح اور قومِ عاد کی طرح انہوں نے بھی اپنے رسول یعنی حضرت صالح علیہ السلام کو یکسر طور پر جھٹلا دیا۔

قوم کے جواب اور الزامات :

۱۔ اے صالح ہم تو تجھے بہت اچھا سمجھتے تھے مگر تو ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ قرار دیتا ہے۔ (ھود : ٦٢)

۲۔ کیا تو ہمیں ان کاموں سے روکتا ہے جو ہمارے بزرگ کرتے آ رہے ہیں۔ (ھود : ٦٢)

الْمَآءَ	قِسْمَةٌۢ	بَيْنَهُمْ ۚ	كُلُّ	شِرْبٍ	مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾	فَنَادَوْا
پانی	تقسیم شدہ ہے	ان کے درمیان	ہرایک	پانی کی باری	حاضر کی گئی ہے	پھرانہوں نے بلایا

صَاحِبَهُمْ	فَتَعَاطٰى	فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾	فَكَيْفَ	كَانَ	عَذَابِيْ	وَ	نُذُرِ ﴿۳۰﴾	اِنَّآ
اپنے ساتھی کو	تو اس نے پکڑا	پھر کاٹ ڈالا	پھر کیسا	تھا	میرا عذاب	اور	میرا ڈرانا	بلاشبہ

اَرْسَلْنَا	عَلَيْهِمْ	صَيْحَةً	وَّاحِدَةً	فَكَانُوْا	كَهَشِيْمِ	الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾
ہم نے بھیجی	ان پر	چیخ	ایک ہی	تو وہ ہو گئے	جیسے روندی ہوئی	باڑ لگانے والے

وَلَقَدْ	يَسَّرْنَا	الْقُرْاٰنَ	لِلذِّكْرِ	فَهَلْ	مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾
اور یقیناً	ہم نے آسان کیا	قرآن	نصیحت کے لیے	تو کیا ہے	کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے

ان کے اور اونٹنی کے درمیان پانی تقسیم ہوگا اور ہر ایک اپنی باری کے دن پانی پر آئے گا۔(۲۸) آخر کار ان لوگوں نے اپنے آدمی کو بلایا اور اس نے اونٹنی کو پکڑا اور مار ڈالا۔(۲۹) پھر دیکھ لو کہ کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا ڈرانا۔(۳۰) ہم نے اُن پر ایک ہی دھماکا کیا اور وہ روندی ہوئی باڑ کی طرح بھس ہو کر رہ گئے۔(۳۱) ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے، کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟''(۳۲)

۳۔ ہم تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔(النمل : ۴۷)

۴۔ صالح تو بہت بڑا جھوٹا اور بڑائی بکھیرنے والا ہے۔ (القمر: ۲۵)

۵۔ کیا ہم اپنے بزرگوں، آباؤ اجداد کے مذہب کو چھوڑ کر صرف تیری پیروی کریں۔ (القمر: ۲۴)

۶۔ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ (الشعراء: ۱۵۳) ۷۔ثمود انبیاء کو جھوٹا قرار دیتے تھے۔ (الشعراء: ۱۴۱)

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو بار بار سمجھانا:

۱۔ اے میری قوم! اللہ سے ڈر جاؤ اور میری باتوں پر غور کرو۔ (الشعراء: ۱۴۴)

۲۔ میں تم سے اللہ کے احکام سنانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ (الشعراء: ۱۴۵)

۳۔ اے میری قوم! میں واقعی اپنے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ (ھود: ۶۳)

۴۔ اے قوم! یہ اونٹنی اللہ کی طرف سے معجزہ ہے اس کے ساتھ زیادتی نہ کرنا۔ (ھود: ۶۴)

۵۔ میں تمھیں وعظ و نصیحت کرتا ہوں جب کہ تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے ہو۔ (الاعراف: ۷۹)

۶۔ اے میری قوم! ''اللہ'' کے علاوہ کوئی معبود نہیں اس لیے صرف اسی کی عبادت کرو۔ (الاعراف: ۷۳)

۷۔ اے میری قوم! تمھیں عاد کے بعد اس دنیا میں بھیجا گیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ (الاعراف: ۷۴)

۸۔ اے میری قوم! ''اللہ'' کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر اس کا شکر ادا کرو۔ (الاعراف: ۷۴)

كَذَّبَتْ	قَوْمُ لُوْطٍۢ	بِالنُّذُرِ ۝٣٣	اِنَّآ	اَرْسَلْنَا	عَلَيْهِمْ	حَاصِبًا	
جھٹلایا	قوم لوط نے	ڈرانے والوں کو	بلاشبہ	ہم نے بھیجی	ان پر	پتھر برسانے والی آندھی	
اِلَّآ	اٰلَ لُوْطٍ ؕ	نَجَّيْنٰهُمْ	بِسَحَرٍ ۝٣٤	نِّعْمَةً	مِّنْ عِنْدِنَا ؕ		
مگر	آلِ لوط کے	ہم نے نجات دی انہیں	سحری کے وقت	فضل کرتے ہوئے	اپنی طرف سے		
كَذٰلِكَ	نَجْزِيْ	مَنْ	شَكَرَ ۝٣٥	وَلَقَدْ	اَنْذَرَهُمْ	بَطْشَتَنَا	
اسی طرح	ہم جزا دیتے ہیں	اسکو جو	شکر کرے	اور البتہ تحقیق	اس نے ڈرایا تھا انہیں	ہماری پکڑ سے	

''لوط کی قوم نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا۔(۳۳) ہم نے ان پر پتھر برسانے والی آندھی بھیج دی، صرف لوط کے گھر والے اس سے محفوظ رہے، ہم نے ان کو اپنے فضل سے۔(۳۴) رات کے پچھلے پہر بچا لیا، ہم ہر اس شخص کو جزا دیتے ہیں جو شکر گزار ہوتا ہے۔(۳۵) حالانکہ لوط نے انہیں ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: قومِ ثمود کے بعد قومِ لوط کا کردار اور انجام۔

حضرت لوط، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ جنھوں نے عراق کی سرزمین سے ہجرت کر کے سدوم شہر میں رہائش اختیار کی۔ یہ شہر علاقے کا مرکزی مقام تھا۔ جہاں کے رہنے والے پرلے درجے کے مشرک، کافر، ڈاکو، چور اور انتہائی بدکردار لوگ تھے۔ جنھوں نے دنیا میں بے حیائی کا ایسا عمل اختیار کیا جو اس سے پہلے کسی قوم نے اختیار نہیں کیا تھا۔

قومِ لوط کا کردار:

انھوں نے اپنی نفسانی خواہش اپنی بیویوں سے پوری کرنے کی بجائے لڑکوں سے شروع کر رکھی تھی۔ گویا کہ وہ ہم جنسی کے بدترین گناہ میں مبتلا تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے بار بار سمجھانے کے باوجود باز آنے پر تیار نہ ہوئے۔ قوم نے حضرت لوط علیہ السلام کو ملک بدر کرنے کی دھمکی دی۔(الشعراء:۱۶۷) اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے عذاب کا مطالبہ بھی کیا۔(العنکبوت:۲۹)

حضرت لوط علیہ السلام کا وعظ و نصیحت کرنا:

قومِ لوط نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کہ تم کیوں نہیں ڈرتے ؟ میں تمھارے لیے امانت دار رسول ہوں، اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس کا اجر نہیں مانگتا، میرا اجر رب العالمین کے ذمے ہے۔ کیا تم لڑکوں پر مائل ہوتے ہو۔ تمھارے پروردگار نے تمھارے لیے جو بیویاں پیدا

فَتَمَارَوْا | بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾ | وَلَقَدْ | رَاوَدُوْهُ | عَنْ ضَيْفِهٖ

تو انہوں نے شک کیا | ڈرائے جانے میں | اور البتہ تحقیق | انہوں نے مطالبہ کیا اس سے | اس کے مہمانوں کا

فَطَمَسْنَآ | اَعْيُنَهُمْ | فَذُوْقُوْا | عَذَابِيْ | وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾ | وَلَقَدْ

تو ہم نے مٹا دیں | ان کی آنکھیں | سو تم چکھو | میرا عذاب | اور میرا ڈرانا | اور البتہ تحقیق

صَبَّحَهُمْ | بُكْرَةً | عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾ | فَذُوْقُوْا | عَذَابِيْ | وَ | نُذُرِ ﴿٣٩﴾

ہلاک کر دیا ان کو | صبح کے وقت | دائمی عذاب نے | سو تم چکھو | میرا عذاب | اور | میرا ڈرانا

وَلَقَدْ | يَسَّرْنَا | الْقُرْاٰنَ | لِلذِّكْرِ | فَهَلْ | مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾

اور البتہ تحقیق | ہم نے آسان کیا | قرآن کو | نصیحت کے لیے | تو کیا ہے | کوئی نصیحت حاصل والا ہے

مگر وہ تنبیہات کو مشکوک سمجھتے رہے۔ (٣٦) پھر انہوں نے اس سے اس کے مہمانوں کا مطالبہ کیا، ہم نے اُن کی آنکھیں اندھی کر دیں اب میرے عذاب اور میری تنبیہات کا مزا چکھو۔ (٣٧) دائمی عذاب نے انہیں صبح کے وقت آلیا۔ (٣٨) اب میرے عذاب اور میری تنبیہات کا مزا چکھو۔ (٣٩) اور ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنایا ہے پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟'' (٤٠)

کی ہیں انہیں چھوڑ دیتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے نکل جانے والے ہو۔ (الشعراء:١٦٠تا١٦٦)

قوم کا جواب:

کہنے لگے کہ اے لوط اگر تم باز نہ آئے تو شہر بدر کردیے جاؤ گے۔ لوط علیہ السلام نے کہا میں تمھارے کام کا سخت مخالف ہوں۔ (الشعراء : ١٦٧تا ١٦٨) لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم یہ بے حیائی کیوں کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کی۔ (الاعراف:٨٠)

''ان کی قوم سے اس کے سوا کوئی جواب نہ بن پڑا کہ وہ کہنے لگے ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاک بنتے ہیں۔'' (الاعراف:٨٠تا ٨٢)

''حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کی، تم لڑکوں سے بدکاری کرتے ہو مسافروں پر ڈاکہ ڈالتے ہو اور ہر قسم کی برائی میں ملوث ہو۔'' (العنکبوت:٢٩)

قوم کا جواب:

''اے لوط اگر تم واقعی ہی سچے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ۔'' (العنکبوت:٢٩)

حضرت لوط علیہ السلام کی ''اللہ'' کے حضور فریاد :

''اے میرے رب اس مفسد قوم کے مقابلے میں میری مدد فرما۔'' (العنکبوت:۳۰)

قوم لوط کے ہاں عذاب کے فرشتوں کی آمد :

قرآن مجید تفصیل سے ذکر کرتا ہے کہ قوم لوط پر عذاب نازل کرنے والے فرشتے پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے۔ انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے اور پوتے کی خوشخبری دی۔ جس پر ان کی بیوی نے تعجب کا اظہار کیا۔ لیکن ملائکہ نے ان کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ رحمت فرما دی ہے، اس لیے اس میں کسی قسم کا تعجب نہیں کرنا چاہیے۔ خوشخبری کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام ملائکہ سے پوچھا کہ تمہارا کیا پروگرام ہے ملائکہ نے ابراہیم علیہ السلام سے عرض کی کہ ہم قومِ لوط پر عذاب نازل کرنے والے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام ملائکہ سے اصرار کرنے لگے کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نہایت ہی حوصلہ مند اور نرم خو تھے۔ ملائکہ نے ان سے کہا کہ اب اس بات کو جانے دیں کیونکہ ''اللہ'' کا حکم آچکا ہے لہٰذا اس عذاب کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ (ہود:۶۹ تا ۷۶)

عذاب لانے والے فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی خدمت میں :

جب یہ فرشتے لڑکوں کی شکل میں لوط علیہ السلام کے ہاں تشریف لائے تو بدمعاش قوم ان سے بے حیائی کرنے کی نیت سے ان کے ہاں دوڑتے ہوئے آئی۔ لوط علیہ السلام نے نہایت عاجزی کے ساتھ انھیں سمجھایا کہ اے میری قوم یہ میری بیٹیاں ہیں جو تمھارے لیے حلال ہیں۔ (یعنی تم ان کے ساتھ نکاح کر سکتے ہو) اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مہمانوں میں مجھے بے آبرو نہ کرو۔ لیکن وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کیا تم میں کوئی بھی شریف آدمی نہیں ہے؟ (ہود:۷۸)

''بے حیا کہنے لگے کہ ہمیں تمھاری بیٹیوں سے کیا سروکار، تو جانتا ہے کہ ہم کس ارادہ سے آئے ہیں
لوط علیہ السلام کہنے لگے کہ آج کا دن میرے لیے بڑا بھاری دن ہے۔ کاش تمھارے مقابلے میں میرا کوئی
حمایتی ہوتا یا کوئی پناہ گاہ جہاں میں تم سے بچ نکلتا۔'' (ہود:۷۹،۸۰)

ملائکہ حضرت لوط علیہ السلام کو تسلی دیتے ہیں:

عذاب کے فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو تسلی دی کہ اے اللہ کے نبی دل چھوٹا نہ کریں۔ یہ بے حیا آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ بس آپ اہل ایمان کو لے کر رات کے پچھلے پہر ہجرت کر جائیں۔ ہاں یاد رہے کہ آپ اپنی بیوی کو ساتھ نہیں لے جاسکیں گے کیونکہ اُسے بھی وہی عذاب ہوگا۔ جس میں دوسرے لوگ مبتلا ہوں گے۔ یہ عذاب ٹھیک صبح کے وقت نازل ہوگا۔ حضرت لوط علیہ السلام گھبراہٹ کے عالم میں پوچھتے ہیں کہ صبح کب ہوگی؟ ملائکہ نے مزید تسلی دیتے ہوئے کہا کہ اے اللہ کے رسول صبح تو ہونے ہی والی ہے چنانچہ صبح کے وقت رب ذوالجلال کا حکم صادر ہوا تو اس دھرتی کو اُٹھا کر نیچے پٹخ دیا گیا۔ پھر ان پر مسلسل نامزد پتھروں کی بارش کی گئی۔ (ھود: ۶۹ تا ۸۳)

﴿فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِنْ سِجِّيلٍ مَنْضُودٍo مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ﴾ (ھود: ۸۲،۸۳)

''پھر جب ہم نے حکم نافذ کیا تو ہم نے اس بستی کو اوپر نیچے کر دیا اورتابڑ توڑ پکی مٹی کے پتھر برسائے۔تیرے رب کی طرف سے ہر پتھر نشان زدہ تھا اورظالموں سے یہ سزا دور نہیں ہے۔''

بحرمردار(میت):

دنیا کے موجودہ جغرافیے میں یہ بحر مردار اردن کی سرزمین میں واقع ہے۔پچاس میل لمبا، گیارہ میل چوڑا ہے اس کا کل رقبہ ۳۵۱ مربع میل ہے۔اسکی زیادہ سے زیادہ گہرائی تیرہ سو فٹ ہے یہ اسرائیل اور اردن کی سرحد پر واقع ہے۔ اس کا کسی بڑے سمندر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔گویا کہ یہ ایک بہت بڑی جھیل ہے۔ اس کی نمکیات اور کیمیائی اجزاء عام سمندروں سے کہیں زیادہ ہے۔اس کے قریب ترین سمندر بحر روم ہے۔ جدید محققین نے اسی جگہ پر لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کی نشاندہی کی ہے۔جو کسی زمانے میں یہاں صدوم عمود کے نام سے بڑے شہر آباد تھے۔مصر کے محقق عبدالوہاب البخار نے بھرپور دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ عذاب لوط علیہ السلام سے پہلے اس جگہ کوئی سمندر نہیں تھا۔جب اللہ کے عذاب کی وجہ سے اس علاقے کو الٹ دیا گیا تو یہ ایک چھوٹے سے سمندر کی شکل اختیار کر گیا۔''

۱۔اس کے پانی کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں نمکیات کا تناسب پچیس فیصد لگایا گیا ہے۔جب کہ دنیا کے تمام سمندروں میں نمکیات کا تناسب چار سے چھ فیصد ریکارڈ کیا گیا ہے۔

۲۔اسکے کنارے نہ کوئی درخت ہے اور نہ ہی اس میں کوئی جانور زندہ رہ سکتا ہے حتی کہ سیلاب کے موقع پر دریائے اردن سے آنیوالی مچھلیاں اس میں داخل ہوتے ہی تڑپ تڑپ کر مر جاتی ہیں۔اہل عرب اسکو بحیرہ لوط بھی کہتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

لوط علیہ السلام کی قوم کا بدترین کردار اور انجام :

۱۔ دنیا میں ہم جنسی کی ابتدا قومِ لوط نے کی۔(الاعراف:۸۰)۲۔قومِ لوط کی تباہی کا سبب اغلام بازی کرنا تھا۔(الاعراف:۸۱)

۳۔حضرت لوط علیہ السلام کے پاس ان کی قوم کے لوگ دوڑتے ہوئے آئے اور وہ پہلے ہی بدکاریاں کیا کرتے تھے۔(ھود:۷۸)

۴۔ لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ کاش میرے پاس طاقت ہوتی یا میں کوئی مضبوط پناہ گاہ پاتا۔(ھود:۸۰)

۵۔ ہم نے اس بستی کو الٹ کر اس پر پتھروں کی بارش برسائی۔(الحجر:۷۴)

۶۔ ہم نے اوپر والی سطح کو نیچے کر دیا اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسا دی جو تہہ بہ تہہ تھے نشان لگے ہوئے۔(ھود:۸۲)

وَلَقَدْ	جَآءَ	اٰلَ فِرْعَوْنَ	النُّذُرُ ﴿۴۱﴾	كَذَّبُوْا	بِاٰيٰتِنَا
اور البتہ تحقیق	آئے تھے	آلِ فرعون کے پاس	ڈرانے والے	انہوں نے جھٹلایا	ہماری نشانیوں کو
كُلِّهَا	فَاَخَذْنٰهُمْ	اَخْذَ	عَزِيْزٍ	مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾	
سب کو	بس ہم نے پکڑا ان کو	پوری طرح پکڑنا	ایک زبردست	طاقت والے کے	

''اور آلِ فرعون کے پاس بھی تنبیہات آئی تھیں۔(۴۱) مگر انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلا دیا، آخر کار ہم نے انہیں پکڑا جس طرح زبردست طاقت والا پکڑتا ہے۔''(۴۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قومِ لوط کے بعد قومِ فرعون کا ذکر۔

مصر کا بادشاہ سرکاری منصب کے حوالے سے فرعون کہلواتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کا جس فرعون سے واسطہ پڑا اس کا نام قابوس یا رعمیس تھا۔ یہ فرعون اپنے آپ کو خدا کا اوتار سمجھتے ہوئے لوگوں کو یہ تاثر دینے میں کامیاب ہوا۔ کہ اگر میں خدا کا اوتار نہ ہوتا تو دنیا کی سب سے بڑی مملکت کا فرمانروا کیونکر ہو سکتا تھا۔ پھر اس نے لوگوں کے مزاج اور مشرکانہ عقائد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے آپ کو اعلانیہ طور پر رب اعلیٰ قرار دیا۔ اپنی قوم اور موسیٰ علیہ السلام کے سامنے دعویٰ کیا کہ زمین و آسمان میں مجھ سے بڑھ کر کوئی رب نہیں ہے۔ میں ہی سب دیوتاؤں سے بڑا دیوتا اور سب سے اعلیٰ کائنات کا رب ہوں۔ اس کی جھوٹی خدائی کے پرخچے اڑانے اور اس کی کذب بیانی کا پول کھولنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسی کے گھر میں موسیٰ علیہ السلام کو پالا اور رسول منتخب فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا خطاب:

آل فرعون انتہائی ظالم لوگ تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا مجھے رب العالمین کی طرف سے رسول بنایا گیا ہے اور میں وہی بات کہوں گا جس کے کہنے کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے۔ میں تمھارے پاس اپنے رب کی ربوبیّت اور اس کی وحدت کے ٹھوس اور واضح دلائل لایا ہوں۔ تمھیں اپنی خدائی چھوڑ کر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا رب ماننا چاہیے اس کے ساتھ میرا یہ مطالبہ ہے کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دیا جائے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا جواب دیتے ہوئے کہا اگر تو اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو کوئی معجزہ پیش کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فی الفور اپنا عصا زمین پر پھینکا جو بہت بڑا اژدہا بن کر لہرانے لگا۔ جس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ اتنا بڑا اژدھا بن کر سامنے آیا کہ یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے جبڑوں میں سب کو نگل لے گا۔ یہ دیکھتے ہی فرعون اور اس کے درباری اپنی جان بچانے کے لیے موسیٰ علیہ السلام سے فریادیں کرنے لگے کہ ہمیں اس سے بچائیں۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا جو پہلے کی طرح عصا بن گیا۔ پھر اپنی بغل میں ہاتھ دبا کر باہر نکالا تو اس کے سامنے تمام روشنائیاں ماند پڑ گئیں۔ ہاتھ دیکھنے والے حیران اور ششدر رہ گئے کہ یہ تو سورج اور چاند سے بھی زیادہ روشن

دکھائی دیتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کے سامنے سورج کی روشنی ماند پڑتی دکھائی دیتی تھی۔ (روح المعانی و جامع البیان)

فرعون نے اقتدار کے نشہ میں آ کر موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے پیش کیے ہوئے تمام دلائل اور بڑے بڑے معجزات ٹھکرا دیئے۔ اقتدار بچانے، عوام اور لیڈروں کو ساتھ رکھنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام پر الزام لگایا کہ یہ رسول نہیں بلکہ جادوگر ہیں اور جادو کے زور پر ہمارے اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد ہے کہ ہمیں ملک سے باہر نکال کر بنی اسرائیل کو مصر میں برسراقتدار لائیں۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو چیلنج کیا ہم اس طرح اقتدار چھوڑنے والے نہیں بلکہ ہم تمہارے جادو کا مقابلہ جادو کے ساتھ کریں گے۔ بس ہمارے اور تمہارے درمیان ایک معاہدہ طے پانا چاہیے جس کی نہ ہم مخالفت کریں گے اور نہ تمھیں مخالفت کرنی چاہیے۔ گویا کہ دونوں فریقوں کو اس کی پوری پوری پاسداری کرنا ہوگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بالکل ایسا ہی ہونا چاہیے۔ لیکن قومی تہوار کا دن مقرر کیا جائے اور وقت بھی سورج نکلنے کے بعد کا ہو۔ تاکہ لوگ کثیر تعداد میں جمع ہو کر دن کی روشنی میں کھلی آنکھوں کے ساتھ دیکھ سکیں کہ حقیقت کیا ہے۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کے دل کی مراد تھی کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اتنا بڑا اجتماع کرنے کے وسائل اور اثر رسوخ کہاں رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے ہاتھوں ہی یہ کام کر دکھایا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا چرچا اور ان کا پیغام پوری قوم تک پہنچ جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے معاہدہ طے پانے کے بعد فرعون نے لوگوں کو اکٹھا کرنے کے لیے اپنی حکومت کے تمام وسائل جھونک دیے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ قومی دن کے موقع پر ملک کے دارالحکومت مصر میں بہت بڑا اجتماع ہوا کرتا تھا۔ جس میں مختلف قسم کے پروگرام پیش کیے جاتے اور پورے ملک میں جشن کا عالم ہوتا تھا۔ لیکن اس مرتبہ حکومت نے بہت بڑے اجتماع کو اپنے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ بنالیا اور ایسا اجتماع منعقد کیا جس کی مثال مصر کی تاریخ میں پہلے سے موجود نہ تھی جب کثیر تعداد میں لوگ جمع ہو گئے۔ تو فرعون پورے شان و شکوہ اور دبدبہ سے انتظامیہ اور ملک کے جادوگروں کے ساتھ اجتماع میں نمودار ہوا۔ لوگوں کے جذبات انتہا پر تھے۔ ایک طرف جادوگروں کے گروہ اور دوسری طرف صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے بھائی ہارون علیہ السلام تھے۔ مگر تنہائی اور کسمپرسی کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام بڑے اعتماد کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ جونہی ماحول قدرے پرسکون ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں اور حکمرانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم پر افسوس کہ تم اللہ تعالیٰ پر کذب بیانی کرتے ہو۔ اگر تم اپنی ضد پر قائم رہے تو وہ تمھیں تباہ و برباد کر دے گا۔ یاد رکھو جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا وہ ناکام ہوا۔

ملک بھر کے جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے بھائی کے خلاف صف آراء ہوئے تو انھوں نے بڑے غرور میں آ کر موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تم لاٹھی پھینکتے ہو یا ہم اپنی چیزیں پھینکیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑے اعتماد اور پُر وقار لہجے میں فرمایا کہ تمھیں ہی پہل کرنا چاہیے۔ جب انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں میدان میں پھینکیں تو

موسیٰ علیہ السلام کو یوں لگا کہ جیسے رسیاں اور لاٹھیاں چھوٹے بڑے سانپ بن کرادھر ادھر دوڑ رہے ہیں ۔ رسیاں اور لاٹھیاں میدان میں پھینکتے ہی جادوگروں نے چلا چلا کر فرعون زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے کہا کہ آج ہم ہی کامیاب ٹھہرئیں گے ۔ (الشعراء : ۴۴) جادوگروں کا مظاہرہ اس قدر زبردست تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بھی خوف زدہ ہو گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اے موسیٰ علیہ السلام ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ کے رسول ڈرا نہیں کرتے۔ (القصص:۳۱) جادوگروں کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر پھینکا تو وہ رسیوں ، بڑے بڑے بانسوں اور لاٹھیوں کو کھا گیا ۔ جونہی رسیاں اور لاٹھیاں ختم ہوئیں تو جادوگر یہ کہتے ہوئے سجدہ میں گر گئے کہ ہم موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لاتے ہیں ۔ اگر وہ اس موقعہ پر اپنے رب یا رب العالمین کا لفظ استعمال کرتے تو فرعون لوگوں کو یہ کہہ کر دھوکہ دے سکتا تھا کہ جادوگر مجھے ہی رب العالمین سمجھ کر سجدہ کر رہے ہیں ۔لیکن جادوگروں نے بڑی بصیرت سے کام لیتے ہوئے یہ کہہ کر اپنے ایمان کا اعلان کیا کہ ہم حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لاتے ہیں تاکہ کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے ۔ یہی سچے اور خالص ایمان کی نشانی ہے کہ اس میں کسی قسم کی کھوٹ اور شرک کی آمیزش نہیں ہوتی ۔ جادوگر اس لیے بھی اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوئے تاکہ دیکھنے والوں کو معلوم ہو کہ جادوگروں نے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ اور اپنی ناکامی دیکھ کر جادوگر سجدہ میں گر گئے ۔ جس کے لئے گرا دینے کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ گویا کہ جادوگر اس قدر مغلوب ہوئے کہ بے ساختہ سجدہ میں گر پڑے۔(الاعراف : ۱۲۰)

جونہی فرعون نے دیکھا کہ جادوگر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے رب پرایمان لا چکے ہیں تو اس نے اپنی خفت مٹانے اورعوام پر کنٹرول قائم رکھنے کے لیے یہ اعلان کیا کہ تم میری اجازت کے بغیر ایمان لائے ہو جو میرے خلاف بہت بڑی سازش ہے ۔ یقیناً موسیٰ تمھارا بڑا استاد ہے جس نے تمھیں جادو سکھلایا ہے ۔ میں اس جرم کے بدلے تمھارے مخالف سمت پر ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا اور کھجور کے تنوں پر تمھیں پھانسی دی جائے گی ۔ تمھیں پوری طرح معلوم ہو جائے گا کس کا عذاب سخت اور دیر پا ہے ۔ (طٰہٰ : ۷۱)

تفسیر بالقرآن

فرعون اوراس کے حواریوں کا انجام:

۱۔ ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کردیا اورآل فرعون کوغرق کردیا۔(الاعراف:۶۴)

۲۔ ہم نے فرعونیوں سے انتقام لیااور انہیں دریا بُرد کردیا۔(الزخرف:۵۵)

۳۔ ہم نے فرعون اوراس کے ساتھیوں کوغرق کردیا۔ (بنی اسرائیل:۱۰۳)

۴۔ ہم نے موسیٰ اوراس کے ساتھیوں کونجات دی اورآل فرعون کوغرق کردیا۔(الشعراء :۶۶)

۵۔ ہم نے انہیں اور ان کے لشکروں کو پکڑ کر دریامیں پھینک دیا ۔(الذاریات:۴۰)

أَكُفَّارُكُمْ	خَيْرٌ	مِّنْ أُولَٰٓئِكُمْ	أَمْ	لَكُمْ	بَرَآءَةٌ
کیا تمہارے کافر	بہتر ہیں	ان سے	یا	تمہارے لیے	کوئی نجات ہے
فِي الزُّبُرِ ۝٤٣	أَمْ	يَقُولُونَ	نَحْنُ	جَمِيعٌ	مُّنتَصِرٌ ۝٤٤
صحیفوں میں	کیا	وہ کہتے ہیں	ہم	ایک جماعت ہیں	غالب آنے والی
سَيُهْزَمُ	الْجَمْعُ	وَيُوَلُّونَ	الدُّبُرَ ۝٤٥		
عنقریب شکست دی جائے گی	جماعت کو	اور وہ بھاگیں گے	پیٹھ پھیر کر		

''کیا تمہارے کافر اُن لوگوں سے بہتر ہیں؟ یا آسمانی صحیفوں میں تمہارے لیے کوئی معافی نامہ لکھا ہوا ہے؟(۴۳) یا ان کا کہنا ہے کہ ہم ہرصورت غالب آنے والی مضبوط جماعت ہیں ؟(۴۴) عنقریب یہ جماعت شکست کھا جائے گی اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔''(۴۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ لوط اور آلِ فرعون کا انجام ذکر کرنے کے بعد اہلِ مکہ کو زبردست انتباہ اور ایک سوال۔

آلِ فرعون کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ جب انہوں نے ہماری تمام نشانیوں اور ارشادات کو جھٹلا دیا تو ہم نے انہیں اس طرح پکڑا جس طرح ایک طاقت ور اور غالب قوت والا پکڑا کرتا ہے۔ اے مسلمانو! کیا تمہارا مقابلہ کرنے والے کفار قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ لوط اور آلِ فرعون سے بہتر اور زیادہ طاقت ور ہیں؟ یا پھر پہلی کتابوں میں ان کے لیے کوئی معافی نامہ لکھ دیا گیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم بڑی مضبوط جماعت ہیں۔ انہیں کان کھول کر سن لینا چاہیے کہ وہ وقت دور نہیں کہ جب انہیں شکستِ فاش ہوگی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ قرآن مجید نے اہلِ مکہ کو یہ وارننگ اس وقت دی جب کوئی شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اہلِ مکہ کا اس قدر بُرا انجام ہوگا کیونکہ یہ سورت نبوت کے ابتدائی سالوں میں نازل ہوئی اور اس وقت مسلمانوں کی کسم پرسی کا حال یہ تھا کہ انہیں سرِ عام پیٹا جاتا تھا یہاں تک کہ کفار کے مظالم سے تنگ آکر کچھ لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو ہماری سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ ان آیات میں کون سی جماعت مراد ہے کہ جس کا بُرا انجام ہوگا۔ لیکن ان آیات کے نزول کے سات سال بعد بدر کے میدان میں یہ حقیقت کھل گئی کہ ان آیات کے مخاطب یہی لوگ تھے جن کا انجام ہمارے سامنے آچکا ہے اور نبی علیہ السلام نے بدر کے میدان میں انہی آیات کی تلاوت کی تھی۔ (تفسیر قرطبی، سورۃ القمر: ۴۳تا۴۶)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کافر کو اپنی پکڑ سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی اقوام اور اہل مکہ کو ذلیل کر دیا۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے سامنے بڑی سے بڑی جماعت اور قوت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

بَلِ	السَّاعَةُ	مَوْعِدُهُمْ	وَالسَّاعَةُ	اَدْهٰى	وَاَمَرُّ ۝
بلکہ	قیامت	ان کا وعدہ ہے	اور قیامت	بہت بڑی آفت	اور نہایت سخت ہے

اِنَّ	الْمُجْرِمِيْنَ	فِيْ	ضَلٰلٍ	وَّسُعُرٍ ۝	يَوْمَ	يُسْحَبُوْنَ
بلاشبہ	مجرمین	میں	گمراہی	اور دیوانگی ہے	جس دن	وہ گھسیٹے جائیں گے

فِي النَّارِ	عَلٰى وُجُوْهِهِمْ	ذُوْقُوْا	مَسَّ	سَقَرَ ۝
آگ میں	اپنے چہروں کے بل	تم چکھو	عذاب	جہنّم کا

”بلکہ ان سے نمٹنے کے لیے اصل وعدے کا دن قیامت ہے اور قیامت بڑی آفت اور بہت سخت ہے۔(۴۶) درحقیقت مجرم غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور ان کی عقل ماری گئی ہے۔(۴۷) جس دن آگ میں منہ کے بل گھسیٹے جائیں گے ان سے کہا جائے گا جہنّم کے عذاب کا مزا چکھو۔“(۴۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار کو دنیا میں عذاب دینے کے ساتھ آخرت میں بھی عذاب دیا جائے گا۔

اہلِ مکہ کو جو انتباہ کیا گیا ہے وہ حرف بہ حرف پورا ہوا اوران کی جمعیت اورقوت کوتہس نہس کردیا گیا۔ اس کے باوجود فرمایا کہ انہیں اصل سزا قیامت کے دن دی جائے گی جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ دن بذاتِ خود بڑا سخت اورخوفناک ہوگا۔ یقیناً مجرم کھلی گمراہی اور پاگل پن میں مبتلا ہیں۔اس دن ان کو ان کے چہروں کے بل جہنّم کی آگ میں دھکیلا جائے گا اورحکم ہوگا کہ اب جہنّم کی دہکتی ہوئی آگ کا مزہ چکھو۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت کا دن اس لیے مقرر کیا ہے تاکہ نیک لوگوں کو ان کی نیکی کی پوری پوری جزا دے۔مجرموں کے لیے اس لیے جہنّم تیار کی گئی ہے تاکہ انہیں ٹھیک ٹھیک سزادی جائے۔ دنیا میں ایک قاتل اورظالم کے لیے زیادہ سے زیادہ سزا پھانسی ہوسکتی ہے۔ پھانسی لگنے والاشخص ایک ہی مقتول کے بدلے میں پھانسی کی سزا پاتا ہے۔اگر وہ کئی مقتولوں کا قاتل ہے تو اس کی سزا اسے نہیں ملتی۔قیامت کے دن مجرم کوٹھیک ٹھیک سزادینے کے لیے دوکام کیے جائیں گے۔ ایک سزا یہ ہوگی کہ کافر اورمشرک کو جہنّم میں موت نہیں آئے گی اوردوسرا کام یہ کیا جائے گا کہ اس کے جسم کی کھال باربار بدلی جائے گی۔ تاکہ وہ اپنے جرائم کی ٹھیک ٹھیک سزا پائے۔اس سزا کے ساتھ فرشتے جھڑکیاں دیتے ہوئے کہیں گے کہ اب اپنی نافرمانیوں کا مزہ چکھو۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (النساء: ٥٦)

’’جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا یقیناً ہم انہیں آگ میں ڈالیں گے۔ جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کی جگہ دوسری کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں یقیناً اللہ تعالیٰ غالب، حکمت والا ہے۔‘‘

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أُوقِدَ عَلَى النَّارِ أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى احْمَرَّتْ ثُمَّ أُوقِدَ عَلَیْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى ابْیَضَّتْ ثُمَّ أُوقِدَ عَلَیْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى اسْوَدَّتْ فَهِیَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ)) (رواه الترمذی: کتاب صفة جهنم)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک ہزار سال تک دوزخ کی آگ کو بھڑکایا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی پھر اس کو ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی پھر اس کو ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا حتی کہ وہ سیاہ ہوگئی اب اس کا رنگ سیاہ ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ قیامت کا دن بڑا سخت اور خوفناک ہوگا۔ ۲۔ مجرم اپنے جرائم میں اندھا ہو جاتا ہے۔
۳۔ قیامت کے دن مجرموں کو پوری پوری سزا دی جائے گی۔
۴۔ قیامت کے دن مجرموں کو ان کے چہروں کے بل جہنّم کی دہکتی ہوئی آگ میں گھسیٹا جائے گا۔
۵۔ جہنّم کے فرشتے جہنمیوں کو جھڑکیاں دیتے ہوئے کہیں گے کہ اب ہمیشہ کے لیے جہنّم کے عذاب کا مزہ چکھتے رہو۔

تفسیر بالقرآن

جہنّم میں مختلف قسم کی سزائیں:

۱۔ اس دن ہم ان کا مال جہنّم کی آگ میں گرم کریں گے اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں، کروٹوں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ (التوبہ:۳۵)
۲۔ ان کا ٹھکانہ جہنّم ہے جب آگ ہلکی ہونے لگے گی تو ہم اسے مزید بھڑکا دیں گے۔ (بنی اسرائیل:۹۷)
۳۔ جہنّم میں جہنمی کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور اس طرح پئیں گے جس طرح پیاسا اونٹ پیتا ہے۔ (الواقعہ: ۵۴ تا ۵۵)
۴۔ ان کے پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی اور انہیں دردناک عذاب ہوگا۔ (الانعام:۷۰)
۵۔ کفار کے لئے اُبلتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہوگا۔ (یونس:۴)
۶۔ ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کی ہے جو انہیں گھیرے ہوئے ہوگی اور انہیں پانی کی جگہ پگھلا ہوا تانبا دیا جائے گا جو ان کے چہروں کو جلا دے گا۔ (الکہف:۲۹)

اِنَّا	كُلَّ	شَيْءٍ	خَلَقْنٰهُ	بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾	وَمَآ	اَمْرُنَآ
بلاشبہ	ہر	چیز	ہم نے پیدا کیا ہے اسے	ایک اندازے کے ساتھ	اور نہیں	ہمارا حکم
اِلَّا	وَاحِدَةٌ	كَلَمْحٍ	بِالْبَصَرِ ﴿٥٠﴾	وَلَقَدْ	اَهْلَكْنَآ	اَشْيَاعَكُمْ
مگر	ایک ہی	جیسے جھپکنا	آنکھ کا	اور البتہ تحقیق	ہم ہلاک کر چکے ہیں	تمہارے جیسے
فَهَلْ	مِنْ	مُّدَّكِرٍ ﴿٥١﴾	وَكُلُّ	شَيْءٍ	فَعَلُوْهُ	فِي الزُّبُرِ ﴿٥٢﴾
تو کیا ہے	کوئی	نصیحت قبول والا	اور ہر	چیز	انہوں نے کیا ہے اسے	صحیفوں میں ہے
وَكُلُّ	صَغِيْرٍ	وَّكَبِيْرٍ	مُّسْتَطَرٌ ﴿٥٣﴾			
اور ہر	چھوٹا	اور بڑا	لکھا ہوا ہے			

’’ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے۔(۴۹) اور ہمارا حکم ہوتے ہی آنکھ جھپکنے میں وہ کام عمل میں آجاتا ہے۔(۵۰) تم جیسے بہت سے لوگوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں پھر ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟(۵۱) جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ سب دفتروں میں درج ہے۔(۵۲) اور ہر چھوٹی بڑی بات لکھی ہوئی موجود ہے۔‘‘(۵۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفّار کا دنیا اورآخرت میں انجام ذکر کرنے کے بعد اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ اوروقت مقرر کررکھا ہے۔ کوئی چیز اپنے اندازے اوروقت سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتی۔اگر ان لوگوں کی ابھی تک گرفت نہیں ہوئی تو اس کا بھی وقت مقرر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو ان کی امتوں کی طرف بھیجا اور ہرنبی نے اپنی امت کو نیکی کرنے کا حکم دیا اور قیامت کے دن اس کے صلہ کی خوشخبری سنائی۔ نیکی کا حکم دینے کے ساتھ انبیائے کرام علیہم السلام نے لوگوں کو بُرے اعمال سے منع کیا اوراس کے انجام سے ڈرایا۔ ہرنبی کے مخاطبین کی اکثریت نے قیامت اوراس کی ہولناکیوں کا مذاق اُڑایا اوران سے عذاب اور قیامت لانے کا مطالبہ کیا اوریہی روّیہ اورمطالبہ اہلِ مکہ کا تھا۔جس پر یہ فرمان نازل ہوا کہ ہم نے ہرچیز کو اس کے اندازے کے مطابق بنایا ہے اوراس کا ایک وقت مقرر کررکھا ہے۔ جو کسی کی نافرمانی اور اس کے اصرار پر تبدیل نہیں ہوتا۔جب اس کا وقت آتا ہے تو پھر ہمارا حکم آنکھ جھپکنے سے پہلے پورا ہوجاتا ہے۔ ہم ان جیسے مجرموں کو پہلے بھی ہلاک کرچکے ہیں۔تو کیا کوئی ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرے؟ جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں وہ سب کا سب ان کے اعمال ناموں میں درج ہے۔ کیونکہ ہرچھوٹا اور بڑا کام لکھ لیا جاتا ہے۔ گویا کہ جو کچھ یہ کررہے ہیں وہ سب کا سب درج کیا جارہاہے۔دوسرا مطلب یہ ہے کہ انسان نے جو کچھ کرنا ہے اللہ تعالیٰ نے وہ پہلے سے لکھ رکھا ہے۔ اس بات کو حدیث کی زبان میں تقدیر کہا گیا

ہے جس کی تشریح نبی علیہ السلام نے اس طرح فرمائی ہے۔

﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ o كِرَامًا كَاتِبِيْنَ o يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ o اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ o وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ﴾ (الانفطار: ۱۰ تا ۱٤)

”بے شک تم پر نگہبان فرشتے مقرر ہیں۔ایسے معزز کا تب۔جو تمہارے ہر کیے کو جانتے ہیں۔یقیناً نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے اور بے شک بدکار لوگ جہنم میں جائیں گے۔جزا کے دن اس میں داخل ہوں گے۔“

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ قَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِيْ بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ مَلَكًا فَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ وَيُقَالُ لَهُ أُكْتُبْ عَمَلَهُ وَرِزْقَهُ وَأَجَلَهُ وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحُ ......)) (رواه البخاری: کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة)

”حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں صادق و مصدوق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر کوئی اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن ٹھہرتا ہے جو جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر چالیس دن بعد گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتا ہے جو اس آدمی کا عمل ،رزق ،موت اور نیک وبد ہونا لکھ لیتا ہے پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔..........“

”حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں صادق و مصدوق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر کوئی اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن ٹھہرتا ہے جو جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر چالیس دن بعد گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتے ہیں اسے آدمی کا عمل ،رزق ،موت اور نیک وبد ہونا لکھنے کا حکم دیتے ہیں پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔تم میں ایک بندہ عمل کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس کی تقدیر غالب آجاتی ہے وہ جہنمیوں والے کام شروع کردیتا ہے۔ایسے ہی آدمی بُرے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو وہ جنتیوں والے اعمال شروع کردیتا ہے۔“(رواه البخاری: باب ذکر الملائکة)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کا حکم آنکھ جھپکنے سے پہلے نافذ ہوجاتا ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ اہل مکہ جیسے مجرموں کو پہلے بھی ہلاک کر چکا ہے۔
۳۔ اگر کوئی سبق حاصل کرنا چاہے تو پہلی قوموں کے انجام میں لوگوں میں عبرت موجود ہے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ اپنا حکم نافذ کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔

عِنۡدَ	صِدۡقٍ	مَقۡعَدِ	فِیۡ	فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ نَھَرٍ ۙ﴿۵۴﴾	الۡمُتَّقِیۡنَ	اِنَّ
نزدیک	عزت کے	مقام	میں	باغات اور نہروں میں ہوں گے	متقی لوگ	بلاشبہ

مُّقۡتَدِرٍ ﴿۵۵﴾	مَلِیۡکٍ
اقتدار والے کے	بادشاہ

”نافرمانی سے بچنے والے یقیناً نہروں والے باغوں میں ہوں گے۔(۵۴) عزت کی جگہ جو بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے پاس ہے۔“ (۵۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مجرموں کا انجام ذکر کرنے کے بعد متقین کا انعام اور مقام ذکر کیا جاتا ہے۔

متقی کی جمع متقین ہے۔ متقی کا معنٰی ہے اللہ سے ڈرنے اور گناہوں سے بچنے والا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی ابتدا میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔ یہ ان لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ جنّات میں داخل فرمائے گا جس میں نہریں جاری ہوں گی۔ متقین زمین و آسمان کے مالک اور شہنشاہِ مطلق کے پاس نہایت ہی باعزت مقام پر ٹھہرائے جائیں گے۔

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کے متعلق سوال کیا۔ کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا آپ کبھی خار دار راستے پر نہیں گزرے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ کیوں نہیں حضرت اُبی رضی اللہ عنہ کہنے لگے تو اُس وقت آپ کیا کرتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں کپڑے سمیٹ کر اس راستہ سے گزرتا ہوں۔ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہی تقویٰ ہے۔“ (تفسیر ابن کثیر: البقرہ ۲)

مسائل

۱۔ متقین جنّت میں داخل کیے جائیں گے جس میں نہریں جاری ہوں گی۔

۲۔ متقین زمین و آسمانوں کے مالک اور شہنشاہِ مطلق کے پاس باعزت مقام میں ٹھہرائے جائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

متقین کا انجام:

۱۔ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔ (النحل: ۱۲۸) ۲۔ متقین امن و سلامتی والے گھر میں ہوں گے۔ (الدخان: ۵۱)

۳۔ متقین کے لیے دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت ان کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ (النحل: ۳۰)

۴۔ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے جنّت ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ (آل عمران: ۱۹۸)

۵۔ اللہ تعالیٰ متقین کو قیامت کے دن جماعتوں کی صورت وہ جنّت میں داخل کرے گا۔ (الزمر: ۷۳)

۶۔ ایمان لانے اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے دنیا اور آخرت میں خوشخبری ہے۔ (یونس: ۶۳-۶۴)

سورۃ الرّحمان کا تعارف

سورۃ الرّحمان کا نام اس کے پہلے لفظ کی بنا پر رکھا گیا ہے۔اس کے تین رکوع اور اٹھہتر (۷۸) آیات ہیں۔

یہ سورت مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی ۔قرآن مجید کی یہ واحد سورت ہے جس میں بار بار جنوں اور انسانوں کو بیک وقت مخاطب کیا گیا ہے ۔اس کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے محبوب نام الرحمان سے کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قدر الرّحمان ہے کہ اس نے لوگوں کی راہنمائی کے لیے قرآن مجید جیسی عظیم کتاب نازل فرمائی ہے ۔اسی نے انسان کو پیدا فرمایا اور وہی انسان کو بولنے کا طریقہ اور سلیقہ سکھلاتا ہے۔وہ اس قدر بلندوبالا ہے کہ اس کے سامنے چاند اور سورج،ستارے اور درخت سجدہ ریز ہوتے ہیں۔اس کی قدرت کا عالم یہ ہے کہ اس نے آسمان کو بغیر کسی سہارے کے فضاء میں کھڑا کر رکھا ہے ۔

اس نے ایک میزان نازل کیا ہے اور جن وانس کو حکم فرمایا ہے کہ وہ اس میزان کے تقاضوں کا خیال رکھیں۔ اس سورت میں اکیس مرتبہ یہ آیت مبارکہ آئی ہے۔'' کہ اے جن و انسانوں تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔'' اکثر مفسرین نے ''اٰلآءِ'' کا معنی نعمت کیا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سورت میں یہ لفظ کئی بار نعمت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے لیکن امام رازی اور امام ابنِ جریر نے ''اٰلآءِ'' کا معنی قدرت بھی کیا ہے اور عرب شعراء نے ''اٰلآءِ'' کے لفظ کو صفت اور خوبی کے طور پر بھی استعمال کیا کرتے تھے۔

هم الملوك وابناء الملوك لهم ۔۔۔ فضلٌ على الناس فى الاٰلاء والنِعَم

وہ بادشاہ اور شاہزادے ہیں انہیں ۔۔۔ لوگوں پر اپنی خوبیوں اور نعمتوں کی وجہ سے برتری ہے

الحزم والعزم كانا من طبائعهٖ ۔۔۔ ما كل اٰلائهٖ يا قوم اُحصيها

حزم اور عزم اس کے اوصاف میں سے تھے ۔۔۔ لوگو! میں اس کی تمام خوبیاں شمار نہیں کرتا

اللہ تعالیٰ کی کس کس قدرت، نعمت اور خوبی کو جھٹلاؤ گے ۔آج تم اس کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہو اور اس کے اوصافِ حمیدہ کا انکار کرتے ہو اور اس کی بے پناہ قدرتوں کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے لیکن تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ایک وقت ضرور آئے گا کہ جب تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے فلاں فلاں گناہ کیوں کیا تھا۔کیونکہ اس سے پہلے حساب و کتاب کے بارے میں ہر قسم کی حجت پوری کر دی جائے گی۔مجرم اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے اور انہیں پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔جہنم میں پھینک کر کہا جائے گا کہ یہ وہی جہنم ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا اعتراف کیا ہے اور اس سے ڈر کر زندگی بسر کی انہیں ایسی جنتوں میں داخل کیا جائے گا کہ جس میں انہیں بڑی بڑی نعمتوں کے ساتھ نہایت پاکباز اور خوبصورت حوریں دی جائیں گی اور وہ سبز قالینوں اور نادر قسم کے فرشوں پر جلوہ افروز ہوں گے۔یہ انعامات انہیں اس لیے عطاء کیے جائیں گے کہ آپ کا رب بڑی برکت والا اور بڑے جمال و کمال کا مالک ہے۔

سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رُكُوْعُهَا: ٣ اٰيَاتُهَا: ٧٨

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾

بڑا مہربان جس نے تعلیم دی قرآن کی

''بڑے مہربان نے۔(۱) قرآن کی تعلیم دی ہے۔''(۲)

فہم القرآن

ربطِ سورت: جنّتیوں کا جنّت میں اعلیٰ مقام پانا ربِ رحمٰن کے رحم کا نتیجہ ہوگا کیونکہ اس کی مہربانی کے بغیر کوئی شخص جنّت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ سورۃ القمر کے بعد سورۃ الرّحمان کو اس لیے یہاں رکھا گیا کیونکہ اس کی ابتدا ہی الرّحمٰن کے عظیم اور شفیق نام سے ہوتی ہے۔ الرحمٰن کی مہربانی کے بغیر انسان کوئی اچھا کام سرانجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی جنّت میں داخل ہوسکتا ہے۔

ذاتِ کبریا کے ذاتی نام ''اللہ'' کے بعد صفاتی اسمائے گرامی میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والے نام الرحمٰن اور الرحیم ہیں۔قرآن مجید میں یہی نام سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں۔ نبی ﷺ کے ارشاد کے مطابق ''اللہ'' کی رحمت اس قدر وسیع وعریض ہے جیسے بحرِ بیکراں۔ کائنات کے تمام جنّ وانس کی حاجات کو پورا کردیا جائے تو بھی ''اللہ'' کی رحمت کے سمندر میں سوئی ڈبو کر باہر نکالنے کے برابر بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔

(رواہ مسلم: کتاب البر والصلة و الآداب، باب تحريم الظلم)

اہلِ مکہ کی غالب اکثریت الرّحمٰن کے لفظ سے ناواقف تھی۔ نبی علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کو الرّحمٰن اورالرّحیم کے نام سے پکارنا شروع کیا اورلوگوں کو اس مشفق نام سے متعارف کروایا تو اہلِ مکہ نے کہا۔ہمیں کہا جاتا ہے صرف ایک ''اللہ'' کو پکارو اور خود دو''الٰہ'' بنا رکھے ہیں لہٰذا ہم کسی رحمٰن کو نہیں جانتے کہ وہ کون ہوتا ہے۔کفار کی یاوہ گوئی کا پہلا جواب یہ دیا گیا۔

''وہی ہے جس نے چھ دنوں میں زمین و آسمانوں اور تمام چیزوں کو پیدا کیا جوآسمان وزمین کے درمیان ہیں پھر خود عرش پر جلوہ افروز ہوا۔الرحمٰن کی شان جاننے والے سے پوچھو۔جب ان لوگوں سے کہاجاتا ہے کہ الرّحمان کوسجدہ کرو تو کہتے ہیں الرّحمان کون ہوتا ہے ؟ کہتے ہیں کہ کیا جسے تو کہہ اسی کو ہم سجدہ کریں؟ الرّحمان کی طرف بُلایا جائے تو ان کی نفرت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔''(الفرقان:۵۹،۶۰)

اللہ تعالیٰ نے اس سورہ مبارکہ میں اپنی بڑی بڑی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے اور باربار انسان کو اس بات کا احساس دلایا ہے کہ **اے انسان! تو میری کس کس نعمت کی تکذیب اور ناشکری کرے گا۔''اللہ'' کے الرحمٰن ہونے کا تقاضا ہے کہ اس نے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا تاکہ لوگوں کی بروقت اورصحیح راہنمائی ہوسکے۔لوگوں کی ہدایت کا آخری**

انتظام قرآن مجید کی صورت میں کیا گیا ہے، قرآن مجید ایسی جامع اور عظیم کتاب ہے جو افراد اور اقوام کی کامل اور اکمل راہنمائی کرتی ہے۔قرآن مجید کے ذریعے ہی انسان اپنے رب کو پہنچاتا ہے اور زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ سیکھ سکتا ہے۔ "عَلَّمَہُ القرآنَ" کے الفاظ استعمال فرما کر بالواسطہ طور پر کفار کے اس الزام کی نفی کی گئی ہے کہ محمد ﷺ کسی اور سے سیکھ کر یا اپنی طرف سے قرآن نہیں بنا لیتے یہ تو رب رحمٰن کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

"اللہ" کی رحمت ہر چیز پر غالب ہے:

((عَنْ أَبِی ھُرَیْرَۃَ ؓ أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ لَمَّا قَضَی اللّٰہُ الْخَلْقَ کَتَبَ عِنْدَہُ فَوْقَ عَرْشِہِ ، إِنَّ رَحْمَتِی سَبَقَتْ غَضَبِی)) (رواہ البخاری: باب قَوْلِہِ تَعَالَی ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِینَ﴾)

"حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا فیصلہ فرمایا تو اُس وقت اللہ کے عرش پر لکھا ہوا تھا بے شک میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے جا چکی ہے۔"

قرآن کا لغوی معنٰی ہے بار بار پڑھی جانے والی کتاب کیونکہ قرآن مجید کو بار بار تلاوت کیا جاتا ہے اس لیے اس کو قرآن کہتے ہیں۔

"حضرت عمر بن خطاب ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کتاب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بہت سی قوموں کو جو اس پر عمل کریں گی بامِ عروج پر پہنچائے گا اور بہت سی قوموں کو جو اس کو چھوڑ دیں گی انہیں ذلیل کر دے گا۔" (رواہ مسلم: کتاب الصلوٰۃ ، باب فضل من یقوم بالقران)

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر نہایت ہی مہربان ہے۔ ٢۔اللہ تعالیٰ نے نبی ؑ کو قرآن کی تعلیم سے سرفراز فرمایا۔

٣۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعے لوگوں کی راہنمائی فرمائی۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کی عظمت وفضیلت کی ایک جھلک:

١۔ قرآن ایسی کتاب ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے۔ (البقرۃ:٢)

٢۔ قرآن مجید کو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور وہی اس کا محافظ ہے۔ (الحجر:٩)

٣۔ جنّ وانس مل کر بھی اس قرآن کی مثل نہیں لا سکتے۔ (بنی اسرائیل: ٨٨)

٤۔ قرآن مجید میں کوئی کجی نہیں ہے۔ (الکہف:١)(بنی اسرائیل: ٨٢)

٥۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے باعث نصیحت اور مومنوں کے لیے باعث ہدایت اور رحمت ہے۔ (یونس:٥٧)

بولنا	سکھایا اس کو	انسان کو	اس نے پیدا کیا
الْبَيَانَ ④	عَلَّمَهُ	الْإِنْسَانَ ③	خَلَقَ

”اُس نے انسان کو پیدا کیا۔(۳) اور اسے بولنا سکھایا۔“(۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: الرّحمٰن نے ہی انسان کو پیدا کیا اور اسی نے اسے بولنا سکھایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف پیدا ہی نہیں کیا بلکہ پیدا کرنے سے پہلے اس کے لیے آسمان کو چھت بنایا اور زمین کو فرش بنا کر اس کی ضروریات کا بندوبست فرمایا اور پھر اسے بولنے کا سلیقہ سمجھایا۔ قرآن مجید نے انسان کی تخلیق کا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ پہلے الانسان حضرت آدم علیہ السلام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مختلف مراحل سے گزار کر نہ صرف کامل اور اکمل انسان بنایا بلکہ مسجودِ ملائکہ کا اعزاز دے کر زمین پر خلافت کے منصب پر فائز کیا اور چار قسمیں اٹھا کر ارشاد فرمایا کہ ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ (التین: ۱تا۵) جہاں تک انسان کی قوتِ گویائی کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اسے بولنا سکھلایا ہے بلکہ اس کے دماغ میں ایسی صلاحیتیں رکھ دی ہیں کہ جن کی بنیاد پر ہر قسم کی معلومات اخذ کرتا ہے اور پھر اس کی زبان اسے الفاظ کا جامہ پہناتی ہے۔ غور فرمائیں کہ زمین اور آب وہوا یہاں تک کہ خوراک ایک ہوتی ہے لیکن لوگوں کی قدوقامت، رنگت اور زبانوں میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ ایک شخص دوسرے کی زبان نہیں سمجھ سکتا ہے۔ ایک ہی ملک میں رہنے والے لاکھوں، کروڑوں انسان ایک ہی جیسی زبان (Language) اور آب وہوا رکھتے ہیں مگر بولیاں الگ الگ ہیں۔ اب تک بین الاقوامی ریکارڈ کے مطابق دنیا میں تقریباً 6900 زبانیں بولی جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو براہِ راست علم سکھلایا۔ ان میں سرِفہرست حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور اس کے بعد انبیائے کرام علیہم السلام کی مقدس جماعت ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے علم سے سرفراز فرمایا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا فرمایا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو تعلیم سے آراستہ کیا اور اسی نے انسان کو قوتِ گویائی عطا فرمائی۔

تفسیر بالقرآن

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے مختلف مراحل:

۱۔ حضرت آدم کی تخلیق کا اعلان۔ (البقرۃ: ۳۰)

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام جس مٹی سے پیدا کیے گئے وہ کھڑکھڑاتی تھی۔ (الحجر: ۲۶) (النساء: ۱)

۳۔ آدم کو بجنے والی مٹی سے پیدا کیا۔ (الرحمٰن: ۱۴) ۴۔ حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ (نوح: ۱۷)

اَلشَّمْسُ	وَ الْقَمَرُ	بِحُسْبَانٍ ۝	وَّالنَّجْمُ	وَ الشَّجَرُ	يَسْجُدٰنِ ۝
سورج	اور چاند	ایک حساب سے	اور ستارے	اور درخت	سجدہ کرتے ہیں

''سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں۔(۵) اور تارے اور درخت سب سجدہ ریز ہوتے ہیں۔''(۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: سورۃ الرحمٰن میں مرکزی مضمون ''اللہ'' کی قدرتوں اور بڑی بڑی نعمتوں کا بیان ہے، ان میں شمس وقمر بھی شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے شمس وقمر کو اپنی قدرت کی عظیم نشانیوں میں شمار کیا ہے اورانہیں آپس میں اس طرح منضبط اورمنسلک کیا ہے کہ سورج اپنی ڈیوٹی دے رہا ہے اورچاند اپنے کام پر لگا ہوا ہے، نہ سورج چاند کے مدار میں داخل ہوسکتا ہے اورنہ چاند سورج کی حدود میں داخل ہوتا ہے۔(یٰس : ۳۸ تا ۴۰)

یہ ایسا مضبوط نظام ہے جس میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی قدرت کی نشانیاں قرار دیا اورفرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ دن کو طویل کردے تو کون ہے جو رات کو لے آئے اوراگر وہ رات کو طول دے دے تو کون ہے جو سورج طلوع کر سکے؟

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (القصص : ۷۱ تا ۷۳)

''ان سے پوچھو کہ کیا تم نے غور کیا کہ اگر اللہ تم پر قیامت تک دن چڑھائے رکھے۔تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جوتمہارے لیے رات لائے گا تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرسکو کیا تم دیکھتے نہیں یہ اسی کی رحمت ہے کہ اس نے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ تم رات میں سکون حاصل کرو اور دن کو اپنے رب کا فضل تلاش کرو اس لیے کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔''

چاند کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں فرما دیجیے کہ اس سے اوقات (عبادت) اور حج کے ایام لوگوں کومعلوم ہوتے ہیں۔''(البقرۃ:۱۸۹)

النجم کے مفسرین نے دومفہوم بیان کیے ہیں۔کچھ کا خیال ہے کہ النجم سے مراد ستارہ ہے لیکن اکثر کا خیال ہے کہ النجم کا یہاں معنٰی بیل دار پودا ہے۔مقصد یہ ہے کہ شمس وقمر اور نجم وشجر سب اپنے رب کی تسبیح پڑھتے اور اس کی تابعداری کرتے ہیں۔شمس وقمر نہ صرف اپنے مقررہ حساب کے مطابق چل رہے ہیں بلکہ شمس وقمر اور نجم وشجر

اپنے رب کو سجدہ بھی کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے سجدے کا طریقہ مقرر فرمایا ہے ،نہ صرف اپنے رب کے حضور سجدہ کرتے ہیں بلکہ اپنے انداز میں اس کی حمد وثناء بھی بیان کرتے ہیں۔ (الحج:١٨)

((عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم حِیْنَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ اَتَدْرِیْ اَیْنَ تَذْھَبُ ھٰذِہٖ قُلْتُ اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّھَا تَذْھَبُ حَتّٰی تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَسْتَاْذِنُ فَیُؤْذَنُ لَھَا وَیُوْشِکُ اَنْ تَسْجُدَ وَلَا تُقْبَلُ مِنْھَا وَتَسْتَأْذِنُ فَلَا یُؤْذَنُ لَھَا وَیُقَالُ لَھَا اِرْجِعِیْ مِنْ حَیْثُ جِئْتِ فَتَطْلُعُ مِنْ مَّغْرِبِھَا فَذَالِکَ قَوْلُہٗ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا قَالَ مُسْتَقَرُّھَا تَحْتَ الْعَرْشِ)) (رواہ البخاری: باب و کان عرشه علی الماء)

”حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تجھے معلوم ہے جب سورج غروب ہوتا ہے تو کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کی، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: سورج عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا اور اجازت طلب کرتا ہے ۔ اسے اجازت مل جاتی ہے ۔قریب ہے کہ وہ سجدہ کرے اور اس کا سجدہ قبول نہ ہو وہ طلوع ہونے کی اجازت چاہے لیکن اس کو اجازت نہ ملے ۔ اسے حکم ہو کہ جدھر سے آیا اسی طرف سے طلوع ہو جا۔چنانچہ سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورج اپنے مستقر کی طرف چلا جاتا ہے آپ نے فرمایا اس کا ٹھکانہ عرش کے نیچے ہے۔“

مسائل

١۔ سورج اور چاند ایک مقرر کردہ نظام کے مطابق چل رہے ہیں اور قیامت تک چلتے رہیں گے ۔

٢۔ شمس وقمر اور نجم وشجر اپنے رب کو سجدہ کرتے ہیں ۔

تفسیر بالقرآن

ہر چیز اللہ تعالیٰ کو یاد کرتی ہے اور اس کے حضور سجدہ ریز ہوتی ہے :

١۔ یقیناً جو ملائکہ آپ کے رب کے پاس ہیں وہ ”اللہ“ کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے ،اس کی تسبیح بیان کرتے اور اس کو سجدہ کرتے ہیں ۔(الاعراف:٢٠٦) ٢۔ ہر چیز اپنے رب کی تسبیح پڑھتی ہے۔(الحدید:١)

٣۔ ہر چیز اپنے رب کی تسبیح پڑھتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔(بنی اسرائیل:٤٤)

٤۔ ہر چیز کا سایہ بھی اللہ کو سجدہ کرتا ہے ۔(النحل:٤٨) ٥۔اللہ کو زمین وآسمان کی ہر چیز سجدہ کرتی ہے۔(النحل :٤٩)

٦۔ ستارے اور درخت اللہ کو سجدہ کرتے ہیں ۔(الرحمٰن:٦) ٧۔اللہ کو سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔ (النجم :٦٢)

٨۔ اللہ کی تسبیح بیان کرو اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ (الحجر:٩٨)

٩۔ اے ایمان والو !رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو۔ (الحج:٧٧)

وَالسَّمَآءَ	رَفَعَهَا	وَوَضَعَ	الْمِيْزَانَ ۝
اور آسمان	اسی نے اس کو بلند کیا	اور اس نے رکھا	ترازو

''اس نے آسمان کو بلند کیا اور میزان قائم فرما دی۔'' (۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: آسمان بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا مظہر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فضا میں چھت کے طور پر ٹھہرا رکھا ہے۔

''اللہ'' کی قدرت کی نشانیوں میں آسمان بھی اس کی عظیم قدرت کا ترجمان ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے صرف ایک آسمان کا ذکر کیا ہے اس لیے کہ انسان کی نگاہیں صرف پہلے آسمان کو دیکھتی ہیں۔ قرآن مجید نے اکثر مقامات پر ایک آسمان کی بجائے سات آسمانوں کا ذکر کیا ہے اور حدیث میں ساتوں آسمانوں کی موٹائی اور ان کے درمیان فاصلے کی تفصیل موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان میں بے شمار ملائکہ کی ڈیوٹی لگا رکھی ہے جو اپنے اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ ملائکہ اور مخلوق کے بارے میں ارشاد ہے کہ آپ کے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (المدثر: ۳۱) آسمانوں کے بارے میں یہ بھی بتلایا ہے۔

''اس نے اوپر نیچے سات آسمان بنائے، تم رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہیں پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نظر دوڑاؤ تمہاری نظر تھک کر پلٹ آئے گی۔'' (الملک: ۳، ۴)

آسمانوں میں سب سے زیادہ ذکر پہلے آسمان کا کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے ستاروں سے اسے مزین کر دیا ہے۔ (الحجر: ۱۷، ۱۸)

''ہم نے آسمانِ دنیا کو عظیم الشان چراغوں سے آراستہ کیا ہے اور انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ بنایا ہے۔'' (الملک: ۵)

اگلی آیات کی تفسیر میں ترازو کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو فضا میں بلند کر رکھا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ترازو قائم فرمایا دیا ہے۔

تفسیر بالقرآن

آسمانوں کے بارے میں قرآنی معلومات:

۱۔ ''اللہ'' نے آسمانوں کو بغیر ستون کے قائم کیا ہے۔ (الرعد: ۲) ۲۔ اللہ نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا ہے۔ (الانبیاء: ۳۲)

۳۔ آسمان اور زمین آپس میں ملے ہوئے تھے ''اللہ'' نے انہیں الگ الگ کیا۔ (الانبیاء: ۳۰)

۴۔ اللہ نے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا ہے۔ (البقرۃ: ۲۲)

اَلَّا	تَطْغَوْا	فِی الْمِیْزَانِ ۞	وَاَقِیْمُوا	الْوَزْنَ
تا کہ نہ	تم تجاوز کرو	تولنے میں	اور پورا کرو	وزن کو

بِالْقِسْطِ	وَ	لَا	تُخْسِرُوا	الْمِیْزَانَ ۞
عدل کے ساتھ	اور	تا کہ نہ	تم کمی کرو	تول میں

''یہ کہ تم میزان میں تجاوز نہ کرو ۔(۸) عدل کے ساتھ ٹھیک ٹھیک تولو اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو۔''(۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: آسمان کی رفعت کا ذکر کرنے کے بعد ترازو کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ترازو بھی زمین سے بلند رکھا جاتا ہے ۔جس طرح آسمان زمین سے بلند ہے۔(الحدید:۲۵) میں فرمایا کہ میزان آسمان سے اتارا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظام اورلوگوں کے درمیان اخلاقی ، سیاسی ،معاشی اور ہرقسم کا عدل و انصاف قائم رکھنے کے لیے ایک میزان نازل فرمایا ہے ۔ جس کے بارے میں اس کا حکم ہے کہ میزان میں تجاوز نہیں ہونا چاہیےحکم دیا کہ جب کسی چیز کا ماپ تول کرو تو اس میں عدل قائم رکھو اور ماپ ،تول میں کسی صورت بھی کمی بیشی نہیں ہونی چاہیے ۔ اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کے اندر ایک نظام اور توازن قائم فرمایا ہے جس بنا پر ہر چیز اپنے ا پنے دائر ہ کار میں رہ کر اپنا، اپنا کام سرانجام دے رہی ہے۔کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ توازن اور نظام سے آگے پیچھے نہیں ہوتی۔سورج اور چاند ایک دوسرے کے مدار میں داخل نہیں ہوتے، رات اور دن اپنے نظام الاوقات سے تجاوز نہیں کرتے ۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے انسان کے وجود میں بھی ایک توازن قائم کردیا ہے ۔ حکماء نے انسان کی جِبلّت کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے ۔ برودت ،حرارت اورسوداء۔ان میں سے کسی چیز میں کمی بیشی واقع ہوجائے تو انسان کا نظامِ صحت خراب ہو جاتا ہے ۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان میں منفی اورمثبت قوتیں رکھی ہیں۔انتقام اوربدلے کے درمیان، حوصلے اور بزدلی ،غیرت اور حسد ،مصلحت اور منافقت ،حوصلہ اور بُزدلی کے درمیان تھوڑا ہی فاصلہ پایا جاتا ہے اگر یہ فاصلہ ختم ہو جائے ،تو میزان میں جھول واقع ہو جاتی ہے ان قوتوں میں توازن نہ رہے تو انسان اورکائنات کا پورا نظام عدم توازن کا شکار ہو جاتا ہے عدم توازن سے بچنے کے لیے حکم ہے کہ توازن قائم رکھو اسی طرح ہی بلکہ اس سے بڑھ کر ناپ تول میں بھی قِسط یعنی عدل قائم رکھنا لازم ہے۔کسی سے کوئی چیز خریدی جائے یا اس کے ہاتھ بیچی جائے تو اس میں بھی کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہونی چاہیے۔

قرآن مجید میں ''اَلْمِیْزَانُ'' کا لفظ ۹ دفعہ استعمال ہے ۔دو آیات میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم نے ایک میزان نازل فرمایا ہے۔''اَلْمِیْزَانُ'' کے بارے میں اہلِ علم کے چارقسم کے خیالات ہیں۔ جو اپنی اپنی حیثیت کے مطابق حق پر مبنی ہیں۔① ''اَلْمِیْزَانُ'' درحقیقت الکتاب کی تشریح ہے ۔② ''اَلْمِیْزَانُ'' سے مراد قرآن وسنت کی تعلیم

ہے جس کے ذریعے انسان حق وباطل کے درمیان وزن اور فرق کرسکتا ہے۔ ③ "اَلْمِیْزَانُ" سے مراد عقلِ سلیم ہے جس کی روشنی میں آدمی حق اورناحق کی پہچان کرتا ہے۔ ④ "اَلْمِیْزَانُ" سے مراد دنیا کی کسی چیز کی پیمائش یا وزن کرنے کا پیمانہ ہے جس کے ذریعے لوگ آپس میں لین دین کرتے ہیں۔ جن آیات میں "اَلْمِیْزَانُ" کا لفظ ہے وہ یہ ہیں۔ (الانعام: ١٥٢، الاعراف: ٨٥، ھود: ٨٤، ٨٥، الشوریٰ: ١٧، الرحمٰن: ٧، ٨، ٩، الحدید: ٢٥)

قرآن مجید نے ہر معاملے میں عدل کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس معاشرے میں عدل قائم نہیں ہوگا وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجائے گا۔ ٹوٹ پھوٹ کا شکار اورعدل و انصاف سے محروم اقوام بالآخر تباہ ہوجاتی ہیں۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ قُرَیْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُوْمِیَّةِ الَّتِيْ سَرَقَتْ فَقَالُوْا وَمَنْ یُکَلِّمُ فِیْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالُوْا وَمَنْ یَجْتَرِئُ عَلَیْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَیْدٍ حِبُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَکَلَّمَهُ أُسَامَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ ثُمَّ قَالَ إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِیْنَ قَبْلَکُمْ کَانُوْا إِذَا سَرَقَ فِیْهِمُ الشَّرِیْفُ تَرَکُوْهُ وَإِذَا سَرَقَ فِیْهِمُ الضَّعِیْفُ أَقَامُوْا عَلَیْهِ الْحَدَّ وَأَیْمُ اللّٰهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ یَدَهَا)) (رواہ البخاری: باب حدیث الغار)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ قریش اس مخزومی عورت کے بارے میں بڑے فکر مند ہوئے جس نے چوری کی تھی انہوں نے سوچا کہ اس معاملے میں اللہ کے رسول سے کون بات کرے گا؟ کہنے لگے کہ یہ کام اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا کیونکہ وہ اللہ کے رسول کا محبوب ہے۔ اسامہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کی۔ آپ نے فرمایا: کیا تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے متعلق سفارش کرتے ہو؟ پھر آپ کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا: یقیناً تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے تباہ ہوئے کہ جب ان میں کوئی بڑا چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اگر کمزور چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کرتے۔ اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔"

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے ایک میزان قائم فرمایا ہے۔ ٢۔ میزان میں کمی بیشی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

تفسیر بالقرآن

القسط کی اہمیت وفرضیت:

١۔ نبی ﷺ کو عدل و انصاف کا حکم۔ (الاعراف: ٢٩) ٢۔ صلح بھی عدل و انصاف سے کروانا چاہیے۔ (الحجرات: ٩)
٣۔ رسولوں کی بعثت کا مقصد انصاف قائم کرنا تھا۔ (الحدید: ٢٥) ٤۔ انصاف کی بات کہنے کا حکم۔ (الانعام: ١٥٢)
٥۔ کسی کی دشمنی عدل و انصاف میں رکاوٹ نہیں بنی چاہیے۔ (المائدۃ: ٨) ٦۔ داؤد علیہ السلام کو عدل کرنے کا حکم۔ (ص: ٢٦)

وَالْاَرْضَ	وَضَعَهَا	لِلْاَنَامِ ۝	فِيْهَا	فَاكِهَةٌ
اور زمین	اسی نے رکھا اس کو	مخلوق کے لیے	اس میں	پھل ہیں
وَّالنَّخْلُ	ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝	وَالْحَبُّ	ذُو الْعَصْفِ	وَ الرَّيْحَانُ ۝
اور کھجوریں ہیں	غلافوں والیاں	اور دانے	بھوسے والے	اور پھول خوشبودار
فَبِاَيِّ	اٰلَآءِ	رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ۝	
کون کون سی	نعمتیں	اپنے رب کی	تم دونوں جھٹلاؤ گے	

''اس نے مخلوق کے لیے زمین بنائی۔(۱۰) اس میں ہر طرح کے پھل ہیں، کھجور کے درخت ہیں جن کے پھل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں۔(۱۱) طرح طرح کے غلے ہیں جن میں بھوسا ہوتا ہے اور دانہ بھی۔(۱۲) پس اے جنّ وانس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟۔'' (۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: آسمان کے بعد زمین اور اس کے فوائد کا مختصر ذکر۔

جس الرحمٰن نے شمس وقمر اورنجم وشجر پیدا کیے ہیں اورالقِسط قائم کرنے کا حکم دیا اسی نے اپنی مخلوق کے لیے زمین کوفرش کے طور پر بچھایا ہے۔

قرآن مجید نے جس طرح انسان کو آسمانوں کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں اسی طرح زمین کے بارے میں بھی بہت کچھ بتلایا ہے۔

''کیا وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں وہ غور نہیں کرتے کہ آسمان اور زمین آپس میں ملے ہوئے تھے ہم نے انہیں الگ الگ کیا اور ہر زندہ چیز پانی سے پیدا کی ؟ کیا پھر بھی وہ ایمان نہیں لاتے اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے تاکہ زمین انہیں لے کر ڈھلک نہ پڑے اور زمین میں کشادہ راہیں بنائیں تاکہ لوگ اپنے راستے معلوم کریں۔'' (الانبیاء: ۳۰،۳۱)

﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (ھود: ۷)

''اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرنے والا ہے۔''

﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ: ۲۲)

''جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے تمہارے لیے پھل پیدا کیے جو تمہارا رزق ہے جاننے کے باوجود اللہ کے ساتھ شریک نہ بناؤ۔''

یہاں زمین پر بسنے والوں کے لیے ''الانام'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس میں ہر وہ جاندار چیز شامل ہے جس کا رہنا سہنا، کھانا پینا اور مرنا جینا زمین کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس میں سرِ فہرست جنّ اور انسان ہیں۔ جن کے لیے خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے زمین کو فرش کے طور پر بچھایا ہے۔ زمین صرف رہائش کا کام نہیں دیتی بلکہ اسے اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے لیے دستر خوان بھی بنایا ہے۔ کچھ نعمتیں زمین کے اندر دفن کی ہیں جسے ہر دور کے لوگ اپنی لیاقت اور طاقت کے مطابق نکالتے رہیں گے۔ زیادہ نعمتوں کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہے تاکہ انسان ان نعمتوں سے بھر پور استفادہ کر سکے۔ ان نعمتوں میں ہر قسم کے پھل خوشوں سے لدی ہوئی کھجوریں ہیں جن کے خوشوں پر غلاف چڑھے ہوتے ہیں۔ ان میں انسانوں اور ہر قسم کے الانعام کے لیے اناج ہے کچھ پر بھس چڑھا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اناج اور بے شمار پھل پیدا کیے ہیں۔ اس کی قدرتوں اور نعمتوں پر قربان جائیں کہ اس نے ہر اناج اور پھل کے اوپر چھلکے کی صورت میں غلاف چڑھا دیے ہیں تاکہ اناج اور پھل ہر قسم کی کثافت اور غلاظت سے محفوظ رہیں یہاں تک کہ جو چیزیں زمین کے اندر تیار ہوتی ہیں، ان پر بھی ایک باریک سا چھلکا چڑھا دیا ہے تاکہ مٹی اس چیز کے اندر داخل نہ سکے ان کا تذکرہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے جنّوں اور انسانو! تم اپنے رب کی کس کس قدرت اور نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اس سورت کے تعارف میں وضاحت موجود ہے کہ ''آلا'' کا معنٰی قدرت، نعمت اور خوبی ہے یہاں یہ لفظ تینوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے زمین کو فرش بنا دیا ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں ہر قسم کے پھل اور غلافوں میں لپٹی ہوئی کھجوریں پیدا کیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نے خوشبودار پھول پیدا کیے اور ہر قسم کے اناج کو اس کے چھلکے اور خوشے میں محفوظ فرمایا ہے

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں زمین سے پیدا ہونے والے چند پودوں کا ذکر:
۱۔ ''اللہ'' پانی سے تمہارے لیے کھیتی، زیتون، کھجور اور انگور اگاتا ہے۔ (النحل:۱۱)
۲۔ ''اللہ'' نے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ (المومنون:۱۹)
۳۔ ''اللہ'' نے زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ (یٰس:۳۴)
۴۔ ''اللہ'' نے پانی سے ہر قسم کی نباتات کو پیدا کیا۔ (الانعام:۹۹) (الانعام:۱۴۱)
مزید معلومات کے لیے ڈاکٹر اقتدار فاروقی کی کتاب'' نباتاتِ قرآن کا مطالعہ فرمائیں۔

خَلَقَ	الْاِنْسَانَ	مِنْ صَلْصَالٍ	كَالْفَخَّارِ ۝١٤	وَخَلَقَ	الْجَآنَّ
اس نے پیدا کیا	انسان کو	بجنے والی مٹی سے	جیسے ٹھیکری	اور اس نے پیدا کیا	جنّ کو

مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝١٥	فَبِاَیِّ	اٰلَآءِ	رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ۝١٦
آگ کے شعلہ سے	کون کون سی	نعمتیں	اپنے رب کی	تم دونوں جھٹلاؤ گے

''اس نے انسان کو ٹھیکری جیسی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا۔(۱۴) اور جنّ کو آگ کی لپٹ سے پیدا کیا۔(۱۵) پس اے جنّ وانس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟''(۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے افضل مخلوق انسان ہے اس لیے جنّوں کی بجائے انسان کی تخلیق کا ذکر پہلے کیا ہے۔جبکہ جنات کی پیدائش انسان سے پہلے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں جس مخلوق کو حساب وکتاب کا مکلّف ٹھہرایا ہے وہ انسان اور جنّ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانِ اوّل یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا اور جنّوں کو آگ کے شعلے سے پیدا فرمایا۔ آدم علیہ السلام کے زمین پر نازل ہونے سے پہلے زمین پر جنّات رہتے تھے اور ان کا زمین پر راج تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد اسے زمین میں خلافت عطا فرمائی اور اس کو اپنے احکام کا مکلّف بنایا اور جنّات کو اسی دین کا پابند کیا۔ اس لیے انسان اور جنّات کے بارے میں ارشاد ہے کہ ہم نے جنّوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔

''میں نے جنّات اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''(الذاریات:۵۶)

اللہ کی عبادت کرنے میں جنّوں وانس کی عزت اور ان کی خودی کا تحفظ ہے اور دوسروں کی عبادت کرنے میں ذلت ہے اور اپنی خودی کی نفی پائی جاتی ہے لیکن بے شمار جنّ اور انسان اپنے خالق کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں گویا کہ اسے اپنا خالق نہیں مانتے۔ یہ اس کی ذات اور اس کے فرمان کو جھٹلانے کے مترادف ہے اسی لیے فرمایا ہے کہ اے جنو اور انسانو! تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے۔۲۔اللہ تعالیٰ نے جنّات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔
۳۔ بے شمار جنّ اور انسان اپنے رب کی خالص عبادت نہیں کرتے وہ دوسروں کی عبادت کر کے اپنے رب کی ذات اور احکام کی تکذیب کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

انسان کی تخلیق کے مراحل:

(النحل:۴)(آل عمران:۵۹)(المومنون:۱۲)(الدھر:۲)(النساء:۱)

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا
رب ہے دونوں مشرقوں کا اور رب ہے دونوں مغربوں کا کون کون سی نعمتیں اپنے رب کی

تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ
تم دونوں جھٹلاؤ گے اس نے جاری کیے دو سمندر باہم ملتے ہیں ان دونوں کے درمیان ایک پردہ ہے

لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾
دونوں تجاوز نہیں کرتے کون کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم دونوں جھٹلاؤ گے

”دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا رب ہے۔(۱۷) اے جِنّ وانس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟(۱۸) اس نے دو سمندروں کو جاری کیا جو آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ (۱۹) ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔(۲۰) پس اے جِنّوں اور انسانوں تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟“(۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس رب نے انسان اور جِنّات کو پیدا کیا ہے وہی مشرقین اور مغربین کا مالک ہے۔

سورہ الصّافات کی آیت ۵ میں مشرق کے لیے مشارق کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور یہاں مشرقین اور مغربین کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ بے شک سورج مشرق سے نکل کر مغرب کی جانب غروب ہوتا ہے لیکن سورج ہمیشہ ایک ہی مقام سے نہ طلوع ہوتا ہے اور نہ غروب ہوتا ہے بلکہ ہر روز اپنی جگہ بدلتا ہے جسے موجود ہ سائنسدان اور فلکیات کے ماہرین بھی تسلیم کرتے ہیں اس لیے یہاں مشرقین اور مغربین کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔عربی میں یہ الفاظ فاصلے کی طوالت کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ مشرقین اور مغربین کے الفاظ استعمال فرما کر شمال اور جنوب کی جوانب کو بھی مشرقین اور مغربین میں شامل کیا گیا ہے۔

مشرقین اور مغربین کا ذکر فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ ان کے درمیان جو کچھ ہے اسے پیدا کرنے والا صرف ایک رب ہے۔جس سورج کی وجہ سے یہ سمتیں مشرق اور مغرب کہلاتی ہیں اس سورج کو بھی اسی رب نے پیدا کیا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک رب کے سوا کوئی اور پیدا کرنے والا نہیں اس لیے اس کا فرمان ہے کہ اے جنو اور انسانو! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ جس طرح اس نے دو مغرب اور دو مشرق بنائے ہیں اسی طرح اس نے سمندر کے پانی کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ایک پانی میٹھا ہے اور دوسرا کڑوا ہے لیکن اس کے باوجود ان کا پانی آپس میں نہیں ملتا کیونکہ ان کے درمیان ایک پردہ حائل کردیا گیا ہے۔ کڑوے پانی کے اپنے فوائد ہیں اور میٹھا پانی اپنے فوائد اور تاثیر رکھتا ہے۔ اللہ کی ذات کا انکار کرنے والے سائنسدان اس کی یہ توجیح کرتے ہیں کہ کڑوا پانی ہلکا ہوتا ہے اور میٹھا پانی بھاری ہوتا ہے۔ دونوں کے اجزاء الگ الگ ہیں جس وجہ سے وہ آپس میں تحلیل نہیں ہوتے۔ حالانکہ سمندر میں ایسے

مقامات بھی ہیں جہاں میٹھا اور کڑوا پانی آپس میں خلط ملط ہوجاتا ہے۔ سمندر ایک ہونے کے باوجود ان کے پانی کا الگ الگ رہنا اللہ تعالیٰ کی قدرتوں میں سے ایک عظیم قدرت ہے۔ بے دین سائنسدان غور کریں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کون میٹھا اور کڑوا پانی پیدا کرنے والا ہے؟ یہ اس کی قدرت نہیں تو کیا ہے؟ لیکن اس کے باوجود جنّوں اور انسانوں میں بے شمار افراد ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کو جاننے کے باوجود اس کی ذات اور فرمان کے قائل نہیں ہیں۔ اس لیے فرمایا ہے کہ اے جنو اور انسانو! تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کروے گے۔

حدیث میں مشرق اور مغرب کا ذکر:

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تذکرہ کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلی تکبیر اور قراءت کے درمیان کچھ دیر خاموش رہتے تھے۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ کی ذات پر فدا ہوں آپ تکبیر اور قراءت کے درمیان خاموشی کے ساتھ کیا پڑھتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں یہ پڑھا کرتا ہوں۔ ”الٰہی میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اتنی دوری فرما دے جیسا کہ تونے مشرق اور مغرب کے درمیان دوری قائم کی ہے۔ الٰہی !میرے گناہوں کو اس طرح صاف کر دے جیسا کہ سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے۔ الٰہی میری خطاؤں کو پانی ،برف اور اولوں کے ساتھ دھوڈالیے۔ (رواہ البخاری: باب مَا يَقُولُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے دومشرق اور دومغرب بنائے ہیں۔

۲۔ دومشرقوں اور دومغربوں کے درمیان ایک رب کے سوا کسی کی دائمی اور عالمگیر بادشاہی نہیں ہے۔

۳۔ بے شمار جنّات اور انسان اپنے رب کی ذات اور اس کی قدرتوں کی تکذیب کرتے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے ہی دوسمندر بنائے۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ نے کڑوے اور میٹھے سمندروں کے درمیان ایک پردہ حائل کردیا ہے۔

۶۔ کڑوے اور میٹھے پانی کے اپنے اپنے فوائد ہیں جن سے لوگ مستفید ہوتے ہیں اس کے باوجود بے شمار جنّات اور انسان اپنے رب کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا مالک ہے:

۱۔ اللہ ہی دونوں مشرق اور دونوں مغرب کا رب ہے۔ (الرحمٰن:۱۷) ۲۔ مشرق ومغرب اللہ کے لیے ہے۔ (البقرۃ:۱۴۲)

۳۔ اللہ تعالیٰ مشرق اور مغرب کا رب ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں لہٰذا اسی کو کارساز مانو۔ (المزمل:۹)

۴۔ بے شک تمہارا ایک اللہ ہے جو آسمان وزمین، جو کچھ ان کے درمیان ہے اور مشارق کا رب ہے۔ (الصّافات:۴،۵)

۵۔ میں قسم اٹھاتا ہوں مشارق اور مغارب کے رب کی کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (المعارج:۴۰)

يَخْرُجُ	مِنْهُمَا	اللُّؤْلُؤُ	وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾	فَبِاَيِّ	اٰلَآءِ	رَبِّكُمَا
نکلتے ہیں	ان دونوں سے	موتی	اور مونگے	کون کون سی	نعمتیں	اپنے رب کی

تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٣﴾	وَلَهُ	الْجَوَارِ	الْمُنْشَئٰتُ	فِي الْبَحْرِ	كَالْاَعْلَامِ ﴿٢٤﴾
تم دونوں جھٹلاؤ گے	اور اسی کے ہیں	بادبان	جو اونچے اٹھے ہوئے ہیں	سمندر میں	پہاڑوں کی مانند

فَبِاَيِّ	اٰلَآءِ	رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٥﴾
کون کون سی	نعمتیں	اپنے رب کی	تم دونوں جھٹلاؤ گے

''دونوں سمندروں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔(۲۲) پس اے جنّ وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (۲۳) اور سمندر میں جو بادبانی بیڑے پہاڑوں کی طرح اُٹھے ہوئے ہیں وہ اُسی کے ہیں۔(۲۴) پس اے جنّ و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''(۲۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: دونوں سمندروں کے فوائد۔

اللہ تعالیٰ ہی سمندروں سے موتی اور مونگے پیدا کرتا ہے۔کچھ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ موتی اور مونگے صرف کڑوے اور کھارے پانی میں پیدا ہوتے ہیں جس کی بالواسطہ طور پر نفی کی گئی ہے۔ اس لیے واحد کی بجائے مِنْهُمَا کی ضمیر لاکر بتلایا ہے کہ ایک نہیں دونوں قسم کے سمندر سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔موتی اور مونگے انتہائی قیمتی اور خوبصورت ہیرے ہیں جو زیبائش کے علاوہ کئی ادویات میں استعمال ہوتے ہیں جو مخصوص قسم کی بیماریوں کا علاج اور تریاق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی انتہا دیکھیے کہ وہ پانی میں کس طرح موتی اور مونگے پیدا کرتا ہے۔پانی مائع ہے اور اس میں پیدا ہونے والے سیپ اور اس میں بننے والے موتی پتھر کی طرح سخت ہوتے ہیں جو لوہے کی ضرب کے بغیر نہیں ٹوٹتے ، جنّ اور انسان اس پر غور کریں تو انہیں یقین ہوجائے گا کہ واقعی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پانی سے موتی اور مونگے پیدا نہیں کرسکتا لیکن اس کی قدرتوں پر غور نہ کرنے کی وجہ سے بے شمار جنّ اور انسان اپنے رب کی ذات اور اس کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اس لیے فرمایا ہے کہ اے جنّوں اور انسانو! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں ایک نشانی ہے کہ اس نے سمندر میں پہاڑوں کی مانند بیڑے اور جہاز چلا دیئے ہیں۔ بحری بیڑے اور جہاز کے لیے ''لَہٗ'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنٰی ہے اسی کے لیے ہے۔مراد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ انسان کو بحری بیڑے اور جہاز بنانے اور انہیں چلانے کی صلاحیت نہ دیتا اور سمندر کی فضا اور ہوا موافق نہ کرتا تو انسان کسی صورت بھی سمندری سفر اختیار نہ کرتا اور نہ ہی سمندر سے موتی اور جواہرات نکال سکتا تھا۔ قرآن مجید میں یہ بھی موجود ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جنّات کے ذریعے سمندر سے موتی اور جواہرات نکالنے کا کام لیا کرتے تھے۔''اور ان کے لیے شیاطین کو مسخر کر دیا جو معمار اور غوطہ خور تھے۔''(ص:۳۷)

۱۔نہروں کے ذریعے وہاں تک پانی پہنچا دیا جاتا ہے جہاں پہنچنے کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ دریاؤں کے پانی کو بڑے بڑے ڈیموں میں بند کر لیا جاتا ہے۔

۲۔سمندر کی سطح پر پلوں کی شکل میں بڑی بڑی سڑکیں بنا دی گئی ہیں یہاں تک کہ سمندر کے پانی کی گہرائیوں میں بحری اڈے قائم کر دیے گئے ہیں۔ مختلف سمندروں سے ہر روز کروڑوں ٹن تروتازہ مچھلی نکالی جاتی ہے۔ جسے انسان اپنی خوراک بنانے کے ساتھ ادویات اور دیگر ضروریات کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح سمندر کی تہہ سے بڑے بڑے قیمتی ہیرے، جوہرات ہمیشہ سے نکالے جا رہے ہیں جو بالخصوص عورتوں اور امیر لوگوں کی حسن و زیبائش کے لیے گراں قدر قیمت کے حامل ہیں یہ خوبصورت چیزیں زمین کی سطح پر نہیں پائی جاتیں۔ اب تو سمندر کے پانی سے تیل اور گیس کے ذخائر تلاش کر لیے گئے ہیں نہ معلوم قیامت تک کون کون سی قیمتی اشیا سمندر سے حاصل کی جائیں گی ان کے ذخائر کا کوئی حقیقی اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد سطح سمندر کی طرف آئیں تو دنیا کی تجارت کا ستر فیصد سے زائد حصہ سمندری راستوں کے ساتھ وابستہ ہے جو پرانے زمانے میں کشتیوں کے ذریعے اور آج کل آبدوزوں اور بحری جہازوں کے ذریعے ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچائی جا رہی ہیں۔ یاد رہے کہ آج کے بحری جہاز اور پہلے وقت کے بادبان بیڑے سمندر میں کھڑے ہوئے دور سے پہاڑ نظر آتے ہیں۔ جس وجہ سے ان کے لیے ”اَلْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ“ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا نتیجہ ہے جس پر انسان کو اپنے رب کا شکر گزار ہونا چاہیے اگر آدمی تھوڑی سی توجہ کے ساتھ غور کرے تو اسے معلوم ہو گا کہ آخر وہ کونسی وجہ ہے کہ جو پانی سوئی کے معمولی وزن کو اپنی چھاتی پر برداشت نہیں کرتا وہ ہزاروں ٹن وزنی جہازوں کو نہ صرف اپنے آپ پر برداشت کرتا ہے بلکہ اسے اٹھائے ہوئے ہزاروں لوگوں اور ان کے سامان کو میلوں دور منتقل کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

معلوم نہیں کہ جنّات بھی بحری سفر کے لیے بحری جہاز یا بحری بیڑے استعمال کرتے ہیں یا نہیں البتہ قرآن مجید نے یہاں بھی جنوں اور انسانوں کو مخاطب کیا ہے تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت اور قدرت کو جھٹلاؤ گے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ اس نے سمندر میں موتی اور جواہرات پیدا کیے ہیں۔

۲۔ بحری بیڑوں اور جہازوں کا سمندر میں چلنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر ہے۔

۳۔ انسان اور جنّات دلیل کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی کسی قدرت اور نعمت کی تکذیب نہیں کر سکتے۔

تفسیر بالقرآن

بحری بیڑوں کا سمندر میں چلنا اللہ کی قدرت کی نشانی ہے:

(ابراہیم: ۳۲) (یٰس: ۴۴) (العنکبوت: ۶۵) (الحج: ۶۵) (لقمان: ۳۱) (الجاثیہ: ۱۲)

كُلُّ	مَنْ	عَلَيْهَا	فَانٍ ﴿٢٦﴾	وَّ يَبْقٰى	وَجْهُ	رَبِّكَ
سب کا سب	جو	اس زمین پر ہے	فنا ہو جائے گا	اور باقی رہے گا	چہرہ	آپ کے رب کا
ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾		فَبِاَيِّ	اٰلَآءِ		رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾
جو بڑی شان اور عزت والا ہے		کون کون سی	نعمتیں		اپنے رب کی	تم دونوں جھٹلاؤ گے

''جو زمین پر ہے وہ فنا ہونے والا ہے۔(۲۶) اور صرف تیرے رب کی جلیل اور کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔(۲۷) پس اے جنّ وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''(۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بڑی بڑی نعمتوں اور پوری کائنات کا انجام۔

اللہ تعالیٰ نے زمین کو وسیع ترین فرش کے طور پر بنایا اور بچھایا ہے۔ اس کے اوپر اور اندر بے شمار مخلوقات پیدا فرمائیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان میں کچھ مخلوقات ایسی ہیں جن کے بارے میں انسان سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ بھی کبھی فنا ہوجائیں گی۔ ان میں ایک سمندر ہے جس کے بارے میں ارضیات کے ماہرین کا خیال ہے کہ آسمان تلے ایک حصہ خشکی ہے اور تین حصے سمندر ہے۔ انسان یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ اتنا بڑا سمندر کبھی خشک اور ختم ہو جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ سمندر سمیت ہر چیز فنا اور ختم ہوجائے گی۔صرف ایک ''اللہ'' کی ذات باقی رہے گی جو بڑا ذوالجلال اورعزت وعظمت والا ہے ،اسی طرح پہاڑوں کے بارے میں کوئی سوچ نہیں سکتا کہ یہ مِٹ جائیں گے۔

﴿وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ﴾ (التکویر: ٦)

اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے۔''

﴿وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ (القارعه: ٥)

''اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں۔''

یہاں زمین کے بارے میں فرمایا ہے کہ جو کچھ اس کے اوپر ہے وہ سب کا سب فنا ہوجائے گا۔ دوسرے مقام پر یہ فرمایا: اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز ہلاک ہو جائے گی اسی کا حکم چلتا ہے اوراس کی طرف تم پلٹ کر جاؤ گے گویا کہ زمین وآسمانوں میں جو کچھ ہے تباہ ہو جائے گا۔

''اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے حکمرانی اسی کی ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جانے والے ہو۔''(القصص: ۸۸)

قرآن مجید نے یہ بات بڑی تفصیل کے ساتھ بتلائی اور سمجھائی ہے کہ ہر ذی روح کو موت آنی ہے اور ہر چیز نے ختم ہونا ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ بھی نہیں ہوگا پھر جنّوں اورانسانوں حتیٰ کہ حیوانات کو

بھی ربِ ذوالجلال کے حضور پیش کیا جائے گا اورسب کا حساب ہوگا ۔فرق صرف اتنا ہے کہ حیوانات کو پیدا فرما کر ان سے ایک دوسرے کا بدلہ چکایا جائے گا اوراس کے ساتھ ان کا وجود ختم کر دیا جائے گا۔جنّوں اور انسانوں کواپنے کیے کی پوری پوری جزا اورسزا دینے کے لیے نیک جنّوں اور انسانوں کو جنّت میں اور بُروں کو جہنّم میں داخل کیا جائے گا اور موجودہ زمین و آسمانوں کوختم کرکے نئے زمین و آسمان پیدا کیے جائیں گے ۔

﴿یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (ابراھیم : ۴۸)

”جس دن اس زمین کو دوسری زمین کے ساتھ بدل دیا جائے گا اور آسمان بھی تبدیل کر دیئے جائیں گے اورلوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے ، جو اکیلا اور بڑا زبر دست ہے ۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زمینوں اورآسمانوں کو یکجا کرکے اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے فرمائیں گے کہ میں ہی بادشاہ ہوں ۔ ظالم وسفاک اورنخوت وغرور رکھنے والے آج کہاں ہیں؟ یَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَیْنَ الْجَبَّارُوْنَ أَیْنَ الْمُتَکَبِّرُوْنَ۔ (رواہ مسلم: کتاب صفة القیامة والجنة والنار)

((عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقَ إِلٰی أَهْلِهَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ حَتّٰی یُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ)) (رواہ مسلم : باب تحریم الظلم)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا: تمہیں قیامت کے دن لوگوں کے حقوق ان کے مالکوں کو ادا کرنا پڑیں گے، یہاں تک کہ جس بکری کے سینگ نہیں ہیں اس کو سینگ والی بکری سے بدلہ دلایا جائے گا۔“

مسائل

۱۔ ہر چیز فنا ہوجائے گی ۔۲۔ ربِ ذوالجلال کے سوا کوئی چیز نہیں بچ پائے گی۔

تفسیر بالقرآن

ہر ذی روح کوموت آئے گی اور ہر چیز فنا ہوجائے گی:

۱۔ ہر شے فنا ہو جائے گی ۔ (الرحمٰن: ۲۶) ۲۔قلعہ بند ہونے کے باوجود موت نہیں چھوڑتی ۔(النساء :۷۸)

۳۔ موت کی جگہ اور وقت مقرر ہے۔ (الاعراف: ۳۴) ۴۔ پہلے انبیاء فوت ہوئے ۔ (آل عمران:۱۴۴)

۵۔ رسول اللہ ﷺ بھی موت سے ہمکنار ہوں گے اور ہوئے ۔ (الزمر :۳۰)

۶۔ جب اللہ کا حکم کسی چیز پر آجاتا ہےتو اس کا نام ونشان مٹ جاتا ہے۔(یونس :۲۴)

۷۔ ہرنفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ (الانبیاء:۳۵)

۸۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔(القصص:۸۸)

يَسْـَٔلُهٗ	مَنْ	فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ	كُلَّ	يَوْمٍ	هُوَ
اسی سے مانگتا ہے	جو کوئی بھی	آسمانوں اور زمین میں ہے	ہر	دن	وہ

فِيْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾	فَبِاَيِّ	اٰلَآءِ	رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾
ایک شان میں ہے	کون کون سی	نعمتیں	اپنے رب کی	تم دونوں جھٹلاؤ گے

''زمین اور آسمانوں میں جو بھی ہے ہر کوئی اپنی ضرورتیں اُسی سے مانگتا ہے وہ ہر دن نئی شان میں ہے۔(۲۹) پس اے جنّوں اور انسانوں تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''(۳۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی ذات اس وقت بھی تھی جب کچھ نہیں تھا اوراس وقت بھی ہوگی جب کچھ نہیں ہوگا ہر چیز اسی کی محتاج ہے۔اس لیے پوری مخلوق اسی سے مانگتی ہے اورسب کو اسی سے مانگنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے لوگو! تم سب کے سب اللہ کی بارگاہ کے محتاج ہو اوراللہ تعالیٰ ہراعتبار سے غنی ہے، وہ چاہے توتمہیں ختم کردے اورتمہاری جگہ نئی مخلوق لے آئے ،ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل نہیں ہے۔ (فاطر:۱۵تا۱۷)

اللہ ہی خالق ، مالک ،رازق اور بادشاہ ہے اس لیے جو کچھ زمین وآسمانوں میں ہے ہر کوئی اسی سے مانگتا ہے۔ ہر دن ہرآن رب ذوالجلال کی نئی شان ہوتی ہے ۔لیکن اس کے باوجود بے شمار جنّ اورانسان ایسے ہیں جو اس کے حکم کے مطابق اس سے مانگنے کے لیے تیارنہیں وہ اِدھر اُدھر کے واسطوں اورمختلف قسم کے وسیلوں کو درمیان میں لاتے ہیں حالانکہ اس کا حکم ہے کہ مجھ سے بلاواسطہ مانگا جائے۔

''تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھے ہی پکارو میں ہی تمہاری دعائیں قبول کروں گا، جولوگ تکبر کرتے ہوئے اور میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں وہ ضرور ذلیل وخوار ہوکر جہنّم میں داخل کیے جائیں گے۔''(المومن:۶۰)

اس کا فرمان ہے کہ صرف مجھے ہی پکارا جائے اور اطاعت بھی اسی کی ہونی چاہیے ۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے یہ بہت بڑا انعام ہے کہ وہ انسان کو ہرکسی کے سامنے جھکنے اوران سے مانگنے کا حکم دینے کی بجائے صرف اپنے سامنے جھکنے اور مانگنے کا حکم دیتاہے جو جنّات اورانسان اس کے حکم کے مطابق اس سے نہیں مانگتے ان کے لیے اس کا ارشاد ہے کہ اے جنو اورانسانو! تم اپنے رب کی شان اورفرمان کوکس طرح جھٹلاؤ گے۔ اس کا فرمان ہے کہ ہردن اس کی نئی شان ہے یعنی وہ ہرآن اپنی مخلوق بالخصوص جنّوں اور انسانوں پر اپنی رحمت اورکرم نوازیوں میں اضافہ کیے جاتا ہے۔اس کی رحمت کی شان کا تذکرہ کرتے ہوئے سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلُونِي فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَسْأَلَتَهُ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِمَّا عِنْدِي إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ

الْبَحْرَ يَا عِبَادِي إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا لَكُمْ ثُمَّ أُوَفِّيكُمْ إِيَّاهَا فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللَّهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذَلِكَ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ قَالَ سَعِيدٌ كَانَ أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ إِذَا حَدَّثَ بِهَذَا الْحَدِيثِ جَثَا عَلَى رُكْبَتَيْهِ)) (رواہ مسلم: کتاب البر والصلة والاداب، باب تحریم الظلم)

''میرے بندو! تمہارے اگلے پچھلے اگر جن وانس سب مل کر کھلے میدان میں اکٹھے ہو جائیں پھر وہ مجھ سے مانگنے لگیں اور میں ہر کسی کو اس کی منہ مانگی مرادیں دے دوں تو میرے خزانوں میں اتنی کمی بھی واقع نہیں کر سکتے جتنی سوئی کو سمندر میں ڈبونے سے ہوتی ہے۔''

مسائل

١۔ زمین وآسمانوں میں بسنے والا ہر جاندار اپنے رب سے مانگتا ہے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ مجھ سے ہی مانگا جائے۔ ٣۔ مشرک اور کافر کے سوا ہر کوئی ایک رب سے مانگتا ہے۔

٤۔ بے شمار جنّات اور انسان اللہ کے حکم اور اس کی نعمتوں کی تکذیب کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

تمام انبیاء بغیر کسی واسطے اور کسی کے وسیلے کے بغیر ایک ''رب'' سے ہی مانگا کرتے تھے:

١۔ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اگر تو ہمیں معاف نہیں کرے گا اور رحم نہیں فرمائے گا تو یقیناً ہم نقصان اٹھائیں گے۔ (الاعراف:٢٣)

٢۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بدعا کی کہ الٰہی زمین پر ایک کافر نہیں بچنا چاہیے۔ (نوح:٢٦)

٣۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا میں اپنی بے قراری اور غم کی شکایت صرف ''اللہ'' کے حضور پیش کرتا ہوں۔ (یوسف:٨٦)

٤۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے دعا کی اے میرے پروردگا ر! میں بیمار ہو گیا ہوں اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ (الانبیاء:٨٣) ٥۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اندھیروں میں اللہ تعالیٰ کو پکارا۔ تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں تو پاک ہے اور میں ہی قصور وار ہوں۔ (الانبیاء:٨٧)

٦۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا اے میرے پروردگار! مجھے تنہا نہ چھوڑ اور تو ہی بہترین وارث ہے۔ (الانبیاء:٨٩)

٧۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے دعا کی اے میرے پروردگار! میں بیمار ہو گیا ہوں تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ (الانبیاء:٨٣) ٨۔ نبی علیہ السلام کی دعا اے میرے رب! میرا علم زیادہ کر دے۔ (طٰہٰ:١١٤)

٩۔ اے اللہ! فساد کرنے والی قوم کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔ (حضرت لوط علیہ السلام کی دعا) (العنکبوت:٣٠)

١٠۔ اے ہمارے رب! تو ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے (حضرت شعیب کی دعا) (الاعراف:٨٩)

١١۔ اے ہمارے پروردگار! ان کے اموال کو ختم کر دے۔ (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا)۔ (یونس:٨٨)

سَنَفْرُغُ	لَكُمْ	اَيُّهَ	الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾	فَبِاَيِّ	اٰلَآءِ
عنقریب ہم فارغ ہوں گے	تمہارے لیے	اے	جنّ وانس	کون کون سی	نعمتیں

رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾	يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ	اِنِ	اسْتَطَعْتُمْ
اپنے رب کی	تم دونوں جھٹلاؤ گے	اے گروہِ جنّ وانس	اگر	تم طاقت رکھتے ہو

اَنْ	تَنْفُذُوْا	مِنْ	اَقْطَارِ	السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	فَانْفُذُوْا
یہ کہ	تم نکل جاؤ	سے	کناروں	آسمانوں اور زمین کے	تو نکل جاؤ

”اے جِنّوں اور انسانوں عنقریب ہم تم سے باز پرس کرنے کے لیے فارغ ہوں گے ۔(۳۱) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟(۳۲) اے گروہِ جنّ وانس اگر تم زمین اور آسمانوں کی سرحدوں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو جنّ اور انسان اللہ تعالیٰ سے اس کے حکم کے مطابق نہیں مانگتے انہیں چیلنج کیا گیا ہے ۔

رب ذوالجلال کا فرمان ہے ۔ اے جِنّوں اورانسانو!عنقریب ہم تمہارے لیے فارغ ہونے والے ہیں اور تم اپنے رب کی طاقت کا مقابلہ نہیں کر پاؤ گے اگر تمہیں اس کے مقابلے میں طاقت حاصل ہے تو کھلے الفاظ میں تمہیں چیلنج کیاجاتا ہے کہ تم زمین و آسمان کے کناروں سے باہر نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ۔لیکن تم اس کی بادشاہت سے نکل نہیں سکتے سوائے قوت کے وہ قوت صرف تمہارے رب کے پاس ہے لہٰذا تم اپنے رب کی قوت کو جھٹلا نہیں سکتے۔ ہر دور کے سائنسدان اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ زمین وآسمان اپنی اپنی حیثیت اورمقام پر ایک کرّہ ہیں اور ہر کُرّہ اپنی فضا میں گردش کررہاہے ۔ سائنسی اعتبار سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ ایک کرۂ دوسرے کرّے کے ساتھ نہیں مل سکتا، ہر کرّہ اپنے مدار میں گھوم رہا ہے۔اس لیے انسان اور جِنّات زمین وآسمان کے ایک کرّے کے اندر مقید ہیں۔ بے شک انسان اور جِنّات جس قدر ترقی کرجائیں لیکن وہ زمین و آسمان کے کرّے سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ”اِلاَّ بِسُلْطَانٍ“ کا یہ معنٰی نہیں کہ انسان یہ طاقت حاصل کرسکتا ہے کہ وہ زمین و آسمان کے کناروں سے باہر نکل سکتا ہے ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا لہٰذا اے جِنّوں اورانسانو! تم اپنے رب کی کون کون سی قدرت کو جھٹلاؤ گے۔ اس خطاب کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عنقریب ہم تمہارے لیے فارغ ہوتے ہیں۔ اس کا یہ معنٰی نہیں کہ اللہ تعالیٰ بہت مصروف ہے اور اب اس کے پاس وقت نہیں کہ وہ باغی جِنّوں اور انسانوں سے نبٹ لے یہ تو چیلنج اور انتباہ کا ایک انداز ہے جس سے کسی باغی کو وارننگ دی جاتی ہے کہ موقعہ ہے سمجھ جاؤ ورنہ عنقریب پکڑے جاؤ گے اور مارے

لَا تَنْفُذُوْنَ	اِلَّا	بِسُلْطٰنٍ ۝۳۳	فَبِاَيِّ	اٰلَآءِ	رَبِّكُمَا
نہیں تم نکل سکتے	مگر	زور کے ساتھ	کون کون سی	نعمتیں	اپنے رب کی
تُكَذِّبٰنِ ۝۳۴	يُرْسَلُ	عَلَيْكُمَا	شُوَاظٌ	مِّنْ نَّارٍ ۙ	وَّنُحَاسٌ
تم دونوں جھٹلاؤ گے	چھوڑا جائے گا	دونوں پر	شعلہ	آگ کا	اور دھواں
فَلَا	تَنْتَصِرٰنِ ۝۳۵	فَبِاَيِّ	اٰلَآءِ	رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ۝۳۶
پھر نہ	تم بچ سکو گے	کون کون سی	نعمتیں	اپنے رب کی	تم دونوں جھٹلاؤ گے

تم نہیں نکل سکتے، اس کے لیے بڑا زور چاہیے۔(۳۳) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟(۳۴) تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا جس کا تم مقابلہ نہ کرسکو گے۔(۳۵) اے جنّ وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟"(۳۶)

جاؤ گے، گویا کہ باغی جنّوں اور انسانوں کوایک مہلت دی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ اس لیے ارشاد ہوا کہ اے جنّوں اورانسانو! تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے باغی جنّوں اورانسانوں کوایک چیلنج دیا ہے کہ اگرتم میں طاقت ہے توزمین وآسمانوں کے کناروں سے باہرنکل جاؤ۔

۲۔ جنّ اورانسان زمین وآسمانوں سے کبھی باہرنہیں نکل سکتے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں جنّوں کا تذکرہ:

۱۔ جنّ اورانسان اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کئے گئے ہیں۔(الذاریات:۵۶)۲۔ جنّات غیب نہیں جانتے۔(سبا:۱۴)

۳۔ جنّ اور انسان مل کر اس جیسا قرآن بنا لاؤ۔(بنی اسرائیل: ۸۸)

۴۔ جنّ وانس مل کر قیامت تک ایک سورۃ بھی اس جیسی نہیں بناسکتے۔(البقرۃ :۲۳۔۲۴)

۵۔ اے انسانوں اور جنّوں اگرتم خدا کی خدائی سے نکل سکتے ہونکل جاؤ۔(الرحمٰن: ۳۳)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے جنّوں کوسلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا۔(سبا:۱۲)

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۝٣٧ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
پھر جب پھٹ جائے گا آسمان تو وہ ہو جائے گا گلابی سرخ چمڑے کی طرح کون کون سی نعمتیں

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٣٨ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ
اپنے رب کی تم دونوں جھٹلاؤ گے پھر اس دن نہ پوچھا جائے گا اس کے گناہ کی بابت کسی انسان سے

وَّلَا جَآنٌّ ۝٣٩ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٤٠ يُعْرَفُ
اور نہ کسی جِنّ سے کون کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم دونوں جھٹلاؤ گے پہچان لیے جائیں گے

الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ۝٤١
مجرم اپنے چہروں کی نشانی سے پھر وہ پکڑے جائیں گے پیشانی کے بالوں سے اور قدموں سے

’’پھر جب آسمان پھٹ پڑے گا اور لال چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا۔(۳۷) اے جِنّ وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔(۳۸) اس دن کسی انسان اور کسی جِنّ سے اس کا جرم پوچھنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔(۳۹) تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔(۴۰) مجرم وہاں اپنے چہروں کے نشان سے پہچان لیے جائیں گے اور انہیں پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹا جائے گا۔(۴۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس طرح جنّوں اورانسانوں کے پاس زمین وآسمانوں کے کناروں سے نکلنے کی طاقت نہیں اسی طرح باغی جنّوں اور انسانوں کے پاس اللہ کے عذاب سے بچ نکلنے کی طاقت نہیں۔

قیامت کے اسرافیل جونہی دن صور پھونکیں گے تو آسمان کا رنگ سرخ ہوجائے گا اوروہ اس قدر ہلنا شروع ہو جائے گا کہ بالآخر ٹکڑوں کی صورت میں زمین پر گر پڑے گا۔ زمین وآسمانوں کو بدل دیا جائے گا اور محشر کے میدان میں لوگوں کو جمع کر لیا جائے گا۔اس دن لوگوں کا حساب وکتاب پیش کرنے اوران پر شہادتیں قائم کرنے کے بعد ایک ایسا مرحلہ آئے گا کہ مجرم جنّوں اورانسانوں سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے فلاں فلاں جرم کیوں کیا تھا۔کیونکہ اس سے پہلے ہرقسم کی حجت قائم ہوچکی ہو گی جس کے بعد مجرموں کے چہروں پر ذلّت چھائی ہوئی ہوگی جس سے وہ پہچانے جائیں گے۔ اس کے بعد ان کی پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ کر انہیں جہنّم میں پھینک دیا جائے گا۔ فرشتے انہیں کہیں گے کہ یہی وہ جہنّم ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ جہنّمی جہنّم میں کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور مدہوشی کے عالم میں چکر کاٹیں گے اور ان پر سیاہ دھواں چھوڑ کر اُوپر سے آگ کے انگارے برسائے جائیں گے۔ جہنّمی کبھی ملائکہ سے فریادکریں گے اورکبھی اللہ تعالیٰ سے معافیاں مانگیں گے لیکن ان کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔اے جنّوں اورانسانو! تم اپنے رب کی کس کس قدرت کو جھٹلاؤ گے۔

فَبِاَیِّ	اٰلَآءِ	رَبِّکُمَا	تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾	هٰذِهٖ	جَهَنَّمُ
کون کون سی	نعمتیں	اپنے رب کی	تم دونوں جھٹلاؤ گے	یہی	جہنّم ہے
الَّتِیْ	یُکَذِّبُ	بِهَا	الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾	یَطُوْفُوْنَ	بَیْنَهَا وَبَیْنَ
وہ	جھٹلاتے تھے	جس کو	مجرم (جمع)	وہ چکر لگائیں گے	درمیان جہنّم کے اور درمیان
حَمِیْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾	فَبِاَیِّ	اٰلَآءِ	رَبِّکُمَا	تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾	
سخت گرم کھولتے پانی کے	کون کون سی	نعمتیں	اپنے رب کی	تم دونوں جھٹلاؤ گے	

تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (۴۲) یہ وہی جہنّم ہے جس کو مجرم جھوٹ قرار دیا کرتے تھے۔ (۴۳) وہ اسی جہنّم کے کھولتے ہوئے پانی کے درمیان چکر کاٹیں گے۔ (۴۴) پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (۴۵)

مسائل

۱۔ قیامت کے دن حساب و کتاب کے بعد مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں دوبارہ سوال نہیں کیا جائے گا۔
۲۔ مجرم اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے اور انہیں پیشانی اور پاؤں کے بالوں سے پکڑ کر جہنّم میں پھینک دیا جائے گا۔
۳۔ ملائکہ مجرموں سے کہیں گے کہ یہی وہ جہنّم ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔
۴۔ جہنّمی جہنّم کا کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور اس میں انہیں ڈبکیاں دی جائیں گی۔

تفسیر بالقرآن

مجرموں کو جہنّم میں مختلف قسم کی سزائیں دی جائیں گی:

۱۔ اس دن ہم ان کا مال جہنّم کی آگ میں گرم کریں گے اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں، کروٹوں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ (التوبہ:۳۵)
۲۔ ان کا ٹھکانہ جہنّم ہے جب آگ ہلکی ہونے لگے گی تو ہم اسے مزید بھڑکا دیں گے۔ (بنی اسرائیل:۹۷)
۳۔ اس میں وہ کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور اس طرح پئیں گے جس طرح پیاسا اونٹ پیتا ہے۔ (الواقعہ:۵۴تا۵۵)
۴۔ ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کی ہے جو انہیں گھیرے ہوئے ہوگی اور انہیں پانی کی جگہ پگھلا ہوا تانبا دیا جائے گا جو ان کے چہروں کو جلا دے گا۔ (الکھف:۲۹)
۵۔ ان کے لیے کھانے کی کوئی چیز نہیں ہوگی مگر ضریع ہے۔ جو انہیں موٹا نہیں کرے گا اور نہ بھوک میں کچھ فائدہ دے گا۔ (الغاشیہ:۶،۷) ۶۔ جہنمیوں کو پینے کے لیے پیپ دی جائے گی۔ (النبا:۲۵)
۷۔ کفار کے لئے اُبلتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہوگا۔ (یونس:۴) ۸۔ مجرموں کی چمڑیاں بار بار بدلی جائیں گی۔ (الحج:۲۰)

وَلِمَنْ	خَافَ	مَقَامَ رَبِّهٖ	جَنَّتٰنِ ﴿٤٦﴾	فَبِاَيِّ
اور اس کے لیے جو	ڈر گیا	اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے	دو باغ ہیں	کون کون سی
اٰلَآءِ	رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٧﴾		
نعمتیں	اپنے رب کی	تم دونوں جھٹلاؤ گے		

''اور اپنے رب سے ڈرنے والے کے لیے دو باغ ہیں۔(۴۶) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟''(۴۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنّمیوں کے مقابلے میں جنّتیوں کا مقام اور انعام۔

جو شخص قیامت کے دن سے پہلے اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لیے جنّت میں دو باغ ہوں گے۔ اللہ کا خوف اور قیامت کا ڈر ایسا عمل ہے جو انسان کو صراطِ مستقیم پر گامزن رکھتا ہے، انسان حرام و حلال کی تمیز کرتا ہے ظلم سے بچتا ہے اور ہر حال میں عدل پر قائم رہتا ہے۔ وہ نیکی کرنے کے باوجود اس پر اتراتا نہیں بلکہ ہر وقت اپنے رب سے لرزاں رہتا ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جس بنا پر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک تنکا پکڑ کر کہا تھا کہ کاش! میں انسان کی بجائے ایک تنکا ہوتا تا کہ قیامت کے دن کے حساب و کتاب سے بچ جاتا۔ (سیرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) جس نے اپنے لیے آخرت کی فکر پیدا کر لی اس پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہوا کیونکہ آخرت کی فکر اور اللہ کے فضل کے بغیر کوئی شخص جنّت میں نہیں جا سکتا۔ آخرت کی فکر کی بنا پر نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ رضی اللہ عنہ يَا رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِي هُودٌ وَالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلَاتُ وَ﴿عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ﴾ وَ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَرَوَى عَلِيُّ بْنُ صَالِحٍ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ نَحْوَ هَذَا وَرُوِيَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي مَيْسَرَةَ شَيْءٌ مِنْ هَذَا مُرْسَلًا)) (رواہ الترمذی: باب ومن سورۃ الواقعۃ)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ بوڑھے ہو گئے ہیں آپ نے فرمایا سورۃ ہود، واقعہ، مرسلات، عم یتساءلون اور سورۃ تکویر نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔''

((عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَفَرَّغُوْا مِنْ هُمُوْمِ الدُّنْيَا مَا اسْتَطَعْتُمْ فَإِنَّهُ مَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا أَكْبَرُ هَمِّهِ أَفْشَى اللّٰهُ ضَيْعَتَهُ وَجَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَمَنْ كَانَتِ الْاٰخِرَةُ أَكْبَرُ هَمِّهِ جَمَعَ اللّٰهُ لَهُ أُمُوْرَهُ وَجَعَلَ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهٖ وَمَا أَقْبَلَ عَبْدٌ بِقَلْبِهٖ إِلَى اللّٰهِ

إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ قُلُوْبَ الْمُؤْمِنِيْنَ تَفِدُ إِلَيْهِ بِالْوَدِّ وَالرَّحْمَةِ وَكَانَ اللّٰهُ إِلَيْهِ بِكُلِّ خَيْرٍ أَسْرَعُ)) (معجم الاوسط : باب من اسمه محمد قال البزار ليس به باس)

''حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہاں تک ہو سکے تم دنیا کے غموں سے چھٹکارا حاصل کرلو جس نے دنیا کی فکر کو بڑا جان لیا اللہ تعالیٰ اس پر دنیا تنگ کردیں گے، محتاجی اس کی آنکھوں سے ٹپک رہی ہوگی۔ جس نے اپنے لیے آخرت کو بڑی فکر بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو سنوار دے گا۔ اس کے دل میں غنا پیدا کردے گا۔ جو انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سچے دل سے متوجہ ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مومنوں کے دلوں میں محبت اور رحمت پیدا فرما دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر بھلائی میں جلدی فرماتا ہے۔''

﴿إِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّ أَجْرٍ كَرِيْمٍ﴾ (یٰس : ١١)

''آپ اُسی شخص کو خبردار کر سکتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرتا اور بغیر دیکھے رحمان سے ڈرتا ہے، اُسے مغفرت اور اجرِ کریم کی بشارت دے دیں۔''

مسائل

١۔ آخرت کی فکر کرنے والے کو جنّت میں دو باغ دیئے جائیں گے۔
٢۔ جنّات اور انسان اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ سے ڈرنے کے فوائد:

١۔ صبر کرو متقین کا انجام بہتر ہے۔ (ھود : ٤٩) ٢۔ متقین کے لیے کامیابی ہے۔ (النبا: ٣١ تا ٣٣)
٣۔ متقی کے کام آسان اور اس کی سب خطائیں معاف اور ان کے لیے بڑا اجر ہوگا۔ (الطلاق: ٤ تا ٥)
٤۔ قیامت کے دن متقین کے چہرے ہشاش بشاش ہوں گے۔ (یونس:٢٦)
٥۔ متقین اولیاء اللہ ہیں جو بے خوف ہوں گے۔ (یونس: ٦٢)
٦۔ متقین کے لیے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنّت ہے۔ (القلم: ٣٤)
٧۔ اللہ تعالیٰ نے متقین کے ساتھ جنّت کا وعدہ فرمایا ہے اور کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔ (الرعد: ٣٥)
٨۔ یقیناً متقین باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ (الذاریات: ١٥)
٩۔ یقیناً متقی نعمتوں والی جنّت میں ہوں گے۔ (الطّور: ١٧)

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾	فَبِاَيِّ	اٰلَآءِ	رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾
دونوں بہت شاخوں والے ہیں	کون کون سی	نعمتیں	اپنے رب کی	تم دونوں جھٹلاؤ گے

فِيْهِمَا	عَيْنٰنِ	تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾	فَبِاَيِّ	اٰلَآءِ	رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾
ان دونوں میں	دو چشمے	جاری ہوں گے	کون کون سی	نعمتیں	اپنے رب کی	تم دونوں جھٹلاؤ گے

فِيْهِمَا	مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ	زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾	فَبِاَيِّ	اٰلَآءِ	رَبِّكُمَا
اُن میں	ہر پھل کی	دو قسمیں ہوں گی	کون کون سی	نعمتیں	اپنے رب کی

تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾	مُتَّكِـِٕيْنَ	عَلٰى فُرُشٍ	بَطَآئِنُهَا	مِنْ اِسْتَبْرَقٍ	وَجَنَا
تم دونوں جھٹلاؤ گے	تکیہ لگائے ہوئے ہونگے	مسندوں پر	جن کے استر	موٹے ریشم کے ہیں	اور پھل

الْجَنَّتَيْنِ	دَانٍ ﴿۵۴﴾	فَبِاَيِّ	اٰلَآءِ	رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾
ان دونوں باغوں کے	قریب ہوں گے	کون کون سی	نعمتیں	اپنے رب کی	تم دونوں جھٹلاؤ گے

”ہری بھری ڈالیوں سے بھرپور۔(۴۸) اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟(۴۹) دونوں باغوں میں دو دو چشمے جاری ہیں۔ (۵۰) اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو تم جھٹلاؤ گے؟(۵۱) دونوں باغوں میں ہر پھل کی دو قسمیں ہیں۔(۵۲) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟(۵۳) جنّتی لوگ فرشوں پر تکیے لگا کے بیٹھیں گے جن کے اَستر موٹے ریشم کے ہوں گے اور باغوں کی ڈالیاں پھلوں سے جھکی ہوں گی۔(۵۴) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟“(۵۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنّت کے باغات کی بہاریں اوران کے پھل۔

”اللہ“ کا خوف رکھنے والے جنّتی کو جنّت میں دو باغ دیئے جائیں گے جن کے درخت طرح طرح کے پھلوں سے لدے ہوئے ہوں گے۔ ان باغات میں دو دو چشمے ہوں گے اوران کے پھل بھی دو قسم کے ہوں گے۔ جنّتی حضرات ایسے قالینوں پر تکیے لگائے تشریف فرما ہوں گے جن کے اَستر اطلس کے بنے ہوئے ہوں گے اور جنّت کے پھل ان کے سامنے ٹپک رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جنّت کی بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد بار بار ارشاد فرمایا ہے کہ اے جنّوں اورانسانو! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اس ارشاد سے یہ ثابت کیا ہے کہ اگر جنّ اورانسان آخرت کی فکر پیدا کرلیں اوراپنے رب سے ڈر کر زندگی بسر کریں تو انہیں ہر صورت جنّت کی نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا۔اللہ کے خوف کا پہلا تقاضا ہے کہ انسان اپنے رب کے ساتھ شرک نہ کرے اور ہر قسم کی نافرمانی سے بچتا رہے۔جس نے اپنے رب کی نافرمانی سے بچنے کی کوشش نہ کی حقیقت میں اس نے جنّت اور اس کی نعمتوں کی تکذیب کی۔ اس لیے فرمایا کہ اے جنّوں اورانسانو!تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کروگے۔

((وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ کُلُّ اُمَّتِی یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰی قِیْلَ وَمَنْ اَبٰی قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی))

(رواہ البخاری: باب الِاقْتِدَاءِ بِسُنَنِ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ)

حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا: میری تمام کی تمام امت جنت میں داخل ہوگی سوائے اس کے جس نے جنت میں جانے سے انکار کیا صحابہ ؓ نے پوچھا انکار کرنے والا کون ہوگا؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا جس نے میری نافرمانی کی اس نے جنت میں جانے سے انکار کیا۔‘‘

مسائل

۱۔ جنّت کے باغ پھلوں سے لدے ہوئے ہوں گے۔۲۔جنّت کے باغات میں چشمے بہہ رہے ہوں گے۔

۳۔ جنّت کے باغوں میں تمام پھل دو دو قسم پر مشتمل ہوں گے۔۴۔انسانوں اور جنّوں کو اللہ کی نعمتوں کی قدر کرنی چاہیے۔

۵۔ جنّتی جنّت کے قالینوں پر تشریف فرما اور تکیوں پر ٹیک لگائے ہوں گے۔

۶۔ جنّت کے باغات کے پھل جنّتیوں کے سامنے ٹپک رہے ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

جنّت میں جنّتیوں کا مقام اور جنّت کی ایک جھلک:

۱۔ ہم ان کے دلوں سے کینہ نکال دیں گے اور سب ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے۔انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے۔(الحجر:۴۷۔۴۸)

۲۔ جس جنّت کا مومنوں کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اور اس کے پھل اور سائے ہمیشہ کے لیے ہوں گے۔(الرعد:۳۵)

۳۔ جنّت میں بے خار بیریاں، تہہ بہ تہہ کیلے،لمبا سایہ، چلتا ہوا پانی، اور کثرت سے میوے ہوں گے۔(الواقعہ:۲۸تا۳۰)

۴۔ جنّت میں وہ سب کچھ ہوگا جس کی جنّتی خواہش کرے گا۔(حٰم السجدۃ:۳۱)

۵۔ ہم نے اس میں کھجوروں،انگوروں کے باغ بنائے ہیں اور ان میں چشمے جاری کیے ہیں۔(یٰس:۳۴)

۶۔ یقیناً متقین باغات اور چشموں میں ہوں گے۔(الذاریات:۱۵)

۷۔ یقیناً متقی نعمتوں والی جنّت میں ہوں گے۔(الطّور:۱۷)۸۔جنّت کے میوے ٹپک رہے ہوں گے۔(الحاقہ:۲۳)

۹۔ جنّت میں جنّتیوں کو سونے اور لولو کے زیور پہنائے جائیں گے۔(فاطر:۳۳)

۱۰۔ جنّت میں تمام پھل دو،دو قسم کے ہوں گے۔(الرحمٰن:۵۲)۱۱۔جنّتیوں کو شرابِ طہور دی جائے گی۔(الدھر:۲۱)

۱۲۔ جنّتی سبز قالینوں اور مسندوں پر تکیہ لگا کر بیٹھے ہوں گے۔(الرحمٰن:۷۶)

فِيهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا

ان میں (عورتیں) ہوں گی جھکی نظروں والی نہیں ہاتھ لگایا انہیں کسی انسان نے ان سے پہلے اور نہ

جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ

کسی جنّ نے کون کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم دونوں جھٹلاؤ گے گویا کہ وہ ہیرے

وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ

اور موتی ہیں کون کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم دونوں جھٹلاؤ گے نہیں جزا

الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾

احسان کی مگر احسان کون کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم دونوں جھٹلاؤ گے

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾

اور ان دونوں باغوں کے علاوہ اور دو باغ ہیں کون کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم دونوں جھٹلاؤ گے

”ان باغوں میں شرمیلی اور نیچی نگاہیں رکھنے والی حوریں ہوں گی جنہیں ان سے پہلے کسی انسان یا جنّ نے نہیں چھوا ہو گا۔(۵۶) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (۵۷) ایسی خوبصورت حوریں کہ جیسے ہیرے اور موتی ہوتے ہیں (۵۸) تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۵۹) نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ (۶۰) پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (۶۱) اور ان دو باغوں کے علاوہ دو باغ اور ہوں گے۔ (۶۲) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟“ (۶۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنّت کی نعمتوں کا ذکر جاری ہے۔ جنّت کی عورتوں کا حسن و جمال اور حیاء۔

جنّت میں شرمیلی اور نیچی نگاہ رکھنے والی حوریں ہوں گی جنہیں جنّت سے پہلے کسی انسان اور جنّ نے نہیں چُھوا ہو گا۔ جنّت کی حوریں اتنی خوبصورت ہوں گی جیسے یاقوت اور مرجان خوبصورت اور پُرکشش ہوتے ہیں یاد رہے کہ یاقوت اپنی سرخی میں بے مثال ہوتا ہے اور مرجان اپنی سفیدی میں بے مثل سمجھا جاتا ہے۔ جنّتیوں کو اس لیے خوبصورت عورتیں دی جائیں گی کیونکہ یہ دنیا میں اللہ کے حکم کے مطابق نیکیاں کرتے رہے اور ہر نیکی کا بدلہ احسان ہی ہونا چاہیے۔

جنّت کی عورتوں کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ انہیں انسانوں اور جنوں میں سے کسی نے چھوا نہیں ہو گا۔ اس سے مراد اگر دنیا کی نیک عورتیں ہیں تو اس کا معنٰی ہوگا کہ جب انہیں دوبارہ پیدا فرما کر جنّت جانے کا حکم ہوگا تو اس وقت سے لے کر جنّت میں داخلے تک انہیں کسی نے ہاتھ نہیں لگایا ہوگا۔ اگر اس سے مراد صرف حوریں ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ جنّت کی مخلوق ہیں اور جنّتیوں سے پہلے انہیں نہ کسی نے دیکھا ہوگا اور نہ ہی کسی نے چھوا ہو گا۔ جہاں تک دنیا کی عورتوں کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ جنّت میں داخل کرنے سے پہلے انہیں اتنا حسن و جمال دے گا

کہ جنّت کی حوریں بھی ان کے حسن و جمال پر رشک کریں گی اوروہ جنّت میں حوروں کی سردار ہوں گی۔ جنّت میں مردوں کونیک بیویاں دی جائیں گی اور جِنّات کو ان کی ہم جنس بیویاں ملیں گی ۔ اس سے ثابت ہوا کہ نیک جِنّات اور جنیوں کوبھی جنّت میں داخلہ ملے گا اور برے جِنّات اور جنیوں کو جہنّم میں جھونکا جائے گا۔ یہاں جنّت کی ہرنعمت کاذکرکرنے کے بعد ارشاد ہوا کہ اے جنّوں اورانسانو! تم اپنے رب کی کون کونسی نعمت کوجھٹلاؤ گے؟

جنّتیوں کے صلہ کاذکرکرتے ہوئے دونوں مرتبہ احسان کا لفظ استعمال کیاہے۔ پہلے احسان کا معنٰی پُرخلوص نیکی ہے اوردوسری مرتبہ احسان کالفظ استعمال کرنے کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی ہے گویا کہ جنّت میں داخل کرنا اللہ کا اپنے بندوں پر سراسر احسان ہوگا۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں تشریف فرماتھے۔ آپ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے۔انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا احسان کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ اسے دیکھ رہا ہے ،اگر یہ نہیں ہوسکتا تو یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ تجھے دیکھ رہاہے۔“ (رواہ البخاری : کتاب الایمان)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایسے نہ ہو جاؤ کہ جس طرح کسی کو دیکھو ویسے ہو جاؤ۔تم کہتے ہو اگرلوگ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے تو ہم بھی اُن کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔ اگر وہ ظلم کریں گے تو ہم بھی اُن پر ظلم کریں گے۔لیکن اپنے آپ کو اس بات کا عادی بنا لو کہ اگر لوگ تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں توتم بھی اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر وہ تمہارے ساتھ برا سلوک کریں تو تم اُن پرظلم نہ کرو۔“ (رواہ الترمذی: باب ما جاء فی الاحسان والعفو، قال الترمذی ھذا حدیث حسن غریب)

مسائل

۱۔ جنّت کی عورتوں اور حوروں کوجنّت میں جانے سے پہلے کسی مرد اور جنّ نے نہیں چُھوا ہوگا۔
۲۔ جنّت کی عورتیں یاقوت اورمرجان سے زیادہ خوبصورت ہوں گی۔
۳۔ احسان کا بدلہ احسان ہی ہونا چاہیے ۔۴۔جنّتیوں کو جنّت میں داخل کرنا ان پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

جنّت کی بیویوں کاحسن و جمال:

۱۔ حوریں نوجوان ،کنواریاں اور ہم عمرہوں گی ۔ (الواقعہ: ۳۵تا۳۸)
۲۔ یا قوت و مرجان کی مانند ہوں گی ۔(الرحمٰن :۵۸)۳۔خوبصورت اورخوب سیرت ہوں گی۔ (الرحمٰن: ۷۰)
۴۔ خیموں میں چھپی ہوئی ہوں گی ۔(الرحمٰن :۷۲)۵۔شرم وحیا کی پیکر ہونگی اور انہیں کسی نے چھوا نہیں ہوگا ۔ (الرحمٰن:۵۶)

مُدْهَآمَّتٰنِ ۝۶۴ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝۶۵ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ

گہرے سبز سیاہی مائل کون کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم دونوں جھٹلاؤ گے دونوں میں دو چشمے ہیں

نَضَّاخَتٰنِ ۝۶۶ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝۶۷ فِیْهِمَا فَاکِهَةٌ

جوش مارتے ہوئے کون کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم دونوں جھٹلاؤ گے دونوں میں لذیذ پھل

وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ۝۶۸ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝۶۹ فِیْهِنَّ

اور کھجوریں اور انار ہیں کون کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم دونوں جھٹلاؤ گے ان میں

”گھنے سرسبز وشاداب باغ ہوں گے۔(۶۴) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (۶۵) دونوں باغوں میں دو چشمے فواروں کی طرح اُچھلتے ہوئے ہوں گے۔(۶۶)تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (۶۷) اُن میں کثرت کے ساتھ پھل اور کھجوریں اور انار ہوں گے ۔(۶۸) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟“ (۶۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنّت کی بیویوں کا ذکر کرنے کے بعد جنّت کی بہاروں اوراس کے باغات کا ذکر۔

اسی سورت کی آیت ۴۶ میں دو جنّتوں کا ذکر کیا گیا۔اب دو اور جنّتوں کا ذکر کیا جاتاہے جن کے لیے ”دُوْنَ“ کا لفظ استعمال فرمایاہے۔عربی زبان میں ”دُوْنَ“ کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتاہے۔

۱۔اعلیٰ کے مقابلے میں حقیر۔

۲۔ایک کے علاوہ سب کی نفی ہوجس طرح قرآن مجید میں”من دون اللّٰہ“ یا”من دونہٖ“ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

۳۔یہاں ذکر ہونے والی دو جنّتوں کے لیے ”دُوْنَ“ کالفظ استعمال فرمایا ہے جس کا اہلِ تفسیر نے یہی معنیٰ لیاہے کہ یہ پہلی دو جنّتوں سے نسبتاً کم درجے کی جنتیں ہوں گی۔ گویا کہ جس طرح جنّتیوں کے درمیان درجہ بندی ہو گی اسی طرح جنّت کے باغوں اورنعمتوں کے درمیان بھی فرق ہوگا۔

تاہم یہ جنّت بھی اپنی خوبصورتی اورشادابی کے اعتبار سے دیکھنے میں کسی صورت بھی پہلی جنّتوں سے کم نہیں ہوں گی۔ جس طرح اعلیٰ جنّت میں چشمے جاری ہوں گے اسی طرح ہی ان جنّتوں میں بھی چشمے جاری ہوں گے۔ جس طرح اعلیٰ جنّت میں قسماں قسم کے پھل ہوں گے اسی طرح اس میں بھی کھجوروں ،اناروں اور ہرقسم کے پھل ہوں گے۔ جس طرح دوسری جنّت میں نیک سیرت اورخوبصورت عورتیں ہوں گی اسی طرح ان میں بھی خوبصورت عورتیں اور حوریں ہوں۔ پہلی جنّت کی عورتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ شرمیلی اورنیچی نگاہ رکھنے والی ہوں گی۔ یہاں بھی باحیا اورایسی عورتیں ہوں گی جو خیموں میں قیام پذیر ہوں گی۔ انہیں نہ کسی مرد نے دیکھا ہوگا

خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧١﴾

خوب سیرت خوبصورت تو کون کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم دونوں جھٹلاؤ گے

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِى الْخِيَامِ ﴿٧٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

حوریں مستور ہوں گی خیموں میں تو کون کون سی نعمتیں اپنے رب کی

تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٣﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿٧٤﴾

تم دونوں جھٹلاؤ گے نہیں ہاتھ لگایا ان کو کسی انسان نے ان سے پہلے اور نہ کسی جنّ نے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٥﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ

تو کون کون سی نعمتیں اپنے رب کی تم دونوں جھٹلاؤ گے تکیہ لگائے ہوئے قالینوں پر

خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿٧٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٧﴾

سبز اورنہایت نادر نفیس ہوں گے تو کون کون سی نعمتیں اپنے رب کی دونوں جھٹلاؤ گے

ان جنّتوں میں خوب سیرت اور خوبصورت بیویاں ہوں گی۔(۷۰) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (۷۱) خیموں میں ٹھیرائی ہوئی حوریں ہوں گی۔(۷۲) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟(۷۳) جنّتیوں سے پہلے کبھی کسی انسان یا جنّ نے اُن کو نہیں چھوا ہوگا۔(۷۴) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟(۷۵)وہ جنّتی سبز قالینوں اورنفیس قالینوں پر تکیے لگا کے بیٹھیں گے۔(۷۶) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (۷۷)

اورنہ وہ اپنے خاوندوں کے سوا کسی کو دیکھنے والی ہوں گی۔جس طرح پہلی جنّتوں کی عورتوں کو کسی نے نہیں چھوا ہوگا اسی طرح ان جنّتوں کی عورتوں اور حُوروں کو بھی اس سے پہلے کسی جنّ اورانسان نے نہیں چھوا ہوگا۔جس طرح پہلی جنّتوں کی ایک ایک نعمت کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ اے جنّوں اورانسانوں! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟اسی طرح ہی ان جنّتوں کی بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوا کہ اے جنّوں اور انسانو! تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

((وَلَوْ اَنَّ اِمْرَاَةً مِّنْ نِّسَآءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ اِلَى الْاَرْضِ لَاَضَآءَ تْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَاَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيْحًا وَلَنَصِيْفُهَا يَعْنِى الْخِمَارَ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا))

(رواه البخاری : كتاب الرقاق ،باب صفة الجنة والنار)

''اگر اہل جنّت کی عورتوں سے کوئی زمین کی طرف جھانک لے تو مشرق ومغرب اور جو کچھ اس میں ہے روشن اور معطر ہو جائے۔ نیز اس کے سر کا دوپٹہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے قیمتی ہے۔''

((لَوْ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ إِلَى أَهْلِ الأَرْضِ لأَضَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا))

(رواہ البخاری : کتاب الجهاد، باب الحور العين)

''اگر وہ آسمان سے نیچے جھانکے تو ہر چیز منور ہو جائے۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ جَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوْجَلَسَ فِيْ أَرْضِهِ الَّتِيْ وُلِدَ فِيْهَا فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَفَلَا نُبَشِّرُ النَّاسَ قَالَ : إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَابَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْأَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهٗ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ أُرَاهُ قَالَ وَفَوْقَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ)) (رواہ البخاری : کتاب الجهاد والسير)

''حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ ورسول پر ایمان لایااور اس نے نماز قائم کی اوررمضان کے روزے رکھے۔ اسے جنّت میں داخل کرنا اللہ پر حق ہے اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو یا اپنی جائے پیدائش میں ٹھہرا رہا۔صحابہ نے کہااللہ کے رسول! تو کیا ہم لوگوں کوخوشخبری نہ دیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لیے جنّت میں سو درجات بنائے ہیں ہر درجے کادرمیانی فاصلہ زمین وآسمان کے درمیانی فاصلہ جتنا ہے جب تم اللہ سے جنّت کا سوال کرو تو جنّت الفردوس مانگا کرو کیونکہ یہ جنّت کا وسط اوراعلیٰ جگہ ہے راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس کے اوپررحمان کا عرش ہے اوروہاں سے جنّت کی نہریں نکلتی ہیں۔''

مسائل

۱۔ دوسری جنتیں بھی خوبصورت اورسرسبز وشاداب ہوں گی۔۲۔ان جنّتوں میں بھی چشمے اُبل رہے ہوں گے۔

۳۔ ان جنّتوں میں بھی کھجوروں اوراناروں اور ہرقسم کے پھل ہوں گے۔

۴۔ اس جنّت کی عورتیں بھی نہایت خوبصورت اورنیک سیرت ہوں گی۔

۵۔ اس جنّت میں رہنے والی حوریں بھی خیموں میں مستور ہوں گی۔

۶۔ ان عورتوں کوبھی کسی مرد اور جنّ نے نہیں چھوا ہو گا۔

۷۔ اے جنّوں اورانسانو! تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکارکروگے؟

ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ	رَبِّکَ	اسْمُ	تَبٰرَکَ
جو بڑی شان اور عزت والا ہے	آپ کے رب کا	نام	بابرکت ہے

''بابرکت ہے آپ کے رب کا نام جو بڑی شان والا اور عزت والا ہے۔''(۷۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور نشانیوں کا ذکر کرنے کے بعد اس سورت کا اختتام اپنے مبارک نام اور جلال واکرام کے ذکر پر کیا ہے تاکہ لوگ اپنے رب کی قدرتوں،نعمتوں اور اس کے جلال کو یاد رکھیں۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو انسان کو صحیح فکر اور راستے کی نشان دہی کرتا ہے۔

﴿وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ (الاعراف: ۱۸۰)

''اورسب سے اچھے نام اللہ ہی کے ،ہیں سو اسے انہی ناموں کے ساتھ پکارا کرو۔''

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ رِوَایَةً قَالَ لِلّٰهِ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ اسْمًا مِائَةٌ إِلَّا وَاحِدًا لَا یَحْفَظُهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ)) (رواہ البخاری: باب للہ مائة اسم غیر واحد)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جوکوئی انہیں یاد کرلے گا وہ جنّت میں داخل ہوگا اللہ ایک ہے اور ایک کو پسند کرتا ہے۔''(بشرطیکہ اس کا عقیدہ اور عمل بھی اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی کے مطابق ہو۔)

باری تعالیٰ کا اسم اعظم ''اللہ'' ہے۔ یہ ایسا عظیم المرتبت اور عظیم الرّعب اسم عالی ہے جو صرف اور صرف خالق کائنات کی ذات کو زیبا اور اُسی کے لیے مختص ہے۔ یہ ذاتِ باری تعالیٰ کا ذاتی نام ہے اس اسم مبارک کے اوصاف اور خواص میں سے ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ کائنات میں انتہا درجے کے کافر،مشرک اور بدترین باغی انسان گزرے ہیں اور ہوں گے۔جن میں اپنے آپ کو داتا ،مشکل کشا ،موت وحیات کا مالک کہنے والے حتیٰ کہ ''اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی'' کہلوانے والے بھی ہوئے ہیں ۔مگر'' اللہ'' کے نام کی جلالت و ہیبت کی وجہ سے اپنے آپ کو''اللہ'' کہلوانے کی کوئی جرأت نہیں کرسکا اور نہ کرسکے گا۔ مکے کے مشرک اپنے بتوں کوسب کچھ مانتے اور کہتے تھے لیکن بتوں کو''اللہ'' کہنے کی جرأت نہیں کرسکے تھے۔''اللہ'' ہی انسان کا ازلی اقرار اور اس کی فطری آواز ہے جس بنا پر ہر کام ''بِسْمِ اللّٰهِ'' سے شروع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ اسم مبارک اپنے آپ میں خالقیت ، مالکیت ، جلالت وصمدیت، رحمٰن و رحیمیت کا ابدی اور سرمدی تصور لیے ہوئے ہے۔قرآن مجید میں اللہ کا نام ۲۶۹۷ مرتبہ وارد ہوا ہے۔

((عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَیْسٍ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ لِی رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَلَا أُعَلِّمُكِ كَلِمَاتٍ تَقُولِینَهُنَّ عِنْدَ الْكَرْبِ أَوْ فِی الْكَرْبِ اللّٰهُ "اللّٰهُ رَبِّی لَا أُشْرِكُ بِهِ شَیْئًا")) (رواہ ابو دائود: باب فِی الِاسْتِغْفَارِ)

''حضرت اسماء بن عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کیا میں تجھے ایسے کلمات نہ سکھاؤں جنہیں تو مصیبت کے وقت پڑھا کر! میں اللہ جو کہ میرا رب ہے اس کے ساتھ کسی کوشریک نہیں ٹھراؤں گا۔''

سورۃ الواقعہ کا تعارف

یہ سورت مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی۔اس کے تین رکوع اور چھیانوے(٩٦)آیات ہیں۔

قرآن مجید نے قیامت کے مختلف مراحل کا ذکر کیا ہے اور ان مراحل کی جلالت و ہیبت کا منظر پیش کرتے ہوئے انہیں مختلف نام دیئے ہیں۔قیامت کا دن زمین و آسمان پر بھاری ہوگا اور یہ اسرافیل کے صور سے یک دم واقع ہو جائے گا۔قیامت اپنی ہیبت اور شدت کے اعتبار سے انتہائی خوفناک ہوگی اس لیے اسے الواقعہ کا نام دیا گیا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے انکار کرنے سے قیامت ٹل نہیں سکتی۔اس نے ہرصورت برپا ہوکر رہنا ہے اس لیے اسے الواقعہ کہا گیا ہے یعنی جس کے واقعہ ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

اہل مکہ کی غالب اکثریت قیامت کی منکرتھی اس لیے وہ مختلف قسم کی باتیں اور بہانے پیش کرتے تھے۔ایک موقع پر انہوں نے آپ ﷺ سے یہ سوال کیا کہ آپ کہتے ہیں کہ قیامت ہر چیزتہس نہس کر دے گی۔کیا پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل سکتا ہے؟قرآن مجید نے اس کا جواب دیا کہ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں استفسار کرتے ہیں انہیں بتلائیں کہ ہاں پہاڑوں کو اس طرح ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا کہ یہ مٹی کے ساتھ مٹی بن جائیں گے اور پوری زمین چٹیل میدان بنا دی جائے گی۔دیکھنے والا اس میں کوئی نشیب وفراز نہیں دیکھے گا۔

﴿وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ○ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ○ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ﴾ (الواقعہ ٧ تا ٩)

اورتم اس دن تین گروہوں میں تقسیم ہو گے۔دائیں جانب والے ان کا کیا کہنا یہ نعمتوں والی جنت میں رہیں گے۔اس میں ہر نبی کی امّت کے آخری حصہ کے لوگ کم ہوں گے۔دائیں جانب والے مرصّعتکیوں پر ٹیک لگا کر ایک دوسرے کے سامنے جلوہ فروز ہوں گے۔ان کی خدمت کرنے کے لیے نوعمر بچے ہوں گے جو ان کے سامنے شراب کے جام پیش کریں گے اس شراب میں کسی قسم کا نشہ نہیں ہوگا۔انہیں ہرقسم کا پھل اور پرندوں کا گوشت پیش کیا جائے گا اور چھپائے ہوئے موتیوں کی مانند حوریں پیش کی جائیں گی اور جنتیوں کو ہرطرف سے سلامتی کی صدائیں آئیں گی۔مقربوں اور السّابقون کے بعد دوسرے درجے کے جنتیوں کو بھی السّابقون جیسی نعمتیں دی جائیں گی ان کے مقابلے میں بائیں جانب والے ہوں گے وہ جلتی ہوئی آگ،کھولتے ہوئے پانی اور کالے دھویں سے دوچار ہوں گے،نہ ان کے لیے ٹھنڈا پانی ہوگا اور نہ ہی انہیں آرام میسر ہوگا۔ان کا سب سے بڑا قصور یہ ہوگا کہ وہ قیامت کو جھٹلایا کرتے تھے انہیں کھانے کے لیے زقوم کا درخت دیا جائے گا۔جس سے ان کی بھوک ختم نہیں ہوگی اور یہ کھولتا ہوا پانی پیاسے ہونٹ کی طرح پینے کی کوشش کریں گے۔الواقعہ کے آخر میں یہ بیان ہوا ہے کہ جولوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں انہیں اپنی موت یاد کرنی چاہیے۔

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ٣ اٰيَاتُهَا: ٩٦

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

اِذَا	وَقَعَتِ	الْوَاقِعَةُ ۝١	لَيْسَ	لِوَقْعَتِهَا	كَاذِبَةٌ ۝٢
جب	واقع ہوگی	واقع ہونے والی	نہیں ہے	اس کے واقع ہونے میں	کوئی جھوٹ
خَافِضَةٌ	رَّافِعَةٌ ۝٣	اِذَا	رُجَّتِ	الْاَرْضُ	رَجًّا ۝٤
پست کرنے والی	بلند کرنے والی	جب	ہلائی جائے گی	زمین	ہلایا جانا
وَّ بُسَّتِ	الْجِبَالُ	بَسًّا ۝٥	فَكَانَتْ	هَبَآءً	مُّنْۢبَثًّا ۝٦
اور ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے	پہاڑ	ریزہ ریزہ کر دیے جانا	ہو جائیں گے	ذرات	بکھرے ہوئے

”جب قیامت آئے گی ۔(۱) اس کا آنا کوئی جھوٹ نہیں ہے۔(۲) وہ تہہ وبالا کر دینے والی ہو گی۔(۳) جب زمین پوری طرح ہلا دی جائے گی۔ (۴) اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے۔(۵) پہاڑ بکھرے ہوئے ذرات ہو جائیں گے۔“(۶)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورۃ الرحمٰن کا اختتام ان الفاظ پر ہوا کہ آپ کا رب بڑی برکت والا اور ذوالجلال والاکرام ہے ۔ الواقعہ کی ابتدا ربِ ذوالجلال کی جلالت کے اظہار سے ہورہی ہے کہ قیامت کے دن اس کی جلالت کے سامنے کسی کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی یہاں تک کہ پہاڑ بھی اس کے حکم کے سامنے نہیں ٹھہر سکیں گے ۔

نبی اکرم ﷺ نے جوں ہی اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو اہلِ مکہ کی کوئی مجلس ایسی نہ تھی جس میں تین موضوعات میں سے کسی ایک موضوع پر بحث نہ ہوتی ہو ۔لوگ یہاں بیٹھتے اللہ کی توحید، نبی ﷺ کی نبوت اور قیامت کے عنوانات میں سے کسی ایک عنوان پر ضرور گفتگو کرتے۔ اس میں بالخصوص نبی علیہ السلام کی نبوت اور قیامت کے قائم ہونے کو استہزاء کا نشانہ بنایا جاتا۔ وہ کسی صورت ماننے کے لیے تیار نہ تھے کہ قیامت قائم ہوگی اور ہمیں ربِ ذوالجلال کے حضور پیش ہونا ہے۔قرآن مجید نے انہیں ہر قسم کے دلائل سے سمجھایا ہے کہ قیامت ضرور قائم ہوگی ۔ لیکن وہ کہتے تھے کہ اس زمین کا وسیع وعریض نظام کس طرح ختم کیا جاسکتا ہے اور بلندوبالا پہاڑوں کو کون ہلاسکتا ہے۔قرآن مجید نے اس سوال کا یوں جواب دیا۔

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا٥ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا٥ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا﴾ (طٰہٰ: ۱۰۵،۱۰۷)

”یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ یہ پہاڑ کہاں چلے جائیں گے ؟فرمادیں کہ میرا رب ان کو دھول بنا کر

اڑا دے گا اور زمین کو چٹیل میدان کر دے گا ۔اس میں تم کوئی اونچ نیچ نہ دیکھ پاؤ گے ۔''

سورۃ الواقعہ کی ابتدا پُرجلال الفاظ سے فرمائی کہ جب قیامت کا واقعہ پیش آئے گا تو وہ اس قدر خوفناک اور ہر چیز ہلا دینے والا ہوگا کہ کوئی جھٹلانے والا جھٹلا نہیں سکے گا ۔ قیامت کو جھٹلانے والے اس دن زمین کو پکار پکار کہیں گے۔ ہائے ! تجھے کیا ہوگیا ہے کہ ٹھہرتی کیوں نہیں؟ سورۃ الزلزال کی پہلی اور دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ زمین کو پوری طرح ہلایا جائے گا ۔یہاں تک کہ پہاڑ ریت کے ذرّات بن کر اُڑنا شروع ہوجائیں گے ۔ یہاں زمین کے بارے میں فرمایا کہ '' خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ '' قیامت اُسے اوپر نیچے کر دے گی جس سے ہر چیز تہہ بالا ہوجائے گی ۔ یہاں تک کہ زمین چٹیل میدان بنادی جائے گی اور زمین و آسمانوں کو یکسر طور پر بدل دیا جائے گا ۔

﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (ابراھیم: ٤٨)

''جس دن اس زمین کو دوسری زمین کے ساتھ بدل دیا جائے گا اور آسمان بھی بدل دیا جائے گا اور لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے ، جو اکیلا اور بڑا زبردست ہے ۔''

﴿يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ٥ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ (القارعة: ٤،٥)

''اس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے۔اور پہاڑ دُھنکی ہوئی روئی کی طرح ہوں گے۔''

مسائل

۱۔ قیامت ہرصورت واقع ہوجائے گی ۔۲۔ قیامت واقع ہوگی تو جھٹلانے والے اسے جھٹلا نہیں سکیں گے۔

۳۔ زمین کی ہر چیز الٹ پلٹ کر رکھ دی جائے گی۔۴۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے ۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن زمین اور پہاڑوں کی کیفیت:

۱۔ اس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور زمین چٹیل میدان ہوگی اور ہم تمام لوگوں کو جمع کریں گے اور کسی کو نہیں چھوڑیں گے ۔(الکھف: ۴۷)

۲۔ اس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی طرح ہوجائیں گے ۔(المزمّل: ۱۴)

۳۔ اس دن آنکھیں چندھیا جائیں گی اور چاند گہنا دیا جائے گا اور سورج چاند کو جمع کردیا جائے گا ۔ (القیامہ: ۶ تا ۸)

۴۔ جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔تارے بے نور ہوجائیں گے۔پہاڑ چلائے جائیں گے ۔(التکویر: ۱ تا ۳)

وَّكُنْتُمْ	اَزْوَاجًا	ثَلٰثَةً ۝	فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۵	مَآ	
اورتم ہو گے	قسمیں	تین	دائیں ہاتھ والے	کیا ہیں	
اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝	وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۵	مَآ	اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝		
دائیں ہاتھ والے	اور بائیں ہاتھ والے	کیا ہیں	بائیں ہاتھ والے		
وَالسّٰبِقُوْنَ	السّٰبِقُوْنَ ۝	اُولٰٓئِكَ	الْمُقَرَّبُوْنَ ۝	فِيْ	جَنّٰتِ
اور سبقت کرنے والے	بہت سبقت کرنے والے	یہی لوگ	مقرب ہوں گے	میں	باغات
النَّعِيْمِ ۝	ثُلَّةٌ	مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝	وَقَلِيْلٌ	مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝	
نعمت والے	بہت بڑی جماعت	پہلوں سے	اور تھوڑے	پچھلوں سے	

”تم لوگ اس دن تین گروہوں میں تقسیم ہو گے۔(۷) دائیں بازو والے، سو دائیں بازو والوں کی خوش نصیبی کا کیا کہنا۔(۸) اور بائیں بازو والے سو بائیں بازو والوں کی بدنصیبی کا کیا ٹھکانا۔(۹) نیکیوں میں آگے بڑھنے والے ہی آگے ہی ہوں گے۔(۱۰) وہ مقرب ہوں گے ۔(۱۱) نعمتوں بھری جنتوں میں ہوں گے۔(۱۲) پہلوں میں سے بہت ہوں گے۔(۱۳) اور پچھلوں میں سے کم ہوں۔“(۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت برپا ہونے کے بعدمحشر کے میدان میں لوگوں کی حالت ۔

اس سورت کی پہلی آیت سے لے کر چھٹی آیت تک اسرافیل کے پہلی مرتبہ صورپھونکنے کا منظر بیان ہوا ہے ۔ اس کے بعد جوں ہی دوسرا صور پھونکا جائے گا تو لوگ قبروں سے اٹھ کرمحشر کے میدان میں یوں اکٹھے ہوں جیسے تیر اپنے نشانے پر پہنچ جاتا ہے ۔(المعارج:۴۳) لوگوں کوحساب وکتاب کے فوراً بعد تین حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔جس کی ابتدا حساب وکتاب کے وقت ہی کردی جائے گی ۔ آغاز میں مجموعی طور پرلوگ دواقسام پر مشتمل ہوں گے نیک اور بد۔ نیک لوگوں کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور برے لوگوں کو ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں تھمائے جائیں گے ۔ دونوں کے اپنے اپنے اعمال ناموں کے بارے میں ابتدائی تاثرات یوں ہوں گے۔

﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ هَاؤُمُ اقْرَءُ وْا کِتَابِیَهْ ○ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلَاقٍ حِسَابِیَهْ ○ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ﴾ (الحاقة: ۱۹تا۲۱)

”سو جس کا نامہ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا” دیکھو ،پڑھو میرا نامۂ اعمال۔ میں سمجھتا تھا کہ مجھے ضرور اپنا حساب ملنے والا ہے۔ وہ خوش وخرم ہو گا۔“

﴿وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ بِشِمَالِهٖ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتَابِیَهْ ○ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ○

يَالَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ o مَا اَغْنٰى عَنِّى مَالِيَهْ oهَلَكَ عَنِّى سُلْطَانِيَهْ ﴾ (الحاقة: ۲۵تا۲۹)

’’اور جس کا نامۂ اعمال اُس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا۔’’کاش! میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا جاتا،اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش! جو موت دنیا میں مجھے آئی تھی وہ آخری ہوتی آج میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میرا سارا اثر ورسوخ ختم ہوگیا۔‘‘

حساب وکتاب کے بعد لوگوں کو مجموعی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔① ۔دائیں جانب والے۔ دائیں جانب والوں کا کیا کہنا ہے؟ ② ۔سبقت لے جانے والے تو سب سے آگے ہوں گے اور اپنے رب کے مقرب ترین ہوں گے۔ ③ ۔بائیں ہاتھ والے سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

دنیا کے ہر معاشرے میں دائیں اور بائیں کی اصطلاح پائی جاتی ہے۔ دائیں ہاتھ کو بائیں پر نیکی اور فیزیکلی (PHSYCALLY) طور پر برتری حاصل ہوتی ہے۔ دائیں بائیں کی اصطلاح درجہ بندی کے اعتبار سے بھی استعمال کی جاتی ہے۔عربوں میں بھی یہ اصطلاح معروف تھی جس وجہ سے جنّتیوں کو دائیں ہاتھ والے اور جہنمیوں کو بائیں ہاتھ والے کہا گیا ہے۔عرب آنے والے مہمانوں میں معزز ترین آدمی کو مجلس میں دائیں ہاتھ بٹھایا کرتے تھے۔ دین اسلام میں بھی دائیں اور بائیں میں فرق رکھا گیا ہے۔کھانے پینے کے لیے دایاں ہاتھ استعمال کرنے کا حکم ہے اور استنجا کرنے کے لیے بایاں ہاتھ استعمال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں دائیں ہاتھ والوں سے مراد جنّتی لوگ ہیں جن کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔جو لوگ دنیا میں نیکی کے کاموں میں پیش پیش رہے وہ جنّت میں جانے اور اس کا اعلیٰ مقام پانے کے لیے بھی دوسرے جنّتیوں سے آگے ہوں گے اور وہی جنّت الفردوس میں داخل کیے جائیں گے جو رب رحمٰن کے عرش کے قریب تر جنّت ہوگی، انہیں جنّت نعیم میں داخل کیا جائے گا۔ سبقت لینے جانے والوں میں پہلے لوگ زیادہ ہوں گے اور پیچھے آنے والوں میں کم ہوں گے۔ مفسرین نے پہلے لوگوں کے بارے میں تین قسم کے خیالات کا اظہار فرمایا ہے جن میں بہترین خیال یہ ہے کہ جو لوگ اپنی زندگی میں نیکی کے معاملات میں دوسروں سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے رہے وہ جنّت میں سابقین اور مقربین میں ہوں۔ان میں وہ لوگ زیادہ ہوں گے جنہیں اپنے دور کے نبی کا صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا اور وہ اپنے ساتھیوں سے نیک کاموں میں آگے بڑھنے والے تھے۔ اسی بنا پر نبی محترم ﷺ نے صحابہ اور امت میں درجہ بندی فرمائی ہے۔یہاں مقربین کے بعد جنّت نعیم کا ذکر کیا ہے تاکہ لوگ نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں پہلا درجہ خلفائے راشدین کا ہے پھر عشرہ مبشرہ اور پھر بدری صحابہ کا اور اس کے بعد فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے صحابہ ہیں۔ امت کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَشَرَةٌ فِي الْجَنَّةِ أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَعُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَالزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ وَابْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ وَسَعْدٌ فِي الْجَنَّةِ وَسَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ فِي الْجَنَّةِ وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ)) (صحيح ابن حبان،باب ذِكْرُ

إِثْبَاتِ الْجَنَّةِ لِأَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ)

''حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دس لوگ جنت میں جائیں گے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت عبدالرحمان بن عوف، حضرت سعد، حضرت سعید بن زید اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم ان کے لیے دنیا میں جنت کی بشارت ہے۔''

((عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَجِيْءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِيْنَهُ وَيَمِيْنُهُ شَهَادَتَهُ))

(رواه البخاری: باب لَا يَشْهَدُ عَلَى شَهَادَةِ جَوْرٍ إِذَا أُشْهِدَ)

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سول محترم ﷺ نے فرمایا میرے زمانہ کے لوگ سب سے بہتر ہیں۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے۔ اس کے بعد کچھ لوگ آئیں گے، جن کی گواہی ان کی قسم سے اور ان کی قسم ان کی گواہی سے سبقت لے جائے گی۔''

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا فَقَالَ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ فَجَعَلَ يَمُرُّ النَّبِيُّ وَمَعَهُ الرَّجُلُ وَالنَّبِيُّ وَمَعَهُ الرَّجُلَانِ وَالنَّبِيُّ وَمَعَهُ الرَّهْطُ وَالنَّبِيُّ وَلَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ فَرَأَيْتُ سَوَادًا كَثِيْرًا سَدَّ الْأُفُقَ فَرَجَوْتُ أَنْ يَكُوْنَ أُمَّتِيْ فَقِيْلَ هٰذَا مُوْسٰى فِيْ قَوْمِهٖ ثُمَّ قِيْلَ لِيَ انْظُرْ فَرَأَيْتُ سَوَادًا كَثِيْرًا سَدَّ الْأُفُقَ فَقِيْلَ لِيَ انْظُرْ هٰكَذَا وَهٰكَذَا فَرَأَيْتُ سَوَادًا كَثِيْرًا سَدَّ الْأُفُقَ فَقَالَ هٰؤُلَاءِ أُمَّتُكَ وَمَعَ هٰؤُلَاءِ سَبْعُوْنَ أَلْفًا قُدَّامَهُمْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَلَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَكْتَوُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ)) (رواه البخاری: باب من لم يرق)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی محترم ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: مجھ پر اُمتیں پیش کی گئیں۔ ایک پیغمبر گزرا، اس کے ساتھ اس کا ایک پیروکار تھا۔ کسی کے ساتھ دو آدمی تھے۔ کسی کے ساتھ ایک جماعت تھی۔ اور بعض ایسے پیغمبر بھی ہوئے، جن کا کوئی پیروکار نہیں تھا۔ میں نے اپنے سامنے ایک بہت بڑا اجتماع دیکھا، جو آسمان کے کناروں تک پھیلا ہوا تھا۔ میں نے خیال کیا، شاید میری امت ہے لیکن بتایا گیا کہ یہ تو موسیٰ علیہ السلام کی امت ہے۔ پھر مجھے کہا گیا، آپ پھر دیکھیں میں نے بہت بڑا اجتماع دیکھا۔ جس نے آسمان کے کناروں کو بھرا ہوا ہے۔ مجھ سے دائیں اور بائیں جانب بھی دیکھنے کے لیے کہا گیا۔ میں نے ہر طرف دیکھا بہت سے لوگ آسمان کے کناروں تک پھیلے ہوئے ہیں مجھے کہا گیا یہ سب آپ کے اُمتی ہیں۔ ان کے ساتھ ستر ہزار وہ بھی ہیں۔ جو بغیر حساب کے جنّت میں داخل ہوں گے۔ وہ ایسے لوگ ہیں، جو نہ بدفالی اور نہ دم کراتے ہیں اور نہ گرم لوہے سے داغتے ہیں۔ بلکہ صرف اپنے اللہ پر توکل کرتے ہیں۔''

خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صرف نیکی کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ نیکیوں میں آگے بڑھنے اور جنّت کی طرف سبقت لے جانے کا حکم دیا ہے۔ جس معاشرے میں نیکی اور اہم مقصد کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ ختم ہو جائے وہ معاشرہ بالآخر مُردگی کا شکار ہو جاتا ہے۔ زندہ اور بیدار قومیں اپنی منزل کے حصول کے لیے نئے جذبوں اور تازہ ولولوں کے ساتھ آگے بڑھنے کے لیے مسلسل منصوبہ بندی کرتی ہیں۔ مسلمانوں کی زندگی کا مقصد اللہ کی رضا اور اس کی جنّت کا حصول ہے اس لیے قرآن مجید نے مختلف مقامات پر ترغیب دی ہے کہ اس کے لیے آگے بڑھو اور بڑھتے ہی چلے جاؤ۔

﴿سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ (الحدید: ٢١)

”اپنے رب کی مغفرت اور اس جنّت کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو جس کی وسعت آسمان وزمین جیسی ہے، جو اُن لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔“

﴿وَ سَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾

(آلِ عمران: ١٣٣)

”اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنّت کی طرف جلدی کرو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔“

مسائل

١۔ قیامت کے دن لوگوں کی تین اقسام ہوں گی۔ ٢۔ دائیں ہاتھ والے ان کا کیا کہنا؟
٣۔ بائیں ہاتھ والے سخت مصیبت میں مبتلا ہوں گے۔ ٤۔ نیکیوں میں سبقت لے جانے والے مقربین میں شامل ہوں گے۔
٥۔ ہر امت کے پہلے طبقہ کے لوگ تعداد کے لحاظ سے مقربین میں زیادہ ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

نیکی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کا حکم:

١۔ اللہ کی مغفرت اور جنّت کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے سبقت کرو۔ (الحدید: ٢١)
٢۔ نیکی کے حصول میں جلدی کرو۔ (البقرۃ: ١٤٨) ٣۔ نیکیوں میں سبقت کرنے والے سب سے ارفع ہوں گے۔ (فاطر: ٣٢)
٤۔ سبقت کرنے والے اللہ کے مقرب ہوں گے۔ (الواقعہ: ١٠، ١١)
٥۔ اللہ کی جنّت اور بخشش کے لیے سبقت کرو۔ (آل عمران: ١٣٣)

عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾ مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ يَطُوْفُ

تختوں پر جواہرات سے جڑے ہوئے تکیہ لگائے ہوئے ان پر آمنے سامنے آتے جاتے ہوں گے

عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾

ان پر لڑکے ہمیشہ رہنے والے ساغر اور صراحیاں لیے ہوئے اور بھرے جام جاری چشمے سے

لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾

نہ وہ سر چکرائیں گے اس سے اور نہ مدہوش اور پھل اس سے جو وہ پسند کریں گے

”جنّتی جو ہرات سے بنے ہوئے تختوں پر۔(۱۵) تکیے لگائے آمنے سامنے بیٹھیں گے۔(۱۶) ان کی مہمان نوازی ہمیشہ رہنے والے نو عمر لڑکے کریں گے۔(۱۷) جو شراب کے جاری چشمے سے بھرے ہوئے پیالے اور صراحیاں لیے دوڑتے پھرتے ہوں گے۔(۱۸) جسے پی کر جنّتیوں کا نہ سر چکرائے گا نہ ان کی عقل میں فتور آئے گا۔(۱۹) اور ان کے سامنے ان کے پسندیدہ پھل پیش ہوں گے کہ جسے چاہیں چن لیں۔(۲۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نیکیوں میں سبقت کرنے والوں کا صلہ۔

نیکیوں میں سبقت کرنے والے جنّتی ہیرے جواہرات سے مزین تختوں پر ٹیک لگائے ایک دوسرے کے سامنے تشریف فرما ہوں گے۔ ان کی خدمت کرنے کے لیے چھوٹی عمر کے خدام ہوں گے جو ہمیشہ ایک ہی عمر میں رہیں گے جو جنّتیوں کے آگے پیچھے پھریں گے معصوم اور پیارے پیارے خدام جنّتیوں کے سامنے شراب کے جام پیش کریں گے۔ جس شراب سے نہ سر چکرائے گا نہ ہی دماغ میں کوئی فتور پیدا ہوگا۔ جنّتیوں کو کھانے کے لیے اُن پرندوں کا گوشت پیش کیا جائے گا جس کا وہ پسند فرمائیں گے اور پھلوں میں جس پھل کی چاہت کریں گے وہ ان کے حضور پیش کیے جائیں گے۔

شرمیلی اور موٹی موٹی آنکھوں والی حوریں ہوں گی جن کے چہرے اور وجود اس طرح روشن ہوں گے جس طرح چمکدار موتی ہوتے ہیں۔ یہ جنّتیوں کے اعمال کی جزا ہوگی۔

سورۃ الرحمٰن کی آیت باسٹھ میں ہر جنّتی کے لیے دو جنّتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کے بارے میں مفسرین کا خیال ہے کہ ایک جنّت میں جنّتی کے اہل وعیال رہیں گے اور دوسری جنّت میں جنّتی اپنے دوست واحباب کے ساتھ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر خوش گپیاں کیا کریں گے۔

سورۃ الرحمٰن میں دونوں جنّتوں کی نعمتوں کا الگ الگ ذکر کیا گیا ہے اور حوروں کو یاقوت اور مرجان کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہوسکتا ہے۔(الرحمٰن: ٦٠) جنّت میں جنّتی کسی قسم کی بے ہودہ

وَلَحْمِ	طَيْرٍ	مِّمَّا	يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾	وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾	كَاَمْثَالِ
اور گوشت	پرندوں کا	اس سے جو	وہ چاہیں گے	اور غزال چشم حوریں	جیسے
اللُّؤْلُؤِ	الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾	جَزَآءًۢ بِمَا	كَانُوْا	يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾	لَا يَسْمَعُوْنَ
موتی	غلافوں میں لپٹے ہوئے	اس کے بدلے میں	جو وہ تھے	عمل کرتے	نہ وہ سنیں گے

فِيْهَا	لَغْوًا	وَّلَا	تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾	اِلَّا	قِيْلًا	سَلٰمًا	سَلٰمًا ﴿۲۶﴾
اس میں	کوئی لغو	اور نہ	گناہ کی بات	مگر	ایک بول	سلام	سلام

اور پرندوں کے گوشت پیش کریں گے کہ جس پرندے کا چاہیں گوشت کھائیں گے۔(۲۱) اور ان کے لیے خوبصورت موٹی آنکھوں والی حوریں ہوں گی۔ (۲۲) ایسی جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی ہوتے ہیں۔(۲۳) یہ سب کچھ انہیں ان کے اعمال کی جزا کے طور پر ملے گا جو وہ دنیا میں کرتے رہے تھے۔(۲۴) وہ وہاں کوئی بیہودہ بات یا گناہ کی بات نہیں سنیں گے۔(۲۵) وہ سلام دعا ہی سُنیں گے۔''(۲۶)

بات اور گالی گلوچ نہیں سنیں گے ۔ ان کا آپس میں کلام سلام دعا ہوگا ۔ دنیا میں کئی مرتبہ نیک آدمی کو ایسے ماحول سے واسطہ پڑتا ہے کہ جہاں لغویات کا ماحول ہوتا ہے ،صالح اور پاکیزہ طبیعت کے مومن کے لیے یہ ماحول بڑا ہی اذّیت ناک ہوتا ہے مگر کسی مجبوری کی وجہ سے اُسے یہ ماحول برداشت کرنا پڑتا ہے۔ جنّت کی خوبیوں میں ایک خوبی یہ بھی ہوگی کہ وہاں اس قسم کی بے ہودگی کا تصور نہیں پایا جائے گا۔ جنّتی جہاں رہیں اور جہاں جائیں گے ہر جگہ ان کے لیے سلامتی ہی سلامتی ہوگی ان کے گھروں اور دوست و احباب کا ماحول اتنا پاک اور بابرکت ہوگا جس میں ایک دوسرے کے لیے خیرخواہی ،محبت اور پیار کے سوا کوئی اور بات نہیں ہوگی۔ جنّتی ایک دوسرے کو سلامتی کی دعائیں اور مبارک دیں گے ۔

((وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَتَحَدَّثُ، وَعِنْدَهٗ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ، اِنَّ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ اسْتَاْذَنَ رَبَّهٗ فِی الزَّرْعِ فَقَالَ لَهٗ اَلَسْتَ فِيْمَا شِئْتَ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اَزْرَعَ فَبَذَرَ فَبَادَرَ الطَّرْفَ نَبَاتُهٗ وَاسْتِوَاءُهٗ وَاسْتِحْصَادُهٗ فَكَانَ اَمْثَالَ الْجِبَالِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى دُوْنَكَ يَابْنَ اٰدَمَ فَاِنَّهٗ لَا يُشْبِعُكَ شَیْءٌ فَقَالَ الْاَعْرَابِیُّ وَاللّٰهِ لَا تَجِدُهٗ اِلَّا قُرَشِيًّا اَوْ اَنْصَارِيًّا فَاِنَّهُمْ اَصْحَابُ زَرْعٍ وَاَمَّا نَحْنُ فَلَسْنَا بِاَصْحَابِ زَرْعٍ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم)) (رواہ البخاری: باب كَلَامِ الرَّبِّ مَعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دیہاتی بیٹھا ہوا تھا اور آپ فرمارہے تھے کہ جنتیوں میں سے ایک بندے نے اپنے رب سے کھیتی باڑی کی اجازت مانگی اللہ

رب العزت نے فرمایا۔ کیا تیرے پاس تیری پسند کی ہر چیز نہیں ہے؟ اس دیہاتی نے کہا کیوں نہیں؟ لیکن مجھے یہ پسند ہے کہ میں کھیتی باڑی کروں چنانچہ وہ بیج ڈالے گا ۔ پلک جھپکتے ہی فصل اُگ آئے گی کھیتی بڑی ہو جائے گی، اور کٹ جائے گی، پہاڑ کے برابر انبار لگ جائے گا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے ابن آدم! لے تیری خواہش پوری ہو گئی۔ حقیقتاً تیرا پیٹ کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ دیہاتی کہنے لگا، اللہ کی قسم! وہ شخص قریشی یا انصاری ہو گا کیونکہ وہی لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم تو کھیتی باڑی کرنے والے نہیں۔ اس پر نبی مکرم ﷺ مسکرا دیے۔

مسائل

۱۔ جنّتی ہیرے جواہرات سے مزین تختوں پر بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے تشریف فرما ہوں گے۔

۲۔ جنّتیوں کی خدمت کرنے کے لیے معصوم اور پیارے پیارے چھوٹی عمر کے نوجوان ہوں گے جو ہمیشہ ان کی خدمت میں رہیں گے۔

۳۔ جنّتیوں کو پینے کے لیے ایسی شراب دی جائے گی جس میں کسی قسم کا نشہ اور کڑواہٹ نہیں ہوگی۔

۴۔ جنّتیوں کو ان کے مَن پسند پھل اور پرندوں کا گوشت دیا جائے گا۔

۵۔ جنّتیوں کو شرم وحیا والی اور موتیوں جیسی حوریں پیش کی جائیں گی۔

۶۔ جنّتیوں کو ان کے نیک اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔

تفسیر بالقرآن

جنّت کی نعمتوں کی ایک جھلک :

۱۔ ایمان والوں اور عمل صالح کرنے والوں کے لیے جنّت الفردوس ہے۔ (الکھف:۱۰۷)

۲۔ جنّتیوں کے لیے جنّت میں وہ کچھ ہوگا جو تم چاہو گے۔ (حٰم السجدۃ:۳۱)

۳۔ یقیناً متقین سایوں اور چشموں اور پسندیدہ میوہ جات میں رہیں گے۔ (المرسلات:۴۱۔۴۲)

۴۔ اللہ کے مخلص بندے نعمتوں والی جنّت میں ہوں گے ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہونگے۔ (الصّٰفّٰت:۴۳،۴۴)

۵۔ پرہیز گاروں کے لیے عمدہ مقام ہے۔ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے اور وہ ان میں تکیے لگا کر بیٹھے ہوں گے۔ (ص:۴۹تا۵۰)

۶۔ جنت میں سونے اور لولو کے زیور پہنائے جائیں گے۔ (فاطر:۳۳)

۷۔ جنت میں بے خار بیریاں، تہہ بہ تہہ کیلے، لمبا سایہ، چلتا ہوا پانی، اور کثرت سے میوے ہوں گے۔ (الواقعہ:۲۸تا۳۰)

وَاَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۝٢٧ فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۝٢٨ وَّ طَلْحٍ

اور دائیں ہاتھ والے کیا ہیں دائیں ہاتھ والے ایسی بیریوں میں جو بے خار ہیں اور کیلوں میں

مَّنْضُوْدٍ ۝٢٩ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۝٣٠ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۝٣١ وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۝٣٢ لَّا

جو تہہ بہ تہہ ہیں اور لمبے سایوں والے اور بہتے پانی میں اور بہت سے پھلوں میں جو نہ

مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۝٣٣ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۝٣٤ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ

ختم ہوں گے اور نہ ممنوع ہوں گے اور فرش اونچے ہوں گے بلاشبہ ہم نے پیدا کیا ان کو

اِنْشَآءً ۝٣٥ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۝٣٦ عُرُبًا اَتْرَابًا ۝٣٧

نئے سرے سے پیدا کرنا پھر ہم نے بنایا انہیں کنواریاں دلربا ہم عمر

لِّاَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ۝٣٨ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝٣٩ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝٤٠

دائیں ہاتھ والوں کے لیے کثیر جماعت پہلوں سے اور کثیر جماعت بعد والوں سے

''اور دائیں بازو والے، دائیں بازو والوں کا کیا کہنا۔(۲۷) وہ بے خار بیریوں۔(۲۸) اور تہ بہ تہ چڑھے ہوئے کیلوں۔(۲۹) اور دور تک پھیلی ہوئی چھاؤں۔(۳۰) اور ہر دم رواں پانی۔(۳۱) بکثرت پھلوں۔(۳۲) اور کبھی ختم نہ ہونے والے اور بے روک ٹوک ملنے والے۔(۳۳) اور اونچی نشست گاہوں پر ہوں گے۔(۳۴) اُن کی بیویوں کو ہم خاص طور پر نئے سرے سے پیدا کریں گے۔(۳۵) اور انہیں باکرہ بنائیں گے۔(۳۶) اپنے شوہروں کی عاشق اور عمر میں ہم سن ہوں گی۔(۳۷) یہ سب کچھ دائیں بازو والوں کے لیے ہے۔(۳۸) وہ پہلوں میں سے بہت ہوں گے۔(۳۹) اور پچھلوں میں سے بہت ہوں گی۔''(۴۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ''اَلسّٰبِقُوْنَ الْمُقَرَّبُوْنَ'' کے انعامات کا ذکر کرنے کے بعد ''اَصْحَابُ الْیَمِیْنِ'' کے انعامات کا تذکرہ۔

''اَصْحَابُ الْیَمِیْنِ'' کا ذکر کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر ارشاد فرمایا ہے کہ ''اَصْحَابُ الْیَمِیْنِ'' یعنی دائیں ہاتھ والوں کی عیش وعشرت کا کیا کہنا؟

''اَلسّٰبِقُوْنَ الْمُقَرَّبُوْنَ'' کے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ انہیں مَن پسند پھل دیئے جائیں گے۔ لیکن ''اَصْحَابُ الْیَمِیْنِ'' کے انعام کا ذکر کرتے ہوئے اتنا پیارا انداز اختیار فرمایا ہے کہ جس میں بظاہر ''اَلسّٰبِقُوْنَ الْمُقَرَّبُوْنَ'' اور ''اَصْحَابُ الْیَمِیْنِ'' کے انعامات کے درمیان کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا۔ ارشاد ہوا کہ ''اَصْحَابُ الْیَمِیْنِ'' کی جنّت میں بغیر کانٹوں کے بیریاں، تہہ بہ تہہ کیلے، گھنے اور لمبے لمبے سائیوں والے درخت، پانی کی آبشاریں اور کثیر پھلوں والے باغات ہوں گے جن پر نہ کبھی خزاں آئے گی اور نہ ہی جنّتیوں کو کبھی ان سے روکا جائے گا۔ وہ اونچے اونچے تختوں پر جلوہ افروز ہوں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں کنواریاں بیویاں عطا فرمائے گا جو اپنے

خاوندوں کے ہم عمر ہوں گی اور ان کے ساتھ دل و جان سے محبت کریں گی ۔

”اَصۡحٰبُ الۡيَمِيۡنِ“ پہلے لوگوں میں زیادہ ہوں گے اور پچھلے لوگوں میں سے کم ہوں گے یعنی ہر امت کے پہلے لوگوں میں زیادہ ہوں گے اور پچھلے لوگوں سے تھوڑے ہوں گے ۔ دوسرے الفاظ میں جوں جوں قیامت قریب آئے گی توں توں نیک لوگ کم ہوتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ قیامت کے نزدیک بدترین لوگ رہ جائیں گے۔ جنّت میں بیری کے درخت بھی ہوں گے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بے شمار خوبصورت سے خوبصورت درخت پیدا فرمائے ہیں لیکن بیری کے درخت کی اپنی ہی ایک شان اور اس کے سایے میں خاص ٹھنڈک ہوتی ہے جس کا دوسرے درخت مقابلہ نہیں کرسکتے ۔ بیری کا شہد تمام قسم کے شہد سے زیادہ مفید اور لذیذ ہوتا ہے اس درخت کی کئی اقسام ہیں۔ پاکستان میں عام طور پر بیری کے درخت دو قسم کے ہوتے ہیں اس کی ایک قسم عام درختوں کی طرح اونچے اور بکھری ہوئی ٹہنیوں والی ہوتی ہے ۔ دوسری قسم چھتری نما ہوتی ہے جس کی ٹہنیوں کا رخ زمین کی طرف ہوتا ہے یہ درخت عام طور پر سندھ کے علاقے میں پایا جاتا ہے ۔ میں نے سندھ میں بیری کے ایسے درخت دیکھے ہیں جن کا حسن اورکشش دیکھ کر واقعتاً حیرت گم ہوجاتی ہے اور یوں دکھائی دیتا ہے جیسے اس درخت کی ٹہنیاں اپنے رب کے حضور سجدہ کررہی ہیں ۔ یہ اس قدر پھلوں سے لدھا ہوا درخت ہوتا ہے کہ اس کے بیر اس کے پتوں سے زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔

مسائل

۱۔ دائیں ہاتھ والوں کا کیا کہنا! وہ بغیر کانٹے کے بیریوں، تہہ بہ تہہ کیلوں اور لمبے اور گھنے سایوں میں قیام پذیر ہوں گے۔

۲۔ اصحاب الیمین آبشاروں، گھنے پھلوں اور نا ختم ہونے والی نعمتوں سے سرفراز کیے جائیں گے ۔

۳۔ اصحاب الیمین کے اونچے فرشوں پر جلوہ افروز ہوں گے۔

۴۔ اصحاب الیمین کے لیے ان کی ہم عمر کنواریاں اور اپنے خاوندوں سے پیار کرنے والی بیویاں ہوں گی۔

۵۔ اصحاب الیمین ہر امت کے پہلے لوگوں میں زیادہ اور پچھلوں میں کم ہوں گے ۔

تفسیر بالقرآن

جنّت کی نعمتوں کی ایک جھلک :

۱۔ ہم ان کے دلوں سے کینہ نکال دیں گے اور سب ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے۔انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے۔(الحجر:۴۷، ۴۸)

۲۔ جنت کی مثال جس کا مومنوں کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اور اس کے پھل اور سائے ہمیشہ کے لیے ہوں گے۔ (الرعد:۳۵) ۳۔ جنت کے میوے ٹپک رہے ہوں گے۔(الحاقۃ:۲۳)

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ؕ﴿۴۱﴾ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ۙ﴿۴۲﴾

اور بائیں ہاتھ والے | کیا ہیں | بائیں ہاتھ والے | سخت گرم ہوا میں | اور کھولتے پانی میں

وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ۙ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِیْمٍ ﴿۴۴﴾

اور سائے | سیاہ ترین دھویں کے | نہ | وہ ٹھنڈا ہوگا | اور نہ | آرام دہ

''اور بائیں بازو والے ، بائیں بازو والوں کی بدنصیبی کا کیا پوچھنا۔(۴۱)وہ لو کی لپٹ اور کھولتے ہوئے پانی۔(۴۲) اور کالے دھوئیں کے سائے میں ہوں گے۔(۴۳) جو نہ ٹھنڈا ہوگا نہ آرام دہ ہوگا۔''(۴۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ''اَصْحَابُ الْیَمِیْنِ'' کے بعد ''اَصْحَابُ الشِّمَالِ'' کا ذکر۔

یہاں بھی قرآن مجید نے اپنے اسلوب کے مطابق دوفریقوں کا مقابلتاً ذکر کیا ہے۔ پہلے ''اَصْحَابُ الْیَمِیْنِ'' کے بارے میں فرمایا کہ ''اَصْحَابُ الْیَمِیْنِ''کی خوش بختی کا کیا کہنا ؟ انہیں اللہ تعالیٰ قسماقسم کے انعامات سے نوازے گااور کھانے کے لیے ہرقسم کے پھل اور پرندوں کا گوشت دیاجائے گا۔ پینے کے لیے ایسے مشروبات دیئے جائیں گے جن میں کسی قسم کی غنودگی اورنشہ نہیں ہوگا۔ ان کے مقابلے میں اصحاب الشمال کے بارے میں فرمایا ہے کہ ''اَصْحَابُ الشِّمَالِ'' کی بدنصیبی کا کیا کہنا؟ وہ شدید ترین آگ کی لو،کھولتے ہوئے پانی اور اور کالے دھوئیں میں پھنسے ہوئے ہوں گے ،اُنہیں نہ ٹھنڈا پانی دیا جائے گا اورنہ ہی پُرسکون جگہ میسر ہوگی۔ دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ جب انہیں پیاس لگے گی تو نہ صرف انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا بلکہ جہنّمیوں کی پیپ بھی پلائی جائے گی۔ (ابراہیم:۱۶) پیاس کی شدت کی وجہ سے جہنّمی پیپ اورکھولتا ہواپانی پیئیں گے اسی سورت میں ذکرکیا ہے کہ پیاس کی شدت کی وجہ سے جہنّمی اس طرح کھولتا ہوا پانی پیئیں گے جس طرح پیاسا اونٹ پانی پیتا ہے۔(الواقعہ:۵۴،۵۵)

مسائل

۱۔ بائیں طرف والوں کابراحال ہوگا۔۲۔بائیں جانب والوں کو نہ ٹھنڈا پانی ملے گا اورنہ ہی وہ آرام پائیں گے۔

۳۔ بائیں طرف والے آگ کی لپیٹ ،کھولتے ہوئے پانی اور کالے دھوئیں سے دوچار ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

بائیں طرف والوں کی مختلف سزائیں:

۱۔ آنتوں اور کھالوں کا بار بارجلنا۔(النساء:۵۶)۲۔ ان کی کی کھال کا بار بار بدلہ جانا۔(الحج:۲۰)

۳۔ کانٹے دار جھاڑیوں کا کھانا دیا جانا۔(الغاشیہ:۶) ۴۔ کھانے کا گلے میں اٹک جانا۔(المزمل:۱۳)

(الانعام:۷۰)(النبا:۲۵)(الحج:۱۹)(الحج:۲۱،۲۲)(بنی اسرائیل:۹۷)(الواقعہ:۴۲)

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ
بلاشبہ وہ تھے پہلے اس سے خوشحال اور وہ تھے اصرار کرتے

عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿۴۶﴾ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۥ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا
بڑے گناہ پر اور تھے وہ کہتے کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم ہو جائیں گے

تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾
مٹی اور ہڈیاں کیا بے شک ہم ضرور دوبارہ اٹھائے جائیں گے کیا ہمارے پہلے باپ دادا بھی

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۥ اِلٰى مِيْقَاتِ
آپ کہہ دیں بلاشبہ پہلے بھی اور پچھلے بھی یقیناً جمع کیے جائیں گے وقت کی طرف

يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾
معلوم دن کے پھر یقیناً تم بھی اے گمراہو جھٹلانے والو

”جہنّمی وہ لوگ ہوں گے جو اس سے پہلے خوش حال تھے۔(۴۵) اور بڑے گناہوں پر اصرار کرتے تھے۔(۴۶) کہتے تھے کیا جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے اور ہڈیوں کا پنجر بن جائیں گے تو کیا پھر اُٹھا کھڑے کیے جائیں گے؟(۴۷) اور کیا ہمارے پہلے لوگ بھی اٹھائے جائیں گے جو گزر چکے ہیں؟(۴۸) اے نبی ان لوگوں سے فرمائیں یقیناً اگلے اور پچھلے سب ہر صورت جمع کیے جائیں گے۔(۴۹) معلوم دن کے مقرر وقت پر۔(۵۰) پھر اے گمراہو اور جھٹلانے والو تم بھی“(۵۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بائیں ہاتھ والوں کے جرائم اور انجام۔

بائیں ہاتھ والوں کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل ہوگی جو دنیا میں خوش حال اور مال دار تھے، یہی لوگ معاشرے میں اکثر بُرائیوں کے موجد تھے، مالدار ہونے کے باوجود لوگوں کے حقوق غصب کرتے تھے اور غریبوں کا خیال نہیں رکھتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہر آسمانی کتاب میں لوگوں کے حقوق غصب کرنے سے منع کیا ہے اور غریبوں، مسکینوں، بیواؤں، یتیموں اور زیرِ دست لوگوں کا خیال رکھنے کا حکم صادر فرمایا ہے، خوش حال اور مال دار لوگوں کے مال میں کمزور لوگوں کا حق رکھا گیا ہے (الذاریات:۱۹) لیکن جہنّم میں جانے والے مجرم کمزور لوگوں کے حقوق کا خیال نہیں رکھتے تھے جس کا وہ جہنّم میں اقرار کریں گے۔ (المدثر:۴۴)

بائیں ہاتھ والوں کا جہنّم میں جانے کا سب سے بڑا سبب یہ ہوگا کہ جہنّمی بڑے بڑے گناہوں پر قولاً یا عملاً اصرار کیا کرتے تھے۔ بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ”اللہ“ کی ذات اور اس کی صفات میں دوسروں کو شریک بنانا ہے جسے شرک کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے کہ مشرک کو کبھی معاف نہیں کیا جائے گا۔(النساء:۱۱۶)

مشرک کی عادت ہے کہ جب بھی اسے شرک سے منع کیا جائے تو وہ اس پر اصرار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اگر لوگ بڑے گناہوں سے بچتے رہیں تو میں ان کے چھوٹے چھوٹے گناہ ازخود معاف کردوں گا۔(النساء:٣١)

جہنّم میں جانے والوں کا تیسرا بڑا گناہ یہ ہوگا کہ دنیا میں جب بھی انہیں قیامت سے ڈرایا جاتا تو وہ کہتے تھے کہ کیا ہم مرجائیں گے اور ہماری ہڈیاں مٹی کے ساتھ مٹی ہوجائیں گی تو پھر ہمیں اٹھایا جائے گا؟ کیا ہمارے باپ دادا بھی اٹھائے جائیں گے؟ قرآن مجید نے اس باطل عقیدہ کی تردید کے لیے درجنوں دلائل دیئے ہیں لیکن قیامت کے منکر انہیں ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ اے نبی ﷺ انہیں فرمائیں کہ یقیناً تمہارے پہلے اور پچھلے لوگوں کو ایک دن ضرور جمع کیا جائے گا۔ جس کا ایک وقت مقرر ہے۔ جس میں آگا پیچھا نہیں ہوگا۔(یونس:٤٩)

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْكَبَائِرُ الإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَالْيَمِينُ الْغَمُوسُ)) (رواه البخاري: باب الْيَمِينِ الْغَمُوسِ)

”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی قسم اُٹھانا کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔“

مسائل

١۔ اپنے مال سے کمزوروں کا حق ادا نہ کرنے والے مال دار جہنّم میں جائیں گے۔
٢۔ شرک اور بڑے بڑے گناہوں پراصرار کرنے والے جہنّم میں داخل کیے جائیں گے۔
٣۔ کوئی مانے یا انکار کرے قیامت ضرور برپا ہوگی کیونکہ اس کا ایک دن اور وقت مقرر کردیا گیا ہے۔

تفسیر بالقرآن

مال میں بخل، گناہوں پر اصرار اور قیامت کا انکار کرنے والوں کی سزا:

١۔ خزانے جمع کرنے والوں کو عذاب کی خوشخبری دیں۔(التوبہ:٣٤) ٢۔ بخیل اپنا مال ہمیشہ نہیں رکھ سکتا۔(ہمزہ:٣)
٣۔ قیامت کو جھٹلانے اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکنے والے کے لیے جلا دینے والا عذاب ہوگا۔(الحج:٩)
٤۔ ”اللہ“ کی آیات کے ساتھ کفر کرنے اور قیامت کو جھٹلانے والے عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔(الروم:١٦)
٥۔ قیامت کو جھٹلانے والوں کے لیے آگ کا عذاب ہے۔(الفرقان:١١)
٦۔ زمین میں چل، پھر کر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔(النحل:٣٦)
٧۔ ہم نے ان سے انتقام لیا دیکھئے جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔(الزخرف:٢٥)
٨۔ قیامت کے دن منکرین کے لیے ہلاکت ہے۔(الطّور:١١) ٩۔ منکرین کے لیے جہنم کا کھولتا ہوا پانی ہے۔(الواقعہ:٩٢)

لَاٰكِلُوْنَ	مِنْ شَجَرٍ	مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿٥٢﴾	فَمَالِـُٔوْنَ	مِنْهَا	الْبُطُوْنَ ﴿٥٣﴾	
ضرور کھانے والے ہو	درخت سے	تھوہر کے	پھر بھرنے والے ہو گے	اس سے	پیٹ	
فَشٰرِبُوْنَ	عَلَيْهِ	مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿٥٤﴾	فَشٰرِبُوْنَ	شُرْبَ		
پھر پینے والے ہوگے	اس پر	کھولتے پانی سے	پھر پینے والے	پینا		
الْهِيْمِ ﴿٥٥﴾	هٰذَا	نُزُلُهُمْ	يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٥٦﴾			
پیاسے اونٹ کی مانند	یہ ہوگی	ان کی مہمانی	قیامت کے دن			

”تم ضرور تھوہر کا درخت کھانے والے ہو۔(۵۲)اسی سے تم پیٹ بھرو گے۔(۵۳) اور اوپر سے کھولتا ہوا پانی پیئو گے۔ (۵۴) پیاسے اونٹ کی طرح پیئو گے۔(۵۵) یہ ان کی قیامت کے مہمانی ہو گی۔“(۵۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: لوگوں کے حقوق غصب کرنے ،بڑے بڑے گناہوں پر اصرار کرنے اور قیامت کا انکار کرنے والوں کی مزید سزا۔

جولوگ حق داروں کوان کے حق سے محروم رکھتے ہیں اوراپنے گناہوں پر اصرار کرتے ہیں انہیں جہنّم میں جھونکا جائے گا۔ ان کے لیے تھور کا کھانا ہوگا اور پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی دیاجائے گا۔وہ اس طرح گھونٹ بھریں گے جس طرح پیاسا اونٹ گھونٹ بھرتا ہے۔ملائکہ انہیں جھڑکتے ہوئے کہیں گے آج کے دن تمہاری یہی مہمان نوازی ہے۔ زقوم کا درخت جہنّم کی تہہ سے پیدا ہوگا۔ (الصّٰفّٰت:۶۴)

”شدید آگ میں جھلس رہے ہوں گے۔انہیں پینے کو کھولتے ہوئے چشمے کا پانی دیا جائے گا۔خاردار سوکھی گھاس کے سوا کوئی کھانا نہیں ہو گا۔ جو نہ موٹا کرے نہ ان کی بھوک مٹائے گا۔“(الغاشیہ:۴تا۷)

مسائل

۱۔ جہنّمیوں کوکھانے کے لیے زقوم دیاجائے گا۔

۲۔ جہنّمیوں کوپینے کے لیے انتہائی ابلتا ہوا پانی دیا جائے گا جسے وہ پیاسے اونٹ کی طرح پینے کی کوشش کریں گے۔

۳۔ ملائکہ جہنّمیوں کوجھڑکیاں دیتے ہوئے کہیں گے کہ آج تمہاری یہی مہمان نوازی ہے۔

تفسیر بالقرآن

جہنّمیوں کی جہنّم میں خوراک:

(الغاشیہ:۶) (الحج:۲۱،۲۲)(المزمل:۱۳) (الانعام:۷۰) (النبا:۲۵)(الحج:۱۹)(الواقعہ:۵۴تا۵۵)(الواقعہ:۴۲)

نَحۡنُ خَلَقۡنٰكُمۡ	فَلَوۡ لَا	تُصَدِّقُوۡنَ ۝٥٧	اَفَرَءَيۡتُمۡ	مَّا تُمۡنُوۡنَ ۝٥٨
ہم نے تمہیں پیدا کیا	پھر کیوں نہیں	تم تصدیق کرتے	کیا تم نے غور کیا	جو منی تم ٹپکاتے ہو

ءَاَنۡتُمۡ	تَخۡلُقُوۡنَهٗۤ	اَمۡ	نَحۡنُ	الۡخٰلِقُوۡنَ ۝٥٩
کیا تم	پیدا کرتے ہو اس کو	یا	ہم ہیں	پیدا کرنے والے

’’ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے پھر کیوں تصدیق نہیں کرتے۔(۵۷) کبھی تم نے غور ہے کہ کیا جو نطفہ تم ٹپکاتے ہو۔(۵۸) اس سے تم بچہ پیدا کرتے ہو یا اس کو ہم پیدا کرتے ہیں؟‘‘(۵۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ کی توحید اور آخرت کا انکار کرنے والوں سے ایک سوال جس میں اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا ثبوت بھی ہے اور آخرت میں زندہ کرنے کی دلیل بھی۔

ہر انسان بالخصوص کافر اور مشرک کو یہ سوال کیا گیا ہے کیا ہم بچہ پیدا کرتے ہیں یا تم اسے پیدا کرتے ہو۔لیکن اس کے باوجود تم اپنے خالق کو نہیں مانتے اور نہ ہی قیامت کے دن زندہ ہونے کی تصدیق کرتے ہو۔ کیا تم نے غور نہیں کیا کہ جو نطفہ تم ڈالتے ہو اس سے تم بچہ پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ بچہ پیدا کرنے والا صرف ایک ’’اللہ‘‘ ہے۔قرآن مجید نے بڑی تفصیل کے ساتھ انسان کی تخلیق کا ذکر کیا ہے کہ پہلے انسان یعنی آدم علیہ السلام کو کس طرح پیدا کیا گیا۔ پھر آدم علیہ السلام سے اس کی بیوی کو کس طرح پیدا کیا۔(النساء:۱) آدم علیہ السلام اور حوا سے کس طرح نسلِ انسانی کی افزائش کا سلسلہ جاری فرمایا۔جس میں یہ بتلایا گیا کہ جس نطفہ سے انسان پیدا ہوتا ہے وہ عورت کی چھاتی اور مرد کی کمر سے کس طرح نکلتا ہے۔(الطّارق:۷) اس کے بعد نطفہ کن کن مراحل سے گزر کر بچے کی شکل اختیار کرتا ہے۔(المومنون:۱۴) بچہ اپنی ماں کے رحم میں کتنے مہینے ٹھہرتا ہے پھر ماں اسے کس تکلیف کے ساتھ جنم دیتی ہے۔(لقمان:۱۴) میاں بیوی کے ملاپ کے سوا بچہ پیدا کرنے میں ماں اور باپ کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ یہ صرف احسن الخالقین کا کمال ہے کہ وہ ایک جرثومے سے انسان کی تخلیق کا آغاز کرتا ہے اور پھر شکمِ مادر میں اس کی شکل وصورت بناتا ہے اور ماں کے پیٹ میں ہی کالے ، گورے ، نیک اور بد کا فیصلہ کرتا ہے۔اس سارے عمل میں ماں باپ اور کسی دوسرے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا کہ وہ کسی ایک مرحلہ پر دخل انداز ہو سکے۔ اس لیے سوالیہ انداز میں ارشاد فرمایا کہ بتاؤ !اس سے تم بچہ پیدا کرتے ہو یا ہم اسے پیدا کرتے ہیں؟ ’’کیا یہ کسی خالق کے بغیر پیدا ہوئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے آپ کے خالق ہیں؟‘‘(الطّور:۳۵) ’’اللہ زمین وآسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جسے چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے۔(الشوریٰ:۴۹)

مسائل

۱۔ اللہ ہی نے لوگوں کو پیدا کیا ہے لیکن لوگ اللہ کی ذات اور اس کے فرمان کی تائید نہیں کرتے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بچہ بنانے اور پیدا کرنے والا نہیں۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٦٠﴾ عَلٰٓى اَنْ

ہم نے مقرر کی تمہارے درمیان موت اور نہیں ہیں ہم عاجز ہونے والے اس بات پر کہ

نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾

ہم بدل کر لے آئیں تم جیسے اور ہم پیدا کریں تمہیں اس میں جو نہیں تم جانتے

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾

اور البتہ تحقیق تم نے جان لیا پہلی پیدائش کو پھر کیوں نہیں تم نصیحت پکڑتے

''ہم نے تمہارے درمیان موت مقرر کی ہے۔(٦٠) اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری شکلیں بدل دیں، اور کسی ایسی شکل میں تمہیں پیدا کر دیں جس کو تم نہیں جانتے۔(٦١) تم اپنی پہلی پیدائش کو جانتے ہو، پھر کیوں سبق حاصل نہیں کرتے؟''(٦٢)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ''اللہ''ہی انسان کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی اسے موت دیتا ہے۔

سورۃ الملک کی دوسری آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ اسی ذات نے زندگی اور موت پیدا کی ہے تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرتا ہے۔ آلِ عمران کی آیت ١٨٥ میں ارشاد ہوا کہ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور قیامت کے دن تمہیں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ جسے جہنّم کی آگ سے بچا لیا گیا اور جنّت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہوا۔ سورہ یونس کی آیت ٤٩ میں ارشاد فرمایا کہ ہر نفس کا ایک وقت مقرر ہے جب وقت آتا ہے۔ تو ایک لمحہ بھی اس میں آگا پیچھا نہیں کیا ج۔ اس بات کو یہاں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ ہم نے تمہارے درمیان موت مقرر کی ہے لہٰذا موت ہر انسان کا مقدر ہے۔ کسی کو معلوم نہیں کہ اس کی موت کب اور کس مقام پر آئے گی۔ موت کا فیصلہ صادر کرنے میں ''اللہ'' کو کوئی بے بس نہیں کرسکتا۔ ہم پوری قدرت رکھتے ہیں کہ تمہاری شکلیں بدل دیں اور تمہیں ایسی شکل میں پیدا کر دیں جسے تم نہیں جانتے اگر تم واقعی اپنی پہلی پیدائش کے بارے میں سوجھ بوجھ رکھتے ہو تو پھر نصیحت حاصل کیوں نہیں کرتے یعنی قیامت پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں تین ارشاد فرمائے ہیں۔

١۔ ہم نے تمہارے درمیان موت مقرر کر دی ہے جس سے کوئی شخص بھی چھٹکارا نہیں پاسکتا جب کسی کی موت کا وقت آتا ہے تو امیر ہو یا غریب، بڑا ہو یا چھوٹا، بادشاہ ہو یا فقیر، نیک ہو یا بد یہاں تک کہ نبی بھی موت کو ایک لمحہ کے لیے آگے پیچھے نہیں کر سکے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے کہ موت کے وقت میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوگی۔

٢۔ اگر ''اللہ'' یہ فیصلہ کر لے کہ لوگوں کی شکل وصورت اور قدوقامت تبدیل کر دیئے جائیں اور انہیں کسی دوسری شکل میں پیدا کیا جائے تو زمین و آسمانوں میں کوئی ایسی ہستی نہیں جو اس کے فیصلے کو تبدیل کر سکے۔ صرف اللہ کی

ذات ہے جوانسان کوشکل وصورت اورقدوقامت عطا فرماتی ہے اگر وہ کسی کوکالے رنگ کا پیدا کر دے تو کوئی ایسی ذات نہیں جو اس کی رنگت کو سفید کر سکے ،اگر وہ کسی کوٹھگنا پیدا کردے تو کوئی حکیم اورڈاکٹر اس کے قد کو پورا نہیں کرسکتا، اگر کسی کوکسی عضو سے محروم کردے تو کوئی ایسا ہسپتال نہیں جو حقیقی عضور تیار کر سکے۔

٣۔اگر انسان اپنے رب کو پہچاننا اور قیامت پر یقین کرنا چاہے تواسے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنی پیدائش پرغور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کس طرح پانی کی ایک بوند سے پیدا کیا ہے، وہ انسان کوبچپن سے جوان کرتا ہے اور وہی انسان کی جوانی کو بڑھاپے میں ڈھالتا ہے ۔کیا کوئی ایسی ذات ہے جوانسان کو بڑھاپے اورموت سے بچا سکے۔ جب زندگی کا کوئی لمحہ بھی انسان کے اپنے یا کسی کے بس میں نہیں تو پھر انسان کواس بات پرکلی طور پر ایمان لانا چاہیے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اوروہی بلاشرکت غیرے ہر چیز کاخالق اور مالک ہے ۔حقیقت آشکارا ہونے کے باوجودلوگوں کی اکثریت اپنے رب پراس کے حکم کے مطابق ایمان لانے کے لیے تیارنہیں ہوتی ۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے درمیان موت کا سلسلہ مقرر کررکھا ہے ۔٢۔کوئی بھی اللہ تعالیٰ کو بے بس نہیں کرسکتا ۔

٣۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو لوگوں کی ایسی شکلیں بنادے جس کا انسان تصور بھی نہیں کرسکتے ۔

٤۔ انسان اپنی پیدائش پرتوجہ کرے تو ہرصورت اپنے رب کوپہچان لے گا اور قیامت پرایمان لے آئے گا۔

٥۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتیں دیکھنے کے باوجود انسان نصیحت حاصل کرنے کے لیے تیارنہیں ہوتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ جوچاہے کرتا ہے :

١۔ بے شک میرا ’’اللہ‘‘ جو چاہتا ہے تدبیر کرتا ہے۔(یوسف : ١٠٠)

٢۔ ’’اللہ‘‘جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے۔(آل عمران : ١٣)

٣۔ جوتم چاہتے ہو وہ نہیں ہوتا وہی ہوتا ہے جو’’اللہ‘‘ چاہتا ہے۔(الدھر : ٣٠)

٤۔ جوتم چاہتے ہو وہ نہیں ہوتا مگر وہی ہوتا ہے جو جہانوں کا رب چاہتا ہے۔(التکویر : ٢٩)

٥۔ ’’اللہ‘‘ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔(آل عمران:٣٧)

٦۔ ’’اللہ‘‘ جسے چاہے معاف فرمائے جسے چاہے عذاب دے۔(آل عمران:١٢٩)

٧۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے۔(المائدۃ:١)٨۔اللہ جس کی چاہتا ہے توبہ قبول کرتا ہے ۔(التوبہ:٢٧)

٩۔ اللہ جس کی چاہتا ہے اپنے نور(قرآن) کی طرف رہنمائی کرتا ہے ۔(النور : ٣٥)

اَفَرَءَيْتُمْ	مَّا	تَحْرُثُوْنَ ﴿٦٣﴾	ءَاَنْتُمْ	تَزْرَعُوْنَهٗٓ	اَمْ	نَحْنُ
بھلا بتلاؤ تو	جو	تم بوتے ہو	کیا تم	اگاتے ہو اسے	یا	ہم

الزّٰرِعُوْنَ ﴿٦٤﴾	لَوْ نَشَآءُ	لَجَعَلْنٰهُ	حُطَامًا	فَظَلْتُمْ	تَفَكَّهُوْنَ ﴿٦٥﴾
اگانے والے ہیں	اگر ہم چاہیں	تو یقیناً کر دیں اس کو	ریزہ ریزہ	پھر تم ہو جاؤ	تعجب سے باتیں بناتے

اِنَّا	لَمُغْرَمُوْنَ ﴿٦٦﴾	بَلْ	نَحْنُ	مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٦٧﴾
بلاشبہ ہم	البتہ جرمانہ ڈال دیے گئے ہیں	بلکہ	ہم	محروم رہ گئے

”بھلا تم نے سوچا جو بیج تم بوتے ہو۔(٦٣) ان سے کھیتیاں تم اُگاتے ہو یا ہم ان کو اگانے والے ہیں؟(٦٤) ہم چاہیں تو ان کھیتیوں کو بھس بنا کر رکھ دیں اور تم باتیں ہی کرتے رہ جاؤ۔(٦٥) اور کہو کہ ہم پر جرمانہ پڑ گیا ہے۔(٦٦) بلکہ ہم تو محروم کر دیئے گئے ہیں۔“ (٦٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ ہی انسان کو پیدا کرتا اور موت دیتا ہے اور وہی بیج سے کھیتی پیدا کرتا ہے۔بیج اور کھیتی کا حوالہ دے کر انسان کو دوبارہ زندہ ہونے کا ثبوت دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے انسان کو اس کی تخلیق اور موت کا حوالہ دے کر سمجھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی اسے موت دینے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا۔اب بیج اور کھیتی کی مثال دے کر انسان کو اپنے خالق ہونے اور قیامت کے دن زندہ کرنے کا ثبوت دیا ہے۔ ارشاد ہوا جو بھی تم بوتے ہو اس پر غور کرو کہ کیا اس سے فصل تم اُگاتے ہو یا ہم اسے اُگانے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو بیج کو زمین میں ہی ناکارہ کر دیں، اگر ہم چاہیں تو لہلہاتے ہوئے باغوں اور ہری بھری کھیتیوں کو خاکستر کر دیں اور تم مختلف قسم کے تبصرے کرتے رہ جاؤ اور یہ کہنے پر مجبور ہو جاؤ کہ ہم پر تاوان پڑ گیا ہے، بلکہ کہو کہ ہمارے نصیب ہی پھوٹ گئے ہیں۔ بیج اور کھیتی کی مثال دے کر اللہ تعالیٰ نے بیک وقت اپنے خالق اور رازق ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ ایک زمیندار کو اپنی فصل پر صرف اتنا ہی اختیار ہے کہ وہ زمین بنانے اور ہموار کرنے کے بعد اس میں بیج ڈالے یا اس میں پودے لگائے۔ اس کے بعد بیج کو اُگانا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں۔ وہی بیج کو اس کی فطرت کے مطابق زمین میں نم، حرارت اور ہوا پہنچاتا ہے۔ ان تین عناصر کے علاوہ بھی ایسے اسباب ہیں جن تک کسی زرعی سائنسدان کی اب تک رسائی نہیں اور نہ ہی بیج اُگانے میں کسی کا کوئی عمل دخل ہے۔صرف ایک ”رب“ کی ذات ہے جو بیج کو اُگاتی ہے جس سے انسان اور ہر جاندار فائدہ اٹھاتا ہے۔ وہ چاہے تو بیج کو زمین میں بے کار کر دے اور یہ بھی اسے اختیار ہے کہ وہ سرسبز کھیتی اور اور لہلہاتے ہوئے پودوں کو بھس بنا کر رکھ دے۔ ایسی صورت میں کھیتی کا مالک مختلف قسم کی توجیہات

اور باتیں بنانے کے سوا کچھ نہیں کرسکتا۔ بالآخر یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ میں نے محنت کی اور بیج کے اخراجات برداشت کیے مگر یہ تو میرے لیے بوجھ اور چٹی ثابت ہوئے ہیں۔ بالآخر انسان یہ کہنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ میرے نصیب ہی سڑ گئے ہیں اور میں محروم ہوگیا ہوں۔ اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو خالق، رازق اور مالک ثابت کرنے کے بعد یہ بھی ثابت کیا ہے کہ زمین میں کروڑوں نہیں بلکہ لاتعداد بیج اُگتے ہیں اور کچھ اُگنے کے بعد گل سڑ جاتے ہیں اور کچھ فصل کے طور پر تیار ہوتے ہیں جو تمہاری اور تمہارے جانوروں کی خوراک بنتے ہیں۔یہی انسان کا حال ہے کچھ ایسے ہیں جو ماں کے پیٹ میں مر جاتے ہیں کچھ بچپن میں فوت ہو جاتے ہیں کچھ جوانی میں چل بستے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو اس قدر بوڑھے اور کمزور ہو جاتے ہیں جنہیں اپنے آپ کا ہوش نہیں ہوتا۔

مسائل

۱۔ انسان زمین میں بیج بوتا ہے مگر اُسے اُگانے والا صرف ’’اللہ ‘‘ہے۔

۲۔ ’’اللہ‘‘ چاہے تو بیج کو زمین میں ختم کردے اور چاہے تو لہلہاتے ہوئے کھیتیوں کو بُھس بنادے۔

۳۔ کھیتی تباہ ہونے کی صورت میں اس کا مالک پریشان ہونے سوا کچھ نہیں کرسکتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی کھیتی اور باغات پیدا کرنے والا ہے :

۱۔ ’’اللہ‘‘ پانی سے تمہارے لیے کھیتی، زیتون، کھجور اور انگور اگا تا ہے۔ (النحل:۱۱)

۲۔ ’’اللہ‘‘ نے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے ہیں۔ (المومنون:۱۹)

۳۔ ’’اللہ‘‘ نے زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ (یٰس:۳۴)

۴۔ ’’اللہ‘‘ نے پانی سے ہرقسم کی نباتات کو پیدا کیا۔ (الانعام:۹۹) ۵۔اللہ تعالیٰ نے نباتات پیدا فرمائی۔ (الانعام: ۱۰۰)

۶۔ ’’اللہ‘‘ ہی نے باغات، کھجور کے درخت اور کھیتی پیدا کی جوذائقہ کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ (الانعام:۱۴۱)

۷۔ دانے اور گٹھلی کو پھاڑنا، زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ کرنا اللہ ہی کا کام ہے تم کہاں بہک گئے ہو؟ (الانعام:۹۵)

۸۔ تمہارا رب ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں تم کہاں بہک گئے ہو؟ (المومن: ۶۲)

۹۔ اپنے پروردگار سے دعا کیجیے کہ وہ ہمارے لیے زمین میں سے نباتات پیدا فرمائے۔ (البقرۃ:۶۱)

۱۰۔ تمہارے لیے مسخر کیا نباتات کو زمین پر پھیلا کر، ان کی اقسام مختلف ہیں۔ (النحل :۱۳)

۱۱۔ اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے۔ (آل عمران:۱۰۲)

۱۲۔ اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے، سوتم اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے۔ (الانعام:۱۰۲)

اَفَرَءَیْتُمُ	الْمَآءَ	الَّذِیْ	تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾	ءَاَنْتُمْ	اَنْزَلْتُمُوْہُ	مِنَ الْمُزْنِ
کیاتم نے غور کیا	پانی	جو	تم پیتے ہو	کیاتم نے	نازل کیا ہے اسے	بادل سے
اَمْ	نَحْنُ	الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾	لَوْ نَشَآءُ	جَعَلْنٰہُ	اُجَاجًا	
یا	ہم	نازل کرنے والے ہیں	اگر ہم چاہیں تو	کردیں اسے	کھارا	
فَلَوْلَا	تَشْکُرُوْنَ ﴿۷۰﴾					
تو کیوں نہیں	تم شکر کرتے					

”کیاتم نے غور کیا کہ جو پانی تم پیتے ہو۔ (۶۸) اسے بادل سے تم برستے ہو یا ہم اسے برساتے ہیں؟ (۶۹) ہم چاہیں تو اسے کھارا پانی بنا دیں، پھر کیوں نہیں تم شکر ادا کرتے؟“ (۷۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کھیتی کا ذکر کرنے کے بعد پانی کا تذکرہ۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی توجہ اپنی ذات کی طرف مرکوز کروانے کے لیے ایک دفعہ پھر ارشاد فرمایا ہے کہ غور تو کرو! کہ جو پانی تم پیتے ہو کیا تم نے اسے بادل سے اتارا ہے یا ہم نے اسے نازل کیا ہے؟ اگر ہم چاہیں تو اس پانی کو کھارا بنادیں تو پھر تم اسے کس طرح میٹھا بنا سکتے ہو؟ لیکن اس کے باوجود تم شکر نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مرتبہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہم آسمان سے بارش نازل کرتے ہیں اور بارش کے ذریعے باغات، نباتات اور کھیتیاں اُگاتے ہیں۔ یہ بات عرض ہوچکی ہے کہ سورج کی تپش سے سمندر کا پانی بخارات کی صورت میں اوپر اٹھتا ہے۔ جسے ہوا فضا میں ایک خاص مقام تک اُوپر لے جاتی ہے، پھر بخارات بادلوں کی شکل اختیار کرتے ہیں اور بادلوں کا فرشتہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جہاں اسے حکم دیتا ہے بادلوں کو ہانک کر وہاں لے جاتا ہے اور پھر وہاں بارش برستی ہے۔ یہاں اس بات کو اختصار کے ساتھ یوں بیان فرمایا ہے کہ اے لوگو! جو تم پانی پیتے ہو اس پر غور کرو کہ کیا تم اسے بادل سے نازل کرتے ہو یا ہم نازل کرتے ہیں؟ اگر اللہ تعالیٰ اس پانی کو کھارا بنادے تو نہ صرف پینے کے قابل نہ رہے بلکہ اس سے فصلیں بھی تباہ ہوجائیں گی۔ یہ اس کی مہربانی ہے کہ وہ سمندر کے کھارے پانی کو ہوا کے ذریعے صاف (FILTERIZE) فرما کر نازل کرتا ہے تاکہ لوگ اسے پئیں، فائدہ اٹھائیں اور اپنے رب کا شکر ادا کریں۔ لیکن لوگوں کی اکثریت اس کا شکر ادا نہیں کرتی۔ شکر کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ انسان صرف اللہ کو اپنا خالق، مالک، رازق اور حاکم سمجھے اور بلاشرکتِ غیرے اس کی عبادت کرے، یہی اُس کا سب سے بڑا شکر ہے اور شکر گزار بندے ہی عبادت گزار اور اس کے حقیقی فرمانبردار ہوا کرتے ہیں۔

شکر وہ جذبہ ہے جس سے انسان اپنے محسن کو پہچانتا ہے اور اس کی اطاعت میں لذت محسوس کرتا ہے جس نے اپنے محسنِ حقیقی کو فراموش کر دیا وہ پرلے درجے کا ناشکرا اور ناقدردان ٹھہرے گا۔ جب شیطان کو بارگاہِ ایزدی سے دھتکارا گیا تو اُس نے سب سے پہلے یہی بات کہی تھی کہ جس کی وجہ سے مجھے دھتکارا گیا ہے آپ ان کی اکثریت کو اپنا شکرگزار نہیں پائیں گے۔

﴿قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ﴾

(الاعراف: ١٦، ١٧)

”اس نے کہا پھر جس وجہ سے تو نے مجھے دھتکارہ ہے۔میں ضرور ان کے لیے تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا۔ پھر میں ہر صورت ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی دائیں طرف سے اور ان کی بائیں طرف سے آؤں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر کرنے والے نہیں پائے گا۔“

اللہ تعالیٰ کی ناشکری سے بچنے کے لیے انسان بالخصوص مسلمان کو اپنے رب کے حضور یہ دعا کرتے رہنا چاہیے۔

((أَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ))

(رواه أبو داؤد: باب فی الإستغفار قال البانی صحیح)

”الٰہی! اپنے ذکر، شکر اور بہترین طریقے سے عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔“

مسائل

۱۔ انسان کو پانی کی نعمت پر غور کرنا چاہیے۔۲۔اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بارش نازل نہیں کرسکتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ پانی کو کھارا کردے تو کوئی اسے میٹھا نہیں بنا سکتا۔

تفسیر بالقرآن

لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا شکرگزار ہونا چاہیے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔(لقمان:۱۲)۲۔اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے۔(البقرۃ:۱۷۲)

۳۔ اللہ تعالیٰ شکر کرنے والے لوگوں کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔(الاعراف:۵۸)

۴۔ اللہ تعالیٰ شکر کرنے والے کو زیادہ عطا کرتا ہے۔(ابراہیم:۷)۵۔شکر کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔(الزمر:۷)

۶۔ اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو بہتر جزا دیتا ہے۔(القمر:۳۵)۷۔شکرگزار تھوڑے ہی ہوا کرتے ہیں۔(سباء۱۳)

۸۔اللہ تعالیٰ شکرگزار بندوں کا قدر دان ہے۔(النساء:۱۴۷)۹۔شیطان کا مقصد انسان کو ناشکرا بنانا ہے۔(الاعراف:۱۷)

اَفَرَءَيْتُمُ	النَّارَ	الَّتِيْ	تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾	ءَاَنْتُمْ	اَنْشَاْتُمْ	شَجَرَتَهَآ
بھلا بتلاؤ	وہ آگ	جو	تم جلاتے ہو	کیا تم نے	پیدا کیا ہے	اس کا درخت

اَمْ	نَحْنُ	الْمُنْشِئُوْنَ ﴿۷۲﴾	نَحْنُ جَعَلْنٰهَا	تَذْكِرَةً	وَّمَتَاعًا
یا	ہم	پیدا کرنے والے ہیں	ہم ہی نے بنایا ہے اسے	نصیحت کا ذریعہ	اور فائدہ

لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾	فَسَبِّحْ	بِاسْمِ رَبِّكَ	الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾
مسافروں کے لیے	لہٰذا آپ تسبیح کریں	اپنے رب کے نام کی	جو بڑا عظمت والا ہے

’’کبھی تم نے غور کیا کہ جو آگ تم سلگاتے ہو۔(۷۱) اس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے یا ہم اسے پیدا کرنے والے ہیں۔(۷۲) ہم نے اس کو نصیحت کا ذریعہ اور حاجت مندوں کے لیے زندگی کا سامان بنایا ہے۔(۷۳) پس اے نبی اپنے عظیم رب کے نام کی تسبیح کیا کریں۔‘‘(۷۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پانی کے بعد آگ کا تذکرہ۔

جس طرح پانی عظیم نعمت ہے اوراس پر انسان کی زندگی کا انحصار اسی پر ہے اس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا بلکہ دنیا میں پھلنے پھولنے والی کوئی چیز بھی نمو نہیں پاسکتی۔ ارشاد فرمایا کہ ہم نے ہر چیز کا انحصار پانی پر رکھا ہے لیکن پھر تم ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ (الانبیاء:۳۰) جس طرح پانی کے بغیر زندگی باقی نہیں رہ سکتی اسی طرح انسان کی زندگی اور ترقی کے لیے آگ بھی ناگزیر ہے اگر آگ پیدا نہ کی جاتی توانسان اورحیوان کی زندگی کے درمیان معمولی فرق ہوتا اورانسان کسی صورت بھی ترقی نہ کرسکتا۔

آپ زندگی کے کسی شعبے پرغور فرمائیں اس کی ترقی میں بنیادی کردار آگ کا دکھائی دے گا۔ سائیکل سے لے کر ہوائی جہاز اورتیر سے لے کر ایٹم بم بنانے کے لیے آگ کی ضرورت ہے، یہاں تک انسان کی خوردونوش کا تعلق ہے آگ کے بغیر انسان روٹی بھی نہیں پکا سکتا۔ پہلے زمانے کے لوگ پتھر رگڑ کر آگ پیدا کرتے تھے اور قدیم عرب دو درختوں کی ہری بھری ٹہنیوں کو ایک دوسرے پر مار کر آگ حاصل کرتے تھے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہوتا ہے مرخ اورعفار درختوں کی ٹہنیاں سبز ہیں اوران میں آگ نہیں پانی ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان سے آگ پیدا کرتا ہے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ صلاحیت بخشی کہ اس نے بے شمار چیزوں سے آگ حاصل کرنا شروع کردی لیکن انسان کی بے عقلی کا اندازہ کریں کہ بے شمار لوگ آگ کی پرستش کرتے ہیں۔ صرف اَن پڑھ نہیں بڑے بڑے ترقی یافتہ اورعلم وفنون کی ڈگریاں رکھنے والے حضرات آگ کے سامنے جھکتے ہیں اور اسے حاجت روا ،مشکل کشا سمجھتے ہیں حالانکہ آگ پیدا کرنے والا صرف ’’اللہ‘‘ ہے۔اس لیے ارشاد ہوا کہ بس

اپنے رب عظیم کی تسبیح پڑھا کریں جو ہر کمزوری سے پاک اور ہر قسم کے شرک سے مبرا ہے۔

((عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ إِذَا رَكَعَ قَالَ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ ثَلاثًا وَإِذَا سَجَدَ قَالَ سُبْحَانَ رَبِّيَ الأَعْلَىوَبِحَمْدِهِ ثَلاثًا)) (رواہ البیہقی : باب الْقَوْلِ فِي الرُّكُوعِ)

''عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع کرتے تو تین مرتبہ یہ کلمات (سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ) پڑھتے اور جب سجدہ کرتے تو تین دفعہ یہ کلمات (سُبْحَانَ رَبِّيَ الأَعْلَى وَبِحَمْدِهِ) پڑھتے۔

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتیں ہیں کہ نبی اکرم ﷺ رکوع وسجود میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ (سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلائِكَةِ وَالرُّوحِ)'' (رواہ ابوداؤد: بَابُ مَا يَقُولُ الرَّجُلُ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ،قال البانی صحیحۃ)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ ، خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ ، سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ))

(رواہ البخاری: کتاب التوحید)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا دو کلمے رحمان کو بڑے پسند ہیں زبان سے ادا کرنے میں آسان اور وزن کے لحاظ سے بھاری ہیں۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہی سرخ اور عفار درخت پیدا کیے جن سے پرانے زمانے کے لوگ آگ حاصل کرتے تھے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ہی آگ بنائی ہے۔۳۔ آگ سے انسان قوت حاصل کرتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں میں آگ بھی اس کی قدرت کی نشانی ہے۔۵۔انسان کو آگ سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کی ایک جھلک:

۱۔ رات اور دن کو اللہ نے نشانیاں بنایا ہے۔ (بنی اسرائیل : ۱۲)

۲۔ دن، رات، سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ (حٰم السجدۃ:۳۷)

۳۔ آسمان اور زمین کی پیدائش، دن اور رات کے آنے جانے میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ (آل عمران: ۱۹۰)

۴۔ بے شک دن اور رات کے مختلف ہونے میں اور جو کچھ اللہ نے زمین و آسمان میں پیدا کیا ہے، اُس میں لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ (یونس: ٦)

۵۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے وجود میں اپنی قدرت کی نشانیاں رکھی ہیں۔(الذاریات:۲۱)

فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ

یقیناً میں ضرور قسم کھاتا ہوں ستاروں کے گرنے کی جگہ کی اور بلاشبہ یہ یقیناً قسم ہے اگر

تَعۡلَمُوۡنَ عَظِیۡمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرۡاٰنٌ كَرِیۡمٌ ﴿۷۷﴾ فِیۡ كِتٰبٍ

تمہیں علم ہو بہت بڑی کہ بلاشبہ یقیناً یہ قرآن نہایت معزز ہے میں کتاب

مَّكۡنُوۡنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَ ﴿۷۹﴾ تَنۡزِیۡلٌ

محفوظ نہیں چھوتے اسے مگر پاک ہی نازل کردہ ہے

مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَنۡتُمۡ مُّدۡهِنُوۡنَ ﴿۸۱﴾

رب العالمین کی طرف سے کیا پھر اس حدیث (قرآن) سے تم بے اعتنائی کرتے ہو

وَتَجۡعَلُوۡنَ رِزۡقَكُمۡ اَنَّكُمۡ تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۸۲﴾

اور تم بناتے ہو اپنا حصہ یہ کہ یقیناً تم تکذیب کرتے ہو

”پس ضرور میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے گرنے کی۔(۷۵) اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔(۷۶) یقیناً یہ قرآن نہایت معزز ہے۔(۷۷) لوحِ محفوظ میں ثبت ہے ۔(۷۸) اسے پاکبازوں کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا۔(۷۹) یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔(۸۰) پھر کیا اس کلام کے ساتھ تم بے اعتنائی برتتے ہو؟ (۸۱) اور تم نے اپنا وطیرہ بنا لیا ہے کہ تم اسے جھٹلاتے رہو گے۔“(۸۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عظیم نشانیوں اور نعمتوں کے تذکرے کے بعد عظیم خالق کی تسبیح کرنے کا حکم اس کی عظمت کا عالم یہ ہے کہ اس نے لوگوں کی ہدایت کے لیے آسمان سے قرآن مجید جیسی عظیم کتاب نازل کی ہے۔

اہلِ مکہ اپنے باطل عقیدہ پر اصرار کرنے کی وجہ سے قرآن کی مخالفت کرتے تھے حالانکہ اس بات کے ان کے سامنے درجنوں دلائل دیئے گئے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا جارہا لیکن وہ اس قدر ہٹ دھرم تھے کہ کسی صورت قرآن مجید کو مِن جانبِ اللہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی قسم اٹھا کر یقین دلایا کہ یہ قرآن کسی غیر کی طرف سے نازل نہیں کیا گیا اسے تو اس رب نے نازل کیا ہے جو ستارے بنانے اور انہیں فضا میں ٹھہرانے والا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہمیں گرتے ہوئے ستاروں کی قسم ہے اگر تم سمجھنے کی کوشش کرو تو یہ بہت بڑی قسم ہے ،بڑی قسم سے مراد ایک تو قسم اٹھانے والی ذات سب سے اعلیٰ اور بڑی ہے پھر جن ستاروں کی قسم اٹھائی جارہی ہے وہ کس قدر بڑے ہیں۔ ان کے نظام پر غور کرو کہ اس ذات نے کس طرح کھرب ہا ستارے پیدا کیے ہیں۔ان میں چھوٹے بھی ہیں اور بڑے بھی جو اس کے حکم سے جھڑتے اور پیدا ہوتے رہتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں تاروں کی منازل کی قسم کھائی ہے ۔ منازل سے مراد تاروں کے مدار یا فضا کا وہ حصہ ہے جہاں کروڑوں کی تعداد میں تارے گرتے ہیں اور زمین پر آنے کی بجائے فضا میں ہی ختم ہوجاتے ہیں ۔ اس قسم میں

ایک طرف ستاروں کے وسیع ترین نظام کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور دوسری طرف قرآن مجید کی عظمت بیان فرمائی ہے۔ اس بنا پر ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن مجید عظمت کا حامل ہے اور یہ لوح محفوظ میں درج ہے، اسے وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک باز ہیں۔ یعنی وہ فرشتے جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت اور تنزیل پر مقرر کیا ہے اس سے کفار کے الزام کی تردید کی گئی ہے جو کہتے ہیں کہ نبی ﷺ قرآن خود بنا لیتے ہیں یا اس پر شیطان نازل کرتا ہے۔ بتانا مقصود یہ ہے کہ قرآن مجید میں کسی کی کسی اعتبار سے دخل اندازی نہیں ہے۔ کیا تم اس عظیم کتاب کا انکار کرتے ہو جسے رب العالمین نے نازل فرمایا ہے لیکن تم دنیا کی خاطر اسے جھٹلائے جا رہے ہو۔ "تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ" کے مفسرین نے تین مفہوم بیان کیے ہیں۔

۱۔ کفار کا خیال تھا کہ اگر ہم نے قرآن کی دعوت کو مان لیا تو لوگ ہمارے مخالف ہو جائیں گے جس سے ہمیں کاروباری طور پر نقصان پہنچے گا۔ ۲۔ جس طرح زندگی کے لیے کھانا پینا لازم ہے اس طرح انہوں نے قرآن کی مخالفت کو اپنے لیے لازم سمجھ رکھا ہے۔ ۳۔ جس طرح دوسری نعمتوں کا شکر ادا نہ کر کے اللہ تعالیٰ کو جھٹلاتے ہو اسی طرح قرآن مجید جیسی عظیم نعمت کو جھٹلاتے ہو۔

((عَنْ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ (وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ) قَالَ شُكْرُكُمْ تَقُوْلُوْنَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا وَبِنَجْمِ كَذَا وَكَذَا)) (رواہ الترمذی: باب ومن سورۃ الواقعۃ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ لاَ نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلاَّ مِنْ حَدِيثِ إِسْرَائِيلَ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے (وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ) کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہاری ناشکری تو یہاں تک ہے کہ تم کہتے ہو فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے۔"

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی قسم اٹھا کر فرمایا ہے کہ یہ قرآن عظیم مرتبہ کتاب ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ کی قسم کو معمولی قسم نہیں سمجھنا چاہیے۔ ۳۔ قرآن مجید بڑی بلند پایا کتاب ہے۔
۴۔ قرآن مجید لوحِ محفوظ میں درج ہے۔ ۵۔ قرآن مجید کو جو پاک باز فرشتے ہی ہاتھ لگاتے ہیں۔
۶۔ قرآن مجید کو رب العالمین نے نازل فرمایا ہے۔ ۷۔ قرآن مجید کے کسی مسئلے کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کی عظمت:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو کچھ نازل کیا ہے وہ مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔ (بنی اسرائیل: ۸۲)
۲۔ قرآن مجید کو اللہ نے ہی نازل فرمایا ہے اور وہی اس کا محافظ ہے۔ (الحجر: ۹)
۳۔ جن و انس مل کر بھی اس قرآن کی مثل نہیں لا سکتے۔ (بنی اسرائیل: ۸۸)
۴۔ یہ کتاب مبین ہے اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔ (البقرۃ: ۲) ۵۔ قرآن مجید میں کوئی کجی نہیں ہے۔ (الکہف: ۱)
۶۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے نصیحت اور مومنوں کے لیے باعثِ ہدایت اور رحمت ہے۔ (یونس: ۵۷)

فَلَوۡلَاۤ	اِذَا	بَلَغَتِ	الۡحُلۡقُوۡمَ ﴿۸۳﴾	وَاَنۡتُمۡ	حِيۡنَئِذٍ	تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۸۴﴾
پھر کیوں نہیں	جب	پہنچتی ہے	حلق تک	اور تم	اس وقت	دیکھتے ہو
وَنَحۡنُ	اَقۡرَبُ	اِلَيۡهِ	مِنۡكُمۡ	وَلٰـكِنۡ	لَّا	تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۸۵﴾
اور ہم	زیادہ قریب ہوتے ہیں	اس سے	تمہاری نسبت	اور لیکن	نہیں	تم دیکھتے
فَلَوۡلَاۤ	اِنۡ	كُنۡتُمۡ	غَيۡرَ	مَدِيۡنِيۡنَ ﴿۸۶﴾	تَرۡجِعُوۡنَهَاۤ	
پھر کیوں نہیں	اگر	تم ہو	نہیں	بدلہ دیے جاؤ گے	تم پھیر لاؤ اس کو	
اِنۡ	كُنۡتُمۡ	صٰدِقِيۡنَ ﴿۸۷﴾				
اگر	تم ہو	سچے				

”پھر جب مرنے والے کی جان حلق تک پہنچ جاتی ہے (۸۳) اور تم اُسے دیکھ رہے ہوتے ہو۔ (۸۴) اس وقت تمہاری نسبت ہم اس کے زیادہ قریب ہوتے ہیں مگر تمہیں نظر نہیں آتے۔ (۸۵) اگر تم کسی کے محکوم نہیں ہو۔ (۸٦) اور اپنے اس خیال میں سچے ہو تو (مرنے والے کی نکلتی ہوئی جان کو) واپس کیوں نہیں لے آتے؟“ (۸۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قرآن مجید کو جھٹلانے والوں کو ان کی موت یاد کروائی گئی ہے تاکہ وہ ہوش کے ناخن لیں اور اپنے آپ کو سیدھی راہ پر ڈال کر اصحاب الیمین میں شامل ہو جائیں۔

اس سورت کا آغاز قیامت کی ہولناکیوں کے بیان سے ہوا۔ جس میں بتلایا گیا کہ قیامت کے دن لوگ ”اَصۡحٰبُ الۡيَمِيۡنِ ، اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ“ اور ”سَابِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ“ کی تقسیم کے مطابق ہوں گے لیکن بنیادی طور پر لوگ دو ہی گروہوں میں منقسم ہوں گے۔ایک جنّتی اور دوسرے جہنمی ہوں گے

الواقعہ کا اختتام بھی اسی مضمون پر کیا جا رہا ہے کیونکہ قیامت کے انعام اور اس کی سزاؤں کا آغاز انسان کی موت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے پہلے موت کی واردات کا ذکر فرمایا کہ جب موت آتی ہے تو جان حلق میں اٹک جاتی ہے اور تم اس وقت فوت ہونے والے کی بے بسی دیکھ رہے ہوتے ہوں، بظاہر تم اس کے قریب ہوتے ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ تم سے ہم اس کے زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تمہیں نظر نہیں آتے، اگر تم میں طاقت ہے تو اس کی نکلنے والی روح کو واپس کیوں نہیں لاتے؟ اس بات کو دوسرے مقام پر یوں بھی بیان کیا گیا ہے۔

﴿قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِكُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ﴾ (آلِ عمران: ۱٦۸)

”اے نبی ﷺ! ان سے فرمائیں کہ اگر تم سچے ہو اور کسی قسم کا اختیار رکھتے ہو تو پھر اپنی موت کو ٹال کر دکھاؤ۔“

پھر ارشاد فرمایا:

﴿یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ﴾ (النساء: ۷۸)
''تم مضبوط قلعوں میں بند ہو جاؤ تو بھی موت تمہیں دبوچ لے گی۔''

موت کا ہاتھ لختِ جگر کو ماں کی چھاتی سے، جوان بیٹے کو بوڑھے باپ سے اور ماں کو بلکتے ہوئے بچوں سے چھین لیتا ہے۔ موت کے مقابلے میں کوئی کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ یہاں اشارۃً بتلایا جارہا ہے کہ جب تم اپنے آپ اور کسی عزیز کو اس کی موت سے نہیں چھڑا سکتے تو اس قیامت سے کس طرح بچ سکتے ہو جو ہر چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دے گی، یہاں تک کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں کو ہلا کر الٹ پلٹ کردے گی۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے، آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہوکر گر پڑیں گے اور زمین چٹیل میدان بنا دی جائے گی۔ اگر تم ذاتِ کبریا کے مطیع نہیں ہو تو پھر مرنے والے کی روح کو کیوں نہیں لٹاتے؟ حقیقت یہ ہے کہ تم اللہ ذوالجلال کے سامنے محض عضو معطل ہو مگر اپنی حقیقت بھول چکے ہو۔ جس نے اپنے آپ اور اپنے رب کو پہچان لیا وہ اس کے مقرب بندوں میں شامل ہوگا۔ جس نے اپنے رب اور موت کو بھلا دیا وہ کلی طور پر گمراہ ہوا۔

موت کی آسانی کے لیے دعا:

((اَللّٰهُمَّ أَعِنِّی عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ)) (رواہ احمد: مسند عائشہ رضی اللہ عنہا)
''اے اللہ مجھے موت کی سختیوں پر فتح عطا فرما۔''

مسائل

۱۔ انسان کی موت کے وقت اللہ تعالیٰ اس کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔
۲۔ موت کے وقت انسان کے عزیز واقرباء اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔

تفسیر بالقرآن

موت کا وقت مقرر ہے جو آگے پیچھے نہیں ہوسکتا:

۱۔ موت کا وقت مقرر ہے۔ (آلِ عمران: ۱۴۵) ۲۔ موت کی جگہ متعین ہے۔ (آلِ عمران: ۱۵۴)
۳۔ موت کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ (آلِ عمران: ۱۶۸) ۴۔ موت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ (النساء: ۷۸)
۵۔ سب کو موت آنی ہے۔ (الانبیاء: ۳۵) ۶۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر کسی نے مرنا ہے۔ (الرحمٰن: ۲۶، القصص: ۸۸)
۷۔ جب کسی کی اجل آجائے تو اس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی۔ (یونس: ۴۹)
۸۔ تمہارے لیے قیامت کا دن مقرر ہے، اس میں تقدیم وتاخیر نہیں ہوگی۔ (سبا: ۳۰)
۹۔ قیامت آچکی ہے لیکن تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو۔ (الانبیاء: ۱)

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ
پس لیکن اگر وہ ہوا مقربین سے تو راحت اور خوشبو ہے اور باغ ہے
نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ
نعمتوں والے اور لیکن اگر وہ ہوا اصحاب یمین سے تو سلامتی ہے آپ کے لیے
مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾
اصحاب یمین میں سے اور لیکن اگر وہ ہوا تکذیب کرنے والے گمراہوں سے
فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ
تو مہمانی ہو گی کھولتے پانی سے اور داخل کرنا ہے جہنم میں بلاشبہ یہی
حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾
یقینی حق ہے لہٰذا آپ تسبیح کریں اپنے رب کے نام کی جو بڑا عظمت والا ہے

”پھر وہ مرنے والا اگر مقربین میں سے ہو۔(۸۸) تو اس کے لیے راحت اور عمدہ رزق اور نعمت بھری جنّت ہے۔(۸۹) اور اگر وہ اصحاب یمین میں سے ہو تو اس کا استقبال یوں ہوتا ہے۔(۹۰) کہ سلام ہے تجھے کہ تو اصحاب الیمین میں ہے۔(۹۱) اور اگر وہ جھٹلانے والے اور گمراہ لوگوں میں سے ہو۔(۹۲) تو اس کی تواضع کے لیے کھولتا ہوا پانی ہے۔(۹۳) اور اسے جہنّم میں جھونکا جانا ہے۔(۹۴) یہ بالکل حقیقت ہے۔(۹۵) پس اے نبی اپنے عظیم رب کے نام کی تسبیح پڑھا کرو۔“(۹۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت پر ایمان لانے اور اس کے تقاضے پورے کرنے والے مقربین میں شامل ہوں گے۔

مرنے والا قیامت پر یقین رکھنے اور اس کے تقاضے پورے کرنے والا ہوگا تو وہ اپنے رب کے مقرب بندوں میں شامل ہوگا، اس کے لیے ہر قسم کی راحت، ذائقہ دار خوراک اور نعمتوں والی جنّت ہوگی اور یہ اصحاب الیمین میں ہوگا اور اس پر اس کے رب کی طرف سے ہمیشہ ہمیش کے لیے سلامتی ہوگی۔ اگر وہ قیامت کو جھٹلانے والوں اور گمراہ لوگوں میں ہوا تو اس کی کھولتے ہوئے پانی سے مہمان نوازی کی جائے گی اور اسے جہنّم میں جھونکا جائے گا۔ ”اَصْحَابَ الْيَمِيْنِ“ کا انعامات پانا اور ”اَصْحَابُ الشِّمَال“ کا جہنّم میں جھونکا جانا برحق ہے یعنی اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ لہٰذا اپنے رب کی تسبیح بیان کریں۔ جو نیکوں کو پوری پوری جزادے گا اور بڑے لوگوں کو ٹھیک ٹھیک سزا دینے والا ہے۔

((عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ يُكْثِرُ اَنْ يَّقُوْلَ فِیْ رُكُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ يَتَاَوَّلُ الْقُرْاٰنَ)) (رواه البخاری: باب التسبیح والدعاء فی السجود)

”حضرت عائشہ ؓ بیان فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ اپنے رکوع اور سجدوں میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے ”اے اللہ تو پاک ہے اور تیرے لیے حمد وستائش ہے الٰہی مجھے معاف فرما۔ آپ اس آیت سے یہی مفہوم لیتے۔“

سورۃ الحدید کا تعارف

یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس کے چار رکوع اور انتیس (۲۹) آیات ہیں۔

یہ سورت مُسبّحات میں پہلی سورت ہے جن سورتوں کی ابتداء سَبَّحَ یُسَبِّحُ کے الفاظ سے ہوتی ہے مفسرین ان سورتوں کو مُسبّحات کا نام دیتے ہیں۔ اس کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا ہے کہ زمینوں و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر غالب ہے اوراس کے ہر کام اور فرمان میں حکمت کارفرما ہوتی ہے اور وہ غلبہ رکھنے والا ہے اس کی زمین و آسمان میں بادشاہی ہے اور وہی موت و حیات کا مالک ہے جب کوئی چیز موجود نہیں تھی وہ اس وقت بھی موجود تھا جب کوئی نہیں ہو گا تو اس وقت وہ بھی موجود ہو گا وہ اپنی قدرتوں سے ظاہر ہے اور ذات کے حوالے سے پوشیدہ ہے اس نے زمینوں و آسمانوں کو سات دنوں میں پیدا کیا اور پھر اپنے عرش پر استوار ہواوہ سب کچھ جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو نکلتا ہے، جو آسمان کی طرف چڑھتا ہے اور جو اس سے اترتا ہے۔ وہ اپنے اقتدار و اختیار اورعلم کے لحاظ سے ہر وقت انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔

اس کی زمین و آسمان میں بادشاہی ہے اور ہر کسی نے اسی کے حضور حاضر ہونا ہے۔جب ہر چیز اسی کی ملکیت ہے تو اس کے دیئے ہوئے مال سے اس کی راہ میں خرچ کر، جو خرچ کرو گے اس کا بڑا اجر پاؤ گے۔جولوگ ''اللہ'' کی راہ میں خرچ کرتے ہیں انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ بالآخر ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا وعدہ ہے کہ جو کوئی اس کی راہ میں خرچ کرے گا وہ اُسے قرض دے گا۔اللہ تعالیٰ اسے دوگنا تگنا کر کے واپس لوٹائے گا۔ایسے مومنوں کو قیامت کے دن ایسا نور عطاء کیا جائے گا جو ان کے سامنے اور دائیں جانب پھیل رہا ہو گا ملائکہ ان کا استقبال کریں گے اور انہیں جنّت کی مبارک دیں گے، جنّت کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔جنّت میں جانے والوں کے لیے یہ بڑی کامیابی ہو گی۔ ان کے مقابلے میں جو لوگ حقیقی ایمان نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد اور خرچ نہیں کرتے ان کے لیے اندھیرے ہوں گے اور وہ جنّتیوں سے بار بار درخواست کریں گے کہ ٹھہر جاؤ ہم بھی تمھارے نور کی روشنی میں جنّت میں داخل ہو جائیں جنّتی انہیں کہیں گے کہ تم پیچھے پلٹ کر جاؤ اور وہاں سے اپنا نور تلاش کرو وہ پلٹ کر دیکھیں گے تو ان کے اور جنّتیوں کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی۔ جس کے آگے جنّت ہو گی اوراس کے پیچھے جہنّم ہو گی اس طرح انہیں جہنّم میں پھینک دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں یہ بھی ارشادفرمایا ہے کہ اس نے لوہا اور میزان نازل کیا ہے ہر حال میں میزان کا خیال رکھو اور یاد رکھو کے لوہے میں بڑی طاقت ہے اور اس میں لوگوں کے لیے بہت سے فوائد رکھ دیئے گئے ہیں۔لوہے کے ذریعے طاقت حاصل کرو اور اس طاقت کو اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے استعمال کرو۔

رُکُوعُهَا: ٤ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ
اٰيَاتُهَا: ٢٩

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

سَبَّحَ	لِلّٰهِ	مَا	فِي	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ ۚ
تسبیح کرتی ہے	اللہ کی	جو	میں	آسمانوں	اور زمین
وَهُوَ	الْعَزِيْزُ	الْحَكِيْمُ ①			
اور وہ	نہایت غالب ہے	خوب حکمت والا ہے			

”اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو چیز زمین اور آسمانوں میں ہے، وہ زبردست اور خوب حکمت والا ہے۔“(۱)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورۃ الواقعہ کے آخر میں حکم ہوا کہ اپنے عظیم رب کی تسبیح پڑھا کریں۔الحدید کی ابتدا میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ زمین و آسمانوں میں جو کچھ ہے وہ ”اللہ“ کی تسبیح پڑھتے ہیں کیونکہ ”اللہ“ ہر اعتبار سے غالب اور اس کے ہر کام میں حکمت پائی جاتی ہے۔

سورۃ الحدید اُن تین سورتوں میں سے ہے جن کی ابتدا ”سَبَّحَ لِلّٰهِ“ کے پیارے الفاظ سے ہو رہی ہے۔ان پانچ سورتوں کو اہلِ علم مسبّحات کے نام سے یاد کرتے ہیں۔جن میں سورۃ الحدید، الحشر اور الصّف ”سَبَّحَ“ کے لفظ سے، سورۃ الجمعہ اور التغابن ”یُسَبِّحُ“ کے لفظ سے شروع ہوتی ہیں ان الفاظ میں یہ بات بتلائی اور سمجھائی گئی ہے کہ اے انسان جب تیرا وجود نہیں تھا تو اس وقت بھی زمین و آسمان کی ہر چیز اپنے رب کی حمد و ستائش بیان کرتی تھی اور اب بھی کر رہی ہے اور مستقبل میں بھی بیان کرتی رہے گی۔یاد رہے کہ ”سَبَّحَ“ ماضی کے لیے آتا ہے اور ”یُسَبِّحُ“ حال اور مستقبل کا احاطہ کرتا ہے۔زمین و آسمان کی ہر چیز اس بات کا اقرار اور اظہار کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ذرّے ذرّے پر اقتدار اور اختیار رکھتا ہے بے مثال اور لازوال اقتدار اور اختیار رکھنے کے باوجود اس کے ہر کام اور حکم میں حکمت پائی جاتی ہے۔اس فرمان میں پہلا سبق یہ ہے کہ اے انسان! جس دھرتی کے اوپر تیرا بسیرا اور جس آسمان کے نیچے تیرا ڈیرا ہے اور جن فضاؤں میں تو سانس لیتا ہے وہ ماضی، حال اور مستقبل میں اپنے رب کے ثناء خواں ہیں اور رہیں گے۔تجھے چاہیے کہ تو بھی اپنے رب کی حمد و ثناء کرے اور ہر حال میں اپنے آپ پر ”اللہ“ غالب سمجھے۔اس یقین کے ساتھ اس کے حکم کی تعمیل کر کہ جس بات کا اس نے حکم دیا اور جس کام سے اس نے منع کیا ہے۔اس میں میری خیر خواہی پائی جاتی ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا﴾ (الاحزاب: ٤١، ٤٢)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔“

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى أَنَا مَعَ عَبْدِيْ حَيْثُمَا ذَكَرَنِيْ وَتَحَرَّكَتْ

بِيْ شَفَتَاهُ)) (رواه البخاری: کتاب التوحید،باب قول اللّٰہ تعالیٰ لاتحرك به لسانك الخ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں، وہ جہاں بھی میرا ذکر کرے اور جب بھی اس کے ہونٹ میرے ذکر میں حرکت کریں۔''

رسولِ گرامی ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یہ دعا سکھلائی کہ اسے ہر نماز کے بعد پڑھا کرو۔

((أَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ)) (رواہ أبوداؤد: باب فی الإستغفار)

''الٰہی! اپنے ذکر، شکر اور بہترین طریقے سے عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔

((عَنْ اَبِیْ مَالِكِ الْاَشْعَرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيْزَانَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَاٰنِ اَوْ تَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ)) (رواہ مسلم: باب فَضْلِ الْوُضُوءِ)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ذکر کرتے ہیں کہ پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے، "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" میزان کو بھر دیتے ہیں۔ "سُبْحَانَ اللّٰهِ" اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" دونوں کلمے زمین وآسمان کو بھر دیتے ہیں۔

((اَلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيْمَانِ)) (رواہ مسلم: کتاب الإیمان)

''ایمان کے ستر سے کچھ اوپر اجزاء ہیں۔ ان میں افضل ترین لا الہ الا اللہ کا اقرار ہے اور سب سے ادنیٰ تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانا ہے اور حیا بھی ایمان میں شامل ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف ماضی میں بھی ہوتی رہی ہے اور حال اور مستقبل میں بھی ہوتی رہے گی۔

۲۔ زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ کی ثناء خواں ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے غالب ہے اور اس کے ہر کام اور حکم میں حکمت پائی جاتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے:

۱۔ رعد اس کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ (الرعد:۱۲) ۲۔ زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ (الحدید:۱)

۳۔ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں۔ (نبی اسرائیل:۴۴)

۴۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد بیان کرتے ہیں اور مومنوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ (الشوریٰ:۵)

۵۔ مومن ''اللہ'' کی حمد اور تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ (السجدۃ:۱۵)

لَهٗ	مُلْكُ	السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ	يُحْيٖ	وَ	يُمِيْتُ ۚ	وَهُوَ
اسی کے لیے ہے	بادشاہی	آسمانوں اور زمین کی	وہی زندہ کرتا ہے	اور	وہی مارتا ہے	اور وہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	قَدِيْرٌ ②	هُوَ الْاَوَّلُ	وَ الْاٰخِرُ	وَ الظَّاهِرُ
ہر شے پر	قادر ہے	وہی اول	اور آخر	اور ظاہر

وَ الْبَاطِنُ ۚ	وَهُوَ	بِكُلِّ شَيْءٍ	عَلِيْمٌ ③
اور باطن ہے	اور وہی	ہر چیز کو	خوب جاننے والا ہے

’’زمین وآسمانوں کی سلطنت کا وہی مالک ہے، وہی زندگی اور موت دیتا ہے، اور ہر چیز پر اختیار رکھنے والا ہے۔(٢) وہی اوّل ہے اور وہی آخر ہے، اور ظاہر بھی ہے اور پوشیدہ بھی اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔‘‘(٣)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نہ صرف ہر چیز پر غالب ہے بلکہ زمین و آسمان کی ہر چیز اس کی مِلک ہے اور وہ ذرّے ذرّے پر دائمی اور کلّی اختیار اور اقتدار رکھنے والا ہے۔

زمین و آسمان کی ہر چیز زبانِ حال اور قال کے ساتھ اس بات کا اعتراف کرتی ہے کہ ہر چیز کا حقیقی اوردائمی مالک صرف ’’اللہ‘‘ ہے۔ ’’اللہ‘‘ ہی ہر چیز کی بقاء اور فنا پر اختیار رکھنے والا ہے۔ جب تک چاہتا ہے ہر چیز کو زندگی عطا کرتا ہے اور جب چاہتا ہے اسے فنا کے گھاٹ اتار دیتا ہے کیونکہ وہ موت و حیات پر اختیار رکھتا ہے۔ وہ اس وقت موجود تھا جب کچھ نہیں تھا اوراس وقت بھی موجود ہوگا جب کچھ نہیں ہوگا ،وہ اپنی قدرتوں اورنعمتوں کے حوالے سے ہر جگہ ظاہر بھی ہے اور پوشیدہ بھی۔ وہ ظاہر اور باطن کو جانتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز کے ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں کلّی علم رکھتا ہے۔

’’اللہ جانتا ہے جو ہر مادہ اٹھائے ہوئے ہے اور رحم جو کچھ کم کرتے ہیں اور جو زیادہ کرتے ہیں اور اس کے ہاں ہر چیز کا اندازہ مقرر ہے ۔وہ غیب اور ظاہر کو جاننے والا،بہت بڑا اور نہایت بلندو بالا ہے۔برابر ہے تم میں سے جو بات چھپا کر کرے یا اسے اونچی آواز سے کرے اور جو رات کو چھپا ہوا ہے اور جو دن کو ظاہر پھرنے والا ہے۔‘‘(الرعد:٨تا١٠)

﴿وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِاجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ (الملك : ١٣)

’’تم چپکے سے بات کرو یا اونچی آواز سے کرو۔ اللہ کے لیے برابر ہے وہ دلوں کا حال جانتا ہے۔‘‘

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰي

وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر وہ مستوی ہو گیا

عَلَى الْعَرْشِ ۭ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ

عرش پر وہ جانتا ہے جو چیز داخل ہوتی ہے زمین میں اور جو نکلتی ہے

مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ

اس سے اور جو چیز اترتی ہے آسمان سے اور جو چڑھتی ہے اس میں اور وہ

مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ④

تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو اور اللہ اس کو جو تم عمل کرتے ہو دیکھنے والا ہے

”وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور پھر عرش پر جلوہ افروز ہوا، جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ آسمان کی طرف چڑھتا ہے اس کے علم میں ہوتا ہے تم جہاں بھی ہوتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے، جو کچھ تم کرتے ہو اُسے وہ دیکھ رہا ہے۔“(۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو ذات اوّل اور آخر، ظاہر اور باطن اور ہر چیز کا علم رکھتی ہے اسی نے زمین و آسمانوں کو چھ دن میں پیدا کیا ہے۔

”اللہ“ ہی وہ ذات ہے جس نے زمین و آسمانوں کو چھ دن میں پیدا کیا اور پھر عرش پر متمکن ہوا جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ عرش پر متمکن ہونے کا یہ معنٰی نہیں کہ وہ کائنات کے نظام سے لاتعلق ہو چکا ہے ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے، وہ جانتا ہے جو آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اوپر چڑھتا ہے، وہ سمندر سے اٹھنے والے بخارات، بارش کے قطرات، زمین سے اگنے والی نباتات، آسمان سے اترنے والے ملائکہ اور آسمان کی طرف چڑھنے والے ملائکہ، ارواح اور اعمال کو جانتا ہے۔ اے لوگو! تم جہاں کہیں بھی ہوتے ہو اللہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے اور وہ تمہارے ہر کام کو دیکھ رہا ہے، زمین و آسمانوں کی بادشاہی اسی کے لیے ہے اور ہر کام کا فیصلہ اور اس کا انجام اسی کے حضور پیش کیا جاتا ہے، وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ دلوں کے راز جاننے والا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ لوگو! میں ہر آن تمہارے ساتھ ہوتا ہوں اور اس آیت میں یہ بھی ارشاد ہے کہ اس نے زمین و آسمانوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور پھر عرش پر مستوی ہوا۔ اسی بات کو سورۃ طٰہٰ کی آیت ۵ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔ دونوں آیات کو سامنے رکھ کر اس بات کی حقیقی تفسیر یہ

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۵

اسی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تمام امور

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ؕ

وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں

وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۶

اور وہ خوب جانتا ہے راز سینوں کے

وہی زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے اور فیصلے کے لیے تمام معاملات اُسی کی طرف لٹائے جاتے ہیں۔(۵) وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور دلوں کے راز جانتا ہے۔‘‘(٦)

ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے عرشِ معلیٰ پر ہے اور وہ اپنے اقتدار ،اختیار ،علم و آگہی کے اعتبار سے ہر جگہ موجود ہے اور کائنات کے تمام امور کی ابتدا اور انتہا اسی کے حکم پر ہوتی ہے۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمانوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا ۔٢۔اللہ تعالیٰ اپنی شان اورآن کے مطابق عرش پر مستوی ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو زمین و آسمانوں میں داخل ہوتااور جو زمین سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان کی طرف چڑھتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ اپنے اقتدار،اختیار اورعلم و آگہی کے اعتبار سے ہر جگہ موجود ہے۔

۵۔ کائنات کی تمام حرکات و سکنات اس کے حکم کے تابع ہیں۔

٦۔ ’’اللہ‘‘ ہی رات کودن میں اوردن کو رات میں داخل کرتا ہے۔٧۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ اقتدار ، اختیار اورعلم و آگہی کے اعتبار سے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے :

١۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔(البقرۃ:١۵٣)٢۔ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔(التوبہ:٣٦)

٣۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے۔ (النساء :١۴٦)۴۔اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنیوالوں کے ساتھ ہے۔(النحل :١٢٨)

۵۔ اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنیوالوں اورنیکو کاروں کے ساتھ ہے۔(النحل:١٢٨)

٦۔ اللہ آسمانوں وزمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(آل عمران:٢٩)

٧۔ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی اور نکلتی ہے۔(الحدید:۴)

٨۔ تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تمہیں قیامت کے دن جمع فرمائے گا وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(البقرۃ:١۴٨)

٩۔ اللہ تعالیٰ اپنے اقتدار اور اختیار کے اعتبار سے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔(المجادلہ: ٧)

اٰمِنُوْا	بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	وَاَنْفِقُوْا	مِمَّا	جَعَلَكُمْ	مُّسْتَخْلَفِيْنَ
تم ایمان لاؤ	اللہ اور اس کے رسول پر	اور خرچ کرو	اس سے جو	اس نے بنایا ہے تمہیں	جانشین

فِيْهِ	فَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	مِنْكُمْ	وَاَنْفَقُوْا	لَهُمْ	اَجْرٌ	كَبِيْرٌ ۝
اس میں	پھر وہ لوگ جو	ایمان لائے	تم سے	اور انہوں نے خرچ کیا	ان کے لیے	اجر ہے	بہت بڑا

''اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور خرچ کرو اس سے جس پر اس نے تمہیں جانشین بنایا ہے تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں گے اور مال خرچ کریں گے ان کے لیے بڑا اجر ہے۔''(٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام : کائنات کو پیدا کرنے والا اور اس کے نظام کو چلانے والا صرف ''اللہ'' ہے اس لیے انسان کا فرض ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور ان کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور بات سمجھانے اور منوانے کے لیے رسول مبعوث فرمائے۔ سب سے آخر میں نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا اور حکم دیا کہ لوگو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی راہ میں خرچ کرو۔ اسی نے تم کو زمین کا وارث اور مال کا مالک بنایا ہے، تم میں جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ اس آیتِ مبارکہ میں سب لوگوں کو حکم دیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کے راستے میں خرچ کرتے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی تمہیں ایک دوسرے کا وارث اور مال کا مالک بنایا ہے۔ اس میں یہ حقیقت سمجھائی گئی ہے کہ مال ہمیشہ ایک ہاتھ میں نہیں رہتا۔ غور فرمائیں کہ ایک غریب سے لے کر امیر تک اس کی زندگی میں کتنا مال اس کے ہاتھ لگتا ہے اور کتنا اس کے ہاتھوں سے دوسروں تک منتقل ہوتا ہے۔ یہی حقیقت انسان کی ذات کی ہے۔ جس زمین کے کچھ حصے کا آج وہ وارث ہے اور جس سرزمین پر چلتا پھرتا ہے ماضی میں اس کا کوئی اور وارث تھا اور مستقبل میں کوئی دوسرا وارث ہوگا۔ اس لیے بہتر ہے کہ انسان اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور حسبِ استعداد اللہ کی راہ میں خرچ کرتا رہے۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر سچا اور پکا ایمان لائیں گے اور اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے اللہ تعالیٰ نہیں اجرِ عظیم سے ہمکنار کرے گا۔

((عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يَقْرَأُ ﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ قَالَ يَقُولُ ابْنُ آدَمَ مَالِي مَالِي قَالَ وَهَلْ لَكَ يَا ابْنَ آدَمَ مِنْ مَالِكَ إِلَّا مَا أَكَلْتَ فَأَفْنَيْتَ أَوْ لَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ أَوْ تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَيْتَ)) (رواہ مسلم : باب الزھد والرقائق)

''حضرت مطرّف اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے سورۃ التکاثر کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ ابن آدم کہتا ہے میرا مال، میرا مال، پھر فرمایا اے انسان! تیرا

کوئی مال نہیں مگر جو تو نے کھا لیا وہ ختم ہو، جو تو نے پہن لیا اس کو بوسیدہ کر لیا اور جو تو نے صدقہ کیا اس کا اجر تیرے لیے جاری ہو گیا۔“

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَّلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا الطَّيِّبَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهَا كَمَا يُرَبِّيْ اَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ))(رواہ البخاری : کتاب الزکاۃ باب الصدقة من کسب طیب)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ صرف حلال چیزوں سے صدقہ قبول فرماتا ہے تو اللہ اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیتے ہوئے شرف قبولیت بخشتا ہے۔ پھر اس کو اس طرح بڑھاتا ہے جس طرح تم اپنے بچھڑے کی پرورش کر کے اسے بڑا کرتے ہو۔ یہاں تک کہ ایک کھجور کا ثواب پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ کا حکم ہے کہ لوگو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ! ۲۔ازل تا ابد انسان ایک دوسرے کے وارث بنتے رہیں گے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا ایمانداروں کو حکم ہے کہ وہ اس کی راہ میں خرچ کرتے رہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں خرچ کرنے والوں کو بڑا اجر عطا فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

انفاق فی سبیل اللہ کا حکم اور اس کا اجر:

۱۔ وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کس طرح مال خرچ کریں؟ فرمائیں کہ جو مال خرچ کرنا چاہو وہ والدین، قریبی رشتہ داروں، یتیم، مساکین اور مسافروں پر خرچ کرو۔ (البقرۃ: ۲۱۵)

۲۔ اللہ کے لیے خرچ کرنے والے کو کوئی خوف نہیں۔ (البقرۃ: ۲۶۲)

۳۔ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنے والوں کی مثال سدا بہار باغ جیسی ہے۔ (البقرۃ: ۲۶۵)

۴۔ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنے والے کو پورا پورا اجر ملے گا۔ (البقرۃ: ۲۷۲)

۵۔ اللہ کی رضا کے لیے کیے گئے کام کا بڑا اجر ہے۔ (النساء: ۱۱۴)

۶۔ مخلص، مخیرّ حضرات لوگوں کے شکریہ اور جزا سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ (الدھر: ۹)

۷۔ صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کو قرض دینا ہے۔ (الحدید: ۱۱) ۸۔ اللہ تعالیٰ اسے دگنا تگنا کر کے واپس کرے گا۔ (التغابن: ۱۷)

۹۔ اللہ سات سو گنا تک بڑھا دیتا ہے۔ (البقرۃ: ۲۶۱) ۱۰۔ اللہ کے ہاں اضافے کی کوئی حد نہیں ہے۔ (البقرۃ: ۲۶۱)

وَ	مَا	لَكُمْ	لَا	تُؤْمِنُوْنَ	بِاللّٰهِ ۚ	وَالرَّسُوْلُ
اور	کیا ہے	تمہیں	کہ نہیں	تم ایمان لاتے	اللہ پر	جبکہ رسول
يَدْعُوْكُمْ	لِتُؤْمِنُوْا	بِرَبِّكُمْ	وَقَدْ	اَخَذَ	مِيْثَاقَكُمْ	
تمہیں بلاتا ہے	تاکہ تم ایمان لاؤ	اپنے رب پر	اور تحقیق	وہ لے چکا ہے	پختہ وعدہ تم سے	
اِنْ	كُنْتُمْ	مُّؤْمِنِيْنَ ۝				
اگر	تم ہو	ایمان لانے والے				

''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تمہیں اپنے رب پر ایمان لانے کی طرف بُلا رہا ہے اور وہ تم سے عہد لے چکا ہے اگر تم ماننے والے ہو۔'' (۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: گزشتہ سے پیوستہ۔

اللہ تعالیٰ کا تمام لوگوں کو حکم ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں لیکن لوگوں کی غالب اکثریت کی یہ حالت رہی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کی بجائے انکار اور تکذیب کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے؟ حالانکہ رسول تمہیں بار بار اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے، تمہارے لیے ایمان لانا اس لیے بھی لازم ہے کہ تم ''اللہ'' سے عہد کر چکے ہو۔اس سے پہلی آیت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس آیت میں یوں ارشاد ہوا کہ آخر تم اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ حالانکہ رسول تمہیں اس پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے۔پہلی آیت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا حکم تھا۔اس آیت میں صرف اللہ پر ایمان لانے کا ارشاد ہوا ہے جو تمہارا رب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان اور اسلام میں پہلی اور مرکزی بات اللہ پر ایمان لانا اور اس کے تقاضے پورے کرنا ہے۔جن میں سب سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ ''اللہ'' پر اس طرح ایمان لایا جائے جس طرح اس کے رسول نے بتلایا اور عمل کر کے دکھلایا ہے۔اس لیے قرآن مجید کے کئی مقامات پر صرف اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے جس میں ایمان کے تمام اجزا شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر اس لیے ایمان لانا ہے کیونکہ اس نے انبیائے کرام علیہم السلام اور عوام الناس سے عہد لے رکھا ہے جس کی یاددہانی یہ کہہ کر کروائی گئی کہ اگر تم اس عہد کو مانتے ہو تو پھر اپنے رب پر ایمان لاؤ۔آیت کے پہلے حصہ میں اللہ پر ایمان لانے کا حکم ہے اور اس کے بعد رب پر ایمان لانے کا ارشاد ہوا ہے۔لفظِ اللہ کی بجائے رب کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ اگر انسان کو حقیقی علم اور یقین حاصل ہو جائے کہ اللہ کا دوسرا اعظیم نام ''رب'' ہے اور وہی میرا خالق، مالک، رازق اور بادشاہ ہے اس کے بعد انسان اپنے ''اللہ''

کے ساتھ کبھی کفر وشرک نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی ایمان قابلِ قبول ہے جو اُس کے رسول نے بتلایا۔

﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ﴾(الاعراف : ۱۷۲)

''اور جب آپ کے رب نے آدم کے بیٹوں سے ان کی پشتوں میں سے ان کی اولاد کو نکالا اور انہیں خود ان کی جانوں پر گواہ بنایا۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں ہم گواہی دیتے ہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن کہو بے شک ہم اس سے غافل تھے۔''

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَّا قَالَ لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَّا أَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ)) (مسند احمد ، ۳۱ : مسند انس بن مالک،هذا حدیث حسن صحیح)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جب کبھی بھی خطبہ ارشاد فرمایا تو یہ الفاظ ضرور ادا فرمائے کہ اُس کا ایمان نہیں جو امانت دار نہیں اور اُس کا دین نہیں جو وعدے کا پاسدار نہیں۔''

((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ عِنْدَ اِسْتِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرْفَعُ لَهٗ بِقَدَرِ غَدْرِهٖ اَلَا وَلَا غَادِرَ اَعْظَمُ غَدْرًا مِنْ اَمِیْرِ عَامَّةٍ)) (رواه مسلم: باب تحريم الغدر)

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ہر عہد شکن انسان کی مقعد کے نزدیک جھنڈا ہوگا۔ ایک روایت میں ہے ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن جھنڈا ہوگا، جو اس کی عہد شکنی کے بقدر بلند کیا جائے گا۔ خبردار! سربراہِ مملکت سے بڑھ کر کسی کی عہد شکنی نہیں ہوتی۔''

مسائل

۱۔ لوگوں کو ہر صورت اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا چاہیے۔

۲۔ وعدے کا پورہ کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

تفسیر بالقرآن

ایمان کی مبادیات:

۱۔ غیب پر ایمان لانا، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا۔ (البقرۃ:۳)

۲۔ پہلی کتابوں پر مجموعی طور پر اور قرآن مجید پر کلی طور پر ایمان لانا۔ (البقرۃ:۴)

۳۔ اللہ، ملائکہ، اللہ کی کتابوں، اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا۔ (البقرۃ: ۲۸۵)

۴۔ صحابہ کرام جیسا ایمان لانا فرض ہے۔ (البقرۃ: ۱۳۷)

لِيُخْرِجَكُمْ	بَيِّنٰتٍ	اٰيٰتٍۢ	عَلٰى عَبْدِهٖٓ	يُنَزِّلُ	هُوَ الَّذِيْ
تاکہ وہ تمہیں نکالے	واضح	آیات	اپنے بندے پر	نازل کرتا ہے	وہی ہے جو
بِكُمْ	اللّٰهَ	اِنَّ	وَ	اِلَى النُّوْرِ	مِّنَ الظُّلُمٰتِ
تم پر	اللہ	بلاشبہ	اور	اجالے کی طرف	اندھیروں سے
	رَّحِيْمٌ ۝		لَرَءُوْفٌ		
	خوب رحم کرنے والا ہے		یقیناً نہایت شفقت کرنے والا		

''وہی اللہ ہے جو اپنے بندے (محمد ﷺ) پر واضح آیات نازل کرتا ہے تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئے، اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تم پر بہت شفقت کرنے والا اور بڑا رحم فرمانے والا ہے۔'' (۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور رسول پر ایمان لانے کی دعوت قرآن مجید کے ذریعے دی ہے اس لیے مختصر طور پر قرآن مجید کا تعارف اور اس کے فوائد کا ذکر کیا گیا ہے۔

جس اللہ نے اپنی ذات پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے اسی نے اپنے بندے حضرت محمد ﷺ پر قرآن مجید نازل کیا ہے جس کے فرمان بڑے واضح اور اس کے احکام ٹھوس دلائل پر مبنی ہیں۔ نبی ﷺ پر قرآن اس لیے نازل کیا گیا تاکہ آپ لوگوں کو ہر قسم کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان اور قرآن کی روشنی میں لے آئے اے لوگو! یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ نہایت شفقت کرنے اور بڑی مہربانی فرمانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے ماضی، حال اور مستقبل کو جانتا ہے لہٰذا یہ بات اس کے علم میں ہے کہ لوگ بہانہ بنائیں گے کہ بندہ رسول نہیں ہوسکتا۔ اس لیے قرآن مجید میں کئی بار واضح کیا ہے کہ اس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا ہے۔ قرآن مجید کے نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو ہر قسم کی ظلمات سے نکال کر کتاب اللہ کی روشنی میں چلنے کی تلقین کی جائے۔

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۲۵۷)

''اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور کفار کے ساتھی شیاطین ہیں وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ جہنمی ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

﴿الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ

الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ (ابراهيم : ١)

”الر۔ایک کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے،تا کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لائیں ،ان کے رب کے حکم سے اوراس کے راستے کی طرف جوسب پر غالب ،،بہت تعریف والا ہے۔“

رستم کے سامنے حضرت ربعی رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

یہی وہ دعوت ہے جس کی وضاحت ایران کی سرزمین پر ایرانی کمانڈر رُستم کے سامنے مسلمانوں کے نمائندے حضرت ربعی رضی اللہ عنہ نے کی تھی رُستم نے اپنا نمائندہ بھیجا اور کہا کہ تم ہماری سرزمین پر کس لیے وارد ہوئے ہو، اگر تمہیں مال چاہیے تو میں سپاہی سے لے کر تمہارے جرنیل تک سب کو تمہاری حسب منشاء مال دے کر راضی کرتا ہوں لیکن مسلمانوں کے نمائندے حضرت ربیع رضی اللہ عنہ نے جس شان بے نیازی سے اس کا جواب دیا وہ تاریخ کا ایک تحفہ ہے۔جناب ربیع رضی اللہ عنہ نہایت ہی سادہ لباس میں ملبوس ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے ایرانی قالینوں پر چلتے ہوئے رستم کے برابر بیٹھ جاتے ہیں۔ایرانیوں کے لیے یہ پہلا موقع تھا کہ کسی عام آدمی کو اپنے سردار کے برابر بیٹھا ہوا دیکھیں وہ دانت پیس کر رہ گئے ۔مذاکرات کے دوران رستم کے ایک سوال کے جواب میں حضرت ربیع رضی اللہ عنہ نے اپنی آمد اور جماعت کا مقصد بیان کیا۔

((إِنَّا قَدْ أُرْسِلْنَا لِنُخْرِجَ النَّاسَ مِنْ ظُلُمَتِ الْجِهَالَةِ إِلٰى نُوْرِ الْايْمَانِ وَمِنْ جَوْرِ الْمُلُوْكِ إِلٰى عَدْلِ الْإِسْلَامِ)) (البدايه والنهاية)

”ہمیں اس لیے بھیجا گیا ہے کہ لوگوں کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لا کھڑا کریں۔ ہمارے آنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ عوام کو بادشاہوں کے جوروستم سے نکال کر اسلام کے عادلانہ نظام میں زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم کریں۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل کیا جس کے احکام اور فرمان بالکل واضح ہیں۔

٢۔ قرآن مجید نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے لوگوں کو ہر قسم کی ظلمات سے نکال کر ایمان اور قرآن مجید کی روشنی میں لاکھڑا کیا جائے ۔ ٣۔بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ شفقت کرنے والا اور مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور انسان تھے :

١۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتراف کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔(الکھف :١١٠،حم السجدۃ: ٦)

٢۔ ہم نے آپ سے پہلے جتنے نبی بھیجے وہ بشر تھے ۔ (النحل:٤٣)

٣۔ ہم نے آدمیوں کی طرف وحی کی ۔ (یوسف: ١٠٩) ٤۔کسی بشر کو ہمیشگی نہیں ہے ۔ (الانبیاء :٣٤)

وَمَا	لَكُمْ	اَلَّا	تُنْفِقُوْا	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	وَلِلّٰهِ	مِيْرَاثُ
اور کیا ہے	تمہیں	کہ نہیں	تم خرچ کرتے	اللہ کی راہ میں	جب کہ اللہ ہی کے لیے ہے	میراث
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ	لَا يَسْتَوِيْ	مِنْكُمْ	مَّنْ	اَنْفَقَ	مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ	
آسمانوں اور زمین کی	نہیں برابر	تم سے	وہ جس نے	خرچ کیا	فتح سے پہلے	
وَقٰتَلَ ؕ	اُولٰٓئِكَ	اَعْظَمُ	دَرَجَةً	مِّنَ الَّذِيْنَ	اَنْفَقُوْا	مِنْ بَعْدُ
اور لڑائی کی	یہ لوگ	زیادہ عظیم ہیں	درجے میں	ان سے جنہوں نے	خرچ کیا	اس کے بعد
وَقٰتَلُوْا ؕ	وَكُلًّا	وَّعَدَ	اللّٰهُ	الْحُسْنٰى ؕ	وَاللّٰهُ	
اور لڑائی کی	اور ہر ایک سے	وعدہ کیا ہے	اللہ نے	نیک جزا کا	اور اللہ	
بِمَا	تَعْمَلُوْنَ	خَبِيْرٌ ⑩				
ساتھ اس کے جو	تم عمل کرتے ہو	خوب خبردار ہے				

”آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے، تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے وہ اُن لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہے، اُن کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بہت بڑا ہے۔ اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔“ (۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قرآن مجید کی بنیادی تعلیمات کا یہ اہم اصول ہے کہ لوگوں کو عُسر، یُسر میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہنا چاہیے۔ جو لوگ تنگی کے وقت خرچ کرتے ہیں وہ خوشحالی میں خرچ کرنے والوں سے بہتر ہوتے ہیں۔

قرآن مجید کی ابتدا میں ارشاد ہوا کہ ”الٓمّٓ“ یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں یہ برائی سے بچنے والوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے اس سے ہدایت پانے والے لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں گویا کہ یہ ایمانیات کا بنیادی جُز ہے کہ انسان زکوٰۃ کے علاوہ بھی حسبِ استعداد اللہ کے راستے میں خرچ کرتا رہے۔ یہاں خرچ کرنے سے مراد جہاد فی سبیل اللہ کے لیے خرچ کرنا ہے۔ قرآن مجید اکثر مقامات پر جہاد بالنفس کی بجائے جہاد بالمال کا پہلے ذکر کرتا ہے جس کے دو سبب ہیں۔ پہلا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں بخل ختم کرنا چاہتا ہے کیونکہ بخیل آدمی ہر چیز سے زیادہ مال سے محبت کرتا ہے، جو لوگ مال سے زیادہ محبت کرتے ہیں وہ لڑنے سے کترایا کرتے ہیں دوسرا

سبب واضح ہے کہ ہر مجاہد اپنے پاس مال نہیں رکھتا اور مال کے بغیر جہاد جاری نہیں رہ سکتا ۔ کیونکہ مجاہد کو کھانے پینے کے ساتھ سواری اور اسلحہ کی ضرورت ہوتی ہے جن کا حصول مال کے بغیر ممکن نہیں مسلمانوں کو بخل سے بچانے کے لیے حکم ہوا ہے کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ؟

سوچو اور غور کرو کہ زمین و آسمانوں کی میراثِ حقیقی اور دائمی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، تمہیں تو ایک محدود حد کے اندر وارث بنایا گیا ہے ۔ یاد رکھو کہ جس نے الفتح سے پہلے انفاق اور قتال فی سبیل اللہ میں حصہ لیا وہ اس کے بعد انفاق اور قتال فی سبیل اللہ کرنے والوں سے کردار اور درجے میں اعلیٰ ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کے ساتھ اجر وثواب کا وعدہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے باخبر ہوتا ہے ۔ الفتح کے بارے میں اہلِ علم نے تین مؤقف اختیار کیے ہیں ۔(۱)۔ الفتح سے مراد مکہ کی فتح ہے۔(۲)۔ الفتح سے مراد صلح حُدیبیہ سے پہلے کے غزوات ہیں ۔۳۔ الفتح سے مراد غزوہ تبوک ہے ۔

انفاق اور قتال فی سبیل اللہ کے ادوار کی تقسیم کے باوجود تمام صحابہ بعد میں آنے والے مسلمانوں سے انفاق اور کردار کے اعتبار سے افضل ہیں اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ پوری امت سے افضل اور اعلیٰ ہیں ۔

((عن عِمْرَانَ بْن حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم خَيْرُكُمْ قَرْنِيْ ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ)) (رواه البخاری: باب لَا يَشْهَدُ عَلَى شَهَادَةِ جَوْرٍ إِذَا أُشْهِدَ)

”حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے بہتر میرا زمانہ ہے ، پھر ان کے بعد والوں کا اور پھر ان کے بعد کے لوگوں کا ۔“

((عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ ن الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْاَنَّ اَحَدَكُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَّا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهٗ۔))

(رواہ البخاری : باب مناقب ابی بکر)

”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب رضی اللہ عنہم کو برا نہ کہو۔ کیونکہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مد(نصف کلوگرام تقریبا) اور آدھے مد (چوتھائی کلوگرام) کو بھی نہیں پہنچ سکتا ۔“

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَّلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا الطَّيِّبَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهَا كَمَا يُرَبِّيْ اَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ)) (رواه البخاری : کتاب الزکاة باب الصدقة من کسب طیب)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ صرف حلال چیزوں سے صدقہ قبول فرماتا ہے ۔اللہ اسے اپنے

دائیں ہاتھ میں لیتے ہوئے شرف قبولیت بخشتے ہیں۔پھراس کو اس طرح بڑھاتے ہیں جیسا کہ تم اپنے بچھڑے کی پرورش کرکے اسے بڑا کرتے ہو۔یہاں تک کہ ایک کھجور کا ثواب پہاڑ کے برابر ہوجاتا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ)) (رواه البخاری : باب إتقوا النار ولوبشق تمرة)

”لوگو آگ سے بچو! اگرچہ تمہیں کھجور کا ایک ٹکڑا ہی صدقہ کرنا پڑے۔“

((عَنْ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ)) (رواه البخاری : باب لَا صَدَقَةَ إِلَّا عَنْ ظَهْرِ غِنًى)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جو اپنی ضروریات پوری کر کے دیا جائے اور خرچ کرنے میں اپنے اہل وعیال سے آغاز کرنا چاہیے۔“

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو ہر حال میں انفاق فی سبیل اللہ کرتے رہنا چاہیے۔

۲۔ قتال فی سبیل اللہ کے لیے خرچ کرنا فرض ہے۔۳۔زمین وآسمان کی میراث کا حقیقی اوردائمی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

۴۔ مشکل حالات میں صدقہ کرنا زیادہ ثواب رکھتا ہے۔۵۔ اللہ تعالیٰ سب کے اعمال سے باخبر رہتا ہے۔

۶۔ مشکل حالات میں انفاق اورقتال فی سبیل اللہ کرنے والے صحابہ بعد کے صحابہ سے افضل ہیں۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں سے اجروثواب کا وعدہ کیا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انفاق فی سبیل اللہ کا حکم اوراس کا اجر:

۱۔ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنے والوں کی مثال سدا بہار باغ جیسی ہے۔(البقرۃ:۲۶۵)

۲۔ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنے والے کو پورا پورا اجر ملے گا۔(البقرۃ:۲۷۲)

۳۔ اللہ کی رضا کے لیے کیے گئے کام کا بڑا اجر ہے۔(النساء:۱۱۴)

۴۔ اللہ کی رضا کے چاہنے والوں کا انجام بہترین ہوگا۔(الرعد:۲۲)

۵۔ مخلص ،مخیّر حضرات لوگوں کے شکریہ اورجزا سے بے نیاز ہوتے ہیں۔(الدھر:۹)

۶۔ جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے زیادہ دے گا۔(سبا:۳۹)

۷۔ مسلمان تنگدستی اور خوشحالی میں خرچ کرتے ہیں۔(آل عمران:۱۳۴)

۸۔ مسلمان کواس کے دیئے ہوئے صدقہ پرسات سو گنا ثواب دیا جائے گا۔(البقرۃ:۲۶۱)

مَنْ ذَا	الَّذِیْ	یُقْرِضُ اللّٰهَ	قَرْضًا حَسَنًا	فَیُضٰعِفَهٗ	لَهٗ
کون ہے وہ	جو	اللہ کوقرض دے	قرضِ حسنہ	پھر وہ بڑھادے اسے	اس کے لیے
وَلَهٗۤ		اَجْرٌ كَرِیْمٌ ⑪			
اور اس کے لیے		عمدہ اجر ہے			

''کون ہے جو''اللہ'' کو قرضِ حسنہ دے؟ تا کہ اللہ اس کے لیے اسے کئی گنا بڑھائے اور اس کے لیے بہترین اجر ہے۔''(۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مال کی حیثیت بتلانے کے بعد اسے'' اللہ'' کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم۔

پہلے حکم فرمایا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو کیونکہ تم اس کے دائمی مالک نہیں ہو بلکہ اپنے سے پہلے لوگوں کے وارث ہو ۔جس طرح تم پہلے لوگوں کے وارث بنے ہو اسی طرح تمہارے بعد آنے والے تمہارے وارث ہوں گے ۔پھر ارشادفرمایا کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ تم اس کے حقیقی وارث نہیں ہو۔حقیقی اور دائمی وارث تو صرف اللہ تعالیٰ ہے ۔اس کے بعد فرمایا کہ جن لوگوں نے الفتح سے پہلے خرچ کیا وہ بعد میں خرچ کرنے والوں سے بہتر ہیں ۔اب چوتھا ارشاد ہوا کہ کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے ؟ جو''اللہ'' کو قرضِ حسنہ دے گا ''اللہ'' اسے کئی گنا اضافے کے ساتھ واپس کرے گا اور اسے بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بخل سے بچانے کے لیے قرآن مجید میں کئی مقامات پر صدقہ کرنے کو اپنے لیے قرضِ حسنہ قرار دیا ہے۔ انسان کی فطری کمزوری ہے کہ وہ مال وہاں خرچ کرتا ہے جہاں اسے فائدہ نظر آتا ہے ۔ انسانی کمزوری کو سامنے رکھتے ہوئے اور اپنی فیاضی کا اظہار کرتے ہوئے ارشادفرمایا کہ کون ہے جو اپنے رب کو قرضِ حسنہ دے۔

غور فرمائیں ! کہ''اللہ'' ہی انسان کو سب کچھ عطا کرنے والا ہے اور پھر وہی انسان سے قرض مانگتا ہے اپنے لیے نہیں بلکہ غریبوں، یتیموں، بیوگان اور جہاد کرنے والوں کے لیے۔اس کی کرم نوازی کی انتہا دیکھیں کہ وہ محتاجوں کے ساتھ تعاون کی ترغیب دیتا ہے تو اسے اپنی ذات کے لیے قرض قرار دیتا ہے ۔لیکن اس کے باوجود محتاج لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ نہ کفر وشرک چھوڑتے ہیں اور نہ ہی اس کے حضور جھکنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔صدقہ کرنے والے کے لیے ارشادفرمایا کہ اس کے لیے اجرِ کریم ہے۔ اجرِ کریم سے مراد دنیا میں مال کی برکت اور آخرت میں جنّت کی نعمتیں ہیں ۔

﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَ اللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ﴾ (البقرۃ: ۲۶۱)

''جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے

سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا، خوب جاننے والا ہے۔‘‘

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ وَّمَازَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا وَّمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ)) (رواہ مسلم: کتاب البر والصلة والآداب)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا اور کسی بھائی کو معاف کرنے سے اللہ معاف کرنے والے کو مزید عزت بخشتا ہے۔ جو کوئی اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سر بلند فرماتا ہے۔‘‘

’’حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آیت ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ نازل ہوئی تو ابودحداح نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ ہم سے قرض کا مطالبہ کرتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! اے ابوالدحداح۔ ابودحداح نے کہا کہ میں نے اپنے رب کو وہ باغ قرض دیا جس میں کھجوروں کے چھ سو درخت ہیں۔ پھر وہ اپنے باغ میں آئے اور اس میں امِ دحداح اپنے بچوں سمیت بیٹھی ہوئی تھی۔ ابودحداح نے اسے آواز دی تو اس نے ہاں میں جواب دیا۔ ابودحداح نے کہا یہاں سے نکل جاؤ! بے شک میں نے یہ باغ اپنے رب کو قرض دے دیا ہے۔‘‘

(مسند البزار: جلد ۱، ص، ۳۲۱، قال البانی صحیح)

مسائل

۱۔ جہاد فی سبیل اللہ اور محتاجوں پر خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کے مترادف ہے۔
۲۔ قرض دینے والے کو اللہ تعالیٰ کئی گنا اضافے کے ساتھ واپس کرے گا۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں صدقہ کرنے والے کے لیے اجرِ کریم ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے قرض مانگتا ہے:

۱۔ اللہ کو قرضِ حسنہ دینے کا حکم۔ (المزمل: ۲۰) ۲۔ صدقہ صرف اللہ کی رضا کے لیے دینا چاہیے۔ (البقرۃ: ۲۶۵)
۳۔ صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کو قرض دینا ہے۔ (الحدید: ۱۱) ۴۔ اللہ اسے بڑھا کر واپس کرے گا۔ (الحدید: ۱۱)
۵۔ اللہ تعالیٰ اسے دگنا تگنا کر کے واپس کرے گا۔ (التغابن: ۱۷)
۶۔ اللہ اسے سات سو گناہ سے بھی زیادہ بڑھائے گا۔ (البقرۃ: ۲۶۱)

يَوْمَ	تَرَى	الْمُؤْمِنِيْنَ	وَ	الْمُؤْمِنٰتِ	يَسْعٰى	نُوْرُهُمْ
جس دن	آپ دیکھیں گے	ایمان والوں	اور	ایمان والی عورتوں کو	دوڑتا ہو گا	ان کا نور

بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ	وَبِاَيْمَانِهِمْ	بُشْرٰىكُمُ	الْيَوْمَ	جَنّٰتٌ	تَجْرِيْ
ان کے آگے	اور ان کے دائیں	خوشخبری ہے تمہیں	آج کے دن	باغات کی	کہ چلتی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا	الْاَنْهٰرُ	خٰلِدِيْنَ	فِيْهَا	ذٰلِكَ هُوَ	الْفَوْزُ	الْعَظِيْمُ ۝۱۲
ان کے نیچے سے	نہریں	وہ ہمیشہ رہیں گے	ان میں	یہی	کامیابی ہے	بہت بڑی

”جس دن تم مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھو گے کہ اُن کا نور اُن کے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہو گا ان سے کہا جائے گا کہ آج تمہارے لیے جنّت کی خوشخبری ہے ۔جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“(۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے ،انفاق فی سبیل اللہ کرنے اورقتال فی سبیل اللہ میں شامل ہونے والوں کے لیے روشن مستقبل کی نوید۔

قیامت کے دن جب جنّتیوں اور جہنّمیوں کے درمیان فیصلہ ہوجائے گا تو اللہ تعالیٰ جنّتیوں کو جنّت میں داخل ہونے کی اجازت عطا فرمائیں گے۔ جب مومن اورمومنات جنّت میں جانے لگیں گے تو اس سے پہلے ایک ایسامرحلہ آئے گا جس وقت کوئی چیز دکھائی اور سُجھائی نہیں دے گی۔ جنّتی جونہی جنّت کی طرف رواں دواں ہوں گے تواللہ تعالیٰ ان کے سامنے اوردائیں طرف ہر چیز روشن فرمادیں گے ہر جنّتی اپنے اعمال کے مطابق جنّت کے راستہ کومنور پائے گا، جونہی جنّتی جنّت کے دروازوں کے قریب جائیں گے توملائکہ انہیں سلام کرتے ہوئے خوش آمدید کہیں گے ۔اس کے ساتھ ہی ان کے لیے جنّت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اورہر جنّتی اپنے مقام اور اعمال کے مطابق جنّت کے مخصوص دروازے سے داخل ہوکر اپنے مقام پر پہنچ جائے گا،جنّت میں نہریں اور آبشاریں جاری ہوں گی اس جنّت میں جنّتی ہمیشہ رہیں گے اور یہ سب سے بڑی کامیابی ہوگی۔

”اے ایمان والو! اللہ سے توبہ کرو، خالص توبہ، ہوسکتا ہے کہ اللہ تمہاری برائیاں دور کر دے اورتمہیں ایسی جنّتوں میں داخل فرما دے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی یہ وہ دن ہو گا جب اللہ اپنے نبی کو اور ان لوگوں کو جواس پر ایمان لائے ہیں ذلیل نہیں کرے گا۔ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہو گا اور وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہمارا نور ہمارے لیے مکمل کر دے اور ہماری بخشش فرما تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“(التحریم:۸)

((عَنْ نُعَيْمٍ الْمُجْمِرِ قَالَ رَقِيتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَلَى ظَهْرِ الْمَسْجِدِ ، فَتَوَضَّأَ فَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ ، فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ)) (رواه البخاری : باب فَضْلِ الْوُضُوءِ)

’’حضرت نعیم مجمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی چھت پر چڑھا۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے وضو کیا پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کو قیامت کے دن جب بلایا جائے گا تو وضو کرنے کی وجہ سے ان کے پانچ کلیان یعنی ہاتھ پاؤں اور چہرے چمکتے ہوں گے ۔ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سے جو اپنی چمک کو زیادہ کرنے کی طاقت رکھتا اسے ایسا کرنا چاہیے ۔‘‘

((اللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَفِي بَصَرِي نُورًا وَفِي سَمْعِي نُورًا وَعَنْ يَمِينِي نُورًا وَعَنْ يَسَارِي نُورًا وَفَوْقِي نُورًا وَتَحْتِي نُورًا وَأَمَامِي نُورًا وَخَلْفِي نُورًا وَاجْعَلْ لِّي نُورًا)) (رواه البخاری، کتاب الدعوات ، باب الدعا اذا انتبده باليل)

’’اے اللہ میرے دل میں نور پیدا فرمادے میری نگاہ میں بھی نور ،میرے کانوں میں بھی نور ،میرے دائیں بھی نور ،میرے بائیں بھی نور ، میرے اوپر بھی نور ، میرے نیچے بھی نور ،میرے آگے بھی نور ، میرے پیچھے بھی نور ، اور میرے لیے نور ہی نور فرما دے۔‘‘

مسائل

۱۔ قیامت کے دن ہر ایماندار مومن اور مومنہ اپنے ایمان کے مطابق روشنی پائیں گے۔
۲۔ جس کو جنّت میں داخلہ نصیب ہوا وہ کامیاب ٹھہرے گا۔

تفسیر بالقرآن

بڑی کامیابی پانے والے لوگ:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں ، مومنات سے ہمیشہ کی جنّت اور اپنی رضا مندی کا وعدہ فرمایا ہے یہ بڑی کامیابی ہے۔(التوبہ: ۷۲، ۸۹، ۱۰۰)
۲۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے جنّت کے بدلے ان کے مال و جان خرید لیے ہیں ، یہ بڑی کامیابی ہے ۔ (التوبہ: ۱۱۱)
۳۔ اے اللہ نیک لوگوں کو برائی سے بچا جو برائی سے بچ گیا اس پر تیرا رحم ہوا یہ بڑی کامیابی ہے ۔ (المومن: ۹)
۴۔ مومنوں کا جہنّم کے عذاب سے بچنا اللہ کے فضل سے ہو گا اور یہی کامیابی ہے ۔ (الدخان: ۵۷)
۵۔ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا ،یہ کھلی کامیابی ہے ۔ (الجاثیہ: ۳۰)
۶۔ مومنوں کے لیے ہمیشہ کی جنّت ہے جس میں پاک صاف مکان ہوں گے ، یہ بڑی کامیابی ہے ۔ (الصّف: ۱۲)

يَوْمَ	يَقُوْلُ	الْمُنٰفِقُوْنَ	وَالْمُنٰفِقٰتُ	لِلَّذِيْنَ	اٰمَنُوا	انْظُرُوْنَا
جس دن	کہیں گے	منافق مرد	اور منافق عورتیں	ان لوگوں سے جو	ایمان لائے	تم دیکھو ہماری طرف
نَقْتَبِسْ	مِنْ نُّوْرِكُمْ ج	قِيْلَ	ارْجِعُوْا	وَرَآءَكُمْ	فَالْتَمِسُوْا	
ہم بھی حاصل کرلیں	تمہارے نور سے	کہا جائے گا	تم لوٹ جاؤ	اپنے پیچھے کی طرف	پس تلاش کرو	
نُوْرًا ط	فَضُرِبَ	بَيْنَهُمْ	بِسُوْرٍ لَّهٗ	بَابٌ ط	بَاطِنُهٗ	فِيْهِ
نور	تب حائل کر دی جائے گی	ان کے درمیان	دیوار اس کا	ایک دروازہ ہوگا	اس کے اندر	اس میں
الرَّحْمَةُ	وَظَاهِرُهٗ	مِنْ قِبَلِهِ	الْعَذَابُ ﴿١٣﴾			
رحمت ہوگی	اور اس کے باہر	اس کی طرف	عذاب ہوگا			

”اس دن منافق مردوں اور منافق عورتوں کا یہ حال ہو گا کہ وہ مومنوں سے کہیں گے ذرا ہماری طرف دیکھو تاکہ ہم تمہارے نور سے کچھ فائدہ اٹھائیں، مگر ان سے کہا جائے گا اپنا نور پیچھے جا کر تلاش کرو، پھر ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی، جس میں ایک دروازہ ہوگا اس دروازے کے اندر رحمت ہوگی اور اس کے باہر عذاب ہوگا۔“(١٣)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقین کا جنّتیوں سے الگ کیا جانا اوران کا انجام۔

اس سے پہلی آیت کی تفسیر میں یہ حدیث مبارکہ نقل کی ہے کہ جولوگ نماز کا اہتمام کرتے ہیں قیامت کے دن ان کے ہاتھ پاؤں اور چہرے چمک رہے ہوں گے۔ حدیثِ رسول ﷺ سے معلوم ہوتاہے کہ قیامت کے دن ایک مرحلہ تک منافقین کے چہرے بھی روشن ہوں گے اور جس طرح منافقین دنیا میں مومنوں کے ساتھ ملے جُلے رہتے تھے اسی طرح ہی کچھ مراحل میں قیامت کے دن بھی منافق مومنوں کے ساتھ جُڑے رہیں گے جب مومنوں کو جنّت میں داخل ہونے کا حکم ہوگا اور جنّتی قافلوں کی صورت میں جنّت کی طرف جارہے ہوں گے۔ تو منافق بھی ان کے پیچھے چل پڑیں گے۔ جب پُل صراط سے پہلے تاریک وادی سے گزریں گے تو مومن اپنے اعمال کے مطابق ہر جانب روشنی پائیں گے لیکن منافقوں کو ہرطرف سے اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دے گا۔اس موقع پر منافق مرد اورعورتیں ،مومن مرد اورعورتوں سے فریاد کریں گے کہ ہمیں بھی ساتھ لے کر چلو کیونکہ ہمیں کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی لیکن مومن مرد اورعورتیں منافقوں کی پرواہ کیے بغیر جنّت کی طرف رواں دواں رہیں گے۔ منافق ٹھوکریں کھاتے ہوئے فریاد پر فریاد کریں گے کہ براہِ کرم ہماری طرف اپنے چہرے فرمائیں تاکہ آپ کے منور چہروں کی روشنی سے ہم مستفید ہوسکیں۔ اس پر مومن منافقوں سے کہیں گے کہ ہمارے نور کا تمہیں کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔اگر روشنی چاہتے ہوتوواپس پلٹ کر روشنی تلاش کرو !جونہی منافق پیچھے مُڑ کر دیکھیں گے تو جنّتیوں اوران کے درمیان ایک بہت بڑی دیوار حائل کردی جائے گی جس میں بہت بڑا دروازہ ہوگا۔

اس کے اندر کی طرف اللہ کی رحمت یعنی جنّت ہوگی اوراس کے باہر جہنّم ہوگی۔ جنّتی دروازے سے گزر کر جنّت میں داخل ہو جائیں گے اور منافق مرد اور عورتیں جہنّم کے عذاب میں مبتلا کر دیئے جائیں گے۔ منافق مرد اور عورتوں کو جنّت کے دروازے تک جنّتیوں کے ساتھ اس لیے جانے دیا جائے گا تاکہ انہیں اپنی منافقت کے انجام کا پوری طرح احساس ہو کیونکہ یہ دنیا میں فائدے کے وقت مومنوں کے ساتھ ہوا کرتے تھے اور مشکل کے وقت مومنوں کو چھوڑ کر کفار کا ساتھ دیتے تھے۔ قیامت کے دن ان کی منافقت کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کیا جائے گا تاکہ ان کی حسرتوں میں اضافہ ہوتا رہے اور یہ ہمیشہ جہنّم کے نچلے درجے میں جلتے اور ذلیل ہوتے رہیں۔

((عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنِّي فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُونِي ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ ...... فَأَقُولُ إِنَّهُمْ مِنِّي فَيُقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ فَأَقُولُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِي)) (رواه البخاری : کتاب الرقاق باب الحوض)

”حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمھارا حوض کوثر پر انتظار کروں گا جو بھی میرے پاس آئے گا وہ اس سے پیے گا اور جو شخص بھی اس سے ایک مرتبہ پیے گا وہ کبھی پیاس محسوس نہیں کرے گا۔ میرے پاس کچھ لوگ آئیں گے وہ مجھے پہچان لیں گے اور میں انھیں اپنے امتی کے طور پر سمجھوں گا پھر میرے اور ان کے درمیان پردہ حائل ہو جائے گا......... میں کہوں گا یہ تو میرے امتی ہیں کہا جائے گا آپ نہیں جانتے آپ کے بعد انھوں نے کیا کیا بدعتیں شروع کیں میں ان سے کہوں گا دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ جس نے میرے بعد دین کو بدل ڈالا۔“

مسائل

۱۔ قیامت کے دن منافق مرد اور عورتیں ایمانداروں سے روشنی حاصل کرنے کے لیے فریاد کریں گے۔

۲۔ قیامت کے دن مومنوں اور منافقوں کے درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی۔ دیوار کی ایک طرف جہنّم ہوگی اور دوسری طرف جنّت ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن جنّتیوں کا انعام اور منافقوں کا انجام:

۱۔ ہم نے جنّت میں کھجوروں، انگوروں کے باغ بنائے ہیں اور ان میں چشمے جاری کیے ہیں۔ (یٰس:۳۴)

۲۔ یقیناً متقین باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ (الذاریات:۱۵) ۳۔ یقیناً متقی نعمتوں والی جنّت میں ہوں گے۔ (الطّور:۱۷)

۴۔ جنّتی جنّت میں سونے اور لولو کے زیور پہنائے جائیں گے۔ (فاطر:۳۳) (التوبہ: ۶۸)

۵۔ منافق جہنّم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ (النساء:۱۴۲) (التوبہ:۷۳)

يُنَادُوْنَهُمْ	اَلَمْ	نَكُنْ	مَّعَكُمْ ؕ	قَالُوْا	بَلٰى	وَلٰكِنَّكُمْ
وہ پکاریں گے ان کو	کیا نہیں	ہم تھے	تمہارے ساتھ	وہ کہیں گے	کیوں نہیں	اور لیکن تم نے
فَتَنْتُمْ	اَنْفُسَكُمْ	وَتَرَبَّصْتُمْ	وَارْتَبْتُمْ	وَغَرَّتْكُمُ	الْاَمَانِيُّ	
فتنے میں ڈال لیا تھا	اپنے آپ کو	اور تم نے انتظار کیا	اور تم نے شک کیا	اور تمہیں فریب دیا	خواہشات نے	
حَتّٰى	جَآءَ	اَمْرُ اللّٰهِ	وَغَرَّكُمْ	بِاللّٰهِ	الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾	فَالْيَوْمَ
یہاں تک کہ	آ پہنچا	اللہ کا حکم	اور تمہیں دھوکا دیا	اللہ کے بارے میں	دھوکے باز نے	لہٰذا آج
لَا	يُؤْخَذُ	مِنْكُمْ	فِدْيَةٌ	وَّلَا	مِنَ الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا ؕ
نہ	لیا جائے گا	تم سے	کوئی فدیہ	اور نہ	ان لوگوں سے جنہوں نے	کفر کیا
مَاْوٰىكُمُ	النَّارُ ؕ	هِيَ	مَوْلٰىكُمْ ؕ	وَبِئْسَ	الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾	
تمہارا ٹھکانا	آگ ہے	یہی	تمہارے لائق ہے	اور بری ہے	لوٹ جانے کی جگہ	

"وہ مومنوں کو پکاریں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ مومن جواب دیں گے ہاں مگر تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈالا۔ ہمارے حق میں حوادث کے منتظر رہے اور شک میں پڑے رہے۔ تمہیں جھوٹی توقعات نے فریب میں رکھا یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آ گیا اور آخر وقت تک بڑا دھوکے باز شیطان تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکا دیتا رہا۔(۱۴) آج تم سے اور کافروں سے فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ تمہارا ٹھکانا جہنّم ہے، وہی تمہارے لائق ہے اور جہنّم لوٹنے کی بدترین جگہ ہے۔"(۱۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقین کی جنّتیوں سے آخری فریاد۔

جب جنّتی منافقین سے یہ کہیں گے کہ اپنے پیچھے جا کر روشنی تلاش کرو تو منافق کہیں گے کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہیں رہتے تھے؟ جنّتی جواب دیں گے کیوں نہیں! تم ہمارے ساتھ رہتے تھے لیکن تم نے اپنے آپ کو دھوکے میں رکھا، اسلام کے بارے میں شک میں مبتلا رہے، ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں منتظر رہے کہ کب اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا۔ ان آرزوؤں اور شیاطین نے تمہیں ہمیشہ دھوکے میں رکھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ پہنچا۔ تم یہ کام دنیا کے فائدے کی خاطر منافقت کرتے تھے لہٰذا آج اپنے کیے کی سزا پاؤ۔ آج کفار اور تم سے نہ کسی قسم کا فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ تم عذاب سے نجات پا سکو گے۔ لہٰذا تمہارا ٹھکانہ آگ ہے جس کے تم سزاوار ہو۔ رہنے کے اعتبار سے یہ بدترین اور اذیت ناک جگہ ہے۔ اس موقع پر جنّتی لوگ منافق عورتوں اور مردوں کو پانچ باتیں ارشاد فرمائیں گے۔ ① ۔ دنیا میں تم نے منافقت کر کے اپنے آپ

کو لامتناہی مصیبت میں ڈال لیا ہے۔② دنیا میں تم ہمارے نقصان کے منتظر رہتے تھے لہٰذا آج تم ناقابلِ برداشت اور لامحدود نقصان میں مبتلا رہو گے۔③ دنیا میں تم دینِ اسلام کے بارے میں شک کا شکار رہے اور اب اس شک کی ہمیشہ سزا پاؤ گے۔④ دنیا میں شیطان نے تمھیں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے فرمان کے فرامین میں دھوکہ میں رکھا اس لیے آج اس دھوکے کی سزا پاتے رہو۔⑤ دنیا میں تم اپنے مفاد کی خاطر دین اور مسلمانوں کا نقصان چاہتے اور کرتے تھے لہٰذا تم جہنّم کے لائق ہو، جو تمہارے رہنے کے لیے بدترین جگہ ہے، تم دنیا کے مفاد کی خاطر اللہ اور اس کے رسول کے فرمان پر حقیقی ایمان نہ لائے اس لیے آج تم سے کسی قسم کا فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ ھُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِ افْتَدٰی بِہٖ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّ مَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ﴾ (آل عمران: ۹۱)

”بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ کفر کی حالت میں مر گئے ان میں سے کسی ایک سے بھی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اگرچہ وہ زمین بھر کر سونا پیش کرے ان کے لیے درد ناک عذاب ہوگا اور کوئی ان کی مدد نہیں کر سکے گا۔“

مسائل

۱۔ کفار اور منافقین کو ہمیشہ جہنّم میں رہنا ہوگا۔ ۲۔ رہنے کے اعتبار سے جہنّم بدترین جگہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

منافقین کا اللہ اور اس کے رسول اور دین کے بارے میں رویّہ:

۱۔ منافق دوغلی زبان اور دوغلے کردار کا مالک ہوتا ہے۔ (البقرۃ:۱۳،۱۴)

۲۔ منافق اسلام کا دعویٰ کرتا ہے لیکن طاغوت کے فیصلہ پر خوش ہوتا ہے۔ (النساء:۶۰)

۳۔ مسلمانوں کو تکلیف پہنچا کر صفائی کی قسمیں اٹھاتا ہے۔ (النساء:۶۲) ۴۔ منافق کی زبان اور دل میں تضاد ہونا۔ (آلِ عمران:۱۶۷)

۵۔ منافق بغیر تحقیق کے افواہیں اڑاتا ہے۔ (النساء:۸۲)

۶۔ منافق صرف دنیا کی کامیابی چاہتا ہے۔ (النساء:۱۴۱)

۷۔ جب قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو منافقین ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔ (التوبہ:۱۲۷)

۸۔ منافقین قرآن مجید کے نزول کا مذاق اڑاتے اور کہتے ہیں اس سے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا؟ (التوبہ:۱۲۴)

۹۔ منافق اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے میں بہانے تراشنے لگتے ہیں۔ (التوبہ:۸۶)

اَلَمۡ	یَاۡنِ	لِلَّذِیۡنَ	اٰمَنُوۡۤا	اَنۡ	تَخۡشَعَ	قُلُوۡبُهُمۡ
کیا نہیں	وقت آیا	ان لوگوں کے لیے جو	ایمان لائے	یہ کہ	ڈر جائیں	ان کے دل
لِذِکۡرِ اللّٰهِ	وَمَا	نَزَلَ	مِنَ الۡحَقِّ ۙ	وَلَا	یَکُوۡنُوۡا	کَالَّذِیۡنَ
ذکر الٰہی کے لیے	اور جو	نازل ہوا	حق سے	اور نہ	ہوں وہ	مانند ان لوگوں کے جو
اُوۡتُوا	الۡکِتٰبَ	مِنۡ قَبۡلُ	فَطَالَ	عَلَیۡهِمُ	الۡاَمَدُ	فَقَسَتۡ
دیے گئے	کتاب	اس سے پہلے	پھر لمبی ہوگئی	ان پر	مدت	تو سخت ہو گئے
قُلُوۡبُهُمۡ ؕ	وَکَثِیۡرٌ	مِّنۡهُمۡ	فٰسِقُوۡنَ ﴿۱۶﴾			
ان کے دل	اور بہت سے	ان میں سے	فاسق ہیں			

''کیا ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ''اللہ'' کے ذکر سے ڈر جائیں اور اللہ کے نازل کردہ حق کے سامنے جھک جائیں، اور وہ اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی۔ اُن پر ایک لمبی مدت گزری تو ان کے دل سخت ہو گئے، اور اُن میں اکثر نافرمان ہیں۔(١٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقین کا انجام بتلانے کے بعد دین اسلام میں نئے داخل ہونے والے مسلمانوں سے خطاب۔

اسی سورت کی آیت ١٠ میں نبی کریم ﷺ کے دور میں ایمان لانے والوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جنہوں نے مکہ فتح ہونے سے پہلے اللہ کی راہ میں قتال اور خرچ کیا وہ الفتح کے بعد ایمان لانے،قتال کرنے اور صدقہ کرنے والوں سے اعلیٰ ہیں۔الفتح کا معنٰی آیت ١٠ کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے۔ فتح مکہ کے بعد ایسے مسلمان بھی تھے جو اپنے ایمان لانے کے ابتدائی دور میں اس معیار تک نہیں پہنچے تھے جو قرآن مجید کا مطلوب ہے اس لیے ان ایمانداروں کو بالخصوص ارشاد ہوا کہ کیا ان ایمانداروں کے لیے وہ وقت نہیں آیا جب ان کے دل اللہ کی یاد سے لرز جائیں اور جو حق ان کی طرف نازل کیا گیا ہے اس کے سامنے پوری طرح مطیع ہوجائیں۔ انہیں حکم ہوا کہ اے ایماندارو! ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے جب ان پر طویل مدت گزری تو ان کے دل اللہ اور اس کی کتاب کے بارے میں سخت ہوگئے اور ان کی اکثریت نافرمان تھی اور یادرکھو! اللہ ہی وہ ذات ہے جو زمین کے مردہ ہونے کے بعد اسے زندہ کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے ارشادات کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔''اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ'' سے مراد عیسائی اور یہودی ہیں۔ ایک مدت گزرنے کے بعد ان کی بدعملی اور بے حسی کا عالم یہ تھا اور ہے نہ انہیں اللہ کا خوف ہے اور نہ ہی تورات اور انجیل

اِعْلَمُوْٓا	اَنَّ	اللّٰهَ	يُحْيِ	الْاَرْضَ	بَعْدَ	مَوْتِهَا ؕ
تم جان لو	بلاشبہ	اللہ	زندہ کرتا ہے	زمین کو	بعد	اس کی موت کے
قَدْ	بَيَّنَّا	لَكُمُ	الْاٰيٰتِ	لَعَلَّكُمْ	تَعْقِلُوْنَ ⑰	
تحقیق	ہم نے بیان کیں	تمہارے لیے	آیتیں	تا کہ تم	سمجھو	

پوری طرح جان لو کہ اللہ زمین کو اُس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے، ہم نے تم کو صاف صاف نشانیاں دکھا دی ہیں شاید کہ تم عقل سے کام لو۔“ (١٧)

کی نصیحتیں ان پر اثرانداز ہوتی ہیں۔عیسائی اور یہودی اپنی کتابوں کے حوالے سے یہ جانتے ہیں کہ آخری نبی محمد رسول اللہ ﷺ ہوں گے اور وہ عربی النسل ہونے کے ساتھ مکہ معظّمہ میں معبوث کیے جائیں گے اور لوگوں کو وہی دعوت دیں گے جو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام دیا کرتے تھے یہ حقیقت جاننے کے باوجود عیسائیوں اور یہودیوں کی غالب اکثریت اس حقیقت کا اعتراف کرنے کے لیے تیار نہیں۔جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ حق کے ساتھ تعصب اور دنیاوی مفادات مقدم رکھتے ہیں۔ایمانداروں کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو ایک مدت گزرنے کے بعد اپنے رب سے غافل ہوئے اور تورات اور انجیل کو فراموش کر بیٹھے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے حالات سے آگاہ ہونے کے باوجود آج مسلمانوں کی غالب اکثریت کا وہی حال ہے جو عیسائیوں اور یہودیوں کا حال دکھائی دیتا ہے۔عیسائی اور یہودی بھی دنیا کی خاطر شقی القلب ہوئے اور مسلمان بھی دنیا کے مفاد کے لیے اللہ اور اس کے رسول سے بے اعتنائی کا شکار ہورہے ہیں۔ اے مسلمانو! یاد رکھو! کہ اللہ ہی مردہ زمین کو زندہ کرنے والا ہے۔اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے زمین کے حوالے سے اپنی قدرت کی عظیم نشانی کا ذکر کرتے ہوئے دو خوشخبریوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ①۔جس طرح ویران اور سنسان زمین بارش کے بعد تروتازہ اور زندہ ہوجاتی ہے اسی طرح اللہ کی یاد اور اس کی کتاب کی پیروی سے مردہ دل زندہ ہوجاتے ہیں۔جس طرح بارش کے بعد زمین سے نباتات اُگتی ہیں اور اس سے زمین پر ہریالی چھا جاتی ہے اسی طرح اللہ کی آیات اور قرآن مجید کی تلاوت سے ایمان زندہ ہوتا ہے اور مسلمان کے نیک اعمال میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کی طبیعت پر نیکیوں کی ایک بہار آتی ہے۔②۔جس طرح بارش کے بعد مردہ زمین زندہ ہوتی ہے اسی طرح ہی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ضُعف کو قوت میں تبدیل کرے گا جس سے دنیا میں امن وسکون پیدا ہوگا اور نیکی کی فضا قائم ہوگی۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيْئَةً نُكِتَتْ فِيْ قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهُ وَإِنْ عَادَ زِيْدَ فِيْهَا حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهُ

وَھُوَ الرَّانُ الَّذِیْ ذَکَرَ اللّٰهُ ﴿کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ﴾))

(رواہ الترمذی : کتاب تفسیر القرآن)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب بندہ کوئی غلطی کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نکتہ پڑجاتا ہے جب وہ گناہ چھوڑ دے اور توبہ و استغفار کرے تو اس کا دل پالش ہوجاتا ہے۔ اگر وہ دوبارہ گناہ کی طرف پلٹے تو گناہ کی سیاہی اس کے دل پر چڑھ جاتی ہے یہی وہ زنگ ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے کہ ''ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے گناہوں کی وجہ سے زنگ چڑھ چکا ہے۔''

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا میری امت میں ایسا وقت ضرور آئے گا کہ وہ بنی اسرائیل کے ساتھ بالکل اس طرح مل جائے گی جس طرح جوتا ایک دوسرے کے ساتھ ملا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے اعلانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا ضرور ہوگا۔ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ایک گروہ کے علاوہ سارے کے سارے جہنم میں جائیں گئے۔ صحابہ نے استفسار کیا اے رسول ﷺ! وہ کون سا گروہ ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے پر عمل کرنے والا ہو گا۔'' (رواہ الترمذی : باب ماجاء فی افتراق ھذہ الامة ،قال البانی ھذا حدیث حسن صحیح)

مسائل

۱۔ ایمانداروں کو اللہ کے ذکر اور کتاب اللہ کی پیروی کرنی چاہیے

۲۔ مسلمانوں کو یہود ونصاریٰ کا انداز اور کردار اختیار نہیں کرنا چاہیے ۔

۳۔ اللہ کی یاد اور قرآن مجید کی تلاوت سے غفلت کرنے پر انسان کا دل سخت ہوجاتا ہے۔

۴۔ یہود ونصاریٰ کی غالب اکثریت نافرمان لوگوں پر مشتمل ہے۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ اس لیے اپنے ارشادات کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ لوگ عقل سے کام لیں۔

تفسیر بالقرآن

دل کی سختی اور بُرے شخص کا انجام :

۱۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے دل سخت ہوتا ہے۔ (البقرة:۷۴) ۲۔ عہد شکنی کی وجہ سے دل سخت ہوتا ہے ۔ (المائدة:۱۳)

۳۔ اللہ کی یاد سے غافل ہونے والوں کے لیے جہنم ہے۔ (الزمر : ۲۲)

اِنَّ	الْمُصَّدِّقِيْنَ	وَالْمُصَّدِّقٰتِ	وَاَقْرَضُوا	اللّٰهَ	قَرْضًا
بلاشبہ	صدقہ دینے والے مرد	اور صدقہ دینے والی عورتیں	اور جنہوں نے قرض دیا	اللہ کو	قرض
حَسَنًا	يُّضٰعَفُ	لَهُمْ	وَلَهُمْ		اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾
حسنہ	تو وہ بڑھا دیا جائے گا	ان کے لیے	اور ان کے لیے		اجر ہے بہت اچھا

''مردوں اور عورتوں میں سے جو لوگ صدقہ کرنے والے ہیں اور جنہوں نے اللہ کو قرضِ حسنہ دیا ہے اُن کو یقیناً کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور ان کے لیے بہترین اجر ہے۔'' (۱۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عقل مندی کا تقاضا ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا جائے۔

سورۃ الحدید کی آیت ۷ سے لے کر ۱۸ تک سات مرتبہ انفاق اور قرض کے نام پر صدقہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔اب ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے ہیں وہ مرد ہوں یا عورتیں جو بھی ایمان اوراخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دیتے ہیں انہیں دوگنا واپس کرنے کے ساتھ اجر کریم سے نوازا جائے گا۔ قرضِ حسنہ سے مراد ایسا قرض ہے جس میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھا جائے۔

① ۔صدقہ صرف اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے۔② ۔رزقِ حلال سے صدقہ کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ حرام مال سے کیے ہوئے صدقہ کو قبول نہیں کرتا۔③ ۔صدقہ کرنے والا کا اللہ اور اس کے رسول پر خالص ایمان ہونا چاہیے۔ ④ ۔جسے صدقہ دیا جائے نہ اس پر احسان جتلایا جائے اور نہ اُسے تکلیف دی جائے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا وَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا اَمَرَبِهِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ ﴿يَا اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا﴾ (پ۱۸۔رکوع۳) وَقَالَ يَا اَيُّهَاالَّذِيْنَ آمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ......))

(رواہ مسلم: باب کسب الحلال والطیب وتربیتھا)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ پاک ہے اور پاک کے علاوہ کسی چیز کو قبول نہیں کرتا۔اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ان باتوں کا حکم دیا ہے جن باتوں کا اس نے اپنے رسولوں کو حکم دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔''میرے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور عمل صالح کرو۔'' اے ایمان والو! جو رزق ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔''

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرة: ۲۶۱)

’’جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، خوب جاننے والا ہے۔‘‘

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِّنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَّلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ فَإِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهٖ كَمَا يُرَبِّىْ أَحَدُكُمْ فُلُوَّهٗ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ)) (رواہ البخاری : کتاب الزکوۃ،باب الصدقة من کسب طیب)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی کھجور کے برابر اپنی پاک کمائی سے صدقہ کرتا ہے اور اللہ کے ہاں صرف پاک چیز ہی قبول ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے قبول کرتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر اس کو اس طرح پالتا اور بڑھاتا ہے جیسے تم میں سے کوئی بچھڑے کو پالتا ہے حتیٰ کہ صدقہ پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ صدقہ کرنے والے مرد ہوں یا عورتیں ’’اللہ‘‘ انہیں دوگنا عنایت کرے گا۔

۲۔ صدقہ کرنے والا ’’اللہ‘‘ کو قرض دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اجرِ کریم سے ہمکنار فرمائے گا۔

۳۔ قرضِ حسنہ وہ ہے جس میں احسان جتلانا اور تکلیف دینا شامل نہ ہو۔

تفسیر بالقرآن

صدقہ کرنے والوں کا مقام اورانجام:

۱۔ مسلمان کو اس کے دیئے ہوئے صدقہ پر سات سو گنا ثواب دیا جائے گا۔(البقرۃ:۲۶۱)

۲۔ اللہ تعالیٰ اسے دگنا تگنا کر کے واپس کرے گا۔(التغابن:۱۷) ۳۔اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔(یوسف: ۸۸)

۴۔ مومن اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے۔(التوبہ:۹۹)

۵۔ جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ تمھیں اس سے زیادہ دے گا۔(سبا:۳۹)

۶۔ مومنین اللہ کے راستے میں خفیہ اورا علانیہ خرچ کرتے ہیں۔(الرعد:۲۲)

۷۔ مسلمان تنگدستی اور خوشحالی میں خرچ کرتے ہیں۔(آل عمران:۱۳۴)

وَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ	اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ	وَالشُّهَدَآءُ	
اور وہ لوگ جو	ایمان لائے	اللہ اور اس کے رسولوں پر	وہی لوگ سچے ہیں	اور گواہی دینے والے	
عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ	لَهُمْ	اَجْرُهُمْ	وَنُوْرُهُمْ ؕ	وَالَّذِيْنَ	كَفَرُوْا
اپنے رب کے ہاں	ان کے لیے	ان کا اجر	اور ان کا نور ہے	اور وہ لوگ جنہوں نے	کفر کیا
وَكَذَّبُوْا	بِاٰيٰتِنَآ	اُولٰٓئِكَ	اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ؑ ۱۹		
اور انہوں نے جھٹلایا	ہماری آیات کو	وہی لوگ	جہنّمی ہیں		

''اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں وہی اپنے رب کے ہاں سچے اور گواہی دینے والے ہیں، اُن کے لیے اُن کا اجر اور اُن کا نور ہے، اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ جہنّمی ہیں۔''(۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو لوگ اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دیتے ہیں ان پر فرض ہے کہ وہ سچے دل کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں۔

اللہ تعالیٰ سے اجرِ کریم پانے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ لوگ اللہ اور اس کے رسول پر حقیقی طور پر ایمان لائیں جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر سچے دل کے ساتھ ایمان لاتے ہیں وہ اپنے رب کے ہاں سچے اور سچ کی گواہی دینے والے شمار ہوں گے۔ان کو اجرِ کریم ملنے کے ساتھ ایک روشنی نصیب ہوگی اور جو لوگ کفر کریں اور اپنے رب کے ارشادات کی تکذیب کریں گے وہ جہنّم میں داخل کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرمان میں ایمان لانے والوں کو صدیق اور شہید کا لقب عطا کرنے کے ساتھ اجر اور نور کی خوشخبری عطا فرمائی ہے۔

صدیق کا معنیٰ:

صدیق سے مراد ایسا شخص جو ہر حال میں سچ بولنے والا، سچ پر قائم رہنے والا اور سچ کے لیے ہر چیز قربان کر دینے والا ہو، امت میں اس مقام پر سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فائز ہوئے باقی لوگ درجہ بدرجہ اس مقام کے حامل ہوں گے۔

شہید کا معنیٰ اور مقام:

شہید ایسی شخصیت کو کہتے ہیں جو دل کی سچائی کے ساتھ اسلام میں داخل ہو اور دین کی سربلندی کے لیے سب کچھ قربان کرنے کے لیے آمادہ اور تیار رہے۔میدانِ کارزار میں کٹ مرنے والے کو بھی شہید کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے خونِ جگر سے حق کی گواہی دیتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے شہادت کے کئی درجے ذکر فرمائے اور کئی قسم کے لوگوں کو شہداء میں شامل فرمایا ہے۔ امام رازی نے سورۃ آل عمران آیت ۱۸ سے استدلال کیا ہے کہ عدل وانصاف کی گواہی دینے والے بھی شہداء میں شمار ہوں گے۔

''حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول معظم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا کہ جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے، جو اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے، جو اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔'' (رواہ الترمذی: بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، حدیث صحیح)

((أَوَّلُ مَا يُهْرَاقُ مِنْ دَمِ الشَّهِيْدُ يُغْفَرُ لَهُ ذَنْبُهُ كُلُّهُ إِلَّا الدَّيْنَ))(صحیح الجامع : باب اول مایقضیٰ بین الناس یوم القیامۃ فی الدماء)

''شہید کے خون کے پہلے قطرہ سے قرض کے سوا سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَ تَدْفَعُ مِيْتَةَ السَّوْءِ))(رواہ الترمذی: باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّدَقَةِ، قال ابو عیسیٰ حدیث حسن غریب)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بُری موت سے بچاتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں خرچ کرنے والے کو دنیا اور آخرت میں اپنی طرف سے اجر دینے کی ضمانت دیتا ہے۔ صدقہ کرنے سے مال میں برکت پیدا ہوتی ہے اور دنیا کی مشکلات سے نجات ملتی ہے۔ آخرت میں اسے اجرِ عظیم کے ساتھ ایک نور عطا کیا جائے گا جس کی روشنی میں چل کر وہ جنّت میں داخل ہوگا۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ وَّمَازَادَ اللّٰهُ عَبْدًابِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا وَّمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ))(رواہ مسلم: کتاب البر والصلة والآداب)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا اور کسی بھائی کو معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے کو مزید عزت بخشتا ہے۔ جو ''اللہ'' کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سر بلند فرماتا ہے۔''

مسائل

۱۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس کے تقاضے پورے کیے وہ ''اللہ'' کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔

۲۔ صدیقین اور شہداء کے لیے بہترین اجر ہوگا۔ ۳۔ صدیقین اور شہداء کے لیے محشر کے میدان میں ہر جانب روشنی ہوگی۔

۴۔ ''اللہ'' کی آیات کا انکار اور ان کی تکذیب کرنے والے جہنّم میں داخل ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

صدیقین اور شہداء کا انجام اور مقام:

۱۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ نبیوں، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا۔ (النساء: ٦٩) (الحشر: ٨) (الاحزاب: ٢٤) (المائدۃ: ١١٩) (الحجرات: ١٥) (البقرۃ: ١٥٤) (آلِ عمران: ١٦٩) (آلِ عمران: ١٧٠)

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ

تم جان لو! | کہ | دنیاوی زندگی | کھیل | اور تماشا | اور زینت | اور فخر کا باعث ہے

بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِؕ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ

آپس میں اور ایک دوسرے پر کثرت جتلانا ہے | مال اور اولاد میں | مانند | بارش کے | کہ خوش لگتا ہے

الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ

کسانوں کو | اس کا سبزہ | پھر | وہ خشک ہو جاتا ہے | تو آپ اس کو دیکھتے ہیں | زرد | پھر

یَكُوْنُ حُطَامًاؕ وَفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ

وہ ہو جاتا ہے | چور، چور | اور آخرت میں | شدید عذاب ہے | اور مغفرت ہے | اللہ سے

وَرِضْوَانٌؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۝۲۰

اور | رضا مندی | اور نہیں ہے | زندگی | دنیاوی | مگر | سامان | دھوکے کا

”جان لو کہ دنیا کی زندگی ایک کھیل ،تماشا، زینت ،فخر کا باعث اور تمہارا آپس میں مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر کثرت جتلانے کی کوشش کرنا ہے، اس کی مثال بارش سے پیدا ہونے والی نباتات جیسی ہے جسے دیکھ کر کاشت کار خوش ہوتے ہیں پھر وہ کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہو کر بھس بن جاتی ہے اس کے برعکس آخرت وہ جگہ ہے جہاں سخت عذاب ، اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی بھی ہے، دنیا کی زندگی دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔“(۲۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام :لوگ جس دنیا کی خاطر اپنے رب کے ارشادات کاانکار اوران کی تکذیب کرتے ہیں اس دنیا کی حیثیت اورحقیقت ۔

اے لوگو! یہ حقیقت اچھی طرح جان لو کہ دنیا کی زندگی کھیل ،تماشا ،زیب و زینت ،فخر وغرور، مال اوراولاد میں تقابل اور تفاخر کے سوا کچھ نہیں ہے ۔اس دنیا کی مثال بارش کی طرح ہے جب بارش ہوتی ہے تو اس سے فصلیں اُگتی اور لہلہا اُٹھتی ہیں جس سے زمیندار خوش ہوتا ہے ۔اس کے سامنے کھیتی پروان چڑھتی ہے، رنگ پکڑتی ہے پھر اس کا رنگ زرد ہوجاتا ہے پھر وہ ریزہ ریزہ ہوجاتی ہے یہی مثال دنیا دار شخص کی ہے کہ وہ زندگی بھر کماتا رہتا ہے لیکن موت کے وقت اس کے پاس حسرت کے سوا کچھ نہیں ہوتا ۔وہ بڑی حسرتوں کے ساتھ خالی ہاتھ دنیا سے رخصت ہوتا ہے اور جونہی اس کی آنکھ بند ہوتی ہے وہ آخرت کے شدید عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے ۔اس کے مقابلے میں جس نے دنیا اور اس کی لذّات پر فریفتہ ہونے کی بجائے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں زندگی بسر کی اس کے لیے اللہ کی طرف سے بخشش اور اس کی رضا مندی ہے۔ لوگو! غور کرو کہ دنیا کی زندگی کے مال و

اسباب دھوکہ اور فریب کے سوا کچھ نہیں ۔اس آیتِ مبارکہ میں دنیا اور اس کے اسباب کے بارے میں چار الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور یہی دنیا کی حقیقت ہے۔

۱۔دنیا کی زندگی کھیل اور تماشا ہے :

کھیل، تماشے کی اچھی اور بری کئی اقسام ہیں کھیل اور تماشا آپس میں مترادف الفاظ ہیں جو ہر زبان میں اسی طرح استعمال ہوتے ہیں کھیل اور تماشے کے الفاظ ایسے کام پر بولے جاتے ہیں جو وقت گزارنے اور دل بہلانے کے لیے ہوتا ہے ان میں بہتر سے بہتر جو کھیل تماشا ہوتا ہے اس کے بھی دائمی اور مستقل نتائج نہیں ہوتے، ہر زبان میں کھیل اور تماشے کے الفاظ کسی بامقصد اور مستقل کام کے لیے استعمال نہیں ہوتے ان الفاظ کو عارضی اور محض وقت گزارنے والے کام کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔کھیل، تماشا بظاہر کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو پوری زندگی کھیل میں نہیں گزاری جاسکتی ہے ،یہی دنیا اور اس کے اسباب کی حقیقت ہے کہ اگر انسان کی زندگی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں نہ ہو تو پوری کی پوری زندگی بے مقصد ہو جاتی ہے۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا یَعْنِیهِ)) (رواہ الترمذی: کتاب الزھد)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ فضول یعنی بے فائدہ باتوں کو چھوڑ دے۔“

۲۔دنیا کا مال اور اسباب زیب وزینت کا باعث ہیں:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو طبعی طور پر جمالیاتی حِس عطا فرمائی ہے جس بنا پر اپنے چہرے اور وجود کو سنوارنا ،بہتر سے بہترین لباس زیب تن کرنا ،اچھی سے اچھی سواری رکھنا اور رہائش اور بودوباش کے اعتبار سے خوبصورت سے خوبصورت ہونے کی خواہش رکھنا اور کوشش کرنا اس کی فطرت میں سمودیا گیا ہے ۔بے شک شریعت کے دائرہ میں رہ کر زیب و زینت اختیار کرنا جائز ہے ۔نبی اکرم ﷺ نے ایک موقع پر ایک پراگندہ بال اور گندے لباس والے شخص کو دیکھا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے ۔لیکن اس کا یہ معنٰی نہیں کہ مرد ہو یا عورت وہ دنیا کی زیب و زینت پر ہی فریفتہ ہو کر رہ جائے اور شریعت کی حدود اور اخلاقی قیود کو پامال کرتا چلا جائے ایسا شخص قیامت کے دن شدید عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

((عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ کِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّ الرَّجُلَ یُحِبُّ اَنْ یَکُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَ نَعْلُهٗ حَسَنًا قَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ)) (رواہ مسلم: باب تَحْرِیمِ الْکِبْرِ وَبَیَانِهِ)

”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا، وہ جنّت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے کہا کہ بے شک ہر شخص پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس

اور جوتے اچھے ہوں آپ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب صورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔تکبرحق بات کا انکار کرنا اور لوگوں کوحقیر جاننا ہے۔''

۳۔دنیا کا مال واسباب تفاخر کا باعث ہیں:

شریعت نے دنیا کی ترقی میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے سے منع نہیں کیا البتہ اس بات کو ہرگز پسند نہیں کیا کہ مالدار ،غریب پر ،حاکم محکوم پر ، طاقت ور کمزور پر ، اکثریت رکھنے والا اقلیت پرفخروغرور کا مظاہرہ کرے۔ شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کوکوئی نعمت عطافرمائے تو وہ دوسروں پرفخر کرنے کی بجائے تواضع اور انکساری اختیار کرے ۔فخر وغرور کرنے سے انسان دوسروں کی نگاہوں میں حقیر بنتا ہے اورتواضع اختیار کرنے سے آدمی کا احترام بڑھتا ہے ۔

۴۔تکاثر:

تکاثر کا معنٰی ہے مال واسباب میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا۔دین اسلام نے اخلاقی قیود کے اندر رہ کر مال واسباب میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے سے نہیں روکا ۔قرآن مجید نے اس تکاثر کی نفی کی ہے جس میں اللہ اوراس کے رسول کی ہدایات کو پسِ پُشت ڈال کر انسان مال ،افرادی قوت ، اقتدار ،اختیار اور دیگر اسباب میں آگے بڑھنے کی کوشش کرے یہ تکاثر انسان کو دنیا میں اخلاقی طور پر اورآخرت میں انجام کے حوالے سے تباہ کر دیتا ہے جس کی قرآن مجید نے ان الفاظ میں مذمت کی ہے ۔

﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ (التکاثر: ۱)   ''تمہیں مال کی ہوس نے ہلاکت میں ڈال رکھا ہے۔''

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَوْ أَنَّ لِابْنِ آدَمَ وَادِيًا مِّنْ ذَهَبٍ أَحَبَّ أَنْ يَكُوْنَ لَهُ وَادِيَانِ وَلَنْ يَمْلَأَ فَاهُ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ))

(رواه البخاري: كتاب الرقاق، باب مايتقى من فتنة المال)

''حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگرآدم کے بیٹے کے پاس سونے کی ایک وادی ہوتو وہ پسند کرے گا کہ اس کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوں۔ اس کے منہ کومٹی کے علاوہ کوئی چیز نہیں بھرسکتی ۔ اللہ جس پر چاہتا ہے کرم فرماتا ہے۔''

دنیا کے مال واسباب کو اُس کھیتی اورنباتات کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو بارش کے بعد زمین سے نکلتی اور لہلہاتی ہوئی دکھائی دیتی ہے ۔جسے دیکھ کر زمیندار خوش ہوتا ہے لیکن کچھ مدت کے بعد ہری بھری کھیتی زردی کا لباس پہن لیتی ہے اور بالآخر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے ۔موسم خزاں میں باغ خالی ٹہنیوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ گندم کی فصل پرغور فرمائیں کہ پکنے کے وقت جڑ سے لے کر سِٹے تک زرد ہوجاتی ہے ۔صحرا کے رہنے والے اس مثال کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ ویرانی کے وقت زمین پرنظر نہیں ٹکتی۔مگر بارش کے بعد وہ زمین یوں دکھائی دیتی ہے جیسے اس نے سبز چادر اوڑھ لی ہو ۔لیکن تھوڑے دنوں کے بعد اس پر اُگنے والی جڑی بوٹیاں اورگھاس

بخود گل سڑ جاتے ہیں، یہی حال اس شخص کا ہوگا جس نے دنیا کی عیش وعشرت سے فائدہ اٹھایا لیکن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہ کی ۔موت کے بعد اس کا کمایا ہوا مال اس کے لیے بے کار ثابت ہوگا اور آخرت میں اسے شدید عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا ۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ نَامَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ عَلٰی حَصِیرٍ فَقَامَ وَقَدْ أَثَّرَ فِی جَنْبِہِ فَقُلْنَا یَا رَسُولَ اللّٰہِ لَوِ اتَّخَذْنَا لَکَ وِطَاءً فَقَالَ مَا لِی وَمَا لِلدُّنْیَا مَا أَنَا فِی الدُّنْیَا إِلَّا کَرَاکِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَۃٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَکَھَا))

(رواہ الترمذی : باب مَا جَاءَ فِی أَخْذِ الْمَالِ،قال الشیخ البانی صحیح)

’’حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ ایک چٹائی پر سوئے تو آپ کے پہلو پر چٹائی کے نشان پڑ گئے۔ ہم نے عرض کی اللہ کے رسول! ہم آپ کے لیے اچھا سا بستر تیار کر دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میرا دنیا کے ساتھ تعلق ایک مسافر جیسا ہے جو کسی درخت کے نیچے تھوڑا سا آرام کرتا ہے پھر اسے چھوڑ کر آگے چل دیتا ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ دنیا کی زندگی کھیل تماشا، زیب وزینت ،فخر وغرور اور مال و اولاد میں تفاخر کے سوا کچھ نہیں ۔

۲۔ دنیا کی زندگی ایسی نباتات کی طرح ہے جو بارش کے بعد اُگتی ہے لیکن ایک وقت کے بعد ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔

۳۔ دنیا کے مال واسباب پر فخر کرنے والے شدید عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے ۔

۴۔ دنیا کی زندگی دھوکے کا سامان ہے جس نے اپنے آپ کو اس دھوکے سے بچا لیا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کرے گا اور اس پر راضی ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

دنیا اور آخرت کا تقابل:

۱۔ دنیا کھیل اور تماشا ہے۔ (الانعام: ۳۲)

۲۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی عارضی ہے۔ (الرعد: ۲۶) ۳۔دنیا عارضی اور آخرت پائیدار ہے۔ (المؤمن: ۳۹)

۴۔ مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی زینت ہیں۔ (الکھف : ۴۶) ۵۔آخرت کے مقابلہ میں دنیا بہت کمتر ہے۔ (التوبہ: ۳۸)

۶۔ جو چیز تم دیے گئے ہو یہ تو دنیا کا سامان اور زینت ہے ۔ (القصص: ۶۰)

۷۔ نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر دھوکے کا سامان ۔ (آل عمران : ۱۸۵)

۸۔ دنیا کی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے۔ (الحدید: ۲۰) ۹۔مال اور اولاد تمہارے لیے آزمائش ہیں۔ (التغابن : ۱۵)

سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ

تم دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنّت کی طرف اس کی چوڑائی مانند چوڑائی

السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ

آسمان اور زمین کے وہ تیار کی گئی ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولوں پر یہ

فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾

اللہ کا فضل ہے وہ دیتا ہے یہ جسے وہ چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے

''اپنے رب کی مغفرت اور اس جنّت کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو جس کی وسعت آسمان و زمین جیسی ہے، جو اُن لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔'' (۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: دنیا کے مال پر فخر کرنے اور اس کی طلب میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی بجائے اپنے رب کی بخشش اور جنّت میں آگے بڑھنے کی کوشش کیجیے۔

یہ بات سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۳۳ میں بیان ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صرف نیکی کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ نیکیوں میں آگے بڑھنے اور جنّت کی طرف سبقت لے جانے کا حکم دیا ہے۔ جس قوم اور معاشرے میں نیکی اور اپنے مقصد کے لیے آگے بڑھنے کا جذبہ ختم ہو جائے بالآخر وہ قوم مُردگی کا شکار ہو جاتی ہے۔ زندہ اور بیدار قومیں اپنی منزل کے حصول کے لیے نئے جذبوں اور تازہ ولولوں کے ساتھ آگے بڑھنے کے لیے مسلسل منصوبہ بندی کرتی ہیں۔ مسلمانوں کی زندگی کا مقصد اللہ کی رضا اور اس کی جنّت کا حصول ہے اس لیے قرآن مجید نے ایک سے زائد مقامات پر ترغیب دی ہے کہ اس کے لیے آگے بڑھو اور بڑھتے ہی چلے جاؤ۔

اس فرمان کی روشنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر جہاد فی سبیل اللہ میں مال خرچ کرنے کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ سوچ کر مسجد نبوی سے اٹھے کہ اس مرتبہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے صدقہ کرنے میں آگے بڑھ جاؤں گا۔ جب عمر فاروق اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما اپنا اپنا حصہ لے کر حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کتنا مال جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کل مال کا آدھا حصہ پیش کر رہا ہوں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ پورے کا پورا مال آپ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سبقت نہیں لے جا سکتا۔ (رواہ الترمذی : باب مناقب ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما، قال البانی حسن)

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ فِی الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً یَسِیْرُ الرَّاكِبُ فِیْ ظِلِّهَا مِائَةَ

سَنَةٍ وَاقْرَأُوْا إِنْ شِئْتُمْ ﴿وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ﴾)) (رواہ البخاری: باب ماجاء فی صفة الجنة وأنها مخلوقة)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: جنّت میں ایک ایسا درخت ہے کہ گھوڑے پر سوار شخص اس کے سائے میں سوسال تک چل سکتا ہے۔ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو (اور سائے ہیں لمبے لمبے)۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ رضی اللہ عنہ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ لِلْمُؤْمِنِ فِي الْجَنَّةِ لَخَيْمَةً مِنْ لُؤْلُؤَةٍ وَاحِدَةٍ مُجَوَّفَةٍ طُوْلُهَا سِتُّوْنَ مِيْلًا لِلْمُؤْمِنِ فِيْهَا أَهْلُوْنَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمُ الْمُؤْمِنُ فَلَا يَرٰى بَعْضُهُمْ بَعْضًا)) (رواه مسلم: باب في صفة خيام الجنة .....)

''حضرت عبداللہ بن قیس اپنے باپ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنّت میں مومن کے لیے موتی کا ایک ایسا خیمہ ہوگا جس کی لمبائی ساٹھ میل ہوگی وہاں مومن کے گھر والے ہوں گے جن کے پاس وہی جائے گا۔کوئی اور انہیں نہیں دیکھ سکے گا۔''

قرآن مجید کا مقصد جنّت کا طول وعرض بتانا نہیں بلکہ اس کی وسعت وکشادگی کا تصور دینا ہے۔

((عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ فُتِحَتْ لَهُ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ)) (رواه الترمذی: باب فیما یقال بعد الوضوء،قال الالبانی هذاحدیث صحیح)

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر کہتا ہے میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ اکیلا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے بندے اور رسول ہیں۔ اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں میں اور پاک صاف رہنے والوں میں شامل فرما۔ اس کے لیے جنّت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں جہاں سے چاہے داخل ہو جائے۔''

مسائل

۱۔ لوگو! اپنے رب کی بخشش اور جنّت کے لیے آگے بڑھو! ۲۔ جنّت کی چوڑائی زمین وآسمانوں سے کشادہ ہے۔
۳۔ جنّت ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اوراس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔
۴۔ جنّت کا حصول اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر ممکن نہیں ۵۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے فضل فرماتا ہے وہ بڑے فضل والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

جنّت اور بخشش کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنا چاہیے:

۱۔ اللہ کی مغفرت اور جنّت کی کوشش کرو۔ (الحدید:۲۱) ۲۔ نیکی کے حصول میں جلدی کرو۔ (البقرۃ:۱۴۸)
۳۔ نیکیوں میں سبقت کرنے والے سب سے اعلیٰ ہوں گے۔ (فاطر:۳۲) (الواقعہ:۱۰،۱۱)

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ

نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہارے نفسوں کو

اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ

مگر کتاب میں اس سے پہلے یہ کہ ہم پیدا کریں اس کو یقیناً یہ

عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝۲۲ لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ

اللہ پر نہایت آسان ہے تاکہ نہ تم غم کھاؤ اس پر جو تم سے چھن گیا

وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ

اور نہ تم اتراؤ اس پر جو وہ تمہیں دے اور اللہ نہیں پسند کرتا

كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۝۲۳

ہر اترانے والے فخر کرنے والے کو

”کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین پر یا تم پر آتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں نہ لکھ رکھا ہو، ایسا کرنا ”اللہ“ کے لیے بہت آسان ہے۔(۲۲) تاکہ جو نقصان تمہیں پہنچے اس پر تم دل برداشتہ نہ ہو اور جو تمہیں اللہ عطا فرمائے اس پر پھول نہ جاؤ، اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں اور فخر کرتے ہیں۔“(۲۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنّت کا حصول مشکلات کا سامنا کیے بغیر ممکن نہیں اس لیے مشکلات کی حقیقت کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حقیقت حال بتانے اور اسے تسلی دینے کے لیے ارشاد فرمایا ہے کہ تم پر اور زمین پر کوئی مصیبت نازل نہیں ہوتی مگر ”اللہ“ ہی اسے بھیجنے والا ہے۔ جسے اس نے اپنے ہاں لوحِ محفوظ پر ثبت کر رکھا ہے۔ مصیبت نازل کرنا اور اسے ٹالنا صرف اور صرف ”اللہ“ کے اختیار میں ہے اور اس نے انسان کی تخلیق سے پہلے اس کے مقدر میں لکھ رکھا ہے۔ مصیبت نازل کرنا اور اس کو ٹالنا اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل نہیں اس کے لیے کسی کام کو مشکل خیال کرنا ہی بہت بڑا کفر ہے۔ کسی کو مصیبت میں مبتلا کرنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ جو تم سے کھو جائے اس پر حد سے زیادہ غم نہ کرو اور جو تمہیں عطا کیا جائے اس پر فخر و غرور نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ فخر و غرور کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

﴿وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ o الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۱۵۵، ۱۵۶)

”اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے دشمن کے ڈر، بھوک، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے، ان صبر

کرنے والوں کو خوش خبری دیجیے۔انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یقیناً ہم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور بلاسبہ ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔“

((وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ تُصِيْبُهُ مُصِيْبَةٌ فَيَقُوْلُ مَا اَمَرَهُ اللّٰهُ بِهٖ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ”اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِىْ فِىْ مُصِيْبَتِىْ وَاَخْلِفْ لِىْ خَيْرًا مِّنْهَا“ اِلَّا اَخْلَفَ اللّٰهُ لَهٗ خَيْرًا مِّنْهَا فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْ سَلَمَةَ قُلْتُ اَىُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ مِّنْ اَبِىْ سَلَمَةَ اَوَّلُ بَيْتٍ هَاجَرَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ اِنِّىْ قُلْتُهَا فَاَخْلَفَ اللّٰهُ لِىْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ))

(رواہ مسلم: باب ما يقال عند المصيبة)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسولِ محترم ﷺ نے فرمایا: جومسلمان کسی مصیبت میں مبتلا ہوتو وہ وہی کلمے کہے جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے”بلاشبہ ہم اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں آخراسی کی طرف جانے والے ہیں، بارِالٰہا! میری اس مصیبت میں مجھے اجر سے نواز اور مجھے نعم البدل عطا فرما اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر بدلہ عطا کرے گا۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب میرے خاوند ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو میں نے سوچا کہ ابوسلمہ سے اچھا خاوند مسلمانوں میں کون ہوگا؟ یہ پہلا گھرانہ ہے جس نے رسول ﷺ کے ساتھ ہجرت کی۔ اس سوچ کے باوجود میں یہ دعا پڑھتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے بدلے رسول کریم ﷺ عطا فرما دیئے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے اِذن کے بغیرکوئی مصیبت نازل نہیں ہوتی ۔۲۔اللہ تعالیٰ نے ہر بات لوحِ محفوظ پرلکھ رکھی ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ہر کام آسان ہے ۔۴۔مصیبت آنے پرواویلا اور بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے ۔
۵۔ نعمت ملنے پرفخر وغرور نہیں کرنا چاہیے۔۶۔اللہ تعالیٰ فخر وغرور کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ فخر وغرور کرنے والے کو پسند نہیں کرتا:

۱۔ اللہ تکبر کرنے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (لقمان: ۱۸)
۲۔ جو”اللہ“ نے تمہیں عطا کیا ہے ،اس پر اتراؤ نہیں کیونکہ اللہ فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا ۔ (الحدید: ۲۳)
۳۔ یقیناً اللہ تکبر کرنے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔(النساء:۳۶)
۴۔ زمین میں اکڑ کر نہ چل! نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ پہاڑوں کی بلندیوں کو پہنچ سکتا ہے ۔ (بنی اسرائیل: ۳۷)
۵۔ آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے تیار کیا گیا ہے جو دنیا میں تکبر وفساد نہیں کرتے ۔(القصص:۸۳)

اَلَّذِیْنَ	یَبْخَلُوْنَ	وَیَاْمُرُوْنَ	النَّاسَ	بِالْبُخْلِ ط	وَمَنْ
جولوگ	بخل کرتے ہیں	اور حکم دیتے ہیں	لوگوں کو	بخل کا	اور جو شخص
یَّتَوَلَّ	فَاِنَّ	اللّٰہَ	ھُوَ	الْغَنِیُّ	الْحَمِیْدُ ﴿۲۴﴾
منہ پھیر لے	تو بلاشبہ	اللہ	وہ	بے پروا	نہایت قابل تعریف ہے

”جو بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل کرنے کے لیے کہتے ہیں اور جو روگردانی کرتا ہے ۔اللہ بے نیاز اور لائق تعریف ہے۔“(۲۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جولوگ کوئی چیز کھو بیٹھنے پر حد سے زیادہ افسوس کرتے ہیں اور جب انہیں کچھ میسر آتا ہے تو اس پر اتراتے ہیں ایسے لوگوں کی اکثریت بخل میں مبتلا ہوا کرتی ہے ۔اس لیے یہاں بخل کی مذمت کی گئی ہے ۔

مال کے چھن جانے پر حد سے زیادہ دل گرفتہ ہونا اور اس کے حاصل ہونے پر اپنے آپ سے باہر ہوجانا اخلاقی کمزوریاں ہیں ، ان کمزوریوں میں ایک کمزوری بخل ہے جس کا پہلا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے دل میں استغنٰی اور اللہ پر توکل ختم ہو جائے تو آدمی نہ صرف خود بخل کا شکار ہوتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اچھے کاموں پر خرچ کرتے ہوئے دیکھ نہیں سکتا ۔یہاں تک اس کا بس چلتا ہے وہ عزیز واقارب اوراپنے احباب کو صدقہ کرنے سے روکتا ہے کیونکہ وہ اسے مال ضائع کرنے کے مترادف سمجھتا ہے ۔نبی علیہ السلام کے دور میں منافقوں کی یہی حالت تھی۔ منافق نہ صرف خود صدقہ نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے گردوپیش کے لوگوں کو صدقہ کرنے سے روکتے تھے۔اس کے کچھ منفی اثرات نئے مسلمانوں پر پڑ رہے تھے جس پر یہ فرمان نازل ہوا کہ جولوگ بُخل کرتے ہیں اور دوسروں کو صدقہ کرنے سے روکتے ہیں یا ان کے لیے بخل کا ماحول پیدا کرتے ہیں انہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے تو استطاعت رکھنے کے باوجود خرچ نہیں کرتے ان کا انجام برا ہوگا ۔

﴿وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَ لِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ﴾ (آل عمران : ۱۸۰)

”جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ اپنے لیے بخل کو بہتر نہ سمجھیں بلکہ بخل کرنا ان کے لیے بُرا ہے عنقریب قیامت کے دن بخل والی چیز ان کے گلے میں ڈال دی جائے گی۔اللہ ہی کے لیے آسمانوں اورزمین کی ملکیت ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے۔“

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَثَلَ الْبَخِيْلِ وَالْمُتَصَدِّقِ كَمَثَلِ

رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُبَّتَانِ مِنْ حَدِيْدٍ قَدِ اضْطُرَّتْ أَيْدِيْهِمَا إِلٰى ثَدِيِّهِمَا وَتَرَاقِيْهِمَا فَجعَلَ الْمُتَصَدِّقُ كُلَّمَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ انْبَسَطَتْ عَنْهُ حَتّٰى تَغْشٰى أَنَامِلَهٗ وَتَعْفُوَ أَثَرَهٗ وَجعَلَ الْبَخِيْلُ كُلَّمَا هَمَّ بِصَدَقَةٍ قَلَصَتْ وَأَخَذَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ بِمَكَانِهَا قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ فَأَنَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ بِإِصْبَعِهٖ هٰكَذَا فِيْ جَيْبِهٖ فَلَوْ رَأَيْتَهٗ يُوَسِّعُهَا وَلَا تَتَوَسَّعُ))

(رواه البخاری: کتاب اللباس، باب جیب القمیص من عند الصدر وغیره)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بخیل اور صدقہ دینے والے کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی مثال دو آدمیوں کی طرح ہے جو ہاتھ، سینے اور گلے تک لوہے کی قمیض پہنے ہوئے ہوں۔ صدقہ دینے والا صدقہ کرتا ہے تو اس کی قمیض کشادہ ہوجاتی ہے اور وہ اس کی انگلیوں تک بڑھ جاتی ہے اور اس کے قدموں کو ڈھانپ لیتی ہے۔ جب بخیل صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی قمیض اس سے چمٹ جاتی ہے یہاں تک ہر حلقہ اپنی جگہ پر کس جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ اپنی انگلیوں سے اپنے گریبان کی طرف اشارہ کر رہے تھے کہ تم دیکھو گے کہ وہ اس کو کھولنا چاہے گا لیکن وہ نہیں کھلے گی۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ غنی اور صاحبِ تعریف ہے۔
۲۔ کچھ لوگ خود بخیل ہونے کے ساتھ دوسروں کو بھی بخل پر آمادہ کرتے ہیں۔
۳۔ جو شخص استطاعت رکھنے کے باوجود اللہ کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔

تفسیر بالقرآن

بخل کی سزا:

۱۔ خزانے جمع کرنے والوں کو عذاب کی خوشخبری دیجیے۔ (التوبہ:۳۴)
۲۔ بخیل اپنا مال ہمیشہ باقی نہیں رکھ سکتا۔ (الہمزہ:۳)
۳۔ بخیل کے مال کے ذریعے ہی اسے سزا دی جائے گی۔ (التوبہ:۳۵)
۴۔ مالدار اپنے لیے بخل کو اچھا خیال کرتے ہیں حالانکہ بخل کرنا ان کے لیے برا ہے۔ (آل عمران : ۱۸۰)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ

البتہ تحقیق ہم نے بھیجے اپنے رسول (جمع) واضح دلائل کے ساتھ اور ہم نے نازل کی ان کے ساتھ کتاب

وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ

اور میزان تاکہ قائم رہیں لوگ انصاف پر اور ہم نے نازل کیا لوہا اس میں

بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ

قوت ہے سختی ہے اور فائدے ہیں لوگوں کے لیے اور تاکہ جان لے اللہ کون

یَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۲۵﴾

مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے بلاشبہ اللہ قوی غالب ہے

''ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں، اور لوہا اتارا جس میں قوت ہے سختی ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہے، یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ ''اللہ'' کو معلوم ہو جائے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے، یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔'' (۲۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ''اللہ'' غنی ہے، وہی لوگوں کو سب کچھ عطا کرنے والا ہے یہ اس کی سب سے بڑی عطا ہے کہ اس نے لوگوں کی ہدایت کے لیے انبیاء مبعوث فرمائے۔

ان آیات کا پسِ منظر یہ ہے کہ غزوہ تبوک تمام غزوات سے مشکل ترین غزوہ تھا۔ سفر کے مسائل اور دشمن کے ساتھ مقابلے کرنے مزید یہ کہ عرب کی گرمی اپنی انتہا پر تھی اور لوگوں کی فصلیں پکی ہوئی تھیں ان حالات میں نبی معظم ﷺ نے صحابہ کو تبوک کے لیے تیاری کا حکم دیا۔ اس موقعہ پر منافقین نے اپنے رشتہ دار مخلص مسلمانوں کو نا صرف تبوک کی طرف جانے سے روکا بلکہ انہیں مال خرچ کرنے سے بھی منع کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل فرمایا کہ یقیناً ہم نے رسولوں کو ٹھوس اور واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ایک میزان اتاری تاکہ وہ لوگوں کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کریں اور ہم نے لوہا بھی اتارا جو سخت ترین چیز ہے اس میں لوگوں کے لیے فائدے رکھ دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے البینات، الکتاب، المیزان اور لوہا اس لیے نازل کیا تاکہ وہ لوگوں کو آزمائے اور دیکھے کہ کون بن دیکھے اپنے رب پر ایمان لاتا ہے اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے، لوگوں کو اس بات پر ایمان ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ پوری قوت رکھنے والا اور ہر اعتبار سے اپنا حکم نافذ کرنے پر غالب ہے۔ اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔

اَلْبَیِّنٰتُ:

اَلْبَیِّنَاتِ سے مراد معجزات ہیں جو اہم اور نازک ترین موقعہ پر انبیائے کرام ﷷ کو عطا کیے گئے تھے۔ معجزات سے ایک طرف نبی کو سکون اور ڈھارس حاصل ہوتی تھی اور دوسری طرف آپ کے مخالفین لاجواب ہوجایا کرتے

تھے۔ جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وقت کے حکمران کو فرمایا کہ اگر تو واقعی ہی رب ہے تو سورج کو مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع کر دے اس پر وہ حکمران حیران اور ششدر رہ گیا۔ (البقرۃ: ۲۵۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں فرعون اور جادوگر ناکام ہوئے۔ حضرت مریم علیہا السلام پر الزام لگا تو عیسیٰ علیہ السلام کی گفتگو سے مخالفوں کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر موقعہ پر دلائل اور معجزات کی بنیاد پر کفار اور یہود ونصاریٰ کو لاجواب کر دیا۔

اَلْکِتَابَ:

اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام پر اس لیے کتابیں نازل فرمائیں تاکہ ان کی تعلیمات کی روشنی میں حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کردیں اور لوگوں کو ہر قسم کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان اور علم کی روشنی میں لا کھڑا کریں۔ اسی لیے قرآن مجید کو الفرقان کہا گیا ہے اس کے ذریعے دنیا میں شرک اور توحید، عدل اور ظلم کے درمیان امتیاز قائم ہوا۔

اَلْمِیْزَانَ:

سورہ الشوریٰ کی آیت ۱۷ کی تفسیر کرتے ہوئے اَلْمِیْزَانَ کے بارے میں سورہ الرحمٰن میں عرض ہو چکا ہے۔

اَلْمِیْزَانَ کا لفظ قرآن مجید میں ۹ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

ارشاد ہوا کہ ہم نے ایک میزان نازل فرمایا ہے۔ ”اَلْمِیْزَانُ“ کے بارے میں اہلِ علم کے چار قسم کے خیالات ہیں جو اپنی اپنی تشریح کے مطابق حق پر مبنی ہیں۔ ① ”اَلْمِیْزَانُ“ درحقیقت الکتاب کے لفظ کی تشریح ہے۔ ② ”اَلْمِیْزَانُ“ سے مراد قرآن وسنت کی تعلیم ہے جس کے ذریعے انسان حق وباطل کے درمیان فرق کرتا ہے۔ ③ ”اَلْمِیْزَانُ“ سے مراد عقلِ سلیم ہے جس کی روشنی میں آدمی حق اور ناحق کی پہچان کرتا ہے۔ ④ ”اَلْمِیْزَانُ“ سے مراد دنیا کی کسی چیز کی پیمائش یا وزن کرنے کا وہ پیمانہ ہے جس کے ذریعے لوگ اپنا لین دین کرتے ہیں۔ جن آیات میں ”اَلْمِیْزَانُ“ کا لفظ ہے وہ درج ذیل ہیں۔ (الانعام: ۱۵۲، الاعراف: ۸۵، ھود: ۸۴، ۸۵، الشوریٰ: ۱۷، الرحمٰن: ۷، ۸، ۹، الحدید: ۲۵)

ا۔ ”اَلْمِیْزَانُ“ اللہ تعالیٰ نے اس لیے نازل فرمایا تاکہ لوگوں کے درمیان ہر قسم کا عدل قائم کیا جائے اور لوگ ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے بچ جائیں اور ان کے درمیان عدل وانصاف کا اجتماعی نظام قائم ہو پائے۔

اَلْحَدِیْدَ:

الحدید کا ذکر کرتے ہوئے انزلنا کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے بیان ہو چکا ہے کہ انزل کے دو معانی ہیں۔ ا۔ انزل کا معنیٰ پیدا کرنا ۲۔ انزل بمعنیٰ اتارنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے الحدید کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ جنگ کے دوران قوت کا باعث ہے۔ لوگوں کے لیے اس میں اور بھی فائدے رکھ دیئے گئے ہیں۔

اَلْبَیِّنٰتِ، اَلْکِتَابَ، اَلْمِیْزَانَ اور اَلْحَدِیْدَ لوگوں کو اس لیے عطا کیے گئے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ آزمائے اور

دیکھے کہ کون اپنے رب کو دیکھے بغیر اس پر ایمان لاتا ہے اس کی اور رسولوں کی مدد کرتا ہے۔اللہ کی مدد کرنے سے مراد اس کے دین کی مدد کرنا ہے۔اس کا فرمان ہے اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور کفار کے مقابلے میں تمہیں ثابت قدم فرمائے گا۔کفار کے لیے ہلاکت اوران کے اعمال کی بربادی ہے۔(محمد: ۷،۸)

یہاں تک لوہے کی حیثیت اور اس کے فوائد کا تعلق ہے اس کے اَن گنت اور لاتعداد فوائد ہیں۔تیر سے لے کر ایٹم بم اور سائیکل سے لے کر ہوائی جہاز لوہے کے بغیر تیار نہیں ہو سکتے۔ارشاد ہوا کہ ”اللہ“ جاننا چاہتا ہے یعنی واضح کرنا چاہتا ہے کہ کون اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتا اور غیب پر ایمان لاتا ہے۔غیب پر ایمان لانے کا ذکر فرما کر اشارہ دیا ہے کہ وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اسلحہ کے لحاظ سے جس فرد یا قوم کو دوسرے پر برتری حاصل ہو۔وہ دوسرے کے ساتھ عدل کرتی ہے یا ظلم کرکرتی ہے لوہے کا ذکر فرما کر مسلمانوں کو اشارۃً سمجھایا کہ اگر اللہ اور اس کے رسول اور اپنے دشمن پر برتری چاہتے ہو تو حالات کے مطابق لوہے کے استعمال کا طریقہ سیکھو۔

((عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ))

(رواہ مسلم: باب فضل الرمی)

”حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ منبر پر فرما رہے تھے کہ اپنے استطاعت کے مطابق جہاد کے لیے تیار رہو۔جان لو! کہ قوت تیراندازی میں ہے،خبردار! تیر میں ہے۔جان رکھو! قوت تیراندازی میں ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو ٹھوس دلائل،الکتاب،المیزان اور لوہا عطا فرمایا۔

۲۔ جنگ میں لوہے کی بڑی اہمیت ہے۔۳۔اللہ تعالیٰ نے لوہے میں بے شمار فوائد رکھے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ جاننا چاہتا ہے کہ کون غیب پر ایمان لاتے ہوئے اس کے دین اور رسول کی مدد کرتا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ بڑا طاقت ور اور ہر اعتبار سے غالب ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی کس طرح مدد فرمائی:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے غارِ ثور میں نبی ﷺ کی مدد فرمائی۔(التوبہ:۴۰)۲۔ابرہہ کے مقابلے میں بیت اللہ کا تحفظ فرمایا۔(الفیل)

۳۔ غزوہ خندق میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی مدد فرمائی۔(الاحزاب:۹)

(آلِ عمران:۱۲۳)(القصص:۵)(التوبہ:۲۵) (آل عمران:۱۲۶)(النصر:۱)(الروم:۵)

وَلَقَدْ	اَرْسَلْنَا	نُوْحًا	وَّ	اِبْرٰهِيْمَ	وَجَعَلْنَا
اور البتہ تحقیق	ہم نے بھیجا	نوح کو	اور	ابراہیم کو	اور ہم نے رکھی

فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا	النُّبُوَّةَ	وَالْكِتٰبَ	فَمِنْهُمْ	مُّهْتَدٍ ج
ان دونوں کی اولاد میں	نبوت	اور کتاب	پھر کچھ ان میں سے	ہدایت پانے والے ہیں

وَكَثِيْرٌ	مِّنْهُمْ	فٰسِقُوْنَ ﴿٢٦﴾
اور بہت سے	ان میں سے	نافرمان ہیں

”ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور اُن کی نسل میں نبوت اور کتاب رکھ دی، پھر ان کی اولاد میں کسی نے ہدایت اختیار کی اور بہت سے نافرمان ہوئے۔“(٢٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے جتنے رسول مبعوث فرمائے ان کی بعثت کا مقصد لوگوں کے القسط قائم کرنا تھا۔ القسط سے پہلی مراد ”اللہ“ کی توحید کا اقرار اور اس کے تقاضے پورے کرنا، رسولوں میں نمایاں ترین رسول حضرت نوح اور ابراہیم علیہما السلام ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام آدم ثانی ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو رسول مبعوث کیے گئے ان میں ہمہ جہت صفات کے اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تبلیغ کے دورانیہ کے حوالے سے حضرت نوح علیہ السلام سب سے ممتاز ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال اپنی قوم کو سمجھاتے رہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کے لیے مبعوث کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام اُنھیں ساڑھے نو سو سال سمجھاتے رہے، قوم نے سمجھنے کی بجائے نوح علیہ السلام کو بار بار یہ کہا کہ ہم تیرے کہنے پر ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو نہیں چھوڑ سکتے۔ (نوح: ٢٣) یاد رہے یہ اس قوم کے سب سے بڑے بت تھے۔ یہ قوم کے فوت شدہ بزرگوں کے تخیلاتی مجسمے تھے جو انہوں نے اپنے فوت شدہ بزرگوں کی یاد میں بنائے ہوئے تھے۔ قوم نے نوح علیہ السلام کو یہ بھی دھمکی دی کہ اگر تو باز نہ آیا تو ہم تجھے پتھر مار مار کر مار ڈالیں گے۔ (الشعراء: ١١٦) اس کے ساتھ ہی یہ کہنے لگے کہ اے نوح! تیرے اور ہمارے درمیان جھگڑا طول پکڑ گیا ہے اس لیے جس عذاب کا تو ہم سے وعدہ کرتا ہے اسے لے آؤ اگر تو واقعی ہی سچا ہے۔ (ہود: ٣٢)

تب جا کر اللہ تعالیٰ نے ظالموں پر گرفت فرمائی اور انھیں ڈبکیاں دے دے کر غرق کیا۔ البتہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو ایک کشتی کے ذریعے بچا لیا اور ڈوبنے والوں کو آنے ولوں کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا گیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سے نمایاں ہیں خاندانِ نبوت میں انہیں ابوالانبیاء کا اعزاز اور مقام حاصل ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی انبیاء مبعوث کیے گئے ان کی غالب اکثریت ابراہیم کی نسل کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے جن میں اسماعیل بڑے اور اسحاق علیہما السلام چھوٹے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے صرف اور صرف نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ بنی اسرائیل کے باقی انبیائے کرام صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس حوالے سے ابراہیم ابوالانبیاء کے شرف سے مشرف ہوئے۔ ان کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا جن میں کچھ انبیائے کرام علیہم السلام کو آسمانی کتب سے سرفراز کیا گیا، باقی اپنے سے پہلے نبی کی تائید کرتے رہے ان انبیاء کی اولاد یعنی نسل میں کچھ لوگ ہدایت یافتہ تھے لیکن ان کی اکثریت نافرمانوں پر مشتمل تھی۔ نبی سے پہلے عیسیٰ علیہما السلام مبعوث کیے گئے جو بنی اسرائیل کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔ ان کے عظیم معجزات دیکھنے کے باوجود بنی اسرائیل کی غالب اکثریت نافرمان رہی اور آج بھی ان کی غالب اکثریت اپنے رب کی نافرمان اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور رسالت کے منکر ہیں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کو نبوت عطا فرمائی۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں سے کچھ شخصیات کو نبوت اور کتاب سے سرفراز فرمایا۔
۳۔ حضرت نوح اور ابراہیم علیہما السلام کی نسل میں نیک لوگ بھی تھے اور نافرمان بھی۔

تفسیر بالقرآن

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں چند شخصیات کے اسماء گرام جن کو نبوت اور کتاب عطا کی گئی:

۱۔ ہم نے ابراہیم کو اسحٰق و یعقوب عطا کیے اور ہم نے ان کو نبوت عطا کی۔ (العنکبوت: ۲۷)
۲۔ حضرت اسحاق و یعقوب علیہما السلام اللہ کے منتخب کردہ نبی ہیں۔ (ص: ۴۵تا۴۷)
۳۔ ہم نے اسحاق اور یعقوب علیہما السلام کو ہدایت سے نوازا۔ (الانعام: ۸۴)
۴۔ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو آیات دے کر بھیجا تاکہ وہ اپنی قوم کے لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لائیں۔ (ابراہیم: ۵)
۵۔ اللہ تعالیٰ نے اسماعیل، یسع، یونس اور لوط علیہم السلام کو جہاں والوں پر فضیلت دی۔ (الانعام: ۸۶)
۶۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے حضرت یوسف کو نبی بنایا گیا۔ (یوسف: ۲۲)
۷۔ حضرت داؤد کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبی بنایا۔ (النمل: ۱۶)
۸۔ فرشتوں نے زکریا علیہ السلام سے کہا اللہ تجھے یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو نیکو کار اور پیغمبروں میں سے ہوں گے۔ (آل عمران: ۳۹) ۹۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ (الفتح: ۲۹)

ثُمَّ قَفَّيۡنَا عَلٰٓی اٰثَارِهِمۡ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيۡنَا بِعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ

پھر ہم نے لگا تار بھیجے ان کے نقشِ قدم پر اپنے رسول (جمع) اور ہم نے پیچھے بھیجا عیسیٰ ابن مریم کو

وَ اٰتَيۡنٰهُ الۡاِنۡجِيۡلَ ۙ وَجَعَلۡنَا فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ

اور ہم نے دی اس کو انجیل اور ہم نے رکھ دی ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے پیروی کی اس کی

رَاۡفَةً وَّرَحۡمَةً ؕ وَرَهۡبَانِيَّةَ ۨ ابۡتَدَعُوۡهَا مَا كَتَبۡنٰهَا عَلَيۡهِمۡ

شفقت اور مہربانی اور رہبانیت اسے انہوں نے خود ایجاد کیا نہ ہم نے فرض کیا تھا اسے ان پر

اِلَّا ابۡتِغَآءَ رِضۡوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوۡهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ

سوائے تلاش کرنے رضائے الٰہی کے پھر نہ انہوں نے خیال رکھا اس کا جیسا اس کا خیال رکھنے کا حق تھا

فَاٰتَيۡنَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡهُمۡ اَجۡرَهُمۡ ۚ وَ كَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ۝٢٧

پھر ہم نے دیا ان لوگوں کو جو ایمان لائے ان میں سے ان کا اجر اور بہت سے ان میں سے فاسق تھے

’’اُن کے بعد ہم نے پے در پے اپنے رسول (جمع) بھیجے، اور ان سب کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور اس کو انجیل عطا کی، اور جن لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی ان کے دلوں میں ہم نے نرمی اور رحم ڈال دیا، اور انہوں نے خود رہبانیت ایجاد کر لی، حالانکہ ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا، مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب میں انہوں نے خود ہی اسے ایجاد کرلیا اور پھر اس کی پابندی کرنے کا جو حق تھا اسے ادا نہ کیا۔ اُن میں سے جو لوگ ایمان لائے ان کا اجر ہم نے ان کو عطا کیا مگر ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہے۔‘‘ (٢٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری اور ان کی بعثت کا مقصد۔

اللہ تعالیٰ نے نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے بعد وقفے وقفے کے بعد بے شمار انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ ان کے آخر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور انہیں انجیل کے ساتھ بڑے بڑے معجزات عطا فرمائے جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع کی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نرمی اور شفقت پیدا فرمادی۔ عیسائیوں نے از خود اپنے لیے رہبانیت ایجاد کرلی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ان پر لازم قرار نہیں دیا تھا۔ انہوں نے اسے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ پر فرض کرلیا جس کا وہ حق ادا نہ کرسکے۔ جس طرح انہیں حق ادا کرنا چاہیے تھا۔ ان میں جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے انہیں اجر سے سرفراز فرمایا لیکن ان کی اکثریت نافرمان تھی۔

رہبانیت کا مادہ رَہب ہے جس کا معنٰی خوف ہے۔ ’’رَہبانیّت‘‘ کا مطلب ہے مسلکِ خوفزدگی اور ’’رُہبانیّت‘‘

کا معنیٰ مسلکِ خوفزدگان ہے۔اصطلاحاً اس سے مراد کسی شخص کا خوف کی بنا پر تارک الدنیا بن جانا اور دنیوی زندگی سے الگ تھلگ ہونا ہے۔

رَأْفَةً کا معنیٰ:

عربی ڈکشنری کے لحاظ سے "رَأْفَةً" کا معنیٰ دوسرے کی تکلیف دیکھ کر تڑپ جانا اور رحمت کا معنیٰ شفقت اور کسی دوسرے کی مدد کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہایت ہی مشفق اور نرم دل پیدا فرمایا۔اس وقت کا تقاضا تھا کہ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کی جائے کیونکہ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی بار بار نافرمانی کر کے اپنے لیے سختیاں پیدا کر لی تھیں،اس سختی کے خاتمے کے لیے شریعتِ عیسوی میں نرمی اور شفقت کا پہلو غالب رکھا گیا۔اسی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے امتی کو یہ تعلیم اور تلقین کی کہ اگر تیرے چہرے پر کوئی تھپڑ مارے تو تجھے بدلہ لینے کی بجائے اپنے چہرے کا دوسرا رخ اس کے سامنے کر دینا چاہیے تا کہ وہ شرمندہ ہو جائے۔اسی تعلیم کا اثر تھا اور ہے کہ عیسائیوں میں اپنے آپ کو نصاریٰ کہلوانے والے مسلمانوں کے بارے میں نسبتاً نرم گوشہ رکھتے ہیں جس کا ذکر یوں کیا گیا ہے۔

﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ (المائدة: ٨٢)

"یقیناً آپ ایمان داروں کے ساتھ سب لوگوں سے زیادہ عداوت رکھنے والے یہود کو اور ان لوگوں کو پائیں گے جو شرک کرتے ہیں اور یقیناً آپ ایمانداروں کے ساتھ دوستی میں ان کو قریب پائیں گے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں کیونکہ ان میں عالم اور راہب ہیں جو تکبر نہیں کرتے۔"

رہبانیت:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کی قربت چاہنے کے لیے رہبانیت اختیار کر لی حالانکہ ان پر فرض نہیں کی گئی تھی۔رہبانیت کو اپنے آپ پر فرض قرار دینے کے باوجود اس کے تقاضے پورے نہ کر سکے۔ رہبانیت اختیار کرنے والوں کی غالب اکثریت نے اپنے آپ پر کچھ حلال چیزوں کو حرام کر لیا اور کچھ حرام چیزوں کو جائز قرار دیا۔جس طرح ہمارے ہاں صوفیائے کرام نے تصوف اختیار کرنے کے بعد طریقت کے نام پر اپنے طور پر کچھ باتوں کو حلال سمجھا اور کچھ کو اپنے لیے حرام قرار دیا۔

شادی سے اجتناب کرنا:

رہبانیت اختیار کرنے کی وجہ سے جو لوگ پادری اور پوپ بنے انہوں نے اپنے آپ پر یہ پابندی لگا لی

کہ وہ زندگی بھر کسی عورت سے نکاح نہیں کریں گے۔ اسی اصول کے پیشِ نظر آج بھی شادی کرنے والا شخص پادری، پوپ اور بشپ نہیں بن سکتا۔ اس پابندی کے باوجود شروع سے لے کر آج تک اس منصب پر فائز ہونے والے پادری اور پوپ اخلاقی جرائم کے مرتکب ہوئے یہاں تک کہ ان کے بارے میں لواطت زدگی کے سکینڈل بھی زبانِ زد عام ہوتے رہے ہیں۔

دین اسلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں ۔ نبی آخرالزمان ﷺ نے کھلے الفاظ میں اس سے منع کیا ہے۔

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ إِنَّ لِکُلِّ أُمَةٍ رَهْبَانِيَّةً وَرَهْبَانِيَّةُ هَذِهِ الْأُمَّةِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ)) (رواه البيهقي في شعب الايمان : باب الجهاد)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہر امت کے لیے رہبانیت کا ایک انداز تھا میری امت کی رہبانیت اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ہے۔“

بدعت کی مذمت:

جو کام قرآن وسنت سے ثابت نہیں اسے دین اور ثواب سمجھ کر کرنا بدعت ہے بے شک وہ کام کتنا ہی اچھا دکھائی کیوں دیتا ہو ۔ ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی جہنم میں داخل کرنے والی ہے کیونکہ بدعتی شخص عملاً اور اعتقاداً دین کو نامکمل سمجھتا ہے اس لیے نبی معظم ﷺ خطبہ جمعہ کی ابتدا میں یہ الفاظ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا خَطَبَ ......يقول أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرُ الْهُدَى هُدَى مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٍ)) (رواه مسلم : كتاب الجمعة ، باب تخفيف الصلاة)

”حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ جب بھی خطبہ دیتے تو ارشاد فرماتے...... ......بلاشبہ سب سے بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے اور ہدایت کا بہترین راستہ محمد (ﷺ) کا ہے اور برے کاموں میں سے بدترین کام بدعت ایجاد کرنا ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے ۔“

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ)) (رواه مسلم: باب نَقْضِ الْأَحْكَامِ الْبَاطِلَةِ وَرَدِّ مُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسولِ محترم ﷺ نے فرمایا جس نے ہمارے دین میں نئی بات ایجاد کی جو دین میں نہیں ہے وہ ٹھکرا دی جائے گی۔“

((عَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لاَ يَقْبَلُ اللّٰهُ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْمًا وَلاَ صَلَاةً وَلاَ صَدَقَةً وَلاَ حَجًّا وَلاَ عُمْرَةً وَلاَ جِهَادًا وَلاَ صَرْفًا وَلاَ عَدْلاً يَخْرُجُ مِنَ

الإِسْلاَمِ كَمَا تَخْرُجُ الشَّعَرَةُ مِنَ الْعَجِينِ)) (رواه ابن ماجه : باب اجْتِنَابِ الْبِدَعِ وَالْجَدَلِ،قال الالبانی صحیح)

''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بدعتی آدمی کا روزہ ، نماز، حج ،عمرہ، جہاد ،اور کوئی چھوٹی بڑی نیکی قبول نہیں کرتا۔ایسا شخص اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ جاری رکھا۔

٢۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو انجیل عطا فرمائی۔

٣۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکاروں میں مسلمانوں کے بارے میں نرمی رکھ دی ہے۔

٤۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے پیروکاروں نے رہبانیت کی بدعت ایجاد کی۔

٥۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اوراس کے تقاضے پورے کرتے رہے اللہ تعالیٰ انہیں دوہرا اجر عطا فرمائے گا۔

٦۔ عیسائیوں کی غالب اکثریت ہمیشہ سے ''اللہ'' اور عیسیٰ علیہ السلام کی نافرمان رہی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل اور معجزات عطا فرمائے:

١۔ مٹی سے پرندہ بنا کر اڑانا، مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو باذن اللہ اچھا کرنا۔ (آل عمران : ٤٩)

٢۔ عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ ہیں اور دنیا و آخرت میں عزت پانے والے ہیں۔ (آل عمران : ٤٥)

٣۔ ''اللہ'' نے عیسیٰ ابن مریم کو معجزات سے نوازا اور روح القدس کے ساتھ اس کی مدد فرمائی۔ (البقرۃ: ٨٧)

٤۔ عیسیٰ علیہ السلام کا بن باپ کے پیدا ہونا۔ (آل عمران : ٤٧) ٥۔روح القدس کی تائید حاصل ہونا۔ (البقرۃ: ٢٥٣)

٦۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمانوں پر اٹھایا جانا۔ (النساء: ١٥٨)

٧۔ پیدائش کے چند دن بعد اپنی نبوت کا اعلان کرنا۔(مریم: ٣٠)

٨۔ گود میں اپنی والدہ کی براءت کا اعلان کرنا۔ (آل عمران : ٤٧)

٩۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لوگوں کو انکی کھانے پینے اور ذخیرہ کی ہوئی چیزوں کے بارے مطلع کرنا۔(آل عمران : ٤٩)

يٰٓاَيُّهَا	الَّذِيْنَ اٰمَنُوا	اتَّقُوا اللّٰهَ	وَاٰمِنُوْا	بِرَسُوْلِهٖ	يُؤْتِكُمْ
اے	لوگو جو ایمان لائے ہو	تم اللہ سے ڈرو	اور ایمان لاؤ	اس کے رسول پر	وہ تمہیں دے گا
كِفْلَيْنِ	مِنْ رَّحْمَتِهٖ	وَيَجْعَلْ	لَّكُمْ	نُوْرًا	تَمْشُوْنَ
دو حصے	اپنی رحمت سے	اور بنائے گا	تمہارے لیے	نور	تاکہ تم چلو گے
بِهٖ	وَيَغْفِرْ	لَكُمْ ۭ	وَاللّٰهُ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ۝ ٢٨
اس کے ساتھ	اور وہ بخش دے گا	تمہیں	اور اللہ	معاف کرنے والا	نہایت رحم کرنے والا ہے

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول (محمد) پر ایمان لاؤ اللہ تمہیں اپنی رحمت سے دُہرا اجر عطا فرمائے گا اور تمہیں نور عطا کرے گا جس کی روشنی میں تم چلو گے اور تمہارے گناہ معاف کرے گا، اللہ بڑا معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔'' (۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنی اسرائیل کی غالب اکثریت نافرمان ٹھہری۔ اے ایمان والو! تمہیں ''اللہ'' اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی سے بچنا چاہیے۔

اے ایمان والو! ہر حال میں ''اللہ'' سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ! ''اللہ'' تمہیں دوگنا اجر عطا فرمائے گا اور تمہارے لیے روشنی پیدا کرے گا جس میں تم زندگی بسر کرو گے اور بتقاضا بشریت جو تم سے غلطیاں ہوں گی انہیں معاف فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔ یہاں ایمان داروں کو مخاطب کرتے ہوئے انہیں رسول اکرم ﷺ پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس خطاب کے مفسرین نے دو مفہوم اخذ کیے ہیں۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ ''اٰمِنُوْا'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اس لیے انہیں اے ایمان والو کہہ کر خطاب کیا معنٰی یہ ہے کہ جس طرح عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ہو اسی طرح نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لاؤ! جس کا اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت سے دوگنا اجر عطا فرمائے گا۔

دوسری جماعت کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں ان مسلمانوں کو خطاب کیا ہے جو ایمان لانے کے باوجود اس کے تقاضے پورے نہیں کرتے انہیں ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کے تقاضے پورے کرو! اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے تمہیں دوگنا اجر عطا فرمائے گا اور تمہاری غلطیاں معاف کرتے ہوئے تمہارے لیے روشنی کا بندوبست کرے گا جس میں تم چلو گے۔ روشنی سے مراد قرآن وسنت کی تعلیم اور خداداد بصیرت ہے جو شخص ایمان کے تقاضے پورے کرتا اور ''اللہ'' سے ڈر کر زندگی بسر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے خاص بصیرت اور توفیق عطا کرتا ہے جس بنا پر وہ نیکی اور برائی حلال اور حرام ظلم اور عدل میں تمیز کرتا ہے اسی طرح روشنی میں چل کر وہ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يَغْفِرْلَكُمْ وَ اللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ (الانفال: ۲۹)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہیں حق وباطل میں فرق کرنے کی قوت دے گا اور تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا۔ تمہیں بخش دے گا اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔''

((عن أَبِی بُرْدَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ عَنْ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ثَلَاثَةٌ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ الرَّجُلُ تَكُونُ لَهُ الْأَمَةُ فَيُعَلِّمُهَا فَيُحْسِنُ تَعْلِيمَهَا وَيُؤَدِّبُهَا فَيُحْسِنُ أَدَبَهَا ثُمَّ يُعْتِقُهَا فَيَتَزَوَّجُهَا فَلَهُ أَجْرَانِ وَمُؤْمِنُ أَهْلِ الْكِتَابِ الَّذِي كَانَ مُؤْمِنًا ثُمَّ اٰمَنَ بِالنَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَهُ أَجْرَانِ وَالْعَبْدُ الَّذِي يُؤَدِّي حَقَّ اللّٰهِ وَيَنْصَحُ لِسَيِّدِهِ))(رواه البخاری: کتاب الجهاد و السیر، بَاب فَضْلِ مَنْ أَسْلَمَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابَيْنِ)

''حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد گرامی سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بیان کرتے ہوئے سنا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین طرح کے افراد کو دوہرا اجر عنایت کیا جائے گا، ان میں ایک وہ ہوگا جس کے پاس لونڈی ہو اس نے اسے اچھی تعلیم دی اور اس کو ادب سکھایا پھر وہ اس کو آزاد کرتے ہوئے اس سے نکاح کر لیا۔ دوسرا یہود و نصاریٰ میں وہ شخص جو اپنے دین میں پکا تھا اور بعد ازاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا اس کے لیے بھی دوہرا اجر ہے تیسرا وہ شخص جو غلام ہے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتے ہوئے اپنے مالک کے کام اور خدمت میں اس کی خیرخواہی کرتا ہے۔''

((عَنْ أَبِی مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ إِنِّی أُبْدِعَ بِی فَاحْمِلْنِی فَقَالَ مَا عِنْدِیْ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَنَا أَدُلُّهُ عَلٰى مَنْ يَحْمِلُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ دَلَّ عَلٰى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ))

(رواه مسلم: کتاب الامارة، باب فضل اعانة الغازی)

''حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا میرے پاس سواری نہیں ہے مجھے سواری عنایت کیجیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس بھی سواری نہیں ہے دوسرے آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول! میں اس کو اس شخص کی طرف رہنمائی کرتا ہوں جو اسے سواری دے گا۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی کی بھلائی کی طرف رہنمائی کی تو اسے بھی نیکی کرنے والے کی طرح ہی اجر دیا جائے گا۔''

﴿يَوْمَ لَا يُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (التحریم: ۸)

”جس دن اللہ اپنے نبی کو اور ان لوگوں کو جو اس پر ایمان لائے ہیں رسوا نہیں کرے گا۔ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہو گا اور وہ دعا کر رہے ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہمارا نور ہمارے لیے مکمل کر دے اور ہم سے درگزر فرما تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“

((”اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّسَارِیْ نُوْرًا وَّفَوْقِیْ نُوْرًا وَّتَحْتِیْ نُوْرًا وَّاَمَامِیْ نُوْرًا وَّخَلْفِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا وَّزَادَ بَعْضُھُمْ وَفِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا وَّذَکَرَ وَعَصَبِیْ وَلَحْمِیْ وَدَمِیْ وَشَعْرِیْ وَبَشَرِیْ“ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَّھُمَا ”وَاجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا وَّاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَّفِیْ اُخْرٰی لِمُسْلِمٍ اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا“)) (رواہ البخاری : باب الدُّعَاءِ إِذَا انْتَبَہَ بِاللَّیْلِ)

الٰہی! میرے دل، میری آنکھوں، میرے کانوں، میرے دائیں، میرے بائیں، میرے اوپر، میرے نیچے، میرے سامنے، میرے پیچھے اور مجھے ہر طرف سے روشنی عطا فرمااور دوسری روایات میں ان الفاظ کا اضافہ ہے۔ میری زبان، میرے اعصاب، میرا گوشت پوست، میرے خون اور بال حتیٰ کہ میرے سارے جسم کو منور فرمادے۔ (بخاری و مسلم) دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ میرے دل میں بھی نور پیدا کر دے اور نور کو میرے لیے اور زیادہ کر دے۔ مسلم کی دوسری حدیث میں ہے ”اے اللہ مجھے نور عطا فرما۔“

مسائل

۱۔ ایمانداروں کو ہر حال میں ”اللہ“ سے ڈر کر زندگی بسر کرنی چاہیے۔

۲۔ ایمانداروں کو ایمان کے تقاضے پورے کرنے چاہییے۔

۳۔ اہل کتاب میں جو شخص نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لائے گا اسے دوگنا اجر عطا کیا جائے گا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ ایمانداروں کے لیے ایک روشنی پیدا کرتا ہے جس میں وہ چل کر زندگی بسر کرتے ہیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ ایمانداروں اور متقین کی غلطیاں معاف کردیتا ہے ۶۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے فوائد:

۱۔ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے جنّت ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ (آل عمران :۱۹۸)

۲۔ اللہ سے خلوت میں ڈرنے والے کے لیے جنّت کی خوشخبری ہے۔ (یٰس :۱۱)

۳۔ ایمان لانے اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے دنیا اور آخرت میں خوشخبری ہے۔ (یونس :۶۳۔۶۴)

۴۔ اللہ سے ڈرنے والے ہی کامیاب ہوا کرتے ہیں۔ (النور :۵۲)

لِّئَلَّا	يَعْلَمَ	اَهْلُ الْكِتٰبِ	اَلَّا	يَقْدِرُوْنَ	عَلٰى شَيْءٍ
تاکہ	جان لیں	اہل کتاب	یہ کہ نہیں	وہ قدرت رکھتے	کسی شے پر
مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ	وَ اَنَّ	الْفَضْلَ	بِيَدِ اللّٰهِ	يُؤْتِيْهِ	
اللہ کے فضل سے	اور بلاشبہ	سارا فضل	اللہ کے ہاتھ میں ہے	وہ دیتا ہے یہ	
مَنْ	يَّشَآءُ ؕ	وَ اللّٰهُ	ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾		
جسے	وہ چاہتا ہے	اوراللہ	عظیم فضل والا ہے		

”تاکہ اہل کتاب کو معلوم ہو جائے کہ وہ ”اللہ“ کے فضل پر کوئی اختیار نہیں رکھتے اور یقیناً اللہ کا فضل اس کے اپنے ہاتھ میں ہے، جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔“(۲۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہل کتاب میں سے جو لوگ ایمان نہیں لائیں گے انہیں انتباہ کیا گیا ہے۔

اہل کتاب سے مراد یہودی اورعیسائی ہیں۔ قرآن مجید میں اہل کتاب کے الفاظ صرف یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ یہاں بھی اہل کتاب سے مراد دونوں فریق ہیں جن کی اکثریت حسد اور بغض کی بنا پر نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان نہیں لاتی بالخصوص یہودیوں کی کیفیت یہ تھی اور ہے کہ وہ کسی صورت بھی نبی علیہ السلام پر ایمان لانے کو تیار نہیں ہوتے۔ اہلِ کتاب کی کثیر تعداد چاہتی ہے کہ مسلمانوں کو ان کے ایمان سے پھیر دیا جائے حالانکہ ان کے سامنے حق واضح کردیا گیا ہے لیکن پھر بھی وہ اپنے حسد کی وجہ سے مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ (البقرۃ: ۱۰۹)

اہل کتاب میں بالخصوص یہودیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد کے علاوہ کوئی شخص نبوت کا حقدار نہیں ہوسکتا، انہیں اس کا جواب دیا گیا کہ کسی کو نبوت عطا کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اس فضل سے پہلی مراد نبوت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا اپنا انتخاب ہے اس میں کسی کا عمل دخل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ عظیم فضل کا مالک ہے۔ یہ حقیقت بتلانے کا ایک مقصد یہ ہے کہ خاص طور پر اہل کتاب کے کان کھل جائیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں ذرہ بھر بھی اختیار نہیں رکھتے اور کوئی شخص بھی اللہ کی ذات، صفات اور اختیارات میں رائی کے دانے کے برابر اختیار نہیں رکھتا۔ جب کوئی شخص اپنے یا کسی کے بارے میں کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا تو اسے دوسرے شخص پر حسد نہیں کرنا چاہیے۔ جو شخص حسد و بغض سے بچ کر حقیقت پر غور کرتا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ ہدایت کا راستہ کھول دیتا ہے۔

﴿وَ اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ

حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ﴾ (الانعام : ١٢٤)

اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہمیں اس جیسا دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا اللہ زیادہ جانتا ہے کہ وہ کس کو اپنے پیغام کا حامل بنائے، عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے جرم کیے اللہ کے ہاں ذلّت پہنچے گی اور سخت عذاب، اس وجہ سے کہ وہ مکروفریب کرتے تھے۔''

﴿يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ (آل عمران : ٧٤)

''وہ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے مخصوص کر لے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔''

((عَنْ أَبِی سَعِيدِ الْخُدْرِیِّ ؓ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "اَللّٰهُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلاَ مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلاَ يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدّ")) (رواہ مسلم: باب مَا يَقُولُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ)

''حضرت ابو سعید ؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ دعا کرتے اے اللہ! جو چیز تو عطاء فرمائے اُسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو چیز تو روک لے اُس کو کوئی عطا کرنے والا نہیں۔ تجھ سے بڑھ کر کوئی عظمت والا اور نفع نہیں دے سکتا۔''

مسائل

١۔ ''اللہ'' کے اختیارات میں اہلِ کتاب یا کسی اور کو کوئی اختیار حاصل نہیں۔

٢۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے اپنا فضل فرمائے۔ ہر قسم کا فضل صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہر چیز اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے :

١۔ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے وہ اللہ کی ملکیت ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (آل عمران: ١٨٩)

٢۔ بے شک زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ (التوبہ: ١١٦)

٣۔ کیا آپ نہیں جانتے؟ کہ زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے۔(البقرۃ: ١٠٧)

٤۔ ہر قسم کی خیر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ (آلِ عمران:٧٣)

٥۔ اللہ ہر نقص سے پاک ہے اور ہر چیز اس کے ہاتھ میں ہے سب نے اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔(یٰس:٨٣)

سورة المجادلہ کا تعارف

یہ سورۃ تین رکوع اور بائیس (۲۲) آیات پر مشتمل ہے۔

اس کا نام اس کی پہلی آیت میں تُجَادِلُكَ کے لفظ سے لیا گیا ہے۔ یہ مدینہ منورہ میں اس وقت نازل ہوئی جب خولہ بنت ثعلبہ ؓ کو اس کے خاوند نے ماں کہہ دیا تھا۔اس سورت میں سب سے پہلے زمانہ جاہلیت کی ایک رسم کا خاتمہ کیا گیا ہے جس میں پہلا سبق یہ ہے کہ دین میں جہالت اور رسم و رواج کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہوا یہ کہ خولہ بنت ثعلبہ ؓ کو اس کے خاوند نے ماں کہہ دیا۔ دور جہالت میں جو شخص اپنی بیوی کو ماں کہہ دیتا تھا تو وہ اس پر ہمیشہ کے لیے حرام قرار پاتی تھی اسلامی تاریخ میں یہ پہلا واقع تھا جس لیے حضرت خولہ ؓ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے بار بار عرض کرتی ہیں کہ اس مسئلے کا کوئی حل نکالا جائے۔ اس کی تفصیل اس کی پہلی آیت میں دی گئی ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی اصلاح کے لیے بتلایا گیا کہ تم خلوت میں ہو یا جلوت میں ہر حال میں یہ عقیدہ اور یقین رکھو کہ تم میں کوئی شخص اکیلا ہو یا کسی مجلس میں اللہ تعالیٰ اپنے اقتدار، اختیار اور علم کے حوالے سے تمھارے ساتھ ہوتا ہے اس لیے تنہائی میں بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی سے بچتے رہو کسی کو تکلیف پہنچانے کے لیے مجلس میں ایسا انداز اختیار نہ کرو جس سے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی ہونے کا اندیشہ ہو اور نہ ہی کسی مسلمان کو اذیت پہنچاو۔ منافقین کے ساتھ قلبی محبت رکھنے سے اجتناب کرو کیونکہ یہ لوگ اپنے ایمان سے جھوٹے ہیں اور اللہ کا نام لے کر جھوٹ بولتے ہیں اور اس کے راستے سے روکنے والے ہیں۔ حقیقت میں یہ شیطان کی جماعت ہے اور بالآخر نقصان پائیں گے ان کے مقابلے میں جو لوگ حقیقی ایمان رکھتے ہیں ان کے بارے میں تم کبھی نہیں پاؤ گے کہ وہ اپنے عزیز و اقربا کو اللہ اور اس کے رسول سے مقدم رکھنے والے ہوں یہ لوگ اپنے ایمان میں سچے ہیں اور یہ اللہ کی جماعت ہیں اور یہی دنیا میں غالب آئیں گے اور ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔

سُورَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رُكُوْعُهَا: ۳ اٰيَاتُهَا: ۲۲

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

قَدْ	سَمِعَ	اللّٰهُ	قَوْلَ	الَّتِيْ	تُجَادِلُكَ	فِيْ زَوْجِهَا
تحقیق	سن لی	اللہ نے	بات	اس کی جو	آپ سے جھگڑا کر رہی تھی	اپنے خاوند کے بارے میں

وَتَشْتَكِيْٓ	اِلَى اللّٰهِ ۖ	وَاللّٰهُ	يَسْمَعُ	تَحَاوُرَكُمَا ۭ
وہ شکایت کر رہی تھی	اللہ کی طرف	اور اللہ	سن رہا تھا	تم دونوں کی گفتگو

اِنَّ	اللّٰهَ	سَمِيْعٌ	بَصِيْرٌ ①
بلاشبہ	اللہ	سننے والا	دیکھنے والا ہے

''اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑا کر رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی۔ اللہ تمہاری گفتگو سن رہا تھا وہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔''(۱)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورۃ الحدید کے آخر میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ فضل و کرم صرف ''اللہ'' کے ہاتھ اوراس کے اختیار میں ہے۔ سورۃ المجادلہ کی ابتدا ایسے واقعہ سے ہو رہی ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ واقعتاً فضل و کرم اور اختیارات کا مالک صرف ایک اللہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک بی بی نبی علیہ السلام کو اپنا دُکھڑا سنا رہی تھی تو آپ ﷺ کے پاس اس وقت اس مسئلے کا کوئی حل نہیں تھا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اس بی بی پر اپنا فضل کیا اوراس کا مسئلہ حل فرما دیا۔

مدینہ طیبہ میں اوس قبیلے کے سردار عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی بھاوج جو اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی اس کے خاوند اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے طیش میں آکر اپنی بیوی خولہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ عنہا کو یہ الفاظ کہے۔ '' اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ'' ''تو مجھ پر ایسے ہی حرام ہے جس طرح میری ماں مجھ پر حرام ہے۔'' اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ کہنے تھے کہ خولہ رضی اللہ عنہا پر قیامت ٹوٹ پڑی کیونکہ اسلام سے قبل جو شخص اپنی بیوی کو یہ الفاظ کہتا اس کی بیوی ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جاتی اور رجوع کی کوئی شکل باقی نہیں رہتی تھی۔ خولہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ عنہا روتی ہوئی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اوراپنا دُکھڑا سناتے ہوئے بار بار کہتی کہ اللہ کے رسول ﷺ! میں جاؤں تو کدھر جاؤں۔ آپ ضرور اس مسئلے کا حل فرمائیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا بی بی! میرے پاس اس مسئلے کا ابھی تک کوئی حل موجود نہیں ہے۔ خولہ فریاد کرتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ! میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں میں ان کی جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔ آپ نے پھر ارشاد فرمایا کہ بی بی ! ابھی تک آسمان سے میرے پاس اس مسئلے کا کوئی حل

نازل نہیں ہوا۔ یہ سنتے ہی حضرت خولہ کی ہچکی بندھ گئی۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کانپتے ہوئے وجود اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ واپس پلٹتی ہے۔ کچھ مفسرین نے لکھا ہے جونہی خولہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر وحی نازل فرمائی کہ ''اللہ'' نے اس عورت کی فریاد سن لی ہے جو اپنے خاوند کے بارے میں آپ سے تکرار کر رہی تھی اور بار بار اللہ کے حضور فریاد کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اور اس کی گفتگو کو پوری طرح سن رہا تھا، یقین جانو! کہ اللہ تعالیٰ ہر بات سننے والا اور سب کو دیکھنے والا ہے۔

حضرت خولہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ عنہا کا مقام :

اس واقعہ کے بعد مسلمانوں کی نگاہوں میں حضرت خولہ کا مقام اتنا بلند ہوا کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ حکومت میں قریش کے چند سرداروں کے ساتھ کہیں جارہے تھے کہ راستے میں خولہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ عنہا نے کسی مسئلے کے لیے انہیں روکا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نگاہیں جھکا کر کھڑے ہو گئے، حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ! ایک وقت وہ تھا جب لوگ تجھے عمیر کہتے تھے۔ اب تم امیر المومنین بن چکے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بی بی آپ نے سچ فرمایا حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اے امیر المومنین! ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہنا۔ خولہ اور امیر المومنین کی گفتگو قدرے طویل ہوئی تو آپ کے ساتھیوں میں سے کسی ایک نے کہا کہ عجب عورت ہے، امیر المومنین کو سرِ بازار کھڑے کیے ہوئے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ سنے تو فرمایا خاموش ہو جائیں! یہ وہ عورت ہے جس کی بات کو اللہ نے سات آسمانوں کے اوپر سنا تھا۔ اس لیے میں کون ہوتا ہوں کہ اس کی بات نہ سنوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خولہ کا مسئلہ حل فرمایا اور اجازت لے کر آگے چل دیئے۔ (رواہ احمد: مسند عبداللہ)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کی بات کو سنتا ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خولہ کی فریاد کو سنا اور ہمیشہ کے لیے ظہار کے مسئلہ کا حل فرما دیا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ لوگوں کی فریاد سننے والا اور انہیں ہر حال میں دیکھنے والا ہے :

۱۔ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کی ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ (المائدۃ: ۹۸)
۲۔ جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو سب کچھ اللہ کو معلوم ہے۔ (المائدۃ: ۹۹)
۳۔ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے۔ (المؤمن: ۱۹)
۴۔ جو کچھ ہو چکا اور جو ہونے والا ہے سب ''اللہ'' کو معلوم ہے اس کے علم کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ (طٰہٰ: ۱۱۰)
۵۔ اللہ سے ڈر جاؤ اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔ (الحجرات: ۱)
۶۔ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں وہ ہر بات سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ (الشوریٰ: ۱۱)

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ

وہ لوگ جو ظِہار کرتے ہیں تم میں سے اپنی بیویوں سے نہیں ہیں وہ ان کی مائیں

اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔىْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ

نہیں ہیں ان کی مائیں مگر وہی جنھوں نے انہیں جنا ہے اور بلاشبہ وہ البتہ کہتے ہیں

مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝۲

نامعقول بات اور جھوٹ اور بے شک اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے

’’تم میں سے جولوگ اپنی بیویوں سے ظِہار کرتے ہیں اس سے اُن کی بیویاں اُن کی مائیں نہیں بن جاتیں، اُن کی مائیں وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنم دیا ہے۔ یہ لوگ ایک ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ معاف فرمانے اور درگزر کرنے والا ہے۔‘‘ (۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے حضرت خولہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ عنہا کی فریاد قبول کرتے ہوئے ہمیشہ کے لیے ظہار کے مسئلے کا حل نازل فرمادیا۔

ارشاد ہوتا ہے کہ تم میں سے جولوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ دیتے ہیں ان کے کہنے سے ان کی بیویاں ان کی مائیں نہیں بن جاتیں ان کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنم دیا ہے۔ اپنی بیوی کو ماں کہنا بڑی بیہودہ اور جھوٹی بات ہے۔ اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔

۱۔کسی کے ماں کہنے پر اس کی بیوی اس کی ماں نہیں بن جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے ہی لوگوں کے درمیان رشتہ داری قائم فرمائی ہے ان میں کچھ رشتے ہمیشہ کے لیے مَحرم قرار دیئے ہیں۔کسی کو مَحرم یا غیرمحرم قرار دینا یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جس کی تفصیل قرآن مجید میں بیان کردی گئی ہے۔ اب کسی شخص کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ مَحرم کو غیرمحرم یا غیرمحرم کو محرم ،حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر سکے۔ جو شخص محرم کو غیرمحرم قرار دیتا ہے تو یہ اس کی یاوہ گوئی ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا،تاہم معافی مانگنے والوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔

۲۔بیوی کو ماں کہنا جھوٹ ہے کیونکہ ماں ماں ہی ہوتی ہے اور بیوی بیوی ہوتی ہے۔ ماں اور بیوی کے رشتہ اور تعلقات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ماں کبھی بیوی نہیں ہوسکتی اور بیوی کبھی ماں نہیں بن سکتی۔ اس لیے فرمایا کہ بیوی کو ماں کہنا جھوٹ ہے اور مومن کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنی زبان سے اس قسم کی بات کرے کہ جس کے کہنے کی شریعت نے اسے اجازت نہیں دی۔

۳۔اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی درگزر پرغور فرمائیں کہ ایک شخص اپنی

زبان سے وہ بات کہتا ہے جس کے کہنے کی اسے اجازت نہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کی زبان گونگی کردے مگر وہ بڑے حوصلے والا ہے وہ ہر بات پر گرفت کرنے کی بجائے درگزر سے کام لیتا ہے اگر کوئی اس سے معافی طلب کرے تو وہ معاف کردیتا ہے کیونکہ وہ رحیم ہے، یہ بھی اس کی بخشش کا نتیجہ ہے کہ اس نے لوگوں کی یاوہ گوئی کو صَرفِ نظر کرتے ہوئے ظِہار کے مسئلے میں نرمی فرمائی اوراس کا آسان حل نازل فرمایا ہے۔

ظہار کس صورت میں ہوگا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ظہار اس خاوند کا معتبر ہوگا جس نے ہوش وحواس کی حالت میں اپنی بیوی سے ظہار کیا ہو بصورتِ دیگر اس کا اظہار تسلیم نہیں کیا جائے گا۔جس نے ظہار کیا اس کی سزا اگلی آیات میں بیان کی گئی ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ﴾ (المومنون: ۳)

''اورمومن فضولیات سے دور رہتے ہیں۔''

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لا يَعْنِيْهِ))

(رواہ الترمذی: کتاب الزھد،قال البانی صحیح)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ آدمی کے اسلام کی اچھائی یہ ہے کہ وہ فضول باتوں کو چھوڑ دے۔''

مسائل

۱۔ کسی آدمی کے کہنے پر اس کی بیوی اس کی ماں نہیں بن جاتی۔۲۔آدمی کی ماں وہی ہوتی ہے جس نے اسے جنم دیا ہوتا ہے۔

۳۔ بیوی کو ماں کہنا جھوٹ اور بے ہودہ بات ہے۔۴۔مسلمان بے ہودہ گوئی سے بچتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ درگزر کرنے اورمعاف فرمانے والا ہے:

۱۔ ''اللہ'' جسے چاہے عذاب دے جسے چاہے معاف کردے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(البقرۃ:۲۸۴)

۲۔ ''اللہ'' توبہ کرنے والوں کو اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے بے شک ''اللہ'' معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔ (التوبۃ: ۹۹)

۳۔ ''اللہ'' توبہ کرنے والوں کو معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔ (التوبۃ: ۲۷)

۴۔ جو سچے دل سے تائب ہو جائے اور ایمان کے ساتھ اعمال صالح کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دے گا کیونکہ ''اللہ'' معاف کرنے والا ،رحم فرمانے والا ہے۔ (الفرقان: ۷۰)

۵۔ گناہ گار کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ معاف کرنے والا ہے۔ (الزمر: ۵۳)

وَالَّذِيْنَ	يُظٰهِرُوْنَ	مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ	ثُمَّ	يَعُوْدُوْنَ	لِمَا	قَالُوْا
اور وہ لوگ جو	ظِہار کریں	اپنی بیویوں سے	پھر	وہ رجوع کرلیں اس سے		جو انہوں نے کہا
فَتَحْرِيْرُ	رَقَبَةٍ	مِّنْ قَبْلِ	اَنْ	يَّتَمَآسَّا		ذٰلِكُمْ
تو آزاد کرنا ہے	ایک گردن	اس سے پہلے	کہ	وہ ایک دوسرے کو چھوئیں		یہ تم
تُوْعَظُوْنَ	بِهٖ	وَاللّٰهُ	بِمَا	تَعْمَلُوْنَ	خَبِيْرٌ ۝۳	فَمَنْ
نصیحت کیے جاتے ہو	اس کے ساتھ	اور اللہ	اس کو جو	تم عمل کرتے ہو	خوب خبردار ہے	پھر جو

’’جو لوگ اپنی بیویوں سے ظِہار کریں پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرلیں۔ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کریں، یہ تمہیں نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے باخبر ہے۔ (۳) اور جو شخص غلام

فہم القرآن

ربطِ کلام: ظہار کا کفارہ۔

جو شخص اپنی بیوی کو مَحرم رشتوں میں سے کسی ایک رشتہ کے برابر کہہ دے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی گویا کہ وہ اب اس کی بیوی نہیں رہی، البتہ جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ ظہار کرے اور پھر اس بات پر شرمندہ ہو کر اپنی بات سے رجوع کرنا چاہے تو بیوی کو چھونے سے پہلے اسے درج ذیل کاموں میں سے کوئی ایک کام کرنا ہوگا۔

① ۔ ایک غلام آزاد کرنا۔ اگر غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ ہو یا غلامی کا رواج ختم ہو چکا ہو تو۔ ② ۔ دو مہینوں کے مسلسل روزے رکھے اگر شرعی عذر کے بغیر ناغہ کیا تو اسے ازسرِ نو دو مہینوں کے روزے پورے کرنے ہوں گے۔ ③ ۔ روزے رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ تو ساٹھ مسکینوں کو صبح شام کا کھانا کھلائے۔ یاد رہے کہ کسی ایک آدمی کو ساٹھ دن کھانا کھلانے سے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ صحابہ کی غالب اکثریت کا یہی خیال ہے کہ ظہار کرنے والے کو ساٹھ مسکینوں کو بیک وقت کھانا کھلانا چاہیے۔ جس سے لامحالہ یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ کھانا ظہار کے کفارہ میں کھلایا جا رہا ہے۔ اس سے ظہار کرنے والے کو قدرے شرمندگی ہوگی جس بنا پر آئندہ ایسی بات کہنے سے پرہیز کرے گا۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو حکم دیتا ہے تاکہ لوگ اللہ اور اس کے رسول پر حقیقی ایمان لائیں اور حدود اللہ کا خیال رکھیں۔ انکار کرنے والوں کو قیامت کے دن اذیت ناک سزا دی جائے گی۔ اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ظہار کے کفارے کی تین صورتیں بتلانے کے بعد تین ارشادات فرمائے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نصیحت فرماتا ہے تاکہ مسلمان اس کی نصیحت کے مطابق عمل کریں اور ہمیشہ اس بات کا خیال رکھیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے کردار اور اعمال سے اچھی طرح باخبر ہے۔

لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ

نہ پائے روزے رکھنے ہیں دو ماہ کے متواتر اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں

فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۚ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا

پھر جو نہ استطاعت رکھے تو کھانا کھلانا ہے ساٹھ مسکینوں کو یہ اس لیے ہے تا کہ تم ایمان لاؤ

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴

اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور کافروں کے لیے ہے عذاب ہے بہت دردناک

نہ پائے وہ دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے۔قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو چھوئیں، اور جو اس کی طاقت نہیں رکھتا وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ حکم اس لیے دیا جا رہا ہے تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو، یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور انکار کرنے والوں کے لیے دردناک سزا ہے۔‘‘(۴)

۲۔’’اللہ‘‘ کا فرمان ہے کہ تمہارے لیے ظہار کی سزا اس لیے مقرر کی گئی ہے تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر پوری طرح ایمان لاؤ اور اس کے احکام کی پیروی کرو۔

۳۔اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزائیں اس کی حدود ہیں جن کا ہر صورت خیال رکھنا چاہیے جو مسلمان حدود اللہ کا خیال نہیں رکھیں گے وہ عملاً کفر کا ارتکاب کریں گے اور ایسے لوگوں کو اذّیت ناک عذاب ہوگا۔

مسائل

۱۔ ظہار کرنے والا اپنی بیوی کے ساتھ رجوع کرنا چاہے تو اسے ایک غلام آزاد کرنا چاہیے۔
۲۔ غلام آزاد نہ کرنے کی صورت میں دو مہینے بلاناغہ روزے رکھنے ہوں گے۔
۳۔ روزے رکھنے کی ہمت نہ ہو تو اسے بیک وقت صبح و شام ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا چاہیے۔
۴۔ مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے تقاضے پورے کرنے چاہییں۔
۵۔ حدود اللہ کا احترام کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ۶۔جو شخص حدود اللہ کا خیال نہیں رکھتا اسے اذیت ناک عذاب ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کی مقرر کردہ حدود:

۱۔ چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔(المائدۃ: ۳۸)
۲۔ شادی شدہ زانی مرد اور عورت کو رجم کرنے کا حکم۔(النور:۲)
۳۔ بہتان لگانے والے کو اسّی کوڑے لگائیں جائیں اور اس کے بعد اس کی گواہی قبول نہ کی جائے۔(النور:۴)
۴۔ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے والے کو قتل کر دینا چاہیے۔(المائدہ:۳۳)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	يُحَآدُّوْنَ	اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	كُبِتُوْا	كَمَا
بلاشبہ	وہ لوگ جو	مخالفت کرتے ہیں	اللہ اور اس کے رسول کی	وہ ذلیل کیے جائیں گے	جیسے
كُبِتَ	الَّذِيْنَ	مِنْ قَبْلِهِمْ	وَقَدْ	اَنْزَلْنَآ	اٰيٰتٍۭ
ذلیل کیے گئے	وہ لوگ جو	ان سے پہلے تھے	اور تحقیق	ہم نے نازل کیں	آیات
بَيِّنٰتٍ	وَلِلْكٰفِرِيْنَ	عَذَابٌ	مُّهِيْنٌ ۝	يَوْمَ	يَبْعَثُهُمُ
واضح	اور کافروں کے لیے	عذاب ہے	ذلیل کرنے والا	جس دن	اٹھائے گا انہیں
اللّٰهُ	جَمِيْعًا	فَيُنَبِّئُهُمْ	بِمَا	عَمِلُوْا	اَحْصٰىهُ اللّٰهُ
اللہ	سب کو	پھر وہ خبر دے گا انہیں	اس کی جو	انہوں نے عمل کیے	گن رکھا ہے اس کو اللہ نے
وَنَسُوْهُ		وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ		شَهِيْدٌ ۝	
اور وہ بھول گئے اسے		اور اللہ ہر چیز پر		گواہ ہے	

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ اُسی طرح ذلیل کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ ذلیل کیے گئے، ہم نے واضح آیات نازل کر دی ہیں اور کافروں کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔(۵) اس دن اللہ سب لوگوں کو اٹھائے گا اور انہیں بتائے گا کہ انہوں نے کیا عمل کیے ہیں، وہ بھول گئے ہیں لیکن ”اللہ“ نے اُسے شمار کر رکھا ہے اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔“(٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حدود اللہ کا خیال نہ رکھنے والوں کی دنیا میں سزا۔

جو لوگ اللہ کی مقرر کردہ حدود کا خیال اور احترام نہیں کرتے حقیقت یہ ہے کہ وہ ”اللہ“ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں یہ لوگ اسی طرح ہی ذلیل کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ ذلیل کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اپنے احکام نازل کردیئے ہیں جو ان کو نہیں مانتے انہیں ذلّت ناک عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب لوگوں کو زندہ کرے گا اور پھر انہیں بتلائے گا کہ وہ کیا عمل کیا کرتے تھے۔ لوگ اپنے اعمال کو بھول جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے سب کو شمار کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔ حدود اللہ کا خیال نہ رکھنے والے لوگوں کو نہ صرف آخرت میں اذّیت ناک عذاب ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں بھی اسی طرح ذلیل کرے گا جس طرح ان سے پہلے مجرموں کو ذلیل کیا اور قیامت کے دن انہیں ان کے برے اعمال کی ٹھیک ٹھیک سزا دی جائے گی۔ برے اعمال کرنے والے لوگ عام طور پر اپنے کردار کو بھول جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کسی معاملے میں

نہیں بھولتا۔ کیونکہ وہ ہر چیز اس کے احاطہ علم میں رہتی ہے اور ہر وقت اپنی مخلوق کی نگرانی کرتا ہے۔ وہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا اور برے لوگوں کو ان کی برائی کی پوری پوری سزا دے گا۔ پہلے ذلیل ہونے والوں میں سرِ فہرست یہودی ہیں جن میں حدود اللہ توڑنے کی وجہ سے کچھ کو دنیا میں بندر بنا دیا گیا اور باقی پر دوسرے لوگوں کو مسلط کر کے ذلیل کیا گیا۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَال بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَةِ مَسْخٌ ، وَخَسْفٌ ، وَقَذْفٌ))

(رواہ ابن ماجه : کتاب الفتن ، باب الآیاتِ،هذا حدیث صحیح)

”عبد اللہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قیامت کے قریب لوگوں کی شکلیں تبدیل ہونا، دھنسایا جانا اور تہمت لگانا عام ہوگا۔“

مسائل

۱۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اسی طرح ہی ذلیل کرے گا جس طرح اس نے پہلے لوگوں کو ذلیل کیا گیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرامین کھول کھول کر بیان کیے ہیں جو لوگ ان کا انکار کرتے ہیں وہ انہیں آخرت میں ذلیل کر دینے والا عذاب ہوگا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو اٹھائے گا اور ان سے پورا پورا حساب لے گا۔۴۔اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگران ہے۔

تفسیر بالقرآن

دنیا اور آخرت میں ذلیل ہونے والے لوگ:

۱۔ یہودی دنیا میں ذلیل ہوئے اور آخرت میں سخت عذاب کے مستحق ٹھہریں گے۔ (البقرۃ:۸۵)

۲۔ اللہ کی مسجدوں سے روکنے والے دنیا وآخرت میں ذلیل ہوں گے۔(البقرۃ:۱۱۴)

۳۔ کفار کو دنیا وآخرت میں شدید عذاب ہوگا۔ (الرعد:۳۴،آل عمران:۵۶)

۴۔ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن اور فسادی دنیا وآخرت میں عذاب کے مستحق قرار پائیں گے۔ (المائدۃ: ۳۳)

۵۔ بچھڑے کے پجاری دنیا وآخرت میں ذلیل ہوئے۔(الاعراف:۱۵۲)

۶۔ منافقین کو دنیا وآخرت میں سزا ہوگی۔ (التوبہ:۷۴)

۷۔ فحاشی پھیلانے والوں کو دنیا وآخرت میں ذلت اٹھانی پڑے گی۔(النور:۱۹)

۸۔ دینِ حق جھٹلانے والوں کو دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذابِ عظیم ہوگا۔(الزمر:۲۶)

اَلَمْ تَرَ	اَنَّ	اللّٰهَ	يَعْلَمُ	مَا	فِي السَّمٰوٰتِ
کیا آپ نے نہیں دیکھا	یقیناً	اللہ	جانتا ہے	جو کچھ	آسمانوں میں

وَمَا	فِي الْاَرْضِ	مَا	يَكُوْنُ	مِنْ نَّجْوٰى	ثَلٰثَةٍ	اِلَّا	هُوَ
اور جو کچھ	زمین میں ہے	نہیں	ہوتی	کوئی سرگوشی	تین کی	مگر	وہ

رَابِعُهُمْ	وَ	لَا	خَمْسَةٍ	اِلَّا	هُوَ	سَادِسُهُمْ وَ
ان میں چوتھا ہوتا ہے	اور	نہ	پانچ کی	مگر	وہ	ان کا چھٹا ہے اور

لَآ	اَدْنٰى	مِنْ ذٰلِكَ	وَ	لَآ	اَكْثَرَ	اِلَّا
نہ	کم	اس سے	اور	نہ	زیادہ	مگر

هُوَ	مَعَهُمْ	اَيْنَ مَا	كَانُوْا	ثُمَّ	يُنَبِّئُهُمْ	بِمَا
وہ	ان کے ساتھ ہوتا ہے	جہاں کہیں بھی	وہ ہوں	پھر	وہ خبر دے گا انہیں	اس کی جو

عَمِلُوْا	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	اِنَّ	اللّٰهَ	بِكُلِّ شَيْءٍ	عَلِيْمٌ ۝
انہوں نے عمل کیے	قیامت کے دن	بلاشبہ	اللہ	ہر چیز کا	علم رکھنے والا ہے

”کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ زمین و آسمانوں کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے؟ ایسا نہیں ہوتا کہ تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ہو اور ان کے درمیان چوتھا اللہ نہ ہو، یا پانچ آدمیوں میں سرگوشی ہو اور ان میں چھٹا اللہ نہ ہو، خفیہ بات کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ۔ وہ جہاں کہیں بھی ہوں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، پھر اللہ قیامت کے دن انہیں بتائے گا کہ انہوں نے کیا عمل کیے، اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔“ (۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگران ہی نہیں بلکہ وہ اپنے اقتدار، اختیار اور علم کے اعتبار سے ہر وقت انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔

انسان کو اس حقیقت پر ایمان لانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ جب تین شخص آپس میں بیٹھ کر سرگوشیاں کرتے ہیں تو ان کے ساتھ چوتھا ”اللہ“ ہوتا ہے۔ جب پانچ ہوتے ہیں تو چھٹا ”اللہ“ ہوتا ہے۔ لوگ اس سے کم ہوں یا زیادہ ”اللہ“ ان کے ساتھ ہوتا ہے وہ قیامت کے دن لوگوں کو بتلائے گا جو وہ عمل کیا کرتے تھے یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ حقیقت بتلائی ہے کہ اے انسان! میں اپنے علم، اقتدار اور اختیار کے اعتبار سے ہر وقت تیرے ساتھ ہوتا ہوں۔ جس شخص کا یہ عقیدہ پختہ ہو جائے اس کے لیے برائی سے بچنا آسان ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے انسان سمجھتا ہے کہ نہ صرف میں اپنے رب کی نگرانی میں ہوں بلکہ قیامت کے دن مجھے اپنے اعمال کا جواب بھی دینا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ایک کی

بجائے تین کی گنتی سے بات کا آغاز کیا اور فرمایا ہے کہ لوگ اس سے تھوڑے ہوں یا زیادہ ''اللہ'' اپنے اقتدار اور اختیار کے لحاظ سے ہر وقت ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ گنتی کا آغاز تین سے کرنے میں بات کے حسن میں بے پناہ اضافہ پایا جاتا ہے جو اللہ کی کلام کا خاصہ ہے۔ کچھ لوگ ان آیات سے یہ عقیدہ رکھتے ہیں اور اپنے مریدوں سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ ہر وقت انسان کے ساتھ ہوتا ہے یہاں تک کہ ایسے صوفیائے کرام بھی گزرے اور موجود ہیں جو یہ بھی عقیدہ رکھتے اور پھیلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں موجود ہوتا ہے۔ تفصیل کے لیے سورۃ الحدید کی آیت ۳ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

حالانکہ ''اللہ'' کا فرمان ہے کہ میں عرش پر متمکن ہوں۔

﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا وَ مَا تَحْتَ الثَّرٰى﴾ (طٰہٰ: ٥، ٦)

''وہ رحمان عرش پر مستویٰ ہے۔ مالک ہے ان سب چیزوں کا جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور جو زمین وآسمان کے درمیان ہیں اور جو زمین کے نیچے ہیں۔''

''بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر عرش پر قائم ہوا، وہ رات کو دن پر اوڑھا دیتا ہے جو تیز چلتا ہوا اس کے پیچھے چلا آتا ہے اور سورج اور چاند اور ستارے پیدا کیے، اس حال میں کہ اس کے حکم کے تابع ہیں سن لو پیدا کرنا اور حکم دینا اللہ ہی کا کام ہے، بہت برکت والا ہے اللہ جو سارے جہانوں کا رب ہے۔'' (الاعراف: ٥٤)

مسائل

١۔ لوگ تھوڑے ہوں یا زیادہ اللہ تعالیٰ ہر وقت ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ ٢۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی سرگوشیوں کو جانتا ہے۔

٣۔ لوگ جہاں بھی ہوں اللہ تعالیٰ اپنے علم، اقتدار اور اختیار کے حوالے سے ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

٤۔ لوگ جو بھی عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور قیامت کے دن وہ لوگوں کو ان کے اعمال سے آگاہ فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ اپنے علم، اقتدار اور اختیارات کے حوالے سے ہر جگہ موجود ہے:

١۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے قریب ہوتا ہے۔ (البقرۃ: ١٨٦)

٢۔ نبی ﷺ نے غارِ ثور میں ابوبکر کو فرمایا کہ '' اللہ'' ہمارے ساتھ ہے۔ (التوبہ: ٤٠)

٣۔ اللہ تعالیٰ انسان کی شاہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ (ق: ١٦، الواقعہ: ٨٥)

٤۔ اللہ تعالیٰ اپنے اقتدار اور اختیار کے اعتبار سے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ (المجادلہ: ٧) (الحدید: ٣)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ

کیا نہیں آپ نے دیکھا ان لوگوں کی طرف جو روکے گئے سرگوشی کرنے سے پھر وہ لوٹتے ہیں

لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

اس کی طرف روکے گئے جس سے اور وہ سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ کی اور زیادتی کی

وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ

اور رسول کی نافرمانی کی اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو وہ سلام کرتے ہیں آپکو اسکے ساتھ کہ نہیں

يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ

سلام کیا آپ کو اس کے ساتھ اللہ نے اور وہ کہتے ہیں اپنے دلوں میں کیوں نہیں عذاب دیتا ہمیں اللہ

بِمَا نَقُوْلُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

اس وجہ سے جو ہم کہتے ہیں کافی ہے ان کو جہنم وہ اس میں داخل ہوں گے پس برا ہے ٹھکانا

”کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں بُری سرگوشیاں کرنے سے منع کیا گیا ہے مگر پھر وہی حرکت کیے جاتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا ہے یہ لوگ چھپ چھپ کر آپس میں گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی باتیں کرتے ہیں اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو اس طریقے سے سلام کرتے ہیں جس طرح اللہ نے آپ کو سلام کرنے کا طریقہ نہیں کیا اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہماری باتوں پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا؟ اُن کے لیے جہنم کافی ہے وہ اس میں داخل ہوں گے، اُن کا بُرا انجام ہے۔“(۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ اپنے علم، اقتدار اور اختیار کے اعتبار سے ہر وقت انسان کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے لوگوں کی سرگوشیوں کو جانتا ہے۔ وہ قیامت کے دن لوگوں کو بتلائے گا کہ جو وہ کیا کرتے تھے لیکن اس کے باوجود لوگ اپنی روش سے باز نہیں آتے۔

لوگوں کو یہ بات بتلانے اور سمجھانے کا مقصد یہ ہے کہ کفار، منافق اور بُرے لوگ اپنی روش سے باز آجائیں۔ لیکن بُرے لوگ اپنی روش سے باز آنے کی بجائے اس میں آگے ہی بڑھتے جاتے ہیں۔ نبی علیہ السلام کے دور میں منافقین اور کفار کی حالت یہ تھی کہ وہ گناہ، ظلم اور آپ کی مخالفت کرنے کے لیے خفیہ مجالس میں منصوبہ بندی کرتے تھے کہ اسلام کی ترقی اور آپ ﷺ کے مقام کو لوگوں کی نظروں میں کس طرح ختم کیا جائے۔ اس کے لیے اہلِ مکہ دارالندوہ میں اجلاس کرتے، منافق مسجد ضرار میں منصوبے بناتے اور یہودی راعنا کے لفظ کو مخصوص انداز میں ادا کرتے اور آپ سے ملاقات کرتے وقت آپ کو اس طرح سلام کہتے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی

یعنی اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریقہ کے خلاف دعا، سلام کرتے تھے۔ بُرے لوگ اپنے کردار اور انداز پر نظر ثانی کرنے کی بجائے کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہمارے الفاظ اور انداز پسند نہ ہوتے تو وہ ہمیں ضرور عذاب دیتا۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام کی مخالفت اور نبی کریم ﷺ کی گستاخی کرنے والوں کے لیے جہنم کافی ہے جو بدترین جگہ ہے۔ اس میں کفار، منافقین اور نبی ﷺ کی گستاخیاں کرنے والوں کو پوری پوری سزادی جائے گی۔

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ کچھ یہودی نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے انہوں نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا السام علیکم یعنی تم پر موت واقع ہو۔ حضرت عائشہ نے جواباً کہا تم پر بھی موت واقع ہو، ''اللہ'' تم پر لعنت کرے اور اپنا غضب نازل کرے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! نرمی اختیار کرو سختی اور ترش کلامی نہ کرو عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی اے اللہ کے نبی! آپ نے ان کی بات نہیں سنی؟ آپ نے فرمایا جو میں نے انہیں جواب دیا ہے تو نے اُسے نہیں سنا؟ میری بات ان کے بارے میں قبول ہو گئی ہے اور ان کی بات میرے حق میں قبول نہیں ہوئی۔'' (رواہ البخاری: باب الرفق فی الامر کلہ)

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فَلَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ وَاحِدٍ))

(صحیح مسلم: باب تحریم مناجاۃ الاثنین)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ جب تین آدمی بیٹھے ہوں تو ان میں سے دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کیا کریں۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بُری سرگوشیاں کرنے سے منع کیا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام پر سلام بھیجتا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو گناہ، ظلم اور نبی اکرم ﷺ کی نافرمانی کرنے سے منع کیا ہے۔
۴۔ نبی علیہ السلام کی گستاخی کرنے والے جہنم میں جائیں گے۔ ۵۔ جہنم ہر اعتبار سے بدترین جگہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ہر قسم کے گناہ اور نبی علیہ السلام کی نافرمانی سے منع کیا ہے:

۱۔ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔ (محمد: ۳۳)
۲۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور نافرمانی سے بچو۔ (المائدۃ: ۹۲)
۳۔ آپ ﷺ فرما دیں کہ میرے رب نے ظاہری اور پوشیدہ بے حیائی اور گناہ کے کاموں سے منع کیا ہے۔ (الاعراف: ۳۳)
۴۔ مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ (الانعام: ۵۶)
۵۔ اللہ تمہیں منع کرتا ہے کہ تم ان سے دوستی کرو جنھوں نے تمہارے دین میں جھگڑا کیا اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔ (الممتحنۃ: ۹) ۶۔ جو نبی ﷺ دیں اُسے لیا جائے جس سے آپ نے منع کیا ہے اُسے چھوڑ دیا جائے۔ (الحشر: ۷)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْٓا	اِذَا	تَنَاجَيْتُمْ	فَلَا	تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ
اے لوگو جو	ایمان لائے ہو	جب	تم سرگوشی کرو	تو نہ	تم سرگوشی کرو گناہ کی
وَالْعُدْوَانِ	وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ	وَتَنَاجَوْا	بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ؕ	وَاتَّقُوا اللّٰهَ	
اور زیادتی کی	اور رسول کی نافرمانی کی	اور تم سرگوشی کرو	نیکی اور تقویٰ کی	اور ڈرو اللہ سے	
الَّذِيْٓ	اِلَيْهِ	تُحْشَرُوْنَ ۝	اِنَّمَا	النَّجْوٰى	مِنَ الشَّيْطٰنِ
وہ ذات	اسی کی طرف	تم اکٹھے کیے جاؤ گے	بس	سرگوشی تو	شیطان کی طرف سے ہے
لِيَحْزُنَ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَلَيْسَ	بِضَآرِّهِمْ	شَيْـًٔا اِلَّا
تاکہ وہ غم زدہ کردے	ان لوگوں کو جو	ایمان لائے	اور نہیں وہ	تکلیف دینے والا انہیں	کچھ بھی مگر
بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ	وَعَلَى اللّٰهِ	فَلْيَتَوَكَّلِ	الْمُؤْمِنُوْنَ ۝		
اللہ کے حکم سے	اور اللہ ہی پر	پس توکل کریں	مومن (جمع)		

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کیا کرو بلکہ نیکی اور تقویٰ کی سرگوشی کیا کرو، اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کے حضور تم نے پیش ہونا ہے۔(۹) سرگوشی تو ایک شیطانی کام ہے اور وہ اس لیے کی جاتی ہے کہ ایمان لانے والے لوگ اس سے پریشان ہوں، حالانکہ اللہ کے حکم کے بغیر انہیں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی اور مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔“(۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بُری سرگوشی سے منع کرنے کے بعد نیکی اور اچھے کاموں پر مشاورت اور سرگوشی کرنے کا حکم۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ہر قسم کی سرگوشی کرنے سے منع نہیں کیا بلکہ اس نے گناہ، ظلم اور رسول کی مخالفت کرنے پر سرگوشی سے منع کرنے کے ساتھ اور نیکی اور تقویٰ کے کام پر مشاورت اور سرگوشی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا فرمان ہے کہ لوگو! اللہ سے ڈرتے رہو! بالآخر تم نے اسی کے حضور پیش ہونا ہے۔ جو بُری سرگوشی کرتے ہیں حقیقت میں وہ شیطان کی سرگوشی ہوتی ہے۔ شیطان اپنے کارندوں سے یہ کام اس لیے کرواتا ہے تاکہ اس سے ایمان دار لوگ پریشان ہوں لیکن ایمان داروں کو بُرے لوگوں کی سازشوں اور شرارتوں سے غم زدہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ کے اِذن کے بغیر کوئی کسی کو تکلیف نہیں دے سکتا کیونکہ دکھ اور سُکھ اللہ کے حکم کے تابع ہیں لہٰذا ایمانداروں کو اللہ کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ رکھنا چاہیے۔ اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی سے منع کرنے کے بعد ایمان داروں کو ہر حال میں نیکی اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور مومنوں کو تسلی دی ہے کہ نفع اور نقصان، دُکھ اور سُکھ ”اللہ“ کے سِوا کسی کے اختیار میں نہیں اگر مومن کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اللہ

کے اِذن سے پہنچتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے لہٰذا نیک بندوں کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ رکھنا چاہیے، یہاں نیکی اور تقویٰ کا بیک وقت حکم دیا گیا ہے اس لیے کہ نیکی اور تقویٰ کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے۔ تقویٰ کے بغیر انسان نہ کوئی نیکی کرسکتا اور نہ نیکی کی حفاظت کرسکتا ہے تقویٰ ہی انسان کو نیکی پر آمادہ کرتا ہے اور اُسے نیکی پر اترانے سے بچاتا ہے۔

نجویٰ کا معنیٰ ہے بھید ،ہم رازاورسرگوشی وغیرہ۔اصطلاح میں دو آدمیوں کے رازداری سے بات کرنے کو نجویٰ کہتے ہیں۔

توکل کا معنیٰ ہے کسی پر اعتماد اور بھروسہ کرنا۔ توکل علی اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ ہر حال میں اپنے خالق و مالک پر کامل اعتماد و یقین رکھے جو اپنے رب پر اعتماد اور یقین کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور اس کی مشکلات آسان کر دیتا ہے۔

مسائل

۱۔ برائی کی کانا پھوسی سے منع کیا گیا ہے۔۲۔اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کوگناہ ،زیادتی اور نبی ﷺ کی نافرمانی سے منع کیا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو نیکی اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔
۴۔ ایمان والوں کو ہمیشہ اللہ سے ڈرنا اور یقین رکھنا چاہیے کہ سب نے اس کے حضور جمع ہونا ہے۔
۵۔ شیطان اپنے کارندوں کی شرارتوں سے مومنوں کو پریشان کرتا ہے۔
۶۔ مومنوں کو پریشان نہیں ہونا چاہیے کیونکہ کوئی بھی تکلیف اللہ تعالیٰ کے اِذن کے بغیر نہیں آتی۔

تفسیر بالقرآن

مومنوں کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ رکھنا چاہیے:

۱۔ جب آپ ﷺ کسی کام کا عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کریں۔ (آل عمران : ۱۵۹)
۲۔ اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسا کرنا چاہیے۔(یوسف: ۶۷)
۳۔ مومن اللہ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔(المائدۃ: ۱۱) ۴۔مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔ (التوبہ:۵۱)
۵۔ آپ ﷺ ان سے اعراض کریں اور اللہ پر بھروسہ کریں کیوں کہ اللہ ہی نگہبان ہے۔ (النساء:۸۱)
۶۔ سب کاموں کا انجام اللہ کی جانب ہے آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ کریں۔ (ھود:۱۲۳)
۷۔ اگر تم مومن ہو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ (المائدۃ:۲۳) ۸۔صابر لوگ اللہ پر بھروسہ کرنے والے ہیں۔(العنکبوت: ۵۹)
۹۔ رسولِ کریم ﷺ کو اللہ پر توکل کرنے کی ہدایت۔(النمل:۷۹)(التوبہ: ۱۲۹)
۱۰۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا حکم۔(المجادلہ:۱۰) ۱۱۔ جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اسے کافی ہو جاتا ہے۔(الطلاق:۳)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ	اٰمَنُوْۤا	اِذَا	قِیْلَ	لَكُمْ	تَفَسَّحُوْا	فِی الْمَجٰلِسِ
اے لوگو	جو ایمان لائے ہو	جب	کہا جائے	تم سے	تم کشادگی کرو	مجالس میں
فَافْسَحُوْا	یَفْسَحِ	اللّٰهُ	لَكُمْ ۚ	وَ	اِذَا	قِیْلَ	انْشُزُوْا
تو کشادگی کرو	کشادہ کرے گا	اللہ	تمہارے لیے	اور	جب	کہا جائے	تم اٹھ جاؤ
فَانْشُزُوْا	یَرْفَعِ	اللّٰهُ	الَّذِیْنَ	اٰمَنُوْا	مِنْكُمْ ۙ	وَالَّذِیْنَ
تو اٹھ جایا کرو	بلند کرے گا	اللہ	ان لوگوں کو جو	ایمان لائے	تم میں سے	اور ان لوگوں کو جو
اُوْتُوا	الْعِلْمَ	دَرَجٰتٍ ؕ	وَاللّٰهُ	بِمَا	تَعْمَلُوْنَ	خَبِیْرٌ ⑪
دیے گئے	علم	درجوں میں	اور اللہ	اس کی جو	تم عمل کرتے ہو	خبر رکھنے والا ہے

”اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ اپنی مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو کشادگی اختیار کیا کرو۔ اللہ تمہیں کشادگی عطا فرمائے گا، اور جب تم سے کہا جائے کہ اُٹھ جاؤ تو اُٹھ جایا کرو، تم میں سے جو لوگ ایمان والے ہیں اور جو علم والے ہیں اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا، اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔“(۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مشاورت اور سرگوشی عمومی طور پر مجالس میں کی جاتی ہے اس لیے مجالس کے آداب بتلائے گئے ہیں۔

اے ایمان والوں جب تمہیں کہا جائے کہ مجلس میں کھل کر بیٹھو تو آپس میں کھل جایا کرو! اس طرح کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فراخی اور کشادگی پیدا کرے گا اور جب تمہیں مجلس سے اٹھ جانے کا حکم دیا جائے تو اٹھ جایا کرو! جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرماتا ہے۔ یاد رکھو! تم جو عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ ان سے باخبر ہوتا ہے۔ درجات بلند کرنے کی خوشخبری سُنا کر بتلایا ہے کہ جب نبی ﷺ مجلس برخواست کریں تو اُٹھ جانا چاہیے اور اس میں اپنی توہین نہیں سمجھنی چاہیے جو لوگ نبی ﷺ کے حکم پر اُٹھ جائیں گے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے گا۔ ایمانداروں کے ساتھ اہلِ علم کا الگ ذکر فرما کر دو اشارے فرمائے ہیں۔ پہلا اشارہ یہ ہے کہ علم کا تقاضا ہے کہ اپنی مجالس میں آنے والوں کو جگہ دی جائے ،کیونکہ ایسا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ،حقیقی علم والے ہی اللہ کے حکم کو سمجھتے اور مانتے ہیں۔ دوسرا اشارہ یہ ہے کہ علم والوں کا مقام دوسروں سے زیادہ ہوتا ہے اس لیے انہیں عام لوگوں سے زیادہ ”اللہ“ کے احکام کی اتباع کرنی چاہیے۔

((وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَا یُقِیْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَّجْلِسِہٖ ثُمَّ یَجْلِسُ فِیْہِ وَلٰکِنْ تَفَسَّحُوْا وَ تَوَسَّعُوْا))(رواہ البخاری : باب لَا یُقِیْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِہٖ)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص خود

بیٹھنے کے لیے کسی دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے۔اس کی بجائے مجلس میں فراخی اور کشادگی اختیار کیا کرو۔“

((وَعَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ مَنْ قَامَ مِنْ مَّجْلِسِہٖ ثُمَّ رَجَعَ اِلَیْہِ فَھُوَ اَحَقُّ بِہٖ)) (رواہ مسلم : باب إذا قام من مجلسه ثم عاد فهو أحق به)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص اپنی جگہ سے اٹھ کر جائے اور پھر واپس آئے تو اسے اپنی جگہ پر بیٹھنے کا زیادہ حق ہے۔“

((وَعَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ اِذَا صَافَحَ الرَّجُلُ لَمْ یَنْزِعْ یَدَہٗ مِنْ یَدِہٖ حَتّٰی یَکُوْنَ ھُوَ الَّذِیْ یَنْزِعْ یَدَہٗ وَلَا یَصْرِفُ وَجْھَہٗ عَنْ وَجْھِہٖ حَتّٰی یَکُوْنَ ھُوَالَّذِیْ یَصْرِفُ وَجْھَہٗ عَنْ وَجْھِہٖ وَلَمْ یُرَ مُقَدِّماً رُکْبَتَیْہِ بَیْنَ یَدَیْ جَلِیْسٍ لَہٗ)) (رواہ الترمذی : باب المصافحة)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ جب کسی آدمی سے ہاتھ ملاتے تو اپنے ہاتھ کو اس کے ہاتھ سے الگ نہ کرتے یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ کو کھینچ لیتا اور نہ ہی آپ اپنی توجہ اُس کے چہرے سے ہٹاتے جب تلک وہ اپنے چہرے کو خود نہ ہٹا لیتا اور نہ مجلس میں بیٹھے ہوئے اپنے گھٹنوں کو دراز کرتے۔“

((اَلْمَجَالِسُ بِالْأَمَانَةِ)) (رواہ أبو داؤد: كتاب الأدب)

”مجالس امانت ہوا کرتی ہیں۔“

مسائل

۱۔ ایمانداروں کو اپنی مجالس میں آنے والے بھائی کے لیے فراخی پیدا کرنی چاہیے۔
۲۔ جو شخص دوسرے کے لیے فراخی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے فراخی پیدا کرے گا۔
۳۔ صاحبِ مجلس مجلس برخاست کرنے کا اعلان کرے تو مجلس سے اٹھ جانا چاہیے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ ایمانداروں اور اہلِ علم کے درجات بلند فرمائے گا۔۵۔لوگ جو بھی عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

تفسیر بالقرآن

علم اور اہلِ علم کا مقام :

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو لکھنا سکھایا۔ (العلق:۴) ۲۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو بولنا اور بیان کرنا سکھلایا۔ (الرحمٰن:۴)
۳۔ انسان کو الرّحمان نے قرآن سکھایا۔ (الرحمٰن: ۲)۴۔آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا۔ (البقرۃ:۳۱)
۵۔ فرشتوں نے بھی سب کچھ اللہ تعالیٰ سے سیکھا۔ (البقرۃ: ۳۲)
۶۔ ”اللہ“ نے اہل علم کے درجات کو بلند فرمایا ہے۔ (المجادلہ :۱۱)۸۔کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں۔(الزمر:۹)

فَقَدِّمُوْا	الرَّسُوْلَ	نَاجَيْتُمُ	اِذَا	اٰمَنُوْٓا	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
تم آگے بھیجو	رسول سے	تم سرگوشی کرو	جب	ایمان لائے ہو	اے لوگو جو

فَاِنْ	وَاَطْهَرُ	خَيْرٌ لَّكُمْ	ذٰلِكَ	صَدَقَةً	بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ
پھر اگر	اور زیادہ پاکیزہ ہے	بہتر ہے تمہارے لیے	یہ	صدقہ	اپنی سرگوشی سے پہلے

ءَاَشْفَقْتُمْ	غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫	اللّٰهَ	فَاِنَّ	تَجِدُوْا	لَّمْ
کیا تم ڈر گئے	غفور ورحیم ہے	اللہ	تو بلاشبہ	تم پاؤ	نہ

’’اے ایمان والو! جب تم رسول سے علیحدگی میں بات کرو تو بات کرنے سے پہلے کچھ صدقہ کیا کرو یہ تمہارے لیے بہتر اور اچھا کام ہے۔ اگر تم صدقہ دینے کے لیے کچھ نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(۱۲) کیا تم اس بات سے ڈر گئے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی علیہ السلام کو منافقین کی گستاخیوں سے بچانے کے لیے خصوصی حکم۔

اسی سورت کی آیت ۸ میں ارشاد ہوا ہے کہ کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح سلام نہیں کہتے جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں سلام کہنے کی تعلیم دی ہے اس طرح سلام نہ کہنے والے عام طور پر منافق تھے۔ منافقین کو نبی علیہ السلام سے دور رکھنے اور ان کی گستاخیوں سے بچانے کے لیے حکم ہوا کہ اے مومنو! جب تم نے اللہ کے رسول سے علیحدگی میں بات کرنا ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے سے پہلے صدقہ کیا کرو یہ تمہارے لیے بہتر اور پاکیزگی کا عمل ہے، اگر کوئی مومن صدقہ کرنے کے لیے کوئی چیز نہ پائے اور وہ نبی علیہ السلام سے علیحدگی میں ملاقات کرنا چاہے تو اسے ملاقات کرنے کی اجازت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے۔ اگر تم صدقہ کرنے میں تنگی محسوس کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس شرط کو معاف کردیا ہے۔ اب اخلاص کے ساتھ نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو۔ ہمیشہ یادرکھو کہ جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہوتا ہے۔ یہاں صدقہ کرنے کو خیر اور پاکیزگی قرار دیا گیا ہے صدقہ اس لیے خیر ہے کہ یہ نیکی کا کام ہے۔ اس سے مال میں برکت ہوتی ہے اور مسلمان کے گناہ معاف ہونے کے ساتھ اس کا مال میل کچیل سے اور دل بخیلی سے پاک ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات سے پہلے صدقہ کرنے کی پابندی اس لیے لگائی گئی تاکہ منافق اور دوسرے لوگ خوامخواہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیمتی وقت ضائع نہ کریں اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے آداب سیکھ جائیں لیکن اس حکم میں ایک مشقت پائی جاتی تھی۔ اس لیے چند دنوں کے بعد صدقہ کرنے کی پابندی اٹھالی گئی تاکہ مسلمانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملاقات کرنے میں کوئی دِقت اور رکاوٹ نہ رہے، اس لیے ارشاد فرمایا کہ

اَنْ	تُقَدِّمُوْا	بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ	صَدَقٰتٍ ؕ	فَاِذْ	لَمْ	تَفْعَلُوْا
کہ	تم پیش کرو	پہلے اپنی سرگوشی سے	صدقے	چنانچہ جب	نہ	تم نے کیا
وَتَابَ	اللّٰهُ	عَلَیْكُمْ	فَاَقِیْمُوا	الصَّلٰوةَ	وَاٰتُوا	الزَّكٰوةَ
اور متوجہ ہوا	اللہ	تم پر	تو قائم کرو	نماز	اور دو تم	زکوٰۃ
وَاَطِیْعُوا	اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ	وَاللّٰهُ	خَبِیْرٌۢ	بِمَا	تَعْمَلُوْنَ ⑬
اور تم اطاعت کرو	اللہ اور اس کے رسول کی	اور اللہ	باخبر ہے	اس سے جو	تم عمل کرتے ہو

کہ علیحدگی میں گفتگو کرنے سے پہلے تمہیں صدقہ دینے ہوں گے؟ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اللہ نے تمہیں اس سے معاف کر دیا۔ نماز قائم کرتے رہو، زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو، تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔" (۱۳)

اللہ تعالیٰ نے تم پر توجہ فرمائی یعنی اس نے اپنا کرم فرماتے ہوئے نبی ﷺ سے ملاقات کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کی پابندی ختم کر دی ہے۔ اب تم اخلاص کے ساتھ نماز پڑھتے رہو، زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں زندگی بسر کرو۔

مسائل

۱۔ صدقہ کرنا انسان کے لیے بہتر اور پاکیزگی کا باعث ہوتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کرم فرمانے والا ہے۔
۳۔ ایمانداروں کے لیے حکم ہے کہ وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیتے رہیں اور ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرتے رہیں۔
۴۔ لوگ جو بھی عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم اور اس کے فائدے:

۱۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ایمان کی نشانی ہے۔ (الانفال: ۱)
۲۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت باعث رحمت ہے۔ (التوبہ: ۷۱)
۳۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والے ہی کامیاب ہوں گے۔ (النور: ۵۲)
۴۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ (النساء: ۱۳)
۵۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والے انبیاء، صلحاء شہداء، اور سچے لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔ (النساء: ۶۹)

اَلَمْ	تَرَ	اِلَى الَّذِيْنَ	تَوَلَّوْا	قَوْمًا	غَضِبَ	اللّٰهُ
کیانہیں	آپ نے دیکھا	ان لوگوں کی طرف جنہوں نے	دوستی کی	اس قوم سے	کہ ناراض ہوا	اللہ
عَلَيْهِمْ	مَا هُمْ	مِّنْكُمْ	وَلَا	مِنْهُمْ	وَيَحْلِفُوْنَ	عَلَى
ان پر	نہیں ہیں وہ	تم میں سے	اور نہ	ان سے ہیں	اور وہ قسمیں کھاتے ہیں	پر
الْكَذِبِ	وَهُمْ	يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾	اَعَدَّ اللّٰهُ	لَهُمْ	عَذَابًا	شَدِيْدًا
جھوٹ	حالانکہ وہ	جانتے ہیں	اللہ نے تیار کیا ہے	ان کے لیے	عذاب	سخت
اِنَّهُمْ	سَآءَ	مَا	كَانُوْا	يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾		
بلاشبہ	برا ہے	جو	وہ رہے	عمل کرتے		

”کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے ان کو دوست بنایا ہے جن پر اللہ کا غضب ہوا ہے؟ وہ نہ تمہارے ہیں نہ ان کے ہیں۔ وہ جان بوجھ کر جھوٹی بات پر قسمیں کھاتے ہیں۔ (۱۴) اللہ نے اُن کے لیے شدید عذاب تیار کر رکھا ہے، جو وہ کر رہے ہیں بڑا ہی بُرا کرتے ہیں۔“ (۱۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ اور اس رسول کی اطاعت اور محبت کا تقاضا ہے کہ مسلمان ان لوگوں کے ساتھ دلی دوستی نہ رکھیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔

نبی علیہ السلام کے دور میں منافقوں کی حالت یہ تھی کہ اگر انہیں مسلمانوں کی طرف سے فائدہ پہنچتا تو وہ سرِ عام مسلمانوں کی حمایت کرتے اگر انہیں کسی آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا اور دوسروں کی طرف سے فائدہ پہنچتا دکھائی دیتا تو وہ کفار اور یہودیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ارشاد ہوا کہ کیا تم نے ان لوگوں کے بارے میں غور نہیں کیا جو ایسے لوگوں کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو چکا ہے۔ یہ منافق نہ تمہارے ساتھ ہیں اور نہ ہی یہود و کفارہ کے ساتھ ہیں۔ جب انہیں منافقت سے منع کیا جاتا تو وہ جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے شدید عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ جو کرتے ہیں برا ہی کرتے ہیں۔ مسلسل منافقت کرنے کی وجہ سے منافق پر ایسا وقت آتا ہے کہ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اب تک میری گرفت نہیں ہوئی لہٰذا میں اپنے کردار اور مؤقف میں سچا ہوں کچھ لوگوں کو سمجھایا جائے تو وہ کھلے الفاظ میں کہتے ہیں جو ہم کرتے ہیں ”اللہ“ کو ایسے ہی منظور ہے۔ یہ کہنا بھی اللہ پر جھوٹ بولنے کے مترادف ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جھوٹ، فریب اور منافقت کو پسند نہیں کرتا۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ

تَعِيْرُ إِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً وَ إِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً)) (رواه مسلم: كتاب صفات المنافقين وأحكامهم)

''حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان پھرتی ہے کبھی ایک ریوڑ کی طرف جاتی ہے کبھی دوسرے کی طرف۔''

((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ عِنْدَ اِسْتِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرْفَعُ لَهٗ بِقَدَرِ غَدْرِهٖ اَلَا وَلَا غَادِرَ اَعْظَمُ غَدْرًا مِنْ اَمِیْرِ عَامَّةٍ)) (رواه مسلم : كتاب الجهاد والسير، باب تحريم الغدر)

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ہر عہد شکن انسان کی دُبر کے نزدیک جھنڈا ہوگا۔ ایک روایت میں ہے ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن جھنڈا ہوگا' جو اس کی عہد شکنی کے مطابق بلند کیا جائے گا۔ خبردار! سربراہِ مملکت کی عہد شکنی سب سے بڑی ہوتی ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر غضب نازل کیا۔ ۲۔ منافق پر بھی ''اللہ'' کا غضب ہوتا ہے۔
۳۔ منافق نہ مسلمانوں کا ساتھی ہوتا ہے اور نہ دوسروں کا۔ ۴۔ منافق جھوٹ بولتے ہیں۔
۵۔ منافقت بدترین عمل ہے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے لیے شدید ترین عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تفسیر بالقرآن

منافق کا کردار اور اس کی سزا:

۱۔ منافق دغا باز اور ریا کار ہونے کے ساتھ بے توجہگی کے ساتھ نماز پڑھتا ہے۔ (النساء: ۱۴۲)
۲۔ منافق کے کلمہ پر اعتبار نہیں کیونکہ وہ جھوٹا ہوتا ہے۔ (المنافقون: ۱)
۳۔ منافق کی قسم پر اعتبار نہیں کیونکہ وہ اسے ڈھال کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ (المنافقون: ۲)
۴۔ منافق کفار سے دوستی رکھتا ہے۔ (البقرۃ: ۱۴) ۵۔ منافقین کو دنیا و آخرت میں سزا ہوگی۔ (التوبہ: ۷۴)
۶۔ منافقین پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور جہنم کا عذاب ہوگا۔ (الفتح: ۶) ۷۔ اللہ تعالیٰ منافقین کو معاف نہیں کرے گا۔ (المنافقون: ۶)
۸۔ منافقوں کے دلوں میں بیماری ہے۔ ان کو دردناک عذاب ہوگا۔ (البقرۃ: ۱۰)
۹۔ اللہ تعالیٰ منافقوں کو دردناک عذاب میں مبتلا کریں گے۔ (التوبہ: ۷۹)
۱۰۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منافق کے لیے ستر بار بھی بخشش طلب کریں اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا۔ (التوبہ: ۸۰)
۱۱۔ منافق ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ (التوبہ: ۶۸) ۱۲۔ منافق جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔ (النساء: ۱۴۵)

اِتَّخَذُوْٓا	اَيْمَانَهُمْ	جُنَّةً	فَصَدُّوْا	عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	فَلَهُمْ
انہوں بنا لیا ہے	اپنی قسموں کو	ڈھال	پھر انہوں نے روکا	اللہ کی راہ سے	لہٰذا ان کے لیے
عَذَابٌ	مُّهِيْنٌ ﴿١٦﴾	لَنْ	تُغْنِيَ	عَنْهُمْ	اَمْوَالُهُمْ
عذاب ہے	رسوا کن	ہرگز نہیں	فائدہ دیں گے	ان کو	ان کے مال
وَلَآ	اَوْلَادُهُمْ	مِّنَ اللّٰهِ	شَيْـًٔا ؕ	اُولٰٓئِكَ	اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ
اور نہ	ان کی اولاد	اللہ سے	کچھ بھی	یہی لوگ	آگ والے ہیں

''انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے جن سے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔(۱۶) اللہ کے ہاں ان کے مال اور اولاد کچھ کام نہیں آئیں گے وہ آگ میں داخل ہوں گے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافق صرف جھوٹ ہی نہیں بولتا بلکہ اکثر طور پر جھوٹی قسمیں بھی اٹھاتا ہے۔

قرآن مجید نے منافقین کے بارے میں کئی مقامات پر بتلایا ہے کہ منافقین نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں انہیں ذلّت ناک عذاب ہوگا اور قیامت کے دن ان کے مال اور اولاد'' اللہ'' کے ہاں کوئی فائدہ نہیں دے سکیں گے، یہ جہنم میں جائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ ان سب کو قیامت کے دن اپنے حضور پیش کرے گا تو وہ اس کے سامنے اسی طرح جھوٹی قسمیں اٹھائیں گے جس طرح لوگوں کے سامنے جھوٹی قسمیں اٹھایا کرتے تھے۔وہ خیال کریں گے کہ جس طرح دنیا میں جھوٹی قسمیں اٹھانے سے ہم اپنا کام نکال لیا کرتے تھے یہاں بھی جھوٹی قسموں کے ذریعے نجات پا جائیں گے حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر بات سے واقف ہے اس لیے وہاں ان کی قسمیں ان کے کام نہیں آئیں گی۔ جھوٹا انسان عام طور پر مالی فائدے اور اپنی اولاد کی خاطر جھوٹ بولتا ہے۔ اس لیے یہاں بالخصوص مال اور اولاد کا ذکر فرما کر یہ بات واضح فرمائی ہے کہ جس مال اور اولاد کی خاطر عام لوگ اور منافق جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہیں قیامت کے دن مال اور اولاد انہیں کچھ فائدہ نہیں دیں گے۔ منافق شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنی گفتار اور کردار سے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اس لیے انہیں ذلّت ناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ منافقین کو جہنم کے سب سے نچلے حصہ میں پھینکا جائے گا، وہاں ان کی کوئی مدد نہیں کر پائے گا۔(النساء:۱۴۵)

((عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ

هُمْ	فِيْهَا	خٰلِدُوْنَ ⑰	يَوْمَ	يَبْعَثُهُمُ	اللّٰهُ
وہ	اس میں	ہمیشہ رہیں گے	جس دن	دوبارہ اٹھائے گا ان کو	اللہ
جَمِيْعًا	فَيَحْلِفُوْنَ	لَهٗ	كَمَا	يَحْلِفُوْنَ	لَكُمْ
سب کو	تو وہ قسمیں کھائیں گے	اس کے سامنے	جیسے	وہ قسمیں کھاتے ہیں	تمہارے سامنے
وَيَحْسَبُوْنَ	اَنَّهُمْ	عَلٰى شَيْءٍ	اَلَآ	اِنَّهُمْ هُمُ	الْكٰذِبُوْنَ ⑱
وہ گمان کریں گے	کہ بے شک وہ	کسی چیز پر ہیں	آگاہ رہو	بے شک وہی	جھوٹے ہیں

اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔(۱۷) جس دن اللہ اُن سب کو اٹھائے گا۔ وہ اس کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے کھاتے ہیں اور وہ سمجھیں گے کہ اس سے ان کا کام بن جائے گا۔ اچھی طرح جان لو وہ جھوٹے ہیں۔'' (۱۸)

وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ قَالَ فَقَرَأَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَ مِرَارٍ قَالَ أَبُوْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ خَابُوْا وَخَسِرُوْا مَنْ هُمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَهٗ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ)) (رواه مسلم : كتاب الإيمان،باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية)

'' حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا قیامت کے دن تین قسم کے لوگوں سے اللہ کلام نہیں کرے گا، نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا اورنہ ہی ان کو گناہوں سے پاک کرے گا۔ان کے لیے درد ناک عذاب ہو گا۔ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔ابو ذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں ؟ وہ ناکام اور نامراد ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ① اپنا تہہ بند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا ② احسان جتلانے والا ③ جھوٹی قسمیں اٹھا کر اپنا مال فروخت کرنے والا۔''

مسائل

۱۔ منافق لوگ اپنی قسموں کوڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔
۲۔ منافق لوگوں کواللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔
۳۔ منافقین کو قیامت کے دن ان کا مال اور اولاد کچھ فائدہ نہیں دیں گے۔
۴۔ منافق اپنی عادت کے مطابق قیامت کے دن بھی جھوٹی قسمیں اٹھائیں گے۔
۵۔ منافق جہنم میں ہمیشہ رہیں گے کیونکہ وہ اپنے ایمان اورگفتار میں جھوٹے ہیں۔

اِسْتَحْوَذَ	عَلَيْهِمُ	الشَّيْطٰنُ	فَاَنْسٰهُمْ	ذِكْرَ اللّٰهِ	اُولٰٓئِكَ	حِزْبُ الشَّيْطٰنِ		
غالب آ گیا ہے	ان پر	شیطان	پھر اس نے بھلا دی انہیں	اللہ کی یاد	یہ لوگ	شیطانی لشکر ہے		
اَلَآ	اِنَّ	حِزْبَ الشَّيْطٰنِ	هُمُ	الْخٰسِرُوْنَ ⑲	اِنَّ			
آگاہ رہو	بے شک	شیطانی لشکر	وہ	خسارہ پانے والا ہے	بلاشبہ			
الَّذِيْنَ	يُحَآدُّوْنَ	اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ	اُولٰٓئِكَ	فِي الْاَذَلِّيْنَ ⑳				
جو لوگ	مخالفت کرتے ہیں	اللہ اور اس کے رسول کی	وہی لوگ ہیں	ذلیلوں میں سے				

’’شیطان ان پر مسلط ہو چکا ہے اور اس نے انہیں اللہ کی یاد بھلا دی ہے وہ شیطان کے ساتھی ہیں۔خبردار شیطان کے ساتھی نقصان پانے والے ہیں۔(۱۹) یقیناً جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں ،وہی ذلیل ترین ہیں۔‘‘ (۲۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسمیں اٹھانے کی وجہ سے منافق اور بُرے شخص پر شیطان مسلّط ہو جاتا ہے جس وجہ سے یہ لوگ اللہ کی ذات اور بات کو بھول جاتے ہیں۔

استحوذ کا معنیٰ اثر کرنا ،زیر کرنا،قابو پانا، قبضہ کرنا اور غصب کرنا ہے۔

منافق کی منافقت اور بُرے کی مسلسل بُرائی کی وجہ سے شیطان اس پر اس طرح مسلّط ہو جاتا ہے کہ وہ اس کو اللہ کی یاد کی طرف آنے ہی نہیں دیتا حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ شیطان کا لشکر ہوتے ہیں، یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ شیطان کا لشکر بالآخر نقصان پائے گا۔ بلاشبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ہر صورت ذلیل ہوں گے۔قرآن مجید میں لفظ ذکر کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کا فرمان ہے۔ انسان پر جب شیطان پوری طرح مسلّط ہو جاتا ہے تو انسان اپنے رب کے حکم اور نصیحت کو کلی طور پر فراموش کر دیتا ہے۔ شیطان کی سب سے بڑی کوشش ہوتی ہے کہ وہ انسان کو پوری طرح اس کے رب سے غافل اور دور کر دے۔ جو لوگ اپنے رب سے دور ہوتے ہیں وہ شیطان کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں۔ بے شک ظاہری طور پر وہ کتنے ہی شریف نظر آئیں لیکن حقیقت میں وہ شیطان کی فوج کے سپاہی اور اس کے کارندے ہوتے ہیں۔ شیطان کے ساتھی ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان ہوتے ہیں ، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو آخرت میں ضرور ذلیل کرے گا۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلشَّیْطٰنُ جَاثِمٌ عَلٰی قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ فَاِذَا ذَکَرَ اللّٰهَ خَنَسَ وَاِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ)) (مصنف ابن ابی شیبہ: باب کلام ابن عباس رضی اللہ عنہما)

’’حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ کا ارشاد ہے، شیطان ابن آدم کے دل سے چمٹا رہتا ہے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو دور ہٹ جاتا جب وہ ذکر سے غافل ہوتا ہے تو

شیطان واپس آ کر وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔“

﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾ (الزخرف : ۳٦)

”جو شخص الرّحمان کے ذکر سے غفلت برتتا ہے ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں پھر شیطان اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔“

((عَـنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَـالَ ....إِنَّ الشَّـيْـطَـانَ يَجْرِيْ مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ......)) (رواہ البخاری : کتاب الإعتکاف ، باب زيارة المرأة زوجها في اعتكافه)

”حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔“

قرآن مجید نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا﴾ (النساء: ۷٦)

”جولوگ ایمان لائے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی راہ میں لڑتے ہیں۔ پس تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو۔ بلاشبہ شیطان کا حربہ نہایت کمزور ہے۔“

مسائل

۱۔ جن لوگوں پر شیطان مسلط ہو جائے وہ اللہ کے ذکر کو بھول جاتے ہیں۔
۲۔ شیطان کے ساتھی آخرت میں ضرور ذلیل ہوں گے۔۳۔ سن لو! شیطان کے ساتھی بالآخر نقصان پائیں گے۔
۴۔ اللہ کی ذات اور فرمان کو بھول جانے والے لوگ شیطان کے ساتھی ہوتے ہیں۔
۵۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتے ہیں وہ ذلیل ترین مخلوق ہیں۔

تفسیر بالقرآن

شیطان اور اس کے ساتھی ہمیشہ نقصان پائیں گے :

۱۔ شیطان کی تابعداری کرنے والے نقصان پائیں گے۔ (المجادلہ: ۱۹)
۲۔ جس نے اللہ کے سوا شیطان کو دوست بنالیا اس نے بہت نقصان پایا۔ (النساء :۱۱۹)
۳۔ شیطان کی دوستی اختیار کرنے والوں پر گمراہی مسلط کر دی جاتی ہے۔(الاعراف:۳۰)
۴۔ تم شیطان کے دوستوں سے لڑائی کرو یقیناً شیطان کی تدبیر کمزور ہے۔ (النساء: ۷٦)
۵۔ جس نے شیطان کو اپنا دوست بنایا وہ خائب و خاسر ہوا۔ (النساء: ۱۱۹)
٦۔ شیطان کی رفاقت کا بدترین انجام ہوگا۔ (الفرقان:۲۷،۲۹)۷۔شیطان انسان کا بدترین ساتھی ہے۔ (النساء : ۳۸)
۸۔ ”اللہ“ کے بندوں پر شیطان کی کوئی دلیل کارگر نہ ہوگی۔ (بنی اسرائیل : ٦۵)

كَتَبَ اللّٰهُ	لَاَغْلِبَنَّ	اَنَا	وَرُسُلِيْ	اِنَّ	اللّٰهَ
اللہ نے لکھ رکھا ہے	کہ ضرور غالب آؤں گا	میں	اور میرے رسول (جمع)	بلاشبہ	اللہ
قَوِيٌّ	عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾				
طاقت ور	نہایت غالب ہے				

''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول (جمع) ہی غالب رہیں گے یقیناً اللہ طاقت ور اور غالب رہنے والا ہے۔'' (۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حزبُ الشیطان کے بعد حزب اللہ کا بیان۔

کردار کے حوالے سے دنیا میں بنیادی طور پر دو قسم کے انسان ہوتے ہیں۔ ایک اللہ اور اس کے رسول کے نافرمانوں کی جماعت اور دوسری اللہ اور اس کے رسول کے تابعداروں کی جماعت ہے۔ یہاں نافرمانوں کو حزبُ الشیطان کہا گیا ہے اور تابعدار لوگوں کو حزبُ اللہ قرار دیا گیا ہے۔ (المجادلہ: ۲۲) دوسرے مقام پر پہلے گروہ کو اولیاء الشیطان اور دوسرے کو اولیاء اللہ کا اعزاز بخشا گیا ہے۔ (البقرۃ: ۲۵۷) دونوں گروہوں کے درمیان روزِ اوّل سے کشمکش جاری ہے کبھی حزبُ الشیطان کا شوروغوغا غالب آتا ہے اور کبھی حزب اللہ غالب آتے ہیں۔ یہاں تک حقائق اور دلائل کے اعتبار سے غلبہ پانے کی صورت ہے وہ ہمیشہ اللہ کا فرمان اور اس کے رسول غالب رہے ہیں کیونکہ کسی دور میں بھی کتاب اللہ اور انبیائے کرام کو شیطان کا گروہ دلائل کی بنیاد پر انہیں جھوٹا ثابت نہیں کرسکا۔ یہاں تک سیاسی غلبے کی بات ہے وہ اسی صورت میں حزب اللہ کو حاصل ہوگا جب وہ ایمان کے تقاضے پورے کریں گے کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران: ۱۳۹)

''تم سستی نہ کرو اور نہ غم کرو تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایماندار ہو۔

''حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت سے ایک جماعت حق پر غالب رہے گی۔ ان کو رسوا کرنے والا ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکے گا یہاں تک کہ قیامت تک وہ اسی پر قائم رہیں گے۔'' (رواہ مسلم: باب قَوْلِهِ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ)

((اَلْإِسْلَامُ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى)) (ارواء الغليل حديث نمبر: ۱۲۶۸)

''اسلام غالب آئے گا اور اس پر کوئی غالب نہیں آئے گا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے کہ وہ اور اس کے رسول غالب رہیں گے۔

۲۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور اور ہر اعتبار سے غالب رہنے والا ہے۔

لَا	تَجِدُ	قَوْمًا	يُّؤْمِنُوْنَ	بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	يُوَآدُّوْنَ
نہیں آپ پائیں گے		کوئی قوم	جو ایمان رکھتے ہیں	اللہ اور یوم آخرت پر	کہ وہ دوستی کریں
مَنْ	حَآدَّ	اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	وَلَوْ	كَانُوْٓا	اٰبَآءَهُمْ اَوْ
ان سے جنہوں نے	مخالفت کی	اللہ اور اس کے رسول کی	اور اگرچہ	وہ ہوں	ان کے باپ یا
اَبْنَآءَهُمْ اَوْ	اِخْوَانَهُمْ اَوْ	عَشِيْرَتَهُمْ ط	اُولٰٓئِكَ	كَتَبَ	
ان کے بیٹے یا	ان کے بھائی یا	ان کا قبیلہ	یہ لوگ	لکھ دیا ہے اللہ نے	
فِيْ قُلُوْبِهِمُ	الْاِيْمَانَ	وَاَيَّدَهُمْ	بِرُوْحٍ	مِّنْهُ ط	
ان کے دلوں میں	ایمان	اور اس نے تائید کی ان کی	روح کے ساتھ	اپنی طرف سے	

”تم کبھی یہ نہیں پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے۔ چاہے وہ ان کے باپ ہوں، یا ان کے بیٹے ہوں، یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان والے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان پختہ کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا فرما کر انہیں ایک طاقت عطا کر دی ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ کا لشکر اس لیے غالب آتا ہے کیونکہ وہ لوگ سب سے کٹ کر ”اللہ“ کے ہو جاتے ہیں۔

حقیقی ایمان کا تقاضا ہے کہ مسلمان کسی خوف اور لالچ کی پرواہ کیے بغیر صرف ”اللہ“ کے ہو جائیں یعنی وہ ہر حال میں دینِ اسلام پر قائم رہیں کیونکہ جرأت اور استقامت کے بغیر مسلمان حزبُ الشیطان پر غالب نہیں آسکتے۔ اس لیے لازم ہے کہ وہ ایمان کے رشتے کو دنیا کے تمام تعلقات اور رشتوں پر ترجیح دیں، جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر سچا ایمان لاتے ہیں ان میں یہ وصف بدرجہ اتم پایا جاتا ہے کہ وہ ایمان اور مسلمانوں کے مقابلے میں کسی رشتہ کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اس کے لیے سب سے پہلے کامل اور اکمل نمونہ صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ جنہیں خراجِ تحسین سے نوازتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ دیکھنے والا یہ کبھی نہیں دیکھ پائے گا کہ جو اللہ اور آخرت پر ایمان لانے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں، بے شک وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے عزیز واقرباء۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو پختہ کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا فرما کر ان کو طاقتور بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہو گیا اور وہ ”اللہ“ پر راضی ہو گئے پھر اچھی طرح سن لو! کہ یہ اللہ کا لشکر ہے اور اللہ کا لشکر ہی کامیاب ہوا کرتا ہے۔

وَيُدْخِلُهُمْ	جَنّٰتٍ	تَجْرِيْ	مِنْ تَحْتِهَا	الْاَنْهٰرُ	خٰلِدِيْنَ
اور داخل کرے گا وہ انہیں	باغات میں	کہ چلتی ہیں	ان کے نیچے سے	نہریں	وہ ہمیشہ رہیں گے

فِيْهَا	رَضِيَ	اللّٰهُ	عَنْهُمْ	وَرَضُوْا	عَنْهُ	اُولٰٓئِكَ
ان میں	راضی ہوگیا	اللہ	ان سے	اور وہ راضی ہو گئے	اس سے	یہ لوگ

حِزْبُ اللّٰهِ	اَلَآ	اِنَّ	حِزْبَ اللّٰهِ	هُمُ	الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع
اللہ کی جماعت ہیں	آگاہ رہو	یقیناً	اللہ کی جماعت	وہی	فلاح پانے والے ہیں

وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، یہ اللہ کی جماعت ہے، آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہونے والی ہے۔“(۲۲)

اس آیتِ مبارکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں چار باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے ایمان کی تحسین فرمائی ہے اور ان کے ایمان کو حقیقی ایمان کا پیمانہ قرار دیا ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پوری طرح پرکھ لیا ہے۔ (الحجرات:۳)

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ (البقرة: ۱۳۷)

”اگر وہ تمہاری طرح ایمان لائیں تو ہدایت پائیں گے۔ اگر منہ موڑلیں تو وہ واضح طور پر ضد کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عنقریب ان کے مقابلہ میں آپ کو کافی ہو گا اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔“

۲۔ ایمان کے بنیادی تقاضوں میں ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ایماندار شخص دوسرے کے ساتھ اللہ کے لیے محبت کرے اور اللہ ہی کی خاطر دشمنی رکھے۔ اس کا نتیجہ نکلے گا کہ مسلمان دوسروں کی نسبت مسلمان بھائی سے محبت رکھے گا اور وہ کسی صورت بھی کافر اور مشرک کو مسلمان بھائی پر ترجیح نہیں دے گا۔

ایمان کے اسی تقاضے کے پیشِ نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کسی نے اپنے والدین کو چھوڑا، کسی نے اپنی اولاد سے ناطہ توڑا، کسی نے اپنے بھائیوں سے تعلقات منقطع کیے، کسی نے اپنے خاندان سے لاتعلقی کا اظہار کیا اور کسی نے اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اسلام اور مسلمان پر کسی کو ترجیح نہیں دینی چاہیے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ غزوہ بدر کے موقع پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو قتل کیا، جو بار بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہو رہا تھا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عبید کا لاشہ تڑپایا، حضرت عمر نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو تہہ تیغ کیا اسی طرح دوسرے صحابہ نے رشتہ داری کو پسِ پشت ڈال کر کفار کے ساتھ معرکہ لڑا اور فتح یاب ہوئے۔ جس کی اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں تعریف فرمائی ہے کہ تم ایمانداروں کو کبھی ایسا نہیں پاؤ گے کہ وہ ایمان والوں پر اپنے رشتہ داروں کو ترجیح

دیں، بے شک وہ ان کے باپ، ان کے بیٹے، ان کے بھائی یا ان کے خاندان کے افراد ہوں۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کو مستحکم کردیا ہے۔

۳۔ جب کسی شخص کے دل میں صحیح معنوں میں ایمان راسخ ہوجائے تو اسے اللہ تعالیٰ ایسا جذبہ اور شوق نصیب کرتا ہے جس بنا پر وہ ہر چیز کو اپنے رب کے حکم کے مقابلے میں ہیچ سمجھتا ہے۔ جس قوم میں یہ جذبہ پیدا ہوجائے اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے اس قوم کو مزید جذبہ اور قوت عطا کرتا ہے جس بنا پر وہ اپنے نیک مقاصد میں کامیاب ہوتی ہے۔ بعض مفسرین نے روح کا معنی جبرائیل امین علیہ السلام لیا ہے۔

۴۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے رب پر خالص ایمان لائے اور انہوں نے اس کے تقاضے پورے کیے۔ جس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا لشکر قرار دیا اور فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کا لشکر ہیں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف انہیں کامیاب فرمایا بلکہ ان کے بارے میں کھلے الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہوا اور وہ اللہ پر راضی ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور یہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ صحابہ پر ''اللہ'' کا راضی ہونا اور صحابہ کا ''اللہ'' پر راضی ہونا ایسا اعزاز ہے جو اس درجے میں قیامت تک کسی کو حاصل نہیں ہوگا۔

مسائل

۱۔ اللہ اور آخرت پر حقیقی ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے مخالفوں کے ساتھ رشتہ داری اور قلبی محبت نہ کی جائے۔ ۲۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر اپنے عزیز واقرباء کو چھوڑ دیا تھا۔

۳۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے ایمان اور اخلاص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان میں ثابت قدمی عطا فرمائی۔

۴۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ کی جماعت تھے، اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہوا کرتی ہے۔ اس لیے صحابہ کرام ہر میدان میں کامیاب رہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر راضی ہوا اور صحابہ اپنے رب پر راضی ہوگئے۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کی خصوصی مدد فرماتا ہے۔

تفسیر القرآن

کامیاب ہونے والے لوگ:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں، مومنات سے ہمیشہ کی جنت اور اپنی رضا مندی کا وعدہ فرمایا ہے یہ بڑی کامیابی ہے۔ (التوبہ: ۷۲، ۸۹، ۱۰۰) ۲۔ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا یہ کھلی کامیابی ہے۔ (الجاثیہ: ۳۰)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے جنت کے بدلے ان کے مال و جان خرید لیے ہیں یہ بڑی کامیابی ہے۔ (التوبہ: ۱۱۱)

۴۔ اے اللہ نیک لوگوں کو برائی سے بچا جو برائی سے بچ گیا اس پر تیرا رحم ہوا یہ بڑی کامیابی ہے۔ (المومن: ۹)

۵۔ مومنوں کا جہنم کے عذاب سے بچنا اللہ کے فضل سے ہوگا اور یہی کامیابی ہے۔ (الدخان: ۵۷)

۶۔ مومنوں کے لیے ہمیشہ کی جنت ہے جس میں پاک صاف مکان ہیں یہ بڑی کامیابی ہے۔ (الصف: ۱۲)

سورۃ الحشر کا تعارف

اس سورت کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا۔ یہ سورت تین رکوعات اور چوبیس (۲۴) آیات پر محیط ہے۔

مسبّحات میں یہ دوسری سورت ہے اس کا پہلا فرمان یہ ہے کہ زمینوں اور آسمانوں کی ہر چیز ''اللہ'' کی تعریف کر رہی ہے وہ اللہ ہر اعتبار سے غالب حکمت والا ہے۔ اسی غالب آنے والے نے مدینہ سے ان کافروں کو نکلنے پر مجبور کیا جو اپنی افرادی قوت اور مضبوط قلعوں کی بنیاد پر مدینہ سے نکلنے کا تصور بھی نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔

واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ یہودی کئی صدیوں سے حجاز بالخصوص مدینہ کے علاقے میں اپنا تسلّط جمائے ہوئے تھے نبی ﷺ مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو بقائے باہمی کے اصول پر یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کیا کہ خارجی خطرات کی صورت میں ہم ایک دوسرے کے ساتھ مل کر مدینہ کا دفاع کریں گے لیکن انہوں نے غزوہ بدر سے لے کر مکہ فتح ہونے تک ہر بار مشرکین مکہ کا پورا پورا ساتھ دیا۔ نبی ﷺ غزوہ خندق سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے یہودیوں کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا اور انہیں مہلت دی کہ اتنے دنوں میں اپنے معاملات سمیٹ لو اور جس قدر سامان اٹھا سکتے ہو اسے لے کر نکل جاؤ لیکن منافقوں کی حوصلہ افزائی پر یہودیوں کے قبیلہ بنو قریظہ نے نکل جانے سے انکار کر دیا۔ اس پر نبی ﷺ نے ان کے علاقے کی طرف پیش قدمی فرمائی اور ان کے کچھ باغ کاٹنے کا حکم دیا جس پر انہوں نے پرپگنڈہ کیا کہ یہ جہاد کے نام پر فساد پھیلا رہے ہیں۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ جہادی ضرورت کے لیے اگر فصل کاٹنا پڑے تو یہ فساد نہیں بلکہ جہاد کے لیے ضروری ہے اس کے بعد جہاد میں حاصل ہونے والے مالِ فے کی تقسیم کا اصول بیان فرمایا اس اصول میں یہ اصول بھی بتلا دیا گیا کہ مسلمانوں کا نظام معیشت ایسا ہونا چاہیے جس میں دولت کا بھاؤ غریب اور مسکین کی طرف رہے۔ سورت کے دوسرے رکوع میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اے مسلمانوں تم کفار کو متحد سمجھتے ہو یہ بظاہر ایک ہیں لیکن ان کے خیالات اور مفادات الگ الگ ہیں اس لیے ان کے ظاہری اکٹھ سے خوف زدہ نہیں ہونا۔ سورت کے آخری رکوع میں قرآن مجید کی عظمت اور تاثیر کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ قرآن کس قدر تاثیر اور عظمت والا ہے اگر یہ پہاڑ پر اتارا جاتا تو پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

سُورَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رُكُوْعَهَا: ۳ اٰيَاتُهَا: ۲۴

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

سَبَّحَ	لِلّٰهِ	مَا	فِي السَّمٰوٰتِ	وَ	مَا	فِي الْأَرْضِ ۚ
تسبیح کرتی ہے	اللہ کے لیے	جو	آسمانوں میں ہے	اور	جو	زمین میں ہے

وَ	هُوَ	الْعَزِيْزُ	الْحَكِيْمُ ①
اور	وہ	نہایت غالب	بڑا حکمت والا ہے

''اللہ ہی کی تسبیح کرتی ہے ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اور وہی غالب حکمت والا ہے۔''(۱)

فہم القرآن

ربطِ سورت: دنیا اور آخرت میں کامیابی کے اسباب میں ایک بڑا سبب ''اللہ'' کی یاد ہے۔ زمین وآسمانوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کو یاد کرتی ہے۔ اس میں یہ واضح اشارہ موجود ہے کہ اے انسان! تجھے بھی ''اللہ'' کو یاد کرنا چاہیے۔

یہ بات سورۃ الحدید کی ابتدا میں عرض ہو چکی ہے کہ ''سَبَّحَ یُسَبِّحُ''سے شروع ہونے والی چھ سورتیں ہیں جنہیں مسبّحات کہتے ہیں۔ چنانچہ سورہ حشر کی ابتدا ''سَبَّحَ'' کے پُرجلال اور بارُعب لفظ سے ہو رہی ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہے جو اپنی ذات، صفات اور حکم کے حوالے سے پوری مخلوق پر غالب ہے لیکن اس کے غلبہ میں ظلم کی بجائے شفقت پائی جاتی ہے۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو کلمے رحمان کو بڑے پسند ہیں زبان سے ادا کرنے میں آسان اور وزن میں بڑے بھاری ہیں۔''(رواہ البخاری: کتاب التوحید)

''حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذکر کرتے ہیں کہ پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے۔ ''الحمد للہ'' کے الفاظ میزان کو بھر دیتے ہیں۔ ''سبحان اللہ'' اور ''الحمد للہ'' دونوں کلمے زمین و آسمان کو بھر دیتے ہیں۔'' (رواہ مسلم: باب فَضْلِ الْوُضُوءِ)

مسائل

۱۔ زمین وآسمانوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے اپنی مخلوق پر غالب ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم اور کام میں حکمت پائی جاتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی ہر چیز تسبیح کرتی اور اس کے حضور سربسجود ہوتی ہے:

(حم السجدۃ:۳۷)(الحجر:۹۸)(الحج:۷۷)(النجم:۶۲)(النحل:۴۸)(النحل:۴۹)(الرحمٰن:۶)(الاعراف:۲۰۶)

هُوَ الَّذِيْٓ	اَخْرَجَ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	مِنْ دِيَارِهِمْ
وہی ہے جس نے	نکالا	ان لوگوں کو	جنہوں نے کفر کیا	اہل کتاب میں سے	ان کے گھروں سے
لِاَوَّلِ الْحَشْرِ	مَا	ظَنَنْتُمْ	اَنْ يَّخْرُجُوْا	وَظَنُّوْٓا	اَنَّهُمْ
پہلے اکٹھ کے وقت	نہیں	تم نے گمان کیا	یہ کہ وہ نکلیں گے	انہوں نے سمجھا	کہ بیشک
مَّانِعَتُهُمْ	حُصُوْنُهُمْ	مِّنَ اللّٰهِ	فَاَتٰىهُمُ	اللّٰهُ	مِنْ حَيْثُ
ان کو بچالیں گے	ان کے قلعے	اللہ سے	پھر آیا ان کے پاس	اللہ	جہاں سے
لَمْ	يَحْتَسِبُوْا	وَقَذَفَ	فِيْ قُلُوْبِهِمُ	الرُّعْبَ	
نہیں	انہوں نے گمان کیا	اور اس نے ڈال دیا	ان کے دلوں میں	رعب	

''وہی ہے جس نے اہل کتاب سے کفار کو پہلے ہی ہلے میں ان کے گھروں سے نکال باہر کیا، تمہیں گمان بھی نہیں تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ بھی یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ سے بچالیں گے، مگر اللہ اُن پر اس طرف سے آیا جس طرف کا وہ خیال نہیں رکھتے تھے۔اس نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ ہر چیز پر ہر اعتبار سے غالب ہے اس کے غالب ہونے کا ایک ثبوت۔

نبی معظم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔آپ کی تشریف آوری سے پہلے اس کا نام یثرب تھا۔ یثرب میں رہنے والوں کی غالب اکثریت یہود پر مشتمل تھی۔یہودیوں کا ہر لحاظ سے مدینہ اوراس کے گرد پیش کے علاقے پر تسلط تھا۔ نبی معظم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ نے بقائے باہمی کے اصول پر یہودیوں سے ایک معاہدہ کیا جو میثاقِ مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں ایک شرط یہ تھی کہ آپس میں مل جل کر رہیں گے اور خطرہ کی صورت میں اکٹھے ہوکر مدینہ کا دفاع کریں گے۔لیکن یہودیوں نے غزوہ بدر ،اُحد ، خندق اوردیگر مواقعوں پر مدینے کے منافقین اورمکہ کے کفار کی درپردہ حمایت جاری رکھی۔ یہاں تک کہ ایک موقع پر نبی ﷺ کو شہید کرنے کی کوشش کی جس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک جھگڑے کے حل کے لیے یہودیوں کے قبیلہ بنونضیر کے ایک محلے میں تشریف لے گئے۔ یہودیوں کو آپ کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے یہ سازش تیار کی کہ جب آپ مجلس میں بیٹھے ہوں تو مکان کی چھت سے بھاری پتھر پھینک کر آپ کو ختم کردیا جائے۔آپ پروگرام کے مطابق وہاں تشریف لے گئے اور ابھی دیوار کے سایہ میں تشریف فرما ہوئے ہی تھے کہ آپ کو وحی کے ذریعے یہودیوں کی سازش کا علم ہوا تو آپ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان حالات میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ فیصلہ فرمایا کہ بنونضیر کومدینہ سے نکال باہر کیا جائے۔آپ ﷺ نے انہیں پیغام بھیجا کہ اپنا سامان لے کر

يُخْرِبُوْنَ	بُيُوْتَهُمْ	بِاَيْدِيْهِمْ	وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ق	فَاعْتَبِرُوْا
وہ اُجاڑتے تھے	اپنے گھروں کو	اپنے ہاتھوں سے	اور مومنوں کے ہاتھوں سے بھی	تو تم عبرت پکڑو

يٰاُولِي الْاَبْصَارِ②	وَلَوْ	لَآ	اَنْ	كَتَبَ اللّٰهُ	عَلَيْهِمُ	الْجَلَآءَ
اے آنکھوں والو	اور اگر	نہ ہوتا	یہ کہ	اللہ نے لکھ دیا تھا	ان پر	جلا وطن ہونا

لَعَذَّبَهُمْ	فِي الدُّنْيَا ط	وَلَهُمْ	فِي الْاٰخِرَةِ	عَذَابُ النَّارِ③
تو وہ ضرور عذاب دیتا ان کو	دنیا میں	اور ان کے لیے	آخرت میں	آگ کا عذاب ہے

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے اور مومنوں کے ہاتھوں سے بھی اپنے گھروں کو برباد کر رہے تھے اے عقل رکھنے والو عبرت حاصل کرو۔(۲) اگر اللہ نے ان کے حق میں جلا وطنی نہ لکھ دی ہوتی تو وہ دنیا میں بھی انہیں عذاب دیتا، اور آخرت میں ان کے لیے آگ کا عذاب ہے۔'' (۳)

مدینہ سے نکل جاؤ اور پورے علاقے کو خالی کر دو۔ قریب تھا کہ یہودی اپنا سازوسامان لے کر نکل جاتے لیکن رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے انہیں پیغام بھیجا کہ تمہیں اپنے گھر بار اور علاقہ نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ میں دو ہزار آدمیوں کے ساتھ تمہاری حفاظت کے لیے پہنچ جاؤں گا ،بنوقریظہ اور بنو غطفان بھی تمہاری مدد کریں گے۔ اس پر بنونضیر کے سردار رحی بن اخطب کا حوصلہ بڑھا اوراس نے علاقہ چھوڑنے کی بجائے مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کا عزم کرلیا۔ نبی معظم ﷺ نے اس صورتِ حال میں بنونضیر کا محاصرہ کیا بنونضیر کی بستی کے چاروں طرف گنجان باغات تھے جس وجہ سے ان کی طرف پیش قدمی کرنے میں دقت پیش آئی اس لیے آپ نے چند درخت کاٹنے کا حکم دیا ،اس پر منافقین اور یہودیوں نے شور مچایا کہ یہ جہاد نہیں فساد فی الارض ہے۔

اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے ربِ ذوالجلال نے فرمایا کہ وہی ذات ہے جس نے پہلے ہی حملے میں اہلِ کتاب کے کفار کوان کے گھروں سے نکال باہر کیا حالانکہ تم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ لڑائی کے بغیر اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوں گے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ ان کے قلعے انہیں اللہ کی گرفت سے بچالیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت اس طرح کی جس کا وہ خواب و خیال بھی نہیں کرسکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کاان کے دلوں پر اس طرح رعب ڈال دیا کہ ایک طرف مسلمان ان کا سازوسامان اٹھا رہے تھے اوردوسری طرف وہ خود اپنے گھروں کو مسمار کررہے تھے۔ یادرہے کہ اللہ کے رسول نے انہیں یہ اختیار دیاتھا کہ جس قدر اپنا سازوسامان لے جاسکتے ہو اُسے اٹھانے کی تمہیں اجازت دی جاتی ہے اس لیے یہودی اپنے مکانوں کے دروازے اور سامان اکھاڑ اکھاڑ کر لے جارہے تھے باقی ماندہ سامان مسلمانوں نے اکٹھا کرلیا۔ یہودیوں کے لیے یہ ایسا اندوہ ناک لمحہ تھا کہ جس کا اس سے پہلے وہ تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔ اس لیے ارشاد

فرمایا ہے کہ اے آنکھیں رکھنے والو! اسے کھلی آنکھوں کے ساتھ دیکھو اور پوری بصیرت کے ساتھ غور وفکر کرواوراس سے عبرت حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اس کسمپرسی کے عالم میں کچھ یہودی شام کی طرف چلے گئے اور باقی نے خیبر میں جا کر پناہ لی جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں خیبر سے نکال دیا گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں یہ بات نہ لکھی ہوتی کہ یہودیوں کو جلاوطن کیا جائے گا تو وہ دنیا میں انہیں سخت ترین عذاب دیتا اورآخرت میں ان کے لیے آگ کا عذاب ہوگا۔

”لِاَوَّلِ الْحَشْرِ“ کے اہلِ علم نے دومفہوم اخذ کیے ہیں۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ پہلے حشر سے مراد نبی علیہ السلام کے دور میں یہودیوں کا مدینہ سے اخراج ہے ،دوسرا حشر وہ ہے جب یہودیوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جزیرۃ العرب سے نکال دیا گیا۔ دوسری جماعت کا نظریہ ہے کہ ”لِاَوَّلِ الْحَشْرِ“سے مراد مسلمانوں کا پہلے مرحلے میں یہودیوں کے خلاف اکٹھا ہونا ہے۔ ابھی مسلمان یہودیوں کے خلاف اکٹھے ہوئے ہی تھے کہ یہودی مرعوب ہوکر خود بخود مدینہ چھوڑ کر خیبر کی طرف روانہ ہوگئے۔

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں اور عیسائیوں کو حجاز کے علاقے سے جلاوطن کر دیا۔ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر غلبہ پایا تو آپ نے ارادہ کیا کہ وہاں سے یہودیوں کو جلا وطن کیا جائے کیونکہ اس علاقے پر جب غلبہ حاصل ہوا تو یہ زمین اللہ ،اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی ہو گئی تھی۔ یہودیوں نے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی وہ زمینوں اور باغات میں کام کریں گے اور انہیں پھلوں سے نصف حصہ دیا جائے۔ اس پر رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک ہم پسند کریں گے تمہیں یہاں رہنے دیں گے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے دورِ خلافت میں شام کے ملک میں تیما اور اریحا بستی کی جانب جلا وطن کر دیا۔“ (رواہ البخاری : باب مَا کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یُعْطِی الْمُؤَلَّفَةَ قُلُوبُهُمْ وَغَيْرَهُمْ مِنَ الْخُمُسِ وَنَحْوِهِ) (کیونکہ یہودی شرارتوں اور سازشوں سے باز نہیں آتے تھے۔)

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کو مدینہ سے نکلنے پر مجبور کیا حالانکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم قلعہ بند ہوکر اپنی حفاظت کرسکیں گے۔
٢۔ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے اہلِ کتاب کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔
٣۔ یہودی اپنے آپ کو مدینہ میں بڑا طاقتور سمجھتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کر دیئے جس سے یہودی مدینہ سے نکلنے پر مجبور ہوئے۔
٤۔ دشمن کی ذلّت اور بربادی سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔
٥۔ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے اہلِ کتاب کو دنیا میں ذلیل کیا اورآخرت میں ان کے لیے جہنّم کی آگ ہوگی۔

ذٰلِكَ	بِاَنَّهُمْ	شَآقُّوا	اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ	وَمَنْ
یہ اس لیے	کہ بے شک	انہوں نے مخالفت کی	اللہ اور اس کے رسول کی	اور جو کوئی
يُّشَآقِّ اللّٰهَ	فَاِنَّ	اللّٰهَ	شَدِيْدُ	الْعِقَابِ ۝
مخالفت کرے اللہ کی	تو بلاشبہ	اللہ	سخت	سزا دینے والا ہے

''یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو بھی ''اللہ'' کی مخالفت کرے گا ''اللہ'' اس کو سخت سزا دینے والا ہے۔''(۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنونضیر دنیا میں ذلیل ہوئے اور آخرت میں انہیں شدید عذاب دیا جائے گا کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والے تھے، جو بھی اللہ اور اس کے رسول کے خلاف چلے گا وہ آخرت میں سزا پائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ صرف یہودی نہیں بلکہ جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے شدید عذاب میں مبتلا کرے گا۔ آیت کے پہلے حصے میں یہ ارشاد ہے کہ یہودیوں کو دنیا میں اس لیے عذاب دیا گیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں لیکن آیت کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے صرف اپنا نام لیا گیا ہے۔ اکیلا اپنا نام اس لیے لیا ہے کیونکہ رسول کی مخالفت آپ کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ ﷺ کی دعوت کی وجہ سے تھی۔ نبی علیہ السلام کی سیرت پر غور فرمائیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آئے گی کہ دعوت پیش کرنے سے پہلے اہلِ مکہ آپ کو صادق اور امین کے معزز لقب سے یاد کیا کرتے تھے لیکن جونہی آپ نے توحید کی دعوت دی تو انہوں نے آپ کے بُرے نام رکھے اور آپ کو مختلف قسم کی اذّیتیں دیں اور آپ کی ذات کے دشمن ہوئے۔ یہی رویہ یہود ونصاریٰ کا تھا اور ہے اس لیے ارشاد ہوا کہ جو بھی اللہ کی مخالفت کرے گا'' اللہ'' اسے شدید عذاب میں مبتلا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی مختلف صورتیں۔

۱۔ ''اللہ'' کی ذات اور صفات میں کسی اور کو شریک کیا جائے۔

۲۔ جو شخص ''اللہ'' کی عبادت نہیں کرتا یا اس کی عبادت میں دوسرے کو شریک کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے فرمان کی مخالفت کرتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو خاتم المرسلین بنایا ہے جو شخص آپ کو خاتم المرسلین رسول نہیں مانتا اور آپ کی اطاعت نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہیں کرتا وہ عملاً اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے۔

۵۔اللہ تعالیٰ نے قیامت پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے جوشخص قیامت کا انکار کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے اورجو''اللہ'' کی مخالفت کرتا ہے۔''اللہ تعالیٰ'' اسے شدید عذاب میں مبتلا کرے گا۔

﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا﴾ (النساء: ۸۰)

''جس نے رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو منہ پھیر لے ہم نے تمہیں ان پر نگہبان بنا کرنہیں بھیجا۔''

((وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰی قِیْلَ وَمَنْ اَبٰی قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی))

(رواہ البخاری: باب الاِقْتِدَاءِ بِسُنَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا: میری پوری امّت جنت میں داخل ہو گی سوائے اس کے جس نے جنت میں جانے سے انکار کیا۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا جنت میں جانے سے کون انکار کرتا ہے؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا جس نے میری نافرمانی کی اس نے جنت میں جانے سے انکار کیا۔''

مسائل

۱۔ مسلمان کو ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنی چاہیے۔
۲۔ انسان کوہر حال میں اللہ اوراس کے رسول کی مخالفت سے بچنا چاہیے۔
۳۔ جوشخص اللہ کے رسول کی مخالفت کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے۔
۴۔ جوشخص اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے شدید ترین عذاب میں مبتلا کرے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نافرمانوں کوسخت عذاب دے گا:

۱۔ اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ اللہ کی پکڑ بڑی سخت ہے۔(المائدۃ:۹۸)
۲۔ ''اللہ'' کفر کرنے والوں کوسخت ترین عذاب سے دو چار کرے گا۔(آل عمران:۵۶)
۳۔ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرنے والوں کے لیے سخت ترین عذاب ہے۔(آل عمران:۴)
۴۔ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں کے لیے شدید عذاب ہو گا۔(الانفال:۱۳)
۵۔ اللہ کی گرفت بہت سخت ہوا کرتی ہے۔(البروج:۱۲)

مَا	قَطَعْتُمْ	مِّنْ	لِّيْنَةٍ	اَوْ	تَرَكْتُمُوْهَا	قَآئِمَةً
جو	تم نے کاٹا	کوئی	کھجور کا درخت	یا	تم نے چھوڑ دیا اسے	کھڑا
عَلٰٓى اُصُوْلِهَا	فَبِاِذْنِ اللّٰهِ		وَلِيُخْزِيَ		الْفٰسِقِيْنَ۝	
اس کی جڑوں پر	تو اللہ کے حکم سے ہے		اور تاکہ وہ رسوا کرے		نافرمانوں کو	

”تم نے جو کھجوروں کے درخت کاٹے یا جن کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، یہ سب اللہ ہی کے اذن سے تھا تاکہ اللہ نافرمانوں کو ذلیل وخوار کرے۔“(۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مدینہ سے یہودیوں کے اخراج کا ذکر جاری ہے۔

نبی معظم ﷺ نے بنونضیر کا محاصرہ کرنے کے لیے کھجوروں کے کچھ درخت کاٹنے کا حکم دیا جس پر منافقین اور یہودیوں نے پراپیگنڈہ کیا کہ ”محمد“ نے جہاد کے نام پر فساد فی الارض شروع کر دیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے درخت کاٹنے کے عمل کو اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے مومنو! تم نے جو کھجور کے درخت کاٹے یا جنہیں اپنی حالت پر کھڑے رہنے دیا یہ اللہ کا حکم تھا اور یہ حکم اس لیے دیا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ذلیل کرے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ناگزیر حالات میں دشمن کی جائیداد اور فصل کو تباہ کیا جاسکتا ہے البتہ اہم مجبوری کی صورت کے بغیر دشمن کی جائیداد اور فصل کو نقصان پہنچانا جائز نہیں۔

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَ اُمَرَاءَهُ اَنْ لَّا يَقْتُلُوْا اِلَّا مَنْ قَاتَلَهُمْ))

(فتح الباری: باب این رکز النبی ﷺ الرایة یوم الفتح)

”رسولِ اکرم ﷺ نے فوجی افسروں کو حکم دیا تھا کہ ان لوگوں سے جنگ نہیں کرنا جو تم سے لڑنا نہیں چاہتے۔“

((لَا تَقْتُلُوا شَيْخًا فَانِيًا وَّلَا طِفْلًا وَّلَا صَغِيْرًا وَّلَا اِمْرَاَةً)) (مشکوٰۃ: باب القتال فی الجهاد)

”بوڑھوں، نوعمر لڑکوں، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرو۔“

((عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ وَهَذَا حَدِيثُ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي سَرِيَّةٍ فَصَبَّحْنَا الْحُرَقَاتِ مِنْ جُهَيْنَةَ فَأَدْرَكْتُ رَجُلاً فَقَالَ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ فَطَعَنْتُهُ فَوَقَعَ فِي نَفْسِي مِنْ ذَلِكَ فَذَكَرْتُهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَقَالَ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَقَتَلْتَهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّمَا قَالَهَا خَوْفًا مِنَ السِّلاَحِ قَالَ أَفَلاَ شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ لاَ فَمَازَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ حَتَّى تَمَنَّيْتُ أَنِّي أَسْلَمْتُ يَوْمَئِذٍ قَالَ فَقَالَ سَعْدٌ وَأَنَا وَاللَّهِ لاَ أَقْتُلُ مُسْلِمًا حَتَّى يَقْتُلَهُ ذُو الْبُطَيْنِ يَعْنِي أُسَامَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ أَلَمْ يَقُلِ اللَّهُ (وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لاَ تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ) فَقَالَ سَعْدٌ قَدْ قَاتَلْنَا حَتَّى لاَ تَكُونَ فِتْنَةٌ وَأَنْتَ وَأَصْحَابُكَ تُرِيدُونَ أَنْ

تُقَاتِلُوا حَتَّى تَكُونَ فِتْنَةٌ))(رواه مسلم: كتاب الإيمان، باب تحريم قتل الكافر بعد أن قال لاإله إلا الله)

''حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ (جنگ) میں بھیجا ہم صبح صبح جہینہ کے علاقہ میں پہنچ گئے میں نے وہاں ایک دشمنوں کے آدمی کو پایا اس نے مجھے دیکھ کر لَا اِلٰـہ اِلَّا اللّٰہ، کہالیکن میں نے اسے قتل کر دیا پھر میرے دل میں کچھ خلجان سا پیدا ہوا کہ میں نے مسلمان کو قتل کیا یا کافر کو؟ میں نے اس کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اس نے لَا اِلٰـــہ اِلَّا اللّٰـــہ پڑھا اور پھر بھی تم نے اسے قتل کر دیا میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس نے کلمہ تلوار کے ڈر سے پڑھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا کہ اس نے دل سے کہا تھا یا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہی کلمات دہراتے رہے یہاں تک کہ میں یہ خواہش کرنے لگا کہ کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم میں مسلمان کو قتل نہیں کروں گا جب تک کہ اس کو اسامہ قتل کر دیں ایک آدمی نے کہا کہ کیا اللہ عز وجل نے نہیں فرمایا کافروں سے اس وقت تک قتال کرو جب تک کہ فتنہ نہ رہے اور اللہ کا دین عام ہو جائے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم فتنہ مٹانے کے لئے جہاد کر رہے ہیں اور تمہارے ساتھی فتنہ پھیلانے کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اس بات کا خیال رکھا کہ نہ صرف آبادی پر کسی قسم کی زیادتی نہ ہونے پائے بلکہ جانوروں اور کھیتوں کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچے۔ شام پر فوج کشی کا ارادہ کیا تو فوج کو رخصت کرتے وقت سپہ سالار کو ہدایات فرمائیں:

''تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر رکھا ہے ان کو چھوڑ دینا۔ میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں کسی عورت، بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، پھل دار درخت نہ کاٹنا، آبادیوں کو ویران نہ کرنا، بکری اور اونٹ کو ذبح کرنے کے سوا بے وجہ نہ مارنا، باغات کو نہ جلانا، مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا اور بزدلی نہ دکھانا۔''(تاریخ الخلفاء: سیوطی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تقریباً پورا جزیرۃ العرب زیر نگیں ہو چکا تھا۔ غیر مسلم رعایا کی حیثیت سے سب سے پہلے نجران کے عیسائیوں کے ساتھ معاہدہ کیا ان کو آپ نے جو حقوق دیے وہ اب تک تاریخ میں محفوظ ہیں جن کو من وعن نقل کیا جاتا ہے۔

اہلِ نجران کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ:

((وَلِـنَجْرَانَ وَحَاشِيَتِهَا جَوَارُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ مُحَمَّدِ النَّبِيِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَمِلَّتِهِمْ وَاَرْضِهِـمْ وَاَمْـوَالِهِـمْ وَغَائِبِهِمْ وَشَاهِدِهِمْ وَعِيْرِهِمْ وَبَعْثِهِمْ وَاَمْثِلَتِهِمْ لَا يُغَيَّرُ مَا كَانُوْا عَلَيْهِ وَلَا يُغَيَّرُ حَقٌّ مِنْ حُقُوْقِهِمْ وَاَمْثِلَتِهِمْ وَلَا يُفْتَنَّ اُسْقُفٌ مِنْ اَسْقُفِيَّتِهٖ وَلَا رَاهِبٌ مِنْ رَهْبَانِيَّتِـهٖ وَلَا وَاقِـهٌ مِنْ وَقَاهِيْنَتِهٖ عَلٰى مَا تَحْتَ اَيْدِيْهِمْ مِنْ قَلِيْلٍ اَوْ كَثِيْرٍ وَّلَيْسَ عَلَيْهِمْ رَهْـقٌ وَلَا دَمُّ جَاهِـلِيَّةٍ وَلَا يُـحْشَرُوْنَ وَلَا يُعْشَرُوْنَ وَلَا يَطَاءُ اَرْضَهُـمْ جَيْشٌ مَنْ سَاَلَ

مِنْهُمْ حَقًّافَبَيْنَهُمُ النِّصْفُ غَيرَ ظَالِمِينَ وَلَا مَظْلُوْمِينَ بِنجرانَ وَمَنْ اَكَلَ مِنْهُمْ رِبًا مِنْ ذِي قِبَلٍ فَذِمَّتِي مِنْهُ بَرِيئَةٌ وَلَا يُوخَذُ مِنْهُم رَجُلٌ بِظُلْمِ اٰخَرَ وَلَهُمْ عَلٰى مَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ جَوَارُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ مُحَمَّدِالنَّبِي اَبَدًا حَتَّى يَاْتِي اَمْرُ اللّٰهِ مَا نَصَحُوا وَاَصْلَحُوا فِيْمَا عَلَيْهِمْ غَيرَ مُكَلَّفِيْنَ شَيْئًا بِظُلْمٍ)) (فتوح البلدان : كتاب الخراج، امام ابو يوسف)

''نجران اور اس کے رہنے والوں کی جانیں،ان کا مذہب ،ان کی زمینیں ،ان کا مال، ان کے حاضرو غائب،ان کی مورتیاں،ان کے قافلے اور قاصد،اللہ کی امان اور اس کے رسول ﷺ کی ضمانت میں ہوں گے ۔ان کی موجودہ حالت میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی ان کے حقوق میں سے کسی حق میں مداخلت نہیں کی جائے گی ،کوئی اسقف اپنی اسقفیت سے ،کوئی راہب اپنی رہبانیت سے ، کنیسہ کا کوئی منتظم اپنے عہدہ سے ہٹایا نہ جائے گا ، اور جو کچھ بھی ان کے قبضے میں ہے اسی طرح رہے گا۔ ان کے زمانۂ جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا بدلہ نہ لیا جائے گا، نہ ان سے فوجی خدمت لی جائے گی اور نہ ان پر عُشر لگایا جائے گا اور نہ اسلامی فوج ان کے علاقے کو پامال کرے گی۔ ان میں سے جو شخص اپنے کسی حق کا مطالبہ کرے گا تو اس کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔ نہ انہیں ظلم کرنے دیا جائے گا اور نہ ان پر ظلم ہوگا۔ ان میں سے جو شخص سود کھائے گا وہ میری ضمانت سے بری ہے ۔اس صحیفہ میں جو لکھا گیا ہے اس کے ایفا کے بارے میں اللہ کی امان اور محمد ﷺ کی ذمہ داری ہے یہاں تک کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی دوسرا حکم نازل ہو۔ جب تک یہ لوگ مسلمانوں کے خیر خواہ رہیں گے ان کے ساتھ کیے ہوئے معاہدہ کی پابندی کریں گے ان کو جبراً کسی بات پر مجبور نہ کیا جائے گا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بنونضیر کے محاصرے میں آپ ﷺ کو حکم دیا کہ ان کے درخت کاٹ دیئے جائیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو دنیا میں بھی ذلیل کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے نافرمان قوموں کو دنیا میں ذلیل کیا :

۱۔ یہودی دنیا میں ذلیل اور آخرت میں سخت عذاب کے مستحق ٹھہریں گے۔ (البقرۃ:۸۵)

۲۔ اللہ کی مسجدوں سے روکنے والے دنیا و آخرت میں ذلیل ہوں گے۔(البقرۃ:۱۱۴)

۳۔ کفار کو دنیا و آخرت میں شدید عذاب ہوگا۔ (الرعد:۳۴،آل عمران:۵۶)

۴۔ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن اور فسادی دنیا و آخرت میں عذاب کے مستحق قرار پائیں گے۔ (المائدۃ:۳۳)

۵۔ بچھڑے کے پجاری دنیا میں ذلیل ہوئے اور آخرت میں عذاب میں مبتلا ہوں گے۔(الاعراف:۱۵۲)

۶۔ منافقین کو دنیا و آخرت میں سزا ہوگی۔ (التوبہ:۷۴)(النور :۱۹)(الزمر:۲۶)

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ

اور جو لوٹایا اللہ نے اپنے رسول پر ان سے پس نہیں تم نے دوڑائے اس پر

مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ

گھوڑے اور نہ اونٹ اور لیکن اللہ مسلط کرتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر

يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ

وہ چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جو لوٹایا اللہ نے اپنے رسول پر

مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

بستیوں والوں سے اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت داروں کے لیے اور یتیموں کے لیے

''اور جو مال اللہ نے ان کے قبضے سے نکال کر اپنے رسول کی طرف لوٹا وہ ایسا مال نہیں ہے جس پر تم نے اپنے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے ہوں بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (٦) جو بھی بستیوں کے لوگوں سے اللہ اپنے رسول کی طرف لوٹائے۔ وہ اللہ اور رسول اور قرابت داروں اور یتامیٰ

فہم القرآن

ربطِ کلام: بنونضیر کے چھوڑے ہوئے مال کے بارے میں حکم۔

اللہ تعالیٰ نے بنونضیر پر مسلمانوں کا اس طرح دبدبہ اور رعب طاری کیا کہ انہوں نے مسلمانوں کے حملہ کیے بغیر ہی اپنے گھر بار اور پورا علاقہ خالی کردیا۔ اس طرح مسلمان ان کے گھروں اور زمینوں پر قابض ہوگئے۔ جب بنونضیر اپنی جائیدادیں چھوڑ کر نکل گئے تو مسئلہ پیدا ہوا کہ اس مال کی کس طرح تقسیم کی جائے بالخصوص جب منافقین نے مطالبہ کیا کہ ہمیں بھی مالِ غنیمت سے حصہ دیا جائے۔ اس پر یہ فرمان نازل ہوا کہ یہ مالِ غنیمت نہیں بلکہ اسکی حیثیت مالِ فئی کی ہے کیونکہ اس پر مسلمانوں نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے۔ یعنی مسلمانوں کے حملہ کی وجہ سے یہودیوں نے اپنا گھر بار نہیں چھوڑا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے رسول کا دبدبہ طاری کیا جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہی وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ جن پر چاہتا ہے اپنے رسول کو غالب کردیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو مال بستی والوں سے اپنے رسول کو عطا کیا ہے وہ اللہ، اس کے رسول، اور اس کے رشتہ دار، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کے لیے ہے۔ تقسیم کا مقصد یہ ہے کہ دولت دولت مندوں کے ہاتھوں میں محدود ہوکر نہ رہ جائے۔ جو چیز رسول تمہیں عطا فرمائے اُسے لے لو جس سے تمہیں منع کرے اس سے رک جاؤ اور ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو، یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ نافرمانی کرنے والوں کو سخت عذاب دینے والا ہے۔ اس فرمان میں یہودیوں کے چھوڑے ہوئے مال کو مالِ فئی قرار دیا گیا ہے۔ اس سے مراد دشمن کا وہ مال ہے جو بغیر جنگ کے حاصل ہو۔ (فئی کا معنی

وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً ۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ

اورمسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تا کہ نہ ہو گردش کرنے والا درمیان دولت مندوں کے

مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ

تم میں سے اور جو کچھ تمہیں دے رسول تو تم لے لو اس کو اور جو کچھ کہ وہ روک دے تمہیں

عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۟

اس سے تو تم رک جاؤ اورتم ڈرو اللہ سے بلاشبہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے

مساکین اور مسافروں کے لیے ہے۔ تا کہ مال تمہارے مالداروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتا رہے۔ جو کچھ رسول تمہیں دے۔ اسے لے لو اور جس چیز سے روک دے اس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرو یقیناً اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔"(٧)

لوٹنا، واپس آنا، ہٹ جانا، رجوع کرنا ہے۔)اس ارشاد میں تین بنیادی مسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

① ۔جنگ کیے بغیر جو مال حاصل ہو اس کی تقسیم درج ذیل اصول کی بنیاد پر ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا حصہ :

اس کے بارے میں اہلِ علم کا خیال ہے کہ یہ مال بیت اللہ پر خرچ ہونا چاہیے۔

اللہ کے رسول کا حصہ :

اللہ کے رسول کے زمانے میں اس مال سے آپ ﷺ اپنی گھریلو ضروریات پوری کرتے تھے۔ اسی بنا پر خیبر کے موقع پر آپ کے حصہ میں جو باغ آیا اس کی آمدنی آپ کے بعد امہات المومنین پر خرچ کی جاتی تھی اس کی تفصیل حدیث کی کتب میں موجود ہے۔

"حضرت مالک بن اوس بن حدثان رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ یہ ان دنوں کی بات ہے جس سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حج کیا تھا آپ ﷺ کے پاس خیبر ،فدک اور بنونضیر تین باغ تھے جو بنونضیر کا باغ تھا وہ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو لیے رکھا ہوا تھا جن کو اسلام میں مشکلات اور تکالیف آتیں تھیں اور جو فدک کا باغ تھا اس کی آمدنی آپ ﷺ مسافروں پر خرچ کرتے تھے جبکہ خیبر کے باغ کی آمدنی کو آپ ﷺ نے تین حصوں میں بانٹ رکھا تھا دو حصے مسلمانوں کے لیے اور ایک حصہ اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے تھے اس ایک حصے میں سے جو رقم بچ جاتی وہ بھی آپ ﷺ فقراء اور مہاجرین میں تقسیم کر دیتے تھے۔" (رواہ ابوداؤد : بَابٌ فِي صَفَايَا رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْأَمْوَالِ،قال البانی هذا حديث حسن)

مستحق قریبی رشتہ داروں کا حصہ :

رسول کے مستحق قریبی رشتہ داروں پر خرچ کیا جائے۔

مالِ فئی سے یتیموں، مسکینوں اورمسافروں پر بھی خرچ کرنا چاہیے۔

②۔ دولت کا معاشرے میں گردش کرنا ضروری ہے، دولت کا لفظی معنٰی گھوم گھوم کرآنا ہے۔ عام طور پر دولت کا لفظ جن چیزوں پر بولا جاتا ہے وہ کسی نہ کسی صورت میں ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ دولت کے بارے میں اسلام کا تصور یہ ہے کہ اسے سود کی بجائے تجارت میں استعمال کرنا چاہیے، سودی نظام میں دولت کا بہاؤ سرمایہ دار کی طرف رہتا ہے اور تجارت میں مال مختلف ہاتھوں میں گھومتا ہے جس سے بیک وقت سرمایہ دار اوردوسرے لوگ اپنی اپنی استعداد کے مطابق فائدہ اٹھاتے ہیں۔

③۔تیسرا اصول یہ بیان کیا گیا ہے کہ جورسول تمہیں دے اسے پکڑلو اورجس سے منع کرے اس سے رُک جاؤ۔ اسی اصول پر سارے دین کا انحصار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کوجوحکم اورہدایت دی ہے وہ رسول کے ذریعے دی ہے، اس لیے حکم ہے کہ جو رسول دے اسے پکڑ لو اورجس سے منع کرے اس سے رک جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ (النساء:۸۰) رسول کی اطاعت ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اوراس کی محبت کا واحد ذریعہ ہے۔(آلِ عمران:۳۱) اس کے بغیر نہ امت متحد رہ سکتی ہے اورنہ ہی اللہ کے ہاں کسی کی نیکی قبول ہوگی، اس لیے اس اصول میں کسی قسم کے ترمیم و اضافہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ جو اس کے خلاف کرے گا اسے شدید عذاب دیاجائے گا۔

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ)) (شرح السنة: باب رد البدع والاهواء)

”تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی خواہشات کو میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ کردے۔“

مسائل

۱۔ جنگ کے دوران بلامقابلہ ہاتھ آنے والے مال کو مالِ فئی کہتے ہیں۔

۲۔ فئی کا مال غنیمت کے اصول پر تقسیم نہیں کیا جاتا بلکہ وہ مملکت کی ملکیت ہوتا ہے۔

۳۔ فئی کا مال اہلِ بیت، غرباء، یتامیٰ اورمساکین پر خرچ ہونا چاہیے۔

۴۔ اسلامی حکومت میں ایسا نظام ہونا چاہیے جس سے دولت لوگوں کے درمیان گردش کرتی رہے۔

۵۔ اللہ کے رسول نے جوکچھ فرمایا ہے اس پر سختی کے ساتھ عمل کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

انسان کو ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ خاص مجھ ہی سے ڈرو۔ (البقرۃ:۴۱) ۲۔اے عقل مندو”اللہ“ سے ڈر جاؤ۔ (الطلاق:۱۰)

۳۔ اے عقل مندو !اللہ سے ڈر جاؤ تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (المائدۃ:۱۰۰) (الاحزاب:۷۰)(النساء:۱) (الاحزاب:۷۰)

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ | الَّذِيْنَ | اُخْرِجُوْا | مِنْ دِيَارِهِمْ | وَاَمْوَالِهِمْ

فقراء مہاجرین کے لیے ہے | وہ جو | نکالے گئے | اپنے گھروں سے | اور اپنے مالوں سے

يَبْتَغُوْنَ | فَضْلًا | مِّنَ اللّٰهِ | وَرِضْوَانًا | وَّيَنْصُرُوْنَ | اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط

وہ تلاش کرتے ہیں | فضل | اللہ کا | اور رضا مندی | اور وہ مدد کرتے ہیں | اللہ اور اس کے رسول کی

اُولٰٓئِكَ هُمُ | الصّٰدِقُوْنَ ۝ | وَالَّذِيْنَ | تَبَوَّءُو | الدَّارَ | وَالْاِيْمَانَ

یہی لوگ | سچے ہیں | اور جنہوں نے | بنا لیے | گھر | اور ایمان

مِنْ قَبْلِهِمْ | يُحِبُّوْنَ | مَنْ | هَاجَرَ | اِلَيْهِمْ

ان سے پہلے | وہ محبت کرتے ہیں | اس سے جو | جس نے ہجرت کی | ان کی طرف

”مالِ فئی اُن غریب مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال دیئے گئے ہیں، یہ وہ لوگ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ، اور اس کے رسول کی حمایت پر کمربستہ رہتے ہیں، یہی سچے لوگ ہیں۔(۸) جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ایمان لاکر دارالہجرت میں مقیم ہیں یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: مالِ فئی میں غریب مہاجرین اور مستحق انصار کا حصہ بھی شامل ہوگا۔

مالِ فئی میں ان مسلمانوں کو بھی حصہ ملنا چاہیے جنہیں ان کے مالوں اور گھروں سے نکال دیا گیا ہے کیونکہ وہ اللہ کی رضا کی خاطر اپنے گھروں سے نکالے گئے ہیں۔ یہی لوگ اپنے ایمان میں سچے ہیں۔ مالِ فئی میں وہ ایماندار بھی حصہ دار ہیں جو پہلے سے مدینہ میں مقیم ہیں اور اپنے ہاں آنے والے مہاجرین کے ساتھ محبت رکھنے والے ہیں وہ مہاجرین کے لیے ایثار کرتے ہیں حالانکہ وہ خود بھی ضرورت مند ہیں۔ اپنی ضرورت کے باوجود اپنے آپ پر مہاجرین کو ترجیح دیتے ہیں جو شخص شُح سے بچا لیا گیا وہ کامیاب ہوگا۔ یاد رہے کہ انسان بخل، گناہ اور ہر قسم کی کمزوری سے اللہ کی توفیق سے بچتا ہے۔ یہاں انصارِ مدینہ کی یہ کہہ کر تعریف کی گئی ہے کہ وہ اس قدر مخلص اور ایثار پیشہ لوگ ہیں کہ خود ضرورت مند ہونے کے باوجود مہاجرین کی ضرورت کا خیال رکھتے ہیں۔ انصارِ مدینہ نے اسی وصف کی بنا پر مہاجرین کے ساتھ دلی محبت کا اظہار کیا اور ایثار کی ایسی مثالیں قائم کیں جس کی نظیر دنیا میں ملنا مشکل ہے۔ ایمان کی تازگی کے لیے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ ”شُحَّ“ کا لغوی معنیٰ ہے کنجوسی، بخل مگر جب اصطلاح میں اس لفظ کو نفس کی طرف منسوب کیا جائے۔ ”شُحَّ نَفْسِ“ کہا جائے تو یہ دل کی تنگی، کم حوصلگی اور دل کے چھوٹے پن کا معنیٰ دیتا ہے۔

وَ	لَا	يَجِدُوْنَ	فِيْ صُدُوْرِهِمْ	حَاجَةً	مِّمَّآ	اُوْتُوْا
اور	نہیں	وہ پاتے	اپنے سینوں میں	کوئی حاجت	اس سے جو	وہ دیے جائیں

وَيُؤْثِرُوْنَ	عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ	وَلَوْ	كَانَ	بِهِمْ	خَصَاصَةٌ ؕ
اور وہ ترجیح دیتے ہیں	اپنے نفس پر	اگرچہ	ہو	ان کو	شدید حاجت

وَمَنْ	يُّوْقَ	شُحَّ نَفْسِهٖ	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	الْمُفْلِحُوْنَ ۝
اور جو کوئی	بچا لیا گیا	اپنے نفس کے بخل سے	تو یہی لوگ	فلاح پانے والے ہیں

اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے۔ اس کی کوئی حاجت اپنے دلوں میں نہیں پاتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ اپنی جگہ ضرورت مند ہوتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی کنجوسی ،بخل سے بچا لیے گئے وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔'' (۹)

انصار کا مہاجرین کے لیے ایثار:

مکہ سے ہجرت کرنے والے مسلمان سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ آئے تھے جن کے لیے انصار نے اس قدر محبت اور کشادہ دلی کا مظاہرہ کیا کہ انہوں نے نبی علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمارے اور مہاجرین کے درمیان ہماری جائیدادیں اور باغات تقسیم کر دیئے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہیں کیا جائے گا بلکہ تمہادی جائیدادیں تمہارے پاس ہی رہیں گی۔ انصار نے مہاجرین سے کہا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ کھیتی باڑی میں ہاتھ بٹائیں تو پیداوار میں آپ برابر کے شریک ہوں گے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مہاجرین کھیتی باڑی نہیں جانتے۔ انصار نے عرض کی تو پھر بھی ہم پیداوار میں انہیں آدھا حصہ دیں گے۔

ایثار کی انتہا:

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَدِمَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ الْمَدِينَةَ فَآخَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ وَكَانَ سَعْدٌ ذَا غِنًى فَقَالَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ أُقَاسِمُكَ مَالِي نِصْفَيْنِ وَأُزَوِّجُكَ قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ دُلُّونِي عَلَى السُّوقِ فَمَا رَجَعَ حَتَّى اسْتَفْضَلَ أَقِطًا وَسَمْنًا فَأَتَى بِهِ أَهْلَ مَنْزِلِهِ فَمَكَثْنَا يَسِيرًا أَوْ مَا شَاءَ اللّٰهُ فَجَاءَ وَعَلَيْهِ وَضَرٌ مِنْ صُفْرَةٍ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَهْيَمْ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ مَا سُقْتَ إِلَيْهَا قَالَ نَوَاةً مِنْ ذَهَبٍ أَوْ وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ))

(رواه البخاری : كتاب البيوع ، باب قول الله تعالى فإذا قضيت الصلاة)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مدینہ آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن ربیع

انصاری اورابن عوف رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخات قائم کی سعد مال دار آدمی تھے انھوں نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا میں اپنے مال کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں اور آپ کی شادی کا انتظام کرتا ہوں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اللہ تعالیٰ تمھارے مال اور اہل میں برکت کرے مجھے بازار کے بارے میں معلومات دیں اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بازار گئے اور وہاں سے گھی اور پنیر لے کر واپس آئے۔ ہمیں مدینہ میں ٹھہرے کچھ دیر ہی گزری تھی کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آئے تو ان کے کپڑوں پر زرد رنگ کے نشانات تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے انصاری عورت سے شادی کی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتنا مہر ادا کیا ہے؟ عبدالرحمٰن نے کہا گٹھلی کے برابر سونا یا اس سے کچھ کم دیا ہے۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولیمہ کریں خواہ ایک بکری ہی ذبح کرو۔''

''حضرت عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں آنے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ ہجرت میں پہل کرنے والے مہاجرین کے حق کا خیال رکھے اور جن انصار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے اس گھر اور ایمان میں جگہ بنالی ان کے بارے میں خلیفہ کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان کی اچھائی قبول کرے اور ان کی کمزوری سے درگذر کرے۔'' (رواہ البخاری: باب "وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالإِيمَانَ")

مسائل

۱۔ جو لوگ اللہ کی رضا کے لیے اپنا گھر بار چھوڑتے ہیں وہ اپنے ایمان میں سچے ہوتے ہیں۔
۲۔ جو لوگ مہاجرین سے محبت کرتے ہیں اور اپنی ضرورت کے باوجود ان کی ضرورت کے لیے ایثار کرتے ہیں وہ فلاح پائیں گے۔ ۳۔ جو دل کی بخیلی سے بچالیا گیا وہ کامیاب ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

کامیاب ہونے والے لوگوں کے اوصاف:

۱۔ جو اللہ کی توحید کا اقرار کرکے اس پر ڈٹ جاتے ہیں وہ کامیاب ہیں۔ (الاحقاف: ۱۳، ۱۴، حم السجدۃ: ۳۰)
۲۔ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں وہ کامیاب ہوں گے۔ (البقرۃ: ۸۲)
۳۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ کامیاب ہوتے ہیں۔ (النساء: ۱۳)
۴۔ اللہ سے ڈرنے والے کامیاب ہوتے ہیں۔ (الرحمٰن: ۴۶)
۵۔ جو برائی سے بچ گیا اس پر اللہ کا رحم ہوا، یہ بڑی کامیابی ہے۔ (المومن: ۹)

وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا
اور ان کے لیے جو آئے ان کے بعد وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے
وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا
اور ہمارے بھائیوں کو جنہوں نے ہم سے پہل کی ایمان لانے میں اور تو نہ رہنے دے ہمارے دلوں میں
غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾ ع
کینہ ان کے بارے میں جو ایمان لائے اے ہمارے رب بلاشبہ تو بڑا نرمی کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے

”جو پہلے لوگوں کے بعد آئے ہیں وہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو معاف فرما دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے بارے میں بُغض نہ رہنے دے ،اے ہمارے رب تو بڑا نرمی کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“(۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مالِ فئی میں بعد میں آنے والے لوگوں کا بھی حصہ رکھنا چاہیے اور پہلے فوت شدگان کے لیے دعا کرنی چاہیے۔

مالِ فئی میں ان لوگوں کا حصہ بھی شامل ہے جو ہجرت میں پہل کرنے والوں کے بعد ایمان لانے والے ہیں کیونکہ ان کا تعلق اور محبت ان مومنوں کے ساتھ ہے جو ان سے پہلے دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ بعد میں مسلمان ہونے والے نہ صرف فوت ہونے والے مومنوں کے ساتھ محبت اور عقیدت رکھتے ہیں بلکہ ان کے لیے ان الفاظ میں دعا گو ہیں۔ اے ہمارے رب! ہمارے ان بھائیوں کی بشری کمزوریوں کو معاف فرما دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں کو ایمانداروں کے بارے میں حسد و کینہ سے محفوظ فرما۔ اے ہمارے رب! تو بڑا ہی شفقت کرنے والا اور مہربان ہے۔

دین اسلام کی یہی تعلیم نہیں کہ مالِ فئی میں بعد میں آنے والوں کا حصہ ہونا چاہیے ،دین کی یہ بھی تعلیم ہے کہ اللہ کے حضور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے ان ایمانداروں کے لیے بھی بخشش کی دعا کرنی چاہیے جو پہلے فوت ہو چکے ہیں۔ کیونکہ ان کی خدمات سے ان کے بعد آنے والے مسلمان مستفید ہوتے ہیں اس کے ساتھ ہی موجود مسلمانوں کے لیے بھی دعا ہونی چاہیے۔ کہ اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ایمانداروں کے بارے میں حسد وکینہ سے محفوظ فرما بے شک تو بڑا شفقت کرنے والا اور مہربان ہے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ عَبْدًا اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ فَاغْفِرْهُ فَقَالَ رَبُّهٗ اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا یَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَاْخُذُبِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ ثُمَّ مَکَثَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ فَقَالَ اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا یَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ ثُمَّ مَکَثَ مَاشَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ

ذَنْبًا اٰخَرَ فَاغْفِرْهُ لِیْ فَقَالَ اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا یَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ فَلْیَفْعَلْ مَا شَآءَ))(رواه البخاری : باب قول الله تعالی یریدون ان یبدلوا کلام الله)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص گناہ کرتا ہے پھر اپنے رب سے عرض کرتا ہے کہ میں گناہ کر بیٹھا ہوں تو اے رب مجھے معاف فرما۔اس کا رب فرشتوں سے کہتا ہے' کیا میرے بندے کو معلوم ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہوں کو معاف کرتا ہے اور ان پر مؤاخذہ بھی کرتا ہے؟ لہٰذا میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔پھر جب تک اللہ کی توفیق ہوتی ہے وہ گناہ سے باز رہتا ہے، پھر اس سے گناہ ہو جاتا ہے اور پھر اپنے رب کو پکارتا ہے ۔میرے پروردگار مجھ سے گناہ ہو گیا ہے۔ میرے اللہ! مجھے معاف فرما۔اللہ تعالیٰ فرشتوں سے استفسار کرتا ہے کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ کوئی اس کا مالک ہے جو گناہوں کو معاف بھی کرتا ہے اور انہیں پر پکڑتا بھی ہے؟ میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا! اب وہ جو چاہے کرے۔'' (یعنی سابقہ گناہ پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا ۔)''

فوت شدگان کے بارے میں حضرت نوح اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں :

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ (نوح : ٢٨)

'' میرے رب مجھے اور میرے والدین کو اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں مومن کی حیثیت سے داخل ہوا ہے اور سب مومن مردوں اور عورتوں کو معاف فرما دے۔''

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَأُنْثَانَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا اللّٰهُمَّ مَنْ أَحْیَیْتَهُ مِنَّا فَأَحْیِهِ عَلَی الإِیمَانِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَی الإِسْلَامِ اللّٰهُمَّ لاَ تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلاَ تُضِلَّنَا بَعْدَهُ))(رواه ابوداؤد : باب الدُّعَاءِ لِلْمَیِّتِ قال البانی هذا حدیث صحیحٌ)

''اے اللہ ہمارے زندہ اور فوت شدگان اور چھوٹے ، مذکر اور مؤنث جو حاضر ہیں اور جو غائب ہیں سب کو معاف فرما۔ اے اللہ ! ہم میں جو بھی زندہ رہے تو اسے ایمان پر قائم و دائم رکھنا اور ہم میں سے جس کو بھی موت آئے اسے اسلام پر موت آئے۔ اے اللہ! ہمارے اجر کو ضائع مت کرنا اور نہ ہی ہمیں بعد میں کوئی ذلت اٹھانی پڑے۔''

مسائل

١۔ اللہ کے نیک بندے اپنے رب سے اپنے اور اپنے سے پہلے فوت شدگان کے لیے بخشش مانگتے ہیں ۔

٢۔ ایماندار لوگ دوسرے ایمانداروں کے بارے میں حسد وبغض سے پناہ مانگتے ہیں ۔

٣۔ ایمانداروں کا عقیدہ ہے کہ ان کا رب بہت شفقت کرنے والا اور مہربان ہے ۔

اَلَمْ	تَرَ	اِلَى الَّذِيْنَ	نَافَقُوْا	يَقُوْلُوْنَ	لِاِخْوَانِهِمُ
کیانہیں	آپ نے دیکھا	ان لوگوں کی طرف	جنہوں نے منافقت کی	وہ کہتے ہیں	اپنے ان بھائیوں سے

الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	لَئِنْ	اُخْرِجْتُمْ	لَنَخْرُجَنَّ
جنہوں نے	کفر کیا	اہل کتاب سے	البتہ اگر	تم نکالے گئے	تو ہم ضرور نکلیں گے

مَعَكُمْ	وَلَا	نُطِيْعُ	فِيْكُمْ	اَحَدًا	اَبَدًا	وَّاِنْ
تمہارے ساتھ	اورنہیں	ہم کہا مانیں گے	تمہارے معاملے میں	کسی کا	کبھی	اور اگر

قُوْتِلْتُمْ	لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ	وَاللّٰهُ	يَشْهَدُ	اِنَّهُمْ	لَكٰذِبُوْنَ ⑪
تم سے لڑائی کی گئی	تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے	اور اللہ	گواہی دیتا ہے	بلاشبہ وہ	ضرور جھوٹے ہیں

”آپ نے منافقوں کو نہیں دیکھا؟ یہ اپنے کافر اہل کتاب بھائیوں سے کہتے ہیں اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے خلاف ہم کسی کی بات نہیں مانیں گے اور اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے، اللہ گواہ ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔“(۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مخلص مسلمانوں کی خدمات کے ذکر کے بعد منافقین کا ذکر۔

بنونضیر کی بدعہدی اور مسلسل سازشوں کی وجہ سے اللہ کے رسول نے انہیں ان کے علاقے سے دس دن کے اندر نکل جانے کا حکم دیا۔ بنونضیر اپنا علاقہ چھوڑنے کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی نے پیغام بھیجا کہ تمہیں اپنا وطن ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اگر محمد (ﷺ) نے آپ کی طرف پیش قدمی کی تو میں دو ہزار ساتھیوں اور فلاں فلاں قبائل کے ساتھ مل کر تمہاری مدد کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین اور بنونضیر کی سازش کو بے نقاب کرتے ہوئے نبی ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ کیا آپ نے منافقوں کی اس بات اور چال پر غور نہیں کیا کہ انہوں نے اپنے کافر بھائیوں جو اہل کتاب میں سے ہیں کہا کہ اگر انہیں جلاوطن کرنے پر مجبور کیا گیا تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے اور تمہارے بارے میں کسی کی کوئی بات نہیں مانیں گے۔ یعنی جنگ ہوئی تو ہم ہرصورت تمہاری مدد کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ منافق اپنی بات میں جھوٹے ہیں۔ جب بنونضیر کو ان کے علاقہ سے نکال دیا جائے گا تو منافق نہ مدینہ چھوڑ کر ان کے ساتھ جائیں گے۔ اگر بنونضیر کی مسلمانوں کے ساتھ مڈھ بھیڑ ہوگئی تو منافق ان کا ساتھ نہیں دیں گے۔ بالفرض کچھ منافق بنونضیر کی مدد کے لیے نکل پڑے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ اس صورت میں ان کی کوئی مدد کرنے والا نہیں ہوگا۔ اے مسلمانو! منافق اور یہودی

لَئِنْ	اُخْرِجُوْا	لَا يَخْرُجُوْنَ	مَعَهُمْ ۚ	وَلَئِنْ	قُوْتِلُوْا	لَا
البتہ اگر	وہ نکالے گئے	تو یہ نہیں نکلیں گے	ان کے ساتھ	اور اگر	وہ لڑائی کیے گئے	تو نہیں
يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ	وَلَئِنْ	نَّصَرُوْهُمْ	لَيُوَلُّنَّ	الْاَدْبَارَ قف	ثُمَّ	
وہ مدد کریں گے ان کی	اور البتہ اگر	وہ ان کی مدد کے لیے آ بھی گئے	تو وہ ضرور پھیریں گے	پیٹھیں	پھر	
لَا	يُنْصَرُوْنَ ⑫	لَاَنْتُمْ	اَشَدُّ رَهْبَةً	فِيْ صُدُوْرِهِمْ	مِّنَ اللّٰهِ ۭ	
نہیں	وہ مدد کیے جائیں گے	یقیناً تم	شدید تر ہو ڈرنے کے اعتبار سے	ان کے سینوں میں	اللہ سے	
ذٰلِكَ	بِاَنَّهُمْ	قَوْمٌ	لَّا	يَفْقَهُوْنَ ⑬		
یہ اس لیے	کہ بے شک وہ	ایسے لوگ ہیں کہ	نہیں	وہ سمجھتے		

اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ ہرگز نہ نکلیں گے، اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی بالکل مدد نہیں کریں گے اور اگر ان کی مدد کے لیے نکلیں گے تو پیٹھ پھیر جائیں گے اور پھر کسی سے کوئی مدد نہیں پائیں گے۔(۱۲) ان کے دلوں میں اللہ سے بڑھ کر تمہارا ڈر ہے کیونکہ یہ سمجھدار نہیں ہیں۔''(۱۳)

اس لیے مقابلہ نہیں کر پائیں گے کیونکہ وہ اللہ سے زیادہ تم سے ڈرتے ہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ یہ لوگ حقیقی سمجھ سے عاری ہو چکے ہیں، حقیقی سمجھ یہ ہے کہ انسان اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کی نافرمانی اور منافقت چھوڑ دے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو منافقین کی سازش اور بزدلی سے پہلے ہی آگاہ کردیا۔
۲۔ منافق مسلمانوں کی کھل کر مخالفت کرنے کی بجائے عام طور پر چھپ کر مخالفت کرتا ہے۔
۳۔ منافق اور کفار اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی بجائے لوگوں سے زیادہ ڈرتے ہیں۔
۴۔ حقیقی سمجھ کا تقاضا ہے کہ انسان صرف ''اللہ'' سے ڈرتا رہے۔۵۔منافق اپنے وعدے میں جھوٹا ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ سے ڈرنا چاہیے:

۱۔ مومنوں کو اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرنا چاہیے۔(البقرۃ:۱۵۰)
۲۔ اللہ کے بندے صرف اللہ سے ہی ڈرتے ہیں۔(المائدۃ:۲۸) ۳۔''نبی'' صرف اللہ سے ڈرتا ہے۔(یونس:۱۵، الزمر:۳)
۴۔ اللہ سے ڈرنے والے ہی کامیاب ہوا کرتے ہیں۔(النور:۵۲)

لَا	يُقَاتِلُوْنَكُمْ	جَمِيْعًا	اِلَّا	فِيْ قُرًى	مُّحَصَّنَةٍ	اَوْ
نہیں	وہ لڑیں گے تم سے	مل کر	مگر	ایسی بستیوں میں	جو قلعہ بند ہیں	یا
مِنْ وَّرَآءِ	جُدُرٍ ؕ	بَاْسُهُمْ	بَيْنَهُمْ	شَدِيْدٌ ؕ	تَحْسَبُهُمْ	جَمِيْعًا
پیچھے سے	دیواروں کے	ان کی لڑائی	آپس میں	بہت سخت ہے	آپ گمان کرتے ہیں ان کو	اکٹھے
وَّقُلُوْبُهُمْ	شَتّٰى ؕ	ذٰلِكَ	بِاَنَّهُمْ	قَوْمٌ	لَّا	يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾
جبکہ ان کے دل	جدا جدا ہیں	یہ اس لیے کہ	بے شک وہ	ایسی قوم ہیں جو	نہیں	عقل رکھتے
كَمَثَلِ	الَّذِيْنَ	مِنْ قَبْلِهِمْ	قَرِيْبًا	ذَاقُوْا	وَبَالَ	اَمْرِهِمْ ۚ
مانند	ان لوگوں کے جو	ان سے پہلے ہوئے	قریب ہی	انہوں نے چکھ لیا	وبال	اپنے کام کا

’’یہ تمہارا مقابلہ کبھی اکٹھے ہوکر نہیں کریں گے اگر لڑیں گے تو قلعہ بند بستیوں میں بیٹھ کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر لڑیں گے ان درمیان بڑے اختلافات ہیں۔تم انہیں اکٹھا سمجھتے ہو مگر ان کے دل ایک دوسرے سے الگ ہیں یہ اس لیے ہے کہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں۔ (۱۴) یہ انہی لوگوں کی مانند ہیں جو ان سے تھوڑی ہی مدت پہلے اپنے کیے کی سزا پا چکے ہیں۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقین کی بزدلی کا ذکر جاری ہے۔

نبی معظم ﷺ کو منافقین کی سازش بتلانے کے بعد یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ منافق اور یہودی کبھی بھی اکٹھے ہوکر تمہارے سامنے نہیں آسکتے ،سوائے اس کے کہ وہ اپنے قلعوں میں رہ کر یا دیواروں کی اوٹ میں تمہارے خلاف لڑنے کی کوشش کریں کیونکہ ان کے آپس میں شدید اختلافات ہیں۔ آپ انہیں متحد سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے دل آپس میں ایک دوسرے سے دور ہیں۔ ایسا اس لیے کہ یہ لوگ حقیقی سمجھ نہیں رکھتے ۔ان کا حال ان لوگوں کی طرح ہے جو ان سے تھوڑی مدت پہلے اپنے کیے کی سزا پا چکے ہیں۔ قیامت کے دن ان کے لیے اذیت ناک عذاب ہے۔ پہلے لوگوں سے مراد اہل مکہ ہیں جو بدر میں ذلیل ہوئے۔ منافقوں کی چال اور مثال شیطان جیسی ہے کہ وہ انسان کو کفر پر اکستا ہے جب انسان کفر کا کام کر بیٹھتا ہے تو شیطان اس سے یہ کہہ کر بَری الذّمہ ہوجاتا ہے کہ میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ شیطان اور اس کے ساتھیوں کا انجام جہنّم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، ظالموں کی یہی سزا ہوگی۔ اس فرمان میں آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ منافق اور یہودی اکٹھے ہوکر آپ کے خلاف نہیں لڑیں گے کیونکہ ان کے دل ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں۔ اس سے مراد بنونضیر کے آپس میں اختلافات بھی ہو سکتے ہیں جو بظاہر اکٹھے تھے مگر ان کے دل ایک دوسرے سے دور تھے لیکن اسلام دشمنی میں اکٹھے تھے۔ مکہ کے لوگ اپنی جگہ ذلیل ہوکر واپس پلٹے اور منافق اور یہودی اپنے اپنے مقام پر ذلیل ہوئے۔ یہاں

وَلَهُمْ	عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۵		كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ	اِذْ	قَالَ	لِلْاِنْسَانِ
اور ان کے لیے	دردناک عذاب ہے		مانند شیطان کے	جب	اس نے کہا	انسان کو
اكْفُرْ	فَلَمَّا	كَفَرَ	قَالَ	اِنِّيْ	بَرِيْٓءٌ	مِّنْكَ
تو کفر کر	پھر جب	اس نے کفر کرلیا	تو شیطان نے کہا	بلاشبہ میں تو	بری ہوں	تجھ سے
اِنِّيْٓ	اَخَافُ	اللّٰهَ	رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶	فَكَانَ	عَاقِبَتَهُمَآ	اَنَّهُمَا
بیشک میں	ڈرتا ہوں	اللہ	رب العالمین سے	لہٰذا ہے	ان دونوں کا انجام	کہ بے شک وہ دونوں ہی
فِي النَّارِ	خَالِدَيْنِ	فِيْهَا	وَذٰلِكَ	جَزٰٓؤُا	الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۷	
آگ میں ہوں گے	وہ ہمیشہ رہیں گے	اس میں	اور یہی ہے	سزا	ظالموں کی	

اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔(۱۵) ان کی مثال شیطان جیسی ہے کہ وہ پہلے انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر اور جب انسان کفر کر بیٹھتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری الذمہ ہوں مجھے تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔(۱۶) لہٰذا دونوں کا انجام یہ ہے کہ یہ ہمیشہ کے لیے جہنّم میں جائیں، اور ظالموں کی یہی جزا ہے۔‘‘(۱۷)

منافقین کے کردار کو شیطان کے کردار کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ جس طرح شیطان چھپ کر بار، بار انسان کو گمراہ کرتا ہے اسی طرح ہی منافق بار، بار اور چھپ چھپ کر مسلمانوں کا نقصان کرتے ہیں۔ منافق مشکل میں اسی طرح ہی ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ جس طرح شیطان انسان سے بُرے کام کروا کر اپنے آپ میں کہتا ہے کہ میں تو رب العالمین ڈرتا ہوں اس لیے تم سے الگ ہوتا ہوں۔ جیسا کہ اس نے غزوہ بدر کے موقع پر کیا تھا۔ تفصیل کے لیے سورہ الانفال کی آیت ۴۸ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی بجائے لوگوں سے ڈرنے والے لوگ حقیقت میں سمجھ دار نہیں ہوتے۔

۲۔ حقیقی سمجھ یہ ہے کہ انسان صرف اللہ سے ڈرتا رہے۔ ۳۔ منافق کی چال اور انداز شیطان کی مانند ہوتا ہے۔

۴۔ شیطان کی طرح منافق بھی مشکل وقت میں ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔

۵۔ شیطان اور اس کے ساتھی جہنّم میں جھونکیں جائیں گے۔ ۶۔ کفار مخلص ہو کر آپس میں اکٹھے نہیں ہوسکتے۔

تفسیر بالقرآن

مسلمان کو صرف اللہ سے ڈرنا چاہیے:

(البقرۃ:۱۵۰) (المائدۃ:۲۸) (یونس: ۱۵، الزمر: ۳) (النور:۵۲)(الانفال: ۴۸) (النساء:۷۷)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ
اے وہ لوگو جو | ایمان لائے ہو | تم اللہ سے ڈرو | اور دیکھے | ہر نفس | کیا | اس نے آگے بھیجا

لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾
کل کے لیے | اور تم اللہ سے ڈرو | بلاشبہ | اللہ | باخبر ہے | ساتھ اس کے جو | تم عمل کرتے ہو

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ
اور نہ | تم ہو جاؤ | مانند ان لوگوں کی جنہوں نے | اللہ کو بھلا دیا | اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا | ان کے نفسوں سے

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾
یہی لوگ | فاسق ہیں

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا بھیجا ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو اللہ یقیناً تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔(۱۸) ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے انہیں اپنے آپ سے بھلا دیا، یہی لوگ فاسق ہیں۔''(۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنّم کی آگ سے بچنے کے لیے ہر انسان کو اللہ سے ڈرنا اور قیامت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

اس سے پہلی آیات میں یہ بیان ہوا کہ کفار اور منافق اللہ سے ڈرنے کی بجائے لوگوں سے ڈرتے ہیں۔ حالانکہ انسان کو صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ اسی اصول کے پیشِ نظر ایمانداروں کو حکم دیا ہے کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے آنے والے کل یعنی قیامت کے لیے کیا بھیجا ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو جو تم عمل کرتے ہو یقیناً اللہ تعالیٰ اسے پوری طرح جاننے والا ہے ۔اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے ''اللہ'' کو فراموش کر دیا۔ جب انہوں نے ''اللہ'' کو فراموش کیا تو'' اللہ تعالیٰ'' نے بھی انہیں اس طرح کر دیا کہ وہ خود اپنے آپ کو بھول گئے یہی لوگ نافرمان ہیں۔ یہاں قیامت کے لیے '' غَـدٍ '' کا لفظ استعمال کیا ہے جس میں یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ دنیا اور قیامت کا معاملہ آج اور کل کی طرح ہے گویا کہ جس طرح آج کے بعد کل کا آنا یقینی ہے اسی طرح ہی اس دنیا کے بعد قیامت کا برپا ہونا یقینی ہے۔ اس میں یہ بھی اشارہ موجود ہے کہ ہر انسان کی زندگی آج اور کل پر مشتمل ہے آج سے مراد دنیا کی زندگی ہے اور کل سے مراد قیامت ، فرق یہ ہے کہ یہ زندگی مختصر ہے اور آنے والا کل طویل ہی نہیں بلکہ لامتناہی ہوگا۔ آج کے دکھ مرنے کے ساتھ ختم ہو جائیں گے لیکن کل کے دکھ ختم نہیں ہو پائیں گے لہٰذا انسان کو اپنے آنے والے کل کی تیاری کرنا چاہیے اور اس کا پختہ ایمان ہونا چاہیے کہ جو کچھ میں کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ مسلمان کو ان لوگوں کی طرح نہیں ہونا چاہیے جنہوں نے دنیا کی چند روزہ زندگی کی خاطر اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کو فراموش کرنے کا نتیجہ ہوتا ہے کہ ایک وقت آتا ہے کہ

انسان خود فراموشی کا شکار ہوجاتا ہے۔ انسان جب خود فراموشی کا شکار ہوجائے تو اسے حقیقی نفع ونقصان کا شعور نہیں رہتا جس وجہ سے وہ اللہ کی ذات اور اس کے احکام کو فراموش کردیتا ہے، ایسا شخص ہر وہ کام کرتا ہے جس پر اس کا دل آتا ہے۔ سورۃ الجاثیہ کی آیت ۲۳ میں اس بارے میں بتلایا ہے کہ کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنے نفس کو الٰہ بنالیا ہے اور وہ سب کچھ جاننے کے باوجود گمراہ ہوچکا ہے۔ جو لوگ اس طرح زندگی گزارتے ہیں حقیقت میں وہ اپنے رب کے نافرمان ہوتے ہیں۔ نافرمان لوگ قیامت کے دن بے انتہا نقصان پائیں گے۔

((وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِبَعْضِ جَسَدِی فَقَالَ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَأَنَّکَ غَرِیْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ وَعُدَّ نَفْسَکَ مِنْ أَھْلِ الْقُبُوْرِ)) (رواہ البخاری: باب قول النبی ﷺ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَأَنَّکَ غَرِیْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ)

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے میرے کندھے کو پکڑ کر فرمایا۔ دنیا میں اجنبی یا مسافر کی طرح رہو اور اپنے آپ کو اہلِ قبور میں شمار کرو۔“

”حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک چٹائی پر سوئے تو آپ کے پہلو پر نشان پڑ گئے۔ ہم نے عرض کی اللہ کے رسول! آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے لیے اچھا سا بستر تیار کردیں؟ آپ نے فرمایا: میرا دنیا کے ساتھ ایک مسافر جیسا تعلق ہے جو کسی درخت کے نیچے تھوڑا سا آرام کرتا ہے پھر اسے چھوڑ کر آگے چل دیتا ہے۔“ (رواہ الترمذی : باب مَا جَاءَ فِی أَخْذِ الْمَالِ، قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح)

مسائل

۱۔ مسلمان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔
۲۔ ہر انسان کو آنے والے کل کے لیے سوچنا چاہیے کہ اس نے اس کے لیے کیا بھیجا ہے۔
۳۔ مسلمانوں کو ان لوگوں کی طرح نہیں ہونا چاہیے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو فراموش کردیا اور بالآخر خود فراموشی کا شکار ہوئے۔
۴۔ خود فراموشی کا شکار ہونے والے لوگ اپنے رب کے نافرمان ہوتے ہیں۔
۵۔ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہر عمل سے باخبر ہے۔

تفسیر بالقرآن

ایمانداروں کو اللہ سے ڈرنا چاہیے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ خاص مجھ ہی سے ڈرو۔ (البقرۃ: ۴۱) ۲۔ اے عقل مندو! اللہ سے ڈر جاؤ۔ (الطلاق: ۱۰)
۳۔ اے عقل مندو! اللہ سے ڈر جاؤ تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (المائدۃ: ۱۰۰) (الاحزاب: ۷۰)
۴۔ تم ”اللہ“ سے ڈرو گے تو ”اللہ“ اسے تمہارے لیے روشنی بنا دے گا۔ (الانفال: ۲۹)

لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝۲۰

نہیں برابر ہو سکتے آگ والے اور باغ والے باغ والے کامیاب ہیں

”آگ میں جانے والے اور جنّت میں جانے والے برابر نہیں ہو سکتے، جنّت میں جانے والے ہی اصل میں کامیاب ہیں۔“(۲۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: خود فراموشی کا شکار ہونے والے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ جہنم میں جائیں گے، جہنّمی اور جنّتی برابر نہیں ہوسکتے۔

قرآن مجید نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ مومن اور فاسق برابر نہیں ہوسکتے۔(السجدۃ:۱۸)سورہ ص کی آیت ۲۸ میں فرمایا کہ کیا ہم ایماندار اور صالح اعمال کرنے والوں کو ان کے برابر کردیں جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں کیا ہم متقین کو بُرے لوگوں کے برابر کر دیں گے؟

ظاہر بات ہے کہ مومن اور فاسق ،متقی اور بدکردار اچھے اور بُرے برابر نہیں ہوسکتے۔ جب عقائد اور کردار کے اعتبار سے برابر نہیں ہیں تو پھر انجام کے لحاظ سے کس طرح برابر ہوں گے۔؟ اس لیے ارشاد فرمایا کہ جہنّمی اور جنّتی برابر نہیں ہوسکتے، جہنّمی ہمیشہ ہمیش کا نقصان پائیں گے اور جنّتی ہمیشہ رہنے والے انعام پائیں گے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کو یاد رکھا اور اپنے آپ کو خود فراموشی سے بچالیا۔ وہ نہ صرف اپنی زندگی کے مقصد کو پالے گا بلکہ آخرت کی دائمی زندگی میں بھی کامیابی سے ہمکنار ہوگا۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَعْدَدْتُّ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِيْنَ مَالَاعَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَاخَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ وَّاقْرَءُ وْا اِنْ شِئْتُمْ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ)) (رواه البخاری : باب مَا جَاءَ فِی صِفَةِ الْجَنَّةِ وَاَنَّهَا مَخْلُوقَةٌ)

”حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں، جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کا تصور پیدا ہوا۔ اگر پسند ہو تو اس آیت کی تلاوت کرو”کوئی نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چیز چھپا کے رکھی گئی ہے۔“

((عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْثَالَ الذَّرِّ فِي صُوَرِ الرِّجَالِ يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فُيُسَاقُوْنَ إِلٰى سِجْنٍ فِي جَهَنَّمَ يُسَمّٰى بُوْلَسَ تَعْلُوْهُمْ نَارُ الْأَنْيَارِ يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ أَهْلِ النَّارِ طِيْنَةَ الْخَبَالِ))

(رواہ الترمذی: کتاب صفة القيامة والرقائق والورع، باب منه)

’’حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہم سے وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن متکبر لوگ چیونٹیوں کی صورت میں لائے جائیں گے انہیں ہر طرف سے ذلت ڈھانپے ہوئے ہوگی اور انہیں بولس نامی جہنّم میں ڈالا جایا جائے گا ان پر آگ کے شعلے بلند ہورہے ہوں گے اور انہیں جہنمیوں کی زخموں کی پیپ پلائی جائے گی۔‘‘

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: جنّت میں ایک ایسا درخت ہے کہ اگر کوئی سوار اس کے سایہ میں سو سال چلتا رہے، تب بھی اس سایہ ختم نہیں ہوگا اور یقیناً تم میں سے کسی ایک شخص کی جنّت میں کمان کے برابر جگہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے، جن پر سورج طلوع یا غروب ہوتا ہے۔‘‘ (رواہ البخاری: باب مَا جَاءَ فِی صِفَةِ الْجَنَّةِ وَأَنَّھَا مَخْلُوقَةٌ)

((عَنْ سَمُرَةَ ابْنِ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مِنْھُمْ مَنْ تَاْخُذُہُ النَّارُ اِلٰی کَعْبَیْهِ وَ مِنْھُمْ مَنْ تَاْخُذُہُ النَّارُ اِلٰی رُکْبَتَیْهِ وَمِنْھُمْ مَنْ تَاْخُذُہُ النَّارُ اِلٰی حُجْزَتِهٖ وَمِنْھُمْ مَنْ تَاْخُذُہُ النَّارُ اِلٰی تَرْقُوَتِهٖ)) (رواہ مسلم: باب فی شدة حر النار)

’’حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی گرامی ﷺ نے فرمایا: جہنّم کی آگ نے بعض لوگوں کو ٹخنوں تک، بعض کو گھٹنوں تک اور بعض کو کمر تک گھیرا ہوگا اور بعض کی گردنوں تک پہنچی ہوگی۔‘‘

مسائل

۱۔ جہنّمی اور جنّتی برابر نہیں ہوسکتے۔ ۲۔ جنّتی کامیاب ہوں گے اور جہنّمی ہمیشہ کے لیے ذلیل ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

جنّتیوں اور جہنّمیوں میں فرق:

۱۔ قیامت کے دن جنّتیوں کے چہروں پر ذلّت اور نحوست نہیں ہوگی اور وہ جنّت میں رہیں گے۔(یونس:۲۶)

۲۔ جنّتیوں کے چہرے تروتازہ ہوں گے(القیامہ:۲۲) ۳۔ جنّتیوں کو ملائکہ سلام کہیں گے۔ (الزمر:۷۳)

۴۔ جنّتیوں کا استقبال ہوگا۔(الزمر:۷۳) ۵۔ جنّتیوں کو ملائکہ سلام کریں گے۔(الفرقان:۷۵)

۶۔ جہنّمیوں کے چہروں پر ذلت چھائی ہوگی انہیں اللہ سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔(یونس:۲۷)

۷۔ جہنّمیوں کے چہرے بگڑے ہوئے ہوں گے۔(الحج:۷۲)۸۔ جہنّمیوں کے چہروں پر گردوغبار ہوگا۔(عبس:۴۰)

۹۔ خدا کے باغیوں پر پھٹکار ہوگی۔(یونس:۲۷)۱۰۔ مجرموں کے چہرے ڈرے اوراُوندھے ہوں گے۔(الغاشیہ:۲)

۱۱۔ کفار کے چہرے مرجھائے اور اُڑے ہوئے ہوں گے۔ (القیامہ:۲۴)

۱۲۔ مشرک، کافر اور منافق جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔(البقرۃ:۳۹،الزخرف:۷۴، التوبہ:۶۸)

لَوْ	اَنْزَلْنَا	هٰذَا الْقُرْاٰنَ	عَلٰى جَبَلٍ	لَّرَاَيْتَهٗ	خَاشِعًا
اگر	ہم نازل کرتے	اس قرآن کو	کسی پہاڑ پر	تو آپ دیکھتے اسے	جھکنے والا
مُّتَصَدِّعًا	مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ	وَتِلْكَ	الْاَمْثَالُ	نَضْرِبُهَا	
پھٹنے والا ہوتا	اللہ کے خوف سے	اور یہ	مثالیں ہیں	ہم بیان کرتے ہیں ان کو	
لِلنَّاسِ	لَعَلَّهُمْ	يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾			
لوگوں کے لیے	شاید کہ وہ	غوروفکر کریں			

”اگر اس قرآن کو ہم کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ پڑتا۔ یہ مثالیں لوگوں کے سامنے ہم اس لیے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ غور کریں۔“ (۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنّم کی آگ سے بچنے اور جنّت میں داخل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کے قرآن پر غور کر کے اپنے آپ کو سنوار لے۔

اللہ تعالیٰ نے جہنّم سے بچنے اور جنّت میں داخل ہونے کے لیے قرآن مجید جیسی عظیم اور موثر کتاب نازل فرمائی ہے۔اس کی عظمت اور تاثیر کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کردیتے تو آپ دیکھتے کہ پہاڑ بھی اللہ کے خوف سے دب اور پھٹ جاتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے ارشادات لوگوں کے سامنے اس لیے بیان فرماتا ہے تا کہ لوگ ان پر غور کریں اور اپنے کردار اور انجام کے بارے میں فکر کریں۔قرآن مجید کی عظمت اور تاثیر کا ذکر کرتے ہوئے ”لَوْ“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے اگر ہم قرآن مجید پہاڑ پر نازل کردیتے تو پہاڑ بھی اس کی عظمت اور تاثیر سے پھٹ جاتا۔کچھ اہلِ علم نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ پہاڑ بھی خلافت کے بارِ گراں سے پھٹ جاتا جس کا تذکرہ قرآن مجید میں یوں کیا گیا ہے۔

ہم نے بارِ امانت کو آسمانوں اور زمین پر پیش کیا تو انہوں نے اسے اٹھانے سے معذرت کی وہ اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا، بے شک انسان ظالم اور جاہل ہے۔(الاحزاب:۷۲)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَرَأَ طٰهٰ وَيٰس قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضَ بِأَلْفِ عَامٍ، فَلَمَّا سَمِعَتِ الْمَلائِكَةُ الْقُرْآنَ قَالَتْ طُوبَى لأُمَّةٍ يَنْزِلُ هٰذَا عَلَيْهَا، وَطُوبَى لأَجْوَافٍ تَحْمِلُ هٰذَا، وَطُوبَى لأَلْسِنَةٍ تَتَكَلَّمُ بِهٰذَا))

(رواه الدارمی: باب فِی فَضْلِ سُورَةِ طٰه وَيٰس (لم تتم دراسته) قال النسائی ضعيف)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمانوں کی تخلیق سے ہزار سال پہلے سورہ طٰہٰ اور یٰس کی تلاوت فرمائی۔فرشتوں نے قرآن کی تلاوت سنی تو کہنے

لگے اس امت کے لیے خوشخبری ہو جس پر قرآن نازل ہوگا ،ان سینوں کے لیے مبارک ہو جو اس قرآن کو اٹھائیں گے اوران زبانوں کو خوش آمدید ہو جو قرآن کی تلاوت کریں گی۔“

قرآن مجید کی بے انتہا تاثیر:

((عَنْ عُمَرَبْنِ الخَطَّابِ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَالْکِتَابِ اَقْوَامًاوَیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ)) (رواہ مسلم: کتاب الصلوٰۃ ، باب فضل من یقوم بالقراٰن)

”حضرت عمر بن خطاب ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کتاب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بہت سی قوموں کو جو اس پر عمل کریں گی بامِ عروج پر پہنچائے گا اور بہت سی قوموں کو جو اس کو چھوڑ دیں گی انہیں ذلیل کر دے گا۔“

جس طرح ”اللہ“ کی ذات وصفات اور اس کے جمال وکمال کی انتہا نہیں اسی طرح اس کے کلام کی عظمت اور تاثیر کی بھی انتہا نہیں ہے۔قرآن مجید کو جو بھی اخلاص اور توجہ سے پڑھتا اور سنتا ہے وہ اس پر ایمان لائے بغیر نہیں رہ سکتا۔حضرت عمر ؓ نے اپنی بہن سے سورۃ طٰہٰ کی ابتدائی آیات سنیں تو ایمان لانے پر مجبور ہوئے ۔ثمامہ بن اثال نے نبی علیہ السلام کو کعبہ میں قرآن پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس قدر متاثر ہوا کہ اپنے کانوں سے روئی نکال دی اور قرآن مجید سنتے ہی آپ ﷺ پر ایمان لے آیا۔

”حضرت ابی اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے براء بن عازب ؓ سے سنا کہ ایک آدمی اپنے گھر میں سورۃ الکہف کی تلاوت کر رہا تھا تو اُس کے گھوڑے نے بدکنا شروع کر دیا۔ اُس نے سلام پھیر کر آسمان کی طرف نظر اُٹھائی تو اُسے بادلوں کا ایک ٹکڑا نظر آیا جو اُسے ڈھانپے ہوئے تھا اُس نے اس کا تذکرہ نبی ﷺ کے سامنے کیا آپ نے فرمایا اے فلاں پڑھتے رہو یہ سکینت تھی جو قرآن کے لیے نازل ہوئی تھی یا قرآن کی وجہ سے نازل ہو رہی تھی۔“ (رواہ البخاری: باب عَلَامَاتِ النُّبُوَّۃِ فِی الإِسْلَامِ)

مسائل

١۔ اگر اللہ تعالیٰ قرآن مجید پہاڑ پر نازل کردیتا تو قرآن کی عظمت اورتاثیر سے پہاڑ دب اور پھٹ جاتا۔

٢۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے اپنے احکام اس لیے بیان کرتا ہے تاکہ لوگ ان پرغور کریں ۔

تفسیر بالقرآن

قرآن کی عظمت اورفضیلت:

١۔ قرآن مجید لاریب کتاب ہے۔(البقرہ: ٢) ٢۔قرآنِ مجید سراپا رحمت اور کتابِ ہدایت ہے۔ (لقمان: ٣)

٣۔ قرآن مجید بابرکت اور پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے ۔(الانعام:٩٣)

٤۔ قرآن مجید میں ہدایت کے متعلقہ ہر چیز واضح کی گئی ہے۔ (النحل:٨٩)(المائدۃ:١٥) (المائدۃ: ٤٨)

هُوَ	اللّٰهُ	الَّذِیْ	لَآ	اِلٰهَ	اِلَّا	هُوَ ۚ	عٰلِمُ
وہ	اللہ	وہ ذات ہے	نہیں ہے	کوئی معبود	مگر	وہی	جاننے والا ہے
الْغَیْبِ		وَ الشَّهَادَةِ ۚ	هُوَ		الرَّحْمٰنُ		الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾
غیب کو		اور حاضر کو	وہ		رحمٰن ہے		رحیم ہے

''وہی ''اللہ'' ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں غائب اور ظاہر کو جاننے والا ،وہ بڑا مہربان ،رحم فرمانے والا ہے۔'' (۲۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس ''اللہ نے قرآن مجید جیسی عظیم کتاب نازل فرمائی ہے اس کی عظیم اور بے مثال صفات۔

''اللہ'' وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ،وہی ہر قسم کی پوشیدہ اور ظاہر چیز کو جانتا ہے، سب کچھ جاننے کے باوجود اپنے بندوں پر نہایت مہربان اوررحم کرنے والا ہے۔''الٰہ'' اللہ تعالیٰ کا متبادل نام بھی ہے اورعظیم صفت بھی۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے سب نے اپنی دعوت کا آغاز اسی بات سے کیا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اس لیے صرف اسی کی بندگی کرو۔وہی اپنی مخلوق کی حاجت روائی اورمشکل کشائی کرنے والا ہے۔وہ ان چیزوں کو جانتا ہے جواس کی مخلوق کے لیے غیب ہیں اوران چیزوں کوبھی جانتا ہے جو کسی نہ کسی صورت میں اس کی مخلوق کے سامنے ہیں۔غیب سے مراد مخلوق کے حوالے سے کسی چیز کا پوشیدہ ہونا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے غائب اورظاہر،پوشیدہ اوراعلانیہ دونوں برابر ہیں کیونکہ اس کا فرمان ہے۔

﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِیْرُ الْمُتَعَالِ○ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّیْلِ وَ سَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ﴾ (الرعد: ۹،۱۰)

''وہ غیب اور ظاہر کو جاننے والا،بہت بڑا اورنہایت بلندو بالا ہے۔تم میں سے جو بات چھپا کرکرے یا اسے بلند آواز سے کرے رات کی روشنی میں چھپ جائے یا دن کی روشنی میں چلے پھرئے اس کے نزدیک سب برار ہیں۔''

رحمٰن فعلان کے وزن پر مبالغہ یعنی سپر ڈگری (Super Degree) اوررحیم فعیل کے وزن پر اسم صفت مشبہ کے صیغے ہیں۔اہلِ علم کے نزدیک رحمٰن کی صفت سب کے لیے ہے اور اس کا رحیم ہونا صرف مومنوں کے لیے خاص ہے۔الرحمٰن: لامتناہی اور رحمتِ مجسم کا ترجمان ہے اور لفظ''الرحیم'' کائنات پر نازل ہونے والی مسلسل اوردائمی رحمت کی ترجمانی کرتا ہے ۔معنٰی یہ ہوا کہ وہ ''اللہ'' بے انتہا مہربان، ہمہ وقت اور ہر حال میں رحم فرمانے والا ہے ۔فرق یہ ہے کہ رحیم کا لفظ کسی مشفق شخصیت کے لیے استعمال جاسکتا ہے مگرکسی کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ

''الرحمٰن'' کہنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور رحیمیّت کسی اضطرار اور مجبوری کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ اس کی رحمانیت کا عین تقاضا ہے۔ اس صفت کا تذکرہ قرآنِ مجید میں مختلف الفاظ اور انداز میں پایا جاتا ہے۔ انسان جس قدر سرکشی اور بغاوت پر اتر آئے لیکن جب اللہ کے حضور یہ کہتے ہوئے آب دیدہ ہو جائے کہ الٰہی! میرے جرائم اور خطاؤں کی آندھیوں نے میرے گلشن حیات کو برباد کردیا ہے۔ جس طرح تو ویران وادیوں، تپتے ہوئے صحراؤں اور اجڑے ہوئے باغوں کو اپنے کرم کی بارش سے سبز وشاداب بنا دیتا ہے اسی طرح مجھے بھی حیاتِ نو سے ہمکنار کردے۔ بندۂ مومن کی عاجزی اور سرافگندگی کی وجہ سے رحمٰن و رحیم کی رحمت کے سمندر میں تلاطم برپا ہو جاتا ہے اور وہ اپنے بندے کو معاف کر دیتا ہے۔ الرحمٰن کی رحمت کی وسعتوں کا تذکرہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا:

((عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا رَوَى عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَّهُ قَالَ يَا عِبَادِي إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلا تَظَالَمُوا يَا عِبَادِي كُلُّكُمْ ضَالٌّ إِلَّا مَنْ هَدَيْتُهُ فَاسْتَهْدُونِي أَهْدِكُمْ يَا عِبَادِي كُلُّكُمْ جَائِعٌ إِلَّا مَنْ أَطْعَمْتُهُ فَاسْتَطْعِمُونِي أُطْعِمْكُمْ يَا عِبَادِي كُلُّكُمْ عَارٍ إِلَّا مَنْ كَسَوْتُهُ فَاسْتَكْسُونِي أَكْسُكُمْ يَا عِبَادِي إِنَّكُمْ تُخْطِئُونَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَأَنَا أَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا فَاسْتَغْفِرُونِي أَغْفِرْ لَكُمْ يَا عِبَادِي إِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوا ضَرِّي فَتَضُرُّونِي وَلَنْ تَبْلُغُوا نَفْعِي فَتَنْفَعُونِي يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلُونِي فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَسْأَلَتَهُ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِمَّا عِنْدِي إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ يَا عِبَادِي إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا لَكُمْ ثُمَّ أُوَفِّيكُمْ إِيَّاهَا فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذَلِكَ فَلا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ قَالَ سَعِيدٌ كَانَ أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ إِذَا حَدَّثَ بِهَذَا الْحَدِيثِ جَثَا عَلَى رُكْبَتَيْهِ)) (رواه مسلم: كتاب البر والصلة و الآداب، باب تحريم الظلم)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندو! تم میں سے ہر ایک گمراہ ہے ماسوا اس کے جس کو میں ہدایت سے سرفراز کروں۔ پس تم مجھ سے ہدایت مانگو میں تمہیں ہدایت دوں گا، تم میں سے ہر ایک بھوکا ہے سوائے اس کے جس کو میں کھلاؤں۔ پس تم مجھ سے مانگو میں تمہیں کھلاؤں گا۔ میرے بندو! تم سب ننگے ہو سوائے اس کے جس کو میں پہناؤں۔ پس تم مجھ سے پہناوا طلب کرو میں تمہیں پہناؤں گا۔ میرے بندو! تم رات دن گناہ کرتے

ہو، میں تمام گناہوں کو بخش دینے والا ہوں۔ مجھ سے بخشش طلب کرو' میں تمہیں بخش دوں گا۔میرے بندو! تم مجھے نقصان اور نفع پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ میرے بندو! تمہارے تمام اگلے پچھلے' جن و انس سب سے زیادہ متّقی انسان کے دل کی طرح ہو جائیں تو یہ میری سلطنت میں ذرّہ بھر اضافہ نہیں کر سکتے۔میرے بندو! تمہارے اگلے پچھلے جن وانس سب بدترین فاسق وفاجر انسان کی طرح ہو جائیں تو یہ میری حکومت میں کچھ نقص واقع نہیں کرسکتا۔ میرے بندو! تمہارے اگلے پچھلے' جن وانس اگر سب کھلے میدان میں اکٹھے ہو جائیں پھروہ مجھ سے مانگنے لگیں اور میں ہر آدمی کو اس کی منہ مانگی مرادیں دے دوں تو میرے خزانوں میں اتنی کمی بھی واقع نہیں کر سکتے جتنی سوئی کو سمندر میں ڈبونے سے ہوتی ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ ،حاجت روا اور مشکل کشا نہیں ۔۲۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی اس کی پوری مخلوق کو نہیں جانتا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور مخلوق پر بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں :

۱۔ الٰہ ایک ہی ہے۔(البقرۃ: ۱۶۳) ۲۔اللہ کے ساتھ کسی اور کو پکارنے کی کوئی دلیل نہیں۔(المومنون:۱۱۷)

۳۔ اللہ کے ساتھ کسی اور الٰہ کو نا پکارو اس کے سِوا کوئی الٰہ نہیں صرف وہی الٰہ ہے۔(القصص:۸۸)

۴۔ اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور پھر آسمان سے پانی اتار کر باغات اگائے۔ کیا اس کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟(النمل:۶۰)

۵۔ کون ہے جو لاچار کی فریاد سنتا اور اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے، کیا اللہ کیساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل: ۶۲)

۶۔ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں اللہ کے سوا رہنمائی کون کرتا ہے؟ کیا اللہ کیساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ (النمل:۶۳)

۷۔ پہلے اور دوبارہ پیدا کرنے اور زمین و آسمان سے تمہارے لیے روزی کا بندوبست کرنے والا کون ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے؟(النمل:۶۴)

۸۔ اللہ کے ساتھ کسی اور کو نا پکارو ورگرنہ عذاب میں مبتلا کیے جاؤ گے۔(الشعرآء:۲۱۳)

هُوَ	اللّٰهُ	الَّذِیْ	لَآ	اِلٰهَ	اِلَّا	هُوَ ج	اَلْمَلِكُ
وہ	اللہ	وہ ذات ہے کہ	نہیں	کوئی معبود	مگر	وہی	بادشاہ ہے
اَلْقُدُّوْسُ	اَلسَّلٰمُ	اَلْمُؤْمِنُ	اَلْمُهَیْمِنُ	اَلْعَزِیْزُ	اَلْجَبَّارُ		
نہایت پاک	سلامتی والا	امن دینے والا	نگہبان	نہایت غالب	بڑا طاقت ور		
اَلْمُتَكَبِّرُ ط	سُبْحٰنَ اللّٰهِ	عَمَّا	یُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾				
بڑائی والا	پاک ہے اللہ	ان سے جو	وہ شریک ٹھہراتے ہیں				

''وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے نہایت پاک ، سراسر سلامتی والا ، امن دینے والا، نگہبان، اپنا حکم نافذ کرنے پر نہایت غالب اور بڑائی والا ہے، اللہ اس شرک سے پاک ہے جو لوگ کر تے ہیں۔''(۲۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام : اللہ تعالیٰ کی عظیم صفات کا بیان جاری ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں کیونکہ وہی ان عظیم صفات کا مالک ہے کوئی نہیں جو اس جیسی صفات کا حامل ہو لہٰذا وہ لوگوں کے بنائے ہوئے ہر قسم کے شریکوں سے مبرا اور پاک ہے۔ وہ اَلْمَلِكُ ، اَلْقُدُّوْسُ ، اَلسَّلَامُ ، اَلْمُؤْمِنُ، اَلْمُهَیْمِنُ ، اَلْعَزِیْزُ، اَلرَّحِیْمُ ،اَلْجَبَّارُ اور اَلْمُتَكَبِّرُ ہے۔

اَلْمَلِكُ :

اللہ ہی حقیقی اوردائمی بادشاہ اورمالک ہے اس کے سوا کوئی حقیقی اوردائمی بادشاہ اور مالک نہیں، وہ جسے چاہے بادشاہی عطا فرمائے اورجس سے چاہے اس کی بادشاہی چھین لے اس کے اذن کے بغیر کوئی بادشاہ نہیں بن سکتا ہے۔

''کہیں اے اللہ! ساری کائنات کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے چھین لے ، جسے چاہے عزت عطا فرمائے اور جسے چاہے ذلت دے تیرے ہی ہاتھ میں ہر قسم کی خیر ہے یقیناً تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔''(آلِ عمران:۲۶)

اَلْقُدُّوْسُ :

اس نام میں مبالغہ پایا جاتا ہے ۔اللہ تعالیٰ ایسی ہستی ہے جو ہر عیب ،نقص ،برائی اور ظلم سے پاک ہے ۔اس سے زیادہ کوئی ہستی پاک نہیں۔ وہی لوگوں کوگناہوں سے پاک کرنے والا ہے۔ نبی ﷺ تہجد کی نماز میں سجدے کی حالت میں یہ تسبیح پڑھا کرتے تھے ۔

((عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّیرِ أَنَّ عَائِشَةَ نَبَّأَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ)) (صحیح مسلم: باب مَا يُقَالُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ)

'' حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیر کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ نبی اکرم ﷺ رکوع اور سجدے میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ ملائکہ اور جبرائیل امین کے رب ہر قسم کی تسبیح وتقدیس تیرے لیے ہے۔''

اَلسَّلاَمُ :

اللہ تعالیٰ ہر نقصان اور کمزوری سے محفوظ ہے نہ اس کی ذات کو کسی قسم کی کمزوری لاحق ہوتی ہے اور نہ اس کی صفات میں ضُعف واقع ہوتا ہے۔ وہ ہر حال میں السلام ہے اور سلامتی عطا کرنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی سلامتی عطا نہیں کرسکتا ہے اس لیے ہر حال میں اسی سے سلامتی طلب کرنی چاہیے۔

((عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلاتِہِ اسْتَغْفَرَ ثَلاثًا وَقَالَ اللّٰھُمَّ أَنْتَ السَّلامُ وَمِنْکَ السَّلامُ تَبَارَکْتَ ذَا الْجَلالِ وَالإِکْرَامِ)) (روا مسلم: باب اسْتِحْبَابِ الذِّکْرِ بَعْدَ الصَّلاۃِ وَبَیَانِ صِفَتِہِ)

''حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین مرتبہ استغفار کرتے اور یہ دعا پڑھتے۔ ''اللّٰھُمَّ أَنْتَ السَّلاَمُ وَمِنْکَ السَّلاَمُ تَبَارَکْتَ ذَا الْجَلاَلِ وَالإِکْرَام''

''اے اللہ تو سلامتی والا ہے اور سلامتی تجھی سے حاصل ہوتی ہے بے شک تو بابرکت اور جلال واکرام والا ہے۔''

اَلْمُؤْمِنُ:

ہر قسم کے خوف وخطر سے محفوظ ہستی صرف ''اللہ'' کی ذات ہے اسے برے کی برائی اور بڑے کی بڑائی سے کوئی خطرہ نہیں، نہ صرف خود ہر اعتبار سے المؤمن ہے بلکہ ہر کسی کو امن دینے والا ہے۔

اَلْمُھَیْمِنُ :

ہر کسی کی نگرانی اور نگہداشت کرنے والا۔ ایسا نگران کہ نہ اس سے کوئی چیز پوشیدہ ہے اور نہ اپنی مخلوق کی نگرانی کرنے سے تھکتا ہے اور اس کی نگرانی اور نگہبانی سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

'' اللہ تعالیٰ ہی معبودِ برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے۔ اُسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔اس کی ملکیت میں زمین وآسمان کی تمام چیزیں ہیں۔کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے؟ وہ جانتا ہے جو لوگوں کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور لوگ اس کے علم سے کچھ نہیں لے سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔ اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو گھیر رکھا ہے وہ ان کی حفاظت سے نہ تھکتا ہے اور نہ اکتاتا ہے وہ بہت بلند وبالا اور بڑی عظمت والا ہے۔'' (البقرۃ:۲۵۵)

اَلْعَزِیْزُ:

ایسی ذات جس کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا وہ اپنے فیصلے صادر اور نافذ کرنے پر پوری طرح قادر ہے اور کسی کے تعاون کا محتاج نہیں۔وہ کسی کو پکڑنا چاہے تو کوئی اسے چھڑا نہیں سکتا، کسی کو بچانا چاہے تو کوئی اسے گزند نہیں پہنچا سکتا وہ کسی کو دینے کا فیصلہ کرلے تو کوئی روک نہیں سکتا اگر کسی سے کوئی چیز لینا چاہے تو کوئی اُسے ٹوک نہیں سکتا۔

''اے اللہ! جو چیز تو عطاء فرمائے اُسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو چیز تو روک لے اُس کو کوئی عطا کرنے والا نہیں۔

تجھ سے بڑھ کر کوئی عظمت والا اور نفع نہیں دے سکتا۔‘‘(رواہ مسلم: باب مَا یَقُولُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ)

اَلْجَبَّارُ :

الجبار کا معنٰی جبر کرنے والا۔ یاد رہے کہ وہ ظالموں اور باغیوں کے لیے جبار ہے لیکن مومنوں کے لیے الرّحمٰن اورالرحیم ہے۔جس طرح اس سے بڑھ کر کوئی جبار نہیں اسی طرح اس سے بڑھ کر کوئی مہربان نہیں ہے۔جب اپنے جبر کا استعمال کرتا ہے تو وقت کا فرعون بھی اس کے سامنے دم نہیں مار سکتا۔ اس کی جباری سے ہر دم پناہ مانگنا چاہیے۔

اَلْمُتَكَبِّرُ :

متکبّر کا لفظ کبر سے نکلا ہے جس کا معنٰی ہے بڑا ہونا یا بڑا بننا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا ہونا اس کی ایک عظیم صفت ہے وہ اپنی ذات ،صفات اور مقام کے اعتبار سے سب سے بڑا ہے۔کوئی اس کی ذات ،صفات ،اقتدار ،اختیارات اور مقام میں اس سے بڑا نہیں۔مخلوق کا اپنی حد سے بڑھ کر بڑا بننا گناہ ہی نہیں پرلے درجے کا جرم ہے۔

((وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِي صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ قَالَ حِينَ يُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ فَقَرَأَ ثَلَاثَ آيَاتٍ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْحَشْرِ وَكَّلَ اللَّهُ بِهِ سَبْعِينَ أَلْفَ مَلَكٍ يُصَلُّونَ عَلَيْهِ حَتَّى يُمْسِيَ وَإِنْ مَاتَ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ مَاتَ شَهِيدًا وَمَنْ قَالَهَا حِينَ يُمْسِي كَانَ بِتِلْكَ الْمَنْزِلَة)) (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِي هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے صبح کے وقت تین مرتبہ ان کلمات کا ورد کیا ’’ میں سننے والے اور جاننے والے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے اور اس کے بعد سورۃ الحشر کی آخری تین آیات پڑھیں، اللہ تعالیٰ ستر ہزار(۷۰,۰۰۰)فرشتے مقرر کر دیتے ہیں جو اس کے لیے دعا کرتے ہیں حتی کے شام ہو جاتی ہے اگر وہ اس دوران مر جائے تو اسے’’ اللہ‘‘ کی راہ میں شہید ہونے کا ثواب ملے گا اور جس نے یہ کلمات شام کے وقت بھی پڑھ لیے اسے بھی یہی اجر حاصل ہوگا۔‘‘

اللہ ہی ظاہر اور باطن کو جاننے والا، وہی سب سے بڑا مہربان اور رحم فرمانے والا ، وہی اَلْمَلِكُ ،اَلْقُدُّوسُ، اَلْمُؤْمِنُ، اَلْمُهَيْمِنُ ،اَلْعَزِيْزُ ،اَلْجَبَّارُ اور اَلْمُتَكَبِّرُ ہے۔ بتاؤ ! ان میں کون سی صفت ہے جو اس کی مخلوق میں اس درجے میں پائی جاتی ہے۔ جب کسی کی ایک صفت بھی اس کی کسی صفت کا مقابلہ نہیں کرسکتی تو پھر اس کی ذات اورصفات میں دوسروں کو شریک کرنا کتنی بڑی ناانصافی ہے۔ بس اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے تو پھر کیوں نہیں مانتے ؟

مسائل

۱۔ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔۲۔اللہ تعالیٰ ہر اچھی صفت کے مالک ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ شرک کرنے والوں سے بُری ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ط

وہ اللہ ہے خالق موجد صورت بنانے والا اسی کے لیے ہیں اسمائے حسنیٰ

يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ع ﴿۲۴﴾

تسبیح کرتی اس کی جو چیز آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ نہایت غالب ہے خوب حکمت والا ہے

''وہ اللہ ہی ہے ہر چیز کو ابتدا سے پیدا کرنے والا اور اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے مطابق صورتیں بنانے والا ہے، اس کے لیے بہترین نام ہیں ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اس کی تسبیح کر رہی ہے اور وہ زبردست اور خوب حکمت والا ہے۔'' (۲۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی صفات کا تذکرہ جاری ہے۔

اَلْخَالِقُ:

یہ نام خلق سے بنا ہے۔ خلق کا معنیٰ تقدیر اور اندازہ ہے۔ الخالق صرف اللہ ہے وہی جن وانس، حیوانات، نباتات، جمادات اور ہر چیز کو اس کی فطرت کے مطابق پیدا کرنے کے ساتھ اس کی نشوونما کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے خالق کا لفظ نہیں بولا جا سکتا۔ کوئی کسی چیز کا بانی اور موجد تو ہو سکتا ہے لیکن خالق نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا کسی کو خالق کہنا ہے پرلے درجے کی جہالت اور گناہ ہے۔

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ (الانعام: ۱۰۲)

''یہی اللہ تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے سو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔''

اَلْبَارِئُ:

اللہ تعالیٰ ہی الباری ہے اس کے بغیر کوئی الباری نہیں ہو سکتا کیونکہ الباری کا معنیٰ ہے ایسی چیز پیدا کرنے والا جس کا پہلے سے کلی طور پر وجود نہ ہو یہاں تک کہ اس کا مواد (Material) اور تصور بھی نہ پایا جائے۔ قرآن مجید میں اس لفظ کو یوں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ ﴿فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ﴾ (البقرۃ: ۵۴)

اَلْمُصَوِّرُ:

شکل وصورت بنانے والا۔ دنیا میں جو لوگ مصوری کے پیشے سے منسلک ہیں اور مختلف چیزوں کی تصویریں بناتے ہیں چاہے وہ (Painting) کے ذریعے ہی تصویر کشی کرتے ہیں ان کے ذہن میں کسی نہ کسی چیز کا تصور ہوتا ہے۔ جس میں آگا پیچھا کر کے کوئی تصویر پیش کرتے ہیں لیکن انہیں المصوّر نہیں کہا جا سکتا کیونکہ المصور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اسی نے بغیر کسی پہلے سے موجود نقشے کے عربوں اور کھربوں صورتیں بنائیں اور قیامت اور قیامت کے بعد

بھی بناتا رہے گا جو آپس میں مختلف ہیں اور ہوں گی انسان خود اپنے آپ پر غور کرے کہ دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں جو دوسرے کے ساتھ سو فیصد مماثلت رکھتا ہو اس لیے صرف ایک ہی ذات ہے جو حقیقی الخالق، الباری، المصور ہے۔ کیونکہ وہی عدم کو وجود دیتا ہے وہی جسم میں روح ڈالتا ہے اور وہی شکل وصورت میں امتیاز اور انفرادیت پیدا کرتا ہے۔

اس کے تمام نام اچھے ہیں اس کو اسی کے اچھے ناموں کے ساتھ پکارنا چاہیے کیونکہ زمین وآسمانوں کی کوئی چیز ایسی نہیں بے شک وہ بے جان ہو یا جاندار۔ سب اپنی اپنی زبان میں اس کی تسبیح پڑھتے ہیں اور اس کے حضور اپنی فریاد رکھتے ہیں۔ اسی کے لیے زمین وآسمان کی بادشاہی ہے اور وہ ہر اعتبار سے اپنی مخلوق پر غالب ہونے کے باوجود اس کے ہر حکم اور کام میں حکمت پائی جاتی ہے۔

﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (آل عمران: ٦)

”وہی ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں وہ نہایت غالب خوب حکمت والا ہے۔“

﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ○ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ○وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ○لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ (التين: ١ تا ٤)

”قسم ہے انجیر اور زیتون کی۔ اور طورِ سینا کی۔ اور اس پُر امن شہر کی۔ ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا ہے۔“

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ○ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ○ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ (المومنون: ١٢ تا ١٤)

”اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا۔“ پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی پھر لوتھڑے کو بوٹی بنایا۔ پھر بوٹی سے ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر اسے ایک دوسری شکل میں بنا کھڑا کیا۔ بڑا ہی بابرکت ہے اللہ سب کاریگروں سے اچھا کاریگر ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے جس نام سے بھی پکارا جائے وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز کو اس پیدا فرمایا جب اس کا وجود بھی نہیں تھا۔

۳۔ زمین وآسمان میں ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔

سورت الممتحنہ کا تعارف

یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، تیرہ آیات پر مشتمل ہے، اس کے دو رکوع ہیں۔ اس کا نام اس کی دسویں آیت سے ماخوذ ہے اس میں مسلمانوں کو پہلا حکم یہ دیا گیا ہے کہ اے مسلمانوں اگر تم حقیقتاً ''اللہ'' اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو تو پھر تمھیں کفار کے ساتھ قلبی محبت نہیں رکھنی چاہیے کیونکہ انہوں نے تمھیں اور نبی علیہ السلام کو مکہ سے نکلنے پر اس لیے مجبور کیا ہے کہ تم اپنے رب پر ایمان لائے ہو، یاد رکھو جس نے حکم آ جانے کے باوجود کفّار کے ساتھ دلی محبت رکھی وہ سیدھے راستے سے بھٹک جائے گا تمھیں ہر حال میں ابراہیم علیہ السلام اور ان کے متبعین کا طریقہ اپنانا چاہیے۔ان کا کردار یہ تھا کہ انہوں نے اپنی قوم کو دوٹوک انداز میں کہہ دیا تھا۔

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ﴾ (الممتحنہ ٤)

''تمہارے لیے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے۔ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے معبودوں سے جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی طور پر بیزار ہیں، ہم اس وقت تک تمہارا انکار کرتے رہیں گے۔ جب تک تم اللہ واحدہ پر ایمان نہیں لاتے ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت اور دشمنی ہو چکی ہے۔''

ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا طریقہ وہی شخص اختیار کرے گا جو شخص ''اللہ'' کی ملاقات اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس حکم کے بعد یہ ارشاد ہوا کہ اے ایمانداروں جب ایمان کا دعوہ کرنے والی عورتیں تمہارے پاس آئیں تو ان کے ایمان کے بارے میں ان کا امتحان لیا کرو اگر ان کا ایمان ثابت ہو جائے تو انہیں کفّار کی طرف واپس نہیں کرنا۔ ایمانداروں کے بعد نبی علیہ السلام کو ارشاد ہوا کہ جب آپ کے پاس بیعت لینے کے لیے عورتیں آئیں تو آپ ان سے اس بات پر بیعت لیا کریں:

① اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرنا

② چوری نہیں کرنا

③ بدکاری نہیں کرنا

④ اپنی اولاد کو قتل نہیں کرنا

⑤ کسی پر تہمت اور الزام نہیں لگانا

⑥ نیکی کے کاموں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرنی نہیں کرنا

جب بیعت کرلیں تو آپ ان کے لیے اپنے رب کے حضور استغفار کریں یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

سُورَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ٢ اٰيَاتُهَا: ١٣

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ تم بناؤ میرے دشمن کو اور اپنے دشمن کو دوست

تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ

تم پیغام بھیجتے ہو ان کی طرف دوستی کا حالانکہ بلاشبہ انہوں نے کفر کیا ہے اس کے ساتھ جو آیا تمہارے پاس

مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ

حق سے نکالنے والے ہیں رسول کو اور تمہیں بھی اس لیے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ کے ساتھ

”اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کے ساتھ دوستی چاہتے ہو حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے وہ اس کو ماننے سے انکار کر چکے ہیں اور وہ صرف اس بنا پر تمہیں تمہارے وطن سے نکال چکے ہیں کہ تم اللہ پر ایمان لائے ہو۔

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورۃ الحشر کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے اپنی مخلوق پر غالب ہے اور اس کے ہر حکم میں حکمت پائی جاتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے اپنی مخلوق پر غالب ہے تو مسلمانوں کو اسی کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے کسی اور سے بالخصوص اپنے اور اللہ کے دشمنوں سے خیر کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ اسی لیے سورۃ الممتحنہ کی ابتدا اس حکم کے ساتھ کی جارہی ہے کہ مسلمانو! اپنے اور ”اللہ“ کے دشمن کو خیر خواہ نہ سمجھو!

الممتحنہ کا لفظ امتحان سے مشتق ہے جس کا معنیٰ ہے آزمانا ور آزمائش کرنا ہے۔

مفسرین کی غالب اکثریت نے سورۃ الممتحنہ کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب مکہ والوں نے حدیبیہ میں ہونے والے عہد کو توڑ دیا تو نبی معظم ﷺ نے نہایت رازداری کے ساتھ مکہ کی طرف پیش قدمی کرنے کی تیاری کا آغاز فرمایا۔ اسی دوران مکہ سے ایک عورت مدینہ آئی جسے حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ نے ایک خط لکھ کر دیا کہ یہ خط مکہ کے فلاں سردار تک پہنچا دیا جائے۔ خط میں نبی معظم ﷺ کی جنگی تیاریوں کا ذکر کیا گیا، اِدھر عورت خط لے کر مکہ جارہی تھی۔ دوسری طرف یہ بات وحی کے ذریعے نبی ﷺ کے علم میں لائی گئی۔ آپ ﷺ نے حضرت علی کے ساتھ مقداد اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم۔ دوسری روایت میں ہے کہ ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ بھی وفد میں شامل تھے۔ فرمایا کہ تیزی سے مکہ کی طرف جاؤ۔ وہ عورت تمہیں مکہ سے پہلے روضہ خاخ مقام پر ملے گی تمہیں ہر صورت اس سے حاطب کا دیا ہوا خط واپس لانا ہوگا۔ تینوں حضرات دن رات سفر کرتے ہوئے روضۂ خاخ مقام کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک عورت اونٹ پر سوار بڑی تیزی کے ساتھ مکہ کی طرف جارہی ہے۔ وفد نے تیز قدمی

رَبَّكُمْ	اِنْ	كُنْتُمْ	خَرَجْتُمْ	جِهَادًا	فِيْ سَبِيْلِيْ
جو تمہارا رب ہے	اگر	ہو تم	نکلے	جہاد کے لیے	میرے راستے میں
وَابْتِغَآءَ	مَرْضَاتِيْ	تُسِرُّوْنَ	اِلَيْهِمْ	بِالْمَوَدَّةِ	وَاَنَا
اور تلاش کرنے کے لیے	میری رضا	تم خفیہ پیغام بھیجتے ہو	ان کی طرف	دوستی کا	جبکہ میں
اَعْلَمُ	بِمَآ	اَخْفَيْتُمْ	وَمَآ	اَعْلَنْتُمْ	وَمَنْ
خوب جانتا ہوں	اس کو جو	تم چھپاتے ہو	اور اس کو جو	تم ظاہر کرتے ہو	اور جو کوئی
يَّفْعَلْهُ	مِنْكُمْ	فَقَدْ	ضَلَّ	سَوَآءَ	السَّبِيْلِ ①
کرے یہ کام	تم میں سے	تو یقیناً	وہ گمراہ ہو گیا	سیدھے	راستے سے

جو تمہارا رب ہے ،اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لیے اور میری رضا جوئی کی خاطر اپنے گھروں سے نکلے ہو تو اس کے باوجود تم چھپا کر ان کو دوستی کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو ہر بات کو میں اچھی طرح جانتا ہوں ، جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے یقیناً وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہو جائے گا۔‘‘(۱)

کے ساتھ اسے روک لیا اور خط کے بارے میں اس سے پوچھا لیکن وہ کسی صورت بھی اقرار کرنے کے لیے تیار نہ ہوئی۔ قریب تھا کہ وفد واپس آ جاتا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا خط اس عورت کے پاس ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور تلوار لہراتے ہوئے کہا کہ اگر تو نے خط ہمارے حوالے نہ کیا تو ہم تجھے برہنہ کر کے تلاشی لیں گے۔ یہ کہتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم اس کی طرف بڑھے ہی تھے کہ اس نے اپنے سر کے بالوں سے خط نکال کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔ خط لے کر صحابہ واپس آئے تو آپ ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو طلب فرمایا اور اس سے استفسار کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے ؟ حاطب رضی اللہ عنہ نے بڑی عاجزی سے درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ !نہ میں مرتد ہوا ہوں اور نہ ہی میں نے مسلمانوں سے غداری کی ہے۔ سچ یہ ہے کہ مدینہ آنے والے اصحاب کا کوئی نہ کوئی رشتہ دار مکہ میں موجود ہے میں نے سوچا کہ جب ہم مکہ پر یلغار کریں گے تو مہاجرین کے رشتہ دار ان کے مکی رشتہ داروں کی کسی نہ کسی صورت میں حفاظت کریں گے۔ لیکن میری مکہ میں کوئی رشتہ داری نہیں کیونکہ میں باہر سے آ کر مکہ میں مقیم ہوا تھا اس لیے میرے بیوی بچوں کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ میں نے مکہ والوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے یہ خط لکھا تا کہ وہ اس احسان کے بدلے میرے بیوی بچوں کی حفاظت کریں اس کے سوا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ جب آپ ﷺ اس معاملہ کی انکوائری کر رہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کے نبی! مجھے اجازت دیں کہ میں حاطب کا سر کاٹ دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا عمر! حوصلہ کرو تجھے معلوم نہیں؟ کہ حاطب بدری صحابی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بدر میں شرکت

کرنے والے صحابہ کرمعاف کردیا ہے۔ (رواہ البخاری:باب غزوۃ الفتح) حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی بات سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین ہوگیا کہ حاطب نے یہ غلطی سازش کے تحت نہیں کی بلکہ اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کے لیے کی ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف فرمادیا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الممتحنہ کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں جس میں دوٹوک انداز میں حکم دیا ہے کہ مسلمانو! اگر تم میرے راستے میں لڑنے اور میری خوشنودی کے لیے مکہ سے نکلے ہوتو پھر میرے اوراپنے دشمنوں کو دوست اور خیر خواہ نہ سمجھو! تم ان کو دوستی کا پیغام بھیجتے ہو اور وہ حق آجانے کے باوجود اس کا انکار کرتے ہیں۔ انہوں نے تمہیں اورالرسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے اس لیے نکال باہر کیا کہ تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو جوتمہارا رب ہے۔ یاد رکھو! جوتم خفیہ یا اعلانیہ طور پر کرتے ہومیں اس کواچھی طرح جانتا ہوں۔تم میں جوایسا کرے گا وہ سیدھے راستے سے بھٹک جائے گا۔ اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیےمسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے اوردین کے دشمنوں کودوست نہ سمجھیں اورنہ ان کے سامنے اپنے راز فاش کریں۔ مسلمانوں کا راز فاش کرنے سے ایک طرف مسلمان کمزور ہوں گے ،دوسری طرف دشمن کوتقویت ملے گی،جس سے تمہیں دنیا میں ذلت اٹھانا پڑے گی اورآخرت میں عذاب ہوگا۔

((عَنْ أَبِی ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَفْضَلُ الأَعْمَالِ الْحُبُّ فِی اللَّهِ وَالْبُغْضُ فِی اللَّهِ)) (رواہ ابوداؤد : باب مُجَانَبَةِ أَهْلِ الأَهْوَاءِ وَبُغْضِهِمْ)

”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل اعمال اللہ کی رضا کی خاطرمحبت کرنا اوراس کی خاطرکسی سے بغض رکھنا ہے۔“

مسائل

۱۔ مسلمانوں کو اپنے اوراللہ کے دشمنوں کو دوست نہیں بنانا چاہیے

۲۔ اللہ تعالیٰ ہرکسی کے خفیہ اورظاہری عمل کو جانتا ہے۔۳۔ جس نے مسلمانوں کا راز فاش کیا وہ گمراہ ہوگیا۔

تفسیر بالقرآن

کفار کے ساتھ دوستی نہیں کرنی چاہیے:

۱۔ اے ایمان والو ! میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ (الممتحنہ : ۱تا ۲)

۲۔ اے ایمان والو! جن پر اللہ کا غضب ہوا انھیں اپنا دوست نہ بناؤ۔ (الممتحنہ:۱۳)

۳۔ اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنھوں نے تمہارے دین کوکھیل تماشا بنا لیا ہے۔ (المائدۃ: ۵۶ تا ۵۷)

۴۔ اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ (المائدۃ: ۵۱)

۵۔ اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ (النساء: ۱۴۴)

اِنْ	يَّثْقَفُوْكُمْ	يَكُوْنُوْا	لَكُمْ	اَعْدَآءً	وَّيَبْسُطُوْٓا	اِلَيْكُمْ
اگر	وہ پائیں تمہیں	تو وہ ہونگے	تمہارے	دشمن	اور وہ بڑھائیں گے	تمہارے طرف
اَيْدِيَهُمْ	وَاَلْسِنَتَهُمْ	بِالسُّوْٓءِ	وَوَدُّوْا	لَوْ	تَكْفُرُوْنَ ؕ ②	لَنْ
اپنے ہاتھ	اور اپنی زبانیں	برائی کے ساتھ	اور وہ پسند کریں	کاش کہ	تم بھی کفر کرو	ہرگز نہیں
تَنْفَعَكُمْ	اَرْحَامُكُمْ	وَلَآ	اَوْلَادُكُمْ ۚ	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ	يَفْصِلُ	
نفع دیں گے تم کو	تمہارے رشتے ناتے	اور نہ	تمہاری اولاد	قیامت کے دن	وہ فاصلہ کرے گا	
بَيْنَكُمْ ؕ	وَاللّٰهُ	بِمَا	تَعْمَلُوْنَ	بَصِيْرٌ ③		
تمہارے درمیان	اور اللہ	ساتھ اس کے جو	تم عمل کرتے ہو	خوب دیکھنے والا ہے		

”ان کا رویہ یہ ہے کہ اگر تم پر قابو پالیں تو تمہارے ساتھ دشمنی کریں گے اور اپنے ہاتھوں اور زبان سے تمہیں تکلیف دیں گے، وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کسی طرح کافر ہو جاؤ۔(۲) قیامت کے دن نہ تمہاری رشتہ داریاں کسی کام آئیں گی نہ تمہاری اولاد۔ اس دن اللہ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا، اور وہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔“ (۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار کے ساتھ دوستی نہ کرنے کی ایک اور وجہ۔

کفار کے ساتھ دلی دوستی اور اپنا راز ظاہر کرنے سے اس لیے بھی روکا گیا ہے کہ اگر کافر مسلمانوں پر غلبہ پا لیں تو وہ اپنی دشمنی کا اظہار کرتے ہوئے مسلمانوں کو اپنے ہاتھوں اور زبان سے تکلیف دینے سے باز نہیں آئیں گے ان کی خواہش ہے کہ مسلمان کسی نہ کسی طرح کافر بن جائیں۔ اے مسلمانو! جس اولاد اور رشتہ داروں کی خاطر کفار کے ساتھ دلی دوستی رکھتے ہو اور انہیں اپنا راز بتلاتے ہو وہ قیامت کے دن تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے۔ اللہ ہی تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ پوری طرح دیکھتا ہے۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد اور اقرباء کی خاطر مسلمانوں کا راز فاش کیا اس لیے مسلمانوں کو بتلایا اور سمجھایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے معاملات کا فیصلہ کرے گا تو کسی کی اولاد اور رشتہ دار اس کے کام نہیں آئیں گے لہٰذا کفار کو اپنا دوست نہ بناؤ! دنیا میں اس کا نقصان یہ ہوگا کہ اگر کافر تم پر قابو پالیں تو وہ اپنی زبانوں اور ہاتھوں سے تمہیں ہر قسم کا نقصان پہنچائیں گے۔ کتنا ہی ناعاقبت اندیش ہے وہ مسلمان جو کفار کی خاطر اپنی دنیا اور آخرت تباہ کرتا ہے۔ دنیا اور آخرت کا نقصان بتلا کر مسلمانوں کو ہمیشہ ہمیش کے لیے اپنے راز فاش کرنے اور کفار سے دلی دوستی کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ جہاں تک راز فاش کرنے والے کی سزا کا تعلق ہے اس کے بارے میں علمائے امت کا

فیصلہ ہے کہ مسلمانوں کا راز فاش کرنے والا کافر ہوجاتا ہے اوراس کی سزا قتل ہے۔ البتہ راز کی نوعیت کے پیشِ نظر عدالت کو سزا میں تخفیف کرنے کا حق ہوتا ہے۔ اس کے لیے کہ حاطب بن ابی بلتعہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔
ایک دفعہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کسی صحابی نے اہلِ کتاب کے ایک شخص کی سفارش کی کہ یہ فنِ کتابت اور حساب کا ماہر ہے آپ اسے اپنا منشی اور کاتب رکھ لیں۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اسے مسلمانوں کا رازدان نہیں بنا سکتا۔ پھر اس آیت کا حوالہ دیا کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات سے منع کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ غیر مسلموں کو اہم عہدے نہیں دینے چاہئیں۔ اسی وجہ سے وہ فوج کے کمانڈروں کو حکم دیتے کہ جب کفار کے ساتھ تمہارے مذاکرات ہوں یا کہیں مشترکہ اجلاس ہوں تو ان کے ساتھ اس طرح خلط ملط نہ ہونا کہ وہ تمہاری فوجی اور اخلاقی کمزوریوں سے واقف ہو جائیں۔ (سیرت الفاروق)

مسائل

۱۔ کفار مسلمانوں پر غلبہ پالیں تو وہ مسلمانوں کو اپنے ہاتھوں اور زبانوں سے ضرور تکلیف پہنچائیں گے۔
۲۔ کفار کی یہ خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کو کافر بنا دیں۔
۳۔ قیامت کے دن کسی کو اس کی اولاد اور رشتہ دار کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کے درمیان ٹھیک فیصلہ فرمائے گا کیونکہ وہ لوگوں کے ہر عمل کو دیکھنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن مجرم کے کوئی کام نہیں آئے گا:

۱۔ قیامت کے دن کوئی دوست کسی کے کام نہیں آئے گا۔ (البقرۃ: ۲۵۴)
۲۔ قیامت کے دن کوئی رشتہ دار کسی کو فائدہ نہیں دے گا۔ (عبس: ۳۴ تا ۳۶)
۳۔ قیامت کے دن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آئے گا۔ (الدخان: ۴۱، ۴۲)
۴۔ قیامت کے دن کوئی کسی کو فائدہ نہیں دے سکے گا۔ (الانفطار: ۱۹)
۵۔ قیامت کے دن دوستی اور سفارش کام نہ آئے گی۔ (ابراہیم: ۳۱)
۶۔ معبودانِ باطل اپنے پیروکاروں کے کام نہیں آئیں گے۔ (البقرۃ: ۱۶۶)
۷۔ "اللہ" کے مقابلہ مجرموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ (ہود: ۲۰)
۸۔ "اللہ" کے سوا تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں۔ (العنکبوت: ۲۲)

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ

تحقیق ہے تمہارے لیے نمونہ بہترین ابراہیم میں اور ان لوگوں میں جو

مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ

اس کے ساتھ تھے جب انہوں نے کہا تھا اپنی قوم سے بلاشبہ ہم بری ہیں تم سے

وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا

اور ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا ہم نے انکار کیا تمہارے ساتھ اور ظاہر ہو گئی

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا

ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان عداوت اور بغض ہمیشہ کے لیے یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ

”تمہارے لیے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے۔ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے معبودوں سے جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی طور پر بیزار ہیں، ہم تم سب کا انکار کرتے ہیں۔ جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہیں لاتے ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت اور دشمنی ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ حسنہ ہر حال میں اپنے سامنے رکھنے کا حکم۔ بالخصوص ان مسلمانوں کو جو کفار سے دوستی رکھنے کا ذہن رکھتے ہیں۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد کی خاطر مسلمانوں کا راز اہلِ مکہ تک پہنچانے کی کوشش کی جو دنیا اور آخرت کے حوالے سے انتہائی نقصان دہ اقدام تھا۔ مسلمانوں کو ایسے اقدام اور نقصان سے بچنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ حسنہ کو سامنے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ تمہیں ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا فرمان اور اسوہ حسنہ اپنے لیے نمونہ بنانا چاہیے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ ہم تم سے اور تمہارے معبودوں سے لاتعلقی کا اعلان کرتے ہیں۔ ہم انہیں کبھی تسلیم نہیں کریں گے، ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ عداوت اور دشمنی رہے گی۔ یہاں تک کہ تم اللہ وحدہٗ لاشریک پر سچا اور خالص ایمان لے آؤ۔ ابراہیم علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ مسلمانوں کے لیے اسوہ حسنہ ہے۔ سوائے اس بات کے جو انہوں نے اپنے باپ کے لیے کہی تھی کہ اے میرے باپ! میں تیرے لیے مغفرت کی دعا کروں گا۔ البتہ اللہ کے حضور اسے منوانے کا میں اختیار نہیں رکھتا۔ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے یہ بات بھی کہی کہ اے ہمارے رب! ہم تیری ذات پر بھروسہ کرتے ہیں اور تیری طرف ہی رجوع کرتے ہیں اور ہم نے تیرے حضور ہی لوٹ کر جانا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے ان کے لیے بخشش کی دعا کا وعدہ کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت فرما دی کہ میں آپ کی مغفرت کی دعا

بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ	اِلَّا	قَوْلَ	اِبْرٰهِيْمَ	لِاَبِيْهِ	لَاَسْتَغْفِرَنَّ	
اللہ ایک پر	مگر	کہنا	ابراہیم کا	اپنے باپ سے	کہ میں ضرور مغفرت طلب کروں گا	
لَكَ	وَمَآ	اَمْلِكُ	لَكَ	مِنَ اللّٰهِ	مِنْ شَيْءٍ ؕ	رَبَّنَا
آپ کے لیے	اور نہیں	میں اختیار رکھتا	آپ کے لیے	اللہ سے	کسی چیز کا	اے ہمارے رب
عَلَيْكَ	تَوَكَّلْنَا	وَاِلَيْكَ	اَنَبْنَا	وَاِلَيْكَ	الْمَصِيْرُ ۝	
تجھ پر	ہم نے توکل کیا	اور تیری ہی طرف	ہم نے رجوع کیا	اور تیری ہی طرف	لوٹنا ہے	

مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا اس سے مستثنیٰ ہے کہ میں آپ کے لیے مغفرت کی درخواست ضرور کروں گا ہاں آپ کے لیے اللہ سے کچھ حاصل کر لینا میرے بس میں نہیں ہے، اے ہمارے رب تجھ پر ہی ہم نے بھروسا کیا اور تیری ہی طرف ہم نے رجوع کرلیا اور تیرے ہی حضور ہمیں پلٹنا ہے۔'' (۴)

ضرور کروں گا لیکن دعا کی منظوریاورآپ کی بخشش کروانا میرے اختیار میں نہیں۔ یہی عقیدہ توحید کی بنیاد ہے۔ خدا کی خدائی میں نہ کوئی شریک ہے اورنہ ہی اس نے کسی کواپنی خدائی کے اختیارات دیئے ہیں وہ جسے چاہے معاف کرے اورجسے چاہے پکڑ لے۔اس کی پکڑ سے بزرگ تو درکنار اللہ کے رسول بھی کسی کو چھڑا نہیں سکتے۔ اس آیت میں ایک بنیادی مسئلہ بیان کیا گیا ہے جس کے لیے اہلِ علم الولاء والوراع کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

اَلْوَلَاءُ وَالْوَرَاءُ:

الولاء کامعنٰی دوستی رکھنا اورالوراء کامعنٰی ہے دوستی توڑنا۔ مراد یہ ہے کہ کفار کے ساتھ دوستی رکھنے کی بجائے ان سے تعلقات منقطع کرنا چاہیے اس اصطلاح کا استعمال اور اس پر عمل بڑا ہی نازک اورحساس مسئلہ ہے۔ آج کے دور میں نوجوان طبقہ اس کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے قتال میں عملاً حصہ نہ لینے والے مسلمانوں پر اسے چسپاں کرتا دکھائی دیتاہے۔ جبکہ اس کا حقیقی مفہوم اوراطلاق راسخ العلم علماء کے سوا کوئی نہیں جانتا۔اس لیے نوجوانوں کو اس مسئلہ میں احتیاط سے کام لینا چاہیے کیونکہ وہ غیرشعوری طور پر کفار کے معاون بن جاتے ہیں اور ملک وملت کونقصان پہنچاتے ہیں۔

((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ ﷛ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَلْقٰی إِبْرَاهِيْمُ أَبَاهُ آزَرَيَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلٰی وَجْهِ آزَرَ قَتَرَةٌوَغَبَرَةٌ فَيَقُوْلُ لَهٗ إِبْرَاهِيْمُ أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ لَا تَعْصِنِیْ فَيَقُوْلُ أَبُوْهُ فَالْيَوْمَ لَا أَعْصِيْكَ فَيَقُوْلُ إِبْرَاهِيْمُ يَارَبِّ إِنَّكَ وَعَدْتَنِیْ أَنْ لَا تُخْزِيَنِیْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ فَأَیُّ خِزْیٍ أَخْزٰی مِنْ أَبِی الْأَبْعَدِفَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی إِنِّیْ حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَی الْكَافِرِيْنَ ثُمَّ يُقَالُ يَآ إِبْرَاهِيْمُ مَا تَحْتَ رِجْلَيْكَ فَيَنْظُرُ فَإِذَا هُوَ بِذِيْخٍ مُتَلَطِّخٍ فَيُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهٖ فَيُلْقٰی فِی النَّارِ)) (رواہ البخاری:

باب قول اللّٰہ تعالیٰ ”واتخذ اللّٰہ ابراھیم خلیلا“)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی گرامی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے باپ آزر سے ملیں گے اس کے چہرے پر سیاہی اور گردو غبار ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے کہیں گے اے میرے باپ کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کرو۔ ان کا باپ کہے گا کہ آج میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام فریاد کریں گے کہ اے میرے رب آپ نے مجھ سے قیامت کے دن مجھے ذلیل نا کرنے کا وعدہ کیا تھا میرے باپ سے زیادہ بڑھ کر اور کونسی ذلت ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے کافروں پر جنّت حرام کر دی ہے۔ پھر کہا جائے گا ابراہیم اپنے پاؤں کی طرف دیکھو۔ وہ دیکھیں گے تو ان کا باپ کیچڑ میں لتھڑا ہوا بجو بن چکا ہوگا جسے پاؤں سے پکڑ کر جہنّم میں پھینک دیا جائے گا۔“

مسائل

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کے ایماندار ساتھیوں کا اسوہ مسلمانوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کے ساتھیوں نے دوٹوک الفاظ میں غیر اللہ کی عبادت کا انکار کیا۔

۳۔ حضرت ابراہیم اوران کے ساتھیوں نے واضح الفاظ میں اپنی قوم کے سامنے اعلان کیا کہ جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہیں لاؤ گے ہماری اورتمہاری دشمنی رہے گی۔

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کے ساتھیوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ ہم اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اوراس کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔

۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشرک باپ کے لیے دعا کرنا امت کے لیے نمونہ نہیں ہے۔

تفسیر بالقرآن

کفّار اورمشرکین سے دینی اعتبار سے لاتعلق ہونا فرض ہے:

۱۔ آپ فرما دیں اللہ تعالیٰ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔(یوسف : ۱۰۸)

۲۔ کہہ دیجیے اللہ ایک ہے بے شک میں تمہارے شرک سے بری ہوں۔ (الانعام: ۱۹)

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے میری قوم! میں تمہارے شرک سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔(الانعام:۷۸)

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا ہم تم سے اور تمھارے معبودوں سے بری الذمہ ہیں۔ (الممتحنہ:۴)

۵۔ حضرت ھود علیہ السلام نے کہا میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اورتم بھی گواہ رہو کہ میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔ (ہود:۵۴)

۶۔ بے شک اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بری ہے۔ (التوبہ: ۳)

كَفَرُوْا	لِلَّذِيْنَ	فِتْنَةً	تَجْعَلْنَا	لَا	رَبَّنَا
جنہوں نے کفر کیا	ان لوگوں کے لیے	فتنہ	تو بنا ہمیں	نہ	اے ہمارے رب

الْحَكِيْمُ ۝	الْعَزِيْزُ	اِنَّكَ اَنْتَ	رَبَّنَا ۚ	وَاغْفِرْ لَنَا
خوب حکمت والا	نہایت غالب	بلاشبہ تو ہی ہے	اے ہمارے رب	اور تو بخش دے ہمیں

''اے ہمارے رب ہمیں کافروں کے لیے فتنہ نہ بنا۔اے ہمارے رب ہمارے گناہوں سے درگزر فرما، بے شک تو ہی زبردست اور حکیم ہے۔''(۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کے ساتھیوں کی مزید دعائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ان انبیائے علیہم السلام میں سرِ فہرست ہیں جنہوں نے بیک وقت اپنے اہلِ خانہ اور قوم سے تکلیفیں اٹھانے کے ساتھ ساتھ وقت کے حکمران کے ساتھ مقابلہ کیا اور ان سے اذّیت اٹھائی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی قوم اورحکمرانوں کے ساتھ کشمکش اتنی شدید ہوئی کہ وہ اوران کے ساتھی پکار اٹھے کہ اے ہمارے رب ! ہمیں معاف فرمابے شک تو ہر اعتبار سے غالب اورحکمت رکھنے والا ہے۔قرآن مجید نے فتنہ کالفظ کئی معانی میں استعمال کیا ہے۔ یہاں فتنہ کا لفظ چار معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

اکثر اہلِ علم نے یہاں فتنہ کا مفہوم آزمائش لیا ہے۔مومنوں کا کفار کے لیے فتنہ بننا اہلِ علم نے درج ذیل صورتوں میں بیان کیاہے۔

① ۔اے ہمارے رب! جب تو مشرکین کودنیا میں عذاب دے تو ہمیں اس عذاب سے محفوظ فرما۔

② ۔ایمانداروں پرکسی اعتبار سے کفار کا غلبہ پانا اورانہیں یہ کہنے کا موقع ملنا اگر ایماندارحق پر ہوتے تو ہمیں ان پر غلبہ حاصل نہ ہوتا یہ مومنوں کے لیے تکلیف دہ آزمائش ہے۔

③ ۔کفار کا اہلِ ایمان پرظلم اس قدر بڑھ جائے کہ ایماندار لوگ ان کے سامنے جھک جائیں اورباقی مسلمانوں کے لیے سبکی کا باعث بن جائیں یہ بہت بڑی آزمائش ہے۔

④ ۔مسلمانوں کا اخلاق اس قدر گر جائے کہ وہ جگ ہنسائی کا باعث بن جائیں۔ان کے کردار کوکفاراسلام کی توہین کا ذریعہ بنالیں۔

موسیٰ علیہ السلام کی دعا:

﴿فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (یونس : ۸۵)

''تو انہوں نے کہا ہم نے اللہ پر ہی توکل کیا ،اے ہمارے رب ہمیں ظالم لوگوں کے سے بچا۔''

نبی علیہ السلام کی دعا:

((عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُولِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّہُ کَانَ یَدْعُو اللّٰھُمَّ احْفَظْنِی بِالْإِسْلَامِ قَائِمًا وَاحْفَظْنِی بِالْإِسْلَامِ قَاعِدًا وَاحْفَظْنِی بِالْإِسْلَامِ رَاقِدًا وَلَا تُشْمِتْ بِی عَدُوًّا حَاسِدًا "اللّٰھُمَّ إِنِّی أَسْأَلُکَ مِنْ کُلِّ خَیْرٍ خَزَائِنُہُ بِیَدِکَ وَأَعُوذُ بِکَ مِنْ کُلِّ شَرٍّ خَزَائِنُہُ بِیَدِکَ۔")) (رواہ البیھقی فی الدعوات الکبیر : بَابُ جَامِعُ مَا کَانَ یَدْعُو بِہِ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَیَأْمُرُ أَنْ یُدْعَی بِہِ)

''حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! کھڑے، بیٹھے اور نیند کی حالت میں اسلام کے ساتھ میری حفاظت فرما! اور میرے مصائب سے میرے حاسد دشمن کو خوش نہ کر۔ اے اللہ! جو خزانے تیرے پاس ہیں۔ میں آپ سے ان کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور ان کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ لَزِمَ الاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰہُ لَہُ مِنْ کُلِّ ھَمٍّ فَرَجًا وَمِنْ کُلِّ ضِیقٍ مَخْرَجًا وَرَزَقَہُ مِنْ حَیْثُ لاَ یَحْتَسِبُ)) (رواہ ابوداؤد: باب الاستغفار،قال البانی ضعیف)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے استغفار کو لازم پکڑا، اللہ تعالیٰ اسے ہر غم سے نجات عطا فرما دیتا ہے اور ہر تنگی سے نکلنے کی جگہ بنا دیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے خیال بھی نہ ہو۔''

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سجدوں میں پڑھا کرتے تھے:"اللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِی ذَنْبِی کُلَّہُ دِقَّہُ وَجِلَّہُ وَأَوَّلَہُ وَآخِرَہُ وَعَلَانِیَتَہُ وَسِرَّہُ" اے اللہ میرے چھوٹے اور بڑے پہلے اور بعد والے، علانیہ اور پوشیدہ کیے تمام کے تمام گناہ معاف فرما دے۔'' (رواہ مسلم : کتاب الصلاۃ)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کی آزمائش سے بچنے کے لیے ایمانداروں کو دعا کرنی چاہیے۔
۲۔ آدمی کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا چاہیے۔
۳۔ مسلمان کا عقیدہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے غالب ہے اور اس کے ہر حکم میں حکمت پائی جاتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

توبہ و استغفار کی اہمیت:

۱۔ توبہ کرنا مومن کا شیوہ ہے۔ (التوبہ:۱۱۲) ۲۔ توبہ کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔ (البقرۃ:۲۲۲)
۳۔ توبہ قبول کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ (البقرۃ:۱٦۰) ۴۔ توبہ کرنے والے کامیاب ہوں گے۔ (القصص:٦۷)
۵۔ توبہ کرنے والوں کے لیے فرشتے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ (المومن: ۷تا۹) (الفرقان :۷۰)

لَقَدْ	كَانَ	لَكُمْ	فِيْهِمْ	اُسْوَةٌ	حَسَنَةٌ	لِّمَنْ
البتہ تحقیق	ہے	تمہارے لیے	ان میں	نمونہ	بہترین	اس شخص کے لیے جو

كَانَ	يَرْجُوا اللّٰهَ	وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ	وَمَنْ	يَّتَوَلَّ	فَاِنَّ	اللّٰهَ
ہو	امید رکھتا اللہ کی	اور یوم آخرت کی	اور جو کوئی	روگردانی کرے	تو بلاشبہ	اللہ

هُوَ	الْغَنِيُّ	الْحَمِيْدُ ؀
وہ	بے پروا	نہایت قابل تعریف ہے

”ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کے طرزِ عمل میں تمہارے لیے اور ہر اس شخص کے لیے بہترین نمونہ ہے جو اللہ اور آخرت کا امیدوار ہے، جو اس سے انحراف کرے تو اللہ بے نیاز اور لائق تعریف ہے۔“(٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور استقامت ہر اُس شخص کے لیے نمونہ ہے جو اللہ اور آخرت پر یقین رکھتا ہے۔

انبیائے کرام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام واحد پیغمبر ہیں جن کی سیرتِ طیبہ کو نبی آخرالزمان ﷺ اور آپ کی امت کے لیے نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ جس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی آخر الزمان ﷺ کے جد امجد اور ملت حنیف کے داعی ہیں ابراہیم علیہ السلام کا راستہ مشکل ترین راستہ ہے۔ اسے وہی شخص اختیار کرے گا جو اللہ کی ملاقات پر ایمان اور قیامت کے قائم ہونے کا یقین رکھتا ہے۔ جو اس راستے سے پھر گیا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے بے نیاز اور تعریف کے لائق ہے۔ ارشاد ہوا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ حسنہ کو وہی شخص اپنائے گا جو اللہ کی ملاقات اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ ایسے مؤمن کو بڑی سے بڑی مشکل بھی آسان دکھائی دیتی ہے، کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ قیامت ہرصورت قائم ہونی ہے اور مجھے اپنے رب کے حضور پیش ہوکر اپنے نیک اعمال کا اجر پانا ہے۔ جو شخص اس راستے کو اختیار نہ کرے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے غنی اور تعریف کے لائق ہے۔ دوسرے مقام پر ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کو چھوڑنا حماقت قرار دیا ہے۔

”دین ابرہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جس نے اپنے آپ کو حماقت میں ڈال لیا ہے، بلا شک ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں چن لیا اور آخرت میں وہ صالحین میں سے ہوگا۔ (البقرۃ:۱۳۰)

الْغَنِيُّ:

غنی کا معنی ہے ہر لحاظ سے بے نیاز اور مستغنی وہ صرف ”اللہ“ کی ذات ہے۔ کسی کے عبادت کرنے سے اس کی بادشاہی اور عظمت میں اضافہ نہیں ہوتا ہے اور کسی کے کفر وشرک سے اس کی بادشاہی اور عظمت میں کوئی کمی نہیں آتی۔

(((عَنْ أَبِی ذَرٍّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ فِیمَا رَوَی عَنِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَّهُ قَالَ يَا عِبَادِي

إِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوا ضَرِّي فَتَضُرُّونِي وَلَنْ تَبْلُغُوا نَفْعِي فَتَنْفَعُونِي يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلُونِي فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَسْأَلَتَهُ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِمَّا عِنْدِي إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ يَا عِبَادِي إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا لَكُمْ ثُمَّ أُوَفِّيكُمْ إِيَّاهَا فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللَّهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذَلِكَ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ قَالَ سَعِيدٌ كَانَ أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ إِذَا حَدَّثَ بِهَذَا الْحَدِيثِ جَثَا عَلَى رُكْبَتَيْهِ)) (رواہ مسلم: کتاب البر والصلة و الآداب، باب تحریم الظلم)

”حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے میرے بندو! تم مجھے نقصان اور نفع پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ میرے بندو! تمہارے تمام اگلے پچھلے، جن و انس سب سے زیادہ متقی انسان کے دل کی طرح ہو جائیں تو میری سلطنت میں ذرّہ بھر اضافہ نہیں کر سکتے۔ میرے بندو! تمہارے اگلے پچھلے جن وانس سب بدترین انسان کی طرح ہو جائیں تو میری حکومت میں کوئی نقص واقع نہیں کر سکتے۔ میرے بندو! تمہارے اگلے پچھلے جن وانس اگر سب کھلے میدان میں اکٹھے ہو جائیں اور مجھ سے مانگنے لگیں اور میں ہر ایک کی اس کی منہ مانگی مرادیں دے دوں تو میرے خزانوں میں اتنی کمی بھی واقع نہیں ہو سکتی جتنی سوئی کو سمندر میں ڈبونے سے واقع ہوتی ہے۔“

مسائل

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ حسنہ ہر ایماندار کے لیے بہترین نمونہ ہے۔

۲۔ جو شخص ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ اور آخرت کا انکار کرے گا اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پروہ نہیں ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے بے نیاز اور تعریف کے لائق ہے۔

تفسیر بالقرآن

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحانات اور ان کا مقام و مرتبہ:

۱۔ ابراہیم علیہ السلام امتِ محمدیہ کے لیے نمونہ ہیں۔(الممتحنہ:۴) ۲۔ ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ سے انحراف کرنے والا بیوقوف ہے۔ (البقرۃ:۱۳۰)

۳۔ ابراہیم علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشوا ہیں۔(النحل:۱۲۳) ۴۔ ابراہیم علیہ السلام بردبار اور نرم خو تھے۔(التوبہ:۱۱۴)

۵۔ ابراہیم علیہ السلام تمام امتوں کے پیشوا ہیں۔(البقرۃ:۱۲۴) ۶۔ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دوست بنایا۔(النساء:۱۲۵)

۷۔ ابراہیم علیہ السلام کا اپنی بیوی اور نو مولود بچے کو بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ کر آنا بہت بڑی آزمائش تھا۔(ابراہیم:۳۷)

عَسَى	اللّٰهُ	اَنْ	يَّجْعَلَ	بَيْنَكُمْ	وَبَيْنَ	الَّذِيْنَ
امید ہے کہ	اللہ	یہ کہ	پیدا کر دے	تمہارے درمیان	اور درمیان	ان لوگوں کے کہ
عَادَيْتُمْ	مِّنْهُمْ	مَّوَدَّةً ؕ	وَ اللّٰهُ	قَدِيْرٌ ؕ	وَاللّٰهُ	غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
تم عداوت رکھتے ہو	ان سے	دوستی	اور اللہ	خوب قدرت والا ہے	اور اللہ	غفور ورحیم ہے

”امید ہے کہ اللہ تمہارے اور ان کے درمیان محبت پیدا کر دے جن سے تمہاری دشمنی ہے، اللہ بڑی قدرت والا اور غفور ورحیم ہے۔“(۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سورت کی پہلی آیت میں مسلمانوں کو کفار کے ساتھ قلبی تعلقات رکھنے سے منع کیا گیا ہے جس میں ایمانداروں کے لیے ایک بہت بڑی آزمائش تھی اور ہے اس لیے انہیں تسلی دی گئی ہے کہ دل چھوٹا نہیں کرنا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ وقت لانے والا ہے جب تمہارے دشمن ایمان لے آئیں گے اور تم آپس میں شیروشکر ہوجاؤ گے۔

رب ذوالجلال کا حکم پاتے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کفار کے ساتھ اپنی رشتہ داریوں اور تعلقات کو ختم کرلیا کسی نے اپنی کافر بیوی کو طلاق دی اور کسی نے اپنی اولاد سے رشتہ توڑا۔ یہ بات لکھنا اور بیان کرنا آسان ہے لیکن رشتہ داروں سے لاتعلق ہونا معاشرتی اعتبار سے بہت بڑا چیلنج اور آزمائش ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں اُنس اور رشتہ داری کی محبت رکھی ہے۔ جس وجہ سے کسی سے لاتعلق ہونا شریف اور ہمدرد شخص کے لیے تکلیف دہ عمل ہوتا ہے ، بے شک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان کے بلند درجہ پر فائز تھے مگر تھے توانسان ہی جس وجہ سے ان کے لیے رشتہ داروں سے قطع تعلق ہونا پریشانی کا باعث بنا۔ دوسری طرف کفار نے پراپیگنڈہ کیا کہ مسلمان ایک طرف ہمدردی کرنے اور رشتے جوڑنے کی بات کرتے ہیں اور دوسری طرف رشتے ناطے توڑ رہے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تسلی دی کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے درمیان مودّت پیدا کرے گا ، ان کی غالب اکثریت حلقہ اسلام میں داخل ہوگی اور تم ایمان کے رشتے کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ شیر وشکر ہوجاؤ گے، ایسا ضرور ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ دلوں کو جوڑنے اور ہر کام کرنے پر قدرت رکھتا ہے، قدرت رکھنے کے باوجود لوگوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔ اس ارشاد میں مسلمانوں کو اشارے کی زبان میں مکہ فتح ہونے کی خوشخبری دی گئی ہے جو بہت جلد پوری ہوگئی۔

مسائل

۱۔ ”اللہ“ ہی لوگوں کے درمیان محبت پیدا کرنے والا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک پر قدرت رکھنے کے باوجود معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ
نہیں روکتا تمہیں اللہ ان لوگوں سے کہ نہیں وہ لڑے تم سے دین میں

وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ
اور نہیں انہوں نے نکالا تمہیں تمہارے گھروں سے کہ حسن سلوک کرو ان سے اور تم انصاف کرو ان کے حق میں

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ
بلاشبہ اللہ پسند کرتا ہے انصاف کرنے والوں کو بس روکتا ہے تمہیں اللہ ان لوگوں سے جو

قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا
لڑیں تم سے دین میں اور انہوں نے نکالا تمہیں تمہارے گھروں سے اور انہوں نے مدد کی

عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝
تمہارے نکالنے پر کہ تم دوستی کرو ان سے اور جو دوستی کرے ان سے تو وہی لوگ ظالم ہیں

”اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (٨) وہ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جنہوں نے تم سے دین کی وجہ سے جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکال باہر کیا ہے اور تمہارے نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے، جو لوگ ان سے دوستی کریں گے وہ ظالم ہوں گے۔“ (٩)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار کے ساتھ تعلقات میں استثناء۔

پچھلی آیت کے اختتام پر ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے یہ اس کی مہربانی کا نتیجہ ہے کہ اس نے ہر کافر کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات منقطع کرنے کا حکم نہیں دیا قطع تعلق اور لڑنے کا حکم ان کفار کے ساتھ ہے جو مسلمانوں پر زیادتی کرتے ہیں اور اسلام کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ اس نے صرف کفار کے ساتھ قلبی محبت، ازواجی تعلقات اور ان کو رازداں بنانے سے منع کیا گیا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ، کاروبار اور سماجی تعلقات رکھنے سے منع نہیں کرتا جنہوں نہ دین کی وجہ سے تمہارے ساتھ جنگ کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا۔ اس لیے تم ان کے ساتھ انصاف کا سلوک کرو اور یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ تمہیں قلبی دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تمہارے دین کی وجہ سے تمہارے ساتھ جنگ کی اور تمہارے گھروں سے تمہیں نکال دیا اور تمہارے نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی جو لوگ

ان کے ساتھ دوستی کریں گے وہ ظالم ہوں گے۔ اس وضاحت اور اجازت سے ان لوگوں کی غلط فہمی دور ہو جانی چاہیے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام جنگجو دین ہے ایسا ہرگز نہیں کیونکہ اسلام امن و آشتی کا دین ہے۔دین صرف ان لوگوں سے تعلقات میں رکاوٹ ڈالتا ہے اور ان سے لڑنے کا حکم دیتا ہے جو اس کے راستے میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اورلوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو اس کی تبلیغ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اورلوگوں پرظلم کرتے ہیں ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا چاہئے یہ لوگ یااسلام قبول کریں یا پھر سرنگوں ہوکر رہیں تا کہ دنیا امن وامان کا گھوارہ بن جائے۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؓ قَالَ وُجِدَتِ امْرَأَةٌ مَقْتُوْلَةً فِي بَعْضِ مَغَازِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَنَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ)) (رواه البخاری: باب قتل النساء فی الحرب)

”حضرت ابن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے غزوات میں سے کسی ایک غزوہ میں ایک مقتول عورت پائی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کوقتل کرنے سے منع فرما دیا۔“

مسائل

۱۔ پُرامن رہنے والے کفار کے ساتھ بھلائی اورانصاف کرنے کاحکم ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔
۳۔ جوکفار اسلام کے راستے میں رکاوٹ اورمسلمانوں پر زیادتی کرتے ہیں ان کے ساتھ دوستی نہیں رکھنی چاہیے۔
۴۔ جوان کے ساتھ دوستی رکھیں گے وہ ظالم ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے :

۱۔ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں سے محبت کرتا ہے۔ (آل عمران : ۷٦)
۲۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (الممتحنۃ: ۸)
۳۔ غصہ پینے والے اورلوگوں کو معاف کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔ (آل عمران : ۱۳۴)
۴۔ اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (آل عمران : ۱۴٦)
۵۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (آل عمران : ۱۴۸)
٦۔ اللہ تعالیٰ پاک صاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (التوبہ: ۱۰۸)
۷۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اللہ کی راہ میں منظّم ہو کرلڑتے ہیں۔ (الصّف: ۴)
۸۔ اللہ پاک باز لوگوں کو پسند کرتا ہے۔(التوبہ:۱۰۸)
۹۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو سے محبت کرتا ہے۔(البقرۃ :۲۲۲)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ	اٰمَنُوْٓا	اِذَا	جَآءَکُمُ	الْمُؤْمِنٰتُ	مُھٰجِرٰتٍ
اے لوگو جو	ایمان لائے ہو	جب	آئیں تمہارے پاس	مومن عورتیں	ہجرت کر کے

فَامْتَحِنُوْھُنَّ ؕ	اَللّٰہُ	اَعْلَمُ	بِاِیْمَانِھِنَّ ۚ	فَاِنْ	عَلِمْتُمُوْھُنَّ	مُؤْمِنٰتٍ فَلَا
تو امتحان لو ان کا	اللہ	خوب جانتا ہے	ان کے ایمان کو	پھر اگر	تم جانو ان کو	مومن تو نہ

تَرْجِعُوْھُنَّ	اِلَی الْکُفَّارِ ؕ	لَا	ھُنَّ	حِلٌّ	لَّھُمْ	وَلَا ھُمْ
تم لوٹاؤ انہیں	کفار کی طرف	نہیں ہیں	وہ	حلال	ان (کافروں) کے لیے	اور نہیں وہ

یَحِلُّوْنَ	لَھُنَّ ؕ	وَاٰتُوْھُمْ	مَّآ	اَنْفَقُوْا ؕ	وَ	لَا جُنَاحَ
حلال ہیں	ان (مومن عورتوں) کیلئے	اور تم دو ان کو	جو کچھ	انہوں نے خرچ کیا	اور	نہیں کوئی گناہ

عَلَیْکُمْ	اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ	اِذَآ	اٰتَیْتُمُوْھُنَّ	اُجُوْرَھُنَّ ؕ
تم پر	یہ کہ تم نکاح کرلو ان سے	جب	تم دے دو انہیں	ان کے حق مہر

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب مومن عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو ان کے ایمان کو جانچ لیا کرو۔ ان کے ایمان کی حقیقت اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو۔ نہ وہ کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ کفار ان کے لیے حلال ہیں، ان کے کافر شوہروں نے جو انہیں حق مہر دیے ہیں وہ انہیں واپس کردو۔ اور ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تم ان کے مہر انہیں ادا کر دو۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلے قتال کے مسائل بیان ہوئے ہیں، قتال کے دوران ہجرت کا معاملہ پیش آنا فطری بات ہے اس لیے مہاجر عورتوں کے بارے میں بالخصوص ہدایات دی گئی ہیں۔

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جو معاہدہ ہوا تھا اس میں اہل مکہ کی طرف سے یہ شرط تھی کہ مسلمانوں میں سے کوئی شخص مکہ آنا چاہے تو ہم اسے واپس نہیں کریں گے۔ اگر ہم میں سے کوئی آدمی مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا تو اسے آپ کو واپس کرنا پڑے گا۔ معاہدے کے تھوڑے عرصہ بعد ایک مسلمان ابوبصیر رضی اللہ عنہ بھاگ کر مدینہ آیا تو نبی علیہ السلام نے اسے واپس کردیا۔ اسی دوران کچھ مسلمان خواتین مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں جن میں امِّ کلثوم بن عتبہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں ام کلثوم کا بھائی اسے واپس لینے کے لیے مدینہ آیا۔ نبی علیہ السلام نے اسے واپس کرنے سے انکار کردیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ حکم نازل فرما دیا تھا کہ جو مسلمان عورتیں ہجرت کر کے مدینہ پہنچ جائیں انہیں واپس نہ کیا جائے اس لیے کہ یہ کفار کے لیے حلال نہیں اور کفار ان کے لیے حلال نہیں ہیں البتہ مومن مہاجر عورتوں کا

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ

اور نہ | تم روکے رکھو | عصمتیں | کافرعورتوں کی | اورتم مانگ لو | جو کچھ | تم نے خرچ کیا

وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ

اور وہ بھی مانگیں | جو کچھ | انہوں نے خرچ کیا | یہ | اللہ کا فیصلہ ہے | وہ فیصلہ کرتا ہے | تمہارے درمیان

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑩ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ

اور اللہ خوب | جاننے والا | خوب حکمت والا ہے | اور اگر | چلی جائے تم سے | کوئی | تمہاری بیویوں میں سے

اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ

کفار کی طرف | تو تم ان کو بدلہ دو | پھر تم دو | ان لوگوں کو | چلی گئی ہیں | ان کی بیویاں

مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ⑪

مثل | اس کے جو انہوں نے خرچ کیا | اور تم اللہ سے ڈرو | وہ ذات کہ | تم | اس کے ساتھ | ایمان رکھتے ہو

اورتم خود بھی کافرعورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رہو۔ جو مہر تم نے اپنی کافر بیویوں کو دیے تھے وہ تم واپس مانگ لو اور جو مہر کافروں نے اپنی مسلمان بیویوں کو دیے تھے انہیں وہ واپس مانگ لیں، یہ اللہ کا حکم ہے، وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا اور بڑا حکمت والا ہے۔(۱۰)اور اگر تمہاری کافر بیویوں کے مہروں میں سے کچھ تمہیں کفار سے واپس نہ ملے تو جن لوگوں کی بیویاں ادھر رہ گئی ہیں ان کو اتنی رقم ادا کر دو جو ان کے دیے ہوئے مہروں کے برابر ہو، اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔(۱۱)

امتحان لینا ضروری ہے۔ اگر تم امتحان کے ذریعے معلوم کرلو کہ یہ واقعی ہی مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو۔ حکم میں نبی علیہ السلام کی بجائے مومنوں کو مخاطب کیا گیا ہے کہ مہاجر عورتوں کا امتحان لیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ذمہ داری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے کی کہ وہ مہاجر عورتوں سے چند سوال پوچھ کر ان کے ایمان کا امتحان لیں اور اطمینان حاصل کریں کہ واقعی وہ مسلمان ہیں، اطمینان حاصل ہونے پر انہیں کفار کے حوالے نہ کیا جائے۔ مگر ان عورتوں کے خاوندوں کو ان کے دیئے ہوئے حق واپس کرو اور تم نیا حق مہر ادا کرنے کے بعد ان سے نکاح کر سکتے ہو اور جو تم نے اپنی کافر بیویوں پر خرچ کیا ہے وہ ان سے واپس مانگ لو یہ تمہارے لیے اللہ کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے معاملات کو اچھی طرح جانتا ہے اور اس کے ہر حکم میں حکمت پائی جاتی ہے۔ اگر تمہاری کافر بیویوں کے حق مہر تمہیں واپس نہ ملیں تو پھر مالِ غنیمت سے ان مسلمانوں کو ان کے ادا کیے ہوئے حق مہر دیئے جائیں۔ ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔ کافر بیویوں سے مراد وہ

بیویاں ہیں جو اپنے کفر کی بنا پر مکہ میں رہ گئی تھیں۔

مسائل

۱۔ جن مہاجر عورتوں کے ایمان کے بارے میں علم نہ ہو ان کے ایمان کے بارے میں امتحان لینا چاہیے۔
۲۔ مومن مہاجرات کو کفار کے حوالے کرنا جائز نہیں۔۳۔کافر عورتوں کے حق مہر واپس کر دینے چاہیے۔
۴۔ مسلمان عورتیں کفار کے لیے حلال نہیں اور کافر مسلمان عورتوں کے لیے حلال نہیں۔
۵۔ مسلمان عورت کا حق مہر اس کے کافر خاوند سے واپس لینا چاہیے۔
۶۔ جس مسلمان کو کفار کی طرف سے حق مہر واپس نہ ملے اسے اپنے حق مہر کی رقم بیت المال سے لینے کا حق ہے۔
۷۔ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں حکمت پائی جاتی ہے۔
۸۔ ایمانداروں کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے فائدے:

۱۔ لوگ اللہ سے ڈرنے کے بجائے ایک دوسرے سے زیادہ ڈرتے ہیں۔(النساء:۷۷)
۲۔ اللہ سے خلوت میں ڈرنے والوں کے لیے جنت کی خوشخبری ہے۔(یٰسین:۱۱)
۳۔ لوگوں سے ڈرنے کے بجائے اللہ سے ہی ڈرنا چاہیے۔(آلِ عمران:۱۷۵)
۴۔ متقین کے لیے کامیابی ہے۔(الانبیاء:۳۱ تا ۳۳)
۵۔ متقین کا انجام بہتر ہے۔(ہود:۴۹) ۶۔متقین کے لیے جنّت ہے۔(الحجر:۴۵)
۷۔ اللہ تعالیٰ نے متقین کے ساتھ جنّت کا وعدہ فرمایا ہے اور کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔(الرعد:۳۵)
۸۔ قیامت کے دن متقین کے چہرے ہشاش بشاش ہوں گے۔(یونس:۲۶۔۲۷)
۹۔ متقین کے لیے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنّت ہے۔(القلم:۳۴)
۱۰۔ متقی کا کام آسان اور اس کی سب خطائیں معاف اور ان کے لیے بڑا اجر ہوگا۔(الطلاق:۴ تا ۵)
۱۱۔ متقین اولیاء اللہ ہیں جو قیامت کے دن بے خوف ہوں گے۔(یونس:۶۱ تا ۶۴)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ

اے نبی | جب آئیں آپ کے پاس | مومن عورتیں | وہ آپ سے بیعت کریں | اس بات پر کہ

لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ

نہیں | وہ شریک ٹھہرائیں گی | اللہ کے ساتھ | کسی چیز کو | اور نہیں | وہ چوری کریں گی | اور نہ | وہ زنا کریں گی

وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ

اور نہ | وہ قتل کریں گی | اپنی اولاد کو | اور نہ | وہ لگائیں گی | کوئی ایسا بہتان کہ | انہوں نے اسے گھڑا ہو

بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ

درمیان | اپنے ہاتھوں کے | اور اپنے پاؤں کے | اور نہیں | وہ آپ کی نافرمانی کریں گی | کسی نیک کام میں

فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫

تو آپ بیعت کرلیں ان سے | اور آپ مغفرت طلب کریں | ان کیلئے | اللہ سے | بلاشبہ اللہ | غفور ورحیم ہے

”اے نبی! جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں اور اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی اور چوری نہ کریں گی، اور زنا نہ کریں گی، اور اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی، اور کسی امر معروف میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کرو، یقیناً اللہ درگزر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“ (۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پچھلی آیات میں ایمان لانے والی مہاجر عورتوں سے امتحان لینے کا حکم تھا اور اب امتحان کے لیے چند اصول بتلائے جا رہے ہیں۔

پہلی آیت میں نبی ﷺ کی بجائے صحابہ کو خطاب کیا گیا ہے کہ جب مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آنے والی عورتیں اپنے ایمان کا دعویٰ کریں تو ان کے ایمان کی جانچ پڑتال کر لیا کرو۔ اب بیعت لینے کے لیے نبی علیہ السلام کو حکم دیا گیا ہے کہ جب آپ کے پاس ایمان لانے والی عورتیں حاضر ہوں تو آپ ان سے ان امور پر بیعت لیا کریں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ ۲۔ کسی کا مال چوری نہ کریں۔ ۳۔ بدکاری نہ کریں۔ ۴۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں۔ ۵۔ اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے کسی پر تہمت نہ لگائیں۔ ۶۔ کسی نیک کام میں آپ ﷺ کی نافرمانی نہ کریں۔

جن باتوں کے بارے میں عورتوں سے بیعت لینے کا حکم ہے ان سے بچنا ہر مومن عورت اور مومن مرد پر فرض ہے۔ عورتوں سے بیعت لینے کا اس لیے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اس سے پچھلی آیات میں ہجرت کرنے والی مومن عورتوں

کا ذکر ہوا ہے۔ پھر یہ بات بھی حقیقت ہے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں میں یہ گناہ زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اس لیے یہاں عورتوں کی بیعت اوراس کی شرائط کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو مسلمان عورتیں ان باتوں پر پختہ عہد کریں آپ ﷺ کو ان کے حق میں اللہ سے بخشش کی دعا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ان عورتوں کو ان کے گناہوں کی بخشش کا یقین دلاتے ہوئے فرمایا ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کرنے والامہربان ہے۔ جن پانچ گناہوں پر بیعت لینے کا حکم ہے ان میں شرک کے علاوہ باقی گناہ ایسے ہیں جن پر شریعت نے حد مقرر کی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی گناہ کسی مرد یا عورت پر ثابت ہوجائے تو شریعت کے مطابق اس پر حد نافذ کرنا اسلامی حکومت کا فرض ہے۔

((عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ ؓ قَالَ بَایَعْنَا رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَکْرَہِ ، وَأَنْ لاَ نُنَازِعَ الأَمْرَ أَھْلَہُ ، وَأَنْ نَقُومَ بِالْحَقِّ حَیْثُمَا کُنَّا لاَ نَخَافُ لَوْمَةَ لاَئِمٍ)) (رواہ النسائی : باب البیعة علی السمع والطاعة)

”حضرت عبادۃ بن صامت ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے ان باتوں پر بیعت کی: آپ ﷺ کی سمع واطاعت کریں گے چاہے تنگی ہو یا فراخی ، چاہے ہمارے لیے پسندیدہ بات ہو یا نا پسند ہو ، چاہے ہم پر کسی کو ترجیح کیوں نہ دی جائے ، اس شرط کے ساتھ کہ ہم صاحبِ امر کے ساتھ جھگڑا نہیں کریں گے، اور یہ کہ ہم جہاں کہیں ہوں حق بات کہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔“

پیر ومرشد کی بیعت:

بیعت کا لفظ بیع سے نکلا ہے اس کا معنی ہے کسی سے سودا کرنا یا کوئی ذمہ داری قبول کرنا۔

قرآن مجید میں یہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال کیا ہے حوالے کے لیے اس آیت کی تفسیر بالقرآن ملاحظہ فرمائیں۔

اصطلاحاً بیعت اس معاہدے کو کہا جاتا ہے جو امیر کی اطاعت کے لیے کیا جاتا ہے۔

صوفیائے کرام نے اپنے حلقے میں اصلاح کے نام پر ایک نئی روایت ڈالی گئی ہے جس کا خیر القرون میں وجود نہیں ملتا اگر اس فعل کا مقصود لوگوں کی اصلاح ہے تو یہ مقصد مبلغ کی تبلیغ، معلم کی تعلیم اور علماء کی تربیت سے حاصل ہوسکتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں بیعت کا تذکرہ:

۱۔ اس سودے پر خوب خوش ہو جاؤ جوتم نے اللہ سے کیا ہے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔(التوبہ:۱۱۱)

۲۔ ان سے بیعت لے لو اور ان کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کرو ، یقیناً اللہ درگزر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (الممتحنہ:۱۲)

۳۔ اللہ مومنوں سے خوش ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ ﷺ سے بیعت کر رہے تھے۔(الفتح:۱۸)

يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	لَا	تَتَوَلَّوْا	قَوْمًا	غَضِبَ
اے لوگو!	جو ایمان لائے ہو	نہ	تم دوستی کرو	اس قوم سے کہ	غضب ہوا
اللّٰهُ	عَلَيْهِمْ	قَدْ	يَئِسُوْا	مِنَ الْاٰخِرَةِ	كَمَا	يَئِسَ
اللہ کا	ان پر	تحقیق	وہ مایوس ہو گئے ہیں	آخرت سے	جیسے	مایوس ہو گئے ہیں
الْكُفَّارُ	مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ۝۱۳					
کفار	اہل قبور سے					

’’اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جن پر اللہ کا غضب ہوا ہے، وہ آخرت سے اُسی طرح مایوس ہو چکے ہیں جس طرح قبروں میں پڑے ہوئے کافر مایوس ہیں۔‘‘(۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: الممتحنہ کی ابتدا جس حکم کے ساتھ کی گئی ہے اسی پر اس کا اختتام کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بڑی تفصیل کے ساتھ مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ کسی صورت بھی اللہ اوراپنے دشمنوں کو دوست نہ بنائیں۔ اس کے دلائل دیتے ہوئے مشرکین کے خلاف ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا اعلانِ برأت پیش کیا گیا جس کے لیے ارشاد ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام اوران کے ایماندار ساتھیوں کا طریقہ وہی شخص اختیار کرے گا جواللہ کے حضور حاضر ہونے اور آخرت کی جوابدہی کا عقیدہ رکھتا ہے بالفاظ دیگر دوسرے شخص سے ایسے مضبوط ایمان اور جرأت مندانہ کردار کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس کے بعد اس بات کی وضاحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہر کافر سے ہرقسم کی لاتعلقی کا حکم نہیں دیتا وہ ان کفار کے ساتھ تعلقات توڑنے اور لڑنے کا حکم دیتا ہے جو تمہارے اورتمہار دین کے دشمن ہیں۔انہی کلمات پر سورۃ کا اختتام کیا جا رہا ہے اے ایمان والو! اللہ اوراپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کیونکہ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوچکا ہے لہٰذا ایماندار شخص کوکسی مغضوب علیہ کے ساتھ رشتہ داری اورقلبی لگاؤ نہیں رکھنا چاہیے۔

جن پر اللہ کا غضب ہوا ہے وہ آخرت سے اس طرح ہی مایوس ہوچکے ہیں جس طرح کفار قبروں والوں سے مایوس ہوچکے ہیں۔

”اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کفار کی مایوسی کے دومفہوم اخذ کیے ہیں۔

ا۔حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اوردیگر صحابہ نے یہ مفہوم لیا ہے کہ جو لوگ موت کے بعد جی اٹھنے کا انکار کرتے ہیں وہ اس بات سے مایوس ہیں کہ ان کے جوعزیز و اقرباءفوت ہوچکے ہیں وہ دوبارہ کبھی زندہ ہوں گے۔

۲۔حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اورحضرت مجاہد رحمہ اللہ اوران کے ہم فکر اصحاب اس آیت کا یہ مطلب لیتے ہیں

کہ جو کافر فوت ہو چکے ہیں انہوں نے اپنی قبروں میں اس حقیقت کو پالیا ہے کہ آخرت میں انہیں عذاب کے سوا کچھ نہیں ملے گا گویا کہ وہ اللہ کی رحمت سے کلی طور پر مایوس ہو چکے ہیں۔ ہمارے دور میں کچھ نادان لوگوں نے اپنے باطل عقیدہ کی تائید کے لیے اس آیت کا بالکل ہی مخالف مفہوم لیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ اہلِ قبور کے اختیارات سے وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو کافر ہیں۔

((عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ يَهُودِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا ، فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ ، فَقَالَتْ لَهَا أَعَاذَكِ اللَّهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَقَالَ نَعَمْ عَذَابُ الْقَبْرِ قَالَتْ عَائِشَةُ رضی اللہ عنہا فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعْدُ صَلَّى صَلَاةً إِلَّا تَعَوَّذَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ زَادَ غُنْدَرٌ عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ))(رواہ البخاری : باب مَا جَاءَ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ)

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک یہودی عورت آئی وہ قبر کے عذاب کا تذکرہ کرتے ہوئے کہنے لگی تجھے اللہ عذاب کے قبر سے محفوظ فرمائے۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے عذابِ قبر کے متعلق پوچھا آپ ﷺ نے فرمایا ہاں عذابِ قبر برحق ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے رسول اللہ ﷺ کو کوئی ایسی نماز پڑھتے نہیں دیکھا جس میں آپ نے عذابِ قبر سے پناہ نہ مانگی ہو۔ (غندر کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ عذاب قبر برحق ہے۔)“

مسائل

١۔ کسی ایماندار کو کسی کافر اور مشرک کے ساتھ قلبی تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔
٢۔ کفار اور مشرکین پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے۔
٣۔ کسی ایماندار کے لیے جائز نہیں کہ وہ مغضوب علیہ کے ساتھ رشتہ داری یا دلی محبت کرے۔
٤۔ کافر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا غضب کن لوگوں پر نازل ہوتا ہے :

١۔ مشرکوں پر اللہ کا غضب ہوتا ہے۔(الاعراف: ١٥٢) ٢۔بنی اسرائیل مغضوب لوگ ہیں۔(البقرۃ:٦١)
٣۔ اللہ تعالیٰ کے غضب کا نتیجہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان قیامت تک کے لیے باہم اختلافات رہیں گے۔(المائدۃ:٦٤)
٤۔ انبیاء کی تکذیب کی وجہ سے وہ اللہ کے غضب کے مستحق قرار پائے۔(آل عمران:١١٢)
٥۔ یہودی اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے۔(البقرۃ:٩٠)٦۔گمراہ اور مغضوب کو دلی دوست نہیں بنانا چاہیے۔(الممتحنۃ:١٣)

سورۃ الصّف کا تعارف

یہ سورت بھی مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اس کا نام اس کی چوتھی آیت سے لیا گیا ہے اس کی چودہ آیات ہیں جو دو رکوع پر مشتمل ہیں۔اس سورت میں سب سے پہلے یہ بات بتلائی اور سمجھائی گئی ہے کہ زمینوں اور آسمانوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے اپنی مخلوق پر غالب ہے اور اس کے ہر حکم اور کام میں حکمت پائی جاتی ہے۔ اس کے فرمان کی حکمت کا تقاضا ہے کہ اے ایمان والوں ایسا دعوہ نہ کرو جس پر تم عمل نہیں کرتے ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا گناہ ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو سیسہ پلائی دیوار کی طرح کفار کے خلاف صف آرا ہوتے ہیں۔تمھیں موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح نہیں ہونا چاہیے جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف دی جب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانی کی وجہ سے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کی رہنمائی نہیں کرتا۔ نہ ہی تمھیں بنی اسرائیل کی طرح ہونا چاہیے جنھیں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اس رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو گا۔ ان حقائق اور دلائل کے باوجود بنی اسرائیل کی غالب اکثریت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کا کردار بتانے کے بعد نبی علیہ السلام کی ذات اور دعوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس شخص سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہوسکتا جو ''اللہ'' پر جھوٹ بولتا ہے۔ حالانکہ نبی علیہ السلام لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ اور ظالم لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور جو الاسلام کی صورت میں نازل ہوا ہے اسے اپنی پھونکوں سے بجھا دیں ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ نور بجھنے والا نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اپنی رہنمائی اور دین حق کے ساتھ اس لیے بھیجا ہے تاکہ دین حق تمام ادیان پر غالب آ جائے بے شک مشرکین کو یہ بات کتنی ہی ناگوار لگتی ہو۔ یہود و نصاریٰ کا منفی کردار اور دین حق کا روشن مستقبل بتلانے کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو اگر تم اس کی حقیقت جانتے ہو تو تمھارے لیے بہت ہی بہتر ہے۔ ایمان اور جہاد کے بدلے تمھارے گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا اور تمھیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں اور تمھیں اعلیٰ جنت میں بہترین محلات میں بسایا جائے گا یہی بڑی کامیابی ہے۔ اس کے ساتھ جو چیز تم چاہتے ہو وہ دشمن کے مقابلے میں کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھیں بہت جلد فتح عطاء فرمائے گا یہ اس کی طرف سے مومنوں کے لیے خوشخبری ہے۔ اے مسلمانوں! تمھیں عیسیٰ علیہ السلام کے ان حواریوں کی طرح ہونا چاہیے جنہیں مشکل وقت میں عیسیٰ علیہ السلام نے مدد کے لیے پکارا تو انہوں نے کہا کہ ہم ''اللہ'' کے لیے آپ کی مدد کرنے والے ہیں۔

سُورَۃُ الصَّفِّ مَدَنِیَّۃٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُکُوْعُھَا: ۲ اٰیَاتُھَا: ۱۴

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

سَبَّحَ	لِلّٰهِ	مَا	فِي السَّمٰوٰتِ	وَ	مَا	فِي الْاَرْضِ
تسبیح کرتی ہے	اللہ کے لیے	جو چیز	آسمانوں میں ہے	اور	جو چیز	زمین میں ہے
وَ هُوَ	الْعَزِيْزُ	الْحَكِيْمُ ①				
اور وہ	نہایت غالب	خوب حکمت والا ہے				

”اللہ کی تسبیح کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ نہایت غالب اور خوب حکمت والا ہے۔“(۱)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورۃ الممتحنہ میں مسلمانوں کو کفار اور مشرکین کے ساتھ رشتہ داری کرنے اور قلبی محبت رکھنے سے منع کیا گیا۔ سورۃ الصّف کی ابتدا میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ اگر کفار اور مشرکین کی طرح ایماندار لوگ بھی اللہ کی ذات اور اس کے فرمان کا انکار کردیں تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کیونکہ زمین و آسمانوں کی ہر چیز اس کے تابع اور اس کی حمد وثناء بیان کرتی ہے۔

یہ سورت مسبّحات میں سے تیسری سورت ہے۔ اس کا آغاز بھی اسی پُرجلال لفظ سے کیا گیا ہے جس سے سورۃ الحدید اور سورۃ الحشر کا آغاز ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جو چیز آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ ذوالجلال کی تسبیح کرتی ہے اور زبانِ حال اور قال سے اس کا اعتراف کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے ہر چیز پر غلبہ رکھنے والا ہے۔ اس کی تخلیق، حکم اور کام میں حکمت پائی جاتی ہے۔ وہ ”اَلْعَزِیْزُ“ بھی اور ”اَلْحَکِیْمُ“ بھی۔

((عَنْ اَبِیْ مَالِكِ الْاَشْعَرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَاُ الْمِيْزَانَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَاٰنِ اَوْ تَمْلَاُ مَا بَيْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ)) (رواہ مسلم: باب فَضْلِ الْوُضُوْءِ)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذکر کرتے ہیں کہ پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے، ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ“ کے الفاظ میزان کو بھر دیتے ہیں۔ ”سُبْحَانَ اللّٰهِ“ اور ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ“ دونوں کلمے زمین وآسمان کو بھر دیتے ہیں۔

”اللہ کی پاکی اس کی تعریف کے ساتھ اس کی مخلوق کی تعداد، اس کے نفس کی رضامندی، اس کے عرش کے وزن اور اس کے کلمات کی مقدار کے برابر۔“ (رواہ مسلم: باب التسبیح أول النہار وعند النوم)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲ كَبُرَ

اے وہ لوگو جو | ایمان لائے ہو | کیوں | تم کہتے ہو | وہ جو | نہیں | تم کرتے | بڑا ہے

مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳

گناہ کے لحاظ سے | اللہ کے نزدیک | یہ کہ | تم کہو | وہ جو | نہیں | تم کرتے

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ

بلاشبہ | اللہ | پسند کرتا ہے | ان لوگوں کو جو | لڑتے ہیں | اس کی راہ میں

صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝۴

صف بستہ | گویا کہ وہ | ایک عمارت ہیں | سیسہ پلائی ہوئی

”اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟۔(۲) اللہ کے نزدیک یہ بڑا گناہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں۔(۳) اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔“(۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ کی تسبیح کے بیان اور سورت کے تمہیدی کلمات کے بعد پہلا حکم۔

اس سورت کا مرکزی مضمون قتال فی سبیل اللہ ہے اسی لیے پہلا حکم یہ ہے کہ اے ایمان والو! جس بات پر تمہارا عمل نہیں وہ بات تمہیں نہیں کہنی چاہیے۔اللہ کے نزدیک یہ بڑا جرم ہے کہ تم وہ بات کہو جس پر تمہارا عمل نہیں۔مفسرین نے اس آیت کے دو مفہوم بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ جب قتال فی سبیل اللہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا تو کچھ ایماندار لوگ نبی علیہ السلام سے قتال فی سبیل اللہ کی اجازت مانگتے تھے اور دعویٰ کرتے تھے کہ اگر ہمیں کفار کے خلاف قتال کی اجازت دی جائے تو ہم جان توڑ کر لڑیں گے۔لیکن جونہی قتال فی سبیل اللہ کا حکم آیا تو دعویٰ کرنے والے قتال فی سبیل اللہ سے جی چرانے اور جان بچانے لگے۔اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ وہ دعویٰ اور بات نہ کیا کرو جس پر تم عمل نہیں کرتے۔

۲۔اس آیت کا دوسرا مفہوم یہ بھی لیا گیا ہے کہ جس بات پر آدمی کا اپنا عمل نہ ہو اسے اس بات کی دعوت دوسروں کو نہیں دینی چاہیے۔کیونکہ اس سے ایک طرف دعوت دینے والے کا دوغلا پن ظاہر ہوتا ہے اور دوسری طرف اس کے دوغلے پن کی وجہ سے اسلام کی سبکی کا پہلو نکلتا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بڑا جرم ہے۔

یہ بات عرض ہو چکی ہے کہ جب قتال فی سبیل اللہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا تو اس وقت بعض مسلمان قتال فی سبیل اللہ کا مطالبہ کرتے تھے۔جب قتال فی سبیل اللہ فرض ہوا تو پھر اس سے جی چُرانے لگے۔اس پر اللہ تعالیٰ

نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں منظّم اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر لڑتے ہیں۔ اس مختصر فرمان میں تین باتیں بیان ہوئی ہیں۔

ا۔ قتال کے بارے میں ''فِیْ سَبِیْلِہٖ'' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں گویا کہ سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ قتال کرنے میں مسلمانوں کی ذاتی اغراض کی بجائے اعلائے کلمۃ اللہ کا مقصد ہونا چاہیے۔

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَۃِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَۃَ فَمَاتَ مَاتَ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَایَۃٍ عِمِّیَّۃٍ یَغْضَبُ لِعَصَبِیَّۃٍ اَوْیَدْعُوْ لِعَصَبِیَّۃٍ اَوْ یَنْصُرُ عَصَبِیَّۃً فَقُتِلَ فَقِتْلَۃٌ جَاھِلِیَّۃٌ وَمَنْ خَرَجَ عَلٰی اُمَّتِیْ بِسَیْفِہٖ یَضْرِبُ بَرَّھَا وَ فَاجِرَھَا وَلَا یَتَحَاشَ مِنْ مُؤْمِنِھَا وَلَا یَفِیْ لِذِیْ عَھْدٍ عَھْدَہٗ فَلَیْسَ مِنِّیْ وَلَسْتُ مِنْہُ))

(رواہ مسلم: باب الْأَمْرِ بِلُزُومِ الْجَمَاعَۃِ عِنْدَ ظُھُورِ الْفِتَنِ وَتَحْذِیرِ الدُّعَاۃِ إِلَی الْکُفْرِ)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو اطاعت اور جماعت سے علیحدہ ہوا۔ اور اسی حالت میں فوت ہوا تو وہ جاہلیت کی موت مرا اور جو شخص نامعلوم جھنڈے کے نیچے لڑتا رہا عصبیت کی خاطر غیرت میں آیا اور عصبیت کی بنیاد پر دعوت دیتا رہا یا عصبیت کی وجہ سے مدد کرتا ہوا قتل ہوا اس کی موت جہالت پر ہوگی۔ جو شخص میری امت کے خلاف تلوار سونت کر نیک و بد سب کو تہ تیغ کرتا چلا گیا اور کسی مومن کی اس نے پروانہ کی اور نہ ہی کسی عہد والے کے عہد کا پاس کیا وہ مجھ سے نہیں اور نہ ہی میرا کوئی اس سے تعلق ہے۔''

مسلمانوں کی صف بندی کا ایک منظر اور اتحاد کی اہمیت:

((کَانَ رُسْتَمُ اِذَا رَاَی الْمُسْلِمِیْنَ یَجْتَمِعُوْنَ إِلَی الصَّلٰوۃِ قَالَ اَکَلَ کَبِدِیْ عُمَرُ یُعَلِّمُ الْکِلَابَ الْاٰدَابَ)) (ابن خلدون)

''جب رستم نے مسلمانوں کو نماز کے لیے صف آرا ہوتے ہوئے دیکھا تو چلا کر کہنے لگا ہائے افسوس عمر رضی اللہ عنہ نے میرا کلیجہ چبا لیا ہے کیونکہ وہ وحشی درندوں کو منظّم ہونے کے آداب سکھلا رہا ہے۔''

اگر مجاہدین میں جہاد کے بارے میں فکری انتشار یا لڑنے میں عملی اختلاف ہوتو وہ جان توڑ کر جہاد نہیں کرسکتے۔ اس لیے مجاہد جس قدر فکری طور پر یکسو اور عملی طور پر یکجا ہوں گے کامیابی ان کا مقدر بن جائے گی۔ مسلمانوں کو کفار کے مقابلے میں آج تک جتنا نقصان ہوا وہ آپس کے اختلاف کی وجہ سے ہوا۔ اس سے بچنے کے لیے ''بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ'' کے الفاظ استعمال کیے۔

((عَنْ أَبِی إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رضی اللہ عنہ یَقُوْلُ أَتَی النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم رَجُلٌ مُقَنَّعٌ بِالْحَدِیدِ

فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أُقَاتِلُ وَأُسْلِمُ قَالَ أَسْلِمْ ثُمَّ قَاتِلْ فَأَسْلَمَ ثُمَّ قَاتَلَ فَقُتِلَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَمِلَ قَلِيلاً وَأُجِرَ كَثِيرًا)) (رواہ البخاری: باب عَمَلٌ صَالِحٌ قَبْلَ الْقِتَالِ وَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ إِنَّمَا تُقَاتِلُونَ بِأَعْمَالِكُمْ وَقَوْلُه ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لاَ تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَاللهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لاَ تَفْعَلُونَ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ﴾)

”حضرت اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کوفرماتے ہوئے سنا کہ ایک آدمی زرہ پہنے ہوئے نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول ﷺ! میں قتال کروں یا اسلام لاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا پہلے اسلام قبول کرو پھر قتال کرو۔ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوا پھراللہ کے راستے میں قتال کرتا ہوا شہید ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس نے عمل کم کیے لیکن اجر زیادہ پالیا۔“

”بُنْيَانٌ“ کا معنٰی ہے تعمیر کرنا، بنانا یا آباد کرنا اور مرصوص کا معنٰی ایک حصے کو دوسرے کے ساتھ ملانا کسی چیز پر تانبے کی قلعی کرنا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ قتال فی سبیل اللہ کرنے والوں کے ساتھ محبت کرتا ہے۔

۲۔ کامیابی کے لیے لازم ہے کہ مجاہدین منظم اور سیسہ پلائی دیوار بن کر قتال کریں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو پسند کرتا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ پاکبازلوگوں کو پسند کرتا ہے۔(البقرۃ:۲۲۲) ۲۔”اللہ“ نیک لوگ پاک صاف رہتے ہیں۔ (التوبہ:۱۰۸)

۳۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (المائدۃ:۴۲)

۴۔ اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (آل عمران:۱۵۹) ۵۔اللہ متقین سے محبت کرتا ہے۔(التوبہ:۴۔۷)

۶۔ اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔(البقرۃ:۲۲۲) ۷۔ بے شک اللہ متقین کو پسند کرتا ہے۔(آل عمران:۷۶)

۸۔ احسان کرو یقیناً اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ (البقرۃ:۱۹۵)

۹۔ انھیں معاف کیجیے اور درگزر کیجیے یقیناً اللہ معاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ (المائدۃ:۱۳)

۱۰۔ جب مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کریں۔اللہ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔(الحجرات:۹)

وَ	اِذْ	قَالَ	مُوْسٰى	لِقَوْمِهٖ	يٰقَوْمِ	لِمَ	تُؤْذُوْنَنِىْ
اور	جب	کہا	موسیٰ نے	اپنی قوم سے	اے میری قوم	کیوں	تم مجھے ایذا دیتے ہو

وَقَدْ	تَّعْلَمُوْنَ	اَنِّىْ	رَسُوْلُ اللّٰهِ	اِلَيْكُمْ	فَلَمَّا	زَاغُوْٓا
حالانکہ تحقیق	تم جانتے ہو	کہ بلاشبہ میں	اللہ کا رسول ہوں	تمہاری طرف	پس جب	وہ ٹیڑھے ہو گئے

اَزَاغَ اللّٰهُ	قُلُوْبَهُمْ	وَاللّٰهُ	لَا	يَهْدِى	الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝
تو ٹیڑھے کر دیئے اللہ نے	ان کے دل	اور اللہ	نہیں	ہدایت دیتا	فاسق قوم کو

''اور موسیٰ کا فرمان یاد کرو جو اس نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم تم کیوں مجھے اذّیت دیتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں؟ جب انہوں نے ٹیڑھاپن اختیار کر لیا تو اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''(۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مسلمانوں کو اختلاف اورخلفشار سے بچنے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کے فرمان اور ان کی قوم کا کردار اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔

سورت مزّمل کی آیت ۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے نبی آخرالزمان ﷺ کی رسالت کو موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔اس لیے یہاں موسیٰ علیہ السلام کے فرمان اور ان کی قوم کا کردار پیش کیا گیا ہے تاکہ مسلمان اپنے رسول کی گستاخی اور نافرمانی سے بچتے رہیں۔

''جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم !تم پر اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں تمہیں عطا فرمائی ہیں انہیں یاد کرو۔اس نے تم میں انبیاء اور بادشاہ بنائے اور تمہیں وہ کچھ عطا کیا جو دنیا میں کسی کو نہیں دیا۔اے میری قوم !اس مقدس زمین میں داخل ہوجاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور اپنی پیٹھوں کے بل نہ پھر جاؤ، ورنہ نقصان پانے والے ہوکر لوٹو گے۔''(المائدۃ:۲۰،۲۱)

''انہوں نے کہا اے موسیٰ ! بے شک اس میں ایک بہت زبردست قوم ہے اور ہم تو کسی صورت اس میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس سے نکل جائیں ،ہاں اگر وہ اس سے نکل جائیں تو ہم ضرور داخل ہوں گے۔دو آدمی جو انہیں میں سے تھے جن پر اللہ نے انعام کیا تھا اور وہ اللہ سے ڈرنے والے تھے کہنے لگے تم ان پر دروازوں سے داخل ہو جاؤ جب تم دروازے میں داخل ہو گئے تو یقیناً تم غالب ہو گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم ایمان دار ہو۔انہوں نے کہا اے موسیٰ ! ہم تو اس میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ اس میں موجود ہیں پس تو اور تیرا رب جاؤ اور لڑو ہم

تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔" (المائدۃ:۲۲تا۲۴)

موسیٰ علیہ السلام کے سمجھانے کے باوجود ان کی قوم نے قتال فی سبیل اللہ سے انکار کر دیا۔جس کے نتیجے میں اس قوم کو چالیس سال تک صحرا میں رہنا پڑا۔حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام بھی ان کے ساتھ رہے۔ حضرت موسیٰ اورحضرت ہارون علیہما السلام نے اپنی قوم سے بہت تکالیف اٹھائیں یہاں تک کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام صحرائے سینا میں فوت ہو گئے۔

ایسی حالت سے بچنے کے لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا وہ فرمان یاد کرو کہ جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم مجھے کیوں اذیت دیتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں موسیٰ علیہ السلام کے بار بار سمجھانے کے باوجود انہوں نے ٹیڑھا پن اختیار کیا۔ جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ہدایت کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے دل میں اس کی چاہت پیدا کرے اوراس کے لیے عملی کوشش کرے۔ ایسے شخص کے لیے ہدایت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے جوہدایت سے اعراض کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کی مرضی کے حوالے کر دیتا ہے۔ "اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ" کا یہی معنیٰ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اوردعا:

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ قُلُوبَ بَنِى آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ يُصَرِّفُهُ حَيْثُ يَشَاءُ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلَى طَاعَتِكَ")) (رواه مسلم: باب تصريف الله القلوب حيث يشاء)

"حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک بنی آدم کے دل الرحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی طرح ہیں۔وہ ان کو جیسے چاہتا ہے پھیرتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی۔اے دلوں کو پھیرنے والے "اللہ" ہمارے دلوں کو اپنی فرمانبرداری کی طرف پھیرے رکھنا"

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ "اللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَلْبِى عَلٰى دِينِكَ ")) (رواه ابن ماجه: باب دعاء رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، قال الشيخ البانى صحيح)

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر دعا کیا کرتے تھے اے اللہ میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھنا۔"

بنی اسرائیل کا موسیٰ علیہ السلام کو ایک اور انداز میں اذیت دینا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا﴾ (الاحزاب: ٦٩)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو اذیت دی تھی۔اللہ نے ان کی کہی ہوئی باتوں سے موسیٰ کی برأت فرمائی اور موسیٰ اللہ کے مقرب اور بڑے باعزت تھے۔''

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ كَانَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ يَغْتَسِلُوْنَ عُرَاةً يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ وَكَانَ مُوْسٰى علیہ السلام يَغْتَسِلُ وَحْدَهُ فَقَالُوْا وَاللّٰهِ مَايَمْنَعُ مُوْسٰى أَنْ يَّغْتَسِلَ مَعَنَا إِلَّا أَنَّهُ آدَرُ فَذَهَبَ مَرَّةً يَغْتَسِلُ فَوَضَعَ ثَوْبَهُ عَلٰى حَجَرٍ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهٖ فَخَرَجَ مُوْسٰى فِيْ إِثْرِهٖ يَقُوْلُ ثَوْبِيْ يَاحَجَرُ حَتّٰى نَظَرَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ إِلٰى مُوْسٰى فَقَالُوْا وَاللّٰهِ مَابِمُوْسٰى مِنْ بَأْسٍ وَأَخَذَ ثَوْبَهُ فَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا))

(رواه البخاری: کتاب الغسل، باب من اغتسل عریانا وحده)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا بنی اسرائیل کے لوگ ننگے نہاتے اور ایک دوسرے کو دیکھا کرتے تھے۔موسیٰ علیہ السلام اکیلے ہی غسل کرتے تھے۔یہودیوں نے کہا اللہ کی قسم موسیٰ ہمارے ساتھ اس وجہ سے نہیں نہاتے کہ ان کے خصیتین میں خرابی ہے۔ ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام اپنے کپڑے پتھر پر رکھ کر غسل کررہے تھے تو پتھر کپڑے لے کر چل پڑا۔موسیٰ علیہ السلام پتھر کے پیچھے بھاگے اور کہا اے پتھر! میرے کپڑے واپس کردے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل کے لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو برہنہ حالت میں دیکھ کر کہا: اللہ کی قسم! موسیٰ علیہ السلام کو کوئی تکلیف نہیں اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے پکڑ کر پتھر کو مارنا شروع کردیا۔''

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایااللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے میرے دوست سے دشمنی کی میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔میں نے جو چیز بندے پر فرض کی اس سے زیادہ مجھے کوئی چیز محبوب نہیں جس سے وہ میرا قرب حاصل کرے۔بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ جب میں اس کے ساتھ محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر سوال کرے تو میں اسے ضرور عطا کرتاہوں، اگر مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اسے پناہ دیتاہوں۔ میں اپنے کسی کام میں اتنا تردّد نہیں کرتا جتنا ایک مومن کی جان قبض کرنے میں کرتا ہوں کیونکہ بندہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور مجھے اس کی تکلیف اچھی نہیں لگتی جس نے میرے ولی کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی۔'' (رواہ البخاری: کتاب الرقاق،باب التواضع)

نبی آخر الزمان کو تکلیف دینے اور آپ ﷺ کی گستاخی کرنے والوں کی سزا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا﴾ (الأحزاب: ٥٧)

''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو تکلیف دیتے ہیں ان پر اللہ کی طرف سے دنیا و آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

گستاخ رسول کا قتل:

((إنَّ أعمٰی كَانَتْ لَهُ أُمُّ وَلَدٍ تَشْتُمُ النَّبِيَّ ﷺ وَ تَقَعُ فِيهِ فَيَنْهَاهَا فَلَا تَنْتَهِي وَيَزْجُرُهَا فَلَا تَنْزَجِرُ فَلَمَّا كَانَتْ ذَاتَ لَيْلَةٍ جَعَلَتْ تَقَعُ فِي النَّبِيِّ ﷺ وَتَشْتُمُهُ فَأَخَذَ الْمِغْوَلَ فَوَضَعَهُ فِي بَطْنِهَا وَاتَّكَأَ عَلَيْهَا فَقَتَلَهَا فَلَمَّا أَصْبَحَ ذُكِرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَجَمَعَ النَّاسَ فَقَالَ أَنْشُدُ رَجُلًا فَعَلَ مَا فَعَلَ لِي عَلَيْهِ حَقٌّ إِلَّا قَامَ قَالَ فَقَامَ الْأَعْمٰى يَتَخَطَّى النَّاسَ وَهُوَ يَتَدَلْدَلُ حَتّٰى قَعَدَ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَنَا صَاحِبُهَا كَانَتْ تَشْتُمُكَ وَتَقَعُ فِيكَ فَأَنْهَاهَا فَلَا تَنْتَهِي وَأَزْجُرُهَا فَلَا تَنْزَجِرُ وَلِي مِنْهَا ابْنَانِ مِثْلُ اللُّؤْلُؤَتَيْنِ وَكَانَتْ بِي رَفِيقَةً فَلَمَّا كَانَ الْبَارِحَةُ جَعَلَتْ تَشْتُمُكَ وَتَقَعُ فِيكَ فَأَخَذْتُ الْمِغْوَلَ فَوَضَعْتُهُ فِي بَطْنِهَا وَاتَّكَأْتُ عَلَيْهِ حَتّٰى قَتَلْتُهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَلَا اشْهَدُوا أَنَّ دَمَهَا هَدَرٌ))

(رواہ ابو داؤد: كتاب الحدود باب الحكم فيمن سب النبى)

''ایک اندھے شخص کی ایک ام ولد لونڈی تھی جو رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی وہ اسے منع کرتا۔ وہ گالیاں دینے سے باز نہیں آتی تھی وہ اسے جھڑکتا تھا۔ مگر وہ نہ رکتی تھی۔ ایک رات اس نے رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دینا شروع کیں تو نابینا صحابی نے ایک چھرا لے کر اس کے پیٹ پر رکھ کر زور سے دبایا جس سے وہ مرگئی۔ صبح اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوا تو آپ نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا۔ میں اس آدمی کو قسم دیتا ہوں جس نے کیا، یہ کیا ہے۔ میرا اس پر حق ہے کہ وہ کھڑا ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی بات سن کر ایک نابینا صحابی کھڑا ہوا۔ پریشانی کی حالت میں لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا نبی اکرم ﷺ کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔ اس نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! میں اسے منع کرتا تھا مگر وہ اس کی پروا نہیں کرتی تھی۔ اس کے بطن سے میرے دو ہیروں جیسے بیٹے ہیں اور وہ میری بیوی تھی۔ گزشتہ رات جب وہ آپ کو گالیاں دینے لگی تو میں نے چھرا لے کر اس کے پیٹ پر رکھ کر زور سے دبایا یہاں تک کہ وہ مرگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات سننے کے بعد صحابہ کو فرمایا تم گواہ رہنا کہ اس عورت کا خون رائیگاں ہوا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَبَّ نَبِيًا قُتِلَ وَمَنْ سَبَّ اَصْحَابَهٗ جُلِدَ))

(رواه الطبراني فی الصغیر صفحه ۲۳۶ جلد ۱)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے نبی ﷺ کو گالی دی اسے قتل کیا جائے اور جس نے اس آپ کے صحابہ کو گالی دی اسے کوڑے مارے جائیں۔''

گستاخِ رسول کا قتل:

((اِنَّ رَجُلًا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ شَتَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ يَكْفِيْنِىْ عَدُوِّى فَقَامَ الزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ فَقَالَ اَنَا فَبَارَزَهٗ فَاَعْطَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَلَبَهٗ)) (الصارم المسلول ۱۷۷)

''مشرکین میں سے ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو گالی دی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے دشمن کی کون خبر لے گا؟ حضرت زبیر بن عوام کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا سامان زبیر کو دے دیا۔''

ابولہب کا عبرت ناک انجام:

سورۃ لہب کے نزول پر ابھی آٹھ سال ہی گزرے تھے کہ جنگ بدر میں بڑے بڑے سردارانِ قریش مارے گئے۔ مکہ میں بدر کی شکست کی اطلاع پہنچی تو سب سے زیادہ دکھ ابولہب کو ہوا۔ یہ اسی صدمے اور رنج میں بیمار پڑ گیا۔ ساتویں روز بیماری کوڑھ کی شکل اختیار کر گئی۔ جس وجہ سے اس کے گھر والوں نے اسے چھوڑ دیا اور اس کے بیٹوں نے اس کے ساتھ کھانا پینا ترک کر دیا۔ بالآخر ذلّت کی موت مرا۔ مرنے کے بعد بھی اس کے بیٹے اس کے قریب نہ گئے یہاں تک کہ اس کی لاش سے بو پھیلنے لگی۔ لوگوں نے اس کے بیٹوں کو طعنے دیے تو انہوں نے ایک حبشی کو مزدوری دی۔ جس نے گڑھا کھودا اور لکڑی سے لاش کو دھکیل کر گڑھے میں پھینکا اور اس پر مٹی ڈال دی۔

گستاخِ رسول کو قبر نے باہر پھینک دیا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كَانَ رَجُلٌ نَصْرَانِيًّا فَأَسْلَمَ وَقَرَأَ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ فَكَانَ يَكْتُبُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَعَادَ نَصْرَانِيًّا فَكَانَ يَقُوْلُ مَايَدْرِى مُحَمَّدٌ اِلَّا مَا كَتَبْتُ لَهٗ فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ فَدَ فَنُوْهُ فَأَصْبَحَ وَقَدْ لَفَظَتْهُ الْاَرْضُ فَقَالُوْ هٰذَا فِعْلُ مُحَمَّدٍ وَ اَصْحَابِهٖ لَمَّا هَرَبَ مِنْهُمْ نَبَشُوْا عَنْ صَاحِبِنَا فَأَلْقَوْهُ فَحَفَرُوْا لَهٗ فَأَعْمَقُوْا فَأَصْبَحَ وَقَدْ لَفَظَتْهُ الْاَرْضُ فَقَالُوْا هٰذَا فِعْلُ مُحَمَّدٍ وَاَصْحَابِهٖ نَبَشُوْا عَنْ صَاحِبِنَا لَمَّا هَرَبَ مِنْهُمْ فَأَلْقَوْهُ فَحَفَرُوْا لَهٗ وَأَعْمَقُوْا لَهٗ فِى الْاَرْضِ مَاسْتَطَاعُوْا فَأَصْبَحَ وَقَدْ لَفَظَتْهُ الْاَرْضُ فَعَلِمُوْا اَنَّهٗ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ فَاَلْقَوْهُ))

(رواه البخاری: کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام)

''ایک عیسائی مسلمان ہوگیا وہ سورۃ البقرۃ اور آل عمران پڑھ چکا تھا وہ کاتب وحی تھا۔ وہ مرتد ہو کر عیسائی ہوگیا اور کہنے لگا کہ محمد ﷺ کے لیے جو کچھ میں نے لکھ دیا ہے اس کے سوا اسے کچھ معلوم نہیں۔ اس کی موت واقع ہوگئی تو اس کے ساتھیوں نے اسے دفن کیا۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ اس کی لاش قبر کی بجائے زمین کے اوپر پڑی ہے۔ عیسائیوں نے کہا کہ یہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کا کام ہے چونکہ ان کا دین اس نے چھوڑ دیا تھا۔ اس لیے انہوں نے قبر کھود کر لاش کو باہر پھینک دیا ہے۔ چنانچہ دوسری قبر کھودی جو بہت گہری تھی لیکن جب صبح ہوئی تو پھر لاش باہر تھی۔ اس دفعہ بھی انہوں نے یہی کہا کہ یہ محمد اور ان کے ساتھیوں کا کام ہے چونکہ ان کا دین اس نے چھوڑ دیا تھا اس لیے اس کی قبر کھود کر انہوں نے لاش باہر پھینک دی ہے۔ پھر انہوں نے قبر کھودی جتنی گہری ان کے بس میں تھی اور اس میں ڈال دیا لیکن جب صبح ہوئی تو پھر لاش باہر پڑی تھی۔ اب انہیں یقین ہوگیا کہ یہ کسی انسان کا کام نہیں بلکہ یہ آدمی ''اللہ'' کے عذاب میں گرفتار ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسے زمین پر پڑا رہنے دیا۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

(كُلُّ مَنْ شَتَمَ النَّبِيَّ ﷺ اَوْ تَـنَقَّصَهُ مُسْلِمًا كَانَ اَوْ كَافِرًا فَعَلَيْهِ الْقَتْلُ وَأَرٰى اَنْ يُقْتَلَ وَلَا يُسْتَتَابَ) (الصارم المسلول : ٣٣)

''جو آدمی نبی ﷺ کو گالی دیتا ہے یا آپ کی شان میں گستاخی کرتا ہے وہ مسلمان ہو یا کافر اس کا قتل کرنا واجب ہے اور میری رائے یہ ہے کہ اسے توبہ کرنے کی مہلت نہ دی جائے بلکہ فوراً قتل کر دیا جائے۔''

امام مالک رحمہ اللہ:

خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالک رحمہ اللہ سے نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے والے کے بارے میں پوچھا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:

(مَابَقَاءَ الْاُمَّةِ بَعْدَ شَتْمِ نَبِيِّهَا) (الشفاء للقاضی عیاض : ٢٣٣/٢)

''اس امت کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں جس کے نبی کو گالیاں دی جائیں۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ:

((اِنَّ مَـنْ سَبَّ النَّبِيَّ ﷺ مِـنْ مُسْـلِـمٍ اَوْ كَـافِـرٍ فَاِنَّه يَجِبُ قَتْلُهُ هٰذَا مَذْهَبُ عَامَةِ اَهْلِ الْعِلْمِ)) (الصارم المسلول : ٣١)

''جو آدمی نبی ﷺ کو گالی دے خواہ مسلمان ہو یا کافر اس کو قتل کرنا واجب ہے۔''

ستمبر ٢٠٠٥ء میں ڈنمارک کے بدنامِ زمانہ صحافی نے رسولِ محترم ﷺ کے خاکے شائع کیے جس سے پورے عالم اسلام میں ایسا اضطراب پیدا ہوا کہ مسلمان تڑپ اٹھے اور پوری دنیا میں جلوس، ہڑتالیں اور بے مثال

مظاہرے ہوئے اس میں سعودی عرب نے ہراول دستے کا کردار ادا کیا۔

ڈنمارک کے گستاخانہ عمل کی وجہ سے سعودی عرب نے عالم اسلام کی ترجمانی کرتے ہوئے ۲۶ جنوری کو ڈنمارک سے اپنا سفیر واپس بلا لیا اور سعودی عرب سے ڈنمارک کی اشیاء کے بائیکاٹ کا آغاز ہوگیا جو تمام عرب ریاستوں، مصر، لیبیا، ایران اور دوسرے مسلمان ممالک تک پھیل گیا۔

۴فروری کو حکومت پاکستان نے ڈنمارک، ناروے، فرانس، جرمنی، اٹلی، سپین، سوئٹزر لینڈ، ہنگری، ہالینڈ اور جمہوریہ چیک ری پبلک کے سفیروں کو طلب کر کے گستاخانہ خاکوں کے خلاف شدید احتجاج کیا۔

پاکستان نے خاکوں کے شائع کرنے والے ممالک سے ادویات درآمد کرنے پر پابندی لگا دی، فرانس اور ڈنمارک کی چار میڈیسن کمپنیوں کی تقریباً ایک سو گیارہ ادویات پاکستانی میڈیکل سٹورز پر فروخت کی جاتی تھیں۔ ڈاکٹرز صاحبان نے ان ادویات کے بجائے متبادل ادویات تجویز کر دیں۔

شام، لبنان اور لیبیا میں ڈنمارک کے سفارت خانوں کو آگ لگا دی گئی۔ مسلم ممالک نے ڈنمارک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کر دیا۔ بس جس ملک سے جو بن پڑا اور جس دینی، سیاسی اور رفاہی تنظیم سے جو ہو سکا اس نے اپنی اسلامی غیرت کا ثبوت فراہم کر کے اپنے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ جسے دیکھ کر عالم کفر کے اکثر حکمرانوں اور اخبارات کے ایڈیٹرز اور مالکان نے معذرت کی۔

ناروے کے اخبار کے ایڈیٹر انچیف ”ویجیو ان سیلبک“ نے معافی مانگی جسے ناروے کی اسلامی کونسل نے قبول کر لیا۔ فرانس کے اخبار کے مالک نے ایڈیٹر کو نوکری سے برطرف کر دیا۔

۳۱ جنوری کو ڈنمارک کے اخبار نے معافی نامہ جاری کیا اور دنیا بھر کے مسلمانوں سے معافی مانگی۔

مسائل

۱۔ یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گستاخ ہیں، مسلمانوں کو ہر گستاخی سے اجتناب کرنا چاہیے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ گمراہ لوگوں کو ان کی گمراہی میں کھلا چھوڑ دیتا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ گمراہ لوگوں کے دلوں کو ہدایت سے پھیر دیتا ہے۔۴۔ اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں کی راہنمائی نہیں کرتا۔

تفسیر بالقرآن

نبی آخر الزمان ﷺ کی گستاخی کرنے والا کافر ہے:

۱۔ اے ایماندارو! نبی ﷺ کی گستاخی سے بچو۔ آپ ﷺ کی گستاخی کرنے والے کافر ہیں۔(البقرۃ:۱۰۴)
۲۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم نبی ﷺ کی گستاخی کرنے والوں سے نمٹ لیں گے۔(الحجر:۹۵)
۳۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذا دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت برستی ہے۔(الاحزاب:۵۷)

وَ	اِذْ	قَالَ	عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ	يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	اِنِّيْ	رَسُوْلُ اللّٰهِ	
اور	جب	کہا	عیسیٰ ابن مریم نے	اے اسرائیل کی اولاد	یقیناً میں	اللہ کا رسول ہوں	

اِلَيْكُمْ	مُّصَدِّقًا	لِّمَا	بَيْنَ يَدَيَّ	مِنَ التَّوْرٰىةِ	وَمُبَشِّرًاۢ
تمہاری طرف	تصدیق کرنے والا	اس کی جو	مجھ سے پہلے ہے	تورات سے	اور بشارت دینے والا ہوں

بِرَسُوْلٍ	يَّاْتِيْ	مِنْۢ بَعْدِي	اسْمُهٗٓ	اَحْمَدُ ؕ	فَلَمَّا	جَآءَ
ایک رسول کی	وہ آئے گا	میرے بعد	اس کا نام	احمد ہے	پھر جب	وہ آیا

هُمْ	بِالْبَيِّنٰتِ	قَالُوْا	هٰذَا	سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞
ان کے پاس	واضح دلائل کے ساتھ	تو انہوں نے کہا	یہ	واضح جادو ہے

”اور عیسیٰ ابن مریم کی وہ بات یاد کرو جو انہوں نے بنی اسرائیل سے کہی کہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا، جب وہ رسول ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔“(٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: یہودیوں کا کردار ذکر کرنے کے بعد عیسائیوں کے کردار کا تذکرہ۔

جس طرح یہودی موسیٰ علیہ السلام کو تکالیف دینے اوران کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے ہدایت کے راستے سے بھٹک گئے اسی طرح ہی عیسائیوں کی غالب اکثریت نے عیسیٰ علیہ السلام کی گستاخیاں اورنافرمانی کی اوریہ بھی صراطِ مستقیم سے گمراہ ہوگئے۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کوبار بار بتلایا اورسمجھایا کہ بلاشک میں اللہ کا رسول ہوں اوراپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتاب تورات کی تصدیق کرتاہوں اوراپنے بعد آنے والے رسول جن کانام نامی اسمِ گرامی احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔اس کی تشریف آوری کی تمہیں خوشخبری دیتا ہوں۔ یادرہے کہ بنی اسرائیل کا لفظ قرآن مجید میں کبھی صرف یہودیوں کے لیے استعمال ہوا ہے اورکبھی صرف عیسائیوں کے لیے اور کبھی عیسائیوں اوریہودیوں دونوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے لیے رسول بنائے گئے تھے۔اس لیے انہوں نے یہودو نصاریٰ کو خوشخبری سنائی کہ میرے بعد ایک رسول آنے والا ہے جس کا نامِ نامی احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا مگر جب نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں اورعیسائیوں کے پاس واضح دلائل کے ساتھ تشریف لائے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی بجائے یہ کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

((عَنْ جُبَيْرِ ابْنِ مُطْعِمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ اِنَّ لِيْ اَسْمَاءً اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِيَ الَّذِيْ يَمْحُوْ اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمَيَّ وَاَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِيْ لَيْسَ بَعْدَهٗ نَبِيٌّ))(رواہ البخاری: باب قولہ من بعد اسمہ احمد)

”حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا میرے کئی نام ہیں۔ میں محمد ﷺ ہوں۔ میں ”احمد“ (ﷺ) ہوں، میں ”ماحی“ (مٹانے والا) ہوں، میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا۔ میں ”حاشر“ (اکٹھا کرنیوالا) ہوں کہ لوگ میری پیروی کرتے ہوئے اکٹھے کیے جائیں گے اور میں عاقب ہوں اور عاقب سے مراد وہ نبی ہے جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔“

احمد کے دو معنٰی ہیں اپنے پروردگار کی بہت زیادہ حمد بیان کرنے والا، اور جس کی لوگوں میں سب سے زیادہ تعریف کی جائے۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ﷺ کے بارے میں ارشادات:

”اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے، یعنی سچائی کا روح۔“ (یوحنا: باب۱۴: ۱۶، ۱۷) ”لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔“ (یوحنا: باب۱۴: ۲۶) ”اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔“ (یوحنا: باب۱۴: ۳۰) ”لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔“ (یوحنا: باب۱۵: ۲۶) ”لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔“ (یوحنا: باب۱۶: ۷) ”مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔“ (یوحنا: باب۱۶: ۱۲، ۱۳)

مسائل

١۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے رسول تھے۔ ٢۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تصدیق فرمائی۔

٣۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی ﷺ کا نام لے کر یہودیوں اور عیسائیوں کو آپ کی آمد کی خوشخبری سنائی۔

٤۔ یہودی اور عیسائی نبی آخر الزمان ﷺ کو جادوگر ہونے کا الزام دیتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اہل مکہ اور یہود و نصاریٰ نے نبی علیہ السلام پر جھوٹے الزامات لگائے:

١۔ نبی کریم ﷺ کو کفار جادوگر کہا کرتے تھے۔ (یونس: ٢)

٢۔ کفار آپ ﷺ کو کاہن اور مجنون کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ آپ کاہن اور مجنون نہیں ہیں۔ (الطّور: ٢٩)

٣۔ کفار آپ ﷺ کو شاعر کہتے تھے۔ (الطّور: ٣٠) ٤۔ آپ ﷺ شاعر نہیں ہیں۔ (القلم: ٢)

٥۔ کفار نبی اکرم ﷺ کو جادوگر اور کذاب کہتے تھے۔ (ص: ٤) ٦۔ آپ ﷺ جادوگر اور جھوٹے نہیں۔ (الطّور: ٢٩)

٧۔ کفار آپ ﷺ پر الزام لگاتے تھے کہ آپ قرآن مجید خود بنا لیتے ہیں۔ (النحل: ١٠١)

وَ	مَنْ	اَظْلَمُ	مِمَّنِ	افْتَرٰى	عَلَى اللّٰهِ	الْكَذِبَ	وَهُوَ
اور	کون	زیادہ ظالم ہے	اس سے جو	باندھے	اللہ پر	جھوٹ	حالانکہ وہ

يُدْعٰٓى	اِلَى الْاِسْلَامِ	وَاللّٰهُ	لَا	يَهْدِى	الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝
بلایا جاتا ہے	اسلام کی طرف	اور اللہ	نہیں	ہدایت دیتا	ظالم قوم کو

يُرِيْدُوْنَ	لِيُطْفِئُوْا	نُوْرَ اللّٰهِ	بِاَفْوَاهِهِمْ	وَاللّٰهُ	مُتِمُّ
وہ چاہتے ہیں	کہ بجھا دیں	اللہ کا نور	اپنے مونہوں سے	جبکہ اللہ	پورا کرنے والا ہے

نُوْرِهٖ	وَلَوْ كَرِهَ	الْكٰفِرُوْنَ ۝
اپنا نور	اگرچہ ناپسند کریں	کافر

”اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ بولتا ہے حالانکہ اسے اسلام کی دعوت دی جا رہی ہے ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں دیا کرتا۔(۷) یہ لوگ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں۔اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ اپنے نور کو پھیلا کر رہے گا خواہ کافروں کے لیے یہ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔“(۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو لوگ نبی آخرالزمان ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں اور آپ ﷺ پر الزامات لگاتے ہیں درحقیقت اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ان کی کوشش ہے کہ ”اللہ“ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں حالانکہ یہ لوگ اس نور کو کبھی بجھا نہیں سکیں گے،کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے پھیلانے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔

یہ حقیقت سب کو معلوم ہے کہ نبوت کا اعلان کرنے سے پہلے ہر کوئی آپ ﷺ کو الصادق اور الامین کہتا تھا۔ تورات اور انجیل میں بھی آپ ﷺ کے اوصافِ حمیدہ کا ذکر موجود ہے۔ اس لیے یہودی اور عیسائی اس انتظار میں تھے کہ جب نبی آخر الزّ مان تشریف لائیں گے تو ہم ان کے ساتھ مل کر کافروں کو شکست دیں گے۔ (البقرۃ:۸۹) لیکن جونہی آپ ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو یہود و نصاریٰ اور اہلِ مکہ نے آپ کو جھوٹا اور جادوگر قرار دیا۔ جب کہ یہود و نصاریٰ اپنی کتابوں کے حوالے سے اور اہلِ مکہ اپنے دور کے دانشوروں سے جان چکے تھے کہ مکہ میں ایک رسول پیدا ہونے والا ہے لیکن پھر بھی انہوں نے آپ ﷺ کی تکذیب کی۔ حالانکہ آپ ﷺ لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے والے تھے اس کے باوجود لوگ آپ کو کذّاب اور جادوگر کہتے۔ اس موقع پر لوگوں کے الزامات کا صرف یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہوسکتا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتا ہے۔ یعنی آپ ﷺ اللہ پر جھوٹ نہیں بول رہے۔ ہاں الزام لگانے والے یاد رکھیں! کہ نبی علیہ السلام کو جھوٹا کہنا اور آپ پر

الزامات لگانا درحقیقت اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا اور الزام لگانا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے نبوت کا اعلان اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے کیا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والے سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھادیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ وہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا اگر چہ کافر اسے ناپسند کرتے ہیں۔نور سے مراد اللہ کی توحید اور دینِ حق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پہلے تورات اور انجیل کی صورت میں نازل فرمایا اوراب قرآن مجید کی شکل میں لوگوں کے سامنے ہے جو لوگ توحید اوردین کو جھٹلاتے ہیں وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں، اور یہ لوگ ظالم ہیں اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہدایت سے سرفراز نہیں کرتا۔ یہاں دین کی قوت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اس کے خلاف کفار اور مشرکین کی کوششیں اس قدر حقیراور بے حیثیت ہیں جس طرح کوئی نادان سورج کی طرف منہ کر کے تھوکتا ہے یا آنکھیں بند کر کے سمجھتا ہے کہ سورج کی روشنی ختم ہوگئی اس سے بڑھ کر کون احمق ہو گا؟ یہ لوگ دین کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ یہاں واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ دین ہر صورت پھیل کر رہے گا۔

﴿یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ كَثِیْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ یَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ﴾ (المائدۃ : ۱۵)

”اے اہل کتاب ! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آچکا ہے جو تمہارے لیے ان میں سے بہت سی باتیں کھول کر بیان کرتا ہے جو تم کتاب سے چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔ یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اورواضح کتاب آئی ہے۔“

((اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی)) (ارواء الغلیل حدیث نمبر : ۱۲٦۸)

”اسلام غالب آئے گا اور اس پر کوئی غالب نہیں آئے گا۔“

﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (المائدۃ : ۵)

”آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا ہے اور میں نے پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور اسلام کو دین کے طور پر پسند کرلیا، جو بھوک کی صورت میں مجبور ہو جائے اس حالت میں کہ وہ گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو تو بے شک اللہ بے حد بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔“

مسائل

۱۔ جو شخص اللہ پر جھوٹ بولتا ہے وہ سب سے بڑا ظالم ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ظالم شخص کی راہنمائی نہیں کرتا۔

۳۔ کافر اور مشرک چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور یعنی دینِ اسلام کو ختم کر دیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر رکھا ہے کہ اس کا دین ضرور غالب اور مکمل ہوگا۔

هُوَ	الَّذِیْٓ	اَرْسَلَ	رَسُوْلَهٗ	بِالْهُدٰی	وَدِیْنِ الْحَقِّ
وہ	وہی ہے جس نے	بھیجا	اپنے رسول کو	ہدایت کے ساتھ	اور دین حق کے ساتھ

لِیُظْهِرَهٗ	عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ	وَلَوْ كَرِهَ	الْمُشْرِكُوْنَ ۝
تاکہ وہ غالب کرے اس کو	تمام ادیان پر	اور اگرچہ ناپسند کریں	مشرک

''وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے دوسرے ادیان پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔''(٩)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والا دین'' الاسلام'' نور اور روشنی ہے۔کفار اور مشرکین، یہودی اور عیسائی اس نور کو مٹانا چاہتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ یہ نور مکمل ہو کر رہے گا۔ اس نور اور روشنی کو پھیلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان ﷺ کو مبعوث فرمایا تاکہ دین حق کا نور دنیا میں ہر سو پھیل جائے۔ بے شک یہ بات کفار اور مشرکین کے لیے کتنی ہی ناقابل برداشت ہو۔

مفسرین کے دلائل کے مطابق یہ آیات غزوہ اُحد کے بعد نازل ہوئیں۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ستر صحابہ کرام شہید ہو چکے تھے۔منافقین نے بغلیں بجائیں اور کافر امید لگا بیٹھے کہ اب اسلام کا چراغ بجھنے والا ہے۔بس ایک اور حملے کی ضرورت ہے اسلام اور مسلمانوں کا قصہ ہمیشہ ہمیش کے لیے پاک ہوجائے گا۔ ان ناہموار حالات میں یکدم اعلان ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اپنی راہنمائی اور دینِ حق کے ساتھ اس لیے مبعوث فرمایا ہے کہ اس کا رسول تمام ادیان پر اللہ کے دین کو غالب کردے۔ بے شک مشرکوں کے لیے یہ بات کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو مشرک چاہتے ہیں کہ اللہ کی بندگی کے ساتھ دوسروں کی بندگی جاری رہے کفار کا خیال ہے کہ نظامِ اسلام کی بجائے کفر کا نظام قائم رہے۔ ہدایت سے مراد وہ راہنمائی ،بصیرت اور توفیق ہے جس کے ساتھ نبی آخرالزمان ﷺ نے تمام ادیانِ باطل پر دینِ اسلام کو غالب کردکھایا۔

مشرک توحید کا نور بجھانا اور قرآن کی روشنی کو مٹانا چاہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ اسے مکمل فرما کر اسے دلائل کی بنیاد پر قیامت تک غالب رکھے۔ کفار، مشرکین اور اہل کتاب پہلے دن سے ہی اس کوشش میں ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے کہ وہ اپنے نور کو غالب کر کے رہے گا اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اس لیے بھیجا ہے تاکہ دین اسلام تمام باطل ادیان پر غالب آجائے خواہ مشرکوں اور کفار کے لیے یہ بات کتنی ہی ناپسند کیوں نہ ہو، نور سے مراد قرآن مجید کی تعلیم جس کی مرکزی دعوت التوحید ہے دونوں کو اللہ تعالیٰ نے نور قرار دیا ہے۔ (البقرہ :٢٥٧) میں ارشاد ہوا ہے کہ''اللہ'' ایمانداروں کا خیر خواہ ہے وہ انھیں ہر قسم کے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور کفار کے دوست شیطان ہیں وہ ان کو نور سے اندھیروں کی

طرف لے جاتے ہیں۔کافر چاہتے ہیں کہ اللہ کی توحید کے چراغ اور قرآن مجید کی تعلیمات کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں پھونکوں کا لفظ لا کر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جس طرح سورج کی روشنی اور چاند کی ضیاء پاشیوں کو پھونکوں سے نہیں بجھایا جا سکتا اور جس طرح سورج اور چاند کی طرف منہ کر کے تھوکنے اور پھونکنے والا پاگل پن کا مظاہرہ کرتا ہے، اسی طرح دین کے خلاف کوششیں کرنے والے بھی اخلاقی دیوالیہ پن کا شکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی بعثت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اس لیے بھیجا ہے تاکہ تمام باطل ادیان پر دین اسلام کو غالب کردے ہدایت سے مراد وہ رہنمائی اور طریقہ ہے جس کی روشنی میں اللہ کے رسول ﷺ نے دین کا ابلاغ اور نفاذ فرمایا۔یاد رہے کہ دین اور قانون کتنا ہی مفصل کیوں نہ ہو اس کے سمجھنے اور نفاذ کے لیے رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے یہاں بالھدیٰ کا لفظ استعمال فرما کر واضح کیا ہے کہ جس رب نے یہ دین نازل فرمایا ہے اسی نے اپنے نبی ﷺ کی رہنمائی کا بندوبست کیا تاکہ ''اللہ'' کی منشا کے مطابق دین کی تشریح اور اس کا نفاذ کرے۔جو حدیث شریف اور سیرت طیبہ کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔

''لِيُظْهِرَهٗ'' کا معنی ہے زبردست کشمکش جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دین آسانی کے ساتھ نافذ نہیں ہوگا جب تک کفار، مشرکین اور اہل کتاب کے ساتھ زبردست کشمکش اور معرکہ آرائی نہ ہو جائے چنانچہ یہی کچھ ہوا کہ دین کے ابلاغ اور نفاذ کے لیے کئی معرکے برپا ہوئے اور نہ معلوم قیامت تک کتنے معرکے پیش آئیں گے۔ دین کے غلبہ سے پہلی مراد اس کا دلائل اور براہین کے ساتھ باطل نظریات اور ادیان پر غالب رہنا ہے یہی وجہ ہے کہ آج تک یہ دین اپنی سچائی اور دلائل کی بنیاد پر باطل ادیان پر غالب رہا اور رہے گا۔ جہاں تک اس کے سیاسی غلبے اور نفاذ کا تعلق ہے اس کا دارومدار مسلمانوں کے اخلاص اور کردار پر ہے۔جب مسلمان جان ومال کی قربانی دے کر دین کو غالب کرنا چاہیں گے تو یقیناً دین سیاسی طور پر بھی غالب آئے گا جس طرح نبی معظم ﷺ کے دور اور آپ کے بعد تقریباً ایک ہزار سال تک اس کا غلبہ رہا ہے اور قرب قیامت ایک دفعہ پھر اس کے غلبے کا دور آئے گا۔

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِی نَفْسِی بِيَدِهٖ لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيرَ وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ وَيَفِيضَ الْمَالُ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهٗ أَحَدٌ حَتّٰى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا))

(رواہ البخاری: کتاب احادیث الانبیاء)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! عنقریب تم میں عیسیٰ ابن مریم عادل حکمران کی حیثیت میں آئیں گے وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر ڈالیں گے اور جزیہ ختم کریں گے۔ مال ودولت کی اس قدر بہتات ہوگی کوئی اس کو لینے والا نہ ہوگا یہاں تک کہ ایک سجدہ کرنا دنیا ومافیہا سے بہتر ہوگا۔''

((عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ لَيَبْلُغَنَّ هٰذَا الْأَمْرُ مَا بَلَغَ

اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَلاَ يَتْرُكُ اللَّهُ بَيْتَ مَدَرٍ وَلاَ وَبَرٍ إِلاَّ أَدْخَلَهُ اللَّهُ هَذَا الدِّينَ بِعِزِّ عَزِيزٍ أَوْ بِذُلِّ ذَلِيلٍ عِزًّا يُعِزُّ اللَّهُ بِهِ الإِسْلاَمَ وَذُلاًّ يُذِلُّ اللَّهُ بِهِ الْكُفْرَ وَكَانَ تَمِيمٌ الدَّارِيُّ يَقُولُ قَدْ عَرَفْتُ ذَلِكَ فِي أَهْلِ بَيْتِي لَقَدْ أَصَابَ مَنْ أَسْلَمَ مِنْهُمُ الْخَيْرُ وَالشَّرَفُ وَالْعِزُّ وَلَقَدْ أَصَابَ مَنْ كَانَ مِنْهُمْ كَافِراً الذُّلُّ وَالصَّغَارُ وَالْجِزْيَةُ) (رواہ احمد: مسند تميم دارمی)

”حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا آپ نے فرمایا دین اسلام وہاں تک پہنچے گا جہاں تک رات کا اندھیرا اور دن کا اجالا پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کچے پکے مکان کو نہیں چھوڑے گا مگر دین کو وہاں داخل فرمائے گا۔ عزت والے کو عزت دے گا اور ذلیل کو مزید ذلیل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ معزز کو دینِ اسلام کے ساتھ عزت دے گا اور ذلیل کو کفر کی وجہ سے مزید ذلت ملے گی۔ تمیم داری رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ میں اپنے خاندان میں ان لوگوں کو پہچانتا ہوں جو دین کی وجہ سے معزز ہوئے اور بھلائی حاصل کی۔ جو کافر تھے ان پر ذلت، حقارت مسلط کر دی گئی اور وہ جزیہ دینے پر مجبور ہوئے۔“

مسائل

۱۔ ”اللہ“ نے ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دینِ حق اور اپنی راہنمائی کے ساتھ مبعوث فرمایا۔

۲۔ دینِ اسلام کے سوا باقی تمام نظریات اور ادیان باطل ہیں۔

۳۔ اللہ کے رسول اس لیے مبعوث کیے گئے تاکہ آپ دین اسلام کو تمام باطل نظریات اور ادیان پر غالب کر دیں۔

۴۔ دین کے ابلاغ اور نفاذ میں مشرکین کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرنا چاہیے۔

۵۔ مشرکین اور کفار دینِ حق کی بالا دستی کو کبھی پسند نہیں کرتے۔

تفسیر بالقرآن

دینِ حق سے انکار کے لیے کفار اور مشرکین کے بہانے:

۱۔ مشرکین نے کہا اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرتے۔ (النحل:۳۵)

۲۔ مشرکین کہیں گے اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے۔ (الانعام:۱۴۸) ۳۔ کفار نے کہا ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک تو زمین سے ہمارے لیے کوئی چشمہ جاری نہ کر دے۔ (بنی اسرائیل:۹۰)

۴۔ مشرکین نے آپ پر اعتراض کیا کہ آپ پر خزانہ کیوں نہیں نازل ہوتا۔ (ھود:۱۲)

۵۔ کفار نے کہا ہمارے لیے اپنے آباؤ اجداد کا طریقہ ہی کافی ہے۔ (المائدۃ:۱۰۴)

٦۔ بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰ جب تک ہم اللہ کو اپنے سامنے نہیں دیکھ لیتے ہم ایمان نہیں لائیں گے۔ (البقرۃ:۵۵)

٦۔ کہتے ہیں یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جس کو اس نے لکھ رکھا ہے اور وہ صبح و شام اس کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ (الفرقان:۵)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	هَلْ	اَدُلُّكُمْ	عَلٰى تِجَارَةٍ	تُنْجِيْكُمْ
اے لوگو جو	ایمان لائے ہو	کیا	میں تمہاری رہنمائی کروں	ایسی تجارت پر کہ	تمہیں وہ نجات دے

مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑩	تُؤْمِنُوْنَ	بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	وَ تُجَاهِدُوْنَ	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
دردناک عذاب سے	تم ایمان لاؤ	اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ	اور تم جہاد کرو	اللہ کی راہ میں

بِاَمْوَالِكُمْ	وَاَنْفُسِكُمْ	ذٰلِكُمْ	خَيْرٌ	لَّكُمْ	اِنْ	كُنْتُمْ
اپنے مالوں	اور اپنی جانوں کے ساتھ	یہ	بہتر ہے	تمہارے لیے	اگر	تم ہو

تَعْلَمُوْنَ ⑪	يَغْفِرْ	لَكُمْ	ذُنُوْبَكُمْ	وَيُدْخِلْكُمْ	جَنّٰتٍ
جانتے	وہ بخش دے گا	تمہارے لیے	تمہارے گناہ	اور داخل کرے گا تمہیں	ایسے باغات میں

”اے ایمان والو! میں تم کو وہ تجارت نہ بتاؤں؟ جو تمہیں عذاب الیم سے بچالے۔ (۱۰) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرو یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جان جاؤ۔ (۱۱) اللہ تمہارے گناہ معاف کرے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: مشرکین کی مخالفت کی پرواہ کیے بغیر دینِ حق کو قبول اور اس کی اشاعت کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تجارت کرنے کے مترادف ہے۔ جس کے نتیجہ میں دنیا کی کامیابی حاصل ہو گی اور آخرت میں عذاب سے نجات پانے کے ساتھ جنّت میں داخل ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو نفع اور نقصان کا شعور بخشا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ریڑھی بان کو معلوم ہو جائے کہ میرا سودا فلاں چوک اور بازار میں زیادہ بِک سکتا ہے تو اس کی کوشش ہوتی ہے کہ میں اس چوک اور بازار میں ریڑھی لگاؤں۔ مزدور کو معلوم ہو کہ مجھے فلاں شہر میں زیادہ مزدوری ملے گی، تو وہ زیادہ مزدوری پانے کے لیے اپنے بال بچے چھوڑ کر اس شہر کا رخ کرتا ہے۔ منافع اور فائدے کے لالچ میں ہی لوگ اپنا وطن چھوڑ کر دور دراز کے ملکوں میں جا کر نوکری اور تجارت کرتے ہیں۔ گویا کہ بنیادی طور پر ہر انسان کو اپنے نفع اور نقصان کا شعور دیا گیا ہے اس شعور کو دین اور آخرت کی خاطر استعمال کرنے کا حکم ہے۔ اے ایمان والو! میں تمہیں ایسی تجارت بتاتا ہوں کہ جس میں کبھی نقصان نہیں ہوگا۔ اس کا بنیادی اور دائمی فائدہ یہ ہے کہ تمہارے گناہ معاف ہوں گے اور تمہیں عذابِ الیم سے نجات حاصل ہو گی اور تمہیں اس جنّت میں داخل کیا جائے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہاں صاف ستھرے، اعلیٰ اور پاکیزہ مکانات ہیں، اس کی نعمتیں ہمیشہ رہنے والی ہیں، جسے اس میں داخلہ نصیب ہوا اس کے لیے یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ ہاں تم پسند کرتے ہو کہ تمہیں دشمن پر فتح حاصل ہو وہ بھی تمہیں

تَجۡرِیۡ	مِنۡ تَحۡتِہَا	الۡاَنۡہٰرُ	وَ	مَسٰکِنَ طَیِّبَۃً	فِیۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ ؕ
چلتی ہیں	ان کے نیچے سے	نہریں	اور	پاکیزہ محلات میں	ہمیشہ رہنے والے باغات میں
ذٰلِکَ	الۡفَوۡزُ	الۡعَظِیۡمُ ﴿۱۲﴾	وَ اُخۡرٰی	تُحِبُّوۡنَہَا ؕ	نَصۡرٌ
یہ ہے	کامیابی	بہت بڑی	اور ایک	جسے تم پسند کرتے ہو	مدد ہے
مِّنَ اللّٰہِ	وَ فَتۡحٌ	قَرِیۡبٌ ؕ	وَ بَشِّرِ	الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۳﴾	
اللہ کی طرف سے	اور فتح ہے	قریب	اور آپ بشارت دیں	مومنوں کو	

جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور ہمیشہ کی جنتوں میں بہترین گھر تمہیں عطا فرمائے گا، یہ بڑی کامیابی ہے۔(۱۲)اور وہ دوسری چیز جو تم چاہتے ہو وہ بھی تمہیں دے گا اللہ کی طرف سے مدد اور قریب ہی حاصل ہونے والی فتح، اے نبی اہل ایمان کو اس کی بشارت دے دو۔“(۱۳)

حاصل ہوگی۔جس تجارت کے بدلے تمہیں ہمیشہ کی جنّت اور دشمن پر کامیابی حاصل ہوگی وہ تجارت یہ ہے کہ تم اللہ اوراس کے رسول پر سچا ایمان لاؤ اوراللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے بشرطیکہ تم اس کی حقیقت سمجھ جاؤ۔ اس سورت کی ابتدا میں ارشاد فرمایا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں کفار اور مشرکین کے ساتھ سیسہ پلائی دیوار بن کر قتال کرتے ہیں۔ یہاں قتال کی بجائے جہاد کا لفظ استعمال فرمایا ہے کیونکہ میدانِ کارزار میں اترنے سے پہلے مال و جان کے ساتھ کوشش کرنا پڑتی ہے، جہاد کا معنیٰ اللہ کے راستے میں کوشش کرنا اورقتال فی سبیل اللہ اس مقصد کے لیے انتہائی اقدام ہے۔ اس لیے یہاں قتال کی بجائے جہاد کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس میں ہر وہ کوشش شامل ہوگی جو دین کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق اس کی سربلندی کے لیے کی جائے گی۔ قرآن مجید نے کئی مقامات پر لفظ قتال جہاد کے معنیٰ میں استعمال کیا ہے یہ ایسی تجارت اورسودا ہے جس کا خریدار اللہ تعالیٰ خود ہے جس کے بارے میں اس کا ارشاد ہے۔

”یقیناً اللہ نے ایمان والوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لیے ہیں۔ اس کے بدلے کہ یقیناً ان کے لیے جنّت ہے، وہ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں، قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، تورات اور انجیل اورقرآن میں اللہ کے ذمے یہ پکا وعدہ ہے اور اللہ سے زیادہ اپنا وعدہ پورا کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟ اس سودے پر خوب خوش ہو جاؤ جو تم نے اللہ سے کیا ہے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“(التوبہ:۱۱۱)

((عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ جَاهِدُوا الْمُشْرِکِینَ بِأَمْوَالِکُمْ وَأَنْفُسِکُمْ وَأَلْسِنَتِکُمْ))

(رواہ ابوداؤد: باب کَرَاهِيَةِ تَرْكِ الْغَزْوِ،حکمہ صحیح)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اپنے مالوں، جانوں اورزبانوں کے ساتھ

مشرکین سے جہاد کرو۔“

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم یَوْمَ أُحُدٍ أَرَأَیْتَ إِنْ قُتِلْتُ فَأَیْنَ أَنَا قَالَ فِي الْجَنَّةِ فَأَلْقٰی تَمَرَاتٍ فِيْ یَدِہٖ ثُمَّ قَاتَلَ حَتّٰی قُتِلَ)) (رواہ البخاری : باب غزوۃ أحد)

”حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے غزوۂ اُحد کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اگر میں شہید ہوجاؤں تو میں کہاں ہوں گا؟ آپ نے فرمایا: جنّت میں۔ اس کے ہاتھ میں کھجوریں تھیں اس نے پھینک دیں پھر لڑا یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔“

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنّت اس طرح بنائی گئی ہے کہ اس کی ایک اینٹ چاندی کی اور دوسری سونے کی ہے اور اس کا گارا خوشبودار کستوری کا ہے۔ اس کے کنکر لوٴلوٴ اور یاقوت کے ہیں اور اس کی مٹی زعفران کی ہے جو اس میں داخل ہوگا وہ خوش وخرم رہے گا۔ اسے کوئی تکلیف نہیں ہوگی وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اسے موت نہیں آئے گی نہ اس کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ ہی وہ بوڑھا ہوگا۔“ (رواہ الترمذی : کتاب صفة الجنة)

مسائل

۱۔ اللہ اوراس کے رسول پر ایمان لانا، کفار اورمشرکین کے ساتھ مال وجان کے ساتھ جہاد کرنا نہایت ہی فائدہ مند تجارت ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ایمان اور جہاد کے بدلے مسلمانوں کے گناہ معاف کرتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ایمان اور جہاد کے بدلے مومنوں کو ہمیشہ کی جنّت میں داخل فرمائے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اوراس کے محلات بڑے اعلیٰ اور پاکیزہ ہوں گے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ ایمان اور جہاد کے بدلے مسلمانوں کو بہت جلد فتح عطا فرمائے گا۔

۵۔ کفار اورمشرکین کے مقابلے میں دنیا کی کامیابی اورآخرت میں جنّت ملنا بہت بڑی خوشخبری اور کامیابی ہے۔

تفسیر بالقرآن

جہاد فی سبیل اللہ کی فرضیت اورفضیلت کے چند دلائل :

۱۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! مومنوں کو جہاد کی ترغیب دیں۔(الانفال:۶۵) ۲۔ مظلوم مسلمانوں کے لیے جہاد کریں۔(النساء:۷۵)

۳۔ کفارکو ایسی مار مارو کہ ان کے پچھلے بھی بھاگ کھڑے ہوں۔(الانفال:۵۷)(النساء:۹۵)(التوبہ:۸۸)

۴۔ ان سے لڑائی کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہوجائے اور خالصتاً دین اللہ کے لیے ہوجائے۔(البقرۃ:۱۹۳)

۵۔ تم شیطان کے دوستوں سے لڑائی کرو یقیناً شیطان کی تدبیر کمزور ہے۔(النساء: ۷۶) (البقرۃ:۲۱۸)

۶۔ مجاہدین کے ساتھ اللہ نے جنّت کا وعدہ فرمایا ہے۔(التوبۃ:۱۱۱) ۷۔ مجاہد اور غیر مجاہد برابر نہیں ہوسکتے۔(النساء:۹۵)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو ہو جاؤ اللہ کے مددگار جیسے کہا

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ

عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کون ہے میرا مددگار اللہ کی طرف کہا حواریوں نے

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ

ہم ہیں اللہ کے مددگار پھر ایمان لایا ایک گروہ بنی اسرائیل سے اور کفر کیا

طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

ایک گروہ نے ہم نے قوت دی ان کو جو ایمان لائے ان کے دشمنوں پر تو وہ ہو گئے غالب

٢ / ٥ / ١٠

”اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بن جاؤ۔ جس طرح عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں کو کہا تھا کون ہے اللہ کے لیے میری مدد کرنے والا حواریوں نے کہا کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار اس وقت بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے گروہ نے انکار کر دیا۔ ہم نے ایمان لانے والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد فرمائی اور وہی غالب ہوئے۔“ (۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس حکم سے پہلے مسلمانوں کو یہ خوشخبری سنائی گئی ہے کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا کر جہاد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا کی کامیابی کے ساتھ جنت میں داخل کرے گا، دنیا کی کامیابی اور جنت کا حصول تب ممکن ہے جب مسلمان صرف ”اللہ“ کی خاطر جہاد کریں گے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہوئے اللہ کے راستے میں جہاد کرنا اللہ تعالیٰ کی مدد کرنے کے مترادف ہے اسی کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے۔

اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بن جاؤ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ کون اللہ کے لیے میری مدد کرنے کے لیے تیار ہے۔ حواریوں نے کہا ہم اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں۔ بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لے آیا اور دوسرے گروہ نے کفر اختیار کیا۔ ”اللہ“ نے ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد فرمائی جس سے ایماندار غالب ہوئے۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دینا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ناکام کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھا لیا۔ یہودیوں نے انجیل کی تعلیم کو ختم کرنا چاہا لیکن اللہ نے انجیل کی تعلیمات کو عام کیا اور ہمیشہ کے لیے یہودیوں کو عیسائیوں کا دستِ نگر بنا دیا۔ اگر مسلمان ”اللہ“ کے دین کی مدد کریں گے تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو یہودیوں، عیسائیوں، مشرکین اور کفار پر غالب فرمائے گا کیونکہ اس کا فرمان ہے کہ مسلمانو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ اللہ کی

مدد کرنا اس کے دین کی مدد کرنا ہے۔

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴾ (محمد : ٧)

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط کر دے گا۔''

﴿قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِیْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ (البقرة: ٢٤٩)

''اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا بسا اوقات چھوٹی سی جماعت بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے غالب آجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

مسائل

۱۔ ایمانداروں کو اللہ کے دین کی اس طرح ہی مدد کرنی چاہیے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ان کی مدد کی تھی۔

۲۔ بنی اسرائیل سے ایک جماعت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی اور دوسرے لوگوں نے کفر اختیار کیے رکھا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ایمانداروں کی مدد کرتا ہے جس وجہ سے وہ اپنے دشمن پر غالب آتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ایمانداروں کی مدد فرمائی :

۱۔ غارِ ثور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مدد فرمائی۔(التوبہ:۴۰)

۲۔ بدر میں اللہ تعالیٰ نے کمزوروں کی مدد فرمائی۔(آلِ عمران:۱۲۳)

۴۔ غزوہ خندق میں اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی۔(الاحزاب: ۹)

۵۔ حنین کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ (التوبہ: ۲۵)

۶۔ فتح مکہ کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی۔(النصر:۱)

۷۔ اللہ کی طرف سے ہی مدد حاصل ہوتی ہے۔ (آل عمران : ۱۲۶)

۸۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی روح القدس (جبریل علیہ السلام) سے مدد فرمائی۔(البقرۃ:۸۷)

۹۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے کمزوروں کی مدد فرمائی۔(القصص:۵)

۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے تھوڑی اور کمزور جماعتوں کو بڑی جماعتوں پر غالب فرمایا۔(البقرۃ:۲۴۹)

سورۃ الجمعہ کا تعارف

سورت الجمعہ ہجرتِ مدینہ کے ساتویں سال نازل ہوئی گیارہ آیات اور دو رکوع پر مشتمل ہے۔ یہ سورۃ اس بات کی اطلاع دیتی ہے کہ زمین و آسمانوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا بادشاہ، بڑا پاک اور ہر اعتبار سے غالب ہے، اس کے ہر حکم اور کام میں حکمت پائی جاتی ہے یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ اس نے ان پڑھ قوم میں ایسا رسول بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے، ان کے فکروعمل کو پاکیزہ بناتا ہے، انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ رسول ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔ آپ ﷺ ان لوگوں کے لیے بھی رسول ہیں جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے یا جو بعد میں آنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل نازل فرماتا ہے اور وہ بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے۔ یہاں فضل کا پہلا معنیٰ نبوت ہے یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہماری نسل سے باہر کوئی رسول نہیں ہوسکتا اس لیے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخرالزماں ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں اور اس کے لیے تورات سے من گھڑت دلائل پیش کرتے ہیں حالانکہ تورات میں نبی ﷺ کی تشریف آوری کی شہادت موجود ہے۔ لیکن یہودیوں نے تعصب میں آ کر اصل تورات کو فراموش کر رکھا ہے اس لیے ان کے بارے میں ارشاد ہوا کہ جن لوگوں کو تورات دی گئی ہے ان کی مثال گدھے جیسی ہے جس پر کتابیں رکھ دی گئی ہوں۔ گدھے کو کیا خبر کہ مجھ پر کتنی مفید اور مقدس چیز رکھی گئی ہے۔ یہودیوں کا یہ دعوٰی بھی جھوٹا ہے کہ وہ اللہ کے چہیتے اور مقرب ہیں جس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنت واجب کر دی ہے۔ انہیں چیلنج دیا گیا ہے کہ اگر تم واقعی ہی اللہ کے محب اور محبوب ہوتو پھر تمھیں موت کی تمنا کرنی چاہیے لیکن یہودی ایسی قوم ہے جو سب سے زیادہ موت سے ڈرنے والی ہے یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کے دور اور اس کے بعد شاید ہی کوئی موقعہ ہو کہ یہودی کسی جنگ میں ہراول دستے کے طور پر لڑے ہوں۔ یہودی ہر قسم کی ذلّت قبول کر لیتے ہیں مگر براہ راست جنگ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ لوگ کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کر سکتے حالانکہ موت ایسی حقیقت ہے کہ اس سے کوئی شخص چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ اس لیے نبی علیہ السلام سے یہ بات کہلوائی گئی کہ یہودیوں سے فرمائیں کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ ہر صورت میں تمہیں اور کسی کو آلے گی پھر تم اس ذات کے سامنے کھڑے کیے جاؤ گے جو ہر قسم کے غائب اور ظاہر کو جانتا ہے وہ تمہیں بتلائے گا کہ تم دنیا میں رہ کر کیا کرتے تھے۔ سورت کے آخر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہودیوں کو عبادت کے لیے ہفتہ کا دن دیا گیا تھا مگر انہوں نے اس کی پروا نہیں کی اے مسلمانوں تمہیں جمعہ کے دن کے بارے میں کسی قسم کی غفلت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ رزق دینے والا ''اللہ'' ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے اس کی تفصیل آیت نمبر ۹ میں بیان کر دی گئی ہے۔

سُورَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوعُهَا: ۲ اٰيَاتُهَا: ۱۱

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

يُسَبِّحُ	لِلّٰهِ	مَا	فِي السَّمٰوٰتِ	وَ	مَا	فِي الْاَرْضِ
تسبیح کرتی ہے	اللہ کے لیے	جو چیز	آسمانوں میں ہے	اور	جو چیز	زمین میں ہے
الْمَلِكِ	الْقُدُّوْسِ	الْعَزِيْزِ	الْحَكِيْمِ ①	هُوَ الَّذِيْ	بَعَثَ	
بادشاہ ہے	پاک	غالب	بڑی حکمت والا	وہی جس نے	بھیجا	
فِي الْاُمِّيّٖنَ	رَسُوْلًا	مِّنْهُمْ	يَتْلُوْا	عَلَيْهِمْ	اٰيٰتِهٖ	
ان پڑھوں میں	رسول	انہی میں سے	وہ تلاوت کرتا ہے	ان پر	اس کی آیات	

”اللہ کی تسبیح کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ بادشاہ ہے، نہایت پاک غالب اور بڑی حکمت والا۔ (۱) وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے۔

فہم القرآن

ربطِ سورت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے ردِ عمل میں بنی اسرائیل دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے۔ ایک جماعت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی اور دوسرے گروہ نے ان کا انکار کردیا۔ سورۃ الجمعہ کی ابتدا ”سَبَّحَ“ کے پُرجلال لفظ سے کی گئی ہے جس کا معنٰی اور مفہوم یہ ہے کہ کوئی اللہ کی ذات کو مانے یا نہ مانے اسے یاد کرے یا اس کا انکار کرے وہ تو وہ ہستی ہے جسے زمین و آسمانوں کی ہر چیز ان الفاظ میں یاد کرتی ہے کہ ”اللہ“ کلی اختیارات کا مالک اور ہر قسم کی حاجت اور نقص سے پاک ہے۔ ہر نقص اور حاجت سے مبرّا ہونے کے ساتھ ہر اعتبار سے پوری کائنات پر غالب ہے۔ اس کے غالب ہونے میں صرف قوت ہی نہیں بلکہ حکمت بھی پائی جاتی ہے۔

یہ اس کی قوت اور حکمت کا کرشمہ ہے کہ اس نے اَن پڑھ لوگوں میں سے ایک شخص کو رسول بنایا ہے جو ان کے سامنے اس کے فرمان پڑھتا ہے اور ان کے عقائد ،اخلاق اور کردار کو پاکیزہ بناتا ہے۔ افکار و نظریات، اخلاق اور کردار کو پاکیزہ بنانے کے ساتھ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔ یہ رسول ان لوگوں کے لیے بھی بھیجا گیا ہے جو ابھی تک مسلمانوں سے نہیں ملے۔ رسول کا پیغام آنے والے لوگوں تک پہنچانے اور انہیں مسلمانوں کے ساتھ شامل کرنے پر اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے غالب اور حکمت والا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبی علیہ السلام آئندہ نسلوں کے لیے بھی رسول ہیں جو ابھی تک مسلمانوں کے ساتھ نہیں ملے۔ مسلمانوں کے ساتھ نہ ملنے والے لوگوں میں ایک تو وہ لوگ ہیں جو اس زمانے میں ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، دوسرے وہ لوگ ہیں جو نبی علیہ السلام کے بعد پیدا ہوں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب کے لیے رسول بنایا گیا ہے گویا کہ آپ ہر دور کے لوگوں

وَ يُزَكِّيهِمْ	وَيُعَلِّمُهُمُ	الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ق	وَ اِنْ	كَانُوْا	مِنْ قَبْلُ
اور ان کا تزکیہ کرتا ہے	اور انہیں تعلیم دیتا ہے	کتاب وحکمت کی	اور بلاشبہ	وہ تھے	پہلے سے
لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲﴾	وَّاٰخَرِيْنَ	مِنْهُمْ	لَمَّا	يَلْحَقُوْا
یقیناً صریح گمراہی میں	اور دوسرے لوگوں میں بھی	انہی میں سے	کہ ابھی تک نہیں	وہ ملے
بِهِمْ ط	وَهُوَ	الْعَزِيْزُ	الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾
ان کے ساتھ	اور وہ	نہایت غالب	خوب حکمت والا ہے

ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے ، اور اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔(۲)اور ان کے لیے بھی رسول ہے جو ابھی ان سے نہیں ملے ہیں اللہ غالب بڑی حکمت والا ہے۔''(۳)

کے لیے رسول بنائے گئے ہیں۔ آپ کے بعد نہ کوئی رسول آیا ہے اور نہ ہی آئے گا کیونکہ آپ کے بعد کسی رسول کی ضرورت نہیں۔اس مقام پر یہ ارشاد ہوا کہ جن لوگوں میں نبی ﷺ مبعوث کیے گئے وہ لوگ اَن پڑھ تھے۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ آپ ﷺ ''اَلنَّبِیَّ الْاُمِّیَّ '' ہیں۔ اُمی کے مفسرین نے چار معانی بیان کیے ہیں۔

۱۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شخص سے نہ سیکھا نہ پڑھا اس لیے آپ ﷺ اُمی ہیں۔

۲۔ آپ مکہ کے شہر میں پیدا ہوئے جسے قرآن مجید نے امّ القرائ قرار دیا ہے اس نسبت سے آپ اُمی ہیں۔

۳۔ آپ بنی اسماعیل میں سے ہیں کیونکہ نبوت ہمیشہ بنی اسرائیل میں رہی ہے اس لیے اہل کتاب بنی اسماعیل کو اُمی کہتے ہیں گویا کہ امی سے مراد بنی اسماعیل میں نبی۔

۴۔ آپ قیامت کے روز سب سے بڑی امت کے نبی ہوں گے اس لیے کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ اس بنا پر آپ کو ''اَلنَّبِیَّ الْاُمِّیَّ '' کے لقب سے ملقب فرمایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان پر اس قدر احسانات فرمائے ہیں کہ وہ ان کا شمار کرنا چاہے تو جدید مشینری کے ذریعے بھی انہیں شمار نہیں کر سکتا۔ تمام احسانات و انعامات میں سب سے بڑا احسان اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رہنمائی ہے۔ہدایت کا مؤثر، مدلّل، قابل اعتماد ذریعہ اور نمونہ انبیاء کی شخصیات ہیں۔ ان شخصیات میں سب سے ممتاز شخصیت رسولِ محترم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے آپ آخری نبی ہیں آپ نے انسانیت کی اصلاح اور فلاح کے لیے سب سے بڑھ کر کوششیں اور تکلیفیں اٹھائیں۔ اس لیے مومنوں کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص احسان ہے کہ اس نے تم ہی سے یعنی انسانوں میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرمایا ہے جو تمہارے اپنے آپ سے بھی تم پر زیادہ مہربان ہے اور درگزر کرنے والا ہے۔(التوبہ:۱۲۸) اس کی شب و روز کی محنتیں، صبح و شام کی دعائیں اور ہر وقت یہ تمنا اور خواہش ہے کہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنائے، گناہوں اور جرائم سے پاک

کرے اور تمہیں کتاب و حکمت کے ذریعے دنیا و آخرت کی ترقیوں سے سرفراز کرے۔ نبی آخرالزماں ﷺ کی تشریف آوری اور آپ کی تعلیمات سے پہلے تم سراسر گمراہی اور جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے۔ آپ کی کوششوں اور محبت و اخلاص کا نتیجہ ہے کہ آج انسانیت نے اپنا مقام پایا، غلاموں کو آزادی نصیب ہوئی' عورتوں کو حقوق ملے اور انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا طریقہ اور دنیا میں رہنے سہنے کا سلیقہ آیا۔ یہ ربِ کریم کا لوگوں پر عظیم ترین احسان ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو لوگوں کو ان کی عقل پر چھوڑ دیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس نے لوگوں کی راہنمائی کے لیے حضرت محمد ﷺ جیسا عظیم اور بے مثال رسول مبعوث فرمایا۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ رسولِ معظم ﷺ کی بعثت سے پہلے انسانیت ہر قسم کی جہالت اور تاریکی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹک رہی تھی۔ خصوصاً عرب اور اہلِ مکہ کی حالت یہ تھی کہ یہاں کے دانشور اس سوچ میں غلطاں رہتے تھے کہ ہم تاریکیوں سے کس طرح نجات پائیں۔ اسی کے نتیجے میں حلف الفضول کا معاہدہ طے پایا جس میں اہل دانش نے بیٹھ کر یہ فیصلہ کیا کہ معاشرے میں پیدا ہونے والی بیماریوں کا تدارک کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ (ابن ہشام) اسی سلسلہ کی دوسری کڑی یہ تھی کہ ایک موقع پر ورقہ بن نوفل' زید بن عمرو مزید نام لکھنے اور چند دوسرے لوگ حرم میں بیٹھ کر فیصلہ کرتے ہیں کہ تمام مروجہ مذاہب کا جائزہ لے کر طے کیا جائے کہ کونسا مذہب سچا ہے؟ اس کے لیے یہ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے جس کے نتیجے میں ورقہ بن نوفل عیسائیت کے قریب ہوئے اور کچھ نے یہودیت کو مناسب سمجھا۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے والد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ماموں جنابِ زید بن عمرو نے سب سے براءت کا اعلان کیا۔ وہ بیت اللہ میں سجدہ ریز ہو کر زاروقطار روتے ہوئے دعا کرتے کہ اے کعبہ کے رب! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تیری عبادت اس طرح کرنی ہے تو میں اسی طرح کرنے کو تیار ہوں لیکن آسمانی ہدایت مفقود ہو جانے کی وجہ سے وہ دین کی روشنی سے محروم رہے اس کے متعلق ایک سوال کے جواب میں رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: (نَعَمْ إِنَّهُ يُبْعَثُ أُمَّةً وَّاحِدَةً) کیوں نہیں! وہ ایک امت کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔ (ابن ہشام)

آپ ﷺ کی آمد سے قبل کی جہالت اور تاریکی کی نشاندہی کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برادرِ مکرم حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے حبشہ کے حکمران کے سامنے اس کا یوں اعتراف کیا تھا:

((فَكَانَ الَّذِي كَلَّمَهُ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ فَقَالَ لَه أَيُّهَا الْمَلِكُ كُنَّا قَوْمًا أَهْلَ جَاهِلِيَّةٍ نَعْبُدُ الْأَصْنَامَ وَنَأْكُلُ الْمَيْتَةَ وَنَأْتِي الْفَوَاحِشَ وَنَقْطَعُ الْأَرْحَامَ وَنُسِيءُ الْجِوَارَ وَيَأْكُلُ الْقَوِيُّ مِنَّا الضَّعِيفَ فَكُنَّا عَلَى ذَلِكَ حَتَّى بَعَثَ اللَّهُ إِلَيْنَا رَسُولًا مِنَّا نَعْرِفُ نَسَبَهُ وَصِدْقَهُ وَأَمَانَتَهُ وَعَفَافَهُ فَدَعَانَا إِلَى اللَّهِ لِنُوَحِّدَهُ وَنَعْبُدَهُ وَنَخْلَعَ مَا كُنَّا نَعْبُدُ نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِنْ دُونِهِ مِنَ الْحِجَارَةِ وَالْأَوْثَانِ وَأَمَرَنَا بِصِدْقِ الْحَدِيثِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ وَصِلَةِ الرَّحِمِ وَحُسْنِ الْجِوَارِ وَالْكَفِّ عَنِ الْمَحَارِمِ وَالدِّمَاءِ وَنَهَانَا عَنْ

الْفَوَاحِشِ وَقَوْلِ الزُّورِ وَأَكْلِ مَالِ الْيَتِيمِ وَقَذْفِ الْمُحْصَنَاتِ وَأَمَرَنَا أَنْ نَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ لَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَأَمَرَنَا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالصِّيَامِ)) (سیرت ابن ھشام)

''وہ کلمے جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی کو کہے تھے وہ یہ تھے اے نجاشی ہماری قوم جاہل تھی ہم میں بتوں کی عبادت ،مردار کھانا،فحاشی کرنا،رشتے داریوں کو توڑنا ،پڑوسیوں کو تنگ کرنااور طاقت وار لوگوں کا کمزوروں پر ظلم کرنا جیسی بیماریاں پائی جاتی تھیں ہم یہ کام کر رہے تھے یہاں تک کہ اللہ نے ہم میں سے ہی ایک رسول بھیجا ہم اس کا نسب،صداقت ،امانت داری اور معاف کرنا جیسی صفات جانتے تھے اس نے ہمیں ایک اللہ کی دعوت کی عبادت کی طرف بلایا اور ہمیں بتوں اور پتھروں کی عبادت سے روکا اور اس کی عبادت سے جس کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کرتے تھے اس نے ہمیں سچ بولنے،امانت کو اس کی مالک کی طرف لوٹانے ،صلہ رحمی کرنے اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا اور ہمیں حرام کھانے،کسی کا ناحق خون بہانے،فحاشی کرنے،بری باتیں کرنے،یتیموں کا مال کھانے اور پاک دامنہ عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا اور ہمیں حکم دیا کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھرائیں اور اس نے ہمیں نماز پڑھنے ،زکوٰۃ ادا کرنے اور روزے رکھنے کا حکم دیا۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَأُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْجُمُعَةِ ﴿وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ﴾ قَالَ قُلْتُ مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَلَمْ يُرَاجِعْهُ حَتَّى سَأَلَ ثَلَاثًا وَفِينَا سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ وَضَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدَهُ عَلَى سَلْمَانَ ثُمَّ قَالَ لَوْ كَانَ الإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ ، أَوْ رَجُلٌ مِنْ هَؤُلَاءِ)) (رواه البخاري: باب قَوْلُهُ (وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سورہ جمعہ نازل ہوئی تو ہم آپ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے۔ میں نے آپ سے پوچھا کہ "وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ"سے کون لوگ مراد ہیں ؟ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے تین بار یہی سوال کیا۔اس وقت ہم لوگوں میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔آپ نے ان پر اپنا ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اگر ایمان ثریا پر بھی ہوتا تو اس کے قبیلے کے لوگ وہاں بھی پہنچ جاتے۔

آپ ﷺ اہل مکہ اور صرف اس دور کے لیے نبی نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے نبی مبعوث کیے گئے ہیں؟

((عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ فَيُرْعَبُ الْعَدُوُّ وَهُوَ مِنِّي مَسِيرَةَ شَهْرٍ وَقِيلَ لِي سَلْ تُعْطَهْ وَاخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي فَهِيَ نَائِلَةٌ مِنْكُمْ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى مَنْ لَمْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ شَيْئًا قَالَ

اَلْأَعْمَشُ فَكَانَ مُجَاهِدٌ يَرٰى أَنَّ الْأَحْمَرَ الْإِنْسُ وَالْأَسْوَدَ الْجِنُّ)) (رواہ احمد : مسند ابی ذر)

”حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی محترم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ ایسی چیزیں عنایت کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں۔ ا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے ہر کالے اور گورے کے لیے رسول بنایا ہے۔ ۲۔ میرے لیے ساری زمین پاک اور مسجد بنادی گئی ہے۔ ۳۔ میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے جبکہ مجھ سے پہلے کسی رسول کے لیے حلال نہیں تھا۔ ۴۔ میری رعب سے مدد فرمائی گئی ہے کیونکہ ایک مہینہ کی مسافت پر ہونے کے باوجود دشمن مجھ سے لرزاں رہتا ہے۔ ۵۔ مجھے (قیامت کے دن) کہا جائے گا مانگ عطا کیا جائے گا اور تیری امت کے حق میں تیری شفاعت قبول کی جائے گی اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیا ہوگا اس کو میری شفاعت پہنچے گی۔“

مسائل

۱۔ زمین و آسمانوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی حاجت اور نقص سے مبرّا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے فیصلے نافذ کرنے پر پوری طرح اختیار رکھتا ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے میں حکمت پائی جاتی ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان ﷺ کو ان پڑھ لوگوں میں مبعوث فرمایا۔ ۶۔ نبی علیہ السلام بھی ایک انسان تھے۔
۷۔ نبی علیہ السلام اللہ کی آیات کے ذریعے لوگوں کا تزکیہ کرتے، انہیں قرآن مجید کی تعلیم سے آراستہ کرتے اور انہیں دانائی کی باتیں بتلایا کرتے تھے۔ ۸۔ نبی ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔
۹۔ نبی علیہ السلام ان لوگوں کے لیے بھی رسول منتخب کیے گئے جو آپ کے بعد پیدا ہوئے اور ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

نبی علیہ السلام کی نبوت کے مرکزی مقاصد:

۱۔ نبوت کے منصبی فرائض۔ (البقرۃ: ۱۵۱) ۲۔ آپ ﷺ کو کتاب وحکمت کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا گیا۔ (الجمعۃ: ۲)
۳۔ ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں میں نبوت کے فرائض کا تذکرہ۔ (البقرۃ: ۱۲۹)
۴۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے بوجھ اتارنے اور انہیں غلامی سے نجات دلانے کیلئے تشریف لائے۔ (الاعراف: ۱۵۷)
۵۔ نبوت اللہ تعالیٰ کا مومنوں پر احسانِ عظیم ہے۔ (آل عمران: ۱۶۴)
۶۔ آپ ﷺ لوگوں کو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے (الاحزاب: ۴۵)
۷۔ آپ ﷺ کو ہدایت کا سورج بنایا گیا۔ (الاحزاب: ۴۶) ۸۔ آپ ﷺ رؤف الرحیم تھے۔ (التوبۃ: ۱۲۸)
۹۔ رسول اللہ ﷺ پوری دنیا کے رسول ہیں۔ (الاعراف: ۱۵۸) ۱۰۔ رسول اللہ ﷺ سب کے رسول ہیں۔ (سباء: ۲۸)
۱۱۔ آپ ﷺ رحمت عالم تھے۔ (الانبیاء: ۱۰۷) ۱۲۔ آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔ (الاحزاب: ۴۰)

ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ④

یہ اللہ کا فضل ہے وہ دیتا ہے یہ جسے چاہتا ہے اور اللہ عظیم فضل والا ہے

''یہ ''اللہ'' کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، ''اللہ'' بڑے فضل والا ہے۔'' (۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اَن پڑھ اور گمراہ ترین لوگوں میں ایک پاکباز اور اُمّی شخص کو اپنا رسول منتخب کرنا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر عظیم ترین فضل ہے کہ اس نے ایک اَن پڑھ اور بدعمل قوم میں ایک ایسی شخصیت کو اپنا رسول منتخب کیا جس کا نبوت سے پہلے بھی اخلاق اور کردار اس قدر شاندار تھا کہ جس کی ہر شخص تعریف کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا دوسرا فضل یہ ہے کہ اس نے انسانوں میں ایک ہمہ صفت موصوف انسان کو اپنا رسول منتخب کیا اس لیے کہ وہ لوگوں کو آسان زبان میں اس کا پیغام پہنچائے اور اس پر عمل کر کے دکھلائے تا کہ لوگوں کو اللہ کا حکم سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ کا اہلِ مکہ پر تیسرا خاص فضل یہ ہوا کہ اس نے مکہ میں ایک ایسا رسول مبعوث فرمایا جسے اور اس کے خاندان کو مکہ والے اچھی طرح جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چوتھا فضل یہ فرمایا کہ نبی ﷺ کی وجہ سے اہلِ مکہ بالخصوص قریش کی عزت اور وقار میں بے پناہ اضافہ ہوا لیکن اس کے باوجود ان کے بہت سے لوگ آپ ﷺ پر ایمان نہ لائے۔ خاص طور پر یہودیوں کے لیے یہ بات بڑی ناگوار ہوئی اور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل میں نبی کیوں مبعوث کیا ہے۔ کفار اور یہودیوں کے حسد و بُغض کی وجہ سے ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص یا گروہ کا پابند نہیں کہ وہ ان کی مرضی کے مطابق اپنا فضل نازل کرے یہ اس کا اپنا اختیار اور انتخاب ہے کہ جس پر چاہے اپنا فضل فرمائے کیونکہ وہ بڑا ہی صاحبِ فضل ہے، یہاں فضل سے پہلی مراد نبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو منتخب فرمایا اور آپ سب سے آخری نبی اور رسول ہیں، اب نبوت کی صورت میں قیامت تک اللہ تعالیٰ کسی پر اپنا فضل نہیں فرمائے گا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل فرماتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ عظیم فضل کا مالک ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کے فضل کی مختلف صورتیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ جہان والوں پر فضل کرنے والا ہے۔ (البقرۃ:۲۴۳) ۲۔ اللہ تعالیٰ مومنوں پر اپنا فضل فرماتا ہے۔ (آلِ عمران:۱۵۲)

۳۔ اللہ کا فضل نہ ہو تو آدمی شیطان کے تابع ہو جاتا ہے۔ (النساء:۸۳) ۴۔ اللہ کے فضل کے بغیر انسان خسارہ پاتا ہے۔ (البقرۃ:۶۴)

۵۔ اللہ کے فضل کے بغیر انسان تکلیف سے نہیں بچ جا سکتا۔ (النور:۱۴) (آلِ عمران:۷۳)

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ

مثال ان لوگوں کی وہ اٹھوائے گئے تورات پھر نہ انہوں نے اٹھایا اس کو مانند مثال

الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

گدھے کی جو اٹھاتا ہے بوجھ بری ہے مثال اس قوم کی جنہوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

جھٹلایا اللہ کی آیات کو اور اللہ نہیں ہدایت دیتا ظالم قوم کو

”جن لوگوں کو توراۃ کا حامل بنایا گیا۔ انہوں نے اس کو نہ اٹھایا۔ ان کی مثال اس گدھے جیسی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں اس سے بھی زیادہ بُری مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلادیا اور ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں دیا کرتا۔“(۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلی آیت میں یہودیوں کی طرف صرف اشارہ تھا اب کھل کر یہودیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اپنے پیغام کے لیے منتخب فرما کر نبی ﷺ اور لوگوں پر عظیم فضل فرمایا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ لوگ بالخصوص یہودی آپ ﷺ کی نبوت کو تسلیم کرتے اور نبوت کے کام میں آپ کے دست و بازو بنتے۔ لیکن انہوں نے حسد و بُغض کا مظاہرہ کرتے ہوئے سب سے زیادہ آپ کی مخالفت کی اور کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس تورات موجود تھی اور ہے۔ یہودیوں کے تحریف کرنے کے باوجود اس میں بے شمار ایسے دلائل ہیں کہ جن سے نبی آخرالزماں ﷺ کی نبوت کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ لیکن یہودیوں نے ان دلائل کو جان بوجھ کر اس طرح فراموش کردیا جیسے انہیں علم ہی نہیں۔ ان کی مجرمانہ غفلت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو تورات کا حامل بنایا گیا تھا انہوں نے اس کی ذمہ اری کا احساس نہ کیا۔ ان کی مثال اس گدھے کی ہے جس نے بھاری کتابیں اٹھا رکھی ہوں ،اسے کیا معلوم کہ اس پر کیا چیز رکھی ہوئی ہے۔ ان کی مثال تو اس سے بھی بُری ہے کیونکہ گدھے کے پاس نہ علم ہے اور نہ عقل۔ گویا کہ وہ معذور ہے لیکن ان کے پاس علم اور عقل ہے اور انہیں تورات کے حوالوں سے معلوم ہے کہ ایک آخری نبی آنے والا ہے جس کی یہ یہ نشانیاں ہوں گی۔ وہ نبی پہلی کتابوں اور انبیاء کی تصدیق کرے گا۔ جن لوگوں نے سب کچھ جاننے کے باوجود آپ ﷺ کی نبوت اور تورات کی بیان کردہ نشانیوں کی تکذیب کی یہ لوگ ظالم ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

تورات کا اصل نسخہ عبرانی زبان میں تھا جسے عام طور پر ہیکل میں رکھا جاتا تھا۔ ہیکل کی تباہی کے بعد اس کے اصل نسخے کا آج تک پتہ نہیں لگ سکا ہے۔ یہودیوں کو توراۃ کا حامل بنایا گیا مگر انہوں نے اس کا بوجھ نہ اٹھایا۔

یہ گدھے سے بدتر لوگ ہیں۔

آج کل کی تورات کسی ایک کتاب کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں مجموعی طور پر ۳۹ کتابیں شامل ہیں جنہیں تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے پہلے حصے میں پانچ کتابیں (یعنی اصل تورات) دوسرے حصے میں انبیاء کے صحیفے اور تیسرے حصے میں مختلف کتابیں اور اشعار شامل ہیں۔

تورات کی معروف کتابیں پانچ ہیں:

①۔پیدائش(GENESIS)②۔خروج (EXODUS)③۔احبار(LEVITICUS)

④ گنتی(NUMBERS)⑤۔استثناء(DEUTERONOMY)

(مآخوذ از یہودی مذہب مہد سے لحد تک :مصنف رضی الدین سید)

مسائل

۱۔ جولوگ کتاب اللہ کا علم رکھنے کے باوجود اس پر عمل نہیں کرتے وہ گدھوں کی مانند ہیں۔

۲۔ جولوگ اللہ کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں وہ گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرنے والے ظالم ہیں۔اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا:

۱۔ جسے آپ ﷺ چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے۔ہدایت اسی کو ملتی ہے جسے اللہ ہدایت دیتا ہے۔(القصص:۵۶)

۲۔ جسے اللہ ہدایت دے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دے اس کا کوئی دوست اور راہ بتانے والا نہیں پاؤ گے۔(الکہف:۱۷)

۳۔ جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پر ہے۔جس کو وہ گمراہ کردے وہ نقصان اٹھائیں گے۔(الاعراف:۱۷۸)

۴۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔(ابراہیم:۴)

۵۔ اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔(البقرۃ:۲۵۸)٦۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔(البقرۃ:۲٦۴)

۷۔ اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔(المائدۃ:۱۰۸)۸۔اللہ تعالیٰ جھوٹے لوگوں کو ہدایت نصیب نہیں فرماتا۔(الزمر:۳)

۹۔ آخرت پر دنیا کو ترجیح دینے والوں کو ہدایت نہیں ملتی۔ (النحل:۱۰۷)

۱۰۔ گمراہی کا راستہ اختیار کرنے والوں کو ہدایت نہیں ملتی۔(النحل:۳۷)

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ

فرما دیجیے اے لوگو جو یہودی ہوئے ہو اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ بلاشبہ تم اللہ کے دوست ہو

مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۶ وَ

سوائے لوگوں کے تو تم تمنا کرو موت کی اگر تم ہو سچے اور

لَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ

نہیں وہ تمنا کریں گے اس کی کبھی بھی بوجہ اس کے جو آگے بھیجا ان کے ہاتھوں نے اور اللہ

عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۷ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ

خوب جانتا ہے ظالموں کو فرما دیجیے بلاشبہ موت وہ جو تم بھاگتے ہو اس سے

فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

یقیناً وہ ملنے والی ہے تمہیں پھر تم لوٹائے جاؤ گے جاننے والے کی طرف غیب کو اور حاضر کو

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸

پھر وہ خبر دے گا تمہیں اس کی جو تم تھے عمل کرتے

”فرمائیں کہ اے یہودیوں اگر باقی لوگوں کے سوا تم اللہ کے چہیتے ہو تو پھر موت کی تمنا کرو اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو۔(۶) لیکن یہ اپنے کیے کی وجہ سے اس کی تمنا ہرگز نہیں کریں گے اور اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ (۷) ان سے فرمادیں کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تمہیں آ کر رہے گی پھر تم ”اللہ“ کے سامنے پیش کیے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے اور وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔“(۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جن لوگوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی اور ظالم ہوئے ان میں سرِ فہرست یہودی ہیں۔ اس لیے انہیں ایک بار پھر براہِ راست مخاطب کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو یہودی کہہ کر مخاطب نہیں کیا بلکہ انہیں ”ھَادُوْ“ کے الفاظ سے مخاطب کیا ہے جس کا معنٰی ہے کہ اے لوگو! جو یہودی بن چکے ہو اگر تمہیں اس بات کا خیال ہے کہ تم اللہ کے چہیتے ہو تو پھر موت کی تمنا کرو بشرطیکہ تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ لیکن یہ لوگ موت کی تمنا ہرگز نہیں کریں گے کیونکہ یہ اپنی کرتوتوں کی وجہ سے اپنے مستقبل کے بارے میں خوفزدہ ہیں، یہ اپنے مظالم کو بھول سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ظالموں کے ایک ایک ظلم کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اے رسول ﷺ ان سے فرمائیں کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تمہیں آکر رہے گی پھر تم اس ذات کے

سامنے پیش کیے جاؤ گے جو پوشیدہ اورظاہر کو جاننے والا ہے۔وہ تمہیں بتائے گا کہ تم دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ہو۔ یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ ہم اللہ کے بیٹے اوراس کے چہیتے ہیں۔(المائدۃ:۱۸)اسی بنا پر یہودی یہ کہتے ہیں کہ ہم چند دن کے لیے جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔ (البقرۃ:۸۰) یہاں تک موت کی تمنا کرنے کا مسئلہ ہے نہ کوئی موت کی تمنا کرتا ہے اورنہ کسی کوکرنی چاہیے لیکن یہودیوں کو یہ بات اس لیے کہی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے چہیتے اور جنّت کے مالک سمجھتے ہیں۔جس شخص کو یہ یقین ہے کہ وہ اپنے رب کا چہیتا اور جنّت اس کی اپنی ہے تو اسے موت سے گھبرانے کی بجائے اپنے مشن کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دینی چاہیے۔لیکن یہودی دنیا کی خاطر نہ صرف اپنے دین کوفروخت کرتے ہیں بلکہ اپنی عزت کا سوداکرنے سے بھی بازنہیں آتے، دنیا کی حرص کی وجہ سے ان کا اللہ اور آخرت پر حقیقی ایمان نہیں جس وجہ سے وہ سب سے زیادہ موت سے ڈرتے ہیں حالانکہ موت سے بھاگنے والا اس سے بچ نہیں سکتا اورنہ ہی وہ اپنے اعمال کو اللہ تعالیٰ سے چھپا سکتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہرقسم کے غائب اورظاہر کوجانتا ہے، وہ قیامت کے دن لوگوں کو بتلائے گا کہ جو وہ دنیا میں عمل کرتے رہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (آل عمران: ١٦٨)

”یہ وہ لوگ ہیں جوخود بھی بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کئے جاتے۔فرما دیجئے اگرتم سچے ہوتو اپنے آپ سے موت ہٹا کر دکھاؤ۔“

﴿اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ .....﴾ (النساء: ٧٨)

”تم جہاں کہیں بھی ہوموت تمہیں پالے گی۔ چاہے تم مضبوط قلعوں میں بند ہو جاؤ۔“

((عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا قَالَتْ لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِينَةَ وُعِكَ أَبُو بَكْرٍ وَ بِلَالٌ ؓ قَالَتْ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِمَا فَقُلْتُ يَا أَبَتِ كَيْفَ تَجِدُكَ وَيَا بِلَالُ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَتْ فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ إِذَا أَخَذَتْهُ الْحُمَّى يَقُولُ كُلُّ امْرِءٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ وَالْمَوْتُ أَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ)) (رواه البخاری: باب مَا جَاءَ فِي وَبَاءِ الْمَدِينَةِ)

”ام المؤمنین حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ مدینہ آئے تو حضرت ابوبکر اور بلال ؓ کو شدید بخار ہوگیا حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں ان کے ہاں گئی اوران کی تیمارداری کی۔ ابوبکر ؓ نے فرمایا کہ ہرانسان اپنے گھر میں صبح کرتا ہے اورموت جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔“

((عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ قَالَتْ عَائِشَةُ أَوْ بَعْضُ أَزْوَاجِهِ إِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ قَالَ لَيْسَ ذَاكِ وَلٰكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللّٰهِ وَكَرَامَتِهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ

أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ فَأَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ وَأَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا حُضِرَ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللّٰهِ وَعُقُوبَتِهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَهَ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ وَكَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ))

(رواه البخاري: كتاب الرقاق، باب، من أحب لقاء اللّٰه أحب اللّٰه لقاءه)

”حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے کسی ایک نے کہا کہ ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بات یہ نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو اس کو اللہ کی رضامندی اور انعام و اکرام کی بشارت دی جاتی ہے۔ اس بشارت کی وجہ سے موت اسے تمام چیزوں سے زیادہ عزیز ہوتی ہے اس وجہ سے وہ اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ کے عذاب کی وعید سنائی جاتی ہے۔ یہ وعید اسے اپنے گردو پیش کی تمام چیزوں سے ناپسند ہوتی ہے اسی وجہ سے وہ اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔“

مسائل

۱۔ یہودیوں کا دعویٰ جھوٹا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے چہیتے ہیں۔ اپنے دعوے میں جھوٹے ہونے کی وجہ سے یہودی تمام لوگوں کی نسبت موت سے زیادہ ڈرتے ہیں۔

۲۔ کوئی موت سے بھاگے یا نہ بھاگے موت ہرصورت اُسے آلے گی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہرقسم کے غائب اور ظاہر کو جانتا ہے وہ قیامت کے دن لوگوں کو بتلائے گا جو وہ دنیا میں عمل کیا کرتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

موت ایک حقیقت ہے جس سے کوئی بچ نہیں سکتا:

۱۔ ہر شے فنا ہو جائے گی۔ (الرحمٰن: ۲۶، القصص: ۸۸) ۲۔ قلعہ بند ہونے کے باوجود موت نہیں چھوڑتی۔ (النساء: ۷۸)

۳۔ موت کی جگہ اور وقت مقرر ہے۔ (الاعراف: ۳۴) ۴۔ پہلے انبیاء فوت ہوئے۔ (آل عمران: ۱۴۴)

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی موت سے ہمکنار ہوں گے (اور ہوئے)۔ (الزمر: ۳۰)

۶۔ موت کا وقت مقرر ہے۔ (آلِ عمران: ۱۴۵) ۷۔ موت کی جگہ متعین ہے۔ (آلِ عمران: ۱۵۴)

۸۔ موت کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ (آلِ عمران: ۱۶۸) ۹۔ سب کو موت آنی ہے۔ (الانبیاء: ۳۵)

۱۰۔ ”اللہ“ نے کسی بشر کو ہمیشہ رہنے کے لیے پیدا نہیں کیا۔ (الانبیاء: ۳۴)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْۤا	اِذَا	نُوْدِيَ	لِلصَّلٰوةِ	مِنْ يَّوْمِ
اے وہ لوگو جو	ایمان لائے ہو	جب	اذان دی جائے	نماز کے لیے	دن
الْجُمُعَةِ	فَاسْعَوْا	اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ	وَذَرُوا	الْبَيْعَ	ذٰلِكُمْ خَيْرٌ
جمعہ کے	تو تم دوڑو	ذکر الٰہی کی طرف	اور چھوڑو	خرید و فروخت کرنا	یہ بہت بہتر ہے
لَّكُمْ	اِنْ	كُنْتُمْ	تَعْلَمُوْنَ ۝٩		
تمہارے لیے	اگر	تم ہو	جانتے		

''اے ایمان والو! جب تمہیں جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، اگر تم جانتے ہو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔'' (۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: موت کی سختیوں اور آخرت کے عذاب سے بچنے کے لیے ایمانداروں کو پانچگانہ نماز اور جمعہ کا خیال رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔

اے ایمان والو! جب تمہیں جمعہ کے دن نماز کے لیے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑتے ہوئے آؤ اور خرید و فروخت بند کر دو۔ اگر تم اس کی حقیقت سمجھتے ہو، تو ایسا کرنا تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین ارشاد فرمائے ہیں۔

ا۔ نماز کے لیے اذان دینا:

یہ فرمان بظاہر جمعہ کی نماز کے لیے ہے لیکن اس میں یہ تخصیص موجود نہیں کہ اذان صرف جمعہ کی نماز کے لیے ہی ہونی چاہیے کیونکہ نبی علیہ السلام نے ہر نماز کے لیے اذان اور اقامت کہنے کا حکم دیا ہے۔ جہاں تک اذان کے الفاظ کا تعلق ہے اس کا ثبوت صرف احادیث سے ملتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیثِ رسول کے بغیر قرآن مجید کو کما حقہ سمجھنا مشکل ہے۔ اس لیے جو لوگ حدیث کا انکار کرتے ہیں وہ بھی نماز کے لیے اذان دینے پر مجبور ہیں۔

۲۔ اس آیت میں نمازِ جمعہ کا حکم دیا گیا ہے جس کے لیے ہر قسم کا کاروبار چھوڑ کر حاضر ہونا فرض ہے۔ نمازِ جمعہ کی رکعات کے بارے میں بھی احادیث ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی رکعات کتنی ہونی چاہیے اور خطبہ جمعہ کا وقت اور انداز کیا ہونا چاہیے۔

۳۔ یہاں نمازِ جمعہ کو اللہ کے ذکر کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ العنکبوت آیت ۴۵ میں نماز کے فائدے ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یقیناً نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے اور یہ اللہ کا بہت بڑا ذکر ہے۔

ذکر کی جامع تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کے ساتھ اس کی ذات اور صفات پر کامل یقین رکھتے ہوئے اسے دل، زبان اور عمل کے ساتھ یاد رکھا جائے۔ تمام عبادات ذکر ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔

لیکن ان کی ادائیگی کے بعد بھی حکم دیا گیا ہے کہ اپنے رب کو کثرت کے ساتھ یاد رکھا کرو۔

((عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَتَطَهَّرَ بِمَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ ثُمَّ ادَّهَنَ أَوْ مَسَّ مِنْ طِيْبٍ ثُمَّ رَاحَ فَلَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَ اثْنَيْنِ فَصَلّٰى مَاكُتِبَ لَهٗ ثُمَّ إِذَاخَرَجَ الْإِمَامُ أَنْصَتَ غُفِرَ لَهٗ مَابَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى)) (رواه البخاری : كتاب الجمعة، باب لايفرق بين اثنين يوم الجمعة)

’’حضرت سلمان فارسی ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور حسبِ توفیق صفائی کی پھر اس نے تیل یا خوشبو لگائی پھر وہ مسجد آیا اس نے دو آدمیوں کے درمیان جدائی نہ ڈالی اور جو اس کے مقدر میں نماز ہے اسے ادا کیا پھر امام کے خطبہ کے دوران خاموش رہا۔ اس کے ایک جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک کے گناہ معاف کردیے جائیں گے۔‘‘

((عَنْ أَبِي الْجَعْدِ الضَّمْرِيِّ وَكَانَتْ لَهٗ صُحْبَةٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ)) (رواه النسائی : باب التشديد في التخلف عن الجمعة)

’’حضرت ابوالجعد الضمری کو نبی کریم ﷺ کی رفاقت حاصل رہی وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو آدمی تین جمعے سستی کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے اللہ رب العزت اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔‘‘

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ أَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ نَحْنُ الْآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا ثُمَّ هٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِي فُرِضَ عَلَيْهِمْ فَاخْتَلَفُوْا فِيْهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ فَالنَّاسُ لَنَا فِيْهِ تَبَعٌ الْيَهُوْدُ غَدًا وَالنَّصَارٰى بَعْدَ غَدٍ)) (رواه البخاری : باب فرض الجمعة)

’’حضرت ابوہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہم آخر میں آنے کے باوجود قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے بے شک یہود و نصاریٰ ہم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں ان پر ہفتہ اور اتوار کے دن کی عبادت فرض کی گئی انہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت سے نوازا یہودی اور عیسائی ایام کے معاملہ میں ہمارے تابع ہیں یعنی شمار کرنے میں جمعہ کا دن پہلے ہفتہ اور اتوار کے دن بعد میں آتے ہیں۔ یہود ہفتہ اور عیسائی اتوار کے دن عبادت کرتے ہیں اور ہمارے لیے جمعہ افضل قرار دیا گیا ہے۔‘‘

((عَنْ عَائِشَةَ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّمَا جُعِلَ رَمْيُ الْجِمَارِ وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِإِقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ)) (رواه الترمذی : باب مَا جَاءَ كَيْفَ تُرْمَى الْجِمَارُ)

’’حضرت عائشہ ﷺ نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں آپ نے فرمایا رمی جمار اور صفا مروہ کی سعی کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے مقرر کیا گیا۔‘‘

((عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ)) (رواه مسلم: باب فَضْلِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ)

''حضرت ابو ہریرۃ ؓ آپ ﷺ کا فرمان بیان کرتے ہیں کہ ایام میں سب سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے اس دن آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اسی دن ان کو جنت میں داخلہ ملا اور جمعہ کو ہی ان کا جنت سے اخراج ہوا، اور اسی دن قیامت برپا ہو گی۔''

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الصَّلَوَاةُ الْخَمْسُ وَالْجُمْعَةُ إِلَى الْجُمْعَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ مَالَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ)) (رواه مسلم: باب الصلواة الخمس والجمعة إلى الجمعة)

''حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کیا جائے تو پانچ نمازیں اور پہلا جمعہ دوسرے جمعہ تک گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔''

((عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ، فَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ، غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ، وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، وَمَنْ مَسَّ الْحَصَى فَقَدْ لَغَا)) (صحيح مسلم ،بَابُ فَضْلِ مَنِ اسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ فِى الْخُطْبَةِ)

حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس آدمی نے اچھے طریقہ سے وضو کیا پھر جمعہ پڑھنے آیا غور سے جمعہ سنا اور خاموش رہا اس کے اس جمعہ اور گزرے ہوئے جمعہ کے درمیان جو بھی گناہ ہوتے ہیں وہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور تین دن زیادہ کے بھی،آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ جس شخص نے کنکری کو چھوا اس نے فضول کام کیا۔

مسائل

۱۔ جمعہ اور باقی نمازوں کے لیے اذان دینا لازم ہے۔

۲۔ جمعہ کی اذان ہو تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جمعہ کے لیے حاضر ہونا چاہیے۔ ۳۔نماز اور جمعہ اللہ کا ذکر ہے۔

تفسیر بالقرآن

نماز کی فرضیت اور فضیلت :

۱۔ رسول اللہ ﷺ کو نماز کا حکم۔ (العنکبوت :۴۵) ۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نماز۔ (ابراہیم :۳۷)

۳۔ حضرت موسیٰ ﷺ کو نماز کا حکم۔ (یونس :۸۷) ۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نماز کا حکم۔ (مریم :۳۱)

۵۔ بنی اسرائیل کو نماز کا حکم۔ (البقرۃ:۸۳) ۶۔ تمام امتوں کو اقامتِ صلوٰۃ کا حکم۔ (البینۃ: ۵) (الحج:۴۱)

فَاِذَا	قُضِيَتِ	الصَّلٰوةُ	فَانْتَشِرُوْا	فِي الْاَرْضِ	وَابْتَغُوْا
پھر جب	ادا کر لی جائے	نماز	تو تم پھیل جاؤ	زمین میں	اور تلاش کرو
مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ	وَاذْكُرُوا اللّٰهَ	كَثِيْرًا	لَّعَلَّكُمْ	تُفْلِحُوْنَ ۝١٠	وَاِذَا
اللہ کا فضل	اور یاد کرو اللہ کو	کثرت سے	شاید کہ تم	فلاح پاؤ	اور جب
رَاَوْا	تِجَارَةً	اَوْ لَهْوَا	انْفَضُّوْٓا	اِلَيْهَا	وَتَرَكُوْكَ
انہوں نے دیکھا	تجارت	یا تماشہ	تو وہ دوڑ پڑے	اس کی طرف	اور انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا
قَآئِمًا ؕ	قُلْ	مَا	عِنْدَ اللّٰهِ	خَيْرٌ	مِّنَ اللَّهْوِ وَ
کھڑے ہی	فرما دیجیے	جو کچھ	اللہ کے پاس ہے	بہت بہتر ہے	تماشے سے اور
مِنَ التِّجَارَةِ ؕ	وَاللّٰهُ	خَيْرُ	الرّٰزِقِيْنَ ۝١١ ع		
تجارت سے	اور اللہ	سب سے بہتر	رزق دینے والا ہے		

’’جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو، شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔(١٠) اور جب انہوں نے تجارت اور کھیل تماشا ہوتے دیکھا تو اس کی طرف دوڑ پڑے اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا، انہیں بتلائیں کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔‘‘(١١)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلی آیت میں نماز جمعہ کے لیے کاروبار چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اب جمعہ کے بعد کاروبار کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

حکم ہوا کہ جب تم نماز مکمل کرلو تو اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔ جب انہوں نے تجارت اور کھیل تماشا دیکھا تو اس کی طرف دوڑ پڑے اور آپ ﷺ کو کھڑا چھوڑ دیا۔ ان سے فرمائیں کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے کھیل، تماشے اور تجارت سے بہت بہتر ہے۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ بہتر رزق دینے والا ہے۔ اس آیت میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اس طرح ہے کہ مدینہ کی منڈی میں دحیہ کلبی کا تجارتی قافلہ عین اس وقت پہنچا جب آپ ﷺ مسجد نبوی میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اس زمانے میں کوئی قافلہ مال لے کر منڈی میں آتا تو اطلاع کے لیے ڈھول یا دَف بجایا جاتا تھا۔ مدینہ میں اناج کی کمی پیدا ہوچکی تھی اس صورتِ حال میں تجارتی قافلے کے آنے پر جب ڈھول بجایا گیا تو جمعہ میں حاضر ہونے والے چند صحابہ کے سوا باقی سب ایک ایک کر کے مسجد سے نکلے اور منڈی میں پہنچ گئے۔ اللہ

تعالیٰ نے اس حرکت پر گرفت کرتے ہوئے یہ فرمان نازل فرمایا کہ جب انہوں نے تجارت اور کھیل تماشا ہوتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ کو چھوڑ کر اس کی طرف چلے گئے۔ انہیں فرمائیں کہ ان کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں تھا کیونکہ رزق اللہ کے اختیار میں ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ لہٰذا جمعہ اور نماز کا وقت ہو تو لوگوں کو ہر قسم کی خرید و فروخت چھوڑ کر جمعہ اور نماز کی طرف آنا چاہیے۔ جمعہ اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد ''اللہ'' کا فضل تلاش کرنے کے لیے زمین پر پھیل جاؤ اور اس بات پر ایمان رکھو کہ رزق دینے والا صرف ''اللہ'' ہے جو بہترین رزق دینے والا ہے، یاد رکھو کہ اس نے رزق کا ایسا بندوبست کیا ہے کہ رزق کھانے والا جہاں بھی ہو اس کا رزق وہاں پہنچا دیتا ہے، کوئی اس کے نظام میں دخل اندازی نہیں کرسکتا۔

﴿وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ (ھود: ٦)

''زمین میں چلنے والا کوئی جاندار نہیں مگر اس کا رزق اللہ ہی کے ذمہ ہے اور وہ اس کی قرار گاہ اور اس کے دفن کیے جانے کی جگہ کو جانتا ہے سب کچھ ایک کھلی کتاب میں درج ہے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ (الذّاریات: ٥٨)

''یقیناً اللہ ہی رزق دینے والا، بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔''

مسائل

١۔ جمعہ اور نماز مکمل ہونے کے بعد مسلمانوں کو اللہ کا فضل تلاش کرنا چاہیے۔

٢۔ مسلمانوں کو کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔

٣۔ اللہ کا ذکر کرنے والے ہی کامیاب ہوں گے۔ ٤۔ اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

رزق صرف ''اللہ'' کے اختیار میں ہے:

١۔ اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے۔(الذاریات: ٥٨) ٢۔ اللہ ہی رزق فراخ کرتا اور کم کرتا ہے۔(سبا: ٣٩)

٣۔ اللہ تعالیٰ لوگوں سے رزق نہیں مانگتا بلکہ وہ لوگوں کو رزق دیتا ہے۔(طٰہٰ: ١٣٢)

٤۔ اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔(البقرۃ: ٢١٢)

٥۔ اللہ تعالیٰ مہاجروں کو ضرور بہتر رزق دے گا۔(الحج: ٥٨)

٦۔ اللہ تعالیٰ چوپاؤں اور تمام انسانوں کو رزق دیتا ہے۔(العنکبوت: ٦٠)

٧۔ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو کیونکہ اللہ تمہیں اور انھیں رزق دینے والا ہے۔(الانعام: ١٥١)

سورۃ المنافقون کا تعارف

المنافقون کا لفظ اس کی پہلی آیت میں موجود ہے اس کی گیارہ آیات اور دو رکوع ہیں۔ یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ مدینہ میں اوس اور خزرج کے نام پر انصار کے دو بڑے قبیلے تھے باقی لوگ انہیں قبیلوں کی شاخیں اور حلیف تھے۔ اوس اور خزرج کے درمیان طویل مدت تک قتل و غارت کا بازار گرم تھا جس میں سیکڑوں جانیں تلف ہو چکی تھیں۔ جب ان کی لڑائی سے لوگ تنگ آ گئے اور اوس اور خزرج بھی تھک گئے تو بالآخر ان میں صلح ہو گئی۔ اس کے بعد دونوں قبیلوں کے سربرآوردہ لوگوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ خزرج قبیلے کے عبداللہ بن ابی کو مدینے کا سربراہ بنا لیا جائے اس کے لیے اس کی تاج پوشی کی تیاریاں شروع ہو کر دی گئیں، اسی مدت کے دوران حج کے موقع پر نبوت کے گیارویں سال مدینہ طیبہ کے لوگ حج کے لیے مکہ آئے انہوں نے نبی علیہ السلام کی دعوت کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور دعوت کے متعلق اطمینان پانے پر وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے نبی علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں ایک ایسا مبلغ بھیجیں جو مدینہ طیبہ میں دین اور توحید کی دعوت دے ہم اس کے ساتھ بھرپور تعاون کریں گے۔ نبی علیہ السلام نے معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ بھیجا دعوت کی کشش اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی محنت سے اگلے سال حج کے موقع پر ۷۵ مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے جس سے مدینہ طیبہ کے حالات یکسر تبدیل ہو گئے اور جو لوگ عبداللہ بن ابی کو اپنا سربراہ منتخب کرنے والے تھے انہوں نے نبی علیہ السلام کو مدینہ آنے کی دعوت دی۔ نبوت کے تیرہویں سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ مدینہ کا پہلا نام یثرب تھا آپ کی تشریف آوری اور اسلام کی بڑھتی اشاعت کی وجہ سے لوگوں نے یثرب کا نام مدینہ الرّسول رکھ دیا۔ نبی علیہ السلام کی آمد سے عبداللہ بن ابی کی سربراہی ختم ہو گئی اس نے حالات کا جائزہ لیا تو مجبور ہو کر بظاہر مسلمان ہوا لیکن زندگی بھر حسد و بغض کا شکار ہو گیا۔ اس نے کوئی ایسا موقع نہیں چھوڑا کہ جب اعلانیہ یا خفیہ طور پر نبی علیہ السلام کی مخالفت نہ کی ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگانے میں یہ شخص پیش پیش تھا، اس نے منافقوں کو منظّم کرنے کے لیے مدینہ میں مسجد ضرار کی بنیاد رکھی جسے نبی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسمار کر دیا۔ تبوک کے محاذ سے واپسی پر اس کے ساتھیوں نے رات کے اندھیرے میں نبی علیہ السلام پر حملہ کرنے کی کوشش کی جس سے آپ محفوظ رہے۔ اسی سفر میں واپسی پر ایک صحابی اور منافق کے درمیان کسی معاملے پر تکرار ہوئی جسے دوسرے ساتھیوں نے موقعہ پر رفع دفع کر دیا۔ لیکن عبداللہ بن ابی نے اسے اچھالتے ہوئے کہا کہ فکر نہ کرو ہم مدینہ جا کر ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے جس کی تفصیل اس سورت کی آٹھویں آیت میں ذکر کی گئی ہے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو جب بھی احساس دلایا جاتا کہ تمہیں ان حرکتوں سے باز آنا چاہیے اور اپنے کیے پر معذرت کرنی چاہیے تو وہ جھوٹی قسمیں اُٹھا کر اپنی صفائی پیش کرتا اور ایک موقعہ پر اس نے یہاں تک ہرزہ سرائی کی کہ مجھے سب کچھ منظور ہے لیکن میں نبی سے معذرت نہیں کروں گا۔

سُورَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ٢ اٰيَاتُهَا: ١١

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

اِذَا جَآءَكَ	الْمُنٰفِقُوْنَ	قَالُوْا	نَشْهَدُ	اِنَّكَ	لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ
جب آتے ہیں آپ کے پاس	منافق (جمع)	وہ کہتے ہیں	ہم گواہی دیتے ہیں	بلاشبہ آپ	ضرور اللہ کے رسول ہیں
وَاللّٰهُ	يَعْلَمُ	اِنَّكَ	لَرَسُوْلُهٗ ۭ	وَاللّٰهُ	يَشْهَدُ
اور اللہ	جانتا ہے	کہ بے شک آپ	یقیناً اس کے رسول ہیں	اور اللہ	گواہی دیتا ہے
اِنَّ	الْمُنٰفِقِيْنَ	لَكٰذِبُوْنَ ۚ ①			
بلاشبہ	منافق (جمع)	ضرور جھوٹے ہیں			

”اے نبی جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ بلاشبہ منافق جھوٹے ہیں۔“ (۱)

فہم القرآن

ربطِ سورت: اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے میں دنیا کے معاملات اور فائدے کو مقدم سمجھنا عملی طور پر منافقت کرنے کے برابر ہے۔ اس لیے سورہ جمعہ کے بعد سورہ منافقون رکھی گئی ہے تاکہ مسلمانوں کو ہر قسم کی منافقت سے بچنے کی تعلیم دی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک منافق اس قدر بُرا ہے کہ اس کے کلمہ پڑھنے پر بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

فہم القرآن کے دو مقامات پر یہ بات بیان ہوچکی ہے کہ منافق کا لفظ نفق سے نکلا ہے۔ نَفق چوہے یا لومڑ کی ایسی بل کو کہتے ہیں جس کے دو راستے ہوں۔ منافق اپنے گفتار اور کردار کے لحاظ سے دوغلا ہوتا ہے جس وجہ سے اسے منافق کہا جاتا ہے منافق اپنی زبان سے وہ دعویٰ کرتا ہے جس پر اس کا اعتقاد اور ایمان نہیں ہوتا۔ اسی لیے قرآن مجید نے منافق کے ایمان اور اس کی گواہی کی تردید کی ہے۔ نبی علیہ السلام کے دور میں منافقوں کی یہ حالت تھی کہ جب مسلمانوں کے پاس آتے تو اپنے ایمان کا اظہار کرتے اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے تو ان کے ساتھی بن جاتے تھے۔

﴿وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ﴾ (البقرۃ: ١٤)

”جب منافق ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان دار ہیں اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بلا شک ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو مسلمانوں کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔“

منافقین کے جھوٹا ہونے کی وجہ سے ان کے ایمان کی تردید کی جارہی ہے کہ اے رسول ﷺ! جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ

اللہ جانتا ہے کہ ہاں آپ اس کے رسول ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ منافق اپنی بات میں جھوٹے ہیں۔ منافقین کے جھوٹے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ سمع و اطاعت میں آپ ﷺ کو رسول نہیں مانتے۔ البتہ محض دنیا کے فائدے کی خاطر آپ کی نبوت کی شہادت دیتے ہیں۔ یادرہے! کہ ایمان میں تین باتوں کا ہونا ضروری ہے ان میں کوئی ایک بات نہ ہوتو انسان منافق ہوگا یا پھر کافر۔ کافر اور منافق میں فرق یہ ہے کہ کافر کھلے بندوں اپنے کفر کا اظہار کرتا ہے اور منافق اپنے کفر کو چھپاتا ہے۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تَعِيرُ إِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً وَ إِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً)) (رواه مسلم: كتاب صفات المنافقين وأحكامهم)

”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان پھرتی ہے کبھی ایک ریوڑ کی طرف جاتی ہے کبھی دوسرے کی طرف۔“

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ)) (رواه البخاری: باب علامة المنافق)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے،وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو خیانت کرتا ہے۔“

مسائل

۱۔ منافق اپنی زبان سے نبی علیہ السلام کی رسالت کی شہادت دیتے تھے لیکن دل میں آپ کی رسالت کے منکر تھے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف آپ ﷺ کو نبی اور رسول بنایا بلکہ آپ کی رسالت کی شہادت بھی دی ہے۔
۳۔ منافق اپنے ایمان کے دعوے میں جھوٹا ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

منافق کی عادات کا مختصر بیان:

۱۔ منافق دعویٰ ایمان کے باوجود ایماندار نہیں ہوتا۔(البقرۃ:۸) ۲۔منافق نماز بھی دھوکہ دینے کے لیے پڑھتے ہیں۔(النساء:۱۴۲)
۳۔ اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ایمان کے دعویٰ میں جھوٹے ہیں۔(المنافقون:۱)
۴۔ منافقین نے ایمان کا اظہار کرنے کے باوجود کفر اختیار کیے رکھتے ہیں۔(المنافقون:۳)
۵۔ منافق اپنے ایمان کے بارے میں جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہیں۔(التوبہ:۵۶)
۶۔ منافق اللہ اور مومنوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔(البقرۃ:۹)(المنافقون:۱)

اِنَّھُمْ	عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	فَصَدُّوْا	جُنَّةً	اَيْمَانَهُمْ	اِتَّخَذُوْٓا
بلاشبہ وہ	اللہ کی راہ سے	پھر انہوں نے روکا	ڈھال	اپنی قسموں کو	انہوں نے بنایا

اٰمَنُوْا	بِاَنَّھُمْ	ذٰلِكَ	يَعْمَلُوْنَ ۝۲	كَانُوْا	مَا	سَآءَ
ایمان لائے	بلاشبہ وہ	یہ اس لیے کہ	عمل کرتے	وہ تھے	جو	برا ہے

لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۳	فَهُمْ	عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	فَطُبِعَ	كَفَرُوْا	ثُمَّ
نہیں سمجھتے	اب وہ	ان کے دلوں پر	تو مہر لگا دی گئی	انہوں نے کفر کیا	پھر

”انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے یہ لوگ اللہ کے راستے لوگوں کو روکتے ہیں۔ یہ لوگ کیسی بُری حرکتیں کرتے ہیں۔ (۲) یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ ان لوگوں نے ایمان لا کر کفر کیا اس لیے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے اب یہ کچھ نہیں سمجھتے۔“ (۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافق صرف جھوٹ نہیں بولتا بلکہ جھوٹی قسمیں بھی اٹھاتا ہے۔

منافق دنیا کے فائدے کی خاطر منافقت اختیار کرتا ہے۔ جب اسے کسی نقصان یا اپنی بے عزتی کا خطرہ محسوس ہوتو اس سے بچنے کے لیے جھوٹی قسم اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ اس طرح وہ اللہ کے نام کو ڈھال کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ منافق نہ صرف خود صراطِ مستقیم سے ہٹ جاتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی سیدھے راستے سے روکتا ہے۔ منافق کا جھوٹی قسمیں کھانا اور لوگوں کو ”اللہ“ کی راہ سے روکنا بدترین عمل ہے کیونکہ منافق دنیا کے فائدے کی خاطر ایسا کرتا ہے اس لیے اسے فائدہ نظر آئے تو وہ اپنے ایمان کا اظہار کرتا اور بظاہر مسلمانوں جیسا کردار اختیار کرتا ہے، جب اسے اللہ کی راہ میں نقصان اٹھانا پڑے تو کفار جیسا کردار پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بُرے کردار کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہریں ثبت کردی ہیں جس وجہ سے وہ حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے۔

﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۱۸)

”بہرے، گونگے، اندھے ہیں پس وہ نہیں پلٹتے۔“

مسائل

۱۔ منافق اپنی قسموں کو ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

۲۔ منافق خود اللہ کے راستے سے ہٹے ہوتے ہیں اور لوگوں کو بھی اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔

۳۔ منافق کے برے کردار اور اخلاق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

۴۔ منافق دنیا کے فائدے کی خاطر ایمان اور اسلام کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

وَ	اِذَا	رَاَيۡتَهُمۡ	تُعۡجِبُكَ	اَجۡسَامُهُمۡ ؕ	وَ	اِنۡ	يَّقُوۡلُوۡا
اور	جب	آپ دیکھتے ہیں ان کو	تو اچھے لگتے ہیں آپ کو	ان کے جسم (جمع)	اور	اگر	وہ کہیں

تَسۡمَعۡ	لِقَوۡلِهِمۡ ؕ	كَاَنَّهُمۡ	خُشُبٌ	مُّسَنَّدَةٌ ؕ	يَحۡسَبُوۡنَ
تو آپ کان لگائیں	ان کی بات پر	گویا کہ وہ	لکڑیاں ہیں	ٹیک لگائی ہوئیں	وہ گمان کرتے ہیں

كُلَّ صَيۡحَةٍ	عَلَيۡهِمۡ ؕ	هُمُ	الۡعَدُوُّ	فَاحۡذَرۡهُمۡ ؕ	قٰتَلَهُمُ
ہر آواز کو	اپنے خلاف	وہ	دشمن ہیں	لہٰذا آپ ان سے بچیں	ہلاک کرے ان کو

اللّٰهُ ۚ	اَنّٰى	يُؤۡفَكُوۡنَ ④
اللہ	کہاں	وہ پھیرے جاتے ہیں

’’اے نبی جب آپ ان کے وجود دیکھتے ہیں تو آپ کو بڑے بھلے لگیں گے، بولیں تو آپ ان کی باتیں سنتے رہ جائیں، مگر اصل میں یہ لکڑیاں ہیں جو دیوار کے ساتھ لگا دی گئی ہوں، ہر زور دار آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں، یہ پکے دشمن ہیں ان سے بچ کر رہو ان پر اللہ کی مار یہ کدھر اُلٹے پھرائے جاتے ہیں۔‘‘ (۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقوں کی گفتگو کا انداز۔

منافق کی نیّت میں فطور اوراس کے کردار میں جھول ہوتی ہے۔ اس لیے اسے اپنی گفتگو میں تصنّع اور تکلّف اختیار کرنا پڑتا ہے تاکہ اس کی بات سننے والے کو اس کے کردار کا جھول اورنیت کے فطور کا علم نہ ہوسکے۔ اسی وجہ سے مدینہ کے منافق جب نبی معظم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس طرح تکلّف اورلجاجت کے ساتھ گفتگو کرتے کہ سننے والے کو خواہ مخواہ ان کی طرف متوجہ ہونا پڑتا۔ مدینہ کے منافقین میں سے عبد اللہ بن اُبی اور کچھ منافق ظاہری تشخص (PERSONALITY) کے اعتبار سے بھی ایک معقول آدمی نظر آتے تھے۔ اس لیے کچھ مسلمان ان کے ظاہری تشخص اور گفتگو سے متاثر ہوجایا کرتے تھے۔ منافقین کی منافقت واضح کرنے اور ان سے مسلمانوں کو بچانے کے لیے نبی علیہ السلام کو مخاطب کیا گیا ہے۔ تاکہ مسلمانوں کومعلوم ہو کہ منافقین اپنی پُر تکلف گفتگو اور شخصیت سے نبی معظم ﷺ کو متاثر کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔

ارشاد ہوا کہ جب آپ ان کے وجود کو دیکھتے ہیں تو ان کا رہن سہن اورشان بان سے آپ کو تعجب ہوتا ہے اور جب وہ آپ کے سامنے اپنا مؤقف پیش کرتے ہیں تو آپ اس کو توجہ سے سنتے ہیں حالانکہ یہ آپ کی مجلس میں بیٹھتے ہیں تو ان کی حالت اس لکڑی کی مانند ہوتی ہے جسے دیوار کے ساتھ کھڑا کیا گیا ہو۔ یعنی یہ جان بوجھ

کر آپ کے سامنے اس طرح بیٹھتے جس سے ان کی بے نیازی اور لاپرواہی ظاہر ہوتی تھی۔ان کے دل کی کیفیت یہ ہے کہ ہر وقت اس خوف میں مبتلا رہتے ہیں کہ کہیں سے ایسی آواز سُنائی نہ دے جس سے ان کی گفتار اورکردار کا پول کھل جائے اوران پر عتاب نازل ہو، یہ دین کے دشمن اور مسلمانوں کی آستینوں کے سانپ ہیں۔ اللہ انہیں ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو براہِ راست مخاطب کرتے ہوئے منافقین کی مزید عادات سے آگاہ فرمایا۔

ا۔دیکھنے میں عبد اللہ بن اُبی اوراس کے کچھ ساتھی بڑے سنجیدہ اورمعزز نظر آتے تھے لیکن نیت ، اخلاق اورکردار کے لحاظ سے بڑے گھٹیا تھے۔ اس لیے نبی ﷺ کو ہر حال میں ان سے بچنے کی تلقین کی گئی کیونکہ یہ دین اورمسلمانوں کے دشمن تھے جب آپ کے سامنے بیٹھتے تو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے کہ وہ آپ کی گفتگو کو نہ صرف توجہ سے سنتے ہیں بلکہ اس کا اثر بھی قبول کرتے ہیں حالانکہ ان کی حقیقت یہ تھی کہ جس طرح ایک لکڑی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی ہو یہی کیفیت منافقین کی تھی۔ وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھتے اورآپ کی گفتگو سے متاثر ہونے کا جعلی تاثر دیتے تھے۔

۲۔منافقین کی حالت یہ ہے کہ مدینہ میں کوئی چھوٹا بڑا واقعہ ہوجائے تو وہ اپنی جگہ پر خوف زدہ ہوجاتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ کہیں ان کی سازش اورشرارت بے نقاب نہ ہوجائے۔ گویا کہ یہ دل کے قرار اورطبیعت کے سکون سے محروم ہو چکے ہیں جس وجہ سے ہر وقت اپنے کیے پر خوف میں مبتلا رہتے ہیں۔ جسے قرآن مجید نے دوسرے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے۔

﴿وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۱۵)

”یہ اپنی نافرمانیوں میں پریشان رہتے ہیں۔“

۳۔اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کے لیے ”قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ“ کے الفاظ استعمال کیے ہیں کہ ”اللہ“ انہیں ہلاک کرے۔عربی زبان میں یہ الفاظ بددعا اورکسی سے نفرت دلانے کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ یہ الفاظ یہاں انہی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔

مسائل

ا۔ بعض منافق اور کافر دیکھنے میں بڑے سنجیدہ اورسیدھے سادھے اوربھولے بھالے نظر آتے ہیں۔

۲۔ منافق اپنی نیت کے فطور اور برے کردار کو اپنی گفتگو سے چھپایا کرتا ہے۔

۳۔ منافق دین اورمسلمانوں کا دشمن ہوتا ہے اس لیے اس سے بچ کر رہنا چاہیے۔

۴۔ منافق اپنے کردار کی وجہ سے ہر وقت خوف میں مبتلا رہتا ہے۔منافق کی نشانیاں جاننے کے لیے صفحہ ۱۲۱ دیکھیں!

وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا يَسۡتَغۡفِرۡ لَكُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ

اور جب کہا جاتا ہے ان سے تم آؤ استغفار کرے تمہارے لیے اللہ کا رسول

لَوَّوۡا رُءُوۡسَهُمۡ وَرَاَيۡتَهُمۡ يَصُدُّوۡنَ وَهُمۡ مُّسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۵﴾

تو وہ ہلاتے ہیں اپنے سروں کو اور آپ دیکھیں گے انہیں کہ وہ رُک جاتے ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں

سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ

برابر ہے ان پر آپ استغفار کریں ان کے لیے یا نہ آپ استغفار کریں ان کے لیے

لَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۶﴾

ہرگز نہیں بخشے گا اللہ ان کو بلاشبہ اللہ نہیں ہدایت دیتا فاسق قوم کو

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ۔ تاکہ اللہ کا رسول تمہارے لیے مغفرت کی دعا کرے تو سر ہلاتے ہیں اور آپ دیکھتے ہیں کہ تکبر کی وجہ سے آپ کے پاس آنے سے رُک جاتے ہیں۔(۵) اے نبی آپ ان کے لیے مغفرت کی دعا کریں یا نہ کریں ان کے لیے برابر ہے ،اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا، یقیناً اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“(۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقین کی ہٹ دھرمی کی انتہا۔

منافقت ایسا نقص اور عیب ہے کہ جو زیادہ دیر تک چھپ نہیں سکتا۔ جب مدینہ کے منافقین کی منافقت ظاہر ہو گی تو ان کے عزیز و اقرباء میں مخلص مسلمانوں نے انہیں سمجھایا کہ آئندہ اس حرکت سے توبہ کرو اور اپنی غلطیوں کی نبی محترم ﷺ سے معذرت کرلو۔ منافقین نے کھلے الفاظ میں کہا کہ ہمیں کسی سے معافی مانگنے کی ضرورت نہیں۔ ایسے ہی موقع پر عبداللہ بن اُبی کو مسلمانوں نے سمجھایا کہ آؤ اللہ کے رسول سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ﷺ تیرے لیے اللہ سے استغفار کریں۔عبداللہ بن ابی نے بڑی نخوت کے ساتھ جواب دیا کہ تم لوگوں نے مجھے اس پر ایمان لانے کی دعوت دی، میں اس پر ایمان لے آیا۔تم نے نماز کے لیے کہا تو میں نے نماز پڑھنا شروع کردی ،تم نے زکوٰہ اور صدقہ وخیرات کے لیے کہاتو میں نے صدقہ کیا اور زکوۃ دی۔اب کہتے ہو کہ میں اس سے معافی مانگوں یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ یہی حالت دوسرے منافقین کی تھی جب انہیں یہ بات کہی جاتی کہ اگر تم توبہ کرو اور اللہ کے رسول سے اپنے لیے استغفار کی درخواست کروتو وہ پوری رعونت سے سر ہلاتے ہوئے آپ ﷺ کے پاس آنے سے انکار کرتے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے۔ ان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ کے رسول کو بتلایا گیا کہ آپ ان کے لیے معافی مانگیں یا نہ مانگیں اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ کیونکہ ”اللہ“ اس قسم کے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

﴿اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ذٰلِكَ

بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ (التوبۃ: ۸۰)
”ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں اگر آپ ان کے لیے ستر بار بخشش کی دعا کریں گے تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا، کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں جب عبداللہ بن ابی فوت ہوا اس کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے آپ سے قمیض کا مطالبہ کیا کہ اس میں اس کے والد کو کفن دیا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قمیض عنایت کر دی۔ پھر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی۔ جب رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے کو پکڑ کر عرض کی اے اللہ کے رسول! کیا آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منع کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ استغفار کریں میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ استغفار کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تو منافق ہے۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز پڑھائی۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی ” آپ منافقوں میں سے کسی پر بھی نماز نہ پڑھائیں اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔“ (رواہ البخاری: کتاب تفسیر القران)

مسائل

۱۔ منافقین اپنی منافقت اور تکبر کی بنا پر استغفار کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے حق میں استغفار کرنے سے روک دیا تھا۔
۳۔ اللہ تعالیٰ ہٹ دھرم شخص کو ہدایت نہیں دیتا۔

تفسیر بالقرآن

منافقین کا انجام:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے ساتھ جہاد کرنے اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا ہے۔ (التوبہ:۷۳)
۲۔ منافق کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ (البقرۃ: ۱۰) ۳۔”اللہ“ کے نزدیک منافق لعنتی ہیں۔ (الاحزاب: ٦١)
۴۔ منافق جہنم کے نچلے گڑھے میں ہوں گے اور ان کا کوئی مدد گار نہیں ہوگا۔ (النساء: ۱۴۵)
۵۔ منافق جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی رہے گی۔ (التوبہ: ٦٨)
٦۔ منافق جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ (النساء: ۱۴۵)
۷۔ اے نبی منافقین اور کفار کے ساتھ سختی کے ساتھ سے جہاد کرو۔ (التحریم: ۹)

هُمُ	الَّذِيْنَ	يَقُوْلُوْنَ	لَا تُنْفِقُوْا	عَلٰى مَنْ	عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ
وہ	وہی ہیں جو	کہتے ہیں	کہ تم نہ خرچ کرو	ان پر جو	رسول اللہ کے پاس ہیں
حَتّٰى	يَنْفَضُّوْا ؕ	وَلِلّٰهِ	خَزَآئِنُ	السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	وَلٰكِنَّ
یہاں تک کہ	وہ منتشر ہو جائیں	حالانکہ اللہ کے لیے	خزانے ہیں	آسمانوں اور زمین کے	اور لیکن
الْمُنٰفِقِيْنَ	لَا	يَفْقَهُوْنَ ۝	يَقُوْلُوْنَ	لَئِنْ رَّجَعْنَآ	اِلَى الْمَدِيْنَةِ
منافق (جمع)	نہیں	سمجھتے	وہ کہتے ہیں	البتہ اگر ہم لوٹ کر گئے	مدینہ کی طرف
لَيُخْرِجَنَّ	الْاَعَزُّ	مِنْهَا	الْاَذَلَّ ؕ	وَلِلّٰهِ	الْعِزَّةُ
تو ضرور نکال دے گا	معزز ترین	اس سے	ذلیل ترین کو	اور اللہ ہی کے لیے ہے	عزت
وَلِرَسُوْلِهٖ	وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ	وَلٰكِنَّ	الْمُنٰفِقِيْنَ	لَا	يَعْلَمُوْنَ ۝
اور اس کے رسول کے لیے	اور مومنوں کے لیے	اور لیکن	منافق (جمع)	نہیں	جانتے

ع ۱ ۸ ۱۲

”یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو تاکہ یہ منتشر ہو جائیں، حالانکہ اللہ ہی زمین و آسمانوں کے خزانوں کا مالک ہے۔ مگر منافق نہیں سمجھتے ہیں۔(۷) کہتے ہیں کہ ہم مدینہ پہنچ گئے تو عزت والا ذلیل کو نکال دے گا، حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے مگر منافق نہیں جانتے۔“(۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافقین کی ہرزہ سرائی۔

غزوہ تبوک سے واپسی پر راستے میں ایک مقام پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پڑاؤ ڈالا تو کنویں سے پانی لیتے ہوئے ایک مہاجر اور انصار کے درمیان تکرار ہو گی۔ مہاجر نے انصار کو لات ماری اس بات کا عبد اللہ بن ابی کو علم ہوا تو اس نے انصار کو طعنہ دیتے ہوئے کہا کہ یہ تمہارا ہی کیا دھرا ہے، جنہیں ان کی قوم نے اپنے شہر سے نکال دیا تم نے ان کو مدینہ میں ہر چیز مہیا کی اور آج وہ ہم پر سرداری کر رہے ہیں اگر ان سے نجات پانا چاہتے ہو تو ان کے ساتھ کسی قسم کا تعاون نہ کرو یہ لوگ بھوک سے تنگ آ کر خود بھاگ جائیں گے۔ اس کے ساتھ اس نے یہ بھی کہا کہ جونہی ہم مدینہ واپس جائیں گے تو عزت والا ذلیل شخص کو نکال دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ہرزہ سرائی پر انتباہ کرتے ہوئے انہیں دو باتیں ارشاد فرمائیں کہ زمین و آسمانوں کے خزانے صرف اللہ کے ہاتھ میں ہیں لیکن منافق لوگ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ عزت اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے۔ لیکن منافق اس حقیقت کو نہیں جانتے کہ اللہ

ہی عزت کا مالک ہے اوراسی نے اپنے رسول کو عزت سے سرفراز فرمایا ہے اوروہی مومنوں کو عزت دینے والا ہے۔خاکم بدھن عبد اللہ بن ابی نے مسلمانوں اوراللہ کے رسول ﷺ کو ذلیل کہا تھا۔ اس کے بیٹے جس کا نام بھی عبداللہ تھا اوروہ مخلص مسلمان تھا اس بات کا علم ہوا تو مدینہ پہنچنے پر وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ! میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ آپ نے میرے والد کو ان کی سازشوں اور شرارتوں کی وجہ سے قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے کسی اورکو حکم دینے کی بجائے آپ مجھے حکم دیں کہ میں اسے اپنے ہاتھوں قتل کروں۔ تاکہ کسی کے قتل کرنے پر میرے دل میں کوئی رنجش پیدا نہ ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ہم نے اسے قتل کرنے کا فیصلہ نہیں کیا۔عبداللہ بن ابی کی ہرزہ سرائی کا حضرت عمر کو علم ہوا تو انہوں نے بھی اسے قتل کرنے کی اجازت چاہی لیکن نبی ﷺ نے یہ کہہ کرروک دیا کہ لوگ کہیں گے کہ

((أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ)) (رواه البخاری: باب قَوْلِهِ ﴿سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾)

''محمد ﷺ کو اللہ نے قوت عطا فرمائی ہے تو اس نے اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کردیا ہے۔''

مسائل

۱۔ کسی کی ہرزہ سرائی یا مذموم کوشش سے دوسرے کا رزق کم نہیں ہوتا۔

۲۔ زمین وآسمانوں کے خزانے ''اللہ'' ہی کے پاس ہیں۔۳۔ اللہ ہی عزت دینے والا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اورصحابہ کو عزت سے سرفراز فرمایا تھا۔۵۔منافق حقیقی سمجھ سے عاری ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی عزت اورذلت دینے والا ہے :

۱۔ عزت اللہ کے پاس ہے۔(فاطر:۱۰)

۲۔ عزت اللہ ،اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے۔(المنافقون:۸)

۳۔ اللہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ (آل عمران:۲۶)

۴۔ جسے اللہ رُسوا کرے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔(الحج:۱۸)

۵۔ ہرقسم کی عزت اللہ کے لیے ہے وہ ہر بات سننے اور جاننے والا ہے۔(یونس:۶۵)

۶۔ کیااللہ کے علاوہ عزت تلاش کرتے ہوحالانکہ ہرقسم کی عزت اللہ ہی کے پاس ہے۔(النساء:۱۳۹)

۷۔ اللہ نے بنی اسرائیل کو نبوت، کتاب، حکومت ، رزق اور دنیا بھر میں عزت دی۔(الجاثیہ:۱۶)

۸۔ اللہ ہی لوگوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے والا ہے۔(آل عمران:۲۶)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	لَا	تُلْهِكُمْ	اَمْوَالُكُمْ	وَلَاۤ	اَوْلَادُكُمْ
اے لوگو	جو ایمان لائے ہو	نہ	غافل کر دیں تمہیں	تمہارے مال (جمع)	اور نہ	تمہاری اولاد
عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ	وَمَنْ	يَّفْعَلْ	ذٰلِكَ	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	الْخٰسِرُوْنَ ۹	
اللہ کے ذکر سے	اور جو کوئی	کرے	یہ کام	تو وہی لوگ ہیں	خسارہ پانے والے	

”اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں، جو لوگ ایسا کریں گے وہ خسارہ پانے والے ہیں۔“(۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: منافق اولاد اور مال کی خاطر منافقت اختیار کرتا ہے جس سے ایماندار لوگوں کو منع کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جن چیزوں کو آزمائش قرار دیا ہے ان میں سرِ فہرست اولاد اور مال ہے۔ان چیزوں کا ذکر کرتے ہوئے اکثر مقامات پر مال کا پہلے ذکر کیا ہے۔بے شمار لوگ مال کی خاطر اپنا ایمان اور عزت برباد کر لیتے ہیں اور اولاد کی محبت میں ماں باپ وہ کچھ کر جاتے ہیں جس کے کرنے کی شریعت نے انہیں اجازت نہیں دی۔ مال اور اولاد کی آزمائش سے بچ کر زندگی بسر کرنا مومن کے لیے لازم ہے۔ اس لیے مومنوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو! تمہیں تمہارے مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں، جنہوں نے اللہ کے ذکر سے غفلت اختیار کی وہ لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔اللہ کے ذکر سے غفلت کی کئی صورتیں ہیں۔”اللہ“ کی ذات کو اس طرح وحدہٗ لاشریک نہ ماننا جس طرح اس نے ماننے کا حکم دیا ہے۔ اس کے احکام کا انکار کرنا، اس کی مقرر کردہ عبادات سے تغافل کرنا اور اس کے ذکر سے غفلت اختیار کرنا ہے، جو لوگ ان صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں غفلت کریں گے وہ دنیا اور آخرت میں نقصان پائیں گے۔ ذکر کا جامع مفہوم یہ ہے کہ مسلمان ہر حال میں ”اللہ“ کی ذات اور فرمان کا خیال رکھے۔

”اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اُٹھائیں گے۔“ (طٰہٰ:۱۲۴)

((عَنْ أَبِی مُوسٰی ؓ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَثَلُ الَّذِی یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِی لَا یَذْکُرُ رَبَّہٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ)) (رواہ البخاری: کتاب الدعوات، باب فضل ذکر اللہ عزوجل)

”حضرت ابو موسیٰ ؓ بیان کرتے ہیں نبی معظم ﷺ نے فرمایا اللہ کا ذکر کرنے اور نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی طرح ہے۔“یعنی جو ذکر کرتا ہے وہ زندہ ہے جو ذکر نہیں کرتا وہ مردہ ہے۔ (رواہ البخاری: کتاب الدعوات)

مسائل

۱۔ ایمانداروں کو اپنی اولاد اور مال کی وجہ سے اللہ کے ذکر سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

۲۔ جو لوگ اللہ کے ذکر سے غافل ہوں گے وہ دنیا اور آخرت میں نقصان پائیں گے۔

وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ

اور تم خرچ کرو اس سے جو ہم نے رزق دیا ہے تمہیں اس سے پہلے کہ آئے تم میں سے کسی ایک کو

الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ

موت تو وہ کہے اے میرے رب کیوں نہیں تو نے مجھے مہلت دی ایک تھوڑی مدت تک

فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝١٠ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ

کہ میں صدقہ کر لیتا اور میں ہو جاتا صالح لوگوں میں سے اور ہرگز نہیں مہلت دے گا اللہ

نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝١١ ع

کسی نفس کو جب آجائے گی اس کی موت اور اللہ خبردار ہے اس سے جو تم عمل کرتے ہو

”ہم نے جو رزق تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے اور وہ اس وقت کہے کہ اے میرے رب تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت کیوں نہ دی کہ میں صدقہ کرتا اور صالح لوگوں میں شامل ہو جاتا۔(١٠) جب کسی کی مہلت پوری ہوتی ہے تو اللہ کسی شخص کو مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔“(١١)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مال کی محبت سے بچنے کا بہترین طریقہ۔

انسان کی کمزوریوں میں ایک کمزوری یہ ہے کہ انسان زندگی بھر مال کی محبت میں سرگرداں رہتا ہے۔ حد سے زیادہ مال کی حرص سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اسے اللہ کے راستے میں خرچ کرتا رہے قبل اس کے کہ اسے موت آجائے اور یہ اپنے رب سے آرزو کرے کہ میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی سی اور مہلت کیوں نہ دی تاکہ میں تیرے راستے میں مال خرچ کرتا اور نیک لوگوں میں شمار ہوتا، لیکن اس وقت کسی انسان کو نہ مہلت دی گئی ہے اور نہ دی جائے گی کیونکہ جب کسی شخص کی موت کا وقت آجاتا ہے تو اس میں ایک لمحہ بھی تقدیم و تاخیر نہیں کی جاتی۔ لوگ جو بھی عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ”خَبِيْرٌ“ کے لفظ میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اگر ان لوگوں کو مہلت دے دی جائے تو پھر بھی اسی طرح بخل کا مظاہرہ کریں گے جس طرح زندگی بھر کرتے رہے ہیں۔

﴿بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ (الانعام: ٢٨)

”بلکہ ان کے لیے ظاہر ہو گیا جو وہ اس سے پہلے چھپاتے تھے اور اگر انہیں واپس بھیج دیا جائے تو ضرور پھر وہی کریں گے جس سے انہیں منع کیا گیا تھا اور بلاشبہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔“

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ؓ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَتَعَوَّذُ يَقُولُ "اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ

مِنَ الْكَسَلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَرَمِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ"))
(رواه البخاري: كتاب الدعوات ،باب التعوذ من أرذل العمر)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہوئے یہ دعا کیا کرتے تھے اے اللہ میں سستی ، بزدلی ، ناکارہ پن بڑھاپے اور بخل سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انصار میں سب سے زیادہ کھجوروں کے مالک تھے۔ باغات میں بیرحاء نامی باغ ان کا سب سے بہترین باغ تھا۔جومسجد کے سامنے تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میں جاتے اور وہاں سے پانی پیا کرتے تھے جب آیت ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ نازل ہوئی۔حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم !اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب تک تم اپنی محبوب ترین چیز خرچ نہ کرو کبھی نیکی تک نہ پہنچ سکو گے۔یقیناً میرے پاس ''بیرحاء'' کا باغ ہے جو پوری جائیداد میں میرے نزدیک قیمتی اور عزیز ہے میں اس کے بدلے اللہ کے ہاں نیکی اور آخرت کے خزانے کا خواہشمند ہوں لہٰذا آپ اسے جہاں چاہیں استعمال کریں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جذبہ کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا :یہ مال بڑا نفع بخش ہے یہ مال بڑا فائدہ مند ہے جو تم نے کہا میں نے سن لیا۔تم اسے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کردو۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے باغ اپنے چچا زاد بھائیوں اور عزیزوں میں تقسیم کردیا۔''

(رواه البخاري: كتاب تفسير القرآن، باب لن تنالوا البرحتى تنفقوا مما تحبون)

مسائل

۱۔ ہرمسلمان کو اپنی موت سے پہلے دل کھول کر اللہ کے راستے میں خرچ کرنا چاہیے۔
۲۔ موت کے وقت کسی شخص کو ایک لمحہ بھی مہلت نہیں دی جاتی۔۳۔اللہ تعالیٰ ہر کسی کے عمل سے باخبر ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم اور اس کے فوائد:

۱۔ ''اللہ'' کی رضا کے لیے خرچ کرنے والوں کی مثال سدا بہار باغ جیسی ہے۔(البقرۃ:۲۶۵)
۲۔ ''اللہ'' کی رضا کے لیے خرچ کرنے والے کو پورا پورا اجر ملے گا۔(البقرۃ:۲۷۲)
۳۔ ''اللہ'' کی رضا کے لیے کیے گئے کام کا بڑا اجر ہے۔(النساء:۱۱۴)
۴۔ ''اللہ'' کی رضا چاہنے والوں کا انجام بہترین ہوگا۔(الرعد:۲۲)
۵۔ مخلص حضرات لوگوں کی خدمت کرتے ہوئے ان کے شکریہ اور جزا سے بے نیاز ہوتے ہیں۔(الدھر:۹)

سورۃ التغابن کا تعارف

سورت التغابن کا نام اس کی نویں (۹) آیت میں موجود ہے یہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس کی اٹھارہ آیات اور دو رکوع ہیں۔ یہ سورت بھی ان سورتوں میں شامل ہے جنہیں مسبّحات کہا جاتا ہے اس کی ابتدا میں بتلایا گیا ہے کہ زمین وآسمانوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ زمین وآسمانوں کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے وہ بڑا قابلِ تعریف اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ یہ اس کی قدرت کا نمونہ ہے کہ اس نے کھرب ہا انسان پیدا کیے جن میں کوئی کافر ہے اور کوئی ایمان لانے والا ہے۔ اس نے زمین وآسمانوں کو خاص مقصد کے لیے پیدا فرمایا اور وہی لوگوں کی بہترین شکل وصورت بناتا ہے، بالآخر سب نے اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ وہ زمین وآسمانوں کی ہر چیز سے واقف ہے۔وہ جانتا ہے جس بات کو لوگ چھپاتے ہیں اور جس کو ظاہر کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ دلوں کے راز جاننے والا ہے۔ کیا لوگوں کے پاس اپنے سے پہلے کفار کی خبر نہیں پہنچی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کس طرح گرفت کی اور فرمایا اپنے کیے کا سامنا کرو، اب تمہیں اذیت ناک عذاب دیا جائے گا۔ عذاب پانے والوں کا ایک جرم یہ بھی تھا کہ جب بھی ان کے پاس رسول آئے تو انہوں نے یہ کہہ کر انہیں مسترد کر دیا کہ تم ہماری طرح کے انسان ہو اس لیے ہماری کس طرح رہنمائی کرو گے۔ ان کا خیال تھا کہ ہمارے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ہمیں دوبارہ زندہ نہیں کرے گا اور اہل مکہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہمیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ اے نبی ﷺ انہیں قسم دے کر بتلائیں کہ اللہ تعالیٰ ضرور زندہ فرما کر تمہیں بتلائے گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔ دوبارہ پیدا کرنا اور تم سے حساب لینا اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس روشنی کے پیچھے چلو جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی صورت میں تمہاری طرف نازل کی ہے اور اس دن کی پکڑ سے بچ جاؤ جس دن اللہ تعالیٰ سب کو جمع کرے گا اور وہ ہار جیت کا دن ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گا وہ جیت جائے گا اور اسے اس جیت کے بدلے نعمتوں والا گھر عطا کیا جائے گا ، جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور قیامت کے دن کو جھٹلایا، انہیں جہنم میں پھینکا جائے گا یہ ان کے لیے سب سے بڑی شکست ہوگی۔ اس سورت کے آخر میں مسلمانوں کو یہ نصیحت کی گئی ہے کہ تمہیں اپنی بیویوں اور اپنی اولادوں سے بچنا چاہیے کیونکہ بعض اوقات تمہاری بیویاں، تمہاری اولادیں تمہاری دشمن ثابت ہوتی ہیں۔ اس صورت میں تمہیں ان کے پیچھے لگ کر اپنے آپ کو مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جتنی صلاحیت اور استطاعت بخشی ہے اس کے مطابق اس سے ڈرتے رہو اس کا فرمان سنو اس کی اطاعت کرو اور اس کی راہ میں خرچ کرو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ جو لوگ بخل سے بچا لیے گئے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہے وہ کامیاب ہوں گے۔

سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ٢ اٰيَاتُهَا: ١٨

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

يُسَبِّحُ	لِلّٰهِ	مَا	فِي السَّمٰوٰتِ	وَ	مَا	فِي الْاَرْضِ ج
تسبیح کرتی ہے	اللہ کی	جو چیز	آسمانوں میں ہے	اور	جو چیز	زمین میں ہے
لَهُ	الْمُلْكُ	وَ	لَهُ	الْحَمْدُ ز	وَهُوَ	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
اسی کے لیے	بادشاہی ہے	اور	اسی کے لیے	حمد ہے	اور وہ	ہر چیز پر
قَدِيْرٌ ①	هُوَ	الَّذِيْ	خَلَقَكُمْ	فَمِنْكُمْ	كَافِرٌ	
قادر ہے	وہ	وہ ذات ہے جس نے	پیدا کیا تمہیں	پھر کچھ تم میں سے	کافر ہیں	
وَّمِنْكُمْ	مُّؤْمِنٌ ط	وَاللّٰهُ	بِمَا	تَعْمَلُوْنَ	بَصِيْرٌ ②	
اور کچھ تم میں سے	مومن ہیں	اور اللہ	ساتھ اس کے جو	تم عمل کرتے ہو	دیکھنے والا ہے	

’’اللہ‘‘ کی تسبیح کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے کہ اُسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(۱) وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تم میں سے کچھ کافر ہیں اور کوئی مومن۔ جو تم کرتے ہو اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔‘‘(۲)

فہم القرآن

ربطِ سورت: مسبّحات میں سے یہ پانچویں سورت ہے۔ ارشاد ہوا کہ زمین و آسمانوں کی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کررہی ہے۔ ہر کسی کی تسبیح میں یہ اقرار شامل ہے کہ زمین و آسمان کی بادشاہی ’’اللہ‘‘ کے لیے ہے اوروہی ہر قسم کی تعریف کے لائق ہے، نہ صرف زمین و آسمانوں کی ہر چیز کا بادشاہ ہے بلکہ وہ ہر چیز پر پوری طرح اقتدار اور اختیار بھی رکھتا ہے۔

اس فرمان میں یہ بات بالکل واضح کردی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمانوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے پیدا فرما کر یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ ساری کائنات اوراس کا نظام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جو چاہے جب چاہے اورجس طرح چاہے اپنا حکم نافذ کرتا ہے۔ اس کے حکم کے سامنے کوئی چیز دم نہیں مار سکتی وہی لوگوں کو پیدا کرنے والا ہے پھر ان میں کوئی کافر ہوا اور کوئی مومن بنا۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھتا ہے جو لوگ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں جمع مخاطب کی ضمیر استعمال فرما کر خطاب کیا ہے کہ اے لوگو! میں نے تمہیں پیدا کیا ہے لیکن تم میں کچھ لوگ میری ذات اورفرمان کا انکار کرتے ہیں اور کچھ میری ذات کا اقرار اور میرے حکم کو ماننے والے ہیں،

یاد رکھو! جو بھی تم عمل کرتے ہو میں اسے دیکھنے والا ہوں۔ یہ فرمان ایک لحاظ سے ہر انسان کو انتباہ ہے کہ اے انسان! تجھے وہی کرنا چاہیے جس کا تجھے حکم دیا گیا ہے، مگر لوگوں کی حالت یہ ہے کہ ان کی غالب اکثریت اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والی ہے۔ انسان کے کفر کرنے کی درج ذیل صورتیں ہیں۔

① ۔ اللہ کی ذات یا اس کی صفات کا انکار کرنا۔ ② ۔اللہ کے احکام کا انکار کرنا۔

③ ۔ اللہ تعالیٰ پر اس طرح ایمان نہ لانا جس طرح ایمان لانے کا اس نے حکم دیا ہے۔

④ ۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اس کے حکم کے مطابق ماننے کی بجائے ان میں تاویلات کرنا۔

⑤ ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک بنانا۔⑥ ۔ اس کے احکام میں کسی ایک کا انکار کرنا۔

مسائل

۱۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔۲۔ زمین و آسمانوں اور ہر چیز کا بادشاہ اورمختارِکل ''اللہ'' ہے۔

۳۔ تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں۔۴۔اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے انسانوں کو پیدا فرمایا۔

۵۔ لوگوں میں کافر اورمومن دوقسم کے انسان ہوتے ہیں۔۶۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ہر حال میں دیکھنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (البقرۃ:۲۰)

۲۔ ''اللہ'' آسمانوں وزمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(آل عمران:۲۹)

۳۔ ''اللہ'' ہر اس چیز کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی اور نکلتی ہے۔(الحدید:۴)

۴۔ ''اللہ'' آسمانوں وزمین کی ہر چیز کو جانتا ہے۔(المجادلہ:۷) ۵۔''اللہ'' حاضر اور غیب کو جاننے والا ہے۔(الرعد:۹)

۶۔ تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تمہیں قیامت کے دن جمع فرمائے گا وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(البقرۃ:۱۴۸)

۷۔ اللہ جسے چاہے عذاب دے جسے چاہے معاف کردے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(البقرۃ:۲۸۴)

۸۔ہر چیز اللہ تعالیٰ کے احاطہ علم میں ہے۔(الطلاق:۱۲)

۹۔ بے شک میرا پروردگار جو تم عمل کرتے ہو اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔(ھود:۹۲)

۱۰۔ یقیناً اللہ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔(حم السجدۃ:۵۴)۱۱۔ اللہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے۔(النساء:۱۲۶)

خَلَقَ	السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	بِالْحَقِّ	وَصَوَّرَكُمْ	فَاَحْسَنَ
اس نے پیدا کیا	آسمانوں اور زمین کو	حق کے ساتھ	اور اس نے شکلیں بنائیں تمہاری	پس بہت اچھی بنائیں
صُوَرَكُمْ	وَاِلَيْهِ	الْمَصِيْرُ ۝	يَعْلَمُ	مَا	فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
تمہاری شکلیں	اور اسی کی طرف	واپسی ہے	وہ جانتا ہے	جو کچھ	آسمانوں اور زمین میں ہے
وَيَعْلَمُ	مَا	تُسِرُّوْنَ	وَمَا	تُعْلِنُوْنَ ط	وَاللّٰهُ
اور وہ جانتا ہے	جو کچھ	تم چھپاتے ہو	اور جو کچھ	تم ظاہر کرتے ہو	اور اللہ
عَلِيْمٌ	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝				
جانتا ہے	دلوں کے راز				

”اس نے زمین اور آسمانوں کو برحق پیدا کیا ہے اور تمہاری بہت اچھی شکلیں بنائیں اور اسی کی طرف تم نے پلٹ کر جانا ہے۔ (۳) زمین و آسمانوں کی ہر چیز کا اسے علم ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو سب کچھ اسے معلوم ہے، اور وہ دلوں کے راز جاننے والا ہے۔“(۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اے لوگو! جس ”اللہ“ کی ہر چیز تعریف کرتی ہے اسی نے تمہیں بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا ہے اور وہ تمہارے ہر عمل کو دیکھنے والا ہے اس لیے کہ اس سے تمہاری کوئی خفیہ اور ظاہر بات پوشیدہ نہیں جب اس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے تو تمہیں ایسی ذات کے ساتھ کفر وشرک نہیں کرنا چاہیے۔

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (البقرۃ: ۲۹)

”اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا پھر آسمان کا ارادہ فرمایا تو ان کو ٹھیک ٹھیک سات آسمان بنایا اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔“

﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (آل عمران: ٦)

”جس طرح چاہتا ہے وہ ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں بناتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں وہ نہایت غالب خوب حکمت والا ہے۔“

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ وَرَفَعَ الْحَدِيْثَ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ وَكَّلَ بِالرَّحِمِ مَلَكًا فَيَقُوْلُ أَيْ رَبِّ نُطْفَةٌ أَيْ رَبِّ عَلَقَةٌ أَيْ رَبِّ مُضْغَةٌ فَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَقْضِيَ خَلْقًا قَالَ قَالَ الْمَلَكُ أَيْ رَبِّ ذَكَرٌ أَوْ أُنْثَى شَقِيٌّ أَوْ سَعِيْدٌ فَمَا الرِّزْقُ فَمَا الأَجَلُ فَيُكْتَبُ

كَذَلِكَ فِي بَطْنِ أُمِّهِ)) (رواہ مسلم : باب كَيْفِيَّةِ الْخَلْقِ الآدَمِيِّ فِي بَطْنِ أُمِّهِ وَكِتَابَةِ ......)
''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حدیث کو مرفوع بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے رحم میں ایک فرشتہ مقرر کیا ہے وہ پوچھتا ہے اے میرے رب! یہ نطفہ ہے اے میرے رب! یہ گوشت کا لوتھڑا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی کی تخلیق کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے اے میرے رب مذکر یا مؤنث بدبخت یا خوش بخت اِس کا رزق کتنا ہے اِس کی عمر کتنی ہے اِسی طرح اس کا نیک اور بد ہونا اس کی ماں کے پیٹ میں ہی لکھ دیا جاتا ہے۔''

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ (الانعام : ٥٩)
''اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں انہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی تر اور خشک دانہ نہیں مگر وہ ایک واضح کتاب میں لکھا ہوا ہے۔''

''تم چپکے سے بات کرو یا اونچی آواز سے کرو۔ اللہ کے لیے برابر ہے وہ تو دلوں کا حال جانتا ہے۔ کیا جس نے پیدا کیا وہ نہیں جانتا ہے؟ حالانکہ وہ نہایت باریک بین اور پوری طرح خبردار ہے۔''(الملک:۱۳،۱۴)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمانوں کو برحق اور بامقصد پیدا کیا ہے۔۲۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے راز جاننے والا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نے ہی لوگوں کی صورتیں بنائیں اور وہ بہترین شکل وصورت بنانے والا ہے۔
۴۔ سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔۵۔ اللہ تعالیٰ زمین و آسمانوں کی ہر چیز کو جانتا ہے۔
٦۔ اللہ تعالیٰ وہ بھی جانتا ہے جو لوگ چھپاتے ہیں اور وہ بھی جانتا ہے جو لوگ ظاہر کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ انسان کو پیدا کرنے والا اور وہی اس کی شکل وصورت بناتا ہے:
۱۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور زمین و آسمانوں کو پیدا فرمایا۔ (البقرۃ:۲۲)
۲۔ اللہ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ (الروم: ۲۰)۳۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک نطفے سے پیدا کیا۔ (الدھر: ۲)
۴۔ اللہ نے ایک ہی جان سے سب انسانوں کو پیدا کیا۔ (الاعراف:۱۸۹)
۵۔ اللہ ہی نے انسان کو بڑی اچھی شکل وصورت میں پیدا فرمایا۔ (التین : ۴)
٦۔ اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے اور اس کا ہی حکم چلنا چاہیے۔ (الاعراف:۵۴)
۷۔ لوگو اس رب سے ڈر جاؤ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ (النساء: ۱)

اَ لَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ز فَذَاقُوْا وَبَالَ

کیا نہیں آئی تمہارے پاس خبران لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا اس سے پہلے پھر انہوں نے چکھا وبال

اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٥ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ

اپنے کام کا اور ان کے لیے ہے عذاب بہت دردناک یہ بوجہ اس کے کہ بلاشبہ تھے آئے ان کے پاس

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ز فَكَفَرُوْا

ان کے رسول (جمع) واضح دلائل کے ساتھ تو وہ کہتے کیا بشر ہمیں راہ دکھائیں گے پھر انہوں نے کفر کیا

وَ تَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝٦

اور منہ پھیرا اور بے پروائی کی اللہ نے اور اللہ بے پروا قابل تعریف ہے

”کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے اس سے پہلے کفر کیا اور پھر اپنے اعمال کا مزہ چکھ لیا؟ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔(۵) یہ اس لیے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی دلیلیں اور نشانیاں لے کر آئے مگر انہوں نے کہا کیا انسان ہماری راہنمائی کریں گے؟ انہوں نے ماننے سے انکار کیا اور منہ پھیر لیا تب اللہ بھی ان سے بے پرواہ ہو گیا اور اللہ تو بے نیاز اور حمد کے لائق ہے۔“(٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خالق اور بہترین مصوّر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ وہ جانتا ہے جو لوگ ظاہر اور خفیہ طور پر کرتے ہیں اور وہ دلوں کے راز بھی جانتا ہے۔ جو ذات دلوں کی راز اور سب کچھ جانتی ہے اس کی بغاوت کر کے انسان کہاں جا سکتا ہے۔ اس لیے اس نے پہلے نافرمانوں کا انجام بتلا کر دوسروں کو انتباہ کیا ہے کہ اے نافرمان لوگو کیا تمہیں پہلے لوگوں کے انجام کا علم نہیں؟ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کس طرح اذیت ناک عذاب میں مبتلا کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے کئی انداز اختیار فرمائے ہیں۔ ان میں ایک انداز یہ اختیار فرمایا کہ لوگوں کو بار بار دعوت دی کہ وہ اپنے سے پہلی قوموں کے کردار اور انجام پر غور کریں تاکہ وہ برے اعمال کے برے انجام سے بچ جائیں، کبھی ارشاد فرمایا کہ کیا ان لوگوں نے زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے مجرموں کا کیا انجام ہوا۔ (آل عمران : ۱۳۷) پھر ارشاد ہوا کیا ان کے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جن لوگوں نے اللہ کی ذات اور اس کے احکام کا انکار کیا۔ جب وہ ایک حد سے آگے بڑھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا غضب نازل کیا۔ (طٰہٰ : ۱۲۸) غضب کا مزید اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اب اپنے کیے کا مزہ چکھو اور قیامت کے دن تمہارے لیے اذیّت ناک عذاب ہوگا۔ تباہ ہونے والی اقوام کا ایک جرم یہ بھی تھا کہ جب ان کے پاس اللہ

کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو انہوں نے یہ کہہ کر ان کی بات کا انکار کیا۔ کیا ہمارے جیسا انسان ہماری راہنمائی کرے گا اور ہم اس کی تابعداری کریں ؟اس وجہ سے انہوں نے انبیاء ؑ کی نبوت کو ماننے سے انکار کیا اور حق بات کو تسلیم کرنے سے انکاری ہوئے، ان کے انکار کے پیچھے تکبر اور ان کی لاپرواہی شامل تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے لاپرواہی کا اظہار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے بے نیاز اور لائقِ تعریف ہے یہاں جن قوموں کے انجام کا اشارہ کیا گیا ہے ان سے مراد وہی اقوام ہیں جن کے انجام کا قرآن مجید نے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ان میں سرفہرست قومِ نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قومِ مدین، قوم لوط اور آلِ فرعون ہیں ان میں ہر قوم نے اپنے نبی کی ذات اور بات کا یہ کہہ کر انکار کیا کہ یہ تو ہمارے جیسا انسان ہے۔ لہٰذا ہم تیری پیروی نہیں کریں گے۔ یہاں تک ان کے اس بہانے کا تعلق ہے کہ نبی کو بشر نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کے کئی جواب دیئے ہیں۔ ان میں سے تین جواب یہ ہیں:

> ’’ان کے رسولوں نے کہا ہم نہیں ہیں مگر تمہارے جیسے بشر ہیں۔ لیکن اللہ احسان فرماتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اور ہمارے لیے ممکن نہیں کہ تمہارے پاس کوئی دلیل اللہ کے اذن کے بغیر لے آئیں۔ پس لازم ہے کہ ایمان والے اللہ پر بھروسہ کریں۔‘‘ (ابراہیم:۱۱)

مسائل

۱۔ لوگوں کو مجرم اقوام کے انجام سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔
۲۔ مجرم لوگ دنیا میں بھی عذاب میں مبتلا ہوئے اور آخرت میں بھی ان کو اذّیت ناک عذاب دیا جائے گا۔
۳۔ حقائق کا انکار کرنے والے لوگ انبیاء کے بشر ہونے پر اعتراض کرتے ہیں۔
۴۔ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے کفر و شرک کوئی پرواہ نہیں وہ ہر لحاظ سے بے پرواہ اور لائقِ تعریف ہے۔

تفسیر بالقرآن

تمام انبیاء ؑ بشر تھے:

۱۔ انبیاء ؑ نے فرمایا کہ ہم تمہاری طرح بشر ہیں لیکن اللہ جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے۔ (ابراہیم:۱۱)
۲۔ نوح ؑ کی قوم نے کہا نہیں ہے یہ مگر تمہارے جیسا بشر اور یہ تم پر فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ (المومنون:۲۴)
۳۔ نہیں ہے تو مگر ہمارے جیسا بشر کوئی نشانی لے کر آ اگر تو سچا ہے۔ (الشعراء:۱۵۴)
۴۔ نہیں ہے یہ مگر تمہارے جیسا بشر جس طرح تم کھاتے ہو، ویسے وہ کھاتا ہے۔ (المومنون:۳۳)
۵۔ ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی نبی بھیجے وہ بشر تھے۔ (النحل:۴۳) ٦۔ کسی بشر کو ہمیشگی نہیں ہے۔ (الانبیاء:۳۴)
۷۔ نبی آخر الزماں ﷺ کا اعتراف کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔ (الکہف:۱۱۰، حٰم السجدۃ:٦)
۸۔ ہم نے آپ سے پہلے جتنے نبی بھیجے وہ بشر ہی تھے۔ (النحل:۴۳) (الشعراء:۱۸٦)
۹۔ آپ ﷺ اعلان فرمائیں کہ میں تمہارے جیسا انسان ہوں۔ (الکہف:۱۱۰)

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ

دعویٰ کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا یہ کہ ہرگز نہیں وہ اٹھائے جائیں گے فرما دیں

بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا

کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر تم ضرور بتلائے جاؤ گے ساتھ اس کے جو

عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

تم نے عمل کیے اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے پس تم ایمان لے آؤ اللہ اور اس کے رسول پر

وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

اور اس نور پر وہ جو ہم نے نازل کیا اور اللہ ساتھ اس کے جو تم عمل کرتے ہو خبردار ہے

”انکار کرنے والوں نے بڑے دعوے سے کہا ہے کہ وہ مرنے کے بعد ہرگز نہیں اُٹھائے جائیں گے ان سے فرمائیں کیوں نہیں میرے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر ضرور تمہیں بتایا جائے گا کہ تم نے دنیا میں کیا کچھ کیا ہے اور ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔(۷) پس اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس روشنی پر جو ہم نے نازل کی ہے۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے باخبر ہے۔“(۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ہلاک ہونے والی اقوام کا ایک اور سنگین جرم۔

انسان جب آخرت کی جوابدہی کے عقیدے کا انکار کرتا ہے تو پھر وہ شُتر بے مہار بن جاتا ہے جس بنا پر وہ بڑے بڑے حقائق کو ٹھکرا دیتا ہے جن حقائق کو انسان ٹھکرتا ہے ان میں آخرت کا عقیدہ بھی شامل ہے۔ قیامت کا انکار کرنے والے سب سے بڑی دلیل یہ دیتے ہیں کہ جب انسان کی ہڈیاں بوسیدہ ہوجاتی ہیں اور وہ مٹی کے ساتھ مٹی بن جاتی ہیں تو پھر اس کو کیسے زندہ کیا جاسکتا ہے۔ قرآن مجید نے دوبارہ زندہ ہونے کے درجنوں دلائل دیئے ہیں حتیٰ کہ یہاں تک فرمایا کہ اے نبی! انہیں فرمادیں!

”کہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا یا کوئی ایسی مخلوق جو تمھارے دلوں میں بڑی ہے عنقریب وہ کہیں گے کون ہمیں لوٹائے گا؟ فرما دیں جس نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا۔ پھر وہ آپ کے سامنے اپنے سر ہلائیں گے اور کہیں گے یہ کب ہوگا؟ فرمادیں امید ہے عنقریب ہوگا۔ جس دن وہ تمھیں بلائے گا تم اس کی تعریفیں کرتے ہوئے چلے آؤ گے اور سمجھو گے کہ تم تھوڑا عرصہ ہی دنیا میں ٹھہرے تھے۔“(بنی اسرائیل:۵۰تا۵۲)

یہاں ارشاد ہوا کہ اے رسول! انہیں فرمائیں! کیوں نہیں! مجھے اپنے رب کی قسم! نہ صرف تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا بلکہ تمہیں وہ سب کچھ بتلایا جائے گا جو کچھ تم نے دنیا میں کیا ہوگا۔ تمہیں دوبارہ زندہ کرنا اور تمہارے اعمال سے تمہیں

آگاہ کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل آسان ہے، بہتر یہی ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول اور جو کچھ اللہ اس نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ اور ہر دم خیال رکھو کہ جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے ہر حال میں باخبر ہوتا ہے۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی نے بہت زیادہ گناہ کیے تھے جب اُس کی موت کا وقت قریب آیا تو اُس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب وہ مر جائے تو اُس کو جلا دینا پھر اُس کے جسم کا نصف حصہ خشکی میں پھینک دینا اور نصف حصہ سمندر میں بہا دینا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اُس کو پکڑ لیا تو اُسے ایسا عذاب دے گا اس طرح کا عذاب جہاں والوں میں سے کسی کو نہیں ہو گا جب وہ مر گیا تو اس کے بیٹوں نے اُس کے حکم کی تعمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا۔ اُس نے اس کا نصف حصہ جمع کر دیا اللہ تعالیٰ نے خشکی کو حکم دیا اُس نے بھی اس کا نصف حصہ اکٹھا کر دیا پھر اُسے فرمایا کہ تو نے ایسا کیوں کیا اُس نے کہا اے میرے رب! تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے خوف سے یہ وصیت کی تھی اللہ تعالیٰ نے اُس کو معاف فرما دیا۔''

(رواہ مسلم: باب فِی سَعَةِ رَحْمَةِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَاَنَّھَا سَبَقَتْ غَضَبَهُ)

مسائل

۱۔ قیامت کے منکرین کا کہنا ہے کہ ہمیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے حلفاً کہلوایا ہے کہ وہ ہر صورت لوگوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنا اور انہیں ان کے اعمال بتلانا بالکل آسان ہے۔
۴۔ لوگوں کو اُوٹ پٹانگ باتیں کرنے کی بجائے اللہ نے جو کچھ اپنے رسول پر نازل کیا ہے اس پر ایمان لانا چاہیے۔
۵۔ لوگ جو بھی عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہر حال میں ان سے باخبر رہتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن زندہ ہونے کے دلائل:

۱۔ وہ کہتے ہیں ہمیں کون دوبارہ زندہ کرے گا؟ فرما دیجیے جس نے پہلی بار پیدا کیا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۵۱)
۲۔ ہم نے زمین سے تمہیں پیدا کیا اسی میں لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ اٹھائیں گے۔ (طٰہٰ: ۵۵)
۳۔ اللہ ہی مخلوق کو پیدا کرنے والا ہے، پھر وہی اسے دوبارہ لوٹائے گا۔ (یونس: ۴)
۴۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا، پھر وہ اسے لوٹائے گا اور یہ کام اس کے لیے آسان ہے۔ (الروم: ۲۷)
۵۔ اللہ ہی نے مخلوق کو پیدا کیا، پھر وہ اسے دوبارہ پیدا کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (الروم: ۱۱)
۶۔ کیا ''اللہ'' کو اس بات پر قدرت نہیں؟ کہ وہ مردوں کو زندہ فرمائے۔ (القیامہ: ۴۰)

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ

جس دن وہ جمع کرے گا تمہیں جمع ہونے کے دن یہی ہے دن ہار جیت کا اور جو کوئی

يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ

ایمان لائے اللہ پر اور عمل کرے صالح وہ دور کر دے گا اس سے برائیاں اس کی

وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

اور داخل کرے گا اس کو ایسے باغات میں کہ چلتی ہیں ان کے نیچے سے نہریں وہ ہمیشہ رہیں گے

فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ان میں ہمیشہ یہی ہے عظیم کامیابی اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

اور جھٹلایا ہماری آیات کو وہی لوگ آگ والے ہیں ہمیشہ رہیں گے اس میں اور بُرا ہے وہ ٹھکانا

”وہ سب کو جمع کرنے کے دن اکٹھا کرے گا اور وہ ہار جیت کا دن ہوگا جو اللہ پر ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا اللہ اس کے گناہ مٹا دے گا اور اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ لوگ ہمیشہ ہمیش ان میں رہیں گے، یہی بڑی کامیابی ہے۔(۹) اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ آگ میں جانے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جو بُرا ٹھکانہ ہے۔“(۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے اوروہی لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا وسزا دینے کے لیے قیامت برپا کرے گا۔

قیامت کا دن پچاس ہزار سال پر مشتمل ہوگا اوراس میں کئی مراحل آئیں گے، نامعلوم! ایک مرحلہ دنیا کے کتنے سالوں پر محیط ہوگا۔ قیامت کے مختلف مراحل کی وجہ سے اس کے مختلف نام ہیں ،قرآن مجید ہر مرحلہ کا نام لے کر اس کا تذکرہ کرتا ہے۔ یہاں قیامت کے ابتدائی اور آخری مرحلے کے لیے دو الفاظ استعمال کیے ہیں۔ پہلے مرحلے میں لوگوں کو قبروں سے اٹھا کر ان کے اعمال کے مطابق انہیں محشر کے میدان میں اکٹھا کیا جائے گا اس وجہ سے قیامت کے دن کو ”یَوْمَ الْجَمْعِ“ کانام دیا ہے، قیامت کے آخری مرحلہ میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کردیا جائے گا۔ کچھ لوگ اپنے اعمال کے نتیجے میں جہنم میں جائیں گے اورکچھ جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ اس مرحلہ کو ”یَوْمُ التَّغَابُنِ“،یعنی وہ دن جس میں لوگوں کے درمیان ہار جیت کا فیصلہ ہوگا۔ ہارنے والے جہنم میں جائیں گے اورجیتنے والے جنت میں داخل ہوں گے، جولوگ جہنم میں داخل کیے جائیں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو

آخرت کے مقابلے میں دنیا کے مفاد اور جیت کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ دنیا میں تو یہ لوگ نیک لوگوں کے مقابلے میں ترقی کر گئے اور بعض دفعہ حق کے مقابلے میں جیت گئے۔ لیکن قیامت کے دن وہ ایسی شکست سے دوچار ہوں گے جو کبھی کامیابی میں تبدیل نہیں ہوگی۔ ان کے مقابلے میں جو لوگ دین کی خاطر نقصان برداشت کرتے ہوئے دنیا کی بازی ہار گئے قیامت کے دن انہیں وہ جیت اور کامیابی حاصل ہوگی جو کبھی ناکامی میں تبدیل نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان کے سچے ایمان اور صالح کردار کی وجہ سے ان کی غلطیوں کو معاف فرمائے گا اور انہیں ایسی جنت میں داخل کرے گا جس کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے یہ ان کے لیے بڑی کامیابی ہوگی، ان کے مقابلے میں جو لوگ دنیا میں حق بات کا انکار اور اس کی تکذیب کرتے رہے وہ ہمیشہ کے لیے آگ میں جھونکے جائیں گے جو رہنے کے اعتبار سے بدترین جگہ ہوگی۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا جنت میں داخل ہونے والا گروہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے چہروں والا ہوگا پھر ان کے بعد آسمان پر روشن ستاروں کی طرح پھر درجہ بدرجہ ہوں گے۔ جنتی نہ پیشاب کریں گے نہ قضائے حاجت کی ضرورت ہوگی وہ تھوکیں گے۔ ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی، ان کی انگیٹھیاں عود کی اور ان کے پسینے مشک عنبر کی طرح ہوں گے۔ ان سب کا ایک جیسا اخلاق ہوگا اور قد و قامت آدم علیہ السلام کے برابر ساٹھ ہاتھ ہوگی۔''

(رواہ مسلم: باب أَوَّلُ زُمْرَةٍ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کی آگ جہنم کی آگ کے سترویں درجے پر ہے۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کیا جلانے کے لیے یہ آگ کافی تھی؟ آپ نے فرمایا وہ اس سے انہتر درجے زیادہ تیز ہوگی اس کا ہر درجہ ایک دوسرے کے برابر ہوگا۔''

(رواہ البخاری: کتاب بدء الخلق، باب صفة النار)

مسائل

۱۔ قیامت کے دن تمام لوگوں کی جمع کرلیا جائے گا۔ ۲۔ قیامت کا دن ہار جیت کا دن ہوگا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سچے ایمان اور صالح کردار لوگوں کی غلطیوں کو معاف فرمادے گا اور انہیں ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل کرے گا۔

۴۔ مسلمان کے لیے قیامت کے دن کی جیت سب سے بڑی جیت ہوگی۔

۵۔ اللہ اور اس کے رسول اور قیامت کو جھٹلانے والے بدترین ناکامی سے دوچار ہوں گے اور انہیں ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

مَآ	اَصَابَ	مِنْ	مُّصِيْبَةٍ	اِلَّا	بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ	وَمَنْ	يُّؤْمِنْۢ
نہیں	پہنچتی	کوئی	مصیبت	مگر	اللہ کے حکم سے	اور جو کوئی	ایمان لائے
بِاللّٰهِ	يَهْدِ	قَلْبَهٗ ؕ	وَاللّٰهُ	بِكُلِّ	شَيْءٍ	عَلِيْمٌ ⑪	
اللہ کے ساتھ	وہ ہدایت دیتا ہے	اس کے دل کو	اور اللہ	ہر	چیز	جاننے والا ہے	

’’کوئی مصیبت اللہ کے اذن کے بغیر نہیں آتی، جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے، اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔‘‘(۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: دنیا میں ایمانداروں کو پہنچنے والی تکالیف کی حقیقت اور اس میں راہنمائی۔

پچھلی آیت میں قیامت کے دن کو ہار جیت کا دن قرار دیا گیا ہے۔ ہارنے والے کفار، مشرکین اور منافقین ہوں گے جو دنیا میں اللہ اور اس کے رسول کی خاطر کسی نقصان کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان کے مقابلے میں جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہر قسم کے نقصان کو سے برداشت کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں ارشاد ہوا کہ انہیں جو مصیبت آتی ہے وہ اللہ کے اِذن سے ہی آتی ہے۔ جو شخص سچے دل کے ساتھ اللہ پر ایمان لائے اور اس کی رضا کی خاطر مصائب برداشت کرے ایک وقت آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کی راہنمائی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ اس مختصر فرمان میں مومن کو تین انداز میں تسلی دی گئی ہے۔

۱۔ اے مومنوں گھبرانے کی ضرورت نہیں جو مصیبت تمہیں آتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اِذن کے مطابق آتی ہے۔ یعنی کوئی مصیبت اپنے آپ نازل نہیں ہوتی بلکہ وہ اللہ کے حکم سے نازل ہوتی ہے۔ جو ایماندار کے لیے اجر کا باعث اور نافرمان کے لیے عذاب ثابت ہوتی ہے۔

۲۔ اللہ کے حکم سے نازل ہونے والی مصیبت جب کسی ایماندار پر آتی ہے تو اس کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہے جس سے ایماندار کے ایمان میں نہ صرف اضافہ ہوتا ہے بلکہ وہ اپنے رب کا پہلے سے زیادہ قرب محسوس کرتا ہے اور اسے اپنے گناہوں کی معافی کی توفیق ملتی ہے، یہی وہ ہدایت ہے جو مصیبت کے وقت ایماندار شخص کو نصیب ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں نافرمان شخص مصیبت کے وقت اپنے رب کا مزید نافرمان بن جاتا ہے۔ یاد رہے کہ ایماندار پر آنے والی مصیبت کی دو اقسام ہوتی ہے ایک مصیبت آزمائش کے طور پر آتی ہے۔ (البقرۃ:۱۵۵) دوسری ایماندار کی اپنی کسی کوتاہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ (الشوریٰ:۳۰)

۳۔ ’’وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ‘‘ کے الفاظ استعمال فرما کر ایماندار کو تسلی دی گئی ہے کہ یہ کبھی نہ سوچنا کہ جو کفار کی طرف سے یا کسی اور صورت میں تمہیں تکلیف پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر ہے۔ ایسا ہرگز نہیں

کیونکہ وہ ایمانداروں کے صبر واستقلال اور کفار کے مظالم کو اچھی طرح جانتا ہے، اسے یہ بھی معلوم ہے کہ ایماندار لوگ صرف اپنے رب کے لیے تکلیفیں برداشت کرتے ہیں۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷛ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ ﷛ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَا یُصِیْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَّلَا وَصَبٍ وَّلَا هَمٍّ وَّلَا حُزْنٍ وَّلَا اَذًی وَّلَا غَمٍّ حَتَّی الشَّوْکَةِ یُشَاکُهَا اِلَّا کَفَّرَ اللّٰهُ بِهَامِنْ خَطَایَاهُ)) (رواہ البخاری : باب ماجاء فی کفارۃ المرض)

''حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید ﷠ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان بیان کرتے ہیں کوئی بھی مسلمان کسی طرح کی تھکاوٹ، درد، فکر،غم ،تکلیف اور پریشانی میں مبتلا ہو یہاں تک کہ اس کو کانٹا بھی چبھے تو اللہ تعالیٰ اسے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔''

((عن أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ ﷺ تقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ یقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ تُصِیبُهُ مُصِیبَةٌ فَیَقُولُ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَیْهِ رَاجِعُونَ "اللّٰهُمَّ أْجُرْنِی فِی مُصِیبَتِی وَأَخْلِفْ لِی خَیْرًا مِنْهَا إِلَّا أَجَرَهُ اللّٰهُ فِی مُصِیبَتِهِ وَأَخْلَفَ لَهُ خَیْرًا مِنْهَا")) (رواہ مسلم : باب مَا یُقَالُ عِنْدَ الْمُصِیبَةِ)

''آپ ﷺ کی زوجہ ام سلمہ ﷝ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا آپ نے فرمایا کہ جب کسی بندے کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ یہ دعا پڑھتے ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹائے جانے والے ہیں۔اے اللہ! میری مصیبت دور فرما اور اس کے مقابلے میں بہتر اجر عطا فرما۔'' اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور کر دیتے ہیں اور اس کے مقابلے میں اسے بہتری عطا فرماتے ہیں۔''

مسائل

۱۔ ہر مصیبت اللہ کے اِذن سے نازل ہوتی ہے۔۲۔اللہ تعالیٰ ہر مصیبت اور چیز کو جانتا ہے۔

۳۔ جو شخص سچے دل کے ساتھ اللہ پر ایمان لائے اور اس پر استقامت اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی کرتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ہے :

۱۔ ظالموں کو ہدایت نہیں ملتی۔ (البقرۃ:۲۵۸) ۲۔ کافروں کو ہدایت نہیں دی جاتی۔ (النساء:۱۶۸)

۳۔ فاسقوں کو ہدایت سے نہیں دی جاتی۔ (المائدۃ:۱۰۸) ۴۔ جھوٹوں کو ہدایت نہیں ملتی۔ (الزمر:۳)

۵۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر کوئی ہدایت نہیں پا سکتا۔ (الاعراف:۴۳)

۶۔ ہدایت وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت قرار دے۔ (البقرۃ:۱۲۰) ۷۔''اللہ'' جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔(البقرۃ:۲۱۳)

۸۔ ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔(القصص:۵۶) ۹۔مشرک اللہ کی ہدایت سے محروم ہوتا ہے۔ (النساء:۴۸)

وَ اَطِيۡعُوا	اللّٰهَ	وَ اَطِيۡعُوا	الرَّسُوۡلَ ۚ	فَاِنۡ	تَوَلَّيۡتُمۡ	فَاِنَّمَا
اورتم اطاعت کرو	اللہ کی	اور اطاعت کرو	رسول کی	پھر اگر	تم منہ پھیرلو	تو بس

عَلٰى رَسُوۡلِنَا	الۡبَلٰغُ	الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۲﴾	اَللّٰهُ	لَاۤ	اِلٰهَ	اِلَّا
ہمارے رسول پر ہے	پہنچا دینا ہے	واضح	اللہ	نہیں ہے	کوئی معبود برحق	مگر

هُوَ ؕ	وَعَلَى اللّٰهِ	فَلۡيَتَوَكَّلِ	الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۳﴾
وہی	اور اللہ ہی پر	پس توکل کریں	مومن (جمع)

''اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، اگرتم اطاعت سے منہ موڑلو تو ہمارے رسول پر صاف طور پر حق پہنچا دینا ہے۔ (۱۲) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ایمان والوں کو چاہیے کہ وہ اللہ پر بھروسہ کریں۔''(۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ایمانداروں کا فرض ہے کہ وہ عُسر اوریُسر میں اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔

مومن ہو یا نافرمان ، کافر ہو یا مسلمان، امیر ہو یا غریب ہرکسی کی زندگی نشیب وفراز ، سُکھ اوردکھ پرمشتمل ہوتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ نافرمانوں کے مقابلے میں ایمانداروں کی زندگی قدرے مشکل ہوتی ہے۔ کیونکہ ایماندار شخص اللہ اور اس کے رسول کا پابند ہوتا ہے جس وجہ سے دنیا میں وہ فوائد اورآسائشیں حاصل نہیں کرسکتا جو نافرمان حاصل کرلیتے ہیں۔ مصیبت ہو یاراحت ،مشکل ہو یا آسانی ،نفع ہو یا نقصان ایمانداروں کوحکم ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ پر توکل کرتے ہوئے اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرتے رہیں۔ ایماندار کواس بات پر یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہستی ایسی نہیں جو اُسے مصیبت سے نجات دے۔لہٰذا ایماندار کو''اللہ'' پر ہی توکل اوراعتماد کرنا چاہیے۔اس میں اُسی کا فائدہ ہے اگر ایمان کا دعویٰ رکھنے والے لوگ اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت سے منہ پھیر لیں تو ہمارے رسول پر حق بات پہنچانا ہے منوانا نہیں۔

قرآن وسنت کی روشنی میں توکل کا معنٰی ہے کہ وسائل اور اسباب کو استعمال کرتے ہوئے کام کا نتیجہ اور انجام اللہ کے سپرد کیا جائے، توکل پریشانیوں سے نجات پانے کا پہلا ذریعہ ہے اگرکسی کا اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور توکل نہیں تو وہ حوصلہ ہار بیٹھے گا اور مسائل کا مقابلہ نہیں کر پائے گا۔

بلا شبہ اسباب کا استعمال لازم اورضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے مسائل کے حل کے لیے مادی وسائل میں ایک قوت رکھی ہے۔ سردی اور گرمی سے بچنے کے لیے موسم کے مطابق لباس اور رہائش اختیار نہ کی جائے تو انسان کی صحت پر مہلک اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ سفر کے لیے سواری درکار ہے، دشمن سے بچاؤ کے لیے اسلحہ کی ضرورت

ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ آدمی کے پاس وسائل ہوں تو وہ کسی حد مطمئن اور اپنی کامیابی کے بارے میں پراعتماد ہوتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ عقیدے میں کمزور اور مادہ پرست انسان کی نگاہ صرف اسباب پر رُک جاتی ہے اس کا ذہن مسبب الاسباب کی طرف بہت کم متوجہ ہوتا ہے۔ اکثر اوقات دنیا دار انسان کامیابی کو اپنی محنت اور صلاحیت کا نتیجہ سمجھتا ہے وہ اس حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی عطا نہ ہوتی تو جس طرح میری جان پہچان کے لوگ وسائل سے محروم ہیں۔ میں بھی اُسی طرح تہی دامن ہوتا تو پھر میرا کیا حال ہوتا اسے یہ خیال بھی رہنا چاہیے کہ مالکِ حقیقی کی مشیّت اور حکم شامل حال نہ ہو تو وسائل اور اسباب دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ اس دنیا و جہاں میں ہر روز رونما ہونے والے واقعات اس فکر اور عقیدے کی تائید کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسباب کی قوت کو سلب کر لیا جاتا ہے تو پھر سب کچھ موجود ہونے کے باوجود انسان ناکامی اور نامرادی کا سامنا کرتا ہے۔

اگر اسباب بذاتِ خود انسان کی مشکلات کا مداوا ہوتے تو ڈاکٹر اور حکیم موت کی وادیوں میں بسیرا نہ کرتے۔ محض وسائل ہی مسائل کا حل ہوتے تو بڑے بڑے فرمانروا اقتدار کے ایوانوں سے نکل کر جیل کی کال کوٹھڑیوں میں ایڑیاں نہ رگڑتے اس لیے انبیاء کرام ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ وسائل کو ہر حال میں استعمال کیا جائے مگر اس کی قوتِ کار کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اسباب اسی وقت کارآمد اور مفید ثابت ہوں گے جب مالکِ حقیقی کا حکم جاری ہوگا۔ اس حقیقت کے پیش نظر مسلمان کا فرض ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ذرائع اور وسائل کو اختیار کرتے ہوئے ان کے اثرات اور نتائج کو اللہ کا انعام تصور کرے۔ توکّل علی اللہ کی تکمیل تب ہوتی ہے کہ جب آدمی یہ عقیدہ بنا لے کہ کچھ نہ ہونے کے باوجود بھی ”اللہ“ میری مدد کرنے پر قادر ہے اور وہ میری مدد ضرور فرمائے گا۔

مسائل

۱۔ ایمانداروں کو ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنی چاہیے۔

۲۔ اللہ کے سوا کوئی معبود اور حاجت روا، مشکل کشا نہیں۔

۳۔ ایمانداروں کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد رکھنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ پر توکل کے فوائد:

۱۔ جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اسے کافی ہو جاتا ہے۔ (الطلاق: ۳)

۲۔ اللہ پر ایمان لانے والوں اور توکل کرنے والوں کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ (الشوریٰ: ۳٦)

۳۔ اللہ صبر کرنے والوں اور توکل کرنے والوں کو بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ (العنکبوت: ۵۹)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْٓا	اِنَّ	مِنْ	اَزْوَاجِكُمْ	وَ اَوْلَادِكُمْ	عَدُوًّا
اے لوگو جو	ایمان لائے ہو	بلاشبہ	بعض	تمہاری بیویاں	اور تمہاری اولاد	دشمن ہیں
لَّكُمْ	فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ	وَاِنْ	تَعْفُوْا	وَتَصْفَحُوْا		وَ تَغْفِرُوْا
تمہارے	لہٰذا بچو ان سے	اور اگر	تم معاف کرو	اور ایک دوسرے کی اصلاح کرو		اور درگزر کرو
فَاِنَّ	اللّٰهَ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ﴿١٤﴾	اِنَّمَآ	اَمْوَالُكُمْ	وَ اَوْلَادُكُمْ
تو بلاشبہ	اللہ	غفور	رحیم ہے	بلاشبہ	تمہارے مال	اور تمہاری اولاد
فِتْنَةٌ ؕ	وَاللّٰهُ	عِنْدَهٗٓ	اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٥﴾			
آزمائش ہیں	اور اللہ	اس کے ہاں	اجرِ عظیم ہے			

”اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں ان سے بچو۔ اگر تم عفو اور درگزر سے کام لو اور معاف کر دو تو اللہ غفور ورحیم ہے۔(۱۴) تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں۔ اللہ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔“(۱۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس فرمان سے پہلے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم ہوا اور پھر فرمایا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔ اللہ کی عبادت اور اس پر بھروسہ کرنے کے معاملے میں جو چیز آدمی کے راستے میں سب سے پہلے رکاوٹ بنتی ہے وہ بیوی، اولاد اور مال کی محبت ہے بسا اوقات یہ محبت اپنے آپ کے ساتھ دشمنی کرنے کے مترادف ثابت ہوتی ہے ایسی محبت سے احتیاط برتنے کا حکم ہے۔ جس کے لیے ارشاد ہوا کہ اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور اولاد بھی تمہارے دشمن ہوتے ہیں اور تمہارے مال تمہارے لیے آزمائش ہیں جن سے تمہیں احتیاط برتنی چاہیے تاکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں کمی واقع نہ ہو۔

اسی سورت کی آیت ۱۱ میں مومنوں کو یہ بتلایا ہے کہ جو بھی مصیبت آتی ہے اس کے پیچھے اللہ کا حکم کارفرما ہوتا ہے لہٰذا مومن کا فرض ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ پر بھروسہ کرے۔ مصیبت کا معنٰی دکھ اور آزمائش ہے جو مومن کو اس کی بیوی اور اولاد سے بھی پہنچ سکتی ہے۔ گویا کہ مصیبت خارجی ذرائع سے بھی آتی ہے اور داخلی اسباب بھی اس کا سبب بنتے ہیں۔ خارجی اسباب میں بیوی، اولاد اور مال بھی اس کا سبب بنتے ہیں بالخصوص دینی زندگی اپنانے میں اکثر اوقات بعض بیویاں اور اولاد دانستہ یا غیر دانستہ طور پر مومن کے راستے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں جو شخص اس آزمائش میں پورا اترے گا اللہ تعالیٰ اسے اجرِ عظیم سے سرفراز کرے گا۔ اگر بیوی اور اولاد آزمائش بن جائیں تو مومن کو بیوی اور اولاد کی خاطر اپنے دین کا سودا نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے حکم دیا گیا ہے کہ اپنی بیویوں اور اولاد سے بچتے رہو یعنی ان کی خاطر اپنا دین خراب اور آخرت برباد نہ کرو۔ البتہ گھریلو زندگی اور اپنی عزت

بچانے کے لیے ان کے ساتھ معافی اوردرگزر کا رویہ اختیار کرو اور یاد رکھو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔ معاف اوررحم کرنے کے الفاظ استعمال فرما کرمومن کوتسلی دی گئی ہے کہ اگر اپنے رب کے بتلائے ہوئے اصولوں کے مطابق چلو گے تو وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس آزمائش میں سرخرو فرمائے گا، جوشخص ان اصولوں پر عمل نہیں کرتا وہ نہ صرف پریشانیوں کا شکار ہوتا ہے بلکہ اس کی برادری اورمعاشرے میں عزت بھی ضائع ہوجاتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے مومن کواس کی اولاد اوربیوی کی آزمائش سے بچانے کے لیے تین الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

﴿تَعْفُوْا﴾ ''تم معاف کرو۔'' ﴿وَتَصْفَحُوْا﴾ ''اور ایک دوسرے کی اصلاح کرو۔'' ﴿وَتَغْفِرُوْا﴾ ''اور بخش دو۔''

یہاں تک مال کا معاملہ ہے یہ تو سراسر آزمائش ہے اکثر دیکھا گیا ہے کہ جس کے پاس مال آتا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کے راستے کو چھوڑ کر نافرمانی کے راستے پر چل نکلتا ہے اس بات کی اللہ تعالیٰ نے یوں نشاندہی فرمائی ہے :

﴿كَلَّا اِنَّ الْاِنسَانَ لَيَطْغٰى o اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى﴾ (العلق : ٦،٧)

''ہرگزنہیں یقیناً انسان سرکشی کرتا ہے۔جب وہ اپنے آپ کوغنی دیکھتا ہے۔''

''حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔ اور وہ خود اس پر گواہ ہے اور وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے۔''(العدیات: ٦ تا ٨)

مسائل

١۔ بعض بیویاں اور اولاد بھی آدمی کے دشمن بن جاتے ہیں۔
٢۔ نافرمان اولاد اوربیوی کے بارے میں حتیٰ الوسع معافی اوردرگزر سے کام لینا چاہیے۔
٣۔ اللہ تعالیٰ نے مال اوراولاد کومومن کے لیے آزمائش قرار دیا ہے۔
٤۔ دوسروں کو معاف کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بھی معاف کرتا ہے۔
٥۔ آزمائش میں پورا اترنے والے کو اللہ تعالیٰ اجرِعظیم سے سرفراز فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

مومن کے لیے آزمائش:

١۔ ایمان کے لیے آزمائش شرط ہے۔(العنکبوت:٢) ٢۔اللہ نے پہلے لوگوں کوبھی آزمایا۔(البقرۃ :٢١٤)
٣۔ آزمائش میں ثابت قدمی کے بعد اللہ کی مدد یقینی اورقریب ہوا کرتی ہے۔ (البقرۃ: ٢١٤)
٤۔ جنت میں داخلے کے لیے آزمائش ضروری ہے۔ (آل عمران: ١٤٢)
٥۔ اللہ نے انسان کی آزمائش کے لیے موت وحیات کا سلسلہ بنایا ہے۔(الملک:٢)
٦۔ اللہ نے انسانوں کی آزمائش کے لیے بعض کوبعض پرفوقیت دی۔(الانعام:١٦٥)
٧۔ مال واولاد انسان کے لیے آزمائش ہے اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔(التغابن :١٥)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ	مَا اسْتَطَعْتُمْ	وَاسْمَعُوْا	وَ اَطِيْعُوْا	وَ اَنْفِقُوْا
بس تم اللہ سے ڈرو	جتنی تم استطاعت رکھتے ہو	اور سنو	اور اطاعت کرو	اور خرچ کرو
خَيْرًا	لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ	وَمَنْ	يُّوْقَ	شُحَّ نَفْسِهٖ
بہتر	اپنے نفسوں کے لیے	اور جو کوئی	بچا لیا گیا	اپنے نفس کی حرص سے
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	الْمُفْلِحُوْنَ ⑯			
تو یہی لوگ ہیں	فلاح پانے والے			

''بس جہاں تک تمہارے بس میں ہو اللہ سے ڈرتے رہو۔ سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو بہتر اپنے لیے، جو اپنے دل کی حرص سے بچا لیا گیا وہی فلاح پانے والے ہیں۔''(١٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بیوی، اولاد اور مال کی آزمائش سے سو فیصد بچنا آسان کام نہیں اس لیے ارشاد ہوا کہ اپنی طاقت کے مطابق اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے حکم کی پیروی کرو۔

''اللہ'' کے بے شمار احسانات میں سے یہ بھی اس کا عظیم ترین احسان ہے کہ اس نے اپنے بندے پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا۔ اس کا ارشاد ہے کہ لوگو! اللہ نے جو تمہیں صلاحیت اور استعداد عطا فرمائی ہے۔ اس کے مطابق اس کا حکم مانو اور اس کی اطاعت کرتے ہوئے اس سے ڈرتے رہو اور اس کی راہ میں مال خرچ کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے جو لوگ بخل سے بچا لیے گئے وہی کامیاب ہوں گے۔

((عَنْ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ ؓ يَقُوْلُ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ فِيْ مَجْلِسٍ تُبَايِعُوْنِيْ عَلٰى أَنْ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكُمْ وَلَا تَأْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهُ بَيْنَ أَيْدِيْكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوْا فِيْ مَعْرُوْفٍ فَمَنْ وَفٰى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَسَتَرَهُ اللّٰهُ فَأَمْرُهُ إِلَى اللّٰهِ إِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ فَبَايَعْنَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ)) (رواہ البخاری: باب بَيْعَةِ النِّسَاءِ)

''حضرت عبادہ بن صامت ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے ہمیں ایک مجلس کے دوران فرمایا کہ تم ان باتوں پر میری بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا سے بچ کر رہو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، کسی پر من گھڑت بہتان نہیں باندھو گے، نہ ہی نیکی کے کاموں میں نافرمانی کرو۔ جس نے اس بیعت کی پاسداری کی اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے جس نے ان

باتوں کا ارتکاب کیا اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں سزا دے گا جو اس کے لیے کفارہ ہوگا۔ جس نے ان گناہوں کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہوں پر پردہ ڈال دیا تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ چاہے سزا دے اور چاہے تو اس سے درگزر فرمائے۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سب نے ان باتوں پر بیعت کی۔"

((عن عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ قَالَ بَايَعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِى الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ)) (مسند احمد ،حديث عبادة بن صامت ،وقال هذا حديث صحيح)

"حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات پر بیعت کی کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تنگی اور خوش حالی دونوں صورتوں میں مانیں گے۔"

مسائل

۱۔ ہر انسان کو اپنی طاقت کے مطابق اللہ سے ڈرنا اور اس کا حکم ماننا چاہیے۔

۲۔ ہر شخص کو اپنی مالی استعداد کے مطابق اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہیے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا انسان کے اپنے لیے بہتر ہے۔

۳۔ جس شخص کو بخل سے بچا لیا گیا حقیقت میں وہی کامیاب ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے فوائد :

۱۔ جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ تمھیں اس سے زیادہ دے گا۔ (سبا:۳۹)

۲۔ مومنین اللہ کے راستے میں خفیہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں۔ (الرعد:۲۲)

۳۔ مسلمان تنگدستی اور خوشحالی میں خرچ کرتے ہیں۔ (آل عمران:۱۳۴)

۴۔ منافق صدقہ کرنے کو جرمانہ سمجھتا ہے۔ (التوبہ: ۹۸)

۵۔ مومن اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے۔ (التوبہ:۹۹)

۶۔ "اللہ" کی رضا کے لیے خرچ کرنے والوں کی مثال سدا بہار باغ جیسی ہے۔ (البقرۃ:۲۶۵)

۷۔ "اللہ" کی رضا کے لیے خرچ کرنے والے کو پورا پورا اجر ملے گا۔ (البقرۃ:۲۷۲)

۸۔ "اللہ" کی رضا کے لیے کیے گئے کام کا بڑا اجر ہے۔ (النساء:۱۱۴)

اِنْ	تُقْرِضُوا	اللّٰهَ	قَرْضًا حَسَنًا	يُّضٰعِفْهُ	لَكُمْ
اگر	تم قرض دو	اللہ کو	قرضِ حسنہ	تو وہ بڑھائے گا اس کو	تمہارے لیے
وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ	وَ اللّٰهُ	شَكُوْرٌ	حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾	عٰلِمُ	الْغَيْبِ
اور بخش دے گا تمہیں	اور اللہ	بڑا قدردان	حوصلے والا ہے	جاننے والا ہے	پوشیدہ
وَ الشَّهَادَةِ	الْعَزِيْزُ	الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ ع			
اور ظاہر کو	نہایت غالب ہے	خوب حکمت والا ہے			

''اگر تم اللہ کو قرضِ حسنہ دو تو وہ تمہیں کئی گنا بڑھا کر واپس کرے گا اور تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔ اللہ بڑا قدردان اور حوصلے والا ہے۔(۱۷) ہر حاضر اور غائب کو جانتا ہے، نہایت غالب اور خوب حکمت والا ہے۔''(۱۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مال کی آزمائش میں سرخرو ہونے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انسان اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا رہے صدقہ کرنا ''اللہ'' کو قرض دینے کے مترادف ہے۔

اوپر کی دو آیات میں ایمان والوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اس آیت میں صدقہ کرنے والوں کو یہ فرما کر تسلی اور ترغیب دی ہے کہ اگر تم اخلاص کے ساتھ صدقہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دو گے۔ وہ تمہارے صدقہ کو دوگنا تگنا کرے گا اور اس کے بدلے تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکی اور نیکی کرنے والوں کا بڑا ہی قدر دان اور بردبار ہے۔وہ تمہارے ظاہری اور باطنی حالات کو جانتا ہے اور ہر چیز پر غالب ہونے کے ساتھ بڑا حکیم ہے۔ یہاں صدقہ کے لیے قرضِ حسنہ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ حسنہ کا معنیٰ ایسا صدقہ ہے جس میں کسی قسم کی نمود و نمائش اور ایذا رسانی نہ پائی جائے۔ اللہ تعالیٰ ایسے صدقہ کی قدر کرتا ہے۔اس کی قدر شناسی کی انتہا دیکھیے کہ وہی سب کچھ عطا کرنے والا ہے۔لیکن جب غریب ،یتیم اور دین کے کاموں پر خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے تو اسے اپنے لیے صدقہ شمار کرتا ہے۔ حالانکہ ان مصارف پر خرچ کرنے سے انسان کو ہی فائدہ پہنچتا ہے۔حلیم کی صفت بتلا کر اشارہ دیا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بڑے حوصلے کی بات ہے۔ اس میں یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر تمہارے بخل کرنے پر وہ تمہیں نہیں پکڑتا تو ایسا اس لیے ہے کہ وہ بڑا حلیم ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷛ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ وَإِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِينِهِ ثُمَّ يُرَبِّيهَا لِصَاحِبِهِ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ)) (رواه البخاري: كتاب الزكاة ، باب الصدقة من كسب طيب)

''حضرت ابو ہریرہ ﷛ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے پاکیزہ کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا اور اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ چیز ہی قبول فرماتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں

ہاتھ میں لیتے ہیں پھر اس کو صدقہ کرنے والے کے لیے بڑھاتے رہتے ہیں جس طرح تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ آدمی کا کیا ہوا صدقہ پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔“

((عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ ؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَا نَقَصَ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ))(رواه مسلم: باب استحباب العفو والتواضع)

”حضرت ابوہریرہ ؓ نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: کہ صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا جو بندہ درگزر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے عزت دیتا ہے۔ جو اللہ کی رضا کے لیے عاجزی اور انکساری اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے بلند کرتا ہے۔“

﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَ اللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ﴾ (البقرة: ٢٦١)

”جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، خوب جاننے والا ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دینے کے مترادف ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والے کے مال میں برکت پیدا کرنے کے ساتھ اس کے گناہوں کو معاف کرتا ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نیکی اور نیکی کرنے والے کا قدردان ہے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ غیب اور پوشیدہ باتوں کا علم رکھنے کے باوجود بڑا بردبار اور حکمت والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

صدقہ کرنے کے دنیا اور آخرت میں فوائد :

۱۔ صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کو قرض دینا ہے۔(الحدید:۱۱) ۲۔صدقہ کرنے والے کو تسکین حاصل ہوتی ہے۔(البقرۃ:۲۶۵)
۳۔ صدقہ کرنے سے مال میں برکت ہوتی ہے۔(البقرۃ:۲۶۵)
۴۔ اللہ تعالیٰ اسے دگنا تگنا کرکے واپس کرے گا۔(التغابن:۱۷)
۵۔ اللہ سات سوگنا تک بڑھا دیتا ہے۔(البقرۃ:۲۶۱) ۶۔اللہ کے ہاں اضافے کی کوئی حد نہیں ہے۔(البقرۃ:۲۶۱)
۷۔ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔(یوسف:۸۸) ۸۔مومن اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے۔(التوبہ:۹۹)
۹۔ مسلمان تنگدستی اور خوشحالی میں خرچ کرتے ہیں۔(آل عمران:۱۳۴)
۱۰۔ جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ تمھیں اس سے زیادہ دے گا۔(سبا:۳۹)

سورۃ الطّلاق کا تعارف

اس سورت کا نام اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی، اس کے دو رکوع ہیں جو بارہ آیات پر مشتمل ہیں۔

اس سورت کا مرکزی مضمون طلاق ہے۔ یہ معاشرتی اعتبار اور خاندانی لحاظ سے اتنا اہم مسئلہ ہے کہ اس کی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدّت ملحوظ رکھو اور عدّت کے دن اچھی طرح شمار کرنے چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور انہیں عدّت کے دوران ان کے گھروں سے نہ نکالا جائے یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں جو اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔ طلاق رجعی کی صورت میں رجوع کے بعد انہیں عزت کے ساتھ اپنے گھروں میں رکھو یا اچھے انداز میں انہیں الگ کر دو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہے وہی مشکلات سے نکلنے کا راستہ پیدا کرے گا جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہے اللہ تعالیٰ ان کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور ان کے لیے آسانی کا راستہ پیدا کرتا ہے اس نے اپنا رسول اس لیے مبعوث کیا ہے تاکہ لوگوں کو ہر قسم کی تاریکیوں سے نکال کر قرآن مجید کی روشنی میں لے آئے۔ جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اللہ تعالیٰ اُسے جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جنتی اُن میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے ہی سات آسمان اور ان کی مثل سات زمینیں پیدا کی ہیں۔ وہی اُن کے درمیان اپنے فیصلے جاری کرتا ہے تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا اور اپنے علم کے ساتھ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے۔

((عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ أَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَوَکَّلُوْنَ عَلَی اللَّہِ حَقَّ تَوَکُّلِہٖ لَرُزِقْتُمْ کَمَا تُرْزَقُ الطَّیْرُ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا)) (رواہ الترمذی : باب فِی التَّوَکُّلِ عَلَی اللَّہِ)

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے۔ تو تمہیں اسی طرح رزق دیا جائے جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ وہ خالی پیٹوں کے ساتھ صبح کرتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹوں کے ساتھ لوٹتے ہیں۔“

سُورَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا: ۱۲ رُكُوْعُهَا: ۲

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ	اِذَا	طَلَّقْتُمُ	النِّسَآءَ	فَطَلِّقُوْهُنَّ	لِعِدَّتِهِنَّ	وَاَحْصُوا	
اے نبی	جب	تم طلاق دو	عورتوں کو	تو انہیں طلاق دو	ان کی عدت کے لیے	اور شمار کرو	
الْعِدَّةَ	وَاتَّقُوا	اللّٰهَ	رَبَّكُمْ	لَا	تُخْرِجُوْهُنَّ	مِنْ بُيُوْتِهِنَّ	
عدت کو	اور ڈرو	اللہ سے	جو تمہارا رب ہے	نہ	تم نکالو انہیں	ان کے گھروں سے	

”اے نبی جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو انہیں ان کی عدت کے لیے طلاق دیا کرو اور عدت کے دنوں کو پوری طرح شمار کیا کرو اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے ،تم انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو۔

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورۃ التغابن کے اختتام میں مسلمانوں کو یہ سمجھایا ہے کہ تم میں سے کچھ لوگوں کی بیویاں اور اولاد ان کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی مرد کو ایسی بیوی کے ساتھ واسطہ پڑے اور وہ اس سے جان چھڑانا چاہئے تو وہ اُسے طلاق دے کر جان چھڑا سکتا ہے۔ اسی لیے اس سورت کے آغاز میں طلاق کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔

اے نبی ﷺ! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عِدت کے شروع میں طلاق دو اوران کی عدت شمار کرو۔ اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے۔ مطلقہ عورتوں کو ان کی عدت کے دوران ان کے گھروں سے نہ نکالو مگر اس صورت میں کہ وہ واضح بے حیائی کاارتکاب کریں، یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کا خیال رکھو۔جس نے اللہ کی حدوں سے تجاوز کیا اس نے اپنے آپ پرظلم کیا۔تم نہیں جانتے کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ طلاق کے دوران صلح کی راہ پیدا کردے۔ یہ بات پہلے بھی عرض ہوچکی ہے کہ بعض مسائل کی اہمیت اور افادیت اُجاگر کرنے کے لیے نبی کو مخاطب کیا گیا ہے تاکہ مسلمان مسئلے کی اہمیت اوررفرضیت کو پوری طرح سمجھ جائیں۔ طلاق سے نہ صرف میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع ہو تی ہے بلکہ اکثر اوقات انکی اولاد اور دو خاندانوں کے درمیان بھی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ میاں بیوی اوران کے متعلقین کو منفی اثرات سے بچانے کے لیے نبی ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے جس سے مراد آپ کی امت کو سمجھانا ہے۔ خطاب کے آغاز میں نبی علیہ السلام کو مخاطب فرمایا لیکن پھر ”طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ“ کے الفاظ استعمال فرما کر خطاب کا رُخ امت کی طرف پھیر دیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے لوگو! جب تم اپنی بیویوں کو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو تو طلاق کے دن شمار کیا کرو۔ طلاق کے دوران تمہیں حق نہیں پہنچتا کہ تم بلاوجہ اپنی بیویوں کو ان کے گھروں سے نکال باہر کرو۔ ایسا کرنا اللہ کی حدود کو توڑنے کے ساتھ اپنے آپ پر زیادتی کرنا ہے۔ طلاق کے لیے ”لِعِدَّتِهِنَّ“ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ طلاق حیض کے دوران یا مجامعت

وَلَا يَخۡرُجۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَ تِلۡكَ

اور نہ وہ نکلیں مگر یہ کہ وہ کریں کوئی بے حیائی واضح اور یہ

حُدُوۡدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ ؕ

اللہ کی حدیں ہیں اور جو کوئی تجاوز کریگا اللہ کی حدود سے تو یقیناً اس نے ظلم کیا اپنے نفس پر

لَا تَدۡرِىۡ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِكَ اَمۡرًا ①

آپ نہیں جانتے شاید کہ اللہ پیدا کر دے بعد اس کے کوئی صورت

اور نہ وہ خود نکلیں اِلَّا یہ کہ وہ کسی واضح برائی کی مرتکب ہوں، یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں۔جو کوئی اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا آپ نہیں جانتے شاید اس کے بعد اللہ کوئی صورت پیدا کر دے۔“(۱)

کے بعد نہیں دینی چاہیے۔ عدت کی ابتدا میں طلاق دینے سے عورت کی عدت تین مہینے سے زیادہ نہیں ہو گی اور عدت شمار کرنے میں غلطی کا امکان ختم ہوجائے گا۔ یہ حدود اس لیے مقرر کی گئی ہیں کہ اگر میاں، بیوی ان کا خیال کریں گے تو ہوسکتا ہے کہ طلاق رجعی کی صورت میں ان کے درمیان اللہ تعالیٰ ﷺ اورآشتی کے حالات پیدا کر دے۔ اس بنا پر مرد کو سمجھایا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اس کی عدت کے دوران گھر میں رہنے دے اس گھر میں رہنا اس کا حق ہے۔عورت کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ وہ کسی قسم کی گستاخی ، زیادتی اور بے حیائی کی حرکت نہ کرے۔ میاں بیوی میں سے جو بھی ان باتوں کا خیال نہیں رکھے گا۔ نہ صرف وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا بلکہ وہ اللہ کی حدود کو توڑنے والا ہوگا۔اللہ کی حدود توڑنے والے ظالموں میں شمار ہوں گے۔

مسائل

۱۔ بیوی کو طلاق اس کے طُہر میں دینی چاہیے۔۲۔ عدت کے دوران عورت کا اپنے گھر میں رہنا اس کا حق ہے۔
۳۔ عدت کے دوران عورت کو شرعی عذر کے بغیر گھر سے نکالنا اللہ کی حد سے تجاوز کرنا ہے۔
۴۔ عورت اپنے خاوند کے گھر میں عدت گزارے تو اللہ تعالیٰ ﷺ کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال دے گا۔
۵۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اس کی معین کردہ حدود کا احترام کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

عدّت کے مسائل:

۱۔ مطلقہ کی عدّت تین حیض ہے۔(البقرۃ : ۲۲۸)۲۔ بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔(البقرۃ :۲۳۴)
۳۔ حیض نہ آنے کی صورت میں عدّت تین ماہ ہے۔(الطلاق:۴،۵)
۴۔ حاملہ کی عدّت وضع حمل ہے۔(الطلاق:۴)۵۔عدّت کے دن شمار کرنے چاہئیں۔ (الطلاق : ۱)

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ

پھر جب | وہ پہنچیں | اپنی عدت کو | تو تم روکے رکھو انہیں | اچھے طریقے سے | یا | الگ کر دو انہیں

بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ

اچھے طریقے سے | اور تم گواہ بنا لو | دو عادل آدمیوں کو | اپنوں سے | اور قائم کرو | گواہی

لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

اللہ کے لیے | یہ تمہیں | نصیحت کی جاتی ہے | اس کے ساتھ | جو | ہے | ایمان رکھتا | اللہ پر

وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ۬ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾

اور یوم آخرت پر | اور جو کوئی | ڈرتا ہے | اللہ سے | تو وہ بنا دیتا ہے اس کے لیے | نکلنے کا راستہ

”پھر جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں اچھے طریقے سے روک لو یا اچھے طریقے سے الگ کردو اور دو عادل آدمیوں کو گواہ بنا لو اور گواہی اللہ کے لیے ٹھیک ٹھیک ادا کرو ان باتوں کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے ہر اس شخص کو جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، جو کوئی اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔(۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عدّت کے دوران میاں بیوی کی آپس میں صلح نہ ہو تو انہیں اچھے طریقے سے ایک دوسرے سے الگ ہو جانا چاہیے۔

بیوی کو کسی اہم وجہ کے بغیر طلاق دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت ہی ناپسندیدہ فعل ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں طلاق دینے سے پہلے میاں بیوی اوران کے لواحقین کو کچھ اقدامات اٹھانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر طلاق دینا ناگزیر ہو جائے تو اس کا طویل طریقہ کار متعین کیا ہے تاکہ جہاں تک ہو سکے صورتِ حال کو طلاق تک پہنچنے سے روکا جائے۔ اگر بالفرض نباہ کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو حکم ہے کہ جب عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کو پہنچ جائیں تو طلاقِ رجعی کی صورت میں انہیں اچھے طریقے سے رکھنا ہے یا پھر بہترین انداز میں رخصت کرنا ہے۔ دونوں صورتوں میں دو منصف مزاج اور حق گو گواہوں کا ہونا لازم ہے تاکہ وہ بوقت ضرورت اللہ کے حکم کے مطابق ٹھیک ٹھیک گواہی دیں۔ ان باتوں کی ان لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے مشکل سے نکلنے کا راستہ پیدا کردے گا اوراسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرمائے گا جہاں سے اسے وہم وگمان بھی نہیں ہو گا، جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہوجاتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جو کام کرنا چاہتا ہے وہ ہوکر رہتا ہے۔ اس نے ہر چیز کا وقت مقرر کر رکھا ہے۔ یہاں تک رجوع اور فارغ کرنے کے وقت دو گواہ مقرر کرنے کا تعلق ہے، یہ قطعی حکم نہیں کیونکہ اس کے لیے نصیحت کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اس لیے تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ اس موقعہ پر گواہ بنانا بہتر ہے فرض نہیں۔ اس لیے سب کا اتفاق ہے کہ گواہوں کے بغیر رجوع اور طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ طلاق کے وقت

وَّ يَرْزُقْهُ	مِنْ حَيْثُ	لَا	يَحْتَسِبُ ط	وَمَنْ	يَّتَوَكَّلْ	عَلَى اللّٰهِ
اور وہ اسے رزق دیتا ہے	جہاں سے	نہیں	وہ گمان کرتا	اور جو کوئی	توکل کرے گا	اللہ پر
فَهُوَ	حَسْبُهٗ ط	اِنَّ	اللّٰهَ	بَالِغُ	اَمْرِهٖ ط	قَدْ	جَعَلَ
تو وہ	کافی ہے اسے	بلاشبہ	اللہ	پورا کرنے والا ہے	اپنا کام	تحقیق	مقرر کیا ہے
اللّٰهُ	لِكُلِّ شَيْءٍ	قَدْرًا ۝۳				
اللہ نے	ہر چیز کے لیے	ایک اندازہ				

اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ ہوگا، جو اللہ پر بھروسہ کرے اس کے لیے وہ کافی ہے۔ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے اللہ نے ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔" (۳)

بالخصوص عورت کے دل میں اپنے مستقبل کے بارے میں فکر پیدا ہوتی ہے کہ آئندہ زندگی گزارنا اس کے لیے کس طرح ممکن ہوگا۔ اس خوف سے نکالنے کے لیے ارشاد ہوا کہ جو اللہ پر بھروسہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ایسے مقام سے رزق عطا کرے گا جس کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتا۔ رزق سے مراد ہر قسم کی نعمت اور زندگی کا سامان ہے۔ آدمی کے لیے اس میں یہ ہدایت ہے کہ اگر وہ اللہ کا حکم مان کر عورت کو رخصت کرتے وقت کچھ دیتا ہے تو اسے یقین کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرمائے گا جہاں سے وہ توقع بھی نہیں کرتا تھا۔ اس آیت کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے علامہ قرطبی کے حوالے سے یہ واقعہ لکھا ہے۔ عوف بن مالک اشجعی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کرتے ہیں کہ میرا بیٹا دشمن کی قید میں ہے۔ اس کی ماں اس کی جدائی میں بے چین اور نڈھال ہوچکی ہے۔ آپ اس کا کوئی حل ارشاد فرمائیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا اپنے بیٹے اور بیوی کو کہو کہ وہ کثرت سے "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" کا ورد کریں۔ انہوں نے ورد کیا تو ان کا بیٹا تھوڑے ہی دن بعد دشمن کی قید سے رہا ہوگیا۔ (الرغیب و الترہیب: باب الذکر والدعاء)

مسائل

۱۔ مطلقہ عورت اپنی عدت پوری کرلے تو اسے اچھے انداز میں رکھنا ہے یا اچھے طریقے سے فارغ کرنا چاہیے۔

۲۔ مطلقہ عورت کو فارغ کرتے ہوئے دو منصف مزاج گواہوں کی گواہی ڈالنی چاہیے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ نافذ کرنے والا ہے۔

۴۔ جو اللہ سے ڈر کر معاملات طے کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسانی کا راستہ کھول دے گا۔

۵۔ جو اللہ سے ڈر کر زندگی بسر کرے گا اللہ تعالیٰ اسے نامعلوم جگہ سے رزق عطا فرمائے گا۔

۶۔ جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہوجاتا ہے۔ ۷۔ اللہ کے لیے سچی گواہی پر قائم رہنا چاہیے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لیے ایک وقت اور طریقہ مقرر کر رکھا ہے۔

وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ

اور جو عورتیں مایوس ہو گئیں حیض سے تمہاری (مطلقہ) عورتوں میں سے اگر تم شک میں پڑو

فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ

تو ان کی عدت ہے تین مہینے اور ان کی جنہیں نہیں حیض آیا اور جو حاملہ عورتیں ہیں

اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ

ان کی عدت یہ کہ وہ جنم دیں بچہ اپنا اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے تو وہ بنا دیتا ہے

''اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اگر ان کے معاملہ میں تمہیں کوئی شک پیدا ہو جائے تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور یہی حکم ان کا ہے جنہیں ابھی حیض نہ آیا ہو اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے جو شخص اللہ سے ڈرے تو وہ بنا دیتا ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: عورتوں کے مسائل کا بیان جاری ہے۔حیض سے نا امید اعورتوں کی عدت کا ذکر۔

ا۔آسیہ یعنی وہ عورت جو عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے حیض آنے سے نا امید ہو چکی ہو۔ طلاق ہونے کی صورت میں اس کی عدت تین قمری مہینے ہوگی۔ اس کے بارے میں ''اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ اَشْهُرٍ '' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن کا معنٰی ہے کہ اگر تمہیں شک ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہوگی۔ ان الفاظ سے کچھ لوگوں کو یہ شبہ پیدا ہوا ہے کہ شاید جس عورت کا حیض بند ہو چکا ہو اسے طلاق کے بعد تین مہینے کی عدت گزارنے کی ضرورت نہیں، یہ استدلال ٹھیک نہیں ہے بلکہ اسے بھی عدت گزارنی چاہیے۔

۲۔جو عورت بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچی اور اس کے خاوند نے اسے طلاق دے دی تو اس کی عدت بھی تین مہینے ہوگی۔ اس سے ثابت ہوا کہ بلوغت سے پہلے عورت سے نکاح ہو سکتا ہے۔

۳۔حاملہ عورت کو طلاق ہو جائے تو اس کی عدت بچہ پیدا ہونے تک ہے۔اسکی عدت میں صحابہ کرام علیہم السلام کے درمیان دو نقطہ نظر پائے جاتے تھے۔

((أَخْبَرَنِی أَبُو سَلَمَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَی ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبُو هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ جَالِسٌ عِنْدَهُ فَقَالَ أَفْتِنِی فِی امْرَأَةٍ وَلَدَتْ بَعْدَ زَوْجِهَا بِأَرْبَعِينَ لَيْلَةً فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما آخِرُ الأَجَلَيْنِ قُلْتُ أَنَا ﴿وَأُولَاتُ الأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَا مَعَ ابْنِ أَخِی يَعْنِی أَبَا سَلَمَةَ فَأَرْسَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما غُلَامَهُ كُرَيْبًا إِلَی أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا يَسْأَلُهَا فَقَالَتْ قُتِلَ زَوْجُ سُبَيْعَةَ الأَسْلَمِيَّةِ وَهِیَ حُبْلَی فَوَضَعَتْ بَعْدَ مَوْتِهِ بِأَرْبَعِينَ لَيْلَةً فَخُطِبَتْ

لَّهٗ	مِنْ اَمْرِهٖ	يُسْرًا ۝	ذٰلِكَ	اَمْرُ اللّٰهِ	اَنْزَلَهٗ
اس کے لیے	اس کے کام میں	آسانی	یہ	اللہ کا حکم ہے	اس نے اسے نازل کیا
اِلَيْكُمْ ؕ	وَمَنْ	يَّتَّقِ	اللّٰهَ	يُكَفِّرْ	عَنْهُ
تمہاری طرف	اور جو کوئی	ڈرتا ہے	اللہ سے	تو وہ دور کر دیتا ہے	اس سے
سَيِّاٰتِهٖ	وَيُعْظِمْ	لَهٗٓ	اَجْرًا ۝		
برائیاں اس کی	اور زیادہ دیتا ہے	اس کو	اجر		

اس کے معاملہ میں وہ سہولت پیدا کر دیتا ہے۔(۴) یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہارے لیے نازل کیا ہے، جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے گناہوں کو اس سے دور کر دے گا اور اس کو بہت زیادہ اجر دے گا۔"(۵)

فَأَنْكَحَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَكَانَ أَبُو السَّنَابِلِ فِيمَنْ خَطَبَهَا)) (رواہ البخاری: کتاب التفسیر: باب ﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ، وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا﴾)

"ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا۔اس وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے پاس بیٹھے تھے وہ شخص کہنے لگا کہ ایک عورت کے ہاں اس کا خاوند فوت ہونے کے چالیس دن بعد بچہ پیدا ہوا؟ اس کی عدت کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ وہ لمبی عدت (چار ماہ دس دن) پوری کرے۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے پھر اس آیت کا کیا مطلب ہوا کہ" حاملہ کی عدت ان کے وضع حمل تک ہے۔" سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں تو اپنے بھتیجے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی مسئلہ پوچھنے کے لیے اپنے غلام کریب کو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا سبیعہ اسلمیہ کا خاوند (سعد بن خولہ) اس وقت فوت ہوا جب وہ حاملہ تھی۔خاوند کی وفات کے چالیس دن بعد اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو اسے نکاح کے پیغام آنے لگے۔آپ ﷺ نے اسے نکاح کی اجازت دے دی پیغام دینے والوں میں سے ابوسنابل بھی شامل تھا۔"

یہ" اللہ" کے احکام ہیں جن پر ہر صورت عمل ہونا چاہیے۔ جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسانی پیدا فرمائے گا اور اس کے گناہ معاف فرما کر اسے اجرِ عظیم سے سرفراز فرمائے گا۔یاد رہے کہ کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں جن پر قانون کے ذریعے پوری طرح گرفت کرنا ممکن نہیں ہوتا ان معاملات میں میاں بیوی کے آپس کے تعلقات بھی شامل ہیں اگر ان میں بگاڑ پیدا ہوجائے تو صرف ایک ہی طریقہ ہے جس کے ذریعے معاملات کو آسانی کے ساتھ سدھارا جاسکتا ہے وہ طریقہ اللہ کا خوف اختیار کرنا ہے۔اگر

فریقین میں اللہ کا خوف پیدا ہوجائے تو معاملات کوسدھارنے میں آسانی پیدا ہوجائے گی۔ اس وجہ سے عائلی قوانین کا ذکر کرتے ہوئے بار بار میاں بیوی کو ''اِتَّقُوا اللّٰہ'' کا حکم دیا گیا ہے۔تقویٰ اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے لیے آسانی پیدا فرمائے گا اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم اللہ کے احکام پر عمل کروگے تو علیحدگی کی صورت میں اللہ تعالیٰ دونوں کے لیے آسانی پیدا فرمائے گا۔

مسائل

۱۔ حیض سے مایوس عورتیں بھی طلاق کے بعد تین مہینے عدت پوری کریں گی۔
۲۔ نابالغ عورت کو بھی طلاق کے بعد تین مہینے عدت پوری کرنا ہوگی۔
۳۔ حاملہ عورت کی عدت بچہ جنم دینے کے ساتھ ہی پوری ہوجائے گی۔

تفسیر بالقرآن

مطلقہ اور بیوہ عورتوں کی عدت کے احکام:

۱۔ مطلقہ کی عدّت تین حیض ہے۔(البقرۃ: ۲۲۸) ۲۔ بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔(البقرۃ: ۲۳۴)
۳۔ حیض نہ آنے کی صورت میں مطلقہ کی عدّت تین ماہ ہے۔(الطلاق: ۴،۵)
۴۔ عورت شوہر کے گھر عدّت گزار سکتی ہے۔(الطلاق: ۱) ۵۔ دورانِ عدّت نکاح جائز نہیں۔(البقرۃ: ۲۳۵)
۶۔ مباشرت سے قبل طلاق ہونے کی صورت میں عدّت نہیں ہوگی۔(الاحزاب: ۴۹)
۷۔ طلاق والی حاملہ بچہ جنم دینے تک مکان اور نفقہ کی حق دار ہے۔(الطلاق: ۶)
۸۔ عدّت والی حمل نہ چھپائے۔(البقرۃ: ۲۲۸) ۹۔ عدّت میں منگنی کا اشارہ کرنے میں گناہ نہیں۔(البقرۃ: ۲۳۵)

تقویٰ کے فوائد:

۱۔ متقین کے لیے کامیابی ہے۔(الانبیاء: ۳۱ تا ۳۳)
۲۔ متقین کا بہتر انجام ہے۔(ہود: ۴۹) ۳۔ متقین کے لیے جنّت ہے۔(الحجر: ۴۵)
۴۔ اللہ تعالیٰ نے متقین کے ساتھ جنّت کا وعدہ فرمایا ہے اور کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔(الرعد: ۳۵)
۵۔ قیامت کے دن متقین کے چہرے ہشاش بشاش ہوں گے۔(یونس: ۲۶۔۲۷)
۶۔ متقین کے لیے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنّت ہے۔(القلم: ۳۴)
۷۔ متقی کا کام آسان اور اس کی سب خطائیں معاف اور ان کے لیے بڑا اجر ہوگا۔(الطلاق: ۴ تا ۵)
۸۔ متقین اولیاء اللہ ہیں جو قیامت کے دن بے خوف ہوں گے۔(یونس: ۶۱ تا ۶۴)

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوهُنَّ

تم رکھو انہیں جہاں تم رہتے ہو اپنی طاقت کے مطابق اور نہ تم تکلیف دو انہیں

لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ

تاکہ تم سختی کرو ان پر اور اگر وہ ہوں حمل والیاں تو تم خرچ کرو ان پر

حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ

یہاں تک کہ وہ جنم دیں اپنا بچہ پھر اگر وہ دودھ پلائیں تمہارے لیے تو دو ان کو

أُجُورَهُنَّ ۖ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ ۖ وَإِن تَعَاسَرْتُمْ

اجرت ان کی اور تم مشورہ کرو آپس میں دستور کے مطابق اور اگر تم آپس میں تنگی محسوس کرو

”بیویوں کو اپنی طاقت کے مطابق وہاں رکھو جہاں تم رہتے ہو، اور انہیں تنگ کرنے کے لیے ان پر سختی نہ کرو اور اگر وہ حاملہ ہوں تو اس وقت تک ان پر خرچ کرتے رہو جب تک ان کا حمل وضع نہ ہو جائے۔ اگر وہ تمہارے لیے بچے کو دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اجرت اچھے طریقے سے ادا کرو اور آپس میں مشورہ کرو دستور کے مطابق لیکن اگر تم آپس میں تنگی محسوس کرو۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: مطلقہ اور بیوہ عورت کی عدت کے دوران نان نفقہ کی ذمہ داری کا ذکر۔

اسی سورت کی پہلی آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ مطلقہ عورتوں کو عدّت کے دوران ان کے گھروں سے نکالنا جائز نہیں جو شخص بلاوجہ انہیں ان کے گھروں سے نکالے گا وہ اللہ کی حدود کو توڑنے کی وجہ سے ظالم ٹھہرے گا۔ اس آیت میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ مطلقہ عورتوں کو ان کی عدت کے دوران ان کے خاوند اپنے پاس رکھیں اور انہیں پریشان کرنے کے لیے کسی قسم کی تکلیف نہ دیں۔ اگر وہ حمل سے ہوں تو بچہ پیدا ہونے تک ان کے اخراجات اٹھانا ان کے خاوندوں کی ذمہ داری ہوگی اگر وہ تمہارے کہنے سے اپنے بچے کو دودھ پلائیں تو پھر انہیں نان ونفقہ دینا ہو گا۔ اگر میاں بیوی کے درمیان بچے کے دودھ پلانے میں موافقت نہ ہو سکے تو پھر کوئی دوسری عورت بچے کو دودھ پلائے گی۔ مال دار آدمی اپنی وسعت کے مطابق اور تنگدست اپنی بساط کے مطابق خرچ کرے گا اگر تم اپنی اپنی بساط کے مطابق خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے وسعت پیدا فرمائے گا۔

”اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت پوری کرنے کا ہو اور باپ کے ذمہ دستور کے مطابق ان کا نان ونفقہ ہے ہر شخص کو اتنی ہی تکلیف دی جاتی ہے جتنی اس کی طاقت ہو۔ ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے، باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے کوئی تکلیف نہ دی جائے۔ وارثوں پر بھی اس جیسی ذمہ داری ہے، پھر اگر ماں باپ اپنی رضا مندی اور باہمی مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلوانے کا ہو تو بھی تم

فَسَتُرْضِعُ	لَهٗٓ	اُخْرٰىؕ۝۶	لِيُنْفِقْ	ذُوْ سَعَةٍ	مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ
تو دودھ پلائے گی	اسے	کوئی دوسری عورت	خرچ کرے	صاحب وسعت	اپنی وسعت کے مطابق

وَمَنْ	قُدِرَ	عَلَيْهِ	رِزْقُهٗ	فَلْيُنْفِقْ	مِمَّآ	اٰتٰىهُ
اور جو شخص کہ	تنگ کیا گیا ہے	اس پر	اس کا رزق	تو وہ خرچ کرے	اس میں سے جو	اسے دیا ہے

اللّٰهُ ؕ	لَا	يُكَلِّفُ	اللّٰهُ	نَفْسًا	اِلَّا	مَآ اٰتٰىهَا ؕ
اللہ نے	نہیں	تکلیف دیتا	اللہ	کسی نفس کو	مگر	جو اس نے دیا ہے اس کو

سَيَجْعَلُ	اللّٰهُ	بَعْدَ عُسْرٍ	يُّسْرًا ۝۷
عنقریب کردے گا	اللہ	تنگی کے بعد	آسانی

تو بچے کو کوئی اور عورت دودھ پلائے۔(۶) خوشحال آدمی اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے اور جس کو رزق کم دیا گیا ہے وہ اُسی سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے اللہ نے جس کو جتنا دیا ہے اس سے زیادہ کا وہ اسے مکلّف نہیں کرتا، دورنہیں کہ اللہ تنگ دستی کے بعد آسانی پیدا فرمادے۔''(۷)

پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تم دستور کے مطابق جو طے کیا ہے وہ ان کے حوالے کر دو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔''(البقرۃ:۲۳۳)

مسائل

۱۔ طلاق دینے والا شخص اپنی بیوی کو تین مہینے اپنے گھر رہنے کی اجازت دے۔
۲۔ تین مہینے کی عدت کے دوران عورت کو اس کے خاوند کی طرف سے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔
۳۔ باہمی رضامندی سے بچے کو دودھ پلایا جائے تو بچے کے باپ کے ذمہ عورت کو نان ونفقہ دینا چاہیے۔
۴۔ اگر بچے کو کوئی اور دایہ دودھ پلائے تو اسے بھی اُجرت دینی چاہیے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر کسی کے لئے آسانی اور کشادگی پیدا کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

طلاق دینے کے بعد عورت اور مرد کی ذمہ داریاں:

۱۔ عورت شوہر کے گھر عدت گزار سکتی ہے۔(الطلاق:۱) ۲۔ عدت والی عورت حمل نہ چھپائے۔(البقرۃ:۲۲۸)
۳۔ خاوند اپنی بیوی سے ہاتھ لگائے بغیر طلاق دے تو عورت کے لیے عدّت نہیں۔(الاحزاب:۴۹)
۴۔ عدّت والی حاملہ ہو تو بچہ جنم دینے تک مکان اور نفقہ کی حق دار ہے۔(الطلاق:۶)
۵۔ عدّت میں منگنی کا اشارہ کرنے میں گناہ نہیں۔(البقرۃ:۲۳۵) ۶۔ دورانِ عدت نکاح جائز نہیں۔(البقرۃ:۲۳۵

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ

اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ انہوں نے سرکشی اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں کی

فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸

تو ہم نے حساب لیا ان سے حساب سخت ہم نے عذاب دیا انہیں عذاب ہولناک

فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝۹ اَعَدَّ اللّٰهُ

پھر انہوں نے چکھا وبال اپنے کام کا اور تھا انجام ان کے کام کا گھاٹا اللہ نے تیار کیا ہے

لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ

ان کے لیے عذاب سخت بس ڈرو اللہ سے اے عقل والو

ع ۱۱ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝۱۰

جولوگ ایمان لائے تحقیق نازل کیا ہے اللہ نے تمہاری طرف ذکر

”کتنی ہی بستیاں ہیں جنہوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کے حکم سے سرکشی کی تو ہم نے ان کا سخت محاسبہ کیا اور اُن کو ہولناک عذاب میں مبتلا کیا۔(۸) انہوں نے اپنے کیے کا مزا چکھ لیا اور ان کا انجام بُرا ہوا۔(۹) اللہ نے آخرت میں اُن کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے پس اللہ سے ڈرو۔ اے صاحبِ عقل جو ایمان لائے ہو اللہ نے تمہاری طرف نصیحت نازل کی ہے۔“(۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کے احکام کی جو لوگ پرواہ نہیں کرتے انہیں اپنے سے پہلے نافرمان لوگوں کے انجام کو سامنے رکھنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے عائلی قوانین بیان کرتے ہوئے انہیں کئی مرتبہ حدود اللہ قرار دیا ہے اور بار بار حکم دیا ہے کہ میاں، بیوی کو حدود کے بارے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ اگر دونوں کے درمیان نباہ کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو علیحدگی بھی اچھے انداز میں ہونی چاہیے۔ انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں سخت عذاب دینے والا ہے۔ اگر لوگوں کو اس بات پر یقین نہیں آتا تو انہیں اپنے سے پہلے نافرمان لوگوں کا انجام اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ جب انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مسلسل نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے عذاب میں مبتلا کیا جس کی مثال اس سے پہلے موجود نہ تھی ان لوگوں نے اپنے گناہوں کا انجام پایا اور ایسے لوگوں کا انجام بُرا ہی ہوا کرتا ہے۔ یہ ان کی دنیا میں سزا تھی آخرت میں انہیں شدید ترین عذاب دیا جائے گا۔ جو شخص اللہ

کے عذاب سے بچنا چاہتا ہے اسے ہر حال میں اس سے ڈرتے رہنا چاہیے کیونکہ اس کا فرمان ہے کہ اے عقل والو! ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس پر ٹھیک طریقے سے ایمان لاؤ کیونکہ اس نے تمہارے لیے اپنی نصیحت یعنی کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تمہارے لیے مکمل راہنمائی کا بندوبست کیا ہے۔

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ﴾ (الانفال: ۲۹)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہیں حق و باطل میں فرق کرنے کی صلاحیت دے گا اور تم سے تمہاری برائیاں دور کرے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔“

مسائل

۱۔ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اللہ تعالیٰ نے ان کا سخت محاسبہ کیا اور انہیں ہولناک عذاب میں مبتلا کیا۔

۲۔ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والے بالآخر اپنے کیے کی سزا پاتے ہیں۔ نافرمانوں کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوا کرتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے نافرمان لوگوں کے لیے آخرت میں شدید ترین عذاب تیار رکھا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ عقل مند لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی نصیحت کی مختلف صورتیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نصیحت کے لیے نازل فرمایا۔ (ص: ۲۹)

۲۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ (الزمر: ۲۷)

۳۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (البقرۃ: ۲۲۱)

۴۔ صاحبِ عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ (الزمر: ۹)

۵۔ ہم نے جو کتاب نازل کی ہے اس میں تمہارے لیے نصیحت ہے تم عقل کیوں نہیں کرتے۔ (الانبیاء: ۱۰)

۶۔ ہم نے قرآن مجید کو واضح کر دیا تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ (بنی اسرائیل: ۴۱)

۷۔ اللہ تعالیٰ نے آلِ فرعون کو مختلف عذابوں سے دو چار کیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (الاعراف: ۱۳۰)

۸۔ نہیں ہے تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست اور سفارشی پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ (السجدۃ: ۴)

رَسُوۡلًا يَّتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخۡرِجَ الَّذِيۡنَ

رسول تلاوت کرتا ہے تم پر اللہ کی آیات کھلی تا کہ وہ نکالے ان لوگوں کو جو

اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ‌ؕ وَمَنۡ

ایمان لائے اور انہوں نے عمل کیے نیک اندھیروں سے نور کی طرف اور جو کوئی

يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ وَيَعۡمَلۡ صَالِحًا يُّدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ

ایمان لائے اللہ کے ساتھ اور عمل کرے نیک تو وہ داخل کرے گا اسے ایسے باغات میں

تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا‌ ؕ

چلتی ہیں ان کے نیچے سے نہریں وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں ہمیشہ

قَدۡ اَحۡسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزۡقًا ۞١١

تحقیق اللہ نے اچھا دیا اس کو رزق

”رسول تمہیں اللہ کی واضح آیات سناتا ہے تاکہ ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے، جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اللہ اُسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ اللہ نے ایسے شخص کے لیے بہترین رزق تیار کر رکھا ہے۔“(۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس ذکر کا اس سے پہلے بیان ہوا ہے وہ ذکر ”اللہ“ نے اپنے رسولوں پر نازل فرمایا جن میں آخری رسول حضرت محمد ﷺ ہیں۔ الرّسول کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کے احکام لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں ﷺ پر اپنا ذکر یعنی آخری کتاب نازل فرمائی۔ جس کے بارے میں سورۃ الجمعہ کی ابتدا میں ارشاد ہوا کہ اسی نے اَن پڑھ قوم میں انہی میں سے ایک رسول منتخب کیا جو ان کے سامنے اس کی آیات پڑھتا ہے اوران کا تزکیہ کرتے ہوئے انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے الرّسول کی بعثت سے پہلے لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔ سورت ابراہیم کی پہلی آیت میں فرمایا کہ اس کتاب کو ہم نے آپ ﷺ پر نازل فرمایا اس لیے کہ آپ اپنے رب کے حکم سے لوگوں کو ہر قسم کے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لائیں۔ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے غالب اورلائقِ تعریف ہے۔ یہاں ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر نازل کرنے کے ساتھ اپنا رسول بھیجا تاکہ تمہارے سامنے اللہ کے احکام کھول کھول کر بیان کرے اور ان لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لے آئے۔ جو اللہ اوراس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور ایمان لاکر صالح اعمال کرتے ہیں۔ جو بھی اللہ پر ایمان لاکر صالح اعمال کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا جس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اور وہ اس

میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہترین رزق عطا فرمائے گا۔

نبی ﷺ کی صبح کی نماز سے پہلے دعا:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَفِي بَصَرِي نُورًا وَفِي سَمْعِي نُورًا وَعَنْ يَمِينِي نُورًا وَعَنْ يَسَارِي نُورًا وَفَوْقِي نُورًا وَتَحْتِي نُورًا وَأَمَامِي نُورًا وَخَلْفِي نُورًا وَاجْعَلْ لِي نُورًا)) (رواہ البخاری، کتاب الدعوات ، باب الدعا اذا انتبده باليل)

''اے اللہ میرے دل میں نور پیدا فرمادے میری نگاہ میں بھی نور ،میرے کانوں میں بھی نور ،میرے دائیں بھی نور ،میرے بائیں بھی نور ، میرے اوپر بھی نور ، میرے نیچے بھی نور ،میرے آگے بھی نور، میرے پیچھے بھی نور ، اور میرے لیے نور پیدا فرما۔''

مسائل

۱۔ الرسول لوگوں کے سامنے اللہ کے احکام کھول کھول کر بیان کرتے تھے۔ تاکہ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لایا جائے۔
۲۔ جولوگ اللہ پر ایمان لائیں اورصالح اعمال کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ ہمیش کے لیے جنت میں داخل فرمائے گا۔
۳۔ اللہ تعالیٰ جنتیوں کو بہترین رزق عطا فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد:

۱۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا پہلا مقصد ''اللہ'' کی توحید کی دعوت دینا تھا۔(الانبیاء:۲۵)
۲۔ ''اللہ تعالیٰ'' نے ہر امت میں رسول مبعوث فرمائے ان کی بعثت کا مقصد لوگوں کو''اللہ'' کی بندگی کی طرف بلانا اور شیطان کی بندگی سے روکنا تھا۔(النحل:۳۶)
۳۔ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام پر اس لیے قرآن مجید نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کو ہر قسم کی جہالت سے نکال کر دین کی روشنی کی طرف لانے کی کوشش کریں۔(ابراہیم:۱)
۴۔ ''اللہ تعالیٰ'' نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف اس لیے مبعوث فرمایا کہ وہ انہیں ظلمات سے نکال کر دین کی روشنی کی طرف لائیں۔(ابراہیم:۵)
۵۔ ''اللہ تعالیٰ'' نے نبی علیہ السلام کو اس لیے مبعوث فرمایا کہ آپ لوگوں کے سامنے اللہ کی کتاب پڑھیں انہیں گناہوں سے پاک کریں، اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیں۔(الجمعہ:۲)
۶۔''اللہ تعالیٰ'' نے نبی علیہ السلام کو اس لیے مبعوث فرمایا کہ آپ انہیں نیکی کا حکم کریں اور برائی سے منع کریں ،طیب چیزوں کو ان کے لیے حلال کریں اور گندی چیزوں کو ان کے لیے حرام قرار دیں اور ان سے ناروا بوجھ اتار دیں اور ان کی گردنوں کو ناجائز پابندیوں سے آزاد کریں۔(اعراف:۱۵۷)

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ

اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیے سات آسمان اور زمینیں ان کی مثل

یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ

نازل ہوتا ہے حکم ان کے درمیان تاکہ تم جان لو کہ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر

قَدِیْرٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾

قادر ہے اور بلاشبہ اللہ نے تحقیق گھیر رکھا ہے ہر چیز کو علم کے اعتبار سے

''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان، سات زمینیں بنائی ہیں اُن کے درمیان حکم نازل کرتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور اللہ کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔'' (۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ پر اس لیے ایمان لانا اور اس کے حکم کے مطابق نیک اعمال کرنے ہیں کیونکہ رب نے زمین و آسمانوں کو پیدا فرمایا اور وہی پورے نظام کو چلا رہا ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیات ۲۱ اور ۲۲ میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔ اسی نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا وہی آسمان سے پانی نازل کرتا ہے اور اس کے ذریعے تمہیں پھلوں سے رزق عطا کرتا ہے، اس کے سوا نہ کوئی پیدا کرنے والا اور نہ تمہیں رزق دینے والا ہے، حقیقت جاننے کے باوجود اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بڑی تفصیل کے ساتھ سات آسمانوں کا ذکر کیا ہے۔ الارض عربی زبان میں واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اسی لیے اس مقام پر یہ الفاظ کی وضاحت فرما دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا کیے اور ان کی مثل یعنی سات زمینیں پیدا فرمائیں۔ وہ ان کے درمیان اپنے احکام نازل کرتا ہے تاکہ تم انہیں جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرو کہ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہی اپنے علم، اقتدار اور اختیارات کے حوالے سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

(عَنِ الْحَسَنِ قَالَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ خَلَقَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَی السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِی سِتَّةِ أَیَّامٍ وَاسْتَرَاحَ فِی الْیَوْمِ السَّابِعِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَی عَلَی نَبِیِّهِ ﷺ ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَمَا بَیْنَهُمَا فِی سِتَّةِ أَیَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ﴾) (المجالسة وجواهر العلم: ج: ٦، ص: ٢٢٣)

''حضرت حسن رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور ساتویں دن آرام فرمایا تو اللہ تعالیٰ نبی ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی۔ ''ہم نے زمین اور آسمانوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اُسے چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہمیں تھکان نہیں ہوئی۔''

سورۃ التحریم کا تعارف

اس سورت کا نام اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے اس کی بارہ آیات اور دو رکوع ہیں یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں ۹ مختلف اُصول بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو نبی ﷺ بھی حرام نہیں کر سکتے۔

۲۔ اگر کسی مسئلہ میں غلط قسم اٹھالی جائے تو اس قسم کو توڑ کر اس کا کفّارہ ادا کرنا چاہیے۔

۳۔ اگر کوئی شخص دوسرے کے سامنے اپنے راز بیان کرے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کے راز کی حفاظت کرے۔

۴۔ مسلمان خواتین کو حتی المقدور کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ہر حال میں اپنے آپ کو ''اللہ'' اور اس کے رسول کا پابند رکھیں اور اپنی شرم و حیا کی حفاظت کریں۔

۵۔ مسلمان کا گھر اسلامی معاشرے کا پہلا اور بنیادی یونٹ ہے اس لیے مومنوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کی اصلاح کرتے رہیں تاکہ وہ جہنم کی ہولناکیوں سے بچالیے جائیں

۶۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ غلطی ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور سچی توبہ کرے نا صرف اس کی غلطی کو معاف کیا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

۷۔ مسلمانوں کو کفار اور منافقین کے ساتھ قلبی محبت رکھنے کی بجائے ان کی ساتھ جہاد فی سبیل اللہ میں سختی کرنی چاہیے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کا کردار اور انجام بیان فرمایا ہے جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ بے شک کسی کافر، مشرک اور منافق کا کسی مومن یا نبی کے ساتھ کتنا قریبی رشتہ کیوں نہ ہو تو یہ رشتہ اسے اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچا سکتا۔

۹۔ حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کے مقابلے میں دو عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن میں پہلی عورت دنیا کے بدترین انسان فرعون کی بیوی تھی جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان کو قبول فرمایا اور نہ صرف اسے فرعون کے مظالم سے نجات دی بلکہ اسے دنیا میں بھی جنت کا گھر دکھا دیا گیا۔ دوسری عورت جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہیں جن کی پاک دامنی کی گواہی دی گئی ہے کیونکہ وہ ہر حال میں اپنے رب کی اعاعت کرنے والی تھی۔

سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّة — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعُهَا: ۲ اٰيَاتُهَا: ۱۲

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

لَكَ	اللّٰهُ	اَحَلَّ	مَآ	تُحَرِّمُ	لِمَ	يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ
آپ کے لیے	اللہ نے	حلال کی ہے	جو چیز	آپ حرام کرتے ہیں	کیوں	اے نبی

رَّحِيْمٌ ۝۱	غَفُوْرٌ	وَاللّٰهُ	اَزْوَاجِكَ	مَرْضَاتَ	تَبْتَغِيْ
نہایت رحم کرنے والا ہے	بخشنے والا	اور اللہ	اپنی بیویوں کی	خوشی	آپ چاہتے ہیں

وَاللّٰهُ	اَيْمَانِكُمْ	تَحِلَّةَ	لَكُمْ	اللّٰهُ	فَرَضَ	قَدْ
اور اللہ	تمہاری قسموں کا	حلال کرنا	تمہارے لیے	اللہ نے	فرض کر دیا ہے	تحقیق

الْحَكِيْمُ ۝۲	الْعَلِيْمُ	وَهُوَ	مَوْلٰىكُمْ
حکمت والا ہے	جاننے والا	اور وہ	تمہارا کارساز ہے

’’اے نبی آپ اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کی ہے؟ آپ اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہیں۔ اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔(۱) اللہ نے تم لوگوں کے لیے تمہاری قسموں کو حلال کرنے کا طریقہ مقرر کر دیا ہے اللہ تمہارا مولیٰ ہے، اور وہ سب کچھ جاننے اور حکمت والا ہے۔‘‘(۲)

فہم القرآن

ربطِ سورت: التغابن کا اختتام اس بات پر ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ سورۃ التحریم کی ابتدا میں اس کا ثبوت نبی ﷺ اور آپ کے اہلِ خانہ کے حوالے سے دیا گیا ہے۔

التحریم کا لفظ حرمت سے نکلا ہے جو عام طور پر کھانے پینے کے بارے میں استعمال ہوتا ہے اس کا معنیٰ ہے کہ کسی چیز کو حرام کرنا یا سمجھنا۔ اس سورت کا نام التحریم رکھا گیا اس لیے کہ اس کی پہلی آیت میں اس واقعہ کی نشاندہی کی گئی ہے جو نبی علیہ السلام کے ساتھ آپ کی ازواجِ مطہرات کی طرف سے پیش آیا۔ واقعہ اس طرح ہے کہ نبی کریم ﷺ عصر کی نماز کے بعد اپنی ازواجِ مطہرات کے ہاں باری باری کچھ وقت گزارتے تاکہ گھریلو حالات سے آگہی اور گھر والوں کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔ آپ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ کی خدمت میں شہد پیش کرتیں، بسا اوقات آپ ان کے ہاں زیادہ دیر ٹھہر جاتے۔ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے اس بات کو محسوس کیا اور انہوں نے آپس میں مشورہ کرنے کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ ملایا اور کہا کہ جب اللہ کے رسول ہمارے گھروں میں آئیں تو ہم آپ سے یہ بات کہیں کہ کیا آپ نے مغافیر کا رس پیا ہے، یہ ایسا پھول ہے کہ جس سے تھوڑی سی بو ساند آتی ہے۔ ازواجِ مطہرات کو معلوم تھا کہ آپ خوشبو سے رغبت رکھتے

ہیں اور بدبو سے انتہائی نفرت کرتے ہیں ۔ اللہ کے نبی حسبِ معمول اپنی بیوی زینب ؓ کے ہاں چند گھڑیاں بیٹھنے کے بعد یکے بعد دیگرے حضرت عائشہ ،حضرت سودہ اور حضرت حفصہ ؓ کے گھر تشریف لے گئے تو طے شدہ پروگرام کے مطابق تینوں نے آپ سے یہ بات کہی کہ کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے جس وجہ سے آپ کے منہ سے ہلکی سی بو محسوس ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے مغافیر نہیں بلکہ شہد کھایا ہے۔ازواجِ مطہرات کی گفتگو سے متاثر ہوکر آپ نے قسم اٹھالی میں آئندہ شہد نہیں کھاؤں گا ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے نبی ﷺ! اللہ آپ کو معاف فرمائے کہ آپ نے اپنی بیویوں کی خاطر اس چیز کو حرام کر لیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی قسموں کو حلال کرنے کے لیے تمہارے لیے کفارہ مقرر کر دیا ہے، اللہ ہی تمہارا کارساز ہے اور وہ سب کو جاننے والا ہے ۔اس کے ہر کام اور حکم میں حکمت پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا مؤاخذہ کرنے کی بجائے نہایت ہی کریمانہ انداز میں ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ غفور الرحیم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو معاف فرما دیا ہے ۔البتہ آپ کی یہ شان نہیں کہ اپنی بیویوں یا کسی دوسرے کی خاطر اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام قرار دیں۔ ان آیات کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں غفور الرحیم ،علیم اور حکیم ہونے کے ساتھ فرمایا ہے کہ وہ تمہارا مولیٰ ہے جس میں یہ کھلا اشارہ ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ خود مختار نہیں کہ جو دل میں آئے کرلیں بلکہ اللہ آپ ﷺ کا مولیٰ ہے یعنی تمام اختیارات اس کے پاس ہیں۔ وہ آپ کا خیر خواہ ہے اس لیے ہر موقعہ پر آپ کی راہنمائی کرتا ہے۔

مسائل

۱۔ نبی علیہ السلام کے اختیار میں نہیں تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ حلال وحرام میں تبدیلی کرسکیں ۔
۲۔ کسی شخص کو بھی یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے یا کسی کی خاطر حلال وحرام میں تبدیلی کرے ۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے نبی علیہ السلام کے تمام گناہوں کو معاف کردیا۔
۴۔ اللہ ہی سب کا خیر خواہ اور مولیٰ ہے۔۵۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکیم ہے۔

تفسیر بالقرآن

قسم کا کفارہ اوراس کے مسائل:

۱۔ لغو قسم پر کسی قسم کا مؤاخذہ نہیں ۔(البقرۃ:۲۲۵)
۲۔ پختہ قسم کھانے کے کفارے کی تین صورتیں ہیں۔دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا کپڑے پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا یہ کام نہ ہوسکیں تو تین دن کے روزے رکھنا ہے۔(المائدۃ:۸۹)
۳۔ قسموں کو پورا کرنے کا حکم ہے ۔(النحل:۹۱ تا ۹۴) ۴۔صدقہ نہ کرنے پر قسم کھانا منع ہے ۔ (النور: ۲۲)
۵۔ بلا ارادہ اٹھائی جانے والی قسموں پر مؤاخذہ نہیں ہوگا ۔ (البقرۃ: ۲۲۵)
۶۔ بہانے کے طور پر اللہ کی قسم نہیں کھانا چاہیے ۔ (البقرۃ: ۲۲۴) (آل عمران : ۷۷)

وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا

اور جب چھپا کر کہی نبی نے اپنی بعض بیویوں سے ایک بات پھر جب

نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ

اس نے خبر دی اس کی اور ظاہر کر دیا اس کو اللہ نے اس پر اس نے بتلا دی کچھ اس میں سے

وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ

اور اعراض کیا کچھ سے پھر جب اس نے خبر دی اس کو اس کی تو اس نے کہا کس نے

اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿٣﴾

آپ کو خبر دی ہے اس کی نبی نے فرمایا مجھے خبر دی ہے اللہ علیم خبیر نے

”نبی نے اپنی ایک بیوی سے ایک بات راز میں کہی۔ جب اس بیوی نے وہ بات آپ کی دوسری بیوی سے بیان کر دی۔ اللہ نے نبی کو اس کی اطلاع دی تو نبی نے اس پر ایک حد تک اس بیوی کو خبردار کیا اور کسی حد تک اس سے درگزر فرمایا پھر جب نبی نے اسے افشائے راز کی یہ بات بتائی تو اس نے پوچھا آپ کو اس کی کس نے خبر دی؟ نبی نے فرمایا کہ مجھے اس نے خبر دی ہے جو سب کچھ جانتا ہے اور ہر چیز سے باخبر ہے۔(٣)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی علیہ السلام نے اپنی بیویوں کے کہنے پر قسم اٹھائی کہ میں آئندہ شہد نہیں کھاؤں گا اس لیے اس سورۃ کا آغاز اس فرمان سے ہوا کہ اے نبی ﷺ آپ اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام نہیں کر سکتے۔اللہ تعالیٰ نے تمہیں قسموں کو توڑنے کا طریقہ بتلا دیا ہے اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور اس کے ہر حکم اور کام میں حکمت ہوا کرتی ہے یہ اس کی پُر حکمت تعلیم ہے تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ کسی سے راز کی بات کرنے سے پہلے اس کی راز داری کی صلاحیت کو جاننا ضروری ہے۔

نبی علیہ السلام نے آئندہ شہد نہ کھانے کی قسم کھائی اور یہ بات صرف حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے بیان فرمائی اور اُسے ارشاد فرمایا کہ یہ بات کسی اور تک نہیں پہنچنی چاہیے ،لیکن انہوں نے آپ کے فرمان کو راز میں رکھنے کی بجائے آگے ذکر کردیا اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ فرمایا۔آپ نے اس کے متعلق سودہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو اس نے کہا کہ اللہ کے رسول ! آپ کو اس بات کا کس طرح علم ہوا ہے کہ میں نے آپ کا راز ظاہر کردیا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس رب نے خبر دی ہے جو سب کچھ جانتا ہے اور ہر بات سے باخبر رہتا ہے۔جن بیویوں نے یہ پالان بنایا تھا انہیں مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ کے حضور توبہ کرو کیونکہ تمہارے دل ٹیڑھے ہو چکے ہیں، اگر تم نے نبی علیہ السلام کو تکلیف پہنچانے کے لیے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کی تو یاد رکھو! اللہ تعالیٰ

اِنْ	تَتُوْبَآ	اِلَى اللّٰهِ	فَقَدْ	صَغَتْ	قُلُوْبُكُمَا ۚ	وَاِنْ
اگر	تم دونوں توبہ کرو	اللہ کی طرف	پس تحقیق	ہٹ گئے ہیں	تمہارے دل	اور اگر
تَظٰهَرَا	عَلَيْهِ	فَاِنَّ	اللّٰهَ	هُوَ	مَوْلٰىهُ	
تم دونوں ایک دوسری کی مدد کرو گی	آپ کے مقابلے میں	تو بلاشبہ	اللہ	وہ	آپ کا مددگار ہے	
وَجِبْرِيْلُ	وَصَالِحُ	الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ	وَالْمَلٰٓئِكَةُ	بَعْدَ	ذٰلِكَ	ظَهِيْرٌ ۝۴
اور جبریل	اور صالح	مومن	اور فرشتے	بعد	اس کے	مددگار ہیں

اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرتی ہو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ تمہارے دل سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں اور اگر نبی کے مقابلہ میں تم نے جتھہ بندی کی تو جان رکھو کہ اللہ اس کا مولیٰ ہے اور اس کے بعد جبریل اور تمام صالح اہل ایمان اور سب ملائکہ اس کے ساتھی اور مددگار ہیں۔'' (۴)

اپنے نبی کا مددگار ہے اور جبریلِ امین، صالح کردار مؤمن اور ملائکہ بھی اس کے مددگار ہیں۔ شہد کے بارے میں آپ کے راز کو افشاں کرنا بظاہر چھوٹا سا واقعہ ہے لیکن اگر اس کی حقیقت اور اس کے نتائج پر غور کیا جائے تو یہ بہت بڑا واقعہ تھا۔ جس وجہ سے اس کا مؤاخذہ کرتے ہوئے ربِ الجلال نے یہ عتاب نازل فرمایا ایک اے نبی آپ کی جن بیویوں نے آپس میں یہ پروگرام بنایا اور پھر آپ کے منع کرنے کے باوجود آپ کے راز کو ظاہر کر دیا۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ کیونکہ اللہ کے نبی اپنی بیویوں کے خاوند ہی نہیں تھے بلکہ پوری امت کے نبی اور مملکت کے سربراہ تھے، اگر نبی کی بیویاں بھی آپ کے بتلائے ہوئے ذاتی اور مملکت کے راز کی حفاظت نہیں کر سکتیں تو دوسروں پر کتنا بھروسہ کیا سکتا ہے؟ اس لیے انہیں توبہ کرنے کا حکم دینے کے ساتھ یہ بھی انتباہ کیا گیا کہ اگر تم نے آئندہ کے لیے کوئی ایسی لغزش کی تو یاد رکھنا اللہ تعالیٰ اپنے نبی کا خیر خواہ اور مولیٰ ہے۔ جبریلِ امین سمیت تمام ملائکہ اور سب مومن بھی آپ کے مددگار ہیں۔ ایسی صورت میں تمہاری کون حمایت اور حفاظت کرے گا؟

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو آپ کا راز افشاں ہونے کی خبر دی۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ علیم اور خبیر ہے۔
۳۔ انسان سے غلطی سرزد ہو تو اسے اللہ سے معافی مانگنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے ہر مشکل وقت پر اپنے نبی کی مدد فرمائی:

(التوبہ: ۴۰) (آلِ عمران: ۱۲۳) (الاحزاب: ۹) (النصر: ۱) (التوبہ: ۲۵) (الروم: ۵) (آل عمران: ۱۲۶) (آل عمران: ۱۵۰)

عَسٰى	رَبُّهٗٓ	اِنْ	طَلَّقَكُنَّ	اَنْ	يُّبْدِلَهٗٓ	اَزْوَاجًا
امید ہے کہ	اس کا رب	اگر	تمہیں طلاق دے دیں	یہ کہ	وہ بدل دے اس کے لیے	بیویاں

خَيْرًا	مِّنْكُنَّ	مُسْلِمٰتٍ	مُّؤْمِنٰتٍ	قٰنِتٰتٍ	تٰٓئِبٰتٍ
بہتر	تم سے	مسلمان	مومن	فرمان بردار	توبہ کرنے والیں

عٰبِدٰتٍ	سٰٓئِحٰتٍ	ثَيِّبٰتٍ	وَّاَبْكَارًا ۝
عبادت گزار	روزے دار	شوہر والیاں	اور کنواریاں

’’ہوسکتا ہے کہ نبی سب بیویوں کو طلاق دے دیں تو اللہ تمہارے بدلے میں انہیں ایسی بیویاں عطا فرما دے جو تم سے بہتر ہوں، پکی مسلمان، ایماندار، اطاعت گزار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار اور روزہ دار، شوہر دیدہ اور کنواریاں۔‘‘(۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات کو ایک اور تنبیہ۔

ازواجِ مطہرات کو توبہ کرنے کا حکم دینے کے بعد دوسری تنبیہ یہ کی گئی کہ اگر تم نے دوبارہ ایسی غلطی کی تو یاد رکھنا کہ نبی علیہ السلام نے تمہیں طلاق دے دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رب اپنے نبی کو تم سے بہتر بیویاں عطا فرمائے گا جو پکی مسلمان، مومن، نہایت فرمانبردار، توبہ کرنے والیاں، اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں، جوان اور کنواریاں ہوں گی، یادرہے کہ اس فرمان کا یہ مفہوم لینے کی ہرگز گنجائش نہیں کہ نبی علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات میں یہ اوصاف نہیں پائے جاتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ اس فرمان میں ازوجِ مطہرات اوران کے حوالے سے دُخترِ اسلام کو سمجھایا گیا ہے کہ وہ دنیا کی سہولیات کو مقدم رکھنے کی بجائے اپنے آپ کو ان اوصاف حمیدہ میں آگے بڑھانے کی کوشش کرتی رہیں جن کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ مسلم خواتین کا حقیقی جمال وکمال دنیا کی ترقی اورآسائش میں نہیں ان کا جمال اور کمال مذکورہ بالا اوصاف میں مضمر ہے۔ مفسرین نے اس آیت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ایک واقعہ نقل کیا ہے جس کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواجِ مطہرات کے ساتھ ہے۔ خیبر کی فتح کے بعد مسلمانوں کو بہت سی زمینیں اور مالِ غنیمت ہاتھ آیا جس سے غریب مسلمانوں کی حالت بھی کافی بہتر ہوگئی۔ مسلمانوں کی خوشحالی دیکھ کر ازواجِ مطہرات نے آپس میں مشورہ کرنے کے بعد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تکرار کے ساتھ مطالبہ کیا کہ اب مسلمانوں کی معاشی حالت پہلے سے بہتر ہوگئی ہے۔ اس لیے ہمیں بھی ان جیسی سہولیات ملنی چاہئیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ السلام کو مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ اپنی ذات اور گھر والوں پر خرچ کرنے کی اجازت دی تھی۔ لیکن

آپ نے اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے سہولتوں کو پسند نہ فرمایا۔ جس بنا پر آپ ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات کو بار بار سمجھایا کہ ہمیں پہلی حالت پر ہی گزارہ کرنا چاہیے لیکن ازواجِ مطہرات کا اصرار جاری رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا جو نبی علیہ السلام کی ازواج میں شامل تھیں اُسے سمجھایا کہ بیٹی اپنے آپ کو کسی دوسری پر قیاس نہ کرو اور اس معاملے میں دوسری عورتوں کا ساتھ نہ دو۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کی ان بیویوں کے پاس گئے جو حضرت عمر کی رضی اللہ عنہ رشتہ دار تھیں، انہیں بھی یہ بات سمجھائی لیکن انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کو نبی علیہ السلام کے گھریلو معاملات میں دخل نہیں دینا چاہیے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں سمجھاتے ہوئے فرمایا:

((عَسٰى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ)) (رواہ البخاری: باب قولہ ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾)

کہ ہوسکتا ہے کہ نبی علیہ السلام اپنی بیویوں کو طلاق دے دیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو تم سے بہتر بیویاں عطا کردے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سمجھانے کے باوجود ازواجِ مطہرات اپنے مطالبہ سے پیچھے نہ ہٹیں تب نبی معظم ﷺ نے ایک ماہ کے لیے اپنی ازواج سے ایلاء یعنی ایک ماہ تک بائیکاٹ کرکیا اور بالا خانے میں قیام فرما ہوئے، جس کی تفصیل سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۱، ۵۲ میں بیان ہوچکی ہے۔

مسائل

مومن عورتوں کو اپنے آپ میں یہ خوبیاں پیدا کرنی چاہئیں:

۱۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہنا چاہیے۔

۲۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا کر اس پر استقامت اختیار کرنی چاہیے۔

۳۔ اپنے خاوندوں کی تابعداری کرنی چاہیے۔ ۴۔ اللہ کے حضور توبہ کرتے رہنا چاہیے۔

۵۔ اللہ کی عبادت کرنی چاہیے۔ ۶۔ فرضی اور نفلی روزوں کا اہتمام کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

مسلمان خواتین کے بڑے بڑے اوصاف:

۱۔ پاک دامن، حیا دار اور با پردہ ہوتی ہیں۔ (المائدۃ:۵، القصص:۲۵)

۲۔ سچی مسلمان مطیع، توبہ کرنے والی، عبادت گزار اور روزے رکھنے والی ہوتی ہیں۔ (التحریم: ۵)

۳۔ صدقہ کرنے والی، صابرہ، ڈرنے والی، سچی، پاکدامنہ اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والی ہوتی ہیں۔ (الاحزاب:۳۵)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ	اٰمَنُوْا	قُوْٓا	اَنْفُسَكُمْ	وَ اَهْلِیْكُمْ	نَارًا	
اے لوگو جو	ایمان لائے ہو	تم بچاؤ	اپنے آپ کو	اور اپنے اہل وعیال کو	اس آگ سے	
وَّقُوْدُهَا	النَّاسُ	وَ الْحِجَارَةُ	عَلَیْهَا	مَلٰٓئِكَةٌ	غِلَاظٌ	شِدَادٌ
جس کا ایندھن	لوگ	اور پتھر ہیں	اس پر	فرشتے	تند مزاج	سخت گیر ہیں
لَّا	یَعْصُوْنَ	اللّٰهَ	مَآ	اَمَرَهُمْ	وَ یَفْعَلُوْنَ	مَا
نہیں	وہ نافرمانی کرتے	اللہ کی	جو	وہ حکم دے انہیں	اور وہ کرتے ہیں	وہی جو
یُؤْمَرُوْنَ ﴿٦﴾	یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ	كَفَرُوْا	لَا تَعْتَذِرُوا	الْیَوْمَ ط		
وہ حکم دیے جاتے ہیں	اے لوگو	جنہوں نے کفر کیا	نہ تم عذر پیش کرو	آج		
اِنَّمَا	تُجْزَوْنَ	مَا	كُنْتُمْ	تَعْمَلُوْنَ ﴿٧﴾ ع		
بس	تم بدلہ دیے جاؤ گے	جو کچھ	تھے	تم عمل کرتے		

”اے ایمان والو اپنے آپ اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے، جس پر نہایت تند خو اور سخت گیر فرشتے مقرر کیے گئے ہیں وہ کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم انہیں دیا جاتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔ (٦) اے کافرو آج عذر پیش نہ کرو، تمہیں ویسا ہی بدلہ دیا جا رہا ہے جیسے تم عمل کیا کرتے تھے۔“ (٧)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ازواجِ مطہرات کو انتباہ کرنے کے بعد تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے رب کی نافرمانی سے بچیں اور اپنے آپ اور اپنے اہل وعیال کو جہنّم کی ہولناکیوں سے بچائیں۔

خاندان اور قوم کی اصلاح کا بنیادی اور بہترین طریقہ یہی ہے کہ ہر مسلمان اپنی اصلاح کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اہل وعیال کی اصلاح کرتا رہے یہ کام بڑا اہم ہے جس کے لیے انتباہ کے انداز میں فرمایا کہ اے ایمان والو! اپنے آپ اور اپنے اہل وعیال کو جہنّم کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔ جہنّم پر ایسے ملائکہ کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے جو بڑے تُند مزاج اور سخت ہیں، وہ اللہ کے حکم کی ایک لحہ بھی نافرمانی نہیں کرتے۔ وہ اسی طرح ہی کرتے ہیں جس طرح انہیں حکم دیا جاتا ہے یاد رکھو! جو لوگ اللہ کے حکم کا انکار کرتے ہیں قیامت کے دن انہیں سے کہا جائے گا کہ اے کافرو! آج کے دن کوئی بہانہ اور معذرت پیش نہ کرو! کیونکہ آج تمہیں تمہارے کیے کی پوری پوری سزا دی جائے گی۔ یاد رہے کہ گناہ کرنے والا ہر شخص اپنے یا اپنے عزیز و اقرباء کی وجہ سے گناہ کرتا ہے۔ عزیز و اقرباء میں سب سے پہلے آدمی کی اپنی اولاد ہوتی ہے، جن کی محبت اور خیرخواہی میں آکر عام انسان ہی نہیں بلکہ بے شمار اچھے بھلے مسلمان بھی اللہ کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں، کیونکہ انسان اپنے یا اپنے عزیز واقرباء کے

فائدے اور خیر خواہی کے لیے گناہ کرتا ہے، اس لیے مسلمانوں کو انتباہ کیا ہے کہ آج اپنے اور اپنے عزیز واقرباء کے فائدے اور خیر خواہی کے لیے اپنے رب کی نافرمانی کیے جارہے ہو۔ وہ وقت یاد کرو! جب نافرمانوں کو جہنّم کی آگ میں جھونکا جائے گا جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوگے، وہاں عزیز واقربا کام نہیں آئیں گے۔ جہنّمی آہ وزاریاں اور معذرت پہ معذرت کریں گے لیکن ان کی کوئی معذرت قبول نہیں کی جائے گی۔ کہا جائے گا کہ آج اپنے کیے کی سزا پاؤ۔ دانا اور بہترین شخص وہ ہے جو اپنے آپ اور اپنے اہل وعیال کو جہنّم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْأَمِيرُ رَاعٍ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى أَهْلِ بَيْتِهِ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))(رواه البخاری: باب المرأة راعية في بيت زوجها)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر کسی کو اپنی ذمہ داری کے بارے میں جواب دینا ہے، امیر اپنی رعایا پر نگران ہے۔ آدمی اپنے گھر کا نگران ہے، عورت اپنے خاوند کے گھر اور اپنے بچوں کی نگران ہے۔ تم میں سے ہر کوئی ذمہ دار ہے اور ہر کسی سے اس کی ذمہ داری کے متعلق پوچھا جائے گا۔“

مسائل

۱۔ ہر ایماندار کو اپنے آپ اور اپنے اہل وعیال کو جہنّم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے جہنّم پر ایسے ملائکہ کی ڈیوٹی لگائی ہے جو بڑے تُند مزاج اور سخت ہیں۔ وہ جہنّمیوں کو اس طرح سزا دیں گے جس طرح انہیں حکم دیا جائے گا۔ ۳۔ جہنّم کی آگ کا ایندھن مجرم اور پتھر ہوں گے۔
۴۔ جہنّم میں کفار کی کوئی معذرت قبول نہیں ہوگی۔ ۵۔ جہنّمیوں کو کہا جائے گا کہ آج اپنے کیے کی سزا پاؤ۔

تفسیر بالقرآن

والدین کی اپنی اولاد کے بارے میں ذمہ داریاں:

۱۔ اولاد کو شرک سے بچنے کا حکم دینا چاہیے۔(لقمان:۱۳) ۲۔ اولاد کو ایک اللہ کی عبادت کا حکم دینا چاہیے۔(البقرۃ:۱۳۲)
۳۔ اولاد کو مسلمان رہنے کی نصیحت کرنی چاہیے۔(البقرۃ:۱۳۲) ۴۔ اولاد کو نماز پڑھنے کی تلقین کرنی چاہیے۔(طٰہٰ:۱۳۲)
۵۔ اولاد کو نیکی کی تبلیغ اور برائی سے منع کرنے کی تبلیغ کرنی چاہیے۔(لقمان:۱۷)
۶۔ اولاد کی بول چال اور چال ڈھال پر نظر رکھنی چاہیے۔(لقمان:۱۸)
۷۔ اولاد کو آخرت کی جوابدہی کا احساس دلانا چاہیے۔(لقمان:۱۶)
۸۔ نہ اسراف کرو، نہ زنا کرو اور نہ اپنی اولاد کو قتل کرو۔(الممتحنہ:۱۲)
۹۔ اے ایمان والو! اپنے آپ اور اپنی اولاد کو جہنّم کی آگ سے بچالو۔(التحریم:۶)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو توبہ کرو اللہ کی طرف توبہ خالص ہوسکتا ہے

رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ
تمہارا رب یہ کہ دور کردے تم سے تمہاری برائیاں اور وہ داخل کرے تمہیں

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي
ایسے باغات میں کہ چلتی ہیں ان کے نیچے سے نہریں اس دن نہیں رسوا کرے گا

اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى
اللہ نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اس کے ساتھ ان کا نور دوڑتا ہوگا

بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا
ان کے آگے اور ان کے دائیں وہ کہیں گے اے ہمارے رب پورا فرما ہمارے لیے

نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝
ہمارا نور اور ہماری بخشش فرما بلاشبہ تو ہر چیز پر قادر ہے

”اے ایمان والو! اللہ سے توبہ کرو، خالص توبہ۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تمہاری برائیاں دور کردے اور تمہیں ایسی جنّتوں میں داخل فرمادے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی یہ وہ دن ہوگا جب اللہ اپنے نبی کو اور ان لوگون کو جو اس پر ایمان لائے ہیں ذلیل نہیں کرے گا۔ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا اور وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہمارا نور ہمارے لیے مکمل کردے اور ہماری بخشش فرما تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“(٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نافرمانوں کو جہنّم سے بچنے کے لیے توبہ کرنے کا حکم۔

اس سے پہلے کفار کے بارے میں بتلایا گیا ہے کہ قیامت کے دن وہ اپنے جرائم پر معذرت پیش کریں گے لیکن انہیں کہا جائے گا کہ آج تم اپنے کیے کی سزا پاؤ گے۔اب ایمان والوں کو حکم ہوا کہ اے ایمان والو! اللہ کے حضور”تَوْبَةً نَّصُوْحًا“ کرو۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے گناہ مٹا دیئے جائیں اور تمہیں ایسی جنّت میں داخل کیا جائے جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اللہ تعالیٰ اس دن اپنے نبی اور اس کے ایماندار ساتھیوں کو رُسوا نہیں کرے گا۔ بلکہ ان کے ایمان کی روشنی ان کے آگے آگے اوردائیں جانب ہوگی اور وہ اپنے رب سے التجاء کریں گے کہ اے ہمارے رب! ہمارے نور کو مزید بڑھا اور ہمارے گناہوں کو معاف فرما یقیناً تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اس فرمان میں ایمانداروں کو ”تَوْبَةً نَّصُوْحًا“ کا حکم دینے کے بعد یہ کہہ کر خوشخبری دی گئی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ”اللہ“

" تَوْبَةً نَّصُوْحًا" کی وجہ سے تمہارے گناہوں کو معاف فرما کر تمہیں جنت میں داخل کردے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ سچی توبہ کرنے والوں کے گناہوں کو معاف کردے گا لیکن پھر بھی "عَسٰی" کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنٰی ہے کہ ہوسکتا ہے یہ لفظ استعمال فرما کر مومنوں کو سمجھایا کہ اپنے گناہوں سے بے فکر ہونے کی بجائے بار بار توبہ کرتے رہو۔ " تَوْبَةً نَّصُوْحًا " کا معنٰی ہے کہ توبہ محض کسی کے خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اللہ کے خوف اور اس کی رضا کے لیے کی جائے۔ جو ایماندار سچی توبہ کریں گے، اللہ تعالیٰ نہ صرف ان کے گناہ معاف فرما کر انہیں جنّت میں داخل کرے گا بلکہ محشر کے میدان سے لے کر جنّت میں داخل ہونے تک ان کے ایمان اور "تَوْبَةً نَّصُوْحًا" کی وجہ سے ان کے لیے روشنی کا بندوبست بھی فرمائے گا، یہ روشنی ان کے آگے آگے اور دائیں جانب بھی پھیل رہی ہوگی۔ دائیں جانب کا ذکر فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ محشر کے میدان میں بائیں جانب والے جہنّمی ہوں گے اور دائیں جانب والے جنّتی ہوں گے۔ (الواقعہ: ۸،۹)

جنّتی لوگ جنّت کی طرف جاتے ہوئے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں گے اور اپنے لیے نور کی دعائیں کرتے جائیں گے۔ یہاں مفسرین نے گناہوں سے مراد نور کے ختم ہونے کا خوف لیا ہے کیونکہ گناہ معاف کرنے کے بعد ہی تو جنتیوں کو جنّت میں داخلہ دیا جائے گا۔

((عَنْ نُعَيْمِ الْمُجْمِرِ قَالَ رَقِيتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷜ عَلَى ظَهْرِ الْمَسْجِدِ فَتَوَضَّأَ فَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ)) (رواہ البخاری: باب فَضْلِ الْوُضُوءِ)

" حضرت نعیم مجمر ﷜ بیان کرتے ہیں کہ میں ابو ہریرہ ﷜ کے ساتھ مسجد کی چھت پر چڑھا۔ حضرت ابو ہریرہ ﷜ نے وضو کیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت کو قیامت کے دن جب بلایا جائے گا تو وضو کرنے کی وجہ سے ان کے پانچ کلیان چمکتے ہوئے ہوں گے۔ پھر حضرت ابو ہریرہ ﷜ نے فرمایا کہ تم سے جو اپنی چمک کو زیادہ کرنے کی طاقت رکھتا اسے ایسا کرنا چاہیے۔"

((اللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَفِي بَصَرِي نُورًا وَفِي سَمْعِي نُورًا وَعَنْ يَمِينِي نُورًا وَعَنْ يَسَارِي نُورًا وَفَوْقِي نُورًا وَتَحْتِي نُورًا وَأَمَامِي نُورًا وَخَلْفِي نُورًا وَاجْعَلْ لِي نُورًا)) (رواہ البخاری، کتاب الدعوات ، باب الدعا اذا انتبہ بالیل)

"اے اللہ میرے دل میں نور پیدا فرمادے میری نگاہ میں بھی نور، میرے کانوں میں بھی نور، میرے دائیں بھی نور، میرے بائیں بھی نور، میرے اوپر بھی نور، میرے نیچے بھی نور، میرے آگے بھی نور، میرے پیچھے بھی نور، اور میرے لیے نور ہی نور پیدا فرما۔"

یہاں توبہ کے لیے "نَّصُوْحًا" کی شرط عائد کی گئی ہے۔ جس کا معنٰی ہے صرف اللہ کی رضا کے لیے توبہ کرنی

چاہیے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ”تَوْبَةً نَّصُوْحًا“ کی کئی شرائط بیان کی ہیں جن میں بنیادی شرائط تین ہیں۔
١۔ اپنے گناہ پر نادم ہوکر اللہ سے معافی مانگنا۔٢۔ آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم بالجزم کرنا۔
٣۔ گنا کے اثرات کی تلافی کرنا۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ))

(رواہ ابن ماجة: کتاب الزھد، باب ذکرا لتوبة)

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہی پاک ہوجاتا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔“

مسائل

١۔ اللہ کے حضور ایمانداروں کو ”تَوْبَةً نَّصُوْحًا“ کرنی چاہیے۔
٢۔ ”تَوْبَةً نَّصُوْحًا“ کے بدلے ایمانداروں کے گناہوں کو معاف کردیا جائے گا۔
٣۔ اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو ایسی جنّت میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔
٤۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے نبی اورآپ کے ساتھیوں کو رُسوا نہیں کرے گا۔
٥۔ جنّتیوں کا ایمان ان کے لیے نور ثابت ہوگا۔
٦۔ جنّتی جنّت کی طرف جاتے ہوئے اپنے رب سے نور کی تکمیل اوراپنے گناہوں کی معافی مانگیں گے۔
٧۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

جنّتیوں کی جنّت میں جانے کی شان:

١۔ جب فرشتے پاکباز لوگوں کی روحیں قبض کرتے ہیں تو فرشتے انھیں سلام کہتے ہیں اور جنّت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ (النحل :٣٢)
٢۔ فرشتے کہتے ہیں تم پر سلامتی ہوتم نے صبر کیا آخرت کا گھر بہت ہی بہتر ہے۔ (الرعد:٢٤)
٣۔ داخل ہو جاؤ جنّت میں سلامتی کے ساتھ آج تمھارے لیے داخلے کا دن ہے۔ (ق :٣٤)
٤۔ فرشتے جب جنّتیوں کے پاس جائیں گے تو انہیں سلام کہیں گے۔ (الزمر:٧٣)
٥۔ اللہ کی توحید پر استقامت اختیار کرنے والوں پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور وہ انہیں خوشخبری دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمہیں غم اور حزن نہیں ہونا چاہیے کیونکہ تمہارے لیے جنّت ہے جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔(حٰم السجدة: ٣٠)

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ	جَاهِدِ	الْكُفَّارَ	وَالْمُنٰفِقِيْنَ	وَاغْلُظْ
اے نبی	جہاد کرو	کفار سے	اور منافقین سے	اور سختی کرو
عَلَيْهِمْ ؕ	وَمَاْوٰىهُمْ	جَهَنَّمُ ؕ	وَبِئْسَ	الْمَصِيْرُ ۝۹
ان پر	اور ان کا ٹھکانا	جہنّم ہے	اور وہ بُرا	ٹھکانا ہے

''اے نبی کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ، ان کا ٹھکانا جہنّم ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔''(۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار اور منافقین کی ہر دم کوشش تھی کہ نبی ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو ناکام اور رُسوا کیا جائے، جس وجہ سے کفار اور منافقین پر سختی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان کی سزا جہنّم بیان کی گئی ہے۔

اس سے پہلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور اس کے ایماندار ساتھیوں کو رُسوا نہیں کرے گا، وہ ایمانداروں کو جنّت میں داخل فرمائے گا اور ان کا ایمان جنّت کے راستے میں ان کے لیے روشنی ثابت ہوگا۔ ان کے مقابلے میں کفار اور منافقین کی سزا جہنّم ہوگی جو نہایت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے قتال فی سبیل اللہ کا حکم آنے سے پہلے بے حد صبر اور اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے دن رات کوشش فرمائی کہ کافر اور منافق صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائیں لیکن وہ لوگ کسی صورت بھی صراطِ مستقیم پر آنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان کے جرائم کے مطابق ان پر سختی کی جائے تاکہ وہ اپنے عقیدہ اور کردار پر نظر ثانی کرنے پر غور کریں۔ سختی یہ بھی ہے کہ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کو ترجیح دی جائے ،اور حالت جنگ میں انہیں قتل کیا جائے۔

((عَنْ أَنَسٍ ؓ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ))

(رواہ ابوداؤد: باب كَرَاهِيَةِ تَرْكِ الْغَزْوِ)

''حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنے مالوں، جانوں اور زبانوں کے ساتھ مشرکین سے جہاد کرو۔''

مسائل

۱۔ نبی معظم ﷺ کو کفار اور منافقین پر سختی کرنے کی تلقین کی گئی۔
۲۔ کفار اور منافقین کا ٹھکانہ جہنّم ہے جو رہنے کے اعتبار سے بدترین جگہ ہے۔

تفسیر بالقرآن

کفار اور منافقین کا انجام:

۱۔ منافق اللہ کو دھوکہ دینے والے ہوتے ہیں۔ (النساء: ۱۴۲)
۲۔ منافق جہنّم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ (النساء: ۱۴۵) (التوبہ: ۷۳، التحریم: ۹) (التوبہ: ۶۸)

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ

بیان فرمائی اللہ نے ایک مثال ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا نوح کی بیوی کی

وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ

اور لوط کی بیوی کی وہ دونوں تھیں ماتحت دو بندوں کے ہمارے بندوں سے دونوں نیک تھے

فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ

ان دونوں نے خیانت کی ان کی پھر نہ فائدہ دیا ان دونوں نے ان دونوں کو اللہ کے مقابلے میں

شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ⑩

کچھ بھی اور کہہ دیا گیا داخل ہو جاؤ تم دونوں آگ میں ساتھ داخل ہونے والوں کے

''اللہ'' کافروں کے لیے نوح اور لوط کی بیویوں کی مثال بیان کرتا ہے ، وہ ہمارے دو صالح بندوں کے نکاح میں تھیں مگر انہوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی اور دونوں نبی اللہ کے مقابلہ میں ان کے کچھ کام نہ آسکے، دونوں عورتوں کو کہہ دیا گیا کہ جاؤ آگ میں جانے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔'' (۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار، مشرکین اور منافقین کو ان کے انجام سے ڈرانے کے لیے دو عظیم انبیاء کی بیویوں کی مثال دی گئی ہے۔

مشرک اپنے شرک ،کفار ،اپنے کفر اور منافق اپنی منافقت کی بنیاد پر سمجھتے ہیں کہ قیامت کے دن ہمیں کوئی گرفت نہیں ہوگی ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا زعم ختم کرنے کے لیے دو عظیم انبیاء کی بیویوں کی مثال بیان فرمائی ہے ۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی نے برادری کو مقدم جانا اور اپنے کفر پر قائم رہی ۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی نے رشتہ داری کو عزیز سمجھا اور اپنے خاوند حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں منافقت اپنائے رکھی۔ ربِ ذوالجلال نے نوح اور لوط علیہما السلام کی قوم پر عذاب نازل کیا تو نہ صرف ان عورتوں کو ان کی برادری نہ بچا سکی بلکہ عظیم پیغمبر بھی اپنی بیویوں کو عذابِ الٰہی سے نہ بچا سکے۔ اس مثال میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین، کفار اور منافقین پر یہ بات کھول دی ہے کہ قیامت کے دن کوئی اپنے رشتے داروں اور بزرگوں کی وجہ سے جہنّم کے عذاب سے نجات نہیں پاسکے گا، اس بات کی مزید وضاحت کے لیے قرآن مجید نے نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا ابولہب کا نام لے کر یہ اصول بیان فرمایا ہے کہ دوسرے انبیائے کرام تو اپنے مقام پر سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے رشتہ داروں کو جہنّم سے نہیں بچاسکیں گے۔

﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝
وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ﴾ (سورة اللهب)

''ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ تباہ ہو گیا۔ جو اس نے مال کمایا وہ اس کے کسی کام نہ آیا۔ ضرور

وہ بھڑکنے والی آگ میں ڈالا جائے گا اور اس کی بیوی کو بھی جو لکڑیاں اٹھانے والی ہے۔اُس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہو گی۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم حِيْنَ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ﴾ قَالَ يَامَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا اشْتَرُوْا أَنْفُسَكُمْ لَاأُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَابَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لَاأُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَاعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَاأُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَاصَفِيَّةُ عَمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَاأُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَافَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَلِيْنِي مَاشِئْتِ مِنْ مَالِي لَاأُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا))

(رواه البخاری : کتاب الوصایا، باب هل یدخل النساء والولد فی الأقارب)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب یہ آیت ﴿اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے قریش کے لوگو! اپنے لیے کچھ کر لو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کوئی فائدہ نہیں دے سکوں گا۔اے بنی عبدِ مناف میں تمہیں اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکوں گا۔اے عباس بن عبدالمطلب !میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ فائدہ نہیں دے سکوں گا۔ اے صفیہ! رسول کی پھوپھی! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے کچھ فائدہ نہیں دے سکوں گا۔ اے فاطمہ بنتِ محمد! میرے مال سے جو چاہتی ہے مانگ لے میں مگر تجھے اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکوں گا۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور ایثار کی خاطر فرعون جیسے ظالم اور نافرمان کی بیوی کو جنت میں داخل فرمایا۔
٢۔ اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا قبول کرتا ہے اس لیے اس نے فرعون کے مظالم سے اس کی بیوی کو نجات عطا فرمائی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی ظالموں سے نجات دینے والا ہے:

١۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو ظالموں سے نجات دی۔(الشعراء:١١٩)
٢۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو فرعون کے مظالم سے نجات عطا فرمائی۔(الشعراء:٦٥)
٣۔ اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو بے حیا قوم سے نجات عطا فرمائی۔(الشعراء:١٧٠)
٤۔ حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے ظالموں سے نجات عطا فرمائی۔(ہود:٩٤)
٥۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود اور ان کے ساتھیوں کو ظالموں سے نجات دی ۔(ہود:٥٨)
٦۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو ظالموں سے نجات دی۔(ہود:٦٦)

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ

اور بیان فرمائی اللہ نے ایک مثال ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے فرعون کی بیوی کی جب

قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ

اس نے کہا اے میرے رب تو بنا میرے لیے اپنے ہاں ایک گھر جنّت میں اور نجات دے مجھے

مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ۙ۱۱

فرعون سے اور اس کے عمل سے اور نجات دے مجھے ظالم قوم سے

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا

اور مریم عمران کی بیٹی کی وہ جس نے حفاظت کی اپنی عصمت کی تو ہم نے پھونکی اس میں اپنی روح

وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝۱۲

اور اس نے تصدیق کی اپنے رب کے کلمات کی اور اس کی کتابوں کی اور وہ تھی فرمانبرداروں میں سے

”اور اللہ اہل ایمان کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کرتا ہے، جب اس نے دعا کی اے میرے رب میرے لیے اپنے ہاں جنّت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے ظلم سے بچا اور ظالم قوم سے مجھ کو نجات عطا فرما۔ (۱۱) ”اللہ“ دوسری مثال عمران کی بیٹی مریم کی دیتا ہے جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی۔ہم نے اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دی، اس نے اپنے رب کے ارشادات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی۔“ (۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بدقسمت عورتوں کا انجام ذکر کرنے کے بعد دو عظیم عورتوں کے کردار اور انعام کا ذکر۔

اس سے پہلے دو بدقسمت عورتوں کے انجام کا ذکر کیا ہے جو دو عظیم انبیاء علیہم السلام کی بیویاں تھیں لیکن ایمان اور صالح کردار نہ ہونے کی وجہ سے ان کو ان کی قوم کے ساتھ ہی تباہ کردیا گیا اور آخرت میں انہی کے ساتھ جہنّم کا ایندھن بنیں گی۔اب ان دو معزز خواتین کا ذکر کیا جاتا ہے۔جن میں ایک دنیا کے بدترین انسان فرعون کی بیوی تھیجو ہر قسم کا آرام اور مقام چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی۔ جونہی وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائی تو فرعون نے اس پر جور و استبداد کے پہاڑ ڈھادیئے۔

اس کربناک اور نازک ترین آزمائش میں اس نے اللہ کی بارگاہ میں فریاد کی کہ اے میرے مالک ! میں اس گھر سے تنگ آچکی ہوں ،فرعون اور اس کے عملے کے ظلم کے سامنے بے بس ہو چکی ہوں۔ تیرے حضور میری فریاد ہے کہ مجھے جنّت میں اپنے پاس گھر عطا فرما ،فرعون اور اس کے ظالم عملے سے نجات نصیب فرما۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مومن بندی کی فریاد قبول فرمائی اور اس کی موت سے پہلے اسے اس کے جنّت کے گھر کا دیدار نصیب کیا۔ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عظیم عورت کا نام آسیہ بتلایا ہے۔

”حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا: عورتوں میں عائشہ کی فضیلت ایسے ہے جیسے تمام کھانوں پر ثرید کی ہے، مردوں میں بہت سے کامل لوگ ہیں لیکن عورتوں میں مریم بنتِ عمران اور آسیہ زوجۂ فرعون کے علاوہ کوئی کامل نہیں ۔“(رواہ البخاری: باب قول اللّٰہ تعالی إذ قالت الملائکة یامریم إن اللّٰہ یبشرك)

حضرت مریم بنتِ عمران جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہیں۔ قرآن مجید نے ان کی حیاتِ طیبہ اور پاکدامنی کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے ۔ یہاں تک کہ قرآن مجید کی ایک سورت کا نام ہی مریم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی روح پھونک دی ۔ اس نے اپنے رب کے فرمان اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور بڑی فرمانبردار تھی۔ارشاد ہوا کہ ہم نے اُس میں اپنی روح پھونک دی۔ جبرئیل امین کی پھونک کے ساتھ وہ حاملہ ہوگئیں تو اس حالت میں مسجد اقصیٰ سے دور ایک مکان میں جا ٹھہریں جب اُسے زچگی کی تکلیف محسوس ہوئی تو وہ ایک کھجور کے تنے کے قریب آئیں۔ بدنامی اور ولادت کی تکلیف کی وجہ سے بے ساختہ کہنے لگی کاش! میں اس سے پہلے مرجاتی اور لوگوں کے ذہن میں بھولی بسری ہو چکی ہوتی۔ اس مشکل وقت میں فرشتے نے کھجور کے نیچے سے آواز دی اے مریم علیہا السلام! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ کے رب نے تیرے پاؤں تلے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اور کھجور کے تنے کو ہلاؤ تیرے سامنے ترو تازہ کھجوریں آگریں گی ۔ کھجوریں کھاؤ ،پانی پیو اور بیٹے سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ اگر کسی آدمی کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھو تو اُسے کہو کہ میں نے رب رحمٰن کے لیے چُپ رہنے کی منت مانی ہے اس لیے میں آج کسی مرد و زن سے بات نہیں کروں گی۔اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو بڑی عزت اور تکریم سے سرفراز فرمایا جن کا یہاں مختصر ذکر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی ازواج اور ان کے مقابلے میں فرعون کی بیوی آسیہ اور مریم بنت عمران کا ذکر فرما کر یہ واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کا حسب نسب اور رشتہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس کے حضور جو چیز قابلِ قبول ہے وہ انسان کا ایمان اور صالح کردار ہے ۔ اس اصول کی بنا پر دو انبیاء کی بیویاں جہنم کا ایندھن بنیں اور فرعون کی بیوی اور عمران کی بیٹی مریم دنیا اور آخرت میں اعلیٰ مقام سے سرفراز کی گئیں ۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کی بیوی کی دعا قبول کی اور اسے فرعون اور اس کے ظالم عملے سے نجات عطا فرمائی ۔

٢۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کی بیوی کو اس کی موت سے پہلے جنّت کی خوشخبری عطا فرمائی ۔٣۔اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم میں اپنی روح پھونکی۔ ٤۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم بنتِ عمران بڑی ہی پاکباز اور معزز خاتون تھی۔

٥۔ حضرت مریم بڑی صالح کردار اور اللہ کے فرمان اور اس کی کتابوں کی تصدیق کرنے والی تھی۔

تفسیر بالقرآن

حضرت مریم علیہا السلام کا تذکرہ:

(البقرۃ: ٨٧)(آل عمران: ٤٥) (البقرۃ: ٢٥٣) (المائدۃ: ٧٥)(آل عمران: ٥٩)(النساء : ١٧١)(المائدۃ:٧٥)

سورت الملک کا تعارف

اس سورت کا نام اس کی پہلی آیت میں موجود ہے یہ سورت مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی اس کی تیس آیات ہیں جو دو رکوعات پر مشتمل ہیں۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ سُورَةً مِنَ الْقُرْآنِ ثَلاثُونَ آیَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتَّی غُفِرَ لَهُ وَهِیَ سُورَةُ تَبَارَكَ الَّذِی بِیَدِهِ الْمُلْكُ)) (رواہ الترمذی بَابُ مَا جَاءَ فِی فَضْلِ سُورَةِ الْمُلْكِ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید میں ایک سورت ایسی ہے جس کی تیس آیات ہیں وہ آدمی کی سفارش کرے گی یہاں تک کہ اسے معاف کر دیا جائے گا، وہ سورۃ الملک ہے۔''

الملک کی ابتداء میں ارشاد ہوا کہ اللہ کی ذات ہر اعتبار سے بابرکت ہے اور اسی کے ہاتھ میں زمینوں آسمانوں کی بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر ہر اعتبار سے اختیار رکھنے والا ہے۔ اسی نے موت و حیات کا سلسلہ قائم کیا ہے تاکہ لوگوں کو آزمائے کہ کون اس کے حکم کے مطابق فکر و عمل اختیار کرتا ہے۔ اس کی قدرت کا عالم یہ ہے کہ اس نے اوپر نیچے سات آسمان بنائے ہیں اس کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہیں پائی جاتی۔ اگر کسی کو یقین نہیں آتا تو وہ اپنے اوپر آسمان پر غور کرے اور اس میں کسی قسم کا نقص اور خلل تلاش کرے اس کی نظر تھک کر پلٹ آئے گی لیکن وہ ''اللہ'' کی تخلیق میں کوئی عیب اور خلل نہیں دیکھ پائے گا۔ اس نے نہ صرف پہلے آسمان کو ستاروں سے مزیّن کیا ہے بلکہ ان ستاروں میں کچھ ستارے ایسے ہیں جو بھڑکتے ہوئے شعلوں کی صورت میں شیاطین کا تعاقب کرتے ہیں، قیامت کے دن اسی طرح کفار کو جہنّم میں جلایا جائے گا جب وہ جہنّم میں داخل کیے جائیں گے تو اس کے دھاڑنے کی آوازیں سنیں گے جہنّم کی آگ کی شدت اس قدر تیز ہوگی کہ دیکھنے والا یوں محسوس کرے گا جیسے جہنم اپنے جوش میں پھٹ جائیگی۔ جہنّم میں جہنّمی اپنے آپ پر افسوس کرتے ہوئے کہیں گے کاش ہم دنیا میں اپنی عقل استعمال کرتے اور آج جہنّم سے بچ جاتے۔ جب وہ اپنے آپ پر ماتم کر رہے ہوں گے تو جہنّم کے فرشتے کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہیں سمجھانے اور ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں۔ لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے اس کی بات ماننے کی بجائے اس کی تکذیب کی۔ اس تفصیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو یہ انتباہ کیا ہے کہ اے نافرمان لوگو! کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم پر آسمان گرا دے یا تمہیں زمین میں دھنسا دیا جائے یا پھر آسمان سے پتھر برسا کر تمہیں تباہ و برباد کر دے۔

کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے رزق کو روک لے تو پھر تمھیں روزی دینے والا کون ہوگا؟ اگر وہ زمین کے پانی کو بہت نیچے کر دے تو کون تم سے اس پانی کو حاصل کرسکتا ہے؟ اللہ کے فرمان سننے اور اس کی قدرتیں دیکھنے کے باوجود لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ سیدھے راستے کی بجائے الٹے راستے پر چلتے ہیں۔ ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو اپنے پاؤں پہ چلنے کی بجائے اپنے چہرے کے بل چلتا ہے غور کرو کہ ان میں سے کون شخص ٹھیک اور سیدھے رستے پر چلنے والا ہے۔

سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اٰیاتُها: ۳۰ رُکوعُها: ۲

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

تَبٰرَكَ	الَّذِيْ	بِيَدِهِ	الْمُلْكُ	وَ	هُوَ	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
بڑی بابرکت ہے	وہ ذات	جس کے ہاتھ میں ہے	بادشاہی ہے	اور	وہ	ہر چیز پر
قَدِيْرُۨ ①	الَّذِيْ	خَلَقَ	الْمَوْتَ	وَالْحَيٰوةَ	لِيَبْلُوَكُمْ	
قادر ہے	وہ ذات جس نے	پیدا کیا	موت	اور زندگی کو	تاکہ وہ تمہیں آزمائے	
اَيُّكُمْ	اَحْسَنُ	عَمَلًا	وَهُوَ	الْعَزِيْزُ	الْغَفُوْرُ ②	
تم میں سے کون	زیادہ اچھا ہے	عمل میں	اور وہ	بڑا زبردست	خوب بخشنے والا ہے	

''بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں کائنات کی بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔(۱) اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرنے والا ہے اور وہ زبردست ، درگزر فرمانے والا ہے۔''(۲)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورۃ التحریم کا اختتام اچھے اور بُرے کردار کے بیان پر ہوا یہی انسان کی تخلیق کا مقصد ہے کہ اسے آزمایا جائے کہ یہ اچھے عمل کرتا ہے یا بُرے۔

''اللہ'' ہی کے ہاتھ میں زمین و آسمان کی بادشاہی ہے اور وہ بڑا ہی برکت والا اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ تبارک کا دوسرا معنٰی کثرتِ خیر اور دوامِ خیر بھی کیا گیا ہے۔

ملک سے مراد ساری کائنات اور اس کی بادشاہی ہے۔ اس فرمان میں بیک وقت مادہ پرست سائنسدانوں اور مشرکانہ عقائد رکھنے والوں کی تردید کی گئی ہے۔ جو سائنسدان سمجھتے ہیں کہ یہ کائنات بِگ بینگ (BIG BANG) کے ذریعے خود بخود معرضِ وجود میں آئی اور اسے کوئی بنانے اور چلانے والا نہیں ہے۔ مشرک یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظام چلانے کے لیے کچھ اختیارات دوسری ہستیوں کو بھی سونپ رکھے ہیں۔ ان کی تردید کے لیے فرمایا کہ بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں پوری کائنات اور اس کی بادشاہی ہے۔ کائنات کا نظام چلانے کے لیے نہ اس کا کوئی معاون ہے اور نہ مددگار، اسے کسی کی معاونت کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ہر چیز پر اقتدار اور اختیار رکھتا ہے۔ اسی نے موت اور زندگی پیدا فرمائی ہے تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔ وہ ظالموں پر غلبہ پانے والا اور نیک بندوں کو معاف کرنے والا ہے۔ یہاں موت کا تذکرہ حیات سے پہلے کیا گیا ہے کیونکہ انسان اور پوری کائنات عدم سے وجود میں آئی ہے۔ گویا کہ پہلے موت پھر زندگی پھر موت اور پھر زندگی ہے۔ (البقرۃ:۲۸) وہی موت و حیات پر اختیار رکھنے والا ہے۔ کوئی چیز نہ اپنی مرضی سے پیدا ہوتی ہے

اور نہ ’’اللہ‘‘ کے حکم کے بغیر کسی کو موت آتی ہے۔ اس نے عدم کے بعد زندگی اور زندگی کے بعد موت کا سلسلہ اس لیے جاری کیا ہے تاکہ وہ آزمائے کہ کون بہتر عمل کرتا ہے۔ دین کے اعتبار سے بہتر عمل وہ ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے جو شخص اس کے مطابق عمل نہیں کرتا وہ چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو یا غریب، راعی ہو یا رعایا اس سے ضرور پوچھا جائے گا۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا لیکن بتقاضا بشریت اس سے گناہ ہو گئے اللہ تعالیٰ اسے معاف کرے گا کیونکہ وہ معاف کرنے والا ہے۔

((وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِبَعْضِ جَسَدِی فَقَالَ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَأَنَّكَ غَرِیْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ أَهْلِ الْقُبُوْرِ.)) (رواہ الترمذی: بَابُ مَا جَاءَ فِی قِصَرِ الْأَمَلِ، قال الالبانی هذا حدیث صحیح)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی محترم ﷺ نے میرا کندھا پکڑ کر اور فرمایا دنیا میں اجنبی یا مسافر کی طرح رہو اور اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کرو۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لِرَجُلٍ وَهُوَ يَعِظُهُ اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقْمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ))(رواہ الحاکم: کتاب الرقاق، قال الحاکم هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین)

’’حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک آدمی کو نصیحت فرما رہے تھے پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، خوشحالی کو تنگدستی سے پہلے فراغت کو مصروفیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ بڑا ہی بابرکت ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا مالک اور اس کا بادشاہ ہے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو آزمانے کے لیے موت اور زندگی کا سلسلہ بنایا ہے۔
۴۔ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون شخص بہتر عمل کرتا ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق اور ہر چیز پر غالب ہونے کے باوجود معاف کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انسان سب سے بہتر ہے اور اسے بہترین عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن التقویم بنایا ہے۔ (التین:۴) ۲۔ اللہ تعالیٰ نے احسن حدیث اتاری ہے۔ (الزمر:۲۳)
۳۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دینا احسن بات ہے۔ (حمٓ السجدۃ:۳۳)
۴۔ برائی کا جواب اچھائی سے دینا احسن طریقہ ہے۔ (حمٓ السجدۃ:۳۴) (النحل:۱۲۵) (الملک:۲)

الَّذِیْ	خَلَقَ	سَبْعَ	سَمٰوٰتٍ	طِبَاقًا ؕ	مَا	تَرٰی
جس نے	پیدا کیے	سات	آسمان	اوپر نیچے	نہیں	تو دیکھے گا
فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ	مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ	فَارْجِعِ	الْبَصَرَ ۙ	هَلْ	تَرٰی
الرحمٰن کی تخلیق میں	کوئی خلل	چنانچہ لوٹا	نگاہ کو	کیا	تو دیکھتا ہے
مِنْ فُطُوْرٍ ③	ثُمَّ	ارْجِعِ	الْبَصَرَ	كَرَّتَيْنِ	يَنْقَلِبْ	اِلَيْكَ
کوئی شگاف	پھر	لوٹا	نگاہ کو	دوبارہ	لوٹ آئے گی	تیری طرف
الْبَصَرُ	خَاسِئًا	وَّهُوَ	حَسِيْرٌ ④
نگاہ	نامراد	اس حال میں کہ وہ	تھکی ہوگی

''جس نے اوپر نیچے سات آسمان بنائے، تم رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کا خلل نہیں پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟(٣) بار بار نظر دوڑاؤ تمہاری نظر تھک کر واپس پلٹ آئے گی۔''(٤)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس بابرکت ذات کے ہاتھ میں کائنات کی بادشاہی ہے اور جس نے موت و حیات کو پیدا کیا ہے اسی نے اوپر تلے سات آسمان بنائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں زمین و آسمانوں کی تخلیق کا کئی مرتبہ ذکر فرمایا ہے۔ ان کے لیے کبھی ''جَعَلَ'' کا لفظ استعمال کیا اور کبھی ''خَلَقَ'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ مفہوم کے اعتبار سے دونوں الفاظ کا ایک ہی معنٰی بنتا ہے۔ لیکن موقع محل کے مطابق ان کے استعمال میں بڑی لطافت پائی جاتی ہے۔ کبھی زمین و آسمانوں کی تخلیق اور بناوٹ کا بیک وقت ذکر کیا اور کبھی دونوں کا الگ الگ بیان کیا ہے۔ یہاں صرف آسمانوں کی تخلیق کا ذکر فرمایا اور ان کے بارے میں ''طَبَقًا'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنٰی تہہ بہ تہہ اور اوپر نیچے کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ اے دیکھنے والے! تو الرحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کا نقص نہیں دیکھے گا، پھر آنکھ اٹھا کر دیکھ! کیا آسمان میں کسی قسم کا شگاف، جھکاؤ اور خلل نظر آتا ہے؟ اگر تجھے یقین نہیں آتا تو بار بار دیکھ! تو آسمان میں کوئی نقص نہیں دیکھ پائے گا البتہ تیری نظر تھک کر ضرور پلٹ آئے گی۔

(عَنِ الْحَسَنِ قَالَ قَالَتِ الْيَهُودُ خَلَقَ اللّٰهُ تبارك وتعالى السماوات وَالأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَاسْتَرَاحَ فِي الْيَوْمِ السَّابِعِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عَلَى نَبِيِّهِ ﷺ ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ﴾) (المجالسة وجواهر العلم، ج: ٦)

''حضرت حسن رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا

کیا اور ساتویں دن آرام فرمایا تو اللہ تعالیٰ نبی ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی۔﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ﴾ ”ہم نے زمین اور آسمانوں کو اور جو اُن کے درمیان چیزیں ہیں انہیں چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تھکان نہیں ہوئی۔“(ق:۳۸)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک موسم ابر آلود ہوگیا آپ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا کیا تم اس کے بارے میں جانتے ہو؟ صحابہ نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔آپ نے فرمایا یہ بادل زمین کو سیراب کرنے والے ہیں،اللہ تعالیٰ ان بادلوں کو ان لوگوں سے لے جاتا ہے جو اس کا شکر ادا نہیں کرتے اور نہ ہی اس سے دعا کرتے ہیں۔ پھر آپ نے پوچھا تمہارے اوپر کیا چیز ہے؟ صحابہ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول زیادہ علم رکھتے ہیں۔آپ نے فرمایا ہے یہ محفوظ اور مضبوط چھت اور بند موج ہے۔پھر آپ نے پوچھا تمہارے اور آسمان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے۔صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔آپ نے فرمایا تمہارے اور آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔پھر آپ نے ارشاد فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اس کے اوپر کیا ہے؟ صحابہ نے پھر کہا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔آپ نے فرمایا اس کے اوپر ایک اور آسمان ہے اور ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے سات آسمان شمار کیے اور ہر دو آسمانوں کے درمیان اتنی ہی مسافت بیان کی۔“

(رواہ الترمذی: بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ الحَدِيدِ ،قال الترمذی ھذا حدیث غریب من ھذا وجہ)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اوپر نیچے سات آسمان پیدا کیے ہیں۔۲۔بار بار دیکھنے کے باوجود آسمان میں کوئی شگاف نظر نہیں آتا۔

تفسیر بالقرآن

زمین وآسمانوں کی تخلیق:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر نمونے کے زمین وآسمان بنائے۔(البقرۃ:۱۱۷)

۳۔ اس نے آسمان و زمین کو برابر کیا۔(البقرۃ:۲۹) ۴۔آسمان کو چھت اور زمین کو فرش بنایا۔(البقرۃ:۲۲)

۵۔ زمین اور آسمانوں کو چھ دنوں میں بنایا۔(الاعراف:۵۴)

۶۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں و زمین کو برحق پیدا کیا ہے اللہ شرک سے بالا تر ہے۔(النحل:۳)

۷۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے موجود بغیر نمونے اور میٹریل کے زمین وآسمانوں کو پیدا کیا۔(البقرۃ:۱۱۷)

۸۔ زمین وآسمان پہلے آپس میں جڑے ہوئے تھے۔پھر اللہ نے انہیں ایک دوسرے سے الگ کیا۔(الانبیاء:۳۰)

۹۔ اللہ تعالیٰ نے دو دن میں آسمانوں کو پیدا کیا۔(حم السجدۃ:۱۲)(الاعراف:۵۴)

وَ	لَقَدْ	زَيَّنَّا	السَّمَآءَ الدُّنْيَا	بِمَصَابِيحَ	وَجَعَلْنٰهَا
اور	البتہ تحقیق	ہم نے زینت دی	آسمانِ دنیا کو	چراغوں سے	اور ہم نے بنایا انہیں

رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ	وَاَعْتَدْنَا	لَهُمْ	عَذَابَ	السَّعِيْرِ۝۵
شیطانوں کو مارنے کے لیے	اور ہم نے تیار کیا	ان کے لیے	عذاب	بھڑکتی آگ کا

''ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے خوبصورت بنایا اور انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ بنادیا ہے شیطانوں کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے۔''(۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: پہلے آسمان کی خصوصیت اور خوبصورتی۔

قرآن مجید میں یہ بات کئی مقامات پر بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آسمان کو ستاروں سے مزّین فرمایا ہے۔ستاروں کے کئی فائدے ہیں ،ان میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ لوگ ستاروں کے ذریعے راستوں کی راہنمائی حاصل کرتے ہیں اورانہی ستاروں سے آسمانِ دنیا کی حفاظت کا بندو بست کیا گیاہے۔کیونکہ شیاطین آسمانِ دنیا کے دروازوں کے قریب جا کر ملائکہ کی گفتگو سننا چاہتے ہیں تو ستارے شیاطین پر انگارے بن کر برستے ہیں اس طرح شیاطین پر مستقل طور پر عذاب مسلّط کر دیا گیاہے۔

اس بندوبست سے پہلے شیاطین آسمان کے قریب جا کر ملائکہ کی کچھ نہ کچھ باتیں سُن کر کاہنوں، نجومیوں اور اس قسم کے لوگوں کے دلوں میں جھوٹ ،سچ ملا کرکوئی بات ڈال دیتے تھے۔اسے آٹھویں پارے میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

''تا کہ جولوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل اس جھوٹ کی طرف مائل ہوں اور وہ اسے پسند کریں اورتا کہ وہ ، وہ برائیاں کریں ۔''(الانعام :۱۱۳)

اہلِ مکہ اسی بات کو نبی ﷺ پر چسپاں کرتے اور کہتے کہ محمد ﷺ کے پاس فرشتہ نہیں بلکہ جِنّات آتے ہیں جو پہلے لوگوں کے واقعات سنانے کے ساتھ اسے مزید باتیں بتاتے ہیں۔اس الزام کی یہاں مجمل الفاظ میں تردید کی گئی ہے۔انیسویں پارے میں کھلے الفاظ میں وضاحت فرمائی۔

''کیا میں تمہیں بتلاؤں کہ شیاطین کن لوگوں پر نازل ہوتے ہیں وہ ہر ایک جھوٹے اور گنہگار پر اترتے ہیں اور انہیں سنی سنائی باتیں پہنچاتے ہیں۔''(الشعراء:۲۲۱تا ۲۲۳)

خالقِ کائنات کا ارشاد ہے کہ ہم نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے اسے خوبصورت بنایا اور شیاطین سے انہیں محفوظ کر دیا۔ اگر کوئی شیطان چوری چھپے سننا چاہے تو ایک روشن اور بھڑکتا ہوا شعلہ اس کا تعاقب کرتا ہے۔پہلے زمانے میں فلکیات کا علم رکھنے والے ماہرین نے آسمانِ دنیا کے بارہ برج متعین کر رکھے ہیں مگر قرآن مجید کے بروج سے مراد وہ برج نہیں ہیں۔ بروج سے مراد کچھ اہل علم نے پہلے آسمان کے دروازے لیے ہیں، جن دروازوں کے ذریعے ملائکہ زمین پر اترتے اور پھر آسمان میں داخل ہوتے ہیں۔ قرآن مجید

کے الفاظ سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بروج سے مراد آسمان کے دروازوں میں ڈیوٹی دینے والے چوکیدار ملائکہ ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے شہابِ ثاقب کی صورت میں اسلحہ دے رکھا ہوجن سے وہ شیاطین کو بھگاتے ہیں۔ اکثر علماء نے بروج سے مراد ستارے اور سیارے لیے ہیں جن سے آسمان کو خوبصورت اور محفوظ بنایا گیا ہے۔ حدیث رسول ﷺ سے برج کے بارے میں ہمیں کوئی وضاحت نہیں ملتی، البتہ آپ ﷺ نے آسمان کی حفاظت اور شیاطین کے تعاقب کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے:

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں نبی ﷺ کی یہ حدیث پہنچی جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہےتو فرشتے عاجزی کے ساتھ اپنے پر ہلاتے ہیں جس طرح کہ چٹان پر پھوار پڑتی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ملائکہ اُس حکم کا نفاذ کرتے ہیں جب اُن کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں تمھارے رب نے کیا فرمایا وہ کہتے ہیں حق فرمایا۔ وہی سب سے بلند و بالا ہے پس شیاطین اُسے چوری چھپے سنتے ہیں اور اُن کے سننے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کے کندھوں پر سوار ہوتے ہوئے آسمان تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔سفیان نے اپنے ہاتھوں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھتے ہوئے اسے بیان کیا۔ بسا اوقات سننے والے شیطان پر شہاب ثاقب لپکتا ہے پہلے اس کے کہ وہ اُس بات کو اپنے ساتھی تک پہنچائے وہ اس کو جلا دیتا ہے اور بسااوقات شہاب ثاقب اُسے نہیں پہنچتا یہاں تک کہ شیطان وہ بات نیچے والوں تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ بات چلتے چلتے زمین والوں تک پہنچ جاتی ہے ابو سفیان کہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اُس بات کو زمین والوں تک پہنچا دیتا اور اُسے جادوگر کے کان میں ڈالتے ہیں۔ وہ اُس کے ساتھ سو جھوٹ ملاتا ہے اُس کی ایک بات کی وجہ سے اُس کی تصدیق ہو جاتی ہے وہ کہتا ہے میں نے فلاں فلاں موقع پر تمھیں فلاں فلاں بات نہیں بتلائی تھی جو حق ثابت ہوئی تھی اس وجہ سے کہ وہ بات انھوں نے آسمان سے سنی ہوتی ہے۔“ (رواہ البخاری: باب قَوْلِهِ ﴿إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ﴾)

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانِ دنیا یعنی پہلے آسمان کو ستاروں سے مزین فرمایا ہے۔
٢۔ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو شیطان کے لیے شہابِ ثاقب بنادیا ہے۔
٣۔ اللہ تعالیٰ نے شیاطین کے لیے جلادینے والا عذاب تیار کیا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ستاروں کے فوائد:

١۔ ہم نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے انھیں آراستہ کیا۔(الحجر:١٦)
٢۔ بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں برج بنائے۔ (الفرقان:٦١)
٣۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو ستاروں سے سجایا۔ (البروج:١)
٤۔ ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے آراستہ کر دیا ہے۔ (الصافات:٦)
٥۔ ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے مزین کیا اور شیطانوں سے محفوظ کر دیا۔(حم السجدۃ:١٢)(ق:٦)

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝٦

اور ان لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ عذابِ جہنم اور برا ٹھکانہ

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۝٧

جب وہ ڈالے جائیں گے اس میں سنیں گے اس کا دہاڑنا اور وہ جوش مار رہی ہوگی

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ

قریب ہے وہ پھٹ پڑے جوش سے جب بھی ڈالا جائے گا اس میں کوئی گروہ

سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝٨ قَالُوْا

ان سے پوچھیں گے اس کے داروغے کیا نہیں آیا تھا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا وہ کہیں گے

''جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ہے ان کے لیے جہنّم کا عذاب ہے اور جہنّم بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔(٦) جب وہ جہنّم میں پھینکے جائیں گے تو اس کے دھاڑنے کی آوازیں سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی۔(٧) یوں دکھائی دے گی جیسے وہ جوش سے پھٹی جائے گی، جب کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا تو جہنّم کے ملائکہ اُن سے پوچھیں گے کیا تمہیں کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تھا؟۔(٨) وہ کہیں گے

فہم القرآن

ربطِ کلام: شیاطین جِنّات میں سے ہوں یا انسانوں سے ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہنّم تیار کر رکھی ہے۔

جو لوگ شیاطین کا کردار اختیار کرتے ہیں، حقیقت میں وہ اپنے رب کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ ان کے لیے جہنّم تیار کی گئی ہے جو نہایت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ جہنّم کی آگ اس قدر جوش مار رہی ہوگی کہ اس سے مختلف قسم کی خوفناک آوازیں نکلیں گی۔ دیکھنے اور سننے والوں کو یوں لگے گا جیسے جہنّم اپنے جوش اور زور سے پھٹ جائے گی۔ جب جہنّمیوں کو گروہ در گروہ جہنّم میں ڈالا جائے گا تو جہنّم کے داروغے ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس جہنّم سے ڈرانے والے نہیں آئے تھے؟ جہنّمی اقرار کریں گے کیوں نہیں! ہمارے پاس ڈرانے والے آئے تھے لیکن ہم نے انہیں جھٹلایا اور کہا کہ تم سب کچھ اپنی طرف سے کہتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بات نازل نہیں کی، یہاں تک کہ ہم نے انہیں یہ بھی کہا کہ تم خود کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو، جہنّمی جہنّم کے عذاب میں مبتلا ہوں گے تو آہ و بکا کرتے ہوئے کہیں گے کہ کاش! ہم ڈرانے والوں کی بات توجہ سے سنتے اور اس پر غور کرتے اور آج جہنّمیوں میں شامل نہ ہوتے۔ بار بار اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے کے باوجود وہ اللہ کی رحمت سے دور رہیں گے ان کے لیے جہنّم سے نجات کی کوئی صورت نہیں ہوگی، کیونکہ وہ اپنے رب کے ساتھ کفر و شرک کیا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ ہدایت پانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اللہ اور اس کے رسول کی بات کو توجہ سے سُنے اور اس

بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا

کیوں نہیں یقیناً آیا تھا ہمارے پاس ایک ڈرانے والا تو ہم نے جھٹلایا تھا اور ہم نے کہا تھا نہیں

نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ﴿٩﴾

نازل کی اللہ نے کوئی چیز نہیں ہو تم مگر بڑی گمراہی میں

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا

اور وہ کہیں گے اگر ہوتے ہم سنتے یا ہم سمجھتے نہ ہوتے ہم

فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿١٠﴾ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿١١﴾

دوزخ والوں میں پھر وہ اعتراف کریں گے اپنے گناہ کا بس دوری ہے دوزخ والوں کے لیے

ہاں! یقیناً خبردار کرنے والا ہمارے پاس آیا تھا مگر ہم نے اسے جھٹلا دیا ہم نے کہا اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا ہے تم خود بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔(۹) اور جہنّمی کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو آج اس بھڑکتی ہوئی آگ میں جہنّمیوں کے ساتھ شامل نہ ہوتے۔(۱۰)اس طرح وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے جہنّمیوں کے لیے دوری ہے۔''(۱۱)

پر غور وفکر کرے تاکہ وہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائے، ہدایت پانے کے لیے یہ شرط ہے۔

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ﴾ (ق : ٣٧)

''اس میں عبرت کا سبق ہے ہر اس شخص کے لیے جو دل رکھتا ہو، یا جو بات کو توجہ سے سننے والا ہو۔''

جولوگ اللہ اوراس کے رسول کے فرمان پر توجہ نہیں دیتے ،قرآن مجید نے انہیں چوپاؤں سے بدتر قرار دیا ہے اور ان کا ٹھکانہ جہنّم ہے۔

﴿وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ (الاعراف : ١٧٩)

''اور بلاشبہ ہم نے بہت سے جن اور انسان جہنّم کے لیے پیدا کیے ہیں ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں یہ لوگ چوپاؤں جیسے ہیں بلکہ زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں یہی ہیں جو بالکل غافل ہیں۔''(الاعراف:۱۷۹)

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أُوقِدَ عَلَى النَّارِ أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى احْمَرَّتْ ثُمَّ أُوقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى ابْيَضَّتْ ثُمَّ أُوقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى اسْوَدَّتْ فَهِیَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ)) (رواه الترمذی : كتاب صفة جهنم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک ہزار سال تک دوزخ کی آگ کو بھڑکایا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی پھر اس کو ایک ہزار سال تک جلایا گیا تو وہ سفید ہوگئی پھر اس کو ایک ہزار سال تک جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہوگئی اب اس کا رنگ سیاہ ہے۔''

﴿اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ کَالْقَصْرِ﴾ (المرسلات : ۳۲)

''اس آگ کے محلات جیسی بڑی بڑی چنگاریاں پھینکے گی۔''

مسائل

۱۔ جوش کی وجہ سے جہنّم کی آگ سے مختلف قسم کی آوازیں نکلیں گی۔

۲۔ جہنّم کی آگ میں اس قدر تیزی اور جوش ہوگا کہ دیکھنے والے کو یوں لگے گا جیسے جہنّم ابھی پھٹ جائے گی۔

۳۔ جہنّم کے داروغوں کے سوال کے جواب میں جہنّمی اعتراف کریں گے کہ ہمارے پاس جہنّم سے ڈرانے والے آئے تھے۔ ۴۔ جہنّمی لوگ دنیا میں انبیاء اور علماء کو گمراہ قرار دیتے تھے۔

۵۔ جہنّمی اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے کہیں گے کہ کاش! ہم جہنّم سے ڈرانے والوں کی بات کو توجہ سے سنتے اور اس پر غور کرتے۔

۶۔ کفار اور مشرکین اپنے رب کی رحمت سے ہمیشہ ہمیش کے لیے دور ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

عقل وفکر کی حیثیت اور جہنّمیوں کا اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا :

۱۔ حق پہچاننے کے لیے آفاق پر غور کرنے کی دعوت۔ (حٰم السجدۃ:۵۳)

۲۔ اپنی ذات پر غور وفکر کی دعوت۔ (الذاریات:۲۱) ۳۔ رات کے سکون پر غور کرنے کی دعوت۔ (القصص:۷۲)

۴۔ دن رات کے بدلنے میں غور وخوض کی دعوت۔(المومنون:۸۰) ۵۔شہد کی بناوٹ پر غور کرنے کی دعوت۔ (النحل:۶۹)

۶۔ ہم نے بابرکت کتاب نازل کی تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور وفکر کریں اور نصیحت حاصل کریں۔ (ص:۲۹)

۷۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جہنّمیوں سے فرمائے گا کیا آج کا عذاب برحق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں۔ (الاحقاف:۳۴)

۸۔ ہر جہنّمی کی خواہش ہوگی کہ دنیا میں واپس بھیج دیا جائے۔ (الانعام: ۲۷ تا ۲۸)

۹۔ اے رب ہمارے! ہمیں یہاں سے نکال ہم پہلے سے نیک عمل کریں گے۔ (الفاطر: ۳۷)

۱۰۔ اے رب ہمارے! ہم کو یہاں سے نکال اگر دوبارہ ایسا کریں تو بڑے ظالم ہوں گے۔ (المؤمنون: ۱۰۷)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	يَخْشَوْنَ	رَبَّهُمْ	بِالْغَيْبِ	لَهُمْ	مَّغْفِرَةٌ	وَّ	اَجْرٌ
بلاشبہ	جو لوگ	ڈرتے ہیں	اپنے رب سے	اَن دیکھے	ان کے لیے	مغفرت ہے	اور	اجر ہے
كَبِيْرٌ ⑫	وَ اَسِرُّوْا	قَوْلَكُمْ	اَوِ	اجْهَرُوْا	بِهٖ ؕ	اِنَّهٗ	عَلِيْمٌۢ	
بہت بڑا	اور تم چھپا کر کرو	اپنی بات	یا	اعلانیہ کرو	اس کو	بلاشبہ وہ	خوب جاننے والا ہے	
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑬	اَلَا	يَعْلَمُ	مَنْ	خَلَقَ ؕ	وَ			
سینوں کے راز	کیا نہیں	وہ جانتا ہے	جس نے	پیدا کیا	اور			
هُوَ	اللَّطِيْفُ	الْخَبِيْرُ ⑭						
وہ	نہایت باریک بین	خبر رکھنے والا ہے						

”جو لوگ بغیر دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں یقیناً ان کے لیے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے۔(١٢) تم چپکے سے بات کر دیا اونچی آواز سے کرو۔ اللہ کے لیے برابر ہے وہ تو دلوں کا حال جانتا ہے۔(١٣) کیا جس نے پیدا کیا وہ نہیں جانتا ہے؟ حالانکہ وہ نہایت باریک بین اور پوری طرح خبر دار ہے۔“(١٤)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو لوگ اپنے رب سے ڈر گئے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہے ان کا اجر۔

دنیا میں بے شمار ایسے لوگ ہوتے ہیں جو برائی سے اس لیے نہیں بچتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ وہ ملکی قانون، خاندانی روایات یا پھر معاشرے کے خوف کی وجہ سے برائی سے اجتناب کرتے ہیں۔ ایسا کرنا اچھی بات ہے اور اس کا دینا میں فائدہ ہوتا ہے لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی لوگ اجر پائیں گے جو اللہ کے خوف کی وجہ سے برائی سے بچتے ہیں۔ ان سے جو گناہ بتقاضا بشریت ہو گا اللہ تعالیٰ نہ صرف اُسے معاف فرمائے گا بلکہ انہیں اجرِ کبیر سے بھی ہمکنار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ سے غائب میں ڈرنے کا یہ معنٰی نہیں کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ ہے۔ غائب سے مراد وہ کام اور چیز ہے جو انسان ایک دوسرے سے چھپا سکتا ہے یا انسان کی آنکھوں سے اوجھل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ظاہر اور پوشیدہ برابر ہے۔

”اللہ جانتا ہے جو ہر مادہ اٹھائے ہوئے ہے اور رحم جو کچھ کم کرتے ہیں اور جو زیادہ کرتے ہیں اور اس کے ہاں ہر چیز کا اندازہ مقرر ہے۔ وہ غیب اور ظاہر کو جاننے والا، بہت بڑا اور نہایت بلند و بالا ہے۔ برابر ہے اس کے لیے تم میں سے جو بات چھپا کر کرے یا اسے بلند آواز سے کرے۔ جو رات کو چھپا ہوا ہے اور جو دن کو ظاہر پھرنے والا ہے۔ اس کے لیے اس کے آگے اور اس کے پیچھے یکے بعد دیگرے مقرر کیے ہوئے نگران لگے ہوئے ہیں، جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ بے شک اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کو، یہاں تک کہ وہ اپنے آپ

کو خود بدل لے۔‘‘ (الرعد:٨تا١١) اس لیے اس کا فرمان ہے کہ تم اپنی بات ظاہر کرو یا خفیہ رکھو۔ اسے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ دلوں کے بھید جانتا ہے۔ سوچو اور غور کرو ! کیا جس نے انسان اور ہر چیز کو پیدا کیا ہے وہ کسی بات سے بے خبر ہو سکتا ہے؟ ایسا ہر گز نہیں کیونکہ وہ باریک سے باریک تر چیز کی خبر رکھتا ہے۔

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَمَّا تَجَلَّى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِمُوْسٰى علیہ السلام كَانَ يَبْصُرُ النَّمْلَةَ عَلَى الصَّفَا فِي اللَّيْلَةِ الظَّلْمَاءِ مَسِيْرَةَ عَشْرَةِ فَرْسَخٍ)) (تفسیر ابن کثیر، سورۃ الاعراف : ١٤٣)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا جب اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے تجلی فرمائی اُس وقت وہ اندھیری رات میں دس فرسخ کے فاصلے سے پتھر پر چلنے والی چیونٹی کو دیکھ رہا تھا۔‘‘

﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَّكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (الفرقان : ٧٠)

’’ہاں جو توبہ کرے اور ایمان لا کر صالح عمل کرے ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا کیونکہ اللہ غفور رحیم ہے۔‘‘

مسائل

١۔ جو لوگ اپنے رب سے غائب کی حالت میں ڈرتے ہیں ان کے لیے بخشش اور اجرِ کبیر ہے۔

٢۔ کوئی اپنی بات کو ظاہر کرے یا اسے چھپائے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ کیونکہ وہ دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔

٣۔ ہر انسان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ باریک سے باریک تر چیز سے باخبر ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ سے غائب کی حالت یں ڈرنے والے لوگوں کا صلہ اور مقام:

١۔ جو لوگ اللہ سے غیب میں ڈرتے ہیں ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے۔ (الملک : ١٢)

٢۔ جو الرحمٰن سے غیب میں ڈرتے ہیں ان کے لیے بخشش کی خوشخبری ہے۔ (یٰس : ١١)

٣۔ آپ ﷺ ان لوگوں کو ڈرانے والے ہیں جو اپنے رب سے غیب میں ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔ (الفاطر : ١٨)

٤۔ غیب پر ایمان لانا، نماز قائم کرنا، اللہ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرنا، قرآن مجید اور سابقہ کتب آسمانی پر ایمان لانا اور آخرت پر یقین رکھنے والوں کے لیے کامیابی ہے۔ (البقرۃ:٣،٤)

فِيْ مَنَاكِبِهَا	فَامْشُوْا	ذَلُوْلًا	الْاَرْضَ	لَكُمُ	جَعَلَ	هُوَ الَّذِيْ
اس کے راستوں میں	بس چلو پھرو	نرم	زمین کو	تمہارے لیے	بنایا	وہی ہے جس نے

النُّشُوْرُ ⑮	وَاِلَيْهِ	مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ	وَكُلُوْا
قبروں سے اُٹھ کر جانا ہے	اور اسی کی طرف	اس کے رزق سے	اور کھاؤ

’’وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم کر دیا ہے اس کے راستوں پر چلو پھرو اور اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ! اور اسی کے حضور تمہیں دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔‘‘ (۱۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس رب نے انسان کو پیدا کیا ہے اسی نے انسان کے لیے زمین کو بنایا اور بچھایا ہے۔

اس سورت کی آیت ۳ تا ۵ میں آسمانوں کی تخلیق، تزئین اور حفاظت کا ذکر فرما کر انسان کو یہ حقیقت یاد کرائی گئی ہے کہ جس خالق نے سب کچھ پیدا کیا ہے وہ لوگوں کے سینوں کے رازوں سے واقف ہے اور جو رب لوگوں کے دلوں کے جذبات کو جانتا ہے اس نے ہی زمین کو اس قابل بنایا ہے تاکہ تم اس کے راستوں پر چلو اور اپنے رازق کا رزق کھاؤ اور یاد رکھو! کہ تم نے اسی کے حضور پیش ہونا ہے۔ یہاں زمین کے لیے ’’ذَلُــــوْلًا‘‘ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنٰی نرم ہے۔ بے شک زمین میں پہاڑ اور چٹانیں بھی پائی جاتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ہر دور کے انسان کو فہم اور وسائل عطا فرمائے ہیں کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق زمین میں راستے بنائے اور انہیں ہموار کرے تاکہ وہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک جا سکے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیت کے سبب انسان نے زمین پر شاہرائیں بنائیں اور پہاڑوں کے سینے چیر کر راستے ہموار کیے یہاں تک کہ سمندر پر بھی راستے بنا لیے ہیں۔ جس سے ایک ملک کے وسائل اور اناج باآسانی دوسرے ملک میں پہنچ رہے ہیں۔ اس سے لوگوں کے رزق میں کشادگی پیدا ہوئی اور ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات قائم کرنے میں آسانی میسر آئی۔ اگر اللہ تعالیٰ زمین پر راستے نہ بناتا اور انسان کو مواصلات کے ذرائع بنانے کی صلاحیت نہ دیتا تو لوگ اپنے اپنے علاقے میں قیدی بن کر رہ جاتے اور نہ ایک دوسرے کے وسائل سے فائدہ اٹھا سکتے تھے اور نہ ہی دنیا اس قدر ترقی کر سکتی تھی۔

مسائل

۱۔ اللہ ہی نے زمین کو نرم بنایا اور اس پر راستے بنائے۔ ۲۔ اللہ ہی لوگوں کو رزق دینے اور کھلانے والا ہے۔
۳۔ ہر شخص نے اپنی اپنی قبر سے نکل کر اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہر کسی نے ’’اللہ‘‘ کے حضور پیش ہونا ہے:

۱۔ میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے واپس جانا ہے۔ (الرعد: ۳۶)
۲۔ اللہ کو ہی قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف تم نے لوٹنا ہے۔ (الزخرف: ۸۵، مریم: ۴۰، الزمر: ۴۴، یونس: ۵۶)

ءَ اَمِنۡتُمۡ	مَّنۡ	فِی السَّمَآءِ	اَنۡ	یَّخۡسِفَ	بِکُمُ	الۡاَرۡضَ
کیا تم بے خوف ہو گئے ہو	اس سے جو	آسمان میں ہے	یہ کہ	وہ دھنسا دے	تمہیں	زمین میں
فَاِذَا	ہِیَ	تَمُوۡرُ ﴿۱۶﴾	اَمۡ	اَمِنۡتُمۡ	مَّنۡ	فِی السَّمَآءِ اَنۡ
تو اچانک	وہ	تیز حرکت کرنے لگے	یا	تم بے خوف ہو گئے ہو	جو	آسمان میں ہے یہ کہ
یُّرۡسِلَ	عَلَیۡکُمۡ	حَاصِبًا ؕ	فَسَتَعۡلَمُوۡنَ	کَیۡفَ	نَذِیۡرِ ﴿۱۷﴾	
وہ بھیجے	تم پر	پتھراؤ کرنے والی آندھی	پھر عنقریب تم جان لو گے	کیسا ہے	میرا ڈرانا	
وَ لَقَدۡ	کَذَّبَ	الَّذِیۡنَ	مِنۡ قَبۡلِہِمۡ	فَکَیۡفَ	کَانَ	نَکِیۡرِ ﴿۱۸﴾
اور البتہ تحقیق	تکذیب کی تھی	ان لوگوں نے جو	ان سے پہلے تھے	پھر کیسا	تھا	میرا عذاب

”کیا تم اس ہستی سے بے خوف ہو گئے جو آسمان میں ہے وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے اور اچانک زمین ہچکولے کھانے لگے؟ (١٦) کیا تم اس ذات سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے کہ تم پر پتھراؤ کرنے والی آندھی بھیج دے؟ پھر تمہیں پتا چلے کہ میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے۔(١٧)ان سے پہلے لوگ جھٹلا چکے ہیں پھر دیکھ لو کہ میرا عذاب کیسا سخت تھا!“(١٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس ذات نے تمہیں پیدا کیا اور زمین کو تمہارے لیے فرش کے طور پر بچھایا ہے کیا اس سے بے خوف ہو کر اس کی نافرمانیاں کرتے ہو۔ یاد رکھو اگر وہ چاہے تو نافرمانوں کو زمین میں دھنسا دے یا آسمان سے پتھروں کی بارش برسا کر انہیں نیست و نابود کر دے۔

جس رب کے حضور تم نے قبروں سے نکل کر پیش ہونا ہے وہ آسمانوں میں ہے۔ کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ زمین کو اس طرح ہلا دے کہ تمہیں زمین میں دھنسا کر رکھ دے۔ کیا تم اس ہستی سے بے پرواہ ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے وہ چاہے تو تمہاری نافرمانیوں کی وجہ سے تم پر پتھروں کی بارش برسائے پھر تمہیں معلوم ہو کہ اس کا ڈرانا کیسا ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بھی ”اللہ“ کے ڈر سے بے خوف ہو گئے تھے۔ جب وہ ”اللہ“ کے ڈر سے بے خوف ہوئے تو ”اللہ“ نے کسی کو زمین میں دھنسا دیا اور کسی پر پتھروں کی بارش برسائی۔ غور کرو! کہ میرا عذاب کیسا ہوگا؟

اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنے بارے میں دو مرتبہ اشارہ کیا ہے کہ وہ آسمان میں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آسمان کا اپنا وجود ہے لیکن یہاں آسمان سے مراد رفعت اور بلندی ہے۔ یہ مفہوم لینے کی اس لیے ضرورت ہے کہ اس کا ارشاد ہے کہ اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے چھ دن میں پیدا فرمایا۔ پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔ (السجدۃ: ٣) دوسرے مقام پر فرمایا کہ یہ قرآن اس ذات کی طرف سے اُتارا گیا ہے، جس نے زمین اور بلند و بالا آسمانوں کو پیدا کیا، وہ بڑا مہربان اور عرش پر متمکن ہے۔ (طٰہٰ: ٤، ٥) ان دلائل کی

روشنی میں ہمارا عقیدہ یہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے عرشِ معلی پر جلوہ نما ہے اور اپنے علم، اقتدار اور اختیار کے اعتبار سے ہر جگہ موجود ہے۔

”معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری ایک لونڈی تھی جو احد پہاڑ اور جوانیہ کے علاقہ میں میری بکریاں چرایا کرتی تھی۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ میری بکریوں میں سے ایک بکری کو بھیڑیا اٹھا کرلے گیا ہے میں انسان تھا جس طرح دوسروں کو غصہ آتا ہے، مجھے بھی غصہ آگیا۔ میں نے اس لڑکی کے منہ پر طمانچہ دے مارا۔ اس حرکت کے بعد میں رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے میرا بڑا جرم قرار دیا۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں اسے آزاد کردوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا: اسے میرے پاس لاؤ میں لڑکی کو آپ کی خدمت میں لے گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ اللہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا آسمانوں میں ہے۔ پھر آپ نے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا اسے آزاد کردو یہ ایماندار ہے۔“

(رواہ مسلم: باب تَحْرِيمِ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ وَنَسْخِ مَا كَانَ مِنْ إِبَاحَتِهِ)

”حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک کے سائے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے دورانِ گفتگو ہم نے قیامت کا ذکر کیا۔ باتیں کرتے ہوئے ہماری آوازیں بلند ہو گئیں۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک اس سے پہلے دس نشانیاں نہ پوری ہو جائیں۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، دابہ جانور کا نکلنا، یاجوج و ماجوج کا ظاہر ہونا، دجال کا آنا، عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا زمین پر نازل ہونا، دھواں کا ظاہر ہونا اور زمین کا تین مرتبہ دھنسنا ایک مرتبہ مغرب میں، ایک مرتبہ مشرق میں اور ایک مرتبہ جزیرۃ العرب میں اور آخر میں آگ یمن سے عدن کی طرف رونما ہو گی جو لوگوں کو محشر کے میدان میں اکٹھا کرے گی۔“(رواہ ابوداؤد : باب أمارات الساعة، قال البانی صحیح)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو مجرموں کو زمین میں دھنسا دے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو آسمان سے ظالموں پر پتھروں کی بارش برسائے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ والوں سے پہلے کئی ظالموں کی گرفت کی۔ غور کرو! اللہ کی پکڑ کس قدر سخت ہو گی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کا ظالم اقوام کی گرفت کرنا :

۱۔ قوم نوح طوفان کے ذریعے ہلاک ہوئی۔ (الاعراف:۱۳۶) ۲۔ عاد زبردست آندھی کے ذریعے ہلاک ہوئے۔ (الحاقۃ:٦)
۳۔ ثمود زوردار دھماکے کے ساتھ ہلاک کیے گئے۔ (الحاقۃ: ۵) (الحجر:۷۴) (ھود:۸۲)

اَوَلَمْ	يَرَوْا	اِلَى الطَّيْرِ	فَوْقَهُمْ	صٰٓفّٰتٍ	وَّيَقْبِضْنَ ؔ	مَا
کیا نہیں	دیکھا انہوں نے	پرندوں کی طرف	ان پر	پر پھیلاتے	اور سمیٹتے ہیں	نہیں
يُمْسِكُهُنَّ	اِلَّا	الرَّحْمٰنُ ؕ	اِنَّهٗ	بِكُلِّ شَيْءٍۭ	بَصِيْرٌ ⑲	
تھامتا ان کو	مگر	الرحمٰن	بلاشبہ وہ	ہر چیز کو	خوب دیکھنے والا ہے	

”کیا یہ لوگ اپنے اوپر اڑنے والے پرندوں کو پر پھیلائے اور سکیڑتے نہیں دیکھتے؟ الرّحمان کے سوا کوئی انہیں تھامنے والا نہیں۔ وہی ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔“(١٩)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی ایک اور قدرت جس پر لوگوں کو غور کرنا چاہیے۔

”اللہ“ ہی وہ ذات ہے جس نے زمین کو فرش کے طور پر بچھایا اور پھیلایا اور اس میں کششِ اتصال پیدا فرمائی۔ اسی وجہ سے فضا میں ایک حد تک پھرنے والی چیز کو زمین اپنی طرف کھینچتی ہے۔ بے شک بندوق کی گولی ہو یا یاسکڈ میزائل بالآخر وہ زمین پر آتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے پرندوں میں ایسی قوت اور شعور پیدا کیا ہے جس بنا پر وہ فضا میں اپنی مرضی کے مطابق اُڑتے اور پھرتے ہیں۔ کبھی دونوں پَر کبھی ایک پر ہلاتے ہیں، کبھی دونوں پَر پھیلا کر فضا میں تیر رہے ہوتے ہیں اور کبھی دونوں پروں کو بند کر لیتے ہیں انہیں یہ قوت اور شعور دینے والی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اس لیے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے سروں پر اُڑنے والے پرندوں پر غور کرو کہ جو کبھی پَروں کو پھیلاتے ہیں اور کبھی انہیں سُکیڑ لیتے ہیں۔ الرّحمٰن کے سوا کوئی ایسی ذات اور طاقت نہیں جو انہیں تھام سکتی ہو۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو انہیں تھامتی ہے اور ہر چیز کو دیکھنے والی ہے۔

آج جس قدر فضاء میں ہوائی جہاز پرواز کررہے ہیں ان کی تکنیک کسی نہ کسی پرندے کی اُڑان سے سیکھی گئی ہے۔ کچھ جہاز ایسے ہیں جنہیں لمبے رن وے (Run way) کی ضرورت ہوتی ہے اور کچھ ایسے ہیں جو ایک ہی جگہ پر کھڑے اوپر اٹھتے ہیں۔ یہی پرندوں کی کیفیت ہے کہ کچھ پرندے آگے دوڑ کر اُڑتے ہیں اور کچھ اپنے قدموں پر ہی اٹھ کر فضاء میں اُڑنا شروع کردیتے ہیں۔

مسائل

١۔ اللہ ہی پرندوں کو فضا میں اُڑانے اور تھامنے والا ہے۔٢۔ اللہ تعالیٰ بڑا رحمٰن اور ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہر چیز اللہ تعالیٰ کے احاطہ قدرت میں ہے:

(النساء: ١٢٦) (النساء: ١٠٨) (ھود: ٩٢) (آل عمران: ١٢٠) (الطلاق: ١٢) (البقرۃ: ٢٥٥) (البقرۃ: ١١٦)

اَمَّنْ	هٰذَا	الَّذِیْ	هُوَ	جُنْدٌ	لَّكُمْ	یَنْصُرُكُمْ
کون ہے؟	وہ	جو	وہ	لشکر ہو	تمہارا	کہ وہ مدد کرے تمہاری

مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ	اِنِ	الْكٰفِرُوْنَ	اِلَّا	فِیْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾	اَمَّنْ	هٰذَا
سوائے الرحمن کے	نہیں ہیں	کافر	مگر	دھوکے میں	بھلا کون ہے	وہ

الَّذِیْ	یَرْزُقُكُمْ	اِنْ	اَمْسَكَ	رِزْقَهٗ ۚ	بَلْ	لَّجُّوْا	فِیْ عُتُوٍّ
جو	تمہیں رزق دے	اگر	وہ روک لے	اپنا رزق	بلکہ	وہ اڑے ہوئے ہیں	سرکشی میں

وَّ	نُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾	اَفَمَنْ	یَّمْشِیْ	مُكِبًّا	عَلٰی وَجْهِهٖۤ	اَهْدٰۤی
اور	نفرت میں	کیا پھر جو شخص	چلتا ہے	اوندھا	اپنے چہرے کے بل	وہ زیادہ ہدایت والا ہے

اَمَّنْ	یَّمْشِیْ	سَوِیًّا	عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾
یا وہ شخص جو	چلتا ہے	سیدھا	صراطِ مستقیم پر

”بتاؤ تمہارے پاس کون سا لشکر ہے جو الرحمان کے مقابلے میں تمہاری مدد کر سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ منکرینِ حق دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔(۲۰) پھر بتاؤ اگر الرحمٰن اپنا رزق روک لے تو کون تمہیں رزق دے سکتا ہے؟ دراصل یہ لوگ سرکشی اور مسلمانوں سے نفرت کرنے پر اڑے ہوئے ہیں۔(۲۱) سوچو کہ جو شخص اوندھے منہ چل رہا ہے وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا جو سر اٹھائے سیدھا ہموار راستے پر چل رہا ہے وہ ہدایت پر ہے؟“(۲۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی مزید قدرتوں کا تذکرہ۔

اللہ تعالیٰ اپنی بڑی بڑی قدرتوں کا تذکرہ فرما کر منکرینِ حق کو دعوتِ فکر دیتے ہوئے سوال کرتا ہے کہ بتاؤ! اگر ”اللہ“ تمہاری گرفت کرنے پر آئے تو کون ہے جو اللہ کے سوا تمہاری مدد کر سکے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے سوا کوئی بھی تمہاری مدد نہیں کر سکتا لیکن اس کے باوجود کافر دھوکے میں مبتلا ہیں۔ اگر ”اللہ“ تمہارا رزق بند کر لے تو پھر کون تمہیں رزق دینے والا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی نہیں۔ لیکن پھر بھی کافر اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے اس کی توحید سے نفرت کرتے ہیں۔ان کے مقابلے میں اپنے رب پر حقیقی ایمان لانے والا شخص یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے اور کم کرنے والا ہے، اگر وہ کسی کی گرفت کا فیصلہ کر لے تو زمین و آسمانوں میں کوئی نہیں جو کسی کی مدد کر سکے۔ یہاں مومن اور کافر کے عقیدہ اور کردار کے فرق کو واضح کرنے کے لیے یہ مثال دی ہے کہ ایک وہ شخص ہے جو منہ کے بل چلتا ہے اور دوسرا وہ ہے جو اپنے پاؤں پر سیدھا ہو کر

سیدھے راستے پر چلتا ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ بتاؤ کہ ان میں سے کس کی سوچ اورانداز بہتر ہے اور کون ان میں منزلِ مقصود پر پہنچنے والا ہے ؟ کھلی حقیقت ہے کہ جو سر کے بل چلنے والا ہے وہ ذلّت و رُسوائی اٹھانے کے باوجود اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکتا اور جو صحیح فکر اورسیدھا ہو کر چلتا ہے وہ بالآخر منزلِ مقصود پانے والا ہے۔ اس مثال سے یہ ثابت کیا ہے کہ کافر،مشرک اوراللہ کے باغی کی سوچ بھی ہے اُلٹی ہے اور اس کا کردار بھی اُلٹا ہے۔ اللہ کا حکم ہے کہ مجھے ہر اعتبار سے ایک مانو! کافر اس بات کا انکار کرتاہے اورمشرک اس کے ساتھ دوسروں کوشریک بناتا ہے۔باغی انسان اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کی بجائے اس کی نافرمانی کرتاہے۔جس طرح دونوں کے عقیدہ اور کردار میں فرق ہے اسی طرح ان کے انجام میں فرق ہوگا اسی لیے اس کا ارشاد ہے:

’’بھلا یہ ہوسکتا ہے کہ جو شخص مومن ہے وہ اس شخص کی طرح کر دیا جائے جو فاسق ہے دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں اُن کے اعمال کے بدلے اُن کی ضیافت کے لیے جنتوں کی قیام گاہیں ہیں اور جنہوں نے نافرمانی اختیار کی ہے اُن کا ٹھکانا آگ ہے، جب اس سے نکلنا چاہیں گے تو اُسی میں دھکیل دیے جائیں گے، اور ان سے کہا جائے گا کہ اب آگ کے عذاب کا مزا چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔‘‘ (السجدة: ۱۸تا۲۰)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کی مدد نہیں کرسکتا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کسی کا رزق بند یا تنگ کردے تو کوئی اسے رزق دینے والا نہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتیں جاننے کے باوجود کافر اورمشرک ’’اللہ‘‘ کو بلا شرکتِ غیرے حقیقی داتا اورمددگار ماننے کے لیے تیارنہیں۔

۴۔ کفار اورمشرکین کی مثال منہ کے بل چلنے والے کی طرح اورموحّد کی مثال پاؤں کے بل سیدھا ہو کر راستے پر چلنے والے کی طرح ہے۔

تفسیر بالقرآن

کافر،مشرک ،منافق اورمومن کے درمیان فرق:

۱۔ مومن اور فاسق برابرنہیں ہو سکتے۔ (السجدة: ۱۸) ۲۔جنتی اور جہنّمی برابرنہیں ہو سکتے۔ (الحشر: ۲۰)

۳۔ سیدھا اور الٹا چلنے والا برابرنہیں ہوتا۔ (الملک:۲۲)۴۔اندھا اور بینا برابرنہیں ہوتا۔ (الانعام: ۵۰)

۵۔ روشنی اور اندھیرے برابرنہیں ہوتے۔ (فاطر :۲۰) ۶۔ مجاہد اور غیر مجاہد برابرنہیں(النساء :۹۵)

۷۔ مومن اور کافر برابرنہیں ہیں۔ (الانعام:۱۲۲)۸۔مومن کافروں سے سربلند ہیں۔ (آل عمران:۵۵)

۹۔ متقین قیامت کو سربلند ہوں گے۔ (البقرة:۲۱۲)

قُلْ	هُوَ	الَّذِیْٓ	اَنْشَاَكُمْ	وَجَعَلَ	لَكُمُ	السَّمْعَ
فرما دیجیے	وہ ہے	جس نے	تمہیں پیدا کیا	اور اس نے بنائے	تمہارے لیے	کان
وَالْاَبْصَارَ	وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ	قَلِیْلًا مَّا	تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾	قُلْ	هُوَ	الَّذِیْ
اور آنکھیں	اور دل	بہت ہی کم	تم شکر کرتے ہو	فرما دیجیے	وہ ہے	جس نے
ذَرَاَكُمْ	فِی الْاَرْضِ	وَاِلَیْهِ	تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾	وَیَقُوْلُوْنَ	مَتٰی	
تمہیں پھیلایا	زمین میں	اور اسی کی طرف	تم اکٹھے کیے جاؤ گے	اور وہ کہتے ہیں	کب ہو گا	
هٰذَا	الْوَعْدُ	اِنْ	كُنْتُمْ	صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾	قُلْ	اِنَّمَا الْعِلْمُ
یہ	وعدہ	اگر	ہو تم	سچے	فرما دیجیے	علم تو صرف
عِنْدَ اللّٰهِ ۪	وَاِنَّمَآ اَنَا	نَذِیْرٌ	مُّبِیْنٌ ﴿۲۶﴾			
اللہ کے پاس ہے	اور میں تو صرف	ڈرانے والا ہوں	واضح			

''ان سے فرمائیں ''اللہ'' ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، تمہیں سننے کے لیے کان اور دیکھنے کے لیے آنکھیں اور سوچنے کے لیے دل دیے مگر تم کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔(٢٣) ان سے کہو اللہ ہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا ہے اور اسی کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔(٢٤) یہ کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یہ وعدہ کب پورا ہو گا؟(٢٥) فرماؤ کہ اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے میں صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔''(٢٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی آیت ١٦ سے لے کر ٢٢ تک چھ مرتبہ سوالیہ انداز میں اپنی قدرتیں سمجھائی ہیں اور اب نبی علیہ السلام کو چھ مرتبہ ''قُـلْ'' کے لفظ سے حکم دیا ہے کہ آپ اپنے رب کی ذات اور اس کی قدرتوں سے لوگوں کو آگاہ فرمائیں کہ اللہ کی قدرت کی عظیم نشانیوں میں سے یہ بھی ایک بڑی نشانیاں ہیں کہ اس نے تمہیں پیدا فرمایا، تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے ہیں مگر تھوڑے لوگ ہیں جو اس کا شکر ادا کرتے ہیں، یہ بھی انہیں بتلائیں کہ اس نے تمہیں پیدا کرنے کے بعد زمین پر پھیلایا ہے اور اسی کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گئے۔

ان آیات میں بڑے اختصار کے ساتھ انسان کی تخلیق، اس کی صلاحیتوں اور لوگوں کے کردار کی نشاندہی کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ بالآخر تم سب نے اسی کی طرف اکٹھا ہونا ہے۔ اگر انسان اپنی تخلیق پر غور کرے تو اسے یقین ہوجائے گا کہ انسانِ اوّل کو مٹی سے اور ہر انسان پانی کی ایک بوند سے پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عظیم شاہکار ہے پھر اس نے انسان کو کان، آنکھیں اور دل دیا تاکہ وہ کانوں کے ساتھ حقیقت سنے، آنکھوں کے ساتھ اس کی قدرتوں کا مشاہدہ کرے اور دل میں غور کرے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ جس ذات نے اسے ان صلاحیتوں سے سرفراز فرمایا اسے اس

کی ذات اور بات کا انکار کرنے کی بجائے اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ شکرگزار بننے کے لیے ضروری ہے کہ انسان کے ذہن میں یہ بات سما جائے کہ اگر میں نے اپنے خالق اور مالک کا شکر ادا نہ کیا تو مجھے قیامت کے دن اس کا حساب دینا ہوگا۔ لیکن ناشکرے لوگوں کی حالت اور عادت یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ قیامت کب آئے گی۔ قرآن مجید میں کفار کے سوال کا متعدد مرتبہ جواب دیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ یہی کہتے تھے اور کہتے رہیں گے کہ قیامت کب آئے گی۔ ان کے کہنے کا یہ مقصد نہیں کہ وہ قیامت کی آمد پر یقین رکھتے ہیں بلکہ ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر دور میں انبیاء اور ان کے ماننے والے کہتے رہے ہیں کہ قیامت آنے والی ہے لیکن آج تک قیامت نہیں آئی۔ بقول ان کے یہ بات لوگوں کو ڈرانے دھمکانے کے سوا کوئی حقیقت نہیں رکھتی ان کا کہنا ہے کہ انسان اسی طرح ہی پیدا ہوتے اور مرتے رہے ہیں اور پیدا ہوتے اور مرتے رہیں گے اور دنیا کا نظام جس طرح چل رہا ہے اسی طرح چلتا رہے گا۔ موت و حیات کا سلسلہ بھی اس نظام کا ایک حصہ ہے لہٰذا جو شخص مَر چکا وہ کبھی نہیں اٹھایا جائے گا۔

﴿وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ﴾ (الجاثیہ: ٢٤)

”یہ لوگ کہتے ہیں کہ زندگی بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے یہیں ہمارا مرنا اور جینا ہے اور گردش ایام کے سوا کوئی چیز جو ہمیں ہلاک نہیں کرتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس علم نہیں ہے محض گمان کی بنا پر یہ باتیں کرتے ہیں۔“

مسائل

١۔ ”اللہ“ ہی نے انسانوں کو پیدا کیا اور انہیں کان، آنکھیں اور دل عطا فرمائے۔

٢۔ ”اللہ“ ہی نے لوگوں کو زمین میں پھیلایا اور وہی انہیں اپنے حضور اکٹھا کرے گا۔

٣۔ قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ ٤۔ نبی علیہ السلام کا کام لوگوں کو ان کے برے انجام سے ڈرانا تھا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب برپا ہوگی:

١۔ اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے اس میں شک نہیں کرنا چاہیے۔ (الزخرف: ٦٨)

٢۔ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ (الاعراف: ١٨٧)

٣۔ اللہ کو ہی قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف تم نے لوٹنا ہے۔ (الزخرف: ٨٥)

٤۔ قیامت قریب آگئی اور اس کے آنے کو اللہ کے سوا کوئی نہیں روک سکتا۔ (النجم: ٥٧۔ ٥٨)

٥۔ قیامت کے بارے میں اللہ کے علاوہ کسی کو علم نہیں کہ قیامت کب واقع ہوگی۔ (الانعام: ٥٩)

٦۔ قیامت قریب آگئی ہے لیکن لوگ اسے اعراض کرتے ہیں۔ (الانبیاء: ١)

فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
پھر جب وہ دیکھیں گے اسے قریب ہی تو بگڑ جائیں گے چہرے ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا
وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿٢٧﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ
اور کہا جائے گا یہ ہے وہ جو تھے تم اس کو مانگتے فرما دیجیے خبر دو مجھے اگر
اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ
ہلاک کر دے مجھ کو اللہ اور ان کو بھی جو میرے ساتھ ہیں یا وہ ہم پر رحم کرے کون ہے جو پناہ دے گا
الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٨﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ
کافروں کو دردناک عذاب سے فرما دیجیے وہ نہایت مہربان ہے ہم ایمان لائے اس پر
وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٩﴾
اور اسی پر ہم نے توکل کیا سوعنقریب تم جان لو گے کون ہے وہ جو کھلی گمراہی میں ہے

”پھر جب قیامت کو قریب دیکھ لیں گے تو جنہوں نے انکار کیا ہے ان کے چہرے بگڑ جائیں گے اور اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ یہی وہ قیامت ہے جس کا تم مطالبہ کرتے تھے۔(٢٧) ان سے فرمائیں کہ کبھی تم نے یہ بھی سوچا ہے کہ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمائے تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟(٢٨) ان سے کہیں وہ بڑا رحیم ہے اسی پر ہم ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے؟“(٢٩)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ان آیات میں کفار کو بتلائی جانے والی چوتھی اور پانچویں حقیقت۔

اس سے پہلے ”قُلْ“ کا لفظ استعمال فرما کر نبی علیہ السلام کو حکم ہوا کہ کفار کو یہ بتلایا جائے کہ تمہیں ”اللہ“ ہی نے پیدا کیا اور اسی نے تمہیں کان، آنکھیں اور دل عطا فرمائے ہیں، اسی نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور وہی تمہیں اپنے حضور دوبارہ اکٹھا کرے گا اور وہی جانتا ہے کہ قیامت کب برپا ہوگی۔ اب حکم ہوا کہ اے نبی ﷺ! انہیں بتلائیں کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کرے یا ہم پر مہربانی فرمائے تو کافرو! تم بتلاؤ کہ تمہیں عذابِ الیم سے کون بچائے گا؟ انہیں یہ بھی بتلائیں کہ جو ہلاک کرنے اور بچانے والا ہے اسی الرحمٰن پر ہمارا بھروسہ اور ایمان ہے، وقت آئے گا کہ تمہیں پتا چل جائے گا کہ کون کھلی گمراہی میں مبتلا ہے اور کون ہدایت کے راستے پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہلاک کرنے اور مہربانی فرمانے کا ذکر فرما کر کفار کو یہ حقیقت بتلائی گئی ہے کہ موت اور زندگی، نفع اور نقصان صرف ”اللہ“ کے ہاتھ میں ہے لہٰذا تمہاری مخالفت ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، البتہ تم یاد رکھو کہ تمہیں

اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا کیونکہ تم کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔

﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ (آل عمران : ١٠٦)

”جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ ، کالے چہروں والوں سے کہا جائے گا کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ اب عذاب چکھو کیونکہ تم انکار کرتے تھے۔“

”نہایت مہربان رب کی طرف سے جو زمینوں اور آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا مالک ہے جس کے سامنے کسی کو بولنے کی ہمت نہیں ہوگی۔جس دن جبریل اور ملائکہ صف بستہ کھڑے ہوں گے کوئی بات نہیں کر پائے گا سوائے اس کے جسے الرّحمٰن اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے وہ دن برحق ہے جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف پلٹنے کا راستہ اختیار کر لے۔ہم نے تمہیں اس عذاب سے ڈرادیا ہے جو قریب آ چکا ہے جس دن آدمی سب کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور کافر پکار اٹھے گا کہ کاش میں مٹی بنا رہتا۔“ (عبس : ٣٧تا٤٢)

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کسی پر رحم فرمائے یا اسے ہلاک کرے اس کے کام میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔

٢۔ کفار جس قدر چاہیں مسلمانوں کی مخالفت کرلیں بالآخر انہیں عذابِ الیم میں مبتلا ہونا ہے۔

٣۔ مسلمان کو ہر حال میں ”اللہ“ پر بھروسہ کرنا چاہیے جو سب سے بڑا مہربان ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ جس پر گرفت فرمائے اسے دنیا اور آخرت میں کوئی بچانے والا نہیں :

١۔ ”اللہ“ کا عذاب برحق ہے اور تم اس کو عاجز نہیں کر سکتے۔(یونس:٥٣)

٢۔ کفار کے چہروں پر ذلت چھا جائے گی انہیں اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔(یونس:٢٧)

٣۔ آج کے دن اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچ سکتا مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔(ہود:٤٣)

٤۔ اس دن وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے ”اللہ“ کی پکڑ سے انہیں کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔(المومن:٣٣)

٥۔ اگر اللہ کسی کو تکلیف دے تو کون ہے جو اُسے اس تکلیف سے بچا سکے۔(الاحزاب:١٧)

٦۔ جسے اللہ رُسوا کرے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔(الحج:١٨)

فَمَنْ	غَوْرًا	مَآؤُكُمْ	اَصْبَحَ	اِنْ	اَرَءَيْتُمْ	قُلْ
تو کون ہے جو	گہرا	تمہارا پانی	ہو جائے	اگر	کیا تم نے غور کیا	فرما دیجیے

مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾	بِمَآءٍ	يَّاْتِيْكُمْ
جاری	پانی	لے آئے وہ تمہارے پاس

’’ان سے فرمائیں کیا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ اگر تمہارے کنوؤں کا پانی زمین میں اتر جائے تو کون ہے جو اس جاری پانی کو اُوپر لائے گا؟‘‘ (۳۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: دنیا اورآخرت کے عذاب کو ٹالنا تو درکنار انسان ’’اللہ تعالیٰ‘‘ کے سامنے اس قدر عاجز اور بے بس ہے کہ وہ اپنی زندگی کی اہم ترین ضرورت پانی پر بھی اختیار نہیں رکھتا۔

انسان کی بنیادی ضروریات میں پانی اس کی زندگی کا اہم ترین جز ہے، پانی کے بغیر انسان زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ قدیم زمانے میں عرب میں پانی کی بہت زیادہ قلت ہوا کرتی تھی۔ پانی کی قلت کی وجہ سے عرب کے اکثر لوگ خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے تھے بیشتر علاقوں میں پانی کا دارومدار صرف بارش پر تھا اگر ایک مدت تک بارش نہ ہوتی تو چشمے خشک ہوجاتے اورکنوؤں کا پانی اتنا گہرا ہوجاتا کہ اسے حاصل کرنا کسی کے بس میں نہیں تھا۔ پانی کی قلت کی وجہ سے جانور مرجاتے اورلوگوں کو اپنی جان کے لالے پڑ جاتے تھے، بارش برستی تو لوگوں کو اس قدر خوشی ہوتی کہ جس طرح کسی کو دوبارہ زندگی حاصل جائے۔ قرآن مجید نے کئی بار اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بارش نازل نہ کرے تو کون بارش برسانے والا ہے۔؟ علاقہ زرخیز ہو یا بنجر، پہاڑی ہو یا ہموار پانی کا انحصار بارش پر ہے اگر ایک مدّت تک بارش نہ ہو تو زمین کا پانی اتنا گہرا ہوجائے کہ عام آدمی تو درکنار بہت زیادہ وسائل رکھنے والی حکومت بھی زمین سے پانی حاصل نہ کرسکے۔ اس لیے اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جس پانی کوتم پیتے اوراستعمال کرتے ہو اگر اسے زمین میں گہرا کردیا جائے تو کون ہے جو اسے حاصل کرسکے گا؟

مسائل

۱۔ اگر اللہ تعالیٰ زمین کے پانی کوخشک کردے تو زمین و آسمانوں میں کوئی ایسی طاقت نہیں جو پانی حاصل کرسکے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کو پانی دینے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

پانی کی اہمیت اوربارش کا نظام:

(الطارق:٦)(طٰہٰ:٥٣)(النساء:٦٣)(النحل:٦٥)(البقرۃ:٢٢)(ق:٩)

سورۃ القلم کا تعارف

اس سورت کے دو نام بیان کیے جاتے ہیں ن اور قلم۔ دونوں نام اس کی ابتداء میں موجود ہیں یہ سورت مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی یہ باون آیات پر مشتمل ہے جنہیں دو رکوع میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ معظّمہ کے اس دور میں نازل ہوئی جس دور میں مشرکین مکہ آپ کی مخالفت میں اندھے ہو چکے تھے۔ ان کے اندھے پن کا عالم یہ تھا کہ وہ آپ کے شاندار ماضی اور اعلیٰ اخلاق کو جاننے کے باوجود آپ کو دیوانہ مشہور کرتے تھے۔ ان کے پروپیگنڈے کے توڑ اور نبی ﷺ کے اخلاق اور عزت کو اجاگر فرمانے کے لیے نون اور قلم کی قسم اٹھا کر واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ مجنون نہیں ہیں۔ نون اور قلم کی قسم اٹھا کر یہ ثابت کیا ہے کہ جس قرآن کی وجہ سے تم نبی علیہ السلام کو مجنون کہتے ہو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نازل کیا جا رہا ہے، عنقریب وقت آنے والا ہے جب تمہیں پتہ چل جائے گا مجنون کون ہے اور سیدھے راستے سے کون بھٹک چکا ہے۔ کفار کے پروپیگنڈہ کا مقصد یہ تھا کہ نبی علیہ السلام کو اس قدر بدنام اور خوف زدہ کر دیا جائے کہ آپ خوف اور بے عزتی سے ڈر کر اپنی دعوت کو چھوڑ دیں یا کچھ نرمی کے لیے تیار ہو جائیں۔ آپ ﷺ کو اس خوف سے بے نیاز کرنے اور کفار کی سازش سے بچانے کے لیے حکم ہوا کہ کسی حال میں جھوٹے لوگوں کے ساتھ نرمی نہیں کرنی اور نہ ہی کسی جھوٹے اور کمینے کی بات کو تسلیم کرنا ہے۔ اس کے بعد مشرکین کے ایک نمائندے کا کردار ذکر کیا گیا ہے یہ اس قدر کمینہ ہے کہ جھوٹی قسمیں کھانے والا اور چغلیاں کرتا پھرتا ہے۔ بھلائی کے کاموں سے روکتا ہے، ظلم کرنے والا ہے اور پرلے درجے کا گھٹیا انسان ہے۔ یہ اس لیے اخلاقی حدود سے گزر چکا ہے کیونکہ اس کے پاس بہت مال اور جوان بیٹے ہیں اس لیے قرآن مجید کے ارشادات کو پہلے لوگوں کی کہانیاں قرار دیتا ہے۔ عنقریب اس کی سونڈ پر داغ لگائے جائیں گے۔ کیا ایسے لوگوں کو علم نہیں کہ ان سے پہلے کچھ لوگ ایسے گزر چکے ہیں جن کے پاس مال اور بہت بڑا باغ تھا۔ انہوں نے کمزوروں کے حقوق سلف کرنے کا فیصلہ کیا ان کے اپنے آدمی نے انہیں سمجھایا لیکن وہ باز نہ آئے جس کا نتیجہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے باغ کو خاکستر کر دیا اور وہ اپنے آپ پر افسوس کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ کر پائے۔ اس بات کی طرف اشارہ کر کے اہل مکہ کو سمجھایا گیا ہے کہ اگر اپنی ہلاکت اور بربادی سے بچنا چاہتے ہو تو نبی علیہ السلام کی دعوت قبول کر لو۔ جو تمھارا ہی ایک فرد ہے اگر تم برائی کے راستے سے بچ جاؤ اور نیکی کا راستہ اختیار کر لو، تو اللہ تعالیٰ تمہیں جنتِ نعیم میں داخل کرے گا۔ اس کے بعد مشرکین کو چند سوال کیے گئے ہیں اور پھر یہ سوال کیا کہ فرمابردار اور نافرمان برابر ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ اہل مکہ تعصب میں آ کر نیکی اور برائی کا امتیاز ختم کر چکے تھے اس لیے فرمایا کہ تم کس طرح کے فیصلے کرتے ہو؟ کیا تمھارے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے جس سے پڑھ کر تم ایسی باتیں کرتے ہو؟ جو لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں انہیں سمجھانے کے لیے ارشاد فرمایا کہ اس دن تمھارا کیا حال ہو گا جب رب ذوالجلال اپنی پنڈلی سے پردہ اٹھائیں گے تو نیک بندئے اس کے حضور سر بسجود ہو جائیں گے اور نافرمان کھڑے کے کھڑے رہ جائیں گے وہ سجدہ کرنے کی کوشش کریں گے لیکن کر نہیں پائیں گے۔

سُورَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ٢ اٰيَاتُهَا: ٥٢

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

يَسْطُرُوْنَ ①	مَا	وَ	الْقَلَمِ	وَ	نٓ
وہ لکھتے ہیں	اس کی جو	اور	قلم کی	قسم ہے	ن

''نٓ۔قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں۔''(۱)

فہم القرآن

ربطِ سورت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الملک کے آخر میں اپنی قدرت کی کئی نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ان نشانیوں میں اس کی قدرت کی عظیم ترین نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے زمین وآسمانوں کو پیدا کرنے سے پہلے قلم پیدا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کرنا تھا قلم کو لکھنے کا حکم دیا۔

حرفِ ''ن'' حروفِ مقطّعات میں شامل ہے اس کا معنٰی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔بعض مفسرین نے قلم کے ذکر کی وجہ سے ''ن'' کا معنٰی دوات لکھا ہے لیکن نبی علیہ السلام سے یہ معنٰی ثابت نہیں۔ حرف ''ن'' کے بعد واؤ کا حرف لایا گیا ہے جو''قسم'' کے لیے ہے۔

قرآن مجید کی قسم اٹھانا:

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں ایک باب باندھاہے۔(باب الْحَلِفِ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَصِفَاتِهِ وَكَلِمَاتِهِ) جس میں انہوں نے دواحادیث ذکر کی ہیں،جن سے ثابت ہوتاہے کہ قرآن مجید کی قسم اٹھائی جاسکتی ہے کیونکہ قرآن مجید''اللہ'' کا کلام اور اس کی صفت ہے اس لیے قرآن مجید کی قسم اٹھانا جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم اٹھا کر قلم کی اہمیت اوراس سے لکھنے والوں کی فضیلت بیان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر انسان کو قلم ایجاد کرنے اور لکھنے کی صلاحیت نہ بخشتا تو دنیا میں کسی علم کی اس طرح ترویج نہ ہو پاتی،قلم ایک ایسا ذریعہ ہے جس کے ساتھ ہر بات کو طویل مدت تک محفوظ رکھاجاسکتا ہے،جس کے ذریعے دنیا کی تاریخ ،حساب و کتاب ،ہرقسم کا علم اوردینی مسائل اگلی نسل تک پہنچائے جاتے ہیں۔قلم سے مراد وہ ذرائع ہیں جن سے کوئی بات لکھی جاتی ہے بے شک ان کی کوئی بھی صورت ایجاد ہو جائے۔لیکن یہاں ''القلم'' سے مرادوہ قلم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا کیا اوراسے لکھنے کاحکم صادر فرمایا۔اس نے اپنے خالق کے حکم سے لوحِ محفوظ پرسب کچھ لکھ دیا جوقیامت تک ہونے والا ہے۔مفسرین کی دوسری جماعت کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ''القلم'' سے مراد وہ قلم ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملائکہ لوحِ محفوظ سے اپنے رب کے فیصلے نقل کرتے ہیں اوردوسرے ملائکہ تک پہنچاتے ہیں۔تیسری جماعت کاخیال ہے کہ اس سے مراد وہ قلم ہے جس سے قرآن مجید لکھا گیا ہے۔

((عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ فَقَالَ لَهُ اكْتُبْ فَجَرَى بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى الأَبَدِ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ قَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ)) (رواه الترمذی : باب وَمِنْ سُورَةِ ن)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا پھر اسے فرمایا لکھ! پھر ابد تک ہونے والا سلسلہ جاری فرمایا۔"

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ وَ احْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (المائدۃ: ٨٩)

"اللہ تمہاری لغو قسموں پر مؤاخذہ نہیں کرتا۔لیکن تمھارا اس پر مؤاخذہ کرتا ہے جو تم نے پختہ ارادے سے قسمیں کھائیں۔اس کا کفارہ درمیانے درجے کا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا انہیں کپڑے پہنانا، یا ایک گردن آزاد کرنا ہے، جو یہ نہ پائے تو تین دن روزے رکھنا ہے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا لو اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم شکرادا کرو۔"

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا فرما کر اسے کائنات کی ہر چیز لکھنے کا حکم دیا۔٢۔اللہ تعالیٰ نے قلم کو جو حکم دیا اس نے مِن وعَن لکھ دیا۔
٣۔ قلم کے ذریعے ہر بات کو طویل مدت تک محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔٤۔قلم نظامِ تعلیم میں موثر ترین ذریعہ ہے۔

تفسیر القرآن

قسم کے مسائل:

١۔ قسموں کو پورا کرنے کا حکم ہے۔(النحل:٩١ تا ٩٤) ٢۔صدقہ نہ کرنے پر قسم کھانا منع ہے۔(النور: ٢٢ تا ٢٤)
٣۔ بلا ارادہ اٹھائی جانے والی قسموں پر مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ (البقرۃ: ٢٢٥)
٤۔ ڈھال کے طور پر اللہ کی قسم نہیں کھانا چاہیے۔ (البقرۃ: ٢٢٤)
٥۔ اللہ کے عہد اور قسموں کے ذریعے مال کمانے والوں کو عذاب الیم ہے۔ (آل عمران : ٧٧)
٦۔ قسم کو ڈھال نہ بنائیں۔(البقرۃ:٢٢٤) ٧۔ ناجائز قسموں پر عمل نہ کیا جائے۔(التحریم :١،٢)
٨۔ جھوٹی قسمیں کھانے والوں کا انجام۔(التوبۃ:٩٥) ٩۔بلا قصد قسموں پر مؤاخذہ نہیں۔(المائدۃ: ٨٩)

مَآ	اَنْتَ	بِنِعْمَةِ رَبِّكَ	بِمَجْنُوْنٍ ۚ﴿۲﴾	وَ	اِنَّ	لَكَ
نہیں ہیں	آپ	اپنے رب کے فضل سے	دیوانے	اور	بلاشبہ	آپ کے لیے

لَاَجْرًا	غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۚ﴿۳﴾	وَ	اِنَّكَ	لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾
ضرور اجر ہے	نہ ختم ہونے والا	اور	بیشک آپ	ضرور خلقِ عظیم پر ہیں

''آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں ہو۔(۲) اور یقیناً آپ کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔(۳) اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں۔''(۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قلم اوراس کے لکھنے والوں کی عظمت کاذکر فرما کر کفار کے بدترین الزام کی تردید کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کوصورت اور سیرت کے اعتبار سے سب سے ممتاز پیدا فرمایا تھا۔اسی سورت کی آیت۴ میں آپ کے عظیم اخلاق کی تعریف فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کی صورت و سیرت اور حسنِ اخلاق کو آپ کے بدترین دشمن بھی جانتے اور مانتے تھے مگر قرآن بالخصوص دعوتِ توحید کی وجہ سے لوگ نہ صرف آپ کے مخالف ہوئے بلکہ ہرقسم کی سچائی کا انکار کرتے ہوئے آپ کو مجنون کہتے تھے، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ دیوانہ اس قسم کی حرکات اور باتیں نہیں کرتا لیکن پھر بھی آپ کو مجنون قرار دیتے تھے۔ یہ آپ کی ذات پر بہت بڑا اور بدترین الزام تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم کھا کر فرمایا کہ اے نبی ﷺ! آپ اپنے رب کے فضل وکرم سے مجنون نہیں ہیں۔آپ کے لیے بیش بہا اجر ہے جوکبھی کم نہیں ہوگا۔جسے آپ بھی دیکھیں گے اورآپ کے مخالف بھی دیکھ لیں گے اورانہیں یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ دیوانہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو ایسا اجر دے گا جو اعلیٰ اور سب سے زیادہ ہوگا۔

کفار لوگوں کے سامنے آپ ﷺ کوکبھی مجنون کہتے اورکبھی شاعر کہتے اوراپنے ساتھیوں کو دلاسہ دیتے کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں اپنے نظریات پر قائم رہیے ! یہ عنقریب حوادثِ زمانہ کا شکار ہو کرختم ہوجائے گا۔اللہ تعالیٰ نے اس صورتِ حال میں آپ ﷺ کو اطمینان دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ کو ان کی یاوہ گوئی کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے کیونکہ آپ اپنے رب کے فضل سے کاہن اوردیوانہ نہیں ہیں۔ پاگل تو وہ ہیں جوبیک وقت متضاد باتیں کررہے ہیں۔ ان کے پاگل پن کی دلیل یہ ہے کہ ایک طرف آپ کو کاہن کہتے ہیں اوردوسری طرف آپ کو مجنون کہتے ہیں۔حالانکہ مجنون اورکاہن کے درمیان زمین اور آسمان کا فرق ہوتاہے۔ مجنون شخص اَب نامل (UBNORMAL) اورحواس باختہ ہوتاہے۔اسے کچھ خبرنہیں ہوتی کہ وہ اپنے منہ سے کیا کہہ رہاہے یہاں تک کہ وہ اپنے لباس کا بھی خیال نہیں رکھ سکتا۔مجنون کے مقابلے میں کاہن شخص اپنے فن میں ماہراورچالاک ہوتاہے وہ لوگوں

کو پھنسانے اور بھلانے کے لیے ایسے الفاظ اور انداز اختیار کرتا ہے کہ عقل مند اور جہاندیدہ لوگ بھی اس کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ مجنون کو اپنے تن کی ہوش نہیں ہوتی، کاہن باتوں باتوں میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیتا ہے۔ جہاں تک شاعر کا معاملہ ہے شاعر کے کلام میں نہ صرف مبالغہ پایا جاتا ہے بلکہ اس کے کلام میں تضاد بیانی بھی ہوا کرتی ہے۔شاعروں کی غالب ترین اکثریت بے عمل ہوتی ہے وہ جو کہتے ہیں اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے، ان کے مقابلے میں نبی علیہ السلام پوری دنیا کے لیے اسوہ حسنہ بنائے گئے ہیں، نبوت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے سے پہلے بھی آپ اعلیٰ کردار اور عظیم اخلاق کے پیکر تھے اور اہل مکہ آپ کو عظیم دانشور سمجھتے تھے اکثر شاعر عاشق مزاج ہوتے ہیں نبی علیہ السلام نے زندگی بھر کسی غیر محرم عورت کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ شاعر کا کلام زیادہ عرصہ تک باقی نہیں رہتا نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم جو کلام پیش کر رہے تھے اس کی رہتی دنیا تک گارنٹی دی گئی ہے۔ شاعر اپنا کلام پیش کر کے لوگوں سے مالی یا اخلاقی داد وصول کرتے ہیں۔ نبی علیہ السلام ان باتوں سے مبرّہ اور ارفع تھے۔ آپ نے زندگی بھر اپنے خطاب میں کبھی شعر نہیں پڑھا اور نہ ہی آپ کی شان اور مقام کے لائق تھا۔ (یٰسین:۶۹) یہاں تک اہلِ مکہ کی اس بات کا تعلق ہے کہ نبی علیہ السلام کا نام اور کام بہت جلد حوادثِ زمانہ کا شکار ہو جائے گا۔ اس بات کا انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اطہر سے یوں چیلنج دیا گیا ہے کہ تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں۔ زمانہ گواہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہرزہ سرائی کرنے والے مٹ گئے لیکن آپ کا نام اور کام ہر دور میں زندہ رہا اور رہے گا۔ اس لیے فرمایا کہ کیا ان کی عقلیں انہیں ایسی باتیں سکھاتی ہیں یا حقیقت میں یہ لوگ باغی اور شرارتی ہیں گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف بے عقل بھی تھے ،باغی اور شرارتی بھی۔ بے عقل اور شرارتی لوگ اپنے کام میں حقیقی کامیابی نہیں پایا کرتے۔

((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ خَدَمْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم عَشْرَ سِنِیْنَ فَمَا قَالَ لِیْ اُفٍّ وَّلَا لِمَ صَنَعْتَ وَلَا اَلَّا صَنَعْتَ)) (رواہ البخاری : بَابُ حُسْنِ الْخُلُقِ وَالسَّخَاءِ وَمَا یُکْرَہُ مِنَ الْبُخْلِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی۔ آپ نے مجھے کبھی اف تک نہ کہا اور نہ کبھی یہ کہا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا ؟یا وہ نہیں کیا؟‘‘

((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ کُنْتُ اَمْشِیْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَعَلَیْہِ بُرْدٌ نَجْرَانِیٌّ غَلِیْظُ الْحَاشِیَۃِ فَاَدْرَکَہٗ اَعْرَابِیٌّ فَجَبَذَہٗ بِرِدَائِہٖ جَبْذَۃً شَدِیْدَۃً وَرَجَعَ نَبِیُّ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ نَحْرِ الْاَعْرَابِیِّ حَتّٰی نَظَرْتُ اِلٰی صَفْحَۃِ عَاتِقِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ اَثَّرَتْ بِھَا حَاشِیَۃُ الْبُرْدِ مِنْ شِدَّۃِ جَبْذَتِہٖ ثُمَّ قَالَ یَامُحَمَّدُ! مُرْلِیْ مِنْ مَّالِ اللّٰہِ الَّذِیْ عِنْدَکَ فَالْتَفَتَ اِلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ ضَحِکَ ثُمَّ اَمَرَ لَہٗ بِعَطَاءٍ))(رواہ البخاری : باب مَا کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یُعْطِی الْمُؤَلَّفَۃَ قُلُوْبُھُمْ وَغَیْرَھُمْ مِنَ الْخُمُسِ وَنَحْوِہٖ))

’’حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ میں رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا اور آپ پر گہری حاشیہ دار نجرانی چادر تھی۔ ایک دیہاتی سامنے آیا اور اس نے بڑے زور سے آپ کی چادر

کھینچی۔ نبی رحمت ﷺ اس کے سینے کی طرف جھک گئے۔ یہاں تک کہ میں نے رسول کریم ﷺ کی گردن مبارک کے ایک طرف، چادر کے کنارے کو زور سے کھینچنے کی رگڑ کا نشان دیکھا، دیہاتی نے کہا، اے محمد ﷺ! آپ اللہ کے عطا کردہ مال میں سے مجھے بھی کچھ دیں۔ آپ نے اس کی طرف دیکھا مسکرائے اور اس کو کچھ دینے کا حکم دیا۔“

”حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو دوکاموں میں اختیار دیا جاتا تو آپ دونوں میں سے آسان کام کو اختیار کرتے بشرطیکہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا۔اگر کام گناہ کا ہوتا تو آپ سب سے زیادہ اس سے دور رہتے۔آپ نے اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہ لیا البتہ جب اللہ کی حرمتوں کو پامال کیاجاتا تو اللہ کے لیے انتقام لیتے۔“ (رواہ البخاری : کتاب المناقب،باب صفة النبی ﷺ)

((وَ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا))

(رواہ البخاری: باب صفة النبی ﷺ)

”عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا۔تم میں سے وہ بہتر ہیں جو اخلاق کے لحاظ سے بہتر ہیں۔“

مسائل

۱۔ نبی محترم ﷺ مجنون نہیں تھے بلکہ آدم علیہ السلام کی ساری اولاد میں سب سے اعلیٰ اخلاق کے مالک اور سب سے بڑھ کر دانشور تھے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو صورت وسیرت اوراخلاق کے حوالے سے بے مثال بنایا تھا۔

۳۔ کفار نے آپ ﷺ کی مخالفت اور گستاخیاں کرنے کی وجہ سے دنیا میں برا انجام دیکھا اورقیامت کے دن بھی بُرے اور بڑے عذاب کا سامنا کریں گے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ہر حوالے سے افضل اور عظیم تر بنایا:

۱۔ آدم علیہ السلام کو اللہ نے خلیفہ بنایا۔(البقرۃ:۳۰)۲۔ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے اپنا خلیل بنایا۔(النساء: ۱۲۵)

۳۔ سلیمان علیہ السلام کو اللہ نے سب سے بڑا حکمران بنایا۔(ص:۳۵)

۴۔ داؤد علیہ السلام کو اللہ نے دانائی عطافرمائی۔(ص:۲۰)۵۔یعقوب علیہ السلام کو اللہ نے صبر جمیل عطافرمایا۔(یوسف:۸۳)

٦۔ یوسف علیہ السلام کو اللہ نے حکمرانی اور پاک دامنی عطا فرمائی۔ (یوسف:۳۱)

۷۔ نبی مکرم ﷺ کو رحمة للعالمین وخاتم النبیین اور خلق عظیم کا مالک بنایا۔(الانبیاء: ۱۰۷،الاحزاب:۴۰)

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝٥ بِاَيِّيكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝٦ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

عنقریب آپ دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ کون تم میں سے دیوانہ ہے بلاشبہ آپ کا رب وہ

اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝٧ فَلَا

خوب جانتا ہے اس کو جو گمراہ ہوا اس کی راہ سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت والوں کو لہٰذا نہ

تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝٨ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝٩

آپ اطاعت کریں تکذیب کرنے والوں کی وہ چاہتے ہیں کاش! نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں گے

''عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے۔(۵) کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے۔(۶) تمہارا رب اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔(۷) لہٰذا آپ جھٹلانے والوں کی ہرگز اطاعت نہ کریں۔(۸) یہ تو چاہتے ہیں کہ کچھ آپ نرمی کریں اور کچھ وہ نرم ہو جاتے ہیں۔''(۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: آپ ﷺ کو دیوانہ کہنے والوں کا انجام

کفار قرآن مجید اور دعوتِ توحید کی مخالفت کی وجہ سے آپ ﷺ کو مجنون کہنے کے ساتھ یہ الزام بھی دیتے تھے کہ آپ راہِ راست سے بھٹک گئے ہیں کیونکہ آپ جو انہیں دعوت دیتے تھے وہ انہوں نے پہلے نہیں سنی تھی۔ وہ اس دعوت کو اپنی مذہبی اور معاشرتی روایات کے خلاف سمجھتے تھے اس لیے پراپیگنڈہ کرتے کہ آپ صراطِ مستقیم سے بھٹک گئے ہیں۔سورۃ یٰس کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات اور قرآن کی قسم اٹھا کر فرمایا ہے کہ آپ ﷺ صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں۔ یہاں یہ ارشاد فرمایا کہ آپ کا رب اچھی طرح جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے بھٹک چکا ہے اور کون سیدھے راستے پر گامزن ہے۔ کفار کی مخالفت اور الزام بازی کے باوجود نبی معظم ﷺ نے پوری جرأت کے ساتھ دعوت کے کام کو جاری رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مکی زندگی کے ابتدائی سالوں میں ہی وہ حالات پیدا فرمادیئے کہ اہلِ مکہ سوچنے اور یقین کرنے پر مجبور ہوگئے کہ نبی کی دعوت جلد غلبہ پاجائے گی۔اس لیے انہوں نے اپنے رویے کو تبدیل کرتے ہوئے مفاہمت کا راستہ اختیار کرنے کی کوشش کی، جس کے لیے آپ کے چچا ابوطالب کے پاس حاضر ہوکر درخواست کرتے ہیں کہ محمد ﷺ کے ساتھ ہماری مفاہمت کروائیں۔ جس کے لیے کچھ ہم نرم ہوتے ہیں اور کچھ اسے اپنے مؤقف سے پیچھے ہٹنا چاہیے۔اس کی تفصیل سورۃ الکافرون میں دیکھنی چاہیے۔ کفار کے مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ کچھ آپ نرم ہوجائیں اور کچھ وہ نرم ہوجاتے ہیں۔ آپ کو حکم دیا جاتا ہے کہ جھوٹے لوگوں کی بات کو ہرگز نہیں ماننا اور نہ ہی ان کی قسموں پر یقین کرنا چاہیے۔

((أَنَّ قُرَيْشًا حِينَ قَالُوا لِأَبِي طَالِبٍ هَذِهِ الْمَقَالَةَ بَعَثَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لَهُ يَا ابْنَ أَخِي إِنَّ قَوْمَكَ قَدْ جَاءُونِي فَقَالُوا لِي كَذَا وَكَذَا لِلَّذِي كَانُوا قَالُوا لَهُ فَأَبْقِ عَلَيَّ

وَعَلَى نَفْسِكَ وَلَا تُحَمِّلْنِي مِنَ الْأَمْرِ مَا لَا أُطِيقُ فَظَنَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَدْ بَدَا لِعَمِّهِ فِيهِ أَنَّهُ خَاذِلُهُ وَمُسْلِمُهُ وَأَنَّهُ قَدْ ضَعُفَ عَنْ نُصْرَتِهِ وَالْقِيَامِ مَعَهُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَا عَمِّ وَاللّٰهِ لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِي يَمِينِي وَالْقَمَرَ فِي يَسَارِي عَلَى أَنْ أَتْرُكَ هٰذَا الْأَمْرَ حَتَّى يُظْهِرَهُ اللّٰهُ أَوْ أَهْلِكَ فِيهِ مَا تَرَكْتُهُ قَالَ ثُمَّ اسْتَعْبَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَبَكَى ثُمَّ قَامَ فَلَمَّا وَلَّى نَادَاهُ أَبُو طَالِبٍ فَقَالَ أَقْبِلْ يَا ابْنَ أَخِي ، قَالَ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اذْهَبْ يَا ابْنَ أَخِي ، فَقُلْ مَا أَحْبَبْتَ ، فَوَاللّٰهِ لَا أُسْلِمُكَ لِشَيْءٍ أَبَدًا))

(سیرت ابن ھشام : باب مشی قریش الی ابی طالب)

”جب قریش آپ کے چچا ابو طالب کے پاس آئے انہوں نے آپ ﷺ کے بارے میں برا بھلا کہا تو آپ کے چچا ابو طالب نے آپ سے کہا کہ اے بھتیجے تیری قوم میرے پاس آئی تھی اور انہوں نے مجھے تیرے بارے بہت برا ہے کہ میں تمھیں اس بات سے روکتا ہوں جو مکہ والوں کو کہتا ہے۔تو اپنے آپ پر رحم کر اور مجھ پر بھی رحم کر اور مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈال جس کی میں طاقت نہیں رکھتا۔رسول اللہ ﷺ نے خیال کیا کہ آپ کا چچا آپ کو چھوڑ کر الگ ہونا چاہتا ہے اور وہ اس بات سے عاجز آ گیا ہے کہ وہ آپ کی مدد کرے یا آپ کے ساتھ کھڑا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا کو فرمایا اے چچا اگر میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند لا کر رکھ دیں کہ میں اس دین کو چھوڑ دوں پھر بھی میں اس دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔حتی کہ اللہ تعالیٰ اس کو غالب کر دیں یا میں قتل کر دیا جاؤں۔یہ کہتے ہی آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور واپس جانے لگے تو ابوطالب نے کہا کہ اے بھتیجے قریب آؤ آپ ﷺ قریب ہوے تو آپ ﷺ کے چچا نے کہا جاؤ جو بات تمھیں پسند ہے اس کا اعلان کرو اللہ کی قسم میں تمھیں کسی بات سے منع نہیں کروں گا۔“

مسائل

۱۔ اہلِ مکہ نبی ﷺ کو مجنون کہتے تھے۔۲۔اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ اور گمراہ لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔
۳۔ کفروشرک کے ساتھ دین اور ایمان میں مفاہمت نہیں ہوسکتی۔۴۔جھوٹے لوگوں کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

حق اور باطل،نیک اور بد برابر نہیں ہوسکتے:

۱۔ حق آگیا اور باطل بھاگ گیا ، باطل کا کام ہی بھاگ جانا ہے۔(بنی اسرائیل :۸۱) (الحشر :۲۰)
۲۔ اللہ تعالیٰ باطل کو مٹاتا اور حق کو واضح کرتا ہے۔(الشوریٰ :۲۴) ۳۔روشنی اور اندھیرا برابر نہیں ہو سکتے۔(فاطر :۲۰)
۴۔ اللہ تعالیٰ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دیتا ہے اگر چہ مجرم اسے ناپسند سمجھیں۔(الانفال:۸) (السجدۃ:۱۸)

وَ لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝١٠ هَمَّازٍ

اور نہ آپ اطاعت کریں ہر قسمیں کھانے والے ذلیل کی بڑا ہی عیب جو

مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۝١١ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝١٢ عُتُلٍّۭ

چلتا پھرتا چغل خور ہے بہت روکنے والا بھلائی سے حد سے گزرنے والا بڑا گناہگار ہے اُجڈ

بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝١٣ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝١٤ اِذَا تُتْلٰى

علاوہ ازیں بداصل ہے یہ اس لیے کہ ہے وہ صاحبِ مال اور اولاد جب تلاوت کی جاتی ہیں

عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٥ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝١٦

اس پر ہماری آیات وہ کہتا ہے افسانے ہیں پہلوں کے عنقریب ہم اسے داغ لگائیں گے سونڈ پر

”کسی ایسے شخص کے پیچھے نہ لگو جو قسمیں کھانے والا ذلیل ہے۔(١٠) طعنے دیتا ہے، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے۔(١١) بھلائی سے روکتا ہے، ظلم وزیادتی میں حد سے گزرجانے والا ہے۔(١٢) بڑا بدعمل ہے، جفا کار ہے، اور ان سب عیوب کے ساتھ بداصل ہے۔(١٣) اس بنا پر کہ وہ بہت مال اور اولاد رکھتا ہے۔(١٤) جب ہماری آیات اس کو سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو پہلے دور کے افسانے ہیں۔(١٥) عنقریب ہم اس کی سونڈ پر داغ لگائیں گے۔“(١٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام : اہل مکہ قرآن مجید کے دلائل کا جواب نہ پا کر آپ ﷺ کو مجنون کہتے تھے اس موقع پر اُن کے اس الزام کا صرف یہ جواب دیا گیا کہ عنقریب وقت آئے گا کہ جب یہ دیکھ لیں گے کہ مجنون کون ہے۔ آپ ﷺ کو حقیقت بتلانے اور تسلی دینے کے لیے ارشاد ہوا کہ آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے بھٹک گیا اور کون ہدایت یافتہ ہے۔ لہٰذا آپ کو جھوٹے لوگوں کے پیچھے لگنے کی بجائے اپنا کام پوری مستعدی کے ساتھ جاری رکھنا چاہیے اور اس میں کسی قسم کی مداہنت اختیار نہیں کرنی چاہیے۔

مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیات ولید بن مغیرہ، اسود بن یغوث اور اخنس بن شریک میں سے کسی ایک کے بارے میں نازل ہوئیں کیونکہ قرآن مجید نے کسی شخص کا نام نہیں لیا گیا اس لیے کسی کا نام متعین کرنا مشکل ہے، البتہ یہ بات مسلّمہ ہے کہ مکہ کے جو سردار نبی علیہ السلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے ان میں اکثر کا کردار یہی تھا جس کی ان آیات میں نشاندہی کی گئی ہے، جس شخص میں یہ عادات اور خصائل پائے جائیں اس سے خیر کی توقع رکھنا عبث ہے۔ جو لوگ بھی ایسے شخص کے پیچھے لگیں گے وہ ذلیل ہوں گے۔ مسلمانوں کو اس ذلّت سے بچانے کے لیے واحد مخاطب کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے نبی ﷺ سے خطاب کیا گیا ہے کہ آپ کو ایسے شخص کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے جس کا کردار یہ ہے کہ وہ جھوٹی قسمیں اٹھانے والا اور ذلیل آدمی ہے، غیبت کرنے کا عادی ہے اور لوگوں کو بھلائی کے کاموں سے روکتا ہے ان نقائص کے ساتھ بداصل بھی ہے یہ شخص ان خرابیوں کا اس لیے عادی ہو چکا ہے کہ یہ مال دار، صاحب

اولاد اور افرادی قوت رکھنے والا ہے، اس کے سامنے قرآن مجید کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے دور کی کہانیاں ہیں، عنقریب ہم اس کی ناک ذلیل کریں گے اور یہ ذلیل ہو کر رہے گا۔ جس شخص میں یہ عادتیں ہوں اور مال اورافرادی قوت رکھنے والا ہو تو اس کی اصلاح کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ ایک تو اسے سمجھانا مشکل ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ وہ سمجھتا ہے کہ کہ اگر میں بُرا ہوتا تو مجھے وسائل اورافرادی قوت کیونکر نصیب ہوتی، اب ان عادتوں کا ایک ایک کر کے جائزہ لیا جاتا ہے تا کہ ان کی کراہت اورقباحت سے بچا جائے۔

ا۔ جھوٹی قسمیں اٹھانا فی نفسہٖ بہت بڑا گناہ ہے بڑا گناہ کرنے کے ساتھ جھوٹی قسمیں اٹھانے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بات پر لوگ اعتماد نہیں کرتے جس وجہ سے اسے بار بار قسمیں اٹھانی پڑتی ہیں یہ شخص اس لیے بھی ذلیل ہوتا ہے کہ یہ اپنی ذات اورمفاد کی خاطر ربِ عظیم کا نام غلط استعمال کرتا ہے۔

۲۔ لوگوں کی غلطیاں تلاش کرنا اور چغل خوری کرنا بھی ذلیل آدمی کا کام ہوتا ہے۔ دوسروں کی عیب جوئی کرنے والے میں سب سے بڑا عیب یہ ہوتا ہے کہ وہ شعوری یا غیرشعوری طور پر اپنے آپ کو دوسروں سے نیک اور بہتر سمجھتا ہے۔ عیب جُو انسان میں عام طور پر یہ غلطی ضرور پائی جاتی ہے کہ وہ چغل خور بھی ہوتا ہے کیونکہ عیب جوئی کی عادت اسے دوسروں کی چغل خوری پر مجبور کرتی ہے اس وجہ سے وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر بن جاتا ہے۔

۳۔ آدمی کا سخت خو اورتُرش رُو ہونا بھی ایک بہت بڑا نقص ہے جس شخص میں بے جاسختی اورتُرش روئی پائی جائے، عام لوگ تو درکنار اس کے عزیز و اقرباء بھی اس سے نفرت کرتے ہیں اس سے ہرصورت بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۴۔ "زَنِیۡمٌ" کے مفسرین نے دومعانی بیان کیے ہیں۔ "وَلْدُ الزِّنَا" یعنی حرامی اور بدذات۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام میں ذات پات کوئی حیثیت نہیں رکھتی لیکن بسا اوقات کسی ذات اور برادری میں مجموعی طور پر ایسی کمزوریاں پائی جاتی ہیں جس سے اس برادری کا ہرشخص اس سے متاثر ہوجاتا ہے۔

۵۔ گھٹیا شخص کے پاس مال کے ساتھ ساتھ افرادی قوت بھی موجود ہوتو اس سے کسی اچھے کام کی توقع رکھنا عبث ہوتا ہے۔ ایسے شخص کے سامنے اچھے سے اچھے انداز میں بہترین بات کی جائے تب بھی اسے درخورِ اعتناء نہیں سمجھتا۔ کیونکہ اچھی بات کوقبول کرنا وہ اپنی اَنا کے خلاف سمجھتا ہے۔ یہی وہ بری عادات تھیں جس کا ان آیات میں ذکر فرما کر ہر مسلمان کومنع کیا گیا ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو دنیا میں رُسوا کرتا ہے اوروہ آخرت میں بھی ذلیل ہوگا۔

مسائل

ا۔ جھوٹی قسمیں اٹھانے والے کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے۔ ۲۔ عیب جوئی اورچغل خوری کرنا بدترین عمل ہیں۔
۳۔ برائی اوربخل انسان کو ذلیل کردیتا ہے۔ ۴۔ سخت خُو اور کمینہ پن ذلت کا باعث بنتا ہے۔
۵۔ کمینے آدمی کے پاس وسائل اورافرادی قوت ہوتو وہ مزید کمینہ ہوجاتا ہے۔ اس لیے وہ قرآن مجید کی نصیحت کو قصے کہانیاں سمجھتا ہے۔ ٦۔ مذکورہ بالا عادات رکھنے والا شخص دنیا میں رُسوا ہوتا ہے اورآخرت میں بھی ذلیل ہوگا۔

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا
بلاشبہ ہم نے انہیں آزمایا ہے جیسے ہم نے آزمایا تھا باغ والوں کو جب انہوں نے قسمیں کھائیں
لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ﴿١٧﴾ وَ لَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿١٨﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا
وہ ضرور توڑ لیں گے اس کو صبح ہوتے ہی اور نہ کہا انہوں نے ان شاء اللہ تو چکر لگایا اس پر
طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿١٩﴾ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿٢٠﴾
پھرنے والے آپ کے رب کی طرف سے اس حال میں کہ وہ سو رہے تھے تو ہو گیا وہ کٹی ہوئی کھیتی کی مانند
فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿٢١﴾ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ
پھر انہوں نے ایک دوسرے کو بلایا صبح ہوتے ہی یہ کہ سویرے چلو تم اپنی کھیتی پر
اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿٢٢﴾ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿٢٣﴾
اگر ہو تم توڑنے والے چنانچہ وہ چل پڑے اس حال میں کہ وہ آپس میں چپکے چپکے کہہ رہے تھے

”ہم نے اہل مکہ کو اسی طرح آزمائش میں ڈالا ہے جس طرح ایک باغ کے مالکوں کو آزمائش میں ڈالا تھا جب انہوں نے قسم کھائی کہ صبح سویرے ضرور اپنے باغ کے پھل توڑیں گے۔(۱۷) انہوں نے کوئی استثناء (یعنی انشاء اللہ) نہیں کہا تھا۔(۱۸) وہ رات کو سوئے پڑے تھے کہ تمہارے رب کی طرف سے ایک آفت اُس باغ پر پھر گئی۔(۱۹) اور اس طرح ہو گیا جیسے کٹی ہوئی فصل ہوتی ہے۔(۲۰) صبح ان لوگوں نے ایک دوسرے کو بلایا۔(۲۱) کہ اگر پھل توڑنے ہیں تو سویرے سویرے اپنی کھیتی کی طرف نکلو۔اس کی طرف نکل چلو۔(۲۲) چنانچہ وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے۔(۲۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اہلِ مکہ کی آزمائش۔

نبی معظم ﷺ کی جدوجہد کے سامنے بے بس ہوکر اہلِ مکہ نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ کچھ آپ نرم ہوجائیں اور کچھ ہم نرم ہوجاتے ہیں نبی ﷺ نے اسے مکمل طور پر مسترد کردیا۔ اس کے ردِّ عمل میں انہوں نے مزدور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مزدوریاں روک لیں اوراپنے غریب رشتہ دار صحابہ کے ساتھ تعاون کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا،ان کے سرداروں نے مہم چلائی کہ مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کا تعاون نہ کیا جائے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں جس میں انتباہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم مکہ والوں کو اس طرح آزمائیں گے جس طرح ان سے پہلے باغ والوں کو آزما چکے ہیں۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک شخص کا باغ تھا وہ اپنے باغ کی آمدنی کو تین حصوں میں تقسیم کیا کرتا تھا۔ ایک حصہ اپنے گھر والوں کے لیے اوردوسرا باغ کی نشوونما پر لگاتا اور تیسرا حصہ غریبوں پر تقسیم کیا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے باغ اور مال میں بڑی برکت عطا فرمائی۔ جب وہ فوت ہوگیا تو اس کے بیٹوں نے سوچا اورفیصلہ کیا کہ ہمارا باپ اپنی آمدنی کو خوامخواہ ضائع کرتا تھا انہوں نے

اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۝٢٤ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ

کہ نہ داخل ہونے پائے اس میں آج تم پر کوئی مسکین اور وہ صبح سویرے نکلے روکنے پر

قٰدِرِيْنَ ۝٢٥ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۝٢٦ بَلْ نَحْنُ

قادر پھر جب انہوں نے دیکھا اس کو کہا یقیناً ہم بھول گئے ہیں بلکہ ہم

مَحْرُوْمُوْنَ ۝٢٧ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ۝٢٨

محروم ہو گئے کہا ان میں سے بہتر نے کیا نہیں میں نے کہا تھا تمہیں کیوں نہیں تم تسبیح کرتے

کہ آج کوئی مسکین تمہارے پاس باغ میں نہ آنے پائے۔(۲۴) وہ کسی کو کچھ نہ دینے کا فیصلہ کیے ہوئے صبح سویرے جلدی جلدی اس طرح وہاں گئے جیسے کہ وہ پھل توڑنے پر قادر ہیں۔(۲۵) مگر جب باغ کو دیکھا تو کہنے لگے ہم راستہ بھول گئے ہیں۔(۲۶) نہیں بلکہ ہم محروم رہ گئے۔(۲۷) ان میں سے سب سے بہتر آدمی نے کہا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ تم اللہ کو یاد کیوں نہیں کرتے۔(۲۸)

قسمیں اٹھائیں کہ ہم ایسا نہیں کریں گے۔ جب غریب لوگ سوئے ہوئے ہوں گے، تو ہم صبح سویرے اُٹھ کر باغ کا پھل توڑلیں گے۔ پھل توڑنے کا فیصلہ کرنے کے وقت انہوں نے انشاء اللہ پڑھنے کی ضرورت محسوس نہ کی، وہ اپنے گھر میں سوئے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی آندھی جاری کی کہ جس میں آگ کے بگولے تھے آندھی نے پل جھپکنے میں ان کے باغ کو جلا کر خاکستر کردیا، ادھر یہ اپنے فیصلے کے مطابق علی الصبح اٹھے اور ایک دوسرے کو یہ کہہ کر جگا رہے تھے کہ اگر پھل توڑنا اور اسے غریبوں سے بچانا ہے تو اپنی کھیتی کی طرف جلد پہنچ جاؤ، وہ صبح سویرے اٹھ کر چپکے چپکے اپنے باغ کی طرف چل پڑے تاکہ کوئی مسکین وہاں نہ پہنچ پائے، جب اپنے باغ کی جگہ پر پہنچے تو انہوں نے اس جگہ کو چٹیل میدان پایا وہ کہنے لگے اندھیرے کی وجہ سے ہم اپنے باغ کا راستہ بھول گئے ہیں، کچھ نے کہا نہیں ہم بدنصیب ہوچکے ہیں یوں لگتا ہے کہ ہمارا باغ جلا دیا گیا ہے۔ ان کے درمیانے بھائی نے کہا کہ کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم اللہ کی تسبیح کرو یعنی اس کا شکرادا کرو کہ اس نے تمہیں اپنے باپ کی وراثت میں بہترین باغ عطا فرمایا ہے لیکن تم نے اپنے رب کی ناشکری کی اور یہ فیصلہ کیا کہ ہم غریبوں پر خرچ نہیں کریں گے جس کا نتیجہ ہے کہ ہمارا باغ جلا کر راکھ کردیا گیا ہے۔ قرآن مجید نے زیادہ تفصیل بیان نہیں کی تاہم معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بحث وتکرار کے دوران صبح کی روشنی نمودار ہوئی ہوگی اور اس روشنی میں ان کے منجھلے بھائی نے باغ کی جگہ پر پڑی ہوئی راکھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہوگا کہ ہمارا باغ یہاں ہی واقع تھا۔ لیکن بگولہ دار آندھی سے اسے جلا کر راکھ بنا دیا گیا ہے۔ اس پر وہ سخت نادم اور پشیمان ہوکر کہنے لگے کہ ہمارا رب پاک ہے اس نے ہم پر ظلم نہیں کیا، ہم خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد ایک بھائی دوسرے کو کہتا ہے کہ تم نے یہ مشورہ دیا تھا۔

قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

انہوں نے کہا پاک ہے ہمارا رب بلاشبہ ہم ہیں ظالم پھر متوجہ ہوا ایک ان کا دوسرے پر

يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿٣٠﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿٣١﴾ عَسٰى رَبُّنَآ

آپس میں ملامت کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہائے افسوس ہم پر بلاشبہ ہم تھے سرکش امید ہے ہمارا رب

اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿٣٢﴾

یہ کہ وہ ہمیں بدلے میں دے بہتر اس سے بیشک ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ط وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ م لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٣﴾

اسی طرح عذاب اور البتہ عذابِ آخرت بہت بڑا ہے کاش کہ ہوتے وہ جانتے

وہ پکار اُٹھے کہ ہمارا رب پاک ہے اور بلاشبہ ہم گناہگار ہیں۔(۲۹) پھر ان میں سے ہر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگا۔ (۳۰) آخر انہوں نے کہا ہمارے حال پر افسوس بے شک ہم سرکش ہو گئے تھے۔(۳۱) دور نہیں کہ ہمارا رب ہمیں بدلے میں اس سے بہتر باغ عطا فرمائے ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔(۳۲) اللہ کا عذاب ایسا ہی ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑا ہے۔ کاش لوگ اس کو جانتے۔'' (۳۳)

دوسرا پہلے کو کہتا ہے کہ یہ تمہاری تجویز تھی اور تم ہی ایسا کرنے پر اصرار کرتے تھے۔ اس طرح وہ ایک دوسرے کو الزام دیتے اور ملامت کرتے رہے بالآخر سب نے مل کر اعتراف کیا کہ یہ مصیبت ہماری وجہ سے آئی ہے کیونکہ ہم اپنے رب کے نافرمان ہو چکے تھے۔ اس کے بعد اپنے رب کے حضور دعائیں کرنے لگے کہ امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر باغ عطا فرمائے گا یقیناً ہم اپنے رب کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد اہلِ مکہ اوران کے حوالے سے ہر دور کے مجرموں کو یہ سمجھایا ہے کہ دیکھواور غور کرو کہ جس مال پر تم اتراتے اور تکبر کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں کس طرح تباہ کرتا ہے اور آخرت میں اس کا عذاب اس سے بھی بڑا ہوگا۔ کاش! مجرم اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس عذاب کے بارے میں '' عَلَيْهَا طَآئِفَةٌ'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں کہ اس باغ پر ایک آفت پھر گئی۔ مفسرین نے آفت سے مراد آندھی لی ہے جس میں آگ کے بگولے تھے آندھی میں آگ کے بگولے ہونا عجب بات نہیں کیونکہ دنیا میں آندھی کے ذریعے آگ لگنے کے کئی واقعات مشہور ہیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں میں نے پاکستان میں ضلع سرگودھا کی تحصیل بھلوال کے قریب وہ علاقہ دیکھا ہے کہ جہاں ۲۰۰۱ء میں ایسی آندھی آئی جس میں آگ کے بڑے بڑے بگولے تھے جس نے نہ صرف کھیتی اور باغوں کو جلا دیا تھا بلکہ مکانوں کی چھتیں بھی جل کر گر پڑی تھیں۔ یہ خوفناک منظر ٹی وی چینلز پر دکھایا گیا اور اخبارات میں اس کی تفصیلات شائع ہوئی۔

آیت ۱۷ میں ارشاد ہوا کہ ہم نے مکہ والوں کو اسی طرح ہی آزمایا ہے جس طرح باغ والوں کو آزمایا تھا، باغ والوں

نے اپنے رب کا شکر ادا کرنے اور اس کا حکم ماننے سے انکار کیا جس کے نتیجے میں ذلیل ہوئے اللہ تعالیٰ نے مکہ والوں میں نبی ﷺ مبعوث فرمائے جن کی ذات اور دعوت کائنات کی سب سے بڑی نعمت تھی اور ہے بالخصوص مکہ والوں کے لیے یہ بڑے اعزاز کی بات تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے آپ ﷺ کو نبی بنایا لیکن انہوں نے آپ ﷺ کی ذات اور دعوت کی قدر نہ کی اور اس آزمائش میں ناکام ہوئے جس کی پاداش میں ذلیل کر دیئے گئے۔

اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا دنیا میں فائدہ:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ لَزِمَ الاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰہُ لَہٗ مِنْ کُلِّ ھَمٍّ فَرَجًا وَمِنْ کُلِّ ضِیقٍ مَخْرَجًا وَرَزَقَہٗ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ)) (رواہ ابوداؤد: باب الاستغفار)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے استغفار کو لازم پکڑا، اللہ تعالیٰ اسے ہر غم سے نجات عطا فرما دیتا ہے اور ہر تنگی سے نکلنے کی جگہ بنا دیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے خیال بھی نہ ہو۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر دور کے ظالموں کو کسی نہ کسی عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔۲۔بعض دفعہ بُخل کی دنیا میں بھی سزا ملتی ہے۔

۳۔ جب اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے تو پھر ظالم اس کا اقرار کرتے ہیں۔

۴۔ عذاب کے وقت ظالم لوگ ایک دوسرے کو عذاب آنے کا موجب قرار دیتے ہیں۔

۵۔ انسان کو مصیبت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔٦۔ دنیا کے عذاب سے آخرت کا عذاب بڑا سخت ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

دنیا میں عذاب نازل ہونے کی حکمت:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آلِ فرعون کو مختلف عذابوں سے دوچار کیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔(الاعراف:۱۳۰)

۲۔ ''اللہ تعالیٰ'' بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب میں اس لیے مبتلا کرتا ہے تاکہ وہ اپنے رب کی طرف پلٹ آئیں۔(السجدہ:۲۱)

۳۔ صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے قوم! یہ اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی ہے، اسکو چھوڑ دو تاکہ اللہ کی زمین میں چرے اور اس کو کسی طرح تکلیف نہ دینا ورنہ تمہیں جلد عذاب آ پکڑے گا۔مگر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں تو صالح نے کہا تین دن فائدہ اٹھا لو، یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہ ہوگا۔ (ھود:۶۴،۶۵)

۴۔ پہلے لوگوں کو بڑی بڑی آزمائشوں سے دوچار کیا گیا تاکہ پتہ چل جائے کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون۔ (العنکبوت: ۳)

۵۔ آج ہم تیرے جسم کو بچائیں گے تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے نشان عبرت بنائیں۔(یونس:۹۲)

٦۔ ہم نے قرآن میں طرح طرح کے دلائل دیے ہیں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ (بنی اسرائیل: ۴۱)

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٣٤﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ

یقیناً متقی لوگوں کے لیے ان کے رب کے ہاں باغات ہیں نعمتوں کے کیا پھر ہم کر دیں گے مسلمانوں کو

كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿٣٥﴾ مَا لَكُمْ وقفة كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٦﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ

مجرموں کی طرح کیا ہے تمہیں کیسے تم فیصلے کرتے ہو کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے

فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿٣٧﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿٣٨﴾ اَمْ

جس میں تم پڑھتے ہو بلاشبہ تمہارے لیے اس میں وہ چیز ہے جو تم پسند کرتے ہو کیا

”یقیناً متقی لوگوں کے لیے ان کے رب کے ہاں نعمت بھری جنتیں ہیں۔(٣٤) کیا ہم تابع داروں کو مجرموں کے برابر کر دیں گے؟(٣٥) تمہیں کیا ہے کہ تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟(٣٦) کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں سے تم یہ پڑھتے ہو۔(٣٧) کہ تمہارے لیے ضرور وہاں وہی کچھ ہے جو تم پسند کرتے ہو؟(٣٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مجرموں کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہوگا اور متقین کے لیے انعامات ہوں گے۔

فہم القرآن کا مطالعہ کرنے والے حضرات جانتے ہیں کہ قرآن مجید کا اسلوبِ بیان ہے کہ وہ نیکی اور برائی، متقین اور مجرمین جنت اور جہنم کا مقابلۃً ذکر کرتا ہے۔اسی اسلوب کے پیشِ نظر یہاں بھی مجرموں کا انجام ذکر کرنے کے بعد متقین کے انعامات کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ کیا ہم تابعدار اور نافرمان لوگوں کو برابر کردیں؟ ایسا ہرگز نہیں ہوگا یقیناً متقی لوگ اپنے رب کے ہاں انعام وکرام والی جنت میں ہوں گے۔ جب جنتیوں کے انعام کا ذکر کیا جاتا ہے تو کفار اور مشرکین کہتے ہیں کہ ہم ایمانداروں سے دنیا میں بھی بہتر ہیں اور آخرت میں بھی بہتر ہوں گے۔ ان کے دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اپنے بارے میں کس طرح کے فیصلہ کرتے ہو۔یعنی تمہیں فیصلے کرنے کا کہاں سے اختیار حاصل ہوا ہے۔کیا تمہارے پاس فیصلہ کرنے کے لیے کوئی آسمانی کتاب ہے جسے پڑھ کر یہ فیصلہ دیتے ہو کہ اس کتاب میں لکھا ہے کہ جو تم پسند کرتے ہو وہی تمہیں ملے گا؟ یا تم نے ہم سے حلف لے رکھا ہے جو قیامت کو ہم پر لاگو ہوگا کہ جو چیز تم چاہو گے وہ تمہارے سامنے پیش کر دی جائے گی۔ اے پیغمبر ﷺ! ان سے سوال کریں کہ یہ جو دعویٰ کرتے ہیں ان میں اس کی ذمہ داری کون لیتا ہے۔کیا اس دعویٰ میں ان کے بنائے ہوئے شریک شامل اور وہ اس کے ضامن ہیں؟ اگر ان کے شریک ضامن ہیں تو اپنے دعوے کی سچائی کے لیے اپنے شریکوں کو پیش کریں۔ ان آیات میں کفار کے اس دعویٰ کی تردید کی گئی ہے جو مسلمانوں کے سامنے کیا کرتے تھے، کفار کا دعویٰ تھا کہ جس طرح ہم دنیا میں وسائل کے اعتبار سے مسلمانوں سے آگے ہیں اسی طرح ہی قیامت کے دن بھی ہم ان سے بہتر ہوں گے۔جس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ان آیات

لَکُمْ	اَیْمَانٌ	عَلَیْنَا	بَالِغَةٌ	اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۙ	اِنَّ	لَکُمْ
تمہارے لیے	قسمیں ہیں	ہم پر	لاگو ہونے والی	قیامت کے دن تک	یقیناً	تمہارے لیے

لَمَا	تَحْکُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ ۚ	سَلْهُمْ	اَیُّهُمْ	بِذٰلِکَ	زَعِیْمٌ ﴿۴۰﴾ ۚۛ	اَمْ	لَهُمْ
البتہ وہ ہوگا جو	تم فیصلہ کرو گے	ان سے پوچھیے	ان میں سے کون	اس کا	ضامن ہے	کیا	ان کے

شُرَکَآءُ ۚۛ	فَلْیَاْتُوْا	بِشُرَکَآئِهِمْ	اِنْ	کَانُوْا	صٰدِقِیْنَ ﴿۴۱﴾
شریک ہیں	تو وہ لے آئیں	اپنے شریکوں کو	اگر	ہیں وہ	سچے

یا کیا تمہارے لیے قیامت کے دن ہمارے ذمے کوئی حلف واجب ہے؟ کہ تمہیں وہی کچھ ملے گا جس کے تم فیصلے کرتے ہو؟ (۳۹) ان سے پوچھو تم میں سے کون اس کا ضامن ہے؟ (۴۰) یا پھر ان کے کچھ شریک ہیں جنہوں نے اس کا ذمہ لیا ہے یہ بات ہے تو لائیں اپنے ان شریکوں کو اگر یہ سچے ہیں۔" (۴۱)

میں ان سے مختلف الفاظ اور انداز میں ان کے دعویٰ کی دلیل طلب کی گئی ہے کیونکہ وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے تھے اس لیے وہ اس میں لاجواب ہوگئے مگر پھر بھی یہ کہتے رہے اور کہتے رہیں گے کہ ہم آخرت میں مسلمانوں سے بہتر ہوں گے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے ہاں نہ دنیا میں مسلمانوں سے کفار اور مشرکین بہتر ہیں اور نہ آخرت میں بہتر ہوں گے۔ ایماندار قیامت کے دن اپنے رب کے ہاں احترام اور مقام پائیں گے اور مجرم ذلیل ہوں گے اور بدترین سزا سے دوچار کیے جائیں گے۔

((عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ کَانَتِ الدُّنْیَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰی کَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ)) (رواه الترمذی: کتاب الزهد وهو حدیث صحیح)

"حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر دنیا کی وقعت اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ دیتا۔" (یعنی آخرت کے مقابلے میں دنیا کی کچھ حیثیت نہیں ہے۔)

مسائل

۱۔ متقی لوگ اپنے رب کے ہاں نعمتوں والی جنت میں ہوں گے۔ ۲۔ کفار اور مشرکین بلادلیل اپنے آپ کو بہتر سمجھتے ہیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تابعداروں اور مجرموں کو برابر نہیں کرے گا۔

تفسیر بالقرآن

دنیا اور آخرت میں کفار اور مشرکین مسلمانوں کے برابر نہیں ہوسکتے:

(التوبہ: ۲۸) (السجدۃ: ۱۸) (القلم: ۳۵ - ۳۶) (المومن: ۵۸) (الحشر: ۲۰) (حٰم السجدۃ: ۳۴) (التوبہ: ۱۹)

يَوْمَ	يُكْشَفُ	عَنْ سَاقٍ	وَّيُدْعَوْنَ	اِلَى السُّجُوْدِ	فَلَا
جس دن	کھولا جائے گا	پنڈلی سے	اور وہ بلائے جائیں گے	سجدے کے لیے	تو نہیں
يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝٤٢	خَاشِعَةً	اَبْصَارُهُمْ	تَرْهَقُهُمْ	ذِلَّةٌ ؕ	وَقَدْ كَانُوْا
وہ طاقت رکھیں گے	جھکی ہوں گی	ان کی نگاہیں	ڈھانپتی ہو گی انہیں	ذلت	اور تحقیق تھے وہ
يُدْعَوْنَ	اِلَى السُّجُوْدِ	وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ۝٤٣	فَذَرْنِيْ	وَمَنْ	يُّكَذِّبُ
بلائے جاتے	سجدے کی طرف	جب وہ صحیح سالم تھے	چنانچہ چھوڑ دیجیے مجھے	اور جو	جھٹلاتا ہے
بِهٰذَا	الْحَدِيْثِ ؕ	سَنَسْتَدْرِجُهُمْ	مِّنْ حَيْثُ	لَا	يَعْلَمُوْنَ ۝٤٤
اس	بات کو	یقیناً ہم آہستہ آہستہ ان کو لے جائیں گے	اس طرح	کہ نہیں	وہ جانتے
وَ	اُمْلِيْ	لَهُمْ ؕ	اِنَّ	كَيْدِيْ	مَتِيْنٌ ۝٤٥
اور	میں ڈھیل دیتا ہوں	ان کو	بلاشبہ	میری تدبیر	نہایت مضبوط ہے

”جس دن پنڈلی کو کھولا جائے گا اور لوگوں کو سجدہ کرنے کے لیے کہا جائے گا۔ یہ لوگ سجدہ نہیں کر سکیں گے۔(۴۲) ان کی نگاہیں نیچی ہوں گی ان پر ذلت چھائی ہو گی، جب یہ صحیح سالم تھے اس وقت انہیں سجدے کے لیے بلایا جاتا تھا۔(۴۳) پس اے نبی تم اس بات کو جھٹلانے والوں کو مجھ پر چھوڑ دو، ہم ایسے طریقہ سے ان کو بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہو گی۔(۴۴) میں ان کی رسی دراز کر رہا ہوں میری چال بڑی زبردست ہے۔“(۴۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو لوگ بدعقیدہ اور بُرا کردار رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو جنت کا مالک اور مسلمانوں سے بہتر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں قیامت کے دن معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت کیا ہے۔

محشر کے میدان میں ایک مرحلہ ایسا بھی آئے گا جب لوگوں کے سامنے کافر اور مومن ،مشرک اور موحّد، بد اور نیک کے درمیان فرق ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی سے نور کے پردے ہٹائیں گے۔ اللہ تعالیٰ جونہی اپنی پنڈلی کو جلوہ گر کریں گے تو موحّد نمازی اللہ کے حضور سربسجود ہو جائیں گے۔ موحّد نمازیوں کو سربسجود ہوتے دیکھ کر کافر، مشرک، منافق اور بے نماز بھی سجدہ کرنے کی کوشش کریں گے لیکن ان کی کمریں پتھر کی طرح سخت ہو جائیں گی اور وہ ربِ ذوالجلال کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہو سکیں گے۔ گویا کہ تابعداروں اور نافرمانوں کے درمیان یہ پہلا اقدام ہو گا جس سے واضح کیا جائے گا کہ تابع دار اور مجرم برابر نہیں ہو سکتے، اس دن مجرموں کی آنکھیں شرم کے مارے جھکی ہوئی ہوں گی اور ان کے چہروں پر ذلّت چھا جائے گی یہ اس لیے ہو گا کہ جب دنیا میں انہیں سجدے کے لیے بلایا جاتا تھا تو وہ استطاعت رکھنے کے باوجود اپنے رب کو سجدہ کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ سجدہ کرنے سے مراد نماز پڑھنا اور اللہ تعالیٰ کی

تابعداری کرنا ہے۔ جولوگ حقیقت واضح ہوجانے کے باوجود اُسے قولاً یا عملاً جھٹلاتے ہیں ہم انہیں تدریجاً ایسے انداز میں پکڑیں گے کہ انہیں خبر تک نہ ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دیئے جاتا ہے لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میری گرفت بڑی مضبوط ہوتی ہے۔ حقیقت جھٹلانے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ” فَذَرْنِی “ کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کا معنٰی ہے کہ مجھے چھوڑ دیجیے ! یہ انتہا درجے کی دھمکی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ دھمکی دینے والی شخصیت کسی کی پابند یا کسی وجہ سے مجبور ہے اس لیے وہ کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ دیجیے ایسا ہرگز نہیں بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں اس مجرم کو مہلت دے رہا ہوں اگر یہ اپنی حرکات سے باز نہ آیا تو عنقریب اسے اس طرح پکڑا جائے گا کہ اسے چھڑانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

اس دھمکی کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ میری تدبیر یعنی گرفت بڑی مضبوط ہوتی ہے۔ ان آیات میں ”یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ “ (جس دن اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھول دیں گے۔) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان الفاظ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے بعض مفسرین نے تاویل کی ہے۔ یہ تاویل کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ کے نبی نے اس کی یوں وضاحت فرمائی ہے۔

((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ ؓ اِذَا کَانَ فَیَکْشِفُ عَنْ سَاقٍ فَلَا یَبْقٰی مَنْ کَانَ یَسْجُدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِہٖ اِلَّا اَذِنَ اللّٰہُ لَہٗ بِالسُّجُوْدِ وَلَا یَبْقٰی مَنْ کَانَ یَسْجُدُ اِتِّقَاءً وَرِیَاءً اِلَّا جَعَلَ اللّٰہُ ظَھْرَہٗ طَبْقَۃً وَّاحِدَۃً کُلَّمَا اَرَادَاَنْ یَّسْجُدَ خَرَّ عَلٰی قَفَاہُ)) (رواہ مسلم: باب مَعْرِفَۃِ طَرِیقِ الرُّؤْیَۃِ)

”حضرت ابوسعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پنڈلی کھولیں گے تو اس موقع پر ہر اس شخص کو سجدہ کرنے کی توفیق مل جائے گی جو اخلاص کے ساتھ سجدہ کرتا تھا جو کسی کے ڈر سے یا دکھاوے کی خاطر سجدہ کرتا تھا اللہ تعالیٰ اس کی کمر کو تختہ بنا دیں گے، جب وہ سجدہ کرنے کا ارادہ کرے گا تو اپنی گدی کے بل گر پڑے گا۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنی پنڈلی جلوہ نما کریں گے تو مواحد نمازی سجدہ ریز ہوجائیں گے۔

۲۔ کافر، مشرک، منافق اور بے نماز سجدہ نہیں کرسکیں گے۔ کیونکہ وہ دنیا میں طاقت رکھنے کے باوجود ”اللہ“ کے سامنے نہیں جُھکتے تھے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ مجرموں کو تدریجاً بھی پکڑا کرتا ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور گرفت بڑی مضبوط ہوتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

نماز پڑھنے اور سجدہ کرنے کا حکم :

۱۔ نماز قائم کرانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ (الحج: ۴۱) ۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نماز۔ (ابراہیم: ۳۷) (العنکبوت: ۴۵)

۳۔ حضرت موسیٰ ﷺ کو نماز کا حکم۔ (یونس: ۸۷) ۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نماز۔ (مریم: ۳۱) (البقرۃ: ۸۳) (البینۃ: ۵)

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ

کیا آپ مانگتے ہیں ان سے کوئی اجر تو وہ تاوان سے دبے جاتے ہیں کیا ان کے پاس

الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ

غیب ہے پھر وہ لکھتے ہیں بس آپ صبر کریں اپنے رب کے حکم کے لئے اور نہ ہوں آپ

كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ لَوْلَآ اَنْ

مانند مچھلی والے کے جب اس نے پکارا کہ وہ غم سے بھرا ہوا تھا اگر یہ نہ ہوتا کہ

تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ

پالیا اس کو احسان نے اس کے رب سے وہ ضرور پڑا رہتا چٹیل میدان میں اس حال میں کہ وہ

مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾

مذموم ہوتا بس چن لیا اس کو اس کے رب نے اور اس نے اس کو کر دیا صالحین میں سے

”کیا آپ ان سے اجر طلب کر رہے ہیں کہ یہ اس بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں۔(۴۶) کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے جسے یہ لکھ لیتے ہیں۔(۴۷) اپنے رب کا فیصلہ صادر ہونے تک صبر کرو، اور مچھلی والے (یونس) کی طرح نہ ہو جاؤ۔(۴۸) جب اس نے پکارا تو وہ غم سے بھرا ہوا تھا، اگر اس کے رب کی مہربانی اس کے شامل حال نہ ہوتی تو وہ مذموم ہو کر چٹیل میدان میں پڑا رہتا۔(۴۹) آخر کار اس کے رب نے اسے برگزیدہ فرمایا اور اسے صالح بندوں میں شامل کر لیا۔“(۵۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار اور مشرکین کو انتباہ کرنے کے بعد نبی علیہ السلام کو تسلی رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شب و روز اس فکر اور کوشش میں تھے کہ کفار اور مشرکین اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں اور اپنے آپ کو سیدھے راستے پر گامزن کر لیں لیکن وہ لوگ دن بدن مخالفت اور گمراہی میں آگے ہی بڑھتے جا رہے تھے۔ انہیں سمجھانے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے ارشاد ہوا کہ کیا آپ ان سے کوئی صلہ مانگتے ہیں جس وجہ سے وہ آپ کی ذات اور دعوت کو اپنے لیے بوجھ سمجھتے ہیں یا پھر ان کے پاس غیب کا علم ہے جس سے یہ اپنے مستقبل کے بارے میں آگاہ ہیں؟ ان سے الجھنے کی بجائے آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کریں اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں۔ جب اس نے اپنے رب کو آواز دی تو وہ بہت غمگین تھا اگر اس کے رب کی مہربانی اس کے شاملِ حال نہ ہوتی تو وہ مذموم ہو کر چٹیل میدان میں پڑا رہتا۔ اس کے رب نے اسے پسند فرمایا اور اسے صالح بندوں میں شامل کر لیا۔ تفصیل کے لیے سورۃ الانبیاء آیت ۸۷تا۸۸ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں!

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام عرصہ دراز تک اپنی قوم کو سمجھاتے رہے لیکن نا ہنجار قوم نے ان کی دعوت تسلیم

کرنے کی بجائے ان کی مخالفت میں ایڑھی چوٹی کا زور لگا دیا۔ جس پر یونس علیہ السلام نے انہیں انتباہ کیا کہ اگر تم اپنے رب کی نافرمانی سے باز نہ آئے تو فلاں دن تم پر عذاب نازل ہوگا۔ جب اس دن عذاب نازل نہ ہوا تو قوم نے یونس علیہ السلام کو استہزاء کا نشانہ بنایا جس سے پریشان ہوکر یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا اِذن آنے سے پہلے ہی قوم کو چھوڑ کر ہجرت کے لیے نکل کھڑے ہوئے دریا عبور کرنے کے لیے بیڑے پر سوار ہوئے اس دوران بیڑا ڈگمگانے لگا۔ ملاّح کے کہنے پر یونس علیہ السلام دریا میں اُتر گئے جونہی دریا میں اُترے تو مچھلی نے انہیں نگل لیا۔ اس اَلمناک صورتحال میں یونس علیہ السلام نے اپنے رب سے ان الفاظ میں معافی مانگی اوراس کی مدد طلب کی۔

”اور مچھلی والے کو ہم نے نوازا۔ یادکرو جب وہ ناراض ہوکر چلا گیا تھا اور سمجھا کہ ہم اس پر گرفت نہیں کریں گے آخرکار اس نے تاریکیوں میں پکارا کہ تو پاک ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں بے شک میں نے ظلم کیا ہے۔ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کو غم سے نجات دی اور ہم مومنوں کو اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔“(الانبیاء:٨٧،٨٨)

اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے باہر نکالا اور ان کی فریاد قبول کرتے ہوئے انہیں برگزیدہ فرمایا اوراپنے بندوں میں شامل رکھا۔ بندوں سے مراد انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت ہے۔ یونس علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کامقصد یہ ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! حالات جس قدر بھی غمناک اورخطرناک ہوجائیں۔ آپ اورآپ کے ساتھیوں کو عقیدہ توحید اوردعوتِ حق پرقائم رہنا چاہیے۔ یادرکھیں! کہ اللہ تعالیٰ بالآخر اپنے بندوں کی دعاؤں کومستجاب کرتا ہے۔

”مَكْظُوْمٌ“ کا معنٰی ہے غم سے بھرا ہوا،مصیبت زدہ اور غصے سے بھرپور۔مذموم کا معنٰی ہے ملامت کیا ہوا۔

مسائل

١۔ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیگانوں پرکسی قسم کی بوجھ نہ تھے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کی فریاد کوقبول فرمایا اورانہیں انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت شامل رکھا۔

٣۔ مومن کو ہرحال میں صبر اورحوصلے سے کام لینا چاہیے۔٤۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعائیں قبول کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

صبر کی فضیلت اوراس کا صلہ:

١۔ صبر اہم کاموں میں اہم ترین کام ہے۔(الاحقاف:٣٥)٢۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوصبر کا حکم دیا گیا۔ (المعارج:٥)

٣۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔(البقرۃ:١٥٣)٤۔ صبر کا انجام بہتر ہوتا ہے۔(الحجرات: ٥)

٥۔ صبر کرنے والے کامیاب ہوں گے۔ (المومنون: ١١١) ٦۔ مسلمان صابر کی آخرت اچھی ہو گی۔(الرعد:٢٤)

٧۔ صبر کرنے والوں کو جنت میں سلامتی کی دعائیں دی جائیں گی۔ (الفرقان: ٧٥)

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا

اور یقیناً قریب ہیں وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا وہ پھسلا دیں آپ کو اپنی نظروں سے جب وہ سنتے ہیں

الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٥١﴾ وَ مَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٥٢﴾

نصیحت کو اور وہ کہتے ہیں بلاشبہ وہ ضرور دیوانہ ہے اور نہیں ہے وہ مگر نصیحت جہان والوں کیلئے

''جب یہ کافر لوگ نصیحت سنتے ہیں تو تمہیں ڈراوٴنی نظروں سے دیکھتے ہیں کہ گویا تمہارے قدم اُکھاڑ دیں گے اور کہتے ہیں کہ یہ تو دیوانہ ہے۔(٥١) حالانکہ قرآن سارے جہان والوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔''(٥٢)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس آیت سے چند آیات پہلے یہ ارشاد ہوا کہ اے پیغمبر ﷺ! ان لوگوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دیں جو ہمارے ارشادات کی تکذیب کرتے ہیں ان کی حالت یہ ہے جب آپ ان کو نصیحت کرتے ہیں تو آپ کو ڈراوٴنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور آپ کو مجنون کہتے ہیں حالانکہ آپ انہیں قرآن مجید کے ساتھ نصیحت کرتے ہیں جو ان کے لیے نازل کیا گیا ہے۔

نبی علیہ السلام کسی پر کسی اعتبار سے بھی بوجھ نہ تھے لیکن اس کے باوجود کفار اور مشرکین آپ کی مخالفت کرتے اور آپ پر الزامات لگاتے تھے۔حالانکہ نبی کریم ﷺ نبوت سے پہلے بھی کفار میں انتہائی سمجھدار اور محترم جانے جاتے تھے۔کفار مشکل وقت میں آپ ﷺ سے فیصلے کرواتے اور اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھا کرتے تھے،لیکن جونہی آپ نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تو مشرک آپ کو استہزاء کا نشانہ بناتے اور آپ پر کئی قسم کے الزامات لگاتے تھے۔ ان کے الزامات میں ایک الزام یہ تھا کہ اس کا دماغ چل چکا ہے حالانکہ آپ ﷺ کا کوئی فرمان اور عمل ایسا نہ تھا جس میں رتی برابر بھی شائبہ پایا جائے کہ آپ کی عقل میں فتور آچکا ہے آپ فطری طور پر بڑے مدبّر انسان تھے۔ نبوت کے بعد آپ کے تدبّر میں اتنا اضافہ ہوا کہ جس تک پہنچنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ آپ ﷺ ہر اعتبار سے کامل اور اکمل انسان ،خاتم المرسلین اور امام الانبیاء تھے۔لیکن اس کے باوجود آپ کے مخالف آپ کو دیوانہ کہتے تھے، جب آپ انہیں سمجھاتے اور خطاب فرماتے تو وہ آپ کو اس طرح ڈراوٴنی اور نفرت انگیز نظروں سے دیکھتے جیسے آنکھوں آنکھوں میں آپ کو کھا جائیں گے حالانکہ آپ جو کچھ انہیں بتلاتے اور سمجھاتے تھے وہ قرآن تھا جو رب العالمین کی طرف سے نصیحت کے طور پر نازل کیا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ مکہ کی تیرہ سالہ نبوت کی زندگی میں شب وروز کفار کو سمجھاتے رہے کہ آوٴ اس دعوت کو قبول کرو اور جنت کے وارث بن جاوٴ گے لیکن بدنصیبوں کا حال یہ تھا کہ وہ آپ کی دعوت قبول کرنے کی بجائے آپ کو دیوانہ کہتے تھے،اس صورتِ حال میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اطمینان دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

آپ کو ان کی یاوہ گوئی کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے کیونکہ آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں ہیں۔ پاگل تو وہ ہیں جو بیک وقت متضاد باتیں کر رہے ہیں ان کے پاگل پن کی دلیل یہ ہے کہ ایک طرف آپ کو کاہن کہتے ہیں اور دوسری طرف آپ کو مجنون کہتے ہیں حالانکہ مجنون اور کاہن کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔کاہن اور دیوانے کا فرق صفحہ ۶۷۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔

مسائل

۱۔ نبی علیہ السلام توحید کی دعوت دیتے تو کفار آپ کو اس طرح گھور گھور کر دیکھتے جیسے وہ آنکھوں میں آپ کو کھا جائیں گے۔

۲۔ مشرکین لوگوں کو آپ کی دعوت سے دور کرنے کے لیے آپ کو دیوانہ کہتے تھے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو لوگوں کی نصیحت کے لیے نازل فرمایا ہے۔

تفسیر بالقرآن

انبیاء کرام علیہم السلام پر کفار کے الزامات:

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم نے کہا کہ ہم تمہیں جھوٹا تصور کرتے ہیں۔ (ہود:۲۷)

۲۔ کفار نے تمام انبیاء علیہم السلام کو جادوگر اور دیوانہ قرار دیا۔ (الذاریات:۵۲)

۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ نے جادوگر کہا۔ (الصّف:۶) ۴۔کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر قرار دیتے تھے۔ (الطّور:۳۰)

۵۔ قومِ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر ہونے کا الزام لگایا۔ (القصص:۳۶)

۶۔ کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر کہا کرتے تھے۔(یونس:۳)

۷۔ کفار آپ کو کاہن اور مجنون کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا کہ آپ کاہن اور مجنون نہیں ہیں۔(الطّور:۲۹)

۸۔ کفار آپ پر الزام لگاتے تھے کہ آپ قرآن مجید خود بنا لیتے ہیں۔(النحل:۱۰۱)

۹۔ کفار نبی اکرم کو جادوگر اور کذاب کہتے تھے۔(ص:۴)

۱۰۔ ظالموں نے کہا تم جادو کیے گئے شخص کی پیروی کرتے ہو۔(الفرقان:۸)

۱۱۔ کفار نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو خود بنالیا ہے۔ (ہود:۳۵)

۱۲۔ کفار کے سامنے جب حق آیا تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے۔(سبا:۴۳)

۱۳۔ کفار کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجنوں ہیں۔ (القلم:۵۱)

۱۴۔ کفار نے کہا کیا ہم اپنے معبودوں کو شاعر و مجنوں کی خاطر چھوڑ دیں؟ (الصافات:۳۶)

سورۃ الحاقہ کا تعارف

یہ سورت اپنے نام ہی سے شروع ہوتی ہے مکہ میں نازل ہوئی دو رکوع اور باون آیات پر مشتمل ہے، یہ مکہ معظّمہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔ اس میں مجموعی طور پر دو مضمون بیان کیے گئے ہیں۔ پہلے رکوع میں قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر کرنے سے بتلایا کہ قومِ ثمود کو سخت آندھی سے ہلاک کیا گیا جو سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی اس نے قومِ ثمود کو اس طرح پٹخ پٹخ کر زمین پر دے مارا کہ ان کا کچومبر نکل گیا یہ زمین پر اس طرح پڑے ہوئے تھے جیسے کھجور کے گنے گرے پڑے ہوئے ہوں۔ قومِ ثمود کے بعد فرعون اور اس کے لشکر کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے جنہیں آنے والے لوگوں کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا گیا بشرطیکہ کوئی نصیحت کے طور پر سُننے والا ہو یہ وہ لوگ تھے جو اللہ اور اس کے رسول اور قیامت پر یقین نہیں رکھتے تھے حالانکہ قیامت ہر صورت برپا ہونے والی ہے۔ اس دن پہاڑ ایک ہی دھماکے سے ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور آسمان پھٹ جائے گا اور آٹھ ملائکہ اپنے رب کا عرش اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ جس شخص کو اس کے دائیں ہاتھ میں اس کا اعمال نامہ دیا گیا وہ آواز پر آواز دے گا کہ آؤ میرا اعمال نامہ پڑھو۔ میرا ایمان تھا کہ ایک دن مجھے میرا احساب ملنے والا ہے وہ جنت عالی میں بڑی عیش کی زندگی بسر کرے گا اس کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں گے اسے کہا جائے گا کھاؤ اور پیو کیونکہ تم دنیا میں اچھے کام کیا کرتے تھے۔ جس شخص کو اس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا گیا وہ اپنے آپ پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہے گا کہ کاش! مجھے یہ اعمال نامہ نہ دیا جاتا اور نہ ہی مجھے اپنے حساب کتاب سے واسطہ پڑتا۔ وہ اپنے گزرے ہوئے وقت پر افسوس کرتے ہوئے کہے گا کہ نہ میرے مال نے مجھے فائدہ دیا اور نہ میرا اقتدار میرے کام آیا۔ وہ اس افسوس میں مبتلا ہو گا کہ اسے پکڑ لیا جائے گا اور ستر فٹ لمبی زنجیر میں جکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے کیونکہ یہ اپنے عظیم رب پر حقیقی ایمان نہیں رکھتا اور نہ ہی مسکینوں کا خیال کرتا تھا۔ آج اس کا کوئی خیر خواہ نہیں ہو گا اور اسے کھانے کے لیے جہنمیوں کے زخموں کی پیپ دی جائے گی جسے صرف مجرم ہی کھائیں گے۔ اس سورت کا دوسرا بنیادی مضمون یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھا کر کفار کے الزامات کی تردید کی ہے کہ یہ قرآن جبرائیل امین کے ذریعے نازل ہوا ہے نہ کسی شاعر کا کلام ہے اور نہ کسی کاہن کی گفتگو ہے۔ اسے صرف رب العالمین نے نازل کیا ہے یہ ادھر ادھر کی مداخلت سے اس حد تک پاک ہے کہ اگر حضرت محمد ﷺ اپنی طرف سے اس میں کوئی بات ڈالنے کی کوشش کرتے تو ان کا بھی دایاں ہاتھ کاٹ دیا جاتا اور کوئی انہیں بچانے والا نہ ہوتا۔ یہ نصیحت ہے پرہیز گاروں کے لیے جو لوگ اس نصیحت سے فائدہ حاصل نہیں کرتے وہ کافر ہیں اور کفار کے لیے ہلاکت اور افسوس کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔

سُورَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رُكُوْعُهَا: ۲ اٰيَاتُهَا: ۵۲

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

اَلْحَآقَّةُ ۝۱	مَا الْحَآقَّةُ ۝۲	وَ	مَآ	اَدْرٰىكَ	مَا	الْحَآقَّةُ ۝۳
ثابت ہونے والی	کیا ہے ثابت ہونے والی	اور	کس چیز نے	خبر دی آپ کو	کیا ہے	ثابت ہونے والی

”ثابت ہونے والی۔(۱)وہ ثابت ہونے والی کیا ہے؟(۲)اور آپ کیا جانیں کہ کیا ہے وہ ثابت ہونے والی ؟“(۳)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورۃ القلم کے آخر میں قیامت کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس دن منکرین کے لیے ذلّت اور رسوائی ہوگی۔ سورۃ الحاقہ کی ابتدا میں قومِ ثمود، قومِ عاد اور آلِ فرعون کی ذلّت کا ذکر کرنے کے بعد قیامت کی ہولناکیوں کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔اس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جس طرح یہ لوگ دنیا میں ذلیل ہوئے اس سے بڑھ کر آخرت میں ذلیل ہوں گے۔

” اَلْحَآقَّةُ“ ہرصورت واقع ہونے والی ہے ، واقع ہونے والی کیا ہے؟ آپ نہیں جانتے کہ واقعہ ہونے والی کیا ہے؟ ” اَلْحَآقَّةُ“ کا لفظ حق سے نکلا ہے۔ اس سے مراد قیامت ہے جس کا معنٰی ہے کہ اس کا واقع ہونا ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے۔ اس لیے وہ یقین بالیقین اپنے وقت پر واقع ہوکر رہے گی مفسرین نے ”اَلْحَآقَّةُ“ کا یہ بھی مفہوم لیا ہے کہ اس دن حساب و کتاب کا ہونا برحق ہے جس میں سچ اور جھوٹ ،حق اور باطل نیک اور بد کی جزا وسزا کا فیصلہ ہونا شک وشبہ سے بالا تر ہے اس لیے اسے ” اَلْحَآقَّةُ“ کہا گیا ہے کیونکہ اس کا واقع ہونا یقینی ہے۔ وہ کب واقع ہوگی ؟ اس کا علم عام لوگوں کو تو درکنار انبیاء اور نبی آخر الزّمان علیہ السلام کو بھی نہیں تھا کہ وہ کب اور کس سال واقع ہوگی۔ نبی علیہ السلام سے جب یہ سوال کیا گیا کہ قیامت کب قائم ہوگی تو آپ نے یہی فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ قیامت کب واقع ہو گی یعنی کون سے سال، کس مہینے اوراس کے کون سے جمعہ کو واقع ہوگی انسان کا کام اس کی تیاری کرنا ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سائل کے جواب میں اُسے توجہ دلائی کہ قیامت کی تاریخ جاننے کی بجائے اس کے حساب و کتاب کی فکر کرو۔

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ ہمارے پاس ایک ایسا شخص آیا کہ جس کا لباس بالکل سفید اور بال نہایت ہی سیاہ تھے۔اس پر سفر کے اثرات دکھائی نہیں دیتے تھے اور ہم میں سے کوئی بھی اسے پہچان نہ سکا وہ آتے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں کے ساتھ گھٹنے ملاکر اور اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر رکھتے ہوئے آپ سے استفسار کرنے لگا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے قیامت کے بارے میں بتلایا جائے۔آپ نے فرمایا جس سے قیامت کے متعلق پوچھا

جا رہا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا پھر اس نے کہا مجھے اس کی نشانیوں سے ہی آگاہ فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب لونڈی اپنے آقا کو جنم دے گی، تم دیکھو گے ننگے پاؤں ننگے جسم نہایت غریب بکریوں کے چرواہے بڑے بڑے محلات بنانے پر فخر کریں گے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب وہ چلے گئے تو میں کچھ دیر آپ کے پاس ٹھہرا رہا آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا اے عمر! آپ جانتے ہیں کہ یہ سوال کرنے والا کون تھا؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا یہ جبریل امین تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھلانے کے لیے آئے تھے۔

(رواہ البخاری: باب سُؤَالِ جِبرِيلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الإِيمَانِ وَالإِسْلاَمِ وَالإِحْسَانِ وَعِلْمِ السَّاعَةِ)

((وَعَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَجُلاً قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ وَيْلَكَ وَمَا اَعْدَدْتَ لَهَا قَالَ مَا اَعْدَدْتُ لَهَا اِلَّا اَنِّيْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ اَنَسٌ فَمَا رَاَيْتُ الْمُسْلِمِيْنَ فَرِحُوْا بِشَيْءٍ بَعْدَ الْاِسْلَامِ فَرَحَهُمْ بِهَا .)) (رواہ البخاری: باب مَنَاقِبُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَبِي حَفْصٍ الْقُرَشِيِّ الْعَدَوِيِّ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تجھ پر افسوس تو نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے جواب دیا: میں تو صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تو اسی کے ساتھ ہو گا، جس سے محبت کرے گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے مسلمانوں کو دیکھا، وہ اسلام لانے کے بعد کسی بات پر اتنے خوش نہیں ہوئے جتنے اس بات پر خوش ہوئے تھے۔“

”حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا فرمان بیان کرتے ہیں کہ دنوں میں سب سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے اس دن آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اسی دن ان کو جنّت میں داخلہ ملا اور جمعہ کو ہی دن ان کا جنّت سے اخراج ہوا۔ اور اسی دن قیامت برپا ہوگی۔“ (رواہ مسلم: باب فَضْلِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ)

مسائل

۱۔ قیامت اپنے وقت پر ہرصورت واقع ہوگی۔

۲۔ نبی علیہ السلام بھی نہیں جانتے تھے کہ قیامت کون سے سال اوراس کے کون سے مہینے میں اور کونسے جمعہ کو واقع ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا قیامت کے وقت کو کوئی نہیں جانتا:

۱۔ اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے اس میں شک نہیں کرنا چاہیے۔ (الزخرف:۶۸)(الاعراف:۱۸۷) (الزخرف:۸۵)

كَذَّبَتْ	ثَمُوْدُ	وَعَادٌۢ	بِالْقَارِعَةِ ④	فَاَمَّا	ثَمُوْدُ	فَاُهْلِكُوْا
جھٹلایا تھا	ثمود	اور عاد نے	کھڑکھڑانے والی کو	چنانچہ پھر	ثمود	سو وہ ہلاک کیے گئے

بِالطَّاغِيَةِ ⑤	وَاَمَّا	عَادٌ	فَاُهْلِكُوْا	بِرِيْحٍ	صَرْصَرٍ	عَاتِيَةٍ ⑥
حد سے گزرنے والی کے ساتھ	اور لیکن	عاد	تو وہ ہلاک کیے گئے	ہوا سے	یخ	آندھی

سَخَّرَهَا	عَلَيْهِمْ	سَبْعَ	لَيَالٍ	وَّثَمٰنِيَةَ	اَيَّامٍ	حُسُوْمًا
اس نے مسلط کر دیا تھا اسے	ان پر	سات	راتیں	اور آٹھ	دن	جڑ کاٹ دینے کے لیے

فَتَرَى	الْقَوْمَ	فِيْهَا	صَرْعٰى	كَاَنَّهُمْ	اَعْجَازُ	نَخْلٍ
چنانچہ تو نے دیکھا	اس قوم کو	اس میں	گرے پڑے	گویا کہ وہ	تنے ہیں	کھجوروں کے

خَاوِيَةٍ ⑦	فَهَلْ	تَرٰى	لَهُمْ	مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ⑧
گری ہوئی	تو کیا	تو دیکھتا ہے	ان میں سے	کوئی بھی باقی

''ثمود اور عاد نے اچانک ٹوٹ پڑنے والی آفت کو جھٹلایا۔(۴) ثمود ایک سخت حادثہ سے ہلاک کیے گئے۔(۵) اور عاد شدید آندھی سے تباہ کر دیئے گئے۔(۶) اللہ تعالیٰ نے اُن پر آندھی کو مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن مسلط کیے رکھا آپ وہاں ہوتے تو دیکھتے کہ وہاں وہ اس طرح مرے پڑے تھے جیسے وہ کھجور کے بوسیدہ تنے ہوں۔(۷) کیا آپ کو ان سے کوئی باقی نظر آتا ہے؟''(۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کو جھٹلانے والی اقوام میں سرِ فہرست قومِ ثمود اور قومِ عاد تھیں دونوں قوموں کا دنیا میں بدترین انجام ہوا۔

قرآن مجید نے قیامت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے مختلف مراحل کے حوالے سے اس کا ذکر کیا ہے۔ قیامت کے مراحل میں ایک مرحلہ اتنا شدید ہوگا کہ ہر چیز آپس میں ٹکرا جائے گی یہاں تک کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ یہی بات صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اور حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو بار بار بتلائی اور سمجھائی۔ مگر دونوں اقوام نے اپنے اپنے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اور قیامت کے برپا ہونے کو جھٹلایا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے قومِ ثمود اور قومِ عاد کو نیست و نابود کر دیا۔

قومِ عاد کی خصوصیات اور جرائم :

۱۔ اللہ تعالیٰ نے عاد کو قومِ نوح کے بعد زمین پر اقتدار اور اختیار بخشا۔ (الاعراف : ۶۹)

۲۔ قومِ عاد اس قدر کڑیل اور قوی ہیکل جوان تھے کہ ان جیسا دنیا میں کوئی اور پیدا نہیں کیا گیا۔ (الفجر ۶ تا ۸)

حضرت ھود علیہ السلام پر قوم کے الزامات :

۱۔ قوم نے حضرت ھود علیہ السلام کو بے وقوف قرار دیا۔ (الاعراف :٦٦)

۲۔ ھود علیہ السلام ہماری طرح ہی طرح کھانے ، پینے والا انسان ہے۔ (المؤمنون:۳۳)

۳۔ انھوں نے کہا اے ھود تو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔(المؤمنون : ۳۸)

۴۔ تیرے کہنے پر ہم اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے یہ محض پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ (الشعراء : ۱۳۷)

۵۔ تم ہمیں سمجھاؤ یا نہ سمجھاؤ ہم نہیں مانیں گے۔ (شعراء : ۱۳۶)

۶۔ ہمارے معبودوں کی تجھے مار پڑے گئی ہے۔ (ھود :۵۴)

۷۔ ہم پر کوئی عذاب آنے والا نہیں تو جھوٹ بولتا ہے۔ (الشعراء : ۱۳۸ تا ۱۳۹)

۸۔ اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ہم پر عذاب لے آ۔ (الاحقاف : ۲۲)

حضرت ھود علیہ السلام کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کا عذاب :

۱۔ میرے رب میری مدد فرما مجھے انھوں نے کلی طور پر جھٹلا دیا ہے۔ (المؤمنوں :۳۹)

۲۔ سات راتیں اور آٹھ دن زبردست آندھی اور ہوا کے بگولے چلے۔ (الحاقہ :۷)

قوم صالح کے جرائم :

۱۔ قومِ صالح اللہ کے ساتھ شرک کیا کرتی تھی۔ (ھود :۶۲۔۶۱)

۲۔ ثمود انبیاء کو جھوٹا قرار دیتے تھے۔ (الشعراء : ۱۴۱)

۳۔ وہ لوگ بہت زیادہ اسراف، تکبر اور زمین میں فساد کرنے والے تھے۔ (الشعراء: ۱۵۲ ، ۱۵۱)

۴۔ قومِ ثمود ہدایت کی بجائے گمراہی کو پسند کرتی تھی۔ (حٰم السجدۃ:۱۷) ۵۔انہوں نے اللہ کی نشانی کو جھٹلایا۔ (ھود : ٦٦)

قوم کی ہٹ دھرمی اور عذاب کا مطالبہ :

۱۔ انھوں نے قسمیں اٹھائیں کہ حضرت صالح کو اہل وعیال سمیت ختم کر دیں گے۔ (النمل: ۴۹)

۲۔ اے صالح !ہم تمھارے عقیدے کا انکار کرتے رہیں گے۔ (الاعراف : ۷٦)

۳۔ قوم نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ (القمر : ۲۹)

۴۔ اے صالح!تو جس چیز سے ہمیں ڈراتا ہے وہ لے آ۔ (الاعراف: ۷۷)

عذاب کا وقت اور اس کی تباہ کاری :

۱۔ قوم ثمود کو تین دن کی مہلت دی گئی۔ (ھود : ۴۵)

۲۔ قوم ثمود کو صبح کے وقت ہولناک دھماکے نے آلیا اور ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔ (الحجر ۸۳۔۸۴)

۳۔ ہم نے ان پر ہولناک چیخ نازل کی وہ ایسے ہو گئے جیسے بوسیدہ اور سوکھی ہوئی باڑ ہوتی ہے۔ (القمر : ۳۱)

وَجَآءَ	فِرْعَوْنُ	وَمَنْ	قَبْلَهٗ	وَالْمُؤْتَفِكٰتُ	بِالْخَاطِئَةِ ۝
اور آیا	فرعون	اور جو	اس سے پہلے تھے	اور الٹ جانے والی بستیاں	گناہوں کے ساتھ
فَعَصَوْا		رَسُوْلَ رَبِّهِمْ	فَاَخَذَهُمْ	اَخْذَةً	رَّابِيَةً ۝
چنانچہ انہوں نے نافرمانی کی		اپنے رب کے رسول کی	تو اس نے پکڑا انہیں	پکڑنا	بہت سخت

''اور اسی عظیم گناہ کا ارتکاب فرعون اور اس سے پہلے کے لوگوں اور اُلٹ جانے والی بستیوں نے کیا۔(۹) انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی۔اس نے اُن کو بڑی سختی کے ساتھ پکڑا۔''(۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قومِ عاد اورقومِ ثمود کے انجام کے بعد فرعون اوراس کے ساتھیوں کا بدترین انجام۔

قومِ عاد اورقومِ ثمود کے بعد کئی اقوام ایسی گزریں ہیں جنہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی اورقیامت کے دن کو جھٹلایا اس جرم کی پاداش میں انہیں تہہ وبالا کردیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح ان کی پکڑ کی کہ کوئی بھی انہیں بچانے اورچھڑانے والا نہ تھا۔ ان کے بعد فرعون نے سرکشی اور بغاوت کی انتہا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو دریا میں ڈبکیاں دے دے کر ہلاک کیا فرعون بھی اپنے سے پہلے ہلاک ہونے والوں کی طرح دُہائی دیتا رہا مگر اسے آنے والی نسلوں کے لیے عبرت کا نشان بنادیا گیا۔

فرعون نے دعویٰ کیا کہ مجھ سے بڑھ کر کوئی رب نہیں ہے میں ہی سب دیوتاؤں سے بڑا دیوتا اور سب سے بڑا رب ہوں۔اللہ تعالیٰ نے اس کی جھوٹی خدائی کے پرخچے اڑانے اور اس کی کذب بیانی کا پول کھولنے کے لیے اس کے گھر میں پرورش پانے والے موسیٰ علیہ السلام کو رسول منتخب فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا خطاب :

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا مجھے رب العالمین کی طرف سے رسول بنایا گیا ہے اور میں وہی بات کہوں گا جس کے کہنے کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے۔ میں تمھارے پاس اپنے رب کی ربوبیت اور وحدت کے ٹھوس اور واضح دلائل لایا ہوں۔ اس لیے تجھے اپنی خدائی چھوڑ کر صرف اورصرف اللہ تعالیٰ کو اپنا رب ماننا چاہیے اس کے ساتھ میرا یہ مطالبہ ہے کہ بنی اسرائیل کو آزاد کردیا جائے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا جواب دیتے ہوئے کہا اگر تو اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو کوئی معجزہ پیش کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فی الفور اپنا عصا زمین پر پھینکا جو بہت بڑا اژدھا بن کر لہرانے لگا۔ جس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ اتنا بڑا اژدہا بن کر سامنے آیا کہ یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے جبڑوں میں سب کو نگل لے گا۔ یہ دیکھتے ہی فرعون اور اس کے درباری اپنی جان بچانے کے لیے دوڑتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام سے فریادیں کرنے لگے کہ ہمیں اس اژدھا سے بچائیں، تب

موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا جو پہلے کی طرح عصا بن گیا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بغل میں ہاتھ دبا کر باہر نکالا تو ان کے ہاتھ کے سامنے تمام روشنیاں ماند پڑ گئیں۔ ہاتھ دیکھنے والے حیران اور ششدر رہ گئے کہ یہ تو سورج اور چاند سے زیادہ روشن ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کے سامنے سورج کی روشنی ماند پڑتی دکھائی دیتی تھی۔ (روح المعانی و جامع البیان)

فرعون اور اس کے ساتھیوں نے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر قرار دیا اور ان کے مقابلے میں ملک بھر کے جادوگر لا کھڑے کیے جادوگر نہ صرف موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں شکست کھا گئے بلکہ وہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لے آئے جو زمین وآسمانوں اور پوری کائنات کا رب ہے۔ اس کے باوجود فرعون اور اس کے ساتھی ایمان نہ لائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرعون اوراس کے لشکروں کو سمندر میں ڈبکیاں دے دے کر مارا جس کا خلاصہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ اے اہل مکہ ہم نے تم سے پہلے قومِ فرعون کو آزمایا اور ان کے پاس معزز رسول پیغام لے کر آیا اور اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذمہ دار اور امانت دار رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ لہٰذا اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کردے یعنی انہیں آزاد کر دیا جائے اللہ تعالیٰ کے ساتھ سرکشی نہ کرو میں تمہارے سامنے واضح دلائل پیش کر رہا ہوں۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو سنگسار کرنے کی دھمکی دی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بچانے کی ضمانت دی ہے اگر تم میری بات نہیں مانتے تو میرا راستہ چھوڑ دو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان ایک مدت تک کشمکش جاری رہی بالآخر موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے بددعا کی جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ۔ ہاں یہ بات یاد رکھنا کہ فرعون اور اس کا لشکر تمہارا پیچھا کریں گے۔ لیکن سمندر کے پانی کو کھڑا چھوڑ کر پار ہو جانا کیونکہ ہم انہیں غرق کر دیں گے۔ (الدخان: ١٧۔٢٤) اس کے بعد فرعون اور اس کے ساتھی غرق کر دیئے گئے۔

مسائل

١۔ فرعون اور کئی اقوام نے اپنے رسولوں اور قیامت کی تکذیب کی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی شدید گرفت کی اور انہیں ہلاک کر دیا۔

تفسیر بالقرآن

فرعون کے انجام کا ایک منظر:

١۔ فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو اللہ تعالیٰ نے قحط سالی میں مبتلا کیا۔ (الاعراف: ١٣٠)

٢۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو غرق کر دیا۔ (البقرۃ: ٥٠) (الانفال: ٥٤)
(الدخان: ٢٩) (القصص: ٧٩) (المومن: ٤٥) (المومن: ٤٦) (آل عمران: ١١)

لِنَجۡعَلَهَا	فِي الۡجَارِيَةِ ﴿۱۱﴾	حَمَلۡنٰكُمۡ	الۡمَآءُ	طَغَا	لَمَّا	اِنَّا
تاکہ ہم بنا دیں اس کو	کشتی میں	سوار کیا تمہیں	پانی میں	طغیانی کی	جب	بلاشبہ ہم نے

وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾	اُذُنٌ	وَّتَعِيَهَاۤ	تَذۡكِرَةً	لَكُمۡ
یاد رکھنے والے	کان	اور یاد رکھیں اسے	نصیحت	تمہارے لیے

’’جب پانی کا طوفان حد سے گزر گیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کیا۔(۱۱) تاکہ تمہارے لیے اس واقعہ کو ایک سبق آموز واقعہ بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اس کو یاد رکھیں۔‘‘(۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قومِ ثمود، عاد اور فرعون سے پہلے ہلاک ہونے والی بستیوں اور اقوام میں سرِفہرست نوح علیہ السلام کی قوم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شدید طوفان کے ذریعے ہلاک کیا جس کا یہاں مختصر ذکر کیا گیا ہے۔

قرآن مجید نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے جرائم میں جس جُرم کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے وہ شرک ہے جس کی ابتدا اس قوم سے ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے شرک کی وجہ سے اس قوم کو سیلاب کے ذریعے ہلاک کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو ایک کشتی کے ذریعے سیلاب سے محفوظ فرما لیا۔ جس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا جارہا ہے کہ جب پانی کا طوفان حد سے بڑھا تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کیا تاکہ ہم اسے تمہارے لیے عبرت کا نشان بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اسے ہمیشہ یاد رکھیں۔

سب کو معلوم ہے کہ جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے کہ یہ قومِ نوح کا واقعہ ہے لیکن اسے بیان کرتے ہوئے۔ ’’حَمَلۡنٰكُمۡ فِي الۡجَارِيَةِ‘‘ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کہ ہم نے تمہیں چلنے والی کشتی پر سوار کیا۔ مخاطب کی ضمیر لاکر اہل مکہ اور دنیا والوں کو توجہ دلائی گئی ہے کہ فی الحقیقت تم نیک لوگوں کی اولاد ہو۔ جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھی تھے جن کے ایمان اور صالح اعمال کی وجہ سے انہیں کشتی کے ذریعے بچا لیا گیا یہ ایسا واقعہ ہے کہ جسے غور کے ساتھ سنا جائے اور اس پر توجہ دی جائے تو انسان اپنے رب کے ساتھ شرک اور اس کی نافرمانی سے بچ سکتا ہے۔ اے قران سننے والو! تمہیں اس واقعہ کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے سننا چاہیے اگر تم نصیحت حاصل نہیں کرو گے تو تمہیں بھی قومِ نوح کی طرح تباہ کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قوم نوح پر پانی کا ایسا عذاب نازل کیا کہ جس کے بارے میں سورۃ القمر آیت ۱۱،۱۲ اور سورۃ المؤمنون، آیت ۲۷ میں بیان ہوا ہے کہ آسمان کے دروازے کھل گئے، زمین سے چشمے پھوٹ نکلے یہاں تک کہ تنور پھٹ پڑا۔ اس طرح نوح علیہ السلام کے نافرمان بیٹے سمیت ان کی قوم کو پانی میں ڈبکیاں دے دے کر ختم کر دیا گیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا سب سے بڑا جرم شرک تھا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی اولاد کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ جہاں تمھارے بزرگ بیٹھا کرتے تھے وہاں ان کے مجسمے تراش کر رکھ دیے جائیں تاکہ ان کا نام اور عقیدت باقی رہے۔ انھوں نے ایسا کیا جب یہ کام کرنے والے لوگ فوت ہو گئے تو ان کے بعد آنے والے لوگوں نے ان مجسموں کو اللہ تعالیٰ کی قربت کا وسیلہ بنانا شروع کر دیا اور پھر ان کی بالواسطہ عبادت کرنے کے ساتھ ان کے حضور نذرانے پیش کیے جانے لگے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ سورۃ نوح میں ودّ، سواع، یغوث اور یعوق کے نام پر جن بتوں کا تذکرہ پایا جاتا ہے وہ نوح علیہ السلام کی قوم کے صالح لوگوں کے نام ہیں۔ (رواہ البخاری: کتاب التفسیر ٤٩٢٠)

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ نوح کے نافرمانوں کو سیلاب کے ذریعے تباہ کیا اور نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو کشتی کے ذریعے بچا لیا۔

٢۔ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا واقعہ بڑی عبرت کی حیثیت رکھتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قومِ نوح علیہ السلام کے جرائم اور ان کی تباہی کا ایک منظر:

١۔ نوح علیہ السلام کی قوم ظالم تھی۔ (النجم:۵۲) ۲۔ قومِ نوح کی ہلاکت کا سبب بتوں کی پرستش تھی۔ (نوح:۲۳)

٣۔ قوم نوح طوفان کے ذریعے ہلاک ہوئی۔ (الاعراف:۱۳۶)

٤۔ قومِ نوح کو تباہ کرنے کے لیے آسمان سے موسلا دھار بارش کے دہانے کھول دیئے گئے۔ (القمر:۱۱)

٥۔ قومِ نوح پر عذاب کے وقت تندور نے اُبلنا شروع کر دیا۔ (ہود:۴۰)

٦۔ قومِ نوح پر عذاب کی صورت میں آسمان سے پانی برسا اور زمین سے جگہ جگہ چشمے اُبل پڑے۔ (ہود:۴۴)

٧۔ اللہ نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کرنے والوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ (الشعراء:۱۲۰)

٨۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو فرمایا آج کے دن اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں۔ (ہود:۴۳)

٩۔ قومِ نوح نے جب رسولوں کی تکذیب کی تو ہم نے انھیں غرق کر دیا اور لوگوں کے لیے باعث عبرت بنا دیا۔ (الفرقان:۳۷)

١٠۔ ہم نے نوح علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کو نجات دی اور تکذیب کرنے والوں کو غرق کر دیا۔ (الاعراف:۶۴)

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ

پھر جب پھونکا جائے گا صور میں پھونکنا ایک بار اور اٹھائی جائے گی زمین

وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿١٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ

اور پہاڑ دونوں کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے ریزہ ریزہ کر دیا جانا یک بار تو اس دن

وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿١٦﴾

واقع ہو گی واقع ہونے والی اور پھٹ جائے گا آسمان تو وہ اس دن کمزور ہوگا

”پھر جب ایک دفعہ صور میں پھونک ماری جائے گی۔(١٣) اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر ایک ہی دھماکے سے ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔(١٤) اس دن ہونے والا واقعہ ضرور پیش آ جائے گا۔(١٥) آسمان پھٹ جائے گا اور اس کی بندش ڈھیلی پڑ جائے گی۔“(١٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قومِ ثمود، قومِ عاد اور آل فرعون کی ذلّت اور انجام ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ جو لوگ قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات اور نصائح توجہ کے ساتھ سنتے ہیں انہیں اس دن سے پہلے نصیحت حاصل کرنی چاہیے جس دن ایک ہی دفعہ صور پھونکنے سے ہر چیز الٹ پلٹ ہو جائے گی اور اس دن مجرموں کو زنجیروں کے ساتھ جکڑ دیا جائے گا۔

اس سورت کی ابتدا اس فرمان سے ہوئی ہے کہ قیامت ہر صورت واقع ہو کر رہے گی اور اس کے لیے ”اَلْحَآقَّةُ“ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا ایک معنٰی یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے کو ٹکرا کر ریزہ ریزہ کر دینے والی۔ اب اسی کی تھوڑی سی تفصیل بیان کی جارہی ہے۔ اسرافیل کے صور پھونکنے کی وجہ سے قیامت واقع ہوگی۔ جب اسرافیل پہلی مرتبہ صور پھونکے گا تو زمین میں اس قدر زلزلے واقع ہوں گے کہ پہاڑ آپس میں ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ یہاں قیامت کو ”اَلْحَآقَّةُ“ کہا گیا ہے اور یہ ہر صورت واقع ہو کر رہے گی۔ آسمان کے بندھن ٹوٹ جائیں گے اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نیچے گر پڑے گا۔ دوسرے مقام پر قیامت کے پہلے مرحلے کے بارے میں یوں بیان کیا ہے۔

”آپ ﷺ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ یہ کب واقع ہو گی؟ فرمادیں اس کا علم میرے رب کے پاس ہے اسے اس کے وقت پر ”اللہ“ کے سوا کوئی ظاہر نہیں کرے گا قیامت آسمانوں اور زمین پر بھاری واقع ہو گی اور تم پر اچانک ہی آئے گی۔“ (الاعراف:١٨٧)

”لوگو! اپنے رب سے ڈرو حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑا ہولناک ہے۔ اس دن تم دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو پھینک دے گی ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور دیکھنے والے دیکھیں کہ لوگ مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے بلکہ اس دن اللہ کا عذاب بہت سخت ہوگا۔“ (الحج:١،٢)

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَإِذَا طَلَعَتْ فَرَآهَا النَّاسُ آمَنُوا أَجْمَعُونَ ، فَذَلِكَ حِينَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا ، لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ ، أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ نَشَرَ الرَّجُلَانِ ثَوْبَهُمَا بَيْنَهُمَا فَلَا يَتَبَايَعَانِهِ وَلَا يَطْوِيَانِهِ ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدِ انْصَرَفَ الرَّجُلُ بِلَبَنِ لِقْحَتِهِ فَلَا يَطْعَمُهُ ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَهُوَ يَلِيطُ حَوْضَهُ فَلَا يَسْقِي فِيهِ ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ رَفَعَ أُكْلَتَهُ إِلَى فِيهِ فَلَا يَطْعَمُهَا))

(رواه البخاری : باب قَوْلِ النَّبِیِّ ﷺ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا قیامت نہیں قائم ہوگی یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے۔ جب سورج مغرب سے طلوع ہو گا تو اسے دیکھ کر سب کے سب لوگ ایمان لے آئیں گے لیکن اس وقت ان کے ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا جو اس سے قبل نہ ایمان لایا اور نہ اس نے نیک اعمال کیے۔ دو آدمیوں نے کپڑا پھیلایا ہوگا دوکاندار کپڑے کو بیچ اور سمیٹ نہیں پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی ،دودھ دوہنے والا دودھ پی نہیں سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی ،حوض پر پہنچنے والا پانی نہیں پی سکے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی، انسان اپنے منہ میں ڈالا ہوا لقمہ کھا نہیں پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔“

مسائل

۱۔ اسرافیل جب پہلا صور پھونکے گا تو زمین میں زلزلے ہوں گے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے۔
۲۔ آسمان کے بندھن ڈھیلے ہوجائیں گے اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر گر پڑے گا۔
۳۔ قیامت ہر صورت واقع ہوگی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے اور آسمان پھٹ جائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

اسرافیل کے پہلے صور کے بعد ہونے والے واقعات کی ایک جھلک:

۱۔ پہلے نفخہ سے لوگ بے ہوش ہوجائیں گے ،اور دوسرے نفخہ سے تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے۔(الزّمر:٦٨)
۲۔ ایک چیخ سے ہی تمام لوگ ہمارے سامنے حاضر ہوجائیں گے۔(یٰس:۵۳)
۳۔ جس دن صور پھونکا جائے گا تم گروہ در گروہ چلے آؤ گے۔(النبا:۱۸)
۴۔ جس دن صور پھونکا جائے گا اور ہم مجرموں کو نیلی پیلی آنکھوں کے ساتھ گھیر لائیں گے۔(طٰہٰ:۱۰۲)(النمل:۸۷)

وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ؕ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ

اور فرشتے | اس کے کناروں پر | اور اٹھائیں گے | عرش | آپ کے رب کا | اپنے اوپر | اس دن

ثَمٰنِيَةٌ ﴿١٧﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾ فَاَمَّا

آٹھ | اس دن | تم پیش کیے جاؤ گے | نہیں چھپے گا | تمہارے میں سے | کوئی راز | پھر لیکن

مَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا

جو شخص کہ | دیا گیا وہ | اپنا نامہ اعمال | اپنے دائیں ہاتھ میں | تو وہ کہے گا | لو | تم پڑھو

”فرشتے عرش کے اردگرد ہوں گے اور آٹھ فرشتے اس دن آپ کے رب کا عرش اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔(١٧) اس دن تم لوگ پیش کیے جاؤ گے تمہارا کوئی راز بھی چھپا نہیں رہے گا۔(١٨) اس وقت جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا پڑھو

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کے دن آسمان پھٹ جائے گا اور ربِ ذوالجلال کے عرش کو آٹھ ملائکہ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

اسرافیل کے پہلی مرتبہ صور پھونکنے کے بعد زمین و آسمانوں کی موجودہ حالت ختم ہوجائے گی۔ اللہ تعالیٰ زمین و آسمانوں کو نئی صورت میں بنائیں گے جن کے بارے میں ارشاد فرمایا:

”اس دن اس زمین کو دوسری زمین کے ساتھ بدل دیا جائے گا اور آسمان بھی بدل دیا جائے گا اور لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے، جو اکیلا اور بڑا زبردست ہے۔“ (ابراہیم:٤٨)

اللہ تعالیٰ کے عرش کو اس دن آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس حالت میں ربِ ذوالجلال زمین پر جلوہ افروز ہوں گے جس طرح اس کی ذات کے لائق ہے۔ ہمیں یہ بات سوچنے سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے کہ اللہ کا عرش کتنا بڑا ہوگا، ذاتِ کبریاء کس طرح اس پر جلوہ افروز ہوگی، ملائکہ عرش کو کس طرح اٹھائیں گے اور اللہ تعالیٰ کس طرح نزول فرمائے گا۔ یہ انسان کے سوچنے کی باتیں نہیں ہمارا کام اپنے رب کے فرمان پر یقین کرنا اور قیامت کے دن کی تیاری کرنا ہے۔ اس بارے میں جس شخص کی سوچ آگے بڑھنے کی کوشش کرے اسے ”اعوذ باللّٰہ“ اور ”لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ“ پڑھنا چاہیے۔ ربِ ذوالجلال کے نزول سے پہلے سب لوگ محشر کے میدان میں جمع ہوچکے ہوں گے اور تمام ملائکہ جن میں جبرائیلِ امین بھی شامل ہوں گے صف بستہ حاضر ہوں اجازت کے بغیر کوئی بات نہیں کر سکے گا۔ (النبا:٣٨)

اس موقع پر کچھ اور امور بھی طے کیے جائیں گے جن کا تذکرہ قرآن مجید میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ بالآخر وہ مرحلہ آجائے گا جب لوگوں کو ان کے اعمال نامے ان کے ہاتھوں میں تھمادیے جائیں گے اس وقت کوئی شخص کوئی بات چھپا نہیں سکے گا۔ جس کو اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اعمال نامہ ملنے کے ساتھ ہی اس کا چہرہ چمک اٹھے گا

كِتٰبِيَهْ ﴿١٩﴾ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾ فَهُوَ

اپنا نامہ اعمال بلاشبہ مجھے یقین تھا بیشک میں پانے والا ہوں اپنے حساب کو پھر وہ

فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا

پسندیدہ زندگی میں ہوگا بہشت بریں میں اس کے پھل قریب ہوں گے تم کھاؤ اور پیو

هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾

خوش ہو کر بدلے اس کے جو تم نے آگے بھیجے گزشتہ ایام میں

اپنا اعمال نامہ۔(۱۹) میں سمجھتا تھا کہ میں ضرور اپنا حساب پانے والا ہوں۔(۲۰) پس وہ دل پسند عیش میں ہو گا۔(۲۱) عالی مقام جنّت میں (۲۲) جس کے پھلوں کے گچھے جھکے ہوئے ہوں گے۔(۲۳) مزے سے کھاؤ اور پیو اپنے اُن اعمال کے بدلے جو تم نے گزرے ہوئے دنوں میں کیے ہیں۔‘‘(۲۴)

وہ ہشاش بشاش اور مسکراتے چہرے کے ساتھ اپنے دائیں بائیں والوں کو کہے گا کہ یہ میرا اعمال نامہ ہے۔ آؤ! اسے پڑھو! مجھے پہلے سے یقین تھا کہ میرا حساب مجھے ملنے والا ہے اس کے ساتھ ہی اسے معلوم ہو جائے گا کہ مجھے جنّت میں داخلہ ملنے والا ہے چنانچہ اسے عالی مقام جنّت میں داخلہ دیا جائے گا جس کے پھلوں کے گچھے جھکے ہوئے ہوں گے۔ گویا کہ وہ زبانِ حال سے جنّتی کو اپنی طرف بلا رہے ہوں گے، اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ یہ تمہارے گزرے ہوئے ایام میں تمہارے صالح اعمال کا صلہ ہے اب تم جنّت میں ہمیشہ ہمیش عیش کے ساتھ رہو اور مزے سے کھاتے پیتے رہو۔

مسائل

۱۔ قیامت کے دن کوئی شخص کوئی بات بھی اپنے رب سے چھپا نہیں سکے گا۔
۲۔ جس شخص کو اس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا گیا وہ اپنے دائیں بائیں والوں سے کہے گا کہ آؤ میرا اعمال نامہ پڑھو!
۳۔ جسے اس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دے دیا گیا وہ عالی شان جنّت میں بڑی عیش کے ساتھ رہے گا۔
۴۔ جنّت کے پھل جھکے ہوئے ہوں گے جنّتی انہیں مزے لے لے کر کھائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

جنّت کے پھلوں کی ایک جھلک:

۱۔ ہم نے اس میں کھجوروں، انگوروں کے باغ بنائے ہیں اور ان میں چشمے جاری کیے ہیں۔(یٰس:۳۴)
۲۔ یقیناً متقین باغات اور چشموں میں ہوں گے۔(الذاریات:۱۵) ۳۔ یقیناً متقی نعمتوں والی جنّت میں ہوں گے۔(الطّور:۱۷)
۴۔ جنّتیوں کو شرابِ طہور دی جائے گی۔(الدھر:۲۱) ۵۔ جنّت میں تمام پھل دو، دو قسم کے ہوں گے۔(الرحمٰن:۵۲)

وَاَمَّا مَنْ	اُوْتِيَ	كِتٰبَهٗ	بِشِمَالِهٖ ۙ	فَيَقُوْلُ	يٰلَيْتَنِيْ	لَمْ	
اور جو کوئی	دیا گیا	اپنا اعمال نامہ	اپنے بائیں ہاتھ میں	تو وہ کہے گا	اے کاش میں	نہ	
اُوْتَ	كِتٰبِيَهْ ﴿٢٥﴾	وَلَمْ	اَدْرِ	مَا	حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾	يٰلَيْتَهَا	كَانَتِ
دیا جاتا	اپنا اعمال نامہ	اور نہ	جانتا میں	کیا ہے	میرا حساب	اے کاش! وہ	ہوتی
الْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾	مَآ	اَغْنٰى	عَنِّيْ	مَالِيَهْ ﴿٢٨﴾	هَلَكَ	عَنِّيْ	
فیصلہ کر دینے والی	نہیں	فائدہ دیا	مجھے	میرے مال نے	فنا ہوگئی	مجھ سے	
سُلْطٰنِيَهْ ﴿٢٩﴾	خُذُوْهُ	فَغُلُّوْهُ ﴿٣٠﴾	ثُمَّ	الْجَحِيْمَ	صَلُّوْهُ ﴿٣١﴾		
میری سلطنت	پکڑو اس کو	پھر اسے طوق ڈال دو	پھر	دھکتی ہوئی جہنم میں	جھونک دو اس کو		

”اور جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا کاش میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا جاتا۔(٢٥) اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔(٢٦) کاش میری دنیا کی موت ہی فیصلہ کن ہوتی۔(٢٧) آج میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔(٢٨) میرا اقتدار ختم ہوگیا۔(٢٩) حکم ہوگا پکڑو اسے اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو۔(٣٠) پھر اسے دھکتی ہوئی جہنم میں جھونک دو۔(٣١)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنّتیوں کے مقابلے میں جہنّمیوں کا حال اور ان کی بدنصیبی۔

ربِ ذوالجلال کے حکم سے نیک لوگوں کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں پہنچ چکے ہوں گے اور انہیں جنت میں داخلہ دیا جائے گا۔ ان کے مقابلے میں بُرے لوگوں کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے، جونہی بُرے شخص کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ چیخ اٹھے گا اور کہے گا ہائے افسوس! کاش کہ مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا اور مجھے یہ علم ہی نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے ،کاش ! دنیا کی موت ہی آخری موت ثابت ہوتی۔آج نہ میرا مال میرے کام آیا اورنہ ہی میرے اقتدار اوراختیار نے مجھے فائدہ دیا یہاں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ جبکہ دوسرے مقامات پر یہ تفصیل موجود ہے کہ لوگوں کو ان کے اعمال نامے دیئے جانے کے بعد کیا کیا معاملات پیش آئیں گئے۔ جب برے لوگوں کو ان کے اعمال دیئے جائیں گے تو وہ فریاد کریں گے کہ کاش! ہم مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائیں بالآخر مجرم ہرطرف سے مایوس ہوجائے گا۔حکم ہوگا کہ اسے پکڑ لو اوراسے ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ کر جہنّم میں پھینک دو،یہ نہ اللہ پر ایمان لایا اورنہ ہی مسکین کو کھلانے کی ترغیب دیتا تھا، آج اس کا کوئی خیر خواہ نہیں ہوگا اور اسے جہنّمیوں کے پیپ کے سوا کوئی چیز کھانے کونہیں دی جائے گی یہی مجرموں کا کھانا ہو گا۔یہاں جہنّمیوں کے دو گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ دوسرے مقامات پر ان کے دیگر گناہوں کا ذکر بھی موجود ہے ان میں پہلا

ثُمَّ فِىۡ سِلۡسِلَةٍ ذَرۡعُهَا سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا فَاسۡلُكُوۡهُ ؕ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ

پھر ایک زنجیر میں اس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے پس اسے جکڑ دو بلاشبہ وہ تھا

لَا يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ ۙ﴿۳۳﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ؕ﴿۳۴﴾

نہیں ایمان لاتا اللہ عظمت والے پر اور نہ وہ شوق دلاتا تھا کھانا کھلانے پر مسکین کے

فَلَيۡسَ لَهُ الۡيَوۡمَ هٰهُنَا حَمِيۡمٌ ۙ﴿۳۵﴾ وَّلَا طَعَامٌ

لہٰذا نہیں ہے اس کے لیے آج یہاں کوئی غم خوار دوست اور نہیں کوئی کھانا

اِلَّا مِنۡ غِسۡلِيۡنٍ ۙ﴿۳۶﴾ لَّا يَاۡكُلُهٗۤ اِلَّا الۡخَاطِئُوۡنَ ؕ﴿۳۷﴾

سوائے زخموں کے دھوون کے نہیں کھائیں گے اسے مگر گناہ گار ہی

اس کو ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔(۳۲) یہ نہ عظیم اللہ پر ایمان لایا تھا۔(۳۳) اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔(۳۴) لہٰذا آج یہاں اس کا کوئی غم خوار نہیں ہے۔(۳۵) اور نہ زخموں کی پیپ کے سوا اس کے لیے کوئی کھانا۔(۳۶) جسے خطا کاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا۔'' (۳۷)

گناہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اس طرح ایمان نہ لائے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے یہ کافر، مشرک منافق لوگ ہوں گے۔ ان کا دوسرا گناہ یہ ہوگا کہ وہ غریبوں اورمحتاجوں کا خیال نہیں کرتے تھے گویا کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد سے غافل تھے۔ اس لیے ان کے گلے میں طوق ڈال کر اور ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ کر جہنّم میں پھینک دیا جائے گا۔ ان کے کھانے میں جہنّمیوں کی پیپ بھی شامل ہوگی جو صرف ان کے لیے ہوگی۔

''سلطان'' کا لفظ دلیل و حجت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور اقتدار کے لیے بھی۔ اگر اسے دلیل و حجت کے معنیٰ میں لیا جائے تو مطلب ہوگا کہ مجرم دنیا میں جو حجت بازیاں کیا کرتا تھا وہ قیامت کے دن نہیں چل سکیں گی، اگر سلطان کا لفظ اقتدار کے معنیٰ میں لیا جائے تو مراد ہوگی کہ دنیا میں جس طاقت کے بل بوتے پر وہ اکڑتا تھا وہ قیامت کے دن ختم ہوجائے گی۔ وہ اقرار کرے گا کہ اب یہاں کوئی میرا لشکر نہیں ،کوئی میرا حکم ماننے والا نہیں، میں بے بس اور لاچار مجرم کی حیثیت سے کھڑا ہوں جو اپنے دفاع کے لیے کچھ نہیں کرسکتا۔

مسائل

۱۔ جسے دائیں ہاتھ میں اس کا اعمال نامہ دیا گیا وہ پچھتائے گا اور اپنی موت کی تمنا کرے گا۔

۲۔ جہنّمی اقرار کرے گا کہ آج میرا مال اور میرا اقتدار میرے کچھ کام نہیں آیا۔

۳۔ جہنّمیوں کے جرائم میں سرِ فہرست یہ جرم ہوں گے کہ وہ اللہ پر ایمان نہ لائے اور مسکینوں کا خیال نہیں رکھتے تھے۔

۴۔ جہنّمیوں کے گلے میں طوق پہنا کر انہیں زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا۔

١/٢٧ ٥

فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳۸﴾ وَ مَا لَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ

سو میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جو تم دیکھتے ہو اور جو نہیں تم دیکھتے بلاشبہ یہ

لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ ﴿۴۰﴾ وَّ مَا هُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِیۡلًا مَّا

یقیناً قول ہے رسولِ کریم کا اور نہیں ہے یہ شاعر کا قول بہت کم

تُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴۱﴾ وَ لَا بِقَوۡلِ کَاهِنٍ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۴۲﴾ تَنۡزِیۡلٌ

تم ایمان لاتے ہو اور نہیں ہے قول کسی کاہن کا بہت ہی کم تم نصیحت پاتے ہو نازل شدہ ہے

”سو میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جو تم دیکھتے ہو۔(۳۸)اور ان کی بھی جنہیں تم نہیں دیکھتے۔(۳۹)یہ رسول کریم کا قول ہے۔(۴۰) کسی شاعر کا قول نہیں ہے،تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو۔(۴۱)اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے،تم لوگ کم ہی غور کرتے ہو۔(۴۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قرآن مجید کی تعلیمات میں اس کی سرفہرست تعلیم یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لایا جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ قیامت ہر صورت آنے والی ہے۔ نافرمان لوگ اللہ اور اس کے رسول اور قیامت پر ایمان لانے کی بجائے قرآن مجید کا ہی انکار کرتے ہیں اور الزام لگاتے ہیں کہ یہ شاعرانہ کلام ہے جس کی تردید کی جا رہی ہے۔

قسم ہے ان چیزوں کی جو تم دیکھتے ہو اور ان کی بھی جنہیں تم نہیں دیکھتے بلاشک یہ قرآن رسولِ کریم ﷺ کی زبان سے پڑھا جاتا ہے یہ کسی شاعر کا کلام نہیں اگرچہ تم بہت کم لوگ ایمان لاتے ہو اور نہ قرآن کسی کاہن کا کلام ہے یہ تو رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے لیکن تم بہت ہی کم اس پر توجہ کرتے ہو۔ اگر رسول کوئی بات اپنی طرف سے ہمارے ذمہ لگا دیتا تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے اور پھر اس کی شاہ رگ کاٹ ڈالتے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو فرمایا بالخصوص کفار کو مخاطب کیا ہے کہ ان چیزوں کی قسم جو تم کھلی آنکھوں کے ساتھ دیکھتے ہو اور ان کی بھی قسم جو تمہاری آنکھیں نہیں دیکھتیں۔ نظر آنے والی اور نظروں سے اوجھل چیزوں سے مراد مفسرین نے نبی علیہ السلام کے اوصافِ حمیدہ، آپ کی جدوجہد کے دور رس اثرات اور مستقبل میں حاصل ہونے والی کامیابیاں لی ہیں۔ اس سورت کی ابتدائی آیات کو سامنے رکھا جائے تو نظر نہ آنے والی چیزوں میں سب سے بڑی بات اور حقیقت قیامت اور اس کی ہولناکیاں ہیں۔ جس کا وہ لوگ انکار کرتے اور مذاق اڑاتے تھے۔ قرآن مجید کے بنیادی مضامین میں تیسرا بڑا مضمون قیامت پر ایمان لانا ہے۔ جس وجہ سے کفار قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے کا انکار کرتے اور یہ الزام دیتے تھے کہ یہ رسول کا اپنا کلام ہے۔ کبھی کہتے کہ یہ شاعر کی شاعری ہے اور کبھی ہرزا سرائی کرتے کہ یہ ایک جوگی اور کاہن کی پیش گوئیاں ہیں۔ اس پر انہیں بار بار سمجھایا گیا کہ یہ نہ رسول کا اپنا کلام ہے نہ شاعر کی شاعری اور نہ کسی کاہن کی کہانت ہے۔ یہ تو جہانوں کے رب کا کلام اور فرمان ہے۔ کفار کے تمام الزامات کا

مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾

رب العالمین کی طرف سے | اور | اگر وہ گھڑ کر لگا دیتا ہمارے ذمے | بعض | باتیں

لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ

تو ہم ضرور پکڑ لیتے اس کا دایاں ہاتھ | پھر ہم ضرور کاٹ دیتے اس کی شہ رگ | پھر نہ تم میں سے

مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾

کوئی ایک بھی | اس سے | روکنے والا | اور بلاشبہ وہ | ضرور نصیحت ہے | متقی لوگوں کے لیے

یہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔(۴۳) اور اگر (محمد ﷺ) گھڑ کر کوئی بات ہماری طرف منسوب کرتے۔(۴۴) تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے۔(۴۵) اور اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔(۴۶) پھر تم میں سے کوئی ہمیں اس کام سے روکنے والا نہ ہوتا۔(۴۷) درحقیقت یہ پرہیزگارو لوگوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔(۴۸)

مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ کلام محمد ﷺ ہے۔ رب ذوالجلال نے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے پُرجلال انداز میں فرمایا کہ یہ قرآن محمد ﷺ کا کلام ہونا تو دور کی بات ہے اگر محمد ﷺ کوئی بات اپنی طرف سے ہمارے ذمے لگاتے تو ہم اس کی شاہ رگ کاٹ دیتے۔اگر ہم ایسا کرتے تو کوئی بھی تم میں سے ہمیں ایسا کرنے سے نہ روک سکتا۔شاہ رگ گردن کی وہ رگ ہے اگر کٹ جائے تو انسان کی موت فوری طور پر واقع ہوجاتی ہے۔ دائیں ہاتھ پکڑنے کا اس لیے ذکر کیا ہے کہ انسان کو اس کے سامنے سے کوئی حادثہ پیش آئے تو اس کا دایاں ہاتھ ہی پہلے حرکت میں آتا ہے اور قوت کے لحاظ سے یہ بائیں ہاتھ سے طاقت والا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے بارے میں ہرطرح کے الزام کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ قرآن رسول کریم ﷺ کا قول ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ قرآن مجید نبی علیہ السلام کا کلام ہے۔ اس بات کی تو یہاں تردید کی جارہی ہے کہ اگر رسول ﷺ کوئی بھی بات قرآن میں شامل کرتا تو اس کی شہ رگ کاٹ دی جاتی۔ اس وضاحت کے بعد'' قول رسول کریم'' کا معنٰی صرف یہی کیا جاسکتا ہے اور ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اسے اللہ کے حکم سے جبریل امین علیہ السلام لاتے رہے اور نبی علیہ السلام اپنی زبان سے کئی سال تک لوگوں کے سامنے پڑھتے رہے۔ لہٰذا اس لیے قرآن مجید کو'' قول رسول کریم'' کہا گیا ہے۔ یہ پرہیزگاروں کے لیے بہت بڑی راہنمائی اور نصیحت ہے۔کفار کا یہ بھی الزام تھا کہ اس پر شیطان وحی کرتے ہیں۔ اس کی تردید کے لیے وضاحت کی گئی ہے کہ شیطان نہیں اسے آپ کو جبریل علیہ السلام پڑھ کر سناتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

آپ ﷺ پر لگائے گئے الزامات اور ان کا جواب:

(یونس:۳)(ص:۴)(الطور:۲۹)(یٰس:۶۹)(النحل:۱۰۱)(الطور:۳۳)

وَ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَ اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى

اور یقیناً ہم البتہ جانتے ہیں بیشک تم میں سے جھٹلانے والے ہیں اور یقیناً یہ (جھٹلانا) ضرور حسرت کا باعث ہوگا پر

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَ اِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾

ع ۲ ۱۵ ٦

کافروں پر اور بلاشبہ وہ یقیناً یقینی حق ہے پس آپ تسبیح کریں اپنے رب کے نام کی جو عظمت والا ہے

''اور ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے کچھ لوگ جھٹلانے والے ہیں۔(۴۹) یقیناً کافروں کے لیے جھٹلانا باعثِ حسرت ہو گا۔(۵۰) اور قرآن یقینی طور پر حق ہے۔(۵۱) پس اے نبی اپنے عظیم رب کے نام کی تسبیح کیا کرو۔''(۵۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار کے ایک اور الزام کی تردید۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور رسولِ کریم کے بارے میں کفار کے ہر الزام کا مدلّل جواب دیا لیکن اس کے باوجود کفار قرآن مجید کو کلامِ الٰہی اور حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول ماننے کو تیار نہ تھے۔ اس پر ارشاد ہوا کہ قرآن اور آپ پر الزامات لگانے والے جھوٹے ہیں۔ انہیں اس بات پر یقین ہونا چاہیے کہ ایک وقت آئے گا کہ جب جھٹلانے اورانکار کرنے والوں کو بڑی حسرتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس فرمان سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قرآن اور نبی علیہ السلام پر الزامات لگانے والے کافر ہیں، کیونکہ قرآن مجید ہر اعتبار سے حق اور سچ ہے اس پر آپ ﷺ اورآپ کے متبعین کو اپنے عظیم رب کی تسبیح پڑھنی چاہیے، کیونکہ وہی ہے جو کفار کو حسرتوں میں مبتلا کرے گا اور حق کو حق ثابت کر دکھائے گا۔

((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ، خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيْلَتَانِ فِی الْمِيْزَانِ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ"))

(رواہ البخاری: کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالی ونضع الموازین القسط)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا دو کلمے رحمان کو بڑے پسند ہیں، زبان سے ادا کرنے میں آسان اور وزن کے لحاظ سے بہت بھاری ہیں۔''

مسائل

۱۔ قرآن اور نبی علیہ السلام پر الزامات لگانے والے کافر ہیں۔ ۲۔ بلاشبہ قرآن مجید ہر اعتبار سے حق اور سچ ہے۔

۳۔ ایمانداروں کو ہر حال میں ربِ عظیم کو یاد رکھنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید پر لگائے گئے الزامات:

۱۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ کہتے ہیں آپ کو ایک آدمی سکھا جاتا ہے۔(النحل:۱۰۳)

۲۔ انہوں نے کہا قرآن تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔(الفرقان:۵،المدثر:۲۴،بنی اسرائیل:۸۸،ہود:۱۳،یونس:۳۸)

سورة المعارج کا تعارف

المعارج کا نام اس کی تیسری آیت سے لیا گیا ہے یہ مکی سورت ہے اس کی چوالیس آیات ہیں جنہیں دو رکوع میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس سورت کی ابتداء اس بات سے کی جا رہی ہے کہ کفار مکہ عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں لہٰذا ان پر عذاب ہر صورت نازل ہو کر رہے گا اور اس کا انکار کرنے والے اسے روک نہیں سکیں گے۔ اے رسول ﷺ اگر یہ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں تو آپ ﷺ ان کے مقابلے میں پورے تحمل کے ساتھ صبر کا مظاہرہ کریں۔ یہ لوگ عذاب کو دور سمجھتے ہیں اور ہم اسے قریب جانتے ہیں۔ کفار عذاب کے ساتھ اس بات کا بھی مطالبہ کرتے تھے کہ جس قیامت سے ہمیں ڈرایا اور دھمکایا جاتا ہے وہ کیوں برپا نہیں ہوتی؟ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ قیامت کو دور سمجھتے ہیں اور ہم اسے قریب سمجھتے ہیں۔ جب یہ دن آئے گا تو آسمان پگلی ہوئی چاندی کی طرح ہو جائے گا اور پہاڑ رنگ دار ڈھنکی ہوئی روئی کی طرح اڑنے لگیں گے۔ اس دن مجرموں کی یہ حالت ہو گی کہ کوئی اپنے جگری دوست کی مدد نہیں کر سکے گا حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ اور پہچان رہے ہوں گے۔ مجرم اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنی اولاد کو، اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو، اپنے خاندان کو جو دنیا میں اس کی حمایت کیا کرتے تھے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے وہ سب کچھ دینے کے لیے تیار ہو گا۔ تاکہ عذاب سے نجات پا جائے لیکن وہ بھڑکتی ہوئی آگ سے نہیں بچ سکے گا۔ جو مجرم کے گوشت پوست کو چاٹ جائے گی جہنم کی آگ ہر اس شخص کا پیچھا کرے گی جس نے حق بات سے منہ موڑا اور ناجائز طریقے سے مال جمع کیا۔ اس سے وہ لوگ بچا لیے جائیں گے جو اپنی نمازوں پر ہمیشگی کرتے تھے، قیامت کے برپا ہونے کی تصدیق کرتے تھے اور اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے تھے۔ یہ ایسے لوگ تھے جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے تھے اور امانتوں کا خیال رکھتے تھے اور شہادت حق پر قائم رہتے تھے انہیں بڑی عزت و تکریم کے ساتھ جنت میں رکھا جائے گا۔ ان کے مقابلے میں جو لوگ قیامت کو جھٹلاتے ہیں مگر پھر بھی چاہتے ہیں کہ انہیں جنت میں داخل کیا جائے انہیں بتائیں کہ ایسا ہرگز نہیں ہو گا جس قیامت کا مطالبہ کرتے ہیں اس دن ان کی حالت یہ ہو گی کہ ان آنکھیں پھٹی ہوئی ہوں گی اور ان کے چہروں پر ذلت چھائی ہوئی ہو گی اس وقت انہیں کہا جائے گا کہ یہ وہ دن جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّة | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ۲ اٰيَاتُهَا: ۴۴

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

سَاَلَ	سَآئِلٌۢ	بِعَذَابٍ	وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾	لِّلْكٰفِرِيْنَ	لَيْسَ
سوال کیا	سوال کرنے والے نے	اس عذاب کا	جو آنے والا ہے	کافروں پر	نہیں ہے
		لَهٗ	دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾		
		اس کو	کوئی ٹالنے والا		

”سوال کرنے والے نے عذاب کے بارے میں سوال کیا جو ضرور آنے والا ہے۔(۱) یہ کافروں کے لیے ہے۔کوئی اسے ٹالنے والا نہیں۔“(۲)

فہم القرآن

ربطِ سورت: کفّار بار بار نبی علیہ السلام سے عذاب کا مطالبہ کرتے تھے جس پر انہیں انتباہ کیا گیا ہے کہ جس عذاب کا تم مطالبہ کرتے ہو، وہ نازل ہوگا تو اسے ٹالنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

المعارج کی ابتدا اس بات سے ہورہی ہے کہ ایک سوال کرنے والے نے سوال ہے کہ جس عذاب سے ہمیں ڈرایا جاتا ہے وہ اب تک وارد کیوں نہیں ہوا؟ ”سَاَلَ سَآئِلٌ“ کے بارے میں مفسرین کا خیال ہے کہ بظاہر تو یہ الفاظ سوال کے لیے استعمال ہوتے ہیں لیکن اہلِ عرب ان الفاظ کو کسی چیز کا مطالبہ کرنے کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس معنٰی میں اس لیے گنجائش ہے کہ اکثر اوقات سائل اپنے سوال میں کسی نہ کسی بات کا مطالبہ ہی کیا کرتا ہے۔حقیقت میں دونوں مفاہیم کا مقصد ایک ہے کہ کفار نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار مطالبہ کرتے تھے کہ جس عذاب کے بارے میں ہمیں ڈرایا اور دھمکایا جاتا ہے وہ اب تک نازل کیوں نہیں ہوا۔ اہلِ مکہ اس معاملے میں اس قدر بے باک اور دلیر ہوچکے تھے کہ ایک دن انہوں نے کعبۃ اللہ کا غلاف پکڑ کر مطالبہ کیا کہ الٰہی اگر یہ رسول اور قرآن برحق ہے تو پھر ہم پر پتھروں کی بارش برسا یا ہمیں عذابِ الیم میں مبتلا کردے۔ اس مطالبے کے جواب میں یہ ارشاد ہوا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم اس لائق ہو کہ تمہیں تہس نہس کردیا جائے لیکن ہم اس لیے تم پر عذاب نازل نہیں کررہے کیونکہ تم میں رسول کی ذات اور استغفار کرنے والے مسلمان موجود ہیں۔ (الانفال:۳۲،۳۳)

لہٰذا اہل مکہ کو بتلایا گیا ہے کہ جب عذاب کا فیصلہ صادر ہوگا تو اس کا انکار اور مطالبہ کرنے والے کسی صورت بھی اسے ٹال نہیں سکیں گے۔ انکار کرنے والے ہر صورت اس میں مبتلا اور گرفتار ہوکر رہیں گے۔ یہ ایسی حقیقت ہے کہ جب بھی کسی قوم پر عذاب نازل ہوا تو پھر اسے بچانے والا کوئی نہیں تھا۔قومِ نوح ، ثمود، عاد ،آلِ فرعون اور دیگر اقوام کا انجام عذاب کا مطالبہ کرنے والوں کے لیے کھلی دلیل ہے جس پر انہیں غور کرنا چاہیے۔اگلی آیات کے حوالے سے یہاں عذاب کا دوسرا معنٰی قیامت ہے۔ اس لیے کہ عذاب کے ذکر کے بعد متصل قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ (اللہ اعلم!)

مِّنَ اللّٰهِ	ذِی الْمَعَارِجِ ۝۳	تَعْرُجُ	الْمَلٰٓئِكَةُ	وَالرُّوْحُ	اِلَيْهِ
اس اللہ کی طرف	جو بلندیوں والا ہے	چڑھیں گے	فرشتے	اور روح	اس کی طرف

فِیْ يَوْمٍ	كَانَ	مِقْدَارُهٗ	خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝۴
ایسے دن میں	ہوگی	اس کی مقدار	پچاس ہزار سال

''اس اللہ کی طرف سے ہے۔ جو بلندیوں کا مالک ہے۔(۳) ملائکہ اور روحیں اس کے حضور ایسے دن میں جائیں گئے، جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔'' (۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار کو جس عذاب یا قیامت کے بارے میں انتباہ کیا جاتا ہے وہ ''اللہ'' کی طرف سے آئے گی جو ''اللہ'' بڑا ہی بلند و بالا ہے۔

مَعَارِجْ ''مَعْرِجٌ'' کی جمع ہے جس کا معنٰی سیڑھی یا بلندی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات ،صفات اور مقام و مرتبہ کے لحاظ سے سب سے بلند و بالا ہے۔ اس لیے اس نے اپنی ذات کے بارے میں المعارج کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ کچھ مفسرین نے المعارج سے مراد وہ بلندیاں لی ہیں جس کو طے کرتے ہوئے ملائکہ اپنے رب کے حضور پیش ہوتے ہیں بظاہر یہ مفہوم لینے کی گنجائش بھی موجود ہے۔ تاہم اس سے پہلی مراد ربِ کبریاء کی ذات ہے۔ اسی کے حضور ملائکہ اور جبریلِ امین پیش ہوتے ہیں۔ جبریلِ امین کا اس لیے الگ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ ملائکہ کا سردار اور سب سے مقرب فرشتہ ہے ،وہی اپنے رب کا پیغام انبیائے کرام ﷩ تک لاتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں ''ذِی الْمَعَارِجِ'' کا لفظ استعمال فرما کر کفار کی جلد بازی کا جواب دیا ہے کہ بے شک کفار اور نافرمان لوگ آپ ﷺ سے بار بار عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مقام و مرتبہ کے اعتبار سے بلند و بالا ہے اسی طرح ہی بڑے حوصلے والا اور اعلیٰ ظرف ہے وہ کسی کی نافرمانی اور جلد بازی کی وجہ سے اپنے فیصلے تبدیل نہیں کرتا۔ وہ لوگوں کے درمیان اس دن عدل وانصاف پر مبنی فیصلے فرمائے گا جس دن کی طوالت پچاس ہزار سال پر مشتمل ہوگی۔ اس دن کفار اور نافرمانوں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔ ''یہ لوگ عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں اللہ اپنے وعدے کیخلاف ہرگز نہیں کرے گا مگر آپ کے رب کے ہاں ایک دن تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار برس کے برابر ہوا کرتا ہے۔'' (الحج:۴۷) حدیث شریف میں بھی اس دن کی طوالت پچاس ہزار سال بتلائی گئی ہے۔

''حضرت ابو ہریرہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چاندی سونے کا جو مالک ان کی زکوٰۃ نہیں دیتا اس چاندی ،سونے کی تختیاں بنائی جائیں گی۔ انھیں جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا ، پھر مال دار کی پیشانی اور کروٹیں اس سے داغی جائیں گی جب اس کی پیٹھ پر تختیاں ٹھنڈی ہو جائیں گی تو پھر گرم کی جائیں گی پچاس ہزار سال کے دن میں اس کو یہی عذاب ہوگا یہاں تک کہ لوگوں کے بارے میں جنت اور جہنم کا فیصلہ ہوجائے۔......'' (رواہ مسلم : باب اثم مانع الزکاۃ)

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۝ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۝۶ وَّ نَرٰىهُ قَرِيْبًا ۝۷

بس آپ صبر کریں صبر جمیل بلاشبہ وہ دیکھتے ہیں اس کو بعید اور ہم دیکھتے ہیں اس کو قریب

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۝۸ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝۹

اس دن ہوگا آسمان جیسے پگھلا ہوا تانبا اور ہوں گے پہاڑ جیسے دھنکی ہوئی رنگین اُون

”پس آپ صبر جمیل سے کام لیں۔(۵) یہ لوگ اس عذاب کو دور سمجھتے ہیں۔(۶) اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔(۷) جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا۔(۸) اور پہاڑ رنگ دار دُھنی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے۔“(۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی ﷺ کی شب وروز کوشش تھی کہ کفار کو جہنم کے عذاب سے بچایا جائے اس کے باوجود کفار عذاب کا مطالبہ کرتے تھے جس پر نبی ﷺ کو پریشانی ہوتی تھی اس لیے آپ کو صبرِ جمیل کی تلقین کی گئی۔

کفار کا بار بار عذاب کا مطالبہ کرنا آپ ﷺ کے لیے دو وجہ سے پریشان کُن تھا پہلی وجہ یہ تھی کہ آپ اپنے آرام اور کام کی پرواہ کیے بغیر انتہائی خیرخواہی اور دردمندی کے ساتھ کوشش فرمارہے تھے کہ یہ لوگ کفر وشرک چھوڑ کر اپنے رب کے حضور تائب ہوجائیں مگر وہ لوگ تائب ہونے کی بجائے آپ کی مخالفت اور اللہ کی نافرمانی میں آگے ہی بڑھتے جارہے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ آپ کو اس بات پر طعنہ دیتے اور جھوٹا قرار دیتے تھے کہ جس عذاب سے ہمیں ڈرایا جاتا ہے وہ اب تک نازل کیوں نہیں ہوا۔اس پر بھی آپ ﷺ کو پریشانی لاحق ہوتی تھی۔ اس صورتحال میں آپ کو حکم ہوا کہ آپ کو پریشان اور غمگین ہونے کی بجائے صبرِ جمیل سے کام لینا چاہیے۔ جمیل کا معنٰی خوبصورت اورنہایت اچھا ہے یعنی ایسا صبر جس میں کسی قسم کی جلد بازی اورشکوہ، شکایت نہ ہو۔ آپ کو تسلی دینے اورحقیقت بتلانے کے لیے ارشاد ہوا کہ نادان اس عذاب کو دور سمجھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بہت قریب ہے۔ جس دن انہیں عذاب دیا جائے گا وہ دن اپنی حدّت کے لحاظ اس قدر سخت ہو گا کہ آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہوجائے گا اور پہاڑ دُھنی ہوئی روئی کی طرح ہوجائیں گے۔ ”اَلْمُهْلِ“ جلے ہوئے تیل کو بھی کہتے ہیں کیونکہ تیل آگ پر زیادہ دیر پڑے رہنے کی وجہ سے گہرا سرخ ہوجاتا ہے۔ قیامت کی حِدّت کی وجہ سے آسمان کا رنگ سرخ ہو جائے گا۔ اس لیے فرمایا کہ اس دن آسمان ”اَلْمُهْلِ“ کی مانند ہوگا۔

مسائل

۱۔ کفار اورمشرکین کے طعنوں سے دل برداشتہ ہونے کی بجائے صبرِ جمیل سے کام لینا چاہیے۔

۲۔ کفار اورنافرمان لوگ قیامت کودور سمجھتے ہیں حالانکہ قیامت بہت قریب ہے۔

۳۔ قیامت کے دن آسمان تانبے کی مانند اور پہاڑ دُھنی ہوئی اُون کی طرح ہوجائیں گے۔

وَ لَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝١٠ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ

اور نہیں پوچھے گا کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کو حالانکہ وہ انہیں دکھلا دیے جائیں گے پسند کرے گا

الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۢ بِبَنِيْهِ ۝١١ وَصَاحِبَتِهٖ

مجرم کاش کہ وہ فدیے میں دے اس دن کے عذاب سے اپنے بیٹے اور اپنی بیوی

وَاَخِيْهِ ۝١٢ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۝١٣ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ

اور اپنا بھائی اور اپنا خاندان کو وہ جو اسے رہائش دیتا ہے اور وہ جو زمین میں ہے سارے کا سارا

ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝١٤ كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ۝١٥ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝١٦

پھر اس کو نجات دلا دے ہرگز نہیں بلاشبہ وہ آگ ہے بھڑکتی ہوئی اُدھیڑ ڈالنے والی چمڑیوں کو

تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۝١٧ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ۝١٨

وہ پکارے گی اس شخص کو جس نے پیٹھ پھیری اور منہ موڑا اور جمع کیا اور گن گن کر رکھا

”اور کوئی جگری دوست اپنے جگری دوست کی خبر نہیں لے گا۔(١٠) حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے، مجرم چاہے گا کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنی اولاد کو۔(١١) اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو۔(١٢) اپنے قریب ترین خاندان کو جو اسے دنیا میں پناہ دینے والا تھا۔(١٣) اور روئے زمین میں جو کچھ ہے وہ سب فدیہ میں دے دے اور یہ اسے نجات دلا دے۔(١٤) ہرگز نہیں وہ بھڑکتی ہوئی آگ کی لپٹ ہو گی۔(١٥) جو چمڑیوں کو اُدھیڑ دے گی۔(١٦) وہ آگ پکار پکار کر اپنی طرف بلائے گی، ہر اس شخص کو جس نے حق سے منہ موڑا۔ اور پیٹھ پھیری۔(١٧) اور مال کمایا اور اسے جمع کر کے رکھا۔“(١٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کے دن آسمان تابنے کی مانند ہو جائے گا اور پہاڑ دُھنی ہوئی روئی کی طرح ہوں گے اس دن باہمی محبتیں ختم اور رشتے ناطے ٹوٹ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا فرمایا تو اس کے وجود میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور مہربانی کرنے کا جذبہ بھی پیدا فرمایا اور ایک دوسرے کے ساتھ لوگوں کے رشتے ناطے جوڑ دیئے، اسی ہمدردی اور رشتے ناطوں کی بنیاد پر دنیا کا نظام قائم اور چل رہا ہے۔ لیکن قیامت کے دن مجرموں کی ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور رشتے ناطے ختم ہو جائیں گے، کیونکہ رب ذوالجلال کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن کوئی جگری دوست اپنے جگری دوست کی خبر نہیں لے گا۔ حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دیکھتے اور جانتے ہوں گے۔ مجرموں کی حالت یہ ہوگی کہ ہر مجرم خواہش کرے گا کہ کاش آج کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں کو اپنے بدلے میں دے کر اپنی جان بچا لے، وہ اپنے بدلے میں اپنی اولاد، اپنی بیوی، اپنے بھائیوں اور پورے خاندان کو پکڑوانے کے لیے تیار ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر اس کا بس چلے تو جو کچھ زمین میں ہے وہ دے کر اپنی جان بچانے کی فکر کرے گا لیکن وہ کسی صورت بھی آگ سے چھٹکارا نہیں پا سکے گا۔ جہنم کی آگ

مجرموں کی چمڑیاں اُدھیڑ دینے والی ہوگی، آگ مجرموں کو آواز دے دے کر اپنی طرف بلائے اور کھینچے گی۔ وہ ہر اس شخص کو اپنی طرف بلائے گی اور کھینچے گی جس نے حق بات سے پیٹھ پھیری اور لوگوں کے حقوق مار مار کر اور ناجائز طریقے سے مال جمع کیا ،مجرم کی یہ کیفیت دیکھ کر اس کے بھائی ، اس کی والدہ ، اس کا باپ ،اس کی بیوی اور اس کے بیٹے بھی بھاگ جائیں گے وہ ایسا دن ہوگا کہ کوئی بھی مجرم کی مدد نہ کر پائے گا۔ (عبس:٣٤ تا ٣٧)

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک دن جہنّم کو یاد کر کے رورہی تھیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے عائشہ! تجھے کس چیز نے رولایا ہے۔سیدہ عائشہ نے کہا جہنّم کی آگ یاد آئی تو میں رو پڑی کیا قیامت کے دن آپ اپنے اہل وعیال کو یاد رکھ پائیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین مواقع ایسے ہیں جن میں کوئی کسی کو یادنہیں کرے گا۔ ① اعمال تولے جانے کے وقت جب تک یہ نہ پتہ چل جائے کہ اُس کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوا یا ہلکا۔ ② نامہ اعمال دیئے جانے کے وقت جب کہنے والا کہے آؤ میرے نامہ اعمال کو پڑھ کر دیکھو حتیٰ کہ اُسے علم ہو جائے کہ اُس کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جا رہا ہے یا پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں ③ جب جہنّم پر پل صراط کو رکھی جائے گا۔'' (المستدرك للحاكم : كتاب الاهول قال الله تبارك وتعالىٰ ﴿ويوم ينفخ في الصور﴾ قال الذهبى هذا حديث صحيح)

مسائل

١۔ قیامت کے دن کوئی جگری دوست اپنے جگری دوست کی مددنہیں کر سکے گا۔ حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دیکھتے اور جانتے ہوں گے۔

٢۔ ہر مجرم کی خواہش ہوگی کہ میں اپنی اولاد، اپنی بیوی،اپنے بھائی ،اپنا خاندان اور جو کچھ زمین میں ہے اپنے بدلے میں دے کر چُھوٹ جاؤں۔لیکن وہ جہنّم کی آگ سے نہیں بچ سکے گا

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن کوئی بھی کسی مجرم کی مدد نہیں کر سکے گا:

١۔ قیامت کے دن کوئی دوست کسی کے کام نہیں آئے گا۔(البقرة: ٢٥٤)

٢۔ قیامت کے دن کوئی رشتہ دار کسی کو فائدہ نہیں دے گا۔(عبس: ٣٤ تا ٣٦)

٣۔ قیامت کے دن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آئے گا۔(الدخان:٤١،٤٢)

٤۔ قیامت کے دن دوستی اور سفارش کام نہ آئے گی۔(ابراهیم :٣١)

٥۔ قیامت کے دن سفارشی کسی کو فائدہ یا نقصان نہیں دیں گے۔(یونس:١٨)

٦۔ معبودانِ باطل اپنے پیروکاروں کے کام نہیں آئیں گے۔(البقرة: ١٦٦)(العنكبوت:٢٢)

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿۱۹﴾ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ

بلاشبہ انسان پیدا کیا گیا ہے کم حوصلہ جب پہنچتی ہے اسے مصیبت

جَزُوعًا ﴿۲۰﴾ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ﴿۲۱﴾ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴿۲۲﴾ الَّذِينَ

بہت جزع فزع کرتا ہے اور جب پہنچتی ہے اسے بھلائی نہایت بخیل مگر نمازی جو

هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ﴿۲۴﴾

وہ اپنی نماز پر ہمیشگی کرنے والے ہیں اور وہ لوگ کہ ان کے مالوں میں حق ہے پہچانا ہوا

لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِينَ هُم

سائل اور محروم کا اور وہ لوگ جو تصدیق کرتے ہیں یوم جزا کی اور وہ لوگ کہ وہ

مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿۲۷﴾ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ﴿۲۸﴾

اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں بلاشبہ عذاب ان کے رب کا بے خوف ہونے والا نہیں

”انسان کم حوصلہ والا پیدا کیا گیا ہے۔(۱۹) جب اس پر مصیبت آتی ہے تو جزع فزع کرتا ہے۔(۲۰) اور جب اسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔(۲۱) مگر وہ لوگ جو نماز پڑھنے والے ہیں۔(۲۲) جو اپنی نماز پر ہمیشگی کرتے ہیں۔(۲۳) جن کے مالوں میں ایک مقرر حق ہے۔(۲۴) سائل اور محروم کا۔(۲۵) جو جزا کے دن کو برحق مانتے ہیں۔(۲۶) جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔(۲۷) کیونکہ ان کے رب کا عذاب ایسا ہے جس سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔“(۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: چمڑیاں اُدھیڑ دینے والی آگ سے بچنے والے لوگوں کے اوصاف۔

انسان کی طبعی کمزوریوں میں ایک کمزوری یہ ہے کہ وہ جلد باز ہے۔ اسی جلد بازی کی وجہ سے انسان دنیا کے فائدے کی خاطر حق بات سے منہ موڑ تا، ناجائز طریقے سے مال بناتا اور اسے جمع رکھتا ہے۔ اگر انسان اپنی جلد بازی پر قابو پالے تو وہ اللہ اور اس کے رسول کے فرمان سے منہ موڑ کر نہ کسی کا مال بٹورے اور نہ ہی ناجائز طریقے سے مال جمع کرے۔ یہ جلد بازی کا نتیجہ ہے کہ جب اسے مال کی تنگی اور کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ گھبرا اٹھتا ہے اور جزع فزع کرنے لگتا ہے جب اسے مال حاصل ہوتا ہے تو بخیل بن جاتا ہے۔ یہاں گھبراہٹ اور بخل کا حوالہ دے کر دو حقیقتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اے انسان! آج معمولی تکلیف پر تو چونک اٹھتا ہے۔ غور کر! کہ تو جہنم کی آگ اور اس کی سختیوں کو کس طرح برداشت کرے گا؟ پچھلی آیت میں مال جمع کرنے کا نقصان بتلایا گیا ہے، یہاں فرمایا ہے کہ جب انسان کو مال ملتا ہے تو اسے خرچ کرنے کی بجائے بخل کرتا ہے۔ یاد رہے! جہاں

مال کے فائدے ہیں وہاں اس کا یہ نقصان ہے کہ جوں جوں مال جمع ہوتا ہے توں توں انسان طبعی طور پر اتنا ہی حریص اور بخیل ہوتا جاتا ہے بالخصوص جو شخص حرام ذرائع سے مال جمع کرتا ہے اس میں دوسروں کی نسبت بخل زیادہ پایا جاتا ہے۔ جلد بازی اور بخل سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ نماز کو اس کے تقاضوں کا خیال رکھتے ہوئے ادا کیا جائے۔ جو شخص اطمینان کے ساتھ نماز ادا کرتا اور اس پر ہمیشگی اختیار کرتا ہے۔ اسے طبیعت کی جلد بازی پر قابو پانا آسان ہو جاتا ہے۔ جو حلال ذرائع سے مال کماتا ہے اس میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ اسے پتا ہوتا ہے کہ میرے رب نے میرے مال میں سائل اور غریب کا ایک حصہ مقرر کر رکھا ہے جو ہر صورت مجھے ادا کرنا چاہیے کیونکہ اس کا ایمان ہے کہ اگر میں نے یہ کام نہ کیے تو قیامت کے دن مجھے سزا ہوگی۔ اس لیے وہ جہنم کے عذاب سے ڈرتا ہے، اس کا ایمان ہوتا ہے کہ جہنم کے عذاب سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الصَّلَوَاةُ الْخَمْسُ وَالْجُمْعَةُ إِلَى الْجُمْعَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ مَالَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ)) (رواه مسلم: كتاب الطهارة، باب الصلواة الخمس والجمعة إلى الجمعة……)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کیا جائے تو پانچ نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔“

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَتَعَوَّذُ يَقُوْلُ "اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَرَمِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ"))

(رواه البخاري: كتاب الدعوات، باب التعوذ من أرذل العمر)

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے اور یہ دعا کرتے کہ اے اللہ میں سستی، بزدلی، ناکارہ پن بڑھاپے اور بخل سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔“

مسائل

١۔ انسان طبعی طور پر جلد باز واقع ہوا ہے جس وجہ سے معمولی تکلیف پر گھبرا اٹھتا ہے۔
٢۔ انسان کو مال حاصل ہو تو اس میں بخل پیدا ہو جاتا ہے۔
٣۔ نماز کو ہمیشہ اس کے حقوق کے ساتھ ادا کرنے والا اپنی جلد بازی پر قابو پا لیتا ہے۔
٤۔ جس کا قیامت پر حقیقی ایمان ہے وہ اپنے مال میں سائل اور غریب کا حق سمجھتا ہے۔
٥۔ اللہ کے بندے اپنے رب کے عذاب سے ہمیشہ خوف زدہ رہتے ہیں۔
٦۔ رب کے عذاب سے کسی صورت بھی بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔

وَالَّذِيْنَ	هُمْ	لِفُرُوْجِهِمْ	حٰفِظُوْنَ ﴿٢٩﴾	اِلَّا	عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ	اَوْ
اور وہ لوگ کہ	وہ	اپنی شرم گاہوں کی	حفاظت کرنے والے ہیں	مگر	اپنی بیویوں پر	اور
مَا	مَلَكَتْ	اَيْمَانُهُمْ	فَاِنَّهُمْ	غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿٣٠﴾	فَمَنِ	
جن کے	مالک ہوئے	ان کے دائیں ہاتھ	تو بلاشبہ وہ	نہیں ملامت زدہ	چنانچہ جو کوئی	
ابْتَغٰى	وَرَآءَ	ذٰلِكَ	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	الْعٰدُوْنَ ﴿٣١﴾		
تلاش کرے	علاوہ	اس کے	تو وہی لوگ ہیں	حد سے گزرنے والے		

’’جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔(۲۹) سوائے اپنی بیویوں یا اپنی لونڈیوں پر جن کے بارے میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔(۳۰) البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی حد سے گزرنے والے ہیں۔‘‘(۳۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بے شک اللہ کے عذاب سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے لیکن جن لوگوں نے قرآن کے بیان کردہ اوصاف اپنائے وہ جہنّم کے عذاب سے بے خوف ہوں گے، جہنّم کے عذاب سے مامون رہنے والوں کے اوصاف میں یہ صفت بھی ہوتی ہے۔

جہنّم کے عذاب سے محفوظ رہنے والوں میں یہ وصف بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ہاں انہیں اپنی بیویوں اورلونڈیوں کے پاس جانے کا حق ہے۔ اس سے ان پر کوئی ملامت نہیں جولوگ اپنی بیویوں اورلونڈیوں کے سوا کسی اور کے ساتھ ازواجی تعلقات اوراس جیسی حرکات کریں گے وہ حد سے نکل جانے والے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مرد اورعورت میں ایک دوسرے کے ساتھ ملاپ کرنے کا جذبہ اورقوت رکھی ہے ،اس کے لیے میاں بیوی کا رشتہ قائم فرمایاہے ۔ اگرکسی شخص میں جنسی قوت زیادہ ہو یا اس کی معاشرتی ضرورت ہوتو اسے چار بیویوں کے ساتھ لونڈیاں رکھنے کا حق دیا گیا ہے بشرطیکہ وہ شریعت کے مقرر کردہ اصولوں کی پابندی کرے۔ سورۃ النساء کی آیت ۲۵ کی تشریح میں یہ تفصیل موجود ہے کہ اسلام نے لونڈیاں رکھنے کی کن حالات میں اجازت دی ہے اس کا خلاصہ یہاں عرض کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آزاد عورتوں کو چھوڑ کر لونڈیوں سے شادی کرنے کی دو وجوہ بیان کی ہیں انہیں ذہن نشین رکھنا چاہیے۔

۱۔ آزادعورت سے شادی کے اخراجات برداشت نہ کرسکتاہو۔

۲۔ بدکاری میں ملوث ہونے کے خوف سے لونڈی رکھنا جائز ہے۔

ان دو وجوہات کے علاوہ اسے لونڈی سے شادی کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔
جو لوگ مذکورہ بالا اجازت سے ہٹ کر ازواجی تعلقات یا اس کے متعلقات اختیار کریں گے تو وہ حدود اللہ سے نکل جانے والے ہوں گے جنہیں جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

((عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ))(رواه البخاری: باب حفظ اللسان)

''سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص مجھے اپنی زبان اور شرمگاہ کی ضمانت دے میں اسے جنّت کی ضمانت دیتا ہوں۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَظَّهُ مِنَ الزِّنَا أَدْرَكَ ذٰلِكَ لَا مَحَالَةَ فَزِنَا الْعَيْنِ النَّظَرُ وَزِنَا اللِّسَانِ الْمَنْطِقُ وَالنَّفْسُ تَمَنّٰى وَتَشْتَهِي وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ كُلَّهُ وَيُكَذِّبُهُ)) (رواه البخاری: کتاب الاستئذان، باب زنا الجوارح دون الفرج)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی اولاد پر اس کا حصہ زنا کا مقرر کر دیا ہے وہ اس سے بچ نہیں سکتا وہ اس کو پالے گا، آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور زبان کا زنا فحش باتیں کرنا ہے، انسان کا نفس اس کی خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔''
(تصدیق کرنے سے مراد عملاً بدکاری کرنا اور تکذیب سے مراد اس سے بچے رہنا ہے۔)

((عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَزْنِي الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَنْتَهِبُ نَهْبَةً يَرْفَعُ النَّاسُ اِلَيْهِ فِيْهَا اَبْصَارَهُمْ حِيْنَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَغُلُّ اَحَدُكُمْ حِيْنَ يَغُلُّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاِيَّاكُمْ اِيَّاكُمْ۔)) (رواه البخاری: کتاب الأشربة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا فرمان بیان کرتے ہیں کہ زانی زنا کرتے وقت مومن نہیں ہوتا، چور چوری کرتے ہوئے ایمان سے خارج ہوتا ہے، شرابی شراب پیتے وقت ایماندار نہیں ہوتا۔ جب ڈاکو کسی ایسی چیز پر ڈاکہ ڈالتا ہے کہ لوگ اس کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھتے ہیں۔ وہ ایمان سے تہی دامن ہوتا ہے۔ خائن خیانت کرتے ہوئے مومن نہیں رہ سکتا۔ تمہیں اپنے آپ کو ان گناہوں سے دور رکھنا چاہیے۔''

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الذَّنْبِ اَكْبَرُ عِنْدَاللّٰهِ قَالَ اَنْ تَدْعُوَلِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ قَالَ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ اَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ

قَالَ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ اَنْ تُزَانِیَ حَلِیْلَةَ جَارِكَ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی تَصْدِیْقَھَا ﴿وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ.... الایۃ﴾ (پ١٩:ع٤)) (رواہ البخاری : کتاب الدیات)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتا ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔اس نے پوچھا اسکے بعد کونسا بڑا گناہ ہے؟ فرمایا تو اپنی اولاد کو اس لئے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے پیے گی وہ پھر پوچھتا ہے۔اسکے بعد کونسا؟ فرمایا؛تو اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرے۔اللہ تعالیٰ نے اسکی تصدیق میں فرمایا”مومن وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی کو نہیں پکارتے نہ وہ ناجائز کسی کو قتل کرتے ہیں اور نہ ہی وہ بدکاری کرتے ہیں۔“

((عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم خُذُوْا عَنِّیْ خُذُوْا عَنِّیْ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا الْبِکْرُ بِالْبِکْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَنَفْیُ سَنَةٍ وَالثَّیِّبُ بِالثَّیِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ، وَالرَّجْمُ)) (صحیح مسلم: بَابُ حَدِّ الزِّنٰی)

”حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے سیکھ لو اللہ تعالیٰ نے عورتوں اور مردوں کے لیے اصول بنائے ہے اگر کنوار مرد کنواری عورت سے زنا کرے تو اسے سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے جلا وطن کر دو اور اگر شادی شدہ مرد شادی شدہ عورت سے زنا کرے تو اسے سو کوڑے مارو اور رجم کر دو۔“

مسائل

١۔ اللہ کے عذاب سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔٢۔ لونڈیوں کے ساتھ ازواجی تعلقات قائم کرنا جائز ہے۔
٣۔ ہر مسلمان مرد اور عورت کو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنی چاہیے۔
٤۔ اللہ کی مقرر کردہ حدود سے آگے بڑھنا ان سے تجاوز کرنا ہے۔

تفسیر بالقرآن

بدکاری کا گناہ اور اس کی سزا:

١۔تہمت لگانے والے کی سزا۔(النور:٤) ٢۔کنوارے زانی مرد وزن کو سو کوڑے مارنے کا حکم۔ (النور:٢)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ

اور وہ لوگ کہ جو اپنی امانتوں کی اور اپنے وعدے کی حفاظت کرنے والے ہیں اور وہ لوگ کہ جو

بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾

اپنی شہادتوں پر قائم رہنے والے ہیں اور وہ لوگ کہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں

اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع ۱ ۳۵ ۷

یہ لوگ باغوں میں معزز ہوں گے

''اور وہ اپنی امانتوں کی حفاظت اور اپنے وعدے کی پاسداری کرتے ہیں۔(۳۲) جو اپنی گواہی پر قائم رہتے ہیں۔(۳۳) اور جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔(۳۴) اور یہ لوگ پورے اکرام کے ساتھ جنّت کے باغات میں رہیں گے۔''(۳۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنّم سے بچنے والوں کے مزید اوصاف کا تذکرہ۔

اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو جہنّم کی بھڑکتی ہوئی آگ سے بچائے گا اور انہیں جنّت میں داخل فرمائے گا ان میں مذکورہ بالا اوصاف کے ساتھ یہ وصف بھی پائیں جائیں گے کہ وہ اپنی امانتوں اوروعدوں کی پاسداری کرنے والے ہوں گے، وہ شہادتِ حق پر قائم رہتے ہیں اوراپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ،انہیں جنّتوں میں عزت واحترام کے ساتھ رکھا جائے گا۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مفصل مضامین کو چند الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

جنّتی لوگ دنیا میں اپنی امانتوں کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں:

مومنوں کے اوصاف میں یہ صفت بھی شامل ہوتی ہے کہ وہ امانت کی حفاظت اور عہد کی پاسداری کرتے ہیں۔امانت سے مراد صرف سونا چاندی اور کرنسی کی حفاظت نہیں بلکہ اس سے مراد ہرقسم کی امانت ہے۔بے شک وہ کسی منصب کے حوالے سے عائد ہونے والی ذمہ داری ہو۔ سرور دو عالم ﷺ نے امانت کے تصور کو وسعت دیتے ہوئے ارشاد فرمایاکہ باضابطہ مجالس میں ہونے والی گفتگو بھی امانت ہوتی ہے۔جس طرح ہرقسم کی امانت کا خیال رکھنا فرض اور مومن کی صفت ہے اسی طرح جائز کاموں پر کیے گئے عہد کی ذمہ داری بھی پوری کرنی چاہیے۔عہد سے پہلی مراد عقیدہ توحید کے حوالے سے کیا ہوا وہ عہدہے جو ہر انسان نے عالمِ ارواح میں اپنے رب کے ساتھ کیا تھا (الاعراف:۱۷۲)

اس کے ساتھ وہ عہد وقیود بھی شامل ہیں جو ایک انسان دوسرے کے ساتھ اور ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ کرتی ہے۔لوگوں کے ساتھ کیے ہوئے عہد کی پاسداری کرنے سے مسلمان کو نہ صرف آخرت میں اجر ملے گا بلکہ دنیا میں بھی اچھی شہرت اورلوگوں کا اعتماد حاصل ہوتا ہے جس سے سیاست،تجارت اور معاملات میں فائدہ پہنچتا ہے۔

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْمَجَالِسُ بِالْأَمَانَةِ إِلَّا ثَلَاثَةَ مَجَالِسَ سَفْكُ دَمٍ حَرَامٍ أَوْ فَرْجٌ حَرَامٌ أَوِ اقْتِطَاعُ مَالٍ بِغَيْرِ حَقٍّ)) (رواہ ابو داؤد: باب فی نَقْلِ الْحَدِيثِ ،قال الالبانی ھذا حدیث صحیح)

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجالس امانت ہوا کرتی ہیں۔ مگر تین قسم کی مجالس امانت نہیں ہوا کرتیں ایک وہ جس میں کسی کا ناحق خون بہایا جائے ،جس میں زنا کیا جائے اور وہ جس میں کسی کا مال ناحق کھایا جائے۔''

جنّتی شہادتِ حق پر قائم رہنے والے ہوں گے:

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْكَبَائِرَ فَقَالَ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ فَقَالَ أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ قَالَ شَهَادَةُ الزُّوْرِ))

(رواہ البخاری: کتاب الأدب، باب عقوق الوالدین من الکبائر)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبیرہ گناہوں کا ذکرکرتے ہوئے فرمایا: ''بڑے گناہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ شرک کرنا ،ناحق خون کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا۔''پھرفرمایا: کیا میں تمہیں بڑے گناہ سے آگاہ نہ کروں؟ وہ جھوٹی گواہی دینا ہے۔''

مسائل

۱۔ ایماندا رلوگ امانتوں کی حفاظت کیا کرتے ہیں۔۲۔ نیک لوگ اپنے عہد کی پاسداری کرتے ہیں۔
۳۔ نیک لوگ شہادتِ حق پر قائم رہتے ہیں۔۴۔ ایماندارلوگ ہرطرح اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔
۵۔ جنّتی جنّت میں بڑے احترام واکرام کے ساتھ رہیں گے۔

تفسیر بالقرآن

جنّتیوں کے انعام واکرام:

۱۔ ہم نے اس میں کھجوروں ،انگوروں کے باغ بنائے ہیں اور ان میں چشمے جاری کیے ہیں۔(یٰس:۳۴)
۳۔ یقیناً متقین باغات اور چشموں میں ہوں گے۔(الذاریات:۱۵)۴۔یقیناً متقی نعمتوں والی جنّت میں ہوں گے۔(الطور:۱۷)
۵۔ جنّت میں سونے اور لولو کے زیور پہنائے جائیں گے۔(فاطر:۳۳)
۶۔ جنّت میں تمام پھل دو،دوقسم کے ہوں گے۔(الرحمٰن:۵۲)
۷۔ جنّتی سبز قالینوں اور مسندوں پر تکیہ لگا کر بیٹھے ہوں گے۔(الرحمٰن:۷۶)
۸۔جنّتیوں کوشرابِ طہور دی جائے گی۔(الدھر:۲۱)۹۔ جنّتیوں کو ملائکہ ہرمقام پر سلام عرض کریں گے۔(الزمر:۷۳)

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿٣٦﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ
چنانچہ کیا ہے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا کہ آپ کی طرف تیزی سے دوڑتے آرہے ہیں دائیں سے
وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿٣٧﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ
اور بائیں سے گروہ در گروہ کیا طمع رکھتا ہے ہر شخص ان میں سے یہ کہ وہ داخل کیا جائے گا
جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿٣٨﴾ كَلَّا اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾
نعمت والی جنّت میں ہرگز نہیں بلاشبہ ہم نے پیدا کیا ہے انہیں اس چیز سے جسے وہ جانتے ہیں

”پس اے نبی ان لوگوں کو کیا ہے کہ آپ کی طرف دوڑے آرہے ہیں۔(٣٦) دائیں اور بائیں سے گروہ در گروہ۔(٣٧) کیا ان میں سے ہر ایک یہ لالچ رکھتا ہے کہ وہ نعمت بھری جنّت میں داخل کر دیا جائے گا۔(٣٨) ہرگز نہیں جس چیز سے ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اسے وہ جانتے ہیں۔(٣٩)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ایمانداروں کو جنّت کی خوشخبری سنانے پر کفار کا ردِعمل۔

مکی دور میں اسلام کے مخالفوں کا یہ خیال بلکہ یقین تھا کہ نبی علیہ السلام کی دعوت قبولیتِ عامہ نہیں پا سکے گی۔اسی بنا پر اسلام اور مسلمانوں کو اپنے سے حقیر جانتے اور ان لفاظ کے ساتھ نبی علیہ السلام اور مسلمانوں کو مذاق کیا کرتے تھے۔

”جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں ہاں یہ شخص ہے جسے ”اللہ“ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟“ (الفرقان:٤١)

﴿وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ﴾ (الانعام:٥٣)

”اور اسی طرح ہم نے ان کے بعض کو دوسرے کے ساتھ آزمائش میں ڈالا تاکہ وہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے احسان فرمایا ہے؟ کیا اللہ شکر کرنے والوں کو زیادہ جاننے والا نہیں؟“

اس کسم پُرسی کے دور میں مسلمانوں کو یہ بشارت دی گئی کہ جن میں یہ اوصاف پائے جائیں گے وہ جنت میں عزت و اکرام کے ساتھ رکھے جائیں گے۔جونہی یہ خوشخبری نازل ہوئی تو کفار کی حالت یہ تھی کہ نبی علیہ السلام کی طرف دوڑتے ہوئے آئے اور آپ کے دائیں بائیں جمع ہوکر اس بات کا دعویٰ کرنے لگے کہ ہم مسلمانوں سے دنیا میں بہتر ہیں اور آخرت میں بھی بہتر ہوں گے اور جنّت میں ضرور داخل ہوں گے۔کفار کے دعوے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ وہ جنّت میں داخل ہوں، بے شک ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا اور دعویٰ کرتا ہے کہ وہ جنّت میں داخل ہوگا۔ مشرقوں اور مغربوں کے رب کی قسم! ہم اس بات پر طاقت رکھتے ہیں کہ انہیں تہس نہس کرکے ان کی جگہ

فَلَآ اُقۡسِمُ بِرَبِّ الۡمَشٰرِقِ وَالۡمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوۡنَ ۝۴۰ عَلٰۤى اَنۡ

چنانچہ نہیں قسم کھاتا ہوں میں رب کی مشرقوں اور مغربوں کے یقیناً ہم قادر ہیں اس بات پر کہ

نُّبَدِّلَ خَيۡرًا مِّنۡهُمۡ ۙ وَمَا نَحۡنُ بِمَسۡبُوۡقِيۡنَ ۝۴۱ فَذَرۡهُمۡ

ہم بدلے دیں بہتر ان سے اور نہیں ہیں ہم آگے بڑھنے والے لہٰذا اب آپ انہیں چھوڑ دیں

يَخُوۡضُوۡا وَيَلۡعَبُوۡا حَتّٰى يُلٰقُوۡا يَوۡمَهُمُ الَّذِىۡ يُوۡعَدُوۡنَ ۝۴۲

وہ مشغول رہیں اور کھیلتے رہیں یہاں تک کہ وہ ملاقات کریں اپنے اس دن سے جس کا وہ وعدہ دیے جاتے ہیں

پس نہیں میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی ہم اس پر قادر ہیں۔(۴۰) کہ ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور کوئی ہم سے بازی لے جانے والا نہیں ہوگا۔ (۴۱) لہٰذا انہیں اپنی بیہودہ باتوں اور اپنے کھیل میں پڑا رہنے دیں یہاں تک کہ یہ اپنے اس دن کو پہنچ جائیں جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔" (۴۲)

دوسرے لوگ لے آئیں اور یہ کسی صورت بھی ہمیں عاجز نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر مشرقوں اور مغربوں کا نام لے کر اپنے رب ہونے کی قسم کھائی ہے۔ سورۃ المزمل میں ایک مشرق اور ایک مغرب کا ذکر ہے۔(المزمل: ۹)

سورۃ الرحمٰن میں میں دو مشرقوں اور دو مغربوں کا بیان ہے اور یہاں کئی مشرقوں اور کئی مغربوں کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ سورج نہ ہر روز ایک مقام سے طلوع ہوتا اور نہ ایک مقام پر غروب ہوتا ہے بلکہ ہر روز سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے مقام تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ (الرحمٰن:۱۷) اس حساب سے دو مشرق اور دو مغرب نہیں بنتے بلکہ کئی مشرق اور کئی مغرب بنتے ہیں اس لیے یہاں کئی مشرقوں اور کئی مغربوں کی قسم اٹھائی گئی ہے۔

مسائل

۱۔ کفار دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ جنّت میں داخل ہوں گے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔
۲۔ مشرقوں اور مغربوں کا رب اس بات پر قادر ہے کہ کفار کو ختم کر کے ان کی جگہ اور لوگ لے آئے۔
۳۔ اللہ تعالیٰ ہر کام کرنے پر قادر ہے اسے کوئی بے بس اور عاجز نہیں کر سکتا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (البقرۃ:۲۰)
۲۔ اللہ آسمانوں وزمیں کی ہر چیز کو جانتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(آل عمران:۲۹)
۳۔ تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تمہیں قیامت کے دن جمع فرمائے گا وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(البقرۃ:۱۴۸)
۴۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے عذاب دے جسے چاہے معاف کردے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(البقرۃ:۲۸۴)

يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ	مِنَ الْاَجْدَاثِ	سِرَاعًا	كَاَنَّهُمْ	اِلٰى نُصُبٍ
جس دن وہ نکلیں گے	قبروں سے	دوڑتے ہوئے	گویا کہ وہ	بتوں (استھانوں) کی طرف
يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾	خَاشِعَةً	اَبْصَارُهُمْ	تَرْهَقُهُمْ	ذِلَّةٌ
دوڑ رہے ہیں	جھکی ہوں گی	ان کی نگاہیں	ڈھانپتی ہوگی ان کو	ذلت
ذٰلِكَ	الْيَوْمُ	الَّذِيْ	كَانُوْا	يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾
یہی ہے	وہ دن	جس کا	تھے وہ	وعدہ دیے جاتے

ع ۲ ۹ ۸

''اس دن یہ اپنی قبروں سے نکل کر تیزی سے اس طرح دوڑے جا رہے ہوں گے جیسے اپنے بتوں کی طرف دوڑ رہے ہوں، ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ (۴۳) ذلت ان پر چھائی ہوگی، یہ وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔'' (۴۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفار اور نافرمان لوگ حقیقت تسلیم نہیں کرتے تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔

نبی مکرم ﷺ انتہائی ہمدردی درد مندی کے ساتھ کفار کو اللہ کی توحید اور اس کے دین کی طرف دعوت دیتے لیکن وہ آپ کے قریب آنے اور آپ کی دعوت قبول کرنے کی بجائے آپ پر مختلف قسم کے الزامات لگاتے اور آپ سے نفرت کا اظہار کرتے تھے۔ جس پر آپ ﷺ کو ارشاد ہوا کہ آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں تاکہ یہ دنیاوی مشاغل میں لگے رہیں۔ یہاں تک کہ انہیں موت آلے یہ اس دن اپنے رب کے حضور پیش ہوں جس دن کا ان کے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ آج آپ کی دعوت سُن کر دور بھاگتے ہیں لیکن جس دن صور پھونکا جائے گا تو یہ اس کی آواز پر اپنی اپنی قبروں سے نکل کر دوڑتے ہوئے اس طرح پہنچیں گے جس طرح وہ اپنے بتوں کی طرف دوڑ رہے ہوں۔ آج یہ نفرت اور حقارت کی بنا پر آپ کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہیں لیکن اس دن ذلّت اور خوف کی وجہ سے ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی اور کہنے والا کہے گا یہ وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا اور تم اس کو جھٹلایا کرتے تھے۔

دوسرے نفخہ کے بعد لوگ قبروں سے نکل کر محشر کے میدان کی طرف اس طرح جائیں گے جیسے شکاری شکار کی طرف دوڑتا ہے یا مشرک اپنے بتوں اور درباروں کی طرف جاتے ہیں۔ اللہ کے باغی قبروں سے نکلتے ہی واویلا کریں گے، ہائے افسوس! ہمیں کس نے قبروں سے نکال باہر کیا ہے۔ قیامت کی ہولناکیوں اور محشر کے میدان میں اکٹھے کیے جانے کا حال دیکھ کر انہیں یقین ہوجائے گا کہ یہی قیامت کا دن ہے جس کا ہمارے ساتھ ربِّ رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور جس کی پیغمبر یاد دہانی کروایا کرتے تھے۔ جس قیامت کے بارے میں یہ لوگ جھگڑتے اور کہتے ہیں کہ یہ کبھی نہیں آئے گی وہ تو اسرافیل کی ایک پھونک کا نتیجہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جوں ہی اسرافیل صور میں پھونک ماریں گے تو زمین میں شدید ترین زلزلے ہوں گے یہاں تک کہ زمین جگہ جگہ سے پھٹ جائے گی

اور ہر کوئی اپنے اپنے مدفن سے نکل کھڑا ہوگا اور سب کے سب ربِّ ذوالجلال کے حضور حاضر ہوجائیں گے ،لوگ پسینے سے شرابور ہوں گے اوراس طرح حواس باختہ ہوں گے جیسے انہوں نے نشہ کیا ہوا ہو۔ یہ حالت ان کی نشہ کی وجہ سے نہیں بلکہ محشر کی سختی اوررب ذوالجلال کے جلال کی وجہ سے ہوگی۔(الحج :۲)اس موقع پر اعلان ہوگا کہ آج کسی پر رائی کے دانے کے برابر ظلم نہیں ہوپائے گا۔(یٰس :۵۴)

((عَنْ عَائِشَۃَ ؓ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ یُحْشَرُالنَّا سُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ حُفَاۃً عُرَاۃً غُرْلًا قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ جَمِیْعًا یَنْظُرُ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ فَقَالَ یَا عَائِشَۃُ اَلْاَمْرُ اَشَدُّ مِنْ اَنْ یَّنْظُرَ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ))(رواہ البخاری : باب کَیْفَ الْحَشْر)

’’حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسولِ معظم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لوگ قیامت کے دن ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بلا ختنہ اٹھائے جائیں گے۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول کیامرد اور عورتیں اکٹھے ہوں گے وہ ایک دوسرے کی طرف نہیں دیکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس دن معاملہ اس کے برعکس ہوگا یعنی کوئی ایک دوسرے کی طرف نہیں دیکھ سکے۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ کی توحید کا انکاراورحق سے انحراف کرنے والے کو بالآخر انہی کی حالت پر چھوڑ دینا چاہیے۔
۲۔ جولوگ اللہ کی توحیداوراس کے دین کا انکار کرتے ہیں قیامت کے دن وہ صور کی آواز پر دوڑتے ہوئے جمع ہوجائیں گے۔
۳۔ اللہ کی توحید اوراس کے دین کا انکارکرنے والوں کی آنکھیں ذلت اورخوف کی وجہ سے جُھکی ہوں گی۔
۴۔ قیامت کا وعدہ سچا ہے جو ہرصورت پورا ہوکر رہے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن لوگوں کا محشر میں اکٹھا ہونا:

۱۔ یقیناً قیامت کے دن اللہ تمھیں جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں۔ (الانعام: ۱۲)
۲۔ آپ فرما دیں تمھارے پہلے اور آخر والے کوضرور اکٹھا کیا جائے گا۔ (الواقعہ: ۴۷ تا ۵۰)
۳۔ پھر ہم تمھیں تمھاری موت کے بعد اٹھائیں گے۔ (البقرۃ: ۵۶)
۴۔ جس دن اللہ رسولوں کوجمع کرے گا۔ (المائدۃ: ۱۰۹)
۵۔ جس دن تم سب کوجمع ہونے والے دن اللہ جمع کرے گا۔ (التغابن : ۹)
۶۔ یہ فیصلہ کا دن ہے ہم نے تمھیں بھی جمع کر دیا ہے اور پہلوں کوبھی۔ (المرسلات: ۳۸)

سورۃ نوح کا تعارف

یہ سورت اسم بامسمّہ ہے کیونکہ اس میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اور اس کے ردّعمل کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے حضرت نوح علیہ السلام کا نام اس سورت میں دو مرتبہ آیا ہے۔ یہ سورت مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس کی اٹھائیس آیات ہیں جو دو رکوع پر مشتمل ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کا دورانیہ ان کے بعد آنے والے تمام انبیاء کرام سے طویل ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال اپنی قوم کو ''اللہ'' کی توحید اور اس کی عبادت کرنے کی دعوت دی اور سمجھایا کہ اے میری قوم اپنے رب کے حضور اپنے گناہوں کی معافی مانگو بے شک وہ توبہ قبول کرنے اور گناہوں کو معاف فرمانے والا ہے۔ توبہ استغفار کے بدلے وہ تمھیں بیٹے دے گا بروقت بارش نازل فرمائے گا اور تمہارے علاقے کو گلشن وگلزار بنا دے گا۔ لیکن قوم نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اپنے چہروں کو چھپا لیا بلکہ انہوں نے کھلے لفظوں میں کہا کہ اے نوح ہم اپنے معبودوں بالخصوص ودّ، یغوث، یعوق، سواعا اور نسر کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ اگر تو اپنی دعوت میں سچا ہے تو ہم پر عذاب نازل کر دے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں بار بار سمجھایا کہ عذاب کا مطالبہ کرنے کی بجائے شرک سے توبہ کرو اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو، اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرما کر اپنی نعمتوں سے تمہیں نوازے گا۔ لیکن قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کو کہا کہ اگر آپ اپنی دعوت سے باز نہ آئے تو ہم تجھے سنگسار کر دیں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس صورت حال میں بے حد مجبور ہو کر فریاد کی کہ اے میرے رب میری قوم نے یکسر طور پر مجھے مسترد کر دیا ہے اور جو بھی ان کی نسل سے پیدا ہو گا وہ فاسق اور فاجر ہی پیدا ہو گا۔ اس لیے میری تیرے حضور فریاد ہے کہ اب اس قوم کو تباہ و برباد کر دے اے بار الٰہا جب تیرا عذاب نازل ہو تو مجھے اور میرے والدین اور جو بھی مومن مرد اور عورت میرے گھر میں داخل ہو اسے محفوظ فرما۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بدعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر بارشوں کا ایسا سلسلہ شروع کیا کہ پانی پہاڑوں کی چوٹیوں سے اُوپر بہنے لگا سورۃ القمر میں ارشاد ہوا کہ ہم نے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور جگہ جگہ زمین میں چشمے جاری ہو گئے۔ جس کے نتیجے میں قومِ نوح غرق ہوئی اور اسے عبرت کا نشان بنا دیا گیا۔

سُوۡرَةُ نُوۡحٍ مَکِّیَّةٌ — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — رُکُوۡعُھَا: ۲ اٰیَاتُھَا: ۲۸

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

اِنَّاۤ	اَرۡسَلۡنَا	نُوۡحًا	اِلٰی قَوۡمِہٖۤ	اَنۡ	اَنۡذِرۡ	قَوۡمَکَ	مِنۡ قَبۡلِ	
بلاشبہ ہم نے	بھیجا	نوح کو	اس کی قوم کی طرف	یہ کہ	ڈرائے	اپنی قوم کو	اس سے پہلے	
اَنۡ	یَّاۡتِیَھُمۡ	عَذَابٌ	اَلِیۡمٌ ﴿۱﴾	قَالَ	یٰقَوۡمِ	اِنِّیۡ		
کہ	آئے ان کے پاس	عذاب	دردناک	اس نے کہا	اے میری قوم	یقیناً میں		
لَکُمۡ	نَذِیۡرٌ	مُّبِیۡنٌ ﴿۲﴾						
تمہیں	ڈرانے والا ہوں	واضح						

’’ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تاکہ اپنی قوم کو ڈرائیں اس سے قبل کہ ان پر ایک دردناک عذاب آئے۔(۱) اس نے کہا اے میری قوم میں تمہیں واضح طور ڈرانے والا ہوں۔‘‘(۲)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورۃ المعارج کے آخر میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو بُرے لوگوں کو ختم کر کے نیک لوگ لے آئے۔ سورۃ نوح میں اس کا عملی ثبوت دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قومِ نوح کو کس طرح ہلاک کیا اور نیک لوگوں کو آباد فرمایا اور انہیں ترقی دی۔ اس لیے المعارج کے بعد سورہ نوح کو رکھا گیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا نسب نامہ اس طرح ہے نوح علیہ السلام بن لامک بن متوشلخ بن خنوخ (ادریس علیہ السلام) بن یرد بن مھلاییل بن قینن بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آدم علیہ السلام نبی تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں! ان سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا۔ پھر اس نے سوال کیا کہ آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان کتنی مدت ہے آپ نے فرمایا دس قرن (صحیح ابن حبان)

قرن سے مراد اہل علم نے ایک نسل یا ایک صدی لی ہے ایک صدی یعنی سو سال نہیں ہو سکتے کیونکہ حضرت آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان کئی نسلیں گزری ہیں لہٰذا نسل مراد لی جائے تو آدم علیہ السلام کی وفات اور نوح علیہ السلام کی پیدائش کے درمیان ہزار وں سال کی مدت بنتی ہے۔ کیونکہ پہلے لوگوں کی عمر صدیوں پر محیط ہوا کرتی تھی جس بنا پر حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان ہزاروں سال کا وقفہ ثابت ہوتا ہے، بہر حال اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو اس وقت نبوت سے سرفراز فرمایا جب ان کی قوم کے لوگ مجسموں کے پجاری بن چکے تھے۔

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ

یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو وہ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہ

وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ

وہ تمہیں مہلت دے گا ایک وقتِ مقرر تک بلاشبہ اللہ کا مقرر وقت جب آتا ہے

لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ

نہیں وہ مؤخر کیا جاتا کاش کہ ہوتے تم جانتے اس نے کہا اے میرے رب بلاشبہ میں نے

دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا

دعوت دی اپنی قوم کو رات اور دن بس نہیں زیادہ کیا انہیں میری دعوت نے مگر

وقف لازم

”یہ کہ تم اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔(۳) اللہ تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا اور تمہیں ایک وقت مقرر تک مہلت دے گا، حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آتا ہے تو پھر ٹالا نہیں جاتا کاش اس کو جان جاؤ۔(۴) اس نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو شب و روز دعوت دی۔(۵) مگر میری دعوت نے اضافہ ہی کیا ہے

فہم القرآن

ربطِ کلام: نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بار بار سمجھایا کہ اے میری قوم شرک اور اللہ کی نافرمانی سے تائب ہو کر اللہ کی بندگی کرو اور میری اطاعت کرتے رہو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تمہارے گناہ معاف فرمائے گا اور تمہیں عافیت کی زندگی عطا کرے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اور ہر قسم کے شرک سے باز آؤ اور میری اطاعت قبول کرو۔ اس کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تمہیں وقتِ مقررہ تک مہلت دے گا۔ وقتِ مقرر سے مراد ہر انسان کی موت ہے اگر اس سے مراد کسی قوم یا برادری اور جماعت کا مقرر وقت سمجھا جائے تو اس سے مراد اس کا وہ دور ہے جس میں وہ دوسری برادری یا قوم پر حکومت کرتی ہے وہ دور خیر وعافیت اور عزت واقبال کے ساتھ گزرتا ہے۔ عبادت کا مفہوم جاننے کے لیے سورہ الذاریات آیت ۵۶ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں!

یاد رکھو! کہ جب اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا وقت یعنی اس کا عذاب آتا ہے تو پھر اس میں تاخیر نہیں کی جاتی۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال اپنی قوم کو رات اور دن، صبح اور شام، انفرادی اور اجتماعی، خفیہ اور اعلانیہ سمجھایا مگر وہ لوگ آپ کی دعوت پر غور کرنے کی بجائے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے اور اپنے چہروں کو کپڑوں سے چھپا لیا کرتے تھے، وہ کفر و شرک پر اڑ گئے اور انہوں نے تکبر کرنے کی انتہا کردی۔

((عَنْ أَبِی عُبَیْدَۃَ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ عَنْ أَبِیہِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہُ)) (رواہ ابن ماجۃ : باب ذکر التوبۃ)

فِرَارًا ۝	وَاِنِّيْ	كُلَّمَا	دَعَوْتُهُمْ	لِتَغْفِرَ لَهُمْ	جَعَلُوْٓا
بھاگنے ہی میں	اور بلاشبہ میں نے	جب بھی	دعوت دی ان کو	تا کہ تو بخشے انہیں	انہوں نے ڈال لیں

اَصَابِعَهُمْ	فِيْٓ اٰذَانِهِمْ	وَاسْتَغْشَوْا	ثِيَابَهُمْ	وَاَصَرُّوْا	وَاسْتَكْبَرُوا
اپنی انگلیاں	اپنے کانوں میں	اور انہوں نے لپیٹ لیے	اپنے کپڑے	اور وہ اڑے رہے	اور انہوں نے تکبر کیا

اسْتِكْبَارًا ۝	ثُمَّ	اِنِّيْ	دَعَوْتُهُمْ	جِهَارًا ۝	ثُمَّ	اِنِّيْٓ
تکبر کرنا	پھر	میں نے	انہیں دعوت دی	کھلم کھلا	پھر	بے شک میں نے

اَعْلَنْتُ	لَهُمْ	وَاَسْرَرْتُ	لَهُمْ	اِسْرَارًا ۝
اعلانیہ کہا	ان سے	اور خفیہ کیا	ان سے	بالکل خفیہ

ان کے دور ہونے میں۔(۶) اور جب میں نے ان کو بلایا تا کہ تو انہیں معاف کر دے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اپنے کپڑوں سے منہ ڈھانپ لیے اور اپنی روش پر اڑ گئے اور بڑا تکبر کیا۔(۷) پھر میں نے انہیں کھلم کھلا دعوت دی۔(۸) پھر میں نے علانیہ بھی ان کو تبلیغ کی اور چپکے چپکے بھی سمجھایا۔‘‘(۹)

’’حضرت ابو عبیدہ بن عبداللہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم ﷺ نے فرمایا گناہوں سے توبہ کرنے والا اسی طرح ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔‘‘

مسائل

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی عبادت کرنے کی تلقین کی اور فرمایا کہ اللہ سے ڈر کر کفر و شرک چھوڑ دو۔

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے اس لیے انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ میری اطاعت کرو۔

۳۔ نوح علیہ السلام نے قوم کو سمجھایا کہ اللہ کی عبادت کرنے اور میری اطاعت کرنے پر اللہ تعالیٰ اپنے عذاب کو ٹال دے گا۔

۴۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دن اور رات انفرادی اور اجتماعی اعلانیہ اور خفیہ طور پر دعوت دی مگر انہوں نے اپنے چہروں کو چھپا لیا اور اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔۵۔ قوم نے نوح علیہ السلام کے خلاف بڑی سازشیں اور تکبر کا مظاہرہ کیا۔

تفسیر بالقرآن

حضرت نوح علیہ السلام کی عظیم اور طویل جدوجہد کی ایک جھلک:

۱۔ حضرت نوح نے اپنی قوم کو ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی اور فرمایا کہ شیاطین کی عبادت نہ کرو۔(المومنون:۲۳)

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تم سے کچھ نہیں مانگتا میرا اجر اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔(الشعراء:۱۰۹)

۳۔ حضرت نوح نے فرمایا میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔(ہود:۲۹)(ھود:۳۵)(ہود:۳۱)(یونس:۷۱)

فَقُلْتُ	اسْتَغْفِرُوْا	رَبَّكُمْ	اِنَّهٗ	كَانَ	غَفَّارًا ﴿۱۰﴾	يُّرْسِلِ
چنانچہ میں نے کہا	تم مغفرت مانگو	اپنے رب سے	بلاشبہ وہ	ہے	بڑا بخشنے والا	وہ نازل کریگا
السَّمَآءَ	عَلَيْكُمْ	مِّدْرَارًا ﴿۱۱﴾	وَّيُمْدِدْكُمْ	بِاَمْوَالٍ	وَّبَنِيْنَ	
آسمان سے	تم پر	موسلادھار بارش	اور وہ مدد کرے گا تمہاری	مال کے ساتھ	اور بیٹوں کے ساتھ	
وَ	يَجْعَلْ	لَّكُمْ	جَنّٰتٍ	وَّيَجْعَلْ	لَّكُمْ	اَنْهٰرًا ﴿۱۲﴾
اور	وہ پیدا کرے گا	تمہارے لیے	باغات	اور جاری کرے گا	تمہارے لیے	نہریں

''میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔(۱۰) وہ آسمان سے تم پر خوب بارشیں برسائے گا۔(۱۱) تمہیں مال اور اولاد سے نوازے گا تمہارے لیے باغ پیدا کرے گا اور تمہارے لیے نہریں جاری کر دے گا۔''(۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے ہوئے اس کے حضور توبہ استغفار کرنے کا حکم دیا، اور اس کے دنیا اور آخرت کے فائدے بتلائے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے توحید و رسالت کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ سے ڈر جاؤ! اس سے ڈرنے کا حقیقی تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے گناہوں سے توبہ کرے یعنی آئندہ گناہ کرنے سے رُک جائے۔ قومِ نوح کا سب سے بڑا گناہ ''اللہ'' کے ساتھ شرک کرنا تھا، جس سے حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں بار بار منع کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو استغفار کا فائدہ بتلاتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے استغفار کرنے پر تمہارا رب تمہارے سابقہ گناہوں کو معاف فرما دے گا، دنیا میں اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ضرورت کے مطابق بارش برسائے گا تمہیں مال دے گا، بیٹے عطا فرمائے گا اور تمہیں باغ باغیچے دے گا، ان میں نہریں جاری ہوں گی ان باغات سے مراد جنّت کے باغات بھی ہیں اور دنیا کے باغات بھی۔

امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بارش ہوئے ایک عرصہ گزر چکا تھا۔ لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ بارش کے لیے دعا کریں۔ امیر المومنین ہاتھ اٹھا کر بارش مانگنے کی بجائے بار بار توبہ استغفار کرتے رہے کسی نے عرض کی کہ آپ نے بارش کی دعا کی ہی نہیں۔ فرمایا آپ نے قرآن نہیں پڑھا سورۃ نوح علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ نے توبہ استغفار کے بدلے بارش کا وعدہ فرمایا ہے۔

﴿اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًاo يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًاo﴾ (نوح: ۱۰، ۱۱)

''اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارش برسائے گا۔''

تاریخ کی نامور شخصیت مشہور ترین تابعی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ جن کی والدہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مکرمہ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ تھیں۔ اس لیے حسن بصری رحمہ اللہ کو بچپن میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی رضاعت کی سعادت حاصل ہے حسن بصری رحمہ اللہ بلوغت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی تربیت میں رہے۔

ان کے پاس یکے بعد دیگرے تین آدمی حاضر ہوئے ایک نے نرینہ اولاد، دوسرے نے غربت وافلاس کی شکایت کی اور تیسرا بارش کی دعا کروانے کے لیے حاضر ہوا۔ آپ نے تینوں حضرات کو کثرت کے ساتھ توبہ استغفار کرنے کا حکم فرمایا۔ بعد ازاں ان کے ایک عزیز نے پوچھا کہ آپ نے مختلف حاجات اور مشکلات کے حل کے لیے صرف ایک ہی وظیفہ بتایا ہے حضرت بصری رحمہ اللہ نے مندرجہ بالا آیات تلاوت کی۔

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ننانوے قتل کیے پھر وہ توبہ کے لیے کسی راہب کے پاس گیا، اس نے کہا کہ تیری توبہ کسی صورت قبول نہیں ہوسکتی، اس نے طیش میں آکر راہب کو بھی قتل کر دیا، اس کے بعد وہ کسی دوسرے عالم دین کے پاس گیا۔ اس نے کہا کہ آپ کی توبہ قبول ہوسکتی ہے (لیکن آپ کو توبہ پر قائم رہنے کے لیے) اپنا علاقہ چھوڑ دینا چاہیے وہ اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوا، راستے میں اس کو موت نے آلیا، وہ منہ کے بل نیچے گرا، اس صورت حال میں رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں سے ہر کوئی اس کی روح کو اپنی طرف لے جانے کے لیے تکرار کررہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے منزل مقصود والے حصے کو حکم دیا کہ وہ سکڑ جائے، جب ملائکہ نے دونوں طرف سے زمین کی پیمائش کی تو وہ اپنی منزل کی جانب صرف ایک بالشت قریب تھا، اس طرح دوزخ کے فرشتے ناکام ہوئے اور وہ اللہ کی جنت میں داخل ہوگیا۔“ (رواہ البخاری: باب التوبۃ والإستغفار)

مسائل

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو استغفار کرنے کا حکم دیا۔

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتلایا کہ استغفار کے بدلے اللہ تعالیٰ بروقت بارشیں نازل فرمائے گا۔

۳۔ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ استغفار کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہیں مال، اولاد اور بیٹے عطا فرمائے گا۔

تفسیر بالقرآن

توبہ واستغفا کا حکم اور اس کے فائدے:

۱۔ توبہ کرنا مومن کا شیوہ ہے۔ (التوبہ:۱۱۲) ۲۔ توبہ کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔ (البقرۃ:۲۲۲)

۳۔ توبہ قبول کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ (البقرۃ:۱۶۰) ۴۔ توبہ کرنے والے کامیاب ہوں گے۔ (القصص:۶۷)

۵۔ توبہ کرنے والوں کے لیے فرشتے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ (المؤمن: ۷تا۹)

۶۔ توبہ کرنے والے کے گناہ نیکیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ (الفرقان: ۷۰)

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ

کیا ہے تمہیں تم خیال نہیں رکھتے اللہ کے لیے وقار کا حالانکہ اس نے پیدا کیا ہے تمہیں

اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾

مختلف مراحل میں کیا نہیں دیکھا تم نے کس طرح اللہ نے پیدا کیے سات آسمان اوپر نیچے

وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ

اور اس نے بنایا چاند کو ان میں نور اور اس نے بنایا سورج کو چراغ اور اللہ ہی نے تمہیں اُگایا ہے

مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾

زمین سے اُگانا پھر وہ تمہیں لوٹائے گا اس میں اور وہ نکالے گا تمہیں نکالنا

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ ع ۱ ۹

اور اللہ نے بنایا تمہارے لیے زمین کو بچھونا تا کہ تم چلو اس کی کشادہ راہوں میں

”تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے وقار کا خیال نہیں رکھتے؟(۱۳) حالانکہ اس نے تمہیں مختلف مراحل سے گزار کر پیدا کیا ہے۔(۱۴) کیا دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کس طرح تہہ بہ تہہ سات آسمان بنائے ہیں۔(۱۵) اور ان میں چاند کو روشن اور سورج کو چمکتا ہوا چراغ بنایا ہے۔(۱۶) اور اللہ نے تم کو زمین سے اُگایا ہے۔(۱۷) پھر وہ تمہیں اسی زمین میں واپس لے جائے گا اور پھر اس زمین سے تم کو نکالے گا۔(۱۸) اور اللہ نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنا دیا ہے۔(۱۹) تا کہ تم اس کے کھلے راستوں پر چلو۔“(۲۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کا تعارف ان الفاظ میں کروایا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال اپنی قوم کو جو تبلیغ فرمائی اس کا خلاصہ اس سورت میں ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا مرکزی نقطہ اللہ کی توحید کی دعوت دینا اور لوگوں کو شرک سے منع کرنا تھا۔ توحید کی دعوت دیتے ہوئے انہوں نے ایسے دلائل دیئے کہ جن سے انکار کرنا کسی مشرک اور کافر کے بس کی بات نہیں لیکن اس کے باوجود کفار اور مشرکین نے ان کی دعوت کو مسترد کر دیا۔ جس پر حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے وقار اور جلال کا احترام نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کے وقار کا تقاضا ہے کہ تم بتوں اور دیگر چیزوں کی عبادت چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سال کی محنت کے باوجود وہ لوگ شرک سے باز نہ آئے۔ یہی ہر دور کے مشرک کا وطیرہ رہا ہے کہ جو احترام اور آداب صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہونے چاہئیں مشرک دوسروں کو دیتے ہیں اور ان کے سامنے جھکتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف حالتوں سے گزار کر اشرف المخلوق بنایا ہے۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا وقار اور جلال

جاننا چاہتے ہو تو غور کرو! کہ اس نے کس طرح تہہ بہ تہہ سات آسمان پیدا کیے، اسی نے چاند کو منور کیا اور سورج کو چمکتا ہوا بنایا۔ اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا، پھر اسی میں تمہیں لوٹائے گا اور پھر اسی سے تمہیں دوبارہ پیدا کرے گا۔ اسی ذات نے زمین کو فرش بنایا اور پھر زمین میں کشادہ راستے بنائے تاکہ تم ایک جگہ سے دوسری جگہ جاسکو۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بڑے سادہ اور ٹھوس دلائل کے ساتھ اپنی قوم کو ''اللہ'' کی توحید اور اس کی بندگی کرنے کی دعوت دی، مگر قوم نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈل لیں اور اپنے چہروں کو ان سے چھپا لیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کی توحید کے وہ دلائل دیئے جن کی تفصیل کے لیے ہر نبی کی شریعت اور قرآن مجید میں درجنوں دلائل موجود ہیں مگر ہر دور کا مشرک ان دلائل کو ماننے کے باوجود اللہ کی ذات اور اس کی صفات کو اس طرح ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا جس طرح اس نے ماننے کا مطالبہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور بات کو اس کے تقاضوں کے ساتھ نہ ماننے والا اللہ تعالیٰ کے وقار اور احترام کا انکار کرتا ہے۔ حالانکہ اس کے وقار اور جلال کا تقاضا ہے کہ اس کی ذات اور صفات کو ہر اعتبار سے وحدہٗ لاشریک سمجھا جائے، اس کی بندگی کا تقاضا ہے کہ صرف اسی کے سامنے جھکا جائے اور اسی کے قانون کی تابع داری کی جائے اور اس کی ذات، صفات میں کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے باقی انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اس لیے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے۔

((عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ قَالَ :سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ فَلَمَّا بَلَغَ هَذِهِ الآيَةَ ﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ بَلْ لاَ يُوقِنُونَ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُسَيْطِرُونَ﴾ كَادَ قَلْبِي أَنْ يَطِيرَ))

(رواہ البخاری : باب وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب)

''حضرت محمد بن جبیر بن مطعم اپنے والد سے بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں سورۃ طور سنی جب آپ اس آیت پر پہنچے۔ ''کیا یہ کسی خالق کے بغیر پیدا ہوگئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے آپ کے خالق ہیں؟ یا زمین اور آسمانوں کو انہوں نے پیدا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ یقین نہیں رکھتے، کیا تیرے رب کے خزانے ان کے قبضے میں ہیں؟ یا اُن پر ان کا کنٹرول ہے؟'' قریب تھا کہ میرا دل پھٹ جاتا۔''

مسائل

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی ذات، اس کی صفات اور اس کے ارشادات کا احترام کرنے کا حکم فرمایا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اوپر نیچے سات آسمان پیدا کیے ہیں۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ نے چاند کو منور کیا اور سورج کو چمکنے والا بنایا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین سے پیدا فرمایا ہے۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف مراحل سے گزار کر کامل اور اکمل انسان بنایا ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس زمین میں پیدا کیا پھر اس میں لوٹائے گا اور پھر لوگوں کو اسی سے دوبارہ نکال کھڑا کرے گا۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے زمین کو فرش بنایا اور اس میں کھلے راستے بنائے۔

قَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ اِنَّهُمۡ عَصَوۡنِیۡ وَاتَّبَعُوۡا مَنۡ

کہا نوح نے اے میرے رب بلاشبہ انہوں نے نافرمانی کی میری اور انہوں نے پیروی کی اس کی کہ

لَّمۡ یَزِدۡهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ۚ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوۡا

نہیں زیادہ کیا اس کو اس کے مال نے اور اس کی اولاد نے مگر خسارے میں اور انہوں نے مکر کیا

مَكۡرًا كُبَّارًا ۚ﴿۲۲﴾ وَقَالُوۡا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمۡ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا

مکر بہت بڑا اور انہوں نے کہا تم ہرگز نہ چھوڑنا اپنے معبودوں کو اور ہرگز نہ چھوڑنا تم وَدّ کو

وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا یَغُوۡثَ وَیَعُوۡقَ وَنَسۡرًا ۚ﴿۲۳﴾ وَقَدۡ اَضَلُّوۡا

اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور یعوق کو اور نسر کو اور تحقیق انہوں نے گمراہ کیا

كَثِیۡرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیۡنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ مِمَّا خَطِیۡٓـٰٔتِهِمۡ

کثیر تعداد کو اور نہ زیادہ کر تو ظالموں کو مگر گمراہی میں بوجہ ان کے گناہوں کے

اُغۡرِقُوۡا فَاُدۡخِلُوۡا نَارًا ۙ فَلَمۡ یَجِدُوۡا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

وہ غرق کیے گئے پھر وہ داخل کیے گئے آگ میں تو نہ پایا انہوں نے اپنے لیے سوائے اللہ کے

”نوح نے کہا اے میرے رب انہوں نے میرا انکار کر دیا ہے اور ان کی پیروی کی جن کے مال اور اولاد نے انہیں نقصان میں زیادہ کیا۔(۲۱)ان لوگوں نے بڑا مکر کیا ہے۔(۲۲)انہوں نے کہا ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو اور نہ چھوڑو وَد اور سواع کو، اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو۔(۲۳) انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا ہے اور تو بھی ان ظالموں کو گمراہی کے سوا کسی چیز میں ترقی نہ دینا۔(۲۴)وہ اپنی خطاؤں کی وجہ سے غرق کیے گئے اور آگ میں جھونک دیے گئے۔انہوں نے اپنے لیے اللہ کے سوا

فہم القرآن

ربطِ کلام: حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو مدتِ مدید تک دن اور رات سمجھایا مگر قوم نے کھلے لفظوں میں ان کی دعوت ماننے سے انکار کردیا۔ جس کے نتیجے میں حضرت نوح علیہ السلام نے ان الفاظ میں اپنے رب کے حضور فریاد کی۔

حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو دن اور رات ،جلوت اور خلوت میں اللہ کی طرف بلاتے رہے مگر قوم نے کہا کہ تیرے کہنے پر وَدّ ،سواع ، یغوث ، یعوق اور نسر کو نہیں چھوڑ سکتے۔ یاد رہے یہ اس قوم کے سب سے بڑے بت تھے اور اس قوم کے فوت شدہ بزرگوں کے تخیلاتی مجسمے تھے جو انہوں نے ان کی یاد میں بنائے ہوئے تھے۔قوم نے نوح علیہ السلام کو یہ بھی دھمکی دی کہ اگر تو باز نہ آیا تو ہم پتھر مار مار کر تجھے مار ڈالیں گے۔ (الشعراء:۱۱۶) اس کے ساتھ یہ کہنے لگے کہ اے نوح (علیہ السلام)! تیرے اور ہمارے درمیان جھگڑا طول پکڑ گیا اس لیے جس عذاب کا ہم سے وعدہ کرتا ہے اسے لے آ اگر تو سچا ہے۔ (ہود:۳۲)

اَنۡصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَى الۡاَرۡضِ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ

کوئی مددگار | اور کہا | نوح نے | اے میرے رب | نہ | چھوڑ تو | زمین پر | کافروں میں سے

دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنۡ تَذَرۡهُمۡ يُضِلُّوۡا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوۡۤا

کوئی گھر | بلاشبہ تو نے | اگر | ان کو چھوڑا | وہ گمراہ کریں گے | تیرے بندوں کو | اور نہ | وہ جنم دیں گے

اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغۡفِرۡ لِىۡ وَلِوَالِدَىَّ وَلِمَنۡ

مگر | فاجر | کافر ہی | اے میرے رب | تو میری مغفرت فرما | اور میرے والدین کی | اور اس شخص کی جو

دَخَلَ بَيۡتِىَ مُؤۡمِنًا وَّلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَ لَا

داخل ہو | میرے گھر میں | مومن | اور ایمان والوں کی | اور ایمان والیوں کی | اور | نہ

تَزِدِ الظّٰلِمِيۡنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ع

تو زیادہ کر | ظالموں کو | مگر | تباہی اور ہلاکت میں

کوئی مددگار نہ پایا۔(۲۵) اور نوح نے کہا میرے رب ان کافروں میں سے کوئی زمین پر بسنے والا نہ چھوڑ۔(۲۶) اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی نسل سے جو بھی پیدا ہو گا بُرا اور کافر پیدا ہو گا۔ (۲۷) میرے رب مجھے اور میرے والدین کو اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں مومن کی حیثیت سے داخل ہوا ہے اور سب مومن مردوں اور مومن عورتوں کو معاف فرما دے، اور ظالموں کے لیے ہلاکت کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کرنا۔" (۲۸)

بالآخر حضرت نوح علیہ السلام قوم کے رویے اور کردار سے مجبور ہو کر فریاد کرتے ہیں کہ اے میرے رب میری قوم نے مجھے یکسر طور پر جھٹلا دیا ہے اور یہ اپنے بڑے لوگوں کے پیچھے لگ چکے ہیں جن کے مال اور اولاد یعنی ان کے اسباب اور افرادی قوت نے انہیں آخرت کے نقصان میں ہی آگے بڑھایا ہے۔ انہوں نے دعوتِ توحید اور میرے خلاف بڑی سازشیں اور مجھ پر زیادتیاں کی ہیں۔ انہوں نے ایک دوسرے کو ہمیشہ یہی کہا کہ اپنے معبودوں بالخصوص وُد، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو نہ چھوڑا جائے، الٰہی! انہوں نے بے شمار لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ اے میرے رب! اب ان کافروں میں کوئی بھی زمین پر بسنے والا باقی نہیں رہنا چاہیے اگر تو نے انہیں چھوڑ دیا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتے رہیں گے اور ان سے جو بھی پیدا ہو گا وہ بدکردار اور پرلے درجے کا کافر پیدا ہوگا۔ میرے رب! جب تو ان کی گرفت کرنے پر آئے تو مجھے، میرے والدین اور جو مرد و عورت مجھ پر ایمان لائے ہیں انہیں معاف فرما دے۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے دیگر معبودوں کے ساتھ اپنے لیے پانچ بڑے معبود بنا رکھے تھے جن کے سامنے رکوع و سجود کرتے، نذر و نیاز پیش کرتے اور انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے جن کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کی قوم جن بتوں کی پوجا کرتی تھی یہی بت لوگ عرب میں لے آئے۔ودّ کو دومۃ الجندل والوں نے اپنا معبود بنا لیا اورسواع کو ھذیل والوں نے، یغوث کو مراد قبیلے والوں نے اور ان کے بعد بنی غطیف نے سبا بستی میں جرف مقام پر اور یعوق کو ہمدان والوں نے اورنسر کو قبیلہ حمیر والوں نے ،جوذی الکلاع کی اولاد تھے اپنا معبود بنا لیا۔یہ تمام نام نوح علیہ السلام کی قوم کے برگزیدہ لوگوں کے تھے ،جب وہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم کو القاء کیا۔انہوں نے ان کے مجسموں کو اس جگہ پر نصب کیا ،جہاں بزرگ بیٹھا کرتے تھے اور بتوں کے نام ان کے ناموں پر رکھ دیئے گئے ،پہلے لوگ ان کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے جب پہلے لوگ مر گئے تو ان کے بعدوالوں نے ان مورتیوں کی عبادت شروع کردی۔“(رواہ البخاری: باب ﴿وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ﴾)

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی بدعا کو قبول کیا اوران پر ایسا سیلاب بھیجا کہ انہیں ڈبکیاں دے دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔(تفصیل کے لیے القمر کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔)

مسائل

۱۔ قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کی تابعداری کرنے کی بجائے اپنے لیڈروں اورسرمایہ داروں کی پیروی کی۔

۲۔ قوم نے نوح علیہ السلام کے بارے میں بڑی بڑی سازشیں اور ان پر بہت زیادتی کی۔

۳۔ نوح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں اورراہنماؤں نے اپنی عوام سے کہا کہ وُد،سواع،یغوث ،یعوق اورنسر یعنی خداؤں ہرگز نہ چھوڑنا۔۴۔حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کے ہاتھوں مجبور ہوکر بالآخر ان کے لیے بدعا کی۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی بدعا کے بدلے ان کی قوم کو بدترین سیلاب کے ذریعے ڈبکیاں دے دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔

۶۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے اور اپنے والدین ،مومن مردوں اورعورتوں کے لیے بخشش کی دعا کی۔

تفسیر بالقرآن

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر آنے والے سیلاب کا ایک منظر:

۱۔ نوح علیہ السلام کی قوم ظالم تھی۔(النجم:۵۲)۲۔قوم نوح طوفان کے ذریعے ہلاک ہوئی۔(الاعراف:۱۳۶)

۳۔ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اورتنور ابل پڑا۔ہم نے فرمایا بیڑے میں ہر جنس دو دو جوڑے سے نرومادہ اور اپنے گھر والوں کو سوار کرلو۔(ھود:۴۰)

۴۔ حکم دیا گیا اے زمین !اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جاؤ۔پانی خشک کر دیا گیا اور کام تمام ہوا اور کشتی جودی پہاڑ پر جاٹھہری اور کہا گیا ظالم لوگوں کے لیے دوری ہو۔“(ھود:۴۴)

۵۔ قومِ نوح کو تباہ کرنے کے لیے آسمان سے موسلادھار بارش کے دھانے کھول دیئے گئے۔(القمر:۱۱)

سورۃ الجنّ کا تعارف

یہ سورت بھی اسم بامسمّہ ہے اس لیے کہ اس میں جِنّات کا تذکرہ ہوا ہے ،الجنّ کا لفظ اس سورت میں تین مرتبہ آیا ہے۔ اس کی اٹھائیس آیات ہیں جو دو رکوع پر مشتمل ہیں اور یہ سورت مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی۔ نبی علیہ السلام عکاز کی منڈی، بعض مفسرین نے طائف کے سفر سے بعد کا واقعہ لکھا ہے آپ ﷺ ہجرت کے دسویں سال اہل مکہ سے مایوس ہوکر طائف کی طرف گئے تاکہ طائف والوں کو دین کی دعوت دی جائے ، لیکن طائف والوں نے آپ کے ساتھ بدترین سلوک کیا۔ آپ زخمی حالت میں مکہ واپس آرہے تھے کہ راستے میں جِنّات کے ایک وفد نے آپ ﷺ سے قرآن مجید کی تلاوت سنی جونہی انہوں نے قرآن پاک سنا تو وہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے کہ ہم نے قرآن کی صورت میں عجب کلام سنا ہے جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس لیے ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم نے عہد کرلیا ہے کہ ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اس لیے کہ ہمارا رب بڑی شان والا ہے نہ اس کی اولاد ہے اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے۔ اس کے باوجود ہم میں سے بے وقوف اللہ تعالیٰ کے بارے میں مختلف عقائد رکھتے ہیں۔ قرآن مجید سننے سے پہلے ہمارا خیال تھا کہ جن اور انسان اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں بول سکتے مگر قرآن مجید کی تلاوت سننے سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ بے شمار جن اور انسان اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ بولتے ہیں۔ ہم نے ایک اور بات محسوس کی ہے کہ اب ہم میں کوئی بات سننے کے لیے آسمان کی طرف چڑھتا ہے تو ایک بڑھکتا ہوا شعلہ اس کا تعاقب کرتا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی انقلاب آنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے جنات کے خیالات ذکر کرنے کے بعد نبی علیہ السلام کو ’’قل‘‘ کا لفظ بول کر درجہ ذیل ہدایات سے سرفراز فرمایا:

۱۔اے نبی ﷺ حالات جیسے بھی ہو جائیں آپ یہی کہیں اور دعوت دیتے رہیں کہ میں صرف اپنے رب کی عبادت کروں گا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤں گا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نفع نقصان اور ہدایت دینے کا اختیار نہیں ہے۔

۳۔اے لوگو! اگر اللہ تعالیٰ میری گرفت کرنے پر آئے تو مجھے بھی کوئی نہیں بچا سکتا، یاد رکھو جو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

۴۔اے لوگو! میں نہیں جانتا کہ جس چیز کا تمھارے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کی لمبی مدت مقرر کی رکھی ہے حقیقت یہ ہے کہ وہی غائب کو جاننے والا ہے اس کے سوا کوئی بھی غائب نہیں جانتا الّا یہ کہ جتنا چاہے وہ اپنے رسول کو بتا دیتا ہے۔

سُورَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ٢ اٰيَاتُهَا: ٢٨

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

قُلْ	اُوْحِيَ	اِلَيَّ	اَنَّهُ	اسْتَمَعَ	نَفَرٌ	مِّنَ الْجِنِّ
فرما دیجیے	وحی کی گئی ہے	میری طرف	یہ کہ	غور سے سنا	ایک جماعت نے	جنّوں میں سے
فَقَالُوْٓا	اِنَّا	سَمِعْنَا	قُرْاٰنًا	عَجَبًا ۝١	يَّهْدِيْٓ	اِلَى الرُّشْدِ
تو انہوں نے کہا	بلاشبہ ہم نے	سنا	قرآن	عجیب	وہ راہنمائی کرتا ہے	حق کی طرف
فَاٰمَنَّا	بِهٖ ۭ	وَلَنْ	نُّشْرِكَ	بِرَبِّنَآ	اَحَدًا ۝٢	وَّاَنَّهُ
سو ہم ایمان لائے	اس پر	اور ہرگز نہیں	ہم شریک ٹھہرائیں گے	اپنے رب کے ساتھ	کسی کو بھی	اور یہ کہ
تَعٰلٰى	جَدُّ	رَبِّنَا	مَا	اتَّخَذَ	صَاحِبَةً	وَّلَا	وَلَدًا ۝٣
بہت بلند ہے	شان	ہمارے رب کی	نہیں	بنائی اس نے	کوئی بیوی	اور نہ	کوئی اولاد

اے نبی فرما دیں کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنّوں کے ایک گروہ نے قرآن کو غور سے سنا اور پھر جا کر اپنے ساتھی سے کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔(١) جو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس لیے ہم اس پر ایمان لے آئے اور اب ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو ہرگز شریک نہیں کریں گے۔(٢) کیونکہ ہمارے رب کی شان بہت اعلیٰ اور ارفع ہے اس نے کسی کو اپنی بیوی یا اولاد نہیں بنایا ہے۔(٣)

فہم القرآن

ربطِ سورت: حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کا مقصد لوگوں کو شرک سے روکنا اور توحید کی دعوت دینا تھا اسی دعوت کے ساتھ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کیے گئے جس کا تذکرہ اس سورت میں جنّات کی زبان سے کیا گیا ہے۔

اہلِ مکہ جب کسی سفر کے دوران صحراء یا جنگل میں پڑاؤ ڈالتے تو قافلے کا ایک فرد کسی اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر آواز دیتا کہ اے جنّات کے سردار ہم نے یہاں پڑاؤ ڈالا ہے، ہماری تجھ سے درخواست ہے کہ اس صحراء میں ہماری حفاظت فرمانا۔ اس عقیدے کی تردید کے لیے نبی علیہ السلام کو ”قُلْ“ کے لفظ کے ساتھ حکم دیا گیا ہے کہ جو واقعہ آپ کے ساتھ پیش آیا ہے آپ یہ واقعہ اور جنّات کا عقیدہ اہلِ مکہ کے سامنے بیان فرمائیں۔ واقعہ اس طرح ہے کہ مکہ سے کچھ دور عکاظ کی منڈی لگتی تھی جو عکاظ بازار کے نام سے مشہور تھی۔ نبی علیہ السلام وہاں تبلیغ کی غرض سے جا رہے تھے کہ راستے میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ باجماعت نماز ادا کی آپ کی تلاوت جنّات کی ایک جماعت نے سنی۔ جنّات نے نبی علیہ السلام کی زبانِ اطہر سے قرآن مجید کی تلاوت سنی تو ان کے کلیجے ہل گئے اور وہ فوری طور پر شرک سے تائب ہو کر مسلمان ہو گئے۔ مفسرین کی دوسری جماعت کا خیال ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے مکہ واپس آ رہے تھے

وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ

اور یہ کہ | کہتے تھے | ہمارے بیوقوف | اللہ پر | جھوٹ | اور یہ کہ ہم نے | گمان کیا

اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ﴿۵﴾ وَّاَنَّهٗ

کہ | ہرگز نہیں | کہیں گے | انسان (جمع) | اور جنّ | اللہ پر | جھوٹ | اور بے شک

كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ

تھے | کچھ لوگ | انسانوں میں سے | وہ پناہ حاصل تھے | لوگوں کی | جنّوں میں سے

فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ﴿۶﴾ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ

سو انہوں نے زیادہ کر دیا انہیں | سرکشی میں | اور بے شک انہوں نے بھی گمان کیا تھا | جیسا کہ | تم نے گمان کیا تھا

اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ﴿۷﴾

یہ کہ | ہرگز نہیں | بھیجے گا | اللہ | کسی کو بھی

اور ہمارے نادان جنّ اللہ کے بارے میں خلاف واقعہ باتیں کرتے رہے ہیں۔(۴)اور بے شک ہم نے سمجھا تھا کہ انسان اور جنّ اللہ کے بارے میں جھوٹ نہیں بول سکتے۔(۵) اور بے شک انسانوں میں سے کچھ لوگ جنّوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ مانگا کرتے تھے، اس طرح انہوں نے جنّوں کا غرور زیادہ کر دیا ہے۔(۶) اور بے شک انسانوں نے بھی وہی گمان کیا جیسا تمہارا گمان تھا کہ اللہ کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجے گا۔‘‘(۷)

تو یہ واقعہ اس وقت پیش آیا تھا۔ غالب بات یہی ہے کہ یہ واقعہ طائف سے واپسی کے وقت پیش آیا کیونکہ طائف والوں نے آپ کی دعوت کو مسترد کیا اور آپ پر بہت زیادتی کی تھی اس لیے آپ کو تسلی دی گئی کہ اگر طائف والوں نے آپ کی دعوت کو نہیں سُنا تو آپ غم زدہ نہ ہوں یہ دعوت ایسی دعوت ہے کہ جس کو جِنّات بھی قبول کرتے ہیں۔ لہٰذا اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی جس میں جِنّات کے تاثرات اور عقائد کا ذکر کیا گیا ہے ’’اَسْتَمَعَ‘‘ کا معنٰی ہے کہ توجہ سے کان لگا کر سننا جونہی جِنّات کی جماعت نے توجہ کے ساتھ قرآن مجید سنا تو انہوں نے اپنے ساتھیوں میں جا کر کہا کہ اے ہمارے ساتھیو! ہم نے ایک عجب قرآن سنا ہے جو بھلائی اور خیر خواہی کی راہنمائی کرتا ہے اس لیے ہم اس پر ایمان لا چکے ہیں۔

ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ہمارا رب بڑی عظمت والا، اعلیٰ اور ارفع ہے۔ وہ ہر قسم کے شرک سے پاک ہے اس لیے نہ اس کی بیوی ہے اور نہ اولاد۔ ہم میں سے جو جِنّات ’’اللہ‘‘ کے ساتھ کسی کو شریک بناتے اور کہتے ہیں کہ اس کی بیوی اور اولاد ہے وہ بیوقوف ہیں وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ کوئی انسان اور جنّ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کی جرأت نہیں کر سکتا اس لیے ہم اس باطل عقیدے میں مبتلا ہو گئے۔ بالخصوص جب انسانوں میں کچھ لوگوں نے جِنّات سے پناہ حاصل کرنے کا عقیدہ اپنایا تو جِنّات سرکشی اور شرک کرنے میں اور زیادہ آگے بڑھ گئے انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ اللہ تعالیٰ اب کوئی نبی نہیں بھیجے

گا۔ان آیات میں جنّات کے حوالے سے سب سے پہلے قرآن مجید کی تاثیر، اس کی عظمت اوردعوت کا ذکرکیا گیا ہے۔قرآن مجید اپنے الفاظ ، اندازِ تکلم اورتاثیر کے لحاظ سے عجب کتاب ہے عجب کے لفظ میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔جس کا مطلب ہے کہ ایسی کتاب جس کا کسی اعتبار سے بھی مقابلہ نہ کیا جاسکے۔اس کتاب کی پہلی دعوت یہ ہے کہ ’’اللہ‘‘ کے ساتھ کسی کوکسی اعتبار سے شریک نہ کیا جائے کیونکہ شرک پرلے درجے کی بیوقوفی اورزیادتی ہے اس لیے جنّات نے شرک کو حماقت اور اسے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کے مترادف قرار دیا ہے۔قرآن مجید کی دعوت قبول کرنے سے پہلے جنّوں کا عقیدہ تھا کہ جنّ اورانسان اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں بول سکتے ،ایمان لانے کے بعدان کا یہ عقیدہ غلط ثابت ہوا کیونکہ ہدایت پانے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ ہم جہالت میں تھے ورنہ جنّ اور انسان اللہ تعالیٰ پر بھی جھوٹ بولتے ہیں۔گویاکہ جس طرح جنّات اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والے ہیں اسی طرح انسانوں میں غیب کی خبریں دینے اورمشکل کشائی کا دعویٰ کرنے والے،کاہن ،سادھو،جوگی، دنیاپرست پیر،فقیر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں اورثواب کا جھانسہ دے کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ ان کے ساتھ وہ علماء بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے اورحماقت کی باتیں کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو داتا اور دستگیر کہتے ہیں اورشرک کی دعوت دیتے ہیں جنّات نے اپنے ساتھیوں کو یہ بھی بتلایا کہ جس طرح انسان سمجھتے ہیں کہ اب اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجنا اسی طرح ہمارا بھی خیال تھا کہ اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ انسانوں کا اور ہمارا یہ عقیدہ بھی غلط ثابت ہوا،ہمیں یقین ہوگیا کہ آسمان کی حفاظت کے لیے جس طرح غیرمعمولی اقدامات کرلیے گئے ہیں یہ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ کوئی اہم ترین واقعہ رونما ہونے والا ہے یعنی نبی مبعوث ہو چکا ہے۔

مسائل

۱۔ قرآن مجید بڑی ہی عظیم کتاب ہے۔۲۔قرآن مجید صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔اس کی سب سے بڑی دعوت ’’اللہ‘‘ کی توحیدکو ماننا اورشرک سے رکنا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی شان بڑی بلندوبالا ہے لہٰذا وہ بیوی اوراولاد سے مبرّا ہے۔

۴۔ جولوگ اللہ تعالیٰ کے شریک ثابت کرتے ہیں وہ حماقت کی بات کرتے ہیں اوراپنے رب پرجھوٹ بولتے ہیں۔

۵۔ جولوگ کسی نہ کسی انداز میں جنّات سے مدد مانگتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے ساتھ جنّات کی بغاوت میں اضافہ کرتے ہیں۔

۶۔ جنّات میں بہت سے جنّات اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے ساتھ نبی علیہ السلام کی رسالت کا انکار کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ پرجھوٹ بولنے والے لوگ:

۱۔ اللہ کے ذمے جھوٹ لگانے والے فلاح نہیں پائیں گے ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔(النحل :۱۱۶۔۱۱۷)

۲۔ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پرجھوٹ باندھتا ہے۔ (الاعراف:۳۷)

۳۔ اس شخص نے نقصان اٹھایا جس نے اللہ پرجھوٹ بولا۔(طٰہٰ:۶۱) (آل عمران :۹۴)

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّشُهُبًا ﴿۸﴾

اور بیشک ہم نے ٹٹولا آسمان کو تو ہم نے اسے پایا بھرا ہوا سخت پہریداروں میں اور شعلوں سے

وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ

یقیناً ہم تھے بیٹھا کرتے اس کے ٹھکانوں میں سننے کے لیے جو کوئی کان لگاتا ہے اب

یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿۹﴾ وَّ اَنَّا لَا نَدْرِیْۤ اَشَرٌّ

وہ پاتا ہے اپنے لیے شعلہ گھات میں اور بیشک ہم نہیں جانتے آیا شر کا

اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ

ارادہ کیا گیا ہے ان کے ساتھ جو زمین میں ہیں یا ارادہ کیا ہے ان کے ساتھ ان کے رب نے

رَشَدًا ﴿۱۰﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا

بھلائی کا بے شک ہم سے نیک ہیں اور کچھ ہم میں سے اس کے علاوہ ہیں تھے ہم

’’اور بے شک ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو دیکھا کہ وہ پہرے داروں اور شہابوں سے بھرا پڑا ہے۔(۸) اور یقیناً پہلے ہم کچھ سننے کے لیے آسمان میں بیٹھنے کی جگہ پا لیتے تھے مگر اب جو سننے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنے لیے گھات میں شہابِ ثاقب پاتا ہے۔ (۹) اور بے شک ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ زمین والوں کے ساتھ کوئی بُرا فیصلہ کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کا رب ان کی راہنمائی کرنا چاہتا ہے۔(۱۰) اور بے شک ہم میں سے کچھ لوگ صالح ہیں اور کچھ بُرے ہیں۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنّات کے واقعہ اور بیان کا ذکر جاری ہے۔

جنّات نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ نبی کے آنے کے بارے میں ہمارا اور انسانوں کا گمان اس لیے غلط ثابت ہوا کہ پہلے ہم آسمان کے قریب جا کر ملائکہ کی کوئی نہ کوئی بات سن لیا کرتے تھے لیکن اب ہم آسمان کے قریب جاتے ہیں تو اسے سخت پہرے داروں اور بھڑکتے ہوئے شعلوں سے بھرا ہوا پاتے ہیں، ہم میں جو بھی سننے کے لیے آسمان کے قریب جاتا ہے تو وہ اپنے تعاقب میں بھڑکتا ہوا شعلہ پاتا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر رہنے والوں کے ساتھ سختی کرنے کا ارادہ کیا ہے یا ان کی راہنمائی کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے۔ ہم میں سے کچھ صالح ہیں اور باقی بُرے ہیں اور ہم نے کئی طرح کے مذہب اختیار کر رکھے ہیں۔ قرآن مجید کی تلاوت سننے کے بعد ہمیں یقین ہوگیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو نہ تو کسی معاملے میں زمین میں عاجز کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس سے بھاگ کر بچ سکتے ہیں اس لیے جونہی ہم نے ہدایت کی بات سنی تو ہم فوری طور پر اس پر ایمان لے آئے، جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے گا اسے نہ کسی نقصان کا خوف ہوگا اور نہ ہی اس پر زیادتی ہوگی۔ ہم میں کچھ مسلمان ہیں اور باقی نافرمان ہیں۔ جنہوں نے اپنے رب کا فرمان تسلیم کر لیا وہ ہدایت کے راستے پر چل پڑے اور جنہوں نے نافرمانی

طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿١١﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ

مختلف طریقوں پر بیشک ہمیں یقین ہو چکا کہ ہرگزنہیں ہم اللہ کو عاجز کر سکیں گے زمین میں

وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿١٢﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا

اور ہرگزنہیں ہم اس کو عاجز کر سکیں گے بھاگ کر اور بیشک ہم نے جب سنی ہدایت ہم ایمان لے آئے

بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا

اس پر چنانچہ جو کوئی ایمان لائے گا اپنے رب پر تو نہیں وہ ڈرے گا کسی نقصان سے اور نہ

رَهَقًا ﴿١٣﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ

ظلم وزیادتی سے اور بیشک کچھ ہم میں سے مسلمان ہیں اور کچھ ہم میں سے ظالم ہیں چنانچہ جو اسلام لائے

فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿١٤﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿١٥﴾

تو انہوں نے تلاش کر لی راہِ حق اور لیکن وہ جو ظالم ہیں تو وہ ہیں جہنّم کا ایندھن

ہم مختلف طریقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔(۱۱) اور بے شک ہم سمجھتے تھے کہ نہ زمین میں ہم اللہ کو عاجز کر سکتے ہیں اور نہ بھاگ کر اسے عاجز کر سکتے ہیں۔(۱۲) اور بے شک ہم نے جب ہدایت کی بات سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے، اب جو کوئی بھی اپنے رب پر ایمان لائے گا اسے کسی حق تلفی یا ظلم کا خوف نہیں ہوگا۔(۱۳)اور بے شک ہم میں سے کچھ تابعدار ہیں اور کچھ حق سے انحراف کرنے والے ہیں۔ جنہوں نے اسلام قبول کر لیا انہوں نے نجات کی راہ پالی۔(۱۴) اور جو حق سے منحرف ہوئے وہ جہنّم کا ایندھن بننے والے ہیں۔“(۱۵)

اختیار کی وہ جہنّم کا ایندھن بنیں گے۔ نبی علیہ السلام کی بعثت سے پہلے جِنّات آسمان کے دروازوں کے قریب جا کر کوئی نہ کوئی بات سن لیا کرتے تھے اور وہ باتیں کاہن قسم کے لوگوں کے دلوں میں ڈالتے تھے۔اس بنا پر کاہن لوگ غیب دانی کا دعویٰ کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو خاتم المرسلین بنایا تو آسمان کی حفاظت کا خصوصی بندوبست فرمادیا تاکہ جِنّات کسی طرح بھی آسمان کی باتیں نہ سن سکیں۔ اس لیے مسلمان ہونے والے جِنّات نے اپنے ساتھیوں کو بتلایا کہ اب آسمان کی حفاظت کے لیے پہرے دار بٹھادیے گئے ہیں اور شہابِ ثاقب ہمارا تعاقب کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو یہ بات بھی سمجھائی کہ ہمیں اپنے رب کی نافرمانی کرنے کی بجائے اس کی تابعداری اختیار کرنی چاہیے۔ کیونکہ جو اپنے رب کی تابعداری اختیار کرے گا اسے نہ کسی نقصان کا اندیشہ ہوگا اور نہ ہی اُسے خوف ہوگا اور جس نے اس کی تابعداری نہ کی اسے جہنّم کا ایندھن بنا ہوگا۔ جِنّات نے اپنے ساتھیوں کو یہ کہہ کر ایمان لانے کی ترغیب دی کہ ایمان لانے میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوگا بلکہ تم اپنے رب پر ایمان لا کر اس کی نعمتوں کے حقدار بن جاؤ گے اور اس کی جہنّم سے محفوظ ہو جاؤ گے۔ بے شک جِنّات آگ سے پیدا کیے گئے ہیں لیکن جہنّم کی آگ کے مقابلے میں ان کی آگ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔اس لیے مسلمان جِنّات نے اپنے ساتھیوں کو جہنّم کی آگ سے ڈرایا تاکہ وہ اپنے رب پر ایمان لے آئیں۔

((عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم خُلِقَتِ الْمَلَائِکَۃُ مِنْ نُورٍ وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَکُمْ)) (رواہ مسلم: باب فِی أَحَادِیثَ مُتَفَرِّقَۃٍ)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملائکہ کو نور سے پیدا کیا گیا ہے اور جنوں کو بھڑکتی ہوئی آگ سے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔“

((عَنْ أَبِی ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ یَبْلُغُ بِہِ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ...... فَیَسْمَعُھَا مُسْتَرِقُو السَّمْعِ وَمُسْتَرِقُو السَّمْعِ ھٰکَذَا وَاحِدٌ فَوْقَ آخَرَ وَوَصَفَ سُفْیَانُ بِیَدِہِ وَفَرَّجَ بَیْنَ أَصَابِعِ یَدِہِ الْیُمْنٰی نَصَبَھَا بَعْضَھَا فَوْقَ بَعْضٍ فَرُبَّمَا أَدْرَکَ الشِّھَابُ الْمُسْتَمِعَ قَبْلَ أَنْ یَرْمِیَ بِھَا إِلٰی صَاحِبِہِ فَیُحْرِقَہُ)) (رواہ البخاری: باب قَوْلِہِ {إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَہُ شِھَابٌ مُبِینٌ})

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اس بات کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی شیاطین آسمان سے چوری چھپے باتیں سنتے ہیں اور اُن کے سننے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کے کندھوں پر سوار ہوتے ہوئے آسمان تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سفیان نے اپنے ہاتھوں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھتے ہوئے اس کو بیان کرتے کیا بسا اوقات سننے والے شیطان پر شہاب ثاقب لپکتا ہے پہلے اس کے کہ وہ اُس بات کو اپنے ساتھی تک پہنچائے وہ اس کو جلا دیتا ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانِ دنیا کی حفاظت کے لیے چوکیدار اور شہابِ ثاقب مقرر کر رکھے ہیں۔

۲۔ نبی علیہ السلام کی بعثت کے بعد جنّات آسمان کی کوئی بات نہیں سن سکتے۔

۳۔ جنّات میں نیک بھی ہوتے ہیں اور گمراہ بھی۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی طاقت کسی معاملے میں بے بس نہیں کرسکتی اور نہ ہی کوئی اللہ کی گرفت سے بھاگ سکتا ہے۔

۵۔ جو شخص اپنے رب پر ایمان لائے گا اسے نہ نقصان ہوگا اور نہ اس پر زیادتی ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (البقرۃ:۲۰)

۲۔ ”اللہ“ آسمانوں وزمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (آل عمران:۲۹)

۳۔ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی اور اس سے نکلتی ہے۔ (الحدید:۴)

۴۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں وزمین کی ہر چیز کو جانتا ہے۔ (المجادلہ:۷) (البقرۃ:۲۸۴)

۵۔ تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تمہیں قیامت کے دن جمع فرمائے گا وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (البقرۃ:۱۴۸)

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾

اور یہ کہ اگر وہ قائم رہیں سیدھے راستے پر البتہ ہم پلائیں گے انہیں پانی وافر

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ

تاکہ ہم انہیں آزمائیں اس میں اور جو کوئی اعراض کرے گا اپنے رب کی نصیحت سے وہ اسے داخل کرے گا

عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾

سخت عذاب میں اور بیشک مسجدیں صرف اللہ کے لیے ہیں لہٰذا نہ پکارو تم اللہ کے ساتھ کسی کو بھی

اور اگر لوگ راہِ راست پر ثابت قدمی سے چلتے تو ہم انہیں خوب سیراب کرتے۔(۱۶) تاکہ اس نعمت سے ان کی آزمائش کریں، اور جو اپنے رب کے ذکر سے منہ موڑے گا اس کا رب اسے سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔(۱۷) اور بے شک مسجدیں اللہ کی ہیں لہٰذا ان میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارا جائے۔(۱۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جِنّات کے خیالات کی تائید قرآن مجید کے الفاظ میں۔

اس سے پہلے ایماندار جِنّات کے خیالات کو قرآن کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اوراب اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام کے ذریعے براہِ راست اپنے بندوں کو سمجھاتا ہے۔ اے نبی علیہ السلام! بتلائیں کہ مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ اگر لوگ صحیح راستے پر چلیں تو اللہ تعالیٰ انہیں کثیر پانی سے سیراب فرمائے گا۔ یاد رہے کہ دنیا کی زندگی اورانسانی وسائل کا تعلق پانی سے ہے اس لیے فرمایا کہ ہم انہیں پانی سے سیراب کریں گے یعنی ان کی روزی اوروسائل میں اضافہ فرمائیں گے۔ انہیں پھر بتلائیں کہ جواللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا وہ اسے سخت ترین عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اے نبی! انہیں یہ بھی بتلائیں کہ مساجد ''اللہ'' کی ہیں ان میں اللہ کے ساتھ کسی اورکی عبادت نہ کی جائے۔ ان کا حال یہ ہے کہ جب اللہ کا بندہ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی عبادت کرنے اوراس کی دعوت دینے کے لیے بیت اللہ میں کھڑے ہوتے ہیں تو یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ٹوٹ پڑتے ہیں تاکہ آپ ڈر کر اللہ کی عبادت اوراس کی توحید کی دعوت چھوڑ دیں۔ اے نبی! ان سے ڈرنے کی بجائے کھلے دل سے اعلان فرماتے جائیں کہ میں صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اوراس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا۔ اے نبی! انہیں یہ بھی فرمائیں کہ اگر میں اللہ کی عبادت اوراس کی دعوت میں کوتاہی کروں تو مجھے اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا اورنہ ہی مجھے اس کے سوا کوئی اورپناہ دکھائی دیتی ہے۔ میرا کام اللہ تعالیٰ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانا ہے لہٰذا یاد رکھو! جو بھی اللہ اوراس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اس کے لیے جہنّم کی آگ ہے اوروہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہے گا، جولوگ اللہ اوراس کے رسول کی نافرمانی پر تُلے ہوئے ہیں ان سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ اس وعدے کو ضرور پالیں گے، پھر انہیں معلوم ہوگا کہ مدد کرنے میں اور افرادی قوت کے اعتبار سے کون کمزور ہے۔ کفار مالی وسائل اورافرادی قوت کی بنیاد پر نبی علیہ السلام کو ڈراتے اور

ع ۱ ۱۹ ۱۱

وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ

اور بیشک جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ وہ پکارتا ہے اس کو قریب تھے وہ کہ ہوں وہ اس پر

لِبَدًا ۱۹ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ

ٹوٹ پڑنے والے فرما دیجیے بس میں تو پکارتا ہوں اپنے رب کو اور نہیں میں شریک ٹھہراتا ہوں

بِهٖٓ اَحَدًا ۲۰ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ

اس کے ساتھ کسی کو بھی فرما دیجیے بلاشبہ میں نہیں اختیار رکھتا تمہارے لیے کسی نقصان کا اور

لَا رَشَدًا ۲۱ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۵

نہ کسی بھلائی کا فرما دیجیے یقیناً ہرگز نہیں پناہ دے گا مجھے اللہ سے کوئی بھی

اور بے شک جب اللہ کا بندہ اس کو پکارنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اس پر ٹوٹ پڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔(۱۹) اے نبی فرما دیں کہ میں تو اپنے رب کو پکارتا ہوں۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔(۲۰) کہو میں تم لوگوں کے لیے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں نہ کسی بھلائی کا۔ (۲۱) کہو مجھے اللہ کی گرفت سے کوئی بچا نہیں سکتا۔

دھمکاتے تھے تاکہ آپ ﷺ توحید کی دعوت لوگوں تک نہ پہنچائیں۔اس پر اللہ تعالیٰ نے بار بار آپ کو ''قل'' کے لفظ سے مخاطب کیا اور حکم فرمایا کہ اے نبی! کہتے جائیں کہ میں اپنے رب کی دعوت اور عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتا اور نہ ہی میں اس کی خدائی میں اختیارات رکھنے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ میری دعوت تو یہ ہے کہ میں نہ تمہارے نفع اور نقصان کا مالک ہوں اور نہ اپنے بارے میں کوئی اختیارات رکھتا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے پکڑنے پر آئے تو مجھے کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور نہ اس کی پکڑ سے مجھے کوئی چھڑ سکتا ہے۔ جہاں تک تمہاری طاقت اور مخالفت کا معاملہ ہے۔ جس دن کی تم تکذیب کرتے ہو اس دن تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے مددگار کتنے کمزور ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طاقت اور لشکروں کے مقابلے میں تم کتنے حقیر اور تھوڑے ہو۔ یہاں فرمایا ہے کہ مساجد اللہ کے لیے ہیں ان میں اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں ہونی چاہیے۔ مشہور تابعی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے پوری زمین کو مسجد بنایا ہے یعنی جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہاں مسلمان نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس لیے اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت کرنا یا کسی سے مدد مانگنا کسی جگہ بھی جائز نہیں۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے تمام انبیاء علیہم السلام پر چھ فضیلتیں عطا کی گئی ہیں: ا۔''مجھے جوامع الکلم کی صلاحیت عطا کی گئی ہے۔ ۲۔اللہ تعالیٰ نے خصوصی رعب اور دبدبہ سے میری مدد فرمائی ہے۔ ۳۔ مال غنیمت میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔ ۴۔ میرے لیے ساری زمین کو پاک اور مسجد بنا دیا گیا۔ ۵۔ مجھے تمام انسانوں کے لیے رسول بنایا گیا ہے۔ ۶۔ مجھ پر سلسلۂ نبوت ختم کر دیا گیا ہے۔'' (رواہ مسلم : کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ)

وَلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ

اور ہرگز نہیں پاؤں گا میں اس کے سوا کوئی پناہ گاہ سوائے پہنچا دینے کے اللہ سے

وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ

اور اس کے پیغامات اور جو کوئی نافرمانی کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی تو بلاشبہ اس کے لیے جہنم کی آگ ہے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ

وہ ہمیشہ رہیں گے اس میں ابد تک یہاں تک کہ جب وہ دیکھیں گے جو وہ وعدہ دیے جاتے ہیں

فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

تو یقیناً وہ جان لیں گے کون کمزور تر ہے باعتبار مددگار کے اور کم تر ہے گنتی میں

اور نہ میں اس کے دامن کے سوا کوئی جائے پناہ پاسکتا ہوں۔(۲۲) میرا کام اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کی بات اور اس کے پیغامات پہنچا دوں۔ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی بات نہ مانے گا اس کے لیے جہنم کی آگ ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔(۲۳) یہ لوگ اپنی اس روش سے باز نہ آئیں گے یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور تعداد میں کون کم ہے۔"(۲۴)

مسائل

۱۔ اللہ کے نبی اپنے رب کی عبادت اور دعوت میں کسی کو شریک نہیں سمجھتے تھے۔

۲۔ اللہ کے نبی لوگوں کے نفع اور نقصان پر اختیار نہیں رکھتے تھے۔۳۔اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کوئی بھی بچا اور پناہ نہیں دے سکتا۔۴۔ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

۵۔ اللہ اور اس کے رسول کے نافرمانوں کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ وسائل اور افرادی قوت کے اعتبار سے کتنے کمزور ہیں۔

تفسیر بالقرآن

نفع اور نقصان کا مالک صرف "اللہ" ہے:

۱۔ کیا تم اللہ کے سوا دوسروں کو خیر خواہ سمجھتے ہو جو اپنے بھی نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں۔(الرعد:۱۶)

۲۔ میں اپنے نفع ونقصان کا بھی مالک نہیں۔ (یونس:۴۹)

۳۔ کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں؟(المائدۃ:۷۶)

۴۔ اگر اللہ تمہیں نقصان میں مبتلا کرنا چاہے تو کون تمہیں اس سے بچائے گا۔ (الفتح:۱۱)

۵۔ (اے نبی کریم ﷺ) آپ فرما دیں کہ میں تمہارے کسی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ (الجن:۲۱)

قُلۡ اِنۡ اَدۡرِیۡۤ اَقَرِیۡبٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ اَمۡ یَجۡعَلُ

فرما دیجیے نہیں جانتا میں آیا قریب ہے وہ جس کا تم وعدہ دیے جاتے ہو یا کر دی ہے

لَہٗ رَبِّیۡۤ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡہِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖۤ

اس کے لیے میرے رب نے لمبی مدت عالم الغیب ہے پس نہیں وہ مطلع کرتا اپنے غیب پر

اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ فَاِنَّہٗ یَسۡلُکُ

کسی کو مگر جسے وہ پسند کرے رسول سے تو بیشک وہ مقرر کرتا ہے

مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ مِنۡ خَلۡفِہٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّیَعۡلَمَ اَنۡ قَدۡ اَبۡلَغُوۡا

اس کے آگے اور اس کے پیچھے محافظ تاکہ وہ جان لے یہ کہ تحقیق انہوں نے پہنچا دیے ہیں

رِسٰلٰتِ رَبِّہِمۡ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَیۡہِمۡ

پیغامات اپنے رب کے اور اس نے احاطہ کر رکھا ہے اس کا جو ان کے پاس ہیں

وَ اَحۡصٰی کُلَّ شَیۡءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

اور اس نے شمار کر رکھا ہے ہر چیز کو گنتی میں

۲ ع ۹ ۱۲

”فرما دیں کہ میں نہیں جانتا جس چیز کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کی لمبی مدت مقرر کر رکھی ہے۔(۲۵) وہ عالم الغیب ہے اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔(۲۶) سوائے اس رسول کے جسے اس نے غیب کا علم دینے کے لیے پسند کر لیا ہو۔ وہ اس کے آگے اور پیچھے محافظ لگا دیتا ہے۔(۲۷) تاکہ وہ جان لے کہ ملائکہ نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے ہیں اور وہ ان کے پورے ماحول کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ہر چیز کو اس نے شمار کر رکھا ہے۔“(۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی آخر الزمان ﷺ کی تشریف آوری کا مقصد لوگوں کو اللہ کی توحید اور اس کے دین سے آگاہ کرنا تھا آپ نے اہل مکہ کو توحید کی دعوت دی تو انہوں نے اسے قبول کرنے کی بجائے بغاوت اور اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا اور گھمنڈ میں آکر آپ ﷺ سے عذاب لانے کا مطالبہ کرنے لگے جس کے جواب میں آپ کو حکم ہوا کہ آپ انہیں فرمائیں عذاب لانا میرے بس کی بات نہیں اور نہ میں یہ جانتا ہوں کہ عذاب کب آئے گا البتہ میرا رب چاہے تو اس عذاب کو جلد یا بدیر نازل کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ جب آپ بُرے لوگوں کو ان کے بُرے انجام سے ڈرتے تو وہ لوگ کفر و شرک چھوڑنے کی بجائے آپ سے مطالبہ کرتے کہ جس عذاب یا قیامت کا ہمیں وعدہ دیا جاتا ہے وہ عذاب اور قیامت کب برپا ہوگی۔ کفار کے اس مطالبے کے جواب میں قرآن مجید نے

کئی دلائل دیئے۔ ان میں سے ایک دلیل اور جواب یہ دیا کہ اے نبی ! انہیں بتلائیں کہ میں نہیں جانتا جس دن کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کی مدت دراز کررکھی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ وہی غیب کے معاملات جاننے والا ہے وہ اپنے غیب کے معاملات کوکسی پر ظاہر نہیں کرتا۔البتہ جس بات کو وہ اپنے رسول کے لیے پسند فرمائے صرف اس بات سے رسول کو آگاہ کرتا ہے۔ جب وہ اپنے غیب کے بارے میں اپنے رسول کو وحی کرتا ہے تو اس وحی کی حفاظت کے لیے اس کے آگے پیچھے نگران مقرر کردیتا ہے تاکہ اس کے سامنے یہ بات واضح ہوجائے کہ ملائکہ نے اپنے رب کے احکام ٹھیک ٹھیک انداز میں اس کے رسول تک پہنچادیئے ہیں۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے اور ہر چیز کا شمار اس کے پاس موجود ہے۔ اس آیت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ'' اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوجائے۔''اس کے مفسرین نے تین مفہوم بیان کیے ہیں۔

۱۔ واضح ہوجائے کہ فرشتے نے اللہ کی وحی اس کے نبی تک پہنچادی ہے۔

۲۔ ثابت ہوجائے کہ نبی علیہ السلام نے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کی حفاظت کا بندوبست اس لیے فرمایا تاکہ ٹھیک طریقے سے نبی تک اس کا پیغام پہنچ جائے۔

کیا انبیائے کرام علیہم السلام غیب جانتے تھے:

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب کی باتیں رسول کے سوا کسی پر ظاہر نہیں کرتا اس سے کچھ لوگوں کو مغالطہ ہوا یا انہوں نے جان بوجھ کر یہ مطلب لیا کہ نبی علیہ السلام غیب جانتے ہیں۔جن لوگوں کو مغالطہ ہوا ان میں تفسیر ضیاء القرآن کے مفسر بھی شامل ہیں۔چنانچہ فرماتے ہیں:

''عَالِمُ الْغَیْبِ'' خبر ہے اوراس کی مبتدا ''ھُوَ'' محذوف ہے یعنی ''ھُوَعَالِمُ الْغَیْبِ'' یہاں مبتدا اورخبر دونوں معرفہ ہیں اس لیے حصر کا معنٰی پایا جائے گا۔یعنی وہی غیب کو جاننے والا ہے۔ اس سے پتہ چل گیا کہ کوئی انسان خواہ وہ کتنا ذہین وفطین ہو،اس کے علم وعرفان کا قیاس کتنا بلند پایا ہواس کے درجات کتنے ہی رفیع ہوں وہ غیب نہیں جان سکتا۔ نہ اپنے حواس سے ،نہ قوت سے ،نہ فراست سے ،نہ علمِ قیاس سے اورنہ عقل سے سوائے اس کے کہ خداوند عالم جو عالم الغیب ہے وہ خود اس کو اس نعمت سے سرفراز فرمادے۔ یہ بھی بتادیا کہ علمِ غیب کے دروازے ہرایرے غیرے کے لیے کھلے نہیں بلکہ وہ صرف ان رسولوں کو اس نعمت سے نوازتا ہے جن کو وہ چن لیا کرتا ہے یہ ہے وہ صاف اورسیدھا مطلب جو اس آیت سے بغیرکسی تکلف کے سمجھ میں آتا ہے۔ (ضیاء القرآن جلد۵،آیت ہذا) بعض حضرات نے رائے ظاہر کی ہے کہ جن علوم غیبیہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو آگاہ کیا ہے وہ فقط علومِ شرعیہ ہیں وہ اس طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علومِ تکوینیہ کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔ میری گزارش ہے کہ ان حضرات نے کیا ''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّھَا'' ارشاد الٰہی نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سب کے سب اسماء سکھا دیئے جب آدم علیہ السلام کی یہ شان ہے جو زمین میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں تو سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو

رحمۃ للعالمین ہیں اور سارے جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم ہیں ان کے علوم و معارف کا کوئی کیسے اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس لیے سلامتی اسی میں ہے کہ ہم آیات کو وہ معانی نہ پہنائیں جن کو ان کے کلمات قبول نہیں کرتے اور سیدھی اور صاف بات جو قرآن نے فرمائی ہے اس کو صدقِ دل سے تسلیم کرلیں کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام غیبوں کو جاننے والا ہے اور اپنے علومِ غیبیہ پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا بجز اپنے رسولوں کے ان کو جتنا چاہتا ہے علوم غیبیہ عطا فرماتا ہے۔ یہ جتنا کتنا ہے ،اس کو اللہ تعالیٰ جس نے دیا ہے اور اس کا رسول ،جس نے لیا ہے وہی بہتر جانتے ہیں یہ حد بندیاں اختراعِ بندہ ہیں۔ (ضیاء القرآن: جلد۵،ص:۳۹۷)

اگر اس آیت کا یہی معنٰی لیا جائے جو موصوف نے لیا ہے تو پھر درج ذیل آیات کا کیا معنٰی ہے۔جس میں نبی علیہ السلام کی زبان سے بار بار اعلان کروایا گیا ہے کہ میں غیب نہیں جانتا ،حقیقت یہ ہے کہ نبی علیہ السلام غیب نہیں جانتے تھے۔ انبیائے کرام علیہم السلام اتنا ہی جانتے تھے جس قدر ان کی طرف وحی کی جاتی تھی۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی وضاحت کروائی گئی کہ میں غیب نہیں جانتا اس کے باوجود کوئی شخص الفاظ کے ہیر پھیر سے ثابت کرنا چاہتا ہے کہ نبی علیہ السلام غیب جانتے تھے تو وہ بتلائے کہ قرآن مجید نے نبی علیہ السلام سے پھر کس غیب کی نفی کروائی ہے۔ اس طرح کی تاویل کرنے والا کھلے الفاظ میں ربِ ذوالجلال کے ارشادات کو جھٹلاتا ہے۔تفسیر بالقرآن کے حوالے ملاحظہ فرمائیں۔

مسائل

۱۔ اللہ ہی غیب جانتا ہے اس کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے غیب کی کچھ باتیں انبیائے کرام علیہم السلام پر وحی فرمائیں۔

۳۔ نزولِ وحی کے دوران ملائکہ کا ایک دستہ وحی کی حفاظت کیا کرتا تھا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم اور قدرت کے ساتھ ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے اور اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا:

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں کے متعلق علم نہ ہوسکا۔ (ھود:۶۹) ۲۔حضرت لوط علیہ السلام فرشتوں کو نہ پہچان سکے۔ (ھود:۷۷)

۳۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سی بھلائیاں جمع کرلیتا۔ (الاعراف:۱۸۸)

۴۔ حضرت نوح نے فرمایا کہ میں غیب نہیں جانتا۔ (ھود:۳۱) ۵۔ نبی کریم غیب نہیں جانتے تھے۔ (الانعام:۵۰)

۶۔ جنات غیب نہیں جانتے۔ (سبا:۱۴) ۷۔اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔(الانعام:۵۹)

۸۔ آپ فرما دیں کہ زمین اور آسمانوں کے غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (النمل: ۶۵)

سورۃ المزّمل کا تعارف

المزّمل کا لفظ اس سورت کی پہلی آیت کا دوسرا لفظ ہے یہ سورت مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی اس کے دو رکوع ہیں جو بیس آیات کا احاطہ کرتے ہیں۔ المزّمل نبی علیہ السلام کا توصیفی نام ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ایک رات آپ ﷺ کپڑا اوڑھ کر آرام فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المزّمل کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں ''اے نبی ﷺ ساری رات سونے کی بجائے رات کے کچھ حصے میں تہجد کی نماز پڑھا کرو اور اس میں ٹھہر ٹھہر کر قرآن مجید کی تلاوت کرو۔ رات کے وقت اٹھنا اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا بے شک بھاری کام ہے لیکن یہ اپنے آپ پر ضبط پیدا کرنے اور قرآن مجید پڑھنے کے لیے نہایت موضوع وقت ہے۔'' اے نبی ﷺ! بے شک نبوت کا کام مشکل ترین کام ہے اس راستے میں مشکلات کا آنا فطری بات ہے۔ مگر آپ کو صبر کرنا ہوگا اس لیے ہر حال میں اپنے رب کو اپنا کفیل سمجھو جو مشرق اور مغرب کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ مشکلات پر صبر کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان ہونے والی کشمکش کا ذکر کیا ہے اور پھر اہل مکہ کو مخاطب فرمایا کہ ہم نے تمھاری طرف اس طرح کا رسول بھیجا تھا جس طرح کا رسول فرعون کی طرف بھیجا تھا۔ فرعون نے اپنے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے پوری سختی کے ساتھ پکڑ لیا لہٰذا فرعون کا انجام اپنے سامنے رکھو اور یاد رکھو کہ تم فرعون اور اس کے ساتھیوں سے طاقتور نہیں ہو۔ جب فرعون اور اس کے ساتھی پکڑے گئے تو انہیں بچانے والا کوئی نہیں تھا جب تمہاری پکڑ کا وقت آئے گا تو تمہیں بھی بچانے والا کوئی نہیں ہوگا اس لیے اپنے آپ کو سیدھے راستے پر ڈال لو ورنہ قیامت کے دن پکڑے جاؤ گے جو حساب وکتاب کا ایسا دن آنے والا ہے جس دن کی شدت اور سختی کی وجہ سے بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو ہر صورت پورا ہو کر رہے گا۔ قرآن مجید بہترین نصیحت ہے مگر اس شخص کے لیے جو اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد ایک مرتبہ پھر تہجد کا ذکر کیا گیا اور حکم فرمایا کہ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو جو کچھ تم اپنے لیے آگے بھیجو گے جو آگے بھیجو گے وہ پورے کا پورا اپنے رب کے پاس پاؤ گے اور اپنے کیے پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو یقیناً وہ معاف کرنے والا اور رحم فرنے والا ہے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ يَقُوْلُ مَنْ يَدْعُوْنِیْ فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِیْ فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِیْ فَأَغْفِرَلَهُ)) (رواه البخاری: باب التحريض علی قيام الليل)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رب تعالیٰ رات کے آخری حصے میں آسمانِ دنیا پر تشریف لاکر فرماتے ہیں: کون ہے مجھ سے طلب کرنے والا میں اسکو عطا کروں اور کون ہے جو مجھ سے بخشش اور مغفرت چاہے میں اسکو بخش دوں۔''

سُورَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ۲ آيَاتُهَا: ۲۰

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

يٰٓاَيُّهَا	الْمُزَّمِّلُ ۝۱	قُمِ	الَّيْلَ	اِلَّا	قَلِيْلًا ۝۲	نِّصْفَهٗٓ	اَوِ	انْقُصْ
اے	کپڑا اوڑھنے والے	قیام کر	رات میں	مگر	تھوڑا سا	رات کا نصف	یا	کم کریں
مِنْهُ	قَلِيْلًا ۝۳	اَوْ	زِدْ	عَلَيْهِ	وَرَتِّلِ	الْقُرْاٰنَ	تَرْتِيْلًا ۝۴	
اس سے	تھوڑا بھی	یا	زیادہ کریں	اس پر	اور پڑھیں	قرآن	ٹھہر ٹھہر کر	

''اے کپڑا اوڑھ کر لیٹنے والے۔(۱) رات کو کم قیام کیا کرو مگر۔(۲) آدھی رات یا اس سے کچھ کم کریں۔(۳) یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دیں، اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔''(۴)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورۃ الجن کے آخر میں یہ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ جو وحی اپنے رسول پر بھیجتا ہے اس کی حفاظت کے لیے اس کے آگے پیچھے پہرے دار مقرر کرتا ہے تاکہ اُس کی وحی من وعن اس کے رسول تک پہنچ جائے۔ الرّسول ﷺ کے منصب کا پہلا تقاضا ہے کہ رسول اس وحی کو یاد رکھے اور اسے لوگوں تک پہنچائے۔ یاد رکھنے کے لیے آپ کو تہجد پڑھنے کا حکم ہوا تاکہ ایک طرف آپ کو قرآن پر غور کرنے کا موقع ملے اور دوسری طرف آپ لوگوں تک پہنچانے کے لیے اپنے آپ پر ضبط کرنے کے عادی ہو جائیں کیونکہ تہجد اس کے آداب کے ساتھ ادا کی جائے تو آدمی کو اپنی طبیعت پر قابو پانا آسان ہو جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ چادر اوڑھ کر آرام فرماتے تھے کہ جبریلِ امین تشریف لائے اورانہوں نے سورہ المزمل کے پہلے رکوع پر مشتمل چند آیات تلاوت کیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بڑے ہی پیارے انداز میں آپ ﷺ کو مخاطب فرمایا کہ اے کپڑا اوڑھنے والے رسول! پوری رات سونے اورآرام کرنے کی بجائے آدھی رات یا اس سے کم قیام کیا کرو بلکہ اس سے کچھ زیادہ کرو اور قیام میں ٹھہر ٹھہر کر قرآن مجید کی تلاوت کرو۔ قیام الیل کے دورانیہ کے لیے تین الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ آدھی رات یا اس سے کم یا اس سے کچھ زیادہ قیام کریں۔آدھی رات یا اس سے کم کی اجازت اس لیے دی گئی تاکہ موسم اورطبیعت کالحاظ رکھتے ہوئے پوری توجہ اوریکسوئی کے ساتھ رات کا قیام ہو سکے۔ تلاوتِ قرآن کابنیادی اصول یہی ہے کہ اسے ٹھہر ٹھہر کر پوری توجہ کے ساتھ پڑھا جائے۔ تہجد میں یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ وقت بڑا ہی سُہانا اور بابرکت ہوتاہے۔ اس میں ٹھہر ٹھہر کرقرآن مجید پڑھا جائے تو انسان کی طبیعت پر بڑے ہی اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اہلِ علم نے ترتیل کا معنٰی یہ لیا ہے کہ جن آیات میں عذاب کا تذکرہ ہوتو ان میں انسان کواپنے رب سے ڈرنا چاہیے اوراس سے پناہ مانگنا چاہیے۔ جن آیات میں اللہ تعالیٰ کی

نعمتوں اوراس کی جنت کا تذکرہ ہوتو ان آیات کی تلاوت کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے التجا کرنی چاہیے، اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے احکام اورارشادات پر بھی غور وفکر کرنا فرض ہے۔

فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز تہجد کی نماز ہے جسے نفل قرار دیا گیا ہے۔نفل کا معنی ہے''زائد چیز'' رسول محترم نے نوافل کا فائدہ ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن فرض نماز کی کمی بیشی نفل نماز سے پوری کی جائے گی۔بعض اہل علم کے نزدیک آپ ﷺ پر پہلے تہجد فرض تھی بعد ازاں اسے نفل قرار دے دیا گیا۔(بنی اسرائیل: ۷۹) تہجد کا لفظ''جہد'' سے نکلا ہے۔جس کا مطلب ہے کوشش کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ''نیند کے بعد بیدار رہنا'' ظاہر ہے یہ کام ہمت اور کوشش کے بغیر نہیں ہوتا اس لیے کچھ اہل علم ضروری سمجھتے ہیں کہ تہجد کچھ دیر سونے کے بعد پڑھنی جائے۔ ان کے بقول سونے سے پہلے پڑھے جانے والے نوافل تہجد شمار نہیں ہوتے لیکن احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آدمی اپنی صحت اور فرصت کے مطابق رات کے کسی حصے میں تہجد پڑھ سکتا ہے۔البتہ اس کا افضل ترین وقت آدھی رات کے بعد شروع ہوتا ہے۔سحری کا وقت حاجات و مناجات اور سکون و اطمینان کے لیے ایسا وقت ہے کہ لیل ونہار کا کوئی لمحہ ان لمحات کا مقابلہ نہیں کرسکتا زمین و آسمان کی وسعتیں نورانی کیفیت سے لبریز ہوتی ہیں۔

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰی كُلَّ لَیْلَةٍ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا حِیْنَ یَبْقٰی ثُلُثُ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ یَقُوْلُ مَنْ یَدْعُوْنِیْ فَأَسْتَجِیْبَ لَهُ مَنْ یَسْاَلُنِیْ فَأُعْطِیَهُ مَنْ یَسْتَغْفِرُنِیْ فَأَغْفِرَلَهُ)) (رواہ البخاری: باب التحریض علی قیام اللیل)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رب تعالیٰ رات کے آخری حصے میں آسمانِ دنیا پرتشریف لاکرفرماتے ہیں: کون ہے مجھ سے طلب کرنے والا میں اسکو عطا کروں اور کون ہے جو مجھ سے بخشش اور مغفرت چاہے میں اسکوبخش دوں۔''

((عَنْ یَعْلَی بْنِ مَمْلَكٍ اَنَّهُ سَأَلَ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ ﷺ عَنْ قِرَاءَ ةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَصَلَاتِهِ ، قَالَتْ مَا لَكُمْ وَصَلَاتِهِ كَانَ یُصَلِّی ثُمَّ یَنَامُ قَدْرَ مَا صَلّٰی ثُمَّ یُصَلِّی قَدْرَ مَا نَامَ ثُمَّ یَنَامُ بِقَدْرِ مَا صَلّٰی حَتّٰی یُصْبِحَ ثُمَّ نَعَتَتْ لَهُ قِرَاءَ تَهُ فَإِذَا هِیَ تَنْعَتُ قِرَاءَ ةً مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا .)) (رواہ النسائی: باب التَّرْتِیلِ فِی الْقِرَاءَ ةِ)

''یعلی بن مملک نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم ﷺ کی قراءت اور نماز کے بارے میں پوچھا تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تمہیں آپ کی نماز سے کیا واسطہ۔نبی ﷺ نماز پڑھتے پھراتنی دیر سوتے جتنی دیر آپ نے نماز پڑھی ہوتی، پھراتنی دیر ہی نماز پڑھتے جتنی دیر آپ نے آرام کیا ہوتا اس طرح پھراتنی دیر ہی آرام کرتے جتنی دیر آپ نے نماز پڑھی ہوتی یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔ پھرآپ ﷺ کی قراءت کے بارے میں فرماتی ہیں کہ آپ بہترین انداز میں،واضح اورحرف حرف کرکے قراءت کیا کرتے تھے۔''

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ يَرْفَعُهُ قَالَ سُئِلَ أَیُّ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ بَعْدَ الْمَكْتُوبَةِ وَأَیُّ الصِّيَامِ أَفْضَلُ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ فَقَالَ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ الصَّلَاةُ فِی جَوْفِ اللَّيْلِ وَأَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ صِيَامُ شَهْرِ اللَّهِ الْمُحَرَّمِ))

(رواہ مسلم : ،باب فَضْلِ صَوْمِ الْمُحَرَّمِ)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور وہ آپ ﷺ سے مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ فرض نماز کے بعد کونسی نماز افضل ہے اور رمضان کے روزوں کے بعد کون سے روزے افضل ہیں۔ آپ نے فرمایا فرض نمازوں کے بعد افضل نماز آدھی رات کے وقت پڑھی جانے والی نماز ہے اور رمضان کے روزوں کے بعد افضل روزہ ماہِ محرم کا روزہ ہے۔''

آپ ﷺ کی تہجد کی کیفیت :

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی معظم ﷺ عشاء کی نماز کے بعد اور فجر سے پہلے گیارہ رکعت ادا کیا کرتے تھے ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے اور ایک وتر ادا کرتے۔ اس قدر لمبا سجدہ کرتے کہ اس دورانیہ میں اگر تم میں سے کوئی پچاس آیات کی تلاوت کرنا چاہے تو کرسکتا۔ جب مؤذن فجر کی اذان کہتا اور صبح نمایاں ہو جاتی تو آپ مختصر دو رکعتیں ادا کرتے اور پھر دائیں جانب چند لمحے لیٹ جاتے پھر مؤذن نماز کی اطلاع کرتا تو آپ ﷺ گھر سے تشریف لے جاتے۔''

(رواہ البخاری : باب ایذان المؤذنین الائمة الصلوٰة)

مسائل

۱۔ اللہ کے نبی کو تہجد پڑھنے کا حکم تھا۔ ۲۔ تہجد کا افضل وقت آدھی رات کے بعد شروع ہوتا ہے۔

۳۔ تہجد میں ٹھہر ٹھہر کر قرآن مجید کی تلاوت کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں تہجد کا تذکرہ:

۱۔ نماز قائم کرو سورج کے ڈھلنے سے لیکر رات تک اور فجر کے وقت قرآن پڑھا کرو۔ (بنی اسرائیل:۷۸)

۲۔ دن کے دونوں کناروں یعنی صبح شام اور رات کی گھڑیوں میں نماز پڑھا کرو۔ (ہود:۱۱۴)

۳۔ سورج طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے اللہ کی تسبیح بیان کرو۔ رات کے کچھ اوقات میں اور نماز کے بعد بھی۔ (ق:۳۹۔۴۰)

۴۔ سورج نکلنے اور غروب ہونے سے پہلے اور رات کے اوقات میں اور دن کے اطراف میں تسبیح و تحمید بیان کیا کریں۔ (طٰہٰ:۱۳۰)

اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡکَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا ۝۵ اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیۡلِ

یقیناً ہم عنقریب ڈالیں گے آپ پر کلام بہت بھاری بلاشبہ اُٹھنا رات کا

ھِیَ اَشَدُّ وَطۡاً وَّاَقۡوَمُ قِیۡلًا ۝۶ اِنَّ لَکَ فِی النَّہَارِ

یہ سخت ہے دبانے میں اور زیادہ درست رکھنے والا بات کو بلاشبہ آپ کے لیے دن میں

سَبۡحًا طَوِیۡلًا ۝۷ وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلۡ اِلَیۡہِ تَبۡتِیۡلًا ۝۸

مصروفیت ہے بہت لمبی اور یاد کیجیے نام اپنے رب کا اور متوجہ ہو جایئے اس کی طرف یکسو ہوکر

رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاتَّخِذۡہُ

رب مشرق اور مغرب کا نہیں کوئی معبود سوائے اس کے بناؤ اسے

وَکِیۡلًا ۝۹ وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَاھۡجُرۡھُمۡ ھَجۡرًا جَمِیۡلًا ۝۱۰

کارساز اور صبر کیجیے اس پر جو وہ کہتے ہیں اور انہیں چھوڑ دیجیے چھوڑ دینا اچھے انداز

’’ہم آپ پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔(۵) درحقیقت یہ ہے کہ رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لیے بہت کارگر اور قرآن پڑھنے کے لیے بہت موزوں ہے۔(۶) دن کے اوقات میں آپ کی بہت مصروفیات ہیں۔(۷) اپنے رب کے نام کو یاد رکھا کرو اور سب سے کٹ کر اُسی کے ہو جاؤ۔(۸) وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ،لہٰذا اُسی کو اپنا کارساز سمجھو۔(۹) اور جو باتیں لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو اور انہیں اچھے انداز میں چھوڑ دو۔‘‘(۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نمازِ تہجد اور اس میں تلاوتِ قرآن کا فائدہ۔

نبوت کا فریضہ تمام کاموں سے مشکل ترین کام ہے کسبِ معاش اور گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ کسی لالچ کے بغیر دن، رات لوگوں کی خدمت کرنا بالخصوص انہیں توحید کی دعوت دینا اور شرک سے منع کرنا انتہائی مشکل اور صبر آزما کام ہے۔ اس کے لیے انتہادرجے کی جفاکشی اور بڑے صبر وحوصلہ کی ضرورت ہے ،صبر و حوصلہ اور جفاکش بننے کے لیے آدھی رات کو اٹھ کر مصلّے پر کھڑا ہونا اور غور وفکر کرتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر قرآن مجید کی تلاوت کرنا اپنے نفس پر قابو پانے کا بہترین طریقہ ہے۔ بشرطیکہ اسے صرف عادت اور عبادت کے طور پر نہیں بلکہ اپنے احتساب اور تربیت کے لیے بھی پڑھا جائے، پھر کوئی وجہ نہیں کہ تہجد گزار شخص میں حوصلہ اور ضبطِ نفس نہ پایا جائے اسی لیے آپ ﷺ کو فرمایا گیا کہ آپ رات کو اٹھا کریں کیونکہ رات کا قیام اور قرآن کی تلاوت نفس پر قابو پانے اور قرآن کو توجہ کے ساتھ پڑھنے کا بہترین وقت ہے۔دن میں اور بھی مشاغل ہوتے ہیں اس لیے طبیعت

میں وہ یکسوئی پیدا نہیں ہوتی جو آدھی رات یا رات کے پچھلے پہر میں پیدا ہوتی ہے۔ بس سب سے کٹ کر اسی کا ذکر کرو! وہی مشرق و مغرب کا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت اور اطاعت کے لائق نہیں وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ بس اسی کو اپنے تمام کاموں اور پوری زندگی کے لیے وکیل سمجھو اور بناؤ! وکیل کا معنیٰ ہے کہ جسے اپنا کام سونپ دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ آدمی اسی کو اپنا کام سونپا ہے جس پر اس کا پورا اعتماد ہوتا ہے کہ وہ میرا کام اچھی طرح کرے گا اسی لیے ارشاد فرمایا کہ جب آپ ﷺ نے اپنے رب کو وکیل بنا لیا تو اب مخالفوں کی مخالفت پر گھبرانے کی بجائے صبر و حوصلہ سے کام لینا اور ان سے بہترین طریقے سے الگ ہو جانا چاہیے۔ الگ ہونے کا یہ مقصد نہیں کہ انہیں سمجھانا نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان سے الجھنے کی بجائے حکمت کے ساتھ سمجھانا اور ان کی بدکلامی اور ایذا پر صبرِ جمیل کرنا چاہیے۔ صبرِ جمیل سے مراد ایسا صبر ہے جس میں کسی قسم کا شکوہ و شکایت نہ پایا جائے۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ أَعْظَمُ أَجْرًا مِّنَ الْمُؤْمِنِ الَّذِىْ لَايُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ))

(رواه ابن ماجة : كتاب الفتن، باب الصبر على البلاء ،هٰذا حديث صحيح)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: جو مومن لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے وہ اس مومن سے زیادہ اجر والا ہے جو نہ لوگوں میں گھل مل کر رہتا ہے اور نہ ان کی دی ہوئی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے۔“

مسائل

۱۔ نفس پر قابو پانے کے لیے تہجد کی نماز بہترین عمل ہے۔

۲۔ تہجد کی نماز میں قرآن پڑھنے کا زیادہ لطف آتا ہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر تعلق سے بے تعلق ہو کر کرنا چاہیے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے سوا مشرق و مغرب میں کوئی الٰہ نہیں لہٰذا اسی کو اپنا کارساز سمجھنا چاہیے۔

۵۔ حق کے خلاف لوگوں کی باتوں پر صبر کرنا چاہیے اور ان سے اچھے انداز میں الگ رہنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی کارساز ہے اور ہر حال میں اسی پر توکل کرنا چاہیے:

۱۔ رسولِ کریم ﷺ کو اللہ پر توکل کرنے کی ہدایت۔ (النمل:۷۹) ۲۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا حکم۔ (المجادلہ:۱۰)

۳۔ انبیاء اور نیک لوگ اللہ ہی پر توکل کرتے اور کرتے ہیں۔ (یوسف:۶۷)

۴۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔ (التوبہ: ۱۲۹)

۵۔ جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اسے کافی ہو جاتا ہے۔ (الطلاق:۳)

وَ ذَرْنِيْ وَ الْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ⑪ اِنَّ لَدَيْنَآ

اور مجھے چھوڑ دیں اور جھٹلانے والے خوش حال لوگوں کو اور انہیں مہلت دیں تھوڑی بلاشبہ ہمارے ہاں

اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ⑫ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ⑬ يَوْمَ

بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی ہوئی آگ اور کھانا گلے میں پھنس جانے والا اور عذاب دردناک جس دن

تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ⑭

لرزے گی زمین اور پہاڑ اور ہو جائیں گے پہاڑ ریت کے ٹیلے بکھرے ہوئے

''ان جھٹلانے والے خوش حال لوگوں سے نمٹنے کا کام آپ مجھ پر چھوڑ دیں اور انہیں کچھ مدت کے لیے اسی طرح رہنے دیں۔ (۱۱) ہمارے پاس ان کے لیے بھاری بھرکم بیڑیاں ہیں۔(۱۲) اور بھڑکتی ہوئی آگ اور حلق میں پھنس جانیوالا کھانا اور دردناک عذاب ہے۔(۱۳) اس دن زمین اور پہاڑ لرز اٹھیں گے اور پہاڑوں کا حال یہ ہو گا کہ جیسے ریت کے بکھرے ہوئے ڈھیر ہیں۔'' (۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی علیہ السلام کو صبر کرنے اور جھگڑا کرنے والوں سے کنارہ کش ہونے کی تلقین کرنے کے بعد آپ کے مخالفین کو زبردست انتباہ۔

قرآن مجید نے توحید، رسالت اور آخرت کے بارے میں سینکڑوں دلائل دیئے مگر پھر بھی اہل مکہ آپ ﷺ کو جھوٹا قرار دیتے تھے۔ اس پر ایک طرف آپ کو صبر کی تلقین کی گئی ہے اور دوسری طرف یہ فرمایا کہ اے نبی! مجھے جھٹلانے والوں سے نبٹ لینے دیں یہ اپنی دولت کے نشے میں مست ہیں انہیں تھوڑی سی مزید مہلت دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر اپنے لیے ''ذَرْنِیْ'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کا معنٰی ہے کہ مجھے چھوڑ دیں تاکہ جو لوگ بالخصوص سرمایہ دار آپ کو جھٹلاتے ہیں ان کے ساتھ نبٹ لوں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کفار سے نبٹنے کے لیے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ یا کسی دوسرے کے ہاتھوں مجبور تھا اور ہے، یہ تنبیہ کا ایک انداز ہے جو ہر زبان میں مخالف کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ مقصد دوسرے کو زبردست انداز میں انتباہ کرنا ہوتا ہے دولت مند سے مراد کوئی خاص شخص نہیں بلکہ اس سے مراد مکہ کے وہ سردار ہیں جو وسائل اور افرادی قوت کی بنا پر اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو حقیر جانتے تھے۔ انہیں بتلایا گیا کہ آخرت میں تمہارا انجام یہ ہوگا کہ ہمارے پاس تمہارے لیے بھاری بھرکم بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی ہوئی آگ اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا اور اذیّت ناک عذاب ہوگا۔ اس دن زمین اور پہاڑ لرزا اٹھیں گے۔ جب بلند وبالا اور مضبوط ترین پہاڑ لرز اُٹھیں گے تو ان کی کیا مجال کے یہ اپنے رب

کے سامنے دم مارسکیں ،اس مقام پر فرمایا کہ پہاڑ ریت کے ٹیلے بن جائیں گے دوسرے مقام پر ارشاد ہوا:

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًاo فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًاo لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا﴾ (طٰہٰ: ۱۰۵ تا ۱۰۷)

’’یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ یہ پہاڑ کہاں چلے جائیں گے فرمادیں کہ میرا رب ان کو دھول بنا کر اڑا دے گا اور زمین کو چٹیل میدان بنا دے گا۔تم زمین میں کوئی اونچ نیچ نہیں دیکھ پاؤ گے۔‘‘

((عَنْ صُهَيْبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ)) (رواہ مسلم: کتاب الزھد والرقائق، باب المؤمن أمره كله خير)

’’حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کے معاملات عجیب ہیں اس کے تمام معاملات میں خیر ہے اور یہ صرف مومن کے لیے ہے اگر اسے آسانی ملتی ہے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے یہ اسکے لیے بہتر ہے اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے یہ بھی اس کے لیے بہتر ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ جھگڑالو لوگوں کے مقابلے میں صبر کرنا چاہیے اوران سے بہترین انداز میں اپنا دامن بچانا چاہیے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے مکذبین کے لیے بیڑیاں اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے۔
۳۔ مکذبین کے لیے بدترین کھانا اوراذیت ناک عذاب تیار کیا گیا ہے۔
۴۔ قیامت کے دن زمین اور پہاڑ اس طرح ہلا دیئے جائیں گے جس سے پہاڑ ریت کے ذرات بن جائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کے نافرمانوں کا انجام:

۱۔ قیامت کے دن مجرموں کو باہم زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا۔ (ابراہیم:۴۹)
۲۔ قیامت کے دن کفار کو طوق پہنا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (الحاقہ:۳۰۔۳۱)
۳۔ قیامت کے دن مجرموں کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھا رہی ہوگی۔ (المعارج:۴۴)
۴۔ قیامت کے دن مجرموں کے اُبرو پاؤں کے انگوٹھے کے بال سے باندھ دیے جائیں گے۔ (الرحمٰن : ۴۱)
۵۔ اس دن آپ دیکھیں گے کہ مجرم اپنے سروں کو جھکائے پروردگار کے سامنے پیش ہوں گے۔(السجدۃ:۱۲)
۶۔ مجرم تھوہر کے درخت سے اپنے پیٹ بھریں گے اور کھولتا ہوا پانی پئیں گے۔ (الصّٰفّٰت:۶۶۔۶۷)
۷۔ بے شک مجرم ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ (الزخرف :۷۴)

اِنَّآ	اَرْسَلْنَآ	اِلَيْكُمْ	رَسُوْلًاۙ	شَاهِدًا	عَلَيْكُمْ	كَمَآ
بلاشبہ ہم نے	بھیجا ہے	تمہاری طرف	ایک رسول	شہادت دینے والا	تم پر	جیسے

اَرْسَلْنَآ	اِلٰى فِرْعَوْنَ	رَسُوْلًاؕ ﴿١٥﴾	فَعَصٰى فِرْعَوْنُ	الرَّسُوْلَ
ہم نے بھیجا	فرعون کی طرف	ایک رسول	پس نافرمانی کی فرعون نے	رسول کی

فَاَخَذْنٰهُ	اَخْذًا	وَّبِيْلًا ﴿١٦﴾
تو ہم نے پکڑ لیا اسے	پکڑنا	بہت سخت

''ہم نے تمہاری طرف اسی طرح کا ایک رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔(۱۵) جب فرعون نے اس رسول کی بات نہ مانی تو ہم نے اس کو بڑی سختی کے ساتھ پکڑ لیا۔''(۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جن مکذبین کو بیڑیوں سے جکڑا جائے گا اوران کو اذّیت ناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا ان میں سرِفہرست فرعون اوراس کے پیروکار ہوں گے۔

سورہ مزمل کی چوتھی آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم آپ پر بھاری فرمان نازل کرنے والے ہیں اس کی تفسیر کرتے ہوئے یہ عرض کی ہے کہ کفار اورمشرکین کے سامنے قرآن مجید کی دعوت پیش کرنا فی نفسہٖ بڑا مشکل اور بھاری کام ہے۔ اس بھاری کام کو آپ ﷺ صبح وشام مکہ اوراس کے گرد ونواح میں سرانجام دے رہے تھے۔ اس کا ردِعمل وہی تھا جس کامظاہرہ فرعون اور اس کے ساتھیوں نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے کیا تھا۔ فرعون اوراس کے ساتھیوں کا انجام بتلانے کے لیے اہلِ مکہ کو براہِ راست مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے تمہاری طرف ایسا رسول مبعوث کیا ہے جیسا رسول فرعون کی طرف مبعوث کیا تھا ،فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی جس کے نتیجے میں ہم نے فرعون اوراس کے ساتھیوں کی سخت ترین گرفت کی۔

﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ (المومن: ٤٦)

'' آلِ فرعون صبح وشام جہنم کی آگ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، اور قیامت کے دن حکم ہو گا کہ آلِ فرعون کوشدید ترین عذاب میں داخل کردو۔''

((عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ قَدْ قُتِلَ أَبُو جَهْلٍ اَوْ قَدْ قَتَلْتُ أَبَا جَهْلٍ قَالَ أَنْتَ رَأَيْتَهُ ؟ قُلْتُ نَعَم قَالَ آللّٰهِ مَرَّتَيْنِ ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاذْهَبْ حَتّٰى أَنْظُرَ إِلَيْهِ

فَذَهَبَ فَأَتَاهُ وَقَدْ غَيَّرَتِ الشَّمْسُ مِنْهُ شَيْئًا فَأَمَرَ بِهِ وَبِأَصْحَابِهِ فَسُحِبُوا حَتَّى أُلْقُوا فِي الْقَلِيبِ قَالَ وَأُتْبِعَ أَهْلُ الْقَلِيبِ لَعْنَةً وَقَالَ كَانَ هَذَا فِرْعَوْنَ هَذِهِ الأُمَّةِ))

(رواہ احمد: باب حدیث العباس، اسنادہ ضعیف)

''حضرت ابو عبیدہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے باپ نے کہا کہ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! ابوجہل قتل ہوگیا ہے یا میں نے ابوجہل کو قتل کردیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو نے اس کو دیکھا ہے؟ میں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے دو مرتبہ اللہ کی قسم کھائی میں نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا میرے ساتھ چلو یہاں تک کہ میں بھی اسے دیکھ لوں۔ آپ چلے، جب اس کی لاش کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ دھوپ کی وجہ سے اس کا رنگ تبدیل ہو چکا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا تو انہیں گندے پانی کے کنویں میں پھینک دیا گیا۔ پھر کنویں والوں پر لعنت کی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ابوجہل اس امت کا فرعون ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کی نبوت کو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے ساتھ مشابہ قرار دیا۔

۲۔ جس طرح فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت اور نافرمانی کی اسی طرح اہلِ مکہ نے نبی علیہ السلام کی مخالفت اور نافرمانی کی۔

۳۔ جس طرح فرعون اور اس کے ساتھیوں کا انجام ہوا بالکل ایسے ہی ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کا بدترین انجام نکلا۔

تفسیر بالقرآن

فرعون اور اس کے ساتھیوں کا انجام:

۱۔ ہم آج تیرے جسم کو بچائیں گے تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے نشان عبرت بنائیں۔(یونس:۹۲)

۲۔ ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کردیا اور آل فرعون کو غرق کیا۔(الاعراف:۶۴)

۳۔ ہم نے فرعونیوں سے انتقام لیا اور انہیں دریا بُرد کردیا۔(الزخرف:۵۵)

۴۔ ہم نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو غرق کردیا۔ (بنی اسرائیل:۱۰۳)

۵۔ ہم نے موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو نجات دی اور آل فرعون کو غرق کردیا۔(الشعراء:۶۶)

۶۔ ہم نے انہیں اور ان کے لشکروں کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا۔(الذاریات:۴۰)

۷۔ قیامت کے دن (فرعون) اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور وہ انہیں دوزخ میں لے جائے گا۔(ہود:۹۸)

فَكَيْفَ	تَتَّقُوْنَ	اِنْ	كَفَرْتُمْ	يَوْمًا	يَّجْعَلُ	الْوِلْدَانَ
پھر کیسے	بچو گے تم	اگر	انکار کیا تم نے	اس دن سے	جو کر دے گا	بچوں کو
شِيْبَا ﴿۱۷﴾	السَّمَآءُ	مُنْفَطِرٌ	بِهٖ	كَانَ	وَعْدُهٗ	مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ
بوڑھا	آسمان	پھٹ جائے گا	اس کے سبب	ہے	اس کا وعدہ	کیا ہوا بلاشبہ
هٰذِهٖ	تَذْكِرَةٌ	فَمَنْ	شَآءَ	اتَّخَذَ	اِلٰى رَبِّهٖ	سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾
یہ	نصیحت ہے	لہٰذ جو	چاہے	پکڑ لے	اپنے رب کی طرف	راستہ

''اگر تم ماننے سے انکار کرو گے تو اس دن سے کیسے بچ سکو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔(۱۷) اور جس کی سختی سے آسمان پھٹ جائے گا بے شک اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہنا ہے۔(۱۸) یہ ایک نصیحت ہے اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کر لے۔''(۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: فرعون کا انجام بتلا کر اہلِ مکہ کو ان کا آخرت کا انجام بتلایا گیا ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کا انکار کرنے والی اقوام کا دنیا میں بدترین انجام ہوا جن میں سرِ فہرست فرعون اور اس کے ساتھی ہیں۔ ان کا انجام بتلاتے ہوئے اہلِ مکہ کو ایک دفعہ پھر براہِ راست خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر تم نبی علیہ السلام کی مخالفت اور آپ کی دعوت کا انکار کرو گے تو بتاؤ اس دن کی سختیوں سے کس طرح بچ سکو گے جو دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا؟ اور آسمان پھٹ جائے گا۔ یاد رکھو کہ یہ سب کچھ ہو کر رہے گا کیونکہ یہ ربِ ذوالجلال کا وعدہ ہے جو ہر صورت پورا ہوگا۔ جس قرآن کے ذریعے تمہیں ڈرایا جاتا ہے اس میں تمہارے لیے نصیحت ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ قرآن کی نصیحت کو قبول کرے اور اپنے رب کی طرف جانے والے راستے پر گامزن ہو جائے، اسی میں اس کی دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی کا راستہ واضح فرما کر انسان کو اختیار دیا ہے کہ وہ ان میں سے جس کا چاہے انتخاب کرے۔

مسائل

۱۔ قیامت کے دن آسمان پھٹ جائے گا اور یہ ہو کر رہے گا کیونکہ یہ ''اللہ'' کا وعدہ ہے۔

۲۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے نصیحت ہے اب جس کا دل چاہے نصیحت حاصل کرے اور اپنے رب کی طرف جانے والے راستے پر گامزن ہو جائے۔

۳۔ قیامت کے دن بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ

یقیناً آپ کا رب جانتا ہے بیشک آپ قیام کرتے ہیں قریب دو تہائی رات کے اور نصف رات

وَثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ

اور ایک تہائی رات اور ایک گروہ لوگوں سے آپ کے ساتھ ہے اور اللہ مقرر کرتا ہے رات

وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ

اور دن کو اس نے جان لیا یہ کہ ہرگز نہیں تم نبھا سکو گے اس کو لہٰذا اس نے توجہ فرمائی تم پر

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ

بس پڑھو جو آسان ہو قرآن سے اس نے جان لیا بلاشبہ ہوں گے تم میں سے

مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ

بیمار اور دوسرے وہ چلیں گے زمین میں تلاش کریں گے اللہ کا فضل

”اے نبی آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات عبادت کے لیے کھڑے رہتے ہیں اور آپ کے ساتھیوں میں بھی ایک جماعت قیام کرتی ہے۔ اللہ ہی رات اور دن کے اوقات مقرر کرتا ہے، اسے معلوم ہے کہ تم لوگ اوقات کا حق ادا نہیں کر سکتے لہٰذا اس نے تم پر مہربانی فرمائی اب جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو، اسے معلوم ہے کہ تم میں کچھ مریض ہوں گے۔ کچھ اللہ کے فضل کی تلاش میں سفر کرتے ہیں۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: لوگوں کو واضح الفاظ میں نصیحت کرنے کے بعد ایک دفعہ پھر نبی علیہ السلام کو تہجد اور اسلام کے بنیادی ارکان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

اس سورت کی ابتدائی چار آیات میں نبی علیہ السلام کو تہجد پڑھنے کا حکم دیا گیا، حکم ہوا کہ آپ آدھی رات یا رات کا تہائی حصہ اپنے رب کے حضور قیام کریں اور اس میں قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں۔ اب حکم ہوا کہ آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھی کبھی دو تہائی رات، کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات قیام کرتے ہیں اسے معلوم ہے کہ تم اتنا طویل قیام مسلسل نہیں کر سکو گے اس لیے اس نے تم پر اپنی مہربانی فرمائی ہے لہٰذا تم رات کے قیام میں اپنی آسانی کے مطابق قرآن پڑھ لیا کرو۔ اسے معلوم ہے کہ تم میں بعض لوگ بیمار ہو جاتے ہیں، کچھ اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے دن کے وقت کام کاج کرنے کے لیے زمین میں ادھر اُدھر پھرتے ہیں اور کچھ اس کی راہ میں قتال کرتے ہیں۔ اس لیے تمہارے لیے آسانی کی جاتی ہے اب رات کو اتنا ہی قرآن پڑھو جتنا تم اپنے لیے

وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ

اور دوسرے | وہ لڑیں گے | اللہ کی راہ میں | تو پڑھو | جو | آسان ہو

مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ

اس سے | اور قائم کرو | نماز | اور دو | زکوٰۃ | اور تم قرض دو اللہ کو

قَرْضًا حَسَنًا ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ

قرضِ حسنہ | اور جو کچھ | تم آگے بھیجو | اپنے آپ کے لیے | کوئی بھلائی | تو پاؤ گے اس کو

عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ۭ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ

اللہ کے ہاں | بہت بہتر | اور بہت زیادہ | اجر میں | اور بخشش مانگو اللہ سے

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۰

بلاشبہ | اللہ | بہت زیادہ بخشنے والا | نہایت رحم کرنے والا ہے

اور کچھ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں، پس جتنا آسانی سے قرآن پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ کو اچھا قرض دو۔ جو اپنے لیے بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے، وہ بہتر اور اجر کے اعتبار سے بہت بڑا ہے، اللہ سے بخشش مانگتے رہو، بے شک اللہ بڑا غفور و رحیم ہے۔'' (۲۰)

آسان سمجھو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی تلاوت میں تخفیف کی اجازت دے کر تہجد کے طویل قیام کو مختصر کر دیا ہے۔ تہجد کی نماز زیادہ سے زیادہ تیرہ رکعت ہے ان کی طوالت کا انحصار قرآن مجید کی تلاوت پر ہے۔ تہجد میں جتنا قرآن زیادہ پڑھا جائے گا اتنی رکعات طویل ہوں گی اگر قرآن تھوڑا پڑھا جائے گا تو رکعات کی طوالت تھوڑی ہو جائے گی۔ اس لیے اجازت دی گئی ہے کہ جتنا آسانی کے ساتھ قرآن پڑھ سکتے ہو اتنا ہی پڑھ لیا کرو۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حتی المقدور تہجد کا قیام لمبا کیا جائے تاکہ اس میں زیادہ سے زیادہ قرآن مجید کی تلاوت ہو سکے۔ دوسرا حکم فرض نماز کا دیا گیا ہے کہ اسے ہر حال میں قائم رکھو قائم رکھنے سے مراد اسے بر وقت پڑھنا اور اس کے تقاضے پورے کرنا ہے۔ تیسرا حکم زکوٰۃ کا دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کے مترادف ہے زکوٰۃ ادا کرنے کے علاوہ یہاں عام صدقہ کرنے کا بھی اشارہ موجود ہے۔ نماز اور زکوٰۃ کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ جو کچھ تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بہتر اور بہت زیادہ پاؤ گے۔ نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ کے حضور استغفار کرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔

سورۃ المدثر کا تعارف

المدّثر کا لفظ نبی علیہ السلام کا توصیفی نام قرار پایا ہے اس سورت کی چھپن آیات اور دو رکوع ہیں یہ مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی۔مفسرین نے دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ اقراء کے بعد یہ دوسری وحی ہے جس میں اس سورت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں آپ کو ابتدائی اور بنیادی ہدایات دی گئیں۔حکم ہوا کہ اے کپڑا اوڑھ کر لیٹنے والے، اٹھو اور لوگوں کو خبردار کرو، اپنی رب کی کبریائی کا اعلان کرو، اپنے کپڑے پاک صاف رکھو، گندگی سے دور رہو اور کسی پر اس لیے احسان نہ کرو کہ اس سے کوئی معاوضہ طلب کیا جائے اور ہمیشہ اپنی رب کی خاطر صبر کرتے رہو۔ جو آپ کی دعوت کا انکار کریں انہیں قیامت کے دن سے ڈراوٴ اور فرماوٴ کہ اس دعوت اور قیامت کا انکار کرنے والوں کے لیے وہ دن بڑا بھاری ہوگا جو شخص قرآن مجید کا نکار کرے اور اسے جادو قرار دے گا یا یہ کہے کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔اس میں مجرم کی کھال جلا دینے والی آگ ہو گی اس پر انیس ملائکہ کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے قرآن مجید نے بتلایا کہ جہنم پر انیس فرشتے ہوں گے۔جہنم سے ڈرنے اور بچنے کی بجائے کفار نے اس بات کو مذاق کا نشانہ بنایا اس پر چاند،رات اور صبح کی قسم کھا کر انتباہ کیا ہے کہ جہنم بڑی چیزوں میں ایک بہت بڑی چیز ہے۔جس میں نافرمانوں کو پھینکا جائے گا جہنمی جہنم میں ڈالے جائیں گے تو ان سے پوچھا جائے گا کہ تمھیں جہنم میں کیوں داخل کیا گیا ہے جہنمی اقرار کریں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے،حق کے خلاف باتیں بنایا کرتے تھے اور قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے۔ اب ہمیں یقین آ گیا ہے کہ ساری باتیں حق پر مبنی تھیں۔ اس وقت وہ خواہش کریں گے کہ ہماری کوئی سفارش کرے تاکہ ہم جہنم سے نجات پا جائیں۔لیکن انہیں کسی کی سفارش کوئی فائدہ نہیں دے گی یہ باتیں لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہیں۔ اس نصیحت سے وہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے جو نصیحت حاصل کرنا چاہتے ہیں نصیحت وہی حاصل کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرماتا ہے توفیق انہیں ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ڈر کر زندگی بسر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کی بشری کمزوریوں کو معاف فرمانے والا ہے کیونکہ وہ غفور الرّحیم ہے۔

سُورَۃُ الْمُدَّثِّرِ مَکِّیَّۃٌ | بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | رُکُوعُھَا: ۲ اٰیَاتُھَا: ۵۶

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

یٰۤاَیُّھَا	الْمُدَّثِّرُ ۝۱	قُمْ	فَاَنْذِرْ ۝۲	وَرَبَّکَ		فَکَبِّرْ ۝۳
اے	کپڑا اوڑھنے والے	اٹھو	پھر ڈراؤ	اور اپنے رب کی		بڑائی بیان کرو

”اے کپڑا اوڑھ کر لیٹنے والے۔(۱) اٹھو اور خبردار کرو۔(۲) اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو۔“(۳)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورۃ المزمل کی ابتداء اور اس کے آخر میں نبی علیہ السلام کو تہجد کا ایک فائدہ یہ بتلایا گیا کہ تہجد کی نماز انسان میں ضبطِ نفس اور مستعدی پیدا کرتی ہے۔ المدثر کے آغاز میں حکم ہوا کہ اب آرام کا وقت ختم ہوا اس لیے ”اللہ“ کے راستے میں اٹھ کھڑے ہوں اور اپنا لباس پاک صاف رکھیں ،شرک کی نجاست سے دور رہیں، تبلیغ کا کام کسی معاوضہ کی غرض سے نہ کریں اور اس راستے میں آنے والے مصائب پر صبر کرتے رہیں۔

سورۃ علق کی ابتدائی آیات نازل ہونے کے بعد ایک مدت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل نہ ہوئی۔ اس مدت کے بارے میں محدثین اور مفسرین میں اختلاف ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ ایک سال تک وحی نازل نہیں ہوئی لیکن ثقہ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ سورۃ العلق کے نزول کے کچھ دن بعد سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

((وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَۃِ الْوَحْیِ قَالَ فَبَیْنَا اَنَا اَمْشِیْ سَمِعْتُ صَوْتًا عَنِ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِیْ فَاِذَاالْمَلَکُ الَّذِیْ جَاءَنِیْ بِحِرَاءَ قَاعِدٌ عَلٰی کُرْسِیٍّ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ فَجُثِثْتُ مِنْہُ رُعْبًا حَتّٰی ھَوَیْتُ اِلَی الْاَرْضِ فَجِئْتُ اِلٰی اَھْلِیْ فَقُلْتُ زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ فَزَمَّلُوْنِیْ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی ﴿یٰۤاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ﴾ ثُمَّ حَمِیَ الْوَحْیُ وَتَتَابَعَ)) (رواہ مسلم: باب بَدْءِ الْوَحْیِ إِلَی رَسُولِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم)

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ وحی کے منقطع ہونے کے بارے فرما رہے تھے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں چل رہا تھا کہ میں نے آسمان سے آواز سنی۔ نظر اٹھائی تو وہی فرشتہ جو میرے پاس حراء میں آیا تھا، وہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے مجھے اتنا خوف لاحق ہوا کہ میں زمین کے ساتھ لگا جا رہا تھا۔ میں واپس اپنے گھر والوں کے پاس آیا اور انہیں کہا کہ مجھے کپڑا اوڑھا دو، مجھے کپڑا دو۔ انہوں نے مجھے چادر اوڑھا دی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ ”اے کپڑا اوڑھنے والے! کھڑے ہو جاؤ اور مخلوق کو اپنے رب کی کبریائی سے ڈراؤ اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھو، اور شرک سے کنارہ کش رہو اس کے بعد پے در پے اور مسلسل وحی آنے لگی۔“

المدثر کا آغاز بھی بڑے دلرُبا انداز میں ہوا۔ارشاد ہوا کہ اے کپڑا اوڑھنے والے ! اللہ کے راستے میں کھڑے ہو جاؤ اور لوگوں کو ان کے بُرے اعمال کے بُرے انجام سے ڈراؤ اور لوگوں کو اپنے رب کی کبریائی سے آگاہ فرماؤ۔ یہ حکم سننے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ اللہ کے راستے میں کھڑے ہوئے اورتیئس سال تک اس دعوت کے لیے کھڑے رہے نہ کاروبار کی طرف توجہ فرمائی اورنہ ہی اپنے آرام کا خیال رکھا۔تہجد کی نماز میں بھی یہی فکر دامن گیر رہی اوردن بھی اسی کام میں گزرے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے کئی بار آپ ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ میرے نبی! اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو کیا آپ ان کے لیے اپنے آپ کو ہلاک کرلیں گے؟ (الشعراء:٣،الکھف:٦)

المدثر کی ابتدائی آیات میں آپ ﷺ کو بنیادی ہدایات دی گئیں جو ہر مبلغ اورراہنما کے لیے ضروری ہیں۔

ا۔ راہنما اورمبلغ کا فرض ہے کہ وہ اپنی قوم کوخطرات سے آگاہ کرے ،بالخصوص آخرت کے بارے میں لوگوں کومتنبہ کرتا رہے کیونکہ فکرِ آخرت کی بنیاد پر ہی انسان اپنے افکار اورکردار کوٹھیک کرسکتا ہے ،جوشخص آخرت کی جواب دہی سے لاپرواہ ہوجائے اس کا درست ہونا ناممکن ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنے رشتہ داروں اور ساتھیوں کوآخرت کے بارے میں ان الفاظ میں ڈرایا کرتے تھے۔

((عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَسَيُكَلِّمُهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ بَيْنَ اللّٰهِ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ ثُمَّ يَنْظُرُ فَلَا يَرٰى شَيْئًا قُدَّامَهُ ثُمَّ يَنْظُرُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَتَسْتَقْبِلُهُ النَّارُ فَمَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَّقِيَ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ...... فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ)) (رواہ البخاری: باب کلام الرب عزوجل یوم القیامة مع الأنبیاء وغیرھم)

”حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر کسی کے ساتھ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کلام کریں گے ، اللہ اور اس شخص کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا ، وہ دیکھے گا اُس نے کیا عمل کیے ہیں ، آدمی دیکھے گا تو سامنے آگ ہوگی تم میں جو استطاعت رکھتا ہے وہ آگ سے بچے چاہے اسے کھجور کا ایک ٹکڑا صدقہ کرنا پڑے ...... جو یہ نہ پائے تو وہ اچھی بات کہے۔“

((يَافَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ يَاصَفِيَّةَ بِنْتَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَابَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَاأَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا سَلُوْنِیْ مِنْ مَّالِیْ مَا شِئْتُمْ)) (رواہ مسلم: باب فی قولہ وأنذر عشیرتك الأقربین)

”اے محمد کی بیٹی فاطمہ اورعبدالمطلب کی بیٹی صفیہ اوراے عبدلمطلب کی اولاد۔ میں تمہارے لیے اللہ کے ہاں کسی چیز کا مالک نہیں ہوں گا البتہ میرے مال میں سے جتنا چاہو مطالبہ کرسکتے ہو۔“

٢۔ رَبَّكَ فَكَبِّرْ:

جس بات سے لوگوں کوآگاہ کرنا اورڈرانا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی ہے اگر انسان کو اپنے رب کی بڑائی اور کبریائی کا احساس ہوجائے تو وہ کبھی جان بوجھ کر اس کی نافرمانی نہ کرے۔ ہر انسان کو یہ احساس ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی دم نہیں مارسکتا۔ وہ جب چاہے اورجس طرح چاہے انسان کو پکڑ سکتا ہے۔اس کی پکڑ سے کوئی کسی کو چھڑا نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے تصور سے انسان میں بیک وقت کئی تبدیلیاں رونما

ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا تصور رکھنے والے شخص کے دل میں تکبر کی بجائے عاجزی پیدا ہوتی ہے ،وہ اپنوں کے سامنے عاجز اور متواضع ہوتا ہے اوراسلام کے دشمنوں کے سامنے شیر کی طرح دلیر اور پہاڑ کی مانند مضبوط ہوتا ہے۔ وہ ربِ ذوالجلال کے سوا کسی کو سُپر پاور تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا احساس رکھنے کی وجہ سے وہ اپنے رب کے حکم کے سامنے سرفکندہ رہتا ہے۔ جس مبلغ کا ایمان ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کبریاء نہیں تو وہ دین بالخصوص اس کی توحید کا پرچار کرتے ہوئے کسی سے خوفزدہ نہیں ہوتا۔ اسی لیے المدثر یعنی دوسری وحی میں آپ ﷺ کو ارشاد ہوا کہ اپنے رب کی کبریائی بیان کرو۔ اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرنے کا اوّلین مقصد یہ ہے کہ مبلّغ دلائل کے ثابت کرے کہ ’’اللہ‘‘ کے سوا کوئی خالق، مالک، رازق اور معبود برحق نہیں ہے وہی مشکل کشا اور حاجت روا ہے یہی وہ دعوت ہے جس کے لیے تمام انبیاء کرام مبعوث کیے گئے اور اسی کے لیے آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ لوگوں کو اپنے رب کی کبریائی سے ڈرائیں۔

اللہ تعالیٰ کے کبریا ہونے کے عقیدے کی تقویت کے لیے اذان،اقامت ،نماز اور اس کے بعد،عیدین کی نماز،عیدگاہ کی طرف آنے، جانے کے وقت ،چڑھائی چڑھتے ہوئے ، جانور ذبح کرتے ہوئے، یہاں تک کہ جمرات کوکنکریاں مارتے ہوئے اور حجرِ اسود کا بوسہ لیتے ہوئے بھی اللہ اکبر کہنے کا حکم ہے تاکہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سُپر پاور نہ سمجھے مسلمانوں نے جب سے اللہ تعالیٰ کو اپنا کبریا ماننا چھوڑ دیا اسی وقت سے ذلیل ہونا شروع ہوئے ہیں۔ حالانکہ اس کا حکم ہے۔

﴿وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (الجاثیہ: ۳۷)

’’زمین اور آسمانوں میں بڑائی اسی کے لیے ہے اور وہی زبردست اور حکیم ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان ﷺ کو مدثر کے لقب سے پکارا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو لوگوں کو برے انجام سے ڈرانے کے لیے مبعوث فرمایا۔

۳۔ نبی آخر الزمان ﷺ نے اپنے عزیز واقرباء اور لوگوں کو اللہ کی پکڑ سے ڈرایا۔

۴۔ ’’اللہ‘‘ بہت بڑا ہے اس کی کبریائی پر ایمان لاتے ہوئے اس کی بڑائی کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

ہر قسم کی قوت اور کبریائی ’’اللہ‘‘ کے لیے ہے:

۱۔ ’’اللہ‘‘ ہی رب ہے۔(لانعام: ۱۰۲) ۲۔’’اللہ‘‘ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔(الرعد:۱۶)

۳۔ ’’اللہ‘‘ ہی ازلی اور ابدی ذات ہے۔(الحدید:۳) ۴۔مشرق ومغرب’’اللہ‘‘ کے لیے ہے۔(البقرۃ:۱۴۲)

۵۔ ’’اللہ‘‘ غنی اور تعریف کیا گیا۔(فاطر: ۳۵) ۶۔ زمین وآسمان پر’’اللہ‘‘ کی بادشاہی ہے۔(آلِ عمران:۱۸۹)

۷۔ زمین وآسمانوں میں صرف’’اللہ‘‘ ہی کبریا ہے اور وہ ہر چیز پر غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔(الجاثیہ:۲۷)

۸۔ جو کچھ آسمان وزمین میں ہے وہ’’اللہ‘‘ کی ملکیت ہے اور’’اللہ‘‘ ہر چیز پر قادر ہے۔(آل عمران: ۱۸۹)

وَثِيَابَكَ	فَطَهِّرْ ﴿٤﴾	وَالرُّجْزَ	فَاهْجُرْ ﴿٥﴾	وَلَا	تَمْنُنْ
اور اپنے کپڑے	پاک رکھیں	اور پلیدی	چھوڑ دیں	اور نہ	احسان کریں

تَسْتَكْثِرُ ﴿٦﴾	وَلِرَبِّكَ	فَاصْبِرْ ﴿٧﴾
زیادہ طلب کرنے کے لیے	اور اپنے رب کے لیے	صبر کریں

''اور اپنے کپڑے پاک رکھیں۔(۴)اور گندگی سے دور رہیں۔(۵) اور زیادہ حاصل کرنے کے لیے احسان نہ کریں۔(٦) اور اپنے رب کی خاطر صبر کریں۔'' (۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبوت کے آغاز میں آپ ﷺ کو مزید ہدایات۔

دعوت دینے والے کی دعوت کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو اگر وہ ان باتوں کا خیال نہیں رکھتا تو لوگ اس کی شخصیت اور دعوت سے متاثر ہونے کی بجائے اس سے دور بھاگ جائیں گے اس لیے نبوت کے ابتدائی دور میں آپ ﷺ کو درج ذیل ہدایات دی گئیں۔

① ۔اپنے لباس کو صاف اوراُجلا رکھیں، یادرہے کہ اس زمانے میں لوگ اس شخص کو پارسا سمجھتے تھے جو دنیا کے امور سے الگ تھلگ رہتااور صاف ستھرا لباس پہننے سے پرہیز کرتا تھا۔اسلام ترکِ دنیا اورگندہ رہنے کوانتہائی ناپسند سمجھتا ہے، بے شک دین میں سادگی کو بڑی اہمیّت حاصل ہے لیکن انسان کا پاک اورصاف ستھرا رہنا نہایت ضروری ہے۔ پاک صاف رہنے سے آدمی نا صرف دیکھنے میں معزز اور شائستہ نظر آتا ہے بلکہ اس کی طبیعت میں بھی خوشی اور چستی پیدا ہوتی ہے۔

② ۔جس طرح لباس پاک صاف رکھنے کا حکم ہے اسی طرح حکم ہے کہ انسان کو ہر قسم کی جسمانی اور اخلاقی غلاظت سے بھی پاک ہونا چاہیے۔ایک آدمی لباس کے اعتبار سے کتنا ہی صاف ستھرا رہتاہو اگر وہ جسمانی اور اخلاقی لحاظ سے گندہ ہے تو وہ کسی اچھے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا، سب سے بڑی گندگی اخلاق اوراعتقادکی گندگی شرک ہے۔ اس لیے کچھ اہلِ علم نے ''اَلرُّجْزَ'' سے مرادشرک لیاہے کیونکہ قرآن مجید نے ایک مقام پر مشرک کو کھلے لفظوں میں گندہ قرار دیا ہے۔(الحج:۳۰)

③ ۔نبی علیہ السلام کو جس معاشرے اورقوم میں مبعوث کیا گیا وہ معاشرہ اور قوم ہر اعتبار سے گمراہی کی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔لوگ شرک کواللہ تعالیٰ کی قربت کاذریعہ سمجھتے اور گمراہی کودینِ ابراہیم کا نام دیتے تھے۔اس معاشرے میں توحید کی دعوت دینا اورلوگوں کوگمراہی سے نکالنا اس طرح تھا جیسے کوئی شخص خود مشکلات کو دعوت دے رہاہو اس لیے آپ کوصبر کی تلقین کی گئی۔

④ ۔ایک مسلمان کی دوسرے کے ساتھ سب سے بڑی خیرخواہی یہ ہے کہ وہ اس کو اللہ کی توحید سمجھائے اور

صراطِ مستقیم کی دعوت دے۔ صراطِ مستقیم کی طرف لانے والا شخص حقیقت میں دوسرے کا سب سے بڑا محسن ہوتا ہے۔ نبی علیہ السلام رحمتِ عالم اور خاتم المرسلین بنا کر مبعوث کیے گئے ہیں۔ آپ نے مکہ والوں کی اصلاح کے لیے دن رات ایک کیا ہوا تھا۔ آپ ﷺ انسانیت کے عظیم محسن تھے مگر مکہ والوں نے آپ کے احسان کا بُرا بدلا دیا جس پر آپ کا رنجیدہ خاطر ہونا اور آپ کے دل میں اس سوچ کا آنا فطری بات تھی کہ میں ان کی خیر خواہی کرتا ہوں اور یہ میرے ساتھ بُرا سلوک کرتے ہیں۔ اس سوچ سے بچنے کے لیے ابتدا میں ہی آپ کو یہ بات سمجھا دی گئی کہ آپ نے تبلیغ یا کسی کے ساتھ نیکی اس لیے نہیں کرنی کہ وہ آپ کو اس کے بدلے میں کچھ دے اور نہ ہی اپنے کام کا کسی کو احسان جتلانا ہے بلکہ آپ کو کھلے الفاظ میں یہ کہنا ہے۔

﴿قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ (ص: ۸۶)

”میں اپنے کام پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔“

⑤۔ آپ ﷺ کو یہ بات بھی سمجھا دی گئی کہ جس راستے پر آپ کو گامزن کیا گیا ہے یہ مصائب کا راستہ ہے آپ کو مصائب برداشت کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہنا ہوگا۔

”پس اے نبی صبر کرو جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے اور لوگوں کے معاملہ میں جلدی نہ کرو، جس دن یہ لوگ اُس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا انہیں خوف دلایا جا رہا ہے، انہیں یوں معلوم ہوگا کہ دنیا میں دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔“ (الاحقاف: ۳۵)

مسائل

۱۔ ہر آدمی بالخصوص ایک مبلّغ کو لباس پاک صاف رکھنے کے ساتھ ہر قسم کی ناپاکی سے بچے رہنا چاہیے۔

۲۔ زیادہ طلب کرنے کے لیے کسی پر احسان نہیں کرنا چاہیے۔ ۳۔ اپنے رب کے لیے ہر حال میں صبر کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

صبر کی اہمیّت اور اس کے فوائد:

۱۔ صبر اہم کاموں میں اہم ترین کام ہے۔ (الاحقاف: ۳۵) ۲۔ نبی ﷺ کو صبر کا حکم دیا گیا۔ (المعارج: ۵)

۳۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرۃ: ۱۵۳) ۴۔ صبر کا انجام اچھا ہوتا ہے۔ (الحجرات: ۵)

۵۔ صبر کرنے والے کامیاب ہوں گے۔ (المومنون: ۱۱۱) ۶۔ مسلمان صابر کی آخرت اچھی ہو گی۔ (الرعد: ۲۴)

۷۔ صبر کرنے والوں کو جنّت میں سلامتی کی دعائیں دی جائیں گی۔ (الفرقان: ۷۵)

۸۔ صابر بغیر حساب کے جنّت میں جائیں گے۔ (الزمر: ۱۰)

فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۝۸ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝۹

چنانچہ جب | پھونکا جائے گا | صور میں | تو وہ | اس دن | دن ہے | سخت

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝۱۰ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۝۱۱

کافروں پر | نہیں ہے | آسان | چھوڑ دیجیے مجھے | اور جسے | میں نے پیدا کیا | اکیلا ہی

وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝۱۲ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ۝۱۳ وَّمَهَّدْتُّ

اور میں نے دیا | اس کو | مال | وسیع | اور بیٹے | حاضر رہنے والے | اور میں نے کشادگی دی

لَهٗ تَمْهِيْدًا ۝۱۴ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۝۱۵ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ

اس کے لیے | بہت کشادگی | پھر | وہ لالچ رکھتا ہے | یہ کہ | میں زیادہ دوں | ہرگز نہیں | بلاشبہ وہ

كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ۝۱۶ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ۝۱۷ اِنَّهٗ

ہے | ہماری آیات سے | عناد رکھنے والا | عنقریب میں چڑھاؤں گا اسے | دشوار گزار گھاٹی پر | بلاشبہ اس نے

”جب صور میں پھونک ماری جائے گی۔(۸) وہ دن بڑا ہی سخت دن ہو گا۔(۹) کافروں کے لیے ہلکا نہیں ہو گا۔(۱۰) چھوڑ دو مجھے اور اس شخص کو جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا۔(۱۱) اسے بہت سا مال دیا۔(۱۲) اس کے ساتھ حاضر رہنے والے بیٹے دیے۔(۱۳) اور اس کو ہر طرح کی کشادگی دی۔(۱۴) پھر وہ لالچ رکھتا ہے کہ میں اسے اور دوں۔(۱۵) ہرگز نہیں وہ ہماری آیات سے عناد رکھتا ہے۔(۱۶) میں اسے عنقریب ایک کٹھن گھاٹی پر چڑھواؤں گا۔(۱۷) اس نے

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ کے رسول نے جونہی لوگوں کو اللہ کی توحید کی دعوت دی تو وہ لوگ آپ کی جان کے دشمن ہو گئے اور انہوں نے آپ کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ ایسے لوگوں کو ان کا انجام بتلایا گیا ہے کہ آج تم اپنی طاقت پر گھمنڈ کرتے ہو۔ وہ وقت یاد کرو جس دن صور پھونکا جائے گا۔ انکار کرنے والوں کے لیے یہ دن بڑا سخت ہو گا اور اس کی سختی کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکے گا۔

سردارانِ مکہ نے بڑی کوشش کی کہ نبی علیہ السلام کی دعوت کی طرف لوگ متوجہ نہ ہو سکیں لیکن دعوت کی کشش، آپ کے اخلاق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم جدوجہد کے نتیجہ میں لوگ آپ کی ذات کے گرویدہ اور توحید کی دعوت قبول کیے جا رہے تھے یہ بات سردارانِ مکہ کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھی۔ اس کے لیے وہ سر جوڑ کر بیٹھتے اور غور کرتے کہ اس دعوت کو کس طرح روکا جائے بالخصوص حج کے موقع پر ان کی نیندیں حرام ہو جاتیں، وہ بار بار اس بات پر غور کرتے کہ زائرینِ حرم کو آپ کی ذات اور دعوت سے کس طرح روکا جائے۔ اسی ایجنڈے کے پیشِ نظر سردارانِ مکہ

فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ

سوچا اور اندازہ لگایا وہ ہلاک کیا جائے کیسا اس نے اندازہ لگایا پھر وہ ہلاک کیا جائے کیسا

قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ

اس نے اندازہ لگایا پھر اس نے دیکھا پھر اس نے تیوری چڑھائی اور منہ بسورا پھر پیٹھ پھیر لی

وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿۲۴﴾

اور تکبر کیا پھر اس نے کہا نہیں ہے یہ مگر جادو جو نقل کیا جاتا ہے

إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾

نہیں یہ مگر قول ایک بشر کا

سوچا اور بات بنانے کی کوشش کی۔(۱۸) اس پر اللہ کی مار کیسی بات بنانے کی کوشش کی۔(۱۹) ہاں اللہ کی مار اس پر کیسی بات بنانے کی کوشش کی۔(۲۰) پھر لوگوں کی طرف دیکھا۔(۲۱) پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا۔(۲۲) پھر پیٹھ پھیر لی اور تکبر کیا۔ (۲۳) پھر کہا کہ یہ ایک جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔(۲۴) یہ صرف اس آدمی کی اپنی باتیں ہیں۔"(۲۵)

نے ایک نمائندہ اجلاس بلایا اور لوگوں کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا کہ حج کی آمد آمد ہے۔ اس لیے ہمیں پہلے سے ہی اس بات کی منصوبہ بندی کر لینی چاہیے تاکہ ہمارے مؤقف میں کوئی تضاد نہ پایا جائے اس طرح ہم لوگوں کو (محمد ﷺ) سے روک سکتے ہیں۔ ایک شخص نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم لوگوں کو یہ بات کہیں گے کہ یہ شاعر ہے اور شاعرانہ کلام سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ صدرِ مجلس ولید نے اس بات کی تردید کی کہ ہم شاعرانہ کلام کو اچھی طرح سمجھتے ہیں یہ بات آپ پر لاگو نہیں ہوتی۔ دوسرے نے کہا کہ ہم اسے کاہن کے طور پر پیش کریں گے لیکن ولید نے اس کی بھی تردید کرتے ہوئے کہا کہ کاہن تو اوٹ پٹانگ باتیں کرتے ہیں یہ الزام بھی اس پر صادق نہیں آتا بالآخر اس نے خود تجوید دی کہ ہم اسے جادوگر کہیں گے کیونکہ اس کے کلام میں جادو کا اثر پایا جاتا ہے جو بھی اس کی بات توجہ سے سنتا ہے وہ اس کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس پر مجمع نے اسے بڑی داد دی جس پر اس نے فاخرانہ انداز میں ناک چڑھائی اور منہ بسوڑا اور متکبرانہ انداز میں مجلس برخواست کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا، پھر پوری رعونت کے ساتھ اپنے گھر کی طرف چلا گیا۔ بظاہر تو یہ ایک شخص کا واقعہ ہے لیکن حق سے روگردانی کرنے والا ہر بڑا شخص ایسا ہی کردار رکھتا ہے۔ اس لیے اس کے کردار کی نشاندہی کرتے ہوئے اسے یوں انتباہ کیا گیا۔

مجھے اور اس شخص کو چھوڑ دیں جسے میں نے اکیلا پیدا کیا اور اسے بہت سا مال دیا اور اس کو بیٹے دیئے جو ہر وقت اس کے سامنے حاضر رہتے ہیں اور اسے ہر طرح کی کشادگی دی اس کے باوجود یہ امید رکھتا ہے کہ اسے مزید دیا جائے یہ ہرگز نہیں ہوگا کیونکہ وہ ہماری آیات کے ساتھ عناد رکھتا ہے عنقریب کٹھن منزل کی طرف چڑھایا جائے

گا۔ اس نے سوچا اوراپنی طرف سے بات بنانے کی کوشش کی ،اس پر اللہ کی مار ہو کیونکہ اس نے ہماری آیات کو جھٹلایا اوررسول ﷺ پر جادوگر ہونے کا الزام لگایا پھرلوگوں کی طرف فاخرانہ انداز میں دیکھا اور اپنی پیشانی پر تیور چڑھائے، منہ بسوڑا اورمتکبرانہ انداز میں اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ یہ تو پہلے دورکا جادو ہے جواسی طرح چلا آرہا ہے اور انسان کا بنایا ہوا کلام ہے۔اسے معلوم ہونا چاہیے کہ عنقریب میں اسے دوزخ میں جھونک دوں گا۔ ان آیات میں ولید بن مغیرہ کا کردار اوراس کے گھریلو حالات کا ذکرکیا گیاہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو بہت سامال دیا اور بارہ بیٹے عطا فرمائے جو ہر وقت اس کے حکم کے منتظر رہتے تھے۔ چاہیے تو یہ تھا وہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے نبی علیہ السلام کی دعوت پرغور کرتا اور حلقہ اسلام میں داخل ہوجاتا لیکن اس نے اپنی مالی حیثیت اورافرادی قوت کو اللہ اوراس کے رسول کے خلاف استعمال کیا اور اس کے نتیجے میں دنیا اور آخرت میں ذلیل ہوا۔ ذلیل اور نافرمان ہونے کے باوجود اس کی خواہش اورکوشش تھی کہ مجھے اورزیادہ مال و اسباب دیئے جائیں تاکہ میں عرب کا بادشاہ بن جاؤں۔ فرمایا کہ اب اسے کچھ نہیں دیا جائے گا اب تو اس کا مقدر بربادی ہے کیونکہ وہ ہماری آیات کے ساتھ عناد رکھتا ہے عنقریب اسے مشکل ترین گھاٹی پر چڑھایا جائے گا اس نے بُرا سوچا اور بری بات بنانے کی کوشش کی اس پر اللہ کی مار ہے۔گھاٹی سے مراد مشکل اور زلت ہے چنانچہ یہ شخص بدر کے میدان میں ذلّت کی موت مرا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ جسے مال اوراولاد دے اسے چاہیے کہ وہ اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرے۔
۲۔ جوشخص اللہ کی آیات کی پرواہ نہیں کرتا اوردین کے بارے میں بری باتیں بناتا ہے۔
۳۔ ''اللہ'' کی آیات سے منہ پھیرنا اورتکبر کرنا انتہا درجے کا جرم ہے۔
۴۔ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اسے جادو یا کسی انسان کا کلام کہنا اس کے ساتھ کفر کرنا ہے۔
۵۔ جوشخص قرآن مجید کوکسی انسان کا کلام قرار دیتا اسے جہنّم میں دھکیلا جائے گا۔
۶۔ جہنّم کی آگ مجرموں کی چمڑیاں اُدھیڑ دے گی۔

تفسیر بالقرآن

جہنّم کی آگ کی کیفیّت:

۱۔ جہنّم سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ (البقرۃ:۱۶۷) ۲۔ جہنّم سے چھٹکارا پانا مشکل ہے۔ (الزخرف:۷۷)
۳۔ جہنّم میں موت وحیات نہیں ہوگی۔ (طٰہٰ:۷۴) ۴۔ جہنّم کی سزا میں وقفہ نہیں ہوگا۔ (فاطر:۳۶)
۵۔ جہنّم کا عذاب چمٹ جانے والا ہے۔ (الفرقان:۶۵) ۶۔ جہنّم بدترین ٹھکانا ہے۔(آل عمران:۱۹۷)
۷۔ جہنّمیوں کو آگ کے ستونوں سے باندھ دیا جائے گا۔ (ہمزہ:۹)

سَاُصۡلِيۡهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبۡقِىۡ وَلَا

میں عنقریب داخل کروں گا اسے جہنّم میں اورنہیں آپ جانتے کیا ہے جہنّم نہ وہ باقی رہنے دیگی اور نہ

تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلۡبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ وَمَا جَعَلۡنَاۤ

وہ چھوڑے گی جھلسا دینے والی چمڑی کو اس پر انیس (فرشتے مقرر) ہیں اورنہیں ہم نے بنائے

اَصۡحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلۡنَا عِدَّتَهُمۡ اِلَّا فِتۡنَةً

نگران آگ کے مگر فرشتے اورنہیں ہم نے بنائی تعداد ان کی مگر آزمائش

لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۙ لِيَسۡتَيۡقِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ وَيَزۡدَادَ

ان لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر کیا تاکہ یقین کرلیں وہ لوگ جو دیے گئے کتاب اور زیادہ ہوں

''میں عنقریب اسے جہنّم میں جھونک دوں گا۔(۲۶) اور آپ کیا جانیں کہ جہنّم کیا ہے؟(۲۷) نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی۔ (۲۸) کھال جھلس دینے والی۔(۲۹) اس پر اُنیس ملائکہ مقرر ہیں۔(۳۰) ہم نے جہنّم پر ملائکہ کی ڈیوٹی لگائی ہے اور ان کی تعداد کافروں کے لیے آزمائش بنا دی ہے۔ تاکہ اہل کتاب کو یقین آجائے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: مجرم شخص کو جس کٹھن گھاٹی پر چڑھائے جانے کی دھمکی دی گئی ہے وہ جہنّم ہے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے فرامین کا انکار کرتے ہیں انہیں بہت جلد جہنّم میں جھونکا جائے گا۔اے قرآن پڑھنے والے! تو نہیں جانتا ہے کہ جہنّم کیا ہے؟ وہ اللہ کا تیار کیا ہوا عقوبت خانہ ہے جس میں مجرم کو موت نہیں آئے گی اور نہ اس کی زندگی ہوگی گویا کہ وہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہے گا۔ وہ چمڑی اُدھیڑ دینے والی آگ ہے اس پر اُنیس فرشتے مقرر کیے گئے ہیں اور یہ تعداد کفار کے لیے آزمائش بنا دی گئی ہے ہاں یہ ان لوگوں کے لیے آزمائش نہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کی توفیق بخشی ہے۔ جہنّم کے فرشتوں کی تعداد اس لیے بتائی گئی ہے تاکہ اہلِ کتاب کو یقین ہو اور اہلِ ایمان کے ایمان میں اضافہ ہو اور انہیں کسی قسم کا شک باقی نہ رہے۔جن کے دل میں شک کی بیماری ہے اور جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مثال سے کیا سمجھایا ہے؟ سنو! اس مثال کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ لوگوں کی آزمائش کرے کہ کون اس کے فرمان کو مِن وعَن مانتا ہے اور کون اس میں باتیں بناتا ہے۔اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ یقین کرو! کہ ''اللہ'' کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ نبی علیہ السلام نے جب کفار کے سامنے ان آیات کی تلاوت کی تو انہوں نے اپنے انجام پر غور کرنے کی بجائے اس بات کا مذاق اُڑایا کہ ایک طرف یہ نبی کہتا ہے کہ جو لوگ

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِیْمَانًا وَّلَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

وہ لوگ جو | ایمان لائے ہیں | ایمان میں | اور نہ | شک کریں | وہ لوگ جو | دیے گئے ہیں کتاب

وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ

اور مومن (جمع) | اور تا کہ کہیں | وہ لوگ | جن کے دلوں میں | بیماری ہے | اور کافر | کس چیز کا

اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ

ارادہ کیا ہے اللہ نے | ساتھ اس | مثال کے | اسی طرح | گمراہ کرتا ہے | اللہ | جسے | چاہتا ہے

وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ

اور | وہ ہدایت دیتا ہے | جسے | چاہتا ہے | اور نہیں | جانتا | لشکروں کو | آپ کے رب کے

اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِیَ اِلَّا ذِكْرٰی لِلْبَشَرِ ۳۱ ع ۱ ۳۱ ۱۵

مگر | وہی | اور نہیں ہے | یہ | مگر | نصیحت | بشر کے لیے

اور ایمان لانے والوں کا ایمان بڑھے۔اور اہل کتاب اور مومن کسی شک میں نہ رہیں، اور جن کے دلوں میں شک کی بیماری ہے اور کفار یہ کہیں کہ اللہ نے اس مثال سے کیا حاصل کیا ہے اس طرح اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور آپ کے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جہنّم کا ذکر تو محض اس لیے کیا جاتا کہ لوگوں کو اس سے نصیحت ہو۔'' (۳۱)

مجرم ہوں گے اُنہیں جہنّم میں پھینکا جائے گا ظاہر ہے کہ اس کے بقول لاتعداد لوگ جہنّم میں جائیں گے کیا کروڑوں کھربوں انسانوں کو صرف اُنیس فرشتے قابو کریں گے اور سزا دیں گے یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔اس بات پر مزید ہرزہ سرائی کرتے ہوئے ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ کیا ہم اتنے گئے گزرے ہیں کہ اُنیس فرشتوں کو قابو نہیں کرسکیں گے مکے کا ایک پہلوان کہنے لگا کہ فکر نہ کرو کہ سترہ ملائکہ کو میں اکیلا ہی سنبھال لوں گا باقی کو سنبھالنے کے لیے تم کافی ہوگے۔یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کچھ مسائل مثال کے ذریعے سمجھائے ہیں جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی کھوٹ ہے وہ اس مثال کو سمجھنے کی بجائے اس کا مذاق اُڑاتے ہیں حالانکہ جس بات کو مثال کے ذریعے سمجھایا جائے اس میں کوئی ابہام باقی نہیں رہتا۔لیکن جن کے دلوں میں کفر و نفاق کا مرض ہوتا ہے وہ حق کو تسلیم کرنے کی بجائے اس سے مزید دور ہوجاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے اصول یہ ہے کہ انہیں گمراہی کے لیے کھلا چھوڑ دیا جاتاہے۔ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جو اللہ تعالیٰ سے ہدایت کا طالب ہوتا ہے وہ اسے ہدایت سے نوازتا ہے اور جو ہدایت سے بے اعتنائی کرتا ہے اسے گمراہی میں کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔جہاں تک اہلِ کتاب

کے یقین کرنے کا تعلق ہے ان کی اصل کتابوں میں جہنّم کے ملائکہ کی تعداد انیس موجود ہے وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کوئی نبی ''اللہ'' پر جھوٹ نہیں بولتا اس لیے قرآن مجید نے جہنّم کے فرشتوں کی جو تعداد بتلائی ہے وہ حق پر مبنی ہے۔

جہنّم کی آگ کی کیفیت:

﴿اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ٥ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ﴾ (ھمزہ: ۸،۹)

''وہ اُن پر ڈھانک دی جائے گی۔ لمبے لمبے ستونوں کی طرح ہوگی۔''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (النساء: ٥٦)

''جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا انہیں ہم یقیناً آگ میں ڈال دیں گے جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ان کی جگہ ہم دوسری کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں یقیناً اللہ تعالیٰ غالب، حکمت والا ہے۔''

﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا﴾ (الفرقان: ٦٥)

''اللہ کے بندے دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالے جہنم کا عذاب چمٹ جانے والا ہے۔''

﴿ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ (الاعلیٰ: ١٣)

''پھر اس میں موت نہیں آئے گی اور نہ ہی زندگی ہوگی۔''

مسائل

۱۔ جہنّم کی سختیوں کا کوئی شخص اندازہ نہیں کرسکتا۔ ۲۔ جہنّمی جہنّم میں ہمیشہ ہمیش موت وحیات کی کشمکش میں رہیں گے۔
۳۔ جہنّم کی آگ جہنّمیوں کی چمڑیاں اُدھیڑ دے گی۔
۴۔ اللہ تعالیٰ نے جہنّم پر اُنیس ملائکہ مقرر کیے ہیں۔ کفار اس تعداد کا مذاق اُڑاتے ہیں مومن اور اہلِ کتاب اس پر یقین رکھتے ہیں۔ ۵۔ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

تفسیر بالقرآن

جہنّم کی ہولناکیوں کا ایک منظر:

۱۔ جہنّم کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔ (البقرۃ: ۲۴) ۲۔ جہنّم پر سخت گیر فرشتوں کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے۔ (التحریم: ۶)
۳۔ مجرم جہنّم کے گرجنے برسنے کی آوازیں سنیں گے۔ (الفرقان: ۱۲) ۴۔ جہنّم کی آگ بہت زیادہ تیز ہوگی۔ (التوبۃ: ۸۱)
۵۔ جہنّم بھرنے کا نام نہیں لے گی۔ (ق: ۳۰) ۶۔ جہنّم کے شعلے بڑے بڑے مکانوں کی طرح بلند ہوں گے۔ (المرسلٰت: ۳۲)

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾

ہرگز نہیں قسم ہے چاند کی اور رات کی جب وہ پلٹتی ہے اور صبح کی جب وہ روشن ہو جائے

اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ شَآءَ

بلاشبہ وہ البتہ ایک ہے بڑی ڈرانے والی بشر کے لیے اس کے لیے جو چاہے

مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾

تم میں سے یہ کہ وہ ہے یا پیچھے ہٹے ہر نفس جو اس نے کمایا گروی ہے

’’ہرگز نہیں قسم ہے چاند کی۔(۳۲) اور رات کی جب وہ پلٹتی ہے۔(۳۳) اور صبح کی جب کہ وہ روشن ہوتی ہے۔(۳۴) بلاشبہ جہنّم بڑی چیزوں میں سے ایک ہے۔(۳۵) لوگوں کو ڈراؤ۔(۳۶) یہ ہر اس شخص کے لیے انتباہ ہے جو آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے رہنا چاہے۔(۳۷) ہر شخص اپنی کمائی کے بدلے گروی ہے۔‘‘(۳۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنّم کی ہولنا کیوں کا مزید ذکر۔

سابقہ آیات میں جہنّم کی ہولنا کیوں اوراس پرمقرر کردہ ملائکہ کی تعداد کا ذکر ہوا جسے اہلِ مکہ نے مذاق کا نشانہ بنایا اس پرارشاد ہوا کہ یہ لوگ جہنّم کے ملائکہ کی تعدا پر اعتراض کررہے ہیں انہیں کیا خبر! کہ آپ کے رب کے لشکر کتنی تعداد میں ہیں اورکس قدر طاقتور ہیں ان کی تعداد اورطاقت کوصرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے لہٰذا تمہیں جہنم سے ڈرنا چاہیے۔قسم ہے چاند کی اوررات کی جب وہ پلٹتی ہے اورصبح کی قسم جب وہ روشن ہوجاتی ہے جس جہنّم کا یہ مذاق اُڑاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی خوفناک چیزوں میں بڑی ہی خوفناک جگہ ہے ،چاند ،رات اور دن کا حوالہ دے کر یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے چاند ،رات اور دن پیدا کیے ہیں اسی طرح ہی اس نے جہنّم بنائی ہے اوراس پر اُنیس فرشتے مقرر کیے ہیں، جس طرح چاند،رات اور دن کو مانتے ہو اسی طرح مانو کہ جہنّم بھی موجود ہے جو بڑی خوف ناک جگہ ہے اور اس پر اُنیس فرشتے کنٹرولر ہیں۔اب یہ انسان کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ اس سے ڈرتا ہے اور ایمان لانے میں آگے بڑھتا ہے یا پیچھے رہتا ہے البتہ انسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہرکوئی اپنے کیے کے بدلے رہن ہے یعنی اسے اپنے اعمال کا بدلہ پانا ہے۔

مسائل

۱۔ چاند،رات اور صبح روشن کی قسم ! جہنّم بہت بڑی آفت گاہ ہے۔

۲۔ جہنّم سے بچنا یا اس میں گرنا انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوگا۔

۳۔ ہرانسان اپنے اعمال کے بدلے اپنے آپ کوگروی رکھے ہوئے ہے۔

اِلَّآ	اَصْحٰبَ الْیَمِیْنِ ؁	فِیْ جَنّٰتٍ ۛ	یَتَسَآءَلُوْنَ ؀	عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ ؀	مَا
مگر	دائیں والے	باغات میں	آپس میں سوال کریں گے	مجرموں سے	کس چیز نے
سَلَکَکُمْ	فِیْ سَقَرَ ؀	قَالُوْا	لَمْ	نَکُ	مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ؀ وَلَمْ
داخل کیا تمہیں	جہنّم میں	وہ کہیں گے	نہیں	تھے ہم	نمازیوں میں سے اور نہ
نَکُ	نُطْعِمُ	الْمِسْکِیْنَ ؀	وَکُنَّا	نَخُوْضُ	مَعَ الْخَآئِضِیْنَ ؀
تھے ہم	کھانا کھلاتے	مسکینوں کو	اور تھے ہم	مشغول	شغل کرنے والوں کے ساتھ
وَکُنَّا	نُکَذِّبُ	بِیَوْمِ الدِّیْنِ ؀	حَتّٰٓی	اَتٰىنَا	الْیَقِیْنُ ؀
اور تھے ہم	تکذیب کرتے	جزا کے دن کی	حتی کہ	آ گئی ہمیں	موت
فَمَا	تَنْفَعُهُمْ	شَفَاعَةُ	الشّٰفِعِیْنَ ؀		
نہیں	نفع دے گی انہیں	سفارش	سفارش کرنے والے کی		

”مگر دائیں بازو والے۔(٣٩) جو جنتوں میں ہوں گے۔(٤٠) وہ مجرموں سے پوچھیں گے۔(٤١) تمہیں کون سی چیز جہنّم میں لے آئی ہے؟(٤٢) وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں نہ تھے۔(٤٣) اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔(٤٤) اور حق کے خلاف باتیں کرنے والوں کے ساتھ ہم بھی باتیں بنایا کرتے تھے۔(٤٥) اور قیامت کے دن کی تکذیب کرتے تھے۔(٤٦) یہاں تک کہ ہمیں اس یقینی چیز سے واسطہ پڑ گیا۔(٤٧) اس وقت سفارش کرنے والوں کی کوئی سفارش ان کے کسی کام نہیں آئے گی۔“(٤٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ہر انسان اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہے اسی بنیاد پر ہی نجات پائے گا یا پکڑا جائے گا۔

اپنے اعمال کی وجہ سے پکڑے جانے والے لوگوں سے جنّتی مستثنیٰ ہوں گے انہیں نیک اعمال کے بدلے جنّت میں داخلہ دیا جائے گا وہ جنّت میں تشریف فرما ہونے کے باوجود گاہے گاہے جہنمیوں سے بات چیت کر سکیں گے تاکہ جہنّمیوں کو یہ احساس ہو کہ دنیا میں ہمارے ساتھ رہنے والے لوگ جنہیں ہم حقیر سمجھتے تھے وہ آج جنّت میں عیش وعشرت کے ساتھ رہ رہے ہیں اور ہم ان کے مقابلے میں اذیّت ناک سزائیں پا رہے ہیں۔ جب جنّتی ان سے سوال کریں گے کہ تمہیں کون سی چیز جہنّم میں لے آئی ہے تو وہ اقرار کریں گے کہ ہم نماز پڑھنے والوں میں نہ تھے او ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلایا کرتے تھے اور ہم حق کے خلاف باتیں کرنے والوں میں شامل تھے اور قیامت کے دن کو جھوٹ قرار دیتے تھے۔ اسی حالت میں ہمیں موت آئے گی یہاں تک کہ ہمیں جہنّم کے ساتھ

واسطہ پڑا ہے جس پر ہم یقین نہیں کرتے تھے اب ہمیں یقین ہوگیا ہے۔یہاں کلام کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنّمی جنّتیوں سے درخواست کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری نجات کی سفارش کی جائے۔لیکن ان کی سفارش کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔جن کی کوئی سفارش نہیں کر سکے گا وہ کافر، مشرک اور منافق ہوں گے یہ لوگ ہمیشہ ہمیش جہنّم میں رہیں گے جہنّمی جن گناہوں کا سب سے پہلے اعتراف کریں گے وہ تین ہیں۔

تارکِ نماز ہونا:

حقوق اللہ میں سب سے پہلے اللہ کا بندے پر حق یہ ہے کہ بندہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرے اور عبادات میں سب سے پہلا فرض نماز ہے۔

((بَیْنَ الرَّجُلِ وَبَیْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ)) (رواہ مسلم: کتاب الایمان)

’’مسلمان اور کفر و شرک کے درمیان ترک نماز کا فرق ہے۔‘‘

جہنّمیوں کا اقرار کہ ہم کھانا نہیں کھلاتے تھے:

حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد ہیں حقوق العباد میں سرِ فہرست وہ لوگ ہیں جو زندگی کی بنیادی ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہیں۔ انسان کی بنیادی ضروریات میں اس کی پہلی ضرورت یہ ہے کہ اسے روح اور جسم کا رشتہ قائم رکھنے کے لیے خوراک میسر ہونی چاہئے اگر کوئی غریب دو وقت کی روٹی سے محروم ہے تو اس کے پڑوسی اور حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس کی خوراک کا بندوبست کرے دینِ اسلام نے اس فرض کو اس حد تک لازم قرار دیتا ہے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ یَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ یَقُولُ لَیْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِی یَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلَى جَنْبِهِ)) (مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ إِمْسَاكِ الْفَضْلِ، وَغَيْرُهُ مُحْتَاجٌ إِلَيْهِ)

’’حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرمارہے تھے کہ وہ شخص مومن نہیں جو خود سیر ہوکر کھائے اور اس کا پڑوسی اس کے پڑوس میں بھوکا رہے۔‘‘

قیامت کا انکار کرنا:

قرآن مجید کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ قرآن مجید کا تیسرا بڑا مضمون فکرِ آخرت ہے جو شخص آخرت پر یقین نہیں رکھتا اور اس کیلئے تیاری نہیں کرتا وہ قیامت کے دن پکڑا جائے گا اور وہاں اس کی کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہوگا۔

مسائل

۱۔ جنّتیوں کے سوال کے جواب میں جہنّمی اقرار کریں گے کہ ہم بے نماز تھے اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلایا کرتے تھے۔

۲۔ جہنّمی اقرار کریں گے کہ ہم حق کے مقابلے میں باتیں بنایا کرتے اور جہنّم کو جھٹلایا کرتے تھے۔

۳۔ جہنّمیوں کے اقرار کرنے کے باوجود ان کی سفارش کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٩﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾

پھر کیا ہے انہیں کہ نصیحت سے منہ موڑنے والے ہیں گویا کہ وہ گدھے ہیں بدکنے والے

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ

وہ بھاگے ہیں سے شیر بلکہ چاہتا ہے ہر آدمی ان میں سے یہ کہ

يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ كَلَّا بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٥٣﴾

وہ دیا جائے صحیفے کھلے ہوئے ہرگز نہیں بلکہ نہیں ڈرتے وہ آخرت سے

’’آخر ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ یہ اس نصیحت سے اس طرح منہ موڑتے ہیں۔(۴۹) گویا یہ جنگلی گدھے ہیں۔(۵۰) جو شیر سے ڈر کر بھاگ پڑے ہیں۔(۵۱) بلکہ ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ اس کے نام کھلے خط بھیجے جائیں۔(۵۲) ہرگز نہیں اصل بات یہ ہے کہ یہ آخرت کا خوف نہیں رکھتے۔(۵۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مجرموں کو ان کا اقرار اور انجام بتلانے کے بعد ایک دفعہ پھر نصیحت کی گئی ہے

مجرموں کو کیا ہوگیا ہے کہ جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو اس پر توجہ کرنے کی بجائے اس سے اس طرح منہ موڑتے ہیں گویا کہ جنگلی گدھے ہیں جو شیر کو دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوں۔ ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ اس کے نام کھلے خط بھیجے جائیں جن میں ان سے ایمان لانے کی درخواست کی جائے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کے پاس جب بھی کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہمیں وہی کچھ دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں رکھے عنقریب وہ لوگ جنہوں نے جرم کیے اللہ کے ہاں انہیں ذلت پہنچے گی اور سخت عذاب ہوگا اس وجہ سے کہ وہ مکروفریب کرتے تھے۔‘‘(الانعام:۱۲۴)

﴿اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل:۹۳)

’’تیرے لیے سونے کا ایک گھر ہو یا تو آسمان میں چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھنے پر بھی یقین نہیں کریں گے یہاں تک کہ تو ہم پر کتاب لے آئے جسے ہم پڑھیں آپ فرما دیں کہ میرا رب پاک ہے میں تو ایک پیغام پہنچانے والا انسان ہوں۔‘‘

گویا کہ ان میں ہر ایک اپنے نام ہدایت کا پروانہ آنے کی خواہش رکھتا ہے وجہ یہ ہے کہ ان کے دل فکرِ آخرت سے عاری ہو چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن تو ایک نصیحت ہے جس کا دل چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے مگر نصیحت اسے نصیب ہوتی ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ ’’اللہ‘‘ ہی اس بات کا حق رکھتا ہے کہ اس سے ڈرا

كَلَّآ	اِنَّهٗ	تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾	فَمَنْ	شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾
کیوں نہیں	یقیناً یہ	نصیحت ہے	بس جو	چاہے نصیحت حاصل کرے اسے
وَ مَا	يَذْكُرُوْنَ	اِلَّآ	اَنْ	يَّشَآءَ اللّٰهُ
اور نہیں	وہ نصیحت حاصل کرتے	مگر	یہ کہ	چاہے اللہ
هُوَ	اَهْلُ	التَّقْوٰى	وَ	اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾
وہی	لائق ہے	تقویٰ کے	اور	لائق ہے مغفرت کے

کیوں نہیں یہ تو ایک نصیحت ہے۔ (۵۴) اب جس کا جی چاہے اس سے سبق حاصل کرے۔(۵۵)اور یہ سبق حاصل نہیں کریں گے اِلّا یہ کہ اللہ ایسا چاہے۔ ''اللہ'' اس بات کا حق دار ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہ اس کا اہل ہے کہ ڈرنے والوں کو معاف فرما دے۔''(۵٦)

ع ۲ / ۱۶ آیات

جائے کیونکہ وہی لوگوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔ ان آیات میں منکرینِ حق کی حق سے دوری اورنفرت کاذکر کرنے کے بعد یہ حقیقت بیان کی ہے کہ جولوگ آخرت کی جوابدہی کا فکرنہیں رکھتے وہ ہدایت نہیں پا سکتے۔ آخرت کی فکر اور ہدایت اسے نصیب ہوتی ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہدایت پسند کرتا ہے جو اس سے ڈرتا اور ہدایت طلب کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ کے ڈر کے بغیر فکرِ آخرت نصیب نہیں ہوتی اور جسے فکرِ آخرت نصیب نہیں وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ فہم القرآن کے کئی مقامات پر اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اورگمراہی کو کھول کر بیان کردیا ہے جو شخص ہدایت کی خواہش اور اس کے لیے کوشش کرے گا اسے ہدایت مل جائے گی جواس سے لاپرواہی کرے گا اسے گمراہی کے لیے کھلا چھوڑ دیا جائے گا اس لیے ارشاد فرمایا ہے کہ جس کے لیے اللہ پسند کرتا ہے ہدایت اُسے نصیب ہوتی ہے۔

مسائل

۱۔ جولوگ اللہ تعالیٰ کی نصیحت سے اعراض کرتے ہیں ان میں کچھ ایسے ہوتے ہیں جونصیحت سن کرجنگلی گدھوں کی طرح بھاگ جاتے ہیں۔

۲۔ اہلِ مکہ میں کچھ لوگوں کا مطالبہ تھا کہ ان کے پاس براہِ راست قرآن آنا چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا یہ اصول نہیں کہ وہ ہر شخص کے پاس براہِ راست اپنا پیغام بھیجے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید نصیحت ہے۔جس کا دل چاہے اسے قبول کرے اورجس کادل چاہے اسے چھوڑ دے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پر کوئی جبرنہیں۔۵۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت کی توفیق دیتا ہے۔

٦۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔وہی ڈرنے کے لائق اورلوگوں کے گناہ بخشنے والا ہے۔

سورۃ القیامہ کا تعارف

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتداء میں القیامۃ اور لفظِ لوامۃ کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ قیامت کا منکر سمجھتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد ہم قیامت کے دن اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کرسکیں گے؟ کیوں نہیں! ہم تو اس کی انگلیوں کا یک ایک پور ٹھیک ٹھیک طریقے سے جمع کریں گے۔ جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں دراصل وہ چاہتے ہیں کہ ہم اس طرح ہی نافرمانیاں کرتے رہیں اور ہمیں پوچھنے والا کوئی نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے مذاق کے طور پر پوچھتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی انہیں بتائیں کہ قیامت اس دن آئے گی جس دن آنکھیں پتھرا جائیں گی، چاند بے نور ہو جائے گا۔ اس دن انسان بھاگ جانے کی خواہش کرے گا لیکن وہ نہیں بھاگ سکے گا اور نہ ہی اس کے لیے کوئی پناہ کی جگہ ہو گی۔ اسے ہر صورت اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونا ہو گا اور اپنے اعمال کا جواب دینا ہو گا۔ اس کے بعد نبی علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ وحی کو جلدی جلدی نہ پڑھا کریں ہم آپ کو قرآن مجید پڑھائیں گے اور یاد بھی کروائیں گے اور اسے بیان کروانا بھی ہماری ذمہ داری ہو گی۔ اس کے بعد ایک مرتبہ پھر قیامت کے منکروں کو بتایا ہے کہ اس دن کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے اور وہ اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے۔ کچھ چہرے اداس ہوں گے اور وہ سمجھ جائیں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا سلوک ہونے والا ہے۔ ان کے ساتھ اس سختی کا آغاز اس وقت ہو جائے گا جب ان پر موت کا وقت آئے گا۔ ایسے شخص کی موت اس لیے زیادہ سخت ہو گی کہ نہ وہ نماز پڑھتا تھا بلکہ دین اور قیامت کو جھٹلایا کرتا تھا۔ اس کے بعد قیامت کا انکار کرنے والے کو ان کی تخلیق کا حوالہ دے کر سمجھایا ہے کہ جس رب نے انسان کو ایک حقیر پانی کے قطرے سے پیدا کیا پھر اسے لوتھڑے میں تبدیل فرمایا پھر اس کا جسم بنایا اور اس کے اعضاء درست کیے پھر مرد اور عورت کی صورت میں اس کی دو قسمیں بنائیں جس رب نے یہ سب کچھ کیا ہے۔ کیا وہ اور ہر انسان کو اپنے کیے کا حساب دینا ہو گا۔ انسان کو اس کی موت کے بعد زندہ نہیں کرسکتا ؟ کیوں نہیں وہ قیامت کے دن ہر صورت ہر انسان کو زندہ کرے گا۔

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ۲ اٰيَاتُهَا: ۴۰

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

لَآ اُقْسِمُ	بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ①	وَلَآ اُقْسِمُ	بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ②
میں قسم کھاتا ہوں	قیامت کے دن کی	اور میں قسم کھاتا ہوں	ملامت کرنے والے کی نفس

”میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔(۱) اور میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی۔“(۲)

فہم القرآن

ربطِ سورت: انسان کی گمراہی کے اسباب میں سب سے بڑا سبب آخرت کی جوابدہی سے لاپرواہ ہونااور اس کا انکار کرنا ہے اس لیے سورۃالقیامہ کی ابتدا لفظ”لا“ سے کی گئی ہے۔ اس میں قیامت کا انکار کرنے والوں کے عقیدہ اور ان کے دلائل کی تردید کی گئی ہے۔

قیامت کاانکار کرنے والوں کے عقیدہ اور دلائل کی نفی کرنے کے لیے اس سورت کی ابتدا لفظ”لا“ سے کی گئی ہے۔ ارشاد ہوا کہ قیامت کے دن کی قسم ! جو لوگ قیامت قائم ہونے کا انکار کرتے ہیں وہ اپنے عقیدہ اور دلائل میں جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر قیامت کی قسم اٹھائی ہے ظاہر ہے کہ اگر قیامت کا کوئی وجود نہیں تو اللہ تعالیٰ کو اس کی قسم اٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کے ساتھ ہی اس نے نفسِ لوّامہ کی قسم کھائی ہے جس میں لطیف اشارہ ہے کہ جس طرح تم اپنے نفسِ لوّامہ کا انکار نہیں کرسکتے اسی طرح قیامت کا انکار کرنے کی بھی کوئی گنجائش نہیں باالفاظ دیگر انکارِ قیامت پر نفس لوامہ بھی تمہیں ملامت کرتا ہے۔قسم کے بارے میں پہلے بھی عرض ہوچکا ہے کہ یہ کسی بات کو پکا کرنے کے لیے اٹھائی جاتی ہے عربوں کے ہاں رواج تھا اور ہے کہ وہ دوسری اقوام کی نسبت قسمیں زیادہ اٹھاتے ہیں۔ قرآن مجید اُنہی کی زبان میں نازل ہوا ہے اور عرب ہی قرآن مجید کے اولین مخاطب تھے۔ان کے طرز تکلم کا خیال رکھتے ہوئے اہم باتوں کی اہمیت اورفرضیت اُجاگر کرنے کے لیے قسمیں اٹھائی گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نفسِ انسانی کی تین حالتیں بیان کی ہیں:

۱. **نفسِ مطمئنّه**: ہر حال میں مطمئن یعنی نیکی پر قائم رہنے والا۔ (الفجر:۲۷)

۲. **نفسِ لوّامه**: گناہ پر ملامت کرنے والا۔(القیامہ:۲)

۳. **نفسِ امّاره**: گناہ پر ابھارنے والا۔ (یوسف:۵۳)

یہ انسان کے دل کی تین حالتیں ہیں نفسِ مطمئنّہ صرف انبیاء کو نصیب ہوتا ہے باقی انسانوں کے نفس کی دو ہی کیفیتیں ہوتی ہیں۔ (۱) نفس امّارہ اورنفس لوّامہ۔ ان دونوں کے درمیان مقابلہ رہتا ہے اگر نفس لوّامہ

جیت جائے تو انسان کو نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے۔ اگر نفسِ امّارہ غالب آجائے تو آدمی برائی کا مرتکب ہوتا ہے لیکن برائی کا خمار اُتر جانے کے بعد مجرم کو پریشانی ضرور لاحق ہوتی ہے اس لیے قرآن مجید نے ہابیل اور قابیل کا واقعہ بیان کرتے ہوئے قابیل کی کیفیت بیان کی ہے کہ اپنے بھائی کو قتل کرنے کے بعد قابیل کے دل کا سکون جاتا رہا۔ (المائدۃ:٣١) رہتی دنیا تک بدنامی اس کے مقدر میں آئی اور اس نے ظلم و زیادتی کی بری روایت قائم کی، آخرت میں جہنم کا ایندھن بنا اور ظالموں کا ساتھی قرار پایا۔ اس سے زیادہ اور نقصان کیا ہوسکتا ہے کہ جب بھی کوئی شخص ظلم کرتا ہے تو اُسے ایسی ہی کیفیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ نیکی میں اطمینان ہے اور برائی میں پریشانی اور پشیمانی ہوتی ہے۔

((عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سِمْعَانَ الْأَنْصَارِیِّ ؓ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ فَقَالَ الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِی صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ))

(رواہ مسلم: کتاب البر والصلۃ، باب تفسیر البر والاثم)

”حضرت نواس بن سمعان انصاری ؓ کہتے ہیں میں نے رسول ﷺ سے نیکی اور گناہ کے بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا نیکی حسن اخلاق ہے اور برائی جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تو ناپسند کرے کہ اس کے متعلق لوگوں کو پتا چل جائے۔“

﴿فِیْ طُغْیَانِہِمْ یَعْمَہُوْنَ﴾ (البقرۃ: ١٥)

”وہ اپنی نافرمانیوں میں بھٹک رہے ہیں۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ کا قیامت کی قسم اٹھانا اس بات کا دوٹوک ثبوت ہے کہ قیامت کا واقع ہونا برحق ہے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ کا نفسِ لوّامہ کی قسم اٹھانا اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان کا نفس بھی اسے برائی سے روکتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نفسِ انسانی کی تین حالتیں:

١۔ نفسِ مطمئنہ۔ ہر حال میں مطمئن یعنی نیکی پر قائم رہنے والا نفس۔ (الفجر:٢٧)

٢۔ نفس لوّامہ۔ گناہ پر ملامت کرنے والا۔ (القیامہ:٢)

٣۔ نفس امّارہ۔ گناہ پر ابھارنے والا۔ (یوسف:٥٣)

(تفصیل کے لیے دیکھیے فہم القرآن ج٢ص١٣٠)

اَيَحْسَبُ	الْاِنْسَانُ	اَلَّنْ	نَّجْمَعَ	عِظَامَهٗ ۝۳	بَلٰى	قٰدِرِيْنَ
کیا سمجھتا ہے	انسان	یہ کہ ہرگز نہیں جمع کریں گے ہم		اس کی ہڈیاں	کیوں نہیں بلکہ	قادر ہیں
عَلٰٓى اَنْ	نُّسَوِّيَ	بَنَانَهٗ ۝۴	بَلْ	يُرِيْدُ	الْاِنْسَانُ	لِيَفْجُرَ
اس پر کہ	ہم درست کریں	اس کا جوڑ جوڑ	بلکہ	چاہتا ہے	انسان	کہ فسق وفجور کرتا ہے
اَمَامَهٗ ۝۵	يَسْئَلُ	اَيَّانَ	يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝۶	فَاِذَا	بَرِقَ	
اپنے مستقبل میں	وہ پوچھتا ہے	کب ہے	قیامت کا دن	چنانچہ جب	پتھرا جائیں گی	
الْبَصَرُ ۝۷	وَخَسَفَ	الْقَمَرُ ۝۸	وَجُمِعَ	الشَّمْسُ	وَالْقَمَرُ ۝۹	
آنکھیں	اور بے نور ہو جائے گا	چاند	اور جمع کر دیے جائیں گے	سورج	اور چاند	

”کیا انسان سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کر سکیں گے؟(۳) کیوں نہیں ؟ہم تو اس کی انگلیوں کے پور پور تک بنا دینے پر قادر ہیں۔(۴) مگر انسان چاہتا ہے کہ آگے بھی بُرے کام کرتا رہے۔(۵) پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا؟(۶) جب آنکھیں پتھرا جائیں گی۔(۷) اور چاند بے نور ہو جائے گا۔(۸) چاند اور سورج جمع کر دیے جائیں گے۔“(۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کاانکار کرنے والوں کی سب سے بڑی دلیل کا جواب۔

قیامت کاانکار کرنے والے جس بات کو اپنے لیے بڑی دلیل سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب ہم مرکر بے نام ونشان ہوجائیں گے تو پھر ہمیں کس طرح زندہ کیا جائے گاانہیں فرمایا ہے۔

”کیا انسان دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا اور پھر وہ واضح طور پر جھگڑالو بن جاتا ہے۔ اب وہ اپنی پیدائش کو بھول کر ہم پر باتیں بناتا ہے کہ ان ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جب یہ بوسیدہ ہو چکی ہوں۔ان سے کہیں کہ انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی مرتبہ انہیں پیدا کیا ہے۔وہ سب کچھ پیدا کرنا جانتا ہے اُسی نے تمہارے لیے ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کی ہے اور تم اس سے آگ جلاتے ہو کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں کہ ان جیسوں کو پیدا کرے؟ کیوں نہیں وہ تو سب کچھ جاننے والا اور سب کچھ پیدا کرنے والا ہے۔ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے حکم دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ چیز ہو جاتی ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اختیار ہے اور اسی کی طرف تم پلٹ کر جانے والے ہو۔“ (یٰس:۷۷تا۸۳)

اللہ تعالیٰ نے منکرینِ قیامت کے سامنے عملی اور عقلی دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ قیامت ہرصورت برپا

ہوگی اور ہرانسان کو زندہ کرکے اٹھا لیا جائے گا۔ جولوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ بکھری ہوئی بوسیدہ ہڈیوں کو کس طرح اکٹھا کیا جائے گا انہوں نے کس طرح یہ گمان کرلیاہے کہ ہم بوسیدہ ہڈیوں سے انہیں دوبارہ پیدا نہیں کرسکتے، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نہ صرف انہیں دوبارہ پیدا کریں گے بلکہ ہم اس بات پر بھی قادر ہیں کہ ان کا جوڑ جوڑ سیدھااور پور پور درست کرکے بنائیں گے۔لیکن انسان دوبارہ اٹھنے کا اس لیے انکار کرتا ہے کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ میں ہمیشہ زندہ رہوں اوراپنی مرضی کے کام کرتارہوں یعنی اسے نہ دوبارہ زندہ کیاجائے اور نہ ہی اس سے بازپُرس کی جائے۔ اس لیے وہ قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں، ان کے پوچھنے کا مقصد قیامت کے بارے میں یقین اور اطمینان حاصل کرنا نہیں بلکہ اس کا مذاق اُڑانا ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جب قیامت بر پا ہوگی تواس دن آنکھیں چُندھیا جائیں گی ،چاند بے نور ہوجائے گا اورسورج اور چاند جمع کردیئے جائیں گے۔کیونکہ یہ بے نور ہوکر نیچے گر پڑیں گے۔

’’حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ تم سے پہلے ایک آدمی تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو مال کی فراوانی دی تھی۔اس نے اپنے بیٹوں کو بُلا کر کہا کہ میں تمہارا کیسا باپ تھا ؟انہوں نے کہا بہترین!اس نے کہا یقیناً میں نے کبھی نیک عمل نہیں کیا ،جب میں مر جاؤں تو تم مجھے جلا دینا پھر میری راکھ کو ہواؤں میں اڑا دینا اس کے بیٹوں نے اس کے مرنے کے بعد اس طرح کیا۔اللہ تعالیٰ نے اس کو جمع کیا اور فرمایا تجھے کس چیز نے اس کام پر ابھارا تھا؟ اس نے کہا تیرے خوف نے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی رحمت میں لے لیا۔‘‘ (رواہ البخاری : کتاب احادیث الأنبیاء)

’’حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سورج اور چاند کو اکٹھا کر کے جہنّم میں پھینک دیا جائے گا۔حسن رحمہ اللہ نے پوچھا ان کا جرم کیا ہے ؟ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں تجھے نبی رضی اللہ عنہ کی حدیث سنا رہا ہوں۔ابو سلمہ کی بات سن کرحسن خاموش ہوگئے۔‘‘ (الابانۃ الکبریٰ لابن بطۃ : باب ذکر ما جاء ت بہ السنۃ من طاعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

مسائل

۱۔ قیامت کا منکر سمجھتا ہے کہ اس کی بوسیدہ ہڈیوں کو اکٹھا نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہر انسان کا جوڑ جوڑ بنائے گا اوراسے زندہ کرے گا۔

۳۔ قیامت کا انکار کرنے والے چاہتے ہیں کہ ہم اسی طرح اپنی مرضی کرتے رہیں اور ہم سے کوئی بات پُرس نہ کی جائے۔

۴۔ قیامت کے دن آنکھیں چُندھیا جائیں گی،چاند بے نور ہوجائے گا اور چاند اورسورج کو اکٹھا کردیا جائے گا۔

يَقُوْلُ	الْاِنْسَانُ	يَوْمَئِذٍ	اَيْنَ	الْمَفَرُّ ﴿١٠﴾	كَلَّا	لَا وَزَرَ ﴿١١﴾
کہے گا	انسان	اس دن	کہاں ہے	بھاگنا	ہرگز نہیں	نہیں ہے کوئی پناہ گاہ
اِلٰى رَبِّكَ	يَوْمَئِذِ	الْمُسْتَقَرُّ ﴿١٢﴾	يُنَبَّؤُا	الْاِنْسَانُ	يَوْمَئِذٍۢ	
آپ کے رب ہی کی طرف ہو گا	اس دن	ٹھہرنا	بتایا جائے گا	انسان	اس دن	
بِمَا	قَدَّمَ	وَاَخَّرَ ﴿١٣﴾	بَلِ	الْاِنْسَانُ	عَلٰى نَفْسِهٖ	
ساتھ اس کے جو	اس نے آگے بھیجا	اور اس نے پیچھے چھوڑا	بلکہ	انسان	اپنے نفس پر	
بَصِيْرَةٌ ﴿١٤﴾	وَّلَوْ	اَلْقٰى	مَعَاذِيْرَهٗ ﴿١٥﴾			
خوب شاہد ہے	اور اگرچہ	وہ پیش کرے	اپنی معذرتیں			

''اس وقت انسان کہے گا کہ میں بھاگ کر کہاں جاؤں؟ (۱۰) ہرگز نہیں وہاں کوئی جائے پناہ نہیں ہو گی۔ (۱۱) اس دن آپ کے رب ہی کے سامنے جا کر ٹھہرنا ہے۔ (۱۲) اس دن انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا کیا کرایا بتا دیا جائے گا۔ (۱۳) بلکہ انسان اپنے آپ کو خوب جانتا ہے۔ (۱۴) اگرچہ وہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے۔'' (۱۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر ہو رہا ہے اس دن لوگوں کی کیا حالت ہوگی۔

پہلی مرتبہ اسرافیل کے صور پھونکنے پر چاند اور سورج بے نور ہو جائیں گے اور کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اللہ تعالیٰ اس دن زمین و آسمانوں کو بدل دے گا۔ (ابراہیم: ۴۸) اسرافیل کے دوسری مرتبہ صور پھونکنے پر لوگ اپنے اپنے مدفن سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور ہر فرد محشر کے میدان کی طرف اس طرح جائے گا جس طرح تیر اپنے نشانے پر جاتا ہے۔ (یٰس: ۵۱)

ربِ ذوالجلال کی تشریف آوری سے پہلے جنّت اور جہنّم کو لوگوں کے سامنے لایا جائے گا، ملائکہ جہنّم کو بڑی بڑی زنجیروں کے ساتھ کھینچ کر محشر کے میدان میں لاکھڑا کریں گے۔ یہ منظر دیکھ کر قیامت کا انکار کرنے والا اور ہر مجرم کہے گا کہ میں کہیں بھاگ جاؤں لیکن وہ کوئی پناہ گاہ نہیں پائے گا۔ اس دن سب کو اپنے رب کے حضور ہی کھڑا ہونا ہوگا اور انسان نے جو کچھ اپنے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا اسے انسان کے سامنے کر دیا جائے گا، یقیناً انسان اپنے آپ پر گواہ ہوگا اور وہ معذرت پر معذرت پیش کرے گا لیکن اس کی کوئی معذرت قبول نہیں کی جائے گی۔ ہر مجرم کی بھاگ جانے کی خواہش ہوگی لیکن کوئی بھی اپنا قدم نہیں اٹھا سکے گا۔ اس حالت میں سب کچھ اسے بتایا جائے گا اور اس کا نفس اس کے خلاف گواہی دے گا۔ دنیا میں بے شمار گناہ ایسے ہیں جنہیں انسان بھول جاتا ہے

لیکن قیامت کے دن ہرانسان اپنے کیے کو اپنے سامنے پائے گا اوراس کا دل اور اعضاء گواہی دیں گے کہ واقعی ہی اس نے یہ کام کیے ہیں۔ (الملک: ١١) وہ اس پر بار بار معذرت پیش کرے گا لیکن اس کی کوئی معذرت قبول نہیں کی جائے گی۔ یہاں ارشاد فرمایا ہے کہ جو انسان اپنے آگے بھیجتا اور جو اپنے پیچھے چھوڑتا وہ اسے اپنے سامنے پائے گا۔ پیچھے چھوڑنے سے مراد وہ نیکی یا برائی ہے جس کے اچھے یا بُرے اثرات انسان اپنی موت کے بعد چھوڑ جاتا ہے۔

ہم یقیناً ایک دن مُردوں کو زندہ کرنے والے ہیں جو اعمال اُنہوں نے کیے ہیں وہ ہم لکھتے جا رہے ہیں اور جو آثار انہوں نے پیچھے چھوڑے ہیں وہ بھی ہم لکھ رہے ہیں ہر بات کو ہم نے ایک کھلی کتاب میں درج کر رکھا ہے۔'' (یٰس: ١٢)

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ)) (رواہ مسلم: بَاب مَا يَلْحَقُ الْإِنْسَانَ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَ وَفَاتِهِ)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع کردیے جاتے ہیں مگر تین عمل باقی رہتے ہیں۔(١) صدقہ جاریہ۔ (٢) ایسا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔(٣) نیک اولاد جو اس کے لیے دعائیں کرے۔''

مسائل

١۔ قیامت کے دن ہر مجرم کی خواہش ہوگی کہ وہ بھاگ جائے لیکن اس کے لیے کوئی بھی پناہ گاہ نہیں ہوگی۔

٢۔ قیامت کے دن ہرانسان اپنے رب کے حضور کھڑا ہو گا اورجو کچھ اس نے اپنے آگے بھیجا اورجو کچھ اپنے پیچھے چھوڑا اسے اپنے سامنے پائے گا۔٣۔ قیامت کے دن ہرانسان اپنے کیے کا اعتراف کرے گا۔

٤۔ قیامت کے دن مجرم معذرت پر معذرت کرے گا لیکن اس کی کوئی معذرت قبول نہیں کی جائے گی۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن مجرمین کی خواہش:

١۔ مٹی کے ساتھ مٹی ہو جانے کی خواہش۔ (النساء:٤٢، النباء:٤٠) ٢۔ دنیا میں لوٹ کر نیک عمل کرنے کی تمنا۔ (السجدۃ: ١٢)

٣۔ ظالم اپنے ہاتھ کاٹتے ہوئے کہے گا،کاش! میں رسول کی اتباع کرتا۔ (الفرقان:٢٧)

٤۔ کاش میں فلاں کو دوست نہ بناتا۔(الفرقان : ٢٨) ٥۔ جہنم کے داروغہ سے درخواست کرنا۔ (الزخرف: ٧٧)

٦۔ اپنے مرشدوں اور لیڈروں کو دگنی سزا دینے کا مطالبہ کرنا۔ (الاحزاب: ٦٨)

٧۔ اللہ تعالیٰ سے مریدوں کا اپنے مرشدوں کو اپنے پاؤں تلے روندنے کا تقاضا کرنا۔ (السجدۃ: ٢٩)

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا

نہ آپ حرکت دیں اس کے ساتھ اپنی زبان کو تاکہ آپ جلدی کرلیں اسے یقیناً ہمارے ذمہ ہے

جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ

اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھنا سو جب ہم اسے پڑھ لیں تو آپ پیروی کریں اس کے پڑھنے کی پھر

اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾

یقیناً ہمارے ذمہ اس کا بیان کروانا ہے

”اے نبی وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کریں۔(۱۶) اس کو یاد اور بیان کروانا ہمارے ذمہ ہے۔(۱۷) لہٰذا جب ہم اسے پڑھ رہے ہوں تو اس کی قرأت غور سے سنتے رہیں۔(۱۸) پھر اس کا بیان کروانا بھی ہمارے ذمہ ہے۔“(۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی ﷺ کی دعوت کا تیسرا بڑا جز لوگوں کو قیامت کے احتساب سے آگاہ کرنا ہے۔جب آپ ﷺ لوگوں کے سامنے قیامت کا ذکر کرتے تو لوگ اس پر غور کرنے کی بجائے جلد بازی میں آکر کہتے کہ قیامت کب آئے گی۔ نبی ﷺ وحی کے نزول کے وقت اس لیے جلدی فرماتے تاکہ وحی کا کوئی لفظ بھول نہ جائے۔ اس پر آپ کو جلد بازی سے روکا گیا اور تسلی دی گئی کہ جس وجہ سے آپ جلدی کرتے ہیں اس کا فکر نہ کریں آپ کو قرآن مجید ضبط کروانا اور اس کا ابلاغ کروانا ہمارے ذمہ ہے لہٰذا آپ اطمینان کے ساتھ وحی سنا کریں۔

وحی کے ابتدائی ایام میں نبی ﷺ کے سامنے جبریلِ امین قرآن مجید کی تلاوت شروع کرتے تو آپ جلدی جلدی اسے پڑھنے کی کوشش فرماتے تاکہ کوئی لفظ محو نہ ہوجائے۔ اس پر آپ ﷺ کو یہ یقین دلایا گیا کہ آپ اپنی زبان کو جلدی جلدی حرکت نہ دیا کریں۔قرآن مجید کو آپ کے دل پر ثبت کرنا اور آپ کی زبان سے اس کی تلاوت کروانا ہماری ذمہ داری ہے،جب ہم وحی مکمل کرچکیں تو پھر آپ اسے پڑھا کریں،ہماری ذمہ داری یہی نہیں کہ ہم آپ کے دل پر قرآن نازل کریں، ہم اسے یاد بھی کروائیں گے اور پھر وحی کے مطابق اسے من وعن بیان کروانا بھی ہمارے ذمہ ہے۔ بیان کروانے کا محض یہ معنیٰ نہیں کہ آپ وحی کے مطابق لوگوں کے سامنے صرف قرآن کی تلاوت کردیتے تھے، بیان سے مراد اس کی تفسیر بھی ہے جسے حدیثِ رسول کہا جاتا ہے۔ اس میں یہ بات خودبخود شامل ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تلاوت اور بیان اور اس کا جمع کرنا اپنے ذمہ لیا ہے اسی طرح حدیث کی حفاظت کروانا بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے جسے نبی ﷺ اور آپ کے متبعین کے ذریعے محفوظ فرمادیا گیا ہے۔

((كَانَ النَّبِیُّ ﷺ مِمَّا تَنَزَّلُ عَلَيْهِ الْآيَاتُ فَيَدْعُو بَعْضَ مَنْ كَانَ لَهُ يَكْتُبُ لَهُ وَيَقُوْلُ لَهُ ضَعْ هٰذِهِ الْآيَةَ فِي السُّوْرَةِ الَّتِي يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَكَذَا)) (رواہ ابوداؤد: کتاب الصلوۃ)

''جب نبی ﷺ پر آیات اترتیں تو کاتبِ وحی کو بلاکر فرماتے اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں جگہ لکھو۔''

((عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِ يكَرِبَ الْكِنْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ))

(مسند احمد: باب حدیث المقدام بن معدیکرب،قال الالبانی ھذا حدیث صحیح)

''مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار بے شک مجھے کتاب اور اُس جیسی اور چیز بھی عطا کی گئی ہے خبردار مجھے قرآن اور اُس جیسی ایک اور چیز بھی عطا کی گئی ہے۔''

((عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَكْتُبُ مِنْكَ مَا أَسْمَعُ ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ قُلْتُ مَا قُلْتَ فِي الرِّضَا وَالْغَضَبِ ؟ قَالَ نَعَمْ فَإِنِّي لَا أَقُولُ فِي ذَلِكَ كَلِمَةً إِلَّا الْحَقَّ))

(رواہ ابوبکر فی مسند البزار: باب ھَذَا مَا حَدَّثَ بِهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو ،عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ھذا حدیث صحیح)

''عمر بن شعیب اپنے باپ اور وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! جو کچھ میں آپ سے سنتا ہوں لکھ لیا کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں! پھر میں نے کہا اے اللہ کے نبی! آپ کبھی خوشی میں بات کرتے ہیں اور کبھی ناراضگی کی حالت میں۔آپ ﷺ نے فرمایا لکھ لیا کرو! کیونکہ میں حق کے علاوہ کوئی بات نہیں کرتا۔''

﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (النحل: ٤٤)

''اور ہم نے آپ کی طرف نصیحت اتاری تاکہ آپ لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کریں جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ غوروفکر کریں۔''

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو قرآن مجید ضبط کروانا اوراسے بیان کروانا اپنے ذمہ لیا۔

٢۔ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کے ذریعے قرآن اوراس کی تفسیر کروانے کا ذمہ لیا۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کی حفاظت:

١۔ ہم ہی قرآن مجید کو نازل کرنے والے ہیں اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔(الحجر:٩)

كَلَّا	بَلْ	تُحِبُّوْنَ	الْعَاجِلَةَ ۝٢٠	وَتَذَرُوْنَ	الْاٰخِرَةَ ۝٢١	وُجُوْهٌ
ہرگز نہیں	بلکہ	تم پسند کرتے ہو	دنیا کو	اور چھوڑے دیتے ہو	آخرت کو	کئی چہرے

يَّوْمَىِٕذٍ	نَّاضِرَةٌ ۝٢٢	اِلٰى رَبِّهَا	نَاظِرَةٌ ۝٢٣
اس دن	تروتازہ ہوں گے	اپنے رب کی طرف	دیکھ رہے ہوں گے

”ہرگز نہیں اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ دنیا کو پسند کرتے ہو۔(۲۰) اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔(۲۱) اس دن کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے۔(۲۲) اور وہ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔“(۲۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سورت کا مرکزی مضمون قیامت کا قائم ہونا ثابت کرنا ہے، اس بات کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو قسمیں اٹھائیں اور دلائل کے ساتھ ثابت فرمایا ہے کہ قیامت ہر صورت واقع ہوگی۔

قیامت کے انکار کے پیچھے دیگر اسباب کے ساتھ ایک سبب یہ بھی ہے کہ انسان جلد باز واقع ہوا ہے۔ جلد بازی کی وجہ سے انسان چاہتا ہے کہ جو اسے ملنا ہے وہ دنیا میں ہی مل جائے اور اس سے کوئی پوچھ گچھ نہ کی جائے۔ اس سوچ کی بنا پر وہ آخرت کو فراموش کر دیتا ہے۔ جلدی کرنے والوں کے مقابلے میں وہ لوگ بہتر ہیں جو دنیا میں بھرپور کردار ادا کرنے کے باوجود آخرت کو نہیں بھولتے وہ دنیا کی خاطر جان بوجھ کر کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاتے جس سے ان کی آخرت کھوٹی ہو جائے۔ قیامت کے دن ان لوگوں کو دائیں ہاتھ میں اعمالنامے دیے جائیں گے تو ان کے چہرے روشن اور ہشاش بشاش ہو جائیں گے اور وہ اپنے رب کے انوار و تجلیات کو دیکھ رہے ہوں گے۔ قرآن مجید نے اس منظر کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ اس دن کچھ چہرے ہشاش بشاش ہوں گے اور وہ اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے۔

((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ ؓ اَنَّ نَاسًا قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ نَرٰی رَبَّنَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَعَمْ هَلْ تُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَةِ الشَّمْسِ بِالظَّهِیْرَةِ صَحْوًا لَیْسَ مَعَهَا سَحَابٌ وَهَلْ تُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَةِ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ صَحْوًا لَیْسَ فِیْهَا سَحَابٌ قَالُوْا لَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا تُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَةِ اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلَّا كَمَا تُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَةِ اَحَدِهِمَا......)) (رواہ البخاری: باب ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾)

”حضرت ابو سعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! قیامت کے دن کیا ہم اپنے پروردگار کا دیدار کریں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں! کیا تم دوپہر کے وقت جب بادل نہ ہوں سورج کو دیکھنے میں دقت محسوس کرتے ہو؟ کیا بادل نہ ہوں تو چودھویں رات میں چاند کے دیکھنے میں تنگی محسوس کرتے ہو؟ صحابہ نے جواب دیا، نہیں! اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: قیامت کے دن تم اللہ تعالیٰ کے دیدار میں ہرگز مشکل نہیں پاؤ گے جس قدر تم ان دونوں میں سے کسی ایک کے دیکھنے میں تنگی پاتے ہو......“

وَوُجُوْهٌ	يَّوْمَئِذٍۢ	بَاسِرَةٌ ۝٢٤	تَظُنُّ	اَنْ	يُّفْعَلَ	بِهَا
اور کئی چہرے	اس دن	بے رونق ہوں گے	وہ خیال کریں گے	یہ کہ	کیا جائے گا	ان سے معاملہ
فَاقِرَةٌ ۝٢٥	كَلَّآ	اِذَا	بَلَغَتِ	التَّرَاقِيَ ۝٢٦	وَقِيْلَ	مَنْ ۜ
کمر توڑ دینے والا	ہرگز نہیں	جب	پہنچ جائے گی (روح)	ہنسلی تک	اور کہا جائے گا	کون ہے
رَاقٍ ۝٢٧	وَّظَنَّ	اَنَّهُ	الْفِرَاقُ ۝٢٨	وَ	الْتَفَّتِ	السَّاقُ
جھاڑ پھونک کرنے والا	اور وہ یقین کرے گا	کہ بلاشبہ یہ	جدائی ہے	اور	لپٹ جائی گی	پنڈلی
بِالسَّاقِ ۝٢٩	اِلٰى رَبِّكَ	يَوْمَئِذِ ۨ	الْمَسَاقُ ۝٣٠			
پنڈلی سے	آپ کے رب کی طرف	اس دن	چلنا			

''اور کچھ چہرے بے رونق ہوں گے۔(۲۴) اور وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک ہونے والا ہے۔(۲۵) ہرگز نہیں جب جان حلق میں اٹک جائے گی۔(۲۶) اور کہا جائے گا کہ ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا۔؟(۲۷) اور آدمی سمجھ لے گا کہ دنیا سے جدائی کا وقت ہے۔(۲۸) اور پنڈلی سے پنڈلی جڑ جائے گی۔(۲۹) وہ دن تیرے رب کی طرف روانگی کا ہوگا۔''(۳۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نیک لوگوں کے مقابلے میں آخرت کا انکار کرنے والوں کا حال۔

جوں ہی قیامت کے منکرین کو ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے تو ان کے رنگ پیلے اور چہرے بُجھ جائیں گے وہ فوراً سمجھ جائیں گے کہ ہمارے ساتھ کمرتوڑ سلوک ہونے والا ہے، کمرتوڑ سلوک سے مراد انتہادرجے کی ذلّت اور سزا ہے۔ اس مشکل گھڑی کی ابتدا اسی وقت سے ہوجائے گی جب ان پر موت وارد ہوگی۔ ایسے آدمی کی موت کے وقت یہ حالت ہوتی ہے جیسے اس کی جان ہنسلی میں آکر اٹک گئی سو یہ ایسا وقت ہے جب کوئی دوا اثر نہیں کرتی اور اس کے لواحقین اس وقت کہتے ہیں کہ اب کسی سے دعا کروانی چاہیے۔ جن کا عقیدہ کمزور ہوتا ہے وہ تعویذ، گنڈے اور جھاڑ پھونک کے پیچھے بھاگتے ہیں حالانکہ مرنے والا سمجھ جاتا ہے کہ میرا آخری وقت آن پہنچا ہے۔ اس کی ایک پنڈلی دوسری پنڈلی کے ساتھ لگ جاتی ہے یعنی اُسے انتہا درجے کی کمزوری لاحق ہوجاتی ہے کیونکہ انسان کی روح اس کے پاؤں کی طرف سے نکل کر اس کے سر کی طرف سے پرواز کرتی ہے۔ اس لیے پنڈلیوں کی کمزوری کا پہلے ذکر کیا ہے یہاں تک اس کے عزیز و اقرباء بھی اس کے ہاتھ پاؤں سیدھے کرنے شروع کردیتے ہیں تاکہ موت کے بعد اس کا وجود ٹیڑا نہ ہوجائے۔

﴿وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ﴾ (الانفال : ۵۰)

’’اور کاش ! آپ دیکھیں جب فرشتے کافر لوگوں کی جان قبض کرتے ہیں تو ان کے چہروں اور پشتوں پر مارتے ہوئے کہتے ہیں کہ جلا دینے والا عذاب چکھو۔

((عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ الْعَبْدَ الْكَافِرَ إِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِنَ الدُّنْيَا وَإِقْبَالٍ مِنَ الآخِرَةِ نَزَلَ إِلَيْهِ مِنَ السَّمَآءِ مَلَآئِكَةٌ سُوْدُ الْوُجُوْهِ مَعَهُمُ الْمُسُوْحُ فَيَجْلِسُوْنَ مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَجِيْءُ مَلَكُ الْمَوْتِ حَتّٰى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَيَقُوْلُ أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيْثَةُ اخْرُجِيْ إِلَى سَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَغَضَبٍ قَالَ فَتُفَرَّقُ فِيْ جَسَدِهِ فَيَنْتَزِعُهَا كَمَا يُنْتَزَعُ السَّفُّوْدُ مِنَ الصُّوْفِ الْمَبْلُوْلِ)) (رواہ أحمد: مسند براء بن عازب)

’’حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دنیا سے کافر کا رخصت ہونے اور موت کا وقت آتا ہے تو آسمان سے کالے چہروں والے فرشتے اترتے ہیں، ان کے پاس ٹاٹ کا لباس ہوتا ہے، فرشتے فوت ہونے والے کافر سے حدِ نگاہ تک دور بیٹھ جاتے ہیں۔ملک الموت اس کے سرہانے آکر کہتا ہے۔اے خبیث جان۔اللہ کی ناراضگی اور غضب کا سامنا کر پھر روح اس کے جسم سے الگ ہوتی ،فرشتے اسے اس طرح کھینچتے ہیں جیسے گرم سلاخ کو روئی سے کھینچا جاتا ہے۔‘‘

مسائل

١۔ آخرت کے دن بہت سے چہرے مایوس ہوں گے اوروہ اس خیال میں ہوں گے کہ ہم پر بھاری مصیبت ٹوٹنے والی ہے۔
٢۔ برے انسان کو موت کے وقت ہی اپنے انجام کا پتہ چل جاتا ہے۔
٣۔ فوت ہونے والے اکثر لوگوں کو یقین ہوجاتا ہے کہ اب میرا آخری وقت آن پہنچا ہے۔
٤۔ موت کے وقت آدمی کی پنڈلی سے پنڈلی جڑ جاتی ہے۔
٥۔ موت کے وقت اس کے لواحقین دوا کی بجائے دعا پر زیادہ متوجہ ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن بُرے لوگوں کے چہرے مایوس اور ذلیل ہوں گے :

١۔ کفار کے چہرے بگڑے ہوئے ہوں گے۔(الحج:٧٢)
٢۔ کفار کے چہرے مرجھائے اور اُڑے ہوئے ہوں گے۔ (القیامہ:٢٤)
٣۔ کفار کے چہروں پر گردوغبار ہوگا۔(عبس:٤٠) ٤۔مجرموں کے چہرے ڈرے اوراُوندھے ہوں گے۔(الغاشیہ:٢)
٥۔ اللہ تعالیٰ کفار کو ان کے چہروں کے بل اوندھا کرکے اٹھائے گا یہ ان کی سزا ہے۔ (الاسراء: ٩٧ تا ٩٨)
٦۔ برے لوگوں کے چہروں پر ذلت چھائی ہوگی اور انہیں اللہ تعالیٰ سے کوئی نہ بچا سکے گا۔(یونس :٢٧)

فَلَا	صَدَّقَ	وَلَا	صَلّٰى ﴿٣١﴾	وَلٰكِنْ	كَذَّبَ	وَتَوَلّٰى ﴿٣٢﴾ ثُمَّ
چنانچہ نہ تو اس نے تصدیق کی	اور نہ	نماز پڑھی	اور لیکن	اس نے جھٹلایا	اور روگردانی کی	پھر
ذَهَبَ	اِلٰٓى اَهْلِهٖ	يَتَمَطّٰى ﴿٣٣﴾	اَوْلٰى	لَكَ	فَاَوْلٰى ﴿٣٤﴾	ثُمَّ اَوْلٰى
وہ گیا	اپنے اہل وعیال کی طرف	اتراتا ہوا	ہلاکت ہے	تیرے لیے	پھر ہلاکت ہے	پھر ہلاکت ہے
لَكَ	فَاَوْلٰى ﴿٣٥﴾	اَيَحْسَبُ	الْاِنْسَانُ	اَنْ	يُّتْرَكَ	سُدًى ﴿٣٦﴾
تیرے لیے	پھر ہلاکت ہے	کیا سمجھتا ہے	انسان	یہ کہ	وہ چھوڑ دیا جائے گا	بے کار

''چنانچہ نہ اس نے سچ کی تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی۔(۳۱) بلکہ جھٹلایا اور پلٹ گیا۔(۳۲) پھر اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چل پڑا۔ (۳۳) تیرے لیے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔(۳۴) پھر تیرے لیے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ (۳۵) کیا انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ اسی حالت میں چھوڑ دیا جائے گا؟''(۳۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کے منکر کو موت کے وقت اس لیے زیادہ تکلیف ہوتی ہے کیونکہ وہ نہ قیامت پر یقین رکھتا ہے اور نہ نمازی ہوتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ موت کے لمحات بڑے سخت ہوتے ہیں ،ان لمحات سے مراد وہ لمحات ہیں جو روح نکلنے سے پہلے شروع ہوتے ہیں۔جب مومن کی روح نکلنا شروع ہوتی ہے تو اس کے لیے وہ لمحات بہت آسان کر دیئے جاتے ہیں، جس کا حوالہ پچھلی آیت کی تفسیر میں دیا گیا ہے۔ جو شخص اللہ اوراس کے رسول پر ایمان نہ لایا اورنہ اس نے قیامت کی تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی ،نزع کے وقت اس کی بُری حالت ہوتی ہے۔ اس کی حالت کا درج ذیل حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ وہ اعتقاداً یا عملاً اس شخص کی طرح ہوتا ہے جس کا تذکرہ ان آیات میں کیا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے اس سے مراد ابوجہل لیا ہے۔ جس نے ایک موقعہ پر نبی معظم ﷺ کے ساتھ یہ انداز اختیار کیا تھا۔ اس نے نبی ﷺ اور قیامت کو جھٹلایا اور پھر متکبرانہ چال کے ساتھ پلٹا اور اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ اس کے بارے میں کہا گیا کہ اس کے لیے بربادی ہی بربادی ہے یہ سمجھتا ہے کہ اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا بلکہ اسے جہنّم کی آگ میں جھونکا جائے گا جس میں وہ اپنے کیے کی پوری پوری سزا پائے گا۔

((عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ قَالَتْ عَائِشَةُ أَوْ بَعْضُ أَزْوَاجِهِ إِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ قَالَ

لَیْسَ ذَاكِ وَلٰكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللّٰهِ وَكَرَامَتِهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ فَأَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ وَأَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا حُضِرَ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللّٰهِ وَعُقُوبَتِهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَهَ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ وَكَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ))

(رواه البخاری: کتاب الرقاق، باب، من أحب لقاء اللّٰہ أحب اللّٰہ لقاءه)

”حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے کسی ایک نے عرض کی کہ ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بات یہ نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو اس کو اللہ کی رضامندی اور انعام واکرام کی بشارت دی جاتی ہے، اس بشارت کی وجہ سے موت اسے تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوجاتی ہے اس وجہ سے وہ اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ کے عذاب کی وعید سنائی جاتی ہے۔ یہ وعید اسے اپنے سامنے چیزوں سے سب سے زیادہ ناپسند ہوتی ہے اسی وجہ سے وہ اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

(مومن موت سے پہلے گھبراتا اور تکلیف محسوس کرتا ہے جب اسے موت آتی ہے تو اپنے مالک کی ملاقات پر خوش ہو جاتا ہے۔)

مسائل

۱۔ موت کے وقت بے دین شخص کو احساس ہوتا ہے کہ نہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کی اور نہ ہی نماز پڑھی۔

۲۔ قیامت کو جھٹلانے والے اور بے نماز کی موت کے وقت بُری حالت ہوتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے منکر اور بے نماز کا انجام:

۱۔ قیامت کو جھٹلانے اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکنے والے کے لیے جلا دینے والا عذاب ہوگا۔ (الحج: ۹)

۲۔ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرنے والے اور قیامت کو جھٹلانے والے عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔ (الروم: ۱۶)

۳۔ قیامت کو جھٹلانے والوں کے لیے آگ کا عذاب ہوگا۔ (الفرقان: ۱۱)

۴۔ بے نماز لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ (المدثر: ۴۳)

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ۝۳۷ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً

کیا نہیں تھا وہ ایک قطرہ منی کا جو ٹپکایا جاتا ہے (رحم میں) پھر وہ ہو گیا جما ہوا خون

فَخَلَقَ فَسَوّٰى ۝۳۸ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ

پھر اس (اللہ) نے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا پھر بنایا اس سے جوڑا نر اور

الْاُنْثٰى ۝۳۹ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِ الْمَوْتٰى ۝۴۰ ع ۲ / ۱۷

مادہ کیا نہیں ہے وہ (اللہ) قادر اس بات پر کہ وہ زندہ کر دے مُردوں کو

”کیا انسان ایک حقیر پانی کا نطفہ نہ تھا جو رحم مادر میں ٹپکایا جاتا ہے؟ (۳۷) پھر وہ ایک لوتھڑا بنا پھر اللہ نے اس کا جسم بنایا اور اس کے اعضا درست کیے۔ (۳۸) پھر اس سے مرد اور عورت کی دو قسمیں بنائیں۔ (۳۹) کیا ”اللہ“ اس پر قادر نہیں ہے کہ مرنے والوں کو پھر زندہ کرے؟“ (۴۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کا انکار کرنے والے کے لیے اس کے وجود سے قیامت کی دلیل۔

قرآن مجید نے موت کے بعد زندہ ہونے کو جن دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے ان دلائل میں ایک بڑی دلیل انسان کے اپنے وجود میں پائی جاتی ہے۔ جو شخص قیامت کے دن زندہ ہونے کا انکار کرتا ہے کیا وہ یہ نہیں سوچتا کہ وہ منی کے ایک قطرہ تھا۔ جو رِحم مادر میں ٹپکایا گیا اللہ تعالیٰ نے پھر اسے لوتھڑا بنایا پھر اسے انسانی شکل میں ڈھالا پھر اسے مرد یا عورت کی قسم میں تبدیل فرمایا۔ کیا اب اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر نہیں کہ مُردوں کو زندہ کرے؟ کیوں نہیں! وہ اس بات پر پوری طرح قادر ہے کہ وہ مُردوں کو زندہ فرما کر اپنی بارگاہ میں پیش کرے اور یہ کام ہر صورت ہو کر رہے گا۔ انسان حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق پر غور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا جو بے حرکت تھی اس بے حرکت مٹی سے اللہ تعالیٰ نے حسین وجمیل اور چلتا پھرتا انسان پیدا فرما دیا۔ ہر انسان اپنی تخلیق پر غور کرے کہ جس جرثومے سے پیدا کیا گیا ہے وہ ایک بے جان سی چیز ہوتا ہے، اور یہ جرثومہ اس قدر چھوٹا ہوتا ہے کہ سِوائے خاص قسم کی دوربین اسے دیکھا نہیں جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہی اس جرثومے میں روح پیدا کرتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس میں روح نہ ڈالے تو وہ مُردہ ہی ہوتا ہے۔ جو اللہ اس مردہ جرثومے سے زندہ بچہ یا بچی پیدا کرتا ہے کیا وہ مردہ ہڈیوں سے قیامت کے دن انسان کو پیدا نہیں کر سکتا؟ اس کا ارشاد ہے کہ میرے لیے دوسری مرتبہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ (الروم: ۲۷)

”لوگو! اگر تمہیں زندگی کے بعد موت کے بارے میں شک ہے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے پھر نطفے سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر گوشت سے جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے اور ناقص بھی۔ تاکہ تم پر حقیقت واضح کریں کہ ہم جس نطفے کو چاہتے ہیں ایک خاص وقت تک

رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکالتے ہیں تاکہ انسان جوان ہو جا اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلالیا جاتا ہے اور کوئی ناکارہ عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد سب کچھ بھول جائے تم دیکھتے ہوکہ زمین خشک ہوتی ہے پھر ہم نے اس پر بارش برسائی کہ یکا یک وہ اُبھری اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم کی خوش نما نباتات اُگلنی شروع کر دی۔'' (الحج:۵)

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ قَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهٗ فِي بَطْنِ أُمِّهٖ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ مَلَكًا فَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ وَيُقَالُ لَهٗ أُكْتُبْ عَمَلَهٗ وَرِزْقَهٗ وَأَجَلَهٗ وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحُ ......)) (رواه البخاری : باب ذکر الملائکة)

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں صادق و مصدوق رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ تم میں سے ہر کوئی اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن ٹھہرتا ہے پھر جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر چالیس دن بعد گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتے ہیں اسے آدمی کا عمل ،رزق ،موت اور نیک و بد ہونا لکھنے کا حکم ہوتا ہے پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔..........''

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوسرا صور پھونکنے کا عرصہ چالیس ہو گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگردوں نے پوچھا چالیس دن ؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں جانتا۔انہوں نے استفسار کیا چالیس ماہ ؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا میرا کوئی جواب نہیں۔انہوں نے پھر پوچھا چالیس سال ہیں؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں یہ بھی نہیں کہتا اس کے بعد اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا لوگ یوں اُگیں گے جس طرح انگوری اگتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انسان کی دُمچی کے علاوہ ہر چیز مٹی ہو جائے گی اور قیامت کے دن دومچی سے تمام اعضاء کو جوڑا جائے گا۔'' (رواه البخاری:باب ﴿يوم ينفخ في الصور فتأتون أفواجا﴾ زمرا)

مسائل

۱۔ انسان منی کے ایک قطرے سے پیدا ہوتا ہے۔۲۔ اللہ تعالیٰ منی کے قطرے سے انسان کا وجود اور جوڑ بناتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہی رحمِ مادر میں بچہ یا بچی پیدا کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔۴۔ اللہ تعالیٰ مردوں کودوبارہ زندہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

تخلیق انسانی کے مختلف مراحل:

۱۔ ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ (المومنون:۱۲) ۲۔ ''اللہ'' نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ (آل عمران:۵۹)

۳۔ حوا کو آدم سے پیدا کیا۔ (النساء:۱) ۴۔ ''اللہ'' نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا۔ (النحل:۴)

۵۔ ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔ (الدھر:۲)

سورة الدّھر کا تعارف

اس سورت کا نام اس کی پہلی آیت میں موجود ہے یہ مدنی سورت ہے اس کی اکتیس آیات ہیں، جنہیں دو رکوع میں تقسیم کیا گیا ہے۔الدّھر کا معنٰی زمانہ ہے اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتداء میں ہر انسان کو اس کا وہ دور یعنی زمانہ یاد کروایا ہے جب انسان کا س کائنات میں ذکر اور وجود نہیں تھا۔ یہ کیفیت ہر انسان پر اس لیے چسپاں ہوتی ہے کہ انسان کی پیدائش سے پہلے اس کے ماں باپ کو بھی علم نہیں ہوتا کہ ہمارے ہاں بچہ پیدا ہو گا یا بچی،خوبصورت ہو گا عام صورت یا غریب ہو گا یا خوشحال لہٰذا ہر اعتبار سے ہر انسان اپنی پیدائش سے پہلے غیر متعارف ہوتا ہے۔ انسان کو اس کا ماضی یاد کروانے کے بعد اس کی تخلیق یاد کروائی ہے کہ ہم نے انسان کو ایک مخلوط لوتھڑے سے پیدا کیا ہے تا کہ اس کا امتحان لیں یہ اچھے عمل کرتا ہے یا بُرے۔ اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا ہے۔ ہم نے اسے راستے کی راہنمائی کی ہے۔ اب اس کی مرضی ہے کہ شکر کرنے والا بنتا ہے یا کفر پسند کرتا ہے۔ کفر کرنے والوں کے لیے ہم نے طوق اور زنجیریں اور جہنم تیار کیا ہے۔شکر کرنے والے جنت میں ہونگے اور وہ شراب کے ایسے جام پئیں گے جن میں کافور ملا ہوا ہو گا وہاں اس کا ایک چشمہ ہو گا۔ جس سے جنتی اپنی مرضی کے ساتھ اس سے نہریں نکالیں گے۔ جنتیوں کے اوصاف میں یہ وصف بھی ہوں گے کہ وہ دنیا میں اپنی نذریں پوری کرتے تھے۔ اللہ کی محبت میں مساکین، یتامیٰ اور قیدیوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے اور قیامت کے دن سے ڈرا کرتے تھے۔ ان کے نیک اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن کی سختیوں سے بچائے گا اور انہیں خوش کرے گا۔ انہیں جنت میں ریشمی لباس پہنایا جائے گا، وہ اونچی مسندوں پر تکیے لگائے تشریف فرما ہوں گے، انہیں نہ سردی چھوئے گی اور نہ گرمی لگے گی۔ ان کے سامنے جنت کے خدام شیشے اور چاندی سے بنے ہوئے شراب کے ایسے جام پیش کریں گے جن میں سونڈھ کی آمیزش ہو گی۔ ان کی خدمت کرنے والے خدام ایسے لڑکے ہوں گے جو ہمیشہ ایک ہی عمر میں رہیں گے۔ دیکھنے والا انہیں چلتے پھرتے موتی محسوس کرے گا۔ جنتی جدھر نظر اٹھائیں گے ایک سے ایک بڑھ کر جنت کی نعمتیں پائیں گے، اور انہیں بہت بڑی جنت عطاء کی جائے گی۔ اس سورت کے آخر میں نبی علیہ السلام کو براہ راست ارشاد ہوا کہ ہم نے آپ پر قرآن مجید نازل کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ آپ اس کے ذریعے لوگوں کے عقائد اور کردار کی اصلاح کریں۔ اس راستے میں جو مشکلات پیش آئیں ان پر صبر کریں اور کسی حال میں بدکردار اور حق کا انکار کرنے والے کے پیچھے نہیں چلنا۔آپ کو چاہیے کہ صبح و شام اپنے رب کی تسبیح کرتے رہیں اور رات کے طویل اوقات میں اپنے رب کو سجدے کریں گے اور اسے یاد کریں جو لوگ آپ کی دعوت کا انکار کرتے ہیں حقیقت میں وہ دنیا سے محبت کی وجہ سے قیامت کے دن کو بھول چکے ہیں انہیں یاد نہیں کہ ہم نے انہیں پیدا کیا، ہم نے ان کے جوڑ بنائے اور ہم جب چاہیں ان کی شکل و صورت کو بدل سکتے ہیں ہم نے انہیں ایک مدّت کے لیے ڈھیل دی ہے اب جو چاہے اپنے رب کا راستہ اختیار کرے یا اس کی نافرمانی میں لگا رہے البتہ انہیں معلوم ہونا چاہیے جو اپنے رب کا راستہ اختیار کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا اور جو اس کی نافرمانی کا راستہ اختیار کرے گا ان کے لیے اذّیت ناک عذاب ہو گا۔

سُورَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا: ٣١ رُكُوْعُهَا: ٢

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

هَلْ	اَتٰى	عَلَى الْاِنْسَانِ	حِيْنٌ	مِّنَ الدَّهْرِ	لَمْ	يَكُنْ	شَيْـًٔا	
کیا	آیا	انسان پر	ایک وقت	زمانے سے	نہیں	تھا	کوئی چیز	
مَّذْكُوْرًا ①	اِنَّا خَلَقْنَا	الْاِنْسَانَ	مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ	نَّبْتَلِيْهِ				
قابلِ ذکر	بلاشبہ ہم نے پیدا کیا	انسان کو	ایک ملے جلے نطفے سے	ہم اسے آزمائیں گے				
فَجَعَلْنٰهُ	سَمِيْعًا	بَصِيْرًا ②	اِنَّا	هَدَيْنٰهُ	السَّبِيْلَ	اِمَّا		
لہذا ہم نے اسے بنایا	سننے والا	دیکھنے والا	بلاشبہ ہم نے	راہنمائی دی اسے	راستے کی	خواہ		
شَاكِرًا	وَّاِمَّا	كَفُوْرًا ③						
وہ شکر ادا کرے	اور خواہ	ناشکری کرے						

’’انسان پر ایسا دور بھی گزرا ہے جب وہ قابلِ ذکر چیز نہ تھا؟(۱) ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔(۲) ہم نے اسے راستے کی راہنمائی کی، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔‘‘(۳)

فہم القرآن

ربطِ سورت: القیامہ کے آخر میں یہ بتلایا گیا ہے کہ انسان کو ایک نطفہ سے پیدا کیا گیا اور پھر نر اور مادہ کی صورت میں جوڑے بنا دیئے، دنیا میں انسان کا وجود نطفہ سے پہلے نہیں ہوتا جس کا ذکر اس سورت کی ابتداء میں یوں کیا گیا ہے کہ کیا انسان کو معلوم نہیں کہ زمانے میں اس کا ذکر تک موجود نہیں تھا پھر ’’اللہ تعالیٰ‘‘ نے اسے انسان کی شکل میں پیدا فرمایا۔

سورۃ الدھر کی ابتدا میں ’’ھَلْ‘‘ کا لفظ استعمال فرما کر سوال کیا ہے کہ انسان کو معلوم نہیں کہ اس پر ایک ایسا دور گزرا ہے کہ جب اس کا ذکر تک نہیں تھا اس دور سے مراد تین ادوار ہو سکتے ہیں۔

۱۔ تخلیقِ آدم سے پہلے کا دور۔۲۔ انسان کی تخلیق کا دورانیہ جب وہ رِحمِ مادر میں ہوتا ہے۔۳۔ انسان کے بچپن کا دور جب وہ کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا فرمایا۔ ’’مَشِيْجٌ‘‘ کی جمع ’’اَمْشَاجٍ‘‘ ہے اس سے مراد میاں بیوی کے نطفے کے وہ اجزاء ہیں جو رِحمِ مادر میں آپس میں ملتے ہیں۔ اسی سے انسان کا وجود بنتا ہے اور انہی اجزاء کی بنیاد پر انسان کی رنگت ،لیاقت اور قد وقامت وجود میں آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرما کر کھلا نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کی راہنمائی

کا بندوبست فرمایا اوراسے سننے اوردیکھنے کی صلاحیتیں عطا فرمائیں جس کے لیے ''سمیع'' اور ''بصیر'' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ بظاہرتو ہرجاندار کان اورآنکھیں رکھتا ہے مگر ''سمیع'' اور ''بصیر'' کے اعتبار سے جو صلاحیتیں انسان کو عطا کی گئی ہیں وہ کسی اور جاندار میں موجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اسے ''سمیع'' اور ''بصیر'' بنایا ہے بلکہ اسے یہ صلاحیت بھی بخشی ہے کہ انسان جو کچھ سنتا اوردیکھتا ہے اس میں امتیاز کرنے کی دوسری مخلوق سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی دیکھنے اور سننے کی صلاحیتوں کو صحیح سمت پر چلانے کے لیے اس کی راہنمائی کا بندوبست فرمادیا ہے کیونکہ انسان کو ''سمیع'' اور ''بصیر'' بنایا ہے اس لیے اسے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہنمائی سے فائدہ اٹھائے یاانحراف کرے۔ یہ بات اس کے دل میں ڈال دی گئی ہے۔ ''برائی اور پرہیزگاری بتلائی دی گئی ہے۔'' (الشمس:۸)

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اترجانے کا حکم دیا، اس حکم کے ساتھ ہی یہ بھی حکم ہوا کہ اے آدم! جب میری ہدایت تم تک پہنچے تو اس کی اتباع کرنا۔ جس نے میری راہنمائی کو قبول کیا اوراس کی اتباع کی تو اسے کوئی خوف وخطر نہیں ہوگا۔ اس ہدایت کو واضح کرنے اورلوگوں کے سامنے عملی نمونہ پیش کرنے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث کیے گئے جنہوں نے لوگوں کی راہنمائی کرنے کا حق ادا کردیا۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی تشریف آوری اوراللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہدایت کا پہلا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے رب کی پہچان حاصل کرے اور اس کی نعمتوں کا اعتراف کرے جس نے اس کی ذات کی معرفت پالی اوراس کی نعمتوں کا ادراک کرلیا وہ ضرور اس کی بندگی بجالائے گا۔ ہدایت کے بنیادی اجزاء تین ہیں۔

۱۔اللہ تعالیٰ پر بلاشرکت غیرے ایمان لاکر خالص اس کی بندگی کرنا یعنی پوری زندگی کو اس کے حکم کے تابع کر دینا۔ ۲۔اللہ تعالیٰ کی بندگی کا تقاضا ہے کہ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری طرح اتباع کی جائے اس کے بغیر کوئی عبادت قبول نہیں ہوگی۔ ۳۔اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرتے ہوئے یقین رکھنا کہ ایک دن آنے والا ہے جب مجھے نیکی کی جزا اور برائی کی سزا دی جائے گی۔

مسائل

۱۔ ہرانسان پر ایسا دور گزرا ہے کہ اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا تھا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزمانے کے لیے اسے ''سمیع'' اور ''بصیر'' بنایا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو شکر اور کفر کے راستے میں فرق بتلا دیا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہدایت اورگمراہی سمجھا کر کھلا چھوڑ دیا ہے:

(البقرۃ:۱۲۰) (القصص:۵۶) (البقرۃ:۲۱۳) (الاعراف:۴۳) (الاعراف:۱۸۶) (النساء:۸۸)

وَسَعِيْرًا ۝	وَاَغْلٰلًا	سَلٰسِلَاْ	لِلْكٰفِرِيْنَ	اَعْتَدْنَا	اِنَّآ
اور بھڑکتی آگ	اور طوق	زنجیریں	کافروں کے لیے	تیار کر رکھی ہیں	بلاشبہ ہم نے

''کفر کرنے والوں کے لیے ہم نے زنجیریں ،طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔'' (۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفر اختیار کرنے والوں کی سزا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیکھنے ،سننے اور سوچنے کی اس قدر صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی قدرتوں، اپنے وجود اور قرآن مجید پر معمولی سا غور کر لے تو انسان کبھی کفر کا راستہ اختیار نہ کرے، انسان اسی وقت ہی کفر کا راستہ اختیار کرتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ راہنمائی اور اس کی قدرتوں اور نعمتوں پر غور نہیں کرتا ،یہی غفلت اس کے جہنّم جانے کا سبب بنے۔ اس لیے جب جہنّمیوں سے پوچھا جائے گا کہ تم کس وجہ سے جہنّم میں داخل کیے گئے تو وہ اس بات کا اقرار اور اظہار کریں گے کہ کاش! ہم سننے اور عقل کرنے والے ہوتے تو جہنّم میں داخل نہ کیے جاتے۔ (الملک:۱۰،۱۱) جہنّمیوں کو صرف جہنّم میں داخل ہی نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کے گلے میں طوق اور ان کے پاؤں میں بڑی بڑی بیڑیاں ڈالی جائیں گی اور انہیں زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا۔

''اسے پکڑو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو پھر اس کو جہنّم میں جھونک دو اور پھر اس کو ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔'' (الحاقۃ : ۳۰ تا ۳۲)

''آپ کیا جانیں کہ وہ چکنا چور کرنے والی کیا ہے؟ اللہ کی آگ خوب بھڑکائی ہوئی ہے، جو دلوں تک پہنچے گی اور اُن پر ڈھانک کر بند کر دی جائے گی، جو اُونچے اُونچے ستونوں کی شکل میں ہوگی۔ (ہمزہ:۵تا۹)

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أُوقِدَ عَلَی النَّارِ أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّی احْمَرَّتْ ثُمَّ أُوقِدَ عَلَیْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّی ابْیَضَّتْ ثُمَّ أُوقِدَ عَلَیْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّی اسْوَدَّتْ فَهِیَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ)) (رواہ الترمذی : کتاب صفة جهنم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ کی آگ کو ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی پھر اس کو ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا تو وہ سفید ہوگئی پھر اس کو ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا یہاں تک وہ سیاہ ہوگئی اب وہ سیاہ ہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے جہنّم میں کفار کے لیے بڑی بڑی زنجیریں اور طوق تیار کر رکھے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے جہنّم کی آگ کو دہکا رکھا ہے۔

اِنَّ	الْاَبْرَارَ	يَشْرَبُوْنَ	مِنْ كَاْسٍ	كَانَ	مِزَاجُهَا	كَافُوْرًاۚ
یقیناً	نیک لوگ	پئیں گے	ایسے جام سے	ہو گی	اس میں ملاوٹ	کافور کی

عَيْنًا	يَّشْرَبُ	بِهَا	عِبَادُ اللّٰهِ	يُفَجِّرُوْنَهَا	تَفْجِيْرًا۝
چشمہ	پئیں گے	اس میں سے	اللہ کے بندے	وہ بہا لے جائیں گے اسے	آسانی سے بہا لے جانا

''نیک لوگ شراب کے جام پئیں گے جن میں کافور کی آمیزش ہو گی۔(۵) اس کا چشمہ جاری ہو گا جس سے اللہ کے بندے شراب پئیں گے اور جہاں چاہیں گے آسانی کے ساتھ اسے بہا لے جائیں گے۔''(٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفر کرنے والوں کے مقابلے میں شکر کرنے والوں کا انعام۔

جن لوگوں نے سمع وبصر اور عقل وفکر سے کام لیا اور اپنے خالق کی پہچان کی اور اس کے حکم کی پیروی کرتے رہے وہ اپنے خالق کے ہاں نیکوکار تصور ہوں گے ،انہیں جنّت میں داخل کیا جائے گا جس میں انہیں پینے کے لیے صاف، پاکیزہ پانی ،دودھ ،شہد اورشراب دی جائے گی جس میں کافور کی آمیزش ہوگی اوراس میں کسی قسم کا نشہ اور فطور نہیں ہوگا۔ جنّت میں شراب کا ایک چشمہ ہوگا جس سے جنّتی اپنی مرضی سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکال کر لے جائیں گے، ان سے جنّتی شراب حاصل کریں گے اورنوشِ جاں کریں گے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ جنّتی کدالوں کے ذریعے نالیاں کھود کا شراب کو جدھر چاہیں گے لے جائیں گے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ شراب پر ان کو اختیار دے گا وہ جس طرح چاہیں گے پئیں گے اور جہاں چاہیں گے لے جائیں گے۔(اللہ اعلم!)

مسائل

١۔ نیک لوگ جنّت میں کافور ملی ہوئی شراب نوش فرمائیں گے۔

٢۔ جنّت میں شراب کا چشمہ ہوگا جس سے بہت سی چھوٹی چھوٹی آبشاریں نکلیں گی۔

٣۔ اللہ کے بندے جنّت کی شراب سے لطف اندوز ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

جنّت کی شراب کی کیفیت:

١۔ جنّتیوں کوشرابِ طہور دی جائے گی۔(الدھر:٢١)(الصّافات:٤٦، ٤٧،الواقعہ:١٩)

يُوفُونَ بِالنَّذۡرِ وَيَخَافُونَ يَوۡمًا كَانَ شَرُّهُۥ مُسۡتَطِيرًا ۝٧ وَ

وہ پوری کرتے ہیں نذر اور وہ ڈرتے ہیں ایسے دن سے ہو گا اس کا شر پھیل جانے والا اور

يُطۡعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِۦ مِسۡكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝٨ إِنَّمَا

وہ کھلاتے ہیں کھانا اس کی محبت پر مسکین کو اور یتیم کو اور قیدی کو بس

نُطۡعِمُكُمۡ لِوَجۡهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمۡ جَزَآءً وَلَا

ہم تو تمہیں کھانا کھلاتے ہیں اللہ ہی کے لیے نہیں ہم چاہتے تم سے کوئی جزا اور نہ

شُكُورًا ۝٩ إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوۡمًا عَبُوسًا قَمۡطَرِيرًا ۝١٠

شکریہ بلاشبہ ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے اس دن سے جو چہرے بگاڑ دینے والا بہت لمبا

فَوَقَىٰهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الۡيَوۡمِ وَلَقَّىٰهُمۡ نَضۡرَةً وَسُرُورًا ۝١١

سو بچائے گا انہیں اللہ اس دن کے شر سے اور انہیں عطا کرے گا تازگی اور سرور

”جنتی وہ لوگ ہوں گے جو نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی دہشت ہر طرف پھیلی ہوئی ہو گی۔(٧) اور یہ لوگ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔(٨) ہم تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں تم ہم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔(٩) ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے جو بڑا مصیبت والا طویل دن ہو گا۔(١٠) پس اللہ انہیں اس دن کے شر سے بچا لے گا اور انہیں تازگی اور سرور عطا فرمائے گا“(١١)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنتیوں کے مزید اوصاف۔

جنتیوں میں یہ اوصاف بھی بدرجہ اتم پائے جائیں گے کہ دنیا میں رہتے ہوئے وہ لوگ نذر مانتے تھے تو اس کو کماحقہٗ پورا کرتے تھے ،نذر سے مراد وہ عمل یا صدقہ ہے جو مسلمان اپنے طور پر اپنے آپ پر واجب کرلیتا ہے ، نذر وہی ماننی چاہیے جسے اللہ اوراس کے رسول نے جائز قرار دیا ہے ،اس نذر کو پورا کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ نذر ماننے والا شخص دوسرے فرائض بھی بدرجہ اتم پورے کرنے والا ہے جو شخص نذر پوری کرتا ہے لیکن فرائض سے غافل رہتا ہے وہ اس اجر کا مستحق نہیں ہوگا جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ اس لیے نذر پوری کرنے والوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اس دن کے احتساب سے ڈرنے والے ہیں جس دن کی سختی پوری مخلوق کو گھیرے ہوئے ہوگی۔ جن و انس تو درکنار اس دن ملائکہ بھی اپنے رب کے جلال سے خوف زدہ ہوں گے، جو مسلمان اس تصور کے ساتھ اپنی نذریں پوری کرتے اور اپنے رب کی رضا کی خاطر مسکینوں ،یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور اس عمل کے پیچھے ان کا

مقصد بدلہ لینا یا شکریہ طلب کرنا نہیں ہوتا ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ان کا رب ان پر راضی ہو جائے کیونکہ وہ اپنے رب سے اس دن کے بارے میں ڈرتے ہیں جس دن چہرے خوفزدہ ہوں گے اور دل کانپ رہے ہوں گے۔ نذر پوری کرنے ،یتیموں ،مسکینوں اور فقیروں کو کھانا کھلانے کی وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ نہ صرف اس دن کی سختیوں سے محفوظ فرمائے گا بلکہ ان کے چہروں کو تازگی اور ان کے دلوں کو سرور بخشے گا۔ قرآن مجید کے دوسرے مقام پر بیان ہوا ہے کہ قیامت کے دن کچھ چہرے سیاہ ہو جائیں گے اور کچھ چہرے روشن ہوں گے (آلِ عمران:١٠٦،١٠٧)

جو چہرے کالے ہوں گے ان پر ذلّت اور نحوست چھائی ہوگی اور جو چہرے سفید ہوں گے وہ تروتازہ اور ہشاش بشاش ہوں گے۔(القیامہ:٢٢،٢٤)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ أَنَّ رَجُلًا شَكَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَسْوَةَ قَلْبِهٖ فَقَالَ لَهٗ إِنْ أَرَدْتَّ تَلْيِيْنَ قَلْبِكَ فَأَطْعِمِ الْمِسْكِيْنَ وَامْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيْمِ))(رواہ احمد: باب مسند أبی ھریرۃ ھٰذا حدیث صحیح)

”حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے دل کی سختی کے متعلق شکایت کی تو آپ نے فرمایا: اگر تو اپنے دل کو نرم کرنا چاہتا ہے تو مسکین کو کھانا کھلا اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا۔“

((وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِيْ مَعْصِيَةٍ وَلَا فِيْمَا لَا يَمْلِكُ الْعَبْدُ))(رواہ مسلم: باب لا وفاء لنذر فی معصیۃ)

”حضرت عمران بن حصین ؓ بیان کرتے ہیں رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا نافرمانی کی نذر کو پورا نہ کیا جائے اور جو چیز انسان کے قبضہ میں نہیں اسکی نذر نہ مانی جائے۔“

مسائل

١۔ جو لوگ اپنی نذریں پوری کرتے ہیں اور قیامت کی سختیوں سے ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے چہرے تروتازہ فرمائے گا۔

٢۔ جو لوگ صرف اپنے رب کی رضا کی خاطر مسکینوں ،یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کی سختیوں سے بچائے گا اور ان کے چہروں کو ہشاش بشاش کر دے گا۔

٣۔ اللہ کے بندے مسکینوں ،یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلا کر بدلے اور شکریے کے طلبگار نہیں بنتے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن جنّتیوں کے چہرے ہشاش بشاش اور روشن ہوں گے:

١۔ متقین کے چہرے ہشاش بشاش ہوں گے۔(یونس:٢٦)

٢۔ جنّتیوں کے چہرے پرنور ہوں گے۔(آل عمران:١٠٧) ٣۔ مومنوں کے چہرے تروتازہ ہوں گے۔(الغاشیہ:٨)

٤۔ مومنوں کے چہرے خوش وخرم ہوں گے۔(العبس:٣٨) ٥۔ مومنوں کے چہرے تروتازہ ہوں گے۔(القیامۃ:٢٢)

وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿١٢﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا

اور جزا دے گا انہیں بوجہ اسکے جو انہوں نے صبر کیا جنّت اور ریشمی لباس وہ تکیہ لگائے ہوں گے اس میں

عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿١٣﴾ وَدَانِيَةً

تختوں پر نہیں دیکھیں گے وہ اس میں سخت دھوپ اور نہ سخت سردی اور جھکے ہوں گے

عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿١٤﴾ وَيُطَافُ

ان پر اس کے سائے اور قریب کردیئے جائیں گے اس کے پھل نہایت قریب اور پیش کیے جائیں گے

عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ ﴿١٥﴾

ان پر برتن چاندی کے اور ایسے پیالے جو ہوں گے شیشے کے

”اور انہیں صبر کے بدلے جنّت اور ریشمی لباس دیا جائے گا۔(۱۲) وہاں اونچی مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے نہ انہیں دھوپ کی گرمی ستائے گی نہ سردی کی ٹھنڈک۔(۱۳) ان پر جنّت کی چھاؤں جھکی ہوئی سایہ کر رہی ہوگی اور اس کے پھل ہر وقت ان کے قریب تر ہوں گے۔(۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نیک لوگوں کی جزا اور انعام کا ذکر جاری ہے۔

نیک لوگوں کو جزا اور انعام اس لیے دیا جائے گا کیونکہ وہ اللہ کی توحید پر ایمان رکھتے تھے اور نبی ﷺ کی اطاعت کیا کرتے رہے اور دیگر نیک اعمال کے ساتھ اپنی نذروں کو پورا کرتے تھے، صرف اللہ کی رضا کی خاطر مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ کیونکہ یہ کام بڑے حوصلے کے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کے جنّت میں داخل کیا جائے گا۔ صابر حضرات کو دیگر انعامات کے ساتھ ریشم کے لباس پہنائے جائیں گے، وہ تکیوں پر ایسے مقامات پر جلوہ افروز ہوں گے جنہیں نہ دھوپ لگے گی اور نہ ہی سردی چھوئے گی، ان پر اس طرح کے سایہ دار درخت ہوں گے جن کی شاخوں پر پھل ٹپک رہے ہوں گے۔ جنّت کے خدّام شیشے اور چاندی سے بنے ہوئے صاف اور شفاف جام لیے ہوئے جنّتیوں کے آگے پیچھے پھریں گے۔ جنّتیوں کو ایسی شراب پیش کی جائے گی جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی یہ جنّت میں اس چشمے سے نکلے گی جس کا نام سلسبیل ہے۔ جنّتیوں کو شراب پلانے اور ان کی خدمت کرنے والے غلمان ہمیشہ ایک جیسے رہیں گے، ان کے حسن و جمال کا عالم یہ ہوگا کہ دیکھنے والا انہیں چمکتے ہوئے موتی تصور کرے گا۔ جنّتی جنّت میں جدھر بھی آنکھ اٹھائے گا وہ ہر قسم کی نعمتیں پانے کے ساتھ اپنے لیے بہت بڑی سلطنت پائے

قرء حفص بغیر الف فی الوصل وفیہا

قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿١٦﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا

شیشے چاندی کے اندازہ لگائیں گے وہ ان کا پورا پورا اندازہ لگانا اور وہ پلائے جائیں گے اس میں

كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿١٧﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿١٨﴾

ایسا جام ہوگی اس میں ملاوٹ زنجبیل کی ایک چشمہ اس میں نام رکھا گیا ہے سلسبیل

وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ

اور گھومیں گے ان پر ایسے لڑکے جو ہمیشہ رہیں گے جب تو دیکھے انہیں

حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿١٩﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ

تو سمجھے گا ان کو موتی بکھرے ہوئے اور جب تو دیکھے گا وہاں دیکھے گا تو

ان کے آگے چاندی کے برتن اور شیشے کے پیالے گردش کرائے جا رہے ہوں گے۔(۱۵) شیشے بھی وہ جو چاندی کی قسم کے ہونگے اور ان کو ٹھیک اندازے کے مطابق بھرا ہو گا۔(۱۶) وہاں انہیں ایسی شراب کے جام پلائے جائیں گے جس میں سونٹھ کی آمیزش ہو گی۔(۱۷) جنّت کا ایک چشمہ ہو گا جس کا نام سلسبیل ہے۔(۱۸) ان کی خدمت کے لیے ایسے لڑکے دوڑتے پھر رہے ہوں گے جو ہمیشہ ایک جیسے رہیں گے، تم انہیں دیکھو تو سمجھو گے کہ موتی ہیں جو بکھیر دیے گئے ہیں۔(۱۹) جدھر بھی تم نگاہ ڈالو گے نعمتیں ہی نعمتیں اور ایک بڑی سلطنت کا سروسامان تمہیں نظر آئے گا۔''(۲۰)

گا۔گویا کہ اسے وسیع ترین جنّت دی جائے گی۔انہیں دیباج اور اطلس کے زرق برق لباس پہنائے جائیں گے اور چاندی کے کنگن ان کی کلائیوں میں ہوں گے۔ان کے رب کے حکم سے انہیں شرابِ طہور پلائی جائے گی۔ ارشاد ہو گا کہ یہ تمہاری کوشش کا صلہ ہے جو ہمارے ہاں قبول ہو چکی ہے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ ﷺ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ لِلْمُؤْمِنِ فِي الْجَنَّةِ لَخَيْمَةً مِنْ لُؤْلُؤَةٍ وَاحِدَةٍ مُجَوَّفَةٍ طُوْلُهَا سِتُّوْنَ مِيْلًا لِلْمُؤْمِنِ فِيْهَا أَهْلُوْنَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمُ الْمُؤْمِنُ فَلَا يَرٰى بَعْضُهُمْ بَعْضًا)) (رواه مسلم: باب في صفة خيام الجنة .....)

''حضرت عبداللہ بن قیس اپنے باپ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ کا فرمان ہے کہ جنّت میں مومن کے لیے موتی کا ایک ایسا خیمہ ہوگا جس کی لمبائی ساٹھ میل ہوگی وہاں مومن کے گھر والے ہوں گے جن کے ہاں وہی جائے گا دوسرا انہیں دیکھ نہیں پائے گا۔''

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ وَاقْرَءُوْا إِنْ شِئْتُمْ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾)) (رواه البخاري: باب ماجاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة)

نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ۞ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ

نعمت | اور سلطنت | بہت بڑی | ان پر | لباس | باریک | سبز | اور دبیز ریشم کے

وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۞

اور زیور پہنائے جائیں گے | کنگن | چاندی کے | اور انہیں پلائے گا | ان کا رب | شرابِ طہور

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۞ ع

بلاشبہ | یہ | ہے | تمہارے لیے | جزا | اور | ہے | تمہاری کوشش | قابلِ قدر

ان کے لباس باریک ریشم کے سبز لباس اور اطلس ودیبا کے ہوں گے، ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے، اور ان کا رب ان کو نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔(۲۱) یہ ہے تمہاری جزا اور تمہاری کوشش کی قدر افزائی۔"(۲۲)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار کی ہیں، جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی ان کے متعلق کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال پیدا ہوا۔ اگر چاہو تو اس آیت کی تلاوت کرو۔ ﴿کوئی نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چیز چھپا کے رکھی گئی ہے۔"﴾

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا، نماز قائم کی، رمضان کے روزے رکھے' اللہ تعالیٰ نے ذمہ لے لیا ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ خواہ اس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا یا اپنی پیدائش کے علاقے میں رہا صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! اجازت ہو تو ہم لوگوں کو یہ خوش خبری سنائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ جنت کی سومنزلیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان لوگوں کے لیے تیار کیا ہے، جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر دو منزلوں کے درمیان زمین و آسمان کے برابر فاصلہ ہے۔ جب تم اللہ سے جنت کا سوال کرو تو اس سے جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ اعلیٰ وافضل جنت ہے اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔"

(رواہ البخاری: کتاب الجہاد)

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُكَيْمٍ قَالَ كُنَّا مَعَ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ بِالْمَدَآئِنِ فَاسْتَسْقٰى حُذَيْفَةُ فَجَآءَهٗ دِهْقَانٌ بِشَرَابٍ فِىْ إِنَاءٍ مِّنْ فِضَّةٍ فَرَمَاهُ بِهٖ وَقَالَ إِنِّىْٓ أُخْبِرُكُمْ أَنِّىْ قَدْ أَمَرْتُهٗٓ أَنْ لَّا يَسْقِيَنِىْ فِيْهِ فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَشْرَبُوْا فِىْ إِنَآءِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا تَلْبَسُوا الدِّيْبَاجَ وَالْحَرِيْرَ فَإِنَّهٗ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا وَهُوَ لَكُمْ فِى الْآخِرَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (رواہ مسلم: کتاب

اللباس و الزینة، باب تَحْرِیمِ اسْتِعْمَالِ إِنَاءِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّةِ عَلَی الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ)
''حضرت عبداللہ بن علیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدائن میں تھے۔حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پانی طلب کیا تو ایک کاشتکار چاندی کے برتن میں پانی لے کر حاضر ہوا۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے پھینک دیااور فرمایا کہ میں تمہیں یہ بات بتلاتے ہوئے حکم دیتاہوں کہ کوئی مجھے ایسے برتن میں پلائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیو۔زیور اور ریشمی لباس نہ پہنو(مرد) یہ دنیا میں کافروں کے لیے ہیں اورتمہارے لیے آخرت میں ہیں۔''

مسائل

۱۔ جنّت میں جنّتی ایسی جگہوں پر تکیہ لگائے تشریف فرما ہوں گے جہاں اللہ تعالیٰ انہیں دھوپ اورسردی سے بچائے گا۔
۲۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ خوش وخرم رکھے گا۔۳۔ جنّتیوں کو جنّت کے باغات اورریشمی لباس دیئے جائیں گے۔
۴۔ جنّتیوں کے سامنے جنّت کے پھل لٹک رہے ہوں گے۔
۵۔ جنّت کے غِلمان چاندی اورشیشے سے بنے ہوئے جاموں میں جنّتیوں کوشراب پیش کریں گے۔
۶۔ جنّت میں شراب کا ایک چشمہ ہوگا جس کا نام سلسبیل ہے اس شراب میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

جنّت کے چشمے اورنہریں :

۱۔ ہم نے اس میں کھجوروں ،انگوروں کے باغ بنائے ہیں اور ان میں چشمے جاری کیے ہیں۔(یٰس:۳۴)
۲۔ یقیناً متقین باغات اور چشموں میں ہوں گے۔(الذاریات:۱۵)
۳۔ اللہ نے مومن مرداورعورتوں سے جنّت کا وعدہ کیا ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔اللہ کی رضابڑی بات ہے۔(التوبہ:۷۲)
۴۔ ایمان والوں کو جنّت میں داخل کیا جائے گا جس میں نہریں بہتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔(النساء: ۵۷)
۵۔ جس جنّت کا مومنوں کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اور اس کے پھل اور سائے ہمیشہ کے لیے ہوں گے۔(الرعد :۳۵)
۶۔ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے جنّت ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔(آل عمران :۱۹۸)
۷۔ مومنوں کے ساتھ جس جنّت کا وعدہ کیا گیا ہے اس میں چارقسم کی نہریں ہوں گی۔پانی کی نہر،دودھ کی نہر، شراب کی نہراورشہد کی نہر۔(سورۃ محمد:۱۵)
۸۔ متقین گھنے سایوں اور چشموں والی جنّت میں ہوں گے۔(المرسلات:۴۱)

اِنَّا نَحۡنُ	نَزَّلۡنَا	عَلَيۡكَ	الۡقُرۡاٰنَ	تَنۡزِيۡلًا ﴿۲۳﴾	فَاصۡبِرۡ
یقیناً ہم نے	اتارا	آپ پر	قرآن	تھوڑا تھوڑا اتارنا	پس آپ صبر کریں
لِحُكۡمِ رَبِّكَ	وَلَا	تُطِعۡ	مِنۡهُمۡ	اٰثِمًا	اَوۡ كَفُوۡرًا ﴿۲۴﴾ وَاذۡكُرِ
اپنے رب کے حکم کیلئے	اور نہ	اطاعت کریں	ان میں سے	کسی گناہ گار	یا کسی کافر کی اور یاد کریں
اسۡمَ	رَبِّكَ	بُكۡرَةً	وَّاَصِيۡلًا ﴿۲۵﴾	وَ	مِنَ الَّيۡلِ فَاسۡجُدۡ
نام	اپنے رب کا	صبح	اور شام	اور	رات میں بھی پس آپ سجدہ کریں
لَهٗ	وَسَبِّحۡهُ	لَيۡلًا	طَوِيۡلًا ﴿۲۶﴾		
اس کے لیے	اور اس کی تسبیح کریں	رات میں	دیر تک		

''اے نبی ہم نے آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن نازل کیا ہے۔(۲۳) لہٰذا آپ اپنے رب کے حکم سے صبر کریں اور ان میں سے کسی بدعمل یا کافر کی بات نہ مانیں۔(۲۴) اپنے رب کا نام صبح وشام یاد کریں۔(۲۵) رات کو بھی اس کے حضور سجدہ ریز ہوں اور رات کے طویل اوقات میں اس کی تسبیح کیا کریں۔'' (۲۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سورت کی ابتداء میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرما کر اسے یہ بات بتلا دی ہے کہ اے انسان تو شکر اور کفر میں جس کا چاہے انتخاب کرلے جو لوگ کفر کریں گے انہیں جہنم میں رنجیروں سے جکڑا جائے گا اور ان کے لیے جہنم کی آگ تیار کی گئی ہے، جو لوگ شکر کا راستہ اختیار کریں گے ان کے اعمال کی قدر دانی کی جائے گی۔ان کے لیے جنت کی نعمتیں ہوں گی ۔قرآن مجید میں ''اللہ تعالیٰ'' نے ہدایت کے راستے کو واضح کر دیا ہے اس کے باوجود لوگ ہدایت کے راستہ پر نہیں آتے تو داعی کو صبر کے ساتھ اپنا کام جاری رکھنا چاہیے۔ نبی ﷺ کو اسی بات کی تلقین کی گئی ہے۔

قرآن مجید کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ قرآن مجید کے بڑے بڑے مضامین تین میں اور یہ مضمون بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ ①۔توحید ②۔رسالت ③۔آخرت۔

اہلِ مکہ اور ہر دور کے لوگوں کی اکثریت ان تینوں باتوں کا انکار کرتی رہی ہے۔ ان مضامین کو قرآن مجید بار بار مختلف الفاظ اور انداز میں پیش کرتا ہے تاکہ لوگ ان پر ایمان لائیں اور اپنی دنیا و آخرت کو بہتر بنا لیں کیونکہ ان مضامین پر قرآن مجید بار بار زور دیتا ہے اس لیے اہلِ مکہ قرآن مجید کا انکار کرنے کے لیے مختلف بہانے کیا کرتے تھے۔ ان بہانوں میں ان کا ایک بہانہ یہ بھی تھا کہ قرآن مجید یکبارگی کیوں

نازل نہیں کیا جاتا۔ قرآن مجید نے کفار کے ان اعتراضات کے جواب درج ذیل تفسیر بالقرآن میں پیش کیے گئے ہیں۔ لیکن ٹھوس دلائل پانے کے باوجود اہلِ مکہ یاوہ گوئی کرتے رہے۔ جس پر آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ اپنے رب کے حکم کے مطابق صبر وحوصلہ سے کام لیں اور حالات جیسے بھی ہوں آپ کو کسی بدعمل اور ناشکرے کی بات نہیں ماننی چاہیے، صبر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے رب کو صبح و شام یاد کریں اور رات کے کچھ حصوں میں اپنے رب کے حضور سجدے کیا کریں اور اس کی تسبیحات پڑھیں۔ یاد رہے کہ ''اللہ'' کا ذکر انسان کو ایک طرف اس کے رب کے قریب کرتا ہے اور دوسری طرف اسے مشکلات پر قابو پانے کے لیے حوصلہ دیتا ہے۔ ''بکرۃ'' سے مراد صبح کی نماز اور ''اصیل'' کا لفظ زوال کے وقت سے لے کر مغرب کے وقت تک ہوتا ہے اس میں ظہر اور عصر کی نمازیں شامل ہیں۔ '' وَمِنَ الَّیْلِ فَاسْجُدْ لَہٗ '' سے مراد غروبِ آفتاب سے آدھی رات ہے۔ ان اوقات میں مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی جاتی ہے۔ ''لَیْلاً طَوِیْلًا '' سے مراد تہجد کا وقت ہے جو صبح صادق تک جاری رہتا ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ جہاں نبی علیہ السلام کی مشکلات کا ذکر ہوتا ہے وہاں آپ کو نماز پڑھنے اور ذکر کرنے کی یاددہانی کروائی جاتی ہے کیونکہ نماز اور اللہ کے ذکر کے بغیر مشکلات پر قابو نہیں پایا جا سکتا جو شخص مشکلات کے وقت اپنے آپ پر قابو نہیں پاتا وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا۔

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے وہ شخص زندگی کے حقائق سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا جو صبر و استقامت کا مظاہرہ نہیں کرتا۔'' (سیرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو وقفے وقفے سے نازل فرمایا ہے۔

۲۔ مسلمان کو مشکلات کے وقت اپنے رب کے حکم کے مطابق صبر کرنا چاہیے اور کسی حال میں بھی بُرے لوگوں کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے۔ ۳۔ مسلمان کو ہر حال میں اپنے رب کو یاد کرنا چاہیے۔

۴۔ اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے سے مسلمان کو حوصلہ نصیب ہوتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید یک بار کیوں نازل نہیں کیا گیا:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو یک بار اس لیے نازل نہیں کیا تاکہ قرآن کو آپ ﷺ کے دل پر اچھی طرح ثبت کر دیا جائے اور آپ اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔ (الفرقان:۳۲)

۲۔ قرآن مجید کو اس لیے آہستہ آہستہ نازل کیا گیا تاکہ آپ ﷺ تھوڑا تھوڑا کر کے لوگوں تک پہنچائیں۔ (بنی اسرائیل:۱۰۶)

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَ يَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿٢٧﴾

بلاشبہ یہ لوگ پسند کرتے ہیں دنیا کو اور چھوڑتے ہیں اپنے پیچھے بھاری دن کو

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا

ہم نے پیدا کیا انہیں اور ہم نے مضبوط کیے ان کے جوڑ اور جب ہم چاہیں گے

بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿٢٨﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ

بدل کر لے آئیں گے ان جیسے تبدیل کر کے بلاشبہ یہ نصیحت ہے

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿٢٩﴾

لہٰذا جو چاہے وہ حاصل کرے اپنے رب کی طرف راستہ

”یہ لوگ جلد ختم ہونے والی دنیا کو پسند کرتے ہیں اور جو بھاری دن آنے والا ہے اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔(٢٧) ہم نے ہی ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے جوڑ مضبوط کیے ہیں، اور ہم جب چاہیں تو ان کی جگہ ان جیسے اور لوگ لے آئیں۔(٢٨) یہ ایک نصیحت ہے۔جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کر لے۔(٢٩)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جولوگ صبر سے کام نہیں لیتے حقیقت یہ ہے کہ وہ اعتقاداً یا عملاً آخرت کے مقابلے میں دنیا کو مقدم سمجھتے ہیں۔

صبر کا معنٰی یہ ہے کہ آدمی مصیبت کے وقت اپنے آپ پر قابو پائے اور ہر حال میں اپنے آپ کو شریعت کا پابند رکھے۔صبر نہ کرنے والا شخص شعوری یا غیر شعوری طور پر آخرت کے مقابلے میں دنیا کے مفاد اورترقی کو مقدم سمجھتا ہے وہ اس لیے عُجلت کرتا ہے کہ اس کے سامنے قیامت کے دن کی مشکلات نہیں ہوتیں اگر وہ قیامت کی مشکلات کو اپنے سامنے رکھے تو اُسے معلوم ہو جائے گا کہ دنیا کی مشکلات آخرت کی مصیبتوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ جس کے ذہن میں یہ عقیدہ پختہ ہوجائے۔ اسے صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ صبر کرنے سے ہی انسان قرآن کی تعلیمات پر عمل کرسکتا ہے۔صبر کا دوسرا مفہوم مستقل مزاجی ہے جو مستقل مزاجی کے ساتھ صراطِ مستقیم پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنا راستہ آسان کر دیتا ہے کیونکہ اسی نے انسان کو پیدا کیا ہے اوراسی نے اس کے وجود کو مضبوط بنایا ہے۔ اس کا فرمان ہے کہ ہم جب چاہیں تو لوگوں کی شکلیں بدل کر رکھ دیں ان الفاظ کے مفسرین نے تین مفہوم بتلائے ہیں۔

ا۔ہم چاہیں تو انہیں ہلاک کرکے ان کی جگہ دوسرے لوگ لے آئیں جوفکروعمل کے اعتبار سے ان سے بہتر ہوں گے۔

وَمَا	تَشَآءُوْنَ	اِلَّآ	اَنْ	يَّشَآءَ	اللّٰهُ ؕ	اِنَّ	اللّٰهَ
اور نہیں	چاہتے تم	مگر	یہ کہ	چاہے	اللہ	یقیناً	اللہ
كَانَ	عَلِيْمًا	حَكِيْمًا ۟ۙ ﴿۳۰﴾	يُّدْخِلُ	مَنْ	يَّشَآءُ		
ہے	جاننے والا	حکمت والا	وہ داخل کرتا ہے	جسے	چاہتا ہے		
فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ	وَالظّٰلِمِيْنَ	اَعَدَّ	لَهُمْ	عَذَابًا	اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾		
اپنی رحمت میں	اور ظالم	اس نے تیار کیا ہے	ان کے لیے	عذاب	دردناک		

ع ٢ ٢

جب تک اللہ نہ چاہے تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یقیناً اللہ بڑا علیم وحکیم ہے۔(٣٠) جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔" (٣١)

٢۔ہم چاہیں تو ان کی شکلیں بدل دیں کیونکہ ہم نے ہی انہیں کمزور سے مضبوط بنایا ہے۔
٣۔ہم چاہیں تو انہیں موت کے بعد کسی اور شکل وصورت میں پیدا کریں۔

انسان جب پیدا ہوتا ہے تو اس کا وجود نازک اور ناتواں ہوتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کے وجود کو درجہ بدرجہ مضبوط کرتا ہے انسان کو توانا بنانے اور صبر وشکر کا راستہ بتلانے کے بعد کھلا چھوڑ دیا گیا ہے چاہے۔ تو اپنے رب کا راستہ اختیار کرے نہ چاہے تو وہ کفر اور ناشکری کا راستہ اختیار کرلے تاہم انسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر کچھ نہیں کرسکتا، یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے البتہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزمانے کے لیے مہلت دی ہے۔ انسان کو آزمانے کا یہ معنٰی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ماضی ،حال اور مستقبل کو نہیں جانتا اسے توسب کچھ معلوم ہے لیکن اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ انسان کو کھلا چھوڑ کر آزمائے کہ وہ اس کی رحمت کا حقدار بنتا ہے یا اس کے عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ جو اس کی رحمت کے لیے کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ہمت اور توفیق عطا فرمائے گا اور اُسے اپنی رحمت میں داخل کرے گا، جو اس کی رحمت سے بے پرواہی اختیار کرے گا۔ اسے مہلت دی جائے گی اور وہ ظالموں میں شامل ہوگا اور ظالموں کے لیے اذیت ناک عذاب تیار کیا گیا ہے۔ یہاں ایک مخصوص انداز میں ایک داعی کو تسلی دی گئی ہے کہ اس کا کام لوگوں کو بتلانا اور سمجھانا ہے۔ بے شک اس کی خواہش اور کوشش ہونی چاہیے کہ لوگ ہدایت یافتہ ہوجائیں مگر اسے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہی ہوتا ہے جو اللہ رب العزت چاہتا ہے۔

((عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَفَرَّغُوْا مِنْ هُمُوْمِ الدُّنْيَا مَا اسْتَطَعْتُمْ فَإِنَّهُ مَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا أَكْبَرُ هَمِّهِ أَفْشَى اللّٰهُ ضَيْعَتَهُ وَجَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَمَنْ كَانَتِ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ هَمِّهِ جَمَعَ اللّٰهُ لَهُ أُمُوْرَهُ وَجَعَلَ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَمَا أَقْبَلَ عَبْدٌ بِقَلْبِهِ إِلَى اللّٰهِ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ قُلُوْبَ الْمُؤْمِنِيْنَ تَفِدُ إِلَيْهِ بِالْوُدِّ وَالرَّحْمَةِ وَكَانَ اللّٰهُ إِلَيْهِ بِكُلِّ خَيْرٍ

اَسْرَعُ)) (معجم الاوسط : باب من اسمه محمد،قال الالبانی ھذا حدیث ضعیف)

”حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:جہاں تک ہو سکے تم دنیا کے غموں سے چھٹکارا حاصل کرلو جس نے دنیا کی فکر کو بڑا جان لیا اللہ تعالیٰ اس پر دنیا تنگ کردے گا محتاجی اس کی آنکھوں سے ٹپک رہی ہو گی۔جس نے آخرت کو اپنے لیے بڑی فکر سمجھ لیا۔اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو سنوار دے گا۔اس کے دل میں غنا پیدا کردے گا۔جو انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سچے دل سے متوجہ ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مومنوں کے دلوں میں محبت اور رحمت پیدا کردیتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر بھلائی میں جلدی کرتا ہے۔“

نبی ﷺ کی دعا:

((اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَکَ أَرْجُوْ فَلاَ تَکِلْنِیْ إِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ وَّأَصْلِحْ لِی شَأْنِیْ کُلَّهُ لاَ إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ))(رواہ ابو داؤد : باب مایقول اذا اصبح)

”اے اللہ میں تیری رحمت کی امید رکھتا ہوں مجھے ایک لمحے کے لیے بھی میرے نفس کے حوالے نہ کرنا اور میرے تمام معاملات درست فرمادے تیرے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔“

مسائل

١۔ بے شمار لوگ آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ آخرت کا دن بڑا بھاری ہوگا۔

٢۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے وجود کو مضبوط بنایا۔ جب چاہے وہ اس میں تبدیلی لاسکتا ہے۔

٣۔ اللہ کی نصیحت پر عمل کرنا اس کی طرف جانے کا راستہ ہے۔

٤۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس کے نفس کے حوالے کردیتا ہے۔ البتہ ظالموں کے لیے اذیت ناک ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

آخرت پر دنیا کو ترجیح دینے والے لوگوں کا انجام:

١۔ جو لوگ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں یہی دور کی گمراہی میں ہیں۔ (ابراہیم:٣)

٢۔ یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (النحل:١٠٧)

٣۔ وہ لوگ جو دین کو کھیل تماشا بناتے ہیں اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا، قیامت کے دن ہم ان کو بھلا دیں گے۔(الاعراف:٥١)

٤۔ جس نے سرکشی اختیار کی اور دنیا کو ترجیح دی اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (النازعات:٣٩)

سورۃ المرسلات کا تعارف

اس سورت کا پہلا لفظ ہی اس کا نام قرار پایا ہے اس کی پچاس آیات ہیں جو دو رکوع پر مشتمل ہیں، یہ سورت مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے اس کی ابتداء میں ہوا کے متعلق پانچ قسمیں اٹھا کر فرمایا ہے کہ جس قیامت کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے وہ ہرصورت برپا ہو کر رہے گی۔ اس کی ابتداء اس طرح ہو گی کہ ستارے بے نور ہو جائیں گے، آسمان پھاڑ دیا جائے گا، پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑنے لگیں گے۔ انبیاء کو حاضری کا وقت دیا جائے گا اور اس دن فیصلے کیے جائیں گے۔ جھٹلانے والوں کے لیے یہ دن بڑا سخت ہوگا جو لوگ قیامت کو اس لیے جھٹلاتے ہیں کہ ان کے خیال میں انسان کو دوبارہ پیدا کرنا مشکل ہے کیا یہ غور نہیں کرتے کہ ہم نے انسان کو ایک حقیر پانی سے پیدا کیا ہے اور اسے ایک مقررہ مدّت تک ایک محفوظ مقام پر ٹھرائے رکھا۔ ہم نے زمین کو پیدا کیا اور پھر اس پر بلند و بالا پہاڑ گاڑ دیئے اور تمہارے لیے میٹھے پانی کا بندوبست کیا لیکن پھر بھی لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انہیں پیدا نہیں کر سکتے اور نہ ہی قیامت برپا ہو گی۔ جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں انہیں یاد ہونا چاہیے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب انہیں حکم ہو گا کہ چلو اس کی طرف جیسے تم جھٹلایا کرتے تھے اور چلو اس سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے اس میں ذرہ برابر ٹھنڈک ہے اور نہ یہ آگ کی شدت سے بچانے والا ہے۔ اس دن مجرم اپنے رب کے حضور معذرت کریں گے لیکن انہیں حکم ہو گا کہ آج کوئی معذرت قبول نہیں ہو گی۔ اس دن کو جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہو گی۔ انہیں بتلایا جائے گا کہ یہ وہی دن ہے جس دن جمع ہونے کا تم انکار کرتے تھے۔ ان کے مقابلے میں جو لوگ قیامت پر یقین رکھتے ہیں اور ''اللہ''اور اس کے رسول کی نافرمانی سے بچ کر زندگی بسر کرتے ہیں یہ گھنے سائے اور جنت کے چشموں میں ہوں گے جو چاہیں گے وہی پھل پائیں گے اور انہیں حکم ہو گا کھاؤ اور مزے کرو کیونکہ ہم نیکی کرنے والوں کو اس طرح جزا دیتے ہیں۔

سُورَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ٢ اٰيَاتُهَا: ٥٠

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

وَالْمُرْسَلٰتِ	عُرْفًا ①	فَالْعٰصِفٰتِ	عَصْفًا ②
قسم ہے ہواؤں کی جو بھیجی جاتی ہیں	مسلسل	پھر ان ہواؤں کی جو تندوتیز چلتی ہیں	طوفان بن کر
وَّالنّٰشِرٰتِ	نَشْرًا ③	فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ④	فَالْمُلْقِيٰتِ
اور ان ہواؤں کی جو پھیلاتی ہیں	پھیلانا	پھر پھاڑ کر جدا جدا کرنے والی	پھر ان کی جو ڈالنے والی ہیں
ذِكْرًا ⑤	عُذْرًا	اَوْ	نُذْرًا ⑥
یاد	عذر	یا	ڈرانے کے لیے

”قسم ہے ان ہواؤں کی جو پے در پے بھیجی جاتی ہیں۔(۱) پھر طوفانی رفتار اختیار کرتی ہیں۔(۲) اور بادلوں کو پھیلاتی ہیں۔(۳) پھر ان کو پھاڑ کر الگ ، الگ کرتی ہیں۔(۴) پھر دلوں کو”اللہ“ کی یاد دلاتی ہیں۔(۵) عذر یا ڈراوے کے طور پر۔“(۶)

فہم القرآن

ربطِ سورت: الدہر کے آخر میں یہ ذکر ہوا ہے کہ انسان اپنی عجلت کی وجہ سے آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دیتا ہے اور آخرت کو فراموش کرتا ہے حالانکہ آخرت کی زندگی ہمیشہ ہمیش رہنے والی ہے۔ سورۃ المرسلت کی ابتداء میں آخرت کے ابتدائی مراحل کا ذکر گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں اور نعمتوں میں ہوا بھی اس کی عظیم نعمت اور اس کی قدرت کی زبردست نشانی ہے جو انسان اور ہر جاندار کے لیے اس قدر ناگزیر ہے کہ اس کے بغیر انسان اور ہر جاندار چند لمحوں کا مہمان ہوتا ہے۔ عام لوگ ہوا کو ایک جیسی جانتے اور دیکھتے ہیں۔ بے شک اپنی جنس میں ہوا ایک ہے لیکن اپنی کیفیت اور اثرات کے اعتبار سے ہوا کی کئی اقسام ہیں یہاں اس کی پانچ اقسام ذکر کی گئی ہیں یہ اپنے اپنے اثرات اور حیثیت کے اعتبار سے اتنی مؤثر ہیں کہ سینکڑوں میلوں پر محیط فضا اور موسم کو یکدم بدل کر رکھ دیتی ہیں۔ کیونکہ فضا کو بدلنے میں ہوا بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس لیے ہوا کے اثرات اور کیفیت کو اجاگر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی الگ الگ کیفیت کا نام لے کر قسمیں اٹھائی ہیں تاکہ انسان کو اس بات کا احساس ہوجائے کہ جس ہوا اور فضا میں رہتا ہے وہ رب کی عظیم نعمت اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک بہت بڑی نشانی ہے اس لیے اس کی یوں قسمیں اٹھائی ہیں۔ قسم ہے ان ہواؤں کی جو مسلسل چلی جارہی ہیں، قسم ہے ان ہواؤں کی جو

طوفان کی شکل اختیار کرتی ہیں ،قسم ہے ان ہواؤں کی جو بادلوں کو فضا میں پھیلاتی ہیں ،قسم ہے ان ہواؤں کی جو بھاری بھرکم بادلوں کو پھاڑ کر ٹکڑیوں میں تبدیل کردیتی ہیں ،قسم ہے ان ہواؤں کی جو اپنی طوفانی کیفیت سے لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف اور اس کی یاد پیدا کرتی ہیں۔ جیسا کہ گرمیوں میں ٹھنڈی ہوا لوگوں کے دلوں میں بارش کی طلب پیدا کرتی ہے اور آندھی کے منفی اثرات سے بچنے کے لیے لوگ اپنے رب کی پناہ مانگتے ہیں۔ موجودہ سائنس نے ہوا کے فوائد کو بہت حد تک اجاگر کر دیا ہے، اس کے لیے سائنسدان بڑی محنت اور طویل تحقیق کا سفر طے کر کے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہوا کے ذریعے نر پودے کے اثرات مادہ پودوں تک پہنچتے ہیں اور ہوا کے سبب ہی ایک آدمی کی آواز ٹی وی اور ریڈیو کے ذریعے سینکڑوں میلوں تک سنائی دیتی ہے۔ تجربات کے ذریعے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی ہے کہ مختلف ہوائیں اپنے اندر مختلف اثرات رکھتی ہیں، یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ مختلف علاقوں کی ہواؤں میں مدّت اور نمی کا تناسب بھی مختلف ہوتا ہے یہاں تک ہوا کی طاقت کا معاملہ ہے۔ اگر ہوا آندھی کی شکل اختیار کرجائے تو بڑے بڑے درخت اور مکانوں کو اُڑا کر رکھ دیتی ہے ،اگر ہوا ایک حد سے زیادہ تیز اور مسلسل چلے تو انسان کو سانس لینا بھی مشکل ہوجاتا ہے۔ بعض اہلِ تفسیر نے اس سورت کی ابتدائی پانچ آیات کی یہ تفسیر بھی کی ہے۔

ان الفاظ میں صرف صفات بیان کی گئی ہیں ،یہ صراحت نہیں کی گئی کہ یہ کس چیز یا کن چیزوں کی صفات ہیں اس لیے مفسرین کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا یہ پانچوں صفات ایک ہی چیز کی ہیں یا الگ الگ چیزوں کی ہیں اور یہ چیزیں کیا ہیں، ایک گروہ کہتا ہے کہ پانچوں سے مراد ہوائیں ہیں ،دوسرا فریق کہتا ہے کہ پانچوں سے مراد فرشتے ہیں، تیسرا کہتا ہے کہ پہلے تین سے مراد ہوائیں ہیں اور باقی دو سے مراد فرشتے ہیں، چوتھی جماعت کہتی ہے کہ پہلی دو سے مراد ہوائیں اور باقی تین سے مراد فرشتے ہیں اور ایک گروہ کی رائے یہ بھی ہے کہ پہلے سے مراد عام ملائکہ اور دوسرے سے مراد عذاب کے ملائکہ اور باقی تین سے مراد قرآن مجید کی آیات ہیں۔ (تفہیم القرآن جلد٦)

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ مَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ضَاحِكًا حَتّٰى اَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهٖ اِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ فَكَانَ اِذَا رَاٰى غَيْمًا اَوْ رِيْحًا عُرِفَ فِيْ وَجْهِهٖ۔)) (رواہ البخاری: باب ﴿فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول محترم ﷺ کو کبھی کھل کھلا کر ہنستے نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ اکثر مسکرایا کرتے تھے۔ آندھی یا بارش کے وقت خوف کے اثرات آپ کے چہرے پر نمایاں ہوتے تھے۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کی کئی اقسام بنائی ہیں۔

٢۔ دنیا کے مختلف خطوں میں ہوا کے مختلف اثرات اور کیفیت ہوتی ہے۔

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ	لَوَاقِعٌ ۝	فَاِذَا	النُّجُوْمُ	طُمِسَتْ ۝
یقیناً تم جس کا وعدہ دیے جاتے ہو	ضرور واقع ہوگی	چنانچہ جب	ستارے	مٹا دیے جائیں گے
وَاِذَا	السَّمَآءُ	فُرِجَتْ ۝	وَاِذَا	الْجِبَالُ	نُسِفَتْ ۝	وَاِذَا
اور جب	آسمان	پھاڑ دیا جائے گا	اور جب	پہاڑ	اُڑا دیے جائیں گے	اور جب
الرُّسُلُ	اُقِّتَتْ ۝	لِاَیِّ یَوْمٍ	اُجِّلَتْ ۝	لِیَوْمِ الْفَصْلِ ۝
رسولوں کو	وقت دیا جائے گا	کس دن کے لیے	مؤخر کیے گئے	فیصلے کے دن کے لیے

’’جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور واقع ہونے والی ہے۔(۷) جب ستارے ماند پڑ جائیں گے۔(۸) اور آسمان پھاڑ دیا جائے گا۔(۹) اور پہاڑ اُڑا دیئے جائیں گے۔(۱۰) اور رسولوں کو وقت دیا جائے گا۔(۱۱) کس دن کے لیے یہ کام اٹھا رکھا گیا ہے؟(۱۲) وہ فیصلے کا دن ہے۔(۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے جس دن کی اہمیّت اُجاگر کرنے کے لیے پانچ قسمیں اٹھائی ہیں اس دن کی حالت یہ ہوگی۔

ہوا کی طاقت بیان کرنے کے بعد قیامت کا اس لیے ذکر کیا ہے کہ جس آندھی سے تم خوف زدہ ہوتے ہو وہ قیامت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جو ہر صورت واقع ہو کر رہے گی۔اس کا آغاز اس طرح خوفناک ہوگا کہ اس دن ستاروں کی روشنی ختم کر دی جائے گی، آسمان پھاڑ دیا جائے گا، پہاڑ اُڑا دیئے جائیں گے اور انبیائے کرام ﷩ کے لیے وقت مقرر کیا جائے گا۔ آپ کو کیا خبر! کہ فیصلے کا دن کیسا ہوگا؟ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی اور بربادی ہوگی۔ قرآن مجید نے کئی مقامات پر بتلایا ہے کہ قیامت کا دن اپنی ہولناکیوں کے اعتبار سے اس قدر سخت ہوگا کہ جس کا کوئی شخص تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اس دن کی ابتدا اس طرح ہوگی کہ ستارے بے نور اور بے ثقل ہو کر گر پڑیں گے ،آسمان کے بندھن ڈھیلے ہوجائیں گے اور اس میں جگہ جگہ دراڑھیں پیدا ہوجائیں اور بالآخر نیچے گر پڑے گا اسی طرح پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے اور یہ ریت بن کر اُڑنے لگیں گے۔ پھر ایک طویل مدت کے بعد جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ،محشر کا میدان قائم ہوگا جس میں لوگوں کے درمیان فیصلے کیے جائیں گے، ہر نبی کو ایک وقت دیا جائے گا جس میں وہ اپنی امت کے ساتھ ربِ ذوالجلال کے سامنے پیش ہوگا۔ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور قیامت کے دن کو جھٹلایا ان کے لیے اس دن کا ایک ایک لمحہ بھاری ہوگا۔اس کے باوجود لوگ قیامت کو جھٹلاتے ہیں کیا انہیں معلوم نہیں کہ ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا ؟ پھر ان لوگوں کو ہلاک کیا جو ان کے بعد آنے والے تھے جو ان کے فکر وعمل کی پیروی کرتے تھے۔ ظالموں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم مجرموں کے ساتھ اس طرح ہی سلوک کیا کرتے ہیں یہ تو دنیا میں سزا تھی اور آخرت میں انہیں ان کے کیے کی پوری پوری سزا دی جائے گی۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝١٤ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ
اور کس چیز نے خبر دی آپ کو کیا ہے فیصلے کا دن ہلاکت ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٥ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٦ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ۝١٧
جھٹلانے والوں کے لیے کیا نہیں ہم نے ہلاک کیا پہلوں کو پھر ہم پیچھے لگائیں گے ان کے پچھلوں کو

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝١٨ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٩
اسی طرح ہم کرتے ہیں مجرموں کے ساتھ ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے

اور آپ کو کیا خبر کہ فیصلے کا دن کیا ہے؟ (١٤) اس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہے۔ (١٥) کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہیں کیا؟ (١٦) پھر انہی کے پیچھے ہم بعد والوں کو بھی ہلاک کر دیں گے۔ (١٧) مجرموں کے ساتھ ہم یہی کیا کرتے ہیں۔ (١٨) تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔'' (١٩)

((عَنِ الْمِقْدَادِ ﷜ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ تُدْنَى الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْخَلْقِ حَتّٰى تَكُوْنَ مِنْهُمْ كَمِقْدَارِ مِيْلٍ فَيَكُوْنُ النَّاسُ عَلٰى قَدْرِ اَعْمَالِهِمْ فِي الْعَرَقِ فَمِنْهُمْ مَنْ يَكُوْنُ اِلٰى كَعْبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَكُوْنُ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَكُوْنُ اِلٰى حَقْوَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يُلْجِمُهُمُ الْعَرَقُ اِلْجَامًا وَاَشَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهٖ اِلٰى فِيْهِ)) (رواہ مسلم: باب فِي صِفَةِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَعَانَنَا اللّٰهُ عَلٰى أَهْوَالِهَا)

''حضرت مقداد ﷜ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سرورِ دو عالم ﷺ کو فرماتے سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ قیامت کے دن سورج لوگوں سے ایک میل کی مسافت پر ہوگا لوگوں کا پسینہ ان کے اعمال کے مطابق ہوگا بعض لوگوں کے ٹخنوں تک' بعض کے گھٹنوں تک بعض کی کمر تک اور بعض کے منہ تک پسینہ ہوگا یہ بیان کرتے ہوئے رسولِ معظم ﷺ نے منہ کی طرف اشارہ کیا۔''

مسائل

١۔ قیامت کے دن ستارے گر پڑیں گے، آسمان پھاڑ دیئے جائیں گے، اور پہاڑ اُڑا دیئے جائیں گے۔
٢۔ محشر کے میدان میں ہر نبی مقررہ وقت پر اپنی امت کے ساتھ اپنے رب کے حضور پیش ہوگا۔
٣۔ قیامت کا دن تکذیب کرنے والوں کے لیے بڑا بھاری ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کا دن نہایت ہی بھاری ہوگا:

١۔ قیامت زمین و آسمانوں پر بھاری ہوگی۔ (الاعراف: ١٨٧) ٢۔ جب زمین کو پوری طرح ہلا دیا جائے گا۔ (الزلزال: ١)
٣۔ لوگو! اپنے رب سے ڈر جاؤ قیامت کا زلزلہ بہت سخت ہے۔ (الحج: ١) (القارعہ: ٤)

اَلَمْ	نَخْلُقْكُّمْ	مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾	فَجَعَلْنٰهُ	فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾
کیا نہیں	ہم نے تمہیں پیدا کیا	حقیر پانی سے	پھر ہم نے رکھا اس کو	ایک محفوظ ٹھکانے میں
اِلٰى قَدَرٍ	مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾	فَقَدَرْنَا ۖ	فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾	وَيْلٌ
ایک اندازے تک	مقررہ کیا ہوا	پھر ہم نے اندازہ لگایا	ہم بہت اچھا اندازہ لگانے والے ہیں	ہلاکت ہے
يَّوْمَئِذٍ	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾	اَلَمْ	نَجْعَلِ الْاَرْضَ	كِفَاتًا ﴿۲۵﴾
اس دن	جھٹلانے والوں کے لیے	کیا نہیں	بنایا ہم نے زمین کو	سمیٹنے والی
اَحْيَآءً	وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾	وَّجَعَلْنَا فِيْهَا	رَوَاسِيَ	شٰمِخٰتٍ
زندوں کو	اور مُردوں کو	اور ہم نے بنائے اس میں	مضبوط پہاڑ	بلند وبالا
وَّاَسْقَيْنٰكُمْ	مَّآءً	فُرَاتًا ﴿۲۷﴾	وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ	لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾
اور ہم نے پلایا تمہیں	پانی	میٹھا	ہلاکت ہے اس دن	جھٹلانے والوں کے لیے

”کیا ہم نے تمہیں ایک حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟(۲۰) پھر اُسے محفوظ جگہ ٹھہرائے رکھا۔(۲۱)اور اسے مقررہ مدت تک وہاں رکھا۔ (۲۲) ہم اس پر قادر ہیں پس ہم بہت اچھا اندازہ لگانے والے ہیں۔(۲۳) تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔ (۲۴) کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا۔(۲۵)زندوں کے لیے بھی اور مُردوں کے لیے بھی۔(۲۶) اور اس میں بلند وبالا پہاڑ جمائے، اور تمہیں میٹھا پانی پلایا۔(۲۷)تباہی ہے اس دن کو جھٹلانے والوں کے لیے۔“ (۲۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کا انکار کرنے والوں کو اپنی تخلیق پر غور کرنے کی دعوت۔

سورۃ الدّھر کی ابتدائی آیات میں یہ بیان ہوا کہ کیا انسان کو معلوم نہیں کہ اس پر ایک ایسا زمانہ گزرا ہے کہ اس کا کائنات میں ذکر تک نہیں تھا۔اب ارشاد فرمایا ہے کہ کیا لوگ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ ہم نے انہیں ایک حقیر پانی سے پیدا کیا اور اپنی قدرت سے اسے ایک محفوظ مقام پر ٹھہرایا اور ہم پوری قدرت رکھنے والے ہیں یعنی انسان کی پوری زندگی اور اسے دوبارہ زندہ کرنے پھر اپنے حضور پیش کرنے پر قادر ہیں۔گویا کہ انسان اپنے رب کے سامنے بے بس ہے نہ اپنی مرضی سے پیدا ہوتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے جیتا اور مرتا ہے۔لیکن اس کے باوجود انسان قیامت کے دن کا انکار کرتا ہے۔تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جو قیامت کے دن کو جھٹلاتے اور اس کا انکار کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے قیامت قائم کرنے کے بارے میں بہت سے دلائل دیئے ہیں ان میں ایک دلیل یہ ہے کہ انسان اپنی تخلیق پر غور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پانی کی ایک حقیر بوند سے پیدا کیا ہے۔بظاہر اس پانی کی بوند میں نہ زندگی کی رمق دکھائی دیتی ہے اور نہ ہی انسانی ڈھانچے کا وجود پایا جاتا ہے اس کے باوجود اس کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس نے معمولی جرثومے کے اندر انسان

کے وجود اور کردار کو چھپا رکھا ہے۔غور کرو کہ جو ذات انسان کو عدم سے وجود میں لاتی ہے کیا وہ اس کے مرنے کے بعد اسے دوبارہ پیدا نہیں کرسکتی؟ ظاہر ہے کہ وہ پیدا کرسکتا ہے اور کرے گا۔اسی نے زمین کو اس قابل بنایا کہ وہ زندہ اور مردہ اور ہر چیز کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔اسی نے زمین میں بلندوبالا پہاڑ جمائے اور تمہارے لیے میٹھے پانی کا انتظام فرمایا۔ زمین کی خصوصیت بیان فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ جس زمین میں مدتوں پڑے ہوئے بیج اللہ کے حکم سے اُگ آتے ہیں کیا اُس خالق کے حکم سے قیامت کے دن مردے دوبارہ پیدا نہیں ہوسکتے ؟ پھر سوچو! جس نے زمین پر بلندو بالا پہاڑ گاڑ دیئے ہیں اور وہی زمین اور پہاڑوں سے میٹھے چشمے جاری کرتا ہے کیا وہ انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ زمین سے ہزار ہا چیزیں نکلتی ہیں اور ہزاروں چیزیں اس میں دفن ہوتی ہیں،معلوم نہیں یہ عمل کب سے جاری ہے اور کب تک جاری رہے گا۔ جس ذات کے حکم سے یہ عمل جاری ہے اسی کے حکم سے قیامت قائم ہوگی اور زمین ہر چیز اُگل دے گی بلکہ وہ سب کچھ بتائے گی جو انسان اس کے سینے پر کیا کرتا تھا لہٰذا جو لوگ قیامت کو جھٹلاتے ہیں ان کے لیے بڑی مصیبت اور بربادی ہے۔

”جب زمین پوری شدت کے ساتھ ہلادی جائے گی اور زمین اپنے اندر کے بوجھ نکال کر باہر پھینک دے گی اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے؟ اس دن وہ اپنے حالات بیان کرے گی کیونکہ آپ کے رب نے اسے ایسا کرنے کا حکم دیا ہو گا۔“ (الزلزال:١تا٥)

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حدیث کو مرفوع بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے رحم میں ایک فرشتہ مقرر کیا ہے وہ پوچھتا ہے اے میرے رب !یہ نطفہ ہے اے میرے رب! یہ گوشت کا لوتھڑا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی کی تخلیق کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے اے میرے رب مذکر یا مؤنث بدبخت یا خوش بخت اِس کا رزق کتنا ہے اِس کی عمر کتنی ہے اِسی طرح اس کا نیک اور بد ہونا اس کی ماں کے پیٹ میں لکھ دیا جاتا ہے۔“ (رواہ مسلم : باب كَيْفِيَّةِ الْخَلْقِ لآدَمِيِّ فِي بَطْنِ أُمِّهِ وَكِتَابَةِ رِزْقِهِ وَأَجَلِهِ وَعَمَلِهِ وَشَقَاوَتِهِ وَسَعَادَتِهِ)

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حقیر پانی سے پیدا کیا ہے۔

٢۔ اللہ ہی جرثومے رِحمِ مادر میں ایک جگہ ایک مقررہ مدت تک ٹھہراتا ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی قدرت رکھنے والا ہے۔٤۔ قیامت کو جھٹلانے والوں کے لیے تباہی اور ہلاکت ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

تخلیق انسانی کے مختلف مراحل:

(النحل:٤)(آل عمران:٥٩)(النساء:١)(المومنون:١٢)(الدهر:٢)(النساء:١)

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝۲۹ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ

تم چلو اس کی طرف تم تھے جس کو جھٹلاتے تم چلو ایک سائے کی طرف

ذِىْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۝۳۰ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِىْ مِنَ اللَّهَبِ ۝۳۱

جو تین شاخوں والا ہے نہ ٹھنڈک پہنچانے والا اور نہ وہ فائدہ دینے والا شعلوں سے

اِنَّهَا تَرْمِىْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۝۳۲ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ۝۳۳ وَيْلٌ

بلاشبہ وہ پھینکے گی چنگاریاں جیسے محل گویا کہ وہ اونٹ ہیں زرد ہلاکت ہے

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۳۴ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝۳۵ وَلَا

اس دن جھٹلانے والوں کے لیے یہ دن ہے نہیں وہ بول سکیں گے اور نہ

''چلواس کی طرف جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔(۲۹) چلو اس سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے۔(۳۰) نہ ٹھنڈک دینے والا ہے اور نہ آگ کی لپٹ سے بچانے والا ہے۔(۳۱) وہ آگ کے بڑے بڑے محلات کی مانند انگارے پھینکے گی۔(۳۲) گویا کہ وہ طاقتور اونٹ ہیں۔(۳۳) تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔(۳۴) یہ وہ دن ہے جس میں وہ کچھ نہیں بول سکیں گے۔(۳۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جب لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا اور حساب وکتاب ہو جائے گا تو مجرموں کو حکم ہوگا کہ اب اس کی طرف چلو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ چلو! اس سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے نہ ٹھنڈک دینے والا ہے اورنہ آگ سے بچانے والا ہے اس آگ سے محلات کی مانند بڑے بڑے انگارے اُچھل رہے ہوں گے۔ دیکھنے میں یوں لگیں گے جیسے زرد رنگ کے اُونٹ اُچھل کود رہے ہوں۔اس دن مجرم نہ بول سکیں گے اورنہ ہی انہیں اپنا عذر پیش کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ اس دن تمام مجرموں کو جمع کرلیا جائے گا اورانہیں کہا جائے گا کہ اگر تم میرے مقابلے میں چال چل سکتے ہوتو چل کر دکھاؤ! لیکن یہ جھٹلانے والوں کے لیے تباہی کا دن ہوگا۔

قرآن مجید نے کئی مقامات پر یہ حقیقت واضح کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے قیامت کے دوسرے مرحلے کے لیے دوسرا صور پھونکا جائے گا تو ہرانسان اپنی اپنی قبر سے اُٹھ کرمحشر کے میدان کی طرف چلنے لگے گا اورلوگوں کا حساب ہوگا۔ اس وقت آواز دینے والا مجرموں کو آواز دے گا کہ تم اس کی طرف چلو! جس کوتم جھٹلایا کرتے تھے چلو! اس سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے نہ اس میں ٹھنڈک ہے اور نہ آگ سے بچانے والا

يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾

اجازت دی جائے گی — ان کو — کہ وہ معذرت کرسکیں — ہلاکت ہے — اس دن — جھٹلانے والوں کے لیے

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ج جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ

یہ — فیصلے کا دن ہے — ہم جمع کریں گے تمہیں — اور پہلوں کو — پھر اگر — ہے

لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾ ع

تمہارے لیے — کوئی چال — تو تم مجھ سے چلو — ہلاکت ہے — اس دن — جھٹلانے والوں کے لیے

اور نہ انہیں موقع دیا جائے گا کہ کوئی عذر پیش کریں۔(۳۶) تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔(۳۷) یہ فیصلے کا دین ہے ہم نے تمہیں اور تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو جمع کر دیا ہے۔(۳۸) اب اگر کوئی چال تم چل سکتے ہو تو میرے مقابلہ میں چل کر دیکھو۔(۳۹) تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔'' (۴۰)

ہے۔اس مقام پر جہنم کی آگ کی یہ کیفیت بیان کی گئی ہے کہ اس آگ سے دھوئیں کے بڑے بڑے غول اٹھیں گے۔جیسے کہ سرخ رنگ کے اُونٹ اُچھل کود رہے ہوں۔محشر کی گرمی کے ستائے ہوئے مجرم دور سے سمجھیں گے کہ یہ ایسا سایہ ہے جس میں ہمیں سکون مل جائے گا مگر جب اس کے قریب جائیں گے تو دیکھیں گے کہ اس میں آگ کے شعلے محلات کی مانند بھڑک رہے ہیں اور اس سے نکلنے والا دھواں آگ کی شدت کی وجہ سے سیاہ ہونے کی بجائے زرد رنگ کا ہوگا اوراس میں اس قدر تیزی اورشدت ہوگی کہ بل کھاتا ہوا دھواں ایسے لگے گا جیسے زرد رنگ کے اُونٹ اُچھل کود رہے ہیں۔ یاد رہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو پوری طرح صفائی پیش کرنے کے بعد ایک مرحلہ ایسا آئے گا کہ جب انہیں بولنے اورمعذرت کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس دن اگلے پچھلے مجرمین کو جمع کرلیا جائے گا اورانہیں کہا جائے گا کہ اگرتم میں کوئی چال چلنے کی طاقت ہے تو چل سکتے ہو۔ دنیا میں بڑی بڑی چالیں چلنے والے بڑے مکار اورفریب کار لوگ بے بس ہوں گے انہیں یقین ہوجائے گا کہ آج کا دن ہمارے لیے تباہی اور بربادی کا دن ہے اس لیے وہ کسی قسم کی چال نہیں چل سکیں گے۔

مسائل

۱۔ قیامت کے دن حکم ہوگا کہ جسے تم جھٹلایا کرتے تھے اس کے لیے اکٹھے ہو جاؤ۔

۲۔ قیامت کے دن مجرموں کے لیے بڑا بھاری ہوگا۔۳۔ قیامت کے دن مجرم کوئی چال نہیں چل سکیں گے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾

بلاشبہ متقی لوگ ہوں گے سایوں میں اور بہتے چشموں میں اور میوے ان میں سے جو وہ چاہیں گے

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا

تم کھاؤ اور پیو مزے سے بدلے اس کے جو تھے تم عمل کرتے بلاشبہ ہم

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾

اسی طرح جزا دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے

”متقی لوگ سایوں اور چشموں میں ہوں گے۔(۴۱) اور ان کے لیے پھل ہوں گے جو وہ چاہیں گے۔(۴۲) مزے سے کھاؤ اور پیو اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے رہے ہو۔(۴۳) ہم نیک لوگوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔(۴۴) تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔“(۴۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس دن اگلے پچھلے تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا اور کوئی چھوٹا اور بڑا مجرم ربِ ذوالجلال کے مقابلے میں کسی قسم کی چال نہیں چل سکے گا اس دن نتیجے کے اعتبار سے لوگ دو حصوں میں تقسیم ہوں گے۔

جو لوگ ایمان لائے اور اپنے رب کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرتے رہے انہیں گھنے سایوں اور بہتے چشموں کی جنت میں ٹھہرایا جائے گا وہ جو چاہیں گے وہ پھل انہیں مہیا کیے جائیں گے۔ حکم ہوگا کہ اپنے نیک اعمال کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو! ارشاد ہوگا کہ ہم نیک لوگوں کو اس طرح ہی جزا دیتے ہیں اور جن لوگوں نے قیامت کو جھٹلایا ان کے لیے تباہی ہوگی۔ ان آیات میں جنت کی تین نعمتوں سائے، بہتے چشمے اور پھلوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا یہ معنٰی نہیں کہ جنت میں صرف یہی تین چیزیں ہوں گی۔ اس سے مراد جنت کی نعمتوں کی طرف اشارہ کرنا ہے ورنہ جنت میں وہ کچھ ہوگا جس کا دنیا میں کوئی شخص تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اس میں وہی لوگ جائیں گے جو اللہ، اس کے رسول اور آخرت پر ایمان لائے اور ”اللہ“ سے ڈر کر زندگی بسر کرتے رہے۔

مسائل

۱۔ متقی لوگ سایوں اور چشموں والی جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ ۲۔ جنتی لوگ جنت میں جو چاہیں گے وہ پائیں گے۔

۳۔ جنتیوں کو حکم ہوگ کہ مزے سے کھاؤ اور پیو! یہ ہماری طرف سے تمہارے نیک اعمال کا صلہ ہے۔

۴۔ قیامت کو جھٹلانے والے بڑی تباہی میں مبتلا ہوں گے۔

كُلُوْا وَ تَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

تم کھاؤ اور فائدہ اُٹھاؤ تھوڑا سا یقیناً تم مجرم ہو ہلاکت ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿٤٨﴾

جھٹلانے والوں کے لیے اور جب کہا جاتا ہے ان سے تم رکوع کرو نہیں وہ رکوع کرتے

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٠﴾ ع

تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے پھر کس بات پر اس کے بعد وہ ایمان لائیں گے

٢ ع ١٠ ٢١

’’تھوڑے دن کھاؤ اور مزے کرو حقیقت میں تم لوگ مجرم ہو۔(۴۶) تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔(۴۷) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سامنے رکوع کرو تو نہیں کرتے۔(۴۸) تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔(۴۹) قرآن کے بعد اب کون سا ایسا کلام ہوگا جس پر یہ ایمان لائیں گے۔‘‘(۵۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جنّتیوں کے لیے جنت میں حکم ہوگا کہ مزے سے کھاؤ اور پیو! یہ تمہاری نیکیوں کا صلہ ہے۔ جہنمیوں کے لیے دنیا میں حکم ہے کہ کھا، پی لو مگر یاد رکھو کہ تم حقیقت میں اپنے رب کے مجرم ہو اور تمہارا انجام جہنم ہوگا۔

جنت کی زندگی اور اس کی نعمتوں کے مقابلے میں دنیا کی نعمتیں اور زندگی نہایت قلیل اور حقیر ہے۔ جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں اور اپنی مرضی سے زندگی گزارتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے جس وجہ سے انہیں یوں مخاطب کیا گیا ہے کہ کھاؤ اور مزے اُڑاؤ! لیکن یاد رکھو! دنیا کا فائدہ اور کھانا پینا قلیل اور تھوڑی مدت کے لیے ہے بالفاظ دیگر انہیں یہ وارننگ دی گئی ہے کہ کھاؤ اور مزے اُڑاؤ! تمہارے دن تھوڑے ہیں بالآخر تم مجرم کی حیثیت سے پیش کیے جاؤ گے اس لیے کہ تم قولاً اور عملاً قیامت کو جھٹلانے والے ہو۔ ایسے لوگوں کو جب اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے کے لیے کہا جاتا ہے تو نہیں جھکتے کیونکہ حقیقت میں ان کا قیامت پر یقین نہیں ہوتا ایسے لوگوں کے لیے قیامت کے دن ویل ہوگا۔ ’’وَيْلٌ‘‘ کا دوسرا معنیٰ جہنم ہے۔(الھمزہ: ۱)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نصیحت کے لیے نازل فرمایا ہے اور بار بار لوگوں کو یاد کروایا ہے کہ اگر تم اپنے رب کی نافرمانی کرو گے تو قیامت کے دن سزا پاؤ گے اس انتباہ کے باوجود دنیا دار لوگ دنیا کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔ انہیں بالخصوص فرمایا ہے کہ قرآن مجید کے بعد پھر کس چیز پر ایمان لاؤ گے۔

سورۃ النبا کا تعارف

یہ سورت مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس کی چالیس آیات ہیں جو دو رکوعات پر مشتمل ہیں۔ اس کا نام اس کی دوسری آیت میں مذکور ہے۔ اس سورت میں کائنات کی بڑی بڑی چیزوں کا ذکر فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ جس رب نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے وہی اس کائنات کو ختم کر کے قیامت قائم کرے گا۔ جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں جہنم ان کا انتظار کر رہی ہے انہیں اس جہنم میں پھینکا جائے گا جس میں وہ مدت بعید تک پڑے رہیں گے۔ ان کے لیے نہ کسی قسم کا سکون ہوگا اور نہ ہی انہیں پینے کے لیے ٹھنڈا پانی نصیب ہوگا۔ جب وہ پانی طلب کریں گے تو انہیں ابلتا ہوا پانی اور ان کے زخموں کی پیپ پلائی جائے گی یہ سزا اس لیے ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرامین کو جھٹلایا کرتے تھے اور قیامت کا انکار کرتے تھے ان کے مقابلے میں جنہوں نے ''اللہ'' اور اس کے رسول کی اطاعت کی اور قیامت پر یقین رکھا وہ کامیاب ٹھہریں گے۔ ان کے لیے ہر قسم کے باغات اور انگور ہوں گے، انہیں خوبصورت اور ان کی ہم عمر بیویاں دی جائیں گی۔ انہیں پینے کے لیے جھلکتے ہوئے جام پیش کیے جائیں گے وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے، اس میں کسی قسم کی بے ہودگی اور آلودگی نہیں پائیں گے۔ ان پر ان کے رب کی طرف سے بے حساب مہربانی ہوگی۔ اس رب کی طرف سے جو زمینوں آسمانوں کا مالک ہے قیامت کے دن اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر کوئی بات نہیں کر سکے گا۔ اس دن جبریل امین علیہ السلام سمیت تمام ملائکہ قطار اندر قطار کھڑے ہوں گے اور جسے بولنے کی اجازت ہوگی وہ صحیح بات کرے گا، یہ دن ہر صورت قائم ہو کر رہے گا۔ اب ہر انسان کو اختیار ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کرے یا اس کی نافرمانی میں پڑ کر اپنی آخرت تباہ کر لے۔ جس نے اپنی آخرت کو تباہ کر لیا وہ قیامت کے دن پشیمان ہوگا اور مٹی کے ساتھ مٹی بن جانے کی خواہش کرے گا۔ لیکن اس کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی۔

﴿ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ○ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾ (النبا: ۳۹، ۴۰)

''اپنے رب کی طرف پلٹنے کا راستہ اختیار کر لے۔ ہم نے تمہیں اس عذاب سے ڈرا دیا ہے جو قریب آچکا ہے جس دن آدمی سب کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور کافر پکار اٹھے گا کہ کاش میں مٹی بنا رہتا۔''

سُوْرَةُ النَّبَا مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعُهَا: ٢ — اٰيَاتُهَا: ٤٠

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

عَمَّ	يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١﴾	عَنِ	النَّبَاِ	الْعَظِيْمِ ﴿٢﴾	الَّذِيْ	هُمْ
کس چیز کے بارے / وہ سوال کرتے ہیں		متعلق	خبر کے	بہت بڑی	وہ جو	وہ
فِيْهِ	مُخْتَلِفُوْنَ ﴿٣﴾	كَلَّا	سَيَعْلَمُوْنَ ﴿٤﴾	ثُمَّ	كَلَّا	
اس میں	اختلاف کرتے ہیں	ہرگز نہیں	عنقریب وہ جان لیں گے	پھر	ہرگز نہیں	
سَيَعْلَمُوْنَ ﴿٥﴾	اَ	لَمْ	نَجْعَلِ	الْاَرْضَ	مِهٰدًا ﴿٦﴾	وَّالْجِبَالَ
عنقریب وہ جان لیں گے	کیا	نہیں	بنایا ہم نے	زمین کو	بچھونا	اور پہاڑوں کو

”یہ لوگ کس چیز کے بارے میں پوچھتے ہیں۔(١) کیا اس بڑی خبر کے بارے میں۔(٢) جس کے متعلق یہ اختلاف کرتے ہیں۔(٣) ہرگز نہیں عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔(٤) ہاں ہرگز نہیں بہت جلد انہیں پتہ چل جائے گا۔(٥) کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم نے زمین کو فرش بنایا ہے۔(٦)اور پہاڑوں

فہم القرآن

ربطِ سورت: المرسلات میں ان لوگوں کی تردید کی گئی ہے جو قیامت کی تکذیب کرتے ہیں۔ سورت النّباء میں بتایا گیا ہے کہ قیامت بڑی ہولناک چیز ہے اور اس کا برپا ہونا ہرصورت یقینی ہے لیکن قیامت کا انکار کرنے والے اس کے باوجود اس کے بارے میں قیل وقال کرتے ہیں عنقریب ان لوگوں کو اس کی حقیقت کا علم ہو جائے گا۔

قرآن مجید کے مرکزی مضامین میں تیسرا بڑا مضمون قیامِ قیامت ہے جو اس دنیا کا آخری دن ہو گا۔ جس نے قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق زندگی بسر کی وہ کامیاب ہو گا اور جس نے قرآن مجید کی ہدایت سے انحراف کیا وہ اپنے کیے کی سزا پائے گا۔ اس دنیا کا انجام آخرت ہے اس لیے چند سورتوں کے سِوا المرسلات سے لے کر تیسویں پارے کی تمام سورتوں میں آخرت کے مختلف مراحل کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا اپنے انجام کے بارے میں غوروفکر کر سکے۔

مکہ کے لوگ قیامت کے بارے میں مختلف قسم کی باتیں کرتے تھے۔ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ انسان جب مر کر مٹی کے ساتھ مٹی ہوجاتا ہے تو اسے زندہ نہیں کیا جاسکتا ہے ، کچھ لوگ قیامت کی تردید کرتے ہوئے یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ اب تک جتنے لوگ مر چکے ہیں ان میں کوئی بھی پلٹ کر واپس نہیں آیا ، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ دوبارہ پیدا نہیں ہونا اور نہ ہی قیامت برپا ہوگی۔ مکہ میں یہ بات کہنے والے بھی موجود تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک شُغل کے طور پر انسان اور اس کائنات کو پیدا کیا ہے، اس لیے جب انسان مرجاتا ہے تو پھر اس سے کوئی پوچھ گچھ

اَوْتَادًا ۝	وَّخَلَقْنٰكُمْ	اَزْوَاجًا ۝	وَّجَعَلْنَا	نَوْمَكُمْ	سُبَاتًا ۝
میخیں	اور ہم نے پیدا کیا تمہیں	جوڑا جوڑا	اور ہم نے بنایا	تمہاری نیند کو	باعثِ آرام
وَّجَعَلْنَا	الَّيْلَ	لِبَاسًا ۝	وَّجَعَلْنَا	النَّهَارَ	مَعَاشًا ۝
اور ہم نے بنایا	رات کو	پردہ	اور ہم نے بنایا	دن کو	معاش کے لیے

کو میخوں کے طور پر گاڑ دیا ہے۔ (۷) اور تمہیں جوڑوں کی شکل میں پیدا کیا ہے۔ (۸) اور تمہاری نیند کو باعث سکون بنایا ہے۔ (۹) اور رات کو پردہ بنا دیا ہے۔ (۱۰) اور دن کو معاش کے لیے بنایا ہے۔'' (۱۱)

نہیں ہوتی۔ بس ایک سلسلہ ہے جو صدیوں سے جاری ہے اور اسی طرح جاری رہے گا، کچھ لوگ قیامت کے مسئلہ کو صرف اختلافی بات اور جھگڑا سمجھتے تھے اور یہی جھگڑا نبی علیہ السلام کے ساتھ کرتے تھے۔ اس پس منظر میں یہ سورت نازل ہوئی جس کا آغاز اس بات سے ہوا کہ لوگ آپس میں کس چیز کے بارے میں سوال کرتے ہیں؟ کیا ایک بڑی خبر کے بارے میں یہ ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں؟ ان کا کہنا ہے کہ قیامت برپا نہیں ہوگی، حالانکہ ان کی بات ہر اعتبار سے غلط ہے قیامت ہر صورت برپا ہوگی اور لوگوں کو دوبارہ پیدا کیا جائے گا اور پھر انہیں پتہ چل جائے گا کہ قیامت کیا ہے؟ جب انہیں معلوم ہوگا تو اس پر ایمان لائیں گے مگر اس وقت ایمان لانے کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ (النزعات: ۴۲،۴۳) یہ لوگ قیامت کا اس لیے انکار کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ ناممکن بات ہے، حالانکہ یہ نہیں سوچتے کہ ہم نے زمین کو مخلوق کے لیے گہوارہ بنایا اور اس پر پہاڑوں کو میخوں کے طور پر گاڑ دیا اور تمہیں جوڑے جوڑے پیدا کیا اور نیند کو تمہارے لیے باعثِ سکون بنایا اور دن کو معاش کے لیے بنایا۔ انسان اگر ان باتوں پر غور کرے تو ان میں ہر کام ایسا ہے جس میں قیامت کا ثبوت ملتا ہے زمین پر غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پانی پر ٹھہرایا ہے لیکن آج تک نہ کہیں سے ڈِھلکی ہے اور نہ پانی میں غرق ہوئی ہے، زمین کا توازن قائم رکھنے کے لیے اس پر فلک بوس پہاڑ گاڑ دیئے ہیں جو اپنی چوڑائی، لمبائی اور اونچائی کے لحاظ سے اپنے خالق کی قدرت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ انسان اپنی تخلیق پر غور کرے تو اپنے رب کی قدرت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا، پھر اس سے اس کی بیوی کو پیدا کیا اور پھر قیامت تک تخلیقِ انسانی کا سلسلہ شروع فرمایا اور میاں بیوی کے درمیان ایسا رشتہ قائم کیا کہ اس سے پہلے وہ اس تعلق اور محبت کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔ انسان اپنی سرگرمیوں پر غور کرے کہ سارا دن اپنی معاش کی فکر میں لگا رہتا ہے جس سے اس کا وجود اور دماغ تھک جاتا ہے لیکن جونہی رات کے تاریک لباس میں سوتا ہے تو سارے دن کی تھکن دور ہوجاتی ہے۔ کیا انسان غور نہیں کرتا کہ یہ کس کا کمال ہے جو اسے ہر صبح تازہ دم کرکے اٹھاتا ہے اور اس کی قوت کار کو بحال کرتا ہے۔ جس خالق نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں کیا وہ قیامت کے دن انسان کو پیدا نہیں کرسکتا؟ کوئی شک نہیں کہ وہ انسان کو نہ صرف دوبارہ پیدا کرے گا بلکہ

اسے اپنی بارگاہ میں حاضر کر کے اس سے پورا پورا حساب لے گا۔ انسان غور کرے کہ قیامت کے انکار کرنے کا اس پاس کیا جواز رہ جاتا ہے؟ اسی لیے فرمایا کہ لوگ بہت بڑی خبر کے بارے میں ایک دوسرے سے تکرار کرتے ہیں جس نے ہر صورت آکر رہنا ہے حقیقت یہ ہے کہ انسان کا یہ کام نہیں کہ وہ قیامت کے بارے میں بحث مباحثہ کرے اس کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو قیامت کے لیے تیار کرے۔

((وَعَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَجُلاً قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَتَی السَّاعَةُ قَالَ وَیْلَكَ وَمَا اَعْدَدْتَ لَهَا قَالَ مَا اَعْدَدْتُ لَهَا اِلَّا اَنِّیْ اُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ اَنَسٌ فَمَا رَاَیْتُ الْمُسْلِمِیْنَ فَرِحُوْا بِشَیْءٍ بَعْدَ الْاِسْلَامِ فَرَحَهُمْ بِهَا۔)) (رواہ البخاری : باب مَنَاقِبُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَبِی حَفْصٍ الْقُرَشِیِّ الْعَدَوِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھ پر افسوس تو نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے جواب دیا: کہ میں تو صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تو اسی کے ساتھ ہو گا، جس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کو دیکھا، وہ اسلام لانے کے بعد کسی بات پر اتنے خوش نہیں ہوئے جتنے اس بات پر خوش ہوئے تھے۔''

مسائل

١۔ اللہ ہی نے زمین کو لوگوں کے لیے گہوارہ بنایا ہے۔ ٢۔ اللہ ہی نے زمین پر پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا ہے۔
٣۔ اللہ ہی نے لوگوں کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔ ٤۔ اللہ ہی نے نیند کو لوگوں کے لیے باعثِ سکون بنایا ہے۔
٥۔ اللہ ہی نے رات کو سونے کے لیے لباس بنایا ہے۔ ٦۔ اللہ ہی نے دن کو معاش کا ذریعہ بنایا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دلائل :

١۔ یقیناً قیامت آنے والی ہے۔ (الحجر:٨٥) ٢۔ یقیناً قیامت آنے والی ہے اور اللہ قبر والوں کو اٹھائے گا۔ (الحج:٧)
٣۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت برپا ہونے میں کوئی شک نہیں۔ (الکہف:٢١)
٤۔ بے شک قیامت آنے والی ہے۔ میں اس کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر کسی کو جزا یا سزا دی جائے۔ (طٰہٰ:١٥)
٥۔ اے لوگو! اللہ سے ڈر جاؤ بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔ (الحج:١)
٦۔ کافر ہمیشہ شک میں رہیں گے، یہاں تک کہ قیامت اچانک آجائے۔ (الحج:٥٥)
٧۔ ہم نے قیامت کے دن جھٹلانے والوں کے لیے آگ کا عذاب تیار کیا ہے۔ (الفرقان:١١)

وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿١٢﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿١٣﴾

اور ہم نے بنائے | تمہارے اوپر | سات | مضبوط | اور ہم نے بنایا | ایک چراغ | روشن

وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿١٤﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ

اور ہم نے نازل کیا | بھرے بادلوں سے | پانی | خوب برسنے والا | تاکہ ہم نکالیں | اس کے ساتھ

حَبًّا وَّ نَبَاتًا ﴿١٥﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿١٦﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ

دانہ | اور | سبزہ | اور باغات | گھنے | بلاشبہ | فیصلے کا دن | ہے

مِيْقَاتًا ﴿١٧﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿١٨﴾ وَّفُتِحَتِ

مقرر | جس دن | پھونک | ماری جائے گی | صور میں | تو تم آؤ گے | فوج در فوج | اور کھولا جائے گا

السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿١٩﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾

آسمان | تو وہ ہو جائے گا | دروازے دروازے | اور چلائے جائیں گے | پہاڑ | تو وہ بن جائیں گے | سراب

”اور ہم نے تم پر سات مضبوط آسمان بنائے۔(١٢) اور ایک نہایت روشن چراغ بنایا۔(١٣) اور بھرے بادلوں سے لگاتار پانی برسایا۔(١٤) تاکہ اس کے ساتھ دانے اور سبزہ نکالیں۔(١٥) اور گھنے باغ۔(١٦) بے شک فیصلے کے دن کا وقت مقرر ہے۔(١٧) جس دن صور میں پھونک ماری جائے گی، تم گروہ در گروہ نکل آؤ گے۔(١٨) اور آسمان کھول دیا جائے گا۔حتیٰ کہ وہ دروازوں کی شکل اختیار کر جائے گا۔(١٩) اور پہاڑ چلائے جائیں یہاں تک کہ وہ سراب بن جائیں گے۔(٢٠)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی عظیم تخلیقات کے مزید دلائل۔

اللہ تعالیٰ کی بے مثال تخلیقات میں آسمان بھی اس کی تخلیق کا عظیم شاہکار ہے جسے بغیر ستونوں کے کھڑا کیا گیا ہے اس کے حسن و کمال کے بارے میں ارشاد ہے:

”جس نے اوپر نیچے سات آسمان بنائے، تم رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کا خلل نہیں پاؤ گے پھر پلٹ کر دیکھو کہیں تمہیں خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نظر دوڑاؤ تمہاری نظر تھک کر واپس پلٹ آئے گی۔ ہم نے آسمانِ دنیا کو عظیم الشان چراغوں سے آراستہ کیا ہے اور انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ بنایا ہے شیطانوں کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔“ (الملک: ٣ تا ٥)

آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کے حصے کو روشن رکھنے کے لیے چمکتا ہوا سورج بنایا۔ اس کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ یہ چمکنے اور بھڑکنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورج کو زمین سے ایک خاص فاصلے پر رکھا ہے۔ سورج

إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِّلطَّاغِينَ مَآبًا ﴿٢٢﴾ لَّابِثِينَ

بے شک جہنّم ہے گھات کی جگہ سرکشوں کے لیے ٹھکانہ وہ ٹھہریں گے

فِيهَآ أَحْقَابًا ﴿٢٣﴾ لَّا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ﴿٢٤﴾

اس میں لمبی مدت نہیں چکھیں گے وہ اس میں ٹھنڈک اور نہ کوئی مشروب

إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ﴿٢٥﴾ جَزَآءً وِفَاقًا ﴿٢٦﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ

مگر کھولتا پانی اور بہتی پیپ سزا پوری بلاشبہ وہ تھے نہیں امید رکھتے

حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ

حساب کی اور وہ جھٹلاتے تھے ہماری آیات پوری طرح جھٹلانا اور ہر چیز ہم نے شمار کر رکھا ہے اس کو

كِتَابًا ﴿٢٩﴾ فَذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾ ع ۱

کتاب میں لہٰذا تم چکھو پس ہرگز نہیں ہم زیادہ کریں گے تمہیں مگر عذاب میں

درحقیقت جہنّم ایک گھات ہے۔(۲۱) سرکشوں کا ٹھکانا ہے۔(۲۲) جس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔(۲۳) اس میں کوئی ٹھنڈک اور پینے کی چیز لُطف کے قابل نہیں چکھیں گے۔(۲۴) انہیں ملے گا تو بس کھولتا ہوا پانی اور زخموں کی پیپ پوری پوری سزا۔(۲۶) وہ کسی حساب کی توقع نہیں رکھتے تھے۔(۲۷) انہوں نے ہماری آیات کو بالکل جھٹلا دیا تھا۔(۲۸) حالانکہ ہم نے ہر چیز کو لکھ رکھا ہے۔(۲۹) اب چکھو مزہ ہم تمہارے لیے عذاب کے سوا کسی چیز میں بالکل اضافہ نہیں کریں گے۔"(۳۰)

میں اس قدر حرارت اور حِدّت ہے کہ اگر یہ اپنے مدار سے چند میل نیچے آجائے تو ہر چیز تباہ ہوکر رہ جائے۔ یہ اللہ کی قدرت کا عظیم مظہر ہے کہ سورج کو ایک مقررہ فاصلے پر رکھا اوراس میں اتنی روشنی اورتپش پیدا کی ہے کہ جس سے نہ فضا میں رہنے والی مخلوق جلتی ہے اورنہ ہی نباتات کو کوئی نقصان پہنچتا ہے اگر سورج زمین کو خاص مقدار میں روشنی اورحرارت نہ دے تو نہ فصلیں پک سکتی ہیں اورنہ ہی پھلوں میں مٹھاس پیدا ہو گی۔ یہ سورج کی تپش کا نتیجہ ہے سمندر سے بخارات اٹھتے ہیں اور پھر بادل بن کر زمین پر برستے ہیں۔

"اَلْمُعْصِرَاتِ" کا معنٰی پانی، نچوڑنے والے بادل اور "ثَجَّاجًا" کا معنٰی بہت برسنے والی بارش۔

اگرایک مدت تک بارش کا سلسلہ بند ہوجائے تو ہر جاندار کی خوراک ختم ہوجائے یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رحمت کا ثمرہ ہے کہ وہ بارش برسا کر اناج، سبزیاں اور باغات سے پھل پیدا کرتا ہے۔ آسمان اورسورج ایسی چیزیں ہیں جن کے بارے میں انسان گمان کرتا ہے کہ یہ ہمیشہ رہیں گے حالانکہ جب قیامت برپا ہوگی تو ہر چیز فنا کے گھاٹ اتر جائے گی ان کے فنا ہونے کا وقت مقرر ہے۔اس دن صور پھونکا جائے گا تو لوگ فوج درفوج زمین سے نکل کھڑے ہوں گے، قیامت کے دن آسمان کے بندھن کھول دیئے جائیں گے۔ پہلے مرحلے میں آسمان

دروازوں کی شکل اختیار کر جائے گا اور پھر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑے گا۔ پہاڑ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ریت کی صورت اختیار کر جائیں گے۔ ان آیات میں پہلی اور دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتِ حال کا مختصر ذکر فرما کر قیامت کے دو مناظر پیش کیے ہیں۔ جس کا اختصار یہ ہے کہ اسرافیل کے پہلی مرتبہ صور پھونکنے سے ہر چیز تباہ ہو جائے گی اور دوسری مرتبہ صور پھونکنے سے انسان اپنے اپنے مرقد سے نکل کر گروہ درگروہ محشر کے میدان میں حاضر ہو جائیں گے۔ اس وقت حساب وکتاب ہوگا اور جو لوگ قیامت کو جھٹلاتے ہیں انہیں کہا جائے گا کہ کیا تم وہی لوگ ہو جو ہمارے فرمودات کو جھٹلایا کرتے تھے، تم سمجھتے تھے کہ تمہارا حساب وکتاب رکھنے والا کوئی نہیں ہے حالانکہ ہم نے ہر چیز کا ایک کتاب میں اندراج کر رکھا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے جہنّم گھات لگائے ہوئے ہے جو نافرمانوں کا ٹھکانہ ہے وہ اس میں مدتِ مدید تک پڑے رہیں گے اس میں نہ سکون پائیں گے اور نہ ہی پینے کے لیے کوئی ٹھنڈا مشروب ہوگا۔ سوائے اس کے کہ انہیں پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی اور جہنّمیوں کی پیپ دی جائے گی یہ سزا ان کے اعمال کا نتیجہ ہوگی اس لیے انہیں کہا جائے گا کہ اب تم ہمیشہ کے لیے صرف عذاب ہی عذاب پاؤ گے۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اُوپر سات آسمان بنائے ہیں۔

٢۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کے درمیان چمکتا اور بھڑکتا ہوا سورج بنایا ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ ہی بادلوں سے بارش نازل کرتا ہے اور بارش سے دانے، سبزیاں اور پھل پیدا کرتا ہے۔

٤۔ قیامت کا ایک دن اور وقت مقرر ہے۔

٥۔ قیامت کے دن پہلی دفعہ صور پھونکنے سے آسمان دروازوں کی شکل اختیار کر جائے گا اور پہاڑ بالآخر بکھری ہوئی ریت کی طرح ہو جائیں گے۔

٦۔ قیامت کے دن دوسری مرتبہ صور پھونکنے سے لوگ اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کر فوج درفوج محشر کے میدان میں جمع ہو جائیں گے۔

٧۔ اللہ کے نافرمانوں کے لیے جہنّم گھات لگائے ہوئے ہے جو ان کے رہنے کی بدترین جگہ ہے۔

٨۔ جہنّم میں نہ سایہ ہوگا اور نہ ہی پینے کے لیے ٹھنڈا پانی۔

٩۔ جہنّمیوں کو کھولتا ہوا پانی اور ان کے زخموں کی پیپ پلائی جائے گی۔

١٠۔ جہنّمیوں کو اس لیے جہنّم میں جھونکا جائے گا کیونکہ وہ قیامت اور حساب وکتاب کا انکار کیا کرتے تھے۔

١١۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس لوحِ محفوظ میں ہر چیز کا اندراج کر رکھا ہے۔

اِنَّ	لِلْمُتَّقِيْنَ	مَفَازًا ۝۳۱	حَدَآئِقَ	وَاَعْنَابًا ۝۳۲	وَّكَوَاعِبَ
بلاشبہ	متقی لوگوں کے لیے	کامیابی ہے	باغات	اور انگور ہیں	اور اُبھری چھاتیوں والیاں

اَتْرَابًا ۝۳۳	وَّكَاْسًا	دِهَاقًا ۝۳۴	لَا يَسْمَعُوْنَ	فِيْهَا	لَغْوًا	وَّلَا
ہم عمر ہیں	اور جام ہیں	چھلکتے ہوئے	نہیں وہ سنیں گے	اس میں	لغو	اور نہ

كِذّٰبًا ۝۳۵	جَزَآءً	مِّنْ رَّبِّكَ	عَطَآءً	حِسَابًا ۝۳۶
جھوٹ	جزا ہے	آپ کے رب کی طرف سے	انعام	حساب

''یقیناً متقیوں کے لیے کامیابی ہے۔(۳۱) باغ اور انگور ہیں۔(۳۲) اور نوخیز ہم عمر بیویاں ہیں۔(۳۳) اور چھلکتے ہوئے جام ہیں۔(۳۴) وہاں لغو اور جھوٹی بات نہیں سنیں گے۔(۳۵) تمہارے رب کی طرف سے جزاء اور انعام ہو گا جو اعمال کے مطابق دیا جائے گا۔''(۳٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنّمیوں کی سزاؤں کے مقابلے میں جنّتیوں کے انعامات۔

جب محشر کے میدان میں لوگوں کے درمیان فیصلہ ہوجائے گا تو جہنّمیوں کو جہنّم کی طرف جانے کا حکم ہوگا اور جنّتیوں کو جنّت میں داخلے کی اجازت عطا فرمائی جائے گی۔ جونہی جنّتی جنّت کی طرف قدم اٹھائیں گے تو یہ اعلان ہوگا کہ اے خوش نصیبو! تم اس جنّت میں داخل ہوجاؤ جس میں تمہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی پریشانی، یہ ہے وہ کامیابی جس کے حصول کے لیے تم دنیا میں کوشش کیا کرتے تھے۔ جس جنّت میں تمہیں داخلہ دیا جارہا ہے اس میں بڑے بڑے باغات ہیں جن میں انگور اور ہر قسم کے پھل موجود ہیں۔ وہاں جنّتی مردوں کے لیے ان کی ہم عمر اور نہایت جوان خوبصورت حوریں ہوں گی۔ جنّت میں جنّتی نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ ہی کوئی جھوٹ۔ یہاں جنّتیوں کے لیے ''مَفَازًا'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا معنٰی کامیابی حاصل کرنا اور ہر قسم کی پریشانی سے نجات پانا ہے۔ جنّتی نہ صرف دنیا کے غموں اور پریشانیوں سے نجات پائیں گے بلکہ جہنّم کی ہولناکیوں سے بھی بچا لیے جائیں گے یہ آپ کے رب کی طرف سے بدلہ ہے جو نیک لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق ملے گا۔ جنّت میں ہر قسم کی نعمت اور آزادی ہو گی لیکن اس میں کسی قسم کی بے ہودگی نہیں پائی جائے گی۔

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ (آلِ عمران: ۱۸۵)

''ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور قیامت کے دن تم پوری پوری جزا دیے جاؤ گے۔ جو شخص آگ سے بچا لیا گیا اور جنّت میں داخل کر دیا گیا یقیناً وہ کامیاب ہوگیا اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔''

((وَلَوْ اَنَّ اِمْرَاَةً مِّنْ نِّسَآءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ اِلَى الْاَرْضِ لَاَضَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَاَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيْحًا وَلَنَصِيْفُهَا يَعْنِي الْخِمَارَ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا))

(رواه البخاری : كتاب الرقاق ،باب صفة الجنة والنار)

”اگر اہلکی عورتوں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانک لے تو مشرق ومغرب اور جو کچھ اس میں ہے روشن اور معطر ہو جائے، نیز حور کے سر کا دوپٹہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے قیمتی ہے۔“

((لَوْ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ إِلَى أَهْلِ الأَرْضِ لأَضَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا))

(رواه البخاری : كتاب الجهاد، باب الحور العين)

”اگر جنّت کی حور آسمان سے نیچے جھانکے تو ہر چیز منور ہو جائے۔“

مسائل

۱۔ جنّت میں جانے والے ہر لحاظ سے کامیاب ہوں گے۔

۲۔ جنّت میں دوسرے باغات کے ساتھ انگوروں کے باغ بھی ہوں گے۔

۳۔ جنّت میں جنّتی کسی قسم کی جھوٹی اور بے ہودہ بات نہیں سنیں گے۔

۴۔ جنّتیوں کو ان کے رب کی طرف سے پورا پورا صلہ دیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

جنّت کی نعمتوں کی ایک جھلک:

۱۔ ہم نے اس میں کھجوروں ،انگوروں کے باغ بنائے ہیں اور ان میں چشمے جاری کیے ہیں۔(یٰس:۳۴)

۲۔ یقیناً متقین باغات اور چشموں میں ہوں گے۔(الذاریات:۱۵)

۳۔ یقیناً متقی نعمتوں والی جنّت میں ہوں گے۔(الطّور:۱۷) ۴۔ جنّتیوں کو شرابِ طہور دی جائے گی۔(الدھر:۲۱)

۵۔ جنّت میں جنّتیوں کو سونے اور لولو کے زیور پہنائے جائیں گے۔(فاطر:۳۳)

۶۔ جنّت میں تمام پھل دو،دو قسم کے ہوں گے۔(الرحمٰن:۵۲)(الرحمٰن: ۵۶)

۷۔ جنّتی سبز قالینوں اور رمسندوں پر تکیہ لگا کر بیٹھے ہوں گے۔(الرحمٰن:۷۶)

۸۔ ہم ان کے دلوں سے کینہ نکال دیں گے اور سب ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے۔انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے۔ (الحجر:۴۷۔۴۸)

۹۔ حوریں نوجوان ، کنواریاں اور ہم عمر ہوں گی۔(الواقعہ: ۳۵تا۳۸)۱۰۔یاقوت ومرجان کی مانند ہوں گی۔ (الرحمٰن :۵۸)

۱۱۔ خوبصورت اور خوب سیرت ہوں گی۔ (الرحمٰن: ۷۰)۱۲۔ خیموں میں چھپی ہوئی ہوں گی۔(الرحمٰن :۷۲)

رَّبِّ	السَّمٰوٰتِ	وَ	الْاَرْضِ	وَ	مَا بَيْنَهُمَا	الرَّحْمٰنِ
رب	آسمانوں	اور	زمین کا	اور	جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے	بڑا مہربان ہے
لَا يَمْلِكُوْنَ	مِنْهُ	خِطَابًا ۝٣٧	يَوْمَ	يَقُوْمُ	الرُّوْحُ	وَالْمَلٰٓئِكَةُ
نہیں وہ اختیار رکھیں گے	اس سے	بات کرنے کا	اس دن	کھڑے ہوں گے	جبریل	اور سب فرشتے
صَفًّا ۚ	لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ	اِلَّا	مَنْ	اَذِنَ	لَهُ	الرَّحْمٰنُ
صف بستہ	نہیں وہ کلام کرسکیں گے	مگر	وہی	اجازت دے گا	جس کو	رحمٰن
وَ قَالَ	صَوَابًا ۝٣٨	ذٰلِكَ	الْيَوْمُ	الْحَقُّ ۚ	فَمَنْ	شَآءَ
اور کہے گا وہ	درست بات	یہ	دن ہے	برحق	چنانچہ جو	چاہے

''نہایت مہربان رب کی طرف سے جو زمین و آسمانوں کا اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا مالک ہے جس کے سامنے کسی کو بولنے کی ہمت نہیں ہو گی۔(۳۷) جس دن جبریل اور ملائکہ قطار اندر قطار کھڑے ہوں گے کوئی بھی بات نہیں کر پائے گا سوائے اس کے جسے رحمٰن اجازت دے گا اور وہ صحیح بات کرے گا۔(۳۸) وہ دن برحق ہے جس کا جی چاہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنمیوں کے عقیدے کی تمیز۔

جہنم میں جانے والوں کے جرائم میں ایک جرم یہ ہوگا کہ وہ دنیا میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ قیامت کے دن ان کے پیر، فقیر اور معبود انہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچالیں گے لیکن وہاں صورتِ حال یہ ہوگی کہ کسی کو ربِ ذوالجلال کی گرفت سے بچانا تو درکنار کوئی اس کے سامنے بات کرنے کی جرأت نہیں کرسکے گا کیونکہ وہی زمین و آسمانوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا پیدا کرنے والا اور مالک ہے۔ دنیا میں اس نے ہر انسان کو ایک حد تک اپنی مرضی کرنے کی اجازت دے رکھی ہے لیکن قیامت کے دن اس کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکے گا۔ اس دن حالت یہ ہوگی کہ جبریلِ امین اور تمام ملائکہ اپنے رب کے حضور قطار اندر قطار کھڑے ہوں گے، کوئی فرشتہ ہو یا انسان گنہگار ہو یا پاکباز، ولی ہو یا نبی کوئی بھی ربِ ذوالجلال کی اجازت کے بغیر بات کرنے کی جرأت نہیں پائے گا۔ اس کے حضور وہی بات کر سکے گا جسے وہ اجازت عطا فرمائے گا اور جسے اجازت دی جائے گی وہ وہی بات اور الفاظ استعمال کرے گا جو صحیح ہوں گے، اس دن کا آنا اور قیامت کا قائم ہونا برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بتلا دیا ہے کہ وہ دن اور اس کا عذاب دور نہیں بلکہ بالکل قریب ہے اب جس کا دل چاہے وہ اپنے رب کی طرف واپس جانے کا صحیح راستہ اختیار کرلے اور جو چاہے اپنی مرضی کرتا رہے۔ جس نے اپنی مرضی کا راستہ اختیار کیا وہ کہے گا کہ کاش! میں مٹی کے ساتھ مٹی ہوجاؤں۔

''ہم نے تمہیں اس عذاب سے ڈرادیا ہے جو قریب آچکا ہے جس دن آدمی سب کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور کافر پکار اٹھے گا کہ کاش میں مٹی بنا رہتا۔'' (النبا:۴۰)

اتَّخَذَ	اِلٰى رَبِّهٖ	مَاٰبًا ﴿۳۹﴾	اِنَّآ	اَنْذَرْنٰكُمْ	عَذَابًا قَرِيْبًا
وہ پکڑے	اپنے رب کی طرف	مقام	بلاشبہ ہم نے	تمہیں ڈرادیا ہے	قریب کے عذاب سے

يَّوْمَ	يَنْظُرُ	الْمَرْءُ	مَا	قَدَّمَتْ	يَدٰهُ	وَيَقُوْلُ
اس دن	دیکھے گا	آدمی	جو کچھ	آگے بھیجا	اس کے دونوں ہاتھوں نے	اور کہے گا

الْكٰفِرُ	يٰلَيْتَنِيْ	كُنْتُ	تُرٰبًا ﴿۴۰﴾
کافر	اے کاش!	ہوتا میں	مٹی

ع ۲

اپنے رب کی طرف پلٹنے کا راستہ اختیار کر لے۔(۳۹) ہم نے تمہیں اس عذاب سے ڈرادیا ہے جو قریب آچکا ہے جس دن آدمی سب کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور کافر پکار اٹھے گا کہ کاش میں مٹی بنا رہتا۔‘‘(۴۰)

((عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَتُـؤَدُّنَّ الْحُقُوْقَ إِلٰى أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ)) (رواه مسلم : كتاب البر والصلة ، باب تحريم الظلم)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں قیامت کے دن لوگوں کے حقوق ان کے مالکوں کو ادا کرنا پڑیں گے، یہاں تک کہ جس بکری کے سینگ نہیں ہیں اس کو سینگ والی بکری سے بدلہ دلایا جائے گا۔‘‘

مسائل

۱۔ قیامت کے دن جبریلِ امین اور تمام ملائکہ قطار اندر قطار کھڑے ہوں گے۔

۲۔ قیامت کے دن الرحمٰن کی اجازت کے بغیر کوئی بات نہیں کر سکے گا۔

۳۔ قیامت کے دن جسے بات کرنے کی اجازت ہوگی وہ صحیح بات کرے گا۔

۴۔ قیامت کا دن ہر صورت برپا ہو کر رہے گا اس کے برپا ہونے میں کوئی شک نہیں۔

۵۔ قیامت کے دن ہر شخص اپنے اعمال کو اپنے سامنے پائے گا۔

۶۔ قیامت کے دن کافر اس بات کی تمنا کرے گا کہ کاش! میں مٹی کے ساتھ مٹی بنا رہتا۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے قائم ہونے کے ٹھوس دلائل دیئے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن کوئی شخص ربِ رحمٰن کی اجازت کے بغیر بات نہیں کر سکے گا:

۱۔ کون ہے جو اس کے حکم کے بغیر سفارش کرے۔(البقرۃ:۲۵۵)

۲۔ قیامت کے دن سفارشی کسی کو فائدہ یا نقصان نہیں دیں گے۔(یونس:۱۸)

۳۔ سفارش بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوگی۔(الانبیاء: ۲۸) (المدثر:۴۸)

سورۃ النّازعات کا تعارف

یہ سورت اپنے نام سے شروع ہوتی ہے ۔سورت النبا کے بعد مکہ میں نازل ہوئی یہ دو رکوع اور چھیالیس آیات پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتداء میں انسان کی جان نکالنے والے ملائکہ کی پانچ قسمیں اٹھا کر انسان کی موت کا ذکر فرما کر یہ بات ثابت کی ہے کہ قیامت ہر صورت برپا ہو گی اور اس کا آغاز مسلسل زلزلوں سے ہو گا۔ اس سورت میں یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ جو ملائکہ اپنے رب کے حکم سے انسان کی جان قبض کرتے ہیں اور کائنات کا نظام چلا رہے ہیں۔ وہی اپنے رب کے حکم سے قیامت برپا کریں گے۔ اس دن لوگوں کے دل کانپ رہے ہوں گے اور ان کی آنکھیں سہمی ہوئی ہوں گی، جو لوگ یہ باتیں کرتے ہیں کہ ہماری بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جس دن انہیں اٹھایا جائے گا وہ دن صرف ایک ڈانٹ سے رونما ہو گا اور یہ لوگ کھلے میدان میں موجود ہوں گے۔ اس سورت کے دوسرے رکوع میں فرعون کا انجام ذکر کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتے ہیں ان کا انجام کیا ہوا کرتا ہے۔ اس کے بعد آسمان کی بناوٹ اور بلندی کا حوالہ دیا پھر پہاڑوں کا ذکر ہوا اور اس کے بعد جانوروں اور ان کے چارے کا ذکر فرما کر ثابت کیا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بنائیں اور پیدا کی ہیں اسی طرح ہی وہ اس دنیا کے بعد قیامت برپا کریگا اس دن مجرموں کے لیے جہنم ہو گی اور نیک لوگوں کے لیے جنت مقام ہو گا۔

سورۃ عبس کا تعارف

یہ سورت بھی اپنے نام سے شروع ہوتی ہے مکہ میں نازل ہوئی ایک رکوع پر محیط ہے جس کی بتالیس آیات ہیں۔ اس کی ابتدا ایک مخصوص واقعہ سے کی گئی جس کا ذکر اس کی تفسیر میں کر دیا گیا ہے اس میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر نصیحت سے منہ پھیر لے اس پر زیادہ وقت صرف نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے مقابلے میں اس شخص پر محنت کرنی چاہیے جو نصیحت حاصل کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی بتلایا ہے کہ قرآن مجید ایسے صحیفوں میں درج ہے جو بڑے ہی محترم اور پاکیزہ ہیں ان تک دیانت دار ملائکہ کی رسائی ہوتی ہے۔ قرآن مجید کی تعلیمات میں ایک مرکزی عنوان یہ ہے کہ انسان نے بالآخر مرنا ہے اور مر کر اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے جو لوگ اس بات کا انکار کرتے ہیں انہیں اپنی پیدائش اور خوراک پر غور کرنا چاہیے کہ جس طرح انسان عدم سے وجود میں آتا ہے اور بارش سے زمین نرم ہوتی ہے پھر اس سے مختلف قسم کے پھل اور اناج پیدا ہوتے ہیں اسی طرح ہی انسان کو قیامت کے دن زمین سے نکال لیا جائے گا۔ اس دن کی ابتداء ایسے دھماکے سے ہو گی جس کی آواز لوگوں کے کانوں کو بہرہ کر دے گی۔ لوگوں کی حالت یہ ہو گی آدمی اپنے بھائی ، اپنی والدہ، اپنے باپ، اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگ جائے گا ہر کوئی اپنی فکر میں ہو گا کوئی دوسرے کا خیال نہیں کرے گا اس دن نیک لوگوں کے چہرے ہشاش بشاش اور خوش وخرم ہوں گے اور مجرموں کے چہروں پر نحوست اور ذلت چھائی ہو گی۔

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ۲ اٰيَاتُهَا: ۴۶

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝۱ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝۲ وَّالسّٰبِحٰتِ

قسم ہے سختی سے نکالنے والوں کی داخل ہو کر قسم ہے آسانی سے نکالنے والوں کی نرمی سے قسم ہے تیرنے والوں کی

سَبْحًا ۝۳ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝۴ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝۵

تیزی سے تیرنا پھر آگے بڑھنے والوں کی دوڑ کر پھر جو تدبیر کرنے والے ہیں کام کی

وقف لازم

”قسم ہے اُن فرشتوں کی جو انسان کے جسم میں داخل ہو کر سختی کے ساتھ جان نکالتے ہیں۔(۱) اور قسم ہے جو نرمی سے جان نکالتے ہیں۔(۲) اور ان فرشتوں کی جو تیزی سے تیرتے پھرتے ہیں۔(۳) پھر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے والے فرشتوں کی۔(۴) پھر کام کی تدبیر کرنے والے فرشتوں کی۔“(۵)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورۃ النّبا کے آخر میں ارشاد ہوا کہ قیامت کا قائم ہونا برحق ہے۔النّازعات کی ابتدا میں پانچ قسمیں اٹھا کر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جس طرح انسان کا مرنا برحق ہے اسی طرح اس کا دوبارہ اٹھایا جانا بھی برحق ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے شاگردانِ عظام کے حوالے سے مفسرین نے ان آیات کی یہ تفسیر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں ان ملائکہ کی قسمیں اٹھائی ہیں جو انسان کی روح قبض کرکے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں اور جو انہیں حکم ملتا ہے وہ اسے کر گزرتے ہیں۔ ①قسم ہے ان فرشتوں کی جو مرنے والے کے جسم میں پوری طرح داخل ہو کر سختی کے ساتھ جان نکالتے ہیں۔②قسم ہے ان کی جو مرنے والے کے جسم سے نرمی کے ساتھ روح نکالتے ہیں۔ ③قسم ہے ان کی جو فضا میں بڑی تیزی سے تیرتے ہوئے جاتے ہیں۔ ④قسم ہے ان کی جو ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ⑤قسم ہے ان کی جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے نفاذ کی تدابیر کرتے ہیں۔ ان قسموں سے دو باتیں ثابت کی گئی ہیں۔

ہر شخص کے لیے موت برحق ہے اور موت کا وقت بڑا کٹھن اور مشکل ہوتا ہے البتہ نزع کے وقت مومن کی روح آسانی کے ساتھ نکل جاتی ہے اور بُرے شخص کی موت کا ہر لمحہ اس کے پہلے لمحے سے سخت ترین ہوتا ہے، جوں ہی عزرائیل مرنے والے کی روح جنت یا جہنم کے فرشتوں کے حوالے کرتا ہے تو وہ روح کو لے کر آسمان کی طرف اس تیزی کے ساتھ چڑھتے ہیں جیسے فضا میں کوئی چیز تیر رہی ہو، فرشتوں کو اُوپر چڑھنے میں ذرہ بھر مشکل پیش نہیں آتی وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر اس طرح عمل کرتے ہیں جس طرح اس پر عمل کرنے کا حق ہے۔ ان ملائکہ سے مراد اگر صرف موت

کے ملائکہ لیے جائیں تو اس کا معنٰی ہوگا کہ وہ موت کے وقت مرنے والے کی روح قبض کرتے ہیں اگر مدبّرات سے تمام فرشتے لیے جائیں تو اس کا معنٰی یہ ہے کہ جس فرشتے کی جو ڈیوٹی لگائی گئی ہے وہ اس پر اسی طرح ہی عمل کرتا ہے جس طرح اس پر عمل کرنے کا اسے حکم دیا جاتا ہے۔

’’حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انصار کے کسی آدمی کے جنازہ کے لیے نکلے قبرستان پہنچے تو ابھی قبر کھودی نہیں گئی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے ہم بھی آپ کے اردگرد بیٹھ گئے جیسے ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی آپ اس کے ساتھ زمین کرید رہے تھے آپ نے سر اٹھاتے ہوئے دو یا تین مرتبہ فرمایا قبر کے عذاب سے پناہ مانگو پھر فرمایا......

جب کافر دنیا کو چھوڑ کر آخرت کی طرف جاتا ہے تو اس کی طرف آسمان سے کالے چہروں والے فرشتے آتے ہیں ان کے ہاتھ میں بدبودار کفن ہوتا ہے فرشتے حد نگاہ تک مرنے والے سے دور بیٹھ جاتے ہیں، پھر اس کے پاس ملک الموت آتا ہے یہاں تک کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے اے خبیث نفس! اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے غضب کا سامنا کر۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اس کی روح کو اس طرح نکالتے ہیں جس طرح گرم سلائی کو روئی سے نکالا جاتا ہے وہ اس کو نکال کر جس تھیلے میں ڈالتے ہیں اس سے اتنی بدبو آتی ہے جس طرح زمین سے گندی لاش کی بدبو نکلتی ہے وہ اس کو لے کر آسمانوں کی طرف بڑھتے ہیں، وہ فرشتوں کے جس گروہ کے قریب سے گزرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں یہ خبیث روح کس کی ہے وہ کہتے ہیں یہ فلاں بن فلاں ہے۔ اس کا برے ناموں کے ساتھ ذکر کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ آسمان دنیا تک پہنچتے ہیں۔ آسمان کو کھلوانا چاہتے ہیں مگر اسے کھولا نہیں جاتا، پھر نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت کی: ’’ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ سوئی کے ناکے میں اونٹ داخل ہو جائے‘‘ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے لیے سجین یعنی زمین کی تہہ میں ٹھکانا بناؤ اس کی روح کو نیچے پھینک دیا جاتا ہے پھر نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی ’’جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا گویا کہ وہ آسمان سے گرا اور اسے پرندے اچک لیں یا اس کو ہوائیں کسی دور دراز مقام پر پھینک دیں‘‘ پھر اس روح کو اس کے بدن میں لوٹا دیا جاتا ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس کو بٹھاتے ہیں وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا، فرشتے پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا، پھر فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ شخص کون ہے جو تم میں نبی مبعوث کیا گیا؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ آسمانوں سے آواز دینے والا آواز دیتا ہے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے اس کا بچھونا آگ کا بنا دو اور آگ کا دروازہ اس کی طرف کھول دو۔ اس کو اس آگ کی گرمی اور بدبو آتی ہے اس پر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی

پسیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں پھر اس کے پاس بدصورت گندے کپڑے اور بدبو دار جسم کے ساتھ آدمی آتا ہے تو وہ کہتا ہے آج خوش ہو جا تجھے حسب وعدہ ذلیل کیا جائے وہ پوچھتا ہے تو اتنی بُری شکل والا کون ہے؟ جو اتنی بری بات سُنا رہا ہے وہ کہے گا میں تیرا برا عمل ہوں وہ کہے گا اے میرے رب کبھی قیامت نہ قائم کرنا۔'' (مسند احمد: مسند البراء بن عازب، قال بیہقی ہذا حدیث کبیر صحیح الاسناد)

مسائل

۱۔ موت کے فرشتے انسان کی رگ رگ سے جان نکالتے ہیں ۲۔ ملائکہ کو آسمان کی طرف جانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔
۳۔ ملائکہ انسان کی روح قبض کر کے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔
۴۔ نیک کی روح آسانی کے ساتھ اور بُرے کی روح بڑی تکلیف کے ساتھ نکالی جاتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں ملائکہ کی ذمہ داریوں کا تذکرہ:

۱۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی گواہی دیتے ہیں۔ (النساء: ۱۶۶)
۲۔ قرآن مجید میں ۴ فرشتوں کا نام آیا ہے۔ جبرائیل، میکائیل، ملک الموت اور مالک۔ (البقرۃ ۹۸، السجدۃ ۱۱ الزخرف: ۷۷)
۳۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام ملائکہ کے سردار ہیں۔ (نبا: ۳۸) ۴۔ جبریل علیہ السلام مقرب ترین فرشتہ ہے۔ (النجم: ۸)
۵۔ جبریل علیہ السلام طاقتور فرشتہ ہے۔ (النجم: ۵) ۶۔ جبریل علیہ السلام دیانت دار فرشتہ ہے۔ (الشعراء: ۱۹۳)
۷۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر جبریل علیہ السلام نے قرآن اتارا ہے۔ (البقرۃ: ۹۷)
۸۔ جبرئیل کی تمام ملائکہ تابعداری کرتے ہیں اور جبرئیل امین فرشتہ ہے۔ (التکویر: ۲۱)
۹۔ (اسرافیل) قیامت کے دن صور پھونکے گا۔ (الزمر: ۶۸) ۱۰۔ جہنم کے کنٹرولر فرشتے کا نام مالک ہے۔ (الزخرف: ۷۷)
۱۱۔ قیامت کے دن آٹھ فرشتے اللہ تعالیٰ کے عرش کو اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ (الحاقۃ: ۱۷)
۱۲ فرشتے جنت پر معمور ہیں۔ (الزمر: ۷۳) ۱۳۔ فرشتے جہنم پر ڈیوٹی کر رہے ہیں۔ (الزمر ۷۱)
۱۴۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں۔ (البقرۃ: ۳۰) ۱۵۔ ملائکہ لوگوں کے اعمال درج کرتے ہیں۔ (انفطار: ۱۱)
۱۶۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے نافرمانوں کو عذاب دیتے ہیں۔ (ہود: ۷۷)
۱۷۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے مسلمانوں کی مدد کرتے ہیں۔ (آل عمران: ۱۲۴، ۱۲۵)

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿٦﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿٧﴾ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ

جس دن کانپے گی کانپنے والی اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی کئی دل اس دن

وَّاجِفَةٌ ﴿٨﴾ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿٩﴾ يَقُوْلُوْنَ ءَ اِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ

دھڑکتے ہوں گے ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی وہ کہتے ہیں کیا بلاشبہ ہم ضرور لوٹائے جائیں گے

فِی الْحَافِرَةِ ﴿١٠﴾ ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿١١﴾ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ

پہلی حالت میں کیا جب ہم ہو جائیں گے ہڈیاں بوسیدہ وہ کہتے ہیں یہ اس وقت واپسی ہوگی

خَاسِرَةٌ ﴿١٢﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿١٤﴾

نقصان دہ چنانچہ صرف وہ ایک ڈانٹ ہوگی تو یکا یک وہ کھلے میدان میں ہوں گے

وقف لازم

وقف لازم

''جس دن کانپنے والی کانپے گی۔(٦) اور اس کے پیچھے پے در پے جھٹکے آئیں گا۔(٧) کئی دل اس دن خوف سے کانپ رہے ہوں گے۔(٨) ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی۔(٩) وہ کہتے ہیں کہ کیا واقعی ہم واپس لٹائے جائیں گے؟(١٠) کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے؟(١١) کہتے ہیں یہ واپسی تو پھر بڑے گھاٹے کا معاملہ ہوگا۔(١٢) بس وہ صرف ایک زور دار ڈانٹ ہوگی۔(١٣) اور پھر وہ سب کے سب کھلے میدان میں حاضر ہو جائیں گے۔''(١٤)

فہم القرآن

ربطِ کلام: موت کے بعد پہلا مرحلہ۔

پانچ قسمیں اٹھا کر ہر شخص کو یہ حقیقت یاد کروائی گئی ہے کہ نیک ہو یا بد اس نے موت کے مشکل ترین لمحات سے گزرنا ہے اور موت کے بعد ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب زمین کا چپہ چپہ کانپنے لگے گا کیونکہ اُسے پے در پے جھٹکے لگیں گے اس طرح پوری زمین ہلا کر رکھ دی جائے گی یہاں تک کہ زمین چٹیل میدان میں تبدیل ہو جائے گی۔ اس دن لوگوں کے دل دہل جائیں گے اور ہر شخص یوں محسوس کرے گا جیسے اس کا کلیجہ منہ میں آ کر پھنس گیا ہے۔ آنکھیں ڈری ڈری اور جھکی ہوں گی، چاہیے تو یہ کہ کافر قیامت پر ایمان لاتے لیکن وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم قبروں سے نکل کر پہلی حالت پر لوٹ جائیں گے؟ حالانکہ ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو کر مٹی کے ساتھ مٹی بن چکی ہوں گی یہ تو بڑے گھاٹے کا معاملہ ہوگا۔ قرآن مجید نے کئی بار بتلایا ہے کہ جو لوگ قیامت کے دن کا انکار کرتے ہیں وہ نقصان میں ہوں گے۔ کفار اس بات کو بھی مذاق کا نشانہ بناتے اور کہتے تھے کہ ہاں ہاں پھر ہم بڑے گھاٹے میں ہوں گے! حالت یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت پر ایمان رکھنے کے باوجود ہمارے مقابلے میں کنگال ہیں یہ اس دن فائدے میں ہوں گے اور ہم گھاٹے میں ہوں گے یہ کیسے ہوگا؟ اہل ایمان کو مذاق اس طرح کفار کرتے تھے۔ انہیں کہا جا رہا ہے کہ آج قیامت کو مذاق سمجھتے ہو لیکن وہ دن ہر حال میں آنے والا ہے جس دن ایک زور دار آواز ہوگی قرآن مجید نے اسے

ایک زلزلہ اوردھاکہ بھی کہا ہے ۔ جوں ہی اسرافیل دوسری مرتبہ صور پھونکے گا تو اس کی آواز میں اتنی گرج اور کشش ہوگی کہ ہر کوئی میدانِ محشر کی طرف کھینچا آئے گا اورسب کے سب انسان حاضر ہو جائیں گے۔

منکرینِ قیامت کا جواب:

﴿كَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ كُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا فَاَحۡيَاكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيۡكُمۡ ثُمَّ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ﴾ (البقرۃ:۲۸)

”تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں مارے گا پھر زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔“

﴿اَلَيۡسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنۡ يُّحۡيِۦَ الۡمَوۡتٰى﴾ (القیامہ:۴۰)

کیا ”اللہ“ اس پر قادر نہیں ہے کہ مرنے والوں کو پھر زندہ کرے؟“

﴿فَسُبۡحٰنَ الَّذِىۡ بِيَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ﴾ (یٰس:۸۳)

”پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اقتدار ہے اور اسی کی طرف تم پلٹ کر جانے والے ہو۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے پانچ قسمیں اٹھا کر ثابت کیا ہے کہ قیامت ضرور برپا ہوگی۔
۲۔ قیامت کے زلزلے پے درپے واقع ہوں گے۔
۳۔ قیامت کے دن دل دھڑک رہے ہوں گے اور آنکھیں خوفزدہ ہوں گی۔
۴۔ قیامت کے دن ایک جھٹکے سے سب لوگ میدانِ محشر کی طرف جارہے ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

منکرینِ قیامت کے بوسیدہ دلائل:

۱۔ وہ کہتے ہیں ہمیں کون دوبارہ زندہ کرے گا؟ فرما دیجیے جس نے پہلی بار پیدا کیا ہے وہی تمہیں پیدا کرے گا۔ (بنی اسرائیل:۵۱)
۲۔ ہم نے زمین سے تمہیں پیدا کیا اسی میں لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ اٹھائیں گے۔ (طٰہٰ:۵۵)
۳۔ انہیں بتلائیں کہ پتھر بن جاؤ یا لوہا یا تمہارے دل میں جو آتا ہے اس کے مطابق ہو جاؤ وہ تمہیں ضرور اٹھائے گا۔ (التغابن:۷) ۴۔ ”اللہ“ ہی مخلوق کو پیدا کرنے والا ہے، پھر وہی اسے دوبارہ لوٹائے گا۔ (یونس:۴)
۵۔ ”اللہ“ وہ ذات ہے جس نے مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا، پھر وہ اسے لوٹائے گا اور یہ کام اس کے لیے آسان ہے۔ (الروم:۲۷) ۶۔ موت کے بعد تمہیں ضرور اٹھایا جائے گا۔ (ھود:۷)
۷۔ ”اللہ“ ہی نے مخلوق کو پیدا کیا، پھر وہ اسے دوبارہ پیدا کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (الروم:۱۱)

وقف لازم

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ

کیا آچکی آپ کے پاس بات موسیٰ کی جب اس کو پکارا اس کے رب نے

بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۶﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾ فَقُلْ

مقدس وادی طویٰ میں جا فرعون کی طرف بلاشبہ اس نے سرکشی کی ہے پھر کہہ

هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَ اَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ

کیا ہے تیرے لیے یہ کہ تو پاک ہوجائے اور میں تیری رہنمائی کروں تیرے رب کی طرف

فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾

کہ تو ڈرے پھر اس نے دکھائی اس کو نشانی بڑی تو اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی

”کیا آپ کو موسیٰ کی بات نہیں پہنچی ۔(۱۵) جب اس کے رب نے اسے طویٰ کی مقدس وادی میں فرمایا۔(۱۶) کہ فرعون کے پاس جاؤ وہ باغی ہو چکا ہے۔(۱۷)اور اس سے کہو کہ کیا وہ تیار ہے کہ پاکیزگی اختیار کرے؟(۱۸) اور میں تیرے رب کی طرف تیری رہنمائی کروں تاکہ تجھ میں اس کا خوف پیدا ہو۔(۱۹) پھر موسیٰ نے اسے بڑی نشانی دکھائی۔(۲۰) مگر اس نے جھٹلا دیا اور انکار کیا۔(۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کو جھٹلانے والوں میں فرعون بھی شامل تھا اس لیے اس کا دنیا میں بُرا انجام ہے۔

اہلِ مکہ قیامت کا بار بار مذاق اُڑا رہے تھے اس پر انہیں انتباہ کرنے کے لیے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان ہونے والی کشمکش اور اس کے نتیجہ میں فرعون کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کا حوالہ دے کر سمجھایا کہ کیا آپ کو موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا علم ہے کہ جب طویٰ وادی میں اسے اس کے رب نے فرمایا کہ فرعون کے پاس جاؤ! کیونکہ وہ بڑا باغی بن چکا ہے جس کا بڑا سبب یہ ہے کہ وہ قیامت کا منکر ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ کیا تو تیار ہے کہ شرک اور ظلم وستم سے بچنے کی کوشش کرے؟ میں تیرے رب کی طرف سے تیری راہنمائی کروں تاکہ تجھ میں خوفِ خدا پیدا ہو جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے پاس جا کر اسے سمجھایا اور بڑا معجزہ دکھایا مگر اس نے اسے جھٹلا دیا اور نہ مانا پھر مخالفت اور مکروفریب کرنے کے لیے پلٹا اور لوگوں کو جمع کیا، ان سے کہا کہ میں تمہارا بڑا رب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا اور آخرت میں پکڑ لیا۔ اس میں عبرت کا سبق ہے ہر اس شخص کے لیے جو اپنے رب سے ڈرنے کے لیے تیار ہے۔ یہ بات پہلے بھی عرض ہو چکی ہے کہ قرآن مجید کا یہ طرز بیان ہے کہ موقع کی مناسبت سے ہر واقعہ کا اتنا ہی حصہ بیان کرتا ہے جتنا اس سے استدلال کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسی اصول کے تحت یہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ اتنا ہی بیان کیا گیا ہے جس قدر اس سے استدلال کرتا تھا۔

”جب موسیٰ علیہ السلام نے مدین میں رہنے کی مدت پوری کرلی اور وہ اپنے اہل وعیال کو لے کر مصر کی طرف واپس

ثُمَّ	اَدْبَرَ	يَسْعٰى ﴿۲۲﴾	فَحَشَرَ	فَنَادٰى ﴿۲۳﴾	فَقَالَ	اَنَا
پھر	وہ پلٹا	کوشش کرتے ہوئے	پھر اس نے جمع کیا	اور بلایا	تو کہا	میں
رَبُّكُمُ	الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾	فَاَخَذَهُ اللّٰهُ	نَكَالَ	الْاٰخِرَةِ	وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾	
تمہارا رب ہوں سب سے بڑا		چنانچہ پکڑ لیا اس کو اللہ نے	عذاب	آخرت	اور دنیا کا	
اِنَّ	فِيْ ذٰلِكَ	لَعِبْرَةً	لِّمَنْ	يَّخْشٰى ﴿۲۶﴾		
بلاشبہ	اس میں	یقیناً عبرت ہے	اس کے لیے جو	ڈرتا ہے		

۱ ع ۲۶ ۲

پھر پلٹا اور کوششیں کرنے لگا۔(۲۲) اور لوگوں کو جمع کر کے کہا۔(۲۳) میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ (۲۴) آخر کار "اللہ" نے سے آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیا۔(۲۵) درحقیقت اس میں ہر اس شخص کے لیے ضرور عبرت ہے جو ڈرنے والا ہے۔"(۲۶)

چلے تو راستے میں طور کے قریب آگ دیکھی۔انہوں نے اپنے گھر والوں سے فرمایا ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید وہاں سے کوئی خبر لاؤں یا اس سے کوئی انگارہ اٹھا لاؤں جسے آپ تاپیں۔موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو وادی کے دائیں کنارے مبارک مقام پر ایک درخت سے آواز آئی اے موسیٰ میں ہی "اللہ" ہوں سارے جہانوں کا مالک۔اپنی لاٹھی پھینک دے جونہی موسیٰ نے لاٹھی پھینکی دیکھا تو لاٹھی سانپ کی طرح بل کھا رہی ہے موسیٰ علیہ السلام پیٹھ پھیر کر بھاگے اور مڑ کر نہ دیکھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:اے موسیٰ پلٹ آؤ خوف نہ کرو تو بالکل محفوظ ہے۔(القصص:۲۹تا۳۱)

"اے موسیٰ تو اور تیرا بھائی میری نشانیاں لے کر فرعون کے پاس جاؤ۔کیونکہ وہ سرکش ہو چکا ہے اور میری یاد سے غافل نہ ہونا۔اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا ہوسکتا ہے کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔موسیٰ اور ہارون نے عرض کی پروردگار ہمیں ڈر ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا ہم پر حملہ آور ہو گا فرمایا ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں سب کچھ سن رہا ہوں اور سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔جاؤ اس کے پاس اور کہو کہ ہم تیرے رب کے رسول ہیں۔بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کے لیے آزاد کر دے اور ان کو تکلیف نہ دے۔ہم تیرے پاس تیرے رب کی نشانی لے کر آئے ہیں جو ہدایت کی راہ اختیار کرے گا اس کے لیے سلامتی ہے ہم کو وحی کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ جو اسے جھٹلائے اور منہ موڑے گا اسے عذاب ہوگا۔فرعون نے کہا اے موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے؟موسیٰ نے جواب دیا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی پھر اس کی راہنمائی فرمائی۔فرعون نے کہا جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کا کیا ہوگا؟موسیٰ نے کہا اس کا علم میرے رب کے پاس ہے جو ایک کتاب میں محفوظ ہے میرا رب نہ چوکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔(طٰہٰ:۴۲تا۵۲)

"موسیٰ نے کہا مشرق ومغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ایک ہے اگر تم لوگ کچھ عقل رکھتے ہو۔فرعون نے کہا اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود مانا تو تجھے بھی ان لوگوں کے ساتھ قیدی بنا دوں گا جو قید خانوں میں پڑے ہوئے ہیں۔موسیٰ نے کہا اگرچہ میں تیرے سامنے واضح دلیل پیش کروں

فرعون نے کہا اچھا اگر سچا ہے تو دلیل لاؤ موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا وہ یکا یک بڑا اژدہا بن گیا پھر اپنا ہاتھ نکالا اوروہ دیکھنے والوں کے سامنے چمک رہا تھا۔ فرعون نے اپنے اردگرد پیش بیٹھے ہوئے وزیروں، مشیروں سے کہا یقیناً یہ شخص ایک ماہر جادوگر ہے۔ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال دے اب بتاؤ تمہارا کیافیصلہ ہے؟ انہوں نے کہا اسے اوراس کے بھائی کو روک لیں اورشہروں میں ہرکارے بھیجیں جو ہرماہر جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں چنانچہ ایک دن مقرر وقت پر جادوگر اکٹھے کرلیے گئے اورلوگوں سے کہا گیا کہ تم اس اجتماع میں شرکت کرو؟ تاکہ ہم ان جادوگروں کی پیروی کریں اگر جادوگر غالب رہے جب جادوگرمیدان میں آئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہم غالب آگئے تو ہمیں کیا انعام ملے گا۔؟ اس نے کہا ہاں تم مقربین میں شامل ہوجاؤ گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جادوں گروں کو فرمایا پھینکو جوتم پھینکنا چاہتے ہو جادوگروں نے فوراً اپنی رسیّاں اور لاٹھیاں پھینکیں اورنعرہ لگایا کہ فرعون کی عزت کی قسم ہم ہی غالب رہیں گے پھرموسیٰ نے اپنا عصا پھینکا وہ یکا یک ان کی رسیوں اور لاٹھیوں کوہڑپ کرگیا اس پر تمام جادوگر بے اختیار سجدے میں گرپڑے اور بول اٹھے کہ ہم رب العالمین پرایمان لے آئے ہاں موسیٰ اور ہارون کے رب پرایمان لاتے ہیں، فرعون نے کہاتم میری اجازت سے پہلے ہی موسیٰ پر ایمان لے آئے ہو؟ یہ ضرور تمہارابڑا ہے جس نے تمہیں جادوسکھایا ہے اچھا، ابھی تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ جب تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواؤں گا اور سب کو سُولی چڑھادوں گا۔ انہوں نے جواب دیا کچھ پرواہ نہیں ہم اپنے رب کے حضور پہنچ جائیں گے۔اورہمیں اُمید ہے کہ ہمارارب ہمارے گناہ معاف کردے گا ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔'' (الشعراء: ۲۸ تا ۵۱)

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کیا تو فرعون اور اسکے لشکروں نے سرکشی اور زیادتی کرتے ہوئے ان کا تعاقب کیا، یہاں تک کہ فرعون غرق ہونے لگا تو کہا کہ میں ایمان لایا یقیناً سچ یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرمانبرداروں سے ہوں، کہا گیا کیا اب؟ حالانکہ تو نافرمان تھا اور تو فساد کرنیوالوں میں سے تھا۔'' (یونس: ۹۰ تا ۹۱)

المقدس طویٰ سے مراد وہ وادی ہے کہ مدین سے مصر آتے ہوئے جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نبوت اور دو معجزے عطا کیے گئے۔

مسائل

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے بڑے بڑے معجزات پیش کیے مگر اس نے انہیں جھٹلا دیا جس کے نتیجے میں دنیا میں ذلیل ہوا اورآخرت میں شدید عذاب میں مبتلا ہوگا۔

۲۔ فرعون اس قدر سرکش تھا کہ اس نے دعویٰ کیا کہ میں سب سے بڑا رب ہوں۔

ءَاَنْتُمْ	اَشَدُّ	خَلْقًا	اَمِ	السَّمَآءُ	بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾	رَفَعَ	سَمْكَهَا
کیا تم	سخت تر ہو	تخلیق میں	یا	آسمان	اس نے اسے بنایا	اس نے بلند کی	اس کی چھت
فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾	وَاَغْطَشَ	لَيْلَهَا	وَاَخْرَجَ	ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾	وَالْاَرْضَ	بَعْدَ ذٰلِكَ	
پھر اسے ٹھیک کیا	اور تاریک کیا	اس کی رات کو	اور ظاہر کیا	اس کے دن کو	اور زمین کو	اس کے بعد	
دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾	اَخْرَجَ	مِنْهَا	مَآءَهَا	وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾	وَالْجِبَالَ		
اس نے بچھایا اسے	نکالا	اس سے	اس کا پانی	اور اس کا چارہ	اور پہاڑ		
اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾	مَتَاعًا	لَّكُمْ	وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾				
اس نے گاڑ دیا ان کو	فائدے کے لیے	تمہارے	اور تمہارے چوپایوں کے لیے				

’’کیا تمہیں پیدا کرنا مشکل کام ہے یا آسمان کو پیدا کرنا مشکل ہے؟ جسے اللہ نے بنایا۔(۲۷) اسے چھت کے طور پر اونچا اٹھایا پھر اس کا توازن قائم کیا۔(۲۸) اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس سے دن نکالا۔(۲۹) اس کے بعد اس نے زمین کو بچھایا۔ (۳۰)اس سے اس کا پانی اور چارہ نکالا۔(۳۱) اور اس میں پہاڑ گاڑ دیے۔(۳۲) تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے۔‘‘ (۳۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کے منکرین کی سب سے بڑی دلیل کا جواب۔

قیامت کا انکار کرنے والوں کی سب سے بڑی دلیل یہ رہی ہے کہ جب انسان مٹی کے ساتھ مٹی بن جاتا ہے تو پھر اسے کس طرح زندہ کیا جاسکتا ہے ان کے نزدیک یہ بات ناممکنات میں سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی سوچ رکھنے والے اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرتوں پر توجہ نہیں دیتے؟ ان کی سوچ صرف اپنی حد تک رہتی ہے اور وہ دنیا کے اسباب پر ہی نظر رکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ساری دنیا کے انسان مل کر بھی چھوٹی سے چھوٹی جاندار چیز پیدا نہیں کرسکتے اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرتوں پر توجہ دیں تو انہیں یقین آجائے گا کہ واقعی اللہ تعالیٰ کا فرمان برحق ہے کہ وہ قیامت کے دن لوگوں کو اٹھائے گا اور اپنی بارگاہ میں پیش کرے گا۔ ایسے لوگوں کی سوچ کے دریچے کھولنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں پیدا کرنا مشکل ہے یا آسمان کو بنانا مشکل ہے؟ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف آسمان کو بنایا بلکہ اسے بنا کر بغیر ستونوں کے فضا میں کھڑا کردیا ہے، دیکھنے والا نہ اس میں کوئی دراڑ دیکھتا ہے اور نہ ہی آج تک کہیں سے وہ جھکا ہے یہ اسی طرح فضا میں معلق اور قائم ہے جس طرح اسے پہلے دن بنایا اور ٹھہرایا گیا تھا۔ پھر ’’اللہ تعالیٰ‘‘ ہی زمین و آسمان کے درمیان رات اور دن کو پیدا کرتا ہے، رات اپنی تاریکی اور سکون میں لوگوں کو سُلا دیتی ہے اور دن کی روشنی لوگوں کو جگا دیتی ہے۔ اسی ذاتِ کبریا نے زمین کو پانی پر پھیلایا

اور بچھایا ہے، وہی زمین سے پانی نکالتا ہے اوراس پانی کے ذریعے لوگوں اور جانوروں کے لیے چارہ نکالتا ہے، اسی نے زمین پر پہاڑ گاڑ دیئے ہیں اوراس میں انسانوں اور ان کے چوپاؤں کے لیے ہر قسم کے فوائد رکھ دیئے ہیں ،اگر انسان ان باتوں پرغور کرے تو یہ حقیقت اس پر واضح ہوجائے گی کہ جس خالق نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں وہی انسانوں کو دوبارہ پیدا کرے گا۔غور کریں کہ آسمان اورزمین آپس میں ملے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو الگ الگ کیا۔ (الانبیاء:٣٠) اوردھوئیں سے ٹھوس آسمان پیدا کیے۔(حٰم السجدۃ:١١) اس طرح زمین پرغور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پانی نکالا اورپھرزمین کوفرش کے طور پر بچھادیا۔(ھود: ٧،البقرۃ:٢٢) زمین پر پہاڑ اس لیے گاڑ دیئے تاکہ اس میں ایک طرف جھکاؤ پیدا نہ ہوسکے۔ یہ ایسے دلائل ہیں جس پر معمولی سا غور کرنے سے ایک طرف اللہ تعالیٰ کی خالقیت پر ایمان مضبوط ہوتا ہے اوردوسری طرف قیامت کے دن جی اٹھنے کا ثبوت ملتا ہے ۔ زمین جس دانے کو اپنے پیٹ میں ایک مدت تک چھپائے رکھتی ہے جب اس کے اُگنے کا وقت آتا ہے تو اپنے خالق کے حکم سے اس کے نکلنے کے لیے زمین اپنا سینہ کھول دیتی ہے کیا قیامت کے دن زمین ایسا کرنے سے انکار کردے گی؟ ایسا ہرگز نہیں ہوگا جونہی اللہ تعالیٰ اسے حکم دے گا تو زمین پھٹ جائے گی اورلوگ اپنے اپنے مقام سے اٹھ کھڑے ہوں گے ۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوسرا صور پھونکنے کا عرصہ چالیس کا ہوگا ۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگردوں نے پوچھا چالیس دن؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں جانتا ۔انہوں نے استفسار کیا چالیس ماہ ؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا میرا کوئی جواب نہیں ۔انہوں نے پھر پوچھا چالیس سال ہیں؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں یہ بھی نہیں کہتا ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا ۔لوگ یوں اُگیں گے جس طرح انگوری اگتی ہے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انسان کی دمچی کے علاوہ ہر چیز مٹی ہو جائے گی ۔ قیامت کے دن اسی سے تمام اعضاء کو جوڑا جائے گا۔ (رواہ مسلم : باب مَا بَیْنَ النَّفْخَتَیْنِ)

﴿قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا﴾ (بنی اسرائیل : ٥٠) ”فرمادیں کہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بنایا اوراسے بلند فرمایا۔٢۔ اللہ تعالیٰ ہی رات کو تاریک کرتا ہے اوردن کوروشن فرماتا ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کوفرش بنایا اوروہی اس سے پانی اورچارہ نکالتا ہے۔

٤۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو زمین پر بوجھ کے طور پر ڈال رکھا ہے۔

٥۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں اوران کے چوپاؤں کے لیے ان کی زندگی کا سامان پیدا کیا ہے ۔

فَاِذَا	جَآءَتِ	الطَّآمَّةُ	الْكُبْرٰى ﴿٣٤﴾	يَوْمَ	يَتَذَكَّرُ	الْاِنْسَانُ
پھر جب	آجائے گی	آفت	بہت بڑی	اس دن	یاد کرے گا	انسان
مَا سَعٰى ﴿٣٥﴾	وَبُرِّزَتِ	الْجَحِيْمُ	لِمَنْ	يَّرٰى ﴿٣٦﴾	فَاَمَّا	
جو اس نے کیا	اور ظاہر کر دی جائے گی	دوزخ	اس شخص کے لیے جو	دیکھتا ہے	چنانچہ لیکن	
مَنْ	طَغٰى ﴿٣٧﴾	وَاٰثَرَ	الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾	فَاِنَّ	الْجَحِيْمَ هِيَ	الْمَاْوٰى ﴿٣٩﴾
جس نے	سرکشی کی	اور اس نے ترجیح دی	دنیاوی زندگی کو	تو بلاشبہ	جہنم ہی	ٹھکانا ہے
وَاَمَّا	مَنْ	خَافَ	مَقَامَ رَبِّهٖ	وَنَهَى	النَّفْسَ	
اور لیکن	جو	ڈر گیا	اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے	اور اس نے روکا	نفس کو	
عَنِ الْهَوٰى ﴿٤٠﴾	فَاِنَّ	الْجَنَّةَ هِيَ	الْمَاْوٰى ﴿٤١﴾			
خواہش سے	تو بلاشبہ	جنت ہی	ٹھکانا ہے			

’’پھر جب عظیم ہنگامہ برپا ہوگا۔(٣٤) جس دن انسان اپنا کیا کرایا یاد کرے گا۔(٣٥) اور ہر دیکھنے والے کے لیے جہنم سامنے کر دی جائے گی۔(٣٦) جس نے سرکشی کی تھی۔(٣٧) اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تھی۔(٣٨) جہنم ہی اس کا ٹھکانا ہوگی۔(٣٩) جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈر گیا اور نفس کو بری خواہشات سے باز رکھا۔(٤٠) یقیناً اس کا مقام جنت ہوگا۔‘‘ (٤١)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کا انکار کرنے والے قیامت کی ہولنا کیوں اوران کی کیفیت کونہیں جانتے اس لیے قیامت کا انکار اوراس سے لاپرواہی کرتے ہیں۔ ان کی لاپرواہی کو دور کرنے کے لیے قیامت کی ہولنا کیوں اوراس کی ہیبت کا ذکر کیا گیا ہے۔

جس قیامت کا لوگ انکار کرتے ہیں اس کی ابتدا ہی ایسے زور دار دھماکے سے ہوگی کہ جو ہر چیز کو ہلا کے رکھ دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا زمین آسمانوں میں کوئی چیز باقی نہیں رہے گی اس کے لیے یہاں دو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں ’’اَلطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى‘‘ کا معنٰی کسی چیز کا لبالب بھرا ہونا ہے۔’’الکبریٰ‘‘ یعنی قیامت سب سے بڑی آفت ہوگی اور وہ اپنی حولنا کیوں کے اعتبار سے ہمہ گیر ہوگی جس کی ابتدا اسرافیل کے صور سے ہوگی جونہی اسرافیل صور میں پھونک مارے گا تو ہر چیز ہل جائے گی۔ اس دن انسان اپنے کیے کے بارے میں فکر مند ہوگا اور ہرانسان اپنے ماضی کے بارے میں سوچ ہی رہا ہوگا کہ اس کے سامنے جہنم کھڑی کر دی جائے گی۔جس نے اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کا راستہ اختیار کیا اورآخرت کے مقابلے میں

دنیا کو مقدم جانا اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور جو اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑے ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو بُری خواہشات سے بچائے رکھا اس کا مقام جنت ہوگا۔ قرآن مجید نے اس مقام پر جہنم سے بچنے اور جنت میں داخلے کے لیے دو بنیادی باتوں کا ذکر کیا گیا ہے، پہلی بات یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کو سرکشی سے بچایا اور دنیا پر آخرت کو مقدم جانا اور ہر حال میں اپنے رب سے ڈرتا رہا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے اس کے اُلٹ زندگی اختیار کی وہ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

”حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی معظم ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر کسی کے ساتھ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کلام کریں گے، اللہ تعالیٰ اور اس شخص کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا، ہر انسان دیکھ لے گا کہ اُس نے کیا عمل کیے ہیں، آدمی دیکھے گا تو اس کے سامنے آگ ہوگی جو بھی تم میں سے استطاعت رکھتا ہے وہ آگ سے بچنے کی کوشش کرے چاہے بے شک کھجور کے ایک ٹکڑے کے ساتھ ...... جو یہ بھی نہ پائے تو وہ اچھی بات کہے۔“ (رواہ البخاری: باب کلام الرب عز وجل یوم القیامۃ مع الأنبیاء وغیرھم)

مسائل

۱۔ قیامت بہت بڑی آفت ہے۔ ۲۔ قیامت کے دن ہر انسان اپنے کیے کو یاد کرے گا۔
۳۔ قیامت کے دن جہنم لوگوں کے سامنے لائی جائے گی۔
۴۔ جس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور دنیا کو آخرت سے مقدم جانا اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔
۵۔ جو اپنے رب سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو بری خواہشات سے روکے رکھا اس کا مقام جنت ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

جس نے اپنی خواہشات کی پیروی کی اور آخرت پر دنیا کو مقدم جانا وہ تباہ ہو جائے گا:

۱۔ علم ہونے کے باوجود دوسروں کے خیالات کی پیروی کرنیوالا اللہ کی نصرت سے محروم ہوتا ہے۔ (البقرۃ:۱۲۰)
۲۔ علم ہونے کے باوجود کفار کے خیالات کو اپنانا ظالموں میں شامل ہونا ہے۔ (البقرۃ:۱۴۵)
۳۔ کتاب اللہ کے مقابلے میں لوگوں کی خواہشات پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔ (المائدۃ:۴۸)
۴۔ خواہشات کی اتباع کرنے کی بجائے کتاب اللہ کے مطابق فیصلے ہونے چاہئیں۔ (المائدۃ:۴۹)
۵۔ لوگوں کی خواہشات کے پیچھے لگنے والا گمراہ ہو جاتا ہے۔ (صٓ:۲۶)
۶۔ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والا تباہ ہو جاتا ہے۔ (طٰہٰ:۱۶) (القصص:۵۰)
۷۔ خواہشات کی پیروی کرنے والا اپنی خواہشات کو الٰہ بنا لیتا ہے۔ (الفرقان:۴۳)
۸۔ حق کو چھوڑ کر خواہشات کی پیروی کرنے سے زمین و آسمان میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ (المؤمنون:۷۱)

يَسْـَٔلُوْنَكَ	عَنِ السَّاعَةِ	اَيَّانَ	مُرْسٰىهَا ۝۴۲	فِيْمَ	اَنْتَ
وہ آپ سے سوال کرتے ہیں	قیامت کے متعلق	کب	اس کا واقع ہونا ہے	کس چیز میں ہیں	آپ
مِنْ ذِكْرٰىهَا ۝۴۳	اِلٰى رَبِّكَ	مُنْتَهٰىهَا ۝۴۴	اِنَّمَآ اَنْتَ	مُنْذِرُ	
اس کے ذکر سے	آپ کے رب کی طرف ہے	اس کی انتہا	آپ تو صرف	ڈرانے والے ہیں	
مَنْ	يَّخْشٰىهَا ۝۴۵	كَاَنَّهُمْ	يَوْمَ	يَرَوْنَهَا	لَمْ	يَلْبَثُوْٓا
اس کو جو	اس سے ڈرتا ہے	گویا کہ وہ	جس دن	دیکھیں گے اس کو	نہیں	ٹھہرے وہ
اِلَّا	عَشِيَّةً	اَوْ	ضُحٰىهَا ۝۴۶		
مگر	ایک شام	یا	اس کی صبح		

''یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ آخر قیامت کب آئے گی؟(۴۲) آپ کی ذمہ داری نہیں کہ اس کا وقت بتائیں۔ (۴۳) اس کا علم اللہ کے پاس ہے۔(۴۴) آپ صرف خبردار کرنے والے ہیں، ہر اس شخص کو جو اس کا خوف رکھنے والا ہے۔ (۴۵) جس دن یہ لوگ اسے دیکھیں گے تو انہیں یوں محسوس ہو گا کہ بس شام یا صبح کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔''(۴۶)

ع۲/۲

فہم القرآن

ربطِ کلام: سورت کی ابتدائی آیات میں قیامت کے ثبوت دیئے گئے ہیں اس کا اختتام بھی انہیں دلائل پر کیا گیا ہے۔

نبی معظم ﷺ سے اہلِ مکہ مختلف موقعوں پر مختلف الفاظ اورانداز میں سوال کرتے کہ قیامت کب آئے گی۔ اس سوال کے انہیں کئی جواب دیئے گئے جن کے بنیادی طور پر دو مفہوم ہیں۔

ا۔کوئی اقرار کرے یا انکار کرے قیامت ہرصورت واقع ہوگی۔ ۲۔قیامت کے بارے میں سوال کرنے والوں کو اس کا وقت جاننے کی بجائے اس کے احتساب کا فکر کرنا چاہیے۔ کفّار کے سوال کا جہاں یہ جواب دیا گیا ہے کہ اے رسول! لوگ آپ سے قیامت کے واقع ہونے کے کا وقت پوچھتے ہیں کہ وہ کب اورکس وقت واقع ہوگی ان سے فرمائیں ! کہ قیامت کا وقت نہ بتلانے میں بھی تمہارے لیے نصیحت ہے۔ اس لیے تمہیں اس کے وقت کے پیچھے پڑنے کی بجائے اپنے ایمان اورعمل کی فکر کرنی چاہیے۔ جہاں تک اس کے واقع ہونے کے وقت کا تعلق ہے وہ صرف آپ کا رب جانتا ہے۔ آپ ﷺ کا کام صرف قیامت کی جوابدہی اوراس کی ہولناکیوں سے ڈرانا ہے البتہ قیامت اس قدر خوفناک ہوگی کہ مجرموں کو یہ بھی یاد نہیں رہے گا کہ وہ کتنی مدت دنیا میں قیام پذیر رہے ہیں۔ قیامت کی سختی کی وجہ سے یہ لوگ حواس باختہ ہوں گے جس بنا پر خیال کریں گے کہ ہم دنیا میں صبح کی چند گھڑیاں رہے ہیں یا پھر مغرب کا مختصر وقت۔

سُورَۃُ عَبَسَ مَکِّیَّۃٌ — بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — رُکُوْعُھَا: ۲ اٰیَاتُھَا: ۴۲

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

عَبَسَ وَتَوَلّٰیٓ ۙ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ؕ﴿۲﴾ وَ مَا يُدْرِيْكَ

ماتھے پہ شکن ڈالے اور چہرہ پھیر لیا اس لیے کہ آیا اس کے پاس ایک نابینا اور آپ کو کیا معلوم

لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰیٓ ۙ﴿۳﴾ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی ؕ﴿۴﴾ اَمَّا

شاید کہ وہ پاک ہو جاتا یا نصیحت حاصل کرتا پس اس کو نفع دیتی نصیحت لیکن

''ماتھے پر شکن ڈالی اور چہرہ پھیر لیا۔(۱) کہ ایک نابینا اس کے پاس آیا۔(۲) آپ کو کیا معلوم! شاید وہ سدھر جائے۔(۳) یا نصیحت پر توجہ دے اور نصیحت اس کے لیے فائدہ مند ثابت ہو۔(۴) لیکن جو

فہم القرآن

ربطِ سورت: النّازعات کے آخر میں بتلایا ہے کہ قیامت کے دن مجرم محسوس کریں گے کہ ہم دنیا میں چند گھڑیاں ٹھہرے تھے۔ آخرت کے انکار کے پیچھے دنیا کا مفاد اور عجلت پسندی کا عنصر شامل ہوتا ہے اس لیے سورۃ عبس میں ایک مخصوص واقعہ کی طرف اشارہ فرما کر عجلت پسندی سے منع کیا گیا ہے۔

تمام مفسرین نے اس سورت کے نازل ہونے کا پسِ منظر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک دن سرورِ دو عالم ﷺ کی مجلس میں چند قریشی سردار حاضر ہو کر آپ سے اسلام کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اسی دوران حضرت عبداللہ بن ام مکتوم ؓ آئے اور انہوں نے آپ کی گفتگو میں مداخلت شروع کر دی۔ آپ ﷺ نے نا صرف بے توجہگی اختیار کی بلکہ اس مداخلت کو ناپسند بھی فرمایا۔ آپ کی بے توجہگی کے دو اسباب تھے۔

ا۔ آپ ﷺ قریش کے سرداروں کے ساتھ محوِ گفتگو تھے حضرت ابن مکتوم نے انتظار کیے بغیر آپ کی خدمت میں سوال کر ڈالا جس وجہ سے آپ کے چہرے پر کچھ ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے۔

۲۔ آپ کی ناگواری کی دوسری وجہ یہ تھی کہ قریشی سردار بہانہ بنائے ہوئے تھے کہ ہم آپ کی مجلس میں اپنے سے کم درجہ لوگوں کے برابر نہیں بیٹھ سکتے لٰہذا ہم آئیں تو کوئی دوسرا نہیں ہونا چاہیے۔ ان دو وجوہات کی وجہ سے آپ نے ابنِ ام مکتوم ؓ کی آمد کو ناگوار سمجھا جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو توجہ دلانے کے لیے یہ انداز اختیار فرمایا۔

''ماتھے پر شکن ڈالی اور چہرہ پھیر لیا کہ ایک اندھا اس کے پاس آیا۔ آپ کو کیا معلوم! شاید وہ سدھر جائے یا نصیحت پر توجہ دے اور نصیحت اس کے لیے فائدہ مند ثابت ہو۔ جو شخص بے پروائی کرتا ہے۔

مَنِ	اسْتَغْنٰى ﴿۵﴾	فَاَنْتَ	لَهٗ	تَصَدّٰى ﴿۶﴾	وَمَا	عَلَيْكَ	اَلَّا
جو شخص	بے پروائی کرتا ہے	آپ	اس کے	درپے ہوتے ہیں	حالانکہ نہیں ہے	آپ پر	یہ کہ نہ
يَزَّكّٰى ﴿۷﴾	وَاَمَّا	مَنْ	جَآءَكَ	يَسْعٰى ﴿۸﴾	وَهُوَ	يَخْشٰى ﴿۹﴾	
پاک ہو وہ	اور لیکن	جو شخص	آیا آپ کے پاس	دوڑتا ہوا	اس حال میں کہ وہ	ڈرتا ہے	
فَاَنْتَ	عَنْهُ	تَلَهّٰى ﴿۱۰﴾					
تو آپ	اس سے	بے رخی کرتے ہیں					

شخص بے پروائی کرتا ہے ۔(۵) اس کی طرف آپ توجہ کرتے ہیں۔(۶) وہ نہیں سدھرتا تو آپ پر اس کی کیا ذمہ داری ہے؟(۷) جو خود آپ کے پاس دوڑا ہوا آتا ہے۔(۸) اور ڈرنے والا ہے۔(۹) اس سے آپ بے رخی کرتے ہیں۔'' (۱۰)

اس کی طرف آپ توجہ کرتے ہیں وہ نہیں سدھرتا تو آپ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں جو خود آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور ڈرنے والا ہے اس سے آپ بے رخی کرتے ہیں۔'' (عبس: ۱تا۱۰)

اس ارشاد سے آپ ﷺ اور دین کے داعی کو ایک بنیادی اصول بتلایا ہے جسے اپنانے سے نہ صرف دین کی عظمت دوچند ہوتی ہے بلکہ اس سے داعی کے وقار میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ جس اصول کی یہاں نشاندہی کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ بے شک دین کے داعی کو ہروقت اس کوشش میں لگے رہنا چاہیے کہ لوگ دین کی طرف آئیں لیکن اس کے ذہن میں یہ بات بھی رہنی چاہیے کہ دین ایک گراں قدر نعمت ہے لہٰذا اسے باوقار انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہیے جو اس نعمت کو حقیر سمجھتے ہوں ان پر ابلاغ کی حجّت پوری کرنے کے بعد داعی کو ایسے لوگوں سے بے نیاز ہوجانا چاہیے ۔ ان کے مقابلے میں ان لوگوں کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے جو دین کی باتوں پر غور وفکر کرتے ہیں اور اپنے آپ کو کفر و شرک اور ہرقسم کی گندگی سے بچانا چاہتے ہیں اور اپنے رب کی نصیحت حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔قرآن تو نصیحت ہے اس لیے جس کا دل چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے اور جو نہیں چاہتا وہ اپنے آپ کو گمراہی کے حوالے کیے رکھے ۔

اس سورت کی پہلی دو آیات میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا اور اس نے تیوری چڑھائی اور چہرہ پھیر لیا ۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کے نابینا ہونے کی وجہ سے اس سے اعراض کیا تھا۔ یہ بات ناقابلِ اعتماد ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نہایت ہی کریمانہ اخلاق کے مالک تھے اور آپ سے زیادہ کون معذوروں اور غریبوں کا ہمدرد تھا؟ آپ نے حضرت عبد اللہ بن امِ مکتوم رضی اللہ عنہ کے نابینا ہونے کی وجہ سے اعراض نہیں کیا بلکہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ نے انتظار کیے بغیر آپ سے سوال کرڈالا جو مجلس کے آداب کے خلاف تھا اسی وجہ سے یہاں آپ کو توجہ دلانے کے لیے مخاطب کی ضمیر استعمال نہیں کی گئی تا کہ آپ کے اعلیٰ اخلاق کے بارے میں کوئی شخص حرف گیر نہ ہوسکے۔

كَلَّآ إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾

ہرگز نہیں | بلاشبہ یہ تو | نصیحت ہے | چنانچہ جو | چاہے | اسے یاد کرے | مکرم صحیفوں میں

مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ بِأَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾

بلند مرتبہ | پاکیزہ ہیں | ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں | جو معزز | نیکو کار ہیں

”ہرگز نہیں یہ تو ایک نصیحت ہے۔(۱۱) جس کا دل چاہے اسے قبول کرے۔(۱۲) یہ ایسے صحیفوں میں درج ہے جو قابل احترام ہیں۔(۱۳) بلند مرتبہ اور پاکیزہ ہیں۔(۱۴) کاتبوں کے ہاتھوں میں ہیں۔(۱۵) جو معزز اور نیک ہیں۔“(۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ”اللہ تعالیٰ“ سے ڈرنے اور ہدایت پانے کے لیے ضروری ہے کہ قرآن مجید کی نصیحت پر عمل کیا جائے۔قرآن مجید سے بڑھ کر کوئی نصیحت بہتر نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نصیحت کے طور پر نازل فرمایا ہے۔ اس میں ہدایت اور گمراہی کو پوری طرح واضح کر دیا ہے۔ ہدایت پانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے دل میں ہدایت کی طلب پیدا کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو شخص ہدایت کا طالب نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ اُسے ہدایت نہیں دیتا کیونکہ اس کا فرمان ہے جو چاہے ہدایت حاصل کرے اور جو چاہے اپنے آپ کو گمراہی کے حوالے کیے رکھے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے ہدایت اور کفر کا راستہ واضح کر دیا ہے۔ (الدھر:۳)

قرآن مجید نصیحت کے لیے اُتارا گیا ہے، قابلِ تکریم اوراق پر لکھا ہوا ہے جو اعلیٰ مقام پر رکھے ہوئے ہیں اور ہر قسم کی مداخلت سے پاک ہیں۔ ان تک اُن ملائکہ کی رسائی ہے جو بڑے ہی معزز اور دیانت دار ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوحِ محفوظ سے قرآن مجید کا وہی حصہ نقل فرما کر جبریلِ امین کے حوالے کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ وہ نہایت امین اور ذمہ دار ہیں لہٰذا حضرت جبریلِ امین علیہ السلام سمیت کوئی فرشتہ بھی قرآن مجید کی زیر زبر میں فرق نہیں ڈال سکتا اس بات کو یوں بھی بیان کیا گیا ہے۔

”اللہ“ عالم الغیب ہے وہ غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس فرشتے کے جسے اس نے غیب کا علم دینے کے لیے پسند کر لیا ہو۔ اس کے آگے اور پیچھے محافظ لگا دیتا ہے تاکہ ”اللہ“ جان لے کہ ملائکہ نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے اور وہ ان کے پورے ماحول کا حاطہ کیے ہوئے ہے اور ”اللہ“ نے ایک ایک چیز کو شمار کر رکھا ہے۔(الجن:۲۶تا۲۸)

مسائل

۱۔ قرآن مجید نصیحت کے لیے اُتارا گیا ہے جو نصیحت کا خواہش مند ہے اسے اس کی نصیحت پر عمل کرنا چاہیے۔

۲۔ قرآن آسمان میں اعلیٰ مقام پر رکھا ہوا ہے اللہ کے حکم سے اس تک ان ملائکہ کی رسائی ہے جو دیانت دار اور معزز ہیں۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ

ہلاک کر دیا گیا انسان کس قدر ناشکرا ہے وہ کس چیز سے اس نے پیدا کیا اسے ایک نطفے سے

خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ

اس نے پیدا کیا اسے پھر اس نے اندازہ لگایا اس کا پھر راستہ اس کا آسان کر دیا پھر

اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾

اس نے اسے موت دی اسے اور اسے قبر میں لے گیا پھر جب وہ چاہے گا اسے زندہ کرے گا

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾

ہرگز نہیں ابھی نہیں پورا کیا اس نے جو حکم دیا اسے

”ہلاک ہوگیا انسان کہ وہ کس قدر ناشکرا ہے۔(۱۷) کس چیز سے اسے پیدا کیا ہے؟(۱۸) اس نے نطفہ کی ایک بوند سے اسے پیدا کیا پھر اس کا وقت مقرر کیا۔(۱۹) پھر اس کے لیے راستہ آسان کیا۔(۲۰) پھر اسے موت دی اور قبر میں پہنچا دیا۔(۲۱) جب چاہے گا اسے دوبارہ اٹھا لے گا۔(۲۲) ہرگز نہیں جس کا اسے حکم دیا اس نے اسے پورا نہیں کیا۔“ (۲۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لیے قرآن مجید نازل فرمایا ہے جس شخص نے قرآن کی نصیحت سے انکار کیا وہ تباہ ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اس لیے نازل کیا ہے کہ انسان اس پر اخلاص کے ساتھ عمل پیرا ہو کر قیامت کی جوابدہی کی تیاری کرے اور دنیا میں رہ کر اپنے فکر وعمل کو سنوار لے۔ جس نے اس کا انکار کیا وہ قیامت کے دن پکڑا جائے گا اور جو قیامت کے دن پکڑا گیا وہ تباہ ہو جائے گا۔ جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں اور یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب انسان مٹی کے ساتھ مٹی ہوجائے گا تو پھر اسے کون پیدا کرے گا ؟ کیا انکار کرنے والے کو یہ معلوم نہیں کہ اسے کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک نطفے سے پیدا کیا پھر اس کی پیدائش کا وقت مقرر فرمایا اور پھر اس کے لیے رحمِ مادر سے نکلنے کا راستہ بنایا، پھر اسے موت دی اور قبر تک پہنچا دیا جب چاہے گا اسے اٹھا کھڑا کرے گا۔انسان اپنی پیدائش سے لے کر قیامت کے دن اٹھنے تک اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے مجبور ہے ہر انسان نہ اپنی مرضی سے پیدا ہوتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے مرتا ہے اور نہ ہی اپنی مرضی سے دوبارہ زندہ ہوگا۔ اللہ کی نافرمانی کرنے والے اور قیامت کے منکر اپنی زندگی کے ایک ایک مرحلے پر غور کریں تو انہیں یقین ہوجائے گا کہ واقعی قیامت کے دن زندہ ہونا اور اپنے رب کے سامنے پیش ہونا برحق ہے کیونکہ جو خالق انسان کو ایک جرثومے سے پیدا فرما کر اس کی پیدائش کا وقت اور اس کی قدوقامت ،شکل وصورت اور رحمِ

مادر میں اس کی تقدیر مقرر کرتا ہے اور پھر اس کی پیدائش کے لیے رِحمِ مادر کا راستہ آسان کرتا ہے کیا وہ اسے قیامت کے دن نہیں اٹھا سکتا؟ کیوں نہیں ! وہ ہر انسان کو ہر صورت قیامت کے دن اٹھائے گا جس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق زندگی بسر نہ کی اس کا کڑا حساب لیا جائے گا۔

”حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں صادق و مصدوق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر کوئی اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن ٹھہرتا ہے جو جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر چالیس دن بعد گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتے ہیں اسے آدمی کا عمل ،رزق ،موت اور نیک وبد ہونا لکھنے کا حکم دیتے ہیں پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ تم میں ایک بندہ عمل کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس کی تقدیر غالب آجاتی ہے وہ جہنمیوں والے کام شروع کردیتا ہے۔ ایسے ہی آدمی بُرے عمل کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو وہ جنتیوں والے اعمال شروع کر دیتا ہے۔“ (رواہ البخاری : کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی انسان کو ایک نطفے سے پیدا کرتا ہے اور اسے خاص مدت تک رِحمِ مادر میں ٹھہرا کر مختلف مراحل سے گزارتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ ہی انسان کے لیے رِحمِ مادر سے نکلنے کا راستہ آسان کرتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہی انسان کو موت دیتا ہے اور پھر مٹی کے ساتھ مٹی بنا دیتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا قیامت کے دن انسان کو اٹھا کھڑا کرے گا۔

۵۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بے شمار انسان اپنے رب کے حکم کی سرتابی کرتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

پیدائش سے لے کر دوبارہ پیدا ہونے تک انسان کی زندگی کا مختصر خاکہ :

۱۔ کیا تو اس ذات کا انکار کرتا ہے جس نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے تجھے آدمی بنایا۔ (الکھف:۳۷)

۲۔ اللہ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ (آل عمران :۵۹) ۳۔اللہ نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ (المومنون:۱۲)

۴۔ حوا کو آدم سے پیدا فرمایا۔ (النساء :۱) ۵۔اللہ نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔ (الدھر:۲)

۶۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ،پھر نطفہ ،پھر لوتھڑا بنا کر تمہیں پیدا کرتا ہے کہ تم بچے ہوتے ہو۔ پھر تمہیں بوڑھا کرتا اور کچھ تم میں بڑھاپے سے پہلے فوت ہو جاتے ہیں اور کچھ اپنی عمر کو پہنچ جاتے ہیں کیا پھر بھی تم عقل نہیں کرتے۔ (المومن:۶۷)

فَلْيَنْظُرِ	الْاِنْسَانُ	اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾	اَنَّا	صَبَبْنَا	الْمَآءَ	صَبًّا ﴿۲۵﴾
چنانچہ دیکھے	انسان	اپنے کھانے کی طرف	بلاشبہ ہم نے	برسایا	پانی	خوب برسانا
ثُمَّ	شَقَقْنَا	الْاَرْضَ	شَقًّا ﴿۲۶﴾	فَاَنْۢبَتْنَا	فِيْهَا	حَبًّا ﴿۲۷﴾
پھر	ہم نے پھاڑا	زمین کو	اچھی طرح پھاڑنا	پھر ہم نے اگایا	اس میں	اناج
وَّعِنَبًا	وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾	وَّزَيْتُوْنًا	وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾	وَّحَدَآئِقَ	غُلْبًا ﴿۳۰﴾	وَّفَاكِهَةً
انگور	اور سبزیاں	اور زیتون	اور کھجور	اور باغات	گھنے	اور پھل
وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾	مَّتَاعًا	لَّكُمْ	وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾			
اور چارا	فائدے کے لیے	واسطے تمہارے	اور تمہارے چوپایوں کے لیے			

”چنانچہ انسان اپنی خوراک پر غور کرے۔(۲۴) ہم نے خوب پانی برسایا۔(۲۵) پھر زمین کو پھاڑا۔(۲۶) پھر اس سے اناج اُگائے۔(۲۷) اور انگور اور ترکاریاں۔(۲۸) اور زیتون اور کھجوریں۔(۲۹) اور باغات۔(۳۰)اور ہر طرح کے پھل اور چارے۔(۳۱) جو تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدے کے لیے ہیں۔“ (۳۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: انسان کی خوراک سے قیامت کا ثبوت۔

اس سے پہلے انسان کو اس کی تخلیق کے مختلف مراحل کا ذکر فرما کر قیامت کے دن اٹھائے جانے کا ثبوت مہیا فرمایا۔ اب انسان کو اس کی خوراک کے حوالے سے سمجھایا جارہا ہے کہ اے انسان! تجھے اپنے کھانے پینے پر غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تیری خوراک کا کس طرح بندوبست کرتا ہے؟ ارشاد ہوا کہ یقیناً ہم نے آسمان سے پانی برسایا اور ہم نے زمین کو پھاڑا، پھر ہم نے اس میں اناج اُگایا، اناج میں انگور، سبزیاں، زیتون، کھجوریں، گنجان اور لہلاتے ہوئے باغ، ہر قسم کے پھل اور چارہ پیدا کیا، انہیں تمہارے اور تمہارے جانورں کے فائدے کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ انسان کو اس کی اور چوپاؤں کی خوراک کا حوالہ دے کر یہ بات سمجھائی ہے کہ اے قیامت کا انکار کرنے والو! دیکھو اور غور کرو! کہ زمین میں پڑے ہوئے دانے کو اس سے کون نکالتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے سوا اس دانے کو کوئی نکالنے اور اُگانے والا نہیں ہے۔ وہی آسمان سے بارش نازل کرتا ہے، اس کے سوا کوئی بارش نازل نہیں کرسکتا۔ بارش کی وجہ سے زمین میں نَم پیدا ہوا اور اس نَم کی وجہ سے زمین میں پڑا ہوا بیج پھول پڑا اور ہر دانہ اپنی اصلیت کی بنیاد پر زمین سے شگوفے یا تنے کی شکل میں نکل پڑتا ہے ان میں انگور، سبزیاں، زیتون، کھجوریں اور مختلف قسم کے باغات ہیں، ان میں کچھ درخت اور پودے پھل دار ہوتے ہیں اور کچھ چارے کے کام آتے ہیں۔ دانے کے زمین سے نکلنے اور اُگنے کے اصول کی بنیاد پر ہی انسان کی زندگی کو قیاس کرنا چاہیے۔ فرق صرف یہ ہے کہ دانہ زمین میں پرورش

پاتا اور نکلتا ہے اور انسان رحمِ مادر میں پرورش پاتا اور اپنی ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے تخلیق کا عمل تو ایک جیسا ہے۔فرق یہ ہے کہ جاندار چیزوں کے علاوہ ہر چیز مٹی کے ساتھ بالآخر مٹی ہوجاتی ہے لیکن ہر جاندار کو قیامت کے دن اٹھایا جانا ہے پھر جانداروں کے درمیان فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جنوں اورانسانوں کو قیامت کے دن اٹھا کر اپنی بارگاہ میں پیش کرے گا اورحساب و کتاب کے بعد نیک لوگوں کو جنت میں داخل کرے گا اور مجرموں کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا اور باقی جاندار چیزوں کا معاملہ محشر کے میدان میں نپٹا کر انہیں ختم کردیا جائے گا۔

((عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقَ إِلٰی أَھْلِھَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ حَتّٰی یُقَادَ لِلشَّاۃِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاۃِ الْقَرْنَاءِ)) (رواہ مسلم : کتاب البروالصلۃ ، باب تحریم الظلم)

''حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا: تمہیں قیامت کے دن لوگوں کے حقوق ان کے مالکوں کو ادا کرنا پڑیں گے، یہاں تک کہ جس بکری کے سینگ نہیں ہیں اس کو سینگ والی بکری سے بدلہ دلایا جائے گا۔''

مسائل

۱۔ انسان اپنے کھانے پرغور کرے تو اپنے رب کو پہچان جائے گا اورقیامت پر یقین کر جائے گا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہی زمین سے پانی کے ذریعے بیج نکالتا ہے۔۳۔ اللہ تعالیٰ ہی چوپاؤں کے لیے چارہ پیدا کرنے والا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مختلف قسم کے پھل ،سبزیاں اوراناج پیدا کیا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید میں پھلوں اورسبزیوں کا ذکر :

۱۔ اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو بے آب و گیاہ وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے قریب ٹھہرایا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں لوگوں کے دل ان کی طرف مائل فرما دے اور انھیں پھلوں کا رزق عطا فرما۔(ابراہیم:۳۷)

۲۔ ''اللہ'' نے پانی کے ذریعے پھلوں سے رزق عطا فرمایا: (البقرۃ:۲۲)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برکت والا پانی نازل فرما کر اس کے ذریعے بہت سے باغات سرسبز وشاداب کر دیئے۔(ق:۹)

۴۔ ''اللہ'' نے آسمان سے پانی اتارا اور اس سے مختلف انواع کے پھل پیدا فرمائے۔ (فاطر:۲۷)

۵۔ ''اللہ'' پانی سے تمہارے لیے کھیتی، زیتون، کھجور اور انگور اگاتا ہے۔ (النحل:۱۱)

۶۔ ''اللہ'' نے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ (المومنون:۱۹،یٰس:۳۴)

۷۔ ''اللہ'' نے پانی سے ہرقسم کی نباتات کو پیدا کیا۔ (الانعام:۹۹)

۸۔ ''اللہ'' نے باغات، کھجور کے درخت اور کھیتی پیدا کی جوذائقہ کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ (الانعام:۱۴۱)

فَإِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿٣٣﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾

پھر جب آئے گی کان بہرے کر دینے والی سخت آواز اس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے

وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ

اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے ہر شخص کے لیے ان میں سے

يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾

اس دن ایک حالت ہوگی وہ بے پرواہ کر دے گی اسے کئی چہرے اس دن چمکنے والے

ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾

ہنسنے والے ہشاش بشاش ہوں گے اور کئی چہرے اس دن ان پر غبار ہوگا

تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾ أُولَٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾

ع ۲ ۵

ان کو ڈھانپتی ہوگی سیاہی یہی لوگ ہیں کافر فاجر

”جب کان بہرے کر دینے والی آواز آئے گی۔(۳۳) اس دن آدمی اپنے بھائی۔(۳۴) اور اپنی ماں اور اپنے باپ۔(۳۵) اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔(۳۶) اس دن ہر شخص پر ایسا وقت آپڑے گا کہ اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہیں ہوگا۔(۳۷) اس دن کچھ چہرے دَمک رہے ہوں گے۔(۳۸) ہشاش بشاش اور خوش ہوں گے۔(۳۹) اور اس دن کچھ چہروں پر خاک پڑی ہوگی۔(۴۰) اور سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔(۴۱) یہ کافر اور فاجر لوگ ہوں گے۔“(۴۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلے انسان کو اس کی تخلیق اور اس کی خوراک کا حوالہ دے کر اس کا قیامت کے دن زندہ ہونا ثابت کیا اور اب محشر کے دن دوسرے نفخہ کے بعد لوگوں کی حالت بیان کی جاتی ہے۔

سورت النّازعات کی آیت ۳۴ میں قیامت کو ایک بڑی آفت قرار دیا گیا ہے قیامت کے بنیادی طور پر دو مرحلے ہوں گے۔ پہلے مرحلے میں ہر چیز تباہ کردی جائے گی اور اس کے بعد نامعلوم کتنے عرصے کے بعد قیامت کا دوسرا مرحلہ شروع ہوگا۔ دوسرے مرحلہ کی ابتدا بھی اسرافیل کے صور پھونکنے پر ہوگی جس سے ایک مرتبہ پھر پوری زمین ہل جائے گی اور لوگ اپنے اپنے مدفن سے نکل کر محشر کے میدان میں اکٹھے ہوجائیں گے جس کی تفصیل قرآن مجید اور حدیث کی کتب میں موجود ہے۔ جب لوگ محشر کے میدان میں جمع ہوں گے تو انہیں ان کے اعمال نامے دیئے جائیں گے۔ جن کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے ان کے چہرے مسکرائیں گے اور تابناک ہوں گے، جن کو ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے ان کے چہرے گرد آلود ہوں گے اور ان پر سیاہی اور ذلّت پھیل جائے گی یہ کافر اور بُرے لوگ ہوں گے

جونہی برے لوگوں کو ان کے اعمال نامے دیئے جائیں گے تو وہ اپنے اعمال ناموں پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کاٹیں گے اوراس خواہش کا اظہار کریں گے کہ کاش! آج ہمارے بدلے کسی دوسرے کو پکڑ لیا جائے اس دن بھائی اپنے بھائی ،اپنی ماں اپنے باپ ،اپنی بیوی اوراپنی اولاد سے بھاگ جائے گا ۔ اس دن ہر شخص اپنی ہی فکر میں پریشان ہوگا، کوئی بھی کافر،مشرک اورمجرم ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا کیونکہ اس دن کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ۔ (الاعراف:١٦٥)

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک دن جہنم کو یاد کر کے رورہی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے عائشہ! تجھے کس چیز نے رُلایا ہے سیدہ عائشہ نے کہا جہنم کی آگ یاد آئی تو میں رو پڑی کیا قیامت کے دن آپ اپنے اہل وعیال کو یاد رکھ پائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مواقع ایسے ہیں جن میں کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا ۔① اعمال تولے جانے کے وقت جب تلک یہ نہ پتہ چل جائے کہ اُس کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوا یا ہلکا۔② نامہ اعمال دیئے جانے کے وقت جب کہنے والا کہے گا آ ؤ میرے نامہ اعمال کو پڑھ کر دیکھو حتٰی کہ اُسے علم ہو جائے کہ اُس کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جا رہا ہے یا پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں ③ جب جہنم کے اوپر پل صراط کو رکھا جائے گا ۔ (رواہ ابوداؤد: باب فی ذکر المیزان)

مسائل

۱۔ قیامت کے دوسرے مرحلے پربھی ہر چیز ہل کررہ جائے گی۔۲۔ قیامت کے دن ہر شخص اپنے بارے میں ہی فکر مند ہوگا۔

۳۔ قیامت کے دن کچھ لوگوں کے چہرے روشن اورمسکراتے ہوئے ہوں گے ۔

۴۔ قیامت کے دن جہنمیوں کے چہرے غبار آلود اورسیاہ ترین ہوں گے ۔

۵۔ قیامت کے دن آدمی اپنے بھائی ،اپنی ماں ،اپنے باپ،اپنی بیوی اوراپنی اولاد سے بھاگ جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن کوئی بھی کافر ،مشرک اورمجرم کا ساتھ نہیں دے گا:

۱۔ قیامت کے دن کوئی دوست کسی کے کام نہیں آئے گا۔(البقرۃ:۲۵۴)

۲۔ قیامت کے دن کوئی رشتہ دار کسی کو فائدہ نہیں دے گا۔(عبس: ۳۴ تا ۳۶)

۳۔ قیامت کے دن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آئے گا۔(الدخان:۴۱)

۴۔ قیامت کے دن کوئی کسی کو فائدہ نہیں دے سکے گا۔ (الانفطار: ۱۹)

۵۔ قیامت کے دن دوستی اور سفارش کام نہ آئے گی ۔(ابراہیم :۳۱)

۶۔ قیامت کے دن سفارشی کسی کو فائدہ یا نقصان نہیں دیں گے۔(یونس:۱۸)

سورۃ التکویر کا تعارف

یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اس کی انتیس آیات ہیں۔ جو ایک رکوع کا احاطہ کیے ہوئے ہیں اس کا نام اس کی پہلی آیت میں موجود ہے اس میں قیامت کے ابتدائی اور آخری مراحل کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رات اور ستاروں کی قسم کھا کر یہ بات واضح فرمائی ہے کہ قرآن مجید کسی جن اور شیطان کا کلام نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جسے ملائکہ کے سردار اور نہایت ہی معزز فرشتہ جبریل امین نبی علیہ السلام کے سامنے پڑھتا ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روشن افق پر دیکھا ہے اس کے کلام اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں یہ ہر اس شخص کے لیے نصیحت ہے جو صراطِ مستقیم پر چلنا چاہتا ہے اس پر چلنے کی اسے توفیق ملتی ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کیونکہ وہی کچھ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کرنا چاہتا ہے۔

سورۃ الانفطار کا تعارف

اس سورت کا نام اس کی پہلی آیت کا آخری لفظ قرار پایا ہے۔ یہ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ایک رکوع پر مشتمل ہے جس کی انیس آیات ہیں۔ سورت التکویر کا تتمہ ہے اس میں یہ بتلایا ہے کہ جب قیامت برپا ہوگی تو ہر انسان اپنے اگلے پچھلے اعمال کو جان لے گا۔ انسان کی غفلت دور کرنے کے لیے اسے ان الفاظ میں مخاطب کیا گیا ہے کہ "اے انسان تجھے تیرے رب کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا ہے حالانکہ اُس نے تجھے پیدا کیا تیری شکل و صورت بنائی اور تجھ پر دو نگران مقرر کیے ہیں۔ وہ تیرا کیا کرایا سب کچھ تحریر کر رہے ہیں۔ جو قیامت کے دن ہر کسی کے سامنے رکھ دیا جائے گا اُس دن نیک لوگ نعمتوں والی جنت میں ہوں گے اور بُرے لوگ جہنم میں داخل کیے جائیں گے اُس دن کوئی کسی کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکے گا اُس دن سارے کے سارے اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہوں گے۔

سورۃ المطفّفین کا تعارف

یہ نام اس کی پہلی آیت کا دوسرا لفظ ہے۔ مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی ایک رکوع پر مشتمل ہے جس کی چھتیس آیات ہیں۔ اس میں خائن لوگوں کی مالیاتی خیانت کا ذکر فرما کر انہیں قیامت کا خوف دلایا گیا ہے تاکہ وہ مالی خیانت اور اخلاقی گراوت سے باز آجائیں۔ ایسے لوگوں کو بتلایا ہے کہ ان کا اندراج سجّین میں کیا جاتا ہے یہ ایسی کتاب ہے اس کے ذکر سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسے نہیں جانتے تھے۔ اس میں خائن، جھوٹے اور گنہگار لوگوں کا اندراج کیا جاتا ہے جنہیں جہنم میں پھینکا جائے گا۔ ان کے مقابلے میں نیک لوگوں کا اندراج کتاب علّیین میں کیا جاتا ہے اس کے بارے میں بھی اس کے نزول سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ علم نہیں تھا، یہ وہ کتاب ہے جس میں نیک لوگوں کا اندراج ہوتا ہے جنہیں جنت میں داخل کیا جائے گا وہ جنت میں تکیہ لگائے ہوئے تشریف فرما ہوں گے اُن کے چہروں پر جنت کی نعمتوں کے اثرات دکھائی دیں گے اور انہیں ایسی شراب پیش کی جائے گی جس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی، وہ اُن کفار پر ہنسیں گے جو دنیا میں انہیں مذاق کیا کرتے تھے۔

سُورَةُ التَّكْوِيرِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رُكُوْعُهَا: ۱ اٰيَاتُهَا: ۲۹

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

اِذَا	الشَّمْسُ	كُوِّرَتْ ۝١	وَاِذَا	النُّجُوْمُ	انْكَدَرَتْ ۝٢	وَاِذَا
جب	سورج	لپیٹ دیا جائے گا	اور جب	تارے	بے نور ہو جائیں گے	اور جب
الْجِبَالُ	سُيِّرَتْ ۝٣	وَاِذَا	الْعِشَارُ	عُطِّلَتْ ۝٤	وَاِذَا	
پہاڑ	چلا دیے جائیں گے	اور جب	دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں	چھوڑ دی جائیں گی	اور جب	
الْوُحُوْشُ	حُشِرَتْ ۝٥	وَاِذَا	الْبِحَارُ	سُجِّرَتْ ۝٦		
وحشی جانور	اکٹھے کیے جائیں گے	اور جب	سمندر	بھڑکا دیے جائیں گے		

”جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔(۱) اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے۔(۲) اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔(۳) اور جب دس مہینے کی حاملہ اونٹنیاں اپنے حال پر چھوڑ دی جائیں گی۔(۴) اور جب جنگلی جانور اکٹھے کیے جائیں گے۔(۵) اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے۔“ (٦)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورتِ عبس کا اختتام اس بات پر کیا گیا کہ جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں ان کے چہروں پر ذلّت اور سیاہی چھائی ہو گی ۔التکویر میں قیامت کے ابتدائی مراحل ذکر فرما کر بتلایا ہے کہ انسان نے دنیا میں رہ کر جو کچھ کیا ہو گا وہ قیامت کے دن اس کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ اس حالت میں کہ اس کے ایک طرف جہنم دھک رہی ہو گی اور دوسری طرف جنت مہک رہی ہو گی۔

اس سورہ کی ابتدا میں قیامت کے پہلے ہولناک مرحلہ کا منظر پیش کیا گیا ہے اسرافیل جونہی پہلی صور پھونکے گا توزمین وآسمانوں میں ہلچل مچ جائے گی ۔ ہر جاندار موت کے گھاٹ اُتر جائے گا یہاں تک کہ سورج اپنی روشنی اور حرارت کھو بیٹھے گا۔ جس کے لیے ”کُوِّرَتْ“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ ”کُوِّرَتْ“ کا لفظ تکویر سے نکلا ہے ۔ عربی زبان میں یہ لفظ کسی چیز کے لپیٹنے کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔اس لیے عرب”تکویر العمامہ“ کا لفظ استعمال کرتے ہیں یعنی دستار کو سر پر لپیٹنا۔سورج کے لیے یہ لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ سورج کی روشنی اس کے چارسُو پھیلی ہوتی ہے یہ روشنی قیامت کے دن سمٹ کر بالآخر ختم ہوجائے گی۔ اس مناسبت سے فرمایا ہے کہ جب سورج لپیٹ دیا جائے گا ۔ آج سورج ایک کُرّہ کی شکل میں موجود ہے اسے بے نور کرنے کے ساتھ سُکیڑ دیا جائے گا۔ شمسی نظام میں چاند، ستارے اور سورج آپس میں کسی نہ کسی لحاظ سے منسلک ہیں، جب سورج ،چاند

اور ستاروں کا آپس میں اتصال ختم ہوجائے گا تو چاند، ستارے اور سورج بھی بے نور ہوکر گر پڑیں گے ۔صور پھونکنے کی وجہ سے زمین میں انتہادرجے کے زلزلے ہوں گے جن سے پہاڑوں کی جڑیں کھوکھلی ہوجائیں گی اور یہ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر گر پڑیں گے اور بالآخر ریت کے ذرّات بن کر اُڑنے لگیں گے، چوپاؤں اوروحشی جانوروں کی کیفیت یہ ہوگی کہ جس شیر اور بھیڑیے کا کام پھاڑ ڈالنا ہے وہ قیامت کی وحشت کی وجہ سے اس قدر گھبرائے ہوئے ہوں گے کہ کسی پر پنجہ اٹھانے کی سکت نہیں پائیں گے، یہاں تک کہ سانپ اوربچھو بھی کسی کو کاٹ نہیں سکیں گے ۔اس حالت میں جنگل کے جانور ایک دوسرے کے ساتھ سمٹے اورسہمے ہوئے ہوں گے۔ دس ماہ کی حاملہ اونٹنی بھی اپنا حمل گرادے گی اورمدہوش پھرے گی کوئی اس کاوالی وارث نہیں ہوگا۔ حاملہ اونٹنی کا ذکر فرما کر بات ثابت کی ہے کہ لوگ اپنی عزیز سے عزیز تر چیزکو بھی بھول جائیں گے ۔ یاد رہے کہ نزولِ قرآن کے وقت عربوں کے ہاں دس ماہ کی حاملہ اونٹنی کی بڑی قدروقیمت تھی۔ اس سے ان کے مال میں اضافہ ہوتا تھا ،وہ اس اونٹنی کا دودھ پیتے اور اسے سواری کے لیے استعمال کرتے تھے، اس بنا پر عرب اس اونٹنی کا دوسرے جانوروں سے زیادہ خیال رکھتے تھے۔ قیامت کی وحشت کی وجہ سے اونٹوں کے چرواہے حاملہ اونٹنی سے بھی بے پرواہ ہوں گے۔ قیامت کی وحشت سے صرف زمین و آسمانوں میں ہلچل نہیں مچے گی بلکہ سمندر کا پانی بھی آگ بن کر بھڑکنے لگے گا۔ سائنس نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ پانی دو گیسوں پر مشتمل ہوتا ہے آکسیجن اور ہائیڈروجن۔ آکسیجن کا کام آگ کو بجھانا اور ہائیڈروجن آگ کو تیز کرتی ہے، اس دن سمندر کا پنی ہائیڈروجن بن کر آگ کی شکل اختیار کرجائے گا۔

((عَنْ اَبِیْ سَلْمَۃَ ؓحَدَّثَنَا أَبُوْ هُرَيْرَةَ ؓ عَنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ يُكَوَّرَانِ فِيْ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ فَقَالَ الْحَسَنُ ؓ مَا ذَنْبُهُمَا ؟ فَقَالَ إِنِّیْ أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَسَكَتَ الْحَسَنُ)) (الابانة الكبرىٰ لابن بطة : باب ذكر ما جاء ت به السنة من طاعة رسول الله ﷺ)

”حضرت ابو سلمہ ؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابو ہریرہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سورج اور چاند کو اکٹھا جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔حضرت حسن ؓ نے پوچھا ان کا جرم کیا ہے ؟انہوں نے جواب دیا میں تمہیں نبی ؓ کی حدیث سنا رہا ہوں ان کی یہ بات سن کر حضرت حسن ؓ خاموش ہوگئے ۔“

مسائل

۱۔ قیامت کے دن اللہ کے حکم سے ہر چیز تباہ کردی جائے گی۔

۲۔ قیامت کے دن پہاڑوں کو روئی کی شکل میں اُڑا دیا جائے گا۔

سُئِلَتْ ﴿٨﴾	الْمَوْءٗدَةُ	وَاِذَا	زُوِّجَتْ ﴿٧﴾	النُّفُوْسُ	وَاِذَا
سوال کی جائے گی	زندہ درگور کی گئی	اور جب	ملادی جائیں گی	روحیں	اور جب

قُتِلَتْ ﴿٩﴾	بِاَيِّ ذَنْۢبٍ
وہ قتل کی گئی	کس گناہ کی وجہ سے

''اور جب رُوحیں جسموں سے ملا دی جائیں گی۔(٧) اور جب زندہ درگور کی ہوئی بچی سے پوچھا جائے گا۔(٨) کہ وہ کس غلطی کے بدلے قتل گئی؟''(٩)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کے دوسرے مرحلے کی ابتدا۔

ہر شخص اس حقیقت کو جانتا ہے کہ جب انسان کی روح اس کے قفسِ عنصری سے نکل جاتی ہے تو انسان کا جسم کسی قسم کی تکلیف محسوس نہیں کرتا، جب جسم میں روح ہوتی ہے تو انسان کا نٹا چُبھنے سے بھی تڑپ اٹھتا ہے۔ روح نکل جانے کے بعد انبیاء کرام ﷺ کے اجسام کے سوا ہر انسان کے جسم کو مٹی کھا جاتی ہے الاّ یہ کہ جس کے جسم کو اللہ تعالیٰ سلامت رکھے۔ عالم برزخ میں صرف روح کو ہی اذّیت یا راحت پہنچتی ہے۔ جونہی اسرافیل دوسری مرتبہ صور پھونکے گا تو اللہ کے حکم سے ہر انسان کا جسم اپنی حالت میں آجائے گا اوراس میں روح ڈال دی جائے گی۔ جسے یوں بیان کیا ہے کہ جب جسموں کے ساتھ ان کی روحیں جوڑ دی جائیں گی۔ بعض مفسرین نے اس کامفہوم یہ بھی لیا ہے کہ لوگوں کوان کے اعمال کی مناسبت سے اکٹھا کردیا جائے گا یعنی چور اورڈاکو الگ الگ کر دیئے جائیں گے، بدکار اورشرابیوں کو الگ الگ کردیا جائے گا،مشرک آپس میں اکٹھے ہوں گے اور کفار کو الگ جمع کر دیا جائے گا۔ لیکن قرآن مجید کے الفاظ سے پہلا مفہوم زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ جونہی لوگوں کا محشر کے میدان میں حساب وکتاب شروع ہوگا تو ربِ ذوالجلال کی بارگاہ میں ان معصوم بچیوں کو پیش کیا جائے گا جنہیں لڑکی ہونے کی وجہ سے قتل کردیا گیا تھا۔ جن ماں باپ اورلوگوں نے بچیوں کوقتل کیا ہوگا، ربِ ذوالجلال انہیں مخاطب کرنے کی بجائے ان لڑکیوں اور ننھی منھی بچیوں کو مخاطب فرمائیں گے کہ تمہیں کیوں قتل کیا گیا تھا؟ وہ عرض کرے گی کہ اے''رب'' میرے ماں باپ نے مجھے بیٹی ہونے کی بنا پر قتل کیا تھا۔

عربوں میں کچھ قبائل قبل از اسلام اپنی بیٹیوں کو درج ذیل وجوہات کی بنا پر قتل کرتے تھے۔

١۔ جنگ کے دوران انہیں لڑکیوں کی حفاظت کرنا پڑتی تھی۔

٢۔ کچھ قبائل دوسرے کو اپنا داماد بنانے میں عار سمجھتے تھے۔

٣۔ خوردونوش اور دیگر اخراجات کے حوالے سے بیٹوں کے مقابلے میں بیٹیوں کو بوجھ تصور کرتے تھے۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر عرب کے کچھ قبائل اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔

((أَخْبَرَنَا الْوَلِيدُ بْنُ النَّضْرِ الرَّمْلِيُّ عَنْ مَسَرَّةَ بْنِ مَعْبَدٍ مِنْ بَنِي الْحَارِثِ ابْنِ أَبِي الْحَرَامِ

مِنْ لَخْمٍ ، عَنِ الْوَضِينِ أَنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا كُنَّا أَهْلَ جَاهِلِيَّةٍ وَعِبَادَةِ أَوْثَانٍ فَكُنَّا نَقْتُلُ الأَوْلَادَ وَكَانَتْ عِنْدِي بِنْتٌ لِي فَلَمَّا أَجَابَتْ وَكَانَتْ مَسْرُورَةً بِدُعَائِي إِذَا دَعَوْتُهَا فَدَعَوْتُهَا يَوْمًا فَاتَّبَعَتْنِي فَمَرَرْتُ حَتَّى أَتَيْتُ بِئْرًا مِنْ أَهْلِي غَيْرَ بَعِيدٍ فَأَخَذْتُ بِيَدِهَا فَرَدَّيْتُ بِهَا فِي الْبِئْرِ وَكَانَ آخِرَ عَهْدِي بِهَا أَنْ تَقُولَ يَا أَبَتَاهُ يَا أَبَتَاهُ فَبَكَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَتَّى وَكَفَ دَمْعُ عَيْنَيْهِ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنْ جُلَسَاءِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَحْزَنْتَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لَهُ كُفَّ فَإِنَّهُ يَسْأَلُ عَمَّا أَهَمَّهُ ، ثُمَّ قَالَ لَهُ أَعِدْ عَلَيَّ حَدِيثَكَ فَأَعَادَهُ فَبَكَى حَتَّى وَكَفَ الدَّمْعُ مِنْ عَيْنَيْهِ عَلَى لِحْيَتِهِ ، ثُمَّ قَالَ لَهُ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ وَضَعَ عَنِ الْجَاهِلِيَّةِ مَا عَمِلُوا فَاسْتَأْنِفْ عَمَلَكَ)) (رواه الدارمی : باب ما کان علیه الناس قبل مبعث النبی ﷺ من الجهل والضلالة)

''ولید بن نضر رملی کہتے ہیں کہ ہمیں سبرہ بن معبد یہ واقعہ وضین سے بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ کے پاس آکر جاہلیت کے دور کا اپنا واقعہ بیان کیا۔ کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم دورِ جاہلیت میں بتوں کی پوجا کرتے اور اپنی اولادوں کو قتل کرتے تھے۔ میری ایک بیٹی تھی جو مجھ سے بہت پیار کرتی تھی، جب بھی میں اسے بُلاتا تو وہ میرے پاس دوڑتی ہوئی آتی۔ ایک دن میں نے اس کو بلایا اور اپنے ساتھ لے کر چل پڑا میں اپنے گھر سے تھوڑے فاصلے پر ایک کنواں کے قریب ہوا، میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کنویں میں دھکا دے دیا۔ اس کی آخری آواز میرے کانوں میں پڑی وہ یہ تھی ہائے ابا! ہائے ابا! یہ سن کر رسول اللہ ﷺ اتنا روئے کہ آپ ﷺ کے آنسو بہنے لگے۔ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے میں سے ایک نے کہا تو نے نبی اکرم ﷺ کو غمگین کردیا۔ آپ نے فرمایا اسے منع نہ کرو! جس بات نے اسے بے قرار کر رکھا ہے اس کے بارے میں اسے پوچھنے دو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنا واقعہ دوبارہ بیان کرو! اس نے دوبارہ بیان کیا۔ آپ ﷺ سن کر اس قدر روئے کہ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جاہلیت میں جو کچھ ہوگیا اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کردیا لہٰذا اب نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کرو۔

نبی علیہ السلام کے ایک فرمان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن حقوق العباد کے مقدمات میں سب سے پہلے قتل کے فیصلے کیے جائیں گے۔ اس آیت کی روشنی میں یہ بات اخذ کرنے کی گنجائش موجود ہے کہ قتل کے مقدمات میں سب سے پہلے فیصلے ان بچیوں کے ہوں گے جنہیں لڑکی ہونے کی وجہ سے قتل کیا گیا تھا۔

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِي الدِّمَاءِ))(رواہ البخاری : کتاب الدیات)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے لوگوں کے درمیان قتل کا فیصلہ ہوگا۔''

''اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو ، ہم ہی انھیں اور تمھیں رزق دیتے ہیں بے شک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔'' (بنی اسرائیل : ٣١)

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَأَلْتُ أَوْ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَيُّ الذَّنْبِ عِنْدَ اللّٰهِ أَكْبَرُ قَالَ أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ)) (رواہ البخاری : باب قولہ الذین لایدعون مع اللہ ......)

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کونسا گناہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں نے پھر سوال کیا اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا کہ اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔ میں نے پھر عرض کی اس کے بعد کونسا گناہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرے۔''

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون سے گناہ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق کسی جان کو قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور پاکدامن، مومن، بے خبر عورتوں پر تہمت لگانا۔''

(رواہ البخاری: باب قول اللّٰہ تعالیٰ إن الذین یأکلون أموال الیتامی ظلما)

مسائل

١۔ قیامت کے دن ہر روح کو اس کے جسم میں داخل کر دیا جائے گا۔ ٢۔ بیٹیوں کو قتل کرنا نہایت ہی سنگین جرم ہے۔

٣۔ قیامت کے دن زندہ درگور کی گئی بچی سے اس کے قاتل کو پوچھا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

قتل کرنے کا گناہ:

١۔ جس جان کو اللہ نے تحفظ دیا ہے اسے ناحق قتل نہیں کرنا چاہیے۔ (بنی اسرائیل:٣٣)

٢۔ جس نے کسی کو بغیر حق کے قتل کر دیا گویا کہ اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔ (المائدۃ:٣٢)

٣۔ قابیل نے اپنے بھائی کو قتل کیا اور وہ خسارہ پانے والا ہوا۔ (المائدۃ:٣٠)

٤۔ جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (النساء:٩٣) ٥۔ کسی کو ناحق قتل نہ کرو۔ (الانعام:١٥١)

وَاِذَا	الصُّحُفُ	نُشِرَتْ ﴿١٠﴾	وَاِذَا	السَّمَآءُ كُشِطَتْ ﴿١١﴾	وَاِذَا
اور جب	اعمال نامے	کھول دیے جائیں گے	اور جب	آسمان کی کھال اتار دی جائے گی	اور جب

الْجَحِيْمُ	سُعِّرَتْ ﴿١٢﴾	وَاِذَا	الْجَنَّةُ	اُزْلِفَتْ ﴿١٣﴾	عَلِمَتْ	نَفْسٌ
جہنم	بھڑکائی جائے گی	اور جب	جنت	قریب کر دی جائے گی	جان لے گا	ہر نفس

مَّآ	اَحْضَرَتْ ﴿١٤﴾
جو	اُس نے حاضر کیا

”اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے۔(۱۰) اور جب آسمان کا پردہ ہٹادیا جائے گا۔(۱۱)اور جب جہنم بھڑکائی جائے گی۔ (۱۲) اور جب جنت قریب کر دی جائے گی۔(۱۳) اس وقت ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔“(۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قیامت کا بیان جاری ہے بتلایا ہے کہ اس دن لوگوں کے حساب و کتاب کا آغاز کس طرح ہو گا۔

قیامت کے دن زمین و آسمان بدل دیئے جائیں گے۔(ابراہیم:۴۸) اور لوگ محشر کے میدان میں جمع کر دیئے جائیں گے۔ ملائکہ قطار اندر قطار کھڑے ہوں گے جن میں جبریلِ امین سب سے نمایاں ہوں گے۔ عدالتِ کبریٰ کے انتظامات مکمل ہونے کے ساتھ ہی ایک طرف لوگوں کے سامنے بھڑکتی ہوئی جہنم لائی جائے گی اور دوسری طرف جنت کو لایا جائے گا۔ اس کے بعد رب ذوالجلال جلوہ گر ہوں گے اور کچھ مدت کے بعد لوگوں کے اعمال نامے ان کے سامنے رکھ دیئے جائیں گے، ہر شخص اپنا اعمال نامہ کھول کر پڑھے گا جس سے اسے معلوم ہوجائے گا کہ وہ اپنے لیے آج کے دن کے لیے کیا لایا ہے۔ جن کے اعمال بہتر ہوں گے وہ دوسروں کو اپنا اعمال نامہ پڑھنے کی دعوت دیں گے اور جن کے اعمال بُرے ہوں گے وہ کہیں گے کہ ہائے افسوس! اس اعمال نامے میں ہماری چھوٹی بڑی بات کو درج کردیا گیا ہے۔ (الکہف:۴۹)ان کی خواہش ہوگی کہ وہ مر کر مٹی ہوجائیں گے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ (النبا:۴۰)

مسائل

۱۔ قیامت کے دن آسمان کا پردہ ہٹا دیا جائے گا۔

۲۔ بھڑکتی ہوئی جہنم کو لوگوں کے سامنے لاکھڑا کیا جائے گا اور جنت بھی لائی جائے گی۔

۳۔ لوگوں کے اعمال نامے ان کے سامنے رکھ دیئے جائیں گے، ہر شخص کو اپنے کیے کا پتہ چل جائے گا۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝١٥ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝١٦ وَالَّيْلِ اِذَا

پس نہیں میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے چلنے والے چھپ جانے والے کی اور رات کی جب

عَسْعَسَ ۝١٧ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۝١٨ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝١٩

وہ چلی جاتی ہے اور صبح کی جب وہ روشن ہوتی ہے بلاشبہ یہ ضرور فرمان ہے رسول کریم کا

ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝٢٠ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝٢١

قوت والا نزدیک عرش والے کے بلند مرتبہ ہے اطاعت کیا جاتا ہے وہاں امین ہے

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝٢٢ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝٢٣

اورنہیں تمہارا ساتھی دیوانہ اور یقیناً اس نے دیکھا ہے اس کو کھلے کنارے میں

”پس نہیں میں قسم کھاتا ہوں پلٹنے والے۔(۱۵) اور چھپ جانے والے تاروں کی۔(۱۶)اور رات کی جب وہ رخصت ہو جائے۔(۱۷) اور صبح کی جب وہ روشن ہو جائے۔(۱۸) یہ ہرصورت ایک معزز رسول کا فرمان ہے۔(۱۹) جوعرش والے کے ہاں بڑی قوت والا اور بلند مرتبہ ہے۔(۲۰) وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے اور وہ امین ہے۔(۲۱) اور تمہارا ساتھی مجنون نہیں ہے۔(۲۲) اس نے اس کو روشن افق پر دیکھا ہے۔(۲۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: قرآن مجید کی دعوت کا تیسرا مضمون قیامت ہے جو ہرصورت قائم ہوکر رہے گی۔ اہل مکہ نہ صرف قیامت کا انکار کرتے تھے بلکہ اس وجہ سے قرآن مجید کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھے کہ یہ ”اللہ“ کی کتاب ہے۔ اس لیے یہاں ایک مرتبہ پھر وضاحت کی جارہی ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

یہ بات کئی مرتبہ عرض ہوچکی ہے کہ قرآن مجید کے بنیادی مضامین تین ہیں۔توحید، رسالت اور آخرت۔ باقی مسائل انہیں کی تفصیل اورتقاضے ہیں۔قرآن مجید ان عقائد پر بار بار زور دیتا ہے کیونکہ مکہ کے لوگ کسی نہ کسی انداز میں ان تینوں باتوں کا انکار کرتے تھے جس بنا پر ان کی کوشش تھی کہ لوگوں کی نظروں میں قرآن مجید کو ہی مشکوک بنا دیا جائے۔اس لیے کبھی نبی کریم ﷺ کو کاہن اور دیوانہ کہتے اور کبھی قرآن مجید کے بارے میں ہرزہ سرائی کرتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں بلکہ شیطانی اورشاعرانہ خیالات کا مجموعہ ہے۔قرآن مجید نے ان کے الزامات کا ہرموقع پر مدلل اورمؤثر جواب دیا لیکن پھر بھی وہ پراپیگنڈہ کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ اس موقع پر ان کی ہرزہ سرائی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے چارقسمیں اٹھائی ہیں۔میں قسم کھاتا ہوں پلٹنے اور چھپ جانے والے ستاروں کی، میں قسم کھاتاہوں رات کی جب وہ رخصت ہوتی ہے اورمیں قسم کھاتا ہوں صبح کی جب وہ نمودار ہوتی ہے۔قسمیں کھانے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح یہ باتیں حقیقت ہیں اسی طرح قرآن بھی ایک حقیقت

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿٢٤﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ

اور نہیں | وہ | غیب پر | بخیل | اور نہیں ہے | یہ | قول

شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿٢٥﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿٢٦﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ

کسی شیطان | مردود کا | پھر کہاں | جاتے ہو تم | نہیں ہے | یہ | مگر | نصیحت

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٧﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿٢٨﴾ وَمَا

تمام جہانوں کے لیے | اس شخص کے لیے جو | چاہے | تم میں سے | یہ کہ | وہ سیدھا چلے | اور نہیں

ع ٢٩ ١ ٦

تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٩﴾

تم چاہتے | مگر | یہ کہ | چاہے | اللہ | رب العالمین

اور وہ غیب کے معاملہ میں بخیل نہیں ہے۔(٢٤)اور یہ کسی شیطان مردود کا قول نہیں ہے۔(٢٥) پھر تم لوگ کدھر چلے جا رہے ہو؟(٢٦) یہ جہان والوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔(٢٧) تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو راہِ راست پر چلنا چاہتا ہے۔(٢٨) اور جب تک اللہ رب العالمین نہ چاہے تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔"(٢٩)

ہے یہ ایک معزز فرشتے کا کلام ہے جو بڑی ہی طاقت والا ہے جو عرش والے یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مرتبہ ہے۔ اس کا فرشتوں میں حکم مانا جاتا ہے اور وہ بڑا امانت دار ہے۔ اس کے رب کی طرف سے جو اسے حکم صادر ہوتا ہے وہ جوں کا توں آگے پہنچا دیتا ہے۔ اے مکہ والو! تمہارا ساتھی حضرت محمد ﷺ دیوانہ نہیں ہے۔ اس نے پیغام پہنچانے والے ملائکہ کے سردار جبریل علیہ السلام کو روشن اُفق پر دیکھا ہے۔رسول پر جو غائب کی باتیں نازل کی جاتی ہیں انہیں پہنچانے میں بخل اور کمزوری سے کام نہیں لیتا بعض مفسرین نے رسول سے مراد جبریلِ امین لیے ہیں۔قرآن مجید کے الفاظ میں دونوں معنوں کی گنجائش موجود ہے۔قرآن مجید رب العالمین کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ اس میں شیطان کا کسی لحاظ سے رائی برابر عمل دخل نہیں یہ ہر اس شخص کے لیے نصیحت ہے جو صراطِ مستقیم پر چلنا چاہتا ہے۔ یادرکھو! تمہاری چاہت اور مخالفت کی بنا پر کچھ نہیں ہوسکتا ،وہی ہوتا ہے جو رب العالمین چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں قرآن مجید کو جبریلِ امین کا قول قرار دیا ہے اور سورۃ الحاقہ کی آیت ٤٠ میں اسے نبی کریم ﷺ کا قول فرمایا ہے جس کا یہ معنٰی نہیں کہ قرآن نبی علیہ السلام یا جبریلِ امین کا کلام ہے۔اس کا حقیقی معنٰی یہ ہے کہ قرآن مجید کسی شاعر یا شیطان کا کلام نہیں اور نہ ہی نبی علیہ السلام کا اپنا کلام ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جسے جبریلِ امین اپنی زبان سے حضرت محمد ﷺ کے سامنے تلاوت کرتے ہیں، گویا کہ قرآن مجید صرف اور صرف رب العالمین کا کلام ہے جو نصیحت کے طور پر اُتارا گیا ہے۔اس میں کسی فرشتے ،انسان اور شیطان کا کوئی عمل دخل نہیں یہ ہر اس شخص کے لیے نصیحت ہے جو صراطِ مستقیم پر چلنا چاہتا ہے۔ جہاں تک کفار کی مخالفت کا معاملہ ہے انہیں کان کھول کر سن

لینا چاہیے کہ ان کے چاہنے اور مخالفت سے کچھ نہیں ہوگا ،وہی ہوگا جو رب العالمین چاہتا ہے اس کا فیصلہ ہے ۔

''وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔ اور اس پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔'' (الفتح:۲۸)

ان آیات میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ نبی علیہ السلام نے جبریلِ امین کو روشن اُفق پر دیکھا ہے اور آپ غیب کے معاملہ میں بخیل نہیں ہیں اگر اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو غیب سے مراد وہ غیب ہے جو قرآن مجید اور حدیث کی صورت میں آپ پر نازل ہوا ہے اس میں کوئی بات چھپانے کے آپ مجاز نہیں اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات چھپائی ہے۔یقینی طور پر آپ نے ہر بات من وعن بلا خوف وخطر لوگوں تک پہنچا دی ہے اس لیے فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب پر بخل کرنے والے نہیں ہیں اگر اس سے مراد جبریل ہیں تو معنی ہوگا کہ جبریل نے کسی بات میں بخل نہیں کیا اس نے ہر بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دی جو اللہ تعالیٰ نے اسے پہچانے کا حکم دیا۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے چار قسمیں اٹھا کر ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید صرف اور صرف اللہ کا کلام ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں جبریلِ امین بڑے مرتبے کے حامل فرشتے ہیں۔

۳۔ جبریلِ امین امانت دار اور ملائکہ کے سردار ہیں ۔۴۔ وہی کچھ ہوتا ہے جو اللہ رب العالمین چاہتا ہے ۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے چار قسمیں اٹھا کر اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ نبی علیہ السلام دیوانے نہیں ہیں۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید جبریلِ امین کے ذریعے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا جبریل علیہ السلام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلی آنکھوں کے ساتھ روشن اُفق پر دیکھا تھا۔ ۷۔قرآن مجید جبریلِ امین کے ذریعے نبی علیہ السلام تک پہنچا ہے۔

۸۔ نبی علیہ السلام نے اللہ کی وحی لوگوں تک پہنچانے میں کسی قسم کا بخل اور کمزوری نہیں کی۔

۹۔ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے ۔اس میں کسی فرشتے انسان اور شیطان کا ذرہ بھر عمل دخل نہیں ہے۔

۱۰۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے نصیحت ہے ۔۱۱۔کسی کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا وہی ہوتا ہے جو ''اللہ'' چاہتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید صرف اور صرف ''اللہ'' کا کلام ہے اس میں کسی کا عمل دخل نہیں ہے :

۱۔ قرآن رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ (الشعراء:۱۹۲)

۲۔ قرآن مجید کسی کاہن و شاعر کا کلام نہیں ہے۔ (الحاقۃ:۴۱،۴۲) (الحجر:۹)

۳۔قرآن مجید شیطان کی شیطنت سے پاک ہے۔ (التکویر:۲۵) (القدر:۱)

۴۔ اللہ قرآن مجید نازل کرنے والا حکمت والا اور تعریف کے لائق ہے۔ (حم السجدۃ:۴۲)

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | رُکُوْعُهَا: ۱ اٰیَاتُهَا: ۱۹

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

اِذَا	السَّمَآءُ	انْفَطَرَتْ ①	وَ	اِذَا	الْكَوَاكِبُ	انْتَثَرَتْ ②
جب	آسمان	پھٹ جائے گا	اور	جب	تارے	بکھر جائیں گے
وَ	اِذَا	الْبِحَارُ	فُجِّرَتْ ③	وَ	اِذَا	الْقُبُوْرُ
اور	جب	سمندر	پھاڑ دیے جائیں گے	اور	جب	قبریں
بُعْثِرَتْ ④	عَلِمَتْ	نَفْسٌ	مَّا	قَدَّمَتْ	وَاَخَّرَتْ ⑤	
کھول دی جائیں گی	جان لے گا	ہر نفس	جو کچھ	اس نے آگے بھیجا	اور پیچھے چھوڑا	

’’جب آسمان پھٹ جائے گا۔(۱) اور جب ستارے بکھر جائیں گے۔(۲) اور جب سمندر پھاڑ دیئے جائیں گے۔(۳) اور جب قبریں کھول دی جائیں گی۔(۴) اس وقت ہر شخص کو اس کا اگلا پچھلا کیا کرایا معلوم ہو جائے گا۔‘‘(۵)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورۃ التکویر میں قیامت سے پہلے دوسرے مرحلہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ قیامت کے دن جنت اور جہنم لوگوں کے سامنے لائی جائیں گی اور ہر انسان جان لے گا کہ اس نے اپنے آگے کیا بھیجا ہے۔ اس کے بعد یہ بیان ہوا کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو لوگوں کے لیے نصیحت ہے۔ الانفطار کی ابتدا بھی قیامت کے پہلے اور دوسرے مرحلے کی نشاندہی سے کی گئی ہے۔

ارشاد ہوا کہ جب آسمان پھٹ جائے گا اور تارے بکھر جائیں گے اور سمندر پھاڑ دیئے جائیں گے اور قبریں کھول دی جائیں گی اس وقت ہر انسان کو اپنا اگلا پچھلا کیا ہوا سب کچھ معلوم ہوجائے گا۔ اس وقت انسان کو یاد آئے گا کہ اس نے اپنی زندگی میں کیا کیا کام کیے اور اپنے پیچھے کون سے اچھے یا برے کاموں کا تسلسل اور اثرات چھوڑ آیا تھا۔ یہاں قیامت کی ابتدا اور اس کی انتہا کے مراحل کا ذکر کیا گیا ہے۔ قیامت کا پہلا مرحلہ یہ ہوگا کہ آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہوکر نیچے گر پڑے گا اس سے پہلے سورج لپیٹ لیا جائے گا۔(التکویر:۱) نظامِ شمسی کا آپس میں اتصال ختم ہو جائے گا جس سے ستارے تسبیح کے دانوں کی طرح نیچے گرنا شروع ہوجائیں گے، دوسری طرف زمین میں مسلسل زلزلے برپا ہوں گے جس سے سمندروں کا پانی زمین پر پھیل جائے گا جو بالآخر بھاپ بن کر ختم ہو جائے گا۔ نامعلوم کتنی مدّت تک یہ عمل جاری رہے گا اور اس کی تکمیل کے بعد کتنا عرصہ یہی حالت رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ دوسرا مرحلہ کب شروع ہوگا۔ اسرافیل کے دوسرا صور پھونکنے پر زمین جگہ جگہ پھٹ جائے گی ،لوگ اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور ہر کوئی میدانِ محشر کی

طرف بھاگ رہا ہوگا ،آخر کار اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی۔جس میں لوگوں کے اعمال نامے ان کے دائیں یا بائیں ہاتھ میں تھما دیئے جائیں گے ،ہر کوئی اپنا اعمال نامہ دیکھ کر جان جائے گا کہ اس نے اپنی زندگی میں آخرت کے لیے کیا کام کیے اورکون سے اچھے اور برے کام اپنے بعد چھوڑ آیا تھا ،گویا کہ اس کے تمام اعمال کا احاطہ کرلیا جائے گا۔ جو اعمال نامہ کی شکل میں اس کے سامنے ہوگا۔

﴿اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَ نَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَ اٰثَارَہُمۡ وَ کُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰہُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ﴾ (یٰس: ۱۲)

”یقیناً ہم ایک دن مُردوں کو زندہ کرنے والے ہیں جو اعمال اُنہوں نے کیے ہیں وہ ہم لکھتے جا رہے ہیں اور انہوں نے جو کام پیچھے چھوڑے ہیں وہ بھی ہم لکھ رہے ہیں ہر بات کو ہم نے ایک کھلی کتاب میں درج کر رکھا ہے۔“

﴿وَ وُضِعَ الۡکِتٰبُ فَتَرَی الۡمُجۡرِمِیۡنَ مُشۡفِقِیۡنَ مِمَّا فِیۡہِ وَ یَقُوۡلُوۡنَ یٰوَیۡلَتَنَا مَالِ ہٰذَا الۡکِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیۡرَۃً وَّ لَا کَبِیۡرَۃً اِلَّاۤ اَحۡصٰہَا وَ وَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا وَ لَا یَظۡلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا﴾(الکھف: ۴۹)

”اور کتاب رکھی جائے گی آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ جو کچھ اس میں ہوگا اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی !کیسی کتاب ہے ،اس نے نہ چھوٹی بات چھوڑی ہے اور نہ بڑی چھوڑی ہے اس نے سب کچھ شمار کر رکھا ہے انھوں نے جو کچھ کیا تھا اسے حاضر پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔“

مسائل

۱۔ قیامت کے دن آسمان پھٹ جائے گا۔۲۔تارے مکمل طور پر بکھر جائیں گے۔
۳۔ سمندر پھاڑ دیئے جائیں گے۔۴۔قبریں کھول دی جائیں گی۔
۵۔ انسان کے اگلے پچھلے اعمال اس کے سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن ہر انسان اپنا اعمال نامہ دیکھ لے گا:

۱۔ قیامت کے دن ہر کسی کا نامہ اعمال کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ (بنی اسرائیل:۱۳)
۲۔ جب اعمال نامہ دیا جائے گا ،تو مجرم لوگ اس میں سب کچھ لکھا ہوا پائے گا۔ (الکہف: ۴۹)
۳۔ جس کو نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا ، وہ اس کو پڑھے گا۔ (بنی اسرائیل : ۷۱)
۴۔ جس کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا گیا ، وہ کہے گا آؤ میرا نامہ اعمال پڑھو۔ (الحاقہ :۱۹)
۵۔ جس کو اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا کاش کہ مجھے یہ نامہ اعمال نہ دیا جاتا۔ (الحاقہ :۲۰)
۶۔ جس کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا گیا اس کا حساب آسان ہوگا۔(الانشقاق:۸۔۷)
۷۔ جس کا اعمال نامہ پیٹھ کے پیچھے سے دیا گیا وہ موت کو پکارے گا اور دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔(الانشقاق:۱۰تا۱۲)

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۙ۝۶ الَّذِيْ

اے انسان کس چیز نے دھوکے میں ڈالا تجھے اپنے رب کریم کے بارے میں وہ جس نے

خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ۝۷ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝۸

تجھے پیدا کیا پھر تجھے ٹھیک ٹھاک کیا پھر تجھے متوازن بنایا جس صورت میں اس نے چاہا تجھے جوڑ دیا

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۙ۝۹ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۙ۝۱۰

ہرگز نہیں بلکہ تم جھٹلاتے ہو جزا کو جبکہ بلاشبہ تم پر البتہ نگران ہیں

كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ۝۱۱ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۲

معزز لکھنے والے وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو

”اے انسان کس چیز نے تجھے اپنے کریم رب کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا۔(۶) جس نے تجھے پیدا کیا، تجھے ٹھیک ٹھاک کیا اور تجھے متوازن بنایا۔(۷) اور جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ کر پیدا کیا۔(۸) ہرگز نہیں بلکہ تم لوگ جزا وسزا کو جھٹلاتے ہو۔(۹) معزز لکھنے والے۔(۱۱) جو تمہارے ہر کام کو جانتے ہیں۔“(۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: لوگوں تک ان کے اعمال نامے پہنچنے کے بعد ہر شخص کو ربِ کریم کا خطاب۔

جب تمام لوگوں کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق ان کے دائیں یا بائیں ہاتھ میں اعمال نامے تھما دیئے جائیں گے تو پھر ایک مرحلہ ایسا آئے گا۔ جب ربِ کریم پورے جلال کے ساتھ ان لوگوں کو مخاطب فرمائیں گے۔ جنہوں نے دنیا میں رہتے ہوئے اس کے فرامین سے رُوگردانی کی ہوگی۔ ہر مجرم یہی سمجھے گا کہ رب ذوالجلال صرف مجھے ہی مخاطب کر رہا ہے اس لیے خطاب ہوگا کہ اے مجرم انسان! تجھے اپنے کریم رب کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا تھا۔ نہ تو نے اپنے رب کی کرم نوازیوں کا شکر ادا کیا اور نہ ہی اس کی ناراضگی سے بچنے کی کوشش کی حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا اور جس طرح چاہا تیری شکل وصورت بنائی اور تیرے اعضاء میں توازن پیدا کیا۔ اس کے باوجود تمہارا حال یہ ہے کہ تم قیامت کی تکذیب کرتے ہو اور یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تمہارا حساب وکتاب لینے والا کوئی نہیں ہوگا حالانکہ تم پر نگران مقرر کیے گئے ہیں جو بڑے معزز اور دیانتدار ہیں، وہ تمہاری تمام حرکات وسکنات کو ضبطِ تحریر میں لا رہے ہیں جنہیں قیامت کے دن تمہارے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں توازن پیدا فرمایا ہے۔ انسان کے جسم کا توازن بگڑ جائے تو اس کے لیے اٹھنا اور چلنا محال ہو جاتا ہے۔ جسمانی توازن کا ذکر فرما کر انسان کو سمجھایا ہے کہ تجھے بھی دنیا اور آخرت کے معاملات میں توازن قائم رکھنا چاہیے۔

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَتَعَاقَبُوْنَ فِیْکُمْ مَلَآئِکَۃٌ بِاللَّیْلِ وَمَلَآئِکَۃٌ

بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُوْنَ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِيْنَ بَاتُوْا فِيْكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِيْ فَيَقُوْلُوْنَ تَرَكْنٰهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ وَاَتَيْنٰهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ)) (رواہ البخاری : کتاب مواقیت الصلاۃ ،باب فَضْلِ صَلاَۃِ الْعَصْر)

”حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس رات اور دن باری باری فرشتے آتے ہیں، اور وہ فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں،رات والے فرشتے چلے جاتے ہیں تو ان سے پروردگار سوال کرتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ اوہ جواب دیتے ہیں کہ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو وہ نماز ادا کررہے تھے اور جب ہم ان سے واپس آئے تو وہ نماز ہی کی حالت میں تھے۔

((عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَسَيُكَلِّمُهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ بَيْنَ اللّٰهِ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ ثُمَّ يَنْظُرُ فَلَا يَرٰى شَيْئًا قُدَّامَهُ ثُمَّ يَنْظُرُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَتَسْتَقْبِلُهُ النَّارُ فَمَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَّقِيَ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ......... فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ)) (رواہ البخاری: باب کلام الرب عزوجل یوم القیامة مع الأنبیاء وغیرهم)

”حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر کسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام کرے گا، اللہ اور اس شخص کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا ، پھر وہ دیکھے گا اُس نے کیا عمل کیے ہیں ، آدمی دیکھے گا تو اسکے سامنے آگ ہوگی جو بھی تم میں سے استطاعت رکھتا ہے آگ سے بچنے کی کوشش کرے چاہے کھجور کے ایک ٹکڑے کے ساتھ ...... یہ نہ پائے تو وہ اچھی بات کہے۔“

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہر مجرم کو براہِ راست مخاطب فرمائے گا۔

٢۔ اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کی شکل وصورت بنائی اوراس کے وجود کو مناسب انداز میں جوڑا۔

٣۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر نگران اور کراماً کاتبین مقرر کر رکھے ہیں۔

٤۔ کراماً کاتبین انسان کی تمام حرکات وسکنات کو ضبطِ تحریر میں لاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا فرمایاہے:

١۔ اللہ ہی نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا فرمایا۔ (التین : ٤)

٢۔ ”اللہ“ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ (الروم: ٢٠)٣۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک نطفے سے پیدا کیا۔ (الدھر: ٢)

٤۔ اللہ نے ایک ہی جان سے سب انسانوں کو پیدا کیا۔ (الاعراف:١٨٩)

٥۔ اللہ ہی پیدا کرنے والاہے اور اس کا ہی حکم چلنا چاہیے۔ (الاعراف:٥٤)

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ﴿۱۳﴾ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ﴿۱۴﴾

یقیناً نیک لوگ ضرور نعمت میں ہوں گے اور یقیناً بدکار لوگ ضرور جہنم میں ہوں گے

یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۱۵﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ ﴿۱۶﴾

وہ داخل ہوں گے اس میں دن جزا کے اور نہ وہ اس سے غائب ہوں گے

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَآ

اور کس نے خبر دی آپ کو کیا ہے یوم جزا؟ پھر کس نے

اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۱۸﴾ یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ

خبر دی آپ کو کیا ہے یوم جزا؟ اس دن نہیں اختیار رکھے گا کوئی نفس

لِّنَفْسٍ شَیْـًٔا ؕ وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾

کسی نفس کے لیے کچھ بھی اور حکم اس دن اللہ ہی کا ہوگا

”یقیناً نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے۔(۱۳) اور بے شک بدکار لوگ جہنم میں جائیں گے۔(۱۴) جزا کے دن اس میں داخل ہوں گے۔(۱۵) اور اس سے ہرگز غائب نہیں ہوں گے۔(۱۶) اور تم کیا جانتے ہو کہ جزا کا دن کیا ہے؟(۱۷) ہاں آپ کو کیا خبر کہ جزا کا دن کیا ہے۔(۱۸) اس دن کوئی کسی کے لیے کوئی اختیار نہیں پائے گا۔ اور اس دن صرف ایک اللہ کا حکم چلے گا۔“(۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: انسان جو کچھ کرتا ہے فرشتے اسے اس کے اعمال نامے میں درج کرتے ہیں۔ خوش قسمت انسان اپنے اعمال کی بنیاد پر جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور بدقسمت لوگ اپنے بُرے اعمال کرنے کی وجہ سے جہنم میں سزا پائیں گے۔

پچھلی آیات میں ذکر ہوا کہ انسان جو کچھ کرتا ہے کراماً کاتبین اسے لکھتے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کراماً کاتبیں کو یہ صلاحیت عطا فرمائی کہ وہ نہ صرف انسان کا دن رات میں کیا ہوا ہر عمل ضبطِ تحریر میں لاتے ہیں بلکہ انسان جو عمل جس نیت کے ساتھ کرتا ہے اسے بھی اس کے عمل کے ساتھ درج کر لیتے ہیں۔ جس کا عقیدہ اور عمل ٹھیک ہو گا اُسے جنتِ نعیم میں داخل کیا جائے گا اور جن کا عقیدہ اور عمل بُرے ہونگے انہیں جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ قیامت کے دن سب نے اپنے رب کے حضور اکٹھا ہونا ہے اور کوئی بھی اس سے اپنا کوئی عمل چھپا نہیں سکے گا، یہ جزا کا دن ہوگا۔ جس دن نیکیوں کا کئی گنا اضافہ کے ساتھ بدلہ دیا جائے گا اور بُرے لوگوں کو ان کی برائی کے برابر ہی سزا ہوگی۔ آپ کو کیا معلوم کہ یہ دن کیسا ہو گا؟ اس دن کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہوگا اور صرف اللہ تعالیٰ کا

حکم ہی نافذ العمل ہوگا۔آیت ۱۶ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ کوئی مجرم جہنم سے بھاگ کر غائب نہیں ہو سکے گا۔

((عَنْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَطْوِى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ السَّمٰوَاتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُهُنَّ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ الْجَبَّارُونَ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُونَ ثُمَّ يَطْوِى الأَرَضِينَ بِشِمَالِهِ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ الْجَبَّارُونَ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُونَ))

(رواه مسلم: كتاب صفة القيامة والجنة والنار)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زمینوں اورآسمانوں کو یکجا کر کے اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے فرمائیں گے کہ میں ہی بادشاہ ہوں۔ ظالم وسفاک اورنخوت وغرور رکھنے والے آج کہاں ہیں؟ يَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان پر کراماً کاتبین مقرر کر دیئے ہیں۔

۲۔ انسان جو بھی عمل کرتا ہے کراماً کاتبین اسے من وعن لکھ لیتے ہیں۔

۳۔ قیامت کا دن بڑا بھاری ہوگا۔۴۔قیامت کے دن کوئی شخص بھی اپنا کوئی عمل چھپا نہیں سکے گا۔

۵۔ قیامت کے دن کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور اللہ کا حکم ہی نافذ العمل ہوگا۔

۶۔ نیک لوگ نعمتوں والی جنت میں داخل ہوں گے اور برے لوگوں کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

جنت کی نعمتوں کی ایک جھلک اور جہنم کی ہولناکیوں کا ایک منظر:

۱۔ ہم ان کے دلوں سے کینہ نکال دیں گے اور سب ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے۔انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے۔ (الحجر:۴۷۔۴۸)

۲۔ جس جنت کا مومنوں کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اور اس کے پھل اور سائے ہمیشہ کے لیے ہوں گے۔ (الرعد:۳۵)۳۔مجرم جہنم کے گرجنے برسنے کی آوازیں سنیں گے۔ (الفرقان:۱۲)

۴۔ جنت میں بے خار بیریاں، تہہ بہ تہہ کیلے،لمبا سایہ، چلتا ہوا پانی، اور کثرت سے میوے ہوں گے۔ (الواقعہ:۲۸ تا ۳۰)

۵۔ جنت کے میوے ٹپک رہے ہوں گے۔(الحاقہ:۲۳)۶۔جہنم کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔ (البقرۃ:۲۴)

۷۔ جنت میں وہ سب کچھ ہوگا جس کی جنتی خواہش کرے گا۔ (حٰم السجدۃ:۳۱)

۸۔ جہنم کی آگ بہت زیادہ تیز ہوگی۔ (التوبہ:۸۱) ۹۔جہنم بھرنے کا نام نہیں لے گی۔ (ق:۳۰)

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ۱ اٰيَاتُهَا: ۳۶

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۙ۝۱ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ

ہلاکت ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے وہ لوگ جب وہ ناپ کرتے ہیں لوگوں سے

يَسْتَوْفُوْنَ ۝۲ۡ وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ

پورا لیتے ہیں اور جب وہ انہیں ناپ دیتے ہیں یا انہیں تول کر دیتے ہیں

يُخْسِرُوْنَ ۝۳ؕ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۙ۝۴

تو کم دیتے ہیں کیا نہیں یقین رکھتے یہ لوگ کہ بلاشبہ وہ اٹھائے جائیں گے

لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۙ۝۵ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶ؕ

اس عظیم دن کے لیے جس دن کھڑے ہوں گے لوگ رب العالمین کے لیے

”تباہی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۔(۱) جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں۔(۲) اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔(۳) کیا یہ لوگ نہیں یقین رکھتے۔(۴) کہ وہ ایک بڑے دن کے لیے اُٹھائے جائیں گے۔(۵) اس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔“(۶)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورہ الانفطار اس بات پر ختم ہوئی کہ قیامت کے دن نیکوں اور بُروں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا اور اس دن پورے کا پورا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہوگا۔ قیامت کو جھٹلانے والا شخص نہ صرف اپنے رب سے منہ موڑتا ہے بلکہ وہ لوگوں کے ساتھ بے مروتی بھی اختیار کرتا ہے اور اسی بے مروتی کی وجہ سے لوگوں کے حقوق مارتا ہے۔ اس لیے ”اَلْمُطَفِّفِيْنَ“ کے آغاز میں ماپ تول کے ذریعے لوگوں کے حقوق مارنے سے منع کیا گیا ہے۔

”تطفیف“ کا معنٰی ہے ناپ تول میں کمی بیشی کرنا۔ جب انسان اخلاقی گراوٹ کا شکار ہوجائے اور اس کی حرص حد سے بڑھ جائے تو وہ کمینگی پر اُتر آتا ہے۔ کسی انسان کی کمینگی اور حرص کی انتہا یہ ہے کہ وہ لیتے ہوئے ماپ تول میں زیادہ لے اور دیتے ہوئے اس میں کمی کرے یہ بدترین قسم کا معاشی استحصال ہے اس سے نہ صرف معیشت عدمِ توازن کا شکار ہوتی ہے بلکہ اس سے آپس میں شدید نفرتیں پیدا ہوتی ہیں اور نفرت باہمی جنگ و جدال کا سبب بنتی ہے اس لیے حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا تھا۔

”اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔اس نے کہا اے میری قوم ! اللہ کی عبادت کرو ،اس

کے سوا تمہارا کوئی معبودنہیں اور ماپ، تول میں کمی نہ کرو۔ بے شک میں تمہیں خوشحال دیکھتا ہوں اور بے شک میں تمہارے بارے میں ایک ہمہ گیر عذاب سے ڈرتا ہوں۔اے میری قوم ! انصاف کے ساتھ ماپ تول پورا رکھو۔ لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں دنگا وفساد نہ مچاؤ۔'' (ھود:۸۴،۸۵)

ماپ تول میں کمی یا بیشی کرنے والا شخص عملاً قیامت کے دن کا انکاری ہوتا ہے ،ایسا شخص نہ صرف آخرت میں سزا پائے گا بلکہ بالآخر دنیا میں بھی ذلیل ہوگا۔ اس لیے ارشاد ہوا کہ کیا لوگ نہیں جانتے کہ انہیں ایک بڑے دن سے واسطہ پڑے گا۔ جس دن ہر شخص کو رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونا ہے وہاں یہ شخص اپنے رب اور لوگوں کو کیا منہ دکھائے گا۔ قیامت کے دن کو اس لیے عظیم کہا گیا ہے کیونکہ یہ دن اپنی طوالت کے لحاظ سے پچاس ہزار سال کا ہوگا، اس میں تمام جن وانس کے درمیان فیصلے کیے جائیں گے اور اس دن سب بڑی عدالت قائم ہوگی، اور یہ اپنی ہیبت کے اعتبار سے بڑا بھاری ہوگا۔

﴿یَاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ٥ یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰی وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰی وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ﴾ (الحج: ۱،۲)

''لوگو! اپنے رب سے ڈرو حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑا ہولناک ہے ،اس دن تم دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو پھینک دے گی ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور لوگ تمہیں مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہوگا۔''

((مَا طَفِفَ قَوْمُ الْمِيزَانَ إِلَّا أَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِالسِّنِيْنَ)) (السلسلة الصحيحة البانی : ۱۰۷)

''جو بھی قوم تولنے میں کمی کرتی ہے اللہ تعالیٰ ان پر قحط سالی مسلط فرما دیتا ہے۔''

مسائل

۱۔ ماپ ،تول میں کمی، بیشی کرنے والے کے لیے دنیا میں تباہی اور آخرت میں جہنّم ہے۔
۲۔ ماپ ،تول میں کمی بیشی کرنے والے کا قیامت پر یقین نہیں ہوتا۔
۳۔ قیامت کا دن اپنی طوالت اور سختی کے لحاظ سے بہت بڑا ہوگا۔
۴۔ قیامت کے دن ہر شخص کو رب العالمین کے حضور کھڑا کیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

ماپ ،تول میں کمی ،بیشی کرنے کا گناہ اور اس کی سزا:

۱۔ ماپ کو پورا کرو اور سیدھے ترازو سے تولو۔ (بنی اسرائیل : ۳۵) ۲۔ماپ تول انصاف کے ساتھ کیا کرو۔ (الانعام: ۱۵۲)
۳۔ ماپ تول پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔ (الاعراف: ۸۵) (الشعراء: ۱۸۲) (ھود : ۸۵)

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝٧ وَ مَآ اَدْرٰىكَ

ہرگز نہیں بلاشبہ نامۂ اعمال فاجرلوگوں کو ضرور سجین میں ہے اور کس چیز نے خبر دی آپ کو

مَا سِجِّيْنٌ ۝٨ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝٩ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٠

کیا ہے سجین کتاب لکھی ہوئی ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے

الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝١١ وَ مَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا

وہ جو جھٹلاتے ہیں یوم جزا کو اور نہیں جھٹلاتا اسے مگر

كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝١٢ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ

ہر حد سے گزرنے والا گناہ گار جب تلاوت کی جاتی ہے اس پر ہماری آیات کی وہ کہتا ہے

”ہرگز نہیں یقیناً نافرمانوں کا نامہ اعمال قید خانے کے دفتر میں ہے۔(٧)اور آپ کو کیا معلوم کہ کیا ہے وہ قید خانے کا دفتر۔(٨)وہ لکھی ہوئی کتاب ہے۔(٩) تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔(١٠) جو جزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔(١١) اور اسے وہی جھٹلاتا ہے جو شخص حد سے گزر جانے والا گناہگار ہے۔(١٢)جب اُسے ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے۔

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس دن لوگوں کو رب العالمین کے حضور پیش کیا جائے گا اس دن کے لیے مجرموں کے اعمال ناموں کا اندراج سجّین میں محفوظ ہے۔

دنیا میں بے شمار انسان بالخصوص پیشہ ور مجرم اس طریقے سے جرم کرتے ہیں کہ وہ اپنے جرم کا کوئی نشان باقی نہیں چھوڑتے جس وجہ سے وہ سزا سے بچ جاتے ہیں ایسے لوگوں کو بالخصوص خبردار کیا گیا ہے۔کسی مجرم کا کوئی جرم ایسا نہیں جسے سجّین میں درج نہیں کیا جاتا۔ اے نبی ﷺ! آپ نہیں جانتے کہ وہ سجّین کیا ہے؟ وہ مجرمین کے جرائم کا لکھا ہوا ریکارڈ ہے جو قولاً یا فعلاً قیامت کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔قیامت کو وہی شخص جھٹلاتا ہے جو حدوداللہ سے نکل جانے والا اورگنہگار ہے۔ جب اس کے سامنے ہمارے فرامین پڑھے جاتے ہیں بالخصوص جن میں قیامت کے حساب وکتاب اوراحتساب کا ذکر ہوتا ہے تو وہ اس کا انکار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ قیامت قائم نہیں ہو گی۔ یہ بیان ہونے والی کہانیاں بڑی مدت سے سُن رہے ہیں، ان کے ذریعے محض لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قیامت کو جھٹلانے والوں کے پاس قیامت کے انکار کی کوئی دلیل نہیں مگر اس کے باوجود یہ انکار کرتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے گناہوں کا زنگ ان کے دلوں پر جم چکا ہے جس وجہ سے قیامت کی تکذیب کرتے ہیں۔ ان کے انکار کی ایک سزا یہ ہوگی کہ اپنے رب کے دیدار سے محروم رکھے جائیں گے۔ حالانکہ ربِ کریم کا دیدار جنّت کی نعمتوں سے بھی زیادہ باکمال ،بابرکت اور بے انتہا خوشی کا باعث ہوگا۔ مجرموں کو

اَسَاطِيْرُ	الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾	كَلَّا	بَلْ سكتة	رَانَ	عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	مَّا
کہانیاں ہیں	پہلے لوگوں کی	ہرگز نہیں	بلکہ	زنگ لگا دیا ہے	ان کے دلوں پر	اس نے جو
كَانُوْا	يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾	كَلَّآ	اِنَّهُمْ	عَنْ رَّبِّهِمْ	يَوْمَئِذٍ	
تھے وہ	کماتے	ہرگز نہیں	بلاشبہ وہ	اپنے رب سے	اس دن	
لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾	ثُمَّ	اِنَّهُمْ	لَصَالُوا	الْجَحِيْمِ ﴿۱۶﴾	ثُمَّ	
البتہ اوٹ میں رکھے جائیں گے	پھر	بلاشبہ وہ	ضرور داخل ہوں گے	جہنم میں	پھر	
يُقَالُ	هٰذَا	الَّذِيْ	كُنْتُمْ	بِهٖ	تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۷﴾	
کہا جائے گا	یہ ہے	وہ جو	تھے تم	اس کو	جھٹلاتے	

یہ تو پہلے وقتوں کی کہانیاں ہیں۔(۱۳) ایسا ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں پر ان کے گناہوں کا زنگ چڑھ گیا ہے۔(۱۴) ہرگز نہیں بالیقین اس دن یہ اپنے رب کے دیدار سے محروم رکھے جائیں گے۔(۱۵) پھر یہ جہنم میں ضرور داخل ہوں گے پھر ان سے کہا جائے گا۔(۱۶) کہ یہ وہی ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔"(۱۷)

جہنم میں پھینک کر کہا جائے گا کہ یہ وہ جہنم اور قیامت کا دن ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔

((عَنْ صُهَيْبٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى تُرِيْدُوْنَ شَيْئًا اَزِيْدُكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ اَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا اَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَ تُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ قَالَ فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ فَمَا اُعْطُوْا شَيْئًا اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ اِلٰى رَبِّهِمْ عَزَّوَجَلَّ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾)) (رواه مسلم: كتا ب الإيمان، باب إثبات رؤية المؤمنين فى الآخرة ربهم سبحانه)

"حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تم مزید کوئی نعمت چاہتے ہو جو تمہیں عطا کروں؟ وہ عرض کریں گے اے اللہ! کیا آپ نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں فرمایا؟ آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا؟ اور آپ نے ہمیں دوزخ سے نہیں بچایا؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تب اللہ تعالیٰ اپنے نور کا پردہ اٹھائیں گے۔ جنتیوں کو ایسی کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی ہوگی جو پروردگار کے دیدار سے انہیں زیادہ محبوب ہو، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی "جن لوگوں نے اچھے عمل کیے ان کے لیے جنت ہے اور مزید بھی۔"

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيئَةً نُكِتَتْ فِي قَلْبِهٖ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهٗ وَإِنْ عَادَ زِيدَ فِيهَا حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهٗ

وَھُوَ الرَّانُ الَّذِيْ ذَکَرَ اللّٰہُ ﴿ کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ﴾))

(رواہ الترمذی : کتاب تفسیر القرآن)

”ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: بندہ کوئی غلطی کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے جب وہ گناہ چھوڑ دے اور توبہ و استغفار کرے تو اس کا دل پالش ہوجاتا ہے۔ اگر وہ دوبارہ گناہ کی طرف پلٹے تو اس گناہ کی سیاہی اس کے دل پر چڑھ جاتی ہے یہی وہ زنگ ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے کہ﴿ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے گناہوں کی وجہ سے زنگ چڑھ چکا ہے۔﴾“

مسائل

۱۔ جہنّمیوں کے نام اور کام سجّین میں لکھے جاتے ہیں جو ایک کھلی کتاب ہے۔
۲۔ قیامت کو جھٹلانے والوں کے لیے اس دن ہلاکت اور بربادی ہوگی۔
۳۔ قیامت کو جھٹلانے والا حد سے زیادہ گنہگار اور مجرم ہوتا ہے۔
۴۔ قیامت کو جھٹلانے والے قیامت کے دلائل کو پہلے لوگوں کی کہانیاں قرار دیتے ہیں۔
۵۔ لوگوں کے دلوں پر ان کے گناہوں کا زنگ چڑھ جاتا ہے۔
۶۔ قیامت کی تکذیب کرنے والے ربِ کریم کے دیدار سے محروم ہوں گے۔
۷۔ قیامت کو جھٹلانے والوں کو جہنّم میں پھینک کر کہا جائے گا کہ یہی قیامت کا دن اور جہنّم ہے جن کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

تفسیر بالقرآن

جہنّمیوں کا انجام:

۱۔ اس دن ہم ان کا مال جہنّم کی آگ میں گرم کریں گے اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں، کروٹوں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ (التوبہ:۳۵)
۲۔ ان کا ٹھکانہ جہنّم ہے جب وہ ہلکی ہونے لگے گی تو ہم اسے مزید بھڑکائیں گے۔ (بنی اسرائیل:۹۷)
۳۔ تھور کا درخت گنہگاروں کا کھانا ہوگا۔ (الدخان:۴۳)
۴۔ اس میں وہ کھولتا ہوا پانی پییں گے اور اس طرح پییں گے جس طرح پیاسا اونٹ پیتا ہے۔ (الواقعہ:۵۴تا۵۵)
۵۔ ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کی ہے جو انہیں گھیرے ہوئے ہوگی اور انہیں پانی کی جگہ پگھلا ہوا تانبا دیا جائے گا جو ان کے چہروں کو جلا دے گا۔ (الکھف:۲۹) ۶۔ جہنّمیوں کو پیپ اور لہو پلایا جائے گا۔ (ابراہیم:۱۶)
۷۔ جہنّمیوں کے جسم بار بار بدلے جائیں گے تاکہ انہیں پوری پوری سزا دی جائے۔ (النساء:۵۶)

كَلَّآ	اِنَّ	كِتٰبَ	الْاَبْرَارِ	لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿١٨﴾	وَ	مَآ	اَدْرٰىكَ
ہرگز نہیں	بلاشبہ	نامۂ اعمال	نیک لوگوں کا	ضرور علیین میں ہوگا	اور	کیا	خبر آپ کو

مَا	عِلِّيُّوْنَ ﴿١٩﴾	كِتٰبٌ	مَّرْقُوْمٌ ﴿٢٠﴾	يَّشْهَدُهُ	الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢١﴾	اِنَّ
کیا ہے	علیّین	کتاب	لکھی ہوئی	حاضر ہوتے ہیں اس پر	مقرب فرشتے	بلاشبہ

الْاَبْرَارَ	لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿٢٢﴾	عَلَى الْاَرَآئِكِ	يَنْظُرُوْنَ ﴿٢٣﴾	تَعْرِفُ	فِيْ وُجُوْهِهِمْ
نیک لوگ	البتہ نعمت میں ہوں گے	صوفوں پر بیٹھے	دیکھ رہے ہوں گے	آپ پہچانیں گے	ان کے چہروں میں

ہرگز نہیں بے شک نیک لوگوں کا نامہ اعمال اعلیٰ لوگوں کے دفتر میں ہے۔(۱۸)اور تمہیں کیا خبر کہ کیا ہے وہ اعلیٰ لوگوں کا دفتر۔(۱۹)یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔(۲۰) جس کی نگہداشت مقرب فرشتے کرتے ہیں۔(۲۱) بے شک نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے۔(۲۲) اونچی مسندوں پر بیٹھے جنّت کے نظارے کر رہے ہوں گے۔(۲۳) آپ ان کے چہروں پر

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنّمیوں کا انجام ذکر کرنے کے بعد نیک لوگوں کے انجام اور انعام کا ذکر۔

سجّین کے مقابلے میں جنّت میں جانے والے خوش نصیبوں کا نام علیّین میں درج کیا جاتا ہے۔اے پیغمبر ﷺ! آپ نہیں جانتے کہ علیّین کیا ہے ؟ یہ بھی ایک دفتر ہے جس میں جنّتیوں کے نام اوران کے اعمال کا اندراج کیا جاتا ہے، جس کی نگرانی اللہ کے مقرب ترین فرشتے کرتے ہیں جو اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ خود کرتے ہیں اور نہ ہونے دیتے ہیں۔جن لوگوں کا علیّین میں نام لکھا جائے گا وہ نیکوکار لوگ ہیں جنہیں جنّت میں داخل کیا جائے گا وہ شاندار تختوں پر بیٹھے جنّت کا نظارہ کریں گے۔آپ ان کے چہروں پر جنّت کی نعمتوں کے اثرات دیکھیں گے انہیں پیک شدہ (Sealed) شراب پلائی جائے گی جس پر بے مثال قسم کی خوشبو کی مہر ثبت ہوگی اس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ یہ جنّت میں پانی کا ایسا چشمہ ہے جس کے پانی کو شراب کے ساتھ ملا کر اللہ کے مقرب بندے پئیں گے، جولوگ اپنے رب کی نعمتوں کا شوق اور ذوق رکھتے ہیں انہیں جنّت اوراس کی نعمتوں کے حصول کے لیے کوشش تیز کردینی چاہیے۔ ان آیات میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ جس طرح مجرموں کی ہر حرکت سجّین میں اندراج کی جاتی ہے اسی طرح ہی نیک لوگوں کا چھوٹا بڑا عمل علیّین میں درج کیا جاتا ہے اور یہ جنّتیوں کے ناموں کا دفتر ہے جس کا نام علیّین ہے جوساتویں آسمان کے اوپر ہے اوراس کی حفاظت اللہ کے مقرب ترین فرشتے کرتے ہیں۔

مسائل

۱۔ ’’اللہ‘‘ کے نیک بندوں کے نام اور کام علیین میں لکھے جاتے ہیں۔

نَضْرَةَ	النَّعِيْمِ ﴿٢٤﴾	يُسْقَوْنَ	مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿٢٥﴾	خِتٰمُهٗ	مِسْكٌ	وَ
تازگی	نعمت کی	وہ پلائے جائیں گے	مہر لگی ہوئی شراب سے	اس کی مہر ہوگی	کستوری	اور

فِيْ ذٰلِكَ	فَلْيَتَنَافَسِ	الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿٢٦﴾	وَمِزَاجُهٗ	مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿٢٧﴾
اسی میں	لہٰذا چاہیے رغبت کریں	رغبت کرنے والے	اور اس کی ملاوٹ	تسنیم سے ہوگی

عَيْنًا	يَّشْرَبُ	بِهَا	الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢٨﴾
ایک چشمہ	پئیں گے	اس میں سے	مقرب بندے

تازگی اور نعمت کے آثار دیکھیں گے۔ (۲۴) ان کو نفیس ترین مہر شدہ شراب پلائی جائے گی۔ (۲۵) جس پر خوشبو کی مہر لگی ہوگی، جو لوگ دوسروں سے بازی لے جانا چاہتے ہیں انہیں بازی لے جانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ (۲۶) اس شراب میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ (۲۷) یہ ایک چشمہ ہے جس کے پانی کے ساتھ ملا کر مقرب لوگ شراب پئیں گے۔'' (۲۸)

۲۔ علیین ایک دفتر ہے جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین فرشتے کرتے ہیں۔
۳۔ جنتی لوگ جنّت کے تختوں اور تکیوں پر بیٹھ کر جنّت کے نظارے کریں گے۔
۴۔ جنّتیوں کے چہروں پر جنّت کی نعمتوں کے اثرات نمایاں طور پر دکھائی دیں گے۔
۵۔ جنّتیوں کو مہر بند شراب دی جائے گی جس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔
۶۔ تسنیم جنّت کے چشموں میں سے ایک چشمے کا نام ہے جس سے اللہ کے مقرب بندے سیر یاب ہوں گے۔
۷۔ جنّت کی نعمتوں کا شوق رکھنے والوں کو اس کے لیے رغبت اور محنت کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

جنّتیوں اور جہنّمیوں کے چہرے میں فرق:

۱۔ متقین کے چہرے ہشاش بشاش ہوں گے۔ (یونس: ۲۶۔۲۷)
۲۔ قیامت کے دن نیک لوگوں کے چہروں پر ذلّت اور نحوست نہیں ہوگی اور وہ جنّت میں قیام کریں گے۔ (یونس: ۲۶)
۳۔ مومنوں کے چہرے تروتازہ ہوں گے۔ (الغاشیہ: ۸) ۴۔ مومنوں کے چہرے خوش وخرم ہوں گے۔ (عبس: ۳۸)
۵۔ مومنوں کے چہرے تروتازہ ہوں گے۔ (القیامہ: ۲۲) ۶۔ مومنوں کا استقبال ہوگا۔ (الزمر: ۷۳)
۷۔ بُرے لوگوں کے چہروں پر ذلّت چھائی ہوگی انہیں اللہ سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ (یونس: ۲۷)
۸۔ کفّار کے چہرے بگڑے ہوں ہوگے۔ (الحج: ۷۳) ۹۔ کفّار کے چہروں پر گردوغبار ہوگا۔ (عبس: ۴۰)
۱۰۔ کفّار کے چہرے مرجھائے اور اُڑے ہوئے ہوں گے۔ (القیامہ: ۲۴)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	اَجْرَمُوْا	كَانُوْا	مِنَ الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	يَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾
بلاشبہ	وہ لوگ جنہوں نے	جرم کیے	تھے وہ	ان لوگوں پر جو	ایمان لائے	ہنستے

وَ	اِذَا	مَرُّوْا	بِهِمْ	يَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾	وَ	اِذَا
اور	جب	وہ گزرتے تھے	ان کے پاس سے	آپس میں آنکھوں سے اشارہ کرتے تھے	اور	جب

انْقَلَبُوْٓا	اِلٰٓى اَهْلِهِمُ	انْقَلَبُوْا	فَكِهِيْنَ ﴿۳۱﴾	وَ	اِذَا	رَاَوْهُمْ
وہ پلٹتے تھے	اپنے اہل کی طرف	لوٹتے ہیں	دل لگی کرتے ہوئے	اور	جب	وہ دیکھتے تھے ان کو

قَالُوْٓا	اِنَّ	هٰٓؤُلَاۗءِ	لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾	وَمَآ	اُرْسِلُوْا	عَلَيْهِمْ	حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾
تو کہتے تھے	بلاشبہ	یہ لوگ	ضرور گمراہ ہیں	حالانکہ نہیں وہ	بھیجے گئے تھے	ان پر	نگران بنا کر

”مجرم لوگ دنیا میں ایمان لانے والوں کا مذاق اڑاتے تھے۔(۲۹) جب ان کے قریب سے گزرتے تو ان کی طرف آنکھوں سے اشارے کیا کرتے تھے۔(۳۰) اپنے گھر والوں کی طرف پلٹتے تو مزے لیتے ہوئے پلٹتے تھے۔(۳۱) اور جب نیک لوگوں کو دیکھتے تو کہتے تھے کہ بلاشبہ یہ گمراہ لوگ ہیں۔(۳۲) حالانکہ وہ نیک لوگوں پر نگران نہیں بنائے گئے تھے۔(۳۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنمیوں کی جہنم میں جانے کی ایک وجہ اوران کی حالتِ زار پر جنّتیوں کا خوش ہونا۔

جہنّمیوں کے جرائم میں یہ جرم بھی شامل ہوگا کہ دنیا میں انہیں اللہ کے عذاب اورقیامت سے ڈرایا جاتا تو وہ انبیائے کرام علیہم السلام اورایمانداروں کو مذاق کیا کرتے تھے۔جب نیک لوگوں کے پاس سے گزرتے تو اپنی آنکھوں اور ہاتھوں سے ان کی طرف اشارے کرتے تھے۔ انبیاء اوران کے ساتھی اپنی کمزوری یا شرافت کی وجہ سے ان کے بیہودہ اشاروں کا جواب نہ دیتے تو مذاق اُڑانے والے مزید تکبر کا شکار ہوجاتے اوراپنے دوست واحباب اور اہلِ خانہ کے پاس جا کراس بات پر اتراتے کہ ہم نے آج ایمان کے دعویداروں کو بہت زِچ کیا ہے۔گمراہ لوگ اپنے دوست واحباب میں بیٹھ کر کہتے کہ یہ لوگ باپ دادا کا دین اور اپنی قومی روایات کو چھوڑ کر گمراہ ہوگئے ہیں۔مجرم یہ دعویٰ اور باتیں اس انداز میں اورتکرار کے ساتھ کرتے جیسا کہ یہ مومنوں پرنگران مقرر کیے گئے تھے۔ ان کی یاوہ گوئی اور بے ہودہ حرکات کا نتیجہ ہوگا کہ قیامت کے دن جنّتی کفارکو مذاق کریں گے اور جنّت کے تختوں پر بیٹھ کر ان کی سزاؤں کا منظر دیکھیں گے اورآپس میں کہیں گے کہ آج کفار کو ان کے بُرے اعمال کی پوری پوری سزا مل رہی ہے۔ ان آیات میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ گناہگار اور جرائم پیشہ لوگ خود گمراہ ہونے کے باوجود نیک لوگوں کو گمراہ اورحقیر سمجھتے ہیں۔

”منکرین حق جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں، کہتے ہیں کیا یہ شخص ہے جوتمہارے خداؤں کا تذکرہ کرتا ہے؟اور ان کا اپنا حال یہ ہے کہ الرحمان کے ذکر کے منکر ہیں۔“ (الانبیاء:۳۶)

فَالْيَوْمَ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	مِنَ الْكُفَّارِ	يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾	عَلَى الْاَرَآئِكِ
چنانچہ آج	جو لوگ	ایمان لائے	کافروں پر	ہنس رہے ہوں گے	صوفوں پر
يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾	هَلْ	ثُوِّبَ	الْكُفَّارُ	مَا كَانُوْا	يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾
دیکھ رہے ہوں گے	کیا	بدلہ دیے گئے	کافر	اس کا جو تھے وہ	کرتے

آج ایمان لانے والے کفار پر ہنس رہے ہیں۔(۳۴) مسندوں پر بیٹھے ہوئے انہیں دیکھ رہے ہیں۔(۳۵) کفار کو ان کی حرکتوں کا صلہ مل گیا جو حرکتیں وہ کیا کرتے تھے۔‘‘(۳۶)

’’جب کافر لوگ نصیحت سنتے ہیں تو تمہیں ڈراونی نظروں سے دیکھتے ہیں کہ گویا تمہارے قدم اُکھاڑ دیں گے اور کہتے ہیں کہ یہ تو دیوانہ ہے۔‘‘(القلم:۵۱)

﴿وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ﴾ (الانعام: ۵۳)

’’اور اسی طرح ہم نے ان کے بعض کو بعض کے ساتھ آزمائش میں مبتلا کیا تاکہ وہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے احسان کیا ہے؟ کیا اللہ شکر کرنے والوں کو پوری طرح نہیں جانتا؟‘‘

مسائل

۱۔ جہنّم میں جانے والے لوگ انبیائے کرام اور ایمانداروں کو استہزاء کا نشانہ بناتے تھے۔
۲۔ جہنّم میں جانے والے لوگ نیک لوگوں کو گمراہ خیال کرتے تھے۔
۳۔ تکبر کرنے والے لوگ جہنمی ہوتے ہیں۔۴۔ جنّتی حضرات جنّت میں بیٹھ کر جہنّم میں جلنے والوں کو مذاق کریں گے۔
۵۔ جہنّمیوں کو جہنّم میں ان کے اعمال کی پوری پوری سزا دی جائے گی۔

تفسیر بالقرآن

بُرے لوگوں کا انبیاء علیہم السلام اور نیک لوگوں کو استہزا کرنا:

۱۔ جب حضرت نوح کی قوم کے لوگ ان کے پاس سے گذرتے تھے تو ان سے مذاق کرتے تھے۔(ہود:۳۸)
۲۔ یہ مذاق کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے مذاق کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔(التوبہ:۷۹)
۳۔ جب وہ ہماری نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق کرتے ہیں۔(الصّٰفّٰت:۱۴)
۴۔ جب بھی ان کے پاس رسول آیا تو وہ اُس کا مذاق اُڑاتے ہیں۔(الحجر:۱۱)
۵۔ ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا مگر وہ اس کے ساتھ استہزاء کرتے تھے۔(الزخرف:۷)
۶۔ لوگوں پر افسوس ہے کہ ان کے پاس جب کبھی رسول آیا تو انہوں نے ان کے ساتھ استہزاء کیا۔(یٰس:۳۰)

سورۃ الانشقاق کا تعارف

الانشقاق کا لفظ اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے یہ سورت بھی مکہ میں نازل ہوئی اس کی پچیس آیات ہیں جنہیں ایک رکوع شمار کیا گیا ہے۔ اس میں قیامت کے ابتدائی مراحل کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ اس دن آسمان کو پھٹ جانے کا حکم ہوگا اور آسمان پھٹ جائے گا کیونکہ اس کے یہی لائق ہے کہ وہ اپنے رب کا حکم تسلیم کرے اسی طرح زمین کو حکم ہوگا کہ وہ چٹیل میدان بن جائے زمین چٹیل میدان بن جائے گی اس لیے کہ اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے۔ اس کے بعد محشر کا میدان لگے گا جس میں بہت سے لوگوں کو ان کے دائیں ہاتھ میں ان کے اعمال نامے دیئے جائیں گے جس کو اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا وہ خوش ہو کر اپنے عزیز واقرباء کے پاس جائے گا اور سمجھ جائے گا کہ میرا حساب آسان ہوگا۔ ان کے مقابلے میں جن لوگوں کو ان کی پیٹھ کی طرف سے اعمال نامہ دیا گیا وہ اپنی موت کو پکارے گا لیکن اُسے موت نہیں آئے گی، اُسے جہنم میں پھینکا جائے گا کیونکہ یہ سمجھتا تھا کہ اُسے دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اسے حساب وکتاب دینا پڑے گا اس کے بعد تین قسمیں اُٹھا کر بتلایا ہے کہ ہر انسان ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلے میں داخل ہوتا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ بالآخر انسان پر وہ مرحلہ بھی آئے گا جب اسے حساب وکتاب کے لیے اپنے رب کے حضور پیش کیا جائے گا۔ جس کی تفسیر قرآن مجید نے بتلا دی ہے مگر قیامت کا انکار کرنے والوں کی حالت یہ ہے کہ وہ قرآن پر ایمان لانے اور اپنے رب کے حضور جھکنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں کے لیے عذاب کی خوشخبری کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔ ان کے مقابلے میں وہ لوگ جو قیامت پر ایمان لاتے ہیں اور اس دن کے لیے اپنے آپ کو تیار کرتے ہیں ان کے لیے ایسا اجر ہوگا جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

سورۃ البروج کا تعارف

یہ سورت مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس کا ایک رکوع ہے جو بائیس آیات کا احاطہ کرتا ہے اس کا نام اس کی پہلی آیت میں موجود ہے۔ اس میں اصحاب الاخدود کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے جن پر اس لیے ظلم کیا گیا کہ وہ اپنے ''اللہ'' پر ایمان لائے تھے جو بڑا غالب اور لائق تعریف ہے۔ جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں پر ظلم کیا اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو ان کے لئے جلا دینے والا عذاب ہوگا۔ جنہوں نے ایمان کی خاطر ظلم برداشت کیا اُن کے لیے جنت ہوگی جو اُن کے لیے بڑی کامیابی ہوگی۔ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی پہلی اور دوسری بار پیدا کرنے والا ہے جو معاف فرمانے والا اور نیک لوگوں سے محبت کرنے والا ہے۔ البتہ وہ ظالموں کے لیے بڑا سخت ہے جو اس کی سختی کا اندازہ لگانا چاہیں اُنہیں فرعون، ثمود اور اس قسم کے لوگوں کے انجام پر غور کرنا چاہیے۔

سُورَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ١ اٰيَاتُهَا: ٢٥

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿١﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿٢﴾

جب آسمان پھٹ جائے گا اور وہ حکم مانے گا اپنے رب کا اور یہی اس کے لائق ہے

وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿٣﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا

اور جب زمین پھیلا دی جائے گی اور وہ اُلٹ دے گی جو کچھ اس میں ہے

وَتَخَلَّتْ ﴿٤﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿٥﴾ يٰاَيُّهَا

اور وہ خالی ہو جائے گی اور وہ حکم مانے گی اپنے رب کا اور یہی اس کے لائق ہے اے

الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ﴿٦﴾

انسان بلاشبہ تو محنت کر رہا ہے اپنے رب کی طرف محنت کرنا بالآخر تو اس سے ملنے والا ہے

”جب آسمان اپنے رب کے حکم سے پھٹ جائے گا۔(١) اور اس کے لیے یہی لازم ہے کہ اپنے رب کا حکم مانے۔(٢) اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔(٣) اور جو کچھ اس میں ہے اسے باہر پھینک دی گی اور خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے گی ۔(٤) اور اس کے لیے یہی لائق ہے ۔(٥) اے انسان ! تو اپنے رب کی طرف جانے کے لیے محنت میں لگا ہوا ہے اور اس سے ملنے والا ہے۔“(٦)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورت ”اَلْمُطَفِّفِيْنَ“ کا اختتام اس بات پر ہوا کہ جو لوگ قیامت پر ایمان لانے اور حق بات قبول کرنے کی وجہ سے ایمانداروں کو مذاق کرتے ہیں وہ کافر ہیں ۔قیامت کے دن انہیں ان کے اعمال کی پوری پوری سزا دی جائے گی۔کفار جس قیامت کا انکار کرتے ہیں اس کی ابتدا اس طرح ہوگی۔

جونہی اسرافیل صور پھونکے گا تو آسمان پھٹ جائے گا اور اسے اس کے رب کا یہی حکم ہوگا جس پر عمل پیرا ہونا آسمان پر رب تعالیٰ کا حق ہے ۔ زمین مسلسل زلزلوں کی وجہ سے ہر چیز باہر پھینک دے گی اور اس کا پیٹ خالی ہو جائے گا اور اسے بالکل برابر کر دیا جائے گا ،اسے بھی اس کے رب کا یہی حکم ہوگا اور ایسا کرنا اس پر اس کے رب کا حق ہے کیونکہ زمین و آسمانوں کو صرف اسی نے ہی پیدا کیا ہے مخلوق ہونے کا تقاضا ہے کہ دونوں اپنے رب کے حکم کی تعمیل کریں۔ یہاں ربِ ذوالجلال نے اپنے لیے ”اللّٰہ“ کا لفظ استعمال کرنے کی بجائے دونوں مرتبہ رب کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ رب کا معنیٰ خالق ،مالک،رازق اور بادشاہ ہے اس میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ زمین و آسمانوں کو یہ معلوم ہے کہ ہمیں پیدا

کرنے والا صرف ''اللہ'' ہے جو ہمارا خالق اور مالک ہے اس لیے ہمیں ہر حال میں اس کا حکم ماننا چاہیے اس کا حکم ماننا ہم پر فرض ہے کیونکہ ہمارے پیدا کرنے والے کا ہم پر حق ہے ۔ یہ الفاظ لا کر ہر انسان کو سمجھایا گیا ہے کہ اے انسان! تجھے بھی اپنے رب کا حکم ماننا چاہیے کیونکہ وہی تیرا خالق ، رازق اور حقیقی مالک ہے تجھے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ تو اپنے رب کے حضور پہنچنے کے لیے کوشش کرتا ہے جس کے نتیجے میں تو اس سے ضرور ملاقات کرے گا۔اس کوشش میں انسان کی شعوری اور غیر شعوری ہر قسم کی کوشش شامل ہے ۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے اور قیامت پر یقین کرنے والے لوگ شعوری طور پر کوشش کرتے ہیں کہ ہم اپنے رب کے احکام کی تعمیل کریں کیونکہ ہم نے اس کے حضور پیش ہونا ہے اس لیے وہ اس کیلئے کوشش کرتے ہیں تا کہ اپنے رب کے حضور حاضر ہوں تو ان کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے اور ان کا رب ان پر راضی ہو جائے ان کے مقابلے میں وہ لوگ ہیں جو زندگی بھر دنیا کے پیچھے لگے رہتے ہیں اورانہیں اپنے رب کی ملاقات کی کوئی فکر نہیں ہوتی حالانکہ غیر شعوری طور پر وہ بھی اسی راہ کے راہی ہیں اور بالآخر وہ بھی اپنے رب کے حضور پیش ہونے والے ہیں۔قیامت کے دن زمین ان کیلئے اپنے پیٹ سے ہر چیز باہر نکال دے گی اور جو کچھ اس کے سینے میں راز ہیں وہ اُگل دے گی، اسے دوسرے مقام پر یوں بیان کیا گیا ہے۔

''جب زمین پوری شدت کے ساتھ ہلادی جائے گی اور زمین اپنے اندر کے بوجھ نکال کر باہر پھینک دے گی اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے؟اس دن زمین اپنے حالات بیان کرے گی کیونکہ آپ کے رب نے اسے ایسا کرنے کا حکم دیا ہو گا۔'' (الزلزال:۵)

مسائل

۱۔ آسمان پھٹ جائے گا اورزمین ہموار ہو جائے گی کیونکہ ایسا کرنا ان کے لیے لازم ہے ۔
۲۔ زمین سب کچھ نکال باہر کرے گی کیونکہ اسے اس کے رب کی طرف سے یہی حکم ہوگا۔
۳۔ ہر انسان شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے رب کے حضور پیش ہونے کے لیے آگے بڑھا جارہا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن زمین وآسمانوں کا ایک منظر:

۱۔ اس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور زمین چٹیل میدان ہوگی ۔(الکھف:۴۷)
۲۔ اس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی طرح ہوجائیں گے ۔(المزمل:۱۴)
۳۔ زمین وآسمانوں پر قیامت بھاری ہوگی ۔ (الاعراف: ۱۸۷) ۴۔زمین کو ہلا کر تہہ و بالا کر دیا جائے گا ۔ (واقعہ:۳ ،۴)
۵۔جب زمین کو ہلا دیا جائے گا پوری طرح ہلا دیا جانا۔ (الزلزال :۱) ۶۔ جب واقعہ ہوگی واقعہ ہونے والی ۔ (الواقعہ:۱)
۷۔ لوگو! اپنے رب سے ڈر جاؤ قیامت کا زلزلہ بہت سخت ہے ۔ (الحج:۱)

فَاَمَّا	مَنْ	اُوْتِیَ	كِتٰبَهٗ	بِیَمِیْنِهٖ ﴿۷﴾	فَسَوْفَ	یُحَاسَبُ
پھر	وہ شخص	جو دیا گیا	اپنا اعمال نامہ	اپنے دائیں ہاتھ میں	تو عنقریب	اس سے حساب لیا جائے گا
حِسَابًا	یَّسِیْرًا ﴿۸﴾	وَّیَنْقَلِبُ	اِلٰۤى اَهْلِهٖ	مَسْرُوْرًا ﴿۹﴾	وَاَمَّا	
حساب	آسان	اور وہ لوٹے گا	اپنے اہل کی طرف	خوشی ،خوشی	اور رہا	
مَنْ	اُوْتِیَ	كِتٰبَهٗ	وَرَآءَ	ظَهْرِهٖ ﴿۱۰﴾	فَسَوْفَ	یَدْعُوْا
وہ شخص	جو دیا گیا	اپنا اعمال نامہ	پیچھے	اپنی پیٹھ کے	تو ضرور	وہ بُلائے گا
ثُبُوْرًا ﴿۱۱﴾	وَّیَصْلٰى	سَعِیْرًا ﴿۱۲﴾				
ہلاکت کو	اور وہ داخل ہو گا	بھڑکتی آگ میں				

’’پھر جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا۔(۷)اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔(۸) اور وہ اپنے اہل و عیال کی طرف خوش خوش پلٹے گا۔(۹) اور جس شخص کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔(۱۰) وہ ہلاکت کو بُلائے گا۔(۱۱)اور بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل کیا جائے گا۔‘‘(۱۲)

فہم القرآن

ربطِ کلام: انسان جب اپنے رب کے حضور پیش کیا جائے گا تو اس وقت اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں یا بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ہر انسان اپنے اعمال نامے کے مطابق اپنے ردِعمل کا اظہار کرے گا۔

جس شخص کو اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا اس سے آسان حساب لیا جائے گا اوروہ اپنے اہلِ خانہ کے پاس خوش وخرم جا کر کہے گا کہ یہ میرا اعمال نامہ ہے اس کے بارے میں مجھے پہلے سے یقین تھا کہ مجھے میرا حساب ملنے والا ہے وہ بڑی عیش کی زندگی میں ہوگا اوراسے جنّت عالیہ میں داخل کیا جائے گا۔(الحاقۃ:۱۹تا۲۲) اورجس کو اس کے پیچھے سے اعمال نامہ دیا گیا وہ اپنی موت کو آواز دے گا لیکن اسے موت نہیں آئے گی اوراسے جہنّم میں داخل کیا جائے گا۔ان آیات میں ثابت کیا گیا ہے کہ اعمال نامے ملنے پر دونوں فریق اپنا اپنا ردِعمل ظاہر کریں جنہیں دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ وہ سمجھ جائیں گے کہ ہمارا حساب نہایت آسان ہوگا اورجنہیں ان کی پشت کی طرف سے اعمال نامہ دیا جائے گا وہ سمجھے گا کہ میں تباہی کے گھاٹ اترنے والا ہوں۔جن کا آسان حساب ہوگا ان کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ انہیں ہلکی پُھلکی پوچھ گچھ کے بعدجنّت میں داخل کیا جائے گا اورجس سے اس کے اعمال نامے کے بارے میں پوچھ گچھ شروع ہوگئی وہ مارا جائے گا۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَیْسَ اَحَدٌ یُحَاسَبُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلَّا هَلَكَ قُلْتُ اَوَلَیْسَ یَقُوْلُ اللّٰهُ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا فَقَالَ اِنَّمَا ذٰلِكَ الْعَرْضُ وَلٰكِنْ مَّنْ نُوْقِشَ فِی الْحِسَابِ یَهْلِكُ)) (رواه البخاری : باب مَنْ سَمِعَ شَیْئًا فَرَاجَعَ حَتّٰی یَعْرِفَهُ)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جس سے حساب لے لیا گیا وہ ہلاک ہوا۔ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول ! کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں؟ کہ''عنقریب اس کا آسان حساب ہوگا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو معمولی پیشی ہے۔جس شخص سے باز پرس ہوئی وہ ہلاک ہوگیا۔''

مسائل

۱۔ جسے اس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا گیا اس کا حساب آسان ہوگا اور وہ اپنے اہل وعیال کے پاس خوش وخرم آئے گا۔

۲۔ جس کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کی طرف سے دیا گیا وہ اپنی موت کو پکارے گا اوراسے جہنّم میں داخل کیا جائے گا۔

تفسیر بالقرآن

جنّتیوں اور جہنّمیوں کے درمیان فرق:

۱۔ جب فرشتے نیک لوگوں کی روحیں قبض کرتے ہیں تو کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو۔ (النحل:۳۲)

۲۔ حکم ہوگا کہ جنّت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ (ق:۳۴)

۳۔ کاش آپ دیکھیں جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے وقت ان کے منہ اور پیٹھوں پر ماریں گے۔ (الانفال:۵۰)

۴۔ اس وقت دیکھیں جب ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے ہاتھ بڑھا کر کہیں گے اپنی جان نکالو۔ آج تمہیں رسوا کن عذاب سے دوچار کیا جائے گا۔(الانعام:۹۴)

۵۔ کفار کے چہرے بگڑے ہوئے ہوں گے۔(الحج:۷۳)۶۔مومنوں کے چہرے تروتازہ ہوں گے ۔(القیامہ:۲۲)

۷۔ جہنّمیوں کو آگ کے ستونوں سے باندھ دیا جائے گا۔ (ہمزہ: ۹۰)

۸۔ جہنّمیوں کو پیپ اورلہو پلایا جائے گا۔ (ابراہیم:۱۶) ۹۔کھولتے ہوئے چشمے سے انھیں پانی پلایا جائے گا۔ (الغاشیہ: ۵)

۱۰۔ جنّتی جنّت میں جو چاہیں گے وہ پائیں گے۔(الانبیاء:۱۰۲)

۱۱۔ ملائکہ جنّتیوں کو سلام کہتے ہوئے کہیں گے کہ جنّت کے دروازوں سے جنّت میں داخل ہوجاؤ۔ (الرعد : ۲۳،۲۴)

اِنَّهٗ	كَانَ	فِيْٓ اَهْلِهٖ	مَسْرُوْرًا ﴿۱۳﴾	اِنَّهٗ	ظَنَّ	اَنْ لَّنْ
بلاشبہ وہ	تھا	اپنے اہل میں	خوش	بلاشبہ اس نے	سمجھا تھا	کہ ہرگز نہیں
يَّحُوْرَ ﴿۱۴﴾	بَلٰٓى	اِنَّ	رَبَّهٗ	كَانَ	بِهٖ	بَصِيْرًا ﴿۱۵﴾
وہ لوٹ کر جائے گا	کیوں نہیں	بلاشبہ	اس کا رب	تھا	اس کو	خوب دیکھنے والا

''وہ اپنے گھر والوں میں خوش تھا۔(۱۳) اس نے سمجھا تھا کہ وہ کبھی لوٹ کر نہیں جائے گا۔(۱۴) کیوں نہیں اس کا رب اس کے اعمال دیکھ رہا تھا۔''(۱۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جن لوگوں کو ان کی پیٹھ کی طرف سے ان کا اعمال نامہ دیا جائے گا ان کی دنیا میں حالت یہ تھی کہ وہ اپنے اہل وعیال میں خوش باش تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ انہیں اپنے رب کے ہاں واپس نہیں پلٹنا۔ان کے اس عقیدہ کی تردید کرنے کے ساتھ یہ حقیقت بتلائی ہے کہ تم نے ہرصورت اپنے رب کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔

اس سورت کی آیت ۹ میں ارشاد ہوا کہ جس شخص کو دائیں ہاتھ میں اس کا اعمال نامہ دیا گیا وہ اپنے اہلِ خانہ کے پاس خوش وخرم جائے گا۔ اس کے بعد اس شخص کا ذکر ہوا جسے اس کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کی طرف سے دیا جائے گا وہ جہنّم میں داخل ہوگا۔ اس کے جہنّم جانے کا بنیادی سبب یہ ہوگا کہ وہ اس بات پر یقین نہیں رکھتا تھا کہ اس نے بالآخر اپنے رب کے حضور پیش ہو کر اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ وہ آخرت کے بارے میں لاپرواہ تھا اوراپنے اہل وعیال میں بڑا مست رہتا تھا اور دنیا میں اس قدر محو اور مصروف تھا کہ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر آخرت کو بھول چکا تھا ایسے شخص کو جونہی اس کا اعمال نامہ دیا جائے گا تو وہ خواہش کرے گا۔

''مجرم چاہے گا کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنی اولاد کو،اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو،اپنے قریب ترین خاندان کو جو اسے پناہ دینے والا تھااور روئے زمین پر ہر چیز کو فدیہ میں دے دے اور اس طرح نجات پا جائے۔ ہرگز نہیں وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ کی لپٹ ہوگی جو گوشت پوست کو چاٹ جائے گی وہ مجرم کو آواز پر آواز دے گی، ہراس شخص کو جس نے حق سے منہ موڑا اور پیٹھ پھیری اور مال کمایا اور جمع کر کے رکھا''(المعارج:۱۱تا۱۸)

﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا﴾ (الفرقان: ۶۵)

''اللہ کے بندے دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالے جہنم کاعذاب توچمٹ جانے والاہے۔''

مسائل

۱۔ جس نے آخرت کوفراموش کر دیا وہ قیامت کے دن پچھتائے گا۔

۲۔ آخرت کوفراموش کردینے والاشخص اپنے حال اور مال میں مست رہتا ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَالْقَمَرِ

چنانچہ نہیں میں قسم کھاتا ہوں شام کی سرخی کی اور رات کی اور جو کچھ وہ سمیٹ لیتی ہے اور چاند کی

اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمْ

جب وہ پورا ہو جاتا ہے یقیناً تم سوار ہو گے ایک حالت میں دوسری حالت سے کیا ہے ان کو

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ السجدة

نہیں وہ ایمان لاتے اور جب پڑھا جاتا ہے ان پر قرآن نہیں وہ سجدہ کرتے

''پس نہیں میں شام کی سرخی کی قسم کھاتا ہوں۔(۱۶) اور رات کی اور جو وہ سمیٹ لیتی ہے۔(۱۷) اور چاند کی قسم جب وہ پورا ہو جاتا ہے۔(۱۸) تمہیں ہرصورت درجہ بدرجہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف جانا ہے۔(۱۹) ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ ایمان نہیں لاتے ۔(۲۰)اور جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔(۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کوئی آخرت کا اقرار کرے یا انکار کرے اسے ہرصورت رب ذوالجلال کے حضور پیش ہونا ہے ہر انسان ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلے میں داخل ہو کر بالآخر اپنے رب کی عدالت میں پیش ہو گا۔

خالقِ کائنات نے اس مقام پر تین قسمیں اٹھا کر ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے مغرب کی سرخی کی قسم ،رات کی اور اس چیز کی جو وہ سمیٹ لیتی ہے اور چاند کی قسم! جب وہ ماہِ کامل بن جاتا ہے ۔اے لوگو! تم ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں داخل ہوئے جارہے ہو،اورتمہارا رب تمہیں ہر حال میں دیکھ رہا ہے اس کے باوجود تم ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہوتے ۔جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو سجدہ کرنے کی بجائے اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جو کچھ وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں، ان کے انکار اور تکذیب کرنے کی وجہ سے انہیں درد ناک عذاب کی خوشخبری دینی چاہیے ۔ اللہ تعالیٰ نے تین قسمیں اٹھا کر یہ بات سمجھائی ہے کہ جس طرح دن کی روشنی پر رات کی تاریکی چھا جاتی ہے اوررات کا اندھیرا ہرچیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور رات کے اندھیرے پر ماہِ کامل کی روشنی غالب آجاتی ہے اسی طرح ہی دنیا کی زندگی کے بعد موت کا اندھیرا ہے اورموت کے اندھیرے کے بعد قیامت کا دن طلوع ہوگا۔یہی انسان کی زندگی کا حال ہے کہ ہرانسان کی ابتدا ایک نطفے سے ہوتی ہے پھر مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے وہ ایک بچے کی شکل میں جنم لیتاہے۔ اس طرح اس کی زندگی کا آغاز ہوتاہے اس کے بعد اس کا بچپن پھر جوانی ،پھر بڑھاپا، پھراس کو موت آجاتی ہے۔ ان مراحل میں کوئی ایک مرحلہ ایسا نہیں جس کا کوئی شخص انکار کرتا ہو یعنی انسان کا عدم سے وجود میں آنا بچپن سے جوانی، جوانی کا بڑھاپے میں تبدیل ہونا ہے اوراس کے بعد موت اور موت کے بعد قیامت میں زندہ ہونا اور اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے، یقینی امر

بَلِ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	يُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٢﴾	وَاللّٰهُ	اَعْلَمُ
بلکہ	وہ جنہوں نے	کفر کیا	وہ جھٹلاتے ہیں	اور اللہ	خوب جانتا ہے

بِمَا	يُوْعُوْنَ ﴿٢٣﴾	فَبَشِّرْهُمْ	بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٤﴾	اِلَّا	الَّذِيْنَ
جو کچھ	وہ ذہن میں رکھتے ہیں	تو آپ انہیں خوشخبری دیں	دردناک عذاب کی	مگر	وہ لوگ جو

اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	لَهُمْ	اَجْرٌ	غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿٢٥﴾
ایمان لائے	اور انہوں نے عمل کیے	نیک	ان کے لیے	اجر ہے	نہ ختم ہونے والا

ع ۱ ۲۵ ۹

بلکہ منکرین اُلٹا جھٹلاتے ہیں۔(۲۲) حالانکہ جو کچھ یہ جمع کر رہے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔(۲۳) لہٰذا ان کو دردناک عذاب کی بشارت دیں۔ (۲۴) البتہ جو لوگ ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔“(۲۵)

ہے لیکن جب منکرین کے سامنے قیامت کا ذکر ہوتا ہے تو اس پر ایمان لانے کی بجائے اس کی تکذیب کرتے ہیں حالانکہ انہیں قرآن مجید کے فرمان کے سامنے جھک جانا چاہیے لیکن پھر بھی قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح یہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے چھپالیں گے ایسا ہرگز نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر ظاہر اور باطن کو جانتا ہے نہ صرف اسے جانتا ہے بلکہ اسے دیکھ بھی رہا ہوتا ہے۔ جو لوگ حقائق کو جھٹلاتے ہیں انہیں اذّیت ناک عذاب کی خوشخبری دینی چاہیے۔ اس اذّیت ناک عذاب سے صرف وہی لوگ بچ پائیں گے جو اپنے رب کے حکم کے مطابق ایمان لائے اور اس کے بتلائے ہوئے صالح اعمال کرتے رہے ان کے لیے ایسا اجر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔

مسائل

۱۔ انسان چاہے یا نہ چاہے وہ ہر صورت ایک حالت سے دوسری حالت میں داخل ہوتا ہے۔
۲۔ قرآن مجید پر ایمان نہ لانے والے لوگ قیامت کو جھٹلاتے ہیں۔
۳۔ لوگ جو کچھ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے اچھی طرح جانتا ہے۔
۴۔ قرآن مجید اور قیامت کا انکار کرنے والوں کے لیے اذّیت ناک عذاب کی خوشخبری ہے۔
۵۔ حقیقی ایمان رکھنے والے اور صالح اعمال کرنے والوں کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے:

(الحجرات : ۱۶) (الحدید:۴) (المجادلہ : ۷) (التغابن : ۴) (الانعام:۵۹)

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ۱ اٰيَاتُهَا: ۲۲

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

وَ	السَّمَآءِ	ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝۱	وَالْيَوْمِ	الْمَوْعُوْدِ ۝۲	وَ شَاهِدٍ	
قسم ہے	آسمان	برجوں والے کی	اور دن	وعدہ دیے ہوئے کی	اور حاضر ہونے والے کی	
وَّمَشْهُوْدٍ ۝۳	قُتِلَ	اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝۴	النَّارِ	ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝۵	اِذْ	
اور حاضر کیے ہوئے کی	ہلاک کیے گئے	خندقوں والے	آگ	ایندھن والی	جب	
هُمْ	عَلَيْهَا	قُعُوْدٌ ۝۶	وَّهُمْ	عَلٰى مَا	يَفْعَلُوْنَ	بِالْمُؤْمِنِيْنَ
وہ	اس پر	بیٹھے تھے	اور وہ	اس پر	جو وہ کر رہے تھے	مومنوں کے ساتھ

"قسم ہے مضبوط برجوں والے آسمان کی۔(۱) اور اس دن کی جس کا وعدہ دیا گیا ہے۔(۲) اور حاضر ہونے والے کی اور حاضر کیے گئے کی۔(۳) خندقوں والے مارے گئے۔ (۴) ان میں جلنے والے ایندھن کی آگ تھی۔(۵) جب وہ اس خندقوں کے کناروں پر بیٹھے ہوئے تھے۔(۶) اور جو کچھ وہ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے۔

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورہ الانشقاق کے آخر میں دو کردار اور ان کا الگ الگ انجام بیان ہوا۔ اسی بات کو البروج میں تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ ذکر فرما کر یہ واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں پر بڑا مہربان ہے، فرعون اور ثمود جیسا کردار رکھنے والوں کے لیے بڑا سخت ہے۔

فلکیات کے ماہرین نے آسمانِ دنیا کے بارہ برج متعین کر رکھے ہیں مگر قرآن مجید کے بروج سے مراد یہ برج نہیں ہیں۔ کچھ اہل علم نے قرآنی بروج سے مراد پہلے آسمان کے دروازے لیے ہیں جن دروازوں کے ذریعے ملائکہ زمین پر اترتے اور پھر آسمان میں داخل ہوتے ہیں۔ قرآن مجید کے الفاظ سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کی گنجائش ہے کہ بروج سے مراد آسمان کے دروازوں میں ڈیوٹی دینے والے ملائکہ ہو، جن کو اللہ تعالیٰ نے شہابِ ثاقب کی صورت میں اسلحہ دے رکھا ہے جن سے وہ شیاطین کو مارتے اور بھگاتے ہیں۔ اکثر علماء نے بروج سے مراد ستارے اور سیارے لیے ہیں۔ جن سے آسمان کو خوبصورت اور محفوظ بنایا گیا ہے۔ تاہم سرورِ دوعالم ﷺ سے ہمیں بروج کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں ملتی البتہ آپ ﷺ نے آسمان کی حفاظت اور شیاطین کے تعاقب کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِذَا قَضَى اللّٰهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ كَالسِّلْسِلَةِ عَلَى صَفْوَانٍ قَالَ عَلِيٌّ وَقَالَ غَيْرُهُ صَفْوَانٍ يَنْفُذُهُمْ ذَلِكَ فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ، قَالُوا لِلَّذِي قَالَ الْحَقَّ وَهُوَ

شُهُوْدٌ ۞	وَمَا	نَقَمُوْا	مِنْهُمْ	اِلَّآ	اَنْ
دیکھ رہے تھے	اور نہیں	انتقام لیا انہوں نے	ان سے	مگر	یہ کہ
يُّؤْمِنُوْا	بِاللّٰهِ	الْعَزِيْزِ	الْحَمِيْدِ ۞	الَّذِيْ لَهٗ	مُلْكُ
وہ ایمان لائے تھے	اللہ پر	جو بڑا زبردست	نہایت قابل تعریف ہے	وہ ذات اسی کے لیے	بادشاہی ہے
السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ ۭ	وَاللّٰهُ	عَلٰي	كُلِّ شَيْءٍ	شَهِيْدٌ ۞
آسمانوں	اور زمین کی	اور اللہ	پر	ہر چیز	خوب نگران ہے

اسے دیکھ رہے تھے۔(۷) اور مومنوں کے ساتھ ان کی دشمنی اس وجہ سے تھی کہ مومن اس اللہ پر ایمان لائے تھے جو زبردست اور لائق تعریف ہے۔(۸) جو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے۔'' (۹)

الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ)) (رواه البخاري: باب قَوْلِهِ ﴿إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُبِينٌ﴾)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آسمان پر کوئی فیصلہ صادر فرماتا ہے تو اللہ کے فرمان کے جلال کی وجہ سے فرشتوں کے پروں سے آواز پیدا ہوتی ہے جیسے صاف پتھر پر لوہے کی زنجیر کھینچنے سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ جب ملائکہ کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوجاتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں، آپ کے پروردگار نے کیا ارشاد فرمایا؟ اُوپر والے ملائکہ اللہ کا ارشاد کا ذکر کرتے اور اس کی تصدیق کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ ہے اللہ کا ارشاد جو بلند اور بڑا ہے۔''

اَلْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ:

قیامت کا دن پچاس ہزار سال پر مشتمل ہوگا اور اس میں لوگوں کو کئی مراحل سے گزرنا پڑے گا، قرآن مجید نے انہیں مراحل کے حوالے سے قیامت کا ذکر کیا ہے۔ یہاں قیامت کے دن کو الیوم الموعود کہا گیا ہے جس کا معنٰی ہے وعدے کا دن۔ یعنی وہ دن جس کے قائم کرنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔

شَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ:

حاضر ہونے والے اور حاضر کیے جانے والے۔

مفسرین نے ان الفاظ کے دو مفہوم بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ قیامت کے دن انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کا حاضر کیا جانا۔

۲۔ حاضر ہونے والوں سے مراد وہ ظالم ہیں جنہوں نے مومنوں کو آگ کی خندقوں میں ڈالا، حاضر کیے جانے والوں سے مراد وہ مظلوم ایماندار ہیں جنہیں آگ میں جلایا گیا جن کا ذکر اگلی آیات میں آرہا ہے۔ ان کا اس کے سوا کوئی قصور نہیں تھا کہ وہ ''اللہ'' پر ایمان لائے جو ہر اعتبار سے غالب اور قابلِ تعریف ہے۔ اسی کے لیے زمین و آسمانوں کی

بادشاہت ہے اوروہ ہر چیز سے واقف ہے۔اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی تین صفات کا ذکر کیا ہے۔ غالب کی صفت لاکر یہ ثابت کیا ہے کہ مومنوں پر ظلم ہونے کا یہ معنٰی نہیں کہ یہ ظلم کرنے والے اللہ تعالیٰ سے زیادہ طاقتور تھے۔ایسا ہرگز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے غالب ہے اور غالب رہنے والا ہے لیکن اس نے ایک طرف موحّدوں کا امتحان لیا اوردوسری طرف ظالموں کوظلم کے لیے کھلا چھوڑ دیا تاکہ ایمانداروں کی استقامت ہمیشہ کے لیے مومنوں کے لیے مثال بن جائے اورظالموں کو اذیّت ناک سزادی جائے۔شہید کالفظ بول کر یہ بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مظلوموں کے حال کو پوری طرح دیکھ رہا تھا کیونکہ وہ ہر بات کو جانتا ہے اور ہر چیز پرنگران ہے۔ الحمید کی صفت لاکر یہ اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اورصفات کے لحاظ سے اس قدر قابلِ تعریف ہے کہ اس کے لیے ہر چیز قربان کر دینی چاہیے اورجو اس کے لیے قربانی دے گا اللہ تعالیٰ اُسے بھی تعریف کے قابل بنادے گا کیونکہ زمین وآسمانوں کے تمام اختیارات اسی کے پاس ہیں وہی اپنے بندوں کو جزا دینے والا اور مجرموں کوسزا دینے والا ہے۔

اصحاب الاخدود کا علاقہ سعودی مملکت میں نجران سے تقریباً آٹھ دس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ نجران سعودی عرب کے جنوبی صوبہ کا ہیڈکوارٹر ہے اوریمن کی سرحد پر واقع ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی توحید پر مرنے والوں کا مقام ہے کہ اس نے تین قسمیں کھا کر اصحاب الاخدود کی تاریخ بیان کی ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اور ہر چیز پر نگران ہے:

۱۔ تم جوبھی عمل کرتے ہووہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ (یونس:۶۱) ۲۔اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو جاننے والا ہے۔ (یٰس:۷۹)

۳۔ جولوگ جہالت کی وجہ سے برائی کرتے ہیں ،پھر جلدی سے توبہ کرلیتے ہیں اللہ ان کی توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ ہرچیز کوجاننے اورحکمت والا ہے۔ (النساء: ۱۷)

۴۔ اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو یقیناً اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ (النساء: ۳۲)

۵۔ جو کچھ تم اللہ کے دیے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہواللہ اُس کو جاننے والا ہے۔ (النساء: ۳۹)

۶۔ قیامت کا ، بارش کے نازل ہونے کا ، اور جو کچھ رِحموں میں ہے اور انسان کل کیا کمائے گا اور اُسے کہاں موت آئے گی اللہ تعالیٰ کےعلم میں ہے۔ (لقمان : ۳۴)

۷۔ فرشتوں نے کہاتو پاک ہےہمیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھلایا ہےاورتو جاننے والا حکمت والا ہے۔(البقرۃ:۳۲)

۸۔ اللہ جانتا ہے جوتم ظاہر کرتے ہواور چھپاتے ہووہ تو سینے کے رازوں کوبھی جاننے والا ہے۔(ہود:۵)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	فَتَنُوا	الْمُؤْمِنِيْنَ	وَالْمُؤْمِنٰتِ	ثُمَّ	لَمْ
بلاشبہ	وہ لوگ	آزمائش میں ڈالا	مومن مردوں	اور مومن عورتوں کو	پھر	نہ

يَتُوْبُوْا	فَلَهُمْ	عَذَابُ جَهَنَّمَ	وَلَهُمْ	عَذَابُ	الْحَرِيْقِ ۝١٠
توبہ کی انہوں نے	ان کے لیے ہے	جہنم کا عذاب	اور ان کے لیے ہے	عذاب	جلانے کا

اِنَّ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	لَهُمْ	جَنّٰتٌ
بلاشبہ	وہ لوگ جو	ایمان لائے	اور انہوں نے عمل کیے	نیک	ان کے لیے ہیں	ایسے باغات

تَجْرِيْ	مِنْ تَحْتِهَا	الْاَنْهٰرُ	ذٰلِكَ	الْفَوْزُ	الْكَبِيْرُ ۝١١
بہتی ہیں	ان کے نیچے سے	نہریں	یہ	کامیابی ہے	بہت بڑی

ربع حصہ ۱۲

''جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں پر ظلم کیا اور پھر اس سے توبہ نہ کی بلاشبہ ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور جلادینے والی سزا ہے۔(۱۰) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے یقیناً ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ بڑی کامیابی ہے۔'' (۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جن ظالموں نے مومنوں اور مومنات کو آگ کی خندقوں میں ڈالا ان کی سزا اور انجام۔

مفسرین نے اس واقعہ کے بارے میں کئی قسم کے خیالات کا اظہار فرمایا ہے لیکن ان میں مستند واقعہ وہ ہے جس کا ذکر حدیث کی معتبر کتاب جامع ترمذی میں پایا جاتا ہے۔

حضرت صہیب ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن اللہ کے رسول ﷺ نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بادشاہ کے پاس ایک جادوگر تھا اس نے اپنے بڑھاپے میں بادشاہ سے کہا کہ مجھے کوئی ایسا لڑکا دیں جو مجھ سے جادو سیکھ لے بادشاہ نے ایک لڑکے کو مقرر کردیا مگر وہ لڑکا جادوگر کے پاس آتے جاتے ایک راہب سے بھی ملنے لگا اور اس کی باتوں سے متاثر ہوکر ایمان لے آیا حتی کہ اس کی تربیت سے اس کا ایمان اس قدر پختہ ہوگیا کہ وہ اللہ سے اندھوں کو بینا اور کوڑیوں کو تندرست کرنے کی دعا کرتا اور اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتے۔ بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ لڑکا توحید پر ایمان لے آیا ہے تو اس نے پہلے راہب کو قتل کیا پھر اس لڑکے کو قتل کرنا چاہا مگر کوئی حربہ کارگر ثابت نہ ہوا۔ آخر کار لڑکے نے کہا کہ اگر تو مجھے ہر صورت قتل کرنا چاہتا ہے تو مجمع عام میں ''بِاسْمِ رَبِّ الْغُلَامِ'' (اس لڑکے کے رب کے نام پر) کہہ کر تیر مار تو میں مرجاؤں گا۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور وہ لڑکا مرگیا اس پر لوگ اس لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے۔ بادشاہ کے مصاحبوں نے اس سے کہا کہ یہ تو وہی کچھ ہوا جس سے آپ بچنا چاہتے تھے۔ لوگ آپ کے دین کو چھوڑ کر اس لڑکے کے دین ایمان لا رہے ہیں۔ بادشاہ اس صورتحال پر غضب ناک ہوا۔ اس نے سڑکوں کے

کنارے گڑھے کھدوائے اور ان میں آگ جلوائی۔ جس شخص نے ایمان سے پھرنا قبول نہ کیا اس کو آگ میں پھینکوا دیا۔“

(رواہ الترمذی: باب ومن سورۃ البروج،قال الالبانی ھذا حدیث صحیح)

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ اللّٰهَ قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ)) (رواہ البخاری : باب التواضع)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے میرے دوست سے دشمنی کی، میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔“

﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیَاةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾ (المومن: ۵۱)

”یقین جانو کہ ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد ان کی زندگی میں بھی کرتے ہیں اور آخرت میں بھی کریں گے جب گواہ کھڑے کیے جائیں گے۔“

مسائل

۱۔ جولوگ مومن اورمومنات کو تنگ کریں گے ان کے لیے جہنم کا جلا دینے والا عذاب ہوگا۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال کرنے والے مومنوں کے لیے باغات تیار کررکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔
۳۔ جو جنت میں داخل کر دیا گیا اسے بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔

تفسیر بالقرآن

ظالموں کی سزا اورنیک لوگوں کی جزا:

۱۔ جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔ جس نے ذرہ برابر برائی کی ہو گی وہ بھی اس کو دیکھ لے گا۔(الزلزال : ۷،۸)
۲۔ برائیوں میں مرنے والے کے لیے جہنم ہے۔ (البقرۃ: ۷۱)
۳۔ جوایک نیکی کرے گا اس کو دس نیکیوں کا بدلہ ملے گا جو برائی کرے گا اس کی سزا صرف اتنی ہی ہوگی۔ (الانعام: ۱۶۰)
۴۔ برائی کا بدلہ اس کی مثل ہی ہوگا۔ (القصص: ۸۴)
۵۔ جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اس کی سزا جہنم ہے۔ (النازعات: ۳۷)
۶۔ نافرمانوں کو ہمیشہ کے عذاب کی سزادی جائے گی۔ (یونس: ۵۲)
۷۔ تکبر کرنے والوں کو ذلّت آمیز سزا دی جائے گی۔ (احقاف: ۲۰)
۸۔ شیطان اور اس کے پیروکاروں کوجہنم کی سزا دی جائے گی۔ (بنی اسرائیل: ۶۳)
۹۔ صبر کرنے والوں کے لیے جنت جزا ہوگی۔ (الدھر: ۱۲)

اِنَّ	بَطْشَ	رَبِّكَ	لَشَدِيْدٌ ﴿١٢﴾	اِنَّهٗ هُوَ	يُبْدِئُ	وَ يُعِيْدُ ﴿١٣﴾
بلاشبہ	پکڑ	آپ کے رب کی	نہایت سخت ہے	بے شک وہی	پہلی بار پیدا کرتا ہے	اوردوبارہ پیدا کرے گا

وَهُوَ	الْغَفُوْرُ	الْوَدُوْدُ ﴿١٤﴾	ذُوالْعَرْشِ	الْمَجِيْدُ ﴿١٥﴾	فَعَّالٌ	
اور وہی	بہت بخشنے والا	محبت کرنے والا ہے	عرش کا مالک	بڑی شان والا ہے	کرگزرنے والا ہے	

لِّمَا	يُرِيْدُ ﴿١٦﴾
اس کو جو	وہ چاہتا ہے

”بلاشبہ آپ کے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔(۱۲) وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔(۱۳) اور وہ معاف فرمانے اور محبت کرنے والا ہے۔(۱۴) عرش کا مالک ہے اور بڑی شان والا ہے۔(۱۵) اور جو چاہے کرتا ہے۔“(۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلی آیات میں کفار کے ظلم اور مومنوں کے اجر کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس لیے دونوں صفات ذکر فرما کر واضح فرمایا ہے کہ آپ کے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے اور وہ بڑا بخشنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ظالموں سے انتقام لینا چاہے تو اس سے بڑھ کر کسی کی پکڑ نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ سخت ترین پکڑ کرنے والا ہے، اسی نے انسان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اور وہی اسے دوبارہ زندہ کرے گا۔ وہ اپنے بندوں کے ساتھ محبت کرنے والا اور ان کے گناہوں کو معاف فرمانے والا ہے، بڑے عرش کا مالک اور بڑی شان والا ہے، جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے، اس کے فیصلوں کے سامنے کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔ وہ کسی کو پکڑنے پر آئے تو اس کی پکڑ سے کوئی چھوٹ نہیں سکتا، کسی کو معاف کرنا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾ (الانبیاء: ۲۳)

”وہ اپنے کاموں میں کسی کو جوابدہ نہیں باقی سب سے پوچھ گچھ کی جاتی ہے۔“

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ جبّار، قہّار اور انتقام لینے والا ہے لیکن اس کے باوجود لوگوں کو بار بار اصلاح کا موقع دیتا ہے کیونکہ اس کی رحمت اس کے غضب پر ہمیشہ غالب رہتی ہے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ اَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ فَهُوَ مَكْتُوْبٌ عِنْدَهٗ فَوْقَ الْعَرْشِ)) (رواہ مسلم: باب فِیْ سَعَةِ رَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَاَنَّهَا سَبَقَتْ غَضَبَهٗ)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ معظم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق سے پہلے لوح محفوظ میں تحریر فرمایا ”میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی

ہے۔'' فرمایا کہ یہ اللہ کے عرش پر لکھا ہوا ہے۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَمَّا قَضَى اللّٰهُ الْخَلْقَ كَتَبَ عِنْدَهُ فَوْقَ عَرْشِهِ ، إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي)) (رواہ البخاری: باب قَوْلِهِ تَعَالٰی ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ﴾]

''حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ نے مخلوقات کو پیدا کرنے کا فیصلہ فرمایا تو اُس وقت اللہ کے عرش پر لکھا ہوا تھا بے شک میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے چکی ہے۔''

﴿قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (الانعام: ۱۲)

''فرما دیجیے کس کا ہے جو کچھ آسمانوں اورزمین میں ہے؟فرما دیجیے اللہ کا ہے اس نے اپنے اوپر رحم کرنا لکھ دیا ہے وہ تمہیں قیامت کے دن کی طرف لے جا کرضرور جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں۔جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا سو وہی ایمان نہیں لاتے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کی سخت پکڑ کرنے والا اوراپنے بندوں کے ساتھ محبت کرنے اورمعاف فرمانے والا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ عظیم عرش کا مالک اور بڑی شان والا ہے۔۳۔ اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ظالموں سے بدلہ لینے اوراپنے بندوں کو معاف فرمانے والا ہے

۱۔ اے نبی!میرے بندوں کو بتاؤ کہ میں بخشنے ، رحم کرنے والا ہوں اور میرا عذاب بھی دردناک ہے۔ (الحجر: ۴۹)

۲۔ جو توبہ کرے اور اصلاح کرے تیرا رب بڑا غفور الرّحیم ہے۔ (النحل: ۱۱۹)

۳۔ کیا تم پسند کرتے ہو کہ اللہ تمھیں معاف کر دے کیونکہ وہ غفور الرّحیم ہے۔ (النور :۲۲)

۴۔ اللہ جلد پکڑنے والا اورغفور الرّحیم ہے۔ (الانعام: ۱٦٦)

۵۔ اللہ اپنے بندوں کو اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا کیونکہ وہ غفور الرّحیم ہے۔ (التوبہ: ۹۹)

٦۔ اللہ سب گناہوں کو معاف کر دینے والا اورغفور الرّحیم ہے۔ (الزمر: ۵۳)

۷۔ ظالموں کے لیے صرف تباہی ہے۔ (نوح: ۲۸) ۸۔ظالموں کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے۔ (الحشر: ۱۷)

هَلْ	اَتٰىكَ	حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿١٧﴾	فِرْعَوْنَ	وَثَمُوْدَ ﴿١٨﴾	بَلِ	الَّذِيْنَ	
کیا آئی ہے	آپ کے پاس	بات لشکروں کی	فرعون	اور ثمود کے	بلکہ	وہ لوگ جنہوں نے	

كَفَرُوْا	فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿١٩﴾	وَّاللّٰهُ	مِنْ وَّرَآئِهِمْ	مُّحِيْطٌ ﴿٢٠﴾
کفر کیا	تکذیب میں	اور اللہ	ہر طرف سے ان کو	گھیرے ہوئے ہے

بَلْ	هُوَ	قُرْاٰنٌ	مَّجِيْدٌ ﴿٢١﴾	فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿٢٢﴾
بلکہ	یہ	قرآن	اونچی شان والا ہے	لوحِ محفوظ میں ہے

ع ٢٢ ١٠

’’کیا آپ کے پاس لشکروں کی خبر آئی ہے۔(١٧)فرعون اور ثمود کے۔(١٨) انہوں نے کفر کیا ہے اور جھٹلانے والے ہوئے۔(١٩) حالانکہ اللہ نے ان کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔(٢٠) بلکہ یہ قرآن بلند مرتبہ ہے۔(٢١) اس لوح میں ثبت ہے جو محفوظ ہے۔‘‘(٢٢)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا ذکر ہوا اب اس کی پکڑ کی دو مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔

اس سورت کی آٹھویں اور نویں آیات میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں سخت پکڑ کرنے والا ہوں، لوگوں کو معاف کرنے والا اور ان کے ساتھ محبت کرنے والا ہوں اور جو چاہتا ہوں وہ کرتا ہوں۔ میرے سامنے کوئی پَر نہیں مار سکتا کیونکہ میں بڑے عرش کا مالک اور بڑی عظمت والا ہوں۔ اس کی عظمت کی نظیر دیکھنا چاہو تو ان لشکروں کا حال جانو جن کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا تھا۔ فرعون اپنی طاقت اور لشکر وسپاہ پر اس قدر مغرور ہوا کہ اس نے ”اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى“ کا دعویٰ کیا اور موسیٰ علیہ السلام کے دلائل سننے اور ان کے معجزات دیکھنے کے باوجود انہیں ٹھکراتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی گرفت کی، اسے اور اس کے لشکر کو ڈبکیاں دے دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہی حال قومِ ثمود کا ہوا، انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرایا اور ان سے عذاب لانے کا بھی مطالبہ کیا جس کے نتیجے میں انہیں ہلاک کر دیا اس واقعہ کا اختصار یہ ہے۔

۔ ثمود نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو صالح علیہ السلام نے قوم کو فرمایا تین دن فائدہ اٹھا لو، یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ (ھود: ٦٤،٦٥)

٢۔ انھوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور وہ نادم ہونے والوں میں سے ہو گئے۔ (الشعراء: ١٥٧)

٣۔ قومِ ثمود کے بدبختوں نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ الشّمس: ١٤)

٤۔ قومِ ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے عذاب کا مطالبہ کیا۔ (الاعراف: ٧٧)

٦۔ ثمود زوردار آواز کے ساتھ ہلاک کیے گئے۔ (الحاقہ: ٥)

٧۔ قوم عاد وثمود کے اعمال بد کو شیطان نے ان کے لیے فیشن بنا دیا تھا۔ (العنکبوت: ٣٨)

۸۔ قومِ ثمود کو زلزلے نے لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ (الاعراف:۷۸) (ھود:۶۷)
۹۔ قومِ ثمود کی راہنمائی کی گئی لیکن انہوں نے گمراہی کو ترجیح دی اس پر انہیں ہولناک آواز نے آ لیا۔(حٰم السجدۃ:۱۷)

یہ جاننے کے باوجود کفار تکذیب کر رہے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے جب اس کی گرفت کا وقت آئے گا تو نہ یہ بھاگ سکیں گے اور نہ ہی انہیں بچانے والا ہوگا۔ جس قرآن کی یہ تکذیب کرتے ہیں وہ لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ یاد رہے کہ اہلِ مکہ کی یہ کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طریقے سے قرآن کی دعوت کو ختم کر دیا جائے اس پر انہیں متنبہ کیا گیا ہے کہ جس قرآن کی تم تکذیب کرتے ہو اور اس کی دعوت کو مٹانے کے درپے ہو اسے کسی صورت بھی مٹایا نہیں جاسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے لوحِ محفوظ میں درج کر رکھا ہے۔ قرآن مجید کے محفوظ ہونے کا اشارہ فرما کر کفار کو بتلایا گیا ہے کہ قرآن مجید اور اس کی دعوت مٹنے والی نہیں یہ ہر صورت دنیا میں پھیل کر رہے گی۔

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ (التوبہ:۳۳)

”وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے ہر دین پر غالب کر دے، خواہ مشرک لوگ برا سمجھتے رہیں۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور ثمود کو ملیا میٹ کر دیا۔۲۔حقائق جاننے کے باوجود کفار قرآن مجید کی تکذیب کرتے ہیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار کے ذریعے کفار کو گھیر رکھا ہے۔
۴۔ قرآن مجید کی کفار تکذیب کرتے ہیں حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس کے ہاں لوحِ محفوظ میں درج ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کی عظمت اور حفاظت:

۱۔ اللہ نے اپنے رسول کو قرآن مجید اور سات آیات دیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں۔ (الحجر:۸۷)
۲۔ قرآن مجید ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ (البقرۃ:۲)۳۔قرآن مجید برھان اور نور مبین ہے۔(النساء:۱۷۴)
۴۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔ (البقرۃ:۱۸۵)۵۔قرآن مجید اللہ کی طرف سے کھلی کتاب ہے۔(ھود:۱)
۶۔ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔ (آل عمران:۱۳۸)
۷۔ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔(الحجر:۹)

سورۃ الطّارق کا تعارف

اس سورت کا نام اس کی پہلی آیت کے دوسرے لفظ پر رکھا گیا ہے۔ اس کی سترہ آیات ہیں جنہیں ایک رکوع شمار کیا گیا ہے یہ مکہ میں نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے اس میں آسمان اور صبح صادق کے وقت طلوع ہونے والے ایک ستارے کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ اے انسان اللہ تعالیٰ نے ہر جان پر ایک محافظ مقرر کر رکھا ہے۔ جو لوگ مرنے کے بعد جی اُٹھنے کا انکار کرتے ہیں اُنہیں اپنی پیدائش پر غور کرنا چاہیے۔ جس سے ثابت ہو گا جو خالق انسان کی تخلیق کی ابتداء اس کے باپ کی پیٹھ اور اس کی ماں کی سینے کی ہڈیوں سے کرتا ہے، وہی اُسے دوبارہ پیدا کرے گا، پھر بارش برسانے والے آسمان کی قسم اُٹھا کر واضح فرمایا ہے کہ جس طرح نباتات اُگنے کے وقت زمین پھٹ جاتی ہے اسی طرح ہی قیامت کے دن زمین پھٹ جائے گی اور لوگ اپنی اپنی جگہ سے نکل کھڑے ہوں گے یہ اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے جس میں کوئی ردو بدل نہیں ہوسکتا جو لوگ اتنے واضح دلائل اور حقیقت کو نہیں مانتے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔

سورۃ الاعلیٰ کا تعارف

یہ سورت مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی اس کی انیس آیات ہیں جو ایک رکوع پر مشتمل ہیں۔ اس کا نام اس کی پہلی آیت میں موجود ہے اس صورت میں تین مضمون بیان کیے گئے ہیں۔

ا۔ اللہ تعالیٰ سب سے اعلیٰ اور تعریف کے لائق ہے اس لیے کہ اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے وجود کو متوازن بنایا اور پھر اس کی رہنمائی کا بندوبست کیا۔ وہی نباتات اُگا کر پھر اسے کوڑا کرکٹ بنا دیتا ہے یہ کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے اس لیے اسی کی تعریف اور عبادت کرنی چاہیے یہی اس کی توحید کا سب سے پہلا تقاضہ ہے اس لیے انسان کی انسانیت کا تقاضا ہے کہ وہ کسی اعلیٰ کو چھوڑ کر کسی ادنی کی عبادت نہ کرے۔ ۲۔ نبی ﷺ وحی کے ابتدائی دور میں فکر مند تھے کہ وحی کا کوئی حصہ بھول نہ جائے آپ کی تشویش کو دور کرنے کے لیے ارشاد ہوا کہ ہم آپ کو اس طرح پڑھائیں گے کہ آپ بھول نہیں سکیں گے اِلَّا یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی بات ،بھولانا چاہیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے نبوت کا کام بہت حد تک آسان کر دیا ہے لٰہذا آپ لوگوں کو نصیحت کرتے رہیں۔

۳۔ وہ شخص کامیاب ہو گا جس نے عقیدہ اور عمل میں پاکیزگی اختیار کر لی اور اپنے رب کو یاد کیا اور نماز پڑھی لیکن لوگوں کی حالت یہ ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ آخرت ہمیشہ ہمیش رہنے والی ہے۔

سُورَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّة — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعُهَا: ١ اٰيَاتُهَا: ١٧

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

وَ	السَّمَآءِ	وَ	الطَّارِقِ ①	وَ	مَآ	اَدْرٰىكَ
قسم ہے	آسمان کی	اور	رات کونمودار ہونے والے کی	اور	کیا	خبر آپ کو
مَا	الطَّارِقُ ②	النَّجْمُ	الثَّاقِبُ ③	اِنْ	كُلُّ	
کیا ہے	رات کونمودار ہونے والا	ستارہ ہے	چمکنے والا	نہیں ہے	کوئی	
نَفْسٍ	لَّمَّا	عَلَيْهَا	حَافِظٌ ④			
نفس	مگر	اس پر	محافظ ہے			

’’قسم ہے آسمان کی اور رات کونمودار ہونے والے کی۔(۱) اور آپ کیا جانیں کہ رات کونمودار ہونے والا کیا ہے(۲) وہ چمکتا ہوا ستارہ ہے۔(۳) کوئی جان ایسی نہیں ہے جس پر محافظ نہ ہو۔‘‘ (۴)

فہم القرآن

ربطِ سورت: البروج کے آخر میں یہ ارشاد ہوا کہ جو لوگ ’’اللہ‘‘ کے ارشادات اور قیامت کو جھٹلاتے ہیں وہ انہیں ہر جانب سے گھیرے ہوئے ہے۔ الطّارق میں نجمِ ثاقب کی قسم اٹھا کر بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہرنفس پرنگران مقرر کر رکھے ہیں اور جو شخص قیامت کا انکار کرتا ہے اسے اپنی تخلیق پر غور کرنا چاہیے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ جس رب نے انسان کو عدم سے وجود بخشا ہے وہی رب قیامت کے دن انسان کو دوبارہ عدم سے وجود میں لائے گا۔

آسمان اوررات کے وقت نمودارہونے والے ستارے کی قسم! آپ کیا جانیں کہ رات کے وقت طلوع ہونے والا کیا ہے؟ وہ ایک چمکنے والا ستارہ ہے۔اہل علم نے وضاحت فرمائی ہے کہ اس سے مراد وہ ستارہ ہے جو صبح صادق کے وقت طلوع ہوتا ہے اور دیکھنے والے کو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی شخص ہاتھ میں لیمپ لیے ہوئے مشرق سے مغرب کی طرف جارہا ہو۔ جوں جوں اس ستارے کے غروب ہونے کا وقت آتا ہے اسی رفتار سے صبح روشن ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس ستارے کی قسم کھا کر ثابت کیا ہے کہ جس طرح یہ ستارہ نمودار اور غروب ہوتا ہے اسی طرح انسان کی زندگی اورموت کا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بلند وبالا آسمان اوراس ستارے کی قسم کھا کر انسان کو یہ بات سمجھائی ہے کہ اے انسان! تجھے کھلانہیں چھوڑ دیا گیا بلکہ تو آسمان کے نیچے مقید ہے اور تجھ پرنگران مقرر کیے گئے

ہیں، ان میں کچھ ملائکہ ہیں جو تیری حرکات وسکنات کو ضبطِ تحریر میں لا رہے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو تیری حفاظت پر مامور ہیں۔ جب تک انہیں حفاظت کرنے کا حکم ہوتا ہے اس وقت تک تو انسان کی حفاظت کرتے ہیں۔ جب اللہ کا لکھا ہوا غالب آتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں، جونہی وہ پیچھے ہٹتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی تقدیر انسان پر نافذ ہوجاتی ہے اور اس کے نفاذ کے وقت کوئی طاقت انسان کو بچا نہیں سکتی پھر وہی کچھ ہوتا ہے جو ''اللہ'' چاہتا ہے۔

﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ (الرعد : ١١)

''اس کے لیے اس کے آگے اور اس کے پیچھے یکے بعد دیگرے مقرر کیے ہوئے نگران ہیں، جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَعَاقَبُوْنَ فِيْكُمْ مَلَا ئِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَا ئِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُوْنَ فِیْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِيْنَ بَاتُوْا فِيْكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِیْ فَيَقُوْلُوْنَ تَرَكْنٰهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ وَ اَتَيْنٰهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ)) (رواہ البخاری : کتاب مواقیت الصلاۃ ،باب فَضْلِ صَلَاةِ الْعَصْر)

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے فرشتے آتے ہیں اور وہ فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں۔ رات والے فرشتے جاتے ہیں تو ان سے ان کا رب سوال کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا فرشتے جواب دیتے ہیں کہ جب ہم ان کے ہاں پہنچے تو وہ نماز ادا کررہے تھے اور جب ہم ان سے واپس ہوئے تو پھر بھی وہ نماز کی حالت میں تھے۔

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور ستارے کی قسم اٹھا کر بتلایا ہے کہ اس نے ہر انسان پر نگران مقرر کر رکھے ہیں۔

٢۔ کچھ ملائکہ انسان کی حفاظت کرتے ہیں اور کچھ اس کے اعمال لکھتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان پر نگران مقرر کر رکھے ہیں:

١۔ بے شک میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔ (ھود : ٥٧) ٢۔ اللہ ہی سب کی حفاظت کرنے والا ہے۔ (الانبیاء : ٨٢)

٣۔ ہر ایک کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر ہیں۔ (الرعد : ١١)

٤۔ وہ اپنے بندوں پر غالب ہے ''اللہ'' نے بندوں کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر کیے ہیں۔ (الانعام : ٦١)

فَلۡيَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ مِمَّ خُلِقَؕ۝۵ خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍۙ۝۶

چنانچہ دیکھے انسان کس چیز سے وہ پیدا کیا گیا ہے پیدا کیا گیا ہے وہ اچھلنے والے پانی سے

يَّخۡرُجُ مِنۡۢ بَيۡنِ الصُّلۡبِ وَالتَّرَآئِبِؕ۝۷ اِنَّهٗ عَلٰى رَجۡعِهٖ لَقَادِرٌؕ۝۸

وہ نکلتا ہے درمیان سے پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے بلاشبہ وہ اس کے لوٹانے پر ضرور قادر ہے

يَوۡمَ تُبۡلَى السَّرَآئِرُۙ۝۹ فَمَا لَهٗ مِنۡ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍؕ۝۱۰

جس دن ظاہر کیے جائیں گے تمام راز نہ ہوگی اس کے لیے کوئی طاقت اور نہ کوئی مددگار

''چنانچہ انسان غور کرے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔(۵) ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔(۶) جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔(۷) یقیناً وہ خالق اسے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔(۸) جس دن پوشیدہ امور کی جانچ پڑتال ہوگی۔(۹) اس وقت انسان کے پاس کوئی طاقت نہیں ہوگی اور نہ کوئی اس کی مدد کرنے والا ہوگا۔'' (۱۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس خالق نے انسان پر نگران مقرر کیے ہیں وہی انسان کو ٹپکتے ہوئے پانی سے پیدا کرنے والا ہے اور اسی نے اسے قیامت کے دن زندہ کرنا اور اپنے حضور کھڑا کرنا ہے۔

قرآن مجید نے کئی مقامات پر انسان کو اس کی تخلیق کے بارے میں متوجہ کیا اور فرمایا ہے کہ اے انسان! تجھے اپنی پیدائش پر غور کرنا چاہیے کہ تیرے رب نے تجھے کن مراحل سے گزار کر پیدا کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تیری ابتدا اُچھلتے ہوئے پانی کے ایک قطرے سے ہوئی ہے جو مرد کی پیٹھ اور عورت کے سینے کی ہڈیوں سے نکلتا ہے۔ یقین جان! کہ تیرا رب تجھے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے نہ صرف تجھے دوبارہ پیدا کرے گا بلکہ اس دن دلوں کے تمام راز آشکارا ہوجائیں گے۔ جس کی اس کے بُرے اعمال کی وجہ سے گرفت کی گئی اسے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔

یہاں صُلب اور ترائب کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ صُلب ریڑھ کی ہڈی کو کہتے ہیں اور ترائب کے معنٰی ہیں سینے کی ہڈیاں یعنی پسلیاں۔ چونکہ عورت اور مرد دونوں کے مادۂ تولید انسان کے جسم کے اس حصہ سے خارج ہوتے ہیں جو صُلب اور سینے کے درمیان واقع ہے۔ اس لیے فرمایا ہے کہ انسان اس پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے یہ مادہ اس صورت میں بھی پیدا ہوتا ہے جبکہ ہاتھ اور پاؤں کٹ جائیں۔ اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ یہ انسان کے پورے جسم سے خارج ہوتا ہے۔ درحقیقت جسم کے اعضاءِ رئیسہ اس کے ماخذ ہیں اور وہ سب آدمی کے دھڑ میں واقع ہیں۔ دماغ کا الگ ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ صُلب دماغ کا وہ حصہ ہے جس کی بدولت ہی جسم کے ساتھ دماغ کا تعلق قائم ہوتا ہے۔ علم الجنین (Embryology) رو سے یہ ثابت شدہ

حقیقت کہ جنین (Foetus) کے اندر اُنثیین (Testes) یعنی وہ غدود جن سے مادۂ منویہ پیدا ہوتا ہے، ریڑھ کی ہڈی اور پسلیوں کے درمیان گردوں کے قریب ہوتے ہیں جہاں سے بعد میں یہ آہستہ آہستہ فوطوں میں اتر جاتے ہیں۔ یہ عمل ولادت سے پہلے اور بعض اوقات اس کے کچھ بعد ہوتا ہے۔ بلکہ ان کی شریان (Artery) پیٹھ کے قریب شہ رگ (Aorta) سے نکلتی ہے اور پورے پیٹ کا سفر طے کرتی ہوئی ان کو خون مہیا کرتی ہے۔ اسی طرح حقیقت میں اُنثیین میں پیٹھ ہی کا جز ہیں جو منویہ اگرچہ اُنثیین پیدا کرتے ہیں اور کیسۂ منویہ (Seminal Vesicles) میں جمع ہوجاتا ہے مگر اس کے اخراج کا مرکزِ تحریک "بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ" ہی ہوتا ہے اور دماغ سے اعصابی رو جب اس مرکز کو پہنچتی ہے تب اس مرکز کی تحریک (Triger action) سے کیسۂ منویہ سکڑتا ہے اور اس سے ماءِ دافق پچکاری کی طرح نکلتا ہے۔اس لیے قرآن کا بیان ٹھیک ٹھیک علمِ طب کی جدید تحقیقات کے مطابق ہے۔ (تفہیم القرآن تفسیر سورت ہذا)

مسائل

۱۔ انسان کو اُچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو مرد کی پیٹھ اور عورت کے سینے سے نکلتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہی انسان کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی قیامت کے دن اسے پیدا کرے گا۔

۳۔ قیامت کے دن تمام راز آشکارا ہوجائیں گے اور اس دن مجرم کی کوئی مدد نہیں کرسکے گا۔

تفسیر بالقرآن

انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل:

۱۔ یقیناً ہم نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (الحجر:۲۶) ۲۔ حوا کو آدم سے پیدا فرمایا۔ (النساء:۱)

۳۔ انسان کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (آل عمران:۵۹) ۴۔ اللہ نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔ (الدھر:۲)

۵۔ اللہ نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ (المومنون:۱۲)

۶۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اسے نطفہ بنایا، پھر اس سے خون کا لوتھڑا، پھر اس سے بوٹی بنا کر پیدا کیا۔ (الحج:۵)

۷۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ، پھر لوتھڑا بنا کر تمہیں پیدا کرتا ہے کہ تم بچے ہوتے ہو۔ (المومن:۶۷)

۸۔ کیا تو اس ذات کا کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا فرمایا۔ (الکھف:۳۷)

۹۔ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا۔ (الروم:۲۰)

۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تمہارے جوڑے جوڑے بنائے۔ (فاطر:۱۱)

وَ	السَّمَآءِ	ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿١١﴾	وَالْاَرْضِ	ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿١٢﴾	اِنَّهٗ
قسم ہے	آسمان	بارش برسانے والے کی	اور زمین	پھٹنے والی کی	بلاشبہ وہ

لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿١٣﴾	وَّ	مَا	هُوَ	بِالْهَزْلِ ﴿١٤﴾	اِنَّهُمْ	يَكِيْدُوْنَ	كَيْدًا ﴿١٥﴾
یقیناً فیصلہ کن فرمان ہے	اور	نہیں	وہ	ہنسی مذاق	بلاشبہ وہ	تدبیر کرتے ہیں	تدبیر کرنا

وَّاَكِيْدُ	كَيْدًا ﴿١٦﴾	فَمَهِّلِ	الْكٰفِرِيْنَ	اَمْهِلْهُمْ	رُوَيْدًا ﴿١٧﴾
اور میں بھی تدبیر کرتا ہوں	تدبیر کرنا	تو آپ مہلت دیں	کافروں کو	مہلت دینا	تھوڑی سی

ع ١ ١١

قسم ہے بارش برسانے والے آسمان کی۔(۱۱)اور پھٹ جانے والی زمین کی۔(۱۲) یہ ایک فیصلہ کن بات ہے۔(۱۳) مذاق کی بات نہیں ہے۔(۱۴) یہ لوگ چالیں چل رہے ہیں۔(۱۵) اور میں بھی ایک تدبیر کر رہا ہوں۔ (۱۶) اے نبی کافروں کو کچھ مدت کے لیے چھوڑیں۔''(۱۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس خالق نے انسان کو پیدا کیا ہے وہ ہرصورت اسے قیامت کے دن اٹھا کر اپنی بارگاہ میں پیش کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر یہ بات فرما کر زمین و آسمان کی قسم اٹھائی ہے کہ قسم ہے اس آسمان کی جو بارش برساتا ہے اورقسم ہے اس زمین کی جو پھٹ جاتی ہے کہ ''اللہ'' کا فرمان فیصلہ کن ہے یہ کوئی بے مقصد بات نہیں ہے۔ یہاں تک جو لوگ تدبیریں اورسازشیں کررہے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم بھی تدبیر کرنے والے ہیں اور ہماری تدبیر کے مقابلے میں کسی کی تدبیر اورسازش اسے فائدہ نہیں دے سکتی لہٰذا کفار کوتھوڑی سی مزید مہلت دیں۔ اس مقام پرآسمان کے لیے''ذات الرجع'' اورزمین کے لیے ''ذَاتِ الصَّدْعِ'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں جس کا مفسرین نے یہ معنٰی لیا ہے کہ آسمان سے بارش کی صورت میں جو پانی برستاہے اس کا کافی حصہ بخارات کی صورت میں اُڑ کر فضا میں بادلوں کی شکل اختیار کرتا ہے اور پھر وہی بارش کی صورت میں برستاہے گویا کہ ایک سرکل (CIRCLE) چل رہا ہے۔زمین کے لیے ''ذَاتِ الصَّدْعِ'' کالفظ اس لیے استعمال کیاہے کہ جب اس سے بیج نکلتاہےتو زمین اپنا سینہ کھول دیتی ہے یعنی پھٹ جاتی ہے۔ اسی طرح ہی قیامت کے دن پھٹ جائے گی اور لوگ اس سے نکل کھڑے ہوں گے۔ زمین اورآسمان کی قسم اٹھا کر واضح کیا ہے کہ انسان کا اللہ کی طرف لوٹنا فیصلہ کن بات ہے۔ ہرانسان کو بارش کے برسنے اور زمین کے پھٹنے پرغور کرنا چاہیے کہ جس طرح بارش برسنے سے زمین سے بیج اُگتے ہیں، اسی طرح ہی اللہ تعالیٰ انسان کو قیامت کے دن پیدا کرے گا۔ یہ مذاق یا فضول بات نہیں ہے۔ اگر قیامت کا انکار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ فی الفور نہیں پکڑتا تو اس میں اس کی حکمت یہ ہے کہ کفار کو اپنی

سازشیں اور شرارتیں کرنے کا موقع دیا جائے۔ اسی بات کو آلِ عمران میں یوں بیان کیا ہے۔

﴿وَ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَلَّا یَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِی الْاٰخِرَةِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌo اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌo وَ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْۤا اِثْمًا وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ﴾ (آلِ عمران: ۱۷۶ تا ۱۷۸)

”آپ کو کفر میں آگے بڑھنے والے لوگ پریشان نہ کریں یہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ رہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ کفر کو ایمان کے بدلے خریدنے والے۔ اللہ کو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ کافر ہماری دی ہوئی مہلت کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں ہم نے یہ مہلت اس لیے دی ہے کہ وہ گناہوں میں اور بڑھ جائیں اور ان کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب ہے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کن ارشاد ہے کہ وہ ہر انسان کو قیامت کے دن اٹھائے گا اور اس کے تمام راز آشکارہ کرے گا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان فیصلہ کن ہے یہ مذاق اور بے مقصد بات نہیں ہے۔

۳۔ کفار اور مشرکین اسلام کے بارے میں سازشیں کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کے خلاف تدبیر کرنے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن ہر صورت انسان کو اٹھنا اور اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے:

۱۔ میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے واپس جانا ہے۔ (الرعد: ۳۶)

۲۔ ”اللہ“ کو ہی قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف تم نے لوٹنا ہے۔ (الزخرف: ۸۵)

۳۔ زمین اور جو کچھ اس میں ہے ہم اس کے وارث ہیں اور لوگ ہماری طرف لوٹیں گے (مریم: ۴۰)

۴۔ اللہ کے لیے زمین و آسمان کی بادشاہت ہے اور اسی کے سامنے ہر کسی کو لوٹ کر جانا ہے۔ (الزمر: ۴۴)

۵۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور اسی کے حضور تم نے پیش ہونا ہے (یونس: ۵۶)

سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ۱ اٰيَاتُهَا: ۱۹

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

الْاَعْلَى ۝١	اسْمَ رَبِّكَ	سَبِّحِ
جو سب سے اعلیٰ ہے	اپنے رب کے نام کی	تسبیح کریں

''اے نبی اپنے رب کے نام کی تسبیح کرتے رہو جو سب سے اعلیٰ ہے۔'' (۱)

فہم القرآن

ربطِ سورت: الطارق میں انسان کو اس کی تخلیق کے حوالے سے قیامت کا ثبوت دیا ہے اور سورہ الاعلیٰ میں ہر جاندار کی تخلیق کے حوالے سے قیامت کا ثبوت دیا گیا ہے کہ وہی ذات انسان کو دوبارہ زندہ کرے گی جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر اسی نے اس کی رہنمائی کا بندوبست فرمایا ہے۔ لہٰذا ہر دم اُسے یاد رکھنا چاہیے۔

یہ سورت مسبّحات میں سے چھٹی سورت ہے جس کی ابتدا باب "سَبَّحَ يُسَبِّحُ" کے صیغہ امر "سَبِّحْ" سے ہو رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھنے میں یہ بات لازم ہے کہ اس کی ذات کے لیے وہی الفاظ استعمال کیے جائیں اور ایسا طریقہ اور انداز اختیار کیا جائے جس کا ثبوت قرآن اور حدیث میں پایا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی مادری زبان میں "اللہ" کی تسبیح اور پاکی بیان کرتا ہے تو اس کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کے الفاظ، انداز اور مفہوم قرآن و سنت کے مطابق ہونے ہیں۔ البتہ نماز میں وہی الفاظ بولنے چاہییں جن کی قرآن اور حدیث میں پائے جاتے ہیں کیونکہ نماز اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور پاکی بیان کرنے کا افضل اور مقبول ترین ذریعہ ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ نماز قرآن وسنت کے مطابق ہونی چاہیے۔ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى" کے جواب میں نبی علیہ السلام نے رکوع اور سجدے میں یہ الفاظ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

''عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے تو تین مرتبہ یہ کلمات (سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ) پڑھتے اور جب سجدہ کرتے تو تین مرتبہ یہ کلمات (سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى) پڑھتے۔

(رواہ مسلم: باب استحباب تطویل القراءۃ)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتیں ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع وسجود میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ (سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ)'' (رواہ مسلم: باب ما یقال فی الرکوع والسجود)

مسائل

۱۔ ہر انسان کو اپنے رب کی تسبیح کرنی چاہیے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ سب سے اعلیٰ اور عظیم الشان ہے۔

الَّذِیْ	خَلَقَ	فَسَوّٰی ۝۲	وَالَّذِیْ	قَدَّرَ	فَهَدٰی ۝۳
وہ ذات	جس نے پیدا کیا	پھر درست کیا	اور وہ ذات	جس نے تقدیر بنائی	پھر راہنمائی فرمائی
وَالَّذِیْٓ	اَخْرَجَ	الْمَرْعٰی ۝۴	فَجَعَلَهٗ	غُثَآءً	اَحْوٰی ۝۵
اور وہ ذات	جس نے نکالا	چارا	پھر اس نے کر دیا اس کو	چورا چورا	سیاہ

''وہ ذات جس نے پیدا کیا اور پھر درست فرمایا۔(۲) وہ ذات جس نے تقدیر بنائی پھر راہنمائی فرمائی۔(۳) وہ ذات جس نے نباتات اُگائی۔(۴) پھر اس کو چور، چور اور سیاہ کردیا۔'' (۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی تسبیح اس لیے بھی کرنا ہے کیونکہ وہ پوری کائنات کی بقا اور فنا کا مالک ہے۔

''اللہ'' ہی وہ ذات ہے جس نے اس کائنات کو بنایا اور انسان کو پیدا فرمایا ہے، نہ صرف انسان کو پیدا کیا بلکہ اس کے اعضاء اور جوارح کو اس طرح بنایا اور درست فرمایا ہے کہ پوری مخلوق میں انسان ''اللہ'' کی قدرت کا عظیم شاہکار قرار پایا ہے، انسان کو پیدا فرما کر اسے زمین و آسمانوں میں ایسی تکریم دی جو تکریم کسی اور مخلوق کو نہیں دی گئی۔ یہاں تک انسان کے اعضاء اور جوارح کا تعلق ہے اس میں اس طرح توازن قائم کیا ہے کہ ہر عضو اور جوڑ اپنی انتہا پر پہنچ کر ٹھہر جاتا ہے، یہی توازن اس نے ہر چیز میں پیدا کیا ہے اور اس کی راہنمائی کا بندوبست فرمایا ہے۔ اسی نے انسان اور ہر چیز کی تقدیر بنائی ہے جس میں آگا پیچھا نہیں ہوسکتا۔ اسی ذات نے چارہ نکالا اور پھر وہی اس کو سیاہ رنگ کا کوڑا کرکٹ بنادیتا ہے۔ چارے سے مراد تمام قسم کی نباتات ہے جو اپنے خالق کے حکم سے زمین سے نکلتی ہے، اس کے بعد پروان چڑھتی ہے اور پھر کوڑا کرکٹ بن کر ختم ہوجاتی ہیں۔ یہی انسان کی موت وحیات اور قیامت کے دن اٹھائے جانے کا معاملہ ہے۔

اہلِ علم نے ہدایت کے مدارج کی بہت سی قسمیں بیان فرمائی ہیں لیکن بنیادی طور پر اس کی چار قسمیں ہیں:
① طبعی اور فطری ہدایت ② الہامی ہدایت ③ توفیقی ہدایت ④ وحی کی ہدایت۔

طبعی اور فطری ہدایت:

چاند، سورج اور سیارے طبعی رہنمائی کے مطابق اپنے مدار میں رواں دواں ہیں، ہوائیں اسی اصول کے تحت رخ بدلتی اور چلتی ہیں، بادل فطری رہنمائی سے ہی راستے تبدیل کرتے اور برستے ہیں حتیٰ کہ اسی اصول کے تحت درخت روشنی کی تلاش میں ایک دوسرے سے اوپر نکلتے ہیں، فطری ہدایت کے مطابق ہی مرغی کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی ماں کے قدموں میں جا پڑتا ہے، بطخ کا بچہ خود بخود پانی کی طرف چلتا ہے اور انسان کا نومولود اپنے ماں کی چھاتی کے ساتھ چمٹتا ہے۔ قرآن نے اس طبعی اور فطری ہدایت کی اس طرح نشاندہی فرمائی ہے:

﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝﴾ (البلد: ۱۰) ''ہم نے اسے دو واضح راستے دکھا دیئے۔''

الہامی ہدایت:

الہام، وحی کی ایک قسم ہے مگر وحی اورالہام میں فرق یہ ہے کہ وحی صرف انبیاء کے ساتھ خاص ہے جب کہ الہام انبیاء کے علاوہ نیک اور عام آدمی حتی کہ مکھی کو بھی الہام ہوتا ہے۔ اسی لیے قرآنِ مجید نے شہد کی مکھیوں کے لیے وحی یعنی الہام کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کا معنٰی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں کوئی بات القا فرمادیتاہے، اسے ہدایتِ وہبی بھی کہا جاتا ہے۔

ہدایت بمعنٰی توفیق اوراستقامت:

ہدایت کی تیسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عنایت اور توفیق سے اپنے بندے کی رہنمائی کرتے ہوئے اسے صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔رسول کریم ﷺ اکثر یہ دعا کرتے تھے۔

((یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ)) (رواہ الترمذی : کتاب الدعوات)

”اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھنا۔“

((اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَأَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ)) (رواہ الترمذی: باب ماء فی جامع الدعوات)

”اے اللہ! میری راہنمائی فرما اور مجھے میرے نفس کے شر سے محفوظ فرما۔“

وحی اور حقیقی ہدایت :

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اس ہدایت کی دوشکلیں ہیں اوردونوں آپس میں لازم وملزوم اورضروری ہیں۔ایک ہدایت ہے ہرنیکی کی توفیق اور اس کی ادائیگی کا طریقہ جو ہر حال میں سنتِ نبوی کے مطابق ہونا چاہیے ،دوسری اس کی روح اوراصل ہے اسے قرآن مجید نے اخلاص سے تعبیر فرمایاہے یعنی جو نیکی کی جائے وہ”اللہ“ کی رضا کے لیے کی جائے اور اس کے اثرات انسان کے روح اور اعمال پر مرتب ہونے چاہئیں۔

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ أَنَّـهُ كَانَ یَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّی أَسْأَلُكَ الْهُدَی وَالتُّقَی وَالْعَفَافَ وَالْغِنَی))(رواہ البخاری : باب التَّعَوُّذِ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلَ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ یَعْمَلْ)

”حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت ،پرہیز گاری ،تندرستی اور استغنا کا سوال کرتا ہوں۔“

مسائل

۱۔ نبی مکرم ﷺ کوقرآن یاد کروانا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا تھا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ظاہر اور باطن کو جانتا ہے اس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رہتی ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے دین پر عمل کرنا اور لوگوں تک پہنچانا آسان کردیا۔

سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰٓى ۙ۝۶ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ

عنقریب ہم پڑھائیں گے آپ کو — پھر نہیں — بھولیں گے آپ — سوائے — جو — چاہے — اللہ

اِنَّهٗ يَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ وَمَا يَخۡفٰى ؕ۝۷ وَنُيَسِّرُكَ لِلۡيُسۡرٰى ۝۸

بلاشبہ وہ — جانتا ہے — ظاہر کو — اور جو — مخفی ہے اور ہم توفیق دیں گے آپ کو — آسانی کی

فَذَكِّرۡ اِنۡ نَّفَعَتِ الذِّكۡرٰى ؕ۝۹ سَيَذَّكَّرُ مَنۡ يَّخۡشٰى ۙ۝۱۰

پس آپ نصیحت کریں — اگر — نفع دے — نصیحت — ضرور نصیحت حاصل کرے گا — وہ جو — ڈرتا ہے

وَ يَتَجَنَّبُهَا الۡاَشۡقَى ۙ۝۱۱ الَّذِىۡ يَصۡلَى النَّارَ الۡكُبۡرٰى ۝۱۲

اور — دور رہے گا اس سے — بدبخت — وہ جو — داخل ہوگا — بہت بڑی آگ میں

ثُمَّ لَا يَمُوۡتُ فِيۡهَا وَ لَا يَحۡيٰى ؕ۝۱۳

پھر — نہ — وہ مرے گا — اس میں — اور — نہ — جیے گا

’’ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ نہیں بھولیں گے۔(۶) مگر جو اللہ چاہے۔ وہ ظاہر بھی جانتا ہے اور پوشیدہ کو بھی جانتا۔ (۷) اور ہم آپ کو آسانی کی سہولت دیتے ہیں۔(۸) لہٰذا تم نصیحت کرو اگر کسی کو نصیحت فائدہ دینے والی ہو۔(۹) جوشخص ڈرتا ہے وہ نصیحت قبول کرے گا۔(۱۰) اور جو اس سے گریز کرے گا وہ بدبخت ہوگا(۱۱) وہ بڑی آگ میں داخل ہوگا۔ (۱۲) پھر اس میں نہ مرے گا اور نہ جیے گا۔‘‘(۱۳)

فہم القرآن

ربطِ کلام: رب تعالیٰ کی قدرتوں کا ذکر جاری ہے۔ جو’’رب‘‘ اپنی قدرت سے نباتات کو اُگاتا اور اُسے کوڑا کرکٹ بناتا ہے اُسی نے اپنی قدرت سے نبی ﷺ کو قرآن پڑھایا اور یاد کروایا۔

ان آیات کا یہاں لانے کا ایک مقصد یہ ہے کہ جس طرح انسان اور نباتات کا پہلے وجود نہیں تھا اسی طرح وحی سے پہلے آپ کی نبوت کا وجود نہ تھا۔ انسان اور دیگر چیزوں کے لیے فنا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی وحی کو فنا نہیں ہے۔ نبوت کے ابتدائی دور میں نبی علیہ السلام وحی کو یاد رکھنے کے لیے عُجلت فرمایا کرتے تھے تاکہ وحی کا کوئی حصہ بھول نہ جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطمینان دلایا کہ اے نبی علیہ السلام! آپ کو پڑھنے اور یاد کرنے میں عُجلت سے کام نہیں لینا چاہیے، ہم ہی آپ کو پڑھانے والے ہیں لہٰذا آپ وحی کا کوئی حصہ بھول نہیں پائیں گے سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ آپ کو بھلانا چاہے، وہ کھلی اور چھپی باتوں کو جاننے والا ہے یعنی وہ جانتا ہے کہ آپ کیوں عُجلت کرتے ہیں اس لیے کہ کوئی بات فراموش نہ ہوجائے۔ بے شک وحی کو یاد رکھنا اوراس کے تقاضے پورے کرنا مشکل کام ہے لیکن ہم نے آپ کے لیے اسے آسان کردیں گے، آپ کا کام

نصیحت کرنا ہے۔ لہٰذا آپ اس شخص کو نصیحت فرمائیں جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا اور اپنے رب سے ڈرنے والا ہے نصیحت سے وہی شخص اجتناب کرے گا جو بدبخت اور نافرمان ہے یہ بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکا جائے گا، اسے وہاں نہ موت آئے گی اور نہ ہی اس کے لیے زندگی ہوگی، گویا کہ یہ موت وحیات کی کشمکش میں رہے گا۔ وحی کو من وعن یاد رکھنا، اس کے مطابق عمل کرنا اور پھر اسے جوں کا توں لوگوں تک پہنچانا بڑا مشکل کام ہے۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ کام اس قدر بھاری تھا کہ قریب تھا کہ آپ کی کمر ٹوٹ جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اسے آسان فرما دیا۔ (سورۃ: الم نشرح) یہی وجہ ہے کہ جتنے قلیل عرصہ میں نبی معظم ﷺ نے ہمہ گیر انقلاب برپا کیا۔ آپ سے پہلے اور آپ کے بعد اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، جہاں تک آپ کا کسی بات کو بھول جانے کا معاملہ ہے اس کا یہ معنٰی نہیں کہ آپ دین کا کوئی حصہ کلی طور پر بھول گئے۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اس کی کوئی مثال موجود نہیں البتہ دو تین مرتبہ نماز کی رکعات میں آپ کو سہو ہوا اور ایک، دو دفعہ نماز کے دوران تلاوت کرتے ہوئے سہو کا شکار ہوئے۔ اس کے علاوہ کوئی اور مثال موجود نہیں۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ دَعَا اِلٰی هُدًی كَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَّمَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلَ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اٰثَامِهِمْ شَيْئًا)) (رواہ مسلم : کتاب العلم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسولِ معظم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ خیر کی دعوت دینے والے کو اس پر عمل کرنے والے کے برابر ثواب ملے گا جبکہ ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔ جس نے برائی کا پرچار کیا وہ اس پر عمل کرنے والے کے برابر گنہگار ہوگا۔ اس سے ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔''

مسائل

١۔ لوگوں کو نصیحت کرتے رہنا چاہیے۔ نصیحت کرنے میں ہی ایک مبلغ اور دوسروں کا فائدہ ہے۔

٢۔ نصیحت وہی شخص حاصل کرتا ہے جو اپنے رب سے ڈرتا اور گناہوں سے بچتا ہے۔

٣۔ جو ''اللہ'' کے خوف سے بے خوف ہوا اور سرکشی کرتا رہا وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینکا جائے گا۔

٤۔ جہنّم میں نہ موت آئے گی اور نہ اس میں زندگی ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو قرآن پڑھانا، اسے یاد کروانا اور اس کا ابلاغ کروانا اپنے ذمہ لیا تھا:

١۔ نبی اکرم ﷺ سے قرآن پاک کی تلاوت کروانا ''اللہ'' کے ذمہ ہے۔ (القیامہ:١٧)

٢۔ قرآن کی حفاظت کا کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ (الحجر:٩)

٣۔ قرآن کی وضاحت بھی ''اللہ'' کے ذمہ ہے۔ (القیامہ:١٩)

قَدۡ	اَفۡلَحَ	مَنۡ	تَزَكّٰى ۝	وَ	ذَكَرَ	اسۡمَ	رَبِّهٖ
تحقیق	فلاح پا گیا	وہ شخص جو	پاک ہوا	اور	اس نے یاد کیا	نام	اپنے رب کا
فَصَلّٰى ۝	بَلۡ	تُؤۡثِرُوۡنَ	الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا ۝	وَالۡاٰخِرَةُ	خَيۡرٌ	وَّ	
پھر اس نے نماز پڑھی	بلکہ	تم ترجیح دیتے ہو	دنیا وی زندگی کو	جبکہ آخرت	بہتر	اور	
اَبۡقٰى ۝	اِنَّ	هٰذَا	لَفِى الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰى ۝	صُحُفِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى ۝			
ہمیشہ رہنے والی ہے	بلاشبہ	یہ	البتہ پہلے صحیفوں میں ہے	ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں			

''وہ شخص فلاح پا گیا جس نے پاکیزگی اختیار کی۔(۱۴) اور اپنے رب کا نام یاد کیا اور نماز پڑھی۔(۱۵) مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔(۱۶) حالانکہ آخرت بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔(۱۷) یہی بات پہلے صحیفوں میں بھی کہی گئی ہے۔(۱۸) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں بھی۔''(۱۹)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنمیوں کے مقابلے میں جنّتی لوگوں کا کردار۔

وہ شخص جہنّم سے بچ جائے گا جس نے اپنے آپ کو پاک رکھا، اور اپنے رب کو یاد رکھا اور اس کے حضور پنجگانہ نماز ادا کرتا رہا۔ ''تَزَکّٰی'' سے پہلی مراد کفر اور شرک سے بچنا ہے۔ گناہوں سے بچنے کے لیے لازم ہے کہ آدمی فرض نماز ادا کرتا رہے اور ہر حال میں اپنے رب کو یاد رکھے۔ رب کو یاد کرنے سے مراد صرف یہ نہیں کہ زبان سے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھے اور توبہ کا ورد کرتا رہے مگر عملی طور پر کفر وشرک اور نافرمانی کے کاموں میں مبتلا رہے۔ ذکر کا پہلا مقصد یہ ہے کہ ہر حال میں اپنے رب کے احکام کو یاد رکھے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا رہے۔ بصورت دیگر اسے دنیا میں ذکر کرنے اور نماز پڑھنے کا فائدہ ہوگا لیکن آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا، یہ کام تب ہی ہوسکتا ہے جب مسلمان دنیا کے مفاد پر آخرت کو مقدم جانے۔ لیکن لوگوں کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ وہ دنیا کی خاطر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے حالانکہ آخرت دنیا سے ہر اعتبار سے بہتر اور ہمیشہ ہمیش رہنے والی ہے۔ یہی احکام اور نصائح آسمانی صحائف میں پائے جاتے ہیں بالخصوص صحفِ ابراہیم علیہ السلام اور صحفِ موسیٰ علیہ السلام میں ان کا بڑی تفصیل سے ذکر موجود ہے۔ صحفِ ابراہیم کا تذکرہ اس لیے کیا ہے کہ وہ جد الانبیاء ہیں اور دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں جو ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت اور ان کے افکار و کردار سے متاثر نہ ہو۔ موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والے صحف تورات کی صورت میں نازل ہوئے ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل کی گئی جو تورات کے احکام کا خلاصہ اور ان کی تشریح پر مبنی ہے، لہٰذا تورات ہی حقیقت میں قرآن مجید سے پہلے جامع کتاب تھی اور ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى أَنَا مَعَ عَبْدِي حَيْثُمَا ذَكَرَنِي وَتَحَرَّكَتْ بِي شَفَتَاهُ)) (رواہ البخاری : باب قول اللہ تعالیٰ ﴿لاتحرك به لسانك الخ﴾)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں، وہ جہاں کہیں بھی میرا ذکر کرے اور جب اس کے ہونٹ میرے ذکر میں حرکت کریں۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الصَّلَوَاةُ الْخَمْسُ وَالْجُمْعَةُ إِلَى الْجُمْعَةِ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهُنَّ مَالَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ)) (رواہ مسلم: باب الصلواۃ الخمس والجمعة إلی الجمعة......)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کیا جائے تو پانچ نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔''

مسائل

١۔ جس نے اپنے آپ کو شرک سے پاک رکھا وہ کامیاب ہوگا۔

٢۔ جس نے نماز کا التزام کیا اور اپنے رب کو یاد رکھا وہ کامیاب ہوگا۔

٣۔ لوگوں کی اکثریت کا عالم یہ ہے کہ لوگ آخرت کے مقابلے میں دنیا کو مقدم جانتے ہیں حالانکہ آخرت دنیا سے بدرجہا بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔

٤۔ یہ نصیحتیں پہلے صحیفوں بالخصوص حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحف میں موجود ہیں۔

تفسیر بالقرآن

کامیاب ہونے والے لوگوں کے اوصاف :

١۔ اللہ کے بندے اس کی توحید کا اقرار کرنے کے بعد اس پر ڈٹ جاتے ہیں۔ (الاحقاف: ١٤، حم السجدۃ: ٣٠)

٢۔ اللہ کے بندے آپ ''رب'' پر ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں۔ (البقرۃ: ٨٢)

٣۔ اللہ کے بندے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ (النساء: ١٣)

٤۔ محسنین تنگی اور کشادگی میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ (آل عمران: ١٣٤) ٥۔ اللہ کے بندے اس سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔ (الرحمٰن : ٤٦)

٦۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والے محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ (ھود: ١١٥)

٧۔ احسان کرو یقیناً اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ (البقرۃ: ١٩٥)

٨۔ انھیں معاف کیجیے اور درگزر کیجیے یقیناً اللہ محسنین کو پسند فرماتا ہے۔ (المائدۃ: ١٣)

سورۃ الغاشیہ کا تعارف

یہ مکی سورت ہے اس کا نام اس کی پہلی آیت کا آخری حصہ ہے یہ ایک رکوع اور چھبیس آیات پر مشتمل ہے اس سورت میں بنیادی طور پر دو مضمون بیان کیے گئے ہیں پہلا یہ ہے کہ جو لوگ آخرت کے بارے میں غافل یا اس کا انکار کرتے ہیں انہیں انتباہ کیا گیا ہے جس میں مخاطب کی ضمیر استعمال کی گئی ہے۔ اس میں بظاہر نبی علیہ السلام کو مخاطب کیا گیا ہے لیکن حقیقت میں یہاں ہر اس شخص کو مخاطب کیا گیا ہے جو قیامت کو جھٹلانے والا ہے چنانچہ ارشاد ہوا:

کیا تمھارے پاس ہر چیز پر چھا جانے والی آفت کی خبر نہیں پہنچی اس دن کئی چہرے خوف زدہ ہوں گے جو شدید کرب میں مبتلا ہوں گے اور انہیں دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا جائے گا وہاں انہیں پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی اور کھانے کے لیے کانٹے دار جھاڑیاں دی جائیں گی ان کے مقابلے میں وہ خوش نصیب ہوں گے جنہیں جنت عالیہ میں رکھا جائے گا وہ اس میں کسی قسم کی بے ہودگی اور آلودگی نہیں پائیں گے اس میں چشمے جاری ہوں گے جنتی جنت میں ٹیک لگا کر قطار اندر قطار تشریف فرما ہوں گے۔ جہنمیوں کے لیے عذاب اور جنتیوں کے لیے انعام کا ذکر کرنے کے بعد اونٹ کی خلقت اور پہاڑوں کی تنصیب اور زمین کی وسعت کا ذکر فرما کر حکم ہوا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں کو نصیحت کرتے رہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کسی پر جبر کرنے والا نہیں بنایا البتہ جو شخص اس سے منہ موڑے گا وہ بڑے عذاب میں مبتلا ہو گا حقیقت یہ ہے کہ ہماری طرف ہی لوگوں کا پلٹنا ہے اور ان کا حساب لینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔

سورۃ الفجر کا تعارف

یہ سورت اپنے نام سے شروع ہوتی ہے مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی اس کی تیس آیات ہیں جو ایک رکوع پر مشتمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں فجر اور دس راتوں جفت اور طاق اور رات کے رخصت ہونے کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا ہے کہ غور کرنے والے کے لیے اس قسم میں بڑی ہی عقل کی بات پائی جاتی ہے۔ اس سورت میں قومِ عاد، قومِ ثمود اور فرعون کے بارے میں بتلایا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے شہروں میں دنگا فساد شروع کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے عذاب کا کوڑا برسایا اور انہیں تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ لوگوں کی اکثریت کا عالم یہ ہے کہ جب انہیں کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ اپنے آپ کو عزت دار سمجھتے ہیں اور جب انہیں مال کی تنگی کے ساتھ آزمایا جاتا ہے تو وہ اپنے رب کا شکوہ کرتے ہیں حالانکہ ان کی اپنی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ یتیموں اور مسکینوں کا خیال نہیں رکھتے اور پورے کا پورا مال ہڑپ کر جاتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب جہنم ان کے سامنے لا کھڑی کی جائے گی۔ اس وقت ہر مجرم نصیحت حاصل کرے گا لیکن نصیحت پانے کا وقت گزر چکا ہو گا۔ انہیں ایسا عذاب دیا جائے گا کہ اس طرح کا عذاب کوئی اور نہیں دے سکتا۔ ان کے مقابلے میں ہر نیک شخص کو آواز دی جائے گی کہ اپنے رب کی طرف آ جاؤ اور اس کے نیک بندوں کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

سُورَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوعُهَا: ۱ — اٰيَاتُهَا: ۲۶

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

هَلْ	اَتٰىكَ	حَدِيْثُ	الْغَاشِيَةِ ۝۱	وُجُوْهٌ	يَّوْمَئِذٍ	خَاشِعَةٌ ۝۲	
کیا	آ گئی ہے آپ کے پاس	بات	چھا جانے والی کی	کئی چہرے	اس دن	ذلیل ہوں گے	
عَامِلَةٌ	نَّاصِبَةٌ ۝۳	تَصْلٰى	نَارًا حَامِيَةً ۝۴	تُسْقٰى			
عمل کرنے والے	تھکے ہوئے	داخل ہوں گے	بھڑکتی آگ میں	پلائے جائیں گے			
مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝۵	لَيْسَ	لَهُمْ	طَعَامٌ	اِلَّا	مِنْ ضَرِيْعٍ ۝۶		
کھولتے ہوئے پانی کے چشمے سے	نہیں ہوگا	ان کے لیے	کھانا	سوائے	خاردار جھاڑی کے		
لَّا	يُسْمِنُ	وَ	لَا	يُغْنِيْ	مِنْ جُوْعٍ ۝۷		
نہ	وہ موٹا کرے گا	اور	نہ	فائدہ دے گا	بھوک سے		

’’کیا تمہیں اس چھا جانے والی قیامت کی خبر پہنچی ہے؟(۱) اس دن کچھ چہرے ذلیل ہوں گے۔(۲) عمل کرنیوالے تھکے ہوئے ہوں گے۔(۳) بھڑکتی ہوئی آگ میں ہوں گے۔(۴) انہیں پینے کے لیے کھولتے ہوئے چشمے کا پانی دیا جائے گا۔(۵) خاردار سوکھی جھاڑیوں کے سوا کوئی کھانا ان کے لیے نہیں ہوگا۔(۶) جو نا موٹا کرے گا نہ بھوک مٹائے گا۔‘‘(۷)

فہم القرآن

ربطِ سورت: الاعلیٰ کے آخر میں اچھے اور بُرے انجام کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ آخرت ہر اعتبار سے بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے اس کا ذکر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحائف میں بھی موجود ہے۔ الغاشیہ میں بُرے لوگوں کی سزا اور نیک لوگوں کی جزا کا ذکر کیا گیا ہے۔

الغاشیہ کا معنٰی ہے ہر طرف سے لوگوں کو ڈھانپ لینے والی۔ قیامت کی ہولناکیاں اوراس کے اثرات اس قدر ہمہ گیر ہوں گے کہ جاندار تو درکنار زمین و آسمانوں کی کوئی چیز بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گی۔ قیامت کی ہمہ گیر شدّت اور ہولناکیوں کو واضح کرنے کے لیے فرمایا ہے کہ کیا آپ کے پاس ہر چیز پر چھا جانے والی کی خبر پہنچی ہے ؟ اس دن مجرموں کے چہرے ذلیل ہوں گے اوروہ اپنی محنت کی وجہ سے انتہائی تھکے ماندے دکھائی دیں گے۔ انہیں جہنّم کی دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا اوران کو انتہا درجے کا کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا، ان کے لیے کانٹے دار جھاڑیوں کے سوا کوئی کھانا نہیں ہوگا۔ جس سے نہ وہ موٹے ہوں گے اورنا ہی ان کی بھوک میں کچھ کمی آئے گی۔ ’’عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ‘‘ کے مفسرین نے کئی مفہوم بیان کیے

ہیں۔ ① ۔ یہ لوگ دنیا میں بہت زیادہ محنت کے ساتھ نیک اعمال کرتے رہے مگر شرک وبدعت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ان کے تمام اعمال غارت ہوجائیں گے۔ ② ۔ یہ لوگ اپنے اعمال کا انجام دیکھیں گے تو ان کی مایوسی اورتھکاوٹ اس قدر بڑھ جائے گی کہ دیکھنے والا انہیں یوں محسوس کرے گا جسے ان کی ابھی جان نکل جائے گی۔ ③ ۔ جہنّم کی بلاؤں اورسزاؤں کی وجہ سے ان کے جسم چکنا چور دکھائی دیں گے۔

((عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ لاَ يَقْبَلُ اللّٰهُ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْمًا وَلاَ صَلاَةً وَلاَ صَدَقَةً وَلاَ حَجًّا وَلاَ عُمْرَةً وَلاَ جِهَادًا وَلاَ صَرْفًا وَلاَ عَدْلاً يَخْرُجُ مِنَ الإِسْلاَمِ كَمَا تَخْرُجُ الشَّعَرَةُ مِنَ الْعَجِينِ)) (رواه ابن ماجه : باب اجْتِنَابِ الْبِدَعِ وَالْجَدَلِ)

”حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بدعتی کا روزہ ، نماز، حج، عمرہ، جہاد ،اور کوئی چھوٹی بڑی نیکی قبول نہیں کرتا،ایسا شخص اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔“

﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ (الفرقان : ٢٣)

”اور جو کچھ بھی ان کا کیادھرا ہے اسے ہم ذرّات کی طرح اڑادیں گے۔“

مسائل

١۔ قیامت کی ہولناکیاں ہر چیز کوگھیرے ہوئے ہوں گی۔
٢۔ قیامت کے دن مجرموں کے چہرے تھکے ہوئے اور انتہائی ذلیل ہوں گے۔
٣۔ مجرم انتہائی تھکے ماندے ہوں گے۔
٤۔ جہنّمیوں کو پینے کے لیے جہنّم کا کھولتا ہوا پانی اورکھانے کے لیے خاردار جھاڑیاں دی جائیں گی۔
٥۔ جہنّمیوں کی خوراک نہ ان کی بھوک ختم کرے گی اورنہ وہ موٹے تازے ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

جہنّمیوں کا خوردونوش :

١۔ کانٹے دار جھاڑیوں کا کھانادیا جائے گا۔(الغاشیہ:٦) ٢۔کھانا گلے میں اٹک جائے گا۔ (المزمل:١٣)
٣۔ دوزخیوں کوکھولتا ہوا پانی دیا جائے گا۔ (الانعام:٧٠) ٤۔ دوزخیوں کو پیپ پلائی جائے گی۔ (عم :٢٥)
٥۔ آنتوں اورکھالوں کو بار بار بدلہ جائے گا۔ (النساء:٥٦) ٦۔ جہنّمیوں کی کھال بار بار بدلی جائے گی۔ (الحج:٢٠)
٧۔ انہیں آگ کا لباس پہنایا جائے گا۔ (الحج:١٩) ٨۔ لوہے کے ہتھوڑوں سے سزا دی جائے گی۔ (الحج:٢١،٢٢)
١٠۔ دوزخیوں کوکھولتا ہوا پانی دیا جائے گا۔ (الانعام:٧٠)

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۙ﴿۸﴾ لِّسَعۡيِهَا رَاضِيَةٌ ۙ﴿۹﴾ فِيۡ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۙ﴿۱۰﴾

کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنی کوشش پر خوش ہوں گے جنّت عالیہ میں ہوں گے

لَّا تَسۡمَعُ فِيۡهَا لَاغِيَةً ﴿۱۱﴾ فِيۡهَا عَيۡنٌ جَارِيَةٌ ﴿۱۲﴾ فِيۡهَا سُرُرٌ

نہیں وہ سنیں گے اس میں بے ہودہ بات اس میں جاری چشمہ ہوگا اس میں تخت ہیں

مَّرۡفُوۡعَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّاَكۡوَابٌ مَّوۡضُوۡعَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّنَمَارِقُ مَصۡفُوۡفَةٌ ﴿۱۵﴾ وَّزَرَابِيُّ مَبۡثُوۡثَةٌ ﴿۱۶﴾

اونچے اونچے اور پیالے ہیں رکھے ہوئے اور گاؤ تکیے قطار میں لگے ہوئے اور نفیس قالین بچھے ہوئے

وقف لازم

’’اس دن کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے۔(٨) اپنی کوشش پر خوش ہوں گے۔(٩) عالی مقام جنّت میں ہوں گے۔(١٠) اس میں کوئی بیہودہ بات نہیں سنیں گے۔(١١) اس میں چشمے رواں ہوں گے۔(١٢) اس میں اونچی مسندیں ہوں گی۔(١٣) پیالے رکھے ہوئے ہوں گے۔(١٤) تکیے قطاروں میں لگے ہوئے ہوں گے۔(١٥) اور نفیس قالین بچھے ہوئے ہوں گے۔‘‘(١٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جہنمیوں کے مقابلے میں جنّتیوں کا اکرام، مقام اور انعام۔

جہنّمی اپنی ذلّت اور ناکامی کی وجہ سے تھکے تھکے دکھائی دیں گے اور ان پر انتہا درجے کی ذلّت چھائی ہوگی، ان کے مقابلے میں جنّتی اپنے اعمال اور انعام دیکھ کر بے انتہا خوش ہوں گے اور ان کے چہروں پر شادمانی اور کامیابی کی مسکراہٹیں بکھر رہی ہوں گی انہیں اعلیٰ قسم کی جنّت میں داخل کیا جائے گا۔ جنّتی جنت میں کسی قسم کی آلودگی اور بے ہودگی نہیں پائیں گے، جنّت میں چشمے اور آبشاریں جاری ہوں گی، جنّت میں اعلیٰ قسم کے تخت اونچی جگہ پر رکھے جائیں گے، جنّتی ان پر تشریف فرما ہوں گے، ان کے سامنے آبخورے ہوں گے، جنّت کے تختوں پر قطار اندر قطار تکیے رکھے ہوں گے اور ان پر نفیس قسم کے قالین بچھے ہوئے ہوں گے۔ اس مقام پر جنّت کی جن نعمتوں اور خوبیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک خوبی یہ ہوگی کہ جنّت کا ماحول اتنا پاک صاف ہوگا کہ اس میں کسی قسم کی بے ہودگی نہیں پائی جائے گی۔ جنّت کی اس خوبی کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ جنّت میں داخل ہونے والے دنیا میں رہتے ہوئے کسی قسم کی بے حیائی اور لغویات پسند نہیں کرتے تھے، جب کبھی انہیں ایسے ماحول سے واسطہ پڑتا تو وہ اس سے دامن بچا کر گزر جاتے تھے۔

﴿وَالَّذِيۡنَ لَا يَشۡهَدُوۡنَ الزُّوۡرَ وَاِذَا مَرُّوۡا بِاللَّغۡوِ مَرُّوۡا كِرَامًا﴾ (الفرقان : ٧٢)

’’الرحمٰن کے بندے وہ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور کسی بے ہودہ کام سے گزر ہو تو شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔‘‘

﴿وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ﴾ (المومنون : ٣)

’’مومن لغو سے بچتے ہیں۔‘‘

جنّت کی اس صفت کا ذکر کرنے کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید نے جنّت کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے کئی بار شراب اورشباب کا ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ جنّت میں ہرقسم کی آزادی، شراب اورشباب ہوگا تو پھر اس میں لغو اور بے ہودگی کا امکان بھی ہوسکتا ہے۔ اس لیے وضاحت کردی گئی کہ شراب، شباب ہرقسم کی نعمتیں اور آزادی ہونے کے باوجود جنّت میں کسی قسم کی آلودگی اور بے ہودگی نہیں پائی جائے گی۔ جنّت اور اس کا ماحول اس قدر پاک اورشفاف ہوگا کہ جس کا تصور ہی ہمارے ذہن میں پیدا نہیں ہوسکتا۔

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللّٰهُ أَعْدَدْتُّ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَالَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ فَاقْرَءُ وْا إِنْ شِئْتُمْ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِیَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْیُنٍ﴾)) (رواہ البخاری: باب ماجاء فی صفة الجنة وأنها مخلوقة)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے جو کچھ تیار کیا ہے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں خیال پیدا ہوسکتا ہے چاہو تو اللہ کا فرمان پڑھو۔ ”کوئی نہیں جانتا کہ جنتیوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا پوشیدہ رکھا گیا ہے۔“

مسائل

۱۔ قیامت کے دن جنتیوں کے چہرے خوش ہوں گے اور وہ اپنی کوشش پر راضی ہوں گے۔
۲۔ جنّت میں جنّتی کسی قسم کی بے ہودہ بات نہیں سنیں گے۔
۳۔ جنّت میں چشمے جاری ہوں گے اورقرینے کے ساتھ آبخورے رکھے ہوں گے اور جنت جنّتی اونچے مقامات پر جلوہ افروز ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

جنّت کے قالین، تکیے اور آبخورے:

۱۔ اللہ کے مخلص بندے نعمتوں والی جنّت میں ہوں گے ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہونگے۔ (الصّٰفّٰت:۴۳۔۴۴)
۲۔ پرہیز گاروں کے لیے عمدہ مقام ہے۔ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے اور ان میں تکیے لگا کر بیٹھے ہوں گے۔ (ص:۴۹ تا ۵۰)
۳۔ جنّتی سبز قالینوں اور رمسندوں پر تکیہ لگا کر بیٹھے ہوں گے۔ (الرحمٰن:۷۶)
۴۔ ہم ان کے دلوں سے کینہ نکال دیں گے اور سب ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے۔ انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے۔ (الحجر:۴۷۔۴۸)

اَفَلَا	يَنْظُرُوْنَ	اِلَى الْاِبِلِ	كَيْفَ	خُلِقَتْ ﴿١٧﴾	وَ اِلَى السَّمَآءِ
کیا پھر نہیں	دیکھتے وہ	اونٹ کی طرف	کیسے	پیدا کیا گیا ہے	اور آسمان کی طرف
كَيْفَ	رُفِعَتْ ﴿١٨﴾	وَاِلَى الْجِبَالِ	كَيْفَ	نُصِبَتْ ﴿١٩﴾	وَاِلَى الْاَرْضِ
کیسے	وہ بلند کیا گیا	اور پہاڑوں کی طرف	کیسے	نصب کیے گئے	اور زمین کی طرف
كَيْفَ	سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾				
کیسے	بچھائی گئی ہے				

''کیا یہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح تخلیق کیا گیا ہے۔(١٧) آسمان کو نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے بلند کیا گیا ہے؟(١٨) پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ انہیں کیسے نصب کیا گیا ہے؟(١٩) اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ یہ کس طرح بچھائی گئی ہے؟''(٢٠)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جو ذات نیک لوگوں کو اعلیٰ مقام پر فائز کرے گی اسی نے اونٹ کو عجیب الخلقت پیدا کیا اور آسمان کو بلندی پر ٹھہرایا اور پہاڑوں کو زمین پر نصب فرمایا۔

کیا لوگ اونٹ کی خِلقت پر غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کس طرح پیدا فرمایا ہے ؟ اور پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ یہ کس طرح زمین پر نصب کیے گئے ہیں ؟ اور زمین پر غور نہیں کرتے کہ اسے کس طرح بنایا اور بچھایا گیا ہے ؟ قرآن مجید نے زمین و آسمانوں کے بارے میں کئی مقامات پر واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں میں سے زمین و آسمان اور پہاڑ اس کی قدرت کی عظیم نشانیاں ہیں۔آسمان کے بارے میں ارشاد ہے کہ اسے بغیر ستونوں کے کھڑا کیا گیا ہے جس میں نہ کوئی شگاف ہے اور نہ ہی کسی طرف سے جھکا ہوا ہے ،نہ معلوم! آسمان کتنی مدت سے اس طرح کھڑا ہے اور یہ اس وقت تک کھڑا رہے گا جب تک اسے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔سورۃ النبا میں ذکر ہو چکا ہے کہ قیامت کے دن آسمان دروازوں کی شکل اختیار کر جائے گا اور بالآخر زمین پر گر پڑے گا۔ زمین کے بارے میں بتلایا ہے کہ اسے پانی پر بچھایا گیا ہے جو آج تک نہ کسی طرف سے جھکی ہے اور نہ ہی پانی میں غرق ہوئی ہے۔ (ہود: ٧) قیامت کے نزدیک زمین مختلف مقامات سے دھنس جائے گی اور پھر اس پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ اسے چٹیل میدان بنا دیا جائے گا۔زمین و آسمان کا حوالہ دینے سے پہلے اونٹ کی خِلقت پر غور کرنے کا ارشاد ہوا ہے۔

اونٹ کی تخلیق:

اس کے جسم کی فعالیت، اعضاء کے تفصیلی مطالعہ سے تلاش کرنے والوں کو بہت سے مسائل کا حل معلوم ہو سکتا ہے ،جسم انسانی کا درجۂ حرارت گرمی کی شدت کے دوران اعتدال پر رکھنے کے لیے پسینہ آتا ہے لیکن اونٹ صحرا

کی جھسا دینے والی گرمی میں کسی چھتری کے بغیر مزے سے چلتا ہے۔ جبکہ اس کے جسم میں پسینہ پیدا کرنے والے غدود نہیں ہوتے۔ شدید گرمی میں اس کا درجۂ حرارت کیونکر اعتدال پر رہتا ہے۔ اگر ہم اس کا جواب تلاش کر لیں تو ہم موسمی تغیرات کا مقابلہ کرنے کی آسانیاں حاصل کر سکتے ہیں۔صحرا میں جب پانی نہیں ملتا تو اونٹ کئی کئی دن پیاسا رہنے کے باوجود چاق و چوبند رہ سکتا ہے جبکہ اس کا سوار موت وحیات کی کش مکش میں مبتلا ہوتا ہے۔ پہلے خیال تھا کہ وہ پیٹ میں پانی کو ذخیرہ کر لیتا ہے مگر پوسٹ مارٹم پر اس کے معدہ میں پانی کا ذخیرہ رکھنے والی کوئی جگہ نہ مل سکی۔ پھر قیاس کیا گیا کہ یہ کوہان میں موجود اضافی چربی کو جلا کر پانی بنا لیتا ہے۔ کیلی فورنیا یونیورسٹی میں کیے گئے تجربات میں جن اونٹوں کو موت کی حد تک پیاسا رکھا گیا تھا ان کے جسموں میں چربی کی مقدار تقریباً اتنی ہی تھی جتنی کہ ان کے ہم وزن دوسرے تندرست اونٹوں میں تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا جسم ہوا کی ہائیڈروجن اور آکسیجن کو ملا کر پانی بنانے کی اہلیت رکھتا ہے جیسے کہ ایک ہی زمین پر ایک ہی کھاد اور پانی سے پرورش پانے والے درختوں میں سیب اور شہتوت جیسے میٹھے درختوں کے ساتھ نیم کا پودا تلخی حاصل کرتا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اونٹ کو عجیب الخِلقت پیدا فرمایا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بغیر ستونوں کے کھڑا کیا اور زمین کو پانی پر بچھایا ہے۔

۳۔ اونٹ کی خِلقت ،آسمان کی بلندی اور زمین کی وسعت اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

تفسیر بالقرآن

زمین وآسمان کی تخلیق کے بارے میں چند معلومات:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر نمونے کے زمین وآسمان بنائے۔ (البقرۃ :۱۱۷)

۲۔ اس نے آسمان وزمین کو برابر کیا۔ (البقرۃ: ۲۹) ۳۔ آسمان کو چھت اور زمین کو فرش بنایا۔ (البقرۃ :۲۲)

۴۔ زمین اور آسمانوں کو چھ دنوں میں بنایا۔ (الاعراف: ۵۴)

۵۔ کیا زمین وآسمان کی تخلیق مشکل ہے یا انسان کی پیدائش مگر اکثر لوگ جاہل ہیں۔ (الفاطر: ۵۷)

۶۔ دن اور رات کے مختلف ہونے اور زمین وآسمان کی پیدائش میں نشانیاں ہیں۔(یونس :۶)

۷۔ آسمانوں و زمین کی پیدائش، دن اور رات کی گردش، سمندر میں کشتیوں کے چلنے، آسمان سے بارش نازل ہونے، بارش سے زمین کو زندہ کرنے، چوپایوں کے پھیلنے، ہواؤں کے چلنے اور بادلوں کے مسخر ہونے میں نشانیاں ہیں۔(البقرۃ :۱۶۴)

۸۔ زمین وآسمان کے لیے بھی ایک وقت مقرر ہے۔ (الروم: ۸)

فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾

پس آپ نصیحت کریں یقیناً آپ نصیحت کرنے والے ہیں نہیں ہیں آپ ان پر ذمہ دار

اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿۲۳﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿۲۴﴾

مگر جس نے روگردانی کی اور کفر کیا اسے عذاب دے گا اللہ عذاب بہت بڑا

اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾

بلاشبہ ہماری ہی طرف ان کا لوٹ کر آنا ہے پھر یقیناً ہمارے ہی ذمہ ان کا حساب ہے

''اے نبی نصیحت کرتے رہیں آپ نصیحت کرنے والے ہیں۔(۲۱) آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔(۲۲) مگر جو شخص منہ موڑے گا اور انکار کرے گا۔ (۲۳) اللہ اس کو بڑا عذاب دے گا۔(۲۴)ان کا ہماری طرف ہی پلٹنا ہے۔ (۲۵) ہمارے ذمہ ہی ان کا حساب لینا ہے۔'' (۲۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اونٹ کی خِلقت ، پہاڑوں کی جسامت اور زمین کی وسعت کا ذکر فرما کر دین کے داعی کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ اسے بھی اپنے آپ میں یہ اوصاف پیدا کرنے چاہییے۔

اونٹ کی خِلقت ،آسمان کی بلندی اورزمین کی وسعت کا تذکرہ فرما کر نبی علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آپ ان لوگوں کو نصیحت کرتے جائیں، آپ کا فرض نصیحت کرنا ہے کیونکہ آپ کو ان پر چوکیدار اور کوتوال نہیں بنایا گیا۔ آپ کی پُرخلوص کوشش کے باوجود جو شخص اس نصیحت سے منہ پھیرے اور اس کا انکار کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بڑا عذاب دے گا کیونکہ بالآخر انہیں ہمارے پاس حاضر ہونا ہے اور ان کا حساب ہمارے ذمہ ہے۔اونٹ کی خِلقت ،آسمان کی بلندی اورزمین کی وسعت کا ذکر فرما کر یہ اشارہ دیا ہے کہ ایک داعی کا حوصلہ اونٹ کی طرح ہونا چاہیے جو بھوک، پیاس اورمشقت برداشت کرتے ہوئے اپنا سفر جاری رکھتا ہے اور اپنے مالک کی تابعداری کرتا ہے۔ آسمان کی بلندی کا ذکر فرما کر اشارہ کیا ہے کہ داعی کی سوچ اورعزم آسمان کی طرح بلند ہونی چاہیے اور اُسے دنیا کے نفع ونقصان سے بالاتر ہوکر دینِ حنیف کی خدمت اور لوگوں کی اصلاح اور فلاح کے لیے لگے رہنا چاہیے۔ زمین کا ذکر فرما کر بتلایا ہے کہ داعی میں زمین کی مانند حوصلہ اوروسعت ہونی چاہیے۔ جس داعی میں اونٹ کا حوصلہ ،سوچ اورعزم میں آسمان کی بلندی اور زمین جیسی وسعت اورظرف پایا جائے گا یقیناً وہ اپنے مقصد میں کامیاب ٹھہرے گا۔ اگر بظاہر اپنی دعوت میں کامیاب نہ ہو پائے تو تب بھی وہ زمین وآسمان کی وسعتوں سے زیادہ اجر پائے گا۔ جہاں تک مخالفت کرنے والوں کا تعلق ہے ان کا معاملہ ''اللہ'' کے حوالے کرنا چاہیے، وہی ان سے حساب لینا والا اور ان کو سزا دینے والا ہے کیونکہ اس کا فرمان ہے

کہ سب نے اس کے حضور پیش ہونا ہے اوراس نے ان سے حساب لینے کا ذمہ اٹھا رکھا ہے، لہٰذا داعی کا فرض نصیحت کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ ان سے حساب لینا ہے۔

مسائل

۱۔ ایک داعی کو پورے اخلاص کے ساتھ لوگوں کو نصیحت کرتے رہنا چاہیے۔
۲۔ الدّاعی کو لوگوں پر کوتوال بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔
۳۔ تمام لوگوں نے بالآخر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے۔
۴۔ جو شخص نصیحت سے منہ پھیرے اور انکار کرے گا اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو جزا دے گا اور بُرے لوگوں کو بڑے عذاب سے دوچار کرے گا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کا حساب لینے والا ہے :

۱۔ یا اللہ میرے حق میں فیصلہ فرمادے تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔(یوسف: ۸۰)
۲۔ بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔(ھود : ۴۵)
۳۔ وحی کی فرمانبرداری کرو اور صبر کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ فرمادے اللہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔(یونس:۱۰۹)
۴۔ آپ کا کام تبلیغ کرنا ہے اور حساب لیناہمارا کام ہے۔(الرعد:۴۰)
۵۔ سن لو! اللہ ہی کا حکم چلتا ہے اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔(الانعام :۶۲)
۶۔ خبردار اسی کے لیے حکم ہے اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔(الانعام:۶۲)
۷۔ صبر کرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔(الاعراف:۸۷)

سُورَةُ الفَجرِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوعُهَا: ٢ اٰيَاتُهَا: ٣٠

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

وَالَّيْلِ	وَالْوَتْرِ ۝۳	الشَّفْعِ	وَّ	لَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲	وَ	الْفَجْرِ ۝۱	وَ
اور رات کی	اور طاق کی	جفت کی	اور	دس راتوں کی	اور	فجر کی	قسم ہے

لِّذِيْ حِجْرٍ ۝۵	قَسَمٌ	فِيْ ذٰلِكَ	هَلْ	يَسْرِ ۝۴	اِذَا
صاحبِ عقل کے لیے	بڑی قسم ہے	اس میں	یقیناً	وہ گزر جاتی ہے	جب

”قسم ہے فجر کی۔(۱) اور دس راتوں کی۔(۲) اور جفت اور طاق کی۔(۳) اور رات کی جب وہ رخصت ہوتی ہے۔(۴) یقیناً اس میں صاحبِ عقل لوگوں کے لیے بڑی قسم ہے۔“(۵)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورہ الغاشیہ کے آخر میں ارشاد ہوا کہ سب کو ہمارے پاس آنا ہے اور ہمارے ذمہ ان کا حساب لینا ہے۔ الفجر کے آغاز میں چار قسمیں اٹھا کر بتلایا ہے کہ جس رب نے عاد، ثمود اور فرعون جیسے ظالموں کو دنیا میں عبرت ناک سزا دی۔ کیا وہ آخرت میں ظالموں کی پکڑ نہیں کرے گا؟ کیوں نہیں وہ ظالموں کی ضرور پکڑ کرے گا کیونکہ وہ بڑا طاقتور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا بھی پانچ قسموں سے فرمائی ہے۔ارشاد ہوا ہے کہ قسم ہے صبح صادق کی! قسم ہے دس راتوں کی! قسم ہے جفت اور طاق کی اور قسم ہے رات کی جب وہ ختم ہونے پر آتی ہے۔ بلاشبہ عقل مندوں کے نزدیک ان چیزوں کی قسم اہمیت رکھتی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کی نشانیاں ہیں اور ہر نشانی میں عقل مند کے لیے اپنے رب کو پہچاننے کا سبق اور ثبوت موجود ہے۔ رات پر غور کریں کہ زمین و آسمانوں میں کوئی ایسی ہستی نہیں جو بڑی سے بڑی ایمرجنسی میں رات کو چھوٹا یا بڑا کر سکے۔ سورج غروب ہوتے ہی رات اپنی سیاہ فام چادر میں پوری دنیا کو لپیٹ میں لے لیتی ہے لیکن جونہی سورج طلوع ہونا شروع ہوتا ہے، تو رات کا اندھیرا اس طرح پیچھے ہٹتا چلا جاتا ہے جس طرح کسی چیز سے آہستہ آہستہ پردہ اٹھایا جائے، راتیں بظاہر ایک جیسی ہوتی ہیں لیکن ان میں کچھ راتیں ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور ان میں خاص فیصلے صادر کیے ہیں، ان راتوں میں لیلۃ القدر افضل ترین رات ہے جس میں بڑے بڑے فیصلے صادر ہوتے ہیں۔ لیلۃ القدر کے بعد ذوالحجہ کی پہلی دس راتیں ہیں جن میں یومِ عرفہ کی رات بھی شامل ہے۔۹ ذوالحجہ کو عرفات کے مقام پر حجاج کرام حج کا رکنِ اعظم ادا کرتے ہوتے اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس دن ہر حاجی کے گناہ معاف

کردیتا ہے بشرطیکہ وہ شرک و بدعت سے توبہ کرنے والا ہو۔ یومِ عرفہ کے سورج غروب ہونے کے بعد حجاج کرام مزدلفہ میں قیام کرتے ہیں اور صبح حج کے چار ارکان ادا کرنے کے لیے منٰی کی طرف نکل پڑتے ہیں جن میں قربانی کرنا، سرمنڈوانا، کنکریاں مارنا اور طوافِ افاضہ کرنا شامل ہے۔ ان ایام کی دس راتیں بڑی فضیلت والی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان راتوں کی فضیلت اجاگر کرنے کے لیے ان کی قسم اٹھائی ہے تاکہ ان راتوں میں اس کے بندے اس کی رحمت کے طلبگار بن جائیں اور اس کے لیے بھرپور کوشش کریں، رات کے جانے، فجر کے آنے اور جفت اور طاق دس راتوں کی قسم کھائی ہے۔ جفت اور طاق کے بارے میں مفسرین کی مختلف آراء ہیں جن میں دو اہم آراء یہ ہیں۔ طاق سے مراد اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات ہے اور جفت سے مراد پوری مخلوق ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے جفت یعنی جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان الفاظ کا مفہوم کما حقہ ہم نہیں سمجھ سکتے تاہم تفہیم کی آسانی کے لیے یہ کہہ سکتے ہیں کہ دن اور رات، روشنی اور اندھیرا، سورج اور چاند، زمین اور آسمان، چھاؤں اور دھوپ، حرارت اور برودت، مذکر اور مؤنث نیکی اور بُرائی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے پھلوں کے بھی جوڑے جوڑے پیدا کیے ہیں۔ جن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پائی جاتی ہے، اس لیے جفت اور طاق کی قسم کھانے میں عقل مندوں کے لیے عبرت کا سبق موجود ہے۔

((عَنْ جَابِرٍ ؓ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ﴿وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ قَالَ عَشْرُ الْأُضْحِيَةِ، وَالْوَتْرُ يَوْمُ عَرَفَةَ، وَالشَّفْعُ يَوْمُ النَّحْرِ)) (مستدرك حاكم: قال الذهبی هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه)

”حضرت جابر ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے سورہ فجر کی ابتدائی آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ عشر سے مراد دس ذوالحجہ، وتر سے مراد یوم عرفہ اور شفع سے مراد قربانی کا دن ہے۔“

((عَنْ عَائِشَةَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَا مِنْ يَوْمٍ أَكْثَرَ مِنْ أَنْ يُعْتِقَ اللّٰهُ فِيهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَإِنَّهُ لَيَدْنُو ثُمَّ يُبَاهِي بِهِمُ الْمَلَائِكَةَ فَيَقُولُ مَا أَرَادَ هٰؤُلَاءِ))

(رواه مسلم: باب فِي فَضْلِ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ وَيَوْمِ عَرَفَةَ)

”حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عرفہ کے علاوہ کوئی اور دن ایسا نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ کثرت کے ساتھ بندوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہو۔ اس دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے بہت قریب ہوتا ہے اور فرشتوں کے سامنے ان (حجاج) کی وجہ سے فخر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فجر، دس راتوں، جفت اور طاق اور رات کی قسم اٹھا کر فرمایا ہے کہ یہ چیزیں سوچنے والے کے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

اَلَمۡ	تَرَ	كَيۡفَ	فَعَلَ	رَبُّكَ	بِعَادٍ ۝۶	اِرَمَ	ذَاتِ الۡعِمَادِ ۝۷
کیا نہیں	دیکھا	کیسا	سلوک کیا	آپ کے رب نے	عاد کے ساتھ	ارم	جو ستونوں والے تھے
الَّتِىۡ	لَمۡ	يُخۡلَقۡ	مِثۡلُهَا	فِى الۡبِلَادِ ۝۸	وَثَمُوۡدَ	الَّذِيۡنَ	جَابُوا
وہ جو	نہیں	پیدا کیا گیا	اُن جیسا	شہروں میں	اور ثمود	وہ جو	تراشتے تھے
الصَّخۡرَ	بِالۡوَادِ ۝۹	وَفِرۡعَوۡنَ	ذِى الۡاَوۡتَادِ ۝۱۰	الَّذِيۡنَ	طَغَوۡا	فِى الۡبِلَادِ ۝۱۱	
چٹانوں کو	وادی میں	اور فرعون	میخوں والے	وہ جنہوں نے	سرکشی کی	شہروں میں	
فَاَكۡثَرُوۡا	فِيۡهَا الۡفَسَادَ ۝۱۲	فَصَبَّ	عَلَيۡهِمۡ	رَبُّكَ	سَوۡطَ		
پھر زیادہ کیا انہوں نے	ان میں فساد	تو برسایا	ان پر	آپ کے رب نے	کوڑا		
عَذَابٍ ۝۱۳	اِنَّ	رَبَّكَ	لَبِالۡمِرۡصَادِ ۝۱۴				
عذاب کا	بلاشبہ	آپ کا رب	ضرور گھات میں ہے				

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا۔(۶) اونچے ستونوں والے عادِ ارم کے ساتھ بھی۔(۷) اس جیسی کوئی قوم پیدا نہیں کی گئی۔(۸) اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے وادیوں اور پہاڑوں کو تراش کر اپنے گھر بنا رکھے تھے۔(۹) اور میخوں والے فرعون کے ساتھ۔(۱۰) وہ لوگ تھے جنہوں نے شہروں میں بڑی سرکشی کی۔(۱۱) اور ان میں بہت فساد برپا کیا۔(۱۲) آخر کار آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسادیا۔(۱۳) حقیقت یہ ہے کہ آپ کا رب گھات میں ہے۔''(۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں جس طرح اس کی قدرت کی نشانیاں پائی جاتی ہیں اسی طرح یہ بات بھی اس کی قدرت اور قوت کا مظہر ہے کہ اس نے عاد اور ثمود جیسی قوموں کو نیست و نابود کیا جن کی تباہی سے لوگوں نے سکون پایا۔

موجودہ جغرافیے کے مطابق قومِ عاد کی رہائش عمان اور یمن کے علاقے حضر موت کے درمیان تھی یہ علاقہ سمندر کے کنارے پر واقع تھا یہاں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے اور بلند و بالا پہاڑ تھے۔ اس کے باسی جسمانی اعتبار سے دراز قامت، کڑیل جوان اور قوی ہیکل تھے دنیا میں ان کا ثانی کوئی نہیں پیدا کیا گیا۔ انھوں نے پہاڑ تراش، تراش کر خوبصورت محلات تعمیر کر رکھے تھے ان کی سرزمین نہایت سرسبز تھی جس میں ہر قسم کے باغات لہلہاتے تھے انھیں قرآن مجید میں ''احقاف والے'' بھی کہا گیا ہے۔ احقاف ریت کے بڑے بڑے ٹیلوں کو کہا جاتا ہے جو عرب کے جنوب مغربی حصہ میں واقع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی علاقہ میں حضرت ھود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جو خوش اندام کڑیل جوان اور بہترین صورت و سیرت کے حامل تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے لمبی مدت تک اپنی قوم کو سمجھایا مگر قوم سمجھنے کے لیے تیار نہ ہوئی۔

قومِ عاد کے جرائم:

۱۔ قومِ عاد نے خود ساختہ معبود بنا رکھے تھے ان کے سامنے اپنی حاجات و مشکلات پیش کرتے تھے۔ (الاعراف:۷۰)

۲۔ یہ لوگ آخرت کو جھٹلانے اور دنیا پر اترانے والے تھے۔ (المؤمنون : ۳۳)

۳۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اس دنیا کے سوا اور کوئی جہاں برپا نہیں ہوگا۔ (المؤمنون : ۳۷)

۴۔ یہ اپنی قوت پر اترانے والے تھے۔ (حٰمٓ السجدۃ : ۱۵)

اس قوم کی تباہی کا ایک منظر:

۱۔ ان پر سات راتیں اور آٹھ دن زبردست آندھی اور ہوا کے بگولے چلے۔ (الحاقۃ :۷) (الشعراء :۲۰)

۲۔ گرج چمک اور بادو باراں کا طوفان آیا۔ (الاحقاف:۲۴)

۳۔ آندھیوں نے انھیں کھجور کے تنوں کی طرح پٹخ پٹخ کر دے مارا۔ (الحاقۃ : ۷)

۴۔ انھیں ریزہ ریزہ کر دیا گیا۔ (الذاریات:۴۱، ۴۲)

۵۔ دنیا میں ذلیل و خوار ہوئے اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔(السجدۃ : ۱۶،ھود :۵۹)

۶۔ قوم ھود کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ (الاعراف: ۷۲)

قومِ صالح کے جرائم:

۱۔ قومِ صالح اللہ کے ساتھ شرک کیا کرتی تھیں۔ (ھود :۶۲۔۶۱)

۲۔ ثمود انبیاء کو جھوٹا قرار دیتے تھے۔ (الشعراء : ۱۴۱)

۳۔ وہ لوگ بہت زیادہ اسراف، تکبر اور زمین میں فساد کرنے والے تھے۔ (الشعراء: ۱۵۲، ۱۵۱)

۴۔ قومِ ثمود ہدایت کے بجائے گمراہی کو پسند کرتی تھی۔ (حٰمٓ السجدۃ:۱۷)

۵۔ انھوں نے اللہ کی نشانی کو جھٹلایا۔ (ھود : ۶۶)

قومِ ثمود کی ہلاکت کا منظر:

۱۔ قومِ ثمود کو تین دن کی مہلت دی گئی۔ (ھود : ۶۵)

۲۔ قومِ ثمود کو صبح کے وقت ہولناک دھماکے نے آلیا اور ان کا مال واسباب ان کے کچھ کام نہ آئے۔ (الحجر۸۳۔۸۴)

۳۔ ہم نے ان پر ہولناک چیخ نازل کی وہ ایسے ہو گئے جیسے بوسیدہ اور سوکھی ہوئی باڑ ہوتی ہے۔ (القمر : ۳۱)

فرعون اور اس کے ساتھیوں کا انجام:

فرعون مصر کے حکمران کا اصلی نام نہیں بلکہ اس کا سرکاری لقب تھا۔ قدیم تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ یمن کا حکمران تبع، حبشہ کا بادشاہ نجاشی، روم کا حکمران قیصر، ایران کا فرمانروا کسریٰ کہلواتا اور ہندوستان کے حکمران اپنے آپ کو راجا کہلوانا پسند کرتے تھے۔جس طرح آج کل صدارتی نظام میں حکمران پریذیڈنٹ اور پارلیمانی نظام

رکھنے والے ممالک میں وزیر اعظم اور جرمن کا حکمران چانسلر کہلواتا ہے اسی طرح ہی مصر کا بادشاہ سرکاری منصب کے حوالے سے فرعون کہلواتا تھا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جس فرعون سے واسطہ پڑا اس کا نام قابوس یا رعمیس تھا۔ یہ اپنے آپ کو خدا کا اوتار سمجھتے ہوئے لوگوں کو یہ تاثر دینے میں کامیاب ہوا کہ اگر میں خدا کا اوتار نہ ہوتا تو دنیا کی سب سے بڑی مملکت کا فرمانروا کیسے ہوسکتا تھا۔ پھر اس نے لوگوں کے مزاج اور مشرکانہ عقائد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے آپ کو رب اعلیٰ قرار دیا۔قوم اور موسیٰ علیہ السلام کے سامنے دعویٰ کیا کہ زمین و آسمان میں مجھ سے بڑھ کر کوئی رب نہیں ہے میں ہی سب دیوتاؤں سے بڑا دیوتا اور سب سے اعلیٰ اور اولیٰ کائنات کا رب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی جھوٹی خدائی کے پرخچے اڑانے اور اس کی کذب بیانی کا پول کھولنے کے لیے اسی کے گھر میں پرورش پانے والے موسیٰ علیہ السلام کو رسول منتخب فرمایا۔ فرعون کو میخوں والا اس لیے کہا گیا ہے۔① وہ اسلحہ کے لحاظ سے بڑا طاقتور تھا۔ ② فرعون اپنے مخالفوں پر اس قدر ظلم کرتا کہ ان کے جسم پر کیل ٹھونک دیتا تھا بعض مفسرین کے مطابق اس نے اپنی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی تھی اسے بھی یہی سزا دی تھی۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے عادِ اولیٰ اور عادِ ثانیہ کو ہلاک کیا۔۲۔ اللہ تعالیٰ نے ثمود جیسی قوم دوبارہ پیدا نہیں کی۔

۳۔ قومِ ثمود نے پہاڑوں میں مکانات تعمیر کیے۔۴۔قومِ ثمود نے ملک میں بہت زیادہ فساد برپا کر رکھا تھا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ ثمود پر عذاب نازل کیا اور انہیں نیست و نابود کر دیا۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد اور آل فرعون تباہ کر دیا۔

تفسیر بالقرآن

قومِ ثمود کی ہلاکت کا ایک منظر:

۱۔ قومِ ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے عذاب کا مطالبہ کیا۔ (الاعراف:۷۷)

۲۔ انھوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور وہ نادم ہونے والوں میں سے ہو گئے۔ (الشعراء : ۱۵۷)

۳۔ قومِ ثمود کے بدبختوں نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ الشمس: ۱۴)

۴۔ ثمود زور دار آواز کے ساتھ ہلاک کیے گئے۔ (الحاقہ : ۵)

۵۔ قوم عاد و ثمود کے اعمال بد کو شیطان نے ان کے لیے فیشن بنا دیا تھا۔ (العنکبوت: ۳۸)

۶۔ قومِ ثمود کو زلزلے نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ (الاعراف:۷۸)

۷۔ قومِ ثمود کو چیخ نے آ پکڑا۔ وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے تھے۔ (ھود :۶۷)

قومِ عاد کے بارے میں تفصیلاً الاعراف کے رکوع ۱۶ جبکہ آل فرعون کے بارے میں سورۃ یونس رکوع ۱۲، ۱۳ کا مطالعہ کریں۔

فَاَمَّا	الۡاِنۡسَانُ	اِذَا مَا	ابۡتَلٰىهُ	رَبُّهٗ	فَاَكۡرَمَهٗ	وَنَعَّمَهٗ ۙ	
پس لیکن	انسان	جب	آزماتا ہے اس کو	اس کا رب	پھر عزت دیتا ہے اس کو	اور نعمت دیتا ہے اس کو	
فَيَقُوۡلُ	رَبِّىۡۤ	اَكۡرَمَنِ ؕ ⑮	وَاَمَّاۤ	اِذَا مَا	ابۡتَلٰىهُ	فَقَدَرَ	عَلَيۡهِ
تو وہ کہتا ہے	میرے رب نے	مجھے عزت بخشی	اور لیکن	جب	وہ آزماتا ہے	پھر تنگ کرتا ہے	اس پر
رِزۡقَهٗ ۙ	فَيَقُوۡلُ	رَبِّىۡۤ	اَهَانَنِ ۚ ⑯	كَلَّا	بَلۡ	لَّا تُكۡرِمُوۡنَ	
اس کا رزق	تو وہ کہتا ہے	میرے رب نے	میری توہین کر دی ہے	ہرگز نہیں	بلکہ	نہیں تم عزت کرتے	
الۡيَتِيۡمَ ۙ ⑰	وَلَا	تَحٰٓضُّوۡنَ	عَلٰى طَعَامِ	الۡمِسۡكِيۡنِ ۙ ⑱	وَتَاۡكُلُوۡنَ		
یتیم کی	اور نہیں	تم ترغیب دیتے	کھانا کھلانے کی	مسکین کو	اور تم کھا جاتے ہو		
التُّرَاثَ	اَكۡلًا لَّـمًّا ۙ ⑲	وَّتُحِبُّوۡنَ	الۡمَالَ	حُبًّا	جَمًّا ؕ ⑳		
میراث کا مال	خوب سمیٹ سمیٹ کر	اور تم محبت کرتے ہو	مال سے	محبت	بہت زیادہ		

”لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ جب اس کا رب اس کی آزمائش کرتا ہے اور اسے عزت اور نعمت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت بخشی ہے۔(١٥) اور جب اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اس کا رزق اس پر تنگ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔(١٦) ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے۔(١٧) اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے۔(١٨) اور میراث کا سارا مال کھا جاتے ہو۔(١٩) اور مال کے ساتھ بہت زیادہ محبت کرتے ہو۔“(٢٠)

فہم القرآن

ربطِ کلام: عاد، ثمود اور فرعون ہی نہیں ”رب ذوالجلال“ جب چاہے کسی باغی انسان کو پکڑ لے اور اسے آزمائش میں مبتلا کر دے کیونکہ ہر وقت انسان اپنے رب کی نگرانی میں ہے۔

انسان کی عادت ہے کہ جب اسے اس کا رب مال اور تکریم عطا کرتا ہے تو وہ سوچتا اور کہتا ہے کہ مجھے میرے رب نے عزت عطا فرمائی ہے اور جب اس کا رب اسے رزق کی تنگی کے ساتھ آزماتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا ہے حالانکہ اکثر مال داروں کی حالت یہ ہے کہ وہ یتیم کے حقوق کا خیال نہیں رکھتے اور مسکینوں کو نہ کھانا کھلاتے ہیں اور نہ دوسروں کو ترغیب دیتے ہیں بلکہ یتیموں اور مسکینوں کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں اور مال کے ساتھ بے حد محبت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ اگر وہ یتیموں، مسکینوں اور فی سبیل اللہ کے کاموں پر خرچ کرتا ہے تو اس کی طبیعت میں کشادگی اور راحت پیدا ہوتی ہے اگر وہ غریبوں کے حقوق ادا نہیں کرتا تو اس کے دل میں بخل بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس بنا پر مال کے بارے میں اس کی حرص بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ایسے شخص کا ضمیر بن جاتا ہے کہ اگر اسے مال اور تکریم حاصل ہو تو وہ اپنے رب پر خوش ہوتا ہے اور اگر اسے

مال کی آزمائش میں مبتلا کر دیا جائے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مال اور جاہ وحشمت نیکی اور حقیقی عزت کا معیار نہیں۔ اس کے نزدیک یہ انسان کی آزمائش کا ذریعہ اور طریقہ ہے کہ وہ کسی کو مال اور منصب دے کر آزماتا ہے اور کسی سے چھین کر آزمائش کرتا ہے۔ لیکن دنیا دار شخص ان چیزوں کو اپنے رب کی رضا کا سرٹیفکیٹ سمجھتا ہے حالانکہ یہ چیزیں نیک لوگوں کے مقابلے میں دنیا داروں کو زیادہ میسر ہوتی ہیں۔

مومن کی عظمت:

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ ﷺ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَأُتِيَ بِجُمَّارٍ فَقَالَ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً مَثَلُهَا كَمَثَلِ الْمُسْلِمِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَقُولَ هِيَ النَّخْلَةُ فَإِذَا أَنَا أَصْغَرُ الْقَوْمِ فَسَكَتُّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ هِيَ النَّخْلَةُ)) (رواه البخاری: باب الفهم فی العلم)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ کے پاس کھجوریں لائیں گئیں آپ ﷺ نے سوال کیا کہ بتلاؤ درختوں میں سے ایک ایسا درخت ہے جو مومن کی مانند ہے؟ میں نے ارادہ کیا کہ بتلاؤں کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں قوم میں سے سب سے چھوٹا تھا اس لیے میں خاموش رہا تو آپ ﷺ نے خود جواب دے دیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔“

سخی اور بخیل میں فرق:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلُ الْبَخِيْلِ وَالْمُتَصَدِّقِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُنَّتَانِ مِنْ حَدِيْدٍ قَدِ اضْطُرَّتْ اَيْدِيْهِمَا اِلٰى ثُدِيِّهِمَا وَتَرَاقِيْهِمَا فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ كُلَّمَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ انْبَسَطَتْ عَنْهُ وَجَعَلَ الْبَخِيْلُ كُلَّمَا هَمَّ بِصَدَقَةٍ قَلَصَتْ وَاَخَذَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ بِمَكَانِهَا))(رواه البخاری: باب مَثَلِ الْمُتَصَدِّقِ وَالْبَخِيلِ)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا: بخیل اور صدقہ کرنے والے کی مثال ان دو آدمیوں کی طرح ہے جنہوں نے زرہ پہن رکھی ہو اس کے ہاتھوں کو اس کی چھاتیوں اور سینے کے ساتھ جکڑ دیا گیا ہو۔ صدقہ دینے والا صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو زرہ کشادہ ہو جاتی ہے، بخیل صدقہ کرنے کا خیال کرتا ہے تو زرہ سمٹ جاتی اور ہر کڑی اپنی اپنی جگہ پر سخت ہو جاتی ہے۔“

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَا ابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِيْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِيْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ عُدْتَّهٗ لَوَجَدْتَّنِيْ عِنْدَهٗ يَا ابْنَ اٰدَمَ اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِيْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اُطْعِمُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِيْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ اَطْعَمْتَهٗ لَوَجَدْتَّ ذٰلِكَ عِنْدِيْ يَا ابْنَ اٰدَمَ اسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِيْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَسْقِيْكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اسْتَسْقَاكَ عَبْدِيْ فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهٖ اَمَا

عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهُ وَجَدْتَّ ذَالِكَ عِنْدِی)) (رواہ مسلم: باب فضل عیادۃ المریض)
''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا اے آدم کے بیٹے! میں بیمار پڑا تو تُو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔ بندہ عرض کرے گا میرے پروردگار میں آپ کی بیمار پرسی کیسے کرتا؟ کیونکہ آپ ہی تو رب العالمین ہے اس پر اللہ فرمائے گا۔ تو نہیں جانتا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو نے اس کی بیمار پرسی نہ کی اگر تو اس کی بیمار پرسی کے لیے آتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا لیکن تو نے مجھے نہ کھلایا؟ بندہ جواب دے گا، اے میرے رب! میں تجھے کھانا کیسے کھلاتا تو تو جہانوں کو رزق دینے والا ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھے معلوم نہیں میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے اس کو کھلانے سے انکار کردیا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو اس کا بدلہ میرے پاس پاتا۔ آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی طلب کیا لیکن تو نے مجھے پانی نہ پلایا وہ عرض کرے گا، اے میرے رب! میں تجھے کیسے پانی پلاتا جب کہ تو تو جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے اسے پانی نہیں پلایا کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو نے اس کو پانی پلایا ہوتا تو آج میرے پاس تو اپنے لیے مشروبات پاتا۔''

((عَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلَى جَنْبِهِ)) (رواہ البیهقی: باب صَاحِبِ الْمَالِ لَا يَمْنَعُ الْمُضْطَرَّ فَضْلًا إِنْ كَانَ عِنْدَهُ)
''حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا جو خود سیر ہو کر کھائے اور اس کا ہمسایہ اس کے پہلو میں بھوکا رہے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی نعمت دے کر آزماتا ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ غربت کے ذریعے بھی انسان کی آزمائش کرتا ہے۔
۳۔ دنیادار کو نعمت ملتی ہے تو رب کی تعریف کرتا ہے اور جب نعمت چھن جاتی ہے تو اپنے رب کا شکوہ کرتا ہے۔
۴۔ مال سے محبت کرنے والے لوگ یتیموں اور مسکینوں کا خیال نہیں رکھتے۔
۵۔ مال سے محبت رکھنے والے لوگ یتیموں اور مسکینوں کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں۔
۶۔ دنیادار لوگوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ حد سے زیادہ مال سے محبت رکھتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

یتیموں اور مسکینوں کے حقوق:

۱۔ یتیم تمہارے بھائی ہیں۔ (البقرۃ:۲۲۰) ۲۔ یتیموں کی اصلاح میں بہتری ہے۔ (البقرۃ:۲۲۰)
۳۔ یتیم کو جھڑکنے کی ممانعت ہے۔ (الضحیٰ:۹) ۴۔ یتیم کا مال کھانا بہت بڑا گناہ ہے۔ (النساء:۲)
۵۔ والدین، یتیموں، اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔ (النساء:۳۶)

كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ

ہرگز نہیں | جب | کوٹ کر ہموار کر دی جائے گی | زمین | ریزہ ریزہ کر کے | اور آئے گا | آپ کا رب

وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ

اور فرشتے | صف بہ صف | اور اس دن جہنم لائی جائے گی | اس دن | یاد کرے گا | انسان

وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿٢٣﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِىْ ﴿٢٤﴾

اور کیونکر | اس کے لیے | یاد کرنا | وہ کہے گا | اے کاش! | میں نے آگے بھیجا ہوتا | اپنی زندگی کے لیے

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٥﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٦﴾

چنانچہ اس دن | نہیں | عذاب دے گا اس جیسا عذاب | کوئی بھی | اور نہ | جکڑے گا | اس جیسا جکڑنا | کوئی بھی

”ہرگز نہیں جب زمین کوٹ کوٹ کر برابر کر دی جائے گی۔(٢١) اور آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اس حال میں کہ فرشتے قطار اندر قطار کھڑے ہوں گے۔(٢٢) اور اس دن جہنم سامنے لائی جائے گی، اس دن انسان کو سمجھ آئے گی مگر اس وقت اس کے سمجھنے کا کیا فائدہ؟۔(٢٣) وہ کہے گا کہ کاش میں نے اس زندگی کے لیے کوئی پیشگی سامان کیا ہوتا۔(٢٤) اس دن اللہ جو عذاب دے گا اس جیسا عذاب دینے والا کوئی نہیں ہے۔(٢٥) اور اللہ جس طرح جکڑے گا ویسا جکڑنے والا کوئی نہیں ہے۔“ (٢٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس مال پر انسان اتراتا اور اسے جمع کر کے رکھتا ہے اس مال اور پوری دنیا کا انجام۔

دنیا دار انسان شعوری یا غیر شعوری طور پر سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا حالانکہ دنیا اور اس کی ہر چیز عارضی ہے، ایک وقت آنے والا ہے جب اس زمین پر زلزلے واقع ہوں گے اور ہر چیز تہس نہس کر دی جائے گی زمین و آسمان بدل دیئے جائیں گے اور لوگوں کو محشر کے میدان میں جمع کر لیا جائے گا۔ جب لوگ محشر کے میدان میں جمع ہو جائیں گے تو جبریلِ امین اور تمام ملائکہ قطار اندر قطار کھڑے ہوں گے۔ (النبا:٣٨)

ملائکہ، انسان اور جنات ربِ ذوالجلال کی تشریف آوری کا انتظار کر رہے ہوں گے تو اچانک زمین و آسمان کی ہر چیز روشن ہو جائے گی۔(الزمر:٦٩) جب ہر چیز جگمگا اٹھے گی تو رب ذوالجلال مخصوص ملائکہ کے ساتھ زمین پر جلوہ نما ہوں گے۔ اس دن جہنم کو حاضر کر لیا جائے جب مجرم جہنم کو دیکھے گا تو آہ وزاریاں کرتے ہوئے کہے گا کہ کاش! میں کوئی نیکی کر لیتا جس کا آج مجھے فائدہ پہنچتا لیکن اس دن نصیحت حاصل کرنے کا اسے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہر مجرم کی اس طرح گرفت کرے گا کہ کوئی بڑے سے بڑا طاقتور بھی اس طرح نہیں پکڑ سکتا پھر اسے اس کے جرائم کے مطابق ایسی سزا دی جائے گی کہ اس جیسی سزا کوئی اور نہیں دے سکتا۔ دنیا میں بے شمار ایسے مجرم ہوتے ہیں جو اپنے اثر ورسوخ کی وجہ سے سزا سے بچ جاتے ہیں لیکن قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ کوئی مجرم ربِ ذوالجلال کی پکڑ اور سزا سے نہیں بچ سکے گا۔ ہر

مجرم کو اس کے جرائم کے مطابق ٹھیک ٹھیک سزادی جائے گی ایسی سزا جس میں کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنے لیے ''جاء ربک'' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں کہ آپ کا رب ملائکہ کے ساتھ آئے گا۔ اس فرمان کے بارے میں بعض مفسرین نے بہت قیل و قال کی ہے ان کی منہ شگافیوں کامفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح تشریف لائے گا اور کیا اس وقت اس کا عرش خالی ہوجائے گا۔ اس قیل و قال کے دو ہی جواب ہوسکتے ہیں۔

ا۔اس دن زمین و آسمان اور پوری کائنات کو بدل دیا جائے گا ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش آسمانوں کی بجائے زمین پر ہو۔

۲۔دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ سوچ انسان کے محدود تصور کا نتیجہ ہے کیونکہ انسان اس سے آگے سوچ ہی نہیں سکتا اس لیے قیامت کے معاملات کو اپنی سوچ پر قیاس کرنا جائز نہیں۔اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسا سوچنے کی اس لیے اجازت نہیں کیونکہ اس کا فرمان ہے۔

﴿لَيۡسَ كَمِثۡلِهِۦ شَيۡءٌ﴾ (الشوریٰ : ۱۱)

اللہ تعالیٰ کسی چیز کی مثل نہیں لہٰذا اس کی ذات اورصفات کو کسی کی ذات اورصفات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اس نظام کو موجودہ نظام پر قیاس نہیں کرسکتے۔

مسائل

۱۔ قیامت کے دن زمین پوری طرح ہلا کر رکھ دی جائے گی،جس سے زمین چٹیل میدان بن جائے گی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن محشر کے میدان میں جلوہ نما ہوگا۔جبرئیل امین علیہ السلام اورفرشتے قطار اندر قطار کھڑے ہوں گے۔

۳۔ قیامت کے دن مجرم اپنے آپ پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہیں گے۔کاش!ہم آج کے دن کے لیے اچھے اعمال کرتے۔

۴۔ قیامت کے دن جہنم کولوگوں کے سامنے لایا جائے گا۔

۵۔ اس دن اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر نہ کسی کی پکڑ ہوگی اور نہ اس سے زیادہ کوئی سزا دینے والا ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ کی عدالت کا ایک منظر:

۱۔ اللہ تعالیٰ انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائیں گے اورلوگوں پرظلم نہیں کیاجائے گا۔(یونس:۵۴)

۲۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حق کے ساتھ فیصلہ فرمائیں گے اور کسی پرظلم نہیں ہوگا۔(الزمر:۶۹)

۳۔ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں مجرم کی سفارش قبول نہ ہوگی۔(البقرۃ:۴۸)

۴۔ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں خریدوفروخت، دوستی اور کسی کی سفارش کام نہ آئے گی۔(البقرۃ:۲۵۴)

رَاضِيَةً	اِلٰى رَبِّكِ	ارْجِعِىٓ	الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾	النَّفْسُ	يٰٓاَيَّتُهَا
راضی ہونے والی	اپنے رب کی طرف	تو لوٹ	اطمینان والی	روح	اے
جَنَّتِىْ ﴿۳۰﴾	وَادْخُلِىْ	فِىْ عِبٰدِىْ ﴿۲۹﴾	فَادْخُلِىْ		مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾
میری جنت میں	اور داخل ہو جا	میرے بندوں میں	تو داخل ہو جا		پسندیدہ

رکوع ۱ / ۱۴

''اے اطمینان پانے والی روح اپنے رب کی طرف لوٹ جا۔(۲۷) اس حال میں کہ تو راضی اور خوش ہونے والی ہے۔ (۲۸) پس تو میرے بندوں میں شامل ہو جا۔(۲۹) اور میری جنت میں داخل ہو جا۔'' (۳۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مجرموں کے مقابلے میں نیک لوگوں کا اجر اور مقام۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نفس انسانی کی تین حالتیں بیان کی ہیں۔

۱۔ **نفس مطمئنة:** ہر حال میں مطمئن یعنی نیکی پر قائم رہنے والا۔ (الفجر:۲۷)

۲۔ **نفس لوّامه:** گناہ پر ملامت کرنے والا (القیامہ:۲)

۳۔ **نفس امّاره:** گناہ پر اُبھارنے والا (یوسف:۵۳)

یہ انسان کے دل کی تین حالتیں ہیں نفس مطمئنہ صرف انبیاء کو نصیب ہوتا ہے باقی انسانوں کے نفس کی دو کیفیتیں ہوتی ہیں۔ (۱) نفسِ امّارہ اور نفسِ لوّامہ۔ ان کے درمیان مقابلہ رہتا ہے اگر نفس لوّامہ جیت جائے تو انسان کو نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے اور اگر نفس امّارہ غالب آجائے تو آدمی برائی کا مرتکب ہوتا ہے۔

قیامت کے دن ایک طرف مجرموں کو جکڑا جا رہا ہوگا اور دوسری طرف ہر نیک کے لیے یہ اعلان ہوگا کہ اے میرے نیک بندے! اپنے رب کے حضور راضی خوشی حاضر ہوجا اور میرے بندوں میں شامل ہوکر میری جنت میں داخل ہوجا۔

''جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب ''اللہ'' ہے اور اس پر ثابت قدم رہے یقیناً اُن پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو، اور نہ غم کرو، بلکہ اُس جنت کے بارے میں خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی ساتھی ہوں گے، وہاں جو چاہو گے تمہیں ملے گا اور جس چیز کی تمنا کرو گے اُسے پاؤ گے اُس ''رب'' کی طرف سے یہ مہمان نوازی ہے جو غفور ورحیم ہے۔'' (حم السجدۃ: ۳۰تا۳۲)

''حضرت برا بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم انصار کے کسی آدمی کے جنازہ کے لیے نکلے قبرستان پہنچے تو ابھی قبر کھودی نہیں گئی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے ہم بھی آپ کے اردگرد بیٹھ گئے جیسے ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی آپ اس کے ساتھ زمین کرید رہے تھے آپ نے سر اٹھاتے ہوئے دو یا تین مرتبہ فرمایا قبر کے عذاب سے پناہ مانگو پھر فرمایا جب کافر دنیا کو چھوڑ

کر آخرت کی طرف جا رہا ہوتا ہے تو اس کی طرف آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے آتے ہیں ان کے ہاتھ میں بدبودار بوری ہوتی ہے وہ حد نگاہ تک اس کے پاس بیٹھ جاتے ہیں، پھر اس کے پاس ملک الموت آتا ہے یہاں تک کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے اے خبیث نفس! اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کا سامنا کر۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا وہ اس کی روح کو اس طرح نکالتے ہیں جس طرح گرم سلائی کو روئی سے نکالا جاتا ہے وہ اس کو نکال کر تھیلے میں ڈالتے ہیں اس سے اتنی بدبو نکلتی ہے جس طرح زمین سے کسی لاش کی بدبو پھوٹتی ہے۔ فرشتے اس کو لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں وہ فرشتوں کے جس گروہ کے پاس سے گزرتے ہیں وہ کہتے ہیں یہ خبیث روح کون ہے۔ ملائکہ کہتے ہیں یہ فلاں بن فلاں ہے۔ اس کے برے نام لیتے ہیں یہاں تک کہ وہ آسمان دنیا تک پہنچتے ہیں وہ اس کو کھلوانا چاہتے ہیں مگر اسے کھولا نہیں جاتا، پھر نبی معظم ﷺ نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی: ''ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ سوئی کے ناکے میں اونٹ داخل ہو جائے۔ (الاعراف:۴۰)'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے لیے سجین یعنی زمین کی تہہ میں ٹھکانا لکھو۔ اس کی روح کو نیچے پھینک دیا جاتا ہے پھر نبی معظم ﷺ نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی'' جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا گویا کہ وہ آسمان سے گرا اور اسے پرندا چک لیں یا اس کو ہوائیں کسی دور دراز مقام پر پھینک دیں گی۔'' (الحج:۳۱) اس کے بعد اس کی روح کو اس کے بدن میں لوٹا دیا جاتا ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس کو بٹھاتے ہیں وہ اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ فرشتے کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ شخص کون ہے جو تم میں نبی مبعوث کیا گیا؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ آسمانوں سے آواز دینے والا آواز دیتا ہے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے اس کا بچھونا آگ کا بنا دو اور آگ کا دروازہ اس کی طرف کھول دو۔ اس کے پاس اس آگ کی گرمی اور بدبو آتی ہے اس پر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں اور اس کے پاس بدصورت گندے کپڑے اور بدبو دار جسم کے ساتھ آدمی آتا ہے تو وہ کہتا ہے آج خوش ہو جا تجھے حسب وعدہ ذلیل کیا جائے وہ پوچھتا ہے تو اتنی ڈراؤنی شکل والا کون ہے جو اتنی بری بات کہہ رہا ہے وہ کہے گا میں تیرا برا عمل ہوں مردہ کہے گا اے میرے رب قیامت کبھی قائم نہ کرنا۔''

(مسند احمد: مسند البراء بن عازب،قال الالبانی هذا حديث صحيح)

مسائل

۱۔ ربِ کریم قیامت کے دن نیک لوگوں کو اپنے حضور بلائے گا اور وہ اپنے رب کے پاس راضی خوشی ہوں گے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو فرمائے گا کہ میرے بندوں میں شامل ہو جاؤ اور میرے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

سورۃ البلد کا تعارف

یہ مکی سورت ہے اس کا نام اس کی پہلی آیت کے آخر میں موجود ہے یہ بیس آیات پر مشتمل ہے جنہیں ایک رکوع شمار کیا گیا ہے یہ سورت مکہ معظّمہ کے اس دور میں نازل ہوئی جب کفار مکہ نبی علیہ السلام کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھے اس میں انسان کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس پر کوئی قابو پانے والا نہیں بالخصوص مال دار آدمی اپنی دولت کے خمار میں مبتلا ہو کر یہ خیال کرتا ہے کہ اسے کوئی دیکھنے والا نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے دو آنکھیں ایک زبان اور دو ہونٹ دیے ہیں اور اس کی رہنمائی کا انتظام فرمایا۔لیکن بالخصوص بخیل آدمی ایسا نیکی کا کام کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مال خرچ کرنا پڑے حالانکہ کامیابی کا راستہ یہ ہے کہ انسان بالخصوص غریبوں پر ترس کھائے اور ایک دوسرے کو صبر کرنے کی تلقین کرے جو لوگ یہ کردار اختیار کریں گے وہ قیامت کے دن دائیں بازو والے ہوں گے اور جو یہ کردار اختیار نہیں کریں گے وہ بائیں بازو والے ہوں گے اور ان پر جہنم کی آگ مسلط کر دی جائے گی۔

سورۃ الشّمس کا تعارف

یہ سورت اپنے نام سے شروع ہوتی ہے اس کا ایک رکوع ہے جو پندرہ آیات پر مشتمل ہے یہ سورت بھی مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں سات قسمیں کھا کر بتلایا ہے کہ اس نے انسان کے ضمیر میں نیکی اور بدی کا امتیاز اور شعور رکھا ہے جس نے اپنے آپ کو فسق و فجور سے پاک رکھا وہ کامیاب ہوگا اور جو اپنے رب کی نافرمانی کرتا رہا اس نے اپنے آپ کو نا کام کر لیا اس کا انجام قوم ثمود کی طرح ہوگا۔

سورۃ الیل کا تعارف

یہ سورت اپنے نام سے شروع ہوتی ہے ایک رکوع پر مشتمل ہے اس میں تیس آیات ہیں جو مکہ معظّمہ میں نازل ہوئیں اس میں اللہ تعالیٰ نے رات کی تاریکی ،دن کی روشنی اور اپنے خالق ہونے کی قسم اٹھا کر ارشاد فرمایا ہے کہ جس طرح تم جنس کے اعتبار سے مختلف ہو، اسی طرح تمھاری سوچ اور کوشش بھی مختلف ہوتی ہے۔ جس نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور سچائی کی تصدیق کی ،اس کے لیے اللہ تعالیٰ آسانی پیدا کرے گا اور جس نے ''اللہ'' کی راہ میں خرچ کرنے کی بجائے بخل کیا اور سچائی کی تصدیق کرنے کی بجائے اسے جھٹلایا اس کے لیے اس کی زندگی مشکل بنا دی جائے گی اور اس کا مال اس کے کسی کام نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی راہنمائی کا بندوبست کر دیا ہے اور اس نے برائی کا انجام بھی بتلا دیا ہے جس نے برائی کا راستہ اختیار کیا وہ ناکام ہوگا اور جس نے پرہیز گاری کا راستہ اپنایا اور نیکی کے کاموں پر خرچ کیا اسے اللہ تعالیٰ خوش کر دے گا۔

سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ۱ اٰيَاتُهَا: ۲۰

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

لَآ اُقْسِمُ	بِهٰذَا	الْبَلَدِ ۝۱	وَاَنْتَ	حِلٌّۢ	بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۲
میں قسم کھاتا ہوں	اس	شہر کی	اور آپ	حلال ہونے والا ہے	اس شہر میں

”میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی۔(۱) اور حال یہ ہے کہ اس شہر میں آپ کے لیے (قتال) حلال کردیا گیا ہے۔“(۲)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورہ الفجر کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ“ ظالموں کو ایسی سزا دے گا کہ اس طرح کی سزا کوئی اور نہیں دے سکتا۔ ان کے مقابلے میں نیک لوگوں کو اپنی رضا سے سرفراز فرمائے گا اور انہیں جنت میں داخل کرے گا۔ سورہ البلد کے آغاز میں دو قسمیں اٹھانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ باغی انسان سمجھتا ہے کہ اسے کوئی دیکھنے والا اور اس پر کوئی قابو پانے والا نہیں حالانکہ ”اللہ تعالیٰ“ ہر وقت انسان کی نگرانی کر رہا ہے اور اسی نے اس کو دیکھنے کے لیے آنکھیں دیں، بولنے کے لیے زبان اور کھانے پینے کے لیے دو ہونٹ دیئے ہیں۔

یہ سورت بھی سورۃ القیامہ کی طرح ”لَآ اُقْسِمُ“ کے الفاظ سے شروع ہوئی ہے اس کا معنٰی یہ ہے کہ میں قسم کھاتا ہوں۔ ”لا“ کا لفظ اس لیے لایا گیا ہے کہ اہلِ مکہ دعوتِ توحید کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھے۔ اس پر انہیں وارننگ دی گئی ہے کہ تم جتنا زور لگانا چاہتے ہو لگا لو مگر یاد رکھو کہ تم اپنے عزائم میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ ہمیں اس شہر کی قسم کہ وقت آنے والا ہے جب آپ ﷺ اس قدر کامیاب ہوں گے کہ آپ کے سامنے کوئی چیز بھی حائل نہیں سکے گی۔ آپ اس شہر میں اس حال میں داخل ہوں گے کہ آپ کے لیے اس شہر کی حرمت حلال کردی جائے گی۔ یاد رہے کہ جب سے ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ تعمیر فرمایا ہے اس وقت سے لے کر مکہ معظمہ میں ہر قسم کا جنگ و جدال حرام ہے اور یہ حرمت قیامت تک قائم رہے گی۔ تاہم نبی علیہ السلام کے لیے فتح مکہ کے موقع پر مکہ کی حرمت کو چند گھڑیاں موقوف کیا گیا تاکہ اسے کفر و شرک سے پاک کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو فتح مکہ کے موقع پر ایسا رعب اور کامیابی عطا فرمائی کہ کوئی شخص آپ کے سامنے دم نہیں مار سکا تھا۔ آپ ﷺ نے چار آدمیوں کے قتل کا حکم دینے کے سوا باقی سب کو معاف کردیا۔

((عَنْ اَبِیْ شُرَیْحٍ نِ الْعَدَوِیِّ اَنَّهٗ قَالَ لِعَمْرِو ابْنِ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ وَهُوَ یَبْعَثُ الْبُعُوْثَ اِلٰی مَكَّةَ اِئْذَنْ لِیْ اَیُّهَا الْاَمِیْرُ اُحَدِّثُكَ قَوْلاً قَامَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْغَدَ مِنْ یَوْمِ الْفَتْحِ سَمِعَتْهُ اُذُنَایَ وَ وَعَاهُ قَلْبِیْ وَاَبْصَرَتْهُ عَیْنَایَ حِیْنَ تَكَلَّمَ بِهٖ حَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مَكَّةَ

حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ فَلَا يَحِلُّ لِامْرِءٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يَّسْفِكَ بِهَا دَمًا وَلَا يَعْضُدَ بِهَا شَجَرَةً فَاِنْ اَحَدٌ تَرَخَّصَ بِقِتَالِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْهَا فَقُوْلُوْا لَهٗ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذِنَ لِرَسُوْلِهٖ وَلَمْ يَاْذَنْ لَكُمْ وَاِنَّمَا اَذِنَ لِيْ فِيْهَا سَاعَةً مِنْ نَّهَارٍ وَقَدْعَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْاَمْسِ وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَقِيْلَ لِاَبِيْ شُرَيْحٍ مَا قَالَ لَكَ عَمْرٌو قَالَ اَنَا اَعْلَمُ بِذَالِكَ مِنْكَ يَا اَبَا شُرَيْحٍ اِنَّ الْحَرَمَ لَا يُعِيْذُ عَاصِيًا وَلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ۔)) (رواه البخاری: باب لِيُبَلِّغِ الْعِلْمَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ)

’’حضرت ابوشریح عدوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ کو فرمایا: جو مکہ مکرمہ کی طرف لشکر بھیج رہے تھے ،اے امیر! مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ کو رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث سناؤں۔ یہ بات نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دوسرے دن ارشاد فرمائی تھی جسے میرے دونوں کانوں نے سنا اور میرے دل نے اسے یادرکھا۔ جب آپ ﷺ خطاب فرمارہے تھے تو میری دونوں آنکھیں آپ پر جمی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی حمدوثنا کے بعد فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرمت بخشی ہے کسی شخص نے اسے حرمت نہیں دی جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس میں خون ریزی کرے اور حرم میں کسی درخت کو کاٹے اگر کوئی شخص مکہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے قتال کو مثال بنا کر اس میں لڑائی جائز سمجھے تو اسے بتاؤ۔اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول کو اجازت عطافرمائی لیکن تجھے اجازت نہیں دی گئی۔ مجھے بھی بس دن کے بالکل تھوڑے وقت کے لیے اجازت دی گئی اوراب اس کی حرمت ہمیشہ کی طرح ہے، یہ بات غیر موجود لوگوں تک پہنچا دو۔ اس پر ابوشریح سے پوچھا گیا کہ پھر آپ کو عمرو نے کیا جواب دیا ؟ ابوشریح نے بتایا، اس نے جواب دیا' ابوشریح مجھے تم سے زیادہ اس بات کا علم ہے کہ حرم نہ کسی گنہگار کو اور نہ ہی مفرور قاتل کو اور نہ خیانت کر کے بھاگنے والے کو پناہ دیتا ہے۔‘‘

تفسیر بالقرآن

بیت اللہ اورمکہ معظّمہ کی فضیلت اورحرمت:

۱۔ دنیا میں پہلا گھر بیت اللہ تعمیر ہوا۔ (آل عمران:۹۶) ۲۔قسم ہے اس شہر کی۔ (البلد:۱)

۳۔ اے میرے رب اس گھر کو امن والا بنا۔ (ابراہیم:۳۵) ۴۔قسم ہے اس امن والے شہر کی۔ (التین:۳)

۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ اس شہر کو امن والا بنادے۔ (البقرۃ:۱۲۶)

وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ﴿۴﴾

اور | والد کی | اور | جسے | اس نے جنا | البتہ تحقیق | ہم نے پیدا کیا | انسان کو | بڑی مشقت میں

اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ﴿۵﴾ یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ

کیاوہ سمجھتا ہے | یہ کہ | ہرگز نہیں | قابو پاسکے گا | اس پر | کوئی بھی | وہ کہتا ہے | میں نے لٹا دیا

مَالًا لُّبَدًا ﴿۶﴾ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۷﴾

مال | بہت زیادہ | کیاوہ سمجھتا ہے | یہ کہ | نہیں | اسے دیکھا | کسی نے

وقف لازم

’’اور قسم کھاتا ہوں والد کی اور اس کی اولاد کی۔(۳) درحقیقت ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔(۴) کیا اس نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اس پر کوئی قابو نہیں پا سکے گا؟(۵) کہتا ہے کہ میں نے بہت زیادہ مال لُٹا دیا۔(۶) کیا وہ سمجھتا ہے کہ کسی نے اس کو نہیں دیکھا؟‘‘(۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مکہ شہر کی قسم اٹھانے کے بعد باپ اوراس کی اولاد کی قسم اٹھا کر ہر انسان کو ایک حقیقت بتلائی گئی ہے۔

مکہ کی قسم اٹھا کر بین السطور آپ ﷺ کو آپ کی دعوت کی کامیابی کی خبر دی گئی ہے، اس کے بعد فرمایا کہ مجھے باپ اوراس کی اولاد کی قسم! ہم نے انسان کو مشقت جھیلنے کے لیے پیدا کیا ہے لیکن انسان سمجھتا ہے کہ کوئی اس پر قابو نہیں پاسکے گا۔ باپ اوراولاد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اوران کی پوری اولاد ہے۔کچھ اہلِ علم نے باپ سے مراد ابراہیم علیہ السلام اوراولاد سے مراد بنی اسماعیل علیہ السلام لیے ہیں۔لیکن مناسب یہ ہے کہ باپ سے مراد آدم علیہ السلام لیے جائیں اوراولاد سے مراد ان کی پوری اولاد سمجھی جائے اس میں ابراہیم علیہ السلام اور بنی اسماعیل بھی آ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے باپ اوراس کی اولاد کی قسم اٹھا کر انسان کو اس کے ماں، باپ کے مرتبہ سے آگاہ فرمایا ہے،اس کے ساتھ ہی انسان کو بتلایا ہے کہ تجھے سختی جھیلنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس سختی سے مراد انسان کی پیدائش کے مختلف مراحل ہیں۔ اس میں وہ سختیاں بھی شامل ہیں جن کے ساتھ انسان کو زندگی میں واسطہ پڑتا ہے۔انسان کو ان سختیوں کے ساتھ دوچار کرنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ انسان قدم قدم پر اس ہستی کی طرف متوجہ رہے جو ذات سختیوں کو آسانیوں میں تبدیل کرنے والی ہے،ان سختیوں میں دوسری حکمت یہ ہے کہ انسان ہر دم یہ خیال رکھے کہ میں خودمختار نہیں بلکہ مختار قوت اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو ہر وقت میری نگرانی کر رہی ہے، اور جب چاہے مجھے مشکل میں ڈال سکتی ہے لہٰذا مجھے سرکش اور باغی بننے کی بجائے مختارِ کل ہستی کے تابع رہ کر زندگی بسر کرنی چاہیے۔ اس کے لیے تیسرا سبق یہ ہے کہ اسے اپنا مال اور صلاحیتیں ایسے کاموں پر صرف کرنی چاہیے جہاں خرچ کرنے سے اس کا خالق راضی ہوتا ہے یہ تبھی ہوسکتا ہے جب انسان اپنے خالق کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ میرا خالق میری

زندگی کے ایک ایک لمحہ کی نگرانی کررہا ہے اور وہی مجھے رزق دینے والا ہے ،جس نے اپنے خالق کو پہچان اور نگران سمجھ لیا وہ زیادہ دیر تک فطرت کی بغاوت اور اپنے خالق کی سرکشی نہیں کرسکتا اور نہ ہی خالق کے دیئے ہوئے مال کو بے جا لٹاسکتا ہے۔ یہاں مال لوٹانے سے مراد نیکی کے کاموں پرخرچ کرنا نہیں بلکہ نمود ونمائش پرخرچ کرنا ہے جس کا ہرصورت حساب لیا جائے گا اور ایسے شخص کو دنیا میں بھی پچھتاوا ہوگا۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِرَجُلٍ وَهُوَ يَعِظُهُ اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقْمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغُلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ)) (رواہ الحاکم)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کو وعظ و نصیحت فرمارہے تھے۔ آپ نے فرمایا پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے ،تندرستی کو بیماری سے پہلے ، خوشحالی کو تنگدستی سے پہلے فارغ وقت کو مصروف ہونے سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اوراس کی اولاد کی قسم اٹھا کرفرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو مشکلیں جھیلنے کے لیے پیدا کیا ہے۔

۲۔ باغی انسان سمجھ بیٹھتا ہے کہ اسے کوئی قابو کرنے والا نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی نگرانی کرنے والا ہے۔

۳۔ انسان بہت سامال فضول کاموں پرلوٹا دیتا ہے اور بعد میں اسے حسرت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ ہر وقت انسان کی نگرانی کرنے والا ہے:

۱۔ تم جوبھی عمل کرتے ہووہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ (یونس:۶۱) ۲۔اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو جاننے والا ہے۔ (یٰس:۷۹)

۳۔ جولوگ جہالت کی وجہ سے برائی کرتے ہیں ،پھر جلدی سے توبہ کرلیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کوجاننے اور حکمت والا ہے۔ (النساء: ۱۷)

۴۔ اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ (النساء: ۳۲)

۵۔ جو کچھ تم اللہ کے دیے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہواللہ اُس کو جاننے والا ہے۔ (النساء: ۳۹)

۶۔ قیامت کا ، بارش کے نازل ہونے کا ، اور جو کچھ رحموں میں ہے اور انسان کل کیا کمائے گا اور اُسے کہاں موت آئے گی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (لقمان : ۳۴)

۸۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جوتم ظاہر کرتے ہواور چھپاتے ہو۔وہ تو سینے کے رازوں کو بھی جاننے والا ہے۔(ہود:۵)

اَلَمْ	نَجْعَلْ	لَّهٗ	عَيْنَيْنِ ﴿٨﴾	وَلِسَانًا	وَّشَفَتَيْنِ ﴿٩﴾
کیانہیں	ہم نے بنائیں	اس کے لیے	دو آنکھیں	اور ایک زبان	اور دو ہونٹ
وَهَدَيْنٰهُ	النَّجْدَيْنِ ﴿١٠﴾	فَلَا	اقْتَحَمَ	الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾	وَمَآ
اور بتلا دیے ہم نے اس کو	دو راستے	پھر نہیں	وہ داخل ہوا	دشوار گھاٹی میں	اور کس چیز نے
اَدْرٰىكَ مَا	الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾	فَكُّ	رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾	اَوْ	اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ
خبر دی آپ کو کیا ہے	دشوار گھاٹی	چھڑانا ہے	گردن کا	یا	کھانا کھلانا ایسے دن میں
ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾	يَّتِيْمًا	ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾	اَوْ	مِسْكِيْنًا	ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾
جو بھوکا ہے	کسی یتیم	قرابت دار کو	یا	مسکین	خاک نشین کو

”کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں۔(۸) اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے؟(۹) اور نیکی اور بدی کے راستے نہیں دکھائے۔(۱۰) مگر اس نے دشوار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی۔(۱۱) اور آپ کیا جانیں کہ کیا ہے وہ دشوار گھاٹی ؟ (۱۲) وہ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا۔(۱۳) یا بھوک کے دن کسی آدمی کو۔(۱۴) قریبی یتیم۔(۱۵) یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔“(۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: جس شخص کا یہ خیال ہے کہ ”اللہ تعالیٰ“ اسے نہیں دیکھتا اسے اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ ”اللہ تعالیٰ“ اسے اس وقت سے دیکھ رہا ہے کہ جب اس کے رِحم مادر میں نقش ونگار بنائے جا رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ کیا انسان اس پر پرغور نہیں کرتا کہ ہم نے اسے دو آنکھیں ،ایک زبان اور دو ہونٹ عطا کیے ہیں اور ہم نے اسے دوراستے دکھائے ہیں مگر اس نے مشکل گھاٹی سے گزرنے کی کوشش نہیں کی۔ آپ کیا سمجھیں کہ مشکل گھاٹی کیا ہے؟ مشکل گھاٹی یہ ہے کہ کسی کی گردن کو غلامی سے چھڑایا جائے، کسی قرابت دار فاقہ مست اور خاک نشین، یتیم یا مسکین کو بھوک کے دن کھانا کھلانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں مشکل کاموں کا ذکر کرنے سے پہلے ارشاد فرمایا ہے کہ کیا انسان اس بات پر غور نہیں کرتا کہ ہم نے اس کو دو آنکھیں ،ایک زبان اور دو ہونٹ عطا فرمائے ہیں۔ آنکھوں، ہونٹوں اور زبان کا ذکر فرما کر اشارہ کیا ہے کہ انسان بالخصوص مال دار آدمی کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے غریبوں کے حالات دیکھے پھر ان کے ساتھ تعاون کرے اور دوسرے کو بھی تلقین کرے کہ وہ یتیموں اور مسکینوں کے حقوق کا خیال رکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے نیکی اور بدی کے راستوں کی نشاندہی کردی ہے۔اس مقام پر مشکل گھاٹی سے مراد یتیموں اور مسکینوں کے حقوق کا خیال رکھنا ہے اور بدی سے مراد یتیموں اور مسکینوں کے حقوق سے نظریں بچانا اور ان کے حقوق غصب کرنا ہے، ہدایت سے مراد نیکی اور برائی کی نشاندہی ہے۔ یہاں نیکی کے پانچ کاموں کو مشکل گھاٹی پر چڑھنے کے مترادف قرار دیا ہے یہ پانچوں کام ایسے ہیں جن کی قرآن وسنت میں بڑی ترغیب اور فضیلت بیان کی گئی ہے یہ کام وہی انسان

کرسکتا ہے جوایمان میں سچا ہواور اسے اپنے رب پر کامل یقین ہوکہ وہ اسے ان کاموں کا اجر عطا فرمائے گا۔غلام کی گردن چُھڑانے میں اس لیے اجر رکھا گیا ہے کہ وہ بے چارہ دوسرے کے ہاتھوں میں بے بس ہوتا ہے اور اپنی بے بسی کی وجہ سے نہ اپنی مرضی سے کوئی کام کرسکتا ہے اور نہ اپنے محسن کا بدلہ چکا سکتا ہے۔یتیم کو کھانا کھلانے اور اس کی خدمت کرنے پر اس لیے اجر رکھا گیا ہے کہ وہ بے سہارا ہوتا ہے اور یہی حالت مسکین کی ہوتی ہے۔

''حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بیان کرتے ہوئے سنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین طرح کے افراد کو دوہرا اجر عطا کیا جائے گا ان میں سے ایک وہ ہوگا جس کے پاس لونڈی ہو اس نے اسے اچھی طرح تعلیم دی ،اسے ادب سکھایا اور اچھے انداز سے اس کی تربیت کی پھر وہ اسے آزاد کردیا اور اس کے ساتھ نکاح کرلیا۔ دوسرا یہود و نصاریٰ کا وہ شخص جو اپنے دین میں پکا تھا اور بعد ازاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا اس کے لیے بھی دوہرا اجر ہے تیسرا وہ شخص جو غلام ہے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتے ہوئے اپنے مالک کے کام اور خدمت میں اس کی خیرخواہی کرتا ہے۔''

(رواہ البخاری: کتاب الجهاد و السیر،بَاب فَضْلِ مَنْ أَسْلَمَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابَيْنِ)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیوہ اور مسکین کے ساتھ تعاون کرنے والا۔اللہ کی راہ میں مجاہد کی طرح ہے یا رات کو قیام اور دن کو روزہ رکھنے والے کی طرح ہے۔''

(رواہ البخاری: باب فضل النفقة علی الأهل)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دل کی سختی کے بارے میں شکایت کی آپ نے فرمایا: اگر تو اپنے دل کو نرم کرنا چاہتا ہے تو مسکین کو کھانا کھلا اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر۔'' (مسند احمد: کتاب باقي مسند المکثرین، باب مسند أبي هريرة)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو آنکھیں ،دو ہونٹ اور زبان عطا فرمائی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو دو راستوں کی نشاندہی کی ہے۔۳۔ نیکی کے کاموں میں مشکل ترین کام غلام کو آزاد کروانا ،مسکین کو بھوک کے دن کھانا کھلانا اور قریبی یتیم کی کفالت کرنا ہے۔

تفسیر بالقرآن

نیکی اور برائی کے راستے:

۱۔ جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔جس نے ذرہ برابر برائی کی ہو گی وہ بھی اس کو دیکھ لے گا۔ (الزلزال : ۷تا ۸) (الانعام:۱۶۰) (القصص:۸۴) (یونس:۵۲) (النازعات:۳۷) (الدھر:۱۲) (احقاف:۲۰)

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ
پھر وہ ہے ان لوگوں میں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے ایک دوسرے کو وصیت کی صبر کی

وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ
اور انہوں نے ایک دوسرے کو وصیت کی رحم کرنے کی یہ لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۱۹﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾ ع
کفر کیا ہماری آیات کے ساتھ وہ بائیں ہاتھ والے ہیں ان پر آگ بند کردی جائیگی

ع ۱ ع ۲۰ ۱۵

”پھر لوگوں میں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر اور رحم کی تلقین کی۔(۱۷) یہ لوگ دائیں بازو والے ہیں۔(۱۸) اور جنہوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کیا وہ بائیں بازو والے ہیں۔(۱۹) اُن پر آگ بند کردی جائے گی۔“ (۲۰)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مشکل ترین کاموں میں مزید مشکل ترین کام۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسکین کو کھانا کھلانا، رشتہ دار یتیم کی پرورش کرنا، اخلاقی لحاظ اور مالی اعتبار سے مشکل ترین کام ہیں لیکن ان کاموں سے مشکل ترین کام یہ ہے کہ انسان اپنے باطل نظریات بالخصوص کفر وشرک کو چھوڑ کر توحید و رسالت کا عقیدہ اپنائے اور اس راستے میں جو بھی مشکلات آئیں ان کا پورے حوصلے کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کے حوصلوں کو بھی بلند رکھنے کی کوشش کرے اور ایک دوسرے کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا رویہ اختیار کرے۔ دین اختیار کرنے پر مشکلات کا آنا یقینی امر ہے مشکلات پر قابو پانے کے لیے یہی دو طریقے ہیں جن پر چل کر مسلمان اپنے ایمان کو سلامت رکھ سکتا ہے۔ ایماندار شخص کو خود صبر کرنے اور دوسروں کو صبر کرنے کی تلقین کرنے کے ساتھ ایک دوسرے سے نرمی اور مہربانی بھی کرنی چاہیے۔ اس کے بغیر حق کا قافلہ اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ مشکلات باطل پرستوں کی طرف سے ہوں یا بیماری اور غربت کی صورت میں ہوں ایماندار کا شیوہ ہے کہ وہ خود بھی صبر کرے اور ایسے حالات میں اپنے ساتھیوں کو بھی صبر کرنے کی تلقین کرتا رہے۔

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ ارْحَمُوا أَهْلَ الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ)) (رواہ ابو داؤد: باب فِي الرَّحْمَةِ قال الالبانی ھذا حدیث صحیح)

”حضرت عبداللہ بن عمرو نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو! آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔

((عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ))

(باب قَوْلِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى (قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ)

''حضرت جریر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اس بندے پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِىءِ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِيْ إِذَا انْقَطَعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا)) (رواه الترمذی: باب مَا جَاءَ فِيْ صِلَةِ الرَّحِمِ)

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا برابری کرنے والا صلہ رحم نہیں ہے، صلہ رحمی کرنے والا تو وہ ہے جس سے تعلق توڑا جائے تو وہ اسے جوڑنے کی کوشش کرے۔''

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ أَعْظَمُ أَجْرًا مِّنَ الْمُؤْمِنِ الَّذِيْ لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ))

(رواه ابن ماجة: كتاب الفتن، باب الصبر على البلاء)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: جو مومن لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے وہ اس مومن سے زیادہ اجر والا ہے جو نہ لوگوں میں گھل مل کر رہتا ہے اور نہ ان کی دی ہوئی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے۔''

مسائل

۱۔ باطل نظریات کو چھوڑنا اور حق بات کو قبول کرنا مشکل ترین کاموں میں سے اہم ترین کام ہے۔

۲۔ ایمانداروں کو ایک دوسرے کو صبر اور مہربانی کرنے کی تلقین کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

نرمی اور مہربانی کرنے کی فضیلت:

۱۔ صبر اہم کاموں میں اہم ترین کام ہے۔(الاحقاف:۳۵) ۲۔نبی ﷺ کو صبر کرنے کا حکم دیا گیا۔(المعارج:۵)

۳۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔(البقرۃ:۱۵۳) ۴۔صبر کا انجام اچھا ہوتا ہے۔(الحجرات:۵)

۵۔ صبر کرنے والے کامیاب ہوں گے۔(المومنون:۱۱۱) ۶۔صابر مسلمان کی آخرت اچھی ہوگی۔(الرعد:۲۴)

۷۔ صبر کرنے والوں کو جنت میں سلامتی کی دعائیں دی جائیں گی۔(الفرقان:۷۵)

۸۔ صابر بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔(الزمر:۱۰)

۹۔ ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنے کا حکم ہے۔(آلِ عمران:۲۰۰)

۱۰۔ بنی اسرائیل سے والدین کے ساتھ احسان کرنے کا عہد لیا گیا۔(البقرۃ:۸۳)(مریم:۳۲)

۱۱۔ لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم۔(البقرۃ:۸۳) ۱۲۔غیر مسلم والدین کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا چاہیے۔(لقمان:۱۵)

سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ۱ — اٰيَاتُهَا: ۱۵

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

وَ الشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ

قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے آتا ہے اور دن کی

اِذَا جَلّٰهَا ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا

جب وہ سورج کو روشن کر دیتا ہے اور رات کی جب وہ اسے ڈھانپ لیتی ہے اور آسمان کی اور اس ذات کی

بَنٰهَا ۝۵ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝۶ وَنَفْسٍ وَّمَا

جس نے اس کو بنایا اور زمین اور اس ذات کی جس نے اس کو بچھایا اور نفس کی اور اس ذات کی

سَوّٰهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝۸ قَدْ اَفْلَحَ

جس نے اسے ٹھیک ٹھاک کیا پھر اسے القا کیا اس کا گناہ اور اس کی پرہیزگاری یقیناً فلاح پا گیا

مَنْ زَكّٰهَا ۝۹ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝۱۰

وہ جس نے اس کا تزکیہ کیا اور یقیناً ناکام ہوا وہ جس نے اس کو آلودہ کیا

’’سورج اور اس کی دھوپ کی قسم۔(۱) اور چاند کی قسم جب سورج کے پیچھے آتا ہے (۲)اور دن کی قسم جب روشن کر دیتا ہے۔(۳) اور رات کی قسم جب وہ ڈھانپ لیتی ہے۔(۴) اور آسمان کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے بنایا ہے۔(۵) اور زمین کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے بچھایا۔(۶) اور نفس انسانی کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا۔ (۷) پھر اس پر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری واضح کر دی۔(۸) یقیناً فلاح پا گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاکیزہ بنایا۔ (۹)اور ناکام ہوا وہ شخص جس نے اس کو آلودہ کر لیا۔‘‘ (۱۰)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورہ البلد کے آخر میں یہ بتلایا کہ کفار کو دھکتی ہوئی آگ میں پھینکا جائے گا۔ الشّمس میں گیارہ قسمیں اٹھانے کے بعد یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کے دل میں نیکی اور بدی کا شعور پیدا کیا ہے۔ اب اس کی مرضی ہے کہ یہ اپنے لیے کون سا کردار اور انجام پسند کرتا ہے۔

سورۃ الشّمس کا آغاز بھی بڑی بڑی چیزوں کی قسموں سے کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آغاز میں گیارہ قسمیں اٹھائی ہیں۔ قرآن مجید میں یہی وہ مقام اور سورت ہے کہ جہاں ایک ہی مقام پر گیارہ قسمیں اٹھائی گئی ہیں۔ جس بات کے لیے قسمیں اٹھائی گئی ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ٹھیک ٹھاک بنا کر اس کے دل میں نیکی اور

بدی کا القا کر دیا ہے۔نفس میں بُرائی اور نیکی کا القا فرما کر یہ احساس بخشا کہ اے انسان! تجھے نیک کام کرنے اور بُرائی سے بچنے کی کوشش کرنا ہے اور یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ اگر نیکی کرے گا تو اس کا اجر پائے گا اور اگر بُرائی کرے گا تو اس کی سزا پائے گا۔یقیناً وہ شخص کامیاب ہوگا جس نے اپنے آپ کو فسق وفجور اور کفر وشرک سے پاک کرلیا اوروہ شخص ہر صورت ناکام ہوگا جس نے اپنے نفس کوخاک آلود کرلیا،خاک آلود کرنا ہر زبان میں ایک محاورہ ہے جس کا معنیٰ گھٹیا کاموں میں ملوث ہونا اوراپنے آپ کواخلاقی اعتبار سے گرانا ہے۔جوشخص گھٹیا کاموں میں ملوث ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو ذلیل کرلیتاہے اور جوشخص اپنے آپ کو بُرے کاموں سے بچاتاہے وہ معزز بن جاتا ہے اور وہی کامیاب ہوگا۔آیت پانچ، چھ اورسات میں ”مَـا“ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے کچھ اہلِ علم کو یہ مغالطہ پیش آیا کہ ”مَـا“ کا لفظ ذوالعقول کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ان آیات میں ” مَا“ مصدریہ بھی ہوسکتا ہے اور ” مَا“ بمعنی ” مَنْ“ بھی ہوسکتا ہے۔امام حسن بصری اور مجاہد ؒ کا فرمان ہے کہ ” مَا“ بمعنی ” مَنْ“ ہے۔رہا یہ شبہ کہ ” مَا“ کا استعمال بے جان مخلوق اور غیر عاقل اشیاء کے لیے ہوتا ہے۔یہاں ” مَـا“ سے اللہ تعالیٰ کی ذات کیسے مراد لی جاسکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ”مَـا“ بکثرت ” مَنْ“ کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔مثلاً ﴿وَلاَ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ﴾ (الکافرون: ۳) ”اورنہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہوجس کی میں عبادت کرتاہوں۔“ ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ (النساء: ۳) ”پس عورتوں میں سے جوتمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کرلو۔“ ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ (النساء: ۲۲) ”اورجن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہوان سے نکاح نہ کرو۔“

اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی قدرت کی گیارہ نشانیاں بیان کرتے ہوئے ان کی قسم کھا کر ارشاد فرمایاہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں برائی اورنیکی کا القاء فرمایا ہے۔دل میں برائی اورنیکی کے القاء کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دل میں نیکی اور برائی کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا کی ہے بشرطیکہ اس کا دل روحانی طور پر زندہ ہواگر دل گناہوں کی وجہ سے مردہ ہو جائے تو اس میں نیکی اور برائی کے درمیان فرق کرنے والی قوت بھی دب جاتی ہے جس بنا پر مجرمانہ دل رکھنے والا انسان گناہ اور برائی میں تمیز کرنے سے محروم ہوجاتا ہے تاہم پھر بھی کبھی نہ کبھی اس کادل اس برائی سے نفرت کا اظہارضرور کرتاہے۔

((اَلْاِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ)) (رواہ مسلم: باب تفسیر البر والإثم)

”گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور لوگوں کو اس کاعلم ہونا پر تجھے ناگوارگزرے۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے گیارہ قسمیں اٹھا کر ارشاد فرمایا کہ اس نے انسان کے دل میں برائی اورنیکی کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت القاء فرمائی ہے۔

۲۔ جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کرلیا وہ کامیاب ہوگا اورجس نے اپنے نفس کوگناہوں سے آلودہ کرلیا وہ تباہ ہوجائے گا۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝۱۱ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝۱۲ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

جھٹلایا ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے جب کھڑا ہوا اس کا بڑا بدبخت تو کہا ان سے اللہ کے رسول نے

نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا ۝۱۳ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۥ فَدَمْدَمَ

اللہ کی اونٹنی ہے اور اس کو پانی پلانے کی چنانچہ انہوں نے جھٹلایا اس کو انہوں نے اس کو مار ڈالا تو تباہ کیا

عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝۱۴ وَ لَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝۱۵ ع

ان کو ان کے رب نے بوجہ ان کے گناہ کے پھر برابر کر دیا ان کو اور نہیں وہ ڈرا اس کے انجام سے

ع ۱ ۱۵ ۱۶

’’ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے جھٹلایا۔(۱۱) جب قوم کا سب سے بڑا بدبخت اُٹھا۔(۱۲) اللہ کے رسول نے ان لوگوں سے کہا کہ خبردار ’’اللہ‘‘ کی اونٹنی کو ہاتھ نہ لگانا اور اس کے پانی پینے میں رکاوٹ نہ ڈالنا۔(۱۳) مگر انہوں نے اس کی بات کو جھوٹ قرار دیا اور اونٹنی کو مار ڈالا، آخر کار ان کے گناہ کی پاداش میں اُن کے رب نے اُن پر ایسا عذاب نازل کیا کہ ان کو تباہ و برباد کر دیا۔(۱۴) اور اس قوم کے انجام پر اللہ تعالیٰ کو کوئی خوف محسوس نہیں ہوا۔‘‘ (۱۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نفس کو خاک آلود کر دینے والے لوگوں کا انجام۔

قومِ ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث فرمائے گئے۔ صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو وہی فرمایا جو ان سے پہلے انبیاء کرام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرایا اور بار بار سمجھایا کہ میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اللہ تعالیٰ نے جو امانت میرے ذمہ لگائی ہے اُسے نہایت ذمّہ داری اور دیانتداری کے ساتھ تم تک پہنچا رہا ہوں اور تم میری امانت و دیانت سے واقف ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رسول ہونے کی حیثیت سے میری تابعداری کرو، میں اپنی تابعداری اور نبوت کے کام پر تم سے کسی اجر کا طلب گار نہیں ہوں، میرا صلہ میرے رب کے ذمہ ہے۔ میں تمھیں اس بات سے متنبہ کرتا ہوں کہ جس فکر و عمل کو تم اختیار کیے ہوئے ہو اس کا انجام اچھا نہیں ہو گا یہ امن اور سلامتی کا راستہ نہیں اگر تم تائب نہ ہوئے تو یاد رکھو۔ لہلہاتے ہوئے باغ، بہتے ہوئے چشمے، سبز و شاداب کھیتیاں، کھجوروں سے لدے ہوئے باغ، پہاڑوں کو تراش تراش کر بنائے ہوئے محلات تمہیں ربّ ذوالجلال کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے ڈر کر میری اطاعت کرو۔ قومِ ثمود کو اصحاب الحجر بھی کہا گیا ہے۔

اصحاب الحجر سے مراد وہ قوم اور علاقہ ہے جو مدینہ سے تبوک جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے یہ علاقہ جغرافیائی اعتبار سے خلیج اربعہ کے مشرق میں اور شہر مدین کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ قومِ ثمود ٹیکنالوجی اور تعمیرات کے معاملے میں اس قدر ترقی یافتہ تھی کہ انہوں نے پہاڑوں کو تراش تراش کر مکانات اور محلات تعمیر کر

رکھے تھے تاکہ کوئی زلزلہ اور طوفان انہیں نقصان نہ پہنچا سکے۔حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو بار بار سمجھانے کی کوشش کی کہ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اخلاقی حدود سے تجاوز نہ کرو، تم اصلاح کرنے کی بجائے زمین پر فساد کرنے والے ہو۔قوم نے مثبت جواب دینے کی بجائے کہا کہ اے صالح! تم اس طرح کی باتیں کرتے ہو جس طرح سحر زدہ لوگ کرتے ہیں۔ جس طرح ہم انسان ہیں تو بھی ہمارے جیسا انسان ہے اگر تو دعویٰ نبوت میں سچا ہے تو کوئی معجزہ ہمارے سامنے پیش کر۔ یاد رہے کہ ہمیشہ سے نافرمان لوگوں کا یہی وطیرہ رہا ہے کہ جب بھی کسی پیغمبر اور مصلح نے انھیں سمجھایا تو انھوں نے مصلح پر یہی الزام لگایا اور اعتراض کیا کہ تجھے تو جادو ہو گیا ہے اس لیے دیوانوں جیسی بات کرتا ہے۔اس کے ساتھ منکرین کا یہ بھی اعتراض ہوتا تھا کہ نبی مافوق الفطرت ہستی کو ہونا چاہیے یہ تو ہماری طرح انسان ہیں۔قومِ ثمود نے حضرت صالح پر یہی الزام لگایا اور ان سے معجزہ کا مطالبہ کیا۔ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ قوم نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ معجزہ طلب کیا کہ ہمارے سامنے اس پہاڑ سے ایک اونٹنی نمودار ہو اور اس کے پیچھے اس کا دودھ پیتا بچہ بھی ہونا چاہیے۔حضرت صالح علیہ السلام کی تائید میں اور قوم کے مطالبہ کے عین مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے ایک پہاڑ سے اونٹنی اور اس کا بچہ نمودار کیا جب اونٹنی اپنے بچہ کے ساتھ قوم کے سامنے آئی تو حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو سمجھایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے ایک دن یہ پانی پیا کرے گی اور دوسرے دن تم اور تمہارے جانور پئیں گے، خبردار! اسے تکلیف دینے کی نیت سے ہاتھ نہ لگانا اگر تم نے اس کو تکلیف پہنچائی تو اللہ تعالیٰ کا عذاب تمھیں دبوچ لے گا۔ اس انتباہ کے باوجود انھوں نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں جس کے نتیجہ میں ان کو عذاب نے پکڑ لیا اور وہ ذلیل وخوار کر دیئے گئے۔

مسائل

١۔ قومِ ثمود نے اپنی سرکشی کی بنیاد پر حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا۔
٢۔ قومِ ثمود نے معجزہ کے طور پر نمودار ہونے والی اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔
٣۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ ثمود پر ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب نازل کیا۔
٤۔ اللہ تعالیٰ مجرم قوم کو تباہ کرتے ہوئے کسی سے خوف نہیں کھاتا۔

تفسیر بالقرآن

قومِ ثمود کا انجام:

١۔ قومِ ثمود کے بدبختوں نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ (الشمس: ١٤)
٢۔ قومِ ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے عذاب کا مطالبہ کیا۔ (الاعراف: ٧٧)
٣۔ انھوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور وہ پریشان ہونے والوں میں ہو گئے۔ (الشعراء: ١٥٧)

سُوْرَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ۱ اٰيَاتُهَا: ۲۱

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

تَجَلّٰى ۝۲	اِذَا	وَالنَّهَارِ	يَغْشٰى ۝۱	اِذَا	الَّيْلِ	وَ
وہ روشن ہوجاتا ہے	جب	اور دن کی	وہ چھا جاتی ہے	جب	رات کی	قسم ہے

لَشَتّٰى ۝۴	سَعْيَكُمْ	اِنَّ	وَالْاُنْثٰٓى ۝۳	الذَّكَرَ	خَلَقَ	وَمَا
ضرور مختلف ہیں	تمہاری کوششیں	بلاشبہ	اور مادہ کو	نر	پیدا کیا	اور اس کی جس نے

''قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے۔(۱) اور دن کی جب وہ روشن ہوجائے۔(۲) اور اس ذات کی جس نے نَر اور مادہ پیدا کیا۔(۳) حقیقت یہ ہے کہ تمہاری کوششیں مختلف ہیں۔''(۴)

فہم القرآن

ربطِ سورت: الشّمس کا اختتام اس بات پر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فسق وفجور کرنے والوں کو کس طرح پکڑا۔ سورۃ الّیل کی ابتداء میں تین قسمیں کھانے کے بعد بتلایا کہ ہم نے انسان کو مذکر اور مؤنث کی صورت میں پیدا کیا ہے، جس طرح جنس کے اعتبار سے انسان مختلف ہیں اسی طرح ان کی کوششیں بھی مختلف اور انجام بھی مختلف ہوں گے۔

اس سورت کا آغاز بھی تین قسموں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ارشاد ہوا کہ رات کی قسم ! جب دن کی روشنی کو اپنی تاریکی میں چھپا لیتی ہے ،دن کی قسم !جب وہ رات کی تاریکی کو ختم کرنے کے بعد پوری طرح روشن ہوجاتا ہے اور اس ذات کی قسم ! جس نے نر اور مادہ یعنی مذکر اور مؤنث پیدا کیے ہیں۔ جس طرح آپس میں رات اور دن متضاد ہیں ،اس طرح جنس کے اعتبار سے مذکر اور مؤنث ایک دوسرے سے مختلف ہیں ،اسی طرح ہی تمہاری سوچ اور عمل ایک دوسرے سے جداجدا ہیں۔ انسان اور اس کا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے ذکر سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تین قسمیں اٹھائیں اور پھر انسان کو یہ حقیقت باور کروائی ہے کہ اے انسان! جس طرح رات اور دن میں فرق ہے ،مذکر اور مؤنث کے درمیان نہ ختم ہونے والی تقسیم ہے اسی طرح ہی تمہارے فکر وعمل میں فرق ہے۔ جس طرح رات اور دن اکٹھے نہیں ہو سکتے، مرد اور عورت ایک جنس نہیں بن سکتے اسی طرح ہی بُری سوچ اور برا عمل، صحیح سوچ اور صالح عمل ایک نہیں ہو سکتے گویا کہ نیک اور بد برابر نہیں ہوسکتے اس بات کو یوں بھی بیان کیا گیا ہے۔

﴿اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ﴾ (ص: ۲۸)

''کیا ہم اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اور اُن کو زمین میں فساد کرنے والوں کے برابر کر دیں گے کیا متقین کے ساتھ ہم فاجروں جیسا سلوک کریں گے؟''

فَاَمَّا	مَنْ	اَعْطٰى	وَاتَّقٰى ۝٥	وَصَدَّقَ	بِالْحُسْنٰى ۝٦
لیکن	جس نے	دیا	اور ڈرا	اور اس نے تصدیق کی	اچھی بات کی

فَسَنُيَسِّرُهٗ	لِلْيُسْرٰى ۝٧
تو یقیناً ہم اسے آسانی دینگے	آسان راہ کے لیے

”جس نے اللہ کی راہ میں مال دیا اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہا۔(۵) اور اچھی بات کی تصدیق کی۔(۶) ہم اس کی آسان راستے کے لیے آسانی کر دیں گے۔“(۷)

فہم القرآن

ربطِ کلام: فکروعمل میں فرق اور نیک فکروعمل کا دنیا میں فائدہ۔

فکروعمل میں فرق سمجھانے کے لیے مختصر طور پر یہاں دوقسم کی سوچ اوراعمال بیان کیے گئے ہیں ایک وہ خوش قسمت ہے جس نے ”اللہ“ کے دیئے ہوئے مال کو اس کی رضا کے لیے خرچ کیا اور ہمیشہ بخل اوراپنے رب کی نافرمانی سے ڈرتا رہا اوراللہ تعالیٰ کے ارشادات اوراحکام کی دل کی گہرائی ،زبان کی سچائی اورصالح عمل کے ساتھ اس کی تصدیق کرتا رہا اللہ تعالیٰ اس کے لیے نیکی کرنا مزید آسان کر دیتا ہے جس بنا پر اس کے لیے صدقہ اور نیکی کرنا آسان ہو جاتے ہیں اس بات کو یوں بھی بیان کیا گیا ہے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (العنکبوت : ٦٩)

”جولوگ ہمارے لیے محنت کریں گے ہم انہیں اپنے راستے دکھائیں گے ، اور یقیناً اللہ نیک لوگوں کے ساتھ ہے۔“

”جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کی کھیتی کو بڑھاتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اسے دنیا میں ہی دے دیتے ہیں مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔“(الشوریٰ : ٢٠)

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلُ الْبَخِيْلِ وَالْمُتَصَدِّقِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُنَّتَانِ مِنْ حَدِيْدٍ قَدِ اضْطُرَّتْ اَيْدِيْهِمَا اِلٰى ثُدِيِّهِمَا وَتَرَاقِيْهِمَا فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ كُلَّمَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ انْبَسَطَتْ عَنْهُ وَجَعَلَ الْبَخِيْلُ كُلَّمَا هَمَّ بِصَدَقَةٍ قَلَصَتْ وَاَخَذَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ بِمَكَانِهَا)) (رواہ البخاری : باب مَثَلِ الْمُتَصَدِّقِ وَالْبَخِيْلِ)

”حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا: بخیل اورصدقہ کرنے والے کی مثال ان دوآدمیوں کی طرح ہے جنہوں نے زرہ پہن رکھی ہو۔ اس کے ہاتھوں کو اس کی چھاتیوں اورسینے کے ساتھ جکڑ دیا گیا ہو۔ صدقہ دینے والا جب صدقہ کرنے کاارادہ کرتا ہے تو زرہ کشادہ ہوجاتی ہے۔ بخیل جب صدقہ کرنے کا خیال کرتا ہے تو زرہ سمٹ جاتی اور ہر کڑی اپنی اپنی جگہ پر سخت ہو جاتی ہے۔“

وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ

اور لیکن جس نے بخل کیا اور بے پرواہ ہوا اور اس نے جھٹلایا اچھی بات کو تو عنقریب ہم اسے سہولت دینگے

لِلْعُسْرٰى ۝ وَمَا يُغْنِىْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ۝

مشکل راہ کے لیے اور نہیں فائدہ دے گا اس کو اس کا مال جب وہ گرے گا

''اور جس نے بخل کیا اور اپنے رب سے بے پرواہی کی۔(۸) اور اچھی بات کو جھٹلایا۔(۹) اس کو ہم سخت راستے کے لیے سہولت دیں گے۔(۱۰) جب وہ ہلاک ہو گا تو اس کا مال اُسے فائدہ نہیں دے گا۔'' (۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اچھے فکر وعمل کا ذکر کرنے کے بعد منفی سوچ اور برے عمل کا بیان اور انجام۔

فہم القرآن کا مطالعہ کرنے والے اصحاب یہ حقیقت بالیقین جانتے ہیں کہ قرآن مجید میں اکثر مقامات پر نیکی اور برائی کے درمیان فرق اوران کے انجام کا بیک مقام پر ذکر کیا جاتا ہے۔مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا موقع پر فیصلہ کرپائے کہ اس نے کون سے کام اختیار کرنے ہیں اورکس راستے پر چلنا ہے۔ اسی اصول کے پیشِ نظر یہاں بھی قرآن مجید نے ایک ہی مقام پر مثبت فکروعمل اور اس کے مقابلے میں منفی فکروعمل کا ذکر اور ان کا انجام بیان کیا ہے۔چنانچہ بتلایا ہے کہ جس نے بخل اختیار کیا اوراپنے رب کے خوف سے بے خوف ہوا اور اچھی بات کو جھٹلا یا اس کے لیے اس کا رب مشکل پیدا کرے گا، ایسا شخص تباہی کے گھاٹ اترے گا تو اس کا مال اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا،یہاں دوایسے گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے جس کامرتکب انسان سچائی کو جھٹلانے میں شرم محسوس نہیں کرتا،جب کسی انسان کے دل میں بخل بھر جائے تو بالیقین اس کادل سخت ہوجاتا ہے۔اُسے کسی پر ترس نہیں آتا جسے کسی پر ترس نہ آئے اور اس کادل سخت ہوجائے وہ اپنے رب کی ذات اور بات کی پرواہ نہیں کرتا اس کے سامنے سچ بات پیش کی جائے تو وہ زبان سے اقرار بھی کرتا ہے لیکن اس کا دل سچائی کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کے لیے نیکی کے کام کرنا مشکل بنا دیتا ہے۔جس وجہ سے وہ صدقہ کرنے کو بوجھ سمجھتا ہے اور نماز پڑھنا اس کی طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب ایسے شخص کی گرفت کرتا ہے تواس کا مال اس کے کچھ کام نہیں آتا، نہ صرف دنیامیں اس کا مال اس کے کام نہیں آتا بلکہ قیامت کے دن یہ مال اس کے لیے جہنّم کا ایندھن بنا دیا جائے گا۔ الحسنٰی کامعنٰی مفسرین نے اللہ کی توحید اور دین کیا ہے جس نے اس سے منہ موڑ لیا وہ دنیا میں خوشحالی پانے کے باوجود دل کی تنگی اور پریشانیوں سے بے قرار رہے گا۔

''اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا اس کے لیے دنیا کی گزران تنگ ہوگی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا پروردگار میں دنیا میں دیکھتا تھا اب مجھے اندھا کیوں

اٹھایا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس لیے کہ جب ہماری آیات تیرے پاس آئیں تو نے انہیں بھلا دیا تھا۔ (طٰہٰ: ۱۲۴تا۱۲۶)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُوْلُ أَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَيَقُوْلُ الْآخَرُ اللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا))

(رواہ البخاری: باب قول اللّٰہِ تعالیٰ فأما من أعطی واتقی وصدق بالحسنیٰ)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر صبح دوفرشتے اترتے ہیں ان میں سے ایک آواز دیتا ہے اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اور عطا فرما، دوسرا آواز لگاتا ہے اے اللہ! نہ خرچ کرنے والے کا مال ختم کردے۔“

”ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک رات نکلا اور دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے جارہے تھے آپ کے ساتھ کوئی نہیں تھا، میں نے سمجھا کہ آپ نے کسی کو اپنے ساتھ لے جانا پسند نہیں فرمایا۔ میں نے چاندنی رات میں آپ کے پیچھے پیچھے چلنا شروع کردیا۔ آپ نے موڑ کر دیکھا تو فرمایا: کون ہے؟ میں نے کہا ابو ذر! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آؤ میرے ساتھ چلو! میں تھوڑی دیر آپ کے ساتھ چلتا رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں زیادہ مال رکھنے والے قیامت کے دن کم مرتبے والے ہوں گے سوائے اس کے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا۔ اس نے اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے خرچ کیا۔“

(رواہ البخاری: باب اَلْمُكْثِرُوْنَ هُمُ الْمُقِلُّوْنَ)

مسائل

۱۔ جس نے بخل کیا اور نیکی سے لاپرواہی کی وہ مارا جائے گا۔

۲۔ جس نے الحسنٰی کی تکذیب کی اللہ تعالیٰ اس کے لیے تنگی پیدا کردے گا ایسے شخص کو اس کا مال کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

تفسیر بالقرآن

بخل کرنے اور نیکی کی تکذیب کرنے والے کا انجام:

۱۔ خزانے جمع کرنے والوں کو عذاب کی خوشخبری دیں۔ (التوبہ:۳۴) ۲۔ بخیل اپنا مال ہمیشہ باقی نہیں رکھ سکتا۔ (ھمزہ:۳)

۳۔ تباہی اس کے لیے جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا۔ (الھمزہ:۱)

۴۔ بخیل کے مال کے ذریعے ہی اسے سزادی جائے گی۔ (التوبہ:۳۵)

۵۔ بخیل لوگ مال کو اپنے لیے خیر خیال کرتے ہیں حالانکہ وہ ان کے لیے برا ہے۔ (آل عمران: ۱۸۰)

اِنَّ	عَلَيْنَا	لَلْهُدٰى ﴿۱۲﴾	وَاِنَّ	لَنَا	لَلْاٰخِرَةَ	وَالْاُوْلٰى ﴿۱۳﴾
بیشک	ہمارے ذمہ ہے	راہنمائی کرنا	اور بلاشبہ	ہمارا ہی اختیار ہے	آخرت	اور دنیا میں

فَاَنْذَرْتُكُمْ	نَارًا	تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾	لَا	يَصْلٰهَآ	اِلَّا	الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾
بس میں نے تمہیں ڈرا دیا ہے	آگ	بھڑکنے والی سے	نہیں	اس میں داخل ہوگا	مگر	بڑا بدبخت

الَّذِىْ	كَذَّبَ	وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾
وہ جس نے	جھٹلایا	اور روگردانی کی

''بے شک ہمارے ذمہ راہنمائی کرنا ہے۔(۱۲) اور بلاشبہ آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں۔(۱۳) پس میں نے تمہیں بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا دیا ہے۔(۱۴) نہیں داخل ہوگا اس میں مگر انتہائی بدبخت۔(۱۵) جس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا۔'' (۱۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بخل سے بچانا اورالحسنٰی کی راہنمائی کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تاہم اس نے نیکی اور بُرائی کی راہ دکھلا کرلوگوں کو اختیار دیا ہے کہ وہ نیکی کرتے ہیں یا برائی کی طرف جاتے ہیں۔

قرآن مجید میں کئی مقامات پر ہدایت اور گمراہی ،نیکی اور برائی کی نشاندہی کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے کہ ہمارا کام نیکی اورربرائی کی نشاندہی کرنا ہے۔اب انسان کا اپنا اختیار ہے کہ وہ ان میں سے کس کو اختیار کرتا ہے اگر وہ نیکی اختیار کرے گاتو ہم اس کے لیے نیکی کرنا آسان کردیں گے اگر وہ برائی پسند کرتا ہے تو ہم اسے کھلا چھوڑ دیں گے، ہمارا کام ہدایت اورگمراہی کوواضح کرنا ہے۔ ہدایت اور گمراہی واضح ہونے کے بعدلوگوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے ''رب'' کے حکم کو مانیں اور یقین رکھیں کہ ہم ہی آخرت اوردنیا کے مالک ہیں۔بُرائی کا انجام بھڑکتی ہوئی آگ ہے، ہم نے تمہیں بھڑکتی ہوئی آگ سے آگاہ کر دیا ہے۔اس میں وہی جائے گا جو انتہائی بدبخت ہوگا جو سچائی کو جھٹلانے والا اوراس سے منہ پھیرنے والا ہے۔ جہنّم میں ہر وہ شخص جائے گا جس نے کفر وشرک کیا اوروہ شخص بھی جہنّم میں پھینکا جائے گا جوایمان لانے کے باوجود بڑے گناہوں کا مرتکب ہوا ان گناہوں کی نشاندہی قرآن مجید اور حدیث پاک میں کر دی گئی ہے۔فرق یہ ہے کہ جس نے کفر وشرک کیا وہ ہمیشہ ہمیش جہنّم میں جلتا رہے گا اورجس نے توحید وسنت کا اقرار کرنے کے باوجود کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا اورتوبہ کے بغیر چل بسا وہ اپنے گناہوں کی سزا پانے کے بعد جنّت میں داخل کیا جائے گا۔

﴿اِنَّهَا تَرْمِىْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ﴾ (المرسلات: ۳۲)

''وہ آگ کے بڑے بڑے محلات کی مانند انگارے پھینکے گی۔''

﴿بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ٥ وَ

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (البقرة: ۸۱،۸۲)
”کیوں نہیں جس نے برے کام کیے اور اس کے برے کاموں نے اسے گھیر لیا پس یہی لوگ آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ جنّتی ہیں اور وہ جنّت میں ہمیشہ رہیں گے۔“

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ ﷛ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهِ لاَ یَسْمَعُ بِی أَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الأُمَّةِ یَهُودِیٌّ وَلاَ نَصْرَانِیٌّ ثُمَّ یَمُوتُ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِالَّذِی أُرْسِلْتُ بِهِ إِلاَّ کَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ)) (رواہ مسلم: باب وُجُوبِ الإِیمَانِ بِرِسَالَةِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ)
”حضرت ابو ہریرہ ﷛ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قسم ہے مجھے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے یہودیوں اور عیسائیوں میں سے جس شخص تک میرا پیغام پہنچ جائے اور پھر وہ اُسی حالت میں مر جائے اور مجھ پر ایمان نہ لائے وہ جہنّم میں داخل ہو گا۔“

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ﷛ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ الْکَبَائِرُ الإِشْرَاکُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَیْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَالْیَمِینُ الْغَمُوسُ)) (رواہ البخاری: باب الْیَمِینِ الْغَمُوسِ)
”حضرت عبداللہ بن عمرو ﷛ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی قسم اُٹھانا کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نیکی اور بُرائی سے آگاہ کرنا اپنے ذمہ لیا ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ ہی دنیا اور آخرت کا حقیقی مالک ہے۔۳۔اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو جہنّم کی آگ سے آگاہ فرمادیا ہے۔
۴۔ جہنّم میں وہی شخص جائے گا جو حقیقت کو جھٹلانے والا اور پرلے درجے کا بدبخت ہے۔

تفسیر بالقرآن

جہنّم کی آگ کا ایک منظر:

۱۔ جہنّم کے شعلے بڑے بڑے محلات کے برابر ہوں گے۔(المرسلٰت: ۳۲)
۲۔ جہنّم کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔ (البقرة: ۲۴) ۳۔ جہنّم کی آگ بہت زیادہ تیز ہوگی۔ (التوبہ: ۸۱)
۴۔ مجرم لوگ جہنّم کے گرجنے برسنے کی آوازیں سنیں گے۔(الفرقان: ۱۲)۵۔ جہنّم بھرنے کا نام نہیں لے گی۔ (ق: ۳۰)
۶۔ جہنّم کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے اور اس پر سخت گیر فرشتوں کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے۔ (التحریم: ۶)
۷۔ مجرموں کو جب جہنّم میں ڈالا جائے گا تو وہ اس کی گرج دار آواز سنیں گے۔ (الملک: ۷)

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ﴿١٨﴾

اور عنقریب دور رکھا جائے گا اس سے پرہیز گار وہ جو دیتا ہے اپنا مال پاک ہونے کیلئے

وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَى ﴿١٩﴾ إِلَّا

اور نہیں ہے کسی کا اس پر کوئی احسان وہ بدلہ دیا جا رہا ہو مگر

ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ﴿٢١﴾

چاہنے کے لیے توجہ اپنے رب کی جو بلند وبالا ہے اور یقیناً عنقریب وہ راضی ہو جائے گا

ع ۱ ۲۱ ۱۷

''اور پرہیز گار کو جہنّم سے دور رکھا جائے گا۔(۱۷) جس نے پاک ہونے کی خاطر اپنا مال خرچ کیا۔(۱۸) اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا اُسے بدلہ دینا ہو۔(۱۹) وہ صرف اپنے ربِ اعلیٰ کی رضا کے لیے دیتا ہے۔(۲۰) اور اس کا رب اس سے ضرور خوش ہو گا۔'' (۲۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: بدبخت شخص کے مقابلے میں نیک بخت کا کردار اور اس کا انعام۔

جہنّم سے ہر وہ شخص دور رکھا جائے گا جس نے کفر وشرک سے توبہ کی اور اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی سے بچتا رہا اور اس نے اپنے مال کو پاک کرنے اور اپنے آپ کو بخل سے بچانے کے لیے صدقہ کیا۔ وہ کسی پر صدقہ اس لیے نہیں کرتا کہ اس نے اس کے احسان کا بدلہ چکانا ہے۔ کسی کے احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ دینا نہایت ہی بہتر عمل ہے لیکن بہترین صدقہ یہ ہے کہ جس پر وہ خرچ کر رہا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا کسی قسم کا مفاد نہ پایا جائے۔ اسی بات کو سورۃ الدھر میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

''اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور دل میں کہتے ہیں کہ ہم تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔'' (الدھر: ۸، ۹)

ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ بہت جلد راضی کر دے گا، راضی کرنے کی کئی صورتیں ہیں۔ ①۔ اس کا دل اپنے کام پر خوش ہوگا۔ ②۔ لوگوں میں اس کا احترام بڑھے گا۔ ③۔ اس کے مال میں برکت ہو گی۔ ④۔ آخرت میں اسے عظیم اجر دیا جائے گا۔ مفسرین نے ان آیات کا سب سے پہلا مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قرار دیا ہے جن کے متعلق مشہور مؤرخ ابنِ عساکر اور ابنِ جریر نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مکہ میں یہ کام تھا کہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے جس غلام یا لونڈی پر ظلم کیا جاتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کسی نہ کسی قیمت میں اسے خرید لیتے اور پھر اللہ کی رضا کی خاطر آزاد کر دیتے۔ ان کے والد ابوقحافہ نے ایک دن کہا کہ بیٹا تم ایسے لوگوں کو خرید کر آزاد کرتے ہو جو مشکل وقت میں تیرے کام آنے والے نہیں ان کی بجائے ان لوگوں پر مال خرچ کیا کرو

جو مشکل وقت میں آپ کے کام آئیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے عرض کرتے ہیں کہ "اَیْ اَبِ اِنَّمَا اُرِیْدُ مَا عِنْدَاللّٰہِ" "اے باپ میں تو "اللہ" کے لیے ایسا کرتا ہوں۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَيُّ الصَّدَقَةِ أَعْظَمُ أَجْرًا قَالَ أَنْ تَصَدَّقَ وَأَنْتَ صَحِيْحٌ شَحِيْحٌ تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَأْمُلُ الْغِنٰى وَلَاتُمْهِلُ حَتّٰى إِذَابَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ))

(رواہ البخاری: کتاب الزکاۃ، باب فضل صدقۃ الشیخ الصحیح)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر پوچھتا ہے کہ کونسا صدقہ زیادہ اجر کا باعث ہے؟ فرمایا جب تو تندرست اور مال کی خواہش رکھتا ہو محتاجی کے خوف اور مالدار بننے کی خواہش کے باوجود صدقہ کرے۔ اتنی دیر نہ کر کہ جان حلق تک آپہنچے اس وقت تو کہے کہ اتنا فلاں کو دو اور اتنا فلاں کو دو۔ حالانکہ اب تو سارا مال ہی فلاں فلاں کا ہو چکا۔"

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍمِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ وَإِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهٖ كَمَا يُرَبِّيْ أَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ)) (رواہ البخاری: کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ من کسب طیب)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے پاکیزہ کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا۔ اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ چیز ہی قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیتے ہیں پھر اس کو صدقہ کرنے والے کے لیے بڑھاتے رہتے ہیں جس طرح تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ آدمی کا کیا ہوا صدقہ پہاڑ کی مانند ہوجاتا ہے۔"

مسائل

١۔ انسان کو صرف اللہ کی رضا کے لیے صدقہ کرنا چاہیے۔

٢۔ جو مسلمان "اللہ" کی رضا کے لیے صدقہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے خوش وخرم فرما دیں گے۔

تفسیر بالقرآن

"اللہ" کی رضا کے لیے صدقہ کرنے کے فوائد:

١۔ صدقہ کرنا "اللہ" کو قرض دینا ہے۔ (الحدید:١١) ٢۔ اللہ تعالیٰ صدقہ کو دگنا تگنا کر کے واپس کرے گا۔ (التغابن:١٧)

٣۔ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔ (یوسف: ٨٨) ٤۔ مومن اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے۔ (التوبہ:٩٩)

٥۔ "اللہ" سات سو گنا تک بڑھا دیتا ہے۔ (البقرۃ:٢٦١) ٦۔ "اللہ" کے ہاں اضافے کی کوئی حد نہیں ہے۔ (البقرۃ:٢٦١)

سورۃ الضّحٰی کا تعارف

اس سورت کا نام اس کے پہلے لفظ پر رکھا گیا ہے یہ ایک رکوع اور گیارہ آیات پر مشتمل ہے یہ سورت مکہ میں اس وقت نازل ہوئی جب نبوت کے ابتدائی دور میں آپ ﷺ کی تربیت کی خاطر کچھ دیر کے لیے سلسلہ وحی موقوف کیا گیا۔ اس پر اہل مکہ نے پراپیگنڈا کیا کہ اس کا نبوت کا دعویٰ جھوٹا تھا اس لیے اس کے رب نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پراپیگنڈے کی تردید کے لیے تین قسمیں اٹھا کر آپ کو تسلی دی کہ آپ کی زندگی کا ہر آنے والا دور پہلے دور سے بہتر ہو گا اور اللہ تعالیٰ آپ کو اس قدر عنایت فرمائے گا کہ آپ اپنے رب پر راضی ہو جائیں گے۔ اس خوشخبری کی تائید میں آپ کے ماضی کے تین ادوار کا حوالہ دے کر تلقین فرمائی کہ آپ کو اپنے رب کی نعمت کا اعتراف اور شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔

سورۃ الانشراح کا تعارف

یہ سورت مکہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔ ایک رکوع پر مشتمل ہے جس کی آٹھ آیات ہیں، اس سورت میں آپ کے مشن کے حوالے سے چار خوشخبریاں دی گئی ہیں۔

① ۔نبوت کا کام انتہائی مشکل تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے آپ کا سینہ کھول دیا اور آپ کے لیے اسے آسان کر دیا ہے۔

② ۔نبوت کا بوجھ اس قدر بھاری تھا کہ آپ کی قمر ٹوٹ جائے اور آپ کے عصاب شل ہو جائیں مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔

③ ۔ آپ کے دشمن آپ کا نام اور کام مٹانا چاہتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے نام اور کام کو ہمیشہ ہمیش کے لیے سربلند فرما دیا ہے۔ ④ ۔اے نبی ﷺ یقین جانو کہ ہر تنگی کے بعد فراخی ہوا کرتی ہے۔

⑤ ۔اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اس کی عطا کردہ فرصت کا تقاضا ہے کہ آپ اپنے رب کی طرف متوجہ رہا کریں۔

سورۃ التّین کا تعارف

یہ سورت اپنے نام سے شروع ہوتی ہے، اس کا ایک رکوع ہے جو آٹھ آیات پر مشتمل ہے۔ یہ سورت مکہ معظمہ میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں چار قسمیں اٹھا کر انسان کا مرتبہ اور مقام بیان کیا ہے اس کے بعد بتلایا ہے کہ بے شک انسان پوری مخلوق میں اعلیٰ اور بہترین ہے مگر یہ اپنے مقام اور مرتبہ پر اُسی وقت تک فائز رہ سکتا ہے جب تک حقیقی ایمان کے ساتھ صالح اعمال کرتا رہے گا جب آخرت کو فراموش کر کے اللہ تعالیٰ کی دائمی اور حقیقی حاکمیت کا انکار کرتا ہے تو پھر مخلوق میں سب سے بدتر ہو جاتا ہے۔

سُورَةُ الضُّحٰی مَکِّیَّةٌ | بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | رُکُوْعُھَا: ۱ اٰیَاتُھَا: ۱۱

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

وَ الضُّحٰی ۙ﴿۱﴾ وَالَّیْلِ سَجٰی ۙ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَ مَا

قسم ہے روشن دن کی اور رات کی جب چھا جائے نہیں چھوڑا آپ کو آپ کے رب نے اور نہ

قَلٰی ؕ﴿۳﴾ وَ لَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ؕ﴿۴﴾ وَلَسَوْفَ

وہ ناراض ہوا اور یقیناً آخرت بہتر ہے آپ کے لئے دنیا سے اور ضرور عنقریب

یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ؕ﴿۵﴾

عطا کرے گا آپ کو آپ کا رب بس آپ راضی ہو جائیں گے

”قسم ہے روشن دن کی۔(۱) اور رات کی جب وہ چھا جائے۔(۲) اے نبی آپ کے رب نے آپ کو نا چھوڑا ہے اور نہ وہ آپ پر ناراض ہوا۔(۳) اور یقیناً آپ کی آخرت دنیا سے بہتر ہے۔(۴)اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔“(۵)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورہ الّیل کے آخر میں نیک لوگوں کے بہتر انجام کا ذکر فرمایا اور سورہ الضّحٰی میں تین قسمیں کھانے کے بعد نبی علیہ السلام کی ذات کے حوالے سے بتلایا ہے کہ آپ کی زندگی کا آنے والا دور پہلے دور سے بہتر ہوگا مقصد یہ ہے جو شخص نیک کام کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت بہتر کر دیں گے۔

الضّحٰی کا معنٰی ہے روشن دن اور سَجٰی رات کے اس وقت کو کہتے ہیں جب رات اپنی تاریکی اور سکون کے ساتھ ہر چیز پر چھا جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان اوقات کی قسمیں اٹھا کر اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ آپ ﷺ کے رب نے آپ کو نہ چھوڑا ہے اور نہ آپ پر ناراض ہوا ہے ،چھوڑنا اور ناراض ہونا تو درکنار اس نے آپ کی زندگی کا ہر آنے والا دور پہلے دور سے بہتر بنا دیا ہے۔اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ نبوت کے ابتدائی ایام میں وحی کا سلسلہ کچھ دیر کے لیے موقوف کردیا گیا۔ اس مدّت کے بارے میں مفسرین اور محدثین کی مختلف آراء ہیں۔ اکثریت کی رائے کے مطابق زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن کی بتائی گئی ہے۔اس دوران ایک طرف نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی محبت اور وحی کی لذّت کے بارے میں فکر مند تھے اور دوسری طرف آپ کے مخالفوں نے یہ کہہ کر آپ کی پریشانی میں اضافہ کیا کہ اس کا رب اس پر ناراض ہوگیا ہے۔ابولہب کی بیوی نے آپ کے پاس جا کر اس حد تک زبان درازی کی کہ اے محمد ﷺ! تجھ پر جو شیطان آتا تھا اس نے تجھے چھوڑ دیا ہے۔ جب آپ ﷺ کا غم حد سے

بڑھنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے الضحیٰ نازل فرمائی جس میں روشن دن اور رات کی پُرسکون گھڑیوں کی قسمیں اٹھا کر تسلی دی گئی ہے کہ آپ کا رب نہ آپ پر ناراض ہوا ہے اور نہ ہی اس نے آپ سے قطع تعلق کیا ہے۔ ”وَالضُّحیٰ“ اور ”سَجٰی“ کی قسمیں اٹھا کر یہ اشارہ کیا ہے کہ جس طرح رات اور دن کا آنا جانا معمول کی بات ہے اسی طرح وحی کا آنا اور اس کے درمیان وقفہ ہونا معمول کی کارروائی ہے۔ ان قسموں میں یہ سبق بھی موجود ہے کہ جس طرح رات اور دن ایک دوسرے کے ساتھ جُڑے ہوئے ہیں اسی طرح خوشی اور غم، آسانی اور مشکل ایک دوسرے کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ جس طرح رات اور دن تبدیل ہوتے رہتے ہیں اسی طرح خوشیاں اور پریشانیاں بھی آتی جاتی ہیں لہٰذا آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے بلکہ آپ کو یقین ہونا چاہیے کہ پہلے دور سے آنے والا دور آپ کے لیے بہتر ہوگا اور دنیا سے آخرت بہت ہی بہتر ہوگی۔ ربِ کریم کی دی ہوئی تسلی اور گارنٹی کا نتیجہ ہے کہ آپ کو یتیمی کے دور میں بہتر سے بہتر کفیل عطا ہوئے، جوان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی رفیقہ حیات نصیب فرمائی کہ جس نے تن، من، دھن آپ کے لیے وقف کردیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نبوت کے ابتدائی دور اور بعد میں آپ کو بڑی سے بڑی آزمائشوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر غم اور مشکل کے بعد آپ ﷺ کو ایسی آسانی اور خوشی عطا فرمائی جو کسی انسان کے نصیب میں نہیں آئی۔ مکہ میں دشمنوں کے مقابلے میں جانثار ساتھی ملے، رات کے وقت ہجرت کے لیے نکلے تو صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے مگر جب آٹھ سال کے بعد مکہ میں داخل ہوئے تو دس ہزار جانثار مجاہد آپ کے ہم رکاب تھے۔ جونہی بیت اللہ میں قدم رکھا تو آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی جان کے دشمن آپ کے سامنے سر جھکا کر معذرت کر رہے تھے۔ جب دنیا سے رخصت ہوئے تو دس لاکھ مربع میل کی مملکت پر توحید کا پرچم لہرا رہا تھا، روم اور فارس کی حکومتیں آپ سے لرزا براندم تھیں۔ یاد رہے کہ تفسیر عزیز کے مصنف نے الضحیٰ سے مراد نبی ﷺ کی زلفیں لی ہیں اور اسی کو واعظ بیان کرتے ہیں حالانکہ یہ من گھڑت بات ہے۔ جس کا کسی ضعیف روایت سے بھی ثبوت نہیں ملتا۔

((أَنَـا سَيِّـدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَبِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ إِلَّا تَحْتَ لِوَائِيْ وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ وَلَا فَخْرَ)) (رواہ الترمذی: کتاب المناقب)

”میں قیامت کے دن آدم کی ساری اولاد کا سردار ہوں گا مگر اس اعزاز پر فخر نہیں کرتا اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اس پر میں اتراتا نہیں اور قیامت کے دن آدم علیہ السلام سمیت تمام نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں قیامت کے دن سب سے پہلے اپنی قبر سے اٹھوں گا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہر وقت نبی ﷺ کی دستگیری فرمائی۔ ۲۔ آپ ﷺ کی زندگی کا ہر دور پہلے دور سے بہتر تھا۔

۳۔ نبی ﷺ کی آخرت تمام انسانوں کی آخرت سے بہتر ہوگی۔

اَلَمْ	يَجِدْكَ	يَتِيْمًا	فَاٰوٰى ﴿٦﴾	وَ وَجَدَكَ	ضَآلًّا
کیانہیں	پایا اس نے آپ کو	یتیم	پھر اس نے ٹھکانہ دیا	اوراس نے پایا آپ کو	بھٹکا ہوا
فَهَدٰى ﴿٧﴾	وَ وَجَدَكَ	عَآئِلًا	فَاَغْنٰى ﴿٨﴾		
پھر اس نے راہنمائی فرمائی	اوراس نے پایا آپ کو	تنگ دست	تو اس نے غنی کر دیا		

''کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا دیا؟(٦) اور آپ کو ناواقف راہ پایا اور پھر راہنمائی فرمائی۔(٧) اور آپ کو تنگ دست پایا اور غنی کر دیا۔'' (٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: چوتھی اور پانچویں آیت میں نبی ﷺ کو یہ خوشخبری دی گئی کہ آپ کا مستقبل آپ کے ماضی اور حال سے بہت ہی اعلیٰ اور بہترین ہوگا۔اس کے لیے آپ کے ماضی کے تین حوالے دیئے گئے ہیں۔ آپ ﷺ یتیم تھے ''اللہ'' نے آپ کو بہترین ٹھکانہ دیا۔ آپ ﷺ ہدایت کے بارے میں بے خبر تھے اس نے آپ کی راہنمائی فرمائی اور آپ کو پوری دنیا کا راہنما بنا دیا آپ ﷺ غریب تھے اس نے آپ کو غنی فرما دیا۔

اُس انسان کی بے بسی اور لاچارگی کی انتہا ہوتی ہے جو پیدائش کے وقت یتیم ہونے کے ساتھ انتہائی غریب ہو اور اس کی راہنمائی کرنے والا بھی کوئی نہ ہو، ایسے بچے کا معاشرے میں اعلیٰ مقام پانا تو درکنار وہ در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوتا ہے۔

حضرت محمد ﷺ اپنی ابتدائی زندگی میں انہی مسائل اور مصائب سے دوچار ہوئے لیکن خالقِ کائنات نے آپ ﷺ کو اپنے پیغام اور لوگوں کی راہنمائی کے لیے منتخب فرما لیا تھا۔اس لیے آپ کے رب نے کسی مرحلے پر آپ کو غیروں کے سہارے پر نہیں چھوڑا۔ پیدا ہوئے تو آپ کا دادا سردار عبدالمطلب موجود تھا جس نے آپ کی اس طرح پرورش کی جس طرح کوئی دوسرا نہیں کرسکتا ،سردار عبد المطلب دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کے چچا جناب ابوطالب نے زندگی بھر آپ کا ساتھ دیا کہ آپ کو یتیمی کا احساس نہیں ہونے دیا،جوانی میں قدم رکھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی رفیقہ حیات عطا فرمائی جس نے سب کچھ آپ کے قدموں پر نچھاور کردیا ،چالیس سال کے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ختم نبوت کے تاج سے سرفراز فرمایا اور پوری دنیا کا رہبر و راہنما بنایا اور آپ کو پہلے دن سے ایسے جانثار ساتھی عطا کیے کہ جنہوں نے اپنی جان سے آپ کو عزیز جانا۔میدانِ جہاد میں قدم رکھا تو قدم بقدم دشمن پر غالب آئے۔ انہی انعامات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کیا آپ ﷺ نہیں جانتے کہ آپ یتیم تھے ،ہم نے آپ کی سرپرستی کا بہترین انتظام کیا ،آپ وسائل کے اعتبار سے کمزور تھے، ہم نے آپ کو وسائل سے مستغنی کردیا۔ آپ اپنے رب کی ہدایت سے بے خبر تھے، ہم نے آپ کو اقوامِ عالم کا راہنما بنا دیا۔قرآن مجید

نے اس موقع پر آپ ﷺ کے لیے ”ضَآلًا“ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا یہ معنیٰ نہیں کہ آپ نبوت سے پہلے کسی برائی اور گمراہی میں مبتلا تھے۔اس کا حقیقی معنیٰ ہے کہ نبوت سے پہلے آپ کو علم نہیں تھا کہ آپ کیسے زندگی بسر کریں اور کس طرح لوگوں کی راہنمائی فرمائیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رحمت کے ساتھ مختص کرلیا جس بنا پر آپ کا ہر فرمان اور آپ کی زندگی کا ہر پہلو لوگوں کے لیے راہنما اصول ٹھہرا۔ یہاں تک کہ کسی موقع پر بتقاضا بشریت آپ سے بھول ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھی آپ کی امت کے لیے نمونہ اور اصول قرار دیا۔

﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوحًا مِنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (الشوریٰ: ٥٢)

”اے نبی اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے ایک روح آپ کی طرف وحی کی ہے آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے۔ہم نے اس روح کو ایک روشنی بنا دیا ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں راہ دکھاتے ہیں۔یقیناً آپ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں۔“

”اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو ان کی ایک جماعت نے تمہیں بہکانے کا ارادہ کر ہی لیا تھا۔ اور وہ نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے آپ ہی کو اور یہ تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب وحکمت اتاری اور تمہیں وہ سکھایا ہے جسے تم نہیں جانتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کا تم پر بڑا فضل ہے۔“(النساء:١١٣)

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یتیمی میں بہترین سرپرست عطا فرمائے۔
٢۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف آپ کی راہنمائی فرمائی بلکہ آپ کو رہتی دنیا تک اقوامِ عالم کا رسول اور راہنما بنا دیا۔
٣۔ آپ ﷺ بچپن میں غریب تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مستغنی کردیا۔

تفسیر بالقرآن

نبی علیہ السلام پر ”اللہ“ کے انعامات کی ایک جھلک:

١۔ آپ ﷺ کو پوری دنیا کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا۔ (الاعراف: ١٥٨)
٢۔ نبی ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا۔(الانبیاء :١٠٧)٣۔ نبی ﷺ کو خاتم النبیین بنایا گیا ہے۔ (الاحزاب: ٤٠)
٤۔ آپ کو پوری دنیا کے لیے داعی، بشیر اور نذیر بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ (الاحزاب: ٤٥-٤٦)
٥۔ نبی کریم ﷺ کو تمام انسانوں کے لیے رؤف، رحیم بنایا گیا۔ (التوبہ: ١٢٨)
٦۔ آپ ﷺ کی بعثت مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے۔ (آل عمران: ١٦٤)

فَاَمَّا	الْيَتِيْمَ	فَلَا	تَقْهَرْ ۝٩	وَ	اَمَّا	السَّآئِلَ
لہٰذا	یتیم پر	تو نہ	سختی کر	اور	لیکن	سائل کو
فَلَا	تَنْهَرْ ۝١٠	وَ	اَمَّا	بِنِعْمَةِ	رَبِّكَ	فَحَدِّثْ ۝١١
تو نہ	جھڑک	اور	جو	نعمت	اپنے رب کی	بیان کریں

ع ۱ ۱۸ ۱۱

''لہٰذا یتیم پر سختی نہ کرو۔(۹) اور سائل کو نہ جھڑکو۔(۱۰) اور اپنے رب کی نعمت کا اظہار کرو۔''(۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبی ﷺ کو یتیموں اور غریبوں کے حقوق کا خیال رکھنے کی خصوصی تلقین۔

یتیموں اور مسکینوں کے حقوق کا خیال رکھنا ہر صاحبِ حیثیت کا فرض ہے لیکن یہ فرض اس شخص کے لیے زیادہ اہم ہو جاتا ہے جس نے یتیمی میں آنکھ کھولی اور غریبی میں پرورش پائی ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے مقام عطا فرمائے اور وسائل سے ہمکنار کرے تو اس کا فرض ہے کہ وہ دوسروں سے بڑھ کر یتیموں اور مسکینوں کا خیال رکھے۔اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو امت کا سربراہ بنایا اور فتح مکہ کے بعد وسائل کے دروازے کھول دیئے۔اس لیے آپ کو حکم دیا گیا کہ یتیم کو نہیں جھڑکنا اور سائل سے روگردانی اختیار نہیں کرنی اور اپنے رب کی نعمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کرتے رہنا۔

((عَنْ سَهْلٍ ؓ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى، وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا)) (رواه البخاری : باب فضل من يعول يتيما)

''حضرت سہل ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔آپ ﷺ نے سبابہ اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا اور ان کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوِ الْقَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ)) (رواه البخاری : باب فضل النفقة على الأهل)

''حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیوہ اور مسکین پر نگران اللہ کی راہ میں مجاہد کی طرح ہے یا رات کو قیام اور دن کو روزہ رکھنے والے کی طرح ہے۔''

حقیقی سائل کو جھڑکنے کی اجازت نہیں:

((عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ؓ قَالَ قَسَمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَسْمًا فَقُلْتُ وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ

لَغَيْرُ هَؤُلَاءِ كَانَ أَحَقَّ بِهِ مِنْهُمْ قَالَ إِنَّهُمْ خَيَّرُونِي أَنْ يَسْأَلُونِي بِالْفُحْشِ أَوْ يُبَخِّلُونِي فَلَسْتُ بِبَاخِلٍ)) (صحیح مسلم،بَابُ إِعْطَاءِ مَنْ سَأَلَ بِفُحْشٍ وَغِلْظَةٍ)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کا کچھ مال تقسیم فرمایا۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ! اللہ کی قسم! اس کے مستحق تو دوسرے لوگ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں نے مجھے مجبور کردیا ہے یا تووہ مجھ سے بے حیائی اور ڈھٹائی سے مانگیں یا وہ مجھے بخیل کہیں اور میں بخل کرنے والانہیں ہوں۔''

((عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي ثَوْبٍ دُون فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَلَكَ مَالٌ قَالَ نَعَمْ مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَالَ مِنْ أَيِّ الْمَالِ قَالَ قَدْ آتَانِي اللّٰهُ مِنْ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ وَالْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ قَالَ فَإِذَا آتَاكَ اللّٰهُ مَالًا فَلْيُرَ عَلَيْكَ أَثَرُ نِعْمَةِ اللّٰهِ وَكَرَامَتِهِ))

(رواه النسائی : كتاب الزينة ، باب الجلاجل)

''حضرت ابو الاحوص اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بالکل معمولی کپڑوں میں آئے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمھارے پاس مال ہے انھوں نے کہا ہاں ہرطرح کا مال ہے نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کون کون سا ؟ میرے والد نے کہا اللہ نے اونٹ ، بکریاں ، گھوڑے، غلام اور لونڈیاں بھی دی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے تو اس کی نعمت اور فضل کے آثار بھی تم پر دکھائی دینے چاہئیں۔''

مسائل

١۔ یتیم پرسختی نہیں کرنی چاہیے۔٢۔حقیقی سائل کوجھڑکنے کی اجازت نہیں۔
٣۔ اپنے رب کی نعمتوں کا شکریہ اوراظہار کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

یتیموں اورمسکینوں کے حقوق:

١۔ یتیم تمہارے بھائی ہیں۔(البقرۃ:٢٢٠)٢۔یتیموں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم۔(البقرۃ:٨٣)
٣۔ یتیموں کا مال واپس کیا جائے۔(النساء:٢)٤۔یتیموں کا مال بلوغت کی عمر کو پہنچنے پر واپس کرو۔(النساء:٦)
٥۔ یتیموں کو مال دوتو اس پر گواہ کرلو۔(النساء:٦)٦۔ یتیموں کا مال کھانا بڑا گناہ ہے۔(النساء:٢)
٧۔ یتیم کوجھڑکنے کی ممانعت۔(الضحیٰ:٩)٨۔والدین ،یتیموں،اورمسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔(النساء:٣٦)
٩۔ یتیم کا مال کھانے والا اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہا ہے۔(النساء:١٠)

سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَکِّیَّۃٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُکُوْعُھَا: ۱ اٰیَاتُھَا: ۸

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

اَلَمْ	نَشْرَحْ	لَكَ	صَدْرَكَ ۝۱	وَ	وَضَعْنَا
کیا نہیں	کھول دیا ہم نے	آپ کے لیے	آپ کا سینہ	اور	ہم نے اتار دیا
عَنْكَ	وِزْرَكَ ۝۲	الَّذِيْٓ	اَنْقَضَ	ظَهْرَكَ ۝۳	
آپ سے	آپ کا بوجھ	جس نے	توڑ دی تھی	آپ کی کمر	

”اے نبی کیا نہیں ہم نے آپ کا سینہ آپ کے لیے کھول دیا؟(۱) اور آپ سے بھاری بوجھ اُتار دیا۔(۲) جو آپ کی کمر توڑے جا رہا تھا۔“(۳)

فہم القرآن

ربطِ سورت: والضحیٰ کا اختتام اس ارشاد پر ہوا کہ اپنے رب کی نعمت کو یاد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کی ذات پر بے انتہا نعمتوں کا نزول فرمایا جن میں سرِ فہرست تین نعمتیں ہیں، جن کا ذکر اس سورت میں کیا گیا ہے۔

۱۔ وحی حفظ کرنے، اسے سمجھنے، پھر اسے بیان کرنے کے لیے آپ ﷺ کا سینہ کھول دیا گیا۔ ۲۔ پیغامِ نبوت کو من وعن لوگوں تک پہنچانے کا عظیم بوجھ آپ ﷺ کے لیے بہت حد تک آسان کر دیا۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے کام اور نام کو ہمیشہ کے لیے سربلند فرما دیا۔

انسان کے لیے ضروری ہے کہ ہر نیک کام کرنے سے پہلے اس کے لیے اسے انشراحِ صدر حاصل ہو، ایک داعی پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہوتا ہے کہ دعوت دینے اور نیک کام کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اس کا سینہ کھول دے۔ داعی کا سینہ دعوت کے لیے کھول دیا جائے تو اس میں کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جب پورے جذبہ کے ساتھ نیک کام کے لیے محنت کی جائے تو اس کے لیے مشکل آسان کر دی جاتی ہے۔

انشرح صدر ایسی نعمت ہے جس کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تھی۔

﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ﴾

(طٰہٰ: ۲۵ تا ۲۸)

”موسیٰ نے اپنے رب سے دعا کی کہ میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو میرے لیے آسان فرمادے۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔“

اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان ﷺ پر انتہائی مہربانی فرماتے ہوئے آپ کے لیے آپ کا سینہ کھول دیا۔ اس سے پہلے آپ کی حالت یہ تھی کہ نبوت سے پہلے آپ اپنی قوم کے حالات دیکھ کر رنجیدہ خاطر رہتے تھے، جونہی آپ کی عمر چالیس سال کے قریب پہنچی تو قوم کے بارے میں آپ ﷺ کی فکر مندی میں اس قدر اضافہ ہوا کہ

آپ کئی کئی دن تک غارِ حرا میں خلوت نشین ہو کر اس بات پر غور و فکر کرتے کہ لوگوں کو کس طرح راہِ راست پر لایا جائے۔ اسی سوچ میں متفکر تھے کہ ایک دن غارِ حرا میں جبریلِ امین آئے اور اس نے آپ ﷺ پر سورہ العلق کی ابتدائی پانچ آیات نازل فرمائیں۔ اس کی تفصیل سورۃ العلق میں بیان کی گئی ہے۔ عقیدہ توحید کی بنیاد پر قوم کی اصلاح کرنا اتنا مشکل کام ہے کہ جس سے بڑھ کر کوئی کام مشکل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کی دعوت دینے کے لیے جتنے رسول مبعوث فرمائے وہ ظاہری اور جوہری صلاحیتوں کے حوالے سے اپنے اپنے دور کے عظیم اور منفرد انسان تھے۔ ان خوبیوں میں نبی ﷺ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور سب لوگوں سے زیادہ باصلاحیت اور ارفع تھے مگر قوم کی اصلاح اور توحید کی دعوت اس قدر مشکل کام تھا اور ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ بھی اس کام کو بڑا بھاری محسوس کرتے تھے۔

نبی علیہ السلام پر جونہی نبوت کی ذمہ داری عائد ہوئی تو آپ نے اس قدر جانفشانی کے ساتھ محنت فرمائی کہ بسا اوقات آپ اس قدر نڈھال ہو جاتے کہ قریب تھا کہ آپ کو کوئی تکلیف لاحق ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے فکر و غم کو ہلکا کرنے کے لیے کئی بار ارشاد فرمایا کہ آپ ایک حد سے زیادہ فکر مند نہ ہوں کیونکہ ہم نے آپ کو لوگوں کے لیے مبلغ بنایا ہے نگران اور کوتوال نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور آپ کی محنت کے نتیجہ میں یہ وقت آیا کہ آپ کو اس قدر جانثار ساتھی ملے کہ جس سے آپ کا کام آسان ہو گیا جس کے بارے میں ارشاد ہوا کہ ہم نے آپ کا بوجھ ہلکا کر دیا جو بوجھ آپ کی کمر توڑے جا رہا تھا۔

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول مکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ خیر خواہی کرنا چاہتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔“ (رواہ البخاری: کتاب العلم)

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَقِيقٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ رضی اللہ عنہا هَلْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي وَهُوَ قَاعِدٌ قَالَتْ نَعَمْ بَعْدَ مَا حَطَمَهُ النَّاسُ)) (رواہ مسلم: باب جواز النافلة قائما وقاعدا)

”حضرت عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا نبی ﷺ بیٹھ کر بھی نماز پڑھا کرتے تھے؟ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہاں لوگوں نے آپ کو بوڑھا کر دیا تھا۔“

”شاید آپ اپنے آپ کو ہلاک کرلیں گے کہ وہ اس بات پر ایمان نہ لائے۔“ (الکھف: ٦)

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ (الشعراء: ٣)

”اے نبی شاید آپ اس غم میں اپنی جان کھو دیں گے اس لیے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔“

”اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان پر نگران نہیں بنایا اور نہ آپ ان کے وکیل ہیں۔“ (الانعام: ١٠٧)

”اے نبی نصیحت کیے جاؤ آپ نصیحت ہی کرنے والے ہیں۔ ان پر جبر کرنے والے نہیں۔“ (الغاشیہ: ٢١،٢٢)

مسائل

١۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت کے کام کے لیے آپ ﷺ کا سینہ کھول دیا۔

وَرَفَعْنَا	لَكَ	ذِكْرَكَ ۝٤	فَاِنَّ	مَعَ الْعُسْرِ	يُسْرًا ۝٥
اور ہم نے بلند کر دیا	آپ کے لیے	آپ کا ذکر	پھر یقیناً	تنگی کے ساتھ	آسانی ہے
	اِنَّ	مَعَ الْعُسْرِ	يُسْرًا ۝٦		
	بلاشبہ	تنگی کے ساتھ	آسانی ہے		

”اور آپ کے لیے آپ کا ذکر کا بلند کر دیا۔(۴) پس حقیقت یہ ہے کہ تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔(۵) بے شک تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔“ (۶)

فہم القرآن

ربطِ کلام: نبوت کا بوجھ ہلکا کرنے کے ساتھ ربِ کریم نے آپ ﷺ کے نام اور کام کو بھی بلند و بالا فرمادیا۔

نبوت کی ذمہ داریوں میں سب سے مشکل کام لوگوں تک توحید کی دعوت پہنچانا ہے۔ جو لوگ نبوت سے پہلے آپ ﷺ کو صادق اور امین کہتے تھے ،دعوتِ توحید کی وجہ سے وہ اس قدر مخالف ہوگئے کہ انہوں نے اس بات پر تن من دھن کی بازی لگادی کہ نبی علیہ السلام کی دعوت کو کسی صورت آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔ اس کے لیے انہوں نے ہر حربہ استعمال کیا، یہاں تک کہ انہوں نے آپ ﷺ پر مختلف قسم کے الزامات لگائے اور آپ کو محمد کہنے کی بجائے مذمّم کہنے لگے ۔ خاکم بدھن جس کا معنٰی ہے ملامت کیا ہوا۔ اس صورتِ حال میں نبی ﷺ کا پریشان ہونا ایک فطری امر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف کفار کے ایک ایک الزام کی تردید فرمائی بلکہ آپ ﷺ کو ہر موقع پر عظیم تسلی اور اطمینان سے سرفراز فرمایا ۔ اس پس منظر میں یہ سورت نازل ہوئی جس میں آپ کا بوجھ ہلکا کرنے کے ساتھ یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ یہ لوگ آپ کے نام اور کام کو مٹانا چاہتے ہیں لیکن ہمارا فیصلہ ہے کہ ہم نے آپ کے نام اور کام کو ہمیشہ ہمیش کے لیے سربلند فرمادیا ہے ۔ یقیناً ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے، بالیقین ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہوا کرتی ہے ۔ ان الفاظ میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ جو شخص بھی حق کے لیے کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسانی پیدا فرمائے گا۔ پہلی آسانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ داعی کے لیے دعوت کے کام میں انشراحِ صدر پیدا فرمادیتا ہے۔ دوسری آسانی یہ ہے کہ دعوت کی راہ میں آنے والی مشکلات کو الدّاعی خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتا ہے اور اس راہ میں پہنچنے والی اذّیت کو اپنے لیے باعث اجر سمجھتا ہے۔ نبی علیہ السلام کو یہ نعمتیں بدرجہ اتم عطا کر دی گئیں جس وجہ سے آپ نے مشکل ترین حالات میں انتہائی مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے کام کو جاری رکھا ۔ جس کا نتیجہ نکلا کہ آپ کی جان کے دشمن آپ کے جانثار بن گئے اور آپ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ کی دعوت کا پرچم دس لاکھ مربع میل پر لہرانے لگا اور آپ کی زندگی میں اس انقلاب کے اثرات دور دور تک محسوس ہونے لگے۔ یہاں تک کہ اس وقت کے سب سے بڑی مملکت کے فرمارو کو آپ کی کامیابی کا اعتراف کرنا پڑا۔ مکی وفد کی قیادت ابوسفیان کر رہے تھے ان کے سامنے ایک سوال کے جواب میں ہرقل نے کہا۔

((فَإِنْ كَانَ مَا تَقُولُ حَقًّا فَسَيَمْلِكُ مَوْضِعَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ وَقَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنَّهُ خَارِجٌ لَمْ

أَكُنْ أَظُنُّ أَنَّهُ مِنْكُمْ فَلَوْ أَنِّي أَعْلَمُ أَنِّي أَخْلُصُ إِلَيْهِ لَتَجَشَّمْتُ لِقَاءَهُ وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمِهِ)) (رواہ البخاری: کتاب بدء الوحی)

”جو تو کہہ رہا ہے اگر سچ ہے تو عنقریب وہ میرے قدموں کی جگہ پر قابض ہو جائے گا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ نبی مبعوث ہونے والا ہے لیکن مجھے یہ علم نہیں تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا اگر میں اس کے پاس پہنچنے کی طاقت رکھتا تو میں اس کی ملاقات کو پسند کرتا اور اگر میں اس کے پاس ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا۔“

گویا کہ ربِ کریم نے مشکل ترین کام اور انقلاب آپ کے لیے آسان کردیا۔ آپ کو دعوت کے حوالے سے وہ کامیابی حاصل ہوئی جو آج تک کسی کے مقدر میں نہیں آئی اور نہ ہی قیامت تک کوئی شخص ایسی کامیابی حاصل کرپائے گا۔ افرادی قوت کے اعتبار سے آپ ﷺ اس طرح کامیاب ہوئے کہ لوگ جوق در جوق اور فوج در فوج حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ (سورۃ نصر)

آپ ﷺ کا ذکر گرامی:

جہاں تک آپ ﷺ کے ذکرِ مبارک کا معاملہ ہے۔ آدمی کے کلمہ پڑھنے سے لے کر قبر تک کوئی ایسا اہم مرحلہ نہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے ”لا الہ الا اللہ“ کے ساتھ محمد رسول اللہ کو شامل نہیں کیا۔ اس لیے آپ ﷺ کے عقیدت مندوں نے ان اوقات اور مقامات کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر رفعِ ذکر کیا ہوسکتا ہے کہ کلمۂ شہادت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ اپنے محبوب کا نام ملا دیا۔ نبی ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا، ملائکہ کیساتھ آپ پر درود بھیجا اور مومنوں کو درود پڑھنے کا حکم دیا اور جب بھی خطاب کیا تو معزز القاب سے مخاطب فرمایا جیسے ”یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرْ، یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ۔“ پہلے آسمانی صحیفوں میں بھی آپ کا ذکرِ خیر فرمایا۔ تمام انبیاء ﷺ اور ان کی امتوں سے وعدہ لیا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں۔ آج دنیا کا کوئی آباد ملک ایسا نہیں جہاں روز وشب میں پانچ بار نبی ﷺ کی رسالت کا اعلان نہ ہو رہا ہو۔ (ضیاء القرآن)

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کے نام، مرتبہ اور مقام کو بلند فرمادیا۔ ۲۔ بلاشبہ تنگی کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

نبی علیہ السلام کا مقام ومرتبہ:

۱۔ آپ ﷺ کو پوری دنیا کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا۔ (الاعراف: ۱۵۸)

۲۔ آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا۔ (الانبیاء: ۱۰۷) ۳۔ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ (الاحزاب: ۴۰)

۴۔ آپ کو پوری دنیا کے لیے داعی، بشیر اور نذیر بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ (الاحزاب: ۴۵-۴۶)

۵۔ نبی کریم ﷺ کو تمام انسانوں کے لیے رؤف، رحیم بنایا گیا ہے۔ (التوبہ: ۱۲۸)

۶۔ آپ ﷺ کی بعثت مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے۔ (آل عمران: ۱۶۴)

ع ۱ ۱۹

فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ ۝۷ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ ۝۸

لٰہذا جب | آپ فارغ ہو جائیں | تو محنت کریں | اور اپنے رب کی طرف | پس رغبت کریں

”لٰہذا جب آپ فارغ ہوں تو عبادت کی مشقت میں لگ جائیں۔(۷) اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں۔“(۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: انسان کا فرض بنتا ہے کہ اُسے جب آسانی اور کامیابی حاصل ہو تو اپنے رب کو یاد رکھے اور اس کا شکریہ ادا کرے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کی ذات پر جو خصوصی انعامات فرمائے۔

اس لیے حکم ہوا کہ کامیابی، آسانی اور فراغت کے وقت اپنے رب کو رغبت یعنی پوری توجہ کے ساتھ یاد کیا کریں۔

فراغت کے وقت یاد کرنے کا یہ معنٰی نہیں کہ فراغت میسر نہ ہو تو اپنے رب کو بھول جایا جائے۔اس سورت میں نبوت کی ذمہ داریوں اور اس کی مشکلات کا ذکر کیا گیا ہے۔اس لیے ارشاد ہوا کہ جب بھی دعوت کے کام سے فرصت میسر ہو تو نفلی نماز اور ذکر وفکر میں مصروف ہو جایا کریں۔اس میں ایک مبلغ اور مدرس کو یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ بے شک دعوت اور تعلیم وتعلّم کا کام نیکی ہے لیکن اس میں بھی وقت نکال کر داعی کو پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے رب کا ذکر کرنا چاہیے، گویا کہ دعوت کے کام کے لیے ایمان کی بیٹری چارج کرنا اور اس کام پر اپنے رب کا شکر گزار ہونا لازم ہے بصورت دیگر ایک سچا داعی اپنے دل میں ایک خلا اور تشنگی محسوس کرتا ہے جس داعی کے دل میں ”اللہ“ کی یاد اور اس کے شکریہ کا احساس نہ ہو۔ اس کا کام ایک فن کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے جس سے ہر صورت بچنا چاہیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم:

﴿اِذۡهَبۡ اَنۡتَ وَ اَخُوۡكَ بِاٰيٰتِىۡ وَلَا تَنِيَا فِىۡ ذِكۡرِىۡ۝ اِذۡهَبَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى۝ فَقُوۡلَا لَهٗ قَوۡلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوۡ يَخۡشٰى۝﴾ (طٰہٰ: ۴۲ تا ۴۵)

”موسیٰ تو اور تیرا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور میری یاد سے غافل نہ ہونا۔دونوں فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ وہ سرکش ہے۔اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا ہو سکتا ہے کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔“

﴿فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِكَ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ بِالۡعَشِىِّ وَالۡاِبۡكَارِ﴾ (المومن: ۵۵)

”پس اے نبی صبر کر۔اللہ کا وعدہ برحق ہے، اپنی کوتاہی کی معافی مانگ، اور صبح وشام اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتا رہ۔“

((عَنِ الْمُغِيْرَةِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَامَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم حَتّٰی تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهٗ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ

غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَفَلَا أَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا))

(مشکوٰۃ : باب التحریض علی قیام الیل)

''حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اس قدر قیام کرتے کہ آپ کے قدم سوج جایا کرتے تھے۔آپ سے عرض کی گئی کہ آپ اس قدر کیوں قیام فرماتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پہلے اور پچھلے گناہ معاف کردیے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا مجھے اس کا شکرگزار بندہ نہیں بننا چاہیے۔''

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ أَحْيَانِهِ))

(رواہ مسلم: باب ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي حَالِ الْجَنَابَةِ وَغَيْرِهَا)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ کا ذکر فرماتے تھے۔''

مسائل

۱۔ آدمی کو فرصت کے وقت اپنے رب کو ضرور یاد کرنا چاہیے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کو توجہ اور پوری رغبت کے ساتھ یاد کرنا چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ کو یاد کرنے کے فوائد:

۱۔ اپنے رب کی حمد وتسبیح بیان کرو اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ (الحجر:۹۸)

۲۔ ''اللہ'' کے ذکر سے غافل لوگ گھاٹے میں رہتے ہیں۔(المنافقون:۹)

۳۔ ''اللہ'' کے ذکر سے اعراض کرنا اس کی ناراضگی کو دعوت دینا ہے۔(الجن:۱۷)

۴۔ ''اللہ'' کو کثرت سے یاد کرنے والوں کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ (الاحزاب: ۳۵)

۵۔ ''اللہ'' کا ذکر دلوں کے لیے سکون و اطمینان کا باعث ہے۔ (الرعد:۲۸)

۶۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ (البقرۃ : ۱۵۲)

۷۔ ''اللہ'' کو کثرت کے ساتھ یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔(الجمعہ:۱۰)

سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رُكُوْعُهَا: ۱
اٰيَاتُهَا: ۸

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

وَ	التِّيْنِ	وَالزَّيْتُوْنِ ۝۱	وَ	طُوْرِ	سِيْنِيْنَ ۝۲ وَهٰذَا
قسم ہے	انجیر کی	اور زیتون کی	اور	طور	سیناء کی اور اس
الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝۳	لَقَدْ	خَلَقْنَا	الْاِنْسَانَ	فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴	
پر امن شہر کی	کہ یقیناً	ہم نے پیدا کیا	انسان کو	بہترین شکل وصورت میں	
ثُمَّ	رَدَدْنٰهُ	اَسْفَلَ	سٰفِلِيْنَ ۝۵		
پھر	ہم نے کر دیا اسے	کم تر	کم تروں میں سے		

’’قسم ہے انجیر اور زیتون کی۔(۱) اور طورِ سینا کی۔(۲) اور اس پُر امن شہر کی۔(۳) ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا ہے۔(۴) پھر ہم نے اُسے کم تر سے کم ترین کر دیا۔‘‘(۵)

فہم القرآن

ربطِ سورت: الم نشرح کے آخر میں ارشاد ہوا کہ جونہی فراغت میسر ہو تو آپ اپنے رب کو یاد کیا کریں۔ التّین کی ابتداء میں چار قسمیں اٹھانے کے بعد ہر انسان کو یہ بات باور کروائی ہے کہ جس طرح اسے بہترین شکل وصورت اور صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے ،اسی طرح انسان کو بہتر سے بہتر اعمال کی کوشش کرنی چاہیے۔بہترین اعمال کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر حال میں اپنے رب کے حکم کو یاد رکھا جائے۔

ربِ کریم نے اس سورہ مبارکہ میں انسان کو اس کے مقام اور مرتبے کا احساس دلانے کے لیے چار چیزوں کی قسمیں اٹھائی ہیں۔ انجیر اور زیتون کی قسمیں اٹھائیں جس میں انجیر اور زیتون کے فوائد کی طرف اشارہ کرنے کے ساتھ بیت المقدس اور اس کے گرد و پیش کے علاقے اور اس کی تاریخی حیثیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔یہ وہی سرزمین ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام اور بے شمار انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے اور اس علاقہ میں حق وباطل کے کئی معرکے ہوئے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی اقوام کو وہی دعوت دی جس کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کی گئی۔ جس میں اشارہ ہے کہ تورات کی جو دعوت ہے وہی قرآن مجید کی دعوت ہے اور اس پر عمل کرنا ہی انسان کی تخلیق کا اوّلین مقصد ہے۔ طورِ سیناء ایسا پہاڑ ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے ہم کلام ہوئے۔ اس کے ساتھ یہودیوں کی ایک تاریخ وابستہ ہے۔ اس لیے طورِ سیناء کی قسم اٹھا کر یہودیوں کی پوری تاریخ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔اس کے بعد مکہ معظّمہ کی قسم اٹھائی گئی جسے امن کا شہر قرار دیا گیا ہے۔کیونکہ اس میں بیت اللہ موجود ہے جو ہدایت کا مرکز ہونے کے

ساتھ امن کا باعث ہے۔اسی شہر میں نبی آخر الزّمان ﷺ کو مبعوث کیا گیا جن پر ایمان لانا اور اطاعت کرنا ہر شخص پر لازم ہے۔ اس طرح ان چار چیزوں کی قسمیں اٹھا کر حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور نبی علیہم السلام کی تاریخ، دعوت اور جدوجہد کی نشاندہی کی گئی ہے۔گویا کہ تین بڑے انبیاء علیہم السلام اوران کی تاریخ کا حوالہ دے کر انسان کو یہ بات باور کروائی ہے کہ اے انسان! تجھے تیرے رب نے بہت ہی اچھی شکل وصورت کے ساتھ پیدا فرمایا اور تجھے بہترین صلاحیتوں کے ساتھ ہمکنار کیا ہے لہٰذا تجھے اپنا مقام ومرتبہ پہچاننا اوراپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہیے۔قرآن مجید نے انسان کو کئی بار یہ بات یاد کروائی ہے کہ اے انسان تجھے اللہ تعالیٰ نے مسجودِ ملائکہ کا شرف عطا کرتے ہوئے زمین میں خلیفہ بنایا اور ہر چیز کو تیری خدمت پر لگا دیا ہے۔زمین وآسمانوں کی ہر چیز تیرے لیے ہے اور تو ''اللہ'' کے لیے ہے۔ لیکن انسانوں کی اکثریت کا عالم یہ ہے کہ وہ اپنے مرتبہ ومقام کو نہ پہچاننے کی وجہ سے اپنے مقام سے اس قدر نیچے گر پڑتے ہیں کہ پوری مخلوق سے پست ہوجاتے ہیں،غور فرمائیں! کہ انسان ظلم کرنے پر اترتا ہے تو درندوں سے بڑا درندہ ثابت ہوتا ہے۔ بے حیائی کرنے پر آتا ہے تو ماں ،بہن کے ساتھ منہ کالا کر لیتا ہے، غلاظت اختیار کرتا ہے تو تمام مخلوق سے زیادہ گندہ دکھائی دیتا ہے، بدعقیدہ بنتا ہے تو بچھو اور سانپ کی پوجا کرنے لگتا ہے گویا اس قدر اپنا مقام کھو بیٹھتا ہے کہ گھٹیا ترین مخلوق میں سب سے گھٹیا بن جاتا ہے۔حالانکہ ربِ ذوالجلال کا حکم ہے کہ اے انسان! تجھے صرف میرے سامنے جھکنا اور میرا ہی حکم ماننا چاہیے۔لیکن انسانوں کی اکثریت اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے اوراس کا حکم ماننے پر تیار نہیں جس کے نتیجے میں عام انسان تو درکنار کلمہ پڑھنے والے مسلمان بھی عقیدہ اور کردار کے اعتبار سے حقیر سے حقیر تر دکھائی دیتے ہیں۔

﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ (الاعراف: ۱۷۹)

''ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں یہ لوگ چوپاؤں جیسے ہیں بلکہ ان سے بدتر ہیں اوریہی لوگ غافل ہیں۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے التین ،زیتون ،طورِ سیناء اورمکہ معظّمہ کی قسم اٹھا کر ارشاد فرمایا کہ ہم نے انسان کو بہت اچھی شکل وصورت میں پیدا فرمایا ہے۔۲۔ بے شمار انسان اپنے عقیدہ اورکردار کی وجہ سے پوری مخلوق میں گھٹیا ترین بن جاتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد عظیم ترین اعزازات سے سرفراز فرمایا:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا ہے۔(ص:۷۵)۲۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلیفہ بنایا۔(البقرۃ:۳۰)

۳۔ آدم علیہ السلام سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ابلیس کو ہمیشہ کے لیے اپنی بارگاہ سے راندہ درگاہ اور لعنتی قرار دیا۔(الحجر:۳۴۔۳۵)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو انسان کے لیے مسخر فرمایا۔(الجاثیہ:۱۳) (الرحمٰن:۴)(العلق: ۵)

فَلَهُمْ	الصّٰلِحٰتِ	وَعَمِلُوا	اٰمَنُوْا	الَّذِيْنَ	اِلَّا
تو ان کے لیے ہے	نیک	اور انہوں نے عمل کیے	ایمان لائے	وہ لوگ جو	مگر

مَمْنُوْنٍ ﴿٦﴾	غَيْرُ	اَجْرٌ
منقطع	غیر	اجر

”سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ان کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔“(٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ذلّت اور پستی سے بچنے والے لوگوں کا کردار اور انعام۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا فرما کر اسے بہترین عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ذاتِ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہی ذات ہے جس نے موت اور زندگی بنائی تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون بہترین عمل کرتا ہے۔(الملک:٢) اللہ تعالیٰ نے انسان کو نہ صرف بہترین عمل کرنے کا حکم دیا ہے بلکہ اس کی سہولت کے لیے ہر دور میں انسانوں میں بہترین انسانوں کو اپنا رسول منتخب کیا اور انہیں لوگوں کے لیے نمونہ بنایا تاکہ وہ لوگوں کو بہترین تعلیم وتربیت سے آراستہ کریں ان میں آخری رسول حضرت محمد ﷺ ہیں جن کے بارے میں ارشاد ہے :

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ (الاحزاب : ٢١)

”حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے اللہ کے رسول کی زندگی بہترین نمونہ ہے بشرطیکہ جو شخص اللہ اور یومِ آخرت کے بارے میں امید رکھتا ہو، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والا ہو۔“

بہترین عمل کرنے کے لیے بہترین نظریے یعنی عقیدے کی ضرورت ہوتی ہے۔قرآن مجید نے اس کی بھی وضاحت کردی ہے تاکہ انسان کو بہترین عقیدہ اور عمل اختیار کرنے میں کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر حقیقی ایمان لائیں گے اور اس کے حکم کے مطابق عمل کریں گے انہی کا ایمان اور عمل بہتر ہوگا، بہتر عمل کرنے والوں کو قیامت کے دن ایسا اجر عطا کیا جائے گا جس میں کمی ہونے کی بجائے اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔ بہترین عقیدہ اور عمل۔

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (حٰمٓ السجدة: ٣٣)

”اور اُس شخص کی بات سے اچھی بات کس کی ہوسکتی ہے جس نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیے اور اقرار کیا کہ میں مسلمان ہوں۔“

”اللہ“ سے احسن عمل کی توفیق مانگتے رہنا چاہیے:

((عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَخَذَ بِيَدِهِ وَقَالَ يَا مُعَاذُ وَاللَّهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ وَاللَّهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ فَقَالَ أُوصِيكَ يَا مُعَاذُ لَا تَدَعَنَّ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ تَقُولُ ”اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ“)) (رواہ أبوداوٗد: باب فی الإستغفار، قال البانی صحیح)

”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور دو مرتبہ فرمایا اے معاذ! اللہ کی قسم میں تجھ سے محبت کرتا ہوں پھر فرمایا اے معاذ! میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ہر فرض نماز کے بعد یہ کلمات پڑھتے رہنا اور انہیں کبھی نہ چھوڑنا۔ الٰہی! اپنے ذکر، شکر اور بہترین طریقے سے عبادت کرنے پر میری مدد فرما۔“

((عَنْ بُسْرِ بْنِ أَرْطَاةَ الْقُرَشِيِّ رضی اللہ عنہ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَدْعُو اللَّهُمَّ أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا وَأَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ))

(رواہ احمد: مسند بسر بن ارطاۃ)

”حضرت بسر بن ارطاۃ قرشی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا۔ اے اللہ! ہمارے تمام معاملات کا انجام اچھا فرما اور ہمیں دنیا اور آخرت کی رسوائی سے محفوظ فرما۔“

((عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ ”اللَّهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ“)) (رواہ البخاری: باب ﴿ومنهم من يقول ربنا آتنا ......﴾)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ دعا کیا کرتے تھے۔“اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کرنا اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ فرما۔“

مسائل

۱۔ پختہ ایمان اور نیک اعمال کے ساتھ ہی قیامت کے دن نجات ممکن ہوگی۔

۲۔ آخرت کی کامیابی اتنی زیادہ ہوگی کہ کبھی ختم نہیں ہوگی۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ نیک اعمال کا صلہ دیتا ہے:

۱۔ جو نیک اعمال کرتے رہے ہیں اللہ ان کا بدلہ دے گا۔ (الزمر:۳۵)(الحج:۵۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کو جزا دے گا۔ (سبا:۴)(الانفال:۴)

اللّٰهُ	اَلَیْسَ	بِالدِّیْنِ ؕ	بَعْدُ	یُكَذِّبُكَ	فَمَا
اللہ	کیا نہیں ہے	جزا کے بارے میں	اس کے بعد	تجھے جھٹلائے گا	پھر کون
		الْحٰكِمِیْنَ ۠ ؑ	بِاَحْكَمِ		
		سب حاکموں سے	بڑا حاکم		

ع ۱/۸ ۲۰

”پس اے نبی قیامت کے دن کے بعد کون جزا وسزا کے معاملہ میں آپ کو جھٹلا سکے گا؟(۷) کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں؟“(۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ایمان کے بنیادی اجزا میں تیسرا بڑا جُز یہ ہے کہ انسان اللہ اوراس کے رسول پر ایمان لا کر یہ یقین رکھے کہ مرنے کے بعد اسے زندہ ہونا اوراپنے رب کی بارگاہ میں پیش کیا جاناہے۔

آخرت کے عقیدے میں جس قدر تازگی اور پختگی ہوگی اسی قدر ہی انسان ایمان کے تقاضے پورے کرے گا۔ اس لیے ایمان اورصالح اعمال کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوا کہ اے انسان! تو کس طرح قیامت کو جھٹلاتا ہے؟ کیا تو نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ تمام حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔ اس کے حاکم اور عادل ہونے کا تقاضا ہے کہ وہ قیامت قائم کرے تاکہ ایماندار اورصالح اعمال کرنے والوں کو بہترین جزا دے جس میں کبھی کمی نہیں ہوگی اور ان لوگوں کو پوری پوری سزا دے جنہوں نے اس کی ذات اوراس کا حکم ماننے سے انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ کے حاکم ہونے کا صرف یہ تقاضا نہیں کہ ایک مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ قیامت قائم ہونی ہے اور مجھے اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حاکم ہونے کا یہ بھی تقاضا ہے کہ انسان انفرادی اوراجتماعی زندگی میں اس کے حکم کو اپنے لیے آخری اورقطعی حکم تصور کرے۔ اس کے بغیر انفرادی زندگی کی اصلاح اوراجتماعی زندگی کا نظام درست نہیں ہوسکتا۔

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمینوں اورآسمانوں کو یکجا کرکے اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے فرمائیں گے کہ میں ہی بادشاہ ہوں، ظالم اور غرور کرنے والے آج کہاں ہیں؟ یَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَیْنَ الْجَبَّارُوْنَ أَیْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ“

(رواہ مسلم: کتاب صفة القیامة والجنة والنار)

((عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَفَرَّغُوْا مِنْ هُمُوْمِ الدُّنْيَا مَا اسْتَطَعْتُمْ فَإِنَّهٗ مَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا اَكْبَرُ هَمِّهٖ اَفْشَى اللّٰهُ ضَيْعَتَهٗ وَجَعَلَ فَقْرَهٗ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَمَنْ كَانَتِ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ هَمِّهٖ جَمَعَ اللّٰهُ لَهٗ اُمُوْرَهٗ وَجَعَلَ غِنَاهُ فِیْ قَلْبِهٖ وَمَا اَقْبَلَ عَبْدٌ بِقَلْبِهٖ إِلَى اللّٰهِ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ قُلُوْبَ الْمُؤْمِنِيْنَ تَفِدُّ إِلَيْهِ بِالْوُدِّ وَالرَّحْمَةِ وَكَانَ اللّٰهُ إِلَيْهِ بِكُلِّ خَيْرٍ اَسْرَعُ)) (معجم الاوسط، قال البزار لیس به باس)

”حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک ہو سکے تم دنیا کے غموں سے چھٹکارا حاصل کرلو جس نے دنیا کی فکر کو بڑا جان لیا اللہ تعالیٰ اس پر دنیا تنگ کردے گا اور محتاجی اس کی آنکھوں سے ٹپک رہی ہوگی۔ جس نے آخرت کو بڑی فکر سمجھ لیا اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو سنوار دے گا اور اس کے دل میں غنا پیدا کردے گا جو انسان اللہ کی طرف سچے دل سے متوجہ ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مومنوں کے دلوں میں محبت اور رحمت پیدا فرما دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر بھلائی میں جلدی کرتا ہے۔“

((عَـنْ أَبِی هُرَیْرَةَ یَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ قَرَأَ مِنْكُمْ ﴿وَالتِّینِ وَالزَّیْتُونِ﴾ فَانْتَهَى إِلَى آخِرِهَا ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ﴾فَلْيَقُلْ بَلَى وَأَنَا عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ))

(رواہ ابو داؤد: باب مِقْدَارِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ،قال شعبة صدق رَجُلٌ من حَدَّثَ، قال البانی حدیث ضعیف)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سورہ التین آخر تک پڑھے اسے چاہیے کہ وہ کہے ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ﴾ جواب میں ”بَلَى وَأَنَا عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِين“ کہے۔“

مسائل

١۔ آخرت کا انکار کرنے کے لیے انسان کے پاس کوئی جواز نہیں ہے اور سچ کے سوا کچھ نہ کہہ سکے گا۔

٢۔ اللہ تعالیٰ تمام حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ ہی حاکمِ کل ہے اور اسی کا حکم ماننا چاہیے:

١۔ اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔(الکھف:٢٦)

٢۔ خبردار اسی کا حکم چلتا ہے اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔(الانعام:٦٢)

٣۔ اللہ کا حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔(یوسف:٤٠)

٤۔ اچھی طرح سنو! کہ ساری کائنات کا خالق اللہ ہی ہے اور وہی حاکمِ مطلق ہے۔(الاعراف:٥٤)

٥۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں۔(المائدۃ:٤٩)

٦۔ جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ ظالم، فاسق اور کافر ہیں۔(المائدۃ:٤٤،٤٥،٤٧)

سورۃ العلق کا تعارف

اس سورت کا نام العلق اس کی دوسری آیت میں موجود ہے اس کی انیس آیات ہیں جو ایک رکوع پر مشتمل ہیں۔ اس سورت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے آپ کی نبوت کا آغاز ہوا اور اسی سے قرآن مجید کی ابتدا ہوئی ہے۔ نبی علیہ السلام کو اس کی ابتدائی آیات پڑھنے کا حکم ہوا۔ اس میں انسان کو اس کی ابتداء بتلا کر آگاہ کیا ہے کہ انسان اس وقت اپنے رب کو فراموش کر دیتا ہے جب یہ اپنے آپ کو بے نیاز اور بڑا سمجھتا ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے بالآخر وہ ذلت اور رسوائی کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔ ذلّت اور رسوائی سے وہی شخص بچ پائے گا جو اپنے رب کی نعمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے سامنے جھکے گا اور اس کی قربت کا متلاشی رہے گا۔

سورۃ القدر کا تعارف

القدر کا نام اس کی پہلی آیت کا آخری لفظ ہے یہ سورت مکی ہونے کے ساتھ ایک رکوع پر محیط ہے جس کی پانچ آیات ہیں۔ یہ سورت ایک طرح اقراء کا تتمہ ہے اقراء میں وحی کی عظمت وفضیلت بیان کی گئی ہے جو قرآن مجید کی شکل میں نازل کیا گیا القدر میں بتلایا ہے کہ جس رات میں قرآن مجید نازل کیا گیا ہے اس کی عظمت کا حال یہ ہے کہ یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو رات نزول قرآن کی وجہ سے اس قدر خیر وبرکت کی حامل ہوئی ہے قرآن اور اس پر عمل کرنے والے کس قدر افضل اور بہتر ہوں گے۔

سورۃ البیّنہ کا تعارف

اس سورت کا نام اس کی پہلی آیت کے آخر میں بیان ہوا ہے۔ یہ ایک رکوع پر مشتمل ہے جس کی آٹھ آیات ہیں اس کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی کیونکہ اس میں مشرکین کے ساتھ اہل کتاب کو بھی خطاب کیا گیا ہے۔ظاہر بات ہے کہ مکہ میں عیسائی اور یہودی نا ہونے کے برابر تھے اس لیے غالب گمان ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اس سے پہلی سورت میں قرآن مجید کے نزول اور اس کی عظمت کا ذکر کیا گیا۔اس میں صاحبِ قرآن کی عظمت اور ضرورت کا تذکرہ ہوا ہے جس میں یہ وضاحت ہے کہ جس طرح قرآن مجید کی اہمیت اور ضرورت تھی اسی طرح ہی ایک رسول کا آنا بھی ضروری تھا۔ القرآن اور الرّسول کی آمد کا مقصد یہ ہے کہ نبی آخر الزمان مشرکین بالخصوص اہل کتاب کو قرآن کا یہ پیغام دیں کہ وہ صرف ایک رب کی عبادت کرنے کے ساتھ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کریں۔یہی وہ الدّین ہے جو ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

رُكُوعُهَا: ١ — اٰيَاتُهَا: ١٩ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

اِقْرَاْ	بِاسْمِ رَبِّكَ	الَّذِیْ	خَلَقَ ①	خَلَقَ	الْاِنْسَانَ
پڑھیے	اپنے رب کے نام سے	جس نے	پیدا کیا	اس نے پیدا کیا	انسان کو
مِنْ عَلَقٍ ②	اِقْرَاْ	وَرَبُّكَ	الْاَكْرَمُ ③	الَّذِیْ	عَلَّمَ	بِالْقَلَمِ ④
جمے ہوئے خون سے	پڑھیے	اور آپ کا رب	بڑا کریم ہے	وہ ذات جس نے	سکھایا	قلم کے ذریعے
عَلَّمَ	الْاِنْسَانَ	مَا	لَمْ	يَعْلَمْ ⑤		
اس نے سکھایا	انسان کو	جو	نہیں	وہ جانتا تھا		

''اے نبی اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا۔(۱) انسان کو خون کے جمے ہوئے لوتھڑے سے۔(۲) پڑھو اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔(۳) جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔(۴) اس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔''(۵)

فہم القرآن

ربطِ سورت: اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا ہے اور اسی نے انسان کو قلم کے ذریعے لکھنا پڑھنا سکھلایا ہے۔

سورہ التّین کے آخر میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے ،اس نے اپنا حکم قرآن مجید کی صورت میں نازل فرمایا ہے جس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ نبوت سے پہلے حضرت محمد ﷺ مکہ کے قریب غارِ حرا میں تشریف فرما تھے کہ اچانک جبریلِ امین آئے اور اس نے آپ کے سامنے اس سورت کی ابتدائی پانچ تلاوت کیں۔ نبی علیہ السلام نے اس واقعہ کی تفصیل سے یوں بیان فرمائی ہے۔

((وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ اَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْوَحْيِ......فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَرْجُفُ فُؤَادُهٗ فَدَخَلَ عَلٰى خَدِيْجَةَ فَقَالَ زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ فَزَمَّلُوْهُ حَتّٰى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ فَقَالَ لِخَدِيْجَةَ وَاَخْبَرَهَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِیْ فَقَالَتْ خَدِيْجَةُ كَلَّا وَاللّٰهِ لَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيْثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِی الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ ثُمَّ انْطَلَقَتْ بِهٖ خَدِيْجَةُ اِلٰى وَرَقَةَ بْنِ نَوْفَلِ ابْنِ عَمِّ خَدِيْجَةَ فَقَالَتْ لَهٗ يَا ابْنَ عَمِّ اِسْمَعْ مِنِ ابْنِ اَخِيْكَ فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ يَا ابْنَ اَخِیْ مَاذَا تَرٰى فَاَخْبَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَبَرَ مَا رَاٰى فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ هٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِیْ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى مُوْسٰى يَالَيْتَنِیْ فِيْهَا جَذَعًا لَيْتَنِیْ اَكُوْنُ حَيًّا اِذْ

يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ قَالَ نَعَمْ لَمْ يَاْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهٖ اِلَّا عُوْدِيَ وَاِنْ يُدْرِكْنِيْ يَوْمُكَ اَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ اَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ)) (رواہ البخاری: باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ)

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وحی کے بارے اس طرح بیان کرتی ہیں کہ...... رسول اللہ ﷺ اس وحی کے ساتھ واپس لوٹے تو آپ کا دل گھبرا رہا تھا۔ آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ان سے فرمایا مجھے کمبل اوڑھا دو۔ انہوں نے آپ کو کپڑا اوڑھا دیا یہاں تک آپ سے خوف کی کیفیت دور ہوگئی۔ آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سارا ماجرا بیان کیا اور فرمایا: مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے ،انہوں نے آپ کو تسلی دی کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اللہ کی قسم ! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں ہونے دے گا۔ آپ صلۂ رحمی کرتے ہیں، سچی بات کہتے ہیں، دوسروں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، محتاج کی خبر گیری کرتے ہیں ٗمہمان کو کھانا کھلاتے ہیں اور مصیبت زدہ اور ضرورت مند کی مدد کرتے ہیں۔ اس کے بعد خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی تھے۔ انہوں نے ورقہ سے کہا، اے میرے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے کی بات سنیں۔ ورقہ نے آپ سے پوچھا اے میرے بھتیجے! آپ کیا دیکھتے ہیں؟ نبی ﷺ نے اسے پورا واقعہ بیان کیا۔ ورقہ نے کہا، یہ تو وہی فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی دے کر بھیجا تھا۔ کاش! میں تمہارے عہدِ نبوت میں جوان ہوتا اور کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکال دے گی۔ نبی ﷺ نے پوچھا۔ کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا، ہاں ! کیوں نہیں جب بھی کسی کو رسالت سے نوازا گیا تو اس کے ساتھ دشمنی کی گئی۔ جب لوگ تمہیں نکالیں گے اگر میں اس وقت تک زندہ رہا، تو تمہاری بھرپور مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ بن نوفل زیادہ دن زندہ نہیں رہے اور آپ پر وحی کا سلسلہ چند روز کے لیے منقطع رہا۔‘‘

مفسرین نے لکھا ہے کہ پہلی وحی میں اس سورت کی پہلی پانچ آیات نازل کی گئیں جن کی ابتدا ان الفاظ سے ہوئی ہے کہ اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے پورے عالم کو پیدا کیا ہے ،اسی نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھو! آپ کا رب بڑا ہی معزز اور کریم ہے۔ اس نے انسان کو قلم کے ذریعے علم عطا فرمایا، ایسا علم جو انسان اس سے پہلے نہیں جانتا تھا۔ اس وحی میں یہ حکم ہوا ہے کہ اپنے رب کے نام سے پڑھو! جس کا صاف معنٰی ہے کہ نبی علیہ السلام اس سے پہلے اپنے رب کو پہچانتے تھے ،جس رب کے نام سے آپ کو پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اسی نے انسان کو ایسے خون سے پیدا کیا جو جم کر ابتدا میں رحم کی جھلی کے ساتھ چمٹ جاتا ہے اور پھر اس سے انسان کی تخلیق کا آغاز ہوتا ہے۔ جس کی تفصیل چند سطور کے بعد آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو قلم کے ذریعے لکھنا پڑھنا سکھایا اور انسان کو وہ علم دیا جس کے بارے میں وہ نہیں جانتا تھا۔ الانسان سے مراد

حضرت آدم علیہ السلام ہیں اوران کے بعد انبیائے کرام علیہم السلام اور پھر تمام انسان ہیں۔دنیامیں جس قدرعلم عام ہوا ہے اس کی ابتدا اور بنیاد انبیائے کرام علیہم السلام کا علم ہے۔اس کے بعد وہ علوم ہیں جو اللہ تعالیٰ انسانوں کے ذہنوں میں القاء کرتاہے۔اسی بنیاد پرکوئی موجد اپنی ایجادلوگوں کے سامنے پیش کرتاہے اوریہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔قلم کی فضیلت اوراس کی تفصیل پارہ ۲۹ سورۃ القلم کی ابتدائی آیات میں بیان ہوچکی ہے۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ وَرَفَعَ الْحَدِيثَ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ وَكَّلَ بِالرَّحِمِ مَلَكًا فَيَقُولُ أَيْ رَبِّ نُطْفَةٌ أَيْ رَبِّ عَلَقَةٌ أَيْ رَبِّ مُضْغَةٌ فَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يَقْضِيَ خَلْقًا قَالَ قَالَ الْمَلَكُ أَيْ رَبِّ ذَكَرٌ أَوْ أُنْثَى شَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ فَمَا الرِّزْقُ فَمَا الْأَجَلُ فَيُكْتَبُ كَذَلِكَ فِي بَطْنِ أُمِّهِ)) (رواہ مسلم : باب كَيْفِيَّةِ الْخَلْقِ الآدَمِيِّ فِي بَطْنِ أُمِّهِ ......)

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حدیث کومرفوع بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے رحم میں ایک فرشتہ مقرر کیا ہے وہ پوچھتا ہے اے میرے رب !یہ نطفہ ہے اے میرے رب! یہ گوشت کا لوتھڑا جب اللہ تعالیٰ کسی کی تخلیق کا فیصلہ فرماتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتہ کہتا ہے اے میرے رب مذکر یا مؤنث بدبخت یا خوش بخت اِس کا رزق کتنا ہے اِس کی عمرکتنی ہے، اسی طرح یہ سب کچھ انسان کی ماں کے پیٹ میں لکھ دیا جاتا ہے۔“

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ٥ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ٥ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ٥ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ﴾ (المومنون: ۱۲تا۱۵)

”اوریقیناً ہم نے انسان کومٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔پھرہم نے اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا۔پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی پھر لوتھڑے کو بوٹی بنایا۔ پھربوٹی سے ہڈیاں بنائیں پھرہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر اسے ایک دوسری شکل میں بنا کھڑا کیا۔بڑا ہی بابرکت ہے اللہ سب کاریگروں سے اچھا کاریگر۔پھراس کے بعد یقیناً تم نے مرنا ہے۔“

مسائل

۱۔ قرآن مجید کی ابتدا رب کے نام کے ساتھ کی گئی جو پورے عالم کو پیدا کرنے والا ہے۔

۲۔ رب العزت نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے۔۳۔ہمارا رب بڑا ہی معزز اورکریم ہے۔

۴۔ ہمارے رب نے انسان کوقلم کے ذریعے علم عطا فرمایا جو انسان پہلے نہیں جانتا تھا۔

قلم کی عظمت جاننے کے لیے سورہ ”ن“ کی پہلی آیت کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

كَلَّآ	اِنَّ	الْاِنْسَانَ	لَيَطْغٰۤى ﴿٦﴾	اَنْ	رَّاٰهُ	اسْتَغْنٰى ﴿٧﴾
يقيناً	بلاشبہ	انسان	يقيناً سرکشی کرتا ہے	کہ	اپنے آپ کو دیکھتا ہے	غنی
اِنَّ	اِلٰى رَبِّكَ	الرُّجْعٰى ﴿٨﴾				
بلاشبہ	آپ کے رب کی طرف	واپسی ہے				

''ہرگز نہیں یقیناً انسان سرکشی کرتا ہے۔(٦) جب وہ اپنے آپ کو غنی دیکھتا ہے۔(٧) یقیناً اس کا پلٹنا آپ کے رب کی طرف ہے۔'' (٨)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے انسان کو حقیر نطفہ سے پیدا کیا اور پھر اسے علم اور فہم کے ذریعے دوسری مخلوق سے معزز بنایا لیکن انسان اپنے رب کا تابعدار ہونے کی بجائے اس کا باغی بن جاتا ہے۔آپ پڑھ چکے ہیں کہ سورہ التّین میں چار قسمیں اٹھا کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا ہے نہ صرف اسے بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا ہے بلکہ انسان کو قلم کے ذریعے علم کی دولت سے مالا مال فرمایا۔ اس بنا پر انسان دوسری مخلوق کو اپنے تابع بنا لیتا ہے، چاہیے تو یہ کہ انسان اپنے رب کا تابع فرمان اور شکرگزار ہوتا لیکن اکثر انسانوں کی حالت یہ ہے کہ جونہی انہیں کچھ اختیارات اور وسائل حاصل ہوتے ہیں تو وہ نہ صرف اپنے رب کے باغی بن جاتے ہیں بلکہ دوسروں کی گمراہی کا سبب بھی بنتے ہیں۔ایسے لوگ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں اور اپنے خالق کی ذات اور اس کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے۔ انسان کو مال مل جائے تو بخیل ہوجاتا ہے،اختیارات حاصل ہوں تو سرکش بنتا ہے، قوت حاصل ہوتو دھنگا فساد کرتا ہے، وسائل مل جائیں تو دوسروں پر ظلم کرتا ہے ۔وہ یہ حقیقت بھول جاتا ہے کہ میں نے بالآخر اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے ۔اس سے اگلی آیات میں ایسے شخص کا کردار پیش کیا گیا ہے۔

﴿وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (یونس : ١٢)

''اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پہلو پر بیٹھا یا کھڑا ہوا ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو اس طرح چل دیتا ہے جیسے اس نے ہمیں کسی تکلیف کے وقت جو اسے پہنچی ہو پکارا ہی نہیں۔ اسی طرح حد سے بڑھ جانے والوں کے لیے عمل مزین کر دیے گئے جو وہ کیا کرتے تھے۔''

﴿وَاِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ﴾ (حم السجدة : ٥١)

''انسان کو جب ہم نعمت دیتے ہیں تو وہ منہ پھیرتا ہے اور اکڑ جاتا ہے ، اور جب اُسے کوئی آفت آتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے۔''

((عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِي ﷺ قَالَ إِذَا رَأَيْتَ اللَّهَ يُعْطِي الْعَبْدَ مِنَ الدُّنْيَا عَلَى مَعَاصِيهِ مَا يُحِبُّ فَإِنَّمَا هُوَ اسْتِدْرَاجٌ ثُمَّ تَلَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ﴾)) (رواه احمد : مسند عقبة بن عامر قال البانی صحیح)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں جب اللہ بندے کو اُس کی نافرمانیوں کے باوجود عطا کرتا جائے جس کا بندہ خواہش مند ہوتا ہے تو وہ اپنے رب کو بھول جاتا ہے ،یہی وہ مہلت ہے جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی (جب اس بات کو بھول گئے جس کی ہم نے اُنہیں نصیحت کی تھی تو ہم نے اُن کے لیے ہر چیز کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ وہ اُس پر خوش ہو گئے تو ہم نے اُنہیں اچانک پکڑ لیا اور وہ اُس وقت مایوس ہو کے رہ گئے۔''

مسائل

۱۔ انسان کو وسائل حاصل ہوں تو وہ اپنے رب کا تابع فرمان ہونے کی بجائے اس کا نافرمان بن جاتا ہے۔

۲۔ کوئی تابعدار ہو یا باغی بالآخر اس نے اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔

تفسیر بالقرآن

ہر شخص نے مرکر اپنے رب کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے:

۱۔ میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔ (الرعد :۳۶)

۲۔ ''اللہ'' کو ہی قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف تم نے لوٹنا ہے۔ (الزخرف :۸۵)

۳۔ زمین اور جو کچھ اس میں ہے ہم ہی اس کے وارث ہیں اور وہ ہماری طرف لوٹیں گے (مریم:۴۰)

۴۔ اللہ کے لیے زمین و آسمان کی بادشاہت ہے اور اسی کے سامنے پیش کیے جاؤ گے۔ (الزمر:۴۴)

۵۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور اسی کے حضور تم نے پیش ہونا ہے (یونس:۵۶)

۶۔ میرا اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کرتے رہیے بالآخر تم نے میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔ (لقمان:۱۴)

۷۔ ہماری طرف ان کا لوٹنا ہے ، پھر اللہ اس پر گواہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔ (یونس: ۴۶)

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى ۙ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ﴿ؕ۱۰﴾ اَرَءَيْتَ

کیا آپ نے دیکھا | وہ شخص جو | روکتا ہے | بندے کو | جب | وہ نماز پڑھتا ہے | کیا آپ نے دیکھا

اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۙ﴿۱۱﴾ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ﴿ؕ۱۲﴾ اَرَءَيْتَ

اگر | ہوتا | ہدایت پر | یا | وہ حکم دیتا | تقویٰ کا | کیا آپ نے دیکھا

اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿ؕ۱۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿ؕ۱۴﴾

اگر | اس نے جھٹلایا | اور روگردانی کی | کیا نہیں | جانا اس نے | کہ بلاشبہ | اللہ | دیکھ رہا ہے

’’کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو ایک بندے کو روکتا ہے۔(۹) جب وہ نماز پڑھتا ہے۔(۱۰) آپ کا کیا خیال ہے اگر وہ راہِ راست پر ہوتا۔(۱۱) یا پرہیزگاری کی تلقین کرتا۔(۱۲) آپ کا کیا خیال ہے اگر جھٹلاتا اور منہ موڑتا ہو۔(۱۳) کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟(۱۴)

فہم القرآن

ربطِ کلام: باغی انسانوں میں ایک باغی کی مثال اور گھناؤنا کردار۔

مفسرین کی اکثریت نے اس آیت کا پہلا مصداق ابوجہل قرار دیا ہے۔واقعہ یوں ہے کہ ایک دن ابوجہل قریشی سرداروں کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔اچانک اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ جونہی محمد ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھوں گا تو اس کا سرکچل دوں گا۔ وہ یہ بات کررہا تھا کہ اچانک اللہ کے رسول ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوکر نماز پڑھنے لگے۔ اس کے ساتھیوں نے ابوجہل سے کہا کہ اٹھو اوراپنا وعدہ پورا کرو نبی علیہ السلام اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہوئے تو ابوجہل پتھر لے کر آگے بڑھا ابھی آپ سے چند قدم دور تھا کہ گھبرا کر اپنے ساتھیوں کی طرف مُڑا۔ اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ اس کا رنگ اُڑا ہوا ہے اوریوں دکھائی دیتا ہے جس طرح اس پر کوئی چیز حملہ آور ہوئی ہے ابھی وہ سنبھل نہیں پایا تھا کہ اس کے ساتھیوں نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا ہے۔ ابوجہل لڑکھڑاتی ہوئی زبان کے ساتھ کہنے لگا کہ جب میں پتھر لے کر اس کے قریب پہنچا اور پتھر پھینکنے کا کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ مجھے یوں لگا جیسے میرے اور ’’محمد ﷺ‘‘ کے درمیان آگ کی خندق حائل ہوگئی ہے ، مجھے یقین ہوگیا کہ اگر میں ایک قدم آگے بڑھتا تو آگ کے بڑے بڑے شعلے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیتے۔ اس حالت میں بڑی مشکل سے چلتا ہوا آپ تک پہنچا ہوں۔ اس کا یوں ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے دینِ حق کو جھٹلایا اورمنہ موڑ لیا۔ کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر وہ اپنی حرکات سے باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹیں گے، یہ پیشانی وہی ہے جو کذاب اور بڑے نافرمان کی پیشانی ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو بلا لے اورہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلاتے ہیں۔ (العلق:۹تا۱۸) غور فرمائیں کہ اگر یہ ہدایت پر ہوتا اور تقویٰ اختیار تو اسے کتنا فائدہ پہنچتا لیکن اس نے ہدایت پانے اور تقویٰ اختیار کرنے کی بجائے سچ کو جھٹلایا اور آپ سے منہ موڑ لیا۔ اے نبی علیہ السلام! کسی صورت بھی اس کے پیچھے نہیں لگنا اور نہ ہی اس سے ڈرنا ہے۔ آپ اپنے رب کو سجدہ کریں اور اس کا قرب حاصل کریں۔ آپ کو اس

كَلَّا	لَئِنْ	لَّمْ	يَنْتَهِ ۙ۬	لَنَسْفَعًۢا	بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾	نَاصِيَةٍ
ہرگز نہیں	البتہ اگر	نہ	رُکا وہ	ہم ضرور گھسیٹیں گے	پیشانی کے بالوں سے	پیشانی

كَاذِبَةٍ	خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾	فَلْيَدْعُ	نَادِيَهٗ ﴿۱۷﴾	سَنَدْعُ	الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾
جھوٹی	خطا کار	پھر بلا لے وہ	اپنی مجلس کو	عنقریب ہم بھی بلا لیں گے	عذاب کے فرشتوں کو

كَلَّا ؕ	لَا تُطِعْهُ	وَاسْجُدْ	وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾
ہرگز نہیں	نہ اطاعت کریں آپ اس کی	اور سجدہ کریں	اور قرب حاصل کریں

۱ ع۱۹ ۲۱

ہرگز نہیں اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔(۱۵) اس پیشانی کو جو جھوٹی اور بڑی خطا کار ہے۔(۱۶) وہ بلالے اپنے حامیوں کو ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلا لیں گے۔(۱۸) ہرگز اس کی بات نہ مانو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کا قرب حاصل کرو۔'' (۱۹)

موقع پر سجدہ کرنے اور قرب حاصل کرنے کا اس لیے حکم دیا گیا کہ ایسے موقعہ پر داعی کو مخالف سے الجھنے کی بجائے اپنے ''رب'' کی طرف متوجہ ہونا چاہیے یہی سبق ہر مسلمان کے لیے ہے کہ اسے کسی مشکل سے واسطہ پڑے تو وہ اِدھر اُدھر بھاگنے کی بجائے اپنے رب کی طرف رجوع کرے اور نماز کی حالت میں ''اللہ'' سے مدد طلب کرے۔ کیونکہ حکم ہے کہ اے ایمان والو! نماز اور صبر کے ذریعے اپنے رب سے مدد طلب کرو یقیناً ''اللہ'' صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔(البقرۃ:۱۵۳)

((یَابِلَالُ !اَرِحْنَا بِالصَّلَاةِ)) (مسند أحمد : کتاب باقی مسند الانصار)

''اے بلال ! نماز کے ذریعے ہمیں سکون پہنچاؤ۔''

''اَلزَّبَانِیَۃَ'' سے مراد ہے دوزخ کے وہ فرشتے ہیں جو جہنمیوں کو دوزخ کی طرف دھکیلیں گے۔

مسائل

۱۔ انسان کو دین کے راستے میں رکاوٹ بننے کی بجائے ہدایت کے راستے کا معاون بننا چاہیے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ انسان کو قوت عطا فرمائے تو اسے اپنے آپ اور لوگوں کو تقویٰ کی راہ پر لگانا چاہیے۔
۳۔ ہر انسان کو ہر دم خیال رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسے ہر وقت دیکھ رہا ہے۔
۴۔ جو آدمی دوسروں پر ظلم اور اپنے رب کی نافرمانی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں ذلیل کرے گا۔
۵۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو پکڑتا ہے تو پھر اس کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔
۶۔ ایک داعی کو کسی سے ڈرنے کی بجائے اپنا کام کیے جانا چاہیے۔
۷۔ ایک مسلمان بالخصوص داعی کو نماز کے ذریعے اپنے رب کا قرب حاصل کرنا چاہیے کیونکہ ''رب'' کا قرب ہی مشکل حالات میں انسان کے لیے ڈھارس اور تسکین کا باعث اور اس کے رب کی مدد کا ذریعہ بنتا ہے۔

سُورَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ۱ اٰيَاتُهَا: ۵

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

اِنَّآ	اَنْزَلْنٰهُ	فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ۚ ۱	وَ	مَآ اَدْرٰىكَ	مَا
بلاشبہ ہم نے	نازل کیا اس قرآن کو	لیلۃ القدر میں	اور	آپ کو کیا معلوم	کیا ہے
لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ ۲	لَيْلَةُ الْقَدْرِ	خَيْرٌ	مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ ۳		
لیلۃ القدر	لیلۃ القدر	بہتر ہے	ایک ہزار مہینے سے		

''ہم نے اس قرآن کو شبِ قدر میں نازل کیا ہے۔(۱) آپ کو کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے؟(۲) شب قدر ایک ہزار مہینے سے بہتر ہے۔'' (۳)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورہ اقراء میں جس چیز کو پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے وہ قرآن مجید کی وحی ہے اور قرآن مجید کا نزول لیلۃ القدر میں ہوا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو ''لَيْلَةُ الْقَدْرِ'' میں نازل کیا ہے یہاں اس رات کو لیلۃ القدر کہا گیا ہے اور سورہ الدُّخان کی ابتدائی آیات میں اسے مبارک رات قرار دیا گیا ہے۔ القدر کے دو معانی ہیں۔

① ۔عزت والی رات

② ۔القدر سے مراد تقدیر بھی ہے کیونکہ اس رات میں لوگوں کی سال بھر کی تقدیر کا فیصلہ کیا جاتا ہے اس لیے اس کا نام ''لَيْلَةُ الْقَدْرِ'' ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس سے مراد لی ہے کہ یہ عزّت والی کتاب عزّتِ مآب رسول پر، عزّت والی رات میں نازل کی گئی اس لیے آپ ﷺ کی امّت بھی دوسری امتوں میں عزّت والی ہے۔

اس رات کی عزت وعظمت کو اُجاگر کرنے کے لیے ارشاد ہوا کہ اے رسول ﷺ! اس سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے کہ یہ رات کیوں اور کس قدر عزت والی ہے؟ یہ اس لیے عزت والی ہے کہ اس میں قرآن مجید نازل کیا گیا ہے اس لیے یہ رات ایک ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ مفسرین ان الفاظ کے بھی دو مفہوم لیتے ہیں۔

① ۔عربوں کے ہاں ہزار مہینے سے مراد لامحدود مدت سمجھی جاتی تھی، اس لیے یہ رات لامحدود مدّت کی خیر سے زیادہ اپنے دامن میں خیر لیے ہوئے ہے۔ یہ رات ایک ہزار مہینے سے بہتر ہے ایک ہزار مہینہ سوا تراسی سال کے برابر بنتا ہے۔ اس لیے یہ رات اپنے اندر سوا تراسی سال کی خیر وبرکت سے بھی زیادہ خیر لیے ہوئے ہے کیونکہ اس رات میں قرآن مجید نازل کیا گیا ہے، قرآن مجید کے بارے میں البقرۃ آیت ۱۸۵ میں واضح کیا گیا ہے کہ یہ رمضان

وقف النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

المبارک میں نازل ہوا۔ یہاں یہ واضح فرمایا ہے کہ اسے لیلۃ القدر کی رات میں نازل کیا گیا ہے۔لیلۃ القدر کے بارے میں نبی معظم ﷺ کا ارشاد ہے کہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہے۔ اس سے ان لوگوں کے خیال کو تقویت ملتی ہے جو سمجھتے ہیں کہ نبی علیہ السلام پر پہلی وحی رمضان کے آخری عشرے کی طاق رات میں نازل ہوئی۔جہاں تک قرآن مجید کے لیلۃ القدر میں نازل ہونے کا تعلق ہے اس کے بارے میں مفسرِ قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے قرآن مجید لیلۃ القدر کی رات میں آسمانِ دنیا پر نازل کیا گیا اور پھر جبریلِ امین کے ذریعے آسمان دنیا سے نبی علیہ السلام پر تیئیس سال کے عرصے میں نازل ہوتا رہا۔اہلِ علم نے اس رات کی خیر سے مراد یہ مفہوم بھی لیا ہے کہ اس رات میں کی گئی عبادت ہزار مہینے کی عبادت سے افضل ہوتی ہے ،کچھ حضرات نے یہ کہا ہے کہ اس رات میں جو خیرِ کثیر نازل کی جاتی ہے وہ ہزار مہینے میں اترنے والی خیر سے زیادہ ہوتی ہے۔

یاد رہے کہ لیلۃ القدر کے بارے میں بہت سی روایات ہیں سب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ پانچ طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہے اس لیے کسی ایک رات کو متعین کرنے کی بجائے پانچ طاق راتوں میں جاگنا اور عبادت کرنی چاہیے۔

((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ مِنْ رَّمَضَانَ ثُمَّ اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ فِیْ قُبَّةٍ تُرْكِيَّةٍ ثُمَّ اطَّلَعَ رَاْسَهٗ فَقَالَ اِنِّیْ اَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ اَلْتَمِسُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ اَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ ثُمَّ اُتِيْتُ فَقِيْلَ لِیْ اِنَّهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فَمَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِیَ فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ فَقَدْ اُرِيْتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ اُنْسِيْتُهَا وَقَدْ رَاَيْتُنِیْ اَسْجُدُ فِیْ مَآءٍ وَّطِيْنٍ مِّنْ صَبِيْحَتِهَا فَالْتَمِسُوْهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَالْتَمِسُوْهَا فِیْ كُلِّ وِتْرٍ قَالَ فَمَطَرَتِ السَّمَاءُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَكَانَ الْمَسْجِدُ عَلٰی عَرِيْشٍ فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ فَبَصُرَتْ عَيْنَایَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَعَلٰی جَبْهَتِهٖ اَثَرُ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ مِنْ صَبِيْحَةِ اِحْدٰی وَعِشْرِيْنَ)) (رواہ مسلم: باب فَضْلِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَالْحَثِّ عَلٰی طَلَبِهَا)

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسولِ محترم ﷺ رمضان کے پہلے عشرے میں اعتکاف بیٹھے بعد ازاں درمیانے عشرہ میں ترکی خیمہ میں اعتکاف بیٹھے، آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک خیمے سے باہر نکالا اور فرمایا میں پہلے عشرہ میں اعتکاف بیٹھا اور شب قدر کا متلاشی رہا، پھر میں نے دوسرے عشرے میں اعتکاف کیا میرے پاس فرشتہ آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ شبِ قدر آخری دس راتوں میں ہے جو شخص میرے ساتھ اعتکاف بیٹھنا چاہتا ہے وہ آخری دس دن اعتکاف بیٹھے۔مجھے یہ رات دکھائی گئی لیکن مجھے بھلادی گئی میں نے دیکھا کہ اس رات کی صبح کو میں پانی اور مٹی میں سجدہ کررہا ہوں، تم شب قدر کو آخری دس راتوں میں سے طاق رات میں تلاش کرو۔ راوی کہتا ہے جس رات بارش ہوئی اور مسجد کی چھت ٹپکی جو چھپر کی تھی میری آنکھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی پیشانی پر اکیسویں رات کی صبح کو کیچڑ کا اثر تھا۔“

مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝	بِاِذْنِ رَبِّهِمْ	فِيْهَا	وَالرُّوْحُ	الْمَلٰٓئِكَةُ	تَنَزَّلُ
ہر کام کے لیے	اپنے رب کے حکم سے	اس میں	اور روح	فرشتے	نازل ہوتے ہیں

اَلْفَجْرِ ۝	مَطْلَعِ	حَتّٰى	هِيَ	سَلٰمٌ
فجر	طلوع ہو	یہاں تک کہ	وہ	سلامتی ہے

”اُس رات میں فرشتے اور جبرئیل اپنے رب کے حکم سے ہر حکم لے کر نازل ہوتے ہیں۔(۴) وہ سلامتی والی رات طلوع فجر تک ہے۔“(۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: لیلۃ القدر ایک ہزار مہینے سے افضل ہے اس میں حضرت جبرئیل امین علیہ السلام دوسرے ملائکہ کے ساتھ بنفس نفیس نزول فرماتے ہیں۔

القدر کا معنی تقدیر بھی ہے اس لیے یہ سورت اسم بامسمّٰی ہے کیونکہ اس میں لوگوں کی تقدیر کا فیصلہ ہوتا ہے اور یہ رات اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بھرپور ہوتی ہے۔ اس رات میں اپنے رب کے حکم کے مطابق مختلف امور کے لیے جبریلِ امین اور کثیر تعداد میں فرشتے نازل ہوتے ہیں اور یہ رات صبح طلوع ہونے تک سلامتی سے بھرپور ہوتی ہے۔ کچھ بزرگوں نے ضعیف روایات کی بنیاد پر شعبان کی پندرہویں رات کی یہ فضیلت بیان کی ہے۔ جس بنا پر بے شمار لوگ اس رات کو شبِ برأت کہتے ہیں حالانکہ شبِ برأت کا نام کسی حدیث میں نہیں پایا جاتا کیونکہ شب فارسی زبان کا لفظ ہے اور برأت کا عربی زبان کا لفظ ہے۔ لیلۃ القدر سے مراد وہی رات ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا ہے اور قرآن مجید رمضان میں نازل ہوا۔ لہٰذا یہ رات پندرہویں شعبان کی بجائے رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہے جو لوگ شبِ برأت کو شبِ قدر کا درجہ دیتے ہیں۔ وہ امت کو ہر سال خیرِ کثیر سے محروم رکھتے ہیں۔ ان دلائل کی روشنی میں شبِ برأت کی بجائے شبِ قدر کو ہی فیصلوں کی رات ماننا چاہیے۔ کچھ صوفیائے کرام پوری رات کو خیر کی رات قرار دینے کی بجائے کہتے ہیں کہ اس رات میں قبولیت کا ایک لمحہ آتا ہے جس میں کی گئی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس رات کی نشانی یہ ہے کہ اس میں تھوڑی یا زیادہ بارش ضرور ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس رات کی نشاندہی کی گئی تو اس رات بارش ہوئی تھی یہ اتفاق کی بات تھی لیلۃ القدر کی مستقل نشانی نہیں ہے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام کے دور میں اور نہ ہی آپ کے بعد ہر سال اس رات بارش ہوئی اور نہ ہوتی ہے لہٰذا بارش ہونا اس رات کی نشانی نہیں اس کی نشانی یہ ہے کہ اس رات کی صبح کی روشنی اتنی تیز نہیں ہوتی جس قدر دوسرے دنوں کی روشنی تیز ہوتی ہے یہ نشانی بھی وہی شخص پہچان سکتا ہے جو پہلے سے اس بات کا تجربہ اور مشاہدہ رکھتا ہو۔

اس رات کے بارے میں عام طور پر دو سوال کیے جاتے ہیں۔

۱۔ جب مکہ میں رات ہوتی ہے تو پوری دنیا میں رات نہیں ہوتی کہیں رات کا کچھ حصہ ہوتا ہے اور کہیں رات کی بجائے دن ہوتا ہے، ایسی صورت میں ان علاقوں میں لیلۃ القدر کو کس طرح تلاش کیا جائے۔

یہ سوال کرنے والوں کو سوچنا چاہیے کہ یہ صورتِ حال نبی علیہ السلام کے دور میں بھی موجود تھی، لیکن نہ آپ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سوال کرنے کی ضرورت سمجھی۔ جس رب نے لیل ونہار کا نظام بنایا اور یہ سورت بنائی ہے۔ اسے سب معلوم تھا اور ہے لہٰذا ایسی باتیں بنانے کی بجائے ربِ رحیم کی رحمت پر یقین رکھنا چاہیے اور لیلۃ القدر اپنے اپنے ملک کی طاق راتوں میں تلاش کرنی چاہیے۔ تلاش کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ضرور اجر دیتا ہے کیونکہ اس کا فرمان ہے کہ وہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

۲۔ بعض علماء یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ رات ہر رمضان میں بدل بدل کر آتی ہے یہ بات بھی صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ قرآن مجید لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر ایک ہی رات اور یکبارگی نازل کیا گیا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ایک متعین رات ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ اس لیے اس کے بدل بدل کر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ بات حدیث اور کسی صحابی کے قول سے ثابت ہوتی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ رات رمضان کے آخری عشرے کی پانچ طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہے۔ اس رات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ اس کے بارے میں آپ ﷺ پوری طرح نہیں جانتے کہ اس میں کیا کیا فیصلے کیے جاتے ہیں؟ جب نبی معظم ﷺ کو یہ بات فرما دی گئی ہے کہ آپ پوری طرح نہیں جانتے تو ہم کون ہوتے ہیں کہ لیلۃ القدر اور اس کی نشانیوں کو دو اور دو چار کی طرح بیان کریں، ہمارا کام اس رات میں عبادت کرنا ہے لہٰذا ہمیں اپنا کام کرنا چاہیے۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ)) (رواه البخاری: باب تحری لیلة القدر فی الوتر من العشر الأواخر)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا شبِ قدر کو رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔''

اس رات کا افضل ترین ذکر:

((اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ)) (مشكوٰة : كتاب الصوم)

''اے اللہ تو معاف کرنے والا اور معافی کو پسند کرتا ہے اس لیے مجھے معاف فرما۔''

اعتکاف:

انسان کی جبلّت میں یہ بات موجود ہے کہ جب بھی اسے کوئی پریشانی یا مشکل مسئلہ درپیش ہو تو وہ تنہائی پسند کرتا ہے تاکہ پیش آمدہ مسئلے کا حل سکون کے ساتھ سوچ سکے۔ دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں جس میں یکسوئی اور

خلوت کو خصوصی مقام حاصل نہ ہو۔ ہر زمانے میں تزکیہ نفس اور روحانی بلندیوں کے حصول کے لیے لوگ غاروں اور جنگلوں میں جا کر چلہ کشی کرتے رہے ہیں کچھ لوگ تو ہمیشہ کے لیے وہاں کے ہو کر رہ گئے۔اسلام نے تارک الدنیا ہو کر رہبانیت اختیار کرنے کی حوصلہ افزائی نہیں کی البتہ اس فطری ضرورت کا لحاظ اور روحانی بلندیوں کے حصول کے لیے اعتکاف کی ترغیب دی ہے۔جس میں تنہائی بھی ہے اور لوگوں کے ساتھ باجماعت نماز اور جمعہ ادا کرنے کی صورت اجتماعیت بھی پائی جاتی ہے گویا کہ اعتکاف کرنے والا اپنی انفرادی عبادت کے ساتھ اجتماعی عبادت میں بھی شریک ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کو تنہا بیٹھ کر ذکر کرنا بہت پسند تھا آپ ﷺ غار حرا میں تنہائی میں ذکر ہی کر رہے تھے کہ ''اقرا'' کا پیغام آیا۔امام بخاری رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں اس کا تذکرہ کیا ہے:

((ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلاءُ وَكَانَ يَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءَ فَيَتَحَنَّثُ فِيْهِ وَهُوَ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِي ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ اَنْ يَنْزِعَ إِلٰى اَهْلِهِ وَيَتَزَوَّدُ لِذٰلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلٰى خَدِيْجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتّٰى جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِيْ غَارِ حِرَاءَ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ اِقْرَأْ)) (رواه البخاری: کتاب کیف کان بدء الوحی)

''پھر آپ ﷺ خلوت پسند ہو گئے اور آپ غار حرا میں کئی شب وروز سوچ بچار کرتے رہتے اور اس وقت آپ کی یہی عبادت ہوا کرتی تھی جب کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا تو گھر سے دوبارہ لے جاتے یہاں تک کہ غار حرا میں آپ ﷺ کے پاس جبریل امین علیہ السلام حق لے کر آئے۔''

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا اَرَادَ اَنْ يَعْتَكِفَ صَلَّى الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ فِيْ مُعْتَكَفِهِ)) (رواه ابو داؤد، ابن ماجة، مشكوة: باب الاعتكاف)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اعتکاف بیٹھنے کا ارادہ فرماتے تو فجر کی نماز پڑھ کر جائے اعتکاف میں داخل ہوتے۔''

(آپ ﷺ اکیسویں رات مسجد میں جاگتے اوراگلی صبح اعتکاف کے خیمے میں تشریف لے جاتے۔)

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ اَلسُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ اَنْ لَّا يَعُوْدَ مَرِيْضًا وَلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً وَلَا يَمَسَّ اِمْرَاَةً وَلَا يُبَاشِرُهَا وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ إِلَّا لِمَا لَا بُدَّ مِنْهُ وَلَا اِعْتِكَافَ إِلَّا بِصَوْمٍ وَلَا اِعْتِكَافَ إِلَّا فِيْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ))(مشكوة: باب الاعتكاف قال البانی حسن صحیح)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اعتکاف کرنے والے کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ بیمار پرسی جنازے میں شرکت ،بیوی سے مباشرت سے اجتناب کرے اور اعتکاف سے ضروری کام (یعنی قضائے حاجت ،فرض غسل وغیرہ) کے بغیر نہ نکلے۔اعتکاف روزے کے ساتھ اور جامع مسجد میں ہوتا ہے۔''

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ)) (رواه مسلم: كتاب الاعتكاف، باب اعتكاف العشر الاواخر)

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک کا آخری عشرہ اعتکاف فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے وفات پائی آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اعتکاف کیا کرتی تھیں۔‘‘

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما اَنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ سَاَلَ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ کُنْتُ نَذَرْتُ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ اَنْ اَعْتَکِفَ لَیْلَۃً فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَالَ اَوْفِ لِنَذْرِکَ)) (رواہ البخاری، مشکوٰۃ: باب الاعتکاف)

’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تجھے اپنی نذر پوری کرنی چاہیے۔‘‘

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ فِی الْمُعْتَکِفِ ھُوَ لَیَعْکِفُ الذُّنُوْبَ وَیُجْزِیُٔ لَہٗ مِنَ الْحَسَنَاتِ کَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ کُلِّھَا)) (رواہ ابن ماجۃ، مشکوۃ: باب الاعتکاف،قال الالبانی ھذا حدیث ضعیف)

’’حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اعتکاف کرنے والا گناہوں سے رکا رہتا ہے، اعتکاف کی وجہ سے جو نیکی وہ نہیں کرسکتا اللہ تعالیٰ اسے دوسروں کی نیکیوں کے برابر ثواب دے گا۔‘‘

مسائل

۱۔ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔۲۔ شبِ قدر میں ہر کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

۳۔ شبِ قدر میں اپنے رب کے حکم پر جبریلِ امین اور ان کی معیت میں ہزاروں فرشتے نازل ہوتے ہیں۔

۴۔ شبِ قدر غروبِ آفتاب سے طلوع فجر تک خیر وبرکت سے بھرپور ہوتی ہے۔

تفسیر بالقرآن

قرآن مجید کا نزول اور سلامتی کی اہمیت:

۱۔ رمضان وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا۔(البقرۃ:۱۸۵)

۲۔ ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔(القدر:۱)

۳۔ ہم نے قرآن کو نازل کیا جو مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔(بنی اسرائیل:۸۲)

۴۔ ہم ہی قرآن مجید کو نازل کرنے والے ہیں اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔(الحجر:۹)

۵۔ جن و انس مل کر اس قرآن جیسا قرآن نہیں لاسکتے۔(بنی اسرائیل:۸۸)

۶۔ مومنوں کے لیے سلامتی والا گھر ہے اور اللہ ان کا دوست ہوگا۔(الانعام:۱۲۷)

۷۔ فرشتے کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو اپنے اعمال کے بدلے جنّت میں داخل ہو جاؤ۔(النحل:۳۲)

سُورَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ١ اٰيَاتُهَا: ٨

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

لَمْ	يَكُنِ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	وَ	الْمُشْرِكِيْنَ
نہیں	تھے	وہ لوگ جنہوں نے	کفر کیا	اہل کتاب میں سے	اور	مشرکین میں سے
مُنْفَكِّيْنَ	حَتّٰى	تَاْتِيَهُمُ	الْبَيِّنَةُ ۝١		رَسُوْلٌ	مِّنَ اللّٰهِ
باز رہنے والے	یہاں تک کہ	آئے ان کے پاس	واضح دلیل		ایک رسول	اللہ کی طرف سے
يَتْلُوْا	صُحُفًا	مُّطَهَّرَةً ۝٢	فِيْهَا		كُتُبٌ	قَيِّمَةٌ ۝٣
وہ پڑھے	صحیفے	پاکیزہ	جن میں		لکھے ہوئے احکام ہیں	ٹھوس

’’اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر تھے وہ باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس روشن دلیل نہ آ جائے۔(۱) اللہ کی طرف سے ایک رسول جو پاکیزہ صحیفے پڑھ کر سنائے۔(۲) جن میں لکھے ہوئے ٹھوس احکام ہیں۔‘‘ (۳)

فہم القرآن

ربطِ سورت: لیلۃ القدر میں نازل ہونے والا قرآن مجید کسی ایک فرقہ اور قوم کے لیے نازل نہیں ہوا ، یہ بلا تخصیص ہر دور کے لوگوں کے لیے نازل ہوا جس میں اہل کتاب اور مشرکین بھی شامل ہیں۔

اس سورہ مبارکہ میں اہلِ کتاب اور مشرکین کو الگ ،الگ مخاطب کیا گیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اہلِ کتاب مشرک نہیں تھے۔ یہ قرآن مجید کا مخصوص انداز ہے کہ وہ اہلِ کتاب کو بنی اسرائیل اوران کے معروف نام اہلِ کتاب سے مخاطب کرتا ہے ، جہاں تک ان کے شرک کا تعلق ہے یہ اسی طرح ہی شرک میں ملوّث تھے جس طرح عرب کے مشرکین شرک میں مبتلا تھے۔ فرق صرف اتنا تھااور ہے کہ عرب کے مشرکین بتوں کے واسطے سے عبادت اوردعا کرتے تھے۔ یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے اوردعا میں ان کا واسطہ اختیار کرتے تھے اور کرتے ہیں نصاریٰ یہودیوں سے ایک قدم آگے بڑھ کر حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کو اللہ کا جز قرار دیتے ہیں اور یہ عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام کے نام پر شرک کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ارشاد ہوا کہ اہلِ کتاب اورمشرکین میں سے جنہوں نے کفر کیا وہ اس وقت تک اپنے شرک سے باز نہیں آئیں گے جب تک کھلا معجزہ نہ دیکھ لیں، کھلے معجزے سے مراد وہ معجزات اور مطالبات ہیں جن کا یہ لوگ تقاضا کرتے تھے۔ حالانکہ ان کے مطالبات پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے پورے ہو چکے تھے۔جن کی قرآن مجید میں تفصیل موجود ہے اس کے باوجود وہ ایمان نہ لائے۔

’’اور بے علم لوگوں نے مطالبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے مطالبہ کیا تھا۔ اُن کے اور اِن کے دل یکساں ہو گئے ہیں بلا شبہ ہم

نے یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں بیان کر دی ہیں۔ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور آپ سے جہنمیوں کے بارہ میں پوچھ گچھ نہیں کی جائے گی۔“ (البقرۃ:۱۱۸،۱۱۹)

”ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ اس کے نام کھلے خط بھیجے جائیں ایسا ہرگز نہیں ہوگا اصل بات یہ ہے کہ یہ آخرت کا خوف نہیں رکھتے۔ قرآن تو ایک نصیحت ہے جس کا جی چاہے اس سے سبق حاصل کرے۔“ (المدثر: ۵۲ تا ۵۵)

ان کے پاس حضرت محمد ﷺ تشریف لا چکے ہیں جن کی ذات ،اخلاق اور کردار بہت بڑا اور کھلا معجزہ ہے۔ آپ ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں جس کی ایک ایک آیت بول کر بتاتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا پاکیزہ کلام ہے اور اس میں اس کے محکم فرمان موجود ہیں۔ ” صُحُفًا مُّطَهَّرَةً“ کی وضاحت فرما کر یہ اشارہ کیا ہے کہ جس طرح تورات اور انجیل میں تحریف کرکے یہود ونصاریٰ نے اللہ کی ذات اور انبیائے کرام علیہم السلام کے کردار کے متعلق اخلاق باختہ باتیں منسوب کی ہیں۔ قرآن مجید اس قسم کی بے ہودگی اور بے مقصد باتوں سے پاک ہے ، اس میں یہ بھی اشارہ ہے جس طرح موجودہ تورات اور انجیل کی عبارات میں الجھاؤ اور تضاد پایا جاتا ہے۔ قرآن مجید کا کوئی ایسا مسئلہ اور ضابطہ نہیں جس میں الجھاؤ اور ٹکراؤ پایا جاتا ہو، اس کے احکام واضح اور ٹھوس ہیں۔ اس میں یہ بات بھی پائی جاتی ہے کہ پہلی کتابیں مشکوک ہو چکی ہیں لیکن قرآن مجید شکوک وشبہات سے پاک ہے۔ اہلِ علم نے ”صُحُفًا “ کا معنٰی اوراق اور مضامین لیے ہیں جو پاکیزہ ہونے کے ساتھ واضح اور ٹھوس ہیں، پاکیزہ کا یہ بھی مطلب ہے کہ قرآن مجید کے احکام فرد اور معاشرے میں پاکیزگی پیدا کرتے ہیں۔” قَيِّمَةٌ“ سے مراد ہے کہ قرآن مجید کے احکام اور الفاظ میں کوئی تبدیلی نہیں آسکے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ (الحجر:۹)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تجھ سے قرآن مجید کی تلاوت سنوں ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ ”اللہ“ نے آپ کو میرا نام لے کر فرمایا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں میں۔حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حیران ہوکر پوچھا کیا میرا رب العالمین کے ہاں ذکر ہوا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا بالکل ذکر ہوا ہے۔ اس خوشی سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے دوسری روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ کی تلاوت سنوں۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تیرا نام لیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ خوشی سے رو پڑے۔“ (رواہ البخاری : باب مناقب ابی بن کعب)

مسائل

۱۔ اہلِ کتاب اور مشرکین کی غالب اکثریت اپنے کفر سے باز آنے والی نہیں

۲۔ رسول کریم ﷺ کی ذات لوگوں کے لیے کھلے معجزے کی حیثیت رکھتی ہے۔

۳۔ قرآن مجید میں کسی قسم کا الجھاؤ اور ٹکراؤ نہیں پایا جاتا۔۴۔ قرآن مجید ہر قسم کی غلطی سے مبرّا اور پاک ہے۔

وَمَا	تَفَرَّقَ	الَّذِيْنَ	اُوْتُوا	الْكِتٰبَ	اِلَّا	مِنْۢ بَعْدِ
اور نہیں	تقسیم ہوئے	وہ لوگ جو	دیے گئے	کتاب	مگر	بعد اس کے
مَا جَآءَتْهُمُ	الْبَيِّنَةُ ۝٤	وَ	مَآ	اُمِرُوْٓا	اِلَّا	لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ
کہ آئی ان کے پاس	واضح دلیل	حالانکہ	نہیں	وہ حکم دیے گئے	مگر	یہ کہ وہ عبادت کریں اللہ کی
مُخْلِصِيْنَ	لَهُ	الدِّيْنَ ۙ	حُنَفَآءَ	وَيُقِيْمُوا	الصَّلٰوةَ	وَيُؤْتُوا
خالص کرتے ہوئے	اس کے لیے	دین کو	یکسو ہو کر	اور وہ قائم کریں	نماز	اور ادا کریں
الزَّكٰوةَ	وَذٰلِكَ	دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝٥				
زکوٰۃ	اور یہی ہے	مستحکم دین				

’’جن لوگوں کو پہلے کتاب دی گئی تھی یہ آپس میں تقسیم نہیں ہوئے مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلیل آچکی تھی۔(۴) اور انہیں اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں، اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے بالکل یکسو ہو کر نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں یہی مستحکم دین ہے۔‘‘(۵)

فہم القرآن

ربطِ کلام: واضح ہدایات آجانے کے باوجود اہلِ کتاب کا منفی کردار۔

اس فرمان میں بظاہر صرف اہلِ کتاب کو مخاطب کیا گیا ہے لیکن اس خطاب میں مشرکین بھی برابر کے شریک ہیں۔ اہلِ کتاب کا الگ اس لیے ذکر کیا ہے کہ مشرکینِ عرب بظاہر کسی آسمانی کتاب کے قائل نہیں تھے لیکن اہلِ کتاب آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے تھے۔ یہاں ان کی مذہبی حالت بیان کر کے اشارہ کیا ہے کہ جب اہلِ کتاب کے کفر وشرک کی حالت یہ تھی اور ہے تو مشرکین کے شرک کی حالت کیا ہوگی؟ اس کے ساتھ ہی اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اہلِ کتاب کے فکری انتشار اور ان کے کفر وشرک کی وجہ یہ نہیں کہ ان کے پاس رسول، آسمانی کتابیں اور کھلے معجزات نہیں آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس رسول اور کتابیں آئیں اور انبیاء کرام علیہم السلام نے انہیں معجزات دکھائے لیکن اس کے باوجود یہ لوگ آپس میں تقسیم ہو گئے حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ کسی اور کی عبادت کرنے کی بجائے دینِ حق کی ہدایت کے مطابق یکسو ہو کر صرف ایک ’’اللہ‘‘ کی عبادت کریں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں یہی سچا اور مستحکم دین ہے۔ لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے لاپرواہی کی جس وجہ سے نہ اللہ کی خالص بندگی پر قائم رہے اور نہ ہی نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کر سکے جس کے نتیجے میں نہ صرف دینِ خالص سے دور ہوئے بلکہ آپس میں بھی فرقوں میں تقسیم ہوگئے۔ دینِ قیم کے الفاظ لا کر یہ ثابت کیا

گیا ہے کہ دین میں فرقہ واریت کی کوئی گنجائش نہیں۔ یاد رہے کہ دین واضح ہونے کے ساتھ اس کے بنیادی اصول ہمیشہ سے ایک رہے ہیں۔ ان کا بنیادی تقاضا ہے کہ دین کے ماننے والے بھی آپس میں متحد اور ایک رہیں۔

''حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہودی اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے، ان کے ستر فرقے جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائے گا۔عیسائی بہتر فرقوں میں بٹ گئے، ان کے اکہتر فرقے جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں داخل ہو گا۔قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، ان میں سے بہتر جہنمی ہوں گے اور ایک جنتی ہو گا۔ صحابہ نے عرض کی جنت میں جانے والے کون ہیں؟ آپ نے فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر چلنے والے ہیں۔'' (رواہ ابن ماجۃ: باب افْتِرَاقِ الْأُمَمِ،قال الالبانی ھٰذا حدیث حسن)

دین کے معانی

اطاعت:

﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ٥ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ٥ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾ (الزمر: ۱ تا ۳)

''یہ کتاب اللہ زبردست اور دانا کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ (اے محمد) یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف برحق نازل کی ہے۔لہٰذا اُسی کے لیے خالص کرتے ہوئے اللہ کی بندگی کرو خبردار،دین خالص اللہ کا حق ہے۔''

قانون اور ضابطہ:

﴿فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ ....﴾ (یوسف: ۷۶)

''یوسف نے اپنے بھائی سے پہلے دوسروں کی تھیلوں کی تلاشی لینی شروع کی، پھر اپنے بھائی کے تھیلے سے گم شدہ چیز برآمد کر لی۔ اس طرح ہم نے یوسف کی تائید اپنی تدبیر سے کی۔اسے یہ اختیار نہ تھا کہ بادشاہ کے دین یعنی مصر کے شاہی قانون کے مطابق اپنے بھائی کو پکڑ لیتا۔''

نظامِ حکومت:

﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ٥﴾ (غافر: ۲۶)

''ایک دن فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا، چھوڑو مجھے میں موسیٰ کو قتل کیے دیتا ہوں اور یہ پکار دیکھے اپنے رب کو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تمہارا دین بدل ڈالے گا یا ملک میں فساد برپا کرے گا۔''

دین بمعنیٰ دین (مذہب):

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ (التوبة: ٢٩)

''جنگ کرو اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں جانتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں سمجھتے ان سے لڑو یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور ماتحت بن کر رہیں۔''

دین سے مراد قیامت:

﴿يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ○ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ○ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ○ ثُمَّ مَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ○ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَّالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ○﴾ (الانفطار: ١٥ تا ١٩)

''جزا کے دن وہ اس میں داخل ہوں گے اور اس سے ہرگز غائب نہ ہو سکیں گے۔ اور تم کیا جانتے ہو کہ وہ جزا کا دن کیا ہے؟ ہاں تمہیں کیا خبر کہ وہ جزا کا دن کیا ہے؟ یہ وہ دن ہے جب کسی شخص کے لیے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا، فیصلہ اس دن صرف اللہ کے اختیار میں ہوگا۔''

دین بمعنیٰ جزا و سزا:

﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ (فاتحہ: ٣) ''روزِ جزا کا مالک ہے۔''

مسائل

١۔ اہلِ کتاب واضح دلائل پانے کے باوجود فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔

٢۔ اہلِ کتاب کو حکم تھا کہ وہ آسمانی دین کے مطابق صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔

٣۔ اہلِ کتاب کو حکم تھا کہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیتے رہیں۔

٤۔ صرف ایک اللہ کی یکسو ہو کر عبادت کرنا، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا دینِ خالص کے بنیادی اصول ہیں۔

تفسیر بالقرآن

دینِ قیم کے بنیادی اصول:

١۔ غیب پر ایمان لانا۔ (البقرۃ: ١) ٢۔ قرآنِ مجید اور پہلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانا۔ (البقرۃ: ٤)

٣۔ اللہ اور کتب سماوی پر ایمان لانا۔ (البقرۃ: ١٣٦) ٤۔ آخرت پر یقین رکھنا۔ (البقرۃ: ٤)

٥۔ انبیاء پر ایمان لانا اور ان میں فرق نہ کرنا۔ (آل عمران: ٨٤) ٦۔ ایمان کی تفصیل۔ (البقرۃ: ٢٨٥)

اِنَّ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	وَالْمُشْرِكِيْنَ	فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ
بلاشبہ	وہ لوگ جنہوں نے	کفر کیا	اہل کتاب میں سے	اور مشرکین میں سے	جہنّم کی آگ میں ہونگے

خٰلِدِيْنَ	فِيْهَا	اُولٰٓئِكَ هُمْ	شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝٦
وہ ہمیشہ رہیں گے	اس میں	یہی لوگ	مخلوق میں بدترین ہیں

''اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے یقیناً وہ جہنّم کی آگ میں داخل کیے جائیں گے، اور اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ لوگ بدترین مخلوق ہیں۔'' (٦)

فہم القرآن

ربطِ کلام: کفّار اور مشرکین کا انجام۔

اس سورت کی پہلی آیت میں جس طرح اہلِ کتاب اور مشرکین کو بیک وقت مخاطب کیا گیا اسی طرح اس آیت میں اہلِ کتاب اور مشرکین کا انجام بھی ایک بتلایا ہے۔ فرمان یہ ہے کہ اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے جنہوں نے کفر کیا وہ جہنّم میں داخل کیے جائیں گے۔ اہلِ کتاب اور مشرکین میں دو قسم کے لوگ کفار میں شامل ہوں گے ایک وہ گروہ جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے دور میں کفر وشرک پر قائم رہا۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو نبی آخرالزمان ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں یہ جہنّم میں داخل کیے جائیں گے۔ کردار اور انجام کے لحاظ سے یہ لوگ ایک جیسے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے بدترین ہیں جس بنا پر ان کا ٹھکانہ جہنّم ہوگا۔ دوسرے مقام پر انہیں چوپاؤں سے بھی بدتر مخلوق قرار دیا گیا ہے۔

''بلاشبہ ہم نے بہت سے جنّ اور انسان جہنّم کے لیے پیدا کیے ہیں ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں یہ لوگ چوپاؤں جیسے ہیں بلکہ ان سے بدتر ہیں اور غافل ہیں۔'' (الاعراف:١٧٩)

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهِ لاَ یَسْمَعُ بِی أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الأُمَّةِ یَهُودِیٌّ وَلاَ نَصْرَانِیٌّ ثُمَّ یَمُوتُ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِالَّذِی أُرْسِلْتُ بِهِ إِلاَّ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ)) (رواہ مسلم: باب وُجُوبِ الإِیمَانِ بِرِسَالَةِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: قسم ہے مجھے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے یہودیوں اور عیسائیوں میں سے جس شخص تک میرا پیغام پہنچ جائے۔ پھر وہ اُسی حالت میں مرجائے اور مجھ پر ایمان نہ لائے وہ جہنّم میں داخل ہوگا۔''

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ مَاتَ یُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَیْئًا دَخَلَ النَّارَ وَقُلْتُ

أَنَا مَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ)) (رواه البخاری: باب ماجاء فی الجنائز)

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ جہنّم میں جائے گا اور میں کہتا ہوں جس شخص نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا اور وہ توحید پر فوت ہوا وہ جنّت میں جائے گا۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَاهُنَّ قَالَ اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَكْلُ الرِّبَا وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ))

(رواہ البخاری: باب قول اللّٰہ تعالیٰ ﴿إن الذین یأکلون أموال الیتامی ظلما﴾)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچ جاؤ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ گناہ کون سے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق کسی جان کو قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور پاکدامن، مومن، بے خبر عورتوں پر تہمت لگانا۔''

مسائل

١۔ مشرکین اور اہلِ کتاب کے کافر ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنّم میں داخل کیے جائیں گے۔

٢۔ مشرکین اور اہلِ کتاب کے کفار بدترین مخلوق ہیں۔ یہ جہنّم میں داخل ہوں گے۔

تفسیر بالقرآن

کفار اور مشرکین کی سزا:

١۔ بے شک وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کی تکفیر کی ان کے لیے شدید عذاب ہے۔ (آل عمران:٤)

٢۔ کفار کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ (آل عمران:٩١)

٣۔ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ہوگا۔ (البقرۃ:١١٤)

٤۔ وہ لوگ جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں وہ عذاب میں مبتلا ہونگے۔ (المائدۃ:٧٣)

٥۔ مشرکوں کے اعمال برباد ہو جائیں گے۔ (الانعام: ٨٨) ٦۔ مشرکوں پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ (الفتح: ٦)

٧۔ مشرک پر جنّت حرام ہے۔ (المائدۃ: ٧٢) ٨۔ مشرک جہنّم میں ہمیشہ رہیں گے۔ (البقرۃ: ٣٩)

٩۔ کافر اور حق کی تکذیب کرنے والے جہنّم میں ہمیشہ رہیں گے۔ (الزخرف: ٧٤)

١٠۔ ''اللہ'' کے دشمن جہنّم میں ہمیشہ جلتے رہیں گے۔ (فصلت: ٢٨)

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ⑦

بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل کیے نیک یہی لوگ ہیں بہترین مخلوق ہیں

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

ان کی جزا ان کے رب کے ہاں باغات میں ہمیشہ کے چلتی ہیں ان کے نیچے سے نہریں

خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ

وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں ہمیشہ رہنا اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ⑧ ع

یہ اس شخص کے لیے ہے جو ڈر گیا اپنے رب سے

ع ۸/۲۳

”جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، یقیناً وہ بہترین مخلوق ہیں۔(۷) اُن کے رب کے ہاں اُن کی جزا ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا، اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ جزا اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈر جائے۔“(۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: مشرکین اور کفار کے مقابلے میں صالح کردار ایمان والوں کا مقام اور انعام۔

دینِ اسلام کے اوصافِ حمیدہ میں جو اوصاف سب سے نمایاں اور مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں پہلا وصف یہ ہے کہ دینِ اسلام کسی مخصوص قوم اور علاقے کے لوگوں کو دعوت نہیں دیتا، اس کی دعوت رنگ ونسل، جغرافیائی حدود اور زمانے کی قیود سے بالاتر ہے۔ اس لیے قرآن مجید کھلے الفاظ میں دعوت دیتا ہے کہ جو لوگ بھی اللہ اور نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لائیں اور صالح اعمال اختیار کریں وہ مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ دوسرے مقام پر اس بات کی یوں وضاحت کی گئی ہے۔

”بے شک مسلمانوں، یہودیوں، عیسائیوں اور بے دین لوگوں میں سے جو بھی اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، انہیں نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“ (البقرۃ:٦٢)

انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد نہ صرف تمام لوگوں میں بلکہ اللہ کی مخلوق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت سب سے افضل ہے جن کے ایمان اور اعمال کو ان کے بعد آنے والے لوگوں کے لیے معیار قرار دیا گیا ہے۔

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ (البقرۃ: ١٣٧)

”اگر وہ تمہاری طرح ایمان لائیں تو ہدایت پائیں گے اور اگر منہ موڑیں تو وہ واضح ضد کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ عنقریب ان کے مقابلہ میں آپ کو کافی ہو گا اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔“

ان کی جزا ان کے رب کے ہاں یہ ہے کہ ان کو ہمیشہ رہنے والی جنّتوں میں ہمیشہ کے لیے داخل کیا جائے گا، ایسی جنتیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ صحابہ پر راضی ہوگیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے رب پر راضی ہوئے، یہ صلہ ہر وہ شخص پائے گا جو اپنے رب پر خالص ایمان لایا اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق صالح اعمال کرنے کے ساتھ اپنے رب سے ڈرتا رہا۔ رب تعالیٰ سے ڈرنے کی شرط اس لیے رکھی گئی ہے کہ اس کے بغیر ایمان اور اعمال میں اخلاص پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی انسان گناہوں سے بچ سکتا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا مقام اور احترام:

”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے زمانہ کے لوگ سب سے بہتر ہیں۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے۔ اس کے بعد کچھ لوگ آئیں گے، جن کی گواہی ان کی قسم سے، اور ان کی قسم ان کی گواہی سے سبقت لے جائے گی۔“

(رواہ البخاری: باب لَا يَشْهَدُ عَلٰى شَهَادَةِ جَوْرٍ إِذَا أُشْهِدَ)

((عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْاَنَّ اَحَدَكُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَّا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهٗ)) (رواہ البخاری: باب مناقب ابی بکر)

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میرے اصحاب رضی اللہ عنہم کو برا مت کہو۔ کیونکہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے آدھے مد (چوتھائی کلوگرام) کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔“

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ سَبَّ نَبِيًّا قُتِلَ وَمَنْ سَبَّ اَصْحَابَهٗ جُلِدَ)) (رواہ الطبرانی فی الصغیر)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نبی کو گالی دے اسے قتل کیا جائے اور جو صحابہ کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں۔“

مسائل

۱۔ جو لوگ سچے دل کے ساتھ ایمان لائے اور صالح اعمال کرتے رہے ہیں وہ اللہ کی پوری مخلوق میں بہتر ہیں۔

۲۔ بہترین لوگوں کے لیے ان کے رب نے جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

۳۔ بہترین لوگ ہمیشہ کی جنّتوں میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔۴۔ اللہ تعالیٰ صحابہ پر راضی ہوا اور صحابہ اپنے رب پر راضی ہوگئے۔

تفسیر بالقرآن

جنّت اور اس کی نعمتوں کی ایک جھلک:

(الحجر:۴۷۔۴۸) (الرعد:۳۵) (الواقعہ:۲۸تا۳۰) (الحاقہ:۲۳) (حم السجدہ:۳۱)

سورۃ الزلزال کا تعارف

اس سورت کا نام اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے یہ ایک رکوع پر محیط ہے جس کی آٹھ آیات ہیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی غالب اکثریت کا خیال ہے کہ یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اس میں قیامت کی ابتدا اور اس میں ہونے والے حساب وکتاب کا نتیجہ بتلایا گیا ہے اس میں اس بات سے آگاہ کیا گیا ہے کہ جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرّہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے اپنے سامنے پائے گا۔

سورۃ العادیات کا تعارف

یہ سورت اپنے نام سے شروع ہوتی ہے اس کا ایک رکوع ہے جو گیارہ آیات پر مشتمل ہے اس کے نزول کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف پایا جاتا تھا تاہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا خیال ہے کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم اٹھا کر جہاد کی فضیلت کی طرف اشارہ کیا ہے اور واضح فرمایا ہے کہ انسان مال کی محبت میں بڑا سخت ہے حالانکہ مال نے ہمیشہ نہیں رہنا اور بالآخر انسان نے قبر میں جانا ہے اور پھر اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔

سورۃ القارعہ کا تعارف

یہ سورت اپنے نام سے شروع ہوتی ہے اس کی گیارہ آیات ہیں جو ایک رکوع پر مشتمل ہیں یہ سورت مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی اس میں قیامت کا ایک منظر پیش کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ اس دن پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑ رہے ہوں گے اور لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح منتشر ہوں گے۔ اس دن جس کے اعمال بھاری ہوئے وہ عیش کی زندگی میں ہوگا اور جس کے وزن ہلکے ہوئے وہ دھکتی ہوئی آگ میں جھونکا جائے گا۔

سورۃ التّکاثر تعارف

یہ سورت بھی اپنے نام سے شروع ہوئی ہے اس کا ایک رکوع ہے جس میں آٹھ آیات ہیں یہ مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی۔ اس میں لوگوں کی حرص وہوس کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ لوگوں کی غالب ترین اکثریت مال کی محبت میں سرگرداں رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ قبر میں پہنچ جاتے ہیں، ایسے لوگوں کو دنیا کی حقیقت کا اس وقت علم ہوگا جب وہ جہنم کو اپنے سامنے پائیں گے اس وقت یہ دنیا کو بھول جائیں گے لیکن ان سے ہر نعمت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

سُورَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّة — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعُهَا: ۱ اٰيَاتُهَا: ۸

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝۱ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝۲

جب ہلائی جائے گی زمین ہلایا جانا اور باہر نکال دے گی زمین اپنے بوجھ کو

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝۳ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝۴ بِاَنَّ

اور کہے گا انسان کیا ہوا اس کو اس دن وہ بیان کرے گی اپنی خبریں اس لیے کہ بلاشبہ

رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝۵

آپ کا رب وحی کی ہے اس کو

”جب زمین پوری شدت کے ساتھ ہلادی جائے گی۔(۱) اور زمین اپنے بوجھ نکال کر باہر پھینک دے گی۔(۲) اور انسان کہے گا کہ اسے کیا ہوگیا ہے؟(۳) اس دن وہ اپنے حالات بیان کرے گی۔(۴) کیونکہ آپ کے رب کا اسے یہی حکم ہوگا۔“ (۵)

فہم القرآن

ربطِ سورت: البیّنہ کا اختتام ان الفاظ پر ہوا کہ ”اللہ تعالیٰ“ ہر اس شخص پر راضی ہوگا جس نے اس سے ڈر کر زندگی بسر کی اللہ تعالیٰ کے ڈر کا حقیقی تقاضا ہے کہ انسان ہر دم قیامت کا عقیدہ تازہ رکھے جس دن کی ابتداء بڑے بڑے زلزلوں سے ہوگی۔

قرآن مجید نے یہ حقیقت بڑی تفصیل کے ساتھ بتلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب پہلی دفعہ اسرافیل صور میں پھونک مارے گا تو زمین وآسمانوں میں ایسا بھونچال آئے گا کہ بالآخر ہر چیز ختم ہوجائے گی۔ ایک مدّت کے بعد جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں اس مدّت میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی باقی رہے گی۔ اسرافیل دوسری پھونک مارے گا تو ایک دفعہ پھر زمین پر زبردست زلزلے رونما ہوں گے جن سے زمین کو پوری طرح ہلا کر رکھ دیا جائے گا، پہلا صور پھونکنے پر زمین چٹیل میدان بن جائے گی اور دوسری دفعہ صور پھونکنے پر زمین اپنے اندر کے بوجھ باہر پھینک دے گی کیونکہ اُسے رب تعالیٰ نے اس طرح کرنے کا حکم دیا ہوگا۔

”اور جو کچھ زمین میں ہے اسے باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے گی اور اس کے لیے یہی لازم ہے۔“ (الانشقاق: ۵)

اکثر مفسرین کے نزدیک ”اَثْقَالَهَا“ سے مراد انسان اور اس کے اعمال ہیں، چنانچہ اگر کوئی انسان ڈوب کر مرا یا آگ میں جل کر راکھ ہوا، ربِ ذوالجلال کے حکم سے نہ صرف زمین انسان کے ذرّات کو باہر نکال دے گی بلکہ لوگ اس طرح زمین سے صحیح سالم نکلیں گے جس طرح مرنے سے پہلے تھے، نہ صرف انسان اپنے وجود کے ساتھ

زمین سے نکلیں گے بلکہ جو کچھ اس دھرتی پر کرتے رہے۔ زمین اس کے پورے کے پورے ثبوت پیش کرے گی۔ ماضی میں سائنسی ترقی نہ ہونے کی وجہ سے بے شمار لوگ اس بات پر گمراہ ہوئے کہ انسان کے اعمال کا کس طرح وزن کیا جا سکے گا کیونکہ اعمال کا ٹھوس وجود نہیں ہوتا۔ لیکن سائنسی ترقی نے ایک حد تک یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہر چیز کا ایک وجود ہوتا ہے۔ قیامت کے دن انسان جونہی اپنا کیا کرایا دیکھے گا تو پکار اٹھے گا کہ زمین کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ ہر بات بیان کیے جا رہی ہے، ایسا اس لیے ہوگا کہ اسے اس کے رب کا حکم ہوگا۔ قیامت کے دن زمین ہر قسم کا ثبوت پیش کرنے کے ساتھ شہادت دے گی جس کا انکار کرنا انسان کے بس میں نہیں ہوگا۔

﴿اِنَّآ اَنۡذَرۡنٰكُمۡ عَذَابًا قَرِيۡبًا ۖ يَّوۡمَ يَنۡظُرُ الۡمَرۡءُ مَا قَدَّمَتۡ يَدٰهُ وَيَقُوۡلُ الۡكٰفِرُ يٰلَيۡتَنِىۡ كُنۡتُ تُرٰبًا﴾ (النبا: ٤٠)

''ہم نے تمہیں اس عذاب سے ڈرا دیا ہے جو قریب آ چکا ہے جس دن آدمی سب کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور کافر پکار اٹھے گا کہ کاش میں مٹی بنا رہتا۔''

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم هَذِهِ الآیَةَ ﴿یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا﴾ قَالَ أَتَدْرُونَ مَا أَخْبَارُهَا ؟ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّ أَخْبَارَهَا أَنْ تَشْهَدَ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلَى ظَهْرِهَا تَقُولُ عَمِلَ یَوْمَ كَذَا كَذَا وَكَذَا فَهَذِهِ أَخْبَارُهَا))

(رواه الترمذی: باب ما جاء فی العرض، قال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا﴾ پھر آپ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ زمین کی خبریں کیا ہوں گی؟ صحابہ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا زمین کا خبر دینا یہ ہے کہ وہ ہر مرد اور عورت کے عمل کے متعلق گواہی دے گی جو اس نے زمین پہ رہتے ہوئے کیا ہوگا۔ زمین کہے گی کہ اس نے فلاں دن فلاں عمل کیا، یہی اس کی خبریں ہوں گی۔''

مسائل

١۔ قیامت کے دوسرے مرحلے میں زمین کو پوری طرح ہلا کر رکھ دیا جائے گا۔

٢۔ زمین اپنے سینے سے ہر قسم کا بوجھ نکال باہر کرے گی۔

٣۔ زمین اس دن انسان کے حق یا اس کے خلاف ہر قسم کی شہادت دے گی مجرم کہے گا کہ زمین کو کیا ہو گیا ہے؟

٤۔ زمین ہر چیز اس لیے بیان کرے گی کیونکہ اسے اس کے رب کا حکم ہوگا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن انسان کے حق یا اس کے خلاف پیش ہونے والی شہادتیں:

١۔ قیامت کے دن ''اللہ'' پر جھوٹ باندھنے والوں کے خلاف گواہ پیش کیے جائیں گے۔ (ہود: ١٨)

(النور: ٢٤) (البقرۃ: ١٤٣) (یٰس: ٦٥) (حٰم السجدۃ: ٢٠) (البقرۃ: ١٤٢) (الحج: ٧٨)

يَوْمَئِذٍ	يَّصْدُرُ	النَّاسُ	اَشْتَاتًا ۙ	لِّيُرَوْا	اَعْمَالَهُمْ ۝۶	فَمَنْ
اس دن	لوٹیں گے	لوگ	متفرق ہو کر	تا کہ وہ دکھائے جائیں	اپنے اعمال	جو کوئی

يَّعْمَلْ	مِثْقَالَ ذَرَّةٍ	خَيْرًا	يَّرَهٗ ۝۷	وَمَنْ	يَّعْمَلْ
کرے گا	ذرہ برابر	نیکی	وہ دیکھ لے گا اس کو	اور جو کوئی	کرے گا

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ	شَرًّا	يَّرَهٗ ع ۝۸
ذرہ برابر	برائی	وہ دیکھ لے گا اس کو

ع ۸ / ۲۱

''اس دن لوگ متفرق حالت میں پلٹیں گے تا کہ اُن کو ان کے اعمال دکھائے جائیں۔(۶) جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا۔(۷) اور جس نے ذرہ برابر بُرائی کی ہو گی وہ بھی اُسے دیکھ لے گا۔''(۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: محشر کے میدان میں لوگوں کے اکٹھا ہونے کی کیفیت اور ہر کسی کا اپنے اعمال کا سامنا کرنا۔

قرآن مجید اور حدیثِ رسول میں یہ بات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ لوگ اپنی قبروں سے نکل کر محشر کے میدان کی طرف جائیں گے۔ لوگوں کے جمع کرنے کے بارے میں قرآن مجید میں دو طرح کی آیات وارد ہوئی ہیں۔

''جس دن صور میں پھونک ماری جائے گی تم گروہ در گروہ نکل آؤ گے۔''(النبا:۱۸)

''قیامت کے دن سب اکیلے اکیلے اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔''(مریم:۹۵)

بظاہر ان آیات کے مفہوم میں تعارض اور تقابل نظر آتا ہے لیکن معمولی توجہ کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کی جائے تو بات یوں سمجھ میں آتی ہے کہ قبروں سے لوگ اکیلے اکیلے اٹھائے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے حضور بھی ہر شخص اکیلا اکیلا ہی پیش کیا جائے گا۔ لیکن محشر کے میدان میں اکٹھا ہونے کے لیے کھربہا انسان گروہوں کی صورت میں جمع ہوں گے اور ہر شخص کے سامنے اس کا اعمالنامہ کھول کر رکھ دیا جائے گا۔

''کتاب رکھی جائے گی آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ جو کچھ اس کتاب میں ہوگا وہ اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے ہائے افسوس! یہ کیسی کتاب ہے کہ اس نے نہ چھوٹی بات چھوڑی ہے اور نہ بڑی بات چھوڑی ہے اس نے سب کچھ شمار کر رکھا ہے انھوں نے جو کچھ کیا تھا اسے حاضر پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔''(الکہف:۴۹)

''عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عیاش بن ابی ربیعہ کے غلام زیاد نے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عیاش کے سامنے حدیث بیان کی اُس آدمی سے جس نے اُسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک آدمی آپ کے سامنے عرض کرنے لگا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے دو غلام ہیں جو میرے ساتھ جھوٹ بولتے

ہیں، خیانت کرتے اور میری نافرمانی کرتے ہیں۔ میں اُنہیں پیٹتا ہوں اور گالیاں دیتا ہوں میرا معاملہ کیسا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس قدر تیری خیانت، تیری نافرمانی اور تیرے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں اگر تیری ڈانٹ ڈپٹ اُن کی غلطیوں سے کم ہوئی تو تجھے اجر عطا کیا جائے گا اور اگر برابر ہوئی تو معاملہ یکساں ہے اور اگر ڈانٹ اُن کی خطاؤں سے زیادہ ہوئی تو تیری نیکیوں میں کمی کی جائے گی یہ سن کر وہ شخص آپ ﷺ کے سامنے زاروقطار رونے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تو اللہ کی کتاب نہیں پڑھتا؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن ہم عدل و انصاف کا ترازو قائم کریں گے اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ نیکی اور برائی ایک رائی کے دانے کے برابر ہوئی ہم اُسے بھی لے آئیں گے۔ ہم کافی ہیں حساب لینے والے۔ وہ آدمی کہنے لگا اے اللہ کے رسول میں اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ غلاموں کو آزاد کر دوں اور میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں میں نے اُنہیں آزاد کر دیا۔“

(رواه احمد: مسند السيدة عائشة، قال الترمذی هذا حديث غريب)

((وَعَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللّٰهِ لَا يُلْقِیْ لَهَا بَالًا يَرْفَعُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَاتٍ وَاِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ لَا يُلْقِیْ لَهَا بَالًا يَهْوِیْ بِهَا فِیْ جَهَنَّمَ)) (بخاری: باب حفظ اللسان)

”حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ جب آدمی اللہ کی رضا کے لیے کوئی کلمہ زبان سے نکالتا ہے حالانکہ وہ اس کو معمولی سمجھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کلمہ کی وجہ سے اس کے درجات بلند فرماتا ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ کی ناراضگی کی بات کرتا ہے اور وہ اُسے معمولی سمجھتا ہے تو اس معمولی بات کی وجہ سے وہ جہنّم میں داخل ہوگا۔“

مسائل

۱۔ قیامت کے دن لوگ گروہوں کی شکل میں میں محشر کے میدان میں جمع کیے جائیں گے۔
۲۔ لوگوں کو اس لیے محشر کے میدان میں جمع کیا جائے گا تاکہ وہ اپنے اعمال اوران کا انجام دیکھ لیں گے۔
۳۔ جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اپنی نیکی دیکھ لے گا اور جس نے ذرّہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اپنی برائی کو اپنے سامنے پائے گا۔

تفسیر بالقرآن

محشر کے میدان میں لوگوں کی کیفیّت:

۱۔ جب واقعہ ہوگی واقعہ ہونے والی۔ (الواقعہ:۱) ۲۔جب زمین کو ہلا دیا جائے گا پوری طرح ہلا دینا۔ (الزلزال:۱)
۳۔ قیامت زمین و آسمانوں پر بھاری ہوگی۔ (الاعراف:۱۸۷) (الحج:۱)
۴۔ قیامت کے دن لوگ اڑتے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے۔ (القارعہ:۴)

سُوْرَۃُ الْعٰدِیٰتِ مَکِّیَّۃٌ | بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | اٰیَاتُھَا: ١١ رُکُوْعُھَا: ١

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

وَ الْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾ فَالْمُغِیْرٰتِ

قسم ہے سرپٹ دوڑنے والوں کی ہانپتے ہوئے پھر آگ نکالنے والوں کی سم مار کر پھر حملہ کرنیوالوں کی

صُبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ﴿۵﴾

صبح کے وقت پھر وہ اڑاتے ہیں اس کے ساتھ غبار پھر وہ گھس جاتے ہیں اس وقت جماعت میں

”قسم ہے اُن گھوڑوں کی جو پھنکارتے ہوئے دوڑتے ہیں۔(۱) پھر اپنے سُم مار کر چنگاریاں نکالتے ہیں۔(۲) پھر صبح سویرے حملہ کرتے ہیں۔(۳) پھر غبار اُڑاتے ہیں۔(۴) پھر وہ مجمع میں گُھس جاتے ہیں۔“ (۵)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورہ زلزال کا اختتام اس بات پر ہوا ہے کہ جس نے نیکی کی وہ اپنی نیکی کو دیکھ لے گا اور جس نے بُرائی کی وہ بھی اپنی بُرائی کو اپنے سامنے پائے گا۔ العادیات کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر انسان کو قبر سے اٹھایا جائے گا اور جو کچھ اس نے کیا ہے اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورہ مبارکہ کی ابتدا میں پانچ قسمیں اٹھائی ہیں جو جنگ کے دوران گھوڑوں کی مختلف حالتوں سے متعلق ہیں۔ ارشاد ہوا کہ قسم ہے ان گھوڑوں کی جو تیز دوڑتے ہوئے ہانپتے ہیں پھر اپنی ٹاپوں سے چنگاریاں نکالتے ہیں پھر صبح کے وقت دشمن پر دھاوا بولتے ہیں اور گردوغبار اُڑاتے ہوئے دشمن کے لشکر میں گھس جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت کے لیے اور بھی جانور پیدا کیے ہیں مگر جو اوصاف اور قوت گھوڑے میں رکھی ہے وہ کسی اور جانور میں دکھائی نہیں دیتی۔ بے شک انسان نے اپنی سواری کے لیے بڑی تیز رفتار اور آرام دہ گاڑیاں ایجاد کرلی ہیں لیکن گاڑی پر بیٹھے ہوئے آدمی کا وہ رُعب نہیں ہوتا جو گھوڑے کے شاہسوار کا رُعب ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی دنیا میں مال دار لوگ، بڑے بڑے جرنیل اور سیاستدان گھوڑ سواری کرنا اپنے لیے فخر سمجھتے ہیں۔ اس لیے نسلی اور قیمتی گھوڑے رکھنا ان کا شوق ہوتا ہے۔ میدانِ جنگ بالخصوص پہاڑی علاقے میں جہاں گاڑیاں اور ٹینک نہیں جا سکتے وہاں گھوڑا ہی واحد سواری ہے جو دشمن کے خلاف کار آمد ثابت ہوتا ہے۔ قدیم دور میں جس قبیلے یا فوج کے پاس جنگی گھوڑے زیادہ ہوتے تھے وہ فوج زیادہ طاقتور سمجھی جاتی تھی۔ پہلے زمانے میں عام طور پر دشمن پر حملہ آور ہونے کے لیے صبح کا وقت بڑا مناسب سمجھا جاتا تھا تاکہ دشمن کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا جائے۔ اس وقت گھوڑوں کو سرپٹ دوڑایا جاتا جس سے گھوڑوں کے سینے سے ہاپنے کی آواز نکلتی جو گھوڑے اور

شاہسوار کی بہادری اورقوت کی دلیل سمجھی جاتی۔ شاہسوار خاص طور پر جب دشمن کی صفوں میں گھسنے کے لیے گھوڑے کو ایڑ لگاتا تو جنگجو گھوڑا زمین پر پاؤں مار کر ہنہناتا ہوا اپنی جرأت اور آمادگی کا اظہار کرتا گھوڑا پتھریلی زمین پر سُم مارتا تو رات کے وقت اس کے پاؤں کے نیچے سے چنگاریاں نکلتی تھیں جو مجاہد کے حوصلے کو دوبالا کرتی تھیں۔ قرآن مجید نے اس منظر کو اس لیے بیان کیا ہے تاکہ مسلمانوں میں قتال فی سبیل اللہ کا جذبہ زندہ اور بیدار رہے۔ گھوڑا بہادر ہونے کے ساتھ اپنے مالک کا وفادار اوراپنے کام میں نہایت ہی سمجھ دار جانور ہے، اسے سینکڑوں میل دور جاکر گھر کی طرف موڑ دیا جائے تو اکیلا ہی اپنے کھونٹے پر پہنچ جاتا ہے۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ....گھوڑے تین طرح کے ہیں ایک اپنے مالک پر بوجھ ہے دوسرا اپنے مالک کی کمزوری چھپانے والا ہے اور تیسرا اپنے مالک کے لیے ثواب کا باعث ہے۔وہ گھوڑا جو لوگوں کو دکھلاوے کے لیے رکھا جائے اور گھوڑے کے ذریعے مالک لوگوں میں فخر کرے اور مسلمانوں سے عداوت رکھے یہ اپنے مالک کے حق میں وبال ہے۔جو کمزوری چھپانے والا گھوڑا وہ ہے جس کو اللہ کی راہ میں باندھا گیا ہو، اس کا مالک اس کی سواری میں اللہ کا حق نہیں بھولتا اور نہ اس کے گھاس اور چارہ میں کمی آنے دیتا ہے یہ مالک کی کمزوری چھپانے والا ہے۔ یعنی مالک کی طاقت کا سبب ہے ۔تیسرا گھوڑا ثواب کا باعث ہے یہ وہ گھوڑا ہے جو اللہ کی رضا اور اہل اسلام کی مدد کے لیے رکھا گیا ہے۔ یہ گھوڑا جو چراگاہ یا باغ سے کھائے گا اتنی نیکیاں اس کے مالک کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جائیں گی اور اس کی لید اور پیشاب کو بھی نیکیوں میں شامل کیا جائے گا ۔جب یہ گھوڑا اپنی لمبی رسی توڑ کر کسی ٹیلے پر چڑھ جاتا ہے تو اس کے قدموں کے مطابق نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور جب اس کا مالک اس کو کسی ندی پر لے جاتا ہے اور وہ گھوڑا اس سے پانی پیتا ہے بے شک مالک کا پانی پلانے کا ارادہ ہو یا نہ ہو تب بھی پانی کے قطروں کے موافق مالک کے حق میں نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں ۔آپ ﷺ سے گدھے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا گدھوں کے بارے میں مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں کیا گیا۔ ﴿فَمَن يَعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرٗا يَرَهُۥ ۝ وَمَن يَعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٖ شَرّٗا يَرَهُۥ﴾ جس نے ذرہ کے برابر نیکی کی وہ اسے قیامت کے دن دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔“ (رواہ مسلم: کتاب الزکاۃ، باب اثم مانع الزکاۃ)

مسائل

١۔ انسان ہرصورت قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور جو کچھ ان کے سینوں میں ہے ظاہر کردیا جائے گا۔

٢۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہرانسان کے عمل سے باخبر ہوگا۔

اِنَّ	الۡاِنۡسَانَ	لِرَبِّهٖ	لَكَنُوۡدٌ ۚ﴿۶﴾	وَاِنَّهٗ	عَلٰى ذٰلِكَ
یقیناً	انسان	اپنے رب کا	بڑا ہی ناشکرا ہے	اور بلاشبہ وہ	اس بات پر

لَشَهِيۡدٌ ۚ﴿۷﴾	وَاِنَّهٗ	لِحُبِّ الۡخَيۡرِ	لَشَدِيۡدٌ ؕ﴿۸﴾
ضرور گواہ ہے	اور بلاشبہ وہ	مال کی محبت میں	بہت سخت ہے

''حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔(۶) اور وہ خود اس پر گواہ ہے۔(۷)اور وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے۔''(۸)

فہم القرآن

ربطِ کلام: اللہ تعالیٰ نے گھوڑے اور بڑے بڑے جانوروں کوانسان کے تابع بنادیا ہے مگر انسان اپنے رب کا تابع فرمان ہونے کے لیے تیارنہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں خلیفہ بنا کر ہر چیز کو اس کی خدمت پر لگا دیا ہے جن میں گھوڑا بھی اس کے خدام میں شامل ہے۔گھوڑے پرغور فرمائیں کہ وہ اپنی جسامت اورطاقت کے اعتبار سے انسان سے کتنا طاقتور ہے اگر گھوڑا اپنے مالک سے سرکش ہو کر بھاگ نکلے تو مالک دوڑ کر اسے پکڑنہیں سکتا، مالک سے جسامت اور طاقت میں بڑا ہونے کے باوجود نہ صرف گھوڑا سواری کے کام آتا ہے بلکہ جنگ کے موقع پر دشمن کی صفوں میں اس طرح آگے بڑھتا ہے جس طرح یہ اپنے دشمن کے خلاف کھڑا ہو۔جنگی گھوڑا اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر اپنے مالک کو لے کر دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے، یہ اس لیے ہے کہ گھوڑا اپنے مالک کا نمک حلال اوروفادار ہوتا ہےلیکن انسان کی حالت یہ ہے کہ جب اسے کشادگی حاصل ہوتی ہےتو یہ اپنے رب کا نمک حرام اورنافرمان بن جاتا ہے۔

بالخصوص انسان مال کی محبت میں بڑاسخت واقع ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کتراتا ہے حالانکہ اسے معلوم ہے کہ یہ مال اللہ نے ہی مجھے عطافرمایا ہے مگراس کے باوجود وہ بخل اورناشکری کرنے سے بازنہیں آتا۔جب کہ اس کا دل گواہی دیتا ہے کہ مجھے اپنے رب کی ناشکری اوراس کی راہ میں بخل نہیں کرنا چاہیے۔

﴿كَلَّآ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَيَطۡغٰٓى ۝ اَنۡ رَّاٰهُ اسۡتَغۡنٰى ۝ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجۡعٰى﴾ (العلق : ۶تا۸)

''ہرگزنہیں یقیناً انسان سرکشی کرتا ہے،جب وہ اپنے آپ کومستغنی دیکھتا ہے حالانکہ اس کا پلٹنا آپ کے رب کی طرف ہے۔''

مسائل

۱۔ انسان یقیناً مال کی محبت میں بڑا حریص اورسخت ہے۔۲۔یقیناً انسان اپنے رب کا ناشکرا ہونے کا اقرارکرتا ہے۔

اَفَلَا	یَعۡلَمُ	اِذَا	بُعۡثِرَ	مَا	فِی الۡقُبُوۡرِ ۙ۹	وَحُصِّلَ	
کیا پھر نہیں	جانتا وہ	جب	نکال باہر کیا جائے گا	جو کچھ	قبروں میں ہے	اور ظاہر کر دیا جائے گا	
مَا	فِی الصُّدُوۡرِ ۙ۱۰	اِنَّ	رَبَّہُمۡ	بِہِمۡ	یَوۡمَئِذٍ	لَّخَبِیۡرٌ ۱۱	
جو کچھ	سینوں میں ہے	بلاشبہ	ان کا رب	ان سے	اس دن	یقیناً خوب خبردار ہو گا	

ع ۱۱/۱ ۲۵

”تو کیا وہ نہیں جانتا کہ جو کچھ قبروں میں ہے اسے نکال لیا جائے گا۔(۹) اور جو کچھ دلوں میں ہے اُسے ظاہر کر دیا جائے گا۔(۱۰)یقیناً اُن کا رب اس دن اُن سے خوب خبردار ہو گا۔“(۱۱)

فہم القرآن

ربطِ کلام: ناشکری اور بخل سے بچنے کے لیے انسان کو ہمیشہ اپنا انجام ذہن میں رکھنا چاہیے۔

بے شک انسان ہفت اقلیم کا بادشاہ اور پوری دنیا کے خزانوں کا مالک بن جائے ، مگر موت کے وقت اس نے خالی ہاتھ جانا ہے ،قبر میں کفن کے سوا کوئی چیز اس کے ساتھ نہیں جاتی۔ قیامت کے دن اسے اٹھایا جائے گا تو اس کے وجود پر کوئی لباس نہیں ہوگا، نیکی اور برائی کے سوا کوئی چیز اس کے ساتھ نہیں ہوگی۔ قیامت کے دن اسے قبر سے اٹھا کر محشر کے میدان میں کھڑا کیا جائے گا تو صرف اس کا اعمال نامہ اس کے سامنے پیش نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے ہر عمل کے ساتھ اس کی نیت اور خیالات بھی لف(Attache) ہوں گے۔ انسان اپنے رب سے کوئی چیز نہیں چھپا سکے گا۔گو اللہ تعالیٰ ہر حال اور ہر وقت اپنے بندوں سے باخبر رہتا ہے لیکن قیامت کے دن کا ذکر فرما کر ہر انسان کو انتباہ کیا ہے کہ اے انسان! دنیا میں تو لوگوں کی نگاہوں سے بچ سکتا ہے لیکن اپنے رب کی نگاہ سے نہیں بچ سکتا، اس لیے تجھے اس دن کا فکر کرنا چاہیے جس دن ہر چیز تیرے سامنے رکھ دی جائے گی۔قرآن مجید نے اس مقام پر قیامت کے دن لوگوں کے اٹھنے کی جگہ کو قبور کہا ہے۔قبور کا لفظ اس لیے استعمال کیا ہے کہ ہر آسمانی دین میں مُردوں کو قبر میں دفنانے کا حکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی، عیسائی اور مسلمان اپنے فوت شدگان کو قبروں میں دفناتے ہیں۔ یہاں تک جو لوگ دفنانے کی بجائے مُردوں کو جلا دیتے ہیں وہ بھی مُردوں کی راکھ کو مٹی میں ہی دفن کرتے ہیں۔

مسائل

۱۔ قیامت کے دن زمین میں جو کچھ ہوگا وہ اسے اللہ کے حکم سے باہر پھینک دے گی۔

۲۔ قیامت کے دن انسان کے ہر خیال کو ظاہر کر دیا جائے گا۔۳۔اللہ تعالیٰ ہر چیز کو ابد سے جاننے والا ہے۔

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعُهَا: ١ اٰيَاتُهَا: ١١

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

اَلْقَارِعَةُ ①	مَا الْقَارِعَةُ ②	وَ	مَاۤ اَدْرٰىكَ	مَا	الْقَارِعَةُ ③
کھٹکھٹانے والی	کیا ہے کھٹکھٹانے والی	اور	کس نے بتایا آپ کو	کیا ہے	کھٹکھٹانے والی

يَوْمَ	يَكُوْنُ	النَّاسُ	كَالْفَرَاشِ	الْمَبْثُوْثِ ④	وَ تَكُوْنُ	الْجِبَالُ
جس دن	ہو جائیں گے	لوگ	پروانے کی طرح	بکھرے ہوئے	اور ہو جائیں گے	پہاڑ

''کھٹکھٹانے والی۔ (١) کیا ہے کھٹکھٹانے والی۔(٢) آپ کیا جانیں کہ کھٹکھٹانے والی کیا ہے؟(٣) جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے۔(٤) اور پہاڑ

فہم القرآن

ربطِ سورت: العادیات اس فرمان پر ختم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بھی ہر کسی کے اعمال سے باخبر ہوگا۔ القارعہ میں قیامت کی حولناکیوں کا ذکر کرنے کے بعد واضح فرمایا ہے کہ نیک لوگ عیش کی زندگی میں ہوں گے اور بُرے لوگ بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔

عربوں کے ہاں جب زور کے ساتھ دروازہ کھٹکھٹایا جائے تو وہ اس کے لیے ''قرع الباب'' کے الفاظ بولتے ہیں کہ اس نے زور کے ساتھ دروازہ کھٹکھٹایا۔ اسرافیل کے پہلی دفعہ صور پھونکنے کے بعد جو آواز پیدا ہوگی وہ اس قدر تیز اور دھماکہ خیز ہوگی کہ اس کی وجہ سے ہر چیز آپس میں ٹکرا کر ختم ہو جائے گی۔ سیارے آپس میں ٹکرا جائیں گے اور پہاڑ ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ پہاڑوں کے ٹکرانے سے یوں آوازیں نکلیں گی جس طرح توپ کا گولہ چلنے سے آواز نکلتی ہے، پہاڑ اس طرح ریت بن کر اُڑ رہے ہوں گے جس طرح فضا میں دُھنی ہوئی رنگ دار روئی اُڑتی ہے، پہاڑوں سے اُڑنے والے ذرات کو اس لیے دُھنی ہوئی رنگ دار روئی سے تشبیہ دی ہے کہ شدید گرمی میں اُڑنے والا گرد وغبار دُور سے سرخ دکھائی دیتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے بتلایا ہے:

﴿وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِيبُ سُوْدٌ﴾ (فاطر: ٢٧)

''اور پہاڑوں میں بھی سفید، سرخ اور گہری سیاہ دھاریاں پائی جاتی ہیں۔ جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔''

قیامت کی سختی اور گرمی کی وجہ سے لوگ اس طرح حواس باختہ اور پراگندہ ہوں گے جس طرح پتنگے روشنی پر بکھرے ہوتے ہیں، اس کے بعد لوگوں کو محشر کے میدان میں جمع کر کے ان کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوا وہ عیش کی زندگی میں ہوگا اور جس کے گناہوں کا پلڑا بھاری ہوا اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے۔

كَالْعِهْنِ	الْمَنْفُوْشِ ؕ۵	فَاَمَّا	مَنْ	ثَقُلَتْ	مَوَازِيْنُهٗ ۙ۶	فَهُوَ
رنگین رُوئی کی طرح	دھنکی ہوئی	چنانچہ	جو شخص کہ	بھاری ہوگئی	اس کی میزان	تو وہ
فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ؕ۷	وَ	اَمَّا	مَنْ	خَفَّتْ	مَوَازِیْنُهٗ ۙ۸	فَاُمُّهٗ
عیش کی زندگی میں ہوگا	اور	لیکن	وہ شخص	ہلکا ہوگیا	اس کا ترازو	تو اس کا ٹھکانہ
هَاوِیَةٌ ؕ۹	وَ	مَآ	اَدْرٰىكَ	مَا هِیَهْ ؕ۱۰	نَارٌ	حَامِیَةٌ ۱۱ؑ
ہاویہ ہے	اور	کیا	معلوم آپ کو	کیا ہے	وہ آگ ہے	بھڑکتی ہوئی

دھنکی ہوئی رنگین روئی کی طرح ہوں گے۔(۵) جس کے وزن بھاری ہوں گے۔(۶) وہ عیش کی زندگی میں ہو گا۔(۷)اور جس کے وزن ہلکے ہوں گے۔(۸) اس کی جگہ ھاویہ ہو گی۔(۹) اور آپ کو کیا خبر کہ ھاویہ کیا ہے؟(۱۰) وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔''(۱۱)

آپ کیا جانیں کہ ہاویہ کیا ہے؟ عربی زبان میں ہاویہ آگ کی گہری خندق کو کہا جاتا ہے۔ جہنّم میں آگ کی بڑی بڑی گہری خندقیں ہوں گی، ان میں ان لوگوں کو پھینکا جائے گا جن کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا۔ ربِ ذوالجلال نے قیامت کی ہولناکیوں اور جہنّم کی آگ سے ڈرانے کے لیے یہ الفاظ دوبار استعمال کیے ہیں کہ اے رسول ﷺ! آپ کیا جانیں کہ ''اَلْقَارِعَةُ''اور ''هَاوِیَةٌ''کیا ہیں؟ یہ اسلوب اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا شخص اس بات کا احساس کرے کہ جب اللہ کا رسول قیامت کی کھٹکھٹاہٹ اور جہنّم کی آگ کی شدت کو نہیں جانتے تو میں کون ہوتا ہوں جو اس سے لاپرواہ ہوجاؤں۔

یہاں جہنّم کی آگ کے لیے ''اُمُّهٗ هَاوِیَةٌ'' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ جس طرح ماں اپنے بچے کو گود میں لیتی ہے کہ وہ گر نہ پائے۔ جہنّم کی آگ بھی اس طرح مجرموں کو اپنی لپیٹ میں لے گی کہ مجرم کی جان چھوٹنے نہیں پائے گی۔

﴿وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ٥ اِنَّهَا سَآئَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا﴾ (الفرقان: ٦٥،٦٦)

''اور نیک لوگ دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں جہنّم کے عذاب سے بچالے جہنّم کا عذاب چمٹ جانے والا ہے۔ وہ رہنے اور ٹھہرنے کی بدترین جگہ ہے۔''

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ أُوقِدَ عَلَى النَّارِ أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى احْمَرَّتْ ثُمَّ أُوقِدَ عَلَیْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى ابْیَضَّتْ ثُمَّ أُوقِدَ عَلَیْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى اسْوَدَّتْ فَهِیَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ)) (رواه الترمذی: كتاب صفة جهنم)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنّم کی آگ کو ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی پھر اس کو ایک ہزار سال تک جلایا گیا تو وہ سفید ہوگئی پھر اس کو ایک ہزار سال تک جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہوگئی اب اس کا رنگ سیاہ ہے۔‘‘

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ نَارُكُمْ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا مِّنْ نَّارِ جَهَنَّمَ قِيلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنْ كَانَتْ لَكَافِيَةً قَالَ فُضِّلَتْ عَلَيْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَّتِسْعِيْنَ جُزْءًا كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا)) (رواه البخاری: كتاب بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں یقیناً اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری یہ آگ جہنّم کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔عرض کیا گیا کہ اللہ کے رسول! جلانے کے لیے یہی آگ کافی تھی۔ آپ نے فرمایا اس آگ سے وہ اُنہتر حصے زیادہ گرم ہے ان میں سے ہر حصے کی گرمی دنیا کی آگ کے برابر ہے۔‘‘

مسائل

۱۔ قیامت کی کھٹکھٹاہٹ کا کوئی شخص اندازہ نہیں کرسکتا۔۲۔جس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا اس کے لیے ہاویہ ہے۔

۳۔ قیامت کے دن لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہوں گے۔

۴۔ قیامت کے دن پہاڑ دُھنی ہوئی رنگین اُون کی طرح اُڑیں گے۔

۵۔ قیامت کے دن جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوا وہ عیش کی زندگی بسر کرے گا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن اعمال کا وزن کیا جائے گا:

۱۔ قیامت کے دن ہر کسی کو اپنے اعمال کا بوجھ اٹھانا ہوگا۔ (النحل:۲۵)

۲۔ قیامت کے دن اعمال کا وزن ضرور ہوگا۔ (الاعراف:۸)

۴۔ قیامت کے دن ہم عدل کا میزان قائم کریں گے۔ (الانبیاء:۴۷)

۵۔ جس کی نیکیوں کا وزن زیادہ ہوا وہ عیش وعشرت میں ہوگا۔ (المومنون:۱۰۲)

۶۔ جس کی نیکیوں کا وزن کم ہوا اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے۔(القارعہ:۸،۹)

۷۔ قیامت کے دن چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی سامنے آجائے گی اور چھوٹی سے چھوٹی برائی بھی مجرم کے سامنے ہوگی۔ (الزلزال:۷،۸)

سُورَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ١ آيَاتُهَا: ٨

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

اَلْهٰىكُمُ	التَّكَاثُرُ ①	حَتّٰى	زُرْتُمُ	الْمَقَابِرَ ②	كَلَّا
تمہیں غافل کر دیا	کثرت (کی ہوس) نے	یہاں تک کہ	تم جا پہنچے	قبروں میں	کیوں نہیں

سَوْفَ	تَعْلَمُوْنَ ③	ثُمَّ	كَلَّا	سَوْفَ	تَعْلَمُوْنَ ④	كَلَّا	لَوْ
عنقریب	تم جان لو گے	پھر	کیوں نہیں	عنقریب	تم جان لو گے	کیوں نہیں	اگر

تَعْلَمُوْنَ	عِلْمَ	الْيَقِيْنِ ⑤	لَتَرَوُنَّ	الْجَحِيْمَ ⑥	ثُمَّ	لَتَرَوُنَّهَا
تم جان لوگے	جاننا	یقین کا	تم ضرور دیکھو گے	دوزخ کو	پھر	تم ضرور دیکھو گے اسے

عَيْنَ الْيَقِيْنِ ⑦	ثُمَّ	لَتُسْـَٔلُنَّ	يَوْمَئِذٍ	عَنِ النَّعِيْمِ ⑧
یقین کی آنکھ سے	پھر	تم ضرور سوال کیے جاؤ گے	اس دن	نعمتوں کے بارے میں

ع ۸ | ۲۷

"تمہیں مال کی ہوس نے ہلاک کر دیا ہے۔(۱) یہاں تک کہ تم قبروں تک پہنچ جاتے ہو۔(۲) کیوں نہیں عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔(۳) پھر کیوں نہیں عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔(۴) کیوں نہیں تم یقینی علم کے ساتھ جان جاؤ گے۔(۵) تم ضرور جہنم دیکھ کر رہو گے۔(۶) پھر تم بالکل یقین کے ساتھ اُسے دیکھ لو گے۔(۷) پھر اس دن تم سے ضرور نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"(۸)

فہم القرآن

ربطِ سورت: القارعہ میں بتلایا گیا ہے کہ مجرموں کو جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل کی جائے گا التکاثر میں اس کی بنیادی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جہنّمی آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دیا کرتے تھے۔

اس سورت کی ابتدا " اَلْھٰی" کے لفظ سے ہورہی ہے۔ عربی زبان میں " اَلْھٰی یَلْھٰی" کا معنٰی ہے کسی چیز کے ساتھ ایسا لگاؤ جس کی وجہ سے انسان اپنے اہم معاملات سے لاپرواہ اور غافل ہوجائے۔"التَّکَاثُرُ" کے تین مفہوم لیے گئے ہیں۔

۱۔زیادہ سے زیادہ مال واسباب جمع کرنا۔۲۔ مال کی کثرت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا۔
۳۔ مال واسباب کی کثرت پر فخر وغرور کرنا۔

یادرہے کہ دینِ اسلام دنیا کے اسباب اوراس کی ترقی میں رکاوٹ پیدا نہیں کرتا ،اسلام صرف یہ چاہتا ہے کہ لوگ دین اوردنیا کے درمیان توازن قائم کریں اگر دین اوردنیا میں مقابلہ ہوتو دین کو ترجیح دی جائے ،لیکن ہر

دور میں انسانوں کی اکثریت کا یہ حال رہا ہے کہ وہ مال واسباب کی محبت میں دین اور آخرت کو فراموش کر دیتے ہیں ۔جس کا قرآن مجید نے اس طرح شکوہ کیا ہے ۔

''تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے یہ بات پہلے صحیفوں میں بھی کہی گئی تھی۔ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔'' (الاعلیٰ:۱۶تا۱۹)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں، جو لوگ ایسا کریں وہ خسارے میں رہنے والے ہیں، جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو، قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے اور وہ اس وقت کہے کہ اے میرے رب تو نے کیوں نہ مجھے تھوڑی سی مہلت اور دی کہ میں صدقہ کرتا اور صالح لوگوں میں شامل ہو جاتا۔'' (المنافقون:۹تا۱۱)

یہی ہلاکت اور پچھتاوا ہے جس کا اس سورت میں ذکر کیا گیا ہے کہ اے لوگو! تمہیں دنیا کے مال واسباب کے تکاثر نے ہلاک کر دیا ہے ،تم مرتے دم تک دنیا کے پیچھے پڑے رہتے ہو، یہاں تک کہ قبروں تک پہنچ جاتے ہو۔ انسان کی زندگی اور موت کے بعد چار مرحلے ایسے آتے ہیں جب انسان کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس نے دنیا کی خاطر اپنے آپ کو ہلاک کر لیا ہے۔ پہلا مرحلہ انتہائی مجبوری اور بیماری کے وقت آتا ہے جب انسان لاعلاج بیماری یا کسی انتہائی مجبوری میں مبتلا ہوتا ہے تو اسے پتا چلتا ہے کہ دنیا کے مال واسباب اس کے کسی کام نہیں آسکے، دوسرا مرحلہ جو اس سے زیادہ یقینی ہوتا ہے وہ موت کا وقت ہے گنہگار کو پچھتاوا ہوتا ہے کہ کاش! میں دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دیتا ،تیسرا مرحلہ قبر میں شروع ہوتا ہے جب انسان کو یقینی علم ہو جاتا ہے کہ مال کی حرص نے اسے ہلاکت میں ڈال دیا ہے، چوتھا اور آخری مرحلہ وہ ہوگا جب وہ اپنی آنکھوں کے سامنے جہنم دیکھے گا تو اس کے یقین میں ذرا برابر بھی شک نہیں رہے گا۔ اس لیے اس حالت کے بارے میں ''عین الیقین'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یہ مرحلہ اس وقت آئے گا جب اس سے ہر نعمت کے بارے میں جواب طلبی ہوگی اگر ناشکرا اور مجرم ثابت ہوا تو اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔یہی وہ ہلاکت ہے جس کے بارے میں ہر انسان کو متنبہ کیا گیا ہے۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَوْ أَنَّ لِابْنِ آدَمَ وَادِيًا مِّنْ ذَهَبٍ أَحَبَّ أَنْ يَكُوْنَ لَهُ وَادِيَانِ وَلَنْ يَمْلَأَ فَاهُ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ)) (رواه البخاری: باب مايتقی من فتنة المال)

''حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر آدم کے بیٹے کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو وہ پسند کرے گا کہ اس کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوں۔ اس کے منہ کو مٹی کے علاوہ کوئی چیز نہیں بھر سکتی ۔''اللہ'' جس پر چاہتا ہے کرم فرماتا ہے۔'' (یعنی اسے قناعت دیتا ہے۔)

((عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيرِ يُحَدِّثُ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كَانَ بِالْكُوفَةِ أَمِيرٌ قَالَ فَخَطَبَ يَوْماً فَقَالَ إِنَّ فِي إِعْطَاءِ هٰذَا الْمَالِ فِتْنَةً وَفِي إِمْسَاكِهِ فِتْنَةً وَبِذٰلِكَ

قَامَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِی خُطْبَتِهِ حَتَّی فَرَغَ ثُمَّ نَزَلَ)) (رواہ احمد : مسند عبداللہ بن الشخیر)

’’مطرف بن عبداللہ بن شخیر سے روایت ہے وہ نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابی کے بارے میں بیان کرتے ہیں جو کوفہ میں امیر تھے انہوں نے ایک دن اپنے خطبے میں کہا کہ مال کے عطا کیے جانے میں بھی آزمائش ہے اور اس کے روک لیے جانے میں بھی آزمائش ہے اسی بات کو بیان کرنے کے لیے نبی اکرم ﷺ منبر پر چڑھے اور اسے بیان کرنے کے بعد نیچے اتر آئے۔‘‘

((عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ أَبِیهِ قَالَ: أَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ وَهُوَ یَقْرَأُ أَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ قَالَ یَقُولُ ابْنُ اٰدَمَ مَالِیْ مَالِیْ قَالَ وَهَلْ لَكَ یَا ابْنَ اٰدَمَ إِلَّا مَا أَکَلْتَ فَأَفْنَیْتَ' أَوْلَبِسْتَ فَأَبْلَیْتَ' أَوْ تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَیْتَ۔)) (رواہ مسلم : باب الزھد والرقائق)

’’مطرف اپنے والد رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا۔اس وقت آپ سورۃ ’’اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ‘‘ تلاوت فرما رہے تھے۔آپ نے فرمایا: ابنِ آدم کہتا ہے، میرا مال،میرا مال آپ نے فرمایا: اے ابن آدم ! تیرا مال وہ ہے جسے تو نے کھا کر ہضم کر لیا،پہن کر بوسیدہ کر دیا، جو تو نے صدقہ کیا اور اسے آخرت کے لیے آگے بھیجا۔‘‘

((عَنْ کَعْبِ بْنِ عِیَاضٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُولُ إِنَّ لِکُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ أُمَّتِی الْمَالُ)) (رواہ الترمذی : باب مَا جَاءَ أَنَّ فِتْنَةَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ فِی الْمَالِ،قال الالبانی ھذاحدیث صحیح)

’’حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر امت کے لیے ایک اجتماعی آزمائش ہوتی ہے اور میری امت کی اجتماعی آزمائش مال ہے۔‘‘

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں آپ ﷺ نے اور آپ کے دونوں ساتھیوں نے بکری کا گوشت کھایا،کھجوریں تناول کیں اور پانی پیا۔جب اچھی طرح کھا پی کر سیر ہو گئے تو رسولِ معظم ﷺ نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے،تم سے قیامت کے دن ان نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔‘‘ (رواہ مسلم : باب جَوَازِ اسْتِتْبَاعِهِ غَیْرَهُ إِلَی دَارِ مَنْ یَثِقُ بِرِضَاهُ بِذٰلِكَ)

مسائل

۱۔ لوگوں کو مال کی حرص نے تباہ کر دیا ہے۔۲۔اکثر لوگ قبر تک پہنچنے سے پہلے مال کی حرص نہیں چھوڑتے۔

۳۔ عنقریب دنیا دار لوگوں کو مال اور اپنے انجام کا پتہ چل جائے گا۔

۴۔ عنقریب انہیں یقین ہو جائے گا کہ انہوں نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال لیا ہے۔

۵۔ دین کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دینے والے ہر صورت جہنم کو دیکھ لیں گے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ ہر صورت اپنی نعمتوں کے بارے جواب طلبی کرے گا۔

سورۃ العصر کا تعارف

یہ سورت بھی اپنے نام سے شروع ہوتی ہے اس کی صرف تین آیات ہیں جو ایک چھوٹے سے رکوع پر مشتمل ہیں یہ سورت مختصر ہونے کے باوجود اسلام کی تعلیمات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ جو شخص ان پر عمل کرے گا وہ دائمی نقصان سے بچ جائے گا۔ جس نے ان باتوں کا خیال نہ رکھا وہ دنیا اور آخرت میں نقصان پائے گا۔

سورۃ الھمزہ کا تعارف

اس کا نام اس کے تیسرے لفظ میں موجود ہے۔ اس کا ایک رکوع ہے جو نو آیات پر محیط ہے یہ سورت مکہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی اس میں انسان کو تین بُری عادتوں سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جس میں ایک عادت مال کے بارے میں حد سے زیادہ حریص ہونا ہے۔ حریص انسان سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ رہے گا حالانکہ نہ اس کا مال ہمیشہ رہے گا نہ وہ خود باقی رہے گا۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ میں پھینکا جائے گا جس میں جہنمیوں کو ڈھانپ دیا جائے گا۔

سورۃ الفیل کا تعارف

اس کا نام اس کی پہلی آیت کے آخر میں ذکر ہوا ہے اس کی پانچ آیات ہیں جو ایک چھوٹے سے رکوع پر مشتمل ہیں یہ سورت مکہ معظّمہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔ اس میں ابرہہ اور اس کی فوج کی ہلاکت کا ذکر کیا گیا ہے جس میں ہر باغی شخص کے لیے ایک انتباہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہلاک کرنا چاہے تو وہ چھوٹے چھوٹے پرندوں سے بڑی سے بڑی فوج کو ہلاک کر سکتا ہے۔

سورۃ قریش کا تعارف

اس سورت کی چار آیات میں جو ایک رکوع قرار دی گئی ہیں اس کا نام اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے۔ یہ سورت بھی مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی اس میں قریش کو تین احسان بتلا کر حکم دیا گیا ہے کہ انہیں دوسروں کی عبادت سے ہٹ کر صرف کعبہ کے رب کی عبادت کرنی چاہیے یہی کعبہ کی تعمیر اور انسان کی تخلیق کا مقصد ہے۔

سُورَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رُكُوْعُهَا: ۱ اٰيَاتُهَا: ۳

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

وَ الْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

قسم ہے زمانے کی | بلاشبہ | انسان | ضرور نقصان میں ہے | سوائے انکے | جولوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳

اور انہوں نے عمل کیے | نیک | اور ایک دوسرے کو وصیت کی | حق کی | اور ایک دوسرے کو وصیت کی | صبر کی

''زمانے کی قسم۔(۱) یقیناً انسان نقصان میں ہے۔(۲) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔'' (۳)

فہم القرآن

ربطِ سورت: اللہ تعالیٰ نے التکاثر کے آخر میں بتلایا ہے کہ ہر وہ شخص آخرت میں نقصان اٹھائے گا جو آخرت پر دنیا کو ترجیح دے گا اس سے ہر نعمت کے بارے میں سوال ہو گا مگر اس کے باوجود انسان نقصان کا سودا کیے ہوئے ہے۔

فہم القرآن میں یہ بات پہلے بھی عرض ہو چکی ہے کہ عربی زبان میں واؤ کا حرف قسم کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جس چیز کی قسم اٹھاتا ہے لازم نہیں کہ وہ چیز دوسری چیزوں سے زیادہ اہمیت کی حامل ہو۔ قسم اٹھانے کا بنیادی مقصد اس بات کی اہمیت کو اُجاگر کرنا ہوتا ہے جس چیز کے لیے قسم اٹھائی جاتی ہے تاکہ سننے والا اس بات کی اہمیت اور فرضیت کو سمجھ سکے۔ یہاں زمانے کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے قسم اٹھائی گئی ہے۔ ''والعصر'' زمانے کی قسم! زمانہ کا لفظ تین اوقات کا احاطہ کرتا ہے۔ جو وقت گزر گیا، جو گزر رہا ہے اور جو آنے والا ہے اسے ماضی، حال اور مستقبل کہا جاتا ہے۔ اگر زمانے سے مراد جزوی طور پر ماضی لیا جائے تو معنٰی ہو گا کہ اے انسانو! جو وقت گزر گیا ہے وہ واپس نہیں آئے گا اس لیے اپنے حال کا خیال رکھو۔ کیونکہ حال کو پکڑے بغیر کوئی فرد اور قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ زمانے کا معنٰی مستقبل لیا جائے تو یہ مفہوم لینے کی گنجائش ہے کہ اے انسان! تجھے کیا خبر! کہ مستقبل تجھے حاصل ہو گا یا تو اس سے پہلے ہی اٹھا لیا جائے گا۔ زمانے کی یہ تفسیر سامنے رکھی جائے تو اس کا ایک ایک لمحہ قیمتی اور یہ انسان کا سب سے بڑا سرمایہ ہے اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وقت کو سونے اور چاندی سے زیادہ گراں قدر سمجھتے تھے۔(رواہ الترمذی : باب وَمِنْ سُوْرَةِ التَّوْبَةِ)

''العصر'' کا دوسرا معنٰی نمازِ عصر بھی لیا گیا ہے۔ نمازِ عصر دن کی آخری نماز ہوتی ہے اس لیے نمازِ عصر کی خاص فضیلت اور فرضیت بیان کی گئی ہے۔

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ (البقرة: ۲۳۸)

’’نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص درمیانی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجز ہو کر کھڑے ہوا کرو۔‘‘

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ ﷺ قَالَ الَّذِى تَفُوتُهُ صَلاةُ الْعَصْرِ كَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ))

(رواه البخاري: كتاب مواقيت الصلاة، باب إثم من فاتته العصر)

’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جس کی نمازِ عصر ضائع ہوگئی گویا اس کی تمام دن کی کمائی غارت ہوگئی۔‘‘

العصر کی قسم اٹھا کر یہ بات بھی واضح کی گئی ہے کہ جس طرح دن کا آخری حصہ عصر کے وقت پر مشتمل ہے اسی طرح ہی دنیا کی زندگی آخری دور میں داخل ہوچکی ہے۔ جس طرح عصر کے بعد سورج کا غروب ہونا یقینی ہے اسی طرح دنیا کا خاتمہ اور قیامت کا آنا یقینی ہے۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّمَا اَجَلُكُمْ فِىْ اَجَلِ مَنْ خَلَا مِنَ الْاُمَمِ مَابَيْنَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ وَاِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَمَثَلُ الْيَهُوْدِ وَالنَّصٰرٰى كَرَجُلٍ اِسْتَعْمَلَ عُمَّالًا فَقَالَ مَنْ يَّعْمَلُ لِىْ اِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ فَعَمِلَتِ الْيَهُوْدُ اِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ يَّعْمَلُ لِىْ مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ اِلٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ فَعَمِلَتِ النَّصَارٰى مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ اِلٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ يَّعْمَلُ لِىْ مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ عَلٰى قِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ اَلَا فَاَنْتُمُ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ اَلَا لَكُمُ الْاَجْرُ مَرَّتَيْنِ فَغَضِبَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ عَمَلًا وَاَقَلُّ عَطَاءً قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَهَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ شَيْئًا قَالُوْا لَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَاِنَّهٗ فَضْلِىْ اُعْطِيْهِ مَنْ شِئْتُ)) (رواه البخاری: باب الاجارة الیٰ نصف النهار)

’’حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا: تمہاری مدتِ عمر، تم سے پہلے لوگوں کی مدتِ عمر کے مقابلے میں اتنی ہے جس طرح عصر کی نماز سے سورج غروب ہونے کا وقت ہے۔ تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے کچھ مزدوروں کو کام پر لگایا۔ اس نے مزدوروں سے کہا ایک ایک قیراط پر میرے ہاں کون دوپہر تک مزدوری کرے گا؟ یہود نے دوپہر تک ایک قیراط پر کام کیا پھر اس نے کہا کون دوپہر سے عصر تک ایک قیراط پر کام کرے گا؟ نصاریٰ نے دوپہر سے عصر تک ایک قیراط پر کام کیا پھر اس نے کہا کون شخص عصر کی نماز سے لے کر سورج غروب ہونے تک دو قیراط پر کام کرے گا۔ جان لو وہ تم ہو جو عصر کی نماز سے لے کر سورج غروب ہونے تک کام کر رہے ہو، اور تمہارا ثواب دوگنا ہے۔ اس پر یہود و نصاریٰ ناراض ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہمارا کام زیادہ ہے اور ہمیں مزدوری کم ملی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کیا میں نے تمہاری مزدوری سے کم دیا

ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ میرا انعام ہے، میں جسے چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں۔‘‘

((عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بُعِثْتُ اَنَا وَ السَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ قَالَ شُعْبَةُ وَسَمِعْتُ قَتَادَةَ يَقُوْلُ فِيْ قَصَصِهِ كَفَضْلِ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَلَا اَدْرِيْ اَذَكَرَهُ عَنْ اَنَسٍ اَوْ قَالَهُ قَتَادَةُ .)) (رواه البخاری : کتاب الرقاق)

’’حضرت شعبہ،قتادہ سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں رسولِ مکرم ﷺ نے فرمایا مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی طرح بھیجا گیا ہے شعبہ کہتے ہیں میں نے قتادہ کو بیان کرتے ہوئے سُنا جیسا کہ ان دونوں میں سے ایک اُنگلی کو دوسری پر برتری حاصل ہے شعبہ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں یہ بات انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے یا قتادہ کی اپنی بات ہے۔‘‘

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِرَجُلٍ وَهُوَ يَعِظُهٗ اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغُلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ)) (رواه الحاكم)

’’حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک آدمی کو نصیحت فرما رہے تھے ۔فرمایا پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو ،جوانی کو بڑھاپے سے پہلے ،تندرستی کو بیماری سے پہلے ،خوشحالی کو تنگدستی سے پہلے فارغ وقت کو مصروف ہونے سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے ۔‘‘

جس بات کی قسم اٹھائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اے انسان تو نقصان میں جارہا ہے ۔نفع کے مقابلے میں نقصان کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ چاہیے تو یہ تھا کہ انسان وقت کی اہمیت سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نفع حاصل کرتا لیکن اس نے اس وقت سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال لیا ہے ۔ اگر انسان خُسر کے لفظ پرغور کرے تو اسے یقین ہوجائے گا کہ واقعی وہ نقصان میں جارہا ہے، سب سے پہلے ہر انسان اپنی عمر پر غور کرے۔ کہنے کو تو آدمی یہی کہتا اور سمجھتا ہے کہ میں اتنے سال کا ہوگیا ہوں لیکن غور کرے تو اسے احساس ہوگا کہ اس نے زندگی کے جتنے سال شمار کیے ہیں وہ حقیقت میں اس کی زندگی سے منہا ہوچکے ہیں۔کردار کے حوالے سے دیکھا جائے تو جب انسان جنم لیتا ہے تو گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔جوں جوں بڑھا ہوتا ہے تواس کے گناہوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ۔ اس طرح کتنے انسان ہیں جواعمال کے اعتبار سے خسارے میں ہوتے ہیں اوراسی حالت میں فوت کرلیے جاتے ہیں ۔ ہمارے رب نے زمانے کی قسم کھا کرہمیں توجہ دلائی ہے کہ اے انسان! تو ہر لمحہ خسارے میں پڑا جارہاہے، تجھے اس سے بچنے اور نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے، بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ انسان کونقصان کی بجائے فائدے میں دیکھنا چاہتا ہے۔ فائدہ حاصل کرنے اورنقصان سے بچنے کے لیے چار صفات کا ہونا ضروری ہے ۔ یہی چار صفات پورے دین کا خلاصہ ہیں۔ یہ وہ صفات ہیں کہ اگر

ان پر عمل کرنے کا حق ادا کیا جائے تو انسان میں ہر قسم کے اوصافِ حمیدہ پیدا ہو سکتے ہیں ان کو اپنانے سے انسان نقصان کی بجائے دنیا اور آخرت میں فائدے میں رہے گا وہ چار صفات یہ ہیں۔

ایمان :

تمام اہلِ علم اورصاحبِ ایمان لوگوں نے ایمان کی یہ تعریف کی ہے ۔''اقرار باللّسان ،تصدیق بالقلب اورعملِ صالح'' گویا کہ ایمان تین باتوں پر مشتمل ہے ۔کوئی شخص ان میں سے ایک بات چھوڑ دے تو وہ ایماندار نہیں رہے گا، اس لیے قرآن مجید نے رسمی ایمان کی بجائے حقیقی اور کامل ایمان پر زوردیا ہے ۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾ (النساء: ١٣٦)

''اے ایمان والو! اللہ، اس کے رسول اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں، جو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اوراس کے رسولوں اور قیامت کے دن کا انکار کرے وہ دور کی گمراہی میں جا پڑے گا۔''

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ (الحجرات: ١٤،١٥)

''بدوی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ان سے کہو تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا، اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو تو اللہ تمہارے اعمال کے اجر میں کوئی کمی نہیں کرے گا،یقیناً اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔حقیقت میں مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں، پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور جو اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے ، وہی ایمان میں سچے ہیں۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (البقرة: ٢٠٨)

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو کیونکہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

((عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرٰى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا

أَحَدٌ حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الإِيمَانِ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلاَئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ)) (رواہ مسلم: باب مَعْرِفَةِ الإِيمَانِ وَالإِسْلاَمِ)

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک ایک سیاہ بالوں والا آدمی سفید کپڑوں میں ملبوس جس پر سفر کے کوئی آثار نہیں تھے اور ہم سے کوئی اُسے پہچانتا نہیں تھا وہ آکر نبی ﷺ کے سامنے دو زانوں ہوکر بیٹھ گیا اور اپنی ہتھیلیوں کو اپنی رانوں پر رکھتے ہوئے عرض کی مجھے ایمان کے متعلق بتایئے آپ نے فرمایا کہ تو اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لائے۔“

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ:

ایمان اور صالح اعمال کا آپس میں اس قدر گہرا اور مضبوط تعلق ہے کہ جس قدر ایمان مضبوط ہوگا اسی قدر صالح اعمال کرنے کا جذبہ اور اخلاص پیدا ہوگا۔ اس لیے قرآن مجید نے ایمان کو ایک شجر کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ درخت کا بیج جتنا صحت مند ہوگا اتنا ہی اس سے صحت مند اور مضبوط پودا نکلے گا۔ اس لیے رئیس المحدثین حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر بڑی تفصیلی بحث کی اور درجنوں دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ایمان کے بغیر عملِ صالح اور صالح عمل کے بغیر ایمان کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ (ابراھیم: ۲۴، ۲۵)

”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے ایک پاکیزہ کلمہ کی مثال بیان فرمائی ہے، جو ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور جس کی شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں، وہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل دیتا ہے اور ”اللہ“ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔“

عملِ صالح سے مراد سب سے پہلے اسلام کے پانچ بنیادی ارکان ہیں۔ عملِ صالح کو قرآن مجید نے ” اَلْبِرُّ “ کے نام سے بھی بیان کیا ہے۔

”نیکی صرف مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں نہیں۔ حقیقتاً نیکی یہ ہے جو اللہ، قیامت کے دن، فرشتوں، کتاب اور نبیوں پر ایمان رکھنے والے۔ جو لوگ ”اللہ“ کی محبت کے لیے مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والوں کو دیں، غلاموں کو آزاد کریں نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کریں، اپنے وعدے پورے کریں، تنگدستی اور لڑائی کے وقت صبر کریں، یہی لوگ سچے اور یہی پرہیزگار ہیں۔“ (البقرۃ: ۱۷۷)

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ:

"الحق" سے مراد وہ سچائی ہے جواللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی راہنمائی کے لیے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے نازل فرمائی ہے۔ اب اس سے مراد قرآن مجید اورحدیثِ رسول ہے جولوگ اللہ اوراس کے رسول پرایمان لائیں ان پر فرض ہے کہ وہ اپنی استعداد کے مطابق اس حق پر عمل کرتے ہوئے اور اس کی ایک دوسرے کوتبلیغ کرتے رہیں۔ کیونکہ اس کا بنیادی تقاضا ہے کہ جوآدمی حق کوحق سمجھ کرقبول کرچکا ہے اس کے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اسے اپنی ذات تک محدود رکھے اسی لیےحکم ہے:

"تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے' نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔" (آل عمران: ١٠٤)

((عَنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ)) (رواه مسلم: باب بَيَانِ أَنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ)

"حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین نصیحت ہے تمیم داری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کس کے لیے؟ آپ نے فرمایااللہ،اس کی کتاب،اس کے رسول کی،مسلمانوں کے ائمہ اور عام لوگوں کی۔"

"حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا جس شخص نے برائی کو دیکھا اور اس نے اُسے اپنے ہاتھ سے ختم کیا تو وہ بری ہوگیا اگر اُس میں برائی کو ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہیں اور اُس نے اُسے اپنی زبان سے منع کیا وہ بھی بری ہوا۔اس نے زبان سے روکنے کی طاقت نہ پائی مگراس نے اُسے اپنے دل سے بُرا سمجھا تو وہ بھی بری ہوگیامگر یہ سب سے کمتر ایمان ہے۔" (رواه النسائی : باب تَفَاضُلِ أَهْلِ الإِيمَانِ، قال البانی صحیح)

"پہلی خرابی بنی اسرائیل میں یہ آئی تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے ملتا اور اس سے کہتا اللہ سے ڈر اور اپنی حرکات سے باز آجا۔ کیونکہ یہ کام تیرے لیے درست نہیں۔ جب دوسرے دن اس سے ملتا تو بُرا کام اسے اس کے ساتھ کھانے پینے اور بیٹھنے سے نہ روکتا۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ایک دوسرے کے ساتھ دل ملا دیے۔ مزید فرمایا: بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر داؤد اورعیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے لعنت کی........پھر فرمایا: ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! تم ضرور نیکی کا حکم دو اور برے کاموں سے منع کرو اور ظالم کے ہاتھ پکڑ کر اس کوحق کی طرف اس طرح جھکاؤ گے جیسا اسے جھکانے کا حق ہے اوراس کوحق پرٹھہراؤ جیسا کہ حق پرٹھہرانے کا حق ہے۔" (رواه أبوداؤد: كتاب الملاحم،باب الأمر والنهی)

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ:

اہلِ لغت نے صبر کا معنٰی باندھنا اور روکنا لکھا ہے۔ شرعی اصطلاح میں صبر قوتِ برداشت‘ قوتِ مدافعت کو بحال رکھنے اور طبیعت کو شریعت کا پابند بنانے کا نام ہے۔

جو لوگ عُسر یُسر میں اس بات پر قائم رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں بغیر حساب کے جنت میں داخلہ فرمائے گا اور دنیا میں ان کی دستگیری کرے گا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (البقرة: ۱۵۲)

”اللہ کی رفاقت اور دستگیری صبر کرنیوالوں کے لیے ہے۔“

﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ (البقرة: ۱۵۲)

”صبر اور نماز کے ذریعے اللہ کی مدد طلب کیجیے۔“

﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر: ۱۰)

”صبر کرنیوالوں کی جزاء حساب و کتاب کے بغیر جنت کا داخلہ ہے۔“

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (آل عمران: ۲۰۰)

”اے ایمان والو! تم ثابت قدم رہو اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور جہاد کی تیاری کرتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھا کر فرمایا ہے کہ انسان نقصان میں جا رہا ہے۔

۲۔ نقصان سے بچنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا جائے۔

۳۔ جو لوگ ایمان لانے کے ساتھ صالح اعمال، ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کریں گے وہ نقصان سے بچ جائیں گے۔

تفسیر بالقرآن

ایمان اور اس کے بنیادی تقاضے:

۱۔ غیب پر ایمان لانا۔ (البقرۃ: ۱) ۲۔ قرآنِ مجید اور پہلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانا۔ (البقرۃ: ۴)

۳۔ اللہ اور کتب سماوی پر ایمان لانا۔ (البقرۃ: ۱۳۶) ۴۔ آخرت پر یقین رکھنا۔ (البقرۃ: ۴)

۵۔ پہلے انبیاء پر ایمان لانا اور ان میں فرق نہ کرنا۔ (آل عمران: ۸۴)

۷۔ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کے درمیان فرق نہ کرنا۔ (النساء: ۱۵۱)

۸۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی اتباع کرنا۔ (آل عمران: ۳۲) ایمان کی تفصیل۔ (البقرۃ: ۲۸۵)

سُورَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّة — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعُهَا: ١ اٰيَاتُهَا: ٩

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

وَيْلٌ	لِّكُلِّ	هُمَزَةٍ	لُّمَزَةِ ۙ﴿١﴾	الَّذِيْ	جَمَعَ	مَالًا
ہلاکت ہے	کے لیے	عیب جو	غیبت کرنے والا	وہ جس نے	جمع کیا	مال
وَّعَدَّدَهٗ ۙ﴿٢﴾	يَحْسَبُ	اَنَّ	مَالَهٗٓ	اَخْلَدَهٗ ۚ﴿٣﴾	كَلَّا	
اور اس کو گن گن کر رکھا	وہ سمجھتا ہے	بلاشبہ	اس کا مال	اس کو ہمیشہ زندہ رکھے گا	ہرگز نہیں	
لَيُنْۢبَذَنَّ	فِي الْحُطَمَةِ ۡ﴿٤﴾	وَمَآ	اَدْرٰىكَ	مَا	الْحُطَمَةُ ۭ﴿٥﴾	نَارُ اللّٰهِ
یقیناً وہ ضرور پھینکا جائے گا	حطمہ میں	اور کیا	معلوم آپ کو	کیا ہے	حطمہ	اللہ کی آگ ہے
الْمُوْقَدَةُ ۙ﴿٦﴾	الَّتِيْ	تَطَّلِعُ	عَلَي الْاَفْـِٕدَةِ ۭ﴿٧﴾	اِنَّهَا عَلَيْهِمْ	مُّؤْصَدَةٌ ۙ﴿٨﴾	فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿٩﴾
بھڑکائی ہوئی	وہ جو	پہنچتی ہے	دلوں تک	بلاشبہ وہ ان پر	بند کر دی جائے گی	لمبے لمبے ستونوں میں

’’اس شخص کے لیے تباہی ہے جو لوگوں کی عیب جوئی اور غیبت کرنے والا ہے۔(۱) جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔(۲) وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا۔(۳) ایسا ہرگز نہیں ہو گا وہ حطمہ میں پھینکا جائے گا۔(۴) اور آپ کیا جانیں کہ وہ حطمہ کیا ہے؟(۵) وہ اللہ کی آگ ہے جو خوب بھڑکائی گئی ہے۔(۶) جو دلوں تک پہنچے گی۔(۷) وہ اُن پر ڈھانک دی جائے گی۔(۸) لمبے لمبے ستونوں میں۔‘‘(۹)

فہم القرآن

ربطِ سورت: العصر میں انسان کے نقصان اُٹھانے کی بات ہوئی یہاں بتلایا ہے کہ جو لوگ آخرت میں نقصان اٹھائیں گے وہ یہ ہوں گے جو آخرت کی فکر کرنے کی بجائے دنیا کا مال گن گن کر رکھتے تھے اور اس کا حق ادا نہیں کرتے تھے۔

ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جو لوگوں کی عیب جوئی کرتا اور ان کی پیٹھ پیچھے ان کی غیبت کرتا ہے۔ ’’ھُمَزَةٍ‘‘ اور ’’لُمَزَةِ‘‘ الگ الگ معنٰی رکھنے کے باوجود ایک دوسرے کے مترادف کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اس لیے کچھ مفسرین نے دونوں کا ایک ہی مفہوم بیان کیا ہے۔ بنیادی طور پر ’’ھُمَزَةٍ‘‘ اور ’’لُمَزَةِ‘‘ میں ایک لطیف فرق ہے۔ ’’ھُمَزَةٍ‘‘ کا معنٰی عیب جوئی اور طعن زنی کرنا ہے۔ ’’لُمَزَةِ‘‘ کا معنٰی چغل خوری کرنا ہے۔ جس میں یہ عیب پائے جائیں اس کے لیے ہلاکت ہوگی۔ دنیا میں ایسے شخص کے لیے ہلاکت یہ ہے کہ بالآخر وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر اور ذلیل ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی چغل خوری کی وجہ سے لوگوں میں نفرتیں پیدا ہوتیں ہیں اور اس کی عیب جوئی اور طعنہ زنی کی وجہ سے لوگ اس کے ساتھ میل جول رکھنے سے اجتناب کرتے ہیں، ’’وَیْلٌ‘‘ کا دوسرا معنٰی جہنم ہے، جو شخص یہ عادتیں رکھتا ہے وہ جہنم میں پھینکا جائے گا۔ ایسے شخص کے پاس مال ہو تو وہ اسے خرچ کرنے

کی بجائے گن گن کر رکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا۔ ایسا شخص وہ پرلے درجے کا بخیل ہوتا ہے، بخیل آدمی خیال کرتا ہے کہ خرچ کرنے سے اس کا مال ختم ہو جائے گا، جب مال ختم ہو جائے گا تو پھر میں کس طرح زندگی بسر کروں گا۔ گویا کہ اس کا اپنے رب کی رزّاقی پر یقین نہیں ہوتا حالانکہ مال کسی کا ساتھ نہیں دیتا، کتنے مالدار مریض ہیں کہ سب کچھ ہونے کے باوجود نہ میٹھی چیز کھا سکتے ہیں اور نہ نمکین کھا سکتے ہیں۔ کمزوری لاحق ہونے کے باوجود کوئی طاقتور چیز نہیں کھا سکتے۔ کیونکہ اس طرح ان کی بیماریوں میں اضافہ ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ ڈاکٹر بھی انہیں لا علاج قرار دے دیتے ہیں۔ جس دولت کو یہ سنبھال سنبھال کر رکھتا رہا اور حق داروں کا حق ادا نہ کیا اس کے مال نے دنیا میں ہی اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے حالانکہ یہ سمجھتا تھا کہ مشکل کے وقت میرا مال مجھے کام دے گا۔ ایسے بخیل کو ضرور ''حُطَمَةُ'' میں پھینکا جائے گا۔

اے نبی آپ نہیں جانتے کہ ''حُطَمَةُ'' کیا ہے۔ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو لوگوں کے دلوں تک پہنچ جائے گی اور انہیں پوری طرح ڈھانپ لے گی، اس آگ کے شعلے اس قدر بلند ہوں گے کہ لمبے لمبے ستونوں کی شکل میں ہوں گے، جہنمیوں کو ان ستونوں کے ساتھ باندھ کر اوپر سے ڈھانپ دیا جائے گا، یہ اللہ تعالیٰ کی آگ ہوگی جسے مجرموں کے لیے بھڑکایا گیا ہے جو لوگوں کے دلوں پر چڑھ جائے گی۔ دلوں کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ طعنہ زنی کرنا، لوگوں کی چغل خوری کرنا اور بخل کرنے والے کے دل میں یہ جرائم رچ بس جاتے ہیں۔

''اَلَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ'' کے الفاظ استعمال فرما کر ایسے لوگوں کو انتباہ کیا گیا ہے کہ اگر اپنے دلوں اور جسموں کو آگ سے بچانا چاہتے ہو تو دل کے بخل اور کمینی حرکات سے باز آجاؤ! ورنہ تمہیں بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی آگ قرار دے کر مزید ناراضگی اور غضب کا اظہار کیا ہے جس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

''حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہم سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن متکبر لوگ چیونٹیوں کی صورت میں لائے جائیں گے انہیں ہر طرف سے ذلت ڈھانپے ہوئے ہوگی اور انہیں بولس نامی جہنم کی جیل میں لے جایا جائے گا ان پر آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہوں گے اور انہیں جہنمیوں کی زخموں کی پیپ پلائی جائے گی۔'' (رواہ الترمذی: کتاب صفة القیامة والرقائق والورع، باب منه)

مسائل

١۔ عیب جوئی اور طعنہ دینے والے اور چغل خوری کرنے والے کے لیے ہلاکت ہے۔

٢۔ مال کو گن گن کر رکھنے والے بخیل کے لیے ہلاکت ہے۔

٣۔ طعنہ دینے والے، چغل خور اور بخیل کو بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینکا جائے گا۔

٤۔ جہنم کی آگ اللہ کے حکم سے بھڑکائی گئی ہے جو مجرموں کے دلوں پر چڑھ جائے گی۔

٥۔ جہنم میں مجرموں کو آگ کے ستونوں سے باندھ کر اوپر سے ڈھانپ دیا جائے گا۔

سُوْرَةُ الْفِیْلِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ۱ اٰيَاتُهَا: ۵

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝۱ اَلَمْ

کیا نہیں آپ نے دیکھا کس طرح کیا آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا نہیں

يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝۲ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝۳

کر دیا تھا اس نے ان کی تدبیر کو ناکام اور اس نے بھیجے ان پر پرندے جھنڈ کے جھنڈ

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۴ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝۵

وہ پھینکتے تھے ان پر کنکریاں کھنگر کی سو اس نے کر دیا انہیں جیسے بھوسا کھایا ہوا

’’کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا ہے؟(۱) کیا اُس نے اُن کی تدبیر کو ناکام نہیں کر دیا۔(۲) اور اُن پر پرندوں کے جُھنڈ کے جُھنڈ بھیج دیے۔(۳) جو اُن پر کھنگر کی کنکریاں پھینکتے تھے۔(۴) پھر اس نے اُن کو کھائے ہوئے بھوسا کی طرح کر دیا۔‘‘(۵)

فہم القرآن

ربطِ سورت: سورۃ الہمزہ میں آخرت میں ظالموں کی سزا بیان کی گئی ہے الفیل میں یہ بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو آخرت میں ہی نہیں بلکہ کچھ لوگوں کو دنیا میں بھی سزا دیتا ہے جس کی مثال سورہ الفیل میں بیان کی گئی ہے۔

نبی آخر الزمان ﷺ کی ولادت باسعادت سے پچاس دن پہلے کا واقعہ ہے کہ حبشہ کے حکمران ابرہہ نے ساٹھ ہزار کے لشکر کے ساتھ مکہ معظمہ کی طرف پیش قدمی کی اس کے لشکر میں دس بارہ ہاتھی بھی تھے۔ ابرہہ خود محمود نامی دیوہیکل ہاتھی پر سوار تھا۔عربوں نے اس سے پہلے ہاتھی نہیں دیکھے تھے اس لیے عرب اس واقعہ کو اصحاب الفیل کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اہلِ تاریخ نے مکہ پر ابرہہ کی جارحیت کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ اس نے یمن کے دارالحکومت صنعاء میں ایک عالیشان کلیسا تیار کروایا اورلوگوں میں اعلان کیا کہ وہ بیت اللہ کی بجائے کلیسا کی زیارت اورحج کیا کریں لیکن لوگ کلیسا کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ ابرہہ کی مہم جاری تھی کہ کسی آدمی نے کلیسا میں غلاظت پھینک دی ،بعض کا خیال ہے کہ غلاظت کی بجائے کسی نے کلیسا کو آگ لگا دی۔ ابرہہ اس حرکت پر طیش میں آیا جس وجہ سے اس نے بیت اللہ کو شہید کرنے کا فیصلہ کیا،اور ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر مکہ معظمہ کی طرف بڑھا۔ راستے میں کچھ قبائل نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن ابرہہ کے لشکر کا مقابلہ نہ کر سکے ،کچھ قبائل نے اپنے بتوں کی حفاظت کی خاطر ابرہہ کی حمایت کی۔ ابرہہ کا لشکر منٰی اورمزدلفہ کے درمیان پہنچ گیا جسے وادی مُحسّر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔حکم ہے کہ جب حجاج کرام اس وادی سے

گزریں تو انہیں تیزروی سے گزر جانا چاہیے۔(رواہ الترمذی: بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ عَرَفَةَ کُلَّھَا مَوْقِفٌ)

ابرہہ کی فوج کو دیکھ کر قریش کے لوگوں نے مکہ خالی کر دیا اور پہاڑوں میں رُو پوش ہوگئے۔ مکہ سے نکلتے وقت قریش کے لوگوں نے بتوں کی بجائے اللہ تعالیٰ سے اخلاص کے ساتھ بیت اللہ کی حفاظت کے لیے دعا کی۔ دعا کرنے والوں میں سردار عبدالمطلب بھی شامل تھے اسی دوران ابرہہ کی فوج نے سردار عبدالمطلب کے دوسو اونٹ پکڑ لیے سردار عبدالمطلب کو اپنے اونٹوں کا پتہ چلا تو وہ ابرہہ کے پاس گئے ابرہہ ان کی شخصیت سے بہت متاثر ہوا، اس نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ آپ کس لیے تشریف لائے ہیں۔ سردار عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کیا جس پر اس نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا میرا خیال تھا کہ آپ بیت اللہ کے تحفظ کی درخواست کریں گے لیکن آپ اپنے اونٹوں کا مطالبہ کر رہے ہیں۔اس پر سردار عبد المطلب نے فرمایا اونٹ میرے ہیں اس لیے میں ان کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہوں۔ کعبہ اللہ کا گھر ہے وہ اس کی خود حفاظت کرے گا۔ ابرہہ نے متکبرانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ آپ اپنے اونٹ واپس لے جائیں ! کل دیکھوں گا کہ میرے مقابلے میں کون آتا ہے اگلے دن اس نے فوج کو بیت اللہ کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا ابھی فوج حرکت میں آئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے چھوٹے چھوٹے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیجے جنہوں نے اپنی چونچوں اور پَروں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھامی ہوئی تھیں، دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے ابرہہ اور اس کے لشکر پر کنکریاں پھینکنا شروع کیں، جس فوجی پر کنکری پڑتی وہ کھجلی کرتا اور اس کے جسم سے خون بہنے لگتا یہاں تک کہ اس کے جسم کے لوتھڑے گرنے شروع ہوجاتے۔ اس حالت میں لشکر کے لوگ ایک دوسرے کو روندتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے اور ابرہہ بھی یمن کی سرحد کے قریب جا کر ذلت کی موت مرا۔

یاد رہے کہ قرآن مجید کے کئی مقامات پر ”اَلَمْ تَرَ“ کے الفاظ ”اَلَمْ تَعْلَمْ“ کے معنٰی میں استعمال ہوئے ہیں جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید نے ایک مقام پر انسان کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

”کیا انسان دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا اور پھر وہ واضح طور پر جھگڑالو بن جاتا ہے۔“ (یٰس:۷۷)

غور فرمائیں کہ کون ایسا انسان ہے جو نطفہ سے پیدا ہوتے ہوئے خود کو دیکھتا ہے۔لہٰذا یہاں ”اَلَمْ تَرَ“ کا معنٰی ”اَلَمْ تَعْلَمْ“ ہے۔ یہاں تمام عربوں بالخصوص اہلِ مکہ کو مخاطب کیا گیا ہے کہ کیا یہ نہیں جانتے کہ آپ کے رب نے اصحاب الفیل کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ بتلانا یہ مقصود ہے کہ ابھی تھوڑے عرصے کی بات ہے کہ تمہارے سامنے ابرہہ اور اس کے لشکر کو اس لیے تہس نہس کیا گیا کہ وہ اللہ کے گھر کو مٹانے کے لیے آیا تھا لہٰذا تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جو رب اپنے گھر کے تحفظ کے لیے ابرہہ اور اس کے ساتھیوں کو تہس نہس کرسکتا ہے کیا وہ اپنے رسول اور دین کی مدد نہیں کرے گا؟ گویا کہ ایک طرف اہل مکہ کو متنبہ کیا اور دوسری طرف نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کو تسلی دی گئی ہے کہ فکر نہ کریں عنقریب یہ لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔

یاد رہے کہ اس زمانے میں ابھی سینکڑوں لوگ زندہ تھے جن کے سامنے ابرہہ اوراس کا لشکر تباہ ہوا تھا کیونکہ اس سورت کے نزول کے وقت اس واقعہ کو زیادہ سے زیادہ پچاس سال گزرے تھے۔اس لیے ہر کسی کومعلوم تھا کہ ابرہہ اوراس کا لشکر کس طرح تباہ ہوا تھا۔اس بنا پر "اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ" کے الفاظ استعمال فرما کر اہلِ مکہ کو انتباہ کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کی مخالفت سے باز آجاؤ ورنہ تمہارا حشر بھی ابرہہ اوراس کے ساتھیوں جیسا ہوگا۔ چنانچہ ٹھیک کچھ عرصہ بعد بدر میں کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں قریشِ مکہ کا وہی حشر ہوا جو ابرہہ اوراس کے ساتھیوں کا ہوا تھا۔

قرآن مجید نے اسی واقعہ کومختصر الفاظ میں یوں بیان کیا ہے۔کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔کیا اس نے ان کی تدبیر کو بے کارنہیں بنایا اوران پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیجے جو ان پر سنگ باری کرتے تھے اورانہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کردیا۔بھوسے کا لفظ اس لیے استعمال کیا کہ ایک طرف چھوٹے چھوٹے پرندوں نے سنگ باری کرکے ان کا کچومبر نکال دیا اوردوسری طرف گھوڑ سوار اور ہاتھیوں نے ایک دوسرے کو اس طرح کچلا جس طرح چوپائے سیر ہونے کے بعد بھوسے کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالتے ہیں۔قرآن مجید نے ابرہہ کی جارحیت کے لیے "کَیۡدَ" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔حالانکہ "کَیۡدَ" کا لفظ عام طور پرخفیہ تدبیر یا سازش کے لیے استعمال ہوتا ہے،اس کے مفسرین نے درج ذیل مفہوم ذکر کیے ہیں۔

١۔ابرہہ نے عربوں کے تجارتی راستوں پر قبضہ کرنے کے لیے کلیسا کی توہین کا بہانہ بنایا تھا۔

٢۔ مکہ کے لوگ حرمت والے مہینوں میں لڑائی سے بچتے تھے اس لیے ابرہہ نے مکہ پرحرمت والے مہینے میں حملہ کیا تاکہ مکہ والے مقابلہ نہیں کریں گے اس طرح کسی مزاحمت کے بغیر ہم مکہ پر قابض ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے ذلّت کی موت سے دوچار کیا۔

٣۔بعض مفسرین کے نزدیک ابرہہ نے قربانی کے دن مکہ پر پیش قدمی کی تاکہ قربانی کی مصروفیت کی وجہ سے مکہ والے اپنا دفاع نہ کرسکیں۔

عربی کی مشہور لغت المنجد کے مطابق "ابابیل" کا معنیٰ غول،گروہ اورجھنڈ ہے۔یہ کسی پرندے کا نام نہیں ہے۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قریش نے اس واقعہ کے بعد دس سال تک "اللہ" کے سوا کسی کی عبادت نہ کی۔(الفتح الکبیر فی ضم الزیادہ : باب الفاء)

مسائل

١۔ ہرشخص کواصحاب الفیل کے واقعہ پرغور کرنا چاہیے۔٢۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب الفیل کے اقدام کوبری طرح ناکام کردیا۔

٣۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب الفیل کو چھوٹے چھوٹے پرندوں کے ذریعے ذلت کی موت مارا۔

٤۔ چھوٹے پرندوں نے اصحاب الفیل کوکھائے ہوئے بھوسے کی طرح کردیا۔

سُوْرَۃُ قُرَیْشٍ مَکِّیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ رُکُوْعُهَا: ۱ اٰیَاتُهَا: ٤

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

لِاِیْلٰفِ	قُرَیْشٍ ۝١	اٖلٰفِهِمْ	رِحْلَةَ	الشِّتَآءِ	وَالصَّیْفِ ۝٢
مانوس ہونے کی بنا پر	قریش کے	ان کے مانوس ہونے	سفر	سردی	اور گرمی کے
فَلْیَعْبُدُوْا	رَبَّ	هٰذَا الْبَیْتِ ۝٣	الَّذِیْٓ	اَطْعَمَهُمْ	مِّنْ جُوْعٍ ۵
انہیں چاہیے کہ وہ عبادت کریں	رب کی	اس گھر کے	وہ ذات جس نے	کھانا کھلایا ان کو	بھوک میں
وَّاٰمَنَهُمْ	مِّنْ خَوْفٍ ۝٤				
اور امن دیا ان کو	خوف سے				

ع ۱ ۴ ۳۱

''قریش کے مانوس ہونے کی بنا پر۔(۱) جاڑے اور گرمی کے سفروں سے۔(۲) انہیں اس گھر کے رب کی عبادت کرنی چاہیے۔(۳) جس نے بھوک میں انہیں کھانے کو دیا، اور خوف سے امن عطا فرمایا۔'' (۴)

فہم القرآن

ربطِ سورت: اللہ تعالیٰ نے ابابیل کے ذریعے بیت اللہ اور قریش کی حفاظت فرمائی لیکن اس کے باوجود قریش ''اللہ'' کی عبادت کرنے کے لیے تیار نہیں تھے، اس لیے انہیں پھر احساس دلایا گیا ہے۔

عرب کے قبائل میں قریش سب سے معزز اور باثر قبیلہ تھا اور اسی کی ایک شاخ بنی ہاشم تھے جو سب سے ممتاز اور محترم سمجھے جاتے تھے، اسی قبیلے کے سردار عبدالمطلب تھے ان کے چھوٹے بیٹے جناب عبداللہ کے گھر نبی آخر الزمان ﷺ پیدا ہوئے آپ کے خاندان کو بیت اللہ کی تولیت اور حجاج کرام کی خدمت کا اعزاز حاصل تھا۔ جس بنا پر آپ ﷺ کا خاندان اہل مکہ کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے اس سورت میں قریش کو مخاطب کیا گیا ہے جس میں تمام عرب بھی شامل ہیں۔ ارشاد ہوا کہ قریش کو گرمی اور سردیوں کے سفر سے مانوس کر دیا گیا لہٰذا ان کا اولین فرض ہے کہ وہ صرف کعبہ کے رب کی عبادت کریں، جس نے انہیں گرمیوں اور سردیوں کے سفر سے مانوس کیا اور انہیں ہر قسم کے رزق کی فراوانی اور امن و امان سے سرفراز فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو بیت اللہ کے قریب ٹھہرایا تو ان الفاظ میں اپنے رب کے حضور دعا کی۔

> ''اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی اولاد کو اس وادی میں لا بسایا ہے، یہاں کھیتی باڑی نہیں ہے، تیرے حرمت والے گھر کے پاس، اے ہمارے رب! تاکہ یہ نماز قائم کریں، لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں پھلوں سے رزق عطا فرما، تاکہ وہ شکر ادا کریں۔'' (ابراہیم: ۳۷)

اس دعا کا نتیجہ تھا اور ہے کہ ہر دور میں مکہ میں رزق اور پھلوں کی فراوانی رہی ہے اور قیامت تک رہے گی اور ہمیشہ

سے یہ شہر امن وامان کا گہوارہ چلا آ رہا ہے اور رہے گا، کسی علاقے میں رہنے اور ترقی کرنے کے لیے دو چیزیں بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں ایک رزق کی فراوانی اور دوسرا امن وامان کی ضمانت۔ ان میں سے کسی ایک چیز کا فقدان ہو تو وہاں رہنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے قریش کو یہ نعمتیں وافر مقدار میں میسر تھیں۔ جس دور میں نقل وحمل اور مواصلات کے ذرائع اس قدر عام اور تیز نہیں تھے اس دور میں بھی مکے کے بازاروں میں خوردونوش کی ہر چیز کھلے عام ملتی تھیں۔ امن وامان کا عالم یہ تھا کہ عرب میں تنہا سفر کرنا تو درکنار قافلے بھی حفاظتی دستوں کے بغیر سفر نہیں کر سکتے تھے۔ افراتفری کے اس عالم میں قریش سردیوں میں یمن کے راستے ہندوستان تک تجارت کرتے اور گرمیوں میں شام، فلسطین اور مشرقِ وسطیٰ کی منڈیوں میں خرید وفروخت کرتے تھے۔ جونہی لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اس قافلے میں قریش کے لوگ بھی موجود ہیں تو بڑے بڑے ڈاکو اس قافلے کا راستہ چھوڑ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ قریش کے راہ داری پروانوں پر بھی قافلے امن وامان پاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ کے لوگوں کو ان سفروں کے ساتھ اس طرح مانوس کر دیا تھا کہ انہیں یہ سفر کسی قسم کا بوجھ محسوس نہیں ہوتے تھے۔ اسی لیے اس سورت کی ابتدا "اِلٰفِ" کے لفظ سے کی گئی ہے جس کے مفسرین نے تین مفہوم بیان کیے ہیں۔

۱۔ قریش کا گرمی اور سردی کے موسم میں سفر کے ساتھ مانوس کیا جانا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی وجہ سے قریش کو دوسرے عربوں کے مقابلے میں متحد کرنا۔ ۳۔ گرمی اور سردی کے سفروں سے مراد یہ ہے کہ گرمی کے موسم میں قریش کے تجارتی قافلے سفر شام اور فلسطین کی طرف جاتے جو ٹھنڈے علاقے تھے، اور سردی کے موسم میں وہ عرب کے جنوب کی طرف سفر کرتے تھے جو گرم علاقے تھے۔

ان احسانات کا یہ نتیجہ ہونا چاہیے تھا کہ عرب صرف ایک رب کی عبادت کرتے اور نبی آخرالزمان ﷺ کی دعوت کا ساتھ دیتے لیکن انہوں نے کعبے کے رب کی عبادت اور نبی علیہ السلام کی دعوت قبول کرنے کی بجائے بیت اللہ کے اندر تین سو ساٹھ بت رکھ لیے اور کعبہ کے رب کی خالص عبادت کرنے کی بجائے بتوں کو اس کی عبادت میں شریک کر لیا تھا وہ کسی بت کے ذریعے رزق طلب کرتے، کسی کے واسطے سے، اولاد مانگتے، کسی سے عزت کی درخواست کرتے، کسی کی طفیل بارش کے طلبگار ہوتے، کسی کی حرمت سے دشمن پر غلبہ چاہتے اور کسی کو حاجت روائی اور مشکل کشائی کا ذریعہ سمجھتے تھے، حالانکہ حکم یہ تھا کہ خالصتاً کعبہ کے رب کی عبادت کی جائے۔

تفسیر بالقرآن

تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت اور اس کا جامع مفہوم:

۱۔ نوح علیہ السلام کا فرمان کہ اللہ کی عبادت کرو۔ (ھود: ٢٦) ٢۔ ھود علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دی۔ (الاعراف: ٦٥)

٣۔ صالح علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دی۔ (الاعراف: ٧٣)

٤۔ شعیب علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کرنے کی طرف بلایا۔ (الاعراف: ٨٥) (یوسف: ٤٠) (المائدۃ: ٧٢)

٥۔ اے نبی ﷺ "اللہ" نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے ہیں انہیں یہی حکم دیا کہ وہ لوگوں کو سمجھائیں کہ وہ صرف ایک "اللہ" کی عبادت کریں۔ (الانبیاء: ٢٥) (الانعام: ١٦٣، ١٦٤) (آل عمران: ٦٤)

سورۃ الماعون کا تعارف

یہ سورت سات آیات اور ایک رکوع پر مشتمل ہے ۔اس کا نام اس کے آخری لفظ پر رکھا گیا ہے۔صحابہ کا اتفاق ہے کہ یہ مکہ میں نازل ہوئی تھی اس میں جو شخص عملی طور پر قیامت کو جھٹلاتا ہے اس کی دینی اور اخلاقی کمزوریوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

سورۃ الکوثر کا تعارف

یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اس کی تین آیات ہیں جسے ایک رکوع قرار دیا گیا ہے اس کا نام الکوثر ہے جو اس کی پہلی آیت میں موجود ہے۔ اس میں نبی علیہ السلام کو حوضِ کوثر اور دنیا و آخرت کی خیر کثیر کی خوشخبری دے کر یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ کو نماز پڑھتے رہنا چاہیے اور قربانی دینی چاہیے اس کا صلہ یہ ہو گا کہ آپ کا دشمن بے نام ونشان ہو جائے گا۔

سورۃ الکافرون کا تعارف

یہ سورت مکی ہے اس کی چھ آیات ہیں جنہیں ایک رکوع شمار کیا گیا ہے اس کا نام اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے اس میں نبی علیہ السلام کو یہ حکم ہوا کہ آپ دوٹوک الفاظ میں اعلان کریں کہ میں ان کی کبھی عبادت نہیں کروں گا جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ ہی تم اس کی عبادت کرنے کے لیے تیار ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں لہٰذا تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔

سورۃ النّصر کا تعارف

یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اس کی تین آیات ہیں جنہیں ایک رکوع قرار دیا گیا ہے۔ اس کا نام اس کی پہلی آیت کے تیسرے لفظ میں مذکور ہے اس میں نبی علیہ السلام کو عظیم کامیابی کی خوشخبری سنانے کے بعد یہ فرمایا گیا کہ آپ کو اپنے رب کی تعریف کرنی چاہیے اور اس کے حضور توبہ واستغفار کرتے رہنا چاہیے۔

سُورَةُ الْمَاعُونِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعُهَا: ۱ اٰيَاتُهَا: ۷

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

اَرَءَيْتَ	الَّذِيْ	يُكَذِّبُ	بِالدِّيْنِ ۞	فَذٰلِكَ	الَّذِيْ	يَدُعُّ
کیا دیکھا آپ نے اس شخص کو	جو	جھٹلاتا ہے	جزا کو	تو وہ	جو	دھکے دیتا ہے
الْيَتِيْمَ ۞	وَ	لَا	يَحُضُّ	عَلٰى طَعَامِ	الْمِسْكِيْنِ ۞	فَوَيْلٌ
یتیم کو	اور	نہیں	وہ ترغیب دیتا	کھانا کھلانے پر	مسکین کو	پس ہلاکت ہے
لِّلْمُصَلِّيْنَ ۞	الَّذِيْنَ	هُمْ	عَنْ صَلَاتِهِمْ	سَاهُوْنَ ۞	الَّذِيْنَ	
نمازیوں کے لیے	وہ لوگ	جو	اپنی نماز سے	غفلت کرتے ہیں	وہ لوگ	
هُمْ	يُرَآءُوْنَ ۞	وَيَمْنَعُوْنَ	الْمَاعُوْنَ ۞			
جو	دکھلاوا کرتے ہیں	اور وہ روکتے ہیں	استعمال کی معمولی چیزوں سے			

ع ۱ ۳۲

”کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو آخرت کی جزا وسزا کو جھٹلاتا ہے؟(۱) وہ جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔(۲) اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔(۳) بس تباہی ہے اُن نماز پڑھنے والوں کے لیے۔(۴) جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں۔(۵) جو ریاکاری کرتے ہیں ۔(۶) اور معمولی چیزیں دینے سے گریز کرتے ہیں۔“ (۷)

فہم القرآن

ربطِ سورت: قریش کی ناشکری اور کفر وشرک کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ وہ قیامت کی جواب دہی کے عقیدہ پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

”اَلدِّيْنِ“ کا لفظ قرآن مجید نے کئی معنوں میں استعمال کیا ہے ۔سیاق وسباق کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہاں ”اَلدِّيْنِ“ کا لفظ قیامت کے لیے استعمال ہوا ہے ۔ارشاد ہوا کہ کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو قیامت کو جھٹلاتا ہے یہ ایسا شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔یاد رہے کہ جس شخص کا قیامت پر ایمان نہیں ہوتا وہ نیکی اس جذبے کے ساتھ نہیں کرتا کہ مرنے کے بعد اسے اس کا اجر دیا جائے گا۔ ایسا شخص مال کی محبت میں دوسرے لوگوں سے سخت اور حریص ہوتا ہے وہ ایسی جگہ پر مال خرچ نہیں کرتا جہاں اسے کسی مفاد کے حصول کی توقع نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ اس شخص کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آپ ایسے شخص کے کردار کو نہیں جانتے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور دوسرے کو مسکین کو کھانا کھلانے کی تلقین نہیں کرتا۔ یہاں مسکین کو خود کھانا نہ کھلانے کی بجائے دوسرے کو ترغیب نہ دینے کی بات کی گئی ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آدمی کو نہ صرف خود یتیم اور مسکین کے حقوق

کا خیال رکھنا چاہیے بلکہ دوسروں کو بھی ان کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ جس معاشرے میں یتیم کو دھکے دیئے جائیں اور مسکین بھوکے پھریں وہ معاشرہ اعتقاداً یا عملاً قیامت کا منکر ہوتا ہے اور باہمی محبت سے محروم ہوجاتا ہے اس سے نفرتیں جنم لیتی ہیں ،جس معاشرے میں نفرتیں ایک حد سے آگے بڑھ جائیں ،وہ معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے اور بالآخر اس قوم کا وجود باقی نہیں رہتا۔ ایسے معاشرے اورقوم کودنیا میں بھی اپنے کیے کی سزا ملتی ہے اور آخرت میں بھی اس سے مسئولیّت ہوگی ۔ اعتقاداً یا عملاً قیامت کی تکذیب کرنے والے شخص کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کے دل میں نماز پڑھنے کا جذبہ پیدانہیں ہوتا اگر عادتاً یا ماحول کی مجبوری سے اُسے نماز پڑھنی پڑے تو وہ نماز سے بے خبر ہوتاہے کیونکہ یہ لوگ عادتاً یا لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھتے ہیں اس لیے ایسے لوگ اخلاقی اعتبار سے اس قدر گرے ہوئے ہوتے ہیں کہ اپنے عزیز و اقرباء اوراڑوس پڑوس میں برتنے کے لیے معمولی چیز بھی کسی کونہیں دیتے۔مثلاً ماچس، نمک، مرچ، استعمال کرنے کے لیے چھری، کلہاڑی، سائیکل اورانتہائی مجبوری کے وقت اپنی گاڑی پر کسی کوسوار کرنے کے لیے تیارنہیں ہوتے۔’’ساھون‘‘ کے مفسرین نے چار مفہوم ذکر کیے ہیں۔

۱۔نماز پڑھنا مگر اکثر اوقات نماز کے مقصد سے بے خبر رہنا۔

۲۔وقت پر نماز ادا کرنے کی بجائے بے وقت اٹھنا اورجلدی جلدی ٹھونگے مارنا۔

۳۔پانچ نمازیں پڑھنے کی بجائے کچھ کو چھوڑ دینا۔ ۴۔کلیتاً نماز کی ادائیگی سے غافل رہنا۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا رضی اللہ عنہ إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ اُدْعُهُمْ إِلٰى شَهَادَةِ أَنْ لَّاإِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ وَأَنِّـي رَسُـوْلُ اللّٰهِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْهِـمْ خَـمْسَ صَلَـوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ))

(رواہ البخاری: کتاب الزکوٰۃ ، باب وجوب الزکوٰۃ)

’’حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجتے ہوئے فرمایاکہ یمن والوں کو دعوت دینا کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبودنہیں اور یقیناً میں اللہ کا رسول ہوں اگر وہ آپ کی بات مان لیں تو انہیں بتلائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اگر وہ اس کوبھی مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے اموال میں زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے امیروں سے لے کر ان کے غریبوں میں تقسیم کی جائے گی۔‘‘

((عَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰه ﷺ يَقُوْلُ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِىْ يَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ إِلَى جَنْبِهٖ)) (رواہ البیھیقی : باب صَاحِبُ الْمَالِ لَا يَمْنَعُ الْمُضْطَرَّ فَضْلًا إِنْ كَانَ عِنْدَهٗ)

’’حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے سنا۔ وہ شخص مومن نہیں

ہوسکتا جس نے سیر ہو کر کھایا لیکن اس کا ہمسایہ اس کے پہلو میں بھوکا رہا۔‘‘

((عَنْ سَهْلٍ ؓ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى ، وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا)) (رواہ البخاری : باب فضل من یعول یتیما)

’’حضرت سہل ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ آپ نے شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا اور ان کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا۔‘‘

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ ﷺ إِذَا اشْتَرَى أَحَدُكُمْ لَحْمًا فَلْيُكْثِرْ مَرَقَتَهُ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ لَحْمًا أَصَابَ مَرَقَةً وَهُوَ أَحَدُ اللَّحْمَيْنِ)) (رواہ الترمذی: بَابُ مَا جَاءَ فِي إِكْثَارِ مَاءِ الْمَرَقَةِ،هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ)

’’حضرت عبد اللہ مزنی بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی گوشت پکائے تو اس کا شوربا زیادہ بنائے کیونکہ اگر گوشت کم ہو جائے تو شوربا میسر ہوگا اور شوربا بھی گوشت کا حصہ ہے۔‘‘

الدّین سے مراد:

قانون (یوسف:۷۶)،اطاعت (الزمر:۱تا۳)،نظامِ حکومت(المومن:۲۶)، دین (مذہب)(التوبہ:۲۹) قیامت کے دن (الانفطار:۱۰تا۱۹،الفاتحہ:۳)مزید تفصیل کے لیے ایک مرتبہ پھر البیّنہ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

مسائل

۱۔ جو شخص یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا وہ اعتقاداً یا عملاً قیامت کو جھٹلاتا ہے۔

۲۔ ان نمازیوں کے لیے بربادی ہے جو اپنی نمازوں سے غافل رہتے ہیں۔

۳۔ وہ شخص بھی برباد ہوگا جو دکھلاوے کے لیے نماز ادا کرتا ہے۔

۴۔ اس شخص کے لیے ہلاکت ہوگی جو استعمال کے لیے معمولی چیزیں بھی ضرورت مند کو نہیں دیتا۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کو جھٹلانے والے کی سزا:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی آیات اور آخرت کو جھٹلانے والوں کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔(الاعراف:۱۴۷)

۲۔ آخرت کے منکروں کی خواہشات کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے۔ (الانعام:۱۵۱)

۳۔ قیامت کے منکر حسرت وافسوس کا اظہار کریں گے۔(الانعام:۳۱)(الفرقان : ۱۱)

۴۔ قیامت کے منکر ’’اللہ‘‘ کی رحمت سے مایوس ہوں گے۔ (العنکبوت : ۲۳)

۵۔ قیامت کو جھٹلانے اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکنے والے کے لیے جلا دینے والا عذاب ہوگا۔ (الحج: ۹)

۷۔ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرنے والے اور قیامت کو جھٹلانے والے عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔ (الروم: ۱۶)

سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعُهَا: ۱ اٰيَاتُهَا: ۳

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے

اِنَّآ	اَعْطَيْنٰكَ	الْكَوْثَرَ ؁۱	فَصَلِّ	لِرَبِّكَ	وَانْحَرْ ؁۲
یقیناً ہم نے	عطا کیا آپ کو	کوثر	آپ نماز پڑھیں	اپنے رب کے لیے	اور قربانی کریں

اِنَّ	شَانِئَكَ هُوَ	الْاَبْتَرُ ؁۳
بلاشبہ	آپ کا دشمن ہی	دم کٹا ہوگا

''اے نبی ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دیا ہے۔(۱) پس آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی دیں۔(۲) آپ کا دشمن ہی دُم کٹا ہے۔'' (۳)

فہم القرآن

ربطِ سورت: الماعون میں اس شخص کی مذمت کی گئی ہے جو نماز سے لاپرواہی کرتا ہے اور ضرورت مند کو استعمال کے لیے معمولی چیز بھی نہیں دیتا الکوثر میں نبی علیہ السلام کو خوشخبری دے کر ہر شخص بالخصوص بخیل آدمی کو بتلایا گیا ہے کہ دنیا اور آخرت کی خیر کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

الکوثر کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے مفسرین نے لکھا ہے کہ مکہ میں نبی علیہ السلام کے دوسرے بیٹے عبداللہ جن کو طاہر اور طیب بھی کہا جاتا ہے فوت ہوگئے اس کی موت پر ابولہب اور اس کے ساتھیوں نے انتہائی کمینگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہرزہ سرائی کی اور کہا "بُتِرَ مُحَمَّدٌ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ" کہ آج رات محمد دُم کٹا ہوگیا ہے لہٰذا تھوڑے دنوں کی بات ہے کہ جب خود فوت ہوگا تو اس کا نام اور کام بھی مٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر آپ ﷺ کو تسلی دینے کے ساتھ خوشخبری سنائی کہ ہم نے آپ کو الکوثر سے سرفراز کیا ہے، آپ نہیں بلکہ آپ کا دشمن ہی دُم کٹا ہوگا۔ آپ اپنے رب کے حضور نماز پڑھتے رہیں اور اس کی بارگاہ میں قربانی پیش کریں۔ الکوثر کے نزول سے پہلے ربِ کریم نے رات اور صبح روشن کی قسم اٹھا کر نبی ﷺ کو فرمایا کہ آپ کو آپ کا رب اس قدر عطا فرمائے گا کہ آپ خوش ہوجائیں گے۔(الضحیٰ: ۱تا۵) پھر یہ خوشخبری دی گئی کہ ہم نے اس دعوت کے لیے آپ کا سینہ کھول دیا ہے اور آپ کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے اور ہم نے آپ کے نام اور کام کو سربلند کردیا ہے۔(الانشراح:۱تا۴) اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کو خیرِ کثیر کے ساتھ ذکر فرما کر نبی علیہ السلام کو تسلی اور خوشخبری عطا فرمائی ہے کہ ہم نے یقیناً آپ کو الکوثر عطا فرما دی ہے۔ الکوثر کا لفظ کثرت سے نکلا ہے اس لیے مفسرین نے اپنی اپنی لیاقت کے مطابق الکوثر کے مختلف مفہوم بیان کیے ہیں۔ لیکن سب سے جامع مفہوم مفسّرِ قرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا ہے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّهُ قَالَ فِي الْكَوْثَرِ هُوَ الْخَيْرُ الَّذِي أَعْطَاهُ اللَّهُ إِيَّاهُ قَالَ أَبُو بِشْرٍ

قُلْتُ لِسَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ فَإِنَّ النَّاسَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُ نَهرٌ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ سَعِيدٌ النَّهرُ الَّذِي فِي الْجَنَّةِ مِنَ الْخَيْرِ الَّذِي أَعْطَاهُ اللَّهُ إِيَّاهُ)) (رواه البخاری: باب سورة إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرِ)

''حضرت سعید بن جبیر، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کوثر کے بارے میں فرمایا یہ ایسی بھلائی ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی عطا کی ہے۔(یعنی دنیا اور آخرت کی جو بھلائی آپ کو عطا کی گئی وہ کسی کو عطا نہیں ہوئی۔)

اس مختصر سورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیرِ کثیر کی خوشخبری سنانے کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا گیا کہ آپ کو دُم کٹا کہنے والے ہی بے نام ونشان ہوجائیں گے۔ لوگوں نے اب تک اس حقیقت کو کھلی آنکھوں کے ساتھ دیکھ لیا ہے اور قیامت تک دیکھتے رہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کام اور نام کو کس قدر قبولیتِ عامہ اور خیر وبرکت کے ساتھ دوام بخشا ہے انشاء اللہ قیامت تک آپ کا نام اور کام بلند سے بلند تر ہوتا جائے گا۔ لیکن آپ کے دشمن ابولہب اور ابوجہل کا اچھے طریقے سے نام لینے والا کوئی دکھائی اور سنائی نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے صرف آپ کے نام اور کام کو ہی شہرت دوام نہیں بخشی بلکہ آپ کے ساتھیوں کے نام اور کام کو بھی نیک نامی اور شہرتِ دوام کا شرف بخشا ہے۔

اس سورہ مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو الکوثر عطا فرمانے کے بعد حکم ہوا کہ آپ اپنے رب کے حضور نماز پڑھا کریں اور اس کی بارگاہ میں قربانی پیش کریں۔ اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ ایک داعی کو مخالفوں کے مذموم پراپیگنڈہ پر توجہ دینے کی بجائے اپنے رب کے ساتھ رابطہ مضبوط رکھنا چاہیے ،اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطے کا مؤثر اور قریب ترین ذریعہ نماز ہے ،اسے صحیح طریقے سے ادا کیا جائے تو آدمی کا دُکھ فوری طور پر ہلکا ہوجاتا ہے۔''النحر'' اونٹ کی قربانی کو بھی کہتے ہیں لیکن اس میں یہ مفہوم لینے کی گنجائش ہے کہ دعوت کا راستہ قربانی مانگتا ہے اس لیے دعوت کا کام کرنے والے کو ہر وقت قربانی پیش کرنے کے لیے ذہنی اور عملی طور پر تیار رہنا چاہیے۔ نماز میں انسان کا اپنے رب کے ساتھ رابطہ مضبوط ہوتا ہے اور قربانی کرنے سے انسان میں جدوجہد کا جذبہ پیدا ہوتا اور لوگوں میں اس کا احترام بڑھتا ہے۔ اس کے صلے میں آخرت میں حوضِ کوثر کا پانی نصیب ہوگا اور دنیا میں اس کا دشمن ناکام ہو جائے گا۔

الکوثر:

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا عُرِجَ بِالنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَى السَّمَاءِ قَالَ أَتَيْتُ عَلَى نَهرٍ حَافَتَاهُ قِبَابُ اللُّؤْلُؤِ مُجَوَّفًا فَقُلْتُ مَا هَذَا يَا جِبْرِيلُ قَالَ هَذَا الْكَوْثَرُ)) (رواه البخاری: باب سورة إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرِ)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی ،آپ فرماتے ہیں کہ میرا گزر ایک نہر کے پاس سے ہوا جس کے دوکناروں کو لؤلؤ کے موتیوں کے ساتھ مزین کیا گیا ہے میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ کوثر ہے۔''

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْكَوْثَرُ نَهرٌ فِي الْجَنَّةِ حَافَتَاهُ مِنْ ذَهَبٍ وَمَجْرَاهُ عَلَى الدُّرِّ وَالْيَاقُوتِ تُرْبَتُهُ أَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ وَمَاؤُهُ أَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ

وَأَبْيَضُ مِنَ الثَّلْجِ)) (رواہ الترمذی: باب وَمِنْ سُورَةِ التَّكَاثُرِ)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے جس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں۔ اس کا فرش یاقوت سے بنا ہوا ہے۔ اس کی مٹی کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے، اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ شفاف ہے۔''

((عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنِّي فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا)) (رواہ البخاری : کتاب الرقاق باب الحوض)

''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں تمھارا حوض کوثر پر انتظار کروں گا جو بھی میرے پاس آئے گا وہ اس سے پانی پیئے گا اور جو اس سے ایک مرتبہ پیے گا وہ کبھی پیاس محسوس نہیں کرے گا۔''

((عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ...... مَاؤُهُ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَأَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ)) (صحیح مسلم، بَابُ إِثْبَاتِ حَوْضِ نَبِيِّنَا ﷺ وَصِفَاتِهِ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:...... حوضِ کوثر کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو دنیا اور آخرت کی خیرِ کثیر کے ساتھ سرفراز فرمایا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو حوضِ کوثر عطا فرمایا۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دشمن کو ذلیل اور دُم کٹا بنا دیا۔

۴۔ ہر مسلمان کو اپنے رب کے حضور نماز پڑھنی اور اس کی بارگاہ میں قربانی پیش کرنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

''اللہ'' کے نبی علیہ السلام کی ذاتِ اقدس پر انعامات کی ایک جھلک:

۱۔ آپ ﷺ کو پوری دنیا کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا۔ (الاعراف: ۱۵۸)

۲۔ آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا۔ (الانبیاء :۱۰۷)

۳۔ آپ ﷺ کو خاتم النبیین بنایا گیا ہے۔ (الاحزاب: ۴۰)

۴۔ آپ ﷺ کو پوری دنیا کے لیے داعی، بشیر اور نذیر بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ (الاحزاب: ۴۵-۴۶)

۵۔ نبی کریم ﷺ کو تمام انسانوں کے لیے رؤف، رحیم بنایا گیا ہے۔ (التوبہ : ۱۲۸)

۶۔ آپ ﷺ کی بعثت کو مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم قرار دیا گیا ہے۔ (آل عمران : ۱۶۴)

سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعُهَا: ۱ اٰيَاتُهَا: ٦

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝١ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝٢

فرما دیجیے اے کافرو نہیں میں عبادت کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو

وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝٣ وَ لَاۤ اَنَا

اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں

عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝٤ وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ

عبادت کرنے والا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو جس کی

اَعْبُدُ ۝٥ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝٦ ع ۱ ۳

میں عبادت کرتا ہوں تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے

”فرما دیجیے کہ اے کافرو۔(۱) میں اُن کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو۔(۲) نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔(۳) اور نہ میں اُن کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم کرتے ہو۔(۴) اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔(۵) تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔“(٦)

فہم القرآن

ربطِ سورت: نبی ﷺ کو سورۃ الکوثر میں حوضِ کوثر اور خیر کثیر کی خوشخبری دی گئی جس کا صاف معنی ہے کہ آپ ﷺ کو کسی قسم کی مداہنت کی ضرورت نہیں اس لیے کفّار کو صاف طور پر کہہ دینا چاہیے کہ توحید اور شرک ، کفر اور اسلام کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

اہلِ مکہ نے نبوت کے ابتدائی دور میں نبی معظم ﷺ کی دعوت پر خاص توجہ نہ دی لیکن جوں ہی آپ کی دعوت کے اثرات پھیلنے لگے تو مکہ کے سردار چوکس ہوئے اور انہوں نے پوری کوشش کی کہ آپ کی دعوت آگے نہ بڑھ سکے ،اس مقصد کے لیے انہوں نے آپ کے خلاف شدید پراپیگنڈہ کیا اورآپ کے ساتھیوں کو زدّ وکوب کا نشانہ بنایا۔لیکن نوجوان طبقہ آپ کی دعوت کی طرف اس حد تک متوجہ ہوا کہ مکہ میں شاید ہی کوئی ایسا خاندان ہو جس میں دوچار نوجوان مسلمان نہ ہوئے ہوں ،یہاں تک کہ ابوجہل کے دو بھانجے بھی مسلمان ہوگئے۔ (سیرت الامین : محمد رفیق ڈوگر) دعوت کی تیز رفتاری نے اہلِ مکہ کو یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ تشدد کی بجائے مذاکرات کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔اس لیے انہوں نے کئی مرتبہ آپ ﷺ سے مذاکرات کیے۔ ایک موقع پر آپ کے چچا ابوطالب کے پاس گئے اوران

سے درخواست کی کہ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں کہ وہ ہمارے ساتھ مصالحت کا راستہ اختیار کرے۔ جنابِ ابوطالب نے آپ ﷺ کو بُلا کر صورتِ حال سے آگاہ کیا اور فرمایا کہ بھتیجے میں بوڑھا ہوگیا ہوں اس لیے اکیلا سردارانِ قریش کے خلاف نہیں لڑ سکتا جس کے جواب میں نبی معظم ﷺ نے فرمایا:

((فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَا عَمِّ لَوْ وَضَعَتِ الشَّمْسُ فِيْ يَمِيْنِيْ وَالْقَمَرُ فِيْ يَسَارِيْ مَا تَرَكْتُ هٰذَا الْاَمْرَ حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَوْ اَهْلَكَ فِيْ طَلَبِهِ)) (سیرتِ ابنِ اسحاق: باب ماناال اصحاب رسول اللہ ﷺ)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے میرے چچا! اگر وہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند لا کر رکھ دیں پھر بھی میں اس کام سے باز نہیں آؤں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب کردے یا میں اس دین کی دعوت دیتے ہوئے شہید ہوجاؤں۔''

اہلِ مکہ نے ولید بن مغیرہ کے ذریعے یہ پیشکش بھی کی کہ اگر آپ دولت چاہتے ہیں تو ہم آپ کے حسبِ منشا دولت پیش کرتے ہیں، اگر آپ سرداری کے منصب پر فائز ہونا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو مکہ کا بالاتفاق سردار مانتے ہیں اگر آپ کسی خاندان میں شادی کے خواہش مند ہیں تو آپ کی یہ خواہش بھی پوری کردی جائے گی۔ ایک موقعہ پر انہوں نے یہ درخواست کی کہ ہم ایک سال آپ کے الٰہ کی عبادت کریں گے اوردوسرے سال آپ ہمارے الٰہوں کی عبادت کرنے کے پابند ہوں گے۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی جس کا آغاز لفظِ ''قُلْ'' سے کیا گیا ہے کہ اے نبی ﷺ! ان سے دوٹوک الفاظ میں فرما دیں کہ اے توحیدِ خالص کا انکار کرنے والو! میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو اورجس رب کی میں عبادت کرتا ہوں تم اس کی عبادت نہیں کرتے، میں ان کی عبادت کرنے والا نہیں جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں لہٰذا تمہارے لیے تمہارا دین ہے اورمیرے لیے میرا دین ہے۔ وہ جدّت پسند لوگوں نے ان الفاظ کا بالکل ہی اُلٹ مفہوم لیا ہے، اپنی جِدّت پسندی کی وجہ سے اس آیت کا یہ معنٰی کرتے ہیں کہ آپس میں لڑنے کی بجائے ہر کوئی اپنے اپنے دین پر رہے، اس جدّت پسندی کو ہر دور میں مختلف الفاظ دیئے جاتے ہیں کچھ دانش ور کہتے ہیں کہ جہاں کوئی لگا ہے ٹھیک لگا ہے اسے اپنی جگہ پر لگا رہنے دو۔ سرکاری حلقوں میں ایک عالمِ دین کی یہ بات بہت مقبول ہے کہ ''اپنا مذہب چھوڑو نہیں دوسروں کو چھیڑو نہیں'' اس سورت میں واضح کر دیا گیا ہے کہ کفر اور اسلام، شرک اور توحید کا ملاپ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ بظاہر الفاظ کا تکرار پایا جاتا ہے لیکن عربی گرامر کے اعتبار سے ان الفاظ کا ترجمہ کیا جائے تو پہلی دوآیات میں حال اور مستقبل کے حوالے سے بات کی گئی ہے اوراس سے اگلی دو آیات میں ماضی کے حوالے سے بات ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے اس کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ اے لوگو! جنھوں نے توحیدِ خالص اورمیری رسالت کا انکار کیا ہے وہ سُن لیں! کہ نہ میں نے ماضی میں تمہارے الٰہوں کی عبادت کی ہے اور نہ ہی مستقبل میں ان کی عبادت کروں گا۔

۲۔امام شوکانی نے اپنی تفسیر میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ جس طرح بعض سورتوں میں تاکید کے لیے

بعض مضامین میں تکرار پایا جاتا ہے یہاں بھی تکرار کے لیے یہ بات کہی گئی ہے کہ میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں ۔ امام موصوف ان الفاظ کی دوسری توجیہات کو تکلف سمجھتے ہیں۔

۳۔ بخاری شریف میں ”لَا اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ“ کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے (وَلاَ أُجِیبُکُمْ فِیمَا بَقِیَ مِنْ عُمُرِ) (باب: سورة قُلْ یَا أَیُّهَا الْکَافِرُونَ) ”میں زندگی بھر تمہارے معبودوں کی عبادت نہیں کروں گا۔“ اور ”وَلَا اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَا اَعۡبُدُ“ سے مراد وہ کافر لیے گئے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ لَیَزِیۡدَنَّ کَثِیۡرًا مِّنۡهُمۡ مَّاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ طُغۡیَانًا وَّ کُفۡرًا﴾ (المائدة: ٦٤)

”اور جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے بہت سے لوگوں کو سرکشی اور کفر میں ضرور بڑھا دے گا۔“

﴿صُمٌّۢ بُکۡمٌ عُمۡیٌ فَهُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ﴾ (البقرة: ١٨)

”بہرے، گونگے، اندھے ہیں پس وہ نہیں پلٹتے۔“

مسائل

۱۔ کفر پر پکے رہنے والوں کو کھل کر یہ کہہ دینا چاہیے کہ میں ان کی عبادت نہیں کرتا اور نہ کروں گا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

۲۔ اے کافرو! تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔

تفسیر بالقرآن

کفار اور مشرکین سے علیحدگی کا اعلان:

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم! میں تمہارے شرک سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ (الانعام:۷۸)

۲۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا ہم تم سے اور تمہارے باطل معبودوں سے بری الذمہ ہیں۔ (الممتحنۃ:۴)

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرکوں سے بیزاری کا اعلان کیا۔ (الانعام:۱۴)

۴۔ ھود علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی بنالو کہ میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔ (ہود:۵۴)

۵۔ آپ فرما دیں اللہ تعالیٰ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ (یوسف : ۱۰۸)

۶۔ فرما دیجیے ”اللہ“ ایک ہے بے شک میں تمہارے شرک سے بری ہوں۔ (الانعام: ۱۹)

۷۔ بے شک اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بری ہیں۔ (التوبہ: ۳)

سُورَةُ النَّصرِ مَدَنِيَّة — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — رُکُوعُهَا: ١ اٰیَاتُهَا: ٣

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

اِذَا	جَآءَ	نَصۡرُ اللّٰہِ	وَالۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾	وَرَاَیۡتَ	النَّاسَ	
جب	آجائے	اللہ کی مدد	اور فتح	اور آپ دیکھیں	لوگوں کو	
یَدۡخُلُوۡنَ	فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ	اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾	فَسَبِّحۡ	بِحَمۡدِ رَبِّکَ		
وہ داخل ہو رہے ہیں	اللہ کے دین میں	فوج درفوج	تو آپ تسبیح پڑھیں	اپنے رب کی حمد کے ساتھ		
وَاسۡتَغۡفِرۡہُ ؕ	اِنَّہٗ	کَانَ	تَوَّابًا ﴿۳﴾			
اور اس سے بخشش مانگیں	بلاشبہ وہ	ہے	بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے			

ع ١ ٣ ٢٥

”جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح نصیب ہو جائے۔(۱) اور اے نبی آپ دیکھ لیں کہ لوگ فوج درفوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔(۲) تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اسے یاد کرو اور اس سے مغفرت مانگو، بے شک وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔“ (۳)

فہم القرآن

ربطِ سورت: نبی ﷺ کو سورۃ الکافرون میں حکم ہوا کہ کفّار کے سامنے کھلے الفاظ میں اعلان فرما دیں کہ تمہارے لیے تمہارا دین میرے لیے میرا دین ہے۔ لہٰذا جو چاہو کرلو میں کبھی تمہارے معبودوں کی عبادت نہیں کروں گا، سورۃ النصر میں آپ ﷺ کو خوشخبری دی گئی ہے کہ یہ دین ہر صورت غالب اور کامیاب ہو کر رہے گا۔ یاد رہے کہ یہ سورت نبی ﷺ کی وفات سے تقریباً تین ماہ پہلے نازل ہوئی جس میں آپ کو کامیابی کی نوید سنائی گئی ہے۔

نبی معظم ﷺ کی عظیم الشان اور بے مثال جدوجہد کو تاریخی حساب سے دیکھا جائے تو آپ کی جدوجہد کو مجموعی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ،ایک نبوت کے آغاز سے لے کر بدر کے معرکہ تک کا دور ہے،اس دور میں آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں پر بے انتہا مظالم ڈھائے گئے اور آپ کے راستے میں ہر قسم کی رکاوٹیں کھڑی کی گئیں جس بنا پر دعوت کی قبولیت میں وہ تیز رفتاری پیدا نہ ہوسکی جو اس کے بعد پیدا ہوئی، بے شک بدر کے معرکے کے بعد مسائل اور مشکلات نے ایک نیا رُخ اختیار کر لیا تھا مگر پہلے اور دوسرے دور میں فرق یہ تھا کہ مکہ میں کفار سے لڑنے کی اجازت نہ تھی لیکن مدینہ میں کفار کے مقابلے میں قتال فی سبیل اللہ کی اجازت تھی، اس لیے بدر، اُحد اور خندق کے معرکے پیش آئے اور بالآخر مکہ اس طرح فتح ہوا کہ آپ کے مقابلے میں کسی نے آنے کی جرأت نہ کی۔ آپ ﷺ دس ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر مکہ کے قریب فروکش ہوئے، حکم دیا کہ رات کے وقت پہاڑوں کی چوٹیوں پر مکہ کے چاروں طرف آگ جلائی جائے تا کہ مکہ والوں کو یہ معلوم ہو کہ اب وہ ہر جانب سے

گھر چکے ہیں۔ تفصیلات جاننے کے لیے سیرت کی کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔ واقعات کا اختصار یہ ہے کہ صبح کے وقت آپ ﷺ نے لشکر کو چند حصوں میں تقسیم فرما کر خالد بن ولید اور کچھ صحابہ کو لشکر کی قیادت پر مامور کیا اور حکم فرمایا کہ جو شخص بیت اللہ میں داخل ہوجائے اُسے امان دی جائے، جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوا اسے کچھ نہ کہا جائے، جو اپنے گھر کے دروازے بند کرلے اس پر بھی ہاتھ نہ اٹھایا جائے اور جو مکہ سے بھاگ نکلے اس کا بھی تعاقب نہ کیا جائے۔ چار آدمیوں کے سوا جو بھی امان چاہیے اسے پناہ دے دی جائے۔ اس طرح آپ ﷺ حرم میں داخل ہوئے، اور حرم کے صحن میں قدم رکھنے سے پہلے حکم صادر فرمایا کہ تمام بتوں کو اٹھا کر باہر پھینک دیا جائے۔ (رواہ البخاری: باب وقل جاء الحق وزهق الباطل) اس کے بعد حرم میں داخل ہوئے اور پھر سیڑھی منگوا کر بیت اللہ کے اندر جا کر دیواروں کے ساتھ لگے ہوئے بتوں کو توڑا اور دو نفل ادا کیے۔ جب بیت اللہ سے باہر تشریف لائے تو سردارانِ قریش سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بتاؤ! آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ انہوں نے رحم کی اپیل کی۔ آپ نے "لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" کے الفاظ استعمال فرما کر عام معافی کا اعلان فرما دیا، مکہ کی فتح سے اسلام کے راستے میں تمام رکاوٹیں دور ہوگئیں جو لوگ اس انتظار میں تھے کہ کفر اور اسلام کی کشمکش میں کون غالب آتا ہے جونہی انہیں مکہ فتح ہونے کی خبر پہنچی تو وہ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے اس کامیابی کو اس سورت میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ اے نبی! جب ''اللہ'' کی مدد آپہنچے اور آپ کو فتح حاصل ہو اور آپ دیکھیں کہ لوگ فوج در فوج ''اللہ'' کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو آپ پہلے سے زیادہ اپنے رب کی تسبیح کیا کریں اور اس کے حضور توبہ واستغفار کریں اور یقین رکھیں کہ آپ کا رب توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اس فرمان میں ہر مسلمان کو یہ بات سمجھائی اور بتلائی گئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے مقصد میں کامیاب کرے اور اپنی رحمت سے سرفراز فرمائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی کامیابی پر اترانے کی بجائے اپنے رب سے اپنی غلطیوں کی بخشش طلب کرے اور اس کا شکر بجالائے۔ اس کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ فتح مکہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے آٹھ رکعات ادا فرمائیں اس لیے مسلمان فوج کسی شہر کو فتح کرے تو فوج کے کمانڈر کو شکرانے کے طور پر آٹھ رکعت ادا کرنی چاہیے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایران کا دار الخلافہ مدائن فتح کیا تو انہوں نے سنتِ رسول پر عمل کرتے ہوئے شکرانے کے طور پر آٹھ نفل ادا کیے۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ مَا صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ صَلَاةً بَعْدَ أَنْ نَزَلَتْ عَلَيْهِ ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ إِلَّا يَقُولُ فِيهَا سُبْحَانَكَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي۔))

(رواہ البخاری: سورۃ إِذَا جَاءَ نَصْرُ الله)

''حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے سورہ نصر نازل ہونے کے بعد جو بھی نماز پڑھی اس میں یہ دعا ضرور پڑھی۔'' "سُبْحَانَكَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي"

((عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ قَالَ لِيَ ابْنُ عَبَّاسٍ تَعْلَمُ آخِرَ سُورَةٍ نَزَلَتْ مِنَ الْقُرْآنِ

نَزَلَتْ جَمِيعًا قُلْتُ نَعَمْ(إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ)قَالَ صَدَقْتَ))(رواہ مسلم : کتاب التفسیر)

''عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے پوچھا کیا تجھے معلوم ہے کہ نزول کے اعتبار سے آخری سورت کون سی ہے۔میں نے کہا (إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ) انہوں نے فرمایا تو نے سچ کہا ہے۔''

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ يُدْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَهُ عَبْدُالرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ إِنَّ لَنَا أَبْنَاءً مِثْلَهُ فَقَالَ إِنَّهُ مِنْ حَيْثُ تَعْلَمُ فَسَأَلَ عُمَرُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ هَذِهِ الآيَةِ (إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ)فَقَالَ أَجَلُ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَعْلَمَهُ إِيَّاهُ فَقَالَ مَا أَعْلَمُ مِنْهَا إِلَّا مَا تَعْلَمُ۔))(رواہ :باب مَرَضِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَوَفَاتِهِ)

''حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب ،عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے قریب قریب رکھتے تھے۔عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ ہمارے بھی بیٹے ہیں۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت (إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ) کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی موت کی اطلاع دی گئی ہے۔حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا جواب سن کر عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا جو آپ جانتے ہیں وہ میں نہیں جانتا۔''

مسائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبردست مدد فرمائی اور آپ کے ہاتھوں مکہ فتح کروایا۔

۲۔ فتح مکہ کے بعد عرب کے لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوئے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ فتح ہونے پر نبی علیہ السلام کو کثرت کے ساتھ حمد اور توبہ و استغفار کرنے کا حکم دیا۔

۴۔ یقیناً اللہ تعالیٰ مہربانی کرنے والا اور توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

تفسیر بالقرآن

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہ معاف کرنے والا اور ان کی توبہ قبول کرنے والا ہے:

۱۔ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔(التوبہ:۱۰۴)۲۔اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔(البقرۃ:۲۲۲)

۳۔ اللہ غلطیاں معاف کر کے توبہ قبول کرتا ہے۔(الشوریٰ:۲۵)۴۔اللہ ہر توبہ کرنے والے کو معاف فرما دیتا ہے۔(طٰہٰ:۸۲)

۵۔ ''اللہ'' گناہ معاف کرنے اور توبہ قبول فرمانے والا ہے۔(المومن:۸)

۶۔ غلطی کی اصلاح کرنے والوں کی اللہ توبہ قبول کرتا ہے۔(البقرۃ:۱۶۰)(المزمل:۲۰)(الحجرات:۱۲)

۷۔ جس نے ظلم کرنے کے بعد توبہ کی اور اپنی اصلاح کی،اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔(المائدۃ:۳۹)

۸۔ جو گناہ کرنے کے بعد جلد توبہ کر لیتے ہیں اللہ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے۔(النساء:۱۷)

سورۃ اللّھب کا تعارف

یہ مکی سورت ہے اس کا ایک رکوع ہے جو پانچ آیات پر مشتمل ہے اس کا نام اس کی تیسری آیت کے آخر میں آیا ہے اس میں نبی ﷺ اور آپ کی دعوت کے سب سے بڑے مخالف ابولہب اور اس کی بیوی کی ہلاکت کی اطلاع دی گئی ہے اس میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا بالآخر وہ تباہ ہو جائے گا۔

سورۃ الاخلاص کا تعارف

یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس کی چار آیات ہیں جنہیں ایک رکوع شمار کیا گیا ہے اس کا نام اس لیے الاخلاص رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید خالص کا تذکرہ ہے جس کے بغیر کوئی عبادت بھی قبول نہیں ہوتی۔

سورۃ الفلق کا تعارف

سورۃ الفلق ایک رکوع پر مشتمل ہے اس کی پانچ آیات ہیں یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس کا نام اس کی پہلی آیت کے آخر میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی الفلق کی صفت بیان فرما کر نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ اس رب کی پناہ طلب کیا کرو جس نے ہر چیز کا آغاز پھاڑنے کے عمل سے کیا ہے۔ بالخصوص گرہوں میں پھونکے مارنی والی عورتوں اور حسد کرنے والے کے حسد سے بچنا چاہیے اور ان کی شر سے اپنے رب کی حفاظت طلب کرنی چاہیے۔

سورۃ النّاس کا تعارف

النّاس بھی مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی۔ یہ ایک رکوع پر مشتمل ہے جس میں چھ آیات ہیں اور اسے قرآن کی آخری سورت ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ ان دو سورتوں کو معوذتین کا نام دیا گیا ہے جس کا معنی ہے کہ یہ وہ سورتیں ہیں کہ جن کے ذریعے اپنے رب سے مخلوق کی شر سے پناہ مانگنی چاہیے۔ یہ اتنا اہم کام ہے کہ اس کے لیے یہ سورت بھی ”قل“ کے لفظ سے شروع کی گئی ہے۔ اس میں نبی ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اپنے رب سے جنّوں اور انسانوں کی شر سے پناہ مانگا کریں۔ مطلب یہ ہے جو شریر جنّوں اور انسانوں کی شر سے بچا لیا گیا وہی ہدایت والا ہے اور وہی دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوگا۔

سُورَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
رُكُوْعُهَا: ۱ اٰيَاتُهَا: ٦

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ

ٹوٹ گئے دونوں ہاتھ ابولھب کے اور وہ ہلاک ہو گیا نہ فائدہ دیا اس کو اس کے مال نے

وَمَا كَسَبَ ۝۲ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝۳ وَّامْرَاَتُهٗ

اور جو کچھ اس نے کمایا وہ ضرور داخل ہو گا آگ میں شعلوں والی اور اس کی بیوی

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝۴ فِىْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝۵

لکڑیاں اٹھانے والی اس کی گردن میں رسی ہوگی چھال کی بٹی ہوئی

''ابولھب کے ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ تباہ ہو گیا۔(۱) جو کچھ اس نے کمایا وہ اس کے کسی کام نہ آیا۔(۲) وہ ضرور بھڑکنے والی آگ میں جھونکا جائے گا۔(۳) اور اس کی بیوی لکڑیاں اٹھانے والی۔(۴) اُس کی گردن میں بٹی ہوئی رسی ہو گی۔''(۵)

فہم القرآن

ربطِ سورت: نبی ﷺ کو سورۃ النصر میں ہر قسم کی کامیابی اور دین کے غالب ہونے کی خوشخبری دی گئی ہے اور سورۃ اللھب میں بتلایا ہے کہ عنقریب دین اور آپ کا دشمن ہلاک ہو جائے گا۔

مفسرِ قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ''وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ'' اے نبی! اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کی پکڑ سے ڈرائیں تو نبی علیہ السلام صفا پہاڑی پر جلوہ افروز ہوئے اور آپ نے قریش کے قبائل کا نام لے لے کر بلایا لوگ دوڑتے ہوئے صفا پہاڑی کی طرف پہنچے ،جس قبیلے کا سربراہ خود نہ پہنچ سکا اس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا کہ جاؤ پتہ کرو کہ محمد بن عبد اللہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اس زمانے میں رواج تھا کہ جس شخص کو کوئی حادثہ پیش آتا وہ کسی پہاڑی پر کھڑے ہوکر اپنے کپڑے پھاڑ کر لوگوں کو اپنی مدد کے لیے بلاتا ،کچھ لوگ ایمرجنسی میں پہاڑ پر آگ جلاتے اور اپنا گریبان پیٹتے ہوئے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے اور جو ان میں مہذب اور حوصلہ مند لوگ ہوتے وہ صبح کے وقت پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہوکر یا صباحا ! یا صباحا! کے الفاظ پکارتے۔ رسول معظم ﷺ نے مہذب طریقہ اختیار کرتے ہوئے یا صباحا! یاصباحا! کی آواز بلند فرمائی اور لوگوں کو اپنے پاس آنے کی دعوت دی ،تاریخ دانوں نے لکھا ہے کہ اس موقعہ پر بیت اللہ کا طواف کرنے والے بھی رُک گئے اور لوگ ٹکٹکی باندھ کر آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھنے لگے ،جونہی لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ نے استفسار فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر تم پر حملہ آور ہو رہا ہے تو کیا تم مان جاؤ گے؟

انہوں نے بیک زبان ہوکر کہا کیوں نہیں! "مَـاجَرَّبْنَا عَلَيْكَ اِلَّا صِدْقًا" ہم نے آپ کے بارے میں ہمیشہ سچ کا تجربہ کیا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ "مَـاسَـمِـعْـنَـا بِهٰذَا" کے الفاظ کہتے مگر وہ عرب تھے اس لیے انہوں نے "مَـاسَمِعْنَا بِهٰذَا" کی بجائے یہ کہا کہ ہم نے آپ کا بار بار تجربہ کیا ہے کہ آپ سچ بولتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے آپ کی تینتالیس سالہ حیاتِ مبارکہ کی تائید کی اور آپ پر بھرپور اعتماد کا اظہار کیا۔ تب آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "قُـوْلُوْا لَااِلٰهَ اِلَّا الـلّٰـهُ تُـفْلِحُوْا" جوں ہی آپ نے لوگوں کو توحیدِ خالص کی دعوت دی تو وہ آگ بگولہ ہو گئے۔ ابولہب نے یہاں تک ہرزہ سرائی کی کہ "تَبًّـا لَّكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا "تو تباہ ہوجائے کیا تو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا؟(رواہ البخاری:باب وانذرعشیرتك الاقربین)

یاد رہے کہ ابولہب کے ساتھ نبی معظم ﷺ کے چار رشتے تھے۔ ان میں ہر رشتہ عربوں کے ہاں نہایت ہی قابلِ احترام تھا۔

۱۔ نبی علیہ السلام کے ابولہب چچا تھے۔ ہر معاشرے میں اور عربوں کے ہاں بھی چچا والد کے قائم مقام سمجھا جاتا تھا، لیکن ابولہب نے اس عظیم رشتہ کی کوئی پرواہ نہ کی۔

۲۔ نبی علیہ السلام اورابولہب مکہ میں ایک دوسرے کے پڑوسی تھے ہر معاشرے میں پڑوسی کے حقوق مسلّمہ ہیں۔عرب بھی پڑوسی کے حقوق کا بہت خیال رکھتے تھے مگر ابولہب نے اس رشتے کے تقدّس کو بھی پامال کردیا۔

۳۔ نبوت سے پہلے نبی علیہ السلام کی دوبیٹیوں کی نسبت ابولہب کے بیٹوں عتبہ اورعتیبہ کے ساتھ ہوئی تھی۔توحید کی دعوت کااعلان کرنے کی وجہ سے ابولہب کے کہنے پر اس کے بیٹوں نے بڑے گستاخانہ انداز میں ان نسبتوں کوتوڑ دیا۔

۴۔ جس بی بی نے ابولہب کوبچپن میں دودھ پلایا تھا نبی علیہ السلام نے بھی بچپن میں اس کا دودھ پیا تھا،اس کا نام ثوبیہ تھا۔اس لحاظ سے ابولہب آپ ﷺ کا رضاعی بھائی تھا عرب رضائی بھائی کوحقیقی بھائی کی طرح خیال کرتے تھےلیکن ابولہب نے اس رشتے کی بھی پرواہ نہ کی۔

ابولہب کے ردّعمل میں یہ سورت نازل ہوئی جس میں ہرکسی کے لیے کھلےلفظوں میں پیغام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایمان سے بڑھ کرکوئی رشتہ مقدّم نہیں لہٰذا ایمان نہ ہوتوحسب ونسب کی کوئی اہمیّت باقی نہیں رہتی۔ قرآن مجید میں ابولہب ہی وہ بدقسمت انسان ہے جس کا نام لے کر اس پر پھٹکار کی گئی ہے۔ ابولہب کا نام عبدالعزّٰی تھا۔ قرآن مجید نے اس کے شرکیہ نام کا ذکرکرنے کی بجائے اس کی کنیت کے نام پر مخاطب کیا جس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی کنیت سے لوگوں میں مشہور تھا۔ ابولہب شکل وصورت کے لحاظ سے نہایت خوبصورت تھا جس وجہ سے لوگ اسے ابولہب کہتے تھے جس کا معنٰی ہے آگ جیسا روشن چہرہ رکھنے والا۔لیکن بُرا عقیدہ اورکردار رکھنے کی وجہ سے وہ اپنی کنیّت کے حوالے سے اسم بامسمّٰی ثابت ہوا اوراسے ہمیشہ کے لیے دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ اس کا

مال اوراس کی اولاد اس کے کسی کام نہ آئے اس کے ساتھ ہی اس کی بیوی بھی جہنم کا ایندھن بنے گی جس کے بارے میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جو اپنے سر پر ایندھن اٹھانے والی ہے اوراس کی گردن میں بٹی ہوئی رسی ہوگی۔ ابولہب مکہ کے امیر ترین چار آدمیوں میں شمار ہوتا تھا اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں اس کے پاس نقدی اور جائیداد کے علاوہ آٹھ کلو سونا موجود تھا۔(تفہیم القرآن)ظاہر بات ہے کہ اس کی بیوی کو ہرقسم کی سہولت حاصل تھی۔مگر نبی کریم ﷺ کی مخالفت میں اس قدر اندھی ہوچکی تھی کہ کانٹے دار جھاڑیاں اٹھا کر نبی ﷺ کے گھر کے سامنے پھینک دیتی۔ یہی عمل اس کی موت کا سبب ثابت ہوا۔" حَمَّالَةَ الْحَطَبِ "عربی محاورۃ میں چغلیاں کرنے والی کو بھی کہا جاتا ہے گویا کہ وہ نبی کے بارے میں چغلیاں بھی کیا کرتی تھی۔"جِیْدًا" اس گردن کو کہا جاتا ہے جسے زیور کے ساتھ سجایا گیا ہو یعنی دنیا میں جس گردن میں زیور پہنا کرتی ہے قیامت کے دن اس نرم و نازک گردن میں جہنم کی آگ سے بنا ہوا رسا ڈالا جائے گا۔ابولہب اپنی بزدلی کی وجہ سے جنگِ بدر میں شریک نہ ہوا لیکن بدر کی شکست کا اسے اس حد تک صدمہ پہنچا کہ یہ اندر ہی اندر گھلتا چلا گیا یہاں تک کہ اسے کوڑھ کی بیماری لاحق ہوگئی اس کے جسم میں بد بو پھیل گئی گھر کا کوئی فرد اسے ہاتھ لگانے کے لیے تیار نہ ہوا۔ اس حالت میں ذلیل ہوکر مرا، دفنانے کے لیے بدو بلائے گئے جنہوں نے اسے مٹی میں دبایا۔

مسائل

۱۔ ابولہب بدترین طریقے سے ہلاک ہوا اوراس کا مال اوراس کی اولاد اس کے کچھ کام نہ آئے۔

۲۔ ابولہب جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا۔

۳۔ ابولہب کی بیوی جس رسی سے لکڑیوں کا گٹھا اٹھاتی تھی وہ رسی اس کی ہلاکت کا سبب بنی۔

تفسیر بالقرآن

قیامت کے دن مال اوراولاد کی حیثیت:

۱۔ مال اور اولاد دنیا کی نمائش ہیں باقی رہنے والے نیک اعمال ہیں۔ (الکھف: ۴۶)

۲۔ قیامت کے دن مال اولاد کام نہیں آئے گی۔ (الشعراء: ۸۸)

۳۔ جان لو کہ مال ، اولاد تمھارے لیے فتنہ ہیں۔ (الانفال: ۲۸)

۴۔ اے ایمان والو تمھیں مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے تمہیں غافل نہ کردیں۔ (المنافقون : ۹)

۵۔ مال اور اولاد تمھارے لیے آزمائش ہے اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔ (التغابن: ۱۵)

سُورَةُ الْإِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعُهَا: ۱ اٰيَاتُهَا: ٤

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

قُلْ	هُوَ	اللّٰهُ	اَحَدٌ ۝۱	اَللّٰهُ	الصَّمَدُ ۝۲	لَمْ	يَلِدْ ۙ	وَ
کہہ دیجئے	وہ	اللہ	ایک ہے	اللہ	بے نیاز ہے	نہیں	اُس نے جنا	اور

لَمْ	يُوْلَدْ ۝۳	وَ	لَمْ	يَكُنْ	لَّهٗ	كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴
نہ	وہ جنا گیا	اور	نہیں	ہے	اس کا	برابر کوئی ایک

’’کہو کہ وہ اللہ ایک ہے ۔(۱) اللہ بے نیاز ہے۔(۲) نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔(۳) اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔‘‘(۴)

فہم القرآن

ربطِ سورت: الاخلاص سے پہلے سورت اللّھب ہے جس میں توحید کے مخالفین میں سے ایک بڑے مخالف کی ہلاکت و بربادی کی اطلاع دی گئی ہے۔ اس میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ بالآخر دعوتِ توحید کے مخالف مٹ جائیں گے اور توحیدِ خالص کا پرچار اور غلغلہ ہوگا۔ مفسرین نے اس سورت کے اور بھی نام تحریر فرمائے ہیں لیکن اس کا سب سے مشہور اور معتبر نام ’’الاخلاص‘‘ ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد اور قرآن کی مرکزی دعوت توحید ہے اسی لیے قرآن مجید کا آغاز فاتحہ سے ہوا جس کی ابتداء توحید سے کی گئی ہے اور قرآن مجید کا اختتام بھی توحید کی سورتوں سے کیا گیا ہے۔

اس سورت کے نزول کا پسِ منظر بیان کرتے ہوئے مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک دن قریش کے کچھ افراد نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفسار کیا

((عَنْ أَبِی الْعَالِیَةِ عَنْ أُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ أَنَّ الْمُشْرِکِینَ قَالُوا لِلنَّبِیِّ ﷺ یَا مُحَمَّدُ انْسُبْ لَنَا رَبَّكَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ،اللّٰهُ الصَّمَدُ ، لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ ، وَلَمْ یَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾)) (رواہ احمد : مسند ابی بن کعب)

’’ابو العالیہ، ابی بن کعب سے بیان کرتے ہیں کہ مشرکین کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھتا ہے اے محمد ﷺ! آپ جس رب پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں، اس کا نسب نامہ کیا ہے تاکہ ہمیں اس کی پہچان ہو جائے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے معبود پتھر، لوہے، تانبے اور مٹی وغیرہ کے بنے ہوتے ہیں ،آپ کا معبود کس چیز سے بنا ہوا ہے اور اس کی شکل وصورت اور حسب نسب کیا ہے؟ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔‘‘

یاد رہے کہ ہر دور کے مشرک اپنے اپنے انداز اورنظریات کے مطابق ''اللہ'' کی توحید کو ماننے اور اس کی عبادت کرنے کا دعویٰ کرتے رہے ہیں لیکن شرک میں ملوث لوگ توحیدِ خالص کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے، حالانکہ قرآن مجیداور انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت توحیدِ خالص ہے جسے اس سورت میں جامع الفاظ اور کھلے انداز میں بیان کیا گیا ہے، جوشخص ذاتی اورگروہی تعصّبات سے بالاتر ہوکر توحیدِ خالص کوسمجھنے کی کوشش کرے گا وہ اس سے واضح مختصر اور موثر انداز کہیں نہیں پائے گا۔اس سورت میں توحیدِ خالص بیان کرنے کے ساتھ ہرقسم کے شرک کی نفی کی گئی ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورت الاخلاص رکھا گیا۔توحید کی عظمت کے پیشِ نظر سورۃ الاخلاص اس قدر عظیم ہے کہ نبی علیہ السلام نے اس کی تلاوت کو دس پاروں کی تلاوت کے برابر قرار دیا ہے:

((عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَیَعْجِزُ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّقْرَأَ فِیْ لَیْلَةٍ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ قَالُوْا وَکَیْفَ یَقْرَأُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ قَالَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ یَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ)) (رواہ مسلم : باب فضل قراءۃ سورۃ الاخلاص)

''حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص ایک رات میں ایک تہائی قرآن تلاوت کرسکتا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ایک رات میں قرآن کا تیسرا حصہ کیسے پڑھا جا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' کی تلاوت کرنا ایک تہائی قرآن پڑھنے کے برابر ہے۔''

یاد رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت قرآن مجید کی تلاوت صرف ثواب کے طور پر نہیں بلکہ غوروفکر کے ساتھ تلاوت کیا کرتے تھے اس لیے انہوں نے عرض کی کہ ایک رات میں دس پارے پڑھنے مشکل ہیں۔نبی ﷺ کی سورت اخلاص کے ساتھ محبت۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّهُ قَالَ مَا أُحْصِی مَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقْرَأُ فِی الرَّکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَفِی الرَّکْعَتَیْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ بِ (قُلْ یَا أَیُّهَا الْکَافِرُوْنَ) وَ (قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ)۔ (رواہ الترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِی الرَّکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَالْقِرَاءَةِ فِیْهِمَا)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں شمار نہیں کرسکتا میں نے کتنی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو مغرب اور فجر کی سنتوں میں سورت کافرون اور سورت اخلاص پڑھتے ہوئے سنا ہے۔''

اس سورت میں توحید کی تمام اقسام بیان کی گئی ہیں ۔اسلام کے بنیادی عقائد تین ہیں۔توحید ،رسالت اورآخرت پر ایمان لانا۔ باقی مسائل اوراحکام انہی عنوانات کا تقاضا اور تفصیل ہیں۔فہم القرآن میں لفظ ''قُلْ'' کی تفسیر میں یہ بات عرض ہوچکی ہے کہ قرآن مجید اہم مسائل اوراحکام بیان کرتے ہوئے لفظ ''قُلْ'' سے آغاز کرتا ہے تاکہ سننے والے کومسئلے کی اہمیت اوراس کی فضیلت کا احساس ہوجائے۔لفظِ قل میں یہ مفہوم واضح ہے کہ توحید کا پرچار کسی خوف کے بغیر کرنا چاہیے، بصورتِ دیگر اس کے ابلاغ کا حق ادانہیں ہوسکتا۔ارشاد ہوا کہ آپ اعلان کریں کہ وہ ''اللہ'' ایک ہے عربی زبان میں ''ھُوَ'' کی ضمیر (Pronown) دور کے لیے استعمال ہوتی ہے یہاں اس کے استعمال کے تین بڑے مفہوم سمجھ آتے ہیں۔ ا۔ اہلِ مکہ اور ہر دور کے مشرک مشکل ترین وقت میں اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے اوراسے ہی پکارتے تھے ،اس لیے ''ھُوَ'' کی ضمیر استعمال کی گئی ہے کہ وہ ''اللہ'' جسے تم بھی مشکل کے وقت ایک مانتے اورپکارتے ہو وہ اپنی ذات ، صفات اور الوہیت کے اعتبار سے ایک ہے۔

۲۔جس ''اللہ'' کا تعارف چاہتے ہو وہ اپنی ذات، صفات اور اُلوہیت میں اکیلا ہے۔
۳۔ ''هُـــوَ''لا کر ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے ہر جگہ موجود نہیں بلکہ وہ اپنی شان کے مطابق عرشِ معلیٰ پر جلوہ افروز ہے۔

﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طٰهٰ: ۵)
''وہ رحمان عرش پر مستویٰ ہے۔''

اسمِ اللہ کی جلالت

''اللہ'' کا نام صرف اورصرف ذاتِ کبریا کے لیے زیبا اوراس کے لیے مختص ہے۔ یہ ذاتِ کبریا کا ذاتی نام ہے اس اسم مبارک کے اوصاف اورخواص میں سے ایک خاصہ یہ ہے کہ کائنات میں انتہادرجے کے کافر،مشرک اور بدترین باغی انسان گزرے ہیں،جن میں اپنے آپ کو داتا،مشکل کشا،موت وحیات کا مالک کہنے والے حتی کہ ''اَنَـا رَبُّـکُـمُ الْاَعْـلٰـی'' کہلوانے والا بھی ہوا ہے،مگر اس نام کی ہیبت و جلالت کی وجہ سے کوئی بھی اپنے آپ کو''اللہ'' کہلوانے کی جرأت نہیں کر سکا اور نہ کر سکے گا۔ مکے کے مشرک اپنے بتوں کو سب کچھ مانتے اور کہتے تھے لیکن وہ اُن کو''اللہ'' کہنے کی جرأت نہیں کر سکے تھے۔''اللہ''ہی انسان کا ازلی اقرار اوراس کی فطری آواز ہے یہ اسم مبارک اپنے آپ میں ربوبیّت، الوہیّت، مالکیت، جلالت وصمدیت، رحمٰن ورحیم کا ابدی اورسرمدی تصور لیے ہوئے ہے۔قرآنِ مجید میں''اللہ'' کا نام 2697 مرتبہ آیا ہے اور ہر مرتبہ الگ انداز میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور عبادت کی ترجمانی کرتا ہے۔

''اَللّٰهُ اَحَدٌ''
اللہ ایک ہے

اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے ایک ہے۔ اس کی ذات،اسماء وصفات اور عبادت میں کوئی شریک نہیں گویا کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے ایک ہونے کے ساتھ اپنے حقِ عبادت میں بھی ایک ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ''اَللّٰهُ اَحَدٌ''میں ہرقسم کی توحید پائی جاتی ہے اور اس سے ہرقسم کے شرک کی نفی ہوتی ہے۔

کچھ مفسرین نے احد اورواحد کے استعمال میں فرق بیان کیا ہے۔ ایک مفسر کا خیال ہے کہ''اللہ'' کی ذات کے لیے احد کی صفت لائی گئی ہے اوراس کی صفات کے لیے واحد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ دوسرے مفسر کا خیال ہے کہ احد کا معنٰی لاثانی،بے مثال اور یکتا ہے۔ اس لحاظ سے اس لفظ کا استعمال صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان کا فرمان ہے کہ گنتی میں ایک، دو،تین،چار اور پانچ کے لیے واحد،اثنین،ثلاثہ،اربعہ اورخمسہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں کیونکہ گنتی میں احد کی بجائے واحد کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ واحد استعمال کرنے کی بجائے احد (اکیلا) استعمال کرنا چاہیے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک اوراکیلے کے الفاظ میں لطیف سا فرق

پایا جاتا ہے لیکن اردو اور عربی ادب سے آشنا لوگ جانتے ہیں کہ اُردو زبان میں احد اور اکیلا ایک دوسرے کے ہم معنی ہیں اور عربی زبان میں معمولی سے فرق کے سوا احد اور واحد ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں البتہ جب کسی شخص کو دوسرے سے الگ بیان کرنا مقصود ہو تو اس کے لیے اکیلے کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر احد اور واحد میں کوئی فرق نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی ذات کے بارے میں احد اور واحد دونوں الفاظ استعمال فرمائے ہیں:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (ص : ٦٥)

”اے نبی ان سے فرمادیں کہ میں تو بس خبردار کر دینے والا ہوں ”اللہ“ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے اکیلا ہے اور سب پر غالب ہے۔

﴿وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ (البقرة : ١٦٣)

”تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔وہ بڑا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔“

ذات باری تعالیٰ کے بارے میں ایرانیوں کا نظریہ:

نزولِ اسلام کے وقت ایرانی ایک کی بجائے دو خدا مانتے اور پکارتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ خیر و برکت نازل کرنے اور عزت دینے والا خدا یزداں ہے، شر اور نقصان دینے والا اہرمن ہے۔قرآن مجید اس نظریے کی تردید کرتا ہے:

﴿وَ قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ﴾ (النحل : ٥١)

”اور اللہ نے فرمایا دو معبود نہ بناؤ وہ صرف ایک ہی معبود ہے، پس صرف مجھ ہی سے ڈرو۔“

اہل مکہ کئی الٰہوں کے قائل تھے:

﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ○ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ○ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ﴾ (ص : ٧تا٥)

”کیا اس نے تمام معبودوں کی جگہ بس ایک ہی معبود بنا لیا ہے۔یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔قوم کے سردار یہ کہتے ہوئے کھڑے ہوئے کہ لوگوں کو سمجھاؤ کہ اپنے معبودوں پر قائم رہو یہ بات تو کسی اور ہی مقصد کے لیے کہی جارہی ہے۔یہ بات ہم نے پہلے زمانہ میں کسی سے نہیں سنی یہ تو ایک بناوٹی بات ہے۔“

اس لیے اہلِ مکہ نے تین سوساٹھ بت بیت اللہ میں رکھے ہوئے تھے۔ ہندوؤں کی کتب کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ہندو تینتیس کروڑ خداؤں کے قائل ہیں۔یہی حال کلمہ پڑھنے والوں کی اکثریت کا ہے کہ اللہ کے سوا دوسروں سے مدد مانگتے ہیں۔

﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ﴾ (العنكبوت : ٦٥)

”جب کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اُس سے مانگتے ہیں۔جب اللہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو یکا یک شرک کرنے لگتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے بارے میں ”اَحَدٌ“ کا لفظ استعمال فرما کر ایک سے زائد خداؤں اور معبودوں کی نفی کردی

ہے۔ قرآن مجید نے عقلی اور علمی دلائل کی بنیاد پر ثابت کیا ہے کہ ایک ''اللہ'' ہی ''الٰہ واحد'' ہے۔ اس کے سوا کائنات میں کوئی الٰہ تھا اور نہ ہے اور نہ ہوگا۔ لہٰذا ''اَللّٰهُ اَحَدٌ'' میں اس کی ذات اور صفات میں شرک کرنے والوں کی نفی کی گئی ہے۔

''اَللّٰهُ الصَّمَدُ''

اللہ بے نیاز ہے

اللہ تعالیٰ کی ''اَحَدٌ'' کی صفت میں توحید کی تینوں اقسام پائی جاتی ہیں۔ تاہم تفصیل کے لیے الصّمد اور دوسری صفات کا ذکر کیا گیا ہے بالفاظِ دیگر یہ صفات صفت ''اَحَدٌ'' کی تفصیل ہیں۔ اہلِ زبان نے الصّمد کے بہت سے معانی ذکر کیے ہیں، تمام معانی کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ الصّمد ایسی چٹان یا ذات جس کی مشکل کے وقت پناہ لی جائے۔

۲۔ الصّمد وہ ذات جس میں کسی قسم کا خلا اور ضُعف نہ ہو۔

۳۔ الصّمد ایسی ذات جس کے وجود سے نہ کوئی چیز نکلتی ہو اور نہ کوئی چیز داخل ہوتی ہو۔

۴۔ الصّمد سے مراد ایسا سردار جو ہر اعتبار سے کامل اور اکمل ہو اور مشکل کے وقت اس کا سہارا لیا جائے۔

۵۔ الصّمد وہ ذات جس کے سب محتاج ہوں اور وہ کسی کی محتاج نہ ہو۔

مذکورہ بالا معانی کو سامنے رکھتے ہوئے مفسرین کی غالب اکثریت نے الصّمد کا معنیٰ بے نیاز کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو ہر اعتبار سے بے نیاز ہے۔ بے نیاز کا یہ معنیٰ نہیں کہ کہ اسے اپنی مخلوق کی کوئی پرواہ نہیں بلکہ بے نیاز کا معنیٰ ہے کہ وہ غنی ہے اور پوری مخلوق اس کی محتاج ہے۔

اگر ساری مخلوق مل کر بغاوت کردے تو اس کی ذات اور بادشاہت کو رائی کے دانے کے برابر بھی فرق نہیں پڑتا۔ اگر ساری مخلوق اس کی تابع فرمان ہوجائے تو اس کی بادشاہت میں اضافہ نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ الصّمد ہے۔

الصّمد کا معنیٰ ایسی ذات جو کسی کی محتاج نہ ہو اور باقی تمام اس کے محتاج ہوں جب وہ کسی کا محتاج نہیں اور باقی سب اس کے محتاج ہیں تو پھر عبادت بھی اسی کی کرنی چاہیے۔ جس کا صاف معنیٰ ہے کہ وہی مشکل کشا اور حاجت روا ہے لہٰذا اسی ایک کی عبادت کرنی چاہیے یہی توحید الوہیّت کا سب سے بڑا تقاضا ہے۔ اس لیے ''اَللّٰهُ الصَّمَدُ'' میں دوسرے معبودوں کی نفی پائی جاتی ہے۔

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ (الانبياء: ۲۵)

''ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجے ان کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری ہی بندگی کرو۔''

﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ (النحل: ۳۶)

''اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔ ان میں سے

کچھ وہ تھے جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور کچھ وہ تھے جن پر گمراہی ثابت ہو گئی۔پس زمین میں چل ، پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔"

﴿لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ (الانعام: ۱۹)

فرما دیجیے میں یہ گواہی نہیں دیتا فرما دیجیے وہ تو صرف ایک ہی معبود ہے اور بے شک میں اس سے بری ہوں جو تم شریک ٹھہراتے ہو۔"

"لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ"

نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے

یہودیوں کی ہرزہ سرائی:

یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو" اللہ" کا بیٹا قرار دیتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ اختیارات اپنے بیٹے عزیر علیہ السلام کو دے رکھے ہیں:

﴿وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِنِ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ (التوبہ: ۳۰)

"اور یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ ان کی اپنی باتیں ہیں وہ ان لوگوں جیسی باتیں کرتے ہیں جنھوں نے ان سے پہلے کفر کیا "اللہ" انہیں غارت کرے کہ یہ کدھر بہکائے جا رہے ہیں۔"

عیسائیوں کی یاوہ گوئی:

ایرانیوں اور یہودیوں سے ایک قدم آگے بڑھ کر عیسائی کہتے ہیں کہ" اللہ" مریم اور عیسیٰ علیہ السلام کو ملا کر خدا کی خدائی مکمل ہوتی ہے جسے وہ تثلیث کا نام دیتے ہیں۔ان کے عقیدے کی یوں تردید کی گئی ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَ قَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ (المائدۃ: ۷۲)

"بلاشبہ وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ہی تو ہے جو مریم کا بیٹا ہے، حالانکہ مسیح نے کہا اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب اور تمہارا رب ہے۔ بے شک حقیقت یہ ہے کہ جو بھی اللہ کے ساتھ شرک کرے یقیناً اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ آگ ہے اور ظالموں کے لیے کوئی مدد کرنے والا نہیں۔"

اہلِ مکہ کی کذب بیانی:

﴿اَمۡ خَلَقۡنَا الۡمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمۡ شٰهِدُوۡنَ o اَلَاۤ اِنَّهُمۡ مِّنۡ اِفۡكِهِمۡ لَيَقُوۡلُوۡنَ o وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ o اَصۡطَفَى الۡبَنَاتِ عَلَى الۡبَنِيۡنَ﴾ (صافات: ۱۵۰ تا ۱۵۲)

کیا ہم نے ملائکہ کو عورتیں بنایا ہے اور یہ اس وقت موجود تھے۔سُن لو دراصل یہ لوگ جھوٹی باتیں کرتے ہیں۔کہ ''اللّٰہ'' اولاد رکھتا ہے یقیناً یہ لوگ جھوٹے ہیں۔کیا اللّٰہ نے اپنے لیے بیٹوں کی بجائے بیٹیاں پسند کر لیں ہیں؟''

کلمہ پڑھنے والوں کی زبان درازی:

دنیا میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص کروڑوں کی تعداد میں کلمہ پڑھنے والے حضرات یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نبی علیہ السلام اپنی ذات کے اعتبار سے ''اللّٰہ'' کے نور کا حصہ ہیں اور یہی لوگ فوت شدگان کو خدا کی خدائی میں شریک سمجھتے ہیں یہاں تک کہ صوفیائے کرام نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا عقیدہ اپنا رکھا ہے۔ وحدت الوجود کا معنٰی ہے کہ کائنات کی شکلیں مختلف ہیں مگر حقیقت میں وہ سب ''اللّٰہ'' ہیں۔اس کے لیے بے دین صوفی ہمہ اوست کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ وحدت الشہود کا نظریہ رکھنے والے کہتے ہیں کہ اللّٰہ تعالیٰ کا اپنا الگ وجود ہے اور کائنات اس کا پرتو ہے وہ اس کے لیے ہمہ از اوست کے الفاظ استعمال کرتے ہیں یعنی سب کچھ اسی سے نکلا ہے۔اسی عقیدے کا تسلسل ہے کہ مساجد میں نبی علیہ السلام کے بارے میں ''یا نور اللّٰہ'' کے الفاظ کہے جاتے ہیں۔

﴿وَجَعَلُوۡا لَهٗ مِنۡ عِبَادِهٖ جُزۡءًا اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَكَفُوۡرٌ مُّبِيۡنٌ﴾ (الزخرف: ۱۵)

''اس کے باوجود لوگوں نے اللّٰہ کے بندوں میں سے بعض کو اس کا جز بنا لیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ انسان واضح طور پر ناشکرا ہے۔''

﴿وَمَا يُؤۡمِنُ اَكۡثَرُهُمۡ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمۡ مُّشۡرِكُوۡنَ﴾ (الیوسف: ۱۰۶)

''اور ان میں سے اکثر اللّٰہ پر ایمان لانے کے باوجود وہ شرک کرنے والے ہوتے ہیں۔''

حقیقت یہ ہے کہ کسی کو اللّٰہ کا بیٹا یا جُز قرار دینا سب سے بڑا گناہ اور جرم ہے۔

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا o لَقَدۡ جِئۡتُمۡ شَيۡئًا اِدًّا o تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِنۡهُ وَتَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ وَتَخِرُّ الۡجِبَالُ هَدًّا o اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا o وَمَا يَنۡۢبَغِيۡ لِلرَّحۡمٰنِ اَنۡ يَّتَّخِذَ وَلَدًا﴾ (مریم: ۸۸ تا ۹۲)

''وہ کہتے ہیں کہ رحمان کی اولاد ہے۔بہت ہی بیہودہ بات ہے جو تم لوگ کہہ رہے ہو۔قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہوجائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔اس بات پر کہ انہوں نے رحمان کی اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔رحمان کی شان نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے۔''

''اللہ'' اپنی ذات، صفات، عبادت اور حکم میں کسی شریک کو پسند نہیں کرتا:

تمام انبیاء اور نبی آخر الزّمان ﷺ کی یہ دعوت تھی اور ہے کہ الٰہ نہ دو ہیں نہ تین اور نہ اس سے زیادہ۔ الٰہ صرف ایک ہے نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے اور اس کی صفات میں کوئی شریک اور نہ اس کا کوئی ہم مثل ہے، مشرکین نے اپنی طرف سے محض نام رکھ لیے ہیں۔ اس بنا پر کسی کو داتا کہتے ہیں، کسی کو دستگیر، مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حکم یہ ہے کہ اسے ایک مانو اور صرف اسی ایک کی عبادت کرو اور اسی کا حکم تسلیم کرو۔

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشوریٰ: ۱۱)

''کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔''

﴿مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (الیوسف: ۴۰)

''تم چند ناموں کے سوا عبادت نہیں کرتے۔ جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کے بارے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

﴿وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (الاعراف: ۱۸۰)

''اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں سو اسے انہی کے ساتھ پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں کے بارے میں صحیح راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں انہیں جلد ہی اس کی سزا دی جائے گی جو وہ کیا کرتے تھے۔''

﴿وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا﴾ (النساء: ۳۶)

''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔''

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ (الکہف: ۱۱۰)

''اے نبی فرمادیں میں تو تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہے۔ اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور عبادت میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔''

﴿مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا﴾ (الکہف: ۲۶)

''نہ اس کے سوا ان کا کوئی مددگار ہے اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔''

سُورَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رُكُوْعُهَا: ١ اٰيَاتُهَا: ٥

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

قُلْ	اَعُوْذُ	بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿١﴾	مِنْ شَرِّ	مَا	خَلَقَ ﴿٢﴾	وَ	
کہیں	میں پناہ میں آتا ہوں	صبح کے رب کی	اس چیز کے شر سے	جو	اس نے پیدا کی	اور	
مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ	اِذَا	وَقَبَ ﴿٣﴾	وَ	مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ	فِی الْعُقَدِ ﴿٤﴾		
اندھیری رات کے شر سے	جب	وہ چھا جائے	اور	پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے	گرہوں میں		
وَ	مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ	اِذَا	حَسَدَ ﴿٥﴾				
اور	حسد کرنے والے کے شر سے	جب	وہ حسد کرے				

”کہیں کہ میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔(۱) اُس چیز کے شر سے جو اُس نے پیدا کی ہے۔(۲) اور رات کے اندھیرے کے شر سے جب وہ چھا جائے۔(۳) اور گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے۔(۴) اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔“(۵)

ع ۵ ۱ ۲۸

فہم القرآن

ربطِ سورت: الاخلاص میں یہ بتایا گیا ہے کہ ”اللہ“ وہ ہے جو ہر اعتبار سے وحدہٗ لاشریک ہے ،کوئی کسی اعتبار اور کسی درجے میں اس کی برابری نہیں کرسکتا ، گویا کہ وہ حاکمِ مطلق ہے باقی محکوم ہیں ، وہ بادشاہ ہے باقی اس کے در کے فقیر ہیں ،وہ طاقتور ہے ہر کوئی اس کے سامنے عاجز اور بے بس ہے کیونکہ وہ طاقتور اور بادشاہ ہے اس لیے اسی کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔

عقیدۂ توحید کے تقاضوں میں اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ صرف ایک ”اللہ“ جو پوری مخلوق کا رب ہے اسی کو نفع ونقصان کا مالک سمجھا جائے اس لیے نبی اکرم ﷺ کو حکم ہوا ہے کہ آپ ان الفاظ میں اپنے رب کی پناہ طلب کیا کریں کہ میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں اور ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے۔ رات کے اندھیرے کے شر سے جب وہ ہر چیز پر چھا جاتا ہے اور گرہوں میں پھونکیں مارنے والی عورتوں کے شر سے اور حاسد کے حسد سے جب وہ حسد کرتا ہے۔ نبی علیہ السلام کو ”قُلْ“ کا حکم دے کر یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اللہ کے رسول بھی اپنے رب کی حفاظت اور نگرانی کے محتاج تھے جس طرح دوسرے انسان اور مخلوق اپنے رب کی حفاظت کی محتاج ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ مخلوق کو پناہ دینے والا صرف ایک ”اللہ“ ہے وہ پناہ نہ دے تو کسی کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہے، وہی جن وانس اور پوری مخلوق کو پیدا کرنے اور پناہ دینے والا ہے۔ ”رَبِّ الْفَلَقِ“ کا معنٰی ہے پھاڑنے والا۔”رَبِّ الْفَلَقِ“ کی صفت لانے کی دو وجوہات سمجھ میں آتی ہیں ”رب“ وہ ذات

ہے جو غم اور خوف کے پردے چاک کرتا اور ہر قسم کی مشکلات دور فرما کر اپنے بندے کی حفاظت کرتا ہے۔②۔
وہی ہے جس نے ہر چیز کا آغاز پھاڑنے کے عمل سے کیا ہے۔ انسان اور چوپائے کا بچہ رحمِ مادر اور جانور کا بچہ انڈے کو پھاڑ کر نکلتا ہے، نباتات زمین کے سینے کو چیر کر نکلتی ہیں ،بارش بادلوں کو پھاڑ کر نازل ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو بھی ایک دوسرے سے پھاڑ کر الگ کیا ہے۔ (الانبیاء:۳۰) اور قیامت کے دن مُردے بھی زمین کے پھٹنے سے باہر نکلیں گے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ٥فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَ جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾ (الانعام: ۹۵،۹۶)

’’بے شک اللہ دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے یہی اللہ ہے پھر تم کہاں بہکائے جاتے ہو؟ صبح کو نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو آرام اور سورج اور چاند کو حساب کا ذریعہ بنایا یہ نہایت غالب،اور سب کچھ جاننے والے کا مقرر کردہ اندازہ ہے۔‘‘

رب ’’اللہ‘‘ کی وہ صفت اور نام ہے جس کا پہلی وحی میں یوں تعارف کروایا گیا۔

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ (العلق: ۱)

’’اس رب کے نام سے پڑھیں جس نے انسان کو خون کے ایک لوتھڑے سے پیدا کیا ہے۔‘‘

یہی وہ صفت ہے جسے الفاتحہ کی ابتدا میں رکھا گیا ہے گویا کہ قرآن کی ابتدا اور انتہاء اسی صفت پر ہو رہی ہے حقیقت یہ ہے کہ جس نے اپنے رب کو پہچان لیا وہ اپنے رب کا باغی نہیں ہوسکتا۔

پھاڑنے کی حقیقی قوت صرف ایک ’’رب‘‘ کے پاس ہے۔ اس لیے انسان کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ ہر دم اپنے رب کی پناہ طلب کیا کرے۔ ’’عُوْذٌ‘‘ چوپائے کے اس بچے کو کہتے ہیں جسے رحمِ مادر سے نکلنے کے بعد چلنے میں دشواری پیش آتی ہے ، اس وجہ سے وہ لڑکھڑا کر گرتا اور اٹھتا ہے۔ ’’عُــــوْذٌ‘‘ کا لفظ لا کر یہ بتلایا ہے کہ اے انسان! تو شیطان اور مخلوق کی شر کے مقابلے میں اس طرح ہی کمزور ہے جس طرح چوپائے کا بچہ پیدا ہونے کے وقت لاغر اور کمزور ہوتا ہے۔ شر کی نسبت مخلوق کی طرف اس لیے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان سمیت جو بھی چیز پیدا کی ہے اس میں منفی اور مثبت صلاحیتیں رکھی ہیں۔ ان الفاظ میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کو مخلوق کی مثبت صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور اس کے شر سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے رب سے اس یقین کے ساتھ پناہ طلب کرنی ہے کہ کوئی چیز بذاتِ خود نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان دے سکتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عقیدہ کی یوں ترجمانی فرمائی تھی:

((عَنْ عَابِسِ ابْنِ رَبِيْعَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ رَاَيْتُ عُمَرَ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ وَيَقُوْلُ اِنِّيْ لَاَ عْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ

مَّا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْلَا اَنِّی رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یُقَبِّلُ مَا قَبَّلْتُكَ))

(رواه البخاری: باب ما ذکر فی الحجر الاسود)

''حضرت عابس بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حجراسود چومتے دیکھا اور فرماتے ہوئے سُنا اے حجرِ اسود میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ تو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان دے سکتا ہے، اگر میں نے رسولِ اکرم ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے بوسہ نہ دیتا۔''

توحید کا عقیدہ اس قدر سادہ اور واضح ہونے کے باوجود شرک کرنے والوں کی حالت یہ ہے کہ وہ فوت شدگان اور مزارات ہی سے نہیں بلکہ بعض لوگ مزارات پر لگے ہوئے جھنڈوں اورمٹی کو بھی اپنے لیے برکت اور پناہ کا باعث سمجھتے ہیں، کچھ لوگوں نے پنج تن پاک کے نام پر اپنے مکانوں پر پنجے لگا رکھے ہیں کہ ان کی وجہ سے انہیں حفاظت اور برکت حاصل ہوتی ہے، یہاں تک کہ کمزورعقیدہ لوگ ہاتھ میں مخصوص کڑے پہنتے ہیں اور انگوٹھی کے نگینے کے لیے خاص قسم کے پتھر تلاش کرتے ہیں۔ یہ سب شیطان کے بہکانے کا نتیجہ ہے کہ جو ہرنیکی کے کام میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے اور انسان کو ہرقسم کی برائی کی طرف لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے عوذ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ اپنی اکثر دعاؤں کو اعوذ سے شروع کرتے تھے۔ یہاں شیطان اور پوری مخلوق کے شر سے ''اللہ'' کے حضور پناہ مانگنے کے بعد ان مخصوص چیزوں کے شر سے بھی پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جن سے انسان کو دوسری چیزوں کی نسبت نقصان پہنچنے کا جلد اندیشہ ہوتا ہے ان میں رات کا اندھیرا بھی شامل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اندھیرے کے فوائد بھی ہیں لیکن اس میں شر بھی مضمر ہوتی ہے۔ ڈاکو اور چوراندھیرے میں ہی دوسرے کا گھر لوٹنے کے لیے دلیر ہوتے ہیں، کیڑے مکوڑے بھی رات کو نکلتے ہیں جادوگر بھی اندھیرے کو پسند کرتے ہیں اس لیے جادو، ٹونا کرنے والے کالے کپڑے پہنتے ہیں اور تاریک کمرے میں بیٹھ کر شیطانی عمل کرتے ہیں۔ شیطانی عمل کرنے والوں میں وہ عورتیں سب سے زیادہ لوگوں کے عقائد اور مال و جان کو نقصان پہنچاتی ہیں جو جادو کے ذریعے گرہوں میں پھونکیں مارتی ہیں۔ ٹونا، جادو کرنے والوں کے ساتھ وہ لوگ بھی معاشرے کا ناسور ہیں جو حسد کی وجہ سے دوسروں کو نقصان پہنچاتے ہیں:

((عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا کَانَ جُنْحُ اللَّیْلِ اَوْ اَمْسَیْتُمْ فَکُفُّوْا صِبْیَانَکُمْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَنْتَشِرُ حِیْنَئِذٍ فَاِذَا ذَهَبَ سَاعَةٌ مِّنَ اللَّیْلِ فَخَلُّوْهُمْ وَاَغْلِقُوا الْاَبْوَابَ وَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَفْتَحُ بَابًا مُّغْلَقًا وَاَوْکُوْا قِرَبَکُمْ وَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰهِ وَخَمِّرُوْا اٰنِیَتَکُمْ وَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰهِ وَلَوْ اَنْ تَعْرِضُوْا عَلَیْهِ شَیْئًا وَاَطْفِئُوْا مَصَابِیْحَکُمْ)

(رواه البخاری: باب خیر مال المسلم غنم یتبع بها شعف الجبال)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا: جب رات چھا جائے، یا مغرب ہو

جائے، تو اپنے بچوں کو گھروں سے باہر نکلنے سے روکو، کیونکہ اس وقت شیطان گھومنے پھرنے لگ جاتے ہیں۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے تو اپنے بچوں کو آزاد کردو، دروازے بند رکھو اور انہیں بند کرتے وقت بسم اللہ پڑھو' کیونکہ شیطان بند دروازے نہیں کھولتا۔ بسم اللہ پڑھ کر مشکیزے کے منہ پر رسی باندھا کرو، اور اپنے برتنوں کو بسم اللہ پڑھ کر ڈھانپا کرو' اگرچہ ان پر کوئی معمولی چیز ہی کیوں نہ رکھی جائے، نیز سوتے وقت چراغوں کو بجھا دیا کرو۔''

حسد:

حسد ایسا مرض ہے کہ جو شخص اس میں مبتلا ہو جائے وہ حسد کی وجہ سے کسی کی عزت و تکریم کو برداشت نہیں کرتا، بسا اوقات یہ بیماری اس قدر خطرناک صورت اختیار کر جاتی ہے کہ حاسد کو اپنی عزت کا بھی خیال نہیں رہتا۔ اس لیے ایسے شخص کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِیَّاکُم وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ یَأْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَأْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ)) (رواہ ابوداؤد: کتاب الادب، باب فی الحسد)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیاں کھا جاتی ہے۔''

حسد کا علاج:

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا﴾ (النساء: ۳۲)

''اور اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ نے تمہیں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ مردوں کا اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو یقیناً اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔''

جادو:

عربی لغت کے لحاظ سے سحر کے کئی معانی بیان کیے گئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسا کلام یا عمل جس کے ذریعے شیطان کی قربت یا مدد حاصل کی جائے، جادو کا علم سیکھنا کفر ہے اس لیے اس سے منع کیا گیا ہے۔

جادو کفریہ' شرکیہ' اوٹ پٹانگ الفاظ یا جس طریقے سے بھی کیا جائے وہ کفر ہے:

﴿وَمَا كَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّیٰطِیْنَ كَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ (البقرة: ۱۰۲)

''سلیمان نے کفر نہیں کیا لیکن کفر تو شیطان کرتے تھے جو لوگوں کو جادو سکھلاتے تھے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ اَوْتُطُيِّرَلَهٗ اَوتَكَهَّنَ اَوْتُكُهِّنَ لَهٗ اَوْ سَحَرَ اَوْ سُحِرَ لَهٗ وَمَنْ اَتٰى كَا هِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَااُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ)) (الترغيب والترهيب)

''جو شخص فال نکالے یا اس کے لیے فال نکالی جائے، کوئی غیب کی خبریں دے یا اس کے لیے کوئی دوسرا ایسی خبر دے، کوئی خود جادوگر ہو یا دوسرا شخص اس کے لیے جادو کرے وہ ہم میں سے نہیں، جو کوئی ایسے شخص کے پاس جائے اور اسکی باتوں کی تصدیق کرے اس نے ہر اس بات کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہے۔''

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سُحِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى اِنَّهٗ لَيُخَيَّلُ اِلَيْهِ فَعَلَ الشَّيْءَ وَمَا فَعَلَهٗ حَتّٰى اِذَا كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ عِنْدِىْ دَعَااللّٰهَ وَدَعَاهُ ثُمَّ قَالَ اَشَعَرْتِ يَاعَائِشَةُ رضی اللہ عنہا اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَفْتَانِىْ فِيْمَا اسْتَفْتَيْتُهٗ جَاءَنِىْ رَجُلَانِ جَلَسَ اَحَدُهُمَا عِنْدَ رَاْسِىْ وَالْاٰخَرُ عِنْدَ رِجْلِىْ ثُمَّ قَالَ اَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهٖ مَا وَجَعُ الرَّجُلِ قَالَ مَطْبُوْبٌ قَالَ وَمَنْ طَبَّهٗ قَالَ لَبِيْدُ ابْنُ الْاَعْصَمِ الْيَهُوْدِىُّ قَالَ فِيْمَاذَا قَالَ فِىْ مُشْطٍ وَّمُشَاطَةٍ وَّجُفِّ طَلْعَةٍ ذَكَرٍ قَالَ فَاَيْنَ هُوَ قَالَ فِىْ بِئْرِ ذِىْ اَرْوَانَ فَذَهَبَ النَّبِىُّ ﷺ فِىْ اُنَاسٍ مِّنْ اَصْحَابِهٖ اِلَى الْبِئْرِ فَقَالَ هٰذِهِ الْبِئْرُ الَّتِىْ اُرِيْتُهَا وَكَاَنَّ مَاءَ هَا نُقَاعَةُ الْحِنَّاءِ وَكَاَنَّ نَخْلَهَا رُءُ وْسُ الشَّيَاطِيْنِ فَاسْتَخْرَجَهٗ۔))

(رواه البخاری : باب السحر)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ پر جادو کیا گیا آپ سوچتے کہ میں نے فلاں کام کر لیا ہے حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا۔ایک دن آپ میرے پاس تھے، فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور پھر بتلایا اے عائشہ! کیا تجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے میں نے جس چیز کی استدعا کی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کی مجھے خبر دے دی ہے، میرے پاس دو فرشتے آئے ان میں سے ایک میرے سر کی طرف بیٹھ گیا اور دوسرا میرے پاؤں کی طرف بیٹھا، ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے پوچھا اس شخص کو کیا بیماری ہے؟ دوسرے نے جواب دیا، اس پر جادو کیا گیا ہے، پہلے نے پوچھا آپ پر کس نے جادو کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا لبید بن اعصم یہودی نے، پہلے نے پوچھا کس چیز میں جادو کیا گیا ہے؟ دوسرے نے بتایا کہ کنگھی اور کنگھی میں پھنسے ہوئے بالوں اور نر کھجور کے خوشے کی جڑ میں، پہلے نے پوچھا وہ کہاں ہے؟ دوسرے نے بتایا ذی اروان نامی کنویں میں ہے۔ نبی ﷺ چند صحابہ کے ساتھ اس کنویں پر گئے اور آپ نے فرمایا: یہی وہ کنواں ہے، جو مجھے دکھایا گیا تھا۔اس کا پانی مہندی کے رنگ جیسا تھا اور اس کے پاس جو کھجوریں تھیں وہ شیاطین کے سروں کی مانند تھیں، آپ نے جادو

کی ہوئی چیزوں کو نکلوایا اور اس کے بعد آپ ٹھیک ہو گئے۔''
''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ اس کنویں کے درختوں سے بھی خوف محسوس ہوتا تھا۔ جب وہ پتلا وہاں سے نکالا گیا تو حضرت جبرائیل امین تشریف لائے توانہوں نے بالوں کی گرہیں کھولنے اور جادو کے اثرات ختم کرنے کے لیے فرمایا آپ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی ایک ایک آیت پڑھتے جائیں یہ گیارہ آیات ہیں اس طرح گیارہ گرہیں کھولتے ہوئے سوئیاں نکال دی جائیں آپ کی نگرانی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت اس طرح ہشاش بشاش ہو گئی جس طرح کسی جکڑے ہوئے انسان کو کھول دیا جائے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ رات سوتے وقت ان سورتوں کی تلاوت کر کے جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پہنچتے اپنے آپ کو دم کیا کرتے تھے جس کی تفصیل معوذتین کے باب میں بیان کی جائے گی۔'' (صحیح بخاری: کتاب الطب، باب السحر)

اس واقعہ پر ہونے والے اعتراضات اور ان کے جوابات:

غیر مسلم اور منکرینِ حدیث اس واقعہ پر اعتراضات کرتے ہوتے ہوئے درج ذیل سوالات اور شبہات پیدا کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کے اثرات تسلیم کر لیے جائیں تو کفار کے اس اعتراض کا جواب دینا مشکل ہو گا:

﴿وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا﴾ (الفرقان: ۸)

''اور ظالموں نے کہا کہ تم صرف ایک جادو زدہ آدمی کی پیروی کرتے ہو۔''

۱۔ اہل مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہونے کا الزام نبوت کے ابتدائی دور میں لگایا تھا یہ واقعہ مدینہ طیبہ میں صلح حدیبیہ کے بعد نبوت کے بیسویں سال پیش آیا یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی شخص نے اپنی تائید کے لیے اس اہل مکہ کے الزام کو ثبوت کے طور پر پیش نہیں کیا۔

۲۔ نبی پر جادو ہونا ناممکن نہیں کیونکہ آپ اپنی زندگی میں بیمار ہوئے اور غزوہ احد میں زخمی بھی ہوئے تھے بحیثیت انسان زندگی میں آپ کو کئی پریشانیاں اور جسمانی تکلفیں بھی اٹھانا پڑیں لہٰذا آپ پر جادو کا اثر انداز ہونا خلاف عقل نہیں ہے۔

۳۔ جادو کے اثرات نبوت کے امور پر اثر انداز نہیں ہوئے تھے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کی ذمہ داری کا ذمہ لیا ہوا ہے۔(القیامہ:۱۹) یہی وجہ ہے کہ اس تکلیف کے دوران کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مسئلہ اُلٹ بیان کر دیا ہو۔

جادو اور بیماری میں فرق:

بسا اوقات جادو اور بیماری کے اثرات یکساں ہوتے ہیں اس لیے سب سے پہلے ڈاکٹر سے علاج کروانا

چاہیے۔ میڈیکل رپورٹس کے بعد اگر یقین کی حد تک معلوم ہو جائے کہ مریض کو جسمانی بیماری نہیں اور مریض میں درج ذیل علامات پائی جائیں تو پھر جادو اور جناتی اثرات کو زائل کرنے کے لیے قرآن وسنت کے مطابق علاج کرنا چاہیے۔

جادو کی علامات:

①۔ بلاسبب میاں بیوی کے درمیان نفرت اور ایک دوسرے سے دور رہنے میں اطمینان محسوس کرنا۔

②۔ گھر میں بلاوجہ اختلافات بڑھتے جانا۔

③۔ گندہ رہنے میں سکون محسوس کرنا۔

④۔ ڈراؤنی چیزوں کا نظر آنا۔

⑤۔ کپڑوں پر خون کے چھینٹے پڑنا۔

⑥۔ چوری کی واردات کے بغیر چیزوں کا غائب ہو جانا۔

⑦۔ روحانی علاج کے وقت شیطانی علامات ظاہر ہونا۔

⑧۔ جسمانی عارضہ اور کسی واقعاتی پریشانی کے بغیر یک دم نسیان کا شکار ہونا۔

⑨۔ بغیر بیماری کے طبیعت میں چڑ چڑا پن پیدا ہونا اور اس کا روز بروز بڑھتے ہی جانا۔

⑩۔ ذکر الٰہی بالخصوص نماز اور تلاوت قرآن سے دل میں دوری پیدا ہونا۔

⑪۔ مارکیٹ تیز ہونے اور کاروباری رویّہ درست ہونے کے باوجود یک دَم کاروبار کا بند ہو جانا۔

جادو، ٹونے کا شرعی علاج:

جو شخص جادو یا جنات کے اثرات محسوس کرے اسے درج ذیل اقدامات کرنے چاہییں۔ کیونکہ دین نے ایسا کرنے کی رہنمائی فرمائی ہے۔

طہارت کا اہتمام:

طہارت اور صفائی کا خصوصی اہتمام کیا جائے اور ہر وقت باوضو رہنا سنّت بھی ہے اور مفید بھی ۔

خوشبو کا استعمال:

خوشبو کا استعمال کرنا سنت بھی ہے اور مفید بھی۔

تلاوت قرآن مجید اور کثرتِ ذکر:

ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہنا چاہیے خاص کر گھر میں قرآن مجید کی تلاوت اور نوافل پڑھنا۔ یاد رکھیے کہ قرآن مجید کی تلاوت کم از کم اتنی آواز میں ہونی چاہیے کہ پڑھنے والے کو قرآن مجید کے الفاظ سنائی دیں۔

دَم کرنا:

سورۃ البقرۃ، آیت الکرسی اور آخری تین سورتیں یعنی سورۃ اخلاص اور معوذتین کے ساتھ صبح ‘شام تین تین مرتبہ پڑھ کر اپنے آپ کو دم کرنا سنت ہے۔

مسلسل دُعا:

رسول کریم ﷺ پر جب جادو ہوا تو آپ اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا کرتے تھے۔ لہٰذا ایسی صورت حال میں مریض کو اٹھتے بیٹھتے ہر وقت دل اور زبان سے اللہ کے حضور اس مصیبت سے نجات کی التجائیں کرنی چاہئیں۔

اذان دینا:

اثرات زدہ گھر میں اذان کہنی چاہیے کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ اذان سن کر شیطان دُور بھاگ جاتا ہے۔

لعنت بھیجنا:

جادو کرنے، کروانے والے اور شیطان کو ذہن میں رکھتے ہوئے کثرت کے ساتھ درج ذیل الفاظ پڑھنا چاہییں کیونکہ جب نماز کی حالت میں ایک جن نے آگ کا بگولہ آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کے قریب کیا تھا تو آپ نے یہ الفاظ کہے تھے اور آپ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی لعنت کرنے والا لعنت کرتا ہے اگر وہ واقعتاً مظلوم ہے تو اسکی لعنت ظالم پر ضرور اثر انداز ہو گی۔

﴿عَلَيۡهِمۡ لَعۡنَةُ اللّٰهِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ﴾ (البقرة: ۱۶۱)

مسائل

۱۔ سب کو اپنے ’’رب‘‘ سے پناہ مانگنا چاہیے جو رات کے بعد صبح طلوع کرنے والا ہے۔

۲۔ رات کے اندھیرے اور ہر چیز کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے۔

۳۔ جادو، ٹونا کرنے والی عورتوں اور حاسد کے حسد سے پناہ مانگنی چاہیے۔

تفسیر بالقرآن

’’رب‘‘ کا معنی:

۱۔ لوگو! اس رب سے ڈر جاؤ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ (النساء: ۱)

۲۔ تمہارا رب ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں تم کہاں بہک گئے ہو؟ (المومن: ۶۲)

۳۔ اگر انھوں نے آپ کو جھٹلا دیا ہے تو آپ فرما دیں تمھارا رب وسیع رحمت والا ہے۔ (الانعام: ۱۴۷)

۴۔ یہ تمھارا رب ہے اس کے سوا دوسرا کوئی خالق نہیں۔ (الانعام: ۱۰۲)

سُورَةُ النَّاسِ مَكِّيَّة | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا: ١ اٰيَاتُهَا: ٦

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا ، نہایت مہربان ہے

قُلْ	اَعُوْذُ	بِرَبِّ النَّاسِ ①	مَلِكِ النَّاسِ ②	اِلٰهِ النَّاسِ ③
کہو	میں پناہ میں آتا ہوں	انسانوں کے رب کی	جوانسانوں کا بادشاہ ہے	جوانسانوں کا معبود ہے
مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ		الْخَنَّاسِ ④	الَّذِيْ	يُوَسْوِسُ
وسوسہ ڈالنے والے کی شر سے		جو چھپ کر وسوسہ ڈالتا ہے	وہ جو	وسوسہ ڈالتا ہے
فِيْ صُدُوْرِ	النَّاسِ ⑤	مِنَ الْجِنَّةِ	وَ	النَّاسِ ⑥
سینوں میں	لوگوں کے	جنّوں سے	اور	انسانوں سے

ع ٦ ٢٩

’’کہو ! کہ میں انسانوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔(۱) انسانوں کے بادشاہ کی۔(۲) انسانوں کے حقیقی معبود کی۔(۳) وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو چھپ کر وسوسہ ڈالتا ہے۔(۴) جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔(۵) وہ جنّوں سے ہے یا انسانوں سے۔‘‘(۶)

فہم القرآن

ربطِ سورت: اللہ تعالیٰ نے سورت الفلق میں اپنا تعارف رب الفلق کے نام سے کروایا ہے جس کا معنٰی ہے کہ مخلوق کو پھاڑنے کے عمل سے عدم سے وجود میں لانے والا ہے۔سورت النّاس میں یہ بتلایا ہے کہ وہی انسانوں کا ’’رب، حقیقی بادشاہ اور معبودِ برحق ہے اس لیے اس کی مخلوق بالخصوص جنوں اور انسانوں کی شر سے بچنے کے لیے اس کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔سورت النّاس کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی عظیم اور بابرکت کتاب کا اختتام فرمایا ہے۔گویا کہ یہ قرآن مجید کی آخری سورت ہے۔سورت فاتحہ کا آغاز رب العالمین کے الفاظ سے ہوا اور قرآن مجید کا اختتام ’’مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ‘‘ پر ہوا ہے۔یہ الفاظ استعمال فرما کر اشارہ کیا ہے کہ قرآن مجید جنّوں اور انسانوں کے لیے نازل کیا گیا ہے کیونکہ مخلوقات میں جِنّ اور انسان ہی ایسی مخلوق ہیں جنہیں احکام کا پابند بنایا گیا ہے۔اس لیے النّاس پر قرآن مجید، فرقانِ حمید کا اختتام فرما کر بتایا ہے کہ تمام مخلوقات میں انسان اور جِنّات ہی ایسی مخلوق ہیں جو سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے بشرطیکہ یہ شیطان کی شیطنت اور اپنے نفس کی شرارت سے بچ کر رہیں۔

سورت الفلق میں پوری مخلوق میں سے ان چیزوں کی شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا جن سے انسان کو نقصان پہنچنے کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے۔سورت النّاس میں اس سے پناہ مانگنے کا حکم ہے جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے

اور انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔اللہ تعالیٰ نے سورت النّاس کی پہلی تین آیات میں اپنی اُن تین صفات کا ذکر کیا ہے جو اس کی ساری صفات کی ترجمان ہیں۔

پہلی حقیقت یہ ہے کہ جو''رب'' مخلوق کو پیدا کرنے اوراس کی ضرورتیں پوری کرنے والا ہے اسی کوحقیقی مالک اورمعبودِ برحق ماننا چاہیے۔ یہاں ''رب'' کی صفت کے ساتھ النّاس کا لفظ لایا گیا ہے جس میں انسانوں کو یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ اے لوگو! جو تمہارا حقیقی پالنہار اور ہمیشہ ہمیش کا مالک ہے وہی تمہارا ''الٰہ'' ہے لہٰذا اس حقیقی ''الٰہ'' پر ایمان لاؤ اوراسی کا حکم مانو اورصرف اسی کی عبادت کرو یہی انبیائے کرام علیہم السلام اورقرآن مجید کی مرکزی دعوت ہے اور اسی کے لیے ہی تمہیں پیدا کیا گیا ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاريات : ٥٦)

''میں نے جنّوں اور انسانوں کوصرف اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔''

اس دعوت اورعبادت کے ساتھ شیطان جنّوں اورشیطان انسانوں کو سب سے زیادہ دشمنی ہے۔ ان کی کوشش ہے کہ ''رب'' کے بندوں کو اس کی عبادت اوراطاعت سے ہٹا کر دوسروں کی عبادت اور اطاعت پر لگادیا جائے۔ اس کے لیے شیطان جنّ اور شیطان صفت انسان ہر وقت کوشاں اور سازشیں کرتے رہتے ہیں، شیطانوں کی مذموم کوشش کا آغاز وسوسہ سے ہوتاہے۔ وسوسہ کا معنیٰ دل میں بُرے خیال کا پیدا ہونا ہے۔اسی لیے شیطان کے لیے ''خَنَّاس'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔''خَنَّاس'' کے مفسرین نے دومفہوم بیان کیے ہیں۔دلوں میں چھپ کر وسوسے ڈالنے والا اور بار بار پیچھے ہٹ کر آنے والا یہ دونوں عادتیں شیطان کی سرشت میں شامل ہیں۔ چاہے وہ جنّوں سے تعلق رکھنے والا ہو یا کسی انسان نے شیطان کا روپ دھارلیا ہو۔یادرہے! کہ نسلی طور پر شیطان جنّات سے ہے۔ (الکھف:۵۰،الحجر:۲۷)

شیطان کی شیطنت کا آغاز وسوسوں سے ہوتاہے اورہر برائی وسوسے سے جنم لیتی ہے ،اگر انسان بُرے خیال پر قابو پالے تو وہ برائی سے بچ سکتا ہے ،اگربُرے خیال کو دل میں پنپنے کا موقع دے تو بالآخر انسان اس برائی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کولوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کی مہلت دی ہے جس کا اس نے بارگاہِ ایزدی میں یوں اظہار کیا تھا۔اس سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ انسان اپنے رب کی پناہ طلب کرتارہے۔(فصلت:۳۶)

﴿قَالَ أَنْظِرْنِيْٓ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَo قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَo قَالَ فَبِمَآ أَغْوَيْتَنِيْ لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَo ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَo قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِيْنَ﴾ (الاعراف : ١٤ تا ١٨)

''اس نے کہا مجھے اس دن تک مہلت دے جب وہ اٹھائے جائیں گے۔فرمایا بے شک تو مہلت دیے جانے والوں سے ہے۔اس نے کہا جس وجہ سے تونے مجھے گمراہ کیا میں ضرور ان کے لیے تیرے

سیدھے راستے پر بیٹھوں گا۔ پھر میں ہر صورت ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی دائیں طرف سے اور ان کی بائیں طرف سے آؤں گا۔ تو ان میں سے اکثر کو شکر کرنے والے نہیں پائے گا۔ فرمایا اس سے نکل جا، ذلیل ہو کر، دھتکارا ہوا، بے شک ان میں سے جو تیرے پیچھے چلے گا میں تم سب سے ضرور جہنم کو بھروں گا۔''

((عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ ﷺ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ .... إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ......)) (رواه البخاری: کتاب الإعتکاف، باب زیارة المرأة زوجها في اعتکافه)

''حضرت علی بن حسین ﷺ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا یقیناً شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔''

((عَنْ أَبِی سَعِيْدِنِالْخُدْرِیِّ ﷺ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ ثَلَاثًا ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا ثَلَاثًا أَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ)) (رواه ابو داود: باب مَنْ رَأَى الإِسْتِفْتَاحَ بِسُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ)

''حضرت ابو سعید خدری ﷺ بیان کرتے ہیں جب رات کو رسول اللہ ﷺ قیام کرتے تو اللہ اکبر کہتے پھر یہ دعا پڑھتے اے اللہ! تو پاک ہے۔ میں تیری تعریف بیان کرتا ہوں نام تیرا بابرکت ہے اور تیری شان بلند و بالا ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر تین بار ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' کہتے پھر تین بار اللہ اکبر کہتے۔ اس کے بعد یہ پڑھتے اللہ کے نام کے ساتھ جو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ میں شیطان مردود کے وسوسہ، تکبر، غرور اور اس کی چھیڑ چھاڑ سے پناہ طلب کرتا ہوں۔''

((عَنْ عَائِشَةَ ﷺ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَوٰى إِلَى فِرَاشِهٖ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيْهِمَا فَقَرَأَ فِيْهِمَا ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ وَ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ وَ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهٖ يَفْعَلُ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔ جَسَدِهٖ يَبْدَأُ بِهِمَا عَلٰى رَأْسِهٖ وَوَجْهِهٖ وَمَا اَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهٖ يَفْعَلُ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔))

(رواہ مسلم: باب فضل قل هو الله احد)

''حضرت عائشہ ﷺ بیان کرتی ہیں نبی کریم ﷺ رات کو اپنے بستر پر سونے کے لیے جاتے تو سورۃ الاخلاص، الفلق اور النّاس تلاوت کرکے اپنے دونوں ہاتھوں میں پھونک کر جہاں تک ممکن ہوتا اپنے جسم پر پھیرتے۔ آغاز سر، چہرے اور جسم کے سامنے والے حصے سے کرتے ہوئے یہ عمل تین بار کرتے۔''

سورۃ الفلق اورالنّاس میں اللہ تعالیٰ نے اپنا اسم ''اللہ'' استعمال کرنے کی بجائے بار بار ''رب'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اسم ''اللہ'' میں جلالت اوردبدبہ پایا جاتا ہے۔ ''رب'' کے لفظ میں بندے کو اپنے رب کی قربت اور شفقت کا احساس ہوتا ہے۔اس قربت اور شفقت کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے رب سے یوں دعا کرے کہ اے میرے رب! تو داتا ہے اورمیں فقیر ہوں، تو طاقتور ہے اورمیں ضعیف ہوں،تو پناہ دینے والا ہے اورمیں پناہ کا طالب ہوں اس لیے میری عاجزانہ التجا ہے کہ مجھے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھتے ہوئے اپنی مخلوق بالخصوص شیطان جنوں اور انسانوں کی شر سے محفوظ فرمائے رکھنا۔آمین یا رب العالمین!

مسائل

١۔ آدمی کو شیطان جنوں اور انسانوں سے ہر وقت اپنے رب کی پناہ طلب کرتے رہنا چاہیے۔
٢۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کا رب ،بادشاہ اورمعبودِ برحق ہے۔٣۔ شیطان لوگوں کے دلوں میں باربار وسوسے ڈالتا ہے۔
٤۔ جنوّں اورانسانوں میں شیطان ہوتے ہیں۔

تفسیر بالقرآن

الٰہ کا معنٰی اور انبیاء کرام ؑ کی دعوت:

١۔ الٰہ کا معنٰی معبود وہ ایک ہی ہے۔(البقرۃ:١٦٣)٢۔الٰہ کا معنٰی مشکل کشا، حاجت روا۔(المؤمن:٦٥)
٣۔ اللہ تمھارا رب ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہی ہر چیز کا خالق ہے۔(الانعام:١٠٢)
٤۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا دو الٰہ نہ بناؤ الٰہ ایک ہی ہے(النحل:٥١) ٥۔الٰہ تمھارا ایک اللہ ہی ہے۔(طٰہٰ:٩٨)
٦۔ کیا اللہ کے سوا کوئی الٰہ ہے؟اللہ تعالیٰ شراکت داری سے پاک ہے۔(الطّور:٤٣)
٧۔ اللہ کے سواکسی کی عبادت نہ کرو مجھے بشیر اورنذیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔(ہود:٢)
٨۔ حضرت نوح ؑ نے اپنی قوم کوایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی اورشیاطین کی عبادت نہ کرو۔(المومنون:٢٣)
٩۔ حضرت ہود ؑ نے ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی۔اورغیر اللہ کی عبادت سے روکا۔(الاعراف:٦٥)
١٠۔ حضرت صالح ؑ نے ایک اللہ کی عبادت کے لیے بلایااور ماسوائے اللہ کے دوسروں کی عبادت کو شیطان کی عبادت قرار دیا۔(الاعراف:٧٣)
١١۔ حضرت شعیب ؑ نے ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا اور اس کے سوا دوسروں کی عبادت سے منع کیا۔(ہود:٨٤)
١٢۔ تمام امتوں کی طرف رسول بھیجے گئے اور سبھی نے ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی۔(النمل:٣٦)

"وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ"

"اور اُس کا کوئی ہمسر نہیں"

"کُفُوْ" کا معنٰی ہے ایک دوسرے کا ہم پلّہ یا ہم مثل ہونا۔

ربِ ذوالجلال نے اس سورت کی دوسری آیت میں "لَمْ یَلِدْ" فرما کر اپنی ذات کے حوالے سے دوسروں کی نفی کی ہے "وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا أَحَدٌ" کہہ کر ذات اور صفات کے حوالے سے دونوں باتوں کی نفی کی گئی ہے کہ کسی اعتبار سے کوئی اللہ تعالیٰ کا ہم پلّہ اور ہم مثل نہیں ہے۔

عرب کے بہادر لوگ میدانِ جنگ میں اپنے مقابلے کے لیے کسی کو بلاتے تو اس کے لیے "کُفُوْ" کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ للکارنے والے کا یہ مقصد ہوتا کہ کوئی میرے جیسا بہادر ہے تو میرے سامنے آئے۔

حدیثِ مبارکہ میں "کُفُوْ" کا لفظ جوڑے کے لیے استعمال ہوا ہے جس کا معنٰی "برابر" ہے۔ بالکل نہ سہی تاہم بہت سی ظاہری اور جوہری خوبیوں کے حوالے سے میاں بیوی کا ایک جیسا ہونا:

((عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ؓ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَهُ يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا الصَّلَاةُ إِذَا آنَتْ وَالْجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ وَالْأَيِّمُ إِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفْؤًا)) (سنن ترمذی باب مَا جَاءَ فِي تَعْجِيلِ الْجَنَازَةِ)

"حضرت علی ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم ﷺ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے علی تین کاموں میں تاخیر نہ کرنا، نماز کا وقت ہو جائے تو اسے مؤخر نہ کرنا، جنازہ تیار ہو جائے تو اس میں تاخیر نہیں کرنا اور جب جوان لڑکی کا ہم پلّہ رشتہ مل جائے تو اس میں دیر نہ کرنا۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات، صفات اور اختیارات کے بارے میں "کُفُوْ" کا لفظ استعمال فرما کر اس بات کی نفی کی کہ نہ کوئی میرا ہم پلّہ ہے اور نہ کوئی میرا ہم مثل ہے۔ جب کوئی میرا ہم پلہ اور ہم مثل نہیں تو پھر اُس کی ذات، صفات اور اختیارات کے بارے میں کسی دوسرے کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ لہٰذا کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ یہ کہہ کر شرک کی حمایت کرے کہ اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور فوت شدہ بزرگ بھی سنتے ہیں، اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اور فوت شدہ بزرگ بھی دیکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ حافظ ہے اور بندے بھی حافظ ہوتے ہیں، اللہ بادشاہ ہے اور بندے بھی بادشاہ ہیں۔

﴿فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْأَمْثَالَ إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (النحل: ٧٤)

"پس اللہ کے لیے مثالیں پیش نہ کرو، یقیناً اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

کیونکہ

- اللہ تعالیٰ بصیر ہے کوئی اُس جیسا بصیر نہیں
- وہ سمیع ہے کوئی اُس جیسا سمیع نہیں
- وہ علیم ہے اُس جیسا کوئی علیم نہیں
- وہ حافظ ہے اُس جیسا کوئی نگران نہیں
- وہ قادر ہے اُس جیسی کوئی قدرت نہیں رکھتا
- وہ بادشاہ ہے اُس جیسا کوئی بادشاہ نہیں
- وہ مہربان ہے اُس جیسا کوئی مہربان نہیں